JAMIA FAROOQIA KARACHI

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
☆	افتتاحیہ از شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ	۲۹
☆☆	فقیہ الامۃ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی	۳۲
☆	نام ونسب	۳۳
☆	حضرت مفتی صاحب کے دادا جناب خلیل احمد صاحب قدس سرہ	۳۵
☆	والد محترم حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۳۶
☆	فراغت، تدریس	۳۶
☆	امر بالمعروف اور احتیاط	۳۶
☆	بیعت وارادت	۳۷
☆	علالت ووفات	۳۷
☆☆	حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ	۳۸
☆	ولادت باسعادت	۳۸
☆	بسم اللہ	۳۸

www.besturdubooks.net

☆	ابتدائی تعلیم	۳۹
☆	حفظِ قرآن کریم	۳۹
☆	درسِ نظامی	۴۰
☆	مظاہر علوم میں حاضری	۴۰
☆	دارالعلوم دیوبند میں حاضری	۴۱
☆	بیعت	۴۲
☆	انتخابِ شیخ	۴۳
☆	بیعت کی درخواست اور شیخ کا امتحان	۴۳
☆	اجازت وخلافت	۴۳
☆	تدریس وافتاء اور مظاہر علوم میں تقرری	۴۳
☆	فتاویٰ سنانے میں ایک خاص معمول	۴۵
☆	بے مثال تواضع وکسرِ نفسی	۴۵
☆	شدتِ علالت کی بناء پر مظاہر علوم سے استعفیٰ	۴۶
☆	مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام	۴۶
☆	پونہ میں قیام	۴۷
☆	جامع العلوم کانپور کے لئے حضرت حکیم الامت کا انتخاب	۴۷
☆	جامع العلوم کانپور کے لئے اصلاحی مساعی	۴۸
☆	جامع العلوم کانپور سے مظاہر علوم سہارنپور واپسی کی تجویز	۴۹
☆	دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے لئے تقرر وانتخاب	۵۰
☆	دارالعلوم دیوبند تشریف آوری	۵۱
☆	قیام گاہ	۵۲
☆	دارالعلوم دیوبند میں درسِ بخاری شریف	۵۲

www.besturdubooks.net

☆	کیفیتِ درس	۵۳
☆	دارالعلوم سے مظاہر علوم مراجعت	۵۴
☆	جامعہ مظاہر علوم میں تشریف آوری	۵۴
☆	مظاہر علوم سے دارالعلوم مراجعت	۵۵
☆	دارالافتاء	۵۶
☆	طرزِ درس اور طلبہ سے بے تکلفی	۵۶
☆	افتاء و تفقہ	۵۷
☆	فتاویٰ پر اکابر کا اعتماد	۵۹
☆	نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز	۶۲
☆	مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز	۶۳
☆	رائے کی پختگی	۶۳
☆	فتاویٰ نویسی میں چند عاداتِ مبارکہ	۶۴
☆	دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق	۶۷
☆	تمرینِ فتاویٰ	۶۷
☆	فقہ و فتاویٰ میں مناسبت پیدا کرنے کی تدبیر	۶۹
☆	فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے طلبہ کی تیاری	۷۰
☆	امراض و تکالیف اور آپریشن	۷۱
☆	قبض اور ہچکیوں کی تکلیف	۷۱
☆	فالج کا حملہ اور آپریشن کے ذریعے مشین کی فٹنگ	۷۴
☆	غیر اختیاری سنت پر عمل اور سحر کا اثر	۷۵
☆	شدتِ علالت اور آپریشن	۷۶
☆	آخری دعاء اور آخری حدیث شریف	۷۸

www.besturdubooks.net

☆	دنیا سے انقطاعِ کلی	۷۸
☆	مرض الوفات	۷۸
☆	نمازِ جنازہ	۷۹
☆	تدفین	۸۰
☆☆	مفتی حضرت مولانا الحاج سید عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۸۱
☆	درس و تدریس	۸۱
☆	اہتمام و انتظام	۸۲
☆☆	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۸۳
☆	ولادتِ سعید	۸۳
☆	ابتدائی تعلیم	۸۳
☆	مظاہر علوم میں تقرر اور ایک خاص واقعہ	۸۵
☆	سفرِ حجاز اور مفتی کے عہدہ پر فائز ہونا	۸۵
☆	بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات	۸۶
☆	حضرت شیخ کا دوستانہ تعلق	۸۶
☆	محتاط زندگی گزارنے کا عجیب وغریب قصہ	۸۷
☆	بیعت وارشاد	۸۹
☆	بچوں کی تربیت کا انوکھا انداز	۸۹
☆	آپ کے درس کی خصوصیات	۹۰
☆	تواضع، سادگی اور فقیرانہ زندگی	۹۱
☆	دو خاص نصیحتیں	۹۲
☆	اوصافِ حمیدہ	۹۳
☆	تالیفات وتصنیفات	۹۳

www.besturdubooks.net

☆	علالت، وفات اور آخری وصیت	۹۴
☆☆	حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۹۶
☆☆	فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی نظام الدین دامت برکاتہم	۹۸
☆	ولادت با سعادت	۹۸
☆	تعلیم و تربیت	۹۸
☆	تصانیف	۱۰۰
☆☆	مقدمہ	۱۰۳
☆	فتویٰ کی لغوی تعریف	۱۰۳
☆	اصطلاحی تعریف	۱۰۶
☆	فتویٰ کا تاریخی پس منظر	۱۰۷
☆	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ	۱۰۷
☆	صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ	۱۰۹
☆	تابعین کے دور میں فتویٰ	۱۱۰
☆	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ	۱۱۱
☆	استنباطِ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ	۱۱۳
☆	امام صاحب کے شاگرد	۱۱۴
☆	فقہ حنفی بطور قانون	۱۱۴
☆	سلطنتِ مغلیہ کے بعد فتویٰ	۱۱۵
☆	فتویٰ کی اہمیت	۱۱۵
☆	مفتی کا مقام	۱۱۷
☆	مفتی کے شرائط	۱۱۸
☆	مفتی کا فریضہ	۱۱۹

www.besturdubooks.net

☆	فتوی دینے میں احتیاط	۱۲۰
☆	لاادری	۱۲۳
☆☆	**کچھ فتاوی محمودیہ کے بارے میں**	۱۲۶
☆	حضرات علمائے دیوبند اور اعتدال پسندی	۱۲۶
☆	حضرت مفتی محمود حسن صاحب اور فتاوی نویسی	۱۳۱
☆	حضرت مفتی صاحب اور طریقہ فتوی نویسی	۱۳۲
☆	وسعت نظر اور استحضار جزئیات	۱۳۸
☆	حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی	۱۳۹
☆	جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہ اعتدال	۱۴۰
☆	حضرات صحابہ کرام اور راہ اعتدال	۱۴۴
☆	تصوف اور اعتدال پسندی	۱۴۷
☆	مدارس اور راہ اعتدال	۱۵۰
☆	جمہوریت اور راہ اعتدال	۱۵۲
☆	اختلافی مسائل اور راہ اعتدال	۱۵۷
☆	فروعی اختلافی مسائل اور راہ اعتدال	۱۵۹
☆	دعوت وتبلیغ اور راہ اعتدال	۱۵۹
☆☆	**فتاوی محمودیہ کی خصوصیات**	۱۶۴
☆☆	**فتاوی محمودیہ پر کام کرنے کی نوعیت**	۱۶۲
☆	تبویب وترتیب	۱۶۲
☆	تخریج	۱۶۸
☆	تخریج کا طریقہ	۱۶۸
☆	عنوانات کی تسہیل وتوضیح	۱۶۹

www.besturdubooks.net

☆	ہندی الفاظ کا ترجمہ	۱۶۹
☆	ہندی ہندسوں کی وضاحت	۱۶۹
☆	غیر مفتی بہ اقوال کی نشاندہی	۱۶۹
☆	علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام	۱۷۰
☆	اظہارِ تشکر	۱۷۰

☆......☆......☆

کتاب الإیمان و العقائد

مایتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

۱	اسلام کیا ہے؟	۱۷۳
۲	ایمان کی بنیاد	۱۷۳
۳	ایمان میں کمی وزیادتی	۱۷۴
۴	کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ثبوت	۱۷۸
۵	جملہ خبریہ کی تعریف اور کلمۂ توحید	۱۸۱
۶	توحید کی تشریح	۱۸۲
۷	مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت کی ضرورت	۱۸۳
۸	مسلمان ہونے والے کو فوراً مسلمان کرنا چاہیے	۱۸۴
۹	غیر مسلم کس طرح مسلمان ہوتا ہے؟	۱۸۵
۱۰	نومسلم کب تک نومسلم رہے گا؟	۱۸۸

www.besturdubooks.net

۱۱	صفتِ احدیت	۱۸۸
۱۲	قدرت	۱۸۹
۱۳	ضروریاتِ دین کی تفصیل	۱۸۹
۱۴	ایمان بالرسول اجمالاً کافی ہے، یا اوصاف کے ساتھ؟	۱۹۰
۱۵	قرآن پر ایمان کا مطلب	۱۹۱
۱۶	فطرت پر ہونے کی تشریح	۱۹۲
۱۷	امتِ دعوت واجابت	۱۹۳
۱۸	وسوسۂ شیطانی سے ایمان زائل نہیں ہوتا	۱۹۵
۱۹	دینیات میں وسوسہ اوراس کا علاج	۱۹۶
۲۰	مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا	۱۹۷
۲۱	زمانہ کو بُرا کہنے کی ممانعت اور مفتی قدرت اللہ صاحب کی تقریر	۱۹۸
۲۲	زمانہ کو برا کہنا	۲۰۱
۲۳	احکام اسلام کو اپنانا اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کا کام ہے	۲۰۱
۲۴	کراماً کاتبین کی تعداد	۲۰۲
۲۵	تجدیدِ ایمان کا طریقہ	۲۰۳
۲۶	ایضاً	۲۰۵
۲۷	نجات کس ایمان پر ہے؟	۲۰۶
۲۸	کیا محض ایمان پر جنت کی بشارت ہے؟	۲۰۷
۲۹	اخیر وقت کا اسلام	۲۰۸
۳۰	خاتمہ بالخیر	۲۰۹

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

۳	مسئلہ تقدیر	۲۱۰
۳۲	تقدیر مبرم اور معلق	۲۱۱
۳۳	تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب	۲۱۲
۳۴	مشیت ایزدی تقدیر ہے	۲۱۴
۳۵	کیا تقدیر پر ایمان لانے سے جبر لازم نہیں آتا؟	۲۱۵
۳۶	تقدیر کے مسئلہ پر اشکال	۲۱۷
۳۷	کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟	۲۱۸
۳۸	انسان سے برے کام کیا اللہ تعالیٰ کراتا ہے؟	۲۲۱
۳۹	ہر ایک کا ارادہ خدا کے ارادے کے تابع ہے	۲۲۱
۴۰	انسان مختار ہے یا مجبور؟	۲۲۳
۴۱	ایضاً	۲۲۴
۴۲	خودکشی کرنے والے کی موت خود اس کے قبضے میں نہیں	۲۲۵
۴۳	وقت سے پہلے موت نہیں آتی	۲۲۶
۴۴	خلقت انسانی کی غایت	۲۲۶
۴۵	غریب کی غریب سے شادی تقدیری ہے یا کوشش سے؟	۲۲۷
۴۶	معصوم بچے کس قصور کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں؟	۲۲۸
۴۷	معصوم بچوں کے بیمار ہونے کا سبب	۲۲۹
۴۸	اولاد الزنا کا کیا قصور ہے؟	۲۳۰

www.besturdubooks.net

مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ

(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

۴۹	بدشگونی	۲۳۱
۵۰	کیا عورت، گھر، گھوڑے میں نحوست ہے؟	۲۳۲
۵۱	متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں	۲۳۳
۵۲	دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں	۲۳۴
۵۳	دو بھائیوں کی شادی، دو بہنوں سے کرنے کو منحوس سمجھنا	۲۳۴
۵۴	کیا رات کو قرض دینا منحوس ہے؟	۲۳۵
۵۵	منگل اور بدھ کو حجامت بنوانا	۲۳۶
۵۶	چند بے اصل بدفالیاں	۲۳۶
۵۷	چاند جب عقرب میں ہو تو کام شروع کیا جائے یا نہیں؟	۲۳۷
۵۸	قطب تارہ کی طرف پیر پھیلانا	۲۳۷
۵۹	تیسری رات کا چاند نہ دیکھنا اور اس کی کہانی سننا	۲۳۷
۶۰	سورج یا چاند گرہن کے وقت کھانا	۲۳۸
۶۱	روزانہ ایک پیسہ رات کو امانت رکھ کر صبح کو واپس لینا	۲۳۸
۶۲	جھاڑ کا استعمال	۲۳۹
۶۳	وبا کی بستی سے نکلنا	۲۳۹
۶۴	مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط	۲۴۰
۶۵	چیچک والے کے لئے چند مخصوص چیزیں	۲۴۲
۶۶	تعمیرِ مکان کے لئے وقت مقرر نہیں	۲۴۳

www.besturdubooks.net

باب العقائد

مایتعلق باللہ تعالیٰ وصفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

۶۷	عقیدہ کی تعریف	۲۴۳
۶۸	اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟	۲۴۳
۶۹	خدا کے لئے جہت کا ماننا	۲۴۶
۷۰	نورنامہ کا ایک شعر (خدا کے لئے جسم ماننا)	۲۴۶
۷۱	کیا خدا ہر شی میں ہے؟	۲۴۷
۷۲	اللہ تعالیٰ کا ہر شی میں حلول کرنے کا عقیدہ	۲۴۸
۷۳	''اللہ تعالیٰ قادر ہے، جو چاہے، دکھلاوے'' عقیدہ پر اشکال	۲۵۰
۷۴	اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہیں تو دشمنوں کے بیچ میں کریں، نہ چاہیں نہ کریں	۲۵۲
۷۵	کیا اللہ تعالیٰ اونگھنے پر قادر ہے؟	۲۵۶
۷۶	خالق مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟	۲۵۷
۷۷	امکانِ کذب	۲۵۷
۷۸	مسئلہ امکان کذب اور ''فتح المبین'' میں تلبیس	۲۶۰
۷۹	محال کے ساتھ ممکن ماننا	۲۶۳
۸۰	کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں؟	۲۶۳
۸۱	کیا ہر وقت دیدارِ خداوندی ممکن ہے؟	۲۶۶
۸۲	اللہ میاں کہنا	۲۶۷
۸۳	کیا ''گاڈ'' خدا کا نام ہے؟	۲۶۷
۸۴	اسمائے الٰہی دوسری زبانوں میں	۲۶۸

www.besturdubooks.net

۸۵	اسمائے الٰہی میں الحاد کا مطلب	۲۷۱

مایتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ وصفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

۸۶	شرک کی تفصیل	۲۷۳
۸۷	شرک فی وجود الوجوب	۲۷۴
۸۸	کافر ومشرک میں فرق	۲۷۵
۸۹	مشرک اور کافر میں فرق	۲۷۷
۹۰	صفات باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کرنا	۲۷۸
۹۱	کیا اولیاء کو ذاتی قدرت ہے؟	۲۷۸
۹۲	کیا اولیاء پر موت طاری نہیں ہوتی؟	۲۸۰
۹۳	کسی بزرگ کی دوہائی	۲۸۱
۹۴	شہید بابا پر دونے چڑھانا	۲۸۲
۹۵	کسی پیر کے نام بچے کے سر پر چوٹی رکھنا	۲۸۲
۹۶	کسی مردہ بزرگ کا کسی انسان میں حلول کرنا	۲۸۳
۹۷	گمراہ مرشد کے کہنے سے قبر کو سجدہ کرنے کا حکم	۲۸۳
۹۸	قبروں کو سجدہ کرنا اور چومنا	۲۸۵
۹۹	پیر ومرشد کو سجدہ کرنا	۲۸۶
۱۰۰	مصنوعی قبر کی پرستش	۲۸۷
۱۰۱	پیران پیر کا کلمہ اور جلوس	۲۸۸
۱۰۲	کیا عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے بال گھٹ جاتے ہیں؟	۲۸۸
۱۰۳	بڑے پیر صاحب کا ملک الموت سے ارواح کو چھین کر زندہ کر دینا	۲۸۹
۱۰۴	کیا بڑے پیر صاحب اور شمس تبریز نے مردوں کو زندہ کیا؟	۲۸۹

www.besturdubooks.net

۱۰۵	بزرگ کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہنچنا	۲۹۰
۱۰۶	پیر بزرگ کی سواری کا آنا	۲۹۱
۱۰۷	کیا بوعلی شاہ قلندر کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں؟	۲۹۲
۱۰۸	صاحب مزار کے متعلق عقیدہ	۲۹۲
۱۰۹	ایک شیعہ پیر کے عقائد وخیالات	۲۹۳
۱۱۰	پیر کو حاجت روا سمجھنا	۲۹۶
۱۱۱	پوجا کے لئے چندہ اور پوجا کی مٹھائی کھانا	۲۹۸
۱۱۲	اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا	۲۹۹
۱۱۳	درگا پوجا میں چندہ دینے والے کا حکم	۳۰۱
۱۱۴	مشرکانہ طریقے پر کنویں کے افتتاح میں شرکت	۳۰۱
۱۱۵	کیا کسی خاص کنویں کے پانی میں شفاء ہے؟	۳۰۳
۱۱۶	کسی خاص درخت سے شفاء حاصل کرنا	۳۰۴
۱۱۷	درخت کے پاس بیٹھنے سے شفاء	۳۰۶
۱۱۸	کامیابی کے لئے ایک درخت کے نیچے خاص ہیئت اختیار کرنا	۳۰۷
۱۱۹	قبر کی مٹی سے شفا	۳۰۸
۱۲۰	بدعات شرکیہ	۳۰۹
۱۲۱	قبر پر چراغ، منت، ذبح، سجدہ وغیرہ	۳۱۲
۱۲۲	مزارات پر عورتوں کا جانا اور منت مانگنا	۳۱۳
۱۲۳	قبور کا چڑھاوا	۳۱۴
۱۲۴	مزارات کا چڑھاوا	۳۱۵
۱۲۵	مزاروں کا چکر	۳۱۶
۱۲۶	قبروں کا طواف کرنا اور چومنا	۳۱۷

www.besturdubooks.net

۱۲۷	نذرانۂ مزارات کی تفصیل	۳۱۸
۱۲۸	بن بیوی، خدابرکت، پانچ پیر مزار پر نذرانے	۳۲۴
۱۲۹	دریا کے نام پر ذبح اور تصدق	۳۲۵
۱۳۰	''بھوک'' کا جانور ذبح کرنا اور کھانا	۳۲۷
۱۳۱	بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم	۳۲۸
۱۳۲	دیوی، دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء کا حکم	۳۳۰
۱۳۳	اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم	۳۳۰
۱۳۴	کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا	۳۳۱
۱۳۵	غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ سے گائے گابن کرانا	۳۳۲
۱۳۶	پیر کے نام بکرا ذبح کرنے سے حلال نہیں	۳۳۳
۱۳۷	حضرت سید سالار غازی مسعود کی نذر	۳۳۴
۱۳۸	اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا	۳۳۵
۱۳۹	غیر اللہ کے نام کا جانور	۳۳۶
۱۴۰	بھینٹ کا مرغا	۳۳۶
۱۴۱	غیر اللہ کے نام پر نذر مشرکانہ عمل ہے	۳۳۷
۱۴۲	النذر لغیر اللہ	۳۳۹
۱۴۳	نذر لغیر اللہ کا حکم	۳۴۰
۱۴۴	نذر لغیر اللہ	۳۴۱
۱۴۵	غیر اللہ کی نذر کا کھانا کیا کیا جائے؟	۳۴۳

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

۱۴۶	الاستغاثۃ	۳۴۵

www.besturdubooks.net

۱۴۷	ندا الأموات	۳۴۵
۱۴۸	انبیاء کرام کو پکارنا	۳۴۷
۱۴۹	اولیاء اللہ سے مدد مانگنا	۳۴۸
۱۵۰	پیرانِ پیر سے مدد مانگنا	۳۴۹
۱۵۱	پیرانِ پیر سے مدد مانگنے سے متعلق شعر کا حکم	۳۵۰
۱۵۲	پیر وفقیر سے حاجتیں مانگنا	۳۵۱
۱۵۳	طلب الحاجة من اهل القبور	۳۵۳
۱۵۴	اولیاء سے استمداد	۳۵۳
۱۵۵	استمداد	۳۵۴
۱۵۶	اہلِ قبور سے استمداد	۳۵۵
۱۵۷	غیر اللہ سے مدد طلب کرنا	۳۵۶
۱۵۸	صاحبِ قبر سے دعا کی درخواست	۳۵۷
۱۵۹	مُردوں سے قبولِ دعا کی درخواست	۳۵۸
۱۶۰	’’یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ‘‘ کہنا یا پڑھنا	۳۵۹
۱۶۱	’’یا شیخ عبدالقادر جیلانی‘‘ کا وظیفہ	۳۶۰
۱۶۲	’’یا غوث‘‘ کہنا	۳۶۱
۱۶۳	’’یا غوث الأعظم المدد‘‘ پکارنا	۳۶۲
۱۶۴	’’یا علی مشکل کشا‘‘ کہنے کا حکم	۳۶۲
۱۶۵	چند اَشعار اور علی مشکل کشا کہنا	۳۶۳
۱۶۶	’’یا رسول اللہ‘‘ کہنا	۳۶۵
۱۶۷	اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب	۳۶۵
۱۶۸	ایک شعر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب	۳۶۷

www.besturdubooks.net

۱۶۹	بھگوان سے مدد مانگنا	۳۶۷
۱۷۰	''دیوانِ وطن'' کے شرکیہ اشعار	۳۶۸
۱۷۱	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے اشعار پر اعتراض	۳۷۰

مایتعلق بالأنبیاء علیهم السلام وأتباعهم

(انبیائے کرام اور ان کے متبعین)

۱۷۲	نبوت تشریعی وغیر تشریعی	۳۷۲
۱۷۳	ختم نبوت ذاتی سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' کی عبارت پر اشکال کا جواب	۳۷۲
۱۷۴	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب	۳۷۴
۱۷۵	کیا شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے؟	۳۷۵
۱۷۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات (از بہار شریعت)	۳۷۶
۱۷۷	کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نائبِ مطلق، مالک ومختار ہیں؟	۳۷۷
۱۷۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا	۳۷۹
۱۷۹	کیا نماز میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا نماز کو فاسد کردیتا ہے؟	۳۸۰
۱۸۰	تشہد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور	۳۸۲
۱۸۱	کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ سے گرنے کا ارادہ کیا؟	۳۸۳
۱۸۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ابا جان'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''امی جان'' کہنا	۳۸۴
۱۸۳	کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟	۳۸۶
۱۸۴	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا	۳۸۷
۱۸۵	تمام امت مسلمہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا	۳۸۹
۱۸۶	روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دستِ مبارک کا نکلنا	۳۹۰
۱۸۷	قبرِ اطہر سے دستِ مبارک کا کسی کے لئے نکلنا	۳۹۱
۱۸۸	شقِ صدر اور معراج	۳۹۳

www.besturdubooks.net

۱۸۹	معراج میں رؤیت	۳۹۶
۱۹۰	معراج میں اہلِ جنت ودوزخ کو دیکھنا، جب کہ ابھی تک قیامت قائم نہیں ہوئی	۳۹۸
۱۹۱	مقامِ محمود	۳۹۸
۱۹۲	مسئلۂ شفاعت	۳۹۹
۱۹۳	شفاعت اور افضلیتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۴۰۱
۱۹۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا	۴۰۴
۱۹۵	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کی بحث	۴۰۶
۱۹۶	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا وفات کے بعد زندہ ہونا اور کلمہ پڑھنا	۴۰۸
۱۹۷	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین محترمین کا ایمان	۴۰۹
۱۹۸	عصمتِ انبیاء علیہم السلام	۴۰۹
۱۹۹	معصوم کون لوگ ہیں؟	۴۱۱
۲۰۰	کیا کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟	۴۱۲
۲۰۱	کیا انبیاء علیہم السلام کو نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی؟	۴۱۲
۲۰۲	کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟	۴۱۳
۲۰۳	انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام	۴۱۴
۲۰۴	انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ	۴۱۵
۲۰۵	نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟	۴۱۶
۲۰۶	تعدادِ انبیاء علیہم السلام	۴۱۷
۲۰۷	تعددِ آدم علیہم السلام	۴۱۸
۲۰۸	سیدنا آدم علیہ السلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟	۴۱۹
۲۰۹	تخلیقِ بنی آدم پر اشکالات	۴۲۰
۲۱۰	شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو کس طرح بہکایا؟	۴۲۳

www.besturdubooks.net

۲۱۱	حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق ایک عقیدہ	۴۲۳
۲۱۲	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں؟	۴۲۴
۲۱۳	رفع عیسیٰ علیہ السلام	۴۳۰
۲۱۴	نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت تواتر سے	۴۳۲
۲۱۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی ہوں گے یا امتی؟	۴۳۴
۲۱۶	نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی حیثیت	۴۳۷
۲۱۷	ایضاً	۴۳۷
۲۱۸	ایک شعر میں مسیح وخضر سے کیا مراد ہے؟	۴۴۰
۲۱۹	حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۴۱
۲۲۰	حیاتِ حضرت خضر علیہ السلام	۴۴۲
۲۲۱	حیاتِ خضر علیہ السلام کی تحقیق	۴۴۴
۲۲۲	ہندوستان میں کون پیغمبر آئے؟ اور مُردوں کو جلانے کا حکم کس نے دیا؟	۴۴۶
۲۲۳	مہاتما بدھ، کرشن جی اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟	۴۴۸
۲۲۴	کیا گرونانک کو کوئی کتاب ملی ہے؟	۴۵۰
۲۲۵	رام کرشن جی سے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے؟	۴۵۱
۲۲۶	کرشن جی کے متعلق عقیدہ	۴۵۱
۲۲۷	رام لچھمن وغیرہ	۴۵۳
۲۲۸	دینِ اسلام ملائکہ کے ذریعے کیوں نہیں پھیلایا جاتا؟	۴۵۴
۲۲۹	انبیائے سابقین علیہم السلام کے اصحاب کا احترام	۴۵۵
۲۳۰	صحابہ سب عادل اور واجب الاحترام ہیں	۴۵۶
۲۳۱	اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت	۴۵۸
۲۳۲	صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم	۴۵۸

www.besturdubooks.net

۲۳۳	آلِ رسول کا مصداق	۴۶۳
۲۳۴	مدحِ صحابہؓ	۴۶۴
۲۳۵	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سنی تھے	۴۶۴
۲۳۶	کیا صحابی کی نعش کو دیکھنے والا تابعی ہے؟	۴۶۶
۲۳۷	امامِ مہدی	۴۶۶
۲۳۸	ایک جنین (غیر مولود) باتیں کرتا ہے، کیا وہ مہدی ہے؟	۴۶۸

مایتعلق بعلم الغیب

(علم غیب کا بیان)

۲۳۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جاننا	۴۷۱
۲۴۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں دیوبندی بریلوی اختلاف	۴۷۲
۲۴۱	عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح	۴۷۳
۲۴۲	علم غیب کلی عطائی	۴۸۱
۲۴۳	عقیدۂ علمِ غیب	۴۸۲
۲۴۴	علم غیب	۴۸۴
۲۴۵	علم الغیب	۴۸۶
۲۴۶	ایضاً	۴۸۷
۲۴۷	ایضاً	۴۸۸
۲۴۸	ایضاً	۴۸۹
۲۴۹	ایضاً	۴۹۵
۲۵۰	حضرت پیرانِ پیر کے متعلق عقیدۂ علمِ غیب	۴۹۸
۲۵۱	ایک شخص کا بعض مغیبات کی خبر دینا	۴۹۹
۲۵۲	تاریخی جنتریوں کی پیش گوئیاں	۵۰۰

www.besturdubooks.net

۲۵۳	ہاتھ دکھا کر مستقبل معلوم کرنا ناجائز ہے	۵۰۱

مایتعلق بالحاضر والناظر ، والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

۲۵۴	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ	۵۰۲
۲۵۵	عقیدۂ حاضر وناظر	۵۰۳
۲۵۶	حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا	۵۰۴
۲۵۷	حاضر وناظر کا عقیدہ	۵۰۵
۲۵۸	حاضر وناظر اور مقلب القلوب وغیرہ	۵۰۵
۲۵۹	کیا شاہد کا ترجمہ: حاضر وناظر ہے؟	۵۱۱
۲۶۰	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر بھی ہیں، نور بھی ہیں	۵۱۳
۲۶۱	بشریت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۵۱۵
۲۶۲	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بھی دیا گیا	۵۱۷

مایتعلق بالمعجزة والكرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

۲۶۳	معجزہ وکرامت	۵۱۸
۲۶۴	شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق	۵۱۹
۲۶۵	کرامت	۵۲۲
۲۶۶	غیر پابند شریعت سے خرقِ عادت کا صدور اور اس سے اجتناب	۵۲۲
۲۶۷	معارفِ قرآنیہ کا الہام	۵۲۴
۲۶۸	حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی کچھ مخصوص کرامات بیان کرنا	۵۲۵
۲۶۹	حضرت خواجہ اجمیریؒ کا تالاب خشک کرا دینا	۵۲۶

www.besturdubooks.net

مایتعلق بحیاۃ الأنبیاء وسماع الموتی

(حیات انبیاء اور سماع موتی کا بیان)

۲۷۰	حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۵۲۷
۲۷۱	ایضاً	۵۲۹
۲۷۲	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں	۵۳۲
۲۷۳	حیات انبیاء علیہم السلام	۵۳۳
۲۷۴	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی میں مل گئے؟ (استغفر اللہ)	۵۳۷
۲۷۵	مٹی کس کے جسم کو نہیں کھاتی؟	۵۳۷
۲۷۶	حیاتِ برزخیہ کی نوعیت	۵۳۸
۲۷۷	جسم شہید کی حرمت علی الارض کی تشریح، بیان القرآن کی ایک عبارت	۵۴۱
۲۷۸	حیاتِ شہداء اور وفات	۵۴۳
۲۷۹	سماع موتی	۵۴۶
۲۸۰	ایضاً	۵۴۷
۲۸۱	سماع موتی کی تفصیل	۵۵۱
۲۸۲	ایضاً	۵۵۴
۲۸۳	ایضاً	۵۵۶
۲۸۴	سماع موتی کے بارے میں چند سوالات	۵۶۲
۲۸۵	قبر میں میت کے لئے حیات ہے یا نہیں؟	۵۶۵
۲۸۶	دنیا سے رخصت شدہ بزرگ زندہ ہیں یا مردہ؟	۵۶۶
۲۸۷	مُردوں کا زندوں کے قدموں کی آواز سننا	۵۶۷
۲۸۸	قبر سے مُردہ کی آواز باہر والوں کا سننا	۵۶۸
۲۸۹	قبر کی زیارت کے وقت کیا میت کو اطلاع ہوتی ہے؟	۵۶۸

www.besturdubooks.net

۲۹۰	مُردوں کا اپنے جاننے والوں کو پہچاننا اور بخشوانا....................................	۵۶۹
۲۹۱	کیا مُردے زندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟....................................	۵۷۰

مایتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

۲۹۲	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا....................................	۵۷۲
۲۹۳	توسل کی صورتیں اور ایصالِ ثواب....................................	۵۷۳
۲۹۴	توسل....................................	۵۷۶
۲۹۵	التوسل فی الدعاء....................................	۵۷۷
۲۹۶	دعا میں توسل....................................	۵۷۸
۲۹۷	ایضاً....................................	۵۷۹
۲۹۸	وسیلہ سے دعا....................................	۵۸۰
۲۹۹	زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا....................................	۵۸۱
۳۰۰	سوال بر جوابِ مذکورہ....................................	۵۸۴
۳۰۱	توسل میں ابن تیمیہؒ کا قول....................................	۵۸۷
۳۰۲	مزارات پر حاضری اور توسل وغیرہ....................................	۵۸۹
۳۰۳	ایک نعت میں توسل سے دعا....................................	۵۹۱

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

۳۰۴	علیین، سجین کہاں ہیں؟....................................	۵۹۲
۳۰۵	مقامِ ارواح....................................	۵۹۳
۳۰۶	مرنے کے بعد روح کا مقام....................................	۵۹۷

www.besturdubooks.net

۳۰۷	بعد الموت مقامِ روح	۶۰۰
۳۰۸	مرنے کے بعد روح کا مقام	۶۰۱
۳۰۹	مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق	۶۰۲
۳۱۰	قبر میں مردہ میں روح ڈالی جائے گی	۶۰۲
۳۱۱	مرنے کے بعد روح کا شیطان کے قالب میں جانا	۶۰۳
۳۱۲	روح کا قبر یا مکان پر آنا	۶۰۴
۳۱۳	مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق	۶۰۴
۳۱۴	کیا مرنے کے بعد روح گھر آتی ہے؟	۶۰۵
۳۱۵	مخصوص ایام میں ارواح کا اپنے گھر آنا	۶۰۷
۳۱۶	کیا موت کے بعد ایک مہینہ تک روح مکان کے ارد گرد گھومتی ہے؟	۶۱۰
۳۱۷	میت کا تعلق زندوں سے	۶۱۱
۳۱۸	نئے مردے کا پہلے مُردوں سے ملنا	۶۱۲
۳۱۹	جو لوگ پہلے مر چکے ہیں، ان سے بعد میں مرنے والوں کی ملاقات	۶۱۳
۳۲۰	اموات کی باہمی ملاقات	۶۱۴
۳۲۱	بعد وفات بزرگوں کی ملاقات	۶۱۴
۳۲۲	بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کا دعویٰ	۶۱۵
۳۲۳	میت کا مدتِ دراز کے بعد سامنے آکر ملاقات کرنا	۶۱۷
۳۲۴	انبیاء واولیاء کا قبروں سے نکلنا	۶۱۷
۳۲۵	انتقال کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا	۶۱۸
۳۲۶	خواب میں میت کی طرف سے کسی بات کا علم ہونا	۶۱۹
۳۲۷	جہاں کی مٹی ہو، وہیں دفن ہوتا ہے	۶۲۰
۳۲۸	منکر نکیر کے ساتھ کیا شیطان بھی قبر میں جاتا ہے؟	۶۲۱

www.besturdubooks.net

۳۲۹	منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ''رومان'' فرشتہ کا آنا	۴۲۲
۳۳۰	منکر نکیر دونوں سوال کرتے ہیں، یا ان میں سے ایک؟	۴۲۳
۳۳۱	کیا قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟	۴۲۴
۳۳۲	بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا	۴۲۵
۳۳۳	نابالغ سے سوالِ منکر نکیر	۴۲۵
۳۳۴	رمضان میں جمعہ کے روز مرنے والے سے سوال نہیں	۴۲۶
۳۳۵	جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت	۴۲۶
۳۳۶	جو شخص ہر روز سورۂ ملک پڑھے، اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا	۴۳۰
۳۳۷	رمضان میں مرنے والے سے سوالِ قبر	۴۳۱
۳۳۸	جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر میں سوال	۴۳۲
۳۳۹	ہفتہ میں دو روز نامۂ اعمال کی پیشی	۴۳۲
۳۴۰	اعمالِ امت کی پیشی	۴۳۳
۳۴۱	عذابِ قبر سے حفاظت کا عمل	۴۳۴
۳۴۲	کیا میت کو قبر میں عصر کا وقت محسوس ہوتا ہے	۴۳۶
۳۴۳	عذابِ قبر سے استثناء	۴۳۷
۳۴۴	رمضان المبارک میں میت کو عذابِ قبر نہ ہونا	۴۳۸
۳۴۵	رمضان اور یوم جمعہ وغیرہ میں عذابِ قبر	۴۳۹
۳۴۶	نافرمان پر عذاب، برزخ میں ہوتا ہے، یا قیامت میں؟	۴۴۱
۳۴۷	کیا عذابِ قبر فاسق کو بھی ہوگا؟	۴۴۲

مایتعلق بالجزآء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

۳۴۸	نفخ صور کتنی مرتبہ ہے؟	۴۴۷

www.besturdubooks.net

۳۴۹	کیا چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے؟	۶۵۰
۳۵۰	زندوں کے رونے سے میت کو اذیت	۶۵۰
۳۵۱	معصوم کو سکرات کی تکلیف	۶۵۳
۳۵۲	غیر مسلم کو سکرات کے وقت ہی سے عذاب ہونے کی دلیل	۶۵۴
۳۵۳	فواحش کی وجہ سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟	۶۵۵
۳۵۴	مساجد کو شہید کرنے پر فوراً سزا کیوں نہیں دی جاتی؟	۶۵۶
۳۵۵	سب سے پہلے کس کا حساب ہوگا؟	۶۵۶
۳۵۶	رمضان میں مرنے والے سے حساب	۶۵۷
۳۵۷	حشر میں والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے؟	۶۵۸
۳۵۸	کیا سب شاعر دوزخ میں جائیں گے؟	۶۵۹
۳۵۹	کیا کلمہ پڑھ کر مرنے والے کو بداعمالی کی سزا ہے؟	۶۶۰
۳۶۰	نافرمانوں کا حشر	۶۶۱
۳۶۱	گناہ سے توبہ کافی ہے، تو اس سے سزا کیوں دی جاتی ہے؟	۶۶۲
۳۶۲	ریاکار کی سزا	۶۶۳
۳۶۳	قاتل ومقتول ہر دو کے لئے جہنم کی وعید کب ہے؟	۶۶۴
۳۶۴	مرتکبِ قتلِ عمد کی مغفرت اور خودکشی	۶۶۵
۳۶۵	خودکشی	۶۶۷
۳۶۶	خودکشی کا گناہ	۶۶۷
۳۶۷	خودکشی کی سزا	۶۶۸
۳۶۸	زہر ملی ہوئی تاڑی سے کیا خودکشی کا گناہ ہے؟	۶۶۹
۳۶۹	شیطان کی مہلت اور حشر	۶۶۹
۳۷۰	اہلِ کتاب ضالین ومضلین دونوں مستحقِ عذاب ہیں	۶۷۰

www.besturdubooks.net

۳۷۱ کافر غریب مصیبت زدہ کا انجام ۶۷۱
۳۷۲ ولادتِ شریفہ سے خوش ہو کر باندی آزاد کرنے پر بھی کیا عذابِ جہنم ہوگا؟ ۶۷۲
۳۷۳ قیامت میں جانوروں سے حساب ۶۷۳
۳۷۴ معذبین کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟ ۶۷۳
۳۷۵ سزا و جزا کا مقام ۶۷۶
۳۷۶ جس بچے کا عقیقہ نہیں ہوا، کیا وہ شفاعت کرے گا؟ ۶۷۶

مایتعلق بالجنة و نعیمها

(جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

۳۷۷ جنت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں؟ ۶۷۸
۳۷۸ جنت، دوزخ اور حوضِ کوثر کہاں ہیں؟ ۶۷۹
۳۷۹ کیا جنت اور دوزخ بھی فنا ہوں گی؟ ۶۸۰
۳۸۰ حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے ۶۸۱
۳۸۱ جنت میں دخولِ اولیٰ کے لئے عمل ۶۸۱
۳۸۲ دخولِ جنت اعمالِ صالحہ سے ہوگا یا فضلِ الٰہی سے (ایک مکالمہ) ۶۸۳
۳۸۳ حورِ جنت کی خاص صفت ۶۸۵
۳۸۴ کیا جنت کی حوریں فنا ہوں گی؟ ۶۸۶
۳۸۵ مردوں کو جنت میں حور و غلمان ملیں گی، عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟ ۶۸۷
۳۸۶ جنت کی چار نہریں ۶۸۸
۳۸۷ کیا جنت میں بھی جماع ہوگا؟ اور غلمان کا مطلب ۶۸۹
۳۸۸ کیا جنت میں بھی اولاد ہوگی؟ ۶۹۰
۳۸۹ جس عورت نے متعدد شوہر کئے ہوں، وہ کس کو ملے گی؟ ۶۹۱
۳۹۰ جس نے کئی شوہر کئے، وہ جنت میں کس کو ملے گی؟ ۶۹۲

www.besturdubooks.net

۳۹۱	شادی سے قبل مرجانے والوں کا نکاح کیسے ہوگا؟	۶۹۳
۳۹۲	شوہر دوزخی اور بیوی جنتی کیسے ملیں گے؟	۶۹۴
۳۹۳	کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟	۶۹۴
۳۹۴	کفار کے کس عمر کے بچے اہلِ جنت کے خادم ہوں گے؟	۶۹۵
۳۹۵	اولادِ مشرکین کا حکم	۶۹۶
۳۹۶	کیا غیر مسلم نیکی کر کے جنت میں جاسکتا ہے؟	۶۹۷
۳۹۷	کیا مور جنت میں تھا؟	۶۹۷
۳۹۸	کیا کچھ جانور بھی جنت میں جائیں گے؟	۶۹۸
۳۹۹	اصحابِ کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟	۷۰۰

متفرقات العقائد

۴۰۰	منکرات پر نکیر	۷۰۳
۴۰۱	کیا ظالم کے لئے ہدایت ہے؟	۷۰۴
۴۰۲	کیا نافرمان بھی بندہ ہے؟	۷۰۴
۴۰۳	تو کلا بد پرہیزی کرنا	۷۰۵
۴۰۴	انکارِ موت سے متعلق ایک مشہور شعر سے متعلق تحقیق	۷۰۶
۴۰۵	روزِ محشر اموالِ کفار کا محاسبہ	۷۰۷
۴۰۶	مسلمان آپس کے اختلاف کے بعد بھی مسلمان ہیں	۷۰۷
۴۰۷	کیا ہر دین حق ہے؟	۷۰۸
۴۰۸	جاہل بدعقیدہ کی اصلاح کا طریقہ	۷۱۱

☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم العالیہ

الحمدللہ الذی رفع درجات حَمَلة الشرع المبین، ومن أراد به خیراً فقهه فی الدین، أشهد أن لا إله إلاهو، وحده لاشریك له فی الدنیا والدین، فإیاه نعبد وإیاه نستعین، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله سید الأنبیاء والمرسلین، صلی اللّٰه علیه وعلی آله وصحبه ومن تبعهم صلاةً دائمةً بدوام السماوات والأرضین۔

أما بعد!

یہ بات تو کسی پر مخفی نہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق تمام احکامِ شرعیہ کا تذکرہ تفصیلی طور پر قرآن مجید میں موجود نہیں، بلکہ حلال وحرام کے اصولی قواعد وضوابط اور کلیات پر قرآن پاک حاوی اور مشتمل ہے اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث قرآن پاک کی تشریح ہے، بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری زندگی، آپ کا ہر قول وفعل قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ارشادات اور فرمودات درجہ کے اعتبار سے مختلف ہیں، بعض میں ضروری مسائل کا حکم بتایا گیا ہے، بعض میں اس سے کم درجے کا، بلکہ بعضے احکام نہایت ہی ضروری تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی زیادہ تاکید فرمائی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضراتِ فقہائے کرام اور مجتہدین کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کے مراتب حلال وحرام، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض،

www.besturdubooks.net

واجب، سنت موکدہ اور مستحب مباح کی تعیین کر کے امتِ مسلمہ کے لئے آسانی کردی۔ یقیناً یہی حضرات درحقیقت رازدانِ شریعت کہلانے کے مستحق ہیں۔اہلِ علم یہ بھی جانتے ہیں کہ نصوصِ شرعیہ محدود ہیں اور انسانی زندگی میں نئے پیش آنے والے مسائل کا ایک طویل سلسلہ ہے جو کسی موڑ پر رکنے والا نہیں، چنانچہ کہا گیا ہے کہ

"النصوص محدودة والحوادث ممدودة"۔

ہر زمانہ کے فقہائے کرام نے اپنے زمانہ میں نئے پیش آنے والے مسائل کو نصوصِ شرعیہ کے ساتھ جوڑ کر کس طرح حل کیا ہے، ان تفصیلات کے لئے کتبِ فقہیہ کی مراجعت کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پھر شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ جس کا بعینہٖ یا اس کی نظیر کا حل فقہ میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ حنفی کو اللہ تعالیٰ نے جو جامعیت عطا فرمائی ہے اس کے پیشِ نظر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حیاتِ انسانی کے تقریباً تمام پہلوؤں میں سے کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جس کا جواب اور حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہو، خاص طور پر فقہ تقدیری (وہ مسائل جن کا اُس زمانہ میں وجود نہیں تھا ان کی فرضی صورتیں اور ان کا حکمِ شرعی بیان کیا گیا ہے) کا باب دوسرے فقہاء کے ہاں اتنا وسیع نہیں جتنا فقہ حنفی میں ہے، پھر بسا اوقات بعض مسائل ایسے بھی سامنے آتے ہیں کہ ان کا جواب اور حل اگر کسی ایک مجتہد کے مذہب میں نہیں تو اس کے حل کے لئے دوسرے کسی مجتہد کے قول کو لیا جاتا ہے، لیکن اس عمل کو سرانجام دینا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے مفتی کے طویل تجربے اور اس کے فقہ میں ماہر ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے ماہرینِ فقہ وفتویٰ سے بھی مشاورت کی جائے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب سے برصغیر پاک وہند کو مرکزِ علم بننے کا شرف حاصل ہوا تو برصغیر کے علماء نے اس شرف کو برقرار رکھنے کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، فتاویٰ عالمگیری انہی حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔متاخرین حنفیہ کے طویل دور کے اندر برصغیر پاک وہند میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے دیوبند کو جو علمی مقام عطا فرمایا ہے اس کا انکار شاید ہی کوئی انسان کرتا ہو ورنہ دیکھنے اور سننے میں آج تک یہ نہیں آیا کہ دنیا کا کوئی علمی ذخیرہ اور ادارہ ہو اور اس میں علمائے دیوبند کے علوم سے استغناء برتا گیا ہو۔

یوں تو علمائے دیوبند نے ہر علم وفن میں اپنی جامعیت کا لوہا منوایا لیکن علمِ فقہ کے ساتھ ان کے تعلق اور لگاؤ کی شان ہی نرالی ہے۔فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، امداد الاحکام، فتاویٰ دار العلوم دیوبند،

www.besturdubooks.net

فتاویٰ خلیلیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ رحیمیہ اور جدید مسائل کے متعلق لکھے گئے مستقل مقالات اور رسائل سے علم فقہ میں ان حضرات کی تبحرانہ شان کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔

علمائے دیوبند نے فتاویٰ کے ضمن میں جس طرح علم فقہ کو منقح ومہذب انداز میں پیش کیا اور مفتی بہ اقوال کی تعیین کی اور نئے پیش آنے والے مسائل کو سابقہ اصول اور تفریعات پر منطبق کیا اسے دیکھ کر اگر کہا جائے کہ علمائے دیوبند فقہ حنفی کے مجدد ہیں تو اس کی صحت میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا فتاویٰ میں سے ہر ایک کی اپنی خصوصیت اور شان ہے، لیکن ''فتاویٰ محمودیہ'' کو جو حضرت اقدس، فقیہ الامت، مفتی اعظم ہند مفتی محمود حسن گنگوہی کے نام منسوب ہے اپنی جامعیت، اعتدال، آسان ودلنشین انداز کی بناء پر ایک منفرد وممتاز مقام حاصل ہے۔ انہی خصوصیات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب مرجع العوام تو تھے ہی لیکن اہلِ علم حضرات کی نگاہیں بھی آپ پر مرکوز رہتی تھیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان وممکن ہو، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ ومتخصصین مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور نہایت ہی قلیل عرصے میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا نے جو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص ہیں، فتاویٰ محمودیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ ہم نے مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہم سے باقاعدہ فتاویٰ محمودیہ کو جدید انداز میں تبویب وتخریج کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت طلب کی اور بحمد اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف نے جامعہ فاروقیہ کراچی کو اس کی اجازت عطا فرمائی اور اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ فالحمدُ للہ تعالیٰ علی ذلک۔

اسی طرح کراچی میں کتب خانہ مظہری نے فتاویٰ محمودیہ کو شائع کیا تھا اور اب وہ تبویب وتخریج کے ساتھ دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کر رہے تھے تو ہم نے مولانا حکیم محمد مظہر مدظلہم سے ملاقات کر کے ان کو بتایا کہ تبویب وتخریج کا کام جامعہ فاروقیہ کراچی میں مکمل کر لیا گیا ہے اور مفتی محمد فاروق صاحب کی اجازت سے اس کی طباعت شروع کی جارہی ہے اگر آپ جامعہ فاروقیہ کراچی کی اس کوشش کو پذیرائی عطا فرماتے ہوئے اپنے یہاں تخریج وتبویب کے عمل کو شروع نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ جناب مولانا حکیم محمد مظہر نے اخلاقِ کریمانہ کے مطابق اس

www.besturdubooks.net

درخواست کومنظور فرمایا اور اُسی وقت متعلقہ حضرات کو ہدایت کی کہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں عمدہ پیمانے پر خاص اہتمام کے ساتھ تبویب وتخریج کا کام ہو چکا ہے اب آپ اس کی کوشش نہ کریں اور تبویب وتخریج کا کام بند کردیں۔

اللہ رب العزت اس عمل کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے، حضرت مفتی صاحب اور ہم سب کے لئے اسے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین!

سلیم اللہ خان

١٥/٢/١٤٢٦ھ

٢٦/٣/٢٠٠٥ء

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ الامہ مفتی اعظم ہند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

مفتی عبدالباری صاحب☆

کے

حالاتِ زندگی

دنیا میں ہر روز ہزاروں انسانوں کا اضافہ ہوجاتا ہے جو اپنی زندگی جی کر چلے جاتے ہیں، مگر دنیا کو نہ ان کے آنے سے دلچسپی ہوتی ہے نہ جانے سے۔ بعض لوگ اپنی صلاحیت سے کوئی مقام اپنے لئے بنالیتے ہیں تو ان کے چلے جانے پر یقیناً غم کا اظہار کیا جاتا ہے، جانے کے کچھ عرصہ بعد نہ ان کے لئے کوئی بے چین ہوتا ہے نہ ان کی یادیں عموی طور پر دلوں کو بے قرار رکھتی ہیں، لیکن اسی عالمِ فانی میں کچھ شخصیات ایسی بھی آتی ہیں جو جانے کے بعد لاکھوں انسانوں کو اپنے فراق کے ایسے غم دے جاتی ہیں جو کبھی نہیں بھرتے، محفلوں میں ان کے تذکرے مسلسل ہوا کرتے ہیں (☆)۔

یہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس امتِ مرحوم کو تاریخ کے کسی بھی دور میں عظیم تر شخصیات سے بانجھ نہیں رکھا، اسلام کی آغوش سے ایسی ایسی بلند قامت شخصیات ظاہر ہوئیں جنہوں نے اپنی گرمیِ نفس سے

☆ رفیق شعبۂ افتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی

(☆) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حالات ''حیاتِ محمود'' سے لئے گئے ہیں مزید تفصیل کے لئے ''حیاتِ محمود'' ملاحظہ فرمائیں۔

www.besturdubooks.net

انجمن عالم کو زندگی و بندگی کی روشنی سے منور کردیا، آج صدیاں گذرنے کے باوجود ان کی یادیں، ان کے تذکرے اور ان کی خدمات نہ صرف کاغذ کے سفینوں میں موجود ہیں بلکہ انسانیت کے سینوں کو مسلسل حرارتِ ایمانی دے کر اپنی ہستیاں منوا رہی ہیں۔

چنانچہ ہماری تاریخ عظیم ہستیوں اور عبقری شخصیات کا ایک خوبصورت کہکشاں ہے، اس لڑی کا ہر دانہ دیدۂ بینا کے لئے ایک ذرّ آبدار ہے، جس پر امتِ مرحومہ تا قیامت فخر کرتی رہے گی اور اس کی جلا سے تاریک دل روشنی پاتے رہیں گے۔ قریب کی ہندوستانی تاریخ میں حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند تک اور پھر حضرت تھانوی سے لے کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تک فرزندانِ جلیل اسلام کی آغوش سے نکلے، ان کی فکر، اخلاص اور بے کراں خدمات سے یہ بقعۂ عالم رہتی دنیا تک تابناکیاں حاصل کرتا رہے گا۔

لیکن نورِ نبوت کا یہ فیضان نہ کسی شخصیت پہ آکے رکا ہے نہ ان شاء اللہ رکے گا، قافلۂ اسلام کی راہ میں ہزاروں سنگ میل آئے اور ہر سنگ میل پر اتنے مینار ہائے نور اس راہ کو روشن رکھنے کے لئے ملے کہ اس کاروانِ خیر کے کسی ہمرکاب کو تاریک رات کا مسافر نہیں کہا جا سکتا، بلکہ راہِ ہدایت کے یہ راہی اپنی منزل کی طرف مسلسل گامزن رہے ہیں اور رہیں گے ان شاء اللہ۔

ان ہی دینی رہنماؤں کے سلسلۃ الذہب میں ایک روشن نام حضرت شیخ مفتی اعظم ہند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ماضی قریب میں ایک عرصہ دراز تک اپنی طویل متاعِ گراں مایہ دینی رہنمائی کے ساتھ اصلاحِ امت کی زبردست خدمات سرانجام دیتے رہے۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اسی خانوادۂ ایوبی کے چشم و چراغ اور بدرِ منیر ہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو ہجرت کے موقع پر مدینۂ منورہ میں سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور ناقۂ مبارکہ ان کے مکان کے دروازہ کے سامنے بیٹھ گئی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے مکان پر چند ماہ قیام فرما کر اس کے مکان کو

www.besturdubooks.net

رشکِ خلد بنادیا(١)۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

نام ونسب

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا نام ونسب یہ ہے:

---

(١) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة، فنزل في علو المدينة في حي يقال لهم: بنو عمر وبن عوف. فأقام فيهم أربع عشرة ليلةً، ثم أرسل إلى بني النجار فجاؤ ومتقلدين سيوفهم. فقال أنس: فكأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته وأبوبكر ردفه وملأ بني النجار حوله حتى ألقى بفناء أبي أيوب رضي الله تعالى عنه". (سنن أبي داؤد، باب في بناء المساجد، ص: ٧٧، رقم الحديث: ٤٥٣، دار السلام)

(الحديث أخرجه البخاري في كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور مشركي الجاهلية؟: ١/ ٦١، قديمي)

(ومسلم في كتاب المساجد، قبيل باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة: ١/ ٢٠٢، رقم الحديث: ١١٧٣، قديمي)

وقال البيهقي رحمه الله تعالى: "أخبرنا أبو الحسن بن الفضل القطان ببغداد (وذكر الواقعة بطولها: ثم قال:) وقال مجمّع بن يزيد: مكث رسول الله صلى الله عليه وسلم فينا اثنين وعشرين ليلةً، وكانت الأنصار قد اجتمعت. فتلقوه قبل أن يركب من بني عمرو بن عوف، فمشوا حول ناقته لا يزال أحدهم ينازع صاحبه زمام الناقة شحّاً على كرامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيماً له، وكلما مرّبدارٍ من دور الأنصار دعوه إلى المنزل. فيقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: " دعوها، فإنها مأمورة، إنما أنزلُ حيث أنزلني الله تعالى". فلما انتهت به الناقة إلى باب بني أيوب، بركت على الباب. فنزل فدخل بيت أبي أيوب. فنزل عليه. فأنزله في سفل بيته وظهر أبو أيوب إلى أعلى البيت (إلى قوله): فلم يزل أبو أيوب يتضرع إليه حتى انتقل النبي صلى الله عليه وسلم إلى العلو. وأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم ساكناً في بيت أبي أيوب. ينزل عليه القرآن ويأتيه فيه جبريل حتى ابتنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده ومسكنه". (دلائل النبوة، جماع أبواب المبعث، باب من استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبه من أصحابه: ٢/ ٥٠٥، دار الكتب العلمية، بيروت)

www.besturdubooks.net

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بن مولانا حامد حسن بن حاجی خلیل بن ولی محمد بن قلندر بخش بن محمد علی بن غلام رسول بن عبدالحمید بن قاضی محمد فاضل بن جمیل محمد بن قاضی محمد خلیل بن قاضی ولی محمد بن قاضی کبیر بن قاضی امن بن خواجہ فریدالدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ علاؤالدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ اسماعیل بن شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابومنصور بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابومنصور بن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میزبانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت مفتی صاحب کے دادا جناب حاجی خلیل احمد صاحب قدس سرہ

حضرت والا قدس سرہ کے جدامجد حاجی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نیک، صالح اور متبع سنت بزرگ تھے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے، اَوراد، اشغال ووظائف کے نہایت پابند تھے، تہجد گذار اور گوشہ نشین تھے، حضرات علمائے کرام وصلحا اور اتقیاء سے محبت کرتے تھے۔

حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ ''دردنامہ غمناک'' بہت کثرت سے پڑھتے تھے اور پڑھتے پڑھتے کثرت سے رویا کرتے تھے، رسالہ کے شروع میں یہ نظم ہے:

''سنو یارو عجب قصہ ہمارا　　سناتا ہے تمہیں جو غم کا مارا''(۱)

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وفات کے بعد اس میں اَور اضافہ ہوگیا اور حضرت رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ سے باقاعدہ بیعت وارادت کا تعلق قائم فرمالیا، حضرت گنگوہی کی مجالس میں اکثر وبیشتر حاضر رہا کرتے تھے اور حضرت گنگوہی کو بھی ان سے حددرجہ دلی تعلق تھا، اوران پر بڑا اعتماد واطمینان فرمایا کرتے تھے۔

حاجی صاحب اپنے ہونہار سعادت مند پوتے (حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ) سے بہت شفقت فرماتے تھے اور اپنے ساتھ رکھ کر کھلاتے تھے، مگر حضرت مفتی صاحب کی کم عمری میں دادا صاحب کا سایہ سر سے

---

(۱) دیکھئے: (کلیاتِ امداد، رسالہ، دردغمناک، ص: ۱۹۵، دارالاشاعت، کراچی)

www.besturdubooks.net

اٹھ گیا، دادا کی وفات کے وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً پانچ، چھ سال تھی، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

والد محترم حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی قدس سرہ دہلی کے کسی مدرسہ میں پڑھتے تھے، اس مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں تھا، طلبہ کو وظیفہ ملتا تھا اور وہ اپنے طور پر کھانے کا انتظام کرتے تھے، حضرت مولانا کو روزانہ مدرسہ کی طرف سے ایک آنہ وظیفہ ملا کرتا تھا اسی میں سے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، قحط اور تنگدستی کا زمانہ تھا، ایک عرصہ حضرت مولانا ایک ہی وقت کے کھانے پر اکتفاء فرماتے رہے۔

اس محنت، صبر وقناعت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کن کن نعمتوں سے نوازا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، البتہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے ایک ملفوظ سے کسی قدر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنا احسان فرمایا اور کتنا اکرام کیا؟ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے کہا: جتنی کتابیں آپ نے پڑھیں، میں نے بھی پڑھیں اور مطالعہ میں نے زیادہ کیا ہے، مگر آپ نے جس صبر وقناعت اور تقویٰ کے ساتھ پڑھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں احادیث آپ کو ازبر ہیں، میرا حال یہ ہے کہ رات کو دیکھتا ہوں اور صبح کو بھول جاتا ہوں، غرض قناعت، صبر اور تقویٰ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس میں بڑی برکت ہوتی ہے''۔

فراغت وتدریس

حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ کی فراغت دارالعلوم دیوبند سے تھی اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ (جو قصبہ نہٹور ضلع بجنور میں تھا) میں درس وتدریس کے لئے بھیجا، حضرت مولانا کا وہاں تقریباً پچاس سال قیام رہا، جس مکان میں مدرس بنا کر بٹھایا تھا اسی مکان سے ان کا جنازہ نکلا۔

امر بالمعروف اور احتیاط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ اس قدر زیادہ تھا کہ اگر کوئی واعظ، وعظ وبیان میں کوئی مسئلہ یا روایت غلط بیان کرتا، فوراً وعظ کے دوران کھڑے ہوجاتے اور اس کی تغلیط فرماتے اور جو روایت اور مسئلہ صحیح ہوتا

www.besturdubooks.net

اس کو بیان فرماتے کہ صحیح روایت اس طرح ہے، صحیح مسئلہ اس طرح ہے، وعظ ختم ہونے کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔
مزاج میں احتیاط بہت زیادہ تھی، خاص طور پر کھانے کے معاملہ میں بہت زیادہ محتاط تھے، کوشش فرماتے کہ کوئی مشتبہ لقمہ حلق میں نہ چلا جائے، اسی لئے اگر کوئی شخص دعوت کرتا تو عامۃً دعوت میں جانے سے معذرت فرما دیتے، البتہ اگر کوئی ان کے مکان پر ہی کھانا بھیج دیتا تو اس کو واپس بھی نہ فرماتے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو، لیکن وہ کھانا خود بھی تناول نہ فرماتے نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتے بلکہ پڑوس میں ایک غریب آدمی تھا کھانا ان کے ہاں بھیج دیتے۔

بیعت وارادت

اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا حامد حسن صاحب کا بہت گہرا ربط وتعلق تھا، اس غیر معمولی تعلق کی بناء پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت بھی ہیں، خود حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی گمان تھا، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے بیعت کے متعلق ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کن سے بیعت ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا:

''ارے! کہاں بیعت؟ جب فارغ ہوکر ملازمت کے لئے جانے کا وقت آیا تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت! یہ ملازمت پر جارہے ہیں ان کی بیعت فرمالیں، حضرت اس وقت نماز فجر پڑھا کر مصلّی سے اٹھ گئے تھے، سردی کا موسم تھا، رضائی اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا: تم تو اپنے ہی ہو اور ہاتھ رضائی کے اندر ہی سے بڑھا کر میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس طرح کہ رضائی درمیان حائل رہی، بس یہ بیعت تھی''۔

حضرت مفتی صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو غایت درجہ اطمینان تھا کہ باقاعدہ بیعت ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

علالت ووفات

اخیر عمر میں جب ضعف زیادہ ہوگیا تو حضرت مفتی صاحب نے والد محترم سے ملازمت ترک کرکے مکان پر قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن حضرت نے انکار فرمایا، چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور اسی مکان سے جنازہ نکلا۔

حضرت مفتی صاحب کے والد محترم کو یکم محرم الحرام ۱۳۷۱ھ سے بخار ہوا، اور بخار کا یہ سلسلہ طویل ہوگیا اور اسی بخار کی وجہ سے ۲۱ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ کو دن میں نو بجے کے قریب انتقال ہوگیا اور قصبہ نہٹور ہی میں ان کی تدفین ہوئی- رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ-

www.besturdubooks.net

حضرت مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہ

ولادت باسعادت

آفتابِ رشد وہدایت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد اسی مہینہ کے اسی دن اور اسی تاریخ میں ماہتابِ رشد وہدایت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ ۸ یا ۹ ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ (اذان جمعہ کے بعد) بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، اٹھتر سال، سات مہینہ اور تین دن کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور ۸ یا ۹ ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو ہی شب جمعہ میں اسی خانوادہ کے چشم وچراغ اور بدر منیر حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت ہوئی۔

بسم اللہ

بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ سے بچوں کی ''بسم اللہ'' کرانے کا دستور دینی وعلمی گھرانوں میں ہے، تاکہ ان اولیاء اللہ واھل اللہ کی دعاء اور توجہ کے اثرات وبرکات بچے تک پہنچ جائیں، اس لئے بزرگوں سے بسم اللہ کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ اسرارہما گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ وعلماء ساتھ تھے، حضرت مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزند ارجمند کی بسم اللہ ان دونوں بزرگوں سے کرائی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ اپنی ''بسم اللہ'' کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری بسم اللہ کا قصہ یوں ہوا کہ میں ایک بار گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، والد صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر لے گئے، دیکھا کہ دروازہ پر چند بزرگ جمع ہیں ان میں سے کسی ایک صاحب نے مجھ سے کچھ کلمات کہلوائے، میں نے زور سے کہے نہیں، آہستہ آہستہ کہے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میری ''بسم اللہ'' تھی اور بسم اللہ

www.besturdubooks.net

کرانے والے حضرت شیخ الہند رحمہ تعالیٰ اللہ تھے اوران کے ہمراہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے"۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا حامد حسن صاحب کے مکان کے قریب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صاحبزادی صفیہ کا مکان تھا، اسی کی بیٹھک میں ایک مکتب قائم تھا، اسی مبارک مکتب میں حضرت مفتی صاحب کو ابتدائی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ ولیۂ کاملہ تھی اور اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ، حضرت گنگوہی نے ان کے متعلق فرمایا: "اگر عورت کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ بیعت لیا کرتی" اور حضرت نے ہی ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الحمد للہ میری بیٹی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں اور انصاف سے دیکھئے تو اصل ولایت یہی ہے۔" تذکرۃ الرشید۔

حضرت مفتی صاحب کے بچپن کی تعلیم وتربیت کے لئے ایسے نورانی ومبارک ماحول کا انتخاب پھر حضرت گنگوہی کی جگر گوشہ، تربیت یافتہ کی صحبت وتوجہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس ہونہار فرزند کو کسی مخصوص وبلند مقام کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

بالائے	سرش	ز	ہوشمندی
می	تافت	ستارۂ	بلندی

حفظِ قرآن کریم

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے صاحبزادی صفیہ صاحبہ کی ہی بیٹھک میں حافظ کریم بخش صاحب (جو نابینا تھے) کے سامنے کلام پاک حفظ کیا، کلام پاک کے ختم ہونے میں صرف سترہ سطر باقی تھیں کہ حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا، حافظ صاحب کی وفات کے بعد حافظ عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔

www.besturdubooks.net

درسِ نظامی

کلام پاک حفظ مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا فخر الدین گنگوہی قدس سرہ سے ''آمد نامہ'' شروع کیا تھا، مگر ابھی آمد نامہ کا ایک ہی صفحہ ہوا تھا اور بوستان کے چند اشعار کہ حضرت کے والد محترم مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نہٹور تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ اس ہونہار فرزند کو بھی لے گئے، نہٹور ہی میں حضرت قدس سرہ نے اپنے والد محترم کی زیر نگرانی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مولانا امتیاز حسین صاحب (جو حضرت والد صاحب کے مدرسہ کے فارسی کے استاذ تھے) سے ''آمد نامہ، حمد باری تعالیٰ، مصدر فیوض، کریما اور پند نامہ'' پڑھیں اور والد صاحب سے ''میزان، منشعب، مالا بدمنہ اور بوستان'' کے چند سبق پڑھے۔

مظاہر علوم میں حاضری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم تشریف لا کر داخلہ لیا، اس وقت محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ یہیں تھے، حضرت کے فیوض و برکات، علوم ظاہرہ کی تکمیل کے ساتھ تزکیۂ نفس اور باطنی تربیت کے لئے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہاں رہ کر مختلف فنون کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے مظاہر علوم میں حاضر ہو کر میزان منشعب کا امتحانِ داخلہ دیا اور پھر صرف میر بعدہ علم الصیغہ، بعدہ فصول اکبری، بعدہ مراح الارواح سب کتب حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی سے پڑھیں، اور پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی صرف اور نحو میر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو مولانا عبد الرحمٰن اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

نور الایضاح بعدہ قدوری مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب سے، بعدہ کافیہ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب سے پڑھیں اور شرح جامی بحثِ فعل، کبری، تہذیب اور شرح تہذیب حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اورنگ آبادی سے پڑھیں۔

قطبی، سلم، مقامات، سبعہ معلقہ اور میبذی مولانا اخلاق احمد صاحب سہارنپوری اور تلخیص المفتاح

www.besturdubooks.net

مولانا زکریا قدوسی صاحب سے پڑھیں۔

مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری سے پڑھی، مگر حضرت قدس سرہ دورانِ سال دو دفعہ سخت بیمار ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے کتاب ناقص رہ گئی اس لئے آئندہ سال پھر مختصر المعانی پڑھی، ہدایہ اولین بھی مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوری ہی سے پڑھی، جلالین شریف، متنبی اور حماسہ مولانا اسعد اللہ صاحب سے پڑھیں۔

مفید الطالبین، مرقاۃ ایک ہفتہ میں اور قصیدہ بردہ بھی حضرت مولانا سے ہی خارج اوقات میں پڑھیں۔

فارسی کی تعلیم کا سلسلہ جلالین شریف پڑھنے تک جاری رہا: اخلاق جلالی، گلستان، اخلاق محسنی، انشاء بہارِ عجم، بوستان، انشاء خلیفہ رقعات، ملا حسینی، سکندر نامہ اور انوار سہیلی فارسی کی سب کتابیں حضرت مولانا عبدالمجید صاحب سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں حاضری

مظاہر علوم سہارنپور میں سات سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۸ھ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوئے اور یہاں تین سال رہ کر مختلف کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سال اول ۱۳۴۸ھ

ہدایہ ثالث اور بیضاوی شریف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ سے، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب سے، شرح عقائد اور خیالی حضرت مولانا ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

سال دوم ۱۳۴۹ھ

ابوداؤد شریف حضرت مولانا قاری میاں اصغر حسین صاحب سے مسلم شریف حضرت مولانا رسول خان صاحب سے، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، صدرا، شمس بازغہ، علامہ ابراہیم صاحب سے پڑھیں۔

www.besturdubooks.net

سال سوم ۱۳۵۰ھ

بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب (مدنی) قدس سرہ سے پڑھیں، اس سال دو کتابیں ہی پڑھیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سفر حج پر تشریف لیجانے کی وجہ سے تین ماہ چھٹی رہی، سفر سے واپس تشریف لاکر کتابیں ختم کرائیں اور ترمذی ثانی کا سبق عصر کے بعد ہوتا تھا۔

دار العلوم دیوبند میں درسِ حدیث مکمل کرنے کے بعد دوبارہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، والد محترم، اپنی خواہش اور حضرت شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی اجازت سے دوبارہ حدیث کی کتابیں پڑھیں، اس سے حضرت مفتی صاحب کا حدیث کے ساتھ شوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ایک مرتبہ حدیث کی کتابیں پڑھنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مکرر حدیث کی کتابیں پڑھ لیں۔

بیعت

بازارِ عشق و شوق و محبت کے جان فروش
لپکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیائے دون کا
سیکھیں طریق وصل ولقائے خدائے پاک
دل بیچ کر خرید لیں سودا جنون کا

اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اپنے عشق ومحبت کی چنگاری بچپن سے آپ کے قلب مبارک پر رکھی تھی، خاندان اور گنگوہ کے عشق ومحبت کے نورانی ماحول نے اس کو اور زیادہ روشن کیا تھا، علومِ نبوت کی تحصیل نے تو اس شرابِ محبت کو مزید دو آتشہ بنادیا تھا جس کی بناء پر عشق ومحبت کی حرارت رگ وپے میں سرایت کرتی اور پھیلتی جارہی تھی اور قدرت نے بھی ولایت کا مقام آپ کے مقدر میں لکھا تھا اور وقت کا ولی کامل اور شیخ ہونا آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بغیر شیخ کامل اور رہبر صادق کی صحبت اور رہنمائی کے یہ گراں مایہ دولت میسر نہیں آتی جس طرح دنیا کے دیگر فنون بھی استاد کی صحبت ورہنمائی کے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتے، اس لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کسی شیخ کامل کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر کے مقصودِ زندگی حاصل کریں۔

www.besturdubooks.net

انتخابِ شیخ

چنانچہ اس وقت مشائخ کاملین حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، شیخ الاسلام وشیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری رحمہم اللہ تعالیٰ موجود تھے اور سب کی خانقاہیں آباد تھیں۔

مگر اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بوجوہِ مختلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، حالانکہ حضرت شیخ الحدیث ان سب اکابر میں سے کم عمر تھے اور شہرت بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی مگر:

ہمہ شہر پُر ز خوبان منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم خودبیں نکند بکس نگاہے

بیعت کی درخواست اور حضرت شیخ کا امتحان

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی جانب اپنے طبعی میلان کا ذکر کیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے استخارہ مسنونہ کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر استخارہ کے ذریعہ بھی شرح صدر نہ ہو تو دہلی، رائے پور اور سہارنپور کا سفر کریں اور ہر ایک کی مجلس میں بیٹھیں، پھر جس کی طرف رجحان اور میلان ہو ان سے بیعت ہو جائیں۔

غرضیکہ کئی ماہ تک حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بیعت نہیں فرمایا، اسی طرح ٹالتے رہے اور طلبِ صادق کا امتحان فرماتے رہے، آخر جب طلب صادق کا یقین ہو گیا تب بیعت فرمایا۔

پھر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی بیعت کوئی رسمی بیعت نہیں تھی، بلکہ وہ ایک حقیقی بیعت تھی کہ انہوں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت شیخ کے حوالہ اور سپرد فرمایا، ہر کلی وجزئی کام میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے مشورہ کو ضروری جانا، اور حضرت کی مرضی ومنشاء کی کبھی مخالفت نہیں کی اور یوں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس شعر کا مصداق ہو گئے:

www.besturdubooks.net

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

شیخ کے ساتھ ربطِ قلب اور محبت وتعظیم کے ساتھ تھوڑے عمل پر بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وہ کچھ عطاء ہوتا ہے جو بڑے مجاہدات پر بھی میسر آنا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ساتھ دلی ربط ومحبت اور قلبی تعلق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدات بھی اتنے کئے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اسی بناء پر حق تعالیٰ شانہ نے جس قرب واختصاص اور انوار وکیفیات سے نوازا ان کے ثمرات واثرات روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں۔

اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ فراغت اور مظاہر علوم میں قیام کے چند سال بعد ہی اجازت وخلافت سے سرفراز کردیئے گئے، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ علاج ومعالجہ کی غرض سے سہارنپور میں قیام پذیر تھے، ان کی عیادت کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

اجازت وخلافت ملنے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گنگوہ میں ایک عورت تھی جو اوراد ووظائف کی بہت پابند تھی، اس کے پیر کا انتقال ہوا، اس نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے بیعت سے انکار فرمایا اور یہ خیال کیا کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ جب گنگوہ تشریف لائیں گے ان سے بیعت کرادوں گا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفرِ گنگوہ کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا اور بتایا کہ گنگوہ میں ایک عورت ہے، بیعت ہونا چاہتی ہے اس کو بیعت کرانا ہے، اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت والا کو اس کو بیعت کرنے کا حکم فرمایا اور اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی۔

تدریس وافتاء اور مظاہر علوم میں تقرری

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا تقرر ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم میں معین مفتی کی حیثیت سے دس روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ہوا۔ تقرری اس طرح ہوئی کہ مفتی اعظم مظاہر علوم مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور معین مفتی حضرت مولانا ضیاء احمد صاحب گنگوہی طویل رخصت لے کر حیدرآباد تشریف لے گئے، دار الافتاء خالی رہ گیا، اربابِ مظاہر علوم کو بڑی فکر ہوئی کہ مظاہر علوم جیسی مرکزی اور عالمی جگہ، جس کے

www.besturdubooks.net

دارالافتاء سے مختلف ممالک اور اندرونِ ملک ہر جانب سے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتے ہیں، بعض پیچیدہ اور مشکل مسائل میں مفتیانِ کرام بھی اس مرکزِ علمی سے رجوع تشفی چاہتے ہیں، یہ بہت بڑا منصب اور بڑی ذمہ داری ہے، اس منصب کے لئے ہر عالم یا ہر مفتی کا تقرر مناسب نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم مظاہر علوم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ محدث مظاہر علوم نے باہمی مشورہ سے ازخود ہی حضرت قدس سرہ کو منتخب فرمایا اور پھر خود ہی ارباب شوریٰ سے اس کی منظوری بھی حاصل کرلی، جبکہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس مکمل کارروائی سے بے خبر تھے اور حضرت مفتی صاحب اس وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری سے عقود رسم المفتی پڑھ رہے تھے اور فتویٰ نویسی کی تمرین بھی جاری تھی۔

تقرری کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحب قدس سرہ کی حج سے واپسی تک تمام خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے اور پھر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو دکھایا کرتے، حضرت ناظم صاحب تصحیح فرماتے، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو بھی بعض خطوط کے جوابات دکھاتے، اصلاح کی ضرورت شاذ ونادر پیش آتی جبکہ فتاویٰ کے ساتھ دیگر علمی مسائل بھی انجام دیتے۔

فتاویٰ سنانے میں ایک خاص معمول

حضرت مفتی صاحب تمام سوالات کے جوابات جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ کو دکھاتے اور بالاستیعاب سنایا کرتے۔ حضرت ناظم صاحب کے أسفار بہت ہوتے تھے، اس لئے حضرت ناظم صاحب اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے تانگہ میں بیٹھتے تو حضرت مفتی صاحب کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے اور تانگہ میں بیٹھتے ہی فتاویٰ سنانے کا سلسلہ شروع ہوجاتا، اسٹیشن تک یہ سلسلہ جاری رہتا اور اگر گاڑی آنے میں کچھ دیر ہوتی تو گاڑی کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رہتا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب سفر میں تشریف لے جاتے اور حضرت مفتی صاحب واپس مظاہر علوم تشریف لاتے۔

بے مثال تواضع وکسر نفسی

حضرت مفتی قدس سرہ کا تقرر ''معین مفتی'' کی حیثیت سے کیا گیا تھا، دوسرے سال ہی آپ کو نائب

www.besturdubooks.net

مفتی تجویز کیا گیا اور تقریباً بیس برس مظاہر علوم میں قیام رہا، اس پوری مدت میں تفقہ ومہارت کے باوجود اپنے آپ کو معین مفتی لکھتے رہے، اپنے آپ کو مفتی تو درکنار کبھی نائب مفتی بھی لکھنا گوارہ نہ کیا، حالانکہ حضرت نے بے شمار فتاوی لکھے، جن میں بعض فتاوی مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں (۱)۔

شدتِ علالت کی بناء پر مظاہر علوم سے استعفیٰ

مظاہر علوم سہانپور کے زمانہ قیام میں آپ کو مختلف عوارض نزلہ، زکام، دردسر اور بخار کا عارضہ لاحق ہوا، ہچکیوں کی بھی تکلیف ہوئی، یہ کیفیت کم وبیش چھ ماہ رہی، اطباء اور معالجین کی رائے تھی کہ مرض پر قابو پانے کے لئے تبدیلی آب وہوا ضروری ہے اس لئے آپ عارضی رخصت لے کر اپنے وطن گنگوہ تشریف لے گئے، رجب شعبان اور رمضان ۱۳۷۱ھ وطن میں گزار کر واپس تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد پھر مرض کی شروعات ہوئی تو اپنے معالجین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سہارنپور کا قیام بادلِ ناخواستہ ترک کیا، اس موقع پر آپ نے تحریر حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناظم مدرسہ کو ارسال فرمائی۔

بہر حال بجبوری استعفاء منظور کیا گیا اور حضرت والا قدس سرہ تبدیلی آب وہوا کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے اور پھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حسب منشا رائے پور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک عرصہ قیام رہا، اس کے بعد پھر گنگوہ تشریف لے آئے۔ گنگوہ کے قیام کے دوران مختلف علمی ودینی اداروں کی جانب سے حضرت والا کو اپنے یہاں آنے کی دعوت اور پیش کش ملتی رہی، اس موقع پر بھی حضرت والا برابر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے صلاح ومشورہ اور مسلسل استصواب رائے فرماتے رہے۔

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام

بارہ جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ میں بمشورۂ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بغرض تبدیلی آب وہوا ہردوئی تشریف لے گئے، وہاں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کو ایک طویل سفر درپیش تھا۔ حضرت مولانا زید مجدہم نے

---

(۱) دیکھئے: (كتاب الإيمان والعقائد، مايتعلق بالمودودية، جماعت اسلامى اور تنقيد) اور (باب البدعات، والرسوم، میں میلاد اور سیرت کی محافل کا بیان، قیامِ میلاد، میلاد مفصل) اور (كتاب الصلوة، باب الجمعة، جمعه فى القرى) کہ تمام مفصل رسائل ہیں۔

www.besturdubooks.net

اس موقع کو غنیمت سمجھا، اس لئے اپنے متعلقین سے فرما گئے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کسی طرح روک لینا جانے نہ دینا، چنانچہ وہاں کے حضرات نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قیام پر اصرار فرمایا جس کو حضرت نے منظور فرمالیا۔ وہاں کے قیام کے دوران ہدایہ وغیرہ کا درس بھی دیا، طلبہ کی تعلیمی وتربیتی نگرانی بھی فرمائی، عوام وخواص کے افادہ کے لئے عشاء کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جس میں مشکوۃ شریف سے کوئی حدیث پڑھ کر سناتے اس کی تشریح فرماتے اور ایک روز تمام اہلِ بستی کے لئے مقرر فرمایا، بستی کی ایک مسجد میں شنبہ کے روز بعد عشاء قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے جس میں اہلِ بستی ذوق وشوق سے جمع ہوتے اور دامنِ مراد بھرتے۔

پونہ میں قیام

اواخر شوال میں تبدیلیٔ آب وہوا کی غرض سے پونہ تشریف لے گئے، حضرت والا کے کوئی اہلِ تعلق اپنے یہاں لے گئے، انھوں نے وہاں حضرت والا کو روکنے کے لئے ایک دار العلوم قائم کرنے کا ارادہ کیا مگر اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی اور عربی کی اونچی کتابوں کا بندوبست نہ ہوسکا جس کی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے وہاں کے قیام کو پسند نہیں فرمایا۔ گو وہاں حضرت والا قدس سرہ کے ذریعہ کچھ اصلاحات ہوئیں اور بہت سی غیر اسلامی رسومات وبدعات ان کی زندگیوں سے نکل گئیں۔ ادھر بمبئی بھی کسی ادارہ کی طرف سے حضرت والا کے لئے اصرار رہا تھا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بمبئی کو ترجیح دی۔

جامع العلوم کانپور کیلئے حضرت فقیہ الامت کا انتخاب

مدرسہ جامع العلوم محلہ پٹکاپور کانپور میں حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا چودہ برس قیام رہا، جس کی وجہ سے مدرسہ جامع العلوم کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اور دور دراز سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور پورے علاقہ میں مواعظ کے ذریعہ بہت کچھ اصلاحات ہوئیں، بدعات ختم ہوئیں، سنتیں زندہ ہوئیں، ہزاروں بندگانِ خدا نے معاصی سے توبہ کی، طاعات پر کمربستہ ہوئے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اللہ پاک نے عجیب وغریب مقبولیت ومحبوبیت سے نوازا تھا، کانپور

www.besturdubooks.net

کے پورے علاقہ میں آپ کی بڑی مقبولیت ومحبوبیت تھی جس کی وجہ سے عمومی طور پر دینی معاملات میں آپ کی طرف ہی رجوع کیا جاتا تھا۔غرض کہ ایک بڑی مخلوق حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض سے فیضیاب ومستفیض ہوئی اور پورے علاقہ میں دین کی ایک لہر دوڑ گئی مگر چودہ برس تک اس علاقہ کو سیراب فرمانے کے بعد جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کانپور کا قیام ترک فرما کر تھانہ بھون مستقل سکونت اختیار فرمائی اور وہاں اپنی جگہ اپنے شاگردِ خاص مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کو مقرر فرمایا تو مولانا موصوف نے بڑی محنت وجانفشانی سے کام کیا اور مدرسہ کو سنبھالے رکھا مگر موصوف کے بعد ان شعبوں میں اضمحلال شروع ہوگیا اور دن بدن کمزوری آنے لگی۔

ذمہ داران جامع العلوم کو اس کا احساس ہوا کہ مدرسہ دوبارہ ترقی کرے، اہلیانِ شہر وعلاقہ کے اربابِ فکر کو شہر وعلاقہ کی فکر ہوئی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی جامع شخصیت ہو جو حکیم الامتؒ کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے سکے، اربابِ بصیرت کی نظر فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی، چوں کہ وہ حضرت قدس سرہ کی خداداد صفات وکمالات اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے کہ حضرت قدس سرہ اعلیٰ علمی استعداد اور تفقہ وافتاء میں اعلیٰ مہارت کے ساتھ ساتھ ان ابھرنے اور جنم لینے والے جیسیوں فتنوں کی سرکوبی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں۔مظاہر علوم کے حضرات سرپرستان سے درخواست کی گئی کہ حضرت قدس سرہ کو کانپور جامع العلوم میں بحیثیتِ صدر مدرس منتخب فرما کر بھیج دیا جائے اور مدرسہ کو ضائع ہونے سے بچالیا جائے۔مدرسہ اور علاقہ کی ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر درخواست قبول کر لی گئی اور حضرت قدس سرہ کی کانپور تشریف بری تجویز کردی گئی، چوں کہ سہارنپور کی آب وہوا موافق نہ ہونے کی بناء پر حضرت والا بعض شدید امراض میں مبتلا ہوگئے تھے اس لئے تبدیلی آب وہوا کی بھی ضرورت تھی اسی بناء پر بعض دوسری جگہوں پر بھی جانا ہوا۔

حضرات سرپرستان کی تجویز پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور جامع العلوم کی بحالی ودرستگی اور ترقی میں ہمہ تن مصروف اور شہر وعلاقہ کی اصلاحی تدابیر اور کوششوں میں مشغول ہوگئے۔

جامع العلوم کانپور کے لئے اصلاحی مساعی

حضرت والا قدس سرہ جامع العلوم کانپور، ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں تشریف لے گئے اس وقت مدرسہ جامع العلوم کس مپرسی کی حالت میں تھا، اساتذہ بھی بعض رہ گئے تھے، کتب خانہ بھی غیر مرتب، گویا کچھ کتابوں کا

www.besturdubooks.net

ڈھیر بعض بوریوں میں اور بعض صندوقوں میں بند، بعض اسی طرح کباڑہ کی طرح بکھری ہوئی، جلدیں ٹوٹی ہوئی، اوراق پھٹے ہوئے جن کا رجسٹر میں باقاعدہ اندراج تک نہ تھا، ادھر مدرسہ کا خزانہ بھی خالی۔ ایسی حالت میں حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ نے جس تندہی وجانفشانی سے رات دن مشغول رہ کر کام کیا اور نہ صرف مدرسہ کی اصلاح ودرستگی فرمائی بلکہ مدرسہ کو ترقی دے کر ممتاز اداروں کی صف میں ممتاز مقام پر لاکھڑا کیا، یہ حضرت قدس سرہ کا بڑا کارنامہ ہے۔

غرض کہ حضرت والا نے کانپور پہنچ کر طلبہ کی تعلیم کا صحیح بندوبست فرمایا، طلبہ کو توجہ دلا کر جماعتوں کا باقاعدہ نظام بنایا، اساتذہ کم ہونے کی وجہ سے چودہ چودہ اسباق ایک دن میں پڑھاتے، اس کے علاوہ آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، طلبہ کی ضروریات کی اکثر خود ہی کفالت فرماتے، طلبہ پر وہ شفقت فرماتے جس کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ میں طلبہ کی چہل پہل رہنے لگی اور ذی استعداد طلبہ دور دراز سے جمع ہونے لگے حتی کہ طلبہ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے بعض بڑے مدارس کو چھوڑ کر مدرسہ جامع العلوم حاضری کی کوشش کرتے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ مفتی مظاہر علوم نے جامع العلوم حاضر ہوکر ہی فتویٰ نویسی کی حضرت قدس سرہ سے مشق کی اور اس سے متعلق اور دیگر کتب حمد اللہ، صدرا، توضیح تلویح وغیرہ پڑھیں۔ مولانا مفتی منظور احمد صاحب قدس سرہ مفتی وقاضی شہر کانپور اور مولانا مفتی نصیر صاحب زید مجدہم مفتی جامع العلوم، مولانا ظہیر الاسلام صاحب ہردوئی زید مجدہم نے بھی جامع العلوم میں ہی حضرت قدس سرہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور کتنے حضرات نے کسب فیض کیا اور جید علماء بنے۔ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب زید مجدہم داماد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ تعالیٰ مرقدہ واستاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور نے جو اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں طالب علم تھے، مظاہر علوم چھوڑ کر جامع العلوم کانپور حاضر ہوکر حضرت - رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ - سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ مظاہر علوم چھوڑ کر کانپور حاضر ہوں۔

جامع العلوم کانپور سے مظاہر علوم سہارنپور واپسی کی تجویز

مظاہر علوم کے بعض اساتذۂ حدیث کے سانحۂ ارتحال کی بناء پر ضرورت ہوئی کسی کہنہ مشق تجربہ کار استاذ حدیث کی جو مظاہر علوم جیسی علمی وروحانی درس گاہ کے شایانِ شان بھی ہو۔ حضرات سرپرستان مظاہر علوم حضرت

مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مراقدہم کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر گئیں۔

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کیلئے تقرر وانتخاب

اکابر مظاہر علوم کی طرف سے مظاہر علوم بلانے کے لئے برابر اصرار ہورہا تھا اور حضرت مولانا امیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی شدید علالت اور پھر وفات پر یہ اصرار وتقاضا اور زیادہ بڑھ گیا کہ مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کیلئے حضرت والا قدس سرہ کی شدید ضرورت محسوس کی گئی اور صورتِ حال بھی ایسی پیش آئی کہ مولانا قاضی مسعود احمد صاحب کی وفات ہوگئی، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تقریباً لکھنے پڑھنے سے معذور ہوگئے، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف اور پھر فالج کے حملہ سے تقریباً معذور ہی ہو چکے تھے۔

دارالعلوم کے لئے ضروری ہوا کہ کسی تجربہ کار وپختہ کار کثیر المطالعہ، صائب الرائے وصاحب البصیرت ایسی عظیم شخصیت کو (جس کو حدیث وتفسیر میں کمالِ درک کے ساتھ فقہ میں امتیازی مقام حاصل ہو) دارالعلوم میں بلایا جائے اور دارالافتاء کی مسند کو اس کے ذریعہ زینت بخشی جائے۔ اکابر دارالعلوم نے دور ونزدیک سب پر نظر ڈالی مگر کہیں یہ صفات نظر نہ آئیں، اس لئے سب کی نظریں حضرت والا قدس سرہ پر پڑیں، اور دارالافتاء دارالعلوم کے لئے حضرت والا قدس سرہ کی تشریف آوری کو ضروری سمجھا۔ حضرت والا قدس سرہ چوں کہ جامع العلوم کانپور میں افتاء ودرسِ حدیث اور رشد وہدایت، دعوت وتبلیغ اور اس نوع کی بیسیوں خدمات انجام دے رہے تھے مگر ان سب کے مقابلہ میں دارالعلوم کے دارالافتاء کی ضرورت کو اہم اور مقدم سمجھا گیا اور اراکینِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کی دارالعلوم میں تشریف آوری کی تجویز پاس کی اور چونکہ جامع العلوم اور اہلِ علاقہ کی ضروریات کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ کے لئے اس تجویز کو منظور فرمانا معمولی اور سہل امر نہ تھا، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کو واسطہ بنایا کہ حضرت والا قدس سرہ کے لئے سفارشی خط لکھ دیں۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خواہش یہ تھی کہ اگر دارالعلوم دیوبند میں آمد ہو تو حضرت شیخ نور اللہ

www.besturdubooks.net

مرقدہ کے حکم پر ہو، چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت نے آپ کو بطورِ حکم خط تحریر فرمایا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے والا نامہ کے ساتھ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا سفارشی خط حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا اور دارالعلوم دیوبند کے بعض اکابر نے کانپور جا کر ملاقات بھی کی، مگر جامع العلوم کانپور اور اہلِ علاقہ میں خدمات وضروریات کے پیشِ نظر وہاں سے تشریف لانے کی صورت میں بظاہر ناقابلِ تلافی نقصان ہونے کے خطرہ کی بناء پر حضرت والا قدس سرہ نے تشریف آوری سے معذرت فرمادی اور تشریف آوری کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم پر محول فرمادیا۔ حضرت والا قدس سرہ کے معذرت نامہ کو لے کر حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا حمید الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر زور دیا کہ حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کو بطورِ حکم تحریر فرمادیں، چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنی عادت ومعمول کے برخلاف حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو دیوبند تشریف آوری کے سلسلہ میں حکم نامہ تحریر فرمایا۔

آخر مجبور ہو کر اکابر دارالعلوم کے اصرار اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں دارالعلوم میں قیام کا فیصلہ منظور کرنا ہی پڑا، اہلِ کانپور کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو ان کے حزن وملال کی انتہا نہ رہی۔

دارالعلوم دیوبند تشریف آوری

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتی فکر ولگن، مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اجتماعی فیصلے اور دیگر حضرات اکابر کی جدوجہد واہتمام اور پھر سب سے آخر میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد بلکہ حکم پر بروز جمعرات ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۶۵ء آپ کی تشریف آوری دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس موقع پر اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''آج صبح مفتی محمود صاحب کانپور سے دہلی پہنچے، مولوی اسعد صاحب سے ملاقات کے بعد رات کو دیوبند پہنچے، بدھ کی صبح کو مہتمم صاحب، علامہ ابراہیم صاحب وغیرہ حضرات سے ملاقات ہوئی، سب نے بہت زیادہ اعزاز واکرام کیا، جمعرات کی صبح کو افتاء کا چارج لے لیا''۔

www.besturdubooks.net

قیام گاہ

ابتداء میں آپ کا قیام مہمان خانہ میں رہا پھر مسجد دارالعلوم سے متصل کمرہ (یہ کمرہ حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسکن بھی رہا) احاطہ مسجد میں رہا، پانچ چھ سال یہاں تشریف فرما رہے۔ یہاں کے قیام میں ایک مرتبہ یہ لطیفہ پیش آیا کہ ایک دن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ ''کیا کروں فرصت نہیں ملتی ورنہ جی چاہتا ہے کہ کچھ آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوا کروں اور علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! یہ تو بخیل ہے، آج تک اس نے اپنا کمرہ بھی نہیں دکھایا''، حضرت مفتی صاحب نے جواباً فرمایا کہ ''حضرت میں تو مفلس ہوں جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے''، اس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا کہ ''میں یہاں تک نہیں پہنچا تھا''۔

دارالعلوم دیوبند میں درسِ بخاری شریف

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی دینی درسگاہ ہے وہاں کے درسِ حدیث بالخصوص درسِ بخاری شریف کی بڑی اہمیت رہی ہے اور اس کے لئے عظیم ترین شخصیتوں کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔

حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات (بارہ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ/ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے صحیح بخاری شریف کے درس کے لئے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب کیا، آپ نہایت نیک نامی و کامیابی کے ساتھ علمِ حدیث کی اس بلند پایہ کتاب کا درس دیتے رہے۔

وصال سے چار پانچ سال قبل جب ضعفِ طبع اور کمزوری وعلالت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ درسِ بخاری کی ذمہ داری کا یہ بوجھ کسی حد تک کم ہوجائے، اس کے لئے آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی اور آپ نے محرم الحرام ۱۳۸۷ھ سے حضرت مفتی صاحب پر اصرار شروع کیا اور بخاری شریف جلد ثانی شروع کرادینے کی تاکید فرمائی، متعدد مرتبہ اس مقصد سے حضرت مفتی صاحب کے پاس ان کے کمرے میں تشریف لا کر اصرار بھی فرمایا، مفتی صاحب بعض مصالح کی وجہ سے معذرت

www.besturdubooks.net

اور انکار فرماتے رہے، غرض اصرار اور انکار دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ انکار پر اصرار غالب آ گیا اور ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ (۱۳ر اگست ۱۹۶۸ء) میں آپ کے یہاں باب غزوة ذی الخلصہ سے بخاری شریف شروع ہوئی۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے کم وبیش بارہ سال دارالعلوم دیوبند میں بخاری جلد ثانی کا درس دیا، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے وصال کے سال بخاری جلد اول بھی مکمل آپ نے کرائی اور ان کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ "اب تک حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی رعایت اور ان کے حکم پر بخاری شریف پڑھاتا تھا لیکن میں اس کا اہل نہیں، اس لئے معذور ہوں، کوئی دوسرا انتظام فرمالیا جائے"۔

کیفیت درس

حضرت والا کے درس کی تقریر اکابر کے طرز پر بہت مختصر ہوتی تھی مگر انتہائی جامع مانع، نہایت پُر مغز اور خیر الکلام ما قل ودل کا پورا مصداق، درس کے لئے متعلقہ شروح وحواشی کے مطالعہ کا اہتمام فرماتے، چنانچہ فتح الباری، لامع الدراری تو تقریباً بالاستیعاب دیکھتے اور بضرورت دیگر شروحِ بخاری بھی ملاحظہ فرماتے۔ غزوات سے متعلق سیرت ابن ہشام، سیرت النبویہ لسید زینی دحلان وغیرہ کتب سیرت کے مطالعہ کا بھی اہتمام تھا، اس زمانہ میں ایسا بھی ہوتا کہ حضرت والا قدس سرہ کے کمرہ پر قفل لگا دیا جاتا جس سے آنے والے سمجھیں کہ حضرت والا یہاں نہیں ہیں اور حضرت والا کمرہ کے اندر مطالعہ میں مشغول ہوتے۔

طلباء درس میں اشکالات کی بھر مار کرتے، مگر حضرت والا نہایت متانت اور سنجیدگی سے سب کے جوابات عنایت فرماتے اور اتنے تسلی بخش جواب ہوتے کہ گویا ان اشکالات کا آپ کو پہلے سے علم ہو گیا تھا اس لئے آپ ان کی گویا پوری تیاری کر کے لاتے ہیں، حالانکہ یہ خالص اللہ پاک کی مدد اور نصرتِ خاص تھی کہ طلبہ بہت جوش سے اعتراضات کرتے مگر جوابات سن کر حیران رہ جاتے اور آہستہ آہستہ ان کے قلوب میں بھی حضرت والا کے تبحرِ علمی کی عظمت وعقیدت بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ سوالات کی کثرت اور بوچھاڑ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

دورانِ درس طلبہ پر عجیب کیفیت طاری رہتی، معلوم ہوتا حق تعالیٰ شانہ اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعشق کو قلوب میں انڈیلا جا رہا ہے جس کی وجہ سے بہت سے خوش نصیب درس ہی کی وجہ سے دولتِ

www.besturdubooks.net

احسانی سے مالا مال ہو جاتے۔

دارالعلوم سے مظاہر علوم مراجعت

اجلاسِ صد سالہ کے بعد جب اکابر دارالعلوم دیوبند میں اختلاف پیدا ہوا، اور حدود وآداب سے تجاوز کرکے جب اس نے شدت اختیار کرلی تو حضرت والا قدس سرہ اس سانحہ کے عظیم صدمہ کی تاب نہ لاکر، اور فریقین کے اختلاف سے بچنے کی غرض سے بیرونِ ملک تشریف لے گئے، تقریباً سات ماہ مختلف بیرونی ممالک میں قیام رہا، یہ پورا وقت سانحۂ دارالعلوم پر کرب و بے چینی میں گذرا۔ سفر سے واپسی پر بھی فریقین کا باہمی نزاع شباب پر تھا اور مصالحت ومفاہمت کی کوششیں بھی ناکام ہوچکی تھیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ "مفتی جی! کب تک اس طرح پھرتے رہوگے کہیں ایک جگہ بیٹھ کر کام کرو"، مفتی صاحب نے عرض کیا "کہاں بیٹھوں"؟ ارشاد فرمایا "یہیں مظاہر علوم میں قیام کرو" عرض کیا "بہت اچھا" اور مظاہر علوم میں رہ کر کام شروع کردیا اور ہفتہ میں ایک دن ارباب دارالعلوم کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند کے لئے تجویز فرمادیا۔

اس طرح ۱۴۰۲ھ میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو مظاہر علوم کے لئے مخصوص ومنتخب فرمالیا۔

جامعہ مظاہر علوم میں تشریف آوری

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خواہش کے احترام اور اراکینِ مجلس شوریٰ کی متفقہ تجویز پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ جامعہ مظاہر علوم میں تشریف لے آئے، مفتی اعظم کا منصب آپ کے لئے تجویز کیا گیا اور آپ کے لئے علیحدہ سے ایک مستقل قیام گاہ اور مستفیدین اور مسترشدین کے لئے ایک علیحدہ سے خلوت گاہ بنوائی گئی جس کا صرفہ خود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ادا فرمایا۔

۱۳/ رجب ۱۴۰۲ھ (۷/ مئی ۱۹۸۲ء) میں حضرت مفتی صاحب اس جدید قیام گاہ میں رونق افروز ہوئے، جس سے مہمانوں کو بڑا سکون ملا اور حضرت شیخ کی منشاء اور خواہش کے مطابق دارالافتاء کی نگرانی، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کی ترتیب وتکمیل اور اس پر نظر ثانی، طالبین کی روحانی تربیت وتعلیم، طلباء کی علمی اور اخلاقی رہنمائی کے ساتھ کتب فقہ واصولِ فقہ اور حدیث پاک

www.besturdubooks.net

کا درس شروع فرمایا، الاشباہ والنظائر، اور حدیث پاک میں نسائی شریف وغیرہ آپ کے زیر درس رہیں، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا طالبانِ بیعت اور ذکر وفکر کرنے والوں کا حلقہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور اس طور پر مظاہر علوم علم نبوت اور نور نبوت کا مرکز بنتے ہوئے اس خلا کو بتدریج پر کر رہا تھا جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مدینہ منورہ قیام کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

مظاہر علوم سے دار العلوم مراجعت

یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو شیخ المشائخ قطب عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا اور گویا وہ آہنی حصار اور مضبوط دیوار منہدم ہو گئی جو مظاہر علوم کو اندرونی اور بیرونی بہت سے فتنوں سے محفوظ کئے ہوئے تھی جس کے منہدم ہوتے ہی ایسا عظیم فتنہ (باہمی نزاع واختلاف کی شکل میں) رونما ہوا جس نے دار العلوم کے اختلاف کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ دار العلوم کے سانحہ کا صدمہ ہی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ مظاہر علوم کے اس حادثہ نے اس میں اور اضافہ کر کے حضرت والا قدس سرہ کے مجروح قلب کو اور زیادہ بے چین بنا دیا اور جو چیز دار العلوم سے مظاہر علوم مراجعت کا سبب بنی تھی وہی چیز مظاہر علوم سے دار العلوم تشریف آوری کا ذریعہ بن گئی، چنانچہ ۱۵؍ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۸؍ جنوری ۱۹۸۵ء کو حضرت والا دار العلوم تشریف لے گئے اور چند دن قیام فرما کر پھر بیرون ملک کے طویل سفر پر تشریف لے گئے۔ حضرت والا قدس سرہ دار العلوم دیو بند تشریف لے آئے، وہاں دار العلوم کی شوریٰ کا اجلاس ہو رہا تھا، اکابر دار العلوم پہلے سے خواہشمند تھے کہ کسی طرح پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دار العلوم مستقل قیام قبول فرمالیں اور اس کے لئے برابر کوشاں تھے، یہ موقع ان کے لئے غنیمت تھا، چنانچہ ارکانِ شوریٰ دار العلوم دیو بند نے باتفاقِ رائے حضرت والا قدس سرہ کے مستقل دار العلوم میں قیام کی تجویز پاس کی اور شوریٰ کے تمام اراکین قیام گاہ پر تشریف لائے اور سب نے اپنی اس تجویز کے منظور فرمانے پر اصرار کیا۔ حضرت والا قدس سرہ نے بہت معذرت کی، مگر وفد کے متکلم حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی دلداری ودیگر وجوہ کے علاوہ استاذ زادہ (گویا شاہزادہ) ہونے کی بنا پر زیادہ مقدم تھی، اس لئے دار العلوم میں مستقل قیام منظور فرمالیا گیا۔ اراکین شوریٰ نے یہ چیز بھی منظور فرمالی کہ مظاہر علوم کے حالات درست ہونے پر مظاہر علوم قیام کی اجازت دے دی جائے گی۔

www.besturdubooks.net

دارالافتاء

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالافتاء عموماً اول وقت پہنچ جاتے اور فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، کچھ دیر کے لئے حضرت مفتی نظام الدین صاحب زیدمجدہم کے پاس ان کی مسند پر تشریف لیجاتے اور کسی فتویٰ سے متعلق گفتگو فرماتے، حضرت مفتی نظام الدین صاحب زیدمجدہم بھی اپنا تحریرفرمودہ فتویٰ پیش فرماتے اور حضرت کچھ دیر گفتگو فرماکر اپنی مسند پر تشریف لے آتے اور کام میں مشغول ہوجاتے۔ جن طلبہ کی تمرین حضرت سے متعلق ہوتی وہ اپنی اپنی کاپیاں لے کر اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ دکھانے کے لئے جمع ہوجاتے، سب کو بغور ملاحظہ فرماتے اور مناسب اصلاح فرماتے اور کسی کو کسی کتاب کی رہنمائی فرماتے کہ اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کبھی خود کتاب کھول کر بتاتے: ”دیکھو یہ مسئلہ یہاں ہے اس پر یہ بحث کی گئی ہے“۔ درمیان درمیان کوئی تفریحی جملہ بھی ارشاد فرمادیتے، کبھی کوئی شعر سنادیتے، جس سے سب طلبہ کھل پڑتے، بعض دفعہ ہنسی کو قابو نہ رکھ پاتے، کوئی طالب علم سخت غلطی کرتا، اس پر تنبیہ بھی فرماتے، غصہ کا اظہار بھی فرماتے، گو اس کی نوبت بہت کم آتی ورنہ عموماً اصلاح بھی تفریحی جملوں کے ذریعہ ہی ہوتی۔

طرزِ درس اور طلبہ سے بے تکلفی

تمرینِ افتاء کے طلبہ کی عموماً دو کتابیں ”شرح عقود رسم المفتی“ اور ”الاشباہ والنظائر“ حضرت کے یہاں ہوتیں، ابتداءً تو ان کتابوں کا درس دارالافتاء ہی میں ہوتا تھا، بعد میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے حضرت کے کمرہ میں ہوتا تھا۔

حضرت والا مدرسہ کے اخیر وقت تک بلکہ کچھ بعد تک دارالافتاء میں رہتے مگر جب کمرہ میں درس تجویز ہوگیا، درس کے لئے کمرہ میں تشریف لے آتے۔

حضرت والا کے یہاں تقریر بہت مختصر ہوتی، کتاب کو اصل عبارت سے حل کرنے کا ہی معمول تھا، اس میں کبھی کچھ کمی نہ کی جاتی، کتاب کی مناسبت سے واقعات ولطائف بھی سنائے جاتے اور حسب موقع کبھی اشعار بھی سناتے جس سے سب طلبہ باغ وبہار ہوجاتے۔

www.besturdubooks.net

افتاء وتفقہ

اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿یؤتی الحکمة من یشاء، ومن یؤت الحکمة فقد أوتی خیراً کثیراً، وما یذکر إلا أولو الألباب﴾(۱)۔

''دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔ (بیان القرآن)۔

اللہ پاک جس بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں، یعنی اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: ''من یرد اللہ به خیراً یفقهه فی الدین''۔(۲)۔

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقیہ فی الدین بناتے ہیں'' (اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں)

فقیہ فی الدین کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''فقیه واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد''۔ (مشکوۃ شریف، ص: ۳۴)(۳)۔

''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے''۔

نیز ارشاد فرمایا:

''نعم الرجل الفقیه فی الدین، إن احتیج إلیه نفع، وإن استغنی عنه أغنی نفسه''. رواه رزین''. (مشکوۃ شریف، ص: ۳۶)(۴)۔

''بہترین مرد ہے فقیہ فی الدین کہ اگر اس کی طرف ضرورت لائی جائے نفع پہنچائے اور اگر اس سے

---

(۱) (البقرۃ: ۲۶۹)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قدیمی)

(ورواه البخاری فی صحیحه فی کتاب العلم، باب من یرد اللہ به خیراً اھ: ۱/۱۶، قدیمی)

(والترمذی فی أبواب العلم، باب إذا أراد اللہ بعبد خیراً اھ: ۲/۹۳، سعید)

(۳) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۴، قدیمی)

(وأخرجه الترمذی فی أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادۃ: ۲/۹۷، سعید)

(۴) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۶)

www.besturdubooks.net

بے پرواہی کی جائے اپنے آپ کو مستغنی بنالے"۔

جو حضرات تفقہ فی الدین حاصل کرتے ہیں ان کی فضیلت بیان فرمائی اور ان کے ساتھ خیر کا سلوک کرنے کی وصیت وتاکید فرمائی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إن الناس لكم تبع، وإن رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين، فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيراً". رواه الترمذي". (مشكوة شريف، ص: ٣٤)(١)۔

ترجمہ: "بیشک لوگ تمہارے تابع ہوں گے اور بیشک کچھ لوگ تمہارے پاس روئے زمین کے مختلف اطراف سے آئیں گے جو تفقہ فی الدین حاصل کریں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو"۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطا فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علومِ درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس وتدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا۔

بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت اور گہرائی وگیرائی، علوم کا استحضار رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت، اس کے ساتھ طبعِ سلیم، فہمِ مستقیم، فطرتِ صحیحہ، پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہلِ زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت، عرف سے بھی باخبری کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے (۲) نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ٣٤، قديمي)

(ورواه الترمذي في أبواب العلم، باب ماجاء في الإستيصاء بمن يطلب العلم: ٢/٩٣، سعيد)

(٢) قال العلامة ابن عابدينؒ: " فللمفتي اتباع عرفه الحادث، وكذا في الأحكام التي بناها المجتهد على ماكان في عرف زمانه ...... لكن بعد أن يكون المفتي ممن يكون له رأي ونظرٌ صحيح ومعرفةٌ بقواعد الشرع ...... وهذا صريح فيما قلنا من أن المفتي لا يفتي بخلاف عرف أهل زمانه، ويقرب منه مانقله في الأشباه عن البزازية من أن المفتي يفتي بما يقع عنده من المصلحة ...... والتحقيق أن المفتي في الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد، ومعرفته بأحوال الناس ..... فينظر إلى صاحب الواقعة ..... قلت: يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغيرات العرف وأحوال الناس، وما هو الأرفق بالناس، وما ظهر عليه التعامل وما =

www.besturdubooks.net

اور عمومِ بلویٰ کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی اہلِ زمانہ کے عقود و معاملات اور تعلقات کی نوعیت، نو ایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصدِ شریعت اور حکمتِ تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالحِ مرسلہ کی نگہبان و پاسبان ہے اور اس پر جذبۂ خدمتِ خلق اور کمالِ اخلاص وللّٰہیت، صلاح وتقویٰ، امانت و دیانت وہ آپ کا وصفِ ممتاز اور موہوبِ خداوندی ہے، جس نے آپ کو تمام اُقران وامثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز: دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دار الافتاء کے مفتی اعظم ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دار الافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کئے اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے کہ آج دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، مدرسہ تعلیم الدین، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ، ہتھورہ ضلع باندہ اور دیگر ملکی اور بہت سے غیر ملکی اداروں کے دارالافتاء کی مسند کو زینت دینے والے اکثر حضرت والا کے تربیت یافتہ اور تلامیذ ہی ہیں۔

فتاویٰ پر اکابر کا اعتماد

حضرت والا قدس سرہ کے فتاویٰ پر اکابر کو اعتماد ابتدا ہی سے رہا، اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر اکابر مظاہر علوم سہارنپور: حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نوراللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہر علوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف بری کے بعد یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے لئے برابر کوشاں اور ساعی رہے اور اسی کمالِ اعتماد کی بناء پر مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی

= قوي بوجهه ...... اهـ". (شرح عقود رسم المفتي، تحت قوله: قال في المستصفى: العرف والعادة اهـ، ص: ۹۷، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

صدارت اور مفتی اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابرِ دارالعلوم دیوبند: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نور اللہ مراقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا۔ دیگر مفتیان کرام کی آراء اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوتیں تو حضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے اور فیصلہ کن اور قابلِ اعتماد سمجھی جاتی۔ قطبِ عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو خود ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت والا قدس سرہ کی طرف ہی رجوع فرماتے اور حضرت کے فتویٰ پر ہی کامل اعتماد فرماتے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں - زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً - قیام کے دوران حضرت مولانا قاری محمد عباس بخاری نور اللہ مرقدہ نے گھوڑے کا گوشت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا، حاضرینِ مجلس میں باہم چہ میگوئیاں اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ہوئیں، حضرت شیخ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے دریافت فرمایا، حضرت نے جواب دیا، جائز ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: ''بھئی! مجھ کو تو میرے مفتی نے فتویٰ دے دیا، میں تو کھاؤں گا، جس کا جی چاہے کھائے، جس کا جی چاہے نہ کھائے''۔

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی تدفین اور ہندوستان جنازہ کی منتقلی کے سلسلہ میں ہند و پاک کے علماء ومفتیانِ کرام میں سخت اختلاف ہوا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے بھی دریافت کیا گیا، بلکہ بہت سے حضرات نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے پر ہی فیصلہ موقوف کر دیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو کانپور پوری تفصیل لکھ کر فتویٰ طلب کیا اور پھر اسی فتویٰ کو اپنی رائے قرار دے کر لکھ کر بھیج دیا اور اسی کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔

اس نوع کا سوال بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو رنگون سے دہلی لال قلعہ میں منتقل کرنے کا پیش آیا، بعض اربابِ حکومت اس میں کافی شدت پر تھے۔ جنرل شاہنواز نے اس سلسلہ میں استفتاء مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ العلماء ہند کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے استفسار کیا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے استفتاء مع مکتوب حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے اس کا تحقیقی جواب تحریر فرمایا جس کو ان سب اکابر نے تسلیم کیا اور اسی

www.besturdubooks.net

کے مطابق عمل کیا گیا کہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کا ارادہ ختم کر دیا گیا، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہے:

الجواب حامداً ومصلیاً :

''اصل یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اس بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے:

"يندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أو قُتِل اه". (شامی)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر پر گزریں تو فرمانے لگیں کہ ''اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کیے جاتے، بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے''۔

تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لے جا کر دفن کرنے کی گنجائش بتائی ہے:

"ولا بأس بنقله قبل دفنه، قيل: مطلقاً، وقيل: إلى ما دون السفر. وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين؛ لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة، فيكره فيما زاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هو الظاهر اه"۔

لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: ''وأما نقله بعد دفنه، فلا مطلقاً اه". (شامی)۔

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کر دیا گیا ہو جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہو گیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے، بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت یہ کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آ جائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے، اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو

www.besturdubooks.net

منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔

واقعہ مسئول دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھائی جائے کارآمد نہیں، کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہو کر منتقل ہوگی، جس طرح کہ میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں۔

پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: "في الشرنبلالي عن البرهان: يحرم البناء عليه للزينة، ويكره للإحكام بعد الدفن اهـ". (طحاوی)۔

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اس طرح جو بھی اہم تحقیقی سوالات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں آتے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس بھیج دیتے اور مرسل کو لکھ دیتے کہ میں نے آپ کا خط اپنے معتمد مفتی محمود صاحب کے پاس بھیج دیا اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان کے جوابات تحریر فرماتے۔

نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز

اسی کمال اعتماد کی بنا پر قیام کانپور کے دوران حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ تجویز فرمایا کہ ماہ مبارک (رمضان) میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ مظاہر علوم کے نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا کریں اور کسی فتویٰ میں سقم رہ گیا ہو تو اس کی نشان دہی فرمایا کریں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"رمضان میں حضرت مفتی محمود صاحب حسبِ معمول یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے، زکریا نے ان سے درخواست کی کہ صاحب کے فتاویٰ پر جو درج رجسٹر ہیں ایک گہری نظر ڈال لیں اور جو مسائل غلط لکھے گئے

(۱) مسئلہ مذکورہ کے لئے ملاحظہ ہو (كتاب الجنائز، فصل في القبر والدفن، عنوان: "میت کو بعد الدفن منتقل کرنا" اور عنوان "بہادر شاہ ظفر کی قبر سے منتقلی")

www.besturdubooks.net

ہوں ان کی نشاندہی کردیں انھوں نے اس کی تعمیل کی''۔(ملخصا)(دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم،ص:۷۸)

مظاہرعلوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز

اسی طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے دارالعلوم دیوبند قیام کے دوران حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے تجویز فرمایا کہ مظاہرعلوم کے اہم فتاویٰ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے مشورہ اوراستصواب رائے بلکہ دستخط کے بغیر روانہ نہ کئے جائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب صدر مفتی مظاہرعلوم تو حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے کانپور کے دوران بھی اہم فتاویٰ کے جوابات حضرت والا سے استصواب رائے کے بغیر نہیں لکھتے تھے،ڈاک سے سوال لکھ کر دریافت فرماتے جواب آنے پر ہی اس کا جواب تحریر فرماتے،اوردارالعلوم قیام کے زمانہ میں حضرت اقدس قدس سرہ حسب معمول جمعرات کو مظاہرعلوم تشریف لے جاتے تو حضرت مفتی یحییٰ صاحب قدس سرہ ہفتہ بھر کے اہم فتاویٰ جمع کر کے رکھتے اورحضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی مظاہرعلوم تشریف آوری پر مشورہ کر کے ہی جوابات لکھتے۔

رائے کی پختگی

حضرت والا قدس سرہ جس مسئلہ میں دلائل کی روشنی میں جو رائے قائم فرماتے،جب تک دلائل کی روشنی ہی میں اس رائے کا مرجوح یا کمزور ہونا معلوم نہ ہوجائے آپ اس پر قائم رہتے اورکسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بناء پر مرعوب نہ ہوتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ دریافت کیا گیا اس کا جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا،اسی مسئلہ کا جواب حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا جو حضرت والا کے جواب کے خلاف تھا اور وہ صورت کا اختلاف تھا،حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ دوسری صورت سے متعلق تھا،استفتاء میں جوصورت تھی اس سے مختلف وہ دوسری صورت تھی۔ وہ جواب حضرت والا کے سامنے آیا، محض شخصیت سے مرعوب ہوکر حضرت نے اپنی تحقیق سے رجوع نہیں فرمایا، بلکہ وضاحت فرمادی کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی نقل فرمودہ عبارات دوسری صورت سے متعلق ہیں،سوال میں جوصورت ہے وہ اس سے

www.besturdubooks.net

مختلف ہے، اس کا حکم وہی ہے جو یہاں سے تحریر کیا گیا۔

فتویٰ نویسی سے متعلق چند عادات مبارکہ

۱......حضرت والا کی خدمت میں جب ڈاک پیش کی جاتی تو اولاً اس کو سرسری نظر سے ملاحظہ فرماتے اور دیکھتے کون سا استفتاء ہے، کون سا ذاتی خط ہے، ہر ایک کو الگ الگ فرماتے اور نشان کے لئے استفتاء پر ''ف'' بنادیتے اور جواب لکھ کر ''ف'' کے نیچے ''م'' بنادیتے ''ف''، ''م''۔ ''ف'' سے اشارہ فتوی کی طرف او ر ''م'' سے محمود کی طرف اشارہ ہے۔ پلاسٹک کے دو تھیلے حضرت کے پاس ہوتے، ایک میں ذاتی خطوط رکھتے ایک میں فتاویٰ اور چمڑہ کا ایک تھیلا رہتا اس میں یہ دونوں تھیلے ہوتے، جہاں موقع ملا تھیلے سے ڈاک نکالی اور جوابات لکھنا شروع فرمادیتے، سفر میں بھی یہ تھیلا ساتھ رہتا، بس میں، ریل میں، قیام گاہ پر جہاں موقع ملتا ڈاک شروع ہوجاتی جن کے جوابات لکھے جاچکے ہوتے ان خطوط کو جواب لکھے ہوؤں سے الگ رکھتے۔

۲...اولاً استفتاء کے جوابات لکھتے بعد میں ذاتی ڈاک، البتہ اگر کوئی استفتاء تفصیل طلب ہوتا اور اس کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی اور اس وقت اس کا موقع نہ ہوتا یا انشراح نہ ہوتا تو ذاتی ڈاک پہلے لکھ دیتے۔

۳......جب تک مکمل انشراح نہ ہوتا استفتاء کا جواب نہ لکھتے خواہ کتنی مراجعتِ کتب کرنا پڑے۔

۴......عموماً جوابات مختصر لکھتے مگر تحقیقی اور خیر الکلام ما قل ودل کے مطابق، البتہ کسی مسئلہ میں تفصیل مطلوب ہوتی تو پھر تفصیل سے بھی گریز نہ فرماتے حتی کہ بعض فتاویٰ نے مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرلی۔

۵......عبارت صاف اور عام فہم لکھتے جس سے سائل کو الجھن اور پریشانی نہ ہو خود خط بھی حضرت والا کا بہت صاف تھا۔

۶......جوابات لکھنے میں ترتیب کا لحاظ فرماتے جس ترتیب سے خطوط آتے اسی ترتیب سے جوابات تحریر فرماتے، الا یہ کہ کسی کا فوری تقاضا ہوتا تو اس کی ضرورت اور اہمیت کی بنا پر اس کا جواب پہلے تحریر فرمادیتے۔

۷......عموماً یہ کوشش فرماتے کہ ہر روز کی ڈاک ہر روز نمٹ جائے جب تک ڈاک پوری نہ ہوتی برابر فکر مند رہتے، حتی کہ ایک دفعہ مظاہر علوم میں حضرت ناظم صاحب نے فرمایا: ''کل سفر میں جانا ہے'' ڈاک کافی جمع تھی، پوری رات لکھ کر اس کو نمٹایا، پھر علی الصباح سفر میں تشریف لے گئے۔

۸......محض قواعد واصول کو سامنے رکھ کر حضرت والا جواب لکھنے کو کافی نہ سمجھتے، بلکہ ہر مسئلہ کے لئے

www.besturdubooks.net

فقہاء کی عبارات میں جزئیہ صریحہ تلاش فرماتے خواہ کتنی بھی محنت کرنا پڑے، بعض دفعہ کسی جزئیہ کی تلاش میں بیسیوں بلکہ بعض دفعہ پچاسوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑتی اور اس کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا مگر کبھی ہمت نہ ہارتے (۱) اور جزئیہ مل جانے پر وہ مسرت محسوس فرماتے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کی لذت ومسرت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور جب تک جزئیہ نہ ملتا برابر فکر مند رہتے حتی کہ ایک مرتبہ ایک جزئیہ کی تلاش میں کئی روز ہوگئے برابر کتابیں دیکھتے رہے مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ اسی فکر اور بے چینی میں دوپہر کو سو گئے سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹروں کو دکھایا گیا، ڈاکٹر نے بتایا آنکھ پر کوئی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، ڈاکٹر سے کہا گیا بوجھ تو نہیں پڑا، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بوجھ کسی فکر اور سوچ کا بھی ہوتا ہے وہی بوجھ پڑا ہے جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، یہی وہ محنت اور جفاکشی تھی کہ جب آنکھیں جاتی رہیں ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا ایک میں موتیا اتر آیا، (گو بعد میں موتیا کا آپریشن ہوکر کامیابی ہوگئی)۔

ارشاد فرمایا: ''الحمد للہ یہ حسرت نہیں رہی کہ آنکھوں سے کام نہیں لیا، الحمد للہ کام خوب لیا''۔

۹...... کسی استفتاء کا جواب لکھتے ہوئے کسی دوسری جانب متوجہ ہونا ناپسند فرماتے اس حالت میں کوئی اپنی جانب سلام، مصافحہ میں مشغول کرنا چاہتا وہ بھی ناگوارِ خاطر ہوتا۔

۱۰...... آپ کو فتاویٰ سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا کہ اس کو زندگی کا بڑا مقصد تصور فرماتے اور اسی انہماک ومشغولی میں خوش ہوتے اور اس میں جان تک چلے جانے کی پرواہ نہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ سخت زلزلہ آیا حضرت والا ایک فتویٰ لکھنے میں مشغول تھے، زلزلہ کے سہم سے سب حضرات دارالافتاء سے باہر نکل آئے کہ کہیں یہ عمارت نہ گر جائے، مگر حضرت والا کو دیکھا گیا کہ برابر بیٹھے ہوئے اطمینان سے جواب لکھنے میں مشغول ہیں، بعد میں حضرت والا سے پوچھا گیا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلے فرمایا کہ مجھے فکر ہوئی کہ کہیں فتویٰ درمیان میں نہ رہ جائے اس لئے سوچا کہ فتویٰ تو پورا کرلوں۔

۱۱...... حضرت والا اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ حضرت والا کا تحریر فرمودہ جواب دوسرے حضرات بھی ملاحظہ فرمالیں، حتی کہ اپنے تلامذہ بھی حاضر ہوتے تو ان کو بھی تاکید دیکھنے کو فرماتے اور اگر کوئی کچھ مشورہ دیتا تو

---

(۱) دیکھئے: (کتاب الإیمان والعقائد، باب الفرق الباطلة، ما یتعلق بالروافض، عنوان: خلافتِ یزید) اس مسئلہ میں حضرت نے خود تقریباً سو (۱۰۰) کتابوں کے مطالعہ کا ذکر فرمایا ہے۔

www.besturdubooks.net

اس کو بہت غور سے خوش ہوکر سنتے، اگر معقول بات ہوتی تو تسلیم فرمالیتے، ورنہ خوبصورتی کے ساتھ اس کو سمجھا دیتے۔

۱۲.....آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ فتاوی لکھنے کے بعد جلد روانہ کئے جائیں، اس لئے محرر کو تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں جلد نقل کر کے ڈاک میں ڈال دے اگر نقل ہونے میں تاخیر ہوتی یا سستی کی بناء پر ڈاک میں ڈالنے میں تاخیر ہوجاتی تو حضرت والا کو سخت ناگوار گزرتا اور خوبصورتی کے ساتھ مناسب طریقہ پر اس پر تنبیہ فرماتے، ایک دفعہ ایک طالب علم ایک خط کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اور کئی روز بعد وہ خط ملا، حضرت کی ناراضگی کے خیال سے چپکے سے وہ خط حضرت کے خطوط میں رکھ کر آگیا، حضرت نے جب اس کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے یہ حرکت کس نے کی ہے؟ کس نے یہ خط چھپائے رکھا؟ اور سب طلبہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ خط لکھنے والا کیا معلوم کیا ضروری بات لکھتا ہے اور اس کے جواب کا منتظر رہتا ہے یہ سخت غلط حرکت ہے، آئندہ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس سلسلہ میں کوتاہی کریں۔

ایسے ہی ایک دفعہ کسی طالب علم سے کوئی استفتاء گم ہوگیا، حضرت نے تلاش کرایا، نہیں ملا، حضرت کو بہت فکر ہوئی، ڈاک رجسٹر بھی منگایا اور اس میں تمام ڈاک کو دیکھا اور اس کی مدد سے معلوم کیا کہ فلاں خط کا جواب نہیں دیا گیا، رجسٹر میں مستفتی کا پتہ دیکھ کر خط لکھا کہ آپ کا استفتاء گم ہوگیا لہٰذا دوبارہ استفتاء بھیج دیں اس کے بعد جواب لکھ کر ارسال فرمایا تب حضرت کو اطمینان ہوا۔

۱۳.....آپ محرر کو بھی تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں صاف ومکمل نقل کریں، بعض صاحبان رجسٹر میں صرف خلاصہ نقل کردیتے، حضرت والا قدس سرہ کو اس سے سخت تکلیف ہوتی۔

۱۴..... حضرت والا کی خواہش ہوتی کہ دارالافتاء سے کسی مفتی کا جواب کسی دوسرے مفتی کے خلاف نہ چلا جائے، اس لئے کوشش فرماتے کہ ہر مفتی کا جواب ہر مفتی کی نظر سے گزر جائے اور کسی کو کوئی اشکال ہو تو اس کو سمجھا لیا جائے یا اس کی اصلاح کردی جائے۔

۱۵.....حضرت اس کی بھی کوشش فرماتے کہ پورے عملہ میں اتفاق، باہم قلبی تعلق ہو اس کے لئے آپ روزانہ چائے منگواتے اور سب کو بلوا کر چائے پلاتے، تاکہ اس بہانہ سے سب جمع ہوجائیں اور باہم گفتگو ہوجائے، کسی کو کسی سے رنجش ہو وہ بھی دور ہوجائے، تھوڑی دیر ہنسی خوشی گفتگو ہوکر یہ مجلس ختم ہوجاتی اور اس کے

www.besturdubooks.net

اچھے اثرات قائم ہوتے۔

۱۶.....ایک خصوصی کمال یہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت والا کے تحریر فرمودہ فتاوی بڑے جامع اور استدلالی ہوتے ہیں کہ کہیں کوئی کیسا ہی نازک جزئیہ یا اہم مسئلہ پیش آجائے اس کا اتنی شائستگی وعمدگی کے ساتھ مختصر اور جچے تلے الفاظ میں جواب تحریر فرماتے کہ پڑھنے والا اور سیکھنے والا آپ کے تبحرِ علمی، فقہی دسترس اور علم ومطالعہ کی کثرت ووسعت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا، مگر اس کے باوجود وصف تواضع وفروتنی اور اپنی شرعی ذمہ داری کے احساس کا یہ عالم ہے کہ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں، مجھے اس کا علم نہیں اور اس میں آپ کو ذرہ برابر حجاب نہ ہوتا اور اہلِ علم حضرات کی شان یہی ہوتی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے:

"إن من العلم أن يقول لما لا يعلم: لا أعلم". (الحديث)(۱)۔

"بے شک علم (کی نشانی میں) سے یہ ہے کہ نہ جانی ہوئی چیز کے بارے میں کہہ دے میں نہیں جانتا"۔

دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق

۱۷.....کسی دوسرے مفتی صاحب کا تحریر فرمودہ فتوی برائے تصدیق لایا جاتا جب تک اس پر پورا اطمینان نہ ہوجاتا ہرگز دستخط نہ فرماتے، اطمینان ہونے پر تصدیق فرمانے سے کبھی اعراض بھی نہ فرماتے۔

تمرینِ فتاویٰ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں جو طلباء شعبۂ افتاء میں داخل ہوتے ان کو مشق وتمرین فتاوی کے لئے مفتیان کرام میں تقسیم کردیا جاتا اور ان کی مختلف جماعتیں بنادی جاتیں، ان کے اسباق مختلف مفتیان کرام کے پاس رکھے جاتے، ہر سبق میں تمام طلباء شریک ہوتے، مگر فتوی نویسی کی مشق ہر جماعت الگ الگ مفتی صاحب کے پاس کرتی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے پاس عموماً رسم المفتی، الاشباہ والنظائر ہوتی اور کبھی قواعد الفقہ بھی

(۱) "عن عبدالله قال: "يأيها الناس! من علم شيئاً فليقل به، ومن لم يعلم فليقل: الله أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لا تعلم: الله أعلم ..... اهـ". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

ہوتی، حضرت والا سبق میں مختصر تقریر فرماتے ،مگر اس طرح کہ کتاب کا مطلب پورے طور پر سمجھ میں آجائے، ہر مسئلہ کو کچھ مثالوں سے ضرور سمجھاتے جن سے طلبہ کوفن سے پوری مناسبت ہو جاتی، درمیان میں کوئی لطیفہ بھی سنادیتے جس سے طلبہ اکتاتے نہیں اور موقع کی مناسبت سے اشعار بھی سناتے ۔ تمرین فتاوی کے لئے طلبہ کو سوالات لکھوادیتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ ان کے جوابات لکھ کر لائیں، طلبہ کے ان سوالات کے جوابات بغور ملاحظہ فرماتے ،ضروری مشورہ دیتے ،اصلاح فرماتے ،حوصلہ افزائی فرماتے جس سے خوب محنت کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہوتا، کتابیں مطالعہ کے لئے عنایت فرماتے ،جن طلبہ کو ہونہار دیکھتے ان کے لئے فتاوی سے متعلق کتب شامی وغیرہ خرید کر عنایت فرماتے اور درمیانی سال میں بھی کچھ ضروری کتابیں سب طلبہ کو تقسیم فرماتے اس تقسیم کتب کی سال کے اندر کئی کئی بار نوبت آتی ۔

تمرین ومشق فتاوی کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت واصلاح کی بھی پوری فکر فرماتے ، کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے ، جو حضرت سے بیعت کی درخواست کرتے استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے پھر بھی ان کا اصرار ہوتا تو بیعت فرمالیتے اور ان کے لئے اذکار واشغال ان کے حسب حال تجویز فرمادیتے ، اس طرح ان کو ذکر وشغل سے بھی مناسبت پیدا ہو جاتی کہ پھر بعد فراغت اس کو مزید بڑھاتے ۔

سال کے اخیر میں طلبہ کا امتحان ہوتا ہے حضرت والا کی خواہش تھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں امتحان ہو، تا کہ رمضان اور رویت ہلال سے متعلق مسائل سے بھی مناسبت اور واقفیت ہو جائے اس کو تجویز بھی کر دیا گیا تھا مگر اس پر عمل کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ پھر شعبان ہی میں امتحان کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر اب ایک سال کے بجائے ،دوسال تمرین فتاوی کے لئے تجویز کر دیئے گئے ۔

امتحان سے فراغت پر دارالعلوم کی طرف سے طلبہ کو افتاء کی سند بھی دیجاتی ،حضرت والا بھی اس پر دستخط فرماتے ،اپنی خصوصی سند دینے کا حضرت والا کا دستور نہیں رہا اور سند کا زیادہ شوق بھی حضرت کو پسند نہیں تھا، جس طالب علم میں سند کا شوق دیکھتے اس کو حضرت تھانوی کا قصہ سناتے کہ جب مدرسہ والوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو سند دینے اور دستار بندی کا ارادہ فرمایا تو ان حضرات نے درخواست دی کہ ہم نے سنا ہے کہ ارباب مدرسہ ہم کو سند دینا اور دستار بندی کرنا چاہتے ہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے ، چوں کہ اس سے دارالعلوم بدنام ہو جائے گا کہ ایسے نااہلوں کو سند دی اور ان کی دستار بندی کی ، ہم ہرگز اس کے اہل نہیں ۔

www.besturdubooks.net

کوئی حضرت والا سے سند کی درخواست کرتا تو اس کو بھی یہی ارشاد فرماتے ''میرے پاس سند کا کوئی پرزہ بھی نہیں، کسی نے آج تک پوچھا بھی نہیں کہ تیرے پاس سند ہے یا نہیں، پوری زندگی بلا سند ہی گزر گئی''۔

فراغت کے بعد جب طلبہ اپنے وطن واپس جاتے ان کو معمولات کی پابندی اور درس وتدریس شروع کرنے کی تاکید فرماتے، بعض خواص کے لئے خود سے جگہ تجویز فرما کر وہاں بھیج دیتے، بقیہ کے لئے بھی برابر فکر فرماتے اور آنے جانے والوں سے حالات دریافت فرماتے رہتے، بعض مدرسہ والوں کو از خود بھی متوجہ فرماتے کہ فلاں کو اپنے یہاں رکھ لو۔ اگر مدرس کی جگہ خالی نہ ہوتی تو فرماتے کہ بلا تنخواہ ہی فلاں کو رکھ لو اور دو چار کتابیں اس کو دے دو تا کہ ابتدائی کتابیں نکل جائیں اور کتابوں سے کچھ مناسبت ہو جائے، ان کو دوسری جگہ بھیجنا ہے اس کے بعد پھر کسی دوسری جگہ کے لئے تجویز فرما کر بھیج دیتے۔ جو طلبہ کسی جگہ کام شروع کرتے ان کی بھی پوری خبر گیری رکھتے، مفید مشوروں سے نوازتے رہتے اور کتابوں کی ضرورت ہوتی تو بڑی بڑی قیمتی کتب خرید کر عنایت فرماتے۔

فقہ وفتاویٰ میں مناسبت پیدا ہونے کی تدبیر

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ فتویٰ کی مشق کرنے والے طلبہ میں فقہ وفتاویٰ سے کمالِ مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو ترغیب دیتے، رہنمائی فرماتے، ترغیب کے لئے کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کتابیں کھول کر دکھاتے اور ضعف کے باوجود کوئی سستی نہ کرتے، فوراً کتاب اٹھا کر لاتے اور مسئلہ نکال کر دکھاتے، بعض مرتبہ متعدد بار اس کی نوبت آتی۔

فقہ میں مناسبت اور مہارت پیدا ہونے کے لئے بدائع الصنائع، شامی، فتح القدیر زیلعی شرح کنز (تبیین الحقائق) کے مطالعہ کی تاکید فرماتے اور فرمایا کرتے۔

اصول اور لِم کے لئے بدائع الصنائع، جزئیات کے لئے شامی، تعارضِ ادلہ کے لئے فتح القدیر، اور استدلال بالحدیث کے لئے زیلعی کا مطالعہ بہت مفید ہے، تفسیر میں مہارت ومناسبت کے لئے تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی، تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص اور تفسیر کبیر للامام رازی کی تاکید فرماتے۔

www.besturdubooks.net

فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے طلباء کی تیاری

فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی حضرت والا قدس سرہ کی زندگی کا اہم مشغلہ رہا ہے (۱)، حضرت والا طلباء کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے اور ان کی ذہن سازی فرماتے، فرق باطلہ کے ساتھ اپنی گفتگو اور مکالمات بڑی دلچسپی کے ساتھ تفصیل سے سناتے، اپنے اور دیگر اکابر علمائے حق کے مناظروں کے واقعات وحالات بھی تفصیل سے سناتے، متعلقہ کتب کی طرف رہنمائی بھی فرماتے، جو طلباء باذوق اور ذہین ہوتے ہیں ان پر خاص توجہ فرماتے جس کی وجہ سے طلبہ میں فرقِ باطلہ کی تردید وبیخ کنی کا خاص ذوق ومزاج پیدا ہوجاتا اور اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ کر دیگر مشاغل کے ساتھ اس نوع کے فتنوں کی سرکوبی سے بھی غفلت نہ کرتے۔ چنانچہ آج کثیر تعداد ان اصحابِ افتاء کی ملک وبیرون ملک میں موجود ہے جنھوں نے حضرت قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حضرت سے فتویٰ نویسی کی تمرین ومشق کی اور اب وہ فقہ وفتاویٰ کی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، بلکہ خود دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ ہتورہ باندہ اور ملک کے دیگر بڑے مدارس میں اور غیر ممالک میں بھی متعدد مدارس میں مسندِ افتاء کو زینت بخشنے والے عموماً حضرت والا قدس سرہ کے تلامیذ ومسترشدین ہی نظر آتے ہیں۔ ان اصحابِ افتاء کی بھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے افتاء کی تمرین ومشق تو حضرت قدس سرہ سے نہیں کی، البتہ استفادہ کیا اور حضرت والا نے ان کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی، مشوروں سے نوازا اور انھوں نے فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں یا انجام دے رہے ہیں۔

زندۂ جاوید ہیں تیرے فدائی، جاں نثار
جن کے دم سے آئی اس صحرائے اعظم میں بہار
جن کے خونِ دل سے تاریخیں بنی ہیں زرنگار
شاہدِ عظمت ہے جن کی گردشِ لیل ونہار

---

(۱) اس کا اندازہ (کتاب الإیمان والعقائد، باب الفرق الباطلة) سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

امراض وتکالیف

قبض اور ہچکیوں کی تکلیف

بچپن میں حضرت والا کو قبض کی بھی سخت تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے حضرت کو مسہل دیا جاتا تھا، جو سخت بدبودار ہوتا تھا۔

ہچکیاں

ہچکیوں کی تکلیف بھی حضرت والا کو کئی مرتبہ ہوئی، یہ تکلیف بہت سخت ہوتی تھی کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے نیند بھی نہیں آسکتی تھی، کئی کئی روز بلکہ بعض دفعہ ہفتہ دو ہفتہ تک اس کا سلسلہ شب و روز چلتا تھا کہ کسی کروٹ چین نہ ملتا۔

آنکھ کا آپریشن

۱۹۷۶ء میں ایک دفعہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی، کئی روز ہوگئے، متعدد کتابوں میں تلاش کیا نہیں ملا، ایک روز صبح سے ہی اس کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی نہیں ملا، اسی فکر میں لیٹ گئے، نماز ظہر کے لئے اٹھے تو بائیں آنکھ میں درد تھا، ڈاکٹر کو دکھایا اس نے معائنہ کرکے بتایا کہ آنکھ کا پردہ پھٹ گیا اور آنکھ پر کسی چیز کا وزن پڑا ہے جس کی وجہ سے پردہ پھٹا ہے، اس کو بتایا گیا کہ وزن تو کوئی نہیں پڑا، ڈاکٹر نے کہا وزن کسی چیز ہی کا نہیں ہوتا بلکہ فکر کا بھی وزن ہوتا ہے، کسی فکر کا بوجھ پڑا ہے، بتایا گیا کہ ایک مسئلہ کی تلاش تھی اس کی فکر تھی تلاش کرتے کرتے دوپہر ہوگئی اسی فکر میں سوگئے، سوکر اٹھے تو آنکھ کی یہ حالت تھی۔

ڈاکٹر نے بتایا اسی فکر کا بوجھ پڑا جس سے پردہ پھٹ گیا، گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر آنکھ جیسی عزیز اور قیمتی چیز کو قربان کردیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت مبارک ایک موقع پر زخمی ہوگئی اور خون نکل آیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

www.besturdubooks.net

"هل أنت إلا أصبع دميت　　وفي سبيل الله مالقيت"(۱)

"تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اور اللہ کے راستہ ہی میں ہے جس سے تو نے ملاقات کی"۔

یعنی جو کچھ پیش آیا اللہ کے راستہ ہی میں پیش آیا۔

حضرت والا بھی آنکھ کا پردہ پھٹنے کے باوجود انتہائی مطمئن تھے اور بزبانِ حال گویا:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت والا قدس سرہ آپریشن کے لئے تیار نہ تھے جب کوئی اصرار کرتا تو فرماتے: حق تعالیٰ شانہ نے آنکھ لینے پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "إذا ابتليتُ عبدي بحبيبتيه ثم صبر، عوّضتُه منهما الجنة" -يريد عينيه-". (رواه البخاري) (مشكوة شريف، ص: ۱۳۵)(۲).

ترجمہ: "میں جب اپنے کسی بندہ کو اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) میں مبتلا کرتا ہوں (بینائی لے کر) پھر وہ صبر کرتا ہے میں اس کو ان کے بدلہ میں جنت عطا کرتا ہوں"۔

میں اس عظیم بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔ اور فرمایا کرتے:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی بینائی جاتی رہی انھوں نے آپریشن نہیں کرایا، ان سے کہا گیا تو یہی جواب دیا تھا کہ آنکھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت ہے، میں اس بشارت کو کیوں چھوڑ دوں۔

عرض کیا گیا کہ آپ کی آنکھوں سے مخلوق کو بہت فائدہ پہنچتا تھا وہ ختم ہوگیا، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: "اس میں میرے کس اختیار کو دخل ہے، جب تک اللہ کو منظور ہوا کام لیا، جب منظور نہیں ہوا نہیں لیا، میں

---

(۱) "عن جندب بن سفيان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض المشاهد، وقد دميت أصبعه، فقال: (شعر) "هل أنت إلا أصبع دميت ...... اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من ينكب أويطعن في سبيل الله: ۱/۳۹۳، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، قبيل الفصل الثاني، ص: ۱۳۵، قديمي)

(وأخرجه البخاري في صحيحه في كتاب المرضى، باب فضل من ذهب بصره، عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/۸۴۴، قديمي)

www.besturdubooks.net

بشارت کو کیوں چھوڑوں''۔ بالآخر مدت العمر اسی طرح رہے اور آپریشن نہیں کرایا، اس لئے میں ہی کیوں کراؤں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے آپریشن کے لئے فرمایا تب بھی یہی جواب دیا، اس پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے فرمایا: ''میں تو اپنی آنکھوں کا کام بھی آپ کی آنکھوں سے ہی لیتا ہوں۔''

چوں کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی اور کسی تحقیق کی ضرورت پیش آتی تھی تو حضرت قدس سرہ کو ہی اس کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت والا قدس سرہ اس کو تلاش کر کے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خواہش اور حکم کی تعمیل میں آپریشن کرانے پر رضامند ہوئے۔

دوسرا آپریشن

۱۹۷۷ء حج میں تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ -زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً- سے منیٰ جاتے ہوئے راستہ میں دائیں آنکھ کا پردہ پھٹا وہاں حج کی مشغولی میں کسی ڈاکٹر کو دکھا بھی نہ سکے، حج کے ایام اسی حالت میں پورے کئے، حج سے فراغت پر مدینہ طیبہ -زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً- حاضری ہوئی، وہاں اس ڈاکٹر نے آنکھ کا معائنہ کیا، جس نے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کا آپریشن کیا تھا۔

حج کے بعد حضرت قدس سرہٗ کا برطانیہ کا سفر طے تھا، حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم، مہتمم دارالعلوم بری، یوکے، کا بہت سخت اصرار تھا کہ آپریشن برطانیہ ہی میں ہو اور وہاں حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم نے دارالعلوم بری سے قریب ہی شہر مانچسٹر، ہسپتال میں آپریشن تجویز کیا۔ ہسپتال میں حضرت کو داخل کر دیا گیا اور ابتدائی مراحل کے بعد آپریشن کیا گیا، دو ماہ تقریباً ہسپتال میں رہنا پڑا مگر آپریشن میں کامیابی نہیں ہوئی اور آنکھ میں روشنی نہیں آسکی۔

تیسرا آپریشن

جب برطانیہ میں آپریشن میں کامیابی نہ ہوسکی اور طویل قیام اور ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود آنکھ میں روشنی نہ آسکی تو یہ طے ہوا کہ کلکتہ کے ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج جاری رکھا جائے، چنانچہ برطانیہ سے سیدھے

www.besturdubooks.net

کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں میڈیکل ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے برطانیہ کے ڈاکٹروں کو ناکامی کا ذمہ دار قرار دیا اور قصوروار ٹھہرایا اور اسی دائیں آنکھ کا جس کا آپریشن برطانیہ میں ہو چکا تھا دوبارہ آپریشن کر دیا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔

چوتھا آپریشن

اس لئے ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ پھر دوبارہ آپریشن ہو چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ آپریشن کیا، بہت کوشش کی مگر تقدیرِ خداوندی کے سامنے سب عاجز و بے بس ہیں، ان تینوں آپریشن میں تقریباً سو دن صرف ہوئے، اور بار بار آپریشن کی وجہ سے آنکھ بالکل بیٹھ گئی اور آئندہ آپریشن کے قابل نہ رہی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

پانچواں آپریشن

اللہ پاک کی قدرت کہ ۱۹۷۹ء میں پھر اسی بائیں آنکھ میں موتیا اتر آیا، آپریشن کے لئے مختلف جگہوں سے پیش کش کی گئی، مدرسہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا سعید احمد صاحب بزرگ قدس سرہ اور استاد حدیث و مفتی محترم مولانا مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم اور دیگر متعلقین کی طرف سے اصرار ہوا کہ ڈابھیل کے قریب قصبہ نوساری میں آپریشن ہو کہ وہاں ہم سب کو خدمت کا موقع ملے گا اور نوساری ہسپتال میں سب انتظامات بھی طے کرا لئے اور وہاں کے انتظامات اور سہولتوں کی تمام تفصیل حضرت والا کو لکھ کر دعوت پیش کی۔

ادھر کلکتہ کے حضرات کا پھر اصرار ہوا کہ کلکتہ ہی آپریشن ہو اور وہاں کے احباب کا ایک وفد آ پہنچا، تاکہ حضرت سے طے کرالیں کہ کب تشریف لے جائیں گے، تاکہ اس وقت آکر حضرت کو کلکتہ لے جائیں اور ہاں آپریشن کرائیں، چنانچہ حضرت والا قدس سرہٗ کلکتہ تشریف لے گئے اور وہیں ہسپتال میں یہ آپریشن بھی ہوا۔

فالج کا حملہ اور آپریشن کے ذریعہ مشین کی فٹنگ

۱۴۱۱ھ میں کلکتہ کا سفر ہوا وہاں سے بنگلہ دیش کا سفر تھا کہ نماز کے دوران فالج کا حملہ ہوا، ہسپتال میں داخل ہو گئے اور الحمدللہ افاقہ ہوا، اور پھر بنگلہ دیش کے سفر پر جو علالت کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا تھا تشریف لے گئے۔ سفر سے واپسی پر کلکتہ ڈاکٹروں کو پھر دکھلایا، ڈاکٹر کی رائے ہوئی کہ دہلی میں ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے

www.besturdubooks.net

معائنہ کرا کر مشورہ ضرور کرلیا جائے چنانچہ کلکتہ سے واپسی پر دہلی ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب سے معائنہ کے لئے ہسپتال میں داخل ہوئے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہوئی کہ دل کے ایک وال نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، اسی وجہ سے بیٹھ کر اٹھتے ہوئے دل میں خون کا دوران صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چکر آتا ہے اور کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے اس لئے فوراً آپریشن ضروری ہے۔

بعض احباب کی رائے آپریشن کی نہیں تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے اصرار کیا کہ آپریشن ضروری ہے اس لئے بمجبوری آپریشن کرنا پڑا، دائیں سینہ پر آپریشن کر کے ایک مشین اندر رکھ دی اور اس کا تعلق دل سے کر دیا کہ اگر کسی وقت دل کا وال کام نہ کرے وہ کام کرے گی۔ یہ آپریشن تو زیادہ اہم نہ تھا لیکن تکلیف سخت ہوئی۔

غیر اختیاری سنت پر عمل اور سحر کا اثر

حضرت والا قدس سرہ پر سحر بھی کیا گیا اور بار بار کیا گیا اور سخت خطرناک کیا گیا جس کی وجہ سے سخت تکالیف برداشت کرنا پڑیں، اللہ کا فضل ہے اللہ پاک نے حفاظت فرمائی، گو حضرت والا قدس سرہ خود زبردست عامل تھے اور ہزاروں بندگانِ خدا جنات وسحر سے پریشان، حضرت قدس سرہ کے تعویذ یا دم (یا ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا) سے شفایاب ہوئے، مگر سحر تو خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا گیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر بھی ہوا اور اس کے علاج کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) نازل فرمائیں(۱)۔

حضرت والا قدس سرہ جو زندگی میں پیش آنے والی ہر ہر جزئی میں اتباعِ سنت کو اختیار فرماتے تھے اور

---

(۱) قال الإمام ابن كثير: " ورواه الإمام أحمد أيضاً عن إبراهيم بن خالد ...... (إلى قوله) : فدبت إليه اليهود، فلم يزالوا به حتى أخذ مشاطة رأس النبي صلى الله عليه وسلم وعدةً من أنسانِ مشطه، فأعطاها اليهود، فسحروه فيها، ...... فمرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانتثر شعر رأسه، ولبث ستة أشهر يرى أنه يأتي النساء ولا يأتيهن، وجعل يذوب ولا يدرى ماعراه (إلى قوله) فأنزل الله تعالىٰ السورتين، فجعل كلما يقرأ آيةً انحلّت عقدة، ووجد رسول الله صلى الله عليه وسلم خفةً حين انحلت العقدة الأخيرة". (تفسير ابن كثير: قبيل سورة الناس: ۴/۷۳۶، ۷۳۷، مكتبه دار السلام رياض)

(وكذا في روح المعاني، تحت قوله تعالىٰ: (ومن شر النفاثات في العقد): ۳۰/۲۸۲، ۲۸۳، دار احياء التراث العربي، بيروت)

www.besturdubooks.net

ان کی پوری زندگی اتباعِ سنت کے نور سے منور تھی اور سنت سے ادنیٰ انحراف بھی گوارا نہ کیا، مشیت ایزدی کا تقاضا ہوا کہ غیر اختیاری سنتوں کے انوار وفوائد سے بھی ان کو مستنیر ومستفید کیا جائے، انھیں غیر اختیاری سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر سحر بھی کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔

سحر کا اثر ہندوستان میں، بالخصوص دیوبند قیام کے دوران زیادہ محسوس ہوتا تھا، بیرونِ ہند کے سفر پر جاتے ہی افاقہ ہوجاتا تھا، بعض دفعہ طویل سفر پر رہے، کوئی اثر نہ ہوا، طبیعت بہت اچھی رہی اور سفر سے واپسی پر ہندوستان پہنچے اور اثر شروع ہوگیا اور دیوبند پہنچ کر اس میں اَور شدت ہوجاتی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ پر بھی سحر کیا گیا تھا، حضرت مدنی قدس سرہ کا مقولہ بھی حضرت والا قدس سرہ نے سنایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''دیوبند کے اتنے میل کے اندر اندر اثر ہوتا ہے اس حد سے باہر چلا جاتا ہوں اثر نہیں رہتا'' اور فرمایا کرتے تھے: ''ہر وقت ارواحِ خبیثہ کا ہجوم رہتا ہے، کچھ پڑھتا رہتا ہوں سکون رہتا ہے، پڑھنا چھوڑا فوراً ان کا حملہ شروع ہوجاتا ہے''۔

اس ضرورت اور پریشانی کی وجہ سے بھی مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم بعض دفعہ حضرت قدس سرہ کو بیرونِ ہند کے سفر پر لے جاتے۔

۱۴۱۴ھ میں دہلی ہسپتال میں برائے علاج قیام کے دوران حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی زید مجدہم کو خواب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے حضرت والا قدس سرہ پر سحر اور اس کے علاج کی طرف توجہ دلائی، حضرت مولانا زید مجدہم نے سحر کا علاج فرمایا اور اپنے معتمدِ خاص محترم مولانا ارشاد احمد صاحب قدس سرہ مبلغ دارالعلوم دیوبند کو ہسپتال میں بھیج کر وظیفہ پڑھوایا، موصوف ہر روز بلا ناغہ پڑھتے، اللہ پاک نے اس کی برکت سے حضرت والا قدس سرہ کو افاقہ دیا، صحت یابی کے شکرانہ میں حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب زید مجدہم نے ایک بکرا ذبح کیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس قدس سرہ کا سفرِ عمرہ بھی صحت یابی کے شکرانہ میں تھا۔

شدتِ علالت اور آپریشن

ہندوستان سے افریقہ تشریف لے جانے کے بعد ابتداءً طبیعت اچھی رہی اور حسبِ سابق تمام معمولات جاری رہے۔

www.besturdubooks.net

حضرت قدس سرہ کے گردہ میں پہلے سے تکلیف تھی جس کا پہلے سے علاج جاری تھا، نیز گردہ سے مثانہ کی جانب جانے والی نالی میں غدود پیدا ہوگئے تھے ان کا علاج بھی جاری تھا، غدود بڑھ کر مثانہ میں پھیل گئے اور کینسر کی شکل اختیار کر گئے جس سے تکلیف میں شدت پیدا ہوکر نا قابلِ برداشت حد کو پہنچ گئی کہ ان سے پیشاب کا راستہ بند ہوکر گردہ متاثر ہونے لگا، ڈاکٹروں سے مشورہ برابر جاری رہا، کوشش کی گئی کہ دواؤں کے ذریعہ سے اس کا علاج ہو جائے۔

حضرت قدس سرہ کے معالجِ خصوصی ڈاکٹر عبدالحی ٹیلبلیا امریکی بھی امریکہ سے سفر کرکے خاص طور پر اسی مقصد کے لئے حاضر ہوگئے انھوں نے معائنہ کیا، ادھر حضرت قدس سرہ کے دوسرے معالجِ خصوصی ڈاکٹر محمد لہر صاحب افریقی ہر دو صاحبان نے گردہ کے ماہر ڈاکٹر محمد خان صاحب کے ساتھ مل کر غدود کی صفائی کی جو الحمد للہ کامیاب رہی، پھر چار ہفتے تک ہر ہفتہ اس کی صفائی ہوتی رہی۔ ابھی ایک صفائی اور ہونا باقی تھی کہ ڈربن شہر کا سفر ہوگیا، چوں کہ ڈربن شہر اور اس کے اطراف میں حضرت قدس سرہ کے اہلِ تعلق وارادت کثیر تعداد میں ہیں اور ابھی تک وہاں کا سفر اس موقع پر نہیں ہوسکا تھا ان سب کی تمنا وخواہش بلکہ اصرار تھا کہ وہاں سفر ضرور ہو، اس لئے اس خیال سے کہ ڈربن کے سفر کے بعد ایک صفائی جو باقی ہے ہو جائے گی اور پھر مجوزہ نظام کے مطابق سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔

۱۶ر جولائی کو حضرت قدس سرہ صوبہ ناٹال کے شہر ڈربن تشریف لے گئے، وہاں اکثر قیام مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ مفتی ابراہیم صالح جی کے مدرسہ میں رہا، وہاں سے مرکزِ تبلیغ اور مختلف اداروں میں اور مدرسوں میں تشریف بری ہوتی رہی۔

۷/ اگست کو سابقہ امراض کے ساتھ ایک نئی صورتحال پیدا ہوگئی، کچھ فالج کا اثر بھی ہوگیا جس کی وجہ سے غذا کا نگلنا اور کھانسی کے وقت بلغم کا نکالنا مشکل ہوگیا، اس کے ساتھ ساتھ غذا اور پانی، سانس کی نالی کے ذریعے پھیپھڑہ میں پہنچنا شروع ہوگیا، جس کی مشین کے ذریعہ صفائی کی جاتی رہی، اس درمیان کبھی کچھ افاقہ اور کبھی کچھ اضافہ دونوں صورتیں ہوتی رہیں۔

www.besturdubooks.net

آخری دعاء اور آخری حدیث شریف

اس سب کے باوجود تین مجالس اہتمام سے ہوتی رہیں: فجر کے بعد مجلسِ ذکر، بعد عصر مجلسِ عام، عشاء کے بعد مجلسِ صلوٰۃ وسلام۔ مجلسِ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرتؒ خود ہی دعاء فرمایا کرتے تھے۔ ۱۷/ اگست کو حضرتؒ نے آخری دعاء فرمائی۔ ۱۸/ اگست بروز اتوار کو کچھ علمائے کرام عیادت کے لئے حاضر ہوئے ان میں سے بعض نے حسنِ خاتمہ کا عمل دریافت کیا، حضرتؒ نے چند لمحے سکوت فرمانے کے بعد یہ حدیث پاک سنائی:

"من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة".(۱) "جس کا آخری کلام لاالٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ یہ آخری حدیث ہے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی۔ ۱۸/ کی شب میں مرض میں اضافہ ہوگیا، ڈاکٹر لبر صاحب نے پانی وغیرہ نکالا، ۱۹/ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔

دنیا سے انقطاعِ کلی

اس درمیان دنیا سے انقطاعِ کلی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی، محسوس ہوتا تھا کہ دنیا سے بالکل تعلق ختم کر کے مکمل طور پر آخرت کی طرف متوجہ ہیں اور گویا منتظر ہیں کہ کب ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف دروازہ کب کھلتا ہے۔

کبھی غنودگی اور ربودگی کی سی کیفیت ہوتی عموماً خاموش لیٹے رہتے، کچھ افاقہ ہوتا تو زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا، تلاوتِ کلام اللہ فرماتے، کبھی مکمل سکوت، کبھی سلام کرنے والوں کا جواب بھی مرحمت فرماتے۔

مکمل سکوت کی حالت میں بھی محسوس ہوتا کہ ذکرِ "پاس انفاس" برابر جاری ہے۔

مرض الوفات

۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ، ۲/ ستمبر بروز دوشنبہ (پیر) طبیعت اچانک زیادہ بگڑ گئی، ضعف انتہائی درجہ کو پہنچ گیا اور آفتاب غروب ہونے کے کچھ دیر بعد (۲/ ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہندوستان میں ۱۷/ ربیع الثانی تھی، گویا ۱۸/ کی شب جب کہ افریقہ میں ۱۹/ کی شب تھی) ۱۹/ ربیع الثانی منگل کی شب میں ساڑھے سات بجے، ہندوستان میں

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب مايقال عند من حضره الموت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۱، قديمي)

(وأخرجه أبو داؤد في سننه في كتاب الجنائز، باب في التلقين: ۲/ ۸۸، امداديه)

www.besturdubooks.net

ساڑھے دس بجے یہ آفتابِ رشد وہدایت بھی غروب ہوکر علمی دنیا کو اندھیر کر گیا۔

جس نے خدائے پاک کے دین کی خاطر زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کیا تھا، اپنی اس مستعار زندگی کو بھی اس کے سپرد کردیا۔إنا لله وإنا إليه راجعون، فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون۔

گویا آپ کارواں رواں پکار رہا تھا ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
مگر یہ زندگی ہے مستعار رکھتے ہیں

اور جو شخصیت دین کی خاطر ہمیشہ بے قرار رہتی تھی، زندگی کا آخری لمحہ تک دین پر نثار کرنے کے بعد جان جانِ آفریں کے حوالہ کر کے آخر اس بے قرار شخصیت کو قرار آہی گیا۔ ؎

جان دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

"إن لله ما أخذ، وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى"۔(مسند احمد، رقم: ۲۱۲۶۹)

نمازِ جنازہ

لوگوں کی خواہش تھی نمازِ جنازہ مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم پڑھائیں، کیوں کہ وہی اس منصب کے سب سے زیادہ اہل تھے لیکن غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے مولانا ابراہیم صاحب شدتِ غم سے اتنے نڈھال تھے کہ وہ اس امر کے لئے تیار نہ ہو سکے، آخر کار مشورہ سے ہندوستان سے آئے ہوئے مہمانِ خصوصی حضرتؒ کے تلمیذ رشید وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب بنارسی زید مجدہم شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا نام تجویز کیا گیا، نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

نمازِ جنازہ کے دوران مجمع شدتِ غم سے بے قابو تھا لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں، نمازِ جنازہ میں شریک ہونے والوں کے مجمع کا اندازہ تقریباً دس ہزار کا تھا، سرزمینِ افریقہ نے شاید ہی اس سے قبل کسی جنازہ میں اتنا مجمع دیکھا ہوگا۔

جنازہ میں جنوبی افریقہ کے علاوہ بعض غیر ملکی حضرات نے بھی شرکت کی، بالخصوص مولانا عبدالرحیم

www.besturdubooks.net

صاحب متالا زید مجدہم مع رفقاء زمبیا سے، مولانا بدر عالم صاحب زید مجدہم ری یونین سے، مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زید مجدہم ہندوستان سے جو پہلے سے جنوبی افریقہ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچے تھے، بھی شریک ہوئے۔

نمازِ جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی اور جہاں نمازِ جنازہ ہوئی اس جگہ سے قبر شریف قریب ہی تھی، لیکن ہجوم بے قابو تھا بڑی مشکل سے راستہ بنا کر قبر تک جنازہ لایا گیا۔

تدفین

حضرت کی تدفین ہیزل دین سے ۳/کلومیٹر فاصلہ پر ایلسبرگ کے قبرستان میں ہوئی، جہاں مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم کے والدین مرحومین اور اہلِ خاندان کی قبریں ہیں۔ حضرتؒ کی قبر مبارک مولانا ابراہیم صاحب کی والدہ کی قبر کے دائیں جانب بنائی گئی۔ قبر میں اترنے والوں میں مولانا ابراہیم صاحب پانڈور، مولانا موسیٰ صاحب پانڈور، مفتی ابراہیم صالح جی صاحب مہتمم مدرسہ اسپنگو بیچ، مفتی رضاء الحق صاحب مفتی دارالعلوم زکریا اور مفتی اسماعیل عبدالرحیم صاحب مہتمم مدرسہ دارالبنات و مہتمم جامعہ محمودیہ اسپرنگس شامل تھے۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے فتاویٰ پر تصحیح و تصویب کی غرض سے بہت سے حضرات علمائے کرام کے دستخط ثبت ہیں، لیکن جن حضرات کی دستخط اکثر فتاویٰ میں ہیں ان کے حالاتِ زندگی کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، وہ حضرات یہ ہیں:

۱- حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارنپور۔

۲- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

۳- حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

۴- حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

www.besturdubooks.net

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا جمیعت علی صاحب ہے، آپ کی ولادت پور قاضی ضلع مظفر نگر میں ہوئی، تحقیقی طور پر آپ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں، تخمینی اندازہ ۱۲۹۹ھ کا ہے۔

قرآن پاک اپنے وطن میں حافظ امانت علی صاحب بگھروی کے پاس رہ کر حفظ کیا، حافظ صاحب موصوف مدرسہ تعلیم القرآن جامع مسجد پور قاضی میں پڑھاتے تھے۔ حفظ القرآن کے بعد ابتدائی کتب فارسی اپنے والد محترم سے بہاولپور جا کر پڑھیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بہاولپور تشریف لے گئے تو اس موقع پر والد محترم نے مولانا کو دینی تعلیم کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری کے حوالہ کر دیا اور آپ اس طرح حضرت کے ہمراہ سہارنپور آگئے ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ میں آپ کا داخلہ جامعہ مظاہر علوم میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر سولہ ۱۶/ سال تھی۔

۱۳۲۲ھ میں آپ نے کتب صحاح کے ساتھ بیضاوی، ہدایہ آخرین اور قاضی مبارک پڑھ کر فراغت پائی۔ ۱۳۲۳ میں شعبۂ فنون میں داخلہ لے کر توضیح تلویح، دیوان متنبی، صدرا پڑھی۔

آپ نے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ شریف حضرت اقدس سہارنپوریؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سے اور مشکوٰۃ شریف مولانا ثابت علی صاحبؒ سے پڑھی ہیں۔

دورۂ حدیث کے امتحان سالانہ میں موصوف اپنی تمام جماعت میں اول نمبر پر آکر کامیاب ہوئے جس پر آپ کو منجانب مدرسہ بطور انعام تفسیر بیضاوی شریف، سورہ بقرہ، مسامرہ شرح مسایرہ، تاریخ تیموری فتوح الشام دی گئیں۔

درس و تدریس

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں آپ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی تجویز کے مطابق مظاہر علوم کے استاذ بنائے گئے۔

شوال ۱۳۳۹ھ میں آپ استاذ حدیث بنائے گئے، چوں کہ اس زمانہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے، اس لئے صبح کے وقت کے تمام اسباق دوسرے اساتذہ پر تقسیم

www.besturdubooks.net

کیئے گئے، مولانا کے پاس بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آئے، اس طور پر پہلی مرتبہ حدیث کی ان دو کتابوں کا درس مولانا کے حوالہ ہوا۔

مولانا موصوف جید الاستعداد علماء میں سے تھے، ہر فن کی کتب بلا تکلف پڑھاتے، درس نظامی کی تمام کتابوں پر آپ کو عبور حاصل تھا لیکن آپ کی محنت کا اصل میدان حدیث شریف تھا، فن حدیث کی بلند و بالا کتاب بخاری کا درس سالہا سال تک آپ نے دیا ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوریؒ حجاز تشریف لے جارہے تھے تو صحاح ستہ کے اسباق حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ پر تقسیم کیئے گئے، حضرت شیخ قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ سے واپس آئے تو وہ بھی اساتذۂ حدیث کی اس بزم میں شامل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۱۳۷۲ھ تک بخاری شریف جلد ثانی کا درس حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے یہاں ہوتا تھا۔

اہتمام وانتظام

حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ جب ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو عارضی طور پر آپ مظاہر علوم کے ناظم بنائے گئے، آپ نے اس موقع پر انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیئے اور اپنی اہلیت وصلاحیت کا اعتراف اپنے اکابر سے کرایا۔

۱۳۴۷ھ تک حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم رہے۔ ۲۰/ جمادی الثانیہ، ۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ کے وصال پر یہ دونوں عہدے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کو تفویض کیئے گئے۔

بیعت تو آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے تھے مگر اجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے حاصل ہوئی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) نے آپ سے باقاعدہ تو کچھ نہیں پڑھا البتہ مظاہر علوم کے زمانۂ قیام میں طویل عرصہ تک فتاوی لکھ کر دکھاتے اور سناتے تھے اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ اصلاح فرماتے تھے، اس اعتبار سے حضرت ناظم صاحبؒ کو فقیہ الامت قدس سرہٗ کے اساتذہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

حضرت مولانا مفتی سعید احمد نور اللہ مرقدہٗ

ولادتِ سعید

عید الاضحیٰ ۱۳۲۳ھ کا مبارک اور مسعود دن تھا، ہر طرف نور اور رحمت برس رہی تھی، لوگ اپنے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور طریقے کی یاد تازہ کررہے تھے، ایسے پُر سرور ماحول میں ضلع میرٹھ کے قصبہ اجراڑہ (جو ایک تاریخی اور قدیم قصبہ ہے) میں ایک خدا ترس، برگزیدہ شخصیت، باکمال و با اخلاق، دینداری میں ممتاز، اکابر وعلمائے کرام سے والہانہ عقیدت رکھنے والے فردِ فرید منشی نور محمد صاحبؒ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی۔ کس کو خبر تھی کہ یہ معصوم بچہ آگے چل کر علامۂ وقت بنے گا، اور ہزاروں لوگ اس سے فیض یاب ہوں گے.............؟؟؟

حضرت مولانا محمد مظہر الحق صاحب چاند پوریؒ (خلیفۂ حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ) نے آپ کا نام محمد سعید تجویز فرمایا تھا، لیکن بڑے ہوکر کسی مصلحت کی وجہ سے ذرا ترمیم فرماتے ہوئے آپ نے اپنا نام "سعید احمد" کرلیا اور اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم

چونکہ گھرانہ دیندار اور بزرگوں سے ربط وتعلق رکھنے والا تھا، خود حضرت مفتی صاحب کو تعلیم کی جانب بچپن ہی میں رغبت تھی، آپ کے چچا ملا عبد المجید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سعید کو ابتداء سے پڑھنے کا شوق تھا کھیل کود میں جی نہیں لگاتے تھے۔ انہوں نے تعلیم کا آغاز اپنے جدِ امجد جناب منشی نصیب اللہ صاحبؒ سے کیا، قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد تکمیل حضرت حافظ شاہ محمد حسین صاحبؒ سے کی جو قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کے خادمِ خاص اور مولانا الیاس صاحبؒ کے خاص دوستوں میں تھے، حضرت شیخ کا نکاح ثانی انہوں نے ہی کرایا تھا، صاحبِ کشف وکرامت نہایت مخلص، بردبار، متقی، غلط رسومات سے سخت مجتنب اور اوصافِ حمیدہ کے پیکر تھے۔

www.besturdubooks.net

حفظ مکمل ہو جانے کے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی موصوف ہی کے مدرسہ اسلامیہ اجراڑہ میں پڑھیں۔

تعلیم کے دوران بڑے صبر آزما اور مشقت کے دور سے گزرے، سب سے عظیم حادثہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانا تھا، لیکن ایسے نازک موقعہ پر بھی بلند ہمتی سے کام لیا اور بڑے استقلال ومضبوطی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھی۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور بغرضِ تعلیم داخل ہوئے اور بڑی مستعدی کے ساتھ تعلیم میں منہمک ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے فرزند حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''آپ نے عام طلبہ کی طرح زمانۂ طالب علمی نہیں گزارا بلکہ نہایت محنت اور شوق ورغبت کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اپنی جماعت میں آپ اکثر اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے، اساتذہ کا ادب و احترام ہمیشہ پیشِ نظر رہتا، کبھی کسی استاذ کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ طبیعت میں یکسوئی تھی، اس لئے طلبہ سے اختلاط پسند نہ تھا۔ موصوف ہم کو اور اپنے تلامذہ کو وقتاً فوقتاً ہدایت کیا کرتے تھے کہ زیادہ تعلقات ہرگز نہ بڑھاؤ، اس میں بڑے مفاسد ہیں، زمانہ طالب علمی میں آپ پر جو حالات گزرے وہ ہم نااہل طلباء کے لئے قابلِ عبرت ہیں۔

والد صاحبؒ نے ایک روز سنایا کہ بیٹے! جب ہم مظاہر علوم میں آئے تو یہاں مطبخ نہ تھا، صرف چار روپیہ یا اس سے کم نقد وظیفہ ملتا تھا، مدرسہ کے قریب ایک باورچی رہتا تھا اس سے کچھ طلباء کھانا خریدتے تھے، ہم نے بھی اس سے کھانا لینا شروع کیا، مگر وہ اس قدر چربی ڈالتا تھا کہ ایک دو روز کھانے کے بعد ہی گلا بالکل بیٹھ گیا اور آواز بالکل نہیں نکلتی تھی، اس لئے مجبوراً ہم نے کھانا بند کر دیا اور کچھ چنے لاکر پسوائے ایک روٹی بنا کر کھائی، سالن وغیرہ کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا، ناشتہ وغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

تجوید وقرأت مدرسہ کے مجوّدِ اعلیٰ جناب قاری عبدالعزیز صاحب کاکوری (جنہوں نے مدینہ طیبہ میں فنِ تجوید وقرأت حاصل کیا تھا) سے پڑھی، مظاہر کے اساتذہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ حدیث شریف کے لئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا ثابت علی نور اللہ مرقدہما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

www.besturdubooks.net

مظاہر علوم میں تقرر اور ایک خاص واقعہ

مظاہر علوم سے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۳ھ میں افتاء سے فراغت حاصل کی، چونکہ علم کے ہر میدان میں آپ کو ملکۂ راسخہ اور پورا عبور حاصل تھا، اس لئے حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور کی درخواست پر حضرتِ اقدس سہارنپوریؒ نے خط تحریر فرما کر آپ کو سہارنپور بلایا جس کو حضرت مولانا اطہر حسین صاحب مدظلہ اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

> ''حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمانے لگے کہ بھائی تمہاری صلاحیت و قابلیت کی بناء پر میری رائے تمہارے متعلق اجرائے رہنے کی نہیں ہے بلکہ کسی مدرسہ میں جہاں درسی کتابیں ہوں ملازمت کرلو، اس وقت دو ملازمت آئی ہیں (غالباً ایک لکھنؤ کی تھی، دوسری کوئٹہ کی) ایک چالیس روپے ماہوار کی ہے اور ایک ساٹھ روپے ماہوار کی ہے اور بھائی! ہمارے یہاں تنخواہوں کا معیار بہت گرا ہوا ہے، میرے خیال سے تم بڑی جگہ ساٹھ روپے کی ملازمت پر چلے جاؤ، کیوں کہ لوگ مولویوں کو مطعون کرتے ہیں کہ ان کو کوئی معقول ملازمت نہیں ملتی۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! مجھے بڑی تنخواہ مطلوب نہیں، معمولی تنخواہ پر اگر حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع مل جائے تو میرے لئے بسا غنیمت ہے۔ حضرت اس جواب سے مسرور ہوئے اور حسب روئیداد مدرسہ ہذا ۱۳۴۳ھ درجہ تجوید میں مدرس درجۂ دوم مقرر کردیئے گئے''۔

سفرِ حجاز اور صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہونا

۱۳۵۱ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حجاز کا پہلا سفر فرمایا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو فتاویٰ نویسی میں بھی خصوصی مقام عطا فرمایا تھا، ہم عصر علماء کے ساتھ اکابر علماء بھی آپ کے تفقہ کے معترف تھے، فقہ آپ کی فطرتِ سلیمہ میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ گویا آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی، اس کمال کے باعث آپ ۱۳۵۱ھ میں ہی مظاہر علوم کے صدر مفتی کے عہدہ پر فائز کردیئے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۳۶۸ھ سے اخیر عمر تک مظاہر علوم کے صدر مدرس رہے، اور حسنِ انتظام وخوش اسلوبی سے اس فریضہ کو انجام دیا، ۱۳۵۲ھ میں آپ نے

www.besturdubooks.net

دوسرا حج کیا۔

بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات

اپنے دور کے اصحاب بصیرت علمائے کرام آپ کی صلاحیت، محققانہ انداز، جزئیات پر خاص بلکہ تبحر فی العلم اور آپ کے فتاویٰ نویسی میں غایتِ احتیاط کے معترف تھے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود آپ کے شیخ ومرشد ہونے کے آپ کی تحقیقی تحریرات کی بنیاد پر اپنی بعض آراء سے رجوع فرمایا ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایک مکتوب میں آپؒ کی وسعت نظری کے قائل ہونے کے ساتھ آپ کے تفقہ فی الدین کا بھی اعتراف فرماتے ہیں، مزید برآں یہ کہ بعض جلیل القدر اہلِ علم پر اس باب میں آپ کو فوقیت دیتے رہے، نیز اکثر مسائل میں آپ کی جانب رجوع فرماتے تھے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ ترتیب دے کر آپ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح ترمیم ارسال فرمائے، چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرما کر حسبِ ضرورت مفید مشورے دیئے جن کو مفتی صاحبؒ نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور مستقل "امداد المفتیین" کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

قاضی شہر مختلف آراء سامنے آجانے کے بعد آپ ہی کے فیصلہ پر اعتماد فرماتے تھے، گویا آپ کا فیصلہ قطعی اور حتمی ہوتا تھا اسی لئے پورے شہر سہارنپور اور آس پاس اطراف میں آپ کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا تھا۔

فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ سنایا کہ حضرت ناظم صاحبؒ (مولانا اسعد اللہ صاحبؒ) اپنے اہم امور میں حضرت والد صاحبؒ سے ہی مشورہ کیا کرتے تھے، والد صاحبؒ، حضرت ناظم صاحبؒ کے مشیر خاص تھے، اسی لئے بعض حضرات آپ کو نظام میں دخیل سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ کا دوستانہ تعلق

حضرت شیخ (مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ) کے متعلقین اور وہ احباب کہ جن کے زیرِ مطالعہ حضرتؒ کی

www.besturdubooks.net

آپ بیتی رہی وہ بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ اہلِ تعلق احباب میں سے جس کو جو خوبی یا خامی سامنے آئی بلا تکلف حضرت شیخ نے اس کا اظہار فرمادیا، شیخ اپنے دوستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو تحریر فرماتے ہیں وہ ملخصاً پیش ہے:

''میرے بہت سے مخلص دوست وعزیز جن سے مجھے انتہائی تعلق اور محبت تھی ان سے مدرسہ کے حقوق میں کوتاہی کی وجہ سے مجھے بہت ہی تکدر اور قلق رہا، اس کے بالمقابل میرے کئی دوست ایسے ہیں جن سے مجھے ابتداء میں تعلق نہیں تھا، امورِ مدرسہ میں احتیاط و اہتمام سے وہ میرے محبوب دوست بن گئے، انہیں میں سے قاری مفتی سعید احمد مرحوم بھی ہیں۔ ۴۷ھ میں جب وہ نائب مفتی ہوگئے اور یہ ناکارہ حجاز سے واپس آیا تو مرحوم سے درخواست کی کہ بعد ظہر میرا ایک سپارہ قرآن پاک کا رمضان میں سن لیا کریں، انہوں نے بہت صفائی سے کہہ دیا کہ وہ مدرسہ کا وقت ہے (کہ اس زمانہ میں غیر رمضان کی طرح رمضان میں بھی دفتر اور افتاء دونوں کا وقت صبح وشام ہوتا تھا) اگر ناظم صاحب فرمادیں گے تو سنوں گا ورنہ نہیں، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ) کی جو شفقتیں اس سیہ کار پر تھیں ان کے لحاظ سے اس میں ذرا بھی تامل نہ تھا کہ میں ان سے عرض کروں تو وہ بہت زور سے حکم نامہ جاری فرمادیں لیکن مجھے مرحوم کا یہ جواب بہت ہی اچھا معلوم ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ جزاک اللہ، تم نے بہت اچھا جواب دیا''۔

محتاط زندگی گزارنے کا عجیب وغریب قصہ

''چند ماہ بعد ایک قصہ یہ پیش آیا کہ یہ ناکارہ اور ناظم صاحب مدرسہ عربیہ اجراڑہ کے سرپرست تھے اور سالانہ جلسہ میں بڑے اہتمام سے جاتے تھے، اس سال میں تو پہلے ہی عذر کرچکا تھا، حضرت ناظم صاحب کا ارادہ تشریف لے جانے کا تھا مگر عینِ وقت پر ان کو بھی عذر پیش آگیا، بعد مشورہ قاری صاحب مرحوم کو بھیجنا طے ہوا، وہ حکماً چلے گئے۔ اس ناکارہ کی صحت اس زمانے میں بہت اچھی تھی، اس لئے دیگر امور کے ساتھ مدرسین کی حاضری کا رجسٹر بھی اہتمام سے دیکھتا تھا، اس دن میں نے رجسٹر میں قاری سعید احمد

www.besturdubooks.net

صاحب مرحوم کی ان ایام میں رخصت دیکھی، میں نے کتب خانہ والوں سے دریافت کیا کہ قاری سعید احمد مرحوم ہمارے بھیجے ہوئے بکار مدرسہ اجراڑہ گئے ہیں ان کی رخصت کیوں ہے؟ کتب خانہ والوں نے کہا کہ انہوں نے خود اپنی رخصت لکھوائی ہے۔ میں نے کتب خانہ سے واپسی پر راستہ میں قاری سعید احمد مرحوم سے مطالبہ کیا کہ آپ نے رخصت کیوں لکھوائی ہے؟ مجھے اپنا مطالبہ اوران کا جواب اوراپنا جواب الجواب خوب یاد ہے، انہوں نے فرمایا کہ میرا گھر بھی تو وہیں ہے، بہر حال میں اپنے گھر بھی گیا تھا، مجھے اپنے الفاظ خوب یاد ہیں، میں نے کہا کہ تُو تو بڑا اچھا ونڈا نکلا، کل سے دوپہر کی روٹی میرے ساتھ کھایا کر۔ اللہ تعالیٰ اس مرحوم کو بہت ہی بلند مراتب عطا فرمائے، ترقیات سے نوازے۔

میری اس پیش کش کو مرحوم نے ایسا نبھایا کہ جب تک وہ اپنے مرض الوصال میں چارپائی پر سے اٹھنے سے معذور نہ ہو گئے، کبھی بھی دوپہر کا کھانا میرے ساتھ نہ چھوڑا بلکہ ان کے ذاتی مہمان بھی اگر آجاتے تو ان کا بھی کھانا گھر سے منگا کر میرے ساتھ ہی ان کو کھلاتے تھے اور میرے جو خصوصی مہمان آتے تھے ان کے ساتھ شام کو بھی بجائے میرے وہ ہی میزبانی کرتے تھے اور تعلق دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا، اور پھر تو میرے سفر وحضر کے مصاحب بن گئے، اور انہوں نے بہت ہی حق دوستی ادا کیا۔ مرحوم کے لئے بہت ہی دعائیں کرتا ہوں، مرحوم بہت عرصہ تک شدید بیمار رہے۔

مرحوم کا ایک معمول بہت اہتمام کے ساتھ یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی صبح کو مدرسہ قدیم سے فجر کی نماز پڑھا کر پہلے اس ناکارہ کے مکان پر آتے اور وہاں سے کھجور سے افطار اور چائے وغیرہ پینے کے بعد اور اسی دوران ان کے گھر سے مزیدار پلاؤ بھی آجاتی تھی اس کو بھی مجلس میں ہم لوگ لقمہ لقمہ کر کے ختم کر دیتے، اس سے نمٹ کر وہ اپنے گھر جاتے تھے۔

یکم شوال ۷۶ھ کو مرحوم کا ایک دستی پرچہ میرے نام آیا کہ ۴۸ھ سے اب تک ۲۸/ سال کے عرصہ میں کوئی عید ایسی نہیں گزری کہ میں نے نماز صبح کے بعد آپ کے یہاں

www.besturdubooks.net

حاضری نہ دی ہو، افسوس کہ آج میں اپنی شدید بیماری کی وجہ سے محروم ہوں، مجھے اس کا جس قدر افسوس ہے اس کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ میں اس پرچہ کو پڑھ کر بے تاب ہوگیا اور اسی وقت عید سے پہلے مرحوم سے مل کر آیا اور مرحوم خوب مل کر روئے اور مجھے بھی رلایا، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند درجات عطا فرماوے۔ ان کی خوبیاں اگر لکھوں تو مستقل ایک دفتر چاہیے، میرے رائے پور کے سفر کا تو آخر زمانہ میں مستقل رفیق بن گیا تھا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کو بہت ہی شفقت ہوگئی تھی، اگر مرحوم کے بغیر جانا ہوتا تو حضرت دریافت فرماتے کہ تمہارے دوست نہیں آئے''۔

بیعت وارشاد

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے زمانۂ طالب علمی سے ہی عقیدت و محبت پیدا ہوگئی تھی، اسی لئے قبل البلوغ ہی حضرتؒ سے بیعت و اصلاح کا تعلق قائم کرلیا تھا، آپ کے قلب مبارک میں حضرت محدثؒ کی بے پناہ الفت و محبت رچ بس گئی تھی، بالغ ہونے کے بعد اپنی بیعت کی تجدید فرمائی، آپ حضرت کی اطاعت اور تعمیلِ ارشاد کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے، آپ کے حکم کے منتظر اور حریص رہتے تھے۔

آپ کے قلب میں حضرت کے فرمان کی اس قدر اہمیت تھی کہ ایک مرتبہ کا فرما دینا ہی کافی ہوتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے آپ کو مدرسہ قدیم کی مسجد کی امامت کے لئے فرمایا، آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک تقریباً تیس سال اس کو اہم فریضہ سمجھا، مزید خوبی یہ کہ پوری عمر اس پر کچھ معاوضہ نہیں لیا، کیسی ہی تاریکی، طوفان اور بارش ہوتی لیکن آپ کے لئے مانع نہ تھی، اس قدر اہتمام فرماتے کہ بعض مرتبہ بہت سویرے مسجد تشریف لاتے اور مؤذن کو آپ ہی بیدار فرماتے۔

بچوں کی تربیّت کا انوکھا انداز

بابِ تربیت میں بھی آپ کو ملکہ حاصل تھا اور اصولِ تربیت سے آپ کو اچھی طرح واقفیت تھی، فطرتاً آپ مزاح کے عادی نہ تھے، اسی لئے بچوں کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہ ہوتے تھے، حتی الوسع یہ سعی فرماتے تھے کہ بچہ

www.besturdubooks.net

بغیر زد وکوب کے ہی طریقِ مضر سے باز رہے، ضرورت پیش آنے پر ڈانٹ ڈپٹ بھی فرمادیتے۔ بچہ کو پیسے وغیرہ عنایت فرمانے میں انوکھا طریق یہ تھا کہ اس کے کسی کام پر بطورِ انعام کہہ کر دیتے تاکہ ترقی کی جانب رغبت پیدا ہو، آپ بچوں سے زیادہ مزاح نہ فرماتے، اسی لئے بچوں کو بھی اولاً آپ کے روبرو بے ادبی اور بولنے کی جرأت نہ ہوتی، اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی تلقین فرماتے اور عملی طریقے سے ان کو اس کا عادی بناتے، انبیاء وصالحین کے قصے سنانے کا بھی معمول تھا، کبھی قصۂ یوسف۔ علیہ الصلوۃ والسلام۔ سناتے اور کبھی اور۔

آپ کے درس کی خصوصیات

آپ کے درس کی بعض خصوصیات جداگانہ اور ممتاز ہیں، آپ مزاح کے عادی نہ ہونے کے باوجود درس میں فرحت وانبساط سے رہتے، کبھی مزاح بھی فرماتے، تاکہ طالب علم مرعوب نہ ہو اور ہر شخص سوال کر سکے، اسی لئے ہر طالب علم کے سوال کا جواب ضرور دیتے خواہ وہ کیسا بھی بے حقیقت اور غیر موزوں ہو مگر اس کی دلداری کی خاطر جواب دیتے۔

آپ ہمیشہ درس کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے، کسی بحث کو ادھوری نہ چھوڑتے، ہر باب کی واضح پُر مغز اور موثر تقریر فرماتے، مطالعہ کے عادی تھے، بلا مطالعہ نہ پڑھاتے تھے، بلکہ تحریر میں ضبطِ مطالعہ کی بھی عادت تھی، مشکوۃ وجلالین پر خصوصاً تعلیقات ثبت ہیں جو کہ بمنزلۂ شرح کے کہی جاسکتی ہیں، مشکوۃ کی مستقل اردو میں بھی تفصیلی کاپیاں بڑی محنت سے لکھی تھیں، جو عبداللطیف حصاری لے گئے تھے اور پھر تقسیمِ ہند کی صورت ہوئی تو وہ واپس نہ کر سکے۔

آپ رسوم وبدعات اور آج کل کے صوفیہ کی خوب خبر لیتے تھے۔ مشکوۃ وجلالین کے طلبہ کو اسمائے حسنیٰ حفظ کرنے کی ترغیب دیتے اور یاد کرنے پر کچھ انعام بھی عنایت فرمادیتے، طلبہ کی نگہداشت اور تربیت کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے، ہمیشہ باوضو ہو کر درس میں تشریف لے جاتے۔ ایک بار ۱۳۷۳ھ میں بخاری کے درس میں اس معمول کا ذکر حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ قاری (مفتی سعید احمدؒ) کی یہ ادا مجھے بہت پسند آئی کہ میں اپنے کمرہ سے دیکھتا کہ وہ قاری ترمذی کے درس میں جاتے تو پہلے وضو کرتے اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر درس کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

سالہا سال تک اپنے درسِ حدیث سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتے رہے، آپ کے درس میں مسائل

www.besturdubooks.net

حاضرہ پر گفتگو اور درسِ جلالین میں طحطاوی پر ردبھی ہوتا تھا۔

تواضع، سادگی اور فقیرانہ زندگی

مزاج میں نہایت سادگی تھی، لباس موٹا اور سنت کے مطابق ہوتا، لانبا کرتا، نصفِ ساق تک کا اونچا پائجامہ، مغلئی ٹوپی، اکثر دوپلی گاہے گول، اور سر پر عمامہ بھی ہوتا تھا۔ اخیر زمانہ میں عمومی طور پر عمامہ نہ باندھتے تھے، لیکن پھر بھی بوقتِ ضرورت لنگی ہی سے عمامہ کا کام لے لیتے۔ سفر میں کوئی ہینڈ بیگ یا اٹیچی نہ رکھتے، بلکہ کپڑوں کو لنگی میں لپیٹ کر بغل میں دبا لیتے تھے، باوجودِ قدرت کے عمر بھر آپ کی سادگی کا یہی حال رہا اور اسی کی قولاً وعملاً ہمیشہ ترغیب دی۔

آپ اپنا کام خود کیا کرتے تھے، طلبہ یا اپنے پاس رہنے والوں سے اکثر خدمت نہ لیتے، بازار سے غلہ یا گھر کی دیگر ضروری اشیاء خود ہی خریدتے اور صاحبزدگان کو ساتھ لے جاتے، اور اس طرح کام کرنے کو معیوب نہ سمجھتے اور سب کو خود ہی کام کرنے کی ترغیب دیتے اور اکثر "كان محمد يدور على الصواغين" کے الفاظ کے ساتھ امام محمدؒ کا معمول نقل فرماتے کہ امام علیہ الرحمۃ زرگروں کے پاس چکر لگاتے اور ان کے معاملات دیکھ کر پھر احکام لکھتے تھے۔

آپ کی سادگی تواضع ومسکنت کے بارے میں سیدی ومرشدی فقیہ الاسلام حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"میرے والد صاحب (مفتی سعید احمدؒ) نے بڑی سادہ زندگی گزاری ہے جب کہ اللہ نے خوب نوازا تھا، حضرت مدنی اور حضرت تھانویؒ رحمہما اللہ تعالیٰ بڑا احترام فرماتے تھے، گھر میں بجلی نہیں تھی بلکہ پوری زندگی چراغ وغیرہ سے کام لیا جاتا رہا، ایک پڑوسی نے کہا کہ میرے یہاں سے تار لے لیا جاوے لیکن والد صاحب نے بڑی سختی سے منع فرمادیا۔

سہارنپور میں اپنا مکان نہیں بنایا، ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے، ایک بار والدہ صاحبہ نے کہا بھی، فرمایا ہمارا یہاں کون ہے، خاندان نہیں، رشتہ دار نہیں، محض ملازمت ہے، کیوں ملازمت کی وجہ سے مکان بنایا جائے، آج اگر اہلِ مدرسہ منع کردیں یا ہمیں ہی مدرسہ چھوڑنا پڑ جائے تو کل یہاں سے جانا پڑے گا"۔

www.besturdubooks.net

دو خاص نصیحتیں

حضرت والا آگے تحریر فرماتے ہیں:

''میرے والد صاحب دل کے مریض تھے، لیٹے ہوئے تھے، حاجی عرفان (متی) صاحب آگئے، کہنے لگے، حضرت! دارالعلوم دیوبند میں تنخواہوں کی افراط ہے اور آپ کے یہاں مظاہر علوم میں تفریط، یعنی آپ کی تنخواہیں قلیل ہیں کچھ اضافہ ہونا چاہیے، یہ سن کر والد صاحب بہت روئے، حاجی صاحب کو خیال ہوا کہ مفتی صاحب دل کے مریض ہیں اور میرے کہنے سے ان کی حالت بگڑتی نظر آرہی ہے، یہ اچھا نہیں ہوا۔ پھر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ حاجی جی! مدارس میں امداد کا پیسہ بہت کم آتا ہے، زیادہ زکوٰۃ وصدقات کا آتا ہے، جو ''اوساخ الناس'' یعنی لوگوں کا میل کچیل ہے، بہتر تو یہ ہے کہ مدارس میں بغیر تنخواہ کے کام کیا جاوے اور اگر تنخواہ لی جاوے تو کم از کم ہونی چاہیے۔

والد صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ دیکھو دو باتیں یاد رکھنا: ایک تو تنخواہ میں اضافہ کی درخواست مت دینا، دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ مدرسہ سے یہ مطالبہ نہ کرنا کہ فلاں کتاب دیدی جاوے، الحمدللہ آج تک اس پر عمل ہے''۔

حضرت والا نے ایک موقعہ پر سنایا:

''والد صاحبؒ کی خدمت میں بحالتِ مرض الموت ہم لوگ حاضر تھے، فرمایا: میرے ذمہ کسی کا قرض نہیں، کبھی بعد میں یہ خیال کریں کہ باپ تو مزے لے کر چلا گیا اور ہمیں قرض میں دبادیا۔ دوسرے یہ کہ گھر میں جو سامان ہے، سب کا سب تمہاری والدہ کا ہے، انہوں نے اپنے خرچ سے بچا بچا کر جمع کیا ہے، اس لئے اس میں کسی اَور کا حصہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ میرے پاس اپنی ذاتی رقم یا سامان نہیں ہے کہ ترکہ ہو اور اس میں جھگڑا بنے۔ رہی یہ بات کہ میرے بعد بچوں کا کیا ہوگا، سو اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا فرمان پیش نظر ہے کہ ان سے مرض الوفات میں کسی نے عرض کیا، حضرت! آپ کے بعد بچوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: ''میرے بچے اگر نیک رہے تو اللہ ان کی کفالت خود فرمائے گا: ﴿وهو يتولى

الصالحین﴾ اور ''وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی''۔ جب اللہ کا وعدہ ہے تو مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر یہ نیک نہ رہے تو اللہ کو ان کی پرواہ نہیں، جب اللہ کو پرواہ نہیں تو میں کیوں ان کی پرواہ کروں۔

یہ سنانے کے بعد میرے حضرت آبدیدہ ہوگئے اور کچھ دیر سکوت رہا، پھر دوسری بات شروع ہوگئی اور پہلی حالت عود کر آئی''۔

اوصافِ حمیدہ

آپ اپنے اساتذہ اور شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے منظورِ نظر، علم و کمال میں یکتا، تقویٰ و طہارت، زہد و قناعت، تواضع و انکساری، دقتِ نظر، استغنائیت و خوداری اور خلوص وللٰہیت کے پیکر تھے۔

حدیث و تفسیر، فقہ و فتاویٰ اور دقیق مسائل پر بیک وقت مکمل عبور حاصل تھا، اوقات و معمولات کے پابند، تصنع اور تکلف سے متنفر ﴿وما انا من المتکلفین﴾ کے مصداق تھے، ذاتی کام کے لئے مدرسہ کی بجلی استعمال نہ کرتے بلکہ ایک لالٹین جلتی، اسی میں بچوں کو پڑھنے لکھنے کا حکم تھا، سنجیدگی اور وقار قدم بقدم ظاہر ہوتا تھا، دینی خدمت کا جذبہ پورے طور سے کارفرما تھا، حلم و بردباری اور حکمتِ عملی سے کام لیتے۔

آپ کسی سیاسی سرگرمی میں مستقل حصہ نہ لیتے، ہاں افکار و رجحانات میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کے ہم ذوق تھے، ضرورت پیش آنے پر حمایت اور تعاون فرماتے، قرآن کریم کی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھتے اور مشاغل کثیرہ کے باوجود ایسی تعلیمی تحریکوں میں اپنی علمی و عملی سرگرمیوں اور انتہائی کوششوں کے ساتھ حصہ لیتے۔

تالیفات و تصنیفات

درس و تدریس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کے خاص ذوق اور سلیقہ سے بھی نوازا تھا، اپنے ذمہ قرآن کریم کا حق سمجھتے ہوئے اولاً آپ نے تجوید و قرأت پر قلم اٹھایا، چنانچہ ''فیض العزیز''، ''القلائد الجوہریہ''، ''شرح جزری''، ''شرح خلاصۃ البیان'' (عربی) کی تصنیف ''شرح شاطبیہ'' (عربی) کی تصنیف اور ''فوائد مکیہ'' پر حاشیہ ارقام فرمایا۔

www.besturdubooks.net

علم فقہ میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ مناسکِ حج کے سلسلہ میں ''معلم الحجاج'' آپ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے کہ جس کی تصنیف کے زمانہ میں بعض صالحین نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کتابوں کا گرد و غبار صاف کر رہے ہیں، بعض معبرین نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کا تصنیفی کارنامہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اس کام کے مقبول ومبرور ہونے کی علامت ہے۔

علاوہ ازیں ''نوٹ کی حقیقت''، ''الکحل آمیز ادویہ''، ''احکام الصید''، ''الحج المبرور''، ''رباء القرض''، ''اغلاط الحجاج''، ''اقوال الأخیار فی حسنات الکفار'' اور ''عربی حاشیہ بہشتی زیور'' بلا شرکتِ غیرے بھی موصوف کی تصنیف ہے، جو اولاً مطبع مجتبائی سے طبع ہوا پھر بعد میں دوسرے مطبع والوں نے کسی قدر اضافہ کے ساتھ شائع کیا۔

''مشرقی کا اسلام''، ''آئینۂ نماز''، ''فتاویٰ مظہریہ''، ''آداب السلام'' اور ''حاشیہ مختصر المعانی'' مطبوعہ مجتبائی بھی آپ کے قلم کا فیضان ہے، آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اس لئے ''آداب الإفتاء'' کی تکمیل نہ فرما سکے۔

نور الایضاح پر بھی حاشیہ تحریر فرمایا، ان کے علاوہ حدیث، تفسیر، فقہ کی کتابوں پر ترقیمات بھی ثبت فرمائیں، جن میں ''ترمذی، مشکوٰۃ، نسائی، جلالین، بذل المجہود، ہدایہ، کنز الدقائق، بدائع الصنائع'' اور فقہ حنفی کی بنیادی حیثیت رکھنے والی عظیم الشان کتاب ''شامی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی تصانیف: ''تبلیغی نصاب، اوجز المسالک'' وغیرہ کی اصلاحات کے ساتھ آپ نے مفید مشورے بھی دیئے، دیگر اربابِ علم وفضل مصنفین بھی آپ کی خدمت میں اپنی کتاب بغرضِ اصلاح وتقریظ پیش کرتے جن پر آپ اصلاحی نظر فرماتے رہے۔ حضرت شیخ کی ''اوجز المسالک'' پر تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے، اور مسئلہ امارت جس پر شیخ الحدیث صاحب نے ''معارف الشیخ'' کے نام سے ایک جز شائع کیا ہے، اس کی تیاری بھی حضرت مفتی صاحب ہی نے فرمائی ہے جیسا کہ مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کی روایت ہے۔

علالت، وفات اور آخری وصیت

آپ ایک سال تک متواتر امراض میں مبتلا رہے، مختلف علاج اور دوائیں کی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، بالآخر پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور وہ آفتابِ علم وہدایت جو برسہابرس سے اپنے علمی وعرفانی انوار کی بارش کرتا رہا، وہ پرہیزگار ومتقی بزرگ جو اپنے اندر جذبۂ شاہین اور استقامتِ جبل لئے ہوئے تھا، وہ خلوص وللّٰہیت کا پیکر جو فطرتاً

www.besturdubooks.net

شریف اور فہیم وحکیم تھا بالآخر ۲/صفر المظفر /۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۹/اگست/۱۹۵۷ء کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملا۔

إنالله وإنا إليه راجعون۔

دارِ جدید کے وسیع میدان میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں کثیر مجمع نے شرکت کی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ کے بائیں جانب تدفین ہوئی، جہاں مولانا عنایت الٰہیؒ، مولانا ثابت علیؒ، مولانا یحییٰؒ اور مولانا پیر محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے استاد مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا اسعد اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ اکابر علمائے مظاہر علوم مدفون ہیں۔

آپ کی سب سے آخری وصیت اور نصیحت آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہم سبھوں کے لئے درس کی حیثیت رکھتی ہے۔فرمایا:

> ''میں اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ زندگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کریں''۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی قبر کو پُر نور اور اپنی رحمتوں کے سایہ میں رکھے، درجاتِ عالیہ عطاء فرمائے۔آمین!

☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

استاذ الفقہاء حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

شاہ جہاں پور آپ کا وطن ہے، ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں کی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، دار العلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں ان کی بھی دستار بندی ہوئی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے انہیں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا، وہاں طویل مدت تک افتاء اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اہلِ گجرات پر ان کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا۔ فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی۔

۱۳۶۷ھ میں انہیں دار العلوم کے دار الافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر مامور کیا گیا، ۱۳۸۷ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے دار العلوم سے سبکدوش ہوکر وطنِ مالوف شاہ جہاں پور“ چلے گئے۔ ان کے زمانۂ صدارت میں دار الافتاء دار العلوم سے ۵۴۲۴ ۳، فتاویٰ جاری ہوئے۔

مفتی مہدی حسن صاحب زاہد ومتقی، متواضع اور فیاض طبع تھے، اس کے ساتھ صاف گو اور اظہارِ حق میں بے باک تھے، شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور آزاد تخلص تھا، حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر اجازت و خلافت حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا شفیع الدین مکی سے حاصل ہوئی۔

مفتی مہدی حسن صاحب کئی اہم کتابوں کے مصنف ومرتب ہیں، جن میں حدیث کی شرح معانی الآثار للطحاوی کی عربی شرح قلائد الازھار کے نام سے ۶/ جلدوں میں ہے، اس کی دو جلدیں طبع ہوچکی ہیں۔ فقہ میں امام محمدؒ کی کتاب الحجہ پر- جو ۴/ جلدوں میں ہے- ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف میں اس کی ابتدائی دو جلدیں چھپی ہیں، یہ کتاب بڑی نایاب تھی، اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا، یہ فقہ حنفی کی

www.besturdubooks.net

بنیادی کتابوں میں سے ہے، مفتی صاحب نے اس کے مسودے کی تصحیح و تعلیق میں ۲۰/ سال صرف کیے ہیں۔

امام محمد کی کتاب الآثار پر ان کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ نخبۃ الفکر کی شرح بھی انہوں نے لکھی ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں، ان کے علاوہ اُردو میں دو درجن سے زائد رسائل انہوں نے لکھے ہیں، جو طبع نہیں ہو سکے۔

مفتی مہدی حسن صاحب نے طویل علالت کے بعد اپنے وطن شاہجہاں پور میں ۲۸/ ربیع الثانی/ ۱۳۹۶ھ کو وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی خدمات کو ان کے لئے اور ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے۔ آمین!

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی نظام الدین دامت برکاتہم العالیہ

ولادت باسعادت

ماہِ ذیقعدہ/ ۱۳۲۸ھ، مطابق ماہِ نومبر ۱۹۱۰ء بمقام اوندر، ضلع اعظم گڑھ (مئو) میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت

حضرت والا نے دس سال کی عمر میں پرائمری درجہ چار پاس کیا، اس سے قبل چند ماہ سخت علیل رہے۔ فرماتے ہیں کہ بیماری میں اکثر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو دیکھتا کہ حضرتؒ مجھے بلا کر اپنے سامنے بٹھاتے اور کچھ دعائیں دیتے، دعائیں تو یاد نہیں کہ کیا دیتے اور کیا فرماتے، صرف اتنا احساس ہے کہ ان کی طرف کشش بہت ہوتی اور جی چاہتا کہ ایسا ہی ہوجانا چاہیے، اسی طرح اکثر و بیشتر خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کو بھی دیکھتا، وہ بھی اسی طرح شفقت فرماتے، اور حضرت اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو تو کبھی کبھی سبز رنگ کے تختِ طاؤس پر جلوہ افروز دیکھتا وہ بھی سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے۔

اسی زمانہ میں حضرت والا کے سب سے چھوٹے ماموں حاجی عبدالقیوم صاحبؒ جو اس وقت انجمن اسلامیہ گورکھپور میں پڑھتے تھے، وہاں انجمن کے سالانہ جلسہ میں علمائے دیوبند تشریف لاتے ان کے بیانات وواقعات ماموں صاحبؒ بیان کرتے، اس سے بھی کشش ہوتی کہ ایسا ہی ہوجانا چاہیے۔

غالبًا یہی سب باتیں باعثِ کشش بن گئیں کہ درجہ چار (پرائمری) پاس کرنے کے بعد حضرت والا نے طے کرلیا کہ اب عربی فارسی پڑھ کر عالم بننا چاہیے۔ والد مرحوم جناب مولانا محمد رفیع صاحبؒ نے بہت ترغیب دی کہ ایک مسلم آبادی موضع یوسف پور میں اپنی زمین داری اور چھاؤنی ہے تم وہیں جاکر اس کے قریب موضع فتح پور کے مڈل اسکول میں پڑھو اور اپنی چھاؤنی میں رہو اور فرمایا کہ اس موضع کی پوری آمدنی سے جتنا پڑھنا چاہو

www.besturdubooks.net

پڑھاؤں گا۔ ادھر حضرت والا کا پورا خاندان انگریزی داں تھا اور کم وبیش چھ پشت سے کوئی عربی داں نہیں تھا، البتہ شاہی دور میں خاندان کے لوگ مفتی، قاضی، قاضی القضاۃ، صدر الصدور وغیرہ ملتے ہیں مگر انگریزی دور میں سب انگلش تعلیم میں منہمک ہو چکے تھے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ عربی تعلیم کہاں ہوتی ہے، مگر حضرت والا کا اصرار تھا کہ عربی تعلیم ہی حاصل کروں گا۔

اتفاق سے حضرت والا کی منجھلی خالہ (جن کے کوئی اولاد نہیں تھی) تشریف لے آئیں اور عربی پڑھنے کی خواہش دیکھ کر اپنے ہمراہ قصبہ مبارک پور اعظم گڑھ لے گئیں، بحمد اللہ وبفضلہ وہاں مدرسہ احیاء العلوم میں دار العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ بہت سے علماء حضرات تھے، اب احیاء العلوم میں تعلیم کا آغاز ہوا، اردو بقدرِ ضرورت پڑھ کر فارسی پڑھی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز ولی صفت اور واقعی اللہ کی نعمت تھے، بڑی شفقت سے ایک دو ہی سال میں فارسی کا نصاب مکمل کرا کر عربی شروع کرادی۔ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحبؒ اور مولانا شکر اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ احیاء العلوم اور دیگر اساتذہ بڑی شفقت ومحبت رکھتے تھے اور بہت جلد ہی علم الصیغہ وغیرہ کتابیں شروع کرادیں۔

اسی دوران حضرت والا کے شیخ ومرشد عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ علیہ الرحمہ خلیفۂ ارشاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوکر تشریف لائے۔ حضرت والا اپنے شیخ وملجاء کی خدمت کو لازم پکڑ کر موصوف ہی کے پاس رہے اور ابتدائی تعلیم کے بعد تین سال بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کر کے دہلی مدرسہ عالیہ فتحپور تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ازہرِ ہند دار العلوم دیوبند میں تشریف لاکر ۱۳۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ میں تقریباً پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہ مدرسہ جامع العلوم محلہ دھمال ضلع گورکھپور میں ۳/ سال تک اپنے علوم بیکراں و بے پایاں سے طلبۂ علومِ نبوت کو مستفیض کیا۔ اس کے بعد پھر بحکمِ شیخ دار العلوم مئو ناتھ بھنجن میں تشریف آوری ہوئی اور تقریباً پچیس سال کے عرصہ دراز تک درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی خدمات جلیلہ انجام دیں۔

www.besturdubooks.net

دارالعلوم مئو کے قیام کے دوران ہی حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ صاحبؒ نے اجازتِ بیعت وتلقین سے بھی نوازا۔

حضرت والا اور شاہ صاحب کا جانبین سے جو والہانہ اور عاشقانہ تعلق تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حضرت والا کا شمار شاہ صاحب کے اخص الخواص خدام میں ہوتا تھا، حتی کہ گھریلو اور خانگی معاملات میں بھی شاہ صاحبؒ کے مشورہ اور حکم کے مطابق قدم اٹھاتے تھے۔

دارالعلوم مئو کے قیام کے بعد حضرت والا کی تشریف آوری ماہ رجب ۱۳۸۵ھ میں بحکمِ شیخ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور فتاویٰ نویسی کے عہدہ پر فائز کئے گئے اور اب تک اسی خدمت عظمت کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

تصانیف:

یوں تو حضرت والا کے تحریر کردہ فتاویٰ ہزاروں سے زائد رجسٹروں میں محفوظ ہیں، اسی کے ساتھ "انوار السنة لروّاه الجنه المعروف به فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" کی تبییض کا اہم کارنامہ انجام دیا، یہ کتاب علمِ حدیث میں ایک عجیب انداز کی کتاب ہے، مشکوٰۃ پڑھنے والوں کو عموماً یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور اور بہت کم ہے، اس کتاب سے یہ خلجان بالکلیہ رفع ہوجاتا ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کی تائید واثبات میں جس قدر احادیث صحیحہ ہیں کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں۔ یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی آخری تصنیف ہے، كما لا يخفى على من طالعه۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وجہ تصنیف میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں ہدایہ پڑھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ احناف کے پاس سرمایۂ حدیث نہیں ہے اگر ہے تو بہت کمزور ہے، پھر مشکوٰۃ پڑھنے لگا تو معلوم ہونے لگا کہ واقعی مسلکِ احناف میں احادیث کا سرمایہ نہیں ہے یہاں تک کہ میں نے طے کرلیا کہ شافعی بن جاؤں، یہ خیال اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بیان کردیا تو شیخ نے فرمایا کہ احناف کی تائید میں جتنا مضبوط

www.besturdubooks.net

اور کثیر سرمایہ حدیث ہے اتنا کسی کے پاس نہیں ہے، تم فلاں فلاں کتابیں دیکھ لو پھر مجھ سے کہنا۔

چنانچہ ان کتابوں کا مطالعہ کر لینے کے بعد میری یہ غلط فہمی رفع ہوگئی، پھر میں نے احناف کی شروح مشکوٰۃ دیکھنا شروع کیں تو مجھے کہیں یکجا سرمایہ ایسا نہیں ملا جس سے مشکوٰۃ پڑھنے سے پیدا شدہ یہ خلجان رفع ہو جائے تو اسی وقت سے یہ خیال تھا کہ ایک کتاب مشکوٰۃ ہی کے طرز پر ایسی ہونی چاہیے جس سے خود یہ خلجان ختم ہو جائے۔ چنانچہ مشکوٰۃ ہی کے طرز پر یہ کتاب حضرت دہلویؒ نے تالیف کی ہے۔

واقعی یہ کتاب عجیب ہے بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر اور شرح حدیث بالحدیث ہے۔ اس کتاب کا کمال یہ بھی ہے کہ بالکل مشکوٰۃ کے طرز پر ایک باب قائم کرتے ہیں پھر اس باب میں جتنے مذاہب معتبرہ وارد ہیں سب کو بیان کرتے ہیں، سب سے قوی مذہب پہلے بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے کمزور مذہب، پھر اسی طرح اس سے کمزور مذہب پھر اسی طرح سب سے کمزور مسلک سب سے اخیر میں نقل کرتے ہیں۔

نیز اولاً سب سے کمزور مسلک کی احادیث وروایات نقل کرتے ہیں پھر اس کے بعد اس سے قوی مذہب کی احادیث اور سب سے اخیر میں سب سے قوی مذہب کی احادیث وروایات اس طرح جمع کرتے ہیں کہ بعد کی احادیث وروایات اپنے ماقبل کا خود جواب بنتی ہیں اور شرح حدیث بالحدیث کا لطف بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے بھی شیخ کی یہ تالیف نوادراتِ روزگار میں سے ہے اور اس درجہ میں ہے کہ ہدایہ ومشکوٰۃ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کو سبقاً سبقاً پڑھا جائے۔

یہ کتاب "فتح الرحمن فی إثبات مذهب النعمان" حضرت حکیم محمود صاحبؒ معروفی کے (جو ایک علمی خاندان کے فرد تھے) کتب خانہ کے مخطوطات سے جو نہایت بوسیدہ کرم خوردہ تھی، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مئوی محدثِ کبیر کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اور حضرت موصوف ہی کے ایماء وامر سے حضرت والا نے مسلسل ڈھائی سال کی محنت اور کاوش کے بعد اس کی تبییض کی، اس طرح یہ قابلِ اشاعت ہوئی۔ اس کا کوئی نسخہ مخطوطہ بھی نہیں ملتا تھا، بڑی کاوش اور تلاش سے جامعہ ملیہ دہلی کے مخطوطات کے گھر سے برآمد ہوئی، اس

www.besturdubooks.net

کے ٹائٹل پر "فتح الرحمن في تائید مذهب النعمان" لکھا ہوا ہے، بقیہ عبارتیں حرف بحرف یکساں ہیں اور اس نسخہ کا سراغ بھی خلیق نظامی کی کتاب سے جو کہ شیخ عبدالحقؒ کے حالات میں لکھی ہے اس سے ملا۔ حضرت والا نے مختصر تعلیقات کے ساتھ طبع کرا کر اس کو زندہ کر دیا ہے۔

بقیہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نظام الفتاویٰ

(۲) اقسام الحدیث فی اصول التحدیث

(۳) اصول حدیث (اردو مترجم)

(۴) آسان علمِ صرف جز اول معروف بہ اردو میزان

(۵) آسان علمِ صرف جز دوم معروف بہ اردو منشعب

(۶) آسان علمِ نحو معروف بہ اردو نحو میر

(۷) آسان علمِ نحو معروف بہ معلم سواد خوانی (عربی)

(۸) رویتِ ہلال کی شرعی حیثیت

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، الهادي إلى صراطه المستقيم، والصلاة والسلام على خاتم النبيين محمد النبي الأمّيّ الأمين، المبعوث رحمةً للعالمين، الذى أرسى قواعد الدين، ورسم معالم التشريع الحكيم، وعلى آله وصحبه وعترته ومن تبعه بإحسان إلى يوم الدين۔

امابعد!

فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے، اس لئے کہ فقہ کے لئے ایک طرف قرآن وعلوم قرآن، حدیث ومتعلقاتِ حدیث، اقوالِ صحابہ، ارشاداتِ ائمہ، اجتہاداتِ فقہاء، اور جزئیات وفروع کے باریک امتیازات پر وسیع نظر، مرجوح وغیر مرجوح پر وسیع اطلاع، امت کی واقعی ضروریات کا ادراک، احوالِ زمانہ کی مکمل بصیرت اور بدلتے ہوئے حالات میں مسائلِ دین کو امت کے مزاج اور دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کی پختہ دسترس مطلوب ہے تو دوسری طرف یہی فقہ ہے جو طہارت ونظافت کے جزوی مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اور اُن تمام امور کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلال وحرام اور اباحت وحرمت سے ہے۔

فقہ پر دسترس کے لئے لازم ہے کہ فی الجملہ تمام علوم اسلامیہ پر ماہرانہ رسوخ حاصل ہو، اس لئے کہ ہر عصر کے ہر قسم کے مسائل کا شرعی حل پیش کرنا فقیہ ہی کا کام ہے، یہ نہ مفسر ومحدث کی ذمہ داری ہے اور نہ مؤرخ

www.besturdubooks.net

وسیرت نگاری، یہ صرف فقیہ کی ذمہ داری ہے اور دیگر تمام اس کے مُمد ومعاون ہیں، چنانچہ ہر مفسر ومحدث کے لئے فقیہ ہونا لازم نہیں، جب کہ ہر فقیہ کو کبھی مفسر، کبھی محدث، کبھی مؤرخ اور کبھی سیرت وسوانح نگار بننا پڑتا ہے۔

پھر فتاویٰ کا میدان فقہ سے اُور زیادہ وسیع ہے، اس لئے کہ فتاویٰ میں ایمانیات وعقائد، فرق، تاریخ، سیرت نبوی وسیرت صحابہ، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، حقوق، عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت، قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح اور تطبیق وغیرہ تمام فتاویٰ کے شعبہ جات اور مندرجات ہیں، اس لئے مفتی ان تمام شعبوں اور مسائل سے صرفِ نظر کرکے اپنی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا، پھر مفتی کو کبھی امتِ اسلامیہ کی مشکلات میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے حدودِ شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے نرم مزاج اور کبھی مزاجِ شریعت کی حفاظت اور خلافِ شرع طرز اپنانے والوں کے لئے سخت مزاج بھی بننا پڑتا ہے۔

حضراتِ علمائے دیوبند میں فقہ وفتاویٰ کا سلسلہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے شروع ہوا اور پھر اس سلسلۃ الذہب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مفتی مہدی حسن، حضرت مفتی سعید احمد، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی جیسی نابغۂ روزگار شخصیات منسلک ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کی ذاتِ گرامی اس حیثیت سے سب سے ممتاز ہے کہ برصغیر میں کسی بھی مفتی کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا اتنا بڑا مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا، چنانچہ شائع شدہ بیس مجلدات کے علاوہ بے شمار فتاویٰ منتظر اشاعت ہیں اور پھر فقہ کے متداول ابواب کے علاوہ حظر واباحت کی بے شمار جزئیات، مدارسِ اسلامیہ کے مسائل جدیدہ، مختلف فرقوں کے متعلق مفصل ومدلل فتاویٰ، تبصرۂ کتب، بعض شخصیات کی جرح وتعدیل، دعوت وتبلیغ کی حقیقت، اس کی شرعی حیثیت اور اس کے مسائل فتاویٰ محمودیہ کا طرۂ امتیاز ہیں۔

بہر حال فتویٰ اور مفتی سے متعلق چند ضروری باتیں مقدمۃ العلم کے طور پر ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

فتویٰ کی لغوی تعریف

لفظ "فتویٰ" فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے اور فاء کے ضمہ کے ساتھ بھی، لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ

www.besturdubooks.net

ہے جس کے معنی ہیں: کسی بھی سوال کا جواب دینا، چاہے وہ شرعی سوال ہو یا غیر شرعی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ یأیها الملأ أفتونی فی رؤیای إن کنتم للرؤیا تعبرون﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲،۴۳)

ترجمہ: ''اے دربار والو! اگر تم تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو''۔

﴿یوسف أیها الصدیق أفتنا فی سبع بقرات سمان﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲، ۴۱)

ترجمہ: ''اے یوسف! اے سچے! اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے''۔

﴿وقُضی الأمر الذی فیه تستفتیان﴾. (سورۂ یوسف: ۱۲،۴۲)

ترجمہ: ''جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا''۔

﴿ یأیها الملأ أفتونی فی أمری﴾. (سورۃ النمل: ۲۷،۳۲)

ترجمہ: ''اے اہل دربار! تم مجھ کو میرے اس معاملہ میں رائے دو''۔

مذکورہ بالا آیات میں لفظ فتویٰ مطلق جواب حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، کوئی شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے نہیں۔

لیکن بعد میں لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے خاص کیا گیا، یعنی شرعی مسئلہ پوچھنے کو فتویٰ کہا گیا اور قرآن کریم میں بھی اس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ویستفتونك فی النساء، قل الله یفتیکم فیهن﴾. (سورہ النساء: ۴،۱۲۷)

ترجمہ: ''اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں''۔

﴿یستفتونك، قل الله یفتیکم فی الکلالة ﴾. (سورۃ النساء: ۴،۱۷۶)

ترجمہ: ''لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے''۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی لفظ ''فتویٰ'' شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"أجرؤ کم علی الفتیا أجرؤ کم علی النار". (أخرجه الدار می فی سننه: ۱/۱۵۷)(۱)۔

(۱) (سنن الدارمی، باب الفتیا ومافیه من الشدة، رقم الباب: ۲۰، رقم الحدیث: ۱۵۷، قدیمی)

(والجامع الصغیر للسیوطی رحمه الله تعالیٰ: ۱/۳۰۰، رقم الحدیث: ۱۸۳، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

www.besturdubooks.net

"الإثم ماحاك في صدرك وإن أفتاك الناس وأفتوك"(۱)۔

اصطلاحی تعریف:

"الإخبار بحكم الله تعالىٰ عن مسئلةٍ دينيّةٍ بمقتضى الأدلة الشرعية لمن سئل عنه في أمر نازل على جهة العموم والشمول، لاعلى وجه الإلزام". (المصباح، ص: ۱٦)(۲)۔

---

(۱) رواه الإمام أحمد بن حنبلؒ بلفظ: "عن وابصة بن معبد قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأنا أريد أن لاأدع شيئاً من البرّ والإثم إلاسألته عنه، .... فقلت: يا رسول الله! فأخبرني، قال: "جئت تسألني عن البرّ والإثم"؟ قلت: نعم، فجمع أصابعه الثلاث، فجعل ينكت بها في صدري ويقول: "ياوابصة! استفت نفسك البر: ما اطمأنّ إليه القلب واطمأنّت إليه النفس، والإثم ماحاك في القلب، وتردّد في الصدر وإن أفتاك الناس". قال سفيان: "وأفتوك". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند وابصة بن معبد الأسدي: ۲٦۸/۵، رقم الحديث: ۱۷۵۳۰، دارإحياء التراث، بيروت)

(۲) (المصباح في رسم المفتي ومناهج الإفتاء، ثالثاً: الإفتاء اصطلاحاً: ۱٦/۱، ماریہ اکادمی کراچی)

وقال العلامة المناويّ: "والإفتاء بيان حكم المسئلة، قال في الكشاف: الفتوى الجواب في الحادثة، اشتقت على طريق الاستعارة من الفتى في السِّنّ". (فيض القدير على الجامع الصغير: ۳۰۰/۱، تحت رقم الحديث: ۱۸۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

www.besturdubooks.net

فتویٰ کا تاریخی پسِ منظر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ

رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مفتی الثقلین تھے اور منصب افتاء پر فائز تھے، وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کے فتاویٰ جوامع الکلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فتاویٰ (یعنی احادیث) اسلام کا دوسرا ماخذ ہیں (۱)، ہر مسلمان کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور سرِ مو کسی کو انحراف کرنے کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ما آتاکم الرسول فخذوہ، وما نھاکم عنه فانتھوا﴾. (الحشر: ۵۹، ۷)

ترجمہ: ''رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو''۔

﴿فإن تنازعتم فی شئی فردوہ إلی اللّٰہ والرسول﴾ (۲)۔

ترجمہ: ''پھر اگر کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زریں میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہیں تھا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو دور دراز علاقوں کے لئے کبھی کبھی مفتی بنا کر بھیج دیتے، تو وہ منصب قضاء و افتاء پر فائز ہوتے اور

---

(۱) " وأیضاً أن إمام المفتیین ورسول رب العالمین وخاتم النبیین علیه التحیة والتسلیم تولّی ھذا المنصب العظیم، وکان بمقتضی الرسالة قائماً بھذہ الوظیفة الشریفة؛ لأنھا نوع من البیان الذی ھو وظیفة الرسول صلی اللہ علیه وسلم، کماقال اللّٰہ سبحانه: ﴿وأنزلنا إلیک الذکر لتبیّن للناس ما نزّل إلیھم، ولعلھم یتفکرون﴾". (المصباح فی رسم المفتی والإفتاء، الإفتاء ومکانته فی الشریعة الإسلامیة: ۱/۲۴، ماریه اکادمی کراچی)

(۲) (النساء: ۵۹)

www.besturdubooks.net

لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے، جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن، حدیث اور قیاس واجتہاد کے ذریعے سے فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی (۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہر چیز میں یعنی: عبادات، معاملات، اخلاقیات، آداب اور معاشرت سب چیزوں میں صحیح رہنمائی فرمائی، ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ وارشادات موجود ہیں اور مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

---

(۱) "وعن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن، قال: "كيف تقضي إذا عرض لك قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: " فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: " فإن لم تجد في سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد برأيي ولا آلو، قال: فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره، وقال: "الحمدلله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله". رواه الترمذى وأبوداؤد والدارمى" (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فى القضاء والخوف منه، الفصل الثانى، ص: ۳۲۴، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، مسند معاذ بن جبل، رقم الحديث: ۲۱۵۹۵، ۱/۳۲۱، داراحياء التراث)

(وسنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب اجتهاد الرأى فى القضاء: ۲/۱۴۹، امداديه ملتان)

(وجامع الترمذى، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى القاضى كيف يقضى: ۱/۲۴۷، سعيد)

قال الملا على القارئ: " (قال: أجتهد برأى) : أى أطلب حكم تلك الواقعة بالقياس على المسائل التى جاء فيها نصّ، وأحكم فيها بمثل المسئلة التى جاء فيها نص لما بينهما من المشابهة .... قال الخطابى: لم يُرد به الرأى الذى يسنح له من قبل نفسه أو يخطر بباله على غير اصل من كتاب أو سنة، لابل أراد ردّالقضية إلى معنى الكتاب والسنة من طريق القياس، وفى هذا إثبات للحكم بالقياس. قال المظهر: أى إذا وجدتُ مشابهةً بين المسئلة التى أنا بصددها، وبين المسئلة التى جاء نص فيها من الكتاب أو السنة، حكمتُ فيها بحكمها ...... "وقال: الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسوله" : أى لما يُحبّه ويتمنّاه من طلب طريق الصواب. قال الطيبى: فيه استصواب منه صلى الله عليه وسلم لرأيه فى استعماله، وهذا معنى قولهم: "كل مجتهد مصيب اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل فى القضاء والخوف منه، الفصل الثانى: ۷/۳۰۸، ۳۰۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دارفانی سے وصال فرما جانے کے بعد فتویٰ کے کام اور ذمہ داری کو صحابہ کرام نے سنبھالا اور احسن طریقے سے انجام دیا، حضرات صحابہ کرام میں سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ زائد تھی، جن میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

البتہ زیادہ فتویٰ دینے والے سات تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۱)۔

ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو ان سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد بھی بہت ہے، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکرہ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (۲)۔

---

(۱) "ثم قام بالفتوی بعد النبي صلی الله علیه وسلم الصحابة رضي الله تعالیٰ عنهم، وقد ذکر ابن القیم في "إعلام الموقعین" أن الذین حُفِظت عنهم الفُتیا من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم مائة ونیف وثلاثون نفساً مابین رجل وامرأة، فکان المُکثرون منهم سبعاً: عمر بن الخطاب، وعليّ بن أبي طالب، وعبدالله بن مسعود، وعائشة أم المؤمنین، وزید بن ثابت، وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهم أجمعین". (أصول الإفتاء، الفتویٰ في عهد الصحابة، ص: ۵)

(۲) " وأما المتوسطون من الصحابة فیما روی عنهم من الفُتیا، فعددهم أکثر، منهم: أبوبکر الصدیق، وأمّ سلمة، وأنس بن مالک، وأبوسعید الخدري، وعثمان بن عفان، وأبوهریرة، وعبدالله بن عمر بن العاص، وعبدالله بن الزبیر، وأبو موسی الأشعري، وسعد بن أبي وقاص، وسلمان الفارسي، وجابر بن عبدالله، ومعاذ بن جبل، وطلحة، والزبیر، وعبدالرحمٰن بن عوف، وعمران بن حصین، وأبوبکرة، =

www.besturdubooks.net

تابعین کے دور میں فتویٰ

تعلیم وتربیت اور فقہ وفتویٰ کا سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کہیں جا کر رکا نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں نے احسن طریقے سے سنبھالا اور دل وجان سے اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسل تک کما حقہ پہنچایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ مبارک میں بفضلِ خداوندی بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس وجہ سے حضرات تابعین مختلف بلادِ اسلامیہ میں دینِ متین کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اکثر بلادِ اسلامیہ میں ایسے حضرات مقرر تھے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے: مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عروۃ بن الزبیر، حضرت عبیداللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید، انہی کو فقہائے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابوبکر بن الحارث بن ہشام کا تذکرہ کیا ہے(۱) ان کے اسماء کو کسی شاعر نے شعر میں جمع کیا ہے:

ألا كل من لا يقتدى بأئمة　　فقسمته ضيزىٰ عن الحق خارجه

فخذ هم عبيدالله عروة قاسم　　سعيد أبوبكر سليمان خارجة(۲)

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ اور عبدالمالک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔ کوفہ میں

= وعبادة بن الصامت، ومعاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد الصحابة، ص: ۵،۶)

(۱) "وانتصب في كل بلد من البلاد الإسلامية إمام يتّبعه كثير من الناس في الفقه والفتوىٰ، وكان في المدينة سعيد بن المسيّب، وأبو سلمة بن عبدالرحمٰن بن عوف، وعروة بن الزبير، وعبيد الله، وقاسم بن محمد، وسليمان بن يسار، وخارجة بن زيد رحمهم الله تعالىٰ، ويقال لهم: الفقهاء السبعة، وقد ذكر بعضهم أبابكر بن الحارث بن هشام من جملتهم عوضاً عن أبي سلمة بن عبدالرحمٰن". (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد التابعين، ص: ۷)

(۲) (أصول الإفتاء، الفتوىٰ في عهد التابعين، ص: ۷)

www.besturdubooks.net

ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان، عامر بن شراحیل، علقمہ، شعبی، سعید اور مرہ ہمدانی۔ بصرہ میں حضرت حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول، ابوادریس الخولانی، شراحیل بن السمط عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ابی ذویب الخزاعی، عبد بن امیہ، سلیمان بن الحبیب المحاربی، حارث بن عمیر الزبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ اس کام میں مصروف تھے۔ ان کے اکثر فتاویٰ جات مؤطات، سنن، اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تابعین میں سے ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت کچھ صحابہ کرام کوفہ میں موجود تھے، اور وہ حضرات صحابہ کرام یہ ہیں: حضرت ابن نفیل، حضرت واثلہ، حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت ابن ابی اوفی، حضرت عتبہ، حضرت مقداد، حضرت ابن بسر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید، حضرت محمود بن لبید، حضرت محمود بن الربیع، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو بن حریث، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت ابن عباس، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا اجمعین۔

(ردالمحتار، مقدمہ: ۱/ ۱۴۹، ۱۵۰، طبع جدید، بیروت)(۱)۔

آٹھ صحابہ کرام سے آپ نے روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابی اوفی، حضرت عامر، حضرت ابن انیس، حضرت واثلہ، حضرت ابن جزء، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفيّ: " وصح ان أباحنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة، كما بسط في أواخر منية المفتي، وأدرک بالسِّنّ نحو عشرين صحابياً، كما بسط في أوائل الضياء". وقال العلامة ابن عابدين: " هم : ابن نفيل، وواثلة ،و عبدالله بن عامر، وابن أبي أو في، وابن جزء، وعتبه، ومقداد، وابن بسر، وابن ثعلبة، وسهل بن سعد، وأنس، وعبدالرحمٰن بن زيد، ومحمود بن لبيد، ومحمود بن الربيع، وأبوأمامة، وأبو الطفيل، فهؤلاء ثمانية عشر صحابياً". وقال المصحّح: (قوله: ثمانية عشر) هكذا بخطه، والذى ذكره ستةُ عشر، فقط، فليحرر اهـ". (ردالمحتار على الدر المختار، المقدمة، مطلب فيما اختلف فيه من رواية الإمام عن بعض الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/ ۶۳، ۶۴، سعيد)

www.besturdubooks.net

علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ الانصاری الحنفی نے اپنی کتاب ''جواہر العقائد ودرالقلائد'' میں اُن صحابہ کرام کے نام کو شعر میں بیان فرمایا ہے جن سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"معتقداً مذهب عظيم الشان — أبي حنيفه الفتى النعمان
التابعي سابق الأئمة — بالعلم والدين سراج الأمة
جمعاًمن أصحاب النبي أدركا — أثرهم قداقتفى ومسلكاً
طريقه واضحة المنهاج — سالمة من الضلال الداجي
وقدروى عن أنس و جابر — وابن أبي أوفى كذا عن عامر
أعني أبا الطفيل ذا ابن واثلة — وابن أنيس الفتى واثلة
عن ابن جزء قدروى الإمام — بنت عجرد هي التمام
رضي الله الكريم دائماً — عنهم وعن كل الصحاب العظما

(الدرالمختار، مقدمہ ص:۱۵۰، ۱۵۲)(۱)

کچھ دیگر صحابہ بھی ہیں جن سے امام صاحب کی روایت منقول ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

حضرت سہل بن سعد، حضرت سائب بن یزید بن سعید، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وزاد (أي ابن الحجر الهيثمي) على من ذُكر هنا ممن روى عنهم الإمام فقال: منهم سهل بن سعد ووفاته: سنة ۸۸، وقيل: بعدها، ومنهم: السائب بن يزيد بن سعيد، ووفاته سنة إحدى أو اثنتين أو أربع وتسعين، ومنهم عبدالله بن بسر ووفاته سنه ۹٦، ومنهم محمود بن الربيع ووفاته ۹۹". (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱٥۲)(۲)۔

(۱) (الدر المختار، المقدمة: ۱/٦٣، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المقدمة، قبيل مطلب في مولد الأئمة الأربعة ووفاتهم ومدة حياتهم: ۱/٦٦، سعيد)

www.besturdubooks.net

استنباطِ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استنباطِ مسائل میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے، آپ اپنے زمانے کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت جمع کرتے اور اس جماعت میں ہر فن کے ماہر شریک ہوتے تھے جو اپنے علم وفن میں کامل رسوخ رکھنے کے ساتھ خدا ترسی وفرض شناسی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف تھے، خود امام صاحب اس جماعت کے صدر کی حیثیت رکھتے، کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو سب مل کر بحث ومباحثہ اور غور وخوض کرتے تھے، جب سب علماء کسی مسئلے پر متفق ہوجاتے تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف کو فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں داخل کرو۔

"روی الإمام أبوجعفر الشیرابازی (وفي نسخة: الشیرامازی) عن شقیق البلخی أنه كان یقول: كان الإمام أبوحنیفة من أورع الناس وأعبد الناس، أكرم الناس، أكثرهم احتیاطاً في الدین، وأبعدهم عن القول بالرأی في دین الله عزوجل، وكان لایضع مسئلةً في العلم حتی یجمع أصحابه علیها، ویعقد علیها مجلساً، فإذا اتفق أصحابه كلهم علی موافقتها للشریعة، قال لأبي یوسف أو غیره: "ضعها في الباب الفلاني اهـ". كذا في المیزان للإمام الشعراني قدس سرهٗ.

ونقل ط: عن مسند الخوارزمي: أن الإمام اجتمع معه ألف من أصحابه، أجلّهم وأفضلهم أربعون، قد بلغوا حد الاجتهاد، فقربهم وأدناهم، وقال لهم: إني ألجمت هذا الفقه وأسرجته لكم فأعینوني، فإن الناس قد جعلوني جسراً علی النار، فإن المنتهی لغیری واللعب علی ظهری، فكان إذا وقعت واقعة شاورهم، ناظرهم وحاورهم وسألهم، فیسمع ما عندهم من الأخبار والآثار، ویقول ما عنده، ویناظرهم شهراً أو أكثر حتی یستقر آخر الأقوال، فیُثبتهٗ أبو یوسف، حتی أثبت الأصول علی هذا المنهاج شوریٰ، لا أنه تفرد بذلك كغیره من الأئمة اهـ".

(ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱۵۲، دار إحیاء التراث بیروت)(۱).

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب في مولد الأئمة الأربعة الخ، تحت قول الدر: فحینئذٍ قال لأصحابه الخ: ۱/۶۷، سعید)

www.besturdubooks.net

امام صاحب کے شاگرد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام صاحب کو ایسے شاگرد عطا فرمائے تھے جنہوں نے شاگردی کا حق ادا کیا اور امام صاحب کے علوم کو دنیا کے چاروں اطراف تک پہنچایا، ان اطراف میں امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے مسلک سے لوگ واقف نہیں تھے۔

"حسبك من مناقبه إشتهار مذهبه"

"قوله: اشتهار مذهبه: أي في عامة بلاد الإسلام، بل في كثيرٍ من الأقاليم والبلاد لايعرف إلا مذهبه كبلاد الروم والهند والسند وماورا النهر وسمرقند".

(ردالمحتار: ۱/ ۱٤۰، دار إحياء التراث بيروت)(۱)۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ان شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

"وروي أنه نقل مذهبه نحو من أربعة آلاف نفر". (حواله بالا) (۲)۔

فقہ حنفی بطور قانون

خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع ہونے تک اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ و رائج رہی ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"فالدولة العباسية وإن كان مذهبهم مذهب جدهم، فأكثر قضاتها ومشايخ إسلامها حنفية، يظهر ذلك لمن تصفح كتب التواريخ، وكان مدة ملكهم خمسة سنة تقريباً، وأما السلجوقيون وبعدهم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالباً، وأما ملوك زماننا سلاطين آل عثمان- أيد الله دولتهم ما كر الجديدان- فمن تاريخ تسعمائة إلى يومنا هذا لايولّون

---

(۱) (ردالمحتار، المقدمة: ۱/ ۵٦، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

وقال القاريؒ: "وروى عنه عبدالله بن المبارك، ووكيع بن الجراح، وخلائق لايحصون".

(مقدمة مرقاة المصابيح، ترجمة الإمام أبي حنيفةؒ: ۱/ ۷۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

القضاء وسائر مناصبهم إلا للحنفية". (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۱٤۱، دار إحياء التراث)(۳)۔

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ

سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتویٰ کا کام مدارسِ دینیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیمات نبویہ کی آماجگاہ ہیں۔

جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علمائے دیوبند: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے فتاویٰ مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

فتویٰ کی اہمیت

افتاء کا منصب ایک عظیم الشان منصب ہے، اس کی فضیلت واہمیت ہر شخص پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور فقہائے کرام اور مفتیانِ عظام کی وہ جماعت جنہوں نے اپنے آپ کو استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل کے لئے مختص کیا اور حلال وحرام کو معلوم کرنے کے لئے قواعد وضوابط مرتب کئے وہ تاریک رات میں ستاروں کی مانند ہیں اور یہی لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهماً، وإنما ورّثوا العلم، فمن أخذ به فقد أخذ بحظ وافر". (رواه الترمذی فی كتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، رقم: ۲٦۸۲)(۱)۔

---

(۳) (ردالمحتار المصدر السابق)

(۱) (جامع الترمذی، أبواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه الخ: ۲/۹۷، سعید)

(ومسند الإمام احمد بن حنبلؒ، باقی حدیث ابی الدرداءؓ: ۶/۲۵۴، رقم الحدیث: ۲۱۲۰۸، دار إحیاء التراث بیروت)

www.besturdubooks.net

قرآن کریم میں ﴿أولو الأمر﴾ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو واجب اور ضروری قرار دیا گیا، ایک تفسیر کے مطابق "أولو الأمر" سے مراد حضرات علماء اور فقہاء ہیں۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"اختلف في تأويل "أولي الأمر"، فروي عن جابر بن عبدالله وابن عباس رواية، والحسن وعطاء ومجاهد أنهم أولو الفقه والعلم". (أحكام القرآن، باب في طاعة أولي الأمر: ۲/۲۱۰) (۱)۔

اس طرح بعض آیتوں میں علماء کی اتباع اور امور شرعیہ کے معلوم کرنے میں ان کی طرف مراجعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾. الآية (۲)۔

ترجمہ: "اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے"۔

دوسری جگہ ہے:

﴿واتبع سبيل من أناب إليّ﴾. الاية (۳)

ترجمہ: "پیروی کر اس شخص کے راستے کی جس نے میری طرف رجوع کیا ہے"۔

لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب مسئلہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو حکم خداوندی معلوم کرنے کے لئے مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کرے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام اپنے درپیش دینی مسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة إلى العلماء فيما لايعلم"۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر، تحت قوله تعالىٰ: (ياأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم): ۲/۲۱۰، دار الكتاب العربي، بيروت)

(۲) (النحل: ۴۳) وأيضاً (الأنبياء: ۷)

(۳) (اللقمان: ۱۵)

www.besturdubooks.net

فتویٰ کے کام کی عظمت واہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے، چنانچہ "کلالہ" کے متعلق امت کے استفتاء کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك ، قل اللہ یفتیکم فی الکلالة﴾ الآیة (۱)۔

اور عورتوں کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یستفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فیهن وما یتلی علیکم فی الکتاب﴾ الآیة (۲)۔

یہ کام امام المفتین، محبوب رب العالمین، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زندگی بھر کیا اور بیشار فتاویٰ صادر فرمائے، کتب احادیث آپ ﷺ کے فتاویٰ سے بھری پڑی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وأنزلنا إلیك الذکر لتبین للناس مانزل إلیهم، ولعلهم یتفکرون﴾ الآیة (۳)۔

ترجمہ: ''اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ، جوان کے لئے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں''۔

اسی اہمیت وعظمت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ امت کا ایک طبقہ قرآن وسنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت حاصل کرکے امت کے باقی طبقات کی رہنمائی کے فرائض انجام دے اور آیت قرآن کریم:

﴿فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین﴾ الایة .(٤) کا تقاضا بھی ہے۔

مفتی کا مقام

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مقام مفتی پر طویل اور مفصل بحث فرمائی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مفتی امت میں افتاء، تعلیم اور تبلیغ کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"المفتی قائم فی الأمة مقام النبی صلی اللہ علیه وسلم ، والدلیل علی ذلك أمور:

---

(۱) (النساء: ۱۷۶)

(۲) النساء: ۱۲۷)

(۳) (النحل: ۴۴)

(۴) (التوبة: ۱۲۲)

www.besturdubooks.net

أحدها: النقل الشرعي في الحديث: "أن العلماء ورثة الأنبياء". وبُعث النبي صلى الله عليه وسلم نذيراً بقوله تعالىٰ: ﴿فلولا نفر من كل فرقة﴾. والثاني: أنه نائب في تبليغ الأحكام. والثالث: أن المفتي شارع من وجه؛ لأن مايبلغه من الشريعة إما منقول عن صاحبها، وإما مستنبط من المنقول، فالأول يكون فيه مبلّغاً، والثاني يكون فيه شارعاً من وجه، فهو من هذا الوجه واجب اتباعه والعمل على وفق ما قاله، وهذه هي الخلافة على التحقيق، وقدجاء في الحديث:"أن من قرأ القرآن فقد استدرجت النبوة بين جنبيه.

وعلى الجملة فالمفتي مخبر عن الله تعالىٰ كالنبي، ونافذ أمره في الأمة بمنشور الخلافة كالنبي، ولذاسُمّوا "أولي الأمر"، وقرنت طاعتهم طاعة الله وطاعة الرسول في قوله تعالى: ﴿ياأيها الذين امنوأطيعواالله وأطيعوا الرسول، وأولي الأمر منكم﴾. (الموافقات للشاطبي: ۴/۲۴۴، ۲۴۵)۔

مفتی کے شرائط

مفتی کے لئے حضرات علماء کرام نے چند شرائط بیان کی ہیں، مفتی میں ان کا پایا جانا ضروری ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- مکلف ہو یعنی عاقل ہو بالغ ہو۔

۲- ثقہ ہو۔

۳- گناہ اور منکرات سے پوری طرح اجتناب کرنے والا ہو۔

۴- بداخلاق اور بے مروت نہ ہو۔

۵- فقیہ النفس ہو۔

۶- مسائل میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۷- بیدار مغز ہو۔

۸- متقی اور پرہیز گار ہو۔

۹- دیانت داری میں مشہور ومعروف ہو۔

www.besturdubooks.net

۱۰- مسائل غیر منصوصہ میں استنباط وتخریج پر قادر ہو۔

علامہ نووی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

"شرط المفتي كونه مكلفاً، مسلماً، ثقةً، مأموناً، متنزّهاً عن أسباب الفسق وخوارم المروة، فقيه النفس، سليم الذهن، وصين الفكر، صحيح التصرف والاستنباط، متيقظاًاهـ".

(باب آداب الفتوى والمفتي والمسفتي: ۴۱/۱)(۱)۔

"فصل: قالوا: وينبغي أن يكون المفتي ظاهر الورع مشهوراً بالديانة الظاهرة والصيانة الباهرة". (باب آداب الفتوى المفتي والمستفتي: ۴۱/۱) (۲)۔

اسی طرح مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر مفتی کے زیر نگرانی کام کیا ہو اور قواعد فقہ، زمانہ کے عرف اور اس کے احوال سے واقف ہو اور اپنے امام کے مذہب پر پورا عبور رکھتا ہو اور اس کی ظاہری ہیئت بھی شرع کے موافق ہو۔

مفتی کا فریضہ

مفتی چونکہ احکام خداوندی کا ترجمان اور اللہ تعالیٰ و مخلوق کے درمیان واسطہ ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ فتویٰ دیتے وقت پوری بصیرت سے کام لے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سوچ سمجھ کر جواب دے، مسئلہ اگر معلوم نہ ہو تو محض اٹکل سے جواب دے کر اپنی آخرت خراب نہ کرے (۳)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ

---

(۱) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوى والمفتي والمستفتي، فصل بعد فصلين: ۷۰/۱، دار الفكر، بيروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، المصدر السابق، فصل بعد فصل)

(۳) قال النووي: "اعلم أن الإفتاء عظيم الخطر، كبير الموقع، كثير الفضل؛ لأن المفتي وارث الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم، وقائم بفرض الكفاية، لكنه معرض لخطأ، ولهذا قالوا: المفتي موقع عن الله تعالىٰ. وروينا عن ابن المنكدر قال: العالم بين الله تعالىٰ وخلقه، فلينظر كيف يدخل بينهم". (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوى والمفتي والمستفتي: ۶۸/۱، دار الفكر، بيروت)

www.besturdubooks.net

تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''آپ فرما دیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔

"یاأیها الناس! من علم شیئاً فلیقل به، ومن لم یعلم فلیقل: الله أعلم، فإن من العلم أن تقول لما لاتعلم: الله أعلم. قال الله تعالی لنبیه: ﴿قل ماأسئلکم علیه من أجر وما أنا من المتکلفین﴾ متفق علیه". (مشکوة، کتاب العلم) (۱)۔

اسی طرح مفتی کو چاہیے کہ جواب دیتے وقت خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق کے ساتھ جواب دے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفتی جب کسی سوال کا جواب دینا چاہے تو اسے چاہیے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کرے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اس کی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب تحریر کرے۔

"وکان مالك یقول: من أحب أن یجیب من مسئلة، فلیعرض نفسه قبل أن یجیبه علی الجنة والنار، وکیف یکون خلاصه فی الاخرة، ثم یجیب". (المجموع شرح المهذب، ص: ٦٩ (٢)۔

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ نویسی کا کام عظیم الشان اور باعثِ اجر وثواب ہونے کے ساتھ ساتھ نازک بھی ہے، اس لئے کہ مفتی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے، اگر مسئلہ درست بتایا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوکر اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسئلہ غلط بتایا تو مستفتی کے عمل کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اسی بناء پر فتویٰ

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ص: ۳۷، قدیمی)

(والمجموع شرح المهذب للنووی، باب آداب الفتویٰ والمفتی الخ: ۱/۶۸، دارالفکر، بیروت)

(۲) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ۱/۶۹، دارالفکر، بیروت)

www.besturdubooks.net

دینے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بغیر حجت اور دلیل کے فتویٰ دے گا اس پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اسی مفتی پر ہوگا''۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من أفتىٰ بفتيامن غير ثبت، فإنما إثمه على من أفتاه". (أخرجه الدارمي في باب الفتيا وما فيها من الشدة: ۱/۸۳، رقم: ۱۶۱ (۱)۔ والحاكم في كتاب العلم: ۱/۱۲۶ (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں (کے دل ودماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

"عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس، ولكن يقبضه بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالماً، اتخذالناس رؤساً جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا وأضلّوا". (أخرجه البخاري في كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم(۳)، ومسلم: ۲/۳۴۰) (۴)۔

---

(۱) (سنن الدارمي، رقم الباب: ۲۰، رقم الحديث: ۱۶۱، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ۳۵، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند أبي هريرةؓ: ۲/۲۱۶، رقم الحديث: ۸۰۶۷، دارإحياء التراث، بيروت)

(وبمعناه في سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا: ۲/۱۵۹، امداديه، ملتان)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم: ۱/۲۰، قديمي)

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه الخ: ۲/۳۴۰، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، مسند عبدالله بن عمر: ۲/۳۴۶، رقم الحديث: ۶۴۷۵، دارإحياء التراث، بيروت)

www.besturdubooks.net

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جوشخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دیدے تو وہ پاگل ہے'':

"ان من أفتى الناس في كل مايسئلونه عنه لمجنون". (المجموع شرح المهذب، ص:٦٩) (١)۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ابوالفرج کے حوالے سے مرفوع اثر نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جوشخص بغیر علم کے فتویٰ دیدے تو اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں''۔

"من أفتى الناس بغير علم، لعنته ملائكة السماء وملائكة الأرض".

(اعلام الموقعین: ۲/۲۵۶)۔

امام شعبی، حسن بصری اور ابوحسین تابعی رحہم اللہ سے منقول ہے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آتا تو وہ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے تمام اہل بدر کو جمع فرماتے اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ فرماتے:

"وعن الشعبي والحسن وأبي حصين (بفتح الحاء) التابعين قالوا: إن أحدكم ليفتي في المسئلة، ولو وردت على عمر بن الخطاب رضي الله عنه لجمع لها أهل بدر". (المجموع شرح المذهب، باب آداب الفتوى والمفتي والمستفتي: ١/ ٤٠) (٢)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا کہ وہ عافیت میں ہوں اور بوجھ مجھ پر ہو''۔

"وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: لولا الفَرَق من الله تعالى أن يضيع العلم، ماأفتيت

---

(١) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوى الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب ، باب آداب الفتوى الخ: ١/ ٦٩، دارالفكر، بيروت)

www.besturdubooks.net

يكون لهم المهنأ وعلیٰ الوزر". (حواله بالا)(۱)۔

حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لوگوں میں فتویٰ دینے پر سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو سب سے کم علم رکھتا ہو"۔

"وعن سفيان بن عيينة وسحنون رحمهما الله تعالیٰ: أجسرُ الناس على الفتيا أقلّهم علماً". (حواله بالا)(۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منصب افتاء کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس راہ پر پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔

"لاادری"

تحقیق اور تتبع وتلاش کے بعد اگر مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو یا حکم معلوم ہو لیکن اس پر تشفی اور شرح صدر نہیں تو مفتی پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ مفتی صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ اور اس طرح کہنے سے اس کی شان وعزت ومرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بلکہ اس سے اور شان بلند ہوگی، اس لئے کہ یہ قلبی طہارت، دینی قوت اور تقویٰ کی واضح دلیل ہے۔

یہ اصطلاح خود سرورکائنات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ودیگر بزرگوں سے مروی ہے تو ماوشما کون ہیں جو اس سے اعراض واجتناب کر کے اپنی طرف سے غلط سلط جواب دینے کی کوشش کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی جگہ بُری ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے معلوم نہیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہی سوال کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی "لاأدری" کہہ کر جواب دیا، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بازار بُری جگہیں ہیں:

"سئل النبي صلى الله عليه وسلم: أيّ البلاد شرّ؟ فقال: "لاأدري"، فسأل جبريل،

(۱) المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ الخ: ۶۹/۱، دار الفكر بيروت)

(۲) (المجموع، المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

فقال: لاأدری، فسأل ربه عزوجل، فقال: (شرّ البلاد أسواقها)". (رواه الإمام أحمد: ٨١/٤ (١)، والحاكم في المستدرك: ٦/٢، بسند حسن)۔

اسی طرح حدیث جبرئیل میں قیامت کے متعلق سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل" بھی اسی قبیل سے ہے(۲)۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ جواب سے یہ نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کے جواب سے وہ ناواقف ہو تو اسے "لاأعلم" کہنا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ "لاأعلم" کہنے سے وقعت ختم ہو جائے گی بلکہ درحقیقت یہ رفع منزلت کا باعث ہے:

"قوله صلى الله عليه وسلم: "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل". فيه: ينبغي للعالم والمفتي وغيرهما إذا سئل عما لايعلم أن يقول: لاأعلم، وأن ذالك لا ينقصه، بل يستدل به على تقواه ووفور علمه". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان: ٢٨/١، قديمي)(۳)۔

حضرت ابن عباس اور محمد ابن عجلان فرماتے ہیں جب کسی عالم و مفتی کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اس نے "لاأدری" نہیں کہا، بلکہ اٹکل سے جوب دیا تو اس پر نفس و شیطان کی ایسی ضرب لگی کہ گویا اسے قتل ہی کردیا:

"وعن ابن عباس ومحمد بن عجلان: إذا أخطأ العالم "لاأدري" أصيبت مقاتله". (المجموع شرح المهذب للنووي، ص: ٦٩)(٤)۔

---

(۱) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جبير بن مطعم: ٣٦/٥، رقم الحديث: ١٦٣٠٢، ذكره بلفظ "البلدان" في هذا الموضوع، دار إحياء التراث، بيروت)

(۲) الحديث بتمامه: " عن أبي هريرة قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل فقال: ماالإيمان؟ .... قال: متى الساعة؟ قال: " ماالمسئول (وفي نسخة: "عنها") من السائل، وسأخبرك عن أشراطها". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام الخ: ١٢/١، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ٢٧/١، قديمي)

(۳) (المصدر كما ذكر)

(۴) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوى والمفتي الخ: ٦٩/١، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

امام محمد بن عجلان رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:

"جُنة العالم "لاأدری"، إذا أغفله أصيبت مقاتله"۔ مجموع، ص: ٦٩(١)۔

ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے، ان میں سے بتیس کے بارے میں آپ نے "لاأدری" فرمایا۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ چالیس مسئلے پوچھے گئے، آپ نے صرف پانچ کا جواب دیا، بقیہ کے بارے میں فرمایا: "لاأدری"۔

"وعن الهيثم بن جميل: شهدت مالكاً، سئل عن ثمان وأربعين مسئلةً، فقال في اثنتين وثلاثين منها: "لاأدری"

"وعن مالك أيضاً أنه ربما كان يسئل عن خمسين مسئلةً، فلا يجيب في واحدة منها، وكان يقول: من أجاب في مسئلة، فينبغي قبل الجواب أن يعرض نفسه على الجنة والنار، وكيف خلاصه ثم يجيب". (المجموع شرح المهذب) (٢)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد کثرت کے ساتھ "لاأدری" فرمایا کرتے تھے:

"وعن الأثرم: سمعت أحمد بن حنبل يكثر أن يقول: "لاأدری". (٣)۔

---

(١) (المجموع شرح المهذب للنووي، باب آداب الفتوى والمفتي الخ: ١/٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٢) (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتوى الخ: ١/٦٩، دارالفكر، بيروت)

(٣) (المجموع، المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

کچھ فتاویٰ محمودیہ کے بارے میں

اس سے پہلے جو کچھ تاریخ فتویٰ اور اس کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا وہ مقدمۃ العلم کی حیثیت رکھتا ہے، اب مقدمۃ الکتاب کے طور پر حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی، حضرت مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی، فتاویٰ محمودیہ اور اس پر کام کی نوعیت کے متعلق چند گذارشات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں بہت ساری خصوصیات (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) کے علاوہ سب سے نمایاں اور واضح خصوصیت اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے اور یہی حضرات علماء دیوبند کی شان اور طرۂ امتیاز ہے۔ اس لئے سب سے پہلے حضرات علماء دیوبند کی اعتدال پسندی کو ذکر کیا جائے گا۔

حضرات علمائے دیوبند اور اعتدال پسندی

حضرات علمائے دیوبند کا خصوصی مزاج و مذاق یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث، فقہ اور تصوف میں نہایت ہی اہم اعتدالی روش اپناتے ہیں، نہ تو وہ ظاہر نصوص پر ایسا اکتفاء کرتے ہیں کہ فقہ واجتہاد اور تعاملِ امت خصوصاً فقہاء کے استنباطات سے صَرفِ نظر کریں اور نہ ہی فقہ پر ایسا انحصار کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی نصوص سے چشم پوشی ہو جائے، نہ وہ ایسی قدامت پسندی کے قائل ہیں کہ احوالِ زمانہ وتقاضاہائے وقت سے آنکھیں بند رکھیں اور نہ ہی وہ ہر جدت طرازی اور تجدد کی ہر نئی لہر کو قبول کرتے ہیں کہ جس سے شریعت مطہرہ کا اصل مزاج اور امت کا منہاجِ ممتاز ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، نہ وہ صرف اصول پسندی کے قائل ہیں کہ وہ شخصیات جن کے ذریعہ مذاق ومزاج دینی بنتا ہے، بے وقعت ہو جائیں اور نہ وہ شخصیت پرستی کے ایسے قائل ہیں کہ معیارِ کتاب وسنت کے بجائے صرف اکابر قرار پائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

www.besturdubooks.net

’’غرض مسلکِ علمائے دیوبند محض نظری مسلک نہیں، بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے، جو آج سے سو برس پہلے سے دی گئی اور آج سَوا سو برس کے بعد بھی دی جارہی ہے اور وہ جس طرح اس وقت کارآمد تھی، اسی طرح آج بھی کارآمد ہے، البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے، پھیلاؤ تبلیغی ہے، جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ افتائی وقضائی ہے، چڑھاؤ ریاضت وسپہ گری ہے، ضبطِ نفس تربیتی ہے، مدافعت مجاہداتی ہے اور دعوت بین الاقوامی ہے۔

علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریق عمل ہے جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا، اس لئے چند بندھے ٹکے مسائل یا خاص خاص فنون یا عملی گوشوں کو لےکر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا ان کا مسلک نہیں۔

بہرحال! علمائے دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکام ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اس کی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیاتِ وقت سے قطع نظر کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ ان کا یہی وہ جامع اور معتدل مشرب ہے جو ان کو اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے سلوک طریقہ پر ان کے علمی مورثِ اعلیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور بانی دار العلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے بعد اس کے سرپرست اعظم قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس کے اولین صدر تدریس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا، جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم و تربیت دے کر رواں دواں کر رہے ہیں۔

اس لئے یہ مسلک جامعِ عقل وعشق، جامعِ علم ومعرفت، جامعِ عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامعِ دیانت وسیاست، جامعِ روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامعِ عبادت ومدنیت، جامع حکم وحکمت، جامعِ ظاہر وباطن اور جامع حال وقال مسلک ہے۔

www.besturdubooks.net

نقل کو عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اسے حکمتِ شاہ ولی اللہ سے ملا، اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملا، فروغ دین میں رسوخ واستحکام پیدا کرنے کا جذبہ اسے قطبِ گنگوہی سے ملا، سلوک میں عاشقانہ جذبات واخلاق کا والہانہ جوش وخروش اسے قطبِ عالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا اور تصوف کے ساتھ اتباعِ سنت کا شوق وذوق اسے حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الشہداءؒ رائے بریلی قدس سرہ سے ملا۔

اس لئے علمائے دیوبند قرآن وحدیث کے معانی اور گہرے مطالب وحقائق واَسرار کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جن کا ذوق انہیں شیوخِ علم کی صحبت وفیضان سے میسر ہے، جن سے وہ نصوص کے ظواہر وبواطن دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہیں، نہ وہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں جو الفاظِ نصوص پر جامد ہو کر رہ جائیں اور بواطنِ نصوص یا ان کے حقائق سے بے نیاز ہو جائیں۔ اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہیں کہ ظواہر کو محض لفظی نقوش کہہ کر ان سے بے توجہی برتیں یا شرعی تعبیرات کی ان کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہ ہو اور محض ذہنی گھمیر میں گم ہو کر رہ جائیں۔

پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی ومدلولات کے خود اپنے نظم وعبارت کے لحاظ سے بھی ہزار ہا علوم واحکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء سے ہزار ہا مسائل وجود پذیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ وبہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے ماضی کے پردوں میں اَور بھی ہزار ہا معانی اور حقائق مستور ہیں جو قواعدِ شرعیہ اور قواعدِ حربیت کے ساتھ، عملِ صالح کی ممارست، صلحاء کی صحبت ومعیت اور مجاہدہ وریاضت ہی سے قلوب پر وارد ہوتے ہیں''۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، سیاست اور اجتماعیات، ص: ۱۷۷-۱۷۹، اِدارہ اسلامیات، لاہور)

تفسیر قرآن، شرح حدیث، فقہ وکلام، غرض کہ تمام شعبہ ہائے دین میں متوارث تعبیر دین علمائے

www.besturdubooks.net

دیوبند کا ماخذ ومسلک ہے، اس بارے میں حضرات علمائے دیوبند نے جو اعتدال قائم کیا ہے وہ اہلِ سنت والجماعت کا مابہ الامتیاز اور حق وصداقت کی علامت ہے، اسی لئے فقہ حنفی اور اصولِ فقہ کی کسی بھی مستند کتاب کو علمائے دیوبند کا فقہ، اخلاق اور تصوف کی کسی بھی مسلّم شخصیت اور معتمد کتاب کے اصول وفروع کو علمائے دیوبند کا تصوف، حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے ساتھ، فقہائے کرام ومحدثین عظام، اولیاء کرام اور بزرگانِ دین (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کے جس جس طبقہ کی جن جن شخصیات پر امت کا اعتماد واتفاق ہو، انہی شخصیات کو علمائے دیوبند کے یہاں قابلِ تقلید وقابلِ نمونہ قرار دینا بجا اور درست ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہی مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کہلاتا ہے اور یہی وہ مسلک ہے جس کے علَم بردار علمائے دیوبند ہیں، اسی لئے وہ اس جامع مسلک پر چلنے اور اس کے عناصرِ ترکیبیہ کو جمع رکھنے سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی اور مفکر بھی۔

اور پھر ان تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس توسط اور وسعتِ نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی، نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم اور تبرا ہے، نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے، نہ غلبۂ جاہ وجلال سے افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائق بیانی یا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے اور بالفاظ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے، جس میں نہ مخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ ان پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا، نہ ان کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالف مسلک طبقات سے خواہ مخواہ الجھنا اور عوام کو ان سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے، جب کہ ان کی زبانیں بیانِ مسائل سے فارغ نہیں تو ان خرافات کے لئے وہ فرصت کہاں سے پاتے؟

www.besturdubooks.net

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے ان کے یہاں سرے سے ان اشخاص کا ذکر و تذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں، پس انہیں اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی و عملی اور عقلی واخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

علمائے دیوبند کے اس دینی رخ اور مسلکی مزاج کی نسبتوں سے اگر انہیں پہچنوایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذہباً حنفی ہیں، کلاماً ماتریدی واشعری ہیں، مشرباً صوفی ہیں، سلوکاً چشتی بلکہ جامع سلاسل ہیں، فکراً ولی اللّٰہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں، بیاناً یعقوبی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ والحمدللّٰہ علی ھذہ الجامعیۃ۔

اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی توجہات وتصرفات سے انہیں حاصل ہوئیں جنہوں نے مل کر اور یکجا ہو کر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کر لیا جسے دارالعلوم دیوبند نے سنبھال رکھا ہے''۔

(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، ص: ۱۹۲، ۱۹۳، ادارہ اسلامیات)

غرض یہ کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں ان اساسی علوم دینیہ کے متعلق جو اعتدال اور افراط وتفریط سے محفوظ ومتوارث فہم دین دورِ رسالت سے چلا آرہا ہے، برصغیر میں اس کے سچے اور کامل وارث علمائے دیوبند ہی ہیں اور اس سلسلے میں جب قرآن ومتعلقاتِ قرآن، حدیث وتشریحاتِ حدیث، فقہ ومتعلقاتِ فقہ، پھر حدیث وفقہ کے درمیان تطبیق اور تصوف ومتعلقاتِ تصوف، پھر تصوف کے منصوص ومباح احکام واعمال اور غیر شرعی و ممنوع محدثات اور سیرت وسوانح، ان تمام علوم کی تشریح، اشاعتِ دین اور تقاضا ہائے وقت سے ان کی تطبیق اور پھر کسی تجدد کا غیر ضروری اثر لئے بغیر اپنے ٹھیٹھ مزاج پر برقرار رہ کر خدمتِ دین کی تاریخ اور وہ بھی مفصل اور منصفانہ، تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی تو برصغیر کی پوری تاریخ میں دیوبند نہ صرف سرفہرست ہوگا بلکہ ان کی امتیازی شان میں کوئی بھی حصہ دار نہ ہوگا۔

www.besturdubooks.net

حضرت مفتی محمود حسن صاحب اور فتویٰ نویسی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو فقہ اور فتویٰ نویسی کے باب میں جو عظیم مقام عطا فرمایا، لاکھوں میں کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے، علومِ درسیہ سے فراغت کے بعد پوری زندگی درس وتدریس کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں بسر ہوگئی، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمالِ درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت، کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ میں خصوصی مہارت، اہلِ زمانہ کی طبیعت سے واقفیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت نے آپ کو ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کیا۔

ہندوستان کے دو عظیم اسلامی مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دارالافتاء کے مفتی اعظم ہوئے اور دیگر متعدد دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی، سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اور انہوں نے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا، یا نئے قائم کر کے فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعتِ دین اور مخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے۔

وہ عہد جس میں فتاویٰ کی زمامِ عمل آپ کے ہاتھ میں آئی اس وقت علم وعمل کا ہر میدان شدید تغیرات سے دوچار تھا، عظیم علمائے راسخین ایک ایک کر کے اٹھتے جارہے تھے، خود علماء میں روزافزوں رسوخ علمی میں کمی ..... اور ذوقِ سلف سے دوری تھی، تدین کا فقدان ہر طرف سے عوام سے لے کر خواص تک پھیلا ہوا تھا، طرح طرح کی فکری، سیاسی، نظریاتی کج رَویاں جنم لے رہی تھیں، خود مسلمانوں میں نوع بنوع کی نئی نئی جماعتیں اور نئے نئے فرقے وجود میں آرہے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ مغربی علوم وتہذیب کے سامنے سپر اندازی کی کیفیت میں مبتلا تھا، نجی زندگی سے لے کر عمومی طرزِ معاشرت، معاملات، نظامِ قانون، تجارت، اخلاق وآداب تک نت نئی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔

www.besturdubooks.net

کچھ لوگ کھلم کھلا اجتہاد کا دروازہ کھول کر ہر کس و ناکس کو امورِ دین میں دخل اندازی کا میدان فراہم کرنے کی انتھک کوشش کر رہے تھے، ایک طرف متجددین، روحِ شریعت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور مغرب سے درآمد ہر نظریہ و ہر فیشن کو جائز و درست ثابت کرنے کے لئے اباحت پسندی کا بھرپور مظاہرہ کرنے لگے تھے اور ایک طبقہ عمل بالسنہ کے نام پر فقہ وتفقہ سے آزادی اور بزعم خود فقہی جمود کو توڑ کر غیر مقلدیت کے وسیع میدان میں قدم رکھنے اور کسی ایک فقیہ کا مقلد رہنے کو شرک کہہ کر رد کرنے اور امت کو آزاد خیالی کی ایک نئی ڈگر مہیا کرنے لگا تھا۔

ایسے حالات میں تصلّب کے ساتھ تحقیق و یسر کے پہلو کو شامل رکھنا، ہر نئی لہر میں ضرورتِ واقعیہ کو الگ کرنا اور محض سہولت کی خاطر اور صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی امت کو مزاجِ شریعت سے دور ہونے سے بچانے کے لئے شدت برتنا، اہل حدیث اور سلفیت کے نام پر غیر مقلدیت کے پرچار سے متعلق امت کی رہنمائی اور اس کے مضر اثرات کی نشاندہی، بدعات کے شیوع میں طرح طرح کے غیر شرعی اعمال میں امت کے تزکیہ کے لئے واضح اور قطعی حکم لکھنا اور ان تمام احوال میں احکامِ شریعت کو بیان کرنے والا؟ مستند شخص چونکہ یہی کہلاتا ہے اس لئے اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی ضروریات و مصالح کو بھی ملحوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ یُسر کے پہلو کو اپنائے اور ناقابلِ برداشت تنگی سے امت کی مشکلات کم سے کم تر کرنے کی سعی کرے، دوسری طرف اس کی رعایت کرنا بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ آزاد طرزِ فکر نہ اپنائے جو امت کو ہر طرح کی سہولت دینے کے عنوان پر اور تحقیق کے نام سے من مانی تشریحات کو سندِ جواز عطا کرنے کے نتیجے میں روحِ شریعت ہی کہیں مسخ نہ ہو جائے۔

حضرت مفتی محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ آپ نے تصلّب (اور وہ بھی شدت کی حد تک) کو بھی اپنایا اور امت کی واقعی ضروریات میں یسر کے پہلو پر بھی نظر رکھی، تجدد و اباحت ہو یا آزاد خیالی و کج فکری، یا نئے نظریات، جس عنوان سے بھی سامنے آئے ان سب کے مقابلے میں یا بدعات و رسوم اور غیر مقلدیت ان کے مقابلے میں آپ کا تصلب واضح ہے جب کہ اخلاق، آداب، حظر و اباحت میں آپ کا انداز نہایت ہی یسر اور حاجت کی حدود کا پوری طرح رمز شناس!!۔

خصوصاً فقہ حنفی پر آپ کا رسوخ اور اس سے کسی بھی حال میں عدول نہ کرنے کا انداز بھی نہایت اہمیت

www.besturdubooks.net

کا حال ہے۔

اس سلسلے میں عبادات میں ایک فقہ پر انحصار اور معاملات اور خاص کر معاملات کی نت نئی صورتوں میں ائمۂ اربعہ میں سے بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت تلفیق، علمائے حقانیین کا امتیاز رہا ہے اور خود علمائے دیوبند اس پر سختی سے کاربند ہیں چنانچہ اسی رَوش پر حضرت بھی کاربند تھے۔

حضرت کا عقائد و عبادات میں فقہ حنفی سے خروج کو کسی بھی حال میں گوارہ نہ کرنا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت آپ کے فقہ پر کلی اطمینان کسی سطحی عقیدت کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کی بنیاد وسیع ترین مطالعہ اور تحقیق پر تھی، اسی لئے حضرت امام اعظم کے کمالات، فقہ میں ان کی برتری اور عظمت کو نہایت بصیرت اور انشراح سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:

> ''حضرت امام ابوحنیفہ (ولادت ۸۰ وفات ۱۵۰ھ) کو حق تعالیٰ نے اپنے دینِ قویم کی نصرت کے لئے فطانت، ثقاہت، فراست و دیانت روایت، درایت کا حظِ وافر عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر ایسی بیش بہا جلیل القدر خدمات انجام دیں کہ رہتی دنیا تک علمائے اسلام کے لئے شاہراہ قائم کردی اور ایسی روشنی کا انتظام کردیا کہ راہزنی و بے راہ روی سے پوری حفاظت ہوگئی اور ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی فعلی وتقریری جملہ احادیث سے مسائل استنباط کر کے ہر حدیث کا محمل متعین فرمادیا کہ نہ تعارض باقی رہا، نہ کسی حدیث کو ترک کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس عمل کے لئے فقہائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے مدد لی کہ وہ مخاطبین اوّلین تھے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت سپرد فرمائی اور ان پر اعتماد کر کے دین کی حفاظت واشاعت کا ان کو ذمہ دار بنایا۔
>
> فقہ حنفی تنہا امام ابوحنیفہ کے شخصی فتاویٰ نہیں بلکہ کتاب اللہ، سنت، اجماع، آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، محاوراتِ عرب، لغات وادب، تواریخ وسیر، تصوف وزہد کے ماہرین کی ایک بڑی جماعت نے ایک ایک مسئلہ اور اس کے ماخذ اور اس کے معارض پر سیر حاصل بحث کی اور دلائل کی روشنی میں تحقیق وتنقیح کے بعد اس کو جمع کرایا ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ ایسا نہیں جس کے مسائل فقہ حنفی میں موجود نہ ہوں، خواہ صراحۃً ہوں یا ان

www.besturdubooks.net

کے نظائر ہوں یا قواعد کلیہ ہوں جن کے تحت حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب وسنت سے ایسے قواعد تخریج فرمائے جو کسی جگہ نہیں ٹوٹتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی حافظ الدنیا کے لقب سے مشہور ہیں اور صحیح بخاری کے شارح ہیں، فرماتے ہیں کہ:

''امام اعظم کے قواعد نہایت پختہ ہیں، ان کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ میں حنفی ہوجاؤں- درحقیقت یہ قواعد متونِ حدیث ہیں، بلکہ فقہ حنفی کے بیشتر مسائل متنِ حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً: فقہ میں مسئلہ ہے:

"إذا خرج الإمام فلا صلوۃ ولا کلام"

فتح الباری میں اور دیگر شروح میں اس کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے'' ۔مکتوبات،۲۵۴(۱)۔

امام اعظم پر جوطرح طرح کے سطحی اعتراض کئے جاتے ہیں ان اعتراضات کی سطحیت ،رکاکت پوری طرح بیان فرمایا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کہ:

''امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام تو سب تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض سطحی نظر والے قلیل البضاعت یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کو صرف سترہ ۱۷/ حدیثیں یاد تھیں، حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ انتھی''۔

فقہ حنفی پر اس وسعت نظر کی بناء پر حضرت فقیہ الامت کو اس درجہ اعتماد وانشراح تھا کہ غالباً پورے عہد افتاء میں کسی صریح جزئیہ سے عدول کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

فقہ حنفی پر اس تصلّب کے ساتھ آپ نے کبھی دوسرے ائمہ کی تنقیص، دوسرے فقہاء کی کلی تغلیط یا محض فقہی تعصب کا کوئی مظاہرہ نہیں فرمایا اور یہ علمائے دیوبند کا امتیاز ہے کہ مقلد حنفیت ہونے کے باوجود محققانہ مزاج اپناتے ہیں یعنی وہ نہ تقلیدِ جامد کے قائل ہیں اور نہ اس پر قانع، اسی بناء پر تلفیق یعنی اپنے مذہب سے بر

---

(۱) "وعورض هذا الاحتمال بمثله في الحديث الذي استدلوا به، وهو ما أخرجه الطبراني عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: " إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام الخ". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء وهو يخطب الخ: ۲/ ۵۲۰، رقم الحديث: ۹۳۰، قديمي)

www.besturdubooks.net

بنائے ضرورت عدول کر کے دوسرے امام کے مسلک کو قبول کرنے سے بھی دریغ نہیں فرماتے۔

کچھ حضرات ایک ہی فقہ میں محدود رہنے کی پابندی کو ختم کرنے کی مہم چلاتے ہیں حالانکہ اگر اس کی اجازتِ عام دی گئی کہ ہر شخص جس فقہ پر چاہے عمل کرنے لگے تو اس سے یقیناً اتباعِ شریعت کے بجائے اتباعِ نفس کا دروازہ کھلے گا اور اگر کوئی اتباعِ شریعت کا اہتمام کرنا چاہے تو فقہاء کی متضاد جزئیات میں وجہ ترجیح قائم کرنا ہر ایک کی قدرت سے باہر ہے، لہٰذا اگر اس صورتِ حال میں تلفیق سے کلیۃً اجتناب کیا جائے تو بعض مواقع پر امت کو مشکلات پیش آسکتی ہیں، اس لئے اس میں راہِ اعتدال قائم کرنا مفتیانِ وقت کا فریضہ ہے، چنانچہ حضرت فقیہ الامت فرماتے ہیں:

''اگر کوئی حنفی اپنی وسعتِ نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اور داعیہ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے گا تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہ ہوگا اور قوتِ داعیہ کے موافق معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہ ہوگا اور اس کی نظیریں مذاہبِ اربعہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابن ہمام کی ابحاث کو ان کے شاگرد ابن قطلو بغا نے ناقابلِ اعتنا قرار دیا ہے (۱)۔

ابن حجر شافعی نے لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوٰۃ کے تین مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل زکوٰۃ، دفع زکوٰۃ الی الواحد اور دفعہا الی اصنافہ (۲)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ شافعی ہیں) نے امام مالک کے مذہب کو طہارت کے متعلق پسند فرمایا۔ فقہائے حنفیہ نے مسئلہ مفقود الخبر میں امام مالک کے مسلک کو اختیار کیا ہے'' (۳)۔

---

(۱) "فالظاهر أنهم رأوا دليلاً أرجح مما رآه حتى لم يعملوا به، ولهذا قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين الكمال ابن الهمام: لا يعمل بأبحاث شيخنا التي تخالف المذهب". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۸، مير محمد كتب خانه)

(۲) (راجع باب التقليد، عنوان: ''بعض مسائل میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ صاحب کیا مقلد تھے؟'')

(۳) (انظر ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك: ۴/ ۲۹۰، سعيد)

(والحيلة الناجزة لحكيم الأمة رحمه الله تعالىٰ)

www.besturdubooks.net

حضرت مفتی صاحب اور طریقہ فتویٰ نویسی

فتاویٰ کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کے امتیازات ہر حال میں قابلِ نمونہ ہیں، وہ مسائل جو عبادات سے متعلق ہیں، کتاب اللہ میں ان کو تلاش فرماتے، کتاب اللہ میں اگر کوئی حکم مذکور نہ ہوتا تو سنتِ رسول اللہ میں اس کا حل تلاش فرماتے، اگر اس میں بھی نہ ملتا تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار فرماتے اور پھر فقہ حنفی سے عدول کرنا ہرگز گوارہ نہ فرماتے۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''جب میرے سامنے کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اسے کتاب اللہ پر پیش کرتا ہوں، اگر اس میں جواب مل جاتا ہے تو میں کسی اور طرف نہیں دیکھتا، مثلاً: طلقاتِ ثلاثہ کے وقوع کا مسئلہ سامنے آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا سوال گیا، وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الطلاق مرتان﴾ اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾(۱) صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، خواہ ایک مجلس میں دے خواہ تین مجلس میں دے، قرآن میں کوئی تفصیل نہیں اور عورت اس کے بعد شوہرِ اول کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں رہتی، میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہیں ملتا تو اس کو سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تلاش کرتا ہوں، اگر اس میں مل جاتا ہے تو کسی اور طرف توجہ نہیں کرتا، مثلاً: قرأت خلف الامام کا مسئلہ پیش آیا تو میں نے کتاب اللہ میں تلاش کیا اور نہ ملا، پھر حدیث میں تلاش کیا اس میں مل گیا، صحیح مسلم شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:" إذا قرأ فأنصتوا"(۲) جو صحیح صریح غیر منسوخ ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ قرأت خلف

(۱) (البقرة: ۲۳۰)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما جعل الإمام ليؤتمّ به، فإذا كبّر فكبّروا، وإذا قرأ فأنصتوا". رواه أبو داؤد والنسائي وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب القرآءة في الصلوة، الفصل الثاني، ص: ۸۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

الامام جائز نہیں، اسی کے مطابق فتوی دیتا ہوں۔

اگر حدیث میں مسئلہ نہیں ملتا تو حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول کو اختیار کرتا ہوں، میں چونکہ مجتہد نہیں، نہ مجھ میں اجتہاد کی صلاحیت ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مجتہد تھے"۔(ملفوظات)

یہ طرز تو حضرت کا عبادات کے مسائل کے متعلق ہے، معاشرت وتمدن کے سلسلے میں وہ مسائل جن میں امت دوسری اقوام کی نقالی کرنے لگی ہے چاہے وہ لباس ہو، رہن سہن ہو، رسوم وعادات ہوں، کھانے پینے کے طور طریقے ہوں ان میں آپ کا انداز عموماً یہ ہوتا کہ اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کے شعار کی حیثیت رکھتے تو بر بنائے تشبہ ان کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن علتِ تشبہ پر کامل غور وفکر کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے، لیکن اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کا شعار نہ ہوتے اور اصلاً وہ اسلامی بھی نہ ہوتے، ان کے مباح ہونے کا فتویٰ دیتے، لیکن اجتناب کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔

حظر واباحت کے مسائل کے سلسلے میں نصوص سے زیادہ عرف کو مدار بنایا جانا اس لئے ناگزیر ہوتا ہے کہ عموماً یہ مسائل عرف پر ہی مبنی ہوتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں عرف کی بناء پر جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ فرمایا کرتے اور اس کے لئے صرف بیانِ حکم پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

معاملات کے سلسلے میں وہ مسائل جن کا تعلق ایسے امور سے ہوتا جن کے متعلق قطعی تحقیق نہ ہوئی ہوتی تو آپ بھی قطعی حکم نہ لگاتے، مثلاً کوکا کولا، سینٹ، صابون، ڈالڈا گھی، بسکٹ، برش، ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کے متعلق جائز وناجائز کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے ان اشیاء کے متعلق یہی لکھا کہ بلا قطعی تحقیق کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان اشیاء میں نجس اشیاء پائی جاتی ہیں اور جب تک اس کی پوری تحقیق نہ ہو جائے ان کے متعلق حرمت کا فتویٰ نہیں لکھا جا سکتا۔

وہ مسائل جو جدید ایجادات کی بناء پر سامنے آتے ان کی تحقیق نہ ہوتی تو صاف فرما دیتے کہ مجھے تحقیق نہیں، تاہم جدید مسائل کے فتاویٰ نسبتاً کم ہی لکھا کرتے تھے۔ ایسے مسائل جن میں کسی مستفتی کے متعلق آپ کو محسوس ہوتا کہ محض کسی کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرنے کے لئے فتویٰ طلب کیا جا رہا ہے تو عموماً آپ ناصحانہ

www.besturdubooks.net

جملے لکھا کرتے اور ایسے مسائل جن سے کسی عمل کی امید نہ ہوتی محض علمی مشغلہ کے طور پر دریافت کئے جاتے ان کے متعلق بھی عموماً نہایت اجمال برتتے تھے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں وہ فتاویٰ جو ابتدائی عہد کے ہیں یعنی جو مظاہر علوم اور کانپور کے زمانے میں لکھے گئے ان میں تحقیق، بیانِ حوالہ اور جوش و صراحت کا عنصر غالب ہے جب کہ اخیر عہد میں اصلاح وارشاد اور تزکیہ ونصیحت کا رنگ غالب رہا۔

بدعات، رسوم، روایات اور امت میں پھیلے ہوئے مختلف علاقوں کے مختلف اختراع شدہ امور کے متعلق حضرت کا انداز یہ تھا کہ ہر امر کے متعلق پہلے یہ طے فرماتے کہ کیا اس کو بر بنائے عبادت انجام دیا جارہا ہے اور التزام کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں، اگر دین سمجھ کر التزام کے ساتھ کسی کام کو کیا جانے لگے اور تارک کو ملامت کی جائے تو اب اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں، چنانچہ تیجہ، چہارم، دسواں، پندرھواں، چالیسواں، عُرس، مجالسِ میلاد میں طرح طرح کے غیر ثابت شدہ امور کی پابندی وغیرہ کو بدعت اور اصولِ شریعت سے غیر ثابت شدہ ہو کر غیر مشروع ہونے کی صراحت فرماتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کسی امر کا التزام بر بنائے انتظام ہو، نہ کہ بر بنائے حکمِ شریعت، اور تارک کو مطعون بھی نہ کیا جائے تو اس کو بدعت نہ کہہ کر امت کے لئے سہولت پیدا فرماتے تھے، چنانچہ مختلف تسبیحات کی تعداد کو یاد رکھنے اور گننے کے لئے تسبیح کا استعمال درست قرار دیا، اگر چہ کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا اس میں ابتداع کے تمام لازمی امور پیدا ہوئے بھی یا نہیں؟ غرض کہ حکمِ بدعت کے سلسلے میں نہ سخت گیر موقف اپناتے تھے اور نہ سہل انگاری۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ و فتاویٰ کی چند خصوصیات جو انتہائی سرسری طور پر سامنے آئیں وہ پیش کرنے کے بعد یہ امر واضح کرنا لازم ہے کہ یہ خصوصیات حضرت کا امتیازِ خاص اور وہ انفرادیت نہیں کہ جس سے دوسرے بزرگوں سے اس کی کلی نفی مقصود ہو لیکن اس عہد میں حضرت ان اوصاف و امتیازات کی بناء پر بلا شبہ سب سے فائق تھے۔

وسعتِ نظر اور استحضارِ جزئیات

وسعتِ نظر اور استحضار جزئیات میں بھی آپ اس عہد میں بے نظیر تھے، بے شمار مسائل ایسے کہ جن کے

www.besturdubooks.net

متعلق عموماً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق کہیں کوئی صراحت شاید نہ مل سکے، لیکن حضرت نہایت بے تکلفی سے اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اسی وسعتِ نظر کی بناء پر آپ کے فتاویٰ میں ان کتابوں کے حوالے بھی ہیں جن کی زیارت تو کجا ان کے نام سے بھی ہم جیسے نا آشنا تھے اور حضرت کے فتاویٰ کے ذریعہ ہی پہلی مرتبہ نام سننے میں آئے، چنانچہ: نهاية الأمل، روضة القضاء، نور العين، تلقيح فهوم أهل الأثر، نور الضحىٰ اور بہت سی فتاویٰ کی دوسری کتابیں ہیں جن کا پہلے پہلے نام سے تعارف حضرت کے فتاویٰ ہی کے ذریعہ ہوا۔

فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کا وسیع ترین مطالعہ اور پھر اس کا استحضار اور بوقتِ ضرورت اس کا بیان کرنا یہ وہ وصف ہے جو بلاشبہ اس عہد میں آپ کا وصفِ امتیازی تھا، چنانچہ وسعتِ نظر کا شاہکار دیکھئے کہ سوال کیا گیا مسجد میں دوستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

> ''کہ مبسوط میں جزئیہ موجود ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دو مقتدیوں کے درمیان کوئی صندوق رکھ دیا جائے''۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول العرف الشذی: ۱/۶۰، میں نقل کیا گیا ہے کہ احناف کی کتب میں عدم کراہت کا قول مجھے نہیں ملا، حالانکہ مبسوط سرخسی میں صراحۃً مذکور ہے''۔ (ملفوظات: ۲)

اسی وسعتِ نظر کی بناء پر مستند وغیر مستند کتابوں کے متعلق آپ نہایت قطعیت سے حکم لگاتے تھے، چنانچہ بعض دفعہ ایک ہی استفتاء میں دس دس کتابوں کے متعلق رائے طلب کی جاتی تو نہایت بے تکلفی کے ساتھ مستند ہونے، مشکوک ہونے، غیر مستند ہونے وغیرہ کی تصریح فرماتے (۱)۔

فقہ کی امہات کتب پر نہایت تحقیقی اور عمیق نظر تھی اور اس کے نتیجے میں بعض دفعہ آپ کی زبان وقلم سے ایسے جواہر کا ظہور ہوتا کہ جن کے لئے برسوں کے علم ومطالعہ کے بعد بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ حاصل ہو جائیں۔

حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی

حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ، مواعظ، ملفوظات، تدریس، اصلاح وتصوف، مسلکِ علماء دیوبند کی مدلل، مفصل، عام فہم، تبیین اور تشریح ہے۔ اس معتدل مسلک کی تشریح وتوضیح میں آپ کا منہاج کیا تھا، یہ ذیل کی

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب العلم، مایتعلق بالکتب المعتمدة وغيرها، عنوان: چند معتبر اور غیر معتبر کتب'')

www.besturdubooks.net

چند مثالوں سے واضح ہوگا:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ اعتدال

اس کائنات میں سب سے مقدس، سب سے افضل اور تمام کمالاتِ انسانی کی جامع جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، جن کی محبت، عقیدت اور ان کی حقانیت وصداقت پر مکمل اطمینان اصلِ ایمان ہے، پھر جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کمالات کی بناء پرامت کے بہت سے طبقات طرح طرح کی افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے، کسی نے آپ کے ارشادات کی تشریعی حیثیت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کیا، کسی نے آپ کے ارشادات کو صرف الفاظ کی حد تک محدود کر کے ان ارشادات سے مزید استنباط کرنے، ان میں تخریجِ علت اور پھر علت کے تعدیہ کو غلط قرار دے کر صرف الفاظِ حدیث کی سندی حیثیت اور ظاہرِ مفہوم تک محدود رہنا منتہائے دین قرار دیا، کسی نے آپ ﷺ کی ذات کو عام انسانوں کی ذات کے ہم مثل قرار دے کر آپ کے آثار بالخصوص مادی آثار کو غیر معتبر قرار دیا حتی کہ آپ کے جسمِ اطہر کے مٹی میں مل کر دوسرے انسانی اجسام کی طرح مخلوط ہوجانے کا عقیدہ اپنایا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض پیغام رساں ہونے تک محدود سمجھی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں غلو کر کے آپ کو عالم الغیب، مشکل کشا، مختارِ کل، ہر جگہ حاضر وناظر قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ مطلق اور صفاتِ الٰہی کا جزو قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب تبرکات کو معبود تک بنانے کی روش اپنائی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر، آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنا اصول قرار دیا۔

اس صورت حال میں اعتدال کیا ہے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، چنانچہ اس اہم مسئلہ میں علمائے دیوبند نے جو معتدل منہاج اپنایا اس کی نہایت جامع مثال حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ میں ملے گی، حضرت جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی وعملی، اخلاقی، جسمانی، روحانی

www.besturdubooks.net

کمالات کو تسلیم کرنے اور ان پر مکمل ایمان رکھنے کی نہایت بصیرت افروز اور محبت خیز تشریح فرماتے ہیں وہیں آپ کے عالم الغیب ہونے، مختار کل ہونے، نور مطلق ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں اور یہ نفی قرآن، حدیث، آثار صحابہ، ارشادات عارفین اور عقلی استدلالات اور بصیرت افروز بیانات و مثالوں پر مبنی ہوتی ہے۔

آپ ایک طرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو افضل الکائنات، اعلم الکائنات اور اطہر الکائنات قرار دے کر ان پر ایمان رکھنے کو لازم قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف جب یہ حدیث پیش کر کے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے کہ: "أنا أحمد بلا میم، وأنا عرب بلا عین" (ترجمہ) "میں بلا میم کے احمد (احد) اور بلا عین کے عرب (رب) ہوں"۔ تو اس کو موضوع اور باطل کہہ کر رد کر دیتے ہیں(۱)۔

آپ ایک طرف محبتِ رسول کو جزوِ ایمان اور لازمۂ ایمان قرار دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی مجرد لسانی دعوائے عشق کو ناقص قرار دے کر حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ حقوق عشق و محبت، عقیدت و عظمت، اتباع و انقیاد اور ایک ایک سنت کو اپنانے کی تلقین تک وسیع کرتے ہیں، صاف فرماتے ہیں کہ:

"اصل عشق رسول تو اتباع سنت کا نام ہے"۔

آپ ایک طرف "شفایا رسول اللہ" کہنا غیر درست قرار دیتے ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود جسمانی امراض سے سابقہ پیش آیا تو آپ سے ہی شفاء طلب کرنا کیسے درست ہوگا، لیکن دوسری طرف آپ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ سے حاجات طلب کرنا درست قرار دیتے ہیں(۲)۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کائنات میں سب سے افضل پانی کون سا ہے اور یہ سوال کرنے والا بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ جواب میں حضرت یہی فرمائیں گے کہ سب سے افضل پانی زمزم ہے، اس لئے احادیث میں سب سے زیادہ فضیلت اسی پانی کی بیان کی گئی، لیکن حضرت کے تعمقِ نظر کا عالم دیکھئے فرماتے ہیں کہ:

"اس کائنات میں سب سے افضل پانی وہ تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا تھا، اس کے بعد سب سے افضل زمزم کا پانی ہے"۔

---

(۱) (راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: "أنا أحمد" الخ، کیا حدیث ہے"؟)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالتوسل فی الدعاء)

www.besturdubooks.net

لیکن اس کے ساتھ وہ تمام بے سند روایات جو سیرت کے نام پر بیان کی جائیں ان کی تردید وتغلیط میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، چنانچہ "أول ماخلق الله نوری" کے متعلق فرمایا کہ "یہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتی ہے"(۱)۔

حقوقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مجرد سیرت نگاری اور صرف اظہارِ فن کے لئے نعتیہ شاعری کو ناکافی سمجھتے ہیں، بلکہ اتباعِ رسول کو اور پھر اشاعتِ دین کی لگن کو بھی حقوق میں شمار کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ نعتیہ شاعری جو حدودِ شریعت میں ہو (جس میں نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق النبی قرار دیا جائے اور نہ غیر مستند باتیں آپ کی طرف منسوب کی جائیں) کی اہمیت کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ خود بھی ایسی نعتیہ شاعری کرتے ہیں جو بلاغت، تلمیحات، استعارات اور قرآن وسنت وسیرت کے اُن دفاتر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو ذاتِ اقدس کے متعلق وارد ہیں۔

غرض یہ کہ اس کائنات میں سب سے مقدس جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے سردار اور ان میں سب سے افضل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کی محبت وعظمت، عقیدت واتباع ہی اصلِ ایمان ہے، لیکن یہ محبت وعظمت اگر غلو کا شکار ہوجائے تو یہی شرک بن سکتی ہے، چنانچہ حضرات علمائے دیوبند کے عمومی مسلک کے مطابق حضرت فقیہ الامت اس سلسلے میں نہایت محتاط اور محکم عقیدہ اپناتے ہیں اور اسی کی تصریح بھی فرماتے ہیں، یعنی نہ تو انبیاء کو خدا سے ملادیتے ہیں، نہ نوعِ بشری سے الگ کسی اَور مافوق الانسانی نوع کے ساتھ ان کی مماثلت تلاش کرتے ہیں، نہ ان میں خدا کے حلول کرنے، خدائی اختیارات کے ان میں موجود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، نہ ان کو مقامِ عبدیت سے اٹھا کر مقام معبودیت تک پہنچاتے ہیں، اور نہ اس طرح کی عقیدت کو درست سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی توہین، تنقیص یا تنقید یا ان کی طرف گناہ کی نسبت کرنے کا تصور بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تصور کو درست سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض خدا کا پیغام رساں

---

(۱) (راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: أول ماخلق الله نوری" الخ)

www.besturdubooks.net

ہونے کی ہے، گویا معاذ اللہ ڈاک کے کسی امانت دار کارندے کی حیثیت دینے کو سراسر توہین قرار دیتے ہیں۔

ایک طرف حضرات انبیاء عالم بشریت کے سب سے بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہیں اور دوسری طرف انسانیت کی سب سے زیادہ محسن و محبوب جماعت اور تیسری طرف خدائی حدود و اختیارات میں دخیل نہیں ہیں، پھر اس مقدس جماعت کی آخری اور سب سے باعظمت ہستی حضرت سید المرسلین ہیں، آپ افضل الکائنات وافضل الانبیاء ہیں لیکن ساتھ ہی آپ کی عبدیت و بشریت بھی یقینی ہے، غلوِ عقیدت میں بشریت کی نفی اور ادعائے بشریت میں مقام نبوت کی تنقیص دونوں پُر خطر ہیں اور دونوں حدودِ شریعت سے خارج ہیں۔

آپ کی ذاتِ اقدس کو خدائی اختیار کا حامل قرار دے کر مختارِ کل اور تمام علوم الٰہی پر محیط قرار ہوے کر عالم الغیب قرار دینا یا دوسری طرف آپ کی بشریت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی طرف نعوذ باللہ بشری کمزوریوں کا انتساب کرنا یا آپ کے جسد اطہر کے مٹی میں مل جانے کا عقیدہ اپنانا دونوں انتہائیں، حضرت فقیہ الامت کی تشریحات کے مطابق غلط ہیں۔

اگر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت کے سب سے فائق مقام پر تسلیم کرنے کے ساتھ الوہیت، رزاقیت، علم محیط، قدرتِ کاملہ اور اختیاراتِ الٰہی کا انتساب کیا جائے تو حضرت فقیہ الامت اس کو بلا تامل شرک کہہ دیتے ہیں اور یہ آپ کے فتاویٰ میں جابجا موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کسی کی توہین رسول کی خفیف سے خفیف روش پر بھی حرف گیری سے نہیں چوکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی رواداری گوارہ ہے۔

حضرت فقیہ الامت یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور وہ صلوٰۃ وسلام جو ان کی قبر پر حاضر ہو کر پیش کیا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس کائنات میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے، وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی حیات اور ہر جگہ موجود ہیں اس کو بھی غلط کہتے ہیں اور وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی نہ ہر جگہ موجود ہے اور نہ اپنی قبر میں حیات، ان کی بھی تردید کرتے ہیں اور خود اس میں راہِ اعتدال اپناتے ہیں (۱)۔

میلاد کی مجالس میں قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں حالانکہ قرآن، حدیث، صحابہ کے ارشادات اور فقہائے امت اس بے بنیاد فاسد عقیدے سے مبرّیٰ ہیں اور

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، مايتعلق بحيات الأنبياء، وما يتعلق بالحاضر والناظر)

www.besturdubooks.net

عقل وتجربہ بھی اس کے منکر ہیں، چنانچہ اس قیام کے غیر شرعی ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اور ذاتِ عالی کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے درود وسلام آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، نہ یہ کہ آپ خود عالم کے چپہ چپہ میں گھوم کر مجالس میں پہنچ کر درود وسلام وصول کریں، یہ تو عقیدت کے نام پر انتہائی توہین ہے۔ عام محبوب کو اپنی چیز دینے کے لئے اپنے گھر طلب کرنا اور پھر شئ مطلوب پیش کرنا توہینِ عشق ہے تو پھر محبوب رب العالمین کے اپنے گھر کی مجالس میں آنے کا یقین رکھنا اور چند نعتیہ اشعار کھڑے ہوکر اور جھوم کر پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ تشریف اجلال متوقع ہے سراسر غیر شرعی بھی ہے، توہینِ رسول بھی ہے اور خلافِ عشق نبوی بھی۔

اس عقیدے کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مجلسِ میلاد والے جب چاہتے ہیں کوئی مخصوص نعت پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اسی پر فیصلہ کرتے ہیں کہ ذاتِ اقدس وارد ہوچکی ہے، اس مخصوص نعت کے بجائے اور جو جو ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے اور جس جس انداز میں بھی ہو وہ جامد وساکن ہی رہتے ہیں گویا تشریف آوری کو اپنی چاہت پر موقوف کیا گیا ہے، یاللعجب''(۱)۔

غرض کہ ذاتِ اقدس کے متعلق خصوصاً اور دیگر انبیاء کے متعلق عموماً، علمائے دیوبند کا جو نہایت ہی اعتدالی عقیدہ ہے اس کی مکمل تشریح فقہ وفتاوی کے ذریعہ حضرت فقیہ الامت کے یہاں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام اور راہِ اعتدال

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی جماعتِ مقدسہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعتِ صالحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی نازک ہے۔ ایک طرف سے حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق: ﴿رضی اللہ عنھم﴾(۲) کا مژدہ ہے اور ''الصحابۃ کلھم عدول'' کا اعلانِ نبوی ہے اور دوسری طرف سے وہ نہ تو

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: میلاد اور سیرت کے محافل اور عرس کا بیان)

(۲) (البینۃ: ۸)

www.besturdubooks.net

حدودِ رسالت میں شامل ہیں اور نہ فوق البشری کمالات سے متصف۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی طرح طرح کی اِفراط وتفریط کا پایا جانا امرِ واقعی ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبری کرنا اور کچھ نے تنقید کے نام پر ان کی مقدس زندگیوں پر حملے کرنا اپنا وطیرہ بنایا۔ پھر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کا مسئلہ اور بھی زیادہ نازک معاملہ ہے کہ تنقید کرنے والے مشاجرات کو ہی موضوع بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کا مسلک جو مسلکِ علمائے دیوبند کی مکمل تشریح کا حامل ہے یہ ہے کہ:

''حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس روئے زمین پر سب سے مقدس جماعت ہے''۔

لیکن ان کی تقدیس اس طرح بیان نہیں کرتے کہ وہ حدودِ رسالت میں شامل ہو جائیں وہ بلاشبہ انسان تھے، لیکن محض اس بناء (انسان ہونے کے ناطے) پر ان پر تنقید کو گوارہ نہیں فرماتے، بلکہ وہ تمام معاملات جو مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضمن میں آتے ہیں، ان کا محملِ حسن نکالنے کی سخت تلقین فرماتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے محاربہ کی ایسی توجیہ وتشریح فرماتے ہیں کہ نہ تو کسی ایک صحابی کی شان میں تنقیص ہوتی ہے، نہ کسی کے ارادے ونیت پر کوئی شک ہوتا ہے، نہ کسی کی ذات پر گستاخانہ حملہ ہوتا ہے اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں (۱)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت وتقدیس اور ان کی علوِ شان کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کو مقام تشریع بھی نہیں دیتے اور نہ ان کے ارشادات کو بعد کے لوگوں سے چاہے وہ فقہاء ومحدثین ہوں یا اولیاء وعارفین، فروتر قرار دیتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے افضل قرار دینے اور ان پر ہر قسم کی تنقید کے غیر درست ہونے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کے سلسلے میں

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، باب الفرق الباطلة، مايتعلق بالروافض، مشاجرات الصحابة، عنوان: محاربۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

www.besturdubooks.net

حضرت فقیہ الامت کا انداز کیا تھا، اس کی پوری تفصیل مجموعہ فتاویٰ میں درج مختلف فتاویٰ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تمام مشاجرات صحابہؓ کے متعلق اسی طرح کی تسلی بخش، دلنشین اور نہایت ہی بصیرت افروز توجیہات وحملِ حسن مقرر کرنے میں حضرت فقیہ الامت خود بھی کامیاب سعی فرماتے ہیں اور اسی کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

غرض کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پوری امت کے لئے حق و باطل کا معیار قرار دے کر ان کے تنقید سے بالاتر ہونے کی تصریح کے ساتھ ان کے معصوم عن الخطا ہونے کا اعلان نہیں کرتے کہ اس سے وہ حدودِ رسالت میں داخل ہوں گے اور ان کے اختلافات کو اچھالنے، موضوع بحث بنانے اور ان کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مطعون کرنے کی روش جیسا کہ بعض مصنفین کا وطیرہ رہا ہے سے خود بھی اجتناب کرتے ہیں اور جو اس سے اجتناب نہ کریں ان پر زورِ تغلیط و تردید کرنے کے لئے ہردم بے باک رہتے ہیں اور یہ بھی آپ کے فتاویٰ سے عیاں ہے۔

پھر صحابہ کرام کے آپسی اختلافات کو حق و باطل کا اختلاف قرار دینے کے بجائے اور ان اختلافات میں ان کی نیتوں پر حملے کرنے کے بجائے صرف اجتہادی اختلاف رائے کہہ کر اور پھر ہر طرف کی نیت کے خالص ہونے اور اختلاف کو اختلاف دینی کہہ کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفتِ عدالت کے محفوظ ہونے کی صراحت فرماتے ہیں اور پھر ان کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے ہر اعتبار سے افضل ہی نہیں، بعد کی امت کے لئے نمونہ اور کسوٹی قرار دیتے ہیں۔

پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسی محبت وعظمت اور اسی عقیدت و معیار کا مستحق قرار دیتے ہیں، ایسا نہیں کہ بعض کی زندگیوں میں نقائص کے پہلو نکال کر تبرائی بن جائیں یا سب وشتم کرنا اپنا طرز بنائیں جیسا کہ بعض اہلِ قلم و جماعتوں کی یہ نمایاں علامت رہی ہے اور نہ ہی بعض کے حق میں غلو کر کے حدودِ عقیدت میں بڑھ جائیں۔ مدح میں ایسا رطب اللسان ہونا کہ ان کو ان کے مقام سے آگے پہنچا دے یہ بھی غلط اور ان کے متعلق بدگمانی، بدزبانی اور بے ادبی بھی حق سے بعید ہے، اس نکتۂ اعتدال پر علمائے دیوبند ہیں اور اس کی مثال اپنی پوری شان کے ساتھ حضرت فقیہ الامت کی ذات گرامی تھی، بلکہ آج کے عہد میں وہ اس نکتۂ اعتدال کے سب سے بڑے شارح و ترجمان اور اس کے سب سے مستند مرجع تھے۔

www.besturdubooks.net

تصوف اور اعتدال پسندی

تصوف اور سلاسلِ اولیاء کے متعلق بھی طرح طرح کی افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف ایک طبقہ جو تصوف کو اس کی اصلی حیثیت سے زائد درجہ دیتا ہے اور اس میں بھی شرعی اصولوں کی رعایت لازم نہیں سمجھتا، تعلیمِ قرآن، تعلیم حدیث وفقہ، مسائلِ شریعت، اعمالِ ظاہرہ، عباداتِ مخصوصہ، دعوت وارشاد کی یا تو سرے سے ان کے یہاں اہمیت ہی نہیں یا کم ہے۔ ان کے یہاں تصوف اور وہ بھی مطلوبِ شرعی کی حدود سے بے نیاز ہوکر اس طرح مستولی ہے کہ وہ ایسے امور کا ارتکاب کرتے ہیں جو شریعت کے سراسر خلاف ہیں اور تصوف وروحانیت کے نام پر، یا اولیاء کے متعلق ایسے فاسد عقیدے رکھتے ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ تصوف کے نام پر غیر شرعی اعمال اور وظائف، اولیاء کی طرف منسوب آثار کے ساتھ تبرک کے نام پر شرعی حدود وقیود کے خلاف رویہ اور غلوعقیدت کے ایسے ایسے مظاہرے کہ جن کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں رائج پاگئے، یا اولیاء کو مختار ومشکل کشا، ہر جگہ سے ہر ندا کو سننا اور بعد الموت بھی ایسی حیات ابدی سے متصف ماننا جس سے وہ امورِ دنیا میں بھی متصرف ہوں، یا استمداد بالقبور یا اولیاء کو صرف ضروریات دینیوی کی تکمیل کا ذریعہ بنانا، مشکلاتِ حیات میں ان سے طلبِ امداد کرنا اور اس جیسے بہت سے مزعومات پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف تصوف کو سراسر غیر شرعی قرار دینا، اولیاء کو معبودانِ باطلہ سے تشبیہ دینا تصوف کو افیون اور اہل تصوف کو نشہ پلانے اور سلا دینے والے قرار دینا اور اس ضمن میں پوری جماعتِ صوفیاء کی تنقیص کرنا اور پورے تصوف کو ''چنیا بیگم'' تک کہنا اور پورے سلسلہ تصوف کو مجروح کرنے کو ایک مہم کے طور پر اپنانا بھی ایک طبقہ کا وظیفۂ حیات ہے(۱)۔

اس سلسلے میں راہِ اعتدال اور مسلکِ حق کیا ہے، یہ علمائے دیوبند کی طرح تفصیل سے حضرت فقیہ الامت کے یہاں ملتا ہے، آپ تصوف کی حقیقت اور اس کی ضروریات، اس کی افادیت واہمیت کو یہ کہہ کر واضح فرماتے ہیں: ''تزکیۂ نفوس، اعمالِ ظاہرہ اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے ہے، اسی کا نام تصوف ہے''۔ اسی کے ساتھ مرشد کے اوصاف وشرائط کی پوری تفصیل بیان فرماتے ہیں جو اس کے لئے لازم ہیں اور ایسا شخص جو عقائدِ فاسدہ رکھتا ہو جو خود متبع سنت نہ ہو جس سے اصلاح کی وہ ضرورت پوری نہ ہوتی ہو جس کے لئے یہ سلسلہ

(۱) (راجع باب الفرق، مایتعلق بالمودودیة، عنوان: ''تصوف، یوگ، کوکین، افیون'')

www.besturdubooks.net

راہ سلوک مطلوب ہے اور وہ ارشاد وتزکیہ کی مقرر شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اس سے بیعت نہ ہوں اور اگر ہوئے ہوں تو اس بیعت کو توڑ دینے کا فتویٰ دیتے ہیں(۱)۔

پھر تصوف میں اعمالِ مقصودہ اور اعمالِ غیر مقصودہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اعمالِ غیر مقصودہ جو صرف بغرضِ علاج شرعی حدود میں رہ کر انجام دیئے جائیں ان کی اباحت کی صراحت بھی فرماتے ہیں اور وہ اعمال جو نہ مطلوبِ شرعی ہیں، نہ وہ بطور علاج کے مفید ہیں اور ان کا شیوع یا تو صرف رسوم کی بناء پر ہوا ہے یا تصوف و بزرگانِ دین کی طرف غلط انتساب کا نتیجہ ہے، محض رسوم کی بناء پر کئے جانے والے اعمال جو بعد میں تصوف کے خانے میں ڈال دیئے گئے، مثلاً: تیجہ، چوتھا، دسواں، گیارہواں، چہلم، برسی، عرس، رسم قل اور ختم کی مجالس میں غیر شرعی کلام اور وظائف کا ورد مثلاً: "المستغاث المستعان الخلاص یا رسول اللّٰہ یا فلان مشکل کشا بالخیر المدد" وغیرہ یہ تمام اپنی اصل کے اعتبار سے غیر شرعی بھی ہیں اور تصوف کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے حضرت فقیہ الامت ان کو بدعت قرار دیتے ہیں، ان کے غیر شرعی ہونے کو دلائل نقلیہ وعقلیہ سے مبرہن فرماتے ہیں اور اس کی سب سے واضح دلیل مستند صوفیاء سے ان کا عدمِ ثبوت ہے، اسی کے ساتھ اولیاء کو مقام الوہیت تک پہنچانے کی ہر روش کی سختی سے تردید وتغلیظ فرماتے، چنانچہ سوال کیا گیا کہ ....

ایک صاحب نے بیان فرمایا، کہا کہ:

"کسی بڑھیا کا خاندان غرق ہوگیا تو پیرانِ پیر نے دعا کی وہ سب زندہ ہوگئے، کیا یہ واقعہ درست ہے؟ اس پر جواب فرمایا: "یہ واقعہ من گھڑت اور بالکل جھوٹ ہے اور اتنے بڑے بزرگ پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑی بدبختی ہے" (۲)۔

اولیاء پرستی کی اس روش کی نفی کے ساتھ ان کے احترام کو برقرار رکھنے اور اس سلسلے میں شرعی حدود قائم فرمانے کا انداز دیکھئے کہ پوچھا گیا:

"کیا اولیاء سے مدد مانگنا جائز ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا: "حضرات اولیاء اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، خود براہِ راست اولیاء اللہ سے کوئی چیز

(۱) (راجع کتاب السلوک، مایتعلق بصفات الشیخ)

(۲) (راجع کتاب الإیمان، مایتعلق بالمعجزة، والکرامة والإلهام")

www.besturdubooks.net

نہ مانگی جائے جیسا کہ بعض جگہ کہتے ہیں ''یاغوث المدد'' شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے''(۱)۔

تصوف کے سلسلے میں بیعت سے لے کر شرائطِ مرشد، آدابِ مسترشد، اعمالِ ثابتہ کو مدلل کرنے، مقصودِ بیعت کا عملی بیان، راہِ سلوک میں پیش آنے والے تمام احوال ومقامات کی تشریح اور ان میں ہر ہر جز کی علمی تائید کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ تمام صلحائے عارفین کی طرح انتہائی وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی کا مظاہرہ فرماتے ہیں، بزرگانِ دین سے منسوب شطحیات کی نہایت دل نشین توجیہ فرمایا کرتے اور وہ اعمال جو شرعاً اگرچہ مطلوب نہیں، لیکن صدیوں کے تجربات کے بعد صوفیہ نے اعمالِ صالحہ پر دوام، اخلاقِ فاضلہ کے حصول اور نسبتِ احسانی کے احیاء میں مفید قرار دیا، ان کا علمی اثبات ایک صاحبِ علم متصوف کی طرح نہایت بصیرت سے فرماتے ہیں۔

وہ اعمال جو اپنی اصل کے اعتبار سے فرض وواجب نہیں، صرف سنت ومستحب کے درجہ میں ہیں، ان کو تصوف میں لے جا کر اس طرح لازم کر دیا کہ عملاً وہ فرض کے مقام پر پہنچ گئے اور فرض وواجب کی حیثیت گھٹا دی گئی...... اس سلسلے میں حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ:

> ''جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے اور اس میں کراہت آجاتی ہے۔ التزام مالا یلزم وملامت علی التارک موجبِ کراہت ہے''(۲)۔

---

(۱) (راجع كتاب الإيمان، مايتعلق بالاستمداد)

(۲) ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر طیبی شرح مشکوۃ کی عبارت ذکر کرتے ہیں، جو مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: " من اصر على امر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه)

اور سعایہ شرح وقایہ کی یہ عبارت ذکر فرماتے ہیں:

" الإصرار على مندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية شرح شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/ ۲۶۵، امجد اكيڈمی، لاهور)

اور اس کا اندازہ بدعات کے اکثر مسائل سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

لیکن دوسری طرف ان معمولات کو جو اصلاً ثابت شدہ ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ طبقات نے ان کو بھی محض تعداد و ہیئت کی تعیین کی بناء پر بدعات کے زمرے میں شامل کر دیا جیسے کہ نفی و اثبات کی تسبیحات، اسم ذات کے ذکر اور سہ ضربی یا چہار ضربی ذکر کے سلسلے میں یہی صورت حال پیش آتی ہے اس سلسلے میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

''وہ معمولات جو یا تو مستحب ہوں یا مباح اور جن کی فضیلت ثابت ہے، مشائخ بطور علاج کے تجویز فرماتے ہیں اور کبھی یہ معمولات ترک بھی کراتے ہیں کہ جب اس کی ضرورت پڑے اس لئے یہ نہ ممنوع و حرام ہیں اور نہ فرض و واجب'' (۱)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت فقیہ الامت نے مسلکِ حق کی ایسی اعتدالی تشریح کی اور اعتدال بھی ایسا واضح، مصرح، مدلل اختیار فرمایا کہ عوام ہی نہیں علماء کے لئے بھی آپ کے فتاویٰ ایک کامل رہبر کا کام دے سکیں گے اور اس کا مشاہدہ ہر طالبِ صادق کو یقینی طور پر ہو سکتا ہے۔

مدارس اور راہِ اعتدال

برصغیر میں مغل دورِ حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریز اقتدار میں آیا اور اس کے نتیجے میں جو تباہ کاریاں ہوئیں وہ برصغیر کی پچھلی دو سو سال تک کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کی سب سے سنگین تباہ کاری ہے، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب کا خاتمہ، مسلمانوں کی سیاسی اقتصادی زبوں حالی اور علماء و صلحاء کے قتل و خون، غرض ہر ہر اعتبار سے یہ عہد انتہائی خون آشام ہے، مسلمانوں کے اقتدار میں بھی گو کہ اشاعتِ علوم دینیہ کی ایسی کوششیں نہیں تھیں جن کی ایک اقتدار سے بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے۔ تاہم منصوبہ بند طریقے سے اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کی بھی کوشش نہیں ہو رہی تھی جیسا کہ انگریز دورِ حکومت میں انتہائی ہمہ گیر انداز میں منصوبہ بند طریقوں اور ناقابلِ تسخیر ہتھکنڈوں کے ذریعہ اسلام، اسلامی علوم، اسلامی تہذیب، اسلامی آثار و علامات اور ذہن و فکر سے لے کر عمل و حرکت تک اور فرد کی نجی زندگی سے لے کر ملک کے تمام اجتماعی اداروں تک اسلام کے شعائر کو ختم کرنے کی مہم جاری تھی اور وہ بہت حد تک کامیاب بھی تھی۔

اس صورت حال میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کو اسلام پر ثابت رکھنے کی جو سب سے کامیاب اور

(۱) (راجع باب البدعات، فصل: فاتحہ مروجہ کا بیان، عنوان: ''ختم میں سوا لاکھ کی تعداد'')

www.besturdubooks.net

مفید سعی ظہور پذیر ہوئی وہ دیوبند کے طرز پر قائم ہونے والے مدارس کا قیام ہے۔ بلاشبہ آج برصغیر اسلام کی حفاظت واشاعت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اور مسلمانوں کو دین سے منسلک رکھنے میں جس محرک نے کلیدی کردار ادا کیا وہ یہی مدارسِ اسلامیہ ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو نہ علماء کی یہ کثرت ہوتی، نہ اسلامی علوم کے پڑھنے وپڑھانے کے یہ مواقع ہوتے، نہ اسلامی علوم کی اس طرح نشر واشاعت ہوتی اور نہ آج برصغیر میں اسلام اس طرح محفوظ ہوتا۔

مدارس کا یہ نہج اپنے اکثر معاملات میں چند بزرگوں کے نہایت قیمتی اصولوں جن کو الہامی اصولِ ہشتگانہ کہا جاتا ہے پر استوار کیا گیا۔ تاہم یہ اپنے نظامِ تعلیم، نظامِ مالیات، اصولِ تشکیل اور اندازِ تنظیم میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ تھا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس طرح نہیں ہوا تھا جو حکومتوں کی سرپرستی اور مالیات کے کسی متعین ومحکم ذریعۂ آمدنی کے بغیر کھڑا کیا گیا ہو۔

اسی بناء پر فقہ واحکام کی کتابوں میں باقاعدہ کوئی ایسا باب نہیں جو متعین طور پر اس قسم کے مدارس کے تمام مسائل پر مشتمل ہو، چنانچہ یہ مدارس اپنے ذوق اور مزاج سے لے کر چھوٹے چھوٹے مسائل تک اپنے بزرگوں اور بانیوں کی صوابدید اور فیصلوں پر موقوف تھے اور ہیں۔

ایک طرف یہی مدارس برصغیر میں حفاظتِ دین واشاعتِ دین کا سب سے کامیاب وموثر ذریعہ ثابت ہوئے اور دوسری طرف ان میں پیش آنے والے تمام مسائل کسی ایک باب میں دستیاب نہ ہونے کی بناء پر اور نوع بنوع کی اندرونی وبیرونی مہمات کی بناء پر قدم قدم پر کسی مربی کامل، کسی مزاج شناسِ شریعت، کسی صاحبِ بصیرت فقیہ اور کسی ایسے سرپرست کے محتاج تھے جو اس کے منتظمین، مدرسین، طلباء اور معاونین کو صحیح راہ دکھلا سکے، اسی بناء پر ہر اہم مدرسہ نے ہر دور میں کسی نہ کسی کو اپنا سرپرست بھی مقرر کیا اور ساتھ ہی مدارس کے نظام میں پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے کسی مفتی کی رہنمائی سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا رہا اور بین المدارس اخذ وقبول کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مدارس کا یہ سلسلہ برصغیر میں جتنا پھیلتا گیا ان میں پیش آنے والے مسائل بھی وسیع سے وسیع تر ہوگئے، ادھر فتاویٰ کے تمام شائع شدہ مجموعوں میں سے کسی ایک مجموعے میں بھی اکثر وبیشتر مسائل موجود نہیں۔

اس باب میں حضرت فقیہ الامت سب سے ممتاز ہیں کہ ”مایتعلق بالمدارس“ کا باب قائم فرما کر

www.besturdubooks.net

سب سے زیادہ فتاویٰ دیئے، اس لئے اگر اہلِ مدارس اپنے تمام معاملات کی فقہی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب سامنے رکھنا چاہیں تو فتاویٰ محمودیہ کے مجموعے میں "مایتعلق بالمدارس" میں سے مسائل کو منتخب کر کے اپنے سامنے ایک رہنما کتاب کے طور پر رکھ سکتے ہیں، جس میں مدارس میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے، عمومی و نادرالوقوع مسائل کا شرعی حکم موجود ہے۔

ان مسائل میں حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت، مدارس کے ذوق ومزاج کا عرفانِ کامل، مدارس کے نہج کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عمیق بصیرت، اصل مقصود سے ہٹ جانے کی خفیف سے خفیف روش پر گہری نظر، حدودِ شریعت میں رہ کر مدارس کو ہرنئی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت، مسلکِ حق پر استقامت کی مکمل رہنمائی، اربابِ انتظام، اصحابِ تدریس، طلباء، محصّلین اور معاونین میں سے ہر ہر طبقہ کی صحیح اور کامل رہبری، نئی تہذیب کے دھارے پر بہنے اور تجدد کی ہرنئی لہر کو قبول کرنے کے نقصان دہ نتائج ومضر اثرات کی نشاندہی، اساتذہ کے فریضے کی صراحت، اخلاص، جدوجہد، استقامت اور تعمیر وتطہیر، اصلاح وتزکیہ کی تذکیر، محض کسب مال کو مطمحِ نظر نہ بنا کر خدمت دین کے تصور کو زندہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ کے متعلق حضرت کے فتاویٰ، ملفوظات اور ارشادات جواہر خالصہ ہیں۔

جمہوریت اور راہِ اعتدال

پچھلے سو سالہ (کم وبیش) عرصہ میں پورے عالَم کی طرح برصغیر میں بھی سیاسی تحریکات کا شیوع عام ہوا، دنیا میں مختلف نظام ہائے سیاست طرح طرح کی شکست وریخت سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی اس ذلذل سے گزرنا پڑا، بلکہ ان کے مضر اثرات سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑے، اس بناء پر علمائے اسلام بھی ان سیاسی مسائل سے آنکھیں بند نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے عمومی تصور کی طرح حضرت فقیہ الامت کا تصور بھی یہی رہا کہ سیاست نہ تو مطلوبِ اسلام ومقصودِ مومن ہے اور نہ ہی شجرۂ ممنوعہ، اس کی وہ تفصیل (جو اس کی وجوہات، دلائل اور نتائج کی حامل ہو) کی تو ان صفحات میں وسعت نہیں۔ تاہم حضرت فقیہ الامت کے چند وہ فتاویٰ جو سیاسیات کے متعلق ہیں پیش کرنے سے علمائے دیوبند کے مزاج کے اجمالی تعارف کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

یہ دور جمہوریت کا دور کہلاتا ہے اس لئے کہ جمہوری طرز حکومت کے قیام، اس کی افادیت اور اس کو بہتر نظام قرار دیئے جانے کے متعلق لٹریچر سے لے کر تشکیلِ حکومت تک جمہوریت کے عملاً زندہ ہونے کا اور عالم کے اکثر حصہ پر اس کے نافذ ہونے کا دور ہے اور اس سلسلے میں کتابوں کا انبار موجود ہے جو جمہوریت کے حق میں بھی ہیں اور اس پر تنقید بھی۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں یہ نظام حکومت مکمل طور پر قابلِ قبول ہے یا قابل رد، اس سلسلے میں علمائے امت مفصل و مدلل تحقیقات فرما چکے ہیں۔ حضرت فقیہ الامت نے نہایت جامع اور مختصر جملوں میں اس کی پوری حقیقت اور اس کا حکم یوں بیان فرمایا کہ:

> ''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے، (اس لئے کہ) وہاں قوانین کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرتِ رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہوگا اور قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت قرار دیا ہے:
>
> ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ اہلِ علم، اہلِ دیانت واہل فہم کم ہی ہوتے ہیں''۔ (فتاویٰ: ۱۳/۴۲۶)(۱)۔

ایک موقع پر مختصر فتویٰ لکھا کہ:

> ''جمہوریت...... اسلامی طرز حکومت نہیں ہے''۔

حضرت کبھی شرعی و عقلی دلائل سے جمہوریت کے نقائص کا بیان نہایت مفصل اور دلنشیں انداز میں فرمایا کرتے تھے اور کبھی اس بحث میں اضاعتِ وقت کے خدشہ سے اجتناب بھی فرماتے تھے۔ اب اگر اسلامی طرز حکومت کا قیام ناممکن یا دشوار ہے تو وہاں رہنے والے مسلمانوں کو کیا کرنا ہوگا؟ کیا مسلمانوں کو اس جمہوری سیاست میں شرکت سے کلی اجتناب کا حکم دیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو اس سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دنیوی نقصانات اور کچھ معاملات میں دینی نقصان بھی یقینی ہے، خصوصاً ان ممالک میں جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہوں اور مسلمان سیاست سے کنارہ کشی اختیار کریں تو وہاں کے قانون ساز ادارے اور انتظامی ادارے جو مسلم کش اقدامات کرنے لگیں گے ان کو رد کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی اور جمہوری حکومت جو الیکشنوں کے ذریعہ وجود

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب السیاسۃ، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: جمہوریت)

www.besturdubooks.net

پذیر ہوتی ہے، سے دور رہنے کے نتیجے میں کسی بھی حکمران جماعت سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکے گا اور اگر اس سیاست میں مسلمانوں کی شرکت لازم کردی جائے تو اس کو غیر اسلامی طرزِ حکومت قرار دینے کے بعد اس میں شرکت کا لازمی حکم دینا کیسے درست ہوگا؟

اس صورت حال میں کیا کیا جائے، ایک شخص جو سیاسی میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور حضرت فقیہ الامت سے استفسار کرتا ہے تو جواب میں فرمایا کہ:

''اگر حصہ لینے میں آپ کو احکامِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہلِ اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں''۔ فتاویٰ: ۱۳/ ۴۲۵ (۱)۔

حدود وقیود اور مقصد کی تصریح اور نیت کی درستگی غرض مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر رکھ کر ایک ہی جملہ میں آپ نے واضح اور قطعی حکم بیان فرمادیا گو کہ دلیل اور علت بیان نہیں فرمائی۔ تاہم علماء کی ایک مجلس میں زبانی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''جمہوری ملکوں میں سیاست میں شرکت صرف دفعِ مضرت کے لئے ہوسکتی ہے اور دفع مضرت کے لئے شریعت نے بہت سے امور کو جائز رکھا ہے، جمہوریت میں الیکشن جزوِ اعظم ہے اور الیکشنوں میں عوام کی رائے بذریعہ ووٹ طلب کی جاتی ہے۔ گو کہ مرد وزن، خورد وکلاں، عام ناواقف اور ان پڑھ شخص اور انتہائی ذی علم وصاحب فہم شخص کی رائے مساوی ہوتی ہے اور یہ اس کے دیگر مصائب ونقائص میں سے ایسا نقص ہے جس کا آج تک جمہوریت نواز کوئی فلاسفر یا مصنف جواب نہیں دے سکا، تاہم ووٹ کی حیثیت شرعاً گواہی کی حیثیت ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے فتویٰ لکھا ہے''۔ (ملاحظہ ہو جواہر الفقہ) (۲)۔

اس شرعی شہادت پر عمل کرنے کا حکم ظاہر ہے کہ مسلم ممالک میں (کہ جہاں ہر جماعت کے امیدوار مسلمان ہوں گے) ہی لاگو ہوگا، رہا غیر مسلم ممالک میں تو وہاں اس کی حیثیت شہادتِ شرعیہ کی عموماً نادر ہوتی ہے اس لئے کہ امیدوار جب مسلمان ہی نہ ہو تو اس کے لئے ووٹ کو شہادت قرار نہیں دیا جاسکتا تو کیا غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو ووٹ نہ دینے کا حکم دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ اس سے وہی ضرر لاحق ہوگا کہ وہاں کے

---

(۱) (راجع کتاب السیاسة والهجرة، عنوان: سیاست میں حصہ لینا)

(۲) (جواهر الفقه: ۲/ ۲۹۷، ووٹ اور ووٹر، باب: انتخابات میں ووٹ اور ووٹر، مکتبہ دار العلوم کراچی)

www.besturdubooks.net

مسلمان قانون بنانے اور نافذ کرنے والے اداروں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت یا تو پیدا ہی نہ ہو سکے گی یا بے سود رہے گی۔ اس صورت حال میں حضرت کا فتویٰ ملاحظہ ہو: سوال کیا گیا کہ کیا ووٹ دینا درست ہے؟ فرمایا کہ:

''اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے''۔ (فتاویٰ، ص: ۳۴۱) (۱)۔

اور جب مختلف جماعتیں ووٹ طلب کریں تو ایسی صورت میں ایک مخلص بے لوث اور بے غرض مسلمان کو کیا کرنا چاہیے اور پارٹی کے جانچنے اور اس کے حق میں رائے دینے کا معیار کیا ہو، اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتویٰ لکھا کہ:

''اپنے یا اہلِ علم و دیانت کے تجربہ سے جو جماعت اسلام کے زیادہ قریب یا پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں''۔ فتاویٰ محمودیہ (۲)۔

خود حضرت کس پارٹی کو پسند فرماتے تھے؟ تقریباً اسی قسم کا سوال پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''جماعتوں کے قواعد و ضوابط میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے زیادہ واقفیت بھی نہیں ہے'' (۳)۔

جمہوری ملکوں میں چونکہ انتخاب میں شرکت کرنے کا حق ہر اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جو پارٹی تسلیم شدہ ہو اور اس کے لئے مذہب، اخلاق اور دیانت کی کوئی شرط نہیں اس لئے منکرینِ خدا، مذہب و اخلاق سے بیزار اور انسانوں کو معاشی حیوان بنا دینے والے بھی اگر انتخاب میں شرکت کرنا چاہیں تو جمہوری ملکوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تو کیا کمیونسٹ پارٹی میں شرکت کر کے اس کی طرف سے انتخاب لڑنا یا اس کو ووٹ دینا درست ہے؟ اس سلسلے میں حضرت نے فرمایا:

''کمیونزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے، کمیونزم کا ممبر

---

(۱) (راجع كتاب السياسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان: ''ووٹ کا حکم'')

(۲) (راجع كتاب السياسة، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: ''کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟'')

(۳) (راجع المصدر السابق آنفاً)

www.besturdubooks.net

اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا جو صدقِ دل سے صاف صاف اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکرِ خدا ہے، انجلز لکھتا ہے: ''ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے''۔ مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب عوام کے حق میں افیون کا درجہ رکھتا ہے''۔ کمیونزم ایک تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جس کے بانی مارکس ولینن وغیرہ یہودی تھے، یہ صرف معاشی تحریک بھی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان ومذاہبِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاق واقدار ودینِ حق یعنی ذاتِ خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دینِ یہود کا مسلک ومقصد ہے''۔

آگے تحریر فرمایا:

''یہ کمیونزم کا اجمالی خاکہ ہے کہ جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے وہ صراحۃً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آئے تو بھی اس کا دینی حیثیت سے ضرر واضح ہے''۔ (فتاویٰ: ۱/۱۴)(۱)۔

حضرت فقیہ الامت نے اشتراکیت کے متعلق جو قطعی اور واضح حکم لکھا اس کے بعد یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ جو لوگ اس تحریک اشتراکیت میں شریک ہوئے، کیا وہ اسلام سے خارج ہیں؟ چنانچہ حضرت سے یہ پوچھا گیا لیکن تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا) انتہائی اہم اور پر خطر معاملہ ہے اور علمائے دیوبند کی اس سلسلے میں احتیاط تو شعار وامتیاز ہے، اس مزاجِ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

''کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت کو کافر یا مرتد قرار دینا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک نصوصِ قطعیہ سے اس کا کفر ثابت نہ ہو اس پر اقدام نہیں کیا جا سکتا، بلا قطعی دلائل کے اگر ایسا کیا جائے تو اندیشہ قوی ہے کہ یہ کفر اقدام کرنے والے پر عود کر آئے، جو علماء حدودِ شرع سے واقف ہیں اور کفر واسلام کی سرحد کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ایسا اقدام نہیں

(۱) (راجع کتاب الإیمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعیۃ والاشتراکیۃ، عنوان: ''کمیونزم'')

www.besturdubooks.net

کیا کرتے''۔فتاوی محمودیہ(۱)۔

اسی حزم واحتیاط کا مزید مظاہرہ آپ نے اس وقت فرمایا جب ایسے مسلمانوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو کمیونزم کے بنیادی نظریات سے ناواقف ہو کر محض سیاسی بہتر خدمات کی توقع پر کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ دیں، کیا وہ اسلام سے خارج ہو کر کمیونسٹ قرار پائیں گے؟ آپ نے فتوی لکھا کہ:

''اس ملک (ہندوستان) میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے، نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جو لوگ خود مسلمان اور دین ومذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو ووٹ دیں یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے نظریات وعقائد سے بھی متفق ہیں''۔فتاوی: ۱۶۷/۵(۲)۔

اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

اختلافی مسائل چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا معاشرت، معاملات، اخلاق، سیاسیات یا مختلف فرقوں کے عقائد ونظریات اور یا پھر یہ اختلافات قدیم ہوں یا نئے ہوں ان تمام مسائل میں حضرت فقیہ الامت کا طرز محققانہ، حفظ مراتب میں محتاط اور بوقت ضرورت سخت ہوا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں بھی آپ انتہائی بسط وتفصیل کی روش اپناتے اور کبھی اجمال اختیار کر کے صرف بیان حکم تک محدود رہتے۔

ان اختلافی مسائل میں استدلال کی قوت، بیان میں حفظ درجات، اپنے موقف پر شدت وصلابت اور مخالف نظریہ کے دلائل پر شدید گرفت اور نقلی وعقلی دلائل سے اس کی تردید، یہ سب کچھ ہوا کرتا۔

اختلافی مسائل میں تکفیر کا سلسلہ جو برصغیر میں ایک طبقہ کا نشان اور علامت بن گیا تھا اور اس کے لئے ذاتیات پر انتہائی رکیک اور اخلاق سوز حملے بھی کئے اور دوسری طرف تقلید کو شرک اور ہر نئے عمل کو بے دھڑک بدعت وگمراہی اور اسلاف کا ذوق وتعامل اپنانے کو اتباع آباء، یہودیت، نصرانیت اور مشرکین کا طرز اپنانے

(۱) (راجع کتاب الإیمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعیة، والاشتراکیة، عنوان: اسلامی سوشلزم)

(۲) (راجع کتاب السیاسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت بعنوان ''ووٹ کس کو دیا جائے؟'')

www.besturdubooks.net

کا حکم لگایا گیا جیسا کہ دوسرے طبقہ کا شعار ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت بحیثیت مفتی اُس روش پر قائم رہے جو علمائے دیوبند کا امتیاز ہے یعنی صراحۃً کبھی کسی کی تکفیر کا حکم لکھنے کی اگر نوبت آئی تو عموماً حضرت کا جواب اس طرح ہوا کرتا۔

''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

یا یہ لکھا کرتے:

''یہ خیالات خلاف شریعت ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ وغیرہ''۔

اس سلسلے میں عموماً فرمایا کرتے کہ:

''سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تکفیر میں کرنے کی...... ہے''۔

ان اختلافی مسائل میں اگر مسئلہ کسی جماعت کے متعلق ہوتا اور وہ مسئلہ اس جماعت نے بطور عقیدہ وشعار کے اپنایا ہوتا تو پھر حضرت کا رویہ نہایت سخت اور قطعی ہوتا۔ ایسے مسائل میں دوسرے فریق پر مفصل ومدلل جرح، اس کے دلائل کی دلنشین تغلیط، دوسرے فریق کے دلائل نقل کرنے اور پھر ان کے سقم کو بیان کرکے اس کے نتیجے میں پھیلنے والی گمراہی کی واضح نشاندہی فرمایا کرتے، چنانچہ مختلف فرقوں کے متعلق آپ کے فتاویٰ میں یہ انداز واضح ہے لیکن اس شدت وقطعیت کے ساتھ کسی کی ذات پر یا کسی کی نیت پر حملہ نہ کرتے یا اخلاق وکردار کو موضوع بحث نہ بناتے، نہ طعن وتشنیع والزام تراشی کرتے، نہ غلط بات منسوب کرتے، نہ کسی کے نظریہ کے غلط معنیٰ نکال کر توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل کا ارتکاب کرتے، بلکہ اگر دوسرے فریق کی طرف سے کوئی درست بات سامنے آتی تو اس کی نہایت فراخ دلی اور حقیقت پسندی سے تحسین فرمایا کرتے، چنانچہ ایک مشہور شخصیت جن کے خیالات ونظریات سے حضرت کو نہایت اختلاف ہے، کے متعلق ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

''اس موقع پر............صاحب نے ایک بات ایسی لکھی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مجھے............صاحب سے بنیادی اختلاف ہے اس اختلاف کے باوجود یہ بات بعید ہے کہ اگر ان کے قلم سے کوئی بات صحیح نکل جائے تو میں اسے غلط کہنے لگوں، ایسا

www.besturdubooks.net

نہیں ہوسکتا،حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا یجر منکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا﴾ (۱)۔

فروعی اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

ان اختلافی مسائل میں دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں کسی جزوی اور فروعی مسئلہ میں کسی سے آپ کا اختلاف ہوجائے اور یہ اختلاف بر بنائے دلائل ہو اور وہ کسی تحریف یا تلبیس کے فروغ کا سبب نہ بنے، محض موقف اور اس کے مستدلات کا اختلاف ہو، ایسے موقعوں پر آپ حفظِ مراتب کے نہایت اعلیٰ مقام پر رہتے۔ چنانچہ فقہ کے فروعی مسائل میں بہت سے مفتیانِ وقت سے آپ کا اختلاف ہوتا رہا لیکن آپ عموماً صرف اپنا موقف، اس کے دلائل اور بزرگانِ سلف میں سے کسی کی رائے نقل کرنے پر اکتفا فرمایا کرتے اور اگر کبھی دوسرے کی رائے نقل کرنے کی نوبت آتی تو نہایت احترام سے وہ رائے اور اس کے دلائل بھی نقل فرماتے، ایسے موقعوں پر کبھی صرف یہ کہہ کر بات ختم کردیتے کہ ”اس مسئلہ میں فلاں کی رائے یہ ہے“۔

دعوت وتبلیغ اور راہِ اعتدال

دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت اور امت میں دین کو زندہ رکھنے اور احکامِ دین کے احیاء کے سلسلے میں دعوت وتبلیغ کا کیا مقام ہے، یہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ امت کی داعیانہ صفت ہی درحقیقت اس کی بقاء کی ضامن ہے، اسلامی تاریخ کے ہر عہد اور اسلامی دنیا کے ہر مقام پر جب جب بھی یہ داعیانہ کردار کمزور ہوا اس کے طرح طرح کے سنگین نتائج سامنے آئے، اسی بناء پر امت سے خلافت وحکومت جاتی رہی، اسی وجہ سے امت اپنی معاشرت ومعاملات میں دوسری اقوام کی نقالی کرنے اور اپنے دین کو چھوڑنے کی روش پر چل پڑی، اس کے نتیجے میں امت میں اعمال وعبادات اور اخلاق وآداب غرض پورے اسلام اور پھر ایمانیات تک میں شدید ترین ضعف پیدا ہوا۔

غرض کہ امت کی ہر خرابی کی جڑ دین کی کمزوری اور اس کا سبب دعوت سے غفلت ہے جب کہ دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ قرآن مجید، ارشاداتِ نبویہ، سیرت طیبہ، تاریخ اسلام اور عقل وتجربہ سے واضح اور اس کی اہمیت،

---

(۱) (المائدة: ۸)

www.besturdubooks.net

فرضیت اور امت کے لئے اس کے لازم ہونے کی صراحت قطعی اور غیر محتاج دلیل ہے، بلکہ ختم نبوت کے نتیجے میں امت کو کار نبوت کے فریضہ کی ادائیگی اسی دعوت کے نتیجے میں عطا ہوئی ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں امت سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں سینکڑوں سال تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے لیکن امت کی غالب اکثریت اس فریضہ دعوت کی ادائیگی سے غافل رہی، اس لئے علمائے امت کی محنت کے نتیجے میں دین گو محفوظ رہا لیکن امت کے عام افراد کی زندگی سے لے کر حکومتِ وقت تک جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ناقابلِ انکار ہیں، بلاشبہ اگر امت کا غالب طبقہ اس فریضہ کی ادائیگی میں منہمک رہا ہوتا تو امید کی جاسکتی ہے کہ آج برصغیر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد جب دین کو مٹانے کے نہایت سنگین حالات پیدا کئے گئے اور پوری امت کا عوامی طبقہ دین سے بیگانہ ہوتا گیا تو اللہ جل شانہ نے خصوصی فضل فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آج عالم کے کونے کونے میں دعوت وتبلیغ کی یہ محنت جاری ہے اور اس کے ثمرات کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ عالم اسلام کی مسلم حکومتوں کی کسی بھی محنت کے نتیجے میں ایسا ثمرہ سامنے نہیں آرہا ہے اور اس کے اعتراف سے بجز عناد وکج فہمی کے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

دعوت وتبلیغ کا یہ نہج بے شمار لوگوں کے لئے اجنبی اور قابل اعتراض ہے حالانکہ شرعاً اس کے کسی بھی جز پر کوئی واقعی اعتراض کیا ہی نہیں جاسکتا، تاہم کچھ لوگ اس کے چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت اور دوسرے امور پر یہ سطحی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تعیین غیر ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین کے تمام احکام کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے بلکہ صرف چند احکام تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وقت کے سیاسی مسائل سے اغماض کرتے ہیں وغیرہ۔

درحقیقت یہ تمام اعتراضات انتہائی سطح پر، غلط فہمی یا حقیقت دعوت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اس لئے علمی طور پر دعوت وتبلیغ کی فرضیت ثابت کرنا، اس کے اصول ومنہاج کو مدلل کرنا، اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرنا علمائے امت کا فریضہ ہے۔

برصغیر کے مفتیانِ کرام میں سے حضرت فقیہ الامت کی ذات اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ آپ نے

www.besturdubooks.net

از خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں وقت گزارا، دعوت وتبلیغ کے کام میں عملاً شرکت کی، اس کے پورے نظام کو از خود ملاحظہ فرمایا، اس کے فوائد وثمرات کا مشاہدہ فرمایا اور پھر بعد کی پوری زندگی میں اس کے ساتھ مکمل انتساب رکھا۔ اس لئے اگر علمی طور پر دعوت وتبلیغ کو سمجھنا کسی طالب صادق کا مطلوب ہو تو فتاویٰ محمودیہ میں شائع شدہ وہ فتاویٰ جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں بلاشبہ چشم کشا ثابت ہوں گے (۱)۔

حضرت مفتی صاحب کو اس کام سے کس درجہ لگاؤ اور شیفتگی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے مشہور خلیفہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے لکھنؤ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ازراہِ بے تکلفی فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ تبلیغ والوں نے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

''واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں مفتی بعد میں اور دارالعلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی'' اوکما قال۔ (ماہنامہ النور، تذکرۂ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۴۸)

اسی تعلق کی بناء پر حضرت تبلیغی اجتماعات میں نہایت بشاشت سے شرکت فرماتے، بیانات فرمایا کرتے اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد سے تو کبھی دعاؤں کی درخواست تک کرتے، کبھی کوئی جماعت ملاقات کے لئے آتی تو آپ انتہائی شفقت واپنائیت کا مظاہرہ فرماتے۔

دعوت وتبلیغ کے اکابرین خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت مفتی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی ملاقات ایک ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تو مولانا محمد یوسف نے فرمایا:

''مفتی صاحب! مصافحہ تو بعد میں کیجئیو، پہلے مجھے فلاں فلاں مسئلہ کا جواب بتادو۔ حضرت نے جوابات ارشاد فرمائے۔ بعد میں مولانا محمد یوسف نے فرمایا کہ: ''ہم کو دعوت میں لگایا اور خود بیٹھ گئے''۔

---

(۱) (راجع محمودیہ، کتاب العلم، باب التبلیغ)

www.besturdubooks.net

حضرت نے فرمایا کہ:

''ایک دوکو کسی کونے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے دیں تاکہ آپ کے اس طرح کے سوالات کے جوابات تلاش کرتے رہا کریں''۔ (ماہنامہ النور، تذکرہ فقیہ الامت، حصہ دوم، ص: ۲۲۸)

اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی آپ دہلی تشریف لے جاتے تو مرکز تبلیغ ضرور تشریف لے جاتے اور اکابرینِ مرکز بھی آپ کے لئے چشم براہ ہوا کرتے۔ علمی طور پر دعوت وتبلیغ کے متعلق آپ نے اتنے فتاویٰ تحریر فرمائے کہ دوسرے کسی مفتی نے برصغیر کی پوری تاریخ میں اتنے نہیں لکھے، ان فتاویٰ میں تبلیغ کی ضرورت، اس کی مشروعیت وفرضیت اس کے فوائد وثمرات اور اس پر کیے جانے والے ہر قسم کے اعتراضات کے مکمل اور تشفی بخش جوابات موجود ہیں۔

تبلیغ میں کم از کم تین چلے، ایک چلہ اور سہ روزہ کا مطالبہ ہوتا ہے، اس کے ثبوت کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اولاً یہ فرمایا کہ اس طرح کی چیزوں کے لئے نص ہونا لازم نہیں ہے، چنانچہ ایک عالم نے جو کسی مدرسہ میں استاذ تھے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

''مدرسہ میں نصاب کی کتابیں پڑھانا، پھر کچھ کتابیں ایک سال میں کچھ دوسری کتابیں دوسرے سال، اسی طرح رجسٹروں میں بچوں کی حاضری لکھنا، تعلیم کے لئے گھنٹے مقرر کرنا، تعلیم کے آغاز واختتام کے لئے یومیہ اور پھر سالانہ وقت مقرر کرنا، امتحانات لینا، نتائج درج کرنا، ترقی دینا وغیرہ کسی نص سے ثابت نہیں، پھر اگر یہ چیز غیر شرعی نہیں تو تبلیغ کے چار ماہ اور چالیس دن کیوں غیر مشروع ہیں؟

آگے پھر خود ہی فرماتے ہیں:

''دراصل اس طرح کے امور کے لئے انسانوں کے اپنے تجربہ سے کسی نظام کا نفع بخش ہونا اس کے جائز اور مشروع ہونے کے لئے کافی ہے''۔

یہ کہہ کر پھر تبلیغ کے وسیع ترین منافع اور اثرات کو نہایت دلنشین انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جب کسی شخص یا کسی کام سے نفع محسوس کرتا ہے تو اس کی

www.besturdubooks.net

قدر و منزلت کو دل کی گہرائیوں میں بسالیتا ہے، کبھی کبھی یہ قدر اپنی حدود سے بڑھ کر دوسرے اشخاص اور دوسرے کاموں کی تحقیر کا سبب بھی بنتی ہے، چنانچہ ایک ایسا شخص جو دین سے دور ہوا اور دعوت وتبلیغ میں لگ کر دیندار بنے، ظاہر ہے اس کی نظر میں اس کام کی عظمت اور عقیدت کتنی ہوگی لیکن اگر یہ عقیدت دوسرے کسی شعبہ کی توہین کا باعث بنے تو یہ غلط ہے۔

چنانچہ دعوت سے وابستہ کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ مولانا محمد الیاسؒ صاحب کو الہام ہوا کرتا تھا اور یہ سارا کام بطور الہام کے آپ کو عطا کیا گیا۔ حضرت فقیہ الامت کے سامنے یہ سوال آیا تو آپ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ:

> ''اگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی موجودگی میں یہ بات کہی جاتی تو وہ ضرور اس کی تردید فرمادیتے، یہ غلوِ عقیدت کا نتیجہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے''۔

اسی طرح آپ صاف فرمایا کرتے تھے:

> ''دعوت وتبلیغ میں لگ کر وعظ، تذکیر، تزکیہ وارشاد کو، خانقاہی نظام کو اور مدارس کے کام کو جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے یا تحقیر کرے وہ غلطی میں مبتلا ہے''۔

اس بات کو طرح طرح سے بیان فرماتے، چنانچہ اس نوع کے فتاویٰ بھی شائع شدہ موجود ہیں جس میں تبلیغ والوں کو دوسرے دینی کاموں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے(۱)۔

☆......☆......☆

---

(۱) (راجع، کتاب العلم، باب التبلیغ، عنوان: ''ایک تبلیغی کی تقریر کہ مولانا الیاس صاحب الہامی نبی تھے'')

www.besturdubooks.net

فتاویٰ محمودیہ کی خصوصیات

اعتدال کے علاوہ چند دیگر خصوصیات بھی حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں پائی جاتی ہیں، اجمالی طور پر جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❶ عام طور پر جوابات مختصر مگر خیر الکلام ماقل ودل کے مطابق ہوتے ہیں تاہم ضرورت کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب تفصیلی فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، حتی کہ بعض فتاویٰ تو رسائل کی شکل اختیار کر گئے۔

❷ سلیس اور عام فہم اردو میں جواب تحریر فرماتے ہیں تاکہ مستفتی جواب کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور سائل کی الجھن اور پریشانی باقی نہ رہے۔

❸ مقصدِ سائل (نکتۃ الغور) کا جواب دینے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔

❹ مقصد سائل کا لحاظ کرتے ہوئے تربیتی پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہیں، مثلاً: اگر سائل کا مقصد کچھ اور تھا لیکن اس کے لئے مفید کوئی دوسری بات تھی تو اس کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

❺ تکفیر کے بارے میں احتیاط کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے، حتی کہ صراحۃً کسی کی تکفیر کی نوبت آبھی جائے تو عموماً حضرت مفتی صاحب کے جواب کے الفاظ ہوتے ہیں: ''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا''۔

❻ "أنزلوا الناس منازلهم" (۱) کے پیش نظر ہر سائل کو اس کی حیثیت کے مطابق جواب دیا جاتا ہے مثلاً:

(الف) سائل عام آدمی ہو اور احکامِ شرعیہ کے بارے میں سوال کرے تو آسان عبارت میں اسے حکم

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أنزلوا الناس منازلهم". رواه أبو داؤد". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۷۱۳، امداديه ملتان)

www.besturdubooks.net

سے مطلع فرمادیتے ہیں۔

(ب) اگر کوئی احکام شرعیہ سے ہٹ کر سوال کرے تو اس کا جواب حتماً نہیں دیتے ہیں(۱)۔

(ج) اگر سائل کا مقصد فتنہ پردازی ہو تو جواب سے معذرت فرمادیتے ہیں۔

(د) بسا اوقات خود سائل کو پابند فرماتے ہیں کہ اپنی لکھی ہوئی بات جس کی تحقیق چاہتا ہے، مثلاً: کوئی حدیث یا تاریخی واقعہ کا حوالہ دے تب جواب دیا جائے گا۔

(ھ) معاند سائل کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں، اگر پھر بھی نہ سمجھے تو جواب سے معذرت کی جاتی ہے۔

(و) کبھی سائل کو دیکھتے ہوئے ﴿لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم﴾(۲) کا مظاہرہ کرتے ہوئے سائل کی خوب خبر لیتے ہیں۔

(س) اہلِ علم کے سوالات کے ٹھوس ومدلل جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(ز) اہلِ علم میں سے وہ حضرات جو اپنی ہی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھیں اور کسی کی بات نہ مانیں، ان کو جواب دیتے وقت اولاً تو جواب کو خوب مدلل ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق آپ جیسوں کو مطمئن نہ کرسکے گی، اس کا کوئی علاج نہیں۔

(ر) جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو تو "لا ادری" کہنے میں جھجک محسوس نہیں فرماتے۔

❼ مبہم سوالات کا جواب دینے سے کبھی حضرت مفتی صاحب معذرت فرماتے ہیں اور کبھی جواب لکھ کر یہ تحریر فرماتے ہیں: ''مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجب فتنہ بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے''۔

❽ کبھی مستفتی بلاضرورت سوال میں مختلف باتیں تحریر کرتا ہے جن کی وجہ سے سوال طویل ہو جاتا ہے، عام طور پر حضرت مفتی صاحب ایسے سوالات کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھ کر کہ: ''اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے'' .... جواب تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۱) اس کا اندازہ فتاویٰ محمودیہ، کتاب العلم، باب الفلکیات، سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) (المائدۃ: ۵۴)

www.besturdubooks.net

فتاویٰ محمودیہ پر کام کرنے کی نوعیت

کتب فتاویٰ میں ''فتاویٰ محمودیہ'' کی اہمیت اہلِ علم وارباب فتاویٰ پر مخفی نہیں، قدیم مسائل کے ساتھ اس میں جدید مسائل بھی موجود ہیں، لیکن غیر مرتب ہونے کی وجہ سے اس بحرِ بیکراں سے کما حقہ استفادہ آسان نہیں تھا، اس لئے ملک کے مشہور ومعروف اور عظیم ادارے جامعہ فاروقیہ کراچی کی لجنۃ المشرفین (جو درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طلبہ کو مقالہ کی تفویض کے ساتھ اس کی نگرانی کا کام بھی سرانجام دیتی ہے) نے کافی غور و خوض اور مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ فتاویٰ محمودیہ پر تحقیقی کام کیا جائے، اس کی تبویب وتخریج کی جائے اور پھر طبع کرایا جائے تاکہ خواص وعوام سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔

فتاویٰ محمودیہ سے پہلے دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کی زیر نگرانی کفایت المفتی پر اسی طرح کا تحقیقی کام ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرات علماء کرام کے ہاں مقبول ہوا، اہلِ علم کے لئے عموماً اور ارباب فتاویٰ کے لئے خصوصاً اس سے استفادہ بہت آسان ہوا، اسی بناء پر اس کی طرف بنظر تحسین دیکھا گیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس لئے بھی فتاویٰ محمودیہ کے متعلق لجنہ کے لئے حتمی فیصلہ کرنا آسان ہوا۔

لجنہ کی رہنمائی واشراف میں فتاویٰ محمودیہ پر جو تحقیقی کام ہوا اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

تبویب وترتیب

فتاویٰ محمودیہ قدیم میں تبویب بایں معنی نہیں تھی کہ تقریباً ہر جلد یا اکثر وبیشتر جلدوں میں فقہ وفتاویٰ کے تمام یا اکثر ابواب موجود تھے، مسئلہ تلاش کرنے میں کافی دشواری پیش آتی تھی، ایک ہی مسئلہ کے لئے، مثلاً کسی کو نکاح یا طلاق کا مسئلہ ڈھونڈنا ہوتا تو اسے تمام یا اکثر جلدوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی تھی، پھر کہیں جا کر شاید اسے مسئلہ ملتا اور تبویب نہ ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ کا مجموعہ مختلف

www.besturdubooks.net

جلدوں کی شکل میں جیسے جیسے تیار ہوتا گیا، افادۂ عامہ کے پیشِ نظر اسے چھاپنے کا اہتمام کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ہر باب کے تمام مسائل کو یکجا کیا جائے تاکہ ان سے استفادہ سہل اور آسان ہو، اسی ضرورت کے پیشِ نظر متعلقہ باب کے تمام مسائل وابحاث کو یکجا کیا گیا، مثلاً: کتاب الطہارۃ کے مسائل پہلی جلد سے لے کر آخری جلد تک جہاں جہاں موجود تھے، ان سب کو کتاب الطہارۃ میں متعلقہ باب کے تحت اکٹھا کیا گیا۔

فقہی مسائل کے ابواب تو متعین اور معلوم ہیں، متعلقہ مسائل کو انہی ابواب کے تحت فقہی ترتیب کے مطابق جمع کیا گیا، البتہ بدعات اور رسمیں کہ بعض ولادت اور ختنہ سے تعلق رکھتی ہیں، بعض نکاح سے، بعض منگنی سے، بعض نمازِ جنازہ، میت اور تجہیز وتکفین سے۔ کوشش یہی کی گئی ہے کہ تمام مسائل کو باب البدعات والرسوم کے ذیل میں جمع کیا جائے لیکن بعض رسمیں جو نکاح سے متعلق ہیں اور کتاب النکاح میں ان کا ہونا ضروری ہے تو انہیں کتاب النکاح یا دیگر متعلقہ ابواب میں رکھا گیا۔ اسی طرح وہ مسائل جو کسی بحث سے متعلق تو تھے، لیکن ان کا تعلق کسی باب سے واضح طور پر نمایاں نہیں تھا، ان کو اس باب کے آخر میں ''متفرقات'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بعض سوالات اس قسم کے تھے کہ تمہید یا صورتِ مسئلہ بیان کرنے کے بعد مختلف سوالات پوچھے گئے: بعض عقائد سے متعلق، بعض نکاح سے متعلق، بعض جنازہ سے متعلق، لیکن مفتی صاحب نے ان سب کا ایک ساتھ جواب لکھ دیا، الگ الگ نہیں، یا اس طرح جواب لکھ دیا کہ ایک کو الگ کرنے سے دوسرا جواب ناقص رہ جاتا، ایسے مسائل کو ایک باب میں رکھا گیا الگ الگ نہیں کیا گیا۔ جواب حاصل کرنے کے بعد کبھی مستفتی فتویٰ پر اعتراض کر کے یا جواب میں اختصار ہونے کی وجہ سے دوبارہ سوال لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسے سوالات کو ایک ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ بآسانی معلوم ہو کہ اشکال اوپر والے مسئلہ کے متعلق ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ہزاروں مسائل پر مشتمل ہے، ہر باب میں ایک جیسے مسائل کافی ہیں، (مطالعہ کے دوران بخوبی اس کا اندازہ ہو جائے گا) تبویب میں ان میں سے کسی مسئلے کو حذف نہیں کیا گیا، البتہ وہ مسائل جو واقعتاً مکرر تھے اس طور پر کہ دونوں استفتاء ایک، مستفتی، جواب اور جواب لکھنے کی تاریخ بھی ایک، صرف عنوان کا فرق تھا، ان کو حذف کر دیا گیا، اس لئے کہ مکرر مسائل کو ذکر کرنے کا بظاہر کوئی فائدہ نہیں اور ایسے مسائل کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

www.besturdubooks.net

تخریج

فتاویٰ محمودیہ میں موجود مسائل مختلف قسم کے ہیں: ایک قسم ان مسائل کی ہے جن میں نہ کسی کتاب کی (بطور حوالہ) عبارت ہے، نہ حوالہ، بلکہ صرف سوال کا سلیس اردو میں جواب دیا گیا ہے۔ دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں بطور حوالہ صرف کتاب کا تذکرہ ہے، مثلاً فتویٰ کے آخر میں ہے: کذا فی صحیح البخاری، کذا فی سنن أبی داؤد، کذا فی الدر المختار، کذا فی ردالمحتار وغیرہ۔ تیسرے وہ مسائل ہیں جن میں عربی کتب (احادیث وفقہ) کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

ان سب مسائل کی تخریج کی گئی، پہلی قسم کے مسائل میں امہات کتب (تفسیر، حدیث وفقہ) سے صریح اور قریب ترین جزئیہ تلاش کر کے اس کا حوالہ لکھا گیا۔ اسی طرح دوسری قسم کے مسائل میں جواب میں مذکورہ کتاب کی عبارت نقل کر کے حوالہ لکھا گیا، اسی طرح اگر مفتی صاحبؒ نے اگر کوئی عبارت حدیث وفقہ وغیرہ کی نقل تو کی لیکن پوری نہ کی، صرف اپنے مدعیٰ تک محدود ایک جملہ نقل کیا تو اس قسم کی عبارتوں کو اصل کتاب سے مکمل اور واضح طور پر نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ تیسری قسم کے مسائل میں مذکورہ کتاب کی عبارت کو اس کے متداول نسخوں میں تلاش کے بعد نقل کر کے حوالہ لکھا گیا۔ اصل کی طرف مراجعت کے دوران فتویٰ میں تحریر کردہ عبارت کا اصل سے موازنہ کیا گیا تو کاتب کی غلط کتابت کی وجہ سے کافی غلطیاں نظر آئیں، ان کی تصحیح کی گئی۔

جوابات میں بعض ایسی کتابوں اور رسالوں کا حوالہ بھی ہے جو پاکستان میں ناپید ہیں، تلاشِ بسیار کے بعد بھی وہ کتابیں کہیں دستیاب نہیں ہوئیں، ایسی کتابوں کا متبادل حوالہ لکھا گیا۔

تخریج کا طریقہ

تخریج میں کم از کم تین کتابوں کا حوالہ لکھنے کا بھرپور اہتمام کیا گیا، چاہے جواب پہلے سے باحوالہ تھا یا بے حوالہ، تین کتابوں میں سے اس کتاب کی عبارت نقل کی گئی جس کی مناسبت جواب کے ساتھ زیادہ تھی اور حوالہ لکھنے میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو متداول ہے کہ پہلے کتاب کا نام، پھر باب، فصل، مطلب (اگر کہیں تھا)، پھر جلد، صفحہ اور طبع لکھنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ استفادہ کرنے والوں کے لئے اصل ماخذ تک رسائی بآسانی ممکن ہو۔

www.besturdubooks.net

عنوانات کی تسہیل اور توضیح

فتاویٰ محمودیہ میں عنوانات پہلے سے موجود تھے، بعض عنوانات بہت طویل اور بعض عنوانات بہت مختصر، اسی طرح بعض عنوانات مبہم بھی تھے، مثلاً زلۃ القاری کے مسائل میں اکثر کے عنوانات یوں تھے: ''زلۃ القاری سے متعلق مسئلہ''، میراث سے متعلق مسائل کے عنوانات میں بھی ابہام زیادہ تھا، اکثر کے عنوانات ''میراث سے متعلق مسئلہ'' تھے۔ اسی لئے طویل عنوانات کو حسبِ ضرورت مختصر کیا گیا اور مختصر عنوانات میں مناسب اضافہ کیا گیا، اسی طرح مبہم عنوانات کے سوال وجواب کو بغور دیکھ کر وضاحت کی گئی اور نئے عنوانات قائم کئے گئے تاکہ استفادہ میں حتی الامکان آسانی ہو۔

ہندی الفاظ کا ترجمہ

کہیں سوال یا جواب میں ہندی زبان یا اردو کا کوئی مشکل لفظ تھا تو اردو لغت کی معروف ومتداول کتابوں (مثلاً نوراللغات، فیروز اللغات وغیرہ) سے حاشیہ میں اس لفظ کا ترجمہ لکھا گیا اور ساتھ ساتھ حوالہ بھی نقل کیا گیا۔

ہندی ہندسوں کی وضاحت

معاملات یا میراث کے متعلق مسائل میں اکثر اعداد ہندی رسم الخط میں لکھے گئے تھے، عام طور پر ان کا سمجھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں تھا، اس لئے ان کو اردو ہندسوں میں لکھا گیا تاکہ سوال وجواب اور مسئلہ بآسانی مکمل طور پر سمجھ میں آ ئے۔

غیر مفتی بہ اقوال کی نشاندہی

ملک وحالات کی تبدیلی کی وجہ سے احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کہ بہت سے مسائل کا دارومدار عرف پر ہے اور قواعد فقہ میں ایک مشہور قاعدہ ہے: '' المعروف قاضٍ ''، اسی بناء پر وہ مسائل جن کا حکم پاکستان میں الگ اور ہندوستان میں الگ ہے، یا حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحقیق کر کے جمہور کے خلاف کوئی فتویٰ صادر فرمایا ہے حاشیہ میں بعد از تحقیق ان سب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام

علاماتِ ترقیم کی اہمیت ہر زبان میں واضح اور مسلّم ہے، علاماتِ ترقیم کے ذریعہ تحریر آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، تحریر میں جب تک علاماتِ ترقیم نہ ہوں اس وقت تک اسے ناقص تحریر سمجھا جاتا ہے اور ناقابل اشاعت تصور کیا جاتا ہے، اس لئے عربی واردو عبارات میں علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح عربی تحریروں اور عبارتوں میں ہمزہ قطعی میں مضموم اور مفتوح ہونے کی صورت میں الف کے اوپر اور مکسور ہونے کی حالت میں الف کے نیچے ہمزہ لکھا جاتا ہے، فتاویٰ محمودیہ میں علاماتِ ترقیم کے ساتھ ہمزہ لکھنے کا بھی خاص خیال رکھا گیا۔

اظہارِ تشکر

جلدوں کی کثرت اور مسائل کی بہتات سے ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کام بہت طویل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت محنت طلب اور تھکا دینے والا کام تھا، تبویب، ترتیب، تخریج، تصحیح، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، طباعت ان میں سے ہر ایک مستقل کام تھا، محض اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہنچا، دارالافتاء، جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور ۱۴۲۴ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ نے بڑی محنت کی اور تعاون کیا، انہوں نے رات دن ایک کرکے عرق ریزی اور جانفشانی سے کام کیا، تخریج کے لئے اکثر وبیشتر جامعہ فاروقیہ کے علاوہ دیگر کتب خانوں سے بھی مراجعت کی ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر جزئیہ کی تخریج کرکے تقریباً پانچ ماہ کے مختصر عرصہ میں اس کی تکمیل کی۔

اسی طرح تصحیح اور پروف ریڈنگ یہ بھی ایک مشکل مرحلہ تھا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مفتی فضل مولیٰ صاحب اور ۱۴۲۵ھ کے تخصص سال دوم کے طلبہ کو کہ انہوں نے بڑی محنت کرکے اس مشکل مرحلہ کو انجام تک پہنچایا اور دورانِ تصحیح مزید حوالہ جات لکھنے کا اہتمام بھی کیا اور جو کمی کسی بھی مرحلے میں رہ گئی تھی اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی۔

بہر حال بنظر غائر اگر دیکھا جائے تو یہ طویل اور محنت طلب کام فضلِ خداوندی کے بعد حضرت الشیخ، محدث العصر الاستاذ الکبیر، استاذ العلماء، مربی ومرشدِ کامل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی دعاؤں اور خصوصی سرپرستی، حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے

www.besturdubooks.net

تعاونِ خاص اور کامل نگرانی، حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم، مولانا مفتی عبدالباری صاحب، مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب، مولانا مفتی عظمت اللہ صاحب، مولانا مفتی فضل مولیٰ صاحب کے خصوصی اشراف، نگرانی اور رہنمائی میں مکمل ہوا۔

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے بے حد مخلص بھائی جناب شاہد بشیر صاحب کا یہاں تذکرہ نہ کروں جنہوں نے اس عظیم کام میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ جناب شاہد بشیر صاحب اور ان کے مرحوم والدین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فتاویٰ محمودیہ کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے، مرتبِ اول حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب ودیگر مستفیدین اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

فلله الحمد أولاً وآخراً، وظاهراً وباطناً، والحمدلله الذى بنعمته تتم الصالحات. وصلى الله وبارك وسلم على سيدنا محمد المصطفىٰ، وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعهم ومن تبعهم إلى يوم الدين.

(حضرت مولانا) عبیداللہ خالد (دامت برکاتہم العالیہ)

مدیر الفاروق واستاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

www.besturdubooks.net

کتاب الإیمان و العقائد

ما یتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

اسلام کیا ہے؟

سوال[۱]: اسلام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے رسول بنا کر بھیجا اور آپ کی اطاعت کو لازم قرار دے کر نجات کو اس میں منحصر کر دیا(۱) یہ تو ہر انسان کو حق ہے کہ اللہ پاک کا واجب الاطاعت ہونا اور اللہ پاک کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واجب الاطاعت ہونا پہلے خوب تحقیق کر لے، لیکن جب اس کا قلب توحید و رسالت کو قبول کر لے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم ثابت ہو جانے کے بعد اس کی علت معلوم ہونے پر تعمیل ارشاد کو معلق رکھنے کا حق نہیں رہتا، جیسے ایک شخص فوج میں بھرتی ہو جائے اور ایک افسر کے ماتحت اس کو کر دیا جائے تو ہر نقل و حرکت کے متعلق حکم کی تعمیل کرنا اس کا فرض ہے، ہر ہر جزئی کی وجہ دریافت کرنے پر حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنے کا حق نہیں، فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے جس جس طرح اپنا اطمینان کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد جواب عرض ہے:

حضرت نبی اکرم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا کہ اسلام کیا ہے؟ تو ارشاد

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل إن کنتم تحبون الله فاتبعوني یحببکم الله، ویغفر لکم ذنوبکم﴾. (آل عمران: ۳۱)

وقال تعالیٰ: ﴿من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾. [النساء: ۸۰]

قال علیه السلام: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصی الله". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء: ۳۱۸/۲، قدیمي)

www.besturdubooks.net

فرمایا کہ: ''توحید ورسالت کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا جب کہ استطاعت ہو''۔ یہ چیزیں اسلام کے ارکان ہیں (۱)۔لغت میں اسلام کے معنی ہیں: گردن نہادن بر طاعت: یعنی خداپاک کے ہر حکم کی اطاعت کرنا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۲۱۱/۸۹ھ۔

ایمان کی بنیاد

سوال [۲]: کیا مکمل مسلمان بننے کے لئے صرف کلمہ طیبہ کا زبان سے پڑھ لینا کافی ہے، یا پھر ساتوں کلموں کا پڑھنا ہوگا، جو بھی صورت ہو اس پر جسمانی اعضاء مثلاً: ہاتھ، پاؤں، دل ودماغ، آنکھ، کان سے عمل کرنا ہوگا، یا نہیں؟ نیز ساتوں کلمے میں یہی ساتوں: کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید، کلمہ توحید، کلمہ ردکفر، ایمان مجمل، ایمان مفصل ہیں یا کوئی اور دوسرا ہوگا؟

الجواب حامداً مصلیاً:

حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۳)، ان میں سے ایک توحید و

---

(۱) "قال: يا محمد! أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن تشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكوة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۲۷/۱، قديمي)

(۲) "(والإسلام هو التسليم) :أي باطناً (والانقياد لأوامر الله تعالى): أي ظاهراً." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۹، قديمي)

"(الإسلام): وهو لغةً: الانقياد مطلقًا، وشرعاً: الانقياد الظاهر بشرط انقياد الباطن المعبّر عنه بالإيمان." (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان: ۱۱۲/۱، رشيديه)

"وبيان لأصل الإسلام وهو الاستسلام والانقياد." (الكامل شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان: ۲۵/۱، قديمي)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده ورسوله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱۲/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

رسالت کی شہادت صرف زبان سے پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک دل میں تصدیق نہ ہو، دوسری چیز نماز کا قائم کرنا ہے، تیسری چیز زکوۃ دینا ہے، چوتھی چیز رمضان کے روزے رکھنا ہے، پانچویں چیز حج کرنا ہے(۱)۔

ان پانچوں میں جس قدر استحکام ومضبوطی ہوگی، اسی قدر بنیادِ اسلام کامل ہوگی، اس کے علاوہ بہت سی چیزیں تکمیل ایمان کے لئے بیان کی گئی ہیں، مثلاً: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" الحدیث (۲) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں، یعنی کسی کو اذیت نہ ہو۔

نظام اسلام انسان کے لئے تمام اعضاء: کان، آنکھ، دل وغیرہ کے لئے احکام رکھتا ہے، اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً﴾ (۳) الآیة (القرآن)

اگر کسی میں کوتاہی ہوتو اس کی تکمیل کے لئے آمادہ کیا جائے، اس کا رشتہ اسلام سے منقطع نہ کردیا جائے، ساتوں کلمے یا اس کے علاوہ آیات وروایات میں اس قسم کی جو چیزیں موجود ہیں، وہ یقین کی پختگی کے لئے بطور اقرار کے ہیں، تاکہ وقتاً فوقتاً اس کا تکرار ہوتا رہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل سے غفلت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۸/۱۰/۸۹ھ۔

ایمان میں کمی وزیادتی

سوال[۳]: زید کہتا ہے کہ ایمان اور تصدیق ویقین کا ایک ہی مطلب ہے، بکر کہتا ہے کہ ایمان وتصدیق ویقین میں فرق ہے، ایمان جزو عمل ہے، گھٹتا بڑھتا ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مقدار ایمان اور آج معمولی مسلمان تارک صوم وصلوٰۃ وحج وزکوۃ وغیرہ کے ایمان میں مساوات نہیں، ارکان اسلام کی پابندی

= (والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام: ۳۲/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: ۶/۱، قديمي)

(۱) (سیأتي تخريجه تحت عنوان: "ایمان میں کمی وزیادتی")

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱۲/۱، قديمي)

(و صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۶/۱ قديمي)

(۳) (بني اسرائيل: ۳۶)

www.besturdubooks.net

سے ایمان بڑھتا ہے، نہ کرنے سے گھٹتا ہے، کم از کم قرآن مجید کی ایک درجن آیتوں سے زیادتی ایمان ثابت ہے، حدیث میں کچھ اوپر ستر ایمان کی شاخیں آئی ہیں، متعدد مقام پر ہے کہ ایمان کم وبیش ہوتا ہے، بڑی شاخ: ''لا إلـه إلا الله'' ہے، چھوٹی شاخ ''راستے سے نقصان دہ چیزوں کو دور کرنا ہے''، اگر ایمان کم نہ ہو تو کوئی ایمان دار دوزخ میں ہرگز نہ جائے گا، اس لئے کہ ایمان دار کے لئے تو بہشت ہے، وہ کیا چیز ہے جو آدمی دوزخ میں جائے گا؟ کیا ایمان دار دوزخ میں جل سکتا ہے؟

زید کہتا ہے کہ ایمان نہیں گھٹتا بڑھتا، نور گھٹتا بڑھتا ہے، بکر کہتا ہے کہ اپنے اس قول کی دلیل کسی غیر معصوم کے کلام ورائے وقیاس سے نہیں، بلکہ قرآن شریف، یا نبی معصوم کے کلام سے پیش کرو، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسی صاف اور روشن شریعت چھوڑ چلا ہوں، جس میں کوئی الجھن، یا مشکل نہیں......اور اپنے استدلال میں سورۂ مائدہ کی آیت اور یہ قول پیش کرتا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا، وہ دوزخ سے نکل جائے گا، ثابت ہوا کہ ایمان عملوں سے گھٹتا بڑھتا ہے اور ایمان عمل کا جز ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر ایمان عمل کا جز ہے تو تارک صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ وغیرہ مسلمان ہی نہیں، حالانکہ وہ سب باتوں پر یقین رکھتا ہے، گو بوجہ غفلت وسستی عمل نہیں کرتا۔

بکر کہتا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے خداوند کریم خود فیصلہ کرے گا، ہم تو اس کا ظاہر دیکھ کر فتویٰ دیں گے۔ مہربانی فرما کر قرآن مجید، سنت نبی معصوم سے فیصلہ ارسال فرمائیں۔ حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مقلد کے ذمہ ضروری ہے کہ امام نے جو کچھ قرآن وحدیث کا مطلب سمجھا ہے اور اس سے مسائل کا استنباط کیا ہے، اس کو مانے اور ان مسائل پر عمل کرے اور اس کے خلاف قیاس آرائی کرنا اور انکل کے تیر چلانا منصب مقلد کے خلاف ہے، خصوصاً جب کہ جمیع علوم شرعیہ میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے امام کے بیان کردہ مسائل میں تردد اور رائے زنی کرے، اسی طرح دلائل دریافت کرنے کا بھی اس کو حق نہیں، بلکہ صرف مسائل معلوم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری ہے، نیز مجیب کے ذمے صرف نقل مسائل ضروری ہے، دلائل بیان کرنے کا مکلف نہیں، اس کے ذمہ دار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ انھوں نے یہ مسائل کہاں سے استنباط کئے ہیں اور ہر شخص اس بات کی اہلیت بھی نہیں رکھتا کہ قرآن

www.besturdubooks.net

وحدیث کا جملہ طرقِ بیان اور طرزِ استنباط واستدلال سمجھ سکے۔ اس تمہید کے بعد جوابات سنئے:

ایمان کی تعریف میں تقریباً ایک درجن اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی کا اور اقرار باللسان بھی ایمان کے لئے ضروری ہے، کیونکہ قلبی تصدیق کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا، لہٰذا اجرائے احکامِ دنیویہ کے لئے اقرار بھی ضروری ہے (۱) اور اعمال ایمان کا جزء نہیں، بلکہ حقیقتِ ایمان سے اعمال خارج ہیں (۲)۔ اور ایمان میں مؤمن بہ کے اعتبار سے کمی زیادتی نہیں، بلکہ نفسِ ایمان میں انسان، جن، ملائکہ سب مساوی ہیں (۳) کیونکہ جس نے توحید ورسالت اور خدا کے جمیع

---

(۱) "(والإيمان هو الإقرار والتصديق) وذهب جمهور المحققين إلى أن الإيمان هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن التصديق أمر باطني لا بد له من علامة." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۵، ۸۶، قديمي)

"وذهب جمهور المحققين إلى أنه هو التصديق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدنيا؛ لما أن تصديق القلب أمر باطن لا بد له من علامة." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، قديمي)

"والإقرار شرط لإجراء أحكام الإسلام في الدنيا." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۷، قديمي)

(۲) "قال الإمام الأعظم رحمه الله في كتابه "الوصية": ثم العمل غير الإيمان، والإيمان غير العمل بدليل أن كثيراً من الأوقات يرتفع العمل من المؤمن، ولا يجوز أن يقال يرتفع عنه الإيمان". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۹، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في الإيمان لما مر من أن حقيقة الإيمان هو التصديق." (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۴، قديمي)

"إن الأعمال غير داخلة في مسمى الإيمان." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۳، قديمي)

"وأما كون عطف العمل على الإيمان يقتضي المغايرة، فلا يكون العمل داخلاً في مسمى الإيمان." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۴۴، قديمي)

(۳) "(وإيمان أهل السماء): أي من الملائكة وأهل الجنة (والأرض) أي من الأنبياء والأولياء وسائر المؤمنين من الأبرار والفجار (لا يزيد ولا ينقص): أي من جهة المؤمن به نفسه." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

احکام کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا وہ مومن ہے، اس تصدیق اور اقرار میں سب مومن برابر ہیں، کوئی فرق نہیں اور جس نے انکار کیا وہ کافر ہے، اس انکار میں سب مساوی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان میں اس واسطے فرق ہوتا رہتا تھا کہ جس قدر آیات کلام اللہ نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، اس کے بعد اور آیات نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے، پہلے ایمان میں کمی تھی، بعد کو زیادتی ہوگئی۔ قرآن کریم میں زیادتی اور کمی جو ایمان کے متعلق مذکور ہے، اس کا یہی مطلب ہے(۱) اور تمام کلام اللہ نازل ہونے کے بعد کمی زیادتی کا احتمال نہیں رہا، البتہ اعمال میں کمی زیادتی ضرور ہوتی ہے اور اس سے ایمان کے ثمرات میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

شریعت بالکل روشن اور واضح ہے، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آفتاب اس قدر روشن اور واضح ہے، آپ نے کبھی اس کی طرف دیکھ کر اس کی ماہیت کا ادراک بالبصر کیا ہے؟ ایسے مسائل میں گفتگو کرنا ہر شخص کو مناسب نہیں، پہلے اعلیٰ درجے کا کمال علوم میں حاصل کرے، اس کے بعد مضائقہ نہیں:

"والإيمان هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالى، والإقرار به، فالأعمال فهما تتزايد، والإيمان لا يزيد ولا ينقص إلخ". (عقائد نسفي: ص: ۸۹) (۲)۔

"الإيمان إقرار باللسان وتصديق بالجنان، والشرائع لامن الإيمان. قالت الشافعية: العمل من الإيمان، وعن هذا قالت بزيادة الإيمان ونقصانه، واحتجت بقوله تعالى: ﴿فأما الذين آمنوا فزادتهم إيماناً﴾، إلا أنا نقول: معنى الإيمان ههنا هو التصديق إيماناً: أي تصديقاً، إذا الإيمان لجميع القرآن واجب، والقرآن كان ينزل على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم آيةً فآيةً، وسورةً فسورةً، وكلما نزلت آية وجب التصديق بها، فمن لم يصدق بآية من القرآن، فقد كفر كما لو لم يصدق لجميع القرآن، فهذا تأويل الآية

---

(۱) "وأما نحو قوله تعالى: ﴿وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيماناً﴾ فمعناه إيقاناً، أو مؤول بأن المراد زيادة الإيمان بزيادة نزول المؤمن به: أي القرآن." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۸، قديمي)

(۲) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۹، ۱۲۴، قديمي)

www.besturdubooks.net

علی ما بیّناه". (شرح فقه أکبر للإمام أبي المنصور الماتریدي، ص: ۱۰)(۱)۔

"إیمان الملائکة وإیمان الإنس والجن لا یزید ولا ینقص في الدنیا والآخرة من جهة المؤمَن به إلخ". (شرح فقه أکبر، ص: ۳۴، للشیخ أبي المنتهی (۲) (وشرح فقه أکبر، ص: ۱۶۶، لعلي القاري) (۳)(وجوهرة منیفة، ص: ٤) (٤) (ومسامرة، ص: ۱۵۳) (۵) وغیر ذلك من کتب الکلام، من شاء التفصیل فلیرجع إلیها۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/محرم/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/۱/۵۳ھ۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ثبوت

سوال [۴]: ۱...... ایک شخص خود کو حنفی مذہب بتلاتا ہے، مگر یہ شخص کہتا ہے کہ حدیث شریف میں کلمۂ شہادت آیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے: "أن تشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله"۔

اور یہ کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ قرآن وحدیث میں صرف اتنا آیا ہے: "لا إلــه إلا الله"، کہتا ہے کہ کلمہ طیب کے "محمد رسول الله" نہیں آیا، کہتا ہے کہ اگر آیا ہے تو مجھے بتاؤ کس جگہ آیا ہے اور کس کی روایت

(۱) (شرح الفقه الأکبر لأبي المنصور الماتریدي، مسألة الخلاف في أن العمل من الإیمان أو خارج عنه، ص: ۱۲، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة)

(۲) (شرح الفقه الأکبر للشیخ أبي المنتهی، الإیمان لا یزید ولا ینقص، ص: ۳۰، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة)

(۳)(شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، تحت قوله: إیمان أهل السماء والأرض لا یزید ولا ینقص، ص: ۸۷، قدیمي)

(۴) (الجوهرة المنیفة، فصل: المؤمنون مستوون في درجة الإیمان، ص: ۵۵، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة)

(۵) (المسامرة بشرح المسایرة، ص: ۳۷۱، المکتبة المحمودیة التجاریة الکبری)

www.besturdubooks.net

سے آیا ہے اور کس حدیث میں آیا ہے؟ اور یہ شخص کلمہ طیب میں ''لا إلــہ إلا اللہ'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' ملا کر پڑھنے والے کو بدعتی بتلاتا ہے۔

علماء دین از راہ کرم وشفقت فدیان کو پوری طرح سے یہ تحریر کریں، کہ کلمہ طیب کے ساتھ میں ''محمد رسول اللہ'' آیا ہے یا نہیں، اگر آیا ہے تو حدیث کتب وراوی معہ صفحہ کے نام سے آگاہ کریں اور نہیں آیا ہے تو فرمادیجئے کہ کلمہ طیب کے ساتھ، ''محمد رسول اللہ'' کیوں ملایا گیا ہے اور اگر کلمہ شہادت ''أن تشهد أن لا إلــہ إلا اللہ و أن محمداً رسول اللہ'' کے معنی اور ''لا إلــہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' کے معنی ایک ہی ہیں تو فرمایادیجئے کہ ''أن تشهد''، و''أن'' کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے وہ کیوں اڑائے گئے؟ کیوں کہ اس شخص نے سخت فتنہ برپا کردیا ہے، اور بستی کے لوگ زمین داران پڑھ بہت چکر میں پڑے ہیں، اب احقر کا خیال ہے کہ علماء دین کی طرف سے جو جواب بموجب شریعت کے عنایت ہوگا، اس شخص کو اور بستی والوں کو پڑھ کر سنادیا جائے اور فتنہ کا خاتمہ ہوجاوے اور یہ شخص یہ کہتا ہے کہ میں کلمہ شہادت پڑھنے سے منع نہیں کرتا، صرف کلمہ طیب میں ''محمد رسول اللہ'' ملاکر پڑھنے کو منع کرتا ہوں۔

۲.....نیز اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں جس نے کلمہ طیب میں ''محمد رسول اللہ'' ملانا بند کردیا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

۱.....قریب ہی اس سوال کا جواب یہاں سے جاچکا ہے، اب یہ دوبارہ آیا ہے، پہلے صرف مسئلہ دریافت کیا تھا، اب دلیل بھی طلب کی ہے قرآن شریف میں کلمہ طیب کے دونوں جزء علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں ''لا إلہ إلا اللہ'' سورہ والصافات، پارہ: ''و مالی'' میں مذکور ہے (۱) اور ''محمد رسول اللہ'' سورہ انا فتحنا پارہ: حم میں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت دونوں موجود ہیں، کلمہ طیبہ کا پہلا جز اور کلمہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنهم كانوا إذا قيل لهم لا إله إلا الله يستكبرون﴾. (الصافات: ۳۵)

اسی طرح سورہ محمد میں بھی ''لا إله إلا الله'' موجود ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فاعلم أنه لا إله إلا الله و استغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ (سورہ محمد، الآية: ۱۹)

(۲) (الفتح: ۲۹)

www.besturdubooks.net

شہادت دونوں موجود ہیں(۱) کلمہ طیبہ کا پہلا جز اور کلمہ شہادت پورا اذان میں پانچوں وقت پڑھا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لفظ: "أن تشھد "أن" کے ساتھ بھی تعلیم دی ہے اور بغیر اس کے بھی، کسی اور شخص نے تصرف کر کے نہیں اڑایا، التحیات میں توحید و رسالت کی شہادت ہے(۲)۔

حدیث کی کتابوں میں مختلف صیغوں اور طریقوں سے توحید و رسالت کے اقرار کو بیان کیا گیا ہے، ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں: "مکتوب علی العرش: لا إله إلا الله محمد رسول الله، لا أعذب من قالها"۔ اسمعيل بن الغافر الفارسي في الأربعين عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما"۔ (کنز العمال: ۱/۱۵)(۳)۔

چار صفحات میں اس موقع پر کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے طریقے اور صیغے لکھے ہیں، جس کا دل چاہے مطالعہ کرے۔

۲..... غالباً یہ شخص ناواقفیت سے ایسا کہتا ہے، اس کو نرمی سے سمجھا دیا جائے اور مسئلہ بتادیا جائے،

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله و في قلبه وزن شعيرة من خير، و يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفي قلبه و زن برة من خير و يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفي قلبه وزن ذرة من خير". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان باب زيادة الإيمان و نقصانه: ۱/۱۱، قديمي)

"بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس": ۱/۶، قديمي)

"قال رسول الله ﷺ: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ... الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب: (فإن تابوا و اقاموا الصلاة واتوا الزكاة فخلوا سبيلهم): ۱/۸، قديمي)

(۲) "التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين ... أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد: ۱/۸۵، قديمي)

(۳) (كنز العمال: ۱/۵۷، مكتبه التراث الإسلامي حلب)

www.besturdubooks.net

یا کسی عالم کے ذریعہ سے زبانی سمجھا دیا جائے، فتنہ پیدا کرنا سخت گناہ ہے، قرآن شریف میں آیا ہے:
﴿والفتنة أشد من القتل﴾ (۱) اس سے بچنا لازم ہے اور اس شخص کو توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

جملہ خبریہ کی تعریف اور کلمہ توحید

سوال [۵]: جملہ اسمیہ خبریہ وفعلیہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے قائل کو صادق وکاذب کہہ سکیں تو: ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں بھی یہ گمان ہوسکتا ہے اور غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ ''لا إله إلا الله'' تا آخر کو بھی صادق وکاذب کہہ سکتے ہیں۔ ۲۱ شعبان ۵۶ھ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

جہاں یہ تعریف کی جاتی ہے وہاں یہ قید بھی شراح بیان کرتے ہیں کہ وہ خصوصیت طرفین اور دلائل خارجیہ سے خالی ہو، اگر دلائل سے ایک جانب متعین ہو جائے جیسے: ''السماء فوقنا و الأرض تحتنا'' یہ جملے خبریہ ہیں کیوں کہ دلائل کے ساتھ ایک جانب صدق متعین ہوگئی، دوسری جانب کا احتمال نہیں رہا۔

جملہ خبریہ کی تعریف درحقیقت انشاء سے ممتاز کرنے کے لئے ہے کہ اس میں (نہ) صدق کا احتمال ہے اور نہ کذب کا، کیونکہ وہاں حکایت نہیں ہوتی اور یہاں حکایت ہوتی ہے اور حکایت میں دونوں احتمال ہوتے ہیں، محکی عنہ کے ساتھ مطابق ہو یا غیر مطابق، اول صادق ہے، ثانی کاذب، جس طرح دلائل سے کذب متعین ہوتا ہے اسی طرح صدق بھی دلائل سے متعین ہوتا ہے اور کذب کا احتمال نہیں رہتا، لیکن اس سے جملہ خبریہ ہونے سے نہیں نکلتا، کیونکہ خبر کا مدار حکایت پر ہے اور اس میں دو احتمال ہیں اور کسی ایک احتمال کے تعیین سے حکایت باطل نہیں ہوتی، بس خبر برقرار رہے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البقرة: ۱۹۱)

(۲) "والمركب التام إما أن يحتمل الصدق والكذب، فهو الخبر والقضية، أو لا يحتمل فهو الإنشاء، فإن قيل: الخبر إما أن يكون مطابقاً للواقع أو لا، فإن كان مطابقاً للواقع لم يحتمل الكذب، وإن لم يكن مطابقاً لم يحتمل =

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۴/ رمضان/ ۵۶ھ۔

توحید کی تشریح

سوال [۱]: توحید ایک ہے یا دو ہے؟ ایک ہے تو کیوں اور دو ہے تو کس لئے؟ اور احمد رضا خان نے جو توحید بتلائی ہے تو کس طرح بتلایا؟ مفصل جوابات سے مطلع فرمائیں

الجواب حامداً مصلیاً:

توحید کے معنی ہیں: خدائے پاک کو ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے یکتا ماننا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھنا (۱)۔ اور احمد رضا خان صاحب نے توحید کس لئے بتائی اور کہاں بتائی، اس کی تفصیل

= الصدق، فلا خبر داخل في الحد؟ فقد يجاب عنه: بأن المراد بالواو الواصلة أو الفاصلة بمعنى أن الخبر هو الذي يحتمل الصدق أو الكذب، فكل خبر صادق يحتمل الصدق و كل خبر كاذب يحتمل الكذب، فجميع الأخبار داخلة في الحد، وهذا الجواب غير مرضي، لأن الاحتمال لا معنى له حينئذ، بل يجب أن يقال: الخبر ما صدق أو كذب، والحق في الجواب أن المراد احتمال الصدق والكذب بمجرد النظر إلى مفهوم الخبر، ولا شك أن قولنا: السماء فوقنا إذا جرّدنا النظر إلى مفهوم اللفظ ولم نعتبر الخارج احتمل عند العقل الكذب، وقولنا: اجتماع النقيضين موجود يحتمل الصدق بمجرد النظر إلى مفهومه، فمحصل التقسيم أن المركب التام إن احتمل الصدق والكذب بحسب مفهومه فهو الخبر و إلا فهو الإنشاء". (القطبي، ص: ۷۳، ۷۴، رشيديه)

"فصل المركب التام ضربان: يقال لأحدهما: الخبر والقضية، و هو ما قصد به الحكاية و يحتمل الصدق والكذب، و يقال لقائله: إنه صادق فيه أو كاذب نحو: السماء فوقنا والعالم حادث، فإن قيل: قولنا: لا إله الا الله قضية و خبر، مع أنه لا يحتمل الكذب؟ قلت: مجرد اللفظ يحتمله وإن كان بالنظر إلى خصوصية الحاشيتين غير محتمل للكذب". (مرقاة المفاتيح، ص: ۱۳، ۱۴، قديمي)

(۱) "و قال أبو قاسم التميمي في "كتاب الحجة": التوحيد مصدر وحّد يوحّد، و معنى وحدتُ الله اعتقدته منفرداً بذاته و صفاته، لا نظير له و لا شبيه، وقيل: معنى وحّدته علمته واحداً، و قيل: سلبت عنه الكيفية والكمية، فهو واحد في ذاته لا انقسام له، و في صفاته لا شبيه له في إلٰهيته، و ملكه، و تدبره، لا شريك له، و لا ربّ سواه، و لا خالق غيره". (فتح الباري، كتاب التوحيد: ۱۳/ ۳۴۴، ۳۴۵، دار المعرفة) =

www.besturdubooks.net

سامنے ہو، تو اس کے متعلق تحریر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت کی ضرورت

سوال [۷]: (الف) کلمہ پڑھنا تو مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے تو پھر صرف شہادتین ہی کافی ہے، یا شش کلمہ؟ شش کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟

(ب) اس وقت مسلمان نسلی ہیں، کتنے ہی ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے کبھی کلمہ نہیں پڑھا ہے، بقیہ ارکان میں قصور نہیں کرتے ہیں، تو کیا عدم کلمہ خوانی کی وجہ سے ان کے بقیہ اعمال پر کوئی اثر پڑے گا؟ اور کچھ ایسے ہیں کہ مسلمان تو ہیں، لیکن نہ تو انہوں نے کلمہ پڑھا، نہ تو رکن خمسہ میں سے کسی کی ادائیگی کرتے ہیں، تو کیا ان کے مسلمان ہونے میں کوئی نقص ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

(الف) نفس ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے

= "ثم الإمام الأعظم أوضح معنى التوحيد بظهور المرام حيث قال: (والله تعالىٰ واحد): أي في ذاته (لا من طريق العدد) :أي حتى لا يتوهم أن يكون بعده أحد (و لكن من طريق أنه لا شريك له): أي في نعته السرمدي لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا نظير له، و لا شبيه له. كما سيأتي في كلامه النبيه تنبيه على هذا التنزيه، و كأنه استفاد هذا المعنى من سورة الإخلاص على صورة الاختصاص: ﴿قل هو الله أحد﴾: أي متوحد في ذاته، منفرد بصفاته ﴿الله الصمد﴾: أي المستغني عن كل أحد والمحتاج إليه كلُّ أحد ﴿لم يلد و لم يولد﴾: أى ليس بمحل الحوادث و لا بحادث ﴿و لم يكن له كفواً أحد﴾ :أى ليس له أحد مماثلاً و مجانساً و مشابهاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري ،ص: ۱۴ ، قديمي)

"هو إثبات حقيقة ذات الرب تعالىٰ و صفاته و أفعاله وأسمائه ، ليس كمثله شيء في ذلك كله ، كما أخبر به عن نفسه، و كما أخبر رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، أنواع التوحيد الذي دعت إليه الرسل ،ص: ۸۹، قديمي)

www.besturdubooks.net

گا (۱)، البتہ اس کے درجات بہت ہیں، ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے، ان کو نہ پڑھنا، نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے (۲)۔

(ب) شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا، البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے (۳) اور یہ افضل الذکر ہے۔ کما ورد في الحدیث (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

مسلمان ہونے والے کو فوراً مسلمان کرنا چاہئے

سوال [۸]: چند احباب امام مسجد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک نوجوان مسلمان ہونا چاہتا ہے، آپ کلمہ پڑھادیں، یعنی مسلمان بنائیں امام صاحب نے جواباً کہا کہ اس وقت ضروری کام میں لگا ہوا ہوں، فلاں صاحب اثر ورسوخ حاجی صاحب بھی تشریف فرما ہیں، اس لئے آپ حضرات کسی اور امام کے پاس جائیں، اس بات پر ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر یہ شخص ایمان لانے سے قبل راستے میں مرجاتا تو

---

(۱) "(والإیمان هو الإقرار والتصدیق) وذهب جمهور المحققین إلی أن الإیمان هو التصدیق بالقلب، وإنما الإقرار شرط لإجراء الأحکام في الدنیا، لما أن تصدیق القلب أمر باطني لا بدله من علامة". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۸۵، ۸۶، قدیمي)

(۲) چنانچہ ان کلمات کے بارے میں مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "ان تمام کلمات کو پڑھنا اور سیکھنا ضروری نہیں، البتہ ان کا پڑھنا اور سیکھنا ثواب سے خالی نہیں، اس سے کیا کم کہ ان کا پڑھنا ذکر میں داخل ہے اور ذکر کا ثواب اور فضیلت قرآن وحدیث میں منصوص ہے، نیز بعض کلمات کی فضیلت وتعلیم خود احادیث میں وارد ہے"۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاویٰ، ص: ۹۶، دار الاشاعت)

(۳) وفي روایة کنز العمال: "جددوا إیمانکم، اکثروا من قول لا إله إلا الله". (کنز العمال: ۱/۶۲، ۳۱۲، مکتبه إحیاء التراث الإسلامي)

(۴) وفي روایة جابر بن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه یقول: "سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "أفضل الذکر لا إله إلا الله وأفضل الدعا الحمد لله". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ۲/۱۷۲، سعید)

www.besturdubooks.net

امام صاحب ذمہ دار ہوتے۔امام صاحب سے بہت بڑا گناہ صادر ہوا کہ ایک غیر مسلم کو ایمان سے مشرف نہ کیا، ایسی زبردست غلطی نہ کرنا چاہئے تھی، امام صاحب کو توبہ کرنا چاہئے، کیا ان صاحب کا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک شخص کفر چھوڑ کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، واقعی اس کو فوراً مسلمان کرنا چاہئے اور کفر سے توبہ کرادی جائے، اس میں تاخیر کرنا، یا کسی اور کے پاس بھیجنا نہایت غلط طریقہ ہے، فقہاء نے ایسے شخص پر بہت سخت حکم لگایا ہے(۱)، مگر جس طرح اس جرم کے مرتکب امام صاحب ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی مرتکب ہیں، جو اس شخص کو امام صاحب کے پاس لائے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، چونکہ امام صاحب کے پاس لانے تک درمیان میں وہ شخص مرجاتا تو ذمہ دار کون ہوتا؟ ظاہر ہے کہ وہی لوگ ہوتے جنھوں نے خود مسلمان نہیں کیا، بلکہ امام صاحب کے پاس لارہے تھے، اس لئے تنہا امام صاحب کو مجرم قرار دینا غلط ہے۔پس امام صاحب بھی توبہ کریں اور وہ لوگ بھی توبہ کریں جو امام صاحب کے پاس لارہے تھے اور انھوں نے خود مسلمان نہیں کیا تھا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

غیر مسلم کس طرح مسلمان ہوتا ہے؟

سوال [۹]: عرض ہے کہ آج سے ڈیڑھ سال قبل مجھے عجیب سا جلوہ ونور دکھائی دیا، یعنی میں ایک ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن میرے جتنے بھی دوست ہیں وہ سب مسلم ہیں، میرے ان لوگوں

---

(۱) "نصراني أتى مسلماً فقال: اعرض عليّ الإسلام حتى أسلم عندك، فقال: إذهب إلى فلان العالم حتى يعرض عليك الإسلام فتسلم عنده، اختلفوا فيه، قال أبوجعفر رحمه الله تعالىٰ: لايصير كافراً كذافي فتاوى قاضيخان ." (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/ ۲۵۸، رشيديه)

"وفي الخلاصة : كافر قال لمسلم: أعرض عليّ الإسلام، فقال: اذهب إلى فلان العالم، كفر؛ لأنه رضي ببقائه في الكفر إلى حين ملازمة العالم ولقائه، أو لجهله بتحقيق الإيمان لمجرد إقراره بكلمتي الشهادة، فإن الإيمان الإجمالي صحيح إجماعاً." (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۷۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

کے ساتھ رہنے اوران لوگوں کووقت پرنماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کردل میں بھی ایک خواہش پیدا ہوئی کہ کاش اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو آج اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتا۔پس مولوی صاحب!اس ہی رات میں مجھے خواب میں ایک نور سا نظر آیا،خدا کا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں بھی مسلم ہوں،اذان کا وقت ہو رہا ہے، میں بھی اوروں کی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوں اور سجدہ کرر ہا ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں۔پس اس کے بعد ہی میری آنکھ کھل گئی،پھر بس مولوی صاحب!اسی دن سے(یعنی وہ جمعہ کا دن تھا میں نے پائی وغیرہ تھا پور درگاہ یوسفین نام تو آپ نے سنے ہوں گے)گیا اور وہاں دوسرے مسلم بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔

پس جب سے ہی میں نماز کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہوں اور خدا کے فضل سے میری نماز جمعہ بہت کم ناغہ ہوتی ہے،وہ ناغہ مجبوری کے تحت ہوتی ہے اور وہ مجبوری یہ ہے جس کی بناء پر میں نماز سے محروم رہتا ہوں،میں اسی درگاہ یوسفین میں نماز پڑھ رہا تھا،اتنے میں میرے کالج کے دوست بھی وہاں نماز پڑھنے آئے اور بعد نماز میرا مذاق اڑانا شروع کیا،بعض نے تو مبارکباد دی اور کہا کہ اگر اتنا ہی نماز کا شوق ہے تو اشتہار کیوں نہیں چھپاتے،خیر میں مسلمان ہوگیا ہوں،لیکن مولوی صاحب!میں ایسا نہیں کرسکتا،کیونکہ میرے بھائی وبہن ہیں،جو شادی کے قریب ہیں،میرے ایسا کرنے سے ان سب کی بدنامی ہوگی اور ان لوگوں کی شادی نہیں ہوگی اور دوسری مجبوری یہ ہے کہ میں ابھی پڑھ رہا ہوں،اگر میں نے دوستوں کے کہنے سے ایسا عمل کیا،یعنی مسلمان ہوگیا تو میں بے گھر ہوجاؤں گا اور میری تعلیم ادھوری ہی رہ جائے گی،آج کل کا کیا حال ہے،بس ایک بار ایسے ہی میرے گھر والوں کو معلوم ہوگیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں تو وہ لوگ مجھے بہت ڈانٹے اور اب بہت سختی کرتے ہیں،لیکن مولوی صاحب!میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں خدا کے راستہ سے نہیں ہٹوں گا،میں نے گھر بھی چھوڑنے کی ٹھان لی ہے،لیکن یہ میرا آخری سال ہے،تعلیم کے اعتبار سے اس لئے گزار رہا ہوں۔

بس اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے فتویٰ عطا فرمائیں کہ میں آپ کی سرپرستی میں مسلمان ہوگیا ہوں،بلکہ میں آپ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دوں گا بس آپ مجھ پر بھروسہ کر کے فتویٰ دیجئے جو کہ مجھ کو گھر چھوڑنے کے بعد بہت کام آئے گا۔

www.besturdubooks.net

اس فتویٰ مانگنے کی چند وجوہات یہ ہیں: میں اکثر جب کبھی نماز پڑھنے مسجد میں جاتا ہوں تو میرے دوست ملتے اور کہتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہوگئے ہو تو کسی بڑے عالم کے پاس سے فتویٰ کیوں نہیں لیتے، جو تمہیں بہت کام آئے گا؟ بعض لوگ جب میں نماز کو گیا، یہاں تک کہتے کہ نہ جانے کہاں سے گندے گندے لوگ آکر ہماری مسجد کو ناپاک کردیتے ہیں، جاؤ جاؤ یہاں سے۔ اس لئے میں آپ سے فتویٰ مانگتا ہوں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں، مجھے اسلام میں شامل کر لیجئے۔

الجواب حامداً مصلیاً:

آدمی مسلمان کسی کے کرنے سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ جب وہ اپنے خیالات (عقائد) اللہ ورسول کے حکم کے مطابق وموافق کرے اور غلط خیالات وعقائد کو دل سے نکال دے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ دین سیکھتا رہے۔ ''دین اسلام'' کوئی ایسی برادری نہیں کہ جب برادری والے چاہیں اس کو داخل کرلیں، جب چاہیں خارج کردیں، اگر آپ نے خدا کو ایک مان لیا، ہر قسم کے شرک سے توبہ کرلی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو مان لیا اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں کو مان لیا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو تسلیم کرلیا اور تقدیر پر یقین کرلیا تو آپ یقیناً مسلمان ہیں(۱)، کسی اشتہار کی ضرورت نہیں، نہ آپ کے ذمہ لازم ہے کہ کسی کو یقین دلانے کے لئے اشتہار شائع کریں، اللہ پاک کے لئے آپ نے اسلام قبول کیا ہے، تو اس کو خود ہی معلوم ہے اور یہی ذریعۂ نجات ہے۔ جو لوگ کسی مسلمان کو خواہ وہ قدیم ہو، یا جدید، نماز کے لئے مسجد میں آنے سے روکتے ہیں اور اس پر نازیبا فقرے کستے ہیں، وہ بہت غلط کام کرتے ہیں (۲) اس کا انجام خراب ہے، ان کو باز آنا چاہئے۔

جب آپ نے اللہ کی خاطر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے دین اسلام قبول کیا ہے، تو اس کے نتیجہ میں قوم میں رسوائی، یا گھر چھوٹنا، یا خاندان کے آدمیوں کی

---

(۱) و فی حدیث جبرئیل: " قال: فأخبرني عن الإیمان؟ قال: "أن تؤمن بالله، و ملائکته، و کتبه، و رسله، والیوم الآخر، و تؤمن بالقدر خیره و شره ...... الخ". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان: ۱/۱۱، قدیمی)
(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان: ۱/۲۷، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه، و سعیٰ فی خرابها، أولئک ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین لهم فی الدنیا خزی، و لهم فی الآخرة عذاب عظیم﴾. (البقرة: ۱۱۴)

www.besturdubooks.net

آپ کی وجہ سے شادی میں رکاوٹ پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ معمولی چیزیں ہیں، ہرگز قابل توجہ نہیں تعلیم ادھوری رہ جانے کی فکر بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ نے اپنے خاندان والوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ کی اور آپ کا انتقال ہوگیا تو وہ آپ کو اس دنیا ہی میں نذر آتش کر دیں گے، انتقال کی تاریخ کسی کو معلوم نہیں، کب ہوگا، تعلیم پوری ہونے پر ہوگا، یا بھائی بہن کی شادی ہونے پر ہوگا، یا اس سے پہلے بھی ہو جائے گا۔

خدائے پاک آپ کی پوری حفاظت کرے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور حق پر قائم رکھے اور ہر قسم کے شر وفتنہ سے بچائے۔ آمین! فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

نومسلم کب تک نومسلم رہے گا؟

سوال[۱۰] : ایک نومسلم کتنے سال تک نومسلم کہلایا جائے گا ؟

الجواب حامداً مصلیاً :

نومسلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اسلام لایا ہے، مسلمان کی نسل سے پیدا نہیں ہوا، اس معنی کے اعتبار سے وہ ساری عمر نومسلم ہی رہے گا اور یہ کوئی عیب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

صفت احدیت

سوال[۱۱] : اللّٰہ واحد فی ذاتہ، وصفاتہ، و أفعالہ، وسائر حقوق ربوبیتہ؟

الجوب حامداً مصلیاً:

هذا هو الحق(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "(و لا شيء مثله) اتفق أهل السنة على أن الله ليس كمثله شيء، لا في ذاته، و لا في صفاته، و لا في =

www.besturdubooks.net

قدرت

سوال[۱۲]: القدرة على الخير والشر فوق الأسباب بمجرد تعلق الإرادة به كلها هو اللّٰہ واحد، و القائل بذلك لغيره تعالى نبياً كان أو ولياً أو ملكاً مقرباً، مشرك باللّٰہ في صفة القدرة أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

هذه الصفة مختصة باللّٰہ تعالى، لا شريك له فيها أحد(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

ضروریاتِ دین کی تفصیل

سوال[۱۳]: ضروریاتِ دین کتنی چیزوں کو کہتے ہیں؟

= أفعاله". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، معنى قوله: و لا شيء مثله، ص: ۹۸، قديمي)

"واعلموا أن خالق العالم واحد لا شريك له، فرد لا ثاني له. و معنى الوحدانية في صفات الله تعالى أنه يستحيل عليه التجزئة والتبعيض وهماً أو تقديراً، وأنه منفرد في صفاته و ذاته عن مشابهة الخلق، وأنه منفرد بانتساب الحوادث إليه من حيث إحداثها واختراعها". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۱، المكتبة التجارية مكة)

"والوحدانية صفة سلبية تقال على ثلاثة أنواع: الأول: الوحدة في الذات، والمراد بها انتفاء الكثرة عن ذاته تعالى بمعنى عدم قبولها الانقسام. والثاني: الوحدة في الصفات، والمراد بها انتفاء النظير له تعالى في كل صفة من صفاته، فيمتنع أن يكون له تعالى علوم و قدرات متكثرة بحسب المعلومات والمقدورات، بل علمه تعالى واحد و معلوماته كثيرة، و قدرته واحدة و مقدوراته كثيرة، و على هذا جميع صفاته. والثالث: الوحدة في الأفعال، والمراد بها إنفراده تعالى باختراع جميع الكائنات عموماً، وامتناع إسناد التأثير لغيره تعالى في شيء من الممكنات أصلاً". (شرح العقيدة الطحاوية للميداني، ص: ۴۷، ۴۸، دار الفكر)

(۱) "اعلم أنه ليس في العالم أحد يثبت لله شريكاً يساويه في الوجود والقدرة والعلم والحكمة. و هذا مما لم يوجد إلى الآن". (التفسير الكبير، [البقرة: ۲۲]: ۲/۱۲۴، دار الكتب العلمية طهران)

"قال المصنف أبو حنيفة رضي الله تعالى عنه: "نقر بأن تقدير الخير و الشر كله من الله تعالى، لأنه لو زعم أن تقدير الخير والشر من غيره، لصار كافراً بالله تعالى و بطل توحيده". (الجوهرة المنيفة في شرح =

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہونا قطعی اور یقینی ہو اور حدِ تواتر و شہرت عام تک پہونچ چکا ہو، حتی کہ عوام بھی جانتے ہوں کہ یہ چیزیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین سے ہیں جیسے توحید، رسالت، ختم نبوت، حیات بعد الموت، سزا و جزاء اعمال، نماز، زکوٰۃ کی فرضیت، شراب اور سود کی حرمت، کذا فی إکفار الملحدین (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

ایمان بالرسول اجمالاً کافی ہے یا اوصاف کے ساتھ؟

سوال [۱۴]: ایمان بالرسول ضروریاتِ دین میں شامل ہے، یا نہیں؟ اور صرف اتنا ایمان لانا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ان اوصاف کے ساتھ جن کے کہ حضور اکرم صلی

= وصية الإمام الأعظم أبي حنيفة ،ص: ۵۸، مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية)

"فعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه قال: القدر نظام التوحيد ، فمن وحّد الله و كذب بالقدر، نقض تكذيبه توحيده". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۷۳، قديمي)

(۱) "والمراد "بالضروريات" على ما اشتهر في الكتب: ما علم كونه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالضرورة ، بأن تواتر عنه و استفاض، و علمته العامة، كالوحدانية والنبوة، و ختمها بخاتم الأنبياء، و انقطاعها بعده، و هذا مما شهد الله به في كتابه ، و شهدت به الكتب السابقة، و شهد به نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، و شهد به الأموات أيضاً ، كزيد بن خارجة الذى تكلم بعد الموت، . و كالبعث والجزاء، و وجوب الصلاة والزكاة ، و حرمة الخمر ونحوها". (إكفار الملحدين، ص: ۲، ۳، لأنور شاه صاحب الكشميرى رحمه الله تعالى من "مجموعة رسائل الكشميرى" الجلد الثالث إدارة القرآن)

"(وركنها إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان) وهو تصديق محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جميع ماجاء به عن الله تعالىٰ مما علم مجيئه ضرورةً". قال في رد المحتار: "وإذعانه لما علم بالضرورة أنه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بحيث تعلمه العامة من غير افتقار إلى نظر و استدلال كالوحدانية، والنبوة، والبعث، والجزاء، ووجوب الصلوة، والزكاة، وحرمة الخمر، و نحوها".

(رد المحتار: ۳/ ۲۲۱، باب المرتد ، سعيد)

www.besturdubooks.net

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستحق ہیں، ایمان رکھنا ضروریات میں سے ہے؟

الجواب حامداً مصلياً :

ایمان بالرسول ایسا ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ بغیر اس کے آدمی مومن کہلانے کا مستحق نہیں، ساتھ ہی خصوصیاتِ قطعیہ مثلاً: خاتم النبیین وغیرہ کا ماننا بھی ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

قرآن پر ایمان کا مطلب

سوال[۱۵] : جب قرآن شریف پر میرا ایمان ہے تو پھر پورے قرآن مجید کو مکمل یا جزوی طور سے انکار کرنے سے، یا قرآن شریف کے جزوی حصے کو مکمل طور سے، یا جزوی طور سے انکار کرنے پر کیا فتویٰ ہوگا؟ خواہ وہ انکار زبان سے ہو، یا دیگر اعضاء سے؟

الجواب حامداً مصلياً :

قرآن پاک کی مکمل طور پر تصدیق لازم ہے، اگر پورے قرآن یا اس کے کسی جزء (آیت) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے تو ایمان باقی نہیں رہے گا(۲) اور اگر عملی

---

(۱) "فالتحقيق أن الإيمان هو تصديق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله إجمالاً، وأنه كاف في الخروج عن عهدة الإيمان، و لا تنحط درجته عن الإيمان التفصيلي، كذا في شرح العقائد، إلا أن الأولى أن يقال: إجمالاً إن لوحظ إجمالاً، و تفصيلاً إن لوحظ تفصيلاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۸۲، قديمی)

(و كذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۰، قديمی)

"و أما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال و خاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول، و لم يؤمن بأنه خاتم الرسل لا ينسخ دينه إلى يوم القيامة، لا يكون مؤمناً". (الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، النوع الثالث في الأنبياء: ۵/۳۲۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا امنوا بالله ورسوله، والكتاب الذى نزّل على رسوله، والكتاب =

www.besturdubooks.net

کوتاہی ہوگی تو اس سے کفر کا حکم نہیں ہوگا (۱)، نفس ایمان اس سے مضمحل اور کمزور تو ہو جاتا ہے، مگر تصدیق قلبی جب تک باقی ہے، ختم نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فطرت پر ہونے کی تشریح

سوال [۱۶]: فطرت دین کے کیا معنیٰ ہیں؟

= الذي أنزل من قبل، و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

و في الحديث: "قال: فأخبرني عن الإيمان؟ قال: "أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره و شره الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱، قديمي)

"إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، و في الخزانة: أو عاب كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، فصل في القراءة و الصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(۱) "و أما العمل بالأركان، فهو من كمال الإيمان و جمال الإحسان عند أهل السنة و الجماعة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۳، قديمي)

"لا على من ذهب إلى أنها ركن من الإيمان الكامل بحيث لا يخرج تاركها عن حقيقة الإيمان". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۵، قديمي)

"و العمل مغاير له لا يشمله اسم الإيمان عند إفراده بالذكر، وإن أطلق عليهما كان مجازاً". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۳، قديمي)

(۲) "حتى أن من حصل له حقيقة التصديق، فسواء أتى بالطاعات أو ارتكب المعاصي، فتصديقه باق على حاله، لا تغير فيه أصلاً". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۵، قديمي) .... =

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

انسان میں پیدائشی صلاحیت واہلیت کہ وہ بغیر کسی ماحول کے اثر کے دین اسلام کی چیزوں کو قبول کرلے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۳/۱۱/۸۹ھ۔

امت دعوت واجابت

سوال[۱۷]: ہندو، پارسی، یہودی اور نصاری وغیرہ بھی کیا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے امتی کہلانے کے مستحق ہیں؟ اگر مشرک بھی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے امتی ہیں تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہے؟

= (و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص : ۱۲۴، قديمي)

(۱) " قال : والمراد تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة، والتهيؤ لقبول الدين، فلو ترك المرء عليها لاستمر على لزومها، و لم يفارقها إلى غيرها؛ لأن حسن هذا الدين ثابت في النفوس ، و إنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية كالتقليد، انتهى". (فتح الباري، كتاب الجنائز ، باب ما قيل في أولاد المشركين : ۳/۳۱۸، قديمي)

"والأصح أن معناه أن كل مولود متهيأ للإسلام ". (شرح النووي على الصحيح للمسلم، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة الخ: ۲/۳۳۷، قديمي)

قوله : "ما من مولود إلا يولد على الفطرة "؛ أي على مبادىء الإسلام من التوحيد و غيره التي جعل الله الناس عليها. قال الطيبي : كلمة "(من)" الاستغراقية في سياق النفي تفيد العموم، والتقدير : ما مولود يوجد على أمر من الأمور إلا على هذا الأمر . والفطرة تدل على نوع منها. وهو الابتداء والاختراع، كالجلسة والقعدة، والمعنى بها هنا تمكن الناس من الهدى في أصل الجبلة ، والتهيؤ لقبول الدين. فلو ترك عليها لاستمر على لزومها و لم يفارقها إلى غيرها، لأن هذا الدين حسنه موجود في النفوس ، وإنما يعدل عنه لآفة من الآفات البشرية والتقليد". (تكملة فتح الملهم ، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة : ۵/ ۴۹۷، ۴۹۸، مكتبه دار العلوم كراچى)

www.besturdubooks.net

اگر آپ مشرکین کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی شمار کرتے ہیں تو اس دعاء کا ان سے تعلق نہیں ہوجاتا "اللّٰهم اغفر لأمة محمد صلی الله عليه وسلم" جس کے معنی ہیں کہ "اے اللہ! امت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت فرمادے"۔ آمین، پھر اس کے خلاف اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ مشرک ابدی جہنمی ہیں اور ان کی مغفرت نہیں ہوگی کہ کیا ہم اللہ رب العزت کی مرضی کے خلاف ان کی مغفرت کی دعا کر رہے ہیں؟ اس کا جواب مدلل طریقے پر دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً :

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہونے کے دو معنی ہیں (۱): ایک یہ کہ جن کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ نے دعوت دی، اس اعتبار سے ہر ملک کے رہنے والے اور ہر مذہب پر چلنے والے آپ کے امتی ہیں، کیونکہ آپ کی نبوت عام ہے، کسی قوم اور کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، جیسے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا حال تھا ﴿قل یاأیها الناس إني رسول الله إلیکم جمیعاً﴾ (۲) ﴿وما أرسلنك إلا كافة للناس﴾ (۳) یہ امت دعوت ہے۔

اور امت کے دوسرے معنی سے ہیں: وہ لوگ جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہے اور آپ پر ایمان

---

(۱) "الأمة جمع لهم جامع من دين أو زمان أو مكان أو غير ذلك، فإنه مجمل يطلق تارةً ويراد بها كل من كان مبعوثاً إليهم نبي، آمنوا به أو لم يؤمنوا، ويسمون أمة الدعوة. وأخرى يراد بهم المؤمنون به المذعنون له، وهم أمة الإجابة." (فيض القدير للمناوي شرح الجامع الصغير: ۳/۲۰۷۰، رقم الحديث: ۱۲۲۰، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في شرح الطيبي، كتاب الإيمان: ۲/ ۴۴۹، نزار مصطفى الباز)

"فإن أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ثلاثة أقسام، أحدها أخص من الآخر: أمة الاتباع، ثم أمة الإجابة، ثم أمة الدعوة. فالأولى أهل العمل الصالح، والثانية مطلق المسلمين، والثالثة من عداهم ممن بعث إليهم." (فتح الباري، كتاب الرقاق، باب: يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۱۱/ ۴۱۱، دار المعرفة)

(۲) (الأعراف: ۱۵۸)

(۳) (السبا: ۲۸)

www.besturdubooks.net

لائے اور کسی دوسرے دین پر قائم نہیں رہے، یہ امت اجابت ہے، اس کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے اور اسی کے لئے سب فضائل ہیں(۱) جو لوگ ایمان نہیں لائے، ان کے لئے فضائل ومغفرت کا وعدہ نہیں، نہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم الحرام/۸۹ھ۔

وسوسہ شیطانی سے ایمان ضائع نہیں ہوتا

سوال[۱۸]: ایک شخص پابند شرع ہے، ایک روز ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ میں مسلمان نہیں ہوں اور یہ کہ میں مرتد ہو گیا ہوں، لیکن نہ اس سے کوئی انکار اور نہ ہی کوئی گناہ پایا گیا جو دال علی الکفر ہو، اور اس کو بے حد پریشانی ہوئی اور ڈر کی وجہ سے بہت پریشان ہوا کہ میں قیامت کے روز اللہ پاک اور اس کے رسول کو کیا منہ دکھلاؤں گا؟ اس کے بعد اس نے کلمہ طیبہ اور لاحول اور استغفار کا ورد کرنا شروع کر دیا اور اپنے دل میں اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے اس نے یہ کہا کہ ''اے شیطان! اب تک ہم مسلمان تھے، یا نہیں؟ لیکن اب ہم مسلمان ہو گئے ہیں، چاہے تو کتنے ہی وسوسہ ڈال''۔ اور وہ یہ سمجھ گیا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے جو کہ ایمان کے منافی ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس شیطانی وسوسہ سے اس کا ایمان زائل نہیں ہوا، الحمد للہ ایمان موجود ہے(۳)، کلمہ طیبہ اور لاحول

(۱) "هؤلاء أمتک، وهؤلاء سبعون ألفاً قدامهم، لا حساب عليهم ولا عذاب." (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب: ۲/۹۶۹، قديمي)

" (أمتي هذه): أي الموجودون الآن كما عليه ابن رسلان، وهم قرنه، ويحتمل إرادة أمة الإجابة (أمة مرحومة): أي جماعة مخصوصة بمزيد الرحمة وإتمام النعمة، موسومة بذلک في الكتب المتقدمة، (ليس عليها عذاب في الآخرة)". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۱۳۷۱، رقم الحديث: ۱۲۲۱، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحب الجحيم﴾ [التوبة: ۱۱۳]

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله تجاوز =

www.besturdubooks.net

کثرت سے پڑھا کرے اور ہر روز اپنے مومن ہونے پر خدائے پاک کا شکر ادا کیا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۹ھ۔

دینیات میں وسوسہ اور اس کا علاج

سوال [۱۹] : قریب تین ماہ ہوئے ہیں، میرے دل ودماغ میں ایک شبہ پڑ گیا ہے، مجھے ہر وقت یہ خیالات پریشان کرتے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی تھے یا نہیں تھے، قرآن پاک آسمانی کتاب ہے یا نہیں، اسلام سچا مذہب ہے یا نہیں؟ ان خیالات کی وجہ سے مجھے بڑی بے چینی رہتی ہے اور کسی کام میں دل نہیں لگتا، میں اس سوال کو سمجھانے کی ہر چند کوشش کرتا رہتا ہوں، مگر میرے دل ودماغ سے یہ خیال جاتا ہی نہیں ہے، اگر قرآن پاک پڑھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب یوں ہی تو نہیں ہے اور اگر حدیث شریف پڑھوں تو بھی یہی خیال آتا ہے، اب بتائیں کہ میں کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

آپ رات کو عشاء کے بعد تازہ غسل کرکے دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں، پھر درود شریف ۵۰۰ دفعہ، پھر "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ" ۵۰۰/ دفعہ پڑھ کر خدائے پاک کے سامنے دعا کریں: یا اللہ میرے ہر گناہ کو معاف کر اور اپنی ذات پر اور اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور اپنے

= عن أمتي ما وسوست به صدرها ما لم تعمل به أو تتكلم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، ۱۸:۱، قديمي)

" قال صاحب الروضة في شرح صحيح البخاري: المذهب الصحيح المختار الذي عليه الجمهور أن أفعال القلوب إذا استقرت يؤاخذ بها، فقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدورها" محمول على ما إذا لم تستقر، و ذلك معفو بلا شك؛ لأنه لا يمكن الانفكاك عنه بخلاف الاستقرار". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة: ۲۳۸:۱، رشيديه)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: " أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب" الخ: ۹۷/۱، قديمي)

(و مجمع الأنهر، باب المرتد: ۶۸۸/۱، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

قرآن پاک پر یقین نصیب فرما، جیسا کہ یقین کا حق ہے، اور میرے گناہوں کی نحوست سے اس دولت کو ضائع نہ فرما، یہ عمل سات روز تک کریں اور چلتے پھرتے درود شریف کثرت سے پڑھا کریں، کسی صاحب نسبت متبع سنت بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں۔ خدائے پاک آپ کی مدد فرمائے، سورۂ "حم سجدہ" روزانہ ایک مرتبہ پڑھ کر دعا مانگنا بھی دفعِ وسوسہ وشبہ کے لئے اکسیر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۲ھ۔

مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا

سوال [۲۰]: کوئی مسلمان ایسی جگہ پھنس جائے کہ کافر اسے شراب، یا سور کا گوشت زبردستی کھلادیں اور وہ جان بچانے کے لئے کھائے تو وہ ایمان سے خارج ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی مجبوری کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا(۱)، انتہائی ندامت کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ وہ آئندہ محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "السلطان إذا أخذ رجلاً وقال: لأقتلنک أو لتشربن هذا الخمر، أو لتأكلن هذه الميتة، أو لتأكلن لحم هذا الخنزير، كان في سعة من تناوله، بل يفترض عليه التناول إذا كان في غالب رأيه أنه لو لم يتناول يُقتل، فإن لم يتناول حتى قتل، كان آثماً في ظاهر الرواية عن أصحابنا." (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني من كتاب الإكراه: ۳۸/۵، رشيديه)

"وعلى أكل لحم خنزير، وميتة، ودم، وشرب خمر بحبس أو ضرب أو قيد لم يحل، وحل بقتل وقطع) يعني لو أكره على هذه الأشياء بما لا يخاف على نفسه أو عضوه: كالضرب لا يسعه أن يقدم عليه، وبما يخاف، يسعه ذلک؛ لأن حرمة هذه الأشياء مقيدة بحالة الاختيار، وفي حالة الضرورة مبقاة على أصل الحل لقوله تعالى: ﴿إلا ما اضطررتم إليه﴾ [الأنعام: ۱۲۰] فاستثنى حالة الاضطرار؛ لأنه فيها مباح." (البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۱۳۲/۸، رشيديه)

(وكذا في روح المعاني، المائدة: ۳، ۶۵/۶، ۶۶، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت اور مفتی قدرت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

سوال[۲۱]: حضرت مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب مرحوم مدرسہ شاہی مرادآباد خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی ایک کتاب میں جس کا سرورق غائب ہے، مگر تصوف میں ہے لکھا ہے کہ زمانہ، ہوا، تقدیر، بیماری کو برا نہ کہو، مگر وجہ بیان نہیں ہے، مگر حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے ناگپور کی تقریر (جو کہ کتاب کی شکل میں ہے) کفار مکہ کے توکل کا بیان فرماتے ہیں حجر اسود والا تنازعہ بیان کیا ہے کہ: ''وہ شخص ہمارا حکم ہوگا جو علی الصباح مسجد حرام میں داخل سب سے اول ہو، لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داخل مسجد حرام ہوئے اور حَکم بنائے گئے (۱) یہ تھا کفار مکہ کا توکل، اور آج کل کا ہمارا زمانہ ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے توکل مفقود ہے''۔ اس عبارت سے زمانہ کی برائی معلوم ہوئی۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''ایک زمانہ وہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کی طرف رغبت کرتے تھے، ایک آج کل کا زمانہ ہے کہ ہم کو دیکھ کر خود مسلمان ہی نفرت کرتے ہیں''۔ اس عبارت سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی۔

اس کتاب میں تیسری جگہ لکھا ہے کہ ''دین حق کا چراغ بجھا نہیں کرتا، لیکن بادِ مخالف کے جھونکے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں''۔ اس عبارت سے ہوا کی برائی معلوم ہوئی۔ اور تقویۃ الایمان میں بہت سی جگہ زمانہ کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ: ''ہر زمانے کے لوگ نئی نئی الگ الگ راہیں نکالتے ہیں''۔ ان جگہوں سے بھی زمانے کی برائی معلوم ہوئی ہے، اگر ان چیزوں کو برا کہنا برا ہے تو ان اکابرین نے ان لفظوں کو اس طرح پر کیوں

(۱) "قال ابن اسحق: ثم إن القبائل من قريش جمعت الحجارة لبناءها، كل قبيلة تجمع على حدة، ثم بنوها حتى تبلغ البنيان موضع الركن، فاختصموا فيه كل قبيلة تريد أن ترفعه إلى موضعه دون الأخرى حتى تجاوزوا و تحالفوا و أعدوا للقتال ... فزعم بعض أهل الرواية أن أبا أمية بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم و كان عامئذ أسنّ قريش كلها، قال: يا معشر قريش! اجعلوا بينكم فيما تختلفون فيه أول من يدخل من باب هذا المسجد يقضي بينكم فيه ففعلوا، فكان أول داخل عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلما رأوه قالوا: هذا الأمين رضينا هذا محمد الخ". (سيرة بن هشام: ۱/۱۹۶، ۱۹۷، حديث بنيان الكعبة و حكم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين قريش في وضع الحجر، اختلاف قريش فيمن يضع الحجر و لعقه الدم، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

www.besturdubooks.net

استعمال فرمایا ہے؟ محمد فہیم الدین، مدرسہ تعلیم القرآن لاوڑ بازار، پاؤڈی ضلع پوڑی گڑھوال (یوپی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

زمانہ کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، یہ حدیث قدسی میں موجود ہے(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق خیر اور خالق شر زمانہ کو قرار دیکر برا کہا جائے، حالانکہ خالق ذات وحدہ لاشریک لہ ہے، زمانہ تو خیر وشر کا ظرف ہے خالق نہیں، اس لئے زمانہ کو (برا) کہنا خالق جل جلالہ کو برا کہنا ہے(۲)، البتہ اس طرح کہا جائے کہ فلاں زمانہ میں خیر تھی، یعنی اس وقت جو حضرات موجود تھے، ان میں خیر غالب تھی، پھر بعد والے زمانے میں خیر کم ہوگئی ہے۔ یہ مضمون حدیث شریف سے ثابت ہے: " خير القرون قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "قال الله عزوجل : "يؤذيني ابن آدم يسب الدهر و أنا الدهر، بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الجاثية: ۷۱۵/۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر: ۲۳۷/۲، قديمي)

(۲) "(يسب الدهر) ..... يعني ظناً منه أن الدهر يعطي و يمنع، و يضير و ينفع (وأنا الدهر) ..... أي خالق الدهر أو مصرف الدهر أو مقلبه أو مدبر الأمور التي نسبوها إليه، فمن سبّه بكونه فاعلها عاد سبه إليّ؛ لأني أنا الفاعل لها، و إنما الدهر زمان جُعل ظرفاً لمواقع الأمور، و أتى بأداة الدهر مبالغةً في الرد على من يسبه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان: ۱۸۱/۱، رشيديه)

"قال العلماء : و هو مجاز و سببه أن العرب كان شأنها أن تسب الدهر عند النوازل والحوادث والمصائب النازلة بها من موت أو هرم أو تلف مال أو غير ذلك فيقولون: يا خيبة الدهر، و نحو هذا من ألفاظ سب الدهر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (لا تسبوا الدهر): أي لا تسبوا فاعل النوازل، فإنكم إذا سببتم فاعلها وقع السب على الله تعالىٰ؛ لأنه هو فاعلها و منزلها، و أما الدهر الذي هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالى، و معنى "فإن الله هو الدهر": أي فاعل النوازل والحوادث و خالق الكائنات، والله أعلم". (الكامل شرح المسلم للنووى، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر، : ۲۳۷/۲، قديمي)

(وكذا في فتح الباري، كتاب التفسير، سورة الجاثية : ۷۳۸/۸، ۷۳۹، قديمي)

www.besturdubooks.net

ثم يفشوا الكذب (الحديث)(۱)۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تقریر سے جو آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں بھی زمانہ کو برا نہیں کہا گیا، نہ زمانہ کو خالق خیر وشر قرار دیا گیا، بلکہ زمانہ کی طرف تسلیم کرتے ہوئے اس کے آدمیوں کا تغیر اور زمانہ سابق سے فرق ظاہر کیا گیا ہے۔ باد مخالف کا نور حق کو بجھانے کی کوشش کرنا خود قرآن کریم میں موجود ہے ﴿يريدون أن يطفئوا نور الله بأفواههم﴾ الآیۃ (۲)۔ ہوا کی وجہ سے اگر کسی کا نقصان ہوجائے، مثلاً درخت گرجائے تو ہوا کو لعنت نہ کی جائے کیونکہ ہوا تو مامور ہے، از خود وہ کچھ نہیں کرسکتی (۳)۔ سائل نے جو تضاد پیش کیا ہے، وہ عموماً ذاتی مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے، اگر ماخذ سامنے ہوں اور باقاعدہ ان کو سمجھ کر مستند اساتذہ سے پڑھا ہو تو ہر ایک کا محمل سمجھ میں آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ، و قد وجدته بالألفاظ الآتية: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". قال عمران: "لا أدري أذكر بعد قرنه مرتين أو ثلاثاً". "ثم إن بعدكم قوماً يشهدون و لا يستشهدون، و يخونون و لا يؤتمنون، و ينذرون، و لا يوفون، و يظهر فيهم السمن".

إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يجيء قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه، و يمينه شهادته". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۵۱۵، قديمي)

و قال عليه السلام: "احفظوني في أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يفشو الكذب، حتى يشهد الرجل، و ما يستشهد، يحلف، و ما يستحلف". (كنز العمال، رقم: ۳۲۴۵۵، ۱۱/۲۴۰، دار الكتب العلمية)

(۲) (التوبه: ۳۲)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً لعن الريح عند النبي صلى الله تعالى عليه و آله وسلم، فقال: "لاتلعنوا الريح، فإنها مأمورة، وأنه من لعن شيئاً ليس له بأهل، رجعت اللعنة عليه". رواه الترمذي، وقال هذا حديث غريب". (مشكوة المصابيح، باب في الرياح: ۱/۱۳۲، ۱۳۳، قديمي كتب خانه)

www.besturdubooks.net

زمانہ کو برا کہنا

سوال[۲۲]: لوگوں کی زبان زد ہے کہ زمانہ ایسا آ گیا، ویسا آ گیا۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''زمانہ میں ہوں''(۱) کو کہنے والے زمانہ سے مراد وقت لیتے ہیں۔اس معاملہ میں فرمائیے کہ کیا لفظ استعمال کریں اور ان کی نیت میں خرابی نہیں ہے، مذکورہ سوال میں وعید ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمانہ کو خود مؤثر بالذات اعتقاد کرنا غلط ہے، اگر وقت کو ظرف تصور کرتے ہوئے مثلاً اس طرح کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں خیر غالب تھی، رفتہ رفتہ بعد میں خیر کم ہوتی گئی اور شر بڑھتا گیا تو صحیح ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۵ھ۔

احکام اسلام کو اپنانا اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کا کام ہے

سوال[۲۳]: کچھ مسلمانوں کا یہ کہنا کہ نماز نہ پڑھنا، زکوۃ نہ دینا، روزہ نہ رکھنا، جھوٹ بولنا، سینما دیکھنا، رشوت لینے سے معمولی مسلمان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سب عمل تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں، ہمارے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم تو معمولی مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے۔ہمیں تو پورا یقین ہے کہ ہمیں ضرور بخش دے گا اور ہم ضرور جنت میں جائیں گے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور ایسا کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) "عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "قال الله: (يؤذيني ابن آدم يسب الدهر و أنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب: (و ما يهلكنا إلا الدهر): ۲/۷۱۵، قديمي)

(۲) "كان أهل الجاهلية يقولون: إنما يهلكنا الليل والنهار، هو الذی يميتنا و يحيينا .... فيسبون الدهر ... ... (وأنا الدهر) معناه أنا صاحب الدهر و مدبر الأمور التي ينسبونها إلى الدهر ...... وإنما الدهر زمان جعل ظرفاً لمواقع الأمور". (فتح الباری، كتاب التفسير: ۸/۷۳۸، قديمی)

(وكذا فی تفسير ابن كثير: ۴/۱۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا فی تفسير روح المعانی [سورة الجاثية، رقم الآية: ۲۵]، ۲۵/۱۵۳)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق تعالیٰ غفور رحیم بھی ہے(۱) اور قہار و منتقم بھی ہے(۲) جنت بھی اسی نے بنائی ہے، دوزخ بھی اسی نے بنائی، احکام بھی اسی نے نازل کئے، اطاعت کرنے والوں کے لئے جنت تجویز کی، اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو ماننا اور کسی صفت کو نہ ماننا ایمان کی بات نہیں ہے، جن چیزوں کو منع فرمادیا ہے، ان سے باز رہنا لازم ہے، جس طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ احکام تو اول درجہ کے مسلمانوں کے کرنے کے ہیں اور ہم تو معمولی مسلمان ہیں تو ان کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنت بھی اول درجہ کے مسلمانوں کے لئے ہو اور جو لوگ عمل نہ کریں ان کے لئے دوزخ ہو، اس لئے ایسی بات اور ایسے عقیدہ اور ایسے عمل سے پورا پرہیز لازم ہے، ورنہ آہستہ آہستہ ایمان واسلام سب ہی چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

کراماً کاتبین کی تعداد

سوال[۲۴]: ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالیٰ فی أن کراماً کاتبین هل هو واحد لکل إنسان یکتب أعمالهم أم لکل إنسان واحد أو اثنان، هل تعداد هم معین؟ بینوا بالدلائل و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(قوله: و هل تتغیر الحفظة؟ قولان:) فقیل: نعم لحدیث الصحیحین: "(یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل و ملائکة بالنهار، ویجتمعون فی صلوة الصبح و صلاة العصر، فیصعد الذین باتوا فیکم، فیسألهم اللّٰه وهو أعلم بهم: کیف ترکتم عبادی؟ فیقولون: أتیناهم و هم یصلون و ترکناهم و هم یصلون)" فنقل عیاض وغیره عن الجمهور أنهم الحفظة: أي الکرام الکاتبون، و استظهر القرطبی انهم غیرهم۔

وقیل: لا یتغیران مادام حیاً، لحدیث أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "(إن اللّٰه تبارك و تعالیٰ وکّل بعبده المؤمن ملکین یکتبان عمله، فإذا مات قالا: ربنا قد مات فلان فتاذن لنا فنصعد إلی السماء؟ فیقول اللّٰه عزوجل: " سمائی مملوئة من ملائکتی یسبحونی"،

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ألا إن اللّٰه هو الغفور الرحیم﴾. (الشوریٰ: ۵، پ:۲۵)

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿واللّٰه عزیز ذو انتقام﴾. (آل عمران: ۴، پ:۳)

www.besturdubooks.net

فیقولان : فأین نکون ؟ فیقول اللّٰہ تعالیٰ :" قوما علی قبر عبدی فکبرانی و ھللانی و اذکرانی و اکتبا ذلك لعبدی إلی یوم القیامة"۔ و تمامه في الحلیة اھ"۔ رد المحتار ۱/ ۵۵۰(۱) ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۵]: احقر کے عریضہ (مسلک ہذا کے سوال نمبر ۵،۳) کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ کسی قول، یا فعل کی وجہ سے اگر آدمی اسلام سے خارج ہوجائے تو ایسے شخص کو تجدید ایمان کے ساتھ

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ،مطلب ھل تتغیر الحفظة : ۵۲۸/۱، سعید)

"عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال:" یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل و ملائکة بالنھار، و یجتمعون فی صلوۃ الفجر، و صلاۃ العصر، ثم یعرج الذین باتوا فیکم، فیسألھم ربھم و ھو أعلم: بھم کیف ترکتم عبادی؟ فیقولون: ترکنا ھم و ھم یصلو ن، أتیناھم و ھم یصلون". (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر : ۷۹/۱، قدیمی)

(الصحیح لمسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیھما: ۲۲۷/۱، قدیمی)

(ومسند أحمد، رقم الحدیث: ۹۹۳۶، ۳۸۶/۳ ،دار إحیاء التراث العربی)

(و کنز العمال، رقم :۱۸۹۳۷، ۲۹۳/۷، مکتبہ التراث الإسلامی حلب)

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال:"إن اللہ تبارک وتعالیٰ وکّل بعبدہ المؤمن ملکین یکتبان عمله، فإذا مات قالا: ربنا قد مات فلان، فتأذن لنا فنصعد إلی السماء ؟ فیقول اللہ عز و جل : (سمائی مملوئة من ملائکتی یسبحونی). فیقولان : فأین نکون ؟ فیقول اللہ تعالیٰ :" (قوما علی قبر عبدی فکبرانی و ھللانی و اذکرانی و اکتبا ذلک لعبدی إلی یوم القیامة)".

(کنز العمال، رقم : ۴۲۹۶۷، ۷۳۸/۱۵، مکتبہ التراث الإسلامی)

(و کذا فی نصب الرایه، رقم الحدیث: ۱۸۴۱، ۳۳۳/۱، مؤسسة الریان)

(والدرایة، رقم الحدیث : ۱۹۲، ۱۶۰/۱، دار نشر الکتب الإسلامیة لاھور)

www.besturdubooks.net

موجباتِ کفر سے برأت بھی ضروری ہے اس کی تشریح مطلوب ہے:

۱.....تجدیدِ ایمان کا کیا مطلب ہے اور کیا طریقہ ہے؟

۲.....موجباتِ کفر سے کیا مراد ہے اور وہ کیا کیا ہیں؟

۳.....اگر زکوۃ ادا کر چکا ہے تو کیا دوبارہ ادا کرنا ہوگا جب کہ استطاعت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱.....کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی بناء پر ایمان سے خارج ہوگیا تھا اس کا اقرار کرے، اگر اسلام سے خارج ہوکر مثلاً عیسائیت کو اختیار کرلیا تھا تو اس سے بیزاری اور برأۃ کرے(۱)۔

۲.....وہ بہت ہیں، خدائے پاک کی ذات وصفات کا انکار، اس کی شان میں گستاخی، کسی رسول کا انکار اور اس کی شان میں گستاخی، خدائی کتاب کا انکار اس کی شان میں گستاخی، عقیدۂ آخرت اور ملائکہ کا انکار وغیرہ وغیرہ(۲) کتاب مالابدمنہ میں بھی ایسی بہت سی چیزیں لکھی ہیں (۳)۔

---

(۱) "ثم اعلم أنه يؤخذ من مسألة العيسوي أن من كان كفره بإنكار أمر ضروري كحرمة الخمر مثلاً أنه لا بد من تبرئه مما كان يعتقده، لأنه كان يقر بالشهادتين معه، فلا بد من تبرئه منه كما صرح به الشافعية، و هو ظاهر". (ردالمحتار، مبحث في اشتراط التبري مع الإتيان بالشهادتين: ۴/۲۲۸، سعيد)

"وفي الفتاوى العالمكيرية: "وإسلامه أن يأتي بكلمة الشهادة و يتبرأ عن الأديان كلها سوى الإسلام". (كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۶، رشيديه)

قال الله تعالى: ﴿يآ أيها الذين آمنوا آمنوا بالله ورسوله والكتاب الذي نزّل على رسوله، والكتاب الذي أنزل من قبل، و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إن الذين يكفرون بالله و رسله و يريدون أن يفرّقوا بين الله و رسله، و يقولون نؤمن ببعض و نكفر ببعض و يريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً أولئك هم الكفرون حقاً﴾ (النساء: ۱۵۰، ۱۵۱) =

www.besturdubooks.net

۳..... تجدید ایمان کے بعد سالہا ئے گذشتہ کی زکوۃ دوبارہ دینا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۷ھ۔

تجدید ایمان کا طریقہ

سوال[۲۶]: میں ۳۶ سالہ غیر شادی شدہ مسلم ہوں، بار بار یہ خیال آتا ہے کہ تجدید ایمان کرلیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ ایمان بہت ہی بڑی دولت ہے، پہلے مجھے دین سے اتنا لگاؤ نہیں تھا اور ہمارے گھر میں پہلے

- "إذا أنكر الرجل آية من القرآن، أو تسخر بآية من القرآن، و في الخزانة: أو عاب، كفر".

(الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين مطلب موجبات الكفر و منها ما يتعلق بالقرآن، ۲/۲۶۶، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، فصل في القرآءة والصلوة، ص:۱۶۷، قديمي)

"من أنكر القيامة، أو الجنة، أو النار، أو الميزان، أو الصراط، أو الصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد، يكفر، و لو أنكر البعث فكذالك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بيوم القيامة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(۳)(مالابد منه، ترجمه باب كلمات الكفر، از فتاویٰ برهاني، ص: ۱۲۳، مكتبه شركت علميه)

(۱)"(قوله: وإسلام) فلا زكاة على كافر لعدم خطابه بالفروع سواء كان أصلياً أو مرتداً، فلو أسلم المرتد لا يخاطب بشيء من العبادات أيام ردته، ثم كما شرط للوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقط كما في الموت". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۹، سعيد)

" ثم الإسلام كما هو شرط الوجوب شرط لبقاء الزكاة عندنا، حتى لو ارتد بعد وجوبها سقطت كما في الموت، فلو بقي على ارتداده سنين، فبعد إسلامه لا يجب عليه شيء لتلك السنين كذا في معراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۱، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

سے بدعتی رسمیں چل رہی ہیں، شافعی مسلک کے مطابق تجدید ایمان کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حدیث پاک میں تجدید ایمان کی تاکید آئی ہے، ہر شخص کو اس پر عمل کرنا چاہئے "لا إلـه إلا الله" کثرت سے پڑھنا چاہئے، اس سے ایمان تازہ ہوتا ہے(۱)"آمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالی والبعث بعد الموت" کا قلب میں استحضار اور زبان سے اقرار بھی تجدید ایمان کے لئے مفید ہے۔ پانچ وقت مسجد میں جا کر خدائے پاک کی عظمت کے تصور کے ساتھ نماز کا ادا کرنا بھی مقوی ایمان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۴ھ۔

نجات کس ایمان پر ہے؟

سوال[۲۷]: دنیاوی زندگی میں کتنے درجہ کا ایمان فرض عین یا واجب ہے؟ یا آخرت میں عمومی طور پر اللہ تعالی کتنے درجہ ایمان کا مطالبہ فرمائیں گے؟ اس کی شرعی حدود کیا ہیں؟ ایمان کا قیام علی الفرائض کے درجہ تک کا نہ ہونا یقینی ہو، اور صاحب حیثیت بھی نہ ہوں تو کیا کروں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

وہ بخشنے پر آئے تو ذرہ برابر ایمان پر بھی بخش دے، بلکہ ایسے ایمان پر بھی بخش دے جس کا کوئی اثر کسی پر ظاہر نہ ہو(۲)، گرفت کرنے پر آئے تو بڑے پختہ ایمان والوں کی گرفت کرلے(۳) کوشش اس کی لازم ہے

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم :" جددوا إيمانكم". قيل: يا رسول الله! وكيف نجدد إيماننا؟ قال:"أكثروا من قول لا إله إلا الله."(مسند أحمد: ۲/ ۳۵۹، رقم الحديث: ۸۴۹۳)

قوله عليه الصلاة والسلام: "جددوا إيمانكم، أكثروا من قول لا إله إلا الله."(كنز العمال: ۱/ ۴۱۶، مكتبة التراث الإسلامي)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن شعيرة من خير، ويخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن برة من خير، ويخرج من النار من قال: لا إله إلا الله، وفي قلبه وزن ذرة من خير."(صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه: ۱/ ۱۱، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك، وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾.(المائدة:۱۱۸)=

www.besturdubooks.net

کہ ایمان زیادہ سے زیادہ قوی ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

کیا محض ایمان پر جنت کی بشارت ہے؟

سوال[۲۸]: آیت: ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصلحت كانت لهم﴾(۱) میں ایک عالم نے اکثر مفسرین کا یہ مذہب بتلایا ہے کہ محض ایمان دار بغیر اعمال صالحہ نماز، روزہ وغیرہ کے بھی اس بشارت کے مستحق ہیں، کیونکہ شی نہیں عطف کی جاتی ہے اپنے نفس پر، یہ کیونکر ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر کوئی شخص ایمان لاتے ہی مرجاوے اور اعمال صالحہ کی اس کو نوبت نہ آئی ہو تو وہ بھی قانون خداوندی میں مذہب حق کی بناء پر اس بشارت میں داخل ہے(۲) اور جس کو ایمان لانے کے بعد وقت ملا، لیکن اس نے اعمال صالحہ نہیں کیے، بلکہ معاصی میں مبتلا رہا، اس کے لئے قانوناً دخول اوّلی نہیں، البتہ سزا کے بعد مستحق جنت ہوگا(۳) ان عالم کے استدلال کا حاصل (یہ) ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ جدا جدا ہیں، لہذا دونوں کے مجموعہ پر

= "والله تعالى متفضل على عباده، عادل، قد يعطي من الثواب أضعاف ما يستوجبه العبد تفضلاً منه، وقد يعاقب على الذنب عدلاً منه، وقد يعفو فضلاً منه". (الفقه الأكبر، ص: ۹۳، ۹۴، قديمي)

(۱) (الكهف: ۱۰۷)

(۲) "عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء رضي الله عنه يقول: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجل مقنع بالحديد، فقال: يا رسول الله! أقاتل أو أسلم؟ قال: "أسلم ثم قاتل" فأسلم ثم قاتل فقتل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عمل قليلاً وأجر كثيراً". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب عمل صالح قبل القتال: ۱/۳۹۴، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه كان يقول: "أخبروني عن رجل دخل الجنة لم يصل صلاة"؟ ثم يقول: "هو عمرو بن ثابت". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال: ۶/۳۱، قديمي)

(۳) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة، لقوله تعالى: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ ونفس الإيمان عمل خير لا يمكن أن يرى جزاءه قبل دخول النار، ثم يدخل النار؛ لأنه باطل بالإجماع، فتعين الخروج من النار". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۷، قديمي) =

www.besturdubooks.net

بشارت ہوگی، نہ صرف ایمان پر تو پھر محض ایمان دار ہونے پر استحقاق بشارت کے لئے یہ دلیل پیش کرنا غلط ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمٰن، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

آخیر وقت کا اسلام

سوال[۲۹]: مسلمان کے علاوہ جتنے انسان ہیں، ان کے مرنے کے وقت فرشتے اس کے سامنے توحید وایمان کی باتیں سناتے ہیں، اگر وہ مان لے تو ایمان دار ہوکر مرتا ہے اور اگر نہیں مانتا ہے تو کافر، یہ بات حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

میں نے یہ بات حدیث کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، بلکہ اس کے خلاف دوسری چیز ثابت ہے، وہ یہ کہ مرتے وقت کا جب کہ برزخ کے احوال منکشف ہونے لگیں تو ایمان مقبول نہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳۰/۵/۸۷ھ۔

= "ولا نقول: إن المؤمن لا تضره الذنوب وإنه لا يدخل النار، ولا إنه يخلد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۶، ۷۷، قديمي)

"مع الاتفاق على أن مرتكب الكبيرة لا يخرج من الإيمان، بل هو في مشيئة الله، إن شاء عذبه، وإن شاء عفا عنه." (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۳۳، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿فلما رأو بأسنا قالوا: امنا بالله وحده، و كفرنا بما كنا به مشركين، فلم يك ينفعهم إيمانهم لما رأو بأسنا﴾. (غافر: ۸۴، ۸۵)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۶۱۲۵، ۲/۱۰۲، دار إحياء التراث العربي)

(تفسير ابن كثير، (سورة غافر، آية: ۸۴، ۸۵): ۴/۸۱، دار القلم)

و قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: "(فلم يك ينفعهم إيمانهم لما رأوا بأسنا)": أي عند =

www.besturdubooks.net

خاتمہ بالخیر

سوال[۳۰] : مرنے کے پہلے کسی نے گناہوں سے توبہ کرلی اور کلمہ پڑھ لیا، اس کے بعد سے کوئی گناہ کا کام نہیں ہوا، بعد اس کے مرگیا تو خاتمہ بالخیر ہوا یا نہیں؟ وہی کلمہ وغیرہ پڑھنا اخیر کا پڑھنا سمجھا جائے گا یا پھر کلمہ پڑھنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

یہ بھی انشاء اللہ خاتمہ بالخیر ہے، اگر اس کلمہ کے بعد کوئی بات کرلی ہو تو پھر کلمہ پڑھ لے۔ غرض دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخری بات کلمہ ہو تو بڑی فضیلت وسعادت کی چیز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= رؤیة عذابنا، لأن الحکمة الإلٰهیة قضت أن لایقبل مثل ذلک الإیمان". (روح المعاني، (غافر: ۸۴، ۸۵): ۹۲/۲۴، دار إحیا التراث العربي)

(و کذا في رد المحتار، باب المرتد، مطلب: أجمعوا علی کفر فرعون اهـ: ۲۳۱/۴، سعید)

(۱) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من کان آخر کلامه لا إله إلا الله دخل الجنة". رواه ابو داؤد". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند من حضره الموت: ۱۴۱/۱، قدیمی)

(وسنن أبي داؤد، کتاب الجنائز، باب في التلقین: ۸۸/۲، مکتبه إمدادیه ملتان)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

مسئلہ تقدیر

سوال[۲۱]: بعض لوگوں نے یوں سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تقدیریں مقرر کی ہے، اس کے مطابق (انسان) دنیا میں آنے کے بعد عمل کرے گا، یعنی چاہے نیک ہو یا بد، اسی کے حکم کے ماتحت ہوگا، کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن شریف میں فرمادیا کہ میرے حکم کے بغیر پتہ بھی ہل نہیں سکتا، لہٰذا انسان دنیا میں آنے کے بعد جو گناہ کر رہا ہے، اس کو آخرت میں کیوں سزا دے گا؟ کسی عالم کا دماغ کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو، وہ اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر سے کم، بیش نہیں کر سکتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کی اجازت نہیں (۱) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک دفعہ کسی گفتگو میں

---

(۱) " والقدر سرّ من أسرار الله تعالیٰ، لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، و لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۶، رشيديه)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من تكلم في شيء من القدر سئل عنه يوم القيامة، و من لم يتكلم لم يسأل عنه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ۱/۲۳، قديمي)

"و أصل القدر سرّ الله في خلقه لم يُطلع على ذلك ملك مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك، ذريعة الخذلان وسُلّم الحرمان، و درجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك، نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالیٰ طوى علم القدر عن أنا مه، و نها هم عن مرامه كما قال في كتابه: ﴿لا يُسئل عما يفعل و هم يُسئلون﴾. (الأنبياء: ۲۳) فمن سأل: لم فعل؟ فقد رد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالی كان من الكافرين ... و قال علي رضي الله تعالیٰ عنه: " القدر سر الله، فلا تكشفه". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۸۰، قديمي)

www.besturdubooks.net

مشغول تھے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا کہ: ''کیا گفتگو کر رہے تھے؟'' عرض کیا کہ تقدیر کے مسئلہ میں بات تھی، چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ: ''کیا اس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو یا میں اس کے لئے بھیجا گیا ہوں؟ ہلاک ہوگئے وہ لوگ، جنہوں نے اس میں گفتگو کی'' (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

تقدیر مبرم اور معلق

سوال [۳۲]: تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، قلم لکھ چکے، صحیفے سوکھ چکے، قلم اٹھ گیا، اب معترض اعتراض کرتا ہے کہ جب فیصلہ ہو چکا تو پھر بندہ پر سزا و جزا کیوں؟ مثلاً کسی نے خودکشی کی تو اس پر سزا کیوں؟ اور تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے، سزاء جزا کو بھی تقدیر ہی کا فیصلہ مان لیا جائے تو کیا اشکال ہے؟ تقدیر حقیقۃً ایک ہی قسم کی ہے جو کہ اٹل ہے، جس کو عربی میں مبرم کہتے ہیں۔ اور دوسری جو قسم بعض عبارات میں ملتی ہے، وہ بندوں کے اعتبار سے ہے، جس کو معلق کہتے ہیں، نہ کہ علم الٰہی کے اعتبار سے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و نحن نتنازع في القدر. فغضب حتى احمرّ وجهه، حتى كأنما فقيء في وجنتيه حب الرمان، فقال: "أبهذا أمرتم؟ أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر. عزمت عليكم. عزمت عليكم أن لا تنازعوا فيه". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمي)

(جامع الترمذي، أبواب القدر: ۲/۳۴، سعيد كراچى)

(۲) " إذ المعلق و المبرم كل منهما مثبت في اللوح غير قابل للمحو. نعم المعلق مبرم بالنسبة إلى علمه تعالىٰ. فتعبيره بالمحو إنما هو من الترديد الواقع في اللوح إلى تحقيق الأمر المبرم المبهم الذي معلوم=

www.besturdubooks.net

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب

سوال[۳۲]: تقدیر پر ایمان لانے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آیا یہ کہ جملہ امور پیدائش سے پہلے ہی لکھے جاچکے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے؟ اگر ایسا ہے تو مشکوۃ شریف کی حدیث ص:۹۵ کا کیا مطلب ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے، ایک ان میں سے مرجئہ ہے جو کہتا ہے کہ سب کچھ خدا کی تقدیر سے ہے اور بندہ مثل پتھر کے ہے، اور دوسرا قدریہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے''(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقدیر پر ایمان لانے کا مفہوم یہی ہے کہ خدائے پاک نے اس عالم کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی تجویز فرمادیا

= في أم الكتاب، أو محو أحد الشقين الذى ليس في علمه تعالى فتأمل ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

" وأن الذى سبق في علم الله لا يتغير و لا يتبدل، وأن الذى يجوز عليه التغيير والتبديل ما يبدو للناس من عمل العامل، ولا يبعد أن يتعلق ذلك بما في علم الحفظة والموكلين بالآدمي، فيقع فيه المحو والإثبات كالزيادة في العمر والنقص، و أما ما في علم الله، فلا محو فيه و لا إثبات، والعلم عند الله". (فتح البارى: كتاب القدر: ۱۱/۵۹۷، قديمى)

"و أنت تعلم أن المحو والإثبات إذا كانا بالنسبة إلى ما فى أيدى الملائكة و نحوه، فلا فرق بين السعادة والشقاوة والرزق والأجل و بين غيرها في أن كلاً يقبل المحو والإثبات، و إن كانا بالنسبة إلى ما في العلم، فلا فرق أيضاً بين تلك الأمور و بين غيرها في أن كلاً لا يقبل ذلك، لأنه العلم إنما تعلق بها على ما هى عليه في نفس الأمر، و إلا لكان جهلاً ، و ما فى نفس الأمر مما لا يتصور فيه التغير والتبدل".
(روح المعاني، الرعد: ۳۹ ۱۳/ ۲۴۵، دار الفكر)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"صنفان من أمتى ليس لهما في الإسلام نصيب: المرجئة والقدرية" رواه الترمذى، و قال: هذا حديث غريب حسن صحيح". (مشكوة المصابيح، باب الإيمان بالقدر : ۱/ ۲۲، قديمى كتب خانه)

(وجامع الترمذى، أبواب القدر، باب ما جاء في القدرية : ۲/ ۳۷، ايچ ايم سعيد)

www.besturdubooks.net

تھا کہ فلاں شخص فلاں کام کرے گا اور فلاں چیز اس طرح ہوگی (۱)، لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے انسان کو مکلف بنایا، اس کے لئے قانون نازل فرمایا، اگر انسان دیدہ ودانستہ اس قانون پر عمل نہ کرے اور تقدیر کا سہارا لے کر اپنے کو مجبور محض پتھر کی طرح تصور کرے، درآنحالیکہ دنیا کے کاموں میں رات دن جدوجہد کرتا ہے اور خدا کی دی ہوئی ساری قوتوں کو صرف کرتا ہے وہ تقدیر پر صابر رہ کر عملی جدوجہد سے کنارہ کشی کرتا ہے تو ایسا شخص یقیناً گمراہ ہے، سعی و عمل کا صریح حکم موجود ہے، پتھر کو سعی وعمل کا حکم نہیں دیا جاتا، نہ وہ پتھر کی طرح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "والمراد أن الله تعالىٰ علم مقادير الأشياء وأزمانها قبل إيجادها، ثم أوجد ما سبق في علمه أنه يوجد، فكل محدث صادر عن علمه و قدرته و إرادته، هذا هو المعلوم من الدين بالبراهين القطعية، وعليه كان السلف من الصحابة وخيار التابعين". (فتح الباري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۵۸، قديمي)

"واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه أن الله تبارك و تعالىٰ قدّر الأشياء في القدم، و علم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالىٰ و على صفات مخصوصة، فهي تقع على حسب ماقدّرها سبحانه و تعالىٰ". (شرح المسلم للنووي، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي)

(و كذا في شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

(۲) "وعلى العبد أن يؤمن بالقدر و ليس له أن يحتج به على الله، فالإيمان به هدى، والاحتجاج به على الله ضلال و غيّ". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، كتاب القدر: ۸/۱۴۳، مكتبة العبيكان رياض)

"وإذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً ولا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، دار النفائس، بيروت)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني: ص: ۸۲، قديمي)

قال رحمه الله: "فالعبد له كسب و كسبه مخلوق يخلقه الله حالة ما يكسب". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/ ۱۴۱، دار الكتب العلمية)

"و توسط أهل السنة فمنهم من قال: أصل الفعل خلقه الله و للعبد قدرة غير مؤثرة في المقدور، وأثبت بعضهم أن لها تأثيراً، لكنه يسمى كسباً". (فتح الباري، كتاب القدر: ۱۴/۵۹۹، دار الكتب العلمية)

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین ۱۹/۶/۹۲ھ۔

مشیت ایزدی تقدیر ہے

سوال[۳۴]: ﴿و ما تشاؤن إلا أن يشاء الله﴾ (۱) کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فمن شاء فليؤمن، و من شاء فليكفر، إنا أعتدنا للظالمين ناراً﴾ (۲) الآیۃ، پھر جزاء وسزا کیوں مرتب ہوتی ہے؟ جب کہ سب کچھ مشیت ایزدی ہی سے ہوتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مسئلہ تقدیر ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے (۳) بحث وتفتیش کی اجازت نہیں کہ دامن تر مکن

---

(۱) (الدهر: ۲۹)

(۲) (الكهف: ۲۹)

(۳) وفي حديث جبريل: "قال: فأخبرني عن الإيمان، قال: "أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر و تؤمن بالقدر خيره وشره". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱ قديمي) (والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي كتب خانه)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يؤمن عبد حتى يؤمن بأربع: يشهد ان لا إله إلا الله، وأني رسول الله بعثني بالحق، و يؤمن بالموت، والبعث بعد الموت، و يؤمن بالقدر". رواه الترمذي وابن ماجه". (مشكوة المصابيح كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۲، قديمي) (وسنن الترمذي، أبواب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره: ۲/۳۶، سعيد)

"قال الشيخ رحمه الله تعالىٰ: الإيمان بالقدر فرض لازم، و هوأن يعتقد أن الله تعالى خالق أعمال العباد، خيرها و شرها، كتبها عليهم في اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، قال الله سبحانه و تعالى: ﴿ والله خلقكم و ما تعملون﴾ و قال الله عزوجل: ﴿قل الله خالق كل شيء﴾ و قال عزوجل: ﴿إنا كل شيء خلقناه بقدر﴾. (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۱۴۰، ۱۴۱، دارالكتب العلمية)

"أن يؤمن بالقدر، يعني بأن جميع ما يجرى في العالم بقضاء الله و قدره". (تحفة الأحوذي، كتاب القدر، باب ما جاء أن الإيمان بالقدر خيره و شره: ۶/۳۵۷، دا رإحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

ھشیار باش (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا تقدیر پر ایمان لانے سے جبر لازم نہیں آتا؟

سوال[۳۵]:"لا یرد القضاء إلا الدعاء" (۲) اس حدیث شریف کا مطلب وتشریح تفصیل سے بیان فرمائیں، احقر اپنے ناقص خیال میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز رد نہیں کرسکتی تو کیا تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے اس کے خلاف ہوسکتا ہے، ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میری تقدیر میں اگر یوں لکھا ہوا ہو کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں گا تو میں قتل پر مجبور ہوں، کیونکہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہوا ہے تو اس صورت میں میں گناہ گار کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اہل تحقیق کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قضاء بدلتی نہیں، اگر بدلتی تو دعاء سے بدل جاتی، یعنی قضاء

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمر وجهه، حتى كأنما فقيء في وجنتيه حَبّ الرمان، فقال :" أبهذا أمرتم أم بهذا أرسلت إليكم ؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم الا تتنازعوا فيه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۲۲/۱ ،قديمي)

قال الله تعالىٰ:﴿و إذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا، فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره﴾. (الانعام : ۶۸)

"والقدر سرّ من أسرار الله لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً، لا يجوز الخوض فيه، والبحث عنه بطريق العقل". (شرح السنة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱۴۱/۱، دار الكتب العلمية)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات: ۱۹۴/۱، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب القدر، باب ما جاء لا يرد القدر إلا الدعاء : ۳۵/۲، سعيد)

www.besturdubooks.net

کی پختگی کو بتاتا ہے، نیز دعاء کی اہمیت کو ذہن نشین کراتا ہے، شروح حدیث اور مشکوۃ کی شرح مرقات وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :" (لا یرد القضاء إلا الدعاء) القضاء : هو الأمر المقدر، و تأويل الحديث أنه أراد بالقضاء ما يخافه العبد من نزول المكروه به و يتوقاه، فإذا وفق للدعاء دفعه الله عنه، فتسميته قضاءً مجاز على حسب ما يعتقده المتوقى عنه، يوضحه قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الرقي: "هو من قدر الله"، و قد أمر بالتداوي والدعاء مع أن المقدور كائن لخفائه على الناس و جوداً و عدماً .... وقيل : معناه أنه إذا بر لا يضيع عمره فكأنه زاد، وقيل : قدر أعمال البر سبباً لطول العمر، كما قدر الدعاء سبباً لرد البلاء، فالدعاء للوالدين و بقية الأرحام يزيد في العمر، إما بمعنى أنه يبارك له في عمره فييسّر له في الزمن القليل من الأعمال الصالحة ما لا يتيسر لغيره من العمل الكثير، فالزيادة مجازية، لأنه يستحيل في الآجال الزيادة الحقيقية". (مرقاة المفاتيح كتاب الدعوات: ۱۴/۵، رشيديه)

"فيقال : الدعاء المأمور به لايجب كوناً، بل إذا أمر الله العباد بالدعاء، فمنهم من يطيعه فيستجاب له دعاؤه و ينال طلبته، و يدل ذلك على أن المعلوم المقدور هو الدعاء والإجابة، و منهم من يعصيه فلايدعو فلا يحصل ما علق بالدعاء، فيدل ذلك على أنه ليس في المعلوم المقدور الدعاء ولا الإجابة، فالدعاء الكائن هو الذى تقدم العلم بأنه كائن، والدعاء الذى لا يكون هو الذى تقدم العلم بأنه لا يكون". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، كتاب القدر: ۱۱۹/۸، مكتبة العُبيكان رياض)

قال الله تعالىٰ: ﴿يمحو الله ما يشآء و يثبت و عنده أم الكتاب﴾ يعني مما كان في اللوح، فما كان مكتوباً قابلاً للمحو يسمى بالقضاء المعلق، يمحوه الله تعالىٰ بإيجاد ما علق محوه به، سواء كان ذلك التعليق مكتوباً في اللوح أو مضمراً في علم الله تعالىٰ، و ما ليس قابلاً للمحو يسمى بالقضاء المبرم، و ذلك القضاء لايرد". (التفسير المظهرى : ۲۴۵/۵، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"فالجواب أن الجميع مفروغ منه لكن الدعاء بالنجاة من عذاب النار، و من عذاب القبر، و نحوهما عبادة، و قد أمر الشرع بالعبادات، فقيل: أفلا نتكل على كتابنا و ما سبق لنا من القدر؟ فقال: "اعملوا فكل ميسر لما خلق له". وأما الدعاء بطول الأجل فليس عبادة و كما لا يحسن ترك الصلاة والصوم و الذكر اتكالاً على القدر، فكذا الدعاء بالنجاة من النار و نحوه". (شرح مسلم للنووي، كتاب القدر، باب بيان أن الآجال والأرزاق وغيرها لا تزيد و لا تنقص عما سبق به القدر : ۳۳۸/۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، مگر کسی کو نہیں معلوم کہ کیا لکھا ہوا ہے، اس لئے خواہش طبعی کے موافق گناہوں پر قصداً اقدام کرنا اور یہ کہنا کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اس لئے میں ضرور کروں گا اور میں مجبور ہوں، یہ طریقہ غلط، ناجائز اور گمراہی ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا مسلک نہیں، بلکہ جبریہ کا مذہب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

تقدیر کے مسئلہ پر اشکال

سوال [۳۱]: قابل غور بات یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو پروردگار نے روز اول میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا، چاہے کچھ بھی ہو تو پھر انسان کی اس میں کیا خطا ہے کہ کسی آدمی کی زندگی عبادت میں گزری، آخری وقت خاتمہ خراب ہوا تو اس کے لئے دوزخ اتنی زندگی بھر کی عبادت غارت ہوگئی، زندگی میں کبھی نہ کبھی رمضان کا مہینہ ضرور آیا ہوگا اور اس میں چوبیس گھنٹہ میں کوئی نہ کوئی دعاء ضرور بندے کی قبول ہوتی ہے، کبھی کبھی وقتاً فوقتاً علماء نے دعاء ضرور مانگی تو پھر اللہ نے کیوں پورا نہیں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ بندہ کے دشمن ہیں، ایک زندگی بھر کی فاسق وفاجر عورت ایک کتے کے پانی پلا دینے سے جنت میں گئی، زندگی بھر کی کسی خطاء سے سزا کی مستحق نہیں ہوئی، ایک صاحب نے بتایا کہ انسان کو صرف ارادہ کرنے کا گناہ ملے گا، عمل کا گناہ نہیں، اس کا عذاب ہوگا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ارادہ بھی خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہے، غلط ارادہ نہ کریں اور نہ روکیں تو پھر

---

(۱) "و إذا عرفت ذلک فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۴۲، قديمي)

"و للعباد أفعال اختيارية يثابون بها إن كانت طاعةً و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أنه لا فعل للعبد أصلاً". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۲، قديمي)

"فالعباد مساقون إلى أن يفعلوا ما يصدر عنهم باختيارهم لا بالإكراه والجبر ليسوا مجبورين في اختيارهم الأزلي". (روح المعاني، [البقرة: ۷]، ۱/۱۳۳، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

عذاب کا مستحق نہ رکھیں۔

عقائد اسلام قاسمی میں پڑھا ہے، انسان نہ محدود ہے نہ بالکل آزاد ہے، کہ چاہے جو کرے تو میں کہتا ہوں کہ محدود نہیں رکھا تو جہاں غلط ارادہ کرے، وہ محدود کردے، جب اچھا ارادہ کرے تو چھوڑ دے، عذاب کا مستحق نہ رکھے تو شاید آپ کہیں کہ دوزخ بنانے کی ضرورت ہی نہیں تو میں کہوں گا بالکل ضرورت نہیں۔

الجواب حامداً مصلیاً :

یہ مسئلہ آپ کی سمجھ سے اونچا ہے، جیسے کوئی میزان پڑھنے والا کہے کہ مجھے مسئلہ اکتحل کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

سوال [۳۷] : تقدیر کسے کہتے ہیں؟ کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟

الف...... اثبات کی شکل میں ان احادیث وآیات سے تعارض ہوتا ہے، جن میں تقدیر کا نہ بدلنا وارد ہے جیسے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کچھ صحابہ نے اپنی جنسی چیزوں کو ختم کرانے کے ارادے کئے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو چیز مقدر ہو چکی ہے، وہ ہر حالت میں ملے گی'' (۱) اسی طرح قرآن کا اعلان ﴿ ما یُبدّل القول لدیّ ﴾ (۲)۔

ب:...... نفی کی شکل میں ان احادیث سے تعارض ہوتا ہے، جن میں وارد ہے کہ تقدیر بدل سکتی ہے،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله! إني رجل شاب و أنا أخاف على نفسي العنت، و لا أجد ما أتزوج به النسآء، فسكت عني، ثم قلت: مثل ذلك فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم :"يا أبا هريرة! جف القلم بما أنت لاق ، فاختصر على ذلك أو ذر". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، ۷۶۰، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/۲۰، قديمي)

(۲) (سورة ق : ۲۹)

www.besturdubooks.net

جیسے: "لا یرد القضاء إلا بالدعا "(۱) وغیرہ۔

ج:.....کیا اولیاء اللہ اس کے مجاز ہیں کہ تقدیر میں کسی قسم کی تبدیلی کریں، مثلاً موت کے وقت کو بدل دیں یا تقدیم وتاخیر کردیں یا مرنے کے بعد زندہ کردیں حالانکہ قرآن اعلان کرتا ہے: ﴿لا یستأخرون ساعة و لا یستقدمون﴾(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

علم الٰہی میں ہر شیء کے لئے ایک نقشہ ہے کہ اس کا اس طرح ظہور ہوگا، اس کو تقدیر کہتے ہیں، اس نقشہ میں تبدیلی نہیں ہوتی، مگر کوئی چیز معلق ہوتی ہے، جس کا اظہار پہلے سے کارکنانِ قضاء وقدر پر بھی بسا اوقات نہیں ہوتا اور قلوبِ قدسیہ پر بھی انکشاف نہیں ہوتا اور وہ عدم ظہور تعلیق کی وجہ سے اس کو مبدل سمجھ جاتے ہیں (۳)۔

تعلیق کبھی دعا کی ہوتی ہے کبھی کسی اور چیز کی، امید ہے اس گذارش سے (الف، ب، ج) کا جواب

(۱) (جامع الترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء لا یرد القدر إلا الدعاء : ۳۵/۲، سعید)

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات : ۱۹۴/۱، قدیمی)

(۲) (الأعراف : ۳۴)

(۳) "واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه: أن الله تبارک و تعالیٰ قدر الأشياء في القدم وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه و تعالیٰ وعلی صفات مخصوصة، فهي تقع علی حسب ما قدرها سبحانه و تعالیٰ". (شرح مسلم للنووي، کتاب الإيمان : ۲۷/۱، قديمي)

"قال في شرح السنة : الإيمان بالقدر فرض لازم، و هو أن يعتقد أن الله تعالیٰ خالق أعمال العباد خيرها و شرها، و كتبها في اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم، و الكل بقضائه و قدره و إرادته ومشيئته غير أنه يرضى الإيمان والطاعة، و وعد عليهما الثواب، و لا يرضى الكفر والمعصية و أوعد عليهما العقاب، والقدر سر من أسرار الله تعالیٰ لم يطلع عليه ملكاً مقرباً و لا نبياً مرسلاً". (مرقاة المفاتيح، کتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۲۵۶/۱، رشيديه)

"و قال أبو المظفر بن السمعاني : سبيل معرفة هذا الباب التوقيف من الكتاب والسنة دون محض القياس والعقل، فمن عدل عن التوقيف فيه ضلّ و تاه في بحار الحيرة، و لم يبلغ شفاء العين، و لا ما يطمئن به القلب؛ لأن القدر سر من أسرار الله تعالیٰ اختص العليم الخبير به، و ضرب دونه الأستار، و حجبه عن عقول الخلق و معارفهم لما علمه من الحكمة، فلم يعلمه نبي مرسل و لا ملک مقرب". (فتح الباری، کتاب القدر : ۵۸۳/۱۱، دار الکتب العلمية)

www.besturdubooks.net

واضح ہو جائے گا۔

مسئلہ تقدیر کی دلیل شروح حدیث: فتح الباری (۱) عمدۃ القاری (۲) مرقاۃ (۳) وغیرہ میں مذکور ہیں، زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو مفاتح الغیب (۴) اور روح المعانی (۵) میں دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "قوله: (باب: ﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ قضى) فسر "كتب" بقضى و هو أحد معانيها، و به جزم الطبري في تفسيرها، و قال الراغب : و يعبر بالكتابة عن القضاء الممضى كقوله : (لولا كتاب من الله سبق): أي فيما قدره، ومنه (كتب ربكم على نفسه الرحمة) و قوله :﴿قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا﴾ يعني ما قدره وقضاه .... قال ابن بطال : و قد قيل: إن هذه الآية و ردت فيماأصاب العباد من أفعال الله التي اختص بها دون خلقه، و لم يقدرهم على كسبها دون ما أصابوه مكتسبين له مختارين، قلت: والصواب: التعميم وأن ما يصيبهم باكتسابهم واختيارهم، هو مقدور لله تعالىٰ و عن إرادته وقع، والله اعلم". (فتح الباري، كتاب القدر، باب: (قل لن يصيبنا إلا ما كتب الله لنا) : ۱۱/ ۲۲۹، دار الكتب العلمية)

(۲) ﴿وكان أمر الله قدرا مقدوراً﴾ : أي حكماً مقطوعاً بوقوعه، وقال المهلب : غرضه في الباب أن يبين أن جميع مخلوقات الله عزوجل بأمره بكلمة : "كن" من حيوان أو غيره و حركات العباد و اختلاف إرادتهم وأعمالهم من المعاصي أو الطاعات، كل مقدر بالأزمان والأوقات، لازيادة في شيء منها، و لا نقصان عنها و لا تأخير لشيء منها عن وقته و لا يقدم قبل وقته". (عمدة القاري : كتاب القدر، باب (وكان أمر الله قدرا مقدورا): ۲۳/ ۲۳۱، دار الكتب العلمية)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض"، معنى "كتب الله" أجرى الله القلم على اللوح المحفوظ بإيجاد ما بينهما من التعلق، و أثبت فيه مقادير الخلق ماكان و ما هو كائن إلى الأبد على وفق ما تعلقت به إرادته أزلاً كإثبات الكاتب ما في ذهنه بقلمه على لوحه، و قيل : أمر الله القلم أن يثبت في اللوح ما سيوجد من الخلائق ذاتاً و صفةً و فعلاً وخيراً و شراً على ماتعلقت به إرادته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ۱/ ۲۵۷، رشيديه)

(۴) ﴿وكان أمر الله مفعولا﴾: أي مقضياً ما قضاء كائن .... ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾: أي كل شيء بقضاء و قدر........... فإن الخير كله بقضاء و ما في العالم من الضرر بقدر، فالله تعالىٰ خلق المكلف بحيث يشتهي و يغضب، ليكون اجتهاده في تغليب العقل والدين عليهما مثاباً عليه بأبلغ وجه فاقضى =

www.besturdubooks.net

انسان سے برے کام کیا اللہ تعالیٰ کراتا ہے؟

سوال [۳۸]: انسان جو اچھے برے کام انجام دیتا ہے، کیا وہ خود کرتا ہے یا اللہ کراتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ برے کام کرنے کے لئے کسی کو حکم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو برے کام سے منع کرتا ہے(۱) انسان نفس وشیطان کے بہکانے سے خود برے کام کرتا ہے اور سزا کا مستحق ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہر ایک کا ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہے

سوال [۳۹]: بموجب آیت کریمہ: ﴿و ما تشاؤن إلا أن يشاء الله﴾(۳) ہر کام کے لئے پہلے مشیت الٰہی ہوتی ہے، اس کے بعد بندہ کا ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کی عملی صورت کا نام اہتمام ہے، چنانچہ اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے یعنی اہتمام کو ضلالت بتانا، یہ اہتمام کی اصل مشیت الٰہی کو ضلالت بتانا ہے جو اصولاً غلط ہے، لہذا اہتمام کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمائیے، ورنہ یہ تحریر فرمائیے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

= ذلك في البعض إلى أن زنى و قتل فالله لم يخلقهما فيه مقصوداً منه القتل و الزنا و إن كان ذلك بقدر الله الخ". (التفسير الكبير الموسوم بمفاتيح الغيب: ۲۵/۲۱۲، ۲۱۳، سورة الأحزاب، رقم الآية: ۳۷، ۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) ﴿وكان أمر الله قدراً مقدوراً﴾ .... وهو الإرادة الأزلية المتعلقة بالأشيا على ماهي عليه، وجوّز كونه بالمعنى المشهور له، و هو إيجاد الأشياء على قدر مخصوص و كمية معينه من وجوه المصلحة وغيرها". (روح المعاني، سورة الأحزاب: ۲۱/۴۰، دار الفكر)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾. (النحل: ۹۰)

(۲) قال تعالى: ﴿إن النفس لأمارة بالسوء﴾ (يوسف: ۵۳)

و قال تعالى: ﴿الشيطان يعدكم الفقر و يأمركم بالفحشآء﴾. (البقرة: ۲۶۸)

(۳) (الدهر: ۲۹)

www.besturdubooks.net

نوٹ: جواب بقدر سوال لکھا جاوے، زائد باتیں نہ لکھی جاویں کہ پھر سوال کرنا پڑے، چار حدیثوں کے لئے جگہ چھوڑی جاتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ اشکال بعینہ اسی تقریر کے ساتھ معاصی میں بھی جاری ہے تو جس طرح طاعات و قربات مستحبہ غیر واجبہ کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے، اسی طرح معاصی کے اہتمام کا انکار ارادہ کا انکار ہے اور ارادہ کا انکار مشیت الٰہی کا انکار ہے(۱)۔ فما قولکم رحمکم اللہ ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/شعبان ۶۶ھ۔

تنبیہ : طرز سوال مناظرانہ ہے مستفتیانہ نہیں، اس کے متعلق پہلے بھی عرض کیا تھا۔ فی الجواب کفایة لمن أراد الهداية وأما المجادل فلا يقنع إلا بالمجادلة۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵ شعبان ۶۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله﴾ (الدهر : ۲۹)

قال الله تعالىٰ: ﴿و ما تشاؤ ن إلا أن يشاء الله رب العالمين﴾ (التكوير : ۲۹)

"و عن بعض بنات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يعلّمها فيقول: "قولي حين تصبحين سبحان الله و بحمده و لا قوة إلا بالله، ما شآء الله كان، و ما لم يشأ لم يكن، أعلَمُ أن الله على كل شيء قدير وأن الله قد أحاط بكل شيء علماً"........... الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الصباح و المساء و المنام: ۱/ ۲۱۱، قديمي)

"و من قال : إنه يكون في الوجود شيء بدون مشيئة الله فقد أخطأ، و من قال : ما شاء الله كان و مالم يشأ لم يكن، فقد اصاب، و كل ما تقدم فقد كان بمشيئة الله قطعاً، فالله خلق السموات بمشيئته قطعاً، و أرسل محمداً بمشيئته قطعاً، والإنسان الموجود خلقه بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغير المخلوق من حال إلى حال، فهو قادر على ذلك، فما خلقه فقد كان بمشيئته قطعاً، وإن شاء الله أن يغيّره غيّره بمشيئته قطعاً، والله اعلم". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيميه، كتاب القدر: ۳۹/۸، مكتبه العبيكان، الرياض)

www.besturdubooks.net

انسان مختار ہے یا مجبور؟

سوال[۴۰]: زید معتقد ہے کہ دنیا میں جب میری پیدائش نہیں تھی، قبل پیدائش نہ میں فرشتہ تھا، نہ جنات، نہ کوئی جانور، نہ پتھر، غرض یہ کہ کچھ بھی نہیں تھا گویا میرا وجود ہی نہیں تھا، جبکہ لاشی محض ہو تو نہ مسلمان ہونے سے مطلب، نہ کافر ہونے سے مطلب، نہ دوزخ سے کوئی غرض، نہ جنت سے۔ اب جبکہ اللہ عزوجل نے دنیا میں میرا وجود بخشا اور میں آدمی بن گیا تو مجھ کو مسلمان رہنا فرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع، قرآن وحدیث کو ماننا، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا وغیرہ سب ضروری ہوگا۔

زید کا دل تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، پھر جبکہ جنت کی باتیں اور دوزخ کی ہزار ہا دردناک سزائیں زید کے کانوں میں پڑتی ہیں تو زید کو بیماری پیدا ہو جاتی ہے، کہ میں دنیا میں نہیں آتا، وہیں ٹھیک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کر کے یہ سب ظلم کیا، (نعوذ باللہ) کہ مجھ کو دنیا میں پیدا کیا، ورنہ مجھ کو دوزخ جنت سے کیا مطلب تھا، زید کو بہت سمجھایا جاتا ہے، اب یہ بھی کہنا شروع کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھتا ہے کہ فلاں دوزخی اور فلاں جنتی، اللہ کو سب علم پہلے سے ہے کہ فلاں آگے چل کر گمراہ ہوگا، فلاں مسلمان ہو جائے گا۔ تو اب انسان کو کوئی اختیار اور کسب ہی نہیں، مجبور محض ہوا، سب کچھ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی لکھ دیتا ہے۔ اب دنیا میں انسان وہی کر رہا ہے، جو لکھا ہوا ہے تو کسی کو اللہ تعالیٰ جنت دے اور کسی کو دوزخ دے، یہ ظلم نہیں تو کیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کسی شئی کا محتاج نہیں ہے اور اس کی عبادت کے لئے فرشتے ہی کافی ہیں، اب انسان کو پیدا کیا، بناء بریں جب اللہ تعالیٰ دوزخی کو جنت میں داخل کرے گا تو گناہ معاف فرمادے تو احسان کیسا، بلکہ ظلم سے باز آنا ہے (نعوذ باللہ) مذکورہ بالا تحریر کا کیا جواب ہوگا؟ جبکہ زید کو دنیا میں آنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، یہ تو اللہ تعالیٰ کی خلقت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید از خود بے علم ہے، اس کو خبر نہیں کہ دنیا میں آنے سے کیا فائدہ، اس کا مقصد حیات تو وہ جانتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اس نے اس مقصد کو بتا بھی دیا ہے(۱) اگر زید اپنے اختیار سے پیدا ہوتا تو وہ خود مقصد تجویز کرتا، جب ایسا نہیں ہے تو اس کو خود تجویز کرنے کا حق ہی نہیں ہے، جو حکم زید کو دیا گیا ہے، اس پر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون﴾ (الذاریات: ۵۶)

www.besturdubooks.net

پابندی سے عمل کرتا رہے، اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہے، نہ اس کو بتلایا گیا ہے کہ تقدیر میں یہی ہے، اس سے زائد اس مسئلہ میں بحث نہ کرے، ورنہ زائد فتنہ میں مبتلا ہو کر ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۴۱] : آدمی مجبور محض ہے یا کہ نہیں؟ واضح دلیل پیش کریں زید کی بیماری کا علاج ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً :

انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے (۲) چنانچہ اپنے اختیار وارادے سے کھاتا ہے، پیتا ہے، سنتا ہے، چلتا

= و قال الله تعالى: ﴿و ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ : أي إنما خلقتهم لآمرهم بعبادتي لا لاحتياجي إليهم". (تفسير ابن كثير، (الذاريات: ٥٦)، ۴/۴۰۴، مكتبه دار الفيحاء)

قال الله تعالى: ﴿و مآ أمروا إلا ليعبد الله مخلصين له الدين﴾ (البينة : ٥)

قال الله تعالى: ﴿قل إني أمرت أن أعبد الله مخلصاً له الدين﴾ (الزمر: ١١)

(١) "(و من لم يتكلم فيه لم يسأل عنه)؛ لأن الخلق مكلفون بالإيمان بالقدر بمقتضى الأدلة النقلية، غير مأمورين بتحقيقه بموجب الأدلة العقلية، فالشخص إذا آمن بالقدر و لم يبحث عنه، لا يرد عليه سؤال الاعتراض بعدم التفحص فإنه غير مأمور به". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر : ١/٢١٦، ٢١٧، رشيديه)

"و أصل القدر سرّ الله في خلقه، لم يطلع على ذلك ملك مقرب و لا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك ذريعة الخذلان، و سلّم الحرمان، و درجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك نظراً و فكراً و وسوسةً، فإن الله تعالى طوى علم القدر عن أنامه، و نهاهم عن مرامه، كما قال في كتابه : (لايسئل عما يفعل و هم يسئلون) فمن سأل: لم فعل ؟ فقد رد حكم كتاب الله، و من رد حكم كتاب الله تعالىٰ كان من الكافرين ". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ١٨٠، قديمى)

(٢) "و إذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ٣٢، قديمى) =

www.besturdubooks.net

پھرتا ہے، یہ سب ظاہر ہے اور ہر ایک کا مشاہدہ ہے، کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ زید کو ضرورت ہے کہ کسی بزرگ صاحب نسبت کی خدمت میں جا کر رہے اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کر کے ان کی ہدایات پر عمل کرے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

خودکشی کرنے والے کی موت خود اس کے قبضہ میں نہیں

سوال [۴۲]: موت کے متعلق ایک شخص کا قول ہے کہ میرے بس میں ہے کہ اگر میں ابھی خودکشی کرلوں تو مجھے کون روک سکتا ہے، اس کے خیالات کو کس طرح باطل کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر ایک کی موت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہے اور اس کا سبب بھی مقرر ہے، بعض دفعہ آدمی ڈوبتا ہے، زہر کھالیتا ہے، مختلف اسباب کو اختیار کرتا ہے، مگر وقت نہیں آتا تو نہیں مرتا، جب وقت آجاتا ہے تب مرجاتا ہے، کوئی پہرہ، کوئی حفاظت موت سے روکنے کے لئے کارگر نہیں ﴿فإذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾(۱) ۔وقال الله تعالى ﴿ أينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم في

= "والحاصل أن العبد ليس خالقاً لأفعاله، وإنما هو كاسب لها باختياره" (تكملة فتح الملهم، كتاب القدر، ۴٦٨/٥، مكتبه دار العلوم كراتشي)

"ان أفعال العباد الاختيارية واقعة بقدرة الله سبحانه و تعالىٰ و حدها، ليس لقدرتهم تأثير فيها، بل الله سبحانه أجرى عادته بأن يوجد في العبد قدرةً و اختياراً، فإذا لم يكن هناك مانع أوجد فيه فعله المقدور مقارناً لهما، فيكون فعل العبد مخلوقاً لله إبداعاً و إحداثاً و مكسوباً للعبد، والمراد بكسبه إياه مقارنته لقدرته و إرادته من غير أن يكون هناك منه تأثير أو مدخل في وجوده سوى كونه محلاً له، و هذا مذهب الشيخ أبي الحسن الأشعري". (شرح المواقف، المرصد السادس في أفعاله تعالىٰ و فيه مقاصد: ١٦٣/٨، دار الكتب العلمية)

"فالعباد منساقون إلى أن يفعلوا مايصدر عنهم باختيارهم، لا بالإكراه والجبر، وليسوا مجبورين في اختيارهم الأزلي". (روح المعاني، [البقرة :۷]: ۱۳۳/۱، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (الأعراف : ۳۴) (النحل : ٦١) ("يونس: ۴۹")

www.besturdubooks.net

بروج مشیدة﴾ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۹۲ھ۔

وقت سے پہلے موت نہیں آتی

سوال [۴۳]: وقت سے پہلے موت آتی ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدائے پاک نے جس کے لئے موت کا جو وقت مقرر فرمادیا ہے، اس سے پہلے موت نہیں آتی، ہر ایک اپنے وقت پر ہی مرتا ہے "لکل عنده أجل مسمّى" الحديث (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) (النساء: ۷۸)

﴿اينما تكونوا يدرككم الموت و لو كنتم في بروج مشيدة﴾: أى أنتم صائرون إلى الموت لا محالة ولاينجو منه أحد منكم، كما قال تعالىٰ: ﴿كل من عليها فان﴾ الاية، وقال تعالىٰ: ﴿كل نفس ذائقة الموت﴾ و قال تعالىٰ: ﴿و ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد﴾ والمقصود أن كل أحد صائر إلى الموت لا محالة، و لا ينجيه من ذلك شيء، سواء جاهد أو لم يجاهد، فإن له أجلاً محتُوماً، و مقاماً مقسُوماً". (تفسير ابن كثير، النساء: ۷۸ : ۱/۶۹۹، مكتبه دار الفيحاء و مكتبه دار السلام)

(۲) "حدثني أسامة بن زيد .... فأرسل يقرىء السلام و يقول: "إن لله ما أخذ، و له ما أعطى، و كل عنده بأجل مسمّى". الحديث (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه: ۱/۱۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۰۱، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لن يؤخر الله نفساً إذا جآء أجلها﴾ (المنافق: ۱۱)

قال الله تعالىٰ: ﴿و لكل أمة أجل فإذا جآء أجلهم لا يستأخرون ساعة و لا يستقدمون﴾ (الأعراف: ۳۴)

www.besturdubooks.net

خلقتِ انسانی کی غایت

سوال[۴۴]: انسان کو اللہ تعالیٰ نے کس واسطے پیدا کیا ہے؟ پیدا کرنے میں جو غرض رکھی ہے کیا اس غرض کا محتاج تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا کہ وہ یہاں آکر محنت کرے اور آخرت کی زندگی کو سدھارے، آخرت کی زندگی یہاں کی زندگی سے سدھر جاتی ہے(۱) اس طرح کہ اللہ پاک نے جن چیزوں کا حکم دیا، ان پر عمل کرے اور جن چیزوں سے منع کیا ان سے باز رہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

غریب کی غریب سے شادی تقدیری ہے یا کوشش سے؟

سوال[۴۵]: ۱......انسان کا جو عقد ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے یا انسان کی تجویز سے؟ یہاں اختلاف ہو گیا ہے۔

۲......مالدار کی قسمت میں مالدار ہی بنتا ہے اور غریب کی قسمت میں غریب ہی بنتا ہے، مالدار اپنی بیٹی غریب کو نہیں دیتا ہے یہ سب منجانب اللہ ہے، یا انسان کی سعی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ہر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے اللہ پاک کی طرف سے اس کی ہر چیز مقرر ہو چکی ہے، انسان اس کے خلاف ہزار کوشش کرے، یا چاہے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا، یہ ایمان ہے، یہی ہر مسلم کا عقیدہ

---

(۱) "الدنیا مزرعة الآخرة". (کشف الخفاء و مزیل الألباس، رقم الحدیث: ۱۳۲۰، ۱/۴۱۲، دار إحیاء التراث العربی)

(واتحاف السادة المتقین للزبیدی، ۸/۵۳۹، بیروت)

"و تمام ذلک أن الدنیا مزرعة الآخرة، وفیها التجارة التی یظهر ربحها فی الآخرة، فمن استعمل فراغه وصحته فی طاعة الله فهو المغبوط، و من استعملها فی معصیة الله فهو المغبون". (فتح الباری، کتاب الرقاق: ۱۱/۲۳۰، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

ہونا چاہئے، قرآن پاک اور حدیث شریف کی تعلیم بھی یہی ہے(۱)۔

۲.....جس کی جیسی قسمت تجویز کردی گئی ہے، وہی چیز سامنے آتی ہے(۲) یہ ضروری نہیں کہ ہر مالدار کو رشتہ دار مالدار ہی ملے، نہ یہ ضروری ہے کہ ہر غریب کو رشتہ دار غریب ہی ملے، بسا اوقات اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے۔ مالدار کی مالداری بھی اکثر ختم ہوکر غربت آجاتی ہے اور غریب کی غربت ختم ہوکر بھی اکثر مالداری آجاتی ہے، نہ مالداری کو دوام ہے، نہ غربت کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

معصوم بچے کس قصور کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں؟

سوال[۴۲]: دنیا میں بچے بیمار ہوتے ہیں اور تکلیف میں رہتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہیں، انہوں نے کیا قصور کیا؟

(۱، ۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا﴾.(التوبۃ : ۵۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إنا کل شیء خلقناہ بقدر﴾. (القمر : ۴۹)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما تشآء ون إلا أن یشآء اللہ﴾ .(الدھر : ۲۹)

"عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السموات والأرض بخمسین ألف سنۃ". رواہ مسلم". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر : ۱/۱۹، قدیمی)

"و عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : حدثنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ھو الصادق المصدوق:"إن خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوماً نطفۃ، ثم یکون علقۃ مثل ذلک، ثم یکون مضغۃ مثل ذلک، ثم یبعث اللہ إلیہ ملکاً بأربع کلمات: فیکتب عملہ و أجلہ و رزقہ و شقی اوسعید". الحدیث (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر: ۱/۲۰، قدیمی)

"عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "إن أول ما خلق اللہ القلم، فقال لہ :" اکتب"،قال: ما أکتب ؟ قال: "اکتب القدر". فکتب ما کان و ما ھو کائن إلی الأبد". (رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث غریب اسناداً). (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر : ۱/۲۱، قدیمی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کسی قصور کی سزا ہے، درحقیقت یہ بنیاد ہی غلط ہے کہ یہاں جس کو بھی بیماری یا کوئی تکلیف پہونچتی ہے وہ کسی قصور کی سزا ہوتی ہے بلکہ اس میں دوسری مصالح بھی ہوتی ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

معصوم بچوں کے بیمار ہونے کا سبب

سوال[۴۷]: نابالغ بچے اور شیر خوار بچے معصوم یعنی بے گناہ ہوتے ہیں، ان سے قبر میں سوال نہیں ہوتا تو ان کی زندگی میں انہیں ایسی ایسی تکلیفوں میں کیوں مبتلا کیا جاتا ہے جو ہم سے دیکھی نہیں جاتی؟ زیادہ تر چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے درجات کو بلند کرنا نیز ان کے والدین اور عزیزوں کو جو کچھ پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے اس سے ان کے گناہوں کو دور کرنا اور خدائے پاک کی طرف توجہ دلانا، یہ دو فائدے تو بالکل صاف نظر آتے ہیں اور بھی فائدے ہوں گے جو اللہ کے علم میں ہوں گے، اگر چیچک میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں تو اس میں والدین وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بیماری زیادہ گھناؤنی ہے(۲)۔

---

(۱) اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیمار ہوئے ہیں حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جسے چاہیں بیمار کریں اور جسے چاہیں صحت دیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من يرد الله به خيراً يصيب منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۴، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض، سعيد)

(۲) چونکہ بچوں کے بیمار ہونے سے والدین کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں:

"عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يصيب عبداً =

www.besturdubooks.net

اصل میں یہ خیال ہی غلط ہے کہ یہاں جو بیماری ہوتی ہے وہ بیمار کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی بیماریاں پیش آئی ہیں، حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

اولاد الزنا کا کیا قصور ہے؟

سوال[۴۸]: کسی مرد وعورت کے ناجائز تعلقات سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ برادری میں حرامی کہی جاتی ہے اور برادری سے خارج کردی جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قصور والدین کا ہے، لڑکے پر دھبہ کیوں قیامت تک آخر کار لگا رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی اولاد کا قصور نہیں، جو کچھ سزا ہے وہ ناجائز حرکت کرنے والوں کے لئے ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸/۸/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= نكبة فما فوقها أو دونها إلا بذنب، وما يعفوا الله تعالىٰ عنه أكثر و قرأ: ﴿و ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير﴾. رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح ص: ١٣٦، باب عيادة المريض، قديمي)

"عن ابي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما يصيب المسلم من نصب، و لا وصب، ولا هم، و لا حزن، و لا أذى، و لا غم حتى الشوكة يشاكها، إلا كفّر الله بها من خطاياه ". (مشكوة المصابيح ص: ١٣٤، باب عيادة المريض، قديمي)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ﴾. (الزمر، پ: ٢٣، آية: ٧) وقال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة، پ: ٢٤، آية: ٤٦)

"قال الآلوسي رحمه الله قوله تعالىٰ: "(ومن أساء فعليها) ضره لا على الغير". (روح المعاني: ٢٤/١٣١، بيروت)

www.besturdubooks.net

مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ
(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

بدشگونی

سوال[۴۹]: گھر والوں کو تاریخ، یادن کا شک ہو تو اس کو بدشگونی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ چلا جائے، یا صحیح طریقہ پر، تاکہ خدانخواستہ کچھ ہو گیا ہے تو ان کا شک قوی ہو جائے گا اور یہ ایمان کے خلاف ہو گا، کیوں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ "بدشگونی اور بیماری کا لگنا کوئی چیز نہیں" تو دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ "جذامی سے ایسا دور رہو جیسا کہ شیر سے" (۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی دن، یا تاریخ کو منحوس سمجھیں تو اصلاح لازم ہے (۲)، جذامی سے احتیاط کا حکم اس لئے بھی ہے کہ اس کے ظاہری اسباب کی وجہ سے اگر کسی کو جذام ہو گیا تو وہ جذام کو متعدی نہ سمجھنے لگے، جس سے بچنا مقصود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا عدى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۱، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقىٰ، باب لا عدوى و لاطيرة و لا هامة الخ: ۲/۲۳۰، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الطب، باب لا عدوى: ۲/۸۵۹، قديمي)

(۲) "وعن سعد بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا هامة و لا عدوى و لا طيرة، و إن تكن الطيرة في شيء، ففي الدار والفرس والمرأة". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۲، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "و إنما نهى عن إيراد الممرِض على المصح، وأمر بالفرار من المجزوم، لأن الصحيح إن مرض =

www.besturdubooks.net

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیال بدشگونی وبدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لا عدوی ولا طیرۃ" الحدیث (۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تا کہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم". الحدیث(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۶/۱۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله: و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: (إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار) قال الخطابي: "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التي يعتنيها الناس، و لما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليُمن، والشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال: إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح: ۲۶۹/۶، الحبيبية)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقي، باب الفال والطيرة، ص: ۳۹۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقي، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ: ۲۳۰/۲، قديمي)

(والصحيح للبخاري، كتاب الطب، باب لا عدوي: ۸۵۹/۲، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵، قديمي) (وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس: باب في لبس الشهرة: ۲۰۳/۲، قديمي) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵۰/۲، رقم الحديث: ۵۰۹۳، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں

سوال[۱۵۱]: آج کل عوام الناس لڑکی کے نکاح اور رخصتی جو کرتے ہیں، تین یا پانچ یا سات سال میں کرتے ہیں یا تو پہلے سال کریں گے، جفت سال میں نہیں کرتے اس کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ شرک ہے یا کارِ شرک ہے؟ اور اگر عقیدہ نہ بھی ہو پھر بھی یہ شکل مشابہ شرک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ خیال بدشگونی وبدفالی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس سے توبہ لازم ہے: "لاعدوى ولاطيرة" الحديث(۱) جن لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ان کو ایسی جگہ تشبہ سے بچنا چاہئے تا کہ نہ دوسروں کا عقیدہ فاسد ہو، نہ عقیدۂ فاسد والوں کو استدلال کا موقع ملے: "من تشبه بقوم فهو منهم". الحديث(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۶/۱۶ھ۔

= منه صلى الله عليه وسلم لأمته، فمن كان له دار يكره سكناها، أو امرأة يكره صحبتها، أو فرس لا تعجبه بأن يفارق بالانتقال عن الدار وتطليق المرأة و بيع الفرس، فلا يكون هذا من باب الطيرة المنهي عنها، و هذا كما روي أنه صلى الله عليه وسلم قال: (ذروها ذميمة) قال الطيبي رحمه الله : و من ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: (إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار) قال الخطابي : "هذه الأشياء الثلاثة ليس لها بأنفسها و طباعها فعل و تأثير، و إنما ذلك كله بمشيئة الله و قضائه، و خصت بالذكر، لأنها أعم الأشياء التي يعتنيها الناس، و لما كان الإنسان لا يخلو عن العارض فيها أضيف إليها اليمن، و الشؤم إضافة مكان و محل. ويمكن أن يقال : إن هذه الأشياء غالباً تكون أسباباً لسوء الخلق، و هو شؤم، فلذا نسب إليها، و قد روى أحمد و غيره، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بلفظ: "الشؤم سوء الخلق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح : ۲۶۹/۶، الحبيبة)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة ،ص: ۳۹۱، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطب والمرض والرقى، باب لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ : ۲۳۰/۲،قديمى)

(والصحيح للبخارى، كتاب الطب، باب لا عدوى : ۸۵۹/۲، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس : ۳۷۵، قديمى) (وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس: باب في لبس الشهرة: ۲۰۳/۲، قديمى) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل : ۵۰/۲، رقم الحديث : ۵۰۹۳،دار إحياء التراث العربى)

www.besturdubooks.net

دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں

سوال[۵۲]: ۱......اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمادیں کہ دن تاریخ کو منحوس سمجھنا اچھا ہے یا برا؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات اور سنیچر کے دن زیادہ سفر فرماتے تھے؟

۲......ایک مولوی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ۱۸/ تاریخ کو شادی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ۱۸/ تاریخ میں شادی کرنے سے لڑکے اور لڑکی کی زندگی خراب ہوجاتی ہے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

۳......تیری کے چاند میں اور بارہ وفات میں شادی کی مقرر کردہ تاریخ میں شادی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ اس امت میں کسی دن (تاریخ وغیرہ) میں نحوست نہیں، البتہ بعض دن اور بعض تاریخ میں خیر و برکت زیادہ ہے، جمعرات اور سنیچر کے سفر میں خیر و برکت ہے۔

۲......یہ چیز شرعاً بے اصل ہے(۱)۔

۳......کرسکتے ہیں، شرعاً اس کی ممانعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

دو بھائیوں کی شادی دو بہنوں سے کرنے کو منحوس سمجھنا

سوال[۵۳]: زید کی بڑی لڑکی عمر کے بڑے لڑکے سے منسوب ہے، جانبین کے تعلقات بحمد اللہ بہت خوشگوار ہیں، عمر کی خواہش ہے کہ اس کے چھوٹے لڑکے کا رشتہ بھی زید کی چھوٹی لڑکی سے ہوجائے مگر زید کو

---

(۱) "سئل نفع الله بعلومه: السؤال عن النحس و السعد، و عن الأيام والليالي التي تصلح لنحو السفر، والإنتقال، ما يكون جوابه؟ فاجاب رضي الله تعالىٰ عنه: من يسأل عن النحس و ما بعده، لا يجاب إلا بالإعراض عنه، وتسفيه ما فعله، و يبيّن له قبحه، و أن ذلك من سنة اليهود، لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم و بارئهم الذين لا يحسبون و على ربهم يتوكلون، و ما ينقل من الأيام المنطوقة ونحوها عن عليّ كرّم الله تعالىٰ وجهه باطلٌ، كذب، لا أصل له، فليحذر من ذلك، والله تعالىٰ اعلم".

(الفتاوى الحديثية، مطلب في الجواب عن الأيام والليالي اهـ، ص: ۴۱، ۴۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

یہ عذر ہے کہ چونکہ اس کی تین پشتوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، جب کبھی اس کے کنبہ کی دو بہنیں ایک ہی گھر میں دو سگے بھائیوں سے منسوب ہوئی ہیں تو راس نہیں آیا ہے یعنی ایک بھائی یا ایک بہن فوت ہوگئی، اس لئے معذور ہے، از روئے شرع زید کا ایسا عقیدہ رکھنا اور خوف زدہ ہونا جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دو بہنوں کی شادی ایک گھر میں دو بھائیوں سے ہونے کی بنا پر یہ تصور کرنا یا عقیدہ رکھنا کہ ایک بہن ضرور مرجائے گی یا ایک بھائی مرجائے گا، گھر آباد نہیں ہو سکے گا، شرعاً بے بنیاد اور غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے (۱)، موت کا ایک وقت مقرر ہے خواہ ایک گھر میں شادی ہو یا علیحدہ علیحدہ گھروں میں، (یا) بالکل شادی نہ ہو، موت اپنے وقت پر آئے گی نہ مؤخر ہوگی، نہ مقدم (۲)۔ کیا چھوٹے بچوں کو موت نہیں آتی؟ لڑکی کے حق میں حالات کے اعتبار سے شادی وہاں نہ کرنا مناسب ہو تو دوسری بات ہے، لیکن مذکورہ خوف غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

کیا رات کو قرض دینا منحوس ہے؟

سوال [۵۴]: رات میں قرض نہ دینا منحوس سمجھتے ہوئے شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رات میں قرض کو منحوس سمجھنا جہال کا عقیدہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۶/ جمادی الثانی ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم : يتفاء ل و لا يتطيّر". (مشكوة المصابيح، باب الفال والطيرة، الفصل الثاني، ص: ۳۹۲، قديمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا عدوى و لا طيرة، و أحب الفال الصالح". (الصحيح لمسلم : كتاب الطب والمرض والرقى، باب الطيرة، ص: ۲/ ۲۳۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ : ﴿إذا جآء أجلهم فلا يستأخرون ساعةً و لا يستقدمون﴾. (يونس : ۴۹)

www.besturdubooks.net

منگل اور بدھ کو حجامت بنوانا

سوال [۵۵]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حجامت یا ناخن منگل، بدھ کے دن نہ بنوایا جائے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں (منگل، بدھ) میں حجامت بنوانے سے روکا ہے، انہوں نے سیرت حلبیہ جز نمبر: ۱۷، کا حوالہ دیا ہے۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح کیا فرمایا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مولوی صاحب سے سیرت حلبیہ جز نمبر: ۱۷ کی عبارت نقل کراکے بھیجیں۔

تنبیہ: حجامت عربی میں پچھنے لگوانے کو کہتے ہیں (۱)، بال اور ناخن بنوانے کو نہیں کہتے، حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ اس امت میں کوئی دن منحوس نہیں، نحوست اٹھالی گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۹۶ھ۔

چند بے اصل بدفالیاں

سوال [۵۶]: بہت سے مسلمان لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں، مکان میں دروازہ نہیں لگایا جاتا ہے، دروازہ لگانے سے جان و مال کا خطرہ ہو جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ چوکی نہیں بنتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اچار نہیں رکھا جاتا ہے، اگر رکھا جاتا ہے تو ہم کو نقصان ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ لوگ یہ بھی رواج رکھتے ہیں کہ بعد مغرب کسی کو چونا مانگنے پر بھی نہیں دیتے ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جملہ امور شرعاً بے اصل اور لغو ہیں، ایسا عقیدہ درست نہیں، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

---

(۱) "الحجامۃ: پچھنے لگانے کا پیشہ"۔ (المنجد، ص: ۱۹۰، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "بہت سے لوگ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں سو یہ بھی بالکل غلط ہے کسی بھی دن کو منحوس سمجھنا جائز نہیں"۔ (اغلاط العوام، ص: ۲۳۶، زمزم پبلشرز)

(۳) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الشؤم فی المرأة والدار والفرس"۔ ... و هذا كما روى أنه صلى الله عليه وسلم قال: "ذروها ذميمة"، قال الطيبي: ومن =

www.besturdubooks.net

چاند جب عقرب میں ہو تو کام شروع کیا جائے یا نہیں؟

سوال[۵۷]: میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ قمر در عقرب کو یا ۱۳/۱۹/۱۸/ تاریخ کو یا نمازِ جمعہ سے پہلے کوئی بھی نیا کام یا کاروبار شروع نہ کرنا چاہیے، مذہبی طور پر ایسی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً بے اصل ہے(۱) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

قطب تارہ کی طرف پیر پھیلانا

سوال[۵۸]: یوں کہتے ہیں کہ شمال کی جانب ایک نور چمکتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرا نور تھا، لہذا عوام الناس قطب ستارے کی طرف پاؤں پھیلانے کو بہت برا تصور کرتے ہیں اور اس کا احترام قبلہ سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ تشریح فرمائیں کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ قول اور یہ عمل اور یہ عقیدہ مستند نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

تیسری رات کا چاند نہ دیکھنا اور اس کی کہانی سننا

سوال[۵۹]: عورتیں اکثر اوقات تیسری تاریخ کا چاند نہ دیکھنا کہہ کر تیسری تاریخ کے چاند کی کہانی سنتی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

= ثمة جعلها صلى الله عليه وسلم من باب الطيرة على سبيل الفرض في قوله: "إن تكن الطيرة في شيء ففي المرأة والفرس والدار". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح: ۲۶۹/۶، الحبيبية)

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں'')

(۲) ''مشہور ہے کہ سوتے میں قطب شمالی کی طرف پاؤں نہ کرے سو اس کی کوئی اصل نہیں''۔ (اغلاط العوام، ص: ۱۴، زمزم پبلشرز)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

تیسری تاریخ کے چاند دیکھنے کو اچھا نہ کہنا اور اس کی جگہ چاند کی کہانی سننا کوئی شرعی چیز نہیں ہے بلکہ بد شگونی ہے، اس سے شریعت نے منع فرمایا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

گرہن کے وقت کھانا

سوال[۲۰]: عوام میں مشہور ہے کہ چاند، یا سورج گرہن میں جب تک گرہن رہے، اس وقت تک کچھ کھانا نہیں چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

عوام میں غلط مشہور ہے(۲)۔ فقط۔

روزانہ ایک پیسہ رات کو امانت رکھ کر صبح کو واپس لینا

سوال[۲۱]: زید ایک محلہ میں رہتا تھا، بکر نے اسی محلہ میں دوکان پرچون کی کر رکھی تھی، زید اکثر بکر کی دوکان سے ضروریات کی اشیاء خریدتا ہے، ایک روز زید نے بکر کی دوکان سے کچھ سودا ایک پیسہ کا خریدا، سودا لے کر یہ کہہ دیا کہ پیسہ صبح دیدونگا، جب نماز فجر پڑھ چکا، اس وقت بکر کو وہ پیسہ حسب وعدہ دیدیا، پھر شام کو بکر نے کہا، بھائی زید! ایک پیسہ میرا امانت رکھو، زید جب صبح نماز پڑھ چکو، مجھ کو دیدینا زید نے ایسا ہی کیا، پھر بکر روز ایسا کرنے لگا، شام کو ایک پیسہ دیدیتا اور صبح کو لے لیتا۔ زید کے دل میں خیال ہوا کہ شاید بکر کچھ شگون کرتا ہو، زید نے بکر سے دریافت کیا، لیکن اس نے دل کا مدعا ظاہر نہ کیا، اس لئے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس طرح کرنے سے شرعاً گناہ گار تو نہ ہوگا، اگر گناہ زید پر لازم آیا تو وہ ایسا کرنا چھوڑ دے گا؟ محمد داؤد اہلحدیث سہارنپور۔

---

(۱) (قد تقدم تخریجه تحت عنوان: ''دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں'')

(۲) ''مشہور ہے کہ چاند اور سورج کے گہنے کے وقت کھانا پینا منع ہے، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں، البتہ وہ وقت توجہ الی اللہ کا ہے اس وجہ سے کھانے پینے کا شغل ترک کر دینا اور بات ہے، رہا یہ کہ دنیا کے تمام کاروبار بلکہ گناہ تک تو کرتا رہے اور صرف کھانا پینا چھوڑ دے، یہ شریعت کو بدل ڈالنا اور بدعت ہے''۔ (اغلاط العوام، ص:۱۹۱، زمزم پبلشرز)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ بکر کوئی شگون کرتا ہے تو زید کو ہرگز اس کا کہنا نہیں ماننا چاہئے، بلکہ انکار کر دینا چاہئے کیوں کہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ "(۱) اگر کسی طرح بکر کی نیت کا علم نہ ہو، تب بھی چوں کہ احتمال شگون ضرور ہے، بلکہ غالب ہے، لہذا احتراز کرنا چاہئے۔ لقوله علیه الصلاة والسلام: "دع ما یریبك إلی ما لا یریبك "(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ذیقعدہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ/ ۵۲ھ۔

جھاؤ کا استعمال کرنا

سوال [۲۲]: عوام میں مشہور ہے کہ درخت جھاؤ کو مسلمان اپنے استعمال میں لانا بہت برا سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اس درخت سے آگ شروع ہوئی اور اسی درخت نے آگ پکڑی تھی، آیا یہ کسی کتاب سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جھاؤ کے متعلق ایسا خیال اور عقیدہ بے اصل ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اغلاط العوام، ص: ۵ (۳) میں اس کی تردید فرمائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

وبا کی بستی سے نکلنا

سوال [۲۳]: ۱..... ایک گاؤں میں طاعون کا سلسلہ جاری ہو جاوے، اس گاؤں میں سے نکلنا مشروع یا نامشروع؟ کیونکہ آدھے آدمی نکل گئے آدھے بستی میں ہیں۔

---

(۱) (المائدۃ : ۲)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب و طلب الحلال، ص: ۱/ ۲۴۲، قدیمی)

(۳) (اغلاط العوام، ص: ۱۱، ادارۃ المعارف کراچی)

www.besturdubooks.net

۲......اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے چلا گیا کھیت میں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایسی بستی سے اس خیال سے باہر نکلنا کہ اگر یہاں رہیں گے تو طاعون میں مبتلا ہوں گے، اگر دوسری جگہ چلے جائیں گے تو بچ جائیں گے، ناجائز اور گناہ ہے، فقہ اور حدیث میں اس کی ممانعت آتی ہے (۱) کذا فی الاشباہ (۲)۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱ میں آ گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۶۳ھ۔

مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط

سوال [۲۴]: زید مرض جذام میں مبتلاء ہے عرصہ آٹھ دس سال سے، اور عمر برص کے مرض میں ۲۵/ سال سے، زید کی ظاہری حالت چہرہ پر ورم اور بدن میں کچھ زخم ہو جاتے ہیں اور عمر کا جسم سفید ہو گیا ہے، کچھ سیاہی کے داغ ہیں، لہٰذا تعلقات کھانے پینے میں زید و عمر کے ساتھ کیا حکم ہے؟ فضل محمد، نیاز محمد، جلال آباد شاہجہان پور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أخذ بید مجذوم، فوضعها معه

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الطاعون رجز أرسل علی بنی اسرائیل أو علی من کان قبلکم، فإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا علیه، و إذا وقع بأرض و انتم بها فلا تخرجوا فراراً منه". (الصحیح لمسلم، باب الطاعون والطیرة والکهانة و نحوها: ۲/۲۲۸، قدیمی)

"و إذا خرج من بلدة بها الطاعون، فإن علم أن کل شیء بقدر الله تعالیٰ، فلا بأس بأن یخرج و یدخل، و إن کان عنده أنه لو خرج نجا ولو دخل ابتلی به، کره له ذلک". (الدر المختار، مسائل شتی، قبیل کتاب الفرائض: ۶/۷۵۷، سعید کراچی)

(۲) "المسألة الثالثة یستنبط من أحد الأوجه فی النهی عن الدخول إلی بلد الطاعون، وهو منع التعرض إلی البلاء إلی اٰخره" (شرح الأشباه والنظائر الفن الثالث: الجمع والفرق: ۳/۲۴۳، إدارة القرآن)

www.besturdubooks.net

فی القصعة، و قال: "كل ثقةً بالله و توكلاً عليه"۔(۱) رواه ابن ماجة(۲).

" عن عمرو بن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم، فأرسل إليه النبي صلى الله عليه وسلم: " إنا قد بايعناك فارجع "۔(۳) رواه مسلم "(۴).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا عدوى ولا طيرة و لا هامة و لا صفر، و فرّ من المجذوم كما تفر من الأسد"۔ رواه البخاري"(۵) (مشكوة :ص: ۳۹۱، ۳۹۲(۶)۔

روایات قولیہ فعلیہ سے دونوں باتیں ثابت ہیں: اختلاط بھی اور احتیاط بھی، لہذا اگر عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو کہ فلاں شخص کیساتھ کھانے پینے سے مجھے ضرور بیماری لگ جائے گی تو احتیاط کرنا لازم ہے، اور اگر اللہ پر پورا بھروسہ ہو کہ بیماری وغیرہ جو کچھ ہے سب اللہ کے حکم سے ہے، بغیر اس کے حکم کے کچھ بھی نہیں ہوسکتا تو تعلقات رکھنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ بیماری ضرور لگ ہی جاتی ہے اگر چہ خدا کا حکم نہ ہو، بہت برا اور ناجائز ہے، البتہ بیماری جس طرح کہ دوسرے اسباب سے ہوتی ہے اور کبھی باوجود اسباب کے نہیں ہوتی، اسی طرح ساتھ کھانے پینے سے کبھی ہو جاتی ہے، کبھی نہیں ہوتی، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۱۱/۲۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالہ میں رکھ دیا اور فرمایا: "اللہ پر بھروسہ کر کے کھاؤ"

(۲) (ابن ماجة، كتاب الطب، باب الجذام، ص: ۲۶۱، مير محمد كتب خانه)

(۳)(ترجمہ) وفد ثقیف میں ایک مجذوم شخص تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا: "ہم نے تجھ کو بیعت کر لیا، واپس ہو جا"۔

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب الطب، باب اجتناب المجذوم ونحوه: ۲/۲۳۳، قديمي)

(۵)(ترجمہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نہ بیماری لگتی ہے نہ بدشگونی، نہ الو منحوس ہے نہ ماہ صفر، اور مجذوم سے شیر سے بھاگنے کی مثل بھاگ"۔

(۶) (روى الأحاديث الثلاثة في مشكوة المصابيح، باب الفال و الطيرة : ۳۹۱، ۳۹۲، قديمي)

(أخرجه البخاري في الطب، باب الجذام: ۲/۸۵۰، قديمي)

(۷) "إن المراد بنفي العدوى أن شيئاً لا يعدى بطبعه، نفياً لما كانت الجاهلية تعتقده أن الأمراض تعدى بطبعها من غير إضافة إلى الله، فأبطل النبي صلى الله عليه وسلم اعتقادهم ذلك، وأكل مع المجذوم =

www.besturdubooks.net

چیچک والے کے لئے چند مخصوص چیزیں

سوال[۲۵]: مرض چیچک میں مریض کے گلے میں چھاؤ کی وجہ سے سونا باندھنا اور گھر والوں کو اس زمانہ میں کپڑے نہ بدلنے دینا یا کپڑے بدل کر مریض کے گھر میں نہ جانا، یا باہر سے آئے ہوئے کو فوراً مریض کے پاس نہ جانے دینا اور گوشت نہ پکانا وغیرہ، یہ سب امور شرعی نقطۂ نظر سے کیسے ہیں؟ نیز جملہ مذکورہ باتوں میں سے باوجود جاننے کے اگر کوئی کسی ایک کا بھی عامل ہو، اس پر کیا حکم ہے؟ سائل: بندہ بقلم خود۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر تجربہ کار طبیب بتلائے کہ ایسے مریض کو گوشت کی بو، یا دھلے ہوئے کپڑے (مادے وغیرہ) کی بو مضر ہے تو اس سے بنا بر پرہیز علاجاً احتیاط کرنے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اور اس عقیدہ کے ماتحت ان چیزوں سے بچنا کہ چیچک ماتا جی ہے اور ان چیزوں سے ناراض ہوتی ہے جیسا کہ اسی عقیدہ سے ہندواس کی بہت خاطر

= ليبين لهم أن الله هو الذى يمرض و يشفي، و نهاهم عن الدنو منه ليبين لهم أن هذا من الأسباب التى أجرى الله العادة بأنها تفضى إلى مسبباتها، ففي نهيه إثبات الأسباب، و في فعله إشارة إلى أنها لا تستقل، بل الله هو الذى إن شاء سلبها قواها، فلا تؤثر شيئًا، وإن شاء أبقاها فأثرت". (فتح البارى، كتاب الطب، باب المجذام: ۱۰/ ۱۹۰، دار الفكر)

(كذا في تكملة فتح الملهم: كتاب الطب، باب: "(لا عدوى و لا طيرة و لا هامة)" الخ: ۴/ ۳۷۰، ۳۷۱، دار العلوم)

(وكذافي شرح مسلم للنووى، باب: لا عدوى و لا طيرة و لا هامة الخ: ۲/ ۲۳۰، قديمى)

(۱) "ونقل الحافظ عن ابن قتيبة أنه قال: "إن الأمر بالفرار من المجذوم ليس من باب العدوى في شيء، بل هو لأمر طبيعي، و هو انتقال الداء من جسد لجسد بواسطة الملامسة والمخالطة وشمّ الرائحة، و لذالك يقع في كثير من الأمراض في العادة انتقال الداء من المريض إلى الصحيح بكثرة المخالطة و لهذا يأمر الأطباء بترك مخالطة المجذوم لاعلي طريق العدوى، بل على طريق التأثر بالرائحة، لأنها تسقم من واظب اشتمامها". (تكمله فتح الملهم، كتاب الطب، باب: لا عدوى ولا طيرة و لا هامة .... الخ: ۴/ ۳۷۱، دار العلوم)

(وكذا في فتح البارى، كتاب الطب، باب المجذوم: ۱۰/ ۱۹۱، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

مدارات کرتے ہیں اور پوجتے ہیں، ناجائز اور منع ہے، یہ اہل اسلام کا عقیدہ نہیں(۱)، خلاف شرع امور سے اجتناب لازم ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

تعمیر مکان کے لئے وقت مقرر نہیں

سوال[۶۶]: مکان تعمیر کرنے کے لئے کوئی وقت شرع سے مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی وقت مقرر نہیں جب ضرورت ہو بقدر ضرورت بنانے کی اجازت ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند،۲/۵/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ وسلم: "لاعدوى ولاصفر ولا هامة" فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل لكأنها الظبآء فيخالطها البعير الأجرب فيجربها؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم: "فمن أعدى الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الهامة: ۸۵۹/۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

باب العقائد

ما يتعلق بالله تعالىٰ و صفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

عقیدہ کی تعریف

سوال[۶۷]: عقیدہ کی کیا تعریف ہے؟ اور مسلمان کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عقیدہ بنیادی یقین ہے، جس پر نجات مرتب ہوتی ہے اور اس کے ترک سے نجات سے محرومی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

أصاب من أجاب هذا الجواب: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟

سوال[۶۸]: باری تعالیٰ کہاں ہیں؟ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مدللاً ومفصلاً مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلوة و مما رزقنٰهم ينفقون والذين يؤمنون بما أنزل اليک و ما أنزل من قبلک و بالآخرة هم يوقنون﴾. (سورة البقرة: ۳،۴)

و قال تعالىٰ: ﴿كل آمن بالله و ملائكته و كتبه و رسله﴾. (سورة البقرة: ۲۸۵)

و قال تعالىٰ: ﴿و من يكفر بالله و ملائكته و كتبه و رسله واليوم الآخر فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾. (النساء: ۱۳۶)

نوٹ: عقیدہ کی تعریف یہ ہے:

"العقيدة ما يقصد فيه الاعتقاد دون العمل". (التعريفات الفقهية مع قواعد الفقه، ص: ۳۸۳، الصدف پبلشرز)

"العقيدة هي القضية التي تصدق بها، و قد تطلق على نفس التصديق". (شرح العقائد، ص: ۱۰، امدادیه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر وکبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوص صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے:

قال تعالیٰ: ﴿لایعزب عنه مثقال ذرة في السمٰوات ولا في الأرض، ولا أصغر من ذلک ولا أکبر إلا في کتاب مبین﴾(۱)۔

مگر اللہ تعالیٰ کے لئے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں، بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان وزمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے؟

"و لا محدود، و لا معدود، ولا متبعض، ولا متجزء ولا شریك منها، ولا متنهاه، ولا یوصف بالماهیة، ولا بالکیفیة، ولا یتمکن في مکان، ولا یجری علیه زمان"۔(شرح العقائد، ص:۳۲۔(۲)

اور بعض نصوص میں جو خاص مکان کی طرف اشارہ ہے تو وہاں یہ مراد نہیں کہ وہ مکان اللہ تعالیٰ کو محیط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم، یا کسی دوسری صفت کا خاص غلبہ اس جگہ مراد ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱)(سورۃ سبا : ۳)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ لا یخفی علیه شيء في الأرض ولا في السمآء﴾.(آل عمران : ۵)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومایخفی علی اللہ من شيء في الأرض و لا في السمآء﴾.(إبراهیم : ۳۸)

(۲)(شرح العقائد النسفیة للتفتازاني ،ص: ۴۰، قدیمی)

"ومحمل الکلام و زبدة المرام أن الواجب لا یشبه الممکن، و لا الممکن یشبه الواجب، فلیس بمحدود و لا معدود و لا متصور و لا متبعض و لا متحیز و لا مترکب و لا متناه، ولا یوصف بالمائیة والماهیة، و لا بالکیفیة من اللون والطعم والرائحة والحرارة والبرودة والیبوسة و غیر ذلک مما هو من صفات الأجسام، ولا متمکن في مکان لا علو و لا سفل و لا غیرهما، و لایجری علیه الزمان کما یتوهمه المشبّهة والمجسّمة والحلولیة".(شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري،ص: ۳۶، قدیمی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن اللہ قد أحاط بکل شيء علما﴾.(الطلاق : ۱۲)

=

www.besturdubooks.net

خدا کے لئے جہت کا ماننا

سوال[۶۹]: کیا خدا کے لئے بھی زمان ومکان، یا کوئی دیگر قید، یا ظرف ثابت ہے؟ جو ایسا ظاہر کرے، اس کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خداوند قدوس زمان ومکان اور سمت سے منزہ ہے، جو شخص خدائے پاک کو ان چیزوں کے ساتھ مقید مانتا ہے، وہ ضلالت میں مبتلا ہے، شرح بخاری شریف میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

نورنامہ کا ایک شعر (خدا کے لئے جسم ماننا)

سوال[۷۰]: نورنامہ، جمعرات کو پڑھا کرتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ

مگر اس کی اپنی سی صورت بنا رکھا اس میں وہ جو کہ قندیل تھا

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ جسم بھی رکھتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بجائے اس کے قرآن پاک کی تلاوت کریں، درود شریف اور استغفار پڑھا کریں، اگر سب کو سنانا مقصود ہو تو حکایت صحابہ، فضائل نماز، فضائل صدقات اور حیاۃ المسلمین پڑھا کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ جسم سے

= "وإنما المراد: إحاطة عظمة و سعة و علم و قدرة". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۸۱، قديمي)

(و كذا في روح المعاني، (النساء: ۱۲۶): ۲۲۹/۵، دار الفكر)

(۱) قال العلامة العيني: "وجه ذلك أن جهة العلو لما كانت أشرف أضيف إليها، والمقصود علو الذات والصفات و ليس ذلك باعتبار أنه محله أو جهته، تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب: " و كان عرشه على الماء "، "و هو رب العرش العظيم" : ۱۱۵/۲۵، الناشر محمد أمين دمج)

www.besturdubooks.net

پاک ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا خدا ہر شی میں ہے؟

سوال[۷۱]: ایک مسلمان کا اگر یہ عقیدہ ہو کہ خدا ہر شیء میں ہے، حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں ہیں، کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شیء کو خدا کی مخلوق اعتقاد کرنا چاہئے، یہ عقیدہ کہ ہر شیء خدا ہے حتی کہ بت بھی خدا کے غیر نہیں یہ اسلامی عقیدہ نہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم ۶۸ھ۔

---

(۱) "قال ابن بطال: تضمنت ترجمة الباب أن الله ليس بجسم، لأن الجسم مركب من أشياء مؤلفة، وذلك يرد على الجهمية في زعمهم أنه جسم". (فتح الباری، کتاب التوحید: ۱۳/۳۴۵، دار المعرفة)

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: "و هو شيء لا كالأشياء، و معنى الشيء إثباته بلا جسم و لا جوهر و لا عرض". (الفقه الاكبر، ص: ۳۵، ۳۶، قديمی)

"(و لا جسم)، لأنه متركب و متحيز، و ذلك أمارة الحدوث". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۳۸، ۳۹، قديمی)

(۲) "این کلام خلاف شرع است، اگر گوینده این کلام حلول حق تعالیٰ را در اشیاء یا اتحاد اشیاء بآن ذات مقدس اعتقاد می نماید، پس کفر است". (فتاوی عزیزی، ص: ۱۰۴، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

"و بيان ذلك أن الاتحاد بعد ما قام من البراهين المقررة في كتب الحكمة، والكلام على امتناع اتحاد الاثنين هو يستلزم كون الواجب هو الممكن و عكسه، و ذلك محال بالضرورة، و أما الحلول فلوجوه: الأول أن الحالّ في الشيء يفتقر إليه في الجملة سواء كان حلول جسم فی مكان، أو عرض في جوهر، أو صورة في مادة كما هو رأى الحكماء، أو صفة في موصوف، والإفتقار إلى الغير ينافي الوجوب، و من ذلك حلول الامتزاج كالماء في الورد، فإنه من خواص الأجسام، و هي مفتقرة إلى الغير. =

www.besturdubooks.net

اللہ تعالیٰ کا ہر شئے میں حلول کرنے کا عقیدہ

سوال[۷۲]: میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر، علم اس کا ہر جگہ ہے، حاضر وناظر ہے: "سميع بصير، على كل شيء قدير، والله غالب على أمره"۔

جولوگ اس مسئلہ کے منکر ہیں، دلیل پیش کریں، ورنہ تو وہ جھوٹے برخلاف اسلام کے لوگوں کو چلاتے ہیں اور برے عقیدے میں ڈالتے ہیں، پھر کیوں لوگوں کو خراب وبرباد کرتے ہیں، علم شریعت کا سیکھنا فرض ہے، جولوگ اس مسئلہ کو غلط کرتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں، محض وہ لوگ جاہل ہیں۔

دیکھو، ذرا غور کرو، جاہل لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان میں ہے، یعنی مسلمان، ہندو، چوڑھا، چمار سب کے بیچ میں۔ توبہ استغفار، یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرما "ورب العرش فوق العرش لكن بلا وصف التمكن والاتصال" اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید پر ہے اور وہ ایسے مکان میں ہے جس کا علم اسی کو ہے، جولوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ہے، ہندو ہو، یا مسلم، یا چوپایوں کے، حتی کہ تمام اشیاء پاک و پلید میں ہے، یہ عقیدہ بالکل غلط ہے اور جھوٹا ہے، (العیاذ باللہ) اور یہ کفر قبیح ہے (کتاب الابانہ)(۱)۔ ۳۸۰ھ یہ مذہب پیدا ہوا ہے۔ کتاب العرش والعلو (کتاب حمویہ) قاضی ابن الحسن نے ایک شخص مذہب جہمیہ کو جہیم میں قید کیا، پس اس نے توبہ کی، رہا کرنے کے لئے لایا گیا تو ہشام نے امتحان لیا تو ناقص نکلا، پھر قید کر دیا گیا، کیونکہ توبہ نہیں کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) "توبوا إلى الله توبة نصوحا" جو شخص کہتا ہے کہ خداوند کریم لا مکان ہے، امام ابو حنیفہؒ جواب دیتے ہیں کہ "يكفر به" کفر کیا اس نے۔

= الثاني: أن الحلول في الغير إن لم يكن صفة كمال، وجب نفيه عن الواجب، وإلا لزم كون الواجب مستكملاً بالغير وهو باطل..... الخ". (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية المُوهِم للحلول والاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض الخ، ص: ۳۳۸، قديمي)

(وكذا في شرح المقاصد: ۳/۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وزعمت المعتزلة والحرورية والجهمية أن الله عزوجل في كل مكان، فلزمهم أنه في بطن مريم، وفي الحشوش والأخلية، وهذا خلاف الدين، تعالى الله عن قولهم علواً كبيراً". (الإبانة في أصول الديانة، ص: ۱۲۱، المملكة العربية السعودية مركز شئون الدعوة)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

خداوند کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر شئے میں حلول کئے ہوئے ہے، کفر ہے(۱) اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عرش پر، یا کسی اور مکان میں ہے جس طرح کہ بادشاہ لندن میں ہے یہ بھی کفر ہے، ان دونوں عقیدوں سے توبہ اور اجتناب واجب ہے، خداوند تعالیٰ کسی مکان میں محدود نہیں، وہ مکان سے منزہ و بالاتر ہے:

"و (یکفر) بإثبات المکان للّٰہ تعالی، فإن قال: اللّٰہ فی السماء، فإن قصدبه حکایة ماجاء فی ظاهر الأخبار، لایکفر، و إذاأراد به المکان کفر، وإن لم تکن له نیة، یکفر عند أکثر هم، و علیه الفتوی اهـ" مجمع: ۲/۶۹۸(۲)، "یکفر بإثبات المکان للّٰہ تعالی، فلو قال: از خدا هیچ مکان خالی نیست یکفر"۔ عالمگیری: ۱/۸۸۱(۳)۔

"ولا یتمکن فی مکان اهـ"۔ شرح عقائد، ص: ۳٤(٤)۔

البتہ عرش پر اس کا خاص تسلط اور استیلاء ہے، اس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے اور اپنے علم کے

---

(۱) "و لیس حالاً و لا محلاً". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري، ص: ۳۶، قدیمی)

"و أما قوله: (عنده) فقال ابن بطال: "عند" في اللغة لمکان، و اللہ منزه عن الحلول فی المواضع، لأن الحلول عرض یفني، و هو حادث، و الحادث لا یلیق باللہ". (فتح الباری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿و یحذرکم اللہ نفسه﴾: ۱۳/۴۷۵، قدیمی)

"أن المعقول من حلول الشیء فی غیره کون هذا الحالّ تبعاً لذلک المحل فی أمر من الأمور، وواجب الوجود لذاته یمتنع ان یکون تبعاً لغیره، فوجب أن یمتنع علیه الحلول". (أصول الدین للرازی، ص: ۳۳، مکتبه الکلیات الأزهریة)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب المرتد: ۱/۶۹۰، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع في أحکام المرتدین: ۲/۲۵۹، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۲، ۲۰۳، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین: ۲/۲۵۹، رشیدیه)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب المرتد: ۱/۶۹۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۳۰، قدیمی)

"و لا متمکن فی مکان لا علو و لا سفل و لا غیرهما". (شرح الفقه الأکبر للقاري، ص: ۳۶، قدیمی)

www.besturdubooks.net

اعتبار سے ہر شئی کو محیط ہے: ﴿ثم استوی علی العرش﴾: أی استواه، فقد یقدس الدیان عن المکان والمعبود عن الحدود اهـ"۔ مدارک، ص: ۱۱۷ "۔ (۱) ﴿وان الله قد أحاط بكل شيء علماً﴾۔ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود حسن گنگوہی عفاء اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر العلوم، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

"اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہے دکھلا دے"، عقیدہ پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۷۳]: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کردے، یا جو چاہے دکھلا دے، اس کے دلائل قرآن وحدیث میں کیا ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اس کا قادر مطلق ہونا ہی کافی ہے، مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں (۳) دلیل طلب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قادر مطلق ہونا تسلیم نہیں یا اس میں شبہ ہے۔ لیلۃ المعراج کا واقعہ کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت، سب آسمانوں پر تشریف لے جانا، وہاں انبیاء سے ان کے مقامات پر ملاقات، جنت ودوزخ کا معائنہ ہی بڑا واقعہ ہے (۴) جس سے مسئلہ خوب واضح ہوجاتا ہے۔

---

(۱) (تفسیر المدارک، (یونس: ۳): ۵۲۸/۱، قدیمی)

(۲) (الطلاق: ۱۲)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله على كل شيء قدير﴾ (البقرة)

(۴) و في رواية "ثم أتيَ بالمعراج: و هو كالسلم ذو درج يرقى فيها، فصعد فيه إلى سماء الدنيا، ثم إلى بقية السموات السبع، فتلقاه من كل سماء مقرّبوها، و سلم على الأنبياء الذين في السموات بحسب منازلهم و درجاتهم، حتى مر بموسى الكليم في السادسة، وإبراهيم الخليل في السابعة، ثم جاوز منزلتهما صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و عليهما و على سائر الأنبياء، حتى انتهى إلى مستوى يسمع فيه صريف الأقلام ...... و رأى سدرة المنتهىٰ ...... و رأى هناك جبرئيل على صورته: و له ستمائة جناح، و رأى رفرفاً أخضر قد سد الأفق، و رأى البيت المعمور وإبراهيم الخليل بانيَ الكعبة الأرضية =

www.besturdubooks.net

نیز جب واقعہ معراج بیان فرمایا تو مشرکین نے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کے ستون وغیرہ کی تعداد دریافت کی، اس وقت وہ مسجد سامنے کردی گئی، آپ اس کو دیکھ دیکھ کر جوابات عنایت فرماتے تھے(۱)۔ نیز نجاشی کے انتقال پر جنازہ سامنے کردیا گیا، حجابات اٹھادیئے گئے، اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی (۲)۔

نیز غزوۂ موتہ کا میدان سامنے کردیا گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فلاں شخص نے جھنڈا لیا، وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا وہ شہید ہوگیا، پھر فلاں نے لیا تب فتح ہوئی، اور آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ فلاں شخص کو دو بازو عطا ہوئے اور وہ ملائکہ کے ساتھ اڑتا ہوا جارہا ہے (۳)، غرض بے شمار واقعات بطور شواہد موجود ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

= مسنداً ظهره إليه ..... ورأى الجنة والنار ..... ثم هبط إلى بيت المقدس، و هبط معه الأنبياء، فصلى بهم لما حانت الصلاة، و يحتمل أنها الصبح من يومئذ الخ". (تفسير ابن كثير: ۲۲/۱، مكتبه دار القلم)

(۱) "قال أبوسلمة: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لما كذبني قريش قمت في الحجر، فجلى الله لي بيت المقدس، فطفقت أخبرهم عن آياته و أنا أنظر إليه". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب (أسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام): ۶۸۴/۲، قديمي)

(۲) " عن ابن عباس قال: كشف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه"، و لابن حبان من حديث عمران بن حصين: "فقام، وصفوا خلفه، و هم لا يظنون إلا أن جنازته بين يديه". أخرجه من طريق الأوزاعي عن يحيىٰ بن أبي كثير عن أبي قلابة عن أبي المهلب عنه. و لأبي عوانة من طريق أبان وغيره عن يحيىٰ: "فصلينا خلفه، و نحن لا نرى إلا أن الجنازة قدامنا". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة: ۲۴۳/۳، قديمي)

(۳) "عن عبد الله بن أبي بن أبي بكر قال: لما التقى الناس بمؤتة جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و كشف ما بينه و بين الشام، فهو ينظر إلى معركتهم، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أخذ الراية زيد بن حارثة، فمضى حتى استشهد" و صلى عليه و دعا له و قال: "استغفروا له دخل الجنة، و هو يسعى، ثم أخذ الراية جعفر بن أبي طالب فمضى حتى استشهد". و صلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و دعا له، و قال: " استغفروا له، دخل الجنة فهو يطير فيها بجناحين حيث شاء". (المرقاة، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول: ۱۴۰/۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہیں تو دشمنوں کے بیچ میں حفاظت کریں، نہ چاہیں نہ کریں

سوال[۷۴]: اولیاء سے مانگنے سے متعلق آپ نے صحیح تحریر فرمایا کہ خدا سے مانگنا چاہئے، کوئی مسلمان اولیاء سے اگر یہ التجا کرے کہ اے حضرت فلاں! ہم اللہ کے گناہگار بندے ہیں، ہماری رسائی ویسی نہیں ہے جیسا کہ آپ کی ہے چونکہ آپ اللہ کے ولی اور برگزیدہ بندے ہیں، دعا فرمایئے کہ ہمارا فلاں فلاں کام ہوجائے۔ حیدرآباد میں ایک درگاہ حضرت یوسف شریف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، مولانا مفتی صاحب! یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب میں بغرض حاضری احاطۂ درگاہ میں قدم رکھتا ہوں تو میرے دل و دماغ کو ایک قسم کا سکون ملتا ہے، قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے میں حاضر دربار ہوتا ہوں، اس سے میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں اور ان کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، جب کوئی انسان بلا مذہب وملت احاطہ رحمت میں قدم رکھتا ہے تو ایک مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ اس کے بلیات، بیماری ضرور دور ہوجاتے ہیں اور اس کو قلبی ودماغی سکون ملتا ہے اور یہ کہ صرف خداتعالیٰ کا کرم ہوتا ہے نہ کہ بزرگ محترم کی دین، کوئی مسلمان اگر ایسے برگزیدہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے نگاہ کرم کی بھیک مانگے تو کیا یہ مناسب نہیں؟

اگر پیر میں زخم آجائے تو ایک ڈاکٹر جو کافر ہوتا ہے اس کو بلواتے ہیں اور مرہم لگاتے ہیں تو کیا اپنی مصیبت میں اگر ہم مدد کے لئے (غیر اللہ کا تصور کر کے) اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت غوث پاک کا نام لیں اور ان کا ذکر کر کے حق تعالیٰ سے دعاء کریں تو کیا یہ مناسب نہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حکم دیتا ہے کہ اے مومنو! تم ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو مددگار بن جانے کا حکم دے رہا ہے تو پھر ہم اپنی مدد کے لئے اگر بزرگان دین کو پکاریں تو جائز نہیں اور ایک ڈاکٹر جو کافر ہے اس سے مصیبت میں مدد مانگتے ہیں، چونکہ مردہ مرتا نہیں زندہ رہتا ہے، خدائے پاک کی رحمت کا نزول اس بزرگ کے دربار میں ہوتا ہے اور ہم بلا مذہب وملت اس سے فیضیاب ہوتے ہیں، تو آیا یہ مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و برگزیدہ بندوں پر بیشمار رحمت کی بارش ہوتی ہے، ان کی قبر کے قریب پہونچ کر بے مثال سکون نصیب ہوتا ہے اور ان کی قبر کے پاس اور ان کے وسیلہ سے دعاء خدائے پاک سے مانگی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے، نیز ان کی برکت سے اللہ پاک مصائب کو دور فرماتے ہیں، یہ دوسرے

www.besturdubooks.net

حضرات کا بھی تجربہ ہے، لیکن براہ راست ان صاحب قبر بزرگ کو خطاب کر کے ان سے مانگنا اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے(۱)، جو بات جس قدر ثابت ہے اس کو تسلیم کیا جائے، جو ثابت نہ ہو اس سے پرہیز کیا جائے۔

جب تک آدمی اس دنیا میں زندہ ہے اس کے احکام اور ہیں، جب اس کی وفات ہوگئی اس کے احکام بھی دوسرے ہوگئے، برزخ کے احکام کو دنیا کے احکام پر قیاس کرنا صحیح نہیں، بزرگان دین کو بھی وفات ہونے پر غسل وکفن دیگر نماز جنازہ پڑھ کر قبر میں دفن کیا جاتا ہے شریعت کا حکم ہے، صحابہ کرام، اولیاء اللہ سب کے لئے یہی حکم ہے(۲)، شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، وفات کے بعد مال بھی ترکہ میں تقسیم ہوجاتا ہے، بیوی بھی عدت گزار کر نکاح ثانی کی مختار ہوتی ہے، وفات سے قبل زندہ پر یہ حکم جاری نہیں ہوتا(۳) کسی زندہ ڈاکٹر کو آپ دفن کرنے کا حق نہیں رکھتے، دنیوی معاملے کافر کے ساتھ بھی کئے جاتے ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہودی سے قرض لیا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ہے(۴) اسی طرح اگر آپ کسی کافر ڈاکٹر سے

---

(۱) قال العلامة الآلوسي: "و أما إذا كان المطلوب منه ميتاً أو غائباً فلا يستريب عالم أنه غير جائز، و أنه من البدع التي لم يفعلها أحد من السلف اهـ". (روح المعاني: ۶/۱۲۵، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

و قال أيضاً: "لم يشك في أن الاستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعاني: ۶/۱۲۹، (سورة المائدة: ۳۵)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "و أما بيان من يصلى عليه: فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه، صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً لقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوا على كل بر و فاجر" (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلى عليه: ۲/۳۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فأما في حق أحكام الدنيا فالشهيد ميت، يقسم ماله و تنكح امرأته بعد انقضاء العدة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في حكم الشهيد في الدنيا: ۲/۳۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۱/۱۵۲، سورة البقرة: ۵۴، حافظ كتب خانه)

(۴) "عن عائشة (رضي الله عنها) أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اشترى طعاماً من رجل يهودي إلى أجل و رهنه درعاً من حديد". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب شرى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالنسيئة: ۱/۲۷۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

زخم کی دوا لیں، شرعاً اجازت ہے، لیکن کسی بزرگ سے آپ ہی ان کی قبر کے پاس جا کر زخم پر مرہم نہیں لگواتے، آپ ضرور بزرگانِ دین کے مزار مبارک پر جایئے اور موافقِ سنت ہر غلط کام سے بچ کر زیارت بھی کیجئے، ثواب بھی پہونچایئے، دعا بھی اللہ تعالیٰ سے کیجئے (۱) اور اس طرح دعا بھی کر سکتے ہیں کہ یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے طفیل مجھ گنہگار کی دعا قبول کر، مصیبت کو دور فرما (۲) مگر براہ راست ان بزرگ سے نہ مانگئے، یہی طریقہ سنت کے موافق ہے، اس میں ان بزرگ کے ساتھ عقیدت بھی صحیح طریقہ پر ہے، ان کا احترام بھی ہے، اتباعِ سنت بھی ہے، اس سے زائد طویل بحث میں نہ جایئے۔

حق تعالیٰ جل شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت عجیب وغریب ہے، دشمن سے حفاظت کرنا چاہیں تو مکان کا محاصرہ ہونے کے باوجود پوری احتیاط کے ساتھ دشمن سے بچا کر مکہ معظمہ سے بچا لائیں اور غارِ ثور میں بھی حفاظت فرمالیں، دشمن موجود ہے مگر دیکھ نہیں سکتا (۳)۔ دوسرا معاملہ فرمانا چاہیں تو غزوۂ احد میں سارا

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا ونحن بالأثر".

قال القاری تحته: "و إذا زاره يقرأ فاتحة الكتاب و قل هو الله أحد ثلاث مرات، ثم يدعوا له، ولايمسحه، و لا يقبله، فإن ذلك من عادة النصارى". (المرقاة شرح المشكوة: ۳۵۳/۴، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۷۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۴۲/۲، ۳۴۳، كتاب الجنائز، رشيديه)

(۲) "عن أمية بن خالد بن عبد الله بن أسيد رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان يستفتح بصعاليک المهاجرين".

قال القاری: "(بصعاليک المهاجرين) أي بفقرائهم و ببركة دعائهم و في النهاية: أي يستنصر بهم و قال ابن الملك: بأن يقول: اللهم انصرنا على الأعداء بحق عبادک الفقراء المهاجرين" (المرقاة شرح المشكوة: ۱۰۰/۹، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۵۲۴۷، رشيديه)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى: ﴿إذ يمكر بک الذين كفروا ليثبتوک﴾ قال: تشاورت قريش ليلة مكة. فقال بعضهم: إذا أصبح فأثبتوه بالوثاق، يريدون النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و قال بعضهم: بل اقتلوه. و قال بعضهم: بل أخرجوه. فاطلع الله عزوجل نبيه على ذلک، فبات=

www.besturdubooks.net

لشکر اور ہتھیار موجود رہتے ہوئے بھی دندان مبارک شہید ہوجاتے، سر مبارک بھی زخمی ہوجاتے(۱) حضرت زکریا علیہ السلام کو قوم نے پکڑنا چاہا مگر حفاظت کی گئی، قوم پکڑ نہیں سکی، ایک درخت میں امن دیدیا گیا، دوسرا معاملہ کرنا چاہا تو درخت کے اندر آرہ سے ذبح کرادیا گیا(۲)۔ غرض کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے کام میں

= عليٌّ على فراش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تلك الليلة، و خرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى لحق بالغار، و بات المشركون يحرسون علياً يحسبونه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما أصبحوا ثاروا إليه . فلما رأوا علياً ردّ الله مكرهم فقالوا: أين صاحبك هذا؟ فقال: لا أدري، فاقتصوا أثره، فلما بلغوا الجبل خلط عليهم، فصعدوا في الجبل فمروا بالغار فرأوا على بابه نسج العنكبوت، فقالوا: لو دخل ههنا لم يكن نسج العنكبوت على بابه فمكث فيه ثلاث ليالٍ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/ ۵۷۲، ۵۷۳، رقم الحديث: ۳۲۳۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في فتح الباري: ۷/ ۳۰۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة رقم الحديث: ۳۹۰۵، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري: ۱۷/ ۲۰، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم رقم الحديث: ۳۹۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۹/ ۱۹۷، ۱۹۸، (سورة الأنفال، الآية: ۳۰)، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۲/ ۴۰۱، دار الفيحاء بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "اشتد غضب الله على من قتله النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في سبيل الله . اشتد غضب الله على قوم دمّوا وجه نبي الله". (صلى الله عليه وسلم). (صحيح البخاري: ۲/ ۵۸۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من الجراح يوم أحد . قديمي كتب خانه)

قال الحافظ: "و مجموع ما ذكر في الأخبار أنه شج وجهه، وكسرت رباعيته، و جرحت وجنته و شفته السفلى من باطنها" (فتح الباري: ۷/ ۴۷۳، كتاب المغازي، باب ما أصاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الجراح يوم أحد ، قديمي)

(كذا في تفسير ابن كثير: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، سورة آل عمران: ۱۵۳، دار الفيحاء)

(۲) "وكذلك زكريا عليه السلام، لأنه لما قتل ابنه انطلق هارباً، فأرسل الملك في طلبه غضباً لما =

www.besturdubooks.net

کیا کیا راز ہیں۔

صاحب قبر بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کردیجئے ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۲۸/۶/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۲۸/ /۹۵ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ اونگھنے پر قادر ہے؟

سوال [۷۵]: کیا اللہ تعالیٰ بھی نیند یا اونگھنے پر قادر ہے؟ اور جو خدائے واحد کی ذات وصفات میں کسی بھی فعل قبیح کی قدرت ہونا مانے، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدائے پاک کی شان اس سے بالاتر ہے: ﴿لا تأخذه سنة و لا نوم﴾ الآية (۲) کسی بھی فعل قبیح کے ساتھ ذاتِ خداوندی کو متصف ماننا اس کو عیب لگانا ہے جس کی اسلام میں ہرگز گنجائش نہیں، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ایمان سے خارج ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

= حصل لامرأته من قتل إبنه، فوجد في جوف شجرة، ففلقوا الشجرة معه فلقتين طولاً بمنشار". (روح المعاني: ۱/۲۷۷، سورة البقرة: ۱۰۲، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (راجع، ص: ۱۳۱، رقم الحاشية ۱)

(۲) (البقرة: ۲۵۵)

(۳) "إذا وصف الله بما لا يليق به يكفر". (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۳۶۱، فيما يقال في ذات الله سبحانه، إدارة القرآن)

"فيكفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به". (البحر الرائق: ۵/۲۰۲، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۵۸، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، و منها ما يتعلق بذات الله تعالىٰ، رشيديه)

www.besturdubooks.net

خالق مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

سوال[۷۶]: خالق کسی بھی مخلوق کو جو چاہے بنادے، وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تمام مخلوق خدائے قادر و مطلق کی پیدا کی ہوئی ہے(۱) خالق کے متعلق یہ سوال کہ وہ خود بھی کوئی مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں، بے محل سوال ہے، کیونکہ ہر مخلوق حادث و ممکن ہے(۲) اور خدائے پاک واجب و قدیم ہے(۳)۔ جس چیز کے تسلیم کرنے سے ذات وصفاتِ خداوندی میں فرق آ جائے وہ محال ہے جیسے خالق کو مخلوق تسلیم کرنا، قدیم کو حادث تسلیم کرنا، واجب کو ممکن تسلیم کرنا، پس اس کا مخلوق بن جانا ممتنع بالذات اور محال ہے(۴)، کوئی مُحال چیز باری تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں، وہ ہر محال سے منزہ و برتر ہے، ایسی چیزوں کو اس کی طرف منسوب کرنا سخت گستاخی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

امکان کذب

سوال[۷۷]: یا موافق قول مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب فتاویٰ رشیدیہ "خدا جھوٹ بولنے پر قادر

---

(۱) وقال الله تعالیٰ: ﴿وخلق كل شيء فقدره تقديراً﴾. (الفرقان: ۲)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعاً﴾. (البقرة: ۲۹)

(۲) "والعالم: أي ما سوى الله تعالىٰ من الموجودات مما يعلم به الصانع يقال: عالم الأجسام، وعالم الأعراض، وعالم النباتات، و عالم الحيوان إلى غير ذلك ... بجميع أجزائه من السموات و ما فيها والأرض وما عليها محدث: أي مخرج من العدم إلى الوجود". (شرح العقائد، ص: ۱۹، دهلي)

(۳) "والمُحدِث للعالم هو الله تعالىٰ: أي الذات الواجب الوجود الواحد القديم". (شرح العقائد، ص: ۲۵، دهلي)

(۴) "و لا يحتاج إلى شيء أصلاً؛ إذ لو كان جائز الوجود لكان من جملة العالم، فلم يصلح محدثاً للعالم و مبدءاً له مع أن العالم اسم لجميع ما يصلح علماً على وجود المبدأ له، و قريب من هذا ما يقال: إن مبدأ الممكنات بأسرها لا بد أن يكون واجباً؛ إذ لو كان ممكناً؛ لكان من جملة الممكنات فلم يكن مبدءاً لها". (شرح العقائد، ص: ۲۶، دهلي)

www.besturdubooks.net

ہے" آیا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا خدا جھوٹ بولتا ہے، جو خدا جھوٹ بولنے کی طاقت رکھتا ہو تو کیا وہ جھوٹ نہیں بولتا؟ اگر بول سکتا ہے تو اگر خدا کہے کہ تم عبادت کرو، تمہارے لئے جنت ہے، اگر نہ کرو گے تو دوزخ تو کیا اس قول کو دونوں طرف سے ایک طرف محمول نہیں کر سکتے؟ اگر دونوں طرف یعنی صدق وکذب میں سے کسی پہلو کو لیا جاوے تو کیا ایک طرف کذب نہیں آ سکتا؟ اگر آ سکتا ہے تو نعوذ باللہ خدا پر کذب کی نسبت صادق آتی ہے؟ ۲۱/ شعبان ۵۹ھ

الجواب حامداً و مصلیاً :

قدرت مستلزم صدور نہیں، کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے، کذب چوں کہ قبیح ہے، اس لئے اس کا صدور باری تعالیٰ سے نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا، جو شخص صدورِ کذب کا قائل ہے وہ کافر ہے، جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے(۱)۔

لیکن صدور نہ ہونے سے قدرت کا سلب لازم نہیں آتا، اگر قدرت نہ مانی جائے تو عجز لازم آتا ہے جو کہ ﴿إن الله علی کل شیء قدیر﴾(۲) کے خلاف ہے۔ قرآن شریف میں تعریف کے موقع پر فرمایا ہے: ﴿ومن أصدق من الله قیلا﴾(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق کی ضد پر قدرت ضرور ہے اور وہ (ضد) کذب ہے، کیونکہ اگر قدرت نہ ہو تو وہ صدق پر مجبور ہوگا، لہذا ایسی شی بھی کچھ تعریف کے قابل ہوتی ہے کہ جس پر مجبور ہو اور اس کے خلاف پر قدرت نہ ہو، فعل قبیح تو قبیح ہوتا ہے اور فعل قبیح پر قدرت قبیح نہیں ہوتی، اور یہ مسئلہ شرح مقاصد (۴) شرح مواقف (۵) تفسیر کبیر (۶) شامی (۷) وغیرہ سب میں موجود ہے۔

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب العقائد، "اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت" ص: ۳۸۹، سعید کراچی)

(۲) (البقرة: ۲۰)

(۳) (النسآء: ۱۲۲)

(۴) "والجواب: لا نسلم قبح الشيء بالنسبة إليه، كيف و هو تصرف في ملكه، و لو سلم، فالقدرة عليه لا تنافي امتناع صدوره عنه نظراً إلى وجود الصارف، وعدم الداعي وإن كان ممكناً في نفسه". (شرح المقاصد، الفصل الثالث في الصفات الوجودية، المبحث الثاني إثبات القدرة لله تعالى: ۳/۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) "الفرقة (الرابعة: النظام و متبعوه قالوا: لا يقدر على) الفعل (القبيح، لأنه مع العلم بقبحه، سفه =

www.besturdubooks.net

= ودونه جهل، و كلاهما نقص) يجب تنزيهه تعالى عنه (والجواب أنه لا قبيح بالنسبة إليه، فإن الكل ملكه) فله أن يتصرف فيه على أيّ وجه أراد (وإن سلم) قبح الفعل بالقياس إليه (فغايته عدم الفعل لوجود الصارف) عنه، وهو القبح، (وذلك لاينفي القدرة) عليه". (شرح المواقف، المرصد الرابع، المقصد الثاني في قدرته تعالى: ٨/٢٧، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "احتج أصحابنا بهذه الآية على أن مقدور العبد مقدور لله تعالى خلافاً لأبي علي وأبي هاشم، و وجه الاستدلال أن مقدور العبد شيء و كل شيء مقدور لله تعالى بهذه الآية، فيلزم أن يكون مقدور العبد مقدوراً لله تعالى". (التفسير الكبير، (البقرة: ٢٠)، ٢/٣١٩، دارإحياء التراث العربي)

"فإن العقلاء أجمعوا على أنه تعالى منزه عن الكذب، و لأنه إذاجوز الكذب على الله في الوعيد لأجل ما قال: إن الخلف في الوعيد كرم، فلِمَ لا يجوز الخلف أيضاً في وعيد الكفار؟ وأيضاً فإذا جاز الخلف في الوعيد لغرض الكرم فلِمَ لا يجوز الخلف في القصص والأخبار لغرض المصلحة؟ و معلوم أن فتح هذا الباب يفضي إلى الطعن في القرآن و كل الشريعة، فثبت أن كل واحد من هذين الوجهين ليس بشيء". (التفسير الكبير، (النسآء: ٩٣)، ١٠/٢٣٩، دار الكتب العلمية طهران)

(٣) "هل يجوز الخلف في الوعيد؟ فظاهر ما في المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه، لأنه لا يُعد نقصاً بل جوداً و كرماً، و صرح التفتازاني وغيره بأن المحققين على عدم جوازه، و صرح النسفي بأنه الصحيح لاستحالته عليه تعالى، لقوله: ﴿وقد قدمت إليكم بالوعيد ما يبدل القول لديّ﴾ و قوله تعالى: ﴿و لن يخلف الله وعده﴾ أي وعيده، و إنما يمدح به العباد خاصةً. ... والأشبه ترجح جواز الخلف في الوعيد في حق المسلمين خاصةً دون الكفار توفيقاً بين أدلة المانعين المتقدمة وأدلة المثبتين التي من نصها قوله تعالى: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به و يغفر مادون ذلك﴾ و قوله عن إبراهيم: ﴿رب اغفر لي و لوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾، و أمر به نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم بقوله تعالى: ﴿واستغفروا لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾ و فعله عليه السلام كما في صحيح ابن حبان، أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "اللهم اغفر لعائشة ماتقدم من ذنبها و ما تأخر، ما أسرت و أعلنت". ثم قال: "إنها لدعائي لأمتي في كل صلاة". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء المحرم. و في خلف الوعيد، و حكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين: ١/٥٢٢، ٥٢٣، سعيد)

www.besturdubooks.net

جہد المقل (۱) المہند وغیرہ میں اس کو خوب بسط سے بیان کیا گیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۴/ رمضان ۵۶ھ۔

مسئلہ امکان کذب اور الفتح المبین میں تلبیس

سوال [۷۸]: مارچ ۵۷ء میں مقام کوسیار میں علماء دیوبند وعلماء بریلوی میں مناظرہ ہوا، مخالفین کی طرف سے محمد حسن سنبھلی اور اپنی طرف سے مقامی علماء تھے، ہمارے علماء بوجوہ چند جواب نہ دے سکے، اہم اعتراض ان کا امکان کذب تھا، حضرت گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں لکھا ہے کہ "وقوع کذب معنی ہو گیا" (۳)، حضرت شیخ الہند نے الجہد المقل میں امکان کذب کو ثابت کیا ہے (۴)، براہین قاطعہ میں خلفِ وعد کو خلف وعید کی فرع لکھ کر امکان کذب کا اعتراف کیا ہے (۵) دلائل سے قطع نظر مولانا عبد العلی صاحب آسی مدراسی نے ایک کتاب (فتح المبین مع تنبیہ الوہابین) بجواب ظفر المبین لکھی تھی، مولانا آسی کی کتاب ۱۸۹۲ء میں بار دیگر طبع ہوئی، اس کتاب کا ایک ضخیم ضمیمہ ہے، جس میں عقائد غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کو شمار کر کے اس کو رد کیا ہے، غیر مقلد وہابیہ نجدیہ کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے" ان عقائد کے رد میں علماء دیوبند میں سے حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ، حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کے دستخط ہیں، مہریں بھی ثبت ہیں، ان کے علاوہ علماء دہلی، لکھنؤ، کان پور، لدھیانہ، رامپور وغیرہ کے دستخط ہیں اور مہریں بھی ہیں۔ اس کے باوجود اکابرین دیوبند امکان کذب کے قائل ہیں، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ، الجہد المقل، براہین قاطعہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو مولانا آسی مدراسی

---

(۱) (جهد المقل في تنزيه المعز والمذل، مكتبه مدنيه لاهور)

(۲) (المهند على المفند، ص: ۷۹، السوال الرابع والعشرون، مجيديه ملتان)

(۳) معنی کے بجائے لفظ صورت کذب کا ذکر ہے۔ (فتاوی رشيديه، ص: ۹۶، كتاب العقائد، نقل خط حضرت سيدنا حاجي امداد الله صاحبؒ ...... در مسئله امكان كذب الخ، سعيد)

(۴) (الجهد المقل في تنزيه المعز والمذل، مكتبه مدنيه اردو بازار لاهور)

(۵) (براهين قاطعه بجواب انوار ساطعه، ص: ٦، دار الاشاعت كراچي)

www.besturdubooks.net

کی کتاب ''ضمیمہ فتح المبین مع تنبیہ الوہابین'' میں ان حضرات کی تصدیقات اور دستخط ومواہر کیوں ثبت ہیں؟ اس کتاب میں غیر مقلدین وہابیہ کے عقیدے میں ''یا شیخ عبد القادر شیئا للہ'' کو شرک کہنا اور اس کے عدم جواز کے قول کو ان ہی حضرات نے رد کر کے دستخط ومواہر ثبت کی ہیں، پھر راہ سنت اور فتاوی دار العلوم دیوبند میں ان چیزوں کو ناجائز کیوں لکھا گیا؟

مذکورہ بالا مناظرہ کے بعد تقریباً تیس میل تک عوام علمائے دیوبند کے عقائد سے متنفر ہو چکے ہیں، اس لئے آپ سے عرض ہے کہ علمائے دیوبند کے اقوال میں جو تعارض، بلکہ خود اپنے اپنے قول کا رد ثابت ہو رہا ہے، اس کو نہایت سیر حاصل طور پر حل فرما کر ہمارے عوام کو بچائیں۔ فقط عبد الحلیم قاسمی بھوجا گاؤں پوسٹ کدالدا ضلع مغربی دیناجپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

''الفتح المبین'' کو مبتدعین نے طبع کرایا اور ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا جو کہ مصنف الفتح المبین کا نہیں اور علماء کرام کے جو دستخط ''الفتح المبین'' کے آخر میں تھے ان کو ضمیمہ کے ختم پر منتقل کر دیئے، تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ علمائے کرام اس ضمیمہ کے موافق اور مؤید ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بڑی تلبیس اور فریب کاری ہے، جب مصنف ''الفتح المبین'' کو اس کی اطلاع ہوئی تو مصنف مرحوم ومغفور نے اطلاع عوام کے لئے اشتہار شائع کیا اور فریب کاری کو ظاہر کر کے اس سے اپنی پوری برأت کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہل مطبع نے تمام دنیا کے رطب ویابس بدعات لکھ کر ان مہروں کو آخر میں لکھ دیا اور اکثر بدعات ورسومات مروجہ کی اباحت ومشروعیت اس میں درج کی ہے، میں بہ ہزار جان اس قسم کے عقائد واعمال سے بیزار ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ کوئی صاحب مواہیر کو آخر ضمیمہ میں دیکھ کر یہ خیال نہ فرمائیں کہ مؤلف کتاب اور علمائے دیوبند مصدقین ومصوبین کتاب موصوف ''الفتح المبین'' کل مندرجہ ضمیمہ کے قائل ہیں۔ حاشا ثم حاشا، اہل مواہیر و بندہ نحیف ایسی بدعات ورسومات نامشروع اور ان پر مہر کرنے سے بری ہیں، کیونکہ اس ضمیمہ میں بہت سے مسائل بلا دلیل درج ہیں، اور نہ قرآن شریف وحدیث شریف اور اقوال ائمہ مجتہدین سے ان کا ثبوت ہے، فقط رسوم اور بے اصل امور ہیں، ان کو داخل عبادات اور حسناتِ شرعیہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ صرف اہل مطبع کی چالاکی ہے کہ عوام کو دھوکہ دیکر بدعات ورسومات کو اس تدبیر سے رواج دیں۔ (لیحق الحق و یبطل

www.besturdubooks.net

الباطل و لو کرہ المجرمون)(۱)۔

مجھ بندہ نحیف کو بوساطت جناب تقدس مآب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب محدث نانوتوی وحضرت مولانا محمد احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اطہر اللہ علیہم شآبیب رضوانہ خاندان حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے علاقہ استناد ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحبؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہم وارضاہم، ان بزرگوں کے جو عقائد واعمال کہ ان کی تصانیف اور فتووں سے بخوبی واضح ہیں، وہی عقائد واعمال اس بندہ نحیف کے تصور فرمائیں۔

بالجملہ سب حضرات متنبہ رہیں اور مضامین مندرجہ ضمیمہ سے مجھ نحیف اور جملہ علمائے حقانی کو بری رکھیں اور خود ان عقائد واعمال سے حذر کریں، ورنہ بجائے نفع آخرت نقصان اٹھائیں گے، اور جن حضرات کے پاس کتاب ہذا موجود ہو، وہ اشتہار ہذا اس کے آخر میں منضم کرلیں اور جہاں کہیں کتاب کی خبر پائیں، اشتہار کے پہونچانے میں کوشش بلیغ کریں اور جو صاحب پھر اس کتاب مذکور کے طبع کا قصد فرمائیں، مضامین زوائد مرقومہ ضمیمہ مذکور جو میرے نہیں ہیں، خارج کر کے طبع کرادیں یا مع اشتہار ہذا کے طبع کرادیں، تاکہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں اور کوئی دھوکہ نہ کھاوے۔و ما علینا الا البلاغ المبین"۔

کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں اشتہار اسی کتاب کے ساتھ موجود ہے، امید ہے کہ اہل علم حضرات اور اہل فہم عوام کی الجھنیں بڑی حد تک دور ہوجائیں گی اور اب وہ الفتح المبین کے ضمیمہ کے مضامین کو نہ الفتح المبین کے مصنف کی طرف منسوب کریں گے، نہ ان اکابر علماء حق کی طرف منسوب کریں گے، جن کے دستخط کتاب "الفتح المبین" کے ختم ہونے کے بجائے ضمیمہ کا اضافہ کر کے ختم پر کردیئے گئے، خدائے پاک ایسے دجل وفریب کرنے والوں کا انتظام فرمائے، دیانتداری وخوف آخرت ان کو عطا فرمائے۔

اب رہ گیا امکان کذب کا مسئلہ تو یہ درحقیقت سیدھی سادی صاف بات کو بگاڑ اگیا ہے، جس سے مقصود عوام مسلمانوں کو دھوکا دیکر علمائے حق سے بدظن ومتنفر کرنا ہے۔ اصل مسئلہ توسیع قدرت کا ہے، جس کا عنوان بگاڑ کر لوگوں کے سامنے وحشت ونفرت پھیلائی جاتی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، قرآن محل ص: ۹۰) میں ہے(۲):

---

(۱) (سورۃ الأنفال: ۸)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، ص: ۹۳، ۹۴، کتاب العقائد، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت، سعید)

www.besturdubooks.net

''ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جاوے۔معاذ اللہ تعالیٰ۔اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔قال اللہ تعالیٰ:﴿ و من أصدق من اللہ قیلا﴾ (۱) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں۔﴿تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً﴾۔

البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثلِ فرعون وہامان وابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا، مگر وہ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدیوے، عاجز نہیں ہوگیا، قادر ہے، اگر چہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کریگا۔قال اللہ تعالیٰ:﴿و لو شئنا لآتینا کل نفس تا۔ من الجنۃ والناس أجمعین﴾ (۲) اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن کردیتا، مگر جو فرماچکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے، اضطرار سے نہیں، وہ فاعل مختار ہے، ﴿فعال لما یرید﴾ ہے (۳) یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے، چنانچہ تفسیر بیضاوی شریف میں تحت قولہ تعالیٰ:﴿إن تغفر لہم﴾ الخ (۴) لکھا ہے کہ عدمِ غفران شرک مقتضی وعید کا ہے ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی:"وعدم غفران الشرك مقتضی الوعید فلا امتناع فیه لذاته"۔(۵) واللہ اعلم بالصواب''۔

کتبه الأحقر رشید أحمد گنگوھی عفی عنه

ص:۲۰۴ پر اس مسئلہ کو لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا ہے:''اس کو اعداء نے دوسری طرح بیان کیا ہوگا''۔ (براہین قاطعہ (۶) اور جہد المقل میں بھی یہی ہے۔

اہل علم حضرات کے لئے اتنا کافی ہے، عوام کو ان کے ذہن کی صلاحیت کے اعتبار سے خود سمجھا دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) (النسآء:۱۲۲) (۲) (السجدۃ:۱۳) (۳) (البروج:۱۶)

(۴) (المائدۃ:۱۱۸) (۵) (تفسیر البیضاوی:۱/۲۹۱، دارلکتب العلمیۃ بیروت)

(۶) (براھین قاطعہ لخلیل احمد السہارنفوری)

www.besturdubooks.net

محال کے ساتھ ممکن ماننا

سوال[۷۹]: محال کے ساتھ ممکن ماننا گویا پھولوں کی خوشبو میں گھاس لپٹ کے وجود کو ماننا ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ممکنات پر قادر ہونا صفتِ کمال ہے، عاجز ہونا نقص ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، محالات سے پاک ہونا صفتِ کمال ہے، محالات سے متصف ہونا نقص ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے؟

سوال[۸۰]: زید کہتا ہے کہ معراج شریف میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو بار تشریف لے گئے اور ہر بار پانچ وقت کی نماز معاف ہوئی، اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب تھا تو پہلی ہی بار سب معاف کر دیتا، اس معنی کر کے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معراج کا واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے(۲) اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بار بار

---

(۱) "لأن بداهة العقل جازمة بأن محدث العالم على هذا النمط البديع والنظام المحكم مع ما يشتمل عليه من الأفعال المتقنة والنقوش المستحسنة لا يكون بدون هذه الصفات على أن أضدادها نقائص يجب تنزيه الله تعالىٰ عنها". (شرح العقائد النسفية، ص: ۲۶، ۲۷، سعيد)

"بخلاف مثل العلم والقدرة، فإنها صفات كمال تدل المحدثات على ثبوتها، و أضدادها صفات نقصان". (شرح العقائد، ص: ۳۰، سعيد)

"لأن الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص و افتقار". (شرح العقائد، ص: ۳۱، سعيد)

(۲) "فالذى عليه أئمة النقل: أن الإسراء كان مرةً واحدةً بمكة بعد البعثة قبل الهجرة بسنة، قال شمس الدين ابن القيم: ياعجباً لهؤلاء الذين زعموا أنه كان مراراً، كيف ساغ لهم أن يظنوا أنه في كل مرة يفرض عليهم الصلوات خمسين، ثم يتردد بين ربه و بين موسى حتى تصير خمساً". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۲۴، قديمي) =

www.besturdubooks.net

جا کر درخواست کرتے اور ہر درخواست پر معاف کرنے کی نوبت آئی ہے(۱)۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے(۲)، اس کا انکار نص قطعی کا انکار ہے جو کہ موجب کفر ہے(۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عالم الغیب ہونے کی خود نفی فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے علم غیب کی نفی کر دیں: ﴿قل لاأقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "ان المعراج مرتان: مرة بالنوم و أخرى باليقظة". (مرقاة المفاتيح، باب في المعراج ۱۵۲/۱۰، رشيديه)

(و كذا في تفسير ابن كثير، (الإسراء: ۱): ۲۲/۳، دار القلم بيروت)

(۱) و في حديث المعراج: "ثم فرضت عليّ الصلاة، خمسين صلاةً كل يوم، فرجعت فمررت على موسى، فقال: بما أمرت؟ قلت: أمرت بخمسين صلاةً كل يوم. قال: إن أمّتک لا تستطيع خمسين صلاةً كل يوم، وإني والله قد جرّبت الناس قبلک، و عالجت بني اسرائيل أشد المعالجة، فارجع إلى ربک فسله التخفيف لأمتک... ...... فرجعت إلى موسى، فقال: بما أمرت؟ قلت: أمرت بخمس صلوات كل يوم قال: .... فارجع إلى ربک فسله التخفيف لأمتک، قال: سألت ربي حتى استحييت ولكني أرضى وأسلم ...... الخ". (مشكوة المصابيح، باب في المعراج: ۵۲۸/۲، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو، و يعلم ما في البرّ والبحر﴾. (الأنعام: ۵۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لايعلم في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، و لا سبيل للعباد إليه إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو الإرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلک". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

(۳) "فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة" (رد المحتار: ۴۶/۳، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري، سعيد)

(۴) (الأنعام: ۵۰)

www.besturdubooks.net

کیا ہر وقت دیدارِ خداوندی ممکن ہے؟

سوال[۸۱]: زید کہتا ہے کہ مجھے ہر وقت ایسا دیدار رہتا ہے کہ بغیر اس کے میرا چلنا اور سکون مشکل ہے اور یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں۔ درد تو پھر ہی دیکھیں گے میں نے تجھ کو دیکھ لیا
اور نماز وغیرہ پڑھتے ہیں اور لوگ ان کے مرید بھی ہیں، اس قسم کی باتوں سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا ڈر ہے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ تو ممکن ہے کہ کسی شخص کو ایسا استحضار حاصل ہو جائے کہ غفلت نہ ہو، لیکن یہ دیکھنا ان آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے، بلکہ دل میں یہ ایک تصور ہے(۱) قرآن میں ہے: ﴿لاتدركه الأبصار﴾ (۲) "یہ آنکھیں اس ذات پاک کا ادراک نہیں کر سکتیں"، مگر جن کو یہ تصور حاصل ہو جاتا ہے وہ دعویٰ کرتے اور کہتے نہیں پھرا کرتے، اس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "وأقره الشيخ علاء الدين القونوي في شرحه وقال: إن صحّ عن أحد دعوى نحوه، فيمكن تأويله بأن غلبة الأحوال تجعل الغائب كالشاهد، حتى إذا كثر اشتغال السرّ بشيء واستحضاره له، يصير كأنه حضر بين يديه انتهى. و يؤيده حديث: "(الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه)" و كذا حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه: "(حال الطواف كنا نترائ الله) وقال صاحب عوارف المعارف في كتابه "أعلام الهدى وعقيدة أرباب التقى": أن رؤية العيان متعذرة في هذه الدار، لأنها دار الفناء، والآخرة هي دار البقاء". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۳، قديمي)

"و حال الشهود و ليس له الرؤية و لكنه كالرؤية كما قال صلى الله تعالى عليه وسلم: "اعبد الله كأنك تراه". و هذه هي حالة المشاهدة التي أشار إليها القوم بتوالي التجلي على قلبه، فصار كالعيان في حاله". (الفتاوى الحديثية، مطلب ما معنى توحيد الصوفية الموهم للحلول و الاتحاد الموجب لكثير من الفقهاء الاعتراض، ص: ۴۳۷، قديمي)

(۲) (الأنعام: ۱۰۳)

www.besturdubooks.net

اللہ میاں کہنا

سوال[۸۲]: اللہ میاں کہنا کیسا ہے یعنی جائز ہے کہ ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''اللہ میاں'' کہنا درست ہے اردو میں یہ لفظ اس موقعہ پر تعظیم کے لئے بولا جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

کیا گاڈ خدا کا نام ہے؟

سوال[۸۳]: ایک شخص نے دوران گفتگو اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ گاڈ (انگلش) کہہ کر کوئی بات سمجھانی چاہی جس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: گاڈ، فاڈ، راڈ، ساڈ، میں کیا جانوں (حالانکہ وہ انگلش بھی جانتے ہیں) آپ اردو میں سمجھایئے، جب اللہ تعالیٰ کے ۹۹/ نام ہیں انہیں ناموں میں سے کسی نام سے سمجھایئے، عربی یا اردو میں کہئے یہ مسئلہ ہم لوگوں کے درمیان بہت ہی پیچیدہ بن گیا ہے، کیا اس شخص کا لفظ گاڈ کو اٹھلانا، بگاڑنا اور بری طرح سے ادا کرنا درست ہے یا اس لفظ کا احترام کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنے محاورات اور بول چال میں اللہ تعالیٰ کا ایسا نام لینا اولیٰ اور مناسب ہے جو قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت ہو، تاہم ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں، ان کا بھی ادب واحترام لازم ہے، یہ بات

---

(۱) "من الأسماء التوقيفية عَلَم، و منها ألقاب و أوصاف و ترجمة اللفظ بمنزلته، فالأسماء العجمية ترجمة تلك الألقاب والأوصاف، و لذا انعقد الإجماع على إطلاقها، نعم لا يجوز ترجمة العَلَم، فالله عَلَم والباقي ألقاب و أوصاف بخلاف المرادف العربي للأسماء العربية، لأنها لا ضرورة إلى إطلاقها فلا يؤذن فيها، أما العجم فيحتاجون إلى الترجمة للسهولة في الفهم". (امداد الفتاوی: ۴/۳۱۵، مسائل شتی، دارالعلوم کراچی)

(وكذا في اليواقيت والجواهر لعبد الوهاب الشعراني، ص: ۷۸، مصر)

www.besturdubooks.net

جانتے ہوئے کہ فلاں لفظ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کی بے ادبی کرنے کا حق نہیں، اس سے پورا پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۴ھ۔

اسماءِ الٰہی دوسری زبانوں میں

سوال[۸۴]: ''شحنۂ شریعت'' رسالہ میں ہے کہ اللہ کو صرف انہیں ناموں سے یاد کرنا لازم ہے جو قرآن میں بتلائے گئے ہیں: جیسے رحمٰن، ستار، غفار وغیرہ اور اللہ پاک کو ایسے اسماء سے موسوم نہ کرنا چاہئے، جو اس میں نہیں بتلائے گئے معنی خواہ اس کے اچھے ہوں خواہ خراب جیسے: ''گاڈ، ایزد، یزدان، رام، ایشور، پرمیشور، پروردگار'' وغیرہ۔ اگر فارس کا رہنے والا فارسی زبان میں ''خدا'' کہتا ہے جو اس کی مادری زبان ہے، اسی طرح ہندوستان کا رہنے والا جس کی مادری زبان ہندی ہے، ہندی زبان میں ''رام'' کہتا ہے، پھر خدا اور رام میں کیا فرق ہے، اگر خدا کہنا جائز ہے تو رام کہنا کیوں ناجائز ہے؟ اگر ایک فارس کا رہنے والا کافر اپنی فارسی زبان میں اللہ کو ''خدا، ایزد، یزدان'' کہتا ہے اور عیسائی اپنی زبان میں ''گاڈ''، یزیدی اپنی زبان میں ''شیطان'' کہتا ہے، حبشی اپنی زبان میں ممبو کہتا ہے، آریہ اپنی زبان میں پرچودیات کہتا ہے پرکھودراجیو، بمبو، بھگوان کہتا ہے، ان کا یہ کہنا اسلام کے قبول کرنے کے بعد بھی کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اور اگر اسلام کے بعد بھی اس نام سے اللہ کو

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها﴾ ... عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن لله تعالى تسعة و تسعين إسماً، مائة إلا واحدة، من أحصاها دخل الجنة". (التفسير المظهري: ۴۳۲/۳، تفسير سورة الأعراف، حافظ كتب خانه)

"ومنها أن لله مائة اسم غير اسم، من دعا بها استجاب الله له". (حاشية الصاوي على تفسير الجلالين: ۳۱۱/۲، قديمي)

"هي معظمة في كل لغة مرجعها إلى ذات واحدة، فإن اسم الله لا يعرف العرب غيره، و هو بلسان فارسي "خدا" أي بلسانه الحبشة "واق" و بلسان الفرنجي "كريطرد روا". بحث على ذلك في سائر الألسن، تجد ذلك الاسم الإلهي معظماً في كل لسان من حيث لا يدل عليه". (اليواقيت والجواهر، ص: ۷۸)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۴۰۳/۳، مسائل شتى، دار العلوم كراچي)

www.besturdubooks.net

پکارتے ہیں تو اسلام اور کفر مسلمان اور کافر میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔

محض اس امتیاز کے واسطے اللہ نے اسمائے حسنیٰ سے واقف کردیا اور کوئی حجت باقی نہ رہی، تفصیلی جواب دیجئے، شاید ان کی سمجھ میں آ جائے اور اصلاح ہو جائے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مراد یہ ہے کہ جواز کا دارومدار صرف ان ناموں پر ہے جو کہ قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں تو بڑی دقت پیش آ جائے گی، اس لئے کہ شاید قرآن شریف میں تمام اسماء حسنیٰ بھی موجود نہ ہوں، نیز کتب سابقہ: توراۃ، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ کیا سب عربی ہی میں ہیں اور ان میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء مبارکہ مذکور ہیں، ان کے متعلق صاحب شحنہ کیا کہیں گے؟

بوستان، سکندر نامہ، مثنوی مولانا روم جن میں بیشتر مواقع میں دعائیں ہیں اور فارسی کے بہت سے اسماء سے خطاب کیا گیا ہے، کیا ان سب کا پڑھنا ناجائز ہے حالانکہ ان کتب کی تعلیم صدیوں سے بلکہ زمانہ مجتہدین سے مدارس میں ہوتی چلی آ رہی ہے اور تصوف، حدیث، فقہ، تفسیر کا بہت بڑا ذخیرہ فارسی اور اردو وغیرہ میں موجود ہے اور مصنفین نے اس کا اہتمام نہیں کیا کہ اسماء حسنیٰ مذکور فی القرآن ہی سے تعبیر کریں، شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک ہزار نام اللہ پاک کے تحریر کئے ہیں (۱) (کذا فی الطحطاوی، ص: ۵) (۲)۔

کتب عقائد، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد، مسامرہ، شرح فقہ اکبر میں بھی اسماء حسنیٰ کے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لله الأسماء الحسنىٰ فادعوه بها﴾ قال الحافظ أبو بكر بن العربي عن بعضهم: إن لله تعالىٰ ألف اسم، قال ابن العربي: و هذا قليل فيها". (رد المحتار، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٦، سعيد)

"قال أبو البقاء و لو قلت: لاسم الله أو باسم ربي أتيت الألف و نحوه مما أضيف إلى غير الجلالة من أسماء الباري نحو باسم الخالق. و ذكر الفقيه الإمام أبو بكر العربي أحد أئمة المالكية في كتابه "عارضة الأحوذي في شرح الترمذي" أن بعضهم جمع من الكتاب والسنة، من أسماء الله ألف اسم فالله علم". (تفسير ابن كثير: ٢/٣٥٨، دار السلام)

(و كذا في تفسير روح المعاني: ٩/١٢٢، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، المقدمة: ١/٣، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

علاوہ دوسرے اسماء بھی ذکر کئے ہیں، اگر صاحب شحنہ یہ کہتے کہ نماز میں دوسرے ناموں یا دوسری زبان کے ناموں سے احتراز کرنا چاہئے تب بھی ان کا کہنا ایک حد تک صحیح ہوتا، اگر چہ یہ بھی اجماعی چیز نہیں کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک فارسی میں تکبیر تحریمہ کہنا اور فارسی میں قرأت کرنا درست ہے(۱) اور بعض کے نزدیک اذکار صلوٰۃ کو مطلقاً ہر زبان میں پڑھنا درست ہے (کذا فی رد المحتار:۱/۳۲۵)(۲)۔

تفصیل دیکھنی ہو تو آکام النفائس دیکھئے، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر کے ص:۷۸ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء جس زبان میں ہیں سب کے سب قابلِ تعظیم واحترام ہیں: "فإن قلت: فهل يعم تعظيم الأسماء جميع الألفاظ الدائرة على ألسنة الخلق على اختلاف طبقاتهم وألسنتهم؟ فالجواب: نعم، هي معظمة في كل لغة مرجعها إلى ذات واحدة، فإن اسم الله لا يعرف العرب غيره، و هو بلسان فارسي "خدا" أي بلسانه الحبشة "واق" و بلسان الفرنجي "كريطرد رو"، بحث على ذلك في سائر الألسن تجد ذلك الأسماء الإلهي معظماً في كل لسان من حيث

---

(۱) "و أما صحة الشروع بالفارسية و كذا جميع أذكار الصلاة فهي على الخلاف، فعنده تصح الصلوة بها مطلقاً ..... والظاهر أن الصحة ولاتنفي الكراهة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۱، سعيد)

"قوله: (كما لو قرأ بها عاجزاً): أي لو قرأ بالفارسية حالة العجز عن العربية، فإنه يصح، و هذا بالاتفاق". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۶، رشيديه)

(۲) "(كما صح لو شرع بغير عربية) ..... و على هذا بخلاف الخطبة و جميع أذكار الصلاة، و أما ما ذكره بقوله: (أو آمن أولبّى أو سلم أو سمى عند ذبح) أو شهد عند حاكم أو رد سلاماً، و لم أر لو شمت عاطساً (أو قرأ بها عاجزاً) فجائز إجماعاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۸۳، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، افتتاح الصلاة بالتهليل: ۱/۴۳۰، إدارة القرآن)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، رشيديه)

"(قوله: و جعل العيني الشروع كالقراة) في أنها لا تجوز بغير العربية إلا عند العجز (قوله: ولا سند يقويه) بل الوجه الجواز، لأن المقصود التعظيم، و هو يحصل بأي لغة كانت". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل الشروع في الصلوة: ۱/۲۱۷، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

لا يدل عليه"۔

امام بخاریؒ نے ایسی احادیث پاک بھی ذکر کی ہیں جن میں دوسرے اسماء استعمال کئے گئے ہیں، اگر مراد یہ ہے کہ دوسرے نام اگرچہ دیگر اقوام کے نزدیک خدا ہی کے نام ہیں، لیکن چونکہ وہ دیگر اقوام کے شعار بن چکے ہیں اور مسلم کو غیر مسلم کے شعار سے اجتناب چاہئے تو یہ مراد بھی خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہیں(۱) مگر اس صورت میں ان ہی ناموں کو منع کیا جاسکتا ہے جو غیر اقوام کا شعار ہیں اور جو شعار نہیں ان کو منع نہیں کیا جاسکتا، جیسے خدا، ایزد، یزدان کہ یہ نام کسی مخصوص غیر مسلم کے شعار نہیں بلکہ بکثرت اہل اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اسماء الٰہی میں الحاد کا مطلب

سوال[۸۵]: اسماء الٰہی میں الحاد کرنے کی تعریف کیا ہے؟ کیا ملحد دائرۂ اسلام سے خارج ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ملحد کہتے ہیں سیدھے راستہ سے ہٹنے والے کو، جو شخص شریعت اور اسلام کا سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے، اگر وہ بالکل حدود اسلام سے باہر نکل جائے تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، بت پرست کہتے تھے کہ لات (بت) لفظ اللہ سے بنا ہے اور عزیٰ (بت) لفظ: عزیز سے بنا ہے، اور منات (بت) لفظ:

(۱) "(الإعطاء باسم النيروز والمهرجان لا يجوز): أي الهدايا باسم هذين اليومين حرام (وإن قصد تعظيمه) كما يعظمه (يكفر)". (الدر المختار).

" والأولىٰ للمسلمين أن لا يوافقهم على مثل هذه الأحوال لإظهار الفرح والسرور اهـ". (رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، ۷۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الخنثى، مسائل شتىٰ: ۶/۴۴۶، رشيديه)

(۲) (فيروز اللغات اردو جامع، مرتبه الحاج مولوى فيروز الدينؒ، ص: ۵۸۵، ۱۳۵، ۱۴۶۷، فيروز سنز لميٹڈ)

(وكذا في نور اللغات، مولوى نور الحسن نيّر مرحوم: ۲/۱۲۴۴، ۱/۴۲۵، ۴/۱۷۲۳، سنگ ميل پبلي كيشنز لاهور)

www.besturdubooks.net

منان سے(۱)۔ قرآن کریم نے کہا کہ یہ اسماء الٰہی میں الحاد ہے، کیونکہ یہ اللہ کے ناموں کا بگاڑنا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "والملحد: وهو من مال عن الشرع القويم إلى جهة من جهات الكفر، من ألحد في الدين حار و عدل ...... فالملحد أوسع فرق الكفر حداً: اى هو أعم من الكل". (رد المحتار: ۴/ ۲۴۱، باب المرتد، مطلب: في الفرق بين الزنديق والمنافق، سعيد)

﴿و ذروا الذين يلحدون في أسمائه﴾. الآية، حيث اشتقوا منها أسمآءً لآلهتهم كاللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان". (تفسير الجلالين مع حاشية الصاوي: ۲/ ۳۱۱، بيروت)

"والإلحاد يكون بثلاثة أوجه: أحدها بالتغيير فيها كما فعله المشركون، و ذلك أنهم عدلوا بها عما هي عليه، فسمّوا بها أوثانهم، فاشتقوا اللات من الله، والعزى من العزيز، و مناة من المنان".
(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۷/ ۲۰۸، بيروت)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ و صفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

شرک کی تفصیل

سوال[۸۲]: شرک کے معنی کیا ہیں؟ کیا خدا کے بیٹا، پوتا، یا ایک خدا کے بجائے دو خدا ماننا ہے؟ یا اس کے علاوہ اور کچھ باتیں شرک کی ہیں؟ یا پھر کون کون باتیں شرک کی ہیں؟ بالتفصیل تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدائے پاک اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس کے مثل اور کوئی ذات ماننا یہ شرک ہے، اس کی صفات کے مثل کسی میں صفات ماننا، یہ شرک ہے۔ جو کام صرف اسی کے لئے کئے جائیں وہ کام کسی اور کے لئے کرنا شرک ہے۔ مرادیں صرف اسی سے مانگی جاتی ہیں، کسی اور سے مانگنا شرک ہے(۱) بہشتی زیور میں بہت سی

---

(۱) "(و لا شيء مثله) اتفق أهل السنة على أن الله ليس كمثله شيء لا في ذاته و لا في صفاته ولا في أفعاله". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، تفسير قوله تعالیٰ: ﴿ليس كمثله شيء﴾، (سورة الشوریٰ: ۱۱)، ص: ۹۸، قديمي)

"احدهما ان يجعل لله نداً يدعوه كما يدعوالله، ويساله الشفاعة كما يسأل الله، ويرجوه كما يرجو الله، و يحبه كما يحب الله، و يخشاه كما يخشى الله، وبالجملة فهو أن يجعل لله نداً يعبده كما يعبد الله، و هذا هوالشرك الأكبر و هو الذي قال الله فيه: ﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً﴾ (النسآء: ۳۶) وقال: ﴿و لقد بعثنا في كل امة رسولاً أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ (النحل: ۳۶) وقال تعالیٰ: ﴿ويعبدون من دون الله ما لا يضرهم و لا ينفعهم، و يقولون هولاء شفعاؤنا عند الله، قل أتنبئون الله بما لا يعلم في السموات و لا في الأرض، سبحانه و تعالیٰ عما يشركون﴾ (يونس: ۱۸) وقال تعالیٰ: ﴿الله الذي خلق السموات والأرض و ما بينهما في ستة أيام، ثم استوى على العرش، مالكم من دونه من ولي و لا شفيع، أفلا تتذكرون﴾ (السجدة: ۴) والآيات في النهي عن هذا الشرك و بيان بطلانه كثيرة جداً". (تيسير العزيز الحميد شرح كتاب التوحيد، ص: ۳۰، مكتبه دار الباز، مكة)

www.besturdubooks.net

مثالیں اس کی موجود ہیں (۱) خدا کا بیٹا پوتا ماننا، یا ایک خدا کی بجائے دو یا زیادہ خدا ماننا، یہ بھی شرک ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲۸/ / ۸۹ھ۔

شرک فی وجود الوجوب

سوال [۸۷]: شرک فی وجوب الوجود اور شرک فی العبادۃ کس کو کہتے ہیں؟ اور شرک کی کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح باری تعالیٰ واجب الوجود ہے، ازلی، ابدی، غیر فانی ہے، اسی طرح کسی اور چیز کو تسلیم کرنا شرک فی وجوب الوجود ہے اور خدائے وحدہ کے ساتھ کسی اور شئی کی بھی عبادت کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ شرک فی الأسماء، شرک فی الصفات، شرک فی الأفعال بھی شرک کی قسمیں ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (بہشتی زیور، عقیدوں کا بیان: ۱/ ۳۵، دار الاشاعت)

(۲) ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ يَلِدْ○ وَ لَمْ يُوْلَدْ○ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○﴾ (الإخلاص)

(۳) "و إنما قلنا: إنه حي قيوم، لأنه واجب الوجود لذاته، و كل ما سواه فإنه ممكن لذاته محدث حصل تكوينه و تخليقه و إيجاده على ما بيّنا كل ذلك في تفسير قوله تعالى: ﴿الله لا إله إلا هو الحي القيوم﴾، وإذا كان الكل محدثاً امتنع كون شيء منها ولداً و إلهاً كما قال: ﴿إن كل من في السموات والأرض إلا ات الرحمن عبداً﴾". (التفسير الكبير: (آل عمران: ۲)، ۷/ ۱۵۲، دا الكتب العلميه طهران)

"إذا ثبت هذا فاعلم أن علماء نا رضي الله تعالى عنهم قالوا: الشرك على ثلاث مراتب و كله محرم: وأصله اعتقاد شريك لله في ألوهيته و هو الشرك الأعظم، و هو شرك الجاهلية، و هو المراد بقوله تعالى: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (النسآء: ۴۸). ويليه في الرتبة اعتقاد شريك لله تعالى في الفعل، و هو قول من قال: إن موجوداً ما غير الله تعالى يستقل باحداث فعل و إيجاده، وإن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة. وقد تبرأ منهم ابن عمر كما في حديث جبريل عليه السلام. ويلي هذه الرتبة الإشراك في العبادة و هو الرياء، وهو أن يفعل شيئاً من =

www.besturdubooks.net

کافر ومشرک میں فرق

سوال[۸۸]: کافر ومشرک میں کیا فرق ہے؟ کیا جس طرح گنہگار مؤمن کو اللہ پاک چاہے بخشے یا نہ بخشے، اسی طرح مشرکوں کو بھی چاہے بخشے چاہے نہ بخشے؟ اللہ پاک میں اتنی قدرت ضرور ہے کہ مشرکوں کافروں کو بھی بلاحساب کتاب جنت اعلیٰ میں داخل کردے، ﴿إن الله علی کل شئ قدیر﴾(۱) لیکن اللہ پاک کافروں ومشرکوں کو نہیں بخشے گا، کیونکہ وہ قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے: ﴿إن الله لا یغفر أن یشرك بہ ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء﴾(۲)۔

= العبادات التی أمر اللہ بفعلها له لغیره، و هذا هو الذی سیقت الآیات والأحادیث لبیان تحریمه، و هو مبطل للأعمال، وهو خفي لا یعرفه کل جاهل غبی". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: (النسآء: ۳٦)، ۱۱۸/۵، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"الشرک فی الربوبیة: و هو نوعان: أحدهما: شرک التعطیل، و هو أقبح أنواع الشرک، کشرک فرعون، إذ قال: (و مارب العالمین) و من هذا شرک الفلاسفة القائلین بقدم العالم و أبدیته، و إنه لم یکن معدوماً أصلاً، بل لم یزل و لا یزال، والحوادث بأسرها مستندة عندهم إلی أسباب و وسائط اقتضت إیجادها، یسمونها: العقول، والنفوس .... ومن هذا شرک من عطّل أسماء الرب وأوصافه من غلاة الجهمیة والقرامطة.

النوع الثانی: شرک من جعل معه إلهاً آخر، و لم یعطّل أسمائه و صفاته و ربوبیته کشرک النصاری الذین جعلوه ثالث ثلاثة، و شرک المجوس القائلین بإسناد حوادث الخیر إلی النور و حوادث الشر إلی الظلمة .... القسم الثاني: الشرک فی توحید الأسماء والصفات، و هو أسهل مما قبله، و هو نوعان: أحدهما: تشبیه الخالق بالمخلوق، کمن یقول: ید کیدي، وسمع کسمعي، و بصر کبصري، و استواء کاستوائي، و هو شرک المشبهة، الثاني: اشتقاق أسماء للآلهة الباطلة من أسماء الإله الحق، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ الأسماء الحسنی، فادعوه بها، و ذروا الذین یلحدون في أسمائه، سیجزون ما کانوا یعملون﴾ (الأعراف: ۱۸۰) قال ابن عباس: یلحدون في أسمائه: یشرکون، وعنه: سموا اللات من الإله، و العزی من العزیز". (تیسیر العزیز الحمید، ص: ۲۷، ۲۸، المکتبة السلفیه)

(۱) (البقرة: ۲۰)

(۲) (النساء: ۴۸، ۱۱٦)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً

ہر مشرک تو کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں (۱) کافر تو وہ بھی ہے جو ضروریاتِ دین نصِ قطعی وغیرہ کا انکار کرے (۲) مگر اسے مشرک نہیں کہتے، بلکہ مشرک اسے کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے، خواہ ذات میں خواہ صفات وافعال وغیرہ میں (۳) اللہ تعالیٰ نے دونوں کو نہ بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿الذین کفروا وکذبوا بآیتنا أولئك أصحاب النار﴾ (٤)، ﴿إن الله لایغفر أن یشرك به﴾ الخ (۵)۔

لیکن باوجود اس کے قدرت سلب نہیں ہوئی، بلکہ مغفرت پر قدرت باقی ہے کما فی کتب العقائد (٦)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) أنظر المسئلة الآتیة: "مشرک اور کافر میں فرق"

(۲) "والکفر لغةً الستر وشرعاً: تکذیبه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في شيءٍ مماجاء به من الدین ضرورةً". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۲۲۳، باب المرتد من کتاب الجهاد، سعید)

"والکفر لغة الستر، وشرعاً: تکذیبه محمداً صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في شي مما ثبت منه ادعاه ضرورةً". (البحر الرائق: ۵/۲۰۲، باب احکام المرتدین، رشیدیه)

(۳) "حقیقة الشرک أن یعتقد إنسان في بعض المعظمین من الناس أن الآثار العجیبة الصادرة منه إنما صدرت لکونه متصفاً بصفة من صفات الکمال مما لم یعهد في جنس الإنسان، بل یختص بالواجب جل مجده لایوجد في غیره، إلا أن یخلع بخلعة الألوهیة علی غیره، أو یفنی غیره في ذاته، ویبقی بذاته أو نحو ذالک مما یظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات کما ورد في الحدیث: "إن المشرکین کانوا یلبّون بهذه الصیغة: لبیک لبیک، لاشریک لک إلا شریکاً هو لک تملکه وما ملک"، فیتذلل عنده أقصی التذلل، ویعامل معه معاملة العباد مع الله تعالی". (حجة الله البالغة: ۱/۶۱، ۶۳، باب أقسام الشرک، إدارة المنیریة)

(٤) (سورة البقرة ۳۹) (۵) (سورة النساء ۱۴۸)

(٦) (إن الله علی کل شيء قدیر) (سورة البقرة: ۱۴۸)

"والله تعالی لایغفر أن یشرک به بإجماع المسلمین، لکنهم اختلفوا في أنه یجوز عقلاً أم لا، فذهب بعضهم إلی أنه یجوز عقلاً، وإنما عدمه بدلیل السمع" (شرح العقائد، ص: ۸۵ دهلی)

www.besturdubooks.net

مشرک اور کافر میں فرق

سوال[۸۹] : مشرک اور کافر میں کیا فرق ہے اور مشرک اور کافر کی کیا تعریف ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

ہر مشرک کافر ہے، لیکن ہر کافر مشرک نہیں، بلکہ بعض کافر غیر مشرک بھی ہوتا ہے، مشرک وہ شخص ہے جو توحید کا منکر ہو، یعنی خدا کو ایک نہیں مانتا، بلکہ اس کے ساتھ شریک مانتا ہے اور خدا کا بھی منکر نہیں۔ اور جو کافر مشرک کا مقابل ہے، وہ ہے جو خدا کو تو ایک مانتا ہے، لیکن خدا کے تعین میں غلطی کرتا ہے، مثلاً حضرت مسیح کو خدا اور معبود مانتا ہے تو یہ شخص کافر ہے مشرک نہیں، شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب، ص:۲۷۵ میں ایسا ہی بیان کیا ہے(۱) اور الیواقیت والجواہر کے، ص:۳۳ میں بھی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و فرق بينه و بين الكفار من أهل الكتب المنزّلة، فإن المشرک قادح في الحق و في الكون بشركه، فلم يكن له مستند يعصمه من القتل، لأنه قدح في التوحيد و في الرسل، و الكفار من أهل الكتاب لم يقدحوا في التوحيد و لا في الكون: أعني الرسل، لكن قدحوا في رسول معين لهوى، أو شبهة قائمة بنفوسهم أداهم ما قام بهم إلى جحود الحق ظلماً و علواً مع اليقين به". (الفتوحات المكية، الباب الخامس و السبعون ومائتان في معرفة منزل التبري من الأوثان من المقام الموسوي، و هو من منازل الأمر السبعة : ۴/ ۳۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فإن قيل : فهل كل كافر مشرک كما أن كل مشرک كافر، أم لا؟ فالجواب ما قاله في الباب الخامس و السبعين و مائتين: أن كل مشرک كافر و ليس كل كافر مشركاً، فأما كفر المشرک، فلعدوله عن أحدية الإله، و أما شركه، فلأنه نسب الألوهية إلى غير الله مع الله، و جعل له نسبتين فأشرک، و أما وجه كونه لا يلزم أن يكون كل كافر مشركاً، فهو أن الكافر هو الذي يقول: إن الإله واحد غير أنه أخطأ في تعيين الإله .... الخ". (اليواقيت و الجواهر، المبحث الأول في بيان أن الله تعالىٰ واحد أحد منفرد في ملكه لا شريک له: ۱/ ۶۲، دار إحياء التراث العربي و مؤسسة التاريخ العربي بيروت)

www.besturdubooks.net

صفات باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کرنا

سوال[۹۰]: خالق اپنی صفت خاصہ کی وجہ سے قادرِ مطلق اور یکتا بھی، مخلوق میں ہونا محال ہے، ممکن اور متنفس کے ساتھ تشبیہ دینا توحید میں عیب لگانا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قادرِ مطلق جل شانہ کے اوصاف خاصہ میں کسی مخلوق کو شریک کرنا غلط ہے، شرک فی الصفات ہے، اس کی توحید میں عیب لگانا ہے۔ معاذ اللہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

کیا اولیاء کو ذاتی قدرت ہے؟

سوال[۹۱]: ما قولکم دام فضلکم اندریں مسئلہ یکے از پیش امام مسجد در وعظ خود این می گوید کہ قدرتیکہ مر خدا را هست اولیاء راهم باشد، باین الفاظ هم می گوید کہ بعضے از انبیاء و اولیاء مردگاں را بالفاظ "قم باذني" و نگفت "قم بإذن اللّٰہ" حیات بخشندہ اند، پس بعضے از مقتدیان کہ در پس در نماز اقتداء کردہ بودند اقتداء کردن در پس آن امام ترک کردہ اند، دریں باب از روئے اعتقاد وفقہ چہ می گویند ترکِ اقتداء از روئے فقہ و عقائد اولیٰ است یا ناجائز یا اقتداء در پس او جائز؟ دلیل و برهان فقہ عقائد فرمودہ مستحق اجر شوند۔

سائل: ابوالقاسم نمبر: ۸، حق درگاہ اسٹریٹ، پرنگی پیٹی مدراس، انڈیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

فبعد! امام را نشاید کہ ایں چنیں سخن بر زبان راند کہ موجبِ فتنہ و فساد عقیدہ

---

(۱) "والشرک أن یثبت لغیر اللہ سبحانه وتعالی شیأ من الصفات المختصة کالتصرف فی العالم بالإرادة الذی یعبر عنه "بکن فیکون"، أو العلم الذاتی من غیر اکتساب بالحواس ودلیل العقل والمنام والإلهام ونحو ذالک، أو الإیجاد لشفاء المریض". (الفوز الکبیر: ص: ۱۸، مکتبہ خیر کثیر)

"فالشرک فی الربوبیة، فإن الرب سبحانه هو المالک المدبر المعطی المانع الضار النافع الخافض الرافع المعز المذل، فمن شهد أن المعطی أو المانع أو الضار أو النافع أو المعز أو المذل غیره فقد أشرک بربوبیته". (مجموعة الفتاوی لابن تیمیة: ۱/۷۲، بیروت)

www.besturdubooks.net

شود، قدرتیکہ در مردم ظاہر می شود، ذاتی وخانہ زاد نیست، بلکہ پر توِ قدرت قادرِ مطلق است جل شانہ، کسے نمی تواند کہ بغیر مددِ خدا ذرّہ و برگ کاھے را از جائے بجنباند، و از بعض اولیاء کہ این جملہ منقول است در حقیقت حکایت جملہ است کہ" از سروش در گوش ایشان گفتہ شد نہ کہ از نفس خود گفتہ بودند"۔ چنانچہ در گوش منصور آواز آمد "أنا الحق" او مست شدہ ہمان آواز را می گفت، شنیدگان فہمیدند کہ او دعویٰ می کند پس بگذشت برو آنچہ گذشت. اگر مرادِ امام ہمین است، در پس او نماز جائز است(۱) مگر او رَا احتیاط لازم است، و اگر انبیاء اولیاء را قدرتے مستقل مثل قدرتِ حق تعالیٰ مسلّم می دارد، این شرک است(۲) . فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "والصلاة خلف كل بر و فاجر": أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة): أي لقوله صلى الله عليه وسلم : (صلوا خلف كل بر و فاجر)". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري،ص:۱۲۷، قديمي)

"و تجوز الصلاة خلف كل بر و فاجر لقوله عليه السلام :"صلوا خلف كل بر و فاجر" و لأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة و أهل الهواء والبدع من غير نكير". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۰، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية لابن ابي العز، ص:۳۷۳، ۳۷۴، قديمي)

(۲) "و يليه في الرتبة اعتقاد شريك لله تعالىٰ في الفعل، و هو قول من قال : إن موجوداً ما غير الله تعالىٰ يستقل بإحداث فعل و إيجاده و إن لم يعتقد كونه إلهاً كالقدرية مجوس هذه الأمة، و قد تبرأ منهم ابن عمر كما في حديث جبرئيل عليه السلام ".(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (النسآء:۳۶) ۱۱۸/۵، دار الكتب العلمية)

"حقيقة الشرك أن يعتقد إنسان في بعض المعظمين من الناس أن الآثار العجيبة الصادرة منه إنما صدرت منه لكونه متصفاً بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد في جنس الإنسان، بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد في غيره إلا أن يخلع هو خلعة الألوهية على غيره، أو يفنى غيره في ذاته و يبقى بذاته أو نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات، كما ورد في الحديث:"إن المشركين كانوا يلبّون بهذه الصيغة: لبيك، لبيك لا شريك لك إلا شريكاً هو لك، تملكه و ما ملك". فيتذلل عنده أقصى التذلل، و يعامل معه معاملة العباد مع الله تعالىٰ". (حجة الله البالغة، باب أقسام الشرك : ۱۸۳/۱، ۱۸۴، قديمي)

www.besturdubooks.net

کیا اولیاء پر موت طاری نہیں ہوتی؟

سوال[۹۲]: ما تقولون فی معنی الأولیاء لا یموتون هل هذه الجملة جزء من حدیث أم کیف؟ و یعتقد فرقة ضالة أن الأولیاء أحیاء لا یموتون، بل هم یغیبون من نظر الناس و یسمعون کلام الناس من مقام تکلموا من قریب أو بعید؟ المستفتی :فدوی محمد بدر الدجیٰ عفی عنه ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

هذا لم یوجد فی شيء من کتب الأحادیث الصحیحة والحسان فیما أعلم۔ وأما السماع من أیّ مقام، تکلموا من قریب أو بعید، فهو شان السمیع الخبیر، لا یشارکه أحد، ومن اعتقده فهو شرک فی الصفات، قال القاری فی شرح الفقه الأکبر: "إن رجال الغیب هم الجن، لأن الإنس لایکون دائماً محتجباً عن أبصار الإنس، و إنما یحتجب أحیاناً، فمن ظن أنهم من الإنس فمن غلطه و جهله وسبب الضلالة فیهم، و بالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرّد به سبحانه و لا سبیل إلیه للعباد إلا بإعلام منه وإلهام بطریق المعجزة أو الکرامة أو إرشاد إلی الإستدلال بالأمارات فیما یمکن فیه ذلک۔

ثم اعلم أن الأنبیاء علیهم السلام لم یعلموا المغیبات من الأشیاء إلا ما أعلمهم الله تعالیٰ أحیاناً، وذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر بإعتقاد أن النبی علیه الصلاة والسلام یعلم الغیب، لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ کذا فی المسایرة اهـ"(۱)۔ وقال فی الفتاویٰ البزازیة: "تزوج بلا شهود وقال: **خدا و رسول خدا و فرشتگان را گواه کردم**، یکفر؛ لأنه اعتقد أن الرسول والملک یعلمان الغیب اهـ"(۲)۔

"من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر اهـ"(۳)۔فقط والله تعالیٰ اعلم و علمه أتم و أحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی بمدرسہ مظاہر علوم سہارنفور الہند۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر له المبتلی بامانة الإفتاء بالمدرسة العلیة المشتهرة بمظاهر علوم الواقعة ببلدة سهارنفور یوپی، ۷/جمادی الاولی /۶۷ھ۔

---

(۱) (شرح الملا علی القاري علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۱، قدیمی)

(۲) (الفتاوی البزازیة: ۳۲۵/۲، الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ من کتاب السیر، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی البزازیة: ۳۲۶/۲، الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ، رشیدیه)

و قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا أملک لنفسی نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء الله ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت =

www.besturdubooks.net

کسی بزرگ کی دوہائی

سوال[۹۳] : دوہائی کے کیا معنیٰ اور غیر اللہ کی دوہائی دینا جیسے کہے کہ سلیمان علیہ السلام اور پیران پیر کی دوہائی سے بولتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً :

دوہائی (۱) اس طرح ناجائز ہے، بلکہ شرک ہے کہ غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح متصرف مانتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

= من الخیر﴾ (الأعراف :۱۸۸)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم ما فی الأرحام﴾ (سورۃ لقمان:۳۴)

"والتحقیق أن الغیب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی، و قد نطق القرآن بنفی علمہ عمن سواہ تعالیٰ، فمن ادعی أنہ یعلمہ کفر، ومن صدق المدعی کفر". (النبراس ، ص:۳۴۳، امدادیہ ملتان)

"رجل تزوج امرأۃ بغیر شھود فقال الرجل والمرأۃ: خدائے را، وپیغامبر را گواہ کردیم، قالوا: یکون کفراً، لأنہ اعتقد أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب، وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الأحیاء فکیف بعد الموت". (فتاوی قاضی خان :۳/۵۷۶، باب ما یکون کفرا من المسلم و ما لا یکون، رشیدیہ)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریۃ: ۲/۲۶۶، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، رشیدیہ)

(۱) "کسی کا نام لے کر فریاد کرنا"۔ (فیروز اللغات :ص:۶۵۷، فیروز سنز)

(۲) "و منھا أنہ إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، و اعتقادہ ذلک کفر". (رد المحتار کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوہ: ۲/۴۳۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر : ۲/۵۲۰، رشیدیہ)

(والنھر الفائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر :۲/۳۲، امدادیہ)

www.besturdubooks.net

شہید بابا پر دونے چڑھانا

سوال[۹۴]: مسجد میں یا مکان کے کسی طاق میں یہ کہہ کر کہ یہاں شہید بابا ہیں، اس پر ہندو مسلمان دونے(۱) چڑھاتے ہیں، ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشرکانہ حرکت ہے(۲) توبہ لازم ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کسی پیر کے نام بچہ کے سر پر چوٹی رکھنا

سوال[۹۵]: بزرگوں سے منت ماننا اور بزرگوں کے نام پر بچوں کے سر پر چوٹی رکھنا، پھر وقت مقررہ پر درگاہوں میں جا کر منڈوانا، ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حرام اور شرک ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''مزار پر پھول یا شیرینی کا چڑھاوا چڑھانا'' (فیروز اللغات: ص: ۶۵۷، فیروز سنز)

(۲) "من قال: إن أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر". (الفتاوى البزازية: ۶/۳۲۶، الفصل الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ، رشيديه)

(وكذا في مجموعة الفتاوى: ۱/۳۶، كتاب العقائد، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة﴾. (سورة النساء: ۱۷)

قال الله تعالىٰ: ﴿واستغفروا ربكم ثم توبوا إليه إن ربي رحيم ودود﴾. (سورة هود: ۹۰)

(۴) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام". (رد المحتار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، مطلب في النذر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵۱، الباب السادس في زيارة القبور، رشيديه)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم ينهى عن القزع، قيل لنافع: ما القزع؟ قال: يحلق بعض رأس الصبي و يترك البعض".

"عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن =

www.besturdubooks.net

کسی مردہ بزرگ کا کسی انسان میں حلول کرنا

سوال[۹۶]: پیر یا غوث بزرگ عورت میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صفت انسان کی نہیں، بلکہ شیطان کی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گمراہ مرشد کے کہنے سے قبر کو سجدہ کرنے کا حکم

سوال [۹۷]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مرشد صاحب رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "نماز، نماز کیا جو آدمی رات دن محنت ومزدوری کرتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ہے، کیا یہ نماز نہیں ہے"؟ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے قبر پر سجدہ کرایا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اندر ہی اندر اللہ سے ڈرتا ہوں، اپنی غلطی سے بے حد نادم ہوں، یہ شخص کوئی عالم وفاضل نہیں ہیں، بلکہ پہلے انہوں نے زندگی ایک فلمی ہیرو کی طرح گزاری اور اب پیر بن گئے ہیں۔ حضرت والا! مجھے سچی توبہ کا راستہ

= ذلک". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۰، باب الترجل، قديمي)

(۱) "و ذكر أبو الحسن الأشعري في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن المصروع كما قال الله تعالى: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ الاية (سورة البقرة: ۲۷۵). قال عبد الله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس. قال: يا بني! يكذبون، هوذا يتكلم على لسانه". (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

"تصرف جن و شیاطین در بدن آدمی: یعنی در روح ہوائی و تسمیہ او کہ حامل قوی است، و آنرا بصرع الجن در عربی می نامند، و بآسیب وخبط در عرف تعبیر میکنند، نزد اہلسنت بلکہ اکثر فرق اسلام مسلّم است، چنانچہ در تفسیر نیشاپوری وغیرہ درتحت آیہ: ﴿يتخبطه الشيطان من المس﴾ مذکور است: "وأكثر المسلمين على أن الشيطان قادر على الصرع والقتل والإيذاء بتقدير الله تعالى". (فتاوی عزیزی، ص: ۱۱۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(وكذا في مجموعة الفتاوى، كتاب العقائد (اردو): ۱/۹۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

بتلادیجئے، تاکہ گمراہی سے بچوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جن مرشد کے آپ نے حالات لکھے ہیں وہ ہدایت کے مرشد نہیں، بلکہ ضلالت کے مرشد ہیں یعنی ہدایت کے راستہ سے ہٹا کر گمراہ کرنے والے ہیں، ان کا کام جنت کے راستہ پر چلانا نہیں، بلکہ دوزخ کے راستہ پر چلانا ہے۔ آپ نے ان کے کہنے سے، قبر پر سجدہ وطواف وغیرہ کیا تو وہ بھی غلط طریقہ اختیار کیا، تعلیماتِ اسلام کے خلاف کیا، ان کی نیت کا حال ہم نہیں جانتے، صورۃً یہ ضرور شرک ہے، دوسرے دیکھنے والے بھی اس سے گمراہ ہوں گے، آپ نے بھی سخت غلطی کی، معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں: ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" الحديث(١)۔ آپ اپنی نیت کی وجہ سے شرک حقیقی سے اگر چہ بچ گئے، لیکن قبر کو سجدہ کرنا بھی صورۃً شرک ہوا(۲)، دیکھنے والوں نے بھی یہی سمجھا کہ آپ نے قبر کو سجدہ کیا ہے، مٹی پر مصلی بچھا کر خدا کو سجدہ نہیں کیا، نہ اس مقصد کے لئے ان گمراہ مرشد نے آپ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔

بہر حال سخت معصیت کا صدور ہوا، سچے دل سے توبہ کیجئے، استغفار پڑھئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں نے قبر کو سجدہ نہیں کیا، نہ قبر کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہوں، بلکہ قبر کو سجدہ کرنا معصیت اور شرک سمجھتا ہوں، گمراہ مرشد کے کہنے سے جو صورت پیش آئی اس سے توبہ کرتا ہوں (۳) توبہ کی تکمیل کے لئے، کچھ صدقہ بھی دے دیجئے، کچھ روزے بھی رکھ لیجئے، سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ معاف فرمادیتے ہیں: لقوله تعالىٰ: ﴿إني لغفار لمن تاب﴾ الاية (٤) امید ہے کہ اس کو بھی معاف فرمائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، ص: ٣٢١، قديمي)

(٢) "و ما يفعله من السجود بين يدى السلطان، فحرام، والفاعل والراضي به آثمان، لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد انه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسي: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ٨/٣٦٤، رشيديه)

(٣) قال الله تعالى: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا و بيّنوا، فاولئك اتوب عليهم، و أنا التواب الرحيم﴾ (البقرة: ١٦٠)

قال علامة الآلوسي تحتها: "أى أظهروا ما بينه الله تعالىٰ للناس معاينة، و بهذين الأمرين تتم =

www.besturdubooks.net

قبروں کو سجدہ کرنا اور چومنا

سوال[۹۸]: ایک مولوی صاحب فارغ التحصیل مدرسہ ہذا حسب ذیل امور کا ارتکاب کرتے ہیں، کیا شریعت کی رو سے مذہب حنفی میں یہ باتیں کرنا اور تعلیم دینا جائز ہے یا کیا؟ یہ مولوی صاحب خاندانی پیر ہیں، اپنے بزرگوں کے مزارات پر جا کر در و دیوار کو چومتے ہیں، مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھتے ہیں، پھر اندر داخل ہوتے ہیں اور ان کو دیکھ کر مرید بھی بڑھ چڑھ کر ایسا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا حرام؟ آرڈر کرنے والا کیسا ہے؟ حوالہ جات کتب معتبرہ فقہ، حدیث، تفسیر سے جوابات ارقام فرما کر عنداللہ مشکور ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزار کے دروازہ پر جا کر سر رکھنا، سجدہ کی ہیئت بنانا اگر بقصدِ تعظیم ہو تو حرام ہے، اگر بقصد عبادت ہو تو شرک ہے، قبر کو بوسہ دینا یا مزار کے در و دیوار کو چومنا بھی حرام ہے:

"من سجد للسلطان بنية العبادة أولم يحضرها فقد كفر. و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم: أي كتعظيم الله سبحانه، كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لا يكفر، أقول: هذا هو الأظهر. وفي الظهيرية: قال بعضهم: يكفر مطلقاً، و أما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود، إلا أن وضع الجبين أو الخد على الأرض فحش و أقبح من تقبيل الأرض، أقول: وضع الجبين أقبح من وضع الخد اهـ". شرح فقه اكبر: ص:۲۳۸ (۱).

=التوبة، و قيل: أظهروا ما أحدثوه من التوبة ليمحوا سمة الكفر عن أنفسهم و يقتدى بهم أضرابهم، فإن إظهار التوبة ممن يقتدى به شرط فيها على ما يشير بعض الآثار". (روح المعاني: ۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي)

(۳) (طه: ۸۲)

(۱) (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاريؒ: أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص:۱۹۳، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۳۶۴/۸، رشيديه)

(و روح المعاني تحت قوله تعالىٰ: (وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم) الاية: ۲۲۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

www.besturdubooks.net

"والسجدة حرام لغيره سبحانه اهـ". شرح فقه اكبر، ص: ۲۳۰ (۱) "والمستحب لزيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجه الميت، و أن يسلم، و لا يمسح القبر، ولا يقبّله، و لا يمسه، فإن ذلك من عادة النصارى اهـ". طحطاوی، ص: ۳٤۱ (۲).

"و من وقف بالقبر لا يلتصق به، و لا يمسه (إلى قوله): فينبه العالم غيره على ذلك، و يحذر هم من تلك البدع التي أحدث هناك من لا علم عنده ليطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام و يتمسح به و يقبله الخ". مدخل: ۱/۲٦۲ (۳). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۹/محرم الحرام/٦۳ھ۔

پیرومرشد کو سجدہ کرنا

سوال [۹۹]: کیا اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ اور دوسرا سجدہ پیرومشائخ کو درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہر سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، پیرومرشد کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے اور نماز میں پیرومرشد کے لئے سجدہ کرنا شرک ہے (۴)۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸۷)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ٦۲۱، قديمي)

(۳) (المدخل لابن الحاج، فصل في زيارة القبور: ۱/۲٥٦، مصطفىٰ البابي الحلبي)

(۴) "و ما يفعله من السجود بين يدي السلطان، فحرام، و الفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود، لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسي: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۸/۳٦۳، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك الخ: ٥/۳٦۸، ۳٦۹، رشيديه)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۹۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

عورت کو کہا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"(۱)، اس وجہ سے کسی کو بھی خدا کے سوا سجدہ نہ کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

مصنوعی قبر کی پرستش

سوال[۱۰۰]: زید مصنوعی قبر بنا کر پرستش کرتا کراتا ہے، یہ کس درجہ کا جرم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ مستحق لعنت ہے(۲) اس کو توبہ لازم ہے تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی کرے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۴ھ۔

---

(۱) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرئة أن تسجد لزوجها" رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحد من الحقوق، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمي)

وذكر العلامة الجصاص بلفظ: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما ينبغي لبشر أن يسجد لبشر، ولو صلح لبشر أن يسجد لبشر، لأمرت المراة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها".

(أحكام القرآن، باب السجود لغير الله تعالىٰ: ۱/۳۶، تحت قوله تعالىٰ: ﴿وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم﴾" الآية (البقرة: ۳۴)، قديمي)

وقال العلامة الآلوسي تحت آية البقرة رقمها: ۳۴: "إن السجود الشرعي عبادة، و عبادة غيره سبحانه و تعالى شرك محرم في جميع الأديان و الأزمان، و لا أراها حلّت في عصر من الأعصار". (روح المعاني: ۲۲۸/۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان "پیرومرشد کو سجدہ کرنا")

"و من سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر. و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه، كفر". (شرح الفقه الأكبر للقاريّ، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۹۳، قديمي)

(۳) "و ما كان في كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة و الرجوع عن ذلك =

www.besturdubooks.net

پیرانِ پیر کا کلمہ اور جلوس

سوال [۱۰۱] : دونوں عیدوں میں چاندی پنجہ حضرت محی الدین جیلانیؒ کے علموں پر چڑھانا اور دف سے تال میں "ھو اللہ لا اللہ، ھو اللہ لا اللہ محی الدین جیلانی" ایک چھوٹی نقاری سرنائی، الوانی، تلوار تیغ سلائی کے ساتھ جلوس نکالنا، جس میں نہ تکبیرات تشریق ہوں، نہ ذکر ہو تو ایسے جلوس میں شامل ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جلوس مشرکانہ ہے، اس میں شرکت حرام ہے، ایمان کا خطرہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے بال گھٹ جاتے ہیں؟

سوال [۱۰۲] : مسلمان کہتے ہیں کہ عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے ڈیڑھ بال گھٹ جاتے ہیں، اگر لاکھ مرتبہ نام لیا جائے تو بال ترشوانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

=بطريق الاحتياط". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ :۵/۴۶۱، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، قبيل باب البغاة: ۲/۲۸۳، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تعاونوا على الإثم و العدوان﴾ (سورة المائدة : ۲)

وقال الله تعالىٰ :﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين ﴾ (سورة الأنعام: ۶۸)

"و ذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك و أهل الملة لوقوع الإسم عليهم جميعاً". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۳، تفسير سورة الأنعام : آيت :۶۸)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من كثّر سواد قوم فهو منهم، و من رضي عمل قوم كان شريكاً لمن عمله". (المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية : ۲۲۲)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۷۵، كتاب اللباس، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہمارا یہ عقیدہ نہیں، اگر کسی نے ہماری طرف اس کو منسوب کیا ہے تو غلط منسوب کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

بڑے پیر صاحب کا ملک الموت سے ارواح کو چھین کر زندہ کر دینا

سوال [۱۰۳] : ایک عورت کا شوہر مر گیا وہ عورت رو رہی تھی، اتنے میں بڑے پیر صاحب نے دریافت کیا اس نے کہا کہ میرا شوہر مر گیا، اس کو تسلی دے کر وہ چوتھے آسمان پر گئے اور ملک الموت کو پکڑا اور ایک روح مانگی، اس فرشتے نے نہیں دیا تو ملک الموت سے وہ زنبیل بڑے پیر صاحب نے چھین لی اور تمام روحیں زمین پر چھوڑ دی تو سب کے سب زندہ ہو گئے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے، جس طرح دوسرے مذہب کے لوگ اپنے بزرگوں کی طرف جھوٹے قصے منسوب کرتے ہیں تو مسلمانوں نے بھی ایسی ہی صورت اختیار کر لی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کیا بڑے پیر صاحب اور شمس تبریز نے مردوں کو زندہ کیا؟

سوال [۱۰۴] : کیا یہ بات صحیح ہے کہ بڑے پیر اور شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کئے ہیں؟ کیا بزرگوں سے ایسی کرامات ثابت ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

میں نے کسی مستند کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا ہے، اللہ پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ معجزہ عطا

www.besturdubooks.net

فرمایا تھا(۱) اور بھی کسی کے ذریعہ کسی مردہ کو زندہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں (۲) لیکن کوئی شخص خود کسی مردہ کو زندہ نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۱ھ۔

بزرگ کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہونچنا

سوال [۱۰۵]: یہاں پر جھیرالو نامی ایک گاؤں ہے، یہاں پر جہلم بابو نامی ایک شخص کو کسی کامل بزرگ نے کچھ آیات قرآنی عطا فرمائی ہیں اور دریافت کرنے پر وہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے ساتویں پارے کی وہ آیتیں ہیں جسے پڑھ کر وہ ہوا میں پھونک مارتے ہیں جس کا اثر ایک میل تک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے برتنوں میں پہونچ جاتا ہے اور ان کی بتائی ہوئی ترکیب کے موافق اس پانی کا استعمال کرنے سے ہزاروں خلق خدا نے فائدہ اٹھایا ہے اور بیماریوں سے نجات حاصل کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص داڑھی نہ رکھتا ہو مگر نمازی ہو یا بے نمازی ہو اور اسے کسی کامل بزرگ کی طرف سے کوئی آیات قرآنی یا اسماء حسنیٰ میں سے کوئی اسم عطا کیا گیا ہو اور وہ ان آیات یا اسماء حسنیٰ کو پڑھ کر پانی پر پھونک مار دیتا ہو تو ایسا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے پانی سے فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور پھونک کا اثر اتنی دور تک پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیات قرآنی اور اسماء حسنیٰ کا اثر یقیناً حق ہے (۳) بسا اوقات پڑھنے والے کی زبان کی وجہ سے ان کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحي الموتی بإذن اللہ﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال تعالیٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني، فتنفخ فيها فتكون طيراً بإذني، وتبرىء الأكمه والأبرص بإذني، وإذ تخرج الموتی بإذني﴾. (المائدة: ۱۱۰)

(۲) (فيكون طيراً بإذن اللہ) و أشار بذلك إلى أن إحياء ه من اللہ تعالیٰ، و لكن بسبب النفخ .... بل لو شاء اللہ تعالیٰ الإحياء بنفخ أيّ شخص كان، لكان من غير تخلف و لا استعصاء". (روح المعاني، (آل عمران: ۴۹): ۱۶۸/۳، دار إحياء التراث العربي)

(۳) "عن أبي لهيعة عن قيس بن الحجاج قال: قال شيطاني: دخلت فيك و أنا مثل الجزور و أنا فيك اليوم مثل العصفور، قال: قلت: و لم ذلك؟ قال تذيبني بكتاب اللہ عز وجل و عن أبي خالد =

www.besturdubooks.net

اثر ظاہر نہیں ہوتا، بسا اوقات ایسے شخص کے پڑھنے سے بھی اثر ظاہر ہوجاتا ہے جو بظاہر بزرگ معلوم نہیں ہوتا، پھونک کا اثر اللہ تعالیٰ کی مدد سے بہت دور تک پہونچ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

پیر بزرگ کی سواری کا آنا

سوال[۱۰۶]: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بڑے پیر غازی میاں ہٹھیلے بابا کی سواری آگئی، اس کی کوئی اصل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بزرگ حضرات انتقال کے بعد کسی پر سوار ہوکر اس کو نہیں ستاتے، سواری آنے کے متعلق لوگوں میں جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہ شرعاً بے اصل ہیں، البتہ جنات اور شیاطین آسکتے ہیں اور جس کا نام چاہیں بتلادیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۷/۱۳ھ۔

= الوالبي قال: خرجت وافداً إلى عمر رحمه الله و معي أهلي، فنزلنا منزلاً و أهلي خلفي، فسمعت أصوات الغلمان و جلبتهم، فرفعت صوتي بالقرآن، فسمعت رجبة شيء طرح فسألتهم، فقالوا: أخذتنا الشياطين فلعبت بنا، فلما رفعت صوتک بالقرآن ألقونا و ذهبوا". (آکام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجان، بيان تأثير القرآن والذكر والرقى، ص: ۹۸، مكتبه خير كثير)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه إن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حي من أحياء العرب فلم يقروهم، فبينما هم كذلک إذا لدغ سيد أولئک، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً، فجعلوا لهم قطيعاً من الشاء، فجعل يقرأ بأم القرآن و يجمع بزاقه و يتفل فبرأ الخ". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ۸۵۴/۲، قديمي)

(۱) "سوال: نبی یا صدیق یا شہید یا ولی، یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کسی کے سر پر آنا اور اس کی زبان پر بولنا اور اس کی مدد کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟.. =

www.besturdubooks.net

کیا بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں؟

سوال[۱۰۷]: حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ جن کا مزار پانی پت میں ہے، ان کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تشریف لانا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحبِ مزار کے متعلق عقیدہ

سوال[۱۰۸]: کیا اولیاءِ کرام کے نام سے نیاز و نذر اور منتیں مرادیں مانگنا جائز ہے یا صریح شرک ہے اور ان کے مزارات پر پھول چڑھانا اور ریشمی زری کی چادریں چڑھانا درست ہے یا اسراف؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اولیائے کرام کے لئے نذر ماننا اور ان کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا حرام ہے، اگر یہ عقیدہ بھی ہو

= جواب: ثابت نہیں، ایسے امور کا قائل واہی، اس کا قول قابلِ سماعت نہیں، البتہ شیاطین، جن ایسے کام کیا کرتے ہیں، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشياطين من المس﴾ الآية (مجموعة الفتاوی (اردو)، كتاب العقائد: ۱/ ۷۰، سعید)

(وكذا في امداد المفتيين، ص: ۱۲۰، دارالاشاعت)

"قال عبد الله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس. قال: يا بني! يكذبون، هوذا يتكلم على لسانه". (آكام المرجان في غرائب الأخبار و أحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

"وكانت الشياطين تتراءى لهم أحياناً، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة أو يقضون لهم بعض الحوائج". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمه الله، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/ ۲۳۸، مكتبة العبيكان)

www.besturdubooks.net

کہ وہ صاحب مزار ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور دنیا کی سب چیزیں ان کے تصرفات سے ہوتی ہیں تو شرک ہے:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، و ما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت و نحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل و حرام. قال فی البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق و لا یجوز، ولأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، و منها: أن المنذور له میت والمیت لا یملك. و منها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالی، کفر اهـ". طحطاوی علی المراقی، ص: ۳۳۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایک شیعہ پیر کے عقائد وخیالات

سوال[۱۰۹]: ایک پیر مسمی بہ قاتل معروف ومشہور ہے، تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب روافض سے تعلق رکھتا ہے، بناء علیہ وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد، فقہ کو محو اور نسیان کے گھاٹ اتار دینا واجب اور فرض عین سمجھتا ہے، شب وروز اسی بیخ کنی میں غوطہ زن ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنے باطل مذہب کا شکار بناتا اور گمراہ کرتا ہے۔ اس کے بہت لوگ مرید ہیں منجملہ ان کے چند یہاں قصبہ بھوساور، ریاست بھرتپور کے اندر بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ اس مبطل کے عقائد باطلہ اور خبیثہ کا ظہور ہوتا ہے۔

مثلاً پہلا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہ کسی کو سلام نہیں کرتے، دوسرا یہ ہے کہ کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتے خواہ امام کتنا ہی بڑا متقی و پرہیزگار کیوں نہ ہو، کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کہ یہ امام حلالی ہے یا حرامی، زنا کاری کو مباح اور عین ثواب سمجھتے ہیں۔ سوم یہ کہتے ہیں ہماری شریعت اَور ہے اور علماء کی اَور، دیگر ہمارے پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے بھی بڑھ کر ہے، ہمارے پیر کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے ہی کیا چیز، بلکہ خدا تعالیٰ بڑا ہی نیچا ہے۔ چہارم حقیقی دین درویشوں ہی کے

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصوم، باب مایلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسده، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعید)

(والبحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۲۰، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

پاس ہے، علماء کے پاس کچھ نہیں کیونکہ وہ مثل حمار وحشی کے ہیں، خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء نہیں ڈرتے ہیں اور قرآن وحدیث کو درویش ہی لوگ سمجھتے ہیں علماء کچھ نہیں سمجھتے ہیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ:

۱......کیا واقعی پیش امام کی اس قدر تحقیق وتفتیش کرنا ضروری ہے کہ یہ حلالی ہے یا حرامی؟

۲......کیا درویشوں اور علماء کی شرع علیحدہ علیحدہ ہیں؟

۳......اور کیا پیر کا مرتبہ نعوذ باللہ منہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور کیا خدا تعالیٰ نیچا ہے؟

۴......اور کیا خدا تعالیٰ سے درویش ہی لوگ ڈرتے ہیں، علماء لوگ نہیں ڈرتے ہیں، باوجود کہ پیر کا مرتبہ خدا تعالیٰ سے اعلیٰ واعظم ہونے کے؟ نیز کیا فرمان خداوندی نعوذ باللہ من ذلک لغو اور باطل ہے: ﴿إنما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء﴾ (۱)۔

الحاصل جن لوگوں کے عقائد مذکورہ بالا کے مطابق ہوں تو کیا ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے؟ نیز ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور سلام وکلام، تعلقاتِ دنیویہ مثلاً: اکل وشرب، بیع وشراء اور نکاح وغیرہ کرنا کیسا ہے اور جو عورتیں کہ ان کے نکاح کے اندر ہیں ان کا علیحدہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا وجہ کسی کے متعلق یہ تحقیق وتفتیش کرنا یہ حرامی ہے یا حلالی ہے یہ جائز نہیں اور کسی پر بلا دلیل شرعی حرامی ہونے کی بدگمانی کرنا یا الزام لگانا حرام ہے (۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور دوسرے شرائط بھی پائے جائیں تو

---

(۱) (الفاطر: ۲۸)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم، و لا تجسسوا و لا یغتب بعضکم بعضاً، أیحب أحدکم أن یاکل لحم أخیه میتاً فکرهتموه﴾ (الحجرات: ۱۲)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث، و لا تحسسوا، و لا تجسسوا، و لا تنافسوا، و لا تباغضوا، و لا تدابروا، و کونوا عباد اللہ إخواناً". (الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها: ۳۱۶/۲، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا اجتنبو کثیراً من الظن﴾ الاٰیة: ۸۹۶/۲، قدیمی)

www.besturdubooks.net

الزام لگانے والے پر حدقذف جاری کی جائے گی: "و هو كحد القذف كمية و ثبوتاً، و يحد الحر و العبد قاذف المسلم الحر البالغ العفيف بصريح الزنا أو بقوله: زنأت في الجبل أولست لأبيك الخ". درمختار علی الشامی:۳/۱۶۷، ۱۶۸(۱)۔

۲..... یہ جاہلوں اور گمراہ کرنے والوں کا خیال اور من گھڑت عقیدہ ہے کہ علماء اور درویشوں کی شریعت علیحدہ علیحدہ ہے، شریعت کا حکم سب کے لئے برابر واجب العمل ہے(۲)۔

۳..... یہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ کفریہ عقیدہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا اور اس قسم کے خلاف شرع عقائد سے توبہ کرنا لازم ہے(۳)۔

۴..... چھوٹا، بڑے سے ڈرا کرتا ہے، اہل علم اپنی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور اپنا چھوٹا ہونا اور خدائے برتر کا اکبر من کل شیء ہونا ان کو خوب معلوم ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور جو شخص نعوذ باللہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بڑا جانتا ہے وہ کہاں ڈرے گا، ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اولاً نرمی سے سمجھایا جائے کہ ان کا یہ عقیدہ اللہ پاک اور اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور بدترین معصیت ہے، اس عقیدہ سے توبہ کرکے تجدید اسلام وتجدید نکاح شرعاً ضروری ہے، اگر وہ مان لیں تب تو بہتر ہے ورنہ ان سے ترکِ تعلق کردیا جائے تاکہ ان کا اثر دوسروں پر نہ پڑے اور خود تنگ آکر توبہ کرلیں(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶ رجب ۵۹ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب حد القذف: ۴/۴۳، ۴۷، سعید)

(و كذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/ ۵۲۹، مكتبه شركت علميه)

(و كذا كنز الدقائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، ص: ۱۸۹، رشيديه)

(۲) "ولا يصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهي لعموم الخطابات الواردة في التكاليف و إجماع المجتهدين على ذلك". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۶، مبحث لا يبلغ وليّ درجة الأنبياء، قديمي)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: أتي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسارق فقطعه فقالوا: ما كنا نراك تبلغ به هذا، قال: "لو كانت فاطمة لقطعتها". (المشكوة، ص: ۳۱۴، باب الشفاعة في الحدود، قديمي) =

www.besturdubooks.net

پیر کو حاجت روا سمجھنا

سوال[۱۱۰]: ایک پیر صاحب کے انتقال کے بعد ان کے ایک مرید نے یہ الفاظ کہے ہیں: ''اے اللہ! ہم دین ودنیا کی حاجت کس سے طلب کریں، جس سے ہم روحانی اور جسمانی حاجتیں طلب کرتے تھے وہ دنیا سے کوچ کر گئے''۔ یہ الفاظ اس کی زبان پر لانا کہاں تک درست ہے؟ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصالۃً حاجت روا خدائے وحدہ لا شریک لہ ہے(۱)، کسی اور کو حاجت روا سمجھنا تعلیمات اسلام

= (۳) "فيكفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه أو بأمر من أوامره". (البحر الرائق: ۲۰۲/۵، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(۴) "والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، و إلا لا: اى بأن كان الهجر لموجب شرعي لا يحرم". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۹۷/۱، القاعدة الثانية، إدارة القرآن)

"قال الخطابي: رُخص للمسلم ان يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك، و في النهاية: فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و إذا سألك عبادى عنى فإنى قريب، أجيب دعوة الداع إذا دعان، فليستجيبوا لى وليؤمنوا بى، لعلهم يرشدون﴾". (البقرة: ۱۸۶)

و قال تعالىٰ: ﴿و من أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، و هم عن دعائهم غافلون﴾. (الاحقاف: ۵)

"إنكار لأن يكون أضل من المشركين ... أى وهو أضل من كل ضال حيث ترك دعاء المجيب القادر المستجمع لجميع صفات الكمال ... و دعا من ليس شانه الإستجابة له و إسعافه بمطلوبه (إلى يوم القيامة) ... (وهم عن دعائهم) ... أى والذين يدعون من لا يستجيبون لهم عن دعائهم إياهم (غافلون) لا يسمعون و لا يدرون، أما إن كان المدعو جماداً، فظاهر، و أما إن كان من =

www.besturdubooks.net

کے خلاف ہے، اللہ پاک کے علاوہ پیر وغیرہ سے حاجت طلب کرنا جائز نہیں (۱)۔ اس مرید نے اپنے پیر کے بارے میں جو مذکورہ الفاظ کہے ہیں، ان سے ایہامِ شرک ہوتا ہے، لیکن کسی مسلمان کے قول پر شرک وکفر کا حکم لگانا شریعت میں بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک اس کے کلام کا صحیح محمل ذرا بھی نکل سکتا ہے (گو تاویل سے ہی ہو) سخت حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون إحتمالاً للكفر و احتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالإحتمال الثاني، لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد". شرح فقہ اکبر، ص: ۱۹۹ (۲)۔

یہاں اس کے کلام کا محمل یہ ہے کہ وہ خدا کو حاجت روا سمجھتے ہوئے اپنے پیر صاحب کو سفارشی سمجھتا تھا

= ذوي العقول، فإن كان من المقبولين المقربين عند الله تعالىٰ، فلاشتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير، أو كونه في محل ليس من شان الذي فيه أن يسمع دعاء الداعي للعبد كعيسى عليه الصلوة السلام اليوم". (روح المعاني : ۶/۲۶، ۷، دار إحياء التراث العربي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لايملكون من قطمير﴾ (الفاطر: ۱۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين تدعون من دون الله لا يستطيعون نصركم، ولا أنفسهم فيصرون﴾ (الأعراف: ۱۹۷) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم مثل: يا سيدي فلان! اغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شئي اهـ". (روح المعاني(المائدة) : ۱۲۸/۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئي﴾. (الرعد: ۱۴)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقاري، مطلب في التوبة و شرائطهما : ص: ۱۶۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في احكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب احكام المرتدين: ۲۱۰/۵، رشيديه)

و في "مالا بد منه" "امام ناصر الدین گفتہ کہ:.........وآنچہ در ردّت بودن آن شک است، ازاں حکم بردت نباید کرد: کہ ثابت از شک زائل نہ شود، حال آنکہ: "الاسلام يعلو و لا يُعلى" و در حکم بہ کافر گفتن اہل اسلام جلدی نہ باید کرد، حال آنکہ بہ صحتِ اسلام مکرہ علماء حکم کردہ اند"۔ (باب الفاظ الکفر: ص:۱۳۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

www.besturdubooks.net

یعنی پیر صاحب کی سفارش اور دعا سے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) حاجتیں پوری ہوا کرتی تھیں، اب پیر صاحب نہیں رہے تو کس کی سفارش سے پوری ہوں گی، کوئی سفارشی ہی نہیں رہا۔ اس لئے نہ اس پر شرک کا حکم لگایا جائے نہ اس کو اس قسم کا عقیدہ رکھنے اور بات کہنے کی اجازت دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۷ھ۔

پوجا کے لئے چندہ اور پوجا کی مٹھائی کھانا

سوال [۱۱۱]: میں آر۔ ایم۔ ایس میں کام کرتا ہوں، ہر جمعرات کو آفس میں ہندو لوگ ستیہ نارائن کی پوجا کرتے ہیں تو اس پوجا کے لئے ہم سب سروس والوں سے دس پیسے یا کبھی زیادہ، شیواجی (۱) وغیرہ کے نام پر بھی کبھی ایک یا دو روپے دینے پڑتے ہیں۔ چونکہ ہم مسلمان تھوڑے ہیں ہماری چل نہیں سکتی، سوچ یہ ہے کہ پیسے دینے سے مالی شرک ہوگا اور اگر نہ دیئے تو ڈبل دشمن بن جائیں گے، نیز پوجا کی مٹھائی کھوپرا کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پیسے دیئے بغیر چھٹکارہ نہیں تو جو لوگ مانگتے ہیں ان کو مالک بنانے کی نیت سے دیدیں (۲) پھر وہ اپنی طرف سے جہاں دل چاہے خرچ کریں، مٹھائی اور کھوپرا بھی اگر لینا ضروری ہو تو اس کو لے لیں، پھر کسی جانور کو دیدیں، پوجا کی مٹھائی وغیرہ نہ کھائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۷ھ۔

---

(۱) ''ہندؤں کا بڑا دیوتا''۔ (فیروز اللغات: ۵۵۵)

(۲) اپنی طرف سے بطور حصہ کے دینا ناجائز اور حرام ہے۔ كما سيأتي تخريجه مفصلاً تحت عنوان: ''اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا''۔

(۳) یہ نذر لغیر اللہ کے قبیل سے ہے اور نذر لغیر اللہ حرام ہے اور حرام کا کھانا بھی حرام ہے: "و أما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء فيجعل ستره على رأسه، فيقول: يا سيدي فلان! إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي، فلك من الذهب كذا، فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق، و منها أن المنذور له ميت، و الميت لا يملك، و منها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، واعتقاده ذلك كفر .... فإذا علمت هذا، فما يؤخذ من =

www.besturdubooks.net

اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا

سوال[۱۱۲]: ہم لوگ ایسی جگہ کے باشندے ہیں کہ جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، جس کے قریب تین ہائی اسکول ہیں مگر اردو کی تعلیم کسی میں نہ تھی، ہمارے جیسے جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی ملازمت میں کچھ دشواری ہوتی ہے اس لئے ہم لوگوں کو بہت کوشش کے بعد ایک ہائی اسکول اردو گرانٹ پرائیویٹ طریقہ سے امسال رکھا گیا ہے جس میں احقر کو اسکول کے مینجنگ نے منتخب کیا ہے اور تنخواہ بھی اس وقت اس کمیٹی سے دی جاتی ہے، یہاں مسلمان بچوں کی تعداد بیس ہے اور ہندو بچوں کی تعداد تین سو تک ہے، یہاں تمام قوانین ہندوانی ہیں جس میں تمام پوجا بھی شامل ہے: مثلاً: گنیش پوجا، سرتی پوجا لکھی پوجا وغیرہ کیا جاتا ہے۔

ہر ماسٹر مسلمان بچوں سے جبراً کہتا ہے کہ تم لوگ اس پوجا میں چندہ دو اور دینا ہوگا جب کہ تم اس اسکول میں تعلیم پاتے ہو، تو بچے مجبور ہو کر اپنے سرپرست سے کہہ کر چندہ لاتے ہیں۔ ان پوجاؤں میں کچھ کھانے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں وہ کھایا کرتے ہیں۔ احقر نے جب امسال یہاں ملازمت کی تو ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ ایسا چندہ ہمارے دھرم میں نہیں ہے، آپ کیوں بچوں سے یہ چندہ لیتے ہیں، تو وہ بولے ہم لوگ اسکول کے قانون سے تمام سے لیتے ہیں ان سے بھی لیں گے۔ اب جو کھانا وغیرہ ہوتا ہے اس بارے میں ان سے پوچھا تو بولے ہم لوگ یہ جو روپیہ لیتے ہیں پوجا کے نام سے، حقیقت میں یہ پوجا نہیں ہے، بلکہ ایک فشٹ کھانا مقصد ہے، اس میں پوجا سے کوئی نقص نہیں ہے اور ہم تو آپ کے بچوں کو پوجا کی ہوئی چیز نہیں دیتے ہیں، کھانے کی جو چیز پوجا نہیں ہوتی ہے اس کو دیتے ہیں تو اس کھانے میں آپ کا کیا حرج ہے؟ احقر نے کہا جب ایسا ہے تو آپ یہ فشٹ پوجا کے دوسرے دن کریں جب اس پوجا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بولے اس میں اسکول کا نقصان ہے چھٹی زیادہ ہو جاتی ہے، پڑھائی نہیں ہو سکتی ہے اور ہم کو ضروری ہے کہ ہر پوجا میں اس دن اسکول کی چھٹی کریں تو اسی چھٹی میں یہ فشٹ کر لیتے ہیں، تاکہ اور چھٹی کی نوبت نہ آ سکے۔

اس کے علاوہ تمام استاذوں سے ایک مدعو نوٹس لی جاتی ہے جس پر تمام اساتذہ دستخط کرتے ہیں۔ اگر

= الدراهم والشمع والزيت وغيرها، و ينقل إلى ضرائح الأولياء تقرباً إليهم، فحرام بإجماع المسلمين".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

کوئی نہ آئے تو باز پرس ہوتی ہے، تیز لڑکوں سے بھی معمولی، خاص کر اگر احقر نہ آئے تو زیادہ تر دشمنی کا باعث ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ملازمت اور گرانٹ پر نقصان آسکتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ کیا بچے اس حال میں چندہ دیکر کھاسکتے ہیں؟ اور احقر حتی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ اس پوجا میں نہ کھائے یا نہ شریک ہو، اگر بالکل مجبور ہوکر وہ کھانا کھالیا تو امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس چیز اور کھانے کا پوجا سے کوئی تعلق نہیں تو موجودہ حالت میں کھانے کے لئے چندہ دینے اور اس کھانے کی وجہ سے کفر وشرک کا حکم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) هذا حكم الواقعة المذكورة، أما من أهدى شيئاً ذلك اليوم حسب اعتقادٍ ما: أى موافقةً لهم أو تحسيناً لفعلهم أو تعظيماً لمذهبهم و معتقدهم أو إعانتهم على كفرهم أو تشبهاً بهم، فقد عدّ الفقهاء ذلك كله من جملة الكفر:

قال الملا على القاري ": من أهدى بيضةً إلى المجوس يوم النوروز كفر: أى لأنه أعانه على كفره وإغوائه، أو تشبه بهم في إهدائه، ومفهومه أنه لو أهدى شيئاً في يوم النوروز إلى المسلم لا يكفر .... وفي مجموع النوازل: اجتمع المجوس فقال مسلم: سيرة حَسَنة و ضعوها، كفر: أى لأنه استحسن وضع الكفر مع تضمن استقباحه سيرة الإسلام، وفي الفتاوى الصغرى: من اشترى يوم النوروز شيئاً و لم يكن يشتريه قبل ذلك، أراد به تعظيم النوروز، كفر: أى لأنه عظّم عيد الكفَرة".

(شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ١٨٦، قديمي)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع السادس في التشبيه: ٦/٣٣٣، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس السادس في التشبيه: ٣٨٧/٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بتلقين الكفر و الأمر بالارتداد الخ: ٢/٢٧٦، ٢٧٧، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الخروج إلى النشيدة: ٥/٥٢١، إدارة القرآن) =

www.besturdubooks.net

ڈرگا پوجا میں چندہ دینے والے کا حکم

سوال[۱۱۳]: اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جو ہندوؤں کے ڈرگا (ہندوؤں کی دیوی بھوانی) پوجا اور سرش پوجا میں چندہ دیتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پوجا کو اچھا سمجھ کر چندہ دیتا ہے تو سخت گنہگار ہے اس کو فوراً توبہ لازم ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے چندہ دیتا ہے تو اس کو چاہئے کہ جو شخص چندہ لینے کے لئے آیا اس کو دینے کی نیت سے دیدے براہ راست پوجا کے لئے نہ دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

مشرکانہ طریقہ پر کنویں کے افتتاح میں شرکت

سوال[۱۱۴]: ایک مسلم شخص نے کنواں کھدوانا شروع کیا، افتتاح تو دو مولوی صاحب اور ایک قاضی

= أما إذا لم يكن على قصد التعظيم والتحسين والتشبه وغير ذلك فلا بأس به و لايكون كفراً، لكن الترك و الإحتراز أولى، كما قال العلامة البزازؒ في فتاواه قال: و إن أخذه لا على ذلك الوجه (أى الموافقة) لا بأس به، والإحترازعنه أسلم، المسلم إذا اهدى يوم النيروز إلى مسلم آخر شيئاً ولم يُرد به تعظيم ذلك اليوم، و لكن جرى على ما اعتاده بعض الناس، لا يكفر، لكن لا ينبغي له أن يفعل ذلك". (البزازية، كتاب الألفاظ الخ، الفصل الثاني، النوع السادس: ٦/٣٣٣)

(وكذا في الشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ١٨٦)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الخروج إلى النشيدة: ٥/٥٢١، إدارة القرآن)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و تعاونوا على البر و التقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ٢)

"ذمي سأل مسلماً عن طريق البيعة لا ينبغي للمسلم أن يدلّه على ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية". (الفتاوى العالمكيرية: ٢/٢٥٠، كتاب السير، الباب الثامن في الجزية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٣/٥٩١، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٦/٣٥٩، كتاب الكراهية، الثالث فيما يتعلق بالمناهي، رشيديه)

www.besturdubooks.net

امام صاحب کے ہاتھوں ہوا، لیکن اس طرح چونکہ کھودنے والے غیر مسلم تھے انہوں نے ایک پتھر کو بھیروں (۱) کے نامزد کر کے سیندور لگایا (۲) پتھر کی پوجا کی، گڑ اور چنے کا بھوگ (۳) لگایا، بھیروں کی جے بولی (۴)، تب پجاری نے زمین پر سات پھاوڑے (۵) مارے، اس کے بعد مولویوں نے سات سات پھاوڑے مار کر کھلا شرک کیا، اب ان لوگوں کے پیچھے نماز وغیرہ کا کیا ہوگا؟ نیز ان لوگوں نے اس کی اجرت گیارہ گیارہ روپے بھی لئے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرک کی قباحت و مذمت تو کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں بلکہ سب کو ہی معلوم ہے (۶) مگر صورت مسئولہ میں جس نے شرک کیا ہے وہ تو ہے ہی مشرک (۷) مسلمانوں نے تو یہ کام نہیں کیا، لیکن جس مسلمان نے شرک کی اجازت دی یا اس کو پسند کیا یا ساتھ دیا، اس نے بھی گناہ کا کام کیا، اگر معلوم تھا کہ یہ شرک ہے تو زیادہ خطرناک ہے (۸) اگر یہ سمجھا کہ یہ کوئی خاص طریقہ ہے جو کنواں کھودنے کے وقت کیا جاتا ہے اور عدم واقفیت کی وجہ سے

(۱) ''بھیروں'' ''سیو جی کا اوتار''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۲)

''اوتار'' ہندوؤں کے عقیدے میں خدا کا کسی جسم (خلقت) میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لئے دنیا میں آنا''۔

(الفیروز، ص: ۱۳۵)

(۲) ''سرخ رنگ کا ایک سفوف (پسی ہوئی چیز، پوڈر) جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں''۔ (الفیروز، ص: ۸۳۰)

(۳) ''بھوگ'' ''کھانا، تبرک، دیوتاؤں کا چڑھاوا''۔ (الفیروز، ص: ۲۴)

(۴) ''جے'' ''عروج، تسلیم، شاباش، زندہ باد''۔ (الفیروز، ص: ۵۰۳)، یعنی ان دیوتاؤں کی شان میں جو تسلیمی اور داد کے کلمات کہے جاتے ہیں۔

(۵) ''پھاوڑا'' ''کدال، بیلچہ''۔ (الفیروز، ص: ۳۱۳)

(۶) قال اللہ تعالی: ﴿إنه من يشرك بالله، فقد حرّم الله عليه الجنة، و مأواه النار، و ما للظالمين من أنصار﴾. (المائدة: ۷۲)

(۷) یعنی کرنے والے ہندو ہی ہیں، جیسے کہ سوال میں مذکور ہے۔

(۸) یہ رضا بالکفر والشرک کے قبیل سے ہے اور رضا بالکفر پر فقہاء کرامؒ نے کفر کا حکم عائد کیا ہے: " و ذكر شيخ الإسلام: إن الرضا بكفر غيره إنما يكون كفراً إذا كان يستجيزه و يستحسنه ". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸۰، قديمي)

(و كذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الرابع في الإيمان =

www.besturdubooks.net

اس کو یہ دیکھتے رہے تو پھر زیادہ تشدد کی ضرورت نہیں، تاہم توبہ واستغفار پھر بھی کریں، خاص کر امام وقاضی کا بڑا منصب ہے، جو جو اس میں شریک رہے سب ہی دو رکعت صلوۃ توبہ پڑھ کر توبہ کرلیں، امام صاحب خود بھی توبہ کریں اور مقتدیوں کو بھی توبہ کرادیں (۱) آئندہ ہرگز ایسے کام میں شریک نہ ہوں (۲) نہ امام نہ مقتدی، نیز امام صاحب، موذن صاحب، قاضی صاحب کے حق میں یا کسی بھی مسلم کے حق میں شرک وغیرہ کا لفظ استعمال نہ کریں، اب اس قصہ کو ہوا نہ دیں بلکہ ختم کردیں۔ حق تعالیٰ سب کو صراط مستقیم پر چلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۶ھ۔

کیا کسی خاص کنویں کے پانی میں شفاء ہے؟

سوال[۱۱۵]: ایک کنواں ہے جس میں چشمہ نکل آیا ہے اس کنویں کے پانی کے متعلق سنا ہے کہ کسی کو کسی تکلیف میں فائدہ ہوگیا اس وجہ سے عامۃ الناس بغرضِ شفاء اس کنویں کے پانی کو استعمال کرنے اور حاصل

= والإسلام: ۳۲۹/۲، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام: ۲۵۷/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ: ۴۲۰/۵، إدارة القرآن)

(۱) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴۶۴/۵، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر، إدارة القرآن)

(۲) "إعلم أن من أراد أن يكون مسلماً عند جميع طوائف الإسلام، فعليه أن يتوب من جميع الآثام: صغيرها و كبيرها، سواء ما يتعلق بالأعمال الظاهرة أو الأخلاق الباطنة، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في الأقوال و الأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد، نعوذ بالله من ذلك، فإنه مبطل للأعمال و سوء خاتمة المآل، و إن قدر الله عليه و صدر عنه ما يوجب الردة، فيتوب عنها و يجدد الشهادة لترجع له السعادة". (شرح الفقه الأكبر للقاري، بحث التوبة، ص: ۱۶۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

کرنے کے لئے مستقل سفر کرتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بعض جگہ پانی میں قدرتی طور پر ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے جسمانی امراض سے شفاء ہو جاتی ہے یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے اگر بات یہیں تک محدود ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، جیسے بعض ادویہ کا استعمال ہوتا ہے یا تبدیلی آب وہوا کے لئے بعض مقامات کا سفر کیا جاتا ہے، اطباء وڈاکٹر تجویز کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کی آب وہوا گرم یا سرد یا تر ہونے کی وجہ سے مریض کے موافق ہے یا بعض امراض میں جاری پانی سے غسل تجویز کیا جاتا ہے، لیکن اگر عقائد فاسد ہونے کا مظنہ (اندیشہ) ہو کہ اس پانی کی پوجا شروع ہو جائے گی تو پھر اس فتنے کو روکنے کی ضرورت ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں وہ کنواں ہے اس کو سمجھا کر حسن تدبیر سے آمادہ کیا جائے کہ وہ اس کو بند کرادے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کسی خاص درخت سے شفاء حاصل کرنا

سوال [۱۱۶]: یہاں تحصیل جانسٹھ مظفر نگر کے ایک گاؤں میں پندرہ بیس یوم سے ایک ببول کے درخت کے نیچے مسلم وغیر مسلم، مرد، عورت، جوان، بوڑھے تقریباً ہر قسم کے لوگ اپنی حاجات مثلاً شفائے امراض وغیرہ کے لئے آتے ہیں، تمام دن اس درخت کے نیچے بھیڑ رہتی ہے، دور دراز سے لوگ کثرت سے آتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کوئی پیر صاحب ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہاں کوئی جن ہے اور سنا ہے کہ اب وہاں مزار بھی بنانے کی اسکیم ہے، لوگوں کا یہ عقیدہ بن رہا ہے کہ اس درخت کے نیچے بیٹھنے سے شفاء ہوتی ہے، جانے والے بتاتے ہیں کہ ضرورت منداس درخت کے نیچے مٹھی بند کر کے بیٹھتے ہیں اور نظر درخت کی طرف رہتی ہے، مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض وغیرہ سے شفاء مل جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ باتیں ہوتی ہوں، جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان کی نیت سے تو اللہ ہی واقف ہے، بظاہر تو استعانت من غیر اللہ ہے اور بظاہر شرک وبدعت معلوم ہوتی ہے اور یہ وہی شکل ہے جیسے قبور اولیاء اللہ پر لوگ جاتے اور اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہاں اپنی ضرورت کے لئے جانا شرک ہے؟ ایسے لوگوں کے لئے کیا وہی وعید ہے جو مشرکین کے لئے خلود فی النار کی آئی ہے؟ اگر جانے والے مسلمان ہوں تو ان کے نکاح باقی رہتے ہیں یا

www.besturdubooks.net

ٹوٹ جاتے ہیں؟ جیسے کفر کے بارے میں لکھا ہے کہ ایمان سے خارج ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہوسکتا ہے کہ وہاں جناتی شیطانی کوئی اثر ہو جس سے لوگ متاثر ہوتے ہوں اور عقائد فاسد کرنے کی غرض سے یہ اثرات مرتب ہوتے ہوں کہ مٹھی خود بخود کھل جاتی ہے اور مرض سے شفاء مل جاتی ہے(۱)، مگر جب تک ان لوگوں کے عقائد کی تحقیق نہ ہو ان کے اس عمل کی وجہ سے خلود فی النار کا حکم نہیں ہوگا(۲) البتہ اس عمل سے شدت کے ساتھ روکنا ضروری ہے، اول شفقت سے تفہیم کی جائے پھر وعید سنائی جائے اور عقائد باطلہ اختیار کرنے کی صورت میں وعید شدید، خلود فی النار بتلائی جائے اور یہ کہ اس دنیا میں نکاح باقی رہنا بھی دشوار ہوگا۔ استفتاء اور فتویٰ مشتہر کرنا مناسب نہیں، بسا اوقات اس سے طبائع میں ضد اور عناد پیدا ہوکر زیادہ خرابی پیدا ہوتی ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ عالم کا وعظ کرایا جائے جس میں وہ حکمت وموعظت سے

---

(۱) "والإنسان إذا فسدت نفسه أو مزاجه يشتهي ما يضره و يلتذّبه، بل يعشق ذلك عشقاً يفسد عقله و دينه و خلقه و بدنه و ماله، والشيطان هو نفسه خبيث، فإذا تقرّب صاحب العزائم والأقسام و كتب الروحانيات السحرية و أمثال ذلك إليهم بما يحبونه، فمن الكفر و الشرك صار ذلك كالرشوة والبرطيل لهم، فيقضون بعض أغراضه كمن يعطي غيره مالاً ليقتل له من يريد قتله أو يعينه على فاحشة أو ينال معه فاحشة". (آكام المرجان في أحكام الجآن، الباب الثامن والأربعون في بيان السبب الذي من أجله تنقاد الجن والشياطين، ص: ۹۹، ۱۰۰، مكتبه خير كثير)

"و كانت الشياطين تتراء ى لهم أحياناً، و قد يخاطبونهم من الصنم و يخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج، فكانوا يبذلون لهم هذا النفع القليل بمااشتروه منهم من توحيدهم و إيمانهم الذي هلكوا بزواله كالسحر". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۲۳۸/۱۰، مكتبة العبيكان)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

"و لايجوز أن يرمي مسلم بفسق و كفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

لوگوں کو سمجھائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درخت کے پاس بیٹھنے سے شفاء

سوال[۷۱۱]: یہاں پر ایک مہوا(۱) کا درخت ہے، بہت سے مریض اس کے پاس جا کر درود شریف پڑھتے ہیں، اس پڑھنے والے پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جو مریض اچھا ہونے والا ہے درخت کی طرف سرکنے لگتا ہے اور جو مریض اچھا ہونے والا نہیں ہے وہ بیٹھا رہتا ہے۔ بہت سوں نے اس کا تجربہ کیا ہے تو اس درخت کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص عرصہ سے بیمار ہے تو اس درخت کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

درود شریف کی ترغیب وفضیلت قرآن کریم (۲) اور حدیث شریف سے ثابت ہے(۳) زیادہ سے

---

(۱) "ایک درخت کا نام ہے، جس کے پھلوں کو کھاتے، پھولوں کی شراب اور بیجوں کا تیل نکالتے ہیں"۔ (نوراللغات، ص:۱۴۱۸)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ و ملائكته يصلون على النبي، يأيها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليماً﴾ (الأحزاب: ۵۶)

(۳) "عن أبي هريرة رضي اللہ تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم : "من صلى عليّ واحدةً صلى اللہ عليه عشراً". رواه مسلم".

"عن أنس رضي اللہ تعالىٰ عنه قال : قال رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم : "من صلى عليّ صلاةً واحدةً صلى اللہ عليه عشر صلوات، و حطت عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات". (رواه النسائي)

"وعن ابن مسعود رضي اللہ تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلاةً". رواه الترمذي".

"عن عبد اللہ بن عمرو رضي اللہ تعالىٰ عنه قال: "من صلى على النبي صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم واحدةً صلى اللہ عليه و ملائكته سبعين صلاةً". رواه أحمد".

"وعن رويفع رضي اللہ تعالىٰ عنه أن رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم قال: "من صلى على محمد و قال: اللهم أنزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة، وجبت له شفاعتي" رواه أحمد".

(مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم و فضلها: ۸۶/۱، ۸۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

زیادہ پڑھا جائے، مکان پر بھی مسجد میں بھی حتی کہ چلتے پھرتے بھی، مگر اس مخصوص درخت کے پاس جاکر بیٹھنا نہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے نہ یہ کوئی حکمت اور طب کا مسئلہ ہے، بلکہ وہاں جاکر بیٹھنے سے لوگ اعتقاد کریں گے کہ اس درخت کو بھی کوئی دخل ہے، یہ درخت واجب التعظیم وتکریم ہے، پھر اس پر چڑھاوے شروع ہوجائیں گے، اس کی پوجا ہونے لگے گی، اس سے عقائد فاسد ہوکر دین تباہ وبرباد ہوجائے گا، اس لئے وہاں ہرگز نہ جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

کامیابی کے لئے ایک درخت کے نیچے خاص ہیئت اختیار کرنا

سوال[۱۱۸]: ایک درخت ہے اس کے نیچے جاکر بہت سے آدمی اکڑو بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ زمین پر ٹیک لیتے ہیں اور نظر پیر پر رکھتے ہیں، کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر مقصد میں کامیابی ہے تو ہاتھ آگے کو سرک جاتے ہیں اور پھر اوندھا زمین پر گر جاتا ہے، اگر مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی تو ویسے ہی بیٹھا رہتا ہے کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ سجدے میں شمار ہوتا ہے یا نہیں اور جو شخص اس درخت کے نیچے جاکر ایسا کرے اس پر شرک لازم آئے گا یا نہیں؟ نیز انسان کی تقدیر خاص پوری عمر کا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ لکھتا ہے یا کہ ہر سال ایک ایک سال کا لکھا جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ماں کے پیٹ میں جب بچہ میں روح ڈالی جاتی ہے اسی وقت اس کی ساری زندگی کا رزق اور عمل وہیں لکھ دیا جاتا ہے(۱)، اس کی تفصیل کا علم اللہ کو ہے اور کسی کو نہیں کہ کیا کیا لکھا ہے، کسی درخت کے نیچے جاکر اکڑو بیٹھ کر زمین پر ہاتھ ٹیکنا اور یہ سمجھنا کہ اگر مقصود میں کامیابی ہوگی تو ہاتھ آگے کو سرک کر زمین پر گر جائے گا ورنہ اسی طرح بیٹھا رہے گا، یہ کوئی ٹوٹکا اور شگون ہے، شرعی چیز نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں نے کامیابی اور

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "وكّل الله بالرحم ملكاً فيقول: أي رب! نطفة، أي رب! علقة، أي رب! مضغة، فإذا أراد الله أن يقضي خلقها، قال: يارب! أذكر أم أنثى، أشقي أم سعيد؟ فما الرزق، فما الأجل؟ فيكتب كذلك في بطن أمه". (صحيح البخاري، كتاب القدر: ۲/۹۷۶، قديمي)

www.besturdubooks.net

ناکامی کی کچھ علامتیں تجویز کر رکھی تھیں جن کی کوئی واقعی بنیاد نہیں تھی، شریعت نے ایسی چیزوں کو استقسام قرار دیکر منع فرمایا ہے(۱)، تاہم اگر زمین پر سر گر گیا تب بھی اس کو شرک نہیں کہا جائے گا، مگر اس سے منع کیا جائے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۶ھ۔

قبر کی مٹی سے شفاء

سوال[۱۱۹]: ایک مرتبہ ایک گاؤں میں جاڑے بخار کی بہت کثرت ہوئی، جو شخص قبر سے مٹی لے جاکر باندھ لیتا اسے آرام ہوجاتا، بس لوگ اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر میں مٹی ڈالو تب ہی ختم، کئی مرتبہ مٹی ڈال چکا، پریشان ہوکر ایک مرتبہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت، یاد رکھو! اگر اب کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے، لوگ جوتہ پہن کر تمہارے اوپر چلیں گے، بس اسی دن سے آرام نہ ہوا، پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کردیا۔کیا ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے اور شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

---

(۱)قال اللہ تعالی: ﴿یأیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾. (المائدة: ۹۰)

وقال اللہ تعالی: ﴿وأن تستقسموا بالأزلام﴾ (المائدة: ۳)

"أی حرم علیکم أیها المؤمنون الاستقسام بالأزلام، واحدها "زلم" و قد تفتح الزاي، فیقال: زلم، و قد کانت العرب في جاهلیتها یتعاطون ذلک، و هي عبارة عن قداح ثلاثة، علی أحدها مکتوب: افعل، وعلی الآخر: لا تفعل، والثالث: غفل لیس علیه شيء ... و قال ابن عباس رضي اللہ تعالی عنهما: هي قداح، کانوا یستقسمون بها الأمور". (تفسیر ابن کثیر، (المائدة): ۱۸/۲، مکتبه دار السلام الریاض)

"والحق عندی أن الاستقسام الذی کان یفعله أهل الجاهلیة حرام بلا شبهة کما هو نص الکتاب، و أن حرمته ناشئة من سوء الاعتقاد، و أنه لا یخلو عن تشاؤم، و لیس بتفاؤل محض". (روح المعاني، المائدة: ۵۹/۶، دار إحیاء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصل شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں خواہ کسی حکیم، ڈاکٹر کی دوا کے ذریعہ سے ہو یا کسی عامل کے تعویذ اور پھونک سے دیں، خواہ کسی بزرگ کی کرامت (خاک قبر وغیرہ) سے دیں، خواہ بغیر کسی ظاہری سبب کے دیں، ایک ہی چیز سے جب وہ چاہیں شفاء دیدیں، جب چاہیں نہ دیں، یہ عقیدہ صحیح اور درست ہے(۱)۔ شفاء کو کسی غیر کے قبضۂ قدرت میں تجویز کرنا درست نہیں، خواہ وہ غیر کوئی زندہ ولی وغیرہ ہو یا مردہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

بدعات شرکیہ

سوال[۱۲۰]: قبر پرست مسلمان جن کو قبوریین کہا جاتا ہے ان کے افعال شرکیہ وبدعیہ جیسے مزارات اولیاء وانبیاء کو سجدہ کرنا یا ان کی قبور کے غسل کے پانی کو متبرک سمجھنا اور بطور آب زمزم کے اس کو لانا اور ان کو حاضر وناظر خیال کرنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا اور ان کے نام کے وظائف پڑھنا اور ان کو عالم الغیب جاننا اور ان کے مزارات پر نذریں چڑھانا اور ان کے نام کے وہاں پر بکرے ذبح کرنا اور ان کی طرف اپنے بچوں اولادوں کو منسوب کرنا کہ یہ بچہ ہم کو فلاں پیر نے دیا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ امور شرکیہ کفریہ کرنے والے مسلمان ہیں یا نہیں اور ان میں اور کفار قریش مکہ میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی اولیاء وانبیاء واوثان سے ایسی ہی عقیدت رکھتے تھے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾ (الشعراء: ۸۰)

"فقال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: ألا أرقيك برقية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: بلى قال: "اللهم رب الناس، مذهب البأس، اشف أنت الشافي، و لا شافي إلا أنت شفاءً لا يغادر سقماً".

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرقي يقول: "امسح البأس رب الناس، بيدك الشفاء، لا كاشف له إلا أنت". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب رقية النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۸۵۵/۲، قديمي)

﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾: أي إذا وقعتُ في مرض، فإنه لا يقدر على شفائي أحد غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه". (تفسير ابن كثير، (الشعراء): ۳/ ۴۵۱، دار الفيحاء و دار السلام)

www.besturdubooks.net

بینوا توجروا۔ طالب تحقیق ابوالحتیق محمد پٹھان، ۱۸/ رجب/ ۶۴ ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مردم شماری کے اعتبار سے ان کا نام مسلمان ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں (۱)۔ مشرکینِ عرب بھی ایسے ہی عقائد و اعمال کی وجہ سے مشرک کہلاتے تھے، یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۰/۱۱/۶۴ ھ۔

اس میں تفصیل کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر انبیاء اولیاء کے لئے وہ قدرت اور اختیار بالذات مانتے ہوں اور حاضر و ناظر بلا واسطہ سمجھتے ہوں تب تو وہی جواب ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، ورنہ تغلیظاً تو ان پر حکم کفر کرنا جائز ہے، حقیقۃً تمام احکامِ کفر جاری نہ کئے جائیں گے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ ۶۴ ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۴ ھ۔

---

(۱) أما قوله: ''قبور کے غسل کے پانی کو تبرک سمجھنا اور بطور آبِ زمزم اس کو لانا'' فباطل لا أصل له في الدين، لأنه لم يذكره أحد من السلف ولم يعتقده، وأما التبرك به فمردود على قفي قائله، وكيف يتبرك به وهو اعتقاد باطل وبدعة شنيعة مذمومة. والله تعالىٰ أعلم.

وأما قوله: ''اور ان کو حاضر و ناضر خیال کرنا'' فقد قال محمد بن شهاب البزاز: "قال علمائنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة، يكفر". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني في ما يتعلق بالله تعالى: ۶/ ۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الكفر أنواع: ۲/ ۵۰۵، غفارية)

وأما قوله: ''ان کو مشکل کشا سمجھنا'' فباطل لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تدع من دون الله مالا ينفعك ولا يضرك، فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين﴾. (يونس: ۱۰۶) .... =

www.besturdubooks.net

....

= قد بحث العلامة الألوسيؒ تحت هذه الآية طويلاً فقال: "(ولا تدع من دون الله) استقلالاً ولا اشتراكاً (ما لاينفعک) بنفسه إذا دعوته بدفع مكروه أو جلب محبوب (ولا يضرک) إذا تركته بسلب المحبوب دفعاً أو رفعاً، أو بإيقاع المكروه ...... (وإن يمسسک الله بضر) تقرير لما أورد في حيز الصلة من سلب النفع من المعبودات الباطلة، وتصوير لإختصاصه به سبحانه، وإن يصبک بسوءٍ ما (فلا كاشف له) عنک كائناً من كان وما كان (إلا هو) ...... (وإن يردک بخير) تحقيق لسلب الضرر الخ". (روح المعاني: ۱۱/ ۱۹۸، ۱۹۹، دار إحياء التراث العربي)

وأما قوله: "ان کے نام کے وظائف پڑھنا" فلا يجوز، لأن الأوراد المثابة على فعلها خاصة بأسماء الله تعالىٰ، وقال تعالىٰ: ﴿فاذكروني أذكركم، واشكروا لي، ولا تكفرون﴾ (البقرة: ۱۵۲)

ولما رواه مسلم في كتاب الذكر والدعاء الخ: "عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في طريق مكة ...... فقال: "سيروا هذا جمدان، سبق المفردون، قالوا: وما المفردون يا رسول الله؟ قال: "الذاكرون الله كثيراً والذاكرات". (باب الحث على ذكر الله تعالىٰ: ۲/ ۳۴۱، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: "المفردون أنفسهم عن أقرانهم ...... بنيل الزلفى والعروج إلى الدرجات العلى، لأنهم أفراد بذكر الله تعالىٰ عن من لم يذكر الله تعالىٰ، أو جعلوا ربهم فرداً بالذكر، وتركوا ذكر ما سواه، وهو حقيقة التفريد هنا". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عزوجل و التقرب إليه: ۵/ ۳۳، رشيديه)

وأما قوله: "ان کو عالم الغیب جاننا" فهو إشراک بالله في صفاته وهو تعالىٰ منزه عنه، ونفى الله تعالىٰ هذه الصفة عن جميع مخلوقاته، وأثبتها لنفسه بقوله: ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾. (الأنعام: ۵۹)

"والمراد بالغيب المغيبات على سبيل الاستغراق، والمقصود على كل تقدير أنه سبحانه هو العالم بالمغيبات كما هي ابتداء (لايعلمها إلا هو) ...... والكلام إما مسوق لبيان اختصاص المقدورات الغيبية به سبحانه من حيث العلم أثر بيان إختصاص كلها به تعالىٰ من حيث القدرة ...... وإما لإثبات العلم العام له سبحانه، وهو علمه بكل شئ بعد إثبات العلم الخاص، وهو علمه بالظالمين". (روح المعاني: ۷/ ۱۷۰، ۱۷۱، دار إحياء التراث العربي)

وأما قوله: "ان کے مزارات پر نذرانے چڑھانا اور ان کے نام پر بکرے ذبح کرنا" فباطل وحرام كما سيأتي تخريجه...... =

www.besturdubooks.net

قبر پر چراغ، منت، ذبح، سجدہ وغیرہ

سوال[۱۲۱]: مصنوعی قبر بنا کر اس کو کسی ولی کا مزار قرار دینا، اس میں چراغ جلانا اور منت چڑھانا اور بکرا گائے وغیرہ منت کر کے وہاں پر ذبح کرنا اور لوگوں کو کھلانا اور مزار کو سجدہ کرنا، شرعاً یہ افعال کیا حکم رکھتے ہیں اور فاعل فعل مذکورہ کو کیا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اس قسم کا طعام حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مصنوعی قبر بنا کر کسی ولی کا مزار قرار دینا مخلوق کو دھوکہ دینا ہے لہٰذا قطعاً ناجائز ہے(۱) اور دیگر افعال مذکورہ بھی ممنوع اور ناجائز ہیں، اگر واقعی کسی بزرگ کی قبر ہو تب بھی افعالِ مذکورہ کا ارتکاب ناجائز ہوگا اور قبر کو

= تحت عنوان: ''قبور کا چڑھاوا''۔

وأما قوله: ''ان کی طرف اپنے بچوں اور اولاد کو منسوب کرنا'' فباعتقاد باطل لقول الله عز وجل: ﴿والله جعل لكن من أنفسكم أزواجاً وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة، ورزقكم من الطيبات، أفبالباطل يؤمنون، وبنعمة الله هم يكفرون﴾ (النحل: ۷۲)

وقوله تعالىٰ: ﴿يهب لمن يشآء إناثاً، ويهب لمن يشآء الذكور، أو يزوجهم ذكراناً وإناثاً، ويجعل من يشآء عقيماً، إنه عليم قدير﴾ (الشورى: ۴۹، ۵۰)

فهذه صفة خاصة لله تعالىٰ لا مجال لغيره فيها قطعاً. فقط والله تعالىٰ أعلم.

(۱) قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "فكذلك المنافق سمّي مخادعاً لله وللمؤمنين بإظهاره ما ظهر بلسانه تقيةً بما يخلص به من القتل والسبي والعذاب العاجل، وهو لغير ما أظهره مستبطن، وذلك من فعله وإن كان خداعاً للمؤمنين في عاجل الدنيا، فهو لنفسه بذلك من فعله خادع، لأنه يظهر لها بفعله ذلك بها أنه يعطيها أمنيها ويسقيها كأس سرورها، وهو موردها حياض عطبها، ومجرعها به كأس عذابها، ومذيقها من غضب الله وأليم عقابه مالا قبل لها به، فذلك خديعته نفسه ظناً منه مع إساء ته إليها في أمر معادها أنه إليها محسن كما قال تعالى: (وما يخدعون إلا أنفسهم وما يشعرون) إعلاماً منه عباده المؤمنين أن المنافقين بإساء تهم إلى أنفسهم في إسخاطهم عليها ربهم بكفرهم وشكهم وتكذيبهم غير شاعرين ولادارين ولكنهم على عمى أمرهم مقيمين". (تفسير ابن كثير تحت قوله تعالى: ﴿يخادعون الله اهـ﴾ البقرة: ۱/۷۷، مكتب دار السلام الرياض)

www.besturdubooks.net

سجدہ کرنا شرک ہے، اگر بنیت عبادت ہو(۱) اگر بہ نیت تعظیم ہو تو حرام ہے، مشابہ بالشرک ہے(۲)۔ اگر نذر خدا کے لئے کی جائے اور اس کا کھانا مزار کے فقراء کو کھلا دیا جائے تو وہ کھانا فقراء کے لئے جائز ہے اور اگر نذر صاحبِ مزار کے لئے کی جائے تو حرام ہے، اس کا کھانا درست نہیں:

''اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام، تقرباً إليهم فهو باطل وحرام اه. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق وهو لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك الخ". ص:٤٣ طحطاوی (۳)۔ "السجود لغير الله على وجه التكرمة والتحية منسوخ بما روت عائشةؓ وجابر بن عبد اللهؓ وأنسؓ أن النبي صلى الله عليه ولسم قال: "ما ينبغي لبشر لو صلح لبشر أن يسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه"۔ أحكام القرآن :١/٣٥(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء وما لكل واحدة من الحقوق، ص: ٢٨١، قديمي)

قال الملا علي القاري: "فإن السجدة لا تحل لغير الله". (المرقاة شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء الخ: ٣٠٢/٦، رشيديه)

(۲) "و كذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام، و الفاعل و الراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن، و هل يكفر إن على وجه العبادة والتعظيم؟ كفر، و إن على وجه التحية لا، و صار آثماً مرتكباً لكبيرة" (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره: ٣٨٣/٦، سعيد)

(۳)(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، قبيل باب الإعتكاف: ١/٤٧١، ٤٧٢، دار المعرفة بيروت)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص:٦٩٣، قديمي)

(۴)(أحكام القرآن للجصاص، باب السجود لغير الله تعالىٰ، تحت قوله تعالىٰ: ﴿وإذ قلنا للملائكة اسجدوا﴾ الآية (البقرة: ٣٤): ٣٢/١، دار الكتاب العربي)

www.besturdubooks.net

مزارات پر عورتوں کا جانا اور منت مانگنا

سوال[۱۲۲]: مزارات پر عورتوں کا جانا اور وہاں منتیں مانگنا اور وہاں سے واپس آکر تبرک تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیاء اللہ کے مزارات پر جاکر مرادیں اور منتیں مانگنا حرام ہے، جیسا کہ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبور کا چڑھاوا

سوال[۱۲۳]: چڑھاوے کی اشیاء "وما أهل به لغير الله" کے تحت علماء حرام قطعی فرماتے ہیں، بدعتی لوگ اس آیت سے صرف اس ذبیحہ کو مراد لیتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور بظاہر صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین نے اس آیت میں صرف ذبح حیوانات ہی کو ذکر کیا ہے۔ مفصل مدلل جواب مرحمت ہو کر شفاء میسر ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفسرین نے "وما أهل به لغير الله" کے ذیل میں چڑھاوے کو بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر فتح العزیز پارہ الم، ص: ۶۱۵، وتفسیر احمدی۔ اور فقہاء کے کلام میں مستقلاً چڑھاوے کی حرمت موجود ہے، درمختار (۲) طحطاوی (۳) فتاویٰ عالمگیری (۴) بحر رائق (۵) وغیرہ سب کتب میں اس کو بصراحت لکھا ہے:

"واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع

---

(۱) (كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وسيأتي تخريجه تحت عنوان: "قبور کا چڑھاوا" أعني الحواشي الآتية)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، قبيل باب الاعتكاف: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(۳) (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، قبيل باب الإعتكاف: ۱/ ۴۷۱، ۴۷۲، دار المعرفة بيروت)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسك: ۱/ ۲۱۶، رشيديه)

(۵) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو باطل وحرام اهـ. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى كفر، أللهم إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعي، أوالإمام الليث، أو أشترى حصراً لمسجدهم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم ممن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، أو نذر لله عزوجل. وذكر الشيخ أنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه ولا لشريف منصب؛ لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذي نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيراً، ولا لذي علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، أو لم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت" اهـ. طحطاوی، ص:۴۰۳(۱)۔

تاوقتیکہ چڑھاوا چڑھانے والا اپنے اعتقاد اور نیت سے توبہ اور رجوع کر کے بیع یا ہبہ یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی کو نہ دے اس کا کھانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۴/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

مزارات کا چڑھاوا

سوال [۱۲۴]: جو ملکات بادشاہوں نے پیروں کے نام وقف کردی تھیں تو ان کی آمدنی سے اگر لنگر خانہ جاری کیا جاوے تو وہ کھانا کیسا ہے اور جو پیروں پر چڑھایا جاوے اس کا کھانا کیسا ہے اور جو باشرع اس چڑھاوے میں سے لڑ جھگڑ کر مثل ترکہ جدی سمجھ کر حصہ لیتا ہے تو وہ شخص کیسا ہے؟

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، ۶۹۴، قدیمی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے وقف کی آمدنی سے لنگر خانہ جاری کرنے کی اجازت دیدی تھی تو مستحق کو اس کا کھانا جائز ہے(۱)۔ اگر وہ چڑھاوا پیروں اور مزاروں کے نام کا ہے تو اس کا چڑھانا اور کھانا ناجائز ہے اور اگر وہاں کے فقراء کے لئے ہے تو فقراء کو کھانا درست ہے، اگر وہ باقاعدہ شرعی طور پر وقف ہے تو اس میں میراث جاری نہ ہوگی بلکہ واقف نے جو حصہ جس طرح متعین کردیا ہے اس کے موافق مستحقین میں تقسیم کیا جاوے گا، اگر وہ باقاعدہ وقف نہیں بلکہ کسی خاص شخص کی ملک ہے تو اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم الشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل وحرام"۔ طحطاوی، ص: ۴۰۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مزاروں کا چکر

سوال[۱۲۵] :۱......خداوند کریم قرآن شریف میں فرماتے ہیں "اتباع کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی" پھر مزاروں کا چکر، مرادوں کا مانگنا کیسے اسلام میں داخل ہوگیا ہے؟

۲......نیاز وفاتحہ کی شرطیں کیا ہیں، کیا فاتحہ کی ہوئی مٹھائی یا مرغ مسلم مردے تک پہونچتا ہے؟

۳......لوگ کہتے ہیں چونکہ اولیاء کرام اور صالحین دنیا میں بھی زندہ ہیں اور آخرت میں بھی، اس لئے وہ مدد کو آتے ہیں ان کا خیال مذکور کہاں تک صحیح ہے؟

۴......کیا اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں بھی اس طرح اولیاء کرام یا پیر پیدا ہوتے تھے، اگر نہیں تو خدا تک رسائی کیسے ہوتی تھی؟

---

(۱)"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به"۔ (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳-۴۳۴، سعید)

(۲)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر غلط اور خلاف شرع ہے(۱) البتہ ایصال ثواب کے لئے اور دنیا کی محبت کم کرنے کے لئے قبرستان جانے کی ترغیب آئی ہے(۲)۔

۲.....کوئی بھی نیک کام کرکے بغیر کسی ایسی پابندی کے جس کا شرعاً ثبوت نہ ہو، ثواب پہونچا دینا درست ہے، شرعی طریقہ پر صدقہ کرنے سے جو ثواب حاصل ہو وہ مردہ کو پہنچتا ہے(۳)۔

۳.....اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں۔

۴..... پہلے بھی پیدا ہوئے تھے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۷/۵/ ۱۴۰۰ھ۔

قبروں کا طواف کرنا اور چومنا

سوال[۱۲۶]: بزرگوں کی قبروں کا طواف کرنا اور اس کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: "﴿ذلک بأن اللہ ہو الحق، وأن ما یدعون من دونہ ہو الباطل، وأن اللہ ہو العلی الکبیر﴾ (الحج: ۶۲)

وقال تعالیٰ: ﴿والذین تدعون من دونہ، لا یستطیعون نصرکم، ولا أنفسہم ینصرون﴾ (الأعراف: ۱۹۷)

(۲) "وعن ابن مسعود أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروہا، فإنہا تزہد فی الدنیا، وتذکر الآخرۃ". رواہ ابن ماجہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، الفصل الثالث، ص: ۱۵۴ قدیمی)

(۳) "فللإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ عند أہل السنۃ والجماعۃ صلاۃ کان أو صوماً أو حجاً أو صدقۃً أو قراءۃً للقرآن، أو الأذکار، أو غیر ذلک من أنواع البر، ویصل ذلک إلی المیت، وینفعہ، قالہ الزیلعی فی باب الحج عن الغیر". (مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

(۴) جیسے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم میں پانچ حضرات: ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے، کما فی تفسیر ابن جریر، وروح المعانی وغیرہما تحت قولہ تعالیٰ: ﴿ولا تذرن وداً ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً﴾ (النوح: ۲۳)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعتِ ضلالت اور معصیت ہے۔ فتاوی عزیزی: ۲/۱۰۳(۱)، ومجموعہ فتاوی: ۳/ ۶۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نذرانہ مزارات کی تفصیل

سوال[۱۲۷]: شہر گوالپاڑہ میں مسلمانوں کے ایک قبرستان میں مدفون خراسانی پیر صاحب کے بارے میں آپ سے چند سوالات عرض کرنا چاہتا ہوں، برائے کرم ان سوالوں کے جوابات مع حوالہ کتب معتبرہ ارسال کرنے سے آپ کا بہت بہت مشکور رہوں گا۔ سوال عرض کرنے سے قبل مذکورہ قبرستان میں مدفون شاہ پیر صاحب کے مزار کے بارے میں ایک مختصر بیان آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے بارے میں میرے سوالات کے جوابات شریعت اسلامی کے متعلق واضح طور پر تحریر کرنے میں آپ کو سہولت ہوجائے اور ہمیں بھی اس کے معنی اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔

مختصر بیان: آج سے تقریباً ایک سو سال قبل سید ابوالقاسم خراسانیؒ پیر صاحب شہر گوالپاڑہ میں تشریف لائے تھے اور دین اسلام کی خدمت انجام دیئے، ان کی معیت میں لوگوں نے معرفت وسلوک اور ہدایت پاکر کافی فائدہ اٹھایا، پیر صاحب گوالپاڑہ کے لوگوں کو بہت محبوب سمجھتے تھے، گوالپاڑہ کے لوگ بھی ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج تک ان کی تعظیم گوالپاڑہ کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

گذشتہ ۱۳۰۳ھ میں پیر صاحب کا انتقال ہوگیا اور ان کو مسلمانوں کے مذکورہ قبرستان کے ایک اونچی جگہ میں دفن کیا گیا، اس بارے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان مذکورہ پیر صاحب کے انتقال سے بہت پہلے سے تھا، علاوہ ازیں مذکورہ مسلمانوں کا قبرستان پیر صاحب کا اپنا قائم کردہ ہرگز نہیں تھا، سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ عام مسلمانوں کا قبرستان کر کے سرکار کے یہاں درج ہے۔

خراسانی پیر صاحب کے انتقال کے بعد گوالپاڑہ کے مسلمان زائرین مزار کے آنے جانے کے لئے

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، طواف کا حکم، ص: ۱۵۸، سعید)

(۲) (مجموعة الفتاوی (اردو)، کتاب الحظر والإباحة، پانچ سوال متعلق عبادت وثبوت فاتحہ مروجہ وطواف قبر اھ: ۲/ ۲۲۴، سعید)

www.besturdubooks.net

پانچ سوفٹ لمبا ایک پکا راستہ بنادیا اور ہر سال عرس مبارک کیا جاتا ہے اور پیر صاحب کی خدمت عوام کی طرف سے کی جاتی ہے۔

فی الحال اس بارے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً بیس یا بائیس برس پہلے پیر صاحب کے نواسے سید محی الدین صاحب تشریف لائے اور اپنی مرضی سے پیر صاحب کے مزار پر رکھے ہوئے بکس میں عوام کی منت وعطیہ ونذرانہ وغیرہ کا جو سالانہ جمع ہوتا ہے آج تک اپنی مرضی کے مطابق صرف کرتے آئے ہیں اور اس کا کوئی حساب وغیرہ نہیں ہے اور ایک بات یہ ہے کہ سید محی الدین صاحب کے گوالپاڑہ میں تشریف لانے سے پہلے پیسہ وغیرہ بکس میں تھا اور اس میں جمع شدہ پیسہ مزار اور قبرستان کے جنگل کی صفائی کے کام میں صرف ہوتا تھا اور یہ بھی سب کو معلوم تھا اور مسلمان عوام کا یہ خیال تھا کہ جب سید محی الدین صاحب پیر صاحب کے خاندان کے آدمی ہیں تو پیر صاحب کے مزار اور ساتھ ساتھ پورے قبرستان کی ترقی اور نفع کا کام اس بکس کے ذریعہ حاصل کردہ عوام کا پیسہ اچھی طرح صرف کریں گے، لیکن بعد میں افسوس کے ساتھ دیکھا گیا کہ سید محی الدین صاحب اس بکس کی آمدنی کے پیسہ سے مذکورہ مزار اور قبرستان کی ترقی میں کوئی خاص کام نہ کرکے خود اپنے نان ونفقہ میں صرف کرتے آئے ہیں۔

اس بارے میں عوام میں سے کسی نے سنجیدگی کے ساتھ سید محی الدین صاحب سے پوچھا، تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "یہ میرے دادا کی وراثت ہے اور عوام میرے دادا پیر صاحب کو عطیہ اور ہدیہ دیتے ہیں، لہٰذا میں وارث ہونے کی حیثیت سے اس روپیہ پیسہ کو صرف کرنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے" اور سید صاحب عوام کو اس کا حساب دینے کے لئے راضی نہیں ہوئے، اب مذکورہ پیر صاحب کے مزار میں رکھے ہوئے بکس میں جو منت، ہدیہ، عطیہ وغیرہ کا پیسہ دستیاب ہوتا ہے، اس بارے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... کسی ولی یا بزرگ یا پیر صاحب کے مزار پر کس کس وجہ سے منت کر سکتے ہیں؟ یا کس کس مقصد سے عطیہ یا ہدیہ دینا جائز ہے؟

۲...... کسی مسلمان عوام کے قبرستان میں مدفون کسی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار کو مرکز ٹھہرا کر مذکورہ بزرگ کے کوئی وارث اپنے کو اس مذکورہ کام کا خادم بننے کا اظہار کرکے مذکورہ مزار میں لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے دئے ہوئے روپے پیسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے نان ونفقہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

www.besturdubooks.net

۳.....ولی بزرگ یا پیر صاحب کے مزار سے حاصل کردہ لوگوں کے عطیہ، ہدیہ یا منت کے روپے پیسے کس کس موقع پر خرچ کرسکتے ہیں؟ اور اس کے جمع اور خرچ کا حساب عوام سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

۴.....قرآن پاک میں امانت کے بارے میں کیا بیان ہے اور کس انداز سے ہے؟ اس بیان کے مطابق عوام کے رفیق، جیسے مسلمانی عوام کے قبرستان وغیرہ میں، کسی درسگاہ، خانقاہ یا کسی پیر بزرگ کے؟

۵.....مذکورہ مزار کے منت کے بکس میں کوئی غیر مسلم آدمی اگر عطیہ یا ہدیہ دیدے تو اس روپیہ پیسہ کو مزار یا قبرستان کی ترقی میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....خدا کے نام پر ثواب حاصل کرنے اور اس کو راضی کرنے کے لئے صدقہ دینا، خیرات کرنا(۱) اور اس کا مصرف ان فقراء کو قرار دینا جو مزار کی حفاظت وخدمت کیلئے رہتے ہیں شرعاً درست ہے(۲)، وہ محافظ وخادم اگر صاحب مزار کے اقرباء ہوں تو وہ بھی ایسی رقوم کے مستحق ہوسکتے ہیں بلکہ دوسروں پر مقدم ہیں، لیکن وہ خدمت وحفاظت بھی کرتے ہیں، اس کو ان بزرگ کی میراث تصور نہ کریں، میراث تو ان اشیاء میں جاری ہوتی ہے جو مرنے والے نے اپنی مملوکہ اشیاء بطور ترکہ چھوڑی ہوں (۳) اس لئے (نہ) اس کو میراث کہا جائے گا نہ اس میں ورثہ کے درجات ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام کا لحاظ ہوگا۔

براہ راست صاحب مزار کے نام پر کچھ ہدیہ عطیہ دینا یا نذر ماننا جائز نہیں، نہ ایسی رقوم کو لینا درست ہے، نہ خدام مزار کے لئے، نہ ورثہ پیر صاحب کے لئے۔ نذر خدا کے نام پر ہو اور مصرف خدام مزار ہوں تو درست ہے جبکہ یہ خدام فقراء مستحق صدقہ ہوں، مالدار، ذی علم وباوجاہت ہوں تو نہیں لینا چاہئے:

"واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشمع

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما أنفقتم من نفقة أو نذرتم من نذر، فإن اللہ یعلمه﴾ الآیة (البقرة: ۲۷۰)

(۲) "لو قال: علیّ أن أطعم ھذا المسکین ھذا الطعام بعینه، فأطعم ھذا الطعام مسکیناً آخر، أجزأه، والأفضل أن یطعمه ذلک المسکین". (الفتاویٰ التاتارخانیه: ۴۳/۵، إدارة القرآن)

(۳) "الموروث ھو الترکة، ویسمی أیضاً میراثاً، وھو ما یترکه المورث من المال أو الحقوق التی یمکن إرثھا عنه". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۲۴۹/۸)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۴۸۹/۸، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام اهـ". درمختار. (قوله: تقرباً إليهم) كأن يقول: يا سيدى فلان! إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي، فلك من الذهب أو الفضة أو من الطعام أو الشمع أ والزيت كذا، بحر".

"(قوله: باطل وحرام) لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون لمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر، أللهم إلا أن يقال: ياالله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين باب السيدة نفيسة، أو الإمام الشافعي، أو الإمام الليث، أو اشترى حصراً لمساجد هم أو زيتاً لوقودها أو دراهم لمن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك ممايكون فيه نفع للفقراء، والنذر لله عز وجل. وذكر الشيخ: إنما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده فيجوز بهذا الإعتبار، ولا يجوز أن يصرف ذلك لغني ولا لشريف منصب أو ذي نسب أو عالم مالم يكن فقيراً، ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء لإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت، ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه إلا أن يكون فقيراً أو له عيال فقراء عاجزون فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتداة، وأخذه أيضاً مكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله تعالىٰ وصرفه إلى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ" بحر ملخصاً عن شرح العلامة قاسم". (رد المحتار، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۱۲۸، مصری: ۲/۴۳۹(۱)۔

۲...... دینے والا جبکہ جائز طریقہ پر دے اور لینے والا مستحق ہو جس کی تفصیل نمبر:۱ میں آ گئی تو اس کو جائز

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۴۳۹، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۵۲۱، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۲۰۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، في المتفرقات، قبيل كتاب المناسک: ۱/۲۱۲، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الإعتكاف)

www.besturdubooks.net

مصرف میں صرف کرنا درست ہے جیسا کہ فقیر کا حال ہوتا ہے(۱)۔

۳...... دینے والے نے جبکہ بطور صدقہ ان کو دیا تو وہ مالک ہو گئے (۲)، کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں، ان سے حساب لینے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر مصرف کی تعیین کر کے دیں، مثلاً اس رقم سے فقراء کو کپڑا بنا کر دیدیں پھر اسی کام میں صرف کرنا لازم ہوگا اور حساب لینے کا بھی حق ہوگا۔

۴...... دوسرے کی چیز جو اپنے پاس ہو، اس کی حفاظت ہو اور اس کے صرف کرنے کی تعیین وتقیید ہو وہ امانت ہے جیسے متولی مسجد ومہتمم مدرسہ کے پاس مسجد ومدرسہ کی اشیاء ہوتی ہیں، اشیاء موقوفہ بھی متولی کے پاس امانت ہوتی ہے، متولی خواہ پیر صاحب کے رشتہ دار ہوں یا غیر ہوں۔

۵...... پیسہ دینے کی تفصیل نمبر:ا میں آ گئی، اس کا لحاظ ضروری ہے، غیر مسلم کی دی ہوئی رقم کا حکم بھی یہی ہے جبکہ وہ کار ثواب سمجھ کر دے۔

تنبیہ: مزار پختہ بنانا (۳)، اس پر قبہ بنانا (۴)، اس پر چادر چڑھانا (۵)، اس پر چراغ جلانا (۶)، اس پر

---

(۱) (راجع، صفحہ: ۱۹۹، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) "إعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل کبیع وهبة". (الدر المختار) (قوله: ناقل): أی من ملک إلی ملک". (رد المحتار، کتاب الصید: ۶/۴۶۳، سعید)

(۳،۴)"عن جابر رضی الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يبنى عليه، وأن يقعد عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبور الخ: ۱/۳۱۲، قديمي)

وقال العلامة النوویؒ: "والبناء عليه" فإن كان في ملک البانی فمكروه، وإن كان في مقبرة مسبلة فحرام، نص عليه الشافعیؒ والأصحاب، قال الشافعیؒ فی الأم: ورأيت الأئمة بمكة يأمرون بهدم ما يبنی، ويؤيد الهدم قوله: "ولا قبراً مشرفاً إلا سويته". (شرح مسلم: ۱/۳۱۲، قديمي)

(۵) "وكره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء، قال فی فتاوى الحجۃ: وتكره الستور على القبور". (ردالمحتار: ۶/۳۶۳، كتاب الكراهية، قبل فصل في النظر واللمس، سعيد)

(۶) "وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج". رواه أبو داؤد والترمذی والنسائی". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۷۱، كتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قديمی)

www.besturdubooks.net

چڑھاوا چڑھانا (۱)، اس کو چومنا (۲)، اس کا طواف کرنا (۳)، اس کو سجدہ کرنا (۴)، عرس کرنا (۵)، قوالی کرنا (۶)، یہ سب امور خلاف شرع ہیں، بعض کی حرمت ومعصیت بہت شدید ہے، ایسی چیزوں سے پورا احتراز واجب اور لازم ہے۔

اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے تو مالکان ہی اس کے انتظامات کے ذمہ دار ہیں، جس کو وہاں دفن کیا جائے گا اس کے ورثاء ذمہ دار نہیں ہوں گے، پورے قبرستان کے تو بہت سے حقوق ہیں، دینے والے نے جو چیز وہاں کے خدام کو دی ہیں تو ان خدام سے مدرسہ وغیرہ کے لینے کا حق نہیں، بہتر ہے کہ دینے والوں سے دریافت کرلیا جائے، وہ مدارس ومکاتب وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو وہاں ان کی ہدایت کے مطابق صرف کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مزارات کا چڑھاوا'')

(۲) "ولا يمسح القبر، ولا يقبّله، ولا يمسه، فإن ذلك من عادة النصارى كذا في شرح الشرعة". (حاشية الطحطاوي على المراقي، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''قبروں کا طواف کرنا'')

(۴) (قد مضى تخريجه تحت عنوان: ''بدعات شرکیہ'')

(۵) "ولا يجوز مايفعل الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد إليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد، ويسمونه عرساً". (التفسير المظهري: ۲/۵۲، حافظ كتب خانه، كوئٹه)

(۶) قال ابن أمير الحاج في المدخل: "فانظر رحمنا الله وإياك إلى هذا المغني، إذا غنى تجد له من الهيبة والوقار، وحسن الهيئة والسمت، ويقتدي به أهل الإشارات والعبارات ...... فإذا دبّ معه الطرب قليلاً، حرك رأسه كما يفعله أهل الخمرة سواء بسواء. ... ثم إذا تمكن الطرب منه ذهب حياءه، ووقاره ...... فيقوم ويرقص، وينادي ويبكي ويتباكى، ..... وربما مزّق بعض ثيابه، وعبث بلحيته، وهذا منكر بيّن، لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن إضاعة المال، ولا شك أن تمزيق الثياب من ذلك". (فصل في المولد: ۲/۷)

www.besturdubooks.net

بن بیوی خدا برکت، پانچ پیر مزار پر نذرانے

سوال[۱۲۸]: مسلمانوں میں سے ایک جماعت نے بن بیوی خدا برکت اور پانچ پیر وغیرہ کے نام سے درگاہ بنوا کر وہاں دودھ وغیرہ نذرانہ دیتے ہیں اور ان سے اپنی حاجت مانگتے ہیں تو اب دریافت کرنا یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر یہ سب فعل کرے تو شریعت کی رو سے اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اس شخص پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہم اہلِ سنت مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ کوئی مسلمان اگر اسے بُرا جان کر درگاہ کو توڑ ڈالے تو اس کے لئے کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، شرعاً ہرگز اس کی اجازت نہیں (۱)، یہ مشرکین کا طریقہ ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو نرمی سے فہمائش کی جائے کہ ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، وہ اگر باز نہ آئیں تو ان سے قطع تعلق کرنے میں اہل السنۃ والجماعۃ حق بجانب ہوں گے (۲)۔

کوئی مسلمان اگر ایسی جگہ کو توڑ دے جہاں مشرکانہ کام کئے جاتے ہیں تو وہ شرعاً مجرم نہیں (۳)، اس پر اگر فتنہ برپا ہو یا قانونی گرفت ہو تو اس کا انتظام پہلے لازم ہے، نیز اگر واقعۃً وہاں کسی پیر بزرگ کا مزار (قبر) ہو تو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "نذرانہ مزار کی تفصیل")

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلاإذاكان الهجران في حق من حقوق الله فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المصابيح: ۷۵۸/۸، كتاب الآداب، باب ماينهي من التقاطع والتدابير اهـ، رشيديه)

"وفي النهاية: يريد به الهجر ضد الوصل يعني فيما يكون بين المسلمين من عتب وموجدة أو تقصير يقع في حقوق العشرة والصحبة دون ماكان من ذلك في جانب الدين، فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، الفصل الأول، باب ماينهى من التقاطع والتدابر اهـ، كتاب الآداب: ۷۵۹/۸، رشيديه)

(۳) "وضمن بكسر معزف قيمته صالحاً لغير اللهو، وقال: لايضمن، ولايصح بيعها، وعليه قال في الرد: هذا الاختلاف في الضمان دون إباحة إتلاف المعازف". (رد المحتار، كتاب الغصب، فصل في مسائل متفرقة: ۲۱۲/۶، سعيد)

www.besturdubooks.net

اس کی توہین نہ کی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

دریا کے نام پر ذبح اور تصدق

سوال[۱۲۹]: ایک قریہ کے لوگ برلب دریا بکرا ذبح کریں بایں غرض کہ دریا زمین کو نقصان نہ کرے اور اسی جگہ ختم قرآن شریف کرنا، مذبوح مذکور کا گوشت یہاں ہی پکانا اور کھانا پکا کر ختم کرنے والوں کو یہاں ہی کھانا کھلانا بایں غرض کہ حضرت خضر علیہ السلام فعل مذکورہ پر خوش ہوں اور آئندہ زمین میں نقصان نہ ہونے پاوے اور فعل کرنے والے مسلمان بھی رہیں۔محمد شفیع ضلع راولپنڈی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کوئی شیء بغیر حکم خداوندی کے نہ نفع پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، دریا کا زمین کو نفع یا نقصان پہونچانا بھی حکم خداوندی کے ماتحت ہے(۱) پس دریا کے نام پر یا دریا کے لئے بکرا ذبح کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ دریا بکرا لے کر خوش ہو جائے گا اور ہمیں نقصان نہ پہونچائے گا، یا حضرت خضر علیہ السلام کے لئے بکرا ذبح کرنا کہ اگر ہم نے بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت یہاں پکا کر قرآن شریف ختم کرنے والوں کو نہ کھلایا تو حضرت خضر علیہ السلام ناراض ہو جائیں گے اور آئندہ زمین کو نقصان پہنچائیں گے اور ایسا کرنے سے وہ خوش ہو جائیں گے اور زمین کو نقصان نہ پہنچائیں گے ناجائز ہے اور ایسا عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں، اس فعل سے بچنا چاہئے اور اس عقیدہ سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كنت خلف رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يوماً فقال: "يا غلام ...... و إذا سألت فاسأل الله، و إذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت علی أن ينفعوك بشئ لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، و لو اجتمعوا علی أن يضرّوك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك اهـ". (مشكوة المصابيح: ۲/۴۵۳، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، قديمي)

قال القاري: "و خلاصة المعنی: أنك وحّدِ الله في المطلب المهرب، فهو الضار النافع والمعطي المانع ...... إذ ما من حادثة من سعادة و شقاوة، و عسر و يسر، وخير و شر، و نفع و ضر، وأجل و رزق إلا و يتعلق بقدره و قضائه". (المرقاة شرح المشكوة: ۹/۱۶۴، كتاب الرقاق، باب التوكل و الصبر، رقم الحديث: ۵۳۰۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

توبہ واجب ہے(۱) ہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء اور التجا کرنا کہ وہ دریا کے نیز ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھیں، ضرور نافع اور مستحسن ہے(۲) اس طرح نقصان سے بچنے کے لئے حسبِ مقدرت خدا کے نام پر خیرات کرنا بھی مفید اور موجب ثواب ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ

---

(۱) "ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد خواہ ولی خواہ شہید خواہ غیر انسان، حرام است، و اگر بہ قصد تقرب بنام اینہا ذبح کردہ باشد، ذبیحۂ آن جانور ہم حرام و مردار میشود، و ذبح کنندہ مرتد میشود، توبہ ازیں فعلِ منع لازم است، در تفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله، صار مرتداً و ذبيحته ذبيحة مرتد". (فتاوی عزیزی: ۱/۵۰، مسئلہ ذبح جانور بنام غیر اللہ تعالیٰ، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۶/۲۴۵، كتاب الذبائح والصيود، دار الكتب العلمية)

(۲) "چنانچہ خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے اوقات میں مختلف دعائیں منقول ہیں: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يدعو عند الكرب: "لا إله إلا الله الحليم الحكيم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله الا الله رب السموات والأرض و رب العرش الكريم". (جامع الترمذي: ۲/۱۸۱، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الكرب، سعيد)

قال القاري تحته: "ثم هذا في الذكر إشارة بأنه لا يقدر أحد على إزالة الغم إلا الله. قال الطيبي: هذا ذكر يترتب عليه رفع الكرب اهـ". (المرقاة شرح المشكوة: ۵/۲۶۶، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲۴۱۷، رشيديه)

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان إذا كربه أمر قال: "يا حي يا قيوم! برحمتك أستغيث". (كتاب الأذكار للنووي، كتاب الأذكار والدعوات الخ، باب دعاء الكرب والدعاء عند الأمور المهمة، ص: ۱۲۴، رقم الحديث: ۳۶۰، مكتبة دار البيان)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الصدقة تمنع ميتة السوء". قال المناوي: "الحالة التي يكون عليها الإنسان من الموت" قال التوربشتي: "و أراد بها مالا تُحمد عاقبته و لا تؤمن غائلته من الحلال كالفقر المُدقع، والوصب الموجع، والألم المقلق، والعلل المفضية إلى كفران النعمة و نسيان =

''بھوک'' کا جانور ذبح کرنا اور کھانا

سوال[۱۳۰] : چہ میفر مایند علماء کرام ومفتیان عظام درحکم جانور یکہ بطریق بھوک گذاشتہ ،یعنی اگر بکسے اثرِ جنات یامرضِ شدیدلاحق شود، اکثر مقصود جانور ازاں برنگ گوناگوں آمیختہ بنام ارواحِ خبیث مطلقاً می گذارند، ومی پندارند کہ تاثیر ازاں بدو لاحق شدہ اُو راشفادھد.خوردن آن شرعاً جائز باشد یانہ؟وملکِ آن شخص زائل شد یانہ، اگر شود، تصرفِ او چہ حرج آید؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

این چنیں حیوان از ملک مالکِ خارج نہ میشود، وبنامِ رواحِ خبیثہ گذاشتنش روانیست، وھم چنیں بغیر تملیک گذاشتن نادرست تاوقتیکہ مالک ازیں گذاشتن رجوع کردہ بکسے، برائے خدا دھد، یابد ست اورنفر وشد یابطریق دیگر مثل ھبہ مالک نگر داند،آنکس راخوردن ودرآن تصرف کردن روا نخواھد شد، ودلائلِ آن درفتاوی عزیزی بر،ص: ۲۲،وص: ۲۳،(۱)وغیرہ مرقوم است . فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور،۲۳/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف،۲۳/ ذی الحجہ/۵۵ء۔

= الذکر والأهوال الشاغلة عمّاله و عليه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي :۳۸۰۲/۷، رقم الحديث: ۵۱۴۳ ، مكتبه نزار مصطفى الباز، الرياض)

(۱)(فتاوی عزیزی، ص: ۵۰۷، سعید)

"واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام ".(رد المحتار: ۴۳۹/۲، كتاب الصوم، قبل باب الاعتكاف، سعيد)

" ولقائل أن يقول: يستدل بالآية على نظير ذلك، وهو ما يُلقى في الأنهار والطريق وقرب الأشجار من طرح البيض والفراريج ونحوذلك، فلايجوز فعله، ولايزول ملك المالك".(تفسير القاسمي: ۴۰۳/۴، (سورة المائدة :۱۰۳)

"وفي الصيد أنه لايملكه إذالم يبحه، وكذا في الدابة إذا سيبها كما بسطه الشرنبلالي".

(ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۷۷/۶،سعيد)..................................... =

www.besturdubooks.net

بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم

سوال[۱۳۱]: ایک ہندو نے بتوں کے نام پر ایک سانڈ چھوڑا اور کئی سال گزرنے کے بعد مالک نے ایک برہمن کو بلا کر اس سانڈ کو اس کے حوالہ کر کے اس کو مالک بنا دیا، برہمن نے اس کو ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا، مسلمانوں نے اس کو شرعی طریق سے ذبح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ از طرف مولوی عبدالغفور رنگپوری معرفت عبدالرحمٰن کامل پوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ مفسرین نے "ما أهل لغير الله" کی تفسیر "ذبح للأصنام فذكر عليه غير اسم الله" (مدارک) کی ہے(۱)، لہٰذا اس تفسیر کے موافق سانڈ جو کہ بتوں کے نام چھوڑ دیا گیا تھا اور اس کے بعد مالک نے وہ کسی کو دے دیا خواہ وہ ہبۃً ہو خواہ قیمتاً اور پھر شرعی طریق پر اس کو ذبح کرایا گیا تو وہ شرعاً حرام نہ ہوگا، کیونکہ وہ بت کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، لیکن بعض محققین نے "ما أهل به لغير الله" کو عام کہا ہے یعنی خواہ بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے، دونوں صورتوں میں وہ جانور حرام ہوتا ہے۔ اول صورت میں اس کا حلال ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ بت کے نام پر ذبح کر دیا گیا اور حرمت مقرر ہو چکی۔

ثانی صورت میں حلال ہونا ممکن ہے وہ اس طرح کہ مالک اپنے اس فعل یعنی بت کے نام پر چھوڑنے

= (وكذا في امداد الفتاوى: ۹۹/۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في مجموعه الفتاوى: ۱۸۲/۲، كتاب الحظر والإباحة)

ترجمہ سوال: اگر کسی جانور کو بھوک کے طریق پر چھوڑ دیا گیا ہو اس کا کیا حکم ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی پر جنات کا اثر ہو یا مرضِ شدید لاحق ہو تو کسی جانور کو مختلف رنگوں میں رنگ کر ارواح خبیثہ کے نام پر یا مطلقاً چھوڑ دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کی تاثیر سے بیمار کو شفا ہوگی۔ اس جانور کا شرعاً کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کی ملکیت اس جانور سے زائل ہو جاتی ہے؟

ترجمہ جواب: اس طرح جانور مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا اور ارواحِ خبیثہ کے نام پر چھوڑنا جائز نہیں، اس طرح کسی کو مالک بنائے بغیر چھوڑنا بھی درست نہیں، جب تک مالک ارواح خبیثہ کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کر کے کسی کو خدا واسطے نہ دے یا اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے یا کسی دوسرے طریقہ پر مثل ہبہ مالک نہ بنا دے اس کو کھانا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا اور اس کے دلائل فتاوی عزیزی ص: ۲۲، ص: ۲۳، وغیرہ میں مرقوم ہیں، فقط۔

(۱) (تفسير مدارك التنزيل: ۹۸/۱، سورة البقرة: ۱۷۳)

www.besturdubooks.net

سے رجوع کرلے اوراس کے بعد شرعی طریق پر ذبح کیا جائے، اس سے حرمت مرتفع ہوجائے گی، دوسری تفسیر احوط ہے(۱)۔ پس اگر صورت مسئولہ میں مالک نے اپنے فعلِ سابق، یعنی: بتوں کے نام پر چھوڑنے سے رجوع کرلیا تھا اوراس کے بعد دوسرے شخص کو دیا ہے تب تو جائز ہے اوراگر اپنے سابق فعل سے رجوع نہیں کیا تو ناجائز ہے: "لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو على قبر من القبور، وقصد به التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، وذكر اسم الله عليها، لاتحل ١هـ". فتاوی عزیزی، ص: ۲۳ (۲)۔

قال في البحر: "لايجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولاالتصرف فيه بوجه من الوجوه، إلاأن يكون فقيراً أوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة، وأخذه أيضاًمكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله وصدقة إلى الفقراء، ويقطع عن نذر الشيخ،١هـ". طحطاوی: ۱/۴۷۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا اجتمع الحلال والحرام، أو المبيح والمحرّم، غلب الحرام والمحرّم". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: ۱/۳۰۱)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱۱۹، سعيد)

"بت کے نام پر چھوڑ ہوئے سانڈ کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملکِ غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہوتا ہے، لیکن مذکورہ صورت میں جب مالک نے زندہ سانڈ کو برہمن کے ملک میں دیا اور پھر مسلمان نے برہمن سے خرید کر شرعی طریقہ سے ذبح کیا تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی، اور محققین نے بھی ایسے جانور کو حرام قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اس جانور کو حرام قرار دیا ہے جو غیر اللہ کے نام منذر کی جائے پھر مالک یا اس کا وکیل اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کردے تو اس صورت میں ناذر کا مقصد ذبح ہی ہوتا ہے، اسلئے یہ "وما اهل به لغير الله" میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور پہلی صورت میں ناذر کا مقصد ذبح نہیں ہوتا"۔ (امداد الفتاوی: ۳/۹۹)

(واحسن الفتاوی: ۱/۵۰) (ومجموعہ الفتاوی: ۲/۱۸۲، ۲۴۹، سعید)

(خیر الفتاوی: ۱/۶۰۰) (امداد المفتیین، ص: ۹۳۲)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۳۸۴، سعید)

(۳) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم: ۱/۴۷۱، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء کا حکم

سوال[۱۳۲]: ۱......دیوی دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء، مثلاً: گڑ شکر وغیرہ حلال ہیں یا حرام؟

۲......دیوی دیوتاؤں کے نام پر چھوڑے ہوئے یا دیوی دیوتاؤں کے لئے خریدے ہوئے جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......حرام ہے(۱)۔

۲......ہرگز جائز نہیں، بلکہ میتہ کے حکم میں ہے، کذا فی الاکلیل (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم

سوال[۱۳۳]: ہمارے علاقہ میں بعض ہنود کے پاس ایسے بکرے ملتے ہیں جو کان کٹے ہوئے ہیں اور اس کے کانوں میں بالی بھی ڈالی ہوئی ہوتی ہے، ایسے بکرے کا مسلمانوں کے لئے خریدنا اور اس کی

---

(۱) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اهـ". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيديه)

(۲) غیر اللہ کے نام پر خریدنے سے ایسے تمام جانور حرام ہو جاتے ہیں، پھر جب تک اس فعلِ قبیح سے توبہ کر کے "بسم اللہ" پڑھ کر جانور ذبح نہ کیا جائے تو حرام ہی ہوگا:

قال الله تعالىٰ: ﴿و ما أهل به لغير الله﴾: أي ذكر عليه غير اسم الله، و هي ذبيحة المجوسي والوثني والمعطل، فالوثني يذبح للوثن، والمجوسي للنار، والمعطل لا يعتقد شيئاً فيذبح لنفسه اهـ".

(أحكام القرآن للقرطبي: ۲/۱۵۰، (سورة البقرة: ۱۷۳)، دار الكتب)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (غرائب القرآن على هامش جامع البيان لابن جرير الطبري: ۲/۱۲۰، (سورة البقرة: ۱۷۳)، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

بیچ کرنا، نیز اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بکرے غیر اللہ کے نام پر چڑھائے گئے تو ان کو خریدنا اور گوشت کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا

سوال [۱۲۴]: ایک شخص رمضان کی ۲۷/ تاریخ کو ایک سیاہ رنگ کی بکری ذبح کرتا ہے اور تمام گھر کے آدمی ہلدی میں ہاتھ رنگ کر اس پر لگاتے ہیں، پھر امام صاحب سے ذبح کراتے ہیں، اور اس کے سری و پائے چوراہے راستہ میں دفن کرتے ہیں اور گوشت کی پلاؤ پکوا کر کھلاتے ہیں اور وہ بکری کالی کے نام سے کرتے ہیں اور امام صاحب سے قل پڑھواتے ہیں، اگر امام یہ کام نہ کرے تو مسجد میں نہیں رہ سکتا۔ اس بکری کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل سخت گناہ، قریب شرک ہے (۲) اور اس بکری کا کھانا حرام ہے، وہ بالکل مردار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

---

(۱) "غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم مثل سائبہ کے ہے اور سائبہ ملک غیر ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے اگر مالک کی اجازت سے مذکورہ جانور کو خرید کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے کیونکہ جب نذر مالک نہ رہا تو اس کا فساد نیت بھی قابل اعتبار نہیں رہا"۔ (امداد الفتاوی: ۹۹/۴) (وكذا في مجموعة الفتاوی: ۲۴۹/۲) (واحسن الفتاوی: ۵۱/۱) (وامداد المفتین، ص: ۹۳۹)

(۲) اس کو قریب شرک اس لئے فرمایا ہے کہ ایسے ذبائح اکثر لوگ غیر اللہ (کسی صاحب مزار وغیرہ) کی خوشنودی کے لئے اپنی مرادیں پوری ہونے کی غرض سے کرتے ہیں، اور یہ حرام ہے اور ایسے ذبیحوں کا کھانا قرآن پاک کی آیت کے تحت حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "﴿إنما حرّم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾. الآية" (البقرة: ۱۱۵)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحتها: "أي ما وقع متلبساً به أي بذبحه الصوت لغير الله تعالىٰ —

www.besturdubooks.net

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ سے گائے گابھن کرانا

سوال [۱۳۵]: غیر اللہ کے نام پر یعنی رام سیپ درگاہ وغیرہ کے نام ہندو لوگ بیل، بھینس چھوڑتے ہیں، اس کا کھانا مسلمانوں کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور اس سانڈ سے جو کہ غیر اللہ کے نام پر ہے مسلمانوں کو اپنی گائے اور بھینس وغیرہ کو گابھن کرانا درست ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کھانا درست نہیں ہے تو اس سے گابھن کرانا اور بچہ پیدا کرنا کیسے درست ہے؟ ایک مجبوری یہ ہے کہ مسلمان کوئی سانڈ نہیں چھوڑتا، بتائیے کہ نسل کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟ نیز مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بال، سانپ کا چمڑا، بیچنا یا خریدنا، اس کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور حرام ہے اس کا کھانا ہرگز جائز نہیں (۱)، ایسے جانور سے اگر گائے وغیرہ گابھن ہو کر بچہ دے تو وہ بچہ مردار نہیں (۲)۔ مردہ مینڈک، کیکڑا، گیدڑ، بلی اور انسانوں کے بالوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے (۳)، اس کی قیمت کا پیسہ بھی جائز نہیں، سانپ کا چمڑہ دباغت دیکر بیچ کرنا

=...... و المراد- بغير الله – تعالىٰ الصنم وغيره كما هو الظاهر". (روح المعاني : ۴۲/۲، دار احياء التراث العربي)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "وكذلك حرّم عليهم ماأهل به لغير الله، و هو ما ذبح على غير اسمه تعالىٰ من الأنصاب والأنداد والأزلام ونحو ذلك الخ". (تفسير ابن كثير : ۲۷۹/۱، مكتبه دار السلام رياض)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "اہل ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم")

(۲) "فلو كانت امه حلالاً، لكان حكمه حكم أمه، لأن حكم الولد حكم الأم، إذ هو كبعضها، الاترى أن حمارة أهلية لو ولدت من حمار وحشي، لم يؤكل ولدها ولو ولدت حمارة وحشية من حمار أهليّ آكل ولدها، فكان الولد تابعاً لأمه دون ابيه". (أحكام القرآن للجصاص : ۲۷۱/۳، ۲۷۲ سورة النحل، تحت قوله تعالىٰ: (والأنعام خلقها)، قديمي)

"إن ولد الحيوان يتبع أمه". (ردالمحتار: ۲۸۴/۴، كتاب اللقيط، مطلب فيمن وجد خطباً، سعيد)

(۳) في الدر المختار: "وبطل بيع قن ..... وشعر الإنسان لكرامة الآدمي ولو كافراً". قال الشامي: "لايجوز الانتفاع به لحديث: "لعن الله الواصلة والمستوصلة". وإنما يرخص فيما يتخذ من الوبر، فيزيد في قرون النساء وزوا بهن". هدايه. (فرع) لو أخذ شعر النبي صلى الله عليه وسلم ممن عنده وأعطاه هداية عظيمة لاعلى وجه البيع، فلابأس به، سائحاني عن الهندية". (الدر المختار: ۵۸/۵، كتاب البيوع مطلب في بطلان بيع، سعيد) =

www.besturdubooks.net

جائز ہے(۲)، اس کا پیسہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

پیر کے نام کا بکرا ذبح کرنے سے حلال نہیں

سوال[۱۳۶]: پیر کے نام کا بکرا جبکہ وقتِ ذبح اللہ کا نام لیا جائے حرام ہے یا حلال یا مکروہ، جبکہ تفسیر میں حرام ہونے کا ثبوت نہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام ہے: صرح به في تفسير الإكليل حاشية مدارك التنزيل، وأكثر فيه من النقول، وأيضاً صرح به في تفسير عزيزي(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

= وفي النهر: "ولم يجز أيضاً بيع شعر الإنسان ولا الانتفاع به، لأن الآدمي غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزاءه مهاناً مبتذلاً وهذا الإطلاق يعم الكافر". (النهر الفائق: ۳۲۸/۳، باب البيع الفاسد، امداديه ملتان) (وكذا في البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيروت)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله: "يباع إلا جلد إنسان وخنزير وحية". قال الطحطاوي: "(قوله: وحية) ينبغي تقييده بالحية الصغيرة التي لهادم، فإن جلدها لرقته لايحتمل الدبغ، ومالادم لها طاهرة لعدم حلول الحياة فيها. والكبير ينبغي طهارة جلدها بالدبغ حيث احتمله، ويجوز بيعه للانتفاع به كمايدل عليه ظاهر كلامهم في الطهارة عند ذكر الدبغ وحرره". (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ۷۲/۳، باب البيع الفاسد، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۷۳/۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما مالايحتمل الدباغ مثل جلد الحيه الصغيرة، والفارة لايطهر بالدباغ كاللحم". (تبيين الحقائق، ۹۱/۱، كتاب الطهارة، سعيد)

(۱) قال الشاه عبدالعزيز المحدث الدهلوي في فتاواه: " لو ذبح شاةً على النصب من الأنصاب أو ...... =

www.besturdubooks.net

حضرت سید سالار غازی مسعود کی نذر

سوال[۱۲۷]: غازی مسعود سالار غازی کی یادگار سالانہ تازہ کرنے کے لئے اپنے مکان میں نشان مٹی کے گولے کی طرح بناتے اور اس سے ڈرتے، نیز تبرک مانتے ہیں اور سالار غازی صاحب کے نام پر خصی و مرغ ذبح کرتے ہیں، خصی و مرغ کا خون نیز ہڈیاں سب اسی مٹی کے ڈھیر اور نشان میں دفن کردیتے ہیں، یہ سب ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کرتے ہیں، خصی نیز مرغ کا گوشت کھاتے نیز اقرباء میں تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی منع کرے تو اس کو برا تصور کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کرانا اور اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ سب مشرکانہ رسمیں ہیں ان سے توبہ واجب ہے(۱)، نذر صرف اللہ پاک کے لئے جائز ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں (۲) غیر اللہ پر ذبح کیا ہوا جانور مرغ خصی وغیرہ کھانا قطعاً حرام ہے: قال اللہ تعالیٰ ﴿و ما أهل به لغير الله﴾ الآية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= على قبر من القبور، وقصد به التقرب إلى صاحب القبر أو صاحب النصب، و ذكر اسم الله عليه، لا تحل اهـ". (فتاویٰ عزیزی، ص: ۳۸۴، سعید)

(۱) "ذبح کردنِ جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد خواہ ولی خواہ شہید خواہ غیر انسان، حرام است، و اگر بہ قصدِ تقرب بنام اینہا ذبح کردہ باشد ذبیحۂ آن جانور ہم حرام و مردار میشود، و ذبح کنندہ مرتد میشود، توبہ ازیں فعل منع لازم است، درتفسیر نیشاپوری و دیگر تفاسیر مرقوم است: قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً، و قصد بذبحه التقرب إلى غير الله صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتد". (فتاوی عزیزی: ۱/ ۵۰، مسئلہ ذبح جانور بنام غیر اللہ تعالیٰ، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(و كذا في روح المعاني : ۵۸/۶، (سورة المائدة: ۳)، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام اهـ". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ. قبيل باب الاعتكاف: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(۳) (البقرة: ۱۷۳) قال الله تعالى: ﴿و ما أهل لغير الله به﴾: أي ماذبح فذكر عليه غير اسم الله فهو حرام، =

www.besturdubooks.net

اولیاء اللہ کیلئے نذر ماننا

سوال[۱۳۸]: کیا مشکل کے وقت مرحوم بزرگان دین اولیاء کرام کو پکارنا، منتیں ماننا، پیروں کے نام سے نذر و نیاز کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پیروں کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، ہم ان کو اللہ کے بندے مانتے ہیں، اسی نے اس کو یہ قدرت وتصرف بخشا ہے، اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں، ان سے مدد مانگنا عین اللہ سے مدد مانگنی ہے، کیا ایسا عقیدہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا عقیدہ رکھنا تعلیمات اسلام کے خلاف اور غلط ہے، اس کوتو یہ لازم ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ایمان بالکل ہی سلب نہ ہوجائے: "أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو مشاهد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل ستره علی رأسه فیقول: یاسیدی فلان! إن ردّ غائبی أو عوفی مریضی أو قضیت حاجتی، فلك من الذهب ومن الفضة کذا أو من الطعام کذا، أو من الماء أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لایملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالی، واعتقاده ذلك کفر اهـ". بحر: ۲۸۹/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

= لأن الله تعالیٰ أوجب أن تذبح مخلوقاته علی إسمه العظیم، فمتی عدل بها عن ذلک و ذکر علیها اسم غیره من صنم أو طاغوت او وثن أو غیر ذلک من سائر المخلوقات، فإنها حرام بالإجماع".

(تفسیر ابن کثیر: ۱۲/۲، ۱۳، (سورة المائدة:۳)، دار الفیحاء بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۴۴/۸، (سورة الأنعام:۱۴۵)، دار إحیاء التراث العربی)

(وکذا فی فتاوی عزیزی: ۵۰/۱، مسئلہ :ذبح جانور بنام غیر اللہ تعالیٰ" کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(۱) (البحر الرائق: ۵۲۰/۲، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیہ)

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفها لفقراء الأنام". (الدر المختار، ۴۳۹/۲، کتاب الصوم، سعید)

www.besturdubooks.net

غیر اللہ کے نام کا جانور

سوال[۱۳۹]: جو بکرا وغیرہ بنام غیر اللہ چھوڑا گیا ہو، اس کو شرعی طریق سے ذبح کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ محمد اصغر، ہوشیار پوری

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مالک اپنی نیت سے توبہ کر کے خود ذبح کردے یا کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا ویسے ہی ہبہ کردے تب تو درست ہے(۱)، اگر مالک نے توبہ نہیں کی بلکہ اس کو چھوڑے رکھا اور کسی نے اس کو ذبح کردیا تو یہ جائز نہیں، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

بھینٹ کا مرغا

سوال[۱۴۰]: کسی جانور مثلاً: مرغا وغیرہ کو جانوروں کے اوپر سے پھیر کر یا کسی انسان کے سر پر سے پھیر کر رکھا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ مشرکانہ طریقہ ہے اور اس کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں، یہ غیر اللہ کے لئے نذر ہوتی ہے جو کہ مردار کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۲/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱)(تقدم تخریجه تحت عنوان: ''بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم'')

(۲)''اگر مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کیا تو اس میں دو وجہ سے حرمت آگئی ایک مالک کی فساد نیت کی وجہ سے کیونکہ جانور کو سائبہ کرنے سے مالک کا ملک زائل نہیں ہوتا اور دوسرے غصب وسرقہ کی وجہ سے''۔ (امداد الفتاوی ۴/۹۹)

(۳)"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام". (الدر المختار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

غیر اللہ کے نام پر ذبح مشرکانہ عمل ہے

سوال[۱۴۱]: ۱...... زید نے ایسے بت اور مورتی کی منت مانی جس کو ہندو لوگ پوجتے ہیں اور ان پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، پھر چند سال کے بعد وہ اپنے لڑکے کے سر پر سے چوٹی اتروانے کے لئے ایک یا دو بکرے اسی بت اور مورتی کے نام سے مانے، پھر وہاں ایک یا دو بکرے اسی بت کے نام ذبح کئے۔

۲...... بکرا اس بت یا مورتی کا مانا ہوا تھا اور جہاں پر بت اور مورتی ہے وہاں لے جا کر اپنے لڑکے کے سر پر چوٹی اتروا کر بغیر کسی کا نام لے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت نہ اللہ کا نام لیا اور نہ کسی بت و مورتی کا نام لیا۔

۳...... زید نے بکرا اسی بت اور مورتی کے نام کا مانا ہوا تھا اور مورتی اور بت گاہ پر پہونچ کر ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح کیا تو کیا ان تینوں صورتوں میں بت کے نام کی منت ماننے سے توبہ کرنا ضروری ہے؟

۴...... اگر کسی شخص نے منت مذکورہ بالا طریقے پر مانی اور وہ اپنے گھر پر منت پوری کرتا ہے تو کیا اس کو توبہ کرنے کی ضرورت ہوگی؟

۵...... اگر کسی نے غیر اللہ کے نام کی منت مانی اور بے خبری کی وجہ سے کھالیا تو کیا گنہگار ہوگا؟

۶...... اگر کسی نے یہ سمجھ کر کھالیا کہ بھائی ناراض ہو جائے گا تو کیا فتویٰ ہے؟

۷...... زید کو معلوم ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا شرک ہے اور کھانا حرام ہے، پھر بھی وہ اپنی منت پوری کرتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟ مولوی عبد المجید قاسمی بناس کانٹھا گجرات۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح نذر ماننا مشرکانہ طریقہ ہے جو کہ سخت معصیت ہے اور ایسا بکرا حلال نہیں، تینوں صورتوں

= ''و کذا مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه مما أهل به لغیر الله، ولا فرق بینه وبین الذبح للوثن''. (فتح القدیر للشوکانی: ۱/۱۷۰، مصر)

''قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب إلی غیر الله صار مرتداً، و ذبیحته ذبیحة مرتد''. (تفسیر النیشابوری بهامش الطبری: ۲/۱۰۲، دار المعرفة بیروت)

''لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحها التقرب إلی غیر الله، صار مرتداً، و ذبیحته ذبیحة مرتد''. (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۵/۱۱، طهران)

www.besturdubooks.net

میں حرام اور مردار ہے(۱) قرآن شریف وحدیث شریف کا جو فیصلہ ہے وہ بالکل حق ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، کسی کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا حق نہیں (۲)، مہمان کو اگر علم ہو کہ یہ کھانا غیر اللہ کے نام کا اور بت کی نذر کا ہے تو اس کو بھی کھانا حرام ہے(۳)۔

جو شخص بت کی پوجا کرے وہ اسلام سے خارج ہے(۴) نہ اس کا ایمان باقی رہا، نہ اس کا نکاح باقی رہا، تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح لازم ہے(۵)، شوہر نے اگر ایسا کیا ہے تو جب تک وہ تجدید ایمان وتجدید نکاح نہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما حرّم عليكم الميتة والدم و لحم الخنزير و ما أهل به لغير الله﴾. الآية (البقرة: ۱۷۳)

"﴿و ما أهل به لغير الله﴾ والمراد بغير الله تعالى الصنم و غيره كما هو الظاهر". (روح المعاني: ۲/ ۴۲، (البقرة: ۱۷۳)، دار إحياء التراث العربي)

"ذبح لقدوم الأمير يحرم؛ لأنه أهل به لغير الله (ولو) وصلية (ذكر اسم الله تعالى)". (الدر المختار: ۶/ ۳۰۹، كتاب الذبائح، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾. الآية (الاحزاب: ۳۶)

(۳) "و في الأشباه: الحرمة تنتقل مع العلم". (الدر المختار: ۶/ ۳۸۵، فصل في البيع، سعيد)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۴) "لو سجد لصنم ... يكفر". (رد المحتار: ۴/ ۲۲۲، باب المرتد، سعيد)

"عبادة الصنم كفر، و لا اعتبار بما في قلبه". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۲۲، كتاب السير، قبيل اللقيط واللقطة الخ، دار الفكر)

(۵) "ما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح ...... و ما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة و تجديد النكاح (قوله: والتوبة): أي تجديد الإسلام". (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۴۶، ۲۴۷، باب المرتد، مطلب جملة من لا يقتل إذا ارتد، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۵/ ۴۵۸، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ، إدارة القرآن)

www.besturdubooks.net

کرلے بیوی اس کو پاس نہ آنے دے، جب یہ نذر ماننا ہی حرام ہے، شرک ہے تو اپنے گھر پر بھی اس کو پورا کرنا ناجائز ہے(۱) لہٰذا صورت نمبر: ۴ کی صورت بھی پہلی ہی صورتوں میں داخل ہے۔

غیر اللہ کی منت ماننے کا مستقل گناہ ہے اور جس نے بے خبری میں ایسا کھانا کھالیا تو اس کو توبہ واستغفار لازم ہے، کھلانے والے کو بھی سرزنش کرے اور آئندہ کو پوری احتیاط کرے۔ بھائی کی ناراضگی کے اندیشہ سے بھی حرام ومردار کھانا جائز نہیں، اللہ اور رسول کو ناراض کر کے بھائی کو راضی کرنے کا انجام خطرناک ہے(۲)، غیر اللہ کی منت ماننے پر جو وعید ہے اس کا علم نہیں تھا جہالت میں منت مان لی ہے اور اب یہ علم ہوا کہ یہ حرام اور شرک ہے ہرگز وہ منت پوری نہ کرے بلکہ اس سے توبہ کرے، غیر اللہ کی منت ماننا بالکل حرام ہے خواہ وہ بت ہو یا کوئی بزرگ(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۶ھ۔

النذر لغیر اللہ

سوال[۱۴۲]: العبادة مطلقاً مالیةً كانت أوبدنيةً من الحقوق الخالصة لله تعالى، فالإتيان بشئي من العبادات لغيره تعالى إشراك بالله تعالى، فالنذر لتعظيم المخلوق والإهلال

---

(۱) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أكثر العوام .... تقرباً إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدر المختار) قوله: (باطل و حرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق .... ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالیٰ، كفر". (الدر المختار، كتاب الصوم، مطلب: النذر الذی يقع للأموات: ۲/۴۳۹، سعید)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي)

(و فيض القدير: ۶/۲۳۸۲، رقم الحديث: ۹۹۰۳، نزار مصطفى الباز)

(ومسند الإمام أحمد: ۵/۵۹، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، دار إحياء التراث العربي)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

www.besturdubooks.net

بشئی لأجل تعظیم غیر اللّٰہ کفر وإشراك باللّٰہ تعالی، والمنذور حرام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

العبادة مختصة باللّٰہ تعالیٰ، والنذر لغیر اللّٰہ حرام أو شرك، والمنذور لغیر اللّٰہ حرام أیتة، لقوله تعالی: ﴿ومآأهل به لغیر اللّٰہ﴾ (۱) والبسط فی البحر الرائق (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۴ھ۔

نذر لغیر اللہ کا حکم

سوال [۱۴۳]: کیا نذر و نیاز کا کھانا امیر، صاحبِ نصاب کھاسکتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین یا ائمہ مجتہدین یا بڑے پیر صاحب نظام الدین اولیاؒ، یا باقی معتمد علیہم بزرگانِ دینؒ کا تیجہ، دسواں، چالیسواں ہوا ہے، ہوا ہے تو کس بزرگ نے کیا؟ مع نام کے تحریر فرمائیں اور موتی کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پکایا ہوا کھانا غریبوں کا حق ہے یا مالداروں کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نذر کسی میت کے لئے مانی گئی تو وہ حرام ہے اس کو کھانا کسی کو بھی جائز نہیں، اگر نذر خدا کے لئے ہے اور ثواب میت کے لئے تو فقراء کو اس کا کھانا شرعاً درست ہے، مالدار، عہدہ دار، علماء کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہئے:

---

(۱) (البقرة: ۱۷۳)

(۲) "أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو المشاهد کأن یکون لإنسان غائب أومریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل ستره علی رأسه، فیقول: یاسیدی فلان! إن رد غائبی او عوفی مریض أو قضیت حاجتی، فلک من الذهب ومن الفضة کذا، أو من الطعام کذا، أو من الماء، أو من الشمع کذا، أومن الزیت کذا، فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجوه: منها: انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز، لأنه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لایملک، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالی، واعتقاده ذلک کفر". (البحر الرائق: ۲/ ۵۲۰، کتاب الصوم، فصل فی النذر، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

"اللهم إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أو رددت غائبي أو قضيت حاجتي أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة النفسة، أو الفقراء الذين بباب الإمام الشافعي أو الإمام الليث أو أشتري حصراً لمساجد هم أو زيتاً لوقودها، أو دراهم لمن يقوم بشعائرها إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقراء، و النذر لله عزوجل۔ وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أو مسجده، فيجوز بهذا الإعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء، وقد وُجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه ولا لشريف منصب، لأنه لا يحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً، ولا لذى نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيراً، ولا لذى علم لأجل علمه مالم يكن فقيراً، و لم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق، ولا ينعقد، ولا تشتغل به الذمة، وأنه حرام بل سحت".

طحطاوی علی مراقی الفلاح:۲/۳۷۹(۱)، تیجہ، دسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بدعت اور ممنوع ہے، شامی(۲) فتاوی بزازیہ(۳) وغیرہ میں صراحۃً ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۰ھ۔

نذر لغیر اللہ

سوال[۱۴۴]: بزرگوں کے مزاروں پر جو نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہے، اسی طرح بزرگوں کو خوش کرنے کے لئے ان بزرگوں کے نام پر جو مرغ وغیرہ ذبح کرتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عوام بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز مانتے اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، وہ سخت گنہ گار ہیں

---

(۱)(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب يلزم الوفاء، قديمي)

(۲) "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرائة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص".

(رد المحتار: ۲/۲۴۰، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۳) (الفتاوى البزازيه، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اور وہ نذر حرام ہے، اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے اور مرغ وغیرہ جو جانور بھی بزرگوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں وہ بالکل مردار ہے، اگر نذر مانتے وقت بزرگوں کے نام کی نذر مانی، پھر اس کو "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کیا جاوے وہ بھی حرام ہے(۱)۔

"اعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیھم، فھو بالإجماع باطل وحرام اھ. درمختار. (قولہ: باطل و حرام): لوجوہ: منھا أنہ نذر لمخلوق ولا یجوز؛ لأنہ عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنھا: أن المنذور لہ میت والمیت لا یملك، ومنھا: أنہ إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللّٰہ تعالی، کفر الخ". طحطای: ۲/ ۴۷۱(۲)۔

---

(۱) "قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحھا التقرب إلی غیر اللہ، صار مرتداً، و ذبیحة ذبیحة مرتد". (التفسیر الکبیر للإمام فخر الدین الرازی: ۱۱/۵، دار الکتب طھران)

"ذبح لقدوم الأمیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم؛ لأنہ أھل بہ لغیر اللہ، ولو ذکر اسم اللہ تعالی". (الدر المختار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۹، سعید)

"عن الحسن البصری سئل عن امرأة عملت عرساً للعبھا فنحرت فیہ جزوراً فقال: لاتوکل، لأنھا ذبحت لصنم". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۸۰، دار القلم، بیروت)

"قال صاحب الروض: "إن المسلم إذا ذبح للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر". قال الشوکانی: "وإذا کان الذبح لسید الرسل کفراً عندہ، فکیف بالذبح لسائر الأموات". (فتح البیان: ۱/۲۷۵، مصر)

"ومثلہ مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورھم، فإنہ مما أھل بہ لغیر اللہ، ولافرق بینہ وبین الذبح للوثن". (فتح القدیر: ۱/۱۷۰، للعلامہ الشوکانی، مصر)

"لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً وقصد بذبحھا التقرب إلی غیر اللہ صار مرتداً، وذبیحتہ ذبیحة مرتد". (تفسیر النیسابوری علی ھامش الطبری: ۲/۱۲۰، بیروت)

(وکذا فی موضح القرآن: ۱/۳۲، سعید)

(وکذا فی معارف القرآن: ۱/۴۲۲، ۴۲۳، إدارة المعارف)

(۲) (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۴۷۱، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ، قبیل باب الإعتکاف، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

"وما أھل بہ : یعنی دیگر آں جانور کہ آواز برآوردہ شد، وشہرت دا شد درحقِ آں جانور کہ بغیر اللہ یعنی برائے غیرخدااست، خواہ آں غیربُت باشد یاروحے خبیث کہ بطریقِ بھوگ کہ بنامِ اوبد ھندہ، خواہ جنے مسلط برخانہ یاسرائے کہ بدون دادنِ جانور از ایذائے سکنہ آنجادست بردار نشود، یاتوپ را روانہ کردن ندھد، وخواہ پیرے وپیغمبر رابایں وضع جانور مقرر کردہ، ھمہ حرام است،و درحدیث صحیح وارداست: "ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ" یعنی ھرکہ بذبح جانور تقرب بغیرِ خدانماید ملعون است، خواہ در وقتِ ذبح نامِ خدا بگیرد یانے، زیراکہ چوں شہرت داد کہ این جانور برائے فلانے است ذکر نام خداوقت ذبح فائدہ نہ کرد، آں جانور منسوب بآں غیر گشت، وخبثے گشت کہ زیادہ از خبثِ مردار است ،زیراکہ مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است ،وجانِ این جانور را از آں غیرِ خدا قرادادہ گشتہ اند، وآں عینِ شرک است، وھرگاہ ایں خبث دروے سرایت کرد، دیگر بذکرِ نام حلال نمی شود ،مانندِ سگ وخوک کہ اگر بنامِ خدامذبوح شوند حلال نمی مگرد، کذافی الإکلیل، ج: ۲، من تفسیر فتح العزیز للشاہ عبدالعزیز المحدث دھلوی)(۱).

---

(۱) "ملعونٌ من ذبح لغیر اللہ"(فتاوی عزیزی، ص: ۵۰۵، سعید)

"لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ"(التفسیر المظھری: ۳/۲۰، حافظ کتب خانہ)

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأربع کلمات : "لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ". (معارج القبول بشرح سلّم الوصول إلی علم الأصول فی التوحید: ۱/۴۱۲،سعودی)

ترجمہ: اکثرعوام کے طرف سے مردوں کی خاطر جونذر چڑھائی جاتی ہےاور بزرگوں کے مزارات پر جوموم بتی خوشبواورروپیہ چڑھایا جاتا ہےجس کا مقصدان بزرگوں کوخوش کرنااوران کاتقرب حاصل کرنا ہے یہ سب باتفاق ائمہ حرام ہے اور باطل ہیں (درمختار) طحطاوی میں ان کے حرام اور ناجائز ہونے کی کئی وجہ لکھی ہیں: ایک تو یہ کہ مخلوق کے لئے نذر ماننا ہے، حالانکہ نذرعبادت ہے جوخالق کے ساتھ مخصوص ہے۔دوسرے یہ کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہےتو بھلاوہ کسی چیز کا کیسے مالک ہوسکتا ہےاور تیسرے یہ کہ اس میت کے ساتھ یہ اعتقاد بھی کیا جاتا ہے کہ وہ عالم میں تصرف کرتا ہےاور یہ عقیدہ رکھنا تو کفر ہے۔ .... =

www.besturdubooks.net

غیر اللہ کی نذر کا کھانا کیا کیا جائے

سوال[۱۴۵]: غیر اللہ کی نذر و نیاز کا کھانا بلا علم تحفہ میں آجائے اور پھر واپس کرنے پر واپس نہ لیں تو اس کو غرباء کو دیا جا سکتا ہے کہ نہیں یا دفن کر دیا جائے یا جانور کو دیدیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر غیر اللہ کے نام کی نذر ہے تو اس کو ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ اسے جانور کھالے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/ ۶/ ۸۷ھ

= الاکلیل: ۲/ ۶، میں ہے، دوسرے وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے بارے میں اعلان اور شہرت دیدی گئی ہو کہ یہ غیر اللہ کے واسطے ہیں، خواہ وہ غیر اللہ بت ہو یا کوئی خبیث روح جیسا کہ بت وغیرہ کے نام پر بھوگ چڑھاتے ہیں اور خواہ وہ روح کسی ایسے جن کی ہو جو کسی مکان پر مسلط ہو اور وہ بغیر اس جانور کے بھینٹ چڑھائے وہ جن اس گھر کے رہنے والوں سے دست بردار نہ ہو یا وہ جن توپ کو نہ چلانے دے اور ایسے ہی کسی پیر پیغمبر کے واسطے کوئی زندہ جانور موسوم کر دیا جائے، یہ سب شکلیں حرام ہیں اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص کسی جانور کو ذبح کر کے غیر اللہ کا تقرب کرنا چاہے وہ ملعون ہے" خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ اس واسطے ہے کہ جب اس بات کی شہرت دیدی گئی کہ یہ جانور فلاں (پیر، پیغمبر) کے واسطے تو بوقت ذبح خدا کا نام لینا مفید نہ ہوگا، کیونکہ وہ جانور غیر اللہ کی طرف منسوب ہو ہی چکا ہے اور اس نسبت کی وجہ سے اس میں ایسی برائی پیدا ہوگئی، جو مردار کی برائی سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ مردار میں صرف یہی برائی ہے کہ اس کی موت بغیر اللہ کے نام لئے ہوئے واقع ہوئی ہے اور اس جانور کی جان اس غیر خدا کے لئے مقرر کر کے لی گئی ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب یہ برائی اس میں سرایت پذیر ہوگئی تو اب نام خدا لینے سے یہ حلال نہیں ہو سکتا جیسے کہ کتا اور سور اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ تو حلال نہیں ہو جاتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "قيل: لتحمل الخمر إليها، أما إذا قيدت إلى الخمر، فلابأس به كمافي الكلب والميتة". (الهداية، كتاب الأشربة: ۴/ ۴۹۶، شركة علمية)

"قال بعض المشايخ: لو قاد الدابة إلى الخمر لابأس به". (رد المحتار: ۶/ ۴۴۹، كتاب الأشربة، سعيد)

"قال بعض المشايخ: لونقل الدابة إلى الخمر لابأس به، ولو نقل الخمر إلى الدابة يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأشربة: ۵/ ۴۱۱، رشيديه)

"قوله: كمافي الكلب: أى لايحمل الميتة إلى الكلب، لكن يؤتى الكلب إليها". (الكفاية مع فتح القدير، كتاب الأشربة، فصل طبخ العصير: ۹/ ۴۰، المكتبة النوريه الرضوية سكهر)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا بیان)

الاستغاثۃ

سوال[۱۴۶]: الاستغاثة إلى المخلوق، والإ ستغاثة فوق الأسباب، و دعائه دعاءً غيبياً حياً كان المدعو أو ميتاً إشراك بالله تعالىٰ أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". كذا في مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

نداء الاموات

سوال[۱۴۷]: إذا دعا أحد: يا شيخ محي الدين رحمه الله تعالىٰ! يا أبا بكر! يا عثمان!، وغيرهم من الأولياء الكرام، بعض العلماء يقولون: هو شرك محض، والبعض يقولون ليس بشرك، وإذا كان شركاً فما الجواب لما ورد في التحيات" أيها النبي" فإن الناس يقولون: إن الأولياء يسمعون بعد الموت، إذا سئل شيئاً يجيبون، و هكذا عقيدة الناس، و في أكثر البلاد يقرأ الناس: محي الدين شيئًا لله، وفيه يدعو العامة: يا محي الدين! فإنهم يقولون: إن محي الدين

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية: ۲/۳۲۶، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

یحضر في ذلك المجلس و يجيب دعائهم، و هذا مجرب لأكثر الناس،إن الناس لا يفهم أن محي الدين هو الله،و لكن يقولون: و له مرتبة ليس ذلك لعامة العلماء والناس، ما الجواب؟(١).

الجواب حامداً و مصلياً:

من اعتقد أن الأولياء والصلحاء بعد مفارقة أرواحهم من الأبدان يتصرفون في الكون،و لهم قدرة على أن يغيثوا من استغاثهم،و يسمعون و يَصِلون للإعانة من أيّ مكانٍ ينادون،فهذا الإعتقاد لا أصل له في الدين من الكتاب والسنة،وقد صرّح الفقهاء بخلافه حيث قالوا في باب المرتد: "و يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم اهـ". مجمع :١/٦٩٩(٢)

---

(۱)(**ترجمۂ سوال و جواب**): ''جب کوئی شخص ''یا شیخ محی الدین، یا ابوبکر، یا عثمان'' یا ان کے علاوہ دوسرے اولیاء کرام کو پکارتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ شرک محض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شرک نہیں اور اگر شرک ہو تو اس کا کیا جواب ہوگا، جو التحیات میں "ایھا النبی" وارد ہوا ہے، پس بے شک لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء موت کے بعد بھی سنتے ہیں اور جب ان سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا ہے، اس کا جواب دیتے ہیں، لوگوں کا عقیدہ یہی ہے اور اکثر بلاد میں لوگ ''محی الدین شیئاً للہ'' کہتے ہیں اور عوام ''یا محی الدین''۔ پس بلاشبہ وہ اس کے قائل ہیں کہ محی الدین اس مجلس میں موجود ہیں اور ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں، یہ اکثر لوگوں کا مجرب ہے، لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ محی الدین عین اللہ ہے، البتہ اس کے قائل ہیں کہ ان کا ایسا مرتبہ ہے جو عامۂ علماء اور عام لوگوں کا نہیں ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: جو شخص اس کا معتقد ہے کہ اولیاء و صلحاء اپنی ارواح کے بدنوں کے جدا ہونے کے بعد بھی عالم میں تصرف کرتے ہیں اور ان کو اس کی قدرت ہے کہ اپنے سے مدد طلب کرنیوالوں کی مدد کریں اور جس جگہ سے بھی ان کو پکارا جائے، ان کی سنیں اور ان کی مدد کو پہونچیں، تو اس اعتقاد کی دین میں کتاب و سنت سے کوئی اصل نہیں، اور تحقیق فقہاء نے اس کے خلاف کی صراحت کی ہے اس طرح کہ مرتد کے باب میں بیان کیا ہے کہ ارواح مشائخ کو حاضر و ناظر اعتقاد کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے، مجمع الانہر: ۱/۶۹۹، والبحر الرائق: ۵/۱۳۴۔ اور رد المحتار میں کہا ہے کہ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ مردہ امور میں تصرف کرتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ۲/ ۱۲۸۔ اسی طرح طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

تشہد میں جو نداء و خطاب کا صیغہ وارد ہوا ہے، تو وہ نقل کے طور پر پڑھا جاتا ہے، اصل خطاب اور ہر تشہد پڑھنے والے کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کریمہ کے موجود ہونے کی بنا پر نہیں، جیسا کہ "یا جبال اوّبی" (سورۃ السباء: ۱۰) وغیرہ بہت سی آیات قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہیں اور سوائے نقل کے ان سے کچھ اور مقصود نہیں''۔

(٢) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع : الأول فيما يتعلق بالله تعالى : ١/٦٩١،دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

والبحر الرائق: ۵/۱۲۴(۱)۔ وقال فی رد المحتار: "إن ظن أن المیت متصرف فی الأمور دون الله تعالیٰ، کفر".۲/۱۲۸ (۲)، و کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۳۷۸ (۳)۔

وأما ما ورد فی التشهد من صیغة النداء والخطاب، فهو یقرأ علی سبیل النقل، لا لأصل الخطاب و حضور الروح الکریمة عند کل متشهد کما یقرأ فی القرآن الکریم: ﴿یا جبال أوبی﴾ (٤) و غیره من الکلمات الکثیرة لیس المقصود منها سوی النقل ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

انبیائے کرام کو پکارنا

سوال[۱۴۸] : بعض لوگ مصیبت اور حاجت کے وقت انبیاء علیہم السلام، یا اولیاء کرام کو دور سے بطور استمداد پکارتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، اس صورت سے کہنا (ان کو پکارنا) جائز ہے یا نہیں؟ اور اس اعتقاد والے کا کیا حکم ہے؟

دور سے "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہنا یا نماز میں "أیها النبی" پڑھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری پکار کو سن رہے ہیں اور خبردار ہوتے ہیں، ایسے اعتقاد والے پر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ بھی اسلام کے خلاف ہے، جب ایسا عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق رکھنا کفر ہے تو کسی اور نبی، یا ولی کے متعلق کیسے درست ہوگا؟(۵) "یارسول اللہ" اس عقیدے سے کہنا کہ ہر جگہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز ہے اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ آپ کو اس کی اطلاع کرتے

(۱) "وفی البزازیة: قال علماؤنا: من قال أرواح المشایخ حاضرة تعلم یکفر". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام من شمع أو زیت أو نحوه: ۲/۴۳۹، سعید)

(۳) (الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(۴) (سورة السباء: ۱۰)

(۵) "إن الناس قد أکثروا من دعاء غیر الله تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منهم والأموات وغیرهم، مثل: یا سیدی فلان! أغثنی، و لیس ذلک من التوسل المباح فی شیء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه =

www.besturdubooks.net

ہیں درست ہے(۱)، لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

"أیھا النبی" نماز میں پڑھنا شرعاً ثابت ہے لہٰذا اس کو پڑھنا جائز ہے(۲) اور عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کے ذریعے سے درود وسلام آپ تک پہنچتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

سوال[۱۴۹]: اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرات اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، مثلاً: یا اللہ اپنے اولیاء کے طفیل یا فلاں بزرگ کے طفیل مجھے نیک بیٹا عطا فرما(۴)، خود براہ راست اولیاء اللہ سے یہ چیز نہ

= بذلک، وأن لا یحوم حول حماہ، وقد عدّہ أناس من العلماء شرکاً". (روح المعاني، [المائدة: ۳۵]، ۱۲۶/۶، دار إحیاء التراث العربي)

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن للہ ملائکة سیاحین في الأرض یبلغوني من أمتي السلام". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فضلھا: ۸۶/۱، قدیمي)

(۲) "قال عبد اللہ: کنا إذا صلینا خلف النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قلنا: السلام علی جبرئیل و میکائیل، السلام علی فلان و فلان، فالتفت إلینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "إن اللہ ھو السلام، فإذا صلّی أحدکم فلیقل: التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک أیھا النبي ورحمة اللہ وبرکاتہ ...... الخ". (صحیح البخاري، باب التشھد في الآخرة: ۱۱۵/۱، قدیمي)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة رقمھا: ۱)

(۴) "عندنا و عند مشایخنا رحمھم اللہ تعالیٰ یجوز التوسل في الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والشھداء والصدیقین في حیاتھم و بعد وفاتھم بأن یقول في دعائہ: اللھم إني أتوسل إلیک بفلان أن تجیب دعوتي و تقضي حاجتي إلی غیر ذلک". (المھند علی المفند، الجواب عن السوال الرابع، ص: ۳۲، مکتبة العلم)

www.besturdubooks.net

مانگی جائے کہ اے فلاں بزرگ آپ مجھے بیٹا دے دیجئے، اسی طرح کسی مصیبت یا بیماری وغیرہ میں مبتلا ہو تو بزرگ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، براہ راست بزرگ سے نہیں، جیسے کہ بعض جگہ دستور ہے کہ بڑے پیر صاحب، یا کسی اور بزرگ سے مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: "یا غوث المدد" شرعاً اس کی اجازت نہیں (۱) جو شخص متبع سنت اور نیک آدمی ہو ہمارے اطراف میں، اس کو وہابی کہتے ہیں، اگر چہ وہ کچھ بھی مراد لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند، ۲۹/۶/۶۷ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنا

سوال[۱۵۰]: ایک عورت دردزہ کی تکلیف میں کسی ولی سے استغاثہ کا کلمہ مثلاً: "یا محی الدین" بے اختیار زبان سے کہتی رہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ نیز اس علاقہ میں استغاثہ کرنا عوام میں رائج ہے، مثلاً "یا غوث الأعظم"، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کہنے والوں کے پیش نظر واقعۃً ان اولیاء سے استغاثہ ہی مقصود ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بلکہ صراحۃً جب پوچھا جائے تو وہ بھی استغاثہ کی نفی ہی کرتے ہیں، گویا محض عادتاً یہ کلمات زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ محمد مصطفیٰ مدراسی۔

---

(۱) "دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل: دادنِ فرزند، یا بارش باراں، یا دفع امراض، یا طولِ عمر، و مانندِ آں چیزہائے آنکہ دعاء و سوال از جنابِ الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند، این نوع حرام مطلق، بلکہ کفر است. و اگر مسلمانان کسے از اولیائے مذہبِ خود خواہ زندہ باشد یا مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج می شود". (فتاوی عزیزی، بیان در شبہاتِ بت پرستان: ۱/۴۵، ۴۶، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

"إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات و غيرهم، مثل: "يا سيدي فلان! أغثني"، و ليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، و قد عدّه أناس من العلماء شركاً، و إن لا يكنه فهو قريب منه". (روح المعاني، [المائدة: ۳۵] ۶/۱۲۸، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر حضرت محی الدین قدس اللہ سرہ کو حاضروناظر، فریادرس اعتقاد نہ کرتے ہوئے بھی یہ صورت اختیار کی جاتی ہے، تب بھی یہ صورۃً شرک ہے، اس لئے اس سے توبہ واجتناب ضروری ہے، اگر اعتقاد بھی ہوتو پھر شرک ظاہر ہے، جیسا کہ مجمع الأنہر میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۴ھ۔

پیران پیر سے مدد مانگنے سے متعلق شعر کا حکم

سوال[۱۵۱]:

اللہ میرے بادشاہ ہیں محمد وزیر
توڑ دو میری مصیبتیں کھول دو میری زنجیر
مدد کر پیران پیر

آیا اس قسم کے کلمات شرک ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت پیران پیر قدس اللہ سرہٗ، یا اَور کسی بزرگ مرحوم سے مدد مانگنا جائز نہیں(۲) اگر اعتقاد یہ ہو کہ وہ مدد کرتے ہیں اور میری آواز کو سنتے ہیں تو یہ شرک ہے(۳) اس لئے ہرگز اس طرح دعا نہ کی جائے، دعاء

(۱) "و یکفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع الأول ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿و لا تدع من دون الله ما لا ينفعك و لا يضرك، فإن فعلت فإنك إذاً من الظالمين، وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو، وإن يردك بخير فلا رآد لفضله﴾. (يونس: ۱۰۶، ۱۰۷)

قال الله تعالى: ﴿و من أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، وهم عن دعائهم غافلون﴾" (الاحقاف: ۵)

(۳) "و يكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، النوع =

www.besturdubooks.net

صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے (۱) کہ وہ واجب وخالق ہے، حاضر وناظر ہے، معین ومددگار ہے، سمیع وبصیر ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۴ھ۔

پیر وفقیر سے حاجتیں مانگنا

سوال[۱۵۲]: جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ نور ہیں، یعنی خدا کے نور سے جدا ہیں، یا ان کو خدا نے نوری ذات سے پیدا کیا ہے، اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم الغیب ما کان وما یکون اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، اسی طرح تمام پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام، پیر فقیر خدائی طاقتوں کے مالک ہیں، اب ہمیں پیروں فقیروں سے حاجت مانگنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمارے خدا کے وکیل ہیں، ہماری سفارش کر کے کام کروادیں گے، ایسے عقیدہ والا آدمی شریعتِ محمدی میں مسلمان ہے، یا کافر؟ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے یعنی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے عقیدے رکھنا درست نہیں (۲)، ایسے شخص کو توبہ لازم ہے، اگر ایسے عقیدے والے آدمی کو ان عقیدوں کے اعتبار سے دلائل کی روشنی میں دیکھا جائے اور تاویل بعید کر کے اس کو نہ بچایا جائے، تو اس کو مومن و

= الأول: ۱/۲۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (المومن: ۶۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي و ليؤمنوا بي، لعلهم يرشدون﴾. (البقرة: ۱۸۶)

"وإذا سألت فاسئل الله و إذا استعنت فاستعن بالله". (المشكوة، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾". (الكهف: ۱۱۰)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علّمهم الله تعالىٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا في المسايرة". (شرح الفقه الأكبر =

www.besturdubooks.net

موحد نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کے اوپر مشرک ہونے کا حکم لگایا جائے گا(۱)، مگر چونکہ شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ جہاں تک ہوسکے مسلمان پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے اور اس کے کلام کی ایسی تاویل کرلی جائے کہ وہ مسلمان رہ سکے اور کفر سے بچ جائے خواہ وہ تاویل کتنی ہی بعید ہو، اس لئے ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس کو اسلام سے خارج نہیں کیا جاتا (۲) اور مسلمانوں کی طرح تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کو منع نہیں کیا جاتا، پس اسی سے سمجھ لیجئے کہ ایسے عقیدے کتنے غلط اور خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طلب الحاجة من اهل القبور

سوال[۱۵۳]: قصد قبور العباد الصالحين لعرض الحاجات إليهم، وكانت الشفاعة منهم ليس أمراً مشروعاً، بل هو شرك بالله أو بدعة محرمة؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قصد القبور وزيارتها لتذكر الآخرة والموت مندوب كما ورد في الحديث (۳) وطلب الحاجة من الله تعالى متوسلاً ومتشفعاً بأوليائه مباح (٤) وطلب الحاجة من أهل القبور

= لملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

(۱) "ويكفر: بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۱/۶۹۲، دار إحياء التراث العربي)

(۲) وفي الدر المختار: "إذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه، فعلى المفتي الميل لما يمنعه". (باب المرتد من كتاب الجهاد: ۴/۲۳۰، سعيد)

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر، واحتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطأ في إبقاء الف كافر أهون من الخطأ في إفناء مسلم واحد". (شرح الفقه الأكبر للقاري، أواخر بحث التوبة، ص: ۱۶۲، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قديمي)

(۴) "عندنا وعند مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: اللهم إني أتوسل إليك بفلان أن تجيب دعوتي وتقضي حاجتي إلى غير ذلك". (المهند على المفند، الجواب عن السوال =

www.besturdubooks.net

بدعة؛ لأنه قريب من الشرك (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

اولیاء سے استمداد

سوال[۱۵۴]: مزارات پر چادر چڑھانا اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے "ويكره الستور على القبور" (۲) اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہوکر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے: "ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر: ۶۹۹/۲) (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استمداد

سوال[۱۵۵]: زید کہتا ہے کہ استمداد غیر اللہ حرام ہے خواہ حالِ حیات میں ہو یا بعد از موت، خواہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا صلحاء واولیاء وغیرہ اور زید اپنے استدلال میں آیت کریمہ پیش کرتا ہے ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾ (۴) اور حدیث بھی پیش کرتا ہے "إذا استعنت فاستعن بالله" (۵)۔

= الرابع، ص: ۳۲، مكتبة العلم)

(۱) "لم يشك في أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه، و لا يليق بأرباب العقول إرتكابه". (روح المعاني، [المائدة: ۳۵]: ۱۲۹/۶، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر واللمس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع: ۵۰۵/۲، الغفارية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۴) (الفاتحه: ۴)

(۵) (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۴۵۳/۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

اور عمر کہتا ہے تمہارا یہ قول استمداد غیر اللہ خواہ حال حیات میں ہو یا ممات میں ہو حرام ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس حالتِ حیات میں امداد طلب کرتا ہے، بقول تمہارے حرام ہے اور نیز انبیاء و اولیاء وغیرہ کے توسل سے استمداد کرنا، تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے خلاف ہے: "إذا أراد عوناً، فلیناد عباد اللہ أعینونی یا عباد اللہ أعینونی" (۱)۔ محمد فائق پرتاب گڈھی طالب مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل عوام میں جو طریقہ استمداد باہل القبور کا جاری ہے وہ حرام بلکہ شرک ہے، کیونکہ عوام اعتقاد کرتے ہیں کہ اہل قبور ہماری آواز کو ہر جگہ سے سنتے ہیں، اور مستقل علم وقدرت رکھتے ہیں کہ ہر جگہ سے ہماری ہر طرح کی امداد کر سکتے ہیں، یہ عقیدہ شرک ہے (۲)۔

"ویکفر بقوله: أرواح المشایخ حاضرة تعلم اهـ" مجمع. (۳) "و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاده أن النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالی: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللّٰه﴾ کذا فی المسایرة". شرح فقه اکبر (٤)۔

" أهل الهند لهم الید الطولی فی ذلك قاتلهم اللّٰه، فإنهم یطوفون بقبر الولی الذی

---

(۱) "عن عتبة بن غزوان عن نبی اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم قال: "إذا ضلّ أحدکم شیئاً أو أراد عوناً و هو بأرض لیس بها أنیس، فلیقل: یا عباد اللہ! أعینونی، فإن للہ عباداً لا نراهم". و قد جرّب ذلک". رواه الطبرانی و رجاله وثقوا علی ضعف فی بعضهم إلا أن یزید بن علیّ لم یدرک عتبة". (مجمع الزوائد، کتاب الأذکار، باب ما یقول إذا انفلتت دابته أو أراد غوثاً أو أضل شیئاً: ۱۰/۱۳۲، دار الفکر)

لیکن یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں کما اشار الیہ المصنف۔

(۲) "و لا أری أحداً ممن یقول ذلک إلا وهو یعتقد أن المدعو الحي الغائب أو المیت المغیب یعلم الغیب أو یسمع النداء، ویقدر بالذات أو بالغیر علی جلب الخیر و دفع الأذی، وإلا لما ادعاه ولا فتح فاه". (روح المعانی (المائدة: ۳۵): ۶/۱۲۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ص: ۱/۶۹۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۴) (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاری، ص: ۱۵۴، قدیمی)

(والمسایرة مع المسامرة، ص: ۲/۸۸، مصر)

www.besturdubooks.net

یعتقدون فیہ، و یظنون أنھم ھو المتصرف فی الکون، وأن الإنسان إذا تمسک بھذا فلا حاجۃ لہ بالصلوۃ والصیام، وأکثر ما غلوا فی ذلک أتباع سیدنا عب القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و نفعنا ببرکاتہ، فإنہ معاذ اللہ أنی یرضیٰ بتلک الکفریات التی یعتقدونھا. "تبلیغ الحق". والبسط فی "الفتاوی العزیزی".

اورحدیث "إذا أراد عونا" الخ کہاں ہے؟ حوالہ دیا جائے (۱)، البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرے کہ اے خدا اپنے انبیاء اولیاء صلحاء کی برکت سے مجھے بھی صلاحیت دے یا میرا فلاں کام کردے تو اس طرح دعا کرنا درست ہے، نیز بزرگانِ دین کو ایصال ثواب کر کے بطریق مذکور دعاء کرنا موجب برکت ہے۔ احیاء سے اپنے روز و شب کے کاروبار میں امداد لینا جائز ہے، کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے، بلا ایک دوسرے کی اعانت کے اس کو زندگی بسر کرنا دشوار ہے، نیز اس میں کوئی امر غیر مشروع لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۳/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/۵۵ھ۔

اہل قبور سے استمداد

سوال [۱۵٦]: اولیاء اللہ (مرحوم) سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دور سے مدد کے لئے پکارنا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مراد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے (۲)، کسی مرحوم ولی کو مدد کے لئے پکارنا منع ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہم جہاں سے پکاریں، ولی مرحوم ہماری پکار کو سنتے ہیں اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، تو یہ عقیدہ قطعاً غلط اور

---

(۱) (راجع، ص: ۳۵۴، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إیاک نعبد و إیاک نستعین﴾. (الفاتحۃ: ۴)

"وإذا سألت فاسئل اللہ، وإذا استعنت فاستعن باللہ". (مشکوۃ المصابیح، باب التوکل والصبر: ۲/۳۵۳، قدیمی)

www.besturdubooks.net

تعلیمات اسلام کے خلاف ہے(۱)، سخت خطرناک ہے: ''إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالی، فاعتقاده ذلك كفرٌ اھ''. درمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

سوال[۱۵۷]: ایک شخص نامی بنگالی موضع ہذا میں آیا اور اس نے گاؤں کے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ میرے جنات تابع ہیں اور اگر کسی شخص کو کوئی مشکلات ہوں، وہ مجھ سے دور کی جاسکتی ہیں، چنانچہ گاؤں ہذا میں ایک نہیں، بلکہ چالیس گھروں میں اس کا تسلط جمنے لگا اور وہ ایسے ایسے حربے استعمال میں لانے لگا، جس سے گاؤں میں ایک دولڑکیوں کی بھی شادی اس کے ذریعہ سے عمل میں آئی، اب بنگالی نے ختمات بھی پڑھنے شروع کیے، جس ختمات میں یہ جادوگر بنگالی یہ کلمات پڑھتا ہے، بلکہ کل مورخہ تقریباً ۴۶/۱۰/۷ کو اس بنگالی جادوگرنے معہ کچھ افراد ساتھ لے کر اندر ختم یہ پڑھا، جو حرف بحرف گزارش ہے: ﴿واتبعوا ما تتلوا الشياطين على ملك سليمان و ما كفر سليمان و لكن الشياطين كفروا يعلمون الناس﴾ يا إبليس، أبو جهل، هامان، لعين شداد و نمرود لعين، **ہر بلا سے نجات، گواهم من سلیمان بادشاه بن داود عليهم السلام المدد''۔**

اس ختم میں صرف تین اشخاص تھے اور بعد میں دوسرا امام آیا اور اس نے اس معاملہ کو آشکار کیا، برائے کرم جواب جو بروئے شرع محمدی ہو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح ختم پڑھنا اور اس میں شریک ہونا جائز نہیں، اگر عقیدہ یہ ہو کہ جن کو پکارا گیا ہے، یہ مدد کے

---

(۱) "و لا أرى أحداً ممن يقول ذلك إلا و هو يعتقد أن المدعو الحي الغائب، أو الميت المغيب يعلم الغيب، أو يسمع النداء، و يقدر بالذات، أو بالغير على جلب الخير و دفع الأذى، و إلا لما ادعاه، و لا فتح فاه". (روح المعاني، (المائدة: ۳۵)، ۱۲۸/۶، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۴۳۹/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۵۲۰/۲، رشيديه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

لئے پہنچتے ہیں تو یہ شرک ہے(۱) اس سے ایمان سلامت نہیں رہے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحب قبر سے دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۸]: قبرستان کا زائر صاحب قبر کو خطاب کرکے یوں کہہ سکتا ہے کہ "اے صاحب قبر! آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مغفرت کی دعا کیجئے" ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ عمل حدیث شریف سے ثابت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہو کر اس طرح دعاء کی درخواست تو ثابت ہے(۳) لیکن دوسری جگہ کسی قبر پر جا کر کسی صاحب قبر سے اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں، جس حدیث سے اس کے ثبوت میں استدلال کیا جاتا ہے، جب تک وہ سامنے نہ ہو اس کے متعلق کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي البزازية: قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(وكذا مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، النوع الأول: ۶۹۱/۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "ولا تجوز الإستعانة بالجن، فقد ذم الله تعالى الكافرين على ذلك فقال الله تعالى: ﴿وأنه كان رجال من الإنس يعوذون برجال من الجن" فزادوهم رهقاً﴾. (الجن: ۶)

وقال الله تعالى: ﴿ويوم يحشرهم جميعاً يا معشر الجن قد استكثرتم من الإنس، وقال أوليآء هم من الإنس: ربنا استمتع بعضنا ببعض﴾ الآية. قوله تعالى: ﴿قال: النار مثواكم خلدين فيها﴾. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۱، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، مطلب في التنازع في حقيقة السحر وأنواعه، ص: ۴۲۱)

(۳) "وقد ذكر جماعة: منهم الشيخ أبو نصر بن الصباغ في كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبي قال: كنت جالساً عند قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجاء أعرابي فقال: السلام عليك يا رسول الله، سمعت الله يقول: ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾" وقد جئتك مستغفراً لذنبي مستشفعاً بك إلى ربي، ثم أنشأ يقول: =

www.besturdubooks.net

مُردوں سے قبول دعاء کی درخواست

سوال[۱۵۹]: بزرگان دین کے مزار پر جا کر اس طور سے دعاء کرنا کہ "آپ اللہ کے نیک بندے ہیں، آپ ہماری فلاں پریشانیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمادیں کہ اللہ ہماری ضرورت کو پورا کردے" یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

۲.....اس طرح دعاء کرنا کہ "اے اللہ ہماری فلاں ضرورت ان بزرگوں کے طفیل میں پوری کردے" درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے، اس میں ان بزرگوں کو دعاء کرنے کے لئے خطاب کیا گیا ہے، میت کے ساتھ جو معاملہ شرعاً ثابت ہے اس کی اجازت ہے، اپنی طرف سے اس میں اضافہ نہ کیا جائے (۱)۔

= يا خير من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طيبهن القاع والأكم
نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم انصرف الأعرابي، فغلبتني عيني فرأيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في النوم فقال: "يا عتبي! الحق الأعرابي، فبشره أن الله قد غفر له". (تفسير ابن كثير، (النساء: ۶۴)، ۱/۴۹۱، مكتبه دار الفيحاء)

"روى أبو صادق عن علي قال: قدم علينا أعرابي بعد ما دفننا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بثلاثة أيام، فرمى بنفسه على قبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و حثا على رأسه من ترابه، فقال: قلت: يا رسول الله! فسمعنا قولك، ووعيت عن الله فوعينا عنك، وكان فيما أنزل الله عليك ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم﴾ الآية. وقد ظلمت نفسي و جئتك تستغفرلي، فنودي من القبر أنه قد غفر لك". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، [النساء: ۶۴]، ۵/۱۷۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "والتفصيل في المسئلة أن التوسل بالمخلوق له تفاسير ثلاثة: الأول: دعائه واستغاثته كديدن المشركين وهو حرام إجماعاً ...... الثاني: طلب الدعاء منه ...... و لم يثبت في الميت بدليل فيختص هذا المعنى بالحي. والثالث: دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول، وهذا قد جوّزه الجمهور". (بوادر النوادر: ۲/۷۰۶، ۷۰۸، اداره اسلاميات لاهور)

"ومنهم من يقول للغائب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان! ادع الله تعالىٰ ليرزقني كذا و كذا، و يزعمون أن ذلك من باب ابتغاء الوسيلة، و يروون عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه =

www.besturdubooks.net

۲.....اس طرح درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۴/۱۹۸۶ء۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

"یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" کہنا یا پڑھنا

سوال[۱۲۰]: "یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" کا ترجمہ و مطلب کیا ہے؟ اسے لکھنا اور بطور وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟ یہ کلمہ کب اور کیوں جاری ہوا؟ اس کے محرک اول کون ہیں؟ فقط نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ حیدرآباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں حضرت سید عبد القادر صاحب سے کچھ اللہ کے واسطے مانگا گیا، سوال خود ان ہی سے ہے، اور اللہ جل جلالہ عم نوالہ کو وسیلہ بنایا گیا ہے یہ طریقہ غلط ہے، برعکس ہو گیا، مانگنا چاہئے تھا خدائے پاک مالک الملک سے اور وسیلہ بنالیا جاتا اس کے مقبول بندے کو، مگر یہاں معاملہ الٹا ہو گیا، یہ معلوم نہیں اس کا موجد کون ہے، اس کا وظیفہ ناجائز ہے(۲)۔

= قال: "إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور، أو فاستغيثوا بأهل القبور". و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل". (روح المعانی: ۱۲۵/۶، بیروت)

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ادع الله لي أن يعافيني (إلى قوله) إني أسئلك و أتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة". الحديث.

(سنن ابن ماجة، ص: ۱۰۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الحاجة، مير محمد)

(وكذا في مشكوة المصابيح: ص: ۱۳۲، باب الإستسقاء، الفصل الثالث)

(وكذا في فتح الباري: ۳۹۹/۲، باب تحويل الرداء في الاستسقاء)

(۲) "اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات مقدسہ میں یکتا ہے اسی طرح اس کی صفات میں کسی کا شریک ہونا ناممکن ہے، غیر اللہ سے استغاثہ اور طلب رزق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک پیدا کرنے والوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾ (النسآء: ۴۸)

قال العلامة الآلوسي تحتها: " والشرك يكون بمعنى اعتقاد أن لله تعالىٰ شانه شريكاً، إما في الألوهية أو في الربوبية ..... (و من يشرك) ..... أي و من يشرك بالله تعالىٰ الجامع لجميع صفات الكمال من =

www.besturdubooks.net

''غوث'' صوفیاء میں ایک منصب اور عہدہ ہے، اپنے لغوی معنی میں نہیں، تاہم اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں یعنی لوگ ان کو فریادرس اور ہر ایک کی پکار سننے والا اور مدد کے لئے پہونچنے والا سمجھتے ہیں تو اس سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

''یا شیخ عبد القادر جیلانی'' کا وظیفہ

سوال[۱۶۱]: وظیفہ ''یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ'' پڑھنا از روئے عقائد اہل سنت والجماعت اور بالخصوص عقائد حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ و نیز حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو حاضر و ناظر، عالم الغیب و حاجت روا، فریادرس مشکل کشا، متصرف اور ہر شخص کی ہر مقام سے بروقت ندا اور پکار کا سننے والا سمجھ کر وظیفہ مذکورہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

اگر مسجد میں کوئی ایسا کتبہ لگا ہو اور کوئی شخص اس کتبہ کو مسجد کی پیشانی سے (اسے قرآن پاک اور سنت رسول اور عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف بلکہ مسجد کی غرض و غایت کے خلاف سمجھتے ہوئے) محو کردے تو شریعت محمدیہ کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ جواب از روئے قرآن پاک و حدیث نبوی و فقہ حنفیہ اور محققین علمائے سلف کے اقوال سے دیا جائے۔ المستفتی: محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وظیفہ مذکورہ پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ہر جگہ حاضر و ناظر، عالم الغیب وغیرہ وغیرہ ہیں شرعاً کسی طرح جائز نہیں، ایسا عقیدہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ یہ صفات خداوند تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں: ﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) جو شخص کسی اور میں ان صفات کا عقیدہ رکھتا ہو فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے: "ويكفر لقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم الخ". مجمع الأنهر: ۱/۶۹۹(۲)۔

= الجمال والجلال، أي شرك كان ﴿فقد افترى إثماً عظيماً﴾. (روح المعاني: ۵/۵۱-۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الأنعام: ۵۹)

(۲) (كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، النوع الأول: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)..................................=

www.besturdubooks.net

پس ایسے وظیفہ کا کتبہ مسجد میں آویزاں کرنا بھی جائز نہیں اور مسجد کی پیشانی پر کندہ کرنا بھی منع ہے اور اس کا محو کرنا باعث اجر ہے۔

''یا شیخ عبدالقادر جیلانی'' کی جگہ ''یا ارحم الراحمین'' پڑھنا چاہئے، جس کے قبضہ وقدرت میں شیخ عبدالقادرؒ بلکہ تمام عالم ہے، خلاف شرع عقیدہ رکھنے والوں کو کسی بہتر تدبیر شرعی اور تفہیم سے راہ راست پر لانا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۲/۹/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ رمضان المبارک/۵۶ھ۔

''یا غوث'' کہنا

سوال [۱۲۲]: محفل میلاد شریف میں شریک ہو کر یا غوث کہہ کر چیخنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ ناجائز ہے، ایک قسم کا شرک ہے (۱) ایسی محفل میں شرکت نہ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

= (وکذا فی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ: ۳۲۶/۶، رشیدیه)

(والبحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۱۰۹/۵، رشیدیه)

(۱) ایسے الفاظ (یا غوث وغیرہ) اکثر اس عقیدے سے کہے جاتے ہیں کہ یہ حضرات ان مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور علم غیب جانتے ہیں اور یہ شرک وکفر ہے:

قال فی البحر الرائق: "قال علماؤنا: من قال: أرواح المشایخ حاضرة تعلم، یکفر". (کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۹/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً الخ: الفصل الثانی، النوع الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ: ۳۲۶/۶، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وقد نزّل علیکم فی الکتاب أن إذا سمعتم آیات اللہ یکفر بها ویستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیره، إنکم إذاً مثلهم﴾ (النساء: ۱۴۰) .... =

www.besturdubooks.net

''یاغوث الاعظم المدد'' پکارنا

سوال[۱۶۳]: کیا اولیائے کرام کو اٹھتے بیٹھتے پکارنا جیسا کہ ''یا غوث الاعظم المدد'' یا بڑا پیر جائز ہے یا کھلا ہوا شرک ہے، یا ان کے مزارات پر جا کر دعائیں کرنا یا کرانا کہ یہی دعائیں کر سکتے ہیں، انہی کی خدا سنتا ہے، یہیں سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور مرادیں ملتی ہیں، بے اولادوں کو اولادیں ملتی ہیں، بے روزگاروں کو روزگار ملتا ہے؟ فرمایئے ایسے اعتقادات رکھنے والا باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلم رہتا ہے یا مشرک ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اعتقادات اور اعمال سے ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، اس عقیدہ کو فقہاء نے کفر لکھا ہے: "ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۶۹۹(۱)۔

''یا علی مشکل کشا'' کہنے کا حکم

سوال[۱۶۴]: میں نے عام طور سے لوگوں کو کہتے ہوئے یہ سنا ہے ''یا علی مشکل کشا'' میرے خیال میں ''مشکل کشا'' مشکل کے حل کرنے والے کو کہتے ہیں اور مشکلات کا حل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں تو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشکل کشا کہنا جائز ہے؟ کسی شاعر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

= قال رشید احمد الگنگوهی: اس آیت سے عدم شرکتِ مجالسِ غیر مشروعہ ثابت ہوتی ہے اس طرح کہ استہزاء بالکتاب اللہ حرام ہے، علی ہذا بدعات خلاف حکم شرع حرام ہیں، جیسا کہ ان کی شرکت کی حرمت ثابت ہوتی ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، از تالیفات رشیدیہ، کتاب البدعات، شرکتِ مجالس بدعت، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، إدارة اسلامیات)

قال الشاطبي: " وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: وكان (ابو قلابة) والله من الفقهاء ذوي الألباب ...... وعن الحسن: لا تجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك". (الاعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أهلها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۶۵، دار المعرفة)

(۱) (كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالى: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(والبحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

شان میں ایک شعر اس طرح کہا ہے کیا وہ درست ہے؟ وہ یہ ہے:

دور ہوگی اس کی بلا میں نے عقیدت سے کہا
مشکل میں ہوں آجاؤ یا مولا علی مشکل کشا

الجواب حامداً و مصلیاً:

مشکلات حل کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں غلط اور مشابہ شرک ہے(۱) اس سے توبہ اور احتیاط لازم ہے، اس مقصد کے لئے جو شعر لکھا ہے وہ بھی غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۲ھ۔

چند اشعار اور علی مشکل کشا

سوال[۱۶۵]: شب برات کی محفل میلاد میں ایک شخص نے یہ اشعار کہے جو نیچے درج ہیں، اس پر آپس میں بحث و مباحثہ ہوا کہ ایسے اشعار کہنا بالکل غلط ہے وغیرہ تو ایسے اشعار محفل میلاد اور اس کے علاوہ میں کہنے درست ہیں یا نہیں؟

خدا تک میں رسائی چاہتا ہوں	وسیلہ ہے مرا وہ شیخ اعظم
شفیع الوریٰ تک پہونچ جاؤں گا میں	پکڑ لوں گا جب حشر میں تیرا دامان
علی سے ملی تجھ کو مشکل کشائی	نہ کیوں مشکلیں پھر ہماری ہوں آسان

(۱) "این وظیفہ متضمن است ندائے اموات را از امکنۂ بعید، و شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از امکنۂ بعیدہ ندا را بشنوند، .... بلکہ اعتقاد اینکہ غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر و عالم خفی وجلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است، درفتاوی بزازیۃ مینویسند: "تزوج بلا شهود و قال: خدای و رسول خدا وفرشتگان را گواہ کردم،یکفر ، لأنه اعتقد أن الرسول والمَلَک یعلمان الغیب، و قال علمائنا : من قال: إن أرواح المشایخ حاضرة تعلم،یکفر". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی ، کتاب الکراهیة : ۳۳۱/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة ، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً ، الفصل الثانی ، النوع الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۳۲۶/۶، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیخ محقق کامل کی تربیت اور توسل سے طالب صادق کو اللہ پاک کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، یہی خدا تک پہونچنا ہے، شفیع الوریٰ کی بارگاہ تک بھی اتباع شیخ کی بدولت پہونچا جاسکتا ہے، لہذا ان دونوں شعروں میں تو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشکل مقدمات اور معاملات کو آسانی سے حل فرمادیا کرتے تھے اس لئے ان کو "حلال المعضلات" کہتے تھے (۱) جس کا فارسی میں ترجمہ "مشکل کشا" ہے، لیکن ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں پیش آئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حل کرتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت "یا علی" پکارتے ہیں حتیٰ کہ اللہ پاک سے بھی وہ لوگ بے نیاز ہوگئے اور جملہ امور میں کارساز حقیقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دے لیا، یہ عقیدہ اور طریقہ اسلام کے خلاف اور شرک ہے (۲) اس سے بچنا لازم ہے، یہ مروجہ محفلِ میلاد بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیو بند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

---

(۱) "وقد اشتهر أبو الحسن علي رضي الله تعالىٰ عنه بالقضاء، حتى صار يضرب به المثل في حل المعضلات وفك المغلقات، حتى قيل في مشكلة يستعصي حلّها ويصعب كشف كنهها: " قضية ولا أباحسن لها". يعنون أن علياً أبا الحسن رضي الله عنه وهو حلال المشكلات اهـ". (تعليقات أبي غدة على الأحكام للإمام القرافي المالكي، السؤال الرابع، ص: ۴۷، مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أمن يجيب المضطرّ إذا دعاه و يكشف السوء، و يجعلكم خفآء الأرض، أإله مع الله، قليلاً ما تذكرون﴾. (النمل: ۶۲)

قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالى: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ الآية (المائدة: ۳۵): "و استدل بعض الناس بهذه الآية على مشروعية الاستغاثة بالصالحين .... و منهم من يقول للغائب أو الميت من عباد الله تعالىٰ الصالحين: يا فلان! أدع الله تعالىٰ ليرزقني كذا و كذا، و يزعمون أن ذلك من باب ابتغاء الوسيلة، و يروون عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "إذا أعيتكم الأمور، فعليكم بأهل القبور أو فاستغيثوا بأهل القبور. و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل، (إلى أن قال): والناس قد أفرطوا اليوم ....و أعظم =

www.besturdubooks.net

"یارسول اللہ" کہنا

سوال[۱۶۶]: یارسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ عقیدہ ہو کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو شرک ہے، البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب

سوال[۱۶۷]: اگر کوئی شخص رباعی ذیل کو اس عقیدے سے پڑھے کہ جو فرشتے درود شریف دربارِ رسالت میں لے جا کر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں، میری طرف سے اس رباعی کو دربار رسالت میں پیش کریں گے، پڑھے تو کسی قسم کا شرک وگناہ تو نہیں جب کہ کسی کے سامنے بھی نہ پڑھتا ہو بلکہ علیحدہ پڑھتا ہو، تاکہ عوام کا عقیدہ خراب نہ ہو، یہ بھی سنا ہے کہ یہ رباعی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ

= من ذلک أنهم يطلبون من أصحاب القبور نحو إشفآء المريض و إغناء الفقير و رد الضالة، و تيسير كل عسير، و توحي إليهم شياطينهم خبر". إذا أعييتكم الأمر الخ" و هو حديث مفترى على رسول الله ﷺ بإجماع العارفين بحديثه، لم يروه أحد من العلمآء، و لا يوجد في شيء من كتب الحديث المعتمدة .... إلى قوله: لم يشك أن الإستغاثة بأصحاب القبور .... أمر يجب اجتنابه. و لا يليق بأرباب العقول ارتكابه". (روح المعاني: ۶/۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، دار إحياء التراث العربي)

(۱) قال ابن الهمام: "روى أبو حنيفة رضي الله تعالیٰ عنه في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة، وتجعل ظهرک إلى القبلة، وتستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته" ...... وعلى ماذكرنا يكون الواقف مستقبلاً وجهه عليه الصلوة والسلام وبصره، فيكون أولى، ثم يقول في موقفه: السلام عليک يارسول الله اهـ". (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، خاتمة تشتمل على ثلاثة مقاصد، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم: ۳/۱۸۰، ۱۸۱، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

www.besturdubooks.net

عقیدہ بنوی کی ہے۔اس کی کیا اصل ہے؟ رباعی حسب ذیل ہے:

"یا رسول اللہ أنظر حالنا" تا آخر۔ بہ وا توجروا

سائل: عظیم اللہ مہتمم مدرسہ فیض القرآن محلہ چاہ چوڑہ پانی پت ضلع کرنال۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ ہونا بھی ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بذاتہ (بلا حکم خداوندی) کسی کی کوئی مشکل حل نہیں کرسکتے، بلکہ وہ بھی ہر بات میں خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں(۱) البتہ ان کی برکت اور طفیل سے اللہ پاک اپنے بندوں کے بہت سے کام درست اور موافق مقصود بنا دیتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت حق ہے(۲)۔اس رباعی کا حال مجھے معلوم نہیں کہ کس کی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۴/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ربیع الثانی/۶۱ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ربیع الثانی/۶۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الناس أنتم الفقراء إلى الله و الله، هو الغني الحميد﴾ (الفاطر: ۱۵)

و قال تعالى: ﴿و ما أرسلنا من قبلك من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون﴾ (الأنبياء: ۲۵)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، و أول من ينشق عنه القبر، و أول شافع، و أول مشفع". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۴۵، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم على جميع الخلائق، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لكل نبي دعوة مستجابة، فتعجل كل نبي دعوته، وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي، فهي نائلة من مات منهم لا يشرك بالله شيئاً". (سنن ابن ماجة: ۲/۳۲۹، أبواب الزهد، باب ذكر الشفاعة، مير محمد كتب خانه)

"و شفاعة الأنبياء عليهم السلام حق، و شفاعة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم للمؤمنين المذنبين بالكتاب والسنة وإجماع الأمة. قال الله تعالى ﴿من ذا الذي يشفع عنده إلا بإذنه﴾ و هو إثبات الشفاعة لمن أذن له بها". (شرح الفقه الأكبر للشيخ أبي منصور السمرقندي، ص: ۱۵۷، ۱۵۹، شفاعة الأنبياء، الشئون الدينية، قطر)

www.besturdubooks.net

ایک شعر میں حضور ﷺ کو خطاب

سوال[١٦٨]:

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار رنگ اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

یہ شعر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شعر لکھا ہے وہ اس طرح نہیں پڑھنا چاہئے اس سے بچنا بھی لازم ہے(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ٢٩/٦/٨٧ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند، ٢٩/٦/٨٧ھ۔

بھگوان سے مدد مانگنا

سوال[١٦٩]: ایک شخص ہیں جو صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، ایک حلف نامہ میں انہوں نے تحریر کیا کہ "بھگوان میری مدد کرے"، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(١) اس قسم کے الفاظ اور اشعار میں شبہ شرک ہوتا ہے اور جس طرح شرک سے اجتناب لازم ہے اسی طرح شبہات شرک سے بھی ضروری ہے اور یہی تقوی کی اصل ہے، ورنہ ذرائع شرک مفضی الی الشرک ہوتے ہیں:

"عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "الحلال بيّن والحرام بيّن و بينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات ، استبرأ لدينه و عرضه، و من وقع في الشبهات كراع يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! و إن لكل ملك حمى. ألا! وإن حمى الله في الأرض محارمه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان ، باب فضل من استبرأ لدينه ١/١٣، قديمي)

قال الحافظ ابن حجرؒ :"و نقل ابن المنير في مناقب شيخه القباري عنه أنه كان يقول : المكروه عقبة بين العبد والحرام ، فمن استكثر من المكروه ، تطرّق إلى الحرام ...... و قال: والمراد بالمحارم فعل المنهي المحرّم أو ترك الواجب، و لهذا وقع في رواية أبي فروة التعبير بالمعاصي بدل المحرم". (فتح الباري، كتاب الإيمان ، باب فضل من استبرأ لدينه و عرضه: ١/١٧٠، ١٧١، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کہنے سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے، صرف خدا سے مدد مانگی جائے (۱) بھگوان کا وہ مفہوم نہیں ہے جو خدا کا مفہوم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

دیوان وطن کے شرکیہ اشعار

سوال[۱۷۰]: اشعار ذیل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

کسی کو گر رب کی طلب ہے — وہ دیکھے آپ میں مرأت رب ہے
کریں گر ذکر شغل اور فکر تو کیا — خدا کو دیکھنے کا اور ڈھب ہے (۲)
خودی ہے آئینہ شانِ خدا کا — خودی ہے معنی اور اثبات رب ہے
گزر کر آپ سے اپنے کو دیکھو — نظر آجائے گا حق کیا عجب ہے
خلاصہ ہے یہی علم لدن کا — کہ سب میں رب ہے اور عین عرب ہے
نہیں ہے فرق کچھ احمد احد میں — احد ہے اسم اور احمد لقب ہے
محمد کو خدا کہنا روا ہے — نہیں کہتا ہے وہ جو بے ادب ہے
خدائی ان کا سایہ ہے سراپا — نہ تھا سایہ جو اُن کا یہ سبب ہے

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما النصر إلا من عند اللہ إن اللہ عزیز حکیم﴾. (الأنفال: ۹)

"ای و ما النصر بالملائکۃ و غیرھم من الأسباب.... أو المعنی: لا تحسبوا النصر من الملائکۃ علیھم السلام، فإن الناصر ھو اللہ تعالیٰ لکم، وللملائکۃ، و علیہ فلا دخل للملائکۃ أصلاً". (روح المعانی: ۹/۱۷۳، دار إحیاء التراث العربی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: "کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً فقال: "یا غلام! وإذا سألت فاسأل اللہ، وإذا استعنت فاستعن باللہ واعلم أن الأمۃ لو اجتمعت علی أن ینفعوک بشیء لم ینفعوک إلا بشیء قد کتبہ اللہ لک. ولو اجتمعوا علی أن یضروک بشیء لم یضروک إلا بشیء قد کتبہ اللہ علیک اھ". (مشکوۃ المصابیح، باب التوکل والصبر: ۲/۴۵۳، قدیمی)

(۲) "ڈھب" ڈھنگ، طور، طریقہ، روش" (فیروز اللغات: ص:۶۸۴)

www.besturdubooks.net

وہ خود ہی حاضر و ناظر جہاں میں اسے کہتے ہیں عالم غیب کا ہے
طلب دنیا کی ہے نہ آخرت کی خداوند' مجھے تیری طلب ہے
یہی ارشاد ہے حضرت وطن کا نظر کو حق نما ہر شیء میں رب ہے

(اشعار مندرجہ بالا مصنفہ کتب دیوان وطن مولوی سید افتخار شاہ صاحب)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان میں سے بعض اشعار شرکیہ مضامین پر مشتمل ہے جن کا کہنا، پڑھنا، سننا جائز نہیں اور اس کا اعتقاد رکھنا شرک ہے(۱) اعاذنا اللہ منہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قولہ: ''احمد احد'' لفظ ''احد'' اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، جس کا معنی ''الوہیت اور اپنی ذات وصفات میں یکتا'' ہونے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس کے غیر کے لئے ثابت کرنا شرک وکفر ہے:

"قال الله تعالى: ﴿قل هو الله أحد﴾ (الإخلاص: ۱)

قال الإمام الأعظم في الفقه الأكبر: "أصل التوحيد و ما يصح الإعتقاد عليه يجب أن يقول: آمنت بالله ... و الله تعالى واحد لا من طريق العدد و لكن من طريق أنه لا شريك له" قل هو الله أحد، الله الصمد" الخ ... و لا يشبهه شئي". (ص: ۱۴، ۱۵، قديمي)

قال الملا علي القاري تحته: "وفي شرح القونوي: قال نعيم بن حماد: من شبه الله بشيء من خلقه، فقد كفر و قال إسحاق بن راهوية: من وصف الله تعالى، فشبّه صفاته بصفات أحد من خلق الله، فهو كافر بالله العظيم". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵، قديمي)

و قوله: ''محمد کو خدا کہنا روا ہے'' تو خدا کا معنی ہے ''مالک، آقا، حاکم'' (فیروز اللغات، ص: ۵۸۵)، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا کفر ہے، کما تقدم في قوله: "احمد احد" اور اسی طرح حاضر و ناظر کا عقیدہ بھی ہے۔

و قوله: ''عالم غیب'' فقد قال الله تعالى: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ . الأية (النمل: ۶۵)

قال العلامة الآلوسي: "من ادعى علم الغيب في قضية أو قضايا، لا يكفر ... و من ادعى علمه في سائر القضايا، يكفر". (روح المعاني: ۲۰/۱۱، دار إحياء التراث العربي)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "رجل تزوج إمرأة و لم تحضر الشهود، قال: خدای را ورسول را گواه =

www.besturdubooks.net

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اشعار پر اعتراض

سوال[۱۷۱]: ۱..... سلیم کہتا ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا ناجائز ہے، کلیم کہتا ہے کہ ہمارے پیشوا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے قصائد قاسمی میں لکھا ہے ؎

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامی کار

اگر جائز نہ ہوتا تو کرمِ احمدی کے طالب کیوں ہوئے، سلیم کا قول درست ہے یا کلیم کا؟

۲... جمیل نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفیع نہیں کہنا چاہیئے، جلیل نے کہا اگر شفیع کہنا درست نہ ہوتا تو ہمارے پیشوا اپنی کتاب ''قصائد قاسمی'' میں اس طرح نہ لکھتے ؎

گناہ کیا ہے اگر کچھ گنہ کیے میں نے
تجھے شفیع کہے کون اگر نہ ہوں بدکار

ان دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں تشریف فرما ہیں، حی ہیں(۱) امت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے(۲) اور جو کچھ روضۂ اقدس کے پاس عرض کیا

= لزوم..... کفر". (کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: و منها ما یتعلق بالأنبیآء علیهم السلام: ۲/۲۶۶، رشیدیه)

و فی البزازیة علی هامش الهندیة: "یکفر، لأنه اعتقد أن الرسول و الملک یعلمان الغیب".
(کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی ما یتعلق بالله تعالیٰ: ۲/۳۲۵، رشیدیه)

(۱) "عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أکثروا الصلوة علیّ یوم الجمعة، فإنه مشهود تشهده الملائکة، و إن أحداً لن یصلی علیّ إلا عرضت علیّ صلوته حتی یفرغ منها"، قال: قلت: و بعد الموت؟ قال: "و بعد الموت، إن الله حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبی الله حيّ یرزق". (ابن ماجه، کتاب الجنائز، قبیل، کتاب الصیام، ص: ۱۱۸، قدیمی)

(۲) "و عنه (أی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "إن لله =

www.besturdubooks.net

جائے اس کو خود سنتے ہیں (۱) اس لئے دوسروں کو یعنی غیر نبی کو نبی پر قیاس کرنا صحیح نہیں استمداد کی تفصیل کے لئے "سبیل السداد" دیکھیں۔

۲..... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً شفیع ہیں، شفاعت فرمائیں گے اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے، صحیح بخاری شریف (۲) اور کتب عقائد (۳) میں یہ مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۵/۱۳۹۵ھ۔

= ملائكةً سياحين في الأرض، يبلغوني من أمتي السلام". رواه النسائي والدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، الفصل الثاني، ص: ٨٦، قديمي)

(١) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ٨٧، قديمي)

و قال القاري تحته : "قال ميرك نقلاً عن الشيخ : و رواه أبو الشيخ و ابن حبان في كتاب "ثواب الأعمال" بسند جيد". (مرقاة المصابيح، تحت رقم الحديث: ٩٣٤، ٣/٢٢، رشيديه)

(٢) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي". (سنن أبي داؤد، كتاب لزوم السنة، باب في الشفاعة : ٢/٣٠٣، مكتبه امداديه ملتان)

(والمسند لأحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه : ٤/٧٨، رقم الحديث: ١٢٨١٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: في حديث طويل :" إذهبوا إلى محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، فيأتون فيقولون : يا محمد! أنت رسول الله و خاتم الأنبياء، و قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر، إشفع لنا إلى ربك، ألا ترى إلى ما نحن فيه. فأنطلق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثناء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقول: يا محمد! إرفع رأسك، سل تعطه و اشفع تشفع، فأرفع رأسي، فأقول : أمتي يا رب!، أمتي يا رب !، امتي يا رب!، فيقال : يا محمد! أدخل من أمتك من لا حساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، تفسير سوره بني إسرائيل (الإسراء) باب قوله: (ذرية من حملنا مع نوح) الاية : ٢/٦٨٥، قديمي)

(٣) قال الإمام الأعظم أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ : "و شفاعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للمؤمنين المذنبين، و لأهل الكبائر منهم المستوجبين لعقاب حق ثابت". (الفقه الأكبر، ص: ٩٣، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية، ص: ٨٧، المطبع اليوسفي لكنؤ)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالأنبیاء علیھم السلام و أتباعھم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین کا بیان)

نبوتِ تشریعی وغیر تشریعی

سوال[۱۷۲]: ۱......صاحب شریعت کس نبی کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

۲......غیر تشریعی نبی کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جس کی شریعت مستقل ہو(۱)۔

۲......جو دوسرے نبی کے تابع ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۳ھ۔

ختم نبوت ذاتی سے متعلق "الشھاب الثاقب" کی عبارت پر اشکال کا جواب

سوال[۱۷۳]: حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الشھاب الثاقب" ص:۱۷۸ میں یہ عبارت ہے:

''پس بنظر اس کے وصف اصلی اور کمال ذاتی کے ممکن ہوگا کہ کوئی نبی اس کے

---

(۱) "والرسول إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فإنه أعم". (شرح العقائد، ص:۱۷، قديمي)

"والرسول من له شريعة وكتاب فيكون أخص من النبي". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص: ۱۰۵، قطر)

(وكذا في شرح الملاعلي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۲، قديمي)

(وكذا في النبراس شرح شرح العقائد، ص:۵۴، امداديه، ملتان)

(۲) (راجع رقم: ۱)

www.besturdubooks.net

بعد آوے اگر چہ یہ ممکن کسی وجۂ خارجی سے ممتنع ہوگیا ہو"۔

یہ وہی مطلب اس عبارت کا ہے جوص:۱۴۰میں مجدد بریلوی نے نقل کی ہے کہ:

''اگر فرض کیا جائے وجود کسی نبی کا بعد آپ کے تو آپ کی خاتمیت پر خلل نہ ہوگا

''الی آخرہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک اثر کی تشریح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ''رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہی ہیں جو سب کے ذہنوں میں موجود ہیں، یعنی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تشریف لائے۔'' یہ مطلب بھی درست ہے اور اس پر ہمارا عقیدہ ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''جوابات محذورات عشر'' میں جگہ جگہ تحریر فرمایا ہے کہ''ختم نبوت اپنا دین وایمان ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات اور مرتبہ کے لحاظ سے بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات تمام انبیاء کے لئے خاتم ہے اور مطلب اس وقت میں بھی صادق ہے جب کہ آپ جملہ انبیاء کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض آپ سب سے پہلے حتی کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی پہلے تشریف لاتے تب بھی آپ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہی ہوکر تشریف لاتے، اور اگر چہ چند انبیاء کے بعد چند انبیاء سے پہلے تشریف لاتے جب بھی آپ مرتبہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہی ہوتے''۔ الحاصل آپ کا یہ عہدہ اور مقام ہر حال میں آپ کے لئے حاصل ہے''(۱)۔

یہی مطلب "الشھاب الثاقب" کی عبارت کا ہے، اب اگر کوئی اپنی باطن کی خرابی اور کج فہمی سے مطلب بگاڑ کر بیان کرے تو خود اس کا مطلب ہوگا، حضرت نانوتوی یا حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا وہ ہرگز مطلب نہیں، اس بگڑے ہوئے مطلب کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کرنا افتراء اور بہتان ہے اور اس بگڑے

---

(۱) راجع للتفصیل: (تحذیر الناس، الشھاب الثاقب اورعبارات اکابر)

www.besturdubooks.net

ہوئے مطلب پر جو شرعی حکم عائد ہوگا وہ خود اس بگاڑنے والے پر ہوگا نہ کہ ان بزرگوں پر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۱۷۴]: بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لہذا اب کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، لیکن اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اس نے جس طرح پہلے انبیاء بھیجے اب بھی ان کے بھیجنے پر قادر ہے، پھر اب وہ نبی کیوں نہیں بھیجے گا؟ براہ کرم اس اشکال کو دور فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

جب وہ قادرِ مطلق ہے تو اس کو کون مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ضرور نبی بھیجے، کسی کو مطالبہ کا حق نہیں، اس نے اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور خاتم النبیین قرار دیدیا ہے (۱) اس لئے وہ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اب کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۰/ ۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"و قد أخبر الله تبارک و تعالیٰ في كتابه و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسير ابن كثير، (الاحزاب: ۴۰): ۳/ ۲۵۳، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

"و كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب و صدعت به السنة، وأجمعت عليه الأمة". (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/ ۵۹، دار الفكر)

(۲) وقال تعالیٰ: ﴿والله يحكم لا معقب لحكمه﴾ (الرعد: ۴۱)

"لأن إخباره تعالىٰ بوقوع الشيء أو عدم وقوعه لا ينفي القدرة عليه، و لا يخرجه من الإمكان الذاتي لامتناع الانقلاب، و إنما ينفي عدم وقوعه أو وقوعه، فيصير ممتنعاً بالغير، واللازم للممكن أن لا يلزم من فرض وقوعه نظراً إلى ذاته مُحال، و أما بالنظر إلى امتناعه بالغير فقد يستلزم الممتنع بالذات كاستلزام =

www.besturdubooks.net

کیا شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے؟

سوال[۱۷۵]: زید کہتا ہے کہ شیطان کا علم زیادہ ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے اور بکر کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم زیادہ ہے، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شیطان ملعون کی کیا حیثیت ہے کہ اس کے علم کو زیادہ کہا جائے جب کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کی وہ شان ہے کہ سید الاولین الاخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شانِ نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امور اخروی سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء و ملائکہ اور تمام جن و بشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحر ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے(۱)۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں، حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔

= عدم المعلول الأول عدم الواجب". (روح المعاني، (البقرة: ٦): ١/ ١٣٠، دار إحياء التراث العربي)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما ينطق عن الهوى إن هو ألا وحي يوحي﴾ (سورة النجم: ٣)

و قال تعالىٰ: ﴿ذلك من أنباء الغيب نوحيه إليك﴾ (آل عمران: ٤٤)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لقد رأيتني في الحجر وقريش تسالني عن مسراي، فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها، فكربت كربة ما كربت مثله قط، قال: فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء أنبأتهم به .... اهـ". (الصحيح لمسلم: ١/ ٩٦، قديمي)

"وان سيدنا و شفيعنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جميعاً، فمن سوّى بين علمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلم الصبي والمجنون أو علم أحد من الخلائق أو تفوّه بأن إبليس اللعين أعلم منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فهو كافر ملعون لعنة الله عليه". (امداد الفتاوى: ٦/ ٣٢٧، كتاب العقائد والكلام، دار العلوم كراچي)

www.besturdubooks.net

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات (از بہار شریعت)

سوال[۱۷۶]: بہار شریعت حصہ اول ص:۲۲ "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں، تمام جہان حضور اکرم کے تحت تصرف کردیا گیا، جو چاہیں کریں، جسے وہ چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں اپنا مالک نہ مانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والأرض حضور کے زیر فرمان، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور کے عطا کا ایک حصہ ہے، احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کردیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمائیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کریں اور جو فرض چاہیں معاف کردیں"۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عظیم الشان عقیدہ بلانص کیسے تسلیم کیا جاوے، خاص کر جب کہ نصوص اس کے بالکل خلاف موجود ہوں۔ ملاحظہ ہو:

﴿قل لا أملك﴾ الخ الآية (۱) "عن أبي هريرة قال: لما نزلت: (أنذر عشيرتك) الخ، دعا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قريشاً" إلى آخر الحديث. مشكوة، ص:٤٦ (۲) ﴿ليس لك من الأمر شيء﴾ الآية (۳) ﴿قل لا أقول لكم عندي﴾ الآية (۴)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿قل لا أملك لنفسي نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء الله﴾ (الأعراف: ۱۸۸)

و قال تعالى: "﴿قل لا أملك لنفسي ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء الله﴾" (يونس: ۴۹)

(۲) "عن أبي هريرة قال لما نزلت: (أنذر عشيرتك) الخ، دعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا فعم و خص: فقال: "يا بني كعب بن لؤي! أنقذوا أنفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب! أنقذوا أنفسكم من النار ...... يا فاطمة! أنقذي نفسك من النار، فإني لا أملك لكم من الله شيئاً غير أن لكم رحماً سأبلها ببلالها". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب الإنذار والتحذير: ۲/۴۶۰، قديمي)

(۳) (آل عمران: ۱۲۸)

(۴) (الأنعام: ۵۰)

www.besturdubooks.net

عقائد مذکورہ کے ثبوت میں مصنف نے کچھ دلائل بھی پیش کئے ہیں یا نہیں؟ میں نے بہار شریعت کا کبھی مطالعہ نہیں کیا، کسی جگہ سے دستیاب نہیں ہوئی، بریلی سے منگائی تھی وہاں سے جواب نہیں آیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نائب مطلق مالک ومختار ہیں؟

سوال[۱۷۷]: ۱..... ''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت تصرف کردیا گیا جو چاہیں کریں، جس سے جو چاہیں لیں جسے جو چاہیں دیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان، جنات ونار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دیدی گئیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکامِ شرعیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں کردیئے گئے جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس پر جو چاہیں حلال کردیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں''۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:۲۲)

۲..... ''جتنے فضائل وکمالات خزانہ قدرت میں ہیں سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے''۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ دوم، ص:۳۹)

۳..... ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند عرب کہہ کر ندا کر سکتے ہیں''۔ (ملفوظات خان صاحب، حصہ اول، ص:۱۸۸)

۴..... ''انبیاء علیہم السلام کو معجزات وادراک مغیبات ظاہری جوارح، سماع، بصر کی طرح باطنی بخشی ہیں، جب چاہیں خرق عادت فرمالیں، مغیبات کو معلوم فرمالیں، چاہیں نہ فرمائیں''۔ (الأمن والعلی، مصنفہ خان صاحب بریلوی، ص:۲۰۹)

www.besturdubooks.net

مذکورہ بالا چاروں نمبروں کی تحریر جومع حوالہ کتب لکھی گئی ہے، معلوم کرتے پر بریلوی حضرات ان عبارات کی یہ تفصیل کرتے ہیں کہ اطاع اللہ، اطاع الرسول کے تحت یہ نظریہ ہے کہ ہر حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو ملا ہے، آپ کے کل فرمان باذن اللہ ہیں، آپ نے ذاتی کوئی حکم نافذ نہیں فرمایا، بلکہ خالصتاً ہر حکم ربی امت کو دیا، بایں ہمہ عشق محبت رسول میں یہ تحریر کیا ہے ورنہ ہر چیز کا رب ہی مالک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات سے جو ظاہر ہے اور جو تفصیل ان کی نقل کی گئی، زید امام اسی گروپ کی تائید میں ہے اور نظریہ دیوبند سے مناسبت بھی نہیں رکھتا، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقل کردہ عبارات کے خلاف بھی خان صاحب بریلوی کی کتابوں میں موجود ہے''الأمن والعلی'' میں غیر اللہ کو عالم الغیب کہنا منع لکھا ہے، ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ''جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خدائے پاک کے سوا کسی کے لئے بھی علم غیب ذاتی کا ایک ذرہ بھی تسلیم کرے وہ ایمان سے خارج ہے''اور یہ بھی لکھا ہے کہ''علم محیط (یعنی علم کلی) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا درست نہیں''۔

بہر حال آپ کے تحریر کردہ عقائد جو شخص اپنائے ہوئے ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں (۱)، آپ صحیح العقیدہ شخص کے پیچھے نماز پڑھیں، اگر کچھ عملی غلطیاں ہوں تو اس کی وجہ سے آپ اعادہ کرتے ہوں تو آپ نفس جماعت کی فضیلت حاصل کرلیں گے۔ خان صاحب بریلوی کا تو اہم عقیدہ یہ ہے کہ علمائے حق جن کے نام بھی تحریر کئے ہیں وہ کافر ہیں، جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے جس کی وجہ سے اس شخص کا نکاح بھی باقی نہیں رہا، اولاد ولد الزنا ہے۔ ایسے عقائد والے کی امامت کی کیا گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۸/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) ''أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه''. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

''فإن كانت (أي البدعة) تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(والحلبي الكبير، فصل في الامامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمی)

www.besturdubooks.net

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا

سوال[۱۷۸]: جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہ سمجھے وہ کون ہے، کیا اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آ جاوے تو وہ کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہے؟ ۲۱/شعبان/۵۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور نماز میں اس طرح جمانا کہ بالکل آپ ہی کی طرف دھیان رہے، کسی دوسری چیز کا خیال دل میں نہ آئے، قطعاً منع ہے، بلکہ ایہام شرک ہے، کیونکہ اس صورت میں نماز اللہ تعالیٰ کی نہ رہے گی، کیونکہ سجدہ وغیرہ سب کچھ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور اس کا موہم شرک ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر خنزیر وغیرہ کا تصور آئے گا تو حقیر و ذلیل ہو کر آئے گا اس کی کوئی تعظیم دل میں نہ ہوگی لہٰذا شرک کا شائبہ نہیں، بخلاف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور کے کہ وہاں تعظیم ملحوظ ہوتی ہے جس میں شرک کا قوی اندیشہ ہے(۱) اور جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسان نہیں مانتا وہ نص قطعی: ﴿إنما أنا بشر

(۱) صراط مستقیم میں لکھا ہے:

''اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں، نماز میں یہ توجہ بھی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی، یہ بھی نہ سمجھنے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آ جانا اور ارواح و فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آ جانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق با خلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں''۔ (صراط مستقیم (اردو) ص: ۱۶۸، اسلامی اکیڈمی لاہور)

اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''صراط مستقیم کی اس عبارت میں وساوس کے مختلف درجات بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کا خطرہ کم اور بعض کا زیادہ ہے، مثلاً زنا کے خیال سے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ جماع کا خیال بہتر ہے کیوں کہ ایک چیز فی نفسہ جائز ہے اور دوسری حرام ہے، لہٰذا حلال کا وسوسہ حرام کی بہ نسبت بہتر ہے اور اسی طرح گاؤ خر یعنی دنیا کی چیزوں کے خیال میں مستغرق و منہمک اور محو ہو جانا اس لحاظ سے کم خطرناک ہے کہ یہ چیزیں صحیح اور کامل مسلمان کے نزدیک حقیر اور ذلیل اور بے وقعت ہوتی ہیں اور ان میں اس کو کوئی ......=

www.besturdubooks.net

متکبر ہے (۱) کا منکر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۸/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان ۵۶ھ۔

کیا نماز میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے؟

سوال [۱۷۹]: ہمارے یہاں دیوبندی مولویوں کو بدنام کر رکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معمولی انسان تھے، ان کا خیال نماز کے اندر آ جاوے تو نماز بالکل نہیں ہوتی، اس وجہ سے بدنام کر رکھا ہے، آپ اس کا ضروری فتویٰ بھیجیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ پاک کے سب سے زیادہ اور سب سے اونچے مقرب رسول ہیں، جو کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں وہ مجموعی طور پر کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں ملے، آپ سب پیغمبروں کے سید ہیں، سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہیں (۲) ذات اور صفات سے

= لذت وسرور حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان سے ایک گونہ اس کو نفرت ہوتی ہے تو لامحالہ وہ ان کو اپنے ذہن اور دل سے فوراً نکالنے کی سعی کرے گا اور اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کو ہرگز جگہ نہ دے گا، بخلاف بزرگوں اور ان ہستیوں کے مذکور تصور اور خیال کے کہ چونکہ ان سے مسلمان کی بے حد محبت اور عقیدت ہوتی ہے، اس لئے عین نماز میں صرف ہمت کے درجہ کا خیال اور تصور مضر ہے اور علی الخصوص جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف صرف ہمت کر کے دل میں نماز کی حالت میں خیال لانا اور بہ ہمہ وجوہ آپ کی طرف متوجہ ہو جانا مضر تر ہے، کیونکہ آپ کی بے پناہ عقیدت اور لازوال محبت کے پیش نظر اور بے حد تعظیم وتکریم کے لحاظ سے اس خیال میں منہمک ہو کر آدمی توجہ الی اللہ سے محروم ہو جائے گا جو نماز میں مطلوب تھی، اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ دنیا کی دوسری چیزیں تو بے وقعت، حقیر اور ذلیل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم تو ارب کھرب بار تعظیم وتکریم کے مستحق ہیں جو ساری مخلوقات میں جامع کمالات ہیں"۔

جہاں کے سارے کمال ایک تجھ میں ہیں　　ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

(عبارات اکابر ص: ۱۰۲، مکتبہ صفدریہ)

(۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) "وهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جميع أموره على الطاعة والبر والإستقامة التي لم ينلها بشر =

www.besturdubooks.net

متعلق شان نبوت کے موافق جس قدر علوم آپ کو عطا ہوئے کسی کو بھی نہیں ملے (۱) نہ کوئی آپ کے درجہ کو پہنچا، نہ پہنچ سکتا ہے (۲) جو شخص اس کے خلاف علماء دیوبند کی طرف کوئی بات منسوب کرتا ہے وہ غلط کہتا ہے اور بہتان باندھتا ہے، نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے، جب نماز میں قرآن پاک کی وہ آیات پڑھے گا جن میں نام مبارک موجود ہے جیسے: ﴿محمد رسول اللّٰہ﴾ الآیۃ تو معنی پر دھیان کرنے کیلئے تصور مبارک ضرور آئے گا اور جب تشہد پڑھے گا تب بھی تصور آئے گا (۳) پھر کہنا کہ خیال آنے سے نماز نہیں ہوتی اور اس کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے، جس سے علماء دیوبند بری ہیں۔ واللّٰہ علیٰ ما نقول وکیل۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۰ھ۔

= سواہ لا من الأولین و لا من الآخرین، و ھو صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أکمل البشر علی الإطلاق و سیدھم في الدنیا والآخرۃ". (تفسیر ابن کثیر، (الفتح : ۲): ۲۳۵/۴، دار الفیحاء)

"عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أنا سید ولد آدم یوم القیامۃ و لا فخر، بیدي لواء الحمد و لا فخر، و ما من نبي یومئذ آدم فمن سواہ تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنہ الأرض ولا فخر". (جامع الترمذی، أبواب المناقب: ۲۰۲/۲، سعید)

(۱) "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن أتقاکم و أعلمکم باللّٰہ أنا". (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: 'أنا أعلمکم باللّٰہ". : ۷/۱، قدیمی)

"(أنا أعلمکم باللّٰہ) ظاھر في أن العلم باللّٰہ درجات، وأن بعض الناس فیہ أفضل من بعض، و أن النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم منہ في أعلی الدرجات". (فتح الباری، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أنا أعلمکم باللّٰہ". : ۹۶/۱، قدیمی)

(۲) "و لا یبلغ ولي درجۃ الأنبیاء؛ لأن الأنبیاء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمۃ، مکرمون بالوحي ومشاھدۃ المَلَک، مأمورون بتبلیغ الأحکام وإرشاد الأنام بعد الإتصاف بکمالات الأولیاء، فما نقل عن بعض الکرامیۃ من جواز کون الولي أفضل من النبي کفرٌ و ضلال". (شرح العقائد النسفیۃ للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قدیمی)

(وکذا في شرح الفقہ الأکبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قدیمی)

(۳) (سیأتي تخریجہ تحت عنوان: "تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور")

www.besturdubooks.net

تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور

سوال[۱۸۰]: التحیات میں "السلام علیك أیها النبی" سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی وجہ اور شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کے معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس لئے تصور بھی آئے گا(۱)۔

معراج میں تین چیزیں: "التحیات، الصلوات، الطیبات" بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے تو وہاں سے جواب میں تین چیزیں: "السلام، رحمة، برکات" عطا ہوئیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وقيل: الخشوع في الصلاة، هو جمع الهمة لها، والإعراض عما سواه، والتدبر فيما يجرى على لسانه من القراءة والذكر ..... الخ". (التفسير المظهرى، (المؤمنون: ۲): ۳۶۲/۶، حافظ كتب خانه)

(وكذا في تفسير الخازن، (المؤمنون: ۲): ۲۶۷/۳، دار الكتب العلميه)

"والمراد بخشوعهن سكون الجوارح عن العبث، والقلب عن أن يشتغل بغير ما هو فيه من صلاته بأن يكون متأملاً لمعاني قرائته وأذكاره .... الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة: ۲۷۳/۲، رشيديه)

"قال الغزالي في الإحياء: و قبل قولك: "السلام عليك" أحضر شخصه الكريم في قلبك، و ليصدق في أنه يبلغه، و يرد عليك ما هو أو فى منه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة: ۲۳۱/۲، رشيديه كوئته)

(۲) "التحيات لله والصلوات والطيبات) ..... و هي الصادرة منه ليلة الإسراء، فلما قال ذلك النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالهام من الله تعالى، رد الله عليه و حياه بقوله: "السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته".

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، ص: ۲۸۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہاڑ سے گرنے کا ارادہ فرمایا؟

سوال[۱۸۱]: زید نے ایک جلسۂ عام میں دوران تقریر فرمایا کہ ''جب چندروز تک وحی کا آنا رک گیا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت غمگین ہو کر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے تھے تا کہ اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کر لیں''، اور زید نے اپنے قول کے اثبات کے لئے ''بخاری شریف'' کی وہ حدیث جو ''باب التعبیر'' دربارہ ''فترۃ الوحی'' وارد ہے، پیش کی (۱) تو کیا شریعت کی رو سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برا فعل منسوب کرنا قابلِ قبول ہو سکتا ہے، کیا زید اپنے قول میں صادق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں توہین اور گستاخی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر گستاخی اور توہین قرار پا سکتی ہے تو پھر زید کے لئے شریعتِ مطہرہ کیا حکم نافذ کرتی ہے؟ کہ جو سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسا برا فعل منسوب کر رہا ہے حالانکہ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی تردید کر رہا ہے کہ آپ کی قلب مبارک میں کبھی کوئی شک یا وہم پیدا ہوا ہو یا خودکشی جیسے قبیح فعل کا خیال دل میں گزرا ہو، چونکہ تحت مصائب کے وقت بھی آپ نے ایسے عزم واستقلال کا ثبوت دیا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بحوالۂ کتب معتبرہ جواب باصواب سے ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید کا بیان صحیح ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے (۲)، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخلاق وصفات کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، جو قرب اور فضل وکمال آپ کو حاصل ہے اور کسی بشر یا ملک کو حاصل

---

(۱) " و فتر الوحي فترة، حتى حزن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيما بلغنا حزناً عدا منه مراراً، كي يتردى من رؤس شواهق الجبال، فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقي نفسه منه، تبدى له جبرئيل، فقال: يا محمد! إنك رسول الله حقاً، فيسكن لذلك جاشه و تقر نفسه فيرجع، فإذا طالت عليه فترة الوحي غدا لمثل ذلك، فإذا أوفى بذروة الجبل، تبدى له جبرئيل فقال له مثل ذلك". (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة: ۱۰۳۴/۲، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

نہیں، بایں ہمہ آپ بشر تھے، طبیعت بشریہ آپ میں موجود تھی وہ آپ سے جدا نہیں ہوئی تھی، لیکن دیگر افراد بشر میں اس بات میں ممتاز تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور اس کے مطابق احکام خداوندی پر عمل فرماتے اور دوسروں کو ہدایت کرتے تھے اور آپ معصوم تھے، آپ سے معصیت کا صدور نہیں ہوا، اگر کبھی کوئی بات خلاف اولیٰ صادر ہوئی تو اس پر مطلع کر کے معاف کر دیا گیا: ﴿إنما أنا بشر مثلکم یوحی إلیّ﴾ الآیۃ (۱) ﴿وما ینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحیٰ﴾ الآیۃ (۲) ﴿عفا اللہ عنک لم أذنت لھم﴾ الآیۃ (۳)۔

واقعہ مسئولہ میں خودکشی کا صدور نہیں ہوا اور نہ زید نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خودکشی کی نسبت کی اور ارادہ مذکورہ کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپ کو اپنی نبوت یا رسالت میں کوئی وہم ہوا ہو، بلکہ سبب فتح الباری ۱۲/۳۱۸ میں مذکور ہے:

"وأما إرادتہ إلقاء نفسہ من رؤوس الجبال بعد ما نبیء، فلضعف قوتہ عن تحمل ما حملہ من أعباء النبوۃ، وخوفاً مما یحصل لہ من القیام بھا من مباینۃ الخلق جمیعاً کما یطلب الرجل الراحۃ من غم ینالہ فی العاجل بما یکون فیہ زوالہ عنہ، و لو أفضی إلی إھلاک نفسہ عاجلاً حتی إذا تفکر فیما فیہ صبرہ علی ذلک من العقبی المحمودۃ، صبر واستمرت نفسہ الخ" (۴)۔

جس طرح کے بچے کے انتقال پر رونا اور غمگین ہونا عزم واستقلال کے خلاف نہیں اسی طرح یہ ارادہ اپنی نبوت پر یقین کے خلاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابا جان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امی جان کہنا

سوال [۱۸۲]: ایک خطیب صاحب اپنی تقریر میں یا اپنی گفتگو کے اندر جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) (الکھف: ۱۱۰) (۲) (النجم: ۳،۴)

(۳) (التوبۃ: ۴۳)

(۴) (فتح الباری، کتاب التعبیر، باب أول ما بدیء بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الرؤیا الصالحۃ: ۱۲/۴۴۷، قدیمی)

www.besturdubooks.net

علیہ وسلم وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں تو از راہ غلبۂ محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ''ابا جان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اور ''اماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کہتے ہیں، تمام امت مسلمہ کے روحانی باپ وماں ہیں، اس لئے ہم ان کو ماں باپ کے لفظوں سے صراحۃً تعبیر بھی کر سکتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا بدعت میں شامل ہوگا یا نہیں؟ عام لوگ اگر اس عمل پر اصرار کریں تو کیا حکم ہے؟ بظاہر دو ایک کے ایسا کرنے سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، ہاں کلام اس صورت میں ہے جب عام لوگ اصرار کریں، ہر ایک کا تفصیلی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خالی ابا جان اور امی جان نہیں کہنا چاہئے (۱)، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المومنین کہنا سلف سے منقول ہے: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾ (۲)، امی جان اور ابا جان ہر دو کی شان اقدس سے بہت کم درجہ کا لفظ ہے، ابا جان کہنے میں بظاہر نص قرآنی: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم﴾ الایۃ (۳) سے بھی تعارض ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) اس کی ممانعت اس وقت ہے جب عمومی معنی مراد ہو اور اس میں فضیلت کا کوئی پہلو ملحوظ نہ ہو۔

(۲) قال الله تعالیٰ ﴿النبي أولی بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ (الأحزاب: ٦)

"ويسمّی كل من كان سبباً في إيجاد شيء أو إصلاحه أو ظهوره أباً، ولذالك سمي النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أبا المؤمنين، قال الله تعالیٰ: ﴿النبي أولی بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم﴾ و في بعض القرآءت (وهو أب لهم)". (روح المعاني، (الأحزاب: ٤٠): ٢٢/٤٦، دار الفكر)

(۳) (الأحزاب: ٤٠)

(۴) آیت کریمہ میں نسبی باپ ہونے کی نفی وارد ہوئی ہے، اگر تعظیماً اور تکریماً ابا جان کہا جائے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حضور پر نور کی شفقتوں کو دیکھ کر ''ابا جان'' بولنا مستحسن ہے، چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"(ولكن رسول الله) استدراك من نفي كونه عليه السلام أبا أحد من رجالهم علی وجه يقتضي حرمة المصاهرة و نحوها إلی إثبات كونه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أباً لكل واحد من الأمة فيما يرجع إلی وجوب التوقير والتعظيم له صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، و وجوب الشفقة و النصيحة لهم عليه =

www.besturdubooks.net

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟

سوال [۱۸۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے، وہ کس طرح سے ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''أنا سید ولد آدم ولا فخر''. (۱) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ پاک کے نزدیک اتنا بلند ہے کہ نہ کوئی فرشتہ اس کو پاسکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر (۲)، پھر بڑے بھائی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بلند مرتبہ کے باوجود حضرت عمر کو بھائی

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فإن کل رسول أب لأمته فیما یرجع إلی ذلک، وحاصله أنه استدراک من نفي الأبوة الحقیقیة الشرعیة التي یترتب علیها حرمة المصاهرة ونحوها إلی إثبات الأبوة المجازیة اللغویة التي هي من شان الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، و تقتضي التوقیر من جانبهم و الشفقة من جانبه صلی اللہ تعالی علیه وسلم". (روح المعاني، (الأحزاب : ۴۰): ۴۶/۲۲، دار الفکر)

(۱) (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر : ۲۲۹۱/۵، نزار مصطفی الباز)

(۲) "والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبینا حبیب الحق، و قد ادعی بعضهم الإجماع علی ذلک، فقد قال ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنهما : إن اللہ فضّل محمداً علی أهل السماء وعلی الأنبیاء". (شرح الفقه الأکبر للملا علی القاري، ص: ۱۱۳، قدیمي)

"و أفضل الأنبیاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لقوله تعالیٰ: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت﴾. الایة". (شرح العقائد النسفیه للتفتازاني، ص: ۱۰۲، المطبع الیوسفي)

"وأفضل الأنبیاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لقوله تعالیٰ: ﴿کنتم خیر أمة﴾ الایة .... و عندنا في الاستدلال وجهان : أحدهما الإجماع، فهو قول لم یعرف له مخالف من أهل السنة بل من أهل القبلة کلهم، ثانیهما الأحادیث المتظاهرة کقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللہ فضّلني علی الأنبیاء، و فضّل أمتي علی الأمم". رواه الترمذي . وقوله : "أنا سید الناس یوم القیامة" رواه مسلم. و قوله : ''أنا أکرم الأولین والآخرین علی اللہ و لا فخر''. رواه الترمذي والدارمي .وقوله : ''إذا کان یوم القیامة کنت إمام النبیین و خطیبهم و صاحب شفاعتهم غیر فخر". رواه الترمذی، و أمثالها کثیرة" (النبراس ، ص: ۲۸۲، حقانیه ملتان)

www.besturdubooks.net

فرمایا ہے(۱)اور امت کو بھی بھائی فرمایا ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۹ھ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا

سوال[۱۸۴]: کیا یہ صحیح ہے کہ اگر محنت کریں تو اولیاء اور انبیاء کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، بعض صاحبان نے تو پیغمبران صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، اس سے زائد اور کوئی فضیلت نہیں۔ خصوصاً سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مولانا فرماتے ہیں:

همسری با انبیاء برداختند

اولیاء را خویشتن پنداشتند

جب انبیاء صاحبان علیہم الصلاۃ والسلام کی شان بعید از قیاس ہے تو ان کا مقابلہ کرنے والا گمراہ ہے یا کافر؟ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پرتو عکس سے دوزخ جنت، حور وغلمان، آسمان وزمین اور کل کائنات پیدا کئے گئے ہیں، کوئی نماز یا اوراد بغیر درود شریف کے مقبول نہیں، پھر ان کا مقابلہ کرنا یا مثل ان کے اپنے کو سمجھنا درست ہے؟

---

(۱) "عن عمر رضي الله تعالیٰ عنه أنه استأذن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في العمرة فقال: "أي أخي! أشركنا في دعائک و لا تنسنا". (جامع الترمذي، أحادیث شتی من أبواب الدعوات: ۱۹۶/۲، سعید)

(۲) "و ددت أنا قد رأینا إخواننا" قالوا: أو لسنا إخوانک یا رسول الله؟ قال: "أنتم أصحابي، وإخواننا الذین لم یأتوا بعد". (الصحیح لمسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة: ۱۲۷/۱، قدیمي)

"وددت أني قد رأیت إخواننا". قالوا: یا رسول الله ألسنا إخوانک یا رسول الله؟ قال: "أنتم أصحابي، وإخواننا الذین لم یأتوا بعد، وأنا فرطهم علی الحوض". (سنن النسائي، کتاب الطهارة، باب حلیة الوضوء: ۳۵/۱، قدیمي)

(وابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذکر الحوض، ص: ۳۱۹، قدیمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کونہیں پہنچ سکتا (۱)، ولایت کے اونچے مقامات پر پہنچنا بعید نہیں مگر جو حضرات پہنچتے ہیں وہ دعوی نہیں کرتے اور تکبر نہیں کرتے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صرف بھائی کے درجہ میں ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی فضیلت نہیں یہ غلط ہے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں توہین اور گستاخی کرنا کفر ہے (۲)، بلاتحقیق کسی کی طرف کوئی غلط عقیدہ منسوب کرنا درست نہیں، تہمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "و لا يبلغ وليّ درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة المَلَك، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمي)

"و منها: أن الولي لايبلغ درجة النبي، لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام و بمشاهدته الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلالة و إلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قديمي)

"و لا نفضل أحداً من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام و نقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۴، قديمي)

(۲) "والمنتقص له كافر". (مجموعة رسائل ابن عابدين، تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام الخ: ۳۱۶/۱، سهيل اكيڈمي)

"و لو عاب نبياً يكفر". (خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر: ۳۸۵/۴، امجد اكيڈمي)

"و لو عاب نبياً كفر". (الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً الثالث في الأنبياء: ۳۲۷/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا

سوال[۱۸۵]: ایک شخص جو کہ اپنے کو اور تمام امت مسلمہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے برابر تو سبھی لوگ ہو سکتے ہیں اور پیشاب کرنے کے بعد صرف پانی سے طہارت کر لیتا ہے تو ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ نفس مخلوق خدا اور بشر ہونے میں برابر سمجھتا ہے تو یہ عقیدہ درست ہے اور قرآن پاک (۱) حدیث پاک سے ثابت ہے (۲)، اگر وہ درجۂ قرب وفضیلت میں برابر سمجھتا ہے تو اس کو توبہ لازم ہے، پیغمبر کے برابر کوئی امتی نہیں ہو سکتا (۳) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر تو کوئی پیغمبر بھی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ کوئی امتی برابری کا دعویٰ کرے (استغفر اللہ)۔ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز امامت کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿هل كنت إلا بشراً رسولاً﴾ (الإسراء: ۹۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ (الكهف: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿أكان للناس عجباً أن أوحينا إلى رجل منهم﴾ (يونس: ۲)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما أنا بشر مثلكم، أنسى كما تنسون". (صحيح البخاری، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۱/۵۸، قديمی)

(۳) "و لا يبلغ ولي درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء معصومون، مامونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي ومشاهدة الملك، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلال". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۵، ۱۶۶. قديمی)

"ومنها: أن الولي لا يبلغ درجة النبي؛ لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون، مامونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام و بمشاهدة الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، و ما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر و ضلالة و إلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۱، قديمی)

www.besturdubooks.net

لائق نہیں (۱)۔

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء نہیں کرتا بلکہ فوراً پانی سے دھولیتا ہے تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا کپڑا ناپاک رہتا ہے، آج کل ڈاکٹروں اور طبیبوں کا تجربہ یہ ہے کہ پیشاب کے بعد عامۃً قطرہ ضرور آتا ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روضۂ اقدس سے دستِ مبارک کا نکلنا

سوال [۱۸۶]: سرورکائنات احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک قبر مبارک سے کسی کے مصافحہ کے واسطے نکلنا صحیح ہے؟ اور از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سرورکائنات حضرت رسول مقبول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک مزار اقدس سے نکلنا بعض

= "و لا نفضل أحداً من الأولياء على أحد من الأنبياء عليهم السلام، و نقول: نبي واحد أفضل من جميع الأولياء". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۴، قديمي)

(۱) "أما إذا أدى إليه (الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۱، قديمي).

"و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلاتصح إمامة منكر البعث الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي كراچي)

(و كذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

(۲) اصل مقصد قطرے سے فراغت اور طہارت حاصل کرنا ہے خواہ ڈھیلے سے ہو یا پانی سے اور یہ کہنا کہ ایسا شخص ڈھیلا اور پانی دونوں چیزیں استعمال کرے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ قطرے سے فراغت حاصل ہوجائے تاکہ اس کے کپڑے پاک رہیں، اور اگر ایک یا دونوں چیزیں استعمال کرنے کے بعد بھی قطرے سے فراغت حاصل نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کپڑے ناپاک ہیں، اس لئے وہ امامت نہیں کرسکتا اگرچہ بوجہ معذوری اس کی اپنی نماز دوسرے امام کی اقتداء میں درست ہوتی ہے اور اگر ان میں سے صرف ایک سے یقینی طور پر صحیح طرح سے فراغت حاصل ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

www.besturdubooks.net

اولیاء کے لئے شرعاً ممکن ہے محال نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الحاوی للفتاوی" میں ایسا واقعہ بھی نقل کیا ہے(۱)۔ قبر اطہر میں حیات بھی احادیث سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر اطہر سے دست مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی کے لئے نکلنا

سوال[۱۸۷]: کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی کے مصافحہ کے واسطے مزار اقدس سے نکل سکتا ہے؟ شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے؟ روایت بے سند کی اشاعت باعث فتنہ ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وقال الشيخ تاج الدين بن عطاء الله في لطائف المنن: قال رجل للشيخ أبي العباس المرسي: يا سيدي! صافحني بكفك هذه، فإنك لقيت رجالاً و بلاداً، فقال: والله ما صافحت بكفي هذه إلا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم .. ". وفي بعض المجاميع: حج سيدي أحمد الرفاعي، فلمّا وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد:

في حالة البعد روحي كنت أرسلها
تقبل الأرض عني و هي نائبتي
و هذه دولة الأشباح قد حضرت
فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبلها".

(الحاوي للفتاوي، كتاب البعث، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك: ۲/ ۳۱۲، ۳۱۴، دار الفكر)

(۲) "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون". (ع) عن أنس (ح) ". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۳۰۸۹، ۵/ ۲۵۵۶، نزار مصطفى الباز)

"(وكذا أخرجه أبو يعلى في مسنده والبيهقي في كتاب حياة الأنبياء" فأقول: حياة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في قبره هو و سائر الأنبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك و تواترت به الأخبار". (الحاوي للفتاوي، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/ ۱۴۸، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں(۱) حدیث پاک میں متعدد سندوں سے یہ چیز مروی ہے اور اس پر مستقل رسائل بھی علماء نے تصنیف کئے ہیں، جس طرح خرقِ عادت کے طور پر حیات ظاہری میں کچھ امور صادر ہوئے ہیں اور ان کا صدور مسلّم عقیدہ ہے اسی طرح باذنہ تعالیٰ اگر کسی کے لئے قبر اطہر سے دست مبارک مصافحہ کے لئے نکل آئے تو یہ نہ عقلاً ممتنع ہے نہ شرعاً (۲)۔ علامہ تقی الدین سبکی علامہ سیوطی، علامہ زرقانی اور شیخ عبدالحق رحمہم اللہ نے اس قسم کے متعدد واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) كما في الحديث: "عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة .... إلى قوله .... فقال: إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء" (سنن أبي داؤد، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۰، سعيد)

"قال النووي: قال العلماء: الحكمة في أن الأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين لا يورثون ...... قلت: أو لأنهم أحياء في قبورهم، فالأموال باق على ملكهم .... و مال السبكي الى الأول، لأن الأنبياء أحياء في قبورهم، و قضيته أنهم يعطون بعض احكام الدنيا......... قال ابن عابدين في رسائله: إن المنع ههنا لانتفاء الشرط و هو عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه الحديث، و أما عدم موت المورث بناءً على أن الأنبياء أحياء في قبورهم كما ورد في الحديث .... و أجاد شيخ مشايخنا الكنكوهي قدس سره في الكوكب الدرى في باب ما جاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تقريراً أنيقاً ينبغي أن يكتب بماء الذهب فقال: و لأن النبيين صلوات الله عليهم أجمعين لما كانوا أحياءً فلا معنى لتوريث الأحياء منهم". (أوجز المسالك شرح المؤطا للإمام مالك رحمه الله تعالىٰ، ماجاء في تركة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۶/۳۸۲)

(و كذافي عمدة القارى، كتاب المناقب، باب بعد باب قول النبي: "لوكنت متخذاً خليلاً": ۱۶/۱۸۵)

(۲) "و في بعض المجاميع حج سيدى أحمد الرفاعي، فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد .... فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبّلها". (الحاوى للفتاوى: ۲/۳۱۴، كتاب البعث، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي و الملك، دار الفكر، بيروت)......... .... =

www.besturdubooks.net

شق صدر اور معراج

سوال[۱۸۸]: جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شقِ صدر کو باطل کہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کو خواب وخیال سمجھتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

روح الامین نمبر ۴۲ مرزاپور اسٹریٹ کلکتہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً ومسلماً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شق صدر، روایات صحیحہ سے ثابت ہے، تفسیر فتح العزیز تفسیر الم نشرح: ۲/۲۷۵ میں ہے کہ چار مرتبہ شق صدر ہوا ہے، ابن حبان، حاکم، ابونعیم، ابن عساکر، عبداللہ بن احمد وغیرہم کی روایات صحیحہ کو استدلال میں پیش کیا ہے(۱) لہٰذا اس کا انکار ناواقفیت یا عناد پر مبنی ہے۔

= "عن أبي الخير الأقطع قال: دخلت المدينة و أنا بفاقة، فأقمت خمسة أيام ما ذقت ذواقاً، فتقدمت إلى القبر الشريف و سلمت على النبي و على أبي بكر و عمر و قلت: أنا ضيفك الليلة يا رسول الله! و تنحيت و نمت خلف المنبر، فرأيت النبي في المنام و أبو بكر عن يمينه و عمر عن شماله وعلي، بين يديه، فحرّكني عليّ و قال: قم قد جاء رسول الله، فقمت إليه و قبلت بين عينيه، فدفع إليّ رغيفاً، فأكلت نصفه و انتبهت، فإذا في يدي نصف رغيف". رواه أبو عبد الرحمن السلمي". (القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع، ص: ۳۲۵، الباب الرابع في تبليغه عليه السلام سلام من يسلّم عليه، مؤسسة الريان، بيروت)

(۱) "روزے همراه پسران دایۂ خود در کودکان بازی کرده، در چرانیدنِ گوسفندان مشغول بودند، و پسران دایه برائے گرفتنِ نان و آذوقه پیشِ مادر خود رفته، و آنجناب تنها همراه گوسفندان در آن صحرا بودند که ناگاه دو جانور کلان بصورتِ کر گس (که آنرا در زبان هندی گِد گویند) نمودار شدند، یکے مر دیگرے را پرسید که این همان شخص ست؟ آن دیگر گفت که آری، پس هر دو متوجهِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم شدند، و آنحضرت بسببِ ترس از ان جانوران رو بگریز نهادند، تا آنکه آن هر دو جانور هر دو بازوئے آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم را گرفته بر پشت بر زمین انداختند، وبمنقارهائے خود شکم مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم چاک =

www.besturdubooks.net

....

= کردند، و از سینه آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دل مبارک را بر آورده، نیز چاک کردند، وازان خون بسته سیاه بر آورده بر تافتند، و گفتند که این خون بسته مردار نصیبِ شیطان ست، در دلِ هر آدمی این را از دل او بر آوردیم، والا هر گز وسوسهٔ شیطان را قبول نخواهد کرد.

بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که آبِ برف بیار، بآن آب شکمِ ایشان را بشستند، بعد ازان آبِ ژاله طلبیدند، وبآن آب دل را شستند، بعد ازان گفت که سکینه بیار، آنچیزی بود بر مثالِ ذر در و آنرا بدلِ ایشان افشاندند، بعد ازان یکے مر دیگرے را گفت که این را بدوز و آنرا دوخته بمهرِ نبوت مهر کردند، و سینهٔ مبارک آن حضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم را دوخته برابر کردند، چنانچه انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه که خادم ملازم آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بود میگفت که من اثر سوزن را در سینهٔ مبارک آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم میدیدم الخ.

دوم آنکه ابن حبان و حاکم وابو نعیم وابن عساکر و ضیائی مقدسی و عبد الله بن احمد در زوائدِ مسند بسندِ صحیح روایت کرده اند که آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم چون ده ساله شدند، در صحرائے بودند که دو کس بصورتِ دو مرد ظاهر شدند، آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم میفرمودند که من مانندِ چهره هائے آن دو شخص هیچگاه چهرهٔ نورانی ندیده ام، و بوئے خوش که از انها می آمد در هیچ عطرے نشمیده ام، و مانندِ جامه هائے آن دو شخص در نفاست و صفا و درخشندگی هیچ جامه بنظر من نیامده، آن هر دو شخص جبرئیل و میکائیل علیهما السلام بودند، هر دو بازوئے مرا بوجهی گرفتند که اصلاً مرا معلوم نشد، و باسانی تمام بر فقره قفا مرا غلطانیدند که هیچ عضوِ من بیے جا نشد، و درد نه کرد، و باز آنها شکمِ مرا چاک کردند، و اصلاً خون نه بر آمد، و درد نه شد، و یکے از آنها آب در طشتِ زرین می آورد، و دیگر تمام درد نه مرا می شست، بازیکے مر دیگرے را گفت که دلِ این را چاک کن، و غل و حسد را ازوے دور کن، خونِ بسته بر آورد ند، و بر تافتند. باز گفت مهرْ بانگی و شفقت در دلِ این بیند، از چیزے بصورتِ تل سیمین آورده در دلِ من انداختند، و دوائے خشکی بر مثالِ زر در بالائے آن پاشیدند، باز انگشت آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا گرفته، گفتند که بر دو سلامت باش. آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فرمودند که من =

www.besturdubooks.net

معراجِ جسمانی مسجدِ اقصیٰ تک بحالتِ یقظہ نصِ قطعی سے ثابت ہے، اس کا انکار کفر ہے اور سماءِ دنیا تک خبرِ مشہور سے ثابت ہے، اس کا منکر مضل اور مبتدع ہے اور سماءِ دنیا سے آگے جنت وعرش وغیرہ تک خبرِ واحد سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔

فی العقائد النسفیة: "والمعراج لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی الیقظة بشخصه إلی السماء، ثم إلی ما شاء الله تعالیٰ من العلی حق". قال التفتازانی تحت (قوله: حق) "أی ثابت بالخبر المشهور حتی أن منکره یکون مبتدعاً (إلی أن قال) فقوله: فی الیقظة إشارة إلی الرد علی من زعم أن المعراج کان فی المنام (إلی أن قال) و قوله: بشخصه إشارة إلی الرد علی من زعم أنه کان للروح فقط (إلی أن قال) و قوله: إلی السماء إشارة إلی الرد علی من زعم أن المعراج فی الیقظة لم یکن إلا إلی بیت المقدس علی ما نطق به الکتاب و قوله: (ثم إلی ما شاء الله) إشارة إلی اختلاف أقوال السلف، فقیل: إلی الجنة، وقیل: إلی العرش، و قیل: فوق

= اذاں وقت در دلِ خود شفقت و رحمت بر هر صغیر و کبیر می یابم، واین بار آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم چون سنِ بلوغ قریب رسیده بود از لوازمِ جوانی میل بشهوت و سورتِ غضب ست، برائے عصمت از گناهائے که تعلق باین دو صفت دارند، و بیشتر غلبهٔ آنها در جوانی و ما بعد جوانی ست شقِ صدر مکرر واقع شد. سوم آنکه چون هنگامِ بعثت قریب ست، و زمانِ نزولِ وحی بر دل مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نزدیک آمد، بارِ دیگر دلِ ایشان را برائے تنقیه و تقویت چاک کردند .... چهارم: شب معراج، واین بار شقِ صدر برائے آن بود که دل مبارکِ آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قوتِ سیرِ عالَمِ ملکوت بهم سازند، و طاقت دیدنِ تجلیات بدیهه و انوارِ مثله لیه پیدا کند". (تفسیر عزیزی، (سوره الم نشرح: ۲۳۰-۲۳۲)، ارگ بازار قندهار)

(و کذا فی دلائل النبوة للبیهقی، باب ذکر رضاع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و مرضعته و حاضنته: ۱/۱۳۱، و باب ماجاء فی شقِ صدر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ: ۲/۵، دار الکتب العلمیه بیروت)

www.besturdubooks.net

العرش إلى طرف العالَم. فالإسراء و هو من المسجد الحرام إلى بيت المقدس قطعيّ ثبت بالكتاب، والمعراج من الأرض إلى السماء مشهور، و من السماء إلى الجنة أو إلى العرش أو غير ذلك احاد". شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۴ (۱)۔

"قال أهل السنة بأجمعهم: إن المعراج إلى المسجد الأقصى قطعي ثابت بالكتاب، وإلى سماء الدنيا ثابت بالخبر المشهور، و إلى ما فوقه من السموات ثابت بالآحاد، فمنكر الأول كافر ألبتة، و منكر الثاني مبتدع مضل، و منكر الثالث فاسق". تفسیر احمدیہ، ص: ۵۰۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ۔

معراج میں رؤیت

سوال [۱۸۹]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں اللہ پاک کا دیدار ہوگیا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو اس وقت بعض علماء قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، پھر بعض کہتے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں سے اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿ما كذب الفؤاد ما رأى﴾ میں حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے: "(ما كذب الفؤاد) فؤاد محمد (ما رأى) ما رأه ببصره من صورة جبريل عليه الصلاة والسلام: أي ما قال فؤاده لما راه ببصره: لم أعرفك، و لو قال ذلك، لكان كاذباً؛ لأنه

(۱) (شرح العقائد النسفیہ للتفتازانی، ص: ۱۴۴، ۱۴۵ قدیمی)

(کذا فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن ابی العز، ص: ۲۲۳، قدیمی)

(۲) (التفسیرات الأحمدیہ، (الإسراء: ۱)، ص: ۵۰۳، حقانیہ پشاور)

www.besturdubooks.net

عرفه یعنی أنه رآه بعینه، وعرفه بقلبه، و لم یشك في أن ما رآه حق، و قیل: المرئي هو الله سبحانه رآه بعین رأسه، و قیل: بقلبه اهـ". مدارك: ۴/۱۴۸ (۱)۔

" ثم الصحیح أنه علیه السلام رأی ربه بفؤاده لا بعینه اهـ"۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (تفسیر المدارک (النجم: ۱۱) ۲/۲۱۳، قدیمي)

"(بالتخفیف و التشدید): أي فهما قرأتان سبعیتان، فالمعنی علی التشدید أن ما رآه محمد بعینه صدقه قلبه و لم ینکره، والتخفیف قیل کذالك، و قیل: هو علی إسقاط الخافض، والمعنی ما کذب الفؤاد فیما رآه. قوله: (من صورة جبریل) بیان لمارأی، و هذا أحد قولین، و قیل: هو الله عزوجل وعلیه فقد رأی ربه مرتین: مرة في مبادی البعثة و مرة لیلة الإسراء، واختلف في تلك الرؤیة فقیل: رآه بعینه حقیقة: وهو قول جمهور الصحابة والتابعین، منهم: ابن عباس وأنس بن مالك والحسن وغیرهم".

(حاشیة الصاوي علی تفسیر الجلالین، (النجم: ۱۱): ۶/۱۳، دارالباز)

"(ما کذب الفؤاد ما رأی): أي لم یکذب قلب محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیلة المعراج، وذلك أن الله تعالیٰ جعل بصره في فؤاده حتی رأی ربه تعالیٰ و جعل الله تلك رؤیة. وقیل: کانت رؤیة حقیقة بالبصر، و الأول مروي عن ابن عباس، وفي صحیح مسلم أنه رآه بقلبه، و هو قول أبي ذر و جماعة من الصحابة، والثاني قول أنس و جماعة".

"وروي عن ابن عباس أیضاً أنه قال: أتعجبون أن تکون الخلة لإبراهیم، والکلام لموسی، والرؤیة لمحمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، و روی عن ابن عباس أیضاً أنه قال: "أما نحن بني هاشم فنقول: إن محمداً رأی ربه مرتین" وقال ابن مسعود: رأی جبریل علی صورته مرتین، وقرأ هشام عن ابن عامر وأهل الشام (ما کذّب) بالتشدید: أي ما کذب قلب محمد ما رأی بعینه تلك اللیلة بل صدقه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبي، (النجم: ۱۱): ۱۷/۲۰، ۶۱، ۶۲، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) (شرح العقائد النسفیة للتفتازاني، ص: ۱۳۵، قدیمي)

"وأن الصحیح أنه رآه بقلبه و لم یره بعین رأسه". (شرح العقیدة الطحاویة لابن أبي العز، ص: ۲۲۶، قدیمي)=

www.besturdubooks.net

معراج میں اہل جنت ودوزخ کو دیکھنا جب کہ ابھی قیامت قائم نہیں ہوئی

سوال[۱۹۰]: دخولِ جنت ودوزخ میدان حشر میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں میدانِ حشر سے پہلے جنتی کو جنت میں اور دوزخی کو دوزخ میں کس طرح دیکھا؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جوصورتِ حال اس وقت پیش آئے گی اس کا نقشہ اور خاکہ دکھلایا گیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۳ھ۔

مقام محمود

سوال[۱۹۱]: مقام محمود کے بارے میں مختصر تشریح فرمادیں کیا وہ جنت میں ہے یا میدان حشر میں ؟اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا خصوصیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میدان حشر میں پیشی کے لئے شفاعت کی اجازت خاص طور پر دی جائے گی، وہ مقام محمود ہے(۲)۔

= "قال ابن عباس رأى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ربه مرةً أخرى بقلبه، روى مسلم عن أبي العالية عنه قال: (ما كذب الفؤاد ما رأى) (ولقد رآه نزلةً أخرى) قال:" رآه بفؤاده مرتين". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (النجم: ۱۳): ۲۲/۲۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "فمضيت هنيهةً فإذا أنا بأخونة عليها لحم مشرح ليس يقربها أحد، و إذا أنا بأخونة أخرى عليها لحم قد أروح و أنتن، عندها أناس يأكلون منها. قلت: يا جبريل! من هؤلاء؟ قال: هؤلاء من أمتك يأتون الحرام ويتركون الحلال، قال: ثم مضيت هنيهةً فإذا أنا بأقوام مشافرهم كمشافر الإبل قال: فتفتح أفواهم فيلقمون من ذلك الجمر، ثم يخرج من أن أسافلهم فسمعتهم يضجون إلى الله تعالىٰ، فقلت: من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء من أمتك ﴿الذين يأكلون أموال اليتامى ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً و سيصلون سعيراً﴾ (تفسير ابن كثير: ۱۹/۳، (سورة الإسراء)

(۲) "قال ابن جرير: قال أكثر أهل التأويل: ذلك هو المقام الذي يقومه محمد صلى الله تعالىٰ عليه =

www.besturdubooks.net

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

مسئلہ شفاعت

سوال[۱۹۲]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں کہ شفاعت کوئی نہیں کرائے گا، کیا قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یہ نہیں ہے: ﴿عسی أن یبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ (۱) اس سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا ثابت نہیں ہوتا؟ بخاری شریف پارہ اٹھارہ کتاب التفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: قیامت کے دن ایماندار لوگ جمع ہوکر حضرت آدم علیہ السلام سے سفارش کرنے کی آرزو کریں گے، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام انکار کریں گے، بعد اس کے یکے بعد دیگرے پیغمبروں سے عرض کریں گے سب انکار کریں گے، تب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم". (تفسير ابن كثير، (الإسراء: ٧٩): ٣/٥٠، دار القلم)

"وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قوله: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ سئل عنها قال: (هي الشفاعة) قال: هذا حديث حسن صحيح".

"الرابعة: إذا ثبت أن المقام المحمود هو أمر الشفاعة الذي يتدافعه الأنبياء عليهم السلام حتى ينتهي الأمر إلى نبينا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، فيشفع هذه الشفاعة لأهل الموقف ليعجل حسابهم ويراحوا من هول موقفهم، و هي الخاصة به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الإسراء: ٧٩): ١٠/٢٠١، دار الكتب العلمية، بيروت)

"و من الناس من فسره بمقام الشفاعة في موقف الحشر حيث يعترف الجميع بالعجز، أعم من أن تكون عامةً كالشفاعة لفصل القضاء أو خاصةً كالشفاعة لبعض عصاة أمته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العفو عنهم". (روح المعاني، (الإسراء: ٧٩): ١٥/٢٠٣، دار الفكر)

(١) (الإسراء: ٧٩)

www.besturdubooks.net

علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں جاکر عرض کریں گے، آپ قبول فرما کر شفاعت کرادیں گے"(۱)۔

کیا قرآن مجید اور حدیث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے؟

کیا قرآن مجید اور حدیث شریف رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کرانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ثابت نہیں ہے؟ کیا شفاعت سے انکار قرآن مجید سے اور حدیث شریف سے انکار نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شفاعت فرمانا اہل حق کا مذہب ہے اور احادیث مشہورہ سے صراحۃً ثابت ہے: "والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار (إلى أن قال) لنا قوله تعالى: ﴿واستغفر لذنبك و للمؤمنين و المؤمنات﴾ و قوله تعالى: ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ إلى أن قال: و قوله عليه الصلاة والسلام: "شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي" و هو مشهور بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى اهـ". شرح عقائد نسفی، ص: ۸۸ (۲)۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا. فيأتون ادم فيقولون: أنت أبو الناس، خلقك الله بيده، وأسجد لك ملائكته، و علمك أسماء كل شيء، فاشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا. فيقول: لست هناكم، و يذكر ذنبه فيستحي، إيتوا نوحاً فيأتوني فانطلق حتى استاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي، وقعت ساجداً فيدعني ما شاء، ثم يقال: ارفع رأسك، وسل تعطه، وقل تسمع، واشفع تشفع ... الخ". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وعلم ادم الأسماء كلها: ۲: ۶۴۲، قديمي)

(۲) (شرح العقائد النسفيه للتفتازاني، ص: ۱۱۵، ۱۱۶، قديمي كراچي)

"(و شفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام حق): أى عموماً في المقصود (و شفاعة نبينا صلى الله عليه و سلم): أى خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود (للمؤمنين المذنبين): أى من أهل الصغائر المستحقين للعقاب (ولأهل الكبائر منهم): أى من المؤمنين (المستوجبين للعقاب حق ثابت) فقد ورد: (شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي) رواه أحمد و أبو داؤد والترمذى وابن حبان والحاكم عن أنس، والترمذى وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن جابر، والطبراني عن ابن عباس، والخطيب عن ابن عمر و عن كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنه، فهو حديث مشهور في المبنى، بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۹۴، قديمي) =

www.besturdubooks.net

نیز بہت سی آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں اور آیت: ﴿عسی أن یبعثک ربک مقاماً محموداً﴾ کے متعلق بھی جمہور قائل ہیں کہ مقام محمود، مقام شفاعت ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"نصب علی الظرف: أی عسی أن یبعثک یوم القیامة فیقیمک مقاماً محموداً، أوضمن "یبعثک" معنی "یقیمک" و هو مقام الشفاعة عند الجمهور، و یدل علیه الأخبار الخ" (۱) شفاعت کا انکار در حقیقت نصوص قطعیہ اور احادیث صریحہ کا انکار ہے، معتزلہ شفاعت کے منکر ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ نے کتب عقائد وتفسیر میں ان کی تردید کی ہے اور ان کے قول کو باطل قرار دیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

شفاعت وافضلیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۱۹۳]: ۱......عمرو بکر مثلاً جن کے عقائد مذکور درج کئے جاتے ہیں اور بکر کی حد سے زیادہ تعدی معلوم ہوتی ہے، بکر کے عقیدہ کا خیال کرتے ہوئے اس کے ساتھ برتاؤ دینی اور دنیاوی جائز ہے یا نہیں اور جماعت میں شامل ہو جائے تو نکال دینے کا حکم ہے یا نہیں اور جماعت میں بھی کچھ نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کو باقی دوسرے امام کے ہوتے ہوئے امام بننا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ایمان میں خلل آتا ہے یا نہیں اور ایسا ایمان ہونے میں نکاح وغیرہ میں بھی کچھ نقص ہے یا نہیں؟ حد کا حکم ہے یا نہیں؟ سو یہ کہ عمر اور بکر آپس میں جھگڑا کرتے ہیں عمر کہتا ہے کہ شفاعتِ رسول کریم برحق ہے اور بکر کہتا ہے کہ برحق نہیں ہے۔

۲......عمر کہتا ہے کہ مقام المحمود شفاعت کا مقام ہے اور بخاری شریف میں بھی موجود ہے اور بکر کہتا ہے کہ شفاعت خاص کر رسول کریم کے واسطے معین نہیں ہے۔

۳......اور عمر کہتا ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور بکر یہ کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں۔

۴......عمر کہتا ہے رسول کریم سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور بکر کہتا ہے کہ سب برابر ہیں، سب

= (و کذا فی شرح العقیدة الطحاویه لابن أبی العز، ص: ۲۳۳، قدیمی)

(۱) (تفسیر المدارک، (الإسراء: ۷۹): ۱/۷۲۵، قدیمی)

(۲) (راجع، ص: ۴۰۰، الحاشیه رقمها: ۲)

www.besturdubooks.net

پیغمبروں سے افضل نہیں؟ صفحہ کتاب لکھ کر جواب تحریر فرماویں۔ حوالے جتنے زیادہ ہوں بہتر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ واجب ہے یا نہیں اور اس کے جنازہ کا کیا کیا جاوے؟ ان مسائل کی بابت زیادہ تنازع ہو رہا ہے اس لئے جواب پوری تکمیل سے تحریر فرماویں، تاکہ فریقین کو تسلی ہو جائے۔ فقط

الجواب حامداً و مصلياً :

۱..... شفاعت کے متعلق عمر کا قول حق ہے، بکر کا قول غلط ہے: ''والشفاعة ثابتة للرسل والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار خلافاً للمعتزلة اهـ". شرح عقائد نسفی، ص: ۸۷(۱)۔

۲..... اس میں بھی عمر کا قول حق ہے:" قال أكثر أهل التاويل: ذلك (أي المقام المحمود) هو المقام الذي يقومه محمد صلى الله تعالى عليه وسلم يوم القيامة للشفاعة للناس ليريحهم ربهم من عظيم ما هم فيه من شدة ذلك اليوم"۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۵(۲)۔

"وشفاعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: أي عموماً في المقصود، و شفاعة نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم خصوصاً في المقام المحمود واللواء الممدود والحوض المورود للمؤمنين المذنبين: أي من أهل الصغائر المستحقين للعقاب و لأهل الكبائر منهم حق، فقد ورد: "شفاعتي لاهل الكبائر من أمتي"، رواه أحمد و أبو داؤد والترمذي وابن حبان والحاكم عن أنس رضي الله تعالى عنه، والترمذي وابن ماجه و ابن حبان والحاكم عن جابر رضي الله تعالى عنه، والطبراني عن ابن عباس رضي الله

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۵، قديمي)

"شفاعته في أهل الكبائر من أمته ممن دخل النار، فيخرجون منها، وقد تواترت بهذا النوع الأحاديث، وقد خفي علم ذلك على الخوارج والمعتزلة، فخالفوا في ذلك جهلاً منهم بصحة الأحاديث و عناداً ممن علم ذلك، واستمر على بدعته، و هذه الشفاعة تشاركه فيها الملائكة والنبيون والمؤمنون أيضاً".

(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۲۳۳، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۹۴، قديمي)

(۲) (تفسير ابن كثير، (سورة الإسراء: ۷۹): ۳/۵۰، دار القلم)

www.besturdubooks.net

تعالیٰ عنهما، والخطيب عن ابن عمر و كعب بن عجره رضي الله تعالیٰ عنهم، فهو حديث مشهور في المبنى بل الأحاديث في باب الشفاعة متواترة المعنى اهـ". شرح فقه اکبر، ص: ۱۱۴(۱)۔

"قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: هذا المقام المحمود مقام الشفاعة، وفي حديث طويل: "وإني لأقوم المقام المحمود، قال: ذاك إذا جيء بكم حفاةً عراةً": أي قوله: "فأقوم عن يمينه مقاماً لا يقومه أحد، فيغبطني فيه الأولون والآخرون". وفي حديث آخر: "ثم يقوم نبيكم صلى الله تعالیٰ عليه وسلم رابعاً فيشفع لا يشفع أحد بعده أكثر مما شفع". و هو المقام المحمود الذي قال الله عزوجل: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ وإلى غير ذلك من الأحاديث الكثيرة اهـ". فتح الباری شرح البخاری، کتاب التفسیر وکتاب الرقاق میں زیادہ تفصیل ہے(۲)۔

۳.....''یا رسول اللہ'' اس خیال اور عقیدہ سے کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ پاک کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے اس آواز کو خود سنتے ہیں ناجائز بلکہ شرک ہے۔ اور اس عقیدہ سے کہنا کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ میری اس آواز کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچا دیتے ہیں جائز ہے، عوام چونکہ اس عقیدہ کو نہ جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ پہلا ہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے، کسی صحیح عقیدہ والے کو بھی عوام کے سامنے اس طرح پکارنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۴.....اس مسئلہ میں بھی عمر کا عقیدہ صحیح اور اہل حق کے موافق ہے:'' أفضل الأنبياء محمد صلى الله تعالى عليه وسلم ''۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۱۰۲(۳)۔

---

(۱)(شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۹۳، قديمي)

(۲) (فتح الباري، كتاب التفسير باب (عسى أن يبعثك ربك مقاما محموداً): ۸/۵۰۹، (وكتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ۱۱/۵۲۰، قديمي)

(۳)(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۳۱، قديمي)

"ان أفضل المخلوقات في الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذي جمع كل خلال الخير ونعوت الكمال، و بعثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عامة لجميع المكلفين، و أفضليته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله ولا فخر)". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۲۲) =

www.besturdubooks.net

جس شخص کے ایسے غلط اور خراب عقائد ہوں وہ ضال ومضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، تاہم اگر اسکے پیچھے کوئی نماز پڑھی ہے تو فریضہ ساقط ہوگیا اور نماز جنازہ بھی ایسے شخص پر پڑھی جائے گی:'' و یصلی علی کل فاجر اهـ" شرح عقائد نسفی،ص:۱۱۵(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ ربیع الاول/۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا

سوال[۱۹۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے کی روایت کتب سیر میں یا احادیث میں آئی ہے یا نہیں؟ اگر آئی ہے تو کیسی ہے اور ان کے ایماندار ہونے پر اعتقاد و یقین رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایماندار ہونے میں اکابر کے مختلف اقوال ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ " ماتا علی الکفر "(۲)۔

= "وأنه أفضل الأنبياء وأمته خير الأمم". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة : ۳۰۵-۳۰۳، دار الكتب العلمية)

(شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص: ۱۲۱، قديمی)

(۱)(والصلاة خلف كل بر و فاجر): أي صالح و طالح (من المؤمنين جائزة: أي لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم وعلى آله وسلم: "صلوا خلف كل بر و فاجر". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۶، قديمي)

(كذا في شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۳۷۳، قديمي)

(۲) "قال القاري: ثم الجمهور على أن والديه صلى الله تعالى عليه و آله وسلم ماتا كافرين. وهذا الحديث أصح ما روي في حقهما". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور: ۵/۲۱۴، امداديه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح ، كتاب الجنائز: ۴/۲۵۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ایک روایت میں ہے: "استاذنت ربی أن أستغفر لأمي، فلم يأذن لی" (۱)۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "ان رجلاً قال: یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! أین أبی؟ قال: "فی النار" فلماقفا دعاه فقال: "إن أبی وأباك في النار". مسلم، شامی: ۲/۶۳۳ (۲)۔

آیت: ﴿ولا تسئل عن أصحاب الجحيم﴾ بصیغہ نہی حضور اکرم کے سوال: " لیت شعری ما فعل أبوای " کے جواب میں نازل ہوئی۔

تفسیر مظہری، ص: ۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں (۳) بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۴)۔ "بیہقی ولائل النبوۃ" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے: "و قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: "و ما افترق الناس فرقتين إلا جعلني اللّٰہ فی

---

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلی زيارة القبور: ۱/۳۱۴، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فهو فی النار الخ: ۱/۱۱۴، قدیمی)

(ورد المحتار، باب نکاح الکافر، مطلب فی الکلام علی أبوي النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وأهل الفترة: ۳/۱۸۴، ۱۸۵، سعید)

(۳) "و ما ذکر البغوي أنه قال عطاء عن ابن عباس: أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ذات يوم: (ليت شعری ما فعل أبواي) فنزلت هذه الآية . و قال عبد الرزاق: أخبرني الثوري عن موسی بن عبيدة، عن محمد بن كعب القرظي عنه . وأخرج ابن جرير من طريق ابن جريج: أخبرني داؤد بن عاصم عنه، فذكرا نحوه، فليس بمرضيّ عنده و ليس بقوي". (التفسیر المظهری، (البقرة: ۱۱۹): ۱/۱۲۰، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(۴) " وأورد السهيلي فی الروض الأنف بسند قال: "إن فيه مجهولين عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما له، فآمنا به، ثم أماتهما . و قال السهيلي بعد إيراده : اللہ قادر علی كل شيء، و ليس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبيه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته". (الحاوی للفتاوی، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی: ۲/۲۷۸، دار الفكر بيروت)

www.besturdubooks.net

خیرهما، فأخرجت من بین أبوین فلم یصبني شيء من عهد الجاهلیة، و خرجت من نکاح و لم أخرج من سفاح من لون آدم علیه الصلاة والسلام حتی انتهیت إلی أبي و أمي، فأنا خیرکم نفساً و خیرکم أباً"(۱)۔ تفسیر مظہری:۱/۶۷۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ......، ملا علی القاری، قاضی عیاض، قاضی ثناء اللہ وغیرہم نے مستقل تصانیف اس بارے میں کی ہیں اور روایات جمع کی ہیں۔

حق مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نیز اس قسم کے دوسرے مسائل میں کنج وکاؤ کرنا مفید نہیں، بلکہ کسی حد تک مضر ہے لہذا توقف وسکوت بہتر ہے(۲) البتہ عمل سے شب وروز پیش آنے والے مسائل صوم وصلوۃ وغیرہ کی تحقیق مفید بلکہ ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/۵۸ھ۔

ہذا صحیح: عبد اللطیف، بندہ: عبد الرحمٰن عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/۵۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کی نجات

سوال[۱۹۵]: کتاب ''شریعت کہ جہالت'' میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

(۱) (دلائل النبوة، باب ذکر شرف أصل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و نسبه: ۱/۱۷۴، دار الکتب العلمیة)

(۲) "قال السهیلي في الروض الأنف بعد إیراده حدیث مسلم: و لیس لنا نحن أن نقول ذلک في أبویه صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم لقوله: "(لا تؤذوا الأحیاء بسب الأموات)" وقال تعالیٰ: ﴿إن الذین یؤذون الله و رسوله﴾ الآیة. وسئل القاضي أبوبکر بن العربي أحد أئمة المالکیة عن رجل قال: إن أبا النبي صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلک، فهو ملعون لقوله تعالیٰ: ﴿إن الذین یؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنیا والآخرة﴾ قال: و لا أذی أعظم من أن یقال عن أبیه أنه في النار، و من العلماء من ذهب إلی قول خامس، وهو الوقف، قال الشیخ تاج الدین الفاکهاني في کتابه "الفجر المنیر": الله أعلم بحال أبویه". (الحاوي للفتاوی، مسالک الحنفاء في والدي المصطفی: ۲/۲۷۹، دار الفکر)

www.besturdubooks.net

فرمایا کہ دوزخ میں، راوی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جواب سن کر وہ شخص واپس ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس بلا کر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں(۱) کچھ لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باپ کس طرح دوزخ میں ہونگے؟ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ امید ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث معتبر ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں اور بتایا ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نجات پانے کی اطلاع آپ کو کی گئی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ پر ایمان لائے (۲)۔ سیوطیؒ کے خلاف بھی بعض علماء کے رسائل ہیں، احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہمارے اور آپ کے لئے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کریں، آپ خود غور کریں کہ آپ کے والد کے متعلق بحث کی جائے کہ دوزخ میں ہیں یا نجات پاگئے تو آپ کو کس قدر یہ بحث گراں گزرے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن رجلاً قال لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : أین أبي ؟ قال: "في النار". قال فلما قفی، دعاه فقال: "إن أبي و أباک في النار". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن من مات علی الکفر فهو في النار : ۱/۱۱۴، قدیمی)

(۲) " المسلک الثالث: أن الله أحیا له أبویه حتی آمنا به، و هذا المسلک مال إلیه طائفة کثیرة من حفاظ المحدثین وغیرهم .... وأورد السهیلي في الروض الأنف بسند قال:"إن فیه مجهولین عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم سأل ربه أن یحیي أبویه، فأحیاهما له، فآمنا به ثم أماتهما . وقال السهیلي بعد إیراده : الله قادر علی کل شيء، ولیس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبیه صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم أهل أن یختص بما شاء من فضله و ینعم علیه بما شاء من کرامته" . (الحاوي للفتاویٰ، مسالک الحنفاء في والدي المصطفی: ۲/۲۷۷، ۲۷۸، دار الفکر بیروت)

www.besturdubooks.net

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا بعد وفات زندہ ہونا اور کلمہ پڑھنا

سوال[۱۹۶]: ایک شخص کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبرستان جاکر اپنے والدین کو زندہ کیا اور ان کو مسلمان کیا، یہ کونسی حدیث کا مضمون ہے؟ اگر یہ بات غلط ہے تو کہنے والا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان رکھتا ہے یا نہیں؟ اور پھر آپ کا ہی کلمہ پڑھتا ہے یہ کیسا مسلمان ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا اللہ کے حکم سے زندہ ہونا اور کلمہ پڑھ کر انتقال کر جانا صحاح میں تو موجود نہیں، البتہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بھی روایت نقل کی ہے(۱) اس لئے اس پر تشدد نہ کیا جائے بلکہ خاموشی اختیار کی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "وأورد السهيلي في الروض الأنف بسند قال: "إن فيه مجهولين عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها" أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم سأل ربه أن يحيي أبويه، فأحياهما له، فآمنا به ثم أماتهما. و قال السهيلي بعد إيراده: الله قادر على كل شيء، و ليس تعجز رحمته و قدرته عن شيء، و نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أهل أن يختص بما شاء من فضله و ينعم عليه بما شاء من كرامته". (الحاوی للفتاوی، مسالک الحنفاء في والدي المصطفى: ۲/۲۷۸، دار الفكر بيروت)

(۲) "قال السهيلي في الروض بعد إيراده حديث مسلم: "وليس لنا نحن أن نقول ذلك في أبويه صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم لقوله: "لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات" وقال تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله﴾. الآية. وسئل القاضي أبوبكر بن العربي أحد أئمة المالكية عن رجل قال: إن أبا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم في النار، فأجاب بأن من قال ذلك فهو ملعون، لقوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يؤذون الله و رسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة﴾، قال: و لا أذى أعظم من أن يقال عن أبيه أنه في النار، و من العلماء من ذهب إلى قول خامس، وهو الوقف، قال الشيخ تاج الدين الفاكهاني في كتابه "الفجر المنير": الله أعلم بحال أبويه". (الحاوی للفتاوی، مسالک الحنفاء في والدي المصطفى: ۲/۲۷۹، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین محترمین کا ایمان

سوال[۱۹۷]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی روح پاک کو ایصال ثواب، صدقہ وختم قرآن کا ثواب پہونچانا چاہئے یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین نے کس دین پر انتقال فرمایا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین قبر میں دوبارہ زندہ ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے، جیسا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے ''راحۃ القلوب'' میں لکھا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۶/ رسائل مستقل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق تحریر کئے ہیں جن میں ایمان کو ثابت کیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے، اس مسئلہ پر گفتگو مناسب نہیں، خلاف ادب ہے(۱) جن اکابر نے گفتگو کی ہے وہ روایات و حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں کی ہے، اب کیا ضرورت باقی رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

سوال[۱۹۸]: ایک عالم یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت

---

(۱) "و روى بأسانيد ضعيفة أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم دعا ربه فأحياه و آمنة أمّ رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم، فآمنا به. و اختار الإمام الرازي أنهما ماتا على ملة إبراهيم عليه الصلاة والسلام، والجمع أن الإحياء كرامة لهما ليضاعف ثوابهما، و قد ألف الحافظ المحقق جلال الدين السيوطي رسائل ستاً في إثبات إيمانهما و إيمان جميع اباء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إلى آدم، و تبعه محققوا المتأخرين، وعارضه علي بن سلطان القاري برسالته في إثبات كفرهما، فرأى استاذه ابن حجر مكي في منامه أن القاري سقط من سقف فانكسرت رجلاه، فقيل: هذا جزاء إهانة والدي رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم. فوقع كما رأى، و من أراد كشف مشكلات هذه المسئلة فلينظر في رسائل السيوطي". (النبراس، ص: ۲۱۶، امداديه ملتان)

www.besturdubooks.net

اٹھا کر لغزشیں ہوجانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں، کیا یہ فرمانا اصولاً صحیح ہے؟ اب تک انبیاء کے متعلق علماء سے یہی سنا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، کیا اس طرح ان کی عصمت پر دھبہ نہیں آتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

انبیاء علیہم السلام کو بشر ہی سمجھا جائے (۱) خدا نہ سمجھا جائے، اس مقصد کیلئے ان سے لغزشوں کا صادر کرانا اور اپنی حفاظت کا اٹھالینا یہ ایک ایسی بات ہے کہ ان عالم صاحب سے پہلے شاید کسی نے نہ کہی ہو، نہ لکھی ہو، نہ کسی کے خیال میں آئی ہو، نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ وجہ بیان کی گئی۔

خدا اور بشر میں فرق کرنے کیلئے عوارض بشریت اتنے ہیں کہ ان کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس کیلئے لغزشوں کا صدور ضروری ہے، کھانا پینا (۲)، اونٹ پر سوار ہونا (۳)، بکری کا دودھ دوہنا، عمامہ باندھنا، سر پر تیل لگانا، عمرہ سے حلال ہوتے وقت سر منڈانا، تلوار لے کر میدان جہاد میں جانا، پتھر لگنے سے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إليّ أنما إلهكم إله واحد﴾ (الآية: ۱۱۰، الكهف)

"عن رافع بن خديج رضي الله تعالى عنه قال: قدم نبي الله صلى الله عليه وسلم وهم يأبرون النخل، فقال: "ما تصنعون؟" قالوا: كنا نصنعه قال: "لعلكم لو لم تفعلوا كان خيراً"، فتركوه فنقصت قال: فذكروا ذلك له فقال: "إنما أنا بشر، إذا أمرتكم بشيء من رأيي فإنما أنا بشر". رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

(۲) "فأما المطعم والمشرب، فلم يكن من عادته صلى الله عليه وسلم حبس النفس على نوع واحد من الأغذية لا يتعداه إلى ما سواه، فإن ذالك يضر بالطبيعة جداً، بل كان يأكل ما جرت عادة أهل بلده بأكله من اللحم والفاكهة والخبز والتمر وغيرها مما ذكرناه في هديه في المأكول. فعليك بمراجعة هناك". (زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في المأكول والمشرب، ص: ۱۲۸، دار الفكر بيروت)

(۳) "ومن الإبل القصواء قيل: وهي التي هاجر عليها، والعضباء، والجدعاء، ولم يكن بهما عضب ولا جدع، وإنما سميتا بذلك". (زاد المعاد، فصل في دوابه صلى الله عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر، بيروت)

www.besturdubooks.net

مجروح ہونا، دندان مبارک شہید ہونا، بخار آنا، غسل فرمانا، نکاح کرنا، وفات پانا وغیرہ وغیرہ، یہ سب بہت کافی وافی ہیں فرق کیلئے، اس فرق کے واسطے لغزش کو تجویز کرنا بے نظیر لغزش ہے جس کی ذمہ داری خود لکھنے والے پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۵ھ۔

معصوم کون لوگ ہیں؟

سوال[۱۹۹]: ۱...... معصوم کی تعریف میں کون کون آتے ہیں، ان سے بُرے فعل کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

۲...... بے گناہ کس کس کو سمجھا جائے، ان سے برے کام کا ہونا ممکن ہے یا غیر ممکن؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور معصوم بچے سب معصوم میں داخل ہیں، ان سے بُرے فعل کا صدور جو موجب عذاب ہو ممتنع بالغیر ہے(۱)۔

۲...... بے گناہ معصوم کو سمجھا جائے اس کی تشریح نمبر:۱ میں آ گئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح يعني قبل النبوة و بعدها".
(شرح الفقه الأكبر للإمام السمرقندي، ص: ۱۳۲، ۱۳۳، قطر)

"والأنبياء عليهم السلام كلهم منزهون: أي معصومون عن الصغائر والكبائر". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۵۶، قديمي)

"(وملائكته) بأنهم عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول و هم بأمره يعملون، وأنهم معصومون و لا يعصون الله". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲، قديمي)

"عن الحسن البصري عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يشبّ، وعن المعتوه حتى يعقل".
(جامع الترمذي: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)
(والصحيح للبخاري: ۲/۷۹۴، باب الطلاق في الاغلاق والكره، قديمي)

(۲) (راجع الحاشية السابقة: ۱)

www.besturdubooks.net

کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟

سوال[۲۰۰]: معصوم کا لفظ سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کے اور کسی کے لئے بولنا و کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا معصوم کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے؟ عام طور پر لوگ چھوٹے بچوں کو معصوم کہتے ہیں، کتنی عمر تک کے بچے معصوم کہلانے کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بچوں کو بھی معصوم کہنا درست ہے، جب تک وہ بالغ نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی؟

سوال[۲۰۱]: انبیاء کرام علیہم علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے یا بالعرض؟ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائی ہے یا بغیر واسطے کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث "إنما أنا قاسم والله يعطي" (۲) نیز دیگر نصوص سے بعض عرفاء نے استدلال کرتے ہوئے

---

(۱) جب تک وہ بالغ نہ ہو تو اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

"عن علي رضي الله تعالى عنه، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: " رفع القلم عن ثلاثة: عن الصغير حتى يبلغ، و عن النائم حتى يستيقظ، و عن المصاب حتى يكشف عنه".

(مسند الإمام احمد بن حنبل: ۱/۱۸۷، رقم الحديث: ۹۴۳، بيروت)

"عن الحسن البصري عن علي رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، و عن الصبي حتى يشب، و عن المعتوه حتى يعقل".

(جامع الترمذي: ۱/۲۶۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، سعيد)

(والصحيح للبخاري: ۲/۷۹۴، باب الطلاق في الاغلاق والكره، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري: كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين: ۱/۱۶، قديمي) =

www.besturdubooks.net

اس بات کی تصریح کی ہے کہ جملہ معارف ونعماء الٰہیہ نبوت وغیرہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے ابتداءً عطا فرمائی ہیں، پھر آپ کے ذریعہ حسب ہدایت دوسروں کو تقسیم کی گئی ہیں (۱) اصل مہبط ومخزن ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟

سوال[۲۰۲]: رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مجھ جیسا زمین کے سات طبقوں میں موجود ہے''۔ روایت کیسی ہے، اگر صحیح ہے تو کیا مطلب ہے؟

= (والصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة: ۱/۳۳۳، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب و حكمة، ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به و لتنصرنه، قال أأقررتم و أخذتم على ذلكم إصري، قالوا أقررنا، قال فاشهدوا و أنا معكم من الشاهدين﴾ (آل عمران: ۸۱)

"عن العرباض بن ساريه"عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أنه قال:" إني عند الله مكتوب خاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينة". (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه: ۳/۱۳/۵، الفصل الثاني، قديمي)

''یعنی آپ (جناب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض، اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں، آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے، غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الأنبیاء بھی ہیں''۔ (تحذیر الناس: ص:۴)

''اس عبارت میں مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالذات نبی کہا ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو نبی بالعرض کہا ہے، اس مقام پر بالذات کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ آپ کی نبوت خانہ زاد ہے اور کسی کی محتاج نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں، کسی کی رہین منت نہیں ہیں، بلکہ حضرت مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالات نبوت براہ راست بغیر کسی کے واسطہ کے مرحمت فرمائے ہیں اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کمالات نبوت آپ کے واسطے اور طفیل سے عنایت فرمائے ہیں''۔

''تحذیر الناس'' کی اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں''۔ (عبارات اکابر، ص:۱۲۶، مکتبہ صفدریہ)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے، البتہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر موقوف ہے(۱)، اس پر حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "تحذیر الناس" میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے "مجموعہ فتاوی" کے شروع میں تفصیل سے کلام کیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام

سوال [۲۰۲]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام گذر گئے ان کے دینوں کا نام کیا تھا؟ یعنی جس طرح ہمارے دین کا نام اسلام ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسل گذر گئے ان کے دین کا نام کیا تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے دین کا نام بھی اسلام ہے ﴿هو سماكم المسلمين من قبل﴾ الاية (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

---

(۱) "و أخرج ابن جرير، و ابن أبي حاتم، والحاكم و صححه، والبيهقي في الشعب، وفي الأسماء والصفات عن أبي الضحى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله: (و من الأرض مثلهن) قال: سبع أرضين، في كل أرض نبي كنبيكم، و آدم كآدم، ونوح كنوح، و إبراهيم كإبراهيم، و عيسى كعيسى. قال البيهقي: إسناده صحيح، و لكنه شاذ، لا أعلم لأبي الضحى عليه متابعاً". (الدر المنثور، (الطلاق : ۱۲) : ۲۳۸/۶، مؤسسة الرسالة)

(۲) عبارت طویل ہونے کی بناء پر نقل نہیں کی گئی، البتہ دیکھئے: (مجموعة الفتاوى (اردو)، كتاب العقائد، بموجب حديث: "إن الله خلق سبع أرضين اھ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل اور چھ پیغمبروں کے قائل کا حکم، سعید)

(۳) (الحج: ۷۸) .... =

www.besturdubooks.net

انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ

سوال[۲۰۴]: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مفتی صاحب! نیچے لکھے ہوئے مسئلہ کا جواب باُدلہ تحریر فرمائیں۔

کہ سب آدمی جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس جگہ سے پیدا ہوئے یا کہ ناف مبارک سے؟ ہمارے اس دیار میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے، چند عالم کہتے ہیں کہ جمیع انسان جس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی جگہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ناف مبارک سے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن همام ابن يحيىٰ عن إسحق بن عبد الله أن أم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قالت: لما ولدته، خرج من فرجي نور أضاء له قصور الشام، فولدته نظيفاً ما به قذر". رواه ابن سعد" خميس: ۱/۲۰۳(۱)۔

اس روایت کو نقل کرکے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے: "**این صریح است در آنکه ولادت از طریقِ معتاد بود که سائر زنان راباشد، و حدیث دیگر نیز که درویے آمده: "فأخذني المخاض" که بمعنی دردزه است، نیز ظاهر در آنست**". مدراج النبوۃ: ۲/۱۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولادت اس جگہ سے ہوئی جس جگہ سے سب کی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق نہایۃ الامل ص: ۵۹ میں دو قول اور بھی لکھے ہیں: اول یہ کہ ناف سے کچھ نیچے ایک سوراخ پیدا ہوا جس سے ولادت ہوئی، پھر وہ فوراً بند ہوگیا، دوم یہ کہ بائیں پسلی کے

= وقال الله تعالى: ﴿و وصى بها إبراهيم بنيه و يعقوب يٰبني إن الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن إلا و أنتم مسلمون﴾. (البقرة: ۱۳۲) حضرت ابراھیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کے ادیان کا نام چونکہ قرآن و حدیث میں نہیں تھا، اس لئے حضرت مفتی صاحب نے جواب میں ان کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔

(۱) (تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس، ذکر بعض ما وقع حین الولادة: ۱/۲۰۳، مؤسسة شعبان)

www.besturdubooks.net

نیچے (خاصرہ) سے ولادت ہوئی۔قول اول جمیع انبیاء میں مشترک ہے،قول ثانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے،مگر دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

بطریقِ ولادت معتاد کا تحقق سے انکار کیا ہے،لیکن اس نوع کی بحث کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے خلاف اور اساءتِ ادب ہے،لہذا اس سے سکوت چاہئے۔فقط۔

محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟

سوال[۲۰۵]: دنیا میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں؟ان کا شمار قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

چند انبیاء کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں،بعض روایات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا عدد بتلایا گیا ہے،جیسا کہ ملا علی القاری وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے،بغیر گنتی کی تعیین کے جس کو بھی اللہ پاک نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند،۱۴/۷/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "و قد ورد في مسند أحمد رحمه الله تعالیٰ (أنه علیه السلام سئل عن عدد الأنبیاء علیه الصلاة والسلام، فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً، والرسل منهم ثلاث مائة و ثلاثة عشر، أولهم آدم علیه الصلاة والسلام، و آخرهم محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم)" و هو لا ینافي قوله تعالیٰ : ﴿و لقد أرسلنا رسلاً من قبلک منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک﴾ فإن ثبوت الإجمال لا ینافي تفصیل الأحوال، نعم الأولی أن لا یقتصر علی الأعداد، فإن الآحاد لا تفید الاعتماد في الإعتقاد، بل یجب کما قال الله تعالیٰ :﴿کل آمن بالله و ملائکته و کتبه و رسله﴾ أن یؤمن إیماناً إجمالیاً من غیر تعرض لتعدد الصفات وعدد الملائکة والکتب والأنبیاء وأرباب الرسالة من الأصفیاء". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۵۷،قدیمی) =

www.besturdubooks.net

تعداد انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام

سوال[۲۰۲]: کل کتنے انبیاء اس دنیا میں آئے؟ صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی، اگر صحیح تعداد کی تصدیق کسی کتاب سے ثابت ہے تو اس کتاب کا نام وحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی آیت قرآنیہ میں تعداد مذکور نہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوالاکھ کے قریب آئے، قطعیت کے ساتھ عدد کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ شرح فقہ اکبر (۱) شرح مقاصد (۲) شرح عقائد (۳)

= "وقد روى بيان عددهم في بعض الأحاديث على ما روي أن النبي عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الأنبياء فقال" مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و في رواية: "مائتاألف وأربع و عشرون ألفاً". والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية، فقد قال الله تعالى: ﴿منهم من قصصنا عليک و منهم من لم نقصص عليک﴾ و لا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر عدد أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم: يعني أن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في أصول الفقه لا يفيد إلا الظن، و لا عبرة بالظن في باب الاعتقاديات خصوصاً إذا اشتمل على اختلاف رواية، و كان القول بموجبه بما يفضي إلى مخالفة ظاهر الكتاب، وهو أن بعض الأنبياء لم يذكر للنبي عليه الصلاة والسلام، و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الأنبياء بناءً على أن إسم العدد اسم خاص في مدلوله لا يحتمل الزيادة والنقصان". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱ المطبع اليوسفي)

(وكذا في النبراس: ۲۸۱، امداديه ملتان)

(۱) "و قد ورد: أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم السلام فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً) و في رواية: "مائتا ألف و أربعة و عشرون ألفاً". إلا أن الأولى أن لا يقتصر على عدد فيهم". (شرح الفقه الاكبر للملا علي القاري: ص: ۵۶، ۵۷، قديمي)

(۲) "يعني قد ذكر في بعض الأحاديث بيان عدد الأنبياء والرسل على ما روى عن أبي ذر الغفاري رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قلت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كم الأنبياء؟ فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً". فقلت: كم الرسل؟ فقال: "ثلاثمائة وثلاثة عشر جماً غفيراً"، لكن ذكر بعض =

www.besturdubooks.net

مرقاۃ شرح مشکوۃ وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۲/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/ ۸۹ھ۔

تعددِ آدم علیہ السلام

سوال[۲۰۷]: میں نے بچشم خود کسی تواریخ میں دیکھا ہے اب وہ تاریخ یاد نہیں، بہت غور وخوض کرتا ہوں مگر حافظہ کام نہیں کرتا، اس میں یہ حدیث لکھی تھی: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن اللہ تعالیٰ خلق مائتی ألف ادم"۔ راوی سابق اور کتاب کا حوالہ یاد نہیں، یہاں تک لکھا تھا کہ آدم کی اولاد ۴۵/ اور ۵۰/ ہزار سال اس زمین پر حکمراں رہی، اس کے بعد بوجہ معصیت نیست ونابود ہوتی رہی، کیا یہ حدیث صحیح ہے یا میں بھولتا ہوں؟

= العلماء أن الأولى أن لا يقتصر عددهم؛ لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط لا يفيد إلا الظن، ولا يعتبر إلا في العمليات دون الاعتقادات، و ههنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالى: ﴿منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص﴾. (غافر: ۷۸) (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة: ۳/۲۱۷، دار الكتب العلميه)

(۳) "(و قد روي بيان عددهم في بعض الأحاديث) على ما روي أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل عن عدد الأنبياء فقال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفاً" و في رواية: "مائتا ألف وأربع وعشرون ألفاً" والأولى أن لا يقتصر على عدد في التسمية، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۳۹، قديمي)

(۱) "قال: أبو ذر رضي الله تعالى عنه قلت: يا رسول الله! كم وفاء عدة الأنبياء؟: أي كم كمال عددهم قال: "مائة ألف و أربعة و عشرون ألفا، والرسل من ذلك ثلاث مائة و خمسة عشر جماً غفيراً". العدد في هذا الحديث وإن كان مجزوماً به، لكنه ليس بمقطوع، فيجب الإيمان بالأنبياء والرسل مجملاً من غير حصر في عدد، لئلا يخرج أحد منهم و لا يدخل أحد من غيرهم فيهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن، الفصل الثالث: ۹/ ۲۳۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، آداب الصلاة، مطلب في عدد الأنبياء والرسل عليهم السلام: ۱/۵۲۷، سعيد)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث کتب صحاح میں موجود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟

سوال[۲۰۸]: میری نظر سے ایک رسالہ میں مندرجہ ذیل سوال گزرا، اس میں جواب بھی ہے، مگر جواب سوال سے موافقت نہیں کر رہا ہے، سوال کا جواب عام مسلمانوں کے لئے سمجھنا نہایت ضروری ہے، لہذا میں جناب سے مخلصانہ گذارش کروں گا کہ سوال مندرجہ ذیل کا مکمل جواب بالکل سادہ اور سلیس زبان میں مدلل واضح اور صاف طور پر تحریر فرمائیں تا کہ عام مسلمان بخوبی سمجھ سکیں۔

سوال یہ ہے کہ اس بات کو دنیا بخوبی جانتی ہے کہ سب کے باپ یعنی ساری دنیا کے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے والد ماجد یعنی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ہمارے باپ سید ہیں تو اولاد بھی سید ہونا چاہئے، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ باپ سید ہوں تو اولاد کوئی سید ہے، کوئی موچی ہے، کوئی قریشی ہے، کوئی راجپوت ہے، کوئی خان صاحب ہے وغیرہ۔ یہ کیوں، کوئی کچھ کوئی کچھ؟ اگر ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں تو ساری کی ساری اولاد بھی سید ہونی چاہئے مگر ایسا نہیں ہے یہ کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ ''سید'' کے دو معنیٰ ہیں: ایک معنیٰ ہیں آقا، سردار، واجب الاطاعت، اس اعتبار سے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''سیدنا'' کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد میں سے جو بھی پیغمبر اور واجب الاطاعت ہوئے سب کو ہی سیدنا کہتے ہیں جیسے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اور جو واجب الاطاعت نہیں ہوئے ان کو سیدنا نہیں کہا جاتا ہے۔ جن صفات و کمالات کی وجہ سے باپ واجب الاطاعت ہے اور سیدنا کہلانے کا مستحق ہے اس کی جس اولاد میں وہ صفات و کمالات ہوں وہ اولاد بھی واجب الاطاعت ہوگی اور سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی، اور جس اولاد میں وہ صفات و کمالات نہ ہوں وہ نہ تو واجب الاطاعت ہوگی اور نہ سیدنا کہلانے کی مستحق ہوگی (۱) (ہوسکتا ہے کہ جرائم کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہو جائے)۔ بادشاہ کی تمام اولاد بادشاہ

(۱) "(السید): المالک، والملک، والمولی، ذو العبید والخدم، والمتولی للجماعة الکثیرة و کل من =

www.besturdubooks.net

نہیں ہوا کرتی۔

دوسرے معنی سید کے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئی، وہ اوران کی اولاد باعتبار نسب کے سید ہیں، وہ جو بھی پیشہ اختیار کرلیں گے اس کی وجہ سے ان کا نسب نہیں بدلے گا سید ہی رہیں گے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تخلیق بنی آدم پر اشکالات

سوال[۲۰۹]: کٹنگ اخبار مسلک ہے، مجھے اتنی قرآن پاک کی معلومات نہیں، اس لئے آپ کی

= افترضت طاعته". (المعجم الوسيط: ١/ ٤٦١،الطبعة الثانية خسرو مهران، ايران)

(١) "السيد: ذوالسيادة، قد يخفف فيقال: سيد، والعامة تكسر العين فيه، وعند النصارى لقب المسيح، وعند المسلمين: من كان من السلالة النبوية السيدان : الحسن والحسين ابنا علي". (المنجد ، ص: ٣٦٤،المطبعة الكاثوليكية)

(وكذا في المنجد من العربية إلى الاردية :ص: ٥٠٠،دار الاشاعت)

"السيد: لقب تشريف يخاطب به الأشراف من نسل الرسول". (المعجم الوسيط : ١/ ٤٦١،الطبعة الثانية،خسرو مهران، ايران)

"فإن العلماء ذكروا أن من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ينسب إليه أولاد بناته، فالخصوصية للطبقة العليا،فأولاد فاطمة الأربعة: الحسن والحسين و أم كلثوم و زينب ينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و أولاد الحسين ينسبون إليهما، فينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأولاد زينب و أم كلثوم ينسبون إلى أبيهم لا إلى أمهم، فلا ينسبون إلى فاطمة و لا إلى أبيها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ لأنهم أولاد بنت بنته لا أولاد بنته، فيجرى فيهم الأمر على قاعدة الشرع الشريف في أن الولد يتبع أباه في النسب لا أمه،وإنما خرج أولاد فاطمة و حدها للخصوصية التي ورد بها. الحديث. ....والمراد بالحديث ما أخرجه أبو نعيم وغيره: "كل ولد آدم فإن عصبتهم لأبيهم ما خلا ولد فاطمة، فإني انا أبوهم و عصبتهم". (رد المحتار، كتاب الفرائض، باب الوصية للأقارب وغيرهم: ٦/ ٦٨٥،سعيد)

www.besturdubooks.net

عنایت کی ضرورت ہے، پورے اسلام کے علماء کو چیلنج کیا ہے صرف ایک انسان نے اور ہر عالم اور مفتی اور مولانا مولوی جو بھی ہوں سب کو اس پرچہ کا جواب دینا بہت ضروری ہے۔

مذہب کو اگر موجودہ زمانہ کی روشنی میں پیش نہیں کیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ ایک صاحب نے کہا کہ ''مذہب کی بنیاد ہی خوف پر ہے، ساری چیزیں اس خوف کے گرد گھومتی رہتی ہیں، اللہ بھی اپنی توحید کا اقرار خوف ہی کے ذریعہ کراتا ہے یعنی اگر تم مجھے نہیں مانو گے تو دوزخ میں ڈال دوں گا، اللہ نے قیامت کا دن رکھا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس دن سب اعمال تولے جائیں گے لیکن اس دن کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ نہایت خوفناک ہے، اللہ کہتا ہے کہ میں تمہاری عبادتوں کا محتاج نہیں ہوں، اگر وہ انسانوں سے بے نیاز ہے تو پھر انسانوں کو بنایا کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کو چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں گمراہ کرتا ہوں، اگر اللہ کو ان کی ضرورت نہیں تو پھر لاکھوں رسولوں کو بھیجا کیوں؟ انھیں بار بار کیوں ڈرایا؟ فرشتوں کی طرح ان کو غلام بنالیتا تو اس قسم کے ڈروں کی کیا ضرورت تھی؟

سزا کے لیے دوزخ کیوں بنائی؟ اللہ میاں کہتے ہیں کہ میں بڑا رحیم و کریم ہوں پھر لاکھوں انسانوں کو دوزخ میں ڈالنا کیا رحیمی اور کریمی ہے'' (نعوذ باللہ) اور اس قسم کے سینکڑوں اعتراضات ہیں مثلاً انسان کو پیدا کیوں کیا؟ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان پیدا ہوگا، اللہ اس کو جنت میں رکھے گا، وہاں شیطان بہکائے گا، پھر اللہ سزا کے طور پر آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام کو زمین پر پھینک دیگا، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہوگی، یہ قتل وخونریزی کرے گی، کیا یہ انصاف ہے کہ شیطان کے دام میں پھنسا دے اور قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دے! غرض ایسے ہی سوالات کئے گئے ہیں میں سنتا رہا اور آپ کو سنا رہا ہوں، کیا ان سوالات کا مولوی صاحب کے پاس جواب ہے جس کو نوجوان قبول کر سکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سوالات آج ان نوجوانوں کے دماغ میں نئے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ بہت پرانے ہیں اور ان پر صدیاں گزر چکی ہیں، تفسیر کبیر، بیضاوی (۱) وغیرہ میں موجود ہیں۔ علماء اسلام نے اردو میں بھی ان کو تفصیل سے

---

(۱) ''ويدل على ذلك وجوه: أحدها: أن قولهم (أتجعل فيها)، هذا اعتراض على الله تعالىٰ، وذلك من أعظم الذنوب، وثانيها: أنهم طعنوا في بني آدم بالفساد والقتل، وذلك غيبة، والغيبة من كبائر الذنوب =

www.besturdubooks.net

لکھ کر جوابات دیئے ہیں، تفسیر حقانی (۱)، تفسیر بیان القرآن وغیرہ میں مذکور ہیں (۲)۔ ''اکسیر فی اثبات التقدیر، شفاء المرتاب، اشرف الجواب، اسلام اور سائنس'' وغیرہ مستقل کتابیں بھی اس قسم کے شبہات واعتراضات کے لئے عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہیں، اگر یہ نوجوان طبقہ نہ ان کتابوں کو دیکھے، نہ علماء محققین کے پاس جا کر جوابات حاصل کرے، نہ علومِ اسلامیہ کو پڑھے، نہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نہ اہلِ تحقیق کے وعظ سنے، نہ ان کے جلسوں میں جائے، بلکہ ان اعتراضات کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنالے اور ان سے تفریح لیتا رہے، تو پھر وہ خود ہی ذمہ دار ہے، آپ نے چونکہ پہلے کبھی یہ سوالات نہیں سنے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ گہرا تعلق عطا فرمایا ہے، اس لئے آپ کو یہ سوالات اجنبی معلوم ہوئے اور قلب میں کلفت محسوس ہوئی۔ اللہ پاک آپ کے تعلق اسلام اور جذبہء خیر میں ترقی و پختگی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

= الخ..... وثانیها لو كان الفساد والقتل فعلاً لله تعالىٰ لكان يجب أن يكون الجواب أن يقول: إني مالك أفعل ماأشاء الخ". (التفسير الكبير، (البقرة: ۳۰): ۲/۱۶۶-۱۶۷، دارالكتب العلمية طهران)

"(قالوا أتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء) تعجب في أن يستخلف لعمارة الأرض وإصلاحها من يفسد فيها ...... والمعنى أتستخلف عصاة ونحن معصومون أحقاء بذلك، والمقصود منه الاستفسار عما رجحهم مع ماهو متوقع منهم على الملائكة المعصومين في الاستخلاف لا العجب والتفاخر". (التفسير للبيضاوي، (البقرة: ۳۰): ۶۳، ۶۴، سعيد)

(۱) ''مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوت شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بڑی قوتیں اور ایک قوت عقلیہ عمدہ ہو، اسکا تو پیدا کرنا بھی مقتضی حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنادیا جائے پس اس لئے (نہ اعتراض ومباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز وانکسار سے یہ سوال کیا کہ یاالٰہی! جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس کو خلیفہ بنانا اس میں کیا حکمت ہے''؟ (تفسیر حقانی (البقرة: ۳۰): ۱/۱۵۴، میر محمد)

(۲) ''خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنیوالوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتلایا جوان مقدس خدمت گزاروں پر شبہات پیدا ہوں''۔ (تفسیر بیان القرآن، (البقرة: ۳۰): ۱/۱۷، ۱۸، تاج پبلشرز دھلی)

www.besturdubooks.net

شیطان نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کوکس طرح بہکایا؟

سوال[۲۱۰]: حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بہکانے کے لئے شیطان جنت میں کیسے داخل ہوا، جبکہ شیطان کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں ایک قول یہ ہے کہ شیطان کے لئے جنت سے نکل جانے کا فیصلہ تو ہو چکا تھا، مگر اس کا نفاذ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کو موقع مل گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے وسوسہ ڈالا، اس کے لئے وہاں موجود ہونا ضروری نہیں تھا، دور سے بھی وسوسہ ڈال سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ایک عقیدہ

سوال[۲۱۱]: ایک شخص حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ ایک دن عبادت کے لئے انہوں نے اس طرح خاص کر لیا تھا کہ اس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہو جاتے تھے، ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی اور ترک علائق کو تو پسندیدہ کہا جا سکتا ہے لیکن ایک خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امیر کے لئے گوشہ نشینی اور وہ پورے ایک دن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہی جا سکتی تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے، اگر وہ زندہ ہے تو خود اس سے دریافت کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے تو اس نے جس کتاب میں اپنا یہ عقیدہ لکھا ہے، وہ کتاب یہاں بھیج دی جائے یا اس کتاب کا نام مطبع صفحہ لکھ دیں تا کہ اس کو دیکھ کر جواب لکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "وأنه كيف توصل إلى إزلالهما بعدما قيل له: (أخرج منها، فإنك رجيم) فقيل: إنه منع من الدخول =

www.besturdubooks.net

کیا حضرت عیسی علیہ السلام وفات پا گئے ہیں؟

سوال[۲۱۲]: ا......کیا قرآن کریم سے حضرت عیسی علیہ السلام کا چوتھے آسمان پر مجسم اٹھایا جانا ثابت ہے اور پھر زمین پر اترنا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر وہ آیت نقل فرمادیں۔

۲......ہمارے یہاں مسلمانوں میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام وفات شدہ ہیں یا حیات، از روئے قرآن درست کیا ہے؟

۳......زید کہتا ہے کہ توفی باب تفعل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور حضرت عیسی ذی روح ہیں اور مفعول ہیں، ایسی صورت میں توفی کے معنی سوائے قبض روح کے اور کچھ نہیں ہوتے، اس کے خلاف قرآن سے کوئی مثال دیجئے۔

۴......زید کہتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور محاورہ عرب کی رو سے لفظ ''رفع'' جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی انسان کی نسبت بولا جائے گا، تو اس کے معنی ہمیشہ بلندی درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔

گذارش ہے کہ کلام عرب سے کوئی ایسی مثال دیں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی ذی روح اس کا مفعول ہو اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اٹھالینے کے ہیں۔

المستفتی:......ضلع سنگھ محلہ بڑا کنواں قصبہ بگھیرہ، ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جواب سے پہلے اولاً بطور تمہید ایک بات ذہن نشین کرلیں، اس کے بعد جواب سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

اصالۃً ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک ہے: ﴿هدیً للناس﴾(۱) لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول دینی امور کو بطور ضابطہ کلیہ مختصراً بیان کیا گیا ہے، تفصیلات و تشریحات کا بیان کرنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہے: ﴿لتبین للناس ما نزل إلیهم﴾(۲)۔

= علی جهة التکرمة کما کان یدخل الملائکة، ولم یمنع أن یدخل للوسوسة ابتلاءً لآدم و حواء، وقیل: قام عند الباب فناداهما.". (تفسیر البیضاوی، (البقرة: ۳٦)، ص: ٦۹، سعید)

(۱) (البقرة: ۱۸۵)

(۲) ﴿وأنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیهم﴾. (سورة النحل: ۴۴)

www.besturdubooks.net

مثال:۱ قرآن پاک میں ہے ﴿أقیموا الصلوة﴾ (۱) نماز قائم کرو، اس کی پوری تفصیل کہ کس نماز میں کتنی رکعات ہیں یا کس رکعت کے بعد قعدہ ہے یا کس رکعت میں صرف ''الحمد'' پڑھی جاتی ہے، کس میں آہستہ سے قرأت کی جاتی ہے اور کس میں آواز سے اور کس میں سورۃ ملائی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ، حتی کہ کس نماز کے وقت کی ابتدا کب سے ہے، انتہا کہاں پر ہے، اس سب کا براہ راست قرآن کریم سے بغیر حدیث کی مدد کے سمجھنا دشوار ہے، اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

مثال:۲ ﴿وآتوا الزکوة﴾ (۲) اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اس کی تفصیل کہ چاندی کی کتنی مقدار میں زکوٰۃ لازم ہے، سونے کی کتنی مقدار میں، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ کی کس حساب سے زمین کی پیداوار میں کس حساب سے، یہ سب احادیث سے معلوم ہوئی، قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

مثال:۳ ﴿و لله علی الناس حج البیت﴾ (۳) اور لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج کرنا لازم ہے۔ اس کی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے، کتنے چکر ہیں، عرفات، مزدلفہ، منیٰ، رمی جمار وغیرہ کے مسائل کو حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی حاصل کرنا ضروری ہے، حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن شریف کو صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے، امت کو حکم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفصیلات کے تحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کریں، اسی سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہے: ﴿و من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (۴) جس نے رسول

(۱) (سورة البقرة: ۴۳)

(۲) (سورة البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة آل عمران: ۹۷)

(۴) (سورة النسآء: ۸۰)

"قال العلامة علی القاری فی تشریح قوله علیه السلام: "لا ألفین أحدكم متكأ علی أریكته، یأتیه الأمر من أمری مما أمرت به أو نهیت عنه، فیقول: لا أدری ما وجدنا فی كتاب الله اتبعناه": والمعنی لا یجوز الإعراض عن حدیثه علیه السلام؛ لأن المعرض عنه معرض عن القرآن". (مرقاة المفاتیح: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔اس لئے کہ یہ تفصیل وتشریح بھی وحی ہی کے ذریعہ ہے: ﴿وما ینطق عن الهوی إن هو إلا وحی یوحیٰ﴾ (۱)۔

قرآن پاک عربی میں نازل ہوا،صحابہ کرام عربی زبان اور محاورات کو خوب سمجھتے تھے،ان کی مادری زبان تھی مگر یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں قرآن سے آئے اس طرح نماز پڑھا کرو بلکہ ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی أصلي" (بخاری شریف:۲۷۱۰)(۲) یعنی جس طرح تم مجھ کو (حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو) نماز پڑھتا دیکھو اسی طرح نماز پڑھو۔

الحاصل یہ سمجھنا غلط ہے کہ ہر چیز کی پوری تفصیل وتشریح قرآن پاک میں ہے،حدیث کی ضرورت نہیں،اور یہ مطالبہ قابل تسلیم نہیں کہ ہر چیز کو صرف قرآن سے ثابت کیا جائے اور حدیث کی طرف التفات نہ کیا جائے اور یہ بات کہ جو چیز پوری تفصیل کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور نہ ہو اور احادیث سے ثابت ہو،وہ قابل تسلیم نہیں،صحیح نہیں بالکل غلط ہے،ورنہ صلوۃ،زکوۃ،حج اور اس طرح بے شمار دینی امور کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ اس بنیادی تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا جواب عرض ہے۔

۱.....قرآن کریم میں رفع عیسیٰ کا مختصراً تذکرہ ہے(۳) جیسے کہ ﴿آتوا الزکوۃ﴾ میں زکوۃ کا تذکرہ ہے،باقی تفصیلات احادیث کے سپرد ہیں،اسی طرح پر زمین پر اترنا بڑی تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں،جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۴)۔نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں تصریح کی ہے(۵) نیز حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر

---

(۱) (النجم:۳،۴)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان للمسافر إذا کانوا جماعة: ۱/۸۸، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و ماقتلوه یقیناً بل رفعه الله﴾ (النساء:۱۵۷)

(۴) (فتح الباری: ۶/۴۹۰، کتاب الأنبیاء، باب نزول عیسی، بیروت)

(۵) "فهذه أحادیث متواترة عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من روایة أبي هریرة و ابن مسعود وعثمان بن أبي العاص و أبي أمامة والنواس بن سمعان و عبد الله بن عمرو بن العاص و مجمّع بن حارثة وأبي شریحة و حذیفة بن أسید رضي الله تعالیٰ عنهم، و فیها دلالة علی صفة نزوله و مکانه انه بالشام بل بدمشق عند المنارة الشرقیة. ... الخ". (تفسیر ابن کثیر، (النساء): ۱/۵۰۰، دار القلم)

www.besturdubooks.net

میں لکھا ہے:"أما رفع عیسی فاتفق أصحاب الأخبار والتفسیر علی أنه رفع ببدنه " (۱)۔حافظ ابن کثیر نے دس صفحات میں وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ مع جسم عنصری کے آسمان پر موجود ہونا،قرب قیامت میں ان کا اترنا مذکور ہے(۲)۔

دونوں چیزیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مع جسم عنصری کے زندہ اٹھایا جانا اور قرب قیامت کے زمین پر اترنا، اجماعی، اتفاقی، قطعی ہیں، ان میں اختلاف نہیں۔گذشتہ صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت کی ہے اور تیرہ سو سال کے اجماعی عقیدہ کو غلط کہا ہے جس کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف کر کے دلائل جمع کر دیئے گئے۔

۲......ان کا اٹھایا جانا قرآن پاک میں ہے(۳) تشریح احادیث میں ہے(۴) جیسا کہ جواب نمبر:۱ میں گزرا،اس کے خلاف کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

۳......زید کا لفظ"توفی" کے متعلق یہ دعویٰ کہاں سے ماخوذ ہے؟اس کے بالمقابل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں لفظ توفی باب تفعل سے آئے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور معین شخص (عیسیٰ) مفعول ہیں تو اس کے معنی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لینے کے ہوں گے،اس کے خلاف کوئی ثابت ہی نہیں کر سکتا تو کیا زید کے پاس اس کے خلاف کا ثبوت ہے۔

علاوہ ازیں جب کہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ خاص طریقہ سے آسمان پر اٹھا لینے کا واقعہ بطور معجزہ وخرق

---

(۱) (التلخیص الحبیر، کتاب الطلاق، رقم: ۱۶۰۷، ۳/۱۲۵۶، مکتبہ نزار مصطفی الباز)

(۲) دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر (النساء): ۱/۴۹۶،دار القلم)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إذ قال الله یاعیسی إني متوفیک و رافعک إليّ﴾ (آل عمران: ۵۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و ماقتلوه یقیناً بل رفعه الله﴾ (النساء:۱۵۷)

(۴) "ان سعید ابن المسیب سمع أباهریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "والذی نفسي بیده لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم مقسطاً، فیکسر الصلیب، و یقتل الخنزیر، ویضع الجزیة". (صحیح البخاری: ۱/۲۹۶،کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، قدیمی)

(وسنن ابن ماجه، ص:۳۰۸،قدیمی)

(ومسند احمد بن حنبل: ۲/۴۰۶، رقم الحدیث: ۹۰۱۷، بیروت)

www.besturdubooks.net

عادت صرف ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ پیش آیا ہے تو پھر اس کی نظیریں تلاش کرنا یا نظیروں کا مطالبہ کرنا بے محل ہے۔ (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو معراج جسمانی ہوئی، اس کی شان جداگانہ ہے)۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿اللہ یتوفی الأنفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها﴾ (۱) آیت پاک میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح مفعول ہے، کیا یہاں بھی "یتوفی" موت کے معنی میں ہے اور نوم کی حالت میں روح قبض ہو جاتی ہے، اور کیا سونے والے پر میت کے احکام: نماز جنازہ، تدفین، عدتِ زوجہ، تقسیم میراث وغیرہ سب جاری ہوں گے؟

یہاں تک لفظ "توفی" کے متعلق زید کے مخصوص نظریہ کا جواب تھا۔

اصل وضع محاوراتِ عرب استعمال کی روشنی میں اس کی حقیقت عرض ہے (و، ف، ی) وفی یفی وفا ثلاثی مجرد، أوفی یوفی إیفاءً باب افعال سے، توفی یتوفی توفیاً تفعل سے، استوفی یستوفی استیفاءً استفعال سے، وفی یوفی توفیةً تفعیل سے، سب طرح یہ لفظ مستعمل ہے، اس کے معنی ہیں پورا کرنا (۲) پورا لینا، پورا وصول کرنا، پورا دینا اسی سے ہے وفاءً (عہد) وفا وعدہ عرب بولتے ہیں۔ جیسے کیل واف (پورا پیمانہ) أوفیت الکیل والوزن، میں نے ناپ تول پورا کردیا۔ یعنی کچھ کمی نہیں کی، قرآن پاک میں ہے: ﴿وأوفوا الکیل إذا کلتم﴾ (۳) یعنی جب تم کسی کے لئے تول کرو تو پورا پورا کیل کرکے دو۔ ﴿أوفوا بعهدی أوف بعهدکم﴾ (۴) تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ ﴿یوفون بالنذر﴾ (۵) نذر پوری کرتے ہیں ﴿ووفیت کل نفس ما کسبت﴾ (۶) ہر ایک نے جو کچھ (دنیا میں) کیا یا عمل کیا اس کو پورا دے دیا جائے گا۔

---

(۱) (سورة الزمر: ۴۲)

(۲) "ان التوفی أخذ الشیء وافیاً، ولما علم أن من الناس من یخطر بباله أن الذی رفعه الله هو روحه لا جسده". (التفسیر الکبیر: ۶۸/۸، تفسیر سورة آل عمران، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) (سورة الإسراء: ۳۵)

(۴) (سورة البقرة: ۴۰)

(۵) (سورة الدهر: ۷)

(۶) (سورة آل عمران: ۲۵)

www.besturdubooks.net

﴿إنما توفون أجورکم﴾ (۱) تم کو بلا شبہ تمہارا اجر پورا کردیا جائے گا۔ ﴿و ما تنفقوا من شيء في سبیل الله یوف إلیکم﴾ (۲) جو کچھ تم خدا کی راہ میں حرچ کرتے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیدیا جائے گا۔ ﴿فوفاه حسابه﴾ (۳) اس کا حساب پورا پورا دیا ﴿إني متوفیک﴾ (۴) میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن قتل کے درپے تھے اور منصوبہ بنارہے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ کو پورا پورا لے لوں گا، ان دشمنوں کو تجھ پر قتل کے لئے قابو نہیں دونگا۔ یہ چیز بطور تسلی کے فرمائی گئی ہے اور تسلی کی صورت یہی ہے کہ دشمن قتل کرنے یا سولی دینے میں ناکام رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا اور دشمن اشتباہ میں رہے، اس کو فرمایا ہے: ﴿و ما قتلوه یقیناً بل رفعه الله إلیه﴾ (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں نے بالیقین قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر "توفی" سے مراد یہاں موت لی جائے تو اس میں تسلی کی کونسی بات ہے، اس وقت تو مطلب یہ ہوجائے گا کہ یہ لوگ آپ کو قتل نہیں کریں گے بلکہ میں آپ کو موت دوں گا، موت سے تسلی کیا ہوسکتی ہے، علاوہ ازیں اگر وہ دشمنی میں قتل کردیتے تو یہ چیز باعث

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۸۵)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۲)

(۳) (سورة النور: ۳۹)

(۴) (سورة آل عمران: ۵۵)

(۵) (سورة النسآء: ۱۵۷)

"معنی قوله ﴿إني متوفیک﴾: أي متمم عمرک، فحینئذ أتوفاک، فلا أترکهم حتی یقتلوک، بل أنا رافعک إلی سمائي، ومقربک بملائکتي، و أصونک عن أن یتمکنوا من قتلک، و هذا تأویل حسن". (التفسیر الکبیر، (آل عمران): ۶۸/۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ان المراد إني مستوفي أجلک و ممیتک حتف أنفک، لا أسلط علیک من یقتلک، فالکلام کنایة عن عصمته من الأعداء و ما هم بصدده من الفتک به علیه السلام؛ لأنه یلزم من استیفاء الله تعالی أجله و موته [illegible] أنفه ذلک". (ر[illegible] المعاني، (آل عمران): ۲۸۶/۳، دار الفکر)

"أی مستوفي أجلک، و معناه أني عاصمک من أن یقتلک الکفار و ممیتک حتف أنفک لا قتلاً بأیدیهم (ورافعک إلي) إلی سمائي و مقر ملائکتي". (تفسیر المدارک، (آل عمران): ۱۷۸/۱، قدیمي)

www.besturdubooks.net

ترقی درجات ہوتی، شہید کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کا ذکر خاص انداز میں فرمایا ہے، درجۂ بلند سے بچا کر عام موت کا وعدہ خاص اہمیت نہیں رکھتا، پھر یہ کہ لفظ ''موت'' یا ''اماتت'' سے کیوں تعبیر نہیں کیا، ''توفی'' میں کیا نکتہ ہے ہاں توفی کے اصل معنی موت کے نہیں، کبھی موت کا مفہوم اس میں پیدا ہوجاتا ہے وہ اس طرح بولتے ہیں (فلان توفی عمره) فلاں شخص نے اپنی عمر پوری کرلی، جب عمر پوری کرلی تو موت آ ہی جائے گی، آیت ﴿إني متوفيك﴾ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تیری عمر پوری کروں گا اور ان کی اسکیم فیل ہوجائے گی (۱)۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جتنی عمر یہاں ہوئی اس کے بعد اٹھالیا گیا پھر زمین پر نزول ہوگا، اس وقت بقیہ عمر پوری ہوگی، جیسا کہ احادیث میں تفصیل مذکور ہے، یہاں تک کہ جب اس وقت انتقال ہوگا تو قبر کی جگہ بھی بتادی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب ایک قبر کی جگہ باقی ہے وہاں دفن ہوں گے (۲)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجموعی حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نزول کے بعد شادی کریں گے۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت طاری ہوچکی ہے وہ آسمان پر زندہ موجود نہیں اور قریب قیامت زمین پر نہیں اتریں گے تو وہ اجماعی عقیدہ کا منکر ہے، قرآن پاک کی آیات کا منکر ہے اور احادیث متواترہ کا منکر ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

سوال [۲۱۳]: حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ایک مسلمان کا عقیدہ کیا یہ ہونا چاہئے کہ

---

(۱) راجع، ص: ۴۲۹، الحاشيه رقم: ۵)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض، فيتزوج، و يولد له، و يمكث خمساً و أربعين سنةً، ثم يموت، فيدفن معي في قبري، فاقوم انا و عيسى ابن مريم في قبر واحد بين أبي بكر و عمر". رواه ابن الجوزي في كتاب الوفاء". (المشكوة، كتاب الفتن، باب نزول عيسى عليه السلام، الفصل الثالث، ص: ۴۸۰)

(۳) اور اس کا انکار کفر ہے (سياتي تخريجه تحت عنوان: ''نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت تواتر سے'')

www.besturdubooks.net

وہ زندہ مع جسم وروح آسمان پر اٹھالئے گئے یا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ ان کی روح اٹھائی گئی؟ یا وہ مع جسم وروح اٹھا لئے گئے؟ ہم یہ نہیں سکتے اس لئے کہ قرآن میں اس کی صراحت نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہود کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہے، سولی پر چڑھادیا گیا ہے، ان کی صرف روح اٹھالی گئی، نصاریٰ کا بھی بڑا فرقہ یہی کہتا ہے، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے: ﴿وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه﴾ الآیہ(۱)۔

روح مع جسم کے اٹھانے کے عقیدہ کو مودودی صاحب نے عقیدۂ باطل (الوہیت مسیح) کا موجب لکھا ہے(۲)، قادیانی نے بھی روح جسمانی کا انکار کیا ہے(۳)۔ علمائے حق نے قادیانی کی تردید میں کتابیں لکھی

---

(۱) (النساء: ۱۵۸)

قال الله تعالى: ﴿وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله، وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم﴾. (النساء: ۱۵۷)

" فقال بعضهم: لما أحاطت اليهود به وبأصحابه، أحاطوا بهم، وهم لا يثبتون معرفة عيسى بعينه، وذالك أنهم جميعاً حُوّلوا في صورة عيسى، فأشكل على الذين كانوا يريدون قتل عيسى، عيسى من غيره منهم، وخرج إليهم بعض من كان في البيت مع عيسى فقتلوه وهم يحسبونه عيسى عليه الصلاة والسلام". (جامع البيان للطبري، (النساء): ۱۲/۶، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر)

" واعلم أنه تعالى لما حكى عن اليهود أنهم زعموا أنهم قتلوا عيسى عليه الصلاة والسلام، فالله تعالى كذبهم في هذه الدعوى وقال: "(وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم)". (التفسير الكبير، النساء: ۱۱/ ۹۹، دار الكتب العلمية، طهران)

(۲) یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیت مسیح کی تردید واصلاح کے لئے ہے.....الخ"۔ (تفہیم القرآن، (آل عمران): ۱/ ۲۵۷، ۲۵۸، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

(۳) "وذالك الشقي المتنبي (مرزا احمد القادياني) يقول: إن الفلسفة القديمة والجديدة تحيل عروج جسم إلى السماء." (مجموعة رسائل العلامة أنور شاه الكشميري، عقيدة الاسلام: ۲/ ۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

www.besturdubooks.net

ہیں، چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "التصريح بما تواتر في نزول المسيح" میں تفصیلی دلائل موجود ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی بھی صراحت نہیں کہ نماز فجر کی دو رکعت ہیں، ظہر، عصر، عشاء کی چار رکعت ہیں، مغرب کی تین رکعت ہیں، ان رکعت کا انکار وہی کر سکتا ہے جو قرآن کریم کو بلا واسطہ احادیث سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مودودی صاحب کا رجحان یہی ہے، پھر جو کچھ سمجھتے ہیں اس کی تائید میں کبھی حدیث کو پیش کرتے ہیں اور کبھی حدیث کی تردید کرتے ہیں، غرض اپنا فہم ان کے نزدیک اصل ہے، اسی کی تلقین اپنی کتب میں متفرق جگہ کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا ثبوت تواتر سے

سوال [۲۱۴]: نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بوقت قیامت کیا آیت قرآنیہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کس آیت سے؟ اگر نہیں ثابت ہے اس پر تواتر ہے یا اجماع ہے یا نہیں؟ اس کا انکار باعثِ کفر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اکثر مفسرین نے آیت قرآنی: ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا﴾ (۱) میں ضمیر کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف راجع قرار دے کر اس سے نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مراد لیا ہے (۲) چنانچہ بخاری شریف کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

"عن ابن شهاب أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال

---

(۱) (النساء: ۱۵۹)

(۲) ﴿وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته﴾ والضمير في قوله: (قبل موته) عائد على عيسى عليه الصلاة والسلام: أي وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن بعيسى قبل موت عيسى عليه الصلاة والسلام، و ذلك حين ينزل إلى الأرض قبل يوم القيامة على ما سيأتي بيانه". (تفسير ابن كثير، (آل عمران): ۱/۲،۳،۱۰دار القلم) =

www.besturdubooks.net

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:" والذی نفسی بیده لیوشکن أن ینزل بینکم ابن مریم حکماً عدلاً، فیکسر الصلیب، ویقتل الخنزیر، و یضع الحرب، و یفیض المال حتی لا یقبله أحد، حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا و ما فیها"۔ ثم یقول أبوهریرة: واقرأوا قرآناً إن شئتم ﴿وإن من أهل الکتاب إلا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیامة یکون علیهم شهیداً﴾ بخاری: ۱/۴۹۰ (۱)۔

اورآیت قرآنی: ﴿ وإنه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون، هذا صراط مستقیم ﴾ (۲) ایک قرأت "لعَلَم للساعة" (بفتح اللام) ہے، یعنی نزول عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام علامات قیامت میں سے ہے۔

"قال مجاهد: وإنه لَعَلم للساعة: أی آیة للساعة خروج عیسی بن مریم علیهما السلام قبل یوم القیامة، و هکذا روی عن أبی هریرة وابن عباس و أبی العالیة و أبی مالك و عکرمة والحسن و قتادة و ضحاك وغیرهم"۔ (عقیدة الإسلام) (۳)۔

= "وقیل: الضمیران لعیسی علیه الصلاة والسلام، وروی ذلک عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أیضاً، وأبي مالک والحسن و قتادة وابن زید، واختاره الطبراني، والمعنی: أنه لا یبقی أحد من أهل الکتاب الموجودین عند نزول عیسی علیه الصلاة والسلام إلا لیؤمنن به قبل أن یموت، وتکون الأدیان کلها دیناً واحداً". (روح المعاني، (النساء): ۶/۲۰، دار الفکر)

"قال الطیبي رحمه الله تعالیٰ: استدل بالآیة علي نزول عیسی علیه الصلاة والسلام في آخر الزمان مصداقاً للحدیث و تحریره: أن الضمیر ین في "به" و "قبل موته" لعیسی، والمعنی: وإن من أهل الکتاب إلا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسی". (المرقاة، کتاب الفتن، باب نزول عیسی علیه الصلاة والسلام: ۹/۳۳۹، رشیدیه)

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب نزول عیسی بن مریم علیه الصلاة والسلام: ۱/۴۹۰، قدیمی)

(۲) (الزخرف: ۶۱)

(۳) (مجموعة رسائل الکشمیری، عقیدة الإسلام: ۳/۳۶، إدارة القرآن) .... =

www.besturdubooks.net

نیز احادیث متواترہ سے بھی نزول مسیح علیہ الصلاۃ والسلام ثابت ہے، چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کی صراحت کی ہے:"وانه سينزل قبل يوم القيامة كما دلت عليه الأحاديث المتواترة التي سنوردها إن شاء الله قريباً۔ تفسير ابن كثير مع البغوى: ۱۴/۲ (۱) اس مسئلہ سے متعلق بہت سے رسائل چھپ چکے ہیں مثلاً: التصريح بما تواتر في نزول المسيح، عقيدة الاسلام في حيات عيسى عليه الصلاة والسلام وغیرہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

عقیدہ نزول عیسی علیہ الصلاۃ والسلام پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا انکار کفر ہے اور اس کی تاویل کرنا زیغ وضلال اور کفر والحاد ہے:" فالإيمان بها واجب، والإنكار عنها كفر، والتأويل فيها زيغ و ضلال وإلحاد، نزول أهل الإسلام في حياة عيسى عليه الصلاة والسلام"۔ مقدمة عقيدة الاسلام: ص: ۳۱ (۲) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نزول کے بعد نبی ہونگے یا امتی؟

سوال[۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ استفتاء کے:

کیا حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھایا گیا ہے، اگر اٹھایا گیا ہے تو آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، اگر ہاں تو بحیثیت امتی کے یا نبی کے؟

نوٹ: جواب قرآنی دلائل سے دیئے جائیں۔

حکیم سید عبدالمجید دہلوی مالک شاہی مطب منڈی پھدوان شاہ پور صوبہ پنجاب، پاکستان۔

= (تفسير ابن كثير، (الزخرف): ۶۱، ۱۶۹/۴، دار الفيحاء)

(۱) (تفسير ابن كثير، (النساء): ۶۷۸/۱، قبيل ذكر الأحاديث الواردة في نزول عيسىٰ بن مريم إلى الأرض في السماء في آخر الزمان، دار الفيحاء)

(۲) (مقدمه عقيدة الإسلام، ص: ۳۳، إدارة القرآن)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلياً :

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے: ﴿ و ما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه ﴾ الاية (۱) اور قرب قیامت آپ نزول فرمائیں گے، احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے (۲) اور آپ اس وقت اپنی نبوت کی دعوت نہیں دینگے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کی دعوت دیں گے اور خود ان کی نبوت بھی مسلوب نہیں ہوگی بلکہ وہ محفوظ رہے گی۔

"أخرج الطبراني في الكبير والبيهقي في البعث بسند جيد عن عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "يلبث الدجال فيكم ما شاء الله، ثم ينزل عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام مصدقاً بمحمد و على ملته إماماً مهدياً وحكماً عدلاً، فيقتل الدجال اهـ" ۔

"ان عيسى عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم و هو حي مؤمناً به و مصدقاً، وكان اجتماعه به مرات في غير ليلة الإسراء

---

(۱) (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً عدلاً مقسطاً الخ". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه السلامَ: ۱/۴۰۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الخ: ۱/۸۷، قديمي)

"لاتزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة"........... قال:" فينزل عيسى بن مريم عليه السلام الخ".

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم : "والله لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً"...... الخ .(الصحيح لمسلم، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسى عليه الصلاة والسلام حاكماً بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم .... الخ: ۱/۸۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

من جملتها بمكة، روى ابن عدى فى الكامل عن أنس رضى الله تعالى عنه قال: بينا نحن مع النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إذا رأينا برداً ويداً و قلنا يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذى رأينا واليد؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم،قال:" ذلك عيسى ابن مريم سلّم عليّ".

إنما يحكم عيسى بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة،عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم:" ألا! إن ابن مريم ليس بينى و بينه نبى ولا رسول إلا أنه خليفتى فى أمتى من بعدى"۔

قال الذهبى فى تجريد الصحابة: عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام نبى و صحابى،فإنه رأى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم،فهو اخر الصحابة موتاً اهـ" الحاوى للفتاوى(۱)۔

اس مسئلہ پر علماء حق کے مستقل رسائل شائع شدہ ہیں،علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے: "كتاب الاعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام" علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے،مولانا انورشاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے عقيدة الاسلام فى حيات عيسى عليه الصلاة والسلام۔ نیز شروح حدیث بذل المجهود (۲)، فتح البارى(۳)، عينى(٤) وغیرہ میں بھی

(۱) (الحاوى للفتاوى، كتاب الإعلام بحكم عيسى عليه الصلاة والسلام : ۱۸۸/۲، ۱۹۵، دارالفكر)

(۲) "ان الأحاديث قد ثبت انه يخرج بعد أمور ذكرت وأن عيسى عليه السلام يقتله (اى الدجال) بعد أن ينزل من السماء ويحكم باالشريعة المحمدية". (بذل المجهود: ۱۱۱/۵، باب خروج الدجال، كتاب الملاحم، معهد الخليل الاسلامى)

(۳) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً ". الحديث ...... قوله (حكماً) أى حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة الخ ". (فتح البارى: ۴۹۰/۶، ۴۹۱، باب نزول عيسى بن مريم عليها السلام، كتاب أحاديث الأنبياء، دارالمعرفة)

(۴) "أن سعيد بن المسيب سمع أبا هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

اس کی تصریح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۷۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۴/ جمادی الاولیٰ/ ۷۱ھ۔

نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کی حیثیت

سوال [۲۱۶]: ۱...... حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو کیا وہ اس وقت بھی نبی رہیں گے اور ان پر وحی آئے گی یا وہ نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے؟

ایضاً

سوال [۲۱۷]: ۲...... جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے یا صاحب شریعت نبی ہوں گے؟ اگر وہ تابع شریعت محمدیہ ہوں گے تو شرعی احکام یعنی قرآن کریم میں درج شدہ اوامر ونواہی اور سنتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم انہیں کیونکر حاصل ہوگا؟ اگر زبان عربی اور شریعت کے احکام کسی مولوی صاحب سے پڑھیں تو یہ امر ایک نبی کی شان کے خلاف نظر آتا ہے اور پڑھیں بھی تو کس فرقہ کے مولوی سے؟ تمام اسلامی فرقوں کا آپس میں اختلاف ہے حتی کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے سے دریغ نہیں کرتے، اگر اس دنیا میں وہ وحی کے ذریعہ شریعت اسلامی کے احکام حاصل کریں، جس طرح ہمارے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاصل کیا کرتے تھے یعنی وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا فرشتہ کی وساطت سے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے:

﴿و ما كان لبشر أن يكلمه الله إلا وحياً أو من وراء حجاب أو يرسل رسولاً، فيوحي بإذنه ما يشاء، إنه عليّ حكيم، و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا﴾ (سورہ شوریٰ، پ:۲۵، ع:۵)(۱)۔

= "والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً". الحديث .... (قوله حكماً): أي حاكماً بهذه الشريعة، فإن شريعة النبي صلى الله عليه وسلم لا تنسخ الخ". (عمدة القاري: ۱۲/ ۵۳، ۵۴، كتاب أحاديث الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام، رشيديه)

(۱) (الشورى: ۵۱، ۵۲)

www.besturdubooks.net

تو اس صورت میں وہ بھی ایک صاحبِ شریعت نبی بن جائیں گے، یا اگر آسمان پر بھی شریعت کے احکام کا علم حاصل کریں تو بھی بشر ہونے کے لحاظ سے مندرجہ بالا انہیں تین صورتوں سے حاصل کریں گے، پس شریعت کے احکام یعنی اوامر ونواہی براہِ راست بذریعۂ وحی حاصل کرنے کی وجہ سے صاحبِ شریعت نبی بن جائیں گے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری شریعت والے نبی ہیں۔ اس اشکال کا تفصیلی جواب دیکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......ان کی نبوت سلب نہیں ہوگی، بلکہ وہ محفوظ رہے گی اور وہ احکام (کو) اپنی سابقہ محفوظ نبوت کے تحت جاری نہیں فرمائیں گے جو ان کی امت کے ساتھ مخصوص تھے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے موافق جاری فرمائیں گے(۱)۔

۲......ممکن ہے کہ عین وقت پر شریعت محمدیہ کے متعلق ان کو بذریعہ وحی علم ہو جائے، یہ بھی ممکن ہے حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کریں کیونکہ قبرِ اطہر میں حی ہیں، یا روحِ عیسوی روحِ محمدی سے مستفیض ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود انجیل میں اس شریعت کے احکام کا علم ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کی ملاقات جب ہوئی اس وقت علم حاصل کر لیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ براہِ راست قرآن کریم سے ان کو علم حاصل ہو جائے۔

"ثم علمه بأحكام شرعنا إما بعلمها من القرآن فقط إذ لم يفرط فيه من شيء، إنما

---

(۱) "فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسى بعده، قلنا: نعم، لكنه يتابع محمداً عليه السلام؛ لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام".

(شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگی محلی)

(وكذا في النبراس: ص: ۲۸۰، امدادیہ ملتان)

"(حكماً): أي حاكماً، والمعنى أنه ينزل حاكماً بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون عيسى حاكماً من حكام هذه الأمة......... وللطبراني من حديث عبد الله بن مغفل: "ينزل عيسى بن مريم مصدقاً بمحمد على ملته". (فتح الباري، أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام: ٦/٦٠٨، قديمي)

www.besturdubooks.net

احتجنا إلى غيره لقصورنا، وقد كانت أحكام نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم كلها مأخوذة من القرآن،و من ثم قال الشافعي رحمه الله تعالى: كل ما حكم به النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فهو مما فهمه من القرآن،فلا يبعد أن عيسى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يكون كذالك، أو برواية السنة عن نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فإنه اجتمع في حياته مرات،و من ثم عُدّ من الصحابة ـ أخرج ابن عدى عن أنس بينا نحن مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إذ رأينا بُرداً ويداً فقلنا: يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم! ما هذا البرد الذى رأينا واليد ؟ قال: "قد رأيتموه؟" قلنا: نعم،قال: "ذلك عيسى بن مريم سلم عليّ "ـ وفي رواية ابن عساكر عنه: كنت أطوف مع النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حول الكعبة إذ رأيته صافح شيئًا و لم أره، قلنا: يا رسول الله! رأيناك صافحت شيئاً و لا نراه؟ قال: "ذلك أخي عيسى بن مريم، انتظرته حتى قضى طوافه فسلمت عليه"ـ و حينئذ فلا مانع أنه حينئذ تلقى عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم أحكام شريعته المخالفة لشريعة الإنجيل لعلمه أنه سينزل وأنه يحتاج لذلك،فأخذها منه بلا واسطة۔ وفي حديث ابن عساكر: " ألا !إن ابن مريم ليس بيني و بينه نبي و لا رسول، إلا أنه خليفة في أمتي من بعدی"۔

وقد صرّح السبكي بأنه يحكم بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بالقرآن والسنة، إما بكونه يتلقها من نبينا صلى الله تعالى عليه وآله وسلم شفاهاً بعد نزوله من قبره، ويؤيده حديث أبي يعلى: "والذى نفسي بيده لينزلن عيسى بن مريم،ثم لئن قام على قبري وقال: يا محمد! لأجيبنّه". و إما بكونه تعالىٰ أوحاها إليه في كتابه الإنجيل أو غيره(إلى قوله) يوحى إليه وحيٌ حقيقي كما في حديث مسلم وغيره عن النواس بن سمعان، و في رواية صحيحة :"فبينما هو كذلك إذ أوحى إليه ياعيسى! إني قد أخرجت عباداً لي لا يد لأحد بقتالهم حول عبادى إلى الطور"، و ذلك الوحى على لسان جبريل (إلى قوله) وعيسى بن مريم باق على نبوته و رسالته"۔ إلى اخر ماقال اهـ"۔ فتاوی

www.besturdubooks.net

حدیثیة، ص: ۲۸۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۹۳ھ۔

ایک شعر میں مسیح وخضر سے کیا مراد ہے؟

سوال[۲۱۸]: ذیل کا شعر جو حضرت معین الدین چشتی کی شان اقدس میں ہے یعنی شعر:

ترے لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(اقبال)

کہاں تک اس شعر کا منسوب کرنا صحیح ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

شعراء کے کلام میں بکثرت استعارات وکنایات ہوتے ہیں، ہر لفظ حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوتا، یہاں مسیح سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مراد نہیں بلکہ ان کا وصفِ مشتہر مراد ہے، یعنی طبیب حاذق،

---

(۱) (الفتاوی الحدیثیة، مطلب في حکم عیسی بشرع نبینا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم إما بالاستنباط من الکتب أو لاجتماعه بنبینا مرات، ص : ۲۴۲، ۲۴۳، قدیمی)

"إنه علیه الصلاة والسلام حین ینزل باق علی نبوته السابقة، لم یعزل عنها بحال، لکنه لا یتعبدبها ...... نعم، لا یبعد أن یکون علیه الصلاة والسلام قد علم في السماء بعضاً، و وُکّل إلی الاجتهاد والأخذ من الکتاب والسنة في بعض آخر، وقیل : إنه علیه الصلاة والسلام یأخذ الأحکام من نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم شفاهاً بعد نزوله و هو في قبره الشریف علیه الصلاة والسلام، وأید بحدیث أبي یعلی : "والذي نفسي بیده لینزلن عیسی ابن مریم، ثم لئن قام علی قبري، وقال یا محمد! لأجیبنّه".

وجوز أن یکون ذلک بالاجتماع معه علیه الصلاة والسلام روحانیة و لا بدع في ذلک، فقد وقعت رؤیته صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم بعد وفاته لغیر واحد من الکاملین من هذه الأمة والأخذ منه یقظة، .... وقیل : یجوز أن یکون عیسی علیه الصلاة والسلام قد تلقی من نبینا علیه الصلاة والسلام احکام شریعته المخالفة لما کان علیه، وهو من الشریعة حال اجتماعه معه قبل وفاته في الأرض لعلمه أنه سینزل و یحتاج إلی ذلک، و اجتماعه معه کذلک جاء في الأخبار". (روح المعاني، (الأحزاب : ۴۱، ۴۳): ۲۲/ ۵۰، ۵۷، دارالفکر)

www.besturdubooks.net

جیسے حاتم سے سخی اور رستم سے پہلوان بکثرت مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح خضر سے راستہ بتانے والا مراد ہے، مقصد یہ ہے کہ امراض جسمانی میں مبتلا شخص کو اگر طبیب حاذق مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس کو بڑی مسرت ہوتی ہے، اگر راہ گم کردہ مسافر کو رہنما مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، لیکن آپ کی لحد کی زیارت سے آپ کی متقیانہ ومجاہدانہ زندگی یاد آ کر کے دل زندہ ہوتا ہے جس سے انسان کی دنیوی واخروی زندگی درست ہو کر حیاتِ طیبہ نصیب ہوتی ہے، لہذا یہ نعمت نتائج وفوائد کے اعتبار سے ان دونوں نعمتوں سے بڑھ کر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال [۲۱۹]: حضرت خواجہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں، یا وصال پا چکے ہیں اور آپ کس زمانہ میں ہوئے اور کس کی اولاد سے ہیں؟ اور کیا سکندر اعظم کے ہمراہ ظلمات میں آبِ حیات پی کر آئے تھے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مفصل بیان کرنے کی تو آپ نے کاغذ ہی میں جگہ نہیں چھوڑی، مختصر یہ ہے کہ آپ کے آب حیات پینے کے دونوں قول ہیں، آپ کے نسب اور زمانہ میں اختلاف عظیم ہے، ایک قول لکھتا ہوں، خضر ابن ملکان بن قانع بن عامر بن شانخ بن ارفشخند بن سام بن نوح علیہ الصلاۃ والسلام (۲)۔

ظلمات میں جا کر آب حیات تک پہونچنے کا تذکرہ فتح الباری: ۶/۳۱۰ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) "إذا كانت الحقيقة متعذرةً أو مهجورةً صير إلى المجاز، والمهجور شرعاً كالمهجور عادةً، و في الحاشية رقم: ۱۳، إذ ظاهر حال المسلم الإمتناع عن المهجور الشرعي لدينه و عقله، فهو كالمهجور عادةً". (نور الأنوار، مبحث الحقيقة والمجاز، ص: ۱۰۷، سعيد)

(۲) فتح الباری کے نسخوں میں یہ عبارت بعینہ نہیں ملی، بلکہ یوں ہے:

"خضر بن ملكان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن أرفشخذ بن سام بن نوح" جب کہ علامہ نووی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ابن عابر" کو "ابن عامر" نقل کیا ہے۔ (فتح الباری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حديث خضر مع موسى عليه الصلاة والسلام: ۶/۵۳۵، قديمي) ....

www.besturdubooks.net

نے کیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام

سوال[۲۲۰]: حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہو چکا، ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کا انتقال ہو چکا، ان کی حیات کا قائل ہونا کفر ہے اور بعض لوگوں کے واقعات جو مشہور ہیں کہ ان کو حضرت نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے وہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام نہیں ہوتے بلکہ شیطان ہوتا ہے، لہذا دریافت ہے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں اور جو کچھ یہ شخص کہتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، ہاں بعض اس کے قائل ہیں کہ انتقال کر چکے:

"قال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، و إنما شذ بإنكاره بعض المحدثين و تبعه النووي. و زاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، وحكايا تهم في رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصىٰ انتهى. و روى الدار قطني في الحديث المذكور قال: مُدّ للخضر في أجله حتى يكذب الدجال، و قال عبد الرزاق في مصنفه عن معمر في قصته الذي يقتله الدجال ثم يحييه: بلغني أنه الخضر، و كذا قال إبراهيم بن سفيان الراوی

= (وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلي الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۶۹/۲، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير، (الكهف) : ۱۳۲/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(۱) "و روى خيثمة بن سليمان من طريق جعفر الصادق عن أبيه أن ذا القرنين كان له صديق من الملائكة، فطلب منه أن يدله على شيء يطول به عمره، فدل على عين الحياة، وهي داخل الظلمة، فسار إليها والخضر على مقدمته، فظفر بها الخضر، ولم يظفر بها ذو القرنين". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۴۳۴/۶، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

عن مسلم فی صحیحه اھ". فتح الباری بتغیر، ص: ۳۱۰ (۱)۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر تعزیت کے لئے تشریف لائے اور صحابہ کے مجمع میں تعزیت کی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں کذا فی جمع الفوائد: ۱۳۸/۱ (۲) لہذا ان کی زندگی کے قائل ہونے کو کفر کہنا ناواقفیت پر مبنی ہے اور غلط ہے اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۶/۲۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ۔

(۱) (فتح الباری: کتاب احادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسی علیه الصلاة والسلام: ۵۳۶/۶، قدیمی)

"جمهور العلماء علی انه حيّ موجود بین أظهرنا، وذلک متفق علیه عند الصوفیة وأهل الصلاح والمعرفة، و حکایاتهم في رؤیته والاجتماع به والأخذ عنه و سواله و جوابه و وجوده في المواضع الشریفة و مواطن الخیر اکثر من أن تحصر، واشهر من أن تستر، و قال الشیخ أبو عمرو ابن الصلاح: هو حي عند جماهیر العلماء والصالحین، والعامة معهم في ذلک، قال: و إنما شذ بإنکاره بعض المحدثین". (شرح مسلم للنووی، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر علیه السلام: ۲۶۹/۲، قدیمی)

(وکذا في روح المعانی: (الکهف: ۶۵): ۳۲۱/۱۵، ۳۲۲، دار إحیاء التراث العربي)

(۲) "(أنس) لما قبض النبي صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم، و قعد أصحابه حزاناً یبکون حوله، فجاء رجل طویل صبیح فصیح في إزار و رداء، أشعر المنکبین والصدر، فتخطی الصحابة حتی أخذ بعضادتي الباب، فبکی ساعةً، ثم قال: إن في الله عزاءً من کل مصیبة، و خلفاً من کل هالک، و عوضاً من کل ما فات، فإلی الله فانیبوا وإلیه فارغبوا، فإنما المصاب من لم یجبره الثواب. فقال القوم: تعرفون الرجل؟ فنظروا یمیناً و شمالاً فلم یروا أحداً، فقال ابو بکر: "هذا الخضر أخ النبي صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم". للأوسط ضعیف". (جمع الفوائد، التعزیة وأحوال القبور و زیارتها، رقم: ۲۶۳۷، ۲۴۱/۱، المکتبة الإسلامیه پاکستان)

"عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: لما قبض رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم أحدق به أصحابه فبکوا حوله، و اجتمعوا، فدخل رجل أشهب اللحیة، جسیم، صبیح، فتخطی رقابهم فبکی، ثم =

www.besturdubooks.net

حیات خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی تحقیق

سوال[۲۲۱]: حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے پہلی تقریر میں فرمایا ہے جو کتاب کی صورت میں ہے۔

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
(میر)

مزے جو موت کے عاشق بیان کبھی کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
(ذوق)

تجھے کیا بتائیں اے ہم نشیں مجھے موت میں جو مزہ ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ نشاط عمر دراز میں
(اقبال)

کلام شاعر تو کوئی سند نہیں، لیکن حضرت مولانا کا تمثیلاً پیش کرنا ہی قابل رد نہیں (مولانا کی نظر میں بھی حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی مثل حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام بھی حیات ہیں) مگر پارہ نمبر: ۱۵

= التفت إلى أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم فقال: إن في الله عزاءً من كل مصيبة، وعوضاً من كل فائت، وخلفاً من كل هالك، فإلى الله فأنيبوا، وإليه فارغبوا، ونظره إليكم في البلاء، فانظروا فإن المصاب من لم يجبر، فانصرف وقال بعضهم لبعض: تعرفون الرجل؟ قال: أبو بكر وعلي -رضي الله تعالیٰ عنهما-: "نعم هذا أخو رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم الخضر علیه الصلاة والسلام". (دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في عظم المصيبة التي نزلت بالمسلمين بوفاة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم: ۲۶۹/۷، دار الكتب العلمية)

(وكذا في فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۵۳۷/۶، قديمي)

www.besturdubooks.net

سورہ بنی اسرائیل کے رکوع نمبر: ۲۰ کے بعد کی آیت کے حاشیہ نمبر: ۴ پر حضرت خضر کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں اور اسی کو ترجیح وصحیح مذہب قرار دیا ہے، جس کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں کہ اصح مذہب اہل حدیث کا یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات نہیں، جو حیات بتاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شخص کسی عابد کو دیکھ لیتا ہے اور وہ کہہ دیتا ہے کہ میں خضر ہوں، حالانکہ بشکل انسان شیطان ہوتا ہے جو اس شخص کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور حافظ ابو الخطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے حیات ہونے کی ساری روایات غلط ہیں، مگر شاہ عبد القادر صاحب شاید گیلان والے ہوں یا اور کوئی ہوں فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں اور عوام الناس کے مشاہدات بھی یہی گواہی دیتے ہیں کہ حیات ہیں اور وہ بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام پیغمبر تھے ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے تھے۔ دونوں باتوں کا جواب تحریر فرمائیں، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام حیات ہیں یا نہیں؟

محمد فہیم الدین مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن متصل مسجد پوڑی گڑھوال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

محدثین کرام عموماً حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات کے قائل نہیں، صوفیائے عظام قائل ہیں(۱)، ان کے حالات پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں مفصل کلام کیا

---

(۱) "و قال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين و تبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، و حكاياتهم في رؤيته والاجتماع به أكثر من أن تحصر انتهى الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۵۳۶/۶، قديمي)

(و كذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۶۹/۲، قديمي)

(و كذا في روح المعاني، (الكهف: ۶۵): ۳۲۱/۱۵، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

ہے، اکابر کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ پیغمبر نہیں تھے (۱) اب ان کے متعلق بحث علمی تحقیق کے درجہ میں ہے اور بس۔ شعراء بکثرت خضر بول کر طویل الحیات مراد لیتے ہیں جیسے حاتم بول کر سخی، رستم بول کر پہلوان مراد لیتے ہیں، خاص شخصیت مراد نہیں، نیز خضر سے رہنما برائے گم کردہ راہ بھی مراد لیتے ہیں، مسیح سے بھی عموماً دو وصف مراد ہوتے ہیں: ایک طویل الحیات۔ دوم معالج۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۶/ ۹۴ھ

ہندوستان میں کون پیغمبر آئے؟ اور مردوں کو جلانے کا کس نے حکم دیا؟

سوال [۲۲۲]: ہندوؤں میں مردہ جلانے کی رسم کب سے شروع ہوئی ہے؟ اللہ کے حکم کے مطابق اس قوم وملت میں پیغمبر آئے یا نہیں؟ کسی پیغمبر نے مردہ جلانے کی ہدایت انہیں دی [illegible]۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے، مستحضر [illegible] ذکر موجود ہے (۲) انہوں نے مردہ جلانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کے بیٹے کو قتل [illegible] جیسا کہ قرآن پاک پارہ ۶ سورۂ مائدہ میں ہے (۳)۔ اور کسی پیغمبر نے جلانے کا حکم دیا ہو، یہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

[illegible] حدیث میں ایک [illegible] نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ [illegible] پانی میں [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کیوں کیا تو اس نے جواب دیا [illegible] (۴) تو ہوسکتا ہے کہ جو لوگ مردوں کو جلاتے ہیں وہ بھی اسی نظریہ سے جلاتے [illegible] تو آگ کے خالق کی ہے، اور کسی کا نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/ ۸/ ۹۹ھ

---

(۱) "وذهب كثيرون إلى أنه لم يكن نبيا بل كان وليا. فالله أعلم". (تفسير ابن كثير: الكهف: ۸۲، ۳/ ۱۳۵، دار الفيحاء)

(۲) "ومنها أول القصد إلى الحرم المكي شرفه الله تعالى من الهند، لأن آدم [illegible] عنه للسلام [illegible] -

= السيوطي: أخرج البيهقي عن عطاء قال: هبط ادم بالهند، فقال: يا رب! ما لي لا أسمع أصوات الملائكة كما كنت أسمعها في الجنة؟ فقال له: "بخطيئتك يا ادم! فانطلق فابن لي بيتاً فتطوف به، كما رأيتهم يطوفون". فانطلق حتى أتى مكة، فبنى البيت، فكان موضع قدمي ادم عليه السلام قرى وأنهاراً وعمارة، و ما بين خطاه مفاوز، فحج ادم البيت من الهند أربعين سنة".

"وأخرج ابن جرير في تاريخه عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه ما قال: "إن الله أوحى إلى ادم و هو ببلاد الهند أن حجّ هذا البيت فحج". الحديث.

و منها رجوع ادم عليه السلام من الحرم المكي - زاده الله شرفاً و مهابةً - إلى أرض الهند، واختياره وإياها للتوطن. قال الطبري في تاريخه: فلما أتم ادم الحج انصرف مع حواء إلى جبل الهند الذي كان نزل عليه من السماء، ثم حج بعد ذلك أربعين سنة، كلما أتم حجة في كل سنة انصرف إلى الهند. و قال ايضا في تاريخه: ثم بنى لنفسه بيتاً بالهند الخ".

وقال الإمام الغزالي قدس سره: واستنفق ادم عليه الصلاة والسلام من أرض الهند إلى مكة فلما وقف بعرفات وجد حواء ثمة، فسمي عرفات، فقبل الله توبتهما فانصرفا إلى الهند".

أقول: أخذ من ههنا أن ادم عليه الصلاة والسلام كانت له ألفة بأرض الهند حيث عاد إليها، واختارها للتوطن". (سبحة المرجان تأليف حسان الهند المعروف بآزاد البلجرامي ص. ۹،۸)

"ثم إن الله عزوجل أهبط ادم قبل غروب الشمس من اليوم الذي خلقه فيه، وذلك يوم الجمعة من السماء مع زوجته. وأنزل آدم فيما قال علماء سلف امة نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم بالهند عن قتادة قال: أهبط الله عزوجل آدم إلى الأرض و كان مهبطه بأرض الهند ... عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: إن أول ما أهبط الله تعالى آدم، أهبطه بدهنا أرض الهند. عن أبي العالية قال: أهبط آدم إلى الهند". (تاريخ ابن جرير الطبري، القول في الموضع الذي أهبط آدم و حوا إليه من الأرض حين أهبطا إليها: ۱/ ۸۱،۸۰، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات)

"وعن الحسن قال: أهبط آدم بالهند، و حواء بجدة، وإبليس بدستميان من البصرة على أميال، و أهبطت الحية بأصبهان.

وقال السدي: نزل آدم بالهند و نزل معه بالحجر الأسود و بقبضة من ورق الجنة، فبثه في الهند، فنبتت =

www.besturdubooks.net

مہاتما بدھ، کرشن جی اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟

سوال[۲۲۳]: خدا تعالیٰ نے تمام روئے زمین کے لئے مختلف اوقات اور مختلف ازمنہ میں ہدایت کے لئے پیغمبر بھیج دیئے ہیں جو ﴿لکل قوم هاد﴾ سے ثابت ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آئے ہیں جو سب مسلمان اور اسلام کی تعلیم سے آراستہ تھے اور سبھوں نے خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی ہے، قرآن میں صرف عرب کی زمین پر کے چند پیغمبروں کے نام ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کی اولاد یا عبرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، باقی ان عظیم ہستیوں کے نام نہیں ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ کو ہندوستان، چین اور جاپان کے کروڑوں لوگ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح کرشن

= شجرة الطيب هناک". (البداية والنهاية، باب ما ورد في خلق آدم عليه الصلاة والسلام: ۱/ ۱۳۱، دار الفكر)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿فبعث الله غراباً يبحث في الأرض ليريه كيف يواري سوأة أخيه قال: يويلتیٰ أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأواري سوأة أخي، فأصبح من النادمين﴾. (المائدة: ۳۱)

(۴) " عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنه ذكر رجلاً فيمن سلف أو فيمن كان قبلكم قال كلمةً يعني أعطاه الله مالاً و ولداً، فلما حضره الموت قال لبنيه: أيّ أب كنت لكم؟ قالوا: خير أب. قال: فإنه لم يبتئر أو لم يبتئز عند الله خيراً، وإن يقدر الله يعذبه، فانظروا إذا مت فأحرقوني حتی إذا صرت فحماً فاسحقوني، أو قال: فاسحكوني، فإذا كان يوم ريح عاصف، فأذروني فيها"، قال نبي الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "فأخذ مواثيقهم علی ذلک، و ربي! ففعلوا ثم أذروه في يوم عاصف. فقال الله تعالیٰ: (كن)، فإذا هو رجل قائم، قال الله: (أي عبدي! ما حملک علی أن فعلت ما فعلت)؟ قال: مخافتک أو فرق منک" قال: "فما تلافاه أن رحمه"، و قال مرةً أخری: "فما تلافاه غيرها". (صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالیٰ: (أنزله بعلمه والملائكة يشهدون): ۲/ ۱۱۱۸، و باب الخوف من الله في كتاب الرقاق: ۲/ ۹۵۹، قديمي)

(۵) " عن أبي هريرة –رضي الله تعالیٰ عنه– أنه قال: بعثنا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم في بعث فقال: "إن وجدتم فلاناً و فلاناً فاحرقوهما بالنار". ثم قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم حين أردنا الخروج: "إني أمرتكم أن تحرقوا فلاناً و فلاناً و إن النار لا يعذب بها إلا الله، فإن وجدتموهما فاقتلوهما". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله: ۱/ ۴۲۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

جی اور رام چندر جی کو بھی کروڑوں لوگ اپنی زندگی کے پیر و یا پیغمبر مانتے ہیں، کیا ایک مسلمان ﴿ولکل قوم هاد﴾ کے فصیح و بلیغ اور معنی خیز جملے کے تحت شک کی بناء پر کرشن جی یا مہاتما گوتم بدھ کو پیغمبر کہہ سکتا ہے؟ اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے حضرت مہاتما بدھ یا حضرت کرشن جی کہتے ہیں؟ ایک مسلمان کے لئے کوئی قباحت تو نہیں ہے، جب کہ ایک دوسرے عالم نے ان دونوں ہستیوں کے ساتھ حضرت کا لفظ لگانا مکروہ اور خلافِ شریعت قرار دیا ہے، ہم آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

جن انبیاء علیہم السلام کے نام نصوص میں آگئے ہیں ان پر علی التعیین ایمان لانا لازم ہے (۱) اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے نہ لازم ہے، نہ درست (۲) البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے درست نہیں۔ ﴿لکل قوم هاد﴾ سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے مبتدا کی، پوری آیت ہے ﴿إنما أنت منذر و لکل قوم هاد﴾ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں (۳)۔

علاوہ ازیں "ہادی" کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، غیر نبی پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور نبی سے بلکہ سید الأنبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی بھی کی گئی ہے: ﴿إنك لا تهدی من أحببت﴾ (۴) انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو جو لوگ پہونچاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی ہدایت دیتے ہیں۔

کرشن اور گوتم بدھ اور رام چندر وغیرہ کے صحیح حالات ہمارے علم میں نہیں، تاریخ میں رطب و یابس سب کچھ ہے جو کہ مفید یقین نہیں، اس لئے کف اللسان چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۹/۱۷ھ۔

---

(۱) "یجب أن یقول: آمنت باللہ و ملائکته و کتبه و رسله". (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۱، ۱۲، قدیمی)

(۲) "و قد ورد أنه علیه السلام سئل عن عدد الأنبیاء علیهم الصلاة و السلام فقال: "مأة ألف و اربعة و عشرون ألفاً". و في رواية: "مائتا ألف وأربعة و عشرون ألفاً" إلا أن الأولیٰ أن لا یقتصر علی عدد فیهم". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۵۶، قدیمی)

"و الأولی أن لا یقتصر علی عدد في التسمیة فقد قال اللہ تعالیٰ ﴿منهم من قصصنا علیک و =

کیا گرونانک کو کوئی کتاب ہے؟

سوال [۲۲۴]: پنڈت گرونانک کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آیا اس کو کوئی مرتبہ اسلام کی رو سے حاصل ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی کتاب بھی ملی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

خدائے پاک کی طرف سے کتاب رسول کو ملتی ہے، گورونانک کا وجود ایسے وقت میں ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا تھا (۱) لہذا وہاں کتاب کا سوال بے محل ہے، سکھ لوگ اس کو اپنا مقتدی مانتے ہیں اور اس کی تعلیمات سے توحید کو بھی ثابت کرتے ہیں، اور بھی بعض ایسی چیزیں بتلاتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے بعض کتابوں میں اس کا مسلمان ہونا بھی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

= منهم من لم نقصص عليك﴾ و لا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم إن ذكر أكثر من عددهم، أو يخرج منهم من هو فيهم إن ذكر أقل من عددهم ... و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء". (شرح العقائد، ص: ۱۰۱، دهلی)

(۳) "وأخرج ابن مردوي، عن ابن عباس. و ابن جرير عن عكرمة و أبي الضحى أن المنذر والهادي هو رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وجه ذلك بان (هاد) عطف على (منذر) و (لكل قوم هاد) متعلق به قدم عليه للفاصلة". (روح المعاني: ۱۳/۱۰۸، تفسير سورة الرعد آيت: ۷)

(۴) (سورة القصص: ۵۲)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾. (الأحزاب: ۴۰)

"عن أبي هريرة –رضي الله تعالى عنه– أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه و أجمله إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به و يتعجبون له و يقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: "فانا اللبنة و أنا خاتم النبيين" (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين: ۱/۵۰۱، قديمي) =

www.besturdubooks.net

رام کرشن کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے؟

سوال[۲۲۵]: رام کرشن اپنے وقت کے کیا تھے اور اب مسلمانوں کو ان پر کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کرشن جی کے متعلق عقیدہ

سوال[۲۲۶]: کرشن جی کو نبی بتلانا اور مسلمانوں کا ان پر ایمان سے لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں بعض انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کریم و حدیث شریف میں آئے ہیں (ان میں کرشن جی کا نام نہیں) ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان کی تعلیم اسلام نے نہیں دی، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے اس

= (والصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خاتم النبیین: ۲۴۸/۲، قدیمی)

"کلما هلک نبي خلفه نبي، و أنه لا نبي بعدی". (الصحیح لمسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الأول فالأول: ۱۲۶/۲، قدیمی)

"وأنه سیکون في أمتي کذابون ثلاثون، کلهم یزعم أنه نبي الله، و انا خاتم النبیین لا نبي بعدی". (مشکوة المصابیح، کتاب الفتن: ۴۶۵/۲، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون: ۴۵/۲، سعید)

"وقد أخبر الله تبارک و تعالیٰ في کتابه، و رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في السنة المتواترة عنه أنه لا نبي بعده". (تفسیر ابن کثیر، (الأحزاب): ۲۵۲/۳، مکتبه دار الفیحاء، ومکتبه دار السلام)

www.besturdubooks.net

طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولی/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سلف صالح کا اتباع اور پیروی بہر حال ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔ فقط زکریا قدوسی۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ، مدرسہ ہذا۔

ہذا الجواب ہو الحق وبالاتباع احق: امیر احمد کاندھلوی کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن غفرلہ۔ احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "وأما الأنبياء والمرسلون، فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى في كتابه من رسله، والإيمان بأن الله تعالى أرسل رسلاً سواهم وأنبياء، لا يعلم أسماء هم و عددهم إلا الله تعالى الذي أرسلهم، فعلينا الإيمان بهم جملةً، لأنه لم يأت في عددهم نص. وقد قال تعالى: ﴿ورسلاً قد قصصناهم عليك من قبل، ورسلاً لم نقصصهم عليك﴾ (النساء: ۱۶۴) وقال تعالى: ﴿ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك﴾ (غافر: ۷۸). (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، وجوب الإيمان بالأنبياء والرسل، ص: ۴۲۷، مكتبة الغرباء الجامعة الستارية، كراتشي)

"وأما المبعوثون فالإيمان بهم واجب، و من ثبت شرعاً تعيينه منهم، وجب الإيمان بعينه، و من لم يثبت تعيينه كفى الإيمان به إجمالاً، (و لا ينبغي في الإيمان بالأنبياء القطع بحصرهم في عدد) .... فيؤدي: أي فقد يؤدي حصرهم في العدد الذي لاقطع به (إلى أن يعتبر فيهم من ليس منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أقل من الوارد (أو يخرج) عنهم (من هو منهم) بتقدير كون عددهم في نفس الأمر أزيد من الوارد". (المسامرة شرح المسايرة، الإيمان بالمبعوثين واجب، ص: ۲۲۵، المكتبة التجارية الكبرى مصر) .... =

www.besturdubooks.net

رام لچھمن وغیرہ

سوال[۲۲۷]: زید کہتا ہے کہ رام لچھمن ہوسکتا ہے کہ اپنے زمانہ میں پیغمبر ہوں، لوگوں نے ان کی تعلیم کو خراب کر کے بدنام کردیا ہے، اس لئے ان کو برا نہیں کہنا چاہئے، زید اپنے قول کی تصدیق اللہ کے فرمان سے پکڑتا ہے کہ (اللہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اپنا پیغمبر بھیجا ہے) ہوسکتا ہے کہ یہی رام لچھمن ہندوستان میں پیغمبر بن کر آئے ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور شخص مذکور پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہونا چاہئے؟

نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کافر کو کافر مت کہو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت ایمان لے آئے۔ تو کیا تقویٰ اس میں ہے کہ جس کی زندگی کفر میں گزر رہی ہو اور تمام افعال کفریہ ہو رہے ہوں تو ان کو کافر نہ کہا جائے، کیا یہ اللہ ورسول کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟ جسے اللہ ورسول نے کافر کہہ دیا تو اسے کافر کہنے میں کیا حرج ہے؟

غلام مرتضیٰ، کٹنی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو، کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں (۱) بلاوجہ کسی کو برا کہنا بھی

= "ذكر بعض العلماء أن الأولى أن لايقتصر عددهم؛ لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط لا يفيد إلا الظن، ولا يعتبر إلا في العمليات دون الاعتقادات، وههنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالىٰ: ﴿منهم من قصصنا عليک و منهم من لم نقصص﴾ (غافر: ۷۸) "و يحتمل أيضًا مخالفة الواقع، و إثبات نبوة من ليس بنبي إن كان عددهم في الواقع أقل مما ذكر، ونفي النبوة عمن هو نبي إن كان أكثر، فالأولى عدم التنصيص على عدد". (شرح المقاصد، فصل في النبوة، المبحث السادس: الأنبياء معصومون عما ينافي مقتضى المعجزة: ۳۱۷/۲، دار الكتب العلمية)

(۱) "والأولى أن لايقتصر على عدد التسمية في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم ...... ويحتمل مخالفة الواقع وهو عدد النبي من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء". (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۰۱، بحث واول الأنبياء ...... دهلي)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۰۸/۱، كتاب العقائد، دار الاشاعت كراچي)

www.besturdubooks.net

درست نہیں (۱) لہذا سکوت ہی احوط ہے۔

جس کا کفر دلیل شرعی سے ثابت ہو وہ کافر ہی ہے اس کو کافر ہی کہا جائے گا، مسلمان نہیں کہا جاسکتا، اگر حق تعالیٰ اسلام کی توفیق دے دے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا (۲)۔ اس کی مثالیں دوراول میں بھی موجود ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دین اسلام ملائکہ کے ذریعہ کیوں نہیں پھیلایا جاتا؟

سوال [۲۲۸]: دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ موجود ہیں اور ہرایک اپنے مذہب کو صحیح قرار دیتا ہے اور اپنے ہی مذہب کے بتلائے گئے اصولوں پر رہتا ہے، مذہب اسلام کو تقریباً اسّی فیصد لوگ مذہب حق نہیں مانتے اور ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعہ یا کسی ولی اللہ کے ذریعہ مذہب اسلام کیوں نہیں، پھیلاتا اور شیطان کے دھوکہ سے معصوم لوگوں کو کیوں نہیں بچاتا؟ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ وسلم تبلیغ صرف کفار میں فرمایا کرتے تھے مگر آج کل مسلمان ایسا نہیں کرتے، کیا ایسا کرنے کی ضرورت نہیں؟ براہ کرم

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، قديمي)

(وكذا في صحيح البخاري: ۱/۱۲، باب خوف المؤمن أن يحبط علمه من كتاب الإيمان، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إن الذين يكفرون بالله ورسوله، ويريدون أن يفرقوا بين الله ورسله، ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض، ويريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً، أولئک هم الكافرون حقاً﴾ الآية، (سورة النساء: ۱۵۰، ۱۵۱)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "اللهم أعز الإسلام بأبي جهل بن هشام، أو بعمر بن الخطاب، فأصبح عمر، فغدا على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأسلم ثم صلى في المسجد ظاهراً". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۷، مناقب عمر رضي الله عنه، قديمي)

www.besturdubooks.net

بوضاحت جواب سے مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دین اسلام کی تبلیغ مسلمانوں کے ذمہ میں ہے، فرشتوں کے ذمہ نہیں، اولیاء اللہ نے ہمیشہ دین اسلام کو پھیلایا ہے اور ایک ایک ولی اللہ کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے اور اب بھی اولیاء اللہ ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ شیطان کے دھوکہ سے بچانے کے لئے قرآن پاک اور حدیث شریف میں طریقے بتادیئے گئے، ان کے ترجمے ہر زبان میں کردیئے گئے، جگہ جگہ مدارس قائم کردیئے گئے کہ لوگ پڑھ کر شیطان کے دھوکہ سے بچنے کے طریقے معلوم کریں، چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کردی گئی ہیں، خانقاہیں قائم کردی گئی ہیں جن میں اولیاء اللہ بیٹھ کر یہ سب کچھ کرتے ہیں، اگر کوئی شخص ان سب سے نفع نہ اٹھائے، تو یہ خود انکا قصور ہے۔

دنیوی کاموں کے لئے محنت کرتے ہیں، مثلاً: ایک سیر غلہ پیدا کرنے کے لئے کھیتی کرتے ہیں، کتنی محنت کی جاتی ہے، وہاں یہ سوال نہیں ہوتا کہ فرشتے ہی آکر یہ سب کام کردیا کریں، اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ کا حال ہے نہ کبھی مکان بنانے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ آکر تعمیر کردیا کرے، پھر دین کی تبلیغ کے لئے یہ خیال کیوں ہوتا ہے۔ جس چیز کو آدمی پھیلانا چاہتا ہے اس کے لئے جماعت بناتا ہے، اس کا مرکز قائم کرتا ہے، اخبار نکالتا ہے، یا دوسرے اخبارات میں مضمون دیتا ہے، ہر جگہ اس کا پرچار کرتا ہے، اس پر محنت بھی کرتا ہے، روپیہ بھی خرچ کرتا ہے، اپنے دل و دماغ، زبان، عزت، اقتدار غرض ہر قوت کو خرچ کرتا ہے، یہ کبھی کوئی نہیں کہتا کہ فرشتہ آکر یہ کام کرجایا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے اصحاب کا احترام

سوال[۲۲۹]: انبیاء سابقین کے اصحاب کا احترام واکرام ہمارے فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کے احترام واکرام کے مثل ہم پر ضروری ہے یا کوئی کمی وبیشی کا فرق ہے؟

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

فرق ہے:"والحاصل أن أفضل الناس بعد الأنبياء عليهم السلام أبو بكر الصديق، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان، ثم علي بن أبي طالب اهـ"۔ شرح فقه الأكبر: ص: ٦٤ (١)۔

(**ترجمه**) حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر بن الخطاب، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحابہ سب عادل اور واجب الاحترام ہیں

سوال[۲۳۰]: ایک شخص تاریخی واقعات پر نظر کرتے ہوئے صحابہ کے درمیان حق اور ناحق کا فیصلہ کرتا ہو تو یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ایک کو حق دوسرے کو ناحق کہتا ہو تو ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناحق کہنے کا حق ہے تو پھر اس حدیث کا کیا جواب ہوگا: "فمن أحبهم فبحبي أحبهم و من أبغضهم فببغضي أبغضهم" (۲)۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر ملا علي القاري، ص: ۶۱، ۶۲، قديمي)

"وأفضل البشر بعد نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم أبو بكر الصديق، ثم الفاروق، ثم عثمان ذو النورين، ثم علي المرتضى من عباد الله، و خلص أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على هذا وجدنا السلف". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، قديمي)

"واتفق أهل السنة على أن أفضلهم أبو بكر، ثم عمر، قال جمهورهم: ثم عثمان، ثم علي، و قال بعض أهل السنة: من أهل الكوفة بتقديم عليّ على عثمان، والصحيح المشهور تقديم عثمان". (شرح مسلم للنووي، كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم: ۲/۲۷۲، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة، ص: ۲/۵۵۴، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب واجب الاحترام ہیں، کسی کی شان میں گستاخی وتوہین جائز نہیں، ان کے مشاجرات میں کفِ لسان کا حکم ہے، گو اتنی بات صحیح ہے کہ ان میں بعض افضل ہیں بعض سے، لیکن کسی کے متعلق بھی یہ کہنا درست نہیں کہ وہ باطل وضلالت پر تھے، (۱) جو شخص صحابہ کرام کو سب وشتم کرے اس

---

(۱) "والصحابة كلهم عدول مطلقاً؛ لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يُعتد به. في شرح السنة: قال أبومنصور البغدادي: أصحابنا مجمعون على ان أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، و من له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذالك السابقون الأولون، وهم من صلى إلى القبلتين، و قيل: أهل بيعة الرضوان، و كذالك اختلفوا في عائشة و خديجة أيهما أفضل؟ وفي عائشة و فاطمة ؟ و أما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الأخيار. والحروب التي جرت بينهم كانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم متأولون في حروبها، ولم يخرج بذلك أحد منهم من العدالة؛ لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل كما اختلف المجتهدون بعدهم في مسائل، و لا يلزم من ذلك نقص أحد منهم". (مرقاة المفاتيح للقاري، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم: ۱۰/۳۵۵، رشيديه)

"ويكف عن ذكر الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين إلا بخير؛ لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم، ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه الصلاة والسلام: "لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم إن أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه". و كقوله عليه الصلاة والسلام: "الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، و من أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، و من آذاني فقد آذى الله، و من آذى الله تعالىٰ فيوشك ان يأخذه". ثم في مناقب كل من أبي بكر و عمر وعثمان وعلي والحسن والحسين رضوان الله تعالىٰ عليهم وغيرهم من أكابر الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم أحاديث صحيحة، وماوقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محل و تأويلات، فسبهم والطعن فيهم إن كان مما يخالف الأدلة القطعية، فكفر كقذف عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، وإلا فبدعة وفسق". (شرح العقائد النسفي للتفتازاني، ص: ۱۱٦، المطبع اليوسفي)

(وكذا في النبراس، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، امداديه ملتان)

www.besturdubooks.net

پر لعنت وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

اہلِ بیت اور صحابہ کرام سے محبت

سوال [۲۳۱]: ۱- کیا محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جزو ایمان ہے، اگر جزو ایمان ہے تو نص صریح تحریر فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو آیت کریمہ ﴿ولا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربى﴾ (۲) کے کیا معنی اور محبت کا اظہار کس طرح سے کیا جاوے اور اہل بیت میں کون کون شامل ہیں؟

صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

سوال [۲۳۲]: ۲- جو لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی تائید میں کوئی آیت کریمہ تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲..... نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے اور جان نثار امتی کی شان یہ ہے کہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شیء کے ساتھ علی حسب المراتب محبت رکھے۔ آپ کی مسجد، آپ کا مزار، آپ کا وطن، آپ کا لایا ہوا قرآن شریف اور اس کے احکام، آپ کی حدیث اور اس کے احکام آپ کا کھانا، آپ کا پینا، آپ کا لباس، آپ کی سواری اونٹ وغیرہ، آپ کے ہتھیار تلوار وغیرہ، آپ کا طرز زندگی، طرز عبادت، طرز معاملات، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، عترت پاک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، غرض آپ سے تعلق رکھنے والی ہر شیٔ محبوب ہونی چاہیے اور جو شیٔ آپ کو مرغوب و پسندیدہ نہ تھی یا مبغوض تھی اس سے اسی قدر بعد ہونا چاہیے۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة: ۲/ ۵۵۴، قديمي)

(۲) (الشورى: ۲۳)

www.besturdubooks.net

حاصل یہ کہ اپنی محبت ونفرت کومن کل الوجوہ آپ کی محبت ونفرت کے تابع کردے، جوشخص اعتقاد وقول وفعل سے اس چیز میں جس قدر راسخ اور کامل ہوگا اسی قدر اس کا ایمان پختہ ہوگا، جس قدر کمی ہوگی اسی قدر ایمان میں ضعف ہوگا، اس کی دلیل وہ بے شمار آیتیں ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو فرض، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور باعثِ فلاح اور آپ کی نافرمانی کو حرام، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور باعث ہلاکت فرمایا گیا ہے، آپ کی محبت کا ہر شی کی محبت سے زیادہ ہونا ضروری ہے:

" عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم: "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين "۔ متفق عليه".

"وعنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم:" ثلث من كن فيه وجدبهن حلاوة الإيمان: من كان الله و رسوله أحب إليه مما سواهما الخ"۔ مشكوة شريف: ص: ۱۲ (۱)۔

لیکن شریعتِ مطہرہ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃ مذکور ہے (۲) اور ایمان کا مدار توحید ورسالت وغیرہ عقائد کو قرار دیا ہے، پس اس بنیاد اور مدار کے عدم سے ایمان معدوم ہوگا جو کفر کو مستلزم ہے، باقی عقائد واجبہ کے عدم سے کفر نہیں لازم آتا، البتہ ضعف

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۲، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الايمان، باب حب الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الإيمان: ۱/۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان: ۱/۷، قديمي)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلاة، و إيتاء الزكاة، والحج و صوم رمضان "۔ متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۲، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: (بني الإسلام على خمس): ۱/۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام: ۱/۳۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

ایمان کی دلیل ضرور ہے۔

اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت کا اظہار اس طرح کرنا چاہئے کہ ان حضرات کا نام عظمت واحترام سے لے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہے، ان کے واقعات پڑھے دوسروں کو سنائے اور ان سے عبرت حاصل کرے کہ کس طرح سرفروشی سے دین کی تبلیغ واشاعت فرمائی ہے اور حسب مقدور اس امر میں خود بھی ان کا اتباع کرے، اہل بیت پاک: ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بغض رکھنا اور یہ سخت حرام ہے، کیونکہ ان سے بغض رکھنا، درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنا ہے اور یہ فی الحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے بغض رکھنا ہے جو شخص گستاخی کے کلمات ان کی شان میں کہتا ہے اس کے اوپر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے:

" عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن اذاهم فقد اذاني، ومن اذاني فقد اذى الله، ومن اذى الله فيوشك أن يأخذه"۔ رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب"۔

"عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم"۔ رواه الترمذي اهـ" مشكوة شريف: ص: ٥٥٤ (١)۔

"لا أسئلك في القربى" مجھے معلوم نہیں کہ کونسی آیت ہے، کس سورت میں آئی ہے، ممکن ہے کہ سائل کی مراد اس سے: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربى﴾ (٢) ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

---

(١) (جامع الترمذي، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب في من يسب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/٢٢٥، سعيد)

(مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة: ٢/٥٥٣، قديمي)

(٢) (الشورىٰ: ٢٣)

www.besturdubooks.net

ایک یہ کہ ''اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! فرمادیجئے ان مشرکین کو کہ میں اپنی اس تبلیغ اور نصیحت پر تم سے کوئی اجر اور مال نہیں مانگتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے شر کو روک لو اور مجھے رسالت کی تبلیغ کرنے دو اور تمہارے درمیان قرابت ہے اس کا خیال کرو اھ'' ۔تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۱۱(۱)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قربیٰ سے مراد تقرب الی اللہ ہے یعنی ''صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کر کے اطاعت اور عمل صالح کے ذریعہ سے تقرب الی اللہ حاصل کرو اھ'' تفسیر مدارک: ۴/۸۱(۲)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو تنگی کا زمانہ تھا اور ضرورتیں درپیش تھیں تو انصار نے کہا آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے اور آپ ہمارے اس شہر میں ہمسایہ ہیں، لہذا آپ کے لئے کچھ مال جمع کرنا چاہئے سو جمع کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''آپ کہہ دیجئے کہ

---

(۱) ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربیٰ﴾: أي قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش: لا أسألكم على هذا البلاغ و النصح لكم ما لا تعطونيه، و إنما أطلب منكم أن تكفوا شركم عني، و تذروني أبلغ رسالات ربي، إن لم تنصروني فلا تؤذوني بما بيني و بينكم من القرابة". (تفسير ابن كثير (الشورىٰ:۲۳): ۴/۱۰۰، دار القلم)

"(قل لا أسئلكم عليه أجرا)" على ما أدعوكم عليه "(إلا المودة في القربیٰ)" تودوني لقرابتي منكم و تحفظوني بها". (روح المعاني، (الشورىٰ :۲۳): ۲۵/۴۸، دار الفكر)

(و كذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الشورىٰ:۲۳): ۱۶/۱۵، دار الكتب العلمية)

(۲) " وقيل: القربىٰ التقرب إلى الله تعالىٰ: أي إلا أن تحبوا الله و رسوله في تقربكم إليه بالطاعة والعمل الصالح". (تفسير المدارك، (الشورىٰ :۲۳): ۴/۱۰۲، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا أسألكم على ما آتيتكم من البينات و الهدى أجراً إلا أن تودّوا الله تعالىٰ، و أن تقربوا إليه بطاعته". (تفسير ابن كثير، (الشورىٰ:۲۳): ۴/۱۰۰، ۱۰۱، دار القلم)

و قال آخرون: بل معنى ذلك: قل: لا أسألكم أيها الناس على ما جئتكم به أجراً إلا أن تَوَدّدوا إلى الله، و تتقربوا بالعمل الصالح والطاعة". (تفسير الطبري، (الشورىٰ:۲۳): ۲۵/۲۵، شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي)

www.besturdubooks.net

تم سے ہدایت اور ایمان کا عوض نہیں مانگتا، البتہ یہ چاہتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو" اھ۔ تفسیر کبیر: ۲۷۳/۷(۱)۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس آیت کریمہ میں قرابت سے مراد حضرت علی و فاطمہ وحسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں اھ" تفسیر ابوالسعود: ۳۵/۸(۲)۔

محدثانہ حیثیت سے ان میں سے بعض روایات پر کلام بھی ہے جس کو ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/رجب المرجب/۵۸ھ۔

---

(۱) "روى الكلبي عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما قدم المدينة كانت تعروه نوائب و حقوق و ليس في يده سعة،فقال الأنصار: إن هذا الرجل قد هداكم الله على يده و هو ابن أختكم و جاركم في بلدكم، فاجمعوا له طائفةً من أموالكم، ففعلوا، ثم أتوه به فرده عليهم،فنزل قوله تعالىٰ: ﴿قل لا أسئلكم عليه أجراً﴾". (التفسير الكبير، (الشورىٰ :۲۳): ۱۴۱/۲۷،دار الكتب العلمية)

"فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما : لما قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة كانت تنوبه نوائب وحقوق لا يسعها ما في يديه،فقالت الأنصار: إن هذا الرجل هداكم الله به، وهو ابن أخيكم، و تنوبه نوائب و حقوق لا يسعها ما في يديه، فنجمع له،ففعلوا، ثم أتوه به فنزلت الخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (الشورىٰ:۲۳): ۱۶/۱۷،دار الكتب العلمية)

(۲) "روي أنها لما نزلت، قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم؟قال: "عليّ وفاطمة و ابناهما". (تفسير أبي السعود ،(الشورىٰ : ۲۳): ۳۰/۸، دار إحياء التراث العربي)

"لما أنزل الله عزوجل: (قل لا أسئلكم عليه أجراً إلا المودة في القربىٰ) قالوا : يا رسول الله! من هؤلاء الذين نودهم؟ قال: "علي و فاطمة و ابناهما". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (الشورى): ۱۶/۱۶ ،دار الكتب العلمية)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قيل: يا رسول الله! من قرابتك هؤلاء؟ قال: "علي و فاطمة وابناهما". (التفسير المظهري،(الشورىٰ : ۲۳): ۳۱۹/۸،حافظ كتب خانه كوئته)

(۳)(تفسير ابن كثير، (الشورىٰ : ۲۳): ۱۲۳/۴ ،مكتبه دار الفيحاء)

www.besturdubooks.net

آل رسول کا مصداق

سوال[۲۲۴] : ''آل'' کا لفظ صرف اہل بیت کے لئے خاص ہے یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور جملہ امتیوں کو بھی شامل ہے؟ اگر تمام صحابہ اور تمام متبعین کو شامل ہے تو پھر درود شریف میں :"و أصحابه" بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

''آل رسول'' کا لفظ اہل بیت کے لئے خاص ہے اس لئے صحابہ کرام کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص میرے طریق پر چلے وہ میری آل ہے، اس لئے جہاں اصحاب کا تذکرہ نہیں وہاں اس روایت کے تحت اصحاب کو''آل'' میں داخل قرار دے لیا جاوے گا(۱) اس روایت پر ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح حصن حصین میں کلام کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

---

(۱) "و اختلف في الآل المصلى عليهم فقيل: بنو هاشم، و قيل: أولاده، و قيل: الفقهاء المجتهدون، وقيل: أتباعه و هو المختار". "و عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه سئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن آل محمد، قال:"كل تقي" و في رواية :"كل مؤمن" و في سندهما ضعف".

و في الحاشية رقم :۳: "(قوله: هو المختار) والحق أنه ليس بصحيح عند الأبرار لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"لا يصح الصدقة لمحمد و لا لآل محمد" و لو كان الآل جميع الأتباع حرمت عليهم الصدقة، و لم يقل به أحد". (النبراس شرح شرح العقائد (تحت قوله: و على آله)، ص: ۱۰)

"(وعلى آله) .... فبالاشتراک اللفظي على ثلثة معان .... الثالث: بمعنى أهل البيت خاصةً: نحو آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ".(امداد الفتاح شرح نور الايضاح و نجاة الأرواح، ص:۲۷، دار إحياء التراث العربي)

"(و على آله) ...... فالأكثرون أنهم قرابته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين حرّمت عليهم الصدقة .... و قيل:جميع أمة الإجابة ".(مقدمة رد المحتار : ۱۳/۱، سعيد)

"و اختلف العلماء في آل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أقوال: أظهرها وهو اختيار الأزهري وغيره من المحققين انهم جميع الأمة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱۷۵/۱، باب =

www.besturdubooks.net

مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

سوال[۲۲۵]: مدح صحابہ شرعی حیثیت سے فرض ہے، واجب ہے، یا سنت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدح صحابہ قرآن وحدیث میں کثرت سے موجود ہے اور ہر جمعہ کو ممبر پر چڑھ کر خطیب مدح صحابہ کرتا ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعار اہلسنت والجماعت میں سے ہے، اگر اس کی رکاوٹ کی جاوے گی تو اس کا کرنا ضروری ہوگا (۱) لیکن موقعہ اور محل اور نوعیت کی رعایت بہر حال ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

صحابہ کرامؓ سب سنی تھے

سوال[۲۲۶]: مولانا صاحب بی اے منشی فاضل فرماتے ہیں "نہ میں حنفی ہوں، نہ مالکی، نہ شافعی، نہ حنبلی، نہ شیعہ، نہ قادیانی، نہ سنی، میں مسلم ہوں" اوران کے شاگرد چاروں طرف کہتے پھرتے ہیں کہ سنی ہونا قرآن مجید سے ثابت نہیں، سنی تو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوڈیڑھ سو سال بعد ہوئے جو بن کر مسلمان ہوئے۔

= الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد التشهد، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان، رضي الله عنهم و رضوا عنه، و أعد لهم جنات تجري تحتها الأنهر، خالدين فيها أبداً، ذلك الفوز العظيم﴾ (التوبة: ۱۰۰)

و قال تعالىٰ: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة، فعلم ما في قلوبهم، فأنزل السكينة عليهم، و أثابهم فتحاً قريباً﴾ (الفتح: ۱۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشدآء على الكفار رحمآء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله و رضواناً، سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة و مثلهم في الإنجيل، كزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ، فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين اٰمنوا و عملوا الصالحات مغفرة و أجراً عظيماً﴾. (الفتح: ۲۹)

www.besturdubooks.net

مشکوۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''البتہ آوے گا امت میری پر یعنی زمانہ جیسا کہ آیا اوپر بنی اسرائیل کے مانند پاپوش کے ساتھ پاپوش کے یعنی بہتر گروہ کے، اور ہوگی امت میری تہتر گروہ پر، سب وہ بیچ دوزخ کے مگر ایک گروہ''، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کون ہوگا وہ گروہ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب'' (۱) اور اس ہی باب میں ارشاد فرمایا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء" (۲) پس لازم پکڑو طریقہ میرا اور طریقہ خلفائے راشدین کا۔ کیا اس سے سنت والجماعت ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ اس کو سنی ہونا نہیں کہتے کیا سنت والجماعت یا سنی ہونا کفر ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سنی وہ جماعت ہے جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق کے موافق عمل کرتے ہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں سنت اور جماعت صحابہ کے طریق کو اختیار کرنے اور اس پر چلنے کا حکم ثابت ہے اور اس سے علیحدہ ہونے کی برائی اور مذمت صراحۃً موجود ہے۔ لفظ ''سنی'' اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں موجود نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنت پر عمل کرنے والے بھی اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنی ہونے یعنی سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تمسك بسنتي عند فساد أمتي، فله أجر مائة شهيد"۔ رواه البيهقي".

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانيةً لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني اسرائيل تفرقت ثنتين و سبعين ملةً، و تفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملةً واحدةً". قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: "ما أنا عليه و أصحابي". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/ ۳۰، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

خالف الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه" رواه احمد و أبوداؤد" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

کیا صحابی کی نعش کو دیکھنے والا بھی تابعی ہے؟

سوال[۲۳۶]: تابعی کی کیا تعریف ہے؟ کیا اگر آج کسی صحابی کی نعش برآمد ہو تو اس کا دیکھنے والا تابعی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض نعش برآمدہ کو دیکھ کر آج چودہویں صدی میں کوئی تابعی نہیں کہلائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام مہدی

سوال[۲۳۷]: کیا امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ از روئے قرآن وحدیث ضروریاتِ دین میں سے ہے؟ اگر کوئی امام مہدی کے ظہور کا قائل نہ ہو تو اس کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ رئیس احمد دیوریا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خلیفۃ اللہ المہدی کے متعلق ابوداؤد شریف میں تفصیل مذکور ہے (۳) ان کی علامات، ان کے ہاتھ پر

---

(۱) (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی: ۱/۳۰، ۳۱، قدیمی)

(۲) "قیل: هو من صحب الصحابي، وقیل: من لقیه، و هو الأظهر". (تقریب النووي: ۲/۲۰۶، قدیمی)

"وهو من لقي الصحابي كذلك". (نخبة الفكر، ص: ۱۰۲، فاروقی کتب خانه، ملتان)

"هو من لقي صحابياً مسلماً و مات على الإسلام، و قيل: هو من صحب الصحابي". (تيسير مصطلح الحديث، معرفة التابعين، ص: ۲۰۲، دار التراث الكويت)

(۳) "و لو لم يبق من الدنيا إلا يوم"، قال زائدة: "لطوّل الله ذلك اليوم حتى يبعث رجلاً مني أو من أهل =

www.besturdubooks.net

بیعت، ان کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ جو شخص ان "امام مہدی" کے ظہور کا قائل نہیں وہ ان احادیث کا قائل نہیں، اس کی اصلاح کی جائے تاکہ وہ صراط مستقیم پر آجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بيتي، يواطىء اسمه اسمي، واسم أبيه اسم أبي". زاد في حديث فطر: "يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً". و قال في حديث سفيان: " لا تذهب أو لا تنقضي الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطىء اسمه اسمي". قال أبو داؤد: لفظ عمرو أبي بكر بمعنى سفيان".

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو لم يبق من الدهر إلا يوم، لبعث الله رجلاً من أهل بيتي يملأها عدلاً كما ملئت جوراً".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "المهدي من عترتي من ولد فاطمة".

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المهدي مني، أجلى الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً و عدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً، ويملك سبع سنين".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه و هو كاره، فيبايعونه بين الركن و المقام، و يبعث إليه بعث من الشام، فيخسف بهم بالبيداء بين مكة و المدينة، فإذا رأى الناس ذلك أتاه أبدال الشام و عصائب أهل العراق فيبايعونه، ثم ينشأ رجل من قريش أخواله كلب، فيبعث إليهم بعثاً، فيظهرون عليهم، و ذلك بعث كلب، والخيبة لمن لم يشهد غنيمة كلب، فيقسم المال، و يعمل في الناس بسنة نبيهم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و يلقي الإسلام بجرانه إلى الأرض، فيلبث سبع سنين، ثم يتوفي، و يصلي عليه المسلمون" قال أبو داؤد: وقال بعضهم عن هشام: تسع سنين، وقال بعضهم: سبع سنين".

"قال علي رضي الله تعالىٰ عنه و نظر إلى ابنه الحسن فقال: إن ابني هذا سيد كما سماه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و سيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ويشبهه في الخُلق ولا يشبهه في الخَلق، ثم ذكر قصة "يملأ الأرض عدلاً". (سنن ابی داؤد، باب ذکر المهدي: ۲/۲۳۹، بعد آخر کتاب الفتن، امدادیه، ملتان)................................... =

www.besturdubooks.net

ایک جنین (غیر مولود) باتیں کرتا ہے کیا وہ مہدی ہے؟

سوال[۲۲۸]: ۱...... انڈونیشیا میں ایک عورت حاملہ ہے اس کے دن پورے ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک ولادت نہیں ہوئی، بلکہ جنین نے یہ خبر دی ہے کہ آنے والے سال میں حج کے دن عرفات کے میدان میں پیدا ہوں گے، دوسرے یہ کہ اندر سے جنین گفتگو کرتا ہے جس کی باتیں صرف اس کی ماں سمجھتی ہے، اور کوئی نہیں سمجھتا، تیسرے یہ کہ کہنے والے کا بیان ہے کہ آئندہ چل کر اس کی باتیں ماں کے علاوہ اور اشخاص بھی سمجھ سکتے ہیں، چوتھے یہ کہ بچہ حکم کرتا ہے کہ فلاں جگہ چلو، ماں اس کے حکم کے مطابق دورہ کرتی ہے، پانچویں یہ کہ بچہ مادر کے رحم ہی میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔

۲...... بندہ کے پاس اس کا استفتاء آیا ہے، اس خبر کی تصدیق کرنا چاہئے یا نہیں؟

۳...... بعض کا خیال ہے کہ امام مہدی یہی ہیں اور قربِ قیامت کی علامات شروع ہو گئی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی تصدیق لازم ہو، اگر مخبرہ ثقہ ہو اور ظن غالب اس کی تصدیق پر آمادہ کرے تو تصدیق میں اشکال نہیں (۱)۔ لیکن وہ ملک در ملک دورہ کرتی ہے اور بظاہر بغیر محرم کے سفر کرتی ہے تو وہ ثقہ اور قابلِ تصدیق نہیں (۲)۔ قربِ قیامت کا ظن غالب ہے، دماغی مرض کا بھی شبہ ہے، شیطانی اثر بھی ہو سکتا

= (وكذا في الحاوي للفتاوى، العرف الوردي في اخبار المهدي: ۲/۲۹، دار الفكر)

(۱) "شهادة النساء بانفرادهن فيما لا يطلع عليه الرجال حجة". (رد المحتار، كتاب الشهادات ۵/۴۶۵ ط: سعيد)

"وشرطت الولادة، والبكارة، وعيوب النساء مما لا يطلع عليه الرجال امرأة حرة مسلمة".

(مجمع الأنهر، كتاب الشهادات: ۳/۲۶۰ ط: غفاريه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادات: ۷/۳۷۲، مصطفى البابي مصر)

(۲) "اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة تمنع الشهادة، وفي الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسقاً مطلقاً، لا تقبل شهادته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته ومن لا تقبل، الفصل الثاني فيمن لا تقبل شهادته لفسقه: ۳/۴۶۲، رشيديه) =

www.besturdubooks.net

ہے، غرض اس کا قول حجت شرعیہ نہیں۔

۲...... اس کی تصدیق یا تکذیب سے نہ ایمان قوی ہوتا ہے نہ ضعیف ہوتا ہے، اس کی باتوں کی طرف توجہ لایعنی ہے۔

۳...... یہ خیال بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق حدیث شریف میں موجود ہے کہ ان کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا موافق ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام کے موافق ہوگا (۱)، اور وہ حضرت فاطمہؓ کی ذریت سے ہوں گے (۲) اور لوگ ان کو نہیں پہچانیں گے، بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی حالت میں ان کو پہچان لیں گے (۳)، ان کا حلیہ بھی بتلایا گیا ہے، "أجلی الجبهة أقنی الأنف الخ" (٤) أبو داؤد شریف میں تفصیل موجود ہے، (٥) مشکوۃ شریف أشراط الساعة میں بھی یہ روایت موجود ہے (٦)، اب تو اس عورت کے متعلق

= تفصیل کے لئے دیکھئے: (ردالمحتار، کتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٥/٤٧٣، سعید)

(وخلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الثاني في الشهادات ما يقبل منها وما لا يقبل: ٤/٦٠، رشيديه)

(١) "لاتذهب أو لا تنقضي الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطئ اسمه اسمي". (سنن أبي داؤد، كتاب المهدي، قبيل كتاب الملاحم: ٢/٢٣٩، ٢٤٠، امداديه)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب الرؤيا، باب أشراط الساعة، ص: ٤٧٠، قديمي)

(٢) "عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المهدي من عترتي من ولد فاطمة". (مشكوة المصابيح المصدر السابق)

(٣) "عن أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هارباً إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة، فيخرجونه وهو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام". الحديث. (سنن أبي داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدي: ٢/٢٣٩، ٢٤٠، امداديه، ملتان)

(٤) " عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المهدي مني، أجلى الجبهة، أقنى الأنف، يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً، ويملك سبع سنين" (سنن أبي داؤد، آخر كتاب الفتن، باب ذكر المهدي: ٢/٢٣٩، ٢٤٠) .... =

www.besturdubooks.net

اخبارات میں کچھ اور بھی آ گیا ہے کہ جب اس کی تفتیش کی گئی تو جنین کیا ہوتا وہ خود بھی جنین کی طرح کہیں غائب ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳/۳/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۵) (سنن أبي داؤد، كتاب الفتن، باب ذكر المهدي: ۲/۲۳۹، ۲۴۰، امدادیہ، ملتان)

(۶) (سنن أبي داؤد، المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

ما يتعلق بعلم الغيب

(علم غیب کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جاننا

سوال[۲۲۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

غیب کی بہت سی چیزوں کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، مثلاً: احوال قبر، احوال حشر، جنت، دوزخ وغیرہ، لیکن ان چیزوں کے علم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جائے گا، یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً، إلا من ارتضى من رسول، فإنه يسلک من بين يديه و من خلفه رصداً﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وما كان الله ليطلعكم على الغيب و لكن الله يجتبي من رسله من يشاء﴾(آل عمران: ۱۷۹)

قال العلامة الآلوسي: "فالله سبحانه و تعالىٰ عالم كل غيب وحده، فلا يطلع على ذلک المختص علمه به تعالىٰ إطلاعاً كاملاً أحداً من خلقه، ليكون أليق بالتفرد و أبعد عن توهم مساواة علم خلقه لعلمه سبحانه، و إنما يطلع جل و علا إذا اطلع من شاء على بعضه مما تقتضيه الحكمة التي هي مدار سائر أفعاله عز و جل .... أي لكن الرسول المرتضى يُظهره جل و علا على بعض الغيوب المتعلقة برسالته". (روح المعاني، (الجن: ۲۶، ۲۷): ۹۲/۲۹، دار إحياء التراث العربي)

"(و لا أعلم الغيب): أي و لا أقول لكم إني أعلم الغيب، إنما ذاک من علم الله عزوجل، و لا اطلع منه إلا على ما اطلعني عليه". (تفسير ابن كثير، (الانعام): ۵۰، ۱۸۱/۲، مكتبه دار الفيحاء)

"ثم إن الأنبياء يعلمون كثيراً من الغيب بتعريف الله تعالىٰ إياهم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (لقمان: ۳۴): ۶۹/۲۱، دار الفكر)

www.besturdubooks.net

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلہ میں دیوبندی بریلوی اختلاف

سوال[۲۴۰]: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کو جانتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ذاتی ہے یا عطائی؟ بریلوی اور دیوبندی میں اس کے متعلق کیا اختلاف ہے اور کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات جل شانہ نے شانِ نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور امورِ اخرویہ سے متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ دیگر تمام انبیاء وملائکہ اور تمام جن وبشر کے علوم کی حیثیت ان کے سامنے ایسی ہے جیسے بحر ناپیدا کنار کے سامنے ایک قطرہ کی ہوتی ہے(۱) اور یہ حق تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہے۔ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور اس کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کے علوم ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے (۲)، کیونکہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اور سب کے علوم کثرت کے باوجود متناہی ہیں۔ حضراتِ اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے، بریلی کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات علمائے دیوبند بھی عالم الغیب کہنے سے روکتے ہیں، مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی لکھا ہے کہ کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے، کیونکہ کتب شرعیہ میں عالم الغیب اس کو کہتے ہیں جس کا علم ذاتی ہو اور وہ صرف اللہ پاک ہے، اور کوئی نہیں۔

---

(۱) "قال علیہ السلام: "أنا مدینة العلم و عليّ بابها". (فیض القدیر: ۵/ ۳۰۰۰۲، رقم الحدیث: ۲۸۰۵ بیروت)

"و إن سیدنا و شفیعنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جمیعاً". (امداد الفتاوی: ۶/ ۳۲۷، دار العلوم کراچی)

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما یطیقون۔ ...... ثم یقول: "إن أتقاکم وأعلمکم باللہ أنا". (صحیح البخاری: ۱/ ۷، کتاب الإیمان، قدیمی)

(۲) "فجاء عصفور فوقع علی حرف السفینة، فنقر نقرةً أو نقرتین في البحر، فقال الخضر: یا موسی! ما نقص علمي و علمک من علم اللہ تعالیٰ کنقرة هذه العصفور". (صحیح البخاری: ۱/ ۲۳، کتاب العلم، قدیمی)

www.besturdubooks.net

عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح

سوال[۲۴۱]: موریش کے بدعتی ماحول سے تو آپ واقف ہیں، دیوبندیت کے خلاف بدعتی عالم ہمیشہ ابھارتے رہتے ہیں، ہم ناچیز اس کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے خلاف زبان نہ کھولیں، اس میں کسی حد تک کامیابی ہے اور انشاء اللہ زیادہ کی امید بھی ہے، دعائے مدد فرمائیں۔

۱۹۶۸ء میں نصاریٰ اور مسلمانوں میں فساد ہوا تھا، حالات نازک تھے، ہم سب مولوی جمع ہوئے تھے کہ ہم اپنے اختلاف کو ایک طرف رکھیں اور اتفاق کے ساتھ رہیں، جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کر کے لوگوں کو خبردار کیا جائے کہ آپ لوگ بھی اتفاق کرلیں اور اتحاد سے رہیں تاکہ دوسری قوموں پر اچھا اثر ہو اور ایسا ہوا بھی، اس میں عجلت میں ایک مبہم عبارت پر ہم نے دستخط کردیئے اور اس پر اتفاق کیا کہ جب تک اس مبہم عبارت کو صاف نہ کیا جائے عوام کے قابل نہ بنایا جائے اور شائع نہ کیا جائے، اختلافی مسائل میں تین مسائل سامنے تھے:

۱......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ تو سب نے اس پر اتفاق کیا تھا کہ عالم الغیب تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں بذریعہ وحی بہت سی غیب کی باتوں کا علم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے دیا تھا۔

۲......اسی طرح حاضر و ناظر تو اللہ پاک ہی ہے، ہاں اللہ پاک اپنے حکم اور قدرت سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اور جہاں پہونچانا چاہے اور جو دکھلانا چاہے اپنی قدرت سے پہونچا اور دکھلا سکتا ہے۔

۳......اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید البشر ہمارے جیسے نہیں یعنی شرف کمالات میں ہمارے جیسے نہیں، آپ نبی اور رسول خاتم النبیین ہیں۔

اس روز بدعتی عالم گفتگو میں بہت نیچے اترا تھا، اس نے موقعہ دیکھ کر کہا ہم ایک مختصر عبارت لکھ کر دستخط کرلیں، چنانچہ اس نے جو عبارت لکھی وہ پرچہ بھی ساتھ ہے: ''عالم الغیب باعلام اللہ، حاضر و ناظر بقدرۃ اللہ، سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں'' پھر جو عبارت لکھی وہ مبہم تھی تو میں نے دستخط کرنے سے انکار کردیا کہ جب تک جو زبانی تشریحات ہوئی ہیں وہ عوام کے سمجھنے کے قابل چونکہ نہیں ہیں اس لئے میں دستخط بھی نہیں کرتا ہوں،

www.besturdubooks.net

تو سب نے کہا اسے شائع نہیں کیا جائے گا، جب مبہم عبارت کی تشریح ہوجائے گی تب شائع کریں گے، میں نے اپنے دستخط معلق.........ابھی بھی جو وہاں موجود تھے وہ قبول کرتے ہیں، گواس پرچہ میں یہ تحریر نہیں ہے، اس کے بعد ہم لوگ تشریح پر متفق نہ ہوسکے اس لئے بات آگے نہ بڑھی۔

پھر ۲۷ء میں بدعتی جامع مسجد میں امام کو مستعفی کردیا، وہ پاکستان چلا گیا۔ ۱۹۶۸ء کی یہ عبارت جسے شائع نہ کرنے پر اتفاق تھا، چند دن ہوئے کسی غیر ذمہ دار نے بدعتی عالم کا مقتدا تھا اس کے پاس یہ پرچہ تھا، شائع کردیا، جس سے یہ مصیبت ہوئی ہے کہ ہمارے دیوبندی خیالات کے دوست احباب ہمیں بدنام کررہے ہیں، بلکہ ذاتی دشمنی کی وجہ سے پرچہ شائع کرنے والے بدعتی کے ساتھ مل گئے ہیں کہ خوب شائع کروتا کہ بدنام ہو، سب ان کو کافر کہیں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں وغیرہ۔

سنا ہے کہ اس پرچہ کو آپ کی خدمت میں ارسال کرکے فتویٰ طلب کیا ہے، اگر یہ پرچہ پہونچا ہے تو جواب مرحمت فرماتے وقت جو مبہم عبارتیں ہیں انہیں صاف کر کے، موقعہ ہے کہ دیوبندی مسلک کو صاف کیا جائے تاکہ شر میں خیر نکل آئے، جواب مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں تو بہتر ہے کہ حضرت والا ان کو حالات سے مطلع فرمائیں، جو پرچہ دستخط شدہ ہے اس کی کاپی اور جو اس کے جواب میں صرف اظہارِ حقیقت کے طور پر ہم نے جمعہ میں سنایا، اس کی نقل بھی حاضر خدمت ہے۔

حضرت والا کو یاد ہوگا جب آپ حاجی یوسف رادت کے یہاں شادی میں تشریف لائے تھے تو موریشش میں حاجی داؤد ملاں کے وہاں کھانے پر مختلف خیالات کے اشخاص کو جمع کیا تھا اور جو سپاسنامہ والا قدر کو پیش کیا تھا اس میں دیوبندی بزرگوں کی خدمات کا ذکر اور والا قدر کی شخصیت کا تعارف تھا، کوشش یہ ہوتی رہی کہ کم از کم ذہنی انقلاب تو ہو، اس لئے گذارش ہے کہ کوئی ایسی تشریح ہو جو دونوں جماعتوں میں اتحاد و اتفاق کر سکے، دعا فرمائیں یہ فتنہ دفن ہو اور حق روشن ہو، اللہ پاک مدد فرمائے۔ آمین۔ اسماعیل بڑا بھائی (موریشش)۔

دستخط شدہ دستاویز کا انکشاف اور سبب

''موریشش کی امتِ مسلمہ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج سے چند سال پیشتر رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق عالم الغیب، حاضر و ناظر اور بشر کی شہادت اور انکار کا تنازعہ مسلمانوں کے درمیان زور و شور سے تھا، یہاں تک کہ اعلانیہ طور پر وہابی و بدعتی سے ملقب کر کے سلام و کلام بھی ترک کردیا تھا،

www.besturdubooks.net

لہذا اسی عرصہ میں ہم نے بھی مختلف جگہوں پر مذکورہ صفات وموضوعات پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں تفصیلاً تقاریر کیں، اللہ جل شانہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین صفات ودرجات کے امتیازات کو نہایت ہی صاف اور غیر مبہم طریقہ پر امت مسلمہ کو سمجھایا اور ایمان وعقائد کی صحت اور مضبوطی کا درس دیا، الحمدللہ ہمارا آج بھی وہی ایمان اور عقیدہ ہے، جس کا ثبوت مدلل طریقہ پر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہم مسلمانوں کو دے چکے ہیں اور اس وقت بھی ہم اپنے گذشتہ فیصلہ پر ٹھوس ومستحکم ہیں۔

واضح ہو کہ ۱۹۶۸ء میں عیسائی اور مسلم قوم کے درمیان فساد برپا ہوا اور بدقسمتی سے مسلمانوں کے حالات بہت ہی قابل رحم تھے، اس نازک موقع پر جامع مسجد میں علماء کی ایک کمیٹی بیٹھی، جہاں مصلحتاً ہم سے کہا گیا کہ موریشش میں امن وامان کرانا ضروری ہے، لہذا ہمارے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں ان پر دستخط کر کے عوام الناس کو خبردار کیا جائے کہ ہم تمام علماء میں اتفاق واتحاد ہے اور اس اتحادی خبر کی نشر سے تمام مسلمانوں میں بھی اختلافی مسائل سے ہٹ کر آپس میں اتحاد وہمدردی اور اخوت کا رشتہ مضبوطی کے ساتھ قائم کریں گے، دوسری قوموں پر اس کا اچھا اثر ہوگا۔ تقاضائے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے بالاتفاق مذکورہ دستاویز کو مبہم اور قابلِ تشریح، نامکمل ٹھہراتے اور تسلیم کرتے ہوئے آئندہ علماء کی نشست میں مفصل طور پر مذکورہ دستاویز کے موضوعات وصفات پر گفت وشنید کر کے مبہم عبارتوں کی تشریح جب تک نہ ہو جائے، وہاں تک اشتہاری شکل میں برسرعام نہ لانے پر اتفاق کرتے ہوئے ہم نے تقاضائے وقت کے لحاظ سے مصلحتاً عارضی طور پر دستخط کئے۔

معلوم ہو کہ حقیقتاً یہی وجہ ہے کہ چار سال تک یہ دستاویز امتِ مسلمہ پر مخفی رہا اور اس میں افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کی زیادہ نشستیں نہ ہو سکیں، قابلِ قبول تشریح پر متفق نہ ہو سکے، آج قوم کے کسی ایک غیر ذمہ دار نے اسے شائع کر دیا، اس پر حیرت ہو رہی ہے جو اس نامکمل وعارضی دستاویز کو شائع کر کے ہمیں بدنام اور مسلمانوں کے درمیان بغض وعداوت کی آگ بھڑکا رہا ہے اور جرم عظیم کا مرتکب ہو رہا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ ایسے پر دھیان نہ دیں اور حسد، بغض، عداوت، نفسانیت وغیبت جیسے کبیرہ گناہوں سے دور رہیں۔

عالم الغیب تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، ہر جگہ حاضر وناظر اللہ پاک ہی ہے، بنصِ قرآن وحدیث حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور رسول اللہ وخاتم النبیین ہیں، کمالات میں آپ جیسا کوئی بشر نہیں، عالم الغیب، حاضر وناظر اور رسول

www.besturdubooks.net

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق یہی ہمارے عقیدے ہیں۔ ہم نے اس پرچہ میں عالم الغیب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں کہا ہے، بلکہ ''عالم الغیب باعلام اللہ کہا ہے'' اور ہمارا مطلب اس وقت یہی تھا کہ بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے بہت سی غیب کی باتوں کا علم دیا، حاضر و ناظر نہیں کہا بلکہ حاضر و ناظر بقدرۃ اللہ، ہمارا مطلب یہ تھا کہ ''اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جہاں پہونچانا چاہے وہاں پہونچادے اور جو دکھلانا چاہے دکھلادے، اللہ پاک اس پر قادر ہے''۔ اس پرچہ میں ہے کہ ''سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں''۔ اس کا مطلب یہ کہ ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی اور خاتم النبیین کمالات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کوئی بشر نہیں''۔ ہم پرچہ بازی سے دور رہنا چاہتے ہیں اور اس وقت تک نہیں نکالیں گے جب تک ہمیں مجبور نہ کیا جائے''۔

(یہ مضمون جمعہ کو چند مساجد میں سنایا گیا تھا)

دستخط شدہ جو پرچہ شائع ہوا ہے اور اس میں جو شرارتیں حسد، بغض، عداوت کی وجہ سے کررہے ہیں، وہ پرچہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے اس پرچہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

''عالم باعلام اللہ، سید البشر افضل البشر، ہمارے جیسے نہیں، حاضر ناظر بقدرت اللہ''

آج مندرجہ ذیل علمائے سنت کا اجتماع جامع مسجد پورٹ لوئس میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل مسائل پر اتفاق ہوگیا، لہٰذا ہم لوگ اپنے دستخط کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے آخری نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ کے بتانے سے عالم الغیب اور اللہ کی قدرت سے حاضر و ناظر ہیں اور سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے نہیں۔

دستخط علمائے کرام

ائمہ ومولوی حضرات کے دستخط ہیں جس میں مولانا امام بخاری صاحب لیملیا، اسماعیل بڑا پانچ ورہ پٹیل جامع مسجد کا امام خوشتر، جواب پاکستان میں ہے، محبوب خدابخش، بشیر الدین۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ روحی وروح أبی و أمی) تمام عالم سے افضل

www.besturdubooks.net

ہیں (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنے کمالات تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام میں تقسیم فرمائے ہیں، وہ تمام حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع ہیں (۲) اپنی ذات اور صفات کا علم جو کہ شان نبوت کے لائق ہے جتنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا کسی کو نہیں دیا (۳) غیب کی بہت چیزیں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح محفوظ، میزان، صراط، حشر، نشر، برزخ وغیرہ آپ نے امت کے سامنے بیان فرمائی ہیں اس کے باوجود اللہ پاک کا علم اس سے بھی زیادہ ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ﴿و لا یعزب عنه مثقال ذرة﴾ الایة (۴) پس کلی علم تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس اعتبار سے اسی کو عالم الغیب فرمایا گیا اور حاضر و ناظر بھی اسی کی شان ہے، اس کے علاوہ نہ کسی کو کلی علم غیب ہے نہ کوئی حاضر و ناظر ہے، اس لئے کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ الاية (۵) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۶) نیز ارشاد ہے: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (۷) نیز ارشاد ہے: ﴿لو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من

---

(۱) "أفضل الأنبياء محمد عليه الصلاة والسلام". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۴۱، قديمى)

(۲) "ان أفضل المخلوقات فى الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذى جمع كل خلال الخير و نعوت الكمال، و بعثته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عامة لجميع المكلفين، و أفضليته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله و لا فخر". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الاكبر، ص: ۱۲۲)

(۳) "إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب": ۱/۷، قديمى)

(۴) (السبأ: ۳)

(۵) (الأنعام: ۵۹)

(۶) (الأنعام: ۵۰)

(۷) (النمل: ۶۵)

www.besturdubooks.net

الخیر وما مسنی السوء﴾"(۱)۔

ان آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ آپ فرما دیں کہ مجھے علم غیب حاصل نہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیکھنے کی قوت دی گئی ہے کہ جب چاہا اس سے کام لے لیا اور بولنے چلنے کی قوت دی گئی ہے، اس طرح کوئی قوت غیب پر مطلع ہونے کی نہیں دی گئی کہ جب اور جس چیز کو دل چاہے معلوم کرلیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت پر موقوف ہے کہ اس نے جب چاہا اور جس چیز کے متعلق چاہا علم عطاء فرما دیا، نہ چاہا نہ عطا فرمایا، چنانچہ بہت واقعات احادیث میں موجود ہیں، مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کی وجہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت اذیت اور پریشانی ہوئی، اس سلسلہ میں آپ دوسروں سے مشورہ بھی فرماتے رہے اور بہت رنجیدہ اور غمگین رہے، اس میں کافی عرصہ گزر گیا مگر آپ کو کسی طرح اطمینان نہ ہوا حتی کہ جب وحی نازل ہوئی تب اصل حقیقت کھلی اور اطمینان ہوا (۲)۔ اگر کلی علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو اتنی پریشانی کیوں ہوئی، شروع ہی میں فرما دیتے یہ سب غلط ہے۔

اور مثلاً سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک ہار تھا وہ گم ہوگیا، اس کو تلاش کیا گیا، سب قافلہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا، پھر دیر بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ملا، اگر علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو شروع میں کیوں نہ فرما دیا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے (۳)۔

---

(۱) (الأعراف: ۱۸۸)

(۲) "عن عائشة زوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم قالت: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا أرد أن يخرج، أقرع بين أزواجه فخرج سهمي ... قلت: و ما قال؟ قالت: كذا و كذا، فأخبرتني بقول أهل الإفک ... فدعا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علي بن أبي طالب و أسامة بن زيد حين استلبث الوحي يستأمرهما ... فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و هو على المنبر: "يا معشر المسلمين! من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي" ... قالت: فلما سُرّي عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، سرّي عنه و هو يضحک، فكانت أول كلمة تكلم بها: "يا عائشة! أما الله فقد برّأک" و أنزل الله: ﴿إن الذين جاء وا بالإفک عصبة منكم﴾ الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿إن الذين جآء وا بالإفک عصبة منكم﴾ الخ: ۲/ ۶۹۶ - ۶۹۸، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول =

www.besturdubooks.net

اور مثلاً کسی نے آکر کہا کہ تبلیغ کے لئے کچھ آدمی ہمارے یہاں بھیج دیجئے، ان کی ذمہ داری بھی لی گئی اور ستر صحابہ کو آپ نے بھیج دیا، ان کو وہاں لے جاکر شہید کرادیا گیا کیونکہ ان کو تبلیغ کے نام پر قتل کے لئے بلایا گیا تھا، جس کا آپ کو صدمہ ہوا تھا(۱)۔ اگر علم غیب کلی تھا تو آپ نے ان کے ساتھ کیوں بھیجا تھا جس پر بعد میں صدمہ ہوا۔

اور مثلاً اخیر مرض الوفات میں دریافت فرمایا کہ "کیا لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھ لی" عرض کیا گیا آپ کا انتظار کر رہے ہیں، ابھی جماعت نہیں ہوئی، ارشاد فرمایا مجھے وضو کراؤ" اس سے کمزوری ہوکر غشی طاری ہوگئی، پھر افاقہ پانے پر دریافت فرمایا کہ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی"، عرض کیا گیا انتظار کر رہے ہیں، دو تین دفعہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ "اچھا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھادیں"(۲) اگر علم غیب کلی تھا تو بار بار

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أسفاره حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فأقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على التماسه و أقام الناس معه الخ". (صحيح البخاري، كتاب التيمم: ۱/۴۸، قديمي)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رعلاً و ذكوان و عصية و بني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عدوّ، فأمدهم بسبعين من الأنصار، كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار و يصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم و غدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقنت شهراً يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب: على رعل و ذكوان و عصية و بني لحيان". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع و رعل و ذكوان الخ: ۲/۵۸۵، قديمي كتب خانه)

(۲) "عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقلت: ألا تحدثيني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بلى، ثقل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أصلى الناس"؟ قلنا: لا، هم ينتظرونك، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" قالت: ففعلنا، فاغتسل، فذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أصلى الناس"؟ قلنا: لا، هم ينتظرونك يا رسول الله، قال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" قالت: فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق فقال: "أصلى الناس"؟ قلنا: لا، هم ينتظرونك يا رسول الله، فقال: "ضعوا لي ماءً في المخضب" فقعد فاغتسل، ثم ذهب لينوء، فأغمي عليه، ثم أفاق فقال: "أصلى الناس"؟ فقلنا: لا، =

www.besturdubooks.net

کیوں دریافت فرمایا۔

اور مثلاً حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ حوض کوثر پر ہوں گے، کچھ لوگ اس طرف آئیں گے مگر پھر ان کا رخ دوزخ کی طرف کرایا جائے گا، ان کو دیکھ کر آپ ارشاد فرمائیں گے کہ "یہ تو میرے آدمی ہیں انہیں کہاں لیجاتے ہو"؟ جواب دیا جائے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں آپ کے بعد تب ارشاد فرمائیں گے کہ "لے جاؤ انہیں ذلیل کر کے" پھر ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا(۱)۔ اگر آپ کو علم غیب کلی تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو آپ کو کیوں خبر نہ ہوئی؟ غرض بے شمار واقعات ہیں۔

الحاصل نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کلی علم غیب مان کر ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا اور آپ کو عالم الغیب کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے(۲) حدیث شریف کے بھی خلاف ہے (۳) اجماع سلف

= هم ينتظرونك يا رسول الله، والناس عكوف في المسجد، ينتظرون النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لصلاة العشاء الآخرة، فأرسل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أبي بكر، بأن يصلي بالناس، فأتاه الرسول، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأمرك أن تصلي بالناس الخ ". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به : ۱/۹۵، قديمي)

(۱) "حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن عن أبي حازم قال: سمعت سهل بن سعد يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أنا فرطكم على الحوض، من ورده شرب منه، ومن شرب منه لم يظمأ أبداً، ليردنّ عليّ أقوام أعرفهم ويعرفونني، ثم يحال بيني و بينهم". قال أبو حازم: فسمعني النعمان بن ابي عياش و أنا أحدثهم هذا، فقال: هكذا سمعت سهلاً؟ فقلت : نعم، قال: و أنا أشهد على أبي سعيد الخدري لسمعته يزيد فيه، قال:" إنهم مني فيقال: إنك لا تدرى ما بدلوا بعدك؟ فأقول :سحقاً سحقاً لمن بدّل بعدي". (صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله: ﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة﴾: ۲/۱۰۴۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (النمل: ۶۵)

(۳) "و من حدثك أنه يعلم الغيب، فقد كذب، و هو يقول: "لا يعلم الغيب إلا الله ". (صحيح البخاري، كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد، باب قول الله ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾ : ۲/۱۰۹۸، قديمي)

www.besturdubooks.net

صالحین کے بھی خلاف ہے(۱)۔اس لئے اس عقیدہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۶/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح،بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۶/۷/۹۲ھ۔

تنبیہ :مندرجہ بالا جواب لکھا جاچکا تھا اس کے بعد دارالعلوم میں بعض ان حضرات کا خط پہونچا، جنہوں نے اس معاہدہ پر دستخط کیے ہیں،انہوں نے لکھا ہے کہ" ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ علم غیب کلی اور ہر جگہ ہر وقت حاضر وناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو نہ عالم الغیب کہا جاسکتا ہے نہ حاضر وناظر۔معاہدہ پر دستخط کرکے ہم نے صرف اتنی بات سے اتفاق کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغیباتِ کثیرہ پر مطلع فرمایا ہے اور اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ آپ کی روح پاک کو جہاں اور جس وقت چاہے پہونچادے اور جو بھی دکھانا چاہے دکھادے،اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفات وکمالات کے لحاظ سے ہم جیسے بشر نہیں ہیں،بلکہ سید البشر اور افضل البشر ہیں اور ہم نے معاہدہ کی مجلس میں بھی یہ وضاحت کردی تھی اور اس کے بعد بھی ہماری طرف سے بار بار یہ وضاحت کی جاچکی ہے"۔

ان دستخط کرنے والے حضرات کی اس وضاحت کے بعد یہ تو معلوم ہوجاتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ فاسد نہیں ہے،بلکہ وہی عقیدہ ہے جو جماعت حقہ اہل سنت والجماعت کا ہے،لیکن ان حضرات نے ایسی مبہم تحریر پر دستخط کرنے میں غلطی کی ہے۔اللہ پاک معاف فرمائے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں پر جو یورش تھی اس سے تحفظ اس میں ملحوظ تھا،جس کا وہاں کے سب حضرات کو علم ہے۔

احقر محمود غفرلہ۔

علم غیب کلی عطائی

سوال[۲۴۲]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف میں نفی علم الغیب

---

(۱) "و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد أن النبي علیه الصلاة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من في السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ کذا في المسایرة". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قدیمی)

www.besturdubooks.net

کی ہے وہ ذاتی کی ہے عطائی کی نہیں، خدا تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم الغیب ہے اور عطاء بھی تمام ذرۃ خدا کا ہے جو آپ ہماری حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں ایسے معتقد کا کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول بلا سند ہے نصوص میں کہیں اس کی تصریح نہیں (۱) "من ادعی فعلیہ البیان"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

عقیدۂ علم غیب

سوال [۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومحققین احناف رحمہم اللہ تعالیٰ مسئلہ ہذا میں کہ: زید کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر حال (ظاہر و باطن) خیر وشر سے بخوبی واقف ہیں، یہاں تک کہ مچھر کے پر ہلانے تک کا بھی آپ کو علم ہو جاتا ہے اور تیز بارش کے قطرے اور ریت کے دانے، درختوں کے پتے وغیرہ کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالتفصیل عطا ہوا ہے، قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہے فلاں فلاں چیزیں پیدا ہوں گی، اور ہر ایک کی آواز خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں خود سن لیتے ہیں۔

پس یہ عقیدہ کیسا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان رہا یا کافر ومشرک ہو گیا؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور اگر کافر ہو گیا تو اس کے نکاح کی تجدید کی جائے یا وہی نکاح بحال رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ مشرکانہ ہے، جمیع جزئیات کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں:

---

(۱) "و أما من قال: إن نبينا أو غيره أحاط بالمغيبات علماً كما أحاط علم الله بها، فقد كفر". (حاشية الصاوي على الجلالين: ۱۸۸/۲، (الأنعام: ۵) مكتبه دار الباز)

"و بالجملة علم الغيب بلا واسطة كلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا يعلمه أحد من الخلق أصلاً". (روح المعاني: ۱۲/۲۰ (النمل: ۶۵)، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

"وبالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، و تعالیٰ و لهذا ذكر في الفتاوى: أن قول القائل عند رويته هالة القمر: أى دائرته: يكون مطراً، فادعیٰ علم الغيب لا بعلامته كفر. و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾۔ كذا في المسايرة انتهىٰ ملخصاً"۔ شرح فقہ اکبر (۱)۔

" من تزوج بشهادة الله و رسوله يكفر؛ لأنه يظن أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب انتهى "(۲)۔

لہٰذا ایسا عقیدہ رکھنے والے کو تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے (۳) اور اس سے قبل اس کی امامت

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

"و أما من قال: إن نبينا أو غيره أحاط بالمغيبات علماً كما أحاط علم الله بها، فقد كفر". (حاشية الصاوى على الجلالين، (الأنعام: ۵۰): ۱۸۸/۲، دار الباز)

"وبالجملة علم الغيب بلا واسطة كلاً أو بعضاً مخصوص بالله جل و علا، لا يعلمه أحد من الخلق اصلاً". (روح المعانى، (النمل: ۶۵): ۱۲/۲۰، دار إحياء التراث العربى)

(۲) "لو تزوج بشهادة الله ورسوله، لا ينعقد، و يكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

"رجل تزوج امرأة ولم يحضر الشهود، قال: خدائے را ورسول را گواہ کردم، أو قال: خدائے را و فرشتگان را گواہ کردم، كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۶۶/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربى)

(۳) "و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب المرتدين: ۲۳۰/۴، سعيد)

(والتاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، إجراء كلمة الكفر و حديث النفس والرضاء بالكفر: ۴۶۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

www.besturdubooks.net

درست نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

علم غیب

سوال [۲۴۴]: ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطاء فرمادیا تھا اور اب بھی آپ حاضر و ناظر و عالم بجمیع الاشیاء ہیں اور وہ برسر اجلاس اپنے خطبہ جمعہ و وعظ و تقریر میں بیان کرتا ہے کہ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے، اس کے خلاف جس کا عقیدہ ہے وہ گمراہ ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور کہتا ہے کہ جن آیات قرآن مجید سے علم غیب کی نفی ہے وہ منسوخ ہیں اور جو آیت سورۃ "قل أوحی" میں ہے: ﴿عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحداً إلا من ارتضی من رسول﴾ الآیة (۲) یہ سب کے لئے ناسخ ہیں۔

اب عرض یہ ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب دان نہ جانے، ہر وقت حاضر و عالم بجمیع الاشیاء نہ مانے کیونکہ یہ مخصوص ہے رب العزت کے ساتھ اس کو وہ شخص وہابی کہتا ہو اور نماز اس کے پیچھے ناجائز کہتا ہو اور جن آیات قرآن مجید سے علم غیب لغیر اللہ کی نفی کی گئی ہے ان سب کو منسوخ کہتا ہو، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ ایسے عقائد رکھنے والا مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے مسلمان ہے یا کافر و مشرک ہوگیا؟

المستفتی: فیض اللہ خان معرفت مولانا محمد الحسن صاحب۔

---

(۱) "و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام و هو شرط عام، فلا تصح إمامة منكر البعث ...... الخ". (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

(و كذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۰، سعيد)

"أما إذا أدى إليه (أي إلى الكفر)، فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

(۲) (الجن: ۲۶، ۲۷)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم غیب کلی طریق پر کہ کوئی ذرہ مخفی نہ رہے، بلکہ ہر شئے ہر وقت سامنے ہو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے (۱) ہر جگہ حاضر وناظر اور ہر شئے سے باخبر ہونا اسی کی صفت خاصہ ہے، کوئی ولی یا نبی یا فرشتہ اس صفت میں شریک نہیں لہذا کسی اور کو اس صفت میں شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کا علم تمام مخلوقات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے (۲) انبیاء کرام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی بعض اشیاء مغیبہ کا علم وحی کے ذریعہ سے عطاء فرمادیتے ہیں، مگر وہ جزئی ہے، کلی نہیں، حنفیہ کی معتبر ومشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں:

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علمهم الله تعالىٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ ۔ كذا في المسايرة اهـ". شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۵ (۳)۔

یہ استدلال کہ سورہ جن کی آیت ناسخ ہے تو یہ بات ایسا شخص کہہ سکتا ہے جس کو فہم قرآن شریف اور علم ناسخ ومنسوخ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہو، اس وجہ سے کہ سورۃ جن مکی ہے اور بعض مدنی سورتوں میں حضور سے علم

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب والشهادة﴾. (الحشر)

وقال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾ . (الجن: ۲۶)

(۲) "إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا أعلمكم بالله و أن المعرفة فعل القلب: ۱/۷، قديمي)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

"العلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه أو إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، و لهذا ذكر في الفتاوىٰ: أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعيًا علم الغيب لا بعلامته، كفر". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

(و كذا في النبراس، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

www.besturdubooks.net

غیب کی نفی کی گئی ہے، مثلاً سورہ احزاب مدنی ہے اس میں ارشاد ہے: ﴿یسئلك الناس عن الساعة قل إنما علمها عند الله، و ما یدریك لعل الساعة تكون قریباً﴾ (۱) مستدل کے نزدیک آیت ناسخہ تو پہلے نازل ہوئی اور منسوخہ بعد میں۔

دوسرے یہ کہ نسخ عقائد میں نہیں ہوتا، احکام میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ باب عقائد سے ہے پھر یہاں نسخ کا کیا محل ہے؟ نیز علم بجمیع الاشیاء کے متعلق مستدل تاریخ اور وقت کی تعیین کرے کہ کب عطاء ہوا ہے، جو بھی تاریخ بتائے گا ہم اس کے بعد کے واقعات بتلائیں گے جن میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے، یہاں تک کہ مرضِ وفات بلکہ میدانِ حشر، حوضِ کوثر، شفاعت کے واقعات میں بھی علم بجمیع الاشیاء کی نفی ہے۔

جب عقیدہ مسئول کا حال معلوم ہو گیا کہ یہ شرک ہے تو اس کا بطلان خود بخود واضح ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

جواب صحیح ہے: ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (۲)، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

علم الغیب

سوال[۲۴۵]: علم الغيب صفة مختصة بالله تعالى، ليس لأحد من المخلوق نبياً كان أو ولياً أو ملكاً مقرباً، ذاتياً كان ذلك العلم أو عطائياً، كلياً كان أو جزئياً، فالقائل به لغيره تعالى

---

(۱) (الاحزاب: ۶۳)

(۲) "فإن كانت (أي البدعة) تكفره فالصلاة خلفه لا تجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

"والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة، و إنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة والجماعة، أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً". (الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمي)

"أما إذا أدى إليه (أي إلى الكفر) فلا كلام في عدم جواز الصلاة خلفه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۶۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

مشرك بالله تعالىٰ فى صفة العلم خارج عن دائرة الإسلام أم لا؟

الجواب حامداً و مصلياً :

"العلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه تعالىٰ و لا سبيل إليه للعباد إلا بإعلام منه و إلهام بطريق المعجزة أوالكرامة أو إرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك"(۱)۔

" والأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالىٰ أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ : ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ "(۲) وقوله تعالىٰ : ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۳) كذا فى المسايرة "۔ شرح الفقه الأكبر (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۴ھ۔

علم غیب

سوال[۲۴۲]: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات کے عالم الغیب کے قائل ہونے یا مولوی احمد رضا خان کا یہ اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱٦١، قديمى)

(۲) (النمل: ٦٥)

(۳) (الأنعام: ٥٠)

(٤) (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ، ص: ١٥١، قديمى)

"و حاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفربها". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب: ۲٤۳/٤، سعيد)

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالىٰ أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (المسايرة مع المسامرة: ۸۸/۲، مصر)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص علم غیب کلی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مانتا ہے وہ شخص مشرک ہے، فقہاء اور علماء عقائد نے اس کی تکفیر کی ہے، اس کا ایسا کہنا نصوصِ صریحہ کے معارض ہے:

" وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾۔ كذا في المسايرة"۔ شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۷/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ۔

علم غیب

سوال [۲۲۷]: بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مفاتیح غیبیہ کا جو سورۂ لقمان کے آخر میں ہیں علم دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام دنیا کے حمل جانتے ہیں نر ہے یا مادہ یا کیا، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول بالکل غلط ہے، بہت سی روایات اور آیات اسکی تکذیب کرتی ہیں:

" وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مفاتيح الغيب خمس و تلا هذه الاية"۔

---

(۱) "(شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

"و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل للعباد إليه، إلا بإعلام منه بالوحي أو إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو إرشاد، عطف على إعلام إلى الاستدلال بالأمارات ...... و لهذا ذكر في الفتاوى: أي فتاوى علماء ماوراء النهر أن قول القائل عند رؤية هالة القمر: يكون مطر مدعياً علم الغيب لا بعلامته، كفر". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۲۲، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

"وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: من ادعیٰ علم هذه الخمسة، فقد كذب (إلى قوله) : فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا الله". تفسير مدارك (١)۔ وقال في تفسير تلك الآية : "فأراد أنه هو المتوصل إلى المغيبات و حده لا يتوصل إليها غيره" (٢)۔ وقال تعالىٰ :﴿قل لا أقول لكم عندی خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ الاية (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

علم غیب

سوال[۲۴۸] : زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، علمِ الٰہی کے سامنے جو نسبت ذرہ کو آفتاب سے، قطرہ کو دریا سے ہے وہ بھی یہاں تصور نہیں کی جا سکتی، مگر بایں ہمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعطائے الٰہی ماکان ومایکون کے عالم ہیں اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھتا ہے ۔

فإن من جودك الدنيا وضرتها
و من علومك علم اللوح والقلم(۴)

یعنی دنیا اور آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔ اور کہتے ہیں کہ لوح وقلم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعض ہے تو دوسرے علوم کون سے ہیں؟ تو جواب

---

(١)(تفسير المدارك، (لقمان : ٣٤): ٢/٣٢۴، قديمي)

"وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما : هذه الخمسة لا يعلمها إلا الله تعالىٰ، و لا يعلمها ملك مقرب و لا نبي مرسل، فمن ادعى أنه يعلم شيئاً من هذه، فقد كفر بالقرآن، لأنه خالفه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (لقمان : ٣٤) :١۴/٥٥، دار الكتب العلمية)

"عن قتادة أنه قال في الآية : خمس من الغيب استأثره الله تعالىٰ بهن، فلم يطلع عليهن ملكاً مقرباً، و لا نبياً مرسلاً: إن الله عنده علم الساعة اهـ". (روح المعاني، (لقمان، ٣۴) ، ٢١/١٢٩ ، دار الفكر)

(٢) "(المدارك، (الانعام : ٥٩): ١/٣٦٨، قديمی)

(٣)(الأنعام : ٥٠)

(۴) (قصيده برده، ص: ٣۴، الفصل العاشر في المناجاة و عرض الحاجات، قديمي)

www.besturdubooks.net

میں کہتا ہے

وسع العالمين علماً و حكماً

فهو بحر لم تعيه الأعياء

و كلهم من رسول الله ملتمس

غرفاً من البحر أو رشفاً من الأيم(۱)

نیز کہتا ہے کہ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور، لیکن وہ سب علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔

۲.....حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف میں کہتا ہے ۔

وإذا سمعت فعنك قولاً طيباً

وإذا لحظت فلا أرى سواك

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

۳.....

يا أكرم الخلق مالي من ألوذ به

سواك عند حلول الحادث العمم(۲)

یعنی اے بہترین مخلوق! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔ اگر کہتا ہوں کہ بھائی خدا کو پکارنا چاہئے خدا کے سوا دوسرے کو اس طرح نہیں پکارنا چاہئے تو کہتا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو یوں پکارتے تھے کہ: "رحمة للعالمين أدرك زين العابدين محبوس أيد الظالمين"۔

اے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زین العابدین کی مدد کو پہونچو، وہ اژدہام میں ظالموں کے ہاتھ قید میں ہے اور کہتا ہے

يا سيد السادات جئتك قاصداً

أرجو رجاك واحتمي بحماك

---

(۱) (قصیده برده، ص: ۹، الفصل الثالث في مدح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قديمی)

(۲) (قصیده برده، ص: ۳۳، الفصل العاشر في المناجاة و عرض الحاجات، قديمی)

www.besturdubooks.net

یـــا رســول اللہ انـــظـــر حـــالـــنـــا
یـــا رســول اللہ اســمـــع قـــالـــنـــا
انـــنـــی فـــی بـــحـــر ھـــم لـــمـــغـــرق
خـــذ یـــدی سـہـــل لـــنـــا اشـــکـــالـــنـــا

مدد کراے کرم احمدی کہ تیرے سوانہیں ہے عاجز بیکس کا کوئی حامی۔

اس قسم کے اور بھی اشعار پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غائب چیزیں بتادیں جو دنیا وآخرت میں ہوں گی جس طرح کہ ہیں بہ عین الیقین، حدیث شریف میں ہے کہ ''دنیا ہمارے سامنے پیش کی گئی پس ہم اس میں اس طرح نظر کررہے ہیں جیسے اپنے ہاتھ میں'' اور یہ بھی آیا ہے کہ ''ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں نیز دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی''، علاوہ ازیں اور متواتر خبریں، لیکن بعض کو چھپانے کا حکم دیا گیا، اگر اسے نفی کی کوئی آیت یا حدیث دکھاتے ہیں تو اسے علم عطاء ہونے سے پہلے کی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مفسرین نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے، بعض کے جواب میں آیت: ﴿إلا من ارتضیٰ من رسول﴾ اور ﴿علمك مالم تكن تعلم﴾ پیش کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا اور اس قسم کے اشعار کہنا کیسا ہے اور زید کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب نمبروار قرآن وحدیث کی روشنی میں مستحکم ومدلل عنایت فرمائیں۔

محمد شفاعت علی گذیا، ضلع گنگانگر، راجستھان۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم (فداہ روحی و روح أبی و أمی) کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اس کا ادراک دشوار ہے، جس قدر کمالات اور صفات عالیہ متفرق طور پر دوسروں کے پاس ہیں ان سب کا مجموعہ بلکہ ان سے زائد تنہا ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہیں، علوم نبوت جو (کہ) مدار قرب و رفعت ہیں وہ بدرجۂ اتم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں، کوئی اور آپ کا ہم پایہ وہمسر نہیں (۱) اور یہ

(۱) ''(و أنا حبیب اللہ) : أی محبه و محبوبه'' (و لا فخر) قال الطیبی: قرّر أولاً ما ذکر من فضائلهم =

سب کچھ عطاء خداوندی سے ہے، لیکن خدائے پاک کا علم اس سے بھی زائد ہے، خالق ومخلوق کے علم میں غیر متناہی و متناہی کی نسبت ہے، مساوات نہیں، مساوات کا شائبہ تک نہیں (۱)۔

برزخ، حشر، صراط، جنت، لوح وقلم وغیرہ کے اتنے علوم عطاء ہوئے کہ حساب لگانا اور شمار کرنا قابو سے باہر ہے (۲) ذات وصفات خداوندی کی جو معرفت عطاء ہوئی وہ کسی کو عطاء نہیں ہوئی، قاضی عیاض (۳)،

= بقوله، وهو كذلك، ثم نبه على انه أفضلهم و أكملهم، و جامع لما كان متفرقاً فيهم، فالحبيب خليل و مكلم و مشرف اهـ". (مرقاة المفاتيح: ١٠/٣٣، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه، الفصل الثاني، تحت رقم الحديث: ٥٧٦٢، رشيديه)

(١) "إن الله جعل للعقول في إدراكها حداً تنتهي إليه، لا تتعداه، و لم يجعل لها سبيلاً إلى الإدراك في كل مطلوب، و لو كانت كذلك لاستوت مع الباري تعالىٰ في إدراك جميع ما كان و ما يكون و ما لا يكون، إذ لو كان كيف كان يكون؟ فمعلومات الله لا تتناهي، و معلومات العبد متناهية، و المتناهي لا يساوي ما لا يتناهي". (الإعتصام للشاطبي، الباب العاشر في معنى الصراط المستقيم الخ، فصل النوع الثالث، ص: ٥٦٢، دار المعرفة بيروت)

(٢) "عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن مالك بن صعصعة أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثهم عن ليلة أسرى به .... "ثم رفعت إلى سدرة المنتهى، فإذا أنبقها مثل قلال هجر، وإذا ورقها مثل آذان الفيلة، قال: هذه سدرة المنتهى، فإذا أربعة أنهار: نهران باطنان .... قلت: ما هذان يا جبرئيل؟ قال: أما الباطنان، فنهران في الجنة ..... ثم رفع إلى البيت المعمور". الحديث

"وعن ثابت البناني عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أتيت بالبراق" .... قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثم عُرج بي، حتى ظهرت لمستوى أسمع فيه صريف الأقلام". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب في المعراج، الفصل الأول، ص: ٥٢٦ - ٥٢٩، قديمي)

(٣) قال قاضي عياض رحمه الله تعالىٰ: "و من جملة معجزاته المعلومة على القطع الواصل إلينا خبرها على التواتر لكثرة رواتها واتفاق معانيها الإطلاع على الغيب .... عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام فينا مقاماً فما ترك شيئاً يكون في مقامه ذلك إلى قيام الساعة إلا حدثه .... و قد خرّج أهل الصحيح و الأئمة ما أعلم به أصحابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما وعدهم به من الظهور على أعدائه و فتح مكة و بيت المقدس .... و قبض العلم و ظهور الفتن ..... و أنه زويت له الأرض ..... =

www.besturdubooks.net

زرقانی(۱) قسطلانی (۲) ملاعلی قاری رحمہم اللہ (۳) وغیرہ کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں، اوران پر دلائل بھی موجود ہیں، اس سب کے باوجود ذات اقدس فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جاتا (۴)، عالم الغیب، اطلاقاتِ شرعیہ میں اس پر کیا جاتا ہے جس کی یہ صفت (عالم الغیب) ذاتی ہو، عطائی نہ ہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۵) ﴿قل لا

= مشارقها و مغاربها الخ".

"و قال الملا علي القاري في شرحه: (الاطلاع على الغيب): أي على اطلاعه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على بعض المغيبات عنا". (شرح الشفاء: ۱/۶۷۹، ۶۸۳، فيما أظهره الله تعالىٰ من المعجزات، فصل: و من ذلك ما اطلع عليه من الغيوب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱، ۲) قال القسطلاني "و إذا أتى بجميع ما أتوا به من الخصال الحميدة، فقد اجتمع فيه ما كان متفرقاً فيهم، فيكون الفضل منه".

"فظهر أن انتفاع أهل الدنيا بدعوته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكمل من انتفاع سائر الأمم بدعوة سائر الأنبياء، فوجب أن يكون أفضل من سائر الأنبياء".

و قال الزرقاني في شرحه: "فينبغي أن يقال: إنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ساواهم في العمل و زاد عليهم بأنه أعلم منهم بالله الخ". (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية للقسطلاني: ۸/۲۸۱، المقصد السادس، النوع الأول، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

(۳) "(أسمع فيه): أي في ذلك المكان، أو ذلك المقام (صريف الأقلام): أي صوتها عند الكتابة، قيل: هو ههنا عبارة عن الإطلاع على جريانها بالمقادير .... و المعنى أني أقمت مقاماً بلغت فيه من رفعة المحل إلى حيث اطلعت على الكوائن، و ظهر لي ما يراد من أمر الله و تدبيره في خلقه، و هذا والله هو المنتهى الذي لا تقدم فيه لأحد عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل، رقم الحديث: ۵۸۶۴، باب المعراج، الفصل الأول: ۱۰/۱۷۳، رشيديه)

(۴) "فإن قلت: قد أخبر الأنبياء والأولياء بشيء كثير من ذلك، فكيف الحصر؟ قلت: الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها، قال تعالىٰ: ﴿فلا يظهر على غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول﴾ الخ (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، رقم الحديث: ۳، رشيديه)

(۵) (الأنعام: ۵۰)

www.besturdubooks.net

یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا اللہ﴾(۱) ﴿و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا إلا ھو﴾(۲) ۔اَور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے پاک نے ہی علم عطا فرمایا ہے اور جس جس چیز کا جتنا جتنا علم جب جب دیا مل گیا جس چیز کا علم نہیں دیا جب تک نہیں دیا نہیں ملا، یہ بات بھی نہیں تھی کہ جس وقت خواہش کسی علم کی فرمائی فوراً اس کا علم مل گیا ہو۔ تا بیر نخل (۳) بیر معونہ (۴) افک (۵) وغیرہ کے واقعات اس کے شواہد ہیں۔

---

(۱) (النمل: ۶۵)

(۲) (الأنعام: ۵۹)

(۳) "عن سماک أنہ سمع موسی بن طلحۃ بن عبید اللہ یحدث عن أبیہ، قال: مررت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی نخل، فرأی قوماً یلقحون النخل، فقال: "ما یصنع ھؤلاء"؟ قال: یأخذون من الذکر، فیجعلونہ فی الأنثیٰ، قال: "ما أظن ذلک یغنی شیئاً"، فبلغھم، فترکوہ، فنزلوا عنہا، فبلغ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فقال: "إنما ھو الظن، إن کان یغنی شیئاً فاصنعوہ، فإنما أنا بشر مثلکم، وإن الظن یخطیء و یصیب، ولکن ما قلت لکم قال اللہ، فلن أکذب علی اللہ".

"عن عائشۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمع أصواتاً، فقال: "ما ھذا الصوت"؟ قالوا: النخل یؤبرونہ، فقال: "لو لم یفعلوا، لصلح"، فلم یؤبروا عامئذ، فصار شیصاً، فذکروا ذلک للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "إن کان شیئاً من أمر دنیاکم فشانکم بہ، وإن کان من أمور دینکم فإلیّ". (ابن ماجۃ، ص: ۱۸۰، أبواب الرھن، باب تلقیح النخل، مطبع مجتبائی لاہور)

(۴) "عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: استأذن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أبو بکر فی الخروج حین اشتد علیہ الأذی .... فقتل عامر بن فھیرۃ یوم بئر معونۃ .... فقال: "إن أصحابکم قد أصیبوا، وإنہم قد سألوا ربہم، فقالوا: ربنا! أخبرعنا إخواننا بما رضینا و رضیت عنا، فأخبرھم عنہم" الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونۃ الخ: ۲/۵۸۷، قدیمی)

(۵) "إن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین قال لہا أھل الإفک .... فدعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیّ بن أبی طالب و أسامۃ بن زید حین استلبث الوحی یستأمرھما فی فراق أھلہ، قالت: فأما أسامۃ بن زید فأشار علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ =

www.besturdubooks.net

دور سے خطاب کرنا جذبۂ شوق ومحبت میں ہو یا اس تصور کے تحت ہو کہ بذریعۂ ملائکہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا جائے گا درست ہے، یا ذہن میں تصور کر کے ہو تب بھی درست ہے(۱)، خدائے پاک کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر سمجھ کر ہو تو درست نہیں، غلط ہے، اس سے باز آنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

علم غیب

سوال[۱۴۹]: ۱.....ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم کلی عطاء کیا تھا، حتی کہ اس کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام امور جو کہ دنیا میں ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے حتی کہ دوزخی جو دوزخ میں داخل ہوں گے، بہشتی جو بہشت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی کہتا ہے کہ حضور درختوں کے پتے اور ریت کے ذرے ان تمام کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ اپنی کفِ مبارک کو دیکھتے ہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

۲.....ایک اور شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ نہیں جانتے تھے اور

= وسلم بالذي يعلم من برآءة أهله ...... ثم قال:" أما بعد، يا عائشة! فإنه قد بلغني عنك كذا و كذا، فإن كنت بريئةً فسيبرئك الله، و إن كنت ألممت بالذنب فاستغفري الله و توبي إليه" ....
قالت: فلما سري عنه، و هو يضحك، فكانت أول كلمة تكلم بها: "يا عائشة! أما الله فقد برّأك". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، (سورة النور)، باب قوله عزوجل:﴿إن الذين جآء وا بالإفك﴾ الآية الخ: ۲/۶۹۶، ۶۹۸، قديمي)

(۱) "وعنه (أي عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لله ملائكةً سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام". رواه النسائي والدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۸۶، قديمي)

(سنن النسائي، كتاب السهو، باب التسليم على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۸۹، قديمي)

(وسنن الدارمي، كتاب الرقائق، باب في فضل الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۴۰۹، قديمي)

www.besturdubooks.net

بکمال درشتی دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی، اس کا کیا حکم ہے؟

۳......اگر یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر کہیں تو کیا حکم ہے، آیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴......صاف عقیدہ جو کہ افراط وتفریط سے مبرا ہو تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......ایجاب کلی کا دعویٰ "یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع مغیبات کا علم تھا، باری تعالیٰ کے اور آپ کے علوم کما مساوی تھے، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا تھا" غلط اور خلاف نصوص ہے، سلب کلی کا دعویٰ "یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی غیب کا علم عطا نہیں ہوا"، یہ بھی غلط ہے اور خلاف نصوص ہے، اول کی تردید کے لئے سلب جزئی کافی ہے، ثانی کی تردید کے لئے ایجاب جزئی کافی ہے۔

چنانچہ دونوں سلب جزئی وایجاب جزئی کے شواہد کثیرہ نصوص قرآنیہ وروایات حدیثیہ میں موجود ہیں، کتب عقائد میں بھی ہر دو کی تصریح کی گئی ہے : ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (۱) ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (۲) ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۳) ﴿ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير﴾ (۴)۔

ان آیات میں علم غیب کی صراحۃً وقصداً نفی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی الاطلاق (بلا تصریح جزئی) علم غیب کو ثابت کرنا شرک یا موہم شرک ہے اور علم غیب کلی ثابت کرنا تو صریح شرک وکفر ہے۔ واقعۂ افک، بیر معونہ، عقد، تابیر نخل سے بھی علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔

"و فينا نبي يعلم ما في غد" کو منع فرمانا (۵) حدیث جبرئیل (۶) اور حوض کوثر پر جب آپ بعض

---

(۱) (الأنعام : ۵۹) (۲) (النمل : ۶۵)

(۳) (الأنعام : ۵۰) (۴) (الأعراف : ۱۸۸)

(۵) "فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف و يندبن من قتل من آبائي يوم بدر، إذ قالت إحداهن : و فينا نبي يعلم ما في غد، فقال: "دعي هذه و قولي بالذي كنت تقولين". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة : ۷۷۳/۲، قديمي)

(۶) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الإيمان والإسلام والإحسان وعلم الساعة الخ : ۱۲/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

کی سفارش فرمائیں گے اور جواب ملے گا "إنك لا تدری ما أحدثوا بعدك "(۱) اور سجدۂ شفاعت میں ایسی حمد فرمائیں گے جس کا علم ابھی عطا نہیں ہوا (۲) وغیرہ وغیرہ سب شواہد ہیں۔ اور جزئی علم غیب کا ثبوت (جو کہ نقیض ہے سلب کلی کی) اتنا کثرت سے ہے کہ شاید کوئی علم حدیث اور آپ کی سیرت سے ادنیٰ سی مناسبت رکھنے والا بھی انکار نہیں کرے گا حتی کہ انہیں جزئیات کثیرہ کی وجہ سے ایک فریق کو ایجاب کلی کے دعویٰ کا سہارا مل گیا۔

"اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحياناً، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ " شرح فقه اكبر، ص: ۱۸۵ (۳)۔

صحیح عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ خدائے قدوس کی ذات وصفات ومرضیات کا علم جس قدر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا اس قدر کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوا اور یہی علم موجب قرب وکمال ہے، تاہم باری تعالیٰ کا علم آپ کے علم سے بہت زیادہ اور غیر متناہی ہے۔

رہا درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں اور پانی کے قطروں کا علم، نہ آپ کو عطاء ہوا نہ یہ موجب کمال وقرب ہے کہ جس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص پیدا ہو، ابتداءً آپ کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں تھا: ﴿و ما أدری ما يفعل بی و لا بكم﴾ (۴) فرمایا گیا اور پھر ﴿ليغفر لك الله ما تقدم من

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أنا فرطكم على الحوض ليرفعن إلي رجال منكم، حتى إذا أهويت لأناولهم اختلجوا دوني، فأقول : أي رب! أصحابي، يقول : لا تدري ما أحدثوا بعدك ". (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء في قول الله تعالىٰ : (واتقوا فتنةً لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة) الخ : ۲/۱۰۴۵، قديمی)

(۲) "فأنطلق، فآتي تحت العرش، فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله عليّ من محامده و حسن الثناء عليه شيئاً لم يفتحه على أحد قبلي الخ ". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ : (ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا) : ۲/۶۸۵، قديمی)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۵۱، قديمی)

(۴) (الأحقاف : ۹)

www.besturdubooks.net

ذنبك و ما تأخر﴾(۱) کے ذریعہ اس کا آپ کو علم عطاء کردیا گیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عدم علم دنیا کے اعتبار سے ہے کہ کس شئی کا حکم ہو، کس شئی سے ممانعت ہو اور وفات کس صورت سے ہو بطور شہادت ہو یا اور طرح، اور لوگ اتباع کریں یا نہ کریں وغیرہ وغیرہ، باقی آخرت کے متعلق آپ کو جنتی ہونے کا علم قطعی حاصل تھا، اسی کو ابن جریر وغیرہ نے قابلِ اعتماد قرار دیا ہے (۲)۔اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف ہوئے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

حضرت پیرانِ پیر کے متعلق عقیدۂ علم غیب

سوال [۲۵۱]: حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھنا اور چند قدم پیر صاحب کی طرف چلنا اور اعتقاد رکھنا کہ پیر صاحب دیکھ رہے ہیں، ایسے اعتقاد والے کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) (الفتح : ۲)

(۲) " عن الحسن في قوله :"و ما أدري ما يفعل بي و لا بكم " فقال: أما في الآخرة فمعاذ الله ! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، و لكن قال : "وما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا". (تفسير الطبرى، (الأحقاف : ۹) : ۲۶ /۷، مصطفى البابى الحلبى)

"و أخرج ابن جرير " عن الحسن أنه قال في الآية : أما في الآخرة فمعاذ الله تعالى ! قد علم صلى الله عليه وسلم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل، "ولكن ما أدري ما يفعل بي في الدنيا". (روح المعانى ، (الاحقاف : ۹) : ۲۶ / ۱۵ ، دار الفكر)

"واختار الطبري أن يكون المعنى : ما أدري ما يصير إليه أمري و أمركم في الدنيا، أتؤمنون أم تكفرون، أم تعاجلون بالعذاب أم تؤخرون، قلت: و هو معنى قول الحسن والسدي وغيرهما، قال الحسن : ما أدري ما يفعل بي و لا بكم في الدنيا، أما في الآخرة فمعاذ الله ! قد علم أنه في الجنة حين أخذ ميثاقه في الرسل و لكن قال:" ما أدري ما يفعل بي في الدنيا". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الأحقاف : ۹): ۱۶ / ۱۲۵ ، دار الكتب العلمية)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ عقیدہ کفر وشرک ہے:"ویکفر بقوله: أرواح المشائخ حاضره تعلم"(مجمع الأنهر)(۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/۴/۵۵ھ۔
صحیح:سعید احمد غفرلہ

ایک شخص کا بعض مغیبات کی خبر دینا

سوال[۲۵۱]:ایک شخص نے ایک بچہ کے متعلق کہا کہ صرف دو ماہ زندہ رہے گا اور وہ واقعی دو ماہ کے بعد ختم ہوگیا، ایک لڑکی کے متعلق کہا کہ تو اپنے بیٹے کا آرام نہیں دیکھ سکتی اور پانچ ماہ کے بعد تم ختم ہوجاؤ گی، وہ بھی پانچ ماہ کے بعد ختم ہوگئی، میری عورت کے بارے میں کہا کہ تمہارے اوپر سات جھٹکے آئیں گے یا تم پہلے جھٹکے میں ختم ہوجاؤ گی یا پانچویں میں، اب میری عورت کے اوپر پانچ جھٹکے آچکے ہیں، ہم پریشان ہیں، شریعتِ مطہرہ اس مسئلے میں کیا فرماتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قسم کی باتیں بتا کر مخلوق کو پریشانی میں ڈالنا بہت ہی غلط طریقہ ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے متعلق ایسا نہیں فرمایا، کسی کی موت کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (۲) قرائن یا کسی کشف

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة، و ينزل الغيث، ويعلم ما في الأرحام، وما تدرى نفس ما ذا تكسب غداً، وما تدرى نفس بأي أرض تموت، إن الله عليم خبير﴾ (لقمان: ۳۴)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مفتاح" و في رواية: "مفاتيح الغيب خمسة لا يعلمها إلا الله تعالىٰ: لا يعلم أحد ما يكون في غد، و لا يعلم أحد مايكون في الأرحام، و لا تعلم نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدرى نفس بأى أرض تموت، و ما يدرى أحد... =

www.besturdubooks.net

سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ شرعی حجت نہیں، آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کو جھٹکا ہی نہ آئے، یہ بھی ممکن ہے کہ مدتِ دراز کے بعد بالکل اخیر میں آئے، جتنی عمر اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمادی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی (۱)، بس یہی ایمان اطمینان بخش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

تاریخی جنتریوں کی پیشن گوئیاں

سوال [۲۵۲]: یہ تاریخوں کی چھوٹی چھوٹی جنتریاں جن میں پیشنگوئیاں لکھی رہتی ہیں، ان کو دیکھنا اعتقاد رکھنا کیسا ہے اور بنانے والا کیسا ہے؟ اور یہ کس بزرگ نے کہا ہے اور جو کرتے رہتے ہیں ان پر یہ حکم عائد نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان میں بعض چیزیں حساب سے متعلق ہیں (شرعی نہیں) جیسے ریلوے کے ٹائم ٹیبل کو دیکھ کر کوئی بتائے کہ فلاں گاڑی فلاں اسٹیشن پر اتنے بجے پہونچے گی (۲) بعض جنتریاں صرف عوام کو مائل کرنے کے لئے ہیں، غرض شرعی طریقہ سے ان پر اعتماد ویقین نہیں کیا جاسکتا، نہ اس مقصد کیلئے ان کو دیکھا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= متی یجیئ المطر". (روح المعانی: ۲۱/۱۱۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۵۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "عن عبد الله ... قال: فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "قد سألت الله لآجال مضروبة و أیام معدودة وأرزاق مقسومة، لن یعجل شیئاً قبل حله أو یؤخر شیئاً عن حله، و لو کنت سألت الله أن یعیذک من عذاب فی النار أو عذاب فی القبر، کان خیراً و أفضل".. (الصحیح لمسلم: ۲/۳۳۸، کتاب القدر، باب بیان أن الأجال و الأرزاق وغیرها لا تزید و لا تنقص، قدیمی)

"و حاصله أن القضاء المبرم الذی هو عبارة عن علم الله تعالیٰ بما سیکون لا یزاد فیه شیء و لا ینقص". (تکملة فتح الملهم: ۵/۵۰۷، کتاب القدر، باب بیان الآجال والأرزاق وغیرها لا تزید و لا تنقص، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "وأما ما علم بحاسة أو ضرورة أو دلیل فلیس بغیب، و لا کفر فی دعواه، و لا فی تصدیقه علی الجزم فی الیقینی، والظن فی الظنی عند المحققین". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۴۳، مکتبه حقانیه ملتان) =

www.besturdubooks.net

ہاتھ دکھلا کر مستقبل معلوم کرنا ناجائز ہے

سوال[۲۵۳]: کیا مستقبل کا حال جاننے کے لئے اس فن کے کسی ماہر کو ہاتھ دکھلانا جائز ہے؟ اگر ہاتھ دکھلانے والا شوقیہ طور پر ہاتھ دکھلا رہا ہو اور ماہرِ فن کی باتوں پر یقین نہ کرے تو کیا اس سے شرعی پوزیشن میں کوئی فرق ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناجائز ہے(۱) جس کا عقیدہ پہلے سے خراب ہو، اس کو عقیدہ صحیح کر کے توبہ کرنا لازم ہے، جس کا عقیدہ پہلے سے خراب نہ ہو، بلکہ تجربہ کے لئے دکھلاتا ہو اس کے لئے بھی اجازت نہیں، کیونکہ خود اس کے عقیدہ کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اور فاسد العقیدہ لوگوں کے لئے فسادِ عقیدہ کی اس سے تائید ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفر لہ دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "واستدلالي بسير النجوم و حركة الأفلاك علي الحوادث بقضاء الله تعالى و قدره، و هو جائز كاستدلال الطبيب بالنبض على الصحة والمرض". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في دعوى علم الغيب: ۴/۲۴۳، سعيد)

(۱) "من أتى كاهناً أو عرافاً فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد"، أخرجه أصحاب السنن الأربعة، و صححه الحاكم عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعراف: ۴/۲۴۲، سعيد)

"عن بعض أزواج النبي صلي الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:" من أتى عرافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلوة أربعين ليلةً". (الصحيح لمسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۳، قديمي)

قال النووي: "العراف من جملة الكهان، و قال الخطابي وغيره: العراف هو الذي يتعاطى معرفة مكان المسروق و مكان الضالة ونحوهما". (شرح النووي على مسلم، باب تحريم الكهانة و إتيان الكهان: ۲/۲۳۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

ما يتعلق بالحاضر والناظر، والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ

سوال [۲۵۴]: زید کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تصرف عطاء فرمایا ہے کہ عالم میں جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں باذن اللہ تشریف فرما ہو جائیں، اس بنیاد پر زید نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر مانتا ہوں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز جائز نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مسلمان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب پاک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مقام عطاء فرمایا ہے جو کسی کو نہیں ملا (۱) اللہ پاک جہاں چاہے اور جب چاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچادے اور جس چیز پر چاہے مطلع فرمادے (۲)، اس اعتبار سے حاضر وناظر آپ کی صفت نہیں بنے گی، حاضر وناظر وہ ہے جو ہر جگہ،

---

(۱) ﴿عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾. قلت: لرسول الله صلى الله عليه وسلم تشريفات يوم القيامة لا يشركه فيها أحد، و تشريفات لا يساويه فيها أحد، فهو أول من تنشق عنه الأرض، و يبعث راكباً إلى المحشر، و له اللواء الذي آدم فمن دونه تحت لوائه، و له الحوض الذي في الموقف أكثر وارداً منه، و له الشفاعة العظمى عند الله". (تفسير ابن كثير، (الإسراء: ۷۹) :۳/۷۷، دار الفيحاء)

"قال عليه السلام: "أعطيت مالم يعط أحد من الأنبياء قبلي: نصرت بالرعب، و أعطيت مفاتيح الأرض، و سميت أحمد، و جعل لي التراب طهوراً، و جعلت أمتي خير الأمم". (فيض القدير: ۲/۱۱۱۵، رقم الحديث: ۱۱۶۹)

(۲) قال الله تعالى: ﴿و ما كان الله ليطلعكم على الغيب، و لكن الله يجتبي من رسله من يشآء﴾ (آل عمران: ۱۷۹)

وقال الله تعالى: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً، إلا من ارتضى من رسول﴾. (الجن: ۲۶، ۲۷)

www.besturdubooks.net

ہر وقت، ہر شے کے حق میں حاضر وناظر ہو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے(۱)۔ زید نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کے اعتبار سے خدائے پاک کی دوسری صفات بھی دوسروں کے لئے ثابت کی جاسکتی ہیں، جس میں عقائد کے فساد کا قوی خدشہ ہے، تاویلِ مذکور کے اعتبار سے زید پر کفر وارتداد کا حکم نہ لگایا جائے (۲) مگر اس اطلاق کو موجبِ ضلال کہا جائے گا، زید کو اس سے باز آنا لازم ہے، جب تک وہ باز نہ آئے اس کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

عقیدۂ حاضر وناظر

سوال[۲۵۵]: زید کہتا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہ جانے اس کو قتل کردو، اس کے گھر میں آگ لگادو اور اس کے بال بچوں کو بھی قتل کردو، اگر تم مارے گئے تو شہید ہوگے۔ کیا ایسا کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کس دلیل پر مبنی ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (٤)۔

---

(۱) "اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر وناظر، وعالمِ خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است، اعتقاد شرک است"۔ (مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوى: ۳/ ۳۳۱، امجد اکیڈمی)

(۲) "ان المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً للكفر، و احتمال و احد في نفيه، فالأولى للمفتي و القاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد. وفي المسئلة المذكورة تصريح بأنه يقبل من صاحبها التأويل". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۶۲، قديمي)

(۳) "و يكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق و مبتدع الخ". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(۴) (مسند الإمام أحمد: ۲/ ۱۲، رقم الحديث: ۴۱۶۷، ۲/ ۳۸، ورقم الحديث: ۴۳۳۲، دار إحياء التراث العربي) .... =

www.besturdubooks.net

اور قرآن پاک میں ہے: ﴿ومن یقتل مومنا متعمداً، فجزائه جهنم﴾ (۱)۔

قتل مومن کی سزا جہنم ہے اور بچوں کا قتل تو جہاد میں بھی منع کیا گیا ہے اگرچہ وہ بڑے سے بڑے کافر کا بچہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا

سوال [۲۵۶]: سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب سکھایا ہے کہ دیوار کے باہر سے مت پکارو، نہ ان سے سلام وکلام میں آواز بلند کرو، جب باہر تشریف لائیں، تب سلام وکلام کرو وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب دنیا کی زندگی کے واسطے بتایا اور اب بھی وہی حکم ہے کیونکہ میلاد میں زور سے سلام پڑھتے ہیں اور سینکڑوں کوس سے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب ادب ہمیشہ کے لئے ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر صلوۃ وسلام مجھ پر بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے وہ ملائکہ کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے (۲) آواز بلند کر کے پڑھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ خود حضور صلی اللہ

= "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر". (جامع الترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء سباب المسلم فسوق: ۹۲/۲، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر". ۵۸/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

(۱) (النساء: ۹۳)

(۲) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم و فضلها: ۸۷/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

تعالیٰ علیہ وسلم یہاں حاضر وناظر ہیں اور بلا واسطہ سنتے ہیں یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے توبہ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر وناظر کا عقیدہ

سوال[۲۵۷]: ''بہارِ شریعت'' مصنفہ احمد رضا خان صاحب میں لکھا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے کل کائنات بنائی گئی ہے، اس معنی کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں''، کیا واقعی یہ سچ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ غلط ہے(۲)، یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے: ﴿هو عالم الغيب والشهادة﴾ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حاضر وناظر اور مقلب القلوب وغیرہ

سوال[۲۵۸]: ا.....زید کہتا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر اور مقلب القلوب ہیں اور ملک اور ملکوت کا مشاہدہ فرمارہے ہیں اور امت کے احوال وافعال، حرکات وسکنات، دلوں کے خطرات سے آگاہ ہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں، ان کی نیت، ارادے اور دل کی باتوں سے واقف

---

(۱) "وفي البزازية قال علماؤنا: من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم، يكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً: ۳۲۶/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۶۹۱/۱، دار احياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم، وما كنت لديهم إذ يختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)

(۳) (الحشر: ۲۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحداً﴾. (الجن: ۲۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. (النمل: ۶۵)

www.besturdubooks.net

ہیں، دین پر چلنے والے کے رتبہ سے، اچھے برے کاموں، اخلاص ونفاق سے واقف ہیں۔ اس کا دین اور ایمان کس درجہ کا ہے؟ کیا یہ قول صحیح ہے؟

۲......زید اپنے قول کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ، نیز معتبر علماء ومشاہیر کے اقوال معہ حوالہ کتب ذیل پیش کرتا ہے:

(الف) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی از کتاب ''اقرب السبل'' عبارت فارسی: ''با چندیں اختلاف و کثرتِ مذاهب که در علمائے امت هست یک کس را درین مسئله خلافے نیست که آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بحقیقتِ حیات بے شائبه مجاز و توهمِ تاویل دائم و باقی است، و بر اعمالِ امت حاضر و ناظر است، ومطالبانِ حقیقت را و متوجهاں آنحضرت را مستفیض و مربی''۔

(ب) آیت شریف: ﴿یا أیها النبی إنا أرسلناك شاهداً و مبشراً و نذیراً﴾ (۱) ترجمہ: ''اے غیب کی خبر دینے والے نبی! ہم نے تم کو حاضر ناظر خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا، شاہد کے تین معنی: حاضر ناظر وگواہ اور یہ کہ ہر تقدیر پر حضور حاضر وناظر ہیں۔

(ج) آیت کریمہ قرآنیہ: ﴿و جئنابك علی هؤلاء شهیداً﴾ (۲) ﴿ویکون الرسول علیکم شهیداً﴾ (۳) اس سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی ہیں۔

(د) تفسیر روح البیان مصری، جلد دوم، ص: ۲۴۸ میں اسی آیت کریمہ کے تحت درج ہے کہ: ''شهادة الرسول علیکم اطلاع علی وقتیه کل متدین بدینه، و حقیقته التی هو علیها من دینه، وحجابه الذی هو محجوب عن کمال دینه، فهو یعرف ذنوبهم و حقیقة إیمانهم وأعمالهم و حسناتهم و سیئآتهم و إخلاصهم و نفاقهم و غیر ذلك بنور الحق'' (٤)۔

---

(۱) (الأحزاب: ۴۵)

(۲) (النساء: ۴۱)

(۳) (البقرة: ۱۴۳)

(۴) (روح البیان: ۱/۲۵۰، البقرة: ۱۴۳، دار الکتب العلمیة)

www.besturdubooks.net

(ہ) تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بالکل یہی تفسیر کی ہے: ﴿ویکون الرسول علیکم شہیدا﴾ "و باشد رسولِ شما گواہ، زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر مرتبۂ متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ است، و حقیقتِ ایمانِ او چیست، و حجابیے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کہ مدام است، پس رومی شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شمارا، و اعمالِ نیک و بد شمارا، و اخلاص و نفاقِ شمارا ،و لہذا شہادتِ او در دنیا و آخرت بحکمِ شرع در حقِ امت مقبول و واجب العمل است"۔

(و) امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ جلد دوم، ص: ۳۸۷، میں فرماتے ہیں:

"و قد قال علمائنا: لا فرق بین موته و حیاته علیه السلام، و فی مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نیاتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك جلي لا خفاء"(۱)، یعنی ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں، اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات و نیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

ان تصریحات اور ان کے علاوہ بہت سی کتابوں کی تصریحات سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا واضح روشن ہے اور مقلب القلوب ہونے کی قدرت اللہ عزوجل نے بخشی ہے۔

(ز) جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ایسا امام ضرور امامت سے معزول کرنے کے قابل ہے۔

(ح) صحیح عقائد کے لئے بہار شریعت جلد اول، یا کتاب العقائد مصنفہ مولانا نعیم الدین صدر الافاضلؒ کی ملاحظہ کی جائے۔

کیا زید کا پیش کردہ ثبوت مندرجہ بالا اس کے قول کی تائید اور تصدیق کے لئے کافی ہے اور قابلِ تسلیم و صحیح ہے؟ اور آخری اَمر میں جو کتاب بہار شریعت وغیرہ کا ذکر کیا گیا وہ حنفی عقیدہ کے مطابق صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... بکر ایک مسجد میں امام ہے اور حنفی المسلک ہے، وہ زید کے قول اور پیش کردہ ثبوت کو صحیح تسلیم نہیں

---

(۱) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۲/۱۹۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

www.besturdubooks.net

کرتا اور کہتا ہے کہ جو صفات باری تعالی عز اسمہ وجل جلالہ کی ذات کے لئے خاص ہیں، مثلاً ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا، حاضر وناظر اور مقلب القلوب ہونا، ارادے اور نیتوں کا جاننا وغیرہ اگر بعینہ یہی صفات نبی علیہ الصلاۃ و السلام کے لئے مانی جائیں، پھر معبود اور عبد، وخالق ومخلوق میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگر پیغمبر علیہ السلام کو مقلب القلوب یعنی قلب بدلنے کی قدرت ثابت کی جاتی ہے تو کفار ومشرکین مکہ مثلاً: ابوجہل، ابولہب، ابی بن خلف وغیرہ دشمنانِ اسلام اور خصوصاً خواجہ ابوطالب جیسے شفیق ومہربان چچا کے دل کو پھیرنے میں کیا امر مانع رہا ہے؟

بہر حال اس عقیدہ کی بناء پر امام صاحب کو زید کے ہم خیال لوگوں نے امامت سے الگ کردیا کہ وہ حضور کو حاضر وناظر مقلب القلوب نہیں جانتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱،۲..... حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو اللہ تبارک وتعالی سے خود ہی دعاء کیا کرتے تھے: "یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینک" الحدیث (۱)۔

امت کے جو احوال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالی نے بتا دیئے وہ معلوم ہو گئے، جو نہیں بتائے وہ نہیں معلوم ہوئے۔ قرآن کریم میں بہت سی چیزیں ایسی مذکور ہیں جن کے متعلق بتایا گیا کہ ان کا علم اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بھی ان کا علم نہیں تھا اور بھی کسی کو علم نہیں:

﴿یسئلونک عن الساعة أیان مرساها، قل إنما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۲) ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ الایة (۳) ﴿قل لا أقول لکم عندی خزائن الله و لا أعلم الغیب﴾ (٤) ﴿ولوکنت أعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر﴾(٥) ﴿و ما کنت بدعاً من الرسل و ما أدری ما یفعل بی و لا بکم﴾ (٦)۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح ،کتاب الإیمان ،باب الإیمان بالقدر، ص: ۲۲ ۱ ،قدیمی)

(۲) (الأعراف :۱۸۷)

(۳) (الأنعام : ۵۹)

(۴) (الأنعام : ۵۰)

(۵) (الأعراف: ۱۸۸)

(٦) (الأحقاف: ۹)

www.besturdubooks.net

صحاح کی حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ:''تم لوگ اپنا مقدمہ میرے پاس لاتے ہو، بعض لوگ اپنا دعوی ثابت کرنے میں بہت ماہر ولسّان ہوتے ہیں، یادرکھو کہ اگر اس کی باتوں سے متاثر ہوکر اس کے دعوی کو سچا سمجھ کر میں نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا اور واقعۃً اس کا حق نہیں تھا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے جو اس کو دے رہا ہوں''(۱)۔غرض بے شمار احادیث واقعات سے علم کلی کی نفی ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے :"من اعتقد تسوية علم الله تعالیٰ و رسوله يكفر إجماعاً اهـ". موضوعات کبیر ص:۹۹(۲)۔

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن سنانے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے سورہ نساء شروع کی ،جب اس آیت پر پہونچے: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد، و جئنابك على هولاء شهيداً﴾ تو ارشاد فرمایا:''بس کرو''اور مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے(۳) اس پر شروحِ حدیث میں لکھا ہے کہ جس چیز کو نہیں دیکھا اس پر شہادت دینے کی دشواری کی بنا پر آنسو جاری ہوگئے(۴) تا بیرنخل کی حدیث میں صاف صاف مذکور ہے :"أنتم

(۱) "عن رسول الله ﷺ انه سمع خصومةً بباب حجرته، فخرج إليهم، فقال: "إنما أنا بشر ،وإنه يأتيني الخصم، فلعل بعضكم أن يكون ابلغ من بعض، فاحسب انه قد صدق،و اقضي له بذلک، فمن قضيت له بحق مسلم، فإنما هي قطعة من النار، فليأخذها أو ليتركها". (صحيح البخاری ، كتاب المظالم والقصاص، باب إثم من خاصم في باطل و هو يعلمه : ۱/۳۳۲، قديمی)

(۲) (الموضوعات الكبير ،لملا علی القاری، ص:۱۲۲،نور محمد)

(۳) "عن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم :"اقرأ عليّ" قلت: أقرأ عليک و عليک انزل؟ قال: "فإني أحب أن اسمعه من غيری" فقرأت عليه سورة النسآء حتی بلغت: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بک علی هؤلاء شهيداً﴾ (النساء: ۴۱) قال: "امسک" فإذا عيناه تذرفان". (صحيح البخاری، كتاب التفسير ،باب قوله: ﴿فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بک علی هؤلاء شهيداً﴾ : ۲/۶۵۹ ،قديمی)

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ :"فبكي حتی ضرب لحياه و وجنتاه ،فقال: "يارب!هذا علی من أنا بين ظهريه،فكيف بمن لم أره". (فتح الباری ،كتاب فضائل القرآن ،باب البكآء عند فضائل القرآن : ۹/۱۲۲ ،قديمی) .... ـ

www.besturdubooks.net

أعلم بأمور دنياكم " (١) واقعۂ افک، (٢) بیر معونہ (٣)، فقدِ عقد (٤)، حدیثِ حوض: "لا تدری ما أحدثوا بعدك" (٥)۔ حدیثِ شفاعت وغیرہ وغیرہ صحاح میں مذکور ہیں (٦) شرح فقہ اکبر ص:١٨٥، میں: "و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه تعالىٰ، و لا سبيل إليه للعباد، إلا بإعلام منه وإلهام بطريق المعجزة، أو الكرامة، أو الإرشاد إلى الاستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك، ثم اعلم أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ماأعلمهم الله تعالىٰ أحياناً. وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه السلام يعلم الغيب لمعارضته قوله تعالى: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا في المسايرة" (٧).

= (وكذا في عمدة القاري، كتاب التفسير، باب: (فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد، و جئنابك على هؤلاء شهيداً): ١٨/ ٢٧٤، محمد أمين دمج بيروت)

(١) "عن أنس أن النبي ﷺ مرّ بقوم يلقّحون، فقال: "لو لم تفعلوا لصلح" قال: فخرج شيصاً، فمرّ بهم، فقال: "مالنخلكم"؟ قالوا: قلت كذا و كذا، قال: "أنتم أعلم بأمر دنياكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً دون ما ذكره اهـ: ٢/ ٢٦٣، قديمي)

(٢) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " علم غيب")

(٣) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " علم غيب")

(٤) "عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ببعض أسفاره، حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش، انقطع عقد لي، فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه، وأقام الناس معه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التيمم: ١/ ٤٨، قديمي)

(٥) (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: (كما بدأنا أول خلق): ٢/ ٦٩٣، قديمي)

(٦) "عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بلحم .... فأقع ساجداً لربي، ثم يفتح الله علي من محامده وحسن الثناء عليه شيأ لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقال: يا محمد! إرفع رأسك سل تعطه، واشفع تشفع". الحديث. (صحيح البخاري: ٢/ ٦٨٤، ٦٨٥، كتاب التفسير، (سورة بني اسرائيل)، باب قوله: (ذرية من حملنا مع نوح) الخ قديمي)

(وسنن الترمذي: ٢/ ٧٠، ابواب صفة القيامة، باب ماجاء في الشفاعة، سعيد)

(٧) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ١٥١، قديمي)

www.besturdubooks.net

جو چیز قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع، علم الکلام والعقائد سے صاف صاف ثابت ہو وہ اصل ہے، پھر اگر کسی مسلمہ بزرگ کے کلام میں کوئی چیز اس کے خلاف منقول ہو اور نقل کی سند بھی معتبر نہ ہو تو اس میں تاویل کر کے اس کے لئے ایسا محمل تجویز کیا جائے گا جو قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، تصریحاتِ متکلمین کے خلاف نہیں، نہ یہ کہ اس کی وجہ سے قرآن کریم وحدیث شریف میں تاویل کی جائے یا ترک کیا جائے۔ اگر کسی مسلمہ بزرگ کا کلام نہ ہو یا نقل کی سند ہی معتبر نہ ہو تو تاویل کی بھی حاجت نہیں، ویسے ہی وہ ناقابل التفات ہے۔

از (الف) تا (ح) میں کوئی ایسی شی نہیں جو قطعیات کے معارض ہو سکے، جس کی وجہ سے قطعیات میں تاویل کی جائے بلکہ ان (الف) تا (ح) میں سے بعض چیزیں غلط ہیں، بعض چیزیں بالکل ہی پایۂ اعتبار سے ساقط وناقابل التفات ہیں، بعض محل تاویل ہیں۔

۳...... بکر کا عقیدہ صحیح ہے، قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، تصریحاتِ متکلمین کے موافق ہے، اس کو امامت سے علیحدہ کرنا ظلم اور ناجائز ہے، اس کے بالمقابل زید کا عقیدہ غلط ہے، اس کو خود اپنی ہی فکر لازم ہے، چاہیے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

أصاب من أجاب ہذا الجواب: بندہ نظام الدین دار العلوم دیوبند۔

کیا شاہد کا ترجمہ ''حاضر وناظر'' ہے؟

سوال [۲۵۹]: زید کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، اور دلیل میں آیت: ﴿إنا أرسلنٰك شاهداً ومبشراً ونذيراً﴾ (۱) پیش کرتے ہوئے شاہد کا ترجمہ ''حاضر وناظر بنا کر بھیجا'' کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس لفظ کا اطلاق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درست ہے؟ حاضر وناظر اگر باری تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہو تو براہِ کرم کتب حدیث وفقہ وعقائد میں صفحہ کے حوالہ سے اس کی نشان دہی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاضر کا ترجمہ ''ہر جگہ موجود'' اور ناظر کا ترجمہ ''ہر ایک کو دیکھنے والا'' اس معنی کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ

(۱) (الأحزاب: ۴۵)

www.besturdubooks.net

کی صفتِ مختصہ ہے یعنی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں وہ سب کو دیکھتا اور جانتا ہے:

﴿لا یعزب عنه مثقال ذرة في السمٰوٰت ولا في الأرض﴾ (۱) ﴿یعلم السر وأخفی﴾ (۲) ﴿علیم بذات الصدور﴾ (۳) ﴿بکل شيء علیم﴾ (٤) ﴿بکل شيء محیط﴾ (٥) وغیرہ، بکثرت نصوصِ قرآنیہ موجود ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بعض آیات میں صاف حکم ہے کہ آپ اپنے متعلق علم غیب کی نفی کا اعلان کردیں: ﴿قل لا أقول لکم عندي خزائن الله ولا أعلم الغیب﴾ (٦)۔

بعض آیات میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے بطریق حصر: ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾ (۷) بعض آیات میں بعض چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص قرار دیا گیا ہے: ﴿لا یجلیها لوقتها إلا هو﴾ (۸)۔

بعض آیات میں بعض خاص چیزوں کے علم کی حضرت رسول اکرم ﷺ سے نفی کی گئی ہے: ﴿وما علمناه الشعر﴾ (۹) ﴿ومن أهل المدینة مردوا علی النفاق، لا تعلمهم نحن نعلمهم﴾ (۱۰) ﴿ورسلاً قد قصصنا هم علیك من قبل و رسلاً لم نقصصهم علیك﴾ (۱۱) ﴿قل ما کنت بدعاً من

---

(۱) (السبا: ۳)

(۲) (طٰهٰ: ۷)

(۳) (الملک: ۱۳)

(۴) (التوبة: ۱۱۵)

(۵) (حم السجدة: ۵۴)

(۶) (الأنعام: ۵۰)

(۷) (الأنعام: ۵۹)

(۸) (الأعراف: ۱۸۷)

(۹) (یٰس: ۶۹)

(۱۰) (التوبة: ۱۰۱)

(۱۱) (النسآء: ۱۶۴)

www.besturdubooks.net

الرسل و ما أدری ما یفعل بی و لا بکم﴾ (۱) بعض آیات میں علم غیب سے ناواقف ہونے پر بعض امور بطور شرط وجزاء مذکور ہیں: ﴿لو کنت أعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء﴾ (۲)۔

پھر بطور ایجاب جمیع علوم غیبیہ کا حاوی تسلیم کرنا ان نصوص کے خلاف ہے، احادیث تو بے شمار ہیں جن سے اس ایجاب کلی کی نفی ہوتی ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا اور کچھ لوگوں کو لایا جائیگا مگر پھر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں، جواب ملے گا: "لا تدری ما أحدثوا بعدك" کہ آپ کو معلوم نہیں یہ کن بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے؟ تو میں کہوں گا کہ ایسے لوگوں کو آگ میں دھکیل دو کہ جنھوں نے دین میں تبدیلی کر دی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر بھی ہیں نور بھی ہیں

سوال [۲۶۰]: کلام پاک کے اندر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بشر کا لفظ بھی آیا ہے اور نور کا لفظ بھی آیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم﴾ (٤) الآیة، ﴿قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین﴾ (۵)، ان دونوں آیتوں کا مطلب کیا ہے؟ واضح طور پر لکھیں۔ اگر ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف نور مان لیں اور بشر نہ مانیں یا بشر مانیں، نور نہ مانیں اور خدا کو ہر جگہ حاضر وناظر نہ سمجھنا اور حضور کو...... سمجھنا کیسا ہے اور نور سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے بشر قرار دیا اور بشریت کے اعلان کا

---

(۱) (الأحقاف: ۹)

(۲) (الأعراف: ۱۸۸)

(۳) (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب ما جاء فی قول اللہ: ﴿واتقوا فتنةً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة﴾: ۱۰۴۵/۲، قدیمی)

(۴) (الکهف: ۱۱۰)

(۵) (المائدة: ۱۵)

www.besturdubooks.net

حکم فرمایا(۱) تو پھر آپ کو بشر نہ ماننا خدائے قہار کا مقابلہ کرنا ہے؟ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے جب کہ قرآن کریم کو بھی نور فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب خود قرآن شریف میں موجود ہے:

﴿قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین، یهدی اللّٰہ به من اتبع رضوانه سبل السلام، و یخرجهم من الظلمات إلی النور بإذنه، و یهدیهم إلی صراط مستقیم﴾: أی ینجیهم من المهالك، ویوضح لهم المسالك، فیصرف عنهم المعذور، و یحصل لهم أحب الأمور، و ینفی عنهم الضلالة، ویرشدهم إلی أقوم حالة اهـ". تفسیر ابن کثیر ۲/۳٤(۲)۔

یعنی آپ کی ہدایت پر عمل کرنے سے آدمی بادیۂ ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر سبیل الرشاد اور صراط مستقیم کی روشنی میں آجاتا ہے، پھر نافرمانی کی مہلکات سے بچ کر اطاعت کے جادہ مستقیم پر گامزن ہو کر سخط و غضب کے مظہر جہنم سے نجات پاتا اور رحمت و رضوان کے مظہر جنت میں دخول کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ صفاتِ بشری: کھانے، پینے، سونے، جاگنے، بیٹھنے، لیٹنے، خرید و فروخت، جنگ و صلح، نکاح و طلاق، بیماری و صحت وغیرہ امور سے بے نیاز اور بری تھے۔

کفار کہا کرتے تھے: ﴿مال هذا الرسول یأکل الطعام و یمشي في الأسواق﴾ الآیه (۳)۔

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم، یوحیٰ إلیّ أنما إلٰهکم إله واحد﴾". (الکهف: ۱۱۰)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم، یوحیٰ إلي أنما إلٰهکم إله واحد، فاستقیموا إلیه واستغفروه، وویل للمشرکین﴾ ". (حم السجدة: ۲)

(۲) (تفسیر ابن کثیر، (المائدة: ۱۶): ۲/۳۴، دار القلم)

"﴿قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین﴾ یرید القرآن لکشفه ظلمات الشرک و الشک، و لإبانته ما کان خافیاً علی الناس من الحق. أو لأنه ظاهر الإعجاز. أو النور محمد علیه الصلاة والسلام؛ لأنه یهتدی به کما سمي سراجاً". (المدارک، (المائدة: ۱۵)، ۱/۳۱۳، قدیمی)

"﴿قد جاء کم من اللّٰہ نور﴾ عظیم. و هو نور الأنوار والنبي المختار صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، وإلی هذا ذهب قتادة، واختاره الزجاج. وقال أبو علي الجبائي: عني بالنور القرآن، لکشفه وإظهاره طرق الهدیٰ و الیقین". (روح المعاني، (المائدة: ۱۵): ۶/۹۷، دار الفکر)

(۳) (الفرقان: ۷)

www.besturdubooks.net

یہ کیسے رسول ہیں کہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں؟

البتہ بشر ہونے کے باوجود اللہ پاک نے آپ کو بہت سی خصوصیات سے نوازا، اپنا حبیب وخلیل بنایا، تمام پیغمبروں کا سید بنایا، قرآن کریم آپ پر نازل فرمایا، ہر قسم کے گناہوں سے آپ کو معصوم رکھا، آپ کے صحابہ اور اہل بیت کو وہ درجہ دیا کہ پیغمبروں کے بعد کسی کو نہیں ملا، اپنی رضا اور نجات کو آپ کی اتباع میں منحصر کر دیا(۱) حتی کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہر جگہ حاضر وناظر ہونا خداوند تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے: ﴿عالم الغیب و الشهادة﴾ (۲)، صرف وہی ایک ذات ہے اور یہ صفت اس کی ذاتی صفت ہے جس کو کوئی چھین نہیں سکتا، جو شخص اس کی اس صفت کی نفی کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اس کا یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے:

﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾ الاية (۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن اللہ ہیں اور نہ میں عالم الغیب ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں بھی اس پر انکار فرمایا گیا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

بشریت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۲۹۱]: حسب ذیل آیت کا شان نزول کیا ہے: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي﴾ (۵)۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾. (النسآء: ۸۰)

و قال تعالى: ﴿قل إن كنتم تحبون الله، فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم﴾. (آل عمران: ۳۱)

(۲) (الحشر: ۲۲)　　(۳) (الانعام: ۵۰)

(۴) " و من حدثك أنه يعلم ما في غد، فقد كذب، ثم قرأت: ﴿و ما تدري نفس ما ذا تكسب غداً﴾". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، (سورة النجم): ۲/ ۷۲۰، قديمي)

" و من زعم أنه يخبر بما يكون في غد، فقد أعظم على الله الفرية. والله يقول: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾". (الصحيح لمسلم. كتاب الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: ﴿ولقد راه نزلة أخرى﴾: ۱/۹۸، قديمي)

(۵) (الكهف: ۱۱۰)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

منکرین کہتے تھے کہ جو شخص بشر ہو وہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ بشر تو حوائج ضروریہ میں مبتلا رہتا ہے، رسول کو ان سے پاک ہونا چاہئے، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قل إنما أنا بشر مثلکم یوحی إلیّ﴾ (۱) کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں بشر ہوں، میرے ساتھ بھی حوائج ہیں، کسی اور نوع کا فرد نہیں ہوں (نہ جن ہوں، نہ فرشتہ) بات اتنی ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الکهف: ۱۱۰)

(۲) "قال المشرکون: لامیزة لهذا النبی الذی یدّعی الرسالة، فهو یأکل کما نأکل، ویشرب کما نشرب، ویحتاج إلی ذلک کما نحتاج إلیه، یعنون أنه کان یجب أن یکون ملکاً مستغنیاً عن الأکل والعیش. ﴿ویمشی فی الأسواق﴾: أی یترددفیها وإلیها، طلباً للتکسب والتجارة، وابتغاءً للرزق والمعیشة، فمن أین له الفضل علینا، وهو مثلنا فی هذه الأمور؟ وهذا منهم تصور مادی محض وموازنة ساذجة، فإن الرسل لم یمتازوا بصفات حسیة مادیة، فهم فی هذا کغیرهم من البشر، وإنما امتازوا بقیَم معنویة ومکاسب أدبیة وطهارة نفسیة، لذاقال تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحیٰ إلیّ أنما إلٰهکم إله واحد﴾". (التفسیر المنیر: (الفرقان: ۷): ۱۹/ ۲۲، دار الفکر)

"ومرادهم استبعاد الرسالة المنافیة لأکل الطعام وطلب المعاش علی زعمهم، فکأنهم قالوا: إن صح مایدّعیه، فما باله لم یخالف حاله حالنا؟ ولیس هذا إلا لعمههم، ورکاکة عقولهم، وقصور أبصارهم علی المحسوسات، فإن تمیز الرسل علیهم الصلاة والسلام عما عداهم لیس بأمور جسمانیة، وإنما هو بأمور نفسانیة: أعنی ماجبلهم اللہ تعالیٰ علیه من الکمال کما یشیر إلیه قوله تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشرمثلکم، یوحی إلیّ أنما إلٰهکم إله واحد﴾". (روح المعانی، (الفرقان: ۷): ۱۸/ ۳۴۸، دار الفکر)

"قال البغوی: کانوا یقولون: لست أنت بملک؛ لأنک تأکل والملک لا یأکل، ولست أنت بملک؛ لأن الملک لایتسوق وأنت تتسوق وتتبذل. قلت: کلا مهم هذا فاسد؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لم یدّع الملکة ولا السلطان، بل قال: ﴿إنما أنا بشر مثلکم یوحی إلیّ﴾ وادّعاؤه النبوة غیرمناف لأکل الطعام والمشی فی الأسواق الذی هو مقتضی البشریة التی هی من لوازم النبوة؛ لأن النبی لایکون إلا بشراً؛ لأن المجانسة شرط الإفاضة والإستفاضة." (التفسیر المظهری، (الفرقان: ۷): ۷/ ۱۲، حافظ کتب خانه کوئته)

www.besturdubooks.net

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بھی دیا گیا

سوال[۲۶۲]: ﴿قدجاء کم من اللہ نور وکتاب مبین﴾(۱) کا شان نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہودی لوگ اپنی کتاب کی کچھ باتیں چھپاتے تھے اور کچھ ظاہر کرتے تھے، اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور نبوت کے ذریعہ وہ چیز خوب ظاہر ہوگئی، اسی کو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتاب (قرآن مجید) عطا ہوئی، اور نور نبوت بھی عطا ہوا جس سے یہود کی دسیسہ کاریاں آپ پر ظاہر ہوگئیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (المائدة: ۱۵)

(۲) "(یاأهل الکتاب ....)أخرج ابن جریر الطبری عن عکرمة قال: إن نبی الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أتاه الیهود: یسألونه عن الرجم، فقال: "أیکم أعلم"؟ فأشاروا إلی ابن صوریا، فناشده بالذی أنزل التوراة علی موسی، والذی رفع الطور، والمواثیق التی أخذت علیهم، حتی أخذه أفکل: رعدة من الخوف، فقال: لما کثر فینا جلدنا مائة، وحلقنا الرؤوس، فحکم علیهم بالرجم، فأنزل الله: "(یاأهل الکتاب) إلی قوله "(صراط مستقیم)". (التفسیر المنیر، (المائده: ۱۵): ۱۳۲/۲، دار الفکر)

"(یاأهل الکتاب) خطاب للفریقین جمیعاً، بعد أن ذکر کل فرقة علی حدة. قوله: (کآیة الرجم وصفته): أی فقد أخفوهما، وأطلع الله نبیه علی أنهما فی التوراة، فبین ذلک وأظهره، وهو معجزة لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؛ لأنه لم یقرأ کتابهم، ولم یجلس بین یدی معلم." (حاشیة الصاوی علی الجلالین، (المائده: ۱۵): ۱۰۵/۲، دار الباز)

"(قدجاء کم رسولنا)" محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم (یبین لکم کثیراً مما کنتم تخفون من الکتاب): أی من کتبکم من الإیمان به، ومن آیة الرجم، ومن قصة أصحاب السبت الذین مسخوا قردة، فإنهم کانوا یخفونها." (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (المائده: ۱۵): ۷۸/۶، دار الکتب العلمیة)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالمعجزة والکرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

معجزہ وکرامت

سوال[۲۶۳]: کرامة الولي، و معجزة النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم من أفعال اللّٰه التکوینة المختصة به الخارق للعادة، لیست من أفعال الولي و النبي، و مقدوراتها وإن کان قد یکون المظهر لهما: الولي والنبي۔ وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله و أصحابه أجمعین۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

الأمر الخارق للعادة إن صدر من الولي فهو الکرامة، وإن صدر من النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم علامةً و تصدیقاً للنبوة فهو المعجزة (۱)۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین، والصلوة علی سید المرسلین وعلی اله وأصحابه أجمعین۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلی النبي معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو من قِبل آحاد أمته، و بالنسبة إلی الولي کرامة لخلوه عن دعوی النبوة ". (رد المحتار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت کرامات الأولیاء والاستخدامات: ۳/ ۵۵۱، سعید)

"والحاصل أن الأمر الخارق للعادة هو بالنسبة إلی النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم معجزة، سواء ظهر من قِبَله أو قِبل أمته، لدلالته علی صدق نبوته و حقیة رسالته، فبهذا الاعتبار جعل معجزةً له، و إلا فحقیقة المعجزة أن تکون مقارنةً للتحدی علی ید المدعی، و بالنسبة إلی الولي کرامة ". (شرح الفقه الأکبر للملاعلی القاري، ص: ۸۰، قدیمی)

"ثم ذکر بعدُ أن الکرامة والمعجزة لیس بینهما فرق إلا وقوع المعجزة علی حسب دعوی النبوة، والکرامة دون إدعائه النبوة ". (الفتاوی الحدیثیة، مطلب في الکلام علی کرامات الأولیاء علی أکمل وجه، ص: ۲۹۶، قدیمی)

www.besturdubooks.net

شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق

سوال [۲۶۴] : ایک شخص شعبدہ بازیاں کرتا ہے، اس کو کرامات اور معجزات کہتا ہے اور تمام شعبدوں کو شریعتِ اسلامیہ سے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو حالات رات کو ہوتے ہیں وہ تمام اور آئندہ ہونے والے تمام واقعات مجھ پر ظاہر اور روشن ہیں، میرے قبضہ میں جن یا مؤکل ہیں، یہ مجھے سب خبریں پہونچا دیتے ہیں اور جس کو ٹخنوں یا گھٹنوں میں درد ہو وہ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ تم کو گنڈے ہیں میں ابھی نکالتا ہوں، چنانچہ سوا گیارہ روپے فیس لیکر تختہ دیوار کو لیکر یا صحن کو کھدوا کر ایک ٹکڑا ٹین کا نکالتا اور کہتا ہے کہ اس میں جو بت کاغذ میں لپٹا ہوا ہے اس کو دریا میں پھینک دو اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اور بعض پوچھتے ہیں کہ میرا لڑکا بیمار ہے، سر کو نہیں اٹھاتا، آنکھیں نہیں کھولتا اس کی نسبت پختہ خبر دے دو کہ اس کو کیا ہو گیا ہے تو ان کو یا تو کتاب کھول کر اس کی بیماری کی وجہ بتائی جاتی ہے اور اس کے صحت پانے کا دن بتایا جاتا ہے یا ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کو آگ کے اوپر رکھ دیں جو واقعات ہوں گے جنات اس پر لکھ جائیں گے، جس کو آگ پر رکھنے سے مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں دن مر جائے گا یا اچھا ہو جائے گا۔

وہ چوتھے حصہ سر کا مسح بھی اس وجہ سے کہ اس کے سر پر بال نہیں گنجا ہے چھوڑ دے اور نماز خود بھی پڑھے اور امامت بھی کرے اور اپنے اردگرد لکیر کھینچ کر کچھ افسوں پڑھتے پڑھتے خود کو مانند بے ہوش کے کر دیتا ہے اور مخاطب کو کہتا ہے کہ دیکھ اور پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اور اس حالت میں بے تیل چراغ جلانا اور کچھ چیزوں کا چھت سے گرانا اور گم شدہ چیزوں اور پیٹ کے حمل سے مطلع کرنا اور خلاف مرضی حاکم کے فیصلہ کرانے کا مدعی ہونا۔ اور کیا ان لوگوں کے حق میں جو اس کے بھائی ہوں ان باتوں پر یقین و عمل کریں اور اس کو اولیاء اللہ سمجھیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

غیب کا تمام علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، جو اس کا مدعی ہے وہ نص قطعی کا منکر ہے (۱) نہ ایسا دعویٰ کرنا جائز ہے، نہ خدا کے سوا کسی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا جائز (۲)۔ سوال میں جو مذکور ہے وہ بہت معمولی بات

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا یعلم من في السموات والأرض الغیب إلا الله﴾. (النمل : ۶۵)

(۲) "و حاصله أن دعوی علم الغیب معارضة لنص القرآن، فیکفر بها". (رد المحتار ، باب المرتد ، مطلب فی دعوی علم الغیب : ۴/۲۴۳ ، سعید)

www.besturdubooks.net

ہے، بہت چھوٹے چھوٹے آدمی بلکہ غیر مسلم ایسا کر لیتے ہیں، ان چیزوں کو کرامات یا معجزات سے کوئی تعلق نہیں (۱) کرامات اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں اور معجزہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے (۲)، نبوت ختم ہو چکی ہے اب قیامت تک کوئی بھی نبی نہیں آئے گا (۳) اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر

---

(۱) "قال علماؤنا: من أظهر الله على يديه ممن ليس بنبي كرامات و خوارق للعادات، فليس ذلك دالاً على ولايته، خلافاً لبعض الصوفية و الرافضة. هذا لفظه، ثم استدل على ما قال: بأنا لا نقطع بهذا الذي جرى الخارق على يديه أن يوافي الله بالإيمان، و هو لا يقطع لنفسه لذلك: يعني والولي الذي يقطع له بذلك في نفس الأمر، قلت: و قد استدل بعضهم على أن الخارق قد يكون على يدى غير الولي، بل قد يكون على يد الفاجر والكافر أيضاً بما ثبت عن ابن صياد أنه قال: هو الدخ حين خبأ له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ﴿فارتقب يوم تأت السماء بدخان مبين﴾ الخ". (تفسير ابن كثير، (البقره :۳۴): ۱/۱۱۶، دار الفيحاء)

"و مما يجب أن يعلم أن من واظب على الرياضات الشاقة ظهرت عنه الخوارق ولو كان كافراً، و هذا امتحان شديد لضعفاء المسلمين، و سبب لضلالهم و سوء اعتقادهم بالشرائع، فليحفظ المؤمن إيمانه عن هذه الآفة، و سمي استدراجاً؛ لأنه سبب الوصول إلى النار بالتدريج". (النبراس، ص: ۲۹۵، ۲۹۶، امداديه ملتان)

"و فراسة رياضية، و هي التي تحصل بالجوع والسهر والتخلي، فإن النفس إذا تجردت عن العوائق، صار لها من الفراسة والكشف بحسب تجردها، و هذه فراسة مشتركة بين المؤمن والكافر، و لا تدل على إيمان و لا على ولاية، ولا تكشف عن حق نافع، و لا عن طريق مستقيم، بل كشفها من جنس فراسة الولاة وأصحاب عبادة الرؤساء والأطباء و نحوهم". (شرح العقيدة الطحاوية لابن ابي العز، ص: ۴۹۹، قديمي)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۸۰، قديمي)

(۲) "فالحاصل أن الأمر الخارق للعادة بالنسبة إلى النبي معجزة، سواء ظهر من قبله أو من قبل آحاد أمته، و بالنسبة إلى الولي كرامة لخلوه عن دعوى النبوة". (رد المحتار، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: ۳/۵۵۱، سعيد)

(۳) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، و لكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"و أنا العاقب، والعاقب الذي ليس بعده نبي". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أسماء النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم و صفاته: ۲/۵۱۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

ہوگا (۱) کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہے اور کوئی شخص بلا اتباع شریعت ولی نہیں بن سکتا (۲)۔

لہذا شخص مذکور کے افعال نہ معجزہ ہیں نہ کرامت، ممکن ہے محنت ومشقت کے بعد بعض جنات کو تابع کر لیا ہو، سو یہ کوئی مقبولیت کی علامت نہیں ہے، بسا اوقات جنات تابع کرنے کے لئے ناجائز افعال کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی ناجائز فعل نہ بھی کیا ہو تب بھی خود جنات کا تابع کرنا محل کلام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص شعبدات کرتا ہو جیسا کہ عام بازاری آدمی تماشہ دکھانے کے لئے شعبدات کرتے اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے (۳) خواہ بال ہوں یا نہ ہوں، جو شخص مسح نہیں کرتا وہ بلا وضو نماز پڑھتا ہے، لہذا ایسے شخص کی امامت قطعاً ناجائز ہے (۴) جو شخص اس کے پیچھے نماز پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

الحاصل: احوال مذکورہ نہ نبی کے احوال ہیں کہ ان کو معجزہ کہا جائے، نہ ولی کے احوال ہیں کہ ان کو کرامت کہا جائے، بلکہ ایک بازاری شعبدہ باز کے احوال ہیں جو شرعاً بالکل ناقابل اعتبار ہیں، اس شخص کو عالمِ غیب جان کر اس سے علاج کرانا ہرگز درست نہیں، البتہ جیسا کہ دوسرے اطباء یا ڈاکٹروں سے علاج کرایا جاتا ہے اس طرح علاج وغیرہ کرانا درست ہے بشرطیکہ اس علاج میں کوئی خلاف شرع فعل نہ کرنا پڑے

---

(۱) "و قد أخبر الله تبارک و تعالیٰ في کتابه و رسوله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم في السنة المتواترة أنه لا نبي بعده، لیعلموا أن کل من ادعی هذا المقام بعده، فهو کذاب و أفاک دجال ضال مضل". (تفسیر ابن کثیر، (الاحزاب: ۴۰): ۳/۶۵۴، مکتبه دار الفیحاء)

(۲) "والولي هو العارف بالله و صفاته بقدر ما یمکن له، المواظب علی الطاعات، المجتنب عن السیئات، المعرض عن الإنهماک في اللذات والشهوات والغفلات و اللهوات". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۷۹، قدیمي)

(۳) "والمفروض في مسح الرأس مقدار الناصیة: وهو ربع الرأس، لما روی المغیرة بن شعبة أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه و سلم أتی سباطة قوم، فبال، و توضأ، و مسح علی ناصیته و خفیه". (الهدایة، کتاب الطهارات: ۱/۱۷، مکتبه شرکت علمیه)

(۴) "وأما إذا علم قبل الإقتداء أن الإمام جنب أو محدث، فلا یجوز الإقتداء بالإجماع". (الفتاویٰ التاتار خانیه: ۱/۴۳۸، الفصل السادس، أما الکلام في بیان من هو أحق بالإمامة، کتاب الصلوٰة، قدیمي)

www.besturdubooks.net

اور کوئی عقیدہ بھی خلاف شرع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲/۱۳۵۴ھ

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۵۴ھ۔

کرامت

سوال[۲۶۵]: کرامت کسے کہتے ہیں؟ کیا ہر ولی کامل سے کرامت کا ظاہر ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امر خارق عادت کسی صالح متبع سنت امتی سے صادر ہو وہ کرامت ہے، ہر ولی کامل سے حسی کرامت کا صادر ہونا ضروری نہیں، البتہ اس میں استقامت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جس کو عرفاء نے فوق الکرامۃ فرمایا ہے، بعض اولیائے کاملین سے یہ تمنا منقول ہے کہ کاش ان سے کوئی کرامت صادر نہ ہوتی، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کسی بلند مقام صوفی سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور ایسے شخص سے کرامت ظاہر ہوتی ہے جس کا مقام فروتر ہوتا ہے۔ ارشاد الطالبین ص: ۱۳ پر یہ بحث تفصیل سے مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر پابند شریعت سے خرق عادت کا صدور اور اس سے اجتناب

سوال[۲۶۶]: کیا اس طریقہ پر مجمع لگانا کہ جو نہ تو کبھی ہوا ہو اور نہ اس کا ثبوت قرون اولیٰ سے ملتا ہو اور ایسا آدمی جو کہ شریعت کا پابند بھی نہ ہو، وضع قطع بھی اس کی خلاف سنت ہو، اور دین کی اس کو کوئی معلومات بھی نہیں ہے، مگر اس نے ایسے طریقہ پر لوگوں کو جمع کرنا اور پھونکنا شروع کر دیا ہے جس سے بہت سے مسلمانوں کے عقائد بھی خراب ہو رہے ہیں اور پھر اس بات کی بھی تعیین نہیں ہے کہ وہ کیا پڑھتا ہے؟ اب رہا ایسی صورت میں ایسے لوگوں کے پاس جانا یا ان سے عقائد سیکھنا کیسا ہے؟ کیا ایسے لوگوں سے احتراز کرنا چاہئے یا ان سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اگر ایسا موقع ہو تو ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئیے؟ اور مسلمانوں کا کیا عقیدہ ہونا چاہئیے؟ کیا کسی فاسق کو دینی چیز میں بڑھانا یا اس کی کسی طرح تائید کرنا ٹھیک ہے؟ اس کا کوئی ایسا معقول جواب دیں تاکہ ہم مسلمانوں کو سکون ہو۔

---

(۱) (ارشاد الطالبین (اردو) فصل: کرامت ولایت کا لازمہ نہیں، ص: ۳۸، مکتبہ اسحاقیہ، جونا مارکیٹ کراچی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلياً:

کلام اللہ شریف اور حدیث پاک کی دعاء پڑھ کر دم کرنا دفع مرض اور حفاظت کے لئے شرعاً درست اور قرون اولی سے ثابت ہے(۱)، اللہ تعالی نے اس میں تاثیر بھی رکھی ہے، لیکن خداوند تعالی کی بارگاہ میں مقبولیت کا یہاں تیقن کے ساتھ کچھ پتہ نہیں، ہاں جو شخص جس قدر زیادہ عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور اخلاص واتباع سنت کے ساتھ متصف ہوگا، ان شاء اللہ تعالی اس قدر عظیم المرتبت ہوگا(۲)، اس لحاظ سے آدمی کو دیکھنے کی ضرورت ہے، جو شخص متبع سنت اور پابند شریعت نہ ہو اگر خرق عادت چیز ظاہر بھی ہو جائے تب بھی اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے(۳)، خاص کر جب عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو بہت احتیاط لازم ہے، خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿و ننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين﴾ و عن القشيري أنه مرض له ولد أيس من حياته، فرأى الله تعالىٰ في منامه، فشكى له سبحانه ذلك، فقال له: اجمع آيات الشفاء و اقرأ ها عليه، أو اكتبها في إناء واسقه فيه ما محيت به، ففعل فشفا الله تعالىٰ". (روح المعاني: ۱۴۵/۱۵، (سورة الإسراء)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن عبدالملك بن عمير مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "في فاتحة الكتاب شفاء من كل داء". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۸۹، كتاب فضائل القرآن، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يأته مؤمناً قد عمل الصالحات، فأولئك لهم الدرجات العلى﴾ (سورة طه: ۷۵)

(۳) اس سے خرق عادت جو چیز ظاہر ہوئی ہے وہ استدراج ہے، کرامت نہیں ہے:

"فما لا يكون مقروناً بالإيمان والعمل الصالح، يكون استدراجاً". (شرح العقائد، ص: ۱۰۵، دهلي)

"و أما التي تكون لأعدائه مثل إبليس و فرعون و دجال مما روى في الأخبار أنه كان لهم، فلا نسميها آيات و لا كرامات، و لكن نسميها قضاء حاجات لهم، و ذلك لأن الله تعالىٰ يقضي حاجات أعدائه استدراجاً وعقوبةً لهم، و يزدادون عصياناً (أي إن كانوا فجاراً) أو كفراً، و ذلك كله جائز و ممكن". (شرح الفقه الأكبر، للملا علي القاري، ص: ۸۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

معارف قرآنیہ کا الہام

سوال [۲۶۷]: کسی مسلمان بزرگ پر قرآن کریم میں بیان شدہ کسی امر ونہی کا بذریعہ الہام یا کشف اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیداً دوبارہ ظاہر فرمانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا (۱)، اس کے معارف کا کسی بزرگ کے قلب پر بغیر استاذ سے پڑھے منکشف ہوجانا آج بھی ممکن بلکہ واقع ہے (۲)۔ لیکن قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ یہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا حق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں پہنچتا (۳)۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ غلط دعویٰ کرتا ہے، اس کے لئے شریعت میں بہت سخت حکم ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "فالقرآن كلام الله تعالى في المصاحف مكتوب وفي القلوب محفوظ .... وعلى النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) منزل". (شرح الفقه الأكبر لأبي المنتهى، ص: ۱۱۳، بيروت)

(۲) "قال عليه الصلوٰة والسلام: "اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ينظر بنور الله عزوجل .... ونظر رجل إلى امرأة، ثم دخل على عثمان رضي الله تعالىٰ عنه فقال: "يدخل أحدكم عليّ وفي عينه أثر الزنا" ..... وقال أبو عثمان المغربي: والعارف تضيء له أنوار العلم، فيبصر بها عجائب الغيب". (فيض القدير: ۱/ ۲۶۸، رقم الحديث: ۱۵۱)

"والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض". (شرح العقائد، ص: ۱۸ دهلي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن افترى على الله كذباً، أو قال أوحي إليّ ولم يوح إليه شيء، ومن قال سأنزل مثل ما أنزل الله﴾. (سورة الأنعام: ۹۳)

و قال تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. (سورة الأحزاب: ۴۰)

(۴) "دعوى النبوة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۰۳، فصل والكفر صريحاً وكناية، قديمي)

"ومن ادعى النبوة فصدقه قومه، صاروا بذلك مرتدين". (إعلاء السنن: ۱۲/ ۵۹۸، من ادعى النبوة أو صدق من ادعاها، إدارة القرآن)

www.besturdubooks.net

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مخصوص کرامات بیان کرنا

سوال[۲۶۸] : ا...... ہمارے یہاں پر یہ بات عام بحث بنی ہوئی ہے کہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں ایک بارات جس کو دریا میں ڈوبے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے، ایک بڈھی روزانہ روتی تھی، عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ترس آ گیا اور انہوں نے بارہ برس پرانی ڈوبی ہوئی بارات دریا سے زندہ نکال دی اور سب زندہ ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔

۲...... عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں منکر نکیر کے بال پکڑ لئے اور منکر نکیر نے معافی مانگی۔

۳...... عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ دوڑتے ہوئے قبرستان سے گزر رہے تھے تو مردوں کو حکم دیا وہ بھی انہیں کے ساتھ دوڑنے لگے۔ یہ کرامات بتلاتے ہیں ان کا تعلق کتابوں سے ہے یا غپ ہے؟ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً :

ا...... یہ روایت غلط ہے اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔

۲...... یہ روایت بھی بہتان ہے اور اللہ کے فرشتوں کی توہین ہے، ان کی قبر کا واقعہ کس نے دیکھا اور بیان کیا؟

۳...... یہ بھی بالکل غلط اور مہمل افسانہ ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور حضرت رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے انتہائی متبع اور پابند تھے، ان کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے نفس کی خواہشوں کو حدودِ شرع میں رکھا اور ساری زندگی اس کی کوشش کی کہ کوئی کام خلاف سنت نہ ہونے پائے، ان کو بدعات سے سخت نفرت تھی۔ اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس پر رحمت کی بارش کرے اور ان کے درجات کو زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق دے۔

لغو اور بیہودہ حکایات گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرنے سے ان کے کمال میں ترقی نہیں ہوتی، نہ اسلام نے یہ طریقہ سکھایا ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے، یہ طریقہ تو غیروں کا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی طرف ایسی باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کیا کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۰ھ۔

www.besturdubooks.net

حضرت خواجہ اجمیری کا تالاب خشک کرا دینا

سوال[۲۲۹]: ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے چند مریدوں کے ساتھ ایک بڑے تالاب ''انا ساگر'' کے کنارے تشریف فرما تھے، وہاں کے مسلمان اپنے جانوروں اور حوائج ضروریہ میں اس تالاب کا پانی استعمال کرتے تھے، مسلمانوں کا یہ فعل مشرکانِ اجمیر کو ناپسندیدہ تھا، انہوں نے مسلمانوں کو اس پانی کے استعمال سے روکا اور ان پر سختیاں شروع کی۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو ایک لوٹا دیا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ''انا ساگر'' میں سے بسم اللہ پڑھ کر اس لوٹے میں پانی بھرو، مرید نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لوٹے کو پانی سے بھرلیا، تالاب کا تمام پانی لوٹے میں آگیا اور تالاب خشک ہوگیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

میں نے یہ واقعہ کسی کتاب میں نہیں پڑھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بحیاۃ الأنبیاء و سماع الموتیٰ

(حیاۃ انبیاء اور سماع موتیٰ کا بیان)

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۲۷۰]: حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا مطلب ہے؟ کیا قرآن کریم یا حدیث نبوی سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ مع ادلہ تحریر فرمایا جائے۔ اگر اس مسئلہ میں کوئی کتاب مؤلف ہو تو اس کا نام مع پتہ خریداری تحریر فرمایا جائے جس میں احقر کو یہ عقیدہ پوری تشریح کے ساتھ مل جائے۔

فقط والسلام مع غایۃ العز والاکرام، احقر محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نور پور ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد تصانیف میں موجود ہے، ایک کتاب ''آب حیات'' مستقلاً اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہے، ''جمالِ قاسمی'' میں بھی ایک مکتوب میں نہایت واضح طور پر مثال و دیگر ادلۂ نقلیہ وعقلیہ سے اس کو ثابت فرمایا ہے: "المهند على المفند" میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھا ہے۔ یہ کتابیں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں موجود ہیں اور دونوں جگہوں کے تاجروں سے بھی مل سکتی ہیں، فتاویٰ کبریٰ، ص: ۱۲۵(۱) اور ج: ۲، ص: ۱۳۵ میں علامہ

---

(۱) "(سئل) رضي الله تعالىٰ عنه في رجل صلى في مقابر الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين، فهل تصح صلاته بلا كراهة ؛ لأنهم أحياء؟ فإن كانوا أحياءً فهل حياتهم كحياتنا، فيأكلون ويشربون ويلبسون؟ وهل هم مكلفون بالعبادة كالصلاة والصيام والحج، أو بعبادة أخرى؟ (فأجاب) نفع الله بعلومه وبركته: تصح صلاته بلا كراهة، وليس المراد بحياة الأنبياء عليهم أفضل الصلاة والسلام حياةً كحياتنا من كل وجه، حتى يقتضي الاحتياج إلى نحو أكل وشرب والتكليف بنحو الصلاة والصوم، وإنما المراد بها أنها كحياة الملائكة في عدم احتياجها إلى ذلك، أو في أن العبادات التي تقع منهم إنماهي على وجه التلذذ بخطاب الحق وشهوده في تعاطي صور ماعظم شانه؛ لأن الشهود في ذلك أجل وأكمل، فمن =

www.besturdubooks.net

ابن حجر مکی نے اس پر کلام کیا ہے(۱)۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ "أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام" اس مسئلہ میں نہایت مفصل ہے، یہ رسالہ مجموعہ فتاویٰ سیوطی (الحاوی للفتاوی، ج:۲) میں موجود ہے، دمشق میں طبع ہوا ہے۔

"حیوۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر الأنبیاء علیہ الصلاۃ والسلام معلومة عندنا علماً قطعیاً، لما قام عندنا من الأدلة في ذلك، وتواترت به الأخبار، وقد ألف البیهقی جزءً فی حیاۃ الأنبیاء فی قبورهم، قال المتکلمون المحققون فی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: حيّ بعد وفاته، وإنه یسرّ بطاعات أمته، ویحزن بمعاصي العصاة منهم، وإنه تبلغه صلوة من یصلی علیه من أنه وأن الأنبیاء لایبلّون، ولاتاکل الأرض منهم شیئاً، وقدمات موسیٰ فی زمانه وأخبرنبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه راٰہ فی قبره مصلیاً، وذکر فی حدیث المعراج أنه راٰہ فی السماء الرابعة، وأنه رأی ادم فی سماء الدنیا، ورأی إبراهیم علیه الصلاۃ والسلام وقال له: مرحباً بالابن الصالح والأخ الصالح، وإذا صح لنا هذا الأصل، قلنا: نبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قد صار حیاً بعد وفاته، وهو علی نبوته اهـ". الحاوی للفتوی"(۲)۔

مختصر تذکرۃ القرطبی میں علامہ شعرانی نے اس کو بیان کیا ہے(۳) سیوطی کے رسالہ

= ثمّ خصّوا بجریان أفضل العبادات علی أجسامهم وأرواحهم الباقیة الأبدیة تخصیصاً لهم باتساع مواطن القرب، واتحافاً لهم بإسباغ سوابق الرضاء والمحبة، وإعلاماً لغیرهم بأن موالد الإنعام ومزید الإکرام لم تزل متنزلة علیهم من غیر انقطاع لهاعنهم صلی الله تعالیٰ علیهم وسلم، وشرف وکرم والله سبحانه وتعالی أعلم بالصواب". (الفتاویٰ الکبری الفقهیة لابن حجر الهیثمي، کتاب الصلاۃ، باب المواقیت: ۱/۱۲۵، المکتبة الإسلامیة، ترکیا)

(۱) (الفتاوی الحدیثیة لابن حجر المکی رحمه الله تعالیٰ، مطلب فی حکایة غریبة، وأن الأنبیاء أذن لهم في الخروج من قبورهم والتصرف في الملکوت، ص: ۳۹۳، قدیمی)

(۲) (الحاوی للفتاوی، أنباء الأذکیا بحیاۃ الأنبیاء، ص: ۲/۱۷۸، ۱۸۱، دار الفکر)

(۳) (التذکرة في أحوال الموتی وأمور الأخرة للقرطبي، باب لاتاکل الأرض أجساد الأنبیاء ولا الشهداء وأنهم أحیاء، ص: ۱۸۳ مکتبة أسامة الإسلامیة مصر)

www.besturdubooks.net

شرح الصدور(۱)، اور ابن قیم کی کتاب الروح(۲)، اور تفسیر ابن کثیر(۳) وتفسیر مظہری(۴) میں بھی وہ احادیث جمع کی گئیں ہیں جن سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۳۰/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/صفر/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/صفر/ ۶۶ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۲۷۱]: ''بہار شریعت'' ص: ۱۶۷، حصہ ششم میں ہے: ''امام محمد بن حاج مکی مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ اور ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں: "لافرق بين موته وحياته صلى الله تعالى عليه وسلم في مشاهدته؛ لأمته ومعرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلك عنده جلي لاخفاء به"(٤)۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ووفات میں اس بات کی کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، دلوں کے ارادوں اور دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔ امام (محمد بن حاج) رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ امام محقق ابن ہمام ''مسلک متوسط'' اور علی قاری اس کی شرح ''منقسط'' میں فرماتے ہیں: ''إنه صلى الله تعالى عليه وسلم عالم بحضورك، وقيامك، وسلامك: أي بل بجميع أفعالك، وأحوالك،

---

(۱)(شرح الصدور بأحوال الموتى والقبور، باب زيارة القبور، وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، ۲۰۳، دار المعرفة)

(۲) (كتاب الروح، المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۶۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۳) (تفسير ابن كثير، (سورة آل عمران: ۱۶۹): ۱/ ۵۶۵، دار الفيحاء)

(۴) (تفسير مظهرى، (سورة البقرة: ۱۵۴): ۱/ ۱۵۳، حافظ كتب خانه كوئته)

(۵) (المواهب اللدنية مع شرحه للزرقاني: ۱۲/ ۱۹۵، دار الكتب العلميه، بيروت)

www.besturdubooks.net

وار تحالك، ومقامك"(۱)۔

ترجمہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔ فقط اصل عبارت مع ترجمہ ختم ہوئی۔

ملتمس: شاہ ثناء اللہ، از خانقاہ مانک پور، ضلع پرتاب گڑھ (اودھ)، ۲۲/ربیع الثانی/۵۵۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حیاتِ برزخی ثابت ہے(۲)۔ شہداء کے متعلق بھی قرآن کریم میں وارد ہے: ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم﴾ الآية (۳) اور انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے اقوی ہے(۴) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام امت کے جمیع احوال کا آپ کو بطورِ مشاہدہ علم ہوتا ہے، ایسا علم تو آپ کو حیاتِ دنیوی میں بھی نہیں تھا، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں(۵)۔

---

(۱) (مناسك الملاعلي القاري المسمى (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۰۸، إدارة القرآن)

(۲) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالىٰ: "فأقول: حياة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في قبره هو وسائر الأنبياء معلومة قطعاً ... فمن الأخبار الدالة في ذلك ما أخرجه مسلم عن أنس أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلة أسرى به مرّ بموسى عليه الصلاة والسلام وهو يصلي في قبره اهـ". (الحاوي للفتاوى، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۱۴۸/۲، دار الفكر)

(وكذا في تفسير ابن كثير، (سورة آل عمران: ۱۶۹): ۵۶۵/۱، دار الفيحاء)

(وكذا في التفسير المظهري، (البقرة: ۱۵۴): ۱۵۲/۱، حافظ كتب خانه، كوئته)

(۳) (سورة آل عمران: ۱۶۹)

(۴) "والحق عندي عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهوراً آثارها في الخارج، حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد وفاته بخلاف شهيد. اهـ". (التفسير المظهري، (سورة البقرة ۱۵۴): ۱۵۲/۱، ۱۵۳)

(۵) قال الله تعالى: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾. (سورة الأنعام: ۵۰)

وقال تعالى: ﴿قل لا يعلم من في السموت والأرض الغيب إلا الله﴾. (سورة النمل: ۶۵)

www.besturdubooks.net

روایات سے اس قدر ثابت ہے کہ جو شخص مزار مبارک کے پاس کھڑا ہو کر درود وسلام پڑھتا ہے وہ آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ خدمت اقدس میں بواسطہ ملائکہ پہنچایا جاتا ہے(۱)، چنانچہ اس کی تفصیل علامہ زرقانی نے ''شرح مواہب لدنیہ'' جلد خامس میں کی ہے(۲)، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس پر کلام کیا ہے(۳)، مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ''آب حیات'' اس مضمون پر تحریر فرمائی ہے۔ ''منقسط ومسلک متوسط'' کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی اور نہ اس سے مسئلہ مسئولہ کی تائید ہوتی ہے۔

آداب زیارت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "محترزاً عن اشتغال النظر بما هنالك من الزينة: أي الظاهرة المانعة من شهود الزينة الباطنة، الباهرة التي ظهورها في الآخرة، متمثلاً صورته الكريمة في خيالك (بفتح الخاء): أي في تخيلات بالك لتحسين حالك، مستشعراً بأنه عليه الصلوة والسلام عالم بحضورك و قيامك و سلامك: أي بل بجميع أفعالك و أحوالك و ارتحالك و مقامك، و كأنه حاضر جالس بإزائك، مستحضراً عظمته و جلالته: أي هيبته و شرفه و قدره: أي رفعة لرتبته صلى الله تعالى عليه و سلم"۔ مسلك متقسط، ص:۲۸٦ (٤) یہی مضمون غنية المناسك، ص:۲۰۲ میں بھی ہے(۵)۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص:۸۷، قديمي)

(۲) (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، الفصل الثاني في حكم الصلوة عليه والتسليم فريضة سَنية: ۹/۲۲۵، ۲۲۹، عباس أحمد الباز، مكة المكرمة)

(۳) (شرح الشفاء للملا على القاري، الباب الرابع في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم والتسليم: ۲/۱۴۲، دار الكتب العلمية)

(۴) (مناسک الملا علی القاری المسمی (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط)، باب زیارة سید المرسلین صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۵۰۸، إدارة القرآن)

(۵) "وإذا وصل إلى المدينة المنورة اغتسل بظاهرها قبل الدخول ...... فإذا دخل باب البلدة، قال: بسم الله ما شاء الله، لا قوة إلا بالله ...... و ليكن متواضعاً متخشعاً معظماً لحركتها ممتلئاً من هيبة الحال =

www.besturdubooks.net

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر اس طرح حاضر ہونا چاہئے کہ گویا اس مجلس میں تشریف فرما ہیں اور ہر حرکت وسکون کو ملاحظہ فرما رہے ہیں "متمثلاً فی خیالک، مستشعراً کأنہ حاضر" وغیرہ الفاظ کو حذف کر دیا گیا، اگر پورے الفاظ ذکر کئے جاتے تو یہ شبہ ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات پر یا آپ کے علم کے متعلق بحث نہیں ہے کہ جس میں عقیدۂ مسئولہ مذکورہ ہو، بلکہ آدابِ زیارت کا ذکر ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اُتم واَحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، خادم دار الافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی ۵۵ھ۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں

سوال [۲۷۲]: ہمارے یہاں ایک عالم دین نے تقریر میں فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ زندہ ہیں مگر میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، قبر شریف سے جواب آیا کہ زندہ ہوں، انہوں نے پھر کہا کہ میں نہیں مانوں گا، آپ میرے سامنے آیئے تو مانوں گا، چنانچہ پھر قبر شریف شق ہوئی اور اس میں سے آپ نے اپنا دست مبارک نکالا، مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں زندہ ہوں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کسی مستند حدیث یا کتب فقہ میں منقول ہے اور اس کی سند کیسی ہے، یا من گھڑت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ روایت حدیث یا فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، قبر اطہر میں زندہ تشریف فرما ہونے کی بحث مستقل

= بہا، مستشعراً لعظمتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم، کأنہ یراہ ..... اھـ". (غنیۃ المناسک فی بغیۃ المناسک، خاتمۃ فی زیارۃ قبر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم، ص: ۳۷۲، إدارۃ القرآن، والعلوم الإسلامیۃ، کراچی)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الحج، المقاصد الثلاثۃ، المقصد الثالث: ۲/۸۳، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

www.besturdubooks.net

ہے، علماء حق کی تحقیق یہی ہے کہ زندہ تشریف فرما ہیں، اس پر دلائل بھی موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حیات انبیاء علیہم السلام

سوال[۲۷۳]: ۱...... حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں احادیثِ صحیحہ نے کیا فرمایا ہے؟ کیا اسی قبر میں جہاں انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ دفن کئے گئے ہیں اسی دنیوی جسدِ مبارکہ کے ساتھ اسی قبر میں زندہ ہیں؟ روحِ مبارک رفیقِ اعلیٰ کے مقام میں ہے یا اسی جسد مبارک میں؟ احادیث میں انبیاء علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا، کیا وہ نماز اسی جسدِ اطہر مبارک کے ساتھ پڑھتے ہیں یا کسی اور صورت میں تمثیلی اَرواح سے؟ نیز انبیاء علیہم السلام کی حیات روح مع الجسد کہنے والے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ میں سے ہے؟

۲...... شب معراج میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے تخفیف نماز کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے جسد مع الروح سے ہوئی یا صرف روحِ مبارک سے؟

۳...... شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جملہ انبیاء علیہم السلام کی

---

(۱) "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون". (شرح الصدور، باب أحوال الموتى في قبورهم،ص :۱۸۷، دار المعرفة)

" ثم قال البيهقي: و لحياة الأنبياء بعد موتهم شواهد، فذكر قصة الإسراء في لقيه جماعةً من الأنبياء، و كلمهم، و كلّموه". (الحاوي للفتاوىٰ، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/۱۷۹، دار الفكر بيروت)

"عن أوس بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم :"إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم" ...... فقال: "إن الله عزوجل حرّم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الجمعة، تفريع أبواب الجمعة : ۱/۱۵۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب إكثار الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: ۱/۲۰۳،قديمي)

www.besturdubooks.net

امامت کا ذکر آیا ہے، آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ مقتدی ہوئے یا صرف روح انبیاء علیہم السلام کے؟

۴......حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جو بقید حیات ہیں، اس وقت مسجد اقصیٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مع الجسد مقتدی ہوئے یا صرف ان کی ارواح مبارک؟

۵......عام مسلمان مرنے کے بعد جو کہ اپنی قبر میں دفن کئے جاتے ہیں بعد از تدفین فاتحہ خوانی کے لئے جو کلام اللہ پڑھا جائے، کیا وہ سنتے ہیں؟ نفی کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کہ ''مردے جوتیوں کی آواز سنتے ہیں'' کیا مطلب ہے؟

۶......قبر سے مراد یہ قبر ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے یا کوئی اور، عذاب قبر اسی زمینی قبر میں ہوتا ہے یا کسی اور جگہ؟ سوالات کے وقت منکر نکیر فرشتوں کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے، اسی قبر میں سوالات اسی جسد عنصری متعلق روح سے کئے جاتے ہیں یا صرف روح سے؟

۷......سماع موتیٰ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، کیا جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اثبات یا نفی میں ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے سماع موتیٰ کے حق میں ہے یا نفی میں؟

۸...... عام مسلمان مرنے کے بعد اس کی قبر پر قرآن خوانی فاتحہ خوانی، بلا معاوضہ جائز ہے یا نہیں؟ جائز کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کا جن احادیث میں ذکر آیا ہے وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ طیبہ کو مٹی نہیں کھاسکتی، وہ محفوظ ہیں(۱) اور بیہقی میں ہے:

"و عن أنس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه و سلم: "إن الأنبياء لا

---

(۱) "عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم" .... فقال: "إن الله عزوجل حرّم على الأرض اجساد الأنبياء". (سنن ابی داؤد، كتاب الجمعة، تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب إكثار الصلوة على النبي: ۱/۲۰۳، قديمي)

www.besturdubooks.net

یترکون في قبورهم بعد أربعين ليلةً، و لكنهم يصلون بين يدى الله تعالىٰ حتى ينفخ في الصور"۔
إن قوله: قال البيهقي، فعلى هذا يصيرون كسائر الأحياء، يكونون حيث ينزلهم الله تعالى". (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا جسم بھی ان کی قبر میں چالیس روز سے زائد نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو اٹھالیا جاتا ہے، خدائے پاک جہاں چاہتے ہیں ان کو رکھتے ہیں (۲)، جب ان کا اصلی جسم موجود ہے تو جسمِ مثالی کی ضرورت نہیں بلکہ یہی جسم ان کے ساتھ رہتا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر خصوصیات بھی حاصل ہیں۔

۲......روح مع الجسد سے ملاقات و گفتگو ہوئی (۳)۔

۳......روح مع الجسد سب نے اقتدا کیا (۴)۔

۴......روح مع الجسد۔ الحاوی للفتاویٰ جلد ثانی میں مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "أنباء الأذكياء بحيات الأنبياء" اس میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں۔

۵......اس حدیث سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنتے ہیں (۵)۔

---

(۱) (حياة الأنبياء للبيهقي، مترجم، ص: ۳۱، إداره اسلاميات، لاهور)
(و كذا في الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/۱۷۹، دار الفكر)

(۲) حضرت نے یہ بات روایت مذکورہ کی طرف منسوب کر کے کہی ہے، علمائے دیوبند کا عقیدہ دوسری روایات کثیرہ کی بناء پر جسمِ مبارک کا قبر میں موجود ہونے کا ہے، خود حضرت کا بھی وہی مسلک ہے جیسے ان کے دوسرے فتاویٰ سے ظاہر ہے، جیسے آئندہ مسئلہ میں صراحت کی ہے۔

(۳) "و قد ذكره جماعة من العلماء، و تشهد له صلاة موسى عليه السلام في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، و كذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام". (شرح الصدور، باب زيارة القبور: ۲۰۲، دار المعرفة)
(و كذا في الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/۱۸۳، دار الفكر)

(۴) (راجع الحاشيه رقم: ۳)

(۵) "عن أنس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، وتولى و ذهب أصحابه، حتى أنه ليسمع قرع نعالهم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

" وفي حديث الصحيحين من سماع العبد قرع نعال أصحابه إذا دفنوه وانصرفوا عنه، إذ ذاك تعود إليه روحه للسؤال فيسمع وهو حيٌّ، والجمهور على عود الروح إلى الجسد ..... والحق أن الموتى يسمعون في الجملة". (روح المعاني، (سورة الروم: ۵۲): ۲۱/۵۷، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

۶.....قبر میں فرشتے آکر روح کو جسم میں داخل کرتے ہیں تب سوال وجواب کیا جاتا ہے، عامۃً یہ اسی قبر میں ہوتا ہے(۱)۔

۷.....امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول اس مسئلے میں مستقلاً کتبِ فقہ میں نہیں ملا (۲)، صحابہ کرام میں اختلاف ہے(۳) پھر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کا سوال بے محل ہے۔

۸..... بلاکسی غیر ثابت پابندی کے جائز ہے: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تبارك وتعالى عليه و سلم قال: "من مر المقابر، فقرأ "قل هو الله أحد" إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات"۔ رواه الدار قطني (رحمه الله

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم في جنازة رجل من الأنصار ..... قال: "فتعاد روحه في جسده، فيأتيه ملكان، فيجلسانه فيقولان له :من ربك ؟ فيقول ربي الله "۔ الخ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث البراء بن عازب :۵/۳۶۴، دار إحياء التراث العربي)

"واخرج البخاري عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره، و تولىٰ و ذهب أصحابه، حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان، فأقعداه فيقولان له : ما كنت تقول في هذا الرجل محمد"؟ ..... الخ. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال : ۱/۱۷۸، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر :۲/ ۲۹۸، سعيد)

(۲) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ..... وصنف الملا علي القاري رسالةً و ذكر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا في مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتكلم فلاناً اهـ". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر : ۱/ ۲۰۲، سعيد)

(۳) قال المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ : "فاعلم أن مسألة سماع الموتىٰ و عدمه من المسائل التي وقع الخلاف فيه بين الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين". (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع، (سورة الروم: ۵۲) (وتكميل الحبور بسماع أهل القبور :۳/۱۶۳، إدارة القرآن، كراچي)

www.besturdubooks.net

تعالیٰ)۔ (مراقی الفلاح ، ص: ۳۷۷) (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی میں مل گئے؟ (استغفر اللہ)

سوال[۲۷۴]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر مٹی ہی میں مل گئے تو قرآن سے ثابت کیجئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات کے بعد قبر شریف میں دفن کیا گیا ہے اور جو مٹی جسم اطہر کے ساتھ متصل ہے اس کا مرتبہ خانہ کعبہ اور عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے، جیسا کہ براہین قاطعہ میں بصراحت مذکور ہے(۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک قبر شریف میں بالکل محفوظ ہے، مٹی اس میں کوئی تغیر نہیں کرسکتی جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

مٹی کس کے جسم کو نہیں کھاتی؟

سوال[۲۷۵]: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وعلماء دین شہداء وحفاظ قرآن، عامل بالقرآن اور جو منصب محبت پر فائق ہیں اور وہ جسم جس نے کبھی (اللہ) عزوجل کی معصیت نہ کی اور وہ جو اپنے اوقات درود شریف میں مستغرق رکھتے ہیں، ان کے بدن کو مٹی نہیں کھاسکتی۔ (سائل محمد قاسم عرف میاں)

---

(۱) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

(۲) "تتبع وتلاش کے بعد براھین قاطعہ میں مذکورہ عبارت نہیں ملی، البتہ شرح الشفاء میں یہ بحث موجود ہے: "فلا شك أن مكة لكونها من الحرم المحترم إجماعاً أفضل من نفس المدينة ماعدا التربد السكينة الملا علي القاري".
(۱۶۳/۲، القسم الثاني، الباب الرابع، فصل في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم". (وكذا في ردالمحتار: ۶۲۶/۲، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله عليه وسلم، باب الهدي، سعيد)

(۳) (فتاوى رشيديه، كتاب العقائد، ص: ۲۰۷، سعيد)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الصدور، ص:۱۳۲(۱) اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے مختصر تذکرہ قرطبی، ص:۳۸(۲) میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ اور بھی حضرات کو شمار کیا ہے جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور مٹی ان کو نہیں کھاتی، مختصراً چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

"إن اللّٰه حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء". "إنما لم تأكل الأرض أجساد الشهداء لكونهم أحياءً عند ربهم يرزقون". "المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض". أيضاً "إذا مات حامل القرآن أوحى اللّٰه إلى الأرض أن لا تأكل لحمه، فتقول الأرض: أي رب كيف آكل لحمه و كلامك في جوفه. الأرض لا تسلط على جسد الذي لم يعمل خطيئةً"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/رجب/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف،

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حیاتِ برزخیہ کی نوعیت

سوال[۲۷۶]: یہاں ایک ہفتہ واری پرچہ نکلتا ہے جس کے ایڈیٹر صدیق علی قادری ہیں، ان کا مضمون شائع ہوا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں اور حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے: ﴿ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل اللّٰه أموات بل أحياء ولكن لا تشعرون﴾(٤) یہ آیت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے، کیا اولیاء کرام کا تعلق بھی اس آیت سے ہے؟

ڈاکٹر حاجی محمد عزیز الرحمٰن صاحب (بریلی) فرماتے ہیں، اسی لئے تمام عالم اپنی حسن عقیدت سے

(۱) (شرح الصدور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم، ص: ۳۰۸، ۳۰۹، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (التذكرة للقرطبي، باب لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء الخ، ص: ۱۸۵، أساسة الإسلامية)

(۳) (التذكرة للقرطبي، المصدر السابق آنفاً)

(۴) (سورة البقرة: ۱۶۹)

www.besturdubooks.net

کر اس بارگاہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر بارگاہ ہو کر اس آستانہ سے اپنا دامن گوہر مراد سے بھرلے جاتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے صاف اعلان کردیا ہے کہ زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو، چنانچہ زندوں سے مراد مانگنا جائز ہے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ اس لئے عوام الناس ان کے مزار اقدس کو مرجع خلائق سمجھتے ہوئے ان سے طالب امداد ہوتے ہیں اور یہ اپنی منگتا کی حاجت روائی فرماتے ہیں، اس لئے ان کے آستانہ پر سر نیاز جھکانے والوں کی تمنا برآئی ہے اور انشاء اللہ ہر نیازمند کی تمنا ان کے در سے پوری ہوتی رہے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اولیاء کرام زندہ ہیں اور ان سے مدد طلب کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حضرات اللہ کی راہ میں شہید ہوں ان کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے: ''ان کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں'' (۱) لیکن ان کی اس زندگی کو بالکل دنیا والی زندگی سمجھنا غلط ہے، کیونکہ اس کا شعور تو سب کو ہے، اگر ان کی زندگی بھی ایسی ہی ہوتی تو اس کا بھی شعور ہوتا۔ نیز ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی، ان کو دفن نہ کیا جاتا، ان کی میراث تقسیم نہ ہوتی، ان کی عورتوں پر عدت واجب نہ ہوتی (۲) اور دوسرے لوگوں سے ان کا نکاح جائز نہ ہوتا، ان کی زندگی شعور سے بالاتر ہے۔

اولیاء اللہ کو بھی جو تو شہید نہیں ہوئے ایک قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے وہ بھی شعور سے بالاتر ہے، ان کی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات، بل أحياء ولكن لاتشعرون﴾ (سورة البقرة: ۱۶۹، پ: ۲)

(۲) "فأما في حق أحكام الدنيا، فالشهيد ميت يقسم ماله، وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة، ووجوب الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان ميتاً فيه، فيصلى عليه". (بدائع الصنائع، باب الشهيد: ۱/۳۲۵)

"والشهيد حيّ في أحكام الآخرة كما قال تعالى: ﴿بل أحياء عند ربهم﴾ فأما في أحكام الدنيا، فهو ميت يقسم ميراثه، وتتزوج امرأته بعد انقضاء العدة، وفريضة الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان فيه ميتاً يصلى عليه". (المبسوط للسرخسي: ۲/۵۰، باب الشهيد، بيروت)

www.besturdubooks.net

حیات کو تسلیم کرنا بھی لازم ہے(۱) اوران کی وفات کو تسلیم کرنا بھی لازم ہے(۲) وفات کے بعد جو حیات ہے اس کے متعلق جتنی بات شرعی دلائل سے ثابت ہے اس کو تسلیم کیا جائے گا اور جو بات شرعی دلائل سے ثابت نہیں اس کو قیاس سے ثابت نہیں کیا جائے گا(۳)۔

زیارت قبور کی ترغیب حدیث پاک میں آئی ہے(۴)، ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی ترغیب بھی آئی ہے، وہاں جاکر سلام کی ترغیب بھی موجود ہے(۵)، بعض روایات میں ان کے توسل سے دعاء بھی منقول ہے اس طرح کہ "اے اللہ! اپنے پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری دعاء قبول فرما، میری فلاں حاجت پوری فرما(۶)۔ بزرگان دین کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہوکر خود ان سے اپنی مرادیں مانگنا کہ آپ مجھے

---

(۱) "وعندي أن الحياة في البرزخ ثابتة لكل من يموت من شهيد وغيره، فذهب جماعة من العلماء إلى أن هذه الحياة مختصة بالشهداء، والحق عندي عدم اختصاصها، بل حياة الأنبياء أقوى منهم ......والصديقون أيضاً أعلى درجةً من الشهداء، والصلحون يعني الأولياء ملحقون بهم". (التفسير المظهري: ۱/ ۱۵۲، حافظ كتب خانه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنك ميت وإنهم ميتون﴾. (الزمر، ۳۰)

(۳) "(فيما يحل الاستفتاء فيه) الأحكام (الظنية لا العقلية المتعلقة بالاعتقاد، فإن المطلوب فيها العلم على المذهب الصحيح، فلا يجوز التقليد فيها، بل يجب تحصيلها بالنظر الصحيح". (تيسير التحرير: ۲۴۳/۴)

"لأن القياس مظهر لامثبت". (نور الأنوار، ص: ۲۴۴)

(۴) "عن محمد بن النعمان رضي الله تعالىٰ عنه يرفع الحديث إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة، غفرله و كتب برّاً". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۵۴، باب زيارة القبور، قديمي)

(۵) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلمهم إذا خرجوا إلى المقابر قال: "السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين، والمسلمين، وإنا إنشاء الله بكم للاحقون، نسأل الله لنا ولكم العافية". (مشكوة المصابيح، باب زيارة القبور، ص: ۱۵۴، قديمي)

(۶) "عن أمية بن خالد بن عبدالله بن أسيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۴۷، باب فضل الفقراء اهـ قديمي) =

www.besturdubooks.net

بیٹا دے دیجئے، میرے مقدمہ میں کامیاب کر دیجئے، میں بیمار ہوں مجھے صحت دے دیجئے وغیرہ وغیرہ (۱) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات یہ سب کام کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تصرفات کے اختیارات دے رکھے ہیں شرعی دلائل (قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، قیاس ائمہ مجتہدین) سے ثابت نہیں۔

اس واسطے بزرگان دین کے لئے نذر ماننے اور ان کے مزارات پر چڑھاوا چڑھانے کی اجازت نہیں۔ البحرالرائق (۲)، درمختار، شامی (۳)، طحطاوی (۴) اور دیگر کتب فقہ (۵) میں ایسی نذر کو ناجائز اور حرام لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتح العزیز میں حرام تحریر فرمایا ہے، مدارک التنزیل کی شرح "الإکـلیـل" میں بہت سی کتب سے اس کے لئے عبارات نقل کی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

جسم شہید کی حرمت علی الارض کی تشریح، بیان القرآن کی ایک عبارت

سوال [۲۷۷]: بیان القرآن میں ایک جگہ یہ عبارت ہے:

= "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال: اللهم إنا کنا نتوسل إلیک بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا، وإنا نتوسل إلیک بعمّ نبینا فاسقنا، فیسقوا". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۳۲، باب الاستسقاء)

(۱) "ومنها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ، واعتقاده ذلک کفر". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰، کتاب الصوم فصل فی النذر، رشیدیہ)

(۲) "وأما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ماهو مشاهد، کأن یکون لإنسان غائب أو مریض أوله حاجة ضروریة، فیأتی بعض الصلحاء، فیجعل ستره علی رأسه، فیقول: یا سیدی فلان! إن رد غائبی، أو عوفی مریضی، أو قضیت حاجتی، فلک من الذهب کذا، أومن الفضة کذا، أو من الزیت کذا، فهذا نذر باطل بالإجماع". (البحر الرائق: ۲/۵۲۰ کتاب الصوم فصل فی النذر، رشیدیہ)

(۳) (رد المحتار: ۲/۴۳۹، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات، سعید)

(۴) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۹۳، کتاب الصوم، باب مایلزم بہ الوفاء بہ، قدیمی)

(۵) (النهر الفائق: ۲/۴۲، کتاب الصوم، فصل فی النذر، مکتبہ امدادیہ ملتان)

www.besturdubooks.net

’’حدیث میں :"حرمت جسم شہید علی الأرض" وارد ہے(۱) غیرارض سے غیر متأثر ہونا وارد نہیں، چنانچہ دوسرے اجسام مرکبہ مثل اسلحہ، ادویہ، اغذیہ وخلاطہ واجسام بسیطہ: مثل آب وآتش وباد کی تاثیر انبیاء علیہم السلام کی حیات قبل الممات سے اقوی نہیں اور بعض حصۂ ارض میں بعض حصہ غیرارضیہ بھی شامل ہوجاتی ہے جس طرح دوسرے عناصر میں بھی مخالف عناصر شامل ہوجاتے ہیں، سو اگر ان اجزائے غیر ارضیہ سے ان کے اجسام متأثر ہوجائیں تو اس سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جن میں حرمتِ اجسام علی الارض وارد ہے اور ایک جواب یہ ہے کہ امتیاز اجسادِ شہداء کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ دوسرے اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متأثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہوجائے اور احادیث سے بھی امر مقصود کہا جائے کہ ان محفوظیت اجساد کی خارق عادت ہے اور خرقِ عادت کی دونوں صورتیں ہیں: حفظ مؤبد اور حفظ طویل، اور چونکہ برزخ حواس سے مدرک نہیں ہوتا اس لئے "لا تشعرون "فرمایا گیا (ص:۸۸، جلد:۱، پارہ:۲)(۲)۔

امید ہے کہ آپ اپنی زبان میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں گے مولانا کے الفاظ بہت ہی دقیق ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

بعض روایات میں آیا ہے کہ شہید کا جسم محفوظ رہتا ہے، مٹی اس کو متأثر نہیں کرتی، گلتا سڑتا نہیں، شہید کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے(۳)، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ تلوار سے اگر اس کے ٹکڑے کردیئے

(۱) لم أطلع علی هذا الحدیث ، وقد استدل لحرمة جسم الشهید علی الأرض فی "التفسیر المظهری" بحدیث حرمة جسم الأنبیاء علی الأرض حیث قال: "و أخرج الطبرانی عن ابن عمر رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :"المؤذن المحتسب کالشهید المتشحط بدمه، إذا مات لم یدود فی قبره". ...... (بل أحیاء) یعنی إن الله تعالی یعطی لأرواحهم قوة الأجساد ... و من أجل ذلک الحیوٰة لا تأکل الأرض أجسادهم، ولا أکفانهم .... و یدل علی أن أجساد الأنبیاء والشهداء و بعض الصلحاء لا یأکلها الأرض ما أخرجه الحاکم و أبو داؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :"إن الله حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء". (التفسیر المظهری : ۱/ ۱۵۲، ۱۵۳، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۲) (بیان القرآن : ۱/ ۸۸، سعید)

(۳) (تقدم البحث علی الحدیث تحت رقم الحاشیة : ۱)

www.besturdubooks.net

جائیں تو وہ کٹ جاتا ہے(۱) آگ اور پانی سے بھی متاثر ہوتا ہے، جس چیز میں مٹی اور دوسری چیز مخلوط ہو اس سے متاثر ہوتا ہے، یہ متاثر ہونا حدیث کے خلاف ہے جس میں اس کے محفوظ رہنے کو فرمایا گیا ہے، کیونکہ ان چیزوں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام بھی متاثر ہوتے ہیں اور شہید کی حیات انبیاء علیہم السلام کی حیات سے قوی نہیں، اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں: اول یہ کہ برزخ کے حالات حواس سے مدرک نہیں ہوتے (۲) اور قیاس سے ان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، پس اگر دفن سے پہلے شہید کا جسم تلوار وغیرہ سے کٹ جائے، آگ سے جل جائے تو اس پر قیاس کر کے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ دفن کے بعد وہ مٹی سے بھی متاثر ہو کر گل سڑ جائے محفوظ نہیں رہے گا۔

دوسرا یہ کہ اگر وہ گل سڑ بھی جائے تو ہوسکتا ہے کہ مٹی کے ساتھ وہاں دوسرے اجزاء مثلاً پانی مخلوط ہو اس پانی سے گل سڑ گیا ہو، نہ کہ محض مٹی سے، حدیث شریف میں اتنا ہی ہے: ''ارض اس کے جسم کو نہیں کھاتی''، یہ نہیں کہ پانی بھی اس کو نہیں گلاتا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مقصود یہ ہو (کہ) مٹی دیر تک نہیں کھاتی، نہ یہ کہ کبھی نہیں کھاتی، بس عام موتی کے اعتبار سے اگر شہید کا جسم کچھ دیر تک بطور خرقِ عادت محفوظ رہا تب بھی حدیث شریف کا مضمون صادق آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و روی نقلة الأخبار: أن معاوية رحمه الله تعالى (كذا في الأصل بلفظ: "رحمه الله") لما أجرى العين التي استنبطها بالمدينة في وسط المقبرة، و أمر الناس بتحويل موتاهم، و ذلك في أيام خلافته، و بعد الجماعة بأعوام، و ذلك بعد أحد بنحو من خمسين سنةً. فوجدوا على حالهم حتى أن الكل رأوا المسحاة، و قد أصابت قدم حمزة بن عبدالمطلب (رضي الله تعالى عنه) فسال منه الدم، و أن جابر بن عبد الله أخرج أباه عبد الله بن حرام كأنما دفن بالأمس". (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، باب لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء و لا الشهداء، و أنهم أحياء، ص: ۱۸۵، مكتبه أسامة الإسلامية)

(۲) ﴿ولكن لا تشعرون﴾ أي: لا تحسون و لا تدركون ما حالهم بالمشاعر؛ لأنها من أحوال البرزخ التي لا يطلع عليها، و لا طريق للعلم بها إلا بالوحي". (روح المعاني: ۲/ ۳۰، (سورة البقرة)، تفسير الآيات: ۱۵۳ - ۱۵۵، دار الفكر بيروت)

www.besturdubooks.net

حیاتِ شہداء اور وفات

سوال[۲۷۸]: میرے ایک دوست ہیں جو مولانا خوشحال صاحب کے پکے مرید ہیں، ان کے ساتھ اکثر مختلف مسائل پر باہمی گفتگو ہوتی رہتی ہے، میرا اور ان کا معمول یہ ہے کہ ہم عشاء کی نماز پڑھ کر ایک بزرگ ابراہیم علی شاہ پیر کچہری بھوپا اسٹینڈ پر مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، ان کا معمول ہے کہ وہ اگربتی جلاتے ہیں اور ان کی قبر پر جو گولک لگی ہوئی ہے اس میں پیسے ڈالتے ہیں اور مزار پر جو شیرینی اکثر لوگ چڑھاتے ہیں اس کو کھالیتے ہیں۔

ہمارا اور اس کا اس مسئلہ پر اختلاف ہے، میں کہتا ہوں جو شیرینی چڑھاوے کی ہے اس کا کھانا حرام ہے اس لئے آپ نہ کھائیں، وہ کہتے ہیں ہم تو ان کو زندہ مانتے ہیں یہ مردہ نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ قرآن میں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور سب مردہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ اولیاء اللہ اور شہید سب زندہ ہیں اور تم نے قرآن پاک سے اعراض کیا ہے تم کو سخت سزا ملنی چاہئے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور بزرگ ولی اپنی قبر میں زندہ ہے یا نہیں؟

۲......ایک صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی زندہ نہیں کہتے، وہ بھی انتقال کر گئے: ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾(۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......زندگی تو اوروں کے لئے بھی ثابت ہے مگر سب کی زندگی یکساں نہیں، بڑا فرق ہے(۲)، نبی کے

---

(۱) (آل عمران:۱۸۵)

(۲) قال القاضي ثناء الله رحمه الله تعالى: "فذهب جماعة من العلماء إلى أن هذه الحياة مختصة بالشهداء، والحق عندي عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم و أشد ظهوراً آثارها في الخارج، حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته، بخلاف الشهيد، والصديقون أيضاً أعلى درجة من الشهداء اهـ". (التفسير المظهري، سورة البقرة: ۱۵۴، ۱/۱۵۲)

www.besturdubooks.net

بعد ان کی بیوی سے نکاح جائز نہیں (۱) نیز نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی (۲) اولیاء اللہ اور شہداء کا یہ حال نہیں۔

۲......ایک قسم کی وفات جو کہ شان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناسب واقع ہوئی ہے: ﴿إنک میت و إنهم میتون﴾ الآیة (۳) اس کے باوجود حیات نہایت اعلیٰ قسم کی حاصل ہے، "آبِ حیات" اور

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کان لکم أن تؤذوا رسول اللہ، و لا أن تنکحوا أزواجه من بعده أبداً﴾ (سورۃ الاحزاب: ۵۳)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿و ما کان لکم أن تؤذوا رسول اللہ﴾ قال: نزلت فی رجل همّ أن یتزوج بعض نساء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم بعده، قال: رجل لسفیان: أهی عائشة؟ قال: قد ذکروا ذلک .... (قال الحافظ ابن کثیر) و لهذا اجتمع العلماء قاطبةً علی أن من توفی عنها رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم من أزواجه أنه یحرم علی غیره تزوجها من بعده؛ لأنهن أزواجه فی الدنیا والآخرة، وأمهات المؤمنین". (تفسیر ابن کثیر، (سورة الأحزاب: ۵۳): ۳/۲۶۸، مکتبه دار الفیحاء)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿و أزواجه أمهاتهم﴾: أی منزلات منزلة أمهاتهم فی تحریم النکاح واستحقاق التعظیم". (روح المعانی، (سورة الأحزاب: ۶): ۲۱/۱۵۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن فاطمة بنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم أرسلت إلی أبی بکر تسئله میراثها من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم مما أفاء اللہ علیه بالمدینة، و فدک، و ما بقی من خمس خیبر، فقال أبو بکر: إن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم قال: "لا نورث، ما ترکنا صدقة". (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ۲/۶۰۹، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب حکم الفیء: ۲/۹۱، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجر رحمه اللہ تعالیٰ: "و قد وقع فی حدیث أبی سلمة عن أبی هریرة عند الترمذی: جاءت فاطمة إلی أبی بکر، فقالت: من یرثک؟ قال: أهلی وولدی، قالت: فما لی لا أرث أبی؟ قال أبو بکر: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم یقول: "لا نورث"، ولکنی أعول من کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یعوله". (فتح الباری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس: ۶/۲۴۹، قدیمی)

(۳) (سورة الزمر: ۳۰)

"و قال الشیخ تقی الدین السبکی: حیاة الأنبیاء والشهداء فی القبر کحیاتهم فی الدنیا =

www.besturdubooks.net

''شفاء السقام'' وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۲۶ھ۔

سماع موتیٰ

سوال[۲۷۹]: اگر زید حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اعتقاد کے مطابق: ﴿إنك لا تسمع الموتی﴾(۲) کی دلیل کے ساتھ سوائے نعلین والی حدیث کے مُردوں کے لئے صرف وقتی سننا مانتے ہوئے باقی تمام اوقات میں موتیٰ کے لئے سننے کے لئے انکار کرے تو کافر ہے یا موحد؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے کفر نہیں ہوتا(۳) بعض صحابہ کرام اور بعض ائمہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے(۴)۔

= ویشهد له صلاة موسیٰ (علیه السلام) فی قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، و كذلك الصفات المذكورة ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام اهـ". (الحاوي للفتاوي، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/۱۸۴، دار الفكر بيروت)

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کتاب ''آب حیات'' اس موضوع پر تصنیف کی ہے۔

(وشفاء السقام في زيارة خير الأنام، الباب التاسع في حياة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، ص: ۱۷۹، المكتبة النورية الرضوية لائلپور)

(۲) (النحل: ۸۰)

(۳) یہ مسئلہ عقائد سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ نہ عقائد ضروریہ سے ہے، نہ کسی عمل دین کا موقوف علیہ ہے، نہ مجتہد کی نص کا اس میں تتبع ضروری ہے، نہ کسی ایک جانب کا جزم ضروری ہے، اس میں اشتغال مالایعنی کا اہتمام ہے''۔ (امداد الفتاوی: ۵/۴۳۷، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۴) "قوله: "السلام عليكم يا أهل القبور"، استدل بظاهره من قال بسماعهم، و منهم عمر و ابنه ...... و استدل المنكرون و منهم عائشة رضي الله تعالیٰ عنها و ابن عباس". (الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۲/۱۹۷، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة النمل: ۸۰): ۱۳/۲۳۲، دار الفكر بيروت)

www.besturdubooks.net

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی مفہوم ہوتا ہے(۱)۔

سماعِ موتیٰ

سوال[۲۸۰]: زید کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں ہیں اور اس پر بعض مسائلِ فقہیہ بھی منی ہیں۔ کیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اور سماعِ موتیٰ کا منکر اہل السنّت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں؟ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماعِ موتیٰ ثابت ہو تو اس کا صحیح حوالہ تحریر فرمادیں اور اگر ثابت نہیں تو شہداء اور اولیاء بھی مستثنیٰ ہیں یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا صحیح مذہب صحیح روایت سے منقول شدہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قال اللہ تبارك و تعالیٰ: ﴿فإنك لا تسمع الموتیٰ﴾ الخ (۲) اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہے، بعض حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں(۳)، اور بعض

---

(۱) "واشتهر على ألسنة الناس أن الموتى ليس لهم سماع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد)

(وكذا في الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱۹۷/۲، إدارة القرآن)

واضح رہے کہ یہ بات امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، لیکن ان سے ثابت نہیں۔

(۲) (سورة الروم: ۵۲)

(۳) چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور درج ذیل روایات سے اثباتِ سماعِ موتیٰ پر استدلال کرتے ہیں: "عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولي و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم " الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

"عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على أهل قليب فقال: "وجدتم ما وعد كم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم و لكن لا يجيبون". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي) =

www.besturdubooks.net

حضرات سماع کے قائل نہیں، وہ اس آیت شریفہ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں(۱) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک بھی یہی ہے(۲) اور اس کو امام اعظم نے اختیار فرمایا ہے(۳)، چوں کہ آیت قطعی ہے اور اخبار واحادیث ظنی ہیں اس لئے اپنی حقیقت اور قطعیت پر باقی رہے گی اور اخبار میں مناسب توجیہہ خصوصیت وقائع وغیرہ کی کرلی جائے گی جس سے تعارض باقی نہ رہے(۴)۔

= (وصحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/۵٦٦، قديمي)

(۱) حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم درج ذیل آیات سے سماع موتیٰ کے نفی پر استدلال فرماتے ہیں: قال الله تعالىٰ: ﴿إنك لا تسمع الموتىٰ﴾ (سورة النمل: ۸۰)

و قال تعالىٰ: ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (سورة فاطر: ۲۲)

(۲) قال الحافظ: "ثالثها حديث عائشة، قالت: إنما قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إنهم ليعلمون الآن، ما أن كنت أقول لهم حق". و هذا مصير من عائشة إلى رد رواية ابن عمر المذكورة، و قد خالفها الجمهور في ذلك". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۳/۳۰۰، قديمي)

(۳) "واستدل المنكرون و منهم عائشة و ابن عباس و منهم الإمام بقوله تعالىٰ: ﴿إنك لا تسمع الموتىٰ﴾. (الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۲/۱۹۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد كراچی)

(۴) "قال: و أجابوا عن هذا الحديث تارةً بأنه مردود من عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كيف يقول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ذلك والله تعالىٰ يقول: ﴿ما أنت بمسمع من في القبور﴾، ﴿إنك لا تسمع الموتىٰ﴾ ... ثم قال: و تارةً بأن تلك الخصوصية له صلى الله تعالىٰ عليه و سلم معجزةً و زيادة حسرة على الكافرين .... و تارةً بأنه من ضرب المثل، أقول: و يدفعه جوابه صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، ثم قال: ويشكل عليهم خبر مسلم: إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذا انصرفوا، أللهم إلا أن يخصوا ذلك بأول الوضع في القبر مقدمةً للسوال جمعاً بينه و بين الآيتين، فإنهما يفيدان تحقق عدم سماعهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأسارى، الفصل الأول: ۷/۵۱۸، ۵۱۹، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۷/۳۸٦، قديمي)

www.besturdubooks.net

جوصحابہ حدیث: ''والذی نفسی بیده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم، و لکن لا یجیبون'' (۱) کوخودسن چکے تھےان کےحق میں یہ حدیث بھی قطعی تھی،اس لئے ان کوآیت میں تخصیص یا تاویل کی گنجائش تھی کہ وہ (بھی) قطعی یہ بھی قطعی، ہردوجانب اکابر ہیں اس لئے قطعی طور پرکسی کا ابطال دشوار ہے، البتہ حنفی مقلد کے نزدیک اپنے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک راجح ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے صراحۃً یہ مسئلہ منقول نہیں، نہ ثبوتاً نہ نفیاً، بلکہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو فقہاء کتاب الأیمان میں ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ''اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر وہ مرگیا اوراس کی قبر پر جاکر کلام کیا تو اس سے حانث نہیں ہوگا'' (۲) اس مسئلہ سے بعض علماء نے اخذ کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ سماع موتی کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے (۳) ''العرف الشذی'' کے ص: ۳۸۶ پر اس رسالہ کا حوالہ بھی موجود ہے (۴)۔

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب المغازي، باب قتل أبی جهل: ۲/۵۶۶، قدیمی)

(۲) "قال ابن الهمام في شرح الهداية: اعلم علی أن أکثر مشایخ الحنفية علی أن الميت لا يسمع علی ما صرح جوابه في کتاب الأيمان: لو حلف لايکلمه، فکلمه ميتاً لا يحنث؛ لأنها تنعقد علی ما يجيب بفهم، والميت ليس کذلک". (مرقاة المفاتيح، کتاب الجهاد، باب حکم الأساری، الفصل الأول: ۷/۵۱۸، رشيديه)

(وکذا فی العرف الشذی علی جامع الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد)

(وکذا في فتح القدير، کتاب الأيمان، باب اليمين في الکلام: ۵/۱۴۳، مصطفی البابی، مصر)

(۳) "واشتهر علی ألسنة الناس أن الموتی ليس لهم سماع عند أبی حنيفة". (العرف الشذی علی سنن الترمذي، کتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد)

(۴) "وصنف ملا علی القاري رسالةً، و ذکر فيها أن المشهور ليس له أصل من الأئمة أصلاً، بل أخذ هذا من مسئلة في باب الأيمان أنه إذا حلف أنه لا يتکلم فلاناً اهـ". (العرف الشذي علی سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۲، سعيد)

www.besturdubooks.net

سماع موتی کے مسئلہ پر تشدد نہیں چاہیے، فریقین کسی پر طعن وتشنیع نہ کریں اور محض سماع موتی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوتا، اس طرح سماع موتی کے اقرار کی وجہ سے حنفیت سے نہیں نکلتا۔ فتاویٰ عزیزی ۱/۹۳(۱) طحطاوی شرح مراقی الفلاح ص:۳۶۴(۲) تفسیر ابن کثیر ۳/۴۳۸(۳) میں آیت ﴿فإنك لا تسمع الموتى﴾(٤) میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔ اولیاء اور شہداء کو بہ نسبت عوام مؤمنین کے بہت کچھ فضائل حاصل ہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۱/ ۹۱، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(فتاوی عزیز (اردو) باب التصوف، خط شاہ غلام علی صاحب، ص: ۱۳۲، سعید)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، سورة الروم: ۳/ ۵۸۰، دار السلام ریاض)

(۴) (سورة الروم: ۵۲)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء و لكن لا تشعرون﴾. (سورة البقرة: ۱۵۴)

و قال تعالىٰ: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون، فرحين بما آتاهم الله من فضله، و يستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم ألا خوف عليهم و لا هم يحزنون﴾. (سورة آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

"عن مسروق قال: سألنا عبد الله عن هذه الآية: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتاً بل أحياء عند ربهم يرزقون﴾ قال: أما أنا قد سألنا عن ذلك فقال: "أرواحهم في جوف طير خضر، لها قناديل معلّقة بالعرش، تسرح من الجنة حيث شاءت، ثم تأوي إلى تلك القناديل اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب في بيان أرواح الشهداء في الجنة و أنهم أحياء عند ربهم يرزقون: ۲/ ۱۳۵، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب التفسير عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم، سورة آل عمران: ۲/ ۱۳۰، سعيد)

www.besturdubooks.net

سماعِ موتیٰ کی تفصیل

سوال[۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

ا.....سماعِ موتیٰ صحیح ہے یا نہیں، مردے زندوں کی پکار کو سنتے ہیں یا نہیں اور اگر سنتے ہیں تو جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مسئلہ کی پوری توضیح فرمائیں اور اس کے متعلق قرآنی آیات بھی سامنے رکھیں: ﴿إنك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء﴾ (۱) دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿إن الله يسمع من يشاء، وما أنت بمسمع من في القبور، إن أنت إلا نذير﴾ (۲)۔

سماعِ موتیٰ کے متعلق ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر یہ فرمایا: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون" (۳) یعنی تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ کلام مجید میں اس کے خلاف نصِ قطعی موجود ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾ (٤) ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۵) اے رسول تو نہ مردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے اور نہ قبروں میں مدفون ہونے والوں کو۔

مسئلہ کی تشریح ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے دلنشین انداز میں کریں کہ کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتى﴾ (٦) ﴿و ما أنت

---

(۱) (سورة النمل: ۸۰)

(۲) (سورة الفاطر: ۲۲، ۲۳)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۲/۵٦٦، قديمى)

(۴) (سورة النمل: ۸۰)

(۵) (سورة الفاطر: ۲۲)

(٦) (سورة النمل: ۸۰)

www.besturdubooks.net

بمسمع من فی القبور ﴾(۱) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود مردوں کو نہیں سنا سکتے تا بدیگراں چہ رسد.

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں، جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو یہ جسم کا کان نہیں سن سکتا، کیونکہ اصل ادراک کرنے والی چیز روح ہے اور یہ قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ آلات کارآمد نہیں ہیں، جس طرح میت قوتِ باصرہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے کام نہیں لے سکتی، اسی طرح قوتِ سامعہ سے بھی کام نہیں لے سکتی (۲)۔ وہذا ظاہر لا یخفیٰ۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے میت کو ادراک کرا دیں جس میں نہ صاحبِ صوت کو دخل ہو نہ میت کو، تو یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں (۳)۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جب میت کو قبر میں رکھ کر ساتھی لوٹتے ہیں تو" إنــه یسـمـع

---

(۱) (سورة الفاطر: ۲۲)

(۲) "قال ابن القیم: و قد یقال: نفي إسماع الصُّمّ مع نفي إسماع الموتیٰ یدل علی أن المراد عدم أهلیة کل منهما للسماع، و أن قلوب هؤلاء لما کانت میتةً صماء کان إسماعها ممتنعاً بمنزلة خطاب المیت والأصم، وهذا حق، ولکن لا ینفي إسماع الأرواح بعد الموت إسماع توبیخ و تقریع بواسطة تعلقها بالأبدان في وقتٍ ما، فهذا غیرالإسماع المنفي". (کتاب الروح، المسئلة السادسة: هل الروح تعاد إلی المیت في قبره وقت السوال أم لا، ص: ۶۳، مکتبه فاروقیه پشاور)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "ما من أحد یمر بقبر أخیه المسلم کان یعرفه في الدنیا، فیسلم علیه إلا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام". (تفسیر ابن کثیر (سورة الروم: ۵۲) ۳/۵۸۰، مکتبه دار الفیحاء)

و قال العلامة الألوسي: "والحق أن الموتی یسمعون في الجملة، و هذا علی أحد وجهین: أولهما أن یخلق الله عزوجل في بعض اجزاء المیت قوةً یسمع بها متی شاء الله تعالیٰ السلامَ ونحوه مما یشاء الله سبحانه و تعالیٰ لسماعه إیاه .... و ثانیهما: أن یکون ذلک السماع للروح بلا وساطة في البدن اهـ". (روح المعاني، سورة الروم: ۵۲: ۲۱/۵۷، دار احیاء التراث العربي)..........................=

قرع نعالهم" (۱) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحاب نعال کے اسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان پہونچ کر سلام کرنا مسنون ہے (۲) اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک اس معمولی آواز کا پہنچادینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۳) الی غیر ذلک من الروایات۔

عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، "لأن قياس الغائب على الشاهد لا يجوز كما صرح به الرازي إمام المتكلمين في مواضع لا تحصى"۔ جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے، وہاں استماع کی نفی ہے، نہ کہ سماع کی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم على أهل القليب، فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً"؟ فقيل له: تدعوا أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر". (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً مؤجلون، و إنا إن شاء الله بكم لاحقون". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۱/۳۱۳، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا مرّ بالقبور: ۲/۱۰۶، امداديه ملتان)

(۳) "والحق أن الموتى يسمعون في الجملة .... و لا يمنع من ذلك كونه تحت أطباق الثرى".

(روح المعاني: ۲۱/۵۷، (سورة الروم: ۵۲): دار إحياء التراث، بيروت)

(۴) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "سماع موتی کی تفصیل")

www.besturdubooks.net

ایضاً

سوال[۲۸۲]: یہ بات تو واضح ہوگئی کہ مردے میں (خود) سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ میت کو صوت کا ادراک کرادیں جس میں نہ میت کو دخل ہے نہ صاحبِ صوت کو تو اس میں کوئی استحالہ نہیں اس کے باوجود آپ نے مردے کے لئے سماع ثابت کیا ہے اور دلیل میں مردے کا سمعِ قرعِ نعال اور زائرین کا قبرستان میں سلام و مغفرت کرنا پیش کیا ہے اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

''معمولی آواز کا پہونچادینا صاحبِ آواز کے قابو سے باہر ہے''۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردے اس وقت سماع کر سکتے ہیں جب خارجی طاقت یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کو سنانا چاہے، سماع مردے کی دائمی صفت نہیں ہوتی بلکہ وقتی اور عارضی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زائرین کے سلام کو میت تک پہونچانا، یا میت کا سماعِ قرعِ نعال مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے یا اس میں مردے کو بھی کچھ دخل ہے اور اس کا امکان اس وقت ہے جب قدرت کو منظور ہو یا اس کے بغیر بھی ممکن ہے؟ جس پہلو کو اختیار کریں، استشہاد میں زیادہ سے زیادہ عربی عبارت پیش فرمائیں۔ آپ جس سماع کے قائل ہیں اس کے ثبوت میں کتبِ معتبرہ کا حوالہ درج فرمائیں، نیز آپ نے اِسماع اور استماع مردے کے لئے منع فرمایا ہے، اس کی تردید میں بھی کشادہ دستی سے کتبِ مستندہ کی عبارتیں ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بخاری شریف، کتاب المغازی، غزوہ بدر کے ذیل میں مذکور ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے جس میں لاشیں تھیں:

"حتى قام على شفة الركي، فجعل يناديهم بأسمائهم و أسماء ابائهم: "يا فلان بن فلان، يا فلان بن فلان! أيسركم أنكم أطعتم الله و رسوله، فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقاً، فهل وجدتم ما وعد ربكم حقاً"؟ فقال عمر رضي الله تعالى عنه: يا رسول الله! ما تكلم من أجساد لا أرواح لها؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "والذي نفس محمد بيده! ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". قال قتادة رضي الله تعالى عنه: أحياهم الله حتى أسمعهم قوله توبيخاً و تصغيراً و نقمةً و حسرةً و ندماً اهـ"(١)۔

(١) صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ٢/ ٥٦٦، قديمي)

www.besturdubooks.net

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول میں جو اختلاف ہے اس کے محمل جداگانہ بھی بیان کر کے تطبیق دی گئی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری: ۷/۲۳۶ میں فرماتے ہیں:

"یرید أن یبین مراد عائشة، فأشار إلی أن إطلاق النفی فی قوله: ﴿إنك لا تسمع الموتیٰ﴾ مقید باستقرارهم فی النار، و علی هذا فلا معارضة بین إنکار عائشة وإثبات ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، لکن الروایة التی بعد هذه تدل علیٰ أن عائشة کانت تنکر ذلك مطلقاً۔

والجواب عن الأیة أنه لا یسمعهم وهم موتیٰ، و لکن الله أحیاهم حتی سمعوا کما قال قتادة رضی الله تعالیٰ عنه، و لم ینفرد عمر و لا ابنه بحکایة ذلك بل وافقهما أبو طلحة کما تقدم. و روی الطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه مثله بإسناد صحیح، و من حدیث عبد الله بن سیدان نحوه، و فیه قالوا: یا رسول الله! و هل یسمعون؟ قال: "یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون". و فی حدیث ابن مسعود: "و لکنهم الیوم لا یجیبون اهـ".

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا:

"ومن الغریب أن فی المغازی لابن اسحق روایة یونس بن بکیر بإسناد جید عن عائشة مثل حدیث أبی طلحة، و فیه: "ما أنتم بأسمع لما أقول منهم". و أخرجه أحمد بإسناد حسن، فإن کان محفوظاً، فکأنها رجعت عن الإنکار مما ثبت عندها من روایة هؤلاء الصحابة، لکونها لم تشهد القصة اهـ".

مگر جن حضرات کو ان کے رجوع سے انکار ہے وہ تعارض رفع کرتے ہیں:

"قال الإسماعیلی: کان عند عائشة من الفهم والذکاء و کثرة الروایة الغوصُ علیٰ غوامض العلم ما لا مزید علیه، لکن لا سبیل إلی ردّ روایة الثقة إلا بنصّ مثله یدل علی نسخه أو تخصیصه أو استحالته، فکیف والجمع بین الذی أنکرته و أثبته غیرها ممکن؛ لأن قوله تعالیٰ:

www.besturdubooks.net

﴿إنك لاتسمع الموتى﴾ لا ينافي قوله صلى الله تعالى عليه و سلم: "إنهم الآن يسمعون" لأن الإسماع هو إبلاغ الصوت من المُسمع في أذن السامع، فالله تعالى هو الذي أسمعهم بأن أبلغهم صوت نبيه صلى الله تعالى عليه و سلم بذلك اهـ "(۱)۔

ان عبارات سے میت اور مسمع کا دخیل نہ ہونا اور سماع کا عارضی ہونا بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سماعِ موتیٰ کی تفصیل

سوال[۲۸۳]: ۱...... نصوصِ کتاب اللہ واحادیثِ صحیحہ کے مطابق سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ ہر دوعقیدوں میں سے کونسا صحیح ہے اور مفتیٰ بہ اور راجح ہے اور کون عقیدہ غیر صحیح وغیر مفتی بہ ومرجوح ہے؟

۲...... اور سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ کے بارے میں از روئے ادلہ صحیحہ یعنی آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرات ائمہ فقہاء واحناف اور مفتیان دیوبند کے نزدیک کونسا عقیدہ صحیح اور مفتیٰ بہ و راجح ہے اور کونسا غیر مفتیٰ بہ ومرجوح ہے؟

۳...... اور آیت کریمہ: ﴿ إنك لا تسمع الموتى، و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولّوا مدبرين﴾ الخ (۲) کا صحیح مطلب اور مراد کیا ہے؟ یہاں تشبیہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وجہ تشبیہ کیا ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس آیت کریمہ اور اس جیسی دوسری آیات مثلاً: ﴿وما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۳) وغیرہ کی کیا تعلیم (دی) ہے اور صحابہ کرام اور ائمہ احناف اور علمائے دیوبند نے ان آیات کریمہ کا کیا مفہوم اور مطلب سمجھا ہے؟ اور ان سب حضرات کے نزدیک سماعِ موتیٰ اور عدم سماعِ موتیٰ کے متعلق یہ آیات کس عقیدہ پر نصِ صریح ہیں؟

۴...... اور کفار مقتولین بدر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "والذی نفس

---

(۱) (العبارات بأسرها لابن حجر في فتح الباري، كتاب المغازي، باب قتل ابي جهل: ۷/۳۸۵، ۳۸۶، قديمي)

(۲) (سورة النمل: ۸۰)

(۳) (سورة الفاطر: ۲۲)

www.besturdubooks.net

محمد بیده! ما أنتم بأسمع لما أقول منهم"(۱) کیا یہ حدیث آیت کریمہ کے مخالف نہیں ہے؟ اگر مخالف ہے تو پھر اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ موقع پر موجود تھے کیا ان کے مقابلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل شرعاً معتبر ہوسکتی ہے جو کہ موقع پر خود موجود نہ تھیں، نیز قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد معتبر ہوسکتا ہے؟

۵..... مشکوۃ شریف، باب زیارۃ القبور، فصل ثانی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں منقول ہے کہ جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس میں مدفون نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں "إنما هو زوجي و أبي"، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہوئے تو آپ باپردہ ہوکر جایا کرتی تھیں (۲)۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے، کیا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کون سی صحیح اور راجح ہے اور حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

۶..... "وأخرج ابن عبد البر بسند صحيح عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم: "ما من أحد يمر بقبر أخيه المؤمن كان يعرفه في الدنيا، فسلم عليه، إلا يعرفه و رد عليه السلام" (۳) کیا یہ معتبر اور قابل استناد ہے، اگر ہے تو کیا یہ حدیث آیت کریمہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ساتھ معارض نہیں ہے، اگر ہے تو پھر کونسی دلیل معتبر ہے؟

(ب) آیات قرآنی واحادیث اور ائمہ احناف کی تحقیق کی روشنی میں موت کے بعد ارواح کو پھر اس جسم میں داخل کردیا جاتا ہے یا اس جسم سے بالکل الگ اور غیر متعلق رہتی ہیں؟ اگر اس جسم سے غیر متعلق رہتی ہیں

(۱) (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۵۶۶/۲، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۱۵۴/۱، قديمي)

(۳) (تفسير ابن كثير (سورة الروم: ۵۲): ۵۸۰/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(وكذا في شرح الصدور، باب زيارة القبور و علم الموتى بزوارهم و رؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

تو کہاں؟

۲.....قبر کس چیز کا نام ہے؟

۳.....ثواب وعذاب قبر جو کہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، از روئے نصوص قرآن و احادیث اور ائمہ احناف اس کا مصداق کون ہے، فقط اَرواح یا اَرواح مع اجسام؟

۴.....آیت کریمہ: ﴿و لا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله﴾ (۱) اور آیت کریمہ ﴿النار يعرضون عليها﴾ الخ (۲) میں احادیث صحیحہ اور مفسرین اور ائمہ احناف کے نزدیک شہداء کے لئے ثواب اور ''یعرضون'' کے لئے عذاب کا مصداق یہاں کون ہے، فقط ارواح یا ارواح مع اجسام عنصری؟

۵.....اگر کسی مولوی کا یہ عقیدہ ہو کہ قطع نظر خرق عادت عام قانون شرع کے مطابق مُردے یعنی اموات نہیں سنتے اور نیز یہ ان کا عقیدہ ہو کہ عذاب وثواب قبر حق ہے مگر اسی گڑھے میں نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور یہ کہ عذاب وثواب صرف روح پر ہوتا ہے جسم کے ساتھ قبل از حشر اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ مولوی صاحب اہل سنت والجماعت سے خارج اور معتزلی ہیں؟ اور کیا ان کے پیچھے نماز جمعہ ونماز جنازہ ودیگر نماز ہائے پنجگانہ جائز ہے یا ناجائز؟

۶.....اگر جائز ہو تو کیا کوئی مولوی اس مولوی کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ وہ معتزلی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے؟ اور اگر اس کے پیچھے نماز جنازہ ناجائز ہے تو اس فتویٰ صادر کرنے والے مولوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی مندرجہ بالا سوال کے متعلق فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمادیں، اور تکلیف فرمادیں ہم مجبور ہو کر اتنا لمبا استفتاء خدمت میں پیش کر رہے ہیں معاف فرمائیں۔ خداوند قدوس آپ حضرات کو ثواب و اجر دے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع، دوم: استماع، سوم: سماع۔

---

(۱) (سورۃ آل عمران: ۱۶۹)

(۲) (سورۃ المؤمن: ۴۶)

www.besturdubooks.net

اسماع کی نفی صراحۃً کلام اللہ میں مذکور ہے: ﴿إنك لا تسمع الموتی﴾ (۱) ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۲) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل قبور کو بذات خود مردوں کو نہیں سنا پاتے تا بدیگراں چہ رسد۔

استماع کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں جب جسم سے روح جدا ہو جائے تو جسم کا یہ کان نہیں سن سکتا اس لئے ادراک کرنے والی اصل روح ہے اور قوتِ سامعہ اس کے لئے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا تو اس کے لئے یہ کارآمد نہیں۔ جس طرح قوت باصرہ، ذائقہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے روح کام نہیں لے سکتی، اسی طرح استماع سے بھی قاصر و عاجز ہے۔ و هذا ظاهر لا يخفى۔

سماع کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ سے میت کو ادراک کرا دیں جس میں نہ صاحب صوت کو دخل ہو نہ میت کو، یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لئے شواہد کثیرہ موجود ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''جب میت کو قبر میں رکھ کر سب ساتھی لوٹتے ہیں تو "یسمع قرع نعالهم" الحدیث (۳) اس میں نہ میت کے کان لگانے اور اختیار کو دخل ہے، نہ اصحاب نعال کے اسماع اور میت تک آواز پہونچانے کو دخل ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے۔

قبرستان میں پہونچ کر سلام کرنا اور دیگر چند دیگر کلمات کا کہنا مسنون ہے، اتنی کثیر مٹی کے اندر مدفون میت تک معمولی آواز کا پہنچا دینا صاحب آواز کے قابو سے باہر ہے، اس کے باوجود سماع ثابت ہے (۴) الـسـ

---

(۱) (سورة النمل: ۸۰)

(۲) (سورة الفاطر: ۲۲)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر".

(سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

غیر ذلک من الروایات۔

ز عالم برزخ کو عالم مشاہدہ پر قیاس کر کے محض عقلی طور پر کوئی قطعی بات ثابت کرنا بھی مشکل ہے، لأن قیاس الغائب علی الشاهد لا یجوز صرح به الإمام الرازی فی مواضع لا تحصی ۔جن روایات سے نفی معلوم ہوتی ہے وہاں اسماع کی نفی ہے یا استماع کی نہ کہ سماع کی (۱)۔

اس تقریر پر روایات کا محمل متعین ہو کر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، نہ طرفین کی پیش کردہ آیات وروایات کی تفسیر وتشریح کی حاجت رہتی ہے، یہ بحث تحت الفتویٰ داخل بھی نہیں کہ مفتی بہ قول نقل کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان اگر اختلاف ہو تو ہماری اتنی حیثیت نہیں کہ محاکمہ کرنا شروع کردیں، ان حضرات کا منصب اس سے بلند تر ہے۔

(ب) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ عبدالوہاب شعرانی، حافظ عبدالسلام، علامہ ابن قیم، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر نے بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، جسم میت کو قبر میں رکھنے کے بعد روح کا اس میں داخل کیا جانا اور پھر سوال وجواب کا ہونا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے (۲) مگر وہ روح اس جسم

---

(۱) قال فی التفسیر المنیر: "والمراد من نفی الإسماع للموتی الإسماع الذی یمکن أن یعقبه إجابة و تفاعل و تفاهم، فلا یعارضه ثبوت السماع من جانبهم دون أن یتمکنوا من الرد، أو إجابة من یکلمه، کما ثبت أن المیت یسمع قرع نعال المشیعین له إذا انصرفوا عنه، و أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: سلّم علی قبور أهل بدرٍ". (التفسیر المنیر: ۳۱/۲۰، دارالفکر المعاصر، بیروت لبنان)

قال تعالیٰ: ﴿فإنک لا تسمع الموتی﴾ وقال: ﴿وما أنت بمسمع من فی القبور﴾ ..... فقیل بالفرق بین السماع والإسماع والنفی هو الثانی دون الأول، والمطلوب هو الأول دون الثانی". (سماع الموتی لمولانا محمد سرفراز خان صفدر، ص: ۱۷۳، ۱۷۴، حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدد عبارات، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

(۲) "عن البراء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم فی جنازة رجل من الأنصار، فانتهینا إلی القبر، ولم یلحد، فجلس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم وجلسنا حوله .... حتی ینتهی به إلی السماء السابعة، فیقول الله عزوجل: اکتبوا کتاب عبدی فی علیین، و أعیدوه إلی الأرض، فإنی منها خلقتهم و فیها أعیدهم و منها أخرجهم تارةً أخری، قال: "فتعاد =

www.besturdubooks.net

میں اس طرح نہیں رہتی جس طرح دنیا میں رہتی تھی، البتہ اس جسم سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے، بہرحال روح برزخ میں رہتی ہے(۱)۔

۲......قبر سے مراد برزخ ہے(۲)۔

۳،۴......اصل وہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے اور جسم سے بھی اس کا تعلق رہتا ہے(۳)۔

۵......اس گڑھے سے بھی فی الجملہ تعلق رہتا ہے اور پورا عذاب ثواب اس گڑھے میں عموماً ہوتا نہیں،

= روحه في جسده، فيأتيه ملكان فيجلسانه، فيقولان له: من ربك فيقول: ربي الله الخ". (مسند الإمام احمد بن محمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث البراء بن عازب: ۳۶۴/۵، دار إحياء التراث العربي)

و اخرجه الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ في صحيحه "عن انس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، اتاه ملكان فاقعداه، فيقولان له: ماكنت تقول في هذا الرجل محمد؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله و رسوله، فيقال: انظر إلى مقعدك من النار أبدلك الله به مقعداً من الجنة الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱۷۸/۱، قديمي)

(وسنن ابي داؤد، كتاب السنة، باب المسألة في القبر و عذاب القبر: ۲۹۸/۲، سعيد)

(وسنن الترمذي، كتاب التفسير، سورة ابراهيم: ۱۴۴/۲، سعيد)

(۱) "و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها، و معرفة النفس و احكامها و أن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها في الجنة فهي في السماء، وتتصل بفناء القبر و بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۵۲، فارقيه پشاور)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة بيروت)

(۲) "وما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أولم يقبر". (كتاب الروح، المسئلة السادسه، ص: ۷۸، فاروقيه، پشاور)

(وشرح العقيدة الطحاوية، ص: ۴۰۰، قديمي)

(۳) "و اعلم أن أهل الحق اتفقوا على أن الله تعالىٰ يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم أو يتلذذ". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰۱، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص: ۴۰۰، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد عذاب القبر، ص: ۷۷، المطبع اليوسفي)

www.besturdubooks.net

روح کا جسم سے وہ تعلق بھی نہیں رہتا جو کہ دنیا میں تھا(۱) ان مولوی صاحب کی ان مجمل باتوں کی وجہ سے ان کو معتزلی کہہ کر ان کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جب تک صراحۃً گمراہی کی تحقیق نہ ہو جائے اور دو مولویوں میں جب اختلاف ہو وہ کسی کو ثالث قرار دے کر فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ خود اپنے اپنے دلائل قلم بند کر کے پیش کریں، دوسرے آدمیوں سے ان کی ترجمانی کر کے فیصلہ نہیں کرانا چاہئے، خاص کر جب ترجمانی ہی نا تمام و مجمل یعنی گول مول ہو، اس طرح فیصلہ نہیں ہو سکتا، فیصلہ کرنے والے کو ایسی گول مول باتوں سے کوئی شرح صدر نہیں ہوتا جس سے صاف فیصلہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں ایسے مسائل میں الجھنے کی ضرورت کیا ہے ان پر کون سا کام اٹکا ہوا ہے، اگر علمی تحقیق مقصود ہو تو اس کے لئے درسگاہ کافی ہے، عوام کو پریشان نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۸ھ۔

سماعِ موتیٰ کے بارے میں چند سوالات

سوال[۲۸۴]: ۱...... آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ سے عدمِ سماعِ اموات ثابت ہے یا نہیں؟

۲...... صحابہ کرام کا مسلک دربارۂ سماعِ اموات کیا تھا؟

۳...... امامِ اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ عالیہ دربارہ سماعِ اموات کیا ہیں؟

۴...... اگر حنفیہ کا مسلک عدمِ سماعِ اموات ہے تو احادیثِ صحیحہ کے موافق ہے یا مخالف؟

---

(۱) "الرابع: تعلقها به في البرزخ، فإنها وإن فارقته و تجردت عنه، فإنها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لا يبقى لها التفات إليه ألبتة" (كتاب الروح، المسألة السادسة هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السوال أم لا، ص: ۶۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰۰، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، الإيمان بعذاب القبر و نعيمه، ص: ۴۰۰، قديمي)

" وقياس الغائب على الشاهد فاسد". (شرح العقائد، ص: ۱۴۱، مسئله: رؤية الله، تحت قول الماتن فيرى لافي مكان ولا على جهة الخ، سعيد)

www.besturdubooks.net

۵.....مسئلہ سماع اموات میں روایات کتب فقہ متعارض کیوں ہیں، مثلاً باب الیمین فی الضرب سے عدم اور کتاب الجنائز سے ثبوت مستفاد ہوتا ہے یہ کیوں؟ دیکھئے فتح القدیر وغیرہ۔

۶.....قائلین عدم سماع اموات حنفی ہیں کہ شافعی کہ معتزلی؟

۷.....نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ تعالیٰ جامع التفاسیر میں، مولانا سعید احمد حاشیہ مائۃ مسائل میں، مولانا اشرف علی بیان القرآن میں، مولوی شکر اللہ العجالۃ میں اور تفہیم المسائل، سراج الایمان، انوار المسلمین وغیرہ بہت سی کتابوں میں بہت سے علماء کرام نے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

"و هو هذا رأى إمام أبو حنيفة من يأتي القبور لأهل الصلاح، فيسلم و يخاطب و يقول: يا أهل القبور! هل لكم خبر، وهل عندكم من أثر أني أتيتكم من شهور، و ليس سوال منكم إلا الدعاء؟ هل دريتم أم غفلتم نسمع أبو حنيفة يقول مخاطب بهم فقال: هل أجابوا لك؟ قال: فقال: سحقاً لك و تربت يداك كيف تكلم أجساداً لا يستطيعون جواباً و لا يملكون شيئاً و لا يسمعون صوتاً و قرأ: ﴿و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ الخ اور حوالہ دیا ہے کتاب غرائب فی تحقیق المذاہب کا۔ اب سوال یہ ہے کہ روایت مذکورہ صحیح ہے یا غلط؟

۸.....روایت مذکورہ صرف غرائب ہی میں ہے یا اور بھی کسی مستند معتبر کتاب میں ہے؟

۹.....مولوی احمد رضا خان صاحب "حیات الموات" میں لکھتے ہیں کہ: "غرائب ایک فرضی کتاب ہے، اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں" تو یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو غرائب کا پتہ دیجئے۔

۱۰.....اگر واقعی دنیا میں کوئی کتاب ہی نہیں تو علماء کرام نے کیوں ایسی فاحش غلطی کی ہے اور یہ روایت کہاں سے اور کس طرح نقل فرمائی؟ مدلل مفصل جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ تلك عشرة كاملة۔

المستفتی کبیر الدین اودی پورہ بنارس المرقوم ۳۱ مئی ۴۲ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱.....ہر دو قسم کی دلیلیں موجود ہیں (۱)۔

---

(۱) چنانچہ نفی سماع کے دلائل یہ ہیں: ﴿إنك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء إذا ولوا مدبرين﴾ (سورة النمل: ۸۰)

www.besturdubooks.net

۲..... کوئی اجماعی چیز نہیں بلکہ اختلافی ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دونوں قول ہیں (۱)۔

۳..... اگر ان حضرات سے کوئی واضح اور قطعی نص منقول ہوتی تو آپ کو اختلاف کی شکایت نہ ہوتی۔

۴..... اس کا جواب اوپر کے جوابات سے ظاہر ہے۔

= (و قال تعالى: ﴿فإنك لا تسمع الموتى﴾ ..... الخ (سورة الروم : ۵۲)

و قال تعالى : ﴿إن الله يسمع من يشاء و ما أنت بمسمع من في القبور﴾ (سورة الفاطر : ۲۲)

اور ثبوتِ سماع کے دلائل یہ ہیں: " عن أنس رضي الله تعالى عن النبي صلى الله تعالى عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى و ذهب عنه أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه، فيقولان له: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد الخ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال ۱/۱۷۸، قديمي)

"عن صالح قال: حدثني نافع أن ابن عمر أخبره قال: اطلع النبي صلى الله تعالى عليه و سلم على أهل القليب فقال: "وجدتم ما وعدكم ربكم"، فقيل له: تدعو أمواتاً؟ قال: "ما أنتم بأسمع منهم، ولكن لا يجيبون". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا و لكم، أنتم سلفنا و نحن بالأثر". (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

(و سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور، باب ما يقول إذا مرّ بالقبور: ۲/۱۰۶، امدادیہ ملتان)

(۱) قال المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى في رسالته "تكميل الحبور بسماع أهل القبور": فاعلم أن مسئلة سماع الموتى و عدمه من المسائل التي وقع الخلاف فيه بين الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين. فهذا عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما يثبت السماع للموتى، و هذه أم المؤمنين عائشة الصديقة رضي الله تعالى عنها تنفيه، و إلى كلٍ مالت طائفة من علماء الصحابة والتابعين". (أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى، (سورة الروم : ۵۲): ۳/۱۶۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الكوكب الدري على جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول إذا دخل المقابر: ۱/۱۹۷، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

۵.....فتح القدیر وغیرہ میں اس کی وجہ بھی موجود ہے۔ (جو کہ جواب نمبر: ا میں تحریر ہے)

۶.....یہ بھی فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہے۔

۷.....نواب قطب الدین صاحب کا تو انتقال ہو گیا، مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفرنگر میں تشریف رکھتے ہیں، ان سے دریافت کیجئے۔ بقیہ حضرات کو میں جانتا نہیں۔

۸.....میں نے نہیں دیکھی۔

۹.....میں نے "حیات الموات" نہیں دیکھی، ان کو استقراء تام حاصل ہوگا جس سے وہ سلب کر رہے ہیں۔

۱۰.....ایسی بات وہ کہے جس کو تمام دنیا کا احاطہ اور علم حاصل ہو، فتاویٰ عالمگیری جو کہ پانچ سو علماء کی تصنیف ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی زیر نگرانی تصنیف ہوئی، اس میں کم از کم بھی ایک ہزار مسائل کتاب الغرائب کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اللہ اعلم کہ کہاں سے نقل کئے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی تصانیف میں غرائب کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ روایت جنھوں نے نقل کی ہے صحت اور فاحش غلطی کا جواب ان سے ہی دریافت کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نزیل مدرسہ انوریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لودھیانہ

قبر میں میت کے لئے حیات ہے یا نہیں؟

سوال[۲۸۵]: اولیاء اللہ اور بزرگان دین اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہتے ہیں تو کیوں؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوائے شہداء اور انبیاء کے جسم کے سب کو مٹی کھا جاتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شہداء اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ اور بھی بعض حضرات ہیں جن کا جسم محفوظ رہتا ہے، حدیث شریف سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) أخرج الطبراني عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "المؤذن =

www.besturdubooks.net

دنیا سے رخصت شدہ بزرگ زندہ ہیں یا مردہ؟

سوال[۲۸۶]: جو بزرگ دنیا سے انتقال فرما گئے وہ زندہ ہیں یا مردہ؟ ہم ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں، زندہ کا عقیدہ رکھیں یا مردہ کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے، وہ نہیں مرتی (۱) اس کا کوئی اور مقام ہوتا ہے (۲) یہاں اس کے اوپر زندوں کے احکام جاری نہیں ہوتے مثلاً غسل کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا ہے، یہ معاملہ زندہ کے

= المحتسب كالشهيد المتشحط في دمه، و إذا مات لم يدوّد في قبره".

"قال القرطبي : و ظاهر هذا أن المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض أيضاً " (شرح الصدور في احوال الموتى والقبور، باب نتن الميت و بلاء جسده إلا الأنبياء و من ألحق بهم ، ص: ۲۰۹، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب: لا تأكل الأرض اجساد الأنبياء، ص :۴۸۵، مكتبه أسامة الإسلامية مصر)

(۱) "و قالت طائفة : إنها لا تموت للأحاديث الدالة على نعيمها و عذابها بعد المفارقة إلى أن يرجعها الله تعالى إلى الجسد، و إن قلنا بموتها، لزم انقطاع النعيم والعذاب اهـ". (روح المعاني، (سورة الإسراء :۸۵): ۱۵/۱۵۹، دار احياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الرابعة، هل تموت الروح أم الموت للبدن وحده، ص:۴۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "الذي دل عليه الأخبار أن مستقر الأرواح بعد المفارقة مختلف، فمستقر أرواح الأنبياء في أعلى عليين ...... و مستقر أرواح الشهداء في الجنة .... و أما مستقر أرواح سائر المؤمنين فقيل: في الجنة أيضاً ...... و مستقر أرواح الكفار في سجين اهـ". (روح المعاني، (سورة الاسراء : ۸۵): ۱۵/۱۶۱، دار احياء التراث)

(وكذا في كتاب الروح، المسئلة الخامسة عشر : أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة ؟، ص: ۱۲۲، مكتبه فاروقيه پشاور)

www.besturdubooks.net

ساتھ نہیں ہوتا، بیوہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے، ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ، وہ دوسری قسم کی زندگی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مردوں کا زندوں کے قدموں کی آواز سننا

سوال[۲۸۷]: علمائے کرام سے ایک حدیث سنی ہے کہ جب مردے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو واپس ہونے والوں کی چالیس قدم تک جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ آواز سننا اس مردے کے لئے ہے یا سب قبرستان کے مردے سنتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چالیس قدم تک کی قید حدیث میں نہیں ہے، یہ اس مردے کے لئے ہے جس کو اس وقت دفن کیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۶/۴/۳ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) "فأما في حق أحكام الدنيا، فالشهيد ميّت يقسم ماله، وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة، و وجوب الصلوة عليه من أحكام الدنيا، فكان ميتاً فيه، فيصلي عليه". (بدائع الصنائع، باب الشهيد: ۱/۳۲۵، دار الكتب العلمية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب الشهيد: ۲/۵۰، رشيديه)

(۲) " عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "العبد إذا وضع في قبره و تولى، و ذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم الخ ". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار .....الخ: ۲/۳۸۶، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب المشي في النعل بين القبور: ۲/۱۰۴، سعيد)

(و سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب التسهيل في غير السبتية: ۱/۲۸۸، قديمي)

www.besturdubooks.net

قبر سے مردہ کی آواز باہر والوں کا سننا

سوال [۲۸۸]: مردہ کی قبر سے آواز آسکتی ہے یا نہیں؟ اگر آسکتی ہے تو کیوں اور نہیں سنی جاسکتی ہے تو کیوں؟ جب کہ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ قبرستان میں گئے اور وہاں جا کر سلام کیا اور کہا کہ اگر قبر سے سلام کا جواب نہ آیا تو ساری قبروں کو توڑ دوں گا................تو سب قبروں سے سلام کا جواب آیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرقِ عادت کے طور پر کوئی آواز آجائے تو آسکتی ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سورۃ الملک پڑھنے کی آواز سنی ہے(۱)، عامۃً آواز انسان نہیں سنتے، ہاں مردہ کو عذاب ہوتا ہے تو اس کی آواز جانور سنتے ہیں، حدیث میں مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

قبر کی زیارت کرتے وقت کیا میت کو اطلاع ہوتی ہے؟

سوال [۲۸۹]: ہم سنت کے مطابق کسی عزیز کی قبر کی زیارت کرتے ہیں تو کیا اہلِ قبر کو اس کی اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے زیارت کی؟

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خباء ه علی قبر وهو لا یحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها ......الخ". (تفسیر ابن کثیر، سورة الملک: ۴/۳۴۵، دار القلم)

(مشکوٰة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، ص: ۱۸۷، ۱۸۸ قدیمي)

(۲) "فیقال له لا دریت لا تلیت، ویضرب بمطارق من حدید ضربةً، فیصیح صیحةً یسمعها من یلیه غیر الثقلین." (مشکوٰة المصابیح، باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۵، قدیمي)

(وصحیح البخاري، کتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قدیمي)

" إنهم یعذبون عذاباً تسمعه البهائم کلها ". (کتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلی المیت في قبره وقت السوال أم لا؟، ص: ۷۱، فاروقیه پشاور)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ اس کو اطلاع کرا دیتا ہے۔

"قال ابن القیم: الأحادیث والآثار تدل علی أن الزائر حین جاء، علم به المزور، وسمع سلامه، وأنس به، ورد علیه عام فی حق الشهداء وغیرهم، وأنه لاتوقیت فی ذلك"۔ الطحطاوی، ص: ۳٤۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

مردوں کا اپنے جاننے والوں کو پہچاننا اور بخشوانا

سوال[۲۹۰]: کیا موت کے بعد متوفی قیامت تک یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اپنے کسی رشتہ دار مثلاً: ماں، باپ، بھائی، بہن، زوجہ، اولاد وغیرہ سے ملے گا یا نہیں، اور ان کو پہچانے گا یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ شیر خوار اولاد جو کسی کی مرجاتی ہے وہ اپنے والدین کو پہچان کر بخشوائے گی، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کے علاوہ مرشد وغیرہ اپنے تابعین ومقلدین کو پہچانیں گے اور ان کے سفارش کریں گے؟ سید سعید حسن۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرنے کے بعد ارواح کی ملاقات ثابت ہے، روایت میں ہے کہ "مرنے والے کے رشتہ داروں کو ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص کہیں سفر سے واپس آئے تو اس کے رشتہ داروں کو خوشی ہوتی ہے اور اس روح سے دوسرے زندہ عزیزوں کے حالات کو دریافت کرتے ہیں اور ان کی اچھی حالت سے خوش ہوتے ہیں"(۲)۔

---

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

"مامن رجل یزور قبر أخیه، ویجلس عنده إلا استأنس به ورد علیه حتی یقوم". (کتاب الروح، المسألة الأولی: هل تعرف الأموات زیارة الأحیاء؟، ص: ۱۲، فاروقیه پشاور)

(وکذا فی شرح الصدور، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارهم ورؤیتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة)

(وکذا فی التذکرة فی أحوال الموتی وأمور الآخرة، باب ماجاء أن المیت یسمع مایقال، ص: ۱۶۵، أسامة الإسلامیة مصر)

(۲) "و أخرج عن ثابت البنانی قال: بلغنا أن المیت إذا مات، احتوشه أهله و أقاربه الذین قد تقدموه من =

www.besturdubooks.net

چھوٹی اولاد کا والدین کو بخشوانے کی سعی کرنا احادیث سے ثابت ہے(۱) اسی طرح مرشد وغیرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سفارش کریں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، ۳۰/ رجب/ ۵۸ھ۔

کیا مردے زندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں

سوال[۲۹۱]: قبرستان میں داخل ہوتے وقت جو "السلام علیکم یا أهل القبور" بتایا جاتا ہے تو کیا مردے سب پرانے اور نئے جواب دیتے ہیں؟

= الموتى، فَلَهُوَ أفرح بهم، ولَهُم أفرح به من المسافر إذا قدم إلى أهله".

"وأخرج ابن أبي شيبة في "المصنف" وابن أبي الدنيا عن عبيد بن عمير، قال: إن أهل القبور ليستوكفون الميت كما يتلقى الراكب يسألونه، فإذا سألوه: ما فعل فلان ممن قد مات؟ فيقول: ألم يأتكم؟ فيقولون: إنا لله و إنا إليه راجعون، سلك به غير طريقنا، ذهب به إلى أمه الهاوية". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذا خرجت روحه و اجتماعهم به و سؤالهم له، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقى أرواح الموتى و تتذاكر؟، ص: ۳۰، فاروقيه پشاور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، للقرطبي، باب ما جاء في تلاقي الأرواح في السماء، والسؤال عن أهل الأرض و في عرض الأعمال، ص: ۹۱، ۹۲، أسامة الإسلامية)

(۱) "عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في من أصيب بسقط، ص: ۱۱۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "والشفاعة ثابتة للرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والأخيار في حق أهل الكبائر بالمستفيض من الأخبار" (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۹۵، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۷، المطبع اليوسفي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کو سلام کیا جاتا ہے وہ سب جواب دیتے ہیں، نئے پرانے سب (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیو بند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "من أشهر ذلك ماروه ابن عبد البر مصححاً له عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "ما من احد يمر بقبر أخيه المسلم كا ن يعرفه في الدنيا، فيسلم عليه، إلا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام". (تفسير ابن كثير، (الروم: ۵۳): ۳/ ۵۸۰، مكتبه دار الفيحاء)

(و كذا في شرح الصدور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱، دار المعرفة)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: إذا مر الرجل بقبر أخيه يعرفه، فسلم عليه، رد عليه السلام وعرفه، وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه، رد عليه السلام." (كتاب الروح، المسألة الأولى: هل تعرف الأموات زيارة الأحياء، ص: ۱۲، فاروقيه پشاور)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

سوال[۲۹۲]: ایک صاحب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے دعاء مانگنے میں قطعی متفق نہیں، بلکہ سینکڑوں اسناد سے جو مدلل بھی ہیں ثابت کرتے ہیں اور اسی کی تبلیغ کرتے ہیں، اگر انہیں مدلل ثبوت دے دیتے ہیں تو بقول ان کے بضد بھی ہیں، ایسی صورت میں بطفیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعاء کا طلب کرنا کیسا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ طلب کرنا ہے بس خدا سے طلب کریں، حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ وغیرہ۔ خیر اس سے انکار نہیں لیکن یہ وسیلہ ضروری نہیں، بغیر وسیلہ کے بھی کام چل جاتا ہے تو گویا ہم شرک کر رہے ہیں جو وسیلہ سے طلب کرتے ہیں، یہ ہمیں قطعی پسند نہیں کہ شرک کر کے نعوذ باللہ جہنم خریدیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے بغیر وسیلہ کے دعا مانگتا ہے تو یہ بھی درست ہے، اگر کوئی شخص حق تعالیٰ سے اس طرح دعاء مانگتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں حاجت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پوری فرما دے تو یہ بھی جائز ہے، اس کو شرک کہنا غلط ہے(۱) اس طرح خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے:

---

(۱) "و من أدب الدعاء تقديم الثناء على الله و التوسل بنبي الله ليستجاب". (حجة الله البالغة: ۶/۲، مصر)

"و ينبغي للزائر أن يكثر من الدعاء و التضرع والاستغاثة و التشفع، و التوسل به صلى الله تعالى عليه وسلم، فجدير): أي حقيق (بمن استشفع به أن يشفعه الله تعالى فيه) و نحو هذا في منسك العلامة خليل، و زاد: و ليتوسل به صلى الله تعالى عليه وسلم، و يسأل الله تعالى بجاهه في التوسل به، إذ هو مُحِطّ جبال الأوزار و أثقال الذنوب؛ لأن بركة شفاعته و عظمها عند ربه لا يتعاظمها ذنب، و من اعتقد خلاف ذلک فهو المحروم الذي طمس الله بصيرته و أضل سريرته، ألم يسمع قوله تعالى: ﴿ولو =

www.besturdubooks.net

"عن عثمان بن حنیف رضي الله تعالی عنه أن رجلاً ضریر البصر أتی النبي صلی الله تعالی علیه وسلم: فقال: ادع الله أن یعافیني، قال: إن شئت دعوت وإن شئت صبرت، فهو خیر لك"، قال: فادعه، قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوء ہ، و یدعو بهذا الدعاء: "اللهم إني أسئلك و أتوجه إلیك بنبیك محمد، نبي الرحمة، إني وجهت بك إلی ربي في حاجتي هذه لتقضی لی، اللهم فشفعه في"۔ ترمذی شریف: ۱۹۷/۲ (۱)۔

جوشخص اس کوشرک کہتا ہے، اس کو اپنے قول سے رجوع اور توبہ کرنالازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۵ھ۔

توسل کی صورتیں اور ایصال ثواب

سوال[۲۹۳]: اولیائے کرام کے بارے میں نذرونیاز ومنت ومراد کے بارے میں میرے اور میرے والد کے درمیان ایک قسم کا جھگڑا پیدا ہوگیا ہے، آپ اسے رفع فرمائیں اور اگر آپ لوگوں نے کوئی کتاب اس بارے میں لکھی ہوتو اس کا نام اور قیمت تحریر فرمائیں تاکہ اسے منگایا جاسکے، میرے والد کہتے ہیں کہ چونکہ اولیائے کرام اللہ کے دوست، برگزیدہ، نیک بندے ہیں، اس لئے ہم ان کو اپنا وکیل اور سفارشی اللہ کے یہاں بناتے ہیں اور ان کے وسیلہ اور توسل سے دعاء مانگتے ہیں، درگاہوں پر جانا چاہئے، اولیائے کرام کے نام صدقہ وخیرات کرنا اور کسی چیز پر فاتحہ دلوا کر پھر ان کا نام لے کر دعاء کرنا کہ اے اللہ! جو کچھ صدقہ وخیرات اور تسبیح وتہلیل وکلام پاک پڑھا ہے اسے تیری نذر کرتا ہوں، قبول فرما، پھر اس کا ثواب بطور تحفہ وہدیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور ان کے وسیلے سے پھر تمام انبیاء، صحابہ، شہداء، اولیاء اور تمام بزرگان دین کو اس کا ثواب پہونچاتا ہوں، پھر ولی سے کہتے ہیں کہ اے ولی اللہ! آپ ہمارے لئے دعاء کیجئے، ہماری حاجت کو پوری کروائیں، اگر دعاء قبول ہوگی تو آپ کے نام سے فاتحہ دینا، غریبوں کو کھانا کھلانا اور آپ کے نام سے نفل روزہ رکھیں گے۔

کیا ایسی باتیں شرک نہیں ہیں؟ ہمارا کہنا ہے کہ زیارت قبور کریں اور کلام پاک پڑھ کر اور صدقہ خیرات

= أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك﴾ انتهی". (شرح المواهب اللدنیة للزرقاني، الفصل الثاني في زیارة قبره الشریف ومسجده المنیف: ۲۱۹/۹، عباس احمد الباز)

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲، سعید)

www.besturdubooks.net

کر کے اس کا جو ثواب ہمیں ملتا ہے ان کو بخش دیں اور پھر اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور حاجت بیان کریں، پھر بھی ہمیں صحیح طریقہ پر نہیں معلوم ہے کہ زیارت کس طرح کریں؟ آداب کیا ہیں؟ اور وہاں جا کر کس طرح ثواب بخشنا چاہئے؟ لہذا آپ مطلع فرمائیں، میں نے ''تقویۃ الایمان'' پڑھی جس میں شرک کے خلاف لکھا ہے اور آج کل میں حقانی صاحب کی ''شریعت یا جہالت'' پڑھتا ہوں، انہوں نے اس کا مختصر بیان کیا ہے، ان کا وعظ بھی سنتا ہوں، براہ کرم جواب سے جلد آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولیائے کرام کا درجہ تو بہت بلند ہے، ہر مسلمان کی عزت و حرمت لازم ہے، ایصالِ ثواب شرعی طریقے پر بلا کسی غیر ثابت پابندی کے درست اور نافع ہے (۱)، زیارتِ قبور کی بھی ترغیب آئی ہے (۲) اس سے دنیا کی محبت کم اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اس طرح دعاء کرنا کہ ''یا اللہ! اپنے نیک بندوں کے طفیل ہماری دعاء قبول فرمالے اور ہماری حاجتیں پوری کردے'' درست ہے (۳)، براہِ راست کسی صاحبِ قبر ولی سے کوئی حاجت و مراد طلب کرنا جائز نہیں، ان سے دعاء کرنے کے لئے درخواست کرنا بھی ثابت نہیں (۴)، غیر اللہ کے نام پر خیرات کرنا اور صدقہ دینا بھی جائز نہیں (۵)، ہاں اللہ کے نام پر دے کر ثواب جس کو چاہے پہونچادے، یہ بھی

---

(۱) (راجع، ص: ۵۷۵، رقم الحاشیہ: ۱)

(۲) "فزوروا القبور، فإنها تذكّركم الموت". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۴، قديمي)

(۳) "عندنا و عند مشايخنا رحمهم الله تعالى يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والشهداء والصديقين في حياتهم و بعد وفاتهم بأن يقول في دعائه: أللهم إني أتوسل إليك بفلان أن تجيب دعوتي و تقضي حاجتي إلى غير ذلك". (المهند على المفند، الجواب عن السؤال الرابع: ص-۳۲، مكتبة العلم)

(۴) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل ياسيدي فلان! أغثني، و ليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، و قد عده أناس من العلماء شركاً، وإن لا يكنه فهو قريب منه". (روح المعاني (المائدة: ۳۵) ۶/۱۲۸، دار احياء التراث العربي)

(۵) "والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق". (البحر الرائق، كتاب الصوم، =

www.besturdubooks.net

اختیار ہے کہ ایک کو پہونچاوے یا متعدد کو یا سب کو، نماز روزہ وغیرہ عبادات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، کسی اور کے نام کی نہ نماز جائز ہے، نہ روزہ، البتہ اللہ کے لئے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر اس کا ثواب جس کو دل چاہے پہونچاوے، یہ درست ہے(۱) قبروں پر چادر چڑھانا، چراغ جلانا، ان کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا، قوالی کرنا، ان سے مرادیں مانگنا جائز نہیں، بلکہ مکروہ، حرام، شرک کی باتیں ہیں (۲)۔

ثواب پہونچانے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر یا نفل نماز پڑھ کر یا نفل روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا نفلی حج کر کے، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے دعاء کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے۔ بس اس طرح ثواب پہونچ جاتا ہے۔ ''ردالمحتار'' میں یہ موجود ہے(۳)۔ ''جو چیز غیر اللہ کے نام پر دی جاتی ہے اس کا لینا اور کھانا جائز نہیں'' یہ تفصیل کے ساتھ البحرالرائق، شامی، طحطاوی (۴) وغیرہ میں مذکور ہے۔

= فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، رشيديه)

(وكذا رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيت أو نحوه: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۱) "والأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة". (الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۵۹۵، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۶، رشيديه)

(۲) "و يكره عند القبر مالم يعهد من السنة، و المعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائماً، كذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى مكان آخر: ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۳، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه في الحاشية: ۱)

(۴) (راجع، ص: ۵۷۴، رقم الحاشية: ۵)

www.besturdubooks.net

قبور کو سجدہ اور طواف ناجائز وحرام ہے بلکہ ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، یہ مسئلہ شرح فقہ اکبر(۱)۔ ارشاد الساری (۲) وغیرہ میں ہے، ایصال ثواب کا طریقہ تفصیل سے اردو میں دیکھنا چاہیں تو ''غمِ رفتگان'' ایک رسالہ ہے، اس میں بھی مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس کے ملنے کا پتہ یہ ہے:

مولانا ظہیر الاسلام صاحب بنی گنج ضلع ہردوئی، یوپی۔ دار الافتاء میں کتابیں فروخت نہیں ہوتیں۔

والد صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی خدمت میں شرعی حکم پیش کیا جائے اور دعاء کی جائے کہ حق تعالیٰ صحیح حکم شرعی قبول کرنے کے لئے ان کے دل کو آمادہ فرمادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۴ھ۔

توسل

سوال [۲۹۴] : ۱۔۔۔۔۔زید کہتا ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر جاکر (یوں) دعاء مانگنی چاہیے: اے فقیر خدا! تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے، تو ہمارے لئے خدا تعالیٰ سے دعاء مانگ کہ فلاں کام خدا مجھ پر آسان کردے اور فلانی حاجت میری پوری کردے۔

۲۔۔۔۔۔بکر کہتا ہے کہ ولی یا نبی کو مخاطب نہیں کرنا چاہیے، بلکہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرکے کہنا چاہیے کہ: ''اے خدا! یہ ولی یا نبی تیرا محبوب ہے، تو اس کی برکت سے میرا فلاں کام آسان کردے اور میری حاجت کو پورا کردے۔

استفسار یہ ہے کہ کونسی صورت جائز ہے اور کونسی ناجائز؟ مخاطب ولی کو کرنا چاہیے یا خدا تعالیٰ کو؟

---

(۱) "ومن سجد للسلطان بنية العبادة أو لم تحضره، فقد كفر، و في الخلاصة: و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه كفر، و إن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لايكفر، أقول : وهذا هو الأظهر، و في الظهيرية : قال: بعضهم: يكفر مطلقاً. هذا (أي الخلاف) إذا سجد لأصل الإكراه: أي لمن يأتي منه الإكراه ..... أما إذا سجد بغير الإكراه: أي و لو أمر به على القولين يكفر عندهم بلا خلاف". (شرح الفقه الأكبر ص: ۱۹۳، قديمي)

(۲) "(و لا يطوف): أي و لا يدور حول البقعة الشريفة؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة، فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، و لا عبرة بما يفعله العامة الجهلة، و لو كانوا في صورة المشايخ والعلماء". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، ص: ۳۴۲، باب زيارة سيد المرسلين، فصل وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، مكتبه مصطفى محمد بمصر)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدا تعالیٰ کو خطاب کرنا چاہیے، کسی ولی کو خطاب کر کے دعاء کرنا درست نہیں (۱)، ہاں زندہ ولی سے دعاء کرانا درست ہے (۲)، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہو کر خطاب کرنا درست ہے، کیونکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۴/۵۵ھ۔

التوسل فی الدعاء

سوال [۲۹۵]: التوسل في الدعاء بأسماء الصالحين مثل أن يقال: أللهم اغفرلي ببركة فلان، أو بحرمته أوبوسيلته، أوبطفيله، أوبخاطره وغيرها، وإن اختلف في جوازه الدعاء، بل صرّح بعضهم باستحبابه وندبه، لكنه لم يكن معروفاً في زمن السلف، ولم يدل عليه قرآن ولاحديث ثابت السنة تام الدلالة عليه، ومايستدل به من الأحاديث فبعضه ساقط ألبتة، ليس قابلاً للاحتجاج، وبعضه لاتتم دلالته على ذلك المعنى، فالأنسب أن يحترز عنه في الدعاء.

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (الجن: ۱۸)

قال الله تعالىٰ: ﴿و من أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة، و هم عن دعائهم غافلون﴾. (الأحقاف: ۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿إياک نعبد و إياک نستعين﴾. (الفاتحة: ۴)

"و إذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله". (مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر: ۲/۴۵۳، قديمي)

(۲) "إن رجلاً يأتيكم من اليمن يقال له: أويس، لا يدع باليمن غير أم له، قد كان به بياض فدعا الله، فأذهبه عنه إلا موضع الدينار أو الدرهم، فمن لقيه منكم فليستغفر لكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل أويس القرني رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/۳۱۱، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليَّ عند قبري سمعته، و من صلى علي نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۱/۸۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

هذه الطريقة ما كانت رائجة في القرون المشهودلها بالخير رواجاً عاماً، ولكن يمكن أن يقال: إن الأصل لها؛ لأن الترمذي رحمه الله تعالى خرج لها بسنده حديثاً وصححه (۱) والطبراني أيضاً وثقه (۲) وأيضاً مروي في البعض والنسائي (۳) والحاكم (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

دعاء میں توسل

سوال [۲۹۶]: ادھر میں نے تین حسب ذیل اقوال پڑھے ہیں:

۱- ''حضرت مجدد الف ثانیؒ قبروں کو بوسہ دینے سے منع فرماتے ہیں، لیکن اہل قبور سے مدد طلب کرنے کو جائز سمجھتے ہیں''۔ (مجدد اعظم، مصنفہ محمد حلیم صاحب، مکتبہ دینیات دہلی، ص:۱۱۱)

۲- ''توسل جو احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے کہ فلاں مقبول بندے کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما''۔ (اصلاح الرسوم، مصنفہ حکیم الامت، ص:۱۳۵)

---

(۱) "عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: "إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لك". قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويدعو بهذا الدعاء: "أللهم إني أسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، أللهم فشفعه فيّ". هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي جعفر وهو غير الخطمي". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲، سعيد)

(۲) (المعجم الكبير للطبراني: ۳۱/۹، ما أسند عثمان بن حنيف، رقم الحديث: ۸۳۱۱، دار إحياء التراث العربي)

(۳) (السنن الكبرى للإمام النسائي: ۱۶۸/۶، كتاب عمل اليوم والليلة، رقم الحديث: ۱۰۴۹۵، ذكر حديث عثمان بن حنيف)

(٤) (المستدرك للحاكم: ۳۱۳/۱، كتاب صلاة التطوع، دعاء رد البصر، دار الفكر)

(وسنن ابن ماجه، باب ماجاء في صلاة الحاجة، ص: ۱۰۰، مير محمد)

www.besturdubooks.net

۳- ''قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے''۔ (نظام، کانپور ماہ جنوری ۶۴ء ص: ۳۸)

سوال یہ ہے کہ اگر زید کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہوکر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! میری یہ دعاء اپنے اس خاص بندے کے توسل یا طفیل سے قبول فرما (زید کو یہ یقین ہے کہ اس قبر میں سونے والے بزرگ کی برکت سے دعاء ضرور قبول ہوتی ہے) کیا یہ زید کا فعل مع اعتقاد از روئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ بزرگ ایسے ہیں کہ جن کی بزرگی (ولایت) پر دلیل قائم ہے تو اس طرح دعاء کی بھی گنجائش ہے کہ: اے اللہ! اپنے اس خاص بندے کے طفیل یا توسل سے میری دعاء قبول فرما (۱) لیکن مناسب واحوط یہ ہے کہ تخصیص نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دعا میں توسّل

سوال [۲۹۷]: ہماری دکان میں ایک بزرگ کو بلایا گیا، کاروباری حالات تسلی بخش نہ رہنے کی وجہ سے انہوں نے یہ درود پڑھنے کے لئے بتایا: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم .الحمد لله رب العلمین .اللهم صل علی سیدنامحمد وعلی اله''۔ اخیر میں یہ درود ہے:

''یا دستگیر بے کساں حال زار پر رحم کرو اللہ کے واسطے'' اس طریقہ پر ورد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مانگنا اللہ سے مقصود نہیں، اس لئے ایسا ورد نہیں کرنا چاہئے (۲) بلکہ اللہ سے

---

(۱) "إن التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا بأس به أيضاً إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه و ولايته". (روح المعاني: (المائدة: ۳۵): ۱۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل ياسيدي فلان! أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك، وأن لا يحوم حول حماه، وقد عده أناس من العلماء شركاً، وإن لايكنه فهو قريب منه". (روح المعاني (المائدة: ۳۵): ۱۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

مانگا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کا توسل کیا جائے مثلاً اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل رحم فرمائے انشاء اللہ تعالیٰ دعاء جلد قبول ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

وسیلہ سے دعا

سوال [۲۹۸]: حقانی صاحب نے اپنے وعظ میں کہا ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یا کسی بھی پیغمبر کے وسیلہ سے دعاء نہ مانگنی چاہیے بلکہ صرف خدا ہی سے مانگے" یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء کرام اور اولیائے کرام کے وسیلے سے اس طرح دعاء کرنا کہ: یا اللہ! فلاں بزرگ یا فلاں نبی کے طفیل ہماری حاجت پوری فرمادے شرعاً درست ہے (۲) حقانی صاحب نے ہدایہ وغیرہ کے حوالے سے یہ مسئلہ بتایا ہے، وہاں دراصل معتزلہ کا رد مقصود ہے جس کی تفصیل کتب

---

(۱) "عن عثمان بن حُنَيف رضي الله عنه أن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: "إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لك". قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، و يدعو بهذا الدعاء: "اللهم إني أسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي، اللهم فشفعه فيّ". (سنن الترمذي، أبواب الدعوات: ۲/۱۹۸، سعيد)

(۲) "و بعد هذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند الله تعالىٰ حيًا و ميتًا، و يراد من الجاه معنىً يرجع إلى صفة من صفاته تعالىٰ، مثل أن يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده و قبول شفاعته، فيكون معنى قول القائل: إلهي! أتوسل بجاه نبيك صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تقضي لي حاجتي، إلهي! اجعل محبتك له وسيلةً في قضاء حاجتي". (روح المعاني (المائدة: ۳۵): ۶/۱۲۶، دار إحياء التراث)

www.besturdubooks.net

فقہ میں مذکور ہے(۱) اس کا اس مسئلہ سے تعلق نہیں، یہاں وہ صورت نہیں جس کو منع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا

سوال[۲۹۹]: دعاء میں انبیاء، اولیاء اور سلف صالحین کا وسیلہ کن دلائل سے ثابت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح قول یا آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کو ثابت کریں کہ دعاؤں میں مردوں کا وسیلہ لینا درست معلوم ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیش کیا جاتا ہے کہ ایک جگہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے دعاء مانگی لیکن اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت تمام خلائق سے بہتر اور بزرگ تر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ کیوں لیا؟ محض یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ علماء کا عمل اس پر ہے اور جو اس کے خلاف ہیں وہ شاذ ہیں، مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، بلکہ تعامل صحابہ اور ارشاد رسول سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن عثمان بن حُنیف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ إن رجلاً ضریر البصر أتی النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فقال: ادع اللّٰہ أن یعافینی، فقال: "إن شئت دعوت، و إن شئت صبرت فھو

---

(۱) "و یکرہ أن یقول فی دعائہ: بحق فلان أو بحق أنبیائک و رسلک؛ لأنہ لا حق للمخلوق علی الخالق". (الھدایۃ، کتاب الکراھیۃ، مسائل متفرقۃ: ۴/۴۷۳، امدادیہ ملتان)

"یعنی لا یجوز أن یقول: بحق فلان علیک، و کذا بحق أنبیائک و رسلک والبیت والمشعر الحرام؛ لأنہ لا حق للمخلوق علی الخالق، و إنما یختص برحمتہ من یشاء من غیر وجوب علیہ". (البحر الرائق، کتاب الکراھیۃ: ۸/۳۷۹، رشیدیہ)

www.besturdubooks.net

خیر لك" قال: فادعه قال: فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءه، و یدعو بهذا الدعاء: "اللهم إنی أسألك، و أتوجه إلیك بنبیك محمد، نبی الرحمة، إنی توجهت بك إلی ربی فی حاجتی هذه، لتقضی لی، اللهم فشفعه فيّ"۔ترمذی شریف ۱۹۷/۲ (۱)۔

اس کے بعد وہ نابینا صحیح البصر ہوگئے (۲)، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے(۳) اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے(۴)، طبرانی نے اس کو عمدہ سند کے ساتھ لکھا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:"بحق نبیه والأنبیاء الذین من قبلی، هکذا فی الأصل، والظاهر من قبله"(۵)۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے(۶)۔

---

(۱) (جامع الترمذی: ۱۹۸/۲، أبواب الدعوات، سعید)

قال الإمام أبو عیسی: "هذا حدیث حسن صحیح غریب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حدیث أبي جعفر و هو غیر الخطمي". (المصدر السابق)

و أیضاً رواه أحمد في مسنده بهذا اللفظ: "اللهم إني أسألک و أتوجه إلیک بنبیک محمد نبي الرحمة، إني توجهت بک إلی ربي في حاجتي هذه، فتقضي لي اللهم فشفعه فيّ" (المسند للإمام أحمد بن حنبل: ۱۳۸/۳، رقم الحدیث: ۱۲۷۸۹، حدیث عثمان بن حُنیف، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(۲) و قد صرح بذلک في المسند حیث قال: "ففعل الرجل فبرأ". (مسند الإمام أحمد، المصدر السابق، دار إحیاء التراث العربي)

(۳)(و قد مر تخریجه رقم الحاشیة: ۱)

(۴) قال القسطلاني: "و صححه البیهقي و زاد: فقد قام و أبصر". (المواهب اللدنیة، ص: ۲۲۱/۱۲، دار الکتب العلمیة)

(۵) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیه: ۳)

(۶) في شرح المواهب للزرقاني: "ما رواه النسائي والترمذي، والحاکم و قال: علی شرطهما": ۲۲۱:۱۲)

"عن عثمان بن حنیف أن رجلاً ضریراً الحدیث، هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه".

وفي الصفحة رقمها: ۵۱۹: "هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه، (المستدرک مع =

www.besturdubooks.net

ابن حجر مکی (۱) علامہ زرقانی (۲) علامہ خلیل (۳) علامہ قسطلانی (۴) قاضی عیاض (۵) سب نے ہی اپنی اپنی کتابوں میں توسل کی اجازت دی ہے اور اس کو جمہور سلف صالحین کا مسلک قرار دیا ہے، شیخ المحققین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر ۳۳۷/۲ میں لکھتے ہیں: "ویسأل اللہ حاجتہ متوسلاً إلی اللہ تعالی بحضرة نبیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم"(۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= التلخیص: ۳۱۳/۱، کتاب الصلوٰۃ والتطوع، دعاء ردالبصر، و: ۵۱۹/۱، کتاب الدعاء، دعاء ردالبصر، دارالفکر، بیروت)

(۱) "وصححه البیهقي وزاد: فقام، وروی الطبراني بسند جیّد أنه علیه السلام ذکر في دعائه: "بحق نبیّک" والاستغاثة والتشفع والتوجه به صلی اللہ علیه سلم أو بغیره من الأنبیاء وکذا الأولیاء اهـ".
(حاشیه ابن حجر المکی رحمه اللہ تعالیٰ علی الإیضاح في مناسک الحج للنووی رحمه اللہ تعالیٰ، ص: ۵۰۰، بحواله تسکین الصدور، ص: ۳۳۶، مکتبه صفدریه)

(۲) قال العلامة الزرقاني: "و نحو هذا في منسک العلامة خلیل و زاد: "و لیتوسل به صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم في التوسل به، إذ هو مُحطّ جبال الأوزار وأثقال الذنوب .... و من اعتقد خلاف ذلک فهو المحروم الذی طمس اللہ بصیرته و أضل سریرته، ألم یسمع قوله تعالیٰ: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤک﴾ (شرح المواهب: ۲۱۹/۱۱)

(۳) قال العلامة خلیل السهارنفوری: "عندنا و عند مشایخنا یجوز التوسل في الدعوات بالأنبیاء والصالحین من الأولیاء والصدیقین والشهداء في حیاتهم و بعد وفاتهم". (المهند علی المفند، ص:۸)

(۴) (المواهب اللدنیة للقسطلاني: ۲۱۹/۱۲، ۲۲۳، دار الکتب العلمیة)

(۵) "وإن حرمته میتاً کحرمته حیّاً. فاستکان لها أبو جعفر وقال: یاأباعبداللہ! أستقبل القبلة وأدعو أم أستقبل رسول اللہ؟ فقال: ولم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتک ووسیلة أبیک آدم علیه السلام إلی اللہ تعالیٰ یوم القیامة؟ بل أستقبله و أستشفع به فیشفعه اللہ". (الشفا للقاضي عیاض، القسم الثاني، الباب الثالث، الفصل الثالث: حرمته وتوقیره صلی اللہ علیه وسلم، ص: ۴۰۱، دارالفکر، بیروت)

(۶) (فتح القدیر لابن الهمام الحنفي، کتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث في زیارة قبر النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ۱۸۱/۳، مصطفی البابي الحلبي، بمصر)

www.besturdubooks.net

سوال بر جواب مذکورہ بالا

سوال[۲۰۰]: عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت آپ نے توسل کے جواز پر پیش فرمائی ہے، یہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا واقعہ ہے(۱)، اس سے تو یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں توسل سے دعاء کی اجازت دی تھی، سوال آپ کی وفات کے بعد کا ہے۔ بعض اکابر صحابہ کا عمل وفاتِ نبوی کے بعد توسل کے بجائے اس وقت کے زندوں سے رہا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ صحابہ میں وصالِ نبوی کے بعد آپ کے توسل کا طریقہ رہا، اس سلسلہ میں دو جلیل القدر صحابی کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۱= حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عام الرماد کے ہولناک قحط میں مہاجرین اور انصار کے روبرو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ تھے: "اللهم إنا كنا إذا أجدبنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا صلى الله عليه وسلم فاسقنا"(۲) اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبی کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کیا کرتے تھے تو ہمیں سیراب کردیا کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کا عمِ رسول حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعاء مانگنا اور اس پر تمام صحابہ، مہاجرین وانصار کا سکوت تسلیم ورضا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس توسل کو صحیح ودرست سمجھا۔

۲= دوسرا واقعہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جب ملک شام میں قحط پڑا تو معاویہ بن ابی سفیان نے یزید الاسود اعرشی کو دعاء میں وسیلہ بنایا، انہوں نے کہا: "اللهم نستشفع أو نتوسل بخيارنا، يا يزيد! ارفع يديك، فرفع ودعا ودعا الناس حتى أسقوا"(۳) الٰہی ہم نیکوکاروں کی سفارش

---

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات: ۱۹۸/۲، سعيد)

(۲) (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱۳۷/۱، قديمي)

(۳) "قال ابن حجر: واستسقى معاوية بيزيد بن الأسود فقال: اللهم إنا نستسقي بخيرنا وأفضلنا، اللهم إنا نستسقي بيزيد بن الأسود. يا يزيد! ارفع يديك إلى الله، فرفع يديه ورفع الناس أيديهم، فثارت سحابة من المغرب كأنها ترس، وهبّت ريح، فسقوا حتى كاد الناس لا يبلغون منازلهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۳/ ۶۱۹، ۶۲۰، الحبيبية، كوئته)

www.besturdubooks.net

لاتے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھ اٹھا چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی، نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا۔

ان دو جلیل القدر صحابی کے عمل نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں میں مردوں کے توسل کا رواج نہیں تھا بلکہ زندے نیکوکاروں کے توسل کا تھا۔ محقق ابن ہمام اور قاضی عیاض کے حوالہ سے آپ نے جس توسل کو جائز قرار دیا ہے اور جس کو جمہور سلفِ صالحین کا مسلک ٹھہرایا ہے، اس سے کونسا توسل مراد ہے، کسی شخصیت کا توسل یا اطاعت و بندگی کا توسل یا کسی کی دعاء و سفارش کا توسل؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ دونوں واقعے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ زندہ سے توسل درست ہے، مردہ کے توسل سے ساکت ہیں، سابق فتویٰ میں بحوالہ طبرانی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں انبیاء سابقین سے توسل کے بھی الفاظ تھے (۱) نیز فتح القدیر کی جو عبارت نقل کی گئی تھی اس میں زائرین کو ہدایت تھی وہ بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہی کے لئے ہے (۲)۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو کہ ترمذی شریف سے نقل کی تھی وہ واقعہ تو حیاتِ طیبہ کا تھا مگر انہوں نے بعد وفات بھی ایک شخص کو یہی ترکیب اور دعاء بتلائی تھی جس کی ایک ضرورت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تھی اور وہ توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس پر عمل کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ضرورت پوری فرمادی۔ پھر اس شخص نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری سفارش کردی اس پر انہوں نے وہی ترمذی والی روایت سنائی (۳)۔

---

(۱) (راجع ،ص: ۵۸۲، رقم الحاشية:۵، ۶، و ص: ۵۸۳، رقم الحاشية : ۱، ۲، ۳)

(۲) (فتح القدير، كتاب الحج، المقاصد الثلاثة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم: ۱۸۱/۲ ، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) "وأما بعد مماته فقد روى الطبراني في الكبير عن عثمان بن حنيف المتقدم أن رجلاً كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له، فكان لايلتفت إليه و لا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف =

www.besturdubooks.net

علامہ زرقانی نے شرح مواہب: ۸/ ۳۱۸، میں لکھا ہے:

"و أما التوسل به صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته في البرزخ فهو أكثر من أن يحصى أو يدرك باستقصاء، و في كتاب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام للشيخ أبي عبد الله بن النعمان طرف من ذلك اهـ"(۱)۔ اس کے بعد اپنے واقعات اور تجربات لکھتے ہیں کہ بیماری اور مصیبت کے دفع کرنے میں کیسی تاثیر پائی (۲)۔ علامہ آلوسی نے روح المعانی ص: ۲۹۹، پر توسل کرنے والوں کی اغلاط پر متنبہ کرنے کے بعد لکھا ہے: "بعد هذا كله أنا لا أرى بأساً في التوسل إلى الله تعالى بجاه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند الله تعالى حياً و ميتاً اهـ"(۳)، ص: ۳۰۰ پر لکھا ہے: "التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا بأس به إن كان المتوسل بجاهه مما علم أن له جاهاً عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه و ولايته"(٤)۔ اعمال صالحہ کا توسل حدیث انصار میں موجود ہے (۵)۔ تخصیص کا تو آپ کے تحریر کردہ

= فشكى إليه ذلك فقال له ابن حنيف: إئت الميضاة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل ركعتين، ثم قل: اللهم إني أسألك ...... فانطلق الرجل، فصنع ما قال، ثم أتى باب عثمان، فجاء البواب حتى أخذه بيده فأدخله على عثمان فأجلسه معه على الطنفسة، فقال: ماحاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها، ...... ثم إن الرجل خرج من عنده، فلقي ابن حنيف فقال له: جزاك الله خيراً ..... فقال ابن حنيف: والله! ماكلمته ولكني شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأتاه ضرير فشكى إليه ذهاب بصره" الحديث. (حاشيه سنن ابن ماجه المسمى بإنجاح الحاجة، رقمها: ١، ص: ١٠٠، باب ماجاء في صلوة الحاجة، مير كتب خانه)

(۱) یہ عبارت متن: "المواهب اللدنية بالمنح المحمدية" علامہ قسطلانی کی ہے، اس کی شرح علامہ زرقانی نے لکھی ہے دیکھئے: (شرح العلامة الزرقاني على المواهب، المقصد العاشر، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف ومسجده المنيف: ١٢/ ٢٢٢، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۲) (شرح المواهب المرجع السابق: ١٢/ ٣٢٢، ٣٢٣، علامہ قسطلانی نے توسل کی فضیلت کر کے ترغیب دی ہے)

(۳) انظر للتفصيل: (روح المعاني: ٦/ ١٢٨، دار إحياء التراث العربي)

(۴) (روح المعاني المصدر السابق آنفاً: ٦/ ١٢٨، ١٢٩، دار إحياء التراث العربي)

(۵) (مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي: ١/ ١٣٢، باب الاستسقاء قديمي)

(و أخرجه الإمام البخاري في صحيحه، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا: ١/ ١٣٧، قديمي)

www.besturdubooks.net

واقعہ(۱) نیز روح المعانی میں ہے(۲)۔ دعاء و شفاعت کا توسل بھی احادیث میں مصرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توسل میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول

سوال[۳۰۱]: جیسا کہ ہم لوگ اہل سنت والجماعت دعاء کرتے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے دعاء کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الوسیلہ" میں خدا کے صفاتی نام کے سوا وسیلہ کو ناجائز قرار دیا ہے اور دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے استسقاء کی دعاء کی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش کرتے ہیں(۳) اس دلیل سے دعاء کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے جائز ہے یا ناجائز؟ ہم نے سنا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر کسی صاحب نے تنقید کی ہے، وہ کون صاحب ہیں اور کس مسئلہ پر تنقید کی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح دعا کرنا کہ: ''یا اللہ! حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمارا فلاں کام کردے، ہمیں گناہوں سے بچالے، ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دے'' اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک شرعاً درست ہے(۴)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۸۶، رقم الحاشیۃ: ۲، ۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام الرماد قحط کے دوران جو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں: "اللهم إنا كنا إذا جدبنا نتوسل إليك بنبينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا صلى الله عليه وسلم، فاسقنا". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سوال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۷، قديمي)

(وكتاب التوسل والوسيلة لابن تيميه، ص: ۵۵، ۵٦، الطبعة الأولى عطبعة المنار)

(۴) قال الله تعالى: ﴿وابتغوا إليه الوسيلة﴾ (سورة مائده: ۳۵) .... =

www.besturdubooks.net

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرنا امام ابن تیمیہ کے نزدیک درست ہے تو اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بھی درست ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسائل تصنیف کیے گئے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کے معاصرین امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کافی رد کیا ہے، طبقات سبکی میں ایک مستقل رسالہ رد میں ہے(۱) علامہ یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مرآۃ الجنان" میں متعدد علماء سے سخت تنقید نقل کی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فتاویٰ حدیثیہ" میں رد بلیغ کیا ہے(۲) ذیل "تذکرۃ

= "و قال ابن عابدين: "نعم ذكر العلامة المناوي في حديث: "اللهم إني أسالك و أتوجه إليك بنبيك نبي الرحمة" اهـ عن العز بن عبد السلام أنه ينبغي كونه ، مقصوراً على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأن لا يقسم على الله بغيره و أن يكون من خصائصه، قال: و قال السبكي :"يحسن التوسل بالنبي إلى ربه، ولم ينكر أحد من السلف و لا الخلف إلا ابن تيمية". (رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع :٦/٣٩٧، سعيد)

"قد يقال: "إنه لا حق لهم وجوباً على الله، لكن الله سبحانه جعل لهم حقاً من فضله، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة، فيكون في باب الوسيلة و قد قال تعالىٰ: ﴿و ابتغوا إليه الوسيلة﴾ و قد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في الحصن". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع:١٩٩/٤ ، مكتبه دار المعرفة)

(١) "رد ابن تيمية" لأبي الحسن عليّ بن عبد الكافي بن علي، تقي الدين السبكي الأنصاري الخزرجيّ الشافعيّ (ت ٧٥٦هـ) (كشف الظنون : ٨٣٧/١ ، "طبقات السبكي" : ١٣٩/١٠) ، "الدرر الكامنة" ٣٦/٣)

"و قال السبكي : يحسن التوسل بالنبي إلى ربه، و لم ينكره أحد من السلف و لا الخلف إلا ابن تيمية، فابتدع ما لم يقله عالم قبله اهـ ".(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع :٣٩٧/٦، سعيد)

(٢) "و سئل نفع الله به بما لفظه : لابن تيمية اعتراض على متأخري الصوفية، و له خوارق في الفقه والأصول، فما محصل ذلك؟.

فأجاب بقوله: ابن تيمية عبد خذله الله و أضلّه و أعماه و أصمه و أذلّه، و بذلك صرح الأئمة =

www.besturdubooks.net

الحفاظ'' میں بھی رد شدید مذکور ہے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء درست نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حرام قرار دیتے ہیں، اس پر امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ ''شفاء السقام'' لکھا ہے جس میں اس کو مستحسن اور موجب ثواب قرار دیا ہے، اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جمہور کے مخالف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر حاضری اور توسل وغیرہ

سوال[۲۰۲]: میں خود گنہگار ہوں، مزارات پر جاتا ہوں، قرآن شریف اپنے باپ، دادا کی قبر کے پاس پڑھتا ہوں اور دیگر حضرات اولیاء کے مزارات پر بھی جاتا ہوں ان سے مدد مانگتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نیک وصالح بندے ہیں میرے حق میں دعاء فرمادیں کہ خدا مجھ کو صحیح معنیٰ میں مسلمان بنادے اور مجھے خدا خوش

= الذين بينوا فساد أحواله و كذب أقواله، و من أراد ذلك فعليه بمطالعة كلام الإمام المجتهد المتفق على إمامته وجلالته و بلوغه مرتبة الاجتهاد أبي الحسن السبكي وولده التاج والشيخ الإمام العز بن جماعة و أهل عصرهم". (الفتاوى الحديثية، مطلب: اعتراض ابن تيمية على متأخري الصوفية و له خوارق الخ، ص:۱۵۶، قديمي)

(۱) " وهذا الشيخ الحراني مع كونه آلف في إبطال الحيل تراه وأتباعه من أكبر المجرئين على تحليل من الأبضاع ..... وشواذه في الفروع من هذا القبيل، ولا تسل عن مفرداته في المعتقد مما هو آية في التغليل، ومن هنا اشتبه في أمر دينه من اشتبه من حذاق النظار ولم يخف عليهم ماوراء الستار وهو يشف عن ذلك الأولي الأبصار .... استرسالاً في إحسان الظن به بالنظر إلى مبادئ حاله من غير فحص عن عاقبة أمره ومرماه، وطال الأخذ والرد في شانه لمايستوجب الأناة". (ذيل تذكرة الحفاظ، ص: ۱۸۶، ۱۸۸، ترجمه الحافظ شمس الدين أبي عبدالله محمد بن خليل الخ، وانظر أيضاً، ص: ۳۱۵ - ۳۲۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

www.besturdubooks.net

وخرم رکھے اور قوم مسلم کو نیک اور ایک بنا دے۔ آمین!

اور میں تعزیہ داری میں بھی شریک ہوتا ہوں اس میں چندہ بھی دیتا ہوں اور فاتحہ، دسویں، بیسویں، چالیسویں میں بھی دیتا ہوں، نذر و نیاز بھی کرتا ہوں، ہر سال اجمیر شریف جاتا ہوں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جا کر ان کے توسل سے دعاء مانگتا ہوں۔ میں گیارہویں شریف حضرت اعظم کی بھی کرتا ہوں، خواجہ غریب نوازؒ کی بھی فاتحہ کرتا ہوں، دیگر رسوم میں بھی شرکت کرتا ہوں، دیگر حضرات اولیاء کرام مثلاً مولانا کمال الدین چشتیؒ، حضرت بابا بدخشانیؒ، شاہ نیاز صاحبؒ کے مزارات پر بھی جاتا ہوں، کیا ایسی جگہ جانا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ان چیزوں کی وجہ سے مجھ کو ایمان سے خارج اور کافر خیال کرتے ہیں۔ آپ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان باتوں میں کوئی بات ایسی نہیں جس کی وجہ سے آپ کو خدانخواستہ کافر یا اسلام سے خارج قرار دیا جائے، الحمد للہ آپ مسلمان ہیں کفر کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، خدائے پاک آپ کو بطفیل حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسلام پر قائم رکھے اور کفر سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین!

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی زندگی کو سنتِ پاک کے مطابق بنایا جائے اور ہر کام کرنے سے پہلے تحقیق کر لی جائے کہ یہ کام خلاف سنت تو نہیں، جو کام خلاف سنت ہو اس سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے، یہی نجات کا سیدھا راستہ ہے، اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم اور محبت کرنے والے کی نشانی ہے، ورنہ اس کا دعویٰ محبت بے دلیل رہے گا اور قرب کی دولت نصیب نہیں ہوگی، آپ نے جو طویل فہرست اپنے اعمال کی تحریر فرمائی ہے اس میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے، بعض چیزیں اگرچہ خلاف سنت نہیں لیکن ان کا طریقہ غلط ہے، اگر آپ کا ارادہ اصلاح کا ہے اور آپ سنت کے مطابق زندگی بنا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا چاہتے ہوں تو لکھئے اور خط کو بھی بھیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ جملہ امور کو تفصیل کے ساتھ عرض کر دیا جائے گا، خدائے پاک آپ کو اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اتباع سنت کی پوری توفیق دے، آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

www.besturdubooks.net

ایک نعت میں توسل سے دعاء

سوال [۳۰۲]: ایک نعت جس کے شروع میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہے، بعدہ اپنے اپنے بھائیوں کے لئے کچھ عرض ہے، اس قسم کے اشعار پڑھنا خلاف سنت ہے، یا کسی کو لکھ کر بھیجنا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اشعار:

نور سے تیرے سب ہوئے پیدا آپ ہیں فخر شاہ و گدا
یا رسول اللہ وقت نزع آنا وقت کٹھن ہے وقت نزع آنا
پھر سن لے سیاں ہماری اتنا رہے خیال رہے اتنی بھرم شرم
دل تھر تھرائے وقت نزع آیا محشر کے روز دوڑ کے دامن تھام لینا
کیوں نہ چھوڑوں سیاں ہماری کیجئے سب کی دعاء قبول سب ملکر کہیں آمین

الجواب حامداً و مصلياً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا تو ثابت ہے(۱)، اس کے علاوہ اس قسم کے اشعار قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کسی صاحب نے پڑھے ہوں میری نظر سے نہیں گزرے اور یہ اشعار تو اشعار نہیں، نہ قافیہ صحیح، نہ ردیف درست، نہ وزن، خدا جانے ان کو اشعار کیسے کہہ دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أنس أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنهما كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا فيسقون".

(صحيح البخاري: ۱/۵۲۶، ذكر عباس بن عبد المطلب، سعيد)

"عن عثمان بن حنيف رضي الله تعالى عنه قال: إن رجلاً ضرير البصر أتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني، فقال: "إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت فهو خير لک" قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن الوضوء، ويدعو بهذا الدعاء: "اللهم إني أسألک و أتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة، إني توجهت بک إلى ربي ليقضي في حاجتي هذه، اللهم فتشفعه فيّ".

(مشكوة المصابيح، باب جامع الدعاء، الفصل الثالث: ص: ۲۱۹، قديمي)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

علیین سجین کہاں ہیں؟

سوال[۲۰۴]: علیین سجین کون سے مقام ہیں؟ علیین کی روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور سجین کی روحیں زمین کی طرف لوٹ آتی ہیں تو کس مقام پر روحیں آتی ہیں؟ آسمان پر جو روحیں مقید کرلی جاتی ہیں، کیا قیامت میں آسمان سے روحیں زمین پر حساب وکتاب کے لئے لائی جائیں گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علیین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ سعداء بعد الموت پہنچ جاتی ہیں، سجین اس مقام کا نام ہے جس میں اَرواحِ اشقیاء (بعد الموت) پہنچ جاتی ہیں (کذا فی فتح العزیز)(۱)۔ اَرواح کا باوجودِ علیین وسجین میں ہونے کے اپنی قبور واجسام کے ساتھ ایک نوع کا اتصال وتعلق رہتا ہے، کذا فی فتاویٰ ابن حجر الہیثمی (۲) اور یہ تعلق خاص اوقات میں زیادہ بھی ہوجاتا ہے، کذا فی شرح الصدور (۳)، لیکن اپنے گھروں میں آنا کسی

---

(۱) (فتح العزيز، سورة المطففين، ص: ۱۵۸، سعيد)

(۲) "و أما أهل التكليف، ففيهم خلاف كثير: عن أحمد: أنها في الجنة، وعن وهب أنها في دار يقال لها: البيضاء في السماء السابعة، وعن مجاهد: أنها تكون على القبور سبعة أيام من يوم دفن لا تفارقه: أي ثم تفارقه بعد ذلک. ولا ينافيه سنية السلام على القبور؛ لأنه لا يدل على استقرار الأرواح على أفنيتها دائماً؛ لأنه يسلم على قبور الأنبياء والشهداء و أزواجهم في أعلى عليين، و لكن لها مع ذلک اتصال سريع بالبدن لا يعلم كنهه إلا الله تعالى". (الفتاوى الحديثية، مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين ..... الخ، ص: ۱۴، قديمي)

(۳) "و قال الحافظ ابن حجر في فتاواه: أرواح المؤمنين في عليين، و أرواح الكفار في سجين، و لكل روح بجسدها اتصال معنوي لا يشبه الاتصال في الحياة الدنيا، بل أشبه شيء به حال النائم، و إن كان هو أشد من حال النائم اتصالاً". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۹، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

معتمد روایت حدیث سے ثابت نہیں، بغرضِ حساب سب اَرواح مقامِ حساب میں جمع کی جائیں گی، کذا فی تذکرۃ الموتی فی القبور (۱)۔ اَرواح کے احوال ومقامات یکساں نہیں، بلکہ بہت مختلف ہیں، کذا فی کتاب الروح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

مقامِ اَرواح

سوال[۳۰۵]: کلام مجید کی متعدد آیات مثلاً: ﴿ونفخ فی الصور﴾ الآیة، سورہ یٰسین (۳)۔ ﴿ثم نفخ فیه أخری﴾ الآیة سورۃ زمر (۴)۔ ﴿یوم یخرجون من الأجداث﴾ سورۂ معارج (۵) ونیز حدیث: ''نم کنومة العروس'' الحدیث۔ (۶) سے ثابت ہوتا ہے کہ روح قبر میں رہتی ہے پھر یہ کہ علیین یا جنت میں رہتی ہے، اس کا کیا مطلب اور تطبیق ہے؟ کوئی حدیث بمقابلہ آیات کس دلیل سے معتبر مانی جائے گی؟

---

(۱) ''فإذا صیح بأهل القبور، قاموا مذعورین عاجلین، ینظرون ما یراد بهم، لقوله تعالیٰ: ﴿ثم نفخ فیه أخری فإذا هم قیام ینظرون﴾ ...... ثم قالوا: هذا ما وعد الرحمن و صدق المرسلون،، فکذبنا به، فأقروا حین لم ینفعهم الإقرار، ثم یؤمر بحشر الجمیع إلی الموقف للحساب''. (التذکرة في أحوال الموتی و أمور الآخرة، باب ذکر النفخ الثاني للبعث في الصور، ص: ۲۰۲، مکتبه أسامة الإسلامیة)

(۲) ''هذه مسئلة عظیمة تکلم فیها الناس، و اختلفوا فیها، و هي إنما تتلقی من السمع فقط، واختلف في ذلک، فقال قائلون: أرواح المؤمنین عند الله في الجنة، شهداء کانوا أم غیر شهداء ...... الخ''. (کتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أین مستقر الأرواح ما بین الموت إلی یوم القیامة، ص: ۱۲۱، فاروقیه پشاور)

(۳) (سورہ یس: ۵۱)

(۴) (الزمر: ۶۸)

(۵) (المعارج: ۴۳)

(۶) (مشکوٰة المصابیح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قدیمی)

(سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعید)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلياً:

ارواح کے مقامات اپنے اعمال وافعال کے اعتبار سے یکساں نہیں بلکہ متفاوت ہیں، نیز تمام ارواح دنیا سے جا کر قیامت تک کے لئے ایک جگہ محبوس نہیں رہتیں، لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں، تطبیق ظاہر ہے:

"الأرواح متفاوتة في مستقرها في البرزخ أعظم تفاوت: فمنها أرواح في أعلى عليين في الملأ الأعلى، و هي أرواح الأنبياء صلوات الله و سلامه عليهم، و هم متفاوتون في منازلهم كما رآهم النبي صلى الله تعالى عليه و سلم ليلة الإسراء. و منها: أرواح في حواصل طير خضر تسرح في الجنة حيث شاء ت، و هي أرواح بعض الشهداء لا جميعهم، بل من الشهداء تحبس روحه عن دخول الجنة لدين عليه وغيره، كما في المسند عن محمد بن عبد الله بن جحش رضي الله عنه أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله تعالى عليه و سلم فقال: يا رسول الله! مالي أن قُتلت في سبيل الله، قال: "الجنة" فلما ولى قال: "إلا الدين، سارني به جبريل عليه الصلاة والسلام آنفاً". و منهم من يكون محبوساً على باب الجنة كما في حديث اخر: "رأيت صاحبكم محبوساً على باب الجنة". و منهم من يكون محبوساً في قبره كحديث صاحب الشملة التي غلّها، ثم استشهد فقال الناس: هنيئاً له الجنة، فقال النبي صلى الله تعالى عليه و سلم: "والذي نفسي بيده! إن الشملة التي غلها لتشتعل عليه ناراً في قبره".

و منهم من يكون مَقَرّه باب الجنة كما في حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: "الشهداء على بارق نهر بباب الجنة في قبة خضراء، و يخرج عليهم رزقهم من الجنة بكرةً و عشيةً". و منهم من يكون محبوساً في الأرض، لم تَعلُ روحه إلى الملأ الأعلى، فإنها كانت روحاً سفلية أرضيةً. و منها: أرواح تكون في تنور الزناة و الزواني، و أرواح في نهر الدم تسبح فيه و تلقم الحجارة، فليس للأرواح سعيدها و شقيها مستقر واحد، بل روح في أعلى عليين و روح أرضية سفلية لا تصعد عن الأرض. وأنت إذا تأملت السنن والآثار في هذا الباب و كان لك بها فضل اعتناء، عرفت حجة ذلك، و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً،

www.besturdubooks.net

فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشاق في فهمها و معرفة النفس أحكامها، و أن لها شاناً غير شان البدن، وأنها مع كونها في الجنة فهي في السماء، و تتصل بفناء القبر وبالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً، و أنها تنقسم إلى مرسلة و محبوسة وعلوية و سفلية اهـ". كتاب الروح مختصراً، ص:١٨٤(١)، و شرح الصدور، ص:١٨(٢)

حافظ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے اور بھی اقوال نقل کئے ہیں، بعض کی تردید اور بعض کی تائید بھی کی ہے۔ سجین اور علیین کی تفسیرین بھی مختلف ہیں، علامہ ابو سعود "ارشاد العقل السلیم": ۸/۲۲۵، میں فرماتے ہیں:

"وسجين علم الكتاب جامع، هو ديوان الشر، دوّن فيه أعمال الشياطين و أعمال الكفرة والفسقة من الثقلين، منقول من وصف كخاتم، و أصله فعيل من السجن هو الحبس والتضييق؛ لأنه سبب الحبس والتضييق في جهنم، أو لأنه مطروح كما قيل: تحت الأرض السابعة في مكان مظلم وحش، و هو مسكن إبليس و ذريته، فالمعنى: إن كتاب الفجار الذين من جملتهم المطففون: أي ما يكتب من أعمالهم أو كتابة أعمالهم لفي ذلك الكتاب المدون فيه قبائح أعمال المذكورين اهـ. و عِلّيون عَلَم لديوان الخير الذي دوّن فيه كل ما أعملته الملائكة و صلحاء الثلقلين الخ"(٣). هكذا في المدارك (٤) "والسجين اسم لجهنم بإزاء العليين، و قيل: هو اسم للأرض السابعة" (٥) "وقوله: تسعى عليين فقد قيل: هو اسم أشرف الجنان كما أن سجيناً اسم شر النيران، و قيل: بل ذلك في الحقيقة اسم مكانها اهـ. و هذا أقرب في العربية إذا كان هذا الجمع يختص بالناطقين،

---

(١) (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشر: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة؟ ص: ١٥٠، ١٥١، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٢) (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ٢٣٧، ٢٣٨، دار المعرفة)

(٣) (تفسير أبي السعود المسمى بإرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم، (المطففين: ٧، ١٨): ١٢٦/٩، ١٢٧، دار احياء التراث العربي)

(٤) (المدارك (المطففين: ٧، ١٨): ٧٨٥/٢، ٧٨٦، قديمي)

(٥) (المفردات في غريب القرآن، مادة: سجن، ص: ٢٢٥، نور محمد)

www.besturdubooks.net

ومعناه أن الأبرار في جملة هؤلاء، فيكون ذلك كقوله: ﴿أولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين﴾ الأنبياء، كذا في المفردات(۱) "السجين صخرة نجومة تحت جهنم يكون فيها أرواح الكفار وكتب أعمالهم اهـ". مجمع البحار ۹۹/۲(۲)۔

صریح آیات وروایات میں قبور سے اٹھنے کا ذکر ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ اُرواح ان قبور میں محبوس ہیں، بلکہ قبر سے فی الجملہ روح کو تعلق واتصال رہتا ہے اور اجسام جو کہ قبور میں مدفون ہیں وہ قبر ہی سے اٹھیں گی کیونکہ حشر جسم اور روح دونوں کا ہوگا:

"ثم إذا كان يوم القيامة الكبرى أعيدت الأرواح إلى الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العالمين و معادالأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى اهـ". كتاب الروح، ص: ۸۲)(۳)۔

قبر میں سونا بھی ہر ایک کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، بعض کا تلاوت کرنا خود احادیث سے ثابت ہے(۴)۔ مسئلہ مذکورہ میں تو قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں جو بوقتِ تقابلِ حجت حدیث کو بیان کیا

---

(۱) (المفردات في غريب القرآن مادة: علا، ص: ۳۴۶، نور محمد)

(۲) (مجمع بحار الأنوار، مادة: سجن: ۳۲/۳، دائرة المعارف العثمانية)

(۳) (كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد الى الميت في قبره وقت السوال أم لا ؟، ص: ۶۹، فاروقيه پشاور)

"فلا تزال الأرواح هناك حتى يتم عددها بنفخها في الأجساد ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، و هي الحياة الثانية". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دارالمعرفة)

(۴) "و أخرج الترمذي و حسنه، والحاكم، والبيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم خباءً على قبر، وهو لا يحسب أنه قبر، و إذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها. فأتى نبي الله فأخبره، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "هي المنجية، هي المانعة، تنجيه من عذاب القبر".

قال أبو القاسم السعدي في كتاب "الروح": هذا تصديق من النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم=

www.besturdubooks.net

جاوے، فی نفسہ یہ چیز اصول فقہ میں مدلل ومبرہن موجود ہے کہ آیات کی حدیث کے ذریعہ سے تفسیر، بیان، تقیید، نسخ درست ہے یا نہیں (۱)۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۶۳، میں ہے کہ نفخ صور تین مرتبہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال [۳۰۶]: مرنے کے بعد روح جسم سے نکلنے پر کہاں قیام کرتی ہے؟ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ رہتا ہے یا نہیں؟ دنیا میں جو اس نے اچھے یا بُرے اعمال کئے ہیں اس کا بدلہ قیامت سے پہلے ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ارواح کے احوال بہت مختلف ہیں ایک حال نہیں، انبیاء کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں، شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے حواصل یعنی پوٹوں میں ہیں، جنت میں حسب خواہش چلتی پھرتی، کھاتی ہیں، مسلمان بچوں کی

= بأن الميت يقرأ في قبره، فإن عبد الله أخبره بذلك، و صدقه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم.

و روى أبو الحسن بن البراء، في كتاب "الروضة" عن عبد الله بن محمد بن منصور، حدثني إبراهيم الحفار، قال: حفرت قبراً فبدت لبنة، فشممت رائحة المسك حين انفتحت اللبنة، فإذا بشيخ جالس في قبره يقرأ القرآن.

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: المؤمن يعطى مصحفاً في قبره يقرأ فيه". (شرح الصدور، باب أحوال الموتى في قبورهم و أنسبهم فيها، ص: ۱۸۸، ۱۸۹، دار المعرفة)

(۱) "و إنما يجوز النسخ بالكتاب و السنة متفقاً و مختلفاً، فيجوز نسخ الكتاب بالكتاب و السنة، و كذا يجوز نسخ السنة بالسنة و الكتاب، فهي أربع صور". (نور الأنوار: ۲۱۰)

(و كذا في الحسامي، ص: ۱۸۳، مجيديه ملتان)

(۲) فقوله تعالىٰ: ﴿و نفخ في الصور، فصعق من في السموات و من في الأرض إلا من شاء الله﴾ هذه النفخة هي الثانية، و هي نفخة الصعق ...... ثم يحي أول من يحي إسرائيل، و يأمره أن ينفخ بالصور مرةً أخرى، و هي النفخة الثالثة نفخة البعث، قال الله تعالى: ﴿ثم نفخ فيه أخرى فإذا هم قيام ينظرون﴾.

(تفسير ابن كثير: ۳/۸۲، دار السلام رياض)

www.besturdubooks.net

ارواح جنت میں ہیں۔ اتنی مقدار تو صاف صاف حدیث سے ثابت ہے، کذا فی فتاوی الحدیثیہ (۱)۔

بقیہ مکلفین کی ارواح میں اختلاف کثیر ہے: بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ قبور میں رہتی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ قبور کے اوپر رہتی ہیں، بعض کی رائے ہے کہ مؤمنین کی ارواح جابیہ، یا چاہ زمزم میں ہیں اور کفار کی ارواح حضر موت کے جنگل میں ایک مقام جس کو ''برہوت'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کو ''بیضاء'' کہتے ہیں اس میں رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال کو ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ مکی نے نقل کیا ہے (۲) اور بعض نے تردید کی ہے، اسی طرح ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الروح میں اکثر اقوال نقل کر کے بعض پر رد کیا ہے (۳)۔

شرح الصدور میں جلال الدین السیوطی نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے کہ مرنے کے بعد دنیا والوں سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ جو ثواب پہنچایا جائے وہ پہنچ جاتا ہے اور زندوں کے اچھے اور برے اعمال جن کا تعلق اس میت سے ہو ان کی بھی میت کو اطلاع کرائی جاتی ہے (۴)، کذا فی کتاب الروح لابن

---

(۱) "وذكر ابن رجب أن الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم تكون أرواحهم في أعلى عليين، ويؤيده قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اللهم الرفيق الأعلى". وأكثر العلماء: أن أرواح الشهداء في أجواف طيور خضرٍ لها قناديل معلقة بالعرش تسرح في الجنة حيث تشاء كما في مسلم وغيره، وأما بقية المؤمنين فنص الشافعي رضي الله تعالى عنه ورحمه على أن من لم يبلغ التكليف منهم في الجنة حيث شاؤوا، فتاوي إلى قناديل معلقة بالعرش". (الفتاوى الحديثية، مطلب أرواح الأنبياء في أعلى عليين وأرواح الشهداء في أجواف طيور خضر .....الخ، ص: ۱۴، قديمي)

(۲) "وأخرج ابن أبي الدنيا عن مالك: (بلغني أن الأرواح مرسلة تذهب حيث شاء ت)... . ورجح ابن عبد البر: أن أرواح غير الشهداء في أفنية القبور تسرح حيث شاء ت. وقالت فرقة: تجتمع الأرواح بموضع من الأرض، كما روى عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: أرواح المؤمنين تجتمع بالجابية، وأما أرواح الكفار فتجتمع بسبخة حضر موت، يقال: لها برهوت." (الفتاوى الحديثية المصدر السابق)

(۳) (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح .....؟، ص: ۱۲۱، فاروقيه پشاور)

(۴) "اختلف في وصول ثواب القرأة للميت، فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول. وخالف في ذلك إمامنا الشافعي، مستدلاً بقوله تعالى: ﴿وأن ليس للانسان الا ماسعى﴾.

"وأخرج أحمد، والحكيم الترمذي في "نوادر الأصول" وابن منده عن أنس رضي الله تعالى عنه =

www.besturdubooks.net

قیم الجوزیۃ (۱)۔

باقی اس روح کا اپنے دنیا والے مکان پر واپس آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ پرانی روحیں نئی روح کا استقبال کرتی ہیں اور اس کی آمد سے خوش ہوتی ہیں اور اہل دنیا یعنی اپنے اقارب کے احوال کو دریافت کرتی ہیں، کذا فی تذکرۃ الموتی فی القبور (۲)۔ اچھے اور برے اعمال کا اصلی بدلہ تو

= قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "(إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات، فإن كان خيرًا استبشروا، وإن كان غير ذلك، قالوا: اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا". (شرح الصدور، باب في قرأة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲، وباب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۷، دار المعرفة)

(۱) "أنها تنتفع من سعي الأحياء بأمرين مجمع عليها بين أهل السنة من الفقهاء وأهل الحديث والتفسير: أحدهما: ما تسبب إليه الميت في حياته. والثاني: دعاء المسلمين له، واستغفارهم له، والصدقة، والحج، على نزاع مّا، الذى يصل من ثوابه هل ثواب الإنفاق أو ثواب العمل؟ فعند الجمهور يصل ثواب العمل نفسه، وعند بعض الحنفية إنما يصل ثواب الإنفاق. واختلفوا في العبادة البدنية كالصلوة، وقرأة القرآن، والذكر، فمذهب الإمام أحمد وجمهور السلف وصولها، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة. (تعرض أعمال الأحياء على الموتى، فإذا رأوا حسناً فرحوا واستبشروا، وإن رأوا سوءاً قالوا: اللهم راجع به)". (كتاب الروح، هل ينتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، هل تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا؟ ص: ۱۳، فاروقية پشاور)

(۲) "مردگان كه پيشتر مرده اند، وخوش شدن آنها بملاقاتِ مردۂ حال، واستقبال كردن پسر كه پيشتر مرده باشد مرده پدر را، چنانچه غائب را استقبال ميكنند، درحديث ديگر هم آمده." (تذكرة الموتى والقبور: ۱۴، مطبع مصطفائي لاهور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء والسؤال عن أهل الأرض وفي عرض الأعمال، ص: ۲۱، أسامة الاسلامية)

"وأخرج ابن أبي شيبة في "المصنف" وابن أبي الدنيا عن عبيد بن عمير قال: إن أهل القبور ليستوكفون الميت كما يتلقى الراكب، يسألونه، فإذا سألوه: مافعل فلان ممن قد مات؟ فيقول: ألم يأتكم؟ فيقولون: إنا لله وإنا إليه راجعون: سلك به غير طريقنا، ذهب به إلى أمه الهاوية". (شرح الصدور، ملاقات =

www.besturdubooks.net

قیامت کو ملے گا، بلکہ آثار ہر دو قسم کے قبر ہی بلکہ موت ہی سے شروع ہو جاتے ہیں، کذا فی اشعة اللمعات (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد الموت مقام روح

سوال [۲۰۷]: قصبہ بروٹ میں جو مولوی صاحب ہیں ان سے دریافت کیا کہ قیامت تک روح کس حالت میں اور کس جگہ رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ دیوبند کے مدرسہ سے معلوم کریں، اس وجہ سے آپ سے اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے کے بعد جسم سے جدا ہو کر روح برزخ میں چلی جاتی ہے قیامت تک وہیں رہے گی، برزخ کا ایک رخ اس دنیا کی طرف ہے کہ مرتے ہی روح وہاں پہنچ جاتی ہے زندگی میں نہیں جاسکتی، دوسرا رخ آخرت کی طرف ہے کہ قیامت کو وہاں سے آخرت میں منتقل ہو جائے گی، قرآن پاک اور حدیث شریف سے ایسا ہی ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۷ھ۔

= الأرواح للميت إذاخرجت روحه، ص: ۹۸، دار المعرفة)

(۱) "وبرهر تقدير از اقوالِ ايشان ظاهر ميشود كه مرده از بعد سوال وجواب ونمودنِ جائے نشست ودوزخ وفتح باب بان ميميرانند، ودر وقتِ بعث زنده ميگردانند، وازاحاديث كه مذكوره شدندمعلوم ميگرد كه مرده تا قيامت در گور درعذاب و نعمت وريح وراحت مى باشد". (أشعة اللمعات، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/ ۱۲۰، مكتبه نوريه، سكهر)

(۲) "فلتعلم أن مذهب سلف الأمة وأئمتها أن الميت إذا مات يكون في نعيم أو عذاب، وأن ذلك يحصل لروحه وبدنه، وأن الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمةً أو معذبةً، وأنها تتصل بالبدن احياناً، ويحصل له معها النعيم أو العذاب، ثم إذا كان يوم القيامة الكبرى، أعيدت الأرواح إلى الأجساد، وقاموا من قبورهم لرب العلمين، ومعاد الأبدان متفق عليه بين المسلمين واليهود والنصارى".

(كتاب الروح، المسألة السادسة: هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۶۹، فاروقية پشاور)............ =

www.besturdubooks.net

مرنے کے بعد روح کا مقام

سوال [۳۰۸]: انسان میں ایک روح ہے یا دو؟ اور مرنے کے بعد کس کس جگہ چلی جاتی ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان میں تین طرح کی روح ہوتی ہے، اول روحِ ہوائی، اس کو نسمہ، روحِ طبعی، بدن ہوائی بھی کہتے ہیں۔ دوم: نفسِ ناطقہ۔ سوم: روحِ ملکوت۔ کما فی الطاف القدس (۱)۔

مرنے کے بعد نیکوں کی روح علیین میں، بدوں کی سجین میں جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/ محرم/ ۵۳ھ۔

= "قال ابن حزم: وهو قول جميع أئمة الإسلام، وهو قول الله تعالى: ﴿فأصحاب الميمنة ما أصحاب الميمنة، وأصحاب المشأمة ما أصحاب المشأمة، والسابقون السابقون أولئك المقربون، في جنات النعيم﴾ وقوله: ﴿فأما إن كان من المقربين﴾ آخرها، فلاتزال الأرواح هناك حتى يتم عددها بنفخها في الأجساد، ثم برجوعها إلى البرزخ، فتقوم الساعة، فيعيدها عزوجل إلى الأجساد، وهي الحياة الثانية." (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۳، ۲۳۵، دار المعرفة)

(۱) (ألطاف القدس في معرفة لطائف النفس، ص: ۲۴-۲۸، ادارہ نشر و اشاعت نصرة العلوم)

(۲) "وقال كعب: أرواح المؤمنين في عليين في السماء السابعة. وأرواح الكفار في سجين في الأرض السابعة تحت جند إبليس". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة، ص: ۱۲۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

" فصعدت أنا وجبرئيل، فاستفتحت باب السماء. فإذا أنا بآدم تعرض عليه أرواح المؤمنين، فيقول: روح طيبة ونفس طيبة اجعلوها في عليين. ثم تعرض عليه أرواح ذريته الفجار، فيقول: روح خبيثة ونفس خبيثة، اجعلوها في سجين". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۰، ۲۳۱، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب مايكون منه عذاب القبر و اختلاف أحوال العصاة فيه بحسب اختلاف معاصيهم، ص: ۱۲۰، مكتبة أسامة الإسلامية)

www.besturdubooks.net

مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق

سوال[۳۰۹]: مرنے کے بعد روح کا تعلق قبر سے کب تک رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شبر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفس تعلق قبر سے بعث تک رہے گا اور بعض اوقات میں یہ تعلق قوی ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۳/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر میں مردہ میں روح ڈالی جائے گی

سوال[۳۱۰]: ﴿ربنا أمتنا اثنتين وأحييتنا اثنتين، فاعترفنا بذنوبنا، فهل إلى خروج من سبيل﴾(۲)۔

ترجمہ: اے رب! تو نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندہ کیا، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف

---

(۱) "و بهذا يجمع بين ما ورد أن مقرها في عليين أو سجين، و بين ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور أيضاً أنها عند أفنية قبورها، قال: و مع ذلک فهي مأذون لها في التصرف، و تأوي إلى محلها من عليين أو سجين، قال: و إذا نقل الميت من قبر إلى قبر، فالاتصال المذكور مستمر، و كذا لو تفرقت الأجزاء". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح: ۲۳۹، دار المعرفة)

"و لا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها و معرفة النفس و أحكامها، و أن لها شأناً غير شأن البدن، و أنها مع كونها في الجنة، فهي في السماء، و تتصل بفناء القبر و بالبدن فيه، و هي أسرع شيء حركةً و انتقالاً و صعوداً و هبوطاً". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشرة: أين مستقر الأرواح ما بين الموت إلى يوم القيامة؟ ص: ۱۵۴، فاروقيه پشاور)

(۲) (المؤمن: ۱۱)

کرتے ہیں، کیا جہنم سے کوئی سبیل ہے؟

اس آیت کے مطلب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دوبار موت اور دوبار زندگی انسان کو دی جائے گی۔اب رہی یہ بات کہ قبر میں مردے کے جسم میں روح ڈالی جائیگی، یہ تیسری زندگی ہوگی، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔تیسری زندگی کون سی ہوگی وہ دلیل سے معلوم کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایک حدیث شریف میں موجود ہے کہ مردے میں روح قبر میں ڈالی جائے گی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

مرنے کے بعد روح کا شیطان کے قالب میں جانا

سوال[۳۱۱]: کیا آدمی مرنے کے بعد شیطان کے قالب میں جاتا ہے، جب شیطان کسی پر غالب ہوجاتا ہے اور اس کے کان میں "قل ھو اللہ أحد" اور سورۃ تعوذ وناس پڑھ کر ڈالا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے تو وہ اپنا نام ومقام بتلاتا ہے، اکثر نام مسلمانوں ہی کے رہتے ہیں۔یہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے کے بعد آدمی کا شیطان کے قالب میں جانا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ

---

(۱) "وأخرج ابن أبي الدنيا، وأبو نعيم عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إن ابن آدم لفي غفلة عما خلق له، ....فإذا حضره الموت، ارتفع ذلك الملكان، وجاء ملك الموت ليقبض روحه، فإذا دخل قبره ردت الروح إلى جسده ......الخ." (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص: ۱۲۳، دار المعرفة)

"أبو نعيم عن أبي جعفر محمد بن علي، عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إن ابن آدم لفي غفلة عما خلقه الله عز وجل ...... فإذا جاءه الموت، ارتفع ذلك الملكان، ثم جاءه ملك الموت عليه الصلاة والسلام، فيقبض روحه، فإذا أدخل حفرته رد الروح في جسده، ......الخ". (التذكرة للقرطبي، باب متى يرتفع ملك الموت عن العبد، ص: ۱۲۲، مكتبه أسامة الاسلامية)

www.besturdubooks.net

کسی پر آتا ہو اور اپنا نام اس مرنے والے کا بتاتا ہو، یا کوئی اور جن شیطان آکر اپنا وہ نام بتاتا ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

روح کا قبر پر یا مکان پر آنا

سوال[۳۱۲]: کیا مرنے والے کی روح ہر پنجشنبہ کو مکان یا قبر پر آتی ہے؟

وحید الدین عبد الغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکان پر آنے کی کوئی روایت معتبر نہیں، البتہ قبر سے تعلق قوی ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف

مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق

سوال[۳۱۳]: مرنے کے بعد روح کا تعلق مکان سے کب تک رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "وكانت الشياطين تتراءى لهم أحياناً، وقد يخاطبونهم من الصنم، ويخبرونهم ببعض الأمور الغائبة، أو يقضون لهم بعض الحوائج." (مجموعة الفتاوى لابن تيمية رحمه الله تعالىٰ، فصل في تزيين الشيطان العبادات البدعية لأهلها: ۱۰/ ۲۳۸، مكتبة العبيكان)

"قال عبدالله بن أحمد بن حنبل: قلت لأبي: إن قوماً يقولون: إن الجن لاتدخل في بدن الإنس؟ قال: يابني! يكذبون، هو ذا يتكلم على لسانه." (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير)

(۲) (سياتي تخريجه عنوان: "مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق") (وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق")

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفن سے پہلے پہلے میت کے ساتھ جو کچھ غسل، کفن، بکاء، ثناء کا معاملہ کیا جاتا ہے اس کو روح دیکھتی ہے اور اس وقت تک فرشتہ کے قبضہ میں رہتی ہے، دفن کے وقت قبر میں داخل ہو کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور سوال وجواب قبر شروع ہو جاتا ہے، صرح بہ السیوطی فی شرح الصدور، ص:۳۹(۱)۔ اس کے بعد مکان سے تعلق رہنا اور مکان پر آنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،

صحیح: عبد اللطیف۔

کیا مرنے کے بعد روح گھر آتی ہے؟

سوال [۳۱۴]: عمر کہتا ہے کہ اس دنیا میں ارواح طیبہ ہوں یا خبیثہ واپس نہیں آسکتیں اور یہاں آکر کسی قسم کا تصرف بھی نہیں کر سکتیں، وہ دلائل پیش کرتا ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "اشرف الجواب" جلد دوم، ص:۱۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مردہ کی روح دنیا میں واپس نہیں آتی" اور اس بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں (۲) اور بکر کہتا ہے کہ مردہ کی ارواح دنیا میں واپس آسکتی ہیں اور تصرفات بھی کر سکتی ہیں، دلائل میں فتاویٰ دار العلوم فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن، جلد پنجم وششم

---

(۱) "و أخرج عن حذيفة قال: الروح بيد ملک، و إن الجسد ليغسل، و إن الملک ليمشي معه إلى القبر، فإذا سوي عليه سلک فيه، فذلک حين يخاطب.

و أخرج البيهقي عن حذيفة قال: إن الروح بيد الملک، والجسد يقلب، فإذا حملوه تبعهم، فإذا وضع في القبر بثه فيه.

و أخرج عن ابن أبي نجيح، قال: ما من ميت يموت إلا و روحه في يد ملک، ينظر إلى جسده، كيف يغسل، و كيف يكفن، و كيف يمشي به إلى قبره، ثم تعاد إليه روحه، فيجلس في قبره".

(شرح الصدور، باب معرفة الميت بمن يغسله و يجهزه ... الخ، ص ۱۰۱، دار المعرفة)

(۲) (اشرف الجواب: ۱/۱۲۳، رحمانیہ لاہور)

www.besturdubooks.net

کے ص:۱۴۰ سے یہ احادیث پیش کرتا ہے(۱):

"قال النبی صلی اللہ تعالی علیہ و سلم: "إذا خرج الروح من ابن آدم ثلاثة أیام یقول الروح: یا رب! ائذن لی حتی أجیء و أنظر إلی جسدی الذی کنت فیہ، فیأذن اللہ لہ فیجیء إلی قبرہ و ینظر إلیہ من بعید" إلی آخر الحدیث۔

دوسری حدیث:

"قال ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما: إذا کان یوم العید ویوم العاشوراء و یوم الجمعة الأولی من رجب و لیلة النصف من شعبان و لیلة القدر و لیلة الجمعة، تخرج أرواح الأموات من قبورهم و یقفون علی أبوابهم و علی أبواب بیوتهم"۔

تیسری حدیث:

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: إذا مات المؤمن دارت روحہ حول دارہ شهراً"۔ هکذا فی دقائق الأخبار، ص:۱۸، للإمام الشیخ عبدالرحیم القاضی، و بهامشہ کتاب الدر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندی مذکورہ بالا فتویٰ کے ص:۱۴۲(۲) میں فرماتے ہیں کہ "جو دلائل بکر نے پیش کئے ہیں ناکافی ہیں"۔ اب ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بکر نے جو احادیث پیش کی ہیں کیا یہ سب صحیح ہیں؟ اور مہربانی کر کے اس تعارض کو دور کر کے ہمیں اطمینان عطا فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

انتقال کے بعد ارواح کا دنیا میں مکان پر آنا یا نہ آنا، نہ تو ان مسائل اعتقادیہ میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہو اور نہ ہی مسائل فقہیہ جزئیہ میں سے ہے کہ جس کو حل کئے بغیر عمل ممکن نہ ہو، اس لئے اس الجھن میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، مردوں کی ارواح کا مکان پر آنا نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صریح حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ جن احادیث کا حوالہ آپ نے دیا ہے انہیں اصحاب صحاح نے اختیار

---

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند (امداد المفتیین): ۲/ ۱۲۱، ۱۲۲، دار الاشاعت)

(۲) (فتاوی دارالعلوم دیوبند، المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

نہیں کیا ہے اور وہ اس پایہ کی نہیں کہ اس سے کسی ضروری مسئلہ کا اثبات کیا جا سکے، اصولی بات وہی ہے جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشرف الجواب، ص: ۱۱۹ میں تحریر فرمائی ہے کہ مردہ اگر منعم علیہ ہے تو اسے یہاں آکر لپٹتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر معذب ہے تو فرشتگان عذاب کیونکر چھوڑ سکتے ہیں(۱)، باقی اگر اللہ جل شانہ کسی روح کو اجازت دیدیں تو کوئی وجہ رکاوٹ کی بھی نہیں۔

میت کے انتقال کے بعد اپنے گھر والوں اور متعلقین سے کچھ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ متعلقین سے امیدوار رہتی ہیں، ہوتا یہ ہے کہ وہ امید اور تعلق ہی لوگوں کو متمثل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ روح دروازہ پر کھڑی ہے، کھانا مانگتی ہے اور ضروریات طلب کرتی ہے، یہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ تمثل ہوتا ہے، کیونکہ ارواح کو اس عالم میں دنیاوی ضرورت کی نہ تو حاجت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے لئے وہاں مفید ہو سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایصال ثواب کے طور پر جو چیزیں میت کی روح کو بخشی جاتی ہیں وہ بھی اس اصلی صورت میں نہیں، بلکہ اخروی نعمتوں کی صورت میں متشکل ہو کر پیش ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

ارواح کا اپنے گھر آنا مخصوص ایام میں

سوال[۲۱۵]: تیجہ، جمعراتیں، چالیسواں اور برسی وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بعض تصنیفات میں لکھا ہے کہ: ہر جمعرات کو میت کی روح اپنے پس ماندگان کی طرف رجوع کرتی ہے اور خیرات وصدقات کی امیدوار ہوتی ہے اور اسی طرح ایک سال کے اختتام پر بھی اس کا رجوع متحقق ہو جاتا ہے۔ کیا یہ قول صحیح سند سے کسی حدیث مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف یا علماء متقدمین میں سے کسی امام مجتہد کے قول سے مؤید ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں، بلکہ یہ جملہ امور بدعت ہیں، نفس ایصال ثواب بغیر تعیین تاریخ والتزام مالا یلزم خیرات بدنیہ و مالیہ کا شرعاً درست اور باعث اجر ہے: "قال: ابن الحاج في المدخل: و لا بأس بفعل الصدقة عن

---

(۱) (اشرف الجواب: ۱/۱۲۳، رحمانیہ لاہور)

www.besturdubooks.net

الـميـت لـلـمـحتاجين و للمضطرين لا للجمع عليه ما لم يتخذ ذلك شعاراً يستن به ، ثم قال: و كذالك يحذر مما أحدثه بعضهم من فعل الثالث للميت و عمل الأطعمة حتى صار عندهم أمراً معمولاً به، و يشبعونه كأنه وليمة عرس، و يجمعون لأجله الجمع الكثير من الأهل والأصحاب الخ(١)".

قال:في الفتح و يكره إتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، و هي بدعة مستقبحة"(٢). وفي البزازية: ويكره إتخاذ الطعام في الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلى القبر، و إتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع المصلى و القراءة للختم أو لقراءة سورة الأنعام و سورة الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل مكروه" الخ (٣).

"قال العلامة الشامي: و أطال في ذلك في المعراج و قال: هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون به وجه الله تعالىٰ اهـ (٤)"۔

"قلت: لا شك في دعوى صاحب المعراج؛ لأن الذي يريد وجه الله تعالىٰ لا يطعم الأغنياء، و لا يفتخر بكثرة الناس و قلّتهم، و لا يعيّن اليوم والشهر، بل لا يتصور إرادة وجه الله تعالىٰ بارتكاب ما لا يرضى الله، و كل ما لا ترد السنة فهو داخلٌ فيما لا يرضى الله الخ "۔ (تبليغ الحق، ص: ٧٠٦)۔

اشعۃ اللمعات میں اس کو بلا سند و بلا حوالہ نقل کیا ہے(٥)، صحاح ستہ میں یہ مضمون کہیں موجود نہیں اور

---

(١) (المدخل لابن أمير حاج المالكي، فصل : و يستحب تهيئة طعام لأهل الميت الخ:٣/١٨٩)

(٢)(فتح القدير، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد : ٢/١٤٢، مصطفى البابي الحلبي)

(٣) (البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، قبيل السادس والعشرون في حكم المسجد :٤/٨١، رشيديه)

(٤) (رد المحتار ، باب صلوة الجنازة ، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ٢/٢٤٠، سعيد)

(٥) "و در بعض روایات آمده است که روح میت می آید خانهٔ خودرا شب جمعه، پس نظر میکند که تصدق میکندا زوے یا نه. والله اعلم". (اشعة اللمعات، مكتبه نوريه رضويه،سكهر)

www.besturdubooks.net

بھی کسی صحیح معتبر روایت میں نظر سے نہیں گزرا، بلکہ صحاح کی روایت اس کے خلاف ہیں:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : "إذا أقبر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للاخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله. فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين، ثم ينور له فيه، ثم يقال له نم، فيقول: أرجعُ إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان: نم كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك. و إن كان منافقاً، قال: سمعت الناس يقولون قولاً فقلت مثله، لا أدري، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمي عليه، فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه، فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك". رواه الترمذي" مشكوة شريف، ص: ۲۳ (۱)۔

ائمہ مجتہدین میں سے بھی کسی کا قول اس کی تائید میں نہیں دیکھا، "دقائق الاخبار، خزانات الروایات، کنز العباد" میں ایسی روایات مذکور ہیں، مگر یہ کتب خود ہرگز ایسے امور میں قابلِ اعتماد نہیں، جب تک حدیث کی معتبر کتب سے تائید نہ ہو، چنانچہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر وغیرہ میں ان کتب کو نا قابل

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قديمي)

(وأخرجه الترمذي في جامعه، أبواب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه موقوفاً قال: "إذا وضع الميت في قبره أتاه آت من ربه، فيقول له: من ربك؟ فإن كان من أهل التثبيت ثبت، و قال: الله ربي، ثم يقال له: ما دينك؟ فيقول: الإسلام. فيقول: من نبيك؟ فيقول: محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيرى بُشراه و يبشر، فيقول: دعوني أرجع إلى أهلي فأبشرهم، فيقال له: نم قرير العين إن لك إخواناً لم يلحقوا. و إن كان من غير أهل الحق والتثبيت قيل له: من ربك؟ فيقول: هاه، كالوا له، ثم يضرب بمطراق يسمع صوته الخلق إلا الجن والإنس. ويقال له: نم كنومة المنهوس". (التذكرة للقرطبي، باب ما جاء في عذاب القبر و أنه حق، ص: ۱۵۳، مكتبه أسامة الإسلامية)

www.besturdubooks.net

اعتماد قرار دیا ہے(۱) نیز ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے: ''جب ورثہ میت کچھ ایصال ثواب نہیں کرتے تو أرواحِ موتی ان کو سب وشتم کرکے اوران پر لعنت کرکے واپس ہوتی ہیں''۔ یہ چیز بالکل اصول کے خلاف ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الروح'' میں، قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''تذکرۃ الموتی فی القبور'' میں، سیوطی نے ''شرح الصدور'' میں روح کے احوال اور قبر کے احوال پر تفصیلی بحث کی ہے مگر روایاتِ مسئولہ کو ان حضرات نے ذکر نہیں کیا، حالانکہ مؤخر الذکر جامع بین الرطب والیابس ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

کیا موت کے بعد ایک مہینہ تک روح مکان کے اردگرد گھومتی ہے؟

سوال[۳۱۶]: کتاب ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف ''روح'' کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کی روح اس کے گھر کے آس پاس مہینہ بھر تک پھرا کرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کا مال کس طرح بانٹتے ہیں اور اس کا قرض کس طرح ادا کیا جائے؟ پھر ایک مہینے کے بعد قبر کے گرد سال بھر پھرتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کے لئے کون دعاء مانگتا ہے اور کون غمگین ہوتا ہے، پھر جب سال پورا ہوجاتا ہے تب اس کو جہاں سب روحیں جمع رہتی ہیں لیجاتے ہیں اور نفخ صور تک وہیں رہتی ہے'': ۲۸ تا ص: ۲۹۔ کیا یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے؟

---

(۱) "وكذا "كنز العباد" فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لا عبرة له، لا عند الفقهاء ولا عند المحدثين. قال علي القاري في "طبقات الحنفية": علي بن أحمد الغوري له كتاب جمع فيه مكروهات المذهب، سماه "مفيد المستفيد" وله "كنز العباد في شرح الأوراد". قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث سمجة موضوعة، لا يحل سماعها. انتهى.

وكذا "مطالب المؤمنين" نسبه ابن عابدين في "تنقيح الفتاوى الحامدية" إلى الشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهوري، و "خزانة الروايات" نسبه صاحب "كشف الظنون" إلى القاضي جكن الحنفي الهندي الساكن بقصبة "كن" من الكجرات" فإن هذه الكتب مملوءة من الرطب واليابس مع ما فيها من الأحاديث المخترعة والأخبار المختلفة". (مجموعة رسائل اللكنوي، النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير: ۳/ ۳۲، ۳۳، إدارة القرآن)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ روایت صحاح میں نہیں، بلکہ صحاح کی روایات کے خلاف اور نا قابل تسلیم ہے(۱)، ایسی بے سند روایات اہلِ بدعت کے لئے سامانِ ضلالت اور فتنہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

میت کا تعلق زندوں سے

سوال[۲۱۷]: مرنے والے کو مرنے کے بعد اپنے ماں باپ سے کوئی تعلق رہتا ہے؟ وحید الدین عبد الغنی شہر فتحپور ۲۱ ربیع الاول ۶۲ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

رہتا ہے، اس طرح کہ میت کو ان کے اعمال کی اطلاع دی جاتی ہے، اگر اچھے اعمال ہیں تو میت کی روح کو خوشی ہوتی ہے، اگر برے اعمال ہیں تو رنج ہوتا ہے اور وہ روح ان کی اصلاح کی دعاء کرتی ہے اور یہ تعلق

---

(۱) مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اگر چہ ان کا تعلق قبر میں جسم کے ساتھ رہتا ہے۔

"قلنا: وجه التوفيق أن مقر أرواح المؤمنين في عليين أو في السماء السابعة و نحو ذلك كما مر، ومقر أرواح الكفار في سجين، و مع ذلك لكل روح منها اتصال لجسده في قبره اهـ". (التفسير المظهري: ۱۰/۲۲۵، حافظ کتب خانه کوئٹه)

"عن كعب بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "إن أرواح الشهداء في أجواف طير خضرٍ تعلق من ثمر الجنة أو شجر الجنة". (الترغيب والترهيب: ۲/۲۱۶، ما جاء في فضل الشهيد، كتاب الجهاد)

"عن أم بشر امرأة أبي معروف قالت: سألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أنتزاور يا رسول الله، إذا متنا يزور بعضنا بعضاً؟ فقال: "تكون النسم طيراً تعلق بشجرة حتى إذا كان يوم القيامة دخلت في جنتها". (شرح الصدور، ص: ۲۲۸، باب مقر الأرواح، دار المعرفه بيروت)

www.besturdubooks.net

ماں باپ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جمیع اقرباء ومتعارفین سے رہتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف

نئے مردہ کا پہلے مردوں سے ملنا

سوال[۳۱۸]: مرنے کے بعد پہلے مرے ہوئے ملتے ہیں یا نہیں اور دنیا کا خیال آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دنیا کا خیال آتا ہے، اگر اعمال اچھے ہیں، حساب صاف ہے تو سب سے ملنے کی اجازت ہو جاتی ہے، ورنہ عذاب میں رہتا ہے اور دنیا والوں سے ملنا چاہتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد کہہ دیتے ہیں "نم کنومة العروس"۔ یعنی دلہن کی طرح آرام سے سو جا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۳/۱۲/۲۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف ۲۵/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "و أخرج أحمد و الحكيم الترمذي: في "نوادر الأصول" و ابن منده عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن أعمالكم تعرض على أقاربكم و عشائركم من الأموات، فإن كان خيراً، استبشروا، و إن كان غير ذلك، قالوا : اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص:۲۵۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مسند الإمام أحمد :۳/۲۳۳، مسند أنس بن مالك ، رقم الحديث:۱۲۲۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي أسيد بن ربيعة الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة، فقال: يا رسول الله ! هل بقي من بر أبوىّ شيء أبرّهما به بعد موتهما ؟ قال: "نعم، الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، و إنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما ، وإكرام صديقهما". (سنن أبي داؤد ، باب بر الوالدين: ۲/ ۳۵۳ ، مكتبه امداديه)

(۲)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" إذا أقبر الميت" أوقال: "أحدكم، أتاه ملكان أسودان أزرقان ، يقال لأحدهما: المنكر، والآخر: النكير، فيقولان: ماكنت =

www.besturdubooks.net

جولوگ پہلے مرچکے ان سے بعد میں مرنے والوں کی ملاقات

سوال[۳۱۹]: ایک ایمان دار شخص مرگیا اس سے پہلے جولوگ مرچکے ہیں ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کسی کا بچہ مرگیا اس کے بعد باپ بھی مرگیا تو بچہ اسے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= تقول في هذاالرجل؟ فيقول ماكان يقول: هوعبدالله ورسوله أشهد أن لاإله إلاالله وأن محمداً عبدهٗ ورسوله، فيقولان: قدكنا نعلم أنك تقول هذا، ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين، ثم ينورله فيه، ثم يقال له: نم، فيقول: ارجع إلى أهلي فأخبرهم، فيقولان : نم كنومة العروس الذى لايوقظه إلا أحب أهله إليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك. وإن كان منافقاً، قال: سمعت الناس يقولون فقلت مثله، لا أدري، فيقولان: قدكنا نعلم أنك تقول ذلك، فيقال للأرض: التئمي عليه، فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه، فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك." (جامع الترمذي ،أبواب الجنائز،باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۲۰۵، سعيد)

(مشكوة المصابيح ،باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵،قديمي)

(وكذافي شرح الصدور ،باب فتنة القبروسؤال الملكين، ص:۱۳۳،دارالمعرفة)

(۱) "وأخرج ابن أبي الدنيا عن سعيد بن جبير رضى الله تعالىٰ عنه قال :إذامات الميت ،استقبله ولده كما يستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البناني ،قال:بلغنا أن الميت إذامات احتوشه أهله وأقاربه الذين قد تقدموه من الموتى ،فلَهُو افرح بهم،ولَهُم أفرح به من المسافرإذاقدم إلى أهله". (شرح الصدور ،باب ملاقات الأرواح للميت إذاخرجت روحه......الخ، ص: ۹۷، ۹۸،دارالمعرفة)

(وكذافي التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، للقرطبي،باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء......الخ ، ص: ۲۱، مكتبه أسامة الاسلامية)

"وقال سعيد بن المسيب:إذامات الرجل استقبله ولده كما يستقبل الغائب."(كتاب الروح ،المسئلة الثانية :هل تتلاقى أرواح الموتى وتتذاكر؟ ، ص: ۳۰،فاروقيه پشاور)

www.besturdubooks.net

اموات کی باہمی ملاقات

سوال[۳۲۰]: ایک ایماندار شخص مرگیا، اس سے پہلے جو مرگئے ان سے ملاقات ہوتی ہے یا قیامت ہی میں ملاقات ہوگی؟ اسی طرح کوئی بچہ مرگیا اور اس کا باپ بھی، تو اپنے بچہ سے برزخ میں ملے گا یا قیامت میں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملاقات ہوتی ہے، کذا فی شرح الصدور (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۴ھ۔

وفات کے بعد بزرگوں کی ملاقات

سوال[۳۲۱]: بعد انتقال کے شہید ہو یا بزرگ جو مقبول ہوں، اللہ کے یہاں وہ جاگتے میں مل سکتے ہیں اور سونے میں خواب میں مل سکتے ہیں یا نہیں، اور مزار پر اولیاء اللہ کا تصور ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو تو مل بھی سکتے ہیں، خواب میں بھی ان سے ملاقات ہو سکتی ہے، مراقبہ میں اہل

---

(۱) "وأخرج ابن أبي الدنيا عن سعيد بن جبير رضي الله تعالیٰ عنه قال: إذا مات الميت، استقبله ولده كما يستقبل الغائب".

"وأخرج عن ثابت البناني، قال: بلغنا أن الميت إذا مات احتوشه أهله وأقاربه الذين قد تقدموه من الموتى، فلَهو أفرح بهم، ولهم أفرح به من المسافر إذا قدم إلى أهله". (شرح الصدور، باب ملاقاة الأرواح للميت إذا خرجت روحه.... الخ، ص: ۹۷، ۹۸، دار المعرفة)

"وقال سعيد بن المسيب: إذا مات الرجل، استقبله ولده كما يستقبل الغائب." (كتاب الروح، المسألة الثانية: هل تتلاقى أرواح الموتى وتتذاكر، ص: ۳۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، للقرطبي، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء.... الخ، ص: ۲۱، مكتبه أسامة الاسلامية)

www.besturdubooks.net

حضرات کو بزرگانِ دین کا تصور بھی ہو سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کا دعویٰ

سوال[۳۲۲]: ایک پیر صاحب نے اپنے مرید سے کہا کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو ڈھونڈ کر لاؤ، وہ مرید پہلے شانتی باغ گئے، اس کے بعد بیت المقدس گئے، پھر مدینہ منورہ گئے، وہاں حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا نماز میں حاضر نہیں ہوں گا، دعاء میں ضرور شامل ہوں گا، کچھ جگہ چھوڑ دو، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک روح اور بڑے پیر صاحب کی روح حاضر ہوگی۔ یہ تمام باتیں پیر صاحب نے اعتکاف کے عالم میں کہیں، یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق عامۂ محدثین تو کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، مگر صوفیاء ان کی حیات کے قائل ہیں(۲)، کچھ ان کے مکاشفات ومشاہدات ہیں جن کی بناء پر وہ ایسا کہتے ہیں، یہ بھی ممکن

---

(۱)"وقال اليافعي: رؤية الموتى في خير أو شرّ نوع من الكشف، يظهره الله تبشيراً أو موعظةً، أو لمصلحة للميت من إيصال خير له أو قضاء دين أو غير ذلك، ثم هذه الرؤية قد تكون في النوم وهو الغالب، وقد تكون في اليقظة وذلك من كرامات الأولياء وأصحاب الأحوال". (شرح الصدور، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۲۰، دار المعرفة)

"فالتقاء أرواح الأحياء والموتى نوع من أنواع الرؤيا الصحيحة التي هي عند الناس من جنس المحسوسات." (كتاب الروح، المسألة الثالثة: هل تتلاقى أرواح الأحياء وأرواح الأموات؟، ص: ۴۲، مكتبه فاروقية پشاور)

(۲)"وقال ابن الصلاح: هو حي عند جمهور العلماء والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين، وتبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح." (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام: ۶/۵۳۶، قديمي)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه الصلاة والسلام: ۲/۲۶۹، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (الكهف: ۶۵): ۱۵/۳۲۱، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے مکاشفہ سے کوئی شخص دیکھ لے اور ان سے بات کر لے اور ان کو دعوت دے کر بلالے اور وہ تشریف بھی لے آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کسی نیک نصیب کے مکان پر رونق افروز ہو جائے، ممکن ہے کہ جسدِ اطہر کے ساتھ تشریف لائیں (۱) اور یہ بھی ممکن ہے کہ بڑے پیر صاحب کی روح آجائے، مگر ان کی روح مبارکہ کے لئے جگہ چھوڑنا بیکار اور بے معنی ہے، جس طرح ان کی تشریف آوری اور یہ لمبی مسافت کا قطع کرنا بغیر سواری کے ہے اور محسوس طریقہ پر نہیں ہے، اسی طرح مجلس میں بیٹھنے کے لئے محسوس جگہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، بعض آدمیوں کو قوتِ خیالیہ کے غلبہ سے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فلاں شخص آئے اور ان کے لئے جگہ چھوڑتے ہیں، میرے جاننے والے بھی ایک صاحب دماغی مریض تھے وہ تو ایسی ارواح کے لئے کھانا پکوانے کی بھی تاکید کرتے تھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وسئل نفع الله بعلومه ورضي عنه: هل يمكن الآن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في اليقظة والتلقي عنه؟ فأجاب بقوله: نعم، يمكن ذلك، فقد صرح بأن ذلك من كرامات الأولياء الغزالي، والبارزي، والتاج السبكي، والعفيف اليافعي من الشافعية، والقرطبي، وابن أبي جمرة من المالكية، وقد حكي عن بعض الأولياء أنه حضر مجلس فقيه فروى ذلك الفقيه حديثاً، فقال له الولي: هذا الحديث باطل، قال: ومن أين لك هذا؟ قال: هذا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واقف على رأسك يقول: "إني لم أقل هذا الحديث" وكشف للفقيه فرآه". (الفتاوى الحديثية، مطلب: يمكن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الآن يقظة، ص: ۳۹۱، قديمي)

"وقال: بعد نقل أحاديث وآثار مانصه: فحصل من مجموع هذا الكلام النقول والأحاديث ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حي بجسده وروحه، وانه يتصرف ويسير حيث شاء في أقطار الأرض وفي الملكوت، وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء، وأنه مغيب عن الأبصار كما غيبت الملائكة مع كونهم أحياء بأجسادهم، فإذا أراد الله تعالى رفع الحجاب عمن أراد إكرامه برؤيته، رآه على هيئته التي هو عليه الصلوة والسلام عليها، لامانع من ذلك، ولا داعي إلى التخصيص برؤية المثال. وذهب رحمه الله تعالىٰ إلى نحو هذا في سائر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فقال: إنهم أحياء رُدّت إليهم أرواحهم بعد ماقبضوا، وأذن لهم في الخروج من قبورهم، والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي." (روح المعاني، (الأحزاب: ۴۰): ۲۲/۳۶، ۳۷، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

میت کا مدت دراز کے بعد سامنے آ کر ملاقات کرنا

سوال[۳۲۳]: ایک مرحوم بزرگ اپنے مرنے کے پانچ سو برس بعد زندہ انسانوں کی طرح ایک شخص کو ملے اور ایک خط کا جواب لکھ کر سنایا۔ کیا ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک کی طرف سے کسی کو اگر اس کی اجازت مل جائے تو قدرتِ حق سے یہ چیز خارج نہیں، لیکن اس قسم کے واقعات مثالی طور پر قرآن پاک اور احادیث شریف میں مذکور نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا بطور معجزہ کے مردوں کو زندہ فرمانا قرآن پاک (۱) اور حدیث شریف میں مذکور ہے (۲)، پانچ سو سال کے بعد کسی بزرگ کا زندہ ہو کر یہاں رونما ہونا جس طرح قدرتِ خداوندی سے خارج نہیں (۳) اسی طرح اس کا شرعی ثبوت بہم پہونچانا کہ یہ وہی بزرگ ہیں، یہ بھی کچھ آسان کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

انبیاء و اولیاء کا قبروں سے نکلنا

سوال[۳۲۴]: انبیاء و اولیاء و شہداء کا قبروں سے نکلنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ في عيسىٰ عليه السلام: ﴿وأحي الموتى بإذن الله﴾. (آل عمران: ۴۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و إذ تخلق من الطين كهيئة الطير بإذني، فتنفخ فيها، فتكون طيراً بإذني، و تبرىء الأكمه و الأبرص بإذني، و إذ تخرج الموتى بإذني﴾ (المائدة: ۱۱۰)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: قد أحيا -عليه السلام- أربعة أنفس: عازر، و ابن العجوز، و ابنة العاشر، وسام بن نوح. فأما عازر فكان صديقاً له، فأرسلت أخته إلى عيسى أن أخاك عازر مات، و كان بينه و بين عازر مسيرة ثلاثة أيام، فأتاه هو و أصحابه، فوجدوه قد مات منذ ثلاثة أيام، فقال لأخته: انطلقي بنا إلى قبره، فانطلقت معهم إلى قبره، فدعا الله تعالىٰ عيسى، فقام عازر و دكه يقطر، فخرج من قبره و بقي زماناً و ولد له اهـ". (روح المعاني: ۱۶۹/۳، تفسير سورة آل عمران آيت: ۴۹، دار احياء التراث العربي، بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يحيي و يميت وهو على كل شيء قدير﴾ (سورة الحديد: ۲)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

قیامت کے روز سب کا نکلنا شرعاً ثابت ہے(۱) اور قیامت سے پہلے اس جسم کے ساتھ نکلنا دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، البتہ حیات برزخی علی قدر مراتب ثابت ہے(۲): ﴿ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ أمواتاً بل أحیاء﴾ الآیۃ (۳) وغیرھا من الآیات والروایات۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم۔

انتقال کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا

سوال[۳۲۵]: ہندو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے سادھو بابا اور مہاپرش لوگ اپنی سادھنا کے زور سے اپنے جسم کو منتقل کر کے اپنی اصل صورت میں دنیا طے کر سکتا ہے، یہاں کے چند مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے اولیاء اور انبیاء بھی اپنے جسموں کو منتقل کر کے جہاں چاہے جا سکتے ہیں، خاص کر ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتقال کے بعد بھی آپ کی روح پاک دنیا کی تمام جگہ سیر کر سکتی ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والموتی یبعثھم اللہ ثم إلیہ یرجعون﴾. (الأنعام: ۳۶)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن اللہ یبعث من فی القبور﴾. (الحج: ۷)

(۲) "ثم قال ابن القیم: ولا یحکم علی قول من ھذہ الأقوال بعینہ بالصحۃ ولا غیرہ بالبطلان، بل الصحیح أن الأرواح متفاوتۃ فی مستقرھا فی البرزخ أعظم تفاوت، ولا تعارض بین الأدلۃ، فإن کلاً منھا وارد علی فریق من الناس بحسب درجاتھم فی السعادۃ أو الشقاوۃ. فمنھا أرواح فی أعلی علیین فی الملأ الأعلی، وھم الأنبیاء، وھم متفاوتون فی منازلھم کما رآھم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ الإسراء. ومنھا أرواح فی حواصل طیر خضرٍ تسرح فی الجنۃ حیث شاءت، وھی أرواح بعض الشھداء لا جمیعھم ..... الخ". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ۲۳۷، دار المعرفۃ)

(وکذا فی کتاب الروح، المسألۃ الخامسۃ عشرۃ أین مستقر الأرواح ما بین الموت إلی یوم القیامۃ؟، ص: ۱۵۰، فاروقیہ پشاور)

(۳) (آل عمران: ۱۶۹)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ونصرت ہوجائے تو انتقال کے بعد بھی روح دنیا میں آ سکتی ہے(۱) محض اپنی خواہش سے بغیر خدائے پاک کی اجازت ونصرت کے نہیں آ سکتی، زندہ رہتے ہوئے مختلف مقامات میں کسی کا چلا جانا عملیات سے بھی ہوسکتا ہے اور مجاہدہ سے بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۵ھ۔

خواب میں میت کی طرف سے کسی بات کا علم

سوال[۳۲۶] : خواب کے ذریعہ مرحومین کی طرف سے کوئی بات معلوم ہوجائے تو کیا ہم یقین کرسکتے ہیں کہ یہ بات ان کے دل کی ہے جو کہ اللہ نے ہمیں اس خواب کے ذریعہ سے معلوم کرائی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

(خواب) حجت قطعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے، بعض دفعہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأنه يحي الموتى و أنه على كل شيء قدير﴾ (الحج: ۶)

اگر یہ روح کسی ولی اللہ کی ہے تو یہ کرامت ہے اور کرامات اولیاء اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حق ہے کما صرح في الفتاوى الحديثية حيث قال:

"الحق الذي عليه أهل السنة والجماعة من الفقهاء والأصوليين والمحدثين و كثيرون من غيرهم ...... أن ظهور الكرامة على الأولياء و هم القائمون بحقوق الله و حقوق عباده بجمعهم بين العلم والعمل وسلامتهم من الهفوات والزلل جائزة عقلاً كما هو واضح؛ لأنها من جملة الممكنات، و لا يمتنع وقوع الشيء لقبح عقلي؛ لأنه لا حكم للعقل". (الفتاوى الحديثية، مطلب في الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه، ص: ۳۹۵، قديمي)

(۲) "حامل ماتت و قد أتي على حملها تسعة أشهر، و كان الولد يتحرك في بطنها، فدفنت، ولم يشق بطنها، ثم رؤيت في المنام أنها تقول: و لدت، لا ينبش القبر؛ لأن الظاهر أنها لو ولدت كان الولد ميتاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۵، بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه، رشيديه)

www.besturdubooks.net

جہاں کی مٹی ہو وہیں دفن ہوتا ہے

سوال[۳۲۷]: اکثر سنا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اور لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے، اس وقت فرشتے اس کی ناف میں مٹی رکھتے ہیں، وہ جہاں کی مٹی ہوتی ہے وہاں ہی وہ شخص دفن ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ ریاض الحق کلیانوی

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ روایت جمع الفوائد:۲/۱۳۹، میں درج ہے، مگر اس میں ناف کی تصریح نہیں (۱)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۲۳/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الثامن في مسائل متفرقة من الجنائز، ص:۶۰۸، سهيل اكيڈمی)

(۱) "(أبو الدرداء) مربنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نحفر قبراً، فقال: "ما تصنعون"؟ فقلنا: نحفر قبراً لهذا الأسود، فقال: "جاء ت به منيته إلى تربته"، قال أبو أسامة: تدرون يا أهل الكوفة لِمَ حدثتكم بهذا الحديث؟ لأن أبا بكر وعمر خلقا من تربة رسول الله صلى الله عليه وسلم، (للأوسط بلين) (ابن عمر) أن حبشياً دفن بالمدينة، فقال صلى الله عليه وسلم: "دفن بالطينة التي خلق منها" (للكبير بضعف). (جمع الفوائد: ۱/۳٦۸، رقم الحديث: ۲۶۲۵، ۲۶۲۶، كتاب الجنائز، تشييع الجنائز وحملها ودفنها، إدارة القرآن، كراچی)

"فذلك قوله تعالى: ﴿منها خلقناكم و فيها نعيدكم﴾ (طه: ۵۵) أخرجه الترمذي الحكيم أبو عبد الله في نوادر الأصول".

"و ذكر عن علقمة عن عبد الله قال: إن النطفة إذا إستقرت في الرحم أخذها الملک بكفه، فقال: أي رب! أمخلقة أو غير مخلقة؟ فإن قال: غير مخلقة، لم تكن نسمةً، و قذفتها الأرحام دماً. و إن قال: مخلقة، قال: أي رب! أذكر أم أنثى؟ أشقي أم سعيد؟ ما الأجل؟ و ما الأثر؟ و ما الرزق، و بأي أرض تموت؟ فيقول: إذهب إلى أم الكتاب، فإنک ستجد هذه النطفة فيها، فيقال للنطفة: من ربک؟ فتقول: الله، فيقال: من رازقک؟ فتقول: الله، فتخلق، فتعيش في أجلها و تأكل رزقها، تطأ أثرها، فإذا جاء أجلها=

www.besturdubooks.net

منکر نکیر کے ساتھ کیا شیطان بھی قبر میں جاتا ہے؟

سوال[۳۲۸]: میت کو قبر میں رکھ کر جب مٹی دیکر فارغ ہوتے ہیں تو قبر میں پہلے شیطان داخل ہوتا ہے یا منکر نکیر یا دونوں بیک وقت پہونچتے ہیں اور پھر پہلے کون اپنا سوال میت سے کرتا ہے؟ یا نکیرین سوال حق پوچھتے ہیں اور شیطان اپنا پھندا فٹ کرنا چاہتا ہے یعنی میت فرشتوں کو صحیح جواب نہ دے سکے؟ اور شیطان بالغ کی قبر میں جاتا ہے یا نابالغ کی بھی، مرد کی قبر میں جاتا ہے یا عورت کی بھی؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اجی ہاں شیطان قبر میں کہاں جاتا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں بھی جاتا ہے۔ شریعت کے مطابق حکم صادر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان کا میت کی قبر میں جا کر نکیرین کے سوال کے وقت اپنا پھندا ڈالنا کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ میت پر اس قسم کا اثر نہیں ڈالتا کہ میت جواب نہ دے سکے، اس کی کوشش کا وقت ختم ہو گیا، لاکسنس بیکار ہو گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۰ھ۔

= ماتت فدفنت في ذلك المكان. فالأثر: هو التراب الذي يؤخذ، فيعجن به ماؤه". (التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة، باب ما جاء أن كل عبد يذر عليه عن تراب حفرته، ص: ۹۵، ۹۲، مكتبة أسامة الاسلامية بالأزهر)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب دفن العبر في الأرض التي خلق منها، ص: ۱۰۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) مختلف آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قبر میں داخل ہو کر کچھ اثر ڈال سکتا ہے:

"عن سفيان الثوري قال: إذا سئل الميت: من ربك؟ تزيّا له الشيطان في صورة، فيشير إلى نفسه: إني أنا ربك.

قال الحكيم: و يؤيده من الأخبار قوله عليه السلام عند دفن الميت: "اللهم أجره من الشيطان" ... و لو لم يكن للشيطان هناك سبيل، ما دعا صلى الله تعالى عليه و سلم بذلك". (شرح الصدور، ص: ۱۴۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين، دار المعرفة بيروت) .... =

www.besturdubooks.net

منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ''رومات'' فرشتہ کا آنا

سوال[۴۲۹]: ''صبح کا ستارہ'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن سلام! منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے کہ اس کا منہ سورج کی طرح چمکتا ہے، نام اس کا رومات ہے''۔ ص:۲۵۔ کیا یہ صحیح ہے کہ منکر نکیر سے پہلے رومات(۱) نام کا ایک فرشتہ آتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، رومان فرشتہ کا منکر نکیر سے پہلے مقابر میں آنا فتاویٰ حدیثیہ، ص:۸، میں بحوالہ قرطبی وغزالی منقول ہے (۲)۔ بہشتی زیور، ص:۵۱ میں ''صبح کا ستارہ'' کتاب کے دیکھنے کی ترغیب دی ہے، مگر یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی روایتیں بہت پکی نہیں ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

= "و أخرج الحكيم عن عمرو بن مرة قال: كانوا يستحبون إذا وضع الميت في اللحد أن يقولوا: اللهم أعذه من الشيطان الرجيم.

و أخرج ابن أبي شيبة في المصنف عن خيثمة: قال: كانوا يستحبون إذا دفنوا الميت أن يقولوا: بسم الله، وفي سبيل الله، و على ملة رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم ، اللهم أجره من عذاب القبر و من عذاب النار ومن شر الشيطان الرجيم". (شرح الصدور، ص:١١٠، باب ما يقال عند الدفن والتلقين ، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''رومات'' سائل نے لکھا ہے، لیکن بظاہر اس فرشتہ کا نام ''رومان'' ہے۔

(٢)"ومن ثم ذكر القرطبي والغزالي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أنه قال :يارسول الله! ماأول مايلقى الميت إذا دخل قبره؟ قال :" ياابن مسعود! ما سألني عنه إلا أنت، فأول مايأتيه ملك اسمه رومان يجوس خلال المقابر، فيقول: ياعبدالله! اكتب عملك فيقول: مامعي دواة ولا قرطاس، فيقول: هيهات كفنك قرطاسك، ومدادك ريقك، وقلمك إصبعك، فيقطع له قطعة من كفنه، ثم يجعل العبد يكتب، وإن كان غير كاتب في الدنيا، فيذكر حسناته وسيأته كيوم واحد" الحديث بطوله". (الفتاوى =

منکرونکیر دونوں سوال کرتے ہیں یا ان میں سے ایک؟

سوال[۳۳]: مرنے کے بعد مردہ سے دوفرشتے سوال کرتے ہیں یا یکے بعد دیگرے سوال کرتے ہیں؟ اور جو لوگ آگ میں جل جاتے ہیں یا کسی درندے کی خوراک بن جاتے ہیں تو ان سے یہ فرشتے کہاں سوال کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تفصیل نہیں دیکھی، کسی روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ سوال کرتا ہے (۱) کسی میں ہے دونوں سوال کرتے ہیں (۲)۔ اگر درندے نے کھالیا تو اس کے پیٹ میں ہی میت سے سوال ہوگا، غرض جہاں اس کا مستقر ہوگا وہیں سوال ہوگا۔ کذا فی الطحطاوی، ص: ۳۲۸ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۹۵/۱۲/۲۳ھ۔

= الحديثة، مطلب السؤال بالعربية لكل أحد، وقيل بالسريانية، ص: ۲۲،۲۱، قديمي)

(۳) (بہشتی زیور، حصہ دہم، بعض کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہوتا ہے، ص: ۷۰۴، دارالاشاعت)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إن هذه الأمة تبتلى في قبورها، و إن المؤمن إذا وضع في قبره أتاه ملك فسأله ما كنت تعبد اهـ". (شرح الصدور، ص: ۱۲۱، باب فتنة القبر و سوال الملكين)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "إذا وضع المؤمن في قبره أتاه ملكان فانتهراه اهـ". (شرح الصدور، ص: ۱۲۳، باب فتنة القبر و سوال الملكين، بيروت)

"قال القرطبي: جاء في رواية سوال ملكين، و في أخرى: سوال ملك واحد، و لا تعارض، بل بالنسبة إلى الأشخاص فرب شخص يأتيه اثنان معاً ..... و آخر يأتيه ملك واحد، فيكون أخف عليه و أقل في المراجعة". (شرح الصدور، ص: ۱۴۴، فصل فيه فوائد، دار المعرفة، بيروت)

(۳) "والأشهر أنه حين يدفن. و قيل: في بيته تنطبق عليه الأرض كالقبر، و لا بد منه و لو في بطن سبع أو قعر بحر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۱۶، فصل في حملها و دفنها، قديمي)

"السوال فيما يستقر فيه الميت حتى لو أكله سبع فالسؤال في بطنه، فإن جعل في تابوت أياماً لنقله إلى مكان آخر لا يسأل مالم يدفن". (شرح الصدور، ص: ۱۴۷، فصل فيه فوائد، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

کیا قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟

سوال[۲۳۱]: یہ کہ "من ربك؟ و ما دينك و ما نبيك"؟ کے بعد میت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "و ما تقول فی هذا الرجل"؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم قبر میں تشریف لاتے ہیں؟ "هذا الرجل" سے کیا مراد ہے؟ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کون آتا ہے لاش پر میری سر سے چادر ہٹائی جاتی ہے

کیا اسم اشارہ اور مشار الیہ غائب کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس عبارت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

شراح حدیث نے لکھا ہے اس کی قبر سے روضۂ اقدس تک کے حجابات اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے(۱) لہذا "هـذا" کا اشارہ غائب کے لئے نہیں ہوا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ معہودِ ذہنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے(۲) اور مردہ خود بخود جانتا ہے (کہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

---

(۱) "(فيقولان : ما كنت تقول في هذا الرجل) قيل: يكشف للميت حتى يرى النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم. و هي بشرى عظيمة للمؤمن إن صح ذلك". (تحفة الأحوذي : ۱۸۲/۵، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر، بيروت)

"(فيقولان) له : (ما كنت تقول في هذا الرجل لمحمد صلى الله تعالىٰ عليه و سلم) والإشارة في قوله: "هذا" للحاضر، قيل: يكشف للميت حتى يرى النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم و هي بشرى عظيمة للمؤمن إن صح ذلك". (إرشاد الساري : ۴۷۶/۳، كتاب الجنائز ، باب ما جاء في عذاب القبر ، بيروت)

(۲) "(في هذا الرجل): أي في شأنه، واللام للعهد الذهني، و في الإشارة إيماء إلى تنزيل الحاضر المعنوي منزلة الصوري مبالغة". (مرقاة المفاتيح : ۳۴۲/۱، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الأول، رشيديه)

www.besturdubooks.net

بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا

سوال[۳۳۲]: جو مسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں ان سے قبر میں حساب کتاب ہوتا ہے یا نہیں؟ یا ان سے سوالات کئے جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۸/ ۸۷ھ۔

نابالغ سے سوال منکر ونکیر

سوال[۳۳۳]: ومسلمان بچے انتقال کر جاتے ہیں اُن سے قبروں میں حساب وکتاب ہوتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وقد قال النسفي في "بحر الكلام": الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب، ولا عذاب القبر، ولا سوال منكر ونكير". (شرح الصدور، باب من لايسأل في القبر، ص: ۱۵۲، دار المعرفة)

"قال النسفي في بحر الكلام: الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب، ولا عذاب القبر، ولا سوال منكر ونكير، وقال النووي في الروضة من زوائده: وفي شرح المهذب: إنما هو في حق الميت المكلف، أما الصبي ونحوه فلا يلقن، قال الزركشي في الخادم: هذا تابع فيه ابن الصلاح فإنه قال: لا أصل لتلقينه يعني لأنه لا يفتن في قبره، وقال في موضع اٰخر في الخادم: ماقاله ابن الصلاح، والنووي مبني على أنه لايسأل في قبره انتهى. وقد تابعهما على ذلک ابن الرفعة في الكفاية، والسبكي في شرح المنهاج، وسئل الحافظ ابن حجر عن الأطفال هل يسألون؟ فأجاب بأن الذي يظهر اختصاص السؤال بمن يكون مكلفاً." (الحاوي للفتاوى، الاحتفال بالأطفال: ۲/ ۲۱۲، دار الفكر)

"واستثنى من عموم سؤال القبر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والأطفال والشهداء." (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۰، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

رمضان میں جمعہ کے روز مرنے والے سے سوال نہیں

سوال[۳۳۴]: اگر رمضان شریف میں جمعہ کے دن انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا، یہی توقع ہے بلکہ اس سے زائد ہے(۲)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت

سوال[۳۳۵]: ترمذی شریف کی حدیث ہے: "ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة

(۱) "والأصح أن الأنبیاء لایسألون ولا أطفال المؤمنین." (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۱۹۲، سعید)

"والأصح أن الأنبیاء علیهم السلام لایسألون، وکذا أطفال المؤمنین." (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، ص: ۵۲۱، قدیمی)

"وقال النسفي في بحر الکلام: أطفال المؤمنین لیس علیهم عذاب القبر، ولا سؤال منکر ونکیر." (النبراس، ص: ۲۰۲، امدادیه، ملتان)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالی عنهما: "مامن مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر". (جامع الترمذي: کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعة: ۱/ ۲۰۵، سعید)

وفي ردالمحتار: "ثم ذکر أن من لایسأل ثمانیةً: الشهید (إلی قوله) والمیت یوم الجمعة أو لیلتها". (باب صلوة الجنازة، مطلب ثمانیة لایسألون في قبورهم: ۲/ ۱۹۲ سعید)

(وکذا في کتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة العاشرة: الأسباب المنجیة من عذاب القبر، ص: ۱۰۴ – ۱۰۶، مکتبه فاروقیه پشاور)

www.besturdubooks.net

الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر"(۱)۔

اس حدیث کے متعلق جس قدر تحقیقات ہوں تحریر فرمائی جائیں، کیا مسلمان خواہ کسی قسم کا ہو اور ہر قسم کے معاصی میں مبتلا ہو اور اس کی وفات جمعہ یا جمعرات کو ہو جائے تو اس پر عذاب قبر بالکل نہ ہوگا، یا صرف انہیں دنوں تک عذاب نہ ہوگا؟ نیز لوگوں میں مشہور ہے کہ رمضان المبارک میں بھی جس کا انتقال ہو جائے اس کو بھی عذاب قبر نہ ہوگا، مجھے تو اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا، اگر جناب اس کے اوپر روشنی ڈالیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ترمذی شریف کی روایت کے متعلق خود امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ: "هذا حديث غريب و ليس إسناده بمتصل "(۲) اور جمع الفوائد میں ہے: (أنس رضی الله تعالیٰ عنه) رفعه: "من مات يوم الجمعة وقي عذاب القبر"(۳)۔

العرف الشذی میں لکھا ہے: "ما صح الحديث في فضل موت يوم الجمعة، و لو صح بالفرض لكان الفضل من عدم السؤال لمن مات يوم الجمعة، لا من مات قبله و أخر دفنه إلى يوم الجمعة اهـ" (٤)۔

---

(۱) (جامع الترمذي: ۱/۲۰۵، أبواب الجنائز، باب ماجاء فيمن يموت يوم الجمعة، سعيد)

"و أخرج أحمد والترمذي و حسنه، و ابن أبي الدنيا والبيهقي عن ابن عمرو رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وقاه الله فتنة القبر". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب من لا يسئل في القبر، ص: ۱۵۰، دار المعرفة بيروت)

و فيه أيضاً: "أخرج أبو نعيم في "الحلية" عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، أجير من عذاب القبر". الحديث. (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب من لا يسئل في القبر، ص: ۱۵۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء فيمن يموت يوم الجمعة: ۱/۲۰۵، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد: ۱/۲۷۰، رقم الحديث: ۱۹۳۱، كتاب الصلوة، وقت الجمعة و نداءها و خطبتها وما يتعلق بذلك، قبيل صلوة المسافر وجمع الصلوة، إدارة القرآن، كراچي)

(٤) (العرف الشذي على هامش الترمذي: ۱/۲۰٦، باب ما جاء من يموت يوم الجمعة، سعيد)

www.besturdubooks.net

یہاں تک تو من حیث القوۃ والضعف اس روایت کے متعلق کلام ہے، اس کے مطلب کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں: "فقیل: هذا اليوم والليلة فقط، ثم يعذب ليلة السبت، و قيل: لا بل خلص فخلص، نعم يحاسب فيجازى بعد الحشر اهـ". کوکب(۱)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

"فتنة القبر: أي عذابه و سؤاله، و هو يحتمل الإطلاق والتقييد، والأول هو الأولى بالنسبة إلى فضل المولى"(۲)۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

"هذه الأحاديث: أي التي تدل على نفي سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة: أي لا تعارضها، بل تخصها و تبين من لا يسئل في قبره، و لا يفتن فيه ممن يجرى عليه السؤال، و يقاسي تلك الأهوال، و هذا كله ليس فيه مدخل القياس و لا مجال للنظر فيه، و إنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق۔ قال الحكيم الترمذي: و من مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما نه عند الله تعالى؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم، و تغلق أبوابها، و لا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل في سائر الأيام، فإذا قبض الله عبداً من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة، كان ذلك دليلاً لسعادته و حسن مابه، و أنه لا يقبض في هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده، فلذلك يقيه فتنة القبر؛ لأن سببها إنما هو تميز المنافق من المؤمن. قلت: و من تتمة ذلك أن من مات يوم الجمعة فله أجر شهيد، فكان على قاعدة الشهداء في عدم السؤال، كما أخرجه أبو نعيم في الحلية عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر؟ و جاء يوم القيامة و عليه طابع الشهداء"۔

"و أخرج حميد في ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد، و وقى فتنة القبر". وأخرج من طريق ابن جريج

---

(۱) (الكوكب الدرى: ۱/۳۲۵، باب ما جاء في عذاب القبر، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(۲) (مرقاة المفاتيح: ۳/۴۶۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، رشيديه)

www.besturdubooks.net

عن عطاء قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"ما من مسلم أو مسلمة يموت في يوم الجمعة أو ليلة الجمعة، إلا وُقي عذاب القبر، و فتنة القبر، و لقي الله و لا حساب عليه، و جاء يوم القيامة و معه شهود يشهدون له أو طابع". و هذا الحديث لطيف صرح فيه بنفي الفتنة والعذاب معاً اهـ"(۱).

یوم جمعہ یا لیلۃ جمعہ میں مرنے والے کے لئے درجۂ شہادت حاصل ہونا درمختار (۲) اشباہ (۳) اوجز المسالک (۴) وغیرہ کتب میں مذکور ہے، اگر کوئی شخص بحالتِ ابتلائے معصیت مرے لیکن کسی ایسے سبب سے مرے جس پر وعدہ ثواب اور اجر شہادت حاصل ہوتا ہو تو وہ بھی شہید ہوگا، پھر اگر کوئی بحالتِ معصیت نہ مرے تو وہ کیسے اجر شہادت سے محروم رہے گا؟

" من غرق في قطع الطريق، فهو شهيد و عليه إثم معصيته، و كل من مات بسبب معصية فليس بشهيد. و إن مات في معصية بسبب من أسباب الشهادة، فله أجر شهادته و عليه إثم معصيته، و كذلك لو قاتل على فرس مغصوب أو كان قوم في معصية فوقع عليهم البيت، فلهم الشهادة و عليهم إثم المعصية اهـ". شامي (۵).

---

(۱) (مرقاة المفاتيح : ۳/ ۲۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) "قوله : والميت ليلة الجمعة ، أخرج حميد بن زنجويه في فضائل الأعمال عن مرسل إياس بن بكير. أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد". (رد المحتار : ۲/ ۲۵۲، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهداء، سعيد)

(۳) "اشباہ" میں جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے درجہ شہادت حاصل ہونے کی تصریح تو نہیں، البتہ اس دن مرنے والے کے لئے "امان" کی تصریح ہے۔

"و من مات فيه أو في ليلته أمن من فتنة القبر و عذابه ،و لا تسجر فيه جهنم". (الأشباه والنظائر، ص: ۴۴۱، القول في أحكام يوم الجمعة ، دار الفكر، دمشق)

(۴) (أوجز المسالک: ۲/ ۴۹۰، الشهادة سبع سوى القتل، وأنواع الشهادة ، مكتبه يحيويه سهارنپور)

(۵) (رد المحتار : ۲/ ۲۵۳، باب الشهيد ، مطلب المعصية هل تنافي الشهادة، سعيد)

www.besturdubooks.net

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جب رمضان شریف داخل ہوتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں الخ''(۱) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رمضان شریف میں مرتا ہے وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

جو شخص ہر روز سورہ ملک پڑھے اس سے قبر میں سوال نہ ہوگا

سوال [۳۳۶]: حامد روزانہ شب میں سورہ ملک پڑھتا ہے تو کیا قبر میں منکر نکیر سوال نہیں کریں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص ہر روز سورۃ ملک پڑھتا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ سوال قبر سے محفوظ رہے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۹۵ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح ص: ۱۷۳، كتاب الصوم، الفصل الأول، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان: ۱/ ۳۴۶، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان اهـ: ۱/ ۲۵۵، قديمي)

(۲) وقال الترمذي: "حدثنا محمد بن عبد الملك بن أبي الشوارب، حدثنا يحي بن مالك النكري، عن أبيه عن أبي الجوزاء عن ابن عباس - رضي الله تعالىٰ عنهما - قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم خباء ه على قبر، و هو لا يحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله تعالى عليه و سلم فقال: يا رسول الله! ضربت خبائي على قبر و أنا لا أحسب أنه قبر، فإذا إنسان يقرأ سورة الملك: تبارك حتى ختمها. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "هي المانعة، هي المنجية تنجيه من عذاب القبر".

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال لرجل: ألا أتحفك بحديث تفرح به؟ قال: بلى، قال: اقرأ ﴿تبارك الذي بيده الملك﴾ و علّمها أهلك و جميع ولدك و صبيان بيتك و جيرانك، فإنها المنجية والمجادلة تجادل أو تخاصم يوم القيامة عند ربها لقارئها، و تطلب له أن =

www.besturdubooks.net

رمضان میں مرنے والے سے سوالِ قبر

سوال[۳۳۷]: رمضان میں فوت ہونے والے سے سوالِ نکیرین اور عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے اور پھر قیامت تک عذابِ قبر نہیں ہوتا، کیا اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس کی تصریح کسی حدیث میں دیکھنا محفوظ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۹/۱۰/۸۵ھ۔

= ينجيه من عذاب النار، و ينجو بها صاحبها من عذاب القبر، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "لوددت أنها في قلب كل إنسان من أمتي". (تفسير ابن كثير، الملك: ۴/۵۰۸، مكتبه دار الفيحاء)

(كذا في روح المعاني، الملك: ۲۹/ ۲،۳، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في كتاب الروح، الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۵، فاروقيه پشاور)

"واخرج جويبر في "تفسيره" عن عاصم بن أبي النجود، عن زر بن حبيش عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: "من قرأ سورة الملك كل ليلة، عصم من فتنة القبر. ومن واظب على قوله تعالىٰ: (إني آمنت بربكم فاسمعون) سهل الله عليه سوال منكر و نكير".

"وأخرج عن كعب، قال: إنا لنجدها في التوراة: من قرأ سورة الملك كل ليلة، عصم من فتنة القبر. وروي من طريق سوار بن مصعب، و هو ضعيف جداً عن أبي اسحاق، عن البراء يرفعه: "من قرأ "الم السجدة، و تبارك الملك"، قبل النوم، نجا من عذاب القبر، و وقي فتاني القبر". (شرح الصدور، باب من لا يسأل في القبر، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، دار المعرفة)

(۱) البتہ حدیث میں یہ ہے کہ "جو شخص ایک دن بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روزہ رکھے اور اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو جائے تو وہ جنتی ہے":

"أخرج أحمد عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال لا إله إلا الله إبتغاء وجه الله، ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام يوماً ابتغاء وجه الله، ختم له به، دخل الجنة ..... الخ". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب أحسن الأوقات للموت، ص: ۳۰۶، دار المعرفة بيروت)

(وأخرجه الإمام أحمد في مسنده: ۶/۵۴۱، رقم الحديث: ۲۲۸۱۳، داراحياء التراث، بيروت)

www.besturdubooks.net

جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر میں سوال

سوال[۳۲۸]: اگر کسی کا انتقال جمعہ کے دن ہو جائے تو اس سے قبر میں سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۴/۱۳۹۵ھ۔

ہفتہ میں دوروز نامۂ اعمال کی پیشی

سوال[۳۲۹]: یہ جو مشہور ہے کہ ہر جمعہ اور ہر دوشنبہ کی صبح کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تمام امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس کی کیا اصلیت ہے اور یہ کہاں تک صحیح ہے؟ خواجہ عامر حسن عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر اور جمعرات کو تمام امت کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور آباء وامہات پر پیش کئے جاتے ہیں۔ حکیم ترمذی نے نوادر میں اس کو روایت کیا ہے،

---

(۱)"عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضي اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم:" من مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة، وُقي فتنة القبر." (مسند الإمام أحمد، أحادیث عبداللہ بن عمرو، رقم الحدیث: ۶۶۰۸، ۲/۳۶۹، دار إحیاء التراث، بیروت)

"عن عبداللہ بن عمرو رضي اللہ تعالیٰ عنهما: "ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة، إلا وقاه اللہ فتنة القبر". (جامع الترمذي، کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعة: ۱/۲۰۵، سعید)

(وکذا في کتاب الروح لابن قیم الجوزیة، المسألة العاشرة: الأسباب المنجیة من عذاب القبر، ص: ۱۰۴، ۱۰۶، مکتبه فاروقیة، پشاور)

(وکذا في شرح الصدور للسیوطي رحمه اللہ تعالیٰ، باب ماینجي من عذاب القبر، ص: ۱۸۲، دار الفکر)

www.besturdubooks.net

هكذا في شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالیٰ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۶۸ھ۔

اعمالِ امت کی پیشی

سوال[۳۴۰]: "عرض أعمال الأمة على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يوم الخميس" کی روایت نہیں ملتی۔ مشکوۃ ومرقاۃ وغیرہ میں "باب الشحناء" میں ایک دوسری روایت تو ہے، اور بھی کہیں اب تک نہیں ملی۔ ایک اعزازی خریدار۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس، فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم". (رواه الترمذي الخ. (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب التطوع) (۲)۔ لیکن اس میں عرضِ اعمال کے ساتھ "على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم" کی تصریح نہیں بلکہ سکوت ہے۔

احقر کا خیال ہے کہ یہ عرض علی اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ "فأُحبّ أن يعرض عملي وأنا صائم" سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی باب کی فصل ثالث میں یہ بھی ہے کہ "يغفر الله فيهما كل مسلم

---

(۱) "وأخرج الحكيم الترمذي في "نوادره" من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله، وتعرض على الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقوا الله ولا تؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور، باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۸، دار المعرفة)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب ماجاء في تلاقي الأرواح في السماء، ص: ۶۳، أسامة الاسلامية)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع: ۱/۱۷۹، ۱۸۰، قديمي)

(جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس: ۱/۱۵۷، سعيد)

www.besturdubooks.net

إلا ذاهاجرين يقول: دعهما حتى يصلحا"۔رواہ احمد وابن ماجۃ"(۱) اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے "العرف الشذی" میں" علی اللّٰہ" کی تصریح بھی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

عذاب قبر سے حفاظت کا عمل

سوال [۳۴۱]: کوئی ایسا عمل تحریر فرمائیں جس سے قبر میں عذاب نہ ہو۔

---

(۱)" أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصوم يوم الإثنين والخميس، فقيل: يارسول الله! إنك تصوم يوم الإثنين والخميس، فقال: "إن يوم الإثنين والخميس يغفر الله فيهما لكل مسلم إلا ذاهاجرين، يقول: دعهما حتى يصطلحا". رواه أحمد وابن ماجه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الثالث: ۱/ ۱۸۰، قديمي)

(وابن ماجه، أبواب الصوم، باب صيام يوم الإثنين والخميس، ص: ۱۲۴، قديمي)

(۲) "وأتى النسائي بالروايات الكثيرة في صيامه عليه الصلاة والسلام، وأما وجه صوم يوم الإثنين ففي رواية عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما بسند قوي أنه عليه الصلاة والسلام ولد يوم الإثنين، وارتحل إلى دار البقاء يوم الإثنين، ودخل المدينة: أي قبا يوم الاثنين، ولأن يوم الإثنين والخميس ترفع الأعمال إلى الله تعالى". (العرف الشذى على هامش الترمذي، باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس: ۱/ ۱۵۶، سعيد)

بعض روایات میں "عرض الأعمال على الأنبياء يوم الجمعة" وارد ہوا ہے اور جہاں تک یوم الخمیس کا تعلق ہے تو اس سے "عرض على الله" ہی مراد ہے، جیسا کہ "شرح الصدور" میں ہے: "وأخرج الحكيم الترمذي في "نوادره" من حديث عبد الغفور بن عبد العزيز عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله، وتعرض على الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، فاتقوا الله ولا تؤذوا أمواتكم". (شرح الصدور، باب عرض أعمال الأحياء على الموتى، ص: ۲۵۸، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاکی سے بچنا، ہمیشہ پاک رہنا(۱) قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنا(۲) سنت کا پورا اتباع کرنا(۳)، سونے سے پہلے سورۃ الملک پابندی سے پڑھنا(۴) ہر نماز میں درود شریف کے بعد عذاب قبر سے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن عذاب القبر من ثلاثة: من الغيبة والنميمة والبول، فإياكم وذلك". (شرح الصدور، باب عذاب القبر، ص: ۱۶۳، دار المعرفة)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على قبرين، فقال: "إنهما ليعذبان، وما يعذبان من كبير" ثم قال: "أما أحدهما، فكان يسعى بالنميمة، وأما أحدهما فكان لايستتر من بوله." (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱/ ۱۸۳، قديمي)

(۳،۲)" عن عبد الرحمن بن سمرة رضي الله عنه، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذات يوم فقال: "إني رأيت البارحة عجباً، رأيت رجلاً من امتي، جاءه ملك الموت ليقبض روحه، فجاءه بره لوالديه فرده عنه، ورأيت رجلاً من أمتي، سلط عليه عذاب القبر، فجاءه وضوءه فاستنقذه من ذلك، ورأيت رجلاً من أمتي، قد احتوشته الشياطين، فجاء ذكر الله، فخلصه من بينهم، ورأيت رجلاً من أمتي، قد احتوشته ملائكة العذاب، فجاءته صلاته، فاستنقذته من أيديهم، ورأيت رجلاً من أمتي، يلهث عطشاً، كلما ورد حوضاً منع منه، فجاءه صيامه فسقاه وأرواه، ورأيت رجلاً من أمتي، والنبيون قعود حلقاً حلقاً، كلما دنا لحلقة طردوه، فجاء اغتساله من الجنابة، فأخذ بيده، وأقعده إلى جنبه. ورأيت رجلاً من أمتي بين يديه ظلمة، وخلفه ظلمة، وعن يمينه ظلمة، وعن يساره ظلمة، ومن فوقه ظلمة، ومن تحته ظلمة، فهو متحير فيها، فجاءه حجه وعمرته، فاستخرجاه من الظلمة، وأدخلاه النور. الخ" (شرح الصدور، باب ماينجي من عذاب القبر، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، دار المعرفة)

(وكذا في كتاب الروح، المسألة العاشرة: الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۴)" عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خباءه على قبر وهو لايحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها، فأتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال: يارسول الله، ضربت خبائي على قبر وأنا لاأحسب أنه قبر، فإذا فيه إنسان يقرأ =

www.besturdubooks.net

پناہ مانگنے کی دعاء پڑھنا جس میں "اعوذبك من عذاب القبر" بھی ہے(۱)، چغل خوری سے پرہیز کرنا(۲)، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام کی برکت سے عذابِ قبر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

میت کو قبر میں عصر کا وقت محسوس ہوتا ہے

سوال[۳۴۲] :۱..... جب مسلمان میت کو دفن کر دیتے ہیں تو سنا ہے کہ میت کے لئے وہ عصر کا وقت ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۲..... غیر مسلم میت سے حساب کا وقت کون سا ہوتا ہے؟ کیا اس کو بھی عصر کا وقت معلوم ہوگا اور اس غیر مسلم کے لئے قبر کس جگہ ثابت ہوگی؟ کیا غیر مسلم سے حساب وکتاب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... میت کو قبر میں رکھنے اور دفن کرنے کے بعد فرشتے آکر اس کی روح اس میں داخل کر کے اس کو بٹھا دیتے ہیں، مردہ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبح سویا تھا، اب غروب کے وقت بیدار ہوا ہے اور کہتا ہے کہ چھوڑ دو، میں نماز تو پڑھ لوں(۳) (نماز کا خیال مسلمان ہی کو ہوگا)۔

= سورة الملک حتى ختمها، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : "هي المانعة، هي المنجية تنجيه من عذاب القبر". (جامع الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة الملك: ۱۱۷/۲، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يدعو: "اللهم إني أعوذبك من عذاب القبر، ومن عذاب النار، ومن فتنة المحيا والممات، ومن فتنة المسيح الدجال." (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱/ ۱۸۴، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۵، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "وأخرج ابن ماجه، وابن أبي الدنيا، وابن أبي عاصم في السنة عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالى عنهما. قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا دخل الميت قبره، مثلت له الشمس عند =

www.besturdubooks.net

۲..... حدیث میں اس وقت کی تفصیل نہیں دیکھی، بظاہر تو غیر مسلم کو بھی یہی وقت محسوس ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ جس وقت بھی میت کو دفن کیا جائے حساب غروب ہی کے وقت ہی ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت ایسا محسوس ہوگا جیسا غروب کے قریب کا وقت ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۲ھ۔

عذابِ قبر سے استثناء

سوال [۳۴۳]: فقہاء رحمہم اللہ نے ۸/آدمی ایسے بتلائے ہیں جن سے حساب وعذابِ قبر قیامت تک نہیں ہوتا، کہاں تک درست ہے اور بقیہ چھ حضرات کون سے ایسے ہیں جو مستثنیٰ ہوسکتے ہیں حساب وعذاب سے، جیسا کہ مظاہر حق جلد دوم میں شہداء کے اقسام تحریر ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردالمحتار: ۱/۸۹۱، میں شہید، مرابط، مطعون، زمانہ طاعون میں صبر کرکے بلا طاعون مرنے والا، صدیق،

= غروبها، فيجلس يمسح عينيه ويقول : دعوني أصلي". (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص : ۱۲۳، دار المعرفة)

"فيقال له : اجلس، فيجلس قد مثّلت له الشمس، وقد أخذت الغروب، فيقال له : هذا الرجل الذي كان فيكم ماتقول فيه، وماذا تشهد به عليه؟ فيقول : دعوني حتى أصلي، فيقولون : إنك ستصلي، أخبرنا عما نسألك عنه". (كتاب الروح، المسألة السادسة : هل الروح تعاد إلى الميت في قبره وقت السؤال أم لا؟، ص: ۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال :" إذا دخل الميت القبر، مثّلت الشمس عند غروبها، فيجلس يمسح عينين، ويقول: دعوني أصلّي" . (سنن ابن ماجه، باب ذكر القبر والبلى، ص: ۳۱۲، قديمي)

(وكذا في التذكرة للقرطبي، باب ماينجي المؤمن من أهوال القبر وفتنة القبر، ص. ۱۷۲، مكتبة أسامة الإسلامية)

www.besturdubooks.net

اطفال کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے جن کا حسابِ قبر نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۳۰/ ذی قعدہ/ ۶۱ھ۔

رمضان میں میت کو عذابِ قبر نہ ہونا

سوال [۲۴۴]: ۱...... جس مسلمان کا انتقال رمضان کے اندر ہو جائے خواہ وہ کسی مقصد میں ہو اس کا کیا حکم ہے؟

۲...... جن لوگوں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے کیا رمضان میں بند ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ان شاء اللہ اس کے ساتھ سہولت کا معاملہ کیا جائے گا (۲)۔

۲...... امید تو یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

---

(۱) "ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية: الشهيد، والمرابط، والمطعون، والميت في زمن الطاعون بغيره إذا كان صابراً محتسباً، والصديق، والأطفال، والميت يوم الجمعة أو ليلتها، والقارىء كل ليلة تبارك الملك وبعضهم ضم إليها السجدة، والقارىء في مرض موته: "قل هو الله أحد، اهـ. و أشار الشارح إلى أنه يزاد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ لأنهم أولى من الصديقين". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب ثمانية لا يسألون في قبورهم: ۱۹۲/۲، سعيد)

(و كذا في كتاب الروح، المسألة العاشرة: الأسباب المنجية من عذاب القبر، ص: ۱۰۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(و كذا في شرح الصدور، باب من لا يسأل في القبر، ص: ۱۳۸، دار المعرفة)

(۲) "ان عذاب القبر حق سواء كان مؤمناً أم كافراً، أم مطيعاً أم فاسقاً، و لكن إذا كان كافراً فعذابه يدوم في القبر إلى يوم القيامة. و يرفع العذاب يوم الجمعة و شهر رمضان بحرمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم؛ لأنه ما دام في الأحياء لا يعذبهم الله تعالىٰ بحرمته، فكذلك في القبر يرفع عنهم العذاب يوم =

www.besturdubooks.net

رمضان اور جمعہ وغیرہ میں عذابِ قبر

سوال[۳۴۵]: جن لوگوں سے سوالِ قبر نہیں جیسے شبِ جمعہ اور رمضان میں مرنے والا تو یہ سوال تا قیامت نہیں یا محض اسی روز؟ اور اس بشارت میں کفار اور مشرکین بھی داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوالِ منکر ونکیر سب سے ہوتا ہے البتہ یومِ جمعہ اور رمضان المبارک میں عذابِ قبر نہیں ہوتا، نہ مومن کو ہوتا ہے نہ کافر کو:

"فی الأشباه: ویأمن المیت فیه من عذاب القبر، ومن مات فیه أو فی لیلته، أمن من فتنة القبر وعذابه، قال الحموی تحته: أقول: قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسوال منكر نكیر، وضغطة القبر حق، سواء كان مؤمناً أو كافراً، مطیعاً أوفاسقاً، لكن إذاكان كافراًفعذابه یدوم إلی یوم القیامة، ویرفع العذاب عنهم یوم الجمعة وشهر رمضان بحرمة النبی صلی الله تعالی علیه وسلم؛ لأنهم ماداموافی الأحیاء لایعذبهم الله فی الدنیا بحرمة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فكذلك فی القبر یرفع عنهم العذاب یوم الجمعة وكل رمضان بحرمته، فیعذب اللحم متصلاًبالروح، والروح متصلاً بالجسم، فتتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجاً منه۔

ثم المؤمن علی وجهین: إن كان مطیعاً لایكون له عذاب ویكون له ضغطة، فیجد هول ذلك وخوفه، وإن كان عاصیاًیكون له عذاب القبر وضغطة القبر، لكن ینقطع عنه عذاب القبر یوم الجمعة، ولیلة الجمعة ثم لایعودالعذاب إلی یوم القیامة، وإن مات یوم الجمعة أولیلة الجمعة

= الجمعة، وكل رمضان بحرمته". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأكبر . ص: ۱۰۱، بحث عذاب القبر، قدیمی)

"قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبرحق، وسوال منكر و نكیر، و ضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً، فعذابه یدوم إلی یوم القیامة، و یرفع عنه یوم الجمعة و شهر رمضان". (رد المحتار: ۱۶۵/۲، سعید)

www.besturdubooks.net

یکون لہ العذاب ساعۃً واحدۃً، وضغطۃ القبر، ثم ینقطع عنہ العذاب کذا فی المعتقدات للشیخ أبی المعین النسفی اھ". شرح حموی ص ٥٦٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۴/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر کی عبارت کا اردو ترجمہ:

الاشباہ میں ہے: "اور مامون رہتا ہے مردہ اس میں (یوم جمعہ میں) عذاب قبر سے اور وہ شخص جس کی اس یوم جمعہ میں وفات ہوئی یا اس کی رات میں قبر کے عذاب وفتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ حموی نے اس کے تحت فرمایا ہے: میں کہتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت نے فرمایا ہے کہ عذاب قبر حق ہے اور منکر نکیر کا سوال اور قبر کا دبوچنا حق ہے، خواہ (میت) مؤمن ہو یا کافر، فرماں بردار ہو یا نافرمان، لیکن اگر کافر ہو تو اس کا عذاب دائمی ہوتا ہے اور یوم جمعہ اور شہر رمضان میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر عذاب ان سے اٹھالیا جاتا ہے اس لیے کہ جب تک وہ زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں فرمایا۔ پس اسی طرح قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت کی بناء پر یوم جمعہ اور رمضان میں ان سے عذاب اٹھالیا جائے گا۔ گوشت کو روح کے ساتھ متصل کرکے اور جسم کو روح کے ساتھ متصل کرکے عذاب دیا جائے گا، تاکہ جسم کے ساتھ روح کو بھی تکلیف ہو اگرچہ روح جسم سے خارج ہوگئی۔

پھر مومن دو قسم کے ہوتے ہیں: اگر وہ فرماں بردار ہے تو اس کو عذاب تو نہ ہوگا، البتہ قبر کا دبوچنا ہوگا وہ اس کا خوف وہول محسوس کرے گا اور اگر وہ نافرمان ہے تو عذاب قبر بھی ہوگا اور قبر کا دبوچنا بھی، لیکن یوم جمعہ اور لیلۂ جمعہ میں عذاب قبر ختم ہوجائے گا پھر قیامت تک عذاب نہیں ہوگا اور اگر وہ یوم جمعہ یا لیلۂ جمعہ میں فوت ہوا تو عذاب اور قبر کا دبوچنا ایک ساعت کے لئے ہوگا، پھر عذاب ختم ہوجائے گا۔ (کذا فی المعتقدات للشیخ ابی المعین النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ اھ۔

(الأشباہ والنظائر مع شرحہ للحموی، الفن الثالث: الجمع والفرق، القول فی أحکام الجمعۃ: ۳/۲۰۰، إدارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ)

www.besturdubooks.net

نافرمان پر عذاب برزخ میں ہوتا ہے یا قیامت میں؟

سوال [۳۴۶] : ایمان دار کے فرائض وواجبات چیزوں کو چھوڑنے سے یا پوری طریقے سے عمل نہ کرنے سے ایسے ایماندار کے انتقال کے بعد اس کو عذاب عالم برزخ میں ہوگا یا قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

سلسلہ برزخ سے ہی شروع ہوجاتا ہے (۱) حساب وکتاب کے بعد بھی ہوتا ہے (۲) اللھم احفظنا منہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۸۷ھ۔

= "قال أهل السنة والجماعة : عذاب القبر حق ،وسوال منكر ونكير وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة ،ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان ،فيعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجاً عنه. والمؤمن المطيع لايعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه. والعاصي يعذبه ويضغط، لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لايعود. وإن مات يومها أو ليلتها، يكون العذاب ساعةً واحدةً وضغطة القبر ثم يقطع، كذافي المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحنفي ملخصاً". (رد المحتار ،باب الجمعة ، مطلب : مااختص به يوم الجمعة : ۲/ ۱۶۵ ، سعيد)

(و كذافي شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۰۱ ،قديمي)

(۱) "وأما البرزخ فأول دار الجزاء، فظهر فيها من ذلك ما يليق بتلك الدار، و تقتضي الحكمة إظهاره، فإذا كان يوم القيامة الكبرى و في أهل الطاعة و أهل المعصية ما يستحقونه من نعيم الأبدان والأرواح و عذابهما، فعذاب البرزخ و نعيمه أول عذاب الآخرة و نعيمها ، و هو مشتق منه، و واصل إلى أهل البرزخ هناك، كما دل عليه القرآن والسنة الصحيحة الصريحة في غير موضع دلالة صريحة . كقوله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم : "فيفتح له باب إلى الجنة فيأتيه من رَوحها و نعيمها" و في الفاجر : " فيفتح له باب إلى النار فيأتيه من حرها وسمومها". (كتاب الروح ، المسألة السابعة: كون القبر حفرةً من حفر النار أو =

www.besturdubooks.net

کیا عذابِ قبر فاسق کو بھی ہوگا؟

سوال[۳۴۷]: ''و عن حذیفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: إنما النفاق کان علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه و سلم، فأما الیوم فإنما هو الکفر أو الإیمان''۔ (مشکوۃ شریف، ص:۱۸)(۱)۔

روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں افرادِ انسانی کی تقسیم تین حصوں میں کی جاسکتی ہے: اگر الوہیت اور رسالتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہو تو مسلمان ہے اور اگر سب کا انکار کرتا ہو، خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر ظاہراً مذکورہ چیزوں پر ایمان رکھتا ہو، زبانی دعویٰ کرتا ہو لیکن باطنی طور پر ان کا منکر ہو تو وہ منافق ہے۔

= روضة من ریاض الجنة، ص: ۹۷، مکتبه فاروقیه پشاور)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم مر بقبرین، قال: "إنهما لیعذبان، وما یعذبان فی کبیر، أما أحدهما فکان لا یستتر من البول، وأما الآخر فکان یمشی بالنمیمة"الحدیث. (الصحیح للبخاری: ۱/۳۵، باب ما جاء فی غسل البول، قدیمی)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن یهودیةً دخلت علیها فذکرت عذاب القبر، فقالت: أعاذک الله تعالیٰ من عذاب القبر، فسألت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم عن عذاب القبر فقال: "نعم، عذاب القبر حق". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵، باب إثبات عذاب القبر، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و أما من خفت موازینه فأمه هاویة، و ما أدرٰک ماهیة، نار حامیة﴾. (سورة القارعة ۸، ۹، ۱۰، ۱۱)

"قال صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: "إن المفلس من أمتی من یأتی یوم القیامة بصلوٰة و صیام و زکوة یأتی قد شتم هذا و قذف هذا، و أکل مال هذا، و سفک دم هذا، و ضرب هذا، فیعطی هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنیت حسناته قبل أن یقضی ما علیه أخذ من خطایا هم فطرحت علیه، ثم یطرح فی النار". (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۵۹، لأبی منصور الماتریدی، قطر)

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر و علامات النفاق: ۱/۱۸، قدیمی)

www.besturdubooks.net

"عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم قال: "یأتیہ ملکان فیجلسانہ، فیقولان لہ: من ربك؟ فیقول: ربی اللّٰہ، فیقولان لہ: ما دینك؟ فیقول: دینی الإسلام، فیقولان: ما ہذا الذی بعث فیکم؟ فیقول: ہو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، فیقولان لہ: ما یدریك؟ فیقول: قرأت کتاب اللّٰہ فآمنت بہ و صدقت، فذلك قولہ: ﴿یثبت اللّٰہ الذین امنوا بالقول الثابت﴾ الخ (مشکوۃ شریف، ص:۲۷) (۱)۔

روایت سے معلوم ہوا کہ مسلمان بندہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دیدے گا لیکن کافر منافق جواب نہیں دے سکیں گے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں: فاسق و فاجر، متقی و پرہیزگار۔ عذاب قبر کے متعلق جو بھی روایت ہے اس میں مطلق مسلمان کا لفظ ہے اور اس کا جواب ہے، کہیں بھی اس کی توضیح نہیں ہے کہ فاسق مسلمان کا جواب کیا ہوگا؟ اگر فاسق مسلمان کا جواب بھی وہی ہے جو روایت میں مذکور ہے تو اس کا انجام اچھا ہونا چاہئے، قبر وسیع اور جنت کا ایک ٹکڑا ہونا چاہئے، لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق مسلمان عذاب قبر میں گرفتار ہوتا ہے، خود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ ان کی موت پر عرشِ باری ہل گیا تھا، ان کے جنازے کی نماز میں ستر ہزار فرشتے شریک تھے، لیکن ان پر قبر تنگ ہوگئی تھی، فراخیٔ قبر کے لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحابِ نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دعاء واستغفار کی۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۶) (۲)۔

"و فی روایۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم قال:" (یثبت اللّٰہ الذین امنوا بالقول الثابت)"، نزلت فی عذاب القبر، یقال لہ: من ربك؟ فیقول: ربی اللّٰہ و نبیی محمد". متفق علیہ". (مشکوۃ شریف، ص:۲٤) (۳)۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۲۵، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم: "ہذا الذی تحرک لہ العرش، و فتحت لہ أبواب السماء، و شہدہ سبعون ألفاً من الملائکۃ، لقد ضُمّ ضمۃً، ثم فرج عنہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر، ص:۲۶، قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر، ص:۲۴، قدیمی)

www.besturdubooks.net

مذکورہ روایت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مسلمان کو قولِ ثابت کے ذریعہ ثابت قدم بھی رکھا جائے گا۔ یہاں بھی کوئی وضاحت اس کی نہیں کہ صرف متقی کو ثابت قدم رکھا جائے گا یا فاسق و متقی دونوں کو؟ فاسق مسلمان کا جواب جب یہ ہوگا تو انجام اچھا ہونا چاہئے، حاصلِ کلام یہ کہ فاسق مسلمان کا نکیرین کے سوال پر جواب کیا ہوگا؟ اگر "ربی اللّٰہ، ونبیی محمد، و دینی الإسلام" ہوگا تو فاسق کا انجام قبر میں اچھا ہونا چاہئے اور اگر جواب یہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال عقیدہ سے متعلق ہوگا۔ لہذا فاسق کو عذاب قبر میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

"عذاب القبر حق سواء كان مؤمناً أو كافراً، أو مطيعاً أو فاسقاً"۔ (شرح فقه اكبر، ص: ۱۳۳)(۱)۔

مؤمن خواہ مطیع ہو یا فاسق ہو، نکیرین کے سوال کے جواب میں اقرار توحید و رسالت و دین کرے گا (۲) پھر جن اعمال پر عذاب قبر تجویز ہے جیسے نمیمہ اور عدمِ اجتناب عن البول وغیرہ ان کی وجہ سے اس پر عذاب بھی ہوگا (۳) پھر صدقہ جاریہ یا ولد صالح کی دعا یا علم نافع کی وجہ سے (۴) یا کسی کی شفاعت (۵)

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ضغطة القبر و عذابه حق. ص: ۱۰۱، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم: "إذا أقبر الميت، أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: المنكر، و للآخر: النكير، فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: هو عبد الله و رسوله، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول هذا". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، ص: ۲۵، قديمي)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالى عليه و سلم على قبرين فقال: "إنهما ليعذبان، و ما يعذبان من كبير". ثم قال: "أما أحدهما، فكان يسعى بالنميمة، و أما أحدهما فكان لا يستتر من بوله". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (رواه مسلم) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قديمي)

(۵) "النوع السادس: الشفاعة في تخفيف العذاب عمن يستحقه، كشفاعته في عمه أبي طالب أن =

www.besturdubooks.net

وثواب رسانی سے (۱) یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا عذاب کم یا ختم ہو جائے گا (۲) اور کافر پر کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا وہ دائمی ہوگا:

"و لكن إذا كان كافراً، فعذابه يدوم في القبر إلى يوم القيامة، و إن كان عاصياً، يكون له عذاب القبر و يرتفع عنه العذاب يوم الجمعة الخ". (شرح فقه اكبر، ص: ۱۲۳) (۳)۔

اگر مؤمن مطیع ہے تو اس کو عذابِ قبر نہیں ہوگا صرف ضغطہ ہوگا:

"المؤمن مطيعاً لا يكون له عذاب القبر، و يكون له ضغطة، فيجد هول ذلك"۔ (شرح فقه اكبر، ص: ۱۲۳) (٤)۔

یہ فائدہ ہر مسلمان مطیع وفاسق کو ہوگا کہ وہ عذابِ دائمی سے محفوظ ہو جائے گا، پھر مؤمن پر انعامات فوراً ہی شروع ہو جائیں گے اور عاصی کو کچھ دیر لگے گی۔

یہ بات صحیح ہے کہ قبر میں سوال اعمال سے نہیں ہوگا لیکن اعمالِ سیئہ یکسر معدوم نہیں کر دیئے جائیں گے بلکہ ان کی سزا روایات میں صراحۃً موجود ہے (۵)، عقیدہ صحیح ہونے کے باوجود معاصی کی وجہ سے مطیع و عاصی

= يخفف عنه عذابه". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۲۳۳، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين جآء وا من بعدهم، يقولون ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ (الحشر: ۱۰) فأثنى الله سبحانه عليهم باستغفارهم للمؤمنين قبلهم، فدل على انتفاعهم باستغفار الأحياء". (كتاب الروح، المسألة السادسة عشرة: ۱۵۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يعذب من يشآء و يغفر لمن يشآء، و الله على كل شيء قدير﴾ (المائدة: ۴۰)

(۳) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۱، ۱۰۲، قديمي)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، قديمي)

(۵) (راجع، ص: ۶۴۳، رقم الحاشية: ۲)

www.besturdubooks.net

میں فرق ہوگا۔ کتاب الروح، مرقاۃ (۱)، شرح الصدور (۲) وغیرہ سے یہی تفصیل ظاہر ہوتی ہے اور اس سے روایات میں تعارض بھی نہیں رہتا۔

تنبیہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی ان کے جنازے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک نہیں تھے، آپ نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف، ص: ۲۶ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(عن البراء بن عازب رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يأتيه ملكان .... ويفسح له فيها مد بصره............ ...... وقيل في التوفيق بين هذا وبين قوله: سبعون ذراعاً في سبعين .... أن يكون بحسب اختلاف أحوال الأشخاص في الأعمال والدرجات". (مرقاة المفاتيح: ۱/۳۵۰، ۳۵۲، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۳۱، رشيديه)

(۲) "أخرج إبن أبي الدنيا عن محمد التيمي قال: كان يقال: ضمّة القبر، إنما أصلها أنها أمهم، ومنها خلقوا، فغابوا عنها الغيبة الطويلة، فلمّا ردّ إليها أولا دها ضمتهم ضم الوالدة غاب عنها ولدها، ثم قدم عليها، فمن كان لله مطيعاً ضمّته برأفة ورفق، ومن كان عاصياً ضمّته بعنف، سخطاً منها عليه لربها". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، ص: ۱۱۵، باب ضمة القبر لكل أحد، رقم الحديث: ۴۴، دار المعرفة، بيروت)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب إثبات عذاب القبر: ۲۶، قديمي)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالجزآء والعقوبة

(سزاوجزا کا بیان)

نفخ صور کتنی مرتبہ ہے؟

سوال[۲۴۸]: ایک سوال کے جواب میں تفسیر ابن کثیر،ص:۶۳ سے آپ نقل فرماتے ہیں کہ ''نفخ صور تین مرتبہ ہوگا'' (انتہی)(۱) حالانکہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں آیت:﴿فصعق من فی السموات و من فی الأرض﴾ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''نفخ صور ایک بار ہے سارے عالم کے فنا کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، تیسرا ہے بیہوشی کا بعد حشر کے، چوتھا خبردار ہونے کا۔ اس کے بعد اللہ کے سامنے ہوجائیں گے'' (انتہی)(۲) مکرر نظر ثانی فرما کر تصحیح فرمادیجئے، میری سمجھ ناقص میں یہ آتا ہے کہ ''فصعق'' کے معنی بے ہوشی کے لئے ہیں، اگر مرنے کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں ''پس بمیرد هر کہ در آسمانہا''۔ فتح الرحمن) تو چار کا عدد پورا نہیں ہوتا، آپ یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ تفسیر ابن کثیر میں تین مرتبہ لکھا ہے تو اول کب ہوگا، دوم کب، سوم کب؟ اس کو بھی نقل فرمادیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر ابن کثیر:۳/۳۷۷ سورہ نمل:﴿یوم ینفخ فی الصور، ففزع من فی السموات﴾ الآیة کے ذیل میں نفخ صور کی آیات کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''و قوله : (یوم ینفخ فی الصور) فهذه نفخة الفزع، ثم بعد ذلك نفخة الصعق و هو الموت، ثم بعد ذلك نفخة القیام لرب العالمین و هو النشور من القبور بجمیع الخلائق اھ''(۳).

---

(۱) (تفسیر ابن کثیر، (یٰسین: ۵۱) : ۳/۷۵۸، مکتبه دارالفیحاء، بیروت)

(۲) (تفسیر موضح القرآن (الزمر:۶۸): ص: ۱۷۷، تاج کمپنی قرآن منزل لاهور)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، (النمل : ۸۷): ۳/۵۰۲، مکتبه دار الفیحاء)

www.besturdubooks.net

سورہ یٰسین کے ذیل میں ہے: ﴿و نفخ فی الصور﴾ هذه هی نفخة الثالثة و هی نفخة البعث والنشور للقيام من الأجداث والقبور اهـ ":۶۳/٤(۱) ۔

سورۂ زمر کے ذیل میں ہے:

﴿ونفخ في الصور﴾ هذه النفخة هي الثانية، و هي نفخة الصعق، و هي التي يموت بها الأحياء من أهل السموات والأرض إلا من شاء الله (إلى قوله) يحيىٰ، أول من يحيىٰ إسرافيل، ويأمره أن ينفخ في الصور أخرىٰ، و هي النفخة الثالثة نفخة البعث"(۲)۔ نفخۂ رابعہ کا اس تفسیر میں کہیں بھی ذکر نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر:۴/۱۹۱ میں سورہ زمر "فزع" اور "صعق" کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں: ایک قول پر نفخ صور صرف دو مرتبہ ثابت ہوتا ہے، ایک قول پر تین مرتبہ:

" واختلفوا في الصعقة، منهم من قال: إنها غير الموت بدليل قوله تعالىٰ في موسىٰ عليه السلام: ﴿وخر موسىٰ صعقاً﴾ مع أنه لم يمت، فهذا هو النفخ الذي يورث الفزع الشديد، وعلى هذا التقدير فالمراد من نفخة الصعقة و من نفخ الفزع واحد، وهو المذكور في سورة النمل في قوله: ﴿و يوم ينفخ في الصور، ففزع من في السموات و من في الأرض﴾ و على هذا القول فنفخ الصور ليس إلا مرتين. والقول الثاني أن الصعقة عبارة عن الموت، والقائلون بهذا القول قالوا: إنهم يموتون من الفزع و شدة الصوت، وعلى هذا التقدير فالنفخة تحصل ثلاث مرات: أولها نفخة الفزع و هي المذكور في سورة النمل، والثانية نفخة الصعق، والثالثة نفخة القيام، وهما مذكورتان في هذه السورة اهـ" (۳) ۔

سورہ نمل اور سورہ یٰسین میں دو مرتبہ سے زیادہ کا ذکر امام رازی نے بھی نہیں کیا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی

---

(۱) (تفسیر ابن كثير، (يٰس : ۵۱): ۷۵۸/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) (تفسیر ابن كثير، (الزمر :۶۸) :۸۲/۴، مكتبه دار الفيحاء)

(۳)(التفسير الكبير ، (الزمر : ۷۰): ۱۸/۲۷ ، مكتب الإعلام الإسلامي)

www.besturdubooks.net

رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرۃ المعاد، ص: ۱۰(۱) میں ایک قول کی بنا پر دو مرتبہ اور ایک قول کی بنا پر تین مرتبہ نفخ تحریر فرمایا ہے، چوتھی مرتبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے أشعة اللمعات، ص: ۲۹/۴، میں صرف دو مرتبہ ذکر کیا ہے (۲)، اسی طرح امام غزالی نے احیاء العلوم: ۴/۴۳۵، میں (۳)، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواهر: ۲/۱۵۱ (۴) اور مختصر تذکرہ قرطبی، ص: ۲۰ (۵) میں دو ہی مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ یہاں موضح القرآن بغیر حاشیہ کے ہے۔ خود موضح القرآن میں بھی چار مرتبہ کا ذکر نہیں (۶)۔ تفسیر ابن جریر ۲۴/۱۹، میں حدیث مرفوع ہے: "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ینفخ فی الصور ثلاث نفخات: الأولیٰ: نفخة الفزع، والثانية: نفخة الصعق، والثالثة: نفخة القيام لرب العالمین "اهـ (۱۳)۔ اکلیل حاشیہ مدارک: ۶/۱۱۷، میں چار مرتبہ نفخ صور کے متعلق لکھا ہے: "ولم ینقله الثقات". پانچ مرتبہ کا قول بھی لکھ کر تردید کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تذکرة المعاد، باب دوم در احوالِ روز بعث و نشور که پنجاه هزار ساله باشد تا دخولِ جنت و نار: ۱۰، ۱۱، مطبع نول کشور)

(۲) (أشعة اللمعات، باب النفخ فی الصور: ۴/۳۶۱، مکتبه نوریه رضویه سکهر)

(۳) "والراجفة هی النفخة الأولى، والرادفة هی النفخة الثانية". (إحياء العلوم، كتاب ذكر الموت و ما بعده، صفة أرض المحشر و أهله: ۴/۶۰۷، حقانيه پشاور)

(۴) "و ینفخ إسرافيل في الصور مرتين: الأولى: نفخة الصعق، والثانية: نفخة الإحياء، تسمى إحداهما الراجفة، والأخرى الرادفة". (اليواقيت والجواهر، المبحث السادس والستون في وجوب اعتقاد أن الله تعالى يعيدنا كما بدأنا أول مرة ..... الخ: ۲/۱۵۱، عباس بن عبد السلام مصر)

(۵) (التذكرة للقرطبي، باب ذكر النفخ الثاني للبعث في الصور، ص: ۲۰۰، ۲۰۱، أسامة الإسلامية)

(۶) موضح القرآن کے حاشیہ میں چوتھی مرتبہ نفخ کا ذکر بھی موجود ہے، دیکھئے: (تفسیر موضح القرآن ص: ۱۷۷ (سورة الزمر: ۶۸) تاج کمپنی لاهور)

(۷) (تفسير ابن جرير الطبري، (الزمر: ۶۸): ۲۴/۲۰، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

کیا چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے؟

سوال [۳۴۹]: ۱۳۷۳ھ کی پوری صدی ہونے کے بعد ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا یا نہیں؟ اور پندرہویں صدی بھی تحریر میں آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب ۱۳۷۳ھ نہیں بلکہ ۱۳۹۳ھ ہے، جب سات سال میں ۱۴۰۰ھ ہو جائے تو ۱۴۰۰ھ لکھا جائے گا، یہاں تک کہ ۱۵۰۰ھ تک پہونچنے پر ۱۵۰۰ھ لکھا جائے گا، قیامت آنے کی جو علامت بتائی گئی ہیں ان میں سے ابھی باقی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہویں صدی بھی پوری ہو جائے گی، صحیح علم اللہ کو ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

زندوں کے رونے سے میت کو اذیت

سوال [۳۵۵]: مرنے والوں کو رونے سے کیا کیا اذیتیں ہوتی ہیں؟

وحیدالدین عبدالغنی، شہر فتح پور، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حدیث میں یہ ہے کہ اہلِ میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے نوحہ کی وصیت کی ہو یا نوحہ کرنے سے رضامند ہو یا اپنے گھر والوں کا حال معلوم تھا کہ وہ نوحہ

---

(۱) جاننا چاہیے کہ علاماتِ قیامت کی دو قسمیں ہیں: علاماتِ صغریٰ اور علاماتِ کبریٰ، علامہ قرطبی نے ان علامات کو ذکر کیا ہے:

"قال العلماء رحمهم الله تعالیٰ: والحكمة في تقديم الأشراط ودلالة الناس عليها تنبيه الناس من رقدتهم وحثهم على الاحتياط لأنفسهم بالتوبة والإنابة، وتلك الأشراط علامة لانتهاء الدنيا وانقضائها، فمنها خروج الدجال ونزول عيسیٰ، وقتله الدجال. ومنها خروج يأجوج ومأجوج ودابة الأرض. ومنها طلوع الشمس من مغربها هذه هي الآيات العظام على ما يأتي بيانه، وأما ما يتقدم من هذه قبض العلم وغلبة الجهل، واستيلاء أهله ...... وكثرة الحرج فإنها أسباب حادثة الخ". (التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، ص: ۷۰۹ ط: مكتبه أسامه الإسلاميه مصر)

www.besturdubooks.net

کریں گے اور پھر ان کو منع نہیں کیا وغیرہ۔غرض اس طرح علماء نے اس کا مطلب بیان کیا ہے،قلب کا غمگین ہونا اور آنکھ سے آنسو جاری ہونا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے(۱) اس سے میت کو بھی عذاب نہیں ہوتا۔

"إن الميت يعذب ببكاء الحي، فاختلف العلماء في ذلك على مذاهب: أحدها أنه على ظاهره مطلقاً، وهو رأى عمر بن الخطاب وابنه رضي الله تعالىٰ عنهما. الثاني: لامطلقا. الثالث: أن الباء للحال: أي أنه يعذب حال بكائهم عليه، والتعذيب بماله من ذنب لابسبب البكاء. الرابع: أنه خاص بالكافر، والقولان عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها. الخامس: أنه خاص بمن كان النوح من سنته وطريقته، وعليه البخاري. السادس: أنه فيمن أوصىٰ به كماقال القائل:ـ

إذامت فانعيني بما أنا أهله وشقي عليّ الجيب ياابنة معبد

السابع: أنه فيمن لم يوصِ بتركه، فتكون الوصية بذلك واجبةً إذا علم أن من شأن أهله أن يفعلوا ذلك. الثامن: أن التعذيب بالصفات التي يبكون بها عليه، وهي مذمومة شرعاً كما كان أهل الجاهلية يقولون: يا مرمل النسوان! يا ميتّم الأولاد! يا مخرب الدور. التاسع: أن المراد بالتعذيب توبيخ الملائكة له بما يندبه به أهله لحديث الترمذي والحاكم وابن ماجه مرفوعاً: "مامن ميت يموت فتقوم نادبته تقول: واجبلاه! واسنداه! أو شبه ذلك من القول،

(۱) "عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أخذ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيد عبدالرحمن بن عوف، فانطلق به إلى ابنه إبراهيم، فوجده يجود بنفسه، فأخذه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوضعه في حجره فبكى، فقال له عبدالرحمن: أتبكي أولم تكن نهيت عن البكاء؟ قال: "لا، ولكن نهيت عن صوتين أحمقين فاجرين، صوت عند مصيبة، وخمش وجوه، وشق جيوب، ورنة الشيطان". (جامع الترمذي،أبواب الجنائز،باب ماجاء في الرخصة في البكاء على الميت: ۱/۱۹۲، سعيد)

"قال ميرك: ظن سعد أن جميع أنواع البكاء حرام وأنه عليه الصلوة والسلام نسي، فأعلمه عليه الصلاة والسلام أن مجرد البكاء ودمع العين ليس بحرام ولامكروه، بل هو رحمة وفضيلة، وإنما المحرم النوح والندب وشق الجيوب وضرب الخدود." (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز،باب البكاء على الميت: ۴/۲۰۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

إلاوكُل به ملكان يلهزانه أهكذا كنت". العاشر: أن المراد به تألم الميت بما يقع من أهله لحديث الطبراني وابن أبي شيبة عن صفية بنت مخرمة أنها ذكرت عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولداً لها مات، ثم بكت، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أيغلب أحدكم أن يصاحب صويحبه في الدنيا معروفاً، فإذا مات استرجع، فوالذي نفس محمد صلى الله تعالى عليه وسلم بيده! إن أحدكم ليبكي فيستعبر إليه صويحبه فيا عباد الله! لاتعذبوا موتاكم". وهذا القول عليه ابن جرير رحمه الله تعالى واختاره جماعة من الأئمة آخرهم ابن تيمية رحمه الله تعالى الخ". شرح الصدور، ص: ١٢٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبد اللطیف۔

---

(١) (شرح الصدور ،باب تأذى الميت با لنياحة عليه، ص: ٢٩١/٢٩٠،دار المعرفة)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز،فصل: إن الميت لايعذب ببكاء أهله عليه: ٣٠٢/١،قديمي)

(وكذا في فتح الباري،كتاب الجنائز ،باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذاكان النوح من سنته: ١٩٨/٣ ،قديمي)

عربی عبارات کا ترجمہ: مردہ کو اس کے زندہ (گھر والوں کے) رونے دھونے سے عذاب ہوتا ہے، اس میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے چند مذاہب ہیں: ۱: یہ مطلقاً ظاہر پر مبنی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی رائے ہے۔ ۲: مطلقاً ظاہر پر مبنی نہیں۔ ۳: یہ کہ باء حال کے لئے ہے معنی ہوں گے کہ گھر والوں کے رونے کے وقت اس کو عذاب ہوتا ہے تو عذاب گناہ کی وجہ سے ہے نہ کہ بکا کی وجہ سے۔ ۴: یہ خاص ہے کافر کے ساتھ، یہ دونوں قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہیں۔ ۵: یہ اس شخص کے لیے خاص ہے جس کی رونے کی عادت ہو، امام بخاری کا یہی مذہب ہے۔ ۶: یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے رونے کی وصیت کی ہو، شعر: جب میں مر جاؤں میری خوبیوں کی وجہ سے مجھ پر رونا، معبد کی بیٹی میرے لئے گریبان چاک کرنا۔ ۷: یہ اس آدمی کے لئے ہے جس نے نہ رونے کی وصیت نہ کی ہو، لہٰذا نہ رونے کی وصیت کرنا واجب ہے جبکہ اسے پتہ ہو کہ گھر والے روئیں گے۔ ۸: یہ کہ عذاب ان صفات کو بیان کرنے کی وجہ سے واجب ہے جو شریعت میں مذموم ہوں جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ کہتے تھے، اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے بچوں کو یتیم کرنے والے، اے =

www.besturdubooks.net

۹

معصوم کو سکرات کی تکلیف

سوال[۲۵۱]: بچوں کو جو سکرات کی تکلیف ہوتی ہے کس وجہ سے؟ حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ کس وجہ سے حالانکہ وہ بھی معصوم ہیں؟ عوام میں یہ مشہور ہے کہ جس کو سکرات کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے وہ بہت گنہگار ہوتا ہے اور جس کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے اس کے ذمہ گناہ نہیں ہوتے، مگر یہ خیال کلیۃً صحیح نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پہلے موت کی آسانی پر بہت رشک کیا کرتی تھی، لیکن جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شدت تکلیف کو دیکھا پھر رشک نہیں کیا:

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما أغبط أحداً بهون موت بعد الذي رأيت من شدة موت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". رواه الترمذي والنسائي اهـ". مشكوة شريف، ص: ۱۳۶ (۱)۔

= گھروں کو ویران کرنے والے۔ ۹: عذاب سے مراد گھر والوں کے رونے کی وجہ سے ملائکہ کا زجر وتوبیخ کرنا ہے۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ کی مرفوعاً حدیث کی وجہ سے کہ "کوئی آدمی نہیں مرتا کہ اس پر رونے والی کھڑی ہو کر کہتی ہے "واجبلاہ واسنداہ" یا اس جیسے اور الفاظ مگر دو فرشتے اس پر مقرر ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں لعنت ملامت کرتے ہوئے کیا تو ایسا ہی تھا جیسے تجھے یہ بیان کر رہی ہے"۔ ۱۰: اس سے مراد گھر والوں کے رونے سے میت کا تکلیف پانا ہے۔

طبرانی اور ابن ابی شیبہ کی صفیہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کی وجہ سے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بیٹے کا ذکر کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم میں کوئی اس بات سے عاجز ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے زندگی گزارے اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس پر وہ "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! بے شک تم سے کوئی جب روتا ہے اور اپنے ساتھی (کی موت) پر آنسو بہاتا ہے (تو اس میت کو تکلیف ہوتی ہے) خدا کے بندو! اپنے مُردوں کو تکلیف مت پہنچایا کرو"۔ اس قول کو ابن جریر کے ساتھ ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت نے بھی اختیار کیا ہے جن میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱/۱۳۶، قديمي) =

www.besturdubooks.net

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما رأيت أحداً الوجع عليه أشد من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم"۔ متفق عليه"(۱)۔

"و عنها قالت: مات النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بين حاقنتي و ذاقنتي، فلا أكره شدة الموت لأحد أبداً بعد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم". رواه البخاري"۔ (مشکوۃ شریف، باب عیادة المریض، ص: ۱۳۴(۲) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کو سکرات کے وقت سے ہی عذاب ہونے کی دلیل

سوال[۳۵۲]: غیر اقوام کو بحالتِ سکرات سے ہی عذاب شروع ہونے کے متعلق حدیث شریف میں دلیل ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شریف مرفوع میں ہے جس کو مشکوۃ شریف، ص:۱۳۹، پر نقل کیا ہے: "إن الكافر إذا حضر، بُشر بعذاب الله و عقوبته، فليس شيء أكره إليه مما أمامه، فكره لقاء الله و كره الله لقاءه". متفق عليه" (۳) یہ مستقل عذاب ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

= (وجامع الترمذي: ۱/۱۹۲، أبواب الجنائز، باب ما جاء في التشديد عند الموت، سعيد)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۲/۸۴۳، كتاب المرضى، باب شدة المرض، قديمي)

(وسنن ابن ماجه، ص: ۱۱۷، أبواب ما جاء في الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت، مير محمد)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض: ۱/۱۳۴، قديمي)

(وسنن نسائي: ۱/۲۵۹، كتاب الجنائز، باب شدة الموت، قديمي)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب تمني الموت و ذكره: ۱/۱۳۹، قديمي)

(و صحيح البخاري، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه: ۲/۹۶۳ قديمي) .... =

www.besturdubooks.net

فواحش کی وجہ سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟

سوال[۳۵۳]: آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ باپ اپنی بیٹی سے زنا کر رہا ہے اور بھائی اپنی بہن سے زنا کر رہا ہے اور سوتیلا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کر رہا ہے، ایسی صورت میں خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دیتا تا کہ دوسرے لوگ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سزا کے لئے اصالۃً دارِ آخرت کو تجویز فرمایا گیا ہے دنیا عمل کے لئے ہے(۱)، البتہ عملِ بد کے کچھ اثرات دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں، کبھی اعمالِ صالحہ کی برکت سے وہ اثرات کم بھی ہو جاتے ہیں اور جہاں بھی یہ جاری ہے وہاں اس کے اثرات بھی ہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی ہے کہ ’’اس امت پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو اس کو ہلاک کر ڈالے اور یہ دعاء قبول ہوئی ہے‘‘(۲)، ہلاک ہونے سے پہلے پہلے توبہ کا بھی موقع ہے(۳) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باپ اگر بدعمل ہو تو اس کی اس سے کوئی صالح اولاد پیدا ہو جائے جو کہ دین کی خدمت کرے، ہلاک ہونے کے بعد یہ توقع ختم ہو جائے گی، اس کی بھی مہلت دی جاتی ہے۔

= "ان الکافر إذا بشر بعذاب الله و سخطه، کره لقاء الله و کره الله لقاءه". (الصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه الخ: ۳۴۳/۲، قدیمی)

(۱) "الدنیا مزرعة الآخرة". (اتحاف السادة المتقین: ۵۳۹/۸، بیروت)

(و کشف الخفاء للعجلونی: ۴۹۵/۱، دار التراث)

(۲) "عن خباب بن الأرت .... قال (رسول الله صلی الله علیه وسلم) ..... "و إني سألت الله فیها ثلاثاً، فأعطاني اثنین و منعني واحدةً: سألته أن لا یهلک أمتي بسنة فأعطانیها، وسألته أن لا یسلط علیهم عدواً من غیرهم فأعطانیها، و سألته أن لا یذیق بعضهم بأس بعض فمنعنیها". رواه الترمذي والنسائي".

(مشکوة المصابیح، باب فضائل سید المرسلین صلوات الله و سلامه علیه: ۵۱۳/۲، قدیمی)

(۳) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ وسلم: "إن الله یقبل توبة العبد ما لم یغرغر". رواه الترمذي وابن ماجه". (مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۴/۱، قدیمی)

www.besturdubooks.net

تنبیہ : بغیر ثبوت شرعی کے کسی کو زانی کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، قرآن پاک نے ایسے شخص کی سزا اَسّی ۸۰/ کوڑے مقرر کی ہے اور ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی کو مردود قرار دیدیا ہے (۱) اس لئے ہرگز ایسی بات نہ کہی جائے، جس طرح زنا کرنا جرم ہے، کسی کو زانی کہنا بھی حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۰ھ۔

مساجد کو شہید کرنے پر سزا فوراً کیوں نہیں دی جاتی؟

سوال [۳۵۴] : غیر قوم کو اللہ تعالیٰ ولی اللہ کی درگاہوں کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، لیکن اس کے گھروں کو یعنی مساجد کو شہید کرنے پر ان لوگوں کو فوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن شریف وحدیث شریف سے کہاں ثابت ہے کہ ولی اللہ کی درگاہ کو شہید کرنے پر فوراً سزا دیتا ہے، ۱۹۴۷ء سے اب تک مشرقی پنجاب میں کتنے اولیاء کی درگاہیں شہید کردی گئیں، اور بھی جگہ جگہ ایسا ہوا ہے مگر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور جہاں فوراً سزا دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، مساجد کے شہید کرنے پر فوراً سزا نہیں دی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۱ھ۔

سب سے پہلے کس کا حساب ہوگا؟

سوال [۳۵۵] : میدان حشر میں حساب پہلے کس کا ہوگا؟ آیا انسان کا یا جنات کا؟ پھر ان میں سے کون سے انسان کا پہلے حساب ہوگا یا کون سے جنات کا؟ آیا نبیوں میں سے کس نبی کا ہوگا؟ اولیاء یا عالموں یا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يرمون المحصنٰت، ثم لم يأتوا بأربعة شهدآء، فاجلدوهم ثمانين جلدةً، و لا تقبلوا لهم شهادة أبداً، و أولئک هم الفاسقون﴾. (النور : ۴)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن ربک فعال لما يريد﴾ (هود : ۱۰۷)

وقال الله تعالیٰ : ﴿سنستدرجهم من حيث لا يعلمون، و أملي لهم إن كيدي متين﴾. (سورة الأعراف : ۱۸۲، ۱۸۳)

www.besturdubooks.net

شہیدوں کا یا مجرموں کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں، اس پر نہ مدارِ نجات ہے، نہ کسی مسئلہ فقہیہ عملیہ کا ترتب ہے، اس لئے اس کی تفتیش کی ضرورت نہیں سمجھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

رمضان میں مرنے والے سے حساب

سوال [۳۵۲]: اگر کوئی شخص رمضان شریف میں مرجائے تو اس سے حساب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو پورا حساب ہوگا بعد رمضان یا بعد رمضان کچھ تخفیف کے ساتھ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

امید ہے کہ بالکل حساب نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن أشیاء إن تبد لکم تسؤکم﴾ (المائدة: ۱۰۱)

"المعنی لا تسئلوا عن أشیاء عفا الله عنها و لم یکلف بها". (التفسیرات الأحمدیه، ص: ۳۸۰)

"عن المغیرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن الله حرم علیکم عقوق الأمهات، و منعاً وهات و وأد البنات، و کره لکم قیل و قال و کثرة السؤال وإضاعة المال". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۲/ ۸۸۳، قدیمی)

(۲) "عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم: "من وافق موته عند انقضاء رمضان دخل الجنة".

"عن حذیفة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه و سلم: "من قال: لا إله إلا الله ابتغاء وجه الله ختم له بها، دخل الجنة، ومن صام یوماً ابتغاء وجه الله ختم له به، دخل الجنة". (شرح الصدور للعلامة السیوطی، ص: ۳۰۲، باب أحسن أوقات للموت، دار المعرفة بیروت)

"قال أهل السنة و الجماعة: عذاب القبر حق، و سوال منکر و نکیر و ضغطة القبر حق، لکن إن =

www.besturdubooks.net

حشر میں والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے؟

سوال [٣٥٧]: کیا قبر یا حشر میں میت کو باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ سنن ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے جو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اپنے نام اچھے رکھو کیونکہ حشر میں اپنے باپ داداؤں کے نام سے پکارے جاؤ گے" (١)۔ حدیث وقرآن پاک سے ثبوت دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حشر میں ماں کی طرف منسوب کر کے پکارے جانے کے متعلق کوئی قوی حدیث میری نظر سے نہیں گزری، البتہ بذل المجہود شرح ابوداؤد: ٥/ ٢٦٧، میں نقل کیا ہے:

"قد جاء في بعض الروايات أنه يدعى الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم، فقيل: الحكمة فيه ستر حال أولاد الزنا لئلا يفتضحوا، وقيل: ذالك لرعاية حال عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام، وقيل: غير ذلك، فإن ثبت هذه الرواية حمل الآباء على تغليب كما في الأبوين، أو يحمل أنهم يدعون تارةً بالآباء، وأخرى بالأمهات، أو البعض بالآباء والبعض بالأمهات" (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ٥/٤/٨٩ھ۔

= كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، و يرفع عنه يوم الجمعة و شهر رمضان". (رد المحتار: ١٦٥/٢، سعيد)

(و كذا في شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ١٠١، بحث عذاب القبر، قديمي)

(١) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم و أسماء آبائكم، فأحسنوا أسماء كم". (أبو داؤد، أول كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ٣٢٨/٢، حقانيه ملتان)

(٢) (بذل المجهود، كتاب الأدب، باب في تغيير الاسماء: ٢٦٧/٥، معهد الخليل)

"در بعضے روایات آمدہ کہ روز قیامت مردم را بنام مادران خوانند، وگفتہ اند کہ حکمت درین آن ست کہ تا اولاد زنا شرمندہ ورسوا نشوند، وبجہت رعایت حال عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پدر ندارد"۔ (اشعة اللمعات، كتاب الآداب، =

www.besturdubooks.net

کیا سب شاعر دوزخ میں جائیں گے؟

سوال[۳۵۸] : دورانِ گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ اکثر شاعر جو غلط گوئی کرتے ہیں دوزخ میں جائیں گے، اس پر حکیم شکیل صاحب نے برجستہ فرمایا کہ اگر اکثر شاعر دوزخ میں جائیں گے تو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ بھی شاعر تھے، علمائے دین کی اس میں کیا رائے ہے اور اس شخص پر کفر عائد ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شعر تو کلام موزون ہے صحیح ہو تو صحیح ہے، غلط ہو تو غلط ہے(۱) محض وزن کی وجہ سے اس پر جنت، دوزخ

= باب الأسامي : ۴/ ۵۰، مكتبه نوريه سكهر)

"وأن الناس يدعون يوم القيامة بأمهاتهم، وأن الحكمة في الدعاء بهن دون الآباء رعاية حق عيسى عليه الصلاة والسلام، وشرف الحسن والحسين، ولا يفضح أولاد الزنا، وليت شعري أيهما أبدع أصحة تفسيره أم بهاحكمة انتهى، وهو مروى عن محمد بن كعب". (روح المعاني، (الاسراء: ۷۱): ۱۵/ ۱۲۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الجامع أحكام القرآن للقرطبي، (الإسراء: ۷۱): ۱۰/ ۱۹۳، دار الكتب العلمية)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت :ذكر عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الشعر، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم": "هو كلام فحسنه حسن ،وقبيحه قبيح". رواه الدار قطني". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، قديمي)

"والغرض أنه صلى الله عليه وسلم استحسن شعر أمية واستزاد من إنشاده لما فيه من الإقرار بوحدانية الله تعالى والبعث، وهذا يؤيد قول من قال من أرباب الحال :انظر إلى ما قال، ولا تنظر إلى من قال ....وفيه استحباب إنشاد الشعر المحمود المشتمل على الحكمة". (المرقاة، المصدر المتقدم: ۸/ ۵۴۰، رشيديه)

"وقال في تبيين المحارم :واعلم أن ما كان حراماً من الشعر ما فيه فحش، أو هجو مسلم، أو كذب على الله تعالىٰ، أو رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو على الصحابة أو تزكية النفس أو الكذب، أو التفاخر المذموم، أو القدح في الأنساب، و كذا ما فيه وصف أمرد أو امرأة بعينها إذا كانا حيين". (رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، قبيل فصل في اللبس: ۶/ ۳۵۰، سعيد)

"وفي النوازل: قراءة شعر الأديب إذا كان فيه ذكر الفسق والخمر والغلام يكره والاعتماد في الغلام على ما ذكرنا في المرأة كذا في المحيط . قيل: إن معنى الكراهة في الشعر أن يشتغل الإنسان =

www.besturdubooks.net

کا حکم مرتب نہیں ہوتا۔ جو شخص عقائد حقہ کے خلاف بات کہے، دین کا اور اہل دین کا مذاق اڑائے، زمین وآسمان کے قلابے ملائے وہ مجرم ہے (۱) اور شعر بکثرت ایسے ہی ہوتے ہیں۔

جو لوگ دین کی تعلیم اور اخلاق کی ہدایات اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور اللہ پاک کی حمد کو اشعار میں پیش کرے وہ مجرم نہیں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہی تھے) (۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آجکل کے شعراء پر قیاس کرنا غلط ہے۔ حکیم شکیل احمد صاحب کے سامنے یہ تفصیل پیش کردی جائے، امید کہ وہ اپنی بات سے رجوع کر کے توبہ واستغفار کریں گے اور فتوی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۰ھ۔

کیا کلمہ پڑھ کر مرنے والے کو بداعمالی کی سزا ہے؟

سوال [۳۵۹] : جس آدمی کا خاتمہ ایمان پر ہو یعنی کلمہ پڑھ کر مرگیا ہو، آیا اس کو اس کی بداعمالی کی سزا

= بہ، فیشغله ذلک عن قرأة القرآن والذکر، أما إذا لم یکن کذلک، فلاباس به إذا کان من قصده أن یستعین به علی علم التفسیر والحدیث، کذا فی الظهیریة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو وسائر المعاصی والأمر بالمعروف: ۵/۳۵۱، ۳۵۲، رشیدیه)

"ولو کان فی الشعر حکم أو قصة لا یکره وکذا لو کان فیه ذکر امرأة غیر معینة، وکذا لو کانت معینة وهی میتة، ولو کانت حیةً یکره". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۸/۲۳۶، رشیدیه)

(۱) "فی شرح مسلم: قالوا: المراد منه أن یکون الشعر غالباً علیه متولیاً بحیث یشغله عن القرآن أو غیره من العلوم الشرعیة، وذکر الله تعالی، وهو مذموم من أی شعر کان ......وقال السیوطی: قیل: خاص بشعر هجی به النبی صلی الله علیه وسلم لروایة شعراً هجیت به، قلت: الظاهر الإطلاق وهو یدخل فیه دخولاً أوّلیاً، ولعل وجه تخصیصه بالذکر تنبیهاً علی أنه اقبح أنواعه، أو شعاراً بأن الشعر مذموم؛ لأنه قد یؤدی إلی ذلک ....فإن هذا النوع من الشعر وما یلحق به من هجو مسلم أو افتراء مذموم". (مرقاة المفاتیح، کتاب الأدب، باب البیان والشعر، الفصل الأول: ۸/۵۳۶، مکتبه حقانیه پشاور)

(۲) "والغرض أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم استحسن شعر أمیة، واستزاد من إنشاده، لما فیه من الإقرار بوحدانیة الله تعالیٰ والبعث، وهذ یؤید قول من قال من أرباب الحال: أنظر إلی ماقال ولا تنظر إلی من قال ... وفیه استحباب إنشاد الشعر المحصور المشتمل علی الحکمة". (المرقاة المصدر المتقدم)

www.besturdubooks.net

ملے گی؟ یا بلا سزا اور بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بد اعمالی کی سزا کا وہ بھی مستحق ہے، حق تعالیٰ فضل فرمادے تو بے حساب جنت میں داخل کردے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۳ھ۔

نافرمانوں کا حشر

سوال[۳۶۰]: جولوگ شریعت پر مطلقاً عمل نہیں کرتے ان کا کیا حشر ہوگا؟ بخشش ہوگی یا نہیں جب کہ روز بروز اس کی نافرمانی کرنے سے اس کا قلب سیاہ ہوتا جاتا ہے تو ایمان کیا باقی رہتا ہوگا؟ نیز جولوگ علی الاعلان کبائر میں مبتلا ہوں اور دین کی باتوں کا مذاق بھی اڑاتے ہوں تو ان کا کیا حال ہوگا اور کبائر میں کھلے عام مبتلا ہوں مگر ان کو اس پر ندامت بھی ہو تو انکا کیا حال ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تحت سزا کے مستحق ہونے کے باوجود حق تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادے تو کوئی مانع نہیں: ﴿یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء﴾ (۲) اور جس کو ندامت ہوجائے جو کہ توبہ کی اصل ہے تو یہ بھی سبب

---

(۱) "و یجوز العقاب علی الصغیرة سواء اجتنب مرتکبها الکبیرة أم لا لدخولها تحت قوله تعالیٰ: ﴿ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء﴾ ...... والعفو عن الکبیرة الخ". (شرح العقائد النسفی، ص: ۸۶، ۸۷، المطبع الیوسفی)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، ص: ۱۲۸، قدیمی)

"(وعذابه): أی إیلامه (حق کائن للکفار کلهم أجمعین، و لبعض المسلمین): أی عصاة المسلمین ...... الخ" (شرح فقه الأکبر ص: ۱۰۱، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا یغفر ان یشرک به، و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

(۲) (المائدة: ۱۸)

و قال تعالیٰ: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادک، وإن تغفر لهم فإنک أنت العزیز الحکیم﴾ (المائدة: ۱۱۸)

www.besturdubooks.net

مغفرت ہے(۱)﴿إني لغفارٌ لمن تاب﴾ (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

گناہ سے توبہ کافی ہے، تو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

سوال [۳۱۱]: کیا توبہ کرنے سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اگر بخش دیئے جاتے ہیں تو زمانہ سابقہ میں یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں کو سزائیں کیوں دی جاتی تھیں، کیا وہ لوگ توبہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر توبہ کر سکتے تھے اور بہت سے لوگوں نے توبہ کیں بھی تو ان کو رجم کیوں کرتے تھے؟ ''تبلیغ دین'' مترجم مولانا عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کی شہرت بھی کرتا رہے تو حدیث میں آیا ہے کہ یہ گناہ کبھی معاف نہ ہوگا، ایسے گناہ کسی صورت سے بھی معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

توبہ جب اپنی شرط کے مطابق ہوگی تو قبول ہوگی اور گناہ بخش دیئے جائیں گے (۳) جن گناہوں پر

---

(۱) "وفي شرح السنة: روى عنه موقوفاً، قال: "الندم توبة، والتائب من الذنب كمن لا ذنب له".
(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۶، قديمي)

(۲) (طه: ۸۲)

البتہ دین کی باتوں کا مذاق اڑانے کے متعلق فقہاء کرام نے کفر کی صراحت کی ہے، لہٰذا اگر اس طرح مذاق اڑا کر بغیر توبہ واستغفار کے فوت ہوا تو بخشش بظاہر محل کلام ہے:

"والاستهزاء بشيء من الشرائع كفر، (قوله: كفر) أشار إلى فائدة تقييده في الهداية بأن لايترك الختان إستخفافاً بالدين". (ردالمحتار على الدر المختار: كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۳، سعيد)

"ثم كون التوبة سبباً لغفران جميع الذنوب وعدم المواخذة بها مما لاخلاف فيه بين الأئمة، وليس شئ يكون سبباً لغفران جميع الذنوب إلا التوبة، كما قال الله تعالى: ﴿قل يا عبادي الذين اسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً" هذا مختص بمن تاب من الكفر. فإن الله لايغفر أن يشرك به﴾. (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۵۷، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءً ا أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (النساء: ۱۱۰) =

www.besturdubooks.net

دنیوی سزا (حد) اوراخروی عذاب ہر دو کا شریعت نے ترتیب بتایا ہے، محض توبہ کرنے سے دنیوی سزا (حد) مرتفع نہیں ہوتی ہے۔ کذا فی فتح القدیر(۱)۔

تبلیغِ دین میں یہ حدیث شریف کا مضمون ہے۔ گناہ کی شہرت ایک مستقل گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے اس سے بھی توبہ ضروری ہے(۲) جب اس سے بھی سچی توبہ کرے گا تو انشاء اللہ معافی ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

ریاکار کی سزا

سوال[۳۲۲]: عبادات میں ریاکاری کو جو شرک اصغر حدیثوں میں فرمایا ہے تو کیا اس شرک اصغر کا

= "توضيحه أن ما ذكره الإمام الغزالي من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها فهي مقبولة لا محالة". (شرح فقه الاكبر، ص: ۱۶۰، بحث التوبة، قديمي)

(۱) "فأخبر أن جزاء فعلهم عقوبة دنيوية وعقوبة أخروية، إلا من تاب فإنها حينئذ تسقط عنه العقوبة الأخروية. وبالإجماع للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا." (فتح القدير، كتاب الحدود: ۲۱۱/۵، مصطفى البابي الحلبي)

"وأجمعوا أنها لا تسقط الحد في الدنيا". (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۴، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿ذلك لهم خزي في الدنيا، ولهم في الأخرة عذاب عظيم﴾". (المائدة: ۳۳)

"فقد جمع الله تعالى بين عذاب الدنيا والأخرة عليهم، وأسقط عذاب الأخرة بالتوبة، فإن الاستثناء عائد إليه للإجماع على أن التوبة لاتسقط الحد في الدنيا". (البحر الرائق، كتاب الحدود: ۴/۵، رشيديه)

(۲) "چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام گنہگار بخش دیئے جائیں گے مگر گناہوں کا اعلان وافشاء کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے۔" (تبلیغِ دین، پہلی اصل توبہ کا بیان، ص: ۲۰۲، مکتبہ تھانوی)

www.besturdubooks.net

مرتکب بھی مخلد فی النار ہوگا، یا چندمدت جہنم میں رہ کر خلاصی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اصالۃً تو عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے لیکن کسی قدر اس میں ریا کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے تو اس سے خلود فی النار نہیں ہوگا (۱)؟ مگر عبادات کی نگرانی بے حد ضروری ہے کہ ریا سے بالکل پاک صاف ہوں اور اس کے لئے استغفار و دعا بھی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قاتل و مقتول ہر دو کے لئے جہنم کی وعید کب ہے؟

سوال [۳۶۳] : اگر کوئی شخص ناحق کسی کو دباوے حتیٰ کہ اس کو جان سے مارنے کے لئے تیار ہوجائے تو مقتول جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ مقتول کن حالات میں جہنمی ہوگا؟ اور قاتل کن حالات میں؟ اور کہاں صبر جائز ہوگا اور کہاں نہیں؟

---

(۱) ریا گناہ ہے اور گناہ کی وجہ سے خلود فی النار کا عذاب ہونا اہل سنت والجماعۃ کا مسلک نہیں ہے، البتہ جس عمل میں ریاکاری کی آمیزش کی ہو تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء﴾. (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"و لا نقول: إن المؤمن المذنب یخلد فیها و إن کان فاسقاً: أی بارتکاب الکبائر جمیعها بعد أن یخرج من الدنیا مؤمناً". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص:۷۷، قدیمی)

"والریاء إذا وقع فی عمل من الأعمال، فإنه یبطل أجره" قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس﴾ (البقرة: ۲۶۴) و قال علیه السلام: " لا یقبل اللہ تعالیٰ عملاً فیه مقدار ذرة من الریاء". (شرح الفقه الأکبر لأبی منصور الماتریدی، ص:۱۳۳، مبحث حکم الریا)

(و کذا فی شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص:۷۸، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و من یعمل سوءً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر اللہ، یجد اللہ غفوراً رحیماً﴾ (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿أفلا یتوبون إلی اللہ و یستغفرونه واللہ غفور رحیم﴾. (سورة المائدة: ۷۴)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداًومصلیاً:

حمیتِ جاہلیت کی وجہ سے جب دوشخص قتال کریں اور ہر ایک دوسرے کوقتل کرنے کا عزم رکھتا ہو تو قاتل ومقتول دونوں کے لئے جہنم کی وعید ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۰/۹۵ھ۔

مرتکب قتل عمد کی مغفرت وخودکشی

سوال[۳۶۴]: ۱.....قتل عمد کے مرتکب کی مغفرت ممکن ہے کہ نہیں،اگر ہے تو بعد العذاب یا قبل العذاب؟ کوئی ایسی شکل ہے کہ عذاب سے کلیۃً بری ہوجائے،اولیائے مقتول کی معافی سے یا مقتول کے ایصال ثواب وغیرہ کرنے سے؟ جوشکل ہوتحریر فرمادیں۔

۲.....خودکشی سے متعلق کیا حکم ہے،اس میں بھی کوئی شکل ہے کہ عذاب سے بچ جائے،جرم کے بعد توبہ کرنے سے امید مغفرت ہے مگر یہاں تو اس کا موقع ہی نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....ہر مرتکب کبیرہ کی مغفرت ممکن ہے اگر شرائط متحقق ہوں (۲)،یا تو قتل عمد کا قصاص دے ورنہ اولیاء سے صلح کرے،معافی چاہے(۳) مقتول کوایصال ثواب کرے جس قدر بھی ممکن ہو،مقتول کے ساتھ

---

(۱) "عن أبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار" قلت: هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: "إنه كان حريصاً على قتل صاحبه". (متفق عليه). (مشكوة المصابيح: باب قتل أهل الردة والسعاة بالفساد: ص، ۳۰۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفر صاحبها اهـ: ۱/۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة: ۲/۳۸۹،قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به، ويغفر مادون ذلك لمن يشاء﴾. (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"وتوضيحه ما ذكره الإمام الغزالي من أن التوبة إذا استجمعت شرائطها، فهي مقبولة لامحالة". (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۶۰، قديمي)

(۳) "وموجب ذلك المأثم والقود، إلا أن يعفو الأولياء أو يصالحوا، ولا كفارة فيه عندنا". (الفتاوىٰ —

www.besturdubooks.net

خیر خواہی کرے اور اس کو نفع پہنچائے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کو راضی کر کے اس قاتل کی سزا کو بالکل ہی معاف فرمادیں (۱)، ورنہ تخفیف تو ضرور ہی ہو جائے گی اور پھر بقیہ سزا کے بعد چھٹکارا ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوا ہے تو اس کے لئے کسی کبیرہ کی وجہ سے عذاب دائمی نہ ہوگا بلکہ انجام کار دخول جنت میسر ہوگا۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے (۲)۔

۲.....خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے (۳)، اللہ پاک قادر ہے کہ بغیر توبہ بھی معاف فرمادے (۴) اگرچہ قانون یہی ہے کہ بغیر توبہ کے کبائر کی معافی نہیں ہوتی (۵) اگر اس کے حسنات غالب ہوں نیز باقیات صالحات چھوڑ گیا ہو تب بھی عذاب سے بچ جانے کی توقع ہے (٦) ورنہ ایمان پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے انجام کار

= العالمكيرية، كتاب الجنايات: ٦/ ٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الجنايات: ٦/ ٥٢٩، سعيد)

(١) قال ابن كثير رحمه الله تعالى: "والذى عليه الجمهور من سلف الأمة -رحمهم الله تعالى اجمعين- وخلفها أن القاتل له توبة فيما بينه وبين الله تعالىٰ عزوجل، فإن تاب وأناب، وخشع وخضع، وعمل عملاً صالحاً، بدّل الله (تبارک وتعالىٰ) سيئاته حسنات، وعوض المقتول من ظلامته، وأرضاه عن ظلامته".

(تفسير ابن كثير، (النساء:٩٣): ١/ ٧١٤، مكتبة دار الفيحاء)

(٢) "وأهل الكبائر من المؤمنين لايخلدون في النار وإن ماتوامن غيرتوبة". (شرح العقائد، ص: ٨٨، المطبع اليوسفي)

(وكذا في النبراس ص: ٢٤١، امداديه ملتان)

(٣) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهوفي نارجهنم يتردى فيها خالداً مخلداًفيهاأبداً، ومن تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأبهافي بطنه في نارجهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه." (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ٢٩٩، قديمي)

(٤) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لايغفر أن يشرک به، ويغفرمادون ذلک لمن يشاء﴾. (النساء: ٤٨، ١١٦)

(٥) "وقسم يغفر بالتوبة وبدونها تحت المشية وهوالكبائر من حق الله تعالى". (مرقاة المفاتيح، باب الكبائر وعلامات النفاق: ١/ ٢١٨، رشيديه)

(٦) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذامات =

www.besturdubooks.net

ربانی یقینی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۱۹/صفر ۵۸ھ

خودکشی

سوال[۳۶۵]: اگر کوئی خودکشی کو حرام سمجھتے ہوئے خودکشی کر ڈالے تو اس کو کیسا گناہ ہوگا؟ اور عنداللہ اس کی بخشش کی امید ہے؟ عبدالرحمٰن پیش امام محلہ بیوپاریان قصبہ رل ضلع متھرا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خودکشی حرام ہے(۲) لیکن جب کوئی اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے اور عتاب کا خوف بھی اس کو ہے تو انشاء اللہ مغفرت کی امید ہے ﴿و یغفر ما دون ذلك لمن یشآء﴾ الایة(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/صفر/۵۳ھ۔

خودکشی کا گناہ

سوال[۳۶۶]: خودکشی کرنے والے کا کیا حکم ہے اور آخرت میں اس کا کیا عذاب ہے؟

= الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله." (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲ قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۶۶۶، رقم الحاشية ۱)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مرتکب قتل عمد مغفرت اور خودکشی")

(۳) (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

"و ما كان من السيئات دون الشرك والكفر و لم يتب عنها صاحبها حتى مات مؤمناً، فإنه في مشيئة الله تعالى، إن شاء عذبه بالنار، و إن شاء عفا عنه، و لم يعذبه بالنار أصلاً". (الفقه الأكبر، ص: ۶، قديمي)

"و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء، من الصغائر و الكبائر مع التوبة أو بدونها خلافاً للمعتزلة". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۵، المطبع اليوسفي الفرنگي محلي)

(و كذا في النبراس، ص: ۳۳۳، امداديه ملتان)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

خودکشی کبیرہ گناہ ہے، سخت عذاب کا موجب ہے(۱) مگر جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا س کے لئے کبھی نہ کبھی نجات کی صورت ہو ہی جائے گی (۲) جس آلہ سے خودکشی کی ہے وہی آلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اپنے کو مارتا ہوا اٹھایا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۵/ ۹۲ھ۔

خودکشی کی سزا

سوال[۲۶۷] : اگر کوئی شخص کسی بناء پر خودکشی کرلے (نعوذ باللہ) تو اس کو کفار کی طرح دائمی عذاب ہوگا یا کبھی نجات کی امید کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر خاتمہ ایمان پر ہوا تو نجات کی امید ہے، دائمی عذاب کفار کے لئے ہے (۴)۔ فقط۔

---

(۱) "عن أبي هريرة – رضي الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم : "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً ، و من تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ، و من قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً". متفق عليه".(مشكوة المصابيح ، كتاب القصاص، الفصل الأول: ۲/ ۲۹۹، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان ، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه الخ : ۱/ ۷۲، قديمي)

(وجامع الترمذي ، أبواب الطب ، باب من قتل نفسه بسم أو غيره : ۲/ ۲۴، سعيد كراچي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾. الآية (سورة النساء: ۴۸، ۱۱۶)

(و أيضاً أنظر المسئلة الآتية تحت عنوان :"خودکشی کی سزا")

(۳)(راجع رقم الحاشية : ۱)

(۴) "وأهل الكبائر من المؤمنين لا يخلدون في النار وإن ماتوا من غير توبة لقوله تعالىٰ : ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (شرح العقائد النسفية للتفتازاني ، ص: ۸۸ ، المطبع ليوسفي)...... =

www.besturdubooks.net

زہر ملی ہوئی تاڑی پینے سے کیا خودکشی کا گناہ ہوگا؟

سوال [۳۶۸]: زید کو کوئی نشہ پینے کی عادت ہے مثلاً تاڑی، ایک مرتبہ کسی نے اس تاڑی میں زہر ملا کر دیدیا، جس کو پی کر زید کا انتقال ہوگیا۔ تو اب خودکشی کا گناہ کس پر ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عادی معصیت کے باوجود صورت مسئولہ میں زید خودکشی کا گنہگار نہیں، لعدم قصوره وعدم علمه (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

شیطان کی مہلت اور حشر

سوال [۳۶۹]: کیا شیطان کو قیامت آنے تک مہلت دی گئی ہے؟ قیامت کے روز اس کا کیا حشر ہوگا؟ کیا وہ توبہ کرنے کے بعد بخش جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیطان نے بہت چالاکی سے دعا کی تھی: ﴿أنظرني إلى يوم يبعثون﴾ (۲) جس روز مردے قبر سے اٹھیں گے اس روز تک کے لئے مجھے مہلت دے دو (تاکہ موت سے بچا رہوں)، وہاں سے جواب میں فرمایا گیا:

= (وكذا في النبراس، ص: ۲۴۱، امداديه ملتان)

"ولا نقول: إنه يخلّد فيها، وإن كان فاسقاً بعد أن يخرج من الدنيا مؤمناً". (الفقه الأكبر، ص: ٦، قديمي)

"وأهل الكبائر من أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في النار لا يخلدون إذا ماتوا وهم موحدون وإن لم يكونوا تائبين، بعد أن لقوا الله عارفين مؤمنين". (العقيدة الطحاوية، ص: ۱۱، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولاتزر وازرة وزر اخرى﴾. (سورة الزمر: ۷، پ: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿من عمل صالحات فلنفسه ومن أساء فعليها﴾. (حم السجدة: ۴۶، پ: ۲۴)

وقال الله تعالى: ﴿لايكلف الله نفسا إلا وسعها﴾. (سورة البقرة: ۲۸۶، پ: ۳)

(۲) (سورة ص: ۷۹)

www.besturdubooks.net

﴿إنك من المنظرين إلى يوم الوقت المعلوم﴾ (۱) جس دن نفخ صور ہوگا جس سے سب مرجائیں گے اس روز تک مہلت دیدی گئی (نفخ صور کے دن سب کی موت کے ساتھ تجھے بھی موت آئے گی، موت سے چھٹکارا نہ ملے گا) اس کو توبہ کی توفیق نہیں ہوگی، وہ لعنت کے ساتھ رہے گا (۲)، جہنم میں جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

اہل کتاب ضالین و مضلین دونوں مستحق عذاب ہیں

سوال [۳۷۰]: ۱..... علمائے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ جو قرآن پر ایمان نہیں لائے اور عوام کو بھی گمراہ کیا، اسی پر ان کا خاتمہ بھی ہوا، یہ تمام لوگ جہنمی ہیں یا صرف علماء ہی جہنم میں جائیں گے، عوام پر گناہ نہیں؟

۲..... فرقہ شیعہ و قادیانی وغیرہ کے علماء نے جو لوگوں کو گمراہ کیا اس کا عذاب بھی صرف ان کے علماء پر ہی ہوگا یا عوام بھی شامل ہوں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲..... جو گمراہ ہوئے ہیں ان کو بھی عذاب ہوگا اور جنہوں نے گمراہ کیا ہے ان کو بھی عذاب ہوگا، جن لوگوں کو گمراہ کیا گیا ہے وہ جب عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے تو بہت کچھ معذرت کریں گے کہ ہمیں دوسرے گمراہوں نے گمراہ کیا ہے، لیکن کوئی شنوائی نہ ہوگی، نیز گمراہ کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا ہے، اگر تم گمراہ نہ کرتے تو ہم ایمان لے آتے، وہ جواب دیں گے ہم نے تم پر جبر نہیں کیا تھا تم اپنے اختیار سے کافر ہوئے، تب پھر وہ دعاء کریں گے کہ اے اللہ! انہیں دوہرا عذاب دے، انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے۔ یہ سب قرآن شریف میں ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/۵۶ھ۔

---

(۱) (سورة ص: ۸۰، ۸۱)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و إن عليك لعنتي إلى يوم الدين﴾ (سورة ص، رقم الآية: ۷۸)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿لأملئن جهنم منك و ممن تبعك منهم أجمعين﴾ (سورة: ص، رقم الآية: ۸۵)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿يوم تقلب وجوههم في النار يقولون: يليتنا أطعنا الله و أطعنا الرسولا، وقالوا: ربنا إنا =

www.besturdubooks.net

کافر غریب مصیبت زدہ کا انجام

سوال[۶۷۱]: دنیا میں غریب غیر مسلم بہت ہیں، یہاں پر بھی تکلیف میں ہیں اور عاقبت میں بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جہنم ہے اور غیر مسلم بعضے خوش حال اور مال دار ہیں، دنیا میں آرام سے ہیں اگر چہ عقبیٰ میں ایمان نہ ہونے سے جہنم ہے، اس کا کیا مطلب ہے غریب کو کہیں آرام نہیں ملا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں وہ غریب غیر مسلم بہت قابلِ حسرت ہے جو یہاں بھی غربت کی مصیبت میں ہے اور مرنے کے بعد بھی اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں رہے گا، لیکن یہاں ایمان قبول کرنا اور اعمال صالحہ کرنا اس کے لئے ممنوع نہیں ہے (۱) بلکہ ہدایت کا دروازہ اس کے لئے بھی کھلا ہوا ہے وہ اس دروازہ میں نہ آئے تو کسی کا کیا قصور

= أطعنا سادتنا و كبرآءنا فأضلونا السبيلا، ربنا اٰتهم ضعفين من العذاب والعنهم لعناً كبيراً﴾. (الأحزاب: ۶۷، ۶۸)

قال الله تعالى: ﴿ولو ترى إذ الظالمون موقوفون عند ربهم يرجع بعضهم إلى بعض القول، يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا: لو لا أنتم لكنا مؤمنين، قال الذين استكبروا للذين استضعفوا: أنحن صددناكم عن الهدى بعد إذ جاء كم، بل كنتم مجرمين، وقال الذين استضعفوا للذين استكبروا: بل مكر الليل والنهار إذ تأمروننا أن نكفر بالله ونجعل له أنداداً، وأسروا الندامة لما رأوا العذاب﴾. (سورة سبا: ۳۱ - ۳۳)

وقال الله تعالى: ﴿كلما دخلت أمة لعنت أختها حتى إذا اداركوا فيها جميعاً، قالت أخراهم لأولهم: ربنا هؤلاء أضلونا فاٰتهم عذاباً ضعفاً من النار، قال: لكل ضعف ولكن لاتعلمون، وقالت أولهم لأخراهم: فما كان لكم علينا من فضل، فذوقوا العذاب بما كنتم تكسبون﴾. الآية (الأعراف: ۳۸، ۳۹).

(۱) "خلق الله تعالىٰ الخلق سليماً من الكفر والإيمان، ثم خاطبهم وأمرهم ونهاهم، فكفر من كفر بفعله وإنكاره وجحوده الحق بخذلان الله تعالىٰ إياه، وآمن من آمن بفعله وإقراره وتصديقه بتوفيق الله تعالى إياه ونصرته له". (الفقه الأكبر، ص: ۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

ہے؟ ﴿أنلزمکموھا وأنتم لها کارھون﴾ الآیة (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ولادتِ شریفہ سے خوش ہوکر باندی آزاد کرنے پر بھی کیا عذاب جہنم ہوگا؟

سوال[۳۷۲]: پیارے نبی کی پیدائش کے موقعہ پر آپ کے چچا ابولہب نے ایک لونڈی کو آزاد کیا تھا جس سے خداوند کریم بہت خوش ہوئے تو پھر جہنم کیوں ملی؟ اور ہر سال پیارے نبی کی ولادت کے دن وتاریخ کو اس کے عذاب میں کمی کردی جاتی ہے، کہاں تک سچ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لونڈی کا آزاد کرنا کتب تواریخ میں موجود ہے(۲) اور عذاب میں کسی قدر تخفیف ایک خواب میں مروی ہے(۳)، ابولہب کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس کا جہنم میں جانا قرآن میں مذکور ہے: ﴿سیصلی ناراً ذات لهب﴾(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۶۴ھ۔

---

(۱) (سورة هود: ۲۸)

(۲) "و فيه أن أبا لهب قال للعباس: إنه ليخفف عليّ في مثل يوم الإثنين، قالوا: لأنه لما بشّرته ثويبة بميلاد ابن أخيه محمد بن عبد الله أعتقها من ساعته، فجوزي بذلك لذلك". (البداية والنهاية، حواضنه و مراضعه عليه الصلاة والسلام: ۱/۲۷۳، دار الفكر بيروت)

(۳) "قال عروة: و ثويبة مولاة لأبي لهب، كان أبو لهب أعتقها، فأرضعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فلما مات أبو لهب أريه بعض أهله بشرّ حيبة، قال له: فماذا لقيت؟ قال أبو لهب: لم ألق بعدكم غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب و أمهاتكم اللاتي أرضعنكم اهـ: ۲/۷۶۴، قديمي)

(۴) (سورة اللهب: ۳)

www.besturdubooks.net

قیامت میں جانوروں سے حساب

سوال [۲۷۳]: اگر ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو سینگ دے کر بدلہ دلوائیں گے۔ مقررین وواعظین اسے بیان کرتے ہیں تو کیا یہ مخلوق بھی حساب کی مکلف ہوگی اور عذاب، ثواب کی مستحق ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے، ترمذی شریف میں بھی ہے(۱)، اس بدلہ کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے: "قالوا: هذا قصاص مقابلة لا قصاص تكليف، يؤخذ من الأطفال والمجانين والحيوانات كلها، كذافي الطيبي واللمعات "(۲)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۸/ ۱۳۹۵ھ۔

معذبین کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟

سوال [۲۷۴]: بعض غیر قوم کے بعض افراد نے قانونِ خداوندی پر اعتراض کیا ہے کہ ابتدائی دنیا سے انتہائی دنیا تک جتنے لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور پیدا کرے گا، اس کے متعلق قرآن وحدیث کی

(۱) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالى عنه– أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لتؤدن الحقوق إلى أهلها حتى تقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء." (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص: ۲/ ۶۷، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

(۲) (الهامش على جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب ماجاء في شان الحساب والقصاص ص: ۲/ ۶۷، سعيد)

" وأما القصاص من القرناء للجلحاء، فليس هو من قصاص التكليف، إذلا تكليف عليها، بل هو قصاص مقابلة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ۲/ ۳۲۰، قديمي)

(وكذا في المرقاة، كتاب الآداب، باب الظلم: ۸/ ۸۵۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

روشنی میں غیر اقوام کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے اور وہ تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، آیا ہم لوگ خدا کے بندے نہیں کہ وہ جو شرک ہم نے کیا ہے وہ ستر ماں کی محبت رکھنے والا کیوں معاف نہیں کرتا اور چند مدت کے لئے سزا دے کر اس کے بعد جنت میں داخل کیوں نہیں کرتا؟ کیا اللہ کے یہاں یہ انصاف نہیں ہے؟ جس طرح مسلمان گناہ گاروں کو چند دن کے لئے دوزخ میں ڈالے گا، اس کے بعد جنت میں بھیج دے گا۔

یوں دیکھا جائے تو تمام مسلمانوں کی تعداد جو ابتدائی دنیا سے ہے اور انتہائی دنیا تک ہے، بہت قلیل ہے بنسبتِ غیر اقوام کے، کیا اللہ کو اپنے بندوں کو سزا دینا اور ان کو ہمیشہ تکلیف دینے سے مسرت حاصل ہوتی ہے، یہ کیوں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ براہ راست جنت میں جانے والوں کی تعداد تو بہت قلیل ہوگی، اس کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہے، ان سے محبت کے باوجود کم تعداد میں پیغمبروں کے ذریعہ اسلام کی ہدایت کیوں دی؟ وہ حقیقت میں ستر ماں کی محبت رکھنے والا ہوتا تو پیغمبروں کی نصائح کو جو ابتدائی دنیا سے لے کر انتہائی دنیا تک کے بندوں کے دلوں میں اتار کر اور شیطان کی طاقت کو روک کر تمام بندوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرماتا اور ان تمام لوگوں کو جنت کا مستحق بنا دیتا، ایسا نہیں کیا ہے، کیا خداوند تعالیٰ ستر ماں کی محبت نہیں رکھتا ہے، ہم لوگ غیر قوم کو اس سوال کا جواب کیسے دیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر قوم کے لوگ جو اعتراض کرتے ہیں تو اس کے جواب کی ذمہ داری آپ نہ لیں جب تک آپ کے پاس قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، عقائد کا علم باقاعدہ حاصل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ڈاکٹری نہیں پڑھی اور وہ دوسرے مریض کو بتانے کے لئے دوا کی تحقیق کرے کہ فلاں مرض میں فلاں مریض کو کیا دوا دی جائے، دنیا میں مریض بے انتہا اور مرض بھی بے انتہا، ہر مرض کی دوا ہر مریض کے لئے ڈاکٹروں سے دریافت کرتا پھرے گا تو پریشان ہو جائے گا، پھر بغیر سمجھے مریضوں کو دوا بتائے گا، تو ہو سکتا ہے کہ اصل مرض کو بغیر سمجھے ہی دوا بتا دے جس سے مریض کو نقصان پہونچ جائے اس کے لئے تو باقاعدہ ڈاکٹری کا پڑھنا اور علاج سیکھنا ضروری ہے۔

اصولی طور پر آپ خود اس بات کو سمجھ لیں کہ ایک شخص وہ ہے جو ایک حکومت کو تسلیم کرتا ہے، رعیت بن کر رہتا ہے، بغاوت نہیں کرتا ہے، کبھی کسی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے حکومت اس کو سمجھاتی ہے، کبھی سزا بھی دیتی

www.besturdubooks.net

ہے پھر چھوڑ دیتی ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے، رعایا نہیں بنتا ہے، حکومت کی بغاوت کرتا ہے، حکومت کو ختم کر کے اپنا قانون چلانا چاہتا ہے، ایسے شخص کو حکومت معاف نہیں کرتی بلکہ قتل کرا دیتی ہے، یا ہمیشہ کے لئے محبوس رکھتی ہے، اس پر رحم کر کے معاف کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اسی مثال سے مسلم اور غیر مسلم کا فرق سمجھ لیا جائے کہ مسلم تو ایمان رکھتا ہے (حکومت کو تسلیم کرتا ہے) غیر مسلم ایمان نہیں رکھتا (حکومت کو تسلیم نہیں کرتا ہے) یہ آپ کے سمجھنے کے لئے ہے غیر قوموں کو آپ خود جواب نہ دیں بلکہ کہہ دیں کہ علماء سے دریافت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کا راستہ دنیا میں بتلا دیا(۱)، اب انسان خود اپنے اختیار سے صحیح راستہ کو اختیار کرے غلط راستہ سے بچے، جیسے سورج کے ذریعہ سب جگہ روشنی پھیل گئی اب آدمی آنکھ کھول کر اس کی روشنی سے نفع اٹھائے، آنکھ بند کر کے نقصان اٹھائے گا تو خود ذمہ دار ہوگا، سورج کے ذمہ نہیں کہ زبردستی آنکھ کھلوائے، پھول اور کانٹے دونوں ہی موجود ہیں جس کا دل چاہے پھول حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جس کا دل چاہے کانٹوں میں پھنسے، نفع دینے والی عمدہ غذا بھی دنیا میں موجود ہے نقصان دینے والا زہر بھی موجود ہے، انسان اپنے اختیار سے نفع دینے والی عمدہ غذا کو حاصل کرتا ہے زہر سے بچتا ہے، اسی طرح اعمال کا حال ہے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا ہے (۲)۔ اگر کوئی اندھا آدمی نامحرم کو نہ دیکھے تو کیا کمال ہے، آنکھ والا آدمی اگر اپنی نظر کو غلط جگہ سے بچائے تو قابل تعریف ہے، اسی طرح جنت اور دوزخ کے اعمال کو سمجھ لیجئے، یہ بھی آپ کو سمجھانے کے لئے ہے غیر قوموں کو جواب دینے کے لئے نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الم نجعل له عينين ولساناً وشفتين، وهديناه النجدين﴾ (سورة البلد: ۷، ۸)

(۲) "و إذا عرفت ذلك فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً، لا كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۰۲، دار النفائس بيروت)

(وكذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

سزا جزاء کا مقام

سوال [٣٧٥]: روز جزاء میں جب سزا وجزا دی جائے گی کس مقام پر ہوگی؟ مثلاً خانہ کعبہ ومدینہ وشام وغیرہ کہاں ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جزا وسزا تو جنت، دوزخ میں ہوگی اور حشر کا میدان ارض شام میں ہے، هكذا في تفسير ابن كثير، سورة الحشر: ٤/ ٢٣٢ (١) و مختصر تذكرة القرطبي، ص: ٤٣ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٤/ ٦/ ٦١ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ٢٤/ ٦/ ٦١ھ۔

جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟

سوال [٣٧٦]: بغیر عقیقہ کے شیر خوار بچہ انتقال کر جائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو والدین کو اس کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟

---

(١) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: من شک في أن أرض المحشر ههنا: يعني الشام، فليقرأ هذه الآية: ﴿هو الذي أخرج الذين كفروا من أهل الكتاب من ديارهم لأول الحشر﴾" قال لهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أخرجوا" قالوا: إلى أين؟ قال: "إلى أرض المحشر". (تفسير ابن كثير، (الحشر ٢): ٤/ ٣٢٥، مكتبه دار الفيحاء)

(٢) "وكان أول حشرٍ حشروا في الدنيا إلى الشام. قال: ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: من شک أن المحشر في الشام فليقرأ هذه الآية. و ذلک أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال لهم: "اخرجوا" قالوا: إلى أين؟ قال: "إلى أرض المحشر". (التذكرة للقرطبي، باب الحشر، و معناه: الجمع. ص: ٢٢٥، أسامة الاسلامية)

(وكذا في روح المعاني، (الحشر: ٢): ٢٨/ ٤٠، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ شفاعت نہیں کرے گا، کذا فی فیض الباری: ٣٣٧/٤، (١) لیکن حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محرومی ہو (٢)، شفاعت سقط (ناتمام بچہ جس کا اسقاط ہو جائے) بھی کرے گا (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) "ثم عند الترمذي حديث: أن الغلام مرتهن بعقيقته، و أجود شروحه ما ذكره أحمد، حاصله أن الغلام إذا لم يعق عنه، فمات، لم يشفع لوالديه". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ٣٣٧/٤، خضر راه بكذبو ديوبند)

(٢) "و قد ذكر في غرر الأفكار أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبي، أو تطوع على ما في شرح الطحاوي". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ٣٣٦/٦، سعيد)

"العقيقة عن غلام و عن جارية ...... مباحة، لا سنة و لا واجبة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب في تسمية الأولاد ..... والعقيقة: ٣٦٢/٥، رشيديه)

(٣) "عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره حتى يدخلهما الجنة". (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في من أصيب بسقط، ص: ١١٦، مير محمد)

www.besturdubooks.net

ما یتعلق بالجنة و نعیمها

(جنت اوراس کی نعمتوں کا بیان)

جنت پیدا ہو چکی یا نہیں؟

سوال[۳۷۷]: ایسے شخص کے متعلق جس کا خیال یہ ہے کہ جنت پیدا نہیں کی گئی ہے، یوم آخرت میں پیدا کی جائے گی، پھر معراج کا واقعہ، پھر آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا جنت کے اندر آنا یہ کیسے صحیح ہوگا؟ اور وہ یہ کہتا ہے کہ جنت کے معنی باغ کے ہیں اور واقعہ معراج اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا آنا باغ میں ہوا، لہذا ایسے شخص کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص کا یہ خیال صحیح نہیں، اس کو اپنے اس خیال کی اصلاح لازم ہے، اس لئے کہ یہ خیال اکثر معتزلہ کا ہے جو کہ جمہور اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک غلط ہے، شرح عقائد نسفی، ص: ۸۰ میں ہے:

"والجنة حق والنار حق، و هما مخلوقتان موجودتان، و زعم أكثر المعتزلة أنهما إنما تخلقان يوم الجزاء اهـ". (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۳۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۸۰، ۸۱ المطبع اليوسفي)

"جمهور المسلمين على أن الجنة والنار مخلوقتان الآن، خلافاً لأبي هاشم والقاضي عبد الجبار و من يجري مجراهما من المعتزلة حيث زعموا أنهما يخلقان يوم الجزاء". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في المعاد: ۳۵۸/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"أما قوله: إن الجنة والنار مخلوقتان، فاتفق أهل السنة على أن الجنة والنار مخلوقتان موجودتان الآن، و لم يزل أهل السنة على ذلك، حتى نبغت نابغة من المعتزلة والقدرية، فأنكرت ذلك وقالت: بل ينشئهما الله يوم القيامة" (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز: ص: ۴۲۰، قديمي) =

www.besturdubooks.net

جنت، دوزخ اور حوض کوثر کہاں ہیں؟

سوال[۴۷۸]: جنت دوزخ حوض کوثر آسمان پر ہوں گے یا زمین پر ہوں گے؟ جب کہ جنت، دوزخ اب بھی موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جنت اور دوزخ میں اب بھی انسان ہیں، جیسا کہ مظاہر حق اور تفسیر موضح القرآن میں ہے، تو پھر جنت دوزخ کہاں ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

جنت کے متعلق وارد ہے: ﴿و عرضها كعرض السماء والأرض﴾ (۱) اور دوسرے مقام پر ہے: ﴿عرضها السموات والأرض﴾ الاية (۲) پھر اس کے آسمان پر یا زمین پر ہونے کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، کوثر کا جنت میں ہونا احادیث میں بصراحت موجود ہے(۳) جہنم کا قعر فی الحال ساتویں زمین کے

= " (والجنة والنار مخلوقتان اليوم): أى موجودتان الآن قبل يوم القيامة ، لقوله تعالى فى نعت الجنة: ﴿أعدت للمتقين﴾ و في وصف النار: ﴿أعدت للكافرين﴾ وللحديث القدسي: (أعددتُ لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر)" و لحديث الإسراء: "أدخلت الجنة، و أريت النار" و هذه الصيغة موضوعة للمضي حقيقةً ، فلا وجه للعدول عنها إلى المجاز إلا بصريح آية أو صحيح دلالة ، و في المسألة خلاف للمعتزلة ". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري ، ص: ۹۸، قديمى)

(۱) (الحديد : ۲۱)

(۲) (آل عمران :۱۳۳)

(۳) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بينا أنا أسير في الجنة إذا أنا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف، قلت: ما هذا يا جبرئيل؟ قال: هذا الكوثر الذى أعطاک ربک، فإذا طينه مسک إذفر". (مشكوة المصابيح، ص:۴۸۷، باب الحوض ، قديمى)

"عن أنس رضى الله عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ما الكوثر؟ قال: "ذاک نهر أعطانيه الله": يعني في الجنة أشد بياضاً من اللبن و أحلى من العسل اهـ". (مشكوة المصابيح ، ص:۴۹۸، باب صفة الجنة و أهلها ، قديمى)

www.besturdubooks.net

نیچے ہے(۱) کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ: ۳۹۳/۲ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

کیا جنت اور دوزخ بھی فنا ہوں گی؟

سوال[۴۷۹]: آیت: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾ (۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ اور حاملانِ عرش فرشتے بھی فنا ہوں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے عرصہ تک ان پر عدم طاری رہے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اشکال صرف آیت سے ہے تو تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھئے، ان شاء اللہ تعالیٰ رفع ہوجائے گا، اس میں لکھا ہے: "(كل شيء) كل عمل لغير وجه الله (هالك) مردود (إلا وجهه) إلا ما ابتغي به جهة، و كل ملك زائل إلا ملكه (له الحكم) القضاء بين خلقه (وإليه ترجعون) بعد الموت فيجازيكم بأعمالكم اهـ" (۴)۔

اس تفسیر کو حافظ ابن کثیر نے بھی مجاہد اور ثوری سے نقل کیا ہے(۵) اگر اشکال کسی اور شیء سے مثلاً لفظ

---

(۱) "ثم الأصح أنه في السماء و يدل عليه قوله: ﴿عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى﴾ ...... و أما النار فقيل: تحت الأرضين السبع". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۹۸، قديمي)

"والصحيح أنه على السماء السابعة، و أما النار فالمشهور في الشرع أنها تحت الأرضين".

(النبراس، ص: ۳۴۰، مبحث مقام الجنة والنار)

(۲) (مجموعة الفتاوىٰ: ۱۰۵/۱، باب الجنة، سوال: ۳ سعيد)

(۳) (القصص: ۸۸)

(۴) (تفسير ابن عباس، (القصص: ۸۸)، ص: ۳۳۱، انتشارات استقلال تهران)

(۵) "قال مجاهد والثوري في قوله تعالى: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾: أي إلا ما أريد به وجهه".

(تفسير ابن كثير، (سورة القصص: ۸۸): ۵۳۵/۳، مكتبه دار الفيحاء)

www.besturdubooks.net

کے معنی لغوی یا اصطلاحی یا کسی تفسیر کی عبارت سے پیدا ہوا ہے تو اس کے معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

حجر اسود جنت کا پتھر ہے

سوال[۳۸۰]: کیا حجر اسود جنت کا پتھر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، حجر اسود جنت کا پتھر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

جنت میں دخولِ اوّلی کے لئے عمل

سوال[۳۸۱]: اگر کوئی شخص جنت میں دخول اولین کا مشتاق ہو تو کیا (اس کے لئے) کوئی عمل بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احکام شرع کی پابندی کرے(۲) کلمہ طیبہ کا ورد رکھے(۳) دخول اوّلی کی دعاء کرتا رہے(۴) جن اعمال پر دخول نار کی وعید ہے ان سے پورا پرہیز کرے، جن اعمال پر دخول جنت کی بشارت ہے ان کا اہتمام کرتا رہے(۵) ان شاء اللہ تعالیٰ دخول اوّلی کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بیاضاً من اللبن، فسوّدته خطایا بني آدم". رواه أحمد والترمذي". (مشکوة المصابیح، کتاب المناسک، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، ص: ۲۲۷، قدیمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء في فضل الحجر الأسود والركن والمقام: ۱/ ۱۷۷، سعید)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم النعمان بن قوقل فقال: یا =

www.besturdubooks.net

....

= رسول الله ! أرأيت إذا صليت المكتوبة، و حرمت الحرام و أحللت الحلال أ أدخل الجنة؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نعم". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام : ۱/۳۲، قديمي كتب خانه)

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "قوله حرمت الحرام أنه أراد به أمرين: أن يعتقد حراماً و أن لا يفعله بخلاف تحليل الحلال، فإنه يكفي فيه مجرد اعتقاده حلالاً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۳) "عن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من مات و هو يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة: ۱/۴۱، قديمي)

"قال النووي رحمه الله تعالىٰ في شرح الحديث المذكور : واعلم أن من مذهب أهل السنة و ما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كان سالماً من المعاصي كالصغير، والمجنون الذى اتصل جنونه بالبلوغ ، والتائب توبةً صحيحةً من الشرك أو غيره من المعاصي إذا لم يحدث معصيةً بعد توبة، والموفق الذى لم يبتل بمعصية أصلاً، فكل هذا الصنف يدخلون الجنة و لا يدخلون النار أصلاً .... وأمّامن كانت له معصية كبيرة و مات من غير توبة فهو في مشية الله، فإن شاء عفا عنه و أدخله الجنة أولا وجعله كالقسم الأول، و إن شاء عذّبه بالقدر الذى يريده سبحانه ثم يدخله الجنة، فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد و لو عمل من المعاصي ما عمل كما أنه لا يدخل الجنة أحد مات على الكفر و لو عمل من أعمال البر ما عمل .... و كذلك ما ورد في حديث عبادة من مثل هذه، ودخوله من أيّ أبواب الجنة شاء يكون ذلك خصوصاً لمن قال ما ذكره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و قرن بالشهادتين حقيقة الإيمان والتوحيد الذى ورد في حديثه، فيكون له من الأجر ما يرجح على سّيئاته، و يوجب له المغفرة والرحمة، ودخول الجنة لأول وهلة إن شاء الله". (شرح النووي على الصحيح لمسلم : ۱/۴۱، ۴۲، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ليس شيء أكرم على الله من الدعاء". (مشكوة المصابيح ، كتاب الدعوات ، ص: ۱۹۳ ، الفصل الأول ، قديمي)

"عن سلمان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن ربكم حيّي كريم ،=

www.besturdubooks.net

دخولِ جنت اعمالِ صالحہ سے ہوگا یا فضلِ خداوندی سے؟ ایک مکالمہ

سوال[۳۸۲]: زید اور بکر دو طالب علم آپس میں بحث کرتے ہیں، ان میں کس کی دلیل قوی ہے؟

زید: اعمالِ صالحہ سے جنت ہرگز نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ورنہ نہیں (سننے والے کہتے ہیں کہ بس تو نیکی، بدی کا کوئی اعتبار نہیں)۔

بکر: اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم عام ہے، فضل تو کافر مشرک پر بھی کرسکتا ہے، مگر قرآن پاک میں تو صالحین وشہداء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافر ومشرک کو جہنمی فرمایا ہے، دیکھو آیت شریفہ سورہ توبہ رکوع:۹: ﴿وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنّت تجري من تحتها الأنهار خلدين فيها، ومساكن طيبةً في جنّت عدن﴾ (۱)۔

دوسرے سورہ بینہ: ﴿إنّ الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين في نار جهنم خلدين فيها، أولئك هم شر البرية. إن الذين امنوا وعملوا الصالحات، أولئك هم خير البرية. جزائهم عندربهم جنّت عدن تجري من تحتها الأنهار خلدين فيها أبداً، رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذلك لمن خشي ربه﴾(۲) پھر تیسرے: "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قال:

= يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفراً". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، ص:۱۹۵، قديمي)

(۵) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعليه، والنار مثل ذلك". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الإستغفار والتوبة، الفصل الأول، ص:۲۰۷، قديمي)

قال علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "هذا لأن سبب دخول الجنة والنار مع الشخص وهو العمل الصالح والسيء، وهو أقرب إليه من شراك نعله، إذ هو مجاور له والعمل صفة قائمة به". (مرقاة المفاتيح: ۲۰۲/۵، رشيديه)

(۱) (التوبة: ۷۲)

(۲) (البينة: ۶،۷،۸)

www.besturdubooks.net

لاإله إلاالله محمدرسول الله، دخل الجنة"(۱)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

نفسِ دخولِ جنت تواللہ تعالیٰ کےفضل وکرم سے ہوگا(۲)(فضل کے مستحق باعتبارِقانونِ خداوندی وہ لوگ ہیں جوایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کریں اور معاصی سے مجتنب رہیں(۳)اورقانون سے بالاتریہ امربھی ہے کہ وہ بغیراعمالِ صالحہ کے بھی جس مومن پرچاہیں اپنالطف وفضل فرمادیں،نصوص واحادیث اس پربھی شاہد ہیں(۴)اورقدرت اس امرکی بھی ہے کہ اگرچاہیں توبےایمان کوبھی بخش دیں،مگرچونکہ اس کے نہ بخشنے کاوعدہ فرماچکے ہیں اوروعدہ خلافی کرنے کی باری تعالیٰ کی عادت نہیں،اس لئے وہ ایسا کریں گے نہیں)(۵)۔پھرجنت میں فرقِ درجات اعمالِ صالحہ کی حیثیت سے ہوگا،الکوکب الدری میں احادیث و

---

(۱) (تاریخ أصبهان لأبي نعيم: ۱/۲۱۲،أوربا)

(۲) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "لن ينجي احدأمنكم عمله"قال رجل: ولاإياك يارسول الله؟ قال:"ولاإياي، إلا أن يتغمدني الله منه برحمة، ولكن سددوا". (الصحيح لمسلم،كتاب صفة المنافقين وأحكامهم،باب لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى : ۲/۳۷۶،قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿إن الذين امنوا وعملوا الصالحات، كانت لهم جنات الفردوس نزلاً﴾. (الكهف:۱۰۷)

(۴) قال الله تعالى: ﴿يغفرلمن يشاء ويعذب من يشاء﴾. (المائدة: ۱۸)

وقال الله تعالى: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك، وإن تغفرلهم فإنك أنت العزيزالحكيم﴾. (المائدة:۱۱۸)

"عن أنس رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يخرج من النار من قال: لاإله إلا الله وفي قلبه وزن شعير من خير، ويخرج من النار من قال: لاإله إلا الله وفي قلبه وزن برة من خير، ويخرج من النار من قال: لاإله إلاالله وفي قلبه وزن ذرة من خير."(صحيح البخاري،كتاب الإيمان،باب زيادة الإيمان ونقصانه : ۱/۱۱،قديمي)

(۵) " وهي أنه هل يجوز الخلف في الوعيد؟فظاهر مافي المواقف والمقاصد أن الأشاعرة قائلون بجوازه، لأنه لايعد نقصاًبل جوداًوكرماً. و صرح التفتازاني وغيره بأن المحققين على عدم جوازه. =

www.besturdubooks.net

نصوص کی تائید سے اس کو ثابت کیا ہے(۱) لہذا نیکی بدی کو بیکار کہنا بھی جہالت ہے: ﴿فمن یعمل مثقال ذرّة خیراً یره، ومن یعمل مثقال ذرّة شراً یره﴾ (۲) اور محض اپنے اعمال صالحہ پر مغرور ہو کر فضل خداوندی سے مستغنی و بے نیاز ہونا بھی حماقت ہے: "إلا أن یتغمدني الله بغفرانه" الحدیث (۳)۔ یہ دونوں طالب علم اگر سامنے موجود ہوں تو دلائل سے بسہولت سمجھایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حور جنت کی خاص صفت

سوال [۲۸۲]: جنت میں حور عین وغیرہ اوران کا حسن و جمال ولطافت بے انتہا ہوگی حتی کہ ان کی

= وصرح النسفي بأنه الصحيح لاستحالته عليه تعالى، لقوله: ﴿و قد قدمت إليكم بالوعيد، ما يبدل القول لدي﴾. (سورة ق ۲۸، ۲۹). ﴿ولن يخلف الله وعده﴾. (سورة الحج: ۴۷) :أي وعيده، والأشبه ترجح جواز الخلف في الوعيد في حق المسلمين خاصةً دون الكفار". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء المحرم: ۱/۵۲۲، سعيد)

(۱) "قوله: (فإن منزلتك عند آخر آية تقرأها): ولما كانت درجات الجنان كأعداد آيات القرآن كان القارى لتمام كلام الله السبحان راقياً على أقاصي الدرجات، وفضل المدرجات فيها بينها في كل درجة كتفاوت مافي سائر الدرجات فيما بينها، فلا يتوهم تساوي القارى بالأنبياء عليهم السلام وغيرهم الخ". (الكوكب الدرى، أبواب فضائل القرآن، باب من قرأ حرفاً من القرآن: ۴/۳۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه. كراچي)

(۲) (الزلزال: ۷، ۸)

(۳) "قال: "ولا أنا، إلا أن يتغمدني الله بمغفرة ورحمة". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل. ۲/۹۵۷، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى: ۲/۳۷۶، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۲۶۴، رقم الحديث: ۷۵۳۳، دار إحياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت تک نظر آنا مرقوم ہے تو کیا اعضائے مخصوصہ بھی نظر آئیں گے یا مستور ہونگے؟ یہ کیسی لطافت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کی حور ہوگی وہ اگر چاہے گا کہ اس کا فلاں عضو بھی نظر آجائے تو اس کا وہ عضو بھی نظر آجائے گا، جیسے اپنی بیوی کے جس عضو کو دیکھنا چاہے تو اس کے لئے ممانعت نہیں: ﴿و فیها ما تشتهیه الأنفس و تلذ الأعین﴾ (۱) بے حیائی کا وہاں کوئی کام نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

کیا جنت کی حوریں فنا ہوں گی؟

سوال [۲۸۴]: قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "ہر شیء فنا ہوجائے گی سوائے باری تعالیٰ کے"، تو یہ بتلایئے کہ فرشتے کے اوپر فنا طاری ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ وہ بھی کل کے اندر داخل ہو رہے ہیں، جنت میں جو حوریں ہوں گی ان کا جسم ہوگا یا نہیں؟ اگر جسم ہوگا تو فنا ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فرشتے بھی فنا ہوجائیں گے (۲) جنت میں حوروں کو وہاں کی شان کے لائق جسم ہوگا انسان کو بھی

---

(۱) (الزخرف: ۷۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾ الآیة (سورة القصص: ۸۸)

"یخبر تعالیٰ أن جمیع أهل الأرض سیذهبون و یموتون اجمعون، و کذلک اهل السموات إلا من شاء الله، و لا یبقی أحد سوی وجهه الکریم". (تفسیر ابن کثیر، (الرحمن: ۲۶): ۴/۳۴۹، مکتبه دار الفیحاء)

"و أخرج عن ابن مردویه أنه قال: لما نزلت: ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ قیل: یارسول الله! فما بال الملائکة؟ فنزلت: ﴿کل شیء هالک إلا وجهه﴾ فبین فی هذه الآیة فناء الملائکة والثقلین من الجن والإنس و سائر عالم الله تعالیٰ و بریته من الطیر والوحوش والسباع والأنعام، و کل ذي روح أنه =

www.besturdubooks.net

ملے گا (۱) پھر وہاں کوئی چیز فنا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۲ھ۔

مردوں کو جنت میں حور وغلمان ملیں گے عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟

سوال [۳۸۵]: عمل صالح کرنے سے مردوں کو جنت ملے گی، حور وغلمان ملیں گے مگر عورتوں کو کیا ملے گا؟ جب کہ خاوند بھی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ عورتوں کو ان کے خاوند بھی ملیں اور دوسرے بھی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عورتوں کو ان کے خاوند ملیں گے جو ان کے لئے انتہائی راحت کا ذریعہ ہوں گے، کسی اَور طرف ان کی نظر نہیں جائے گی بلکہ خیال بھی نہیں آئے گا۔

= هالک میت". (روح المعاني، (القصص :۸۸): ۲۰/۱۹۳، ۱۹۵، دار الفکر)

"و قال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما : لما نزلت هذه الآية ، قالت الملائكة: هلک أهل الأرض ، فنزلت : ﴿كل شيء هالک إلا وجهه﴾ (القصص :۸۸)، فأيقنت الملائكة بالهلاک". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (الرحمن:۲۶): ۱۷/ ۱۰۸، دار الكتب العلمية)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إن المرأة من نسآء أهل الجنة ليرى بياض ساقها من وراء سبعين حلة حتى يرى مخها، و ذلک يقول: (كأنهن الياقوت والمرجان)". (جامع الترمذي : ۱/ ۸۰، باب ما جاء في صفة نسآء أهل الجنة ، سعيد)

(۲) "أن عبد الله رضي الله تعالی عنه قال: إن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "يدخل الله أهل الجنة الجنة، و يدخل أهل النار النار، ثم يقوم مؤذن بينهم فيقول: يا أهل الجنة! لاموت، و يا أهل النار! لا موت، كلّ خالد فيما هو فيه". (الصحيح لمسلم : ۲/ ۳۸۲، باب جهنم أعاذنا الله تعالیٰ منها، قديمي)

"و لا تموت الحور العين أبداً: أي لا يطرأ عليهن عدم". (شرح الفقه الاكبر لأبي منصور الماتريدي، ص: ۱۶۰)

www.besturdubooks.net

مشکوۃ شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جنت کی چار نہریں

سوال[۳۸۴]: ''مشارق الانوار'' کے اردو ترجمہ میں یہ حدیث پاک پڑھی کہ وہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیحون جیحون، فرات اور نیل ہر ایک بہشت کی نہریں ہیں(۲)۔

(فائدہ) سیحون جیحون ترکستان میں ہیں اور فرات عراق میں اور نیل مصر میں، ان نہروں کا پانی بہشت کی نہروں کے مشابہ ہے، یا کم از کم ان نہروں کی امداد وہاں سے ہوتی ہے، خاکسار کے ذہن میں اشکال پیدا ہو رہا ہے کہ جب دریا جنت سے نکلتی ہیں اور جنت آسمان میں ہے، اور لاکھوں میل کا فاصلہ ہے تو اگر ہم کوئی مشین ایجاد کر کے اس کے مرکز پر پہنچنا چاہیں تو پہنچ جانا چاہئے، جیسے گنگا جمنا کے ہمالیہ کے علاقے میں ہم پہنچ سکتے ہیں، بہرحال اس کا ربط کیا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان نہروں کا سلسلہ تو بہت دراز ہے، ایک دوسری حدیث پر غور کر کے اس کا رابطہ جنت سے معلوم کرلیں: ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ''مابين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة، ومنبري على حوضي''۔ متفق عليه''۔ مشكوة

---

(۱) ''ثم ننصرف إلى منازلنا فيتلقانا أزواجنا، فيقلن: مرحباً و أهلاً لقد جئت وإن بك من الجمال أفضل مما رزقتنا عليه''. (مشكوة المصابيح، باب صفة الجنة وأهلها: ص: ۴۹۹، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء في سوق الجنة: ۲/ ۸۱، سعيد)

(۲) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''سيحان وجيحان والفرات والنيل كلٌ من أنهار الجنة''. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها: ۲/ ۳۸۰، قديمي)

www.besturdubooks.net

المصابیح، ص: ٦٨ (١)۔

اس کے لئے نہ راکٹ پراڑنے کی ضرورت پیش آئے گی، نہ کسی اَور سواری کی، اس کے بعد نمبروں کا ربط خود بخود واضح ہو جائے گا اور مشقت کی زحمت سے بچ جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

کیا جنت میں بھی جماع ہوگا اور غلمان کا مطلب

سوال[۲۰۷]: بہشت میں بہشتی لوگ داخل ہونے کے بعد جو دنیا کی عورتیں ہوں گی وہ سولہ سال کی عمر والی بن جائیں گی اور بہشتی مرد سے ان کی شادی ہوگی اور حور و غلمان ان کی خدمت کے لئے ہوں گے، لیکن بہشت میں ان سے مجامعت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ بہشت پاک جگہ ہے اور جماع کرنے سے آدمی ناپاک ہو جاتا ہے، تو ناپاک لوگوں کی جگہ بہشت کیسے ہو سکتی ہے؟ حور و غلمان دو لفظ ہیں، حور سے مراد بہشتی عورت ہے لیکن غلمان سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہاں مجامعت کرنے سے نہ منی خارج ہوگی، نہ غسل لازم ہوگا، نہ ناپاکی ہوگی (۲)۔ غلمان خدمت کے

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة: ١/٦٨، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب فضل مابين قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومنبره وفضل موضع منبره: ١/٤٤٦، قديمي)

(٢) "قال الطبراني: و حدثنا أحمد بن يحي الحلواني ... عن أبي أمامة أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل: أتجامع أهل الجنة؟ قال: "دحاً دحاً، ولكن لامني و لامنية" :أي : لاإنزال و لا موت".

"و عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: هل ينكح أهل الجنة؟ قال: "أي والذي بعثني بالحق! دحماً دحماً "و أشار بيده: "و لكن لامني و لامنية".

"و عن سعيد بن جبير أن شهوته لتجري في جسده سبعين عاماً يجد اللذة، و لا يلحقهم بذلك جنابة. فيحتاجون إلى التطهير الخ". (حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح لابن قيم الجوزية، الباب الخامس والخمسون في ذكر نكاح أهل الجنة و وطئهم الخ، ص: ٢٨٠، ٢٨١، المكتبة المكية)

www.besturdubooks.net

لئے ہوں گے، جماع کے لئے نہیں (۱) "فتوحات مکیہ" میں پوری تفصیل مذکور ہے، احادیث بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۵ھ۔

کیا جنت میں اولاد ہوگی؟

سوال [۳۸۸]: جو شخص جنت میں جائیں گے اوران کو حوریں ملیں گی، ان کی اولاد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اولاد کی خواہش کریں گے تو ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۶/محرم/۵۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿و يطوف عليهم ولدان مخلدون﴾ ... أي يطوفون على أهل الجنة للخدمة ولدان من ولدان الجنة". (تفسير ابن كثير، (سورة الإنسان: ۱۹) : ۴/۵۸۱، مكتبه دار السلام)

﴿ويطوف عليهم﴾: أي للخدمة ﴿ولدان مخلدون﴾: أي دائمون على ماهم فيه من الطراوة والبهاء .... و جاء في حديث أخرجه ابن مردويه عن أنس مرفوعاً أنهم ألف خادم. و في بعض الآثار: أضعاف ذلك". (روح المعاني، تفسير قوله تعالى ﴿و يطوف عليهم ولدان مخلدون﴾: ۲۹/۱۶۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "و قال قتادة: عن أبي أيوب، عن عبد الله بن عمرو، قال: ما من أهل الجنة من أحد إلا و يسعىٰ عليه ألف غلام على عمل ما عليه صاحبه". (تفسير الطبري: ۲۹/۱۳۶، (الدهر: ۱۹)، دار المعرفة)

"و في حديث أنس عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أول الناس خروجاً إذا بعثوا". وفيه: "يطوف علىّ ألف خادم كأنهم لؤلؤ مكنون". (حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح، الباب الثاني والخمسون في ذكر خدمهم و غلمانهم، ص: ۲۵۶، المكتبة المكية)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، رقم الحديث: ۵۷۶۵، كتاب الفضائل، الفصل الثاني: ۱۰/۳۵-۳۷، رشيديه)

(ومشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين، الفصل الثاني ص: ۵۱۴، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المؤمن =

www.besturdubooks.net

جس عورت نے متعدد شوہر کئے ہوں وہ کس کو ملے گی؟

سوال[۳۸۹] : زید یہ کہتا ہے کہ ہم نے سنا ہے کل قیامت میں جبکہ نیک زوجین جنت میں داخل ہو جائیں گی تو دنیا میں جس طرح خاوند اور عورت کا جوڑا تھا ایسے ہی وہاں وہ عورت خاوند کے لئے حوریں بن جائیں گی، نیز اگر اس نے دنیا میں تین یا چار نکاح کئے ہوں تو وہ عورت کس کس کے لئے حور بنے گی؟ یا اس صورت میں جبکہ خاوند نے بیوہ کے ساتھ نکاح کیا ہو تو اب یہ عورت کس کے لئے حور بنے گی؟ چونکہ اس نے ایک مرتبہ پہلے ہی نکاح کیا تھا، پہلے خاوند کے لئے یا ثانی کے لئے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دنیا کی عورتیں حور نہیں بنیں گی، حوریں مستقل ہونگی اور یہ عورتیں مستقل ملیں گی، جس عورت نے دنیا میں متعدد شوہر کئے ہیں اس کے متعلق علماء کے دوقول ہیں: ایک یہ کہ اخیر شوہر کو ملے گی، دوسرا یہ کہ اس کو اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کریگی اس کو ملے گی:

"اختلف الناس في المرأة إذا كا ن لها زوجان في الدنيا لأيهما تكون في الآخرة؟ قال بعضهم: تكون لآخرهما، وقال بعضهم: تخير، فتختار أيهما شاء ت، وقدجاء في الأثرما يؤيد قول كلا الفريقين: أما من قال: هي لآخرهما فقد ذهب إلى ماروى عن معاوية ابن أبي سفيان أنه خطب أم الدرداء، فأبت وقالت: سمعت أباالدرداء يحدث عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: المرأة لآخر زوجها في الاخرة وقال(أى أبوالدرداء): إني أردت

= إذا اشتهى الولد في الجنة، كان حمله و وضعه و سنه في ساعة كما يشتهي". قال: حديث حسن غريب، أخرجه ابن ماجة و قال: "في ساعة واحدة في الجنة". (التذكرة للقرطبي، باب المؤمن إذا اشتهى الولد في الجنة ...... الخ، ص: ۵۶۲، ۵۶۳، أسامة الإسلامية)

(وجامع الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء ما لأدنى أهل الجنة من الكرامة: ۸۴/۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب صفة الجنة، ص: ۳۲۳، قديمي)

(ومسند الإمام احمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ: ۳۸۰/۳، رقم الحديث: ۱۰۶۷۹، دار احياء التراث العربي)

www.besturdubooks.net

أن تكون زوجتي في الأخرة، فلاتتزوجي بعدي. وأما من قال بأنهاتخير، فذهب إلى ماروى عن أم حبيبة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنها سألت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقالت: يارسول الله! المرأة منا ربما يكون لها زوجان، لأيهما تكون في الاخرة؟ قال: "تخير فتختار أحسنهما خلقاً معها" ثم قال صلى الله تعالى عليه وسلم: "ذهب حسن الخلق بخيري الدنيا والاخره الخ". بستان فقيه أبي الليث سمرقندي رحمه الله تعالى، ص: ١٥١ (١) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،٤/٧/٥٦ھ۔

صحیح:عبداللطیف ٦/رجب ٥٦ھ، الجواب صحیح،سعید احمد غفرلہ۔

جس نے کئی شوہر کیے وہ جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال[٣٩٠]: مؤمن مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی،مؤمنہ عورتوں کو کیا ملے گا؟اگر خاوند ملیں گے تو دنیا والے یا کوئی دوسرے،اور جس کی دنیا میں کئی بیبیاں تھیں تو پھر سب ملیں گی یا ایک دو؟اور اگر کسی عورت نے دنیا میں پانچ چھ شوہر کیے تو وہ کون سے شوہر کو ملے گی اور اپنی بیبیاں اپنے ہی شوہر کو ملیں گی یا دوسروں کو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مؤمنہ عورتوں کو ان کے شوہر ملیں گے،اگر کسی نے دنیا میں شادی نہ کی ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس آدمی کو وہ پسند کرے اس سے ہی اس کا نکاح ہو جائے،اگر وہ کسی کو پسند نہ کرے تو حورعین میں سے ایک مرد

---

(١) (بستان فقيه أبي الليث السمرقندي رحمه الله تعالى، ص: ٢٤٨، باب إذاكان لها زوجان، مطبع فاروقي دهلي)

(وكذا في أحكام النساء، ص: ٢١١، الباب السابع بعد المائة في ذكر رد المرأة إلى زوجها في الجنة إذالم تتزوج بعده، وزارة الأوقاف والشؤن الاسلامية، قطر)

(ومعجم الطبراني، ص: ٣٦٨/٢٣، بيروت)

"المرأة تكون لآخر أزواجها في الدنيا، وجاء: أنها تكون لأحسنهم خلقاً الخ". (البداية والنهاية، فصل في المرأة تتزوج في الدنيا بأزواج الخ: ٥٨٥/١٠، ط دار الفكر)

www.besturdubooks.net

پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نکاح کر دے گا۔

اور جس نے دنیا میں کئی شوہر کئے تھے تو بعض کہتے ہیں کہ ان میں سے جس کو پسند کرلے اسی کو ملے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اخیر والے شوہر کو ملے گی:

"في الغرائب: ولو ماتت قبل أن تتزوج، تخير أيضاً، إن رضيت بآدمي زوجت منه، وإن لم ترض فالله يخلق ذكراً من الحور العين فيزوجها منه، واختلف الناس في المرأة التي يكون لها زوجان في الدنيا لأيهما تكون في الآخرة؟ قيل: تكون لأخيرهما، وقيل: تخير، فتختار أيهما شاءت انتهى". مجموعه فتاوی: ۳/ ۱۰ (۱)۔

اور جس مرد نے کئی عورتیں دنیا میں کی ہیں وہ سب اس کو ملیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

شادی سے قبل مرجانے والوں کا نکاح کیسے ہوگا؟

سوال [۳۹۱]: مسلم بالغ لڑکیاں جن کی شادی نہ ہوسکی اور قضا کر گئیں، جنت میں ان کے واسطے کیا نکاح کا بندوبست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسلم لڑکے بغیر شادی کے گزر گئے، ان کے ساتھ نکاح ہونا سہل ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوى، كتاب القرآن، باب الجنة: ۱/ ۱۰۳، سعيد)

(وكذا في بستان فقيه أبي الليث السمرقندي، ص: ۲۳۷ باب إذا كان لها زوجان، مطبع، فاروقي دهلي)

(وكذا في أحكام النساء، الباب السابع بعد المائة في ذكر رد المرأة إلى زوجها في الجنة إذا لم تتزوج بعده، ص: ۳۱۱، وزارة الأوقاف والشئون الاسلامية، قطر)

(والبداية والنهاية، فصل في المرأة تتزوج في الدنيا بأزواج: ۱۰/ ۵۸۵، دار الفكر بيروت)

(۲) "وفي الغرائب: ولو ماتت قبل أن تتزوج تخير أيضاً، إن رضيت بآدمي زوجت منه، وإن لم ترض فالله يخلق ذكراً من الحور العين، فيزوجها منه". (مجموعة الفتاوى، باب الجنة: ۱/ ۱۰۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

شوہر دوزخی اور بیوی جنتی کیسے ملیں گے؟

سوال[۲۹۲]: جو مسلمان کلمہ گو اپنے بدعمل کے تحت دوزخ میں گیا اور اس کی عورت نیک عمل کے تحت جنت میں گئی، اس کا شوہر جنت میں کیونکر اور کیسے ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سزا بھگت کر آ جائے تو کیا اشکال ہے، کیونکہ کوئی مسلمان ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟

سوال[۲۹۳]: بے نمازی کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص نماز کو فرض ہی نہ سمجھے تو وہ مؤمن نہیں (۲)، اگر فرض تو کہتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اور اس کو

(۱) "واعلم أن مذهب أهل السنة وما عليه أهل الحق من السلف والخلف أن من مات موحداً، دخل الجنة قطعاً على كل حال، فإن كان سالماً من المعاصي كالصغير......... يدخلون الجنة ولا يدخلون النار أصلاً.......... وأما من كانت له معصية كبيرة، ومات من غير توبة، فهو في مشية الله تعالى، فإن شاء عفاعنه وأدخله الجنة، وجعله كالقسم الأول، وإن شاء عذبه بالقدر الذي يريده سبحانه، ثم يدخله الجنة، فلا يخلد في النار أحد مات على التوحيد ولو عمل من المعاصي ماعمل الخ". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً: ۱/ ۴۱، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري رحمه الله تعالى، ص: ۱۵۶، قديمي)

(وكذا في النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۵۵۷، مكتبه حقانية پشاور)

(۲) "الصلوة فريضة محكمة لا يسع تركها، ويكفر جاحدها كذافي الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، ۱/ ۵۰، رشيديه).. =

www.besturdubooks.net

عذاب کا خوف بھی نہیں، قضاء پڑھنے کا ارادہ بھی نہیں، اس کے ایمان کا باقی رہنا دشوار ہے (۱) اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

کفار کے کس عمر کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے؟

سوال [۲۹۴]: کفار کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے تو یہ بچے کس عمر تک کے شمار ہوں گے، شیر خوارگی تک یا بلوغ تک؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک احکام شرع کے مکلف نہ ہوں بچے ہی کہلاتے ہیں، یہی اعتبار آخرت میں بھی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "(ویکفر جاحدها) لثبوتها بدلیل قطعي. (وتارکها عمداً مجانةً): أی تکاسلاً فاسق". (الدرالمختار، کتاب الصلوة: ۱/ ۳۵۲، سعید)

(وکذا في الکامل شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق إسم الکفر علی من ترک الصلاة: ۱/ ۶۱، قدیمی)

(۱) "ویکفر......بترک الصلاة متعمداً غیرنا وللقضاء، و غیر خائف من العقاب". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، رشیدیه)

"وفي شرح السنة: اختلف في تکفیر تارک الصلاة الفرض عمداً، قال عمر رضي الله تعالیٰ عنه: لاحظ في الإسلام لمن ترک الصلاة. وقال ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: ترکها کفر. وقال عبدالله بن شقیق: کان أصحاب محمد علیه الصلاة والسلام لا یرون شیئاً من الأعمال ترکه کفر غیر الصلاة." (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، الفصل الثاني: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

(۲) (سئل رسول الله ﷺ عن ذراری المشرکین) .... أی أولادهم الذین لم یبلغوا الحلم اهـ". (إرشاد الساری: ۳/۴۸۶، کتاب الجنائز، باب ما قیل في أولاد المشرکین، دار الکتب العلمیة بیروت) .... =

www.besturdubooks.net

اولادِ مشرکین کا حکم

سوال[۵۹۵]: مشرک وکفار، یہود ونصاری وبت پرست وغیرہ کی جو معصوم اولادیں مرجاتی ہیں، کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوں گی؟ جیسا کہ "مظاہر حق جلد سوم" میں ہے کہ ہر معصوم بچہ حضرت ابراہیم کے پاس جنت میں جمع رہتے ہیں اور تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ مشرکوں کے بچے جنت میں داخل تو ہوں گے مگر بطور خدام کے۔ اور کیا معصوم بچے اپنے والدین کو قیامت کے دن پہچانیں گے اور جن کے باپ سفر کی حالت میں مرے وہ بچے کس طرح پہچانے جائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے متعلق تعارض دلائل کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے توقف کیا ہے، بعض کے نزدیک بعض جنت میں جائیں گے بعض دوزخ میں، امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ سب کو نجات ہو جائے گی (۱) کذا فی فیض الباری: ۲/۲۹۲ (۲)۔

والدین کو پہچاننے کی ضرورت شفاعت ونجات کے لئے ہوگی اور جب مشرکین وکفار کے لئے نجات ہی نہیں تو ان کو پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

= "والغلام كما قال عياض: يطلق على الصبي من حين يولد إلى أن يبلغ". (ردالمحتار: ۶/۱۵۳، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام الخ، فصل، سعيد)

(۱) راجع للتفصيل الحاوي على عشرة أقوال: (فتح الباري لابن حجر رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين: ۳/۳۱۵، قديمي)

(۲) "واعلم أنهم اختلفوا في أولاد المشركين: فنقل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى التوقف، وصرح النسفي في الكافي أن المراد بالتوقف في الحكم الكلي، فبعضهم ناج و بعضهم هالك، لا بمعنى عدم العلم أو عدم الحكم بشيء وهو مذهب مالك صرح به ابو عمرو في التمهيد، وإليه ذهب الشافعي كما صرح به الحافظ، وعن أحمد روايتان". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين: ۲/۲۹۲، ۲۹۳، خضر راه بكذپو ديوبند)

www.besturdubooks.net

علیہ وسلم نے معراج میں دیکھی تھیں جو اس وقت تک دنیا میں نہیں آئیں تھیں کذا فی شرح البخاری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا غیر مسلم نیکی کر کے جنت میں جا سکتا ہے؟

سوال [۳۹۶]: ایک مسلمان جس کا نام ظہور خان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہب کے اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو وہ بھی جنتی ہے اور قرآن پاک کا حوالہ دیتا ہے۔ برائے مہربانی تحریر فرمادیں کہ اس کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص شرک وکفر کی حالت میں مرا ہو، اس کی نجات نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿من یشرك بالله، فقد حرم الله علیه الجنة، ومأوٰه النار﴾ (۲) قرآن کریم میں صریح آیا ہے، اس کے متعلق موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۷ھ۔

کیا مور جنت میں تھا؟

سوال [۳۹۷]: کیا مور جنت میں تھا؟ اب باہر دنیا میں نکال دیا گیا ہے، کیا یہ شریعت سے ثابت ہے؟

---

(۱) "و یحتمل أن یقال: إن النسم المرئیة هی التی لم تدخل الأجساد بعد، و هی مخلوقة قبل الأجساد، ومستقرها عن یمین آدم وشماله، و قد أعلم بما سیصیرون إلیه، فلذلک کان یستبشر إذا نظر إلی من عن یمینه، ویحزن إذا نظر من عن یساره، بخلاف التی فی الأجساد فلیست مرادة قطعاً، و بخلاف التی انتقلت من الأجساد إلی مستقرها من جنة أو نار فلیست مرادة أیضاً فیما یظهر". (فتح الباری، کتاب الصلاة، باب کیف فرضت الصلاة فی الإسراء؟ ۱/۶۰۸، ۶۰۹، قدیمی)

(۲) (المائدة: ۷۲)

قال الله تعالی: ﴿إن الله لا یغفر أن یشرک به، و یغفر ما دون ذلک لمن یشآء﴾ (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

الجواب حامداً و مصلیاً :

مور کے متعلق بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ جنت میں تھا، پھر وہاں سے نکال دیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

کیا کچھ جانور بھی جنت میں جائیں گے؟

سوال[۳۹۸]: اصحاب کہف کا کتا بھی جنت میں داخل ہوگا، بعض کتابوں میں تحریر ہے حالانکہ کتا اس قدر نجس قرار دیا گیا کہ فرشتے تک انبیاء کے گھروں میں داخل نہ ہوسکیں پھر یہ کتا جنت میں کس طرح داخل ہوگا؟ بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ یہ کتے کی شکل میں نہ جائے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر کس شکل میں جنت میں داخل ہوگا؟ یا یہ بالکل غلط ہے کہ جنت میں داخل ہوگا۔ تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ کتا بھی زندہ ہے، لاکھوں اچھوں میں ایک برا بھی آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا، لیکن کوئی کیفیت تحریر نہیں کہ کس صورت میں جائے گا(۲)، جس خدا کو قدرت ہے کہ وہ مردے کو زندہ کرے بلکہ عدم سے وجود عطا فرمائے، وہ

---

(۱) ﴿فأزلهما الشيطان عنها فأخرجهما مما كانا فيه، و قلنا﴾ لآدم و حواء و طاؤس و حية و إبليس ﴿اهبطوا﴾ انزلوا إلى الأرض". (تفسير ابن عباس على هامش الدر المنثور : ۱۸/۱، بيروت)

(۲) "قيل: ليس في الجنة دواب سوى كلب أصحاب الكهف، و حمار بلعم". (تفسير الخازن، (الكهف: ۱۸): ۲۰۵/۳، حافظ كتب خانه)

(و كذا في التفسير المظهري، (الكهف:۱۸): ۲۱/۶، حافظ كتب خانه)

"فعن خالد بن معدان: ليس في الجنة من الدواب إلا كلب أصحاب الكهف و حمار بلعم، ورأيت في بعض الكتب أن ناقة صالح و كبش إسماعيل أيضاً في الجنة، و رأيت أيضاً أن سائر الحيوانات المستحسنة في الدنيا كالظباء والطواويس و ما ينتفع به المؤمن كالغنم تدخل الجنة على كيفية تليق =

www.besturdubooks.net

اگر نجاست کو طہارت سے بدل دے تو کیا اشکال ہے؟

دنیا میں انسان قسم قسم کی نجاستوں کا مخزن ہے، مگر جنت میں اس کے ساتھ کوئی نجاست نہیں رہے گی، سب سے پاک وصاف کردیا جائے گا، اس کتے کے علاوہ اَور بھی بعض جانور ممکن ہے کہ جنت میں جائیں، چنانچہ سید احمد حموی نے شرح الاشباہ والنظائر، ص:۳۹۵، میں بحوالہ ''شرح شرعۃ الاسلام'' حضرت مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ دس جانور جنت میں جائیں گے: ناقہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ناقہ صالح علیہ السلام، عجل ابراہیم علیہ السلام، کبش اسمٰعیل علیہ السلام، بقرہ موسیٰ علیہ السلام، حوت یونس علیہ السلام، حمار عزیر علیہ السلام، نملہ سلیمان علیہ السلام، ہدہد بلقیس، کلب اہل الکہف۔ مشکوۃ الانوار میں لکھا ہے کہ ان سب کا بھی حشر ہوگا(۱)۔

جہاں حدیث میں لکھا ہے کہ جس گھر میں کتے ہوں اس میں فرشتے نازل نہیں ہوتے، وہاں حدیث میں شکار اور حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت بھی موجود ہے، کذا في المشکوۃ، باب ذکر الکلب (۲)۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا بھی شکار کے لئے تھا، اس کا نام

= بذلک المکان و تلک النشاۃ، ولیس فیما ذکر خبر یعول علیہ فیما أعلم" (روح المعاني (الکہف: ۱۸) ۹/۳۲۷، دار الفکر)

(۱) "قولہ: "لیس من الحیوان من یدخل الجنۃ إلا خمسۃ" أي من الحیوان الذی لا نطق لہ، و إلا فالإنسان حیوان، قال في "شرح شرعۃ الإسلام": قال مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ: عشرۃ من الحیوانات تدخل الجنۃ: ناقۃ محمد علیہ الصلاۃ و السلام، و ناقۃ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام، وعجل إبراهیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، و کبش إسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام و بقرۃ موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام، و حوت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام، وحمار عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام، و نملۃ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، و هدهد بلقیس، و کلب أهل الکہف، کلہم یحشرون، کذا في "مشکاۃ الأنوار". انتهی". (شرح الأشباہ والنظائر، للحموی، الفن الثالث، فائدۃ: ۲۱۹۳، ۳/۲۳۹، إدارۃ القرآن)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من اقتنی کلباً إلا کلب ماشیۃ أو ضار، نقص من عملہ کل یوم قیراطان". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، باب ذکر الکلب: ۲/۳۵۹، قدیمی)

www.besturdubooks.net

''قطمیر'' تھا، بعض نے ''حمران'' کہا ہے(۱)۔ ''لباب التاویل'' میں اس کے رنگ وغیرہ کی بھی تفصیل ہے، لیکن کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی (۲) اس لئے ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بحث کو ترک کردیا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟

سوال[۳۹۹]: اصحاب کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور مستند حدیث سے ثابت ہے کہ انسانی شکل پاکر جائے گا؟ اور حور وقصور سے متمتع ہوگا؟ اور اگر حدیث شریف میں ہے تو اس حدیث کی سند اور صحت اور کتاب کا حوالہ درکار ہے، محبت اور خدمت ورفاقت کا اگر یہ انعام ہے تو اسی طرح بے شمار جانوروں نے انبیاء وصلحاء کی محبت کی ہے، اس صورت میں بے شمار جانور بہشت میں جانے چاہئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا گدھا ''یافور''، اونٹنی ''قصویٰ''، ''استوانہ حنانہ''، یہ بھی انسانی شکل میں جنت میں جانے چاہئیں۔

---

(۱) "و قد قيل: إنه (أي كلب أصحاب الكهف) كان كلب صيد لأحدهم، و هو الأشبه، .... كان اسم كبش إبراهيم عليه الصلوة والسلام "جرير"، واسم هدهد سليمان عليه الصلوة والسلام "عنقز"، و اسم كلب أصحاب الكهف "قطمير"...... و قد تقدم عن شعيب الجبائي أنه سماه "حمران". (تفسير ابن كثير (الكهف: ۱۸): ۱۰۵/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) " و اختلف في لونه فأخرج ابن أبي حاتم من طريق سفيان قال: قال لي رجل بالكوفة يقال له: عبيد، و كان لا يتهم بكذب: رأيت كلب أصحاب الكهف أحمر كأنه كساءٌ أنبجاني، وأخرج عن كثير النواء قال: كان الكلب أصفر، وقيل: كان أنمر، وروي ذلك عن ابن عباس، و قيل غير ذلك". (روح المعاني، (الكهف: ۱۸): ۲۲۵/۱۵، دار إحياء التراث العربي)

(۳) "و اختلفوا في لونه على أقوال لا حاصل لها، و لا طائل تحتها، و لا دليل عليها، و لا حاجة إليها، بل هي مما ينهى عنه، فإن مستندها رجم بالغيب". (تفسير ابن كثير، (الكهف: ۱۸): ۱۰۵/۳، دارلفيحاء)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرح الاشباہ والنظائر ص:۳۹۹ میں چند جانوروں کا ذکر ہے کہ یہ جنت میں جائیں گے(۱)، ان کی خصوصیات کی وجہ فضلِ خداوندی ہے، وہ جس طرح چاہے کرے، علت تخریج کرکے ہر چیز کے متعلق قیاس کا یہ محل نہیں ہے، "استوانہ حنانہ" کے متعلق حدیث شریف میں جنت میں جانے کا تذکرہ صاف صاف ہے۔

اس کی تفصیل پوری سند کے ساتھ مسند دارمی میں موجود ہے (۲) دیگر کتب حدیث

---

(۱) "قوله :"ليس من الحيوان من يدخل الجنة إلا خمسة " أي من الحيوان الذى لا نطق له و إلا فالإنسان حيوان، قال في "شرح شرعة الإسلام ": قال مقاتل رحمه الله تعالى : عشرة من الحيوانات تدخل الجنة: ناقة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و ناقة صالح عليه السلام ، و عجل إبراهيم عليه الصلاة والسلام ، و كبش إسماعيل عليه الصلاة و السلام، و بقرة موسى عليه الصلاة والسلام ، و حوت يونس عليه الصلاة و السلام، وحمار عزير عليه الصلاة و السلام ، و نملة سليمان عليه الصلاة و السلام، وهدهد بلقيس ، و كلب أهل الكهف، كلهم يحشرون ، كذا في مشكاة الأنوار " انتهى". (شرح الأشباه والنظائر، للحموى ، الفن الثالث ، فائدة : ۱۹۳ ، ۲۳۹/۳ ، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "أخبرنا محمد بن حميد ، ثنا تميم بن عبد المؤمن ، ثنا صالح بن حيان ، حدثني ابن بريدة عن أبيه قال: كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب، قام فأطال القيام، فكان يشق عليه قيامه، فأتي بجذع نخلة فحفر له، وأقيم إلى جنبه قائماً للنبي –صلى الله تعالىٰ وسلم –فكان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا خطب فطال القيام عليه، استند إليه ، فاتكا عليه،فبصر به رجل كان ورد المدينة، فرآه قائماً إلى جنب ذلك الجذع، فقال لمن يليه من الناس : لو أعلم أن محمداً يحمدني في شيء يرفق به، لصنعت له مجلساً يقوم عليه، فإن شاء جلس ما شاء، وإن شاء قام، فبلغ ذلك النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– فقال :" ايتوني به" فأتوه به، فأمر أن يصنع له هذه المراقي الثلاث أو الأربع ، هي الآن في منبر المدينة، فوجد النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – في ذلك راحةً ، فلما فارق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الجذع، و عمد إلى هذه التي صنعت له، جزع الجذع، فحنّ كما تحن الناقة حين فارقه النبي – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم – فزعم ابن بريدة عن =

www.besturdubooks.net

میں بھی ہے(۱) باقی ان جانوروں کا انسانی شکل میں ہونا اور حور وقصور سے انسانوں کی طرح متمتع ہونا میرے علم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أبيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع إليه، فوضع يده عليه، وقال: اختر أن أغرسك في المكان الذي كنت فيه فتكون كماكنت، وإن شئت أن أغرسك في الجنة فتشرب من أنهارها و عيونها، فيحسن نبتك و تثمر فيأكل أولياء الله من ثمرتك و نخلك فعلت. فزعم أنه سمع من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقول له: "نعم"، قد فعلت مرتين، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: " اختار أن أغرسه في الجنة". (رواه الدارمي في مقدمة سننه، باب ما أكرم الله النبي بحنين المنبر: ۱/ ۲۹، ۳۰، قديمي)

(۱) (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ۶/ ۷۴۹، قديمي)

www.besturdubooks.net

متفرقات الإیمان و العقائد

منکرات پر نکیر

سوال[۴۰۰]: جو علماء اس زمانے میں بلڈنگ کھڑی کرنے میں لگے ہیں یا لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں جس طرح سختی تھی اس زمانے میں کی جائے تو کیا وجہ ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت کھائے بغیر مکان سے واپس آ گئے تھے کیونکہ داعی کے مکان میں تصویر تھی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کی خاطر معصیت کا ارتکاب، مجلس معصیت میں شرکت، امور دین میں مداہنت درست نہیں (۱)، منکرات پر نکیر حسب موقع وحسب حیثیت لازم ہے (۲)، البتہ طریقہ نکیر وہ اختیار کیا جائے جس میں اصلاح مظنون ہو اور تذلیل وتحقیر کسی کی مقصود نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۲۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (المائدة: ۲)

"وعن علي – رضي الله تعالىٰ عنه – قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم: "لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۳۱۹/۲، قديمي)

(۲) "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". وقد قال بعض علمائنا: الأمر الأول للأمراء، والثاني للعلماء، والثالث لعامة المؤمنين...... وشرطهما (أي الأمر والنهي) أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما عُلم من الحديث، و أن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۶۱/۸، ۸۶۲، رشيديه)

(۳) "و ينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۶۳/۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کیا ظالم کے لئے ہدایت ہے؟

سوال [۴۰۱]: قرآن شریف میں ہے: ﴿إن الله لا یهدی القوم الظالمین﴾ (۱) اس میں مسلمان ظالم بھی شامل ہیں، تو ظالم مسلمان یا ظالم کافر کی ہدایت کے لئے دعاء مقبول ہوتی ہے یا نہیں؟ یہاں ہدایت کی نفی سے کیا مراد ہے؟ فقط عبدالحکیم خان مدرسہ فیض العلوم اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل ظالم مشرک ہے (۲) جس کے لئے "لایهدی" وارد ہے: ﴿إن الشرك لظلم عظیم﴾ (۳)۔ ہدایت کی نفی سے تکوینی نفی مراد ہے تشریعی مراد نہیں، لہذا ہر ظالم اور ہر کافر کے لئے دعائے ہدایت درست ہے، کسی کی موجودہ حالت کو دیکھ کر حتمی رائے قائم کرنا دشوار ہے کہ اس کا خاتمہ اسی حال پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۳ھ۔

کیا نافرمان بھی بندہ ہے؟

سوال [۴۰۲]: میں نے ایک شخص سے یہ کہا تھا کہ جو شخص اللہ اور رسول کو نہیں مانتا وہ بندہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے اور سراج الدین یہ کہتا ہے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ سراج الدین گنگوہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خدا کے سب بندے ہیں، جو حکم مانتے ہیں وہ بھی، اور جو نہیں مانتے وہ بھی، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ

---

(۱) (الأنعام: ۱۴۴)

(۲) قال الله تعالی: ﴿والله لا یهدی القوم الظالمین﴾ (التوبة: ۱۹)

قال العلامة الآلوسی: "أرید بهم المشرکون، و بالظلم الشرك". (روح المعانی: ۶۸/۱۰، دار احیاء التراث العربی)

و قال تحت آیة آل عمران رقمها: ۸۶: "الظالمین": أی الکافرین الذین ظلموا أنفسهم". (روح المعانی: ۲۱۷/۳، دار احیاء التراث)

(۳) (لقمان: ۱۳)

www.besturdubooks.net

جو حکم مانتے ہیں وہ فرمانبردار ہیں، جو حکم نہیں مانتے وہ نافرمان ہیں، بندہ ہونے سے کوئی نہیں نکلتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

توکلاً بدپرہیزی کرنا

سوال[۴۰۳]: زید کو پورا یقین ہے کہ کسی چیز میں یہ قدرت نہیں کہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کسی مرض کی حالت میں اس کا اطباء کے کہنے پر نقصان دہ چیزوں سے اپنے یقین کی وجہ سے پرہیز نہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی چیز میں یہ تو براہ راست قدرت نہیں کہ وہ نفع یا نقصان پہونچا سکے، کیوں کہ نافع اور ضار صرف ذات حق تعالیٰ ہے(۱)، لیکن یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں تاثیرات رکھی ہیں، آگ، پانی، ہوا کی تاثیرات سب جانتے ہیں، سانپ، بچھو کے زہر کا بھی انکار نہیں کیا جاتا، کھانے پینے کے اثرات سب ہی جانتے ہیں، ریل کی پٹری پر گردن رکھنے کا نتیجہ بھی ظاہر ہے، دوا کی تاثیرات حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) پرہیز کی تاکید آئی ہے(۳) لیکن ہر شی کی مخصوص تاثیر کا علم ہونا ہر ایک کے لئے لازم نہیں، اطباء

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن يمسسک اللہ بضرّ فلا كاشف له إلا هو﴾ (الانعام: ۱۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قل لا أملک لنفسي ضراً و لا نفعاً إلا ما شاء اللہ﴾ (سورہ یونس: ۴۹)

(۲) "و عن زيد بن أرقم رضي اللہ عنه قال: أمرنا رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم أن نتداوى من ذات الجنب بالقسط البحري والزيت". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۸، كتاب الطب ، سعيد)

"عن أبي الدرداء رضي اللہ تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم : "إن اللہ أنزل الداء والدواء، و جعل لكل داء دواء، فتداووا و لا تداووا بحرام". (مشكوة المصابيح المصدر السابق، قديمي)

(۳) "عن أم المنذر رضي اللہ تعالىٰ عنها قالت : دخل عليّ رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم و معه =

www.besturdubooks.net

کا تجویز کردہ پرہیز بھی پختگی کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی محض احتیاط اور اعلیٰ درجہ میں ہوتا ہے، اس لئے نہ ہر پرہیز کی پابندی کو شرعاً ضروری قرار دیا جا سکتا ہے، نہ ہر بدپرہیزی کی اجازت دی جاسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

انکارِ موت سے متعلق ایک مشہور شعر سے متعلق تحقیق

سوال[۴۰۴]:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب موت کیا ہے انھیں اجزاء کا پریشان ہونا

کیا مذکورہ شعر کیمونسٹ نظریہ کی تائید نہیں کرتا؟ اگر کرتا ہے تو پھر اس شعر کو ایک پڑھے لکھے مسلم کو یہ سمجھ کر پڑھنا کہ جو چیز مذکورہ شعر میں بیان کی گئی ہے عین حقیقت ہے۔

خلاصۂ کلام: کیا مذکورہ شعر مسلم عقیدہ میں ضرب کاری نہیں لگاتا ہے، اگر یہ شعر مسلم عقیدہ پر غلط اثر ڈالتا ہے، تو اس صورت میں صحیح کہنے والے مسلم کو کیا سزا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شعر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کوئی شرعی تحقیق نہیں، نہ شاعر نے اس کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ شریعت کا مکلف ہے، پس اس کو حکم شرعی سمجھتے ہوئے بحث کرنا بے محل ہے، اس میں جو کچھ کہا گیا ہے نظریہ اسلام کے تحت نہیں بلکہ یہ تو ان لوگوں کا نظریہ ہے جو واجب الوجود کے لئے امہات الصفات تین جز میں مانتے ہیں: ایشور، وشنو، شیو، یعنی مرکب، محافظ، مخرب یا محلل، ان کے نزدیک نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی اور ہستی سے نیستی نہیں ہوسکتی، اسلام نے واجب الوجود کو خالق، معطی وجود اور مغنی وجود تسلیم کیا ہے، وہ عدم محض سے منصہ وجود پر جلوہ گر

= علیّ، ولنا دوال معلقة، فجعل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یأکل و علی معه یأکل، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعلیّ: "مه یا علی! فإنک ناقه". قالت: فجعلت لهم سلقاً و شعیراً، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یا علی! من هذا، فاصب، فإنه أوفق لک". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۶۲، کتب الأطعمة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۱) (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

www.besturdubooks.net

کرنا ہے اور موجود کو کتم عدم میں مستور وفنا کرنا ہے: ﴿خلق الموت والحيوة﴾. الآیہ (۱) جو اہل اسلام میں اس شعر کو پڑھتے یا اس سے استدلال کرتے ہیں وہ شاعرانہ ندرت کے گرویدہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۱ھ۔

روزِ محشر اموالِ کفار کا محاسبہ

سوال: کفار کے مال کا محاسبہ و مواخذہ روز محشر ہوگا تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے لکھا ہے کہ کافر کی خصومت کا معاملہ اشد ہے، اس لئے کہ مسلم کی نیکیاں اس کو نہیں دی جائیں گی اور اس کا کفر مسلم پر نہیں ڈالا جائے گا (۲)، اللہ علیم ہے کہ کیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۹۴ھ۔

مسلمان آپس کے اختلاف کے بعد بھی مسلمان ہیں

سوال [۴۰۶]: ہندوستان یا کسی بھی ملک میں کافی تعداد میں مسلمان آباد ہیں اور آپس میں بوجہ پارٹی بندی سب مختلف الخیال ہیں، جس کی وجہ سے آئے دن ان پر حملہ ہوتا رہتا ہے اور ان کی جان و مال،

---

(۱) (الملک: ۲)

(۲) "مسلم غصب من ذمي مالاً أو سرقة، فإنه يعاقب عليه يوم القيامة؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً، والذمي لا يرجى منه العفو بخلاف المسلم، فكانت خصومة الذمي أشد، و عند الخصومة لا يعطى ثواب طاعة المسلم للكافر؛ لأنه ليس من أهل الثواب و لا وجه لأن يوضع على المسلم و بال كفر الكافر فبقي في خصومته". (رد المحتار: ۲۹۳/۳، باب الاستيلاء، مطلب: خصومة الذمي أشد من خصومة المسلم، سعيد)

"و ظلم الذمي أشد من المسلم". و في ردالمحتار: "لأنه يشد الطلب على ظالمه ليكون معه في عذابه، و لا مانع من طرح سيئات غير الكفر على ظالمه، فيعذب بها بدله". (رد المحتار: ۴۰۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية: ۲۵۸/۳، كتاب الغصب، فصل في براءة الغاصب والمديون، رشيديه)

www.besturdubooks.net

عزت وعصمت سب غیر محفوظ ہیں، ایسی صورت میں وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس کی کیا صورت ہے اور کس طرح ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

نفسانی اغراض اور ذاتی اقتدار کی بناء پر اختلاف اور پارٹی بندی سخت مذموم ہے(۱) اس کے نتائج نہایت خراب ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے، لیکن پھر بھی ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، وہ مسلمان ہی ہیں (۲)، ان کو اپنی حرکتوں سے باز آنا اور توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا ہر دین حق ہے؟

سوال[۴۰۸] : زید فوجی افسر پیشتر کپتان نے تصویر کھینچنے کا آلہ کیمرہ رکھا ہے جس سے بہت سے لوگوں کا گھر اور اپنا فوٹو اور تصویروں سے بھر دیا ہے اور اپنے اختراعی اول وساوس سے تصویروں کو مباح بتا کر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا﴾. (آل عمران : ۱۰۳)

و قال تعالیٰ: ﴿وأطيعوا الله و رسوله، و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم، واصبروا﴾ (الأنفال : ۴۶)

وقال تعالیٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ (الحجرات : ۱۰)

(۲) وقال تعالیٰ: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا الخ﴾ والآية تدل على أن البغي لا يزيل اسم الإيمان؛ لأنه سماهم مؤمنين مع وجود البغي". (المدارك ، الحجرات : ۹): ۴/۵۸۳، قديمی)

"واستدل المؤلف أيضاً على أن المؤمن إذا ارتكب معصيةً لا يكفر بأن الله تعالى أبقى عليه اسم المؤمن فقال : ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا﴾ ثم قال: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ واستدل أيضاً بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا التقى المسلمان بسيفيهما". فسماهما مسلمين مع التوعد بالنار". (فتح الباري ، كتاب الإيمان ، باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فسماهم المؤمنين﴾: ۱/۱۱۲، قديمی)

﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ فسماهم المؤمنين مع الاقتتال. و بهذا استدل البخاري و غيره على أنه لا يخرج عن الإيمان بالمعصية وإن عظمت". (تفسير ابن كثير ، (الحجرات ص: ۹) : ۴/۱۸۲، دار القلم)

www.besturdubooks.net

مسلمانوں کو گمراہ بھی کرتا ہے اور نیز گراموفون باجہ اس کے یہاں موجود ہے جس سے عشقیہ غزلیں اور واہیات ابیات بمع اہل خانہ خود بھی سنتا ہے اور دوسروں کو بھی سماع کی ترغیب دیتا ہے۔

جو زکوۃ کے معاملے میں ابخل الناس ہو، ہزاروں روپے جو کہ اس کے بنک میں جمع ہیں ان کا سود بھی کھاتا ہے، اس کی بہو، بیٹیاں لیڈی فیشن کی قمیض پہنتی ہیں جس سے قد میں سے اوپر کا نصف صدر غیر مستور رہتا ہے اور یہ خود ظاہر ہے کہ امراء کے اثر سے غرباء جہلاء کا متاثر ہونا لازمی ہے الا ماشاء اللہ اور اس کے بیٹے و پوتے نصف سر مونڈاتے ہیں اور نیم رکھواتے ہیں اور ہیڈ پتلون وغیرہ لباس مشابہ نصاری پہنتے ہیں، اور ایک زید کا بیٹا جس نے بی اے تعلیم انگلش کی ڈگری حاصل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اسلام پر بیسیوں نکتہ چینیاں کرسکتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہے کہ تمام مذاہب حق ہیں، صرف کوئی قریب کوئی بعید راہ سے خدا تک پہنچتے ہیں۔

زید اس فرزند کی قابلیت پر انتہائی نازاں ہے اور خود زید ساٹھ سال سے بھی زائد کا بوڑھا ہو کر اپنی سفید داڑھی ہر صبح جڑ سے مونڈتا ہے، ہفتہ عشرہ میں نمازیں صرف ایک دو ہی پڑھتا ہے مگر مسلمانوں کا رہنما بنا چاہتا ہے، اپنی پارٹی الگ بنانے کے واسطے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرتا ہے، امام مسجد سے اپنی حمد چاہتا ہے بغیر اس کے کوئی امام مسجد میں رہنے نہیں پاتا، اس لئے اس گستاخ کو ہر استاذ و امام مسجد کی بد دعا ہی نصیب ہوتی ہے۔ وعدہ خلافی اور جھوٹی شہادتیں اور تکبر اس کا خاصہ ہے اور بے انصافی کا یہ عالم ہے کہ اپنی پہلی بیوی کو بے گناہ جس سے اس کا ایک پسر بھی ہے اپنے گھر سے نکال دیا، نہ خرچ دیا اور نہ طلاق، تیس سال کے بعد وہ بیچاری معلقہ اپنے والدین کے یہاں سے فوت ہوگئی۔ اور جو مبلغ شرک و بدعت کو مٹانے کی درخواست کرتے ہیں اس کا پہلا دشمن یہی ہوتا ہے، جب کسی مسئلہ کو حوالہ کتب فقہ سے دیا جائے تو فقہائے کرام کو جھوٹا کہتا ہے اور جب قرآن مجید اور حدیث شریف کا ترجمہ کر کے مطلب بتایا جائے تو اپنی ہی بات منواتا ہے۔ تو کیا شریعت مطہرہ میں زید سے ترک موالات مسلمانوں کو ضروری ہے یا نہیں؟

مستفتی: نذیر حسین راولپنڈی پنجاب۔

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا شخص نہایت خطرناک ہے(۱) اہل اسلام کو اس سے دور رہنا لازم ہے(۲) ورنہ اس کے زہریلے

---

(۱) قوله رحمه الله : "خطرناک ہے"۔ فأما قول السائل : "تصویروں کو مباح بتاکر الخ" فبان أخذ التصاوير حرام مرتكبه موعود بأشد العذاب بنص الحديث الشريف: "عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما إذ جاءه رجل فقال : يا ابن عباس ! إني رجل، إنما معيشتي من صنعة يدي، و إني أصنع هذه التصاوير . فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لا أحدثك إلا ما سمعت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، سمعته يقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، و ليس بنافخ فيها أبداً". الحديث .

"و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة من قتل نبياً، أو قتله نبي،أو قتل أحد والديه، والمصورون ، و عالم لم ينتفع بعلمه". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الثالث : ص:۳۸۶، ۳۸۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ:" قال أصحابنا وغيرهم من العلماء : تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، و هو من الكبائر ؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث ، سواء صنعه في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غير ذلك".(المرقاة شرح المشكوة ، كتاب اللباس ، باب التصاوير ، الفصل الأول : ۸/۲۶۲، رشيديه)

و أما قوله : "میں اسلام پر یہیوں تحریفیاں الخ" فمن جملة ألفاظ الكفر ، و من جملة إهانة الشرع ، و قد نص الفقهاء أيضاً بكفر هذا المرتكب ، و في شرح الفقه الأكبر للقاريّ : "و في التتمة : من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها ، كفر".(فصل في العلم والعلماء :ص:۱۷۳، قديمي)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر و التقاطع الخ، ص: ۴۲۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته : "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلّته، و لا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ ، فيجوز فوق ذلك . و في =

www.besturdubooks.net

اثرات سے ایمان کا خطرہ ہے، دین اسلام کے علاوہ آج کوئی دین حق موجود نہیں، نجات صرف اسلام میں منحصر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿و من یبتغ غیر الإسلام دیناً، فلن یقبل منه، وهو فی الآخرة من الخاسرین﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

جاہل بدعقیدہ کی اصلاح کا طریقہ

سوال[۲۰۸]: ایک شخص اعتقادِ باطلہ رکھتا ہے، مثلاً کسی کام کی ابتدا میں چونگڑیاں دیکھتا ہے کہ یہ وقت اچھا ہے یا برا، جس طریقہ پر کہ غیر مسلم دیکھتے ہیں، اور کنواں کھدواتے وقت ناریل کا غیروں کے پاس چھوڑنا اور اس پر اعتقاد رکھنا، اور جب تحقیق کی گئی تو جواب میں کہتا ہے کہ میں تو مانتا ہوں، چاہے تم مانو یا نہ مانو، حتی کہ لڑکیوں کی رخصتی میں بھی خصوصی طور پر اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اب ایسے شخص سے تعلقات رکھنا اور اس کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟ اور ایسا شخص جو اعتقادِ باطلہ رکھتا ہو تو اسے دین کے کسی کام میں بڑا بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدنصیبی ہے کہ نہ علم دین حاصل ہے، نہ اہل حق علماء کی صحبت میسر ہے، جس کی وجہ سے ایسی غلط چیزوں

= حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبدالبر: .... وأجمع العلمآء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرم جميل خير من مخالطةٍ تؤذيه، ...... فإن هجرة أهل الأهوآء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوٰة، كتاب الأدب مانهي من التهاجر والتقاطع الخ: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۱) (آل عمران: ۸۵)

قال العلامة الآلوسي تحت الآية المذكورة: "والإسلام قيل: التوحيد والانقياد، وقيل: شريعة نبينا عليه السلام، بيّن تعالىٰ أن من تحرى بعد مبعثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غير شريعته، فهو غير مقبول منه". (روح المعاني: ۲۱۵/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

www.besturdubooks.net

میں مبتلا ہے، ایسے آدمی پر فتویٰ لگا کر تعلق منقطع کر دینا عامۃً مفید نہیں ہوتا، بلکہ مضر ہوتا ہے کہ ضد قائم ہو جاتی ہے، پھر حق کے ماننے اور سننے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس لئے نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھایا جائے اور کسی تدبیر سے بھی اس کو تبلیغی جماعت میں بھیج دیا جائے، ماحول بدلنے سے انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۹۹ھ۔

www.besturdubooks.net

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب الفرق	
	مایتعلق بالروافض	
	(شیعوں کے عقائد کا بیان)	
۱	شیعہ کے عقائد وافعال اور ان سے متعلق شرعی فیصلہ	۲۲
۲	شیعوں کے انیس سوالات اور ان کے جوابات	۲۵
۳	شیعوں کے بعض اعتراضات کے جوابات	۳۱
۴	کیا شیعہ فرقہ ناجیہ ہے؟	۳۳
۵	فرقہ شیعہ امامیہ	۳۵
۶	بوہرہ کی اصل	۳۸
۷	شیعہ بوہرہ کے پیشوا کے ہاتھوں مفید الاسلام کی عمارت کا افتتاح	۳۹
۸	ایک گمراہ فرقہ کے عقائد	۳۹

۹	کیا شیعہ حافظِ قرآن ہوسکتا ہے؟	۴۲
۱۰	تعزیہ وعلم	۴۳
۱۱	تعزیہ کی شرکت	۴۴
۱۲	تعزیہ کے سامنے لاٹھی چلانے کی مشق اور اس کا وظیفہ	۴۴
۱۳	تعزیہ کے سامنے گتکا کھیلنا	۴۵
۱۴	تعزیہ اور ماتمِ شیعہ	۴۵
۱۵	تعزیہ، مسجد اور کعبہ میں فرق	۴۹
۱۶	مجلسِ حسینی میں شرکت	۵۰
۱۷	پنجتن پاک کا مصداق	۵۱
۱۸	کیا شیعہ لوگ سنیوں کو نجاست کھلاتے ہیں؟	۵۲
۱۹	شیعہ کے گھر کا کھانا	۵۲
۲۰	مذہب شیعہ اختیار کرنے والے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟	۵۲
۲۱	شیعہ کا رد فتاویٰ عالمگیری میں	۵۳
۲۲	جناب نبی اکرم ﷺ کا وصیت لکھنے کے لئے مرض الوفات میں قلم، دوات طلب فرمانا	۵۴
۲۳	صحابہ پر طعن وتشنیع	۵۵
۲۴	باغِ فدک کے مطالبہ پر ناراضگی	۵۶
۲۵	باغِ فدک	۵۸
۲۶	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضگی	۵۹
۲۷	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں صحابہ کرام کی شرکت	۵۹
۲۸	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت	۶۰
۲۹	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دخترِ علی رضی اللہ عنہ سے نکاح	۶۱
۳۰	تطہیرِ اہل بیت	۶۱
۳۱	بارہ امام	۶۲

۳۲	ایضاً	۶۵
۳۳	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک شعر	۶۶
۳۴	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام	۶۷
۳۵	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشکالات	۶۹
۳۶	کسی شیعہ کا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو زک پہونچانا	۷۲

مایتعلق بمشاجرات الصحابة

(صحابہ کرام کے آپس کے اختلافات)

۳۷	مقابلۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۷۳
۳۸	محاربۂ علی وعائشہ رضی اللہ عنہما	۷۵

(حضرتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات)

۳۹	محاربۂ حسین رضی اللہ عنہ ویزید	۷۷
۴۰	حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی جنگ کا محمل	۷۷
۴۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کا معاملہ	۷۸
۴۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے؟	۷۹
۴۳	کیا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم تھے؟ (نعوذ باللہ)	۸۰
۴۴	واقعۂ کربلا جہاد ہے یا لڑائی؟	۸۰
۴۵	کیا کربلا کا واقعہ اسلامی جہاد تھا؟	۸۱
۴۶	کربلا میں کام آنے والے کیا دین کی حفاظت کے لئے لڑے ہیں؟	۸۱
۴۷	کربلا میں کون حق پر تھا؟	۸۲
۴۸	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا شہید ہوئے؟	۸۲
۴۹	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو روندا گیا؟	۸۳
۵۰	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقام محمد بن الحنفیہ نے لیا؟	۸۳

۵۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر عیسائی کا اشکال	۸۳
۵۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کی تکمیل ہوئی؟	۸۴
۵۳	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوئی یا امت کے لئے؟	۸۶
۵۴	اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نہ ہوتی، تو کیا اسلام مٹ جاتا؟	۸۶
۵۵	ایضاً	۸۷
۵۶	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت یزید پر	۸۷
۵۷	یزید کی ولی عہدی	۸۸
۵۸	ایضاً	۸۸
۵۹	خلافتِ یزید	۸۹
۶۰	جوابات پر چند اعتراض	۱۰۰
۶۱	یزید کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہنا	۱۱۲
۶۲	یزید کو ظالم کہنا	۱۱۲
۶۳	کیا یزید واجب التعظیم ہے؟	۱۱۲
۶۴	یزید کو ایصالِ ثواب	۱۱۲
۶۵	کیا یزید جنتی ہے؟	۱۱۳

مایتعلق بالقادیانیة

(قادیانی فرقے کا بیان)

۶۶	جھوٹا مدعی نبوت اور اس کی تصدیق کرنے والے کا حکم	۱۱۴
۶۷	قادیانی وغیرہ کلمہ گو کیا مسلمان ہیں؟	۱۱۵
۶۸	قادیانی کا حکم	۱۱۵
۶۹	قادیانی ہوجانے کا حکم	۱۱۷
۷۰	قادیانی جماعت کے متعلق تفصیلی احکام	۱۱۸

۷۱	قادیانی اور اس کی کتابیں	۱۲۵
۷۲	قادیانیوں سے تعلق	۱۲۷
۷۳	قادیانی کا مسجد میں نماز کے لئے آنا	۱۳۱
۷۴	بیمار قادیانی کی تیمارداری	۱۳۱
۷۵	قادیانیوں کا مرتب کردہ قاعدہ ''یسرنا القرآن''	۱۳۲
۷۶	مرزا کے ایک قول کا حوالہ	۱۳۴

مایتعلق بالشیوعیة والاشتراکیة

(کمیونزم اور سوشلزم)

۷۷	کمیونزم	۱۳۵
۷۸	کمیونزم کیسی جماعت ہے؟	۱۳۷
۷۹	کانگریس اور کمیونزم کی تفصیل	۱۳۷
۸۰	کمیونزم اور سوشلزم	۱۳۹
۸۱	اسلامی سوشلزم	۱۴۰

مایتعلق بالمودودیة

(مودودیوں کے عقائد کا بیان)

۸۲	جماعت اسلامی کے عقائد	۱۴۲
۸۳	سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اور ان کے عقیدہ کا حکم	۱۴۴
۸۴	عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق مودودی کا مسلک	۱۴۵
۸۵	جماعت اسلامی کا مسلک	۱۴۷
۸۶	جماعتِ اسلامی شریعت کی روشنی میں	۱۴۸
۸۷	کیا جماعتِ اسلامی گمراہ جماعت ہے؟	۱۵۰

۸۸	تبلیغی جماعت، جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی کا تعارف	۱۵۵
۸۹	مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی	۱۵۷
۹۰	مولانا مودودی نے کس مدرسہ میں تعلیم پائی؟	۱۵۹
۹۱	مودودی صاحب کا ایک فتویٰ	۱۶۳
۹۲	تفہیم القرآن کا حکم	۱۶۵
۹۳	تحریکِ جماعت اسلامی کا خلاصہ	۱۷۰
۹۴	ایضاً	۱۷۶
۹۵	جماعت اسلامی کا تفصیلی جائزہ ایک خط کے جواب میں	۱۷۸
۹۶	جماعتِ اسلامی پر غور کرنے کے لئے بنیادی امور	۱۸۰
۹۷	کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے؟	۱۸۷
۹۸	کیا اقوالِ صحابہ فرقہ بندی کا سبب بنے؟	۱۹۰
۹۹	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مودودی کا طرز تنقید	۱۹۳
۱۰۰	جنگِ جمل اور جنگِ صفین کو عوام کے سامنے بیان کرنا	۱۹۳
۱۰۱	حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تنقید مع جواب	۱۹۴
۱۰۲	مسئلۂ یزید اور مودودیت	۱۹۹
۱۰۳	معیارِ حق کی تشریح	۲۰۳

(رسالہ)

۱۰۴	جماعتِ اسلامی اور تنقید	۲۰۵
۱۰۵	مجرب حربہ	۲۰۷
۱۰۶	کرامت اور شرافت کا معیار	۲۰۹
۱۰۷	آزمائش کا وقت آگیا ہے	۲۱۰
۱۰۸	حق کی تشخیص	۲۱۰

۱۰۹	حق سے الگ ہونے پر شکریہ	۲۱۱
۱۱۰	جماعتِ اسلامی تخریبی تنقید پر مجبور ہے	۲۱۴
۱۱۱	امیر جماعت کے صفات	۲۱۵
۱۱۲	جماعت اسلامی کا کام	۲۱۶
۱۱۳	جماعت اسلامی کا پروگرام	۲۱۶
۱۱۴	ایک شبہ کا ازالہ	۲۱۸
۱۱۵	تبلیغ کرنے والوں پر تنقید	۲۱۹
۱۱۶	طریق کار	۲۲۰
۱۱۷	چھ اصول	۲۲۲
۱۱۸	(۱) کلمہ کی تصحیح وتبلیغ	۲۲۳
۱۱۹	(۲) نماز کی تصحیح وترقی	۲۲۳
۱۲۰	(۳) تحصیلِ علم	۲۲۳
۱۲۱	(۴) تفریغِ وقت	۲۲۴
۱۲۲	(۵) خُلق	۲۲۵
۱۲۳	(۶) تصحیح نیت	۲۲۵
۱۲۴	تنقید کا اثر	۲۲۷
۱۲۵	وفاتِ پیغمبر کی تصویر	۲۲۷
۱۲۶	حدیث پرکھنے کا طریقہ	۲۳۱
۱۲۷	احادیث مفیدِ یقین نہیں	۲۳۲
۱۲۸	کیا ہر صحیح حدیث کو حدیثِ رسول مان لیا جائے؟	۲۳۳
۱۲۹	مودودی صاحب کا موقف	۲۳۳
۱۳۰	مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں	۲۳۶
۱۳۱	اسوہ، سنت، بدعت میں بھی سب سے الگ	۲۳۶

۱۳۲	تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن وسنت کی تعلیم نہ دی جائے	۲۳۷
۱۳۳	ترکی علماء ومشائخ پر تنقید	۲۳۸
۱۳۴	قرآن کے لئے تفسیر کی حاجت نہیں	۲۳۹
۱۳۵	قرآن فہمی کا نیا طریقہ	۲۴۰
۱۳۶	دین کا مفہوم	۲۴۱
۱۳۷	علمِ کلام	۲۴۲
۱۳۸	متکلمین پر تنقید	۲۴۳
۱۳۹	فقہی اور کلامی تصنیفات کا مقصد	۲۴۶
۱۴۰	علماء کی بے پرواہی	۲۴۷
۱۴۱	جماعتِ اسلامی کا خاص کمال	۲۴۸
۱۴۲	دنیاداروں کی نفسیات	۲۴۹
۱۴۳	علماء کی نفسیات	۲۴۹
۱۴۴	ایک نیا دین	۲۵۰
۱۴۵	جماعتِ اسلامی سے نکلنا ارتداد ہے	۵۰
۱۴۶	تصوف اور سلوک	۲۵۱
۱۴۷	یوگ، تصوف، کوکین، افیون	۲۵۷
۱۴۸	امام غزالی کے نقائص	۲۵۸
۱۴۹	حکومتِ الٰہیہ کا قیام	۲۵۹
۱۵۰	ایضاً	۲۶۲
۱۵۱	اسلامی حکومت کہیں نہیں، اس کی وجہ	۲۶۵
۱۵۲	مسلک علمائے دیوبند	۲۶۷
۱۵۳	مودودی صاحب کی ایک کتاب سے متعلق مشورہ	۲۶۸
۱۵۴	دیوبند کے ایک فتوے پر اعتراض اور اس کا جواب	۲۶۹

۱۵۵	علماء ومشائخ کی آڑ......................................	۲۷۴
۱۵۶	تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب......................................	۲۷۶
۱۵۷	جماعتِ اسلامی سے متعلق قاری محمد طیب صاحب کی ایک تحریر اور اس کی وضاحت..........	۲۷۸
۱۵۸	مسئلہ تقلید اور جماعتِ اسلامی......................................	۲۸۱
۱۵۹	مودودی صاحب کا مسلک......................................	۲۸۲
۱۶۰	پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے......................................	۲۸۲
۱۶۱	مودودی صاحب کی آزادیٔ مسلک عطا کرنے کی حقیقت......................................	۲۸۳
۱۶۲	تقلید اہلِ علم کے لئے درست نہیں......................................	۲۸۳
۱۶۳	اہلِ حدیث بھی مقلد ہیں......................................	۲۸۴
۱۶۴	تقلید کا مفہوم اور عدمِ تقلید کا اثر......................................	۲۸۵
۱۶۵	اہلِ حدیث حضرات کس جرم میں مقلد قرار پائے؟......................................	۲۸۵
۱۶۶	تقلید کرنا گناہ، بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے......................................	۲۸۵
۱۶۷	مودودی صاحب کا مبلغِ علم......................................	۲۸۶
۱۶۸	دوسرا رخ......................................	۲۸۷
۱۶۹	جماعت میں رہنے والوں کو امیر کی اطاعت لازم اور نافرمانی گناہ ہے	۲۸۷
۱۷۰	امارت کا منصب لیڈر شپ کا منصب ہے......................................	۲۸۹
۱۷۱	جماعت سے علیحدگی اور امیرِ جماعت سے انحراف کا مطلب......................................	۲۹۱
۱۷۲	عجیب تضاد......................................	۲۹۲
۱۷۳	فتاویٰ کی حیثیت مودودی صاحب کی نظر میں......................................	۲۹۴

متفرقات الفِرق

۱۷۴	دیوبندیت اور بریلویت......................................	۲۹۷
۱۷۵	بریلوی فتنہ کا علاج......................................	۲۹۷

۱۷۶	فرقۂ ذِکریان	۲۹۸
۱۷۷	فرقہ مہدویہ کے عقائد	۳۰۰
۱۷۸	فرقہ مہدویہ اور احمدیہ	۳۰۱
۱۷۹	خاکساری فتنہ کا حکم	۳۰۱
۱۸۰	دینِ بہائی	۳۰۳
۱۸۱	مودودیت اور رضاخانیت میں کون زیادہ مضر ہے؟	۳۰۴
۱۸۲	چند بشیشورا اور صدیق دیندار کے عقائد	۳۰۴
۱۸۳	تہتر فرقے	۳۰۵
۱۸۴	تہتر فرقے والی حدیث پر اشکال	۳۰۶
۱۸۵	کیا حنفی مسلک قبولِ اسلام سے مانع ہے؟	۳۱۰
۱۸۶	کیا حضرت عیسیٰ اور دیگر پیغمبروں کی امتوں کو "مسلمان" کہا جاتا ہے؟	۳۱۰
۱۸۷	ہندو، یہود ونصاریٰ، جنات کس کی امت میں ہیں؟	۳۱۱
۱۸۸	یہود ونصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ	۳۱۲

باب الکفریات

(کفریات کا بیان)

۱۸۹	کفر کی تعریف	۳۱۵
۱۹۰	منافق کی تعریف	۳۱۶
۱۹۱	علاماتِ نفاق	۳۱۷
۱۹۲	فاسق وزندیق کی تعریف	۳۱۸
۱۹۳	التزامِ کفر اور لزومِ کفر کی تعریف، کفرِ ابی جہل اور کفرِ منافقین میں فرق	۳۱۹
۱۹۴	موجباتِ کفر اور تجدیدِ ایمان	۳۲۱
۱۹۵	کفری عقائد واعمال	۳۲۴

۱۹۶	احیائے موتی معجزۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے، اس کا انکار کفر ہے........................	۳۲۶
۱۹۷	دعا قبول نہ ہونے سے خدا کے وجود کے انکار کا حکم........................	۳۲۶
۱۹۸	جماعتِ منکرینِ خدا اور رسول کا ممبر بننا........................	۳۲۷
۱۹۹	سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار........................	۳۲۹
۲۰۰	مخالفِ اجماع کا حکم........................	۳۳۱
۲۰۱	دین کو ماننے سے انکار........................	۳۳۱
۲۰۲	انکارِ مذہب........................	۳۳۲
۲۰۳	حکمِ شرع کا انکار........................	۳۳۴
۲۰۴	سنیتِ مسواک کا منکر........................	۳۳۵
۲۰۵	انکارِ نماز........................	۳۳۵
۲۰۶	منکرِ نماز کا حکم........................	۳۳۶
۲۰۷	نماز کے انکار سے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟........................	۳۳۷
۲۰۸	روزہ کے منکر کا حکم........................	۳۳۸
۲۰۹	قرآن وحدیث کے انکار کے ساتھ ایمان سلامت نہیں رہتا........................	۳۴۰
۲۱۰	فاضل بریلوی کا ایک ملفوظ، اور ایک آیت کا انکار........................	۳۴۷
۲۱۱	لاعلمی کی وجہ سے آیتِ قرآن کا انکار کرنا........................	۳۴۹
۲۱۲	ایک مشہور آدمی کے تفسیر کے نمونے تحریفِ قرآن، انکارِ ملائکہ........................	۳۵۰
۲۱۳	قرآنِ پاک میں تحریف کرنے کا اقرار........................	۳۵۱
۲۱۴	بدری صحابی کو وہابی اور منافق کہنا........................	۳۵۱
۲۱۵	اپنے مسلمان ہونے کا انکار........................	۳۵۳
۲۱۶	خود کو غیر مسلم کہہ کر غیر مسلم لڑکی سے بطریقۂ غیر مسلم نکاح کرنا........................	۳۵۴
۲۱۷	جو شخص ہندو ہونے کا اقرار کرے، اس کا حکم........................	۳۵۵
۲۱۸	نکاحِ بیوہ کا منکر........................	۳۵۶

۲۱۹	تبلیغِ اسلام کا منکر	۳۵۷
۲۲۰	حالتِ حمل میں نکاح کا منکر	۳۵۷
۲۲۱	حلالہ کے منکر کا حکم	۳۵۹
۲۲۲	غیبت کے غیبت ہونے سے انکار	۳۶۰
۲۲۳	جان بچانے کے لئے کفر کا اقرار	۳۶۱
۲۲۴	کسی غرض کے لئے ظاہراً کفر اختیار کرنا	۳۶۲
۲۲۵	تارک صلوۃ کا حکم	۳۶۳
۲۲۶	ایضاً	۳۶۴
۲۲۷	ایضاً	۳۶۵
۲۲۸	نماز کے عبادت ہونے سے انکار کا حکم	۳۶۶
۲۲۹	کیا نماز دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنا ہے؟	۳۶۷
۲۳۰	جو شخص نماز کے لئے اٹھنے سے انکار کرے، اس کا حکم	۳۶۹
۲۳۱	سید ہونے کی وجہ سے حرام کو حلال سمجھنا	۳۷۰
۲۳۲	حرام کو حلال سمجھنا	۳۷۱
۲۳۳	ایضاً	۳۷۲
۲۳۴	حلال کو حرام سمجھنا	۳۷۳
۲۳۵	محرمات میں آپس میں فرق	۳۷۴
۲۳۶	حرام مال سے دعوت اور اس پر بسم اللہ	۳۷۶
۲۳۷	حلال اور حرام مخلوط مال پر بسم اللہ	۳۷۸
۲۳۸	خدائی کا دعویٰ	۳۷۹
۲۳۹	پیر صاحب کا دعوائے الوہیت	۳۸۰
۲۴۰	کیا حضرت تھانویؒ نے اپنا کلمہ پڑھوایا تھا؟	۳۸۱
۲۴۱	ایک خواب جس میں "لا إله إلا الله ، فلاں رسول الله" پڑھا	۳۸۲

۲۴۲	عورتوں کی تعزیہ میں شرکت سے کیا نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟	۳۸۴
۲۴۳	کیا تعزیہ نہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم آتا ہے؟	۳۸۵
۲۴۴	ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرنے سے روکنا	۳۸۶
۲۴۵	تین طلاقوں کے بعد بھی شوہر کے نہ چھوڑنے کی وجہ سے کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنا	۳۸۷
۲۴۶	جدائی کے لئے عورت کو مرتد ہونے کا مشورہ دینا	۳۹۰
۲۴۷	قانونِ شرع کو چھوڑ کر رسم ورواج کا پابند ہونا	۳۹۲
۲۴۸	حکمِ عدالت کو حکمِ شرع پر ترجیح دینا	۳۹۳
۲۴۹	مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا	۳۹۵
۲۵۰	غیر مذہب کی کتابیں دیکھنا اور اپنے کفر کا اقرار کرنا	۳۹۵
۲۵۱	عیسائی کتابیں فروخت کرنا کیا کفر ہے؟	۳۹۷
۲۵۲	تناسخ کے قائل کا حکم	۳۹۹
۲۵۳	چیچک میں ہندوؤں کی مائی کو چندہ دینا	۴۰۰
۲۵۴	دکان کے افتتاح پر ’’ست نارائن‘‘ کی پوجا	۴۰۰
۲۵۵	’’ایمانداری کوئی چیز نہیں‘‘ کا مفہوم اور حکم	۴۰۱
۲۵۶	یہ کہنا کہ ’’رزق ہم دیں گے‘‘	۴۰۳
۲۵۷	قانونِ شریعت کو نہ ماننے والے کا حکم	۴۰۳
۲۵۸	رسم ورواج کی وجہ سے حکمِ شریعت کو نہ ماننا	۴۰۴

مایتعلق بألفاظ الکفر

(الفاظِ کفر کا بیان)

۲۵۹	دعوۃ الحق کو دعوۃ الکفر کہنا	۴۰۵
۲۶۰	’’مجرم کو اللہ تعالیٰ نہیں چھڑا سکتا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھڑا سکتے ہیں‘‘ کہنا	۴۰۶
۲۶۱	خدا کو بے انصاف اور خود کو کافر کہنا	۴۰۶

۲۶۲	''اللہ تعالیٰ بے انصاف ہے'' کہنا	۴۰۸
۲۶۳	خدائے پاک کو بے انصاف کہنا	۴۰۹
۲۶۴	کیا خدا ظالم ہے؟ (نعوذ باللہ)	۴۱۰
۲۶۵	اللہ میاں کا اپنی تعریف کرنا	۴۱۱
۲۶۶	''میں اللہ اور رسول کو نہیں جانتا'' کہنے کا حکم	۴۱۲
۲۶۷	نماز قضاء ہونے پر یہ کہنا کہ ''نماز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوئی''	۴۱۳
۲۶۸	''اگر نبی اس زمانے میں ہوتا، تو وہ بھی میری کاٹ پہنتا'' کہنا	۴۱۳
۲۶۹	مصلحۃً کذب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا	۴۱۵
۲۷۰	رام کرشن کو برا بھلا کہنا	۴۱۶
۲۷۱	جو شخص قرآن وحدیث کو غلط بتائے، اس کا حکم	۴۱۶
۲۷۲	جو شخص قرآن وحدیث کو نا قابلِ عمل بتائے اس کا حکم	۴۱۷
۲۷۳	حفظِ قرآن کو مکروہ کہنا	۴۱۸
۲۷۴	''آنتیں (قل هو الله) پڑھتی ہیں'' کہنا	۴۱۹
۲۷۵	(كلا سوف تعلمون) کا مطلب	۴۱۹
۲۷۶	مسجد کے متعلق سخت لفظ	۴۱۹
۲۷۷	''اگر فلاں کام کروں، تو امت سے خارج'' کہنا	۴۲۰
۲۷۸	''اگر میں نے فلاں کام کیا تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو'' کہنا	۴۲۲
۲۷۹	یہ دعویٰ کہ ''میں جب چاہوں، بارش کرادوں''	۴۲۲
۲۸۰	''شریعت کا برادری کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں'' کہنے والوں کا حکم	۴۲۴
۲۸۱	استنجے کے لئے کلوخ لینا، اور اس کو سینما فلم کہنا	۴۲۵
۲۸۲	یہ لفظ کہنا کہ ''ہم نہیں جانتے، مسئلہ کیا ہے؟''	۴۲۵
۲۸۳	بت خانہ کی قسم کھانا	۴۲۶
۲۸۴	نومسلم کو طعنہ دینا	۴۲۷

۲۸۵	حضرت پیرانِ پیر کے ایک مصرع کا مطلب	۴۲۸
۲۸۶	مرثیۂ شیخ الہند کے ایک شعر کا مفہوم	۴۲۹
۲۸۷	مثنوی کے چند اشعار	۴۳۰
۲۸۸	حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک شعر	۴۳۲
۲۸۹	اقبال کے اشعار پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۳۴
۲۹۰	غالب کا ایک شعر	۴۴۰
۲۹۱	شیخ سعدیؒ کے ایک شعر میں لفظ ''بنیاذ'' اور ''نااہل'' کا مطلب	۴۴۲
۲۹۲	اَلم کے شعر میں حریف کی تحقیق	۴۴۲
۲۹۳	فاضل بریلوی سے متعلق چند اشعار	۴۴۴
۲۹۴	منکر ونکیر کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت کا حوالہ	۴۴۴
۲۹۵	شاعر امام کے بعض اشعار	۴۴۸
۲۹۶	ریاکاری کی نماز کو گالی دینا	۴۴۹
۲۹۷	دینی کتب کے مترجمین کو برا کہنا	۴۵۴
۲۹۸	ڈاکٹر فضل الرحمٰن پاکستان کے اقتباسات ضلالت آمیز	۴۵۵
۲۹۹	''مجھ کو جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منظور ہے، اللہ تعالیٰ کی ایسی کی تیسی'' کہنا (نعوذ باللہ)	۴۵۹
۳۰۰	نیند کو نماز سے بہتر کہنے پر کیا حکم ہے؟	۴۶۰
۳۰۱	مناظرہ سکھانے کے لئے کفریات بولنا کیسا ہے؟	۴۶۱
۳۰۲	''آستین بر کشیدہ: ہمچو مکار آمدی'' کا پڑھنا	۴۶۲
۳۰۳	عورت کا شوہر کو یہ جواب کہ ''توبہ نہیں کروں گی'' کیا تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے؟	۴۶۳

مایتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

۳۰۴	علمائے دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم	۴۶۴

۳۰۵	دیوبندی علماء کو کافر کہنا	۴۶۵
۳۰۶	مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم	۴۶۶
۳۰۷	مسلم کو مشرک کہنا	۴۶۸
۳۰۸	کلمہ گو کو کافر کہنا	۴۶۸
۳۰۹	اپنے سواسب کو کافر کہنا	۴۷۰
۳۱۰	کسی متبعِ سنت عالم پر کفر کا فتویٰ لگانا	۴۷۱
۳۱۱	کسی مسلمان کو کافر کہنا	۴۷۳
۳۱۲	مسلمان کو کافر کہنا	۴۷۵
۳۱۳	شاگرد کو کافر کہنے والے کا حکم	۴۷۶
۳۱۴	کسی مسلمان کو سردار جی کہنا	۴۷۷
۳۱۵	کسی کو یہ کہنا کہ ''اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے''	۴۷۸
۳۱۶	کسی بات کا یقین نہ کرنے والے کو کافر کہنا	۴۷۹

مایتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ وشعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

۳۱۷	اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی	۴۸۱
۳۱۸	شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک	۴۸۲
۳۱۹	اللہ تعالیٰ کو گالی دینا، اور رمضان کے روزے کی توہین کرنا	۴۸۲
۳۲۰	اللہ پاک کو گالی دینا	۴۸۴
۳۲۱	اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی	۴۸۶
۳۲۲	خدا اور رسول کے متعلق ایک امام کی گمراہ کن باتیں	۴۸۶
۳۲۳	حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہنا	۴۸۸
۳۲۴	ذات وصفاتِ رسول پر تنقید	۴۸۹

۳۲۵	شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی	۴۹۱
۳۲۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا حکم	۴۹۳
۳۲۷	''اُمّی'' کا معنی جاہل، ان پڑھ اور جاہل مطلق سے کرنے کا حکم	۴۹۵
۳۲۸	حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا سمجھنے والے کا حکم	۴۹۸
۳۲۹	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت کلمہ کہنا	۵۰۰
۳۳۰	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے بعد توبہ	۵۰۲
۳۳۱	یزید ابن معاویہ پر طعن	۵۰۴
۳۳۲	اخوانِ یوسف علیہ السلام پر طعن	۵۰۵
۳۳۳	قرآن پاک کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم	۵۰۶
۳۳۴	قرآن کی شان میں گستاخی	۵۰۷
۳۳۵	باہمی لڑائی میں قرآن پاک کو پیروں سے روندنا	۵۰۸
۳۳۶	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیر قرآن کریم پر رکھا تھا؟	۵۱۰
۳۳۷	قرآنِ کریم میں مخلوق کا ذکر ہونے کے باوجود اس کا احترام کرنا	۵۱۲
۳۳۸	مسجد کا مذاق اڑانا	۵۱۲
۳۳۹	اذان پر ہنسنا	۵۱۳
۳۴۰	نماز وغیرہ کا استہزاء	۵۱۴
۳۴۱	نماز کے لئے تحقیر کا لفظ بولنا	۴۱۶
۳۴۲	نمازی کو گالی دینا	۴۱۶
۳۴۳	ماں کو گالی دینا اور اس کی قبر پر پیشاب	۴۱۸
۳۴۴	علمِ دین کا مقام، علمائے دین کی توہین	۵۱۹
۳۴۵	اہانتِ علماء	۵۲۰
۳۴۶	کیا استاذ کی توہین کفر ہے؟	۵۲۱
۳۴۷	استاذ کی گستاخی اور توہین	۵۲۲

۳۴۸	امام اور استاذ کو خنزیر و منافق کہنا	۵۲۴
۳۴۹	استخفافِ علماء	۴۲۵
۳۵۰	علمائے دین کو گالی دینا	۵۲۶
۳۵۱	عالم سے بغض رکھنا	۵۲۶
۳۵۲	علماء کو برا کہنا	۵۲۹
۳۵۳	مقرر عالم کی توہین	۵۲۹
۳۵۴	امام کو برا کہہ کر نکال دینا	۵۳۰
۳۵۵	طالب علم کو گالی دینا	۵۳۲
۳۵۶	تعویذ کی توہین	۵۳۳
۳۵۷	مسئلۂ شرعیہ کی توہین	۵۳۴
۳۵۸	فتویٰ کی توہین	۵۳۵
۳۵۹	داڑھی کی توہین	۵۳۷
۳۶۰	''داڑھی کے بال اکھاڑ کر پیشاب کروں گی'' کہنے والی عورت کا حکم اور سزا	۵۳۸
۳۶۱	پگڑی کی اہانت	۵۳۹

مایتعلق بأحکام المرتدین

(مرتد کے احکام کا بیان)

۳۶۲	مرتد کے احکام	۵۴۲
۳۶۳	مرتد کس طرح تجدید ایمان کرے؟	۵۴۲
۳۶۴	مرتد سے موالات	۵۴۳
۳۶۵	مرتد سے سمجھوتہ	۵۴۴
۳۶۶	کلماتِ کفریہ سے نکاح ختم	۵۴۵
۳۶۷	کلماتِ کفریہ سے نکاح کا حکم	۵۴۵

۳۶۸	کلمۂ کفر کی وجہ سے تجدید نکاح	۵۴۶
۳۶۹	کفریہ کلمات کی ادائیگی کے بعد تجدیدِ ایمان ونکاح کا حکم	۵۴۷
۳۷۰	کفریہ افعال سے کیا نکاح ختم ہوجاتا ہے؟	۵۴۹
۳۷۱	تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کی ضرورت کب ہوتی ہے؟	۵۵۰
۳۷۲	ارتدادِ شوہر سے فسخِ نکاح	۵۵۲
۳۷۳	ارتداد کے بعد تجدید نکاح	۵۵۲
۳۷۴	جو شخص قادیانی ہوجائے، اس کا نکاح برقرار نہیں رہتا	۵۵۴
۳۷۵	شوہر کے قادیانی ہونے سے فسخِ نکاح	۵۵۵
۳۷۶	جو مسلمان عیسائی ہوجائے، اس کا نکاح	۵۵۷
۳۷۷	نکاح اور بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر نے کہا ''میں تو عیسائی ہوں''	۵۵۸
۳۷۸	شوہر شیعہ ہوجائے تو اس کے نکاح کا حکم	۵۵۹
۳۷۹	ایضاً	۵۶۱
۳۸۰	جس عورت کا شوہر شیعہ ہوجائے، اس کا حکم	۵۶۲
۳۸۱	کیا بت کی پوجا سے نکاح ختم ہوگیا؟	۵۶۴
۳۸۲	مرتد کا نکاح فسخ ہوگیا	۵۶۵
۳۸۳	نکاحِ مرتدہ	۵۶۶
۳۸۴	ارتدادِ زوجہ سے فسخِ نکاح	۵۶۷
۳۸۵	عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا	۵۶۸
۳۸۶	غیر مسلم کے ساتھ چلے جانے پر نکاح کا حکم	۵۶۹
۳۸۷	غیر مسلم کے ساتھ بھاگ جانے سے نکاح پر اثر	۵۷۰
۳۸۸	کیا تعزیہ بنانے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟	۵۷۱
۳۸۹	لاپتہ شوہر کی بیوی مرتد ہوگئی	۵۷۲
۳۹۰	کیا مرتد کی تجدیدِ نکاح میں مہر جدید وغیرہ ضروری ہے	۵۷۴

۳۹۱	عورت کے مرتد ہونے سے مہر ساقط نہیں ہوتا........	۵۷۶
۳۹۲	کیا ارتداد سے اعمال حبط ہوجاتے ہیں؟........	۵۷۷
۳۹۳	مرتد ہونے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا........	۵۸۰
۳۹۴	جنازۂ مرتد پرنماز اور مسلم قبرستان میں دفن........	۵۸۱
۳۹۵	کیا ارتداد سے یمین ساقط ہوجاتی ہے؟........	۵۸۱
۳۹۶	ردت کے بعد کلما کی قسم کا حال........	۵۸۳
۳۹۷	مرتد کی تجہیز وتکفین........	۵۸۵
۳۹۸	منکرِ نماز کا جنازہ........	۵۸۶

متفرقات الکفر

۳۹۹	بےعمل لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں کہیں گے تو عمل کریں گے........	۵۸۹
۴۰۰	اپنی بیوی کو بغیر پردہ کے نچوانا کیا کفر ہے؟........	۵۹۱
۴۰۱	بے دین فقیروں کا حال اور دعویٰ........	۵۹۲

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

۴۰۲	تقلید کی شرعی حیثیت........	۵۹۵
۴۰۳	تقلید کا ثبوت حدیث سے........	۶۰۸
۴۰۴	تقلیدِ شخصی کا ثبوت........	۶۱۳
۴۰۵	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد تھے........	۶۱۳
۴۰۶	بعض مسائل میں دوسرے امام کے مسائل پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کیا مقلد تھے؟........	۶۱۶
۴۰۷	کیا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بھی مقلد تھے؟........	۶۲۰
۴۰۸	امام کے قول کے خلاف اگر حدیث موجود ہو تو مقلد کیا کرے؟........	۶۲۲
۴۰۹	عالم محقق کے لئے تقلید اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال........	۶۲۴

۴۱۰	حنفی کے لئے کسی اَور کے قول پر عمل کرنا کیا تقلید کے خلاف ہے؟	۶۲۶
۴۱۱	مذاہبِ اربعہ کا ماٴخذ	۶۲۸
۴۱۲	عامل بالحدیث کا حکم	۶۲۹
۴۱۳	اہلِ حدیث کا حکم	۶۲۹
۴۱۴	مسائلِ اختلافیہ پر غور وفکر کرنے کے لئے چند اصولِ موضوعہ	۶۳۱
۴۱۵	اختلافی مسائل میں کیا مقلد کو ترجیح کا حق ہے؟	۶۳۴
۴۱۶	اختلافِ ائمہ	۶۳۵
۴۱۷	تقلیدِ شخصی سے ہٹ کر مختلف ائمہ کی تقلید	۶۳۶
۴۱۸	دیوبندی کس امام کے پیرو ہیں؟	۶۳۶
۴۱۹	دیوبند اور جلال آباد کے علماء کا مسلک	۶۳۸
۴۲۰	غیر مقلد کی حیثیت اور اس سے شادی بیاہ	۶۳۸
۴۲۱	کیا کسی دیوبندی کو حق ہے کہ اپنی اہلِ حدیث بیوی کو تبدیلِ عقیدہ پر مجبور کرے؟	۶۴۲

☆......☆......☆

باب الفرق

ما یتعلق بالروافض

(شیعوں کے عقائد کا بیان)

شیعوں کے عقائد وافعال اوران کا شرعی حکم

سوال[۴۰۹]: ۱..... اہل سنت والجماعت ہونے کے لئے کیا شرط ہے؟ کیا وہ آدمی بھی سنی ہوسکتا ہے جو یہ کہے کہ میری والدہ سنی تھیں اور میرے باپ شیعہ، اور شخص مذکور نے جس عورت سے نکاح کیا ہے وہ کٹر قسم کی شیعہ ہے اور حتی کہ ان صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح شیعہ مجتہد کے لڑکے سے کیا ہے، یہ صاحب شیعوں کے ماتمی جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے ہیں اور سنی ہونے کا بھی دم بھرتے ہیں، موجودہ امام صاحب سے پہلے امام مسجد کا فیصلہ تھا کہ یہ شخص شیعہ ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو سنی کہتا ہے تو اس کا نکاح شیعہ عورت کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اور موجودہ امام مسجد صاحب کا بھی یہی فتوی ہے کہ یہ غالی قسم کا شیعہ ہے اور تقیہ باز ہے اور اس کی بات ناقابل اعتماد ہے۔ کیا شیعہ سنی کا نکاح آپس میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... ایک شخص جو خود ساختہ سنی ہونے کا دعویدار ہے حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ شخص شیعہ ہے اور امام صاحب شیعوں اور رافضیوں کو دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتے ہیں اور امام صاحب نے مسلمانوں کی کثیر جماعت کی موجودگی میں جمعۃ المبارک کے دن اعلان کیا کہ میں کسی شیعہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا اور نہ کسی سنی کو جنازہ شیعہ ورافضی میں کھڑا ہونے دوں گا، ورنہ وہ سنی اسلام سے خارج ہوجائے گا اور تجدید اسلام اور قبول نکاح دوبارہ کرنا ہوگا، کیا سنی مسلمان شیعہ رافضی کی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور ایسا کرنے والوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

۳..... کوئی سنی ہونے کا دعویدار کسی ذاتی مخالفت کی بناء پر شیعہ سنی مسئلہ پر کسی امام مسجد کے بارے میں یہ کہے کہ میں نے فلاں مسلمان کے جنازہ کی نماز امام مسجد کے پیچھے نہیں، شیعان کی اقتداء میں پڑھی ہے تو ایک

دوسرے مسلمان نے سوال کیا کہ سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہو؟ تو اس نے کہا ہاں، بلکہ فرض عین کی اقتداء بھی شیعان کے پیچھے کی ہے اور میں نماز فرض اور دیگر نمازیں اس امام کی بجائے شیعان کی اقتداء میں پڑھتا ہوں، اس فعل سے تین توہین کے پہلو نکلے: ا۔فرض نماز،۲۔نماز جنازہ،۳۔میت کی توہین۔امام مسجد جس کے پیچھے خلق کثیر نماز پڑھتی ہے ایسے شخص کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ مسلمانان ورکنگ نے تو اس کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا ہے اور میل جول ختم کر دیا ہے، شرعی طور پر اس کا حل فرمایا جاوے۔

۴......کیا شیعہ کے پیچھے نماز جنازہ، شیعہ میت کی ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ اگر سنی اہل سنت کے امام کے انکار کی وجہ سے دوستی ہونے کے سبب شیعہ کی نماز جنازہ میں شریک ہو جائیں تو ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

۵......شیعہ کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا نہیں؟ اور ان سے لین دین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ ایک سنی مسلمان کی دوکان موجود ہو تو کون سی بہتر ہے؟

۶......کیا یہ ثابت ہے کہ شیعہ سنی کو چائے پانی وغیرہ میں تھوک کر کے پینے کو دیتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو عقائد، اعمال و اخلاق تعلیم فرمائے ان کو اختیار کرنے والے حضرات اہل سنت کہلاتے ہیں، اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اختیار کیا پھر اس کے بعد دوسروں نے اس کی پیروی کی (هم ما أنا عليه وأصحابي)(۱)۔ مذہب شیعہ کا بانی ابن سبا (یہودی) تھا، اس نے انتہائی تلبیس سے اس کا پرچار کیا، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں میں گھسا اور اعتقادی و عملی بد دینی پھیلائی، شیعوں کی کتاب اصول میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین صحابہ اسلام پر باقی رہے تھے، اور (بقیہ) سب مرتد ہو گئے تھے (نعوذ باللہ) (۲) نیز قرآن کریم کو یہ لوگ محرف مانتے ہیں ''فصل الخطاب'' میں

(۱) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

(۲) "مسلمان می گوید: علی (علیه السلام) فرمود: همه مردم بعد از پیامبرؐ از دین بر گشتند بجز چهار نفر، (اسرار آل محمد صلی الله علیه وسلم، ترجمه اولین کتاب شیعه درزمان امیر المؤمنین) حدیث ارتداد اصحاب جز چهار نفر، .... عیاش نے بسند امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی، چار اشخاص: علی ابن ابی طالب، مقداد، سلمان اور ابوذر رضی اللہ عنہم کے سوا سب مرتد ہو گئے، راوی نے پوچھا عمارؓ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان کو پوچھتے ہو جن کے دلوں میں مطلق شک داخل نہ ہوا ہو تو وہ یہی تین اشخاص تھے''۔ (حیات القلوب، اردو ترجمہ جلد دوئم، مؤلف علامہ باقر مجلسی، ص: ۹۲۳، اٹھارواں باب، بعض اکابر =

تصریح ہے(۱) ان کا عقیدہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا اس کو لے کر امام مہدی غار سر من رائی میں روپوش ہوگئے، اس کے بعد جو قرآن کریم کے نام سے موجود ہے وہ بیاضِ عثمانی (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نوٹ بک) ہے(۲)۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگانا ان لوگوں میں عام طور پر واضح ہے، ان کے بنیادی مسلک میں ہے۔ جہاں تک ہوسکے اہل سنت والجماعت کو اذیت پہنچاؤ، نجاست میں ملوث کرو، نجاست کھلاؤ پلاؤ، ان کی نمازیں خراب کرو وغیرہ وغیرہ۔

ایک شیعہ مسجد میں سنی بن کر نماز کے لئے آتا تھا، صف اول میں کھڑا ہوتا اور اقامت کی حالت میں اپنی داڑھی کو ہاتھ سے حرکت دیتا تھا جو بھیگی ہوئی رہتی تھی، اس میں سے قطرات داہنے اور بائیں نمازیوں پر اور مسجد کی صف پر پڑتے تھے وہ قطرات پانی کے نہیں تھے، بلکہ داڑھی کو پیشاب میں بھگو کر لاتا تھا، تحقیق ہونے پر اس کی مرمت کی گئی، یہ شیعہ اسلام سے بالکل خارج ہیں(۳) ان کا نکاح کسی بھی سنی مرد وعورت سے

= صحابہ کے فضائل، امامیہ کتب خانہ لاہور)

(۱) "عن أبي جعفر عليه السلام قال: نزل جبرئيل بهذه الآية على محمد صلى الله عليه وسلم (هكذا فبدل الذين ظلموا ال محمد حقهم قولاً غير الذى قيل لهم، فأنزلنا على الذين ظلموا آل محمد حقهم) ...... سئلت ماهكذا الخ". (فصل الخطاب في تحريف كتاب رب الأرباب، ص: ۲۵۳، ۲۵۶)

حضرت امام باقر سے روایت کی ہے کہ خدا نے زمین میں تین محترم چیزیں قرار دی ہیں: قرآن، میری عزت اور خانہ خدا ہے، لیکن قرآن میں لوگوں نے تحریف کی اور تغیر کردیا"۔ (ترجمہ حیات القلوب، جلد سوم، باب: ا، فصل حدیث ثقلین اور اس کے مثل حدیثیں، ص: ۸۷، امامیہ کتب خانہ)

(۲) "الخامس أنه قداستغاض في الأخبار أن القرآن كما أنزل لم يؤلفه إلا أمير المؤمنين عليه السلام بوصية في النبي صلى الله عليه وسلم ...... فلما جمعه كما أنزل أتى به إلى المتخلفين ...... فقال لهم: هذا كتاب الله كما أنزل، فقال له عمر بن الخطاب: لاحاجة بنا إليك ولا إلى قرآنك، عندنا قرآن كتبه عثمان، فقال علي عليه السلام: لم تره بعد هذا اليوم ولا يراه أحد حتى يظهر ولدى المهدى عليه السلام". (الأنوار النعمانية: ۲/۳۶۰، نور في الصلوة، مؤسسة الأعلمي، بيروت)

(۳) "ان الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي رضي الله تعالىٰ عنه، أو أن جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر". (رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب مهم في سب الشيخين: ۴/۲۳۷، سعيد) ...... =

جائز نہیں (۱) یہ مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز بھی نہیں (۲) ایسے شخص کو امام بنانا بھی اپنی نماز کو برباد کرنا ہے (۳)۔

ان کے مذہب میں تقیہ ایسی چیز ہے کہ جب چاہیں اپنے آپ کو کافر کہدیں، جب چاہیں مسلمان، اپنے آپ کو شیطان بھی کہہ سکتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی شیطان سے تعبیر کرتے ہیں جن کے ایمان پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پورا اطمینان ظاہر فرمایا، ایسے لوگوں کا ذبیحہ بھی درست نہیں (۴)۔ امید ہے کہ آپ کے سب سوالات کا جواب آگیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۹/۹۹ھ۔

شیعوں کے انیس سوالات اور ان کے جوابات

سوال: [۴۱۰] ۱...... معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنم دیوس کب ہوا؟ ان کے باپ کا کیا نام ہے؟ کیا معاویہ صحابیٔ رسول تھا؟ معاویہ کے معنی کیا ہیں؟

۲...... ام المومنین جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی زوجیت سے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا فائدہ پہنچا؟ جناب عائشہ کا مزار کہاں ہے؟

۳...... اجماع آپ لوگ تسلیم کرتے ہیں، ذرا معرکۂ کربلا میں بتائیں کہ اجماع کدھر ہے؟

= "وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام، و أحكامهم أحكام المرتدين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(۱) "و لا يصلح أن ينكح مرتد أو مرتدة أحداً من الناس مطلقاً". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۲۰۰، سعيد كراچى)

(۲) "وسببها (أى مسبب صلاة الجنازة) الميت المسلم، فإنها وجبت قضاءً لحقه". (فتح القدير، كتاب الجنائز: ۲/۱۰۳، مصطفى البابى الحلبى)

(۳) "وإن أنكر بعض ماعلم من الدين ضرورةً كفر بها، فلا يصح الإقتداء به أصلاً". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۱، سعيد)

(۴) "و شرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم إن كان صيداً". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۷، سعيد)

۴......کیا تینوں خلفاء کو حالاتِ زندگی کے دستور سے صاف ستھرا ثابت کر سکتے ہیں؟

۵......مسلمانوں نے جمہوریت کے نام پر سقیفہ کانفرنس کو کامیاب بنا کر لفظِ جمہوریت بدنام کر کے ابو بکر، عمر، عثمان کو خلیفہ بنایا، کیوں؟ جمہوریت کا بنیادی اصول کیا ہے؟

۶......وفات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دربنتِ رسول پر آگ اور لکڑیاں جلانے کے لئے کیوں اور کس نے جمع کیا؟ نیز پہلوئے بنت رسول کا دروازہ کس نے گرایا؟

۷......جنگِ جمل میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لڑنے کے لئے کیوں آئیں؟

۸......اہل سنت کا وجود کب سے ہوا؟ قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔

۹......رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر، عمر، عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) خلیفہ ہوئے، اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔

۱۰......آپ کے عقائد سے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) چوتھے خلیفہ تھے، کیا اس کی بشارت پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) دے گئے تھے؟

۱۱......کیا ابو بکر، عمر، عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے خلیفہ ہونے کی بشارت رسول اپنی زندگی میں دے گئے تھے؟

۱۲......جب زمانۂ رسول ہی میں ﴿أليوم أكملت لكم﴾ کی آیت آچکی تھی یعنی اسلام مکمل ہو گیا تھا، بعد رسول جب خلافت کا دور آیا تو خلفاء نے اپنی طرف سے منطق کی اینٹ کیوں جوڑ دی؟ اسلام میں ترمیم کیوں کی، کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا؟

۱۳......رسول کو معصوم مانتے ہیں یا نہیں؟ ان کو علم غیب تھا یا نہیں؟

۱۴...... جناب جبرئیل علیہ السلام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیت وسورت لے کر نازل ہوتے تھے، اسی طرح قرآن اکٹھا کیا گیا، مگر قرآن کو تیس پاروں میں کب اور کس نے منقسم کیا؟

۱۵......یزید کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیا خدا اس کے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے اور اس کی قسمت میں جنت ہے یا نہیں؟

۱۶......غالباً رسول کی بیماری سے نجات پانے کی وجہ سے آپ لوگ آخری چہار شنبہ مناتے ہیں، شاید

اس دن رسول کو بیماری سے چھٹکارا ملا۔ حضور رسول اپنی زندگی میں کتنی مرتبہ بیماری سے تندرستی کے ساحل پر پہنچے، آپ کو ہر موقعہ پر ان کی صحت یابی پر یادگار منانی اور نیاز دلوانی چاہئے۔

۱۷…… بارہ وفات کے کیا معنیٰ ہیں؟ یومِ ولادتِ رسول کو بارہ وفات کیوں مناتے ہیں؟ اگر رسول کی ولادت اور وفات ایک ہی تاریخ کو ہوئی، اس موقعہ پر آپ کو خوشی اور غم دونوں کرنا چاہئے بلکہ آپ لوگ اس روز عید مناتے ہیں، کیوں؟

۱۸…… کفن میں عطر لگانے کی رسم کب سے شروع ہوئی؟

۱۹…… مسلمانوں کے چار امام (چار مصلے ہیں)، چاروں کے خیالات متفرق کیوں تھے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱…… اہل سنت والجماعت کا مسلک قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ امور مندرجہ سوال میں بعض چیزیں بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں، بعض امور کا مسلک کے حق یا ناحق ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر واقعۃً کوئی صاحب تحقیق چاہتے ہیں اور ان کا مقصود شبہات کو دور کرنا ہے، مناظرہ ومکابرہ مقصود نہیں تو بنیادی امور میں جس چیز پر شبہ ہو اول اس کو دریافت کریں، پھر فروعی امور کا نمبر ہے، بنیاد کو تسلیم نہ کرتے ہوئے فروع سے بحث کرنا لاحاصل ہے، مثلاً سوال نمبر: ۱ سے مسلک کے حق یا ناحق ہونے کا کیا تعلق ہے۔

سوال نمبر: ۲ بھی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا، تاہم ان کے فضائل میں احادیثِ صحیحہ صریحہ موجود ہیں (۱)، قرآن کریم میں ان کی برأت و پاکدامنی کے لئے سورہ نور میں آیات نازل ہوئی ہیں (۲)۔

---

(۱) "عن أبي موسى قال: ما أشكل علينا أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حديث قط، فسألنا عائشة رضي الله عنها إلا وجدنا عندها منه علماً." رواه الترمذي".

"و عن موسى بن طلحة قال: ما رأيت أحداً أفصح من عائشة رضي الله عنها". رواه الترمذي"

(مشكوة المصابيح، باب مناقب أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۵۷۴، قديمي)

"و عن أنس بن مالك قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يقول: "فضل عائشة -رضي الله عنها- على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام". (الصحيح لمسلم، باب فضائل عائشة أم المؤمنين: ۲/۵۸۲، قديمي)

(۲) (سورة النور: آيت: ۱۱ - ۲۰)

سوال نمبر:۳ کے متعلق عرض ہے کہ معرکۂ کربلا میں کس نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے؟

۴...... بالکل ثابت کر سکتے ہیں، احادیث صحیحہ موجود ہیں (۱)۔

۵...... جمہوریت کا نام کس نے بدنام کیا؟ سقیفہ بنی ساعدہ میں کونسی بات جمہوری اصول کے خلاف پیش آئی، کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں تجویز ہوئی؟

۶...... ایسا کسی نے نہیں کیا، کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، یہ تو شیعوں کے کذبات وھفوات ہیں۔

۷...... وہ لڑنے نہیں آئی تھیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا یہ مطالبہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لیا جائے، خوارج کی فتنہ پردازی نے جنگ کی صورت اختیار کر لی (۲)۔

۸...... ''حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے''، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون ہے؟ تو فرمایا کہ ''جو فرقہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا وہ نجات پائے گا''، یہ حدیث مشکوۃ شریف، ص:۳۰ میں ہے (۳)، یہی فرقہ اہل سنت کا ہے جو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت سے موجود ہے

---

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل أبی بکر، عمر، عثمان: ۲/۲۷۲-۲۷۸، قدیمی)

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب أبی بکر، عمر، عثمان: ۱/۵۱۶-۵۲۵، قدیمی)

(۲) "قال ابن سعد: بویع علي بالخلافة الغد من قتل عثمان بالمدینة، فبایعه جمیع من کان بها من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، و یقال: إن طلحة و الزبیر بایعا کارهین و غیر طائعین، ثم خرجا إلی مکة و عائشة رضی الله تعالیٰ عنها بها، فأخذاها و خرجا بها إلی البصرة یطالبون بدم عثمان". (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل فی مبایعة عليّ رضی الله تعالیٰ عنه بالخلافة و ما نشأ عن ذلک، ص: ۱۴۴، مؤسسة الکتب الثقافیة)

(۳) "و عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لیأتین علی أمتي کماأتی علی بني إسرائیل حَذوَ النعل بالنعل، حتی إن کان منهم من أتی أمه علانیةً لکان فی أمتي من یصنع ذلک، و إن بني إسرائیل تفرقت ثنتین و سبعین ملةً، وتفترق أمتي علی ثلاث و سبعین ملةً کلهم فی النار إلا ملةً واحدةً"، قالوا: من هي یا رسول الله! ؟ قال: "ما أنا علیه و أصحابی". رواه الترمذي".

(مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی: ۱/۳۰، قدیمی)

اور اپنی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کی حضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے تاکید بھی فرمائی ہے اور قرآن کریم میں "خیرامت" جس کو فرمایا گیا ہے اس کے طرز پر چلنے والا فرقہ اہل سنت ہے۔

۹......ان حضرات کا خلیفہ ہونا واقعاتی چیز ہے جو کہ دنیا میں ثابت و مسلّم ہے، نیز قرآن وحدیث سے ان حضرات کا مستحق ہونا نیز حدیث سے ترتیب وتعیین ثابت ہے، ایسی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ کیا شیعہ تسلیم کریں گے؟ حضرت شاہ ولی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "ازالۃ الخفاء" اسی موضوع پر ہے، بڑی تفصیل سے احادیث اس میں مذکور ہیں (۱)۔

۱۰......واقعہ اسی طرح پیش آیا اور خلفاء راشدین کی ترتیب اسی طرح ہے (۲) احادیث میں اشارات بھی ہیں۔

۱۱......جی ہاں، بشارتیں موجود ہیں، کیا شیعہ تسلیم کریں گے؟

۱۲......منطق کی اینٹ بالکل نہیں جوڑی، اسلام کی بنیاد جن امور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی تھی بالکل اسی طرح یہ حضرات اس پر قائم رہے اور دوسروں کو قائم کیا۔

۱۳......رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معصوم مانتے ہیں (۳) بہت سی ایسی باتوں کا آپ کو علم دیا گیا جو کہ دوسروں کو نہیں ملا، جب جب اللہ تعالیٰ چاہتے علم عطا فرما دیتے (۴)۔

---

(۱) "مسلک سوم: اجماع امت است بر افضلیتِ مشایخ ثلثه بترتیبِ خلافت، و اجماع است را بدو وجه تقریر نمائیم .... و اما وجه اول دو مرتبه است: مرتبه اولی نقل صریح اجماع از حديث عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "كنا نخير بين الناس في زمان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فخير أبا بكر ثم عمر ثم عثمان بن عفان رضي الله عنهم" أخرجه البخاري .... الخ". (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، مسلک سوم اجماع امت بر افضلیت خلفاء ثلاثه بترتیب خلافت: ۱/۱۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "والأنبياء عليهم الصلاة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر و الكفر والقبائح". (الفقه الأكبر للإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ص: ۲، قديمی)

(۴) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد قبلي ...... الخ". (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه: ۲/۵۱۲، قديمی)

۱۴...... یہ تیس پاروں میں پاروں کے ثلث، ربع، نصف کی تقسیم بھی بنیادی چیزیں نہیں ہیں، بنیادی چیز یہ ہے کہ تمام قرآن پاک حق ہے، اللہ پاک کا نازل فرمودہ ہے، اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی (۱)۔

۱۵...... معاف فرمانا، قدرت سے خارج ہرگز نہیں (۲)، اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو یا اس سے بھی بڑے گنہگار کو جنت میں داخل فرمادے۔ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو وہ جنت میں جائے گا خواہ ابتداءً ہی جائے خواہ سزا بھگت کر جائے (۳)۔

۱۶...... ہم لوگ آخری چہار شنبہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، جیسے اَور دن ویسا ہی آخری چہار شنبہ، لہذا یہ سوال ہم پر عائد نہیں ہوتا۔

۱۷...... مشہور یہ ہے کہ ۱۲/ ربیع الاول کو وفات شریف ہوئی تھی (۴) اس لئے عوام اس کو بارہ وفات کہتے ہیں۔ ہم لوگ اس دن اگر ہوسکے تو روزہ رکھ لیتے ہیں، نہ عید مناتے ہیں نہ غم۔

۱۸...... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت سے ہی یہ سنت جاری ہے۔

۱۹...... خیالات سے مراد اگر عقائد ہیں تو چاروں اماموں: ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ کے عقائد مختلف نہیں تھے، بلکہ متفق تھے اور سب اہل حق تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾. (الحجر: ۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ألم تعلم أن الله له ملك السموات والأرض يعذب من يشآء و يغفر لمن يشآء والله على كل شيء قدير﴾ (المائدة: ۴۰)

(۳) ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾ فيه إيماء إلى أنه سبحانه يعفو عن أرباب الذنوب ...... و إذا عذبه فإنه لا يؤبده كما تدل عليه الأحاديث: منها: "من قال لا إله إلا الله دخل الجنة، و إن زنى و إن سرق"، و هو قول أكثر الصحابة والتابعين و أهل السنة والجماعة". (شرح الفقه الأكبر: ۱۵۲، قديمي)

(۴) " قال: توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا ثنتي عشرة ليلةً مضت من شهر ربيع الأول، اليوم الذي قدم فيه المدينة مهاجراً". (دلائل النبوة للبيهقي، باب ما جاء في الوقت واليوم والشهر والسنة التي توفي فيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و في مدة مرضه: ۲۳۵/۷، دار الكتب العلمية)

شیعوں کے بعض اعتراضات کے جوابات

سوال[۴۱۱]: آج کل ایک بَلا مسلط ہے، یہاں کے تھانہ انچارج آج کل ایک شیعہ اقتدار حسین جعفری ہیں، اپنے مذہب کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ بہت کرتے ہیں، بندہ کو بہت مجبور کیا تو جواب دینا پڑا۔ بحث کے دو دور ہو چکے ہیں، پہلے دور میں طے ہوا کہ کتابوں کے حوالے صرف قرآن پاک، بخاری ومسلم اور تاریخ کے سلسلہ میں تاریخ الخلفاء، اس کے علاوہ کسی کتاب کا اعتبار نہیں۔ دوسری دفعہ امور ذیل پر بحث ہوئی، انہوں نے بیان کیا:

۱......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بلافصل تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستحق خلافت نہ تھے، ان کے ہاتھ پر صرف ۱۸/نفر بیعت کرنے والے تھے، وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چچا کے لڑکے بچپن سے ہی مسلمان، کبھی کفر کا دور نہیں آیا، باقی لوگوں نے کفر کا بھی زمانہ دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قتل کے ارادہ سے ہی آئے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد ہے: "علی منی وأنا منه" یہ داماد رسول تھے، ان کے علاوہ کوئی دوسرا داماد بھی نہیں تھا۔

۲......فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہ دے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرابت کا بھی خیال نہ کیا اور باپ کی جائیداد سے محروم رکھا، اس وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چھ مہینے تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ بولیں۔

۳......اگر کسی سے کوئی غلطی ہوئی ہے وہ اگرچہ صحابی رسول ہی کیوں نہ ہو اس کو بُرا کیوں نہ کہا جائے۔

۴......حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور زوجۂ رسول مگر خلیفہ کے مقابلہ پر آئیں، جنگ کرنا ان کی شان سے بعید تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنگ ہی نہیں کی، نہ ساتھ کے لوگ جنگ کے لئے آئے تھے، کیونکہ کھانا ایک طرف کھاتے اور نماز دوسرے کے پیچھے پڑھتے تھے، دوسرے خون عثمان کے سلسلہ میں ایک مطالبہ لے کر آنا ہوا، رات کو یہ سن کر قاتلوں نے کہ صبح قتل کر دیئے جائیں گے حملہ کر دیا اور دونوں فوجیں بھڑ گئیں، اس غلط فہمی میں کہ دوسرے نے بدعہدی کی، معاملہ صاف ہوا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ خون عثمان کا مطالبہ ہر مسلمان کا حق تھا، خواہ وہ مسلمان مرد ہو یا عورت۔

اس سلسلہ میں ضروری ہدایات وتوجہ کی درخواست ہے، نیز شیعہ مذہب کے کچھ مسائل جو صحیحین کی رو سے خلاف ہے چند نقل کر کے ارشاد فرمائیں۔ ظہیر الاسلام بنی گنج۔ ہردوئی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر آپ کے حریف نے قرآن کریم، بخاری و مسلم، تاریخ الخلفاء کے حوالہ کو تسلیم کرنے کا اقرار کرلیا تو بہتر ہے، معاملہ بہت سہل ہے۔

۱...... "عن الحسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال علیّ: لما قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، نظرنا فی أمرنا فوجدنا النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قد قدّم أبابکر فی الصلوة، فرضینا لدنیانا عمن رضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عنه لدیننا، فقدمنا أبابکر"۔ فصل فی بیان کونه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لم یتخلف ذلك (تاریخ الخلفاء، ص: ۵۰) (۱)۔

یہی تفصیل، ص: ۱۲۴، فصل فی نبذ من أخبار علی و قضایاہ و کلماته میں ہے (۲)۔

۲...... بخاری شریف، ص: ۹۹۵، کتاب الفرائض، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا نورث، ما ترکناه صدقة" اسی میں ہے "قال: فهجرته فاطمة فلم تکلمه حتی ماتت" یعنی حدیثِ پاک سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا مطالبہ میراث ترک کردیا اور اخیر وقت تک اس کو زبان پر نہیں لائیں (۳) یہ حدیث "لا نورث ما ترکناه صدقة" شیعہ کی سب سے معتبر کتاب "کافی" میں بھی

---

(۱) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل فی بیان کونه ﷺ لم یستخلف و سر ذلک، ص: ۱۴، مؤسسة الکتب الثقافیة)

(۲) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل فی نبذ من أخبار علیّ و قضایاه و کلماته رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، ص: ۱۴۶، ۱۴۷، موسسة الکتب الثقافیة)

(۳) "عن عائشة – رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها– أن فاطمة والعباس أتیا أبا بکر یلتمسان میراثهما من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم و هما حینئذ یطلبان أرضیهما من فدک و سهمهما من خیبر. فقال لهما أبو بکر: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا نورث، ما ترکنا صدقة، إنما یأکل آل محمد من هذا المال". قال أبو بکر: واللّٰہ لا أدع أمراً رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یصنعه فیه إلا صنعته، قال: فهجرته فاطمة، فلم تکلمه حتی ماتت". (صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب=

ہے، نیز "محجاج السالکین" میں ہے: کہ "حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب واپس تشریف لے گئیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی خدمت میں گئے کہ میں آپ سے معافی مانگنے اور راضی کرنے کے لئے آیا ہوں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں راضی ہوں(۱)۔ (حدیث کو سن کر کر ناراض ہونے کا کیا محل ہے)۔

۳...... جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ "میرے صحابہ کو بُرا مت کہو" (۲) تو پھر کسی کا کیا منہ ہے؟

۴...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مطالبہ قصاصِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آئی تھیں، تفصیل تاریخ الخلفاء میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۵ھ۔

کیا شیعہ فرقہ ناجیہ ہے؟

انجم رومانی دفتر روزنامہ اردو ٹائمز، مولانا آزاد روڈ، بمبئی ۱۵/ اگست

سوال[۴۱۲]: حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول ہے کہ "میری وفات کے بعد میری

= قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا نورث، ما ترکنا صدقة: ۲/۹۹۵، ۹۹۶، قدیمی)

(۱) محجاج السالکین بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ (اردو) باب خلفاء ثلاثہ و کبار صحابہ پر مطاعن اور ان کے جواب، ص: ۵۴۵، دارالاشاعت کراچی)

(و کذا فی تالیفات رشیدیه، هدیة الشیعه: ۵۶۵، اداره اسلامیات لاهور)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا تسبوا أصحابی فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مد أحدهم و لانصیفه". متفق علیه". (مشكوة المصابیح، باب مناقب الصحابة: ۲/۵۵۳، قدیمی)

(۳) "قال ابن سعد: بویع علیّ بالخلافة الغد من قتل عثمان بالمدینة، فبایعه جمیع من كان بها من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، و یقال: إن طلحة و الزبیر بایعا كارهین و غیر طائعین، ثم خرجا إلی مكة و عائشة رضی الله تعالیٰ عنها بها، فأخذاها و خرجا بها إلی البصرة یطالبون بدم عثمان .... الخ". (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل فی مبایعة علیّ رضی الله تعالیٰ عنه بالخلافة و ما نشأ عن ذلك، ص: ۱۴۴، مؤسسة الكتب الثقافية)

امت کے تہتر فرقے ہونگے، ایک فرقہ ناجی ہوگا اور بہتر ناری ہوں گے'' اس حضور کے قول پر تمام برادران اسلام متفق ہیں اور عام طور پر مسلمانوں میں صرف دو کلمہ چل رہے ہیں: ایک تو وہ ہے جو شیعہ فرقہ پڑھتا ہے اور دوسرا کلمہ وہ ہے جو ہم بہتر فرقے کے لوگ پڑھتے ہیں۔ حضور کے قول کی روشنی میں شیعہ فرقہ ناجی ہو جاتا ہے اور ہم بہتر فرقے والے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی روشنی میں نجات سے دور ہوئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں مفتی شرع ؟ جلد سے جلد اس مسئلہ کا جواب اوپر لکھے ہوئے پتہ پر ارسال فرمادیں۔ فقط انجم رومانی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو فرقہ ناجی ہے اس کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ''مـن هـي''؟ وہ فرقہ کون ہے تو ارشاد فرمایا: ''ما أنا علیه و أصحابي''(۱) جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں، یعنی جو فرقہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے وسنت پر ہے وہ ناجی ہے۔ جس وقت یہ ارشاد فرمایا شیعہ تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے، نہ ان کا کلمہ تھا اور نہ وہ اب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ وسنت پر ہیں، نہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ وسنت پر ہیں تو وہ اس حدیث پاک کی رو سے ناجی کیسے ہوسکتے ہیں؟ وہ فرقہ اگر حدیث کی روشنی میں اپنا مقام سمجھنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ: ''کل محدثة بدعةٌ'' اور ''کل بدعة ضلالةٌ'' اور ''کل ضلالة في النار''(۲) میں غور کرے، نیز اس حدیث میں غور کرے:

''عن عبد اللّٰه بن مغفل رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم: "اللّٰه اللّٰه في أصحابي، لا تتخذوهم من بعدي غرضاً، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، و من اذاهم فقد اذاني، و من اذاني فقد اذی اللّٰه، و من اذی اللّٰه فیوشك أن یأخذه''۔

(۱) (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ص: ۳۰، قدیمی)

(۲) (سنن النسائي، کتاب صلاة العیدین، باب کیف الخطبة: ۱/۲۳۴، قدیمی)

نیز اس حدیث میں غور کرے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إذا رأیتم الذین یسبون أصحابی، فقولوا: لعنة اللّٰہ علی شرکم اھ"۔

یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ شریف، ص: ۵۵۴ میں مذکور ہیں (۱)، اور بھی ایسی احادیث موجود ہیں، ان میں غور کرنے سے اس فرقہ کو اپنا مقام معلوم ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فرقہ شیعہ امامیہ

[۴۱۳] بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی اٰلہ الطاھرین وأصحابہ الطیبین أجمعین إلی یوم الدین، أما بعد:

جب سے فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ نے جنم لیا اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید کی، اس کے زیغ وضلال کو واضح کیا، کسی نے اس پر مختصر لکھا، کسی نے تفصیل سے بیان کیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں اس پر بسط سے کلام کیا۔

بادشاہ ہمایوں کے دور میں یہ فرقہ منظم شکل میں جماعتی حیثیت سے ہندوستان آیا اور اپنے مخصوص نظریات (بغض صحابہ اور ان پر لعن وطعن) کی اشاعت کرنے لگا، ہمایوں نے علامہ ابن حجر مکی کو خط لکھا جس پر "تطہیر اللسان والجنان" تصنیف کی گئی، نیز دوسری کتاب "الصواعق المحرقۃ" تصنیف فرمائی۔

اس کے بعد اکبر کا دور آیا تو یہ فرقہ ترقی کرنے لگا، یہاں تک کہ جو دین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کے مقابلہ میں دوسرا دین مستقل بنایا گیا۔

اسی زمانہ میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، ان کو قتل کرنے کی تجویز کی گئی مگر وہ تجویز

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، باب مناقب الصحابۃ: ۲/۵۵۴، قدیمی)

(والترمذی، أبواب المناقب، باب فی من یسب أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲/۲۲۵، ایچ ایم سعید)

کامیاب نہیں ہوئی، یہاں تک کہ اکبر کا انتقال ہوگیا۔

پھر جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اجین ریاست گوالیار میں قید کروادیا اور برسوں قید میں رکھا۔ پھر ایک خواب کی بنا پر متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور ان کو جیل سے نکال کر معافی مانگی۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرق ضالہ میں اس فرقہ کو سب سے زیادہ خطرناک بتایا ہے، تحریر فرمایا ہے کہ ''قرآنی اسلام کے مقابلہ میں اس فرقہ نے دوسرا اسلام تیار کیا ہے''، اس کے عقائد کو شمار کرایا ہے کہ یہ عقائد قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں، جن اکابر نے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا انہوں نے اس احتیاط کی بنا پر کف اللسان والقلم کیا ہے کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے توبہ نصیب ہو جائے بغیر توبہ کے مرنے پر یہ احتیاطی پہلو بھی ختم ہوگیا۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے، جس کو پانچ سو علماء کی جماعت کے ذریعہ اورنگ زیب عالمگیر نے تصنیف کرائی۔

"الرافضي إذا كان يسب الشيخين، و يلعنهما والعياذ بالله فهو كافر، ولو قذف عائشة رضى الله تعالى عنها بالزنا كفر بالله، و من أنكر إمامة أبي بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه فهو كافر، و على قول بعضهم هو مبتدع و ليس بكافر، والصحيح أنه كافر، وكذلك من أنكر خلافة عمر رضى الله تعالىٰ عنه فى أصح الأقوال، كذا فى الظهيرية۔ و يجب إكفارهم بإكفار عثمان و علي و طلحة و زبير و عائشة رضى الله تعالىٰ عنهم، و يجب إكفار الزيدية كلهم فى قولهم بانتظار نبي من العجم ينسخ دين نبينا و سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كذا فى الوجيز للكردري، و يجب إكفار الروافض في قولهم برجعة الأموات إلى الدنيا و بتناسخ الأرواح، و بانتقال روح الإله إلى الأئمة، و بقولهم فى خروج إمام باطن، و بتعطيلهم الأمر والنهي إلى أن يخرج الإمام الباطن وبقولهم: إن جبرئيل عليه السلام غلط فى الوحي إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دون علي بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه، و هؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام، و أحكامهم أحكام المرتدين، كذا فى الظهيرية". فتاوى عالمگيرى

مختصراً:۲/۲۸۳ (۱)۔

مشہور مفسر و محدث حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ﴿ لیغیظ بھم الکفار ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو روافض کے کفر کی ایک قرآنی دلیل قرار دیا ہے (۲) تفسیر خازن (۳) اور معالم التنزیل (۴) میں بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کی طرف اجمالی اشارہ موجود ہے۔

حضرت شاہ ولی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب اور دینی کارنامے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور اس فرقہ امامیہ پر شد و مد سے رد فرمایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں اس فرقہ باطلہ کے عقائد شنیعہ لکھ کر ان کو خوب رد فرمایا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس فرقہ کی تردید میں ''ہدیۃ الشیعہ'' تصنیف فرمائی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ھدیۃ الشیعہ" میں بڑے دلائل سے اس فرقہ کے معتقدات کا رد کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ہدایۃ الرشید'' میں تفصیل سے اس فرقہ کا رد فرمایا ہے۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة ، کتاب السیر ، الباب التاسع فی أحکام المرتدین : ۲/۲۶۴، رشیدیه)

(۲) "و من هذه الآية انتزع الإمام مالک رحمه الله تعالیٰ، في رواية عنه ، بتكفير الروافض الذين يبغضون الصحابة رضى الله تعالیٰ عنهم، قال: لأنهم يغيظونهم، و من غاظ الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فهو كافر لهذه الآية، و وافقه طائفة من العلماء رضی الله تعالیٰ عنهم على ذلک، والأحاديث فی فضل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، والنهی عن التعرض لهم بمساء ة كثيرة". (تفسیر ابن کثیر (الفتح: ۲۹): ۴/۲۶۱، مکتبه دار الفیحاء)

(۳) "قال مالک بن أنس: من أصبح و في قلبه غيظ على أصحاب رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فقد أصابته هذه الآية". (تفسیر الخازن (الفتح : ۲۹): ۴/۱۷۳، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۴) (معالم التنزيل للبغوی (الفتح : ۲۹): ۴/۲۰۷، اداره تالیفات اشرفیه)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، أو أنكر صحبة الصديق رضي الله تعالىٰ عنه، أو اعتقد الألوهية في علي، أو أن جبرئيل غلط في الوحي، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن"۔ شامی: ۲۹۴/۳ (۱)۔

الغرض اپنے اپنے دور میں اہل سنت والجماعت (هم ما أنا عليه وأصحابي) اس فرقے پر رد کرتے چلے آئے ہیں، اس فرقہ کی کتابیں کمیاب یا نایاب تھیں، مگر اب چھپ چکی ہیں، جو شخص ان کا مطالعہ کرے گا وہ خود بھی دیکھ لے گا کہ وہ کس قدر کفریات پر مشتمل ہیں، مثلاً: کافی ، منهج الصادقين ، البرهان في تفسير القرآن ، فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب ، حيات القلوب ، كشف الأسرار" وغیرہ وغیرہ۔فقط والله الهادي إلى صراط مستقيم۔ املاہ العبد محمود غفرلہ۔

بوہرہ کی اصل

سوال[۴۱۴]: بواہیر کون لوگ ہیں؟ ان کی بنیاد کس نے ڈالی اور کہاں ڈالی؟ ان کے بنیادی عقائد مختصراً بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

بواہیر عربی قاعدہ سے بوہرہ کی جمع بنائی گئی ہے جو کہ بھوار سے ہے، جس کے معنیٰ "تاجر" ہے، یہ تو لغت کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ صاحب مجمع البحار کے تذکرہ میں ہے (۲)، لیکن یہ مستقل خاندان یا قوم ہے، کچھ سنی ہیں اکثر شیعہ ہیں، غالباً یہ سنی بھی پہلے شیعہ تھے پھر سنی ہو گئے، ان کی نسل بوہرہ سنی ہے، بوہرہ کے عقائد کی تفصیلات ان سے ہی دریافت کیجئے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۲ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين: ۲۳۷/۴، سعيد)

(۲) "البوهرة وهي مشتقة من "بيوهار" في لغة أهل الهند معناه التجارة". (مجمع البحار، ترجمة المصنف: ۲۰/۱، دار الإيمان المدينة المنورة)

شیعہ بوہرہ کے پیشوا کے ہاتھوں مفید الاسلام کی عمارت کا افتتاح

سوال[۴۱۵]: ایک رفاہ عام ادارہ ہے، جس کے ماتحت ایک تعلیم گاہ ہے، جس میں مسلم بچیوں کے لئے پردہ کے ساتھ پرائمری سے ہائر سیکنڈری تک تعلیم کا انتظام ہے اور دو ہزار بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہے اور اس اسکول کو اس سال کالج بنادیا گیا ہے، شبینہ مدرسہ بھی ہے، دوسرا شعبہ لاوارث لاش کا روزانہ پانچ سے دس تک تجہیز و تکفین کرتا ہے، اس کے لئے ۱۳/ ایمبولینس گاڑیاں ہیں، دو غسال دو غسالہ ہیں، مساکین جو بالکل بے سہارا ہیں، ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

اس ادارہ کے اخراجات بہت ہیں، بوہرہ کے پیشوا سیدنا برہان الدین کلکتہ سے تشریف لاتے ہیں، انجمن مفید الاسلام کی عمارت کی نئی تعمیر ہوئی ہے، سیدنا سے اس عمارت کا افتتاح کرایا جائے اور خواص کو جمع کیا جائے اور اس طرح ہمارے مدرسہ ندائے اسلام کا معائنہ کرایا جائے اور اس طریقہ پر اعزاز و احترام کیا جائے یا ان کی معاونت کو لیا جائے، آیا شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ ہرگز اس کا ارادہ نہ کریں، مفید الاسلام کی عمارت کا افتتاح مضر الاسلام سے کرانا سخت ممنوع ہے، حق تعالیٰ آپ کی اعانت فرمائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۳۰ھ۔

ایک گمراہ فرقہ کے عقائد

سوال[۴۱۶]: ۱.....ایک جماعت قرآن پاک کے متعلق یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ قرآن پاک کے چالیس پارے ہیں، تیس پاروں کا تو علم سب پر ظاہر ہے اور دس پاروں کا علم صرف ہماری جماعت کو ہے اور کو نہیں کیا اس قسم کا اعتقاد رکھنے والا فرقہ مسلمان ہے؟

---

(۱) "تبجيل الكافر كفر". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۱۳، سعيد)

"و في البحر: (و يرد السلام على الذمي و لا يزده على قوله: وعليك ...... و لا يبدأه بالسلام؛ لأن فيه تعظيماً له". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۴، رشيديه)

۲......یہی فرقہ کہتا ہے کہ ہر رات اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں، ایسے فرقہ کے متعلق شرع میں کیا حکم ہے؟

۳......یہی فرقہ پانچ وقت کی نمازوں کو فرض اور ضروری نہیں کہتا ہے، بلکہ صرف رات میں نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہے، بلکہ اگر نماز کو کہا جاتا ہے کہ بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو کہتا ہے اللہ تعالیٰ کیا مر گیا ہے جو ہم اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھیں؟ العیاذ باللہ۔ اور بعض مرتبہ کہتے ہیں کہ ہم کیا دکھا کر نماز پڑھتے ہیں، ہم تو صرف رات میں نماز پڑھتے ہیں بلکہ مراقبہ نماز کو کہتے ہیں کہ نماز تو ذکر کا نام ہے وہ دل سے کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا رات میں نماز پڑھنا ضروری ہے اور پانچوں وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے؟ اور ایسے کہنا کہ اللہ تعالیٰ کیا مر گیا جو اس کی نماز پڑھیں گے، کہتے ہیں کہ ہم دکھا کر نماز نہیں پڑھتے، نماز اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے، اللہ کا ذکر کرنا ہے وہ دکھا کر نہیں کرنا چاہئے، صرف دل سے کر لینا کافی ہے، اللہ کوئی بہرہ تھوڑا ہی ہے۔ نعوذ باللہ۔

۴......قبر یا مزار پر سجدہ تعظیمی معیوب نہیں، بلکہ ضروری تصور کرتے ہیں اور ایسا نہ کرنے والوں کو اچھا خیال نہیں کرتے، ایسے ہی زندہ پیروں کے قدموں پر سر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں خاص طور سے عورتوں کے لئے، ان دونوں صورتوں میں شرع کا کیا حکم ہے؟ نیز ان سے اپنی رشتہ داری کے تعلقات رکھنا روا ہے یا نہیں؟

۵......ہر ہفتہ مزار پر اپنے اپنے کھانے لے جاتے ہیں اور سال بھر میں ۶/ ربیع الثانی کو سالانہ عرس کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور خصوصی طور پر کھانے تیار کرتے ہیں اور وہی کھاتے پیتے ہیں، ان کا ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟

ہر ایک مسئلہ کا الگ الگ حکم تحریر فرمائیں، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کون سی صورت میں رشتہ داری یا تعلقاتِ شرعی ان کے ساتھ جائز ہو سکتے ہیں؟ تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔ محمد اسلام الدین ابن سلیم الدین مقام و پوسٹ پور بالیان مظفر نگر

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......جو قرآن شریف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت سے امت میں برابر شائع ہے، تلاوت کیا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے وہ سب متواتر اور قطعی ہے، اس کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ اس میں سے دس پارے غائب ہیں، ان کا کسی کو علم نہیں، وہ صرف نیا ایک فرقہ پیدا ہونے والے کے پاس ہے، یہ

عقیدہ غلط ہے(۱)اس کے ماننے والے لوگ تواتر قطعی کے منکر اور اسلام سے خارج ہیں، ان سے مناکحت اہل اسلام کے لئے حرام ہے(۲)۔

۲......اس فرقہ کی بنیاد ہی غلط ہے، خلاف اسلام ہے تو اس کی ہر ہر بات کو دریافت کرنا بیکار ہے، یہ فرقہ اگر بیداری کی حالت میں اپنے چہرے کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ دعویٰ باطل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں دیکھ سکے تو اس فرقے کی مجال کیا ہے(۳)۔

۳......پانچ وقت کی نماز فرض عین ہے، اس کا انکار کفر ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخیر حیات تک اس کی پابندی کی اور امت کو پابندی کی ہدایت فرمائی(۴)۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا لفظ کہنا انتہائی

---

(۱) ایسا عقیدہ رکھنا قرآن کی آیت سے متصادم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾. (الحجر: ۹)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "ثم قرّر تعالىٰ أنه هو الذي أنزل عليه الذكر وهو القرآن، وهو الحافظ له من التغيير والتبديل". (تفسير ابن كثير، (الحجر: ۹): ۲/۲۲۷، دار الفيحاء)

(وكذا في روح المعاني (سورة الحجر: ۹): ۱۴/۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال في الدر المختار: "(من ارتد عرض) الحاكم (عليه الإسلام استحباباً) على المذهب، لبلوغه الدعوة (وتكشف شبهته) بيان لثمرة العرض (و يحبس ثلاثة أيام فإن أسلم، و إلا قتل) لحديث: "(من بدل دينه فاقتلوه)". (كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۵، ۲۲۶، سعيد كراچی)

(۳) "واتفقت الأمة على أنه لا يراه (أي لايرى الله تعالىٰ) أحد في الدنيا بعينه". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ۱۹۶، قديمي)

وقال الحافظ ابن كثير: "ولهذا كانت أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها تُثبت الرؤية في الدار الآخرة وتنفيها في الدنيا، و تحتج بهذه الأية: "﴿لا تدركه الأبصار و هو يدرك الأبصار﴾. (تفسير ابن كثير، (سورة الانعام: ۱۰۳): ۲/۲۱۸، دار الفيحاء)

(۴)" ومنها أن استحلال المعصية صغيرةً أو كبيرةً كفر، إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية .... و كذا مخالفة ما أجمع عليه، و إنكاره بعد العلم به: يعني من أمور الدين". (شرح الفقه الأكبر، استحلال المعصية و لو صغيرةً كفر، ص: ۱۵۲، قديمي)

(وكذا في رسائل الكاشميري رحمه الله تعالىٰ، إكفار الملحدين، ص: ۲، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۲، سعيد)

بدیہی ہے، اللہ تعالیٰ تو موت کا خالق ہے، قدیم ہے، اس پر موت طاری نہیں ہوسکتی (۱)۔

۴......قبروں کو سجدۂ تعظیمی کرنا حرام ہے، زندہ پیر کو بھی سجدۂ تعظیمی کرنا حرام ہے، عورتوں کو پیروں کے قدموں پر سر رکھنا دوہرا گناہ ہے، بیعت ہونے سے پیر محرم نہیں بن جاتا، ایسے فرقے سے پورا پرہیز لازم ہے (۲)۔

۵......ان کا ایسا کرنا جہالت ہے، ضلالت ہے، ہرگز ان کا ساتھ نہ دیا جائے (۳)، اہل علم اور متبع سنت حضرات کے ذریعہ ان کو فہمائش کی جائے، حق تعالیٰ ہدایت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۵/۷ھ۔

کیا شیعہ حافظ قرآن ہوسکتا ہے؟

سوال [۴۱۷]: کیا شیعہ حافظ قرآن ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیعوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں، وہ تحریف کے قائل ہیں (۴)، نیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾. (سورة القصص: ۸۸)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحد من الحقوق: ۲۸۱/۲، قديمي)

وقال القاري: "فإن السجدة لا تحل لغير الله". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحدة من الحقوق: ۴۰۲/۶، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (المائدة: ۲)

قال الحافظ: "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات وهو التقوى، و ينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، (المائدة: ۲): ۱۰/۲، دار الفيحاء)

(۴) "كيد سيزدهم: آنست كه گويند: عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه بلكه ابو بكر و عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، نيز قرآن را تحريف كردند، و آيات وسور بسيار را كه در احكام و فضائل اهل بيت =

کہ ابتداءً حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن پاک کو سیکھنے اور لینے والے ہیں، شیعہ ان کو مومن نہیں مانتے، بلکہ ناحق کی تہمت ان پر لگاتے ہیں (۱) اس وجہ سے وہ حافظ قرآن نہیں ہوتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۹ھ۔

تعزیہ وعلم

سوال[۴۱۸]: ماہ محرم میں تعزیہ مع علم کے نکالنا، اور اس کے ساتھ مرثیہ پڑھنا، نیز جلوس کے ساتھ شریک ہونا اور نذر حسین کی سبیل نکالنا، اس کا پینا اور پلانا اور اس کو ثواب سمجھنا، یہ سب افعال جائز ہیں، یا ناجائز ہیں؟ جواب حوالہ کتاب وسنت سے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جملہ امور بدعت وناجائز ہیں (۲) اور روافض کا شعار ہیں، ان میں شرکت ناجائز ہے (۳) البتہ

= نزول یافته بود اسقاط نمودند ...... الخ". (تحفه اثنا عشریه، باب دوم در مکائد شیعه و طریق اضلال و تلبیس و اغوا و مردم را بمذهب خود مائل کردن، ص: ۳۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "اول احکام ایشان حکم است بتکفیر صحابه و خلفائے ثلاثه و چندے از امهات المؤمنین که احب ازواج بسوئے پیغمبر بودند بالاجماع، ومخالفت این حکم بما انزل الله بر ظاهر و روشن است". (تحفه اثنا عشریه، باب نهم در احکام فقهیه، ص: ۲۴۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "تعزیه داری در عشرهٔ محرم، وساختن ضرائح، وصورت وغیره درست نیست، زیرا که تعزیه داری عبارت ازین است که ترک لذائذ وترک زینت کند، وصورت محزون وغمگین نماید، یعنی مانند صورت زنان سوگ دارنده بنشیند، ومرد را هیچ جااین قسم در شرح ثابت نمیشود ...... این هم بدعت است ...... بلکه بدعت سیّئه است، وحال بدعت سیئه این ست که در حدیث وارد ست: "شر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة". رواه مسلم". (فتاوی عزیزی (فارسی)، مسئله تعزیه داری محرم وصورت: ۱/۷۵، کتب خانه رحیمیه دیوبند)

(۳) سیأتي تخريجه تحت عنوان: "تعزیہ کی شرکت"

ایصالِ ثواب بلاتقییداتِ مخترعہ کے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تعزیہ کی شرکت

سوال[۴۱۹]: تعزیہ کے جلوس میں شامل ہوکر باجہ سننا، چڑھاوا چڑھانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ناجائز ہے، شرک کے قریب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

تعزیہ کے سامنے لاٹھی چلانے کی مشق اوراس کا وظیفہ

سوال[۴۲۰]: محرم منانے اور پنجہ بٹھانے والے (پانچ اہل بیت کے نام پر کپڑے اوڑھانا، مزین کرنا)، بارہ امام ماننے والے کوشاہی زمانے سے لے کر اب تک وظیفہ ملتا رہا ہے یا زمین ملی ہوتی ہے، اگر چھوڑا جاتا ہے تو زمین اور وظیفہ چھن جائے گا جس سے بہت سے مسلمان پل رہے ہیں، اس لئے عالم صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ خرافات مثلاً ڈھول بجانا، پنجہ وغیرہ چھوڑ کر اعتقاد درست کر کے صرف لاٹھی تلوار چلانا سیکھو اور عود بتی

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة". (البحر الرائق: ۱۰۵/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

(۲) "تعزیه داری در عشرهٔ محرم یا غیرِ آن، وساختنِ ضرائح وصورتِ قبور، وعلم تیار کردن وغیر ذلک این همه امور بدعت است، نه در قرنِ اول بود، نه در قرن ثانی، نه د ر قرن ثالث". (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، باب ما يحل استعماله وما لا يحل: ۳۴۴/۴، امجد اكيڈمی لاهور)

"تعزیہ داری کی رسم سرتاسر ناجائز ہے، اس میں بعض چیزیں حرام اور بعض افعال شرک اور بعض بدعات محدثہ ہیں، یہ رسم واجب الترک ہے۔" (کفایت المفتی، کتاب العقائد، نواں باب: بدعات اور اقسام شرک: ۲۴۰/۱، دار الاشاعت)

2

جلاؤ، تاکہ حکومت سے وظیفہ بھی ملتا رہے اور خرافات ختم ہوجائیں۔ کیا اس کی شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے کہ عالم صاحب ایسا مشورہ دیں، نیز اگر خرافات کرتے رہیں تو یہ وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وظیفہ کی خاطر عقائد واعمال کو تباہ کرنے کی کب گنجائش ہوسکتی ہے، ہاں اگر مستقلاً تمام سال تلوار چلانے اور لاٹھی چلانے کی مشق کی جائے اور اس فن میں مہارت پیدا کرلیں اور جہاد کی نیت رہے تو ٹھیک ہے، خرافات کو بہرحال ختم کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعزیہ کے سامنے گتکا کھیلنا

سوال [۴۲۱]: محرم کے مہینے میں گتکا فری سے کھیل کھیلتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز، اس کی کیا اصلیت ہے؟ سنا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جاری کیا ہے جان کی حفاظت کے لئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

محرم میں تعزیہ کے سامنے جو کھیلتے ہیں، شرعاً یہ بے اصل اور ناجائز ہے، یہ روافض کا طریقہ ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہرگز ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم/۵۷ھ

تعزیہ اور ماتم شیعہ

سوال [۴۲۲]: ۱...... ہمارے بزرگوں نے منت مانی تھی کہ ہم تعزیہ بنایا کریں گے، اس وقت تک

---

(۱) "تعزیہ داری در عشرہ محرم یا غیر آن و ساختن ضرائح .... این ہمہ امور بدعت است" الخ (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی: ۳۴۴/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

اس پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے، ہم اور ہمارے بزرگ سنی اور حنفی ہیں، اب بعض لوگ منع کرتے ہیں کہ تعزیہ بنانا منع ہے اور اہل سنت یہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر اپنے بزرگوں کی رسم کو چھوڑیں گے تو ضرر ضرور پہونچے گا، سائل ملتمس ہے کہ شرع شریف تعزیہ بنانے کا کیا حکم دیتی ہے؟

۲..... تعزیہ بنا کر رکھنا اور اس کی پرستش کرنا، ملیدہ (۱) وغیرہ چڑھانا، بخورات جلانا وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

۳..... خالی مقام پر مصنوعی قبر جیسے تعزیہ مدار چلہ بڑے پیر صاحب کا روضہ وغیرہ بنا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

۴..... ایام محرم میں مجالس منعقد کرنا، اماموں کے نام کا کھچڑا پکانا، شربت پلانا، اپنی اولاد کو اماموں کا فقیر وغیرہ بنانا زندگی کی خاطر کیسا ہے اور ایسے شخص کا شرع میں کیا حکم ہے؟ اور بانی تعزیہ کا یہ عقیدہ رکھنا کہ تعزیہ نہ بنائیں گے تو کوئی نقصان جانی مالی پہنچ جائے گا، تو ایسا شخص از روئے قرآن پاک وحدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسا ہے؟

۵..... کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وتبع تابعین دیگر سلف صالحین سے کہیں منقول ہے یا نہیں؟ اگر بنانا جائز ہے تو کس طریقہ سے بنایا جائے؟

۶..... کیونکہ ہم لوگ اپنے گاؤں کے مولویوں سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس حیلہ سے جو کچھ صدقہ خیرات کرتے ہیں اس کو بھی بند کر دیں گے، ویسے کون کرتا ہے؟

۷..... پھر یہ طریقہ ہندوستان میں از روئے تاریخ کس زمانے سے رائج ہے اور علماء نے اس وقت کیوں نہیں منع کیا؟ بینوا وتوجروا۔ سہرت خان، تراب علی صاحب، موضع جوندھروا ضلع گرزہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... تعزیہ کی منت درست نہیں ہوتی، جن بڑوں نے اس کی منت مان کر بنانا شروع کیا وہ غلطی پر تھے اور اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوئے اور آپ کو اس فعل میں ان کا اتباع کرنا جائز نہیں، تعزیہ وغیرہ ہرگز نہ بنائیے، قطعاً ترک کر دیجئے، ہرگز کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز چڑھانا، اس سے منت مانگنا حرام و

---

(۱) ''روٹی کو ریزہ ریزہ کر کے اس میں گھی اور شکر ملا لیتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۸۵، فیروز سنز لاہور)

شرک ہے(۱)۔

۲.....حرام وشرک ہے(۲)۔

۳......یہ بھی سخت گناہ ہےاور شرک ہے(۳)۔

۴......یہ جملہ افعال تعلیم اسلام کے خلاف اور اللہ پاک اور اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضی کا سبب ہیں، سب سے توبہ لازم ہے(۴) ایسی چیزوں سے ایمان سالم نہیں رہتا، کچھ کھانا غرباء کو کھلا

(۱) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، و ما یؤخذ من الدراھم و الشمع و الزیت و نحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیھم، فھو بالإجماع باطل و حرام مالم یقصدوا صرفھا لفقرآء الأنام، و قد ابتلی الناس بذلک.

قوله: (باطل و حرام) بوجوہ : منھاأنه نذر لمخلوق ،والنذ للمخلوق لا یجوز ؛ لأنه عبادۃ ،والعبادۃ لا تکون لمخلوق ،و منھا أن المنذور له میت ،والمیت لا یملک،و منھا أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون اللہ تعالیٰ ،و اعتقادہ ذلک کفر". (الدر المختار مع رد المحتار،باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات: ۴۳۹/۲، سعید کراچی)

(۲) اکثر اقوام کے مشرکین کا عمل یہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود وہ بت پرستی کر کے بتوں کو بعض امور میں متصرف مانتے تھے اور بت پرستی کی ابتداء بھی اسی طرح ہوتی تھی کہ اپنے بزرگوں کی صورتوں کو رکھ کر پہلے تبرک سمجھتے تھے اور بعد میں اس کی پرستش شروع کی جاتی تھی۔ قال اللہ تعالیٰ:﴿ و لا تجعلوا للہ أنداداً وأنتم تعلمون﴾.(البقرۃ : ۲۲)

"قیل: الند المشارک فی الجوھریة ......(أنداداً) والحال أنھم مازعموا أنھا تماثله فی ذاته تعالیٰ وصفاته ،و لا تخالفه فی أفعاله ،و إنما عبدوھا لتقربھم إلیه سبحانه زلفی .... فإن المشرکین جعلوا الأصنام بحسب أفعالھم و أحوالھم مماثلةً له تعالیٰ فی العبادۃ ،و ھی خطة شنعآء و صفة حمقآء، فی ذکر ھا ما یستلزم تحمیقھم والتھکم بھم". (روح المعانی : ۱۹۰/۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) قوم نوح علیہ السلام کے مشرکین کا عمل ہے.........قال اللہ تعالیٰ:﴿ و قالوا : لا تذرنّ وداً و لا سواعاً و لایغوث ویعوق و نسراً ، و قد أضلوا کثیراً﴾.الآیة (النوح: ۲۳)

"قال: کانوا قوماً صالحین من بنی آدم، و کان لھم أتباع یقتدون بھم، فلما ماتوا ، قال أصحابھم الذین کانوا یقتدون بھم: لو صوّرناھم کان أشوق لنا إلی العبادۃ إذا ذکرناھم ، فصوّروھم ، فلما ماتوا و جاء آخرون، دبّ إلیھم إبلیس ، فقال : إنما کانوا یعبدونھم ،و بھم یسقون المطر، =

کر یا نقد دے کر یا قرآن پاک پڑھ کر یا کوئی عبادت کر کے مردوں کو ثواب پہونچانا بغیر کسی تاریخ و ہیئت کے التزام کے شرعاً درست ہے(۱)۔

۵......تعزیہ بنانا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین میں کسی سے ثابت نہیں۔

۶......صدقہ خیرات جو کچھ کرنا ہو شریعت کے موافق محض خدا کے لئے کر دیا جائے، تعزیہ پر چڑھانے اور اس سے منت ماننے اور غیر اللہ کے نام پر کھانا کھلانے سے وہ کھانا بھی ناجائز ہو جاتا ہے، اس کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ اس سے گناہ ہوتا ہے(۲)۔

۷......"**سوال:** زیارت تابوت تعزیہ وفاتحہ خواندن برآں، و مرثیہ خواندن، وگفتن وشنیدن آں، وفریاد ونوحہ کردن، وسینہ کوبی نمودن، وجرح خوردن بماتم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، چہ حکم دارد؟

جواب: ایں چیزہا، نارواست، درکتاب السراج بروایۃ خطیب آوردہ: "لعن اللّٰه من زار بلا مزار، ولعن اللّٰه من زار شبحاً بلا روح "ومرثیہ گفتن وخواندن وشنیدن آں بشرطیکہ متضمن تحقیر واہانت اہل بیت یا نسبت بجناب الٰہی نباشد بخانہ خود باکے ندارد، (الی قولہ): وفریاد ونوحہ کردن، وسینہ کوبی نمودن، وجرح

= فعبدوهم". (تفسير ابن جرير الطبري (النوح): ۲۹/۲۲، دار المعرفة بيروت، ودار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۹/۷۷، دار احياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "لفظ غلامی بدو معنی استعمال میکنند .... دوم: بمعنی خادم نسبت کردن...... وبمعنی دم میتوان گفت، لیکن چوں لفظ موہم باشد، اہل اسلام را ایں قسم الفاظ استعمال کردن نشاید، زیرا کہ شرک چنانچہ در عبادت وقدرت میشود، ہمیں قسم شرک در تسمیہ ہم میشود، وایں قسم نام نہادن شرک در تسمیہ است، ازیں ہم احتراز لازم ست، چنانچہ در ترجمہ قرآن مسمی بفتح الرحمٰن در تحت آیت: ﴿فلما آتاهم صالحاً الخ﴾...... مذکور است کہ: درینجا دانستہ شد کہ شرک در تسمیہ نوعیست از شرک الخ". (فتاوی عزیزی، اقرار غلامی بزرگان کہ نہ بزر خریدن: ۱/۵۰، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قرآءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۴۷، رقم الحاشية: ۱)

خوردن ہمہ حرام است ودر حدیث است: "لیس منا من حلق و سلق و خرق"۔ ترجمہ: یعنی نیست از ما شخصے کہ جرح خورد وگریہ بآ واز نوحہ کند وگریباں درد، ونیز در حدیث است: "لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب، و دعا بدعوی الجاھلیة" ایں ہر دو حدیث در مشکوٰۃ المصابیح است (۱) فقط اھ"۔ فتاویٰ عزیزی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/محرم/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۶۱ھ۔

تعزیہ، مسجد، کعبہ میں فرق

سوال [۴۲۳]: ۱...... ایک شخص نے کہا ہے جو تعزیہ بناتے ہیں وہ لکڑیاں اور کاغذ ہے، اس میں کوئی ثواب نہیں یعنی فضول ہے، اس کے جواب میں دوسرے شخص نے کہا جیسے تعزیہ بدعت ہے اور لکڑی اور کاغذ کا بنا ہوا ہے، ایسے ہی مسجد مٹی کی اور کعبہ شریف پتھر کا بنا ہوا ہے وہ بھی بدعت ہے، اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

۲...... جو شخص تعزیہ بہ نیتِ ثواب اور تعظیم بنائے اور اہل السنّت والجماعت سے ہو، اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... جو شخص مسجد اور کعبہ شریف کو بدعت کہتا ہے وہ بدعت کے معنی نہیں سمجھتا، وہ جاہل ہے، جس کام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ثواب سمجھ کر کیا ہو، قرآن شریف اور حدیث شریف میں اس کی فضیلت ہو وہ ہرگز بدعت نہیں ہوسکتا وہ عین ثواب ہے، بدعت وہ ہے جو ان اکابر نے

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح فی الحدیث الأول: بلفظ: أنا بری ممن خلق الخ، ص: ۱۵۰، باب البکاء علی المیت الفصل الاول، کتاب الجنائز، قدیمی)

(۲) (فتاوی عزیزی، زیارت قبر فرضی و تابوتِ تعزیہ و نوحہ و جرح خوردن: ۱/۱۴۴، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

نہ کیا ہو، نہ اس کے کرنے کا حکم دیا ہو، نہ شریعت نے اس کے کرنے کو ثواب کہا ہو(۱) چنانچہ تعزیہ ایسا ہی ہے، بلکہ اس کی ممانعت کتب فقہ میں مصرح ہے(۲) لہذا تعزیہ بنانا گناہ اور روافض کا شعار ہے اس سے ہر مسلم کو اجتناب ضروری ہے اور اس کو ثواب سمجھنا تو بہت بڑا گناہ ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/محرم/۵۷ھ۔

مجلس حسینی میں شرکت

سوال[۴۲۴]: ۱..... یادگار حسینی میں اہل سنت کی شرکت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲..... جب کہ شیعہ اس کو بین الاقوامی جلسہ کہتے ہیں تو شرعاً اس کی تکذیب وتردید کرنے کا کیا حکم ہے؟

۳..... جو اہل سنت مقررین اس میں شریک ہوتے ہیں، ان کے متعلق عام مسلمانوں کو شرعاً کیا حکم ہے؟

۴..... اگر شرعاً یادگار حسینی کی شرکت جائز نہ ہو تو اس کے خلاف تبلیغ وسعی کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۵..... جو سنی فتویٰ کے شائع ہو جانے کے بعد فتویٰ کے مطابق نہ کرے تو مسلمانوں کو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ المستفتی ناظر حسین۔

---

(۱) "تعريف الشمني لها (أى البدعة) بأنها ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل ديناً قويماً وصراطاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد كراچى)

(۲) "تعزیہ داری در عشرہ محرم، وساختن ضرائح، وصورت وغیرہ درست نیست، این ہمہ بدعت است بلکہ بدعت سیئہ است"۔ (فتاوی عزیزی، مسئلہ تعزیہ داری محرم وصورت: ۱/۷۵، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

"تعزیہ داری در عشرہ محرم وغیرہ آن وساختن وصورت قبور.......... وغیرہ ذلک این ہمہ بدعت است، نہ در قرن اول بود، نہ در قرن ثانی، نہ در قرن ثالث"۔ (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: ۳۴۴/۴، امجد اكيڈمى)

(۳) تفصیل کے لے ملاحظہ ہو "بدعات محرم اور تعزیہ داری" تالیف مولانا محمد یامین صاحب قاسمی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس تحریک کا لٹریچر ہم نے خود بھی پڑھا ہے اور کچھ ان کی تقریرات ورسائل کے اقتباسات جناب حکیم ریاض احمد صاحب ناظم مجلس حسینی گونڈہ کے مذکورہ بالا استفتاء کے ساتھ پہنچے تھے، ان کے لٹریچر سے ہم کو یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ تحریک سنی مسلمانوں کو شیعیت کا شکار کرنے کے لئے جاری کی گئی ہے اور اس کا مقصد بجز روافض کی تبلیغ کے کچھ نہیں ہے، حکیم صاحب موصوف کا یہ استفتاء تقریباً دو ماہ ہوئے دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور میں آیا تھا، ہم اسی وقت تفصیل سے ان سوالات کے جوابات لکھ چکے ہیں اور ان میں ہی خیالات کا اظہار کر چکے ہیں جو حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب مدظلہ نے اس تحریک کے متعلق اظہار فرمائے ہیں، اس لئے ہم مولانا ممدوح کی تائید ونصرت کرتے ہیں اور اہل سنت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس تحریک سے خود بھی اجتناب کریں اور دوسروں کو بھی اس کے مفاسد سے بچائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: عبداللطیف۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق مدرسہ مظاہر علوم

پنجتن پاک کا مصداق

سوال[۴۲۵]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو شامل کرکے پنجتن پاک کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پنجتن کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان سب کا مقام ودرجہ متحد ہے تو یہ غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و منها: أن الولي لا يبلغ درجة النبي؛ لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام و بمشاهدة الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام و إرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، فما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضل من النبي كفر وضلالة و إلحاد و جهالة". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۱۲۱، قديمى كتب خانه)

کیا شیعہ لوگ سنیوں کو نجاست کھلاتے ہیں؟

سوال[۴۲۶]: میں نے اکثر سنا ہے کہ شیعہ لوگ کھانے کی چیزیں تھوک کر اہل سنت والجماعت کو کھلاتے ہیں، کیا ان کے گھر کا کھانا کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

شیعہ لوگ عامۃً اہل سنت والجماعت کو نجاست کھانے میں ملا کر کھلانے کے عادی ہوتے ہیں، اگر موقع نہ ملے تو اس میں تھوک دیتے ہیں، اس لئے ان کے کھانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۵ھ۔

شیعہ کے گھر کا کھانا

سوال[۴۲۷]: اہل تشیع کے گھر کا کھانا اور اس سے برتاؤ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اہل تشیع کے اکثر واقعات سنے ہیں کہ وہ اہل سنت والجماعت کو نجاست کھلا دیتے ہیں اس لئے ان کے گھر کا کھانا خلاف احتیاط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۰/محرم/۵۷ھ۔

مذہب شیعہ اختیار کرنے والے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟

سوال[۴۲۸]: ۱...... ایک شخص سنی مذہب کا ہے اس نے مذہب شیعہ کا اختیار کیا ہے اور کسی سنی مذہب والے نے اس کے تمام کاروبار آمد ورفت برادرانہ کو قطع نہیں کیا اور ایسی حالت میں دوسرے سنی مذہب والے کو کیا کرنا چاہئے اور اس شیعہ ہو جانے والے کے ساتھ کیا برتاؤ برادرانہ کرنا چاہئے؟

۲...... شادی، ختنہ، عقیقہ وغیرہ تقریبات میں اس شیعہ ہونے والے کو بلا سکتے ہیں، یا نہیں نیز اس کے یہاں تقریبات میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۲،۱......شیعہ کے مختلف فرقے ہیں: جو فرقہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت زنا لگاتا ہے، یا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحابی ہونے کا منکر ہے، یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اللہ تعالیٰ کا حلول مانتا ہے، یا ان کو نبی آخرالزماں اعتقاد کر کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق وحی پہنچانے میں غلطی کا معتقد ہے، یا قرآن کریم میں تحریف مانتا ہے وہ کافر ہے، اس سے تعلقات رکھنا، اس کے یہاں کھانا، پینا، آنا، جانا قطعاً ناجائز ہے۔

جو شخص ایسے فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتا ہے اولاً اس کو نرمی سے مسئلہ سمجھا دیا جائے، اگر وہ نرمی سے نہ مانے تو اس سے قطع تعلق بھی کر دیا جائے تا کہ وہ تنگ آکر باز آجائے:

”لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، أو أنكر صحبة الصديق رضي الله تعالىٰ عنه، أواعتقد الألوهية في علي رضي الله تعالىٰ عنه، أو أن جبريل عليه السلام غلط في الوحي ، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن اهـ“. شامی: ۴۵۳/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

شیعہ کا رد فتاویٰ عالمگیری میں

سوال[۴۲۹]: کیا اورنگ زیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دور میں تعزیہ داری ہوتی تھی، اگر ہوتی تھی تو انہوں نے اس کو بند کیوں نہیں کیا؟ اور تعزیہ داری کہاں سے شروع ہوئی اور اس کی ایجاد کس نے کی؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ عالمگیری تصنیف کرائی اور اس کے لئے پانچ سو علماء کو منتخب کیا، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ

---

(۱) (رد المحتار ، باب المرتد ، مطلب مهم في حكم سب الشيخين : ۲۳۷/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۶۴/۲، رشيديه)

تعالیٰ کونگراں مقرر کیا، اس کتاب میں روافض کی شدید تردید کی گئی ہے اوران پر سخت حکم لگایا ہے، جیسا کہ اسی کتاب میں موجود ہے(۱)۔

جہاں تک یاد پڑتا ہے ساتویں صدی ہجری میں بعض شیعہ بادشاہوں سے تعزیہ داری شروع ہوئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت لکھنے کے لئے مرض الوفات میں قلم دوات طلب فرمانا

سوال[۴۳۰]: یہاں پرلوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کا وقت تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جانکنی کا عالم تھا، آپ نے قلم دوات منگایا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہزیان بحران ہوگیا ہے۔ کیا یہ روایت بخاری شریف

---

(۱) "الرافضي إذا كان يسب الشيخين و يلعنهما -والعياذ بالله- فهو كافر، وإن كان يفضل علياً كرم الله تعالىٰ وجهه على أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه لا يكون كافراً، إلا أنه مبتدع ...... و لو قذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بالزنا كفر بالله، و لو قذف سائر نسوة النبي ﷺ لا يكفر و يستحق اللعنة، و لو قال: عمر و عثمان و علي رضي الله عنهم لم يكونوا أصحاباً، لا يكفر و يستحق اللعنة ، كذا في خزانة الفقه. و من أنكر إمامة أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه فهو كافر، وعلى قول بعضهم: هو مبتدع و ليس بكافر، والصحيح أنه كافر، وكذلك من أنكر خلافة عمر رضي الله تعالىٰ عنه في أصح الأقوال كذا في الظهيرية. و يجب إكفارهم بإكفار عثمان و علي و طلحة و زبير و عائشة رضي الله تعالىٰ عنهم، و يجب إكفار الزيدية كلهم في قولهم بانتظار نبي من العجم ينسخ دين نبينا و سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كذا في الوجيز للكردري. و يجب إكفار الروافض في قولهم برجعة الأموات إلى الدنيا و بتناسخ الأرواح و بانتقال روح الإله إلى الأئمة، و بقولهم في خروج إمام باطن، و بتعطيلهم الأمر والنهي إلى أن يخرج الإمام الباطن، وبقولهم: إن جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دون علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، و هؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام، و أحكامهم أحكام المرتدين كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين : ۲/۲۶۴، رشيديه)

وغیرہ میں ملتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

"حدثنا قتيبة قال: حدثنا سفيان عن سليمان الأحول عن سعيد بن جبير قال: قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: يوم الخميس و ما يوم الخميس؟ اشتد برسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم وجعه فقال: "ائتونی أكتب لكم كتاباً لن تضلوا بعده أبداً". فتنازعوا و لا ينبغی تنازع، فقالوا: ما شانه أهجر استفهموه، فذهبوا يردّون عنه، فقال: دعونی أنا فيه خير مما تدعوننی إليه" وأوصاهم بثلاث: قال: "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب، و أجيزوا الوفد بنحو ما كنت أجيزهم". و سكت عن الثالثة أو قال: فنسيتها اهـ"۔ بخاری شریف: ۶۳۸/۲، پارہ:۱۸(۱)۔

بخاری شریف کی حدیث نقل کردی گئی، اس میں غور کرلیا جائے کہ کیا مطلب ہے؟ اور جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے اس کی حقیقت واصلیت کیا ہے؟ اگر اس کے بعد بھی کوئی بات دریافت طلب ہو تو اس کو خط بھیج کر دریافت کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۲ھ۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن وتشنیع

سوال[۴۳۱]: جو شخص صحابہ میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر، مردود، ملعون یا دوزخی (نعوذ باللہ) بتلائے وہ کافر ہے یا مسلمان؟ اور کیا وہ شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

وہ شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، جس کا ایمان نصوص قطعیہ سے ثابت ہو(۲) اس کو کافر

(۱) (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم وقول اللّٰه تعالیٰ: ﴿إنک ميت و إنهم ميتون﴾: ۶۳۸/۲، قديمی)

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان، رضی اللّٰه عنهم =

کہنے سے خود اس کا ایمان باقی نہ رہے گا (۱) شرح فقہ اکبر میں اس کی مفصل بحث مذکور ہے (۲)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق کوئی کلمہ ادب کے خلاف ہرگز نہ کہا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

باغ فدک کے مطالبہ پر ناراضگی

سوال [۴۳۲]: حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغ فدک کی آمدنی نہ ملنے سے ناراض ہو جانا اور رحلت سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گفتگو و میل ملاپ ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تحفہ اثناعشریہ (۴) اور فتاویٰ عزیزی (۵) میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے

= ورضوا عنه، و أعدلهم جنات تجري تحتها الأنهر، خالدين فيها أبداً، ذلک الفوز العظيم﴾ (التوبة: ١٠٠)

و قال تعالىٰ: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونک تحت الشجرة، فعلم ما في قلوبهم، فأنزل السكينة عليهم و أثابهم فتحاً قريباً﴾ (الفتح: ١٨)

(١) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلک". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ٢/٨٩٣، قديمي)

(٢) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ٧٠، قديمي)

(٣) "ويكف عن ذكر الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم إلا بخير لما ورد من الأحاديث الصحيحة في مناقبهم، ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله عليه السلام: "لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم إن أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه". و كقوله عليه السلام: "أكرموا أصحابي، فإنهم خياركم". الحديث (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ١١٦، المطبع اليوسفي)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ٧١، قديمي)

(٤) (تحفه اثنا عشريه (اردو) باب خلفاء ثلاثہ وکبار صحابہ پر مطاعن اور ان کے جواب ص: ۵۴۴، ۵۴۵، دار الاشاعت)

(۵) "شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا =

تحریر فرمایا ہے کہ ''پھر آپس کی صفائی ہوگئی تھی اور بی بی فاطمہ نے فرمادیا تھا کہ میں اب (اس حدیث کو سن کر جس میں ہے کہ انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے) آپ سے ناراض نہیں ہوں''۔

اہل تشیع کی معتبر کتاب "محجاج السالکین" میں یہ موجود ہے(۱)۔

بخاری شریف وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ پھر کلام نہیں کیا یہاں تک کہ وفات ہوگئی، اس کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک یہ کہ اس معاملہ میں کلام نہیں کیا، دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر ان کے محرم نہیں ہیں، نیز مکان بھی متصل نہیں تھا (کیونکہ حضرت ابوبکر عوالی میں رہتے تھے) پھر نامحرم اور غیر پڑوسی سے کلام کرنے کی کیا ضرورت تھی، تو کلام نہ کرنا اصل ہوا، صرف ایک مرتبہ بضرورت کلام کیا تھا، پھر کبھی کلام کی نوبت نہیں آئی (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= کے گھر تشریف لے گئے، دھوپ میں دروازہ پر کھڑے ہوئے عذرخواہی کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوش ہوگئیں''۔(فتاوی عزیزی (اردو)، ص: ۶۲، سعید)

(۱) "إن أبا بكر رضي الله تعالىٰ عنه لما رأى أن فاطمة انقبضت عنه و هجرته و لم يتكلم بعد ذلك في أمر فدك، كبر ذلك عنده، فأراد استرضائها، فأتاها فقال لها: صدقت يا ابنة رسول الله فيما ادعيت و لكني رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقسمها فيعطي الفقرآء والمساكين وابن السبيل بعد أن يؤتي منها قوتكم والصانعين بها، فقالت: افعل فيها كما كان أبي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يفعل فيها، فقال: ولك الله عليّ أن أفعل فيها ما كان يفعل أبوك، فقالت: والله لتفعلن، فقال: والله لأفعلن، فقالت: اللهم اشهد، فرضيت بذلك و أخذت العهد عليه، وكان أبو بكر يعطيهم منها قوتهم و يقسم الباقي فيعطي الفقرآء و المساكين وابن السبيل". (محجاج السالكين بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ (اردو) باب نمبر ۱۰، ''خلفاء ثلاثہ و کبار صحابہ پر مطاعن اوران کے جواب، ص: ۵۴۵، دار الاشاعت کراچی)

(و كذا في تاليفات رشيديه، هداية الشيعة، ص: ۵۲۵، اداره اسلاميات)

(۲) "أن معنى قول فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها لأبي بكر و عمر: لا أكلمكما: أي في هذا الميراث".

(فتح الباري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس: ۲۴۸/۶، قديمى)

"قال المهلب: إنما كان هجرها انقباضاً عن لقائه و ترك مواصلته، و ليس هذا من الهجران المحرم، و أما المحرم من ذلك أن يلتقيا فلا يسلم أحدهما على صاحبه، و لم يرو أحد أنهما التقيا و امتنعا عن التسليم، ولو فعلا ذلك لم يكونا متهاجرين إلا أن تكون النفوس مظهرةً للعداوة والهجران، و =

باغ فدک

سوال[۴۳۳]: باغ فدک کیا تھا؟اس پر کس کا حق تھا؟اس کو کس نے غصب کیا؟ ذرا انصاف سے بتایئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

باغ فدک کا لفظ ہی بتارہا ہے کہ یہ باغ تھا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اور ازواج مطہرات کے نفقات اس سے پورے کئے جاتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے متولی ہوئے اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب اور خلیفہ برحق ہونے کی حیثیت سے آپ کی ہی طرح اس کی آمدنی خرچ کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی عمل کیا، البتہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتظم تجویز فرمادیا تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= إنما لازمت بيتها فعبر الراوي عن ذلك بالهجران". (عمدة القاري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس: ۱۵/۲۰، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فهجرت أبابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس: ۴۳۵/۱، قديمي)

(۱) صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"قال عمر: ثم توفى الله نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال أبو بكر: أنا ولي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقبضها أبو بكر، فعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والله يعلم إنه فيها لصادق بارٌّ راشد تابع للحق، ثم توفى الله أبا بكر فكنت أنا ولي أبي بكر فقبضتها سنتين من إمارتي، أعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و بما عمل فيها أبو بكر، والله يعلم إني فيها لصادق بار راشد تابع للحق. ثم جئتماني تكلماني و كلمتكما واحدةٌ و أمرُكما واحد، جئتني يا عباس! تسألني نصيبك من ابن أخيك و جاء ني هذا "يريد علياً"، يريد نصيب امرأته من أبيها، فقلت لكما: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا نورث ما تركنا صدقةٌ". فلما بدالي أن أدفعه إليكما، قلت: إن شئتما دفعتها إليكما على أن عليكما عهد الله و ميثاقه، لتعملان فيها بما عمل فيها =

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضگی

سوال[۴۳۴]: صحیح بخاری "باب فضیلة فاطمة" میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی منکر تھیں، جب تک زندہ رہیں ان سے باتیں نہیں کیں، اس لئے کہ ان لوگوں نے مجھے بہت اذیت دی ہے، وفات کے قریب حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے جنازہ پر نہ آئیں، بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ رات کی تاریکی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنت البقیع میں دفن کیا۔ اس حدیث کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صحیح بخاری شریف میں اس طرح نہیں ہے، جس نے یہ کہا اس نے بہتان باندھا، ورنہ وہ صحیح بخاری شریف کی اصل عبارت پیش کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں صحابہ کرامؓ کی شرکت

سوال[۴۳۵]: رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجہیز و تکفین میں بجز امیر المومنین علی وعباس کے کوئی شریک نہ تھا، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔

چوں صحابہ حب دنیا داشتند مصطفیٰ را بے کفن انداختند

کیا سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرات شیخین سے ہمیشہ کبیدہ

= رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و بما عمل فيها أبو بكر و بما عملت فيها منذ وليتها، فقلتما: ادفعها إلينا، فبذلك دفعتها إليكما، فأنشدكم بالله هل دفعتها إليهما بذلك؟ قال الرهط: نعم، ثم أقبل على عليّ و عباس، فقال: أنشدكما بالله هل دفعتها إليكما بذلك؟ قالا: نعم .... اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فرض الخمس: ۱/۴۳۵، ۴۳۶، قديمي)

(۱) "بل الحديث على غير هذا المعنى، و ليست تلك الواقعة بمذكورة في مناقب فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها، بل ذكر الواقعة البخاري في كتاب الجهاد، كما مر تحت عنوان: باغ فدک"۔

خاطر رہتے تھے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تجہیز و تکفین سب کی عادۃً اہل خاندان ہی کیا کرتے ہیں، البتہ جنازہ لے جانے، نماز پڑھنے، دفن کرنے میں اَور سب بھی شریک ہوتے ہیں، اس کو کینہ پر محمول کرنا کینہ پَرور لوگوں کا کام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضرات شیخین کے بے حد معتقد تھے، وہاں کینہ کا کیا کام ہے؟ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۳/۸۸ھ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

سوال [۴۳۲]: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد میں بیعت کی تھی اور فرمایا تھا کہ خلیفہ اول بننے کے مستحق آپ ہیں اور تصدیق کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، جو فدک کی آمدنی مجھ کو نہ دی اور وراثت میں، مجھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی رنج نہ تھا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کچھ عرصہ بعد جو مسجد میں بیعت کی تھی، یہ دوبارہ علی الاعلان بیعت کی تھی تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ رہے کہ انہوں نے بیعت نہیں کی، ورنہ اولاً اس سے عرصہ پہلے سے بیعت کر چکے تھے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: إني لواقف في قوم فدعَوُا الله لعُمَرَ و قد وُضِع على سريره، إذا رجل من خلفي قد وضع مرفقه على منكبي، يقول: يرحمك الله إني لأرجو أن يجعلك مع صاحبيك؛ لأني كثيراً ما كنت أسمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "كنت و أبوبكر و عمر، وفعلت وأبوبكر وعمر، وانطلقت و أبو بكر و عمر، و دخلت و أبو بكر و عمر، و خرجت و أبو بكر و عمر". فالتفتُّ فإذا علي ابن أبي طالب". (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: ۲/۵۵۹، قديمي)

(۲) ایک روایت میں تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں بیعت کر چکے تھے۔

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و اجتمع الناس في دار سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه و فيهم أبو بكر و عمر .... ثم نظر في وجوه =

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دختر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح

سوال[۴۳۷]: ایک اہل تشیع نے کہا تھا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ سال کی لڑکی سے نکاح کیا تھا، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ لڑکی کون تھی اور صرف نکاح کیا تھا یا ہمبستری بھی جب ہی کرلی تھی تو ثبوت دیا جائے۔ اگر ہمبستری جب نہیں کی تھی، بلکہ بعد بلوغ کی تھی تو یہ کونسا جرم ہے؟ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال کی تھی، مگر ہمبستری اس وقت نہیں کی بلکہ بعد بلوغ کی ہے(۱) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض ہے تو یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہیں گے؟ نیز جس لڑکی سے نکاح کیا تھا وہ خود تو اپنا عقد شرعاً (نابالغہ ہونے کی وجہ سے) کر نہیں سکتی تھی، لامحالہ اس کے ولی نے کیا ہوگا تو یہ اعتراض ولی پر ہوگا۔

اس اہل تشیع سے دریافت کیجئے کہ اس لڑکی کا ولی کون تھا؟ تب اس کو معلوم ہوگا کہ اعتراض کہاں تک پہونچتا ہے؟ اور اس ولی پر اعتراض کرنے کو تیار ہے یا نہیں؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تطہیر اہل بیت

سوال[۴۳۸]: آیت تطہیر کے مصداق ومخاطب حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین ہیں یا نہیں؟ صرف ازواج پاک کو اہل بیت قرآنی کہنا اور ان حضرات کو اہل بیت قرآنی نہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

= القوم فلم یر علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنه، فدعا به فجاء، فقال: قلت: ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و ختنه علی ابنته، أردت أن تشق عصا المسلمین! فقال: لا تثریب یا خلیفة رسول اللہ! فبایعه". (تاریخ الخلفاء، فصل فی مبایعته رضی اللہ تعالیٰ عنه، ص: ۲۰، مؤسسة الکتب الثقافیة)

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم تزوجها و هی بنت ست سنین، و بنی بها و هی بنت تسع سنین". (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الأب ابنته من الإمام: ۲/۷۷۱، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیت تطہیر: ﴿إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت و يطهركم تطهيراً﴾(۱) میں اہل بیت کا مصداق ازواج النبی ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "نزلت في نساء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خاصة اهـ". در منثور "(۲) البتہ حدیث سے ان دیگر حضرات کا بھی اہل بیت ہونا ثابت ہے: "اللهم هؤلاء أهل بيتي، فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيراً"۔ الحدیث (۳) فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

بارہ امام

سوال [۴۳۹]: ازروئے مذہب اہل سنت والجماعت کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) (الأحزاب: ۳۳)

(۲) (الدر المنثور (الأحزاب: ۳۳): ۵/۱۶۸، مؤسسة الرسالة)

(۳) (الد المنثور المصدر السابق)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت﴾. قال: نزلت في نساء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاصةً".

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: جاء ت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببرمة لها قد صنعت فيها عصيدةً، تحملها على طبق، فوضعتها بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أين ابن عمك وابناك؟" فقالت رضي الله تعالىٰ عنها: في البيت، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ادعيهم" فجاء ت إلى علي رضي الله تعالىٰ عنه فقالت: أجب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنت و ابناك، قالت أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها: فلما رآهم مقبلين مدّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يده إلى كساء كان على المنامة، فمده و بسطه و أجلسهم عليه، ثم أخذ بأطراف الكساء الأربعة بشماله، فضمه فوق رؤوسهم، و أومأ بيده اليمنى إلى ربه فقال: "اللهم هؤلاء أهل بيتي، فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيراً". (تفسير ابن كثير (الأحزاب: ۳۳): ۳/ ۶۳۸، ۶۳۹، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في روح المعاني (الأحزاب: ۳۳): ۲۲/۱۳، ۱۴، دار الفيحاء بيروت)

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے؟ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کے نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث صحیح ہے(۱)، بارہ خلفاء کے نام حدیث شریف میں مذکور ہیں (۲)، اس حدیث کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جمیع مدت اسلام میں بارہ خلفاء ہوں گے اور قیامت سے پہلے پہلے پورے ہوجائیں گے، یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلسل ہوں، یہ بھی ضروری نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہی متصل ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ بارہ کے بارہ ایک وقت میں خلافت کے مدعی ہوں گے۔ ایک یہ ہے کہ بارہ امام مہدی کے بعد ہوں گے اور ان کے بعد گویا قیامت شروع ہوجائے گی۔ ایک یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ

---

(۱) "عن جابر بن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لایزال الإسلام عزیزاً إلی اثنی عشر خلیفةً کلهم من قریش، و فی روایة: لا یزال أمر الناس ماضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلاً کلهم من قریش، وفی روایة : "لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعة أو یکون علیهم اثنا عشر خلیفةً، کلهم من قریش". متفق علیه". (مشکوة المصابیح ، باب مناقب قریش و ذکر القبائل، ص: ۵۵۰، قدیمی)

(۲) بارہ خلفاء کے نام حدیث شریف میں تو نہیں ملے البتہ دوسری کتب میں موجود ہیں۔

"والذی وقع أن الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیّ إلی أن وقع أمر الحکمین فی صفین ، فسمي معاویة یومئذ بالخلافة ، ثم اجتمع الناس علی معاویة عند صلح الحسن، ثم اجتمعوا علی ولده یزید، و لم ینتظم للحسین أمر بل قتل قبل ذلک، ثم لما مات یزید وقع الاختلاف إلی أن اجتمعوا علی عبد الملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر، ثم اجتمعوا علی أولاده الأربعة :الولید ثم سلیمان ثم یزید ثم هشام ، وتخلل بین سلیمان و یزید عمر بن عبد العزیز ،فهؤلاء سبعة بعد الخلفاء الراشدین، والثاني عشر هو الولید بن یزید بن عبد الملک اجتمع الناس علیه لما مات عمه هشام". (فتح الباری، کتاب الأحکام ، باب بعد باب الاستخلاف :۱۳/۲۶۴، ۲۶۵، قدیمی کتب خانه)

(و کذا فی تاریخ الخلفاء للسیوطی ، فصل فی مدة الخلافة فی الإسلام ،ص :۱۶، مؤسسة الکتب الثقافیة)

(وکذا فی النبراس، ص:۳۰۸، امدادیه ملتان)

تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد متصلاً ان کا سلسلہ شروع ہوجائے گا(۱)۔ خلفاء بارہ ہوں گے، چنانچہ وہ بارہ خلیفہ مسلسل گزر چکے ہیں جن کو سب جانتے ہیں.......... عربی، فارسی، اردو سب تاریخوں میں سلسلہ وار ان کے نام موجود ہیں، جن میں یزید ابن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں اور اس صورت میں اس حدیث سے ان بارہ خلفاء کی کچھ فضیلت مقصود نہیں کہ وہ سب سے افضل ہوں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو تسلط تام ہوگا اور یہ ایک پیشینگوئی ہے(۲)۔

روافض کی رائے ہے کہ وہ ائمہ معصومین ہیں (۳) اور بھی اقوال ہیں۔ بذل المجہود شرح ابوداود شریف ۱۰۰/۵، فتح الباری شرح بخاری ۱۸۴/۱۳، تاریخ الخلفاء، ص:۱۲ میں اس حدیث کی شرح تفصیل سے مذکور ہے(۴) یزید کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سکوت اور توقف کرنا چاہئے، نہ اس کو کافر کہا جائے نہ

---

(۱) "فقوم قالوا: يكونون بتوالي إماراتهم ،و قوم قالوا: يكونون في زمن واحد، كلهم يدعي الإمارة .... ويحتمل أن يكون المراد أن يكون "اثنا عشر" في مدة عزة الخلافة و قوة الإسلام واستقامة أموره والاجتماع على من يقوم بالخلافة ...... فقال أبو الحسين بن المنادى فى الجزء الذى جمعه في المهدي: يحتمل في معنى حديث "يكون اثنا عشر خليفةً" أن يكون هذا بعد المهدي الذي يخرج فى آخر الزمان .... أن المراد وجود اثني عشر خليفةً في جميع مدة الإسلام إلى يوم القيامة يعملون بالحق و إن لم تتوالي أيامهم".

(فتح البارى ، كتاب الأحكام ، باب بعد باب الاستخلاف :۲۶۲/۱۳، ۲۶۴، قديمى)

(۲) "قال القاضي عياض: لعل المراد بالإثنى عشر فى هذه الأحاديث و ما شابهها أنهم يكونون فى مدة عزة الخلافة و قوة الإسلام و استقامة أموره والاجتماع على من يقوم بالخلافة ، و قد وجد هذا فيمن اجتمع عليه الناس إلى اضطراب أمر بني أمية، و وقعت بينهم الفتنة زمن الوليد بن يزيد". (تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل فى مدة الخلافة فى الإسلام ، ص:۱۶، مؤسسة الكتب الثقافية)

(وكذا فى فتح البارى ، كتاب الأحكام ، باب بعد باب الاستخلاف :۲۶۳/۱۳، قديمى)

(۳) "وشيعه، خصوصاً اماميه و اسماعيليه گويند كه عصمت از خطا در علم و از گناه در عمل بمعنى امتناع صدور كه خاصه انبياء ست شرط امامت است". (تحفه اثنا عشريه ، باب هفتم در امامت ، ص:۱۷۸، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴) (بذل المجهود شرح أبي داؤد ، أول كتاب المهدى : ۱۰۰/۶، ۱۰۱، قاسميه ملتان)

(وفتح البارى ، كتاب الأحكام ، باب بعد باب الاستخلاف : ۲۶۱/۱۳، قديمى)

(وتاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل فى مدة الخلافة فى الإسلام ، ص:۱۶، مؤسسة الكتب الثقافية)

اس پر لعنت کی جائے، بلکہ اس کے امر کو خداوند تعالیٰ کے حوالہ کردینا چاہئے (۱)۔

جن علماء کو تحقیق سے ثابت ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کفریہ افعال موجود ہیں وہ لعن یزید اور تکفیر کو جائز قرار دیتے ہیں، پس حنفی کو اس بارے میں توقف کرنا چاہئے اور تکفیر منع ہے، تاہم اگر لعنت اور تکفیر کرے گا تب بھی دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا، کیونکہ امام احمد بن حنبل، علامہ کیاہراسی شافعی سے تکفیر منقول ہے (۲)، لیکن امام غزالیؒ اور دوسرے علماء شافعیہ اور اکثر احناف نے تصریح کی ہے کہ اس کی تکفیر اور اس پر لعنت کرنا منع ہے، پس سکوت چاہئے، واجب کسی نے نہیں کہا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

بارہ امام

سوال [۴۴۰]: علماء تشیع کا بیان ہے کہ بارہ امام خدا کے مقرر کردہ ہیں اور دوسروں کے امام ہیں، جن کا نام امام بندوں نے انتخاب کیا ہے، لیکن صرف تین سے کام نہ چل سکنے کی بنا پر ایک اَور کو شامل کرلیا، اس طرح اماموں کی تعداد چار ہوگئی۔ ہر زمانہ میں امام کا انتخاب عمل میں آتا ہے، اس لئے تین کو رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں، اور چوتھے کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بارہ امام جن کا انتخاب خدا نے کیا ہے وہ صحیح ہیں اور دوسرے غلط ہیں، من گرھت ہیں۔

---

(۱) "و قيل : لا (يكون كافراً) إذا لم يثبت لنا عنه تلك الأسباب الموجبة: أي لكفره، و حقيقة الأمر التوقف فيه، و مرجع أمره إلى الله سبحانه". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۳، قديمى)

(۲) "و اختلف في إكفار يزيد، قيل: نعم، يعني لما ورد عنه ما يدل على إكفاره من تحليل الخمر، ومن تفوهه بعد قتل الحسين و أصحابه: إني جازيتهم بما فعلوا بأشياخ قريش وصناديدهم في بدر و أمثال ذلك، و لعل وجه ما قال الإمام أحمد رحمه الله تعالىٰ بتكفيره بما ثبت عنده من نقل تقريره". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۷۳، قديمى)

(۳) "فإن قيل: هل يجوز لعن يزيد؛ لأنه قاتل الحسين أو آمر به؟ قلنا: هذا لم يثبت أصلاً، فلا يجوز أن يقال: إنه قتله أو أمر به مالم يثبت ، فضلاً عن اللعنة ". (إحياء علوم الدين، كتاب آفات اللسان ، الآفة الثامنة اللعن : ۳/۱۵۱ ، حقانيه پشاور)

کربلا کی جنگ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ یزید نے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ اپنی فہرست سے ۱۲ میں ایک کم کر کے میرا نام درج کرلیں، بعد شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سکینہ سے بھی یہی مطالبہ کیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا بیان کیا واقعی صداقت پر مبنی ہے؟ اگر نہیں تو قرآن و حدیث سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان علمائے تشیع سے پوچھ کر قرآن پاک کی وہ آیت لکھیں جس میں بارہ اماموں کو نام بنام متعین کیا گیا ہو۔ اگر حدیث شریف میں ان کے نام حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہوں تو وہ حدیث ان سے دریافت کر کے الفاظ حدیث مع تعیین کتاب وسندِ حدیث تحریر کریں۔ وہ علماء نہ نص قرآنی پیش کر سکیں گے، نہ حدیث مستند ﴿فإن لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار﴾ (۱)۔ اگر ہم کوئی دعویٰ کریں تو دلیل کا مطالبہ ہم سے کیا جاوے، اگر شیعہ دعویٰ کریں تو ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جاوے۔ آپ کا تحریر کردہ دعویٰ شیعہ کی طرف سے ہے، اس کی دلیل کا مطالبہ ان سے کیا جائے گا، جب وہ دلیل پیش کریں گے تو آگے پھر کسی دوسری بات کا نمبر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۴ھ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک شعر

سوال[۴۴۱]: وعلی الغالب کل الغالب أمیر المؤمنین علی ابن أبی طالب

یہ عبارت کیسی ہے؟ اس کا مصنف اور پڑھنے والے کے لئے کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس عبارت میں تاویل کر کے مطلب بنالینا اگرچہ ممکن ہے، لیکن ظاہری لفظ کے اعتبار سے اس میں ایک فرقہ ضالہ باطلہ کے ساتھ تشبہ ہے اور اس کے عقیدہ فاسدہ کی اس سے تائید ہوتی ہے (۲) لہذا اس سے پرہیز لازم ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریفیں حدیث شریف میں موجود ہیں جو کہ واقعی اور صحیح ہیں، ان کو

---

(۱) (البقرة: ۲۴)

(۲) ''وہ فرقہ ضالہ مذہب شیعہ ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے مستحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور ان کا یہ خیال باطل ہے''۔ .... =

بیان کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

سوال[۴۴۲]: جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی نہ مانے اور ان کی برائی کرے، وہ شخص کیسا ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے یا نہیں اور اگر صحابی تھے تو کس مرتبہ پر تھے اور ان کے صحابی ہونے کی کیا دلیل ہے؟

محب اللہ گیاوی امام مسجد شاہ جی کی سرائے۔

= كما قال القاري رحمه الله تعالىٰ تحت قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعلي رضي الله تعالىٰ عنه: "(أنت مني بمنزلة هارون من موسى)". الحديث: "و في شرح مسلم: قال القاضي عياض: هذا مما تعلقت به الروافض وسائر فرق الشيعة أن الخلافة كانت حقاً لعلي رضي الله تعالىٰ عنه أنه وصى له بها، فكفّرت الروافض سائر الصحابة بتقديمهم غيره، و زاد بعضهم: فكفر علياً؛ لأنه لم يقم في طلب حقه .... و لا شك في تكفير هؤلاء؛ لأن من كفر الأمة كلها والصدر الأول خصوصاً، فقد أبطل الشريعة و هدم الإسلام، و لا حجة في الحديث لأحد منهم، ...... و ليس فيه دلالة على استخلافه بعده؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما قال هذا حين استخلفه على المدينة في غزوة تبوك، و يؤيد هذا أن هارون المشبه به لم يكن خليفةً بعد موسى؛ لأنه توفي قبل وفاة موسى بنحو أربعين سنةً، و إنما استخلفه حين ذهب لميقات ربه للمناجات". (المرقاة شرح المشكاة، كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، الفصل الأول: ۱۰/۴۵۵، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) من جملہ فضائل میں سے یہ ہے:

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: آخى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين أصحابه، فجآء عليّ تدمع عيناه، فقال: آخيت بين أصحابك، ولم تؤاخ بيني و بين أحد، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنت أخي في الدنيا والآخرة". رواه الترمذي". (مرقاة المفاتيح، باب مناقب علي رضي الله تعالىٰ عنه، الفصل الثاني: ۱۰/۴۶۵، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ابن صحابی ہیں، صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جاؤ میرے پاس معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر لاؤ" (۱)، ترمذی شریف میں روایت ہے:

"أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لمعاویة: "أللهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه "(۲)۔

اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابی ہونا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے لئے دعا کرنا، نیز ان کا مرتبہ بھی ثابت ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت عمیر بن اسد کو حمص سے معزول کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والی بنایا، بعض لوگوں میں ان کا تذکرہ ہوا، حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "لا تذكروا معاوية إلا بخير، فإني سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "أللهم اهد به "(۳) یعنی حضرت امیر معاویہ کا جب تذکرہ کرو، خیر کے ساتھ کرو، برائی کے ساتھ ہرگز مت کرو، کیونکہ میں نے خود سنا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی ہے۔ یہ سب روایات جمع الفوائد: ۲/ ۲۲۷، میں مذکور ہیں (۴)۔ جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہتا ہے وہ سخت وعید کا مستحق ہے:

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كنت ألعب مع الصبيان فجاء رسول الله صلی الله عليه وسلم فتواريت خلف باب، قال: فجاء فحطا فی مطأة وقال: "اذهب أدع لی معاوية" قال: فجئت فقلت: هو يأكل، قال: ثم قال لی: "اذهب فادع لی معاوية": قال فجئت فقلت: هو يأكل فقال: "لا أشبع الله بطنه". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۲/۳۲۵، باب من لعنه النبی صلی الله عليه وسلم أو سبه أو دعا عليه، وليس هو أهلاً لذلك كان له زكوة وأجراً ورحمةً، كتاب البر والصلة، قديمی)

(۲) (جامع الترمذی أبواب المناقب، باب مناقب معاوية رضی الله تعالیٰ عنه : ۲/۲۲۴، سعيد)

(۳) "عن أبی إدريس الخولانی قال: لما عزل عمر بن الخطاب عمير بن سعد عن حمص، ولی معاوية، فقال الناس: عزل عميراً و ولی معاوية، فقال عمير: لا تذكروا معاوية إلا بخير، فإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "أللهم اهد به". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب معاوية رضی الله تعالیٰ عنه : ۲/۲۲۴، سعيد)

(۴) (جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، مناقب حارثة ابن سراقة ...... و أبی سفيان وابنه =

"إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي، فقولوا: لعنة الله على شركم اهـ". ترمذی شریف(۱)۔

"لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية رضى الله تعالى عنه وأحزابه اهـ". شرح عقائد، ص: ۱۱٦(۲)۔

شخص مذکور فی السوال کی امامت مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشکالات اور ان کے جوابات

سوال[۴۴۳]: ۱...... کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یزید کو خلیفہ مقرر کئے جانے کی کوشش کی اور کس حد تک؟

۲...... کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زر کثیر خرچ کر کے بہت آدمیوں کو یزید سے بیعت کے لئے آمادہ کیا؟

۳...... کیا امیر موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی موقعہ پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے سروں پر دو ننگی تلوار رکھوا دیں اور حکم دیا کہ دوران تقریر جو شخص کلمہ تصدیق وتکذیب نکالے گا اس کا

= معاوية: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، المكتبة الاسلامية باكستان)

(۱) (جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب في من يسب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۲۵، سعيد كراچى)

(۲) (شرح العقائد، ص: ۱۱٦، المطبع اليوسفي)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵٦۰، قديمى)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

سرقلم کردیا جائے گا، اوراس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی خلافت کا اعلان کیا؟

۴......کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا، اگر کیا تو اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت دینے میں کون سا امر مانع تھا؟

۵......کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دیں اور باوجود منع کرنے کے وہ باز نہ آئے اور ہمیشہ موجودگی وعدم موجودگی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایسا کرتے تھے؟

۶......اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے ہمراہیوں کو ایسا کہا تو ان کا یہ فعل کس حد تک درست سمجھا جاتا ہے؟ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ کے متعلق کچھ استفسار نہیں ہے)۔

محمد احمد کہار پار۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......نہیں۔ ۲......نہیں۔ ۳......نہیں۔ ۴......نہیں

۵......فحش گالیاں نہیں دیں، سخت کلامی ہوئی ہے (۱)۔

۶......خطا اجتہادی تھی، خواہش نفسانی نہ تھی (۲)۔

---

(۱) "فقول معاوية هذا ليس فيه تصريح بأنه أمر سعداً بسبه، وإنما سأله عن السبب المانع له من السب كأنه يقول : "بل امتنعت منه تورعاً" أو غير ذلک، فإن كان تورعاً و إجلالاً له عن السب فأنت مصيب محسن، وإن كان غير ذلک فله جواب آخر ...... و يحتمل تاويلان آخران معناه: ما منعک أن تخطيه في رأيه واجتهاده و تظهر للناس حسن رأينا و اجتهادنا وأنه خطأ". (النووی علی الصحيح لمسلم، كتاب المناقب، باب فضائل علي بن أبي طالب : ۲/۲۷۸، قديمی)

(۲) "و أما ما وقع من امتناع جماعة من الصحابة عن نصرة علي رضي الله تعالىٰ عنه والخروج معه إلى المحاربة ومن محاربة طائفة منهم له كما في حرب الجمل و صفين ...... إذ لم يكن ذلک عن نزاع في حقية إمارته، بل كان عن خطاء، في اجتهادهم اهـ". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۶۵، قديمی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ کہنا جائز نہیں، اسی طرح کوئی براگمان جوان کی شان کے خلاف ہو دل میں رکھنا درست نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی ہے:

"عن عبد الرحمن بن أبي عميرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال لمعاوية رضي الله تعالىٰ عنه: "أللهم اجعله هادياً و مهدياً و اهد به"۔ رواه الترمذي" مشكوة شريف،ص:۵۷۹ (۱)۔

قال في الهامش بعد تحقيق ألفاظ الرواية: "و لا ارتياب أن دعائه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مستجاب، فمن كان هذا حاله كيف يرتاب في حقه الخ"(۲)۔

وقال القاري في شرح الفقه الأكبر، ص:۸۲: "فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تسبوا أحداً من أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما أدرك مد أحدهم و لا نصيفه"(۳)۔

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو مناقشات تھے ان کے متعلق جہاں تک ہو سکے محمل حسن نکالنا چاہئے، اگر کوئی محمل حسن سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس میں گفتگو کرنے اور ایک کو حق اور دوسرے کو ناحق کہنے کی ضرورت نہیں (۴) کہ دار و مدار نجات کا اس پر نہیں ہے، نہ اس کے ساتھ کچھ عمل کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا فیصلہ ہوگا وہ ہر ایک کی پوری حقیقت سے خوب واقف ہیں، آپ سے اس کے متعلق سوال نہ ہوگا کہ ان میں سے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۵/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/محرم/۵۴ھ۔

---

(۱) (جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/۲۲۴، سعيد كراچي)

(۲) (هامش جامع الترمذي المصدر السابق آنفاً)

(۳)(شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۸، قديمي)

(و كذا في شرح العقائد، ص: ۱۱۶، المطبع اليوسفي)

(۴) "و يكف عن ذكر الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم إلا بخير، لما ورد عن الأحاديث الصحيحة في مناقبهم". (شرح العقائد، ص: ۱۱۶، المطبع اليوسفي)

(۵) "قال الله تعالىٰ: ﴿ تلك أمة قد خلت لها ما كسبت و لكم ما كسبتم، و لا تسئلون عما كانوا　=

کسی شیعہ کا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو زک پہونچانا

سوال[۴۴۴]: کیا کسی شیعہ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دہلوی کو کوئی زک پہونچائی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیعوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اذیت پہونچائی ہے جیسا کہ ان کے تذکرۂ سوانح میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۹/۶/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= یعملون﴾ (البقرة: ۱۳۴، ۱۴۱)

(۱) (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲۹۰، نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن)

ما يتعلق بمشاجرات الصحابة

(صحابہ کرام کے آپس کے اختلافات)

مقابلۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سوال [۴۴۵]: کس وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ ہوئی تھی اور کون حق پر تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ارباب حل وعقد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ملک شام پر گورنر تھے، ان کے کان میں یہ بات ڈالی گئی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سازش سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی الحال اس میں تأمل کیا، دو وجہ سے: اول یہ کہ قاتل کا صحیح علم نہیں، جب شہادتِ شرعیہ سے ثبوت نہ ہو تو قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ دوسرا یہ کہ اگر تمام خوارج اور باغیوں کو سزا دیجائے تو چونکہ یہ جماعت بہت بڑی ہے، ان سب کو فی الحال سزا دینا دشوار ہے جب تک کہ اسلامی فوجیں جو کہ باہر گئی ہوئی تھیں واپس نہ آجائیں، ورنہ عام بدامنی پیدا ہو کر سخت فتنہ پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے جس کا سنبھالنا سخت مشکل بلکہ قابو سے باہر ہوگا۔

اس جواب سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھے کہ یہ ٹال رہے ہیں اور قصاص لینا نہیں چاہتے، شکایت کرنے والوں نے بھی یہی کہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصاص بھی نہیں لیتے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصل شکایت اور اس جواب پر شبہ قوی ہو گیا اور فرمایا کہ جب آپ میں اتنی قوت ہی نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لے سکیں اور ظالم کو سزا دے سکیں تو آپ ملک اور خلافت کے دیگر انتظامات

کیسے کریں گے، لہذا آپ خلافت کے مستحق نہیں، آپ دست بردار ہوجائیں، میں خلیفہ بنتا ہوں، قصاص بھی لوں گا اور انتظامات بھی کروں گا، اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میرے ہاتھ پر بیعت ہوگئی اور مجھ کو خلیفہ تسلیم کرلیا گیا تو آپ خلیفہ نہیں بن سکتے، حدیث شریف میں ہے:

"إذا بويع لخليفتين، فاقتلوا الأخر منهما"۔ رواه مسلم (۱)۔

"من أتاكم و أمركم جميعاً على رجل واحد، و يريد أن يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فاقتلوه"۔ رواه مسلم (۲)۔

یعنی جب ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے اور پھر دوسرا شخص خلافت کا دعویدار بنے تو دوسرے کو قتل کردیں۔ اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی کے لئے آمادہ ہوگئے اور بات بڑھ گئی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مقابلہ کیا، تاریخ ابن جریر، تاریخ الخمیس (۳)، روضۃ الصفا وغیرہ کے بغور مطالعہ سے یہ خلاصہ حاصل ہوا، اس کے علاوہ جو اور بعض باتیں تاریخی کتب غیر معتبرہ میں فریقین کے متعلق درج ہیں، نہ وہ قابل ذکر ہیں نہ قابل اعتماد۔

اس مضمون سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نیت ہر دو فریق کی صحیح تھی فاسد نہ تھی اور فی الجملہ حق و ناحق ہونا بھی معلوم ہوسکتا ہے اس سے زیادہ لکھنا خلاف ادب ہے (۴)۔

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب إذا بويع لخليفتين: ۲/۱۲۸، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين و هو مجتمع: ۲/۱۲۸، قديمي)

(۳) "(وفي هذه السنة) وجّه علي رضي الله تعالىٰ عنه عند منصرفه من البصرة إلى الكوفة و فراغه من الجمل جريرَ بنَ عبد الله البجلي إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه يدعوه إلى بيعته .... الخ ". (تاريخ الطبري لابن جرير الطبري، توجيه علي بن ابي طالب رضي الله تعالىٰ عنه ...... إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه و خروج علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه إلى صفين: ۳/۵۶۰، ۵۶۹، مؤسسة الأعلمي بيروت)

(وكذا في تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، ذكر خلافة علي رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/۲۷۶، مؤسسة شعبان للنشر، بيروت)

(۴) "أجمع أهل السنة والجماعة على وجوب السكوت عن الخوض في الفتن التي جرت بين الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم بعد قتل عثمان رضي الله تعالىٰ عنه، والاسترجاع على تلك المصائب التي =

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو جواب میں فرمایا کہ ''اللہ پاک نے ہمارے ہاتھوں کو ان اکابر کے خون سے محفوظ رکھا (اس شکریہ میں) ہم زبانوں کو بھی ملوث نہیں کرتے'' (۱) اس مختصر سوال میں آپ نے بڑی لمبی تاریخ پوچھی، خیر، خدانے مجھے بھی آسانی فرمائی کہ مختصر جواب بتلادیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

محاربۂ علی رضی اللہ عنہ وعائشہ رضی اللہ عنہا

سوال [۴۴۶]: کیا وجہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جب جنگ ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا اور ان کے گروہ میں شامل تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا، اگر دونوں حق پر تھے تو صلح کرادینی تھی یا کسی کا ساتھ نہ دیتیں یا برابر دونوں کو سمجھاتیں، برخلاف اس کے ایسا نہیں کیا، کیوں؟

= أصيبت بها هذه الأمة ، والاستغفار للقتلى .... و أما الحروب التى جرت فكان لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب نفسها بسببها ،و كلهم عدول و متأولون فى حروبهم و غيرها، و لم يخرج شيء من ذلک أحداً منهم عن العدالة؛ لأنهم مجتهدون اختلفوا فى مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم فى مسائل من الدماء و غيرها ، و لا يلزم من ذلک نقص أحدهم". (معارج القبول : ۲/۵۹۹-۶۰۱، الرياض)

(و كذا فى شرح مسلم للنووى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الفتن و أشراط الساعة : ۲/۳۹۶، قديمى)

(و كذا فى شرح الفقه الاكبر ،ص: ۷۱، قديمى)

(۱) یہ مقولہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا نہیں، بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، چنانچہ ''مرقاۃ شرح مشکاۃ'' میں ہے:" قال عمر بن عبد العزيز : تلک دماءٌ طهر الله أيدينا منها، فلا نلوّث ألسنتنا بها". (المرقاة شرح المشكاة ، كتاب الفتن، الفصل الثانى : ۹/۲۸۳، رشيديه)

(و كذا فى شرح مشكوة للطيبى ، كتاب الفتن ، فتنة الاستنظاف : ۱۰/۶۵، إدارة المعارف كراچى)

(و كذا فى حاشية جامع الترمذى ، كتاب الفتن ، باب ما جاء فى الرجل يكون فى الفتنة : ۲/۴۱، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں، وہاں جاکر لوگوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی گئی اور وہ باوجود خلیفہ ہونے کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہیں لیتے اور خدا جانے کیا کیا کہا، بجائے مدینہ طیبہ کی واپسی کے لوگ ان کو بصرہ لے گئے، پھر وہاں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبہ کرنے کیلئے تجویز ہوئی، ساتھ ایک بڑی جماعت تھی، ادہر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تاکہ ان کی غرض معلوم کریں اور ان کے مطالبات پر غور کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا لشکر ایک دم حملہ نہ کردے، جس سے فتنہ پیدا ہوجائے، ملاقات پر مطالبات معلوم کئے اور قرار پایا کہ کل تمام باغیوں کو سزا اور جو قتل میں شریک تھے ان کو سزا قتل دی جائے، اس پر ان باغیوں نے کمیٹی کی کہ کل ہمارا وہ حال ہوگا جو مذبح میں بکروں کا ہوتا ہے اس لئے رات میں سب نے مل کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر پر جاکر حملہ کردیا، پھر ان کے لشکر نے مدافعانہ حملہ کیا تو یہ باغی بھاگ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آگئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا آیا، جس وقت زبردست جنگ ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر نے اعتراض کیا کہ رات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہم پر حملہ کیا، حالانکہ دن میں ہم سے وعدہ کیا تھا کہ باغیوں کو سزا دیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت ہوئی کہ جب ہم نے باغیوں کو سزا دینے کا وعدہ کرلیا تھا تو رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر نے ہم پر کیوں حملہ کیا؟ پس باغیوں کی اس حرکت سے دونوں کو غلط فہمی لاحق ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ۔

---

(۱) دیکھئے: (الکامل فی التاریخ، ذکر مسیر علیّ إلی البصرۃ والوقعۃ: ۳/۱۲۱، ۱۲۳، دارلکتب العربی بیروت) (وتاریخ الطبری، خروج علی إلی الربذۃ یرید البصرۃ: ۳/۴۷۳، ۵۴۵، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت)

(وتاریخ الخلفاء، فصل فی مبایعۃ علی رضی اللہ عنہ بالخلافۃ، ومانشأ عن ذلک: ص: ۱۴۴، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت)

(حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات کا بیان)

محاربہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویزید

سوال[۴۴۷]: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اس میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرآن وحدیث کی انحرافی ہوتی ہے یا نہیں؟ آیت:﴿یا أیها الذین اٰمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم﴾(۱)۔

بیعت کے معنیٰ ہیں کہ حاکم وقت کی حکومت تسلیم کی جائے یا کچھ اور، حاکم وقت خواہ اسی قوم ومذہب کا ہو اور اس کے افعال جس طرح کے ہوں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ مستحق خلافت نہیں تھا اور اس کی حکومت مستقر نہیں ہوئی تھی، اسی وجہ سے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، اگر ان کے نزدیک اس کی خلافت مستقر ہوجاتی اور بیعت کرکے پھر خلاف کرتے تو آیت کی مخالفت ہوتی (۲)۔

استقرار خلافت اور اہلیت خلافت کی شرائط میں تفصیل ہے، نہ آپ نے دریافت کی، نہ مجھے لکھنے کی ضرورت، اسی طرح اطاعت اولی الامر کا مسئلہ بھی بہت مبسوط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حضرت حسین اور یزید کی جنگ کا محمل

سوال[۴۴۸]: یزید اور شریکان قتل امام حسین فاسق وفاجر ہیں یا نہیں، کربلا کی جنگ کو حق وباطل کی

---

(۱) (سورة النساء: ۵۹)

(۲) "فقال عبد الله بن الزبير للحسين رضى الله تعالىٰ عنه: ظن فيما تراه، بعث إلينا فى هذه الساعة التى لم يكن يجلس فيها، فقال حسين: قد ظننت أرى طاغيتهم قد هلك، فبعث إلينا ليأخذنا بالبيعة قبل أن يفشو فى الناس الخبر، فقال: و أنا ما أظن غيره اهـ". (تاريخ الطبرى لابن جرير، خلافة يزيد بن معاوية: ۲۵۱/۴، مؤسسة الأعلمى للمطبوعات)

جنگ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فاسق ہونے کی تشریح شرح عقائد وغیرہ میں ہے (۱) ظالم کے تسلط سے مخلوق کو بچانے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کی ہے، جیسا کہ فتاویٰ عزیزی (۲) اور تحفہ اثنا عشریہ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کا معاملہ

سوال [۴۴۹]: یزید کے اشارہ سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ معرکہ کربلا پیش آیا، اس کے بارے میں اہل سنت کا خیال کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس معاملہ میں یزید کی روش حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان کی شان کے خلاف اور توہین آمیز رہی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولاینعزل الإمام بالفسق: أی الخروج عن طاعة الله تعالیٰ الجور: أی الظلم علی عباد الله تعالیٰ؛ لأنه قد ظهر الفسق، وانتشر الجور من الأئمة والأمراء بعد الخلفاء الراشدین، والسلف کانوا ینقادون لهم و یقیمون الجُمَع والأعیاد بإذنهم اهـ". (شرح العقائد النسفیة، ص: ۱۱۴، المطبع الیوسفی)

(۲) خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بنا بر دعوی خلافتِ راشدہ پیغامبر کہ بمرورِ سی سال منقضی گشت نبود، بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود" و إعانة المظلوم علی الظالم من الواجبات". (فتاویٰ عزیزی (فارسی)، کیفیت خروج امام حسین براعانت اہل کوفہ: ۱/۳۴، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۳) "تا مشقت ایذائے ایشاں بردارد، و چرا مخالفت میکند با ائمہ ماضیین خصوصاً با امام صابر کہ آنہا را ظلمہ و فجرہ بیش از حد ترسانیدند، بلکہ نوبت بقتل و خون رسانیدند، و آنہا نہ ترسیدند امر بالمعروف و نہی عن المنکر بجا آوردند، حالانکہ آنہا را طول عمر خود معلوم نبود، و تسلط خود نیز معلوم نبود"۔ (تحفہ اثنا عشریہ، باب ہفتم در امامت، ص: ۱۷۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۴) "و بعث أهل العراق إلی الحسین الرسل والکتب، یدعونه إلیهم، فخرج من مکة إلی العراق فی عشر ذي الحجة و معه طائفة من آل بیته رجالاً و نساءً و صبیاناً، فکتب یزید إلی والیه بالعراق عبید الله =

کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باغی تھے؟

سوال[۴۵۰]: زید کا کہنا ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عربی تھے اور کوفے کے رہنے والے نہیں تھے، محض مہمانی ومسافرت ومدعو کئے ہوئے پہنچے، جب یزید کے حاکم مثلاً کوتوال شہر ابن زیاد دخولی وغیرہ نے یزید کی بیعت کرنے پر مجبور کیا اور فرمان دکھلایا تو اس پر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "میں تو مدعو مہمان تھا، مجھ کو اپنے وطن جانے دو" تو ایسے وقت میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم وقت کا حکم ماننا ضروری تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ میں مجتہد تھے، جب وہ یزید کی بیعت کو ناجائز سمجھتے تھے تو ان کا بیعت کرنا درست نہیں تھا، یزید کو حق نہیں تھا کہ وہ ان کو مجبور کرتا کہ اپنے اجتہاد کے خلاف بیعت کریں، بلکہ ایسی حالت میں اس کو چاہئے تھا کہ خلافت سے معزول ہو کر اہل اسلام کو اختیار دیدیتا کہ جس کو چاہیں خلیفہ تسلیم کرلیں، اس میں نہ کوئی فتنہ ہوتا نہ قتل وخونریزی کی نوبت آتی جیسا کہ اس فتنہ اور کشت وخون کے خیال سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے دست بردار ہوگئے تھے (۱) حالانکہ یزید کو ان کے ساتھ فضائل اور مناقب کے لحاظ سے کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔

= بن زياد بقتله ، فوجه إليه جيشاً أربعة آلاف الخ". (تاريخ الخلفاء، ترجمة يزيد بن معاوية أبو خالد الأموي : ١٦٩ ، مؤسسة الكتب الثقافية)

(١) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالىٰ: " وَلَّى الحسن رضي الله تعالىٰ عنه الخلافة بعد قتل أبيه بمبايعته أهلُ الكوفة، فأقام فيها ستة أشهر و أياماً، ثم سار إليه معاوية . والأمر إلى الله، فأرسل إليه الحسن يبذل له تسليم الأمر إليه على أن تكون له الخلافة من بعده ...... فأجابه معاوية إلى ما طلب ، فاصطلحا على ذلك، فظهرت المعجزة النبوية في قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "يصلح الله به فئتين من المسلمين" و نزل له عن الخلافة .... ثم ارتحل الحسن عن الكوفة إلى المدينة، فأقام بها". (تاريخ الخلفاء للسيوطي رحمه الله تعالىٰ ،ص: ١٥٨ ، الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه ، مؤسسة الكتب الثقافية)

(وكذا في تاريخ الطبري، سنة إحدى و أربعين..... فما كان فيها من ذلك التسليم الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه الأمر إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه اهـ: ١٢٣/٤ ، مؤسسة الأعلمي بيروت)

حاکم وقت کو حق نہیں ہوتا کہ مجتہد کو خلاف اجتہاد کرنے پر مجبور کرے اور ایسی حالت میں مجتہد کو اطاعت درست نہیں "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق "الحدیث مشکوۃ ص:۳۲۱(۱) اس لئے ان کو باغی کہنا بھی درست نہیں۔ کذا فی شرح الفقہ الاکبر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم تھے؟ نعوذ باللہ

سوال [۴۲۱]: کیا امام حسین علیہ السلام کو ظالم کہہ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک وہ ظالم نہیں تھے، ان کے مناقب وفضائل حدیث پاک میں موجود ہیں، ان کو جنت کے نوجوانوں کا سردار فرمایا گیا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲ھ۔

واقعہ کربلا جہاد ہے یا لڑائی؟

سوال [۴۵۲]: کربلا میں پیش آنے والے واقعہ کو جہاد کہیں گے یا صرف لڑائی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عموماً جہاد کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں کفر و اسلام کا مقابلہ ہو اور مقصود بھی اعلائے

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۲/ ۳۲۱، قديمي)

(۲) "و أما ما تفوه به بعض الجهلة من أن الحسين كان باغياً فباطل عند أهل السنة والجماعة، و لعل هذا من هذيانات الخوارج عن الجادة". (شرح الفقه الأكبر، الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ۷۲، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة". رواه الترمذي".

(مشكوة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رضي الله عنهم: ۲/ ۵۷۰، قديمي)

کلمۃ اللہ ہو(۱) جہاں یہ چیز نہ ہو وہ محاربہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲ھ۔

کیا کربلا کا واقعہ اسلامی جہاد تھا؟

سوال[۴۵۳]: کربلا میں پیش آنے والے واقعات سیاسی نوعیت کے تھے یا اسلامی حیثیت کے تھے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لئے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خاطر کربلا تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ جانا ضروری سمجھتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲ھ۔

کربلا میں کام آنے والے کیا دین کی حفاظت کے لئے لڑے ہیں؟

سوال[۴۵۴]: کیا کربلا میں گلستانِ نبوت کے نونہالوں کی تمام قربانیاں ہوسِ اقتدار کی خاطر تھیں یا حفاظت دین کے لئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسلامی نقطہ نظر سے کربلا گئے تھے نہ کہ حصول اقتدار کے لئے، واقعہ کربلا کے متعلق آپ نے کیا نظریہ قائم کر رکھا ہے، مجھے علم نہیں۔ اس تحریر سے آپ کو کچھ مدد مل سکے گی یا نہیں اس کا بھی علم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲ھ۔

---

(۱) "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد: ۳۳۱/۲، قديمي)

(۲) "فيفهم أن من قاتل للدنيا أو للغنيمة أو لإظهار نحو شجاعة أو ذب عن نفس أو مال، فليس في سبيل الله، ولا ثواب له". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۹۳/۱۱، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

کربلا میں کون حق پر تھا؟

سوال[۴۵۵]: کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے یا یزید؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اجتہادی چیز ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۵ھ۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا شہید ہوئے؟

سوال[۴۵۶]: کیا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کہہ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چونکہ واقعہ کربلا اجتہادی چیز ہے، اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، لہٰذا وہ شہید تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو روندا گیا؟

سوال[۴۵۷]: کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں برہنہ کردیا گیا تھا اور آپ کی لاش مبارک کو گھوڑوں سے روندا گیا اور قیمہ کردیا گیا تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں برہنہ کرکے آپ کی نعش مبارک کو گھوڑوں سے روندا اور قیمہ بنایا گیا تھا یا نہیں؟ مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقام محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لیا؟

سوال[۴۵۸]: محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعد شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو انتقام

لیا ہے، آپ بھی اس میں شریک تھے؟ یہ بات صاف طور سے تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ہیں، ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، جنگ یمامہ میں ان کی والدہ گرفتار کر کے لائی گئی تھیں اور مال غنیمت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ کذا فی تحفة اثنا عشریہ :ص:۴۳ (۱)۔ محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد انتقام کے لئے آئے تھے۔ کذا فی روضۃ الصفاء: ۸۶/۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر عیسائی کا اشکال

سوال[۴۵۹]: ایک معترض عیسائی کہتا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر، تا امام مذکور پروردگار عالم نے امانۃً محفوظ رکھ کر بعد میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی تو اس میں یزید پلید کا کیا قصور ہوا، آخر کار وہ شہادت جو ازل میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مخصوص ہو چکی تھی کسی نہ کسی سے وقوع میں ضرور آتی۔ معترض کو آیت: ﴿و من يقتل مؤمناً﴾ (۳) سے اگر جواب دیا گیا تو منظور نہیں کیا، اس کا عقلی ونقلی جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس عیسائی کے منہ پر کوئی شخص نجاست میں بھرا ہوا جوتہ زور سے مارے تو اس کو غصہ تو نہیں آئے گا اور اس مارنے والے کو تو کچھ برا نہیں کہے گا، کیونکہ تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ منہ پر جوتہ لگے گا، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ سے تو لگتا ہی۔

عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی اور ان پر ظلم کیا، اس

---

(۱) "تحفة اثنا عشرية (اردو)، ص: ۵۰۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) (تحفة اثنا عشريه (اردو) ص: ۳۱، دار الاشاعت کراچی)

(۳) (النسآء : ۹۳)

وجہ سے یہودیوں سے بغض رکھتے ہیں تو وہ لوگ کیوں بغض رکھتے ہیں یہ تو پیش آنا ہی تھا، تقدیر میں لکھا ہوا تھا، تقدیر میں لکھا ہوا ہونے سے اختیار سلب نہیں ہوتا (۱) ورنہ تمام مجرم دنیا اور آخرت میں چھوٹ جائیں کسی کو سزا نہ ملے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کی تکمیل ہوئی؟

سوال [۴۶۰]: ایک سنی المذہب نے ایک ایسی مجلس میں جس میں شیعوں کے خواص وعوام شریک وسامع تھے، اپنی تقریر کے دوران نہایت شد ومد سے کہا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کی تکمیل ہوئی ورنہ اسلام غیر مکمل رہتا، اور یہ بھی کہا کہ جو مسلمان واقعۂ شہادت حضرت امام حسین پر نہ روئے وہ شقی ازلی ہے، تقریر کے بعد اس کو سمجھایا تب بھی اس نے یہی کہا کہ میرا عقیدہ یہی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص کا کیا حکم ہے اور اگر وہ علمائے اسلام کے فتویٰ کی پروانہ کرے تو ایسے شخص سے حنفی المذہب اہل سنت والجماعت مسلمانوں کو تعلقات قائم رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

راقم: احمد میاں فرخ آباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہی میں دین اسلام کی تکمیل کردی گئی تھی یعنی ایسی دینی بات کوئی باقی نہیں رہی تھی جس کو خود یا اس کی اصل اور بنیاد کو بیان نہ کردیا گیا ہو جیسا کہ نص قرآن ﴿ أليوم أكملت لكم دينكم ﴾ (۲) اس پر شاہد ہے اور احادیث کثیرہ سے

---

(۱) "وإذا عرفت ذلک فللعباد أفعال اختيارية يثابون عليها إن كانت طاعةً، و يعاقبون عليها إن كانت معصيةً، لا كما زعمت الجبرية أن لا فعل للعبد أصلاً كسباً و لا خلقاً". (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۴۲، قديمي)

(و كذا في شرح العقائد النسفية للتفتازاني: ص: ۶۴، المطبع اليوسفي)

(و كذا في روح المعاني (البقرة): ۱/۱۳۳، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (المائدة: ۳)

بھی اس کی تائید ہوتی ہے(۱) لہٰذا زید کا یہ عقیدہ اہل حق کے سراسر خلاف ہے اور اگر اس شہادت سے اسلام کی تکمیل ہی ہوئی ہے تو پھر اس پر رونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے، تمام عالم کو اس پر خوش ہونا چاہئے کیوں کہ اگر شہادت نہ ہوتی تو خدانخواستہ اسلام کی تکمیل نہ ہوتی، غیر مکمل رہ جاتا تو یہ شہادت جملہ اہل اسلام کے لئے باعث رحمت ہے۔

ایسے لوگوں سے تعلقات رکھنا درست نہیں جن کے عقائد اس قدر خطرناک ہوں، اگر اپنے عقائد سے ایسا شخص باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے تو اس سے تعلقات قطع کر دیئے جائیں (۲)۔

رونا اختیاری فعل نہیں، اگر قلب میں درد وغم ہے تو رونا آتا ہے ورنہ نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات رحمت للعالمین ہے، دنیا سے رخصت ہو جائے، اس پر نہ رونا تو شقاوت ازلی نہ ہو اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر نہ رونا شقاوت ازلی ہو، یہ عجیب بات ہے، خود بخود کسی کو اگر رونا آوے اور آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن بالقصد رونا اور اس طرح کہ گریبان چاک کیا جاوے، سینہ اور منہ کو پیٹا جاوے، مرثیئے پڑھے جائیں، جیسا کہ روافض اور اہل تشیع کا شیوہ ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، اس پر وعید بھی آئی ہے (۳)۔

بہرحال ایسے شخص کو توبہ اور تجدید ایمان ونکاح کر لینا چاہئے (۴) کیوں کہ یہ عقائد روافض کے ہیں۔

---

(۱) "كما ثبت في الصحيح لمسلم عن جابر بن عبد الله أن رسول الله ﷺ قال في خطبته يومئذ: "أيها الناس! إنكم مسئولون عني فما أنتم قائلون"؟ قالوا: نشهد أنك قد بلغت و أديت و نصحت، فجعل يرفع إصبعه إلى السماء و ينكسها إليهم، و يقول: "أللهم هل بلغت". (تفسير ابن كثير: ۲/۷۷، (المائدة: ٦٧) سهيل اكيڈمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوآدون من حآد الله و رسوله﴾ الآية. (المجادلة: ۲۲)

(۳) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس منا من لطم الخدود و شق الجيوب و دعا بدعوى الجاهلية". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ليس منا من شق الجيوب: ۱/۱۷۲، قديمي)

(۴) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

اگر علمائے حق کے فتوی کو نہیں مانتا تو یہ گنہ گار ہے اور اس کی تکفیر اور توہین کرتا ہے تو کفر ہے: "رجل عرض علیه خصمه فتوى الأئمة فردها و قال: "چه بار نامهٔ آورده، قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع، و كذا لو لم يقل شيئاً لكن ألقى الفتوى على الأرض و قال: اين چه شرع است، كفر". عالمگیری: ۲/۸۹۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اللہ کے لئے ہوئی یا امت کے لئے؟

سوال[۴۶۱]: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت امت کے لئے ہوئی یا اللہ کے لئے، لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے امت کی خاطر جان دیدی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ایک ظالم کے ظلم سے امت کو بچانے کے لئے ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نہ ہوتی تو کیا اسلام مٹ جاتا؟

سوال[۴۶۲]: ا...... پیر صاحب ہی کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نہ ہوتی تو قرآن اور حدیث مٹادی جاتی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(۲) "خروج حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بناء بر دعوی خلافتِ راشدہ پیغامبر کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود، بلکہ بنابر تخلیص رعایا از دست ظالم بود، وإعانة المظلوم على الظالم من الواجبات". (فتاوی عزیزی، کیفیت خروج امام حسین براعانۃ اہل کوفہ: ۱/۳۴۴، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

الیضاً

سوال[۴۶۳]: ۲.....کیا یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نہ ہوتی تو اسلام ہی مٹ جاتا؟ اسلام کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندہ کیا، گویا وہ توحید کی بنیاد ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱..... یہ غلط ہے کہ ان کی شہادت نہ ہوتی تو قرآن وحدیث مٹ جاتے (۱)۔

۲..... یہ بھی غلط ہے کہ ان کی شہادت نہ ہوتی تو اسلام ہی مٹ جاتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت یزید پر

سوال[۴۶۴]: ایک شخص حافظ عالم ہونے کے باوجود سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسے شخص کی اقتداء کیسی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

کس بات میں ترجیح دیتا ہے، اگر نسب کی فضیلت یا اعمال صالحہ واخلاق فاضلہ میں ترجیح دیتا ہے تو یہ ترجیح غلط ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جنتی بلکہ نوجوان جنتیوں کے سردار ہونے کی فضیلت حدیث شریف میں موجود ہے، خطبہ میں بھی وہ روایت موجود ہے "سیدا شباب أهل الجنة الحسن والحسين" (۳)۔ ایسی فضیلت یزید کے لئے کہیں موجود نہیں اور پھر یزید صحابی نہیں، تمام امت کا اجماع اس پر ہے۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ (الحجر: ۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ (الحجر: ۹)

(۳) (أخرجه الترمذي في أبواب المناقب، مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب، والحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنهم: ۲/۲۱۷، سعيد)

"وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "حسين مني و أنا من حسين، أحب الله من أحب حسيناً، حسين سبط من الأسباط". (مشكاة المصابيح، باب مناقب أهل البيت: ۲/۵۷۱، قديمي)

اگر اس امام حافظ کا مقصد ایسا ہے جو کہ جمہور امت کے خلاف ہے تو اس کو اپنی اصلاح لازم ہے ورنہ وہ مقتدیٰ اور امام بننے کے لائق نہیں ہوگا اور اگر کسی اَور بات میں ترجیح دیتا ہے تو بغیر معلوم ہوئے کیا حکم لکھا جائے، اسی سے تفصیل دریافت کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۹ھ۔

یزید کی ولی عہدی

سوال [۴۶۵]: کیا وجہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات میں اپنے نالائق فرزند یزید پلید کو امام مسند تخت نشین بنایا اور تخت پر بٹھلا کر ولی عہد بنانے کی اطلاع کا ہر ایک شہر میں حکم روانہ کیا تاکہ عوام کو معلوم ہو جائے، جب کہ وہ عیاش، دائم الخمر، بدکردار، ظالم، زانی، شرابی، فاسق، فاجر حرام کار تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے سامنے یہ افعال نہیں تھے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ۲/۱۰ میں ہے(۱) اگر چہ ورع اور زہد کے اعتبار سے دوسرے بہت سے حضرات اس سے بہتر موجود تھے اور بعض منکرات کا وہ مرتکب بھی تھا لیکن زیادہ خراب حالت بعد میں ہوئی، ان کے نزدیک وہ نہایت مدبر اور بہادر تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت ابتداء اس چیز کا مشورہ دیا ہے کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے، اب صدیوں بعد اس کو گالیاں دینے سے کیا نتیجہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

یزید کی ولی عہدی

سوال [۴۶۶]: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت میں یزید سے زیادہ کوئی قابل حکمراں موجود نہ تھا جس کو وہ تخت پر بٹھاتے اور حکومت سپرد کرتے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے زیادہ مدبر اور بہادر ان کی نظر میں کوئی نہ تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (فتاوی رشیدیہ، ص: ۷۶، ۷۷، ۷۸، سعید)

خلافت یزید

سوال[۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کیسے قائم ہوئی؟ نیز آپ کی امامت پر کب اجماع ہوا اور آپ کو کس بنا پر امام کہا گیا؟ جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کرلی تو پھر امامت کہاں باقی رہی؟ نیز حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ویزید میں خلیفہ برحق کون تھا، اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو یزید کو علماء نے خلفائے اثناعشر میں کیوں شمار فرمایا؟ دیکھو شرح فقہ اکبر، ص:۸۴: "الخلفاء الراشدون الأربعة و معاوية وابنه يزيد و عبد الملك بن مروان و أولاده الأربعة و بينهم عمر بن عبد العزيز" (۱)۔ اور ابن حجر خلفائے اثناعشر کو یوں گناتے ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید ثانی، ہشام۔ (سیرت النبی:۳/۶۶۱) (۲) ایسا ہی قاضی اور حافظ سیوطی کا قول ہے (تاریخ الخلفاء)(۳)۔

اگر یزید خلیفہ برحق تھا تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں مخالفت کی اور اکابرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہما نے کیوں بیعت کرلی اور خلع کو ناجائز قرار دیا جیسا کہ بخاری پارہ نمبر:۲۹ کتاب الفتن میں ہے: "و انا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وأنى لا أعلم غدراً أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله و رسوله، ثم ينصب له القتال، و أنى لا أعلم أحداً منكم خلعه، و لا تابع في هذا الأمر إلا كانت الفيصل بيني و بينه"(٤).

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص:٧٠، قبيل قوله: "غابرين على الحق و مع الحق كما كانوا نتولاهم جميعا" قديمي)

(۲) (سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اخبار غیب یا پیشین گوئی، خلفاء کی بشارت:۳/۷۰۲، مطبع معارف اعظم گڑھ)

(۳) (تاريخ الخلفاء، فصل في مدة الخلافة في الإسلام، ص:١٦، ١٧، مؤسسة الكتب الثقافية)

(۴) (صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه: ١٠٥٣/٢، قديمي كتب خانه)

مولانا اسلم تحریر فرماتے ہیں: ''ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب دیکھا کہ یزید کی خلافت پر اجماع عام ہوگیا تو ان لوگوں نے بیعت کرلی'' (تاریخ الامت، ص:۴۳۱) (۱) علی جلال لکھتے ہیں کہ: ''یزید کی امامت پر کثیر التعداد لوگوں کا اتفاق تھا'' (ترجمۃ الحسین: ۹/۲) (۲) حدیث مسلم میں آیا ہے: "من جاء كم و أمركم جميع على رجل واحد يريد أن يفرق جماعتكم، فاقتلوه اه"۔ ص: ۱۲۸ (۳)۔

اگر کہا جائے کہ یزید فاسق تھا اس لئے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خروج جائز ہوا تو حدیث بخاری پارہ نمبر: ۲۹ کتاب الفتن: "من كره من أميره شيئاً فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبراً مات ميتةً جاهليةً"، ص: ۱۰۴۵ (۴) کی خلاف ورزی ہوگی، نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد پیشین گوئیاں فرمائی ہیں جن سے یزید کا جنتی مغفور ہونا ثابت ہوتا ہے، ان احادیث وآثار، تاریخی شواہد کا کیا جواب ہوگا جو درج ذیل ہیں؟ ملاحظہ ہوں:

"فحدثتنا أم حرام أنها سمعت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول: "أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا". قالت أم حرام: قلت: يا رسول الله! أنا فيهم؟ قال: "أنت فيهم"

---

(۱) قال ابن جرير: "ثم إن الوليد بعث إلى عبد الله بن عمر رضي الله عنها فقال: بايع ليزيد، فقال: إذا بايع الناس بايعت، فقال رجل: مايمنعك أن تبايع؟ إنما تريد أن يختلفوا الناس بينهم فيقتتلوا و يتفانوا، فإذا جهدهم ذلك، قالوا: عليكم بعبد الله بن عمر لم يبق غيره بايعوه، قال عبد الله: ما أحب أن يقتتلوا و لا يختلفوا و لا يتفانوا، ولكن إذا بايع الناس و لم يبق غير، بايعتُ .... و أما ابن عمر فقدم فأقام أياماً فانتظر حتى جاءت البيعة من البلدان، فتقدم إلى الوليد بن عتبة فبايعه، و بايعه ابن عباس". (تاريخ الطبري سنة: ۶۰: ۲۵۴/۴، مؤسسة الأعلمي بيروت)

(۲) (تقدم في الحاشية رقمها: ۱)

(۳) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين و هومجتمع: ۱۲۸/۲، قديمي، بلفظ: "من أتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فاقتلوه")

(۴) (صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب من كره من أميره شيئاً الخ: ۱۰۴۵/۲، قديمي)

قالت: ثم قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "أول جیش من أمتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم"۔ کتاب الجهاد، پ:۱۱(۱) "قال القسطلانی: کان أول من غزا مدینة قیصر یزید ابن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة۔...... کذا قاله فی الخیر الجاری۔ و فی الفتح: قال المهلب فی هذا الحدیث: منقبة لمعاویة؛ لأنه أول من غزا البحر، و منقبة لولده؛ لأنه أول من غزا مدینة قیصر"۔ حاشیه بخاری ص: ٤١٠ (٢)۔

"قال محمود بن ربیع: فحدثتها قوماً فیهم أبو أیوب الأنصاری صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی غزوته التی توفی فیها، و یزید بن معاویة علیهم بأرض الروم"۔ بخاری ،پ: ٥، کتاب التهجد (٣)" أول مارکب المسلمون البحر مع معاویة، فلما انصرفوا من غزوهم قافلین تنزلوا الشام"۔ بخاری، پ: ١١، کتاب الجهاد ص: ١٢٨ (٤) "دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم علی بنت ملحان فاتکأ عندها، ثم ضحك فقالت: لم تضحك یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم؟ فقال :"ناس من أمتی یرکبون البحر الأخضر فی سبیل اللّٰہ، مثلهم مثل الملوك علی الأسرة"۔ بخاری ،کتاب الجهاد، پ: ١١ (٥)۔

علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ بشارت سب سے اول امیر معاویہ کے عہد میں پوری ہوئی، دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے اول تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے"۔ (سیرۃ النبی: ۳/ ۲۳۷) (۶)۔

---

(۱) (صحیح البخاری ، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی قتال الروم : ۱/ ۴۱۰، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری المصدر السابق، رقم الحاشیة : ۱)

(۳) (صحیح البخاری ، کتاب التهجد ، باب صلوۃ النوافل جماعة: ۱/ ۱۵۸ ،قدیمی)

(۴) (صحیح البخاری ، کتاب الجهاد ، باب فضل من یصرع فی سبیل اللّٰہ فمات فهو منهم : ۱/ ۳۹۳، قدیمی)

(۵) (صحیح البخاری ، کتاب الجهاد، باب غزوة المرأة فی البحر: ۱/ ۴۰۳، قدیمی)

(۶) (سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،اخبار غیب، بحر روم کی لڑائیاں: ۳/ ۶۹۷، ۶۹۸، معارف اعظم گڑھ)

''البدایہ والنہایہ'' میں ہے کہ: ''قیصر کے ملک پر سب سے اول یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے حملہ کیا''۔ (ترجمۃ الحسین:١/٧٦) (١)۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ ''اول غزوہ قسطنطنیہ کا یزید بن معاویہ نے کیا تھا'' (الحسین ص:٧٦) (٢)۔

''جب ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کوئی وصیت ہو تو ارشاد فرمایئے''۔ (استیعاب:٢/ ٦٣٨) بحوالہ سیرت معاویہ ص:٣٩) (٣)۔ ''یزید بن معاویہ قسطنطنیہ کی ہر دو جنگ میں فوج کا امیر تھا''۔ (الحسین:٢/١)۔ ''یزید ایک لشکر جرار لے کر قسطنطنیہ روانہ ہوا جس میں ابن الزبیر، ابن عمر، ابن عباس، ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، موقعہ پر پہنچ کر زبردست لڑائی ہوئی''۔ (ابن خلدون:٥/٢٤ بحوالہ سیرۃ معاویہ ص:٤١) (٤) ''جب یزید قسطنطنیہ پر برائے جہاد حملہ آور ہوا تو ابوایوب

---

(١) "فيها (سَنة تسع و أربعين) غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية، و كان معه جماعة من سادات الصحابة .... و قد ثبت في صحيح البخارى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "اول جيش يغزون مدينة قيصر مغفور لهم". فكان هذا الجيش أول من غزا ها". (البداية والنهاية، سنة تسع و أربعين: ٥/٨/٥١، دار الفكر)

(٢) "و قد كان يزيد أول من غزا مدينة قسطنطينة في سنة تسع و أربعين". (البداية والنهاية، ترجمة يزيد بن معاوية: ٥/٢/٧٤٢، دار الفكر)

(٣) "توفي أبو أيوب مجاهداً سنة خمسين .... و كان في جيش، و أمير ذلك الجيش يزيد بن معاوية، فمرض أبو أيوب، فعاده يزيد فدخل عليه يعوده، فقال: ما حاجتك الخ". (أسد الغابة، ترجمة خالد بن زيد بن كليب، رقم: ١٣٦١، ٢/١٢٣، دار الكتب)

(٤) مذکورہ غزوہ میں یزید کی شرکت کا حال ملاحظہ فرمائیں:

"ثم بعث معاوية سنة خمسين جيشاً كثيفاً إلى بلاد الروم مع سفيان بن عوف، و ندب يزيد ابنه معهم فتثاقل فتركه، ثم بلغ الناس أن الغزاة أصابهم الجوع و مرض، و بلغ معاوية أن يزيد أنشد في ذلك:

ما إن أبالي بما لاقت جموعهم　　بالفدفد البيد من حمىً و من شوم
إذا تطات على الأنماط مرتفقاً　　بدير مرّان عندى أم كلثوم

وهي امرأته بنت عبد الله بن عامر، فحلف ليلحقن بهم، فسار في جمع كثير، جمعهم إليه معاوية، فيهم ابن عباس وابن عامر وابن الزبير وأبو أيوب الأنصارى، فأغلوا في بلاد الروم و بلغوا =

بھی مجاہدین کے ساتھ تھے''۔ (تذکرۃ الانصار ص:۲۱۴) (۱) ''امیر معاویہ نے یزید کو دو بار امیر حج مقرر کیا، ایک بار صالقہ فوج کا سردار لشکر بنا کر رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، قسطنطنیہ پر جو لشکر بھیجا گیا اس میں یہ بھی شامل تھا''۔ (تاریخ الامت:۲/۴۳۰) (۲)۔

''امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دستہ فوج کا امیر بنایا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:'' أول جیش الخ'' اس موعودہ مغفرت کو حاصل کرنے کے لئے مدینہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس لشکر میں جا کر شریک ہوئے''۔ (تاریخ الامت:۳/۴۱۸)۔

''امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو جو کہ صالقہ کے فوج کا افسر تھا ایک حصہ فوج کا سپہ سالار بنا کر قسطنطنیہ روانہ کیا''۔ (تاریخ الاسلام اکبر خان:۲/۱۳) (۳)۔

''چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:'' أول جیش الخ'' اس موعودہ مغفرت حاصل کرنے کے لئے بیشمار لڑائیاں ہوئیں جس میں ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، یہ فوج کشی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی''۔ (حالات قسطنطنیہ، ص:۱۰۲) (۴) ''جو فوج قسطنطنیہ روانہ کی گئی تھی اس میں

= القسطنطنية، و قاتلوا الروم عليها، فاستشهد أبو أيوب الأنصاري الخ". (تاريخ ابن خلدون، طوائف الشام:۳/۹، ۱۰، مؤسسة الأعلمي بيروت)

(و كذا في البداية و النهاية :۵/۵۱۸، سنة تسع و أربعين، دار الفكر)

(۱) (راجع، ص: ۹۲، رقم الحاشية :۴)

(۲) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت تصریحات، ص:۹۲، حاشیہ:۱، ۲، ۴ میں گزر چکی ہیں۔

ایک مرتبہ ۵۱ھ میں تو یزید کے امیر حج ہونے کی تصریح موجود ہے: ''و حج بالناس في هذه السنة (سنة إحدى و خمسين) يزيد بن معاوية، حدثني بذلك أحمد بن ثابت عمن ذكره عن إسحاق بن عيسى عن أبي معشر، و كذلك قال الواقدي". (تاريخ الطبري، سنة : ۵۱، ۴/۲۱۳، موسسة الأعلمي بيروت)

اس سے قبل سنہ ۵۰ھ میں امیر حج کے متعلق دو قول ہیں: ''واختلف فيمن حج بالناس في هذه السنة، فقال بعضهم : حج بهم معاوية، و قال بعضهم : بل حج بهم ابنه يزيد". (تاريخ الطبري سنة : ۵۰ھ، ۴/۱۷۹)

(۳) (تاریخ اسلام، قسطنطنیہ پر حملہ:۱/۴۶۴، دارالاشاعت کراچی)

(۴) (راجع، ص: ۹۲، رقم الحاشية: ۳)

بڑے بڑے صحابہ شامل تھے، ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے''۔ (مختصر تاریخ اسلامی: ۹/۳)(۱)''اور جس میں حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کا سپہ سالار یزید بن معاویہ تھا''۔ دیکھو بخاری، پ: ۵، بحوالہ بالا(۲)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اچھا وہ امیر ہوگا، کیا اچھی وہ فوج ہوگی جو قسطنطنیہ پر حملہ کرے گی''۔ (سیرۃ معاویہ ص: ۳۸)"تفتحن القسطنطنية، و نعم الأمير أميرها، و نعم الجيش جيشها". (حالات قسطنطنیہ ص: ۲،۱)

پس ان تصریحات جلیلہ و بشارات نبویہ کے بناء پر یزید کو خلیفہ برحق و مغفور جنتی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ علماء کرام مدلل مفصل جواب باصواب سے مستفیض فرمائیں۔ فقط بینوا توجروا۔

المستفتی: کبیر الدین، اوری پورہ بنارس، ۱۰/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ کے سوال کا مختصر حاصل جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ امور ہیں:

۱...... امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت ثابت ہے یا نہیں؟

۲...... یزید خلیفہ برحق تھا یا نہیں، اگر تھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خروج کیوں کیا؟ اگر نہیں تھا تو اس کو خلفاء اثنا عشر میں شمار کیوں کیا گیا؟

۳...... اخبار مذکورہ فی السوال کی بنا پر یزید مغفور ہو سکتا ہے یا نہیں؟

خدا جانے آپ کا مقصود بھی یہی ہے یا کچھ اور، تاہم اپنی فہم کے مطابق اسی ترتیب سے جواب تحریر کرتا ہوں۔

۱...... اگر آپ کی مراد امامت سے خلافت ہے جیسا کہ سوال کی دوسری سطر سے معلوم ہوتا ہے: ''حسین اور یزید میں خلیفہ برحق کون تھا'' تب تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہیں فرمایا، نہ کسی نے آپ کے ہاتھ پر اس نیت سے بیعت کی۔ اور اگر امامت سے خلافت کے علاوہ کچھ اور مراد ہے تو اس کو واضح کیجئے، لفظ ''امام'' کا کسی پر اطلاق کرنے کے لئے نہ بیعت کی شرط ہے، نہ اجماع کی۔

---

(۱) (راجع، ص: ۹۲، رقم الحاشية: ۴)

(۲) (راجع، ص: ۹۲، رقم الحاشية: ۳)

ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ، پھر امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر رحمہم اللہ وغیرہم کے ہاتھ پر کس نے خلافت کی بیعت کی، کب اجماع ہوا؟ مگر ان حضرات پر لفظ امام کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح امام بخاری، امام مسلم رحمہما اللہ وغیرہما اور امام نافع، عاصم وغیرہما سب پر امام کا اطلاق ہوتا ہے۔

۲...... یزید نے خلافت کا دعویٰ کیا، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا (۱) مگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نہ وہ مستحق تھا خلافت کا اور نہ اس کی خلافت مستقر ہوئی (استقرار خلافت کے طرق ازالۃ الخفاء کے ص: ۵ پر درج ہیں) (۲) اس بناء پر مخلوق کو ظالم کے پنجہ سے بچانے کے لئے انہوں نے سعی فرمائی کہ اعانت مظلوم حتی الوسع واجب ہے (۳) پھر بعد میں یزید کو تسلط تام حاصل ہوگیا تھا اور خلافت مستقر ہوگئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کی بیعت جن روایات میں مذکور ہے وہ مابعد پر محمول ہے،

---

(۱) "وفيها (سنة ست و خمسين) ودعا معاوية الناس إلى بيعة ابنه يزيد من بعده، و جعله ولي العهد". (تاريخ الطبرى، سنة ست و خمسين: ۲۲۴/۴، مؤسسة الأعلمي بيروت)

"و لم يكن ليزيد همة حين ولي إلا بيعة النفر الذين أبوا على معاوية الإجابة إلى بيعة يزيد حين دعا الناس إلى بيعته .... فكتب: إلى الوليد (بسم الله الرحمن الرحيم، من يزيد أمير المؤمنين إلى الوليد بن عتبة الخ". (تاريخ الطبرى، خلافة معاوية: ۲۵۰/۴)

(۲) "انعقاد خلافت بچہار طریق واقع شود: طریق اول: بیعت اہل حل وعقد است از علماء وقضاۃ وامراء ووجوہ ناس کہ حضور ایشاں متیسر شود.......... طریق دوم: استخلاف خلیفہ ست مستجمع شروط را یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے نصح مسلمین شخصی را از بیان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند، وجمع نماید مردمانرا، ونص کند باستخلاف وے، ووصیت نماید باتباع وے..... طریق سوم: شوریٰ ست، و آن است کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را درمیان جمعی از مستجمعین شروط گوید از میان این جماعہ ہر کرا اختیار کنند خلیفہ او باشد .... وطریق چہارم: استیلا است چوں خلیفہ بمیرد، وشخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت واستخلاف، وہمہ را بر خود جمع سازد، و باستلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود الخ"۔ (ازالۃ الخفاء، مسئلہ در طرق انعقاد خلافت: ۵/۱، سہیل اکیڈمی)

(۳) "قسم خرجوا غضباً للدين من أجل جور الولاة و ترک عملهم بالسنة النبوية، فهؤلاء أهل الحق، و منهم الحسين بن علي و أهل المدينة في الحراء". (فتح البارى: ۲۴۰/۱۲، بحوالہ یزید کی شخصیت، مصنفہ مولانا عبدالرشید نعمانی، ص: ۱۵۳، ۱۵۴، مجلس نشریات اسلام)

اولاً ان سے انکار ثابت ہے، صرح بہ الحافظ فی فتح الباری (۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ سے ایک سوال مع جواب نقل کرتا ہوں جس سے اس مسئلہ کی کافی وضاحت ہوجائے گی:

سوال:

''باوصف صحت حدیث خلافت "الخلافة بعدی ثلاثون سنةً" وترک خلافت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجہت استماع ہمیں حدیث، پس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکدام دعویٰ از مکہ معظمہ برآمدہ در کربلا شہید شدند، وعلاوہ حدیث متواتر در مشکوۃ وغیرہ موجود است کہ ''اکثر پادشاہان ظالم خواہند بود، بسیار ظلم خواہند کرد''، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض نمودند کہ دراں وقت مسلمانان تعرض از بادشاہان نخواہند کرد؟ حضرت علیہ السلام فرمود کہ ''مسلمانا رانمی رسد کہ از بادشاہ وقت کہ بہ تسلط سلطنت گرفتہ باشد، تعرض نماید، ورنہ آن مسلمانان خود ظالم و باغی خواہند'' گردید پس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرا مقابلہ کردند، وسلطنت یزید از روئے سلطنت ظاہر وثابت است''؟

جواب:

''خروج حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بناء بر خلافت راشدہ پیغامبر علیہ التحیۃ والسلام کہ بر سی سال منقضی گشت نبود، بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود" وإعانة المظلوم عن الظالم من الواجبات" وآنچہ در مشکوۃ ثابت است کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از بغی وخروج بر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودند، پس دران وقت است کہ

---

(۱) قال: "عن نافع أن معاوية أراد ابن عمر علی أن يبايع ليزيد، فأبی و قال: لا أبايع لأميرين الخ". (فتح الباری، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً الخ: ۱۳/۸۷، قديمی)

"و امتنع من بيعته الحسين بن علی و عبد الله بن عمر و عبد الله بن الزبير رضی الله تعالیٰ عنهم...... و أما ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال: إذا اجتمع الناس بايعت الخ". (لسان الميزان: ۶/۲۹۳، بحوالہ یزید کی شخصیت، ص: ۱۱۶، نشریات اسلام)

آن بادشاہ ظالم بلا تنازع ومزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد، وہنوز اہل مدینہ واہل مکہ واہل کوفہ بتسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند: مثل حضرت امام حسین وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمرو عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ بودند، بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود، نہ برائے رفع تسلط، وآنچہ در حدیث ممنوع است آن خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائز باشد، و الفرق بین الدفع والرفع ظاهر مشهور فی المسائل الفقهية اهـ". فتاوىٰ عزیزیہ :۱/۲۱، ۲۲(۱)۔

یہ تو خروج کا حال ہوا، یزید کو بعض علماء نے خلفائے اثنا عشر میں شمار کیا ہے، بعض نے نہیں کیا، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ الخلفاء میں ایک دوسرا قول نقل کیا ہے، اس میں یزید کا نام نہیں ہے(۲)۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں تو وہ لکھا ہے جس کو آپ نے نقل کیا ہے، لیکن مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حدیث: "هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش" (رواہ البخاری) کے تحت میں یزید کو بھی انہیں غلمہ میں گنایا ہے جن کے ہاتھ پر امت کی ہلاکت بتلائی گئی ہے(۳)۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی)، کیفیت خروج امام حسین برائے اعانت اہل کوفہ، ص: ۳۴، ۳۵، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۲) قال: "و قيل : إن المراد وجود اثنى عشر خليفةً في جميع مدة الإسلام إلى يوم القيامة يعملون بالحق و إن لم تتوال أيامهم، و يؤيد هذا ما أخرجه مسدد في مسنده الكبير عن أبي خلد أنه قال: "لا تهلك هذه الأمة حتى يكون منها اثنا عشر خليفةً ، كلهم يعمل بالهدى و دين الحق، منهم رجلان من أهل بيت محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"............... قلت: وعلى هذا فقد وجد من الإثنى عشر خليفةً الخلفاء الأربعة ، والحسن ، و معاوية وابن الزبير وعمر بن عبد العزيز ، هؤلاء ثمانية. و يحتمل أن يضم إليهم المهتدى من العباسيين؛ لأنه فيهم كعمر بن عبد العزيز في بني أمية ، وكذلك الظاهر لما أتاه من العدل ، و بقى الإثنان المنتظران: أحدهما: المهدى ؛لأنه من آل بيت محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (تاريخ الخلفاء، فصل في مدة الخلافة في الإسلام، ص: ۱۷، مؤسسة الكتب الثقافية)

(۳) قال: "و قال المظهر :لعله أريد بهم الذين كانوا بعد الخلفاء الراشدين مثل يزيد و عبد الملك بن مروان وغيرهما". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن ، الفصل الأول : ۹/۲۶۶، رقم الحديث :۵۳۸۸، رشيديه) =

اصل یہ ہے کہ جس حدیث شریف میں بارہ خلفاء کا ذکر آیا ہے اس کے طرق اور الفاظ کو جمع کر کے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معانی متعددہ کا احتمال ہے، اسی لئے اس سے متعدد فرقوں نے مختلف مقاصد پر استدلال کیا ہے، چنانچہ امامیہ کہتے ہیں کہ بارہ امام جو معصوم ہیں وہ مراد ہیں، قاضی عیاض مالکی اور حافظ ابن حجر شافعی کے نزدیک راجح وہی ہے جو آپ نے نقل کیا۔

تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ بارہ اماموں کا مسلسل ہونا ضروری نہیں، بلکہ قیامت سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ بارہ خلفاء حضرت امام مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہوں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان بارہ کا ایک عصر میں ہونا ضروری ہے۔ دیکھو فتح الباری: ۱۳/۱۸۱ (۱) اور اشعة اللمعات: ۴/۶۸۶ (۲)۔

= قال الحافظ: "وفي هذا إشارة إلى أن أول الأغيلمة كان في سنة ستين و هو كذلك، فإن يزيد بن معاوية استخلف فيها .... و أن أولهم (أى الغلمان المذكورين) يزيد كما دل عليه قول أبي هريرةؓ: رأس الستين و إمارة الصبيان". (فتح الباري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هلاك أمتي على يدى أغيلمة سفهاء": ۱۳/۱۲، ۱۳، قديمي)

(۱) قال الحافظ عن ابن بطال عن المهلب: "فقوم قالوا: يكونون بتوالي إمارتهم ...... (نقل عن القاضي) فيحتمل أن يكون المراد من يستحق الخلافة من أئمة العدل، و قد مضى منهم الخلفاء الأربعة، ولا بد من تمام العدة قبل قيام الساعة، و قد قيل: إنهم يكونون في زمن واحد يفترق الناس عليهم ...... و يحتمل أن يكون المراد أن يكون "الإثنا عشر" في مدة عزة الخلافة و قوة الإسلام ...... (نقل عن ابن الجوزي عن الحسين بن المنادي) يحتمل في معنى حديث "يكون إثنا عشر خليفةً" أن يكون هذا بعد المهدي الذي يخرج في آخر الزمان .... قال: إبن الجوزي: والوجه الثالث أن المراد وجود إثني عشر خليفةً في جميع مدة الإسلام إلى يوم القيامة، يعملون بالحق و إن لم تتوالى أيامهم". (فتح الباري، كتاب الأحكام، باب بلا ترجمة قبل باب إخراج الخصوم الخ: ۱۳/۲۶۲-۲۶۴، قديمي)

(۲) "ثانی آنکہ مراد خلفائے عادل وامرائے صلاح اند کہ مستحق خلافت اند تحقیقت، ولیکن لازم نیست کہ بعد از ان حضرت در پے ہم متصل باشند، شاید کہ این عدد تمام شود تا زمانے اگر چہ تا قریب قیام ساعت ست باشد، تورپشتی گفتہ کہ راہ راست درین حدیث وہر چہ درین معنی وردد یافتہ ہمیں ست، ثالث آں کہ مراد وجود ایشاں ست بعد از موت مہدی .... رابع آنکہ مراد وجود این عدد ست ودر عصر واحد الخ"۔ (اشعة اللمعات، کتاب الفتن، باب فی مناقب قریش، الفصل الاول: ۴/۴۲۰، ۴۲۱، نوریہ رضویہ سکھر)

۳......آپ نے جو حاشیہ بخاری شریف ص:۴۱۰ کی عبارت نقل کی ہے، اس کا یہ حاشیہ پورا دیکھ لیجئے کہ ابن التین اور ابن المنیر نے کس طرح تعقب کیا ہے، یہ حاشیہ فتح الباری:۶/۷۴ سے ماخوذ ہے(۱)، نیز یزید کے مغفرت وعدم مغفرت کا مسئلہ اس کے اسلام وکفر کی فرع ہے، جن کے نزدیک اس کے احوال: استحلال خمر وزنا واہانت اہل بیت واہانت مسجد نبوی وغیرہ (جنکی تفصیل جذب القلوب الی دیار المحبوب وغیرہ میں ہے) محقق ہوگئے وہ لعنت وغیرہ کی بھی اس پر اجازت دیتے ہیں جیسا کہ علامہ ابوالحسن ثانی غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان:۳/۲۲۶ میں نقل کیا ہے، ایسا ہی فتاویٰ عزیزیہ:۱/۱۰۵ میں ہے(۲) اور علامہ تفتازانی نے لکھا ہے: "والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين و استبشاره بذلك و إهانة أهل بيت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما تواتر معناه وإن كان تفاصيله أحاد، فنحن لا نتوقف فى شانه بل فى إيمانه لعنة الله عليه و على أنصاره و أعوانه اهـ"۔ شرح العقائد النسفيه، ص:۱۱۷(۳)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اس میں تعارض روایات کی بنا پر توقف ہے(۴)، آپ کے سوال کا جواب نہایت مختصر جواب کی جگہ اور محصول کی رعایت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے، بسط وتفصیل کی نہ کاغذ میں گنجائش ہے، نہ محصول میں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۳/۱۷ھ۔

---

(۱) قال: "و تعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله: أنه لا يلزم من دخوله فى ذلك العموم أن لا يخرج بدليل خاص إذ لا يختلف أهل العلم أن قوله ﷺ: "مغفور لهم" مشروط بأن يكونوا من أهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن نزاها بعدذلك لم يدخل فى ذلك العموم اتفاقاً، فدل على أن المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم الخ". (فتح البارى، كتاب الجهاد، باب ما قيل فى قتال الروم: ۶/۱۲۸، قديمى)

(۲) (فتاوى عزيزى (فارسى) وجه تكفير از سب شيخين و عدم تكفير از سب ختنين، ص: ۱۰۰، ۱۰۱، رحيمه ديوبند)

(۳) (شرح العقائد تحت قوله: "ويكف عن ذكر الصحابة" ص:۱۱۷، مطبعه يوسفيه لكهنو)

(۴) "وجماعتے از علماء کہ نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند ترجیح یکطرف بر دیگر حاصل نشد، بنا بر احتیاط توقف نمودند، ہمیں است واجب بر علماء عند التعارض وہو قول ابی حنیفۃ"۔ (فتاوی عزیزی (فارسی)، وجہ تکفیر از سب شیخین، ص:۱۰۱، رحیمیہ دیوبند)

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔
صحیح: عبداللطیف مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

جوابات پر چند اعتراض

جواب: ۱، ۲، ۳: جب یزید نے دعویٰ خلافت کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں اس کو ولی عہد بنایا اور اکثریت نے اس کو تسلیم کیا اور بیعت کی تو پھر کیا وجہ تھی جو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ مستحق خلافت نہ تھا، حالانکہ اس کی خلافت مستقر ہو چکی تھی، اس کو تسلط حاصل تھا، بادشاہت مل چکی تھی؟ دیکھو: سر الشہادتین: "لما تملك يزيد و تسلطن و ذلك في رجب سنة ستين بدمشق" دیکھو "سر الشہادتین ص: ۵۰: "مالک و بادشاہ شد و یزید تسلط یافت بر مملکت و آن در ماہ رجب سال شصتم از ہجرت بشہر دمشق"۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی نور العین میں لکھتے ہیں کہ یزید دمشق میں اپنے والد کی جگہ خلیفہ تھا، سب عرب اس کی اطاعت کرتے تھے، تمام بادشاہ اس کو تحائف بھیجتے تھے، سب خلقت اس کی مطیع تھی۔ حافظ اسلم تحریر فرماتے ہیں کہ: "ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب دیکھا کہ یزید کی خلافت پر اجماع عام ہو گیا تو ان لوگوں نے بیعت کر لی"۔ تاریخ الامت ص: ۱۴۳۱۔ "امامت بطریق ثلاثہ منعقد میشود: یکے بیعت اہل حل و عقد۔ ودوم: استخلاف خلیفہ سابق۔ سوم: تسلط: میگویم در یزید این ہر سہ طریق محقق بودند۔ اول بیعت کردند بدست یزید ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہما کہ ہمہ از اہل حل وعقد بودند، اما ثانی کہ ثابت است کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید را خلیفہ کرد۔ سوم تسلط غلبہ ثابت است"۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم کو ظالم کے پنجے سے بچانے گئے تھے" مگر واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ خلافت کے لئے گئے تھے، جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح کی تو آپ راضی نہ تھے، یہ پہلی دلیل ہے۔ کوفیوں نے خط لکھا تھا کہ آپ آیئے خلافت آپ کا حق ہے، خلافت کیجئے، ہم آپ کے شیعہ ہیں، آپ کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ یزید سے جنگ کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، یہ دوسری دلیل ہے۔ اور امام مسلم کے ہاتھ پر چالیس ہزار جنگی کا بیعت ہونا تیسری دلیل ہے، دیکھو تاریخ اسلام، واقعات کربلا، عامہ کتب۔ ان واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جو مخالفت کرے گا وہ باغی سمجھا جائے گا یا نہیں اور

اس کا قتل واجب ہے یا نہیں؟ ملاحظہ ہو:

"و قال علیه السلام: "إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما" كذا في شرح فقه اكبر ص:۱۷۹(۱)،"من أتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فاقتلوا"۔ رواه مسلم (۲) "وستكون خلفاء فتكثروا قالوا: فما تأمرنا؟ قال: "فوافوا بيعة الأول"۔ مسلم ۱۲٦/۲:(۳) وقال:" من مات و ليس في عنقه بيعة مات ميتةً جاهليةً" رواه مسلم(٤)۔

"و لا يجوز نصب الإمامين في عصر واحد". شرح فقه اكبر، ص:۱۷۹(٥)، "فالإمام من انعقدت له البيعة من أكثر الخلق، والمخالف باغ". شرح فقه اكبر ص:۱۷۹(٦) "ان طاعته كانت واجبةً على الحسين رضي الله تعالىٰ عنه". ابو شكور سالمي "ان يزيد كان إماماً مطاعاً والحسين باغياً، فقتل بسيف جده صواعق"، ص:۲٦ و قال ابن عربي: ما قتل الحسين إلا بسيف جده: أي لأنه الخليفة، والحسين باغ عليه، وأول خارج في الإسلام حسين بن علي". شرح قصيده همزيه"۔

آپ لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کی بیعت مابعد پر محمول ہے، اگر یہ صحیح ہے تو کیا مابعد میں یزید فرشتہ ہوگیا تھا اور ماقبل میں شیطان تھا، کیا جب اہل مدینہ نے خلع بیعت کیا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے حشم کو جمع کر کے یہ نہیں کہا کہ جو خلع کرے گا وہ غدار ہوگا، میں نے اللہ و رسول کی بیعت سمجھ کر کی ہے۔ دیکھو بخاری، پ:۲۹۔ اب آپ بتلایئے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیعت کر کے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت نہ کر کے کیا ہوئے؟

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للقاري و منها: مسئلة نصب الإمام ص:۱۴٦، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين و هو مجمتع:۱۲۸/۲، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول:۱۲٦/۲، قديمي)

(۴) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن: ۱۲۸/۲، قديمي)

(۵) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ومنها : مسئلة نصب الإمام، ص:۱۴٦، قديمي)

(٦) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ومنها : مسئلة نصب الإمام، ص:۱۴۷، قديمي)

آپ لکھتے ہیں .... کہ بارہ خلفاء میں اختلاف ہے، میں کہتا ہوں بہرحال اختلاف صحیح، مگر کسی نے آج تک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچواں خلیفہ لکھا؟ اگر لکھا اور اکثریت نے تو صرف یزید کو لکھا تو پھر جھگڑا کیسا؟ مطلع صاف ہے، جب امام حسین کو کوئی پانچواں خلیفہ لکھتا، کوئی یزید کو، تب اختلاف ہوتا یہاں تو خدا کے فضل سے صاف ہے۔

آپ نے حدیث: "هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش" میں یزید کو خلاف جمہور شمار کیا اور اس حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے جمہور کے نزدیک یزید کا مغفور و جنتی ہونا ثابت ہو رہا ہے، حدیث اول: "جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم" اس پر آپ لکھتے ہیں کہ ابن التین وابن منیر نے تعقب کیا ہے: "حتى لو ارتد واحد ممن غزاه بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقاً" میں کہتا ہوں کہ یہ تعقب باطل ہے، اس لئے کہ یزید کا ارتداد ثابت نہیں، بلکہ ایمان ثابت ہے: "ان إيمان يزيد محقق، و لا يثبت كفره" شرح فقہ اکبر ص: ۸۸۔ اور وہی قول صحیح ہے جو حاشیہ بخاری ص: ۴۱۰ میں ہے: "كان أول من غزا مدينة قيصر يزيد ابن معاوية، و قال المهلب في هذا الحديث: منقبة لولده؛ لأنه من غزا مدينة قيصر" اور بخاری، پ: ۵ سے جس کی تائید ہوتی ہے: "في غزوته التي توفي فيها و يزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم"۔ بخاری کتاب التہجد اور علامہ تفتازانی کا جواب ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر، ص: ۸۷ میں دے دیا ہے یعنی یزید قتل پر راضی نہ تھا: "انه لا يثبت أصلاً" شرح فقہ اکبر ص: ۸۷ (۱) اگر قتل پر راضی تھا تو یہ کفر نہیں: "إن الرضا بقتل الحسين ليس بكفر" شرح فقہ اکبر ص: ۸۷ (۲) اور یزید نے قتل کا حکم بھی نہیں دیا: "وقلنا: هذا مما لم يثبت أصلاً" شرح فقہ اکبر ص: ۸۶ (۳) اگر حکم قتل دیا بھی تو کفر نہیں: "لأن الأمر بقتل الحسين لا يوجب الكفر" شرح فقہ اکبر ص: ۸۷ (۴)۔

جب امام اعظم کا مذہب سکوت ہے تو "فاسق، فاجر، ملعون، مردود یزید پلید" کیوں کہا جاتا ہے اور جواز

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۳، قديمي)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۳، قديمي)

(۳) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمي)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمي)

لعن تک کا فتویٰ دیا جاتا ہے، کیا امام اعظم کا مسلک صحیح نہیں اور اس بارہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات کیوں نہیں نقل کئے جاتے ہیں؟ فقط والسلام۔

مدلل مفصل ہر شق پر اعتراض، ہر دلیل، ہر عبارت، ہر حدیث کا جواب باصواب مرحمت فرماویں۔

المستفتی کبیر الدین اوری پورہ بنارس۔

بسط وتفصیل کے ساتھ جواب دیجئے اور اس مسئلہ پر کافی غور کیجئے، لکیر کے فقیر کی ضرورت نہیں، تحقیق کی ضرورت ہے، اگر یہ پرچہ ناکافی ہو تو جواب دیگر پرچہ پر دیجئے۔

غور فرمایئے کیا یزید پر طرح طرح کے الزامات لگا کر ان بشاراتِ نبویہ کو رد کر دیا جائے گا جس طرح رافضی تمام بشارات نبوی کو رد کر دیتے ہیں صحابہ کرام کو الزامات لگا کر، اگر وہ الزامات نہ لگائیں تو صحابہ کرام کو ''فاسق، فاجر، غاصب، ظالم'' کیسے کہیں گے، جیسے آج ہمارے علماء یزید پر الزامات عائد کرتے ہیں، حالانکہ احادیث صحیحہ نبویہ کے مقابل چند غیر معتبر حکایات کی کوئی حقیقت نہیں، البتہ وہ راوی وہ حدیث جھوٹی کہی جاسکتی ہے، مگر پیشین گوئی رسول جھوٹی نہیں ہوسکتی، سمجھ کر جواب دیجئے۔ فقط والسلام۔

المستفتی کبیر الدین اودی پورہ بنارس، المرقوم، ۳۱/مئی، ۴۲ھ۔

جناب مولانا محترم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

استفتاء روانہ کر رہا ہوں اس کو دوسرے پرچے پر نقل کروا کر بسط وتفصیل سے جواب لکھ کر روانہ فرمایئے، محصول کے لئے ٹکٹ ۱۰۲ کا رکھ دیا ہے۔ برائے جواب، برائے مہربانی واپس نہ فرمایئے گا مسئلہ یزید پر بسط وتفصیل کی سخت ضرورت ہے آپ کا پہلا فتویٰ آیا میں بیمار تھا اور کچھ پریشانیوں کی وجہ سے بہت عرصہ ہوگیا خیر جواب مرحمت فرمایئے اور کامل جواب دیجئے واپس نہ فرمایئے۔ ﴿وأما السائل فلا تنهر﴾۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... فتاویٰ ناواقف اور جاہل کے لئے ہوتے ہیں، اہل علم جن کے سامنے ہر نوع کی نصوص موجود ہوں ان کو کسی سے دریافت کرنے اور پھر جواب پر اعتراض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑا پہلوان اکھاڑے میں کھڑا ہو کر ''ھل من مبارز'' کی صدا بلند کر رہا ہے، طرز تحریر نہ سائلانہ ہے، نہ مستفتیانہ ہے، بلکہ مناظرانہ اور مکابرانہ ہے، ہم لوگ نہ اس کے لئے تیار

ہیں نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے، تقریباً سو کتابیں حدیث، عقائد، تاریخ کی دیکھی اور جواب تحریر کیا ہے، مگر آپ کی خشونت مزاجی و درشتی لہجہ اور آزاد طبعی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہرگز تسلیم نہیں کریں گے، اس لئے اس جواب کو بھیجنا اضاعت علم اور "وضع العلم في غير أهله" تصور کر کے مختصر جواب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۲......جواب نمبر:۱، اور جواب نمبر:۲، کے متعلق کچھ گوہر افشانی نہیں فرمائی، کیا بات ہے؟

۳......اس کو پہلے ہی سے ولی عہد بنا دیا گیا تھا۔

۴......اس لئے کہ وہ فاسق تھا جیسا کہ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے بھی فرمایا تھا۔

۵...... یہ کس کی تصنیف ہے، ایک تو اس نام کی کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تصنیف فرمائی ہے جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو بہت سی احادیث سے ثابت فرمایا ہے۔

۶......کیا ابو اسحٰق اسفرائنی نے اردو میں اس نام کی کوئی کتاب تصنیف کی ہے؟

۷......شروع ہی سے مطیع ہوگئی تھی یا اخیر میں، اگر شروع سے سب خلقت مطیع ہوگئی تھی تو چالیس ہزار جنگی نے امام مسلم کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی تھی اور اہل مدینہ نے خلع بیعت کیوں کیا؟ کیا یہ واقعات غلط ہیں، حالانکہ یہ آپ نے خود بھی لکھے ہیں؟

۸......حافظ اسلم یہ وہی ہیں نا! جن کا مضمون کچھ عرصہ ہوا حدیث کی مخالفت میں شائع ہوا تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں، تاریخ کے مقابلہ میں حدیث کی کوئی حیثیت نہیں، جب ان کے خلاف احتجاج کیا گیا تو معافی طلب کی، مگر اب بھی دوسروں کے نام سے ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور یہ جامعہ ملیہ دہلی میں ملازم ہیں، کیا آپ نے ان کی تاریخ امت پوری دیکھی اور اس کے مضامین حدیث کے مطابق ہیں؟

۹......اس سے معلوم ہوا کہ اولاً بیعت نہیں کی، بلکہ ان کی بیعت مابعد پر محمول ہے یعنی جب موافقت کی قوت اپنے اندر نہ دیکھی۔ میں نے یہی چیز لکھ دی تھی تو آپ ناراض ہوگئے۔

۱۰......ان کی بیعت مابعد میں ہوئی جیسا کہ آپ کے حافظ اسلم نے لکھا اور آپ نے تسلیم کیا، اگرچہ میرے لکھے ہوئے کو رد کر دیا۔

۱۱......تمام اہل حل وعقد کا بیعت کرنا ابتداءً ثابت نہیں۔

۱۲...... مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بھی بعض حضرات نے صاف انکار کردیا جیسے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے، ابن جریر کو دیکھئے کہ اخیر وقت میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو مخالفین کی فہرست بتائی اور ان سے حفاظت کی ترکیب سمجھائی، تب معلوم ہوگا کہ تمام اہل حل وعقد نے بیعت کی تھی یا نہیں اور جن سے بیعت لی گئی اس کی تفصیل "فتح الباری وروضۃ الصفاء" میں دیکھئے کہ بعض کو اسّی ہزار دینار پیش کرکے بیعت کی درخواست کی گئی، نیز امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر وقت میں ولی عہد بنانے پر اپنی غلطی کا اعتراف اور ندامت کا اظہار فرماکر استغفار بھی کیا۔ کذا فی روضۃ الصفاء۔

۱۳...... کیا اس کی تائید میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی کوئی مقولہ پیش کرسکتے ہیں؟

۱۴...... یہ دلیل کی کونسی قسم ہے؟

۱۵...... اس خط کے جواب میں تحریراً یا تقریراً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا فرمایا؟

۱۶...... اور یہ کونسی قسم ہوئی دلیل کی؟

۱۷...... یہ قسم کونسی ہے؟ افسوس آپ نے کسی کی بھی تعیین نہ کی۔

۱۸...... یہ یزید کی خلافت پر اجماع کی بھی دلیل ہوگی اور غالباً چوتھی دلیل ہوگی، اس کا بھی عدد بتلادیتے تو اچھا تھا۔

۱۹...... امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر تو بیعت نہیں کی گئی، اس لئے وہ مستحق قتل نہیں ہوئے۔

۲۰...... یہاں نہ امر شخص واحد پر مجتمع تھا، کیونکہ چالیس ہزار جنگی نے امام مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جیسا کہ آپ نے لکھا اور ارباب حل وعقد میں سے عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت نہیں کی تھی، بلکہ بعد انعقاد اجماع کی ہے جیسا کہ حافظ اسلم سے آپ نے نقل کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو انکار فرما ہی دیا تھا اور ایک فہرست جس میں عبداللہ بن زبیر، امام حسین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم ہیں امیر معاویہ نے بتلائی تھی جیسا کہ تاریخ ابن جریر طبری میں ہے، نیز جو لوگ بیعت کرچکے تھے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تاکہ ان میں تفریق ڈالیں، بلکہ ایسے لوگوں کے پاس گئے جنہوں نے بیعت نہیں کی تھی، لہذا وہ مستحق قتل نہیں تھے۔

۲۱...... جو لوگ امام حسین کے ساتھ تھے انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، نیز امام حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ خلافت نہیں کیا جو کثرت خلفاء صادق آ سکے۔

۲۲...... اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب خلیفہ موجود ہو۔ اور جب کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ خلیفہ ہی نہیں تھا تو اس کی بیعت واجب نہیں تھی، لہذا ان کے حق میں ایسی حدیث پیش کرنا اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

۲۳...... یہاں دو امام بنائے ہی نہیں گئے۔

۲۴...... یہ کوئی قرآن کریم کی آیت ہے یا حدیث شریف جس پر عمل کرنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ فرض تھا؟

۲۵...... کیا ابوشکور سالمی کی اتنی حیثیت ہے کہ اس کا قول امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حجت ہو؟

۲۶...... یہ کوئی خدائی کتاب ہے یا حدیث شریف ہے جس سے امام حسین پر الزام قائم کیا جا سکے؟

۲۷...... شاید ابن عربی کی آپ نے پوری کتاب نہیں دیکھی، ورنہ صرف اتنا فقرہ نقل کرنے کی جرأت نہ فرماتے۔

۲۸...... شارح قصیدہ ہمزیہ کا مجموعہ فتاوی حدیثیہ دیکھئے کہ یزید کے متعلق کیا کچھ لکھا ہے تب آنکھیں کھلیں گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں سراسر آپ کے خلاف ہی خلاف ہو۔

۲۹...... میرا کہنا گرانی خاطر کا باعث ہو تو حافظ اسلم کے کہنے سے مان لیجئے، مرد باید کہ گیرد اندر گوش ورنبشت است پند بر دیوار۔

۳۰...... فرشتہ تو نہیں بلکہ بذریعہ جبر وتشدد غالب وحاوی ہو گیا تھا۔

۳۱...... میں نے تو شیطان نہیں کہا۔

۳۲...... کیا تسلط تام، کامل بادشاہت، اجماع عام کے بعد ہی خلع بیعت کی نوبت آئی؟ سخت حیرت ہے۔

۳۳...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی قول یا فعل سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حجت قائم نہیں کی جا سکتی جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کا تسلط اور اپنا ضعف محسوس کر لیا تو بیعت کر لی، یہ ان کا اجتہاد تھا اور بیعت کے بعد خلع کرنا غدر ہے، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع سے

ہی بیعت نہیں کی، ان پر غدر کا الزام عائد نہیں ہوسکتا، اگر بیعت کر کے توڑتے تو ہوتا۔

۳۴......دونوں ماجور ہوئے۔

۳۵......میں نے تو اس کا دعویٰ نہیں کیا۔

۳۶......میں تو خود ہی جھگڑا پسند نہیں کرتا: لقوله تعالیٰ ﴿و لا تنازعوا﴾ الاية (۱)۔

۳۷......میرا بھی یہی خیال ہے کہ خدا کے فضل سے مطلع آپ کا صاف ہے، اگر خدا کے فضل کا ابر سایہ فگن ہوتا تو جس کو خدا کے رسول نے "سيد شباب أهل الجنة" (۲) فرمایا ہے اس کو واجب القتل، خارجی، جاہلیت کی موت مرنے والا نہ لکھتے: ﴿كبرت كلمة تخرج من أفواههم﴾ الاية (۳)۔

۳۸......میں خلاف جمہور کیوں شمار کرتا، میں نے تو فتح الباری (۴) سے نقل کیا ہے، دیکھئے اس میں کس قدر دلیلیں اس کی مذکور ہیں۔

۳۹......میں نے ان کو نظر انداز نہیں کیا اور ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جن سے یزید پر لعنت کا استدلال کیا جاتا ہے، دونوں قسم کی روایتیں سامنے ہیں، تیسری قسم کی وہ روایات بھی سامنے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کی ممانعت اور ان کے فضائل بالخصوص حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل اور شہادت کے درجات مذکور ہیں۔

۴۰......کیا میں نے جھوٹ لکھا، کیا ان دونوں نے تعقب نہیں کیا؟ (۵)

---

(۱) (الأنفال: ۴۶)

(۲) " عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة" رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۷۰، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم ، قديمي)

(۳) (الكهف: ۵)

(۴) (فتح الباري: ۹/۱۳-۱۱، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: " هلاک أمتي على يدي أغيلمة سفهاء، دارالمعرفة، بيروت)

(۵) "وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله اهـ". (صحيح الباري: ۱۰۲/۶، كتاب الجهاد، باب ماقيل في قتال الروم، رقم الحديث: ۲۹۲۴، دارالمعرفة، بيروت)

۴۱......نہ میں نے اس کو مرتد لکھا، نہ ابن التین اور ابن المنیر نے۔ اگر آپ یہ مطلب سمجھے تو بریں فہم و دانش بباید گریست۔

۴۲......میں نے اس کا انکار نہیں کیا جو اثبات کی ضرورت ہو۔

۴۳...... مجھے اس پر اصرار نہیں کہ یہی صحیح ہے، بلکہ میں نے قول نقل کیا تھا کہ اس میں اس طرح اختلاف ہے، اس قول کو راجح نہیں کہا تھا۔

۴۴......میں نے اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں کہا، نہ ایسا کہنے کو ترجیح دی۔

۴۵...... میں نے اس کا فتویٰ نہیں دیا، صرف آپ کے غلو کو دیکھ کر نقل کیا تھا تا کہ آپ اعتدال پر آجائیں، صرف تصویر کا ایک ہی رخ سامنے نہ رکھیں۔

۴۶...... بالکل صحیح ہے، یہ ہی ہم کو بھی بلا چون وچرا تسلیم ہے۔

۴۷......ہم نے تو صاف صاف ان کا ارشاد نقل کر دیا کہ ان کا مسلک توقف اور سکوت ہے۔

۴۸......آپ کی ہر چیز لا جواب ہے۔

۴۹...... بسط وتفصیل کے ساتھ ضرور لکھتا، مگر کیا کروں آپ کی تحریر دیکھ کر توقع نہیں رہی کہ آپ حق کو قبول کریں گے، دوسرے آپ ناواقف ہوتے یا آپ کی طبیعت میں کوئی تردد ہوتا تو لکھنا مفید بھی ہوتا، جب آپ کا مذہب ہی یہ ہے تو اس کا بدلنا مشکل ہے جیسا کہ خوارج کا اپنے مذہب کو چھوڑنا مشکل ہے۔

۵۰......ضرور ایسا ہی کرتا مگر ڈر یہ ہے کہ آئندہ آپ اس سے زیادہ گالیاں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائیں گے۔

۵۱......تقریباً سو کتابیں اس مسئلہ کے متعلق مطالعہ کرنے کے بعد بھی میں تو اسی اعتقاد پر ہوں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور وہ شہید ہوئے ہیں اور یزید کے حق میں لعنت وغیرہ سے سکوت چاہئے، ہم تو ایسے لکیر کے فقیر ہیں کہ اب سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل کی باتیں اپنا عقیدہ اور راہ عمل بنائے ہوئے ہیں۔

۵۲......اللہ پاک ایسی تحقیق سے محفوظ رکھے جس میں صحابہ اور اہل بیت پر سب وشتم ہو اور حدیث کی مخالفت ہو مجھے بھی اور آپ کو بھی اور جملہ اہل اسلام کو۔

2

۵۳......دوسرا پرچہ کونسا، آپ نے تو کوئی سادہ پرچہ بھیجا نہیں؟

۵۴......میں نے کوئی الزام نہیں لگایا، امام احمد بن حنبل (۱) جو کہ بہت بڑے محدث ہیں وہ کچھ فرماتے ہیں، نیز شیخ عبدالحق (۲)، ابن جریر (۳) حافظ ابن حجر صاحب خمیس وغیرہم نے کچھ کچھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے، اتنا خیال ضرور ہے کہ ان حضرات کی دیانت کا تقاضا نہیں کہ از خود کسی پر الزام لگائیں، ان حضرات کو متدین تصور کرتے ہوئے بھی میں یزید پر لعنت نہیں کرتا، اس لئے کہ فائدہ کچھ نہیں، نہ مجھ سے قیامت میں اس کا

---

(۱) "قيل للإمام أحمد : أتكتب الحديث عن يزيد ؟ فقال: لا، و لا كرامة، أوليس هو الذى فعل بأهل الحرة مافعل ؟!و قيل له: أى في ما يقولون ، أما تحب يزيد ؟ فقال: و هل يحب يزيدَ أحدٌ يؤمن بالله واليوم الآخر؛ فقيل: فلماذا لا تلعنه؟ فقال: و متى رأيت أباك يلعن أحداً". (مجموعة الفتاوى لشيخ الإسلام ، كتاب الفقه الزيادة ، فصل في التدليل على أن مشهد الحسين ليس فيه رأسه :۲۷/۲۵۲، منكتبه العبيكان)

(۲) "و بالجملہ وی مبغوض ترین مردم است نزد ما، و کارہا کہ این بدبخت لی سعادت درین امت کردہ، ہیچکس نکردہ الخ"۔ (تکمیل الایمان، ذکر یزید، ص:۱۷۳، الرحیم اکیڈمی)

(۳) قال ابن جرير: "و بعث (عثمان بن محمد بن أبى سفيان) إلى يزيد وفداً من أهل المدينة فيهم عبد الله بن حنظلة الغسيل الأنصارى، و عبد الله بن أبى عمر و ابن حفص بن المغيرة المخزومى، والمنذر بن الزبير، و رجالاً كثيراً من أشراف أهل المدينة. فقدموا على يزيد بن معاوية فأكرمهم و أحسن إليهم و أعطى جوائزهم .... فلما قدم أولئك النفر الوفد المدينة ، قاموا فيهم فأظهروا شتم يزيد و عتبه، و قالوا: إنا قدمنا من عند رجل ليس له دين، يشرب الخمر، و يعزف بالطنابير، و يضرب عنده القيان، ويلعب بالكلاب، و يسامر الخراب والفتيان، و إنا نشهدكم إنا قد خلعناه فتابعهم الناس .... فأتى (منذر بن الزبير) أهل المدينة فكان فيمن يحرض الناس على يزيد، و كان من قوله يومئذ : إن يزيد و الله اجازني بمائة ألف درهم و إنه لا يمنعني ماصنع إلى أن أخبركم خبره و أصدقكم عنه، والله ! إنه يشرب الخمر و إنه يسكر حتى يدع الصلاة ، عابه بمثل ماعابه به أصحابه الذين كانوا معه .... قال(مغيرة): كتب يزيد إلى ابن مرجانة (عبيد الله بن زياد من خواص أمراء دولته) أن أغز ابن الزبير، فقال: لا أجمعها للفاسق أبداً الخ". (تاريخ الطبرى، سنة: ۶۳هـ، مقدم وفد أهل المدينة :۴/۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۱، مؤسسة الأعلمي بيروت)

سوال ہوگا، اس کے اعمال اس کے ساتھ، میرے اعمال میرے ساتھ۔

۵۵......اگر وہ مستحق ہیں تو کون رد کرسکتا ہے۔

۵۶......رافضی اکابر اہل اللہ پر الزامات لگاتے ہیں خود قیامت میں مزہ چکھیں گے اور ان کے رد کرنے سے بشارت رد نہیں ہوتیں۔

۵۷......ہمارا خیال تو یہ نہیں کہ جن اکابر محدثین نے یزید کے مظالم کو تحریر ونقل کیا ہے انہوں نے محض ظالم وغاصب کہنے کی نیت سے اس پر ان مظالم کا اپنی طرف سے الزام لگایا ہے۔

۵۸......آج تو الزامات نہیں لگائے جاتے، پرانے واقعات بیان کئے جاتے ہیں، تاہم جو الزام لگائے وہ یقیناً گنہ گار ہے خواہ وہ آج لگائے خواہ پہلے لگائے ہوں۔

۵۹......امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے والا کن درجات کا مستحق ہے، جیسے آپ نے لکھے ہیں، کبھی اس کے متعلق بھی غور کی نوبت آئی ہے یا نہیں؟

۶۰......جن احادیث میں نام لے کر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنتی اور شہید فرمایا گیا ہے، کیا آپ کے نزدیک وہ سب قابل رد ہیں؟

۶۱......غیر معتبر تو ہر حال میں غیر معتبر ہے خواہ وہ یزید کے متعلق ہو، خواہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہو، خواہ کسی اور کے متعلق ہو۔

۶۲......کونسا راوی جس نے یزید کے مظالم کی روایت ذکر کی یا وہ حدیثیں روایت کی ہیں جن سے یزید کا مستحق لعنت ہونا معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور راوی مراد ہے؟ جھوٹے راوی کی روایت یقیناً قابل رد ہے۔

۶۳......کونسی حدیث جھوٹی ہوسکتی ہے، کس طرف اشارہ ہے؟

۶۴......حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کیا حدیث کے علاوہ بھی کہیں پائی جاسکتی ہے، جو پیشین گوئی ہوگی وہ حدیث ضرور ہوگی، پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ حدیث جھوٹی ہوسکتی ہے، پیشین گوئی جھوٹی نہیں ہوسکتی؟

۶۵......''سمجھ کر'' کا کیا مطلب ہے کہ آپ کی ڈانٹ ڈپٹ اور ترش کلامی سے مرعوب ہوکر یا اس ڈر سے کہ آپ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی، دریدہ دہنی، بدزبانی سے کام لیں گے، آپ کی ہاں میں ہاں ملادوں؟ آپ کے پرچہ میں جگہ نہیں رہی: دوسرے۔

گفتگو آئینِ درویشی نبود ورنہ با تو ماجراہا داشتیم اھ۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، نزیل مدرسہ انواریہ شاہی مسجد کمیٹی باغ لودھیانہ۔

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا استفتاء نہیں بلکہ نامۂ عتاب پہونچا آپ کے طرز تحریر اور مناظرانہ پہلو اور اکابر کی شان میں ناشائستہ الفاظ کے استعمال کی بناء پر احقر کے اکابر کی رائے ہرگز نہیں تھی کہ جواب تحریر کیا جائے، مگر ہر شتہ چوانگشت۔ پرچہ پر اخیر میں آیت بھی آپ نے لکھی تھی ﴿واما السائل فلا تنهر﴾ محض اس کلام الٰہی کے پیش نظر جواب ارسال ہے۔

(گزارش) اگر کسی مسئلہ یا بحث کے متعلق کوئی شبہ ہو تو اس کے دریافت کرنے میں مضائقہ نہیں مگر برائے خدا بہ نیت مناظرہ ومکابرہ آئندہ کوئی خط آپ تحریر نہ فرماویں کہ یہ ہم لوگوں کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ مناظرہ کے حدود کی آج کل رعایت نہیں کی جاتی اور یہ صورت کچھ نتائج بہتر پیدا نہیں کرتی نہ دنیا میں نہ آخرت میں، جو سخت کلمات جواب میں تحریر کئے گئے ہیں ان میں کوئی وزن نہیں بہ نسبت ان کلمات کے جو کہ آپ نے حضرت امام حسینؓ کی شان میں تحریر فرمائے۔ تاہم میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، میرے سامنے ان صحیح احادیث کا ذخیرہ موجود تھا جن میں صحابہؓ پر سب وشتم کرنے والے کو لعنت کی گئی ہے اور امام حسینؓ کی فضیلت وبشارت جنت مذکور ہے، اگر آپ میری ذات خاص کو سخت سست کہیں تو اس پر اتنا رنج وصدمہ نہ ہو جتنا کہ اکابر کی شان میں سن کر ہوتا ہے۔ یہاں لدھیانہ میں ایک مدرسہ میں اس کے مدرس چلے گئے جس کی وجہ سے مدرسہ کے ویران ہونے کا اندیشہ تھا۔ یہاں کے مدرسہ والوں نے ارباب مظاہر علوم سے درخواست کی اس بناء پر کچھ مدت کے لئے احقر کو لدھیانہ بھیج دیا گیا۔ اطلاعاً تحریر ہے تاکہ اگر دوبارہ مراجعت کی نوبت آئے تو خط صحیح طریق پر پہونچ سکے۔ (فقط والسلام)

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

یزید کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہنا

سوال[۴۶۹]: کیا یزید کو امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین کہہ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امیر بمعنی حاکم ظالم بھی ہوتا ہے، عادل بھی ہوتا ہے۔ خلیفہ کا مقام بلند ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲/۳/۹۵ھ۔

یزید کو ظالم کہنا

سوال[۴۷۰]: کیا یزید کو برا کہنا شرعاً جرم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کا کوئی غلط اور خلافِ شرع کام مثلاً اہل بیت رضی اللہ عنہم پر ظلم وغیرہ صحیح روایات سے ثابت ہو تو بوقتِ ضرورت اس کو بیان کر دینا اور ظلم سے بیزاری ونفرت کا اظہار کر دینا شرعاً درست ہے، مشغلۂ مجلس نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲/۳/۹۵ھ۔

کیا یزید واجب التعظیم ہے؟

سوال[۴۷۱]: کیا یزید واجب التعظیم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غلط کام کی وجہ سے کوئی واجب التعظیم نہیں ہوتا۔ علم، عمل، اخلاق، احسان کی وجہ سے واجب التعظیم ہوتا ہے۔ اسی ضابطہ پر یزید کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲/۳/۹۵ھ۔

یزید کو ایصالِ ثواب

سوال[۴۷۲]: کیا یزید کی روح کو ایصالِ ثواب درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہر مسلمان کی روح کو ایصالِ ثواب درست ہے(۱) گنہگار زیادہ محتاج ثواب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۵ھ۔

کیا یزید جنتی ہے؟

سوال[۴۷۳]: کیا یزید بزبان رسالت جنتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یزید کا نام لے کر اس کو جنتی فرمانا کسی حدیث شریف میں آنا میرے علم میں نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوةً كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت، و ينفعه".

(مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور: ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركة علمية ملتان)

(و كذا في الدر المختار: ۲/۵۹۵، ۵۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، سعيد)

ما یتعلق بالقادیانیة

(قادیانی فرقے کا بیان)

جھوٹا مدعیٔ نبوت اور اس کی تصدیق کرنے والے کا حکم

سوال[۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ استفتاء کے کہ

کیا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس دعوی کی تصدیق کرنے والا مومن ہے یا کافر؟

نوٹ: جواب قرآنی دلائل سے دیا جائے۔

حکیم سید عبدالمجید دہلوی مالک شاہی مطب، منڈی پھدوان، شاہ پور، صوبہ پنجاب، پاکستان۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے:﴿ما کان محمد أبا أحد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین﴾ الآیة (۱) لہذا جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ شخص نص قرآنی کا منکر ہے اور قرآن شریف کی کسی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے (۲) یہی حال اس شخص کا ہے جو ایسے مدعی نبوت پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ گنگوہی معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الاولی/ ۷۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ جمادی الاولی/ ۷۱ھ۔

---

(۱) (الأحزاب: ۴۰)

(۲) "ودعوی النبوة بعد نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کفر بالإجماع". (شرح الفقه الأکبر للملاعلی القاري: ۱۶۴، قدیمی)

"ومن جحد القرآن: أی کله أو سورةً منه أو آیةً، قلت: وکذا کلمةً أوقرأةً متواترةً، أو زعم أنها لیست من کلام الله تعالیٰ کفر". (شرح الفقه الأکبر لملاعلی القاري، فصل فی القرآء ة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(۳) "إذا رأی منکراً معلوماً من الدین بالضرورة فلم ینکره و لم یکرهه و رضي به واستحسنه، کان =

کیا قادیانی وغیرہ کلمہ گو مسلمان ہیں؟

سوال[۴۷۵]: ایک شخص کہتا ہے کہ مسلمانوں میں جتنے بھی فرقے ہیں، قادیانی ہوں یا شیعہ سب کلمہ گو ہیں اور سب قبلہ والے ہیں، سب مسلمان ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عقائد، فقہ اور نصوص قطعیہ کے خلاف فرقے اسلام سے خارج ہیں، محض کلمہ گو ہونے یا نماز پڑھنے سے وہ اہل قبلہ ہو کر مسلمان نہیں ہونگے۔ کذا فی إکفار الملحدین (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

قادیانی کا حکم

سوال[۴۷۶]: ایک شخص جو پہلے سے پختہ مسلمان تھا وہ اب قادیانی ہوگیا ہے اور اپنی بہن کو زبردستی کر کے قادیانی بنالیا اور اپنی والدہ کو بھی قادیانی ہوجانے پر مجبور کر رہا ہے اور بیوی کو بھی قادیانی کرلیا ہے، صرف ایک چھوٹا بھائی قادیانی نہیں ہے، گزارش ہے کہ قادیانی کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا وہ مرتد ہوجاتا ہے اور اس کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟

اگر کوئی قادیانی ہوجانے کے بعد توبہ کرلے تو اس کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قادیانی کے ساتھ

= کافراً". (مرقاة المصابیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/ ۸۶۱، رشیدیه)

"و لا ینجو من الکفر إلا من أکفر ذلک الملحد (أی غلام أحمد القادیانی) بلا تلعثم و تردد". (مجموعه رسائل الکشمیری، ج: ۳، رساله: إکفار الملحدین، ص: ۱۰، إدارة القرآن)

(۱) "لا خلاف فی کفر المخالف في ضروریات الإسلام و إن کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی "شرح التحریر". (مجموعة رسائل الکشمیری، ج: ۳، إکفار الملحدین، ص: ۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"إذ لا خلاف فی کفر المخالف في ضروریات الإسلام من حدوث العالم و حشر الأجساد و نفی العلم بالجزئیات و إن کان أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر".

(رد المحتار، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۱، سعید)

بیع وشراء اور کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کئے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا(۱) جو شخص بھی اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرے گا اس کا بھی حکم یہی ہوگا (۲)، اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو اس کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے، بیوی نکاح سے خارج ہوجاتی ہے(۳) ایسے شخص سے سلام وکلام، بیع وشراء سب ختم کردینا لازم ہے، اس کو مسجد میں آنے سے بھی روک دیا جائے (۴)، اس سے وہ شخص بات کرے جو اس کے غلط عقائد کی تردید کرسکتا ہو، اگر وہ توبہ کرکے اسلام میں دوبارہ داخل ہوچکا ہے تو نکاح دوبارہ کیا جائے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "و قد أخبر الله تبارک و تعالیٰ فی کتابه ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی السنة المتواترة عنه أنه لا نبی بعده، لیعلموا أن کل من ادعی هذا المقام بعده، فهو کذاب و أفاک دجال ضال مضل". (تفسیر ابن کثیر (الأحزاب: ۴۰): ۳/۲۵۲، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

"ودعوی النبوة بعد نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کفر بالإجماع". (شرح الفقه الأکبر لملاعلی القاري: ۱۶۴، قدیمی)

(۲) "إذا رأی منکراً معلوماً من الدین بالضرورة، فلم ینکره و لم یکرهه و رضي به واستحسنه، کان کافراً". (مرقاة المصابیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۱، رشیدیه)

(۳) "وارتداد أحدهما) أی الزوجین فسخ(عاجل) بلا قضاء". (الدر المختار، باب نکاح الکافر: ۳/۱۹۳، سعید)

"وإذا ارتد أحد الزوجین عن الإسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق". (الهدایة، کتاب النکاح، باب نکاح أهل الشرک: ۲/۳۴۸، مکتبه شرکة علمیة)

"ارتد أحد الزوجین عن الإسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب العاشر فی نکاح الکفار: ۱/۳۳۹، رشیدیه)

(۴) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات ما لم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع ..... الخ: ۸/۷۵۹، رشیدیه)

(۵) "ماکان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق =

قادیانی ہوجانے کا حکم

سوال[۴۷۷]: میری لڑکی شادی شدہ ہے، حاملہ ہے مگر بدقسمتی سے میرے داماد اور اس کے سب گھر والے قادیانی ہوگئے ہیں تو اب شرعاً لڑکی کا نکاح باقی ہے یا فسخ ہوگیا، اب ہماری لڑکی کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مرزا غلام احمد قادیانی پر علمائے اسلام کی طرف سے کفر کا فتوی ہے، اس لئے کہ اس کے عقائد قرآن و حدیث کے خلاف تھے، وہ ختم نبوت کا منکر تھا، اس لئے انبیاء علیہم السلام کی شان میں سخت قسم کی گستاخیاں کی ہیں، وہ اپنے لئے نبوت کا مدعی تھا(۱)، اس کے عقائد کو تفصیل سے لکھ کر اس پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے کہ ایسا شخص مرتد اور اسلام سے خارج ہے، جو شخص اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کو اپنا مقتدیٰ تسلیم کرتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے(۲)۔ قادیانی مذہب اختیار کرتے ہی نکاح فسخ ہوگیا، ہرگز ہرگز اس کے یہاں اپنی لڑکی کو نہ بھیجیں، تین حیض گزرنے پر اس کی شادی دوسری جگہ کردیں(۳)۔

"ارتداد أحدهما فسخ في الحال" (كنز)(٤)۔

= الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۱) "و قال القاضي عضد الدين في المواقف: و لا يكفر أحد من أهل القبلة إلا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم أو شرك أو إنكار للنبوة، أو ماعلم مجيئه بالضرورة، أو المجمع عليه كاستحلال المحرمات". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۱۶۲، قديمي)

"ودعوى النبوة بعد نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر لملاعلي القاري، ص: ۱۶۴، قديمي)

(۲) "إذا رأى منكراً معلوماً من الدين بالضرورة، فلم ينكره و لم يكرهه و رضي به واستحسنه، كان كافراً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۱، رشيديه)

(۳) تین حیض عدت اس وقت ہوگی جب وہ حاملہ نہ ہو، اگر حاملہ ہوگی تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿و أولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (سورة الطلاق: ۴)

(۴) (كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ص: ۱۱۱، رشيديه)............................... =

"قال فی الجامع الصغیر: و تعتد بثلاث حیض"۔ ۲۱۵/۳"(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۸ھ۔

قادیانی جماعت کے متعلق تفصیلی احکام

سوال[۴۷۸]: ۱...... قادیانی مذہب کی لاہوری، محمودی دونوں جماعتیں کافر ہیں یا کوئی ایک؟

۲......مرزا صاحب کی جماعت کیوں کافر ہوئی حالانکہ وہ ایمان مفصل کی تمام باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں؟

۳......قادیانی کو لڑکی دینا لینا، ان کو اپنی قوم میں داخل وشامل رکھنا، ان کی غمی وشادی میں خود شریک ہونا یا اپنی شادی وغیرہ میں ان کو برادری کی طرف سے شرکت کی دعوت دینا، ان کے اموات اپنے قبرستان میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴......ایک مسلمان کا اگر قادیانی سے کچھ نسبتی رشتہ ہو تو اس کو برقرار رکھنا اور رشتہ داری کے حقوق اپنے اوپر عائد جان کر ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۵......قادیانی سے اپنے تمام نسبتی تعلقات اور برادری وقومیت کے علاقے منقطع کرنا جب تک کہ وہ تائب نہ ہو، ازروئے شرع شریف ہر مسلمان کو ضروری ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر ہو۔ محمد ولی اللہ غفرلہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اتنا تو آپ بھی جانتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر اہل حق متدین علماء نے کی ہے، یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ فی الحال قادیانیوں کی دو پارٹیاں ہیں، ایک مرزا غلام احمد کو نبی اعتقاد کرتی ہے، دوسری مجدد اور بہت بڑے درجہ کا ولی مانتی ہے۔

یہ بھی آپ پر شاید مخفی نہیں کہ اسباب تکفیر کیا ہیں: جگہ جگہ نبوت کا دعوی (۲) اپنے اوپر وحی کا

= (الدر المختار، باب نکاح الکافر: ۱۹۳/۳، سعید)

(والفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب العاشر فی نکاح الکفار: ۳۳۹/۱، رشیدیه)

(۱)"قال فی جامع الفصولین: و تعتد بثلاث حیض". (البحر الرائق کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳۷۵/۳، رشیدیه)

(۲) "و قد أخبر الله تبارک و تعالیٰ في کتابه، و رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی السنة المتواترة=

نزول (۱) کتب سابقہ سماویہ میں اپنی نبوت کی بشارت، حضرت نوح علیہ السلام کے معجزات پر اپنے معجزات کی زیادتی اور فوقیت، انبیاء سابقین علیہم السلام کی توہین وتحقیر، حضرت عیسی علیہ السلام کی تکذیب وسب وشتم اور آپ کے خاندان پر زنا کا افتراء (۲)، اللہ پاک سے ہمبستری وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اعجاز احمدی ''ازالۃ الاوہام، حقیقۃ الوحی، ضمیمہ انجام آتھم، دافع البلاء، حاشیہ کشتی نوح'' وغیرہ کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ اگر ان اشیاء میں سے کوئی شی فی الحال آپ کے علم میں نہ ہو تو کتب بالا کے مطالعہ سے استحضار ہوسکتا ہے۔

آپ کے استفتاء سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر منشاء شبہ دو چیزیں ہیں: اول یہ کہ ایمان مفصل کا قائل ہوکر آدمی کیسے کافر ہوسکتا ہے؟ دوم یہ کہ جو پارٹی مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتی وہ کس بنا پر کافر ہے؟ سوامر اول کے متعلق عبارات ذیل ملاحظہ فرمایئے:

۱- "من أنكر شيئاً من شرائع الإسلام، فقد أبطل قول "لا إله إلا الله"۔ السير الكبير: ٣٦٥/٤ (٣)۔

٢- "إذا لم يعرف الرجل أن محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آخر الأنبياء عليهم و على نبينا السلام، فليس بمسلم كذا في اليتيمية اهـ. قال أبو حفص الكبير: كل من أراد بقلبه بغض نبي كفر، و كذا لو قال: أنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أو قال بالفارسية، **من پيغام برم**" يريد: "**من پيغام مى برم**" يكفر، و لو أنه حين قال هذه المقالة، طلب غيره منه

= عنه أنه لا نبي بعده ، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب و أفاك دجال ضال مضل". (تفسير ابن كثير (الاحزاب : ۴٠) ۳/۲۵۲، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

(۱) "قال الطيبي : أغلق باب الوحي و قطع طريق الرسالة وسد". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل ، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه : ١٠/١٣، رشيديه)

(۲) "و لو عاب نبياً كفر". (الفتاوىٰ البزازية ، أحكام المرتدين ، الثالث في الأنبياء : ٦/٣٢٧، رشيديه)

"أجمع العلماء على أن شاتم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمنتقص له كافر". (مجموعة رسائل ابن عابدين، تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام : ١/٣١٦، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٣) (شرح كتاب السير الكبير، بدون لفظ "قول" : ٥/٣٦٨، باب ٢١٣، مايكون الرجل به مسلماً يدرأ عنه القتل و السبي، عباس احمد الباز)

المعجزة قيل: يكفر الطالب، والمتأخرون من المشايخ قالوا: إن كان غرض الطالب تعجيزه وافتضاحه لايكفر"۔ فتاوی عالمگیری، ج:۲(۱)۔

۳- "و في البزازية: يجب الإيمان بالأنبياء بعد معرفة معنى النبي وهو المخبر عن الله تعالى بأوامره و نواهيه وتصديقه بكل ما أخبر عن الله تعالىٰ، و أما الإيمان بسيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيجب بأنه رسولنا في الحال و خاتم الأنبياء والرسل، فإذا امن بأنه رسول و لم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لا يكون مؤمناً. و في فصول العمادي: من لم يقر ببعض الأنبياء بشيء أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر"۔ مجمع الأنهر: ۱/۶۹۹(۲)۔

۴- "و لو عاب نبياً كفر"۔ أوجز: ۳/۳۲۷(۳)۔

۵- "دعوى النبوة بعد نبيناصلى الله تعالى عليه وسلم كفر بالإجماع"۔شرح فقه اكبر، ص:۲۰۲(۴)۔"ثم لانزاع في أن من المعاصي ما جعله الشارع أمارة التكذيب، و علم كونه كذلك بالأدلة الشرعية كالسجود للصنم و إلقاء المصحف في القاذورات والتلفظ بكلمة الكفر و نحو ذلك مما ثبت بالأدلة أنه كفر، و بهذا يندفع ما يقال: إن الإيمان إذا كان عبارةً عن التصديق والإقرار فينبغي أن لا يصير المقر باللسان المصدق بالجنان كافر بشي من أفعال الكفر و ألفاظه مالم يتحقق منه التكذيب أو الشك اهـ". شرح فقه أكبر، ص: ۹۳"(۵)۔

دیکھئے اس میں کتنی صورتیں ہیں کہ باوجود ایمان مفصل کی تمام باتوں پر ظاہراً اعتقاد رکھتے ہوئے فقہاء نے اجماعاً تکفیر فرمائی ہے۔ اگر محض آمنت باللہ الخ کا اعتراف زبان سے کافی ہوتا اور یہ کفر کے منافی ہوتو فقہاء قاطبۃً کیوں تکفیر فرماتے ہیں۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين : ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر ، باب المرتد ، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع : ۱/ ۶۹۱، دار احياء التراث العربي)

(۳)"ولو عاب نبياً كفر". (الفتاوىٰ البزازية: ۶/۳۲۷، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً أو خطأً، مايتعلق بالانبياء، رشيديه)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، ص:۱۶۴، قديمی)

(۵) (شرح الفقه الأكبر، ص:۷۷، قديمی)

اگر دعوی نبوت منافی ایمان نہیں تو مسیلمہ کذاب کی تکفیر بھی بے محل ہوگی اور پھر اس کا قتل جو اکابر صحابہ کے ارشاد سے قرون اولیٰ میں ہوا ہے محتاج تأمل ہوگا حالانکہ وہ اجماعی ہے، اس نے چند آیات بنائی تھیں، مرزا غلام احمد نے بھی قصیدہ اعجازیہ پیش کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی اور بغیر باپ کے پیدا ہونا قطعی اور اجماعی ہے، مرزا غلام احمد نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر ہر دو کا انکار کیا ہے۔ ملائکہ کے متعلق بھی مرزا غلام احمد کی بہت سی تحریرات میں خلافِ تصریحاتِ اسلام خرافات موجود ہیں۔ اگر چہ بعض شرائع کو تسلیم بھی کیا ہے اور بعض کا انکار کیا ہے یہ بالکل وہی شان ہے:

﴿ يقولون نؤمن ببعض و نكفر ببعض، و يريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلاً، أولئك هم الكافرون حقاً، واعتدنا للكافرين عذاباً مهيناً﴾ الاية(۱)۔

جو شخص ملائکہ اور رسل کو سب وشتم کرے اور ان سے عداوت رکھے اس کے متعلق کلام پاک میں ارشاد ہے:﴿من كان عدواً لله و ملائكته و رسله و جبريل و ميكئل، فإن الله عدو للكفرين ﴾ الآية(۲)۔

امید ہے کہ اب دل میں کوئی شبہ نہیں رہا ہوگا، اگر اب بھی کوئی شبہ ہو تو ''شرح شفاء''(۳)،

---

(۱)(النساء : ۱۵۰)

(۲)(البقرة : ۹۸)

(۳) (وحكم من سبّ سائر أنبياء الله تعالىٰ وملائكة): أى جميعهم (واستخف بهم أو كذبهم فيما أتوا به) من وحيهم وفعلهم (أو أنكرهم): أى وجودهم (وجحدهم): أى نزولهم ...... (حكم نبيّنا صلى الله عليه وسلم على مساق ماقد مناه): أى نهجه وسبيله في وجوب قتله كفراً إن لم يتب، وحدّاً إن تاب ...... (وقال أبو حنيفة وأصحابه المعتمد عندهم وجمهور أهل العلم (من كذب بأحد من الأنبياء أو تنقص أحداً منهم أو برى منه): أى تبرأ من أحد منهم (فهو مرتد) يقتل، إن لم يتب ...... (وهذا كله فمن تكلم فيهم): أى فى الأنبياء والملائكة (بما قلناه على جملة الملائكة والنبيين): أى عموماً أو إجمالاً بأن شتم نبيًا أو ملكاً غير معيّن (أو على معين ممن حققنا كونه من الملائكة و النبيين ممن نصّ الله تعالىٰ عليه فى كتابه الخ". (شرح الشفاء للقاضى عياض، شرحه الملا على القارى: ۲/ ۵۴۱، ۵۴۲، الباب الثالث، القسم الرابع، فصل و حكم من سب سائر أنبياء الله تعالىٰ وملائكته الخ، دارلكتب العلمية)

خفاجی (۱)، الصارم المسلول (۲)، ردالمحتار (۳) شرح مقاصد (۴) کو تفصیل سے دیکھئے کہ کن اشیاء سے ارتداد کا حکم ہوجاتا ہے۔ اور خصوصیت سے مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق "إکفار الملحدین" (۵) اور "فیصلہ مقدمہ بہاولپور" (۶) میں کافی تفصیل موجود ہے۔ جو جماعت مرزا کی ہم عقیدہ ہے اور اس کو نبی مانتی ہے اس کا حکم عبارات مذکورہ سے ظاہر ہوگیا۔

---

(۱) ﴿من كان عدواً لله، وملائكته ورسله وجبريل وميكل فإن الله عدو للكفرين﴾ (البقرة: ۹۸) أراد بعد اوة الله مخالفة عناداً أو معاداة المقربين من عباده ...... وضع الظاهر موضع المضمر للدلالة على أنه تعالىٰ عاداهم لكفرهم وأن عداوة الملائكة والرسل كفر". (حاشية الشهاب، المسماة بعناية الخفاجي وكفاية الراضي، للقاضي شهاب الدين بن احمد الخفاجي: ۳۴۳/۲، (سورة البقرة: ۹۹)، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "أجمعت الأمة على قتل متنقصه (أى متنقص النبى) من المسلمين وسابه وكذا لك حكى عن غير واحد الإجماع على قتله وتكفيره .... أجمع المسلمون على أن من سب الله أو سب رسوله صلى الله عليه وسلم أو دفع شيئاً مما أنزل الله عزوجل أو قتل نبياً ..... أنه كافر بذلك .... وقال محمد بن سحنون: أجمع العلماء على أن شاتم النبى صلى الله عليه وسلم والمتنقّص له كافر.......... أنه من شتم النبى صلى الله عليه وسلم فهو مرتد عن الإسلام.........وأما الآيات الدالات على كفر الشاتم وقتله .... منها قوله تعالىٰ: ﴿ومنهم الذين يؤذون النبى﴾ الاية الخ". (الصارم المسلول على شاتم الرسول من مجموعة رسائل عابدين، ص: ۱، إلى آخره، المسئلة الأولى، دارالكتب العربى، بيروت)

(۳) (ردالمحتار: ۲۲۲/۴، باب المرتد، كتاب الجهاد، سعيد)

(۴) "فإن قيل: من استخف بالشرع أو الشارع أو ألقى المصحف فى القاذ ورات أو شد الزنار بالإختيار كافرٌإجماعاً .... قلنا .... يجوز أن يجعل الشارع بعض محظورات الشرع علامة التكذيب فيحكم بكفر من ارتكبه وبوجود التكذيب فيه وانتفاء التصديق عنه كالا ستخفاف بالشرع وشد الزنار". (شرح المقاصد: ۴۵۸/۳، المقصد السادس، فصل في الأسماء والأحكام، المبحث السادس فى تعريف الكفر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۵) (رسائل الكشميرى، ج:۳، رساله إكفار الملحدين، ص: ۱۰، ۱۱، إدارة القرآن)

(۶) (ملفوظات انور شاه كشميرى، مقدمة بهاولپور، ص: ۴۸-۵۱، إداره تاليفات اشرفيه)

امر دوم : جس شخص کی تکفیر کے متعلق نصوص بالا ناطق ہوں اس کو مجدد، ولی اعتقاد کرنا بھی کفر ہے۔ خود خیال کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جس کے عدو ہوں اس سے محبت اور اعتقاد صراحۃً اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے یا نہیں، مرزا غلام احمد کی حیثیت صرف کافر اصلی کی نہیں بلکہ مرتد کی تھی اور ارتداد بھی وہ جو کہ زندیق میں ہوتا ہے، آج بھی جو شخص مرزا کے عقائد کو اختیار کرے گا اس پر بھی شریعت مرتد کا حکم لگائے گی، زندیق اور مرتد کے احکام ردالمحتار، ص: ٤٥٧ (١) میں دیکھئے۔ اجمالی طور پر آپ کے جملہ سوالات کا جواب ظاہر ہو گیا۔ تاہم تفصیل سے نمبروار سنئے۔

۱..... ہر دو کا حکم ایک ہے۔

۲..... قطعیات اور اجماعیات کے انکار کی وجہ سے۔

۳..... یہ جملہ امور شرعاً ناجائز ہیں: "و لا الوثنيات و هو بالإجماع والنص، و يدخل فی عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التی استحسنوا، والمعطلة، والزنادقة، والباطنية، والإباحية. و فی شرح الوجيز: و كل مذهب يكفر به معتقده اهـ" فتح القدير: ٣٧٣/٢ (٢)۔

"و لا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدةً و لا مسلمةً و لا كافرةً أصليةً، و كذلك لا يجوز نكاح المرتدة مع أحد، كذا فی المبسوط اهـ" هنديه، ص: ٢٨٢ (٣)۔

" موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار، أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها يميز بينهم، و إن لم تكن علامة إن كانت الغلبة للمشركين فإنه لا يصلى على الكل، و لكن يغسلون و يكفنون و يدفنون فی مقابر المشركين اهـ" عالمگیری: ١٠٩/١، مختصراً (٤)۔

---

(١) (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۱/۴، سعيد)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل فی بيان المحرمات: ۲۳۱/۳، مصطفى البابی الحلبی مصر)
(و كذا فی رد المحتار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات: ۴۵/۳، سعيد)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث فی بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۲، رشيديه)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱۵۹/۱، رشيديه)

"أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب اهـ" در مختار، ص: ۹۳(۱)۔

۴...... مرتد کا رشتہ تو باقی رہتا ہے مگر حقوق رشتہ داری منقطع ہو جاتے ہیں حتی کہ اگر کسی کا کوئی رشتہ دار نعوذ باللہ قادیانی ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا:

"و لا نفقة مع الاختلاف ديناً إلا للزوجة والأصول والفروع الذميين اهـ" تنوير۔

"قوله: مع الاختلاف ديناً :أى كالكفر والإسلام فلا يجب على أحدهما الإنفاق على الاخر، و فيه إشعار بأن نفقة السنى على الموسر الشيعى كما أشير إليه فى التكميل قهستانى، والمراد الشيعى المفضل، بخلاف الساب القاذف فإنه مرتد يقتل إن ثبت عليه ذلك، فإن لم يقتل تساهلاً فى إقامة الحدود فالظاهر عدم الوجوب؛ لأن مدار نفقة الرحم المحرم على أهلية الإرث و لا توارث بين مسلم و مرتد، نعم لو كان يجحد ذلك و لا بيّنة يعامل بالظاهر وإن اشتهر حاله بخلافه، والله اعلم"۔ رد المحتار: ۱۵۷/۲(۲)۔

۵...... اگر تعلقات باقی رکھنے سے ان کی اصلاح اور ہدایت کی توقع ہو تو تعلقات کو برقرار رکھنا مناسب ہے اور ایسی حالت میں نرمی وتلطف سے ان کے عقائد کی خرابی کو آہستہ آہستہ ان پر ظاہر کرتے رہنا چاہئے، اگر تعلقات رکھنے سے اپنے اوپر خراب اثر پڑنے کا اندیشہ ہو یا ان کی اصلاح کی توقع نہ ہو یا دوسرے لوگوں کی بدگمانی کا خطرہ ہو یا ترک تعلق سے ان کی توبہ اور اصلاح کی توقع ہو تو تعلق منقطع کر دیا جائے، یہ چیز ایسی ہے کہ ہر شخص کے لئے یکساں نہیں بلکہ ماحول کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔ جس صورت میں اخروی نفع کی توقع ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے اور دنیاوی نفع کو اخروی نفع پر ترجیح دینا درست نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمن سے قلبی محبت رکھنا حرام ہے:

قال الله تبارك و تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم أولياء تلقون

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲۳۰/۲، سعيد)

"وأما المرتد فلا يغسل و لا يكفن، و إنما يلقى في حفرة كالكلب". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۴/۲، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب النفقة: ۶۳۱/۳، سعيد)

2 إليهم بالمودة﴾ الآية۔

"روی أنها فی حاطب بن أبی بلتعة رضی الله تعالیٰ عنه حین کتب إلی کفار قریش ينصح لهم، فاطلع الله نبيه علی ذلك فدعاه النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فقال: "أنت کتبت هذا الکتاب"؟ قال: نعم، قال: "وما حملك علی ذلك"؟ قال: أما والله! ماارتبت فی الله منذ أسلمت، ولکنی کنت امرأ غريباً فی قريش، وکان لی بمکة مال وبنون، فأردت أن أدافع بذلك عنهم، فقال عمر رضی الله تعالیٰ عنه: ائذن لی يا رسول الله! فأضرب عنقه، فقال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "مهلاً يا ابن الخطاب! إنه قد شهد بدراً، وما يدريك لعل الله قد اطلع علی أهل بدر فقال: ﴿اعملوا ما شئتم﴾ فإنی غافر لکم الخ". أحکام القرآن للجصاص: ۵۳۳/۳، (۱)۔

"وفيه دليل علی أن الکبيرة لا تسلب إسم الإيمان الخ". تفسير مدارك التنزيل: ۱۸۶/۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶۱/۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/صفر/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم

قادیانی اوراس کی کتابیں

سوال[۴۷۹]: میں تبلیغی جماعت کا ایک خادم ہوں، ایک سفر میں میری ملاقات ایک قادیانی سے ہوگئی، میں نے اس سے دریافت کیا کہ علمائے دیوبند تم لوگوں کو کافر کہتے ہیں، اس نے کہا کہ ان لوگوں نے ہماری کتابوں کا مطلب غلط سمجھا، حالانکہ ان حضرات کو ہم سے مطلب معلوم کرنا چاہئے تھا اور کافر نہیں کہنا چاہئے تھا۔ میں نے کہا کہ ان کتابوں کے نام کیا ہیں؟ انہوں نے ان کتابوں کے نام بتائے "ایک غلطی کا ازالہ، انجام آتھم، حقیقت وحی، ازالۃ الاوہام"۔ سوال یہ ہے کہ یہ کتابیں کیسی ہیں اوراس پر عمل کرنا کیسا ہے، اس شخص کا کہنا درست ہے یا غلط؟ فقط۔

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص (الممتحنة: ۱): ۴۵۱/۳، قديمی)

(۲) تفسير المدارك (الممتحنة: ۱): ۶۷۲/۲، قديمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوائے نبوت کیا اور ختم نبوت کا انکار کیا ہے، حالانکہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ مسئلہ قرآن پاک اور احادیثِ مشہورہ اور اجماع سے ثابت ہے (۱)، اس دعویٰ کی وجہ سے مرزا کافر ہے اور جو شخص اس کے اس دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ بھی اس کے حکم میں ہے (۲)۔

مرزا کی زندگی میں اس سے مناظرہ کیا گیا اور اس کے ہر غلط دعویٰ کی تردید قرآن پاک اور احادیث کے ذریعہ سے کی گئی اور اس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا، وہ خود اپنی عبارات اور کتابوں کا کوئی صحیح مطلب نہیں بیان کر سکا تو آج اس کے ماننے والے کس شمار میں ہیں، اگر وہ کوئی ایسا مطلب بیان بھی کریں جس کے خلاف صراحۃً مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے تو وہ خود انکا مطلب ہے مرزا کا مطلب نہیں ہوگا۔ اس کی تردید کے لئے "هدية المفترى، إكفار الملحدين، دفع الأوهام، عقيدة الإسلام فى حيوٰة عيسىٰ عليه السلام، ختم نبوة، عشرهٔ كامله" وغیرہ بہت سی کتابیں تصنیف ہو کر عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہیں، جن میں ان کی کفریات ایک دو نہیں بلکہ بڑی مقدار میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں، اس لئے اس کی کتابوں کا مطالعہ عوام ہرگز نہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"عن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أنا قائد المرسلين و لا فخر، و أنا خاتم النبيين و لا فخر .... الخ". (مشكوة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله و سلامه عليه: ۵۱۴/۲، قديمى)

"و أن محمداً عبده المصطفى، و نبيه المجتبى، و رسوله المرتضى، خاتم الأنبياء و إمام الأتقياء". (العقيدة الطحاوية: ۶، قديمى)

"و لا ينجو من الكفر إلا من أكفر ذلک الملحد (أى غلام أحمد القاديانى) بلا تلعثم و تردد". (مجموعه رسائل الكشميرى، إكفار الملحدين: ۱۰، إدارة القرآن)

(۲) "إذا رأى منكراً معلوماً من الدين بالضرورة، فلم ينكره و لم يكرهه، و رضي به و استحسنه، كان كافراً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸۶۱/۸، رشيديه)

کریں۔ اہل علم حضرات تردید کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس کی اور کفریات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے ایک شعر کہا ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ یوسف کے ساتھ سترہ سال کی عمر تک نجاری (بڑھئی) کا کام سیکھا اور خود ان کی قبر کشمیر میں ہے اور ان کی تین دادیاں اور تین نانیاں زانیہ تھیں حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے (۱) اور زندہ آسمان پر اٹھائے گئے (۲) اور ان کی والدہ اور ان کی نانی کا تذکرہ قرآن شریف میں احترام کے ساتھ کیا گیا (۳) اور فرمایا گیا ہے ﴿وأمه صديقة﴾ (٤) غرض مرزا غلام احمد قادیانی نے کفریات لکھنے میں کچھ کمی نہیں کی اس لئے وہ تمام علماء کے نزدیک کافر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح، بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۷ھ۔

قادیانیوں سے تعلق

سوال [۴۸۰]: بدقسمتی سے ہمارے قصبہ کے دو تین شخص مرتد ہو کر مرزائی فرقہ ضالہ میں شریک ہو گئے اور ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح ہمارے قصبہ میں بھی ابتداء اس فرقہ کے استیصال کی طرف توجہ نہ کی گئی اور مرتدین کے ساتھ خلط ملط اور اکل وشرب وغیرہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا، تقریباً دس سال ہوئے مولانا مولوی محمد ایوب صاحب بیگ فاضل دیوبند نے اہل قصبہ کو اس فرقہ کے دجل سے آگاہ کرتے ہوئے اہل قصبہ کو ان سے انقطاع تعلقات کی تلقین فرمائی، بحمد للہ تعالیٰ اس مردِ حق کی پند ونصیحت کا اچھا اثر ہوا اور اہل قصبہ نے مرتدین سے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قالت أنّى يكون لي غلام، ولم يمسسني بشر، و لم أك بغياً، قال كذلك قال ربك هو علي هين﴾ (مريم: ۲۰، ۲۱)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما قتلوه يقينا بل رفعه الله﴾ (النسآء: ۱۵۷، ۱۵۸)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أخت هٰرون ما كان أبوك امرأ سوء وما كانت أمك بغياً﴾ (مريم: ۲۸)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وأمه صديقة﴾ (المائدة: ۷۵)

یہاں تک مقاطعہ کیا کہ قصبہ میں ان کے لئے رہنا دشوار ہوگیا اور کچھ عرصہ کے لئے قصبہ چھوڑ کر مرتدین کے چلے جانے سے قصبہ پاک ہوگیا، عوام ان کے دامِ تزویر سے بچ گئے اور آج تک قصبہ میں مرتدین کو کسی نے رشتہ وغیرہ نہیں دیا۔

اب کچھ عرصہ سے مرتدین کے رشتہ دار اور دیگر ضعیف الایمان لوگ چھپ چھپ کر مرتدین سے ملتے ہیں اور سوائے تعلقات مناکحت کے جو آشکارا کئے بغیر نہیں ہوسکتے، دیگر ہر قسم کے تعلقات رکھتے ہیں، بظاہر مقاطعہ کئے ہوئے ہیں، چند خدام دین جو یہ چاہتے ہیں کہ یہ دجل وضلالت کا پودا اس قصبہ میں نشوونما نہ پائے بلکہ ہر ممکن کوشش سے قصبہ کو اس فتنہ سے پاک کیا جائے، عوام کو مرتدین سے مقاطعہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ جو لوگ مرتدین سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں ان سے بھی مقاطعہ کرنے کو کہتے ہیں۔ براہ نوازش اپنا قیمتی وقت اس کارِ خیر میں صرف فرما کر تمام مضمون کو بغور ملاحظہ فرماویں اور مندرجہ ذیل مسائل کا مفصل جواب حوالہ جات کے ساتھ فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

۱...... وہ لوگ جو مرتدین سے تعلقات اکل وشرب اور ہر قسم کے تعلقات رکھتے ہیں آیا وہ بھی مرتد ہوجاتے ہیں یا صرف گنہگار؟ اگر گنہگار ہوتے ہیں تو کس درجہ میں؟ آیا عام فاسق وفاجر یا بے نمازیوں اور ان لوگوں میں کچھ فرق ہے یا سب یکساں گنہگار ہیں؟ ایسے لوگوں سے جو مرتدین سے میل جول اور اکل وشرب وغیرہ تعلقات رکھتے ہیں، قصبہ کے عام مسلمان میل ملاپ رکھیں یا اس غرض سے تعلقات منقطع کردیں کہ وہ مرتدین سے میل جول چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں؟

۲...... وہ لوگ جو مرتدین سے تعلقات اکل وشرب ومناکحت وغیرہ تو نہیں رکھتے، لیکن نشست وبرخاست گفت وشنید اور خلط ملط رکھتے ہیں وہ کس درجہ میں گنہگار ہیں، عام گنہگاروں اور ان میں کیا فرق ہے اور ان کے ساتھ قصبہ کے دیگر مسلمان تعلق رکھیں یا نہیں؟

۳...... ایک شخص جس کا داماد مرزائی ہے، برادری کے انقطاع تعلقات کی وجہ سے متعدد بار توبہ کرچکا ہے اور قسم کھاچکا ہے کہ میں اپنی بیٹی اور داماد سے آئندہ کوئی تعلق نہ رکھوں گا، لیکن ہر توبہ کے بعد یہ ہوتا ہے کہ داماد اور بیٹی کے پاس آتا جاتا ہے اور ان سے ہر قسم کے تعلقات رکھتا ہے، ایسے شخص کی توبہ پر کب تک اعتماد کیا جائے؟

۴......ایک لڑکی جس کا خاوند مرتد ہوگیا وہ برادری کے شور وغوغا کی وجہ سے اپنے والد اور تایا سے کہتی ہے کہ اگر میرے نان ونفقہ کا انتظام کردو تو میں اپنے خاوند کو جو مرتد ہونے کی وجہ سے خاوند بھی شرعاً نہیں رہا چھوڑ دوں گی لیکن اس کا باپ اور تایا باوجود قدرت رکھنے کے اس کے نان ونفقہ کی کفالت سے انکار کرتے ہیں، یہ دونوں کس درجہ کے گنہگار ہیں اور ان سے قصبہ کے عام مسلمان تعلقات رکھیں یا منقطع کردیں اور اگر رکھیں تو کس قسم کے تعلقات رکھ سکتے ہیں؟　　احقر یار محمد عفی عنہ۔

برائے نوازش بغور مطالعہ فرمانے کے بعد تمام سوالات کا مفصل جواب علیحدہ علیحدہ تحریر فرمادیں، قرآن وحدیث کا حوالہ حتی الامکان دیا جائے۔　　مسلم جنرل ٹریڈنگ کمپنی پوسٹ نمبرا کراچی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾ الآية. والركون إلى الشيء هو السكون إليه بالأنس والمحبة، فاقتضى ذلك النهي عن مجالسة الظالمين و مؤانستهم والإنصات إليهم و هو مثل قوله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ اهـ". أحكام القرآن: ۳/۲۰۵(۱) ۔

وقال تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً و لعباً﴾ (۲).

وقال تعالىٰ: ﴿فأعرض عمن تولى عن ذكرنا و لم يرد إلا الحيوة الدنيا، ذلك مبلغهم من العلم، إن ربك هو أعلم بمن ضل عن سبيله و هو أعلم بمن اهتدى﴾(۳) ۔

مرزائی لوگ بفتویٰ علمائے حق کافر و مرتد ہیں، ان کے ساتھ رشتۂ مناکحت قطعاً ناجائز ہے(۴) اور ایسا

---

(۱)(احکام القرآن للجصاص، (هود: ۱۱۳): ۳/۲۴۳، قدیمی)

(۲) (المائدة: ۵۷)

(۳)(النجم: ۲۹، ۳۰)

(۴) "(ولا) يصلح (أن ينكح مرتد أو مرتدة أحداً) من الناس مطلقاً". (الدر المختار، باب نكاح الكافر: ۳/۲۰۰، سعيد)

"و لا ينكح مرتد أو مرتدة أحداً". (كنز الدقائق، باب نكاح الكافر، ص: ۱۱۰، رشيديه)

(و كذا في الاختيار، كتاب النكاح: ۳/۱۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت)

نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ وہ زنا کے حکم میں ہے، جتنے لوگ ایسے نکاح میں شریک ہوں یا باوجود قدرت کے ایسے نکاح کو نہ روکیں وہ سب حسبِ حیثیت گنہگار ہوں گے(۱)۔

مرتد کے ساتھ اکل وشرب ومجالست وغیرہ بھی ناجائز ہے قلبی محبت بھی قطعاً ممنوع ہے (۲) جو مسلم عورت کسی مرزائی کے نکاح میں ہے تمام اہل قدرت پر حسب قدرت اس کو چھڑانا واجب ہے خاص کر جب کہ وہ خود بھی اس سے علیحدہ ہونے کی خواہشمند ہو، جو شخص جس قدر صاحبِ اختیار ہے اور اس کے چھڑانے میں کوتاہی کرے اسی قدر وہ گنہگار ہے۔ اگر کوئی مرتد صدق دل سے توبہ کرے اور تجدید ایمان کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی (۳) اگر ترک تعلقات کے ذریعہ سے اس کی توقع ہے کہ کوئی مسلمان کسی مرزائی سے تعلق نہیں رکھے گا تو ضرور ایسے شخص سے ترک تعلق کر دیا جائے۔ اگر یہ خیال ہے کہ نرمی سے سمجھانے اور اخلاق کے ساتھ پیش آنے پر اپنی حرکت سے باز آ جائے گا اور ترک تعلق سے اس کی ضد اور زیادہ ہو گی تو اس سے نرمی کا معاملہ کیا جائے۔

الغرض مرتد خدا کے دشمن ہیں ان سے جس قدر کوئی محبت کا تعلق رکھے گا اسی قدر وہ خدا کی رحمت سے دور ہو گا۔ "المرء مع من أحب"(٤) کے ماتحت اسی جماعت میں اس کا حشر ہو گا، اور دنیا وآخرت میں خدا کے دشمنوں کا شریک ورفیق سمجھا جائے گا اور یہ گناہ ان گناہوں سے بڑھ کر ہے جن کا تعلق محض اپنے نفس سے ہے کیونکہ ایسا شخص خدائی باغیوں کا ہم پلہ ہے والعیاذ باللہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۸/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي ثم يقدرون على أن يغيروا، ثم لا يغيرون إلا يوشك أن يعمهم الله بعقاب". (مشكوة المصابيح، باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۶، ۴۳۷، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوآدون من حاد الله و رسوله﴾. (المجادلة: ۲۲)

(۳) "و كل مسلم ارتد فتوبته مقبولة". (الدرالمختار، باب المرتد: ۴/۲۳۱، سعيد)

(۴) (فيض القدير: ۱۲/۶۱۱۳، ۶۱۱۴، رقم الحديث: ۹۱۹۰، ۹۱۹۱، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۴۲۶، باب الحب في الله، الفصل الأول، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲/۶۴، أبواب الزهد، باب المرء مع من أحب، سعيد)

قادیانی کا مسجد میں نماز کے لئے آنا

سوال [۴۸۱]: قادیانی مذہب کے اشخاص بروقت ہونے جماعت مسجد سنت والجماعت علیحدہ کھڑے ہوکر نماز خود ادا کرتے ہیں اور وضو بھی آفتابہ مسجد و پانی مسجد سے کرتے ہیں، بوجہ فتویٰ کفر ہونے کے قادیانی فرقہ کے لوگ نماز مسجد سنت والجماعت میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ادا کر سکتے ہیں تو اہل سنت والجماعت پر تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے؟　　ریاض الحق کلیانوی از تھانہ بھون

الجواب هو الموفق للصواب:

قادیانی جب مسلمان نہیں تو ان کی نماز نہیں، ان کو مسجد میں آ کر نماز ادا کرنے سے روک دینا چاہئے اگر اندیشہ فساد نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۳/۳/۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

بیمار قادیانی کی تیمارداری

سوال [۴۸۲]: مرزائی مفلوج الجسم اور مفلس، تنگ دست رشتہ دار کی خدمت جسمانی یا امداد مالی مثلاً ماموں ہے، کرنا اور کوئی اس کا رشتہ دار خدمت کرنے والا نہ ہو، محض مخلوق خدا کا فر اور پلید سمجھ کر جیسے کتے وغیرہ کی خدمت ہے جائز ہے یا نہیں؟　　سائل: صوفی علی محمد مسجد نور جالندھر شہر، ۳۱/ مارچ/ ۴۵ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرزائی صرف کافر ہی نہیں بلکہ مرتد ہیں، جو معاملہ دیگر کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے، مرتد کے ساتھ شرعاً نہیں کیا جاتا اس لئے مرتد کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں چاہئے، البتہ اگر یہ توقع ہو کہ وہ خوش اخلاقی اور تیمارداری سے متاثر ہو کر ارتداد سے تائب ہو جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا تو پھر یہ تیمارداری مستقل تبلیغ کا حکم رکھتی ہے، بشرطیکہ نیت یہی ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إنما الأعمال بالنیات وإنما لامرىء مانوی". (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۱/۲، قدیمی)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ربیع الثانی ۶۴ھ۔

صحیح عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

قادیانیوں کا مرتب کردہ قاعدہ "یسرنا القرآن"

سوال[۴۸۳]: قاعدہ "یسرنا القرآن" جو قادیانیوں کا بنایا ہوا ہے جس میں کوئی عقیدہ قادیانی کی بات نہیں کہ جس سے فساد عقیدہ اور فساد عمل شرعی ہوتا ہو، بلکہ اس کی ترکیب وترتیب اور ہدایات بابت طریقہ تعلیم ایسی ہے جس کے باعث بچہ بسہولت پانچ چھ ماہ میں بلکہ اس سے کم مدت میں ناظرہ ختم کر لیتا ہے، چنانچہ راقم کا خود تجربہ ہے کہ بہت سے بچوں کو تین تین چار چار ماہ میں ختم کرایا ہوں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس قاعدہ کا پڑھنا جائز ہے، اور کیا کفار کی بنائی ہوئی چیز کو اس کے کمال اور کسی خوبی اور عمدگی کی وجہ سے عمدہ اور اچھا کہنا جائز ہے یا نہیں مثلاً یوں کہنا کہ متھرا کا پیڑا اور بھگوان پور کا پیڑا بہت اچھا ہے اس لئے کہ اچھا مشہور ہے تو اچھا کہنا کیسا ہے کیونکہ اس کے بنانے والے کافر ہیں یا یوں کہنا کہ امریکن لالٹین یا جرمنی کوئی چیز اچھی ہے تو اس کو اچھا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امریکن لالٹین اور قاعدہ یسرنا القرآن میں بہت فرق ہے، اول خالص دنیاوی چیز ہے اور ثانی تعلیم قرآن اور دینیات کی ابتداء واجراء ہے، اول کی تعریف سے کفار کے دین کی تعریف نہیں ہوتی ہے اور ثانی کی تعریف سے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جن لوگوں نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اتنا بہترین انتظام کیا ہے جس سے بچہ بہت جلد ناظرہ رواں اور حفظ پڑھنے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس کا وقت ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے، وقت جیسی قیمتی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا یہ لوگ خوب جانتے ہیں، لامحالہ دینی اصول وفروع میں بھی یہ لوگ ماہر ہونگے اور ان کا طریقہ تعلیم بہت اچھا ہے، لہٰذا ان کو اپنے مدارس میں ملازم رکھنا چاہئے یا ان کے مدارس میں اپنے بچوں کو داخل کرنا چاہئے۔

علیٰ ہذا القیاس بچہ جو کہ عقائد قادیانی سے بالکل بے خبر ہے جب وہ ان کا بنایا ہوا قاعدہ پڑھے گا پھر آئندہ وہ دوسرے قواعد یا کتب میں وہ سہولت نہ پائے گا اور بعد میں معلوم کرے گا کہ وہ پہلا قاعدہ قادیانی کا

تصنیف کردہ ہے تو لامحالہ اس کی طبیعت میں قادیانی کی نہ صرف تعریف بلکہ قدر پیدا ہوگی اور یہ خواہش کرے گا کہ میں ان کی دوسری تصانیف بھی پڑھوں، وہ بھی اسی طرح سہل اور دل نشین طریق پر ہونگی اور ان کی کتابیں پڑھنے سے جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

پھر اگر خراب نتیجے سے والدین منع بھی کریں اور قادیانی کی بُرائی بھی سمجھادیں تب بھی بچہ کہے گا کہ یہ کسی عداوت نفسانی کی وجہ سے منع کررہے ہیں ورنہ واقعتاً اگر قادیانی خراب ہوتا تو اس کا بنایا ہوا قاعدہ کیوں پڑھاتے؟ اور جب اس قاعدے سے اس قدر نفع ہوا جس کا میں تجربہ کرچکا ہوں اور اس کی تعریف اپنے ابتدائی استاذ صاحب قاری خدابخش سے سن چکا ہوں تو لامحالہ دوسری کتابیں بھی ایسی ہی ہونگی، تلبیس کی بنا پر روحانی اور معنوی غیر محسوس طریقہ پر جو اثر پڑتا ہے وہ غلط ہے، اس لئے اہل تقویٰ کفار کی دوکانوں سے اشیاء خریدنے سے احتراز کرتے ہیں اور اہل اسلام کی دوکانوں سے خریدتے ہیں (۱)۔

پھر جب آپ اس قاعدہ "یسرنا القرآن" کو رواج دے کر سب جگہ شائع کردیں گے تو اس سے قادیانیت کی بہت بڑی تبلیغ ہوگی اس لئے کہ یہ قاعدہ رجسٹرڈ ہے، کوئی دوسرا اس کو نہیں چھپواسکتا اور لامحالہ قادیانیوں سے خریدنا ہوگا اور وہ روپیہ مبلغین کو دیا جائے گا کہ اہل اسلام کی تردید کرکے قادیانی مذہب کو پھیلایا جائے اور مسلمانوں سے مجمع عام میں مناظرہ کیا جائے اور اہل اسلام کے خلاف کتابیں چھپواکر شائع کی جائیں۔ نیز بغدادی قاعدہ اور نورانی قاعدہ جن کو مخلص دینداروں نے تصنیف کیا ہے، وہ بیکار اور موقوف ہوجائیں گے۔ آج آپ کو یہ قاعدہ پسند آیا اس کے نتائج یہ ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله يقول: "الحلال بيّن و الحرام بيّن و بينهما مشتبهات، لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه و عرضه". (الصحيح للبخاري: ١٣/١، كتاب الإيمان، باب فضل من إستبرأ لدينه، قديمي)

قال الملا علي القاري: "و في شرح السنة : هذا الحديث أصل في الورع، وهو أن ما اشتبه أمره في التحليل و التحريم، و لا يعرف له أصل متقدم، فالورع أن يتركه و يجتنبه، فإنه إذا لم يتركه و استمر عليه و اعتاده جر ذلك إلى الوقوع في الحرام .... و يدخل في هذا الباب معاملة من في ماله شبهة أو خالطه ربا ، فالأولى أن يحترز عنها و يتركها .... عن ابن شهاب قال: "كنت ليلةً مع سفيان الثوري ، فرأى ناراً من بعيد فقال: ما هذا ؟ فقلت: نار صاحب الشرطة، فقال: اذهب بنا في طريق آخر ؛ لأنه =

مرزا کے قول کا حوالہ

سوال [۴۸۴]: ایک دفعہ جناب والا نے قادیانی ملعون کا تذکرہ فرماتے ہوئے اس کا ایک الہام ذکر فرمایا تھا کہ ''آج رات خدا نے میرے سے قوتِ رجولیت کا اظہار کیا (ہمبستری کی) جس کے نتیجہ میں مجھے حمل قرار پا گیا'' یہ الہام کس کتاب میں ہے؟ جناب والا کو یاد ہو تو تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صفحہ تو محفوظ نہیں لیکن مرزا کی کتابوں سے عشرۂ کاملہ میں بھی نقل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يستضيء بنارهم. قلت: و ما أنسب قوله تعالىٰ: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾. (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، رقم الحديث: ۲۷۶۲، ۶/۱۵، رشيديه)

(۱) عشرہ کاملہ في إبطال الفتنة المرزائيه. مصنفہ: مولانا یعقوب صاحب پٹیالوی رحمۃ اللہ علیہ، ص: ۳۱، ۳۲ میں ہے:

''خدا کی بیوی اور اس کے لوازمات۔ الہاماتِ ذیل پر غور کریں:

(الف) مرزا کا حیض اور بچہ – يريدون أن يروا طمثک. اس الہام کی تشریح مرزا صاحب یوں بیان کرتے ہیں: ''بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے، مگر اللہ تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا، جو متواتر ہوں گے اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے جو بمنزلۂ اطفال اللہ کے ہے۔ (تتمة حقيقت الوحي، ص: ۱۴۳)

(ب) اللہ تعالیٰ کا نطفہ – أنت من ماء وهم من فشل: یعنی اے مرزا تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور دوسرے لوگ خشکی سے (اربعین: ۳/۳۴)

(ج) اللہ تعالیٰ سے ہمبستری (نعوذ باللہ): زناشوئی کے فعل کا وقوع۔ مرزا صاحب! کے ایک خاص مرید یار محمد صاحب بی۔ او۔ ایل۔ پلیڈر اپنے ٹریکٹ نمبر: ۳۴، موسوم بہ اسلامی قربانی مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں لکھتے ہیں کہ ''جیسا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت (مردانہ) طاقت کا اظہار فرمایا، سمجھنے والے کے لئے اشارہ کافی ہے''۔ (اسلامی قربانی)

(د) استقرارِ حمل: مرزا صاحب کشتی نوح کے ص: ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ ''مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور کئی ماہ بعد جو دس ماہ سے زیادہ نہیں بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا''۔

(عشرہ کاملہ، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ، لاہور، ماہ ذی الحجہ/۱۳۴۲ھ)

ما یتعلق بالشیوعیۃ والاشتراکیۃ

(کمیونزم وسوشلزم)

کمیونزم

سوال[۴۸۵]: ہم لوگ کمیونسٹ پارٹی ہیں، جو چین اور روس میں ہے اور جس کا موجد ''لینن'' اور ''مارکس'' ہیں اس کے موجدین کے کیا کیا اصول وضوابط ہیں؟ کس مذہب کے ماننے والے ہیں؟ اس پارٹی میں قرآنی حکم اور حدیث کی عظمت یا وقار باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ہم مسلمانوں کو کمیونسٹ پارٹی کو تسلیم کر کے اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ غرض اس کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں فتویٰ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کمیونزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے، چنانچہ ''واٹ کمیونزم از دیب'' میں ہے ص:۸۱۲ کہ ''کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا جو صدق دل سے صاف صاف اس کا اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکر خدا ہے''۔

''اینجلز'' لکھتا ہے کہ:

''ہماری پارٹی طبقہ وار شعور رکھتی ہے اور مزدوروں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہے، ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی ہیں، ہمارا بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے''۔ (اینجلز، ص:۱۵)

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب پر تنقید علم تنقید کا مبدأ ہے''۔ (مارکس سوشلزم، ص:۱۹۲)

''مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے'' (بحوالہ سابق) ''مذہب آواز قدیم کی نظامی غلامی کی بازگشت ہے''۔ (کمیونسٹ مینوفیسٹو کی تشریح، دفعہ نمبر: ۵۵، از

ریز نیوف) بحوالہ الحق، ص:۹، ۱۰/ جمادی الاولیٰ/ ۸۹ھ۔

کمیونزم پر بحث کرتے ہوئے: "حکم الإسلام فی الاشتراکیة" کے مصنف لکھتے ہیں:

" إن العقيدة الأساسية للنظام الاشتراكي هي العقيدة المادية التي تقول: إن المادة هي أصل الأشياء، و لا شيء لغير المادة، و هذا يعني إنكار وجود الخالق العظيم سبحانه وتعالىٰ، وبالتالي إنكار كل دين سماوي و اعتبارها الإيمان بذلك أفيوناً يخدر الشعوب كما يعتقد بذلك الماركسيون والتيتويون وأمثالهم"(۱)۔

یعنی کمیونزم کی بنیادی عقیدہ مادیہ ہے جو کہتا ہے کہ مادہ ہی اصل چیز ہے اور مادہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں اور یہ یعنی باری تعالیٰ کا انکار اور انجام کار ہر دین سماوی کا انکار اور ایمان کے حق میں نشہ آور افیون سمجھنا ہے جیسا کہ مارکس اور ٹیٹو کے ماننے والے سمجھتے ہیں (حکم الإسلام فی الاشتراکیة ص: ۱۱۹)۔ اور کمیونزم بھی ایک تحریک ہی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جس کے بانی "مارکس"، "لینن" وغیرہ یہودی تھے، چنانچہ علامہ طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کمیونزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں، بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیانِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاقی اقدار اور دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دین یہود کا مسلک و مقصد ہے۔ دینِ سوشلزم جو دشمنِ انسانیت ہے، اس کے بانی شیوٹن ہار، مارکس، ولینن جو یہودی تھے اور جن کا قول تھا کہ "ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی اب ہم نے اس زمانے میں انسانوں کو سواری بنادیا جن کو جانوروں کی طرح استعمال کریں گے"۔ (جواہر: ۲/ ۱۲۸، بحوالہ الحق)

یہ کمیونزم کا اجمالی خاکہ ہے جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے بھی وہ صراحۃً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور اگر مفید بھی نظر آتی ہو پھر بھی دینی حیثیت سے اس کا ضرر واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (حكم الإسلام في الاشتراكية، اختلاف العقائد بين الإسلام والاشتراكية، ص: ۱۱۹، المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

کمیونزم کیسی جماعت ہے؟

سوال[۴۸۶]: ہندوستان میں کمیونزم جماعت آپ کے اسلامی نقطۂ نظر سے کیسی جماعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابتداء تو اس کی خدا اور دین سے بغاوت پر ہے مگر اس کے اصول میں ترمیم بھی ہوتی رہتی ہے، اگر کوئی شخص اصول اسلام کا پابند رہ کر اس میں شرکت کرے تو اس کو اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جائے گا، جماعت کے تمام افراد پر ایک حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس جماعت کو اسلامی جماعت بھی نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۴ھ۔

کانگریس اور کمیونزم کی تفصیل

سوال[۴۸۷]: زید ایک مسلمان معتقد خدا ورسول اور پابند صوم وصلوۃ ہے، لیکن وہ سیاسی حیثیت سے کمیونسٹ پارٹی کو پسند کرتا ہے، اس کا ممبر اور اس پارٹی کو ووٹ دینا چاہتا ہے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ زید گنہگار ہے کیونکہ کمیونزم کا اصل الاصول انکار خدا و مذہب ہے۔ کیا مولوی صاحب مذکور کا فتویٰ صحیح ہے؟

۲..... عمر ایک عالم دین ہے موجودہ دور میں فرقہ پرستی کی بلائے عظیم کا مشاہدہ کر کے اور کانگریسی حکومت کو جن سنگھ سے مغلوب و بے حس سمجھ کر اور کانگریس کی اصلاح سے مایوس ہو کر کہتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو کر فرقہ پرستی کو ختم کرنا چاہئے اور شرعی نقطۂ نظر سے کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو جانا چاہئے، کیونکہ گاندھی کے گاندھی ازم کے باوجود سیاسی حد تک علماء کرام کانگریس میں شامل ہوئے۔ کیا عمر کا خیال صحیح ہے؟

۳..... بکر بھی ایک عالم دین ہے اس کا کہنا ہے کہ کانگریس کے اصول میں گاندھی جی کے فلسفہ کو لازم نہیں قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح خدا پرستی یا دہریت کو بھی لازم نہیں کیا گیا ہے لیکن کمیونسٹ پارٹی میں انکار خدا و مذہب کو لازم ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ کمیونزم کا اصل الاصول انکار خدا و مذہب ہے اس لئے کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونا ناجائز وحرام ہے اور کانگریس میں شامل ہونا جائز ومباح ہے۔ کیا بکر کا یہ خیال صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......کمیونزم کی بنیاد خدا اور مذہب کے انکار پر ہے، اعتقاداً اس کے مسلک کو تسلیم کرنا دین اسلام سے خروج کے مرادف ہے، مگر بعض مسلمان جن کو اس حقیقت اور بنیاد کی خبر بھی نہیں وہ محض ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے شریک ہوجاتے ہیں، ان کو اصل حقیقت سے باخبر کر کے روکنا بہت ضروری ہے ورنہ انجام کار ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ اعتقاداً بھی وہ اس مسلک کو اختیار کرلیں جیسا کہ عامۃً ہر شخص پارٹی کے اثرات سے متاثر ہو ہی جاتا ہے الا نادراً اور جو شخص صوم وصلوۃ کا پابند پکا مسلمان ہے اس کی شرکت سے دوسروں پر نہایت خطرناک اثر پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر پارٹی میں خرابی ہوتی تو فلاں پکا دیندار آدمی اس میں کیوں شریک ہوتا اس لئے پوری کوشش کر کے روکا جائے مگر کفر کا فتوی لگانے میں جلدی نہ کی جائے کہ اس میں انتہائی احتیاط ضروری ہے (۱)۔

۲......گاندھی اور نہرو مذہبی نقطۂ نظر سے جو بھی حیثیت رکھتے ہوں مگر کانگریس کی بنیاد خدا اور مذہب کے انکار پر نہیں، اس وجہ سے کہ اس میں شریک ہونے والے ہر مکتب فکر کے لوگ ہیں، وہ بھی ہیں جو خدا کے منکر ہے وہ بھی ہیں جو خدا کو تسلیم کرتے ہیں۔ اشخاص کے اثرات سے کچھ لوگ متاثر ہوئے ان کے تاثر کو دیکھ کر ایک طبقہ بالکل کانگریس سے علیحدہ رہا، کچھ لوگ اتنے پختہ تھے کہ شرکت کے باوجود متاثر نہیں ہوئے انہوں نے متاثر ہونے والے کے تاثر کو خود ان کی کمزوری قرار دیا کہ علیحدہ رہ کر بھی کچھ پختہ نہیں تھے، اس لئے کمیونزم کو کانگریس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

۳......یہ تفریق وتقسیم اصولاً صحیح ہے مگر اتنا اضافہ ضروری ہے کہ ضروریاتِ دین کی تعلیم کو مقدم کرنا اور دینی استحکام کا انتظام کرنا ضروری ہے تب شرکت کی اجازت دی جائے، ورنہ اکثریت کے ساتھ مل کر بالکل ان کے افکار وخیالات نضم ہوجائیں گے جس کی نظیریں کچھ کم نہیں۔ واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

---

(۱) "واعلم أنه (لایفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان في کفره خلاف و لو) کان ذلک (روایة ضعیفة) کما حرره فی البحر و عزاه فی الأشباه إلی الصغریٰ".

"و فی الدرر وغیرها : إذا کان في المسألة وجوه :توجب الکفر وواحد یمنعه، فعلی المفتي المیل لما یمنعه". (الدر المختار: ۲۲۹/۴، ۲۳۰، باب المرتد، سعید)

الجواب: نمبر۲ نوٹ: سائل کو جواب ارسال کیا گیا پہلے جواب کی نوعیت مشورہ کی ہے، اسلام کے بنیادی اصول تو جیسے بذریعہ وحی نازل کئے گئے تھے ویسے ہی بدستور قائم ہیں اور ہمیشہ قائم رہیں گے ان میں ترمیم کا کسی کو حق نہیں جو شخص ان میں ترمیم کرے گا وہ خود ہی اسلام سے بعید ہو جائے گا۔ دوسری پارٹیوں کے اصول خود ان کے ذہن کی پیداوار ہیں، ان میں آئے دن ترمیم ہوتی رہتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ کانگریس اور کمیونسٹ کے موجودہ اصول جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور فارم کے دفعات کی تفاصیل جن پر پابندی سے عمل کرنا ضروری ہے ہمارے پاس ارسال کیجئے ان سب کو بغور دیکھ کر جواب تحریر کیا جائے گا کہ ان کے تسلیم کرنے سے اسلام روکتا ہے یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۸ھ۔

کمیونزم اور سوشلزم

سوال [۴۸۸]: ۱...... کمیونزم اور اس کی دوسری شاخ سوشلزم کفر ہے یا نہیں؟

۲...... سوشلزم جو کہ ایک یہودی کا خود ساختہ عزم ہے، ایک مستقل ضابطۂ جماعت ہے یا محض اقتصادی نظام ہے؟

۳...... کمیونزم اور سوشلزم پسند جماعتوں سے اشتراک کرنا کیسا ہے؟

۴...... کمیونزم اور سوشلزم پسند جماعتوں سے اگر چند علماء اشتراک وتعاون کریں اور تقریری وتحریری طور پر ان کی حمایت کریں تو وہ علماء شرعاً کس حکم میں ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کمیونزم کی جب ابتداء ہوئی اس کا حال جو کچھ تھا (خدا اور مذہب سے بغاوت) وہ حال بعد میں باقی نہیں رہا، دفعوں میں رفتہ رفتہ ترمیم کی گئی حتیٰ کہ مذہب کے اعتبار سے بالکل پابندی ہٹا کر ہر ایک کو عام آزادی دیدی گئی کہ ہر مذہب کا آدمی اپنے دینی نظریات کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں شرکت کر سکتا ہے، اس لئے کمیونزم اور سوشلزم کے موجودہ نظریات جن کی پابندی لازم ہے ان کی تشریح اور تفصیل معلوم ہونی ضروری ہے، اس کے جو اصول اسلام سے ٹکرائیں گے ان کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر اسلام کے بنیادی عقائد پر

ضرب لگے گی تو اسلام کا باقی رہنا مشکل ہو جائے گا، اگر بنیادی عقائد برقرار رہیں گے تو اسلام باقی رہے گا، پھر جو امور شرعاً ناجائز ہوں گے شرعاً ان کی اعانت ناجائز ہوگی۔

کفر کا فتویٰ بغیر پوری تفصیل معلوم ہوئے دینا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند

اسلامی سوشلزم

سوال[۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

زید ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ اسلامی سوشلزم یعنی اسلامی مساوات چاہتا ہے، مساوات سے مراد یہ ہے کہ غریب انسان اور عوام کو روٹی وغیرہ اور اپنا اپنا حق اسلام کی روشنی میں ملے، اور جماعت کا ہر فرد اور زید بھی خدا، رسول، یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، نماز، روزہ، زکوۃ ادا کرتا ہے، علماء کرام میں سے کچھ علماء دین نے اسلامی سوشلزم یعنی اسلامی مساوات کو اسلام کی روشنی میں چاہنے والوں کو کافر، مرتد قرار دیا ہے، کچھ علماء دین نے اسلامی سوشلزم یعنی اسلامی مساوات کو جائز قرار دیا ہے اور کچھ علماء دین نے اس اسلامی مساوات کی مخالفت کی ہے۔ ان دونوں علماء دین میں سے کون حق پر ہیں، میں کس کی بات تسلیم کروں؟ ان دونوں علماء دین کی باتوں سے میرا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ برائے کرم صحیح بات کی وضاحت فرما کر میرے ایمان کو تقویت بخشیں، میں کس کی بات پر عمل کروں؟ مظفر علی۔ گجرانوالہ

الجواب حامداً و مصلياً:

کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت کو کافر یا مرتد قرار دینا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، جب تک نصوص قطعیہ سے اس کا کفر ثابت نہ ہو اس پر اقدام نہیں کیا جا سکتا(۱) بلا قطعی دلائل کے اگر ایسا کیا جائے تو اندیشہ قوی ہے کہ یہ

---

(۱) "قد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً للكفر واحتمال واحد في نفيه ، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۶۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۱۰، رشيديه)

کفر اقدام کرنے والے پر عود کر آئے (۱)۔

جو علماء حدود شرع سے واقف ہیں اور کفر و اسلام کی سرحد کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ایسا اقدام نہیں کریں گے، اگر کسی غلط بیانی سے یا فریب دے کر ان سے کوئی تحریر حاصل کر لی جائے اور اس طرح تحریر پر دستخط لے لئے جائیں اور پھر تشہیر کر دی جائے کہ کفر کا فتویٰ فلاں عالم یا فلاں فلاں علماء نے دیدیا ہے تو یہ نہایت مکروہ، اور مذموم طریقہ ہے۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ ان دونوں علماء دین میں سے کون حق پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ دونوں علماء دین کی وہ مکمل تحریرات یہاں بھیجیں ان کو دیکھ کر معلوم ہو سکے گا کہ کس کے دلائل کس درجہ کے ہیں؟ اس قسم کے شدید اختلافات میں یقیناً عوام کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور یہ ان کے لئے زبردست فتنہ ہے، سیاسی مقاصد کے تحت کسی کو بلا دلیل کافر بنا دینے والوں کے حق میں یہ فتنہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے جس قدر عوام کے حق میں ہے، کیونکہ اس کا ایمان بالکل ہی رخصت ہو کر اس جگہ پر کفر قبضہ کر لیتا ہے (العیاذ باللہ)۔

وہاں کے ایسے سیاسی پیچیدہ مسائل کو بہتر یہ ہے کہ وہیں حل کر لیا جائے، ہم لوگ وہاں کی سیاست پر بصیرت نہیں رکھتے کیونکہ ہم کو وہاں کا مشاہدہ حاصل نہیں، یہاں کے ایڈیٹر صاحبان جو کچھ لکھتے ہیں وہ بھی کسی خاص نظریہ سے متاثر ہو کر کسی نظریہ کی تردید یا تائید کرتے ہیں، محض اسلامی نقطۂ نظر سے نہیں کرتے، اس لئے ان پر کوئی فقہی رائے قائم نہیں کی جاسکتی، وہاں کے اخبارات و رسائل کی آمد یہاں بند ہے، وہاں کی موجودہ جماعتوں کا موجودہ دستور اور نصب العین بھی ہمارے پاس نہیں۔ امید کہ ہم کو معذور قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یرمي رجل رجلاً بالفسوق و لا یرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک". (صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمي)

ما یتعلق بالمودودیة

(مودودیوں کے عقائد کا بیان)

جماعت اسلامی کے عقائد

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً:

[۴۹۰] کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین حسب ذیل امور میں؟

۱......کیا جماعت اسلامی کے بنیادی عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں یا اس کے خلاف؟ مع دلائل تحریر کریں۔

۲......کیا جماعت اسلامی فرقہ ضالہ میں ہے یا فرقہ ہدیٰ میں ہے؟ مع دلائل تحریر کریں۔

۳......کیا جماعت اسلامی کے ارکان ومتعلقین کی امامت ان کے پیچھے نماز صحیح طور پر ادا ہوگی یا نہیں یعنی کسی کا امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو کیونکر مع الدلائل تحریر کریں۔

۴......کیا جماعت اسلامی کے جلسہ میں شرکت اوران کے ارکان ومتعلقین کی تقریر سننا یا انکی تحریر کا مطالعہ کرنا یاان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا مناسب ہے؟ مع دلائل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد مطہر الحسن مبارک پوری مورخہ ۲۸/ جمادی الاولیٰ/ ۸۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جماعت اسلامی کے بانی اوراونچے ذمہ داروں کی کتابوں میں ایسی چیزیں بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جو اہل السنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں، وہ اپنی اصطلاحات مستقل رکھتے ہیں سنت، اسوہ، بدعت کے جو مفہومات اب تک امت میں شائع ہیں، یہ لوگ ان کو غلط اور دین میں تحریف کا موجب قرار دیتے ہیں، ایمان، اسلام، توحید، رسالت کا شائع شدہ مفہوم بھی ان کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔ انہوں نے دین کو ماضی اورحال کی شخصیتوں سے نہیں سمجھا بلکہ براہ راست کتاب وسنت سے سمجھا ہے اور کتاب اللہ کی تعلیم کیلئے سخت تاکید

ہے کہ حدیث وتفسیر کے پُرانے ذخیرہ سے نہ دی جائے، محدثین جس حدیث کو خوب پرکھ کر صحیح قرار دیں ان لوگوں کے نزدیک اس حدیث کو قول رسول کہنا جائز نہیں جب تک وہ اس کو اپنے معیار پر خود نہ جانچ لیں۔

ان کے نزدیک نئے اور پُرانے متکلمین قرآن پاک سے محروم تھے، ان کا مذاق فاسد تھا، وہ دین آباء کی حیثیت سے اسلام کو مانتے تھے، انہوں نے اسلام کی غلط وکالت کر کے اسلام کو اتنا سخت نقصان پہنچایا کہ اسلام کے مخالفین نے بھی نہیں پہنچایا، ان کے نزدیک خلفائے راشدین اور دیگران صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر بھی جاہلیت کے اور غیر اسلامی جذبے حملہ کرتے تھے جن کے جنتی ہونے کی بشارت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے(۱)۔

غرض ان کی کتابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے اسلام کو کسی نے بھی نہیں سمجھا، نہ موجودہ وقت میں کوئی سمجھتا ہے، نہ اب سے چند صدی پیشتر کسی نے سمجھا، محدثین، فقہاء، صوفیاء، مفسرین، متکلمین، تابعین، صحابہ کوئی شخص بھی ان کے نزدیک ایسا نہیں جس نے پورے اسلام کو اور پورے دین کو سمجھا ہو۔ ترجمان القرآن جلد:۲۶ کے چار شمارے ایک ساتھ شائع ہوئے اس میں یہ اکثر چیزیں موجود ہیں، ''رسائل ومسائل''، ''معرکۂ اسلام وجاہلیت''، ''تنقیدات تفہیمات'' اور ''ترجمان'' کے دوسرے شماروں میں بھی یہ چیزیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ''خلافت وملوکیت'' کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں بہت تفصیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے اہل نہیں تھے، ان امور میں سے جن میں آپ کو شبہ ہو محولہ کتب میں مطالعہ کرلیں، اگر مطالعہ کے باوجود کوئی چیز نظر سے اوجھل رہ جائے تو لکھیں، یہاں سے انشاء اللہ تعالیٰ صفحہ کا حوالہ بھی دیدیا جائے گا، عبارتیں ان کی بہت طویل ہوتی ہیں، اس لئے کتابوں کے نام پر اکتفا کیا گیا، تاہم بوقت ضرورت نقل

---

(۱) "عن عبد الرحمٰن بن عوف رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبوبكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة و طلحة في الجنة و زبير في الجنة، وعبد الرحمٰن بن عوف في الجنة، وسعد بن أبي وقاص في الجنة، وسعيد بن زيد في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة" رواه الترمذي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب العشرة رضي الله تعالىٰ عنهم، الفصل الثاني، ص: ٥٦٦، قديمي)

(ورواه الترمذي في جامعه في أبواب المناقب، مناقب عبد الرحمٰن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه: ٢/٢١٥، سعيد)

بھی کی جا سکتی ہیں۔امید ہے کہ اب نمبروار ہر سوال کے جواب کی حاجت نہیں رہے گی، آپ خود ہی اپنے ہر سوال کا جواب پالیں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۸ھ۔

مولانا سید ابوالأ علی مودودی کی جماعت اوران کے عقیدہ کا حکم

سوال[۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ابوالأ علی مودودی کی جماعت اوران کے عقیدہ کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ جو شخص ان کی جماعت میں شریک ہوں، ان کے مسلک پر عمل کریں تو ایسے شخص کے پیچھے نماز صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ جواب بالتشریح وبحوالہ کتب عنایت فرمایا جائے۔

مرسلہ:عبدالمجید کمال مظفر پوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مولانا ابوالاعلی مودودی اوران کی جماعت کے لٹریچر میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، کچھ باتیں معتزلہ کی ہیں، کچھ خوارج کی ہیں، کچھ روافض کی ہیں، کچھ غیر مقلدین کی ہیں، کچھ منکرین حدیث کی ہیں۔دین، اسلام، ایمان، توحید، رسالت،تقویٰ، عبادت،سنت، اسوہ، بدعت، وغیرہ کی تشریح وہ سب سے الگ کرتے ہیں اوراب تک انکا جو کچھ مفہوم امت میں شائع ہے اس کو غلط اوردین میں تحریف قراردیتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ ان کا پیش کردہ دین اسلام گویا ایک جدید قسم کا دین اسلام ہے اوروہ اس پر اپنے اجتہاد کے ذریعہ استدلال بھی کرتے ہیں، استدلال میں بھی کسی مجتہد ومحدث وغیرہ کے پابند نہیں، جس دلیل کو چاہیں رد کریں جس کو چاہیں اختیار کرلیں۔اس سلسلہ میں بہت کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، اوراس جماعت میں پرانے کام کرنیوالے بڑے بڑے ذمہ دار آہستہ آہستہ جماعت سے الگ ہو چکے ہیں، پھر بعض نے خاموشی سے علیحدگی اختیار کرلی،بعض نے علیحدگی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی،بعض نے مستقل کتابیں تردید میں لکھی ہیں،''الفرقان''،''المنبر''(۱)''المیثاق''(۲) وغیرہ رسائل واخبارات میں دیر تک بیانات آئے۔

---

(۱)(المنبر:تالیف الحکیم عبد الرحیم اشرف)

(۲) (المیثاق :تالیف مولانا امین صاحب اصلاحی)

''تعبیر کی غلطی''(۱) میں نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق مودودی کا مسلک

سوال[۴۹۲] : عصمت انبیاء کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ عبارتوں اور نص حدیث سے مدلل فرمائیں، مودودی صاحب کس کتاب میں کس عبارت سے عصمت انبیاء کے خلاف ہیں ؟ جواب تفصیلی مرحمت فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ کتبِ عقائد وتفسیر میں مفصل موجود ہے، شرح فقہ اکبر میں چار پانچ صفحات میں اس کو بیان کیا ہے (۲) اسی طرح شرح عقائد نسفی (۳) اور اس کے حواشی کافی

---

(۱) (تعبیر کی غلطی: تالیف: وحید الدین خان)

(۲)"والأنبیاء علیهم الصلوة والسلام کلهم منزّهون من الصغائر والکبائر، والکفر والقبائح، وقد کانت منهم زلات وخطیئات". (الفقه الأکبر للإمام الأعظم رحمة الله تعالی علیه

وفي شرحه للقاري: "(منزهون): أی معصومون (عن الصغائر والکبائر) من جمیع المعاصي(والکفر)خص؛ لأنه أکبر الکبائر...... (القبائح)...... والمراد بها القتل، والزنا، واللواطة، والسرقه، وقذف المحصنة، والسحر، والفرار من الزحف...... ثم هذه العصمة ثابتة للأنبیاء قبل النبوة وبعدها علی الأصح ...... (وقد کانت منهم): أی من بعض الأنبیاء قبل ظهور مراتب النبوة أو بعد ثبوت مناقب الرسالة (زلات): أی تقصیرات (أو خطیئات): أی عثرات بالنسبة إلی مالهم من أعلی المقامات وأسنی الحالات. اهـ.

وفی شرح العقائد: إن الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام معصومون من الکذب، خصوصاً فیما یتعلق بأمر الشرع،وتبلیغ الأحکام، وإرشاد الأمة، أما عمداً فبالإجماع، وأما سهواً فعند الأکثرین، وفي عصمتهم عن سائر الذنوب تفصیل، وهو أنهم معصومون عن الکفر قبل الوحي وبعده بالإجماع، وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمهور خلافاً للحشویة". (شرح الفقه الأکبر، ص: ۵۶،۵۷،۵۹، قدیمی)

(۳)(شرح العقائد النسفیة، ص: ۱۰۲؛ قبیل قول الماتن :"والملائکة عباد الله تعالی عاملون بأمره" سعید)

ونبراس (۱) وغیرہ میں نیز شرح مقاصد (۲)، الیواقیت والجواہر (۳)، تفسیر کبیر (۴) بیضاوی (۵) اور اس کے حواشی شیخ زادہ (۶) وغیرہ میں ہے، فرقہ باطلہ حشویہ منکر عصمت ہے، اس کے اوہام کو بیضاوی میں لکھ کر

(۱) (النبراس، ص: ۲۸۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "الأنبياء معصومون عما ينا في مقتضى المعجزة كالكذب فى التبليغ ...... وعن الكفر ...... وعن الصغائر المنفردة، وكذا تعمد غير المنفردة ...... والمختار عن سهو الكبيرة أيضاً الخ". (شرح المقاصد، ص: ۳۰۸-۳۳۴، المقصد السادس، المبحث السادس، فصل فى النبوة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "قال أئمة الأصول: الأنبياء كلهم معصومون، لايصدر عنهم ذنب ولو صغيرةً سهواً، ولا يجوز عليهم الخطاء في دين الله قطعاً ...... ويشترط في حق الرسول العصمة ...... يجب تنزيه الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام عن كل مايتبا در إلى أفهامنا من ذكر خطايا هم الخ". (اليواقيت والجواهر: ۲/۳۰۵-۳۳۴، المبحث الحادى والثلاثون: فى بيان عصمة الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۴) (التفسير الكبير للرازى رحمه الله تعالىٰ: ۳/۷، ۱۴، تحت آية (سورة البقرة رقم: ۳۶)، المسئلة الثانية، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) "وقد تمسكت الحشوية بهذه القصة على عدم عصمة الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام لوجوه: الأول أن آدم صلوات الله عليه كأنبياء ارتكب المنهى عنه، والمرتكب له عاص، والثانى أنه جعل بارتكابه من الظالمين، والظالم ملعون لقوله تعالىٰ: ﴿ألا لعنة الله على الظّٰلمين﴾ الخ ...... والجواب عن وجوه: الأول أنه لم يكن نبيّاً حينئذٍ، والمدعى مطالب بالبيان، والثانى أن النهى للتنزيه الخ". (تفسير البيضاوى، ص: ۱۷، (البقرة: ۳۹) سعيد)

(وأيضاً تفسير البيضاوى، ص: ۱۷،۲۷، تحت آية سورة البقرة رقم: ۳۹، سعيد)

(۶) قال الشيخ زاده فى حاشيته: "(قوله: وقد تمسكت الحشوية) وهم طائفة يجوّزون على الأنبياء الكبائر على جهة العمد، (قوله: فسيأتى الجواب عنه فى موضعه): أى فى "سورة طه" فى تفسير قوله تعالىٰ: ﴿وعصى آدم ربّه فغوى﴾ ...... ثم قال: وفى النعى عليه بالعصيان والغواية مع صغر زلته تعظيم للغرلة أورجز بليغ لأولاده عنها، انتهى كلامه، فكانه قيل لهم: انظر واواعتبر واكيف يكتب على النبى المعصوم حبيب الله لايجوز عليه اقتراف الصغيرة المنفرة زلة بهذه الغلطة، وفى هذا اللفظ الشنيع دلالة على قبح ما يفرط منكم من السيئات والصغائر فضلاً عن أن يتجا سروا على التورط فى الكبائر". (حاشية محى الدين شيخ زاده على تفسير القاضى البيضاوى: ۱/۲۷۷، (سورة البقرة: ۳۹)، المكتبة الإسلامية)

خوب رد کیا ہے، جو حصہ بیضاوی کا موقوف علیہ میں داخل درس ہے اس میں موجود ہے، اہل علم فاضل دار العلوم کیلئے حوالہ کافی ہے۔

مودودی صاحب نے متعدد انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابوں میں اس طرح کلام کیا ہے جو کہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے، حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام پر ان کا تبصرہ ایسا ہی ہے، دیکھئے: ''تفہیم القرآن (۱) تفہیمات، ترجمان القرآن''۔

آپ قاسمی ہیں اجنبی نہیں، اس لئے عرض کروں گا کہ اپنی دینی کتب میں مطالعہ کر کے اہل سنت والجماعت کے مسلک کی خوب تحقیق کرلیں، بے خبر نہ رہیں، پھر دیکھیں کہ مودودی صاحب نے کیا لکھا ہے۔ مجمل مختصر بات آپ کیلئے کافی نہیں، ایک دو عبارات نقل کر دینا بھی آپ کے لئے کافی نہیں، اگر وقت مل جائے اور یہاں تشریف لاسکیں تو یہاں آکر کتب خانہ میں مطالعہ کرلیں، امید ہے کہ اس مطالعہ کی ترغیب پر ناخوش نہیں ہوں گے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۴/۱۷ھ۔

جماعت اسلامی کا مسلک

سوال[۴۹۳]: جماعت اسلامی والے ایک مسجد میں اپنا ہفتہ واری اجتماع کیا کرتے تھے، اجتماع میں یہ لوگ ''تفہیم القرآن'' اس کے بعد احادیث پھر مودودی صاحب کے خطبات کا مطالعہ کیا کرتے تھے، تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والوں نے مسجد ہی میں ہنگامہ کر کے جماعت اسلامی والوں کا یہ اجتماع یہ کہہ کر بند کرادیا کہ یہ لوگ اسلام سے ہٹے ہوئے گمراہ ہیں، کافر ہیں، فاسق ہیں وغیرہ وغیرہ، ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے: ''یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی .... جب شیطان نے ان کو ناصح، مشفق اور خیر خواہ دوست کے بھیس میں آکر ایک بہتر حالت ...... کا لالچ دیدیا، تو اس کی تحریص کے مقابلہ میں نہ جم سکے اور پھسل گئے ..... پس ایک فوری جذبے نے ...... ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے اھ''۔ (تفہیم القرآن: ۱۷۳/۳، تحت آیۃ سورۃ طٰہٰ، رقم: ۱۲۱، رقم الحاشیۃ: ۱۰۲، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کے متعلق ساتھ والے (آئندہ) فتوی میں تحریر کردیا گیا اس کو دیکھ لیں، اس جماعت کو کافر نہیں کہنا چاہئے، کفر کا فتوی نہیں دیا گیا، تبلیغی جماعت کو کافر کہنے سے پورا پرہیز کرنا لازم ہے، اس کا یہ کام ہرگز نہیں کہ کفر کا فتوی دے(۱) وہ نہ جماعت اسلامی کو کافر کہے(۲) نہ ان سے بحث ومباحثہ کرے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۵ھ۔

جماعت اسلامی شریعت کی روشنی میں

سوال[۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین ان مسائل ذیل میں کہ آجکل ایک گروہ یا جماعت مودودی جس کو ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جاری کیا ہے، یہ جماعت کیسی ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں قرآن کریم کا حکم اور حدیث وفقہ سے مشرح ومدلل اس کا جواب جلدی عنایت فرما کر دینی احسان فرمائیں۔
اس مذہب یا جماعت کے ماننے والے اور اتباع کرنے والے صحیح مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ ہم اہل

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أفتي بغیر علم کان إثمه علی من أفتاه". (سنن أبي داؤد: ۱۵۸/۲، کتاب العلم، باب التوقي في الفتیا، امدادیه)

قال العلامة السهارنفوری: "(من أفتي) بصیغة المجهول (بغیر علم): أی من أفتاه رجل جاهل (بغیر علم کان إثمه علی من أفتاه) أی إن عمل علی فتوی الجاهل فلیس الإثم علی العامی الذی استفتی من الجاهل الذي کان بصورة العلماء، و لکن الإثم فیه علی المفتي". (بذل المجهود، کتاب العلم، باب التوقي فی الفتیا: ۳۲۶/۵، امدادیه)

(۲) "عن أبي ذر أنه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "لایرمی رجل رجلاً بالفسوق، ولایرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذالک". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ماینهی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمی)

(۳) "عن المغیرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إن الله حرم علیکم عقوق الأمهات، ومنعاً وهات، ووأدالبنات، وکره لکم قیل وقال وکثرة السوال وإضاعة المال". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب حقوق الوالدین من الکبائر: ۸۸۴/۲، قدیمی)

سنت والجماعت ہیں، ہم اپنی لڑکی کا نکاح مودودی جماعت کے عقیدہ رکھنے والے فرقہ کے ساتھ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسے نکاح میں اہل سنت والجماعت کی اتباع کرنے والا مودودی جماعت کے لڑکے کے نکاح میں شرکت کرنے پر شریعت کا کوئی الزام تو نہیں آتا ہے، اگر شرکت کر لی تو اس پر شرعی کیا جرم کا ارتکاب ہوا؟ اس مسئلہ کا خلاصہ شرح وبسط کے ساتھ مدلل ثبوت پیش فرما کر جواب عنایت فرمائیے۔ فقط والسلام۔

خادم اللہ دیا، منصوری نگینہ قصبہ جیور محلہ جوہان چولاہان ضلع نینی تال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے نئے طرز میں اسلام کی جو تشریحات کی ہیں وہ عامۂ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ہٹی ہوئی ہیں، چنانچہ ان کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس کا نام ہے ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اس کو سامنے رکھ کر وحید الدین خان صاحب نے اعتراضات اور شبہات پیش کیے، ہندوستانی جماعت اسلامی کے سربرآوردہ حضرات کو خطوط لکھے، مگر کسی نے جواب دیکر تشفی نہیں کی، بلکہ ان کے اعتراضات سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا، پھر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی خدمت میں وہ اعتراضات بھیجے اور وعدہ کیا کہ میں سمجھنے کیلئے ان کے جوابات چاہتا ہوں، سمجھ میں آجانے پر ضرور قبول کروں گا، اور خدا کا واسطہ دیکر جوابات لکھنے کی درخواست کی، مگر مودودی صاحب نے اس کو مشورہ دیا کہ آپ جماعت سے علیحدہ ہو جائیں، حالانکہ یہ چودہ برس جماعت کی طرف سے نشر واشاعت کے ذمہ دار اور بہت سرگرم کارکن تھے۔ سب طرف سے مایوس ہو کر وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے ''تعبیر کی غلطی'' کتاب شائع کر دی، پانچ سو سے زائد صفحات پر ہے، اس میں وہ سب خط وکتابت بھی ہے جو کہ جماعت کے ذمہ داروں سے اس سلسلہ میں کی ہے، اور اس میں بتلایا ہے ''اسلام'' کی جو تشریح مودودی صاحب نے کی ہے، وہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح سے ''رب'' کا جو مفہوم مودودی صاحب نے بتلایا ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے جو کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

وحید الدین خان صاحب سے پہلے وہ حضرات جنہوں نے جماعت اسلامی کی تشکیل کی اور دستور بنایا تھا، آہستہ آہستہ علیحدہ ہو چکے۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے لکھا ہے کہ ''میں سولہ برس تک اس راہ گم کردہ قافلہ (جماعت اسلامی) کا ساتھ دے کر علیحدہ ہوا ہوں، پرانے سنگ بنیاد رکھنے والوں میں شاید ایک دو

آدمی موجود ہوں، ورنہ سب علیحدہ ہو چکے ہیں۔ پھر میثاق (۱) اورالمنبر (۲) وغیرہ میں ان علیحدہ ہونیوالے حضرات نے بہت تفصیل سے بتایا ہے کہ یہ جماعت اپنے دستور و بنیاد کی حیثیت سے کتاب وسنت اور اہل سنت والجماعت سے کتنی ہٹی ہوئی ہے۔

جو شخص ان کی پوری باتوں کو تسلیم کرتا ہے، وہ امام بنانے کے لائق نہیں (۳) ایسے شخص سے اپنی لڑکی کی شادی کردی جائے گی تو وہ بھی اس سے متاثر ہوگی اور غلط قسم کے خیالات کی اشاعت ہوگی جس سے گمراہی پھیلے گی، خاص کر صحابہ کرام اور سلف صالحین کے بارے میں تنقید و تخریب کا مرض پیدا ہوگا، جس سے نجات دشوار ہو جائے گی۔

تفصیلات خط میں نہیں آسکتی، ان کیلئے کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا مطالعہ کیجئے۔ ''کشف حقیقت''، ''مودودی دستور''، ''مودودی مذہب''، ''جماعت اسلامی کا دینی رخ''، ''مولانا مودودی کی تحریک اسلامی'' ''تعبیر کی غلطی'' وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۶/۷/۹۰ھ۔

کیا جماعت اسلامی گمراہ جماعت ہے؟

سوال [۴۹۵]: ۱...... کیا جماعت اسلامی گمراہ جماعت ہے؟

۲...... اہل حدیث کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور اہل سنت والجماعت میں شامل ہے یا نہیں؟

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں ''المیثاق''، تالیف حضرت محمد امین صاحب اصلاحی۔

(۲) ''المنبر'' تالیف حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف۔

(۳) "و یکره إمامة عبد ...... و فاسق الخ":(قوله: وفاسق) من الفسق :وهو الخروج عن الإستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، ۱/۸۵، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کی تشکیل ۴۱ء میں ہوئی اور بہت سے اہل قلم واہل فہم بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے تھے، دستور، دعوی، دعوت، طریق کار، نصب العین میں دیر تک تعاون کرتے رہے، اوران حضرات کی شرکت ومعاونت کو امیر جماعت سید صاحب نے اپنے اور اپنی جماعت کے برحق ہونے کی دلیل وسند کے طور پر پیش کیا تھا کہ ''اگر میں غلطی پر ہوتا تو یہ حضرات میرا ساتھ نہ دیتے، میرے ساتھ تعاون نہ کرتے، اور میرے ساتھ ایسے ایسے اہل علم اور اہل قلم موجود ہیں، جو کسی طرح غلط بات میں ساتھ نہیں دے سکتے، اور آئندہ بھی اگر میرا کوئی قدم غلط رہے گا تو مجھے فوراً روک دیں گے، یہ کھلی دلیل ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اور جس چیز کی دعوت دے رہا ہوں وہ حق ہے''۔

جن حضرات کے نام گنوائے تھے اورانہوں نے سر جوڑ کر دستور بنایا اور جماعت کی تشکیل کی تھی اور مودودی صاحب کے نزدیک وہ پہلے ہی سے حق کے جویاں تھے اور حق سامنے آتے ہی بغیر کسی تربص کے فوراً ابوبکر اور خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح حق کو قبول کرلیا اور یہ سوسائٹی کے مکھن کی حیثیت رکھتے تھے، ان حضرات نے بہت نزدیک سے سید ابوالاعلیٰ صاحب کو دیکھا اور پرکھا، ایک ایک چیز کی جانچ کی، غلطیوں پر سید صاحب کو متنبہ کیا، بار بار مراسلت ومکاتبت کی مگر مودودی صاحب اپنی جگہ پختہ رہے، اوران کے اشکالات کا تشفی بخش جواب دینے کے بجائے ان کو جماعت سے علیحدہ ہو جانیکا مشورہ دیا کہ آپ کا ہمارے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا۔

مولانا امین صاحب اصلاحی سے کسی نے معلوم کیا:

سوال: ''جو اصحاب ۴۱ء میں آپ کے ہمراہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے ان میں سے اب کتنے جماعت اسلامی میں رہ گئے؟

جواب: جہاں تک میرا خیال ہے ممکن ہے کہ ان میں سے دو ایک اصحاب بطور تبرک ابھی جماعت اسلامی سے منسلک ہوں، باقی سارے دیرینہ کارکن یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں۔

سوال: آپ کا آئندہ پروگرام کیا ہے؟

جواب: میں نے سولہ سال بعد ایک گم کردہ راہ قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا

ہے الخ''۔

مولانا اصلاحی پر سید صاحب امیر جماعت کو بہت اعتماد تھا، ان کو اپنا نائب بھی تجویز فرمایا کرتے تھے، ان کو صحیح العلم اور صحیح الفہم بھی فرمایا کرتے تھے، ان کی رائے غالباً سید صاحب اور ان کی جماعت کے متعلق زیادہ وزنی ہوگی، انہوں نے سولہ سال تک ذمہ دارانہ کام کرنے کے بعد اسی جماعت کو ''گم کردہ راہ'' بتایا ہے اور جماعت کے اغلاط اور کتاب وسنت سے انحراف پر ''میثاق'' میں دیر تک مدلل وموثق طریق سے بہت سے امور کی نشان دہی کی ہے۔

اسی طرح حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف نے مدت تک جماعت میں رہنے اور پورا تعاون کرنے کے بعد علیحدگی اختیار کی، اور ''المنبر'' میں ایک ایک چیز کو واشگاف کیا۔ وحیدالدین خان صاحب نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ جماعت میں رہ کر نشر واشاعت کی خدمت انجام دی، اشکالات پیدا ہوئے، ان کو حل کرنے کیلئے اکابر جماعت مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا جلیل احسن صاحب ندوی، مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند سے خط وکتابت کی اور ہر ایک کو اشکالات سے رنج ہوا، چنانچہ مولانا جلیل احسن صاحب ندوی نے فرمایا کہ ''اس تحریر کو پڑھ کر میں سخت کبیدہ خاطر ہوا''۔ ایک تحریر کے جواب میں لکھا:

> ''جس آدمی کو اطمینان نہ رہے جماعتی فکر پر تو اس کیلئے اچھی راہ یہ ہے کہ اس سے خاموشی کیساتھ الگ ہو جائے اور اپنے پسندیدہ طریق پر دین کا کام کرے۔ رہی یہ صورت کہ وہ اس کی اشاعت کیلئے قلم سنبھالے قلم کو تیر ونشتر بنائے اور میثاق نکالے یہ راہ اچھی نہیں''۔

وحیدالدین خان صاحب نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں جو خط لکھا تھا، اس میں تحریر ہے:

> ''اکتوبر ۵۶ء میں مجھے یہاں کی جماعت کے شعبہ تصنیف وتالیف میں معاونت کی غرض سے رام پور بلا لیا گیا، یہاں آنے کے بعد جو مجھے تحریری کام کرنا تھا اس کیلئے ضروری ہوا کہ میں قرآن کا باقاعدہ مطالعہ کروں، جس کا موقع اس سے پہلے کی زندگی میں مجھے بہت کم ملا تھا، میں نے قرآن کو از سرنو پڑھنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک نئے احساس سے دوچار ہو رہا ہوں، میں نے محسوس کیا کہ قرآن کریم میرے موجودہ

خیالات کی تصدیق نہیں کر رہا ہے، قرآن میں مجھے اسلام کی تصویر اس سے مختلف نظر آئی جو میں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر میں اب تک دیکھی تھی، اس چیز نے مجھے ایک طویل ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا، جس کا ہر اگلا دن میری اس کیفیت کو شدید تر کرتا رہا''۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جواب سے معذوری ان الفاظ میں دی:

''میں نے محسوس کیا کہ مسئلہ چند اعتراضات کا نہیں ہے، بلکہ آپ کا مطالعہ آپ کو بالکل ہی اس سمت کے خلاف سمت میں لے گیا ہے جس سمت میں میرا آج تک کا مطالعہ مجھے لے گیا ہے، اس حالت میں یہ بات کچھ فضول ہی محسوس ہوتی ہے کہ میں اور آپ کسی بحث میں الجھیں، میں اپنا نقطۂ نظر پوری وضاحت کے ساتھ اپنی کتابوں اور اپنے مضامین میں بیان کر چکا ہوں، ان کو پڑھ کر اگر آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ میں نے دین کو سرے سے ٹھیک سمجھا ہی نہیں، اس نقطہ نظر سے برأت کا اعلان کر دیجئے اور جو کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کی تبلیغ مثبت طور پر شروع کر دیجئے، تاہم اگر آپ میری ''تعبیر کی غلطیاں'' ہی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہوں تو میں اس سے بھی آپ کو روکتا نہیں ہوں، آپ اپنی یہ کتاب شائع کر سکتے ہیں''۔

اس کے بعد خان صاحب نے سید صاحب کی خدمت میں خدا کا واسطہ دے کر اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلا کر لکھا کہ:

''اگر آپ کے نزدیک میں ناحق پر ہوں اور آپ حق پر ہیں تو حق ایک امانت ہے اور اس کا مستحق وہ ہے، جو اس سے محروم ہے، اور آپ کے نزدیک میرے پاس حق نہیں ہے اور میں اس کو آپ سے مانگ رہا ہوں، آپ کے ذمہ لازم ہے کہ مجھے حق عنایت فرمائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس پر سنجیدگی سے غور کروں گا اور سمجھ میں آجانے پر اس کے قبول کرنے سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوگی''۔

مگر سید صاحب نے وہ حق عنایت نہیں فرمایا اور جواب میں عتاب کا اظہار فرما کر اعتراضات کو حل کرنے سے انکار فرمادیا جس پر خان صاحب نے ان اعتراضات کو شائع کر دیا، جس کا نام ہے ''تعبیر کی غلطی''

اس میں یہ سب مراسلت بھی مذکور ہے، پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ سید صاحب کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' پر پورا تبصرہ اوراس کا رد ہے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ:

''سید صاحب نے اپنی تمام تحریک کی بنیاد اس بات کو قرار دیا کہ ہے کہ ''الٰہ، رب، عبادت، دین'' یہ چار بنیادیں ہیں''، جن کا مفہوم عرب تو قرآن کے نزول کے وقت سمجھتے تھے، لیکن کچھ روز کے بعد اکثر امت سے ان کا مفہوم اوجھل ہوگیا، تین چوتھائی امت کے ذہن سے صحیح مفہوم رخصت ہوکر محدود اور غیر واقعی مفہوم ذہنوں میں سما گیا، پھر ان چاروں کا مفہوم سید صاحب نے بیان فرمایا تو گویا تیرہ صدی تک امت اصل مفہوم سے ناآشنا رہی اور اب مودودی صاحب نے اصل مفہوم سے آشنا کیا اوراس پر خان صاحب نے بتایا ہے کہ ''سید صاحب نے جو کچھ ان چاروں اصطلاحات کی تشریح کی ہے وہ خود ہی غلط ہے اور قرآن کی رو سے غلط ہے، نہ ''الٰہ'' کا صحیح مفہوم بتایا، نہ ''رب'' کا، نہ ''عبادت'' کا، نہ ''دین'' کا''۔

یعنی مودودی صاحب جس چیز کو ''الٰہ'' کہتے ہیں وہ قرآن کی روشنی میں الٰہ نہیں، جس کو ''رب'' کہتے ہیں وہ رب نہیں، جس کو ''عبادت'' کہتے ہیں وہ عبادت نہیں، جس کو ''دین'' کہتے ہیں وہ دین نہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب سے کافی بصیرت حاصل ہوگی۔

۲......اہل حدیث اگر ائمہ مجتہدین پر سب وشتم نہ کریں اور فرائض وواجبات میں حنفی مسلک کی رعایت کرکے نماز پڑھائیں تو ان کے پیچھے نماز درست ہوجائے گی (۱)۔

ایسے اہل حدیث بھی اہل سنت والجماعت سے الگ نہیں جو کہ دیانت داری سے حدیث پر عمل کرتے

---

(۱) "وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي، فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على إعتقاد المقتدي، عليه الإجماع. إنما إختلف في الكراهة ......ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا، والمعنى أنه يجوز في المراعي بلا كراهة و في غيره معها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا: ۱/۵۶۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۱، ۸۲، رشيدية)

ہیں اور فقہاء سے بغض نہیں رکھتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تبلیغی جماعت، جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی کا تعارف

سوال[۴۹۶]: بندہ اپنے نزدیک جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت و جمعیۃ العلماء ہر سہ کو مسلم جماعتیں سمجھتا ہے اور دل سے قدر کرتا ہے اور عملاً حصہ بھی لیتا ہے، ان میں سے کسی کو بے دین و گمراہ جماعت نہیں سمجھتا، ہمارے یہاں بعض لوگ تبلیغی جماعت کو مسلم لیگی اور اس کے چلہ کو بدعت کہتے ہیں اور جماعت اسلامی کو گمراہ اور بے دین جماعت بتلاتے ہیں۔ میں اپنے بارے میں دریافت کرتا ہوں کہ میرا فیصلہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ بعض لوگ میرے اس فیصلہ سے برہم ہیں اور کہتے ہیں کہ مودودی اور جمعیۃ العلماء سب جماعتیں قابل ترک ہیں اور جو ان جماعتوں کو مسلم جماعت سمجھتا ہے وہ گمراہ ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تبلیغی جماعت تو مروجہ طریقہ پر کوئی باقاعدہ جماعت نہیں ہے، نہ اس کا کوئی ممبر سازی کا فارم ہے، نہ فیس ہے، نہ سکریٹری، نہ رجسٹر میں اندراج، بلکہ اپنے دین کی پختگی اور مشق کیلئے چھ باتوں پر عمل کرتے ہیں، ان کو یاد کرنے، ان کو پھیلانے اور اپنی عملی زندگی میں جاری کرنے کیلئے حسب توفیق وقت لگا کر باہر جاتے ہیں، تین دن، ایک ہفتہ، دس دن، ایک چلہ، دو چلہ، تین چلہ، سات چلہ حتی کہ بعض آدمیوں نے اپنی پوری زندگی اسی کام میں لگادی ہے، دوسری کسی جماعت سے لڑائی اکھاڑ پچھاڑ سے بچتے ہیں۔ جو چھ باتیں ان لوگوں نے اختیار کی ہیں وہ سب قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہیں (۱)، ان میں کسی کا اختلاف ہی نہیں، اگر کوئی

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. "دخلت الجنّة فرأيت في عارضتي الجنّة مكتوباً ثلاثة أسطر بالذهب: السطر الأول: لا إله إلا الله محمد رسول الله اهـ". (فيض القدير ۲/۳۲۳۲، رقم الحديث: ۴۱۸۶، مصطفى الباز مكة)

قال الله تعالىٰ: ﴿أقيموا الصلوة وأتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين﴾. (سورة البقرة: ۴۳)

و قال تعالىٰ: ﴿يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات﴾ (سورة المجادلة: ۱۱)

و قال تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً﴾ (سورة الأحزاب: ۴۱) .... =

شخص کم علمی اور نا تجربہ کاری کی بنا پر کوئی غلطی کرتا ہے تو وہ اس کی ذاتی غلطی ہے، اس کو اصول نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، ایسے شخص کو دوسرے لوگ تنبیہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے، آئندہ ایسا نہ کیا جائے۔

جمعیۃ العلماء ایک مستقل جماعت ہے، صدر، سکریڑی، دفتر، رجسٹر، ممبر سب کچھ موجود ہے، جگہ جگہ اس کی شاخیں ہیں، اس کا اپنا اخبار ہے، ممبری فارم مطبوعہ ہے، دستور چھپا ہوا ہے، وقتاً فوقتاً انتخاب بھی ہوتا ہے، اس جماعت نے سیاسی کام بھی کیا ہے اور اب بھی کرتی رہتی ہے۔ دوسری جماعتوں سے مقابلہ بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے، اس کا کام زیادہ تر ملک اور قوم کی خدمت ہے، اس میں ہر قسم کے مسلمان شامل ہیں۔

جماعت اسلامی موجودہ جماعتوں میں سب سے زیادہ منظم اور باوضع ہے، اس کی رکنیت کی شرطیں بھی سخت ہیں، یہ جماعت الیکشنوں میں حصہ باضابطہ نہیں لیتی، حکومت کی ہر قسم کی ملازمت کو ناجائز کہتی اور ہر قسم کی آمدنی کو حرام کہتی ہے، موجودہ وقت میں جب تک حکومت حاصل نہ کرے، اس کے نزدیک کوئی عبادت بھی کار آمد نہیں، اس کا مقصد سارے عالم کی اصلاح کرنا ہے، اس کے نزدیک ایمان، اسلام، توحید، رسالت، اسوہ، سنت، بدعت کا مفہوم سب سے جداگانہ ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کسی نے بھی اسلام کو صحیح نہیں سمجھا، نہ اب، نہ گذشتہ زمانوں میں، حتی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں عامۃً اور خلفاء راشدین میں خاصۃً غیر اسلامی اور غیر دینی

= "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من موجبات المغفرة إطعام المسلم الشغبان". (شعب الإيمان للبيهقي: ۳/۲۱۷)

"عن عبد الله عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم: أيّ الإسلام خير؟ فقال: "تطعم الطعام، و تقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف". (صحيح البخاري: ۱/۶، كتاب الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿وادعوه مخلصين له الدين﴾. (سورة الأعراف: ۲۹)

و قال تعالىٰ: ﴿لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم﴾. (سورة الحج: ۳۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾. (آل عمران ۱۱۰)

چیزیں موجود تھیں اوران پر بار بار جاہلیت کے حملے ہوتے تھے جس کی وجہ سے وہ ناکردنی حرکات کرجاتے تھے۔ اس کے نزدیک قرآن پاک کا مطلب سمجھانے کیلئے تفسیر وحدیث کا ذخیرہ کارآمد نہیں اور ضروری نہیں، وہ ایسی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے جس کے تصور سے دنیا ہمیشہ ناآشنا رہی ہے اور آج تک ناآشنا ہے۔

امید ہے کہ اس مختصر سے تعارف کے بعد ہر سہ کے مقاصد اور نظریات کے متعلق رائے قائم کرنے میں سہولت ہوگی اور سب کا فرق بھی سمجھ میں آئے گا، طویل بحث کو آپ خود بھی پسند نہیں کرتے اور کچھ اس کی ضرورت بھی نہیں۔ فقط واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستیقم۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

مودودی صاحب اور جماعت اسلامی

سوال[۴۹۷]: ۱...... کیا جماعت اسلامی کے بنیادی عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق ہیں یا اس کے خلاف؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۲...... کیا جماعت اسلامی فرق ضالہ میں سے ہے یا فرق ھدی میں سے یعنی ہدایت یافتہ میں سے ہے؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۳...... جماعت اسلامی کے ارکان ومتعلقین کی امامت میں ان کے پیچھے نماز صحیح طور پر ادا ہوگی یا نہیں؟ یعنی کسی مسجد وغیرہ کا امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا تو کیونکر؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۴...... جماعت اسلامی کے جلسہ میں شرکت اوران کے ارکان ومتعلقین کی تقریریں سننا، یا ان کی تحریر کا مطالعہ کرنا، ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا کیسا ہے؟ المستفتی انعام الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شعبان ۱۳۶۰ھ میں جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی، اسی وقت تحریک امارت پیش ہوکر سید ابوالاعلی مودودی صاحب امیر جماعت تجویز ہوئے، اس سے قبل مودودی صاحب کے مضامین "ترجمان القرآن" میں شائع ہوتے رہے اور ذہنوں کو اس کیلئے ہموار کیا جاتا رہا، حیدرآباد دکن میں دیر تک ترجمان کا دفتر رہا، پھر پٹھان کوٹ میں منتقل ہوا۔ اس سے بھی پہلے دہلی سے طلوع اسلام "پرویز" سے مودودی صاحب کو کافی ربط تھا، حدیث کو ناقابل اعتماد قرار دینے کیلئے دونوں کی متحدہ کوشش رہی، پھر ایک موڑ پر اختلاف ہوا، کچھ مدت فریقین میں

خاموشی رہی، اس کے بعد جب فتنۂ انکارِ حدیث نے زور پکڑا اور ہر طرف سے اس کی تردید شروع ہوئی تو مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی طرف سے بھی تردیدی مضامین آئے، حتی کہ دونوں میں کافی مراسلت اور مقابلہ کی صورت رہی، منکرینِ حدیث اپنی تائید میں جگہ جگہ مودودی صاحب کی عبارات پیش کرتے تھے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ ہی کے خیالات ہیں۔

مودودی صاحب اور انکی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی کتابوں میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں، جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق ہیں اور بالکل حق ہیں، اور ایسی چیزیں بھی ہیں جو اسلام کا نام لینے والے گمراہ فرقوں خوارج، نواصب، روافض، منکرینِ حدیث، قادیانی وغیرہ کے مسلک کے مطابق ہیں، جو شخص ان کی ان تمام باتوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے ظاہر ہے کہ وہ خالص اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے(۱)۔ ایسے شخص کو جس نے باقاعدہ دین کو حاصل کیا ہو، اسی طرح سے اللہ پاک نے دین کو نازل ومکمل فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سمجھایا اور عمل کرایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعد کے لوگوں کو سمجھایا، پھر اسی طرح جو مابعد طبقہ نے ماقبل طبقہ سے سیکھا اور یہ توارث وتواتر قائم رہا، ایسا ہی شخص حق وناحق میں تمیز کر سکے گا، ورنہ وہ خود مبتلا ہو جائے گا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) "وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حَذوَ النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفترق أمتي على ثلث وسبعين ملة كلهم في النار إلاملةً واحدةً". قالوا: من هي يارسول الله؟ قال: "ما أنا عليه وأصحابي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۰، قديمي)

"فكذا هنا المراد: هم المهتدون المتمسكون بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي، فلا شك ولا ريب أنهم هم أهل السنة والجماعة، وقيل: التقدير أهلها من كان على ما أنا عليه وأصحابي من الاعتقاد والقول والفعل، فإن ذلك يعرف بالإجماع فما أجمع عليه علماء الإسلام فهو حق، وما عداه باطل". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، تحت حديث عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۱۷۱، ۱/۴۱۹، رشيديه)

''فقہ وکلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے، جو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر حاصل کیا ہے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں نے کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مؤمن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ خود یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا کہا، اسی ذریعہ معلومات کی طرف میں آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں''۔

آپ ہی غور کریں کہ جس نے نہ باقاعدہ اساتذہ سے قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کی ہو نہ ماضی وحال کے اشخاص سے دین کو سیکھا ہو، محض کالج میں ۱۶، ۱۷/ سال کی عمر تک پڑھ کر براہ راست کتاب وسنت کا مطالعہ عربی زبان پر عبور حاصل کر کے دین کو سیکھا ہو اور پونے چودہ سو سال کے تمام اکابر پر بے لاگ تحقیقی وتنقیدی نگاہ ڈال کر تخریبی تنقید کر ڈالی ہو، محض اسکے فہم پر اعتماد کر کے آدمی کہاں پہونچے گا، تازہ شاہکار ''خلافت وملوکیت'' بھی ملاحظہ ہو۔ اس مختصر سے خط میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں، حق تعالیٰ ہوائے نفس سے بچائے اور آخرت کی جوابدہی کے تصور کو مستحکم فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/ محرم/ ۸۸ھ۔

مولانا مودودی نے کس مدرسہ میں تعلیم پائی؟

سوال [۴۹۸]: ۱...... بہت سارے علماء کا کہنا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی فاسق ہیں، اور انکی ''جماعت اسلامی'' بھی فاسق ہے، وہ جماعت والے اگر ڈاڑھی نہیں رکھتے تو نماز روزہ کے بھی پابند نہیں ہیں، اس جماعت میں زیادہ تر سیاسی لوگ ہیں جن کا کردار اچھا نہیں ہے، اس لئے اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنا چاہئے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا اور علمائے دیوبند کا نظریہ الگ ہے، اس لئے مولانا مودودی کی کتاب نہ پڑھنا چاہئے اور نہ اپنے پاس رکھے اور نہ لائبریری میں منگائی جائے، یہ بات کہاں تک سچ ہے؟

۲...... مولانا محمود الحسن مدنی اور مولانا ابوالاعلی مودودی میں کس بات پر نااتفاقی تھی اور مولانا مودودی

نے کس مدرسہ میں تعلیم پائی اور ان کے استاد کون تھے؟ لوگوں کا کہنا ہے کہ مولانا محمود الحسن مدنی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک مدرسہ میں ایک ہی استاد کے متعلم ہیں، لیکن دونوں کا نظریہ مختلف اور الگ الگ ہے، اور مولانا محمود الحسن اور مولانا مودودی صاحب اس بات پر جھگڑپے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب کہتے ہیں کہ امام مہدی جو ظہور ہونگے تو پینٹ، کوٹ، سوٹ، کیساتھ ہونگے، جبہ کے ساتھ نہ ہوں گے، یعنی انگریزی لباس میں ظاہر ہوں گے۔ اور کہتے ہیں کہ ڈاڑھی ایک مشت رکھنا ثابت نہیں، جتنا چاہے رکھے خواہ ایک مشت ہو یا اس سے کم، قلمی ڈاڑھی رکھے سب جائز ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شہید لوگ زندہ نہیں رہتے، بلکہ لوگ جنگ میں جائیں گے نہیں، بول کے خدا نے شوق دلانے کیلئے وعدہ کیا کہ شہید لوگ مرتے نہیں، زندہ رہتے ہیں، اصل میں وہ زندہ نہیں بلکہ خدا ان کو بہت بڑا اجر دے گا اور انکا مرتبہ بلند کرے گا، ''شہید لوگ مرگئے ہیں'' کہنے سے لوگوں کا دل چھوٹا ہوگا اور پست ہمت ہو جائیں گے، بول کے خدا نے ان کا حوصلہ بلند کرنے کیلئے ان سے وعدہ کیا کہ شہید لوگ زندہ رہیں گے، یہ کہاں تک سچ ہے۔

مولانا محمود الحسن اور مودودی صاحب کی نا اتفاقی کی وجہ سے مولانا محمود الحسن نے جمعیۃ العلماء ہند کی پارٹی بنائی اور مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کی پارٹی بنائی۔ مولانا محمود الحسن ہندوستان کے حامی اور کانگریس کے بانی تھے، مولانا مودودی پاکستان کے حامی اور مسلم لیگ کے طرفدار تھے، یہ بات کہاں تک سچ ہے؟

۳...... دونوں عالموں کی سوانح حیات مختصر سے لکھنا، والد کا نام، کہاں پیدا ہوئے، کس مدرسہ میں تعلیم پائی ان کے استاد کون تھے، دونوں کا نظریہ کیسا ہے؟

۴...... مولانا مودودی جو بات کہتے ہیں وہ کام آج بھی مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں، ان کا کہنا غلط ہے یا صحیح؟ مودودی حق پر ہے یا نہیں یا غلط رائے پر، جماعت اسلامی غلط رائے پر ہے یا صحیح؟ مولانا مودودی ہی پاکستان کے بڑے عالم ہیں یا ان سے بھی بڑا کوئی عالم پاکستان میں ہے، مولانا مودودی بھی زمانہ کے بڑے عالم ہیں یا نہیں، دنیا کے بڑے عالموں میں ان کا شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

۵...... جماعت اسلامی والوں کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ یہاں کے ایک عالم مجھے منع کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جس طرح بدعتیوں کے پیچھے نماز درست نہیں، اسی طرح جماعت اسلامی کے علماء کے پیچھے جماعت درست

نہیں ہوگی، میرے تمام ساتھی جماعت اسلامی والے ہیں، نماز ان کے پیچھے پڑھنا پڑتی ہے، ان کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہیں؟ اور اسی جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کروں یا نہیں؟ مولانا مودودی کا مسئلہ اور دیوبندی عالم کا مسئلہ بہت سارا دیکھ چکا ہوں سب ایک ہیں، بدعت، شرک، کے بارے میں ایک بیان ہے، دوسرے کے بارے میں نہیں جانتا ہوں، اور میرے ساتھی جماعت اسلامی کا ممبر بننے کو کہتے ہیں، میں ممبر بنوں یا نہیں، اسلئے کہ بچپن سے میں دیوبندی عقیدہ کا ہوں، اس لئے ممبر بننے سے میرے عقیدے پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

۶.....مولانا ابو اللیث جو ہندوستان کی جماعت اسلامی کے عالم ہیں، ان کو لوگ فاسق کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں یا نہیں؟ فقط۔

شیخ کفیل الدین بالباہ، صالح پور، کٹک، اڑیسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو کتابیں لکھ کر شائع کردی ہیں ان میں بہت سی چیزیں اہلسنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں، وہ کلام اور فقہ میں ایک خاص مسلک رکھتے ہیں، وہ ائمہ سلف میں سے کسی کے متبع اور پابند نہیں ہیں، بعض جگہ معتزلہ اور خوارج کی باتیں ان کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس لئے انکی کتابوں کا مطالعہ دینی اعتبار سے مضر ہے، عبارتیں بہت شستہ اور دلفریب انداز میں ہوتی ہیں، لیکن ان کے اثرات یہ ہیں کہ آدمی کے مزاج میں آزادی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ براہ راست قرآن وحدیث سے مسائل استنباط کرنا شروع کردیتا ہے اور اس میں اپنی سمجھ پر اعتماد کرتا ہے، نہ یہ دیکھتا ہے کہ مفسرین اور محدثین وفقہاء ومجتہدین اور اکابر اہل اللہ نے اس کا مطلب یہی سمجھا ہے یا کچھ اور سمجھا ہے۔

اس کو نہ مفسرین پر اعتماد رہتا ہے، نہ محدثین پر، نہ فقہاء پر، نہ مجتہدین پر، بلکہ بسا اوقات صحابہ کرام کے علم وفہم پر بھی اعتماد نہیں رہتا، اور سب پر نہایت غلط قسم کی تنقید کر گذرتا ہے۔ جس حدیث کو اس کا دل قبول کرتا ہے اس کو معتبر سمجھتا ہے، جس کو اس کا دل قبول نہ کرے اس کو یہ کہہ کر رد کردیتا ہے کہ یہ مزاج نبوت اور مزاج اسلام کے خلاف ہے، یہ ذہنیت اور مزاجی کیفیت (کہ سب سلف صالحین سے اعتماد ختم ہو جائے) بہت خطرناک، دین کیلئے مضر بلکہ مہلک ہے اور سراسر گمراہی کا دروازہ ہے، اس لئے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے عامۃً روکا جاتا ہے، جب ایسی کتابیں لائبریری میں ہوں گی تو وہ مطالعہ میں آئیں گی نہیں ہوں گی تو مطالعہ میں بھی نہیں آئیں گی۔

۲.....مولانا محمود الحسن مدنی سے میں واقف نہیں، اس سے پہلے کبھی یہ نام بھی نہیں سنا۔ سید ابوالاعلیٰ سے

کسی نے دریافت کیا تھا کہ آپ نے کس استاد سے اور کس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے؟ تو انہوں نے نہ استاد کا نام بتا یا نہ مدرسہ کا بلکہ یہ کہا کہ ''مجھ سے مت پوچھو بلکہ میرا کام دیکھو'' حوالہ نمبر:۴ میں آرہا ہے، کام وہ ہے جو نمبر:۱ میں مذکور ہے اور کچھ آپ نے نقل کیا ہے، امام مہدی کے متعلق انہوں نے ''رسائل ومسائل'' اور ''تجدید احیاء دین'' میں وہ باتیں بھی لکھی ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں اور جو کچھ حدیث میں ہے اس کا انکار بھی کیا ہے بلکہ حدیثوں ہی کو ناقابل اعتبار قرار دیدیا ہے۔

۳......سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایک ایڈیٹر اور مضمون نگار ہیں، باقاعدہ کسی مستند استاد سے انہوں نے علم دین حاصل نہیں کیا، ہاں از خود مطالعہ کیا ہے، وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ:

''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں، میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں، جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے، دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے، اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو، دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی ہے''۔ (ترجمان القرآن، ج:۱۴، عدد:۳، ص:۲۲۷)(۱)۔

۴......مودودی صاحب سے ان کے ہی آدمی نے دریافت کیا تھا کہ اگر آپ نے کسی عالم سے فیض حاصل کیا ہو تو ان کا نام بھی تحریر فرمائیں اس کے جواب میں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''یہ ایک لاحاصل سوال ہے کہ میں نے کس عالم سے فیض حاصل کیا ہے، یہ سوال تو ان سے کرنا چاہئے جس نے کوئی علمی کام نہ کیا ہو اور جس کے علمی مرتبہ ومقام کو ماننے کیلئے مدرسہ کی سند اور استادوں کے ناموں کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ ہو، میں نے کام کیا ہے اور میرا کام کوئی چھپا ہوا نہیں ہے، بلکہ چھپا ہوا ہے، سب کے سامنے موجود ہے، اس کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کرسکتا ہے کہ میں نے کیا کچھ پڑھا ہے اور جو کچھ پڑھا ہے اسے کتنا ہضم کیا ہے''۔ (رسائل ومسائل:۲/۴۹۹)(۲)۔

---

(۱)(ترجمان القرآن، ج:۱۴، عدد:۳، ص:۲۲۷)

(۲)(رسائل ومسائل : ۲/۴۹۹)

۵.....ان کا بڑا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو یقین دلادیں کہ اب موجودہ وقت میں دین کو پوری طرح کوئی نہیں سمجھا، نہ اب سے دو چار صدی پہلے کسی نے سمجھا ہے، نہ آٹھ دس صدی پہلے کسی نے سمجھا ہے، نہ بارہ تیرہ صدی پہلے کسی کی پوری زندگی اسلامی زندگی تھی، حتی کہ مودودی صاحب اوران کے متاثر اہل قلم نے صحابہ کرام پر بھی سخت قسم کی تنقید کی ہے، جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زندگی ہی میں نام لیکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا تھا کہ ''یہ اہل جنت ہیں'' (۱) ان کو بھی نہیں بخشا، نمونہ دیکھنا ہو تو ''خلافت وملوکیت'' اور ''معرکۂ اسلام و جاہلیت'' کو دیکھنا بھی کافی ہوگا، ان امور کے بعد آپ کے ہر سوال کا جواب خود بخود واضح ہے۔

۶.....مولانا ابواللیث صاحب ہندوستان کی جماعت اسلامی کے امیر ہیں، جس طرح کہ مودودی صاحب پاکستان کی جماعت اسلامی کے امیر ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مودودی صاحب کا ایک فتویٰ

سوال[۴۹۹]: مولانا مودودی صاحب سے ایک مسئلہ یہ پوچھا گیا کہ کان میں دواڈالنے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ جواب دیا: نہیں ٹوٹے گا، سائل نے پھر پوچھا انجکشن لگوانے سے؟ جواب دیا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، سائل نے پھر پوچھا کہ اگر روزہ دار کے بھڑ ڈنک ماردے اور ڈنک کے مارنے سے سیال مادہ اس کے جسم میں پہونچادے (انجکشن کی طرح) تو کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ میرے خیال میں روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے بھولے سے کھاپی لیا۔ کیا مسائل بالا میں جو حکم مودودی صاحب نے بتایا از روئے شرع درست ہے اور آخری مسئلہ میں جو قیاس کیا ہے وہ صحیح ہے؟ حافظ محمد کلیم، علی آبادی۔

(۱) "عن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "أبو بکر فی الجنة، وعمر فی الجنة، وعثمان فی الجنة، وعلیّ فی الجنة، وطلحة فی الجنة، والزبیر فی الجنة، وعبد الرحمٰن بن عوف فی الجنة، وسعد بن أبی وقاص فی الجنه، وسعید بن زید فی الجنة، وأبو عبیدة بن الجراح فی الجنة". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۲/۲۱۵، سعید)

(ومشکوٰة المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب العشرة رضی اللہ تعالیٰ عنهم، الفصل الثانی: ۲/۵۶۶، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مودودی صاحب سے کسی نے فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''فتویٰ کسی مفتی سے پوچھو، ہاں دین کی بات میں بتاتا ہوں'' اور ان سے کسی نے کہا تھا کہ آپ نے فلاں چیز کا فتویٰ دیا ہے تو جواب میں کہا کہ ''فتویٰ دینے کی غلطی میں نے کبھی نہیں کی'' انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> ''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں، میں نے جدید وقدیم دونوں قسم کے علوم کا کچھ کچھ حصہ حاصل کیا ہے، جس کی بناء پر میں نہ جدید گروہ کو پورے طور پر صحیح سمجھتا ہوں اور نہ قدیم کو، میں نے دونوں پر پوری تنقید کی ہے''۔

مودودی صاحب کا اصلی کام یہی ہے کہ سب پر تنقید کر کے ان کو نا قابلِ اعتماد قرار دیدیں اور اپنی رائے کی فوقیت سب پر جتادیں، اور اپنے ذہن سے اس کی ترجیح بھی ظاہر کردیں، ان حالات میں ان کے بیان کئے ہوئے مسائل شرعی فتویٰ کی حیثیت میں نہیں بلکہ مضمون نگاری کی حیثیت میں ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ کان میں سیال دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، آنکھوں میں ڈالنے سے فاسد نہ ہوگا۔ یہ دونوں مسئلے کتب فقہ، شامی (۱) کنز (۲) فتاویٰ عالمگیری (۳) وغیرہ میں مذکور ہیں، مگر مودودی صاحب کے نزدیک ان کتابوں کے مسائل پر عمل کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس وقت ان کتابوں کے مصنفوں کو لعنت بھیجیں گے اور دعاء کریں گے کہ یا اللہ! ان کو دوہرا عذاب دے، انہوں نے ہم کو گمراہ کیا، ہم انکی اطاعت کیوجہ سے صحیح راستہ پر نہیں چلے بلکہ بھٹک گئے۔ (حقوق الزوجین)

بھڑ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، منفذ سے کوئی چیز اندر نہیں پہنچتی، انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اس میں بھی منفذ سے کوئی چیز نہیں پہنچتی، الا یہ کہ جوفِ معدہ میں منفذ سے کوئی چیز پہنچائی جائے تو مفسد

---

(۱) ''أو أقطر فی أذنه دهناً أو داوی جائفةً أو آمةً، فوصل الدواء حقیقةً إلی جوفه ودماغه''. (قوله: دهناً) قید به؛ لأنه لا خلاف فی فساد الصوم به الخ''. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم. مطلب فی حکم الاستمناء بالکف: ۲/ ۴۰۲، سعید)

(۲) (کنز الدقائق مع البحر الرائق، کتاب الصوم. باب ما یفسد الصوم و مالا یفسده: ۳/ ۴۸۶، سعید)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد: ۱/ ۲۰۴، رشیدیه)

صوم ہے(۱) اصل وجہ منفذ سے جوف میں کسی چیز کا نہ پہونچنا ہے، اس کو بھول سے کھانے پر قیاس کرنا غلط ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تفہیم القرآن کا حکم

محترمی جناب صدرالمفتی صاحب، زیدت معالیکم! دارالعلوم دیوبند۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ براہین ودلائل شرعیہ فقہ حنفی کے مطابق تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمایا جائے، عین کرم ہوگا۔

سوال[۵۰۰]: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً ولا تقم علی قبره﴾(۲) سورۃ التوبہ، اس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں لکھا ہے کہ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ فساق وفجار اور مشہور بالفسق کی جنازے کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، یہ عبارت بعینہ تفہیم القرآن کی تو نہیں ہے لیکن اس کا مفہوم یہی ہے، اس تفسیر کو لیکر کچھ لوگوں نے ہماری بستی میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھے گا، اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی جائیگی اور قبر کھودنے والوں پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ جو قبر کھودے گا اس پر پندرہ روپے جرمانہ ہوگا۔

ہماری بستی میں ایک عالم صاحب ہیں، یہ سب باتیں ان کی عدم موجودگی میں ہوئیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گھر پر آئے تو انہیں ایک نئی بات معلوم ہوئی انہوں نے مودودی صاحب کی تفسیر کو دیکھا اور اپنی تقریر میں

---

(۱)"أو أدهن أو إكتحل أو إحتجم وإن وجد طعمه فی حلقه". قال الشامی :"لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن، والمفطر إنما هو داخل من المنافذ للاتفاق من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم مایفسد الصوم ومالا یفسد : ۳۹۵/۲، ۳۹۶، سعید)

(وكذا فی الفتاوی العالمكیریة ، كتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وفیما لا یفسد : ۲۰۳/۱ ،رشیدیه)

(وكذا فی النهر الفائق، كتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسده : ۱۷/۲ ، مكتبه امدادیه ملتان)

(۲) (سورة التوبة: ۱۰ ، رقم الآیة: ۸۴)

بیان کیا کہ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے، یہ آیت کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ فساق وفجار کے بارے میں، مودودی صاحب نے تفسیر بالرائے کی ہے جو سراسر ناجائز وحرام ہے، نیز انہوں نے کہا کہ ان کی تفسیر کے مطابق خود مودودی صاحب اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، کیونکہ فاسق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کہتے ہیں تو مودودی صاحب اتنے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرتے ہوں گے کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں ہوگا، نیز مودودی صاحب کی ڈاڑھی حدود شرعیہ سے کم ہے اور وہ کھلم کھلا ڈاڑھی کٹاتے ہیں لہذا گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور مشہور بالفسق ہیں لہذا ان کی جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے۔

عالم صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا اگرچہ پوری زندگی میں کبھی نماز نہ پڑھی ہو بالکل حرام ہے اگر کسی نے نہیں پڑھی اور بلا جنازہ کی نماز کے دفن کر دیا گیا، سارے لوگ بستی کے گنہگار ہوں گے، لہذا ایسی زیادتی سے آپ لوگ باز آئیں۔ کچھ دنوں تک بات رک گئی پھر عالم صاحب اپنے مدرسہ میں چلے گئے، جب وہ آئے تو بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ بات تو معقول ہے، اب کونسی ترکیب نکالی جائے تو لوگوں نے بہانہ شروع کر دیا کہ ہم لوگوں نے صرف لوگوں کو دھمکانے کیلئے ایسا کیا تھا، اس پر عالم صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ اس نیت سے ایسا کرنا بھی ناجائز ہے کیونکہ آپ لوگ ایسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ہر معاملہ میں دوسری بستیاں اقتداء کرتی ہیں، اس لئے ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اس کو حقیقت پر محمول کر کے بلا نماز جنازہ کے کسی مسلمان کو دفن کر دیں جو بالکل ناجائز اور حرام ہے، اس پر لوگوں نے پوچھا کہ اچھا کونسی شکل تبلیغ کیلئے اختیار کیجائے؟

مولانا نے کہا کہ ہر اولاد والے اپنی اولاد پر کنٹرول کریں، اولاد بالغ اگر نماز نہیں پڑھتی ہے تو اس پر سختی کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغی اصول کے مطابق گشت کریں اب اگر لوگ نماز نہیں پڑھتے تو آپ کا قصور نہیں ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سوشل بائیکاٹ کر دیں۔

اب حل طلب یہ ہے کہ:

۱...... بے نمازی انسان کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

۲......آیت بالا کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

۳......مودودی صاحب کی تفسیر صحیح ہے یا نہیں؟

۴......ڈرانے یا دھمکانے کی غرض سے جب کہ اندیشہ بھی ہو کہ دوسرے لوگ ہوسکتا ہے کہ حقیقت پر محمول کر کے بالکل جنازہ کی نماز نہ پڑھیں، اعلان کرنا کہ جو نماز نہ پڑھے گا اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۵......ڈاڑھی کی حد شرعی کیا ہے؟

۶......لوگوں کو نمازی بنانے کیلئے شریعت کی رو سے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے؟ کرم فرما کر مذکورہ بالا باتوں کا جواب عنایت فرمایا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آنجناب کو جزائے خیر دیگا۔

والسلام خادم: محمد بدرالحسن مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم، چاندواڑہ، ضلع مظفرپور، بہار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......نماز فرض عین ہے(۱)، بے نمازی سخت گناہ گار ہے (۲)، نماز جنازہ اس کی بھی ضروری ہے:

"الصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع، فيكفر منكرها لإنكاره الإجماع، كذا في البدائع والقنية، وقوله تعالى: ﴿وصل عليهم﴾ وقوله صلى الله عليه وسلم :"صلوا على كل بر و فاجر"۔ طحطاوی، ص: ۳۵۰ (۳)۔

۲......﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً﴾ منافقین کے متعلق ہے، عبداللہ بن ابی ابن سلول

(۱) "هي (أي الصلوٰة) فرض عين على كل مكلف بالإجماع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۳۵۱، كتاب الصلاة، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن شقيق قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرون شيئاً من الأعمال تركه كفر غير الصلوة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۵۹، كتاب الصلوة، الفصل الثالث، قديمي كتب خانه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۸۰، باب أحكام الجنائز، فصل الصلوة عليه، قديمي كتب خانه)

رئیس المنافقین کا واقعہ کتب حدیث (۱) وتفسیر (۲) میں بہت مشہور ومعروف ہے کہ اس کے انتقال پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی تب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، پھر کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھائی۔

۳.....مودودی صاحب کی تفسیر "تفہیم القرآن" (۳) میں بہت سی چیزیں جمہور اہل سنت والجماعت کے

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أنه قال: لما توفي عبد الله ابن أبيّ، جاء ابنه عبد الله بن عبدالله إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فأعطاه قميصه، وأمره أن يكفنه فيه ثم يصلي عليه، فأخذ عمر بن الخطاب بثوبه فقال: تصلي عليه وهو منافق، وقد نهاک الله أن تستغفر لهم؟ قال: "إنما خيرني الله أو أخبرني الله فقال: (إستغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً فلن يغفر الله لهم). فقال: "سا زيده على سبعين" قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلينا معه، ثم أنزل عليه: ﴿ولا تصل على أحدمنهم مات أبداً ولا تقم على قبره﴾. (صحيح البخاري: ۲/۶۷۴، كتاب التفسير، سورة التوبة، قديمي)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه يقول: لما توفي عبد الله بن أبيّ دعي رسول الله صلى الله عليه وسلم للصلوة عليه، فقام فلما وقف عليه يريد الصلاة، ثم صلى عليه ومشى معه وقام على قبره حتى فرغ منه قال: فعجبت من جرأتي على رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فوالله ماكان إلا يسيراً حتى نزلت هاتان الآيتان: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً﴾ فما صلى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بعده على منافق، ولا قام على قبره حتى قبضه الله عز وجل". (تفسير ابن كثير: ۲/۴۹۹، سورة التوبة ايت نمبر: ۸۴)

(۳) چنانچہ مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ: "حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبے کے شکار ہوگئے"۔ (تفہیم القرآن: ۲/۳۴۴، سورہ ھود، آیت: ۴۶، مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ لاہور، طبع چہارم ۱۹۶۷ء،)اور حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں لکھا ہے: "حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں"۔ (تفہیم القرآن: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، سورۃ یونس)

اور حضرت داود علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ: "داود علیہ الصلاۃ والسلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہیں دیتا تھا"۔ (تفہیم القرآن: ۴/۳۲۷، سورۃ ص، آیت: ۲۶، مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ لاہور، طبع چہارم ۱۹۶۷ء)

مسلک کے خلاف ہیں، عامۃ المسلمین کا اس کو پڑھنا یا سننا اعتقادی اور عملی گمراہی وغلطی کا موجب بن سکتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے، ہاں جو حضرات اہل علم ہیں، کتاب وسنت کا علم باقاعدہ معتمد اساتذہ سے حاصل کر کے اس پر استحکام رکھتے ہیں اور صحیح وغلط میں تمیز کرنے کا ان کو ملکہ راسخہ حاصل ہے، ان کیلئے مضر نہیں، مگر مودودی صاحب نے آیت مسئولہ کے متعلق یہ نہیں لکھا جو ان کے معتقدین نے عمل شروع کر دیا، یہ عمل سراسر غلط اور فتنہ ہے، اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے، جو معتقدین اپنے اعتقاد میں حد غلو تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس قسم کی غلطیوں میں اکثر مبتلا ہوتے ہیں پھر جو لوگ نعمت فہم سے محروم ہیں انکا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ بے سمجھے ہی تقلید کرتے ہیں۔

مودودی صاحب نے اس آیت سے جو مسئلہ استنباط کر کے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اس سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ فساق وفجار اور مشہور بفسق لوگوں کی نماز جنازہ مسلمانوں کے امام اور سر برآوردہ لوگوں کو نہ پڑھانی چاہئے اور نہ پڑھنی چاہئے" تفہیم القرآن، ص:۲۲۱(۱)۔

مودودی صاحب کا ایسا کلیہ استنباط کرنا بھی غلط اور نصوص کے خلاف ہے اور ان کے معتقدین کا ایسا سمجھنا کہ بالکل نماز جنازہ ہی نہ پڑھی جائے اور بلا نماز ہی ان کو دفن کر دیا جائے، نہ سر برآوردہ پڑھے اور نہ کوئی اور پڑھے، یہ بھی غلط اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔

۴...... جب کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے تو اس کی دھمکی بھی غلط ہے اور جہاں اس غلطی میں مبتلا ہو کر بے نماز ہی جنازہ دفن کر دینے کا احتمال اور مظنہ ہو اور لوگ اقتداء میں ایسا کرنے پر آمادہ ہوں اور قبر کھودنے والے پر جرمانہ تجویز کیا جائے جس سے یہ بھی احتمال ہو کہ مردہ دفن ہی نہ کیا جائے، ویسے ہی پڑا ہوا سڑتا رہے جیسے مرا ہوا کتا، گدھا پڑا رہتا ہے تو ہرگز ایسی دھمکی اور اعلان کی بھی اجازت نہیں ہے۔

۵...... ڈاڑھی کی حد شرعی ایک قبضہ ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار (۲) میں سند کے

---

(۱) (تفہیم القرآن: ۲/۲۲۱، سورۃ التوبۃ، آیت: ۸۴، مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ لاہور طبع چہارم ۱۹۶۷ء)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة". (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، إدارة القرآن)

ساتھ اس کو نقل کیا ہے اور فتح القدیر(۱) اور درمختار(۲) وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ ''ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کاٹنا یا کاٹ کر ایک مشت سے کم کرالینا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں''۔ کسی نے اس کو مباح قرار نہیں دیا، یہ اجماع کے درجہ میں ہے۔

۶......عالم صاحب نے جو تدبیریں بتائی ہیں وہ اختیار کی جائیں اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجائے، ہر مکان اور مسجد میں اہل اللہ کی کتابیں سنانے کا انتظام کیا جائے، اکابر اہل اللہ کی خدمت میں جاجا کر کچھ وقت اپنی تربیت کیلئے گذارا جائے، اپنے احوال کی ان کو اطلاع کرکے ہدایات حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی فکر کیجائے، انشاء اللہ صحیح ماحول بنے گا، دین کا عام چرچا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تحریک جماعت اسلامی کا خلاصہ

سوال[۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان دین وشریعت جماعت اسلامی کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی کتابوں کی خرید وفروخت درست ہے یا نہیں، نیز ان کی کتب کا مطالعہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

افضل وابراہیم افریقی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی نے ایک انٹرویو کے دوران ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

''میری عمر سولہ سال کی تھی جب میں نے کالج چھوڑا، پھر آوارہ خوانی شروع کی کہ جو کچھ سامنے آیا پڑھ ڈالا، اس کا بہت برا اثر میرے دل ودماغ پر پڑا (کہ خدا پر سے

---

(۱)"وأما الأخذ منها وهي دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد". (فتح القدير: ۲/۳۴۸، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، مصر)

(۲)"وأما الأخذ منها وهي دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم". (ردالمحتار: ۲/۴۱۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم وما لايفسد، مطلب الأخذ من اللحية، سعيد)

یقین ہٹ گیا، عقائد بے معنی نظر آتے تھے) وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ عربی زبان پر عبور کافی تھا اس لئے براہ راست کتاب وسنت کا مطالعہ کیا، تشکک اور ارتیاب کے پردے چاک ہوتے گئے اور یقین مستحکم ہوگیا' وغیرہ وغیرہ۔

مودودی صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے کہاں اور کس سے علم حاصل کیا؟ اس کا جواب دیا کہ:

''یہ بات مجھ سے دریافت کرنے کی نہیں، یہ بات تو ان حضرات سے پوچھنے کی ہوتی ہے جن کے علم کیلئے چند ناموں کا گنا دینا کافی ہے (جیسے حدثنا فلان عن فلان عن فلان) آپ مجھ سے یہ نہ پوچھئے بلکہ میرا کام دیکھئے، میرا کام چھپا ہوا ہے چُھپا ہوا نہیں، اس کو دیکھ کر ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ میں نے کتنا علم حاصل کیا ہے، اس کو کتنا ہضم کر سکا ہوں''۔

کسی نے مودودی صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، صدیاں گذر گئی ہیں کسی نے وہ بیان نہیں کیا اور بڑے علماء ومشائخ نے آپ کے بیان کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب اکابر دین غلطی پر ہیں یا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق کے نام پر کوئی غلط چیز پیش کر رہے ہیں؟

مودودی صاحب نے اس کا جواب دیا کہ ''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مؤمن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کہا''۔ ترجمان القرآن (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب نے خدا کے دین کو نہ زمانہ حال کے کسی شخص یعنی استاذ سے سمجھا، نہ زمانہ ماضی چودہ سو سال میں کوئی شخصیت ایسی گذری جس سے وہ خدا کے دین کو سمجھ سکتے، قرآن کریم کا مطالعہ بھی خود ہی بغیر استاد کے کیا ہے اور سنت کا بھی، ان کے نزدیک قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کیلئے نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ تفسیر کی، چنانچہ لکھتے ہیں:

(۱) (تنقیحات بحوالہ روئیداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص: ۳۷)

''قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے، مگر تفسیر وحدیث کے پُرانے ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں، جو قرآن وسنت کے مغز کو پا چکے ہوں'' (تنقیحات) (۱)۔

بغیر تفسیر وحدیث کے قرآن کریم کو جو سمجھنے کا طریقہ مودودی صاحب نے تلقین کیا ہے وہ یہ ہے:

''قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا خواہشمند پہلے تو یہ سمجھے کہ الہام اسی پر نازل ہو رہا ہے، اور پھر وہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ خود اس الہام کو نازل کر رہا ہے'' (۲)۔

چنانچہ اس کا اثر یہ ہے کہ جماعت اسلامی سے وابستہ ایک صاحب اپنے لڑکے کو فہم دین کی دعوت اس طرح دیتے ہیں:

''بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم پر اتر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے''۔ (دعوت، دہلی)

الحاصل: مودودی صاحب اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی کے نزدیک خدا کا دین سمجھنے کیلئے نہ حال وماضی کے کسی شخص کی ضرورت ہے، نہ حدیث وتفسیر کی حاجت ہے اور نہ فقہ وکلام کی ضروت ہے، بلکہ دنیا میں اسلام، ایمان، دینداری، توحید، رسالت، اسوہ، سنت، بدعت، کا جو مفہوم پھیلا ہوا ہے، مودودی صاحب کے نزدیک سب غلط ہے، جیسا کہ ترجمان جلد: ۲۶ (۳) میں ہے:

''کوئی شخص ان امور کی اصل حقیقت سے واقف نہیں، اور فقہاء ومتکلمین نے جو غلط مفہوم عوام کے ذہن میں راسخ کرنے کیلئے فقہ وکلام کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور دین میں تحریف کر کے بے دینی کو دین بتایا ہے''۔

---

(۱) (تنقیحات، ہمارے نظام تعلیم کا بنیادی نقص، ص: ۱۱۴، مکتبہ جماعت اسلامی، دار السلام، پٹھانکوٹ، پنجاب)

(۲) (نوائے پاکستان، ص: ۴: کالم: ۲، ۴/ستمبر ۱۹۵۵ء)

(۳) (ترجمان القرآن: جلد: ۲۶)

2

جیسا کہ ترجمان جلد۲۶(۱) میں ہے:

''اسی لئے ان کے نزدیک جماعت اسلامی میں داخل ہونے کے لئے تجدید ایمان ضروری ہےاورکوئی بڑے سے بڑاعالم اور شیخ طریقت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں''۔

اسی لئے جوشخص ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد جماعت سے نکل جائے اس پر یہ لوگ ارتداد کاحکم لگاتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا دونوں یکساں ہو،نہیں یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں، خدا کی طرف سے پیٹھ موڑنے کے ہیں''۔ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع)۔

جماعت ہند کےایک اہم ذمہ دار کی کتاب ''تنقیدات'' میں ہے:

''یہاں تبلیغ اسی مشنری ڈھنگ کی ہے، جیسے عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے آئے دن ہوتی رہتی ہے، پس مذاہب چند بے جان عقائد، بے معنی منتر اور بے مقصد حرکات کی معجون سی بنے ہوئے ہیں، پنڈت، پادری، یا گرنتھی اور مولوی اپنے اپنے کارخانوں کی ذہنی معجونیں لئے پھرتے ہیں، ڈگڈگی بجائی، لوگوں کو جمع کیا اور اپنی معجون کے حق میں گا گا کر اور تھرک تھرک کر ایک رنگین تقریر کرڈالی''۔

نیز ایک صاحب نے مودودی صاحب کی خدمت میں رہ کے ایک کتاب تصنیف کی جس کو مودودی صاحب نے بہت پسند کیا ہے اس کا نام ''معرکہ اسلام وجاہلیت'' ہے، اس میں چن چن کر ایسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق لکھا ہے جن کے افضل اور جنتی ہونے اور مستحق خلافت ہونے کی بشارتیں صحیح احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں، کہ ان پر بار بار جاہلیت کے حملے ہوتے تھے جس کی وجہ سے غیر دینی جذبات بھڑکتے اور وہ ناکردنی، غلط، خلاف اسلام حرکت کرگذرتے تھے۔

مودودی صاحب نے ایک مستقل قاعدہ کلیہ کے طور پر ''ترجمان القرآن'' میں لکھا ہے کہ:

---

(۱)(ترجمان القرآن، حوالہ مذکورہ)

’’حقیقت یہ ہے کہ: اسلام وجاہلیت کے درمیان کوئی بیچ کی راہ نہیں ہے‘‘۔

اب پڑھنے والا سوچتا ہے کہ جن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود براہ راست دین کی تعلیم دی، ایک ایک چیز کو سکھایا اور ان پر اعتماد کرکے دین کی پوری امانت ان کے سپرد فرمائی اور تبلیغ دین کا ان کو ذمہ دار ٹھہرایا اور آئندہ آنے والوں کیلئے ان کو مقتدا بنایا، جماعت اسلامی کے نزدیک ان کے پاس بھی پورا صحیح دین نہیں تھا، بلکہ ان پر جاہلیت کے حملے ہوتے تھے اور جاہلیت تو بالکل اسلام کی ضد ہے، تو پھر انہوں نے امت کو اسلام پہونچایا، یا اسلام کی ضد پہونچائی، انہیں کے پہونچانے سے امت کے پاس اسلام پہنچا، مگر مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک کسی کے پاس بھی صحیح دین اسلام نہیں پہونچا۔ تقریباً چودہ صدی اس گہری گمراہی، بے دینی اور ضلالت میں بیت گئیں کہ لوگ بے دینی کو دین سمجھتے رہے، اور اسلام کی ضد کو اسلام سمجھتے رہے، اب مودودی صاحب نے اسلام کو صحیح طور پر پیش کیا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے بانی جماعت اور ایسی جماعت کو اہل سنت والجماعت سے کیا تعلق ہے؟ ایسی کتابیں جن میں یہ سب کچھ بھرا ہوا ہو خریدنا اور فروخت کرنا کب درست ہوسکتا ہے؟ (۱) اور ایسے لوگوں سے دینی تعلق کیسے رکھا جاسکتا ہے؟

مودودی صاحب کی کتاب ’’خلافت وملوکیت‘‘ کو دیکھئے کہ کس کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نشانۂ ملامت بنا رکھا ہے، پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کسی اَور کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے، مسلمانوں نے جس جس جماعت، جس جس فرد کیساتھ دینی عقیدت قائم کرکے ان کو اپنا رہنما تسلیم کیا ان پر مودودی صاحب نے ایسی تخریبی تنقیدیں کی ہیں کہ جس سے ساری عقیدت ختم ہوکر طبیعتوں میں نفرت بیٹھ جائے، جو شخص اپنے زمانہ کا عام طرز خیال بدلنا چاہتا ہو اور لوگوں کی روش میں اصولی تغیر پیدا کرنیکا خواہشمند ہو وہ مجبور ہے کہ ابتداء میں تعمیری افکار کو آہستہ آہستہ بتدریج اور باقساط پیش کرے، تخریبی تنقید کے بغیر وہ الفت وشیفتگی دور نہیں کی

(۱) قال تعالیٰ: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾. "وفي أسباب النزول للواحدي عن الكلبي ومقاتل أنه كان يخرج تاجراً إلى فارس، فيشتري أخبار الأعاجم. وفي بعض الروايات: كتب الأعاجم، فيرويها ويحدث بها قريشاً ويقول لهم: إن محمداً عليه الصلاة والسلام يحدثكم بحديث عاد وثمود، وأنا أحدثكم بحديث رستم، واسفنديار وأخبار الأكاسرة، فيستملحون حديثه ويتركون استماع القرآن فنزلت". (روح المعاني: ۶۷/۲۱، سورہ لقمان، آیت: ۶، دار إحياء التراث بيروت)

جاسکتی، جولوگوں کورائج الوقت تخیلات اور طریقہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے اور جب تک یہ الفت دور نہ ہو ان کے دماغ کسی نئی بنیاد پر تعمیری نقشہ سوچنے اور سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتے، لہذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کردینا سراسر نادانی ہے۔ (ترجمان القرآن، جلد: ۱۴، عدد: ۲، ص: ۱۳۴)(۱)۔

اس اصول کی بناء پر دستور میں تجویز کیا گیا ہے کہ رسولِ خدا کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، یہ بنیادی عقیدہ ہے اس کے پیش نظر کسی کو بخشا نہیں جائے گا۔ اسی وجہ سے ''صحیح بخاری شریف'' پر بھی تنقید کرتے ہوئے ایک حدیث کے متعلق لکھ دیا ہے ''یہ جھوٹ ہے، مہمل افسانہ ہے''۔ (رسائل و مسائل، ج:۲، نمبر:۲)(۲)۔

اور ''تفہیم القرآن'' میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام پر بھی سخت تخریبی تنقید کی ہے (۳)۔ مودودی صاحب تخریبی تنقید کے زور میں وہ چیزیں بھی اپنا لیتے ہیں، جن کو اہل باطل نے اختیار کیا ہے۔

کبھی ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارج کی محفل میں ہیں اور ان کی تائید کر رہے ہیں اور جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو مسلمانوں پر اور ان کے مقتداؤں پر چسپاں کر رہے ہیں، کبھی خیال آتا ہے کہ روافض کی مجلس میں ہیں اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذوات مقدسہ میں کیڑے ڈال رہے ہیں، کہیں تصور ہوتا ہے کہ مرزائیوں کے دربار میں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کو عقیدہ تثلیث سے مربوط کر رہے ہیں، کہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معتزلہ کی ہنگامہ آرائیوں میں گناہ گار مسلمانوں کو ایمان سے خارج ہونیکا نوٹس دے رہے ہیں۔ اور جہاں جس مقصد کے لئے مناسب سمجھتے ہیں، اپنی فہم کے مطابق کسی آیت یا کسی حدیث یا کسی قول کا بھی سہارا لے لیتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ

---

(۱) (ترجمان القرآن، جلد: ۱۴، عدد: ۲، ص: ۱۳۴)

(۲) (رسائل و مسائل، ج: ۲، ص: ۲۶، طبع سوم)

(۳) ''حضرت یونس علی نبینا وعلیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا''۔ (تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۳۲۱، سورہ یونس، آیت: ۹۸ پارہ ۱۱)

نوٹ: تفہیم القرآن کے طبع سوم میں یہی الفاظ بعینہ موجود ہیں، بعد کے ایڈیشنوں میں اس عبارت کو تبدیل کیا گیا ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (معارف القرآن: ۴/۵۷۰، مکتبہ ادارۃ المعارف کراچی)

ان کو تو حدیث سے بھی تعلق ہے اور کسی قول سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ خدائے پاک ان کو ہدایت دے اور ان کی گمراہیوں کو ان پر واضح فرما کر توبہ کرنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور جتنی گمراہی ان کے ذریعہ سے پھیلی ہے اس کی اصلاح کی بھی توفیق دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۵۰۲]: جماعت اسلامی کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بڑی اچھی جماعت ہے، دین کی صحیح سمجھ اس جماعت میں حاصل ہوتی ہے، مگر میرے بعض دوست کہتے ہیں کہ یہ جماعت اچھی نہیں ہے اس سے دور رہنا چاہئے، حالانکہ میں نے انکی کئی کتابیں پڑھی ہیں بظاہر کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی، آپ سے گذارش ہے کہ حکم اس جماعت کے متعلق ارشاد فرمائیں تاکہ یہاں کے لوگ ہدایت پائیں۔ عزیز الرحمٰن وانمباڑی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی نے باقاعدہ معتبر اساتذہ سے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل نہیں کی، زیادہ تر ان کی معلومات اپنے مطالعہ سے ہیں، وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کسی کو معتبر نہیں سمجھتے، بلکہ اپنی رائے کے ذریعہ موجودہ علماء اور گذشتہ فقہاء ومحدثین، اولیائے کرام حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذوات مقدسہ پر بھی رکیک حملے کرتے ہیں، اور فہم دین میں ان کو ناقص تصور کرتے ہیں۔

بسا اوقات وہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ مسلک سے ہٹ کر معتزلہ، خوارج، روافض، غیر مقلد، منکرین، مرزائیوں کی باتوں کو ترجیح دے کر اختیار کر لیتے ہیں، جس سے سخت گمراہی پھیلتی ہے اور ان سے متاثر لوگوں کے ذہن میں آہستہ آہستہ یہ بات قائم ہو جاتی ہے کہ چودہ صدی میں دین کو صحیح سمجھنے والا اور پورے دین کو اختیار کرنے والا کوئی شخص نہیں پیدا ہوا صرف مودودی صاحب نے پورے دین کو صحیح سمجھا ہے اور سب لوگوں کی غلطیوں کا پردہ چاک کیا ہے، کیونکہ سب لوگ اپنی ناسمجھی، خود غرضی یا خدا پرستی کی بناء پر دین کو غلط اور بے دینی کو دین سمجھے ہوئے تھے، یہ تصور اتنا خطرناک ہے جس کی حد نہیں، ساری امت کو اور اس کے دین کو ناقص اور غلط سمجھنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خدمات کو ختم کرنا اور ان سے اعتماد کو ختم کر دینا ہے۔ استغفر اللہ۔

معلوم نہیں کہ آپ نے مودودی صاحب کی کیا کتابیں دیکھی ہیں اور آپ کے پاس قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، اصول فقہ کے علوم کس قدر ہیں جن کے ذریعہ حق کو باطل سے پرکھا جا سکتا ہے۔

کیا "خلافت وملوکیت" کا آپ نے مطالعہ نہیں کیا؟ جس میں اونچے اونچے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کس قدر تخریبی تنقیدیں کی ہیں، حالانکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی، ان کو جنتی قرار دیا ہے (۱) ان پر اعتماد کرنے کیلئے حکم فرمایا (۲) ایسے حضرات مودودی صاحب کے نزدیک قابل اعتماد نہیں۔

ان کی دوسری کتابیں: "تنقیحات، تجدید واحیاء دین، تفہیمات، رسائل ومسائل" میں بھی اس قسم کے مضامین بھرے ہوئے ہیں مگر ان کو مضمون نگاری میں مہارت ہے، عبارت آرائی میں عام طور پر لوگ بہک جاتے ہیں، ان کے رد میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً "کشف حقیقت"، "تعبیر کی غلطی"، "مودودی مذہب"، "مودودی صاحب کے غلط نظریات"، "کھلی چھٹی"۔ خدا جانے ایسی بھی کوئی کتاب آپ نے دیکھی ہے یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبوبكر في الجنة، و عمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، و عبد الرحمٰن بن عوف في الجنة، و سعد بن أبي وقاص في الجنة، وسعيد بن زيد في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة". (جامع الترمذي: أبواب المناقب، مناقب عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/۲۱۵، سعيد)

(وكذا في مشكوٰة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب العشرة، الفصل الثاني، ص: ۵۶۶، قديمي)

(۲) "عن أبي بردة -رضي الله تعالىٰ عنه- عن أبيه قال: صلينا المغرب مع رسول الله صلى الله عليه وسلم: (وساق الحديث إلى أن قال) قال: فرفع رأسه إلى السماء وكان كثيراً مما يرفع رأسه إلى السماء فقال: "النجوم أمنة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي فإذا ذهبت أنا أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب بيان أن بقاء النبي صلى الله عليه وسلم أمان لأصحابه: ۲/۳۰۸، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه: ۵/۵۴۳، رقم الحديث: ۱۹۷۴۲، دار إحياء التراث بيروت)

جماعت اسلامی کا تفصیلی جائزہ ایک خط کے جواب میں

محترمی زید احترامہ..........................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[۵۰۳] جماعت اسلامی تقریباً ۲۵/ سال سے تشکیل یافتہ صورت میں کام کررہی ہے اس کے پمفلٹ، اخبار، رسالے، کتابچے، کثیر تعداد میں شائع ہو چکے ہیں اور شائع ہوتے رہتے ہیں، اس کا دستور بڑی اہمیت کے ساتھ مرتب کیا گیا، نصب العین اور طریق کار بھی تجویز کیا گیا، جو حضرات مفکر اور اہل قلم اس میں شریک ہوئے انہوں نے بڑی جدوجہد سے اس کی حمایت کی، دوسرے حضرات اہل علم نے اس کو قبول نہیں فرمایا، کچھ نے اپنی نجی مجلسوں میں اس پر نکیر کی، سوالات پیدا ہوئے، بات زیادہ بڑھی تو جلسوں تک نوبت آئی، اور بڑے بڑے عام جلسوں میں تقریریں کی گئیں اور جماعت کی جو چیزیں کتاب اور سنت سے ٹکراتی تھیں ان کو پیش کیا گیا۔

پھر سوالات تحریری شکل میں آنے شروع ہوئے، ان کے جوابات دیئے گئے، مستقل رسالے رد میں لکھے گئے، ان رسائل و جوابات کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ ہو گیا مگر نہ اتنا کہ جماعت اسلامی کے لٹریچر کے ہم پلہ ہو سکے، جماعتی لٹریچر کے مقابلہ میں یہ رد نہ ہونے کے برابر ہے، دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون، رام پور، علی گڑھ، اعظم گڑھ، مونگیر وغیرہ مقامات سے بھی جماعت کا رد لکھا گیا، اور دلائل تو یہ پیش کئے گئے، دونوں طرف کے حضرات کو بار بار غور وخوض کا موقعہ ملا، بعض مقامات پر تبادلہ خیال کی بھی نوبت آئی۔

امیر جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے مخالفت کرنیوالے حضرات کی کسی تحریر وتقریر کو حق اور نیک نیتی پر محمول نہیں کیا، کبھی فرمایا کہ یہ لوگ الیکشن کی وجہ سے ہماری مخالفت کرتے ہیں، کبھی لکھا کہ یہ جماعتی تعصب میں مبتلا ہیں، کبھی کہا کہ یہ قرآن وحدیث کو نہیں سمجھتے، ان کا ایمان محض تقلیدی ایمان ہے، انہوں نے اپنا ایمان اکابر کے سپرد کر رکھا ہے خدا کے سپرد نہیں کیا، ان کے دلوں میں خوف خدا نہیں، یہ جو کچھ اعتراض کرتے ہیں وہ جھوٹ ہے افتراء ہے، بددیانتی ہے، یہ لوگ نفس پرستی میں مبتلا ہیں، اپنی غلطیوں کو دین وتقوی بنا کر پرستش کرتے اور کراتے رہتے ہیں، اس کو چھوڑ کر نیا دین قبول کرنا ان کیلئے آسان کام نہیں ہے یہی تو وہ جہاد اکبر ہے جس کے اہل بہت کم ملتے ہیں۔

ان لوگوں کے لئے آزمائش کا وقت آگیا ہے، جو حق پرست ہیں وہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور جو اشخاص پرست ہیں وہ ہم سے الگ ہو جائیں گے، میں تو سمجھتا ہوں کہ خدا نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ان کو دین کی

خدمت کی توفیق ہی نہیں دے گا، بلکہ جن فتنوں کی خدمت کر رہے ہیں انہیں میں مشغول رہیں گے، وغیرہ وغیرہ۔غرض کسی کے اختلاف کو حق پر محمول نہیں کیا، لیکن جماعت کے اونچے حضرات نے بہرحال غور کیا، کچھ پر اپنی غلطی منکشف ہوگئی وہ جماعت سے علیحدہ ہوگئے، کچھ کو دیر لگی اور وہ پندرہ بیس سال تک جماعت میں عہدوں پر فائز رہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ نیک نیتی سے خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد ان پر اپنی غلطی منکشف ہوئی اور وہ جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔علیحدہ ہونے والوں کو جماعت نے جن خطابات سے نوازا آپ سے مخفی نہیں ہوں گے: ''یہ دین سے ہٹ گئے''، ''خدا سے منہ موڑ لیا''، ''مرتد ہوگئے'' (نعوذ باللہ) جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی تفصیلی فہرست بھی آپ کے علم میں ہوگی، وہ ایسے بلند پایہ لوگ ہیں جن کے متعلق نام بنام سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا تھا: کہ ''میرے ساتھ ایسے ایسے اہل علم واہل قلم ہیں کہ اگر میری کوئی بات بھی غلط ہوتی تو یہ لوگ مجھے فوراً روک دیتے اور آئندہ بھی میرا کوئی غلط قدم اٹھے گا تو مجھے فوراً روک دیں گے، یہ کھلی علامت ہے اس بات کی کہ جو کچھ میں نے کہا اور اختیار کیا وہ حق ہے''۔

اب تلاش کر کے دیکھئے کہ اس دستور بنانے والوں اور تشکیل کرنیوالوں اور جماعت کا سنگ بنیاد رکھنے والوں میں سے مودودی صاحب کے ساتھ کتنے آدمی باقی رہ گئے، مولانا امین احسن صاحب نے لکھا ہے کہ ''شاید ایک دو تبرک کے طور پر باقی ہوں ورنہ سب الگ ہوگئے کسی نے خاموشی اختیار کی، کسی نے جماعت کی خامیوں اور گہری غلطیوں اور گمراہیوں کو تفصیل سے بیان کیا''۔ الفرقان لکھنو کے وہ فائل دیکھئے جس میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی نے اپنی علیحدگی کے اسباب کو بیان کیا ہے اور کس طرح توبہ کی، معلوم ہوتا ہے کہ سخت ترین گمراہی وضلالت میں دیر تک پھنسے رہے، جس سے خدا کے سامنے عہدہ برآ ہونے کی صورت نہیں تھی، مولانا امین احسن صاحب کا ''میثاق'' ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں: ''میں سولہ سال تک ایک راہ گم کردہ قافلہ کا ساتھ چھوڑ کر آرہا ہوں''۔مولانا عبدالغفار صاحب، حکیم شمس الحسن بھی علیحدہ ہوئے، اور اسباب علیحدگی بیان کئے۔

مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دستورِ مودودی صاحب کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کی تردید بہت زوردار طور پر کی گئی اور جماعت اسلامی کے بہت سے اہل قلم نے کی ہے، نیز دستور کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا لے کر بہت سے علما سے دریافت کیا گیا ہے اور فتوے حاصل کئے گئے ہیں جن میں سے بعض کے حوالے آپ نے بھی دیئے ہیں حتی کہ اس کی تردید میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے

''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟'' مگر خدا کی قدرت کہ جیسے ہی وہ کتاب شائع کی ویسے ہی اپنی غلطی ان پر منکشف ہوئی، جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو گئے اور اپنے لکھے ہوئے گذشتہ مضامین کے کفارہ میں اب تک مسلسل مشغول ومنہمک ہیں ملاحظہ کیجئے ''المنبر'' لائل پور۔ جماعت کی گمراہی صرف دستور کی دفعہ نمبر ۶ کی وجہ تھی جس کو مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا اور اس کی تردید حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے ''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟'' کے ذریعہ کردی تھی اور جماعت کی گمراہی ختم ہو کر حقانیت ثابت ہو چکی تھی تو حکیم عبدالرحیم اشرف کی توبہ اور تحریر سے اس تردید کی تردید ہو کر وہ گمراہی پھر لوٹ آئی۔

غور طلب ہے کہ مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دستور کی دفعہ نمبر: ۶ کی تردید کے لئے حق صریح (آیت قرانیہ واحادیث نبویہ کو پیش کیا ہے) اور آپ اس کی مخالفت میں اقوال اشخاص کو پیش کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے معیار حق اشخاص کو قرار دیا ہے، حق سے اشخاص کو نہیں پرکھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ تنقید سے جو کچھ جماعت اسلامی کا مقصد ہے اور لٹریچر میں پھیلا ہوا ہے کہ کس بری طرح تخریبی تنقید وتنقیص، تجہیل، تحمیق کرتی ہے، اس کی روشنی میں دفعہ نمبر: ۶ کا سوال کیا جائے تو ہرگز ہرگز وہ جواب نہ ملے جو آپ نے نقل کیا ہے اور جماعت نے اپنی تائید میں شائع کیا ہے، بلکہ صاف اور صریح جواب ہر ذی علم سے یہی ملے گا جو کہ مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے۔ آپ دونوں طرف کی کتابیں دیکھیں، جن کی شرکت کو مودودی صاحب نے معیار حق قرار دیا تھا، دیکھئے وہ کیسے قوی دلائل سے اس تحریک کو زیغ وضلال لکھ رہے ہیں، وحید الدین خان صاحب اعظم گڑھ نے سوا پانچ سو صفحات کی کتاب ''تعبیر کی غلطی'' لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ''رب، الٰہ، دین، عبادت'' کی تعبیر مودودی صاحب نے غلط کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

جماعت اسلامی پر غور کرنے کیلئے بنیادی امور

سوال [۵۰۴]: ۱...... جماعت اسلامی برسر حق ہے یا گمراہ ہے اور اس کے بنیادی عقیدہ کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟

۲...... جماعت کے افراد کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳......اس جماعت کی مخالفت کرنا ہمارے لیے درست ہے یا غلط؟

۴......مدارس دینیہ میں اس جماعت کے افراد کی خدمت قبول کی جاسکتی یا نہیں؟

۵......اس جماعت کے اجتماعات میں شرکت کرنا اور اس کا لٹریچر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

چند اُمور عرض ہیں ان پر غور فرمائیں:

۱-صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین امت کا سب سے پہلا طبقہ ہے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تعلیم دی، ان کے قلوب میں اس کا یقین راسخ فرمایا اور ان سے عمل کرا کے ان کی زندگی میں راسخ کیا، تمام امت کیلئے ان پر نقل دین میں اعتماد لازم ہے، کسی صحابہ نے کوئی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط اور جھوٹ منسوب نہیں کی، تمام صحابہ کرام کا دامن اس سے پاک صاف ہے(۱)۔

۲-صحابہ کرام میں نفس صحابیت میں شرکت کے باوجود فرق مراتب بھی ہے، ان میں سے بعضے باپ ہیں ان میں سے بعضے بیٹے، بعضے دادا ہیں بعضے پوتے، بعضے استاذ ہیں بعض شاگرد، بعض بڑے ہیں بعض چھوٹے ہیں، بعض زیادہ حاضر باش ہیں بعض کم، بعض کی زندگی اسلام میں زیادہ گزری بعض کی کم، بعض کو فہم نصوص زیادہ حاصل ہوا بعض کو کم۔ پس اگر کسی استنباط اور اجتہاد میں اختلاف ہو وہاں استاذ کے قول کو شاگرد کے قول پر ترجیح دی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، یہ چیز نہ احترام صحابہ کے خلاف ہے، نہ اس پر کوئی اعتراض ہے، لیکن محض اپنی رائے سے بغیر دلیل شرعی کے صحابہ کرام کے قول کو رد کرنے کا کسی کو اختیار نہیں (۲)۔

---

(۱) "عن إبرهيم بن عبد الرحمن العذری قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۶، كتاب العلم، الفصل الثانی، قديمی)

"قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "أصحابی كالنجوم، فبأيهم اقتديتم اهتديتم". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۴، باب مناقب الصحابه، قديمی)

(۲) "لقد يقع التعارض بين الحجج، وحكمها (أی المعارضة) بين الآيتين المصير إلى السنة ...... و بين السنّتين المصير إلى أقوال الصحابة الخ" (نور الأنوار، ص: ۱۹۳، ۱۹۴، سعيد)

"تقليد الصحابی واجب يترک به القياس: أی قياس التابعين ومن بعدهم". (نور الأنوار، ص: ۲۱۶، سعيد)

۳-یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت کسی باپ نے اپنے بیٹے کو یا استاذ نے اپنے شاگرد کو کوئی سخت کلمہ کہد یا ہو یا چپت بھی مار دیا ہو تو آج اس کی حرص کرتے ہوئے کسی کو اس کا حق نہیں پہونچتا کہ ان صحابہ کی شان میں وہ بھی سخت کلمہ استعمال کرے اور استدلال کرے کہ ان کے باپ اور ان کے استاذ نے بھی تو یہ لفظ کہا تھا، میں نے کہد یا تو کیا قصور کیا؟ جیسے کہ کسی شخص کے والد کو اس کے دادا نے کبھی سخت کلمہ کہا ہو بلکہ کبھی چپت بھی مار دیا ہو تو اب یہ پوتا اپنے باپ کیساتھ وہی معاملہ کرنا چاہے جو اس کے دادا نے کیا تھا تو کوئی ادنی عقل والا بھی اس کی اجازت نہیں دے گا اور اس کو پسند نہیں کریگا۔

۴-صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مناقب اور فضائل قرآن کریم (۱) اور مستند احادیث میں موجود ہیں (۲)، تاریخ کی رطب و یابس روایات پر بھروسہ کرتے ہوئے ان فضائل و مناقب سے صرف نظر کرنا ہرگز درست نہیں، خاص کر جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ ان تاریخوں کے لکھنے والے اس حیثیت کے آدمی نہیں جس حیثیت کے حضرات محدثین ہیں۔

۵-حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''میرے صحابہ سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس کو درگذر کرو اور اس کا ذکر مت کرو'' (۳) حق تعالی کی بارگاہ میں ان کے کارنامے اتنے بلند ہیں کہ امید ہے کہ وہاں پکڑ نہیں ہوگی، پھر تنقید صحابہ کو مستقل مشغلہ بنانا اور اس میں کتابیں تصنیف کرکے ان کی پاکیزہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿كنتم خير أمة اخرجت للناس﴾. الآية. قيل: اتفق المفسرون على أنه وارد في أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال تعالى: ﴿وكذلك جعلناكم أمةً وسطاً لتكونوا شهداء على الناس﴾. وهذا خطاب مع الموجو دين حينئذ. وقال سبحانه وتعالى: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشدآء على الكفار﴾. (مقدمة ابن الصلاح، ص: ۱۴۷، النوع التاسع والثلاثون)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "لا تسبوا أصحابي، فلوا أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۳، مناقب الصحابه رضي الله تعالىٰ عنه، قديمي)

(وأيضاً مقدمة ابن الصلاح، المصدر السابق آنفاً)

(۳) قوله عليه الصلاة والسلام: " اقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم". (كنز العمال: ۱۲، ج: ۹، رقم الحديث: ۳۳۷۲۳، المكتبة التراث العربي)

زندگیوں میں سے عیوب تلاش کر کے لکھنا'' ان میں یہ عیب تھا، ان سے یہ گناہ صادر ہوا، ان سے یہ کوتاہی ہوئی، ان سے یہ چوک ہوئی، آخر تھے تو وہ بشر ہی، بشری کمزوریوں سے خالی نہیں تھے، ان پر غیر دینی جاہلیت کے رہ رہ کے حملے ہوتے تھے جس کی بنا پر وہ ناکردنی حرکات کر گذرتے تھے، دین کی روح تڑپ اٹھتی تھی، انہوں نے باہمی جنگ وجدل میں جاہلیت میں جان دی''، وغیرہ وغیرہ۔ اس تنقید کی کہاں اجازت ہے (۱) جس سے ان کی ساری زندگی ہی عامیانہ زندگی اور مخدوش زندگی بن جاتی ہے جس کی بنا پر ان کا نقل کردہ دین ہی ناقابل اعتماد بن جاتا ہے، مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کی کتابوں میں مثلاً ''خلافت وملوکیت'' (۲) ''تفہیمات'' (۳) ''معرکہ اسلام وجاہلیت'' وغیرہ میں یہ مضامین بھرے ہوئے ہیں۔

دور صحابہ کے بعد محدثین کا نمبر آتا ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ کو نشانہ تنقید بنا کر مجروح کرنے سے نہیں روک سکے تو پھر محدثین کرام کا درجہ تو صحابہ کرام سے کم ہے ان کا کیا خیال کرتے، جو جو نہ کہنا چاہئے وہ وہ ان کو کہا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ فہم دین میں صرف اپنے دماغ وفہم پر اصالۃً اعتماد ہو گیا، جو چیز صحابہ کرام اور محدثین وغیرہ حضرات سے اپنے فہم ودماغ کے مطابق مل جاتی وہ علی الرأس والعین ہے اور جو چیز خلاف ہو وہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کے قابل ہے اور استدلال یہی کہ ہر ایک کی تنقید درست ہے (۴) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے انصاف کے ساتھ غور کریں کیا واقعی ان کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس

---

(۱) ''عن عبداللہ بن مغفل قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: '' اللہ اللہ فی أصحابی، لا تتخذوهم غرضاً من بعدی''. الحديث (مشكوٰة المصابيح، ص: ۵۵۴، باب مناقب الصحابه، قديمی)

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ: ''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتی کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں''۔ (خلافت وملوکیت، ص: ۱۶۲، طبع سوم)

(۳) ''بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا ہے''۔ (تفہیمات، ص: ۳۵۸، مسلک اعتدال، حصہ اول، اسلامی پبلیکیشنز لاہور)

(۴) ''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے''۔ (دستور جماعت اسلامی پاکستان، ص: ۲۴)

طرح مجروح کرنا اور نشانۂ ملامت بنانا ہے؟

۶-حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر جو تنقید کی گئی ہے اس کو بھی شاید آپ نے مودودی صاحب وغیرہ کی کتابوں میں ملاحظہ کیا ہوگا جہاں انہوں نے لکھا ہے کہ ''امت کو بت پرستی سے تو بچایا ہے مگر پیر پرستی میں مبتلا کر دیا کہ مرید ہوتے ہی پیر کو رب سمجھا جانے لگا'' کس قسم کی تنقیدیں ہیں کہ روا نہیں رکھی گئی اور مسلمانوں کو اس مہلک مرض میں مبتلا کر دیا، جس شخص کا یہ حال ہو صحابہ پر تنقید کرتے ہیں، اس کے قول سے استدلال کرتے ہیں، تجدید و احیاء دین وغیرہ آپ کی نظر سے گذری ہوگی۔

۷-قرآن کریم کی آیات اور مستند احادیث صحابہ کرام کے حق میں ذرا ملاحظہ کیجئے: ﴿السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه، وأعد لهم جنات تجري تحتها الأنهار، خالدين فيها أبداً، ذلك الفوز العظيم﴾(۱)

"أصحابي كالنجوم، فبأيهم اقتديتم، اهتديتم"، (۲)﴿رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، فمنهم من قضى نحبه، ومنهم من ينتظر، وما بدلوا تبديلا﴾(۳) ﴿ولكن الله حبب إليكم الإيمان وزينه في قلوبكم، وكره إليكم الكفر والفسوق والعصيان﴾(٤)۔

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم ينفق مثل أحد ذهباً، مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه"(۵)۔ (وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم): "من سب أصحابي، فعليه لعنة الله والملائكة والناس

---

(۱)(سورة التوبة: پ، ۱۱، آیت ۱۰۰)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۵۵۴، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) (سورة الأحزاب: پ، ۲۱، آیت: ۲۳)

(۴)(سورہ الحجرات: پ، ۲۶، آیت: ۷)

قال الله تعالىٰ: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار، رحماء بينهم، تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً﴾. (سورہ الفتح، پ: ۲۶، آیت: ۲۹)

(۵)(مشكوٰة المصابيح، ص: ۵۵۳، باب مناقب الصحابة، قديمي)

أجمعين، لا يقبل منه صرفاً ولاعدلاً"(۱)۔ "إن الله اختار أصحابی علی جميع العالمين سوی النبيين والمرسلين، واختار لی منهم أربعة: أبابكر، وعمر، وعثمان، وعلياً، فجعلهم خير أصحابی، و فی أصحابی كلهم خير"(۲)۔

"أيها الناس! إن الله غفر لأهل بدر والحديبيه، احفظوا فی أصحابی وأصهاری وأختانی، لا يطالبنكم أحد منهم بمظلمة، فإنها مظلمة لاتوهب فی القيا مة غداً" (۳)۔

اور چند احادیث کا خلاصہ عرض ہے:

۱-''جس نے میرے صحابہ میں میری رعایت کی اللہ اس کی دنیا وآخرت میں حفاظت فرمائے گا اور جس نے ان میں میری رعایت نہ کی اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو پکڑیگا'' (ہلاک فرمادیگا) (۴)

۲-''جس نے میرے اصحاب میں میرے حق کی حفاظت کی وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا اور جس نے حفاظت نہ کی، حوض کوثر سے سیراب نہ ہوگا (۵) اور نہ مجھے

---

(۱) (مظاهر حق: ۴/۸۴، باب مناقب الصحابة، مكتب اشاعت دينيات انار كلی لاهور)

"قال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم:" من سب أصحابی فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين". (فيض القدير ۱۱/۵۸۵۳، رقم الحديث ۸۷۳۴)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:" إذارأيتم الذين يسبون أصحابی فقولوا: لعنة الله علی شركم". (جا مع الترمذی، ۲/۲۲۵، باب من يسب أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم، سعيد)

(و مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۴، باب منا قب الصحابه، قديمی)

(۲) (جمع الجوامع للعلامة السيوطی ، ص:۴۲۲۴، بيروت)

(۳) كنزل العمال، بلفظ : " يايها الناس! احفظونی فی أختانی وأصهاری، لايطلبنكم الله بمظلمة أحدٍ منهم فإنها ليست مما توهب". (۱۱/۵۴۱، رقم الحديث: ۳۲۵۳۶، مكتبه التراث الإسلامی، حلب)

(۴) (حكايات صحابه، ص: ۲۰۰، كتب خانه فيضی لاهور)

(۵) (حكاياتِ صحابه، ص: ۲۰۰، كتب خانه فيضی، لاهور)

دیکھے گا مگر دور سے''۔

اب کچھ اکابر کے اقوال بھی سنئے:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''جس میں دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا: حق تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ سچائی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ محبت''۔

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کی، اللہ کے راستہ کو واضح کیا، اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ مستفیض ہوا، اور جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کی اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا، جس نے تمام صحابہ کی تعریف کی وہ نفاق سے بری ہو گیا، جس نے ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھا وہ مبتدع ہے اور سنت وسلف صالحین کی مخالفت کرنیوالا ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں چڑھ سکتا جب تک وہ ان تمام سے محبت نہ کرے اور اس کا دل ان کیلئے بغض وکینہ سے صاف نہ ہو''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہ کرے اور ان کے اوامر کا احترام نہ کرے، اس کا ایمان ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے''۔ شروح بخاری، مسلم شریف، مشکوۃ شریف، طبرانی وغیرہ کتب میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔

۸-مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے اونچے ذمہ داروں کی تحریرات میں کچھ باتیں معتزلہ کی ہیں (۱) اور کچھ باتیں روافض کی ہیں (۲) کچھ خوارج کی ہیں، کچھ غیر مقلدین کی ہیں، (۳) کچھ منکرین حدیث کی ہیں، کچھ قادیانیوں کی ہیں، جو شخص یا جو فرقہ ان تمام کو تسلیم کرتا ہے ظاہر ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت (ما أنا

---

(۱) ''کیونکہ مودودی صاحب نے مرزائیوں کی لاہوری جماعت کو کفر اور اسلام کے درمیان معلق قرار دیا ہے جو معتزلہ کا مذہب ہے''۔ (احسن الفتاوی: ۱/۳۲۵، سعید)

(۲) ''اسلئے کہ مودودی صاحب کی عبارت سے عقیدہ تحریف قرآن معنوی صراحۃً اور تحریف لفظی لزوماً ثابت ہوتا ہے''۔ (احسن الفتاوی ۱/۳۲۳)

(۳) ''چنانچہ مودودی صاحب کے نزدیک تقلید ناجائز اور گناہ ہے بلکہ اس سے شدید تر چیز ہے''۔ (رسائل ومسائل ۱/۲۴۴)

علیه وأصحابی) (۱) سے نہیں۔

۹-مودودی صاحب کے نزدیک ''الٰہ، رب، عبادت، دین، اسلام، ایمان، توحید، رسالت، تقویٰ، سنت، اسوہ، بدعت''، وغیرہ اصطلاحات کے مفہومات جوامت میں شائع ہیں وہ غلط ہیں، پس ان کے نزدیک نہ کسی کا ایمان ایمان ہے، نہ کسی کا اسلام اسلام ہے، نہ کسی کی عبادت عبادت ہے، نہ کسی کا دین دین ہے، الغرض ہزار سال سے زیادہ مدت گذر چکی کہ ساری امت اس ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہے۔ مودودی صاحب نے ان تمام اصطلاحات کی وہ تشریح کی ہے جس کو اکابرِ سلف کی تشریح سے کوئی ربط نہیں، سب سے جداگانہ ہے۔ '' قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' دیکھئے تو بات خوب واضح ہوجائے گی، اس وجہ سے اسکے رد میں ''تعبیر کی غلطی''، ''دورِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' وغیرہ کتابیں ایسے لوگوں کے قلم سے نکلی ہیں، جو مدتِ دراز تک زور شور کے ساتھ مودودی صاحب کی حمایت کرتے رہے ہیں اور صدہا صفحات بلکہ ہزاروں کی تعداد میں پہلے لکھ چکے تھے، امید ہے کہ ان امورِ معدودہ سے آپ کے پنجگانہ سوالات کا جواب خود بخود آپ پر واضح ہوگیا ہوگا، مزید توضیح وتشریح کی حاجت نہیں رہی ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے؟

سوال[۵۰۵]: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گناہ کا ارتکاب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مودودی صاحب کیا کہتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے دین کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد فرما کر دین ان کو سکھلا دیا اور اس کی تبلیغ کا ذریعہ بنا دیا، پھر انہوں نے عمر بھر اس کی اشاعت کی، جہاں جہاں تک پہونچ

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قدیمی)

سکتے تھے وہاں جا کر دین کو پہنچایا۔ جن مقدس ہستیوں کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امین قرار دیا (۱) آج ان کے متعلق یہ بحث کرنا کہ ان سے گناہ صادر ہوئے تھے اور انہوں نے فلاں فلاں گناہ کئے ہیں جیسا کہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کی کتابوں میں بے لاگ تنقید کی جاتی ہے، درحقیقت ان کی امانت وذمہ داری کو مجروح کر کے ان سے بے اعتمادی پیدا کرنا ہے، جس کی زد حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جا کر پڑتی ہے کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نااہلوں پر اعتماد فرمایا اور اتنی بڑی امانت کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی جس کے وہ اہل نہیں تھے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا دین مخدوش اور ناقابل اعتماد ہو جائے گا، اس لئے کہ جب صحابہ کرام پر اعتماد نہیں ہوگا تو تابعین، محدثین، فقہاء، مفسرین، اولیاء کاملین، متکلمین کسی پر بھی اعتماد نہیں رہے گا، کیونکہ ان سب کو جو کچھ دین پہونچا ہے وہ حضرات صحابہ کرام سے ہی پہونچا ہے، اول طبقہ کو بلاواسطہ، بعد والوں کو بالواسطہ۔

لہٰذا اخیر میں صحیح دین وہ شمار ہوگا جس کو مودودی صاحب بیان فرمائیں، کیونکہ بغیر ان کے واسطہ کے فرمائیں گے، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے: ”میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ

---

(۱) ”عن أبي بردة عن أبيه -رضي الله تعالیٰ عنه- قال: ”صلينا المغرب مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم (و ساق الحديث إلى أن قال): قال: فرفع رأسه إلى السماء و كان كثيراً مما يرفع رأسه إلى السماء، فقال: ”النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت النجوم، أتى السماء ما توعد، و أنا أمنة لأصحابي، فإذا ذهبت أنا، أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون“. (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب بيان أن بقاء النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أمان لأصحابه الخ: ۲/۳۰۸، قديمي)

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي موسى الأشعري رضي الله تعالیٰ عنه: ۵/۵۴۳، رقم الحديث: ۱۹۰۷۲، ط، دار إحياء التراث بيروت)

قال القاريؒ في المرقاة: ”أي أمن، وقيل: أمان و مرحمة. و قيل: حفظة جمع أمين، و هو الحافظ“. (كتاب المناقب، باب مناقب الصحابة رضي الله تعالیٰ عنهم أجمعين، الفصل الأول: ۱۰/۳۵۷، رقم الحديث: ۶۰۰۸، رشيديه)

قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی' (ترجمان القرآن)(۱)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو شخص بُرا کہے ان کے عیوب شمار کرے، حدیث شریف میں ایسے لوگوں پر لعنت آئی ہے، حدیث شریف میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ: ''میرے صحابہ کو گالی مت دو، برا مت کہو' لیکن ایک مستقل جماعت ہے جو اسی کام میں لگی ہوئی ہے، اللہ پاک ہدایت دے۔

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "إذا رأیتم الذین یسبو ن أصحا بی فقولوا: لعنة اللّٰه علی شر کم"۔ رواه الترمذی (۲)۔

"عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالی عنه قال: قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: "لا تسبوا أصحابی، فلو أن أحد کم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مد أحدهم ولا نصیفه"۔ متفق علیه" (۳)۔

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: "سمعت رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: "سألت ربی عن اختلاف أصحابی من بعد ی، فأوحی إلیّ یا محمد! إن أصحا بك عندی

---

(۱)''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا کہا''۔ (روئیداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص: ۳۷)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (اختلاف امت اور صراط مستقیم تالیف: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، مسئلہ نمبر: ۵، سید ابوالاعلیٰ مودودی)

(۲) (جا مع الترمذی: ۲/۲۲۵، أبواب المناقب فی باب من یسب أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم، سعید)

(۳) (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بلا ترجمة بعد مناقب أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۱/۵۱۸، قدیمی)

(الصحیح لمسلم، کتاب المناقب، باب تحریم سب الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم: ۲/۳۱۰، قدیمی)

(وجامع الترمذی المصدر السابق)

بمنزلة النجوم في السماء بعضها أقوى من بعض، ولكل نور، فمن أخذ بشيء مماهم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى"۔ قال: و قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم:" أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم"۔ رواه رزين، مشكوة شريف، ص: ۲/۵۵۴(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا اقوال صحابہ فرقہ بندی کا سبب؟

سوال[۵۰۶] : آپ کا مختصر سا جواب مجھ جیسے کم علم انسان کی ہدایت کیلئے ناکافی ہے، خاص طور سے وہ حدیث جو جناب نے وضاحت کے طور پر تحریر فرمائی ہے، یعنی "جس طریقہ پر (اعتقادی، عملی، اخلاقی حیثیت سے) میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں جو فرقہ اس طریقہ پر رہے گا نجات پائے گا"۔ جہاں تک مجھ کمترین کا علم ہے کہ فرق اسلام میں کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہے جو اس کا مدعی نہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر قائم ہیں، اور صرف ایک فرقہ کو چھوڑ کر جتنے فرقہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں خواہ حقیقۃً مسلمان نہ ہوں، یہاں تک کہ قادیانی بھی کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کے عقائد پر قائم ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیسے سمجھا جائے کہ ان میں سے کون سا فرقہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے اور باقی نہیں ہیں، جبکہ اکثر فرقوں کی بنیاد صحاح ستہ کی احادیث اور کلام پاک کی تفسیریں ہیں، مزید برآں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے طریقہ کیساتھ صحابہ کے طریقوں کی شرط کیوں لگائی؟ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں فرق تھا اور اگر نہیں تھا تو اس قید کی کیا ضرورت تھی؟ صحابہ کے اعمال واقوال میں نمایاں تضاد کتب احادیث میں قدم قدم نظر آتا ہے، اور کوئی مسئلہ خواہ اعتقادی ہو عملی یا اخلاقی مابین فرقہائے مسلمین ایسا نظر نہیں آتا جس میں کوئی بھی فرقہ تمام صحابہ کو ہم خیال سمجھتا ہو اور ہر مسئلہ کیلئے بالکل مخالف سمت میں لے جانے والے صحابہ کے قول کتب احادیث میں ملتے ہیں اور سب کی نہیں تو زیادہ تر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

اور یہی اختلاف اقوال مسلمانوں میں فرقہ بندی کا سبب بنا ہے، اس لئے یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ہستیاں جن کے اقوال اور اعمال مسلمانوں میں فرقہ بندی کا سبب ہیں، انہیں کے طریقہ پر عمل درآمد

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۵۵۴، باب مناقب الصحابة رضي الله عنهم، قديمي)

نجات کا باعث ہوسکتا ہے، جبکہ مذکورہ اور مصدقہ حدیث شریف میں بہتر کی ہلاکت اور صرف ایک کی نجات کی خبر دی گئی ہے۔ جواب سے ممنون فرمائیں۔ تجمل حسین بر کی گونڈہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ ''اقوال صحابہ میں تضاد ہے، یہ تضاد ہی امت میں فرقہ بندی کا سبب بنا ہے حتی کہ امت کے تہتر فرقہ ہو گئے، صرف ایک فرقہ ناجی ہے، بہتر فرقے جہنمی ہیں، ان میں سب کی نہیں تو زیادہ تر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، لہذا فرقہ ناجیہ تو وہ ہوگا جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوگا نہ کہ وہ جو کہ صحابہ کرام کے طریقہ پر ہوگا، بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں ارشاد فرمایا جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام ہیں اس طریق کی پیروی کرنیوالا فرقہ ناجی ہے (۱) یعنی اپنے ساتھ صحابہ کرام کو کیوں شامل کیا؟ جبکہ وہ خود ہی اپنے اختلاف کے ذریعہ بہتر فرقوں کو دوزخی بنا رہے ہیں، ان کے اتباع سے تو آدمی دوزخی بنے گا نجات نہیں پاسکتا''۔ اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہی ہے تو جذبات سے یکسو ہو کر ذرا غور کریں کہ اس سوال کی بنیاد کیا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جو اقوال کتب حدیث میں بسند منقول ہیں جن کی وجہ سے امت کے اتنے فرقے بن گئے اور ان اقوال کی نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے دو حال سے خالی نہیں: یہ نسبت صحیح کی گئی ہے یا غلط کی گئی؟ اگر صحیح کی گئی تو اس میں صحابہ کرام کا کیا قصور ہے؟ انہوں نے تو جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یا عمل کرتے دیکھا اس کو نقل کر دیا، کیونکہ وہ اس کے مامور تھے (۲)۔ اس لحاظ سے

---

(۱) "وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل". فذكر الحديث، وفيه: "وأن بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً، وتفترق أمتي على ثلاث سبعين ملةً، كلهم في النار إلاملةً واحدة". قالوا: من هي يارسول! ؟قال: "ما أنا عليه وأصحابي" رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

(۲) "عن أبي بكرة ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: "فإن دماء كم وأموالكم". قال محمد: وأحسبه قال: "وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهر كم هذا، ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ليبلغ الشاهد الغائب: ۱/ ۲۱، قديمي)

ان کواس میں نقل کے سوا کچھ بھی دخل نہیں، اور نقل صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی تہتر قسم کی متضاد باتیں ارشاد فرمائیں، جن میں سے بہتّر کو اختیار کرنے والوں کے لئے جہنم کا ٹکٹ تجویز فرما کر دوزخی ہونے کی سند دی اور صرف ایک کو اختیار کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت مرحمت فرمائی۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسے متضاد قولوں کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط اور جھوٹ کی ہے (معاذ اللہ) تو پھر خود بھی اعتماد کے قابل نہیں رہتے۔ لہٰذا جو چیز بھی وہ نقل فرمائیں کوئی بھی قابل اعتماد نہیں ہوگی، پس قرآن کریم، حدیث، توحید، رسالت، ایمان، اسلام، اسوہ، سنت، عبادت، معاملات، اخلاق، واحکام یہ سب چیزیں جو کہ حضرات صحابہ ہی کے نفوس قدسیہ کے ذریعہ بعد والوں کے پاس پہونچی ہیں، ان پر کیسے اعتماد کیا جائے گا، جبکہ ان پاکیزہ ہستیوں ہی کو نقل میں کاذب تصور کرلیا جائے گا، استغفر اللہ العظیم، پھر اس حدیث مسئولہ ہی پر کب اعتماد ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ایک صورت میں تو حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے اعتماد ختم ہوجاتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ تو ۷۳/ متضاد باتیں فرما کر ۷۲/ کے تسلیم کرنے والوں کو خود ہی جہنم میں بھیج رہے ہیں، حالانکہ اللہ پاک نے ان کی بعثت کا مقصد یہ فرمایا ہے کہ وہ جہنم سے بچا کر جنت کی طرف لائیں، تو جس آدمی کو اپنے پر اعتماد نہ رہے خود ہی غور کرلیا جائے کہ اس کا مقام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کہاں ہے؟ اور اللہ پاک کے نزدیک کہاں ہے؟ دوسری صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد نہ کرکے سارے دین ہی کو ناقابل اعتماد قرار دیا جاتا ہے۔

غرض دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی کسی سینہ میں ہوگی اس سینہ میں نہ ایمان ہوگا، نہ توحید ورسالت، نہ قرآن وحدیث، نہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ، یہ سب چیزیں رخصت ہوکر اس سینہ میں شیطان کا گھونسلہ ہوگا اور اس کے لوازمات۔

اس لئے کوئی مؤمن تو اپنے سینے میں اس سوال کو جگہ دے ہی نہیں سکتا، ہاں کوئی غیر مؤمن اس کو جگہ دے کر مؤمنوں کے دل میں وسوسہ اندازی کرے تو یہ ممکن ہے، اس کے جواب کی صورت اس کے مسلمان معلوم ہونے پر پیش کی جاسکتی ہے کہ آیا وہ قرآن وحدیث سے آزاد ہوکر صرف اپنی عقل کی روشنی میں جواب کا طالب

ہے یا کوئی اَور صورت ہے، اور جن اصول کے پیش نظر وہ جواب کا خواہشمند ہے وہ اصول خود بھی صحیح ہیں یا مجروح ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آں محترم نے بھی یہ سوال کسی ایسے ہی شخص سے سنا ہے، خود آپ کے قلب میں پیدا نہیں ہوا ہے اور خدا کرے پیدا بھی نہ ہوں، اگر بطور وسوسہ آئے بھی تو اس کی تباہ کن خطرناکی کے تصویر سے (جن کی تفصیل احقر نے عرض کی ہے) فوراً ختم ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۱ھ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مودودی صاحب کا طرز تنقید

سوال[۵۰۷] : ۱...... ابوالاعلیٰ مودودی کے خودساختہ اصول پر عمل کرنا اور بزرگان ملت وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوپر تنقید کرنا کیسا ہے؟

جنگ جمل اور جنگ صفین کو عوام کے سامنے بیان کرنا!

سوال[۵۰۸] : ۲...... حضرت عائشہ صدیقہ وحضرت علی وحضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے باہمی نزاع واختلاف کو لوگوں میں بیان کرنا اور اس پر تنقید کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصاً اکابر مہاجرین وانصار سے خوشنودیٔ حق تعالیٰ، نصوص میں مذکور ہے، ان کے اتباع کا حکم ہے(۱)، جو شخص ان اکابر کی شان میں ناشائستہ کلمات کہے، اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے(۲) اور بعد والے جو اکابر واسلاف ان کے طریق پر چلے اور ان کا اتباع کیا وہ بھی سب قابل

---

(۱) قال الله عز وجل: ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه، وأعد لهم جنٰت تجري تحتها الأنهٰر، خٰلدين فيها أبداً، ذلك الفوز العظيم﴾. (التوبة: ۱۰۰)

"قال العلامة الآلوسي تحتها: "(قال محمد بن كعب القرظي): وشرط على التابعين شرطاً، قلت: وما ذلك الشرط؟ قال: شرط عليهم أن يتبعوهم بإحسان وهو أن يقتدوا بهم في أعمالهم الحسنة، ولا يقتدوا بهم في غير ذلك". (روح المعاني: ۷/۱۱، دار إحياء التراث بيروت)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي، فقولوا: لعنة الله على شركم". (جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب فيمن سب أصحاب =

احترام ہیں، اگر ان حضرات پر تنقید کرکے ان کو مجروح کردیا جائے تو پھر صحیح طور پر دین کے ہم تک پہونچنے اور آگے چلنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی، کیونکہ ابتداءً دین برحق کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حضرات نے سیکھا اور حاصل کیا ہے، اگر ان پر اعتماد نہ رہے تو دین برحق کی کوئی صورت اور کوئی چیز قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ جس تحریک اور جن کتابوں کا نتیجہ یہ ہو نہ اس تحریک میں شرکت درست ہے، نہ ایسی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت ہے، الا یہ کہ کوئی اس کی تردید کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس مقصد سے مطالعہ کرے۔

۲......ان کے معاملات کیلئے محمل حسن تجویز کرنا لازم ہے(۱)۔

اس کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''ازالۃ الخفاء'' وغیرہ بہت مفید ہیں، ہرگز ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی نہ کی جائے کہ ایمان کیلئے خطرناک ہے، ایسے واقعات کو عوام کے سامنے بیان نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۹ھ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنقید مع جواب

سوال[۵۰۹]: گرامی القدر جناب مفتی صاحب مدرسہ دارالعلوم دیوبند!

= النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/۲۲۵، سعید)

(۱) "ولا نذكر أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بخير، يعني وإن صدر من بعضهم بعض ما هو في الصورة شر،فإنه إما كان عن اجتهاد، ولم يكن على وجه فساد من إصرار وعناد، بل كان رجوعهم عنه إلى خير ميعاد بناءً على حسن الظن بهم، ولقوله عليه الصلاة السلام :"خير القرون قرني". الحديث..... ولذلك ذهب جمهور العلماء إلى أن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعليّ وكذا بعدها، وما نقل فيما شجر بينهم، واختلفوا فيه، فمنه ماهو باطل وكذب فلا يلتفت إليه، وما كان صحيحاً، أوّلناه تاويلاً حسناً؛ لأن الثنآء عليهم من الله تعالىٰ سابق،وما نقل من الكلام اللاحق محتمل للتأويل، والمشكوك والموهوم لا يبطل المحقق والمعلوم هذا. وقال الشافعي: تلك دماء طهر الله أيدينا منها، فلا نلوث ألسنتنا". (شرح الفقه الأكبر للقاري، قبيل قول الماتن ولا نكفر مسلماً بذنب، ص: ۷۱، قديمي)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش یہ ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' چھٹا ایڈیشن، ص:۱۰۶:

''لیکن ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانشین ہوئے، رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے گئے، انہوں نے رشتہ داروں کو پے در پے بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراضات بن کر رہیں الخ''۔

''مثال کے طور پر انہوں نے فلاں جگہ کا مال غنیمت کا پورا خمس لاکھ دینار مروان کو بخش دیا، جب ملوکیت کا دور آیا تو مختصر یہ کہ ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی، اس کے تقاضے ہر جائز و ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے، اس معاملہ میں حلال وحرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے''۔ (ص:۱۷۳)

خلافت وملوکیت، ص:۳۴۳: ''اجتہادی غلطی کیا ہے اور کیا نہیں، اوپر میں نے جو کچھ عرض کیا اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن حضرات نے بھی قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدلہ لینے کے لئے خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے بھی درست نہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی غلط تھا، مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ غلطی نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے کی تھی، مگر میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں، اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تامل ہے''۔ (ص:۱۷۳)

خلافت وملوکیت: ''حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا''(۱)۔

ص:۱۷۴: ''مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی تھی''(۲)۔

۱......کیا مندرجہ بالا عقائد رکھنے والے مولوی کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲......کیا اس عقیدہ رکھنے والی جماعت کو چندہ دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (خلافت وملوکیت، ص:۱۷۳، مکتبہ اسلامک پبلیکشنز لاہور)

(۲) (خلافت وملوکیت، ص:۱۷۴، مکتبہ اسلامک پبلیکشنز لاہور)

۳.....اس قسم کے عقیدت مندوں کی مخالفت جائز ہوگی یا نہیں؟

بمہربانی ہمارے سوالات کا جواب ہمارے کاغذوں کی پشت پر لکھیں اور جلد ہمیں بذریعہ ڈاک واپس بھیج دیں۔

نوٹ: جوابی پرچہ پر قاری محمد طیب صاحب کے دستخط اور مہر دارالعلوم دیوبند کا چسپاں ہونا نہایت ضروری ہے۔ فقط والسلام۔

المستفتی مولوی محمد عظیم صاحب دوکاندار۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس کتاب میں خاص طور سے ہدفِ تنقید اور تختۂ مشق بنایا گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں بالیقین صحابی ہیں دونوں کے مناقب میں احادیث موجود ہیں (۱)، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "اس وقت یہ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہدایت پر

---

(۱) "حضرت عثمان و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبتوں سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں، جن کا احصاء واستقصاء موضع و مقام کی حیثیت سے ناممکن ہے، البتہ بطور نمونہ ایک دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

"عن أبي موسى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دخل حائطاً، و أمرني بحفظ باب الحائط، فجاء رجل يستأذن، فقال: "ائذن له، وبشره بالجنة" فإذا أبو بكر، ثم جاء آخر يستأذن، فقال: "ائذن له، و بشره بالجنة" فإذا عمر. ثم جآء آخر يستأذن، فسكت هنيئةً، ثم قال: "ائذن له، و بشره بالجنة على بلوىً ستصيبه". فإذا عثمان بن عفان. قال حماد .... عن أبي موسى بنحوه و زاد فيه عاصم، أن النبي صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم كان قاعداً في مكان فيه ماء، قد انكشف عن ركبتيه أو ركبته، فلما دخل عثمان غطّاها". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، مناقب عثمان بن عفان: ۱/۵۲۲، قديمي)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرز عمل یہ تھا:

"عن أبي إدريس الخولاني قال: لماعزل عمر بن الخطاب عمير بن سعد عن حمص، و لّى معاوية، فقال الناس: عزل عميراً و ولى معاوية، فقال عمير: لاتذكروا معاوية إلا بخير، فإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اللهم اهدبه". (جامع الترمذي، أبواب المناقب، مناقب معاوية رضى الله تعالىٰ عنه: ۲/۲۲۴، سعيد)

ہوں گے"(۱) لیکن افسوس کہ اس وثیقہ نبویہ کے بعد بھی آج کل کے اہل قلم ان کو جاہلیت کا شکار قرار دے رہے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ "یا اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا بنا، ہدایت یافتہ بنا، ان کے ذریعہ ہدایت پھیلا" (۲) مگر آج ان کو غیر ہدایت یافتہ کہا جاتا ہے، غرض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیوں میں سے عیوب تلاش کئے جاتے ہیں اور ان کو منظر عام پر لاکر فخر کیا جاتا ہے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے اصحاب کو برامت کہو، اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے، تو اس کا اللہ کے یہاں وہ درجہ نہیں جو سیر آدھ سیر جَو یا گندم کا درجہ ہے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خرچ کیا ہے" (۳)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو نشانہ ملامت نہ بناؤ،

---

(۱) "عن أبي الأشعث الصنعاني أن خطبآء قامت بالشام، و فيهم رجال من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام آخرهم رجل يقال له: مرة بن كعب، فقال: لو لا حديث سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما قمت، و ذكر الفتن فقربها، فمرّ رجل مقنع في ثوب، فقال: "هذا يومئذ على الهدى". فقمت إليه، فإذا هو عثمان بن عفان، فأقبلت إليه بوجهه فقلت : هذا؟ قال: "نعم". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي أبواب المناقب، مناقب عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه : ۲/ ۲۱۱، سعيد)

(۲) "عن عبد الرحمن بن أبي عميرة .... عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال لمعاوية: "أللهم اجعله هادياً مهدياً، واهد به". (جامع الترمذي، مناقب معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: ۲/ ۲۲۴، ايج ايم، سعيد)

(۳) " "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحد كم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب بلا ترجمة بعد مناقب أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه : ۱/ ۵۱۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم : ۲/ ۳۱۰، قديمي كتب خانه)

ان سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنا ہے، ان سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا ہے، جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت دی، قریب ہے کہ اللہ پاک اس کو پکڑے گا" (۱)۔

ایک حدیث میں ہے کہ "جب ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ پاک کی لعنت تمہارے شر پر" (۲) یہ حدیثیں مشکوۃ شریف میں موجود ہیں (۳)۔

رطب و یابس روایاتِ تاریخ کی بناء پر ان مقدس ہستیوں کو برا کہنا اپنے لئے ایسی راہ تیار کرنا ہے جس کی آخری منزل نہایت خطرناک ہے (۴)۔ اس کتاب "خلافت وملوکیت" پر تفصیلی رد بھی شائع ہو چکا ہے جس کا

---

(۱) "عن عبد الله بن مغفل رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " الله الله فی أصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، و من ابغضهم فببغضی أبغضهم، و من آذاهم فقد آذانی، و من آذانی فقد آذی الله، و من آذی الله، یوشک أن یأخذه". (جامع الترمذی: ۲/۲۲۵، باب فی من سب أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، أبواب المناقب، سعید)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: " إذا رأیتم الذین یسبون أصحابی فقولوا: لعنة الله علی شرکم". (جامع الترمذی، ۲/۲۲۵، باب فی من سب أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، سعید)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، و باب مناقب عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنهم أجمعین. ص: ۵۵۴، قدیمی)

(۴) وہ منظر ملا علی قاری کی نظر میں دیکھیں:

"و فی شرح مسلم: إعلم أن سبّ الصحابة حرام من أکبر الفواحش، و مذهبنا و مذهب الجمهور أنه یعزّر، و قال بعض المالکیة: یقتل، وقال القاضی عیاض: سب أحدهم من الکبائر .... لکن یعلم نهی سب غیر الصحابی للصحابی من باب الأولی؛ لأن المقصود هو الزجر عن سب أحد ممن سبقه فی الإسلام و الفضل، إذ الواجب تعظیمهم و تکریمهم حیث قال الله تعالیٰ: ﴿والذین جاء وا من بعدهم یقولون: ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان﴾ الآیة ...... و أخرج الخطیب البغدادی =

نام ہے ''تجدید سبائیت''۔

گذارش بالا کے بعد آپ کے ہر سوال کا جواب ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۳ھ۔

مسئلہ یزید اور مودودیت

طلعت محمود شیخ، محلہ امام بارہ، پی ۱۶۸، راولپنڈی

جناب مقام استاذ علماء حضرت قاری محمد طیب صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند ایک مسائل ہیں جن کو اگر آپ حل کر دیں تو میرے لئے بہت بڑی سعادت مندی ہوگی اور آج کل یہاں یہ بھی مسائل بڑے زور وشور سے دینی پرچوں کا موضوع بنے ہوئے ہیں، ''ترجمان القرآن، البلاغ، بینات، ترجمان اسلام، خدام الدین'' وغیرہ۔ وہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱......فقہی اعتبار سے یزید کافر ہے یا مؤمن فاسق؟

۲......اگر وہ کافر نہیں اور اس کو فاسق کہا جائے تو اس پر لعنت کرنا اور سب وشتم کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳......اور اگر وہ مؤمن فاسق تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کس بنیاد پر خلافت عنایت فرمائی؟

۴......حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں یزید کا دخل ہے کہ نہیں، وہ ایسا چاہتا تھا کہ نہیں؟

۵......اگر اس سلسلہ میں حضرت امام اعظمؒ کا فتویٰ یا روایات کتب فقہ وغیرہ میں مرقوم ہوں تو مستفید فرمائیں۔

۶......کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین سے گناہ کا ارتکاب ہوسکتا ہے یا کہ نہیں؟

مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' پر آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا جن کتب کا مودودی نے حوالہ دیا ہے ص:۳۰، پر وہ واقعی علمائے دیوبند کی نظر میں قابل قبول کتابیں ہیں؟ والسلام: طلعت محمود شیخ راولپنڈی۔

= في الجامع وغيره: أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''إذا ظهرت الفتن .... و سبّ أصحابي، فليظهر العالم علمه، فمن لم يفعل ذلک فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، و لا يقبل الله له صرفاً و لا عدلاً''. (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، الفصل الأول: ۱۰/۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، رشيديه)

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب حامداً و مصلیاً :

یزید کے کفر واسلام سے بحث کرنا نہ تو اعتقادی مسئلہ ہے کہ بغیر اس کے ایمان ہی معتبر نہ ہو، نہ ہی عملی مسئلہ ہے کہ اعمالِ شرعیہ اس پر موقوف ہوں، اس بحث میں پڑنا اپنے وقت عزیز کو ضائع کرنا ہے، وقت خدائے پاک کی طرف سے ایک بیش بہا خزانہ ہے اس کی قدر لازمی ہے، ناقدری سے اس کو ضائع کر دینا اور لایعنی میں صرف کر دینا انتہائی ناقدری ہے جس کا کوئی بدل نہیں، اس "اضاعت" کا وبال بہت سخت ہے تاہم آپ کو اصرار ہے تو جواب عرض ہے۔

۱......حنفیہ نے یزید کی تکفیر نہیں کی (۱)، اس کے حالات سے فسق ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ کتب تواریخ میں ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۲) اور علامہ کیا ہراسی شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تکفیر منقول ہے (۳)۔

۲......امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے روکا ہے کہ اس میں کیا فائدہ ہے، سبحان اللہ، الحمد للہ پڑھنے میں تو فائدہ بھی ہے، لعنت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں (۴)۔

---

(۱) "قال القاریؒ: " فقد علم مما (أی من التفصیل الذی) تقدم أنه (أی یزید) كان مسلماً، و لم يثبت عنه ما يخرجه عن كونه مومناً " (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۳، تحت قول الفقه الأكبر: "و لا نكفر مسلماً بذنب اهـ" قديمی)

(۲) "قال الإمام أحمدؒ بتكفيره بما ثبت عنده من نقل تقريره، لا لما وقع عنه من الإجتراء على الذرية الطاهرة كالأمر بقتل الحسين و ما جرى". (شرح الفقه الأكبر للقاری، ص: ۷۳، قديمی)

(۳) "قال ابن تيمية رضی الله تعالىٰ عنه: "وأما الذين لعنوه من العلماء كأبی الفرج بن الجوزی والكياهراسی وغيرهما، فلمَا صدر عنه من الأفعال التی تبيح لعنته ". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، فصل فی افتراق الناس فی يزيد علی ثلاث فرق: ۲۹۶/۴، مكتبه العبيكان)

(۴) "وعلى الجملة ففی لعن الأشخاص خطر فليجتنب، ولا خطر فی السكوت عن لعن إبليس مثلاً، فضلاً عن غيره، فإن قيل: هل يجوز لعن يزيد ؛ لأنه قاتل أو أمر به؟ قلنا: هذا لم يثبت أصلاً، فلا يجوز أن يقال: إنه قتله أو أمر به ما لم يثبت، فضلاً عن اللعنة ؛ لأنه لا يجوز نسبة مسلم إلى كبيرة من غير تحقيق ...... فالإشتغال بذكر الله تعالىٰ أولى، فإن لم يكن ففی السكوت سلامة". (إحياء العلوم، كتاب آفات اللسان، الآفة الثامنة اللعن: ۱۵۱/۳، ۱۵۲، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فی النبراس علی شرح العقائد، ص: ۳۳۰، ۳۳۱، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا فی شرح الفقه الأكبر للقاری، ص: ۷۲، قديمی)

شرح عقائد نسفی (۱) میں اس پر لعنت کی اجازت دی ہے، لیکن لعنت نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں۔

۳.....حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت ولی عہد بنایا ہے اس وقت حالات خراب نہیں تھے، بعد میں خراب ہوئے، لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام نہیں، کمافی روضۃ الصفاء (۲)۔

۴.....مستند روایات سے یزید کا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم ثابت نہیں (۳) اس کا مقصود ان پر قابو پانا تھا، لیکن ان کو شہید کر دیا گیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۵.....''حقیقت یزید'' مفتی مہدی حسن صاحب نے تصنیف کی ہے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۶.....حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے دین کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد فرما کر دین ان کو سکھلایا اور اس کی تبلیغ کا ان کو ذمہ دار بنایا (۴)، پھر انہوں نے عمر بھر اس کی اشاعت کی، جہاں جہاں تک

---

(۱) "وبعضهم أطلق اللعن عليه، لما أنه كفر حين أمر بقتل الحسين اهـ". (شرح العقائد، ص: ۱۱۳، تحت قوله: و يكف عن ذكر الصحابة إلا بخير، سعيد)

(۲) "و أما الذين سوّغوا محبته أو أحبوه كالغزالي والدستي، فلهم مأخذان: أحدهما: أنه مسلم و لي أمر الأمة على عهد الصحابة و تابعه بقاياهم، و كانت فيه خصال محمودة، و كان متأولاً فيما ينكر عليه من أمر الحرة وغيره، فيقولون: هو مجتهد مخطئ، و يقولون: إن أهل الحرة هم نقضوا بيعته أولاً".
(مجموعة الفتاوى، فصل في افتراق الناس في يزيد على ثلاث فرق: ۲۹۷/۴، مكتبة العبيكان)

(۳) "بل الذى تولى قتاله هو أمير الكوفة عبيد الله بن زياد، و كان يزيد على مسافة شهر ذهاباً و رجوعاً، فلايمكن أن يأتي أمره في ذلك الزمن القليل، و روى أن يزيد أنكر على ابن زياد، و قال: زرعتَ لي العداوة في قلب كل بر و فاجر، وقال: رحمك الله يا حسين! -رضى الله تعالىٰ عنه- لقد قتلك رجل لم يعرف حق الرحم". (النبراس، ص: ۳۳۱، تحت قوله: والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين رضى الله تعالىٰ عنه اهـ، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية رحمه الله تعالىٰ، فصل في افتراق الناس في يزيد بن معاوية على ثلاث فرق: ۳۰۸/۴، مكتبة العبيكان سعودى)

(۴) " و عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تعلموا العلم وعلموه الناس، تعلموا الفرائض و علموها الناس، تعلموا القرآن و علموه الناس، فإني امرء =

پہنچ سکتے تھے وہاں جا کر دین کو پہنچایا۔

جن مقدس ہستیوں کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امین قرار دیا(۱) آج ان کے متعلق یہ بحث کرنا کہ ان سے گناہ صادر ہوتے تھے اور انہوں نے فلاں فلاں گناہ کئے ہیں، جیسا کہ جماعت اسلامی مودودی کی کتابوں میں بے لاگ تنقید کی جاتی ہے، درحقیقت ان کی امانت و ذمہ داری کو مجروح کر کے ان سے بے اعتمادی پیدا کرنا ہے جس کی زد حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جا کر پڑتی ہے کہ معاذ اللہ آپ نے نااہلوں پر اعتماد فرمایا اور اتنی بڑی امانت کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی جس کے وہ اہل نہیں تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا دین مخدوش اور ناقابل اعتماد ہو جائے گا، اس لئے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد نہیں ہوگا تو تابعین، محدثین، فقہاء، مفسرین، اولیاء کاملین، متکلمین کسی پر بھی اعتماد نہیں رہے گا کیونکہ ان سب کو جو دین پہونچا ہے وہ حضرات صحابہ سے ہی پہونچا ہے، اول طبقہ کو بلا واسطہ بعد والوں کو بواسطہ۔

لہذا اخیر میں صحیح دین وہ شمار ہوگا جس کو مودودی صاحب بیان فرمائیں کیونکہ بغیر ان کے واسطے کے فرمائیں گے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ: ''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے'' (ترجمان القرآن ۶۴ھ ج ۲۶، عدد ۳، ۵۰۴، ۶: ۱۴۱/۱۴۱)(۲)۔

صحابہ کرام کو جو شخص برا کہے، ان کے عیوب شمار کرے، حدیث شریف میں ایسے کام پر لعنت آئی ہے، حدیث شریف میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ ''میرے صحابہ کو گالی مت دو، برا مت کہو'' لیکن ایک مستقل جماعت ہے جو اسی کام میں لگی ہوئی ہے، اللہ پاک ہدایت دے۔

= مقبوض، والعلم سینقبض". الحدیث رواه الدارمی والدار قطنی". (مشکوة المصابیح، کتاب العلم، قبیل کتاب الطهارة، ص: ۳۸، قدیمی)

(۱) "و عن أبی بردة فی حدیث.......... قال: فرفع رأسه إلی السماء و کان کثیراً مما یرفع رأسه إلی السماء، فقال: "النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت النجوم، أتی السماء ما توعد، و أنا أمنة لأصحابی، فإذا ذهبت أنا أتی أصحابی ما یوعدون، و أصحابی أمنة لأمتی، فإذا ذهب أصحابی أتی أمتی ما یوعدون". (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب بیان أن بقاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أمان لأصحابه اهـ: ۳۰۸/۲، قدیمی)

(۲) (ترجمان القرآن ج ۲۶، عدد: ۳، ۵۰۴، ۱۴۱/۶)

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إذا رأیتم الذین یسبون أصحابی، فقولوا: لعنة اللّٰہ علی شرکم"۔ رواہ الترمذی (۱)۔

"عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: "لا تسبوا أصحابی، فلو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مد أحدهم ولا نصیفه"۔ متفق علیه". (۲)۔

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: "سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: "سألت ربی عن اختلاف أصحابی من بعدی، فأوحی إلیّ یا محمد! إن أصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها أقوی من بعض ولکل نور، فمن أخذ بشئی مماهم علیه من اختلافهم، فهو عندی علی هدی"۔

قال، وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: " أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم". رواہ رزین". مشکوۃ شریف(۳)۔

''خلافت وملوکیت'' کی تردید کے لئے متعدد کتب شائع ہوچکی ہیں جن میں اس کی روایات اور حوالجات پر تفصیلی کلام موجود ہے ''تجدید سبائیت، شواہد تقدس'' وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

معیارِ حق کی تشریح

سوال[۵۱۱]: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیارِ حق نہیں ہیں اور نہ کوئی پیغمبر

---

(۱) (جامع الترمذی: ۲/۲۲۵، أبواب المناقب، باب من سبّ أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، سعید)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بلا ترجمة: ۱/۵۱۸، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابة: ۲/۳۱۰، قدیمی)

(۳)(مشکوۃ المصابیح، ص: ۵۵۴، کتاب المناقب والفضائل، الفصل الثالث، باب مناقب الصحابه، قدیمی)

سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ حق ہیں۔ اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر ہر پیغمبر نے اللہ کے دین کو صحیح پہونچایا ہے، اس میں ذرہ برابر تصرف نہیں کیا، کمی، زیادتی نہیں کی، کوئی حکم نہیں چھپایا، کوئی اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا، کوئی حکم نہیں بدلا، کوئی بات اللہ پاک کی طرف غلط منسوب نہیں کی (۱)، تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام بالکل معیارِ حق ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر دینِ برحق سیکھا وہ دوسروں کو اسی طرح پہنچایا، اس میں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا، کوئی حکم نہیں بدلا، کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب نہیں کی، جس بات کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، وہ بالکل صحیح ہے اس کو صحیح ماننا لازم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اگر اعتماد نہ ہو اور ان کے نقلِ دین کو حق تسلیم نہ کیا جائے، تو پھر سارے دین سے اعتماد ختم ہو جائے گا اور صحیح

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذا تتلى عليهم آياتنا بينات، قال الذين لا يرجون لقائنا ائت بقرآن غير هذا أو بدله، قل مايكون لي أن أبدله من تلقائي نفسي، إن أتبع إلا ما يوحى إليّ إني أخاف إن عصيت ربي عذاب يوم عظيم﴾. (يونس: ۱۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وإذ قال الله يا عيسى ابن مريم ءأنت قلت للناس: اتخذوني وأمي إلهين من دون الله؟ قال: سبحانك مايكون لي أن أقول ماليس لي بحق. إن كنت قلته فقد علمته، تعلم ما في نفسي ولا أعلم ما في نفسك، إنك أنت علام الغيوب، ما قلت لهم إلا ما أمرتني به أن اعبدوا الله ربي وربكم، وكنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم، فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم، وأنت على كل شئ شهيد﴾. (المائدة: ۱۱۶، ۱۱۷)

وقال تعالى: ﴿ولا مبدل لكلمات الله، ولقد جاءك من نبأ المرسلين﴾. (الأنعام: ۳۴)

وقال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحتها: "وظاهر الآية أن أحداً غيره تعالى لا يستطيع أن يبدل كلمات الله عز و جل بمعنى أن يفعل خلاف مادلت عليه، ويحول بين الله عز اسمه، و بين تحقيق ذلك". (روح المعاني: ۷/۱۳۷، دار إحياء التراث بيروت)

دین دوسروں تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی، جیسا کہ روافض نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد نہیں کیا تو ان کے نزدیک نہ احادیث قابل اعتماد ہیں اور نہ قرآن پر ان کو اعتماد ہے، ان کے پاس دین برحق پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، وہ اس نعمت الٰہی اور ذریعہ نجات سے محروم ہیں، لہذا نقل دین میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معیار حق ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(رسالہ)

جماعت اسلامی اور تنقید

سوال[۲ : ۵] : جناب مفتی صاحب! اسلام مسنون نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح رضا خانی جماعت نے علمائے دیوبند کے خلاف ایک محاذ قائم کیا اور علماء دیوبند پر افتراء پردازی کر کے انہیں بدنام کیا اور ان کی کتابوں میں کتر بیونت کر کے سیاق وسباق سے صَرف نظر کر کے کفریہ عبارت تیار کر لی، ٹھیک وہی طریقہ علمائے دیوبند جماعت اسلامی کے ساتھ برت رہے ہیں، اس وقت مثال کے طور پر آپ کی تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے ماہنامہ ''نظام'' کانپور جلد:۱، نمبر:۸، صفحہ:۲۰ و ۲۱ میں ''تبلیغی جماعت پر اعتراض'' کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ:

> ''جماعت اسلامی اپنے تجویز کردہ اصول کے مطابق (جن کی قربانی اس کیلئے غالباً ناممکن ہے) دوسری جماعتوں اور افراد پر تخریبی تنقید کرتی ہے اور وہ اپنے نزدیک اس پر مجبور ہے اور یہ تنقید بسا اوقات اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں ان جماعتوں اور افراد کے متعلق یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اصل دین کو سمجھا ہی نہیں، بلکہ اصل دین کو تحریف کر کے خواہشات نفسانی کے مطابق ڈھال کر عوام کے سامنے پیش کیا ہے، جس سے انتہائی گمراہی پھیلی ہے اور لوگوں نے بد دینی کو دین سمجھا ہے جس کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جماعت اسلامی کی اس قسم کی تنقیدات سے موجودہ تبلیغی جماعتیں تو کیا بچتیں، گذشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتداء بھی نہیں بچے''۔

خط کشیدہ عبارت کو غور سے پڑھئے، اس تحریر میں آپ نے جماعت اسلامی پر تین الزام لگائے:

۱...... جماعت اسلامی تخریبی تنقید کرتی ہے۔

۲...... اور یہ اس کے اہم اصول میں داخل ہے۔

۳...... جماعت اسلامی کی تنقید سے گذشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتدا بھی نہیں بچے۔

آپ کے بلا دلیل یہ الزامات افتراء نہیں تو اور کیا ہیں؟ کیا صراحت کے ساتھ ذمہ داران جماعت اسلامی کی کسی تحریر یا تقریر سے اپنی باتوں کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ عبارت میں کتر بیونت کرنا یا سیاق وسباق سے صرف نظر کر لینا یا کسی عبارت کو مصنف کے مقصد کے خلاف معنی پر محمول کرنا ایک عام مؤمن کے بھی شایان شان نہیں ہے۔ محمد یحییٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

محبت نامہ باعث یا دآوری ہوا ''نظام'' مئی ۶۰ء میں ''تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب'' شائع ہوا تھا، اس کے متعلق آپ نے جس بے تکلفی سے اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا اس سے مسرت ہوئی کیونکہ یہ احساس زندہ ہونے کی دلیل ہے، ورنہ جن افراد یا جماعتوں کے احساسات مر چکے ہوں، ان کو کب خیال آتا ہے کہ وہ اس قسم کی تردید کریں، ان کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے کچھ کہتے رہیں اور لکھنے والے کچھ لکھتے رہیں، وہ سب طرف سے کان اور آنکھ بند کر کے اپنے مقصد کی تحصیل میں شب و روز منہمک رہتے ہیں، یہ شان تو با مقصد، منظم، تنقیدی جماعت کی ہے کہ وہ ہر طرف سے چوکنا رہتی ہے، جہاں کسی نے اس کے نصب العین، مقصد، طریقہ کار کے متعلق زبان ہلائی یا قلم اٹھایا کہ فلاں چیز کتاب اللہ کے خلاف ہے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، فقہ وکلام کی رو سے غلط ہے بس پھر کیا تھا اس کی تردید کیلئے آناً فاناً اخبار، رسالے، پمفلٹ منظر عام پر آگئے، اور بانی جماعت کی ساختہ پرداختہ ذہنیت سے نکال نکال کر جوابات دینے شروع کر دیئے۔

آپ ٹھنڈے دل سے ''ترجمان القرآن'': ۳، عدد: ۵ میں سائل کا پیش کردہ حوالہ دیکھ لیتے، اگر وہ

حوالہ صحیح ہوتا تو اس عتاب نامہ کی زحمت نہ کرتے، اگر غلط ہوتا تو تحریر فرماتے اور آپ کا یہ طریقہ حکیمانہ طریقہ ہوتا، لیکن آپ حضرات کو تو شروع سے تعلیم ہی یہ دی گئی ہے کہ ہم پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ افتراء ہے، الزام ہے، کتر بیونت ہے، سیاق وسباق سے صرف نظر ہے، مقصدِ مصنف کے خلاف معنی پر حمل کرنا ہے جس طرح رضا خانیت کے علمبرداروں نے علمائے حق کی عبارتوں کو مسخ کر کے بدنام کیا ہے، اسی طرح جماعت اسلامی کو بدنام کیا جارہا ہے۔

کانپور میں ہمارے ایک رفیقِ تبلیغ ہیں جن کو جماعت اسلامی کے ساتھ خاص وابستگی تھی، جب ان کے سامنے ایک کتاب آئی جس میں جماعت اسلامی کی بعض عبارات نقل کر کے بتایا گیا تھا کہ یہ فلاں فلاں روایات کے خلاف ہیں، تو اس کو دیکھ کر یکدم مشتعل ہوگئے کہ یہ تو وہی کتر بیونت ہے جو رضا خانی کرتے ہیں، نہایت غلط طریقہ ہے، مجھے اس سے سخت تکلیف پہونچی، پھر کچھ مدت بعد ان کے سامنے ایک اَور مسئلہ کا تذکرہ آیا کہ ''ترجمان القرآن'' میں ایسا ایسا لکھا ہے، اس پر وہ پھر چیں بجبیں بلکہ بہت برہم ہوئے کہ بالکل غلط ہے، اس میں ایسا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ تو نص قطعی کے خلاف ہے، میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا، جب تک بچشم خود نہ دیکھ لوں، چنانچہ ان کو وہ رسالہ دیدیا گیا بہت گہرے مطالعہ کے بعد (کہ کہیں سیاق وسباق سے صرف نظر تو نہیں) انہوں نے مجھ سے خود فرمایا کہ اللہ اکبر! ہمارے علماء بھی کس قدر محتاط ہیں کہ اس جماعت کی تکفیر نہیں کرتے، حالانکہ اس میں صاف صاف نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔

مجرب حربہ

بریلوی طبقے نے اکابرِ علمائے حق حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر مسخ کیا، ان سے ایسے مطالب نکالے جو ان اکابر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں گے جس سے فتنۂ عظیم پھیلا، بہت بڑی جماعت بدعقیدہ ہوگئی، علمائے دیوبند نے اس فتنہ کا سدباب اس طرح کیا کہ اصل عبارتیں قوم کے سامنے پیش کیں، ان کے اصلی مطالب کو بیان کیا، ان پر دلائل قائم کئے جو کتر بیونت کی گئی تھی، ایک ایک چیز کو کھول کر رکھدیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بریلوی طبقہ سنجیدہ انصاف پسند مسلمانوں کی نظروں میں اس قابل نہیں رہا کہ اس کی تحریر یا تقریر کی طرف توجہ کی جائے، یہی مجرب حربہ اب جماعت اسلامی نے شروع کردیا اور جو لوگ مودودی

صاحب کی آواز کو حق کی آواز قرار دیتے ہیں، انہوں نے اشخاص پرستی سے انتہائی بیزاری، ناقدانہ بالغ نظری، خالص حق پرستی کے بلند آہنگ دعووں کے باوجود اس آواز کی پیروی شروع کردی اور ذرا اس کی زحمت گوارنہ کی کہ اصل کو تو دیکھ لیا جاتا۔

لیکن دنیا میں بسنے والے سب ہی تو بے وقوف، جذبات سے مغلوب، دین کی قتل گاہوں کے سند یافتہ، کتاب وسنت سے نا آشنا (اور) جہل مرکب میں مبتلا نہیں، (بلکہ) ایسے نفوس بھی موجود ہیں جو محض مودودی صاحب کی آواز پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ اکابر کے فتاوی کو دیکھ کر نقل کردہ عبارات کو بھی اصل کتابوں سے ملاتے ہیں، اور جب دیکھتے ہیں کہ واقعۃً جماعت کی اصل کتابوں میں وہ عبارتیں موجود ہیں جو فتاویٰ میں نقل کی گئی ہیں اور ان کا مطلب بھی وہی ہے جو فتاوی میں بتایا گیا ہے، سیاق وسباق پڑھ کر بھی دوسرا مطلب نہیں بنتا، اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی طرف سے ان فتاوی کے جواب میں ڈنکے کی چوٹ کہا جارہا ہے کہ یہ ہم پر افتراء ہے، دناءۃ ہے، بددیانتی ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، ہم نے کہیں ایسا نہیں لکھا، تو وہ انتہائی حیرت واستعجاب سے سوچتے ہیں کہ یا اللہ! یہی ہے جماعت اسلامی کا موقف؟ اور اسی کا نام ہے دیانت، راست بازی، خداترسی، آخرت کی جواب دہی کا احساس جس کا اس جماعت کو قدم قدم پر دعوی ہے؟ پھر اس کی جو زد جماعت کے امیر اور دیگر اہل قلم پر فطری طور پر پڑنی چاہیے، وہ پڑتی ہے اور اس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں۔

اے کاش! اہل شعور اس کو سمجھیں اور اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ ہوں، جب یہ حضرات چودہ سو سال تک کے بزرگانِ دین اور اسلاف کے کارناموں پر بے لاگ تنقید کرتے، اور ان کی غلطیاں پکڑتے ہیں تو اگر کسی نے ان کے کارنامہ پر تنقید کردی اور وہ تنقید واقعۃً بالکل صحیح اور حق بجانب ہے تو اس پر ناک بھوں کیوں جڑھاتے ہیں، ان کو تو چاہئے تھا کہ شکریہ کے ساتھ قبول کر کے اصلاح کر لیتے جیسا کہ جگہ جگہ اپنی تحریرات میں اس کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر معاملہ بالکل برعکس ہے۔

شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ کی یہ تحریر بھی اسی ذہنیت کی آئینہ دار ہے، اپنی اس تحریر کو پھر ایک نظر دیکھئے اور مودودی صاحب کے اس جواب کو ملاحظہ کیجئے جو انہوں نے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ دیوبند، مفتی سعید احمد صاحب سہارنپور، مفتی جمیل احمد صاحب تھانہ بھون، مولانا اعزاز علی صاحب دیوبند کے فتاوی کی تردید میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

۱-''جس وقت یہ فتوے لکھے جارہے تھے اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہیں تھا، خصوصاً مفتی سعید احمد صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے فتوؤں میں تو صریح بددیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر گھن آتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسن ظن رکھتا تھا، مگر اب ان کے یہ فتوے دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے باز و کافر ساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ اونچا نہیں''۔ (رسائل ومسائل: ۲/۵۱۳)۔

مودودی صاحب کا یہ پورا جواب ''رسائل ومسائل'' میں پڑھ جایئے، کسی ایک لفظ کے متعلق بھی تو متعین طور سے نشاندہی نہیں کر سکے کہ فلاں لفظ غلط لکھا ہے، فلاں حوالہ غلط دیا ہے، فلاں عبارت میں کتربیونت کی ہے، فلاں عبارت کے سیاق وسباق سے صرف نظر کیا ہے۔ مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً دو درجن عبارتیں ان کی کتابوں سے نقل کی ہیں اور ہر ایک کا پورا حوالہ دیا ہے، مگر مودودی صاحب کیسے شریفانہ لہجہ میں فرماتے ہیں:

۲-''یہ لوگ اگر دیانت اور سچائی کا ہتھیار لے کر حملہ آور ہوتے اور مجھ میں یا جماعت اسلامی کی تحریک ونظام میں کوئی ایسی خرابی بتاتے جو فی الواقع ان کے دلائل سے ثابت ہوتی، تو میں یقیناً ان کے آگے جھکتا اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی اصلاح کرتا لیکن انہوں نے ہتھیار جھوٹ کا استعمال کیا ہے، دناءة کی راہ اختیار کی ہے اس لئے میں ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کروں گا جو ایک شریف آدمی کو کرنا چاہئے۔ یعنی "إذا مرو اباللغو مرو اکراماً"(۱)۔ (رسائل ومسائل: ۲/۵۱۴)۔

کرامت وشرافت کا معیار

ان اکابر علماء کرام کا مودودی صاحب کی غلطیوں پر متنبہ کرنا اور عامۂ مؤمنین کو فتنوں کی راہ سے بچا کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جادہ مستقیم کی دعوت دینا مودودی صاحب کے نزدیک کیا قرار پایا؟ ''اللغو، اور خوف خدا، اور آخرت کی جواب دہی سے بے حسی، بددیانتی کی بدترین گھناؤنی

(۱) (سورة الفرقان: ۷۲)

مثالیں، بریلوی طبقہ کی فتوے بازی، کافر سازی، دناءۃ کی راہ، جھوٹ کا ہتھیار'' جیسی گالیوں کا استعمال کرنا کیا قرار پایا؟ کرامت وشرافت، واقعی ان حضرات کی کرامت وشرافت کا یہی معیار ہے، مودودی صاحب نے اپنے اسی تحریر میں ایک اَور کرامت کا اظہار فرمایا ہے:

آزمائش کا وقت آگیا ہے

۳-''اس میں شک نہیں کہ دیوبند اور سہارنپور کے ان فتوؤں کا ان لوگوں پر برا اثر پڑے گا جو ان دونوں مراکزِ علمی سے وابستہ ہیں، لیکن سنت اللہ کے مطابق آزمائش ضروری ہے اور اب اس پورے دیوبندی اور مظاہری گروہ کیلئے آزمائش کا وقت آگیا ہے، دیکھنا ہے کہ ان میں سے کتنے حق پرست ہیں اور کتنے اشخاص پرست ہیں، جو حق پرست ہیں وہ انشاء اللہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ آتے رہیں گے، اور جو اشخاص پرست ہیں اور جماعتی عصبیت میں مبتلاء ہیں وہ ہم سے الگ ہوجائیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ نہ چلیں گے، ہمیں صرف پہلے گروہ کی ضرورت ہے، دوسرے گروہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں، وہ ہٹ جائے گا تو ہم خدا کا شکر ادا کریں گے اور آئندہ ہم سے بے تعلق رہے گا تو مزید شکر کریں گے''۔ (رسائل ومسائل:۲/۵۱۴)۔

اس عبارت میں مودودی صاحب نے آزمائش میں کامیابی کی یہی صورت تجویز کی ہے کہ لوگ ان کی بات مان لیں اور ان کے ساتھ آجائیں، جو لوگ ان کے ارشاد پر عمل نہ کریں اور ان کی جماعت میں داخل نہ ہوں وہ ناکام ہیں۔

حق کی تشخیص

مودودی صاحب نے یہ بھی بتادیا ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ آجائیں گے وہ حق پرست ہیں اور جو لوگ سہارنپور و دیوبند کے فتوے پر عمل کریں گے، وہ اشخاص پرست ہیں، دوسرا شخص خواہ کتنا ہی دیانتداری سے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے مگر اس پر عمل کرنیوالے مودودی صاحب کے نزدیک اشخاص پرست ہیں، اور مودودی صاحب کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو ماننے والے حق پرست ہیں، یہ دو چیزیں

بالکل مقابل ہوئیں، اشخاص اور حق، اشخاص کون ہیں؟ دیو بند اور سہانپور کے مفتی۔ حق کون ہیں؟ مودودی صاحب۔

یہ ان کا عام طرزِ نگارش ہے کہ وہ صاف صاف ''اَنَاالحق'' تو نہیں کہتے (کہ اس کے لئے شیداءدار روحِ منصور درکار ہے) لیکن اپنے مقصد کو ''مقصدِ حق'' اور اپنی دعوت کو ''دعوتِ حق'' اپنے طریق کو ''طریقِ حق'' ضرور کہتے ہیں، اور اس پر اتنا زور دیتے ہیں کہ جب ان کی کسی بات سے کوئی اختلاف کرتا ہے خواہ وہ کتنے ہی قوی اور صریح دلائل حقہ کی روشنی میں کرتا ہو، مگر اس کے حق میں وہ سب روایات وآیات کو لا کر پیش کر دیتے ہیں، جو مخالف حق جل جلالہ کے بارے میں وارد اور نازل ہوئی ہیں۔ (خارجیوں کا طریقہ بھی یہی تھا کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے) ملاحظہ ہو بخاری شریف: ۱۰۲۴/۲(۱)۔

مودودی صاحب کی جماعت سے الگ ہونے والوں کی تفصیلی فہرست آپ کے علم میں ہے کہ جن حضرات نے جماعت کی تشکیل وتاسیس کی اور نہایت مستحکم دستورِ حق تیار کیا تھا، وہ ایک ایک کر کے تقریباً سب ہی الگ ہو گئے، سب نے ہی اس خود ساختہ حق سے منہ موڑ لیا، بلکہ جماعت اسلامی تو یہاں تک کہتی ہے کہ انہوں نے ارتداد اختیار کر لیا، إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

حق سے الگ ہونے پر شکریہ

یہ بھی غور کا مقام ہے کہ جو لوگ حق سے الگ ہو جائیں اور ان کے ساتھ نہ آئیں تو ان کی علیحدگی پر مودودی صاحب شکرادا کرتے ہیں، حالانکہ " الخلق عیال اللہ" (الحدیث)(۲) کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی جائے اور ہر انسان کی ہدایت کے لئے آخری سانس تک پوری کوشش کی

---

(۱) "وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ، وقال: إنهم انطلقوا إلی آیاتٍ نزلت فی الکفار، فجعلوها علی المؤمنین". (صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین وقتالهم، باب قتال الخوارج والملحدین بعد إقامة الحجة علیهم: ۱۰۲۴/۲، قدیمی)

(۲) والحدیث بتمامه: "عن أنس و عن عبد اللہ رضی اللہ عنهما: قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "الخلق عیال اللہ، فأحب الخلق إلی اللہ من أحسن إلی عیاله". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث: ۴۲۵/۲، قدیمی)

جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے واضح ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿فلعلك باخع نفسك على آثارهم إن لم يؤمنوا بهذا الحديث أسفاً﴾(۱).

(ترجمہ) ''شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائیں، تو غم سے اپنی جان دیدیں گے''۔

کسی کے حق سے کٹنے اور ہٹنے پر شکر ادا کرنا اور خوش ہونا نہیں معلوم کس نص سے ثابت ہے؟ اگر آپ کی نظر سے اس مضمون کی کوئی نص گذری ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں ممنون ہونگا۔

ایک اور مقام پر مودودی صاحب نے بہت ہی مسرت کا اظہار کیا ہے فرماتے ہیں:

۴-''میں بہت خوش ہوں، اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ فتنہ پسند گروہ قریب آنے کے بجائے دور جارہا ہے''۔ (ترجمان القرآن جلد:۲۶، عدد:۳، ص:۱۷۲)(۲)۔

کجا مودودی صاحب کا یہ اظہار مسرت اور کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ غم جس سے جان دینے کا خطرہ لاحق ہو جائے جس کا تذکرہ آیت بالا میں ہے، غور فرمائیے کہ مودودی صاحب کا اپنے طریق کو پیغمبرانہ طریق قرار دینا جس کا متعدد مقامات پر دعوی کیا گیا ہے کہاں تک برمحل ہے؟ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مثلي كمثل رجل استوقد ناراً، فلما أضاءت ما حولها، جعل الفراش وهذه الدواب التي تقع في النار يقعن، وجعل يحجزهن ويغلبنه فيتقحمن فيها، فأنا آخذ بحجزكم عن النار وأنتم تقحمون فيها". هذه رواية البخاري، ولمسلم نحوها وقال في آخرها: قال: "فذلك مثلي ومثلكم أنا آخذ بحجزكم عن النار، هلم عن النار هلم عن النار، فتغلبوني تقحمون فيها". متفق عليه''(۳). مشكوة المصابيح، ص: ۲۸، باب الاعتصام بالكتاب والسنته(٤).

---

(۱)(سورة كهف:٦)

(۲) (ترجمان القران، جلد: ۲۶ عدد: ۳ ص: ۱۷۲)

(۳)(صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الإنهاء عن المعاصي: ۲/۹۶۰، قديمي). (وأخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الفضائل، باب شفقته صلى الله عليه وسلم على أمته: ۲/۲۴۸، قديمي)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الايمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۲۸، قديمي)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری مثال اس شخص کے مثل ہے جس نے آگ روشن کی جب اس کے آس پاس روشنی پھیل گئی تو پروانے اور تتلی وغیرہ جانور جو آگ میں گرا کرتے ہیں گرنے لگے، وہ شخص ان کو پکڑ پکڑ کر نکالنے اور روکنے لگا مگر وہ پروانے وغیرہ اس پر غالب آگئے اور آگ میں گر گئے، (یہی حال میرا ہے) کہ تمہاری پشت پکڑ پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گھسے جاتے ہو"۔

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تمثیل فرمایا ہے کہ ایک شخص نے مثلاً آگ جلائی اس کے گرداگرد سے پتنگے اور دوسرے جانور آ آ کر آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص انتہائی کوشش سے ان کو آگ سے بچاتا ہے، مگر وہ اس کے قابو سے باہر ہو کر آگ میں گرتے اور ہلاک ہوتے ہیں، اسی طرح میں تم کو آگ سے بچانے اور پکڑنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں، مگر افسوس کہ تم لوگ قابو میں نہیں آتے اور آگ میں گھسے چلے جاتے ہو، جس کا نتیجہ تباہی اور ہلاکت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اظہار مسرت فرما کر سبکدوش ہو جاتے، مگر وہاں تو قلب مبارک میں امت کے درد وغم کی آگ شعلہ زن تھی جس نے مجبور کیا کہ پتھر کھا کر بھی دعاء ہی دیں (۱)، ایک دو واقعہ

---

(۱) "عن عروة أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حدثته أنها قالت للنبي صلى الله عليه وسلم: هل أتى عليك يوم كان أشد عليك من يوم أحد؟ قال: "لقد لقيت من قومك ما لقيت وكان أشد ما لقيت، منهم يوم العقبة إذعرضت نفسي على ابن عبد،يا ليل بن عبد كلال! فلم يجبني إلى ماأردت، فانطلقت وأنا مهموم على وجهي، فلم استفق إلا و أنا بقرن الثعالب، فرفعت رأسي فإذا أنا بسحابة قد أظلتني، فنظرت فإذا فيها جبرئيل فناداني فقال: إن الله قد سمع قول قومك لك، وما ردوا عليك، وقد بعث الله إليك ملك الجبال لتأمره بما شئت فيهم. فناداني ملك الجبال، فسلم عليّ، ثم قال: يا محمد! فقال ذلك، فما شئت إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين، قال النبي صلى الله عليه وسلم: "بل أرجو أن يخرج الله عز وجل من أصلابهم من يعبد الله عزوجل وحده لا يشرك به شيئاً". (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب إذاقال أحدكم آمين، والملائكة في السماء آمين الخ: ۱/۴۵۸،قديمي)

تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: (حياة الصحابة، باب تحمل الشدائد في الله ما تحمله عليه السلام من الأذى في الطائف: ۱/۲۷۴، دار القلم)

نہیں بے شمار واقعات اس کے شاہد ہیں، حق سے الگ رہنے والوں پر رحم وشفقت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی حزن وغم کو دیکھئے اور مودودی صاحب کی مسرت اور خوشی کو دیکھئے۔ پھر مودودی صاحب کے اس بلند آہنگ دعویٰ کا جائزہ لیجئے، کس جسارت کے ساتھ اپنے طریق کار کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سر تھوپا جا رہا ہے:

۵-''اس دعوت کو عملاً لے کر اٹھنے، اسے اپنے دوسرے بھائیوں تک پہنچانے اور اس سے متاثر حضرات کو سمیٹنے اور جذب کرنے کا صحیح اور بہترین طریقہ یقیناً وہی ہو سکتا ہے، جو ابتداء سے آخر تک اس دعوت کے اصل علمبردار یعنی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں اختیار کرتے رہے، قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ وہ طریقہ ایک ہی ہے اور وہ ہی ایک طریقہ بلا استثناء ہر زمانہ میں اختیار کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ اسی طریق کار کو ہم نے اختیار کیا ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریق کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں''۔ (ترجمان القرآن جلد: ۲۶، عدد: ۳، ص:۱۱۱)(۱)۔

اب میں آپ کے سامنے وہ تینوں چیزیں پیش کرتا ہوں، جن کو آپ نے بیک جنبش قلم الزام اور افتراء پردازی قرار دے کر اپنے نزدیک جماعت اور امیر جماعت کو بھاری بوجھ سے ہلکا کر کے حق کی بہت بڑی خدمت وحمایت کی ہے، اصل کتابوں سے ملا کر دیکھیں کہ یہ چیزیں الزام ہیں یا واقعہ اور ہر قسم کی عصبیت سے علیحدہ ہو کر غور کریں کہ ان حالات میں آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟

جماعت اسلامی تخریبی تنقید پر مجبور ہے

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

۶-''جو شخص اپنے زمانہ کے عام طرز خیال اور طرز عمل کو بدلنا چاہتا ہو اور لوگوں کی روش میں اصولی تغیر پیدا کرنے کا خواہشمند ہو، وہ مجبور ہے کہ ابتداء میں تخریبی تنقید پر زیادہ قوت صرف کرے اور تعمیری افکار کو آہستہ آہستہ بتدریج اور باقساط پیش کرے، تخریبی تنقید

(۱) (ترجمان القرآن، ج: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۱۱)

کے بغیر وہ الفت اور شیفتگی دور نہیں کی جاسکتی جو لوگوں کو رائج الوقت تخیلات اور طریقہ ہائے عمل سے طبعی طور پر ہوا کرتی ہے، اور جب تک یہ الفت دور نہ ہو، ان کے دماغ کسی نئی بنیاد پر تعمیر کا نقشہ سوچنے اور سمجھنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے، لہذا تخریب کے بغیر یا ناکافی تخریب کیساتھ نئی تعمیر کا نقشہ پیش کر دینا سراسر نادانی ہے اھ"۔ (ذیل ترجمان القرآن، جلد:۱۴، عدد:۲، ص:۱۳۴)(۱)۔

اس عبارت میں مودودی صاحب نے لوگوں کی روش میں اصولی تغیر پیدا کرنے کیلئے تخریبی تنقید کو ضروری اور اس پر زیادہ قوت صرف کرنے کو لازم، اور بغیر تخریب کے تنقید کو، بلکہ ناکافی تخریب کو بھی ناکافی قرار دیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اصولاً عام طور پر اپنے اندر اصولی تغیر پیدا کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے اختیار کردہ اصول، تخیلات، طریق ہائے عمل کو کافی تخریبی تنقید کے ذریعے سے بیکار، غلط، ناقابل التفات، بلکہ مضر اور مہلک نہ ثابت کر دیا جائے، کیونکہ جن اصول کے ساتھ ساری قوم کی معاشی، معاشرتی عدالتی، جنگی، مالی، بین الاقوامی پالیسی کا ہر ہر پہلو وابستہ ہے وہ اصول اس کے قلب و دماغ پر پوری طرح حاوی ہیں، اور ہر چھوٹا بڑا عمل ان ہی اصول کی بنیاد پر برگ و بار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، ایسے اصول کو ساری قوم کے دل و دماغ اور قوائے عمل سے نکال کر پھینکنا ہنسی کھیل نہیں ہے، اس کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنا ہوگا اور یہ کام کسی ایک ایڈیٹر، اخبار، رسالہ کا نہیں، بلکہ اس کیلئے بڑی مضبوط جماعت کی ضرورت ہوگی جو اپنی زبان، اپنے قلم، اپنے کردار، اپنے عزم، اپنے یقین، غرض ہر اعتبار سے ساری قوم میں صالح ترین اور ممتاز ہو کہ اس کے ہر فرد کو دور سے دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ یہ فلاں جماعت کا آدمی ہے۔

امیر جماعت کے صفات

اس جماعت کیلئے امیر بھی ایسا ضروری ہے جو بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہو، وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہو، زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو خوب حل کر سکتا ہو، عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبر، اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے تب عالمگیر انقلاب رونما اور دنیا کا انتظام درست ہوسکتا ہے۔

---

(۱)(ترجمان القران جلد: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۱۱)

جماعت اسلامی کا کام

مودودی صاحب فرماتے ہیں:

۷-''جو کام ہم نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے یعنی اخلاقی اصولوں پر دنیا کی اصلاح کرنا اور دنیا کے نظم کو درست کرنا، اس کا تقاضہ ہے کہ اخلاقی حیثیت سے ہم اپنے آپ کو دنیا کا صالح ترین گروہ ثابت کر دکھائیں''۔ (ترجمان القرآن جلد:۲۶، عدد:۳، ص: ۱۰۹)(۱)۔

اس سے جماعت اسلامی کے کام کی تشخیص ہوگئی یعنی دنیا کی اصلاح کرنا اور دنیا کے نظم کو درست کرنا، اور اس کام کا تقاضہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنے آپ کو دنیا کا صالح ترین گروہ ثابت کر دکھائے۔ امید تو یہ رکھنی چاہئے کہ یہ جماعت واقعے میں بھی صالح ترین ہونیکی کوشش کرے گی، صرف ثابت کر دکھانے تک اپنی کوشش کو محدود نہیں رکھے گی، آگے چند مثبت ومنفی ہدایات کے بعد فرماتے ہیں: (اگر ان پر عمل نہ ہوا)

۸-''تو دنیا ہم سے اور ہمارے ہاتھوں ہونے والی ''اصلاح'' سے خدا کی پناہ مانگے گی اور یہ محسوس کرے گی کہ اگر کہیں زمین کا انتظام ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا تو یہ ساری زمین کو ایسا ہی کر کے چھوڑیں گے جیسے یہ خود ہیں''۔ (ترجمان القرآن جلد: ۲۶، عدد:۳، ص:۱۰۹)(۲)۔

اس مقصد عظیم کے حاصل کرنے کیلئے پروگرام کیا ہے۔ سنئے:

جماعت اسلامی کا پروگرام

۹-''ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم پہلے اس نظام فکر کو درہم برہم کر دینا چاہتے ہیں جس پر دنیا کا موجودہ غلط نظام زندگی قائم ہے اور اس کی جگہ اس نظام فکر کو دلوں کے اندر راسخ کرنا چاہتے ہیں جس پر صحیح نظام کی بنیادیں قائم کی جاسکتی ہیں''۔ (ترجمان القرآن

---

(۱)(ترجمان القرآن جلد: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۰۹)

(۲)(ترجمان القران جلد: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۰۹)

جلد:۳۰،عدد:۵،ص:۲۹۷)(۱)۔

دنیا بھر کے نظام فکر کو درہم برہم کرنے کیلئے ظاہر ہے کہ کس قدر سخت تخریبی تنقید کی ضرورت ہوگی، اسی عالمگیر انقلاب کیلئے یہ جماعت عمل میں آئی اور مودودی صاحب اس کے امیر مقرر ہوئے، اس لئے کہ وہی صفات بالا کے حامل ہونے کی وجہ سے اس مجمع میں سب سے اہل تر اور طریق انقلاب کے ماہر ترین تھے، پھر ایسی زبردست تخریبی تنقید کی مہم شروع کی گئی کہ موجودہ اور گذشتہ سیاسی اور مذہبی، افراد اور جماعتوں، انجمنوں اور اداروں سب ہی کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔

مگر مودودی صاحب اور ان کے پیرو حضرات کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ جب ان کے قلم سے نکلی ہوئی کسی بات پر گرفت کی جاتی ہے اور اس کو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر کے سب طرف سے راستہ بند کر دیا جائے، اور وہ جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اس بات کا رخ بدل دیتے ہیں کہ ہمارا مدعا یہ نہیں، حالانکہ ان کی تاویل کے خلاف خود ان کے کلام میں صراحت موجود ہوتی ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اپنی غلطی واضح ہونے پر اعتراف کرتے اور اصلاح کر لیتے، جیسا کہ اپنی تحریرات میں بار بار اعلان کیا جا چکا ہے، لیکن وقت آنے پر ہوتا کچھ اور ہے(۲) چنانچہ تخریبی تنقید کے رویہ پر جب گرفت کی گئی اور اس کے جواز کا پہلو نہ مل سکا تو فرماتے ہیں:

> ۱۰-''درحقیقت مسلم لیگ ہو یا مسلمانوں کی بڑی جماعتوں میں سے کوئی اور جماعت ہو، اس کے مسلک یا طریق کار پر تنقید کرنے سے میرا مدعا یہ کبھی نہیں رہا کہ ان جماعتوں کی تخریب کروں اھ''۔(ذیل ترجمان، جلد:۱۴،عدد:۲،ص:۱۴۰)(۳)۔

جن لوگوں کو مسلم لیگ سے ''الفت اور شیفتگی'' تھی ان کے تخیلات اور طریق ہائے عمل میں

---

(۱)(ترجمان القرآن جلد: ۳۰، عدد:۵، ص:۲۹۷)

(۲)قال تعالی: ﴿ولم یصروا علی ما فعلوا وهم یعلمون﴾.(سورہ آل عمران: ۱۳۵): "أي تابوا من ذنوبهم ورجعوا إلی الله عن قریب، ولم یستمروا علی المعصیة، ویصروا علیها غیر مقلعین عنها ولو تکرر منهم الذنب تابوا عنه". (ابن کثیر: ۱/۵۴۱، دار الفیحاء دمشق)

(۳) (ذیل ترجمان القران جلد: ۱۴، عدد: ۲، ص: ۱۴۰)

اصولی تغیر پیدا کرنے کیلئے ،ص:۱۳۴ (۱) پر تو مودودی صاحب ’’تخریبی تنقید‘‘ کو ایسا ضروری سمجھتے تھے کہ اس پر ’’زیادہ قوت صرف کرنے پر مجبور تھے ،اور نا کافی تخریب کو نا کافی قرار دیتے تھے‘‘ لیکن ص:۱۴۰ (۲) پر پہنچ کر رخ بدلا ، یہ ابلہ فریبی نہیں تو اَور کیا ہے؟ اس قسم کا تضاد اس جماعت کے لٹریچر میں بکثرت موجود ہے کہ دفع الوقتی کیلئے دوسرا رخ بھی پیش کیا جاسکے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مسلم لیگ یا مسلمانوں کی کسی اَور جماعت پر تنقید کو یہ تصور نہ کیا جائے کہ مودودی صاحب کی طرف سے یہ سیاسی تنقید ہے، جو کہ عامۂ سیاسی جماعتوں میں ایک دوسرے پر ہوتی رہتی ہے، نہیں بلکہ یہ خالص اسلام کی روشنی میں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ۱۱- ’’اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں معاملات کو جماعتوں کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ محض اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں، اس لئے میں نے اب تک سیاسی مسائل پر جو کچھ لکھا ہے اس میں کسی مسئلہ پر بھی اس حیثیت سے بحث نہیں کی ہے کہ کسی خاص جماعت کی نسبت سے اس مسئلہ کی کیا نوعیت ہے؟ میں صرف یہ دیکھتا ہوں اور یہی دکھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اسلام کی نسبت سے صحیح یا غلط، اور مناسب یا نامناسب، کیا ہے اھ‘‘۔ (ذیل ترجمان:۱۴، عدد:۲، ص:۱۴۰) (۳)۔

اب تک کی نقل کردہ عبارتوں سے سوال کے دونمبروں کا جواب بخوبی روشن ہو گیا کہ نمبر۱: جماعت اسلامی تخریبی تنقید کرتی ہے، نمبر۲: اور یہ اس کے اہم اصول میں داخل ہے اور امیر جماعت اس روش پر بہت خوش ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ۱۲- ’’میں یہ دیکھ کر اکثر اپنی جگہ خوش ہوتا ہوں کہ ہماری اس جماعت میں شخصیت پرستی اور ذہنی غلامی موجود نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے اندر اچھی خاصی نقادانہ نظر

---

(۱)(ذیل ترجمان القرآن جلد :۱۴، عدد :۲، ص:۱۳۴)

(۲)(ذیل ترجمان القرآن جلد :۱۴، عدد: ۲، ص ۱۴۰)

(۳)(ذیل ترجمان القرآن جلد :۱۴، عدد: ۲، ص: ۱۴۰)

موجود ہے''۔(ترجمان، ج:۲۶،عدد:۳،ص:۱۰۹)(۱)۔

اب اپنے سوال کے تیسرے نمبر کو دلائل کی روشنی میں دیکھئے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا ضمیر خود جواب دے گا کہ ''نظام'' مئی ۶۰ء میں جو کچھ جماعت سے متعلق لکھا گیا ہے وہ افتراء نہیں بلکہ روشن حقیقت ہے، تاہم آپ کی تشفی کیلئے جماعت اسلامی کی تخریبی تنقید کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں، جن کی طرف میں نے ''نظام مئی ۶۰ء میں اشارہ کیا ہے۔

تبلیغ کرنیوالوں پر تنقید

۱۳- ''یہاں تبلیغ بالکل اسی مشنری ڈھنگ کی ہے جیسی عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے آئے دن ہوتی رہتی ہے، پس مذاہب چند بے جان عقائد، بے معنی منتر اور بے مقصد حرکات کی معجون سی بنے ہوئے ہیں۔ پنڈت، پادری یا گرنتھی اور مولوی اپنے اپنے کارخانوں کی ذہنی معجونیں لئے پھرتے ہیں، ڈگڈگی بجائی، لوگوں کو جمع کیا اور اپنی معجون کے حق میں گا گا کر اور تھرک تھرک کر ایک رنگین تقریر کرڈالی''۔(تنقیدات، ص: ۳۳)(۲)۔

(ترجمان جلد:۳۰،عدد:۵)(۳) میں تبلیغی جماعت کے طریقہ کار کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ''یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے طریقے کی پیروی نہیں، بلکہ شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکا ہے''، عبارت منقولہ نمبر:۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''یہ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں کا طریقہ ہے''۔

تبلیغ کا کام بفضلہ تعالیٰ آج نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام عالم انسانی میں پھیلا ہوا ہے اور اس کی مساعی کی برکات سے تمام دنیا فیض یاب ہو رہی ہے، کتنی بڑی تعداد اسی کی برکت سے ہر سال صحیح طریق پر ارکان حج ادا کرتی ہے۔ بمبئی، کراچی، جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، منی، عرفات، اور تقریباً ہر جہاز میں اس جماعت کے افراد بے نظیر دینی خدمات انجام دیتے ہیں، کتنے غیر مسلم اس جماعت کے طفیل حلقہ بگوش اسلام ہو چکے اور

---

(۱)(ترجمان القرآن جلد: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۰۹)

(۲)(تنقیدات، ص: ۳۳)

(۳)(ترجمان القرآن ج: ۳۰، عدد: ۵، ۱۹۰۵/۲۷۵)

ہوتے رہتے ہیں؟ اس کی خدمات کی تفصیل بہت طویل ہے، اس کو یہاں بتانا مقصود نہیں، البتہ اس کے طریق کار اور اصول کار کو مختصر طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی الفاظ میں نہیں، بلکہ ایسے مفکر، صاحب قلم کے الفاظ میں جس نے مودودی صاحب کو دیر تک بہت قریب سے دیکھا اور ان کی جماعت کیلئے دستور تیار کیا اور ان کی ہر بے راہی پر چشم پوشی کی اور ان کے کام کی ظاہری شکل وصورت کو بھی بہت سراہا، اور ان کی خاطر اپنے مربی اکابر کی ہر کبیدگی کو تنگ نظری قرار دے کر بطوع ورغبت برداشت کیا، اس امید پر کہ جماعت اسلامی کے اچھی صلاحیتیں رکھنے والے اہل قلم کے افکار ونظریات کا رخ صحیح ہو جائے اور اسلام اور اہل اسلام کے حق میں ان کی مساعی مثمر خیر ہوں، اور غلط رخ پر چل کر اسلام واہل اسلام کی بربادی اور تباہی کا ذریعہ بننے سے محفوظ ہو جائیں، لیکن یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونا تھا، نہ ہوا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ''ایک اہم دینی دعوت'' ص: ۱۲ میں لکھتے ہیں:

طریق کار

۱- ''بس آج یہ امت کی بڑی ضرورت ہے کہ دین کے سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ دوبارہ زندہ کیا جائے، کتابی نقوش کیساتھ زندہ نفوس سے استفادہ کو (جو کہیں زیادہ آسان اور عمومی طریق تعلیم ہے) ضم کیا جائے، متمکن دینی اداروں اور اسلامی درسگاہوں کے ماتحت کچھ چلتی پھرتی درسگاہیں، جیتی جاگتی خانقاہیں اور بولتے چالتے صحیفے ہوں، جو علوم نبویہ کے ان سمندروں سے (دینی مدارس) مشکیں بھر بھر کر عام زندگی کی کشت زاروں میں تاجروں کی تجارتوں، مزارعین کی زراعتوں اور اہل صنعت کی صنعتوں میں دین کا آب حیات پہونچائیں''۔

۲- ''دین کیلئے عملی جدوجہد، علم کیلئے نقل وحرکت اور سعی وعمل کو جس کا رواج مدتِ دراز سے جاتا رہا پھر فروغ دیا جائے کہ اسلام کی فطری ساخت اور علم دین کی وضع وفطرت یہی ہے اور اللہ کی سنت اسی طرح جاری ہے''۔

۳- ''دین کی تعلیم وتعلم اور دین کی خدمت وسعی کو مسلمانوں کی زندگی کا جزء لاینفک بنانے کی کوشش کیجائے اور اس کی دعوت دی جائے کہ مسلمان اپنے مشاغل وفکر معاش کو اس کے ماتحت کردیں کہ ﴿ وما خلقت الجن والإنس إلا

لیعبدون﴾ (۱) کے ارشاد کے مطابق اصل زندگی یہی ہے: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باللّٰه﴾ (۲) کی تصریح کے مطابق مسلمان اسی لئے پیدا ہوا ہے، البتہ اس سے جو وقت بچے وہ راحت اور بیکاری کے بجائے حصول معاش میں صرف کیا جائے کہ "ان اللّٰه یحب المؤمن المحترف" (۳)۔ اللہ تعالیٰ کمانے والے مؤمن کو دوست رکھتا ہے"۔

۴- "لوگ عموماً اپنے ماحول میں گھرے رہ کر اور اپنے مشاغل و معمولات میں پھنس کر دین حاصل کرنے کیلئے وقت نہیں نکال سکتے، نہ اس کی طرف پوری توجہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کے پورے اثرات قبول کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو عارضی مدت کے اور غربت کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے، جس میں وہ کچھ مدت کیلئے یکسو اور فارغ البال ہو کر دین حاصل کر سکیں، اور اہل دین کی صحبت و خدمت سے استفادہ کر سکیں، ایک شرعی نظام اور ایک دینی زندگی میں رہنے کی ان کو عادت پڑ سکے، ان کیلئے اور ان کے رفقاء کے ذریعہ ایک بہترین دینی ماحول بنایا جائے جو ان کو اپنے وطن اور مشاغل میں میسر نہیں آ سکتا، ان کا یہ نکلنا خود ان کیلئے اور دوسروں کے لئے مفید و مبارک سبق آموز اور انقلاب انگیز ہو"۔

یہ وہ اصول و مقاصد ہیں جن کے ماتحت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہر طبقہ کو دین کی تعلیم و تعلم کیلئے گھر سے باہر نکلنے، ترک وطن کرنے اور ایک خاص نظام کے ماتحت سفر اور نقل و حرکت کرنے کی دعوت و ترغیب دیتے ہیں۔ اپنے ایک گرامی نامہ میں اسی مقصد کی وضاحت فرماتے ہیں:

"ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کیلئے نکلنا چھوڑ دیا، حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ

---

(۱) (سورۃ الذاریات: ۵۶)

(۲) (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

(۳) (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، رقم الحدیث: ۱۸۷۳، ۲/۴، ۱۲۶۴. مکتبہ نزار مصطفی الباز مکة المکرمه، ریاض.)

پھرا کرتا تھا، مکہ کے زمانہ میں مسلمین کی تعداد افراد کے درجہ میں تھی تو ہر فرد مسلم ہونے کے بعد بطور فردیت وشخصیت کے منفرداً دوسروں پر حق پیش کرنے کیلئے کوشش کرتا رہا، مدینہ میں اجتماعی اور متمدن زندگی تھی، وہاں پہنچتے ہی آپ نے چہار طرف جماعتیں روانہ کرنی شروع کردیں اور جو بڑھتے گئے، وہ عسکریت کی طرف بڑھتے گئے، سکونی زندگی صرف انہیں کو حاصل تھی، جو پھرنے والوں کیلئے ''فئة'' اور پھراتے رہنے کا ذریعہ بن سکیں، غرض پھرنا اور دین کیلئے جدوجہد اور نقل وحرکت میں رہنا اصل تھا، جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہوگئی''۔

اس نکلنے کی حالت میں کیا ہوگا، کیا دعوت دی جائے گی، اس کا جواب مولانا ہی کے الفاظ میں سنیے:

''اصل تبلیغ صرف دو امر کی ہے، باقی اس کی صورت گری اور تشکیل ہے، ان دو چیزوں میں ایک مادی ہے اور ایک روحانی: مادی سے مراد جوارح سے تعلق رکھنے والی، سو وہ تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کو پھیلانے کیلئے ملک بہ ملک اور اقلیم بہ اقلیم جماعتیں بنا کر پھرنے کی سنت کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائدار کرنا ہے۔ روحانی سے مراد جذبات کی تبلیغ یعنی حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈالنا جس کو اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم، ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجاً مما قضيت، ويسلموا تسليمًا﴾ (۱)۔ ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ (۲) یعنی اللہ کی باتوں اور اوامر خداوندی میں جان کا بے قیمت اور نفس کا ذلیل ہونا۔

چھٹا اصول:

نکلنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں جو چیز زیادہ سے زیادہ اہم ہے اس میں اس کی حیثیت سے کوشش کرنا چاہئے:

---

(۱) (سورة النساء: ۶۵)

(۲) (سورة الذاريات: ۵۶)

۱......کلمہ کی تصحیح وتبلیغ

اس وقت بدقسمتی سے ہم کلمہ تک سے ناآشنا ہورہے ہیں اس لئے سب سے پہلے اسی کلمہ کی تبلیغ ہے جو کہ خدا کی خدائی کا اقرارنامہ ہے، یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ درحقیقت ہمارا کوئی بھی مشغلہ نہ ہوگا(۱)۔

۲......نماز کی تصحیح وترقی

کلمہ کے لفظوں کی تصحیح کرنے کے بعد نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے اور نمازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز بنانے کی کوشش میں لگے رہنا(۲)۔

۳......تحصیل علم وذکر

تین وقتوں کو (صبح وشام اور کچھ حصہ شب کا) اپنی حیثیت کے مناسب علم وذکر میں مشغول رکھنا(۳)۔

---

(۱) (قال تعالی :﴿وما أرسلنا من قبلک من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فا عبد ون﴾. (سورة الأنبياء:۲۵)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الإيمان بضع وسبعو ن أو بضع و ستون شعبةً، فأ فضلها قول: لا إله إلا الله، وأدنا ها إما طة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإ يمان: ۱/۴۷، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"جددوا إيمانكم"، قيل: يارسول الله! وكيف نجدد إيماننا؟قال: "أكثروا من قول: لا إله إلا الله". (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۸۴۹۳،۳/۴۳،دارإحياء التراث العربي،بيروت)

(۲) "وعن مالک بن الحويرث رضي الله عنه قال :قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلوا كما رأيتموني أصلي". متفق عليه". (مشكوة المصابيح،كتاب الصلاة،باب فيه فصلا ن: ۱/۶۶،قديمي)

(۳)قال تعالی :﴿كما أرسلنا فيكم رسولاً منكم يتلو ا عليكم ايتنا، ويز كيكم، ويعلمكم الكتاب الحكمة، ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون﴾. (سورة البقرة،۱۵۱)

قال تعالی:﴿ وأنزل الله عليک الكتاب الحكمة وعلمک مالم تكن تعلم، وكان فضل الله عليک عظيماً﴾. (سورة النساء:۱۱۳)... =

۴......تفریغ وقت

ان چیزوں کو پھیلانے کیلئے فریضۂ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمجھ کر نکلنا، یعنی ملک بملک رواج دینا(۱)۔

= "عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال: خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن فی الصفة فقال: "أیکم یحب أن یغدو کل یوم إلی بطحان أو إلی العقیق فیأتی منه بنا قتین کوما وین فی غیر إثم ولا قطع رحم"؟ فقلنا: یارسول! نحب ذلک، قال: "أفلا یغدوا أحدکم إلی المسجد فیعلم أو یقرأ ایتین من کتاب الله خیرٌ له من ناقتین، و ثلثٌ خیر له من ثلاث، وأربع خیر له من أربع، ومن أعدا دهن من الإبل". (الصحیح لمسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قراءة القرآن فی الصلوة وتعلمه: ۱/۲۷۰، قدیمی)

عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع". هذا حدیث حسن غریب". (سنن الترمذی، أبواب العلم عن رسول الله صلی علیه وسلم، باب فضل طلب العلم: ۲/۹۳، سعید)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول:" إن الدنیا ملعونة، ملعون ما فیها إلا ذکر الله وما والاه، وعالم أو متعلم". هذا حدیث حسن غریب". (سنن الترمذی، أبواب الزهد، باب ماجاء فی هو ان الدنیا علی الله: ۲/۵۸، سعید)

(۱) قال الله تعالی: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾. (سورة النحل، ۱۲۵)

وقال الله تعالی: ﴿لقد جاء کم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم، حریص علیکم، با لمؤمنین رؤف رحیم﴾ (سورة التوبة، ۱۲۸)

وقال الله تعالی: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر، وتؤمنون بالله﴾. (آل عمران: ۱۱۰)

"عن حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "و الذی نفسی بیده! لتأمرنّ بالمعروف، و تنهوُنّ عن المنکر أو لیو شکن الله أن یبعث علیکم عذاباً من عنده، ثم لتد عُنّه ولا یستجاب لکم". رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۶، قدیمی)

۵......خلق

اس پھرنے میں خُلق کی مشق کرنے کی نیت رکھنا، اپنے فرائض کی ادائیگی کی سرگرمی خواہ خالق کے ساتھ متعلق ہوں یا خلائق کے ساتھ، کیونکہ ہر شخص سے اپنے ہی متعلق سوال ہوگا(۱)۔

۶......تصحیح نیت

ہر عمل کے بارے میں اللہ نے جو وعدے وعید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل کے ذریعہ اللہ کی رضاء اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کی کوشش کرنا(۲)۔

دین سیکھنے کیلئے اللہ ورسول کی باتیں دوسروں تک پہنچانے اور پھیلانے کیلئے یہ نقل وحرکت، یہ سفر اور عارضی غربت، چند مرغوبات وما لوفات کی یہ عارضی مفارقت، معمولات وعادات کی خفیف سی تبدیلی دین کیلئے جدوجہد قربانی کا ادنی درجہ ہے، جس کے بغیر دین کے برکات وثمرات کا حصول مشکل ہے اور جو اس نعمت عظمی (اسلام) کی شکرگذاری کا سہل ترین طریق ہے۔

> ''جس مذہب کیلئے ہزار ہا جانوں کا طیبِ خاطر سے پیش کر دینا اس کی قیمت کیلئے کافی نہیں ہوسکتا اور جس مذہب کی اصلی قیمت، سوزشِ جگر، اور خونِ دیدہ بہانا تھی اس کیلئے ہمارا یہ برائے نام قدموں کا اٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصل فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا لیکن خدائے پاک کی ذرہ نوازی اور مراحم خسروانہ (شاہانہ) اور اخیر زمانہ والوں کیلئے ان کی مساعی پر صحابہ کے پچاس کے برابر اجر وثواب

---

(۱)قال تعالى : ﴿ولا تزر وازرة وزرَ أخرى﴾. (سورة فاطر : ۱۸)

(۲)قال تعالى : ﴿لن ينا ل الله لحومها ولا دماؤها ولكن ينا له التقوى﴾ (سورة الحج : ۳۷)

وقا ل تعالى : ﴿وما آتيتم من زكوة تريد و ن وجه الله فأولئک هم المضعفو ن﴾ (سورة الروم : ۳۹)

''عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال : "الأعمال بالنية، ولكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسو له فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها أو امرأة يتزوجها، فهجرته إلى ما هاجر إليه". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب ماجاء أن الأعمال بالنية والحسبة: ۱۳/۱، قديمي)

ملنے کی خوشخبریاں اور سچے وعدے اور ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (۱) کی جیسی بشارتیں ہماری ان مساعی کے بارے میں بڑی امیدیں دلا رہی ہیں''۔

اس عبارت میں تبلیغی کام کا جو مختصر طریقہ پیش کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کیا یہ طریق کار انبیاء علیہم السلام کی پیروی نہیں بلکہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے؟ اور کیا اس سے کلمہ اور نماز کی عزت خاک میں ملتی ہے، جیسا کہ ترجمان جلد: ۳۰ عدد: ۵ میں دعویٰ کیا گیا ہے اور کیا یہ ہندؤوں عیسائیوں، سکھوں کا طریقِ تبلیغ ہے؟ جیسا کہ عبارت نمبر ۱۳/ میں کہا گیا ہے۔

نیز تبلیغی مقصد اور چھ اصول کا گہرا مطالعہ کیجئے اور جماعت اسلامی کی طرف سے شائع شدہ تنقیدات کی داد دیجئے کہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی میں مر مٹنے والوں کو کس جسارت کیساتھ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا گیا اور یک قلم سب پر حکم لگا دیا گیا کہ ان سب کے مذاہب بے جان عقائد، بے معنی منتر، بے مقصد حرکات کی معجون سی بنے ہوئے ہیں، اس عبارت میں غور کرنے سے آپ کا ضمیر یہ بھی متعین کر دے گا کہ جماعت اسلامی نے بے جان عقائد، بے معنی منتر، بے مقصد حرکات کن امور کو قرار دیا ہے؟ اور اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ان کا کیا مقام ہے؟

کیا ایسی تنقیدات کو پڑھ کر ذہنوں میں یہ تصور قائم نہیں ہوگا کہ تبلیغی کام کرنے والے علماء نے اصل دین کو تحریف کر کے خواہشاتِ نفسانی کے مطابق ڈھال کر عوام کے سامنے پیش کیا، جس سے انتہائی گمراہی پھیلی ہے اور لوگوں نے بددینی کو دین سمجھا ہے جس کو حقیقی اسلام سے کچھ تعلق نہیں، نہ خدائی سند ان کے پاس ہے، نہ وحی الٰہی سے ان کا کوئی تعلق ہے، نہ کسی پیغمبر کی ہدایت ورہنمائی ان کو حاصل ہے، بلکہ مناسبِ وقت جو کچھ ان کے ذہنوں میں آیا تیار کر لیا، اگر کسی کے پاس وحی الٰہی کی کوئی روشنی تھی بھی تو وہ اب بالکل مفقود ہے اور یہ لوگ سراسر اس سے محروم ہیں؟

آپ مکرر ''نظام'' مئی ۶۰ء کو دیکھئے اور جماعت اسلامی کی تنقیدات کو ملاحظہ کیجئے، نظام کا ایک ایک حرف صحیح پائیں گے۔

(۱) (سورۃ البقرۃ : ۲۸۶)

تنقید کا اثر

جماعت اسلامی عموماً حق و باطل کو ایک ہی صف میں پیش کرتی ہے اور تنقید میں حق پر ایسا باطل کا ملمع چڑھاتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ان کی تنقید کے آئینہ میں دونوں کی صورت یکساں نظر آتی ہے، اس کا ایک ادنی اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک حقیقت ناشناس کے دل میں حق کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی بلکہ حق کی طرف سے انتہائی غیظ پیدا ہو جاتا ہے، جماعت اسلامی کے اس طرز تنقید سے اہل حق مجددین، محدثین، فقہاء، مفسرین، متکلمین، صوفیاء، تابعین، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خلفائے راشدین بھی نہیں بچ سکے، جس کے نمونے انشاء اللہ تعالیٰ پیش کروں گا، اور طرفہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ حق (اسلام) و باطل (جاہلیت) میں خطِ امتیاز قائم کرنے کے نام پر کیا جاتا ہے۔

جماعت اسلامی کا یہ زور قلم بڑھتے بڑھتے شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام پر بھی ایسے ناروا حملے کر جاتا ہے کہ دل کانپ اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور کمال یہ ہے کہ افراد جماعت کی طرف سے بھی اس پر آفرین اور شاباش کے تحسینی کلمات کہے جاتے ہیں، حق کو باطل کے ساتھ ملا کر پیش کرنے کی سعی کی مثال ملاحظہ کیجئے:

وفات پیغمبر کی تصویر

۱۴- ''جس قانونِ بے اختیاری کے تحت ایک بھکاری مرتا ہے اور زمین و آسمان اس کا ماتم نہیں کرتے، اسی کے مطابق سلطانِ وقت بلکہ پیغمبر (علیہ السلام) بھی مرتا ہے اور نہ زمین اس سے متاثر ہوتی ہے، نہ آسمان آنسو بہاتا ہے، نہ چاند سورج گرہن کا ماتمی لباس پہنتے ہیں اھ''۔ (ترجمان جلد:۱۲، عدد:۴، ص:۴۷/۲۸۷) (۱)۔

اس عبارت میں ایک باطل پر کاری ضرب لگائی گئی ہے، اگر معاملہ یہیں تک رہتا تو ٹھیک تھا اور ضرور اس کو خدمتِ حق کہا جاتا لیکن زورِ تنقید میں بات آگے بڑھی اور اس باطل کے ساتھ ساتھ ایک حق کو بھی پاش پاش کر دیا گیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں ارشاد فرمائیں: ایک

---

(۱) (ترجمان القرآن، ج: ۱۲، عدد: ۴/۲۸۷)

منفی، دوسری مثبت، منفی یہ ہے کہ ’’چاند سورج کو کسی کی موت سے گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں اللہ پاک کی نشانیاں ہیں، ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بندوں کو گناہوں سے بچانے کیلئے ڈراتے ہیں لہذا جب گرہن دیکھو تو دعاو استغفار میں مشغول ہوکر اللہ کی پناہ حاصل کرو‘‘۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۱۳۰) (۱) بحوالہ بخاری (۲) ومسلم (۳) یہ روایت موجود ہے۔

مثبت یہ ہے کہ ’’عبادت گذار بندہ جب مرجاتا ہے تو اس پر آسمان کا وہ حصہ آنسو بہاتا ہے جہاں سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور اس کا رزق اترتا تھا، اسی طرح زمین کا وہ حصہ روتا ہے جس پر وہ عبادت کرتا تھا‘‘۔ دوسری روایت میں ہے کہ ’’جب مومن پردیس میں مرتا ہے جہاں اس کے رونے والے موجود نہیں تو اس پر آسمان وزمین روتے ہیں‘‘۔ اس مضمون کی متعدد احادیث محدث کبیر حافظ عماد الدین بن کثیر نے سند کے ساتھ نقل کی ہیں، ایک روایت نقل کرتا ہوں، جس میں سند کے بعد لکھا ہے:

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الإسلام بدأ غريباً و سيعود غريباً كما بدأ، ألا! لا غربة على مؤمن، ما مات مؤمن في غربة غابت عنه فيها بَوَاكيه إلا بكت عليه السمآء والأرض"، ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ﴿فما بكت عليهم السمآء والأرض﴾ ثم قال: "إنهما لا يبكيان على الكافر اهـ"۔ (ابن كثير: ٤/١٤٢) (٤)۔

ترجمہ: ’’رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’اسلام ابتدائی زمانہ میں غریب اور اجنبی تھا اور عنقریب اسی حالتِ غربت کی طرف لوٹ آئے گا جیسا کہ ابتدا میں تھا، اچھی طرح سن لو کہ مؤمن کبھی

---

(۱) "وعن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه قال: خسفت الشمس، فقام النبي صلى الله عليه وسلم فزعاً يخشى أن تكون الساعة، فأتى المسجد، فصلىٰ بأطول قيام وركوع وسجود ما رأيته قط يفعله، وقال: "هذه الآيات التي يرسل الله لا تكون لموت أحد، ولا لحيوته، ولكن يخوف الله بها عباده، فإذا رأيتم شيئاً من ذلك فافزعوا إلى ذكره ودعائه واستغفاره". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلوة الخسوف: ۱/۱۳۰، قديمي)

(۲) (أخرجه البخاري في صحيحه، أبواب الكسوف باب الذكر في الكسوف: ۱/۱۴۵ قديمي)

(۳) (وأخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الكسوف: ۱/۲۹۹، قديمي)

(۴) (ابن كثير، سورة الدخان، پ: ۲۵، ۴/۱۴۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

غریب اور اجنبی نہیں ہوتا، جو مؤمن پردیس کی حالت میں مرتا ہے جہاں اس کے رونے والے نہ ہوں تو آسمان اور زمین اس پر آنسو بہاتے ہیں پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فما بکت علیهم السمآء والأرض﴾ اور فرمایا کہ آسمان اور زمین کافر پر نہیں روتے"۔

اس حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہے کہ آسمان وزمین کافر پر نہیں روتے، بندہ مؤمن پر آسمان و زمین کا رونا ثابت ہے، مگر تنقیدی زورِ قلم نے اس مثبت کی بھی نفی کردی جو کہ سراسر حق اور شانِ رسالت کا فرمودہ ہے، اگر مطلقاً بھکاری اور سلطان وقت کے مرنے پر نہ رونے تک بات رہتی تب بھی تاویل بعید کرکے کلام کو صحیح کرنا ممکن ہوتا جیسا کہ اب تک جماعت اسلامی کی عبارات کی بعید سے بعید تاویلات کرکے قرآن وحدیث کی مخالفت سے بچانے کی ہم لوگ کوشش کرتے رہے ہیں، تاویل یہ کرلیتے کہ "حدیث میں آسمان وزمین کا رونا بندۂ مؤمن پر ثابت ہے اور اس عبارت میں بھکاری اور سلطانِ وقت سے مراد کافر ہیں"، مگر یہاں تو تاویل کا دروازہ بند کرنے کے لئے سیسے کی دیوار قائم کردی گئی اس طرح پر کہ پیغمبر کو بھی اسی صف میں لاکھڑا کردیا گیا جس میں خدا کے باغی سرکش مستحق لعنت دشمن کھڑے ہیں، اور جو آیت شریفہ ان ملعونوں کی انتہائی تحقیر وتذلیل کو بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی: ﴿فما بکت علیهم السمآء والأرض﴾ (۱) اسی کا مضمون پیغمبر پر بھی بے دھڑک چسپاں کردیا گیا، حالانکہ پیغمبر کا معزز ومقرب عنداللہ ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (۲) اب تاویل کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

حق اور باطل کو اس طرح مخلوط پیش کرنے میں اور دونوں کی تردید کرنے میں کس قدر فتنۂ عظیم ہے کہ جس طرح باطل سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے، اسی طرح پڑھنے والوں کے ذہن میں حق سے بھی

---

(۱) (سورة الدخان، پ: ۲۵، آیت: ۲۹)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لوطاً آتيناه حكماً و علماً، و نجيناه من القرية التي كانت تعمل الخبائث، إنهم كانوا قوم سوء فاسقين، و أدخلنه في رحمتنا إنه من الصالحين .... و إسماعيل و إدريس و ذا الكفل كل من الصابرين، و أدخلنهم في رحمتنا إنهم من الصالحين .... فاستجبنا له و وهبنا له يحيى و أصلحنا له زوجه، إنهم كانو يسارعون في الخيرات و يدعوننا رغباً و رهباً و كانوا لنا خاشعين .... و ما أرسلنك إلا رحمة للعالمين﴾ (سورة الأنبياء: ۷۴، ۷۵، ۸۵، ۸۶، ۹۰، ۱۰۷)

مزید تفصیل کے لئے: مذکور بالا آیتوں کی تفسیر روح المعانی اور ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

نفرت پیدا ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو شعور دے کہ وہ مضامین لکھتے وقت قلم کا رخ صحیح رکھیں۔

اب رہی یہ بات کہ اتنی صاف اور واضح حدیث کے خلاف لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی تو اس کے اسباب تین ہوسکتے ہیں: اول یہ کہ حدیث مطالعہ میں نہ آئی ہو، دوم یہ کہ مطالعہ میں تو آئی ہو مگر مضمون لکھتے وقت ذہول ہوگیا ہو، ان دونوں صورتوں میں تو معاملہ سہل ہے کہ معلوم ہوجانے اور ذہن میں آجانے کے بعد اصلاح کی توقع ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ایک دیندار حق پرست اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں ادنیٰ جھجک بھی محسوس کرے، حدیث شریف میں ہے: "کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون"(۱) کیونکہ یہ غلطی کا اقرار نہ کرنا تو جماعت اسلامی کے نزدیک علماء کا حصہ ہے، چنانچہ علماء پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

> ۱۵-"جس طرح ہمارے عوام کا پندار دینداری ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ تجدید ایمان کے ننگ کو گوارہ کریں، اسی طرح ہمارے خواص کا غرور سیادت ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے منہ سے خود اپنی غلط رہبری کا اقرار کریں، وہ ایک غلط سمت میں اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے وہاں سے پلٹنا آسان نہیں رہا"۔
> (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۱۸۵/۸۹)(۲)۔

جماعت اسلامی کی تو یہ شان ہرگز نہیں ہوگی اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں، جماعت اسلامی کے اعلیٰ کارکنوں میں سے جب بھی جس پر اپنی اور جماعت اسلامی کی غلط روی کھلتی گئی، وہ پورے غور وخوض کے بعد جماعت سے علیحدہ ہوتا گیا، مصلحت بینی اور حکمت عملی کا زیادہ دیر تک سہارا نہیں لیا، پھر کسی نے خاموشی سے علیحدگی اختیار کرلی اور اپنے ہم نوا رفقاء کو تاریکی میں چھوڑ دیا، اور کسی نے خوب کھل کر علیحدگی کے اسباب وعلل پر بھی طویل بحث کی، ان کی تفصیل اگر مطلوب ہو تو "المنبر"، "المیثاق"، "نوائے پاکستان"، "الفرقان" کے شمارے دیکھیں جن میں اس پر مستقل مقالے تحریر کئے گئے ہیں۔

حکیم شمس الحسن صدیقی نے "آپ بیتی" لکھی، حکیم عبدالرؤف اشرف نے بہت دیر تک اس پر بحث کی

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ وقد أخرجه الترمذي في جامعه بلفظ: "عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كل ابن آدم خطاء، و خير الخطائين التوابون". (أبواب صفة القيمة، باب بلا ترجمه: ۲/۶۷، سعيد)

(۲) (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص: ۱۸۵/۸۹)

اور بہت سے مخفی علل کو واشگاف کیا، مولانا امین احسن اصلاحی کا ''میثاق'' تو گویا جاری ہی اس مقصد کے لئے ہوا، مولانا اصلاحی جس وقت جماعت سے علیحدہ ہوئے، ان سے کچھ سوالات کئے گئے:

سوال: ''جو اصحاب ۴۱ء میں آپ کے ہمراہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے تھے ان میں اب کتنے جماعت اسلامی میں رہ گئے؟

جواب: جہاں تک میرا خیال ہے ممکن ہے ان میں سے دو ایک اصحاب بطور تبرک ابھی تک جماعت اسلامی سے منسلک ہوں، باقی سارے دیرینہ کارکن یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں۔

سوال: آپ کا آئندہ پروگرام کیا ہے؟

جواب: میں نے سولہ سال کے بعد ایک گم کردہ راہ قافلہ کا ساتھ چھوڑا ہے الخ''۔

یعنی سولہ سال کی طویل مدت تک ایک راہ پر چل کر اس کی غلطی اور گمراہی معلوم ہونے کے بعد بھی علیحدہ ہونے اور اس راہ کی غلطی کا اعتراف واقرار کرنے میں ننگ وعار نہیں تو پھر کیوں نہ یہی توقع کی جائے ایسے صاحب قلم سے جو کہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے فارغ التحصیل ہیں اور بانی جماعت سید ابوالاعلی مودودی کی صحبت میں رہ کر ''حقیقت نفاق'' تصنیف فرما چکے اور جن کی زندگی کا شاہکار ''معرکۂ اسلام و جاہلیت'' ہے جس پر جماعت اسلامی کو بڑا فخر حاصل ہے، امید ہے کہ وہاں تو غرور سیادت اپنی غلطی کے اعتراف کرنے سے مانع نہیں ہوگا۔

اس قدر صاف اور صریح حدیث کی مخالفت اور تردید کا تیسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کو اس حدیث میں ہی کلام ہو، پھر اس کلام کی چند جہات ہیں ایک جہت یہ ہے کہ عقل سلیم کی کسوٹی پر کسنے سے ان کو اس میں کھوٹ نظر آیا ہو جیسا کہ ایک دوسری زبان زد روایت کے متعلق حقِ تحقیق ادا کرنے کے لئے خود ایک جگہ لکھا ہے:

حدیث پرکھنے کا طریقہ

۱۶-''مادہ پرستی کے ائمہ نے جب مسلمانوں میں وطنیت کے مہلک جراثیم کو

پھیلانا چاہا تو نہایت بے باکی سے "حب الوطن من الإیمان" کی حدیث گھڑ لائے، اور اس سنتِ غرب کو سنتِ رسول کی حیثیت سے مسلمانوں میں براڈکاسٹ کرنے لگے۔ اصول روایت کو چھوڑ یئے کہ اس دورِ تجدید میں ''اگلے وقتوں کی بکواس'' کون سنتا ہے، عقلِ سلیم اور اصول درایت کی کسوٹی پر کس کر دیکھئے کہ آیا اس چمکتی ہوئی چیز میں سو فیصد کھوٹ کے علاوہ کوئی اَور شئی بھی ہے؟'' (ترجمان، ج:۱۴، عدد:۲، ص:۱۱۱) (۱)۔

محدثین نے بھی سند ''اصولِ روایت'' کے اعتبار سے اس کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سخاوی نے ''مقاصد حسنہ'' میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''موضوعات کبیر'' (۲) میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، اور ''اصول درایت'' کے پیش نظر اس کے بعض معانی کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مجھے اس وقت ان معانی سے بحث مقصود نہیں، صرف طرزِ تنقید کا نمونہ پیش کرنا ہے کہ ممکن ہے اسی جہت سے اس حدیث کو بھی عقل سلیم کی کسوٹی پر کس کر دیکھا ہو اور اصول روایت کو ناقابلِ التفات سمجھا ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ اصول روایت سند سے بحث کرنے کے باوجود حدیث سے گمان صحت ہی حاصل ہوتا ہو اور علم یقین حاصل نہ ہوتا ہو جیسا کہ بانی جماعت مودودی فرماتے ہیں:

احادیث مفید یقین نہیں

۱۷- ''احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہونچتی ہوئی آئی ہیں، جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے، نہ کہ علم یقین''۔ (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۶۴۷) (۳)۔

---

(۱) (ترجمان القرآن، ج:۱۴، عدد:۲، ص:۱۱۱)

(۲) حدیث: "حب الوطن من الإیمان" قال الزرکشي: لم أقف علیه، وقال السید معین الدین الصفوي: لیس بثابت. وقال السخاوي: لم أقف علیه .... ومعناه صحیح نظراً إلی قوله تعالی حکایةً عن المؤمنین: ﴿وما لنا ألا نقاتل في سبیل الله وقد أخرجنا من دیارنا﴾ الآیة". (الموضوعات الکبری لملا علی القاري رحمه الله تعالیٰ، رقم الحدیث: ۴۱۳، ص: ۱۰۹، ۱۱۹، قدیمي)

(۳) (ترجمان، ج: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۴۹)

جو چیز مفید یقین نہ ہواس کی طرف توجہ کرنا یا معرض بحث میں لانا غالباً بے سود سمجھا ہوگا لیکن اس کو ردکرنا تو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے خلاف اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو۔

تیسری جہت یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی سند تو صحیح ہو لیکن جماعت اسلامی اپنے اصول کے ماتحت اس کو حدیث رسول قرار دینے کیلئے تیار نہ ہو جیسا کہ بانی جماعت مودودی صاحب نے لکھا ہے:

کیا ہر صحیح حدیث کو حدیث رسول مان لیا جائے؟

۱۸-"اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہواس کی نسبت کا صحیح ومعتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے، آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے، جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں، ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے، ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے، قرآن وحدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنتِ ثابتہ ہم کو معلوم ہو، اس پر بھی نظر ڈالی جائے، علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردینا درست نہیں سمجھتے"۔ (رسائل ومسائل، ج:۱،ص:۲۹۰)(۱)۔

حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہونے کیلئے جو متعدد پہلو مبہم رہ گئے ہیں ان میں بہت وسعت ہے۔

مودودی صاحب کا موقف

اس عبارت میں مودودی صاحب نے اپنا موقف متعین کرلیا ہے کہ وہ محدثین کے مقابلہ میں اپنی

(۱) (رسائل ومسائل، ج:۱،ص:۲۹۰)

ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں کہ جس حدیث کو ان محدثین نے صحیح کہا ہو، جن کو ہر ہر راوی کی جرح وتعدیل کے متعلق پوری تفصیلی معلومات حاصل ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیاں روایات کی چھان بین کیلئے وقف کر دی ہیں، ان سب کے مقابلہ کیلئے مودودی صاحب خم ٹھونک کر میدان میں حاضر ہیں، اس حدیث کو صحیح کہنا کیا معنی جب تک اپنے فہم کی میزان میں وزن نہ کرلیں، اس حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہی درست نہیں سمجھتے۔

اس کی زد محدثین پر کیا پڑتی ہے اور پڑھنے والے کے ذہن میں ان کی حیثیت کیا قائم ہوتی ہے؟ یا باقی رہتی ہے وہ ظاہر ہے، لیکن شاید زور تنقید میں اس مقام پر مودودی صاحب کو اپنا اصول فراموش ہو گیا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

> ۱۹- ''احادیث کی صحت کے باب میں محدثین ہی سند ہو سکتے ہیں نہ کہ غیر محدثین، خواہ وہ بجائے خود کتنی ہی بڑی شخصیت کے بزرگ ہوں''۔ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲۹)(۱)۔

یہ اصول جماعت کی ابتدائی تشکیل کے وقت شعبان ۶۰ھ میں تجویز فرمایا گیا تھا اور متعدد تصانیف میں اس اصول کے پیش نظر مختلف روایات پر جرح بھی کی ہے، مثلاً روایاتِ ظہور مہدی وغیرہ اور اعتماد بھی کیا ہے مگر اس مقام پر اس کے خلاف زور لگا کر محض محدثین کی تصحیح پر اعتماد کر کے حدیث کو حدیثِ رسول ہی کہنے کیلئے آمادہ نہیں اگر اپنا اصول فراموش نہیں ہوا تو شاید تجربہ سے اپنا اصول ہی غلط ثابت ہوا، اس لئے اس کے خلاف قلم اٹھایا یعنی تجربہ سے معلوم ہوا کہ فن حدیث اور محدثین میں اتنی کمزوریاں ہیں کہ محدثین کی وقعت کے باوجود ان پر پورا اعتماد ہی درست نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ۲۰- ''فن حدیث کی ان کمزوریوں کی بناء پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے ہم اس امر کا التزام نہیں کر سکتے کہ محض علم روایت کی بہم پہونچائی ہوئی معلومات پر پورا پورا اعتماد کر کے ہر اس حدیث کو حدیث رسول تسلیم کرلیں جسے اس علم کی رو سے صحیح قرار دیا گیا ہو''۔

---

(۱) (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲۹)

(رسائل ومسائل، ج:۱،ص:۲۹۲)(۱)۔

جب فنِ حدیث اور محدثین کی کمزوریوں کا جائزہ لیا گیا تو بڑے سے بڑے محدث کو نہیں بخشا گیا حتی کہ بخاری شریف کی ایک مرفوع متصل صحیح حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

۲۱- ''یہ جھوٹ ہے، مہمل افسانہ ہے''۔ ملاحظہ ہو (رسائل ومسائل: ۲/۳۵)(۲)۔ حالانکہ بخاری شریف کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيها من المتصل المرفوع صحيحٌ بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأن كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبعٌ غير سبيل المؤمنين". حجة الله البالغه: ۱/ ۱۳۳ (۳)۔

یعنی بخاری ومسلم کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان کی تمام متصل مرفوع حدیثیں صحیح بالیقین ہیں اور ان کی سند ان کے مصنفوں تک متواتر ہے اور جو شخص ان کو کمزور اور ہلکا قرار دے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر ان کے خلاف راستہ پر چلنے والا ہے۔

جب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مودودی صاحب کے نزدیک یہ حال ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سندِ متصل کے ساتھ جھوٹ اور مہمل افسانہ منسوب کر دیا گیا ہے تو پھر مودودی صاحب کیسے اس پر کلی اعتماد کر سکتے ہیں، ان حالات میں مودودی صاحب کیوں نہ اپنے لئے ایسا موقف تجویز کر لیں کہ سارے محدثین ایک طرف اور مودودی صاحب ایک طرف، اب جس حدیث کو ان کا فہم صحیح بتائے گا وہ اس کی سند پر اعتماد بھی کر لیں گے اور اس حدیث کو حدیث رسول بھی فرمائیں گے، اور جو حدیث ان کے فہم کی میزان میں پوری نہیں

---

(۱)(رسائل ومسائل:۱،ص:۲۹۲)

(۲)(رسائل ومسائل، ج:۲،ص:۳۵)

(۳)حجة الله البالغه لشاه ولي الله رحمه الله تعالىٰ. باب طبقات كتب الحديث، من كتب الطبقة الأولى، الصحيحان: ۱/۳۸۶، ۳۸۷، قديمي)

اترے گی اس کو بے دھڑک رد کردیں گے۔

فن حدیث کی طرح فقہ اور کلام میں بھی ان کا مستقل مسلک ہے وہ کسی کے پابند نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں

۲۲-''فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر اختیار کیا ہے اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، وہ اس کو جانتے ہیں''۔(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲)(۱)۔

مودودی صاحب کو علم حدیث میں محدثین پر اعتماد نہیں اس لئے اس میں مستقل موقف رکھتے ہیں، علم فقہ میں فقہاء پر اعتماد نہیں اس لئے اس میں مستقل مسلک رکھتے ہیں، علم کلام میں متکلمین پر اعتماد نہیں اس لئے اس میں خاص ذاتی مسلک رکھتے ہیں۔فقہاء و متکلمین پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ انشاء اللہ قریب ہی مذکور ہوگی۔غرض ان کی ہر چیز جمہور اہل علم وفن سے الگ ہے، خواہ وہ ایمانیات سے متعلق ہو، خواہ فروعی اعمال سے، خواہ نقل حدیث سے، خواہ تفسیرِ قرآن اور فہمِ قرآن سے، کسی چیز میں وہ کسی کے متبع اور پابند نہیں۔ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

اسوہ، سنت، بدعت بھی سب سے الگ

۲۳-''میں اسوہ، سنت، بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں، جو بالعموم آپ حضرات کے یہاں رائج ہیں اھ''۔ (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۲۷۴)(۲)۔

بات ذرا طویل ہوگئی، میں یہ کہہ رہا تھا کہ صاف اور صریح حدیث پر ہمارے فاضل مضمون نگار کا اعتماد نہ کرنا کس جہت سے ہے۔

چوتھی جہت یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ یہ حدیث پرانی کتابوں کے ذخیرہ میں سے ہے، اسلئے قابل التفات نہیں۔

---

(۱)(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲)

(۲)(ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۲۷۴)

تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن وسنت کی تعلیم نہ دیجائے

۲۴- ''قرآن وحدیث رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے، مگر تفسیر وسنت کے پرانے ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن وسنت کے مغز کو پاچکے ہوں''۔ (تنقیحات، ص:۱۲۶)(۱)۔

مگر نہیں معلوم کہ حدیث کا پرانا ذخیرہ چھوڑ کر مودودی صاحب اوران کے متبعین نئی حدیثیں کہاں سے اور کیسے پیدا کریں گے؟ اوران کو حدیث کہنا کس بناء پر درست ہوگا کیونکہ نئے رسول پیدا ہونے بند ہوگئے (۲) کہ ان کے ارشادات کو حدیث رسول قرار دیا جائے (آج تو ہر حدیث پر تیرہ چودہ صدیاں گذر چکی ہیں)۔ عجیب معمہ ہے قرآن وسنت کی تعلیم تو ضروری مگر تفسیر وحدیث سے سخت بے زاری، محدثین نے کس قدر جانکاہ محنتیں برداشت کرکے ان ذخیروں کو جمع کیا ہے مگر آج وہ مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ تفسیر قرآن اور تشریح سنت میں ان سے مدد لی جاسکے۔

اسی قسم کی تحریرات سے مجبور ہوکر اہلحدیث حضرات کو لکھنا پڑا کہ ''یہ نظریات تمام ائمہ اہلحدیث کے خلاف ہیں اوران میں آج کے جدید اعتزال وتجہم کے جراثیم مخفی ہیں اھ''۔ (جماعت سلامی کا نظریہ حدیث، ص:۱۱۰)(۳)۔

---

(۱)(تنقیحات، ص: ۱۲۶)

(۲)قال الله تعالیٰ: ﴿ما کان محمدٌ أبا أحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیّن، وکان الله بکل شئی علیماً﴾ (سورة الأحزاب: ۴۰)

"فهذه الآیة نص في أنه لا نبي بعده صلی الله علیه وسلم، وإذا کان لا نبي بعده فلا رسول بالطریق الأولی". (تفسیر ابن کثیر: ۴۹۳/۳، سهیل اکیڈمی)

"حدثنا أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت، فلا رسول بعدي، ولا نبي". الحدیث. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۳۴۱۲، ۱۷۱/۴، دار إحیاء التراث، بیروت)

(۳)(جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، ص:۱۱۰)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تو یہ تدبیر کی تھی کہ براہ راست خود نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے اقوال کو حدیث قرار دیا اس کے متبعین نے حدیث کے پرانے ذخیروں کو پسِ پشت پھینک کر نیا ذخیرہ جمع کرلیا۔

مسٹر عنایت اللہ خان مشرقی نے اتباعِ سنت پر بہت زور دیا مگر اتباعِ سنت کی تشریح کچھ اس طرح کی کہ:

> ''علماء نے دنیا کو بہکا رکھا ہے، سنت اور اتباعِ سنت کا مفہوم لوگوں کے دلوں میں غلط بٹھا کر ان کو گمراہ کر رکھا ہے، اتباعِ سنت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ جو بات تیرہ سو سال پہلے فرمادی گئی بس اسی پر ہمیشہ عمل کیا جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم اپنے زمانہ میں امیر اور ڈکٹیٹر تھے جس طرح آپ کی بات آپ کے زمانہ میں بحیثیت امیر مانی جاتی تھی اسی طرح ہر زمانہ میں اس زمانہ کے امیر کی بات بے چون وچرا مانی جائے، یہ ہے اتباعِ سنت کا مفہوم''۔

اسی تشریح کے ماتحت اپنی بات کا وہ وزن قائم کرلیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا تھا، نہ صاف لفظوں میں نبوت کا دعویٰ کیا کہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے قرآن وسنت سے انحراف ہوکر کفر عائد ہو، نہ سنت کو ناقابلِ اعتماد کہا کہ منکرِ سنت کہلائے، نہ اپنے اقوال کو حدیث قرار دیا، غرض اپنے نزدیک ہر قسم کے خرخشوں سے دامن بچا کر اپنے اقوال کی وہ حیثیت ضرور قائم کرلی کہ پرانے ذخیرۂ حدیث کی طرف توجہ کی ضرورت پیش نہ آئے، بلکہ وہ سب کالعدم ہوکر ہر قسم کی روشنی خود مشرقی صاحب کے اقوال سے حاصل کیجائے۔

پانچویں جہت حدیث پر اعتماد نہ کرنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہے، تفسیر ابن کثیر اور ابن جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے سخت تنقید کی گئی کہ الامان الحفیظ، جس کا حاصل یہ ہے کہ انکارِ حدیث کا جو فتنہ آج ابھر رہا ہے وہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے، خود مودودی صاحب کے ارشادات سے اس فتنۂ انکارِ حدیث کو کس قدر شہ ملتی ہے، فرماتے ہیں:

ترکی علماء ومشائخ پر تنقید

> ۲۵- ''وہ اب بھی اپنے وعظوں میں قرآن کی وہی تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ تو سر دھنتے تھے مگر آج کل کے

دماغ اس کو سن کر صرف ان مفسرین ومحدثین ہی سے نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے بھی منحرف ہوجاتے ہیں"۔ (تنقیحات، ص:۷۶)(۱)۔

چھٹی جہت یہ ہوسکتی ہے کہ ان کے نزدیک آیت ﴿فما بكت عليهم السماء والأرض﴾(۲) کا مفہوم بیان کرنے کیلئے، مودودی صاحب کی ہدایت کے مطابق نفسِ تفسیر ہی کی ضرورت نہ ہو پھر اس سے متعلق حدیث کی طرف کیوں التفات کیا جائے فرماتے ہیں:

قرآن کیلئے تفسیر کی حاجت نہیں

۲۶- "قرآن کیلئے تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے، جس نے بنظرِ غائر قرآن کا مطالعہ کیا ہو اور جو بہ طرز جدید قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو"۔ (تنقیحات، ص:۲۱۲)(۳)۔

ان پروفیسر صاحب نے اگر قرآن کا مطالعہ حدیث سے علیحدہ ہوکر کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ انہوں نے قرآن کا مطلب وہی سمجھا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور صحابہ کرام کو سمجھایا ہے؟ کیونکہ حدیث کی روشنی ان کے پاس نہیں، پھر یہ فہم وتفہیم محض اپنی ذاتی رائے سے ہوگی، حدیث شریف میں ارشاد ہے: "من فسر القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار"۔ (کنوز الحقائق، ص:۱۵۶، بحوالہ مسند احمد)(۴) جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حدیث وتفسیر سے علیحدہ ہوکر قرآن کو سمجھنے کی کیا صورت ہے؟ حکیم شمس الحسن صاحب صدیقی نے بڑی قوی شہادت کے ساتھ مودودی صاحب سے نقل کیا ہے:

---

(۱)(تنقیحات: ص:۷۶)

(۲)(سورة الدخان، پ:۲۵، آية:۲۹)

(۳)(تنقیحات: ص:۲۱۲)

(۴) لم أجده في مسند أحمد، ولكن أخرجه الزبيدي في اتحاف السادة المتقين، رقم الحديث: ۵۲۶۴، ۱/۲۵۷، بيروت)

قرآن فہمی کا نیا طریقہ

۲۷-''قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا خواہشمند پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ الہام اس پر نازل ہو رہا ہے اور وہ پھر یہ سمجھ کر پڑھے کہ وہ خود اس کلام کو نازل کر رہا ہے اور میں نے قرآن کو سمجھنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا ہے''۔نوائے پاکستان،ص:۴،کالم:۶،۴،ستمبر ۱۹۵۵ء(۱)۔

اسی طرز قرآن فہمی کی تلقین ترجمان،اخبار دعوت دہلی،ج:۱۱،شمارہ ۱۹۲۵۵،سہ روزہ ایڈیشن میں اقبال کے والد محترم کی طرف سے کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

۲۸-''بیٹا کہنا یہ تھا کہ تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم پر اتر رہا ہے،یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہوا ھ'' (۲)۔

غرض قرآن پاک سمجھنے کیلئے حدیث وتفسیر سے استغناء تام ہو بلکہ یہاں تو رسول کا واسطہ بھی ختم کر دیا گیا،پھر حدیث کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟جب حدیث کی حیثیت کو اس طرح فنا کر دیا گیا تو پھر اگر جماعت اسلامی کسی جگہ اپنے مقاصد کیلئے حدیث نقل کرتی اور دعوت بھی دیتی ہے تو پھر پڑھنے والوں کے اذہان میں اس کا وزن قائم ہونا دشوار ہوگا اور فطری طور پر اذہان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ محض تحصیل مقصد کیلئے مسلمانوں کو حدیث رسول کا واسطہ دے کر مرعوب کیا جا رہا ہے۔

جماعت اسلامی کے اس فکر سیال کو شیرِ مادر کی طرح پی کر پرویز صاحب نے پرورش پائی،پروان چڑھے اور حدیث کے مقابلہ میں علم بغاوت لیکر اودھم مچاتے پھر رہے ہیں،حتیٰ کہ جماعت اسلامی کو بھی ان کا سنبھالنا دشوار ہو گیا،اگر آپ کو طلوع اسلام کے اجراء کی کیفیت اور چودھری پرویز صاحب اور سید مودودی صاحب کے روابطِ سابقہ کی تاریخ معلوم ہوگی تو آپ میری اس بات کی پوری تصدیق اور تائید کریں گے۔

اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ جب جماعت اسلامی ان کی کسی بات کو ٹوکتی ہے تو وہ فوراً جماعت اسلامی کی عبارت پیش کر دیتے ہیں کہ''عالیجاہا!ناراض نہ ہوں ہم جو کچھ حدیث پر اعتماد نہ کرنے کے

---

(۱)(نوائے پاکستان،ص:۴ کالم:۶،۴،ستمبر ۱۹۵۵ء)

(۲)(ترجمان اخبار دعوت دھلی،ج:۱۱،شمارہ:۱۹۲۵،سہ روزہ ایڈیشن)

سلسلہ میں کہتے اور لکھتے ہیں وہ سب کچھ آپ کا ہی عطا فرمودہ اور آپ ہی کی تعلیم کا ثمرہ ہے، دیکھئے فلاں کتاب میں آپ نے یہ لکھا ہے، اب اپنے لکھے ہوئے کو کیوں ہضم نہیں کر پاتے، آپ نے تو دوسری جماعتوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا":

۲۹-"میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے"۔(ترجمان، ج:۲۶،عدد: ۳،ص:۱۸۷)(۱)۔

کیا ان اپنی بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کی صلاحیت سے آپ حضرات خود بھی محروم ہو گئے؟ جماعت اسلامی اپنی عبارت میں نئی نئی تاویلات کرتی اور نئے نئے مطالب ڈالتی ہے مگر ناکام رہتی ہے اور بات بنائے نہیں بنتی، ان حالات کو دیکھ کر ہمارا دل اندر سے کڑھتا ہے، اے کاش! کھلے دل سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی عبارات اور اپنے خیالات کی اصلاح کر لی جاتی تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور جماعت اسلامی صحیح معنی میں حق کی خادم اور اقامت دین کی علمبردار قرار پاتی، مگر جماعت اسلامی کا مزاج ہی کچھ ایسا واقع ہوا ہے اور اس کے اصول ہی کچھ ایسے تجویز ہوئے ہیں کہ اعترافِ تقصیر جماعت کے اندر رہتے ہوئے دشوار معلوم ہوتا ہے، جس کو اعتراف تقصیر کرنا ہو وہ جماعت سے باہر جائے۔

دین کا مفہوم

اللہ وحدہ لا شریک لہ تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے، اس نے کوئی گوشۂ حیات اور لمحۂ زندگی اپنے احکام اور ہدایات سے خالی اور آزاد نہیں چھوڑا، ہر مکلّف کو ہر حرکت وسکون کا جواب دینا ہوگا کہ اس کے احکام و ہدایات کی پابندی کی ہے یا نہیں، پھر اس کا فیصلہ ہوگا۔

اسی مقصد عظیم کیلئے خدائے پاک کی دی ہوئی تمام قوتوں کو اور صلاحیتوں کو خرچ کرنے کی لگن ہو جانا دین پر عمل کرنا ہے، دین اپنی تفصیلات اور پھیلاؤ کے اعتبار سے بے شمار امور پر مشتمل ہے، اصولی بنیادی حیثیت سے ان تفصیلات کو پانچ قسموں میں سمویا جا سکتا ہے۔۱:اعتقادات۔۲:آداب۔۳:عبادات۔۴:معاملات۔ ۵:عقوبات۔

---

(۱) (ترجمان، ج:۲۶، عدد: ۳، ص:۱۸۷)

۱=علم کلام

اعتقادات سے جس علم میں بحث کی جاتی ہے اس کو علم الکلام، علم العقائد، علم اصول الدین کہتے ہیں، زمانہ خیر القرون میں قلوب کی سلامتی اور فیضِ نبوت کی بناء پر اس علم کے مدون کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعد میں جس وقت یونانی علوم (فلسفہ، منطق) عربی زبان میں منتقل ہوئے اور حکومت کی پشت پناہی اور تعاون سے ان کو فروغ ہوا تو ان کی زد اسلامی عقائد پر براہ راست پڑی جس سے، ایمان، اسلام، خدا کی ذات وصفات، رسولوں کی رسالت، ملائکہ کی حقیقت، کتب سماویہ کی حیثیت وصداقت، متشابہات کی تاویل وتشریح، حدوث عالم، تقدیر، حیات بعد الموت، سوال وجواب قبر، حشر ونشر، وزن اعمال، جنت، جہنم وغیرہ سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعتقادات میں گوناگوں شبہات ووساوس پیدا ہونے شروع ہوئے، تجہم، تجسم، تعطل، تشبہ، اعتزال وغیرہ کی بنیادیں پڑنے لگیں۔

اول اول محتاط علماء نے عوام کو ان کے دین کے تحفظ کی خاطر یونانی علوم پڑھنے سے منع کیا جس طرح ہر باطل تحریک، قادیانیت وغیرہ کی کتابیں پڑھنے سے عوام کو آج بھی روکا جاتا ہے، مگر "الانسان حریص فیما منع" اور حکومت کے "ترقی منصوبہ" کے پیش نظر ان کا رواج بڑھتا گیا، جیسے کہ آج بھی باطل تحریکات کا لٹریچر اور جبریہ تعلیم کا نصاب باوجود ہر طرح کی مساعی واحتجاج کے بڑھتا جارہا ہے اور الحاد وزندقہ کا بے پناہ سیلاب اٹھا جس سے بنیادی عقائد متزلزل ہونے لگے تو اہلِ حق علمائے اسلام نے علم کلام کو کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب فرمایا اور مسائل مذکورہ پر نقلی براہین قاطعہ کے ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کئے اور فلاسفہ کے پیدا کردہ مغالطات ووساوس کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے، نیز ان کے مفروضہ اصول کے ماتحت خود ان پر بے شمار اعتراضات کر کے ان اصولوں کو بے معنی اور مہمل ثابت کر دیا، کہیں کہیں ان کے اعتراضات کا جواب ان ہی کے اصولوں سے ٹکراؤ کی صورت میں دیا، اس راہ میں ان علماء کو ایسی قربانیاں پیش کرنے کی نوبت آئی جو کہ قرن اول کی سرفروشانِ اسلام سے ملتی جلتی ہیں، مشکیں باندھی گئیں، جس سے شانوں کے جوڑ الگ ہوگئے، سوسو کوڑے روزانہ لگائے گئے، جیلوں میں بے دردی اور سفاکی کی بھیانک صورت اختیار کی گئی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ احمد ابن نصر رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ نعیم ابن حماد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ اسی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائے گئے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ، امام

الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، صدر الدین شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ، سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ، میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ، جلال الدین دوانی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ آمدی رحمہ اللہ تعالیٰ، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ، علماء نے اپنے اپنے دور میں اس سیلاب عظیم کا بڑی جدوجہد سے مقابلہ کیا اور چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابیں تصنیف فرما کر ایک ایک مسئلہ کی پوری تنقیح کی اور مسلمانوں کے سامنے فرقہ ناجیہ "ما أنا علیه وأصحابی"(۱) کے عقائد کو اس طرح نکھار کر پیش کیا کہ کسی راہزن کو ایوان اسلام میں نقب زنی کا موقع نہ مل سکے۔

ان حضرات کی مساعی جمیلہ اس وقت کا اتنا زبردست جہاد تھا کہ فرق باطلہ کی ریشہ دوانیوں سے اللہ پاک نے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ فرمایا، پھر صدیوں تک پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات اسی علم کلام کی روشنی میں دیئے جاتے رہے، بعد میں بھی جو کتابیں عموماً اس علم میں لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں وہ بھی ان اکابر کی مرہون منت ہیں، نمونہ دیکھنا ہو تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا شبیر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔

اصولی اور بنیادی طریق پر صراط مستقیم کے ایسے واضح أعلام نصب کردیئے گئے کہ راہرواُن کو دیکھ کر ٹھیک منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے اور بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے مدارج عالیہ کو بلند فرمائے، ان کا تمام مسلمانوں پر احسان عظیم ہے، یہ ہے علم کلام کا مختصر خاکہ۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ جماعت اسلامی کی نظروں میں علم کلام اور متکلمین کی حیثیت کیا ہے؟ جس کی وجہ سے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے مسلک کلامی پر تنقید مقصود نہیں کہ ان کا مسلک جمہور متکلمین سے کس قدر ہم آہنگ اور کس قدر متضاد اور کتنا کتاب وسنت سے قریب اور کتنا بعید ہے؟

متکلمین پر تنقید

۳۰- "ہمارے متکلمین نے بالعموم یہ غلطی کی ہے کہ اسلام کے کسی اصول کی

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، قدیمی)

حقانیت ثابت کرنے کیلئے جب انہیں اپنے گھر کی کوئی دلیل نہیں ملی تو انہوں نے دوسروں کے کسی نظریہ اور واہمہ کو اساس بنا کر اپنے مزعومات کی عمارت کھڑی کردی، اس طرح کی غلط وکالت سے اسلام کو جو نقصان پہنچا وہ اسلام کے مخالفین کی مخالفتوں سے اس کو نہیں پہنچا، ظاہر ہے کہ اسلام کے کسی اصول کو صحیح، عقلی وفطری دلائل سے نہ ثابت کرسکنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ خدانخواستہ اسلام اپنے اصولوں کی سچائی کے عقلی وفطری دلائل نہیں رکھتا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات غیر فطری عقلیات سے اپنا مذاق اس قدر بگاڑ چکے تھے کہ اسلام کی عقلیت وقدر وقیمت کو پہچان نہیں سکتے تھے، ایسی صورت میں ان کیلئے صحیح راہ یہ تھی کہ خواہ مخواہ کو اسلام کی وکالت کا ذمہ نہ لیتے بلکہ اپنے جن مشغلوں میں مشغول تھے ان میں مشغول رہتے، لیکن دین آباء کی حیثیت سے اسلام کیلئے ان کے دلوں میں جو عصبیت تھی وہ انہیں مجبور کرتی تھی کہ وہ جس دین کا نام لیتے ہیں، عقلی اصولوں پر اس کی سچائی ثابت کریں۔

اسلام کی عقلیت ان کے فساد مزاج اور قرآن سے محرومی کی وجہ سے ان کے دل کو اپیل نہیں کرتی تھی، اس وجہ سے وہ مجبور ہوئے کہ اسلام کو اس عقلیت کے معیار پر پورا ثابت کریں جو ان کے زمانہ میں مقبول عام وخاص ہے، ان کی اس غلط کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے محکم اور سچی تعلیمات کی ساری عمارت اس کی اپنی چٹان سے زیادہ مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر دوسروں کی بالکل کمزور اور پھس پھسی بنیادوں پر کھڑی کردی گئی۔

ان حضرات نے یہ کوشش کتنی ہی نیک نیتی سے کی ہو، لیکن اس کے نتائج نہایت ہی خطرناک نکلے، زمانہ کے امتداد، افکار اور حالات نے جب وہ نظریات بے حقیقت ثابت کردیئے جو کل تک مقبول عام تھے تو اس کی زد لازماً اسلام کے ان اصولوں پر بھی پڑی جن کو ان غلط نظریات پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی تھی، اس طرح ہمارے متکلمین کی بدولت اسلام کے متعلق بہتوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جس طرح وہ نظریات پرانے ہوگئے اسی طرح اسلام بھی پرانا ہوگیا، یہ سوءظن پیدا کرنے میں جس طرح ہمارے پرانے

متکلمین نے حصہ لیا ہے اسی طرح ہمارے نئے متکلمین نے بھی حصہ لیا ہے اور اس میں بنیادی غلطی جو چھپی ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ حق کی حمایت کیلئے ان لوگوں نے حق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اس کیلئے باطل کا تعاون ضروری سمجھا، حالانکہ حق کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ثابت اور محکم ہوتا ہے اور عقل وفطرت کے اندر اس کی جڑیں نہایت دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، لیکن ہمارے متکلمین یونانیوں کے بتائے ہوئے طریقۂ فکر واستدلال کے اتنے خوگر ہو چکے تھے کہ وہ قرآن کے طرز استدلال کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے، حالانکہ اگر وہ استدلال کی ان خلاف فطرت روشوں کو چھوڑ کر قرآن اور پیغمبر کے حکیمانہ طرز استدلال کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ قرآن کے ہر دعوی کی بنیاد ایسے محکم دلائل پر قائم ہے جو زمان ومکان کی تمام قیود وحدود اور انقلاب آراء وافکار کے تمام اثرات سے بالکل آزاد ہیں''۔ (ترجمان القرآن، ج:۲۹، عدد:۹،۱۰)(۱)۔

کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایسی تنقیدوں کو پڑھنے کے بعد بیچارے سادہ لوح وناواقف مسلمانوں کے دلوں میں ان اکابر، اسلاف، ائمۂ ھدی کے خلاف کس قدر حقارت، نفرت، غیظ وغضب کے جذبات پیدا ہوں گے؟ جب کہ جماعت اسلامی کے نزدیک پرانے اور نئے علمائے متکلمین سب کا یہ حال ہے کہ وہ اسلام کی عقلیت کی قدر وقیمت کو پہچان نہیں سکتے تھے، ان کا مذاق بگڑ چکا تھا، ان کا مذاق فاسد تھا، وہ قرآن سے محروم تھے، وہ اسلام کو محض اس عصبیت پر مانتے تھے کہ یہ ان کے باپ دادا کا دین ہے جس طرح مشرکین کہا کرتے تھے ﴿علیه وجدنا اباء نا﴾(۲) کہ ہم بت پرستی اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے باپ دادا کا دین ہے یعنی وہ محض نسلی مسلمان تھے، انہوں نے اسلام کی غلط وکالت کرکے اسلام کو ایسا سخت نقصان پہونچایا کہ اسلام کے مخالفین نے بھی ایسا نقصان نہیں پہونچایا جس سے بہتوں کو یہ خیال ہوگیا کہ اسلام پرانا ہوگیا یعنی اب قابل عمل نہیں

---

(۱)(ترجمان، ج: ۲۹، عدد: ۱، ص: ۹،۱۰)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا فعلوا فاحشةً قالو وجدنا علیها آباء نا﴾ الآیة (الأعراف: ۲۸، پ: ۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإذا قیل لهم تعالوا إلی ما أنزل الله وإلی الرسول، قالوا حسبنا ما وجدنا علیه أبآء نا﴾ الآیة (المائدة: ۱۰۴، پ:۸)

رہا، ان کو اسلام کی وکالت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، تو ان متکلمین کی تصنیفات کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔

جماعت اسلامی نے متقدمین ومتاخرین و متکلمین سے براہ راست دین کو نہیں سمجھا بلکہ ان کی کتابوں ہی سے جو کچھ سمجھا ہے، اسی پر یہ حسن ظن قائم کیا اور ان کی خدمات جلیلہ کی داد دی ہے۔

آپ خود ہی غور کرلیں کہ ایسی کتابوں کے متعلق جماعت اسلامی کی رائے کیا ہوگی؟ جن سے اسلام کو اس قدر نقصان پہنچا ہے اور کس مقصد کیلئے ایسی کتابیں تصنیف کی گئی ہوں گی، عام مسلمان جماعت اسلامی کو قبول کرنے میں کیوں دیر لگا رہے ہیں، اس سوال کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

فقہی اور کلامی تصنیفات کا مقصد

۳۱- ''ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اس خالص دینی دعوت سے مسلمانوں کی بے پرواہی کے اسباب نہایت گہرے ہیں، مسلمان اپنی موجودہ حالت تک ایک دو دن میں نہیں پہنچے ہیں، ان کو درجہ بدرجہ اس حالت تک لایا گیا ہے اور ہر منزل میں ان کو از روئے کتاب وسنت یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی حالت آج اسلام وایمان کا تقاضہ ہے، ان کے حق میں انحراف پر ایک زمانہ گذر چکا ہے اور اس غلط راہ کے ہر موڑ پر انہوں نے مدتوں یہ سمجھ کر قیام کیا ہے کہ یہ عین دین وشریعت کی صراط مستقیم ہے اور ان کی اس غلط فہمی کے راسخ کرنے میں ارباب دین نے حصہ لیا ہے اور اس بے راہ روی کے نہ صرف جواز بلکہ استحسان پر ضخیم فقہی اور کلامی تصنیفات مرتب کردی گئی ہیں، یہاں تک کہ ان کو یقین ہے کہ ان کا جو قدم بھی اٹھا ہے وہ شریعت کے دائرہ کے اندر اٹھا ہے اور آج بھی جہاں وہ ہیں شریعت ہی کا ایک مقام ہے اس سے الگ نہیں، ظاہر ہے کہ جس جماعت کو اس طرح درجہ بدرجہ گرایا گیا ہو جس کا گرنا اس طرح مخفی ہو کہ جس کے زوال کی تاریخ اتنی لمبی ہو جس کو یہ یقین دلایا گیا ہو کہ اس کا یہ گرنا گرنا نہیں بلکہ اچھلنا ہے، جو اس غلط فہمی میں ہو کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بھی شریعت سے الگ نہیں بلکہ عین شریعت کے مطابق ہے وہ آپ کی دعوت کو کس طرح آسانی کے ساتھ قبول کرسکتا ہے؟ جو اُن سے کسی جزئی ترمیم واصلاح کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ سچی توبہ اور کامل اصلاح کا کرتی ہے جب آپ ان سے یہ مطالبہ کرتے

ہیں کہ: ﴿یا أیہا الذین آمنوا، آمنوا﴾ (۱) اے لوگو جو ایمان کے مدعی ہو حقیقی ایمان لاؤ، اور ان کے اعمال سے لے کر ان کے عقائد تک میں رخنہ بتاتے ہیں، تو قدرتی طور پر ان کو اس بات سے چوٹ لگتی ہے اور ان کی دینداری کا دیرینہ پندار مجروح ہوتا ہے، وہ یہ بات آسانی کے ساتھ ماننے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے کہ وہ آج تک ایک بالکل غلط راہ پر بھاگ رہے تھے''۔ (ترجمان، ج: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۸۴) (۲)۔

اس عبارت میں عام مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ فقہی اور کلامی تصنیفات ان کو بے راہ اور دین سے منحرف کرنے کیلئے مرتب کی گئی ہیں اور ان کو مرتب کرنیوالے ارباب دین ہیں، جب عوام کو ارباب دین کے ان مظالم کا شعور ہوگا جن کی وجہ سے وہ آج تک حق کو قبول کرنے سے محروم رہے اور جب وہ سمجھیں گے کہ فقہ اور کلام کی کتابیں ان مظالم سے پُر ہیں تو ان کی دینی غیرت کیسے اجازت دے گی کہ وہ فقہ اور کلام کی طرف متوجہ ہوں، بلکہ ان کتابوں کا دنیا میں رہنا کیسے گوارا کریں گے اور متکلمین وفقہاء سے کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ پوچھنے کے کب روا دار ہوں گے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ خود علماء اس دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

علماء کی بے پرواہی؟

۳۲- ''ہماری دعوت سے عام مسلمانوں کی بے پرواہی کی وجہ یہ ہے، رہے علماء تو ان کی نسبت ہر سنجیدہ شخص جانتا ہے کہ یہی حضرات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو ان کی موجودہ حالت تک رہنمائی کی ہے، یہ بہار ان ہی کی لائی ہوئی ہے، دینداری اور تقوی، اسلام اور ایمان، توحید اور رسالت کا موجودہ مفہوم جو عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے انہی کا پیدا کیا ہوا ہے، یہ لوگ نیک نیتی کے ساتھ سمجھتے ہیں، یہ انہی کا کام تھا کہ آفات و مصائب کے اندر سے وہ اسلام کو بچا لائے اور آج بھی اس کو بچائے ہوئے ہیں، جو اتنی پیچ در پیچ خوش گمانیوں میں مبتلا ہوں، آپ یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ آج وہ کھلے دل سے اس بات کا اقرار کریں گے کہ آج تک انہوں نے جو رہنمائی کی ہے وہ غلط ہے اور صحیح راہ وہ ہے

(۱) (سورة النساء، پ: ۵، آیہ: ۱۳۶)

(۲) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص، ۱۸۴)

جس کی دعوت فلاں جماعت دے رہی ہے''۔ترجمان، ج:۲۶،عدد:۳،ص:۱۸۵(۱)۔

معلوم ہوا کہ جس طرح جماعت اسلامی کے نزدیک عام مسلمانوں کا دین دین نہیں، بلکہ حق سے انحراف ہے اوران کی راہ شریعت کی صراط مستقیم نہیں بلکہ غلط راہ ہے،اسی طرح علماء کا اسلام اسلام نہیں ہے،ان کا ایمان ایمان نہیں ہے،ان کی دینداری دینداری نہیں،ان کا تقوی تقوی نہیں،ان کی توحید توحید نہیں،ان کی تسلیم رسالت تسلیم رسالت نہیں،غرض جن امور پر مدار نجات ہے سب غیر معتبر ہیں۔

جماعت اسلامی کا خاص کمال

بریلوی اور قادیانی جماعتوں نے اپنے سے باہر تمام مسلمانوں پر کفر کے بم برسائے تھے اس کے نتائج نہایت ناخوشگوار برآمد ہوئے،جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

جماعت اسلامی نے تکفیر کے معاملہ میں بہت ہی حزم واحتیاط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور بڑی حدتک صاف لفظوں میں کفر کا حکم نہیں لگایا ہے، یہاں تک کہ جو شخص عالَم کو حادث نہ مانے اور مادہ کو قدیم کہے اس کو بھی کافر نہیں کہا، بلکہ کفر کا حکم لگانے سے دوسروں کو بھی روکا ہے۔

۳۳-''اگر ایک شخص عالَم کو حادث نہیں مانتا اور مادہ کو قدیم کہتا ہے تو آپ محض اس قول کی بناء پر اسے کافر کہنے کا حق نہیں رکھتے''۔ (ترجمان، ج:۸، عدد: ۵، ص:۴۲۴)(۲)۔

لیکن اپنی فنی مہارت اور دلکش عبارت سے یہ چیز ذہنوں میں ضرور پیدا کردیتی ہے کہ پڑھنے والا خود بخود تجویز کرنے پر مجبور ہوجائے کہ جب علماء کا ایمان ایمان نہیں ہے تو ایمان کی ضد آخر ہے کیا چیز،اور اسلام کی ضد کیا ہے؟ توحید کی ضد کیا ہے؟ رسالت کی ضد کیا ہے؟ جب یہ سوال بار بار پیدا ہوگا تو ''ک،ف،ر'' کی زحمت برداشت کئے بغیر وہ خود ہی وہاں تک پہونچ جائے گا، پھر عام مسلمان، متکلمین، متقدمین ومتاخرین کی طرف رخ کریں گے، نہ فقہاء کی طرف بلکہ سب طرف سے کٹ کر جماعت اسلامی ہی کو ایمان واسلام کا حقیقی علمبردار، توحید ورسالت کا واقعی رمز شناس، دیندار وتقوی کا اصلی مخزن تصور کرنے پر مجبور ہوجائیں گے اور جب تک

---

(۱) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۸۵)

(۲)(ترجمان: ۸، عدد: ۵، ص: ۴۲۴)

جماعت اسلامی کی پیش کردہ راہ پر کوئی شخص گامزن نہیں ہوگا، اس کے ایمان واسلام کا کوئی وزن تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، اگر کوئی کم فہم ایک چیز کو دیکھ کر اس کی ضد کو معلوم نہ کر سکے اور استعارات کی حدود تک نہ پہنچ سکے اور وہ جانتا ہی نہ ہو کہ ایمان کی ضد کیا ہے تو اس کی خاطر اس سے زیادہ واضح کلمات لکھنے کا تلخ فریضہ بھی ادا کرنے سے انکار نہیں۔

قبول حق کے سلسلہ میں عوام اور علماء کے درمیان نفسیاتی فرق کس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

دنیاداروں کی نفسیات

۴۴- ''آپ کو یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ احساسِ دینداری کا فتنہ دنیاداری کے فتنہ سے زیادہ سخت ہے جو لوگ کسی نفس پرستی میں دنیاداری کی راہ سے مبتلا ہوئے ہیں، جونہی ان کے دل پر حق کی تجلی پرتو فگن ہوتی ہے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور صحیح راہ ان پر آشکارا ہوجاتی ہے، ان کی رکاوٹیں زیادہ تر سستی اور پست ہمتی کی قسم کی ہوتی ہیں، جو دل کی معمولی تبدیلی سے دور ہوجاتی ہیں''۔ (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۱۸۵)(۱)۔

یہاں تک تو عوام پر شفقت اور ہمدردی کا اظہار ہے کہ بہت جلد جماعت اسلامی کی بنائی ہوئی حق کی تجلی ان کی آنکھیں کھول سکتی ہے جس سے وہ صحیح راہ اختیار کر سکتے ہیں اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس حق کو حق نما سے جدا کرنے کی کوئی کسوٹی نہیں۔ آگے علماء کے متعلق ارشاد ہے کہ:

علماء کی نفسیات

۴۵- ''لیکن جو حضرات اپنی غلطیوں کو دین وتقویٰ بنا کر پرستش کرتے اور کراتے رہتے ہیں ان کیلئے اپنے محبوب بتوں کو توڑ پھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں، یہی تو جہاد اکبر ہے جس کے اہل بہت کم نکلتے ہیں اور اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کمزوری میں ہمارے علماء بھی مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کیلئے آزمائش رکھی ہیں اور جن کی نگاہیں جتنی تیز ہیں ان کیلئے فتنہ کا جال اتنا ہی باریک اور مخفی ہے''۔ (ترجمان،

(۱) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۸۵)

ج:۲۶،عدد:۳،ص:۸۵)(۱)۔

اس عبارت میں صاف صاف کہہ دیا کہ علماء نے اپنی غلطیوں کو دین وتقویٰ بنا کر رکھا ہے اور یہی ان کے مخفی بت ہیں جن کی وہ خود بھی پرستش کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی پرستش کراتے ہیں یعنی اصلی دین جس کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے:﴿إن الدين عند الله الإسلام﴾(۲) ان کے پاس نہیں ہے۔

ایک نیا دین

یہ بھی بتا دیا گیا کہ جماعت اسلامی کا پیش کردہ دین ایک نیا دین ہے جس سے عوام اور علماء سب ناواقف ہیں، اسلئے جماعت اسلامی میں داخلہ کیلئے ازسرنو کلمہ شہادت ادا کرنا ضروری ہے اور اس شرط سے کسی بڑے عالم اور شیخ طریقت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔

۳۶-''جماعت میں جب کوئی نیا شخص داخل ہو تو اسے پورا احساس ذمہ داری دلا کر ازسرنو کلمۂ شہادت ادا کرنا چاہئے اور پھر اس سے دریافت کرایا جائے کہ وہ اپنے آپ کو جماعت کے کس طبقہ میں شامل ہونے کیلئے پیش کرتا ہے؟ اس معاملہ میں کسی مشہور شخص اور بڑے سے بڑے کے لئے بھی استثناء نہیں ہے، بڑے سے بڑے عالم اور شیخ طریقت کو بھی داخل جماعت ہوتے وقت تجدید ایمان کرنی ہوگی''۔(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲۷)(۳)۔

جو عوام اور علماء جماعت اسلامی میں شریک نہیں ان کے ایمان واسلام کی حقیقت اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو جماعت سے علیحدہ ہوجانیوالوں کا حکم پڑھ لے، ارشاد ہوتا ہے:

جماعت اسلامی سے نکلنا ارتداد ہے

۳۷-''یہ وہ راستہ نہیں جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا دونوں یکساں ہوں، نہیں! یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں اور خدا کی طرف سے پیٹھ موڑنے کے

---

(۱)(ترجمان:۲۶، عدد:۳، ص: ۸۵)

(۲)(سورة آل عمران، پ: ۳، آية: ۹)

(۳)(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص:۲۷)

ہیں، لہذا جو قدم بڑھاؤ اس عزم کے ساتھ بڑھاؤ کہ اب یہ قدم پیچھے نہیں پڑیگا، جو شخص اپنے اندر ذرا بھی کمزوری محسوس کرتا ہے بہتر ہے کہ وہ اسی وقت رک جائے''۔ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع)۔

''ارتداد'' کا لفظ بہت ہی واضح ہو گیا تھا جس کا مطلب سب ہی سمجھ جاتے ہیں اور ایسا لکھنا حزم واحتیاط کے خلاف تھا اس لیے جدید ایڈیشن میں اس کی تشریح کردی گئی ہے: ''اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس جماعت سے نکلنا ارتداد کا ہم معنی ہے، بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا کے راستہ میں پیش قدمی کرنے کے بعد مشکلات، مصائب، نقصانات اور خطرات کو سامنے دیکھ کر پیچھے ہٹ جانا اپنی روح اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے ارتداد ہے'': ﴿ومن یولهم یومئذ دبره إلا متحرفاً لقتال أو متحیزاً إلی فئة، فقد بآء بغضب من الله ومأواه جهنم وبئس المصیر﴾ (۱)۔

محض لفظوں کے اعتبار سے اس کو ارتداد کے ہم معنی قرار نہ دیا جائے، بلکہ یہ اپنی اصل حقیقت اور روح کے اعتبار سے ارتداد ہے جس کا انجام اللہ کا غضب اور جہنم ہے، کفر کا صریح حکم تو یہاں بھی نہیں لگایا لیکن اس کی روح اور حقیقت ضرور ذہن نشین کرادی۔

دین جن امور پر مشتمل ہے ان میں سے پہلی قسم ''اعتقادات'' اور علمائے متکلمین کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے تخریبی تنقید کا نمونہ آپ نے دیکھ لیا، اب دوسری قسم ''آداب'' کے متعلق جماعت کی آراء پر غور کریں۔

تصوف اور سلوک

سلوک کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کا دل حق تعالیٰ کی مرضیات کا ایسا طالب ہو جائے جیسا کہ جسم غذا کا طالب ہے اور اس کو عبادت کی ایسی خواہش ہو جائے جیسی صحت مند جسم کو غذا اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ دل حق تعالیٰ کی محبت وعظمت سے پُر ہو جائے اور ماسوا اللہ کی محبت وعظمت سے خالی ہو جائے، جب تک کہ اغیار کی محبت وعظمت اس درجہ میں قائم ہے کہ اللہ پاک کی محبت وعظمت سے مزاحمت کرتی ہے، اس وقت تک وہ مرضیات حق کا طالب نہیں ہوسکتا اور نہ معاصی سے پوری طرح بچ سکتا ہے۔

---

(۱) (سورة الأنفال، پ: ۹، آیة: ۱۶)

اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا دل میں پوری طرح قائم ہوجانا تجلیہ ہے اور اغیار کی محبت وعظمت کا قلب سے نکل جانا تخلیہ ہے، ان دونوں چیزوں تجلیہ وتخلیہ پر رضاء الٰہی کا شوق بڑھتا اور اس کی طلب مستحکم اور معاصی سے نفرت قوی ہوتی ہے، پھر اگر ایسا شخص کسی معصیت کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس کے دل میں وحشت، ضیق، ظلمت اور ایسی بے چینی پیدا ہوتی ہے کہ وہ معصیت کے اقدام سے رک جاتا ہے، اور اگر اتفاقاً معصیت کا صدور ہوجائے تو وحشت اور تنگدلی ترقی پکڑ کر اس کو بہت جلد توبہ کی طرف مضطر کرتی ہے کہ بدوں سچی توبہ کے اس کو چین نہیں پڑتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ سلوک نام ہے" تعمیر الظاهر والباطن" کا یعنی اعضائے ظاہر اور قلب کا اپنے مالک جل شانہ کی طاعت وخدمت میں مشغول رکھنا اس طرح پر کہ ہادیٔ عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس طرح عادت ہوجائے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے اور تکلف کی حاجت نہ رہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے اعدل الخلق ہیں اسی وجہ سے آپ کے جملہ حرکات وسکنات جن کو عادات کہا جاتا ہے کامل اعتدال پر تھے، جن کا اتباع ہر شخص کو معتدل بنا سکتا ہے اور چونکہ اعضاء کے ساتھ قلب کو خاص تعلق عطا کیا گیا ہے، اس لئے مسلمان جب کوشش کرتا ہے کہ عبادت کے علاوہ عادات میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہمیشہ ملحوظ رکھے تو اس کے اعضاء میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے اور کجی دور ہوجاتی ہے، جس کا اثر قلب پر پڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ قلب اخلاقِ رذیلہ سے متنفر اور خصائلِ حمیدہ سے متصف ہوکر معتدل بن جاتا ہے، اسی اعتدال کا نام نسبت ہے جس سے قلب کی حکومت اعضاء پر دوسرے نہج سے قائم ہوتی ہے، دل میں ایک روشنی پیدا ہوجاتی ہے جو طاعت ومعصیت کے فرق وامتیاز کو کسی وقت بھی مشتبہ ہونے نہیں دیتی، قلب کو مغیبات کے اعتقاد میں وہ مٹھاس معلوم ہوتی ہے جس کو دنیا کی کسی لذت اور نعمت سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی، اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر سے اس درجہ اُنس حاصل ہوجاتا ہے کہ ایک لمحہ اس کا چھوٹنا جس کو غفلت کہتے ہیں ہفت اقلیم کے کٹنے اور عزت وآبرو کے ضائع ہونے سے زیادہ ناگوار اور باعث کوفت ہوتا ہے۔

الحاصل یہی شریعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے اصل شئ اور طریقت ہے مگر اس وقت

جبکہ اعضاء سے متعدی ہوکر قلب تک پہنچ جائے اور عمل واکتساب قلبی انس وتعلق کا ثمرہ بن جائے۔

اعمال، غایات، ثمرات کے لحاظ سے اس کی بہت سی تعبیریں ہیں: تصوف، سلوک، طریقت، معرفت، تصحیح الاخلاق، اصلاح نفس، تزکیۂ باطن، علم الآداب وغیرہ۔

اس فن کا اصلی سرچشمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی شان میں "یزکیھم" (۱) اور ﴿إنك لعلی خلق عظیم﴾ (۲) نازل ہوا ہے اور خود ارشاد فرماتے ہیں: "بعثت لأتمم مکارم الأخلاق" الحدیث. (۳) چنانچہ آپ کی تربیت وتزکیہ کی بدولت آپ کے خدام کو حسب استعداد مناصب جلیلہ عطاء ہوئے کہ یہ شیطان کے فتنوں سے محفوظ ہیں، ان کی زبان پر حق بولتا ہے (۴) شیطان اس راستہ پر نہیں چلتا، جس راستہ پر یہ چلتے ہیں (۵)، ان سے ملائکہ حیا کرتے ہیں (۶)، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی

(۱) (سورة البقره، پ: ۱، آیه: ۱۲۹)

(۲) (سورة القلم، پ: ۲۹، آیة: ۴)

(۳) لم أجده بهذا اللفظ، وقد أخرجه الإمام أحمد رحمة الله تعالیٰ علیه فی مسنده بلفظ: "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إنمابعثت لأتمم صالح الأخلاق". (مسند أحمد بن حنبل: ۳/۸۰، رقم الحدیث: ۸۷۲۹، دار إحیا التراث بیروت)

(۴) "عن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلی علیه وسلم قال: "إن الله جعل الحق علی لسان عمر وقلبه". الحدیث (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبی حفص عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه: ۲/۲۰۹، سعید)

(۵) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی علیه وسلم جالساً، فسمعنا لغطاً وصوت صبیان، فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم، فإذا حبشیة تزفن والصبیان حولها، فقال: "یاعائشه" ...... قالت: فقال رسول الله صلی علیه وسلم: "إنی لأ نظر إلی شیاطین الجن والإنس، قد فرّوا من عمر" قالت: فرجعت". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبی حفص عمربن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه، ۲/۲۱۰، سعید)

(۶) "عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم مضطجعاً فی بیته کاشفاً عن فخذیه أو ساقیه...... قالت عائشة: دخل أبوبکر فلم تهتشّ له ولم تباله، ثم دخل عمر فلم تهتش له ولم تباله، ثم دخل عثمان، فجلست وسویت ثیابک؟ فقال: "ألا أستحی من رجل تستحی منه =

تلوار ہیں، یہ اللہ کے شیر ہیں (۱) ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہے، ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی برابر ہیں (۲)، ان کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائیگا (۳)، یہ علم کا دروازہ ہے، ان سے قرآن سیکھو (۴)، انکا اتباع تمہارے ذمہ لازم ہے (۵)، ان سے اللہ راضی ہے، اور یہ اللہ سے

= الملائکہ". (الحدیث) (الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عثمان، الفصل الأول: ۲/۲۷۷، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الفصل الأول: ۲/۵۶۰، ۵۶۱، قدیمی)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: نزلنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم منزلاً، فجعل الناس یمرّون، فیقول رسول الله ﷺ: "من هذا یا أبا هریرة"؟ فأقول: فلان، فیقول: "نعم عبدالله هذا" ...... حتی مرخالد بن ولید، فقال: "من هذا؟" قلت: خالد بن ولید، قال: "نعم عبدالله خالد بن ولید، سیف من سیوف الله". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب خالد بن الولید: ۲/۲۲۴، سعید)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: بینا رأس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی حجری فی لیلة ضاحیة إذقلت: یارسول الله! هل یکون لأحد من الحسنات عدد نجوم السماء، قال: "نعم، عمر". الحدیث. (مشکوة المصابیح، باب مناقب أبی بکر وعمر رضی الله تعالیٰ عنهما، الفصل الثالث، ص: ۵۶۰، قدیمی)

(۳) "عن أبی هریره رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله ﷺ قال: "من أنفق زوجین فی سبیل الله، نودی من أبواب الجنة، یاعبد الله! هذا خیر، فمن کان من أهل الصلاة دعی من باب الصلاة ...... فقال أبو بکر: بأبی أنت و أمی یارسول الله! ماعلی من دعی من تلک الأبواب من ضرورة، فهل یدعی أحد من تلک الأبواب کلها؟ قال: "نعم، وأرجو أن تکون منهم". (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الریان للصائمین: ۱/۲۵۴، ۲۵۵، قدیمی)

(۴) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی علیه وسلم: "أنادار الحکمة وعلی بابها". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب علی بن أبی طالب، ۲/۲۱۳، سعید)

(۵) "عن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أکرموا أصحابی، فإنهم خیارکم، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم".

"وعن ابن عمر بن الخطاب قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ...... "أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم". (مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابه، الفصل الثانی والثالث، ص: ۵۵۴، قدیمی)

راضی ہیں (۱)، جنت ان کی مشتاق ہے، یہ جنت میں میرے رفیق ہیں (۲) میں ان سے راضی ہوں، جس نے اس کو دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا (۳)، ان کو بُرا مت کہو (۴)، اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کا تذکرہ مت کرو، ان کی دو رکعت دوسروں کی دو لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہیں، جو شخص ان کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت بھیجو (۵)۔ الغرض عجیب عجیب طریق پر اس تزکیہ کا ظہور رہا۔

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ﴾ (البینة، پ: ۳۰، آیت: ۸)

(۲) "عن طلحة بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لکل نبی رفیق، ورفیقی یعنی فی الجنة عثمان". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۲/۲۱۰، سعید)

(۳) "عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم: "اللہ اللہ فی أصحابی، اللہ اللہ فی أصحابی، لا تتخذو ھم غرضاً من بعدی، فمن أحبھم فبحبی أحبھم، و من أبغضھم فببغضی أبغضھم، ومن آذاھم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللہ". (الحدیث) (مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابہ، الفصل الثانی، ص: ۵۵۴، قدیمی)

(۴) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا تسبوا أصحابی، فلو أن أحد کم أنفق مثل أحد ذھباً مابلغ مُدّ أحد ھم ولا نصیفه". (مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابة، ص: ۵۵۳، قدیمی)

(۵) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم: "إذا رأیتم الذین یسبون أصحابی فقولوا: لعنة اللہ علی شرکم". (مشکوة المصابیح، باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، قدیمی)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیگر امانات: تلاوت، تعلیمِ کتاب، تعلیم حکمت کی طرح اس امانت ''تزکیہ'' کو بھی بعد والوں کے سپرد کیا، پر جیسے جیسے خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا اور مادیات کے اختلاط کا غلبہ ہوتا گیا، تزکیہ کیلئے مجاہدات وریاضات کی ضرورت زیادہ پیش آتی گئی، لہذا اس علم نے مستقل فن کی صورت اختیار کرلی، اخلاق فاضلہ، توکل، صبر، شکر، قناعت، سخاوت، شجاعت، ایثار، حلم، عفو، تواضع، احسان، شفقت، رضاء، تسلیم، زہد، ورع، امانت، خوف، رجاء، صدق، اخلاص، وغیرہ کی تفصیلات اوران کی تحصیل کے طرق کو جمع کیا گیا۔ اور اخلاق رذیلہ: بخل، حسد، غضب، حقد، حسد، حرص، کذب، ریا، جدال، عجب، تکبر، لعن، غیبت، نمیمہ، حبِّ جاہ وغیرہ اوران کے معالجات کو مرتب کیا گیا۔ بہت سی کتابیں: ''قوت القلوب، عوارف المعارف، احیاء العلوم، قشیریہ، منہاج العابدین'' وغیرہ تصنیف کی گئیں، اور یہ سب کچھ قرآن پاک، احادیث وآثار کی روشنی میں ہوا، اس فن کے چار امام زیادہ مشہور ہوئے جن کے سلسلے مستقل چلے اوراب تک جاری ہیں: حضرت سید عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ان سے پہلے اوران کے بعد بھی بہت سے اکابر نے بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں:

شیخ معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ، فضیل ابن عیاض، سری سقطی، شیخ محی الدین ابن عربی، امام غزالی، شیخ عبدالقدوس، سلطان نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجددِ الف ثانی، خواجہ محمد معصوم، حضرت مرزا مظہر جانجاناں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت سید احمد شہید، حضرت محمد اسماعیل شہید وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت اکنافِ عالَم میں اسلام پھیلا، گروہ درگروہ مسلمان تزکیۂ باطن کر کے صفتِ احسان: "أن تعبد الله كأنك تراه" (۱) کی دولت سے مالا مال ہوئے، علوم نبوی کے ساتھ

---

(۱) (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الإيمان، باب سوال جبرئيل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان والإسلام والإحسان: ۱/۱۲، قديمي)

(والترمذي في جامعه في أبواب الإيمان عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب في وصف جبريل للنبي صلى الله عليه وسلم الإيمان: ۲/۸۸، سعيد)

اخلاق نبوی کی اشاعت ہوئی، بے شمار مواقع پر اہل باطل کے ساتھ باطنی تزاحم وتصادم کی نوبت بھی آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب فرمایا۔ بعض اکابر کے ہاتھ پر لاکھوں آدمی مشرف بہ اسلام ہوکر ابدی جہنم سے نجات پاکر مستحق جنت قرار پائے، ہزاروں کی جماعتیں ایک ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت ہوکر اخلاق نبویہ کے ساتھ متصف ہوئیں اور نسبت یادداشت سے نوازی گئیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آج جہاں بھی اسلام واخلاق کی روشنی نظر آتی ہے، اس میں ان حضرات کی جدوجہد کا بڑا حصہ ہے تو غالباً مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ ہے علم تصوف کا مختصر خاکہ۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ جماعت اسلامی کی نظروں میں تصوف اور اصحابِ تصوف کی کیا حیثیت ہے؟

مودودی صاحب جاہلیت راہبانہ کی تشریح کے بعد فرماتے ہیں:

یوگ، تصوف، کوکین، افیون

۳۸- ''یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی نظریہ ہے، مگر تمدن پر یہ متعدد طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے، اس کی بنیاد پر ایک خاص قسم کا نظام فلسفہ بنتا ہے جس کی مختلف شکلیں: ویدانتزم، اشراقیت، یوگ، تصوف، مسیحی رہبانیت اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں، اس فلسفہ کے ساتھ ایک ایسا نظامِ اخلاق وجود میں آتا ہے جو بہت کم ایجابی اور بہت زیادہ سلبی بلکہ تمام تر سلبی نوعیت کا ہے، یہ دونوں چیزیں مل جل کر لٹریچر، عقائد، اخلاقیات، اور عملی زندگی میں نفوذ کرتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہونچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں''۔ (تجدید احیائے دین، ص:۱۴)(۱)۔

یہ وہی افتادِ مزاج ہے کہ جماعت اسلامی تخریبی تنقید کے پیش نظر حق وباطل کو ایک ہی ساتھ صف میں پیش کرتی ہے، جس طرح تبلیغ کرنے والوں کے پیش کردہ مذہب اسلام کو بے جان عقائد، بے معنی منتر، بے مقصد حرکات کی خانہ ساز ذہنی معجون بنا کر پنڈتوں، پادریوں، گرنتھیوں کا ہمدوش، ہمنوا، ہم رنگ قرار دیا اور وفاتِ پیغمبر کا نقشہ اس طرح کھینچا کہ بھکاری اور پیغمبر کے مرنے پر آسمان وزمین یکساں طور پر متاثر نہیں ہوئے، ملاحظہ ہو عبارت:۱۳،۱۴(۲)۔

---

(۱) (تجدید احیاء دین، ص: ۱۴)

(۲) (تنقیدات، ص: ۳۳) و (ترجمان، ج: ۱۲، عدد: ۴، ۴۷/۲۸۷)

اسی طرح یہاں تصوف کو ''ویدانتزم، اشراقیت، یوگ، مسیحی رہبانیت، اور بدھ ازم'' کی صف میں لاکر کھڑا کردیا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم کی صفوں کا نظم ونسق اور یہ تشخیص کہ کس کو کس صف کا ٹکٹ دیا جائے اور کس صف میں بٹھایا جائے انہی حضرات کے سپرد ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

۳۹-''میں حیران رہ جاتا ہوں جب سنتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ویدانتی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا جوڑ لگا کر نئی ہندی قومیت کیلئے فکری اساس فراہم کرنے کی کوشش کی تھی، مجھے ان کی کتابوں میں اس کوشش کا کہیں سراغ نہ ملا اور اگر مل جاتا تو باللہ العظیم کہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کو مجددین کی فہرست سے خارج کرکے متجددین کی صف میں لاکر بٹھاتا''۔ (تجدید واحیائے دین، ص:۶۸)(۱)۔

امام غزالی کے تجدیدی کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے، ان کی تعریف وتوصیف کے بعد جب تخریبی تنقید اور بے لاگ تحقیقی نگاہ کی باری آئی تو جن امور کو ان کے کمالات میں شمار کیا تھا ان کو بھی نقائص کی فہرست میں داخل فرمادیا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

امام غزالی کے نقائص

۴۰-''امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تجدیدی کام میں علمی وفکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے، دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے''۔ (تجدید واحیائے دین، ص:۴۵)(۲)۔

حالانکہ خود اس سے قبل ان کی عقلیات کے تجدیدی کارنامے لکھ چکے ہیں کہ: ''انہوں نے (امام غزالی نے) اسلام کے عقائد اور اساسیات کی ایسی معقول تعبیر پیش کی جس پر کم از کم اس زمانہ کے اور بعد کی کئی صدیوں تک کے معقولات کی بناء پر کوئی اعتراض نہ ہوسکتا تھا، اس کے ساتھ انہوں نے احکامِ شریعت اور عبادات ومناسک، اَسرار ونصائح بھی بیان کئے اور دین کا ایک ایسا تصور لوگوں کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہوگئیں جن کی بناء پر یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہہ سکتا''۔ (تجدید احیائے دین)۔

---

(۱)(تجدید احیاء دین، ص: ۶۸)

(۲) (تجدید احیاء دین ،ص :۴۵)

''انہوں نے فلسفہ کا گہرا مطالعہ کر کے اس پر تنقید کی اور اتنی زبردست تنقید کی کہ اس کا وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا کم ہوگیا اھ۔

امام کی اس تنقید کا اثر مسلم ممالک تک ہی محدود نہ رہا بلکہ یورپ تک پہنچا اور وہاں بھی اس نے فلسفہ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور تنقید وتحقیق کا فتح یاب کرنے میں حصہ لیا، امام غزالی نے بروقت اس کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے عقائدِ دین کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں بلکہ اس کیلئے معقول دلائل موجود ہیں''۔ (تجدید،ص:۴۳،۴۲)(۱)۔

یہ سب کچھ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عقلیات کی مدد سے کیا مگر برا ہو جذبۂ تخریب کا کہ امام موصوف کی یہ ساری محنتیں کاوشیں دینی خدمتیں نقائص یا باعثِ نقائص بن رہی ہیں۔

افسوس اس مضمون کی تکمیل نہ ہو سکی۔لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً۔

حکومت الٰہیہ کا قیام

سوال[۵۱۴]: میرے کچھ قریبی عزیز جو مجھ سے عمر میں کچھ بڑے بھی ہیں میرے یہ کہنے پر کہ ''بندوں کے اوپر بندوں کی نہیں بلکہ اللہ کی حکومت ہونی چاہئے اور اسی کا حکم ہونا چاہئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تمام دستورِ حیات ہم کو دیا ہے اور آخرت میں اس کا جواب دینا ہے'' مجھے ''کوتاہ فہم'' اور بے عقل قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مذاق بھی اڑاتے ہیں۔مزید یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ وقت کے حاکم کا حکم ماننا چاہئے، خواہ شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اسی وجہ سے ہم ''ڈاکٹر امبیڈکر'' کے دستور کو بھی مانتے ہیں، یہاں جائز اور ناجائز پیشِ نظر نہیں ہے۔یہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ اللہ کی حکومت تو جاری ہے اور کیسی حکومت، لیکن میں اسلام اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے جس نتیجہ پر پہونچا ہوں وہ یہ کہ ایمان مسلمانوں کو اللہ کے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستور اور طریقوں پر ہی رکھنا چاہئے، نہ کہ کسی انسان کے مقرر کردہ دستور پر جو شریعت کے خلاف ہو، اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے اور حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے عمر بن عبدالعزیز، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، امام غزالی، سید احمد شہید رحمہم اللہ تعالیٰ نے تمام عمر کوشش کی، حال ہی میں سید قطب کو اسلام کو مصر میں لانے کی جدوجہد میں پھانسی دی گئی اور ان کی لاش

---

(۱) (تجدید احیاء دین، ص: ۴۲، ۴۳)

بھی کسی مسلمان کو نہیں دی گئی، اس لئے ساری مسلم دنیا میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔

اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کون غلطی پر ہے اور کیوں؟ اور ساتھ ہی ساتھ حکومت الٰہیہ کا مفہوم بھی سمجھادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم میں ہے:﴿إن الحکم إلا للّٰہ﴾(۱) جن امور میں اللہ پاک کا ارشاد موجود ہے یا حدیث شریف موجود ہے یا ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث سے استخراج کر کے اتفاق کرلیا ہے ان میں سے ان سب کو چھوڑ کر محض خواہشاتِ نفسانی کے ماتحت از خود عمل کرنا یا کسی کو مستقلاً حاکم تسلیم کرنا جائز نہیں، جن مسائل میں قرآن کریم یا حدیث شریف یا ائمہ مجتہدین سے دونوں طرح گنجائش ملتی ہے ان میں زیادہ تنگی نہیں مگر اتباعِ نفس سے وہاں بھی اجتناب ضروری ہے، اگر ہم اپنے اختیار سے کوئی قانون بنالیں اور عملاً اس کی پابندی کرلیں تو یہ خدائی قانون کا مقابلہ نہ ہوگا۔

مثلاً ہمارے پاس زمین کے متعدد قطعات ہیں کسی میں ہم مکان بنائیں، کسی میں دوکان اور کسی میں گندم کی کاشت کریں، کسی میں چنے کی، کسی میں باغ لگائیں تو یہ چیز قابل اعتراض نہیں، اسی طرح جائز اور اختیاری امور میں ہمارا کوئی بڑا ہم کو حکم کرے خواہ وہ حکومت ہو یا والد یا استاذ یا قیم اور امیر جماعت ہو تو اس کا حکم تسلیم کرنا غیر اللہ کو معبود تسلیم کرنا نہیں ہے، نہ اس کو طاغوت یا کوئی اور دوسرا لقب دیا جائے گا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے(۲)، نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ:

---

(۱) (یوسف: ۴۰)

(۲) "قال: سألت النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أيّ الأعمال أحب إلی اللہ؟ قال: "الصلوة علی وقتها". قال: ثم أي؟ قال: "ثم برّ الوالدین". (صحیح البخاری: ۲/۸۸۲، کتاب الأدب، باب قوله تعالیٰ: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیه احساناً﴾، قدیمی)

"عن ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أصبح مطیعاً للہ في والدیه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، و إن کان واحداً فواحداً. و من أصبح عاصیاً للہ في والدیه أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن کان واحداً فواحداً" قال: رجل و إن ظلماه؟ قال:" و إن ظلماه و إن ظلماه و إن ظلماه". (مشکوة المصابیح: ۲/۴۲۱، کتاب الآداب، باب البر والصلة، قدیمی)

''جس نے میرے تجویز کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی'' (۱)، جائز امور میں حاکم کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔

مسلمانوں کے ایمان کو پختہ کرنا بہت ضروری ہے اور اس کی پختگی یقین اور عمل صالح سے آتی ہے اور اخلاق کی اصلاح سے جذبات عالیہ پیدا ہوئے ہیں اور تقویٰ ان سب کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں موجود ہے کہ: ''ہر چیز کے لئے معدن (کان) ہوتا ہے اور تقوی کا معدن عارفین کے قلوب ہیں'' (۲)۔ لہذا اصلحاء وعرفاء واتقیاء کی صحبت اور ان کے ارشادات پر غور وفکر کے ساتھ کاربند ہونے کی ضرورت ہے، ہر شخص محض لٹریچر کے مطالعہ سے متقی نہیں بن جاتا، ورنہ قرآن پاک جو سب سے اعلیٰ کتاب ہے اور اصول دین پر حاوی ہے اس کو نازل کر دیا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرمایا جاتا، کیونکہ صحابہ کرام سب اہل زبان تھے، اس کو دیکھ کر سب کے سب متقی ہو جاتے، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں ہے ''ویزکیھم'' (۳) تزکیہ باطن صحبتِ مبارکہ سے ہوتا تھا، قرآن کریم میں دو چیزیں ہیں: ''الفاظ'' اور ''نور'' الفاظ زبان مبارک سے تلاوت فرما کر صحابہ کرام کو سکھائے اور نور سینۂ مبارک سے صحابہ کرام کے سینوں میں منتقل ہوا، پھر صحابہ کرام نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا، اس نور کے ذریعہ سے حق وباطل میں تمیز ہوتی ہے اور ایمان قوی ہو کر آدمی کی تکمیل ہوتی ہے ورنہ اگر وہ نور نہ ہو تو خالی الفاظ تو یہود ونصاریٰ بھی پڑھتے ہیں، بلکہ ترجمہ وتفسیر بھی لکھ دیتے ہیں۔ ''حکومت الٰہیہ'' کی آپ کوشش کر رہے ہیں،

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أطاعني فقد أطاع الله، و من عصاني فقد عصى الله، ومن أطاع أميري فقد أطاعني، و من عصى أميري فقد عصاني". (صحيح البخاري: ۱۰۵۷/۲، كتاب الأحكام، باب قول الله: (أطيعوا الله وأطيعوا الرسول و أولي الأمر منكم)، قديمي)

(وصحيح الإمام مسلم رحمه الله تعالىٰ: ۱۲۴/۲، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية و تحريمها في المعصية، قديمي)

(۲) (ابن عمر) رفعه: " لكل شئ معدن ومعدن التقوى قلوب العارفين". (جمع الفوائد: ۲۰۴/۴، كتاب الخوف والرقاق والمواعظ، رقم الحديث: ۱۷۳۴، إدارة القرآن)

(۳) (سورة البقرة: ۱۲۹، و آل عمران: ۱۶۴)

بہت مبارک چیز ہے، آپ نے خود بھی تو اس کا کچھ مفہوم سمجھا ہوگا اور اس کا کچھ ماخذ بھی آپ کے پاس ہوگا، آپ ہی فرمائیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے اور وہ کہاں سے ثابت ہے اور کیا وہ دنیا میں کبھی قائم ہوئی بھی ہے، یا یہ لفظ ایسا ہے کہ اس کا مصداق کبھی دنیا میں قائم نہیں ہوا اور دنیا اس سے نا آشنا ہے جیسا کہ موجودہ دور کے حکومت الٰہیہ کے سب سے بڑے داعی اور لیڈر نے لکھا ہے ''اصولِ حکومت وہ چیز ہے جس سے دنیا ہمیشہ نا آشنا رہی ہے اور آج تک نا آشنا ہے''(۱)۔

تنبیہ: غائبانہ نماز جنازہ کی اجازت نہیں، میت کا سامنے ہونا ضروری ہے، اگر کوئی بغیر نماز جنازہ پڑھے میت کو دفن کر دیا گیا ہو تو مجبوراً قبر پر نماز جنازہ پڑھ لی جائے، وہ بھی اتنی مدت کے اندر کہ میت کے پھٹ جانے کا ظن غالب نہ ہو، اس کے بعد قبر پر بھی نہ پڑھی جائے جیسا کہ کتب فقہ ردالمحتار (۲)، بحر الرائق (۳) وغیرہ میں ہے۔ جو شخص غلط بات کہے اور ناواقف ہو تو اس کو صحیح راہ بتا دی جائے، مذاق نہ اڑایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۵۱۴]: عرض ہے کہ۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

۱.....خلقت آدم کی غایت، نسل آدم، کو اپنے داعی آدم علیہ السلام ''لا إله إلا الله ، آدم صفی الله'' سے

---

(۱) مولانا مودودی صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ''(وإن دفن) و أهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أولمن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح، و ظاهره أنه لو شك في تفسخه صلى عليه، لكن في النهر عن محمد: ''لا'' كأنه تقديماً للمانع''. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۲۴، باب صلاة الجنازة، سعيد)

(۳) ''فإن دفن بلا صلاة صلى على قبره مالم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار......... قال: و قيد بعدم التفسخ؛ لأنه لا يصلى عليه بعد التفسخ؛ لأن الصلاة شرعت على بدن الميت فإذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً''. (البحر الرائق: ۲/۳۲۰، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، رشيديه)

"لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" تک کے ذریعہ سے زمین پر "خلافتِ الٰہی" کا قیام مقصود تھا تو پھر کیا اس وقت کسی بھی مملکت میں عملی خلافت ابھی قائم ہے؟

۲......خلافت الٰہی کا مطلب امامت اور امارت ہے یا کچھ اور جیسا کہ مرکز میں تبلیغی جماعت کے امیر ہیں یا امام اور دونوں کی بنیادی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟

۳......ہمارے کونسے علماء کا گروہ بصورتِ جماعت خلافتِ الٰہی کے سلسلے میں خدائی قانون اور حکومت کے نفاذ میں سعی کررہا ہے؟

۴......کلام پاک میں صلوۃ کے ساتھ ساتھ زکوۃ کا ذکر ہے، صلوۃ کی نسبت سے زکوۃ کے بارے میں ہمارا کیا عمل ہے؟ جب کہ صلوۃ کا ایک باقاعدہ جماعتی نظام ہنداور بیرون ہند میں کام کررہا ہے؟

۵......مدارسِ دینیہ مروجہ طریقہ سے چندہ کے ذریعہ چلانا، مہمانانِ رسول کو صدقہ، خیرات، زکوۃ کا مال کھلا کر علم پڑھانا، کیا آپ کو حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خیالاتِ عالیہ بسلسلہ چندہ و تعلیمِ دین سے اتفاق ہے، جب کہ آپ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر ہیں؟

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا پھر کہاں سے آئے صدائے لا إلہ إلا اللہ
یہ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرود تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

الجواب: مکرم و محترم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

منتظر نظارے ہیں چشمِ خمارِ آلود کھول
اٹھ کلید فتح بن، قفلِ درِ مقصود کھول

۱......مقصودِ تعلیم عبدیت ہے: ﴿ما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾ الآیة (۱)، خلافت موعود ہے: ﴿وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لَیستخلفنھم فی الأرض﴾(۲) مقصود سے صرفِ نظر کر کے اس مقصود پر جو چیز موعود ہو، اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔

۲......انسان خدا کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو اپنے خالق کی رضا کے لئے وقف کردے اور اس کو نصب

(۱) (الذاریات: ۵۶)

(۲) النور: ۵۵)

العین بنالے تو پھر قدرتی طور سے اس کو اس کی حیثیت کے موافق منصب عطا ہوتا ہے اور وہ صفاتِ خداوندی کو زیادہ سے زیادہ جلوہ گر دیکھتا ہے اور مخلوق اس سے اثر لے کر اطاعت کا ثبوت دیتی ہے یعنی جتنا یہ مطیع احکام خداوندی ہوتا جاتا ہے اس کا اثر دوسروں پر پڑ کر دوسرے احکام خداوندی میں اس کی اطاعت کرتے ہیں اس میں جعل اور تکلف کو دخل نہیں ہوتا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

"من تواضع لله رفعه الله "(۱) جو امامت یا امارت دوسروں کے دینے سے ملے اس کی بنیاد تو عطائے غیر پر ہے، جب چاہے واپس لے لے، مرکزِ تبلیغ میں جو کچھ ہے وہ نقل ہے، تمرین مقصود ہے۔ دوسری جماعتوں میں بھی کم یا زیادہ، اسی بنا پر استعفاء اور انتخاب، چناؤ الیکشن کی نوبت زیادہ آتی ہے۔

۳......"کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته "(۲) کے تحت ہر باعمل عالم سعی میں ہے اور سعی کے موافق خدائی قانون بھی جاری ہوتا ہے، محض نعرہ لگا کر اور قرارداد، دستاویز پاس کر کے اور منشور شائع کر کے جو نتائج اور اثرات ظاہر ہوئے وہ بھی سامنے ہیں۔

۴......صلوۃ کے ساتھ نہ صرف زکوۃ بلکہ پورے دین کے لئے جماعتی جدوجہد جاری ہے اور کامیابی ہو رہی ہے۔ بحمد اللہ ۔

۵......سب سے پہلا مدرسہ اصحابِ صفہ کی جماعت تھی، اس کا نظام تو سامنے ہوگا، حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ دار العلوم کے سرپرست تھے ان کی رائے آخری فیصلہ کی حیثیت رکھتی تھی، مدرسہ چلانے کا طریقہ بھی ان کے سامنے تھا، میری رائے ان کے خلاف نہیں۔

این جوانانِ تشنہ لب، خالی دماغ شستہ رو، تاریک جاں، روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین، و ناامید چشم شان اندر جہاں چیزے ندید

والسلام احقر محمود غفرلہ

---

(۱) (مشکاة المصابیح، عن عمر بن الخطاب : ۴۳۴/۲، کتاب الآداب ، باب الغضب والکبر، الفصل الثالث ، قدیمی)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :"ألا كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته، فالإمام الذي على الناس راع و هو مسئول عن رعيته". الحديث .

(مشكاة المصابيح: ۳۲۱/۲، كتاب الإمارة والقضاء ، الفصل الأول، قديمي)

اسلامی حکومت کہیں نہیں، اس کی وجہ

سوال[۵۱۵]: ا......مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''حقوق الزوجین''، ص:۹۷ سے ص:۱۰۸ تک میں ارتداد احد الزوجین، خیار بلوغ، ولایتِ اجبار کی شرائط اور مہر کے متعلق اپنی جس فقہی آراء کا اظہار فرمایا ہے کیا وہ صحیح ہیں؟ اگر نہیں تو رہنمائی فرمائی جائے۔

۲......جبکہ اسلام مکمل نظامِ حیات ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج دنیا کے کسی بھی ملک میں صحیح نظام نہیں، اسلامی حکومت قائم نہیں، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے قوانین انسان کے مزاج کے مطابق امورِ خیر وفلاح کے حامل نہیں، کیونکہ اگر ان میں کچھ بھی افادیت ہوتی تو کہیں نہ کہیں ضرور اسلامی حکومت قائم ہوتی، آخر دنیا کے سب لوگ تو خراب نہیں ہیں، پھر جب تک دنیا کی حکومت کا صحیح نظام نہیں دیکھا تھا تو وہ معذور تھی لیکن جب اسلام آیا تو صحیح نظام حکومت سامنے آیا، تو کیا وجہ ہے کہ خلفائے اربعہ کے بعد سے آج تک کوئی بھی شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسلامی ہدایات کے مطابق خلیفہ منتخب نہ ہوا اور نہ مستقبل ہی میں اس کا امکان نظر آرہا ہے کہ ایسا ہوگا، کیا اس میں دنیا کا قصور ہے یا اسلام کے نظام کا نقص ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......بیس سال سے زائد کا عرصہ ہوا جب وہ کتاب جماعت اسلامی کے ایک مبلغ نے دی تھی، اس وقت مطالعہ کر کے جو باتیں اس میں فقہ حنفی کے خلاف تھیں وہ لکھ کر ان کو دیدی تھیں، کتاب بھی واپس کردی تھی، اب نہ کتاب پاس ہے نہ وہ ان کے تفردات موجود ہیں۔ ایک ''حقوق الزوجین'' ہی کیا مودودی صاحب تو فقہ اور کلام میں ایک خاص مسلک رکھتے ہیں، جیسا کہ خود انہوں نے تصریح کی ہے، وہ اپنے اس مسلک میں کسی مجتہد کے تابع نہیں، کیونکہ تقلید ان کے نزدیک گناہ سے بھی شدید تر چیز ہے جیسا کہ ''رسائل ومسائل'' میں موجود ہے، لہذا ان کے متعلق یہ فکر کہ ان کی فقہی آراء کہاں تک دیگر فقہائے کرام کے موافق ہیں اور کہاں تک ان کی دی ہوئی دلیلوں کے مطابق ہیں ایسی ہی ہے جیسے کسی دوسرے نئے مدعی اجتہاد کے دعوؤں اور دلیلوں کے متعلق ہو جو شخص ان کو امت کا بہترین فرد تصور کرتا ہے وہ ان کے ہر سیاہ وسفید کو مانتا ہے، جس کو اختلاف ہوتا ہے وہ جماعت سے علیحدہ ہو کر ان کی بنیاد ہی کو غلط کہتا ہے جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، حکیم عبدالرحیم اشرف

صاحب، وحیدالدین خان صاحب وغیرہ کی تحریرات وتصنیفات میں تفصیل مذکور ہے۔

۲...... یہ اسلام کا نقص نہیں بلکہ جولوگ احکام اسلام کوقبول نہیں کرتے ان کا قصور ہے، تسلیم کرنے والوں کی تعداد نہ تسلیم کرنے والوں کے مقابلہ میں قلیل ہے، زمانہ خیرالقرون میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی بدولت ایسے حضرات کثیر تعداد میں تھے، ان کے مقابلہ میں نہ ماننے والے (منافقین) اقلیت میں تھے، پھر وہ نزول وحی کا دور تھا، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس کی خیر میں قلت پیدا ہوتی گئی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "خير القرون قرني، ثم الذين يلونهم". الخ "ثم يفشوالكذب"(الحديث)(۱)۔

جو کچھ تغیر روز بروز ہو رہا ہے، وہ حدیث شریف کی پیش گوئیوں کے مطابق ہو رہا ہے، مگر اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ سعی بھی نہ کی جائے، سعی بہرحال تادمِ آخر لازم ہے۔

درمیان میں اَور بھی صالح افراد کا انتخاب ہوا، انہوں نے بھی اپنے حوصلہ کے مطابق اصلاحی کام کئے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ بعد کے لوگ خلفائے اربعہ کے درجہ کو ہرگز نہیں پہونچ سکتے، بلکہ کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتے۔ بعض آدمی ان اکابر پر بھی تخریبی تنقید کر ڈالتے ہیں، کہ ان میں یہ خرابیاں تھیں یہ کمزوریاں تھیں(۲)، ایسی تنقیدوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان حضرات سے سوءِ ظن پیدا ہو کر خیال قائم ہوتا ہے کہ اسلام کو پورے طور پر کسی نے نہیں سمجھا اور کسی کی زندگی اسلامی زندگی نہیں تھی، بلکہ اسلام آج تک غیر واضح ہے۔

غور کیجئے کہ سچ بولنا، امانتدار ہونا، کسی پر ظلم نہ کرنا، ہمدردی کرنا یہ ایسے اخلاق ہیں کہ سب کے ہی نزدیک مطابقِ فطرت اور پسندیدہ ہیں، اوران کے خلاف کرنا سب کے ہی نزدیک قبیح ہے، مگر کتنے لوگ ان کو اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ان کیلئے کسی شوکت وقوت کی ضرورت نہیں، ہر شخص بلا تامل اختیار کرسکتا ہے، لیکن پھر

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ وقد ذكره الإمام أحمد في مسنده والنسائي في سننه بلفظهما: "عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أكرموا أصحابي، فإنهم خياركم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب". الحديث رواه النسائي. (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب والفضائل، باب فضائل الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين، الفصل الثاني، ص: ۵۵۴، قديمي)

(ومسند الإمام احمد، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۳۴، رقم الحديث: ۱۱۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "قد سبق نبذة من فضائلهم تحت عنوان: "کیا صحابہ کرام سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے؟"")

بھی ان کو اختیار نہیں کیا جاتا، روئے زمین پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی بستی بھی ایسی نہ ہوگی جہاں کے لوگ ان کو اختیار کئے ہوئے ہوں تو یہ اختیار نہ کرنے والے کا قصور ہے، ان اخلاق کا نقص نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند

مسلک علماءِ دیوبند

سوال[۵۱۶۱]: مسلک علمائے دیوبند وغیرہ اور ان میں نقائص نکالنا، ان کو سب وشتم کرنا اور طریقۂ جماعت اسلامی پر عمل کرنا کیسا ہے؟ مسلمانوں سے کدورت رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسلک علمائے دیوبند عینِ کتاب وسنت اور طریقۂ اسلاف عظام کے مطابق ہے، اس میں نقص نکالنا غلط ہے، افراد میں کوتاہی ہوسکتی ہے اور اپنی کوتاہی کی اصلاح سے کسی کو بھی غافل نہیں رہنا چاہئے اور جو عام مسلمان عملی کوتاہی میں مبتلا ہیں وہ قابل رحم ہیں ان سے کدورت رکھ کر ان کو حقیر سمجھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۱ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیراً منهم﴾ (الحجرات، آیت: ۱۱)

"وقال القرطبی: السخریة الإستحقار والاستهانة و التنبیه علی العیوب والنقائص بوجه یضحک منه، و قد تکون بالمحاکاة بالفعل والقول، أو الإشارة أو الإیماء أو الضحک علی کلام المسخور منه إذا تخبط فیه...... والآیة علی ماروی عن مقاتل نزلت فی قوم من بنی تمیم سخروا من بلال، وسلمان، وعمار، وخباب، وصهیب، وابن نهیرة، وسالم مولی أبی حذیفه رضی اللہ تعالیٰ عنهم". (روح المعانی: ۱۵۲/۲۶، دار إحیاء التراث بیروت)

"عن أبی هریرة – رضی اللہ تعالیٰ عنه– قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره، التقوی ههنا" و یشیر إلی صدره ثلث مرار "بحسب إمرء من الشر أن یحقر أخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام: دمه وماله وعرضه". رواه مسلم". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق: ۴۲۲/۲، قدیمی)

مودودی صاحب کی ایک کتاب سے متعلق مشورہ

سوال[۵۱۷]: مولانا مودودی کی ایک کتاب کے بارے میں مشورہ طلب کیا جس کا حسب ذیل جواب دیا گیا۔

جواب: مکرم ومحترم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی مرسلہ کتاب پہونچی جس کے متعلق آپ نے داخلِ نصاب کرنے کا مشورہ طلب کیا ہے، اولاً معذرت پیش کرتا ہوں کہ جواب میں تاخیر ہوگئی، زحمت انتظار کو معاف فرمائیں۔ صورت یہ پیش آئی کہ کتاب الماری میں دوسری کتابوں کے ساتھ رکھ دی تھی، جب ہی باہر جانا ہوگیا تو طلباء نے دیمک کے ڈر سے سب کتابوں کو دھوپ دی، واپسی پر دیکھا تو کتاب وہاں نہیں تھی، معلوم ہوا کہ غیر مجلد کتابیں مخلوط ہوگئیں، ترتیب قائم نہیں ہو سکی، اس اثناء میں آپ کا خط بصورتِ تقاضا پہونچا جو کہ بالکل برمحل تھا، بڑی تفتیش کے بعد مل گئی، فالحمد للہ۔

کتاب کو دیکھنا شروع کیا طرزِ تحریر اور بچوں کی زبان میں عام فہم بیان سے دل مسرور ہوا اور خیال پیدا ہوا کہ جماعت اسلامی اگر اسی طرح جمہورِ اہل سنت والجماعت کے موافق دین (عقائد واعمال) کو پیش کرے اور سلف صالحین کے خلاف اپنے خصوصی تفردات کو ان میں داخل نہ کرے تو ان سے اختلاف کی کوئی وجہ نہ ہو بلکہ ایسی کتابیں سب جگہ داخلِ نصاب کرلی جائیں، اور مصنفین کیلئے صمیمِ قلب سے دعائیں نکلیں، ابتدائی حصہ میں کچھ مسامحات بھی معلوم ہوئیں، ان کو کوتاہی پر محمول کیا کہ اس قسم کی فروگذاشت کا ہوجانا بعید نہیں، مگر آہستہ آہستہ کتاب میں اس جماعت کی خصوصی چیزیں بھی آنا شروع ہوئیں اور کافی مقدار میں آگئیں، افسوس صد افسوس کہ یہ کتاب بھی جماعت کے جراثیم سے محفوظ اور پاک نہ رہ سکی ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فقہ اور کلام میں اپنا ایک خاص مسلک تجویز کیا ہے(۱) اور اس کا اعلان کردیا ہے جو سب سے جداگانہ ہے، اس کا اثر اس کتاب میں کافی موجود ہے، امیر جماعت کے مسلک کا اثر جماعت اور جماعتی لٹریچر پر پڑنا فطرتاً ضروری ہے، اس لئے اس کتاب کو داخلِ نصاب

---

(۱) ''میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں''۔ (رسائل ومسائل: ۱/۲۳۵)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (احسن الفتاوی، رسالہ مودودی صاحب اور تخریب اسلام: ۱/۲۹۹، سعید)

نہ کیا جائے، ورنہ معصوم بچوں کے قلب ودماغ پر ایسے ہی نقوش قائم ہوں گے جیسے مودودی صاحب قائم کرنا چاہتے ہیں، آپ نے بطور مشورہ دریافت کیا تھا، اس لئے، "المستشار مؤتمن" (۱) کے تحت بغیر کسی بحث، جدل، تفصیل کے، مخلصانہ مشورہ یہی ہے، کتاب حسب ہدایت کتب خانہ دارالعلوم میں داخل کردی ہے، جس کی رسید ارسال ہے۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ طالب دعاء:

احقر محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۸۹ھ۔

دیوبند کے ایک فتوی پر اعتراض اور اس کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

بخدمت شریف جناب قاری محمد طیب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں بنگلور میں ایک ملا صاحب، مولوی کے، ایچ، ابراہیم نامی جو بال کی کھال نکالنے میں بڑے ہوشیار ہیں اور جو مدتوں سے مولانا مودودی کی کتابوں سے عبارتوں کو نکال کر توڑ مروڑ کر کے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے ہیں، شروع شروع میں تو ان کی یہ چالبازی چلنے لگی مگر رفتہ رفتہ مخالفین میں سے ہی بہت سے لوگ خود انہیں کو اب ملامت کرنے لگے ہیں اور انہیں چاروناچار بنگلور چھوڑنا پڑا، چونکہ ان کی چالبازی کا اثر لوگوں میں سرد پڑ گیا ہے اس لئے وہ اب بنگلور سے کچھ تیس میل دور "اپی تنگڈی" نامی شہر میں فتنہ کرنا شروع کردیا ہے اور پھر سے مسلمانوں کو لڑانے کے درپے ہوگئے ہیں، اور اب ایک نیا فتنہ کھڑا کیا ہے۔ وہ یہ کہتے جارہے ہیں کہ دارالعلوم کا وہ فتوی جو مفتی محمود احمد صدیقی صاحب نے جماعت اسلامی کے بارے میں ۱۹۶۵ء میں دیا تھا اس کے بارے میں دارالعلوم میں بہت بڑا جھگڑا ہوگیا اور اس فتوی کو منسوخ کردیا گیا ہے۔

اور مفتی محمود صاحب کو دارالافتاء سے خارج کردیا گیا ہے اور ایک نئے مفتی کو جو مفتی محمود حسن صاحب

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه في حديث: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "اختر منهما" فقال: يا نبي الله! اختر لي، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ان المستشار مؤتمن، خذهذا، فإني رأيته يصلي، واستوص به". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الحذر والتأني في الأمور، الفصل الثاني، ص: ۴۳۰، قديمي)

کے نام سے ہیں منتخب کیا گیا ہے اور اب اسی مفتی صاحب نے سابقہ فتوی کے خلاف میں ایک نیا فتوی صادر کیا ہے جس کی نقل اس استفتاء کے ساتھ ہے جس کا فتوی نمبر: ۲۵۵۱ بتایا جاتا ہے، اس فتوی کو جب ہم نے غور سے مطالعہ کیا تو اول تو ہمیں فتوی ہی ایک مفتی کی شایان شان معلوم نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ کٹر سے کٹر بددین بھی اس خیر القرون کو جہالت سے تعبیر نہیں کرسکتا۔

براہ کرم! آپ اس کو ایک اہم دینی خدمت جانتے ہوئے اس کی پوری تحقیق کریں، اگر یہ دار العلوم کی مہر کے ساتھ ایک جعلی فتوی ہے تو اس ملا صاحب کی انشاء اللہ خوب خبر لی جائے گی کہ انہوں نے ایسی گستاخی اور بدنامی کو ایک بہترین اور خالص دینی ادارہ دار العلوم کے سر کیوں تھوپا اور اگر یہ صحیح ہے تو اس مفتی صاحب کو مولانا مودودی کی وہ کونسی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں سے سلفِ الصالحین کو حتی کہ خلفائے راشدین تک کو اسلام سے کورے اور جاہل بتادیا؟ اور یہ بات کہاں کہی گئی ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امیر کے بغیر جماعت نہیں اور امیر اعلی وہ ابو الاعلی مودودی ہیں، لہذا جو اس جماعت میں شریک ہوں وہ مسلمان جو خارج ہوں وہ مرتد ہیں؟

براہ کرم! اس بارے میں خصوصی توجہ دیں اور تحقیق کریں اس لئے کہ ایسی جماعت کے تو ہم بھی سخت مخالف ہیں اور جو خیر القرون کے اسلام کو جہالت کہے تو اس کے کفر میں ذرا بھی شک نہیں۔ اللہ رب العزت آپ کو دونوں جہانوں میں جزائے خیر دے۔ بینوا توجروا آمین۔ فقط:

حکیم محمود، معرفت بدریا کلاتھ اسٹور، آپی ننگڈ وئی، میسور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتوی نمبر: ۲۵۰۱۔ حامداً و مصلیاً: الفرقة المحدثة المودودية المسماة بالجماعة الإسلامية حدثت سنة ۱۳۶۰ھ، وتشكلت، وهي ليست على الطريقة السنية، بل أخذت بعض الأمور من المعتزلة و بعضاً من الخوارج والروافض والجهمية، و ادعت أن الحياة الإسلامية لا توجد اليوم في فرد من أفراد المسلمين، ولا في من سلف، وهي من أعيان المسلمين المحمدية من الفقهاء، والمحدثين و المتكلمين والصوفية، بل من التابعين و الصحابة حتى الخلفاء الراشدين، بل كانت حياتهم متبرون من الجاهلية، وكانت الجاهلية تشتعل مرةً بعد مرة، وكانت تصدر من أكابر الصحابة أعمال الجاهلية و قال رئيس تلك الفرقة: لا سبيل بين الإسلام والجاهلية، و هذه

الفرقة لا تعتمد على أحد بل تقول: نحن نأخذ ديناً من الكتاب والسنة ولا نأخذ من الأشخاص الموجودين في الحال ولا ممن سلف في الماضي. وتقول: من كان صدره خالياً عما ندعي لا يسكن الإيمان فيه، وتقول: من يريد أن يدخل في جماعتنا لا بد له من تجديد شهادتين، ومن خرج عن جماعتنا بعد الدخول فهو مرتد۔

فالحاصل: أن الإسلام هو الدخول في الجماعة، والإرتداد هو الخروج عنها. وتقول: لا إسلام بدون الجماعة، ولا جماعة إلا بأمير، والأمير هو أبو الأعلى مودودي، وطاعة الأمير واجبة، وتشمل كتبه على التلبيسات والأباطيل. وقد أشيعت كتب متعددة في ترديد هذه الفرقة من دارالعلوم ديوبند وغيرها، ولعل التجلي لم يطلع عليها، بل اطلع على الفتوىٰ المذكورة في السوال، فقط۔

والحال أن تلك الفتوى من زلة القلم، وشنع عليها أرباب دارالعلوم مراراً، وأشيع هذا التشييع في الأخبار والرسائل حتى عزل المفتي الموصوف من دارالإفتاء، وصاحب التجلي لا يعلم ولا يعرف الفتوى الموصوفة، وهذا أيضاً من خزعبلات تلك الفرقة. والله الموفق لما يحب ويرضى۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

مکرم ومحترم، زیدا حترمہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب حامداً ومصلياً:

دارالعلوم کے صدر مفتی مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی مسعود احمد صاحب سخت علیل ہوگئے تھے اس وجہ سے عارضی طور پر مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی کو کچھ عرصہ قیام کیلئے تجویز کیا گیا، دارالافتاء میں سوال سب طرح کے آتے ہیں، چنانچہ جماعت اسلامی اور اس کے بانی سید ابوالاعلی مودودی صاحب کے متعلق بھی سوالات آئے، مفتی محمود احمد صاحب صدیقی نانوتوی نے اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے اس جماعت کے بانی اور دوسرے بڑے ذمہ داروں کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور بعض آدمی اسی جماعت سے منسلک بھی گاہے گاہے

ملتے، اور اس کی تعریف کیا کرتے تھے، کسی مسلمان سے نیک گمان قائم کرنے کیلئے دلیل کی حاجت بھی نہیں، اس کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے، اور پھر جب کہ بعض آدمیوں نے تعریف بھی کی ہو تو اس نیک گمان کو قوت ہوگئی، اس وجہ سے مفتی محمود احمد صاحب صدیقی نانوتوی نے وہ فتوی تحریر کر دیا جس کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، پھر اس جماعت کے ہمدردان نے اس کو کثیر مقدار میں چھپوا کر شائع کیا اور قوم کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ دارالعلوم دیوبند مودودی صاحب کے موافق اور ہم خیال ہے، پھر جب دارالعلوم کے حضرات کو اس کا علم ہوا تو بہت افسوس ہوا کہ تھوڑی سی غفلت سے دارالعلوم کی طرف غلط بات منسوب کر دی گئی، اس کی مکافات میں اس فتوی کی تردید بھی شائع کی گئی۔

دارالعلوم کی طرف سے مفتی محمود احمد صاحب صدیقی نانوتوی کے اس فتوی سے بہت پہلے ہی سے مودودی صاحب کے متعلق متعدد رسالے شائع ہو چکے تھے، جن میں بتلایا گیا تھا کہ یہ جماعت صحیح راستہ پر نہیں ہے۔ مودودی صاحب کی کتابوں میں کچھ باتیں معتزلہ کی ہیں، کچھ خوارج کی ہیں، کچھ روافض کی، کچھ اہل حدیث غیر مقلدین کی ہیں، کچھ منکرین حدیث کی ہیں، کچھ کمیونسٹوں کی ہیں، اس لئے جو شخص ان سب باتوں کو تسلیم کرتا ہے، وہ صحیح راستہ پر نہیں ہے، وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر مدرس وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے متعدد رسالے تصنیف فرمائے جن میں اس جماعت کی گمراہیاں تحریر فرمائیں، ''مکتوبِ ہدایت''، ''دستورِ مودودی کی حقیقت'' وغیرہ۔ دارالعلوم کے صدر مفتی سید مہدی حسن صاحب نے رسالہ لکھا ''آئینہ تحریک مودودیت'' جس پر جملہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے دستخط ہیں، مولانا اعزاز علی صاحب استاذ دارالعلوم نے ''مکتوبات'' کو شائع فرمایا، اسی طرح ''مودودی مذہب''، ''تنبیہات'' وغیرہ کتابیں یہاں سے شائع ہوئی ہیں، یہ سب مفتی صاحب صدیقی نانوتوی کے یہاں تشریف لانے اور فتوی لکھنے سے پہلے کی ہی ہیں مگر ان کو خبر نہیں تھی۔ یہ عنوان کہ ان کے فتوی کو منسوخ کر دیا گیا ہے، غلط ہے بلکہ ان کا وہ فتوی ہی دارالعلوم کے مسلمہ شائع شدہ مسلک کے خلاف تھا جس کی وجہ سے بات دور تک پہنچی۔ تو یہ اس فتوی کی حقیقت تھی جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔

اب وہ عبارتیں نقل کرتا ہوں جو آپ کو بھی اجنبی معلوم ہوتی ہیں، اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی نفع ہوگا۔ ۳۲ صفحہ کا ایک کتابچہ ہے جس کا نام ہے ''جماعت اسلامی کا پہلا

اجتماع‘‘۔ دفتر ترجمان القرآن پونچھ روڈ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے صفحہ:۱۴، پر ہے:

’’آخری چیز جو جماعتی زندگی کیلئے اہم ترین ہے وہ یہ ہے کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے مطابق آپ کیلئے ضروری ہے کہ جماعت بننے کے ساتھ ہی آپ اپنے لیے ایک امیر منتخب کرلیں‘‘......ص:۱۸ پر ہے:’’اس کے بعد باتفاق کلی لوگوں نے سید ابوالاعلی مودودی صاحب کو اپنا امیر منتخب کیا‘‘۔ اسی کتاب کے ص:۲۷ پر ہے:’’جماعت میں جب بھی کوئی نیا شخص داخل ہو تو اسے پورا احساس ذمہ داری دلا کر از سر نو کلمۂ شہادت ادا کرایا جائے اور پھر اس سے دریافت کیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو جماعت کے کس طبقہ میں شامل ہونے کے لئے پیش کرتا ہے، اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے اور مشہور سے مشہور شخص کے لئے بھی استثناء نہیں ہے، بڑے سے بڑے عالم اور شیخ طریقت کو بھی داخل جماعت ہوتے وقت تجدید ایمان کرنی ہوگی‘‘۔ اس کتاب کے ص:۱۰ پر ہے:’’اس کے بعد سب سے پہلے ابوالاعلی صاحب اٹھے اور کلمہ شہادت ”أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً رسول الله“ کا اعادہ کیا، اور کہا کہ لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سر نو ایمان لاتا اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں‘‘۔

اس کتاب کے ص:۱۱ پر ہے:’’جب سب لوگ شہادت ادا کر چکے تو مودودی صاحب نے اعلان کیا کہ اب جماعت اسلامی کی تشکیل ہوگئی‘‘۔ اسی کتاب کے ص:۹ پر ہے:’’البتہ یہ بات ہر اس شخص کو جو جماعت اسلامی میں آئے اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو کام اس جماعت کے پیش نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں، اس لئے ہر شخص کو قدم بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کن خارزاروں میں قدم رکھ رہا ہے، یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں، نہیں! یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں، خدا کی طرف سے پیٹھ موڑنے کے ہیں‘‘۔

اپنی طرف سے میں ان عبارتوں کی تشریح نہیں کرنا چاہتا، اصل عبارات نقل کردی ہیں جو کہ ایک ہی کتاب میں ہیں۔ صفحہ کا حوالہ بھی دے دیا۔ اکابر محدثین، فقہاء، اولیاء، تابعین صحابہ پر جو تخریبی تنقید کی ہے، وہ بھی سب چھپی ہوئی ہے۔ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے مودودی صاحب کی خدمت میں رہ کر ان کی ہدایات کے تحت ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے’’معرکۂ اسلام و جاہلیت‘‘۔ مودودی صاحب نے بھی اس کی بہت تعریف کی ہے، اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی

نہیں بخشا، ان کے اور دیگر صحابہ کرام کے متعلق لکھا ہے کہ ''فلاں وقت ان پر غیر اسلامی اور غیر دینی اور جاہلیت کا حملہ ہوا اور اس قسم کے حملے ہوتے رہتے تھے، جاہلیت کے جذبات بار بار ان میں ابھرتے تھے''۔

''خلافت وملوکیت'' میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مودودی صاحب نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اللہ کی پناہ، اور باور کرایا ہے کہ وہ خلافت کے اہل نہیں تھے، انہوں نے نفسانی جذبات کے تحت بہت مظالم کئے، یہ تو نہیں لکھا کہ یہی اکابر ''اسلام سے کورے تھے'' نہ یہاں کے فتوی میں ان کی طرف یہ بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، البتہ ان کی تحریرات سے بات بالکل واضح ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک ان صحابہ کرام کی مقدس زندگی بھی پوری اسلامی زندگی نہیں تھی، جیسی زندگی مودودی صاحب چاہتے ہیں اس سے یہ اسلاف کرام صحابہ عظام محروم تھے۔ ''تجدید واحیائے دین'' میں بھی اس کے کافی نمونے موجود ہیں۔ مودودی صاحب سے کہا گیا کہ آپ کی تحریک کو علماء اور مشائخ قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ مخالفت کرتے ہیں، اس کا جواب مودودی صاحب نے جو کچھ دیا ہے وہ سوال وجواب بعینہ نقل کرتا ہوں:

علماء ومشائخ کی آڑ

''ایک اعتراض جو پہلے بھی بار بار سن چکا ہوں اور آج بھی وہ میرے پاس تحریری شکل میں آیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے ایسے بڑے بڑے علماء اور پیشوایانِ دین (جن کے کچھ نام بھی گنائے گئے ہیں) کیا دین سے اس قدر ناواقف تھے کہ نہ صرف یہ کہ انہوں نے دین کے ان تقاضوں کو جو تم بیان کرتے ہو، نہیں سمجھا اور پورا کرنیکی طرف توجہ نہیں کی بلکہ تمہارے بیان کرنے کے بعد بھی انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور نہ تمہارے ساتھ تعاون قبول کیا، کیا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سب دین سے ناواقف ہیں؟ یا اس بات کا کہ تم نے خود دین کے نام سے ایک ایسی چیز پیش کی ہے جو مقتضیاتِ دین میں سے نہیں ہے؟

اس سوال کا مختصر جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں نے دین کو ماضی یا حال کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے قرآن وسنت سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کہا، اسی ذریعۂ معلومات کی طرف میں

آپ لوگوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں''۔(ترجمان القرآن، جلد:۲۶،۲۱۴،۶۵۴، ص:۱۴۱)(۱)۔

اس جواب سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب دین کے سمجھنے میں ماضی اور حال کے اشخاص سے بالکل بے نیاز ہیں اس لیے وہ اپنی تحریک کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو علماء ان کیساتھ شریک نہیں بلکہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں یہ لوگ فی الواقع دین کے کسی کام کے نہیں اور یہ کہ ان کا ہمارے قریب آنا ان کے دور رہنے بلکہ مخالفت کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔(ترجمان القرآن مذکور، ص:۲۷۰ اور جلد:۱، ص:۲۷) میں لکھتے ہیں(۲):

''ان کی اس کیفیت کو دیکھنے کے بعد میں بہت خوش ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ فتنہ پسند گروہ قریب آنے کے بجائے دور جارہا ہے''۔ پھر اسی صفحہ ۲۷۱ پر آگے لکھتے ہیں: ''مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان لوگوں کو یہ توفیق ہی نہیں دینا چاہتا کہ یہ لوگ اس کے دین کی خدمت کریں جن فتنوں کی یہ خدمت کرتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بھی غالباً یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ان کو انہیں فتنوں کی توفیق عطاء فرماتا رہے۔ اپنی جماعت کے متعلق ان کو جو کچھ عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اس کا عمل ہی دستور ہے یعنی قرآن و سنت کے تحت دستور بنانیکی ضرورت نہیں بلکہ جو کچھ یہ جماعت کرتی ہے وہی دستور ہیں اس میں ذرہ برابر جاہلیت کا شائبہ نہیں، اس کا پورا عمل حجت ہے''۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہمارا پہلا دستور اب سے دس سال پہلے اس وقت بنا تھا جب جماعت قائم ہوئی تھی، اس وقت ہم نے صرف چند اصولی باتیں درج کردی تھیں اور تفصیلات کو قصداً چھوڑ دیا تھا تا کہ تحریک اور نظام کی وسعت وترقی کے ساتھ ساتھ جماعت کا ضابطہ عمل خود بخود بنتا چلا جائے چنانچہ اس کے بعد پچھلے دس سال کے دوران میں پوری جماعت اپنی مجموعی عملدرآمد سے بتدریج اپنا ایک دستور بناتی رہی ہے جو کہیں لکھا ہوا موجود نہیں ہے بلکہ صرف جماعتی روایات کے اندر

(۱)(ترجمان القرآن: ۲۶،۲۱۴،۶۵۴، ص: ۱۴۱)

(۲) (ترجمان القرآن جلد: ۲۷، ص: ۲۷۰)

محفوظ ہے جماعت کے کام کا جو تعلق ہے وہ اب بھی کسی تحریر، دستور کا محتاج نہیں ہے''۔

(ترجمان القرآن جلد:۳۶،عدد:۶،ص:۳۸۳،اسی شمارے کے ص:۳۸۹) میں لکھتے ہیں (۱):

''اس جماعت کے اصول ومزاج کو دنیا کی دوسری جماعتوں کے اصول اور مزاج سے کوئی مناسبت نہیں''۔

اسی شمارے کے،ص:۲۸۲، پر ہے کہ:

''دیو بندی، بریلوی، احراری، لیگی، پیر، وہابی اور تبلیغی جماعت سب مودودی جماعت کی مخالفت پر متحد ومتفق ہیں'' (۲)۔

ان عبارات میں غور کریں اور جذبات کو نکال کر ٹھنڈے دل سے غور کریں، حق تعالیٰ سے دعاء بھی کریں کہ وہ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر چلائے، گمراہی سے محفوظ رکھے۔ کتابوں کے نام لکھ دیئے، ان میں سے اصل عبارات کو دیکھیں، کبھی یہ خیال نہ گذرے کہ عبارات کو توڑ مروڑ کر غلط بات بنائی گئی ہے، خدائے پاک تلبیس سے بچائے۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال [۵۱۹]: میرا صرف خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ موجودہ دور میں تبلیغی جماعت اہم دینی خدمت انجام دے رہی ہے اور یہ جد وجہد بڑی حد تک امتِ مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بن رہی ہے اور آئندہ غیر مسلموں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس جماعت کا مقصد بہت ہی مقدس اور اعلیٰ ہے، صرف کلمہ اور نماز کی تبلیغ نہیں۔ نیز اس کے طریق کار کو کتاب وسنت کے مزاج کے مطابق سمجھتا تھا مگر تبلیغی جماعت کے بارے میں جماعت اسلامی کے ارکان کی نجی مجلسوں کے تبصرے اور اس کے لیڈروں کی تقریروں اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا طریقہ کار انبیاء کی پیروی نہیں بلکہ شیطان کا ایک زبردست دھوکہ ہے اور یہ کہ تبلیغی جماعت والے تبلیغ کے دوسرے بہتر طریقہ کار سے محرومی کے باعث اپنے طریقۂ کار کو محترم ومقدس بتاتے ہیں اور یہ کہ آج کے دور میں اگر کوئی شخص یورپ وغیرہ میں جا کر تبلیغی جماعت کے اصول کے

---

(۱) (ترجمان القرآن، جلد: ۳۶، عدد: ۶، ۳۸۳، ص: ۳۸۹)

(۲) (ترجمان القرآن، جلد: ۳۶، عدد: ۶، ۳۸۳، ص: ۲۸۲)

مطابق کام کرے گا تو وہ اپنے بے ڈھنگے پن سے اپنی محنت بھی ضائع کرے گا اور کلمہ اور نماز کی عزت بھی خاک میں ملائیگا۔ ملاحظہ ہو (ترجمان القرآن، جلد:۳، عدد:۵، زیرعنوان: دعوت کے طریقے، ازص:۲۷۳ تا ۲۸۳)۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے متعلق جماعت اسلامی کے مفکرین کی یہ رائے کہ تبلیغی جماعت کا مقصد صرف ان پڑھ مسلمانوں میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ ہے، کہاں تک درست ہے؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں، مگر اپنی طرف سے نہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے بانی اور اس کے ذمہ دار حضرات کے کلام سے تاکہ مزید اطمینان کا باعث ہو۔ ظہیر الاسلام بنی گنج، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت اسلامی اپنے تجویز کردہ اصول کے مطابق (جن کی قربانی ان کیلئے غالباً ناممکن ہے) دوسری جماعتوں اور افراد پر تخریبی تنقید کرتی ہے اور وہ اپنے نزدیک تقریباً اس پر مجبور ہے اور یہ تنقید بسا اوقات اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں ان جماعتوں اور افراد کے متعلق یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اصل دین کو سمجھا ہی نہیں، بلکہ اصل دین کو تحریف کر کے خواہشات نفسانی کے مطابق ڈھال کر عوام کے سامنے پیش کیا ہے جس سے انتہائی گمراہی پھیلی ہے اور لوگوں نے بددینی کو دین سمجھا ہے جس کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

جماعت اسلامی کی اس قسم کی تنقیدات سے موجودہ تبلیغی جماعتیں تو کیا بچتیں گذشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتداء بھی نہیں بچے۔ تاہم آپ کو نفس واقعہ کی تحقیق کیلئے جماعت اسلامی یا کسی اور معترض کا نام لینے کی ضرورت نہیں، آپ کیلئے مناسب یہ ہے کہ اس قسم کی وسوسہ انداز تحریر یا تقریر سے جو شبہ پیدا ہو اس کو تو ٹھنڈے دل سے غور کریں، اگر حقیقۃً وہ کوئی اصلاح طلب چیز ہے تو قرآن پاک، حدیث شریف، کلام، اصول فقہ کی روشنی میں اصلاح کرلیں اور معترض کا شکریہ ادا کریں کہ اس کی تنقید کی وجہ سے اصلاح کا موقعہ ملا، اگر آپ کے پاس یہ علوم موجود نہیں تو بلا تکلف دریافت کرلیا کریں۔

شبہ مسئولہ کے جواب کیلئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا ایک ملفوظ نقل کرتا ہوں اس کو دیکھئے، یہ ملفوظات کا مجموعہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے تیار کیا تھا جب کہ انہوں نے ایک مقصد عظیم کیلئے سفر کیا تھا اور دیر تک دہلی نظام الدین میں قیام کر کے تبلیغی کام کو بہت نزدیک سے دیکھا اور اپنایا تھا، کتاب وسنت کی کسوٹی پر

پرکھا، ملفوظ یہ ہے:

''ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کیلئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی ''الف، ب، ت'' ہے''۔

ایک چھوٹا سا رسالہ ''چھ باتیں'' نامی ہے اس کے اخیر میں ''تبلیغی کام کرنیوالوں کو ہدایات'' کا عنوان ہے اس کے ذیل میں نمبر:۳ پر بھی یہ ملفوظ منقول ہے(۱)، اگر اس رسالہ ہی کو بغور دیکھ لیا جائے تو یہ شبہ اور اس قسم کے دیگر شبہات خود بخود ختم ہو جائیں، ایسے غلط شبہات و وساوس کی وجہ سے نہ کام سے بددل ہوں نہ معترض سے الجھیں خاص کر جب کہ معترض کا مزاج بھی معلوم ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

جماعت اسلامی سے متعلق قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر اور اس کی وضاحت

سوال[۵۲۰]: حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے لکھا ہے کہ جو غالباً ۶۹ھ کے کسی مہینہ کے دارالعلوم میں ''کوائف دارالعلوم'' کے زیر عنوان موجود ہے، اور یہ مضمون رسالہ ''زندگی'' رامپور ۶۹ھ سے لیا گیا۔ جہاں تک احقر کی رائے کا تعلق ہے یہ صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر دیکھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ ممدوح (قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابلِ قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، اس دور خلط واخلاط اور تلبیس والتباس میں جس بے جگری سے انہوں نے اسلامی اجتماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے اجتماعی مسائل صاف کئے ہیں، وہ انہیں کا حصہ ہے، میں انہیں اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں۔

البتہ فقیہ اور مفتی نہیں مانتا، یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس جماعت میں داخل ہونے سے ایمان چلا جاتا ہے، آخر میں لکھا ہے کہ:

---

(۱) (چھ باتیں مرتب مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری عنوان: تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایات: رقم:۳، ص:۷۹، قدیمی)

''اس جماعت کے اصولِ اجتماعی میں کوئی بات خلاف شریعت نظر نہیں آتی''۔

مولانا محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے رسالہ دارالعلوم بابت ماہ مئی ۵۷ء ص: ۲۰ میں اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

''ان عبارتوں یعنی جماعت اسلامی کے دستور کے واضعین کی عبارتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معیار، مینار، روشنی، چراغ راہ، جامع ومکمل نمونہ، مدارنجات اوران کے اُسوہ کو واجب الاتباع تسلیم کیا گیا''۔

نقل، رسالہ جماعت اسلامی۔ علمائے عرب وعجم کی ۱۹۶۰ء سے مندرجہ بالا مضامین سے آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا جماعت اسلامی کا لٹریچر اور ''تفہیم القرآن'' کا پڑھنا اور سنانا شرعی نقطۂ نظر سے اہلِ سنت والجماعت کیلئے جائز ہے؟ ہرایک سوال کا الگ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ مودودی صاحب کو مضمون نگاری کا بہت سلیقہ ہے، انگریزی داں طبقہ کی نفسیات سے خوب واقف ہیں، اس لئے کہ خود بھی ایک حصہ عمر کا اس میں گذارا ہے، اور گردوپیش میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں مگر ساتھ ہی کلام (عقائد) اور فقہ میں خاص مسلک رکھتے ہیں، جیسا کہ خود بھی فرماتے ہیں:

''آخیر میں ایک بات کی اور توضیح کردینا چاہتا ہوں، فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے، جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر اختیار کیا ہے اور پچھلے آٹھ سال کے دوران جو اصحاب ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں''۔ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص: ۲۰) (۱)۔

ان کا یہ مسلک اتنا خاص ہے کہ وہ اس میں نہ حنفیت کے پابند ہیں، نہ شافعیت کے، نہ اہل حدیث کے، نہ ائمہ کلام میں سے کسی کے پابند ہیں، بلکہ ان کو صرف اپنی ذاتی تحقیق پر اعتماد ہے (۲)، اس لئے جگہ جگہ وہ

(۱) (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص: ۲۰)

(۲) ''میں نہ مسلکِ اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کیساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں''۔ (رسائل ومسائل، ج: ۱، ص: ۲۳۵، بحوالہ احسن الفتاوی: ۱/ ۳۱۶، سعید)

اپنی تصانیف میں ان سب سے متضاد نظر آتے ہیں اوران کا یہ مجموعی مسلک سابقین میں سے کسی کے مسلک سے ہم آہنگ نہیں بلکہ ایک جدید چیز ہے، چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو کچھ اس کے متعلق بطورِقولِ فیصل تحریر فرمایا ہے اوراس سے اکابر علماء نے اتفاق کیا ہے، وہ یہ ہے:

''مودودی صاحب کی جماعت اور جماعت اسلامی کے لٹریچر سے عام لوگوں پر جواثرات مرتب ہوئے ہیں کہ ائمہ ہدایت کی اتباع سے آزادی اور بے تعلقی پیدا ہوجاتی ہے جوعوام میں مہلک اور گمراہی کا باعث ہیں اور دین سے صحیح وابستگی قائم رکھنے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اوراسلاف عظام سے جوتعلق رہنا چاہیے اس میں کمی آجاتی ہے، نیز مودودی صاحب کی جو بہت سی تحقیقات غلط ہیں لوگ ان سے متاثر ہوکر مبتلا ہوجاتے ہیں اور پھران امور سے ایک جدید فقہ بلکہ دین ہی کی ایک محدث اورایک نئے رنگ کی بنیاد پڑجاتی ہے جو یقیناً مسلمانوں کے دین میں مضر ہے، اس لئے ہم ان امور پر مشتمل تحریک کو غلط اور مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتے ہیں اوراس سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں''۔ (اصلی قولِ فیصل)

کسی چیز کا کفر ہونا اور قطعی طور پراس کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دینا ایک الگ مستقل چیز ہے اوراس چیز کا غلط ہونا اور گمراہی کا سبب بننا جداگانہ چیز ہے، اس لئے مودودی صاحب کو کافر نہیں کہا جاتا اور نہ ان کی جماعت پر کفر کا حکم کیا جاتا اوراس سے اکابر علماء نے اتفاق کیا ہے، نہ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی کتابوں میں تو کفر صریح ہے، نہ یہ بات ہے کہ ان کی لکھی ہوئی ہر بات غلط ہے، بلکہ اصل حقیقت کواس ''قول فیصل'' میں بتادیا گیا ہے۔ جن حضرات نے دستورِ جماعت بنایا تھا تقریباً ایک ایک کرکے سب ہی اس سے الگ ہوگئے، پھر کسی نے خاموشی اختیار کی اور کسی نے اس کی گمراہی کو پوری وضاحت سے بیان کیا۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن صاحب، کوثر نیازی صاحب، مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، وحیدالدین خان صاحب، عبدالرحیم صاحب اشرف، مولانا صبغۃ اللہ بختیاری صاحب یہ سب جماعت کے اونچے اونچے اور بہت ہی قابل اعتماد کارکن تھے وہ سب علیحدہ ہوچکے ہیں اور ''نوائے پاکستان''، ''تعبیر کی غلطی'' میں اس جماعت کی غلطیاں اور گمراہیاں تفصیل سے شائع

ہوچکی ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ ہادی إلی صراط مستقیم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

مسئلہ تقلید اور جماعت اسلامی

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب!

سلام مسنون

آپ کی خدمت میں چند سوالات ارسال کیے تھے سب کے جوابات تو آپ نے دیدیئے مگر مودودی جماعت کے متعلق سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ ٹلا دیا کہ فلاں جگہ سے دریافت کرلو، اب مکرر گذارش ہے کہ ہمیں صاف صاف بتایا جائے کہ مودودی صاحب کا عقیدہ کیا ہے؟ اور وہ مسائل میں کس امام کے پابند ومقلد ہیں، حنفی ہیں یا شافعی ہیں یا اہل حدیث ہیں؟ براہ کرم صاف صاف بتایا جائے اور دلیل کیساتھ ساتھ مع حوالہ ونقلِ عبارات مفصل جواب تحریر کیا جائے۔ نور محمد، مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

محترمی زیدَ احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پہلے آپ کے جواب میں لکھدیا تھا کہ اس جماعت کے عقائد واعمال کو خاص کر یہ چیز کہ وہ کس کے مقلد ہیں خود ان سے ہی دریافت کیا جائے، صاحبِ عقیدہ اور صاحب عمل کے ہوتے ہوئے کسی اَور سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عقیدہ ایک قلبی چیز ہے جس کو صاحب عقیدہ خود ہی بہتر بیان کرسکتا ہے۔ عمل کی بناء عقیدے پر ہوتی ہے، اس کیلئے ہندوستان اور پاکستان کے دو پتے بھی تحریر کردیئے تھے جہاں اس جماعت کا مرکز ہے، چند کتب کے نام بھی بتادیئے تھے جن میں اس جماعت کے عقائد وافکار سے علمی اور استدلالی بحث کی گئی ہے، مختصر کارڈ میں تو مسائل کے جائز یا ناجائز کا مختصر حکم ہی لکھا جاسکتا ہے، تفصیلی بحثیں اس میں نہیں آسکتیں، مگر آپ کا پھر اصرار ہے کہ بتاؤ ''وہ مسائل میں کس امام کے پابند اور مقلد ہیں، حنفی ہیں یا شافعی ہیں یا اہل حدیث''؟ آپ کے جواب کی اب دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ اس سوال کا جواب میں اپنے الفاظ میں تحریر کردوں، دوسری صورت یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جو اس سوال کا

---

(۱)(تعبیر کی غلطی، تالیف: وحید الدین خان صاحب)

جواب خود دیا ہے، بعینہ وہی نقل کردوں، غالباً دوسری بات آپ کو اور ہر ہوش مند آدمی کو زیادہ پسند ہوگی اور وہی درحقیقت ان کے صحیح مسلک کی حیثیت سے پیش کرنے کے قابل ہوگی۔ اچھا! تو سنئے، وہ لکھتے ہیں:

مودودی صاحب کا مسلک

۱-''نہ میں مسلکِ اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں''۔ (رسائل ومسائل، ج:۱،ص:۳۳۵)(۱)۔

یہ تو خود بانی جماعت کا مسلک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جماعت میں جتنے آدمی داخل ہوں ان سب کا یہی مسلک ہو، کیونکہ انہوں نے امیر ہونے کی حیثیت سے پوری جماعت پر اس مسلک کو لازم نہیں کیا، صرف اپنا ذاتی مسلک بتایا ہے اور سب کو آزادی دی ہے کہ وہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد بھی حنفی، شافعی، اہل حدیث جس مسلک پر چاہیں عمل کر سکتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے

۲-''لیکن کوئی وجہ نہیں کہ جماعت اسلامی میں جو لوگ شریک ہوں ان کا فقہی مسلک لازماً میرے فقہی مسلک کے مطابق یا اس کے تابع ہو، وہ اگر فرقہ بندی کے تعصّبات سے پاک ہیں اور حق کو اپنے ہی گروہ میں محدود نہ سمجھیں تو وہ اس جماعت میں رہتے ہوئے اپنے اطمینان کی حد تک حنفی، شافعی، اہل حدیث یا کسی دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہیں اھ''۔ حوالہ سابق۔

اس میں صاف صاف آزادی دی گئی ہے، لیکن اس آزادی پر عمل کرنے کیلئے لٹریچر کی روشنی میں غور کرنے سے چند امور سامنے آتے ہیں:

اول: امیر کا اس قدر کھلا ہوا ذاتی مسلک جماعت پر لازماً اثر انداز ہوگا خاص کر جبکہ اس مسلک پر دلائل قائم کرنے اور اس کو حق ثابت کرنے کیلئے، اور اس کے خلاف کو باطل کرنے کیلئے لٹریچر میں مختلف مقامات پر متعدد طرق سے زورِ قلم صرف کیا گیا ہے، اور جماعت کو اس کے مطالعہ، تفکر، تدبر اور اشاعت کی تاکید کی گئی

---

(۱)(رسائل ومسائل: ۱/۳۳۵، بحوالہ: احسن الفتاوی: ۱/۳۱۶، سعید)

ہے، کب تک کوئی دیکھنے اور اطاعت کرنے کے باوجود متاثر نہیں ہوگا، اس کے مقابلہ میں لفظی آزادی محض زینتِ قرطاس بن کر رہ جائے گی، یا خود ان کے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس پروانۂ آزادی کی حیثیت محتاط طریقہ پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلان سے زیادہ نہ ہوگی، اس کی تائید خود امیر جماعت کے قلم سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

مودودی صاحب کی آزادی مسلک عطا کرنے کی حقیقت

۳-''جماعتوں کے نفس کا حقیقی اظہار ان کے محتاط طریقہ پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلانات میں نہیں ہوا کرتا بلکہ ان اشخاص کے انتخاب میں ہوتا ہے جنہیں وہ اپنا لیڈر اور کارفرما اور کارکن بتاتی ہیں، اور جن کے کام کو وہ ایک طویل مدت تک نظرِ استحسان سے دیکھتی رہتی ہیں''۔(ترجمان، ج:۱۱، عدد:۳، ص:۱۲۰)(۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری جماعت کے نفس کا حقیقی مظہر بانی جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں اور وہ اپنا مسلک صاف لکھ چکے ہیں جیسا کہ عبارت نمبر:۱ میں موجود ہے۔

دوم: اس آزادی کا فائدہ جماعت کے ''بے علم'' افراد کو تو شاید کچھ حاصل ہو جائے مگر جماعت کے ''اہل علم'' اس سے فائدہ حاصل کرنے کے کسی طرح مجاز نہیں جیسا کہ امیر جماعت کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے:

تقلید اہلِ علم کیلئے درست نہیں

۴-''جو لوگ دینی علوم کیلئے باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کیلئے عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی درست نہیں کہ اپنے اوپر تقلید کو لازم کرلیں اھ''۔(ترجمان:۱۳، عدد:۶، ص:۲۲)(۲)۔

لہٰذا جماعت کے بے علم افراد تو حنفی، شافعی (مقلد) رہ سکتے ہیں، لیکن اگر جماعت میں کچھ لوگ ایسے

---

(۱)(ترجمان، ج:۱۱، عدد:۳، ص:۱۲۰)

(۲)(ترجمان:۱۳ عدد۶ ص۲۲۔ نیز کہتے ہیں کہ ''میرے نزدیک صاحب علم آدمی کیلئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے''۔(رسائل ومسائل: ۱/۲۴۴، بحوالہ: احسن الفتاوی: ۱/۳۱۷ سعید)

بھی ہیں، جنہوں نے علومِ دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، اور وہ امیر کی عطاء کردہ آزادی کے ماتحت اب تک بھی حنفی، شافعی (مقلد) ہیں یا اہل حدیث ہیں، تو نہیں معلوم ان کے پاس اپنے مسلک پر قائم رہنے کیلئے سندِ جواز کیا ہے، اور وہ سند عقل ونقل کی کسوٹی پر کیسے پوری اترتی ہے یا پھر ان کا حنفیت یا شافعیت پر قائم رہنا بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے؟ اگر ایسا ہے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ امیر جماعت ایسے لوگوں کو کس دلیل وسند کے ماتحت برداشت کرتے اور اعتماد فرماتے ہیں جن کا مسلک ہی عقل ونقل کے خلاف ہے یا وہ اہل علم جماعت میں داخل ہوتے ہی حنفیت وشافعیت کو خیر باد کہہ چکے ہیں کہ وہ نہ حنفی، شافعی، نہ اہل حدیث، اگر وہ اس سب سے بیزار ودست بردار ہوکر بھی اپنے آپ کو حنفی، شافعی، اہل حدیث کہتے ہیں تو ان کو صادق قرار دینے کیلئے کیا تاویل اختیار کی جاتی ہے، نیز اگر وہ نہ حنفی رہے، نہ شافعی (مقلد) نہ اہل حدیث بلکہ سب سے خارج ہوگئے تو آخر وہ کیا بن گئے؟ وہ ایسا فرقہ بن گئے جس کے وجود سے اب تک غالباً اسلام کا دامن خالی رہا ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ مودودی صاحب اہلحدیث کو بھی مقلد ہی قرار دیتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

اہلحدیث بھی مقلد ہیں

۵- ''یہ عام اہل حدیث جو ان مسائل پر بحث کرتے پھرتے ہیں ان کا حال عام حنفیوں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، ان کا علم بھی ویسا ہی تقلیدی ہے جیسا کہ حنفیوں کا ہے، یہ اپنے ائمہ وعلماء پر اعتماد کرتے ہیں اور حنفی اپنے ائمہ وعلماء پر، ان میں خود اجتہادی قابلیت نہیں، نہ حدیث کا اتنا علم اور نہ اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہیں کہ احکام کی تحقیق کرسکیں، ان کا یہ کہنا کہ فاتحہ خلف الامام، یا رفع یدین، یا آمین بالجہر حدیث سے ثابت ہے اور اس کا خلاف ثابت نہیں، دراصل تقلید کی بنیاد پر ہے نہ کہ اجتہاد کی بنیاد پر، لہذا ان کے جواب میں خاموشی بہتر ہے اھ''۔ (رسائل ومسائل، ص: ۲۴۰)(۱)۔

یہاں پہونچ کر تو اہل حدیث حضرات بھی انگشت بدنداں ہوں گے کہ یا اللہ! تقلید سے بیزاری کا اعلان کرتے کرتے صدیاں گذر گئیں مگر وہ اب تک گلے کا ہار بنی ہوئی ہے۔

---

(۱)(رسائل ومسائل: ۱/ ۲۴۰)

2 تقلید کا مفہوم اور عدمِ تقلید کا اثر

اس عبارت میں جناب امیر نے تقلید کا خلاصہ بھی بتادیا کہ ”تقلید نام ہے ائمہ وعلماء پر اعتماد کرنے کا“ مودودی صاحب نہ خود حنفیت کے پابند ہیں، نہ شافعیت کے، نہ مسلکِ اہل حدیث کے، جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ امام ابوحنیفہ پر اعتماد ہے، نہ امام شافعی پر اعتماد ہے، نہ ائمۂ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ پر اعتماد ہے، یہ حضراتِ ائمۂ اعلام مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ ان پر اعتماد کر کے ان کی تقلید کرسکیں۔

اہل حدیث حضرات کس جرم میں مقلد قرار پائے؟

محض اس جرم میں کہ ان غریبوں نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالت قدر، مہارت فن، خدمت حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کہدیا تھا کہ ان کی بیان فرمودہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے اور انہوں نے بھی براہ راست حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں کی، بلکہ امت مسلمہ نے ان کی جلالتِ قدر کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر اعتماد کیا، یہ اعتماد کرنا اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کی پاداش میں یہ لوگ مقلد گردانے جارہے ہیں۔

سوم: امیر جماعت سے دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی صاحب علم وفضل چار معروف مذاہب فقہ: ”حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی“ چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے کا حقدار ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس دلیل سے؟ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

تقلید کرنا گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے

۶- ”میرے نزدیک صاحب علم کیلئے تقلید ناجائز اور گناہ، بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے“۔ (رسائل ومسائل، ج:۱ص:۲۴۴) (۱)۔

یہاں ”صاحبِ علم“ سے مراد غالباً وہی لوگ ہوں گے جو دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جیسا کہ عبارت نمبر:۴ میں مذکور ہے، خیال ہوتا ہے کہ بانی جماعت مودودی صاحب بھی خود ان ہی لوگوں میں

---

(۱)(رسائل ومسائل: ۱، ص: ۲۴۴، بحوالہ: احسن الفتاوی: ۱/ ۳۱۷، سعید)

سے ہوں گے، انہوں نے بھی باقاعدہ دینی علوم کی تعلیم حاصل کی ہوں گی، ان میں خود بھی اجتہادی قابلیت ہوگی، حدیث میں اتنا علم اور اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہوں گے کہ احکام کی تحقیق کرسکیں، اسی وجہ سے ائمہ وعلماء پر اعتماد کر کے کسی خاص مذہب کے پابند نہیں ہیں اور تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اتنا بلند دعوی کرتے ہیں کہ ''میرے نزدیک صاحب علم آدمی کیلئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے'' آخر یہ دعوی بغیر علم دین حاصل کئے اور بغیر اجتہادی بصیرت تامہ بہم پہونچائے تو نہیں کیا ہوگا، لیکن مودودی صاحب کی تحریر سے اس سب کی تردید ہوجاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

مودودی صاحب کا مبلغ علم

۷-''مجھے گروہِ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں، جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے، دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے''۔ (ترجمان، ج:۱۴، عدد:۳، ص:۲۲۷) (۱)۔

خود اقرار ہے کہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اس لئے عالم نہیں، بلکہ کچھ کچھ تعلیم کا حصہ پایا ہے، اس کچھ کچھ (ناقص وناتمام) حصہ تعلیم پر آزادی کا یہ عالم ہے، فرماتے ہیں:

۸-''اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو، دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی ہے''۔ حوالہ سابق۔

کچھ کچھ حصہ تعلیم حاصل کر کے کچھ لوگ مطب شروع کردیتے ہیں اور کچھ لوگ دینی اصول کے ماہر اور مزاج شناسِ نبوت کہلانے لگتے ہیں جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ''نیم ملا'' اور ''نیم حکیم'' کے اقدام کا ہوتا ہے کہ جان کا بھی خطرہ اور ایمان کا بھی۔

چہارم: امیر صاحب کی طرف سے تقلید کی اجازت وآزادی کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ان کو کیسے آدمیوں کی ضرورت ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

(۱) (ترجمان، ج:۱۴، عدد: ۳، ص: ۲۲۷)

دوسرا رخ

۹- ''سب سے پہلی اور بڑی رکاوٹ کسی موزوں آدمی کا نہ ملنا ہے جو ہماری تعمیری اسکیم کو اپنے ہاتھ میں لے سکے، اس کیلئے ہمیں ایسا آدمی درکار ہے جو تعمیری کام کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو، ہم سے اور جماعت سے ہمدردی رکھتا ہو، تجربہ کار منتظم اور دیانت دار ہو، اور اس کام کو عملاً سرانجام دینے کی صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہو، تاکہ ہم اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکیں اور وہ اپنی ذمہ داری پر اس کو سنبھال سکے''۔ (ترجمان، ج: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۲۶) (۱)۔

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی ذمہ داری سنبھالنا کسی بے علم آدمی کا کام تو ہے نہیں، نہ ہی بے علم آدمی کے حوالہ کرنا دانشمندی کا تقاضہ ہے، لامحالہ ایسے آدمی کیلئے جس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکے باعلم ہونا ضروری ہے، پھر اگر وہ باقاعدہ علمِ دین کی تعلیم حاصل کئے ہوئے ہے تب تو وہ مقلد رہ کر جناب امیر کے نزدیک گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز میں گرفتار ہے، اس پر مودودی صاحب کیسے اعتماد کر سکتے ہیں، اگر وہ اعتماد کرتے ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ ان کے نزدیک کیسے لوگ قابل اعتماد ہیں؟ وہ لوگ جو تقلید جیسی ناجائز، گناہ اور اس سے بھی شدید تر چیز میں مستقلاً دائمی طور پر مبتلا اور اس پر مصر ہیں (گناہ سے شدید تر چیز سب جانتے ہیں کیا ہے) اگر وہ باقاعدہ علم دین کی تعلیم حاصل کئے ہوئے نہیں بلکہ کچھ کچھ حصۂ تعلیم حاصل کیا ہے اور وہ نیم ملا ہے تو پھر اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے کا انجام معلوم۔

لہٰذا اہلِ علم حضرات کیلئے جماعت میں رہ کر مودودی صاحب کا اعتماد حاصل کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ وہ حنفیت، شافعیت وغیرہ (تقلید) کی پابندی سے بالکل تائب ہو جائیں اور تقلید کو گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید چیز تصور کرنے لگیں۔

پنجم: جماعت میں رہنے والوں کو امیر کی اطاعت لازم اور نافرمانی گناہ ہے

چنانچہ لکھتے ہیں:

---

(۱) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۲۶)

۱۰-"یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ بعض مقامی جماعتوں کے ارکان مقامی امیر کو صدر انجمن سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ جب انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اہل تر سمجھ کر صاحب امر منتخب کیا ہے، تو ان پر واجب ہے کہ معروف میں اس کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی کو گناہ جانیں اھ"۔ (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳، ص:۱۲۵)(۱)۔

غور کا مقام ہے کہ جماعت کے کچھ باعلم افراد مقلد ہوں گے تو جناب امیر کا فرض کیا ہوگا جبکہ تقلید ان کے نزدیک گناہ ہے۔

یہ صاحبِ امران افراد کو اس منکرِ عظیم سے منع کریں گے یا نہیں، اگر منع نہیں کرتے تو ایسے موقعہ پر سکوت کی شرعاً کب اجازت ہے؟ حدیث پاک میں ہے: "الساکت عن الحق شیطان أخرس"۔ اگر منع کرتے تو پھر یہ لوگ نافرمانی کر کے اگر مقلد ہی رہے تو ایک گناہ (تقلید) میں پہلے سے مبتلا تھے، دوسرا گناہ امیر کی نافرمانی کا سر چڑھا اور یہ گناہ امیر سے بغاوت کے ہم معنی ہو کر ایسے نافرمان افراد کے لئے جماعت اسلامی سے اخراج کا موجب ہوگا، اور جو شخص جماعت اسلامی سے خارج کر دیا جائے اس کا ٹھکانہ پھر کہاں؟

ششم: بعض لوگ تقلیدِ ائمہ سے ناخوش تھے اور اس کو شرک فی الرسالۃ تصور کرتے اور اخبارات ورسائل میں اس کی مذمت کیا کرتے تھے، وہ بہت مسرور ہونگے کہ ہماری ہم نوا ایک نئی جماعت وجود میں آگئی جو کہ تقلید کو بالکل ہماری طرح ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز سمجھتی ہے (اگر چہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے عرصہ ہوا اس جماعت کے نقیب اخبار اہل حدیث میں شد ومد کے ساتھ اس کی تردید کردی تھی) اور بعض آزادی پسند مقلدین بھی اپنی غذا پا کر خوش ہوں گے اور جوشِ مسرت میں جماعت اسلامی کی رکنیت کا فارم پُر کر چکے ہوں گے کہ اب تو تقلید کا بارِ گراں ہماری گردن سے بالکل اتر گیا اور ہم کلیۃً آزاد ہو گئے اور اس حد تک ان کا خیال صحیح بھی ہے کہ تحریک جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب نے ان کو تقلید ائمہ سے آزادی دیدی بشرطیکہ انہوں نے دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو، لیکن شاید ان کو شعور نہیں کہ وہ اب بھی آزاد نہیں

---

(۱)(ترجمان: ۲۶ عدد: ۳، ص: ۱۲۵، بحوالہ: احسن الفتاوی: ۱/۳۱۸، سعید)

ہوئے، بلکہ تقلید سے بھی بھاری طوق ان کی گردن میں ڈالدیا گیا، فرماتے ہیں:

امارت کا منصب لیڈر شپ کا منصب ہے

۱۱- ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض مقامی جماعتوں میں امارت کے انتخاب میں کچھ انجمن کی صدرات کا سارنگ اختیار کرلیا گیا، یہ منصب دراصل مقامی لیڈر شپ کا منصب ہے اھ“۔ (ترجمان، ج:۲۶، عدد:۳۱، ص:۱۵۱) (۱)۔

کسی امام کیلئے خواہ وہ مقلدین کا امام ہو جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ یا اہلحدیث کا امام ہو جیسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ لیڈر شپ کا منصب تجویز نہیں کیا گیا، نہ ہی ان ائمہ نے خود اپنے لئے یہ منصب تجویز کیا، البتہ شیعہ صاحبان کے مذہب میں ضرور امام کا یہی منصب ہے۔

ھفتم: یہ لیڈر شپ کا منصب تو مقامی جماعت کے امیر کیلئے حاصل ہے، اب رہے بانی تحریک جو کہ امیر الامراء ہیں جن کے قبضہ میں زمامِ کار ہے، اور جو تحریک اسلامی کی گاڑی کیلئے ڈرائیور کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا منصب کیا ہے؟ تو جماعت ان کی تقلید کرنے اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے پر قدرۃً مجبور ہے، اور ان کے ہاتھ میں پروانۂ آزادی کی وہی حقیقت ہوگی جو کلکتہ کے ٹکٹ کی ہوتی ہے، اس مسافر کے ہاتھ میں جو پنجاب جانے والی گاڑی میں سوار ہوگیا ہو اور دوسرے لوگوں کو ٹکٹ دکھا کر کہتا ہو کہ میرے پاس یہ کلکتہ کا ٹکٹ ہے میں کلکتہ جارہا ہوں، ظاہر ہے کہ وہ اس ٹکٹ کے ذریعہ سے اس گاڑی سے کلکتہ نہیں پہونچ سکتا بلکہ وہ ہر اسٹیشن پر بجائے کلکتہ سے نزدیک ہونے کے دور ہوتا جائیگا اور دیکھنے والے کچھ اس پر ترس کھائیں گے اور کچھ اس کا مذاق اڑائیں گے، ٹکٹ کی جانچ کرنے والا کوئی آگیا تو وہ جرمانہ کردے گا، خود مودودی صاحب کے قلم سے اس کا ثبوت لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:

۱۲- ”انسانی زندگی کے مسائل میں جس کو تھوڑی سی بھی بصیرت حاصل ہوگی وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوسکتا کہ انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلہ پر منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملات انسانی کی زمام کار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جس طرح گاڑی ہمیشہ اسی سمت چلا کرتی ہے جس سمت پر ڈرائیور اس کو لیجانا چاہتا ہو

---

(۱) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳۱، ص: ۱۵۱)

اور دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ و ناخواستہ اسی سمت پر سفر کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی تمدن کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کیا کرتی ہے جس پر وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار جن کے ہاتھ میں ہو، عام انسانوں کی زندگی جن کے دامن سے وابستہ ہو، خیالات و افکار اور نظریات کو بنانے اور ڈھالنے کے وسائل جن کے قبضہ میں ہوں، انفرادی سیرتوں کی تعمیر، اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کی تعیین جن کے اختیار میں ہو، ان کی رہنمائی اور فرماں روائی کے تحت رہتے ہوئے انسانیت بحیثیتِ مجموعی اس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتی جس راہ پر وہ چلانا چاہتے ہوں"۔ (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۹۵) (۱)۔

جو لوگ سید ابوالاعلی صاحب کی رہنمائی و فرماں روائی کے تحت رہتے ہیں ان کے خیالات و افکار اور نظریات بانی تحریک کے لٹریچر کے ذریعہ ڈھالے گئے ہیں، ان کی باگیں کلیۃً مودودی صاحب (امیر الأمراء) کے ہاتھ میں ہیں، وہ بحیثیتِ مجموعی اس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتے جس راہ پر مودودی صاحب چلانا چاہتے ہیں، جبکہ مودودی صاحب تقلید کو ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز سمجھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ تقلید کی طرف نہیں چلائیں گے، بلکہ جماعت کو اس سے نکالنے اور بچانے کی پوری کوشش کریں گے، اگر وہ لوگ تقلید پر قائم رہنا بھی چاہیں گے تو کسی طرح قائم نہیں رہ سکیں گے کیونکہ وہ ایسی گاڑی میں سوار ہو چکے ہیں جس کو ڈرائیور ان کے منشاء کے موافق نہیں بلکہ ان کے منشاء کے خلاف اور اپنے منشاء کے موافق چلا رہا ہے، لہذا وہ اسی سمت چلنے پر مجبور ہیں جس پر مودودی صاحب چلا رہے ہیں، اگر چہ وہ لوگ اس سے ناخوش ہوں مگر کچھ نہیں کر سکتے، اِلا یہ کہ احساس ہونے پر کسی قریبی اسٹیشن پر اتر جائیں یا چلتی گاڑی سے کود جائیں جس طرح کہ گاڑی کی غلط سمت کا احساس و شعور ہونے پر جماعت کے چوٹی کے لوگ ہمت کر کے کود پڑے، جو بقول مودودی صاحب کے "سوسائٹی کے مکھن تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیثیت رکھتے تھے کہ ان کے قلوب پہلے ہی سے "حق" کے خواہاں و جویاں تھے" جیسے ہی مودودی صاحب کی

---

(۱) (ترجمان: ۲۶، عدد: ۳، ص: ۱۹۵)

زبان سے ''حق'' کو سنا، فوراً ایمان لے آئے اور انہی کے ہاتھ سے جماعت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور انہیں کے قلم سے دستورِ جماعت تیار ہوا تھا اور ان کے علم، تدبر، تجربہ، تقویٰ، دیانت پر مودودی صاحب کو اس قدر اعتماد تھا کہ ان کی شرکت اور تعاون کو تحریک اسلامی کے حق ہونے کی دلیل پیش کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

''میرے ساتھ ایسے ایسے اہل علم، اہل بصیرت، اہل تجربہ موجود ہیں کہ اگر میرا کوئی غلط قدم بھی ہوتا تو فوراً مجھے روک دیتے اور آئندہ بھی اگر کوئی غلط قدم اٹھاؤں گا تو فوراً روک دیں گے، یہ کھلی دلیل ہے کہ میں نے جو راہ اختیار کی ہے وہی حق ہے''۔

مگر قدرت کی مدد سے کسی پر سمت کی غلطی جلد منکشف ہوگئی، کسی کو دیر لگی، پھر جماعت نے ان کے متعلق جو کچھ کہا اور لکھا اور ان کا ناکارہ ہونا ثابت کیا اس سے ان کی وہ خدمات بھی اکارت ہوگئیں جن پر انہوں نے بہت محنت کی اور سر کھپایا تھا اور بہت برے برے القاب سے ان کو نوازا گیا: ''دین سے پھر گئے، خدا سے منہ موڑ لیا، ارتداد اختیار کیا''، حالانکہ وہ لوگ اس دین سے نہیں پھرے جس کے متعلق قرآن پاک میں وارد ہوا ہے: ﴿إن الدين عند الله الإسلام﴾ (۱)، بلکہ مودودی صاحب کی ڈھالی ہوئی تحریک سے پھرے ہیں اور انہوں نے خدا سے منہ نہیں موڑا بلکہ مودودی صاحب سے منہ موڑا ہے اور انہوں نے دینِ اسلام سے ارتداد اختیار نہیں کیا بلکہ مودودی صاحب کے حلقۂ معاونین سے باہر ہوئے ہیں۔

ھشتم: کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ جماعت سے علیحدہ اور امیر کی قیادت سے آزاد ہو کر اسلامی زندگی گذارے تو اس کے متعلق سنئے فرماتے ہیں:

جماعت سے علیحدگی اور امیر جماعت سے انحراف کا مطلب

۱۳- ''آخری چیز جو جماعتی زندگی کیلئے اہم ترین ہے وہ یہ ہے کہ ''اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں'' اس قاعدۂ کلیہ کے مطابق آپ کے لئے ضروری ہے کہ جماعت بننے کے ساتھ ہی آپ اپنے لئے ایک امیر منتخب کر لیں''۔

(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص: ۱۴) (۲)۔

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۹)

(۲) (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع، ص: ۱۴)

چنانچہ اسی اجتماع میں ابتداءً جماعت کی تشکیل ہوئی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو امیر منتخب کیا گیا، کیونکہ ان سب لوگوں میں اہل تر یہی تھے اور جملہ شرکاء نے فرداً فرداً کھڑے ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور از سرِ نو اسلام میں داخل ہوئے اور جملہ حاضرین کو اپنے اس نئے ایمان پر ہر ایک نے گواہ بنایا، اب جس کو اسلام مطلوب ومحبوب ہے وہ جماعت میں داخل ہونے پر مجبور ہے کیونکہ ''اسلام بغیر جماعت کے نہیں'' اور جب جماعت میں داخل ہو تو امیر کی نافرمانی کی مجال نہیں، اس لئے کہ یہ منصب لیڈر شپ کا منصب ہے اور امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں تو ان کی نافرمانی کرنے سے اسلام جیسی محبوب متاع پر کیا زد پڑے گی۔(اگر گویم زبان سوزد)

نہم : امیر الامراء بانی تحریک اسلامی جماعت سے کس نوع کی اطاعت چاہتے ہیں (ایسی ہی جیسی مقلدین اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں یا اس سے کچھ مختلف؟) وہ ایسی اطاعت چاہتے ہیں جیسی شکاری بندوق کی اطاعت چاہتا ہے کہ فائر کرنے میں بندوق کیلئے حق وناحق سوچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، فرماتے ہیں:

۱۴-''آپ سے امیر کی اطاعت اور ضابطے کی پابندی اور رضا کارانہ خدمت کی ادائیگی میں جتنی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اتنا ہی میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں اور مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ میں ایسی بندوقوں سے کام لے رہا ہوں جو لبلبی دبانے پر بھی فائر نہیں کرتیں، ظاہر ہے کہ ایسے ہتھیاروں کو لیکر کون ایسا نادان ہوگا جو کسی بڑے اقدام کا ارادہ کر بیٹھے، برعکس اس کے جب میں آپ کے اندر اطاعت اور تطوع اور باضابطگی کے اوصاف پاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ ایک آواز پر آپ جمع کئے جاسکتے ہیں، ایک اشارہ پر آپ حرکت کر سکتے ہیں، اور خود اپنے دل کی لگن سے اس کام کو کرتے رہتے ہیں جو آپ کے سپرد کیا جائے تو میرا دل قوی اور میری ہمت بلند ہونے لگتی ہے اور میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اب مجھے وہ طاقت حاصل ہو رہی ہے جس سے میں اس مقصدِ عظیم کیلئے کچھ زیادہ کام کر سکوں اھ''۔(ترجمان:۲۶،عدد:۳،ص:۱۰۹)(۱)۔

عجیب تضاد

دھم : لٹریچر میں جگہ جگہ ''ذہنی غلامی، شخصیت پرستی، اشخاص سے مرعوبیت اور تقلید'' کی مذمت اور

(۱)(ترجمان:۲۶، عدد:۳، ص:۱۰۹)

اس سے اپنی اور اپنی جماعت کی براءت کی گئی ہے اور آزادی رائے، نقادانہ نظر، جمہوریت، شورائیت کو سراہا اور اپنا طرۂ امتیاز بتایا گیا، امیر کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ تنقید سے بالاتر نہ ہوگا، ہر عامی شخص کو اس کی پبلک زندگی ہی پر نہیں بلکہ پرائیویٹ زندگی پر بھی تنقید کا حق حاصل ہوگا۔

مگر اس ہدایت (عبارت منقولہ نمبر:۱۴) سے معلوم ہوا کہ آزادیٔ رائے جمہوریت، شورائیت کی آخری منزل جہاں اس کا سفر ختم ہوتا ہے آمریت اور لیڈر شپ ہے جس میں ادنی سرتابی، اختلافِ رائے اور مشورے دینے کی گنجائش نہیں، تمام جماعت بے بس، بے شعور ہوکر بندوق کی طرح اطاعت کرنے پر مجبور ہے، فرق اتنا ہے کہ بندوق سوچنے والے دماغ اور دیکھنے والی آنکھ سے قدرۃً محروم ہے اور جماعت سے مطالبہ ہے کہ وہ سوچنے والے دماغ اور دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہوئے اپنے اختیار سے بے اختیار و بے شعور ہوکر ایک اشارہ میں حرکت میں آجائے، اس کے بالمقابل تقلید میں جس کو گناہ سے بھی کچھ شدید تر کہا گیا ہے، یہاں تک توسع ہے کہ کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوی نہ ہوتو امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالی وغیرہ کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، دلائل کی قوت وضعف سے بھی بحث کیجا سکتی ہے کیونکہ وہاں لیڈر شپ نہیں ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

امید ہے کہ ان چند سطور سے جماعت اسلامی کے مقلد یا غیر مقلد ہونے پر غور کرنے کا موقع مل سکے گا۔

آپ کے یہاں جماعت اسلامی کا دفتر ہے جس میں جماعت کی کتابیں موجود ہیں میں نے جن کتابوں کے حوالہ دیکر عبارتیں نقل کی ہیں اصل کتابوں سے ان عبارات کو ملا لیجئے اور ان کا اول وآخر بھی اطمینان سے پڑھ کر دیکھئے، نہ کسی جگہ نقل میں کتر بیونت پائیں گے، نہ ایسا ہے کہ درمیانی جملہ لے کر اصل مقصد کو خبط کر دیا گیا ہو، اس لئے لکھا ہے کہ جماعت کا طرز یہ ہے کہ جب کوئی مضمون یا رسالہ دیکھا جس میں ان کی کسی غلطی پر فقہ، حدیث، قرآن سے ان کے انحراف کی نشان دہی کی گئی ہو، فوراً امیر اور جماعت نے کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ یہ ہم پر افتراء ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، دنائت ہے، ہماری عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے یا ان کے اعتراض کا جواب دیا جائے۔ فقط ﴿واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم﴾

فتاوی کی حیثیت مودودی صاحب کی نظر میں

۲۳ ربیع الأول، ۷۱/۶/۱۷ ۱۹۷۱ء

محترم المقام حضرت مفتی محمود الحسن صاحب، زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مکتبہ نظام کرنیل گنج کانپور سے طبع شدہ آں محترم کا جماعت اسلامی کے بارے میں ایک فتوی ''تقلید اور جماعت اسلامی'' نظر سے گذرا جس میں آپ نے مودودی صاحب ہی کی عبارتوں سے ان کے مسلک اوران کی گمراہی کو واضح فرمایا ہے۔ جزاکم اللہ۔

اس طرح دیگر علماء کرام مثلاً حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالی، حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالی، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی وغیرہ نے بھی خود بانی تحریک کے اقوال اوراقتباسات کے پیشِ نظر جماعتِ اسلامی کی تحریک کوخطرناک اور عامۃ المسلمین کیلئے گمراہ کن قرار دے کراس میں شرکت کوناجائز بتلایا تھااوراجتنابِ کلی کوضروری قرار دیا تھا۔

۱......اب سوال یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تحریرات شائع ہوکر جماعتِ اسلامی کے ذمہ داران تک پہنچنے کے بعد جماعت اسلامی کے ذمہ داران کا ان اقوال وتحریرات (کہ جن کی بنیاد پراس تحریک کومضر، گمراہ کن، واجب الاحتراز قرار دیا گیا تھا) کی اصلاح کرنا اوران سے رجوع کا آپ کے علم میں ہے یانہیں؟ اگر جماعت اسلامی نے اصلاح اور رجوع کرلیا ہوتو براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں اوراگران اقوال واقتباسات سے رجوع نہ کیا ہوتو پھر یہ عرض ہے آج کل بہت سے مقامات پر جماعت اسلامی کالٹریچراوراس کی کتابیں پہونچ رہی ہیں، اس کاحلقۂ اثر وسیع ہورہا ہےتواس کوروکنااوراس کی گمراہی سےلوگوں کوواقف کرناضروری ہے یانہیں؟

۲......بعض لوگ کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے بارے میں اب علمائے دیوبند کا وہ نظریہ نہیں رہا، اس میں تبدیلی ہوئی ہے، یہ بات کس حد تک صحیح ہے، بالخصوص آں محترم کی رائے گرامی جماعت اسلامی کے بارے میں حسب سابق ہے یانہیں؟ امید کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے، جوابی کارڈ مرسل ہے۔ والسلام۔

از سلیمان عبدالرحیم بڑودہ، گجرات

الجواب حامداًومصلیاً :

۱......اکابرِ علماء کی جوتحریرات جماعت اسلامی سے متعلق شائع ہوئی ہیں، ان کے سلسلہ میں مودودی صاحب کی تحریر یہ ہے:

''ایک صاحب نے مجھے مفتی سعید احمد صاحب کا مفصل فتوی جو''کشفِ حقیقت'' کے نام سے چھپا ہے، بھیج دیا ہے اوراس کے ساتھ دوتین اشتہار بھی بھیجے، جن میں مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی، مولانا اعزازعلی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے درج تھے،ان تمام فتوؤں کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی،اب یہ حضرات اس مقام سے گذر چکے ہیں ، جہاں ان کو خطاب کرنا مناسب اور مفید ہو۔سب سے زیادہ افسوس مجھے مولانا کفایت اللہ صاحب پر ہے کیونکہ میں۲۳/ سال سے ان کا نیازمند ہوں اور ہمیشہ ان کا احترام کرتا رہا ہوں، افسوس کہ انہوں نے بھی جماعتی عصبیت میں آنکھیں بند کرکے یہ فتوی تحریر فرما دیا۔ باقی رہے دوسرے حضرات تو ان کے فتوے پڑھ کرمیں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جس وقت یہ فتوے لکھے جارہے تھے اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہ تھا،خصوصاً مفتی سعید احمد صاحب کے فتوے میں تو صریح بد دیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں، جنہیں دیکھ کرگھن آتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسنِ ظن رکھتا تھا، مگر اب ان کے یہ فتوے دیکھ کرتو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے بازو کافرساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ اونچانہیں ہے''۔(رسائل ومسائل)۔

اور''رسائل ومسائل''۲/۱۳/۵، کسی نے مشورہ دیا تھا کہ آنحضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا اعزازعلی صاحب، مولانا محمد طیب صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا احمد سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبداللطیف صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سے خط و کتابت کرکے انہیں مشورہ دیں کہ اگر میرے متعلق یا جماعت کے متعلق کوئی استفتاء آپ کے سامنے آئے تو پہلے

جواب دینے سے آپ مجھ سے اصل حقیقت معلوم کرلیا کریں۔اس مشورہ کے جواب میں تحریر مذکورہ امیر جماعت نے لکھی ہے:

۲......جماعت کے جن خلاف حق نظریات وافکار کی بناء پر اول رائے قائم کی گئی تھی جب وہ نظریات وافکار موجود ہیں، ان کی اصلاح نہیں ہوئی تو وہ رائے بھی قائم ہے اس میں بھی تغیر نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

متفرقات الفِرَق

دیوبندیت اور بریلویت

سوال[۵۲۳]: اختلافاتِ علماء کی برکت سے آج کل مذہب حنفی میں دو فرقہ ہو گئے ہیں اور دونوں فرقوں کا دعویٰ نجات ہے: ایک فرقہ بریلوی اور دوسرا دیوبندی، ان دونوں میں کونسا فرقہ قابلِ عمل ہے، بصورت ناقابل عمل اس کے وجوہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اختلاف روایات، تعارضِ نصوص، تنسیخ احکام وترتیب احکام اور تصادمِ ادلہ کی وجہ سے علمائے حقانی میں اختلاف ہوا جس کی برکات اہل علم محققین ومتبعین مذہب پر مخفی نہیں، علمائے دیوبند اور فرقہ بریلویہ میں چند مسائل میں اختلاف ہے۔ نصوصِ قرآنی، احادیث نبویہ (علی صاحبها ألف تحية) اصولِ کلامیہ، فروعِ فقہیہ کے لحاظ سے ان مسائلِ مختلفہ میں علماء دیوبند حق پر معلوم ہوتے ہیں، جس مسئلہ کے متعلق دریافت کرنا ہو اس کو کہیئے، انشاء اللہ تعالیٰ کافی اور تسکین بخش دلائل سے اس کو ثابت اور واضح کر دیا جائے گا۔

بریلوی فتنہ کا علاج

سوال[۵۲۴]: بریلویوں کی طرف سے اشتہار شائع ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے عوام میں سخت بے چینی اور پریشانی ہو جاتی ہے، براہ کرم عوام کی اصلاح کے لئے جو مناسب صورت حال ہو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ بدعات وخرافات کا دروازہ بند ہو جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس فرقہ رضاخانیہ کی تردید میں "عقائد علمائے دیوبند" چھوٹا سا رسالہ ہے جو کہ اصل عربی میں تھا اس کو اردو میں شائع کیا گیا ہے جس پر ہندوستان اور عرب کے علماء کے دستخط ہیں اس کو آپ چھپوا کر شائع کر دیں، اصل کتاب کا نام "التصدیقات لدفع التلبیسات" (المہند) ہے، اس میں اصل عبارت عربی میں ہے اور

ساتھ ہی ترجمہ بھی ہے۔ نیز "الشهاب الثاقب" میں پوری تفصیل مذکور ہے۔

عوام کو سدھارنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہر مسجد میں دینی کتاب سنانے کا انتظام کیا جائے، ان کے بچوں کو علم دین پڑھایا جائے، تبلیغی جماعت میں منسلک کرادیا جائے، صاحبِ نسبت متبع سنت بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کرادیا جائے، اہل قلب علمائے حق کے وعظ کرائے جائیں۔ والله الهادی من یشاء إلی صراط مستقیم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۴ھ۔

فرقہ ذگریان

سوال [۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ جس کو ذگری کہتے ہیں، یہ فرقہ باطلہ ذگریان صراط مستقیم سے منحرف ہیں، مثلاً ان ذگری گروہ کے عقائد میں ایک شخص مسمی بہ محمدی جو اس فرقہ کا مقتدا گزرا ہے، یہ لوگ اس کو اپنا پیغمبر ورسول تسلیم کرتے ہیں اور اسی کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ضروریاتِ دین مثلاً نماز پنجگانہ، روزہ ماہ رمضان المبارک وحج بیت اللہ سے کلی طور پر منکر ہیں۔ لہذا کیا یہ لوگ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اور ان کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں اور ایسے لوگوں کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ برائے کرم اس پر پوری روشنی ڈالتے ہوئے بحوالہ معتبرہ کتب صحیح جواب سے مستفید فرمائیں تاکہ ہم غریب مسلمان اپنے دین وایمان کا پورا تحفظ کرسکیں۔ بینوا وتوجروا۔ عبدالفتاح ولد عبدالخالق القادری، ختانی منزل ملیر سٹی کراچی، پاکستان، ۱۸/شوال المکرم ۹ ۱۳۷ھ

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں (۱)، جو شخص آپ کو خاتم النبیین نہ مانے بلکہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ الآية (الأحزاب: ۴۰)

قال الحافظ: فهذه الآية نص في أنه لا نبي بعده، وإذا كان لا نبي بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والأحرى اهـ". (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۴۰، ۳/۶۵۰، دار الفيحاء بيروت)

آپ کے بعد کسی اور کی نبوت پر ایمان لائے، وہ شخص کافر ہے(۱) اس کے ساتھ مسلمانوں کو تعلق نکاح وغیرہ جائز نہیں (۲) نماز، روزہ، حج، ارکانِ دین اسلام ہیں نصوص قطعیہ سے ان کی فرضیت ثابت ہے جو شخص ان کی فرضیت کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے: دائرہ اسلام سے خارج ہے(۳)۔

قال الله تعالى: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبين﴾ الآية(٤) وقال الله تعالى: ﴿وأقيموا الصلوة﴾ الآية (٥) وقال الله تعالى: ﴿يا أيها

---

(۱) کیونکہ عقیدۂ ختم نبوت نص قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبين﴾ الاية.

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مثلي و مثل الأنبياء كمثل قصر أحسن بنيانه، ترك منه موضع لبنة، فطاف به النظار يتعجبون من حسن بنيانه إلا موضع تلك اللبنة، فكنت أنا سددت موضع اللبنة، ختم بي البنيان و ختم بي الرسل"، و في رواية: "فأنا اللبنة، وأنا خاتم النبيين". (مشكاة المصابيح، باب بدء الخلق و ذكر الأنبياء عليهم السلام: ۲/۱۱ ۵، قديمي)

"ودعوى النبوة بعد نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۱۶۴، قديمي)

(۲) "(ولا) يصلح (أن ينكح مرتد أو مرتدة أحداً) من الناس مطلقاً". وفي ردالمحتار: (قوله: مطلقاً): أي مسلماً أو كافراً أو مرتداً، و هو تاكيد لما فهم من النكرة في النفي". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ۳/۲۰۰، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، باب أحكام المرتدين: ۲/۲۵۵، رشيديه)

(۳) قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ: "و من وصف الله بما لا يليق به أو سخر باسم من أسمائه أو بأمر من أوامره أو أنكر وعده أو وعيده يكفر...... و كذا مخالفة ماأجمع عليه و إنكاره بعد العلم به يعني من أمور الدين كفر". (شرح الفقه الأكبر، استحلال المعصية و لو صغيرةً كفر، ص: ۱۵۳، قديمي)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

(و كذا في البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً أو خطأً. ۶/۳۲۳، رشيديه)

(۴)(الاحزاب: ۴۰)

(۵) (البقرة: ۴۳)

الذین امنوا کتب علیکم الصیام﴾ الایة (۱)۔ وقال اللّٰہ تبارك وتعالیٰ :﴿ وللّٰہ علی الناس حج البیت﴾ الایة(۲)۔

مسلمانوں کو ایسے عقیدوں سے اور ایسے عقیدے والوں سے انتہائی پرہیز کرنا چاہیئے اور بالکل علیحدہ رہنا چاہیئے، اللہ پاک سب کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/شوال/ ۷۰ھ۔

فرقۂ مہدویہ کے عقائد

سوال[۵۲۶] :۱-مہدویوں سے تعلقاتِ نکاح درست ہے یا نہیں؟ جو مولوی محمد جون پوری کو مہدی مانتے ہیں، ان کے عقائد چند جو بہ مشکل معلوم ہو سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نقل ہے کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی کا وجود کفر ہے۔ تقویم مہدیہ ص:۴، ۱۹۶۸ء۔

۲-حضرت مہدی کی تصدیق محبت کے ساتھ کرنا، منکر مہدی کو کافر جاننا حدیث شریف "من أنکر المھدی، فقد کفر"۔

۳-تو یہ خاتمین کا حق جاننا، رسول مہدی کو برابر جاننا جو حدیث، کتاب اللہ، اور احوال مہدی کے موافق ہو اس کو صحیح جاننا، مہدی کے حضور میں مردود اور مقبول کی تصحیح کو حق جاننا جو حکمِ مجتہدین و بیانِ مفسرین وغیرہ جو کہ بیان مہدی کے مخالف ہو اس کو صحیح نہ جاننا، مذاہبِ اربعہ میں تقلید کو ناروا جاننا، خصوصیت بعثتِ مہدی کے احکام، ولایتِ محمدی کے ظاہر کرنے کے لئے سمجھنا۔ آیت کریمہ ﴿ثم إن علینا بیانہ﴾(۳) یہ بیان مہدی موعود کی زبانِ مبارک سے ثابت ہے اس کو جاننا، دنیا میں خدا کے دیدار کو جائز و ممکن ماننا، یہ جاننا کہ ایمان ذاتِ خدا ہے۔

اب آپ فرمائیں کہ شرعاً ان مہدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ بیان فرمائیں۔ اور مہدیوں کی لڑکی سے اہل سنت والجماعت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا اپنی لڑکی دے سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں پر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینا کیسا ہے؟ اور اہل سنت والجماعت کی لڑکی کا نکاح وہاں کر دیا گیا ہے۔ براہ کرم شرعاً جو حکم ہو اس سے مطلع

---

(۱) (البقرة : ۱۸۳)

(۲) (آل عمران : ۹۷)

(۳) (القیمة: ۱۹)

فرمائیں اوران لوگوں کوقربانی کے جانور میں شریک کرنا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

میں نے اس فرقہ کی یہ کتاب نہیں دیکھی، جو چیزیں آپ نے درج کی ہیں وہ مسلکِ اہل سنت والجماعت کی رو سے صحیح نہیں،بعض انتہائی زیغ اور ضلالت کی چیزیں ہیں،اگران کی طرف ان امور کی نسبت صحیح ہے اور یہ ان کے عقائد ہیں تو ان کا خلافِ اسلام ہونا ظاہر ہے،اہل سنت والجماعت کوان سے مناکحت نہیں کرنا چاہئے،کلی پرہیز کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۱۲/۱۲/ ۸۸ھ

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۲۱/۱۲/۸۸ھ

فرقہ مہدویہ اوراحمدیہ

سوال[۵۲۷] : کیامہدویہ فرقہ جونپوری اوراحمدیہ فرقہ سرسیداحمد خان کے پیرو ہیں؟مختصرطور پران کے حالات بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دونوں الگ الگ ہیں،ان میں کوئی کسی کا پیرونہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند،۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند،۲/۶/۹۱ھ۔

خاکساری فتنہ کا حکم

سوال[۵۲۸] : خاکساری کا فتنہ جوموجودہ زمانہ میں چل رہا ہے،آیا اس لائن میں داخل ہونا جائز ہے یانہیں؟ خاکسار کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یانہیں،خاکساروں کے ساتھ اسلامی تعلق رکھنا،برت برتاؤ کرنا جائز ہے یانہیں؟اوران کا عقد مسلمان لڑکی سے جائز ہے یانہیں،عنایت اللہ کا تذکرہ درست ہے یا اسلامی طریقے سے خلاف ہے؟بینواتوجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

عنایت اللہ مشرقی بانی تحریک خاکسار نے جو کتاب ’’تذکرہ‘‘لکھی ہے اس میں بہت چیزیں جو بالکل

اسلام کے خلاف ہیں تحریر کی ہیں، وہ کفریہ عقائد ہیں اسی طرح اَور بھی بہت سی تحریرات ہیں، کفریہ عقائد لکھ کر شائع کئے ہیں۔ پس جس شخص کے عقائد تحقیق سے معلوم ہو جائیں کہ کفریہ ہیں اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا (۱) اور اس سے اسلامی تعلق رکھنا ناجائز ہے (۲)، اسی طرح اس کا مسلمانوں کے ساتھ عقد نکاح کرنا بھی ناجائز ہے (۳)، مگر پہلے اس کی خوب تحقیق کرلی جائے کہ اس کے عقائد کیا ہیں کیوں کہ محض شبہ کی بناء پر کسی کو کافر کہنا جائز نہیں (۴)۔

تحریکِ خاکسار میں داخل ہونا ناجائز ہے، مسلمانوں کو اس فتنہ سے احتراز ضروری ہے، ہر شخص پر حسب استطاعت مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانا اور اس کی خرابیوں سے آگاہ کرنا نیز اس کی مدافعت کر کے اہل اسلام کو تحفظ اسلام پر آمادہ کرنا لازم اور ضروری ہے، جو شخص باوجود قدرت کے اس فتنہ سے مدافعت نہیں کرے گا وہ گنہگار ہوگا (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ محرم/ ۵۹ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره، إنهم كفروا بالله و رسوله و ماتوا و هم فاسقون﴾. (التوبة: ۸۴)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يتخذ المؤمنون الكفرين أولياء من دون المؤمنين﴾. (آل عمران: ۲۸)

(۳) "و لا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدةً و لا مسلمةً و لا كافرةً أصليةً، وكذلك لا يجوز نكاح المرتدة مع أحد كذا في المبسوط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دار الكتب العلمية)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳۴۵/۲، ۳۴۶، مكتبه شركت علميه)

(۴) "و لا يجوز أن يرمى مسلم بفسق و كفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاري، ص: ۲۷، قديمى)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، و يأمرون بالمعروف، و ينهون عن المنكر، و يسارعون في الخيرات﴾. (سوره آل عمران: ۱۱۴) .... =

دین بہائی

سوال[۵۲۹]: زید نے دینِ بہائی قبول کیا، یعنی بہاء اللہ کو موعود کل ادیان، ناسخ قرآن تسلیم کرتے ہوئے اس نئی شریعت پر ایمان لایا جس کے مدعی بہاء اللہ ہیں۔ اس کتاب کا نام ''اقدس'' ہے، جس کی تعلیمات کی رو سے تمام انبیاء ورسل اور آسمانی کتب برطرف ہیں اور سلسلۂ رسالت کبھی ختم نہیں ہوتا یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم الرسل تسلیم نہیں کرتے۔ کیا اب زید دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا، حالانکہ وہ لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے کیونکہ اس سے اس کے مندرجہ بالا عقائد پر ضرب نہیں پڑتی، اگر زید دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا تو کیا اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا، اگر نکاح فسخ ہوجائے گا تو زوجہ دینِ مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے جب کہ وہ مسلمان ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان عقائد کے اختیار کرنے کے بعد زید ایمان سے خارج ہوگیا(۱) اس کا نکاح فسخ ہوگیا(۲) جب شوہر کے ساتھ وہ رہ چکی ہے تو پورا مہر لازم ہوگیا(۳)، اب اپنا مہر وصول کرسکتی ہے اور اس سے بالکل الگ رہے کوئی تعلق زوجیت نہ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، یکم/ ربیع الثانی/ ۹۵ھ۔

= "عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه قال: "ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي، ثم يقدرون على أن يغيّروا ثم لا يغيّرون، إلا يوشك أن يعمهم الله بعقاب". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، قديمي)

(۱) "والمراد بالضروريات على ما اشتهر في الكتب: ما علم كونه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالضرورة، بأن تواتر عنه و استفاض، وعنسته العامة كالوحدانية والنبوة و ختمها بخاتم الأنبياء وانقطاعها بعده، و هذا مما شهد الله به في كتابه، و شهدت به الكتب السابقة، و شهد به نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مجموعة رسائل الكشميري، إكفار الملحدين: ۳/۲، إدارة القرآن)

(۲، ۳) (وارتداد أحدهما): أي الزوجين (فسخ عاجل فللموطوءة كل مهرها) لتأكده به". (الدر المختار: باب نكاح الكافر، كتاب النكاح: ۳/۱۹۳، ۱۹۴، سعيد)

"إرتداد أحد الزوجين عن الإسلام، وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول و بعده، ثم =

مودودیت ورضاخانیت میں کون زیادہ مضر ہے؟

سوال[۵۳۰]: امتِ مسلمہ کے لئے فتنۂ مودودیت زیادہ مضر ہے یا فتنۂ رضاخانیت؟

(عبداللہ بہاری)

الجواب حامداً و مصلیاً :

فتنہ کی نوعیت مختلف ہے، ایک نوع کے دوفرد ہوں تو ان میں توازن وتقابل دیکھا جاتا ہے، جب نوع جداگانہ ہو تو اس میں مقابلہ وموازنہ کیسا؟ ہر فتنہ اپنی نوع میں مستقل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

چند بشیشوراور صدیق دیندار کے عقائد

سوال[۵۳۱]: ۱......جنوبی ہند میں ایک جماعت ہے جسے لوگ عام طور سے چند بشیشور کہتے ہیں، کیا یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں؟ کیا ان کے عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں؟

۲......صدیق دیندار کون تھا؟ کیا اس نے بھی نبی ہونے کا دعوی کیا تھا؟

۳......کیا مرزا غلام احمد قادیانی اور صدیق دیندار دونوں کے معتقدات ایک ہی جیسے ہیں یا کچھ فرق ہے؟

۴......صدیق دیندار کی تحریر کردہ ملفوظات یا کوئی کتاب ہو تو تحریر فرمائیں۔ صدیق دیندار کے معتقدین کا دعویٰ ہے کہ علماء کا ہمارے اوپر الزام اور تہمت ہے، ہم صدیق دیندار کو صرف پیر مانتے ہیں نہ کہ نبی، ایسے لوگوں کا بیان اور ان کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور نماز سے انہیں روکنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......چند بشیشوراور ان کے عقائد سے میں بالکل واقف نہیں۔

۲......میں صدیق دیندار کو نہیں جانتا، نہ اس کے عقائد کا مجھے کچھ علم ہے۔

= إن كان الزوج هو المرتد، فلها كل المهر إن دخل بها". (الفتاوى العالمكيرية، باب نكاح الكفار: ۱/ ۳۳۹، رشيديه)

"وارتداد أحدهما فسخ في الحال، فللموطوءة المهر و لغيرها النصف". (كنز الدقائق، باب نكاح الكافر، ص: ۱۱۱، إمداديه ملتان)

۳......غلام احمد قادیانی کی کتابیں دیکھی ہیں مگر صدیق دیندار کی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔

۴......مجھے ایسی کتابوں اور ایسے ملفوظات کا کوئی علم نہیں، بلا تحقیق کے کوئی حکم نہیں لگا سکتا، وہیں کے مقامی علماء سے تحقیق کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

تہتر فرقے

سوال[۵۳۲]: یہودا کہتر فرقے ہوئے اور نصاریٰ بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور سب کے سب گمراہ ہوں گے لیکن ایک"۔ سند کے اعتبار سے یہ حدیث کیسی ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟ بینوا بالدلیل

مولوی محمد یاسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ حدیث مشکوۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنة کی فصل ثانی میں ہے(۱) سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن اربعہ سے اس کو نقل کیا ہے، علقمی نے سند کے اعتبار سے اس کو حسن صحیح کہا ہے:

"قال العلقمي: قال شيخنا: ألف الإمام أبو منصور عبد القادر بن طاهر التميمي في شرح هذا الحديث كتاباً، قال فيه: قد علم أصحاب المقالات أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يرد بالفِرَق المذمومة المختلفين في فروع الفقه من أبواب الحلال والحرام، و إنما قصد بالذم من خالف أهل الحق في أصول التوحيد و في تقدير الخير والشر و في شروط النبوة والرسالة وفي موالاة الصحابة و ما جرى مجرىٰ هذه الأبواب؛ لأن المختلفين فيها قد كفر بعضهم بعضاً بخلاف النوع الأول، فإنهم اختلفوا فيه من غير تكفير و لا تفسيق للمخالف فيه، فيرجع تأويل الحديث في افتراق الأمة إلى هذا النوع الأول من الاختلاف، و قد حدث في اخر أيام الصحابة خلاف القدرية من معبد الجهني و أتباعه، و تبرأ منهم المتأخرون من الصحابة كعبد الله بن

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ ...... "و إن بني إسرائيل تفرقت ثنتين و سبعين ملةً، و تفترق أمتي علىٰ ثلاث و سبعين ملةً كلهم في النار إلا ملةً واحدةً"، قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: "ما أنا عليه و أصحابي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما و جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه وأنس رضی اللہ تعالیٰ عنه و نحوهم، ثم حدث الخلاف بعد ذلك شيئاً فشيئاً...... الخ". السراج المنير: ۱/ ۲٤۰ (۱)۔

ان فرقِ ضالہ کو نام بنام بھی شراحِ حدیث نے شمار کیا ہے۔شروحِ ترمذی (۲) وابوداؤد میں تفصیل موجود ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۶۶ھ۔

تہتر فرقہ والی حدیث پر اشکال

سوال[۵۳۳]: سرچشمہ ہدایت منبع علم وفضل! سلام مسنون

---

(۱) (السراج المنير شرح الجامع الصغير ،ص: ۲۵۱، مكتبة الإيمان ، المدينة المنورة)

(۲) "(تفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقةً) المراد من أمتي أمة الإجابة، وفي حديث عبدالله بن عمرو الآتي: "كلهم في النار إلاّملةً واحدةً"، وهذا من معجزاته صلى الله عليه وسلم؛ لأنه أخبر عن غيب وقع. قال العلقمي: قال: شيخنا ألف الإمام أبو منصور: قد علم أصحاب المقالات أنه صلى الله عليه وسلم لم يرد بالفرق المذمومة المختلفين في فروع الفقه من أبواب الحلال والحرام، إنما قصد بالذم من خالف أهل الحق في أصول التوحيد وفي شروط النبو ة والرسالة ...... بخلاف النوع الأول، فإنهم اختلفوا فيه من غير تكفير وتفسيق الخ". (تحفة الأحوذي، أبواب الإيمان، باب افتراق هذه الأمة: ۷/ ۳۹۷، مكتبه الفيه، مدينه منوره)

(۳) "(افترقت اليهود الخ) هذا من معجزاته صلى الله عليه وسلم؛ لأنه أخبر عن غيب وقع، قال العلقمي: قال شيخنا ...... قد علم أصحاب المقاولات أنه صلى الله عليه وسلم لم يرد بالفرق المذمومة المخلفين في فروع الفقه من أبواب الحلال والحرام، وإنما قصد بالذم من خالف أهل الحق في أصول التوحيد وفي تقدير الخير والشر، وفي شروط النبوة والرسالة وفي موالاة الصحابة وما جرى مجرى هذه الأبواب؛ لأن المختلفين فيهاقد كفّر بعضهم بعضاً بخلاف النوع الأول، فإنهم اختلفوا فيه من غير تكفير ولا تفسيق للمخالف فيه". (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، أول كتاب السنة، باب شرح السنة: ۱۲/ ۲۶۶، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في بذل المجهود شرح سنن أبي داؤد: ۵/ ۱۸۸، كتاب السنة، باب شرح السنة، معهد الخليل الإسلامي بهادر آباد، كراچی)

آپ کا مختصر سا جواب مجھ جیسے کم فہم انسان کی ہدایت کے لئے ناکافی ہے، خاص طور سے وہ حدیث جو جناب نے وضاحت کے طور پر تحریر فرمائی ہے یعنی: ''جس طریقہ پر اعتقادی، عملی، اخلاقی حیثیت سے میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو فرقہ اس طریقہ پر رہے گا نجات پا جائے گا''۔

جہاں تک مجھ کمترین کا علم ہے کہ فرق اسلام میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو اس کا مدعی نہ کہتا ہو کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر قائم ہیں اور صرف ایک فرقہ کو چھوڑ کر جتنے فرقہ ہیں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں خواہ وہ حقیقتاً مسلمان نہ ہوں یہاں تک کہ قادیانی بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کے عقائد پر قائم ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیسے سمجھا جائے کہ کونسا فرقہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر قائم ہے اور باقی نہیں ہیں جب کہ اکثر فرقوں کی بنیاد صحاحِ ستہ احادیث اور کلامِ پاک کی تفسیریں ہیں۔

مزید برآں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے طریقہ کے ساتھ صحابہ کے طریقہ کی شرط کیوں لگائی، کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقوں اور حضور کے طریقہ میں فرق تھا اور اگر نہیں تھا تو اس......قید کی کیا ضرورت تھی۔

صحابہ کے اقوال واعمال میں نمایاں تضاد کتب احادیث میں قدم قدم پر نظر آتا ہے، کوئی مسئلہ خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی ہو یا اخلاقی ہو مابین فرق مسلمین ایسا نظر نہیں آتا۔ جس میں کوئی بھی فرقہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہم خیال سمجھتا ہو اور ہر مسئلہ کے لئے بالکل مخالف سمت میں لیجانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کتب احادیث میں ملتے ہیں اور سب کی نہیں، تو زیادہ تر کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے اور یہی اختلافِ اقوال مسلمانوں میں فرقہ بندی کا سبب ہے۔

اس لئے مجھے یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ہستیاں جن کے اقوال واعمال مسلمانوں میں فرقہ بندیوں کا سبب ہیں انہیں کے طریقہ پر عمل درآمد نجات کا باعث ہوسکتا ہے۔ جب کہ مذکورہ اور مصدقہ حدیث میں بہتر کی ہلاکت اور صرف ایک کی نجات کی خبر دی گئی ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں گے۔ تجمل حسین۔

مکرم ومحترم زید مجدکم!　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب بید اللّٰہ تعالیٰ أزمة الحق والصواب حامداً و مصلیاً:

آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ:

اقوال صحابہ میں تضاد ہے اور یہ تضاد ہی امت میں فرقہ بندی کا سبب بنا ہے حتی کہ امت کے تہتر فرقے ہوگئے صرف ایک فرقہ ناجی ہے اور بہتر فرقے جہنمی ہیں ان سب کی نہیں تو زیادہ تر کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، لہذا فرقۂ ناجیہ تو وہ ہوگا جو کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوگا، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اس طریقہ کی پیروی کرنے والا فرقہ ناجی ہے، یعنی اپنے ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کیوں شامل کیا جب کہ وہ خود ہی اپنے اختلافِ تضاد کے ذریعہ بہتر فرقوں کو جہنمی بنا رہے ہیں ان کی اتباع سے تو آدمی دوزخی بنے گا نجات نہیں پاسکتا۔

اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہی ہے تو جذبات سے یک سو ہو کر ذرا غور کریں کہ اس سوال کی بنیاد کیا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جو اقوال کتب احادیث میں بسند منقول ہیں جن کی وجہ سے امت کے اتنے فرقے بن گئے اور ان اقوال کی نسبت حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، دو حال سے خالی نہیں: یہ نسبت صحیح کی گئی ہے یا غلط، اگر صحیح کی گئی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کیا قصور ہے کہ انہوں نے جو کچھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا یا عمل کرتے ہوئے دیکھا اس کو نقل کردیا، کیونکہ وہ اس کے مامور تھے، اس لحاظ سے ان کو اس میں نقل کے سوا کچھ بھی دخل نہیں۔ اور نقل صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی تہتر قسم کی متضاد باتیں ارشاد فرمائیں، جن میں بہتر کے اختیار کرنے والوں کے لئے جہنم کا ٹکٹ تجویز فرما کر دوزخی ہونے کی سند دی اور صرف ایک کو اختیار کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت مرحمت فرمائی۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اقوال کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف غلط

اورجھوٹ کی ہے (معاذ اللہ) تو پھر وہ خود ہی اعتماد کے قابل نہیں رہے، لہذا جو چیز بھی وہ نقل فرمائیں کوئی بھی قابل اعتماد نہیں ہوگی، پس قرآن کریم، حدیث شریف، توحید ورسالت، ایمان واسلام، اسوہ، سنت، بدعت، عبادات، معاملات، احکام، اخلاقیات، یہ سب چیزیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کے نفوس قدسیہ کے ذریعہ بعد والوں تک پہنچی ہیں ان پر کیسے اعتماد کیا جائے گا جب کہ ان پاکیزہ ہستیوں ہی کو نقل میں کاذب تصور کرلیا جائے گا؟ استغفر اللہ العظیم۔

پھراس حدیث مسئولہ ہی پر کیا اعتماد کیا جائے گا اس حیثیت سے کہ وہ تہتر متضاد باتیں فرما کر بہتر کے تسلیم کرنے والوں کو خود ہی جہنم میں بھیج رہے ہیں، حالانکہ اللہ پاک نے ان کی بعثت کا مقصد یہ فرمایا ہے کہ وہ جہنم سے بچائیں جنت کی طرف لائیں تو جس آدمی کو اپنے رسول پر اعتماد نہ رہے خود ہی غور کرلیا جائے کہ رسول کے نزدیک اس کا مقام کہاں ہے اور اللہ پاک کے نزدیک کہاں ہے؟ دوسری صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد نہ کرکے سارے دین ہی کو نا قابل اعتماد قرار دیدیا جاتا ہے۔

غرض دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی کسی سینہ میں ہوگی اس سینہ میں نہ ایمان ہوگا، نہ توحید، نہ رسالت، نہ قرآن، نہ حدیث، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ، یہ سب چیزیں رخصت ہوکر اس سینہ میں شیطان کا گھونسلہ ہوگا اور اس کے لوازمات، اس لئے کہ ایک مؤمن تو اس سوال کو اپنے سینہ میں جگہ دے ہی نہیں سکتا، ہاں! کوئی غیر مؤمن اس کو جگہ دے کر مؤمنوں کے دل میں وسوسہ اندازی کرے تو یہ ممکن ہے اس کے جواب کی صورت میں اس کے مسلمات کے معلومات ہونے پر پیش کی جاسکتی ہے کہ آیا وہ قرآن وحدیث سے آزاد ہوکر صرف اپنی عقل کی روشنی میں جواب کا طالب ہے یا کوئی اور صورت ہے۔ اور جن اصول کے پیش نظر وہ جواب کا خواہشمند ہے وہ اصول خود بھی صحیح ہیں یا مجروح ہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آں محترم نے بھی سوال کسی ایسے ہی شخص سے سنا ہے خود آپ کے قلب میں نہیں ہوا اور خدا کرے پیدا بھی نہ ہو، اگر بطور وسوسہ آئے بھی تو اس کی تباہ کن خطرناکی کے تصور سے (جس کی تفصیل احقر نے عرض کی ہے) فوراً ختم ہوجائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

کیا حنفی مسلک قبولِ اسلام سے مانع ہے؟

سوال[۵۳۴]: مقدمہ سوال یہ ہے کہ مولوی سراج احمد فیروز آبادی نے اپنا نام فرضی ''مہاشے رام نرائن سکسینہ مناظر آریہ سماج'' کہا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں مسلمان ہوجاتا مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتا۔ اور لکھا ہے کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے، مردہ یا چوپایہ سے جو بدکاری کرے تو روزہ کا کفارہ نہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس شخص کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں خرابی اور برائی نظر آئی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے مذہب میں تو کوئی خرابی نظر نہیں آئی، تو سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ جس مذہب میں خرابی اور برائی نظر نہیں آئی اس کو قبول کرلے، امام بخاری، امام مسلم، ابن تیمیہ وغیرہ جن کا مذہب پسند ہو اسی کو اختیار کرلے، جب وہ اسلام میں داخل ہوجائے گا اور کسی بھی امام کے مسلک کو اختیار کرے گا تو انشاء اللہ نجات کا مستحق ہوجائے گا، ہم ہرگز اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید پر مجبور نہیں کریں گے۔

یہ جواب اس وقت ہے کہ سائل کے دل میں قبول اسلام کا داعیہ اور جذبہ ہو اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو خراب سمجھ کر اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ ہو رہی ہو، جب سائل اسلام قبول کرے گا تو اس کے لکھے ہوئے اعتراضات بہت سہولت سے حل ہوجائیں گے۔ اگر سائل کا مقصود اسلام قبول کرنا نہیں بلکہ صرف اعتراض کر کے دل کی بھڑاس نکالنا مقصود ہے تو جب اس کے نزدیک اسلام ہی صحیح نہیں تو مذہبِ حنفی پر اعتراض کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیونکہ یہ تو شجرۂ اسلام کی شاخ ہے، اس اعتراض کو اخبارات میں شائع کرنا ہے تو جس طرح اور جس نام سے چاہے شائع کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ﴿واللّٰہ یھدی من یشاء إلی صراطٍ مستقیم﴾۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی امت کو ''مسلمان'' کہا جاتا ہے؟

سوال[۵۳۵]: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام پیغمبروں کی امت کو ''مسلمان'' کہتے تھے یا کیا کہتے

تھے جیسا کہ بانی اسلام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو مسلمان کہتے ہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ احکام خداوندی پہنچائے ان کو ماننے والے اور ان پر ایمان لانے والے سب مسلم ہیں: ﴿سماکم المسلمین﴾ (۱) جن میں اصلی یہودی اور نصاریٰ بھی تھے (۲) مگر موجودہ یہود و نصاریٰ کا حال وہ نہیں اس لئے وہ مسلم نہیں، اب صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے لوگ مسلم ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۰ھ۔

ہندو، یہود، نصاریٰ، جنات کس کی امت میں ہیں؟

سوال [۵۳۶]: تمام عالم میں انسان اور جنات کس کی امت میں کہلائیں گے یعنی یہودی، عیسائی اور ہندو لوگ کس کی امت میں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے جنات اور انسانوں کے لئے نبی بنا کر

---

(۱) (الحج: ۷۸)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا أمةً مسلمةً لک﴾ و قوله: هذا سبب لتسميتهم بذلک في هذا لدخول أكثرهم في الذرية، فجعل مسمياً لهم فيه مجازاً". (روح المعاني (الحج: ۷۸): ۱۷/۲۱۰، دار احياء التراث العربي)

(۳) اس وقت یہود و نصاریٰ پر "مسلم" کا اطلاق نہیں ہوگا اور پہلے جو ہوتا تھا وہ بھی مجازاً ہوتا تھا، ورنہ یہ نام اس امت کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے: "و لم يذكر الله بالإسلام والإيمان غير هذه الأمة، ذكرت بالإيمان والإسلام جميعاً، و لم نسمع بأمة ذكرت إلا بالإيمان". (تفسير الطبري، (الحج: ۷۸): ۸/۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "إتمام النعمة في اختصاص الإسلام بهذه الأمة" ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جو "الحاوي للفتاوي" کی دوسری جلد، ص: ۵۵-۱۳۸، دار الفکر بیروت، لبنان، میں شامل ہے۔

بھیجے گئے ہیں، یہود، نصاریٰ، ہندو سب کے ذمہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے(۱)، جو ایمان لائیں گے ان کو امتِ اجابت کہا جائے گا، پس ہیں تو سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں، کیونکہ آپ سب کے نبی ہیں، مگر جو ایمان نہیں لائے انہوں نے سرکشی اور کفر اختیار کر کے خدا کے غضب کو سر رکھا اور جو ایمان لائے انہوں نے رحمت ونعمت کو لیا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

یہود ونصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں، ان کی عورتوں سے نکاح اوران کا ذبیحہ

سوال[۵۳۷]: کیا جو عیسائی اور یہودی حضور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل یا أیها الناس إني رسول اللہ إلیکم جمیعاً﴾(الاعراف: ۱۵۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما أرسلنک إلا کافةً للناس بشیراً و نذیراً﴾. (سبا:۲۸)

"قل یا محمد! لجمیع البشر من العرب وغیرهم، بیض وأسود: إني رسول اللہ إلیکم جمیعاً، لا إلی قومي العرب خاصةً، و إلی کل وقت و زمن إلی یوم القیامة". (التفسیر المنیر، (الاعراف: ۱۵۸): ۱۲۸/۹، دار الفکر)

"أمر علیه الصلاة والسلام بأن یصدع بما فیه تبکیت للیهود الذین حرموا اتباعه، وتنبیه لسائر الناس علی افتراء من زعم منهم أنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مرسل إلی العرب خاصةً، وقیل: إنه أمر له علیه الصلوة والسلام ببیان أن سعادة الدارین المشار إلیهما فیما تقدم غیر مختصة بمن اتبعه من أهل الکتابین بل شاملة لکل من یتبعه کائناً من کان، و ذلک ببیان عموم رسالته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، وهي عامة للثقلین کما نطقت به النصوص حتی صرحوا بکفر منکره، و ما هنا لا یأبی ذلک". (روح المعاني، (الاعراف: ۱۵۸): ۸۲/۹، دار إحیاء التراث العربي)

(۲) "الأمة جمع لهم جامع من دین أو زمان أو مکان أو غیر ذلک، فإنه مجمل یطلق تارةً و یراد بها کل من کان مبعوثاً إلیهم نبي آمنوا به أو لم یؤمنوا، ویسمون أمة الدعوة، والأخری و یراد بهم المؤمنون به المذعنون له، و هم أمة الإجابة". (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث: ۱۲۲۱، ۳/۱۳۷۰، مصطفی الباز)

(وشرح الطیبي، کتاب الإیمان: ۲۴۹/۲)

(فتح الباري، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون ألفاً بغیر حساب: ۴۱۱/۱۱، دار المعرفة بیروت)

موجود تھے اور وہ ایمان نہیں لائے اور جواب تک ایمان نہیں لائے کافر ہیں یا نہیں اور وہ اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیا ان کے ساتھ بیاہ شادی کھانا پینا اب بھی ان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"(وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيهاً (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل، وإن اعتقدوا المسيح إلهاً، وكذا حلّ ذبيحتهم على المذهب۔ بحر الخ" (درمختار) قلت: علل ذلك في البحر بأن التحريمية لابدلها من نهي أو مافي معناه؛ لأنها في رتبة الواجب الخ ۔وفيه: أن إطلاقهم الكراهة في الحربية يفيد أنها تحريمية، والدليل عند المجتهد على أن التعليل يفيد ذلك، ففي الفتح: ويجوز تزوج الكتابيات، والأولى أن لا يفعل، ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة، وتكره الكتابية الحربية إجماعاً لافتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب، وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقاً، و إن كان مسلماً الخ"۔

"فقوله: (والأولى أن لايفعل) يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية، ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية تأمل (قوله: على المذهب): أي خلافاً لما في المستصفى من تقييد الحل بأن لايعتقدوا ذلك، و يوافقه مافي مبسوط شيخ الإسلام: يجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أن المسيح إله وأن عزيراً إله، ولايتزوجوا نسائهم، قيل: وعليه الفتوى الخ"۔ ردالمحتار (۱)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو فرقے کتابی ہیں، کسی نبی رسول پر ایمان رکھتے ہیں، کسی آسمانی کتاب کے مقر اور معتقد ہیں، ایسے فرقوں کی عورتوں سے نکاح کرنا صحیح ہے، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ پھر بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ کتابیہ ذمیہ سے تو مکروہ تنزیہی ہے اور حربیہ سے مکروہ تحریمی

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح: ۴۵/۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۸۲/۳، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۷۷/۲، عباس أحمد الباز)

ہے۔ ذمیہ وہ ہے جو اسلامی حکومت میں مسلمان بادشاہ کی رعیت بن کر رہے۔ حربیہ وہ ہے جو ایسی نہ ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کتابیہ سے اس وقت نکاح جائز ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت عزیر علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق یہ اعتقاد نہ رکھتی ہو کہ وہ معبود ہیں یعنی اس کا عقیدہ مشرکانہ نہ ہو، ورنہ جائز نہیں اور ایک جماعت نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، یہی حکم ذبیحہ کا بھی ہے۔

آج کل کے عیسائی عامۃً مذہب کے منکر ہیں، کسی کتاب اور دین کے قائل نہیں، نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، لہٰذا اس کا حکم اہل کتاب کا نہیں، اور جو کتاب انجیلِ مقدس کو مانتے ہیں تو اس میں ہمیشہ تغیر وترمیم کر کے پرانے احکام کو خارج اور نئے احکام کو جو زمانے کی رفتار کے مطابق ہوں داخل کرتے رہتے ہیں، جس سے ہر نئی طبع ہونے والی انجیل پرانی انجیل کے لئے ناسخ بنتی رہتی ہے، پس اگر چہ کوئی دین کوئی آسمانی دین نہیں، نہ ان کی کتاب آسمانی کتاب رہی تاہم ان کا حکم اہل کتاب کا حکم ہوگا یہی حکم یہودی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الکفریات

(کفریات کا بیان)

کفر کی تعریف

سوال[۵۳۸]: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تارکِ صلوۃ عمداً کے بارے میں کیا مذہب ہے؟ اگر کسی جگہ مطالعہ میں آیا ہو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتوی کفر پر ہے تو وضاحت سے تحریر فرمائیں، کفر کی اصطلاحی جامع مانع تعریف کیا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ کیا کفر میں دخول وعدمِ دخول کے بارے میں مراتب ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شوافع کے نزدیک جو شخص عمداً بلا کسی عذر کے نماز ترک کردے اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور ان کے نزدیک وہ شخص کافر نہیں ہوتا:

"من أخرج من المكلفين مكتوبةً كسلاً و لو جمعةً و إن قال: أصليها ظهراً عن أوقاتها كلها، قتل حداً، لا كفراً الخ". (شرح منهج الطلاب على هامش شرحه للجيرى: ۱/۴۹۳) (۱)۔

"أقول: والجنة لا يدخلها كافر، فيه رد على من قال: إن ترك الصلوة كفر، و هو مذهب الإمام أحمد"۔ (شرح الجيرى: ۱/۴۹۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن ضروریات کے ساتھ مبعوث ہوئے، اس کے انکار کو اصطلاحِ شرع میں کفر کہتے ہیں۔

"الكفر لغةً ستر النعمة، وأصله الكفر بالفتح و هو الستر۔ ومنه قيل للزراع والليل: كافر، و لكمام الثمرة: كافور۔ وفي الشرع. إنكار ما علم بالضرورة مجئ الرسول به، و إنما

---

(۱) "من أخرج مكتوبةً و لو جمعةً عن أوقاتها قتل حداً". (متن المنهج لشيخ الإسلام زكريا الأنصارى على هامش منهاج الطالبين، باب من أخرج مكتوبة، ص: ۲۳، مصطفى البابى بمصر)

عُـدّ منه لبس الغِيا و شد الزنار ونحوهما كفراً، لأنها تدل على التكذيب، فإن من صدق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يجترئ عليها ظاهر إلا أنها كفر في أنفسها "۔ (بیضاوی سورۂ بقرہ، ص: ۲۳ (۱)۔

نفس کفر موجبِ دخولِ جہنم ہے: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۳/۴/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۸/۴/ ۸۸ھ۔

منافق کی تعریف

سوال [۵۳۹]: ۱..... نصوصِ قرآنیہ (جو منافقین کی شان میں ہیں) کے متعلق کہنے والا کہ وہ منافقین جن کی شان میں یہ نصوص ہیں اب موجود نہیں، اس لئے یہ متروک العمل والاستدلال ہیں، شرعاً کہاں تک حق بجانب ہے؟

۲..... منافق کی شرعاً کیا تعریف ہے؟ اگر آج کل منافق موجود ہیں تو ان کے لئے کن نصوص سے استدلال کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

۱..... ایسے منافقین اب بھی موجود ہیں، لیکن انقطاعِ وحی کے بعد منافق ہونے کا حکم لگانا دشوار ہے (۳)۔

---

(۱) (تفسير البيضاوي تحت قوله تعالىٰ: ﴿إن الذين كفروا﴾ (البقرة: ۷)، ص: ۲۳، نور محمد كتب خانه)

(۲) (النساء : ۴۸)

"والكفر لغةً: الستر، و شرعاً: تكذيبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورةً". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، رشيديه)

(۳) "عن حذيفة رضي الله عنه: "إنما كان النفاق على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأما اليوم فإنما هو الكفر بعد الإيمان.......... والذي يظهر أن حذيفة لم يُرِد نفي الوقوع، و إنما أراد نفي اتفاق =

۲......جس کے باطن میں کفر ہو ظاہر میں اسلام، وہ منافق ہے(۱) مگر اس کی تعیین بس میں نہیں کہ ایسا کون ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۰ھ۔

علاماتِ نفاق

سوال[۵۴۰۰]: کون سے عمل سے مسلمان منافق ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل نفاق تو یہ ہے کہ دل میں کفر، زبان سے اسلام کا اقرار ہو(۲)، باقی کچھ علامتیں بھی حدیث پاک میں بتائی گئی ہیں مثلاً: یہ کہ جب کوئی وعدہ کرتا ہے، اس نیت سے کرتا ہے کہ یہ پورا نہیں کرے گا، جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، لڑائی ہو جائے تو گالی دیتا ہے، جب اس کے پاس کچھ امانت رکھی جائے تو اس

= الحكم؛ لأن النفاق إظهار الإيمان و إخفاء الكفر، ووجود ذلك ممكن في كل عصر، و إنما اختلف الحكم؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتألفهم و يقبل ما أظهروه من الإسلام و لو ظهر منهم احتمال خلافه، و أما بعده فمن أظهر شيئاً فإنه يؤاخذ به و لا يترك لمصلحته التألف لعدم الإحتياج إلى ذلك" (فتح الباري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه :۱۳ /۷۴، دار نشر الكتب الإسلامية)

(و كذا في إرشاد الساري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه:۱۵ /۶۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "من يبطن الكفر –والعياذ بالله تعالىٰ– و يظهر الإسلام، فهو المنافق". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۱۲، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في الفرق بين الزنديق والمنافق : ۴/ ۲۴۱، ايچ ايم سعيد)

(۲) "هو إبطان الكفر وإظهار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق: ۱/ ۲۲۷، رشيديه)

میں خیانت کرتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

فاسق وزندیق کی تعریف

سوال[۵۴۱۱]: فاسق کس کو کہتے ہیں اور زندیق کس کو کہتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فاسق وہ ہے جو کبیرہ گناہ کرے(۲)، زندیق وہ ہے جو کفر کے کام کرے اور پھر جب اس پر گرفت کی جائے تو یا تو تاویل کرے یا توبہ کرے مگر پھر ویسے ہی کام کرتا رہے(۳)، اس لئے کہ اس کے دل میں کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱)"عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (مشكوة المصابيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، قديمی)

(وصحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمی)

(۲) "قال الراغب: والفسق أعم من الكفر، و يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كانت كثيرةً، وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع و أقر به، ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضها .... و وصف الإنسان به على ماقال ابن الأعرابی لم يسمع فی كلام العرب، والظاهر أن المراد به هنا المسلم المخل بشیء من أحكام الشرع". قاله العلامة الآلوسی رحمة الله تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿إن جاء كم فاسق بنبأ﴾ الاية: (الحجرات: ۲) (روح المعانی: ۲۶/۱۴۵، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۳) "الزنديق..... هو من لايتدين بدين، و أما من يبطن الكفر والعياذ بالله تعالیٰ و يظهر الإسلام، فهو المنافق، ويجب أن يكون حكمه فی عدم قبولنا توبته كالزنديق؛ لأن ذلک فی الزنديق لعدم الإطمينان =

التزام کفر اور لزومِ کفر کی تعریف کفر ابی جہل اور کفر منافقین وغیرہ میں فرق

سوال[۵۴۲]: ۱......التزام کفر ولزوم کفر کی تعریف کیا ہے؟

سوال: ۲......کفر ابی جہل، کفر اہل کتاب، کفر منافقین اور کفر روافض کے درجات مختلف ہونے کی صورت میں ہر ایک کی تشریح اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......لزوم کفر کا حاصل تو یہ ہے کہ آدمی کوئی ایسا عقیدہ رکھے یا ایسا عمل اختیار کرے یا ایسی بات کہے جس سے کوئی کفر لازم آجائے، (لیکن جب اس سے کہا جائے کہ یہ کفر لازم آگیا تو وہ اس کفر کو تسلیم نہ کرے بلکہ اس سے برأت کردے)۔التزام کفر یہ ہے کہ خود اس کفر کو تسلیم کرلے اس سے برأت نہ کرے(۱)۔

۲......کفر ابی جہل تو اصلی کفر ہے کہ ایمان کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی، نہ ایمان کا دعویٰ کیا، اخیر تک اپنے کفر کا مقر اور اس پر مصر رہا اور اسلام کے مقابلہ میں پوری طاقت صرف کر کے غزوۂ بدر میں قتل ہوا، ہمیشہ کے لئے جہنم میں پہونچ گیا۔

کفرِ اہل کتاب یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب پر ایمان کے مدعی ہیں اور ان کے دین کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ ان کی کتاب محرف ہے(۲) اور ان کا دین منسوخ ہے۔نیز اپنے پیغمبر کے لئے بھی ایسی باتیں مانتے ہیں جن کا ماننا درست نہیں (مثلاً پیغمبر کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا)(۳)۔پس ان کا کفر باوجود

= إلى ما يظهر من التوبة إذا كان يخفي كفره الذى هو عدم اعتقاده ديناً". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۲/۵، رشيديه)

(ورد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۱/۴، ۲۲۲، سعيد)

(۱) راجع للتفصيل: (إكفار الملحدين (مترجم)، لزومِ کفر اور التزام کفر کا فرق، ص: ۲۶۲-۲۶۴، مکتبہ لدھیانوی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿من الذين هادوا يحرفون الكلم عن مواضعه﴾ (الآية) (النساء: ۴۶)

والبسط فى (روح المعانى تحت آيات سورة النساء رقمها: ۴۸، ۴۹، ۵۰،: ۱۷۲/۳، ۱۷۳، ۱۷۵، دار إحياء التراث العربى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و قالت اليهود عزير ابن الله، وقالت النصارى المسيح ابن الله﴾ (الآية) (التوبة: ۳۰)

دعوائے ایمان کے ایک تو اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے پیغمبر سے متعلق کفریہ عقیدہ رکھتے ہیں، دوسرے اس وجہ کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ کفر کرتے ہیں (۱)، ان کا حکم بھی ابوجہل کے مثل آخرت کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے:

﴿إن الذين كفروا من أهل الكتاب والمشركين في نار جهنم خالدين فيها، أولئك هم شر البرية﴾۔ الآية پاره: ۳۰ (۲)۔

منافقین ایمان کا دعویٰ کرتے اور کفر سے بالکل برأت ظاہر کرتے تھے: ﴿إذا جاءك المنافقون قالوا نشهد إنك لرسول الله﴾ الآية (۳)۔

رسالت، یوم آخر سب ہی چیزوں پر ایمان کا اظہار کرتے تھے: ﴿و من الناس من يقول آمنا بالله و باليوم الآخر﴾ الآیۃ (۴) مگر ان کا یہ صرف زبانی دعویٰ تھا، دل میں ایمان نہیں تھا، دھوکہ دینے کے لئے دعویٰ کرتے تھے: ﴿و ما هم بمؤمنين﴾ (۵) ﴿يخادعون الله والذين آمنوا﴾ ۔الآیۃ (۶) ﴿يقولون بأفواههم ماليس في قلوبهم﴾ الآیۃ (۷)۔ ان کا حکم قرآن شریف میں مذکور ہے: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾ الآية (۸)۔

روافض کے متعدد فرقے ہیں: بعض کہتے ہیں نبی آخر الزمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين آتينا هم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناء هم و إن فريقاً منهم ليكتمون الحق و هم يعلمون﴾. (البقرة: ۱۴۶)، وقال تعالىٰ: ﴿و إذا قيل لهم آمنوا بما أنزل الله، قالوا نؤمن بما أنزل علينا، و يكفرون بما ورآء ه، وهو الحق مصدقاً لما معهم﴾. (الآية) (البقرة: ۹۱)

(۲) (البينة: ۲)

(۳) (المنفقون: ۱)

(۴) (البقرة: ۸)

(۵) (البقرة: ۸)

(۶) (البقرة: ۹)

(۷) (آل عمران: ۱۶۷)

(۸) (النسآء: ۱۴۵)

جبرئیل علیہ السلام نے غلطی سے وحی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہونچادی تھی، بعض قرآن کریم میں تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں، بعض حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان لگاتے ہیں، بعض اکابرِ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، بعض ان کی تفسیق کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ (۱)۔ ان میں سے جو فرقے نصوصِ قطعیہ کے منکر ہیں، ان کا حکم فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے: "أحكامهم أحكام المرتدين" (۲) ایسے لوگ اسلام سے خارج ہیں اور جو فرقے نصوصِ قطعیہ کے منکر نہیں ان پر کفر کا حکم لگانے سے کفِ لسان کا حکم ہے۔ كذا في رد المحتار (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

موجباتِ کفر اور تجدیدِ ایمان

سوال [۵۴۳]: احقر کے عریضہ (منسلک ہذا) سوال نمبر: ۳ کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا

---

(۱) (راجع رقم: ۲، ۳)

(۲) والعبارة بأسرها: "و لو قذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، كفر بالله .... و يجب إكفارهم بإكفار عثمان و علي و طلحة و زبير و عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وعهنم.......... و يجب إكفار الروافض .... بقولهم: إن جبريل عليه السلام غلط في الوحي إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دون عليّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، و هؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام، و أحكامهم أحكام المرتدين، كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي المعروف بحلبي كبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۱۴، ۵۱۵، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في تنبيه الولاة والحكام على أحكام شاتم خير الأنام، لابن عابدين، من مجموعة رسائله: ۱/۳۵۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "إن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليّ، أو أن جبريل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر؛ لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضّل علياً أو يسب الصحابة، فإنه مبتدع لا كافر". (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۴۶، سعيد)

کہ ''کسی قول یا فعل کی وجہ سے آدمی اسلام سے خارج ہو جائے تو ایسے شخص کو تجدید ایمان کے ساتھ موجبات کفر سے براءۃ بھی ضروری ہے'' اس کی تصریح مطلوب ہے۔

ا.....تجدیدِ ایمان کا کیا مطلب ہے اور کیا طریقہ ہے؟

۲.....موجباتِ کفر سے کیا کیا مراد ہے اور وہ کیا کیا ہیں؟

۳.....اگر زکوۃ اداء کر چکا ہو تو کیا دوبارہ ادا کرنا ہوگا جب کہ استطاعت ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ا.....کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی بناء پر ایمان سے خارج ہوا اس کا اقرار کرے۔ اگر اسلام سے خارج ہو کر مثلاً عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا تو اس سے بیزاری اور براءت کرے (۱)۔

۲.....وہ بہت ہیں: خدائے پاک کی ذات وصفات کا انکار، اس کی شان میں گستاخی (۲)۔ کسی رسول

---

(۱) "ثم اعلم أن من أراد أن يكون مسلماً عند جميع طوائف الإسلام، فعليه أن يتوب من جميع الآثام صغيرها وكبيرها، سواء ما يتعلق بالأعمال الظاهرة أو بالأخلاق الباطنة، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في الأقوال والأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد، نعوذ بالله من ذلك، فإنه مبطل للأعمال وسوء خاتمة المآل، وإن قدر الله عليه، و صدر عنه ما يوجب الردة، فيتوب عنها و يجدد الشهادة لترجع السعادة". (شرح الفقه الأكبر لملا علی القاری، بحث التوبة، ص: ۱۶۱، قدیمی)

وفي مجمع الأنهر: "و جحود الكفر توبة". (أواخر باب المرتد : ۵۰۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة : ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۲) "إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر بإسم من أسمائه أو بأمر من أوامره، أو أنكر صفة من صفات الله تعالىٰ .... يكفر". (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ألفاظ الكفر أنواع: الأول فيما يتعلق بالله تعالىٰ : ۵۰۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع : ۲۵۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۲/۵، رشيديه)

کا انکار، اس کی شان میں گستاخی (۱)۔ خدائی کتاب کا انکار، اس کی شان میں گستاخی (۲)، عقیدہ آخرت (۳) اور ملائکہ کا انکار (۴) وغیرہ وغیرہ۔ کتاب "مالا بد منه" (۵) میں ایسی بہت سی چیزیں لکھی ہیں۔

۳..... تجدید ایمان کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ دوبارہ دینا لازم نہیں (۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۷ھ۔

---

(۱) "من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم الصلوة والسلام ..... فقد كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/۴۷۷، إدارة القرآن)

و في البزازية: "و لو عاب نبياً كفر". (كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً الخ، الثالث في الأنبياء: ۶/۳۲۷، رشيديه)

(۲) "و يكفر إذا أنكر آية من القرآن، أو سخر بآية منه". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۹۰، إدارة القرآن)

(۳) "من أنكر القيامة أو الجنة أو الميزان أو الحساب أو الصراط أو الصحائف المكتوبة فيها أعمال العباد، يكفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بأمور الآخرة: ۵/۵۰۰، ۵۰۱، إدارة القرآن)

"و في الظهيرية: و لو أنكر البعث، فكذالك (أي كفر)" (التاتارخانية المصدر السابق)

(۴) قال الله تعالى: ﴿و من يكفر بالله و ملئكته و كتبه و رسله و اليوم الآخر، فقد ضل ضلالاً بعيداً﴾ (النساء: ۱۳۶)

"و ههنا دلّت القرينة على الأول؛ لأن الإيمان بالكل واجب، والكل ينتفي بانتفاء البعض".

(روح المعاني: ۵/۱۷۰، دار إحياء التراث العربي)

(۵) (راجع كتاب، "ما لا بد منه" ترجمه، باب كلمات الكفر، از فتاوى برهانى، ص: ۱۲۳، ۱۳۶، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۶) "و لا يقضي من العبادات إلا الحج". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۵۱، ۲۵۲، سعيد)

کفری عقائد واعمال

سوال[۵۴۴]: ہمارے رشتہ دار یعنی خاص میرے خسر، ساس کافروں اور مشرکوں کی رسم کرتے ہیں، یہ تہوار(۱) کرتے ہیں۔ دوج (۲) تیج (۳) اٹھم (۴) نومی (۵) ہولی (۶) دیوالی (۷) وغیرہ، ان کو بھی پوجتے ہیں۔ بھوانی سیلہ اور ماموں علی بخش گنگوالا، یہ ان کے خدا ہیں اور کافروں کی طرح خدا کو گالیاں دیتے ہیں، رسول کو وہ جانتے بھی نہیں اور جو کوستے ہیں (۸) اپنے بچوں کو یا کسی کو یوں کہتے ہیں کہ تیرے میں دیوی بڑ جا، تجھے دیوی توڑ لے اور جوان کے یہاں بیمار ہوجاتا ہے تو جنگل میں شکرانی صنہک دیکر آتے ہیں، بیمار اچھا ہونے کے واسطے ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس سے میل جول رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے لوگوں کو اول نرمی سے سمجھانا چاہئے کہ یہ عقائدِ اسلام کے خلاف ہے، ان عقائد سے آدمی مسلمان نہیں رہتا، بلکہ مشرک اور کافر ہوجاتا ہے (۹) اور جس طرح بھی ممکن ہو ان عقائد کی بُرائی اور خرابی کو ان کے دل میں

---

(۱) ''خوشی کا دن، جشن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۷)

''مذہبی تقریب کا دن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۹۳)

نذر و نیاز کے طور پر جو چڑھاوا اور بھینٹ دیوی، دیوتا کے نام کیا جاتا ہے اور جو ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے اس سے مراد شاید وہی ہے۔

(۲) ''قمری ماہ کی دوسری اور سترہویں تاریخیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۳)

(۳) ''ایک ہندو تہوار، جو ساون سدی تیج کو ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۰)

(۴) سائل نے ''اٹھم'' لکھا ہے۔ نور اللغات: ۲/۵۴، میں آٹھون کا میلہ لکھا ہے اور فیروز اللغات میں آٹھوں کا میلہ لکھا ہے۔ معنی دونوں کا ایک ہے یعنی: ''ہولی کے آٹھویں دن کا ہندوؤں کا میلہ''۔ (فیروز اللغات ص: ۱۱)

(۵) ''ہندی مہینے کی نویں تاریخ''۔ (فیروز اللغات ص: ۱۳۸۷)

(۶) ''ہندوؤں کا ایک تہوار جو موسم بہار میں منایا جاتا ہے''۔ (فیروز اللغات: ۱۴۵۷)

(۷) ''دیپ مالا، چراغاں، ہندوؤں کا ایک تہوار، جب لکشمی کا پوجا کرتے ہیں، اور خوب روشنی کرتے ہیں''۔

(۸) کوسنا ''دعائے بد دینا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۴)

(۹) أما التكفير بقوله: ''تیوہار، دوج، تیج، اٹھم، نومی، ہولی، دیوالی، جنگل میں شکرانی صنہک''، فلأن هذا من جملة شعار أهل الهنود، و من تهيأ بهيأة الكفرة في شعارهم على قصد التدين، فقد أكفره الفقهاء، قال الملا =

بٹھائے اوران کوصحیح عقائد کی تعلیم دے کرمسلمان بنائے، اگرتوقع نہ ہوکہ وہ ان عقائد کوچھوڑ کراسلامی عقائد اختیار کریں گےاوراپنے عقائد کی خرابی کااندیشہ ہوتوان سے علیحدہ رہناضروری ہے،میل جول بالکل چھوڑ دیناچاہئےاور اپنے بیوی بچوں کوان سے قطعاً علیحدہ رکھے،ایسانہ ہوکہ ان کے عقائد پر بُرااثر پڑے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،۱۴/۵/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ۔

= علیّ القاری فی شرح الفقه الأکبر : "و فی الفتاوی الصغری : من تقلنس بقلنسوة المجوس : أی لبسها و تشبه بهم فیها، أو خاط خرقةً صفرآء علی العاتق : أی وهو من شعارهم، أو شدّ فی الوسط خیطاً، کفر، إذا کان مشابهاً بخیطهم أو ربطهم أو سماه زناراً .... و لو شبه نفسه بالیهود والنصاری :أی صورةً أو سیرةً علی طریق المزاح والهزل : أی ولو علی هذا المنوال، کفر". (شرح الفقه الأکبر،فصل فی الکفر صریحاً و کنایةً ، ص:۱۸۵، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع : و منها ما یتعلق بتلقین الکفر الخ: ۲/۲۷۶، رشیدیه)

(والمحیط البرهانی، کتاب السرقة، فصل فی الشرکة مع أهل العسکر الخ، نوع آخر فی التشبه بالکفار الخ : ۵/۵۷۳، المکتبة الغفاریه کوئٹه)

(والتاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی التشبیه بالکفار : ۵/۵۱۹، ۵۲۰، إدارة القرآن)

"و أما قوله: "خداکوگالیاں دیتے ہیں"فقد صرّح الفقهاء أیضاً بکفره. قال فی البحر الرائق : "فیکفر إذا وصف الله تعالیٰ بمالا یلیق به". (کتاب السیر، باب أحکام المرتدین : ۵/۲۰۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع : و منها ما یتعلق بذات الله تعالی : ۲/۲۵۸، رشیدیه)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ : ۶/۳۲۳، رشیدیه)

(و خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی فی ألفاظ الکفر، الجنس الثانی : ۴/۳۸۳، رشیدیه)

(۱) قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: " قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولا یجوز فوقها إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک. وفی =

احیاءِ موتیٰ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام ہے، اس کا انکار کفر ہے

سوال[۵۴۵] : ایک امام صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت غوث پاک مردہ کو زندہ فرماتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں فرماتے تھے، اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

احیائے موتیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے، جو کہ باذنہ تعالیٰ تھا اور قرآن کریم میں موجود ہے، اگر علم کے باوجود کوئی شخص اس کا انکار کرتا ہے جیسا کہ غلام احمد قادیانی نے انکار کیا ہے تو وہ ایمان سے خارج ہے، ہرگز امامت کا اہل نہیں جب تک توبہ، تجدید ایمان، تجدیدِ نکاح نہ کرے، کیونکہ قرآنِ پاک کی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے(۱)۔ ﴿وأحيي الموتىٰ بإذن الله﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ شانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۹۴/۴/۱۴ھ۔

دعا قبول نہ ہونے سے خدا کے وجود کے انکار کا حکم

سوال[۵۴۶] : ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے اپنے کسی کام کی بہت دعا مانگی، لیکن قبولیت کا ظہور نہ دیکھ کر خدا کے وجود کا انکار کر بیٹھا، نماز بھی چھوڑ دی، پھر تائب ہو کر نماز شروع کر دی تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا نہیں؟

= حاشية السيوطي على المؤطأ: قال: قال ابن عبدالبر: ...... قال: " وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه، أويدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، وربّ صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه ...... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع اهـ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رقم الحديث: ۵۰۲۷، رشيديه)

(۱) "إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن، أو تسخر بآية .... كفر، كذا في التتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالقرآن : ۲۶۶/۲، رشيديه)

"ويكفر إذا أنكر آيةً من القرآن". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۵/۵، رشيديه)

(۲) (آل عمران : ۴۹)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس شخص نے قبولیت کے معنیٰ صحیح نہ سمجھنے کی بناء پر ناواقفیت سے جو اقدام کیا وہ نہایت غلط کیا، اس کو لازم ہے کہ توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

جماعت منکرینِ خدا ورسول کا ممبر بننا

سوال[۷۵۴۷]: ایسی جماعت جو خدا اور رسول کی منکر ہو اور ہر دھرم کو پاگلوں کا مشغلہ کہتی ہو، کیا مسلمان اس جماعت میں ممبر یا کوئی اور شریک ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس جماعت کے اصول وضوابط میں سے ہو کہ جو اس جماعت کا ممبر بنے یا اس جماعت میں شریک ہو اس کو خدا اور رسول کا منکر بننا ہوگا (۲) یا ان کے کفری وملحدانہ اصول کی ترویج کرنی ہوگی، یا عملاً کفری اعمال کا

---

(۱) "ما كان فيه اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط .... ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم، و إن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المرتد: ۲۴۶/۴، ۲۴۷، سعيد)

(۲) مومن بننے کے لئے حق تعالیٰ کی ذات اور حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار چونکہ ضروری ہے، لہذا اگر کسی ایک کا انکار بھی پایا گیا تو دائرۂ ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہوجائے گا۔

قال ابن الهمام في المسايرة: "الركن الأول في ذات الله تعالىٰ، الأصل الأول من الركن الأول: العلم بوجوده تعالىٰ، الأصل الأول: العلم بوجوده و قد أرشد سبحانه إليه بآيات نحو قوله تعالىٰ: ﴿أفرأيتم النار التي تورون، أ أنتم أنشأتم شجرتها أم نحن المنشئون﴾ (سورة الواقعة: ۷۱، ۷۲)، فمن أدار نظره في عجائب تلك المذكورات اضطره إلى الحكم بأن هذه الأمور مع هذا الترتيب المحكم الغريب لا يستغني كل عن صانع أوجده و حكم رتبه، و على هذا درجات كل العقلاء إلا من لا عبرة =

....

= بمكابرته، و هم بعض الدهرية ، فرقة من الكفار ذهبوا إلى قِدَم الدهر و استناد الحوادث إلى الدهر، و إنما كفروا بالإشراك و نسبة بعض الحوادث إلى غيره تعالىٰ، قال تعالى :﴿و لئن سألتهم من خلق السموات والأرض ليقولن الله﴾ (لقمان :۲۵)

و قال تعالىٰ: ﴿أفرأيتم الماء الذى تشربون، ا أنتم أنزلتموه من المزن أم نحن المنزلون﴾ (الواقعة: ۲۸، ۲۹). (المسايرة للمحقق الكمال بن الهمام رحمة الله تعالىٰ مع شرحها المسامرة:۲۷، ۲۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

قال الملا على القارى : "فمن الآيات الدالة على وجوده .... قوله تعالىٰ: ﴿إن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهاروالفلك التى تجرى فى البحر بما ينفع الناس، وما أنزل الله من السماء من ماء فأحيا به الأرض بعد موتها، و بث فيها من كل دابة، و تصريف الرياح، و السحاب المسخر بين السماء والأرض لآيات لقوم يعقلون﴾. و قد قال الله تعالىٰ :﴿ سنريهم آياتنا فى الآفاق و فى أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق، اَوَ لم يكف بِرَبِّكَ أنه على كل شيء شهيد﴾ و فى كل شيء له شاهد يدل على أنه واحد، الخ". (شرح الفقه الأكبر ص: ۱۱ ، قديمى)

"يجب: أى يفرض فرضاً عينياً أن يقول: امنت بالله و ملائكته و كتبه و رسوله الخ".(شرح الفقه الأكبر : ۱۱، ۱۲، قديمى)

"والمعنى أن مجرد معرفة أهل الكتاب بالله ورسوله لا ينفعهم حيث ما أقروا بنبوة محمد ﷺ ورسالته إليهم و إلى الخلق كافةً". (شرح الفقه الأكبر :۸۵، ۸۶، قديمى)

"الأصل العاشر فى إثبات نبوة نبينا محمد ﷺ ، الأصل العاشر : نشهد أن محمداً رسول الله أرسله إلى الخلق أجمعين خاتماً للنبيين و ناسخاً لما قبله من الشرائع الخ". (وقد ذكر ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ فى إثبات نبوته ﷺ الدلائل الواضحة الشافية ببيان واضح)". (المسايرة ،ص:۱۹۸ ، دار الكتب العلمية)

"من لم يقرّ ببعض الأنبياء عليهم السلام، أو عاب نبياً بشئى، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر ". (التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام :۵/۴۷۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ،الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ما يتعلق بالأنبياء: ۲/۲۶۳، رشيديه)

ارتکاب کرنا ہوگا تو کسی مسلمان کے لئے اس جماعت میں شریک ہونا قطعاً حرام وناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار

سوال[۵۴۸]: خداتعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، ایک شخص کہتا ہے کہ ابلیس نے جو سجدہ نہ کیا بہت اچھا کیا، خدا نے سجدہ کا حکم دیکر غلطی کی، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء ..... و من يتولهم منكم فإنه منهم﴾ ينهى تبارك و تعالىٰ عباده المؤمنين عن موالاة اليهود والنصارى الذين هم أعداء الإسلام". (تفسير ابن كثير: ۹۴/۲، دار السلام)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ و ينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۱۰/۲، دار السلام، رياض)

"(من كثّر سواد قوم فهو منهم) إن رجلاً دعا ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه إلى وليمة، فلما جاء ليدخل، سمع لهواً، فلم يدخل، فقيل له: فقال: "إني سمعت رسول الله ﷺ يقول، و ذكره و زاد: " و من رضي عمل قوم كان شريك من عمل به". (كشف الخفاء للعجلوني: ۲۷۴/۲، دار إحياء التراث)

"ثم قال: أخبرني ابن عباس رضي الله عنهما أن أناساً من المسلمين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول الله ﷺ، فيأتي السهم، فيرمى به فيصيب أحدهم فيقتله، أو يضربه، فيقتله، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿إن الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم﴾ و قد جاء عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من كثر سواد قوم فهو منهم، و من رضي عمل قوم كان شريك من عمل به". ...... القادر على التحول عنهم (المشركين) لايعذر كما وقع للذين كانوا أسلموا و منعهم المشركون من أهلهم من الهجرة، ثم كانوا يخرجون مع المشركين لا لقصد قتال المسلمين، بل لإيهام كثرتهم في عيون المسلمين، فحصلت لهم المواخذة بذلك، فرأى عكرمة أن من خرج في جيش يقاتلون المسلمين يأثم و إن لم يقاتل و لا نوىٰ ذلك". (فتح الباري، كتاب الفتن، باب من كره أن يكثر سواد الفتن والظلم: ۳۷/۱۳، ۳۸، دار الفكر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

آدم علیہ السلام اور سجدہ اور ابلیس کا یہ واقعہ قرآن پاک میں آیا ہے(۱) یہاں مقصود یہ نہیں تھا کہ آدم علیہ السلام کو معبود قرار دیا جائے (۲) کیونکہ یہ تو شرک ہے اور شرک کی مخالفت خود اللہ پاک نے فرمائی ہے(۳)۔ پھر اللہ پاک اس کا حکم کیوں دیتے، ابلیس کا انکار اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار تھا جس کی وجہ سے وہ ملعون اور جہنمی ہوا(۴)۔ اللہ پاک کے متعلق غلط حکم دینے کا قول انتہائی خطرناک ہے اس سے ایمان درست نہیں رہتا(۵)۔عوام کو ایسے مسائل میں گفتگو کرنے کا حق ہرگز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذ قلنا للملئكة اسجدوا لآدم، فسجدوا إلا إبليس، أبى واستكبر وكان من الكافرين﴾. (البقرة: ۳۴)

(۲) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "والمسجود له في الحقيقة هو الله تعالىٰ، و آدم إما قبلة أو سبب .... و فيه أن السجود الشرعي عبادة، و عبادة غيره سبحانه و تعالىٰ شرك محرّم في جميع الأديان و الأزمان، و لا أراها حلت في عصر من الأعصار". (روح المعاني: ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربي)

(۳)" قال الله تعالىٰ: ﴿إنه من يشرك بالله، فقد حرم الله عليه الجنة، و مأواه النار، و ما للظالمين من أنصار﴾. (المائدة: ۷۲)

و قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به، و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء، و من يشرك بالله، فقد افترى إثماً عظيماً﴾. (النسآء: ۴۸)

(۴) قال تعالىٰ: ﴿قال يا إبليس ما منعك أن تسجد لما خلقت بيديّ، أستكبرت أم كنت من العالين. قال أنا خير منه خلقتني من نار و خلقته من طين. قال فاخرج منها فإنك رجيم، و إن عليك لعنتي إلى يوم الدين .... قال فالحق والحق أقول، لأملئن جهنم منك و ممن تبعك منهم أجمعين﴾. (سورة ص: ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۸۵)

(۵) "يكفر إذا وصف الله تعالى بمالا يليق به، أو سخر .... بأمر من أوامره .... أو نسبه إلى الجهل أو العجز أو النقص". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: و منها ما يتعلق بذات الله تعالىٰ الخ: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثاني: ۴/۳۸۳، رشيديه)

مخالفِ اجماع کا حکم

سوال[۵۴۹]: اجماعِ امت اور علماء اور ائمہ کی مخالفت کرنے والے کون لوگ ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ گمراہ ہے جو کفر کی سرحد پر پہونچ چکا ہے، کذا فی شرح العقائد (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دین کو ماننے سے انکار

سوال[۵۵۰]: مسلمانوں کی جماعت نے متفق ہوکر کہا "ہم شریعت، مذہب اور دین کو نہیں مانتے" اور اس جماعت میں مسلمانوں کا امام مسجد اور خاص وعام سب شریک ہیں۔تو مفتیانِ کرام دین وشرع میں اس کو کیا فرماتے ہیں جو کہ کھلم کھلا دین اور مذہب کو نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں؟ فقط۔

---

(۱) "واستحلال المعصية .... إذا ثبت كونها معصيةً بدليل قطعي، هو الكتاب والسنة المتواترة ...... وأما الاجماع، ففيه خلاف و تفصيل ، والمذكور فى أصول الحنفية أن الإجماع على مراتب، فالأقوى إجماع الصحابة مع تصريحهم بالحكم المجمع عليه و هو قطعي كالآية والخبر المتواتر، و يكفر منكره، ثم الذى صرح به بعض الصحابة و سكت الباقون، ثم إجماع من بعد الصحابة على حكم لم يظهر فيه خلاف ممن سبقهم و هما كالحديث المشهور، و يضلل منكرهما ويفسق ثم الخ". (شرح العقائد مع النبراس : ۵۲۶، ۵۲۷، فى إنكار حكم الإجماع اللفظي مذاهب ، دين محمدى پريس، لاهور)

و فى نور الأنوار : "يعنى أن الإجماع فى الأمور الشرعية فى الأصل يفيد اليقين والقطعية، فيكفر جاحده الخ ". (مبحث الإجماع ص: ۲۲۱، سعيد)

"فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده: (أى الإجماع)، فإنهم لم يشرطوا سوى القطع فى الثبوت، و يجب حمله على ما إذا علم المنكر ثبوته قطعاً ؛لأن مناط التكفير و هو التكذيب أو الإستخفاف عند ذلك يكون، أما إذا لم يعلم فلا، إلا أن يذكر له أهل العلم ذلك فيلج اهـ". (رد المحتار ، باب المرتد ، مطلب فى منكر الإجماع : ۴/۲۲۳، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً :

”رجل قال لخصمه: اذهب معی إلی الشرع، أو قال بالفارسیة: بامن بشرع رو، وقال خصمه: پیادہ بیارتا بروم، بی جبر نروم، یکفر؛ لأنه عاند الشرع..... ولوقال: بامن شریعت وایں حیلہا سود ندارد، أو قال: پیش نرود، أو قال: مَر ادیوں ہست، شریعت چہ کنم، فهذا کله کفر..... و إذا قال الرجل لغیره: حکم الشرع فی هذه الحادثة کذا، فقال ذلک الغیر: من برسم کار میکنم، نہ بشرع، یکفر عند البعض“۔ اهـ فتاوی عالمگیری: ۲/۲۸۵(۱)۔

جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم شریعت، مذہب اور دین کونہیں مانتے ان کوتوبہ واستغفار، تجدید ایمان، تجدید نکاح کرنا چاہئے: ”ما کان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبة، والرجوع عن ذلک بطریق الإحتیاط اهـ“. عالمگیری: ۲/۲۸۰ (۲) آئندہ خیال رکھیں، ایسی خطرناک بات نہ کہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۹۰ھ۔

انکارِ مذہب

سوال [۱۵۵]: ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں جو معمولی اردو لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہیں، ان کا

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاما أو کفراً، الفصل الثامن فی الاستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۸، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الأول فی المقدمة: ۶/۳۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب السیر، باب المرتد: ۴/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

عقیدہ ہے کہ مذہب ایک ڈھونگ ہے، اور کوئی چیز نہیں، اچھے اعمال پر جنت کی بشارت اور برے اعمال پر جہنم کی وعیدیں بیکار اور دل بہلانے کی باتیں ہیں۔ غضب کی بات یہ ہے کہ جاہل مسلمان ایسے شخص کے معتقد ہوتے جارہے ہیں۔ بدیع الزمان، بی اے جنکپور روڈ، مظفر پور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسا عقیدہ قرآن پاک، حدیث شریف، اجماع امت سب کے خلاف ہے (۱)۔ ایسے شخص کو کسی صاحبِ نسبت جامع عالم کے پاس لے جائیں کہ وہ عالم اس کو دین واسلام کی بنیاد بتا کر مسلمان کریں اور اس کے

---

(۱) "من أنكر القيامة أو الجنة أو النار أو الميزان أو الصراط ...... يكفر ...... عن ابن سلام رحمه الله تعالىٰ في من يقول: لا أعلم أن اليهود والنصارىٰ إذابعثوا هل يعذبون بالنار؟ أفتى جميع مشايخنا ومشايخ بلخ بانه يكفر، .... يكفر ..... بانكار عذاب القبر و بانكار حشر بني آدم". (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع أحكام المرتدين، و منها ما يتعلق بيوم القيامة و ما فيها: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيديه)

"والجنة حق، والنار حق؛ لأن الآيات والأحاديث الواردة في إثباتهما أشهر من أن تخفى و أكثر من أن تحصى، تمسك المنكرون بان الجنة موصوفة بأن عرضها كعرض السموات والأرض، و هذا في عالم العناصر محال، .... و هو قول مخالف للكتاب والسنة والإجماع". (شرح العقائد، ص: ۱۷۹، ۱۸۲، سعيد)

قال الله تعالى في الجنة: ﴿أعدت للمتقين﴾ (آل عمران: ۱۳۳)، و في النار: ﴿أعدت للكفرين﴾ (آل عمران: ۱۳۱)، في آي كثيرة ظاهر في وجودهما الآن .... و حمل مثله على بستان من بساتين الدنيا يشبه التلاعب أو العناد؛ إذ المتبادر المفهوم من لفظ الجنة باللام في إطلاق الشارع ليس إلا الموعودة بالسنة وكثرة من الظواهر لا تكاد تحصى للمستقرىء تفيد ذلك و تصير قطعيةً، والإجماع من الصحابة على فهم ذلك و طريقة التتبع الخ". (المسايرة في العقائد لابن الهمام، الركن الرابع، الأصل السادس، ص: ۲۴۰، دار الكتب العلمية)

و في شرح الفقه الأكبر: "أو قال: ما ذا الشرع هذا؟ كفر". (فصل في العلم والعلماء ص: ۱۷۴، قديمي)

شکوک وشبہات کا جواب دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حکم شرع کا انکار

سوال[۵۵۲]: زید سے کہا گیا کہ طلاق کی عدت کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے تمہاری مطلقہ کا اگر تم نے طلاق دی، تو کہا میں نہیں دیتا، اس کے ماں باپ جنہوں نے روک رکھا ہے وہی عدت میں کھلاویں گے۔ پھر زید سے کہا اگر ایسا موقعہ طلاق کا آیا تو وہ عورت کا حق ہے چاہے لے چاہے معاف کردے، مگر لڑکی تمہاری دختر ہے، آٹھ نو ماہ کی ہے، اس کا حقِ حضانت اس کا نفقہ تو شرعاً تمہارے ذمہ واجب ہے، اس کے جواب میں زید نے کہا میں نہیں دوں گا، پھر اس سے کہا گیا شرع شریف کا حکم ہے، اس نے کہا میں نہیں دینے کا۔ اس سے کہا گیا کہ اس طرح شرع شریف کے حکم کو ٹھکرانا اور توہین کرنا ہے، اس سے ایمان جاتا رہتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے، علماء سے اس کے بارے میں فتویٰ لیا جائے تو کہا ''مجھے فتوی کی پرواہ نہیں''۔ زید کے متعلق حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسا کہنا سخت گناہ اور بہت خطرناک ہے حتی کہ بعض فقہاء نے ایسا کہنے پر تکفیر فرمائی ہے، اس لئے زید کو اس سے توبہ واجب ہے اور احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی کر لینا چاہئے:

" و إذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع في هذه الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: ''من برسم کارکنم، نہ بشرع'' يكفر عند بعض المشايخ "۔ " رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة، فردها وقال: چہ بارنامہ فتویٰ آوردہ، قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع، و كذا لو لم يقل شيئاً لكن ألقى الفتوى على الأرض، وقال: ایں چہ شرع است، كفر۔ إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى

---

(۱) "يعرض الإسلام على المرتد وتكشف شبهته". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۱، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، أحكام المرتدين، فيما يبطله الإرتداد: ۵/۵۵۲، إدارة القرآن)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري: ۱۶۵، قديمي)

الأئمة، فقال صاحبه: لیس کما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهذا، کان علیه التعزیر" (۱)۔ "ما کان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبة، و الرجوع عن ذلك بطریق الاحتیاط" (۲) اور محض اس کہنے سے زید کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح درست نہیں، حکم مذکور احتیاطی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵ ربیع الثانی ۵۷ھ

سنیتِ مسواک کا منکر

سوال [۵۵۳]: سنیتِ مسواک کا منکر کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"السواك سنة، و اعتقاد سنته فرض، و تحصیل علمه سنة، و جحوده کفر، و جهله حرمان، وترکه عتاب أو عقاب اه". إکفار الملحدین (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

انکارِ نماز

سوال: ایک شخص کے پاس تبلیغی وفد پہونچتا ہے اور نماز کی تبلیغ کرتا ہے، مگر وہ شخص باوجود کسی عذرِ شرعی نہ ہونے کے نماز سے صراحۃً انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نہیں پڑھتا، ایسے شخص کے ساتھ لین دین جائز ہے یا ناجائز؟ شرع شریف کا جو حکم ہو بیان فرمادیں۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشیدیه)

(وکذا فی التتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی العلم والعلماء: ۵/۵۰۹، إدارة القرآن)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمة الکفر الخ: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن)

(۳) (إکفار الملحدین، ص: ۲، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس شخص کے اس کلام میں چار احتمال ہیں، تین موجب کفر نہیں، چوتھا موجبِ کفر ہے، جب تک تفصیل و تعیین نہ کی جاوے کفر کا حکم نہیں کیا جاسکتا۔ اور لین دین ترک کرنے کا حکم بھی نہیں کیا جاسکتا:

"وقول الرجل: لاأصلي يحتمل أربعة أوجه: أحدها لا أصلي؛ لأني صليت، والثاني لا أصلي بأمرك، فقد أمرني بها من هو خير منك، والثالث: لا أصلي فسقاً مجانةً، فهذه الثلاثة ليست بكفر. والرابع: لا أصلي إذ ليس يجب عليّ الصلوة ولم أومَر بها، يكفر. ولو أطلق و قال: لا أصلي لا يكفر لإحتمال هذه الوجوه"۔ عالمگیری: ۲/ ۲۸٤، مجیدی کانپور (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔ صحیح :عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

منکر نماز کا حکم

سوال[۵۵۵] : زید اس شخص کے جواب میں جو اس کو کہتا ہے کہ نماز پڑھ! کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے وہ کہتا ہے کہ "ہم نماز نہیں پڑھتے ہم نہیں جانتے کہ کون خدا کون رسول؟ دنیا تو ایک سائنس ہے جس میں چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور جاتی رہتی ہیں"۔ نماز نہیں پڑھتا اور نہ روزہ رکھتا، واڑھی منڈاتا ہے، شراب پیتا ہے، ہندہ (اس کی زوجہ) جو مسلمان صوم وصلوۃ کی پابند ہے اس کا نکاح باقی ہے یا نہیں؟ شمیم احمد قصبہ انبہٹہ وادریس احمد متعلم مدرسہ ہذا۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بالصلوة والصوم والزكوة: ۲/ ۲٦۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة والصوم :۵/ ۴۹۴، إدارة القرآن)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل التاسع في ما يقال في القرآن والأذكار والصلوة : ٦/ ۳۴۰، ۳۴۱، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسے الفاظ کہنا سخت گناہ ہے، فقہاء نے ایسے الفاظ کہنے والے کی تکفیر کی ہے، نیز یہ عقیدہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ کفار و دہریوں کا عقیدہ ہے، لہذا زید کو بہت جلد صدقِ دل سے توبہ کرنا ضروری اور فرض ہے، اور تجدید نکاح بھی کرنی چاہئے:

"فی البحر: ۱۲۲/۵: "و یکون الکفر بقول المریض: لا أصلی أبداً، جواباً لمن قال له: صل، وقیل: لا، و کذا قوله: لا أصلی حین أمربها، وقیل : إنما یکفر إذا قصد نفی الوجوب".

وفیه: "و بترك الصلوة متعمداً غیر ناوٍ للقضاء و غیر خائف من العقاب"(۱)۔

و فی العالمکیریة: ۸۹۹/۲: " ما کان فی کونه کفراً إختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطریق الإحتیاط"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۳/ ۸/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۵۲ھ۔

نماز کے انکار سے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال[۵۵۶]: زید اور زید کی زوجہ دونوں ساتھ میں لیٹے تھے، زید کو احتلام ہو گیا جس سے زوجہ کے بھی کپڑے خراب ہو گئے، صبح کو زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ جاؤ نماز پڑھو، اس پر زوجہ خاموش رہی، زید نے پھر کہا تو زوجہ نے غصہ میں کہا کہ "نہیں پڑھتی، جاؤ، جب دیکھو کپڑے خراب کر دیتے ہو"۔ تو کیا اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا؟ بعد میں دونوں نے توبہ کی، پھر کہا کہ میں نے اتنے مہر کے عوض تم کو دوبارہ نکاح میں قبول کر لیا، تو اس طرح نکاح ہو جائے گا یا دوسرے سے ہی پڑھوانا پڑے گا؟

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین : ۲۰۵/۵، ۲۰۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فیما یتعلق بالصلوة والزکوة والصوم : ۴۹۳/۵، إدارة القرآن)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة : ۲۸۳/۲، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

بیوی نے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کیا، بلکہ کپڑے خراب کردینے کی وجہ سے اس وقت غصہ میں آکر تنبیہ کے لئے کہ آئندہ کپڑے خراب نہ کرے، یہ جملہ کہہ دیا، اگرچہ ایسا کہنا بھی جائز نہیں، اس کو توبہ لازم ہے، مگر اس کی وجہ سے نہ وہ اسلام سے خارج ہوئی، نہ نکاح ختم ہوا(۱)۔ نکاح مرد اور عورت کم از کم دو گواہوں کے سامنے خود بھی کرسکتے ہیں، دوسرے سے پڑھوانا ضروری نہیں، صورتِ مسئلہ میں پہلا نکاح فسخ نہیں ہوا تھا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۱ھ۔

روزہ کے منکر کا حکم

سوال[۵۵۷]: زید نے بکر سے پوچھا کہ کیا تم روزہ سے ہو؟ جواب میں بکر نے کہا کہ ”ارے! جا

---

(۱) ”وقول الرجل: لا أصلي يحتمل أربعة أوجه: أحدها: لا أصلي؛ لأني صليت، والثاني. لا أصلي بامرك فقد أمرني بها من هو خير منك، والثالث. لا أصلي فسقاً مجانةً، فهذه الثلاثة ليست بكفر ...... ولو أطلق ”لا أصلي“ لا يكفر لاحتمال هذه الوجوه“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع، في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالصلاة والصوم، :۲/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، منها: الثالث في القرآن والأذكار والصلاة،: ۱/۶۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، التاسع فيما يقال في القرآن والأذكار والصلاة، :۶/۳۴۰، رشيديه)

”وما كان خطأً من الألفاظ ولا يوجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله، ولا يؤمر بتجديد النكاح الخ“. (الفتاوى العالمكيرية، باب أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر : ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۲) ”النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول ...... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين، بالغين مسلمين الخ“. (الهداية، كتاب النكاح :۲/۳۰۵، ۳۰۶، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح :۳/۱۸۹، ۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح :۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

مولویو! کیا روزہ ہمارے اوپر فرض ہے؟ اور اس نے یہ بھی کہا کہ روزہ نہیں رکھواں گا، اس پر ایک مولانا صاحب نے کہا کہ روزہ ہر ایک مسلمان پر فرض ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا، کیا ہمارے پاس کھانے پینے کی کمی ہے؟ روزہ تو وہ شخص رکھتا ہے جس کے پاس کھانا وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کو کیا کہا جائے؟ کیا ایسے شخص سے تعلق قائم رکھنا درست ہے؟ اور ایسے شخص سے تراویح کا روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

روزہ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے(۱) اس کا انکار کفر ہے، اسی طرح یہ کہنا کہ روزہ وہ شخص رکھتا ہے جس کے پاس کھانا وغیرہ نہ ہو کلمات کفر میں سے ہے(۲)۔ اس کو توبہ، استغفار، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم ہے(۳)، اس سے سلام کلام بند کردینا چاہئے، تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے، اس کا پیسہ بھی نہ لیا جائے جب تک وہ توبہ نہ کرلے۔

"والدليل على فرضية صوم شهر رمضان الكتاب والسنة والإجماع والمعقول۔ أما الكتاب فقوله تعالىٰ : ﴿ يأيهاالذين امنوا كتب عليكم الصيام﴾ وقوله : " كتب": أى فرض، وقوله تعالىٰ : ﴿ فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، و أما الإجماع، فإن الأمة أجمعت على فرضية شهر رمضان لا تجحدها إلا كافر"۔ بدائع (٤)، والبسط فى البحرالرائق (٥)،

---

(۱) قال الله تعالىٰ : ﴿ يا أيهاالذين أمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم، لعلكم تتقون﴾. (البقرة : ۱۸۳)

وقال تعالىٰ : ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ الاية. (البقرة: ۱۸۵)

(۲) قال الله تعالىٰ : ﴿ يا أيهاالذين امنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم، لعلكم تتقون﴾. (البقرة : ۱۸۳) و أما الإجماع: فإن الأمة أجمعت على فرضية شهر رمضان لا يجحدها إلاكافر. (بدائع الصنائع : كتاب الصوم : ۲/۲۱۰، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان : ''دین کو ماننے سے انکار'')

(۴) (بدائع الصنائع، كتاب الصوم : ۲/۵۴۹، ۵۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "ولم يتكلم (أى المصنف) على فرضية رمضان، لما أنها من الاعتقادات لا الفقه، لثبوتها بالقطعى =

ومجمع الأنهر(١) والهندية(٢) والخانية(٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

قرآن وحدیث کے انکار کے ساتھ ایمان سلامت نہیں رہتا

سوال[۵۵۸]: قرآن پاک کا منکر کافر ہے یا نہیں؟ نیز احادیث نبویہ کا منکر کافر ہے یا نہیں؟ قرآن پاک میں ہے: ﴿ما آتاكم الرسول فخذوه، و ما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (۴) تو کیا اگر احادیث کا انکار کردیا تو اس آیت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ پھر قرآن پاک میں ہے: ﴿و ما ينطق عن الهوىٰ إن هو الا وحيٌ يوحى﴾ (۵) کا مصداق کہاں جائے گا۔ نیز یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قرآن پاک میں ہے جب کہ احادیث کا انکار کردیا ہے، حالانکہ حدیث میں ہے:

”عن رافع رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا ألفين أحدكم متكئاً على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه، فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه“ رواه أحمد وغيره“(٦)۔

= المتأيد بالإجماع، و لهذا يحكم بكفر جاحده“. (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۴۵۲/۳، رشيديه)

(١) ”وصوم شهر رمضان ..... فريضة، لقوله تعالىٰ: ﴿كتب عليكم الصيام﴾ و على فرضيته انعقد الإجماع، و لهذا يكفر جاحده“. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم: ۲۳۱/۱، دار احياء التراث العربى)

(٢) ”و لو قال: ”ليت صوم رمضان لم يكن فرضاً“، إختلف المشايخ في كفره .... إن نوى أنه قال ذلك من أجل أن لا يمسكنه أداء حقوقه، لا يكفر“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بالصوم والصلوة والزكوة: ۲۷۰/۲، رشيديه)

(٣) لم أجده في الخانية بل المسئله مذكورة في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فيما يتعلق ..... بالصوم: ۴۹۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (سورة الحشر: ۷)

(۵) (سورة النجم: ۴)

(٦) (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم الحديث: ۴۶۰۵، ص: ۶۵۱، دار السلام بيروت).. =

نیز:" عن المقدام عن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! إني أوتيت القرآن و مثله معه، ألا يوشك رجل شبعا على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن، فما وجدتم فيه من حلال فأحِلّوه، و ما وجدتم فيه من حرام فحرموه، وأن ما حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم كما حرم اللہ، ألا! لا يحل لكم الحمار الأهلي و لا كل ذي ناب من السباع"۔ الخ لہٰذا اس کا مطلب کیا ہوگا۔ مشکوۃ ص:۲۹(۱) اور مالا بدمنہ کے اندر موجود ہے کہ "اگر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم را عیب کرد، یا موئے مبارکش را مویک گفت، کافر شود". ص:۱۳۴(۲)۔

"نیز علامه نور الهدی در بحر المحیط گفته که: "هر ملعون که در جنابِ پاک سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم دشنام دهد، یا اِهانت کند، یا در امرے از امورِ دینِ او، یا صورتِ مبارکِ او، یا در وصف از اوصاف شریفۂ او عیب کند خواه مسلمان بود یا ذمی یا حربی اگرچه از راهِ هزل کرده باشد، آن کافر است، واجب القتل، توبۂ او مقبول نیست، و اجماعِ امت بر آن ست که بے ادبی و استخفافِ هر کس از انبیاء کفر است، خواه فاعلِ او حلال دانسته مرتکب شود یا حرام دانسته". ص:۱۴۳(۳)۔

پھر یہ کہ نماز کی رکعتیں قرآن سے ثابت نہیں، اسی طرح سے زکوۃ کی تفصیل نہیں ہے اور بہت سے احکام ہیں جن کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے تو اس کا منکر گویا کافر نہیں ہے اور "کمالین" میں ہے: "چونکہ بیت المقدس تک آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے، اس لئے اس کا منکر

= (و مشکاۃ المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الثاني، رقم الحدیث: ۱۲۲، ص:۵۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۱۹/۵، رقم الحدیث: ۱۲۷۴۳، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثاني: ۲۹/۱، قدیمی)

(۲) (مالابد منه، باب کلمات الکفر، ص:۱۲۷، شرکت علمیه)

(۳) (مالابد منه، باب کلمات الکفر، ص:۱۳۵، شرکت علمیه)

کافر ہے اور اس میں تاویل کرنا بدعت ہے اور مؤول مبتدع ہوگا، البتہ آسمانوں پر جانے کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا کفر تو نہیں ہے مگر ایسا شخص مبتدع سمجھا جائے گا کیونکہ سورہ نجم کے الفاظ: ﴿عند سدرة المنتهى﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سدرۃ المنتہی تک پہنچنے میں نص نہیں ہے بلکہ دونوں معنی کا احتمال ہے: اگر آنحضرت کا سدرۃ المنتہی کے پاس ہونا مراد ہو تب تو جسمانی معراج کا ثبوت نص قرآن سے ہو جائے گا، لیکن اگر جبریل علیہ السلام کا سدرہ کے پاس ہونا مراد ہو تو مدعا ثابت نہیں ہوگا، غرضیکہ کعبہ سے مسجدِ اقصیٰ تک جانے کا انکار تو کفر ہوگا، لیکن مسجد اقصیٰ سے آسمان تک جانے کا انکار بدعت ہے اور وہاں سے اوپر دوزخ و جنت کی سیر کا انکار فسق ہوگا''۔ (کمالین، پ:۱۵،ص:۱۷)(۱)۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیث کے انکار سے نہ گناہ گار ہوگا اور نہ ہی کافر۔ جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہتے ہیں، فعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے(۲)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں، میرے پاس فرشتہ وحی لے کر آیا قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے، نماز قائم کرنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اسلام کے ارکان ہیں'' وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں حدیث کہلاتی ہیں(۳)۔ جو شخص مطلق حدیث کو تسلیم نہیں کرتا وہ ان میں سے کسی چیز کو تسلیم

---

(۱) (کمالین شرح جلالین: ۳/۲۱۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) ''اعلم أن الحديث في اصطلاح جمهور المحدثين يطلق على قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فعله وتقريره الخ''. (المقدمة للشيخ عبد الحق الدهلوي رحمه الباري في أول مشكوة المصابيح ص:۳، قديمي)

(۳) ''عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أن الحارث بن هشام سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله ! كيف يأتيك الوحي ؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : أحياناً يأتيني مثل: صلصلة الجرس .... و أحياناً يتمثل لي الملك فيكلمني''. الخ (صحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي : ۱/ ۲، قديمي)

''و في حديث وفد القيس .... قال : ''شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، و إقام الصلوة ،و إيتا الزكوة ، و صيام رمضان''. (إلى آخر الحديث) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب أداء الخمس من الإيمان : ۱/۱۳، قديمي)

نہیں کرتا، قرآن پاک میں اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے: ﴿ یـا یھا الذین أمنوا أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول ﴾ اس کے بعد: ﴿وأولی الأمر منکم ﴾ بھی ہے(۱)۔ ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ و ما أرسلنا مـن رسول الا لیطاع بإذن اللّٰہ ﴾ (۲)، رسول کی اطاعت اللہ جل شانہ کی ہی اطاعت ہے: ﴿ و من یطع الـرسول فقد أطاع اللّٰہ ﴾ (۳)، جو شخص اطاعت سے پیٹھ پھیرے اس کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ قل أطیعـوا اللّٰہ والرسول، فإن تولوا، فإن اللّٰہ لا یحب الکافرین ﴾ (۴)، ایمان کی بنیادیں ذات وصفات

---

(۱) (سورة النساء: ۵۹)

قـال الـعـلامة الآلـوسیؒ: "﴿اطیعو اللّٰہ﴾ فی الفرائض ﴿واطیعوا الرسول﴾ فی السنن: و الأول اولـیٰ وأعـاد الـفـعـل و إن کـانـت طاعة الرسول مقترنةً بطاعة اللّٰہ تعالیٰ اعتناءً بشأنه علیه السلام و قطعاً لتـوهـم أنـه لا یجب امتثال مالیس فی القرآن، و إیذاناً بأن له صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم استقلالاً بالطاعة لم یثبت لغیره". (روح المعانی: ۶۵/۵، دار إحیاء التراث العربی)

"والـحـق أن الآیة دلیـل علی إثبات القیاس بل هی متضمنة لجمیع الأدلة الشرعیة، فإن المراد بإطاعة اللّٰہ العمل بالکتاب، و بإطاعة الرسول العمل بالسنة الخ" (روح المعانی: ۶۶/۵)

قـال ابـن کثیـر: ﴿أطیـعوا اللّٰہ﴾ اتبعوا کتابه، ﴿وأطیعوا الرسول﴾ خذوا بسنته". (تفسیر ابن کثیر: ۶۸۹/۱، دار السلام، ریاض)

(۲) (سورة النساء: ۶۴)

و فی تفسیر ابن کثیر: "أی فرضت طاعته علی من أرسله إلیهم". (۶۹۱/۱، دار السلام)

و فـی روح الـمـعـانـی: "و ما أرسلنا رسولاً إلا لإلزام طاعته الناس لیثاب من انقاد و یعاقب من سلک طریق العناد الخ". (۷۰/۵، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) (سورة النساء: ۸۰)

(۴) (سوره آل عمران: ۳۲)

قـال ابـن کثیر فی تفسیره تحت الآیة المذکورة: "فدل علی أن مخالفته فی الطریقة کفر، واللّٰہ لا یـحـب من اتصف بذلک .... لوکان الأنبیاء بل المرسلون بل أولوا لعزم منهم فی زمانه ماوسعهم إلا اتباعه والدخول فی طاعته و اتباع شریعته". (تفسیر ابن کثیر: ۴۷۷/۱، دار السلام)

و فی روح المعانی تحت قوله تعالیٰ: ﴿ثم لا یجدوا فی أنفسهم حرجاً﴾: أی شکاً .... =

اورعالم آخرت، حشرونشر، وزن اعمال، جنت ودوزخ جوکچھ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے وہ سب کا سب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانے سے معلوم ہوا اور آپ کا فرمانا حدیث ہے تو جو شخص حدیث کونہیں مانتا وہ آپ کی فرمائی ہوئی کسی بات کو بھی نہیں مانتا(۱)۔

= واختار بعض المحققين تفسيره، بضيق الصدر لشائبة الكراهة و الإباء لما أن بعض الكفَرة كانوا يستيقنون الآيات بلا شك، ولكن يجحدون ظلماً و عُتوّاً، فلا يكونوا مؤمنين". (روح المعاني: ۵/۷۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يشاقق الرسول من بعد ما تبيّن له الهدىٰ و يتبع غير سبيل المؤمنين، نولّه ما تولى، ونصله جهنم، و سآء ت مصيراً﴾ (سورة النساء: ۱۱۵)

و في روح المعاني: "أي يخالفه .... ظهر له الحق فيما حكم به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو فيما يدعيه عليه الصلاة والسلام بالوقوف على المعجزات الدالة على نبوته .... نجعله والياً لما تولّاه من الضلال". (روح المعاني: ۵/۱۴۶، دار إحياء التراث، بيروت)

و قال الله تعالىٰ: ﴿و أنزلنا إليك الذكر﴾ يعني القرآن ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾..... أي من ربهم لعلمك بمعنى ما أنزل الله و حرصك عليه و اتباعك له، و لعلمنا بأنك أفضل الخلائق وسيد ولد آدم، فتفصل لهم ما أجمل، و تبين لهم ما أشكل". (تفسير ابن كثير: ۲/۷۵۴، دار السلام)

وفي روح المعاني: ﴿ما نزل إليهم﴾ في ذلك الذكر من الأحكام والشرائع و غيرذلك .... على وجه التفصيل بياناً شافياً الخ". (روح المعاني: ۱۴/۱۵۰، دار إحياء التراث العربي)

و قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعص الله و رسوله﴾ في أمر من الأمور، و يعمل فيه برأيه ﴿فقد ضل﴾ طريق الحق ﴿ضلالاً مبيناً﴾". (روح المعاني: ۲۲/۲۳، دار إحياء التراث العربي)

و قال الله تعالىٰ: ﴿و ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً﴾: أي قضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و ذكر الله تعالىٰ لتعظيم أمره بالإشارة إلى أنه عليه السلام بمنزلة من الله تعالىٰ بحيث تُعد أوَامِره أوَامِر الله عزوجل، أو للإشعار بأن ما يفعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما يفعله بأمره؛ لأنه لا ينطق عن الهوىٰ .... ﴿أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾ أن يختاروا من أمرهم ما شاؤوا، بل يجب عليهم أن يجعلوا رأيهم تبعاً لرأيه عليه الصلاة والسلام، و اختيارهم تلوا ختياره الخ".

(روح المعاني: ۲۲/۲۲، دار إحياء التراث العربي)

قال الملا علي القاري في شرح حديث أبي رافع رضي الله تعالىٰ عنه: "والحال أنه متكيء =

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ احادیث بیان فرمار ہے تھے(۱) ایک شخص نے کہا کہ آپ یہ احادیث بیان نہ کریں، ہمارے سامنے قرآن کریم بیان کریں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ: ''تم قریب کو آ جاؤ اور

= و یأتیه الأمر فیقول: (لاأدری): أی لا أعلم غیر القرآن و لا اتبع غیره أو لا أدری قول الرسول و ما وجدنا فی غیره لا نتبعه : أی وهذا الأمر الذی أمر به علیه السلام أو نهی عنه لم نجده فی کتاب الله، فلا نتبعه، والمعنی: لا یجوز الإعراض عن حدیثه علیه السلام ؛ لأن المعرض عنه معرض عن القرآن، قال تعالیٰ: ﴿و ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا﴾، وقال تعالیٰ: ﴿ و ما ینطق عن الهویٰ إن هو إلا وحی یوحی﴾، وأخرج الدارمی عن یحییٰ بن کثیر قال: کان جبرئیل ینزل بالسنة کما ینزل الوحی .... اهـ.

قال الخطابی : ذکره رداً علی ماذهب إلیه الخوارج وأصحاب الظواهر، فإنهم تعلقوا بظواهر القرآن، و ترکوا السنة التی تضمنت بیان القرآن ، فتحیّروا و ضلوا .... و قال ابن حجر : أی ما حرم و أحل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کما حرم و أحل الله ، ....ولذاقال الشافعی : کل ما حکم به رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فهو مما فهمه من القرآن، ثم أخرج ما یؤیده و هو قوله علیه السلام : (إنی لا أحل إلا ما أحل الله فی کتابه، و لا أحرم إلا ما حرم الله فی کتابه) و قال : جمیع ما تقوله الأئمة شرحٌ للسنة ، و جمیع السنة شرحٌ للقرآن،و قال : ما نزل بأحد من الدین نازلة إلا و هی فی کتاب الله تعالیٰ الخ ". (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان ، باب الإعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۴۰۰-۴۰۵، رشیدیه)

(۱) "قال: حدثنا صرد بن أبی المنازل، سمعت حبیباً المالکی قال: قال رجل لعمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه : یا أبا نجید ! إنکم لتحدثونا بأحادیث ما نجدلها أصلاً فی القرآن، فغضب عمران و قال للرجل : أوَجدتم (فی القرآن) فی کل أربعین درهماً درهمٌ، و من کل کذا و کذا شاةٍ شاةٌ، و من کذا و کذا بعیراً کذا و کذا ؟ أوَجدتم هذا فی القرآن؟ قال : لا، قال: فعمن أخذتم هذا؟ أخذتموه عنا، و أخذناه عن نبی الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، و ذکر أشیاء نحو هذا". (سنن أبی داود، کتاب الزکاة، باب ما تجب فیه الزکاة : ۱/ ۲۲۴، ۲۲۵ ، امدادیه ملتان)

(وکذا فی کتاب الکفایة فی علم الروایة ، باب تخصیص السنة الخ : ۱۵ ، دائرة المعارف العثمانیة حیدرآباد دکن)

بتلاؤ کہ تم کو اور جو تمہارے ہم خیال ہوں ان کو قرآن کریم دیدیا جائے، کیا اس میں صاف صاف پانچ وقت کی نماز کا تذکرہ پاؤگے اور یہ کہ فجر کی ظہر کی عصر کی مغرب کی عشاء کی کتنی کتنی رکعتیں ہیں؟ اور ان کے اوقات کیا ہیں اور یہ کہ زکوۃ کتنے مال پر کتنی مقدار واجب ہوتی ہے؟ چاندی کا نصاب کیا ہے، سونے کا کیا ہے، گائے کا کیا، بکری کا کیا ہے؟ اونٹ کا کیا ہے اور یہ کہ حج میں طواف کتنے شوط ہیں، صفا اور مروہ کے درمیان کتنے چکر ہیں؟ اور یہ کہ چور کا ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے یا کہنی سے یا کندھے سے وغیرہ وغیرہ؟ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا اور انہوں نے اس کی تشریح وتفصیل ہمارے سامنے بیان کی اور ہم کو اس کی اشاعت وتبلیغ کا حکم دیا تم اس کو تسلیم کرو تو صحیح راستہ پر رہوگے ورنہ گمراہ ہوجاؤگے"۔

کفایہ میں خطیب نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، پہلے ایک دو آدمی اس خیال کے پیدا ہوئے جس کی تسلی وتشفی کردی گئی اور اس کا فتنہ نہیں پھیلا، کچھ مدت سے چکڑالوی نے اس کی فرقہ کی حیثیت اختیار کی، مناظرے ہوئے، کتابیں لکھی گئیں، گاہے گاہے اس قسم کے لوگ اپنے خیالات کو مجلسی گفتگو اور تحریرات میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ کفر کا فتویٰ ان پر لگادینے سے ان کی اصلاح نہیں ہوگی، بلکہ دلائل کی روشنی میں ان کی تفہیم اور تردید کی ضرورت ہے کہ تمہارے اس نظریہ (انکارِ حدیث) کا انجام انکارِ قرآن، انکارِ خدا، انکارِ رسول کو مستلزم ہے اور کسی ایک آیت کا انکار بھی درست نہیں، اس سے ایمان سلامت نہیں رہتا، کیونکہ ایمان تو پورے قرآن پر ضروری ہے۔

جب انکارِ حدیث کیا تو جن آیات میں اطاعت واتباعِ رسول کا حکم ہے ان کا بھی انکار ہوگیا تو پھر قرآن پر ایمان کہاں رہا؟ قرآن کا قرآن ہونا بھی تو رسول کے فرمانے سے معلوم ہوا۔ انکارِ رسول اور انکارِ قرآن کے ساتھ ساتھ ایمان کیسے جمع ہوسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۳۴۴، رقم الحاشیة: ۱)

"وعن مالک بن أنس رضي الله عنه .... قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله و سنة رسوله". ...... ثم في العدول عن سنته مبالغة في زیادة شرفه والحث علی التمسک بسنته بذکره السبب في ذلک، و هو خلافته عن الله و =

فاضل بریلوی کا ایک ملفوظ اور ایک آیت کا انکار

سوال[۵۵۹]: مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ملفوظات حصہ چہارم میں یہ سوال و جواب مرقوم ہے:عرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"ختم اللہ لأغلبن أنا و رسلی"تو بعض رسول کیوں شہید ہوئے؟ارشاد :رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟انبیاء البتہ شہید کئے گئے،رسول کوئی شہید نہ ہوا"یقتلون النبیین" فرمایا گیا، نہ کہ "یقتلون الرسل" اس پر ایک شخص کہتا ہے کہ قرآن کریم میں"ختم اللہ" نہیں"کتب اللہ" ہے، یہ قرآن کریم کی تحریف ہے، نیز قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے رسولوں کا شہید ہونا معلوم ہوتا ہے، یہ ان آیتوں کا انکار ہے۔اب سوال یہ ہے کہ مولانا رضا خان بریلوی اس تحریف اور انکارِ قرآن کی وجہ سے کافر ہوئے کہ نہیں اور گمراہ ہوئے کہ نہیں؟اگر نہیں ہوئے تو کیا یہ دونوں غلطیاں تحریفِ قرآن و انکار نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پورے قرآن کریم پر ایمان لانا فرض ہے، کسی جزء کا انکار کرنا کفر ہے(۱)،ایک لفظ یا ایک حکم کی جگہ

= قیامه برسالته ،و أن ما جاء به لیس إلا من تلک الرسالة لا من تلقاء نفسه".

"وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: "من تعلم کتاب الله ثم اتبع ما فیه ، هداه الله من الضلالة فی الدنیا ،ووقاه یوم القیامة سوء الحساب" . قال الطیبی : و فیه أن سعادة الدارین منوطة بمتابعة کتاب الله اهـ، و متابعته موقوفة علی معرفة سنة رسوله علیه السلام و متابعته ، فهما متلازمان شرعاً، لا ینفک أحدهما عن الآخر، و قال سهل بن عبد الله التستری : من اتبع الهدیٰ وهو ملازمة الکتاب و السنة ، لا یضل عن طریق الهدی، و لا یشقی فی الآخرة والأولیٰ". (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان : ۱/ ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، رشیدیه)

(۱) "و یکفر إذا أنکر آیةً من القرآن ". (البحر الرائق، باب أحکام المرتدین من السیر : ۵/۲۰۵، رشیدیه)

"و فی شرح الفقه الأکبر للقاری" : "وفی جواهر الفقه: .... أنکر آیةً من کتاب الله ...... کفر، ...... و فیه أیضاً: و من جحد القرآن : أی کله أو سورةً منه أو آیةً، قلت: و کذا کلمةً أو قرآءةً متواترةً، أو زعم أنها لیست من کلام الله تعالیٰ، کفر : یعنی إذا کان کونه من القرآن مجمعاً علیه ".

(فصل فی القرأة والصلوة،ص:۱۶۷ ،قدیمی) .... =

دوسرا لفظ یا دوسرا حکم بدلنے کا حق ان کو بھی نہیں تھا جن پر یہ نازل ہوا: ﴿قل ما یکون لی أن أبد له من تلقاء نفسی﴾ الآیة (۱)۔ جو چیز اللہ پاک نے نہیں فرمائی، اس کو اللہ پاک کی طرف منسوب کرنا نہایت خطرناک ہے: ﴿ولو تقول علینا بعض الأقاویل، لأخذنا منه بالیمین، ثم لقطعنا منه الوتین﴾ الآیة (۲)، یہ تو اصولی چیز ہے، میرے پاس اس وقت ملفوظات مسئولہ موجود نہیں، آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ "عرض" کے تحت جو کچھ مذکور ہے وہ سائل کا سوال ہے، اس میں "کتب" کی جگہ "ختم" ہے۔ اگر سائل حافظ نہیں، اس کو غلط یاد رہا، یا سبقتِ لسانی سے بلا قصد "ختم" نکل گیا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں، اگر کوئی شخص قصداً "کتب" کی جگہ "ختم" پڑھے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے، فتویٰ اس پر ہوگا (۳)۔

سائل سے اگر آیتِ قرآنی غلط اداء ہوئے تو اصل سوال کے جواب سے پہلے مجیب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو متنبہ کرے کہ آیت اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے، غلط سننے کے باوجود اس پر متنبہ کر کے اس کو صحیح نہ کرنا بلکہ اسی طرح جواب دینا ہرگز جائز نہیں کیونکہ سائل کی غلطی یا تحریف کی ایک قسم کی تائید ہے، اگر مجیب نے غلطی کو سنا ہی نہیں کہ سائل نے کس طرح آیت کو پڑھا ہے، ایسے ہی جواب دیدیا؟ مجیب کو بھی یاد نہیں تھا، وہ یہ سمجھے کہ آیت اسی طرح ہے تو مجیب پر بھی تحریف یا تبدیل کا فتویٰ نہیں لگے گا بلکہ اس کو غلطی اور نسیان پر محمول کیا جائے گا۔

اگر دیدہ و دانستہ غلط پڑھنے پر اصلاح سے سکوت کر کے سوال کا جواب دیا جائے تو گویا کہ سائل کی

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع و منها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

(۱) (يونس: ۱۵)

(۲) (الحاقة: ۴۴، ۴۵، ۴۶)

(۳) "سئل الإمام الفضلي عمن يقرأ الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة، أو يقرأ "أصحاب الجنة" مكان "أصحاب النار" أوعلى العكس، فقال: لا تجوز إمامته، و إن تعمد يكفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في القرأة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب أحكام المرتدين من السير: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(وفي التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في المتفرقات: ۵/۵۲۹، إدارة القرآن)

تصدیق وتائید کردی ہے تو اس صورت میں حکم بہت سخت ہوگا (۱) اِلا یہ کہ قولاً یا تحریراً رجوع کرلیا ہو۔

یہاں تک تو "کتب" کی جگہ "ختم" پڑھنے اور لکھنے کا حکم ہوا، اب رہی دوسری بات تو مجیب نے جو کچھ جواب دیا ہے وہ ضرور ان آیات کے خلاف ہے جن میں رسولوں کے مقتول ہونے کا تذکرہ ہے (۲) اس کے حکم سے مفرّ کی کوئی صورت نہیں (۳)۔

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک لزومِ کفر، دوسرے التزام کفر، دوسری صورت بالاتفاق کفر ہے، پہلی صورت میں اگر باوجودِ لزومِ کفر کے صاحبِ عبارت التزامِ کفر سے انکار کردے اور وہ انکار موجّہ مدلل بھی ہو تو فتویٰ کفر نہیں ہوگا۔

الحاصل لزوم کفر سے کفر تو عائد ہوجاتا ہے، لیکن فتویٰ التزام پر ہوتا ہے، لہٰذا عائد شدہ کفر کے بعد دفاع کے لئے انکارِ التزام موجّہ ومدلل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگر موجود ہو تو کفر مرتفع ہوجائے گا ورنہ نفسِ کفر تو لزوم سے بلا التزام کے عائد ہوجائے گا، ایسے مسائل کے اصول تفصیل کے ساتھ "اکفار الملحدین" میں مذکور ہیں (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

لاعلمی کی وجہ سے آیت قرآن کا انکار کرنا

سوال [۵۲۰]: عمر غیر معتبر آدمی ہے، خالد عمر پر کچھ اعتبار نہیں کرتا، عمر نے قرآن کی تلاوت کی،

---

(۱) "قصداً اور عمداً قرآن پاک کو غلط پڑھنے والے کی چونکہ فقہاء کرام نے تکفیر کی ہے اور غلط پڑھنے والے پر سکوت کرنا گویا اس پر راضی ہونا ہے، اور کفرِ غیر پر رضا بھی فقہاء کے ہاں انتہائی خطرناک ہے۔

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿لقد أخذنا ميثاق بني إسرائيل وأرسلنا إليهم رسلاً، كلما جاء هم رسول بما لا تهوى أنفسهم، فريقاً كذّبوا، و فريقاً يقتلون﴾. (المائدة : ۷۰)

(۳) یعنی ان آیتوں کے انکار کی صورت میں فقہاء نے تکفیر کا جو حکم لگایا ہے وہی حکم یہاں پر بھی مرتب ہوگا، (كما تقدم في الحاشية الأولىٰ من ، ص: ۳۴۷)

(۴) دیکھئے: (إكفار الملحدين ، (مترجم)، ص: ۲۷۶، ۲۷۸، عنوان: "لزوم کفر، کفر ہے یا نہیں؟ مکتبہ لدھیانوی) اور (ص: ۲۶۲، ۲۶۴، عنوان: "لزوم کفر اور التزام کفر کا فرق۔

خالد نے خیال کیا کہ یہ صرف برتری ظاہر کرنے کے لئے کہہ رہا ہے، اور کہا کہ یہ قرآن پاک کی آیت نہیں ہے، کیوں کہ عمر پر اعتبار ہی نہیں تھا حالانکہ وہ قرآن پاک کی آیت تھی، خالد نے استغفار کرلیا ہے۔ تو کیا خالد کو تجدید ایمان کی ضرورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ خود آیت کو نہیں پہچان سکا اور عمر کو غیر معتبر سمجھ کر اس نے انکار کردیا تو اس سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوا(۱)، احتیاطاً تجدید ایمان کا تو ویسے بھی حکم ہے، وہ کرتے رہنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

ایک مشہور آدمی کی تفسیر کے نمونے

سوال[۵۶۱]: کسی مشہور شخص کی تصنیف جو قرآنی تفسیر کے نام سے ہے ''سبحان سبوح''، خالق کائنات کو ''بھانِ متی'' کہا، وحی کو مجنون کی بڑ سے تشبیہ دی، جنت ودوزخ وملائکہ کا انکار لکھا، مرنے کے بعد نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہونے کا نام جنت اور برائیوں کو دیکھ کر کڑھنے کا نام دوزخ بتایا، برق وباد کی قوتِ جذب، اشجار ونباتات کی قوتِ نشو نما کا نام فرشتے کہا۔ ایسے عقیدے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میں نے یہ تفسیر نہیں دیکھی، اس کی اصل حقیقت تو دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، باقی جو کلمات آپ نے

---

(۱) "ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(و بمعناه في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الأول في المقدمة: ۶/۳۲۱، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''دین کو ماننے سے انکار'')

لکھے ہیں ان کو مسلک اہل سنت والجماعت بلکہ اسلام سے کیا تعلق ہے؟ اس کو تفسیر کہنا غلط ہے وہ تو تحریف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

قرآن پاک میں تحریف کرنے کا اقرار

سوال[۵۶۲] : ۱...... ۲۳/ دسمبر ۱۹۷۸ء کو شہر کٹک میں مناظرہ ہوا جس میں بریلی کے علماء نے ایک اشتہار نکالا جس میں قرآن پاک کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی وہ غلط تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو کہا کہ یہ اضافہ قرآنی ہے، تحریف نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے: "و هو الهادی إلى سواء السبيل إن أريد إلا الإصلاح، و ما توفيقي إلا بالله"۔ اب سوال یہ ہے کہ صاف تحریف کا اقرار کرنا شریعت مطہرہ میں کیسا ہے؟ ایسے آدمی کا ایمان رہا یا نہیں؟ جو لوگ سن کر چپ رہے اور اس کی تائید کی، ان کا ایمان رہا یا نہیں؟ ان سے جو اولاد ہوگی وہ حلال ہوگی یا حرام؟

بدری صحابی کو وہابی اور منافق کہنا

سوال[۵۶۳] : ۲...... ایک صحابی جو اصحاب بدریین میں سے ہیں جن کا اسم گرامی حاطب بن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، ان کو وہابی اور منافق کہا گیا، حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ ''اصحاب بدر جنتی ہیں''، حالانکہ بریلی کے علماء نے کہا کہ یہ صحابی نہیں بلکہ وہابی اور منافق ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو شخص کسی صحابی کو وہابی اور منافق کہے اس کا ایمان رہا یا نہیں؟ نیز جو لوگ اس کہنے والے کے ساتھ تھے انہوں نے نکیر نہیں کی بلکہ خاموش رہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... ایمان اور کفر دونوں اصالۃً قلبی چیزیں ہیں جس کا علم خود صاحب معاملہ ہی کو ہوسکتا ہے، کچھ امور ایسے بھی ہیں کہ جن کو امارات قرار دیا گیا ہے کہ ان امارات پر حکم لگایا جا سکتا ہے، کفر کا حکم لگانا انتہائی چیز ہے اس کے لئے قوی دلیل کی ضرورت ہے(۱) حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ''جب کوئی شخص کسی کو کافر کہے اور وہ حقیقتاً

(۱) قال ابن نجيم: "وفي الفتاوى الصغرى : الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر اهـ". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۱۰/۵، رشيديه)

(بدلائل شرعیہ) کافر نہ ہو تو اس کافر کہنے کا وبال اسی کی طرف لوٹتا ہے جس نے کافر کہا ہے"(۱) اس لئے بہت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپ وہ اشتہار ارسال کریں اور جس چیز کو انہوں نے اضافہ قرار دیا ہے اس کی بھی پوری نشاندہی کریں، مضمون بطورِ تشریح وتفصیل بھی ہوسکتا ہے جیسے کہ "جلالین" وغیرہ میں قرآن کریم کی آیت کے ساتھ ساتھ تفسیر کا اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور اس کو الفاظِ قرآن سے ممیّز کردیتے ہیں تاکہ اس کے متن قرآن ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کو متن قرآن قرار دیدیا تو یہ نہایت خطرناک ہے(۲)۔

۲...... کیا اس کے متعلق بھی کوئی تحریر موجود ہے کہ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہابی کہا ہے اور وہابی کا وہی مطلب لیا ہے جس کے عقائد کی تشریح "فتاویٰ رضویہ" میں کی ہے اور کفر کا حکم لگایا ہے اور مولانا محمد اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہ کو ابوالوہابیہ کہہ کر بے شمار دلائل ان کے کفر کے بیان کئے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ: "جو ان کے کفر اور عتاب میں شک کرے وہ خود بھی کافر ہے"، پھر آخر میں لکھا ہے کہ "محتاط علماء ان کو کافر نہیں کہتے یہی مفتیٰ بہ ہے"۔ خان صاحب بریلوی کی کتاب "الکوکبة الشهابية في كفريات الوهابية" ہے، اس میں تفصیل ہے۔ مذکور خان صاحب کی تحریر کی بناء پر ان کے ایمان کا سلامت رہنا اور ان کے نکاح کا باقی رہنا

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب و اللعن: ۲/۸۹۳، قديمی)

(۲) قال العلامة الآلوسيؒ تحت قوله تعالىٰ: "يحرّفون الكلم عن مواضعه" (النساء: ۴۶): "المراد به ههنا إما ما في التوراة، و إما ما هو أعم منه .... و الأول هو المأثور عن السلف كابن عباس و مجاهد و غيرهما، و تحريف ذلك إما إزالته عن مواضعه التي وضعه الله تعالىٰ فيه .... و إما صرفه عن المعنى الذي أنزل الله تعالىٰ فيه إلى مالا صحة له بالتاويلات الفاسدة والمحتملات الزائغة كما تفعله المبتدعة في الآيات القرآنية". (روح المعانی: ۵/۴۶، دار احياء التراث العربی).

وقال ابن نجيمؒ: "و(يكفر) بإبداله حرفاً أو آية من القرآن". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

اور کل اولاد کا حلال ہونا دشوار ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۹ ۱۳ھ۔

اپنے مسلمان ہونے کا انکار

سوال[۵۶۴]: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، حالانکہ وہ صوم وصلوۃ کا پابند ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ وہ مسلمان شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسا کہنا نہایت خطرناک ہے (۲) اس کو توبہ واستغفار اور کلمہ پڑھنا لازم ہے، احتیاطاً تجدید نکاح کرے(۳) اگر وہ اپنے ایمان کو کمزور سمجھتے ہوئے ایسا کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو جیسا کہ اللہ کے

---

(۱) راجع، ص: ۳۵۲، رقم الحديث: ۱، و قال في التاتارخانية : "و لو قال لمسلم أجنبي : يا كافر! ...... و لم يقل المخاطب شيئاً ...... كان الفقيه أبو بكر الأعمش يقول : يكفر هذا القائل ...... والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم، و لا يعتقده كافراً، فمخاطبه بهذا بناءً على اعتقاده أنه كافر، يكفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الرجل يقول لغيره :"يا كافر": ۵/۵۱۴، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "ويكفر .... بقوله عمداً : لا جواباً لمن قال له : ألست مسلماً حين ضرب عبده أو ولده ضرباً شديداً". (البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً، الفصل الخامس في الإقرار بالكفر : ۶/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالإرتداد الخ: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(۳) "وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر : ۵/۴۵۸، إدارة القرآن)

وعدوں پر یقین ہونا چاہئے اور اس کے احکام کا پابند ہونا چاہئے وہ بات مجھ میں نہیں اور بطورِ رنج و افسوس کے کہتا ہے: گویا اللہ پاک سے قوی ایمان کی تمنا رکھتا ہے تو اس پر تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۱) اور اس کے احساس و افسوس کی تعریف کی جائے گی، مگر ایسا کہنے سے پھر بھی روکا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

خود کو غیر مسلم کہہ کر غیر مسلم لڑکی سے بطریقہ غیر مسلم نکاح کرنا

سوال [۵۶۶]: کسی مسلمان شخص نے کسی غیر مسلم لڑکی سے اپنے آپ کو غیر مسلم کہہ کر بطریقہ غیر مسلم شادی کر لی، سال بھر بعد اپنے آپ کو مسلمان کہا اور اس لڑکی کو بھی مسلمان بنا لیا، اس آدمی کی پہلی بیوی، (جو مسلمان ہے) کو عرصہ تین سال سے کوئی نان و نفقہ یا حقوق زوجیت ادا نہیں کیا، اس صورت میں زوجۂ اول کو (جو مسلمان ہے) طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ وہ عدالت سے طلاق لے کر دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب اس نے کہا کہ مسلمان نہیں، ہندو ہوں (۲) تو اس کا نکاح سابقہ بیوی سے ختم ہو گیا (۳)، قانونی

---

(۱) "و فی الخلاصة وغیرها: إذا کان فی المسألة وجوه توجب التکفیر، و وجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر، تحسینا للظن بالمسلم". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمة الکفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة کتاب ألفاظ تکون إسلاما أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الأول فی المقدمة: ۳۲۱/۶، رشیدیه)

(۲) "ویکفر .... بقوله: أنا ملحد؛ لأن الملحد کافر، و لو قال: ما علمته، لا یعذر". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر، فصل فی الکفر صریحاً و کنایةً، ص: ۱۸۳، قدیمی)

"و من قصد الکفر ساعةً أو یوماً، فهو کافر فی جمیع العمر، و یکفر فی الساعة". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی الرجل یقول لغیره: یا کافر: ۵۱۷/۵، ۵۱۸، ادارة القرآن)

(۳) "و ارتداد أحدهما فسخ فی الحال یعنی فلا یتوقف علی مضی ثلاثة قروء فی المدخول بها، و لا =

تحفظ کے لئے عدالت سے بھی فعل مختاری کا فیصلہ لے لے، پھر اپنا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/ ۱۳۹۹ھ۔

جو شخص ہندو ہونے کا اقرار کرے اس کا حکم

سوال[۵۶۷]: مسمی امید علی خان، جس کی عمر ستر اسی برس ہے، ساکن کھیڑا افغان ضلع سہارنپور جو کہ موجودہ متولی درگاہ قادری بابا، نکوذر روڈ، جالندھر شہر، پنجاب۔ اس طرح ایک معمولی سی بات پر جو کہ مابین تکرار تھی، وہ یہ کہ کرایہ برابر درگاہ میں رہنے والے دیتے ہیں اور اس نے دو آدمیوں پر نوٹس دیا ہے کہ مجھ کو ان دونوں نے چار سال سے کرایہ نہیں دیا ہے، اس پر محمد علی نے کہا کہ کرایہ دار کہتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کی قسم کھالیں گے تو وہ کہنے لگا کہ "قسم! میں تو قرآن پر چوتڑ رکھ کر بیٹھ جاؤں گا، لیٹ جاؤں گا، اور جوتوں کے ساتھ قرآن پاک پر کھڑا ہو کر قسم کھاؤں گا کہ کرایہ مجھے آج تک نہیں دیا"۔ اس موقعہ پر جو کہ مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے، قرآن شریف کے بارے میں، تو اس نے کہا کہ "میں کیا جانوں ایمان کو، اسلام کو، میں تو ہندو ہوں"۔ پھر دوران تکرار میں اس نے خدا کا نام لیا، تو سامعین میں سے جن کا نام محمد علی ہے کہا کہ آپ کے منہ سے خدا کا نام اچھا نہیں لگتا، آپ نہ لیں خدا کا نام، کہا "تمہارا خدا خدا ہے، میرا خدا تو بت ہے، میں اسی کو پوجتا ہوں"۔ پھر بارہ دن کے بعد اسی طرح قرآن شریف کے بارے میں پھر کہا اور مزار شریف پر سجدہ کرتا ہے دونوں وقت۔

اس لئے آپ حضرات کی خدمت اقدس میں یہ مضمون حامل رقعہ ہذا محمد علی کے ہاتھ ارسال خدمت ہے اور جن آدمیوں کے سامنے اس نے یہ کہا وہ خدا پاک کو حاضر و ناظر جان کر دستخط کر رہے ہیں۔

ایوب حسین، محمد علی، سید محمد یعقوب حسین، فقیر عبد الرؤف خان بقلم خود دیوبندی، خورشید خان، شاہد،

= على قضاء القاضي .... وإن أخبرت المرأة أن زوجها قد ارتد، لها أن تتزوج بآخر بعد انقضاء العدة في رواية الاستحسان". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲۷۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۳/۳، سعيد)

(۱) کفایت المفتی میں ہے: "ہاں ارتداد سے شرعاً نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن عدالت کا فیصلہ قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے لازمی ہے"۔ (كفايت المفتى، كتاب الطلاق: ۱۳۶/۲، دار الاشاعت كراچى)

عبدالحمید خان، محمد قاسم، اسراق احمد، پیر محمد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ لینا کیا کارآمد ہوگا جس کا یہ حال ہو، فتویٰ اس کے لئے ہے جو اسلام اور قرآن کے احکام کو ماننے کے لئے آمادہ ہو اور جو شخص خود ہی اسلام اور قرآن کی شان میں ایسے الفاظ کہہ کر اسلام سے مستعفی ہوکر ہندو اور بت پرست ہونے کا اقرار کرتا ہو اس کے لئے کسی فتویٰ کی ضرورت نہیں، وہ تو خود ہی اپنا موقف بیان کر چکا ہے کہ وہ ہندو ہے، بت کو پوجتا ہے(۱) اللہ پاک ہدایت دے اور راہ راست پر لائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۳/۲/۹۱ھ۔

نکاحِ بیوہ کا منکر

سوال[۵۶۸] : ۱.....حسب ذیل عقائد رکھنے والا شرعاً مجرم ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا حکم ہے؟

رانڈوں (۲) کی شادی کے متعلق جب آیت ﴿وأنكحوا الأيامى منكم الخ﴾ اس کے سامنے پیش کی گئی تو آیتِ مذکورہ کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ: ''جس طرح آریوں نے ہندوؤں کے مذہب کو خراب کر دیا ہے اسی طرح مولویوں نے قرآن وحدیث کو بگاڑ دیا، ہم اس آیت کو نہیں مانتے''۔

---

(۱) "والرضا بالكفر كفر". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب السير، باب ما يكون كفراً من المسلم و ما لا يكون : ۵۷۳/۳، رشيديه)

"و في المحيط : " من رضي بكفر نفسه فقد كفر أي إجماعاً". (شرح الفقه الأكبر للقاري : فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۷۹، قديمي)

"ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة : ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۱۰/۵، رشيديه)

(۲) ''وہ عورت جس کا شوہر مرگیا ہو''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۰۰)

تبلیغ اسلام کا منکر

سوال[۵۶۹] : ۲...... جولوگ ہندوؤں کو مسلمان کرتے ہیں ان کے سخت مخالف ہے، جس کی وجہ سے آئندہ اس اطراف میں اَوروں کو ہمت نہ ہوگی۔

حالت حمل میں نکاح کا منکر

سوال[۵۷۰] : ۳...... حاملہ عورتوں کے نکاح سے منکر ہے، اور کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ عبدالرحمٰن ایک معتبر عالم صاحب کے روبرو یہ گفتگو کی تو انہوں نے کچھ روز انتظار کیا کہ یہ رجوع کر کے توبہ کر لے، مگر اس نے توبہ نہ کی، پھر انہوں نے اعلان کر دیا اور حقہ پانی برادری سے بند کرا دیا، مگر بعض لوگ اس کے موافق ہیں۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کا کیا حکم ہے؟ اقبال حسین نہان گاؤں۔ سیتاپور

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... رانڈ کے نکاح کا جواز واستحسان قرآن (۱) وحدیث (۲) واجماع سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنا سخت خطرہ وکفر کی بات ہے (۳) رانڈوں کے نکاح کو ناجائز کہنا مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ کفار کا ہے، ایسے شخص کو جلد از جلد توبہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ : ﴿و أنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم﴾ الآية (النور : ۳۲)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات ایسی تھیں جن کا ایک بار نکاح ہو چکا تھا اور بیوہ ہو چکی تھیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔

(۳) "إذا أنكر آيةً من القرآن أو سخر بأية من القرآن، و في الخزانة : أو عاب، فقد كفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقرآن : ۵/۴۹۰، ادارة القرآن)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

"ويكفر .... برده حديثاً مروياً إن كان متواتراً، أو قال على وجه الإستخفاف : سمعناه كثيراً". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۰۴، رشيديه)

۲...... یہ بھی بہت خطرناک ہے اور دینِ و اسلام کی دشمنی کی علامت ہے(۱) لہٰذا فوراً اس حرکت سے رکنا و صدقِ دل سے توبہ کرنی چاہئے۔

۳...... اگر حالتِ حمل میں کسی کا شوہر مرگیا ہو، یا اس کو شوہر نے حالت حمل میں طلاق دیدی تو چونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس لئے وضع حمل سے پہلے عورت کو نکاح کرنا جائز نہیں: ﴿و أولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (۲) ہدایہ: ۲/۴۰۳ (۳)۔

و لقوله تعالى: ﴿و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (۴) عینی ہامش ہدایہ: ۲/ ۴۰۸ (۵) البتہ اگر عورت حامل بالزنا ہے تو اس کو نکاح کرنا درست ہے لیکن وضع حمل سے قبل صحبت جائز نہیں: "وإن تزوج حبلى من زنا، جاز النكاح، و لا يطأها حتى تضع حملها"۔ ہدایہ: ۲/۲۹۲ (۶)۔

بعض امور مندرجہ سوال ایسے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء نے تکفیر کی ہے (۷)، لہٰذا اس شخص کو تجدید

---

(۱) "دین کی اشاعت اور تبلیغ قرآن کریم کے نصوص سے ثابت ہے اور اس کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، و يأمرون بالمعروف، و ينهون عن المنكر، و أولئک هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴)

"إن العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات" (روح المعاني: ۴/ ۲۱، دار إحياء التراث العربي) پس دین کی تبلیغ کا انکار ضلالت اور زیغ ہی ہے۔

(۲) (الطلاق: ۴)

(۳) والعبارة بأسرها: "و إن كانت حاملاً، فعدتها أن تضع حملها، لإطلاق قوله تعالى: ﴿و أولات الأحمال﴾ الخ". (الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/ ۴۲۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۴) (البقرة: ۲۳۵)

(۵) مستدلاً بها على قول الهداية: "و لا ينبغي أن تخطب المعتدة، و لا بأس بالتعريض في الخطبة، لقوله تعالى: ﴿و لا جناح عليكم فيما عرّضتم﴾ الخ". (العيني على هامش الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/ ۴۲۸، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۶) (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۳۱۲، مكتبه شركت علميه)

(۷) (راجع، ص: ۳۵۷، رقم الحاشية: ۳)

ایمان ونکاح کر لینا چاہئے،(۱) اور آئندہ ناجائز عقیدوں سے باز رہنا چاہئے، اگر وہ ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس سے عام مسلمانوں کو تعلقات ومعاملات ترک کردینا چاہئے (۲)، اسی طرح جو شخص بلاضرورتِ شرعیہ اس سے میل جول رکھے اس کا بھی بائیکاٹ کر دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/رجب/۵۲ھ۔

حلالہ کے منکر کا حکم

سوال[۱۵۷]: اگر کوئی حلالہ کے حکم کو تسلیم نہ کرے اور یہ کہے کہ یہ حکم شریعتِ اسلام کا نہیں ہو سکتا ہے، میں اس کو تسلیم نہیں کرتا ہوں تو ایسے شخص کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ جاہل ہے، ناواقف ہے، ضال ہے، كما صرح به الكمال ابن الهمام في فتح القدير (۳)

---

(۱) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۲) قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ: ﴿إنما وليكم الله و رسوله﴾ الآية (المائدة: ۵۵)، في شان المرتدين المذكورين في قوله تعالىٰ من سورة المائدة، (رقم: ۵۴) ﴿ياأيها الذين آمنوا من يرتد منكم عن دينه﴾ الاية: " فكأن قيل: لا تتخذوا أولئك أولياء؛ لأن بعضهم أولياء بعض، ليسوا بأوليائكم، إنما أولياء كم الله تعالىٰ و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمؤمنون، فاختصوهم بالموالاة، و لا تتخطوهم إلى الغير". (روح المعاني: ۶/۱۶۶، داراحياء التراث العربي).

(۳) "و إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو اثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره الخ، لا فرق في ذلك بين كون المطلقة مدخولاً بها أو غير مدخول بها لصريح إطلاق النص، وقد وقع في بعض الكتب أن في غير المدخول بها تحل بلا زوج، و هو زلة عظيمة مصادقة للنص والإجماع، لا يحل لمسلم رآه أن ينقله فضلاً عن أن يعتبره؛ لأن في نقله إشاعته، وعند ذلك ينفتح باب للشيطان في تخفيف الأمر، .... نعوذ بالله من الزيغ والضلال". (فتح القدير، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۱۷۷، ۱۷۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اس کو فوراً توبہ لازم ہے ورنہ اس کا ایمان سخت خطرہ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

غیبت کے غیبت ہونے سے انکار

سوال[۵۷۲]: ایک نائی غیبت کر رہا تھا، اس کو منع کیا گیا، اس نے کہا ’’یہ غیبت نہیں ہے، یہ باتیں اس میں موجود ہیں‘‘۔ اس کو سمجھایا گیا کہ موجود ہے تو غیبت ہے نہ ہوتی تو تہمت ہے، آیا یہ شخص توبہ کرے اور پھر سے اپنی بیوی سے نکاح پڑھوائے یا ضرورت نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردالمحتار(۲) میں علامہ شامی نے ایسے شخص پر بہت سخت حکم لکھا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا امر کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ اس نائی کو بزرگ عالم کی طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرے، ان کی صحبت ونصیحت سے امید ہے کہ اصلاح ہوگی محض فتویٰ سے اصلاح کی توقع اس وقت ہے جب کہ قلب میں تقویٰ اور خشیت ہو اور تقویٰ بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، جب احکام شرع کا احترام دل میں پیدا ہو جائے تو فتویٰ کا بھی اثر ہوتا ہے۔ غیبت کا مرض تو بہت عام ہے، نائی کی کیا خصوصیت ہے، اس میں تو پڑھے لکھے اونچے لوگ بھی بکثرت مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۱/۸ھ۔

---

(۱) "لأن الحلالة ثابتة بعموم نص الكتاب والسنة. و إنكار أحد منهما مستلزم لإيقاع الإيمان في معرض الخطر، كما تقدمت فيه التصريحات من البزازية والفتاوى العالمكيرية والتاتارخانية والبحر.

(۲) " إعلم أن الغيبة حرام بنص الكتاب العزيز، وشبّه المغتاب بأكل لحم أخيه؛ إذ هو أقبح من الأجنبي، فكما يحرم لحمه يحرم عِرضه، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "كل المسلم على المسلم حرام: دمه و ماله وعرضه". رواه مسلم وغيره .... و في تنبيه الغافلين للفقيه أبي الليث : الغيبة على أربعة أوجه : في وجه هي كفر بأن قيل له : لا تغتب، فيقول : ليس هذا غيبة؛ لأني صادق فيه، فقد استحل ما حرّم بالأدلة القطعية، و هو كفر". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٠٨، ٤٠٩، سعيد)

جان بچانے کے لئے کفر کا اقرار

سوال[۵۷۳]: زید کہتا ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ کوئی مسلمان بیچ کفار ومشرکین کے پھنس جائے اور جان چھڑانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو بجز اس کے کہ وہ جھوٹ کہہ دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں، جب امان کی جگہ پہونچ جائے تو اس جھوٹ سے وہ توبہ کرلے، ایسا وقتی طور پر صرف زبان سے کہہ دینے سے وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا، البتہ ایسا کہنا جان کے خوف کے وقت ہی بہتر ہے۔ بکر کا کہنا ہے کہ ہر حالت میں خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جاتی ہو، ایسا کہنا بالکل گناہ بلکہ کفر ہے اس میں زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا قول صحیح ہے، حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ اس کا ماخذ ہے، جس پر آیت ﴿إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان﴾ (۱) نازل ہوئی تھی۔ ردالمحتار وغیرہ کتب فقہ میں بھی صراحت مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (النحل: ۱۰۶)

"قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ تحت هذه الآية: "فهو استثناء" ممن كفر بلسانه و وافق المشركين بلفظه مكرهاً لما ناله من ضرب و أذى، وقلبه يأبى ما يقول، و هو مطمئن بالإيمان بالله و رسوله، و قد روى العوفي عن ابن عباس رضي الله عنهما أن هذه نزلت في عمار بن ياسر رضي الله عنه حين عذبه المشركون حتى يكفر بمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فو افقهم على ذلك مكرهاً، و جاء متعذراً إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأنزل الله تعالىٰ هذه الأية". (تفسير ابن كثير: ۷۷۵/۲، ۷۷۶، مكتبه دار السلام رياض)

(و كذا في روح المعاني: ۲۳۷/۱۴، ۲۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "و إن أكره على الكفر بالله تعالىٰ أو سب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... بقطع أو قتل، رُخّص له أن يظهر ما أمر به على لسانه، و يورّي، وقلبه مطمئن بالإيمان" (الدر المختار). و في رد المحتار: "قال في الكفاية: "وإن لم يخطر بباله شيء، و صلّى للصليب، أو سبّ محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و قلبه مطمئن بالإيمان، لم تبن منكوحته، لا قضاءً و لا ديانةً؛ لأنه فعل مكرهاً الخ". (كتاب الإكراه: ۱۳۴/۶، سعيد) =

کسی غرض کے لئے ظاہراً کفر اختیار کرنا

سوال[۵۷۷]: ایک شخص نے کسی دنیاوی لالچ اور یہ سوچ کر کہ میں شادی کرنے کے بعد مسلمان ہوجاؤں گا بظاہر اسلام چھوڑ دیا اور پھر مہینہ دو مہینہ کے بعد مع عورت کے مسلمان ہوگیا، یا ارادہ رکھتا ہے کہ اسلام چھوڑ دوں اور مہینہ دو مہینہ کے بعد مسلمان ہوجاؤں گا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ یہ ارادہ پختہ ہے کہ پھر میں اپنے دین میں مل جاؤں گا، دلی (طور پر) اسلام نہیں چھوڑتا، ظاہر کفر قبول کرتا ہے۔ اس کا جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

محمد ادریس سہارنپوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا جرمِ عظیم اور کفر ہے، کیا خبر ہے کہ دوبارہ اسلام قبول کرنے سے پہلے موت آجائے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے، اور توبہ کی توفیق ہی نہ ہو، اور جو شخص ایک یوم یا ایک ساعت کے لئے کفر کا قصد کرے وہ تمام عمر کے لئے کافر ہوجاتا ہے اور تمام عبادات باطل ہوجاتی ہیں۔

"و من قصد کفراً ساعةً أو یوماً، فهو کافر فی جمیع العمر". بحر: ۱۲۳/۱ (۱)۔

جو شخص دوسرے کو کلمۂ کفریہ کی تلقین کرے وہ بھی کافر ہوجاتا ہے:

"و یکفر بتلقین کلمة الکفر یتکلم بها ولو علی وجه اللعب و بأمره امرأة بالإرتداد لتبین من زوجها بالافتاء بذلك وإن لم تکفر المرأة". بحر: ۱۲٤/۵ (۲) "و کذا لو أمر رجلا أن یکفر

= (و کذا فی البحر الرائق، کتاب الإکراه: ۱۳۳/۸، رشیدیه)

(والفتاوی العالمکیرية، کتاب الإکراه، الباب الثانی فیما یحل للمکره أن یفعل و ما لا یحل: ۳۸/۵، رشیدیه)

(و فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الإکراه، فصل فیما یحل للمکره أن یفعل و لا یحل: ۴۹۰/۳، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۸/۵، رشیدیه)

وفی شرح الفقه الأکبر: "و فی المحیط: من رضی بکفر نفسه، فقد کفر: أی إجماعاً" (فصل فی الکفر صریحاً و کنایة، ص: ۱۷۹، قدیمی)

(۲) (البحر الرائق المصدر السابق)

(و کذا فی شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، فصل فی الکفر صریحاً و کنایةً، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، قدیمی)

باللّٰه أو عزم على أن يأمره بكفر". شرح فقه اكبر: ۱۸۸ (۱)۔

زبان سے قصداً کلمۂ کفر کا نکالنا بھی کفر ہے اگر چہ دل میں اسلام ہو(۲) چہ جائے کہ مہینہ دو مہینہ تک کفر میں داخل رہنا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ شعبان/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ شعبان/ ۵۷ھ۔

تارک صلوۃ کا حکم

سوال [۵۷۵]: جو مسلمان نماز نہ پڑھتا ہو وہ حدیث "من ترك الصلوة متعمداً، فقد كفر" (۳) کے ماتحت مسلمان کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا، دوستی رکھنا یا میل جول پیدا کرنا اور اس کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہے، یا نماز کو استخفاف و اہانت کی نیت سے ترک کرتا ہے، یا بلا عذر نماز ترک کرتا ہے اور قضا کی نیت نہیں رکھتا اور خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتا، وہ شخص شرعاً کافر ہے۔ اور جو شخص خدا کے عذاب سے ڈرتا ہے، قضا کی نیت رکھتا ہے، فرضیت کا منکر نہیں بلکہ معتقد ہے، نماز کی تحقیر و اہانت نہیں کرتا،

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر لملا على القاري، استحلال المعصية و لو صغيرةً كفر، ص: ۱۵۳، قديمی)

(۲) "في حاوي الفتاوى: من كفر باللسان، وقلبه مطمئن بالايمان، فهو كافر، و ليس بمؤمن عند اللّٰه، انتهى". (شرح الفقه الأكبر، مطلب في إيراد الألفاظ المكفرة، ص: ۱۶۵، قديمی)

(۳) "تارک صلوۃ عمداً کی تکفیر امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، جمہور کا مذہب یہ نہیں، بلکہ وہ اس کا محل یہ بتلاتے ہیں کہ یا تو مراد انکارِ وجوب ہے، یا استخفافاً واستہزاءً ترک ہے اگر چہ معترف وجوب ہو" وتمسك بظاهر الحديث أيضاً الحنابلة و من قال بقولهم من أن تارك الصلوة يكفر .... و أما الجمهور فتأولوا الحديث .... فقيل: المراد من تركها جاحداً لوجوبها، أو معترفاً لكن مستخفاً مستهزئاً بمن أقامها". (فتح الباري، كتاب مواقيت الصلوة، باب من ترك العصر: ۲/ ۴۱، قديمی)

البتہ سستی یا غضب کی وجہ سے کبھی وقت سے ٹلا دیتا ہے تو ایسا شخص شرعاً کافر نہیں اگر چہ وقت پر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے(۱)۔

"هي فرض عين على كل مكلف، و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانة: أي تكاسلاً فاسق"۔ اهـ در مختار: ۱/۳٦۳ (۲) "و(يكفر) بترك الصلوة متعمداً غير ناوٍ للقضاء وغير خائف من العقاب"۔ اهـ بحر: ۵/۱۲۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

تارک صلوۃ کا حکم

سوال[۵۷٦]: تارک صلوۃ کس کو کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو شخص وقت پر نماز نہ پڑھے، اس کو کوئی عذر بھی نہ ہو، قضاء پڑھنے کا بھی ارادہ نہ رکھتا ہو، اور اس پر عتاب کا بھی ڈر نہ ہو تو وہ تارک صلوۃ ہے، فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے: " من ترك الصلوة " الحدیث(۴) کا

(۱) اور یہی حدیث مذکور سوال کا محمل ہے کما تقدم۔

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد كراچى)

وفي فتح القدير: "من أنكر شرعيتها (أي الصلوة)، كفر بلا خلاف". (كتاب الصلوة: ۱/۲۱۷، مصطفى البابي الحلبي)

(۳) (كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰٦، رشيديه)

(۴) "لم أجده بهذا اللفظ إلا في الجامع الصغير للسيوطي بلفظ: "من ترك الصلوة متعمداً، فقد كفر جهاراً" و رمز له بالصحة". (راجع فيض القدير: ۱۱/۵۷۳۸، رقم: ۸۵۸۷، مكتبه نزار مصطفى الباز)

و في رواية مسلم: "بين العبد و بين الكفر ترك الصلوة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، قبيل الفصل الثاني، ص: ۵۸، قديمى)

"ثم من التأويلات أن يكون مستحلاً لتركها، أو تركها يؤدي إلى الكفر، فإن المعصية بريد الكفر، أو يخشى على فاعلها أن يموت كافراً، أو فعله شابه الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، قبيل الفصل الثاني: ۲/۲۷۲، حقانيه)

مصداق اسی کو قرار دیا ہے۔ "(أی کفر) بترك الصلوة متعمداً غیر ناوٍ للقضاء و غیر خائف للعقاب".
مجمع الأنہر:۱/۷۰۲(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

تارک صلوۃ کا حکم

سوال[۵۷۷]: تارك الصلٰوة عمداً یا استخفافاً کی عورت مطلقہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

تارک الصلوۃ عمداً فاسق و فاجر ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافر نہیں اور تارک الصلوۃ استخفافاً کافر ہے(۲)، نماز تو فرض عین اورام العبادات ہے، اگر کسی فعل مسنون کی بھی من حیث السنۃ اہانت کرے تو کافر ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور تجدید نکاح اور تجدید ایمان نہ کرے تو آئندہ کو اولاد حرامی ہوگی(۳)۔

"لو قال لآخر : أقلم الأظفار، فإنه سنة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقال الرجل: لا أفعل ذلك وإن كان سنةً، يكفر، (إلى أن قال) :لأنه استخف بالسنة "۔ خلاصة: ۳۸٦/٤(٤)۔

"وارتداد أحدهما (الزوجين) فسخ عاجل". در مختار هامش: ٦٤٣/٢ (٥) واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

---

(۱) (كتاب السير والجهاد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع : الثالث في القرآن والأذكار والصلوة : ۵۰۸/۲، غفاريه)

(وكذا في البحر، كتاب السير، باب احكام المرتدين : ۲۰٦/۵، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان:''تارک صلوۃ کا حکم'')

(۳) "ما يكون كفراً اتفاقاً، يبطل العمل والنكاح و أولاده أولاد الزنا". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد : ۲۴٦/۴، ۲۴۷، سعيد كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل باب العاشر في البغاة : ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۴) (كتاب ألفاظ الكفر، الجنس الثالث فيما يقال في الأنبياء عليهم السلام : ۳۸٦/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالأنبياء : ۲٦۵/۲، رشيديه)

(۵) (كتاب النكاح، باب نكاح الكافر : ۱۹۳/۳، سعيد) .... =

نماز کے عبادت ہونے سے انکار کا حکم

سوال[۵۷۸]: مولانا بی اے منشی فاضل صاحب فرماتے ہیں ''نماز عبادت نہیں''، اگر نماز عبادت نہیں تو آپ صاحبان تحریر فرماویں تو کیا عبادت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نماز بہت بڑی عبادت بلکہ ام العبادات ہے، اسلام کی بنیاد جن پانچ ارکان پر ہے ان میں سے نماز بہت بڑا رکن ہے۔

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الاسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله، و إقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والحج، و صوم رمضان " متفق عليه "۔(۱) (مشكوة المصابيح ص: ۱۲)(۲)۔

و في حديث طويل : "عن معاذ رضى الله تعالىٰ عنه: ثم قال: "ألا أدلك برأس الأمر، و عموده، و ذروة سنامه"؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: "رأس الأمر الإسلام، وعموده الصلوة، و ذروة سنامه الجهاد الخ"(مشكوة المصابيح، ص: ۱٤) (۳)۔

نماز کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے(۴)، اس کا منکر کافر ہے(۵)، اس کے ساتھ استہزا کفر ہے(۶)، اس کا تارک فاسق ہے(۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم الحرام/۵۶ھ۔

= (وكذا في الخلاصة، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني في ألفاظ الكفر، ما يكون كفراً الخ : ۴/۳۸۳، رشيديه)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : بني الإسلام على خمس : ۱/۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب أركان الإسلام و دعائمه العظام : ۱/۳۲، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، ص: ۱۲، قديمي)

(۳) (مشكوة المصابيح ،كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۴، قديمي)............ =

کیا نماز دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے؟

سوال[۵۷۹]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مرشد صاحب رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''نماز کیا، جو آدمی رات دن محنت ومزدوری کرتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ہے، کیا یہ نماز نہیں ہے''؟ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے قبر پر سجدہ کرایا، میں قسم کھاتا ہوں کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اندر ہی اندر اللہ سے ڈرتا رہا، اپنی غلطی سے بے حد نادم ہوں، یہ شخص کوئی عالم وفاضل نہیں ہیں بلکہ پہلے زندگی ایک فلمی ہیرو کی طرح گزاری اور اب پیر بن گئے ہیں۔ حضرت والا! مجھے سچی توبہ کا راستہ بتلادیجئے، تاکہ گمراہی سے بچوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن مرشد کے آپ نے حالات لکھے ہیں وہ ہدایت کے مرشد نہیں بلکہ ضلالت کے مرشد ہیں، یعنی

= (۴) قال الله تعالیٰ: ﴿وأقيموا الصلوة و آتوا الزكوة، واركعوا مع الراكعين﴾ (البقرة : ۴۳)

وقال تعالیٰ : ﴿منيبين إليه واتقوه وأقيموا الصلوة و لا تكونوا من المشركين﴾ (الروم : ۳۱)

(۵) "من قال : لا أصلي جحوداً، أو استخفافاً، أو على أنه لم يؤمر، أو ليس بواجب، انتهى، فلا شك أنه كافر". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القراءة والصلوة، ص: ۱۷۰، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالقرآن الخ : ۲۶۸/۲، رشيديه)

(وكذا وفي التاتارخانية : كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة الخ : ۴۹۴/۵، إدارة القرآن)

وفي الدر المختار: "هي (الصلاة) فرض عين على كل مكلف .... و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي". (كتاب الصلوة : ۳۵۲/۱، سعيد)

(۶) "قال: يصلي الناس لأجلنا، كفر، لأجل إعتقاد أن الصلوة المكتوبة فرض كفاية، أو أراد به استهزاءً أوسخريةً". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القرآة والصلوة، ص: ۱۷۱، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة الخ : ۴۹۶/۵، ادارة القرآن)

(۷) "و تاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق". (الدر المختار، كتاب الصلوة : ۳۵۲/۱، سعيد)

ہدایت کے راستہ سے ہٹا کر گمراہ کرنے والے ہیں، ان کا کام جنت کے راستہ پر چلانا نہیں، بلکہ دوزخ کے راستہ پر چلانا ہے۔ آپ کے استاذ نے قبر پر سجدہ وطواف وغیرہ کیا تو وہ بھی غلط طریقہ اختیار کیا، تعلیمات اسلام کے خلاف کیا، ان کی نیت کا حال ہم نہیں جانتے، صراحۃً یہ ضرور شرک ہے، دوسرے دیکھنے والے بھی اس سے گمراہ ہوں گے۔ آپ نے بھی سخت غلطی کی، معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (۱) آپ اپنی نیت کی وجہ سے شرک حقیقی سے اگرچہ بچ گئے لیکن قبر کو سجدہ کرنا بھی صورۃً شرک ہوا (۲)، دیکھنے والوں نے بھی یہی سمجھا کہ آپ نے قبر کو سجدہ کیا ہے، مٹی پر مصلی بچھا کر خدا کو سجدہ نہیں کیا، نہ اس مقصد کے لئے ان گمراہ مرشد نے آپ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ بہر حال سخت معصیت کا صدور ہوا، سچے دل سے توبہ کیجئے، استغفار پڑھئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں نے قبر کو سجدہ نہیں کیا، نہ قبر کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا ہوں، بلکہ قبر کو سجدہ کرنا معصیت اور شرک سمجھتا ہوں، گمراہ مرشد کے کہنے سے جو صورت پیش آئی اس سے توبہ کرتا ہوں (۳) توبہ کی تکمیل کے لئے کچھ صدقہ بھی دے دیجئے، کچھ روزے بھی رکھ لیجئے تاکہ آئندہ ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو، سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں؛ لقوله تعالى: ﴿إني لغفار لمن تاب﴾ الآیۃ (۴) امید ہے کہ اس کو بھی معاف فرمائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، ص: ۳۲۱، قديمي)

(۲) "و ما يفعله من السجود بين يدي السلطان، فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه أشبه بعَبَدة الأوثان، وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية، وقال شمس الأئمة السرخسي: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۳۶۴/۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا و بيّنوا، فأولئك أتوب عليهم، و أنا التوّاب الرحيم﴾ (البقرة: ۱۶۰)

"قال العلامة الآلوسي تحتها:" أي أظهروا ما بيّنه الله تعالىٰ للناس معاينةً، و بهذين الأمرين تتم التوبة، وقيل: أظهروا ما أحدثوه من التوبة ليمحوا سمة الكفر عن أنفسهم و يقتدى بهم أضرابهم، فإن إظهار التوبة ممن يقتدى به شرط فيها على ما يشير بعض الآثار". (روح المعاني: ۲۸/۲، دار إحياء التراث العربي)

(۴) (طه: ۸۲)

جو شخص نماز کے لئے اٹھنے سے انکار کرے اس کا حکم

سوال: زید کو نماز کے لئے اٹھایا گیا کہ "وقت ہو گیا، نماز کو نہیں جاؤ گے"؟ تو اس کو ناگوار معلوم ہوا، چونکہ وہ سو رہا تھا، اس حالت میں اس نے کہہ دیا "کہ نہیں جاؤں گا"۔ تو اس صورت میں تجدیدِ ایمان کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا تجدید نکاح کی بھی ضرورت پڑے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی صورت میں تجدید ایمان و نکاح کی ضرورت نہیں (۱) توبہ و استغفار کرتا رہے، کیونکہ اس کا مقصد فرضیتِ نماز سے انکار نہیں بلکہ اس وقت اٹھنے سے انکار ہے یعنی کچھ دیر میں نیند پوری ہونے پر پڑھوں گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "ثم إن كانت نية القائل الوجه الذی يمنع التكفير، فهو مسلم". (التاتارخانية: كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۲) "وفي واقعات الناطفي: قال محمدؒ: قول الرجل: "لا أصلی" يحتمل أربعة أوجه: أحدها: لاأصلی؛ لأنی صليت، والثانی: لا أصلی بأمرک، فقد أمرنی بها من هو خير منک، والثالث: لا أصلی فسقاً و مجانةً، فهذه الثلاث ليس بكفر، والرابع: لا أصلی؛ إذ ليست تجب علیّ الصلوة، أو لم أومربها، جحوداً بها، و في هذا الوجه يكفر، و قال الناطفي: إذا أطلق فقال: لا أصلی، لا يكفر لاحتمال هذه الوجوه". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة الخ: ۴۹۴/۵، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالقرآن الخ: ۲۶۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثانی، النوع التاسع فيما يقال في القرآن والأذكار والصلوة: ۳۴۰/۶، رشيديه)

سید ہونے کی وجہ سے حرام کو حلال سمجھنا

سوال[۵۸۱]: ہمارے یہاں ایک سید ہے اس نے ایک دن کہا کہ ''میں سید ہوں ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام بھی ہمارے لئے جائز ہے اور ہمارے نانا یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری شفاعت کردیں گے، لہذا آپ کو میرے حق میں کوئی بات کہنے کی گنجائش نہیں''۔ تو کیا اس قسم کے الفاظ بولنے سے یہ آدمی کافر ہوگیا یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

زنا اور شراب کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہے، اس کا انکار کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، کذا فی إکفار الملحدین (۱)، اس لئے ان سید صاحب کو ایسا کہنا اپنے ایمان کو تباہ کرنا ہے۔ سید ہونے کی

---

(۱) قال الله تعالیٰ :﴿و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً و ساء سبيلاً﴾ (الاسراء : ۳۲)

وقال تعالیٰ :﴿ إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾. (المائدة : ۹۰)

قال ابن نجيم في البحرالرائق : "و لا بقوله لحرامٍ : هذا حلال .... والأصل : أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لا يكفر، و إن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا. وقيل : التفصيل في العالم، أما الجاهل، فلا يفرق بين الحلال والحرام لعينه و لغيره، و إنما الفرق في حقه أن ما كان قطعياً، كفر به، و إلا فلا يكفر إذا قال: الخمر ليس بحرام .... و بتمنيه أن لم يحرم الظلم والزنا و القتل بغيرحق وكل حرام لا يكون حلالاً في وقت بخلاف الخمر و مناكحة المحارم ". (البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۸/۵، ۲۰۲، رشيديه

وفي التاتارخانية : إذاقال: الخمر ليست بحرام، فهو كافر. والمسألة منصوصة عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ". (كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالحلال والحرام : ۵۰۵/۵، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالحلال والحرام: ۲۷۲/۲، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً، الفصل السابع في كلام الفسقة : ۳۳۴/۲، رشيديه)

حیثیت سے تو ان کو زیادہ طاعت لازم ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاب فرمایا ہے کہ: ''مجھ سے کچھ روپیہ لینا ہو تو لے لو مگر اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ نبی کی بیٹی ہوں، آخرت میں اپنا عمل ہی کام آئے گا'' (۱)، پھر کسی اور کی کیا مجال ہے کہ سید ہونے پر گھمنڈ کر کے بے مہار ہو جائے اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے لگے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

حرام کو حلال سمجھنا

سوال [۵۸۲]: سائل کی منکوحہ کو زید نے اپنی خواہشات و حرام کاری کے لئے اغوا کر لیا اور سائل کے حق نکاح کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا نکاح باطل کر کے اپنے آپ کو مسلمان خیال کرتا ہے اور میری عورت کو جو اس پر حرام ہے حلال سمجھتا ہے، کیا ایسے شخص کی امامت، ذبح، شہادت وغیرہ درست ہے یا نہیں؟ اور یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوا کہ نہیں؟ مسلمان ایسے شخص سے ترک موالات کریں کہ نہیں؟ اور جو شخص ایسے سے ترک تعلق نہ کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جانتے بوجھتے منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنا قطعاً حرام ہے (۲) اور اس سے مباشرت کرنا زنا ہے، اگر سزائے زنا کی شرائط موجود ہوں تو اس پر حدِ زنا جاری کی جائے، فوراً دونوں میں جدائی لازم ہے، جب تک جدائی کر کے سچی توبہ نہ کرے ایسے شخص کو امام ہرگز نہ بنایا جائے، ایسے شخص کی شہادت بھی قبول نہیں۔ مگر اس پر کفر کا حکم

---

(۱) "أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين أنزل الله: ﴿و أنذر عشيرتك الأقربين﴾ قال: .... "و يا فاطمة بنت محمد! سليني ما شئت من مالي، لا أغني عنك من الله شيئاً". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الشعراء: ۲/۷۰۲، قديمي)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السادس، المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔ ارتکاب حرام سے مطلقاً آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ حرام لعینہ کو حلال اعتقاد کرنے سے کافر ہوتا ہے جب کہ حرمت نص قطعی سے ثابت ہو، کذا فی شرح العقائد (۱) و شرح الفقہ الأکبر (۲) والطحطاوی شرح مراقی الفلاح (۳)۔ اگر بغیر قطع تعلق کے اصلاح نہ ہوسکے تو قطع تعلق کردیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۸۸ھ۔

حرام کو حلال سمجھنا

سوال [۵۸۳]: ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فعلِ حرام کو حرام سمجھ کر کرے تو کافر نہیں ہوتا ،اس گناہ کبیرہ کی وجہ سے فاسق ضرور ہو جاتا ہے، مگر کسی فعل حرام کو حلال سمجھ کر مرتکب ہو تو وہ مرتکب کافر ہے۔ کیا ہمارا یہ عقیدہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فعل حرام کو حرام سمجھ کر غلبۂ شہوت یا سستی وغیرہ کی وجہ سے اگر کوئی مسلمان کرے تو وہ اہلِ سنت

---

(۱) "والكبيرة...... فروى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنها تسعة : الشرك بالله الخ .... لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان، لبقاء التصديق الذى هو حقيقة الإيمان .... و لا تدخله فى الكفر .... والله تعالىٰ لا يغفر أن يشرك به .... و يغفر ما دون ذلك من الصغائر والكبائر مع التوبة أو بدونها، .... و يجوز العقاب على الصغيرة .... والعفو عن الكبيرة ..... إذا لم تكن عن استحلال، و الإستحلال كفر؛ لمافيه من التكذيب المنافي للتصديق". (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۲-۸۷، المطبع اليوسفي لكنو)

(۲) (تقدم تخريجه من شرح الفقه الأكبر لملا على القارئ تحت عنوان "تجدید ایمان اور تجدید نکاح کی ضرورت کب ہوتی ہے"؟) فليراجع.

(۳) "واعلم أن المستحل لا يكفر إلا إذا كان المحرّم حراماً لعينه، و ثبتت حرمته بدليل قطعي و إلا فلا". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، خطبة الكتاب، ص: ۶، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/ ۲۰۶، رشيديه)

والجماعۃ کے نزدیک ایمان سے خارج نہیں ہوتا جب تک حکم شریعت کا استخفاف نہ پایا جائے۔

"والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان و لا تدخله في الكفر". شرح عقائد، ص:۸۲(۱)۔

اگر حرام لعینہ کو جس کی حرمت قطعی ہو حلال سمجھے گا تو کافر ہو جائے گا:

"والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمالَ الغير، لا يكفر، وإن كان لعينه فإن كان دليله قطعياً، كفر، و إلا فلا". بحر:۵/۱۲۲(۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبد الرحمٰن غفرلہ، صحیح: سعید احمد مدرس مظاہر علوم، ۵۲/۲/۱۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۲/۲۰ھ۔

حلال کو حرام سمجھنا

سوال [۵۸۴]: ایک امام صاحب حلال کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو بھی حلال کہتے ہیں تو اس کی اقتداء ٹھیک ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو شی حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہو، اس کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے، اسی طرح اس کے عکس کا حکم ہے، اگر اس شی کی حرمت لعینہ نہیں یا قطعی الثبوت نہیں یا قطعی الدلالت نہیں، تو اس کو حلال سمجھنا کفر نہیں بلکہ فسق ہے، بہر دو صورت جس امام کی یہ حالت ہو وہ امامت کے لائق نہیں اس کو امامت سے علیحدہ کر کے کسی دوسرے پابند شرع اور اہل حق کو امام مقرر کرنا چاہئے۔

"من اعتقد الحلال حراماً أو على القلب، يكفر إذا كان حراماً لعينه و ثبتت حرمته

---

(۱) (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۲، ۸۳، المطبع اليوسفي لكنو)

(شرح الفقه الأكبر لملا على القارى، ص: ۱۷، قديمى)

(و كذا فى كتاب شرح الفقه الأكبر لأبى المنتهى أحمد بن محمد، ص: ۱۳۹، ۱۴۰، دولة قطر)

(۲) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيديه)

بدلیل قطعی، أما إذا کان حراماً لغیره بدلیل قطعی، أو حراماً لعینه بخبر الأحاد، لا یکفر إذا اعتقده حلالاً". اھ طحطاوی، ص: ۸٤ (۱)۔

"من اعتقد الحرام حلالاً أو علی القلب، یکفر، أما لو قال لحرام: هذا حلال لترویج السلعة أوبحکم الجهل لا یکون کفراً، و فی الاعتقاد هذا إذا کان حراماً لعینه، وهو یعتقده حلالاً حتی یکون کفراً، أما إذا کان حراماً لغیره فلا فیما إذا کان حراماً لعینه، إنما یکفر إذا کانت الحرمة ثابتة بدلیل مقطوع به، أما إذا کانت بأخبار الأحاد فلا یکفر، کذا فی الخلاصة اھ". (فتاوی عالم گیری، ص: ۲۸۲) (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۷/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۲/۶۱ھ۔

محرمات میں آپس میں فرق

سوال[۵۸۵]: حرام حرام سب برابر ہیں یا ان میں کمی بیشی ہے مثلاً ایک شخص شراب پیتا ہے یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہے۔ دوسرا شخص اس کے ساتھ معازف ومزامیر کے ساتھ قوالی بھی سنتا ہے تو دونوں کے گناہوں میں فرق ہے یا دونوں برابر ہیں؟ ایک شخص معازف ومزامیر کے ساتھ گانا گاتا ہے یا اس میں اعانت کرتا ہے یا

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، باب الحیض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۳۸، قدیمی)

(۲) (کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بالحلال والحرام الخ: ۲۷۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۶/۵، رشیدیه)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً الخ: الفصل الثانی فیما یکون کفراً من المؤمن و ما لا یکون، النوع الأول فی المقدمة: ۳۲۱/۶، رشیدیه)

(و خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی الخ، الجنس الأول فی المقدمة: ۳۸۳/۴، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

اس پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے یا اس کو جائز بتاتا ہے۔ یا جو شخص قوالی سے منع کرے، اس کو غلط بتاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص شراب اور خنزیر کو خود استعمال کرتا ہے یا دوسروں کو کھلاتا پلاتا ہے یا اس میں مدد کرتا ہے یا لوگوں کو اس پر آمادہ کرتا ہے یا اس سے خوش ہوتا ہے یا اس کو جائز بتاتا ہے، لوگوں کو رغبت دلاتا ہے اور منع کرنے والے کو غلط بتاتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ مثلاً: رمضان میں بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھیں جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو یا ہم ایسی مشقت کیوں جھیلیں یا کوئی شخص جھوٹ بول رہا ہے، اگر کسی نے زنا کرلیا یا شراب پی لیا تو یہ جھوٹ بولنے والا ہی ملامت کرتا ہے۔ کسی نے شراب پی ہوگی یا زنا کیا ہوگا تو ایک دفعہ دو دفعہ کیا ہوگا مگر یہ جھوٹ بولنے والا تو دن بھر جھوٹ بولتا ہے لیکن وہ اپنے گناہ کو گناہ خیال ہی نہیں کرتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس چیز کو قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا اور اس کی حرمت لعینہ ہے وہ اپنی حرمت کے لحاظ سے شدید ہے حتی کہ اس کو حلال اعتقاد کرنے پر تکفیر کی گئی ہے جیسا کہ شرح عقائد (۱) طحطاوی (۲) اور بحر (۳) وغیرہ میں مذکور ہے، ایسا بھی ہے کہ ایک چیز کی حرمت نص قطعی میں مذکور نہیں مگر اس سے پیدا ہونے والے مفاسد بہت ہیں، اس اعتبار سے اس کی حرمت بھی خوفناک ہوجاتی ہے، بعض اوقات خود ایک حرام کا ارتکاب بہت سے محرمات کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اس لحاظ سے وہ مجموعۂ محرمات ہوتا ہے اگرچہ اس کی حرمت صاف صاف منصوص نہیں، بعض دفعہ ایک حرام کے ارتکاب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ حرام میں مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ

---

(۱) "و استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفر، إذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي ...... وعلى هذه الأصول يتفرع ما ذكر في الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كانت حرمته لعينه و قد ثبت بدليل قطعي، يكفر، و إلا فلا بأن يكون حرمته لغيره، أو ثبت بدليل ظني". (شرح العقائد، ص: ۱۲۰، المطبع اليوسفي لكنو)

(۲) " من اعتقد الحلال حراماً أو على القلب، يكفر إذا كان حراماً لعينه، و ثبتت حرمته بدليل قطعي، أما إذا كان حراماً لغيره بدليل قطعي أو حراماً لعينه بخبر الأحاد، لا يكفر إذا اعتقده حلالاً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض و النفاس و الاستحاضة، ص: ۱۳۸، قديمي)

(۳) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۶/۵، رشيديه)

بہت ہی باعث انسداد ہے، جس جگہ جس قسم کی حرمت ہوگی اس پر اس کی حیثیت سے نکیر کی جائے گی، نکیر کرنے والے کی حیثیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس لئے سب کا ایک حکم نہیں اس لئے بعض محرمات پر حد ہے، بعض پر حبس ہے، بعض پر تعزیر ہے، وہ بھی مختلف ہے حتی کہ تعزیراً بعض صورتوں میں قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے(۱)۔

رمضان المبارک کے متعلق جو جملہ سوال میں مذکور ہے اس پر تکفیر کی گئی ہے، بعض محرمات پر صرف توبہ واستغفار کا حکم ہے۔ ابوابِ فقہیہ کے مطالعہ سے سب تفصیلات سامنے آتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۲۹ھ۔

حرام مال سے دعوت اور اس پر بسم اللہ

سوال[۵۸۶]: زید کو بینک کے ملازم کی دعوت پر جب یہ کہا گیا کہ بعض اہل علم ہمارے کھانے کو حرام قرار دیتے ہیں تو زید جو کہ صوفی مشہور ہے اس نے فوراً "باسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الأرض و لا فی السماء وھو السمیع العلیم" پڑھ کر کھانا شروع کر دیا اور ان اہل علم پر جو کہ ایسی دعوت کو نا جائز قرار دیتے ہیں غلطی کا حکم جاری کر دیا۔ تو زید کا یہ قول شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا اس کی تکفیر کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو چیز حرامِ محض ہو اس کی حرمت پر اجماع ہو اور اس کی حرمت ضروریات دین سے ہو، اس کو حلال

---

(۱) "یحد مسلم .... شرب الخمر و لو قطرةً الخ" (الدرالمختار، کتاب الحدود: ۴/۳۷، سعید)

"و لا یحد ...... بوطء دبر، و قالا: إن فعل فی الأجانب حُدّ، .... و فی الفتح: یعزر و یسجن حتی یموت أو یتوب، و لو اعتاد اللواطة، قتله الإمام سیاسةً". (الدر المختار، کتاب الحدود: ۴/۲۶، ۲۷ سعید)

"فإنہ: أی التعزیر شرعاً لا یختص بالضرب، بل قد یکون بہ و قد یکون بالصفع و بفرک الأذن......... و یکون التعزیر بالقتل". (مجمع الأنھر، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱/۶۰۹، دار احیاء التراث العربی)

"قال ابن القیم: إن المعاصی ثلاثة أنواع: نوع فیہ الحد و لا کفارة، کالسرقة و الشرب و الزنا والقذف .... و العقوبات التعزیریة کالتوبیخ والحبس والضرب .... والقتل سیاسةً لمعتادی الأجرام". (الفقہ الإسلامی، الحدود: ۷/۵۳۰۱، رشیدیہ)

اعتقاد کرنا کفر ہے(۱) اور اس چیز پر بسم اللہ پڑھنے سے بھی فقہاء نے تکفیر کی ہے:

" من قال عند ابتداء شرب الخمر أو الزنا أو أكل الحرام: بسم الله، كفر۔ وفيه (أى التتمة) أنه ينبغى أن يكون محمولاً على الحرام المحض المتفق عليه و أن يكون عالماً بنسبة التحريم إليه بأن يكون حرمته مما علم من الدين بالضرورة الخ"۔ (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۰۸)(۲)۔

صورتِ مسئولہ میں ممکن ہے کہ داعی نے زید کے سامنے حلال پیش کیا ہو، مثلاً قرض لے کر یا اس کو وراثت میں ملا ہو، عموماً مقتدا کی دعوت میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ حلال مال سے ان کی دعوت کی جاتی ہے اگرچہ داعی کے پاس حرام مال موجود ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ داعی کے پاس حلال وحرام دونوں قسم کا مخلوط مال ہو اور جب زید سے کہا گیا تو اس نے اس نیت سے کہ اگر اس میں کچھ حرام بھی ہو تو اللہ پاک اس کے مضر اثرات سے محفوظ رکھے " بسم الله الذى لا يضر الخ " پڑھ کر کھانا شروع کر دیا ہو، اس لئے اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ یہ مال حرام لنفسہ تھا اور اس کی ایسی حرکت کا زید کو علم تھا اور اس نے اس پر ایسی ہی "بسم الله " پڑھی، جیسے کوئی زنا کے وقت بسم اللہ پڑھے۔ نعوذ باللہ منہا۔ جس سے استخفاف بالدین ہو اس لئے تکفیر مسلم سے مہما امکن کف اللسان والقلم ضروری ہے۔

"الكفر شيء عظيم، فلا أجعل المؤمن كافراً متىٰ وجدت روايةً أنه لا يكفر. و فى الخلاصة وغيرها : إذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير و وجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتى أن يميل إلى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم. و فى التاتارخانية : لا

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "حلال کو حرام سمجھنا")

و فى : "مالابد منه" "اگر حرام قطعی را حلال گوید، یا حلال قطعی را حرام، یا فرض را فرض نداند، کافر شود"۔ (باب كلمات الكفر، ص: ۱۲۳، مكتبه شركت علميه)

(۲) (الشرح لملا على القاريؒ على الفقه الأكبر للإمام الأعظم رحمه الله تعالىٰ، مطلب فى إيراد الألفاظ المكفرة التى جمعها العلامة البدر الرشيدؒ ص: ۱۶۹، قديمى)

و فى : "مالا بد منه" اگر کسے بسم اللہ گفتہ شراب خورد، یا زنا کرد، کافر شود، وہمچنیں اگر بسم اللہ گفتہ حرام خورد"۔

(باب كلمات الكفر، ص: ۱۳۴، مكتبه شركت علميه)

یکفر بالمحتمل؛ لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایةً فی الجنایة، ومع الاحتمال لا نهایة الخ"۔ بحر: ۱۲٤/٥(۱)۔

مدعوکو بھی لازم ہے کہ ایسے قول وفعل سے اجتناب کرے جس سے استخفاف بالدین کا شبہ پیدا ہوکر موجبِ تشویش ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۴ھ۔

حلال حرام مخلوط مال پر بسم اللہ

سوال[۵۸۷]: اگر کھانے میں کم مال حرام ہو اور زیادہ حلال ہو تو بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے یا اس کا برعکس ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مخلوط پر بسم اللہ پڑھنے میں مضائقہ نہیں، حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے کو فقہاء نے کفر لکھا ہے (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی الخ، الجنس الأول فی المقدمة: ۳۸۲/۴، رشیدیه)

(والتاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمة الکفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(۲) "وفی التتمة: من قال عند ابتداء شرب الخمر أو الزنا أو أکل الحرام: بسم الله، کفر، و فیه: أنه ینبغی أن یکون محمولاً علی الحرام المحض المتفق علیه، و أن یکون عالماً بنسبة التحریم إلیه وبأن تکون حرمته مما علم من الدین بالضرورة کشرب الخمر". (شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری، فصل فی القرآءة والصلوة، ص: ۱۲۹، قدیمی)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فیما یتعلق بالأذکار: ۴۹۹/۵، إدارة القرآن)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع، موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بالحلال والحرام: ۲۷۳/۲، رشیدیه)

خدائی کا دعویٰ

سوال[۵۸۸]: ایک حافظ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے کہ ”یہاں کے لڑکے ہرگز پڑھ نہیں سکتے، اگر پڑھ لیں تو مجھے زندہ گاڑ دینا“ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص غیب کی باتیں جانتا ہے جب کہ سوائے خدا کے کسی کو غیب کا علم نہیں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب لڑکے بدشوق ہوں اور والدین کو پڑھانے کا شوق نہ ہو تو استاذ کی سب محنت بیکار جاتی ہے، اس سے پریشان ہو کر استاذ کہہ دیں کہ یہاں کے لڑکے ہرگز نہیں پڑھ سکتے تو یہ خدائی کا دعویٰ نہیں، نہ یہ علم غیب کا دعویٰ ہے بلکہ حالت کا اندازہ عموماً کر کے رائے قائم کی جایا کرتی ہے(۱)۔ اس لئے اس بات کی وجہ سے حافظ کو برا نہ کہا جائے، نہ کوئی اَور غلط معاملہ کیا جائے بلکہ ان کا ادب واحترام کیا جائے (۲) اور بچوں کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، حافظ صاحب کو چاہئے کہ ایسی باتیں کہہ کر ان کو مایوس اور بددل نہ کریں، خود محنت کریں اور خدا سے دعا مانگیں کہ وہ ان کی محنت کو کامیاب فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۸ھ۔

---

(۱) ”و ذكر في جامع الفصولين مسئلةً بالفارسية، حاصلهافيما لو تزوجها بلا شهود، و قال إن الله و رسوله ...... يشهد ان، أنه يكفر؛ لأنه اعتقد أن الرسول ...... يعلم الغيب، ثم استشكل ذلك بما أخبربه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من المغيبات و كذا ما أخبربه عمر و غيره من السلف، ثم أجاب بأنه يمكن التوفيق بأن المنفي هو العلم بالاستقلال لا العلم بالإعلام أو المنفي هو المجزوم لا المظنون، و يؤيده قوله تعالىٰ: ﴿أتجعل فيها من يفسد فيها﴾ الآية؛ لأنه غيب أخبربه الملائكة ظناً منهم .... إذ لا منافاة بينه و بين الآية لما مر من التوفيق“. (سل الحسام الهندى .... في ضمن رسائل ابن عابدين: ۳۱۱/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۱، قديمی)

(۲) ”فصل في كيفية النظر إلى المسلمين بعين العظيم والاحترام ...... فإنه إذا نظر من هو ...... أعلم ...... فيحترمه ويعظمه ويرى فضله عليه وسبقه“. (المدخل لابن الحاج: ۳۲۳/۳، مصطفىٰ البابى، مصر)

پیر صاحب کا دعوائے الوہیت

سوال[۵۸۹]: کوئی پیر کہے کہ مرید اگر مجھے خدا سمجھ کر مان رہا ہے تو میں اس کے نزدیک خدا ہوں تو ایسا شخص جو پیر کو خدا کہے گناہگار ہوگا یا نہیں؟ اور اس پر راضی ہونے والا کس گناہ کا مرتکب ہوگا؟

۲......محفل میلاد شریف میں شریک ہو کر "یا غوث" کہہ کر چیخنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... یہ شرک ہے (۱) نہ مرید کا پیر کو خدا سمجھنا درست ہے، نہ پیر کا مرید کو اس کی تعلیم دینا یا اس سے راضی ہونا درست ہے، ایسی حالت میں دونوں مشرک ہوں گے، ایسے پیر سے بے تعلق ہونا لازم ہوگا۔

۲...... یہ ناجائز ہے، ایک قسم کا شرک ہے (۲)، ایسی محفل میں شرکت نہ کی جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

---

(۱) "رجل قال: مرا بر أسمان خدا است، و بر زمین تو، یکون کفراً". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب السیر، باب مایکون کفراً من المسلم و ما لا یکون، مطلب : و من ألفاظ الکفر بالفارسیة : ۵۷۸/۳، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع، موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بذات الله تعالیٰ : ۲۵۹/۲، رشیدیه)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً الخ : الفصل الثانی النوع الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۳۲۱/۶، رشیدیه)

(۲) ایسے الفاظ "یا غوث" وغیرہ اکثر اس عقیدے سے کہے جاتے ہیں کہ یہ حضرات ان مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور علم غیب جانتے ہیں اور یہ شرک و کفر ہے۔

قال فی البحر الرائق : "قال علمائنا : من قال : أرواح المشایخ حاضرةٌ تعلم یکفر". (کتاب السیر، باب أحکام المرتدین : ۲۰۹/۵، رشیدیه)

(والبزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً الخ : الفصل الثانی النوع الثانی فیما یتعلق بالله تعالیٰ: ۳۲۶/۶، رشیدیه)

(۳) "ممنوعہ غیر مشروعہ اور بدعات ضلالہ والی مجالس میں شرکت جائز نہیں"۔ (تالیفاتِ رشیدیه ، کتاب البدعات، ص: ۱۳۷، ۱۳۸، ادارہ اسلامیات لاهور)

کیا حضرت تھانوی نے اپنا کلمہ پڑھوایا تھا؟

سوال[۵۹۰]: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنا کلمہ پڑھوایا یعنی آپ کے ایک مرید خاص نے خط لکھا کہ میں سویا ہوا ہوں خواب میں کلمہ پڑھ رہا ہوں جس میں بجائے ''محمد رسول اللہ'' کے حضور کا نام یعنی ''اشرف علی رسول اللہ'' ادا کر رہا ہوں۔ بعدہ پھر مرید خاص نے تحریر فرمایا کہ اب بیدار ہوں اور کلمہ کی صحت کی کوشش کر رہا ہوں مگر پھر حضور کا نام آتا ہے، اور پھر درود شریف کی طرف رخ کیا تو "اللھم صلی علی سیدنا مولانا اشرف علی'' ہی پڑھ رہا ہوں۔

یہ رسالہ ''الامداد'' کے مضمون کا نچوڑ ہے جو کہ تھانہ بھون سے جاری ہوتا تھا، ماہ صفر ۱۳۳۶ھ، ص:۳۵ میں چھپا حضرت تھانوی نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے کہ جس کے تم پیرو ہو وہ متبع سنت ہے۔

نوٹ: میرا خیال فاسد ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی نے اس پردہ میں دعویٔ نبوت کر دیا ورنہ کفر کا حکم لگا کر توبہ کرنے کو فرماتے، بریلویوں کی تقریر سننے کے بعد یہ ساری کتابیں تلاش کرنی پڑیں اور آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امید ہے کہ ہماری بے چینی کو دور فرما کر مشکور فرمائیں گے، جوابات مدلل ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا اور آپ نے خود بھی نقل کیا ہے کہ ''مطلب یہ ہے کہ تم جس کے پیرو ہو وہ متبع سنت ہے'' آپ اس جواب پر غور کر لیں کہ جو شخص متبع سنت ہو کیا وہ دعوی نبوت کر سکتا ہے؟

اصل یہ ہے بغض و عناد انسان کی باطنی آنکھیں بند کر دیتا ہے جس کی وجہ سے دماغ خراب ہو کر سیدھے اور صاف کلام کا مطلب بھی الٹا سمجھتا ہے، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تو متبع سنت ہونے کا دعوی اور ذکر کریں اور بریلوی فضلاء اس کا مطلب یہ لیں کہ نبوت کا دعوی کیا ہے، یالعجب! صدق اللہ تعالی:

﴿لاتعمی الأبصار، ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور﴾. (الآیۃ)(۱)۔

اپنے نام کے ساتھ آپ نے قاسمی لکھا ہے، ہمارے عرف میں ''قاسمی'' وہ لکھتا ہے جس نے مدرسہ دار العلوم دیوبند میں درسِ نظامی کی تکمیل کی ہو، اگر آپ نے بھی تکمیل کی ہے تو تعجب ہے کہ یہاں رہ کر بھی اپنے اکابر دار العلوم اور ان کے مسلک کو نہیں پہچانا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کچھ وقت فارغ کر کے تشریف لائیں اور جن

(۱) (الحج: ۴۶)

مسائل میں الجھن ہے ان کو بالتفصیل سمجھ لیں۔ اگر قاسمی کا کچھ اَور مطلب ہے تو واضح کیجئے اور اپنی علمی استعداد بتادیجئے تاکہ اس کے مطابق مکاتبت کی جائے مثلاً: اگر آپ درسِ نظامی کے فارغ نہیں اور علمی استعداد کمزور ہے جیسا کہ تحریر سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر آیات واحادیث کا بغیر ترجمہ کے لکھنا یا علمی اصطلاحات کا لکھنا آپ کے حق میں مفید نہ ہوگا، آئندہ خط بھیجیں تو اس خط کو ہمراہ بھیجیں، تاکہ پوری بات سامنے رہے اور جواب تفصیل سے دیا جائے۔ فتوی پر مفتی حضرات کے دستخط ہوتے ہیں، سب علماء کے دستخط نہیں ہوتے، ہاں اگر کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اگر طبع کرنا ہو تو دوسرے حضرات کے بھی دستخط کرادیئے جاتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک خواب جس میں "لا إله إلا الله فلاں رسول الله" پڑھا

سوال[۵۹۱]: اگر کوئی شخص بجائے کلمہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کے "لا إله إلا الله اشرف علی رسول الله" پڑھے، کیا وہ مسلمان رہے گا یا کافر ہوجائے گا؟ نیز مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے اس کلمہ کو پڑھنے والا کس قسم کا گنہگار ہوگا اور بہتان لگانے کا کیا کفارہ ہے اور کیا یہ کلمہ جناب مولانا اشرف علی صاحب نے کسی سے پڑھوایا ہے یا پڑھنے کی اجازت دی ہے؟ اور "امداد الفتاویٰ" کے بارے میں تفصیل سے اگر تحریر فرمائیں گے تو عین نوازش ہوگی کہ حقیقت حال کیا ہے، بار بار غلط کلمہ پڑھنے والا مسلمان رہے گا یا نہیں، چاہے ورغلانے کے لئے پڑھا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اقدس رسول مقبول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں(۱)، جو شخص آپ کے بعد کسی کو بھی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحدٍ من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين، و كان الله بكل شيء عليماً﴾. (الأحزاب: ۴۰)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالیٰ تحتها: "فهذه الأية نص في أنه لا نبي بعده، و إذا كان لا نبي بعد فلا رسول بعد بالطريق الأولى و الأخرى؛ لأن مقام الرسالة أخص من مقام النبوة.......... اهـ". ثم قال بعد نقل أحاديث كثيرة في ختم النبوة "و الأحاديث في هذا كثيرة،.......... و قد أخبر الله تعالیٰ في كتابه و =

رسول جانے وہ کافر ہے، یہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا بلکہ تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے(۱)۔ پس جو شخص حالت بیداری و اختیاری میں قصداً یہ کلمہ پڑھے وہ کافر ہے، اسلام سے خارج ہے (۲)۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ اور تمام اکابر کا بھی فتویٰ ہے، حضرت مولانا نے کبھی کسی سے یہ کلمہ نہیں پڑھوایا اور وہ کیسے پڑھواتے جب کہ وہ خود ہی اس کو کلمۂ کفر قرار دے کر ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔

جو شخص حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف اس کلمہ کو منسوب کر کے ان کو کافر کہتا ہے وہ بہت بڑا بہتان باندھتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ خود ہی اس کی زد میں آجاتا ہے۔ جو شخص کافر نہ ہو اس کو کافر کہنے سے وہ کفر بحکم خداوندی اس کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے (۳)، نیز جب کفر کی بات کسی کی طرف سے نقل کی جائے حالانکہ اس نے وہ بات نہیں کہی تھی تو وہ درحقیقت اس کا اپنے سینہ کا کفر کہلائے گا جس کو وہ دوسروں کی طرف سے نقل کر رہا ہے۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ: ''لا إله إلا الله محمد رسول

= رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في السنة المتواترة عنه: أنه لا نبي بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب و أفاك، دجال، ضال، مضل ...... و كذلك كل مدع لذلك إلى يوم القيامة حتى يختموا بالمسيح الدجال''. (تفسير ابن كثير : ۳/۲۵۰، ۲۵۲، مكتبه دار السلام رياض)

(و كذا في شرح العقيدة الطحاوية، مطلب: كل من ادعى النبوة بعده كاذب، ص: ۹۴)

(۱) ''و كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب، و صدعت به السنة، و أجمعت عليه الأمة، فيكفر مدعي خلافه و يقتل إن أصرّ''. (روح المعاني : ۲۲/۴۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) ''و من كفر بلسانه طائعاً و قلبه مطمئن بالإيمان، فهو كافر، و لا ينفعه ما في قلبه''. (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر : ۵/۴۵۹، إدارة القرآن)

و في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري : ''قال القونوي : و لو تلفظ بكلمة الكفر طائعاً غير معتقد له، يكفر؛ لأنه راضٍ بمباشرته و إن لم يرض بحكمه الخ''. (أواخر بحث التوبة، ص: ۲۴۳، قديمي)

(۳) ''عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: 'لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق و لا يرميه بالكفر، إلا ردّت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك''. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قديمي)

اللہ، پڑھنا چاہتا ہے مگر اس کی زبان سے بجائے اس کے وہ کلمہ نکلا جو آپ نے نقل کیا ہے، پھر خواب ہی میں وہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا کہ یہ تو غلط ہے اور اسلام کے خلاف ہے، گھبرا کر بیدار ہوگیا قلب پر خوف طاری تھا، چاہا کہ کلمہ صحیح طور پر پڑھ لے مگر زبان قابو میں نہیں تھی۔ بے اختیار پھر وہی زبان سے نکلا جس کو خواب میں دیکھا تھا، پھر افسوس ہوا اور دل پر انتہائی ہیبت طاری ہوئی۔ غرض اس خواب میں دیکھی ہوئی بات کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور پھر بے اختیار زبان سے غلط ہی بات نکلتی ہے جس سے وہ سخت پریشان ہوا اور یہ سب واقعہ اس نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو لکھا، حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے اس کو جواب لکھا کہ تم جس کی طرف رجوع ہونا چاہتے ہو وہ متبع سنت ہے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے دیگر علماء سے بھی استفتاء کیا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم دیا اور دیگر اکابر نے اس کو بے اختیار اور مضطر قرار دیکر سخت فتوی سے اجتناب کیا ہے (۱)۔ یہ ہے اصل حقیقت جو کہ ''امداد الفتاویٰ'' اور دوسری متعدد کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مدتِ دراز سے شائع شدہ ہے۔ مدت العمر میں کسی سے بھی ثابت نہیں کہ اس کلمہ کو جو آپ نے نقل کیا ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے کسی سے پڑھوایا ہو، یا کوئی پڑھتا اور اس کو صحیح سمجھتا ہو، جو لوگ اتنا زبردست بہتان باندھتے ہیں اور کفر کا فتویٰ دیتے ہیں تو ان کا کفر لوٹ کر خود ان پر ہی آتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۷ھ۔

عورتوں کے تعزیہ میں شرکت سے کیا نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟

سوال[۵۹۲]: جو عورتیں محرم کے زمانے میں تعزیہ پر ہونے والے خرافات (گانا بجانا، ماتم کرنا) میں شامل ہوتی ہیں تو کیا خارج از نکاح ہوگئیں اور بغیر نکاح ثانی حلال نہیں؟ شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی العمل تینوں میں کس کا مرتکب مشرک ہوگا، یا اول الذکر کا؟ اور کون سی صورت میں عورت یا مرد

---

(۱) "وإن لم یکن قاصداً في ذلک بأن أراد یتلفظ بلفظ آخر، فجری علی لسانه لفظ الکفر من غیر قصد، وذلک نحو أن یقول: "لا اله الا الله" فجری علی لسانه: ﴿أمع الله آلهة أخری﴾ أو أراد أن یقول: ''بحق اینکہ تو خدائی وما بندگانِ تو'' فجری علی لسانه العکس، لا یکفر". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل في إجراء کلمة الکفر: ۴۵۹/۵، إدارة القرآن)

میں خارج از نکاح کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ اس میں اکثر طبقہ مسلمانوں کا مبتلا ہے، کیا صورت ہوگی؟ بعض تعزیہ پر چراغ اور مہندی چڑھاتی ہیں، ان کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ امور معصیت ہیں، ناجائز ہیں مگر ان کی وجہ سے مرتد قرار دیکر ان کے نکاح کو فسخ قرار نہیں دیا جائے گا۔ جن امور کی وجہ سے کوئی مرتد ہوجائے، اسلام سے خارج ہوجائے وہ موجب فسخ نکاح ہیں، تفصیل کتب فقہ: بحر(۱) عالم گیری (۲) شامی (۳) وغیرہ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۴۰۱ھ۔

کیا تعزیہ نہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم آتا ہے؟

سوال[۵۹۳]: ۱...... بستی کے لوگ کہتے ہیں کہ جو تعزیہ نہیں بناتا اور اسے نہیں مانتا وہ رسول اللہ کو نہیں مانتا، کیا تعزیہ کے نہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم آتا ہے۔

۲...... ایسے حالات میں ہمیں کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ لوگ غلط کہتے ہیں، یہ ان کو شیطان نے سکھایا ہے۔

۲...... پرواہ نہ کیجئے، حق پر قائم رہئے (۴)، البتہ ان لوگوں کی اصلاح کی فکر ضرور کرتے رہئے، علمائے

---

(۱) "إذا صرّح بإرادة موجب الكفر، فلا ينفعه التأويل حينئذ". (البحر الرائق، باب أحكام المرتدين من السير: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۲) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط .... ثم إن كان نية القائل .... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وممن خلقنا أمة يهدون بالحق وبه يعدلون﴾ (الأعراف ۱۸۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فماذا بعد الحق إلا الضلال، فأنّى تصرفون﴾ (يونس: ۳۲)

حق کا وعظ کرائیے، انفرادی طور پر ان کو سمجھائیے، دوسری جگہ اہل حق کے پاس وعظ میں لیجائیے، امید ہے اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائیں گے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرنے سے روکنا

سوال[۵۹۴]: ایک مسلم عورت نے ایک ہندو مرد سے تعلقات ناجائز قائم کئے اور اسی کے پاس چند سال زندگی گزاری، مسلمانوں نے اس کو اس بُرے فعل سے روکا مگر اس نے ایک بات نہ سنی اور صاف صاف انکار کردیا اور اسی ہندو کے پاس رہنے لگی اب چند روز سے سخت بیمار ہے اور اس وقت توبہ کرکے مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اب اسلام لانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ چند احباب اس پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ غلط طریقہ کی رسم پڑے کہ پہلے اسلام سے نکل کر غیر مذہب اختیار کرے اور پھر مسلمان ہوجاوے اس کا دوسروں پر بُرا اثر پڑے گا، اس لئے اس عورت مرتدہ کو اسلام لانے سے روک سکتے ہیں یا نہیں؟ اور روکنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرنا چاہتی ہے تو ہرگز اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے، کسی کو حق نہیں کہ اسلام لانے سے روکے، جو لوگ اس کو اسلام لانے سے منع کرتے ہیں وہ نہایت خطرہ میں ہیں، ان کے اسلام کی خیر نہیں، کسی کے کفر اور ارتداد سے راضی رہنا خود کفر اور ارتداد ہے(۲) (العیاذ باللہ)۔ معترضین کو اپنے اس خیال

---

(۱) ﴿إن أريد إلّا الإصلاح مااستطعت، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب﴾ (هود: ۸۸)

وقال تعالىٰ: ﴿إنا لانضيع أجر المصلحين﴾ (الأعراف: ۱۷۰)

(۲) "والرضى بالكفر كفر، سواء كان بكفر نفسه أو بكفر غيره". (شرح الفقه الأكبر للقاری، مطلب: إستحلال المعصية، ص: ۱۵۴، قديمی)

و فی التاتارخانية: "و ذكر شيخ الإسلام فی شرح السير: أن الرضا بكفر الغير يكون كفراً إذا كان يستجيز الكفر و يستحسنه، فأما إذا كان لا يستجيزه و لا يستحسنه و لكن أحب الموت أو القتل على الكفر لمن كان شريراً موذياً بطبعه حتى ينتقم الله منه، فهذا لا يكون كفراً". (كتاب أحكام المرتدين، فصل فی إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۶۰، إدارة القرآن كراچی)

اور اعتراض سے فوراً توبہ لازم ہے، اس عورت کو عزت کے ساتھ لیا جائے اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے دوبارہ اسلام کی توفیق دیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب جہنم سے اس کو بچالیا ہے، دوسرے مسلمانوں پر اس کا اثر انشاء اللہ اچھا پڑے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

تین طلاقوں کے بعد شوہر کے نہ چھوڑنے کی وجہ سے کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنا

سوال[۵۹۵]: ایک عورت کا نکاح ایک ناخواندہ بے نمازی شخص سے ہوا مگر عورت کے والد نے اپنے داماد سے قبل از نکاح اداء نماز کا پختہ طور پر حلفی وعدہ کرلیا تھا، لیکن بعد نکاح ثابت ہوا کہ وہ شخص کبھی کبھی نماز پڑھ لیتا ہے اور مدت دراز سے وہ اغلام بازی کا عادی اور سودخوری کا عادی ہے اور اس کی زوجہ نماز کی نہایت پابند اور روزانہ تلاوتِ قرآن مجید کی بڑی صحت الفاظی سے کرنیوالی، فیشن انگریزی سے بہت متنفر، امورِ خانگی میں خوب ہوشیار بائیس سالہ عمر کی ہے اور اس عورت نے اردو کی لکھائی پڑھائی اپنی والدہ سے اپنے گھر پر حاصل کی ہے۔ اس کے شوہر نے اپنی عورت سے سامان جہیز سے گوٹہ اور تمام طلائی اور نقرئی زیور جبراً لے کر کچھ تو فروخت کردیا اور کچھ گروی رکھ دیا۔ جب اس کی زوجہ نے اس سے یہ کہا کہ میرے باپ کا دیا ہوا سامان جہیز ہے، میں اس کو ضائع کرانا نہیں چاہتی، اس کی مالک میں ہوں، تو اتنا کہنے پر شوہر نے اپنی زوجہ کو خوب مارا اور یہ کہا "جب میں تیرے جہیز کا مالک نہیں تو پھر میں تیرا بھی مالک نہیں بنتا، اب میرے گھر سے تو نکل، میں نے تجھ کو طلاق دی طلاق دی"، یہ کلمہ طلاق دی سات آٹھ مرتبہ یکدم کہہ دیا۔ عورت نے اس واقعہ کی تحریری اطلاع اپنے باپ کو دی تو عورت کے والدین واقعہ طلاق کو اپنے داماد سے دریافت کیا تو داماد نے یہ بیان کیا کہ بیشک میں نے سات آٹھ مرتبہ کہدیا کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی طلاق دی، لیکن میں نے تو یہ مذاق سے کہا تھا، کیونکہ میں نے اپنی زوجہ کو کوئی زیادہ نہیں مارا تھا تب بھی اس نے آدھے دن تک رونا بند نہیں کیا"۔

مگر اس طلاق دہندہ کے عزیز واحباب نے اس کو یہ سبق پڑھادیا کہ طلاق کا اقرار کرنے سے تو تیری زوجہ آزاد ہوجائے گی، بہادری تو یہ ہے کہ اپنی زوجہ کو ہرگز آزاد نہ ہونے دے بلکہ اس کو زندگی بھر خوب تنگی اور سختی کے ساتھ باندی سے بدتر بنا کر رکھ۔ اب اس عورت کا شوہر طلاق سے منکر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ عورت کو زندگی بھر مقید رکھنے کی ضرورت سے طلاق نہ دوں گا۔ اب عورت نے اس خیال سے کہ فسادِ زوجین بڑھ چکا ہے اور اب

اس شوہر کے پاس اپنے سے ارتکاب زنا کا ہوا کرے گا اور پھر مصائب بے اندازہ سابق سے زیادہ شوہر کی جانب سے ہوتے رہیں گے اور وہ برداشت نہ ہو سکیں گے تو خودکشی کرنی پڑے گی اور اس وجہ سے اس عورت نے شوہر کے مظالم سے رہائی حاصل کرنے کی نیت سے یہ کلمات کفر ادا کردیئے کہ ''میں قرآن کو کلام الٰہی ہرگز نہیں مانتی اور مذہب اسلام سے بیزار ہوکر دین اسلام کو اس وجہ سے ترک کرتی ہوں تاکہ ظالم شوہر کے نکاح میں مقید رکھے جانے کے اس بدتر مشورہ کی ضد سے بچ سکوں جو میرے سسرالیوں نے باہم مشورہ طے کرلیا ہے''۔ اب اس عورت کے والد نے نہایت نرمی سے اسلام کی حقانیت کے دلائل اور اس کی خوبی اور اسلام ترک کرنے کی خرابی سنا کر اپنی دختر کو مسلمان بنالیا ہے مگر وہ عورت یہ کہتی ہے کہ ''اگر مجھ کو اس ظالم شوہر کی حوالگی میں رکھے جانے کی سعی ظالمانہ کی جاوے گی، میں تحریری اطلاع کے ذریعہ عیسائی یا آریہ گروہ سے امداد طلب کرکے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گی ورنہ بہتر یہ ہے کہ کسی متقی خداترس مسلمان سے میرا نکاح کردیا جائے''۔

لہٰذا دریافت طلب اولاً یہ امر ہے کہ یہ عورت کلمات کفریہ بالا سے مطلقہ ہوگئی یا نہیں، ثانیاً عورت کا بشرطِ بالا اسلام قبول کرنا صحیح ہے یا بلا شرط اسلام قبول کرنا صحیح ہے اور ضروری ہے، ثالثاً یہ کہ عدت اس عورت کی غیر حاملہ ہونے کی حالت میں کتنی ہوگی۔ محمد حکمت اللہ از شاہجہانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....صورت مسئولہ میں عورت کے سامنے طلاق دی گئی ہے لہٰذا عورت کو ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ کسی طرح اس طلاق دینے والے کو اپنے اوپر قابو دے(۱)، اگر اس طلاق دینے کے یا اقرار کرنے کے کم از کم دو معتبر دیندار گواہ موجود ہیں تو باقاعدہ عدالت کے ذریعہ سے یا پنچایت کے ذریعہ سے عورت اپنا فیصلہ کرکے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ کلماتِ کفریہ زبان سے ادا کرنا بالکل حرام ہے، فسخ کرانے کے لئے مفتیٰ بہ قول کی بناء پر کلماتِ کفریہ کو

---

(۱) ''والمرأة كالقاضي، لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهد به شاهد عدل عندها''.

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۴، الفصل الأولی فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب الصریح، مطلب فی قول البحر : ۳/۲۵۱، الخ، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، : ۳/۴۴۸، رشیدیه)

زبان سے ادا کرنا کافی نہیں (۱) بلکہ طلاق کا ثبوت پیش کر کے عدالت یا پنچایت کے ذریعہ سے فیصلہ کیا جائے۔

۲......اسلام قبول کرنے کے لئے شرط پیش کرنا سخت جہالت اور حماقت ہے، بلاشرط تجدیدِ اسلام فرض ہے۔

۳......عدت طلاق ایسی حالت میں تین حیض ہے (۲) اگر کم از کم دو معتبر گواہ طلاق کے موجود ہیں تو تین حیض گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے (۳)، خواہ ان گواہوں کے سامنے طلاق دی ہو یا طلاق کا اقرار کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

عبد اللطیف مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "إذا إرتد أحد الزوجين، وقعت الفرقة بغير طلاق قال ابن همام رحمه الله: هذا جواب ظاهر المذهب، وبعض مشايخ بلخ وسمرقند أفتوا في ردتها بعدم الفرقة حسماً لاحتيالها على الخلاص بأكبر الكبائر". (فتح القدير، باب نكاح أهل الشرك: ۳/ ۴۲۹، مصطفى البابي الحلبي)

"منكوحة إرتدت -والعياذ بالله- حكى عن أبي نصر وأبي القاسم الصفار أنهما قالا: لا تقع الفرقة بينهما حتى لا تصل إلى مقصودها إن كان مقصودها الفرقة". (فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۴۵۶، فصل في الفرقة بين الزوجين الخ)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۱۹۴، كتاب النكاح، باب النكاح الكافر)

حضرت تھانوی فرماتے ہیں: "اس مجموعہ سے اس فتویٰ کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور اسی خاوند کے قبضے میں رہے گی، کسی دوسرے شخص سے نکاح ہرگز جائز نہیں لیکن جب تک تجدیدِ اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع جائز نہ کہا جاوے گا"۔ (الحيلة الناجزة، ص: ۱۱۵، كلمه ارتداد زوجه دار الاشاعت)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أوقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۵۱۱، باب العدة)

(۳) "ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليه الرجال، وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير مالٍ كالنكاح والطلاق والعتاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۴۵۱، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۴۶۵، كتاب الشهادات)

جدائی کے لئے عورت کو مرتد ہونے کا مشورہ دینا

سوال[۵۹۶]: مسماۃ ہندہ منکوحہ خالد کی ہے، ہندہ اوراس کے والدین کی خالد سے ناچاقی ہوگئی ہے، ہندہ اوراس کے والد نے خالد سے طلاق طلب کی، خالد نے طلاق نہ دی، ہندہ کے والد نے کسی تجویز سے خالد کو کسی مقام پر تنہا پا کر خالد سے طلاق نامہ تحریر شدہ پر مجبور کر کے انگوٹھا لگوالیا اس لئے کہ خالد تنہا تھا اور ہندہ کے والد کے ساتھ چار اشخاص اور موجود تھے، مگر اس چھینا جھپٹی سے خالد کا انگوٹھا سالم نہیں لگا اور خالد چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ہندہ کے والد نے مقدمہ فوجداری کے خوف سے وہ کاغذ جلادیا، بعد ازاں ہندہ کے والد نے خالد سے طلاق کے حصول کی بہت سی کوشش کی مگر ناکام رہا، پھر ہندہ اوراس کے والد نے ایک شخص مسمی عمر جو ہندہ کا چچازاد بھائی ہے نیز وہاں کی مسجد کا امام اور خطیب جامع مسجد اور واعظ اور خواندہ وہشیار شخص سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جاوے، عمر امام مسجد نے کسی قانونی آدمی سے دریافت کر کے ہندہ سے ایک درخواست بدیں مضمون عدالت میں دلوادی کہ "میں ہندہ مذہب اسلام چھوڑ رہی ہوں، مجھے عقائد اسلامیہ اور اللہ تعالیٰ اوراس کے اصولوں سے اور قرآن سے انکار ہے، میں مرتد ہورہی ہوں، میرا نکاح فسخ قرار دیا جائے، میں دہریہ ہوں"۔

سوال یہ ہے کہ بعد فیصلۂ عدالت کیا یہ نکاح شریعتِ اسلامیہ کی رو سے بھی باطل ہوگیا اور کیا اب ہندہ دوسری جگہ پھر مسلمان از سرنو ہو کر نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے؟

نیز دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسمی عمر جو امام مسجد ہے (جس نے ہندہ کو مرتد ہونے کا مشورہ دیا اور جس نے اسلامی عقائد، اللہ ورسول سے اور فرض سے انکار ہندہ کا کرا کے عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کی تجویز وصلاح ہندہ کو دی) وہ شخص مسمی عمر عندالشرع کیسا ہے، کیا اس کی امامت جائز ہے؟ کیا اس عمر کے پیچھے نماز جنازہ کی اقتداء درست ہے؟ کیا اس عمر امام مسجد کے ساتھ باقی مسلمانوں کا میل ملاپ اکل وشرب جائز ہے؟ کیا کوئی تعزیر شرعاً اس کے لئے ہے؟ ایک شخص خواندہ اس عمر کو برا کہتا ہے اور دوسرا اہل علم اس عمر امام مسجد کو بسبب اس کے گناہ کی اعانت بھی جرم ہے "اعانة المعصية معصية" (بالاتفاق) اور بسبب اس کے کہ عمر خواندہ اور واعظ اور مسائل شرعیہ سے واقف اور ہوشیار آدمی اور امام مسجد ہے وہ خطیب مسجد جامع ہے تو شرعاً اس عمر کے لئے کیا حکم ہے اور ان دونوں میں سے جو عمر کو برا کہتا ہے اور دوسرا مجرم گردانتا ہے کون حق پر ہے؟

مستفتی: شیخ محمد میاں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورت مسئولہ میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہوا ہے اور حاکم کا فیصلہ خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں بلکہ عورت پر جبر کیا جائے گا کہ وہ اسلام لاوے اور پہلے شوہر کے ساتھ رہے دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح درست نہیں ہے، اسلام لانے کے بعد احتیاطاً تجدید نکاح بھی ضروری ہے (۱) اور تجدید نکاح سے پہلے ہمبستری وغیرہ بھی منع ہے اگر شوہر خود اس کو رکھنا نہ چاہے بلکہ آزاد کرے تب البتہ اس کا نکاح دوسری جگہ درست ہے۔ جو شخص کسی عورت کو شوہر سے جدائی کے لئے کفر اور ارتداد کا مشورہ وفتوی دے وہ شخص کافر ہوجاتا ہے، اس کو امام بنانا حرام ہے، اس کے ساتھ میل ملاپ، اکل وشرب منع ہے، جب تک وہ تجدید اسلام اور اپنے اس فعل شنیع سے صدق دل سے توبہ نہ کرے، اس سے تعلقات بالکل منقطع کردیئے جاویں۔

”و في المضمرات: لو أفتى لامرأة بالكفر حتى تبين من زوجها، فقد كفر قبلها، وتجبر المرأة على الإسلام، و تضرب خمسة و سبعين سوطاً، و ليس لها أن تتزوج إلا بزوجها الأول، هكذا قال أبو بكر رضي الله تعالیٰ عنه. وكان أبوجعفر يفتي به، و يأخذ بها، انتهى“۔ شرح فقه اكبر، ص: ۲۲۱ (۲). ”و لا يخفىٰ أن محله (أي تجديد النكاح) ما إذا طلب الأول ذلك، أما

---

(۱) ”ما كان في كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۶۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۴۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/۵۰۱، غفاريه كوئٹه)

(۲) (شرح الفقه الكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۷۹، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع و منها ما يتعلق بتلقين الكفر: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الباب الثاني، النوع الخامس في الإقرار بالكفر: ۶/۳۳۰، رشيديه)

إذا رضی بزوجها من غيره، فهو صحيح؛ لأن الحق له". بحر: ۳۱۵/۳ (۱)۔

اور جبراً انگوٹھا لگوانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۳۹۷/۲ (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، جمادی الثانی/ ۵۳ھ۔

نوٹ: رسالہ "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" میں اس کو بسط سے لکھا ہے جس پر علمائے دیوبند و تھانہ بھون و سہارنپور کی متفقہ تصدیق ہے۔ فقط۔

قانونِ شرع کو چھوڑ کر رسم و رواج کا پابند ہونا

سوال [۵۹۷]: قانونی عدالت میں جو لوگ بیان دیتے ہیں کہ وہ شریعتِ محمدی کے پابند نہیں بلکہ رواج عام زمین دارہ کے پابند ہیں، ان کے اس انکار شریعت کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟ حالانکہ عدالت پنجاب میں شریعت محمدی کے مطابق بھی جائیداد کے مقدمات کے فیصلے کرتی ہے، جواب کے لئے لفافہ ارسال ہے۔

متصل روضۂ توکل شاہ صاحب انبالہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر ایسا کہنے سے حکم شریعت کی تردید اور اہانت مقصود ہے تو یہ کفر ہے (۳) اگر اظہار حال مقصود ہے کہ

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳۷۴/۳، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الأول في المقدمة: ۳۸۳/۴، رشيديه)

(۲) " رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لا تطلق امرأته، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة: ۳۷۹/۱، رشيديه)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، قبيل باب التعليق: ۴۷۲/۱، رشيديه)

(۳) "وإذا قال لخصمه: من با تو بحكم خدا كار ميكنم، فقال خصمه: من حكم ندانم، أو قال: اين جا حكم نرود، أو قال: اين جا حكم نيست........ فهذا كله كفر، و رواية عن بعض مشايخنا في قوله" اين جا حكم نيست، أنه إن قال على وجه =

آج کل کوتاہیٔ عمل کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم سب نے حکمِ شریعت کی پابندی ترک کردی ہے اور اس کی جگہ قانون کی پابندی اختیار کرلی ہے تو یہ کفر نہیں، نیز ایسا کہنا بہت سے معاملات اور مقدمات کے اعتبار سے مطابقِ واقعہ ہے کیوں کہ اکثر مقدمات خلاف شرع فیصل ہوتے ہیں اگر چہ شاذ و نادر کوئی مقدمہ شرع کے موافق بھی فیصل ہوتا ہے، تاہم ایسا کہنا بھی صورۃً انکار شرع ہے اس سے اجتناب ضروری اور لازم ہے۔

"سئل الحاکم عبد الرحمن عمن قال: "برسم کار کنم، بحکم نے" هل هو کفر؟ قال: إن کان مراده فساد الحق و ترك الشرع و اتباع الرسم لا رد الحکم، لا یکفر، کذا فی المحیط". عالم گیری: ۳/۱۵۹ (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۲/۵۷ھ۔

حکم عدالت کو حکم شرع پر ترجیح دینا

سوال[۵۹۸]: ہندہ نے ثالث مقرر کرکے زید کے پاس بھیجا اور زید کو بہت کچھ سمجھایا لیکن زید پر کچھ اثر نہ ہوا، ثالث نے شرع کے مطابق زید سے فیصلہ کرنے کو کہا اور نان ونفقہ طلب کیا، زید نے جواب دیا شرعی فیصلہ اس حالت میں ہوتا ہے جب کہ شرع پر عمل کیا جائے، اس حالت میں نان ونفقہ ومہر دیا جاسکتا ہے، اب نئی تہذیب میں نفقہ ومہر کہاں؟

ثالث نے زید سے کہا کیا تم اللہ اور رسول اور قرآن پر ایمان رکھتے ہو؟ کہا کہ "ضرور، لیکن جب مجھ کو آرام نہیں ملا، لہٰذا میں نفقہ ومہر نہیں دوں گا اس لئے کہ مجھ پر واجب نہیں ہوتا"، بکر نے جو کہ زید کے قریبی رشتہ دار

= رد الحکم فهو کفر، و إن قال علی وجه الحزن بأن تغیر الزمان، لا یکفر". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی المتفرقات: ۵/۴۶۷، ادارة القرآن)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع، موجبات الکفر أنواع، منها ما یتعلق بذات الله تعالیٰ وصفاته: ۲/۲۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی المتفرقات، ما یضاف إلی الله تعالیٰ: ۵/۴۶۷، ادارة القرآن کراچی)

ہوتے ہیں، کہا'' یہاں کیسا شرعی حکم، سرکاری عدالت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جائیں چاہے جو کچھ کریں ہم کو کچھ نہیں دیں گے، اب وہ وقت نہیں ہے کہ شرع پر عمل کیا جائے اور شرعی گرفت ہم پر نافذ ہو، آپ مہر معاف کردیں، شرعی حکم پر عمل ہوجائے گا، ورنہ ہم کسی طرح سے نان نفقہ ومہر دینے پر تیار نہ ہوں گے، جاؤ عدالت کھلی ہوئی ہے، جتنا زور لگایا جاوے لگاؤ اور ہم سے جو کچھ ہوگا ہم کریں گے''۔ جب کہ ہندہ مہر میں کچھ کمی نہیں کرتی ہے، کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ باوجود ہندہ کے خلع پر راضی نہ ہونے مہر میں کمی ہوسکتی ہے یا زید جس طرح فیصلہ کرے وہ شرعی حکم کے مطابق ہوگا؟ ایسی صورت میں جو لوگ زید کے طرف دار ہوں گے ان پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو کلمات زید نے کہے ہیں نہایت سخت ہیں اور جو کلمات بکر نے کہے ہیں اُور بھی خطرناک ہیں، ایسا کہنے سے ایمان جاتا رہتا ہے، لہٰذا زید اور بکر ہر دو کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح احتیاطاً لازم ہے(۱)۔

"إذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع في هذه الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: ''من برسم کار میکنم، نہ بشرع'' يكفر عندبعض المشايخ الخ"۔ (عالم گیری: ۲/۲۷۲)(۲)۔

شرعاً بغیر زوجہ کی رضامندی کے مہر ساقط نہیں ہوسکتا اور نہ کمی ہوسکتی ہے، اگر وہ معاف کردے گی تو معاف ہوجائے گا، تمام معاف کردے یا بعض (۳)، بہر حال شوہر کو جبر کا حق نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں اگر نباہ دشوار ہوگیا اور زوجین ایک دوسرے سے رضامند نہیں تو بہتر یہ ہے کہ خلع کرلیں (۴) یعنی شوہر اپنے حقوق

(۱) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، و بالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(۳) "المهر وجب بنفس العقد .... و إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء و نحوه .... و إذا تأكد بما ذكر لا يسقط بعد ذلك .... لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(۴) "و لا بأس به (الخلع) عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما يصلح للمهر، و في القهستاني عن شرح الطحاوي: السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم=

زوجیت کو ساقط کردے اور بیوی اپنے حقوق کو ساقط کر کے مہر معاف کردے۔ عدالت میں جانے اور مقدمہ بازی سے فریقین کا روپیہ ضائع ہوتا ہے اور پھر بھی اکثر خاطر خواہ فیصلہ نہیں ہوتا، بسا اوقات فیصلہ خلاف ہوتا ہے جس پر عمل کرنا بھی ناجائز ہوتا ہے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں جو اہل تجربہ پر مخفی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا

سوال[۵۹۹]: کوئی مسلمان ایسی جگہ پھنس جائے کہ کافر اسے شراب یا سور کا گوشت زبردستی کھلادیں اور وہ جان بچانے کے لئے کھائے تو وہ ایمان سے خارج ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسی مجبوری کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا(۱)، انتہائی ندامت کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ وہ آئندہ محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

غیر مذہب کی کتابیں دیکھنا اور اپنے کفر کا اقرار کرنا

سوال[۶۰۰]: زید کسی غیر مذہب کی کتاب بوجہ استدلال یا باعتبار اعتراض کے دیکھتا ہے مگر زید کی قوم زید کو اس کتاب کو دیکھتے ہوئے دیکھتی ہے تو قوم زید سے دریافت کرتی ہے کہ تم کتاب کیوں دیکھتے ہو؟ زید نے وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا، مگر قوم نہیں مانتی بلکہ زید کو لعن طعن کرنا اور بُرا کہنا شروع کردیتی ہے اور کہتی ہے

= یصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ". (الدر المختار مع رد المحتار، باب الخلع :۳/ ۴۴۱، سعید)

(۱) " در محیط وذخیره گفته که مسلمان کافر نشود گرد و فتیکه قصداً کفر کند". (مالا بد منه : باب ألفاظ الکفر، ص: ۱۳۱، مکتبه شرکت علمیه)

"و إن أکره بالقتل أو إتلاف عضو أو بضرب مؤلم، و قلبه مطمئن بالإیمان، لا یکون کفراً استحساناً". (التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل: الإکراه علی التلفظ الخ : ۵/ ۵۲۸، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی قاضی خان ، کتاب السیر، باب ما یکون کفراً من المسلم و ما لا یکون : ۳/ ۵۷۷، رشیدیه)

کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو کافر ہو جائے گا، خدانخواستہ، اس وجہ سے زید کو غصہ آجاتا ہے اور یہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے غصہ کی حالت میں کہ ''میں تو کافر ہوں گا، جو تم سے ہو، کرو'' مگر قوم باوجود ان کلمات کے سننے کے چپ نہیں ہوئی بلکہ بار بار کہتی ہے، اس پر زید کو غصہ بڑھ جاتا ہے اور اپنے کو ان کے سامنے کہتا ہے کہ ''میں کافر ہوں'' تو اس صورت میں زید پر کیا حکم ہے اور قوم کا ان کلمات کے سننے کے باوجود تنگ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ لیکن زید یہ کتاب نعوذ باللہ کفر کی نیت سے ہرگز نہیں دیکھتا۔ صحیح صحیح جواب درج فرمادیں۔ فقط۔ احقر محمد ہاشم متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عالم، فہیم شخص کو مناظرہ کے لئے غیر مذہب کی کتب کا مطالعہ جائز ہے اگر اپنے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو(۱) اور ایسے شخص کو قوم کا بار بار ایسے سخت الفاظ کہنا بہت بُرا اور ناجائز ہے، نیز زید کا ایسا جواب دینا جو سوال میں مذکور ہے سخت خطرناک اور گناہ ہے حتی کہ بعض فقہاء نے ایسے الفاظ بولنے والے کی تکفیر کی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زید کو احتیاطاً تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا مناسب ہے، اور آئندہ ان الفاظ کے بولنے سے پختہ توبہ کرنا ضروری اور فرض ہے۔

''إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمداً، لكنه لم يعتقد الكفر، قال بعض أصحابنا : لا يكفر؛ لأن الكفر يتعلق بالضمير، و لم يعتقد الضمير على الكفر، و قال بعضهم: يكفر و هو الصحيح عندي؛ لأنه استخف بدينه''. بحر: ۱۲۵/۵(۲)، عالم گیری: ۲/۸۹٤ (۳)۔ ''ما كان

---

(۱) '' وقد صنف الأشعري كتباً كثيرةً لتصحيح مذهب المعتزلة، ثم إن الله عزوجل لما تفضل عليه بالهدى، صنف كتاباً ناقضاً لما صنّف لتصحيح مذهب المعتزلة، إلا أن أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ من أهل السنة والجماعة خطئوه في بعض المسائل التي أخطأفيها أبوالحسن، فمن وقف على المسائل و عرف خطأه، فلا بأس بالنظر في كتبه و إمساكها .... و من العلوم المذمومة علوم الفلاسفة، فإنه لا يجوز قرائتها لمن لم يكن متبحراً في العلم و سائر الحجج عليهم و حل شبها تهم و الخروج عن إشكالاتهم''.
(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات : ۳۷۷/۵، ۳۷۸، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، باب أحكام المرتدين من السير : ۲۱۰/۵، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد: ۲۷٦/۲، رشيديه)

فی کونہ کفراً إختلاف، فإن قائلہ یؤمر بتجدید النکاح و بالتوبۃ، والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط". عالم گیری: ۸۹۹/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۲/۶/۲۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رجب/۱۳۵۲ھ۔

عیسائی کتابیں فروخت کرنا کیا کفر ہے؟

سوال[۱۰۱]: زید ایک معزز سید خاندان کا فرد ہے، بہت دنوں سے کانگریسی لیڈر اور واعظ بھی ہے، زید کا لڑکا عمر مختلف مدارس میں قدرے عربی تعلیم حاصل کر کے عیسائی مشینری سے مشینری کی چھوٹی کتابیں لے کر عوام میں تقسیم کرتا رہا، کچھ دنوں بعد باضابطہ عیسائی مذہب قبول کر لیا، اس کا اعلان مستند اخباروں میں شائع ہوا۔ بستی کے لوگوں نے زید سے باز پرس کی تو اس نے انکار کیا اور کچھ دنوں بعد خود جا کر عمر کو اپنے ساتھ مکان لے آیا، عمر ایک ہفتہ کے قریب گھر پر رہا اور دو ایک دن کی نماز بھی مسجد میں پڑھ لی، مشینری میں داخل ہونے کی یہ تاویل کی کہ وہاں ملازمت کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر واپس چلا گیا، عمر کو مشینری سے کافی ماہوار مشاہرہ ملتا ہے اور زید کو بھی اس روپیہ سے مدد ملتی ہے، باپ بیٹے میں خط و کتابت اور ترسیل نقد بھی جاری ہے۔ زید کا ذریعۂ معاش وعظ بیان کر کے نذرانہ پانا، عمر کی کمائی پادری بن کر مشینری مشاہرہ پانا۔ حالتِ مذکورہ میں عام مسلمان، زید کے خاندان والے زید کو مسلمان حنفی المذہب مانیں یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ کیسا سلوک و رویہ کریں؟ دونوں باپ بیٹے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کو مسلمان یا غیر مسلم قرار دینے کا مدار اصالۃً عقائد پر ہے جس میں اسلام کے بنیادی اصول موجود ہوں اس پر غیر مسلم ہونے کا حکم لگانا آسان نہیں (۲)۔ وعظ کہہ کر نذرانہ لینا کفر نہیں، نہ اس کی وجہ سے اسلام

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

(۲) "و فی الفتاوی الصغری: الکفر شیء عظیم فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایةً أنه لا یکفر .... وفی البزازیة: إلا إذا صرّح بإرادة موجب الکفر، فلا ینفعه التاویل حینئذ" (البحر الرائق، باب أحکام المرتدین من السیر: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

سے خارج ہوتا ہے۔عیسائیوں کے مذہب کی کتابیں فروخت کرنا جن میں اسلام کی تردید ہو نہایت قبیح اور شرعاً مذموم ہے، لیکن کفر کا فتویٰ اس پر نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس شخص نے اسلام کو ترک کردیا ہے، اس کو غلط اور باطل سمجھ کر عیسائیت کو صحیح دین سمجھ کر قبول کرلیا ہے۔کسی کام کے جائز ناجائز ہونے کا حکم اور ہے اور اس کے کفر ہونے کا حکم جداگانہ ہے۔آپ نے یہاں اس کے اسلام ہی کو دریافت کیا ہے، لہٰذا آپ زید و عمر سے ان کے عقائد دریافت کرکے لکھئے۔البتہ عیسائی مشنری کی کتابیں فروخت کرنا اس کو ذریعۂ معاش بنانا شرعاً درست نہیں، اس کو بند کرکے جائز ذریعۂ معاش اختیار کرنا ضروری ہے(۱)۔وعظ کے لئے مستقل ملازمت کرلی جائے مثلاً ہر ہفتہ ایک یا دومرتبہ اتنی دیر وعظ کہنا ہوگا اور اتنی تنخواہ ملے گی تو شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و من الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم﴾ الاية :٦)

"وقال الضحاک فی قوله تعالیٰ: ﴿و من الناس الخ﴾ قال: يعني الشرک .... و اختار ابن جرير أنه كل كلام يصد عن آيات الله واتباع سبيله". (تفسير ابن كثير :٥٨٢/٣، دار السلام)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوىٰ، و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالیٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات و هو البر ، و ترک المنكرات وهو التقوىٰ، و ينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم .... قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم : "الدال على الخير كفاعله" .... في الصحيح : "من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه إلى يوم القيامة .... و من دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من اتبعه إلى يوم القيامة". (تفسير ابن كثير: ١٠/٢، دار السلام)

(۲) "قال في الهداية: و بعض مشايخنا رحمهم الله تعالیٰ : استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية .... و زاد بعضهم، الأذان والإقامة والوعظ". (رد المحتار ، باب الإجارة الفاسدة: ٥٥/٦، سعيد)

تناسخ کے قائل کا حکم

سوال[۲۰۲]: میرا ایک دوست جو اپنا کاروبار نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی دماغی حالت غیر اطمینان بخش بھی نہیں کہی جاسکتی، وہ اس خبط میں مبتلا ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی پیدا ہو چکا ہے اور اس دور کے کچھ حالات بھی من گھڑت طور پر بتلاتا ہے، غرض یہ کہ وہ کافی حدتک تناسخ کا قائل تھا اور ہے اور کہتا ہے کہ میری آئندہ پیدائش کتے کی شکل میں ہوگی (۱)۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکا یا نہیں؟ نیز اس کے ساتھ نشست و برخاست، خلط ملط مناسب ہے یا نہیں؟ وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

غلط صحبت اور غلط کتابوں کے مطالعہ سے ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے (۲)، بہتر صورت یہ ہے کہ اس سے نرمی ومحبت کا معاملہ کیا جائے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ نیز بزرگانِ دین کے حالات وملفوظات کا مطالعہ مفید ہوگا، کسی صاحبِ نسبت بزرگ کی خدمت میں چند روز رہنے کا موقع مل جائے تو زیادہ نفع کی توقع ہے، مثلاً حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ (جلال آباد ضلع مظفر نگر میں ان) سے اجازت لے کر وہاں کچھ وقت ان کی ہدایت کے موافق گزاریں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ پریشانی کی کیفیت دور ہو کر سکون نصیب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) تناسخ کے قائل کی تکفیر سے متعلق بحث فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ملاحظہ کریں: (کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین: ۲/۲۶۴، رشیدیہ)

(۲) "قال الشيخ الامام صدر الإسلام أبو اليسر: نظرت في الكتب التي صنفها المتقدمون في علم التوحيد، فوجدت بعضها للفلاسفة مثل: إسحاق الكندي و الإستقراري و أمثالهما، و ذلک كله خارج عن الدين المستقيم، زائغ عن الطريق القويم، فلا يجوز النظر في تلک الكتب، و لا يجوز إمساكها، فإنها مشحونة من الشرک و الضلال. قال: و وجدت أيضاً تصانيف كثيرة في هذا الفن للمعتزلة مثل: عبد الجبار الرازي والجبائي والكعبي والنظام وغيرهم. فلا يجوز إمساک تلک الكتب والنظر فيها، كي لاتحدث الشكوک و لا يتمكن الوهن في العقائد الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشيديه)

چیچک میں ہندوؤں کی مائی کو چندہ دینا

سوال[۲۰۳]: چیچک کی بیماری میں نومسلم لوگ ہندوؤں کی مائی کو پوجاپاٹ کے لئے چندہ دیتے ہیں، دارالعلوم کے صدر صاحب نے چیچک کی بیماری پر ہندوؤں کو چندہ دینے پر لوگوں کے نکاح ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرک وکفر کے لئے چندہ دینا نہایت خطرناک ہے(۱)، احتیاطاً اگر ان لوگوں کا نکاح دوبارہ پڑھا دیا گیا تو مضائقہ نہیں(۲)، آئندہ وہ لوگ پورا پرہیز کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۹۲ھ۔

دوکان کے افتتاح پر "ست نارائن" کی پوجا

سوال[۲۰۴]: ایک مسلمان نے اپنی دوکان کا افتتاح کیا، اس نے ایک پنڈت سے دوکان کے اندرو باہر "ست نارائن" کی پوجا کرائی، پوجا کا پرشاد بھی بانٹا گیا، اس طریقہ سے اس نے ہزاروں روپیہ خرچ کیا، چند مسلمانوں نے دیکھا تو اعتراض کیا تو مالک دوکان نے کہا کہ ہمارے یہاں جو ملازم غیر مسلم ہیں ان کی خواہش تھی کہ اس رسم افتتاح کے موقع پر ہم بھی پوجا کریں گے۔ اب اس فعل کے کرانے یا کرنے میں گناہ کبیرہ ہوا یا شرک ہوا؟

نوٹ: پوجا کے ختم پر رنڈیوں کا ناچ وگانا بھی ہوا۔

---

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾. (المائدة: ۲)

"نهی عن معاونة غيرنا علی معاصی الله تعالیٰ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۲۹، قديمی)

"فيعم النهی كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصی، و يندرج فيه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی: ۶/۵۷، دار إحياء التراث العربی)

(۲) "ما كان فی كونه كفرا اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

رسوم شرکیہ کی اعانت بھی سخت گناہ ہے (۱) جو کہ شرک کے قریب ہے، رنڈیوں کا ناچ گانا بھی حرام ہے (۲) ایسی چیزیں حق تعالیٰ کے غضب اور لعنت کو کھینچنے والی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۵/۹۶ھ۔

''ایمانداری کوئی چیز نہیں'' کا مفہوم اور حکم

سوال [۲۰۵]: زید نے مریم سے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کہا کہ آخر ایمانداری تو کوئی چیز ہے، مریم نے بیساختہ غصہ کی حالت میں کہ ''ایمانداری کوئی چیز نہیں'' اس بات سے ایمان میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے کہ نہیں؟ اور نکاح دوہرانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایمانداری کا مفہوم عامۃً سچ بولنا اور سیاسی غرض کو مدِ نظر نہ رکھنا ہوتا ہے، خدا پر ایمان رکھنا مراد نہیں ہوتا،

---

(۱) قال الله تبارک و تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة : ۲)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحتها: "فیعم النهی کل ما هو من مقولة الظلم والمعاصی ...... و عن ابن عباس رحمه الله تعالیٰ، و أبی العالیة رحمه الله تعالیٰ: أنهما فسّر الإثم بترک ما أمرهم به، و ارتکاب ما نها هم عنه". (روح المعانی : ۲/۵۷، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) قال ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ :"و دلت المسئلة علی أن الملاهی کلها حرام حتی التغنی بضرب القصب. قال علیه السلام: "لَیکونَنّ من أمتی أقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف". أخرجه البخاری، و فی لفظ آخر : "لیشربنّ أناس من أمتی الخمر، یسمونها بغیر اسمها، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات، یخسف الله بهم الأرض و یجعل منهم القرد والخنازیر". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی اللبس : ۸/۳۴۶، رشیدیه)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، قبیل باب ما یفسد الصلوة ، ص: ۳۱۹، قدیمی)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو: ۵/۳۵۱،رشیدیه)

مریم نے جب کہا کہ ایمانداری کوئی چیز نہیں تو اسی مفہوم کی نفی کرنا مقصود ہے، نہ کہ خدا پر ایمان کی نفی، لہٰذا اس پر کفر کا فتویٰ نہیں ہوگا (۱)، البتہ ایسے الفاظ بولنے سے منع کیا جائے گا جن سے کفر کا شبہ بھی ہوتا ہو (۲) لہذا توبہ و استغفار کرے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) "و قد قيل: لو كان تسعة و تسعون دليلاً على كفر أحد، و دليل واحد على إسلامه، ينبغي للمفتي أن يعمل بذلك الدليل الواحد؛ لأن خطاه في خلاصه خير من خطاه في حده و قصاصه". (تنبيه الولاة والحكام في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۳۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، و منها ما يتعلق بتلقين الكفر الخ، قبيل الباب العاشر: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، باب المرتد: ۴/۲۳۰، سعيد)

(۲) "عن بلال بن الحارث رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "و إن الرجل ليتكلم بالكلمة من الشر ما يعلم مبلغها، يكتب الله بها عليه سَخَطَه إلى يوم يلقاه". (مشكوة المصابيح، باب حفظ اللسان، الفصل الثاني: ۲/۴۱۲، قديمي)

و في حديث آخر .... "و إن الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله .... فيكتب الله بها سخط إلى يوم القيامة". و في الإحياء: و كان علقمة يقول: و كم من كلام مَنَعَنِيه حديث بلال بن الحارث. .... اللسان جِرمه صغير و جُرمه كبير و كثير .... و احفظ لسانك عما ليس فيه خير اهـ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب: ۸/۵۷۹، ۵۸۲، باب حفظ اللسان، رشيديه)

(۳) قال العلامة الآلوسي: "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر، .... و عبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة .... سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي)

"و ما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة اهـ. و ظاهره أنه أمر احتياط اهـ". (رد المحتار، باب المرتد: ۴/۲۳۰، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، أحكام المرتدين: ۲۸۳/۲، رشيديه)

یہ کہنا کہ ''رزق ہم دینگے''

سوال[۶۰۶] : قاری فخر الدین صاحب نے ایک آدمی کو کہا کہ ''روزی ہم دیں گے''، کیا ایسا کہنا شریعت کے نزدیک جائز اور درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قاری فخر الدین صاحب حیات ہوں تو خود ان سے ہی اس کا مطلب دریافت کیا جائے، ممکن ہے کہ ان کی تشریح سے اشکال ختم ہو جائے، حقیقتاً رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اہلِ عرب مجازاً بولتے ہیں ''رزق الأمير الجند'' امیر نے لشکر کو رزق دیا یعنی تقسیم کیا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قانونِ شریعت کو نہ ماننے والے کا حکم

سوال[۶۰۷] : جو شخص قانونِ خدا اور رسول کو نہ مانے بلکہ ضد وانکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص گنہگار ہے، اس کو اپنی ضد چھوڑ کر حکمِ شرعی پر عمل لازم ہے(۲)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "الرازق والرّزّاق: في صفة الله تعالىٰ ؛ لأنه يرزق الخلق أجمعين .... قال الله تعالىٰ: ﴿وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ .... قال الله تعالىٰ: ﴿ما أريد منهم من رزق، وما أريد أن يطعمون﴾ يقول : بل أنا رازقهم ماخلقتهم إلا ليعبدون ، وقال تعالىٰ: ﴿إن الله هو الرّزّاق ذو القوة المتين﴾ .... ورزق الأمير جنده، فارتزقوا ارتزاقاً". (لسان العرب، للعلّامة أبي الفضل جمال الدين: ۱۰/۱۱۵، دار صادر، بيروت)

(۲) وقال الله تعالىٰ: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه، وما نهاكم عنه فانتهوا﴾: أي مهما أمركم به =

رسم ورواج کی وجہ سے حکم شریعت کو نہ ماننا

سوال[۶۰۸]: جو شخص دنیا کی رسم ورواج کو اللہ اور رسول کے قانون پر ترجیح دے اور دین کی بات کو نہ مانے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اللہ ورسول کے حکم کے مقابلہ میں دنیا کے رسم ورواج کو ترجیح دینا دینِ اسلام سے حد درجہ بُعد اور طریقۂ جاہلیت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه ؛ فإنه إنما يأمر بخير، وإنما ينهى عن شر". ﴿واتقوا الله إن الله شديد العقاب﴾ "اتقوه في امتثال أوامره وترك زواجره، فإنه شديد العقاب لمن عصاه وخالف أمره وأباه وارتكب ماعنه زجره ونهاه". (تفسير ابن كثير: ۴/۴۳۱، دارالسلام)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدىً من الله﴾ الآية: ۵۰ (القصص : ۲۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله، إن الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد﴾ (سورة صٓ: ۲۶) وقال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله، قالوا بل نتبع ما ألفينا عليه آباء نا ﴾ (الآية: ۱۷۰ البقرة)

"وعن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به" .... قال بعض العارفين : أى حتى يكون المطاع .... تبعاً لما جئت به من السنة الزهراء والملة النقية البيضاء .... فلا يميل إلا بحكم الدين ولا يهوى إلا بأمر الشرع، فهو المؤمن الفريد الكامل الوحيد الذى يقبل منه التوحيد، ومن أعرض عنه متبعاً لما هواه، مبتغياً لمرضاه، فهو الكافر الخاسر فى دنياه وعقباه، ومن اتبع أصول الشريعة دون فروعها فهو الفاسق، ومن عكس فهو المنافق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب السنة: ۱/۴۱۲، ۴۱۳، رشيديه)

"سئل الحاكم عبدالرحمٰن عن قال: "برسم کار کنم بحکم نے"، هل هو كفر؟ قال : "إن كان مراده فساد الخلق وترك الشرع واتباع الرسم، لارد الحكم، لايكفر، كذا فى المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع، مطلب: الموجبات، مايتعلق بذات الله تعالىٰ: ۲/۲۵۸، رشيديه)

مایتعلق بألفاظ الکفر

(الفاظ کفر کا بیان)

دعوۃ الحق کو دعوۃ الکفر کہنا

سوال[۲۰۹]: ''مجلسِ دعوۃ الحق'' جو مولانا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اور اس وقت ہردوئی میں مولانا سید ابرار الحق صاحب دعوۃ الحق کے کاموں کو کر رہے ہیں اور اشاعت تعلیم وغیرہ اور جو مقاصد دعوۃ الحق کے ہیں انہیں انجام دے رہے ہیں، مولانا موصوف کے کاموں سے اہل علم ناواقف نہیں ہیں اور مجلس دعوۃ الحق کا اہل علم کو علم ہے۔

اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ ایک عالم دعوۃ الحق کو سمجھتا ہے کہ یہ دعوۃ الحق نہیں بلکہ دعوۃ الکفر ہے۔ کیا ایسے عالم کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟ اور کیا ایسے عالم سے اعتقاد رکھنا درست ہے؟ اور اس کا وعظ سننا اور اس کی صحبت میں بیٹھنا درست ہے؟ یا ایسے عالم کا عوام وخواص مسلمین کو بائیکاٹ کرنا چاہیے؟ نیز کیا ایسے عالم کی تکفیر کی جائیگی؟ اور شرعاً کیا اسے حکم دیا جائے گا کہ تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح بھی کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان عالم صاحب سے اس کی شرعی وجہ دریافت کی جائے، یہ معمولی چیز نہیں جو فرعی مسئلہ کی حیثیت سے ہو بلکہ بنیادی چیز ہے(۱)۔ جب تک وہ اس کو مدلل طور پر بیان نہ کریں ان کی یہ بات قابلِ اتباع نہیں اور خود ان پر حکم کفر عائد کرنے میں بھی جلدی نہ کی جائے، البتہ ان کا اس قسم کا وعظ نہ سنا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''وفي المحيط: من ذكر عنده الشرع، فتجشا: أي عمداً أو تكلفاً، أوصوّت صوتاً كريهاً: أي تقذراً أو تكرهاً، أوقال: هذاالشر، كفر: أي حيث شبّه الشرع بالأمر المكروه في الطبع''. (شرح الفقه الأكبر، قبيل فصل في الكفر صريحاًو كناية، ص: ۱۷۵، قديمي)

''مجرم کو اللہ تعالیٰ نہیں چھڑا سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھڑا سکتے ہیں'' کہنا

سوال[۶۱۰]: بریلوی حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''قیامت کے دن معصیت کے بارے میں جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سزا دینے کے لئے پکڑلیں گے، کوئی چھڑا نہیں سکتا اور خدا جس شخص کو سزا دینے کے لئے پکڑیں گے، اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چھڑا سکتے ہیں''۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن صاحبان کا یہ عقیدہ ہے ان سے ہی اس کی دلیل قرآن وحدیث سے دریافت کی جائے، میں نے کسی آیت اور کسی حدیث میں ایسا نہیں پڑھا، نہ علمِ عقائد کی کتابوں میں۔

بریلوی مکتبۂ فکر کے بہت سے عقائد ایسے نرالے ہیں کہ قرآن، حدیث شریف، آثارِ صحابہ، ائمۂ مجتہدین، فقہ میں ان کا نام ونشان بھی نہیں۔ شاعرانہ مضمون کو عقیدہ قرار دینا بھی مشکل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خدا کو بے انصاف اور خود کو کافر کہنا

سوال[۶۱۱]: زید کی بیماری کی حالت میں اس کی بیوی نے کہا کہ آپ کلمہ استغفار پڑھیں، اور بیماری بھی ایسی شدید نہیں تھی اور گاہ بگاہ تندرستی کی حالت میں بھی کلمۂ استغفار پڑھنے کے لئے کہا، اس نے دونوں حالتوں میں انکار کردیا۔ زید کی نرینہ اولاد مرجانے کے بعد زید کہتا رہا کہ ''اس نے میری تو پیڑ میٹ دی اوراس کی پیڑ میٹ دی جو اس سے اوپر ہوگا''۔

کچھ عرصہ تک جب زید یہ کلمہ کہتا رہا آخر اس کی بیوی نے کہا کہ تو ایسے کلمات خدائے عزوجل کی شان میں نہ بول، کافر ہوجائے گا۔ نیز زید نے یہ بھی کہا کہ ''خدا کے ہاں انصاف نہیں، خدا بے انصاف ہے اور میں تو کافر ہوں، تم کبھی مجھے کلمہ استغفار کو نہ کہنا''۔ عورت بولی میں تو اپنی زبان سے کافر نہیں کہتی۔ زید نے کہا کہ ''میں کہتا ہوں کہ میں کافر ہوں، مجھے جنت میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، تم ہی چلی جائیو، میں تو دوزخ میں

چلا جاؤں گا، دوزخ بھی تو اس کو مجھ جیسوں سے بھرنا ہے"۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس کا کیا حکم ہے اور اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"من نسب الله تعالى إلى الجور فقد كفر"(١)۔ "الرجل إذا ابتلى بمصيبات متنوعة فقال: أخذتَ مالي، وأخذ تَ ولدي، وأخذت كذا وكذا، فماذاتفعل بمابقي؟ وماأشبه هذامن الألفاظ، فقد كفر، كذا في المحيط"(٢)۔ "مسلم قال: أناملحد يكفر، ولوقال: ماعلمت أنه كفرٌ،لايُعذَر بهذااه"۔ هندية(٣)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ الفاظِ مذکورہ کا کہنا کفر ہے، لہٰذا زید کو تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح فرض ہے(۴)، جب تک وہ ایمان اور نکاح کی تجدید نہ کرے اس وقت تک اس کی عورت کو اس سے علیحدہ

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنهامايتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ٢/٢٥٩، رشيديه)

(وكذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر فيمايضاف إلى الله تعالى: ٥/٥٥٣، غفاريه)

(والتاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيمايضاف إلى فعل الله تعالى: ٥/٤٦٢، ادارة القرآن).

(٢) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفرأنواع: ومنهامايتعلق بيوم القيامة وما فيها: ٢/٢٧٥، رشيديه)

(وكذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر فيماقال عند التعزية والمرض: ٥/٥٧١، المكتبة الغفاريه، كوئته)

(٣)(الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفرأنواع: ومنهامايتعلق بتلقين الكفر والأمر بالإرتداد: ٢/٢٧٩، رشيديه)

(كذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخرفي الرجل يقول لغيره ياكافرالخ: ٥/٥٧٣، المكتبة الغفاريه، كوئته)

(۴) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح والتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ٢/٢٨٣، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٥/٢١٠، رشيديه)

رہنا ضروری ہے، اپنے اوپر جماع وغیرہ کے لئے قابو دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۲/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

''اللہ تعالیٰ بے انصاف ہے'' کہنا

سوال[۲۱۲]: عورتوں میں آپس میں اولاد کی بابت گفتگو تھی، ایک عورت نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ بہت بے انصاف ہے، کسی کو اولاد دیتا ہے کسی کو اولاد نہیں دیتا'' کیا یہ کلمہ کفر ہے؟ کیا اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ توبہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کلمہ کہ ''اللہ تعالیٰ بہت بے انصاف ہے، کسی کو اولاد دیتا ہے کسی کو اولاد نہیں دیتا'' کلمہ کفر ہے(۱)۔ ''نعوذ باللّٰہ منہ، أستغفر اللّٰہ'' ۔اس کے ذمہ ضروری ہے کہ توبہ واستغفار کرے اور تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی دوبارہ پڑھوائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "یکفر إذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ". (البحر الرائق، باب أحکام المرتدین من السیر: ۵/ ۲۰۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیہ علی ہامش الهندیہ، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الأول، النوع الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ: ۶/ ۳۲۳، رشیدیہ)

(والفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: ومنها ما یتعلق بذات اللہ تعالیٰ وصفاته: ۲/ ۲۵۸، رشیدیہ)

(۲) "ما کان فی کونه کفراً اختلاف، یؤمر قائله بتجدید النکاح والتوبة احتیاطاً ...... هذا إذا تکلم الزوج، فإن تکلمت به، قال مشائخ بلخ ومشایخ سمرقند والحاکم الشهید وإسماعیل الزاهد: علی أنه لا یؤثر فی إفساد النکاح، ولا یؤمر بتجدید النکاح، سداً لهذا الباب علیهن، ویحبسها الحاکم قدر ما ترجع. ومشایخ بخاری علی فساد النکاح، ولکن تجبر علی نکاح الأول ولو بدینار، وهذه فرقة بلا طلاق إجماعاً، ولا نفقة فی هذه العدة، وبهذا کله یفتی". (البزازیہ علی ہامش الهندیہ، کتاب ألفاظ تکون =

خدائے پاک کو بے انصاف کہنا

سوال[۲۱۳]: زید کے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن زید کی شکل لڑکے پر نہ پڑی بلکہ ماموں پر پڑی، زید نے مذاق میں کہہ دیا ''دیکھو اللہ تعالیٰ نے بے انصافی کی، ہم کو نہیں پڑا، اپنے ماموں کو پڑ گیا''۔ زید کے لئے اب شرعاً کیا حکم ہے، کیا تجدید ایمان وتجدید نکاح کرایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محلِ ایمان قلب ہے، قلب سے اس کا نکل جانا کفر ہے، مگر جس طرح ظہورِ ایمان کے لئے زبان ترجمانِ قلب ہے، اسی طرح بعض کلمات کے صدور کو امارتِ کفر قرار دیا گیا ہے۔ بے انصافی، ظلم کی نسبت خدائے پاک کی جانب اعتقاداً بھی کفر ہے اور قولاً بھی، اگرچہ دل میں کفر نہ ہو، اگر کلماتِ کفر استہزاءً کہے جائیں تب بھی حکم کفر عائد ہوتا ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ میں تجدید ایمان، تجدید نکاح، توبہ کرادی جائے۔

"ولو قال: إن قضى الله تعالى يوم القيامة بالحق والعدل أخذ تك بحقي، فهذا كفر، كذافي المحيط"(١). "رجل قال :ياخدا! **روزى برمن فراخ كن، ياباز رگانى من رونده كن، يابرمن جورمكن**، قال أبو نصر الد بوسي: يصير كافراً بالله۔ كذافي فتاوى قاضي خان" (٢)۔

"ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط" (٣)۔

= إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الأول :٦/ ٣٢٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة :٢/ ٢٨٣، رشيديه)

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع : ومنها مايتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ٢/ ٢٥٩، رشيديه)

(وكذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر فيما يضاف إلى الله تعالى :٥/ ٥٥٣، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(٢) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق :٢/ ٢٦٠)

(وكذافي فتاوى قاضي خان، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون : ٣/ ٥٧٤، رشيديه)

(٣) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ٢/ ٢٨٣، رشيديه) .... =

"قال أبوحفص: من نسب الله تعالی إلی الجور، فقد کفر، کذافی الفصول العمادیه".

فتاوی عالمگیری، باب کتاب السیر: ۲/۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

کیا خدا ظالم ہے؟ (نعوذ باللہ)

سوال[۲۱۴]: ایک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا ظالم ہونا ممکن بلکہ وقوع ہے"، دلیل یہ دیتے ہیں کہ "مثلاً: زید نے عمر کو قتل کیا یا کوئی بھی کبیرہ گناہ کیا اور وہ آج سے سو سال پہلے انتقال کر گیا تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم رسید کرے گا، اس کے بعد بکر کا انتقال ہوتا ہے اور بکر کا انتقال زید سے ایک سو سال بعد ہوتا ہے اور کوئی کبیرہ گناہ کیا اور توبہ دونوں میں سے کسی نے نہیں کی تو یہ بھی جہنم میں جائے گا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب گناہ میں دونوں برابر ہیں تو پھر زید کو سو سال تک عذاب کیوں دیا گیا اور اس کو سو سال عذاب کم دیا گیا؟ لہذا نعوذ باللہ خدا ظالم ہے"۔ أستغفر الله أستغفر الله۔ یہ بات تحریر کریں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں جبکہ وہ اس قول پر مصر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظلم کے معنی "ملکِ غیر میں ناحق تصرف کرنا"، تمام مخلوق اللہ کی ملک ہے، لہذا خالق مالک اپنی مخلوق مملوک میں جو بھی تصرف کرے گا وہ ظلم نہیں ہوگا، اس کو ظلم کہنا ناواقفیت کی بنا پر ہے، ایسا شخص نہ الفاظ کے مفہوم کو سمجھتا ہے نہ آدابِ خداوندی سے واقف ہے، اس کو لازم ہے کہ توبہ استغفار کر کے زبان ایسے ناشائستہ کلمات

= (وکذافی البزازیه علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماًأو کفراً، الفصل الثاني، النوع الأول في المقدمة: ۳۲۲/۶، رشیدیه)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: ومنها مایتعلق بذات الله تعالی وصفاته: ۲۵۹/۲، رشیدیه)

(کذافی المحیط البرهاني، کتاب السیر، فصل في مسائل المرتدین، نوع آخر فیمایضاف إلی الله تعالی: ۵۵۳/۵، المکتبة الغفاریه، کوئٹه)

سے بندر کھے ورنہ ایمان سلامت نہیں رہے گا(۱)۔

سیدھی بات ہے کہ جس نے سو سال پہلے جرم کیا اس کی سزا سو سال زائد ہے اس سے جس نے سو سال بعد جرم کیا۔ یہ تجویز کہ کسی گناہ کی بنا پر یقینی طور سے وہ جہنم میں ضرور جائیگا، نہ صدقہ جاریہ سے اس کا بچاؤ ہو سکے گا، نہ علمِ نافع سے، نہ ولدِ صالح سے جو کہ دعاء کرتا ہو، نہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے، یہ تجویز خود ہی بڑی جرأت ہے، گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے اور رحمت سے مایوس ہونے کی بھی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۹ھ۔

اللہ میاں کا اپنی تعریف کرنا

سوال[۲۱۵]: ایک عالم صاحب ﴿الٓمٓ ۔ ذلك الكتاب لاريب فيه﴾ پڑھ کر فرماتے ہیں کہ ''اللہ میاں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہا ہے''۔ از روئے شرع یہ الفاظ کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظاہر ہے کہ الفاظ تو اللہ میاں کی عظمت کے خلاف اور نہایت استہزا و استخفاف پر دلالت کرتے ہیں جن

---

(۱) "من نسب الله تعالى إلى الجور، فقد كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنها مايتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر فيما يضاف إلى الله تعالى: ۵/۵۵۳، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(والتاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يضاف إلى الله تعالى: ۵/۲۶۲، ادارة القرآن.)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولاتيئسوا من روح الله، إنه لاييأس من روح الله إلا القوم الكافرون﴾ (يوسف: ۸۷)

قال العلامه الآلوسي: "وذكر الإمام أن اليأس لايحصل إلا إذا اعتقد الإنسان أن الإله غير قادر على الكمال، أو غير عالم بجميع المعلومات، أو ليس بكريم، واعتقاد كل من هذه الثلاث يوجب الكفر...... واستدل بعض أصحابنا بالآية على أن اليأس من رحمة الله تعالى كفر". (روح المعاني: ۱۳/۴۵. دار إحياء العربي)

سے ایمان سلب ہوکر ارتداد کا حکم ہوتا ہے (۱) وہ عالم صاحب ہی اپنے الفاظ کی تشریح کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

''میں اللہ اور رسول کو نہیں جانتا'' کہنے کا حکم

سوال[۲۱۱۶]: زید اور بکر کے درمیان کسی امر پر بحث چل رہی تھی، تو زید نے کہا کہ بھائی جو بات یا گفتگو کرو وہ اللہ ورسول کے ساتھ ہونی چاہیے اور اللہ ورسول کو درمیان میں ڈال کر کہو۔ بکر نے اس پر یہ کہا کہ ''میں اللہ اور رسول کو نہیں مانتا''۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور پھر جب بکر سے کہا گیا: تُو ابھی یہاں سے اٹھ جا، تُو ہمارے درمیان بیٹھنے کے قابل نہیں ہے جب تک توبہ نہ کرے یا حکمِ شرع کے مطابق عمل نہ کرے، اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا اور زید کے مخالف ہوگئے اور بکر کی طرف داری کرنے لگے۔ اب امر ضروری یہ ہے کہ بکر کے ساتھ جو اس کی ہمدردی یا حکمِ شرع میں پابندی نہ کرنے والے اور زید پر ناراض ہونے والوں کا کیا حکم ہے؟

(الجواب: مدرسہ خلیل العلوم)

بکر کے اوپر توبہ واجب ہے اور نکاح دوبارہ ہونا چاہئے اور وہ اشخاص جو بکر کے ساتھ ہیں اور اس کے اس کہنے کو کہ ''میں اللہ اور رسول کو نہیں مانتا'' برا نہیں سمجھ رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں، ان پر بھی توبہ واجب اور نکاح دوبارہ لازم ہے۔ حکمِ شرع میں برادری کا لحاظ لازم نہیں، جن اشخاص نے اور زید نے بکر کو اٹھ جانے کو کہا اس پر ان کو اجر وثواب ملے گا اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

خلیل احمد مدرسہ اہل سنت خلیل العلوم سنبھل۔ ۱۰/اپریل ۱۹۷۴ء ضمیر احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً: دار العلوم دیوبند

مسلمان کے کلام کے لئے جہاں تک ہو سکے ایسا محمل نکالا جائے کہ وہ مسلمان اسلام سے خارج نہ ہو، پھر خاص کر جبکہ وہ معذرت بھی کرتا ہو کہ ''یہ الفاظ میرے منہ سے نکل گئے''۔ اس کے الفاظ کا یہ مطلب بھی

---

(۱) ''یکفر إذا وصف الله تعالى بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسمائه، أو بأمر من أوامره''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنها ما يتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ۲۵۸/۲، رشيديه)

ہوسکتا ہے کہ ''میں اللہ اوراس کے رسول کے اُحکام کونہیں جانتا، ناواقف ہوں، بے علم ہوں''۔اس کو کفر سے بچانے کے لئے یہ محمل بھی کافی ہے، البتہ اس کو تنبیہ کی جائے کہ ان الفاظ کا ظاہری مطلب خطرناک ہے جس کی وجہ سے سخت حکم بھی لگ سکتا ہے، لہٰذا آئندہ کے لئے پوری احتیاط رکھے اور جو الفاظ زبان سے نکل گئے ان پر نادم ہوکر توبہ کرلے، اپنی غلطی کا اعتراف کرلے۔

''والذی تحرر أنه لایفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن، أو کان فی کفره اختلاف ولو روایةً ضعیفةً، فعلی هذا أکثر ألفاظ التکفیر المذکورة لایفتی بالتکفیر بها، ولقد ألزمت نفسی أن لاأفتی بشیئ منها. اهـ''. البحر الرائق: ۵/۱۲۵(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۴ھ۔

نماز قضاء ہونے پر یہ کہنا کہ ''نماز تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوئی ہے''

سوال[۲۱۷]: ۱......ایک مولوی صاحب کی فجر کی نماز قضاء ہوگئی، جب لوگوں نے ان سے کہا کہ جب آپ نے نماز قضاء کردی تو ہم جیسے لوگوں کا کیا حال ہوگا تو برجستہ انہوں نے فرمایا کہ ''نماز تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوئی ہے''، جس سے لوگوں پر غلط اثر پڑا۔ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

''اگر نبی اس زمانے میں ہوتا وہ بھی ٹیری کاٹ پہنتا'' کہنا

سوال: ۲......انہیں مولوی صاحب سے ایک روز ایک شخص نے کہا کہ ٹیری کاٹ تم کیوں پہنتے ہو؟ تو فوراً جواب دیا کہ ''اگر نبی اس زمانے میں ہوتا تو وہ بھی ٹیری کاٹ پہنتا''۔اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ایک جہاد سے واپس تشریف لاتے ہوئے ایک مقام پر پورے انتظام کے باوجود فجر کی نماز قضاء

---

(۱)(کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۱۰، رشیدیه)

''وفی الفتاوی العالمکیریة، ''إذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع، فعلی المفتی أن یمیل إلی ذالک الوجه''. (کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی، الجنس الأول فی المقدمة: ۴/۳۸۲، رشیدیه)

ہوگئی تھی (۱)، نیز ایک جہاد کی مشغولی میں نماز کی مہلت ہی نہیں ملی اس وقت نماز قضاء ہوئی، جس کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے حد افسوس اور قلق ہوا حتی کہ آپ نے بددعاء بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہم کو نماز بھی نہیں پڑھنے دی (۲)۔

لیکن آج اگر کسی کی نماز قضاء ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ اپنی اس نماز کی قضاء ہونے پر افسوس کرے، پشیمان ہوکر خدا سے معافی مانگے، نہ یہ کہ جسارت سے کہہ دے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی تو نماز قضاء ہوئی تھی، ایسا کہنے سے پورا اجتناب لازم ہے، ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ جس قصور میں یہ شخص مبتلا ہے نعوذ باللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس میں مبتلا ہوئے، یا یہ مطلب ہوگا کہ نماز کا قضاء کردینا بھی سنت ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز قضاء ہوجانے میں بھی شرعی حکم اور تعلیمات ہیں (۳)۔

۲...... یہ جواب بھی اہل علم حضرات کے لائق نہیں، پست جواب ہے، بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرعاً اس کی ممانعت نہیں (اگر واقعتاً ممانعت نہ ہو)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: سرنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلةً، فقال بعض القوم: لو عرست بنا يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم! قال: "أخاف أن تناموا عن الصلوة"، قال بلال: أنا أوقظكم، فاضطجعوا، وأسند بلال ظهره إلى راحلته فغلبته عيناه، فنام، فاستيقظ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقد طلع حاجب الشمس، فقال: "يا بلال! أين ما قلت"؟ ....فلما ارتفعت الشمس وابيضّت، قام فصلى". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت: ۱/۸۳، قديمي)

وقال ابن حجر: "كان ذالك في رجوعه من خيبر". (فتح الباري: ۲/۸۵، قيمي كتب خانه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال يوم الخندق: "ملأ الله عليهم بيوتهم وقبورهم ناراً كما شغلونا عن الصلوة الوسطى حتى غابت الشمس". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق: ۲/۵۹۰، قديمي.)

(۳) ذكر تلك الحِكَم الحافظ ابن حجر مفصلاً في "فتح الباري شرح صحيح البخاري". (كتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت: ۲/۸۶، قديمي)

مصلحۃً کذب کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کرنا

سوال[۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالواحد نے یہ کہا اپنے داماد سے کہ "میں کانپور ضلع میں لڑکی کی شادی نہیں کروں گا" پھر کچھ روز کے بعد مذکورہ ضلع میں مذکورہ لڑکی کی شادی کردی، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے مسجد میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ مذکورہ ضلع میں لڑکی کی شادی نہیں کروں گا، پھر آپ نے کیوں کردی۔ تو اس پر مسمی عبدالواحد نے یہ جواب دیا کہ "مصلحت کے وقت مسجد کو سر پر رکھ لینا اور جھوٹ بولنا جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مصلحت کے وقت جھوٹ بولتے تھے"۔ (نعوذ باللہ) لہذا شریعت کی رو سے جواب باصواب عنایت فرمایا جاوے کہ اس شخص کے لئے شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟ عین نوازش ہوگی۔ (معرفت: حافظ قاری محمد ولی اللہ صاحب)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق، امین تھے یعنی سچے اور امانت دار تھے، نزولِ وحی سے پہلے بھی کبھی آپ نے کوئی غلط بات زبان مبارک سے نہیں نکالی، اس کا اعتراف آپ کے سخت مخالف اور دشمن بھی کرتے تھے(۱)۔ اور نزولِ وحی کے بعد بھی کبھی آپ نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا(۲) کسی مصلحت کی خاطر جھوٹ نہیں

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لما نزلت: ﴿وأنذر عشيرتک الأقربين﴾ صعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الصفاء، فجعل ينادی: "يابنی فهر! يابنی عدی! بُطُونَ قريش، حتی اجتمعوا، فجعل الرجل إذالم يستطع أن يخرج، أرسل رسولاً لينظر ماهو، فجاء أبولهب وقريش، فقال: "أرأيتكم لوأخبرتكم أن خيلاً بالوادی تريد أن تُغير عليكم، أكنتم مصدقيّ"؟ قالوا: نعم، ماجرّبنا عليک إلاصدقاً، قال: "فإنی نذيرلكم بين يدی عذاب شديد". (صحيح البخاری، تفسير سورة الشعراء، باب قوله تعالی: ﴿وأنذر عشيرتک الأقربين﴾: ۲/۷۰۲، قديمی)

(۲) روی الإمام البخاری رحمه الله تعالیٰ، فی حديث هرقل الطويل الذی وقع لأبی سفيان فی حالة كفره بعد رسالته صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم: "قال: فهل كنتم تتّهمونه بالكذب قبل أن يقول ماقال؟ قلت: لا .... وسألتک هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ماقال؟ فذكرت أن لا، فقد أعرف أنه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله". (باب كيف كان بدء الوحی إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم: ۱/۴، قديمی)

بولا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، ان چیزوں سے آپ کی ذاتِ اقدس بالکل پاک تھی، شخصِ مذکور کو اپنے اس قول سے رجوع اور توبہ لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

رام کرشن کو برا کہنا

سوال [۱۰۲]: رام کرشن کو برا کہنا یا برا سمجھنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان کو برا سمجھنے والے اور برا نہ سمجھنے والے کا عندالشرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قیامت کے دن ان کے متعلق سوال نہیں ہوگا، بلاوجہ کسی کو بھی برا کہنا برا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱۱ھ۔

جو شخص قرآن وحدیث کو غلط بتلائے اس کا حکم

سوال [۱۲۱]: ہم لوگ تین آدمی مسجد بنانے کے لئے چندے کی اسکیم کر رہے تھے کہ ایک آدمی شراب پی کر ہمارے پاس کھڑا ہوگیا، تھوڑی دیر تک بات ہوتی رہی، مگر نشے میں اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ ''مسلمانوں کا یہ قرآن وحدیث سب غلط ہے، یہ ہندو مذہب کی توہین کرتے ہیں، اس پر ہمارے ہاں ہندو مسلم جھگڑے کی نوبت بہت آگے تک پہنچ چکی''۔ اب بتائیں کہ ہم لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بات معمولی تھی، حسنِ تدبیر سے ختم کی جاسکتی تھی مگر بڑھ گئی، اب بہت نرمی وشفقت سے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے، کسی عالم بزرگ کے پاس کسی تدبیر سے اس کو لے جا کر اس کو فہمائش کرائی جائے کہ تمہاری زبان

---

(۱) ''وفی غرر المعانی: سئل عمن قال لزوجته: خلاف مگو، فقالت المرأة: پیغمبران خلاف گفتند، قال: کلمۂ کفر است، توبہ کند ونکاح تازہ کند''۔ (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع: ومنها مایتعلق بالأنبیاء: ۲/۲۶۶، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم﴾ (الأنعام: ۱۰۸)

سے بہت سخت لفظ نکل گئے ہیں (۱) ابھی توبہ کا وقت ہے توبہ کرلو، ورنہ انجام بہت سخت ہے، اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے کا نتیجہ بھی بظاہر بہت خراب ہے، اس لئے کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ فتنہ کرنے والے موجود ہیں، خدا جانے اس کا اثر کہاں تک پہنچے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص قرآن وحدیث کو ناقابلِ عمل بتائے اس کا حکم

سوال [۶۲۲]: ایک مسلمان کے سامنے جب خدا اور رسول، قرآن وحدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ”آپ تو ان سب پرانی باتوں کو لاتے ہیں، یہ دور دوسرا ہے، اس دور کے لئے اس دور کے لحاظ سے باتیں لائیں“۔ ایسا مسلمان قانونِ خداوند اور احادیث کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مقصد خدانخواستہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث اس دور میں کارآمد نہیں، ان کے اصول وأحکام قابلِ عمل نہیں رہے، ان سے زندگی کی اصلاح نہیں ہوسکتی تو ایسا شخص مسلمان نہیں۔ معاذ اللہ۔ کذا فی العالمگیری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إذا أنكر آيةً من القرآن أو تسخر بآية من القرآن، وفي الخزانة: أو عاب، كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

"والحاصل أنه إذا استخف بسنة أو حديث من أحاديثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كفر". (البزازيه على هامش الهنديه، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثالث في الأنبياء: ۶/۳۲۸، رشيديه)

(كذا في التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل في ما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۹۰، ادارة القرآن)

وفي التاتارخانيه متعلقاً بالحديث المبارك: "وإذا كان الفقيه يذكر شيئاً من العلم، أو يروي حديثاً صحيحاً، فقال له الآخر: این صحیح نیست، ورده .... فهذا كفر". (كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء، : ۵/۵۰۷)

(۲) "ولو قال: قرأت القرآن كثيراً، فما رفعت الجناية عنا، يكفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، =

حفظ قرآن کو مکروہ کہنا

سوال[۶۲۳]: انگریز کی بادشاہی میں اگر کوئی کہہ دے کہ "قرآن کا حفظ یاد کرنا مکروہ ہے" شریعت کا اس کے لئے کیا حکم ہے؟
المستفتی: مولوی اطہر جان، ضلع کوہاٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مقدار نماز میں فرض ہے اس کا یاد کرنا فرضِ عین ہے اور تمام کا یاد کرنا فرض کفایہ اور سنت عین ہے، لہذا جو شخص مکروہ کہتا ہے وہ جہالت اور حماقت بلکہ ضلالت میں مبتلا ہے (۱)۔ اس کو مسئلہ صحیح طور سے سمجھا دیا جائے۔

"وفرض القراءة آية على المذهب، وحفظها فرض عين، وحفظ جميع القرآن فرض كفاية وسنة عين اهـ". درمختار: ۱/ ۵۶ (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۴/۶۰ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

= موجبات الكفر أنواع: ومنها ما يتعلق بالقرآن: ۲/ ۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس التاسع في القرآن: ۴/ ۳۸۹، رشيديه)

(۱) اس قسم کے الفاظ پر فقہاء نے تکفیر کی ہے:

وفي التاتارخانيه: "وإذا كان الفقيه يذكر شيئاً من العلم أو يروي حديثاً صحيحاً، فقال له الآخر: ..... این سخن بچہ کار آید، درم باید کہ امروز حشمت درم راست، علم کرا بکار آید، فهذا كفر". (كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء، : ۵/ ۵۰۷، إدارة القرآن)

(كذا في المحيط البرهاني: كتاب السير، فصل في أحكام المرتدين، نوع في العلم والعلماء: ۵/ ۵۶۹، المكتبة الغفاريه، كوئته).

(۲) (الدر المختار، باب صفة الصلوة، فصل في القراءة، : ۱/ ۵۳۸، سعيد)

''آنتیں ﴿قل ھو اللہ﴾ پڑھتی ہیں'' کہنا

سوال[۲۲۴]: ۱...... اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھوک کی حالت میں کہہ دیتے ہیں کہ ''آنتیں قل ھو اللہ'' پڑھ رہی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

﴿کلا سوف تعلمون﴾ کا مطلب

سوال[۲۲۵]: ۲...... داڑھی منڈانے والے داڑھی منڈانے کی تائید میں: ﴿کلا سوف تعلمون﴾ پیش کرتے ہیں، کیا یہ کفر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... خالی پیٹ آنتوں کی آواز ''قل قل'' ہوتی ہے، اس کو تعبیر کرتے ہیں کہ ''آنتیں قل ھو اللہ'' پڑھ رہی ہیں(۱)۔

۲...... داڑھی منڈانے والے کی تائید میں اس کو پڑھنا اور مطلب یہ لینا کہ کلا صاف کرو، یہ تحریف اور کفر ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۴/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۴/ ۸۷ھ۔

مسجد کے متعلق سخت جملہ کہنا

سوال[۲۲۶]: زید نے بکر سے کہا کہ آپ مسجد بنانے کا چندہ نہیں جمع کرتے، صرف بک بک کرتے ہیں، اس پر بکر نے غصہ میں آکر کہا کہ ''مسجد کو جہنم میں جانے دو، ہم چندہ نہیں جمع کریں گے اور نہ اس

---

(۱) عام محاورات میں ایسے الفاظ کسی کام کی شدت اور زیادتی کو بیان کرنے کے لئے کہے جاتے ہیں، ان الفاظ سے کسی شرعی حکم یا شعارِ دین کی تحقیر، توہین یا استہزاء واستخفاف مقصود نہیں ہوا کرتی کہ موجب کفر ہو۔

(۲) "قال: ومن ادعى إلى جماعة، فقال: أصلي موحداً: أى منفرداً، فإن الله تعالى قال : إن الصلوة تنهى. كفر، يعني استدل بقوله تعالى :"تنهى"أنه بمعنى "تنہا" بلغة العجم، وقد قال عليه الصلوة والسلام :"من فسر القرآن برأيه فقد كفر" مع أنه بدّل وحرّف وغيّر". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القرأة والصلاة ، ص:۲۶۸ ، قديمى)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيمايتعلق بالقرآن الكريم : ۵/ ۴۹۲، إدارة القرآن)

میں مدد کریں گے''۔ بکر پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے بہت سخت جملہ کہا(۱)، اس کو توبہ واستغفار وندامت ضروری ہے، تجدید ایمان بھی کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج'' کہنا

سوال[۲۲۷]: زید اور بکر چچازاد بھائی ہیں اور دونوں کو حقیقی بہنیں منسوب ہیں اور زید عُمر میں بکر سے بڑا ہے، زید نے گاہے بگاہے کچھ معاملات میں بکر کی بے عزتی بھی کی ہے، لیکن اس کے باوجود بکر نے کوشش کی کہ دونوں میں میل ملاپ باقی رہنا چاہئے، تو زید کی عورت نے کہا کہ تم دونوں میں میل ملاپ کس طرح رہ سکتا ہے اس کی کوئی صورت ہے؟ تو زید نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اس پر بکر نے جواب دیا کہ میل ملاپ کی یہ صورت ہے کہ اگر ہم تمہاری طرف سے کوئی اپنے خلاف بات سنیں تو ہم تم سے تصدیق کریں گے کہ کیا تم نے ایسی بات کہی ہے؟ اور اگر تم ہماری طرف سے کوئی اپنے خلاف بات سنو تو اس کی تصدیق کرلو۔ اگر ہماری طرف سے بات سچ ثابت ہوجائے تو تم ہمارے پچاس جوتے مار سکتے ہو، ''اگر ہم اس پر ذرا بھی اُف کریں اور تم سے خلاف ہوجائیں تو ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں نہیں ہیں''۔

ان مشروط باتوں کا اس وقت زید نے کوئی جواب نہیں دیا، یہ باتیں دوپہر کو ہوئیں اور رات کو نو بجے کے

---

(۱) اس قسم کے جملے سے کم درجے کے کلمات کہنے والے کے لئے بھی فقہاء کرام نے تعزیر دینے کی سزا تجویز کی ہے، لہذا اس طرح کے سخت جملے کی سزا اور نتیجہ اور بھی سخت ہوسکتا ہے: قال في التاتارخانية: "وسئل عن رجل قيل له: مرا یک دِرم دہ، بعمارتِ مسجد حاضر شوی بہ نماز، فقال الرجل: من نہ بمسجد آیم ونہ درھم دھم، مرا با مسجد چہ کار؟ وهو مصرّ على ذلک، فقال: لايكفر، ولكن يعزر". (كتاب أحكام المرتدين، فصل في المتفرقات: ۵/ ۵۲۹، ادارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، فصل في المتفرقات: ۵/ ۵۸۱، الغفاريه)

(۲) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذالک بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية: كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/ ۲۸۳، رشيديه).

قریب زید نے یہ جواب دیا کہ ہم کو مذکورہ مشروط باتیں تسلیم ہیں۔اس کے کچھ دن بعد ایک صاحب کے یہاں شادی تھی اس کا زید سے کچھ تنازع چل رہا تھا اور بکر سے میل ملاپ تھا، اس نے بکر کو شرکتِ شادی کی دعوت دی تو اس میں شرکت کے لئے بکر نے زید سے پوچھا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے، جس کا تم سے تنازع تھا اس نے ہم کو شرکت شادی کی دعوت دی ہے، تو زید نے کہا کہ فلاں بھی چلا گیا ہے اور اس کے لئے میں کیا بتاؤں، تمہارا جی چاہے جاؤ تمہارا جی چاہے نہ جاؤ، میں کچھ نہیں جانتا، اس کے بعد بکر نے شادی میں شرکت کی۔

اب زید کہتا ہے کہ بکر نے قسم مذکورہ کھائی تھی کہ ہم زید کے خلاف نہیں جائیں گے اور اس نے شادی میں شرکت کر کے خلاف ورزی کی، لہٰذا وہ قسم کا حانث ہوگا، اس لئے وہ کافر ہوگیا اور اس کا نکاح ختم ہوگیا، اب بکر کو لازم ہے کہ بعد تجدید ایمان اپنا نکاح دوبارہ کرلے۔کیا مذکورہ باتوں پر بکر دائرۂ کفر میں داخل ہوگیا یا زید محض بے عزتی کر رہا ہے؟ اگر ایسی بے عزتی کر رہا ہے تو زید کے لئے از روئے شرع کیا سزا ہے؟

المستفتی حافظ شکیل احمد محلہ بڑاپورہ قصبہ زید پور۔ بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے شادی میں شرکت زید کے خلاف ہوکر نہیں کی، لہٰذا زید اور بکر کی منقولہ گفتگو کے ماتحت بکر پر کفارۂ قسم لازم نہیں ہوا اور نہ وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہوا، نہ تجدید ایمان لازم ہے نہ تجدید نکاح ضروری ہے(۱)۔ آئندہ امت سے خارج ہونے اور اس قسم کے دیگر کلمات سے پرہیز کیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) "وإذا قال: هو يهودي أو نصراني أو مجوسي أو بريء من الإسلام وما أشبه ذلك، إن فعل كذا، على أمر في المستقبل، فهو يمين عندنا، والمسئلة معروفة، فإن أتي بالشرط وعنده أنه يكفر، كفر. وإن كان عنده أنه لا يكفر متى أتى بالشرط، لا يكفر متى أتى به". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۹۱، قديمي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكرية، كتاب السير، باب ما يكون كفراً من المسلم وما لا يكون: ۳/۵۷۳، رشيديه)

(والتاتارخانية: كتاب أحكام المرتدين، فصل في المتفرقات من فصل فيما يقال في ذات الله تعالى وصفاته: ۵/۴۷۵، إدارة القرآن)

''اگر میں نے فلاں کام کیا تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو'' کہنا

سوال[۶۲۸]: زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے وہ حافظِ قرآن بھی ہے، لیکن اس کی عادت یہ ہے کہ جب وہ کوئی غلط کام کرلے اور لوگ اس سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں تو فوراً کہتا ہے کہ ''حاشا وکلا''، مجھے مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو اگر میں نے ایسا کیا ہو''۔ کیا ان الفاظ کے استعمال کرنے سے ایمان باقی رہتا ہے یا نہیں؟

ان الفاظ کے بارے میں ایک صاحب نے کہا کہ یہ شرک ہے، نیز ہم لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنا تو شرک نہیں ہے، نہ ایسا کہنے سے آدمی مشرک ہوتا ہے، لیکن بات بات پر ایسا کہنا نہایت مذموم وقبیح فعل ہے، لوگ بھی ایسے آدمی کو جھوٹا سمجھتے ہیں، اگر خدانخواستہ وہ بات غلط ہو تو یہ مرتے وقت اپنے حق میں کلمہ نصیب نہ ہونے کی بددعا ہے، اگر قبول ہوجائے تو خاتمہ کتنا خطرناک ہے۔ امام صاحب کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ ایسا نہ کیا کریں، بغیر اس کے بھی ان کی بات کا یقین کرلیا جائے گا، لیکن اگر ثابت ہوگیا کہ ان کی بات غلط ہے تو لوگوں کی نظر میں ان کی کیا عزت رہے گی، پھر کس طرح لوگ ان کو امام بنانے کے لئے راضی ہوں گے؟ اور واقعتاً بھی مسئلہ کی رو سے جھوٹ بولنے والا اور اپنی جھوٹی بات پر ایسی قسمیں کھانے والا امامت کا اہل نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۸۹ھ۔

یہ دعوی کہ ''میں جب چاہوں بارش کرادوں''

سوال[۶۲۹]: ایک شخص نہایت زیادہ عبادت کرنے والا ہے اور وہ بارش کے بارے میں خدائی دعوی کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ ''میں جب چاہوں بارش کرادوں اور جب چاہوں بند کرادوں'' اس شخص کے بارے میں علماء کیا خیال کرتے ہیں اور نماز اس شخص کے پیچھے کیسی ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ فقط محمد عاشق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تو خدائی کا دعوی نہیں اگر وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ ''میں جب چاہوں بارش کردوں اور جب چاہوں بند کردوں، اس میں فقط میرا حکم چلتا ہے، خدا کا حکم نہیں چلتا'' تو البتہ خدا کی خدائی کا اس خاص معاملے میں

انکار ہوتا اور اپنی طرف خدا کے اس فعل کی نسبت ہوتی (۱)۔

صورتِ مسئولہ میں تو وہ یہ کہتا ہے کہ ''میں جب چاہوں بارش کرادوں اور جب چاہوں بند کرادوں'' مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میرا اتنا تعلق ہے کہ وہ میری دعاء قبول فرمالیتے ہیں، لہذا ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جاسکتی ہے (۲)، اگرچہ اس کو ایسا دعوی کرنا بھی ہرگز زیبا نہیں: لقوله عليه الصلاة والسلام: "ومن يتألى على الله، يكذبه" (۳)، اس کو مناسب طریقہ سے سمجھا دینا چاہیے۔ یہ تو الفاظ مذکورہ کہنے کا حکم ہے، اگر اس کے علاوہ کچھ اور لفظ کہتا ہو تو اس کو علیحدہ دریافت کرلیا جائے اور یہ کلمہ لوگوں کو نفرت دلانے والا ضرور ہے جس میں تقلیلِ جماعت کا اندیشہ ہے، لہذا اگر اس سے بہتر امامت کا اہل مل جائے تو اس کو امام بنالیا جائے، ورنہ پھر یہی سہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اور ان کو حقیقتاً غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک فی الصفات ہے، فقہاء نے اس قسم کے مرتکب کی تکفیر کی ہے:

قال في الفتاوى العالمكيرية: "رجل قال لمن ينازعه: أفعلُ كل يوم عشرة أمثالك من الطين، أولم يقل من الطين، فإن عنى به من حيث الخِلقة، يكفر، وإن عنى به ضعفه، لايكفر. وقعت في زماننامن هذاالجنس واقعة: أن رستاقياً قال: قد خلقت هذه الشجرة، فاتفق أجوبة المفتيين أنه لايكفر؛ لأنه يراد بالخلق في هذاالمقام عادة الغرس، حتى لوعني حقيقة الخلق، يكفر". (كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، ومنهامايتعلق بتلقين الكفروالأمربالارتداد: ۲/۲۸۰، مكتبه رشيديه)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(وكذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في أحكام المرتدين، نوع آخر في المتفرقات: ۵/۵۸۰، غفاريه)

(۲) "الكفر شيء عظيم، فلاأجعل المؤمن كافراً، متى وجدت روايةً أنه لايكفر ...... وفي الخلاصة وغيرها: إذاكان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۳) (دلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر التاريخ غزوة تبوك، باب ما روى في خطبته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بتبوك: ۵/۲۴۲، دارالكتب العلمية بيروت)

''شریعت کا برادری کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں'' کہنے والوں کا حکم

سوال[۶۳۰]: یہ کہ جو لوگ علانیہ یہ کہتے ہیں کہ ''شریعت کا برادری کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے'' یا کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ ''ہم اس معاملے میں دین کو نہیں مانتے'' ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ برائے کرم بحوالہ کتب جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کہنا نہایت خطرناک ہے، اس سے ایمان اور نکاح کا سلامت رہنا دشوار ہے، فوراً اس سے توبہ کریں اور احتیاطاً تجدیدِ ایمان اور تجدید نکاح بھی کرلیں، آئندہ کبھی ایسا لفظ نہ کہیں۔

"إذاقال الرجل لغيره: حكم الشرع في هذه الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: **من برسم كارمى كنم نه بشرع**، يكفر عند بعض المشايخ". عالمگیری: ۲/۸۹۱(۱)۔

"ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذالك بطريق الاحتياط الخ". عالمگیری: ۲/۸۹۹(۲). **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۱۲ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۳، رشيديه)

(وكذافي البزازيه على هامش الهندية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۸، رشيديه)

(كذافي المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في العلم والعلماء: ۵/۵۷۰، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(۲)(الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذافي البزازيه، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، النوع الأول في المقدمة: ۶/۳۲۲، رشيديه)

(كذافي التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء الكفر: ۵/۴۶۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچى)

استنجے کے لئے کلوخ لینا اور اس کو سینما فلم کہنا

سوال[۱۳۱]: اس طرح ایک شخص نے کہا کہ مثال کے طور پر کلوخ لینا حدیث کا حکم ہے، لیکن آدھا من، ایک من کا ڈھیلا مت لو، اس کو مقدار سے زیادہ مت لیجئے۔ عالم صاحب نے اس طرح بولا تھا، عرض یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی طرف مائل کرنے کے لئے بولا، سامعین میں سے ایک سامع بولا کہ ''سینما ہے کہ فلم ہے''۔ علماء کرام کو سینما فلم کہہ کر بولا۔ ایسے شخص کے لئے کیا فتویٰ ہے؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلوخ کا مسئلہ اس طرح بیان کرنا درست ہے اور سینما فلم کہنا غلط ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے، کہنے والے نے قرآن وحدیث کو سینما فلم نہیں کہا بلکہ کلوخ کے مسئلہ کا جو عنوان اختیار کیا گیا ہے اس کو کہا ہے، اس لئے اس کہنے والے پر کوئی ایسا سخت حکم نہیں ہوگا جو قرآن وحدیث کی توہین کرنے والے پر ہوتا ہے (۱)، البتہ اس کو ایسا کہنے سے بھی منع کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

یہ کہنا کہ ''ہم نہیں جانتے مسئلہ کیا ہے''؟

سوال[۱۳۲]: زید کے لڑکے کی بارات گئی عمر کے یہاں، جیسا کہ رواج ہے زیورات کپڑے لڑکی کے دکھانے کا، جب دکھانے کا وقت آیا تو ایک حافظ صاحب نے منع کیا کہ یہ شریعت کے خلاف ہے، اس کے بعد ایک شخص نے یوں کہا کہ ''ارے! ہم نہیں جانتے کہ مسئلہ کیا ہے، ہمیں تو کپڑا دکھاؤ'' اس پر کچھ لوگوں کو شبہ ہوا کہ مسئلہ کا انکار کرنے سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے، لہذا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا جملہ کہنا بہت سخت بات ہے، اگر خدانخواستہ یہ مطلب ہوا کہ ہم شرعی احکام پر ایمان ویقین نہیں

---

(۱) قرآن کریم وحدیث مبارکہ کی توہین کرنے والے پر فقہاء کرام نے کفر کا حکم عائد کیا ہے:

''ویکفر إذا أنکر آیةً من القرآن أو سخر بآیة منه''. (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۵/۵، رشیدیه)

رکھتے تو ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے (۱)، اگر یہ مطلب نہ ہوتب بھی بڑی جہالت ہے، بہر حال ایسی بات کہنے والے کوتوبہ استغفار لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

بت خانہ کی قسم کھانا

سوال [۲۳۳]: زید اور عمر میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، جس کے فیصلے کے لئے دو چار ہندو بھائی اور کچھ مسلمان بھائی کسی مزار سے کچھ فاصلے پر بیٹھے، جب زید سے زبان بندی لی گئی تو زید کو جو کچھ کہنا تھا کہا اور عمر سے زبان بندی لی گئی تو اس نے اس بت خانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ''میں جو کچھ کہتا ہوں بالکل ٹھیک ہے اس بت خانہ کی قسم''۔ التجا یہ ہے کہ عمر نے ایک مسلمان ہوتے ہوئے ایسی جو قسم کھائی ہے اس سے اس کے اسلام ایمان میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟ یا ہوا تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت پیش آنے پر اگر قسم کھائی جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائی جائے، کسی غیر اللہ کی قسم کھانا اور وہ بھی بت خانہ کی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، مذکورہ صورت میں زیادہ خطرہ ہے (۲) اس

---

(۱) "إذاقال لخصمه: من باتو بحكم خدا كارميكنم، فقال خصمه: من حكمِ خدا ندانم، أوقال: اينجاحكم نرود ......فهذاكله كفر". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنهامايتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(وكذافي البزازيه على هامش الهنديه، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أوكفراً، النوع الحادي عشر فيمايكون خطأ: ۶/۳۴۵، رشيديه)

(والتاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في المتفرقات من فصل فيمايتعلق بذات الله تعالىٰ: ۵/۴۶۷، ادارة القرآن)

(۲) "وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من حلف بغير الله، فقد أشرك". (مشكوة المصابيح، كتاب العتق، باب الأيمان والنذور، الفصل الثاني، ص: ۲۹۶، قديمي)

قال الملاعلي القاري تحت هذاالحديث: "وأماالحلف بحياة شريف، ومثله بحياة رأسك، وحياة رأس السلطان، فذلك إن اعتقد أن البرّ واجب، يكفر، وفي تتمة الفتاوى: قال علي الرازي: أخاف على من قال: =

لئے تجدید ایمان وتجدید نکاح کرادیا جائے (۱)، ندامت کے ساتھ توبہ کرکے آئندہ پوری احتیاط واجتناب کا وعدہ کرنا چاہئے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

نومسلم کو طعنہ دینا

سوال[۶۳۴] : ایک شخص اپنا مذہب چھوڑ کر جو اسلام کے اندر داخل ہوا اس کا کیا درجہ ہے؟ اور وہ نومسلم حافظ عبداللہ مرحوم کے وقت سہارنپور سے تعلیم اسلام حاصل کی ہے، جو شخص اس شخص پر طعنہ زنی کرتا ہے اور وہی اعتراض اس پر کرتا ہے اور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''تیرے پیچھے نماز نہیں ہوتی'' اور یہ بھی لفظ کہا جاتا ہے کہ ''تُو چمار ہے اور کہیں چمار کے پیچھے بھی نماز ہوتی ہے''۔ یہ بھی زبان سے کہہ گزرے ہیں کہ ''اگر سور کو پاک کرنا چاہیں تو وہ پاک نہیں ہوسکتا، اس لئے تُو بھی پاک نہیں ہوا ہے''۔ اور اس کے علاوہ اَور بھی چند جھوٹے الزام دیئے جاتے ہیں اور یہ شخص مع جوتیوں کے مسجد پر چڑھ جاتا ہے کہ مجھ کو میانجی منع کرے گا اور ہم اس کو مار پیٹ کرکے نکال دیں گے۔

اب عرضِ خدمت یہ ہے کہ بمطابق قرآن اور حدیث کے اس کا فیصلہ کیا جاوے۔

فقط والسلام محمد اسماعیل نمبردار بیگوان پور ضلع انبالہ۔

= وحیاتی وحیاتک انه یکفر". (مرقاة المفاتیح، باب الأیمان والنذور من کتاب العتق، الفصل الثانی: ۵۹۳/۲، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذافی البزازیه علی هامش الهندیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثانی فیمایتعلق بالله تعالی: ۳۲۷/۶، رشیدیه)

(وکذافی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین: ۴۷۷/۵، ادارة القرآن)

(۱) "ماکان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط ....وإن کانت نیته الوجه الذی یوجب التکفیر، لاتنفعه فتوی المفتی، ویؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، وبتجدید النکاح بینه وبین امراته." (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص نومسلم کو طعنے دیتا ہے وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اس کو اس نومسلم سے معافی مانگنی چاہئے اور توبہ کرنا واجب ہے، اگر توبہ نہیں کرے گا اور معافی نہیں چاہے گا تو قیامت کو سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔

چمار ہو یا اَور کوئی جب وہ مسلمان ہوگیا تو اس کے پہلے گناہ شرک وغیرہ سب چیزیں معاف ہوجاتی ہیں (۱)، مسلم کو سور سے تشبیہ دینا حرام ہے۔ جب اس نے نماز سیکھی اور قرآن شریف سیکھ لیا تو اس کے پیچھے نماز جائز ہوگئی، مسجد کے اوپر جوتے لیکر چڑھنا منع ہے، ایسے شخص کو نرمی سے اولاً سمجھایا جائے اگر مان جائے اور اپنی حرکتوں سے باز آجائے تو خیر ورنہ اس سے تعلق قطع کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے اور نومسلم کو ستانا چھوڑ دے بلکہ برادری کے ذریعہ سے اس پر زور ڈالا جاوے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ شعبان/ ۵۷ھ۔

حضرت پیران پیر کے ایک مصرعہ کا مطلب

سوال[۶۳۵]: قصیدہ غوثیہ شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام مشہور ہے، اس میں ایک شعر کے معنی تقریباً یہ ہیں: "کہ جو دنیا کے اوپر مہینے اور دن آتے ہیں وہ اول میرے پاس آتے ہیں اور اپنی برائی بھلائی سے مطلع کرتے ہیں" اس کا کیا مطلب ہے، کیا قصیدہ واقعی حضرت کا کلام ہے؟ فقط۔ غوث محمد ادریس ازکانکا۔

---

(۱) "وعن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقلت: ابسط یمینک فلأبایعک، فبسط یمینه فقبضت یدی، فقال: "مالک یاعمرو"؟ قلت: أردت أن أشترط، قال: "تشترط ماذا"؟ قلت: أن یُغفَرلی، قال: "أماعلمت یاعمرو أن الإسلام یهدم ما کان قبله، وأن الهجرة تهدم ما کان قبلها". الحدیث. رواه مسلم]]. (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول، ص: ۱۴، قدیمی)

قال الملاعلی القاری تحته: "وقال بعض علمائنا: یمحو الإسلام ما کان قبله من کفر وعصیان، ومایترتب علیهما من العقوبات التی هی حقوق اللہ تعالیٰ". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول: ۱/ ۱۹۰، مکتبه رشیدیه)

2

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصیدۂ غوثیہ میں یہ شعر ضرور موجود ہے، اگر اس قصیدہ کا انتساب شیخ کی طرف صحیح ہو تو بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں شیخ اپنے کشف کو بیان فرما رہے ہیں کہ جس زمانہ میں خیر اور برکت ہے اللہ تعالیٰ اس کا علم مجھے کرا دیتے ہیں اور جس زمانے میں شر اور فساد ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ بتا دیتے ہیں، یعنی جب لوگ اعمالِ صالحہ کرتے ہیں تو اس کا علم بھی ہوتا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور جب لوگ معصیت زیادہ کرتے ہیں تو اس کا بھی علم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں بسا اوقات بزرگوں کو منکشف ہو جاتی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۷/۱۰/ ۵۷ھ۔

الجوب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مرثیۂ شیخ الہند کے ایک شعر کا مفہوم

سوال [۶۳۲۶]: بانی اسلام رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی کے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا تھا جو "مرثیۂ رشید احمد گنگوہی" کے نام سے مشہور ہے، اس کے ایک شعر میں موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ بانی اسلام رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، وہ شعر یہ ہے ؎

(۱) "وكرامات الأولياء حق .... وكرامته ظهور أمر خارق للعادة من قِبَله غير مقارن لدعوى .... والدليل على حقيقة الكرامة ماتواتر من كثير من الصحابة ومن بعدهم بحيث لايمكن إنكاره، فتظهر الكرامة على طريق نقض العادة للولي من قطع المسافة البعيدة في المدة القليلة كإتيان صاحب سليمان عليه السلام .... بعرش بلقيس .... ومثل رؤية عمر رضي الله تعالىٰ عنه وهو على المنبر في المدينة جيشه حتى قال لأمير جيشه: "ياسارية! الجبل الجبل"، تحذيراً له من وراء الجبل لمكر العدو هناك. وسماع سارية كلامه مع بُعد المسافة الخ". (شرح العقائد، ص: ۱۰۵، ۱۰۶، المطبع اليوسفي لكنوء)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۷۹، قديمي)

زباں پر اہلِ ہوا کی ہے کیوں اُعل ہبل

شائد اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ''رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پر مشرکینِ عرب اپنے سب سے بڑے بت ہبل کو مخاطب کر کے "اعل هبل" کا نعرہ لگاتے تھے، یعنی اے ہبل! اب تو سر بلند ہو جا۔ ٹھیک کوئی اسی طرح کا نعرہ مولانا گنگوہی کی وفات پر اہل باطل نے بھی لگایا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بانی اسلام کا ثانی دنیا سے اٹھ گیا ہے''۔ اس شعر میں بانی اسلام سے خدا کی ذات مراد نہیں لی جاسکتی، کیونکہ خدا کی ذات حی وقیوم ہے، اس کے متعلق وفات پانے کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اشعار میں بسا اوقات استعارات ہوتے ہیں، مجاز کا بھی استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ جو شخص ہر شعر کو حقیقی معنی پر ہی حمل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ فنِ شعر سے نا آشنا ہے۔ ایک بادشاہ نے ایک قلعہ بنانے کا حکم دیا اپنے مخصوص معتمد کو اس کی تعمیر کا ذمہ دار بنایا، جس نے بادشاہ کی پوری ہدایت کے مطابق قلعہ تعمیر کرادیا، جو کچھ مصارف ہوئے وہ خزانہ شاہی سے اس کو ملے، تکمیل پر بہت کچھ اعزاز بھی عطا ہوا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں قلعہ فلاں بادشاہ نے تعمیر کیا تو یہ بھی صحیح ہے اس لئے کہ بادشاہ ہی کے حکم سے اور اس کی ہی ہدایت کے مطابق اس کے ہی مصارف سے تعمیر ہوا ہے، اصالتاً وہی بانی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بادشاہ کے فلاں معتمد نے یہ قلعہ تعمیر ہی کیا ہے تو ایک معنی کے اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ اس کے انتظام اور جد وجہد سے اس کی تعمیر ہوئی ہے، اس حیثیت سے وہ بھی بانی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ مراد لے کہ اسلام کی بنیاد محض اپنے ذہن سے بغیر وحی الٰہی اور بغیر حکمِ خداوندی کے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود رکھی ہے تو یہ غلط ہے، اس معنی کے اعتبار سے بانی اسلام کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۳/۹۹ ۱۳ھ۔

مثنوی کے چند اشعار

سوال [۶۲۷]: براہ لطف وکرم جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے یہ کہ مثنوی معنوی میں جو یہ اشعار لکھے ہیں، اس کا صحیح مطلب کیا ہے؟

چونکہ بے رنگے اسیر رنگ شد موسی بافرعون اسیر جنگ شد

چوں بہ بے رنگی رسی تو داشتن موسی و فرعون کر نداشتن

تابہ بحرنور خود راجع شدیم از رہائی اصل مترصع شدیم

قرآن عظیم میں ﴿ونفخ فيه من روحه وجعل لكم السمع والأبصار والأفئدة﴾ (۱) کا لفظ موجود ہے، حدیث پاک میں صراحۃً یہ عبارت موجود ہے کہ "جب بندہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو روح اس کے جسم سے نکل کر اس کے سر پر سایہ کرتی ہے" (۲) یعنی اس کے کبیرہ جرم سے بیزار ہو کر اس آلائش سے بری ہو جاتی ہے اور ہمیشہ معمولی جرم ہو یا کبیرہ، فاعل کو اس کے جرم سے متنبہ کرتی رہتی ہے۔ "گوشائین" مصنفہ رامائین نے ابشراسن جوانبیا سی سے روح کی تاویل کی ہے۔ مولانا نے

خاک شد صورت ولے معنی نہ شد ہر کہ گوید شہ تو گویش نے نہ شد

مطلب یہ کہ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ روح مرنے کے بعد عالمِ ارواح میں جہاں سے واپس آتی ہے وہیں واپس چلی جاتی ہے۔ ﴿ونفخ فيه من روحه﴾ کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے "ڈال دیا اس میں جان اپنی جان سے" یعنی اللہ برتر نے اس میں جان اپنی جان سے ڈال دی۔ سوال یہ ہے کہ جب روح خدا کا امر ہے اور اس پر نہ عقاب ہے نہ عتاب اور وہ اپنے اصلی مقام پر واپس جاتی ہے، عالمِ اروح میں پہنچنے کے ساتھ ہی ساتھ موسی و فرعون ایک ہو جاتے ہیں، خدا اپنی جان سے اس میں جان ڈالتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روح خدا کا انس ہے، اگر صحیح ہے تو وہ کون روح ہے جس پر جسم کے ساتھ عذاب ہوتا ہے؟ کیا یہی روح ہے؟ وہ روح کون ہے جو جسم سے بوقت زنا نکل جاتی ہے اور آدمی کا معمولی جرم ہو، یا کبیرہ ہو ہر دم ملامت کرتی رہتی ہے؟ یا کوئی مادی روح ہے جس پر عذاب ہوتا ہے؟ براہ کرم اس کی صاف تشریح سے مطلع فرمائیں۔ قبر میں نکیرین میت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں "وما تقول فی ہذا الرجل؟" یہ کون روح

---

(۱) (السجدة: ۹)

(۲) "عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن"...... قال عكرمة: قلت لابن عباس: كيف ينزع الإيمان عنه؟ قال: "هكذا"، وشبك بين أصابعه ثم أخرجها". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

ہے، صحیح جواب نہ ہونے پر سخت سزادی جاتی ہے اور قبر جہنم کا حصہ ہوجاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی روشن ضمیر عارف سے حل کیا جائے، وہ بھی بذریعہ تحریر نہیں بلکہ خود حاضر ہوکر، اس عاجز کو اتنی طاقت نہیں کہ ان اشعار کو حل کر سکے۔ میں نے وہ حدیث نہیں دیکھی جس میں یہ مذکور ہو کہ ارتکاب زنا کے وقت روح جسم سے نکل کر سر پر سایہ کرتی ہو، آپ اس کے الفاظ مع حوالہ لکھیے۔ ایمان کے نکلنے کا ذکر تو احادیث میں موجود ہے۔ اس سوال کے بقیہ اجزاء اس حدیث کی تحقیق پر موقوف ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک شعر

سوال [۲۳۸]: ایک شعر پر اعتراض ہوا ہے، ایک میلاد میں یہ شعر پڑھا گیا

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش   تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

اس پر اعتراض یہ کیا جارہا ہے کہ ابلیس کا کفر پر مرنا یقینی ہے، اور کفر پر مرنے والے کو کسی چیز کی شفاعت یا برکت جہنم سے نجات نہیں دے سکتی جیسے وہ منافق جسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا پیراہن مبارک دیا، یہ چونکہ کفر پر مرا تھا اس لئے کچھ نفع نہ ہوا، پھر ابلیس کی نعش کو جبکہ اس کا کفر پر مرنا یقینی ہے سگِ مدینہ کا چھونا مفید نہ ہوگا۔ نیز جنت میں موت نہیں پھر اس کی قبر اور مزار جنت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس کا کوئی جواب شعر پڑھنے والا نہ دے سکا۔

ایک نے کہا کہ یہاں بھی ''جو'' حرف شرط ہے۔ لیکن اس کا رد کردیا گیا کہ شرط اور جزا میں تعلقِ شرط درست نہیں ہے، اور جگہ ہوتا ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد جزا کا پایا جانا لازم ہوتا ہے، یہاں ایسا نہیں، کافر ہوکر مرنے والے کو سگِ مدینہ کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ یہ شعر کیسا ہے؟ اس کا کہنے والا اس کو صحیح سمجھنے والا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شعر بہت بڑے قصیدہ کا شعر ہے، جس شاعر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہی ہے وہ سارا قصیدہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے اور اس عشق کا نتیجہ ہے کہ آپ کے دار الہجرت مدینہ منورہ سے بھی بڑی محبت ہے اور مدینہ طیبہ کے جانوروں سے بھی محبت ہے، حتی کہ وہاں کے کتوں کے مناقب میں بیان کیا ہے کہ اگر ابلیس کو وہ چھودے یعنی ابلیس اس کی صحبت سے متاثر ہوجائے (ایمان لے آئے) مخلوق کے لئے زیارت گاہ بن جائے (کہ یہ ابلیس جس نے ہزاروں برس تک نافرمانی کی اور جنت سے ملعون ہوکر نکلا، سگ مدینہ کی صحبت سے متاثر ہوکر کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کر کے جنت میں پہنچ جائے)۔

ابلیس کا جہنمی ہونا اس کے کفر کی وجہ سے ہے لیکن اس کو ایمان کی توفیق دیدینا قدرتِ خداوندی سے خارج اور محال نہیں بلکہ تحت القدرت داخل ہے (۱)، اس کے بعد دخولِ جنت میں کوئی اشکال نہیں، مگر چونکہ اس کا جہنمی ہونا اور کفر پر مرنے اور ایمان قبول نہ کرنے کی تصریح آچکی ہے (۲) اس لئے اللہ پاک اس کے خلاف کرے گا نہیں (۳)، ایمان قبول کر کے جنت میں جانا یقینی ہے، لہٰذا شرط اور جزا میں علاقہ تو موجود ہے جو کہ قرآن پاک میں منصوص ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۲۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۲۱/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ علی کل شیء قدیر﴾ (البقرة: ۲۰)

وقال تعالیٰ: ﴿تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر﴾. (الملک: ۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فسجد الملائکة کلھم أجمعون إلا إبلیس، استکبر وکان من الکافرین، قال یا إبلیس ما منعک أن تسجد لما خلقت بیدیّ، أستکبرت أم کنت من العالین؟ قال أنا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین. قال فاخرج منها فإنک رجیم. وإن علیک لعنتی إلی یوم الدین.........قال فالحق والحق أقول. لأملئن جھنم منک وممن تبعک منھم أجمعین﴾ (صٓ: ۷۳-۸۵)

(۳) قال تعالیٰ: ﴿إن اللہ لا یخلف المیعاد﴾ (آل عمران: ۹)

(۴) قال تعالیٰ: ﴿إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات، أولئک ھم خیر البریة. جزاء ھم عند ربھم جنّٰت عدن تجری من تحتھا الأنھار، خالدین فیھا أبداً، رضی اللہ عنھم ورضوا عنه، ذالک لمن خشی ربه﴾ (البینة: ۸،۷) =

اقبال کے اشعار پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال[۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اشعار ذیل کے بارے میں اور شرعاً ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو درج ذیل ہے اور سوال نمبر:۲ کا جواب صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

شعر:

زمن برصوفی و ملّا سلامے — کہ پیغامِ خدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں درحیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

(اقبال)

اشعار مذکورہ پر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ شاعر نے خدا پر جہل ثابت کیا ہے اور علمائے امت وصوفیائے عظام حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طنز کیا ہے، تفصیل اس کی مندرجہ ذیل ہے:

اول تحقیقِ لفظی معلوم کیا جائے، قولہ "صوفی" معنی اہل اللہ، ولی اللہ، "ملا" عالم جید ومتبحر کو کہتے ہیں "حیرت" معنی تعجب خیز، اور حیرت اس چیز پر ہوتی ہے جس کا علم قبل از وجود اس چیز کے نہ ہو، مثلاً "مارکونی" نے ریڈیو ایجاد کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا، چونکہ قبل از وجود ایجاد اس کے لوگ بے خبر تھے اور اب ریڈیو کا علم لوگوں کو ہو گیا ہے، لہٰذا اب کسی کو بھی اس کا نام سن کر یا، اسے دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی۔

قولہ: "درحیرت انداخت مارا" الخ۔ اور اللہ جل شانہ کی صفت علام الغیوب ہے، قرآن وحدیث شاہد بیّن ہیں، اس کا کل علم ازلی وابدی ہے، نہ کہ کسبی، جملہ اشیاء اگر چہ خردترین ہو اس کے علم محیط میں ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن تَكُ مثقال حبة من خردل﴾ (۱)، پس خدا کو حیرت میں ڈالنا چہ معنی دارد!

حاصلِ کلام: شاعر نے خدا پر جہل ثابت کیا ہے اور خدا کے علمِ ازلی وابدی کو کسبی ثابت کیا ہے، ورنہ "درحیرت انداخت" کوئی معنی نہیں رکھتا، جو اہل علم پر اظہر من الشمس ہے، جہلِ باری تعالیٰ ممتنع بالذات ہے،

= "يجب أن يعلم أنه إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم." (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(۱) (اللقمان: ۱۶)

جہل عیب ہے اور خداوند قدوس جملہ عیوب سے منزہ ومبرا ہے، اس کی ذات بے چوں وچرا ہے اور عیبی خدا نہیں بن سکتا اور نہ اس کے لائق ہوسکتا ہے، پس وہ خدا خدا نہ رہا جس میں عیب ہو، وہ مشابہ مخلوق ہوگیا جو حادث اور ممکن ہے "وصفاته سبحان الله من کل عیوب" اور خدا پر جہل کا تھوپنا اسی کا نام دہریت ہے اور ایسا ہی دہریت کی بناء پر حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے سرسید احمد خان کے اقوال وعقائد وتحریرات کے خلاف ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور اس میں محققین علمائے ہند کی تصدیق شدہ فتوی بھی درج کردیا ہے۔"ان شئت فارجع إلیه، وجدت کما کتبنا"۔ اگر کوئی کہے کہ شاعر نے اس زمانے کے صوفی وملا کو کہا ہے سو یہ غلط ہے۔

قولہ ''گفتند مارا'' اپنے مشائخ جن کے ذریعے پیغامِ خدا سنا تھا، ان پر طنز کیا ہے۔ کیا ان مشائخ نے پیغام خدا یعنی قرآن مجید میں کوئی ترمیم وتاویل کی ہے؟ کیا ان لوگوں نے نماز، روزہ حج، زکوۃ وغیرہ میں کوئی ردوبدل کیا ہے؟ حاشا وکلا، ہرگز نہیں کیا، اگر اسے بالفرض والمحال تسلیم کرلیا جائے تو قرآن کلام اللہ، کلام اللہ نہ رہا، بقول روافض کے ''بیاض عثمانی'' ہے اور خدا کا دعوی غلط ہوگیا، قولہ تعالی: ﴿إنا نحن نزلنا الذکر وإناله لحافظون﴾ (۱) ''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں'' بیان القرآن۔

نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، صوفی ملاان کو موردِ الزام کیونکر گردانا جائے، ان حضرات نے تو بسلسلہ علمائے ثقہ ودیندار از صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اخذ کیا ہے بلاترمیم وتنسیخ، اور اس کے مطابق خود عمل کرتے اور کراتے ہیں، مثلاً طلاقِ ثلاثہ بیک مجلس دینے سے وہ طلاقِ مغلظہ ہوجاتی ہے حالانکہ درزمانہ خیرالقرون صلی اللہ علیہ وسلم تا بدو سال اولِ خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طلاق سمجھی جاتی تھی، بعدازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے اصرار پر اس تین طلاق بیک وقت کو طلاقِ مغلظہ قرار دیا (مسلم شریف) (۲)

---

(۱) (الحجر: ۹)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأبی بکر، وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا فی أمر کانت لهم فیه إناة، فلو أمضیناه علیهم، فأمضاه علیهم". (الصحیح لمسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۱/ ۴۷۷، ۴۷۸، قدیمی)

اور اسی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تا ایں دم علمائے عظام ومفتیان کرام عمل کر رہے ہیں، سو یہ الزام تاویل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوا یا متبعین ومقلدین مؤخرین پر ہوا؟

۲......حدیث: ''ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کسی مقام پر بھیجا تھا، چونکہ زمانہ پر خطر تھا، آپ نے فرمادیا تھا کہ: ''فلاں مقام پر جب پہنچو تو وہاں عصر کی نماز نہ پڑھنا تاکہ دن کے اندر مقامِ مقصود پر پہنچ جاؤ''، جب صحابہ اس مقام پر پہنچے، دن کافی باقی تھا، بعض صحابہ نے مقصدِ کلام سمجھ کر وہاں پر عصر کی نماز ادا کی اور بعضوں نے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے وہاں پر عصر کی نماز ادا نہیں کی۔ جب یہ حضرات واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ مذکورہ پیش کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا'' (۱)۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سکوت بھی دلیل اثبات ہے۔

۳......اذانِ ثانی بروز جمعہ قبل در زمانہ خیر القرون تا عہدِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھی، یہ اذانِ ثانی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائج کیا ہے (۲) وغیرہ وغیرہ کتب حدیث میں مرقوم ہے۔

حاصلِ کلام: موردِ الزام حضرات صحابہ کرام ہوئے نہ کہ ناقلین وعاملین، فافہم۔ اب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناقب بیان کئے جاتے ہیں:

(باب مناقب الصحابه رضى الله تعالىٰ عنهم، الفصل الثالث، مشكوة شريف)

۱...... "عن عبد الله بن مغفل رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الله الله فى أصحابى، الله الله فى أصحابى، لاتتخذوهم غرضاً من بعد ى (چیلنج)، فمن أحبهم فبحبى أحبهم، ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانى، ومن آذانى فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه". (رواه الترمذ ى) (۳)۔

۲...... "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ

(۱) (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب مرجع النبى ﷺ من الأحزاب: ۲/ ۵۹۱، قديمى)

(۲) (صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب التأذين عندالخطبة: ۱/ ۱۲۵، قديمى)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابةؓ، الفصل الثانى، ص: ۵۵۴، قديمى)

علیہ وسلم یقول: "إذارأیتم الذین یسبون أصحابی، فقولوا:لعنة اللّٰہ علی شرکم". (سنن ترمذی)(۱)۔

۳......"عن عمربن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول للّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "سألت ربی عن اختلاف أصحابی من بعدی، فأوحی اللّٰہ إلیّ یامحمد! (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم): إن أصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضهاأقوی من بعض، ولکلٍ نور، مَن أخذ بشیء مماهم علیه من اختلافهم، فهوعندی علی هدیً"۔ وقال:قال رسول صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "أصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم". (رواہ رزین)(۲)۔

دوسرا جواب: یا شاعر کا طنز ائمہ اربعہ پر ہے، ان کے مسلک میں اختلافِ کثیرہ پائے جاتے ہیں، ان حضرات نے بھی بسندِ صحیح از صحابہ نقل کیا ہے، سو ان پر اعتراض کرنا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض کرنا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ الذی لایخفی علی أهل العلم۔ بینوافجزاکم اللّٰہ أجراًجزیلاً۔

الجواب بعون الملك الوهاب مبسملاًومحمّداً ومصلیاً ومسلماً:

شعراء عام طور پر حدودِ شرع کی رعایت نہیں کرتے بلکہ تجاوز کر جاتے ہیں، بسا اوقات ان کا کلام جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے، اس کے باوجود مستحقِ داد قرار دیئے جاتے ہیں۔ شعر:

در شعر مپیچ و در فنِ او
چوں اکذبِ اوست احسنِ او

مبالغہ ان کے کلام میں حدِ غلو و اغراق تک پہنچ جاتا ہے، استعاراتِ بعیدہ استعمال کرتے ہیں، حقیقت کم ہوتی ہے، مجاز زیادہ ہوتا ہے، تخیلات و توہمات پر کلام کی بنا رکھتے ہیں، کسی کی تعریف کرتے ہیں تو آسمان سے اوپر تک پہنچا دیتے ہیں، ہجو کرتے ہیں تو تحت الثریٰ لے جا کر ڈالتے ہیں، طعن و طنز تو ان کا شب و روز کا مشغلہ بلکہ تخن تکیہ ہوتا ہے، اس میں کسی بڑی سے بڑی ہستی پر پھبتیاں کسنے میں بھی باک نہیں ہوتا مخلوق سے گزر کر خالق

(۱) (مشکوة المصابیح، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، قدیمی)

(۲) (مشکوٰة المصابیح، المصدر المتقدم)

جل مجدہ کو بھی نشانہ ملامت بنالیتے ہیں۔

الغرض ﴿فی کل وَادٍ یھیمون﴾ (۱)، الا ماشاء اللہ کہ بعض کا کلام حقیقت، حکمت، معرفت ہوتا ہے۔

تغییر منکر (اگر چہ کلام میں ہو) لازم ہے (اگر چہ کلام سے ہو)، وقتِ ضرورت نکیر کے ساتھ تغییر بھی لازم ہوجاتی ہے (۲)، لیکن تکفیرِ مسلم سے مہما أمکن کفِ لسان وقلم ضروری ہے، ایک کلام میں اگر سو احتمالات ہوں جن میں ننانوے احتمالات کی بناپر کفر ثابت ہوتا ہو اور ایک احتمال کی بناپر اسلام ثابت ہوتو مفتی مامور ہے کہ اسلام باقی رکھنے والے احتمال کو اختیار کرے، کفر کا فتویٰ نہ دے (۳)، ہاں اگر قائل کا مقصود ہی کفر ہے تو پھر تاویل مفتی نافع نہ ہوگی (۴) اور جو شخص ضلالت وغوایت کا داعی ہو اس پر فتویٰ بھی سخت ہے اور اس کی تعزیر بھی شدید ہے، یہ امر بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ ایک چیز تو لزومِ کفر ہے اور دوسری چیز التزامِ کفر ہے، فتویٰ تکفیر دوسری چیز پر ہوگا، پہلی چیز پر نہیں۔

اللہ رب العزت نے اس دینِ اسلام کو کامل فرمانے کا اظہار واعلان قرآن مبین میں فرمایا: ﴿ألیوم

---

(۱) (الشعراء: ۲۲۵)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "من رأی منکم منکراً، فلیغیرہ بیدہ، فإن لم یستطع فبلسانہ، فإن لم یستطع فبقلبہ، وذلک أضعف الإیمان".

(الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الإیمان: ۱/ ۵۰، ۵۱، قدیمی)

قال القاری: "وخلاصۃ الکلام: من أبصر ما أنکرہ الشرع، فلیغیرہ بیدہ". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۱، مکتبہ حقانیۃ پشاور)

(۳) "وقد ذکروا أن المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر إذا کان لھا تسع وتسعون احتمالاً للکفر، واحتمال واحد فی نفیہ، فالأولی للمفتی والقاضی أن یعمل بالاحتمال النافی؛ لأن الخطأ فی إبقاء ألف کافر أھون ومن الخطاء فی إفناء مسلم واحد". (شرح الفقہ الأکبر للقاری، بحث التوبۃ، ص: ۱۶۲، قدیمی).

(۴) "فی البزازیہ: إلا إذا صرح بإرادۃ توجب الکفر، فلاینفعہ التأویل حینئذ". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۱۰، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب السیر، قبیل باب العاشر فی البغاۃ: ۲/۲۸۳، رشیدیہ کوئٹہ)

أکملت لکم دینکم﴾ الآیہ(۱)۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتماد فرما کر دین ان کے حوالہ فرمادیا، ایک ایک چیز کی تبلیغ کردی، تفہیم کردی، پھر اس کو دوسروں تک پہنچانے کا ان کو ذمہ دار بنادیا: "ألا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب"۔ (الحدیث) (۲)۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بے اعتمادی کرنا، ان کی نقلِ دین اور فہم دین پر تخریبی تنقید کر کے ان سے بے نیاز ہو کر خود دین کی تشریح کرنا بڑے درجہ کی گمراہی ہے اور بد دینی ہے بلکہ حضرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے کہ جن کے مقدس نفوس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعتماد فرما کر ان کو دین کا امین قرار دیا ہے ان سے بے اعتمادی اور ان کی تخریب ہے، جس کا انجام دین سے محرومی ہے اور ایسے لوگ خدا اور رسول کے باغی ہیں۔ کسی مسلم سے سوءظن قائم کرنے کے لئے دلیل قوی درکار ہے، حسنِ ظن قائم کرنے کے لئے سوءظن کی دلیل نہ ہونا بھی کافی ہے، کسی مصنف کے مجمل کلام کے لئے بہترین تشریح وہ ہے جو اسی کے کلام سے کی جائے، ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے کلام میں خود اس کی طرف سے تشریح کی گئی ہو، اس کے مجمل کلام کو اس تشریح کے خلاف محمل پر حمل کرنا درست نہیں، مصنف کی زندگی کا عمل اس کے کلام کی شرح کے لئے عمدہ مشعل ہے جب کہ خود اس کے کلام سے شرح نہ کی جاسکے۔

یہ چند امور بطور تمہید کے ذہن نشین کرنے کے بعد اصل سوال کا جواب ملاحظہ کریں: قرآن کریم میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جن کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ وہ بظاہر صفاتِ انسانیہ میں سے ہیں جیسے نسیان وغیرہ: ﴿فالیوم ننساهم کما نسوا﴾ (۳) ﴿فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم هذا، إنا نسینکم﴾(٤)۔ ﴿إنهم یکیدون کیداً، وأکید کیداً﴾(٥)۔ ﴿ومکروا ومکر اللّٰه، واللّٰه

---

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) (مسند الإمام أحمد: ۵/۲۲۴، رقم: ۱۹۵۳۳)

(والصحیح لمسلم، کتاب القسامة، باب تغلیظ تحریم الدماء الخ: ۲/۶۰، ۶۱، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب ۱/۲۱، قدیمی)

(۳)(الأعراف: ۵۱)

(۴)(السجدة: ۱۴)

(۵) (الطارق: ۱۶)

خیر الماکرین﴾(۱)۔ ﴿إنما نحن مستهزؤن، الله یستهزئ بهم﴾(۲)۔ یہ بلاغتِ کلام کا ایک مقام ہے اور فنِ بدیع کی ایک صنعت ہے جس کو صنعتِ مشاکلت کہتے ہیں۔ ایسے مقام پر ان الفاظ کے ظاہری وعمومی متبادر ومتعارف معانی مراد نہیں ہوتے جیسا کہ آیاتِ مذکورہ کی تفسیر سے ظاہر ہے۔ ولا یخفی علی أمثالکم۔

معترض صاحب نے ''حیرت'' کو تعجب کے معنی میں لیکر اعتراض واشکال کیا ہے کہ یہ خدائے پاک اور ملائکہ کرام اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے حالانکہ عجب (ع، ج، ب) کی اسناد حدیث پاک میں اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے:"(عجب) ربك یساقون إلی الجنة فی السلاسل: أی عظم عنده وکبُر لدیه، أعلَم الله تعالی أنه إنما یتعجب الآدمی مما عظم عنده وخفی سببه علیه، فأخبرهم بما یعرفون لیعلموا موقعها عنده، وقیل: معناه رضی وأثاب مجازاً۔ ومنه ح:(عجب) ربك مِن شابٍ لیست له صبوة"۔ وح: "(عجب) ربکم من إلّکم وقنوطکم"۔ مجمع بحار الأنوار، ۳/۵۲۰(۳)۔ اور بھی متعدد مواقع پر لفظ عجب کا تذکرہ آیا ہے جس کی تشریح شراحِ حدیث نے کی ہے، صاحب مجمع بحار الانوار نے بھی ایسے الفاظ ذکر کئے ہیں لہٰذا اس لفظ کی وجہ سے مسلمان کو ایمان سے خارج کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضی۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غالب کا ایک شعر

سوال[۶۴۰]: زید نے ایک شادی کی تقریب میں اپنے دوست کو تاثرات پیش کیے جو نثر میں اس نے لکھے تھے اور ان تاثرات میں تمثیلی طور پر غالب کا یہ شعر۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

لکھ دیا ہے، بکر کو یہ اعتراض ہوا کہ اس شعر کو پڑھ کر نعوذ باللہ زید نے حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی ہے، یہ

---

(۱)(آل عمران: ۵۴)

(۲)(البقرة: ۱۴، ۱۵)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۳/۵۳۰، دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد دکن)

بات بکر نے بھری محفل میں کہی، نتیجہ یہ ہوا کہ محفل کے بہت سے افراد زید کی طرف مشکوک ہو گئے، وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ زید نے نعوذ باللہ توہین کی ہے، جبکہ زید برابر ان سے کہہ رہا ہے کہ میرے خیال وگمان میں بھی ان کی توہین کرنا مقصود نہ تھی، یہ برسوں کا پٹا ہوا شعر ہے، صرف تمثیل کے طور پر لکھ دیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر شرعی پوزیشن سے آگاہ کریں کہ کیا اس شعر کے پڑھنے سے نعوذ باللہ آدم علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟

کیا اس شعر غالب ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

نعوذ باللہ ان کی توہین کے برابر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور ابوالبشر (تمام انسانوں کے باپ) بنایا اور جنت کی نعمتوں میں رکھا، پھر ایک واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے زمین پر ان کو بھیج دیا، بظاہر یہ واقعہ بہت ہی عبرت کا ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ہم محبوب کے نزدیک خاص عزت کے مستحق تھے، جس طرح اللہ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام خاص عزت کے مستحق تھے، مگر وہ عزت سے بے گانہ ہو کر (نعوذ باللہ) جنت سے نکلے، ہم اس سے زیادہ بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے نکلے۔

یہ انتہائی گستاخی اور حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی ہے (۱)۔ بسا اوقات شعراء اس قسم کی گستاخی کر جاتے ہیں، خدائے پاک ان کو ہدایت دے۔ ایسے شعر کو پڑھنا بھی بہت برا ہے، ہرگز نہیں پڑھنا چاہئے اگرچہ اپنا عقیدہ صاف ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وقتل نبي والاستخفاف به.........قلت: ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف، يكفر به وإن لم يقصد الاستخفاف .... لأن قصد الاستخفاف مناف للتصديق." (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/ ۲۲۲، سعيد)

شیخ سعدی کے ایک شعر میں لفظ ''بنیاد'' اور ''نا اھل'' کا مطلب

سوال[۶۴۱]: حضرت مولانا سعدی نے فرمایا ہے ؎

پرتو نیکاں نگیرد ہرکہ بنیادش بد ست
تربیت نا اہل را چوں گردگاں برگنبد ست

بنیاد سے کیا مراد ہے؟ اور نا اہل کون ہے؟ ﴿وأما الذين شقوا، ففي النار﴾ (۱) اور حدیث میں ''شقی'' سے جو مراد ہے، کیا وہی نا اہل ہے یا اور کچھ مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں ہے کہ: "واضع العلم في غير أهله كمقلد الخنازير الجواهر واللؤلؤ والذهب" (۲)، نا اہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسا کہ خنزیر (سور) کو جواہر موتی سونے کا ہار پہنانا، اس کی شرح میں ملا علی قاری نے لکھا کہ ''نا اہل وہ ہے جو بات صحیح نہ سمجھے، یا دینی علم کو دنیا کمانے کے لئے حاصل کرے، یا کسی بھی ایسی غرض کے لئے پڑھے جو خوشنودیٔ خداوندی کے خلاف ہو'' (۳)۔ ''شقی'' کا مصداق بے ایمان اور دوزخی ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الم کے شعر میں ''حریف'' کی تحقیق

سوال[۶۴۲]: مندرجہ ذیل شعر خلافِ شریعت ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے ظاہری ترجمہ سے قرآن وحدیث کی صریحاً مخالفت ثابت ہوتی ہے اور شعر کہنے والے کو شرعی اصطلاح میں کیا کہا جائے گا؟ چونکہ

---

(۱) (هود: ۱۰۶)

(۲) (أخرجه ابن ماجه في مقدمة سننه، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ص: ۲۰، قديمى)

(۳) "(وواضع العلم عند غير أهله) بأن يحدثه من لا يفهمه، أومن يريد منه غرضاً دنيوياً، أومن لايتعلمه لله." (المرقاة شرح المشكاة، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/ ۴۷۷، رشيديه)

(۴) قال الله تعالى: ﴿فأما الذين شقوا ففي النار، لهم فيها زفير وشهيق، خالدين فيها مادامت السماوات والأرض إلا ماشاء ربك، إن ربك فعال لما يريد﴾ (هود: ۱۰۶، ۱۰۷)

مندرجہ ذیل شعر میں آلم مظفرنگری نے خودکو روح الامین کا حریف ظاہر کیا، وہ بھی نعمات میں، کیا روح الامین بھی ایسے ہی نغمے پڑھتے ہیں جیسے کہ آلم مظفرنگری فرماتے ہیں؟

تری شہرت آلم پہنچی ہوئی ہے بامِ سدرہ تک ترے نغمے حریفِ نغمۂ روح الامین نکلے

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک استاد کے دوشاگرد، ایک ساقی کے دو مے نوش، ایک افسر کے دو ماتحت یعنی شریک کار بھی حریف کہلاتے ہیں۔ جیسے ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

اور جیسے ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خم خانہا کردند و رفتند

اور جیسے ؎

صد شکر ہے کہ ان سے ملاقات تو ہوئی ہے یہ اور بات ہے کہ حریفانہ ہوگئی

معنی اول کے اعتبار سے روح الامین کے سب حریف ہو سکتے ہیں جس کا حاصل یہ کہ روح الامین بھی اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کے نغمۂ تسبیح میں رطب اللسان ہے اور الم بھی نغمہ تسبیح میں مصروف ومشغول ہے، ہر دو کی تسبیح کا فرق خدا کے علم میں ہے (۱)۔ بامِ سدرہ تک تسبیح کا پہنچنا کچھ مشکل نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿إليه يصعد الكلم الطيب﴾ الآیہ (۲)۔

باقی شعراء کو ایسے کلام سے احتیاط کی ضرورت ہے جس سے دوسرے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں (۳)

---

(۱) "وفي اليتيمة: الأصل أن لايكفر أحد بلفظ محتمل؛ لأن الكفر نهاية في العقوبة، فيستد عي نهايةً في الجناية، ومع الاحتمال لانهاية". (التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۹، ادارة القرآن)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه كوئٹه).

(۲) (الفاطر: ۱۰)

(۳) "اعلم أن من أراد أن يكون مسلماً عند جميع طوائف الإسلام، فعليه أن يتوب من جميع الآثام: صغيرها وكبيرها، سواء مايتعلق بالأعمال الظاهرة أو الأخلاق الباطنة، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في=

اور دوسرے لوگوں کو بھی کسی کے کلام پر سخت حکم لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے (۱)۔ فقط واللہ بمافی بطن الشاعر أعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فاضل بریلوی سے متعلق چند اشعار

سوال [۲۴۳]: ۱...... بریلی کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے کسی مرید نے یہ لکھا۔

یہ دعا ہے یہ دعا ہے یہ دعا تیرا اور سب کا خدا احمد رضا
تیری نسلِ پاک سے پیدا کرے کوئی ہم رتبہ تیرا احمد رضا
جو مدد فرمائیں دین پاک کی جیسی تو نے کی ہے اے احمد رضا

اس پر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شاعر مولانا کو خدا مان کر مشرک ہوگیا۔

بریلوی لوگ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان اشعار میں ''تیرا'' کا مخاطب احمد رضا خان ہے اور پہلے شعر میں ''اے'' ہے، شعر کا وزن درست رکھنے کے لئے محذوف ہے جیسے روزمرہ کی بولی میں محذوف ہوتا ہے جیسے غالب نے کہا ہے۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان ہماری یہ دعا ہے کہ تیرا اور سب کا خدا تیری نسل پاک سے بچہ پیدا کرے جو تیرے ہی دین پاک کی مدد کرے۔ ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟ کیا یہ شاعر اس شعر کی وجہ سے مشرک اور کافر ہے، یا بریلوی کا بیان کیا ہوا مطلب درست ہے؟

منکر ونکیر کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت کا حوالہ

[۲۴۴] ۲...... اسی طرح ایک اور شعر پر جھگڑا ہو رہا ہے۔

= الأقوال والأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد الخ". (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ١٦١، قديمي)

(١) "ينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٢١٠/٥، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ٤٥٩/٥، إدارة القرآن)

نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے تُو کس کا ہے
ادب سے سرجھکا کر لوں گا نام احمد رضاخان کا

اس پر اعتراض ہے کہ قبر میں تین سوال ہوں گے: ۱- تیرا پروردگار کون ہے؟ ۲- تیرا دین کیا ہے؟ ۳-اس مرد (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

یہ جواب کہ ''احمد رضاخان کا ہوں''، بیچ والے سوال کا جواب ہو نہیں سکتا، لامحالہ پہلے یا تیسرے سوال کا جواب ہوگا، تو ضروری ہے کہ شاعر نے مولانا احمد رضاخان کو خدا یا رسول مانا اور یہ دونوں کفر ہیں۔ بریلوی لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پہلے مصرع میں ''جو'' حرف شرط ہے، مطلب یہ ہوا کہ قبر میں نکیرین یہ پوچھیں گے کہ تو کس کا مرید ہے، تو میں کہدوں گا احمد رضاخان کا۔ ''کس کا ہے'' اس کے معنی بندہ یا امتی کے نہیں بلکہ یہ ہے کہ تو کس کا مرید ہے، تو میں کہدوں گا مولانا احمد رضاخان کا۔ ''کس کا ہے'' یہ جملہ شرطیہ ہے جس کے صحیح ہونے کے لئے جزا اور شرط کا واقع میں پایا جانا ضروری نہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿قل إن كان للرحمن ولد، فأنا أول العابدين﴾(۱) اور ﴿ولئن اتبعت أهواء هم من بعد ما جاءك من العلم، إنك إذاً لمن الظالمين﴾(۲) جیسے حضرت عمر کے متعلق ہے کہ "لو كان بعدي نبيٌّ لكان عمر"(۳)۔

یہ سب ارشادات حق ہیں حالانکہ ان تینوں میں شرط یا جزاء دونوں میں کسی کا وجود نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، نہ قیامت تک ہوگا، اسی طرح قبر میں نہ یہ سوال ہوگا کہ تُو کس کا مرید ہے اور نہ یہ جواب ہوگا کہ میں فلاں کا مرید ہوں، مگر بر سبیلِ فرض اگر سوال ہوا کہ تو کس کا مرید ہے تو جواب میں احمد رضاخان کا نام لوں گا جیسے دونوں آیتوں اور حدیث میں بر سبیل فرض ہے، اسی طرح اس شعر میں، ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......میرے پاس وہ اصل کتاب نہیں ہے جس میں یہ تینوں اشعار درج ہیں، نہ ہی یہ معلوم ہے کہ یہ

---

(۱) (الزخرف: ۸۱)

(۲) (البقرة: ۱۴۵)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، أبواب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، ص: ۵۵۸، قديمي)

کس کے اشعار ہیں۔کلام کا مطلب متکلم کے حالات کے خلاف مراد لینا اور اس پر حکم شرعی لگانا خاص کر شرک وکفر کا فتویٰ دیدینا منصب افتا کے لائق نہیں ہے،اس لئے بہت حزم واحتیاط کی ضرورت ہے(۱)،بعض لوگ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔

اگر ان اشعار ثلاثہ میں خدا سے دعاء کی ہے،اس نے مولانا احمد رضا خان صاحب کو خدا نہیں کہا تو محض اس دعاء سے وہ مشرک نہیں ہوا،اگر شاعر کے حالات ایسے ہوں کہ وہ واقعۃً مولانا احمد رضا خان صاحب کے ساتھ شرک کا معاملہ کرتا ہو،ان کو ''تصرف فی الکون'' تسلیم کرتا ہو،ان کی قبر کو سجدہ کرتا ہو،ان کی نذر مانتا ہو،ان سے رزق واولاد وغیرہ مانگتا ہو جیسا کہ بعض جاہل لوگ کرتے ہیں تو پھر معاملہ خطرناک ہے،کیونکہ جو آدمی اپنے عقائد واعمال کی وجہ سے مشرک ہو جائے،اس کو مفتی کا فتویٰ بچا نہیں سکتا(۲)۔الحاصل ان اشعار کی وجہ سے اس شاعر پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

۲...... اس شعر کے قائل کا حال بھی مجھے کچھ معلوم نہیں، اگر کسی نے اس کو اس شعر کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے تو بریلوی لوگوں نے شعر کا مطلب بیان کر کے اس کو کفر سے بچالیا ہے، یہ بہت اچھا کیا، واقعی جب تک مسلمان کے کلام کا مطلب صحیح بن سکے اس کو کفر سے بچانا چاہئے(۳)۔البتہ شاعر کو بھی ضروری ہے کہ ایسے کلام سے پورا پرہیز کرے جس کی وجہ سے اس کے اوپر شرک وکفر کی بحث چھڑ جائے اور فتنہ پیدا ہو۔لیکن

---

(۱) ''وینبغی للعالم إذا رفع إلیہ ھذا أن لایبادر بتکفیر أھل الاسلام ....وفی الفتاوی الصغری: الکفر شیئ عظیم، فلاأجعل المومن کافراً متی وجدت روایۃ أنہ لایکفر''.(البحر الرائق کتاب السیر، باب أحکام المرتدین :۲۱۰/۵،رشیدیہ).

(وکذافی التاتارخانیۃ، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمۃ الکفر: ۴۵۹/۵، ادارۃ القرآن)

(۲) ''فی البزازیۃ: إلاإذاصرح بإرادۃ توجب الکفر، فلاینفعہ التأویل حینئذ''. (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیہ)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب السیر،قبیل الباب العاشر فی البغاۃ : ۲۸۳/۲،رشیدیہ)

(۳) وفی الخلاصۃ: ''إذاکان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر، ووجہ واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم''.(البحر الرائق المصدر السابق)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریۃ المصدر السابق)

اگر شاعر نے اس کو قبر میں پوچھے جانے والے دوسرے سوال کا جواب قرار دیا ہے تب بھی یہ جواب منطبق ہوسکتا ہے، وہ اس طرح کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے ''وصایا شریف'' میں اپنے صاحبزادوں کو حتی المقدور شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے اور اپنے دین، مذہب پر عمل کرنے کو ہر فرض سے زیادہ ضروری قرار دیا ہے اور اپنے دین، مذہب کے متعلق یہ بھی واضح کردیا ہے کہ میرا دین ومذہب میری کتاب سے ظاہر ہے۔

اب شعر کا حاصل یہ نکلے گا کہ قبر میں جب سوال ہوگا کہ ''تو کس کا ہے'' یعنی تیرا دین کس کا دین ہے تو میں سر جھکا کر کہوں گا کہ میرا دین احمد رضا خان صاحب کا دین ہے۔ اس صورت میں سوال وجواب کو فرض قرار دینے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ سوال بھی واقعی ہے اور جواب بھی واقعی۔ یہ بات ضروری ہے کہ جواب یہ دینا چاہئے تھا کہ میرا دین اسلام ہے، اس جگہ یہ جواب دینا تجویز کر رکھا ہے کہ میرا دین احمد رضا خان صاحب کا دین ہے اور یہ اس بنا پر کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق یہ عقیدہ جما رکھا ہے کہ ان کا دین، مذہب بالکل اسلام ہے، اب اگر مولانا احمد رضا خان صاحب کے مذہب میں کوئی بات اسلام کے خلاف ہو تو یہ شاعر زد میں آجائے گا، اگر مولانا موصوف یہ وضاحت فرمائیں کہ دین اسلام پر پورا پورا عمل کریں یا یہ فرمائیں کہ میرا دین ومذہب قرآن وحدیث سے ظاہر ہے تو زیادہ الجھاؤ پیدا نہ ہوتا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ شریعت پر عمل کرنے کی ''حتی المقدور'' کی قید لگائی اور اپنے دین ومذہب پر عمل کرنے کو ہر فرض سے زیادہ فرض قرار دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا دین ومذہب شریعت سے الگ کوئی مستقل چیز ہے جو ان کی کتب سے ظاہر ہے۔

چنانچہ ''رضا خانی مذہب'' میں ایسی چیزیں درج ہیں جو شریعت کے موافق نہیں اور دین اسلام کے خلاف ہیں۔ اگر شاعر زندہ ہو تو اس کو اپنے اس شعر سے رجوع کرلینا چاہئے (۱)، اور جواب کی ایسی تصحیح جس کے بعد نجات مل جائے اور جنت کی طرف دروازہ کھولدیا جائے اور وہ جواب وہی ہے جو کہ حدیث پاک میں

---

(۱) گویا کہ اس شخص نے غیر شرعی اور غیر ثابت امور کو دین کے اندر داخل مانا ہے اور اس قسم کا فعل تحریف فی الدین ہے جو سلب ایمان کا ذریعہ ہے۔ (أعاذنا اللہ منہ)

ہے وہ یہ کہ "میرا دین اسلام ہے"(۱)، اور آئندہ ایسے کلام سے پوری احتیاط کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

شاعر امام کے بعض اشعار

سوال[۶۴۵]: ایسے شاعر امام کے بارے میں شرع وقرآن وحدیث کی طرف سے کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟ شاعر امام کی پوری نظم درج ذیل ہیں:

کون آئے گا ثانی میرا میرے بعد — کون پہونچائے گا پیغامِ وفا میرے بعد
پھول کی طرح جس ایک شاخ پہ بیٹھا برسوں — کیوں نہ ترسے گی گلستاں کی فضا میرے بعد
ہر طرف ذکر میرا، یاد میری، بات میری — آج پھر زندہ ہوا نامِ وفا میرے بعد
ہائے وہ زینتِ محراب ومصلی نہ رہا — بند منبر سے ہوئی حق کی صدا میرے بعد
آپ کے بعد تو ایک بزم سجائی میں نے — آپ کی بزم میں پھر کیسے لگا میرے بعد
اہلِ دل اپنا مقام آپ بنالیتے ہیں — اہل دل ہے تو مقام اپنا بنا میرے بعد
میرا اندازِ خطابت تمہیں یاد ہے کہ نہیں — سچ کہو لطف تمہیں کچھ تو ملا میرے بعد
کوئی رہزن نہ کرے راہبری کا دعویٰ — قافلے والے ہوں ہوشیار ذرا میرے بعد
میری موجودگی سے وہ جو سدا جلتے ہیں — حال اب ان کا کچھ تو بتا میرے بعد
چہرۂ دوست پہ اترا ہوا ایک بات بھی ہے — کیوں پشیماں ہوئے اہلِ جفا میرے بعد
ان کی محفل سے بہت دور چلا آیا ہوں — پھر بھی ہوگا سنا میرا گلہ میرے بعد
میں تھا موجود تو چپ سادھ لیا تم نے — واہ واہ بن گئے اب شعلہ نوا میرے بعد

---

(۱) "وعن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "یأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ: من ربک؟ فیقول: ربی اللہ. فیقولان لہ: مادینک؟ فیقول دینی الإسلام". الحدیث. رواہ احمد وأبوداود." (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثانی، ص: ۲۵، قدیمی)

یاد آجاؤں اگر میں تو دعا یہ دینا ساتھ آپ کے اب جاؤ خدا میرے بعد

کوئی شیخی نہیں بس یہ ہے مقامِ شاعر

نہ ملے گا تمہیں پھر مثل مرا میرے بعد

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاعری کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی تعریف کی جائے، اس لئے صلحاء نے شاعری کو اختیار نہیں فرمایا، تاہم منقولہ اشعار میں کہیں نبوت کا دعویٰ نہیں، صرف زورِ شاعری ہے جو کہ مناسب نہیں لیکن اس پر کوئی سخت حکم (کفر وغیرہ کا) نہیں لگ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۶ھ۔

ریاکاری کی نماز کو گالی دینا

سوال[۶۴۶]: دس سال کا عرصہ ہوا کہ مسماۃ ہندہ زوجہ زید اپنے خاوند کے ساتھ سخت بدگذران رہتی ہے، سخت بے فرمان ہو کر تمام اثاث البیت، زیورات، پارچہ جات سمیٹ کر میکے میں روٹھ بیٹھی۔ مسماۃ ہندہ کے ورثاء نے زید کو کہا کہ تم ہندہ کو طلاق کر دو، زید نے جواب دیا کہ میرا مال واسباب زیورات وغیرہ مجھے واپس دو، ہندہ کے ورثاء نے کہا کہ تمہارا مال زیورات وغیرہ ہندہ کے نان نفقہ میں مجری ہوگیا ہے کہ سات سال کا عرصہ ہوا وہ کیا کھائے پیئے، زید نے کہا اگر عورت ناشزہ ہو تو نان نفقہ شریعت میں مرد کو دینا ضروری اور لازمی ہو تو مجری کرو، ورنہ مجھے واپس دو، فریقین میں کشمکش ہوتی رہی۔ اس کے بعد ہندہ کے متعلقین نے زید پر خیار البلوغ کا جھوٹا دعوی کر دیا جو شرعاً ثابت نہ ہوسکا، اس کے بعد ہندہ اور اس کے متعلقین تین سال چپ رہے اس کے بعد فسخ نکاح کی بابت یہ دعویٰ کیا کہ زید نے نماز کو سب وشتم کی ہے جو کہ زید نے اپنی گفتگو میں کہا تھا کہ ''بعض لوگ دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں اس میں مُوت (۱) کیا جاوے، آگ لگائی جائے، اف! میں نے ریا کی نماز کو، جو کہ نامقبول ونامنظور چیز ہے، برا کہہ دیا، الٰہی! میری توبہ، استغفر اللہ، نعوذ باللہ من ذلک'' اسی جگہ کھڑے کھڑے کہہ دیا۔ ہندہ کے متعلقین علاقہ کے ایک مشہور مولوی کے پاس گئے اور سارا قصہ زید کی

---

(۱) ''پیشاب'' (فیروز اللغات، ص: ۱۳۱۰)

گفتگو کا سنایا جس پر مولوی صاحب نے حکم دیا کہ نماز کو سب وشتم کرنے والا کافر ہے، اس کی عورت اس سے طلاق ہوجاتی ہے، نکاح فسخ ہوجاتا ہے، اس کے لئے تجدید نکاح لازمی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہندہ کے متعلقین زید کی آگاہی کے لئے اسی مولوی صاحب کو زید کے پاس لئے گئے درآنحالیکہ زید اپنی بستی کی مسجد میں نماز پڑھا رہا تھا، مولوی صاحب نے زید کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کے بعد لوگوں سے الگ کرکے حال پوچھا کہ تم نے نماز کو کس طرح سب وشتم کی ہے تو زید نے جواب دیا کہ ''میں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ''بعض لوگ دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں اس میں مُوت کیا جاوے، آگ لگائی جاوے'' کہہ کر اسی جگہ کھڑے ہوئے نادم ہوکر استغفار پڑھا، نعوذ باللہ پڑھا اور خداوند تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہوا''۔

مولوی صاحب نے کہا تو نے نماز کو سب وشتم کیا، ریاکار کی نماز بھی تو نماز ہوا کرتی ہے، ان الفاظ کو نکلنے سے تمہاری بیوی کو طلاق بائن ہوگئی ہے، اب ہندہ کو تم سے طلاق ہوچکی ہے، طلاق بائن میں عورت کی مرضی پر منحصر ہوا کرتا ہے کہ وہ پہلے خاوند سے نکاح کرے یا دوسری جگہ نکاح کرے، حقِ مہر تم پر لازم نہیں کیونکہ جس عورت کا نکاح شرعاً فسخ ہوجائے وہ حق مہر کی مستحق نہیں رہتی مگر نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

کیا ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ اس صورت مرقومہ میں فسخ ہوجاتا ہے اور وہ اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔ راقم: محمد دین قریشی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنقیح: زید نے جو یہ الفاظ کہے ہیں یا نقل کئے پہلے آپ اس سے اس کی تحقیق دریافت کرلیجئے، تکفیر کا مسئلہ نہایت نازک ہے، باہمی مناقشات اور دنیوی اغراض کی بنا پر کسی کو کافر بنانے کی کوشش کرنا نہایت بُری بات ہے، اگر طلاق لینے کی ضرورت ہو تو اس سے طلاق حاصل کرلی جائے۔ فقط سعید احمد غفرلہ دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/محرم/ ۶۱ھ۔

سائل لکھتا ہے کہ استفتاء ہٰذا مدرسہ امینیہ دہلی بھیجا گیا جس کا جواب حسب ذیل آیا:

مولوی صاحب کا یہ جواب صحیح نہیں، زید اس کلام سے فاسق بھی نہیں ہوا، کافر ہوجانے کے حکم کی تو کوئی وجہ نہیں، ریاء کی نماز درحقیقت نماز ہی نہیں، اس کا کلام سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے حکم میں ہے ۔

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز　　　که در چشمِ مردم گزاری دراز

لہٰذا اس کلام کی وجہ سے فسخ کا حکم لگانا درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اس کے بعد سائل نے مظاہر علوم کے اس ہی معاملہ کے متعلق ایک جواب وسوال نقل کیا ہے لیکن اس میں سوال کے الفاظ میں اختلاف ہے، اس لئے جواب بھی مختلف ہے۔ اس کے بعد سائل مفتی سعید احمد صاحب کی تنقیحات کا جواب لکھتا ہے:

جواب تنقیح:

زید نے نہ فرض نماز کے متعلق کہا ہے نہ نفل نماز کے، بلکہ اس نے ریائیہ نماز کے متعلق کہا ہے۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر: ا مندرجہ استفتاء جس کا جواب سہارن پور دارالافتاء سے آیا ہے اور اسی مولوی علاقہ نے عمل کر کے ہندہ کا نکاح ثانی دوسرے شخص سے کر دیا ہے، زید اور مولوی کے درمیان کوئی شخص گواہ نہیں کیونکہ مولوی صاحب نے زید سے تنہائی میں سب وشتم کی بابت پوچھا تھا، زید نے کہا ہے کہ مولوی صاحب کے سامنے میں نے ریائیہ نماز بیان کی ہے، مگر مولوی صاحب نے کہا کہ کوئی شخص کسی کی بابت نہیں کہہ سکتا کہ یہ ریائیہ نماز ہے یا خدائی نماز، کیونکہ انسان دیکھنے والا فرق نہیں معلوم کر سکتا کہ کون سی نماز ہے، لہٰذا سب نمازیں ایک ہیں اور تمہارا سب وشتم نماز کو ہے تمہارا نکاح ہندہ سے فسخ ہے۔

۲...... غلط آپ کو لکھا گیا کہ زید نے اپنی عورت سے تجدید نکاح کیا ہے کیونکہ اس نے دوسرے علماء سے پوچھ کر اپنی تسلی کر لی ہے کہ ریائیہ نماز کو سب وشتم کرنے سے تجدید نکاح لازم نہیں آیا۔

۳...... بموجب استفتاء، خاوند اس کو قائل اور تسلیم نہیں کرتا۔

۴...... (**نوٹ**) زید نے مفتی مولوی علاقہ کے سامنے ریائیہ نماز تسلیم کی مگر مفتی صاحب نے سب کو ایک نماز بنا کر زید سے تسلیم کرایا اور اس نے کہا کہ واقعی عرصہ تین سال کا گزر چکا ہے کہ میں نے یہ فلاں کی بابت کہا تھا کہ خراب آدمی نماز کو آڑ بنایا ہوا ہے اور برے لوگوں سے بھی زیادہ گناہ کرتا ہے اور دکھلاوے کو کہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، ریائیہ نمازیں پڑھتا ہے۔

(**نوٹ**) واقعاتِ مندرجہ بالا آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں آپ فتویٰ تحریر فرمائیں کہ ہندہ کا عقدِ ثانی دوسرے شخص سے جائز ہے اور زید کا نکاح فسخ ہے؟ بینوا و توجروا۔ محمد دین۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز وروزہ اسلام کے رکن ہیں(۱) ان کو گالی دینا، سب وشتم کرنا، استخفاف کرنا موجبِ کفر ہے(۲)، اس میں کوئی تأمل نہیں۔ استفتاء نمبر:۳۰۱ میں سائل نے جس قسم کا سوال درج کیا تھا اس کے مطابق جواب میں حکم تحریر کردیا تھا، دہلی جو سوال بھیجا گیا اس میں خصوصیت سے ریائی نماز کو دریافت کیا گیا ہے، اس کا جواب درست ہے، کیونکہ ریائی نماز درحقیقت نماز ہی نہیں (۳) اس لئے وہ قابلِ مدح نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے:

قال الله تبارك تعالى: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون، الذين هم

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لاإله إلاالله وأن محمداًرسول الله، وإقام الصلوة، وإيتآء الزكوة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس": ۱/۲، قديمي)

(۲) "الإستهزاء بحكم من أحكام الشرع كفر". (شرح الفقه الأكبر، قبيل فصل في الكفرصريحاً وكنايةً، ص:۱۷۶، قديمي)

(۳) قال الإمام الأعظم رحمه الله تعالىٰ في الفقه الأكبر: "والريآء إذاوقع في عمل من الأعمال، فإنه يبطل أجره". وقال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "(فإنه يبطل أجره): أي أجر ذلك العمل، بل يثبت وزره بحيث ظلم نفسه بوضع الشيء في غيرموضعه، قال الله تعالىٰ: ﴿فمن كان يرجولقاء ربه، فليعمل عملاً صالحاً ولايشرك بعبادة ربه أحداً﴾ : أي لاشركاً جلياً ولاخفياً. وفيه إيماء إلى أنه إذاقصد الريآء والسُّمعة وقصد الطاعةوالعبادة معاً، يُوصف بالشركة مطلقاً لغلبة أحدهماعلى الآخر، أوالتسوية بينهما، فإنه يبطل أجره ويثبت وزره لعموم حديث .... "لايقبل الله عملاً فيه مقدارذرة من الريآء". (شرح الفقه الأكبر، ص:۷۸، قديمي)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفرأنواع، ومنهامايتعلق بالصلوة والصوم والزكوة: ۲/۲۶۸، رشيديه)

وفي المرقاة شرح المشكوة: "هولفاعله: أي تركت ذلك العمل وفاعلَه لاأقبله، ولاأجازي فاعله بذلك العمل؛ لأنه لم يعمله لي، انتهى .... إن العمل على الإشراك حرام إجماعاً". (كتاب الرقاق، باب الريآء والسمعة، الفصل الأول: ۹/۱۶۷، رشيديه)

یرآؤون﴾الآیة (۱)۔ "عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اللّٰہ تعالیٰ: أناأغنی الشرکاء عن الشرک، من عمل عملاً أشرک فیہ معی غیری، ترکتہ وشرکہ"، وفی روایة": فأنامنہ بریء، ھوللذی عملہ"(۲)۔

"عن شداد بن أوس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ یقول: "من صلی یرائی فقد أشرک، ومن صام یرائی فقد أشرک، ومن تصدق یرائی فقد أشرک". رواہ أحمد (۳)۔ مشکوۃ شریف(٤)۔

جس شی کی شریعت نے مذمت کی ہو اس کی مذمت موجب کفر نہیں، نہ اس سے نکاح فسخ ہوتا ہے، نہ عورت بائنہ ہوتی ہے(۵)، ایسی صورت میں عورت کو دوسری جگہ نکاح بھی درست نہیں ہوتا۔ سوال کی تصحیح سائل کے ذمہ ہے، اگر غلط سوال قائم کر کے جواب حاصل کرلیا تو اس سے اخروی مواخذہ سے نجات حاصل نہ ہوگی اور جو شئ دراصل حرام ہے وہ حلال نہیں ہوگی اور جو حلال ہے وہ حرام نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵/۴/۶۱ھ۔

ایسے الفاظ کہنا برا ہے مگر چونکہ ان الفاظ میں احتمال ہے اسلئے ان سے تکفیر کرنا جائز نہیں (۶) محمد نصر۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

---

(۱) (الماعون: ۴، ۵، ۶)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریآء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

(۳) (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۰۸/۵، رقم: ۱۶۶۹۰)

(۴)(المشکوۃ المصدرالسابق، الفصل الثالث: ۴۵۵)

(۵) "ثم إن کانت نیة القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر، فھومسلم". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیہ)

(وکذافی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجرآء کلمة الکفر: ۴۵۸/۵، ادارۃ القرآن)

(والمحیط البرھانی، کتاب السیر، فصل فی مسائل المرتدین، النوع الأول فی إجرآء کلمة الکفر: ۵۵۰/۵، غفاریہ کوئٹہ)

(۶) "الأصل أن لایکفرأحد بلفظ محتمل؛ لأن الکفرنھایة فی العقوبة، فیستدعی نھایةً فی الجنایة، ومع =

دینی کتب کے مترجمین کو برا کہنا

سوال[۷۴۶]: بعض لوگ ان علماء کو دشنام اور برا کہتے ہیں جنہوں نے کتب فقہ، حدیث، تفسیر کا اردو ترجمہ اور شرح کی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم ان اردو کتابوں کو نہیں مانتے، عربی زبان میں ہوتی تو ضرور مان لیتے۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقانی علماء کو محض اس وجہ سے برا کہنا اور دشنام دینا کہ انہوں نے دین کی خدمت کی اور اردو میں عربی کتابوں کے تراجم کئے ہیں، کبیرہ گناہ اور سخت خطرناک ہے(۱)۔ جو مسائل حق ہیں خواہ وہ اردو میں ہوں یا عربی وغیرہ میں ان کو ماننا لازم ہے، ایسے شخص کو توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= الإحتمال لانهاية". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۹، إدارة القرآن)

(وكذافي شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۶۲، قديمي)

(والبحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۱) اس جیسے الفاظ میں اکثر کفر کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ قال الملاعلى القاري: "من قال لفقيه يذكر شيئاً من العلم: .... هذاليس بشيء، أوقال: لأيّ أمر يصلح هذاالكلام؟........ كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلمآء، ص: ۱۷۵، قديمي)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية كتاب السير، موجبات الكفر أنواع ومنهامايتعلق بالعلم والعلمآء: ۲/۲۷۱، رشيديه)

اور عالم کو بغیر کسی سبب کے سب وشتم کرنے میں بھی اندیشۂ کفر ہے: في الفتاوى العالمكيرية: "ويخاف عليه الكفر إذاشتم عالماً أوفقيهاً من غير سبب". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق: ۲/۲۷۰)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۷، رشيديه)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن پاکستان کے اقتباسات ضلالت آمیز

سوال[۲۴۸]: ایک شخص اپنی تحریر میں اس قسم کے جملہ استعمال کرتا ہے:

۱...... ''معراج کا واقعہ ایک افسانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کے مقابلہ میں گھڑا گیا ہے'' (۱)۔ (اسلام، ص:۱۴، مصنفہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، صدر ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد، پاکستان)۔

۲...... ''قرآن مجید میں انبیاء سابقین کے واقعات ماضیہ سے متعلق جتنے قصے اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں وہ بے بنیاد واقعات ہیں جو یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں گھڑے گئے ہیں''۔ (ایضاً، ص:۱۶)۔

۳...... ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف انسان کے اخلاق کی اصلاح کرنے والے تھے''۔ (ایضاً، ص:۱۷)۔

۴...... ''حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرب قوموں کی تنظیم میں مصروف رہنے کی وجہ سے انہیں حکومت بنانے کے قوانین مرتب کرنے کی فرصت نہیں ملی''۔ (ایضاً، ص:۲۸)۔

۵...... ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ جاہلیت کی رسوم کے مطابق متعدد شادیاں کی تھیں، یہ کوئی شانِ نبوت نہیں ہے''۔ (ایضاً، ص:۲۹)۔

۶...... ''نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی تھی، یہ بات یہود اور نصرانیوں کو قائل کرنے کے لئے ان کے عقائد کے مطابق بنائی گئی ہے''۔ (ایضاً، ص:۳۱)۔

۷...... ''حضرت جبرئیل امین کی کسی جسمانی صورت کا کوئی ثبوت نہیں ہے''۔ (ایضاً، ص:۳۱)۔

۸...... ''قرآن شریف اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں کے الفاظ سے عبارت ہے، اس میں صرف اللہ ہی کے الفاظ نہیں''۔ (ایضاً، ص:۳۱)۔

۹...... ''وحی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل کی آواز ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں''۔ (ایضاً، ص:۳۳)۔

۱۰...... ''قرآن کریم میں صرف تین وقت کی نماز کا ذکر ہے، باقی دو وقت کی نمازیں بعد میں شامل کی گئی ہیں''۔ (ایضاً، ص:۳۲)۔

۱۱......''قرآن شریف کوئی قطعی دلیل نہیں''۔ (ایضاً ص:۳۷)۔

۱۲......''زکوۃ عوام کے بہبود کے لئے ایک قسم کا ٹیکس ہے یہ کوئی عبادت نہیں اور حکومت وقت ضرورت کے مطابق اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے''۔ (ایضاً ص:۳۷)۔

۱۳......''قرآن شریف میں اجتہاد کی گنجائش ہے''۔ (ایضاً ص:۳۹)۔

۱۴......''نامکمل اسلام کی تکمیل صرف مغربیت کی رہنمائی سے ہوسکتی ہے''۔ (ایضاً ص:۱۱۶)۔

(نقل مطابق اصل، از روزنامہ نوائے وقت، ۲۶/ اگست ۶۸ء، ص:۶)۔

۱۵......''جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا ضروری نہیں''۔ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا فتویٰ)۔

مذکورہ بالا تحریریں آپ نے پڑھ لیں، اب آپ فرمائیں کہ جس شخص کی ایسی تحریریں ہوں وہ اس لائق ہے کہ اسے مسلمان سمجھا جائے اور کیا ایسا شخص تحقیقاتِ اسلامی جیسے ادارہ کا ڈائرکٹر ہوسکتا ہے؟ اور جو حکومت ایسے شخص کو اس عہدے پر مقرر کرے، کیا وہ حکومت بھی مجرم ہے یا نہیں؟ اور کیا ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے شخص کی اسلام کے بارے میں نظر بالغ ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کے عین مطابق جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی مذکورہ کتاب اور نوائے وقت ہمارے پاس نہیں، کہیں سے حاصل کر کے بھی مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ جو اقتباسات آپ نے نقل کئے ہیں اگر ان کا یہی مطلب ہے، سیاق وسباق سے دوسرا مطلب نہیں ہو جاتا اور مصنف کی مراد بھی وہی ہے جو الفاظ سے ظاہر ہے، تو یہ نہایت گمراہ کن عبارات ہیں، اسلام کے مسلمہ ومتفقہ اصول کے خلاف ہیں، ان کا پڑھنا اور ان پر یقین رکھنا تصدیقِ اسلام کے منافی ہے۔ بعض عبارت پر یقین رکھنے سے بالکل ہی ایمان جاتا رہے گا اور بعض سے ایمان خراب ہو جائے گا۔ ایسی باتوں کا معتقد ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو اسلام کے بارے میں بالغِ نظر کہا جائے، اس کو تو دائرہ اسلام میں رکھنا بھی دشوار ہے، وہ تو ایسے باطل عقائد کی بنا پر اسلام سے خارج ہو گیا، تاویلات سے بھی روکنا آسان نہیں (۱)، اس کو کسی دینی ادارہ

(۱) نبحث هنا تحقيقاً على نمط التخريج عن بعض نكات السوال التي هي مشتملة على ألفاظ صريحة غير محتمله، وأما غير المصرحة المحتملة، فقد تركناها ضيقاً للمقام. وذلك البعض: أي الألفاظ =

....

= المشتملة علی الکفر یلزم منه الکفر قطعاً إنکاراً للنصوص القطعیة من الکتاب والسنة:

فأماقوله الأول: ''معراج کاواقعہ'' الخ، فمخالف لنص القرآن القطعی، والأحادیث الصحیحة، أماالکتاب فقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿سبحان الذی أسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی الذی بارکناحوله، لنریه من آیاتنا، إنه هوالسمیع البصیر﴾ (الإسرآء: ۱)

وأماالحدیث فقد روی: ''عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان أبوذر رضی اللہ تعالیٰ عنه یحدّث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: '' فرج عن سقف بیتی وأنابمکة، فنزل جبرئیل علیه السلام، ففرج صدری، ثم غسله بمآء زمزم، ثم جآء بطست من ذهب ممتلیء حکمةً وإیماناً فأفرغه فی صدری، ثم أطبقه، ثم أخذ بیدی، فعرج بی إلی السمآء، فلما جئت إلی السماء الدنیا، قال جبرئیل علیه السلام لخازن السماء: إفتح، قال: من هذا؟ قال: هذاجبرئیل، قال: هل معک أحد؟ قال: نعم معی محمد، فقال: أأرسِل إلیه؟ قال: نعم، فلمافتح، علوناالسمآء الدنیا''. الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الصلوة، باب کیف فرضت الصلوة فی الإسرآء: ۱/۵۰، قدیمی)

وأماقوله الثانی: ''قرآن میں بیان شدہ قصے بے بنیاد ہیں'' فهذاکذب صریح علی اللہ تعالیٰ، لقوله تعالیٰ لیوسف علیه السلام: ﴿نحن نقص علیک أحسن القصص بماأوحیناإلیک هذاالقرآن، وإن کنت من قبله لمن الغافلین﴾ (یوسف: ۳)

فلوکانت القصص المذکورة فی القرآن لاأصل لها، فکیف قال تعالی لها: ''أحسن القصص'' وهذه القصة من جملة القصص، وأیضاً ذکرت تلک القصص لحِکمٍ کثیرة، منهاماقاله العلامة الآلوسی: ''وأقوی مایجاب به أن قصص الأنبیآء إنماکررت؛ لأن المقصود بهاإفادة إهلاک من کذبوارسلهم، والحاجة داعیة إلی ذلک کتکریرتکذیب الکفارللرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فلماکذبوا، أنزلت قصة منذرة بحلول العذاب کماحلّ بالمکذبین''. (روح المعانی: ۱۲/۱۴۶، دارإحیاء التراث العربی)

وأماقوله السادس: ''حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی'' الخ، فمفهومه أن الوحی کان مخترعاً من جهة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، وأنه لم یکن منزلاً من اللہ تعالیٰ علی زعم هذاالقائل، وهوکذب واختراع وافترآء کماافترت الیهود والنصاری علی اللہ تعالیٰ ورسله، فصاروامردودین من جناب الحق تعالیٰ، مخذولین بکید الشیاطین، وسماهم اللہ الکافرین الملحدین. ....=

کا رہنما، رہبر بنانا، اس ادارہ کو تباہ کرنا ہے۔ فقط واللہ یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

= قال الله تعالیٰ: ﴿إناأوحیناإلیک کماأوحیناإلی نوح والنبیین من بعده﴾ الآیة .وقال تعالیٰ: ﴿لکن الله یشهد بماأنزل إلیک أنزله بعلمه والملائکة یشهدون، وکفی بالله شهیداً﴾. (النسآء: ۱۶۳، ۱۶۶)

وقال تعالیٰ: ﴿وقال الملأ من قومه الذین کفرواوکذبوابلقآء الآخرة وأترفناهم فی الحیاة الدنیا ماهذاإلابشرمثلکم (إلی قوله) إن هوإلارجل افتری علی الله کذباً ومانحن له بمؤمنین﴾. (المؤمنون: ۳۳، ۳۸)

فمن کذّب هذه النصوص فهوکافر، ومن أصحاب النار، کماقال تعالیٰ: ﴿والذین کفروا وکذبواباٰیاتنا، أولئک أصحٰب الجحیم﴾ (المائدة: ۱۰)

وأماقوله الثامن: ''دونوں کے الفاظ سے عبارت ہے'' فمعارض لنص الکتاب الصریح: قال الله تعالیٰ: ﴿ومایـنطق عن الهوی، إن هوإلاوحی یوحی﴾ (النجم: ۴) وقال تعالیٰ: ﴿قل الله شهید بینی وبینکم، وأوحی إلیّ هذاالقرآن لأنذرکم به ومن بلغ﴾ الآیة (الأنعام: ۱۹)

وأماقوله الحادی عشر: ''قرآن شریف کوئی قطعی دلیل نہیں'' فهذاإعراض عماقاله تعالی فی شأن کتابه العزیز: ﴿إن هوإلاوحی یوحی، علمه شدید القوی، ذومرة فاستوی، وهوبالأفق الأعلی﴾ (النجم: ۴،۵،۶،۷)

وقال تعالیٰ: ﴿إنه لقول رسول کریم، ذی قوة عند ذی العرش مکین، مطاع ثَمّ أمین، وماصاحبکم بمجنون، ولقد رآه بالأفق المبین، وماهوعلی الغیب بضنین، وماهوبقول شیطان رجیم﴾(التکویر: ۱۹، ۲۵)

وأماقوله الرابع عشر: ''ناکمل اسلام'' ففیه إنکارلقوله تعالیٰ: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾ الآیة (المائدة: ۳).

لماثبت أن هذه النکاة المذکورة معارضة لنص الکتاب والسنة،وإنکارٌ و تمسخرٌبهما، فنقول: إن الفقهآء رحمهم الله تعالیٰ قطعواحکم الکفرعلی هذامثل الزعیم، فقال فی التاتارخانیة: "إذاأنکرآیةً من القرآن أوسخربآیة من القرآن، وفی الخزانة: أوعاب، فقد کفر". (کتاب أحکام المرتدین، فصل فیمایتعلق بالقران: ۵/۴۹۰، إدارة القرآن)

وفی شرح الفقه الأکبرللقاری: "وکذا(أی یجب إکفار) من .... جحد وعداً أووعیداً مماذکره الله تعالیٰ فی القرآن، أوکذب شیئاً منه: أی من أخباره،وهذاظاهرلامِریة فی أمره، ولامخالفة لحکمه ..... أوأنکرآیةً من القرآن، أوعاب شیئاً من القرآن .... کفر". (فصل فی القرآءة والصلاة، ص: ۱۶۷، قدیمی) .... =

''مجھ کو جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منظور ہے، اللہ تعالیٰ کی ایسی تیسی'' کہنا (نعوذ باللہ)

سوال [۹ ۲۴]: زید اور عمر دونوں حقیقی بھائی ہیں، زید بڑا ہے عمر چھوٹا ہے، دونوں میں ایک رات جھگڑا ہو رہا تھا تو بڑے بھائی کی بدعنوانیوں کی بنا پر چھوٹے بھائی نے کہا کہ تمہارے یہ اعمال، اللہ کے یہاں تمہارا کیا حشر ہوگا، تو بڑے بھائی نے کہا کہ ''مجھ کو جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منظور ہے''، پھر دوسری رات میں بھی جھگڑا ہوا اور زیادہ خطرناک صورت ہوگئی، تو بیچ بچاؤ کرنے والوں نے بڑے بھائی زید سے کہا کہ خدا کے لئے چپ رہو، تو زید نے برملا کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کی ایسی تیسی'' (نعوذ باللہ)۔ کیا زید کے یہ دونوں جملے کلمہ کفر ہیں؟ اگر ہیں تو ایسی صورت میں زید کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کیا اس سے نکاح پر بھی اثر پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کلمات نہایت سخت ہیں ان سے ایمان کا باقی رہنا دشوار ہے(۱)، مگر ایسے شخص کے واسطے فتویٰ

= (وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، ومنها مايتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

"من رد حديثاً، قال بعض مشايخنا: يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً، كفر. أقول: هذا هو الصحيح، إلا إذا كان رد حديث الآحاد من الأخبار على وجه الإستخفاف والاستحقار والإنكار".

(شرح الفقه الأكبر للقاری رحمه الله تعالىٰ، قبيل فصل في القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۶، قديمی)

(۱) "وفي العتابية: ثم الأصل أن جحود أمر الله تعالىٰ وأمر رسوله كفر، چنانچه گويد: .... اگرچه خداى مرا بهشت فرستند نروم". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في رد الأوامر الشرعية: ۵/۴۸۶، ادارة القرآن)

وفيها: "قيل له: لا تعص الله، فإن الله يدخلك النار، فقال: من از دوزخ نه انديشم"۔ .... كفر في هذا كله". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في رد الأوامر الشرعية: ۵/۴۸۶، ادارة القرآن)

"يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به". (الفتاوى العالمكيرية كتاب السير، الباب التاسع، موجبات الكفر، أنواع، منها مايتعلق بذات الله تعالىٰ: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يقال في ذات الله تعالىٰ: ۵/۴۶۱، ادارة القرآن)

کیا کارآمد ہوگا، کسی عالم صالح بزرگ کے پاس اس کو لے جائیں، وہ نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھادیں اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرادیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۹ھ۔

نیند کو نماز سے بہتر کہنے پر کیا حکم ہے؟

سوال [۲۵۰]: بعد نماز عشاء ایک آدمی نے اپنی لیٹی ہوئی بیوی سے کہا نماز پڑھ لو، بیوی نے کہا مجھے نیند آرہی ہے، اس کے جواب میں مرد نے کہا کہ نیند یعنی سونا بہتر ہے یا نماز بہتر ہے؟ تو بیوی نے جواب دیا کہ نیند بہتر ہے، اس صورت میں عورت پر کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ نیند کو نماز سے اچھا بتانے والا آدمی کیسا ہے؟ اسلام میں داخل رہے گا یا خارج از اسلام ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیند کا نماز سے بہتر ہونا جو کہ بیوی نے جواب میں کہا ہے، وہ باعتبارِ تقاضۂ طبیعت کے ہے یعنی اس وقت سونے کو طبیعت چاہتی ہے، نیند کا غلبہ ہے، نیند ہی اچھی لگتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدائے پاک کے نزدیک نیند کا مقام نماز عشاء سے بلند ہے کہ اگر کوئی عشاء کی نماز نہ پڑھے بلکہ سوجائے تو وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک پیارا ہے اس سے جو نماز پڑھے، اس لئے بیوی پر کوئی سخت حکم نہیں لگایا جائے گا (۲)۔ البتہ اس قسم کے

---

(۱) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط ...... ثم إن كانت نية القائل .... الوجه الذي يوجب التكفير، لاتنفعه فتوى المفتي ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه وبين امراء ته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجرآء كلمة الكفر: ۵۵۰/۵، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إذا كان اللفظ محتملاً، فلا يحكم بكونه كفراً، إلا إذا صرح بأنه نوى المعنى الأول فتأمل .... لاسيماً، وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر، واحتمال واحد =

لفظ بولنے سے اس کو منع کیا جائے گا وہ توبہ کرے، آئندہ ایسا نہ کہے، نکاح بدستور قائم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۶ھ۔

مناظرہ سکھانے کے لئے کفریات بولنا کیسا ہے؟

سوال[۱۲۵۱]: ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ میں تعلیماً طلبہ کو مناظرہ کی تمرین کرائی جاتی ہے، ایک طالب علم اپنے آپ کو کبھی کافر، کبھی بدعتی، کبھی مرزائی، کبھی مودودی ظاہر کرتا ہے، جب اپنے کو کافر ظاہر کرتا ہے تو خدا کا انکار اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتا ہے، دوسرا طالب علم اس کو کافر وغیرہ الفاظ سے مخاطب کر کے اس کا جواب دیتا ہے اور جب بدعتی ظاہر کرتا ہے تو علماء دیوبند کو گالیاں دیتا ہے اور ان کو کافر بتلاتا ہے، دوسرا طالب علم اس کو جواب دیتے ہوئے گمراہ خان وغیرہ کہتا ہے، یہی صورت تب بھی ہوتی ہے جب مرزائی یا مودودی اپنے کو ظاہر کرتا ہے۔

غرض جب کسی فرقہ کی وکالت کرتا ہے، تو فرقِ باطلہ کے عقائد تو نہیں رکھتا، لیکن ان کے وہ کلمات جو شرعاً ناجائز ہیں استعمال کرتا ہے۔ مذکورہ صورت کبھی کبھی مدرسہ کے جلسہ میں ہوتی ہے، اس میں بعض مرتبہ جلسہ کو دلچسپ بنانا بھی مقصد ہوتا ہے، اور ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہاں مدرسہ کے اساتذہ میں اختلاف ہے، کوئی درست کہتا ہے کوئی غلط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فرقہ باطلہ ہالکہ سے مناظرہ سکھایا جائے تو کسی طالب علم کا اپنے آپ کو ان فرقوں میں شمار کرنا اور اہل حق کی تضلیل وتکفیر کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، سخت معصیت ہے بلکہ اپنے ایمان کا خطرہ ہے۔ اقرار کفر اور اجرائے کلمۂ کفر اگرچہ اعتقاداً نہ ہو، استہزاءً ہو تو اس کو بھی فقہاء نے موجبِ کفر لکھا ہے، جیسا کہ

= في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالإحتمال النافي ؛ لأن الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطأ في إفناء مسلم واحد". (شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ، بحث التوبة، ص: ۱۶۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

مجمع الانہر(۱) عالمگیری (۲) شامی (۳) شرح فقہ اکبر (۴) وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس لئے مناظرہ کا طریق اختیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان باطل فرقوں کی طرف سے ایک کہے کہ مثلاً اگر قادیانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے، اگر رضاخانی یہ کہے تو آپ کے پاس کیا جواب ہے، فلاں جماعت نے آپ کے اکابر پر اعتراض کیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

کفریات کو کبھی بھی اپنا مقولہ بنا کر پیش نہ کرے اگرچہ جعلی وکیل کی نیت سے ہو، ویسے بھی کلمۂ کفر کو زبان پر لانا موجب ظلمت ہے جب تک اس کی تردید نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

''آستین براو کشیدہ ہمچو مکار آمدی'' کا پڑھنا

سوال[۶۵۲]: شعر

آستین براو کشیدہ ہمچو مکار آمدی   باخوری خود و تماشا سوئے بازار آمدی

اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور سننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص اس کا صحیح مطلب سمجھتا ہو اس کو پڑھنا اور سننا درست ہے، ظاہری مطلب لے کر خدائے پاک کو خطاب کر کے پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي البحر: والحاصل: أن من تكلم بكلمة الكفر هازلاً أولاعباً، كفر عند الكل، ولا إعتبار باعتقاده .... ومن تكلم بها عالماً عامداً، كفر عند الكل ...... لكن في الدرر: وإن لم يعتقد أولم يعلم أنها لفظة الكفر، ولكن أتى بها عن إختيار، فقد كفر عند عامة العلماء، ولا يعذر بالجهل". (مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، آخر باب المرتد، قبيل ألفاظ الكفر: ۲/۵۰۲، غفاريه كوئته)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر ومنها مايتعلق بتلقين الكفر اهـ: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

(۴) (شرح الفقه الأكبر للقارى رحمه الله تعالىٰ، بحث التوبة، ص: ۱۶۲، قديمى)

عورت کا شوہر کو یہ جواب کہ "توبہ نہیں کروں گی" کیا تجدیدِ ایمان ضروری ہے؟

سوال[۶۵۳]: ایک شخص نے اپنی اہلیہ سے کسی گناہ پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو جی توبہ کرلو، ویسے اس کی اہلیہ نیک ہے، مگر اس وقت مذاق سے کہدیا کہ "میں توبہ نہیں کروں گی"، پھر کہتے ہی اسی وقت ندامت ہوگئی اور توبہ کرلی۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس کے ایمان میں کچھ خرابی آ کر نکاح میں کوئی فرق آ سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف گنہ گار ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے کسی خاص گناہ سے متعلق کہا کہ اس گناہ سے توبہ کرلو اور وہ گناہ بیوی نے نہیں کیا تھا، بیوی نے کہا کہ میں توبہ نہیں کروں گی، تو اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں خلل نہیں ہوگا اور اگر کسی خاص گناہ سے متعلق نہیں کہا بلکہ ویسے ہی کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو توبہ کرتے ہی رہنا چاہئے، اس پر یہ جواب دیا کہ توبہ نہیں کروں گی تو یہ بہت خطرناک ہے کیونکہ قرآن کریم میں بھی اہل ایمان کو توبہ کرنے کا حکم ہے: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا توبوا إلی اللّٰه توبةً نصوحاً﴾ (۱) اب اس صورت میں کلمہ پڑھ کر اپنی اس بات سے توبہ کرنا چاہئے اور دو آدمیوں کے سامنے تجدید نکاح بھی کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) (سورة التحریم: ۸)

قال العلامة الآلوسیؒ: "اتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور، ولایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (روح المعانی: ۱۵۹/۲۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الإیمان، قبیل باب خصال المنافق: ۵۶/۲، قدیمی)

(۲) "وماکان فی کونه کفراً اختلاف یؤمر قائله بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلک احتیاطاً".

(مجمع الأنهر، باب المرتد: ۶۸۸/۱، دارإحیاء التراث العربی)

(وکذا الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، موجبات الکفر أنواع، ومنها مایتعلق بتلقین الکفر اهـ: ۲۷۶/۲، رشیدیه)

ما یتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

علمائے دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم؟

سوال[۶۵۴]: جلال آباد میں جو کہ ایک پرانی بستی ہے، قدیم زمانے سے بستی کی جو سب سے بڑی جامع مسجد ہے اس میں ہمیشہ جمعہ ہوتا چلا آیا اور برابر ہو رہا ہے، کچھ عرصہ سے جامع مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹی سی محلّہ کی مسجد ہے اس میں دو چار آدمیوں نے جو بدعتی عقیدے کے ہیں اور اپنے اکابر کو کافر کہتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ علمائے دیوبند کو کافر نہ کہنے والا کافر یقینی ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صرف ہم یہ عقیدہ رکھنے والے ہی مسلمان ہیں اور مسلمان کی نماز کافر کے پیچھے درست نہیں ہے، جس کی وجہ سے ان بدعتی عقیدے کے دو چار آدمیوں نے جمعہ کی نماز علیحدہ سے شروع کر دی چونکہ جامع مسجد میں جمعہ ڈیڑھ بجے ہوتا ہے اور یہ لوگ چھوٹی مسجد میں ڈھائی بجے جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، اس لئے کثرت سے لوگ ان بدعتی حضرات کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے پیش امام جو کہ دیندار صحیح العقیدہ متمول ہیں ان سے اگر کسی وجہ سے (جامع مسجد میں) جمعہ چھوٹ جاتا ہے تو وہ بھی چھوٹی مسجد میں ان کے پیچھے نماز جمعہ ادا کر دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ نیک صحیح العقیدہ شخص جس کا اتباع پوری بستی ہی نہیں مضافاتی بھی کرتے ہیں ان کو جمعہ کی نماز بدعتی کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے یا ظہر کی نماز؟

رحمت اللہ قاسم العلوم جلال آباد بجنور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص علمائے دیوبند کو کافر کہتا ہو اور اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتا تو وہ شخص خود ہی خطرناک حالت میں ہے اس لئے کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ: ”اگر ایک آدمی کسی کو کافر کہے اور واقعۃً وہ شخص کافر نہ ہو تو وہ کفر

خود اس پر لوٹ کر آتا ہے"(۱)، پس ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، نہ اس کو کافر کہا جائے، نہ اس کا اقتدا کیا جائے، پھر وہ لوگ کسی دیوبندی عقیدے والے کے مسجد میں آجانے سے مسجد کو دھلوا کر پاک کراتے ہیں، دیوبندی کے سلام کا جواب دینے ہی سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے، دیوبندی کو سلام کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ان کے نزدیک مرتد ہوجاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

جامع مسجد میں نماز کا اہتمام لازم ہے(۲) خاص کر امام صاحب کو، دوسرے لوگ بھی جامع مسجد میں سویرے جایا کریں تاکہ اس کی نوبت نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۲ھ۔

دیوبندی علماء کو کافر کہنا

سوال[۲۵۵]: بریلوی عقائد کے لوگوں کا کہنا ہے کہ دیوبندی عقائد کے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سلام کرنا، کسی قسم کا رابطہ وتعلقات رکھنا ناجائز ہے، اور اگر دیوبندی (وہابی)

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

(وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر: ۵۷/۱، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "في تأويل الحديث أوجه: أحدها أنه محمول على المستحل لذلك، و هذا يكفر". (شرح النووي على مسلم: ۵۷/۱، قديمي)

(وكذا في المرقاة شرح المشكوة، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان الخ: ۵۶۲/۸، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين: ۵۱۴/۵، إدارة القرآن)

(۲) "أفضل المساجد مسجد مكة، ثم المدينة، ثم القدس، ثم قباء، ثم الأقدم، ثم الأعظم". (الدر المختار)، و في رد المحتار: "والحاصل: أن بعد القدس الجوامع: أي المساجد الكبيرة الجامعة للجماعة الكثيرة". (كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في أفضل المساجد: ۶۵۸/۱، ۶۵۹، سعيد)

سلام کرے تو اس کا جواب دینا بھی ناجائز ہے اور دیوبندیوں کو کافر بھی کہتے ہیں، ایسی صورت میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کے لئے یہ حالات پریشان کن ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے دیوبند کا مسلک صحیح ہے، قرآن کریم، حدیث شریف، صحابۂ کرام، فقہاء، مجتہدین کے بالکل مطابق ہے، جو شخص اس کو غلط کہتا ہے وہ ان سب کی مخالفت کرتا ہے اور جو شخص ایسے دیوبندی علماء کو یا ان کے متعلقین کو کافر کہتا ہے وہ اہلِ ایمان کو اہلِ کفر سمجھتا ہے، اس کو ضروری ہے کہ اپنے ایمان کی خبر لے اور اصلاح کرائے، ورنہ وہ ہمیشہ ایمان سے ناآشنا رہے گا اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی واولیائے کاملین کو کافر کہنے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مستحق رہے گا (۱)۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۵ھ۔

مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم

سوال[۲۵۶]: کسی نے فتوی دیا کہ یہ مسلمان کافر ہے تو حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والے کا شرع کی رو سے کیا حکم ہے عند الحنفیہ؟

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما .... قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " أیما امری قال لأخیہ: کافر، فقد باء بہا أحدہما، إن کان کما قال، وإلا رجعت علیہ" .... معناہ أن ذلک یؤل بہ إلی الکفر، وذلک أن المعاصی کما قالوا "برید الکفر" ویخاف علی المکثر منہا أن یکون عاقبۃ شؤمہا المصیر إلی الکفر، ویؤید ہذا الوجہ ماجاء فی روایۃ .... "فإن کان کما قال، وإلا فقد باء بالکفر".

(الصحیح لمسلم مع شرحہ للنووی، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیہ المسلم: یا کافر: ۱/۵۷، قدیمی)

"وفی الخلاصۃ: من أبغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر". (شرح الفقہ الأکبر، فصل فی العلم والعلماء: ۱۷۳، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی مسلم کو بلا وجہ کافر جاننا کفر ہے: "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أيما رجل قال لأخيه: كافر! فقد باء بها أحدهما". متفق عليه"(۱)۔

"و عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". رواه البخاری" (۲)۔

"وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من دعا رجلاً بالكفر، أو قال: عدوّ الله! و ليس كذلك إلا حار عليه". متفق عليه"(۳)۔ (مشكوة المصابيح: ص: ۴۱۱)(۴)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۷/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۲/۶۱ھ۔

---

(۱) (صحيح البخاری، کتاب الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال: ۹۰۱/۲، قديمی)

(الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر: ۵۷/۱، قديمی)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمی)

(۳) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۴) (روى الأحاديث الثلاثة فی مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان الخ، ص: ۴۱۱، قديمی)

"والمختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات (أی: قوله: يا كافر، و يا يهودی وغيرهما) إن كان أراد الشتم، و لا يعتقده كافراً، لا يكفر، و إن كان يعتقده كافراً، فخاطبه بهذا بناءً على اعتقاده أنه كافر، يكفر". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد: ۲۷۸/۲، رشيديه) .... =

مسلم کو مشرک کہنا

سوال[۶۵۷]: اگر کوئی آدمی کسی مسلمان کو مشرک کہے اور کہنے والا بھی مسلمان ہو تو کہنے والے پر کفر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی مسلم کو بلا وجہ شرعی مشرک کہنا سخت گناہ ہے بلکہ کفر ہے(۱)، اس سے اجتناب واجب ہے، اگر کوئی شرعی وجہ ہو تو اس کو دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

کلمہ گو کو کافر کہنا

سوال[۶۵۸]: کسی کلمہ گو کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اسلام کے لئے صرف کلمہ گو ہونا کافی نہیں بلکہ دل سے تصدیق اور عقائد حقہ کا اختیار کرنا ضروری ہے(۲)، کیونکہ کلمہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھ لیتے ہیں اور وہ غیر مسلم ہونے کے مقر بھی ہیں، لیکن تصدیق قلبی اور

= (وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الخامس في الإقرار بالكفر: ۶/ ۳۳۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الرجل يقول لغيره: يا كافر: ۵/ ۵۱۴، إدارة القرآن)

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان "مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم")

(۲) "قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى تحت قوله تعالى: ﴿الذين يؤمنون بالغيب﴾ الآية (البقرة: ۳) "(الإيمان) أما في الشرع، فهو التصديق بما علم مجيء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم به ضرورةً، تفصيلاً فيما علم تفصيلاً و إجمالاً فيما علم إجمالاً" .... وقال: "لا شك أن المُقِرّ باللسان وحده يُسمّى مؤمناً لغةً، لقيام دليل الإيمان الذي هو التصديق القلبي فيه .... ويجري عليه أحكام الإيمان=

عقائدِ حقہ پر دوسروں کو مطلع ہونا آسان نہیں، اسلئے اتنا ضروری ہے کہ تصدیق قلبی اور عقائد حقہ کے منافی کوئی چیز صادر نہ ہو(۱) مثلاً ایک شخص کلمہ گو بھی ہے اور بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے(۲) یا ختم نبوت کا منکر ہے(۳) یا قرآن کریم کو خدا کی کتاب نہیں مانتا(۴) وغیرہ وغیرہ تو محض کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو مسلم و مومن نہیں کہا

= ظاهراً، ولا نزاع في ذلک، و إنما النزاع في كونه مؤمناً عند الله تعالىٰ والنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و من بعده، كما كانوا يحكمون بإيمان من تكلم بالشهادتين كانوا يحكمون بكفر المنافق، فدل على أنه لا يكفي في الإيمان فعل اللسان". (روح المعاني : ۱/۱۱۳، دار إحياء التراث العربي)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۱، سعيد)

(۱) "و في جامع الفصولين : روى الطحاوي عن أصحابنا : لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۰۹، رشيديه)

(۲) "ثم لا نزاع في أن المعاصي ماجعله الشارع أمارة التكذيب، وعلم كونه كذلک بالأدلة الشرعية كالسجود للصنم .... و نحو ذلک مما ثبت بالأدلة أنه كفر". (شرح الفقه الأكبر، ص:۷۷،قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد : ۴/۲۲۲، سعيد)

"وقال شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ : السجود لغير الله تعالىٰ على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع : ۸/۳۶۴، رشيديه)

(۳) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ :﴿ولكن رسول الله و خاتم النبيين﴾: "و كونه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب و صدعت به السنة، و أجمعت عليه الأمة، فيكفر مدعي خلافه، و يقتل إن أصرّ". (روح المعاني : ۲۲/۴۱، دار إحياء التراث العربي)

وفي شرح الفقه الأكبر: "ودعوى النبوة بعد نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كفر بالإجماع". (ص: ۱۶۴، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، مطلب في كل من ادعى النبوة بعده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كاذب، ص: ۹۴)

(۴) "ومن جحد القرآن : اى كلّه أو سورةً منه أو آيةً، قلت : وكذا كلمةً أو قرآءةً متواترةً .... كفر". (شرح الفقه الأكبر ، فصل في القرآءة والصلوة ،ص: ۱۶۷، قديمي)

جائے گا اور کسی مسلم کو بغیر دلیل کے کافر کہنا بھی نہایت خطرناک ہے(۱) اس کو بھی کھیل نہ بنالیا جائے، اس سے اپنا ایمان بھی مجروح ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۳ھ۔

اپنے سوا سب کو کافر کہنا

سوال[۲۵۹]: مولوی حشمت علی صاحب نے بے شمار ایسی عورتوں کا نکاح پڑھوایا ہے جن کے چار چار چھ چھ لڑکے پیدا ہو چکے ہیں، یہ فتویٰ صادر کردیا کہ ان عورتوں کا نکاح نہیں ہوا تھا، یہ لڑکے جو پیدا ہوئے ہیں حرامی ہیں، اگر نکاح ہوا تھا تو وہ ناجائز ہے وہ اب تک حرام کاری تھی، اب نکاح ہوا پہلے کا غلط تھا۔

سابقین اکابرینِ علماء کو گالیاں دیتے ہیں، میں نے بچشم خود دیکھا ہے تحریراً کہ ائمہ اربعہ تک ان کے حملہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مولانا حشمت علی صاحب کو کس طرح سے یاد کیا جائے؟ اور ان کے متبعین جو ان کے پیروکار ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ مولوی حشمت علی صاحب کے نزدیک دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ہے، نہ ناجی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے، جو شخص اپنے سوا کسی کو بھی مؤمن نہ سمجھے، اکابر اہل اللہ پر کفر کا فتویٰ لگادے اس کا ٹھکانہ معلوم، حشر معلوم (۲)۔ أعاذنا الله منه۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (قد تقدم تخریجه تحت عنوان ''مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم'')

(۲) یعنی اس کا ٹھکانہ اور حشر کفر ہی کا ہے، کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔

''عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيما رجل قال لأخيه: كافر، فقد بآء بها أحدهما". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تأويل فهو كماقال: ۲/۹۰۱، قديمي)

(و تقدم أيضاً تخريجه تحت عنوان ''علماء دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم'')

کسی متبع سنت عالم پر کفر کا فتوی لگانا

سوال[۲۶۰]: زید متقی و پرہیزگار عابد وزاہد ہے، صوم وصلوۃ کا سختی سے پابند ہے، حنفی اور قادری ہے، علماء دین کا احترام کرتا ہے، اسے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے گہری عقیدت ہے، وہ ان کے اسم گرامی کو حکیم الامت کے لقب سے شروع کرتا ہے اور بعد میں رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے۔ ایک مقامی مولوی صاحب جو اپنے نام کے ساتھ خود کو مفتی اعظم مدھیہ پردیش لکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رضوان اللہ تعالیٰ عنہ نے اشرف علی پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے لہٰذا وہ کافر ہے اور اس کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے والا بھی کافر ہے، اس لئے کہ اشرف علی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کو پاگلوں اور جانوروں کے مثل کہا ہے۔'' انتہی بلفظہ۔

براہ کرم جواب سے مفصل تحریر فرمائیں۔

سائل: عظیم الدین سابق پرنسپل ہنومان، تال مسجد انور خاں، جبل پور (ایم پی) معرفت دار الافتاء جمعیۃ العلماء دفتر الجمعیۃ، گلی قاسم جان، دہلی نمبر:۶۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز بہت بڑے عالم متبع سنت، شیخ طریقت بزرگ تھے، انہوں نے ہرگز ہرگز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کو پاگلوں اور جانوروں کے مثل نہیں فرمایا ہے، چنانچہ اس کتاب میں جس پر بریلوی حضرات نے کفر کا فتویٰ دیا ہے یہ عبارت موجود ہے: ''نبوت کے لئے جو علوم لازم اور ضروری ہیں وہ آپ کو بتمامہا حاصل ہو گئے'' ۔غور کا مقام ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہ نے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تمام علوم نبوت کو حاصل مانا اور صراحۃً تحریر فرمادیا، مگر یہ بریلوی حضرات ایسا بہتان تراش رہے ہیں، اس مسئلہ اور عبارت پر متعدد کتابیں تفصیل کے ساتھ لکھی گئیں ''بسط البنان''، ''توضیح البیان''، ''تکمیل العرفان'' وغیرہ۔

چونکہ بریلوی حضرات نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب تسلیم کیا اور لکھا ہے، ان کے مذہب پر دو شقیں پیدا ہوتی ہیں: ایک شق پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ شانہ کے

علم کے برابر قرار پاتا تھا جو کہ شرک ہے (۱)، دوسری شق پر حضرت فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کی تنقیص وتوہین ہوتی تھی (۲)۔ اس لئے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''عالم الغیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر جائز نہیں کیونکہ نہ شرک کی گنجائش ہے، نہ حضرت رسول مقبول سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مبارک کی توہین وتنقیص کی گنجائش ہے، یہ دونوں چیزیں اسلام کے خلاف ہیں، لہٰذا حضرت امام المرسلین سید الاولین والآخرین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے''۔ بریلوی حضرات علم اور دلائل کی روشنی میں اس کا رد نہیں کر سکے اور بات کو بگاڑ کر عوام کو مشتعل کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا اور کفر کا فتویٰ دیا ہے (۳)۔ ھداھم اللہ تعالیٰ إلی صراط مستقیم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "و بالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به سبحانه، ولا سبيل للعباد إليه إلا بإعلام منه، و إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو الإرشاد إلى الإستدلال بالأمارات فيما يمكن فيه ذلك .... ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما علّمهم الله تعالىٰ أحيانا، و ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاده أن النبي عليه الصلوة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذا في المسايرة". (شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۵۱، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (النمل: ۶۵: ۲۰/۱۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (سيأتي توجيهه تحت عنوان: ''حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا جواب'')

(۳) کسی عالم یا غیر عالم مسلمان کو دلیل شرعی کے بغیر کافر سمجھنا شرعاً بربنائے احادیث مبارکہ اور تصریحات فقہاء کفر ہے۔

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي) .... =

کسی مسلمان کو کافر کہنا

سوال[۲۶۱]: زید اور عمر دو بھائی ہیں، آپس میں دونوں میں شدید اختلاف تھا، پنچایت ہوئی اور دونوں میں میل ملاپ کرا دیا گیا، اس میں عمر نمازی ہے، مسجد میں امامت بھی کرتا ہے، ملاپ کے باوجود زید نے مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی اور عیدین دوسری جگہ پڑھی، اس پر عمر نے ایک فتوی نکالا کہ "زید وعدہ خلاف ہے اور میرے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کافر ہو گیا"، یہ یوم جمعہ میں سنایا گیا، پھر معاملہ ایسے ہی چلتا رہا، زید سے کہا گیا کہ چلو نماز پڑھو، اس پر زید نے کہا کہ "جب مجھے کافر کہا گیا تو میں کافر ہوں"، ویسے زید کا دل صاف

= "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من دعا رجلاً بالكفر، أو قال: عدو الله! و ليس كذلك إلا حار عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر: ۵۷/۱، قديمى)

"قال الطيبي: لأنه إذا قال القائل لصاحبه: يا كافر مثلاً، فإن صدق، رجع إليه كلمة الكفر الصادر منه مقتضاها، وإن كذب واعتقد بطلان دين الإسلام، رجعت إليه هذه الكلمة .... و قال النووي: .... في تأويل الحديث أوجه: أحدها: أنه محمول على المستحل لذلك، فعلى هذا معنى بآء بها: أي بكلمة الكفر: أي رجع عليه الكفر". (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان الخ: ۵۶۲/۸، رشيديه)

"والمختار للفتوىٰ في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات (أي قوله: يا كافر وغيره) إن كان أراد الشتم و لا يعتقده كافراً، لا يكفر، وإن كان يعتقده كافراً، فخاطبه بهذا بناءً على اعتقاده أنه كافر، يكفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: و منها ما يتعلق بتلقين الكفر الخ: ۲۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الخامس في الإقرار الخ: ۳۳۱/۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الرجل يقول لغيره: يا كافر: ۵۱۴/۵، إدارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في الرجل يقول لغيره: "يا كافر": ۵۷۲/۵، غفاريه)

ہے۔تواب زید کااس جملہ کے کہنے سے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

عداوت اوروہ بھی دو بھائیوں میں شرعاً اخلاقاً عرفاً سخت مذموم اور منحوس چیز ہے،اس سے دین بھی تباہ ہوتا ہے اور دنیا بھی تباہ ہوتی ہے(۱)،زید نے غلطی کی جو جماعت ترک کی اور گھر پر تنہا نماز پڑھنے لگا اور بہت بڑی نعمت سے محروم ہوگیا(۲)،اس کو لازم ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کی نماز پڑھا کرے اور اپنی غلطی سے توبہ کرے۔

عمر نے اس سے بڑھ کر غلطی کی زید پر کفر کا حکم لگایا، مسلمان پر کفر کا حکم لگانا نہایت ہی خطرناک ہے، اس سے دین وایمان سلامت نہیں رہتا(۳)،عمر کے اس کہنے سے اور اعلان کرنے سے زید کافر نہیں ہوا،عمر کے

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تباغضوا و لا تحاسدوا و لا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث".

(الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم التحاسد والتباغض الخ : ۳۱۵/۲، قديمی)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "الرحم معلّق بالعرش، تقول: من وصلني وصله الله، و من قطعني قطعه الله".(الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم و تحريم قطيعتها : ۳۱۵/۲،قديمی)

(۲) " عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: لقد رأيتنا و ما يتخلف عن الصلوة إلا منافق قد عُلم نفاقه .... و فی رواية : قال : "من سره أن يلقى الله غداً مسلماً، فليحافظ على هذه الصلوات الخمس حيث ينادى بهن ...... و لو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها ، ص: ۹۶، ۹۷، قديمی)

(۳) "ويكفر ...... بقوله لمسلم : يا كافر عندالبعض ...... والمختار للفتوى أن يكفر إن اعتقده كافراً، لا إن أراد شتماً". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۷/۵، رشيديه)

(وكذا فی المرقاة شرح المشكوة ، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان الخ، الفصل الأول : ۵۶۲/۸، ۵۶۳، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی البزازية ، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثانی، النوع الخامس فی =

ذمہ لازم ہے کہ اپنی غلطی کا علی الاعلان اقرار کرے اور زید سے سب کے سامنے معافی مانگے کہ اس نے یوم جمعہ میں اعلان کر کے زید کو ذلیل کرنے کی انتہائی مذموم کوشش کی یہ معمولی بات نہیں ہے، منصبِ امامت کے بھی خلاف ہے، اس کے اعلان کی وجہ سے زید کا اپنے آپ کو کافر کہنا ہی غلط ہے(۱)، دونوں اپنی اپنی غلطی کا احساس کر کے مکافات کریں، انشاء اللہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۱ھ۔

مسلمان کو کافر کہنا

سوال[۶۶۲]: ۱..... بکر نے بلا سبب ایک شخص مسلمان کو اہانۃً وخسارۃً مرتد کہہ کر گالی دی کہ ''تو مرتد ہے، کافر ہے، بلا تجدید نکاح اپنی بیوی کو ساتھ نہیں رکھ سکتا''۔ اگر وہ شخص مرتد نہ ہو اور اس کی بیوی کو طلاق نہ ہو تو بکر مرتد ہوا یا نہیں؟ اور اس کی عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

۲..... ایک عالم غیر مجتہد نے اپنے قیاس سے زید کو بھول کر ایک فتویٰ دیا جس پر عمل کرنے سے زید کو نقصان پہونچا، بعدہ زید نے ایک محقق عالم سے اس کی تحقیق آزمائش کی، معلوم ہوا کہ وہ غلط ہے، زید نے اس عالم غیر مجتہد کو گالی کے طور پر کہا ''بیہودہ کھانا کھا کر سورہتے ہیں، کتاب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں، پھر مسئلہ جھوٹ بولتے ہیں، بیلوں کے مانند، ایسے بیلوں کو کیا کرنا چاہئے''؟

اس عالم نے زید سے کہا کہ تم نے عالم کو بیل کہہ کر گالی دی جس سے تمہاری بیوی کو طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی: "من أبغض عالماً من غير سبب خيف عليه الكفر" یہ عبارت عالمگیری سے مخزن الفتاویٰ،

= الإقرار بالكفر الخ : ۶/ ۳۳۱، رشيديه)

(۱) "إذا قالت المرأة لزوجها : يا كافر، يا يهودي، يامجوسي !، فقال الزوج : ہمچنیم از من بیرون آی ...... فقد كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع : و منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد : ۲/ ۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الرجل يقول لغيره : يا كافر : ۵/ ۵۱۲، ۵۱۳، إدارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في الرجل يقول لغيره : يا كافر : ۵/ ۵۷۲، غفاريه)

ص:۱۰۴ میں ہے(۱)۔اس صورت میں کیا حکم ہے؟ زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی اور زید مرتد یا فاسق ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... بلا وجہ شرعی کسی مسلم کو کافر و مرتد کہنا کفر ہے(۲) اس لئے بکر سے وجہ دریافت کی جائے کہ اس نے کس وجہ سے ایسا کہا ہے؟ جب تک اس کی تحقیق نہ ہو جائے کسی پر کفر کا حکم لگانا درست نہیں:

"لا یفتی بکفر مسلم مهما أمکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره خلاف و لو روایةً ضعیفةً اهـ" تنویر:۳/۳۹۹ (۳)۔

۲......وہ فتوی سامنے ہو تو اس کو دیکھ کر رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، نیز وہ فتویٰ بھی ساتھ ہونا چاہئے جس کے ذریعہ سے آزمائش کی گئی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/محرم/ ۶۷ھ۔

شاگرد کو کافر کہنے والے کا حکم

سوال[۶۶۳] : اگر استاذ اپنے شاگرد کو کہے کہ یہ شاگرد استاد پر عاق ہے، استاد لوگوں سے کہتا ہے کہ یہ شاگرد کافر ہوگیا نماز اسکے پیچھے جائز نہیں، شاگرد توبہ نکالتا ہے کئی دفعہ توبہ نکالا ہے لیکن شاگرد پر کسی قسم کا ثبوت بے ادبی کا نہیں اور استاد لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ یہ بالکل کافر ہے، شریعت ایسے استاذ پر کیا حکم کرتی ہے۔

المستفتی: مولوی اطہر جان ضلع کوہاٹ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بالعلم و العلماء : ۲/۲۷۰، رشیدیه)

(۲) "عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قدیمی)

(۳) (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد : ۴/۲۲۹، ۲۳۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین : ۵/۲۱۰، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاً شاگرد کے کافر ہونے کی وجہ استاد سے دریافت کی جائے جو کچھ وجہ وہ بتائے اس پر شرعی حیثیت سے غور کیا جائے گا، بلا وجہ کسی مسلم کو کافر کہنا خود کفر کے درجہ کا گناہ ہے(۱) اور جب آدمی شریعت کے مطابق سچی توبہ کرتا ہے تو وہ مقبول ہوتی ہے: "ثم إذا تاب توبة صحيحة، صارت مقبولة غیر مردودة قطعاً من غیر شك و شبهة بحکم الوعد بالنص اھ". (شرح فقه اکبر، ص:۱۹۶) (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۴/۶۰ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

کسی مسلمان کو سردار جی کہنا

سوال[۶۶۴]: ایک شخص کبھی کبھی نماز کی پابندی کرتا ہے، وحدانیت اور رسالت کا اقرار بھی کرتا ہے، البتہ کبائر اور صغائر گناہ کے بارے میں اس کا رویہ تشفی بخش نہیں ہے، ایسی حالت میں اس کو "سردار جی" کے لقب سے یاد کرنا کیسا ہے جبکہ قرآن پاک میں صراحۃ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب﴾ (۳) وارد ہے، سردار جی کہنے والے کو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسلمان سخت گنہگار ہونے کے باوجود مسلمان ہے، صغائر و کبائر سے توبہ کرنا بھی لازم ہے، ہمارے عرف میں "سردار جی" سکھ کو بولتے ہیں، اگر وہاں بھی یہی عرف ہے اور عمر کی مراد بھی یہی ہے تو مسلمان کو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان "مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم")

(۲) (شرح الفقه الأکبر مطلب فی التوبة و شرائطها، ص: ۲۰۱، قدیمی)

(و کذا فی روح المعانی تحت قوله تعالیٰ: ﴿توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾ (التحریم: ۸): ۱۵۹/۲۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) (الحجرات: ۱۱)

''سردار جی'' کہنا جائز نہیں (۱)۔ عمر کو لازم ہے کہ ایسا کہنے سے توبہ کرے اور زید سے معافی مانگے ورنہ اس کے ذمہ گناہ باقی رہے گا، زید کو بھی چاہئے کہ اپنی وضع قطع روش سب اسلام کے مطابق رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

کسی کو یہ کہنا کہ ''اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے''

سوال [۲۶۵]: کوئی شخص ذاتی غضب کی بنا پر اگر کسی کو کہے کہ ''اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے'' تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کے متعلق یہ کہنا کہ ''اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے'' بہت سخت اور خطرناک بات ہے (۲)، ہرگز ایسا نہ کہا جائے، دل کا حال اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی، بعض کے متعلق بتایا جاتا تھا، اس لئے کبھی آپ اس کو ظاہر بھی فرما دیتے (۳)، اب کسی کو یہ حق نہیں، جو اعمال

---

(۱) ''اگر ''سردار جی'' کا سکھ کے لئے بولنے کا عرف ہو اور کہنے والا اس لفظ کے مخاطب کو سکھ اعتقاد کرے، تو یہ "یا کافر، یا یہودی" اور "یا نصرانی" وغیرہ کے حکم میں ہے:"و لو قال: لمسلم أجنبي : يا كافر، أو لأجنبية : يا كافرة، و لم يقل المخاطب شيئاً، كان الفقيه أبو بكر الأعمش يقول: يكفر هذا القائل، و قال غيره من مشايخ بلخ: لا يكفر .... و المختار للفتوى في جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات إن كان أراد الشتم و لا يعتقده كافراً، لا يكفر، و إن كان يعتقده كافراً، فخاطبه بهذا بناءً على اعتقاده أنه كافر يكفر". (التاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الرجل يقول لغيره : يا كافر : ۵/۵۱۳، ۵۱۴، إدارة القرآن)

اور اگر عرف بھی اسی طرح نہ ہو یا عرف ہو لیکن مقصد اس کا تکفیر کرنا نہ ہو بلکہ محض سب و شتم مقصود ہو تو اس قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسے عبارت بالا سے ظاہر ہے۔

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم'')

(۳) "حذيفه رضى الله تعالىٰ عنه أخبر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "في أصحابي إثنا عشر منافقاً، فيهم ثمانية لا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط" ثمانية منهم تكفيهم الدبيلة، و أربعة لم أحفظ ما قال شعبة فيهم". (الصحيح لمسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم : ۲/۳۶۹، قديمي)

سرزد ہوتے ہیں ان کے متعلق جائز وناجائز کا حکم بتایا جاسکتا ہے، اسلامی اور غیر اسلامی اخلاق کی تعیین کی جاسکتی ہے مگر یہ کہنا درست نہیں کہ ''فلاں شخص کے دل میں کفر ہے'' جب کہ وہ شخص مسلمان ہو، غیر اسلامی اخلاق واعمال سے بچنا سب کو ضروری اور لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۹ھ۔

کسی بات کا یقین نہ کرنے والے کو کافر کہنا

سوال[۶۶۶]: چند آدمی جمع تھے ان میں سے ایک شخص حاجی نذیر احمد عرف چھوٹک زید کی شکایت و غیبت کر رہے تھے، جن باتوں کا دین سے کوئی تعلق بھی نہیں، اس پر میں نے کہا کہ جب آپ کے اور زید کے درمیان کشمکش اور نزاع کے بعد مسلم صفائی ہوگئی تو اس کے خلاف غیبت اور پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں ہے، اس پر حاجی نذیر احمد صاحب نے کہا کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، میں نے کہا کہ میں جھوٹ سچ نہیں جانتا، یہاں جو سن رہا ہوں اس کی بنا پر کہہ رہا ہوں، اس پر حاجی نذیر احمد صاحب نے کہا کہ ''اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو تم کافر ہو''۔ واضح رہے کہ ان کے اس جملے کو وہاں موجود پانچ لوگوں نے سنا، میں اس سخت جملے پر صبر کر کے خاموش ہوگیا اور علمائے دین سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کسی شخص کا یہ درجہ ہے کہ جو شخص اس کی بات کا یقین نہ کرے تو وہ کافر ہو جائے؟ از روئے شرع ایسا کہنے والے کا کیا درجہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس مجلس کی یہ گفتگو نہایت خطرناک ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ بطورِ غیبت کیا اس پر کسی نے منع کیا کہ غیبت نہیں کرنا چاہیے، اس کے جواب میں اس برائی کرنے والے نے کہا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ تو سچی بات ہے جھوٹ نہیں ہے، یعنی گویا کہ اس برائی کرنے کو وہ شخص جائز قرار دے رہا ہے کیونکہ سچی بات ہے جھوٹ نہیں ہے حالانکہ برائی کی جو سچی بات کہی جائے، اسی کا نام غیبت ہے، قرآن کریم میں اس کو منع فرمایا گیا ہے: ﴿و لا یغتب بعضکم بعضاً﴾ الآیۃ (۱) تو قرآن کریم میں جس چیز کو منع اور ناجائز قرار دیا گیا ہے اس کلام میں اس کا انکار ہے، یعنی کہنے والا اس کو جائز سمجھ کر کہہ رہا ہے (۲) اور

---

(۱) (الحجرات: ۱۲)

(۲) ''و منها: أن استحلال المعصیة صغیرةً کانت أو کبیرةً کفرٌ إذا ثبت کونها معصیةً بدلالة قطعیة، =

پھر یہ کہنا کہ ''اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تم کافر ہو'' یہ بھی نہایت سخت کلمہ ہے، مسلمان کے حق میں ایسی بات کہنے سے پورا پرہیز لازم ہے، حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کافر کہے اور وہ واقعۃً ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے(۱)۔ آپ نے صبر کیا اور خاموش رہے بہت اچھا کیا، اب آئندہ بھی خاموش رہیں اور صبر کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وكذا الإستهانة بها كفر بأن يعدها هيّنةً سهلةً، و يرتكبها من غير مبالاة بها، ويجريها مجرى المباحات في ارتكابها". (شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ مطلب: في استحلال المعصية، ص: ۱۵۲، قديمي)

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۲/ ۸۹۳، قديمي)

ما یتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ و شعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی

سوال[۶۶۷]: ایک شخص کہتا ہے کہ "اللہ میاں بہت محتاج ہیں، نعوذ باللہ، بڑے غریب ہیں، ان کے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں"۔ جب اس کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس نہ ہاتھ ہے، نہ پیر، نہ آنکھ ہے، نہ منہ ہے۔ تو ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ شرعاً اس قسم کے کلمات کہنے کیسے ہیں؟

المستفتی: محمد مصطفیٰ، متعلم مدرسہ عربیہ ہدایت المسلمین، کرہی ڈاکخانہ دوہارا، ضلع بستی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کہنا بھی سخت گستاخی ہے(۱) ﴿ید اللہ فوق أیدیھم﴾ (۲) وغیرہ نصوص کے مخالف ہے، لہذا اس کو بھی توبہ نیز تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے (۳)۔

---

(۱) "یکفر إذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ أو سخر باسم من أسمائہ .... أو نسبہ إلی الجھل أو العجز أو النقص". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۲/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیۃ، کتاب أحکام المرتدین، فصل فیما یقال فی ذات اللہ تعالیٰ: ۴۶۳/۵، ادارۃ القرآن)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، منھا ما یتعلق بذات اللہ تعالیٰ و صفاتہ: ۲۵۸/۲، رشیدیہ)

(۲) (الفتح: ۱۰)

(۳) "ثم إن کانت نیۃ القائل.......... الوجہ الذی یوجب التکفیر، لا تنفعہ فتوی المفتی، و یؤمر بالتوبۃ والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینہ و بین امرأتہ". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، قبیل الباب العاشر فی البغاۃ: ۲۸۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی التاتارخانیۃ، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجرآء کلمۃ الکفر: ۴۵۸/۵، ادارۃ القرآن) =

﴿لقد كفر الذين قالوا إن الله فقير و نحن أغنياء﴾ الآية (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۹/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک

سوال[۶۶۸]: غیر مسلم اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے،ظاہر ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم ہوجاتا تو ایسا نہ کرتا،علم رکھنے والے کے لئے ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا کیسا ہے؟ سمجھانے پر نہ ماننے پر جسمانی تکلیف پہونچانے کا حق ہے یا نہیں جب کہ قدرت ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

کیا جسمانی تکلیف پہونچانے سے اس کی اصلاح ہوجائے گی جب کہ وہ بے علم ہے؟ اصلاح کی صورت تو یہ ہے کہ اخلاق وشفقت سے اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم کرایا جائے (۲) اور عقیدہ درست کیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند،۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور رمضان کے روزے کی توہین کرنا

سوال[۶۶۹]: موضع پنجو چک پٹھان کوٹ میں بروز جمعہ شریف مسلمان روزہ داروں کی ایک مجلس

= (وكذا في المحيط البرهاني ،كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين،النوع الأول في إجراء كلمة الكفر : ۶ /۵۵۰، غفاريه)

(۱) مذکورہ آیت ان الفاظ کے ساتھ شاید قرآن کریم میں نہیں،سہو کاتب ہوسکتا ہے اور شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جس آیت کو ذکر کرنا چاہتے تھے وہ سورۂ آل عمران کی یہ آیت ہے، قال الله عز و جل:﴿ لقد سمع الله قول الذين قالوا: إن الله فقير و نحن أغنيآء ، سنكتب ما قالوا و قتلهم الأنبيآء بغير حق، و نقول : ذوقوا عذاب الحريق﴾. (الآية: ۱۸۱)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أدع إلى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن﴾. (الآية : النحل : ۱۲۵).

ہورہی تھی، یعنی جمعہ کی نماز وغیرہ نیک کاموں کے لئے جاتا تھا، دن کے پورے دو بجے کا ٹائم تھا کہ ایک صاحب داماد حسین بخش پورہ گوجر، بیڑی تمباکو پیتا ہوا دھواں نکالتا ہے، حاضرین مجلس نے بلکہ خود فقیر نے کہا کہ دیکھوتم کو اول بروئے شرع مطہرہ روزہ رکھنا چاہئے تھا، کیونکہ تم وطنی ہو یعنی اپنے گھر میں مقیم ہو، اس بنا پر تم پر روزہ رمضان شریف رکھنا واجب العین ہے، تو داماد حسین بخش مسلمانوں کے سامنے وہ الفاظ بکتا ہے جو حسب ذیل تحریر ہیں:

۱- ''اللہ کیا کرسکتا ہے، اللہ کے ہاتھ میں کیا ہے'' اور اللہ کو گالیاں دیں۔ نعوذ باللہ

۲- رمضان شریف اور روزہ کے نام پر ماں کا نام لے کر گالیاں دی، جب گالیاں دے کر رمضان شریف اور روزوں کے نام سرد ہوا تو کہنے لگا کہ ''ہم کو رمضان کا روزہ رکھ کر کیا ملے گا؟ یوں تو اپنا کام کاج کر کے اپنا گھر اور اہلیہ اور بچوں کا پیٹ پالوں گا، رمضان اور روزوں میں کیا رکھا ہے؟ یہ بے وقوفوں نے غلط ڈھانچہ بنا رکھا ہے''۔

اس لئے التجا ہے کہ ایسے شخص کے لئے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ دوم جو عورت اس شخص کے نکاح میں ہے وہ نکاح سے خارج ہے یا تجدید نکاح کرنا پڑے گا اور دوسرے مسلمانوں کو ایسے شخص مفسد اعتقاد والے کے ساتھ کیا سلوک برتنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

شخص مذکور نے الفاظ بہت سخت کہے ہیں، ایسا کہنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، اس کو ضروری ہے کہ فوراً توبہ واستغفار کرے، تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی دوبارہ کرے (۱)۔ اگر وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو

---

(۱) أما قوله : ''اللہ تعالیٰ کیا کرسکتا ہے الخ'' فقد تقدم تخريجه تحت عنوان : ''اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی''

وأما قوله الثاني : ''رمضان شریف الخ'' فقال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ فی شرح الفقه الأکبر: "وفی التتمة: من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها كفر". (فصل فی العلم والعلماء، ص: ۱۷۴، قدیمی)

وأما قوله : ''رمضان کا روزہ رکھ کر کیا ملے گا'' فقال فی الفتاوی العالمكيرية : "لو قال : قرأت القرآن كثيراً فما رفعت الجناية عنا، يكفر". (كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، و منها ما يتعلق بالقرآن: ۲۶۷/۲، رشیدیه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی ، الفصل الثانی ، الجنس التاسع فی القرآن : ۳۸۹/۴، رشیدیه)

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے تعلق قطع کردیں تا کہ اس کے خراب عقائد سے متأثر نہ ہوں اور وہ تنگ آکر اپنی اصلاح پر آمادہ ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۰ھ۔

اللہ پاک کو گالی دینا

سوال[۷۲۰]: ۱......نادانستگی میں زید نے اللہ میاں کو چند ناشائستہ کلمات کہہ دیئے، اللہ پاک کو ماں بہن کی گالی دی، دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عبادت وغیرہ سے کچھ نہیں ہوتا ہے، جتنی نماز پڑھو اور دعا مانگو اتنا ہی الٹا ہوتا ہے۔ سفر میں بالوریت کا راستہ تھا، سائیکل بگڑ گئی تھی، پریشان تھے، اس وقت مندرجہ بالا الفاظ منہ سے نکلے تو اس کے بعد ایمان رہا یا کفر لازم ہوگیا؟

۲......اگر زید شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح قائم رہا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے، یا حلالہ کے بعد طلاق دینے پر عدت گزارنے سے نکاح ضروری ہوگا، جب کہ اس کے بعد بھی زید دو تین سال بیوی کے ساتھ اسی طرح رہا اس کے بعد طلاق مغلظہ دیدی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

زید کو لازم ہے کہ تجدید ایمان کرے اس کا نکاح بھی ختم ہوگیا(۱)، اب دو تین سال بعد جب بیوی کو

---

(۱) قال علی القاری رحمه الله تعالیٰ فی شرح الفقه الأکبر : " ثم اعلم أنه إذا تكلم بكلمة الكفر عالماً بمعناها ، و لا يعتقد معناها ، لكن صدرت عنه من غير إكراه، بل مع طواعية فی تأديته ، فإنه يحكم عليه بالكفر". (ص: ۱۶۴، قدیمی)

و فی البحر الرائق : "يكفر إذا وصف الله تعالیٰ بما لا يليق به". (كتاب السير ، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، رشیدیه)

"و لو قال : قرأت القرآن كثيراً، فما رفعت الجناية عنا، يكفر". (الفتاوی العالمكيرية ، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع ، و منها ما يتعلق بالقرآن : ۲/۲۶۷، رشیدیه)

(و كذا فی خلاصة الفتاوی، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثانی ، الجنس التاسع فی القرآن : ۴/۳۸۹،رشیدیه)

طلاق مغلظ دیدی تو وہ بغیر حلالہ کے جائز نہیں رہی، قطعاً حرام ہوگئی تو اس سے تجدید نکاح کرنے کے لئے بغیر حلالہ کے اس مسئلہ کے دریافت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور کلمات کفریہ کہنے کے بعد بغیر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے اس کے ساتھ رہا، اس کو دریافت کیوں نہیں کیا۔ کیا اس کو حرام کاری نہیں سمجھا، اگر اس نے کلمات کفریہ کہنے کے بعد بھی نکاح قائم رکھا اور اس کے ساتھ سب کچھ حلال کیا ہے، تو طلاق مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کا سوال بھی بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲۱/۱/۸۹ھ۔

= "ثم إن كانت نية القائل.......... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵/۵۵۰، غفاريه كوئٹه)

(۱) شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ کلمۂ کفر کے بعد تجدید ایمان اور تجدید نکاح کی ہو، اس کے بعد طلاق مغلظہ دی ہو کیونکہ مرتد کی طلاق عدت کے دوران واقع ہوتی ہے، اور اگر عدت گزرنے کے بعد طلاق دے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔

"واعلم أن تصرفات المرتد على أربعة أقسام، فينفذ منه اتفاقاً ما لا يعتمد تمام ولاية، وهي خمس: الاستيلاد والطلاق الخ". و في رد المحتار: "(قوله: و الطلاق): أي ما دامت في العدة؛ لأن الحرمة بالردة غير متأبدة لإرتفاعها بالإسلام، فيقع طلاقه عليها في العدة ...... و أورد أنه كيف يتصور طلاقه و قد بانت بردته؟ و أجيب بأنه لا يلزم من وقوع البينونة امتناع الطلاق، و قد سلف أن المبانة يلحقها الصريح في العدة: أي ولو كان الواقع بذلك الصريح بائناً كالطلاق الثلاث". (كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۲۴، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير، كتاب السير، باب المرتد: ۵/۸۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في تصرفات المرتد والمرتدة: ۵/۵۵۷، إدارة القرآن)

اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی

سوال[۶۷۱]: دوچار آدمی مسجد میں وضوکر رہے تھے، زید غصہ میں کہنے لگا ''اللہ واللہ کچھ نہیں ہے'' ایسے جملہ سے زید کو روکا گیا تو زید کہنے لگا کہ میرے دل میں تو اللہ ہے۔ یہ جملہ کفریہ ہوا کہ نہیں اور نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

غصہ میں کہے ہوئے لفظ سے توبہ و استغفار کرے(۱) بہتر یہ ہے کہ کلمہ پڑھ کر نکاح بھی دوبارہ پڑھوالے(۲) اور آئندہ زبان کو قابو میں رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۶ھ۔

خدااور رسول کے متعلق ایک امام کی گمراہ کن باتیں

سوال[۶۷۲]: ایک آدمی کہتا ہے جو کہ امامت بھی کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کو بچشم خود تقریر کرتے ہوئے دیکھا ہے اور حاضرین سے یوں کہتا ہے کہ ''تم نے اللہ کو دیکھا ہے''؟ میں نے کہا کہ حضرت! ہم نے تو نہیں دیکھا ہے تو حضرت رومال اپنی جیب سے نکال کر اور بغیر بادل کے کڑک اور گرج شروع ہوئے کافی دیر کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''دیکھو رومال میں خداوند قدوس کا بت اور پتلہ مع اعضائے بشریت موجود ہے''۔ نعوذ باللہ منہما۔ اور یوں کہتا ہے کہ ''میں نے بھی دیکھا ہے'' جب کہ اس شخص کی عمر ۵۵ سال کی ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

ایسے بزرگ کی شان میں اس قسم کے الفاظ کہنا، دوسرے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو اس کے بارے میں نعوذ باللہ یہ کہتا ہے کہ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہی سے اوپر گئے ہیں اور

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان ''اللہ پاک کو گالی دینا'')

(۲) ''ما كان في كونه كفراً إختلاف ، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط .... ''ثم إن كانت نية القائل .... الوجه الذى يوجب التكفير ، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

اللہ کے قریب جا کر کہا کہ یا اللہ! تمہارے حبیب حاضر ہو گئے ہیں، اللہ نے کہا بہت اچھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوتے اتارنے کا قصد کیا ہے، فوراً جواب صمدی آیا کہ آ ؤ اور میرے سینہ پر چڑھ جاؤ- نعوذ باللہ- خدا کے سینہ پر حضور مع جوتے کے چڑھ گئے"۔ اور یوں کہے کہ "حدیث میں ہے"۔ یہ شخص حافظ ہے اور ایک مسجد کا امام ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے اور اس کا نکاح قائم رہا یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو شخص اللہ تعالیٰ کا پتلہ مع اعضاء بشری رومال سے نکال کر حاضرین کو دکھلائے (نعوذ باللہ) وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو امام بنایا جاوے، ایسے شخص کی صحبت سے دور رہیں، نہ جانے کیا کیا شعبدے دکھلا کر گمراہ کریگا جس سے ایمان بھی سلامت نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسی چیز نہیں جس کو رومال میں بند کیا جاوے یا اس کے لئے پتلہ بنایا جا سکے یا اس کے اعضاء بشری موجود ہوں، خداوند تعالیٰ ایسی باتوں سے منزہ اور پاک ہے (۱) اس کے لئے جسم اور اعضاء بشری رومال میں بند کرنا کفر ہے (۲)۔ ایسے آدمی کو واجب ہے کہ اس قسم کی خرافات اور کفریات سے توبہ کر کے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرے (۳)۔

---

(۱) "و هو (أی الله تعالیٰ) شیء لا کالأشیاء ، و معنی الشیء إثباته بلا جسم و لا جوهر و لا عرض .... و له ید و وجه و نفس، فما ذکره الله تعالیٰ فی القرآن من ذکر الوجه و الید و النفس ، فهو له صفات بلا کیف". (الفقه الأکبر للامام الأعظم رحمه الله تعالیٰ ، ص: ۳۶، قدیمی)

(و کذا فی شرح العقیدة الطحاویة ، مطلب فی کلام أبی حنیفة فی إثبات النفس و الوجه و الید له تعالیٰ بلا کیف، ص: ۱۵۳)

(۲) "و فی مجموع النوازل : إذا قال : "پائے خدا باید گرفتن در ین حادث، ینظر : إن اعتقد أن لله تعالیٰ و تنزه رجلاً و هی الجارحة ، یکفر". (التاتارخانیة ، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فیما یقال فی ذات الله تعالیٰ: ۴۶۳/۵، إدارة القرآن و العلوم الإسلامیة کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق ، کتاب السیر ، باب أحکام المرتدین : ۲۰۲/۵، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاوی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً ، الفصل الثانی، النوع الثانی فی ما یتعلق بالله تعالیٰ : ۳۲۳/۶، رشیدیه)

(۳)(تقدم تخریجه تحت عنوان : "اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا")

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے انتقال کو۹۳/ برس گزر چکے ہیں، ۵۵/ سال کا آدمی ان کو خواب میں تو دیکھ سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو کشف ہوجاوے یا تمثیل ہوجاوے مگر واقعاتی دنیا میں ان کو اس وقت تقریر کرتے ہوئے دیکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

معراج کے متعلق جوتے پہنے ہوئے جاکر اللہ تعالیٰ کے سینہ پر چڑھنا نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث میں، بلکہ نہایت لغو اور کفریہ شیطانی خیال ہے (۱)، حضرت مولانا قاسم صاحب یا کوئی بھی بزرگ ایسی بات نہیں فرماسکتے، ان کی طرف نسبت کرنا بے اصل ہے اور غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہنا

سوال [۶۷۳]: جب کہ شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس طرح چاہیں ارشاد فرمائیں لیکن امت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ کہیں جس سے گستاخی ٹپکتی ہو، مثلاً: یہ لفظ استعمال کرے کہ ''اللہ تعالیٰ نے -معاذ اللہ- رسول اکرم

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (الصحيح لمسلم، المقدمة، باب تغليظ الكفر على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۷، قديمي)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "واعلم أن هذا الحديث يشتمل على فوائد و جمل من القواعد .... الثانية: تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة، ولكن لا يكفر بهذا الكذب إلا أن يستحله .... والثالثة: أنه لا فرق في تحريم الكذب عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين ما كان في الأحكام و ما لا حكم فيه .... فكله حرام، من أكبر الكبائر و أقبح القبائح بإجماع المسلمين الذين يعتد بهم في الإجماع". (شرح النووي على مسلم: ۱/۸، قديمي)

"يكفر إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، رشيديه)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈانٹا'' یا یہ لفظ استعمال کرے کہ ''قیامت کے دن امت میں سے بعض لوگ نبیوں کو چھڑائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے یا نبیوں کے درمیان-معاذ اللہ- منصف یا جج ہوں گے''، ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ بات بالکل مسلّم ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی بھی قسم کی گستاخی کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا(۱)، البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصنف نے کوئی بات لکھی انتہائی احترام کو ملحوظ رکھ کر، گستاخی اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں مگر اس کی تحریر پڑھنے والا کچھ تصورات اپنے ذہن میں لئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے کبھی دانستہ کبھی نادانستہ ایسا مطلب تجویز کرتا ہے جس سے گستاخی ٹپکتی یا ٹپکائی جاسکتی ہے، پھر ایسی گستاخی کو مصنف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس پر حکم لگایا جاتا ہے کہ اس کی یہی مراد ہے، یہ طریقہ غلط ہے۔ جو فقرے آپ نے سوال میں نقل کئے ہیں اگر ان کا قائل یا مصنف زندہ ہو تو خود اس سے دریافت کیا جائے، بغیر دریافت کئے کوئی سخت حکم نہ لگایا جائے، اگر وہ زندہ نہیں اس کی کتاب میں یہ موجود ہے تو وہ کتاب روانہ کردی جائے، اس کو دیکھ کر بتایا جاسکتا ہے کہ کیا حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۴ھ۔

ذات وصفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید

سوال[۶۷۴]: آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات، علم اور شان میں ادنیٰ ترین

---

(۱) ''علامہ علم الہدیٰ در بحر محیط گفتہ کہ: ہر ملعون کہ در جناب پاک سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دشنام دہد، یا اہانت کند، یا در امرے از امورِ دین او، یا صورت مبارکِ او، یا در وصفے از اوصافِ شریفۂ او عیب کند، خواہ مسلمان بود یا ذمی یا حربی اگر چہ از راہِ ہزل کردہ باشد، آں کافر است واجب القتل، توبۂ او مقبول نیست، واجماع امت بر آن است کہ بے ادبی واستخفافِ ہر کس از انبیاء کفر است، خواہ فاعلِ او حلال دانستہ مرتکب شود یا حرام دانستہ''۔ (مالا بد منه، باب كلمات الكفر: ۱۳۶، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثالث فيما يقال في الأنبياء عليهم الصلوة والسلام: ۳۸۶/۴، رشيديه)

نقص کے معتقد اور تنقیص کرنے اور کہنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آقائے دو عالم سید الاولین والآخرین امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتِ مقدسہ، صفاتِ مبارکہ علمِ اعلیٰ کے اعتبار سے خدائے پاک کے نزدیک ہر مخلوق سے بلند، محبوب، مقرب ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

دستِ مبارک میں "لواء الحمد" ہوگا (۱)۔ لیلۃ المعراج میں مقام "دنی وقاب قوسین" آپ کے ساتھ مخصوص ہے (۲)، شفاعتِ کبریٰ آپ کا حق ہے (۳) وغیرہ وغیرہ۔ فداہ أبی وأمی (صلی اللہ

---

(۱) "والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، وقدا دعى بعضهم الإجماع على ذلك، فقد قال ابن عباس رضي الله عنهما: "إن الله فضّل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء". وفي حديث مسلم والترمذي عن أنس رضي الله عنه: "أنا سيد وُلد آدم يوم القيامة، ولافخر" زاد أحمد و الترمذي وابن ماجة عن أبي سعيد رضي الله عنه: "وبيدي لواء الحمد ولا فخر، وما من نبي يؤمئذ آدم فمن سواه إلاتحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولافخر، وأنا أول شافع وأول مشفع ولا فخر". وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه ولفظه: "أنا اوّل من تفشق عنه الأرض، فأكسى حلةً من حلل الجنة، ثم أقوم عن يمين العرش، وليس أحد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيري". (شرح الفقه الأكبر، تفضيل بعض الأنبياء على بعضهم، ص: ۱۱۴، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، مسألة المفاضلة بين الأنبياء، ص: ۸۹، مكتبه الغرباء)

وقال النوويّ تحت حديث أبي هريرة رضي الله عنه: "وهذا الحديث دليل لتفضيله صلى الله عليه وسلم على الخلق كلهم؛ لأن مذهب أهل السنة أن الآدميين أفضل من الملائكة، وهو صلى الله عليه وسلم أفضل الآدميين بهذا الحديث". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله عليه وسلم: ۲/۲۴۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ثم دنا فتدلىٰ، فكان قاب قوسين أو أدنى﴾ .... هذه الآيات على رؤيته جبرئيل أصح .... كما ثبت ذلك في الصحيحين عن عائشة أم المؤمنين، وعن ابن مسعود، وكذلك هو في صحيح مسلم عن أبي هريرة ولايعرف لهم مخالف من الصحابة في تفسير هذه الآية بهذا". (تفسير ابن كثير: ۳/۷، دار السلام)

(۳) "الشفاعة .... وهي العظمىٰ، الخاصة بنبيّنا صلى الله عليه وسلم من بين سائر إخوانه من =

علیہ وسلم صلوٰۃً دائمۃً أبداً)۔

ذات، صفات، علم، شان میں تنقیص کو ایمان برداشت نہیں کرسکتا(۱)۔ مسئلہ چونکہ ایمانیات سے متعلق ہے اس لئے کسی خاص شخص پر خاص بات کی وجہ سے حکم لگانا بھی آسان نہیں جب تک شرعی دلائل سے تنقیحِ تام نہ ہوجائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۰ھ۔

شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی

سوال[۶۷۵]: ایک مسلمان جس کے ہوش وحواس صحیح ہیں، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ "حضرت یوسف علیہ السلام نبی نہیں تھے اور "داستان یوسف" کتاب جھوٹی کتاب ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور لگائی باز تھے(۲)، شہوت پرست تھے، ان کی گیارہ بیویاں تھیں"۔ تو یہ شخص مسلمان کہلائے گا یا کافر؟ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ یہ شخص اگر انتقال کرجائے تو اس کے

= الأنبياء والمرسلين، صلوات الله عليهم أجمعين، .... عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: .... "اذهبوا إلى محمد صلى الله عليه وسلم فيأتوني، فيقولون: يامحمد! أنت رسول الله، وخاتم الأنبياء، غفر الله لك ماتقدم من ذنبك وماتأخر، فاشفع لنا إلى ربك .... فيقال: يا محمد! ارفع رأسك، سل تعطه، اشفع تشفّع". إلى آخر الحديث. (شرح العقيدة الطحاوية، الشفاعة حق: ۱۶۱، ۱۶۳، مكتبه الغرباء)

(والصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الفضائل، باب معجزات النبي صلى الله عليه وسلم: ۲/۲۴۵، قديمي)

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: وأيمارجل مسلم سبّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو كذبه، أو عابه، أو تنقصه، فقد كفر بالله تعالىٰ، وبانت منه امرأته، فإن تاب وإلا قتل، .... وفي الينابيع: "لوعاب النبي صلى الله عليه وسلم بشئي من العيوب يكفر". (تنبيه الولاة والحكام في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۳۲۴، ۳۲۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا ايضاً في تنبيه الولاة والحكام: ۱/۳۵۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) قوله: "لگائی باز" عورت پسند"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۶۱، فیروز سنز لاہور)

جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جس کے دل میں ایمان ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ اس سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)، نکاح ختم ہوجاتا ہے (۲)، اس کی تجہیز وتکفین بھی اسلامی طریقے پر نہیں کی جاتی، اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی (۳)۔ جب تک پوری طرح یقین کے ساتھ کسی کا ایسا کہنا ثابت نہ ہوجائے کوئی سخت حکم لگانے میں پوری

---

(۱) أما قوله : ''حضرت یوسف علیہ السلام نبی نہیں تھے، و قوله : لگائی باز تھے،شہوت پرست تھے'' فقال في التاتارخانية: " من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام أوعاب نبياً بشيء ، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام ، فقد كفر". (كتاب احكام المرتدين ، فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام : ۴۷۷/۵، إدارة القرآن)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير ، باب أحكام المرتدين : ۲۰۳/۵، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ،و منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام : ۲۶۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب السير ، باب ما يكون كفراً من المسلم و ما لا يكون : ۵۷۴/۳،رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني ، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين ، نوع فيما يعود إلى الأنبياء : ۵۵۸/۵، غفاريه كوئٹه)

(۲) " و منها أن ردة أحد الزوجين يوجب البينونة بينهما في الحال بدون قضاء القاضي". (خلاصة الفتاوى ، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني ، الجنس الأول في المقدمة : ۳۸۳/۴، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر : ۱۹۳/۳، ۱۹۴ ،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر : ۳۷۳/۳، رشيديه)

(۳) "ويغسل المسلم و يكفن و يدفن .... أما المرتد ، فيلقى في حفرة كالكلب". (الدرالمختار) وفي رد المحتار: "(قوله: فيلقى في حفرة): أي و لا يغسل و لا يكفن و لا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم". (كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲۳۰/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الجنازة ، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۳۴/۲، رشيديه)

2

احتیاط لازم ہے(۱) مبادا یہ حکم کہیں حکم لگانے والے پر نہ لوٹ جائے (۲)۔

اگر خدانخواستہ کسی مسلمان سے غلبۂ جہالت وضلالت کی بناء پر ایسی بات نکلے تو فوراً اس کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح اور توبہ کرادی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا حکم

سوال[۶۷۶]: اگر کوئی مسلمان العیاذ باللہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ناجائز

---

(۱) "و فی الفتاوی الصغری: الکفر شیء عظیم ، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایةً أنه لا یکفر .... و فی الخلاصة وغیرها : إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ، و وجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق ، کتاب السیر ، باب أحکام المرتدین : ۵/۲۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة ، کتاب السیر ، قبیل الباب العاشر فی البغاة : ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(وکذا التاتارخانیة ، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فی إجراء کلمة الکفر : ۵/۴۵۸، ادارة القرآن)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً ، الفصل الثانی،النوع الأول فی المقدمة: ۶/۳۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی ، کتاب ألفاظ الکفر ، الفصل الثانی ، النوع الأول فی المقدمة : ۴/۳۸۲،رشیدیه)

(۲) "عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ، ولا یرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک". (صحیح البخاری ، کتاب الأدب ، باب ما ینهی عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قدیمی)

(۳) "ما کان فی کونه کفراً اختلاف ، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح ،و بالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق الإحتیاط، ثم إن کانت نیة القائل......... الوجه الذی یوجب التکفیر، لا تنفعه فتوی المفتی و یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینه و بین امرأته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر ، موجبات الکفر أنواع ، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

دشنام (گالی) دیدے گا، بصورت شرع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا وسلم کے اس شخص کا اب کیا حکم ہے؟ لائق توبہ واستغفار ہے یا کہ لائق قتل ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص شان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں (نعوذ باللہ) گالی بکے وہ مرتد اور خارج از اسلام ہے، اس کو توبہ اور تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ درمختار: ۳/۴۰۱، میں اس پر مفصل بحث مذکور ہے(۱) علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رسالہ مستقل لکھا ہے، دیگر اکابر علماء کے بھی رسائل ہیں، الصارم المسلول فی شاتم الرسول، وغیرہ، لیکن اس حکم پر عمل کے لئے شرائط ہیں ان کا بھی لحاظ چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۹ھ۔

---

(۱) راجح قول کے مطابق سب النبی ﷺ کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے لیکن اگر قبل از توبہ قتل کیا گیا تو گناہ نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: "و كل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا الكافر بسب نبي من الأنبياء، فإنه يقتل حداً و لا تقبل توبته مطلقاً .... و من شك في عذابه و كفره، كفر .... و من نقص مقام الرسالة بقوله بأن سبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أو بفعله بأن بغضه بقلبه، قتل حداً كما مر من التصريح به، لكن صرّح في آخر الشفاء بأن حكمه كالمرتد، و مفاده قبول التوبة كما لا يخفى". (الدر المختار)

و في رد المحتار: "وحاصله أنه نقل الإجماع على كفر الساب، ثم نقل عن مالك .... أنه لا تقبل توبته، فعلم أن المراد من نقل الإجماع على قتله قبل التوبة، ثم قال: و بمثله قال أبو حنيفة وأصحابه الخ: أي قال: إنه يقتل يعني قبل التوبة لا مطلقاً" .... إلى إخر ما بحث عنه. (كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في حكم ساب الأنبياء: ۴/۲۳۱، ۲۳۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۱، ۲۱۲، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الأول في المقدمة: ۶/۳۲۱، رشيديه)

''اُمّی'' کا معنی جاہل، اَن پڑھ اور جاہلِ مطلق سے کرنے کا حکم

سوال[۶۷۷]: زید نے اپنی تقریر سیرتِ رسولِ مقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوران ''اُمّی'' کے معنی بیان کیے اور ''اَن پڑھ''، ''جاہل'' اور ''جاہلِ مطلق'' کہا، اور کہا کہ میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ''اُمّی'' کے معنی جاہلِ مطلق کے ہیں۔ کیا ان معنوں سے توہینِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''اُمّی'' اُس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی سے لکھنا، پڑھنا نہ سیکھا ہو، نہ کسی مدرسہ میں داخل ہو، نہ کسی اتالیق کے پاس پڑھا ہو، حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، یہاں کوئی آپ ﷺ کا استاذ نہیں (۱)، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة﴾ الآية (الأعراف: ۱۵۷)

"أي: هؤلاء الذين تنالهم الرحمة هم الذين يتبعون محمداً صلى الله عليه وسلم والنبي العربي الأمي: أي الذي لايقرأ ولا يكتب". (صفوة التفاسير للصابوني: ۱/۴۷۵، دار القرآن الكريم، بيروت)

"أي الذي لايكتب ولا يقرأ .... عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنا أمة أمية، لانكتب ولا نحسب" .... فهو بالسنة إليه -بأبي وأمي- عليه الصلاة والسلام صفة مدح". (روح المعاني: ۹/۷۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"وعن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ بمجلسين في مسجده .... "وإنما بعثت معلماً": أي بتعليم الله لا بالتعلم من الخلق". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكاة المصابيح، كتاب العلم: ۱/۵۱۶، رشيديه)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وما كنت تتلوا من قبله﴾: أي وما كنت من قبل إنزالنا إليك الكتاب تقدر على أن تتلو (من كتاب ولا تخطه) ولا تقدر على أن تخطه (بيمينك إذاً لا رتاب المبطلون): أي لو كنت ممن يقدر على التلاوة والخط أو ممن يعتادهما لارتاب مشركو مكة، =

وسلم کو اتنا علم عطا فرمایا کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو اتنا نہیں ملا، نہ کوئی فرشتہ آپ کے برابر ہوسکتا ہے، نہ کوئی پیغمبر، شانِ نبوت کے لائق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ مبارک سارے عالَم کے علم سے بڑھا ہوا ہے(۱)۔

''اُمّی'' کی جو تشریح زید کی تقریر سے نقل کی گئی ہے اگر واقعۃً زید نے یہی تشریح کی ہے تو اس کو فوراً توبہ لازم ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ کرے، ظاہر یہ ہے کہ اس نے ناشائستہ الفاظ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں استعمال نہیں کئے ہوں گے کیونکہ اس کی جرأت کوئی مسلمان نہیں کرسکتا، اس لئے صرف لفظ ''اُمّی'' کی یہ تشریح کی ہے جو کہ بے شمار مخلوق پر صادق

= وقالوا: لعله التقطه من كتب الأوائل، وحيث لم تكن كذلك، لم يكن لا تيابهم وجه، وكأن احتمال التعلم مما لم يلتفت إليه لظهور أن مثله من الكتاب المفصل الطويل لا يتلقى ويتعلم إلا في زمان طويل بمدارسة لا يخفى مثلها". (روح المعاني: ۲۱/۴، دار إحياء التراث العربي)

"وهكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم دائماً إلى يوم الدين لايحسن الكتابة ويخط سطراً ولا حرفاً بيده، بل كان له كتاب يكتبون بين يديه الوحي والرسائل إلى الأقاليم". (تفسير ابن كثير: ۵۵۳/۳، دار السلام)

(۱) وفي الخصائص الكبرى: "باب اختصاصه صلى الله عليه وسلم بالنصر بالرعب مسيرة شهر أمامه وشهر خلفه، وإيتائه جوامع الكلم ومفاتيح خزائن الأرض وعلم كل شئ إلا الخمس، قيل: والخمس أيضاً، .... "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، وأرسلت إلى الخلق كافةً، وختم بي النبيون" .... "عن أبي موسىٰ رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعطيت فواتح الكلم وجوامعه وخواتمه" .... "عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أوتيت مفاتيح كل شئ إلا الخمس: إن الله عنده علم الساعة الآية"." ذهب بعضهم إلى أنه صلى الله عليه وسلم أوتي علم الخمس أيضاً، وعلم وقت الساعة والروح، وأنه أمر بكتم ذلك". (الخصائص الكبرى، باب اختصاصه صلى الله عليه وسلم بالنصر بالرعب الخ: ۱۹۳/۲ - ۱۹۵، دار الكتب العلمية)

بھی آتی ہے اور شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، اگر کوئی شخص سید الکونین امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا (۱)، اس پر تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح لازم ہوگی (۲)، مگر ایسا حکم کرنے میں خود زید سے استفسار کی ضرورت ہوگی، اس لئے اس میں جلدی نہ کی جائے۔

جب تک زید سے دریافت نہ کرلیا جائے کہ اس نے جو تشریح لفظ ''اُمّی'' کی کی ہے، کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ایسا ہی سمجھتا ہے، اگر وہ کہے نہیں، میں نے لفظ ''اُمّی'' کے اصل معنیٰ بتائے ہیں، یہ نہیں کہا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی تھے تو پھر تکفیر نہ کی جائے (۳)، ہاں سیرتِ پاک کے

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله: " وأيمارجل مسلم سبّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو كذبه أو عابه، أو تنقصه، فقد كفر بالله تعالىٰ، وبانت امرأته، فإن تاب وإلا قتل"، .... وفي الينابيع: "لوعاب النبي صلى الله عليه وسلم بشئي من العيوب يكفر". (تنبيه الولاة والحكام في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۳۲۴ - ۳۲۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين، فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/۴۷۷، إدارة القرآن)

(۲) " ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين قبيل الباب العاشر: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۳) "يجب أن يعلم أنه إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم، ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لاتنفعه فتوىٰ المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وتجديد النكاح بينه وبين امرأته". (التاتار خانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر الخ: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

بیان میں صرف اس تشریح پر کفایت کرنے سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے توبہ کی ضرورت ہے (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/ ۸/ ۹۲ھ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا سمجھنے والے کا حکم

سوال [۶۷۸]: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا سمجھنے والے کیسے ہیں، اہل سنت والجماعت کے علماء میں سے ہو یا عوام میں سے ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کا احترام واجب ہے (۲) ان کو برا کہنا ہرگز جائز نہیں، ان کو برا کہنے والا اور برا سمجھنے والا گنہ گار ہے (۳)، اس کو توبہ لازم ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۱۱/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی قعدہ/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وماکان خطأ من الألفاظ لایوجب الکفر، فقائلہ مؤمن علی حالہ، ولا یؤمر بتجدید النکاح، ولکن یؤمر بالاستغفار، والرجوع عن ذلک". (مجمع الأنہر، کتاب السیر، باب المرتد: ۲/ ۵۰۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی التاتار خانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی إجراء کلمة الکفر الخ: ۵/ ۴۵۸، إدارة القرآن)

(۲) "وعن خالد بن معدان: کان (أی معاویة) طویلاً، أبیض، أجلح، وصحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکتب لہ، الخ". (الإصابة فی تمییز الصحابة: ۶/ ۱۲۰، دارالکتب العلمیة)

"وقال السعد التفتازانی: یجب تعظیم الصحابة والکف عن مطاعنهم الخ. وقال العلامة المرعشی فی "نشر الطوالع": یجب تعظیم جمیع أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والکف عن مطاعنهم وحسن الظن بهم وترک التعصب والبغض .... وقد أحبهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، =

....

= وأثنى عليهم ، وأوصى أمته بعدم سبهم وبغضهم و أذاهم ، الخ". (الإصابة في تميز الصحابة ، مقدمة التحقيق: ۱/۲۵، ۲۶، دارالكتب العلمية)

(۳) "عن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده! لوأن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ماأدرك مد أحد هم ولا نصيفه " .... وقال عليه الصلاة والسلام : "الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً من بعدي ...... ومن آذاهم، فقد آذاني! " الحديث . (الإصابة في تميز الصحابة: ۱/۱۹، ۲۰، دارالكتب العلمية)

"قال أبو زرعة الرازي : إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى ذلك كله إلينا الصحابة، الخ". (الإصابة في تمييز الصحابة : ۱/۲۲، دارالكتب العلمية)

"قال القاضي عياض في آخر فصل من "الشفاء": سبّ آل بيته وأزواجه وأصحابه عليه الصلاة والسلام حرام ، .... وقال أيضاً: من شتم أحداً من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أبا بكر أو عمر أو عثمان أومعاوية .... فإن قال: كانوا في ضلال، قتل ، وإن شتمهم بغير هذا من شاتمة الناس، نكل نكالاً شديداً". (تنبيه الولاة والحكام في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۳۵۷، ۳۵۸، سهيل اكيڈمى)

"وأما من سبّ أحداً من الصحابة، فهو فاسق ومبتدع بالإجماع". (تنبيه الولاة والحكام، المصدر السابق: ۱/۳۶۷)

"عن عبدالرحمٰن بن أبي عميرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم ، أنه قال لمعاوية: "أللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه " .... وهوأحد الذين كتبوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم .... تولىٰ الشام بعد أخيه يزيد في زمن عمر، ولم يزل بها متولياً وحاكماً إلى أن مات، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، جامع المناقب، الفصل الثاني: ۱۰/۶۱۲، رشيديه)

(وكذا في الإصابة في تميز الصحابة: ۲/۱۲۱، دارالكتب العلمية)

"ولا يجوز اللعن على معاوية؛ لأنه خال المؤمنين وكاتب الوحي، وذوالسابقة والفتوح الكثيرة، وعامل الفاروق، وذي النورين، لكنه أخطأ في اجتهاده، فيتجاوز الله عنه ببركة صحبة سيدنا عليه الصلوٰة والسلام، ويكفّ اللسان عنه تعظيماً لمتبوعه وصاحبه عليه السلام ". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب السير، الحادي عشر فيما يكون خطاء: ۶/۳۴۳، رشيديه).......................... =

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت کلمہ کہنا

سوال[۱۷۹]: ایک جاہل شخص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثلاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن کرتا ہے اور اس امر کو حلال اور ثواب سمجھتا ہے، کیا ایسا اعتقاد والا مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا ہے؟ مدلل بحوالہ کتب بمعہ صفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر لعن کو حلال اعتقاد کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف قرآن کریم میں متعدد جگہ وارد ہے (۱) اور ان پر لعن کو حلال ثواب اعتقاد

= (وكذا ردالمحتار، باب المرتد: ۲۳۷/۴، سعيد)

(۴) سب صحابہ کا ارتکاب معصیت ہے اور معاصی سے توبہ واجب ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿يايها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ وفي شرح المقاصد قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالىٰ .... وإن تعلقت بحقوق العباد لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أو بدله إليه إن كان الذنب ظلماً .... والاعتذار إليه إن كان إيذاءً كما في الغيبة .... ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر .... وعبارة المازرى: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (تفسير روح المعاني للآلوسيّ: ۱۵۷/۲۸ - ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي)

"وقد علم أن المرتد تقبل توبته كما نقله هنا عن النتف وغيره، فإذا كان هذا في سابّ الرسول صلى الله عليه وسلم، ففي سابّ الشيخين أو أحدهما بالأولىٰ .... نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها .... ولكن لوتاب تقبل توبته ...... الخ". (ردالمحتار، باب المرتد: ۲۳۶/۴-۲۳۷، سعيد)

وتفصيله في: (تنبيه الولاة والحكام في ضمن رسائل ابن عابدين: ۳۶۵/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿محمد رسول الله والذين معه أشدآء على الكفار رحمآء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله و رضواناً سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾. (الآية، الفتح: ۲۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم و أثابهم فتحاً قريباً﴾. (الفتح: ۱۸)

کرنا آیات قرآنیہ کا انکار کرنا ہے(۱)۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر، ص:۸۶ میں لکھا ہے: "نعم لواستحل السب أو اللعن، فهو كافر لا محالة اهـ". (۲)۔ اور بغیر حلال سمجھے جو شخص گالی دے اس پر لعنت وارد ہوئی ہے:

"من سب أصحابي، فعليه لعنة الله و الملائكة والناس أجمعين". رواه الطبراني۔ (۳) "لعن الله من سبّ أصحابي" رواه الطبراني اهـ".(٤) نبراس، ص:٥٤٨(٥)۔

صاحب نبراس نے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے جس کا نام ہے:"الناهية عن ذم معاوية"۔

"وكان السلف يغضبون من سبه و طعنه، وقيل لابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه صلى الوتر ركعةً واحدةً، قال: دعه فإنه فقيهٌ صحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". كما في صحيح البخاري (٦)۔

"و سبه رجل عند خليفة الراشد عمر بن عبد العزيز، فجلده۔ وقيل للإمام الجليل عبد الله بن المبارك : أمعاوية أفضل أم عمر بن عبد العزيز؟ قال : غبار فرس معاوية إذا غزا مع

---

(۱) " ويكفر إذا أنكر آيةً من القرآن". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ٥/٢١٠، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ، فصل في القرآءة والصلوة، ص:١٦٧، قديمى)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالقرآن : ٢/٢٦٦، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع التاسع في ما يقال في القرآن : ٦/٣٤٢، رشيديه)

(۲)(شرح الفقه الأكبر، تحت قوله : "لا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب، ص: ٧٢، قديمى)

(۳) (أخرجه الطبراني في الكبير : ١٢٧٠٩/١٢)

(۴)(أخرجه الطبراني في الكبير : ١٣٥٨٨/١٢)

(۵) (النبراس، عند ذكر المناقب، ص: ٣٢٩، مكتبه امداديه ملتان)

(٦) (صحيح البخاري، كتاب المناقب، ذكر معاويةرضي الله تعالىٰ عنه: ١/٥٣١، قديمى)

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أفضل من عمر۔

قال القاضی عیاض المالکی فی الشفآء: قال مالك: مَن شتم أحداً من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: أبا بکر أو عمر أو عثمان أو معاویة أو عمرو بن العاص، فإن قال: کانوا علی کفر و ضلال، قُتل، وإن شتمهم بغیر هذا من مشاتمة الناس، نُکل نکالاً شدیداً اھ". نبراس، ص: ۵۵۰ (۱)۔

قوله: "بغیر هذا" ولکن قصد به إیذاء النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد کفر، فقتل وإلا نکل نکالاً شدیداً. قال فی الصواعق: و الضابطة: أن کل شتم قصد به أذی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کماوقع من عبد اللّٰہ بن أبی طالب کفر، و مالا فلا کما وقع من مسطح فی قصة الإفك اھ". نبراس، ص: ۵۵۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۸/ ۶۴ھ۔

عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۶۴ھ، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین کے بعد توبہ

سوال[۶۸۰]: ۱...... جو شخص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لعن کرنے والا ہو مثلاً: امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہانت ان لفظوں کے ساتھ کرے کہ "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ایڑی کے برابر بھی نہیں سمجھتا"۔ تو کیا اہل سنت والجماعت اس کے ساتھ برتاؤ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... مندرجہ بالا عقیدہ والے کی کوئی صورت توبہ کی ہے یا نہیں؟ اگر کسی عالم کے سامنے اس عقیدہ سے

(۱) (النبراس، عند ذکر المناقب، ص: ۳۳۰، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "هذه العبارة لیست فی النبراس، بل هی علی حواشیه من النسخة القدیمة التی هی من مطبوعات: ملک محمد عارف پرنٹر پبلشر لاہور، و تلك الحواشی للمولوی محمد الملتانی المعروف بمولوی برخور دار ملتانی، ص: ۵۵۱، رقم الحواشی: ۱)

(وکذا فی المرقاة شرح المشکوة، کتاب المناقب و الفضائل، باب مناقب الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم، الفصل الأول: ۱۰/ ۳۵۲، حقانیه)

توبہ کرے تو اس کے ساتھ برتاؤ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مدلل بحوالہ کتب تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مسلمان پر لعن کرنا علی الاطلاق بڑا گناہ ہے: "سباب المسلم فسوق" رواہ مسلم (۱) اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دینا خود موجب لعنت ہے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي، فقولوا: لعنة اللّٰه علىٰ شركم". ترمذی(۲) جمع الفوائد: ۲/۲۰۱۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دینا اور ان کی توہین کرنا روافض کا شعار ہے، ایسا شخص دائرۂ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے (۳)۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے۔

۲......کافر کا کفر بھی توبہ کے بعد معاف ہوجاتا ہے (۴)، لہٰذا اگر شخص مذکور سچی توبہ کرے اور اپنے

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق اهـ": ۱/۵۸، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله: ۱/۱۲، و كتاب الأدب، باب ما ينهي عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب في من سب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۲۵، سعيد)

(۳) "نعم لو استحل السب أو القتل، فهو كافر لا محالة". (شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ ص: ۷۲، قديمي)

(۴) "التوبة عن الكفر .... يقبل قطعاً، عرفناه بإجماع الصحابة والسلف رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنهم يرغبون إلى الله تعالىٰ في قبول توبتهم عن الذنوب والمعاصي كما في قبول صلاتهم و سائر أعمالهم، و يقطعون بقبول توبة الكافر، كذا ذكره القونوي". (شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ، بحث التوبة، ص: ۱۵۵، قديمي)

عقیدہ فاسدہ سے ہمیشہ کے لئے باز آجائے اوراس سے نادم ہوتو حسب وعدہ: ﴿إني لغفار لمن تاب﴾ الآیة (۱) معافی ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ شعبان/ ۶۴ھ۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن

سوال [۶۸۱]: دوسرے یہ کہ یزید بن معاویہ کو کافر یا ملعون کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یزید کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سکوت اور توقف کرنا چاہئے، نہ اس کو کافر کہا جائے نہ اس پر لعنت کی جائے، بلکہ اس کے امر کو خداوند تعالیٰ کے حوالہ کردینا چاہئے۔ جن علماء کو تحقیق سے ثابت ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کفریہ افعال موجود ہیں وہ لعنِ یزید اور تکفیر کو جائز قرار دیتے ہیں، پس حنفی کو اس بارے میں توقف کرنا چاہئے اور تکفیر منع ہے۔

تاہم اگر لعنت اور تکفیر کریگا تب بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ کیا ہراسی شافعی سے تکفیر منقول ہے، لیکن امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء شافعیہ اور اکثر احناف نے تصریح کی ہے کہ اس کی تکفیر اور اس پر لعنت کرنا منع ہے (۳) پس سکوت چاہئے، واجب کسی نے نہیں کہا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (طه: ۸۲)

(۲) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك و شبهة بحكم الوعد بالنص: أي قوله تعالىٰ: ﴿و هو الذي يقبل التوبة عن عباده﴾ الآية. (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة، ص: ۱۲۰، قديمي)

(۳) "و إنما اختلفوا في يزيد بن معاوية حتى ذكر في الخلاصة وغيره أنه لا ينبغي اللعن عليه: أي ولا =

اخوان حضرت یوسف علیہ السلام پر طعن

سوال[۲۸۲]: حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے اخوان پر طعن زنی کیسی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ان کی توبہ نصِ قطعی سے ثابت ہے(۱) اور توبہ کے بعد خطائے سابق کی وجہ سے عار دلانا یا طعن کرنا جائز نہیں ہے(۲)، خاص کر جب کہ ایک جماعت ان کی نبوت کی بھی قائل ہے۔ والبسط فی مفاتیح

= علی الحجاج ؛ لأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نهی عن لعن المصلین و من کان من أهل القبلة .... وعلی الجملة ففی لعن الأشخاص خطر، فلیجتنب ،و لا خطر فی السکوت عن لعن ابلیس فضلاً عن غیره انتهی". (شرح الفقه الأکبر ، لملاعلی القاری رحمه اللہ تعالیٰ، ص: ۷۲، قدیمی)

(وکذا فی شرح العقائد ، عند ذکر وجوب الکف عن الطعن فی الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم، ص: ۱۱۶، ۱۱۷، المطبع الیوسفی لکنؤ)

وفی النبراس تحته : "(وبعضهم أطلق اللعن علیه) منهم: ابن الجوزی المحدث، و صنف کتاباً سماه "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید"، و منهم: الإمام أحمد بن حنبل رحمه اللہ تعالیٰ .... و منهم القاضی أبو یعلی .... وأنکر ذلک بعض العلمآء ، و منهم الإمام الغزالی".

(ص: ۳۳۱، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً ، الفصل الثانی، النوع الحادی عشر فیما یکون خطأ : ۳۴۴/۶، رشیدیه)

(۱) قال اللہ تعالیٰ :﴿ قالوا تاللہ لقد آثرک اللہ علینا و إن کنا لخاطئین، قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وهو أرحم الراحمین﴾. (یوسف : ۹۱، ۹۲)

و قال تعالیٰ: ﴿قالوا یا أبانا استغفر لنا ذنوبنا إنا کنا خاطئین، قال سوف استغفر لکم ربی، إنه هو الغفور الرحیم﴾ (سورة یوسف :۹۷، ۹۸)

(۲) "عن عبد اللہ (ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه) قال: قال رسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :"سباب المسلم فسوق". الحدیث (صحیح البخاری ، کتاب الأدب ، باب ما ینهی عن السباب واللعن : ۸۹۳/۲، قدیمی)

الغیب(للقرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ) (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/۵۹ھ۔

قرآن پاک کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

سوال[۲۸۳]: ایک شخص محمد خان نے امام صاحب کو ایک قرآن شریف کشمیری ترجمہ والا پڑھنے کے لئے دیا تھا، ایک سال گزرنے کے بعد مذکورہ محمد خان کو کسی خاص بات کے لئے قرآن شریف کی ضرورت پڑی، اس نے عبد الستار گنائی کو کہا کہ امام صاحب کے پاس میرا قرآن شریف ہے وہ مجھے لا کر دیدو، عبد الستار کو امام صاحب راستہ میں ملے اس نے امام صاحب سے قرآن شریف مانگا، امام صاحب نے پیر محمد یاسین سے کہا کہ ”محمد خان نے مجھے قرآن شریف بخش دیا ہے اگر وہ مانگتا ہے تو وہ قرآن شریف کو-نعوذ باللہ- اپنے میں بھر لے“، چند دن کے بعد جب امام صاحب سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا، اس کے چند مہینہ بعد امام صاحب نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ ہاں میں نے یہ بات کہی ہے۔حضرت والا! اس بارے میں مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم کی توہین کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، آدمی کافر ہو جاتا ہے، لیکن مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگانے میں جلدی نہ کی جائے جب تک اس کا مقصد متعین نہ ہو جائے (۲)۔ یہاں امام صاحب کا مقصود قرآن پاک کی توہین کرنا نہیں بلکہ اس شخص کی توہین کرنا مقصود ہے، اگر زیور، سونا چاندی وغیرہ کوئی چیز ہوتی تو

(۱) ”قال العلامة القرطبی تحت قوله تعالیٰ: ﴿قال قائل منهم : لا تقتلوا یوسف﴾ “ الآیة (سورة یوسف : ۱۰) : ”فیه ثلاث عشرة مسئلةً : .... الثالثة : و فی هذا ما یدل أن إخوة یوسف ما کانوا أنبیآء لا أولاً و لا آخراً .... بل کانوا مسلمین ، فارتکبوا معصیةً، ثم تابوا. و قیل : کانوا أنبیآء ، و لا یستحیل فی العقل زلة نبیّ، فکانت هذه زلة منهم .... وقیل: ما کانوا فی ذلک الوقت أنبیاء، ثم نبّاهم الله تعالیٰ ، و هذا أشبه. والله تعالیٰ اعلم“. (تفسیر القرطبی): ۹/ ۸۹ ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) ”و فی الفتاوی الصغری : الکفر شیء عظیم ، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایةً أنه لا یکفر“ (البحر الرائق ، باب أحکام المرتدین من السیر : ۵/ ۲۱۰، رشیدیه)

اس کے متعلق بھی یہی کہتا۔ایسے موقع پر یہی مقصود ہوتا ہے کہ تم کوفلاں چیز کی حفاظت کے لئے کوئی جگہ نہیں تو اس کوفلاں جگہ محفوظ کرلو خواہ وہ چیز قابل تعظیم ہو یا نہ ہو، اس کی طرف التفات نہیں ہوتا (۱) مگر اس کے کلام میں توہین ضرور موجود ہے، اس لئے امام صاحب کو اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کرنا ضروری ہے اور احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی کرائے (۲)، ورنہ ایسا شخص امامت کے قابل نہیں۔شرح فقہ اکبر (۳)، البحر الرائق (۴)، عالمگیری (۵) وغیرہ میں مسئلہ توہین کی تفصیل مذکور ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۶/۶/۳۰ھ۔

قرآن کی شان میں گستاخی

سوال [۶۸۴]: ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ایک شخص سے جھگڑنے لگا اور گالیاں دینے لگا، ایک دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ دیکھو قرآن شریف کو سامنے رکھ کر فحش باتیں زبان سے نہ نکالو،

---

(۱) بعض زبانوں میں بعض اس قسم کے محاورات روزمرہ کی زندگی میں استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن کسی کو ان کے ظاہری معانی سے آگاہ کیا جائے تو کہے گا کہ کلا وحاشا میرا مقصود کبھی بھی یہ نہیں اور اس سے برآءت کا اظہار کر لیتا ہے، اسی لئے اسی طرح کے محاورات کو اپنے ظاہری معانی پر حمل نہیں کیا جاسکتا۔(ابن القاضی)

(۲) "و ما كان في كونه كفراً اختلاف ، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط". (التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/ ۴۶۱، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/ ۲۸۳، رشيديه)

(۳) "و من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع، كفر، انتهى". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القرآءة والصلوة ، ص: ۱۶۷، قديمی)

(۴) (البحر الرائق ، كتاب السير، باب أحكام المرتدين من السير : ۵/ ۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، ومنها ما يتعلق بالقرآن: ۲/ ۲۶۶، ۲۶۷ رشيديه)

(۵) (التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقرآن: ۵/ ۴۹۱، إدارة القرآن)

اس کے اندر قرآن کی بے حرمتی ہے، اس نے غصہ میں آکر یہ کہہ دیا کہ "اس کے اندر تمہارا کیا بگڑتا ہے، ہم اس کی بے حرمتی کریں گے، جو چاہو کرلو" لیکن کہنے والا یہ بالکل نہیں جانتا کہ یہ کلمہ گستاخی کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے اور یہ کلمہ کیسا ہے؟

المستفتی محمد مصطفیٰ، متعلم مدرسہ عربیہ ہدایت المسلمین، کرہی ڈاکخانہ دوہارا، ضلع بستی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن شریف کے بے حرمتی کرنا کفر ہے (۱) اور ایسا کلمہ کہنا بھی گستاخی ہے (۲)، لہٰذا شخص مذکور کو توبہ لازم ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح اور تجدید ایمان بھی کرلے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۵/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

باہمی لڑائی میں قرآن پاک کو پیروں سے روندنا

سوال [۲۸۵]: ہمارے پڑوس میں ایک موضع مونڈھیرہ ہے جہاں پر ایک مکتب چل رہا ہے جو مسلم اکثریت سے بنا پڑوس کے ایک موضع دھورہرہ کے کچھ لوگوں میں مار پیٹ ہوئی جس میں دھورہرہ والوں نے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "قرآن پاک کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم")

(۲) "و من تکلم بها اختیاراً جاهلاً بأنها کفر، ففیه اختلاف، والذی تحرر لی أنه لا یفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن، أو کان فی کفره إختلاف و لو روایةً ضعیفةً". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاوی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاما أو کفراً، الفصل الأول، النوع الثانی فی ما یکون کفراً من المسلم و مالا یکون: ۳۲۱/۲، رشیدیه)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی، الجنس الأول فی المقدمة: ۳۸۲/۴، رشیدیه)

(۳) "و ما کان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بتجدید النکاح، و بالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق الإحتیاط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

منڈھیرہ والوں کو مارا اور مار کر چلے گئے۔گاؤں کے کچھ لوگ اکٹھا ہو کر مدرسہ میں گھس گئے اور مارنا پیٹنا شروع کردیا، ایک کلاس میں درس قرآن پاک چل رہا تھا، وہ ہجوم اس کلاس میں گھس گیا اور مدرس محمد یوسف کو مارنا شروع کردیا، بچے بھاگ گئے، کلام پاک کو پیروں سے روند کر پھاڑ ڈالا گیا اور خون سے بھرے ہوئے نسخوں کو کنویں میں ڈالا گیا۔تحریر فرمائیں کہ کلام پاک کی توہین کرنے والوں کو مسلمان سمجھا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اولاً تو آپس کی لڑائی ہی نہایت مذموم ہے(۱)، پھر مکتب میں داخل ہو کر قرآن کریم کو پیروں سے روندنا اور پھاڑنا بالکل ہی وحشیانہ اور کافرانہ حرکت ہے(۲)، ایسے لوگوں کو توبہ اور تجدید ایمان، تجدید نکاح کرنا چاہئے(۳) ورنہ وہ لوگ تعلق رکھنے کے قابل نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۲ھ۔

---

(۱) "وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "يفتح أبواب الجنة يوم الإثنين و يوم الخميس، فيغفر لكل عبد لا يشرك بالله شيئاً إلا رجل كانت بينه و بين أخيه شحناء ، فيقال : أنظروا هذين حتى يصطلحا". رواه مسلم".

"و عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام و الصدقة والصلوة" ؟ قال: قلنا : بلىٰ!، قال: "إصلاح ذات البين، وفساد ذات البين هي الحالقة". رواه أبو داؤد و الترمذي ". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب ، باب ما ينهى من التهاجر الخ، ص:۴۲۷، ۴۲۸، قديمي)

(۲) "يكفر بوضع الرجل على المصحف مستخفاً، و إلا فلا اهـ. و يظهر لي أن نفس الوضع بلا ضرورة يكون استخفافاً". (رد المحتار، كتاب الأيمان : ۳/۷۱۹، سعيد)

قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله المذكور : "(قوله : و يظهر لي أن نفس الوضع بلا ضرورة الخ) خلاف الظاهر من كلامهم ، والظاهر أنه لا بد في تحقق الإهانة و الإستخفاف من قصدها". (تقريرات الرافعي ، كتاب الأيمان : ۳/۱۴، سعيد)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۷ قديمي)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۹۱، إدارة القرآن)

(۳) (تقدم تخريجه في تحت عنوان "قرآن کی شان میں گستاخی")

کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پیر قرآن کریم پر رکھا تھا؟

سوال[۶۸۶]: ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب تشریف لائے، دورانِ تقریر انہوں نے فرمایا کہ ''ایک مرتبہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھیلتے ہوئے قرآن پاک پر پاؤں رکھ دیا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ناگوار گزرا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں کیا حرج ہے کہ ایک قرآن دوسرے قرآن پر رکھا گیا''۔ یعنی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کو قرآن فرمایا۔ اس واقعہ کے کچھ روز بعد ایک اَور مولوی صاحب تشریف لائے انہوں نے پہلے مولوی صاحب کی بات کی تردید کی اور بتلایا کہ یہ صریح کفر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مقرر کا نکاح ٹوٹ گیا اور اسی طرح ان تمام حضرات کا بھی نکاح ٹوٹ گیا جنہوں نے اس بات کو یقین کے ساتھ سنا اور یقین کرلیا، ایسے تمام حضرات کو از سرِ نو نکاح کرنا ضروری ہے، ورنہ ازدواجی تعلقات فعلِ حرام ہوں گے۔ لہٰذا مولانا ثانی کے متبعین میں سے جنہوں نے سنا تھا دوبارہ اپنا نکاح کیا۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ پہلے مولانا کی بات کہ ایک قرآن دوسرے قرآن پر رکھا گیا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ یہ واقعہ یا اس سے مشابہ کوئی دوسرا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آیا ہے یا نہیں؟ اور نکاح کا مسئلہ کہ جن لوگوں نے سنا اور یقین کے ساتھ سنا کیا واقعی ان کا نکاح ٹوٹ گیا اور ان کو تجدید نکاح ضروری ہے ورنہ فعلِ حرام شمار ہوگا؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ یہاں لوگوں میں ہمہ وقت یہی چرچا رہتا ہے۔

عتیق الرحمٰن قاسمی، گنج ڈونڈوارہ، ضلع ایٹہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ روایت کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم پر پیر رکھ دیا جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ناگوار گزرا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس میں حرج کی کیا بات ہے، ایسا ہوا کہ ایک قرآن دوسرے قرآن پر رکھا گیا'' کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھا، درایۃً بھی صحیح نہیں، قرآن کریم لکھا ہوا یکجائی طور پر اس وقت کہیں موجود نہیں تھا، کوئی حصہ کسی کے پاس تھا، کوئی حصہ کسی کے پاس تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب کو جگہ جگہ تلاش کراکے یکجا جمع فرمایا جیسا کہ صحیح

بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے(۱)۔

بلا تحقیق کسی بات کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا درست نہیں (۲)۔ تاہم جن مولانا صاحب نے یہ روایت بیان کی ان پر کفر کا حکم لگانا اور جن ناواقفوں نے سن کر یقین کرلیا ان کے نکاح ٹوٹنے کا حکم لگادینا بھی صحیح نہیں، یہ بھی حد سے تجاوز ہے، کسی چیز کا غلط اور گناہ ہونا اَور بات ہے اور ہر ایسی بات کی وجہ سے کفر یا فسخ نکاح کا حکم لگادینا اَور بات ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: .....في حديث طويل : قال أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك، و قد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فَتَتَبَّعِ القرآن فاجمعه، فوالله لو كلّفوني نقل جبل من الجبال، ما كان أثقل عليّ مما أمرني به من جمع القرآن ، قلت : كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ؟ قال: هو والله خير ، فلم يزل أبو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر رضي الله عنهما ، فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللِّخافِ وصدور الرجال، حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبي خزيمة الأنصاري لم أجدها مع أحد غيره: ﴿لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم﴾ حتى خاتمة برآء ة ، فكانت الصحف عند أبي بكر حتى توفاه الله ، ثم عند عمر حياته، ثم عند حفصة بنت عمر". (صحيح البخاري ، كتاب فضائل القرآن ، باب جمع القرآن : ۲/۷۴۵، ۷۴۶، قديمي)

(۲) "عن عبد العزيز ، قال أنس : إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً، إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من تعمّد عليّ كذباً، فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري ، كتاب العلم ، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۲۱، قديمي)

(۳) یعنی مرتکب معصیت اگر صرف مبتلیٰ ہی ہو تو اس پر اس معصیت کا صرف گناہ ہوتا ہے، کفر کا حکم نہیں، کفر کا حکم اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ کسی دلیلِ قطعی سے ثابت شدہ معصیت کو حلال سمجھے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

قال الملا علي القاري في شرح الفقه الأكبر : "إن إستحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ، إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية". (مطلب : إستحلال المعصية و لو صغيرةً كفر، ص: ۱۵۲، قديمي)

قرآن کریم میں مخلوق کا ذکر ہونے کے باوجود اس کا احترام

سوال[۲۸۷]: زید ایک مسجد کا امام ہے وہ کہتا ہے کہ ''کلام اللہ میں مخلوق کی باتیں ہیں اس لئے وہ قابل احترام نہیں، جس طرح اللہ پاک قابل احترام ہیں اس کا احترام اللہ پاک کا احترام نہیں ہوسکتا''۔ بکر نے جواب دیا کہ قرآن کریم قابل تسلیم اور بزرگ شئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا احترام اللہ پاک کا احترام ہے۔ دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کلام اللہ شریف میں مخلوق کا تذکرہ بھی ہے بلکہ مخلوق میں بہت زیادہ ذلیل اور نجس العین چیزوں کا بھی ذکر ہے(۱)، اس کے باوجود وہ کلام اللہ ہے(۲)، اس کی تعظیم فرض ہے، اس کی اہانت کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہے گا(۳)۔ امام کو ایسی باتوں سے توبہ لازم ہے ورنہ امامت کے قابل نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۹ھ۔

مسجد کا مذاق اڑانا

سوال[۲۸۸]: ایک مسلمان مسجد کو بُرے الفاظ کہتا ہے اور ہندوؤں میں بیٹھ کر مذاق اڑاتا ہے، پارٹی باز آدمی ہے اور اپنے گھر کے کنبے وغیرہ کو اپنے ساتھ رکھتا ہے اور مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) قد ذُكر لفظ: " الخنزير " في مواضع عديدة من القرآن الكريم، وهو أنجس الخلائق. منها ما قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم و لحم الخنزير و ما أهل به لغير الله﴾. الآية (البقرة: ۱۷۳)

(۲) قال الإمام الأعظم في الفقه الأكبر: "والقرآن كلام الله تعالىٰ في المصاحف مكتوب اهـ".

(ص: ۲۵، ۲۶، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية، ص: ۴۶، سعيد)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۱۰۸)

(۳)" و في تتمة الفتاوى: من استخف بالقرآن أوبالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع كفر".

(شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کی توہین کرنا، اس کو گالی دینا، اس کا مذاق اڑانا بہت خطرناک ہے اس سے ایمان سلامت نہیں رہتا(۱)، ایسے شخص کو توبہ لازم ہے(۲)، آئندہ ہرگز اس قسم کا کوئی لفظ نہ کہے جس سے مسجد کی توہین ہوتی ہو۔ وہ شخص بے علم ہے، اس کو نرمی سے سمجھایا جائے، سختی کا معاملہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ زیادہ بگڑ جائے، سزا دینے کی قوت نہیں اس لئے نرمی سے ہی سمجھایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۸ھ۔

اذان پر ہنسنا

سوال[۲۹۰]: زید اذان کہہ رہا ہے اور ہنس رہا ہے اور عمر سن رہا ہے اور اس کا بھی یہی حال ہے تو کیا شرع میں اس کی جزا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ ایسے فعل سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیا یہ امر فی الواقع صحیح ہے یا نہیں؟

عبدالرزاق جالندھری مقیم حجرہ نالہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اذان کہتے وقت اور سنتے وقت ہنسنا اذان کے آداب واحترام کے خلاف ہے، اذان کہتے وقت سلام کا جواب دینا اور بلاضرورت تنحنح بھی جائز نہیں(۳)، اگر ہنسی سے اذان کا استہزاء مقصود ہو تو فقہاء تکفیر کرتے ہیں

---

(۱) "من استخف بالقرآن أو المسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع، كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلوة ص: ۱۶۷، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: النوع الثالث في القرآن: ۶۹۲/۱، ۶۹۳، دار احياء التراث العربي)

(۲) "ما كان في كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط .... ثم إن كانت نيّة القائل.......... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۳) "و لا يتكلم فيهما (أى الأذان والاقامة) أصلاً و لو رد سلام، فإن تكلم استأنفه". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۸۹/۱، سعيد).......................... =

"ویکفر بالاستهزاء بالأذان، لا بالمؤذن" بحر: ۵/۱۲۲(۱) اوراسی حالت میں تجدیدایمان کے ساتھ تجدیدنکاح بھی ضروری ہے۔اوراگراذان کا استہزاء مقصودنہیں بلکہ کسی اَوروجہ سے ہنستا ہے تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔فقط واللہ اعلم۔

نماز وغیرہ کا استہزا

سوال[۱۹۱]: ایک مسلمان شخص جوعلم شریعت سے بالکل ناواقف وبے بہرہ ہے، بھنگی، چرسی، افیمی بھی ہے، وہ اپنی ضداور جہالت کی وجہ سے اپنے آپ کو بزرگ گردانتا ہو،قرآن شریف وحدیث شریف کومذاق اورمسخرہ کرنے کا عادی ہو، یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ لوگ نمازادا کرتے ہیں خواہ مخواہ سرنیچا کرتے ہیں، قرآن میں نمازادا کرنے کا کوئی حکم نہیں۔کیاایسے شخص سے جواسلام سے اس قدر مذاقیہ پیش آوے تعاون کرنایا اَورکسی قسم کا برتاؤ کرنا جائز ہے یانہیں اوراسی کا ایک دوست جس کا مکان مسجد سے بالکل پیوستہ ہے اپنی اذان ونماز علیحدہ اپنے گھرمیں ادا کرتا ہےاور جماعت اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ کرلیتا ہے۔اس کے متعلق کیاحکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نمازفرض عین ہے،نص قطعی سے ثابت ہے،اس کامنکرکافر ہے۔نماز،قرآن شریف،حدیث شریف کا مذاق اڑانا،استہزاءکرنا کفر ہے،اگرقدرت ہوتوایسے شخص کومناسب تنبیہ کی جاوے ورنہ اس سے ترک تعلق کردیا جاوےاور جماعت سنت مؤکدہ واجب کےقریب ہے۔جوشخص بلاعذرِشرعی دواماً ترک کرے وہ گنہ گار ہے،اگر

=وفي الفتاوى العالمكيرية: "و يكره التنحنح في الأذان بغير عذر .... و يكره رد السلام في الأذان و الإقامة، ولا يجب الرد بعده على الأصح". (كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، قبيل الفصل الثاني: ۱/۵۵، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالأذكار: ۵/۵۰۰، إدارة القرآن)

وفي شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ: "والاستهزاء بحكم من أحكام الشرع كفر". (قبيل فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص:۱۷۶، قديمي)

اسلامی حکومت ہوتو ایسے شخص کو سخت سزا دی جاوے اور شرعاً اس کی شہادت مردود ہے، اگر کبھی اتفاق سے ترک ہوجائے تو معذوری ہے:

"هي فرض عين على كل مكلف، و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانةً أي تكاسلاً فاسق، يحبس حتى يصلي؛ لأنه يحبس لحق العبد، فحق الحق أحق، و قيل: يضرب حتى يسيل منه الدم اهـ". در مختار: ۱/۳۶۳ (۱)۔

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه العامة: أي عامة مشايخنا، وبه جزم في التحفة وغيرها، قال في البحر: و هو الراجح عند أهل المذهب اهـ". در مختار (۲)۔

"وقال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلاعذر يعزر، وترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه اهـ". شامي: ۱/۵۷۶ (۳)۔

"إذا أنكر آيةً من القرآن أو استخف بالقرآن أو بالمسجد أو نحوه مما يعظم في

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في العناية في شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة: ۱/۲۱۷، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ۱/۶۸، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

(۳) (رد المحتار: المصدر السابق آنفاً من الدر المختار)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۲، ۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيمن تجب عليه الجماعة: ۱/۶۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۴، ۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قديمي)

الشرع، أو عاب شيئاً من القرآن أو خطئ أو سخر بآية منه اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۷۰۰ (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۴/۶/۵۹ھ۔

نماز کیلئے تحقیر کا لفظ بولنا

سوال[۶۹۲]: بکر نے خالد سے پوچھا کہ مسجد میں کیوں نہیں جاتے اور نماز نہیں پڑھتے؟ تو خالد جواب دیتا ہے کہ مجھ کو نماز چھک آتی ہے۔ یہ لفظ حقارت ہے۔ حفظ الرحمٰن مدرسہ ہدایت الاسلام نوادہ پھولپور اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

نماز کی تحقیر نہایت خطرناک ہے (۲)، اس سے پورا پرہیز کیا جائے۔ جو لفظ سوال میں لکھا ہے "نماز چھک آتی ہے" اس کا مطلب صاف لکھئے کہ کیا مقصد ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۳ھ۔

نمازی کو گالی دینا

سوال[۶۹۳]: کوئی شخص یہ کہے کہ "زیادہ نماز پڑھنے والے ان کی ماؤں کو ایسا کروں، سب سالے بے ایمان ہوتے ہیں" یہ کلمہ کیسا ہے اور ایمان میں کوئی خرابی آتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس کا مقصود بظاہر یہ ہے کہ بے ایمانی سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے اور جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کو

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: النوع الثالث في القرآن الخ: ۱/۶۹۲، ۶۹۳، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(۲) "من قال: لا أصلي جحوداً أو استخفافاً، أو على أنه لم يؤمر أو ليس بواجب انتهى، فلا شك أنه كفر في الكل". (شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلوة: ۱۷۰، قديمي)

خدا سے اور اس کے دین سے زیادہ تعلق ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ زیادہ پرہیز کریں، مگر افسوس کہ ایسا واقعہ نہیں بلکہ نماز پڑھنے والے بھی بے ایمانی کرتے ہیں۔ اس میں نماز کی عظمت کو بتانا چاہتا ہے کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی کے کاموں سے اور گناہوں سے روک دیتی ہے(۱)، لیکن یہاں ان سنگدلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بے علمی یا کم علمی کی وجہ سے وہ اس مقصود کو صاف طور پر ادا نہیں کرسکا اور غلبۂ جہالت کی وجہ سے گالی بھی دیدی، اس کو اپنی اصلاح کی فکر بھی لازم ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کا مقصود نماز کی توہین کرنا ہے تو یہ نہایت خطرناک ہے، اس سے ایمان محفوظ نہیں رہتا (۲) ایسی حالت میں تجدیدِ ایمان، توبہ، تجدیدِ نکاح لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، یکم/شعبان/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۲/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ الآية. (العنكبوت: ۴۵)

(۲)" قال أبو حفص: إذا قيل لمريض: صل، فقال: والله لا أصلي أبداً، فلم يصل حتى مات لو جآء وني به، لقلت: أرموه و لا تصلوا عليه؛ لأنه مات كافراً. قال صاحب الجامع الأصغر: وجه ذلك أنه قال ذلك على وجه التهاون والاستخفاف، و من فعل ذلك، يصير كافراً". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة الخ: ۴۹۳/۵، إدارة القرآن)

وفي البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: "دلت المسئلة أن تهاون الصلوة والترك مستخفاً كفرٌ، وإن مجانةً و فسقاً، لا ". (كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع التاسع فيمايقال في القرآن والصلوة الخ: ۳۴۱/۲، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلوة: ۱۷۰، قديمى)

(۳) "ماكان في كونه كفراً إختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۴۶۱/۵، إدارة القرآن)

" ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن) .... =

ماں کو گالی دینا اور اس کی قبر پر پیشاب

سوال[۲۹۴]: ۱...... مسمی ایوب نے اپنی ماں اور بہن کو گالیاں دیں اور کہا کہ "میں نہیں مانتا، وہ تو میرا جوتا ہے" اور قرآن پاک اٹھا کر پھینک دیا۔ برائے مہربانی شرعاً اس کا کوئی جرمانہ ہو تو مطلع فرمائیں۔

۲...... مسمی ایوب نے اپنی والدہ کی قبر پر جا کر پیشاب کیا، گالیاں دیں اور کہا کہ "تو یہاں سے بھی بہت دور چلی جا"۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... یہ واقعہ اگر اسی طرح ہے تو نہایت افسوس کی بات ہے اس سے ایمان سلامت نہیں رہا(۱)، شخص مذکور کو تجدید ایمان اور علی الاعلان توبہ واستغفار کے ساتھ تجدید نکاح بھی لازم ہے(۲) ورنہ اس کے ساتھ سب لوگ سلام وکلام، بیاہ شادی کا تعلق ختم کر کے اس کی اصلاح کر دیں۔

۲...... یہ نہایت ہی کمینہ حرکت ہے، والدہ کی شان میں کوئی شریف النسب آدمی ایسا نہیں کہہ سکتا، والدہ کے انتقال کے بعد قبر پر جا کر اس طرح کہنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دماغی توازن بھی صحیح نہیں اور غصہ سے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵/۵۵۰، غفاريه كوئٹه)

(۱) "و في تتمة الفتاوى: من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظّم في الشرع، كفر".

(شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع: النوع الثالث في القرآن: ۱/۶۹۲، ۶۹۳، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه في مواضع عديدة منها تحت عنوان "نمازی کو گالی دینا")

عقل مغلوب ہوچکی ہے تاہم اس کے غصہ کے فرو ہونے پر سمجھایا جائے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے(۱)، ایمان والا ایسا نہیں کرتا ہے، اس سے عاقبت برباد ہوتی ہے، دنیا میں بھی تباہی آتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

علم دین کا مقام، علمائے دین کی توہین

سوال[۲۹۵]: میرے پاس فتوی بوسیدہ حالت میں ہے، ابتدائی حصہ نہیں ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ جو شخص کسی عالم کی ادنی توہین یا تحقیر کرے وہ کافر ہے اور حوالہ میں فقہ اکبر کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"و من قال للعالم: عويلم: أى بصيغة التصغير للتحقير كماقيده بقوله: قاصداً به الإستخفاف، كفر"(۲)۔

اس کو دیکھ کر تعجب میں ہوں اور اس پر مختلف علماء کے دستخط ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر کسی عالم دین کی کوئی شخص اہانت کرتا ہے بلا کسی سبب ظاہری اور عداوتِ دنیوی سے تو یہ درحقیقت علم دین کی اہانت ہے، جس کو کفر قرار دیا گیا ہے، اگر اس لئے اہانت کرتا ہے کہ اس کا عمل خلاف شرع ہے یا وہ علم کا

---

(۱) "حدثنا عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كنا عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ ثلاثاً، "الإشراك بالله، و عقوق الوالدين، و شهادة الزور" أو "قول الزور"، وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً فجلس، فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت".

"عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من الكبائر شتم الرجل والديه". قالوا: يا رسول الله! و هل يشتم الرجل والديه؟ قال: "نعم، يسب أبا الرجل فيسب أباه، و يسب أمه فيسب أمه". (الصحيح لمسلم رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب الكبائر واكبرها: ۱/۶۴، قديمى)

"إنها (أى الكبائر) تسعة ......و عقوق الوالدين المسلمين". (شرح العقائد، ص: ۸۲ سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقارى، فصل فى العلم والعلماء، ص: ۱۷۴، قديمى)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فى العلم والعلمآء الخ: ۵/۵۰۸، ادارة القرآن)

مطلب غلط بتا کر گمراہ کرتا ہے یا اس پر کوئی حق واجب الاداء ہے، جس کو وہ ادا نہیں کرتا بلکہ ظلم کرتا ہے وہ علم دین کی اہانت نہیں اس لئے کفر نہیں:

"و فی البزازیة الإستخفاف بالعلماء لکونهم علماء إستخفاف بالعلم، و العلم صفة اللّٰه تعالیٰ منحه فضلاً علی خیار عباده لیدلّوا خَلقه علی شریعته نیابةً عن رسله، فإستخفافه بهذا یعلم أنه إلی من یعود. و من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر اهـ"۔ مجمع الأنهر: ۱/۷۰۳ (۱) بزازیه علی العالمگیریة: ۶/۳۳۶ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

اھانت علماء

سوال[۶۹۲]: کوئی شخص علماء کی شان میں گستاخی کرے اور علماء سے بدعقیدہ ہو تو عندالشرع ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ فقط عبدالرحمٰن، پیش امام محلّہ بیوپاریان، قصبہ اہل ضلع متھرا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

علم دین کی وجہ سے اگر علماء کی توہین وتذلیل کرتا ہے تو یہ کفر ہے، تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے ورنہ فسق ہے، توبہ ضروری ہے۔ فی الشامی: "إهانة أهل العلم کفر علی المختار" فتاویٰ بدیعیة" (۳)۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الکفر أنواع، النوع الرابع فی الاستخفاف بالعلم: ۱/۶۹۵، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) (البزازیه، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثامن فی الإستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۶، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر للقاری رحمه الله تعالیٰ، فصل فی العلم والعلمآء، ص: ۱۷۳، قدیمی)

وفی رد المحتار: "إهانة أهل العلم کفر علی المختار". (کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۷۲، سعید)

(۳)(رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۷۲، سعید)

(وکذا فی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثامن فی الإستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۶، رشیدیه) =

"سباب المسلم فسوق". الحدیث(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/صفر/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/صفر/۵۳ھ۔

کیا استاذ کی توہین کفر ہے؟

سوال[۲۹۷]: اگر کسی نے امام یا والدین یا استاذ کی توہین کی تو کیا اس پر تجدید نکاح کا حکم عالم یا قاضی کو لگانا چاہئے جیسا کہ "فصول عمادی" میں ہے یا کہ نہیں؟ المستفتی: سراج الدین۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

والدین یا استاد کی بلا وجہ شرعی توہین کرنا گناہ ہے مگر کفر نہیں، نہ اس سے ایمان جاتا ہے نہ نکاح ٹوٹتا ہے، لہذا تجدید نکاح بھی واجب نہیں، البتہ اگر کوئی شخص حرام لعینہ کو جس کی حرمت قطعی ہو حلال اعتقاد کرے تو یہ کفر ہے، اس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے:

"و لا نکفر مسلماً بذنبٍ من الذنوب وإن کانت کبيرةً إذا لم يستحلها، و لا نزيل عنه إسم الإيمان و نسميه مؤمناً حقيقةً ، و يجوز أن يكون مؤمناً فاسقاً غير كافر ، أما من استحل معصيةً و قد ثبتت بدليل قطعي، فهو كافر بالله تعالیٰ؛ لأن استحلالها تكذيب بالله ورسوله اهـ". شرح فقه اکبر (۲)۔

"يخاف عليه الكفر إذا قال لفقيه: أی دانشمندک، أو قال لعلوی: أی علویک، لا

= (و كذا في شرح الفقه الأكبر للقاری رحمه الله تعالیٰ، فصل في العلم والعلماء ، ص: ۱۷۳، قديمی)

(و كذا في مجمع الأنهر ، كتاب السير ، باب المرتد، ثم إن الفاظ الكفر أنواع: النوع الرابع في الإستخفاف بالعلم: ۱/ ۶۹۵، دار إحياء التراث العربی)

(۱) (صحيح البخاری ، كتاب الأدب ، باب ماينهى عن السباب واللعن : ۲/۸۹۳، قديمی)

(والصحيح لمسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان قول النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق الخ". ۱/۵۸، قديمی)

(۲) (الفقه الأكبر للإمام الأعظم أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ ، ص: ۷۱، ۷۳، ۷۴، قديمی)

يكفر ما لم يكن قصد الاستخفاف بالدين اهـ". عالم گیری: ۲/ ۲۷۱ (۱)۔

لہذا بلا تفصیل حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الاول/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الاول/ ۶۳ھ۔

استاذ کی گستاخی اور توہین

سوال [۶۹۸]: اپنے استاذ کو ایک شخص نے کہا کہ استاذ کافر ہے مسلمان نہیں، ان کی قرآن خوانی اور نماز کی ادائیگی کا کوئی اعتبار نہیں، دشنام طرازی کے علاوہ مار پیٹ بھی کی۔ یہ شخص اس کے خاندان کا سات پشتوں سے استاذ رہا ہے، خود یہ شخص تارک صلوۃ ہے، ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ اور ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا تعزیر ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

استاذ کا بہت بڑا حق ہے، اس کا احترام لازم ہے، اس کے ساتھ گستاخی کرنا منع ہے، بلا وجہ شرعی کسی

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالعلم والعلماء: ۲/ ۲۷۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثامن في الإستخفاف بالعلم: ۶/ ۳۳۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر الفصل الثاني، الجنس الثامن في استخفاف العلم: ۴/ ۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالىٰ، فصل في العلم والعلماء، ص: ۱۷۴، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء الخ: ۵/ ۵۰۸، إدارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في العلم والعلماء: ۵/ ۵۶۹، غفاريه كوئٹه)

مسلمان کو کافر کہنے سے اس کہنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہتا(۱)۔ بغیر عذر کے جان کر فرض نماز کو ترک کرنا جب کہ قضا پڑھنے کی بھی نیت نہ ہو اور اس پر خوفِ عقاب بھی نہ ہو نہایت خطرناک ہے، حدیث وفقہ میں اس کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے(۲)۔ ایسے شخص کو توبہ کرنا لازم اور استاذ سے معافی مانگنا ضروری ہے، احتیاطاً تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح بھی کر لی جائے(۳)۔ جہاں اسلامی طریقہ پر حدود وقصاص کی تنفیذ نہ ہو سکتی ہو وہاں شرعی سزا نہیں

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قال الرجل لأخيه: يا كافر!، فقد باء به أحدهما". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تاويل فهو كما قال: ۹۰۱/۲، قديمي)

قال الملا علي القاريّ: "و قال الطيبي: لأنه إذا قال القائل لصاحبه: يا كافر مثلاً، فإن صدق رجع إليه كلمة الكفر الصادر منه مقتضاها، و إن كذب واعتقد بطلان دين الإسلام، رجعت إليه هذه الكلمة. و قال النووي: في تأويل الحديث اوجه: أحدها أنه محمول على المستحل لذلك، فعلى هذا معنى: "باء بها": أي بكلمة الكفر: أي رجع عليه الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، الفصل الأول: ۵۶۲/۸، رقم الحديث: ۴۸۱۵، رشيديه)

(۲) "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "بين الرجل و بين الشرك و الكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب إطلاق إسم الكفر اهـ: ۶۱/۱، قديمي)

"و في شرح السنة: اختلف في تكفير تارك الصلوة الفرض عمداً .... قلت: و نعم الرأى رأى أبي حنيفة، إذ الأقوال باقيها ضعيفة، ثم من التأويلات أن يكون مستحلاً لتركها، أو تركها يؤدى إلى الكفر اهـ". (المرقاة، كتاب الصلوة، قبيل الفصل الثاني: ۲۷۲/۲، رقم الحديث: ۵۶۹، رشيديه)

"و يكفر .... بترك الصلوة متعمداً، غير ناوٍ للقضاء و غير خائفٍ من العقاب".

(البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۶/۵، رشيديه)

(۳) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الإحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن)

دی جاسکتی، شرعی سزا کے لئے مسلم بادشاہ اور قوتِ قاہرہ شرط ہے(۱)، البتہ اولاً ایسے آدمی کو نرمی سے سمجھایا جائے، اس سے کام نہ چلے اور ترک تعلق مفید ہو تو ترک تعلق کردیا جائے (۲)۔

تنبیہ: بغیر ثبوت شرعی کسی کی طرف کسی جرم کی نسبت کرنا سخت معصیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۸/۳/۶ھ۔

امام اور استاذ کو خنزیر و منافق کہنا

سوال[۱۹۹]: ایک شخص نے ایک عالم فاضل کو امام مسجد رکھا اور اس کے پیچھے چند سال تک نماز پڑھی ہے، نماز کے علاوہ کچھ اور وظائف کی تعلیم بھی اس سے حاصل کرتا ہے، اس شخص نے اپنے استاذ کو ایک معمولی بات پر خنزیر و منافق وغیرہ کہہ ڈالا اور امامت سے برطرف کردیا، پس ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے استاذ کو ذلیل کرتا ہے شرعاً کیا حکم ہے، اور باقی مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۳) اور منافق وغیرہ کہنا ہرگز جائز نہیں، خاص کر اپنے امام اور استاذ کو

---

(۱) "فيشترط الإمام لإستيفاء الحدود". (رد المحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف اهـ: ۵۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دار الكتب العلمية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه اهـ: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۱۳۳/۳، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، و لا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر و التقاطع اهـ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(۳) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

ایسے الفاظ کہنا حد درجہ بے غیرتی اور محرومی کی دلیل ہے، اس لئے واجب ہے کہ امام سے ان الفاظ کی معافی طلب کرے اور آئندہ توبہ کرے اور عہد کرے کہ کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گا، خاص کر اپنے استاذ کی شان میں اور سب کو چاہئے کہ اسے سمجھا دیں کہ تم اپنے استاد سے معافی مانگ لو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ 2

حررہ العبد محمود غفرلہ جامع العلوم کانپور۔

استخفافِ علماء

سوال[۷۰۰]: علمائے دین سے استہزاء کرنے اور تحقیر کرنے سے کیا حکم شرعی لازم آتا ہے اور مستہزی حدِ تکفیر تک پہونچ جائے گا یا فاسق ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

علمائے دین سے استہزاو تحقیر اگر ان کے علم دین کی وجہ سے ہے تو کفر ہے اور اگر کسی اَور وجہ سے بغیر حقِ شرعی ہے تو سخت گناہ اور فسق ہے اور ایسی صورت میں تعزیر شرعی لازم ہوتی ہے:

"و لو قال للفقيه: دانشمندک، إن لـم يكن قصده الإستخفاف بالدين لا يكفر، وإن كان، يكفر". خلاصة الفتاوى: ٣٨٨/٤ (١)۔ "سباب المسلم فسوق" رواه مسلم: ٥٨/١ (٢)۔

"وكل من ارتكب منكراً أو أذى مسلماً بغير حق بقول أو فعل أو إشارة يلزمه التعزير" كذا في الشامي: ٢٥٥/٣ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثامن في استخفاف العلم والعلماء: ٣٨٨/٤، رشيديه)

(تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا استاذ کی توہین کفر ہے")

(٢) (الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق الخ": ٥٨/١، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ٨٩٣/٢، قديمی)

(٣) (كتاب الحدود، باب التعزير: ٦٢/٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٤١/٥، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، فصل في التعزير: ١٦٨/٢، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سعید احمد غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

علمائے دین کو گالی دینا

سوال [۷۰۱]: اگر کوئی مسلمان کسی عالم شریعت کو گالی دے یا دشمنی کے طور پر تمام علمائے دین کو گالی دے جیسے کہ کہے ''علماء دین کے اندر بہت شر ہے'' یا یہ کہے کہ ''علماء بہت بدمعاش ہیں''۔ تو ایسے آدمی کو شریعت کیا حکم دیتی ہے، آیا کافر یا فاسق یا منافق؟ کوئی آدمی اگر کسی امام کو ناجائز طور پر گالی دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گالی دینا معمولی مسلم کو بھی درست نہیں بلکہ فسق ہے: "سباب المسلم فسوق" الحدیث (۱)۔ علمائے حق کو اگر کسی ذاتی مخاصمت وغیرہ کی وجہ سے گالی نہیں دیتا، بلکہ علمائے حق ہونے کی وجہ سے گالی دیتا ہے تو ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے (۲)۔ سوء خاتمہ کا قوی خطرہ ہے اس کو توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۲ھ۔

عالم سے بغض رکھنا

سوال [۷۰۲]: اگر کسی شخص نے بسبب عداوت دینی یا دنیاوی کسی عالم متدین کو اہانۃً وحقارۃً گالی دی اور خوب نالائق کہا تو گالی دینے والے پر کفر لازم آئے گا یا نہیں؟ اور اس کی زوجہ مطلقہ بائنہ ہوگی یا نہیں؟ چونکہ فتوی نور الہدی، ص: ۱۴۵ میں لکھا ہے:

"من شنع لعلماء الحنفية أو لأهل العلم أو لطلبته أو أطلق فيه كلمة كناية من شنع و الإحتقار صار كافراً۔ و أيضاً فيه: من رفع صوته على صوت العالم أو طالب العلم بوجه

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله: ۱/۱۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق الخ": ۱/۵۸، قديمي)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''کیا استاذ کی توہین کفر ہے؟'')

الإحتقار والإستخفاف طلقت إمرأته بائناً". تو اس کا کیا حکم ہے؟فبینوا بالتفصیل عند علماء الحنفیۃ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

کسی عالم کو اگر گالی دی ہے تو وہ یا تو کسی ذاتی مخاصمت کی بنا پر دی ہے یا علمِ دین سے عداوت کی بنا پر۔ اول صورت میں گالی دینا فسق ہے، حدیث شریف میں آتا ہے:

"عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر". متفق علیہ" (۱) مشکوۃ شریف، ص: ٤١١ (۲)۔

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، جب عام مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے تو علماء کو گالی دینا کچھ اس سے زیادہ ہی ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں گالی دینا نفاق کی علامت بتلایا ہے:

"عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "أربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا : إذا اؤ تمن خان، و إذاحدث کذب، و إذا عاھد غدر، و إذا خاصم فجر" متفق علیہ". (۳) مشکوۃ شریف، ص:١٧ (٤)۔

اگر علمِ دین سے عداوت کی بنا پر گالی دی ہے تو یہ نہایت خطرناک ہے اس سے ایمان جاتا رہتا ہے، اس

---

(۱) (صحیح البخاری ، کتاب الأدب ، باب ما ینھی عن السباب واللعن : ۸۹۳/۲، قدیمی)

(والصحیح لمسلم ، کتاب الإیمان ، باب بیان قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "سباب المسلم فسوق الخ" : ۵۸/۱، قدیمی)

(۲)(مشکوۃ المصابیح ، کتاب الآداب ، باب حفظ اللسان والغیبۃ اھـ ، الفصل الأول، ص: ۴۱۱،قدیمی)

(۳) (صحیح البخاری ، کتاب الإیمان ، باب علامۃ المنافق : ۱۰/۱ ، قدیمی)

(والصحیح لمسلم ، کتاب الإیمان ، باب خصال المنافق : ۵۶/۱، قدیمی)

(۴) (مشکوۃ المصابیح ، کتاب الإیمان ، باب الکبائر وعلامات النفاق، ص:۱۷، قدیمی)

لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان صفت ہے، جب علم سے عداوت ہوئی تو خدا تعالیٰ کی اس صفت سے عداوت ہوئی۔

"و فی البزازیة: ۲/۲۷۰ (۱): "فالاستخفاف بالعلمآء لکونهم علماء إستخفاف بالعلم، والعلم صفة الله تعالیٰ منحه فضلاً علی خیار عباده، لیدلوا خَلقه علی شریعته نیابةً عن رسله، فإستخفافه بهذا یعلم أنه إلیٰ من یعود". مجمع الأنهر: ۱/۷۰۳ (۲)۔

اگر بلا وجہ گالی دیتا ہے اور عالم سے بغض رکھتا ہے تو اس میں خوف کفر ہے:

"من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر، و یخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً أو فقیهاً من غیر سبب اهـ". عالم گیری: ۲/۲۷۰ (۳)۔

اگر عالم سے بلا وجہ اذیت پہونچی ہے تو اس عالم کے ذمہ معافی چاہنا واجب ہے اور اگر اس عالم میں کچھ اوصافِ قبیحہ ہیں ان کی وجہ سے بغض ہے تو ایسی حالت میں ان اوصاف سے بغض رکھنا چاہئے اور جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے اس کو خیر خواہی سے نصیحت کی جائے اور دعاء کی جائے کہ اللہ پاک اس کی اصلاح کرے اور کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور ذلیل سمجھنا جائز نہیں، البتہ معاصی سے بغض رکھنا اور پرہیز کرنا واجب ہے۔ جب کوئی شخص کسی وجہ سے کافر ہو جائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی عورت بائنہ ہو جاتی ہے، (قال الزیلعی رحمه الله تعالیٰ): "وارتداد أحدهما (أی الزوجین) فسخ فی

---

(۱) (وکذا فی البزازیة کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثامن فی الإستخفاف بالعلم اهـ: ۶/۳۳۶، رشیدیه)

(۲) مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب المرتد، ثم إن الفاظ الکفر أنواع: النوع الرابع فی الإستخفاف بالعلم: ۱/۶۹۵، دار إحیاء التراث العربی)

(و فی رد المحتار: "إهانة أهل العلم کفر علی المختار". (کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۷۲، سعید)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر للقاری رحمه الله تعالیٰ، فصل فی العلم والعلمآء، ص: ۱۷۳، قدیمی)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، و منها ما یتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۰، رشیدیه)

الحال اھ". زیلعی: ۱۷۸/۲ (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

علماء کو برا کہنا

سوال[۷۰۳]: علماء کرام کو برا بھلا کہنا، ان کی شان میں گستاخیاں کرنا، ان کی تضحیک وتذلیل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ شریعت اللہ، بہار شریف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عالم دین ہونے کی وجہ سے ان کو برا کہنا، گستاخی کرنا نہایت خطرناک ہے، سخت قسم کا جرم ہے(۲)۔ اگر کوئی بد معاملگی ہوئی یا ذاتی نفسانی دشمنی سے یا کسی عالم دین کو گمراہی اور فسق و فجور میں مبتلا دیکھا اس کی وجہ سے اس کو برا کہتا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں اگرچہ برا کہنا کسی کو بھی نہیں چاہیے، سخت سے سخت گنہ گار کو بھی برا کہنے سے کیا فائدہ؟ اس کی اصلاح نصیحت، خیر خواہی سے کی جائے تو فائدہ بھی ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مقرر عالم کی توہین

سوال[۷۰۴]: ایک مولانا صاحب ایک جلسہ میں تقریر فرمارہے تھے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں، اس جملہ کو زید نے سن کر برجستہ کہا کہ "نور، نور، نور کہتے ہو، نور نہیں موئے زیر ناف ہیں"۔معلوم ہوا کہ زید کا یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب نہیں بلکہ طنزاً مقرر کی جانب ہے جب کہ زید عالم دین بھی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسا نہیں کہا بلکہ تقریر کرنے والے

---

(۱) (تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲۲۲/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۱۹۳/۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳۷۳/۳، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کیا استاذ کی توہین کفر ہے")

مولانا صاحب کو بطور تشبیہ ایسا کہا ہے تب بھی یہ سخت بات ہے(۱)، کسی بھی اشرف المخلوقات کی ایسی چیز سے تشبیہ دینا درست نہیں ہے جو کہ عوام کے نزدیک نہایت حقیر چیز ہو۔ خاص کر مجمع عام میں کثرت عوام کی ہوتی ہے اور پھر مولانا صاحب جو کہ مزید واجب الاحترام ہیں اور تشبیہ دینا بھی ایسے موقع پر جب کہ وہ تقریر کر رہے ہیں اور تقریر میں بھی ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے جس سے سننے والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید تشبیہ کا رخ دوسری طرف ہو اور اس کا ایہام ہر ایک کو ہوتا ہے، اس لئے زید کو معذرت کرنا چاہئے اور اپنی مراد واضح کر کے ایہام وشبہ دور کر دینا چاہئے اور آئندہ پورے طور سے محتاط رہنا چاہئے۔

جب کہ زید کی تشبیہ کا رخ وہ بھی نہیں ہے جس کا ایہام ہوتا ہے تو دوسرے لوگوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، زید معذرت کردے دوسرے لوگ خاموشی اختیار کریں، بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے کہ اس میں فتنہ شدید ہے، خدا جانے کہاں تک نوبت پہونچے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۵ھ۔

امام کو برا کہہ کر نکال دینا

سوال[۷۰۵]: یہاں پر ایک چھوٹی سی بستی ہے کل ۲۴ گھر ہیں جس میں سے سات گھر بہت خلاف ہیں، یہاں پر ایک چھوٹی بستی کے حساب سے ایک پرانے وقتوں کی مسجد ہے جس کے پندرہ گھر تو خوب دل و جان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جو بھی پیش امام لاکر رکھتے ہیں دوسرے لوگ اس کو برا بھلا کہہ کر نکال دیتے ہیں۔ یہ سات گھر نہ تو امام رہنے دیتے ہیں نہ اس کی تنخواہ دیتے ہیں، اب اس وقت امام کی تنخواہ تین ماہ کی چڑھ رہی ہے اور ملا ان سے کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز تو کم از کم پڑھ لیا کرو تو کہتے ہیں کہ کوئی پابندی ہم پر نہیں ایسا لکھا نہیں کہ نماز پڑھو ہماری مرضی ہے پڑھیں یا نہ پڑھیں اور شرک وکفر تو ان کے لئے بہت اچھا لگتا ہے، بھجن گانا، دیوی ماتا کو پوجنا، ہولی پر ڈھب بجانا، میلہ میں جانا، ایسی باتوں کو ملا روکتا ہے تو ملا کی تنخواہ میں رکاوٹ کر کے، آپس میں پھوٹ ڈال کر، آدمیوں کو بہکا کر کے ملا کو پیسے نہیں ملیں گے تو بھاگ جائیگا، اس طرح یہاں سے چار پانچ ملا چلے گئے۔

ہم پندرہ گھر ہی ان کو پیسے دیکر رکھا کرتے ہیں تاکہ رمضان شریف میں تراویح اور عید کی نماز ہوجائے،

---

(۱)(تقدم تخریجه تحت عنوان "کیا استاد کی توہین کفر ہے؟")

ہم نے دو چار لوگوں سے ان کے بارے میں بات چیت کی، ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے، انہوں نے ہم سے کہا کہ ان لوگوں کا حوالہ اور نام لکھوا کر دیوبند بھیجو ان کے نام فتویٰ بھیج دیں گے شریعت کے مطابق، ہم ان کو سنا دیں گے تو شاید ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور خدا کو پہچانیں اور ایمان لے آویں تو اچھا ہے ورنہ ان لوگوں کا حقہ پانی بند کر دیں گے۔

نہ ان کے یہاں درود و فاتحہ ہوتی ہے سب کام ہندوؤں کے کرتے ہیں۔ دو آدمی سب سے زیادہ خراب ہیں، ایک فہد، ایک سفیرا، یہ دو آدمی ایسے ہیں کہ انہوں نے ۹ ملا بھگا دیئے، یہ دو آدمی پانچ گھر تیلی کے ہیں، ان کو بہکا کر اپنی طرف مائل کر کے ملا کی تنخواہ رکوا کر پھوٹ کرتے ہیں، مسجد کو ویران کر دیتے ہیں۔ ہم ۱۰ آدمیوں کے بس کی بات تو ہے نہیں جو ملا کو رکھ سکیں، چھوٹی سی بستی ہے، ہمارے لئے ایسے آدمیوں کے لئے موافق شرع فتویٰ دیدیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، ہماری مسجد میں چراغ بتی و عید و تراویح رمضان ہو جاوے گی، یہ اسلام کی بات ہے، آپ کی تعریف سن کر آپ کا سہارا لیا ہے۔

ہم جاہلوں کو راستہ بتانا آدھا کام عمل کرنا ہمارا کام ہے۔ یہ سات گھر کے آدمی ہیں فہد، سفیرا، جھوٹیا، مداری، سبحان، بنور پیا، کڑوے آدمی ہیں، ۵ گھر تیلیوں کے ہیں، ایک لوہار کا، ایک شیخ کا، ہم ان پانچوں آدمیوں کے لئے آپ سے فتویٰ چاہتے ہیں، ان کی آنکھیں کھولدیں، آپ کے لئے ہم اللہ سے دعا مانگتے رہیں گے۔ ہماری مسجد آباد رہے گی تو خدا ہم کو بھی آباد رکھے گا، یہاں پر عید کی نماز ہو جاوے گی، یہ سات گھر بہت جاہل ہیں، ایک کتاب دیدیں تو مہربانی ہوگی۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو لوگ امام کو برا بھلا کہتے ہیں تا کہ وہ تنگ آ کر چلا جائے اور مسجد ویران ہو جائے وہ بڑے ظالم گناہ گار ہیں (۱)، ان کو توبہ کرنا امام سے معافی مانگنا ضروری ہے اور دیوی ماتا کے پوجنے سے تو ایمان ہی جاتا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ : ﴿و من أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه، و سعی فی خرابها، أولئک ما کان لهم أن یدخلوها إلا خائفین، لهم فی الدنیا خزی و لهم فی الآخرة عذاب عظیم﴾ (البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ تحتها : " و ظاهر الآیة العموم فی کل مانع و فی کل مسجد، و خصوص السبب (سبب النزول) لا یمنعه .... (وسعی فی خرابها) بتکدیرها بالتعصبات =

رہتا ہے(۱)، ان کو کلمہ پڑھ کر نئے سرے سے مسلمان کیا جائے اور ان کے نکاح بھی دوبارہ پڑھائے جائیں(۲)، ورنہ یہاں بھی وبال ہے اوران کے لئے آخرت میں بھی جہنم ہے، بہتر یہ ہے کہ کسی عالم دین کے ذریعہ سے ان کو سمجھایا جائے، اگر نہ مانیں اوراپنی ضد پر قائم رہیں تو ان سے ترک تعلق کردیا جائے، بول چال بند کردی جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۷ھ۔

طالب علم کو گالی دینا

سوال[۷۰۶]: اگرکوئی شخص کسی طالب علم کو گالی دے اور بے عزت کرے اس کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگرکوئی علم دین حاصل کرنے والے طالب علم کو گالی دے اوراہانت کرے بغیر کسی قصور کے محض علم دین

= و غلبة الهوى، و منع أهلها بتهييج الفتن اللازمة لتجاذب قوى النفس، و دواعى الشيطان والوهم ....(لهم فى الدنيا خزى) و افتضاح و ذلة بظهور بطلان ما هم عليه (ولهم فى الآخرة عذاب عظيم) و احتجابهم عن الحق سبحانه". (روح المعانى : ۱/۳۶۳، ۳۶۵، دار إحياء التراث العربى)

(۱) "و عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". رواه الترمذى". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء الخ، ص: ۲۸۱، قديمى)

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ تحت آية البقرة رقمها : ۳۴: "إن السجود الشرعى عبادة، و عبادة غيره سبحانه وتعالىٰ شرك محرّم فى جميع الأديان والأزمان، و لا أراها حلت فى عصر من الأعصار ". (روح المعانى : ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربى)

و فى شرح الفقه الأكبر للقارى رحمه الله تعالىٰ: "و فى الخلاصة : و من سجد لهم إن أراد به التعظيم كتعظيم الله سبحانه و تعالىٰ، كفر". (أواخر فصل فى الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ۱۹۳، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فى البيع : ۸/۳۶۴، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه فى مواضع عديدة منها عنوان "تجدید ایمان اورتجدید نکاح کی کب ضرورت ہوتی ہے")

کا طالب علم ہونے کی بنا پر تو نہایت خطرناک ہے اس سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے، کیونکہ یہ علم دین کی تحقیر وتذلیل ہے۔

اگر اس طالب علم میں کچھ اخلاق واعمال خلاف شرع ہیں اور ان کو ناگواری کی بنا پر گالی دے تو اس کا یہ حکم نہیں (۱) اس سے ایمان برباد نہیں ہوگا لیکن گالی دینا اس وقت بھی درست نہیں، ہاں اصلاح ضروری ہے اور اس کا طریقہ گالی دینا نہیں، بلکہ نرمی وشفقت سے نصیحت کرنا ہے یا اس کے اکابر تک اس کی بداخلاقی اور بداعمالی کو پہونچا دینا ہے تاکہ وہ مناسب طریق پر اصلاح کرے اور طالب علم کو علم دین کے احترام کی خاطر ہر قسم کی بداخلاقی اور بداعمالی سے بچانا نسبۃً زیادہ ضروری ہے کہ اس سے نہ علم دین آتا ہے اور نہ دنیا وآخرت میں عزت حاصل ہوتی ہے، بلکہ طبقۂ علماء پر بدنامی آتی ہے اور لوگ علم دین سے بدظن ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کو علم دین سے محروم رکھتے ہیں جس کا سبب طالب علم کی بداخلاقی اور بداعمالی بنتی ہے، حق تعالیٰ اخلاق فاضلہ واعمال صالحہ سے مزین فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

تعویذ کی توہین

سوال[۷۰۷]: زید نے اپنے بچے کے واسطے ایک چاندی کا تعویذ بنوایا ہے جس پر تسمیہ اور چند دعائیہ

---

(۱) "و من أبغض ، وفي الذخيرة: و من شتم عالماً، أو فقيهاً من غير سبب، خيف عليه الكفر".

(التاتارخانية ، كتاب ألفاظ الكفر، فصل في العلم والعلمآء : ۵/۵۰۸، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب : موجبات الكفر، ومنها ما يتعلق بالعلم والعلمآء : ۲/۲۷۰، رشيديه)

"قال حدثني عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق". الحديث (صحيح البخاري ، كتاب الإيمان ، باب خوف المؤمن اهـ : ۱/۱۲ ،قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ : "فسوق" لأن شتمه بغير حق حرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب ، باب حفظ اللسان ، الفصل الأول : ۸/۵۶۱، رقم الحديث : ۴۸۱۴، رشيديه)

کلمات تھے، بکر نے زید سے تعویذ کے بارے میں کہا کہ یہ سب فضول ہے، اس پر زید نے برجستہ کہا کہ ''میں تو اس کو موئے زیر ناف کے برابر بھی نہیں سمجھتا ہوں''۔ ان کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

سوال واضح نہیں ہے، زید خود ہی تعویذ بنواتا ہے خود ہی اس کو ایسی چیز سے تشبیہ دیتا ہے، اگر واقعی وہ ایسا ہی سمجھتا ہے تو پھر کس لئے بنواتا ہے، اس تضاد کی تشریح زید سے طلب کی جائے تو کچھ مطلب نکلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۵ھ۔

مسئلہ شرعیہ کی توہین

سوال [۷۰۸] : بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تقریباً بارہ برس ہوئے کہ زید ولد بکر امام مسجد نے کہا کہ میرے باپ میرے اوپر اس وجہ سے ناراض ہوگئے کہ میں نے اپنی بیوی کو پردہ شرعی دیا تھا اور یہ کہا کہ ''تیرے شرع پر بول کرتا ہوں'' مگر بکر کہتا ہے کہ یہ محض بہتان ہے، میں نے ہرگز ایسا کلمہ بیہودہ نہیں بکا اور ایسے ہی اس کا لڑکا زید بھی کہتا ہے میں نے ہرگز کسی سے یہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی میرے باپ نے یہ کہا ہے، محض بہتان ہے اور ہمارا اب بھی پردہ ہے اور پھر لوگوں کے شور برپا ہونے کی وجہ سے وہ بیچارہ بکر امام مسجد کہتا ہے کہ بھائی میں نے ہر چند یہ بکواس کہا تو نہیں مگر اگر بفرض محال میں نے یہ کہا ہو تو میری توبہ ہے۔

اب عرض ہے کہ ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور اس کے پیچھے ہرگز نماز درست نہیں، جس نے اس کے پیچھے نماز پڑھی وہ بھی کافر ہے، نکاح اس کا ٹوٹ گیا اور بکر کے خاندان میں سے کسی کی توبہ قبول نہیں، سب مجرم ہیں۔ آیا ایسی شہادت معتبر ہے اور بکر واقعی کافر ہوگیا اور اس کی توبہ واقعی قبول نہیں ہوسکتی اور ایسے ہی اس کے خاندان کی بھی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے واقعی کافر ہوگئے یا نہیں؟ اور ایسے مفتی صاحب کا کیا حکم ہے؟ ہمارے گاؤں میں بڑا شور ہے، جلدی جواب دیجئے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر امام مسجد نے یہ کلمہ نہیں کہا اور نہ اس کے بیٹے نے نقل کیا تو ہر دو پر بہتان ہے جو کہ سخت گناہ ہے،

بہتان لگانے والوں کے ذمہ لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور امام اور اس کے بیٹے سے معافی چاہیں۔ اگر واقعۃً یہ کلمہ کہا ہے تو خود امام کے ذمہ توبہ لازم ہے(۱) اور توبہ کے ساتھ تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی کریں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں وہ غلط کہتا ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے:

﴿و من یعمل سوءًا أو یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفوراً رحیماً﴾(۲)۔

﴿وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفو عن السیئات﴾(۳)۔

اور یہ کہنا کہ اس کے خاندان میں سے کسی کی توبہ قبول نہیں، سخت ترین جہالت اور حماقت ہے، ایسے کلمات سے توبہ ضروری ہے اور آئندہ ایسے مفتی کو مسئلہ نہیں بتانا چاہئے تاوقتیکہ اہل حق علماء سے اس کی پوری تحقیق نہ کرلی ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف۔

فتوی کی توہین

سوال[۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، اگر کوئی کہے کہ میں فتوی پر پیشاب کرتا ہوں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کہنے والا ناسمجھ بچہ ہے یا مجنون ہے یا بیہوش ومفقود العقل ہے تو ان الفاظ کے کہنے سے وہ ایمان سے

---

(۱) چونکہ مسائل شرعیہ ضروریہ کی توہین پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کفر کا حکم تجویز کیا ہے اس لئے اس کے مرتکب پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے۔

"و فی التتمۃ: من أھان الشریعۃ أو المسائل التی لا بد منھا، کفر". (شرح الفقہ الأکبر، فصل فی العلم و العلمآء، ص: ۱۷۴، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الجھاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، ۲۲۳، سعید)

(۲)(سورۃ النسآء: ۱۱۰)

(۳) (سورۃ الشوری: ۲۵)

خارج نہیں ہوا۔ فتاوی عالمگیری: ۴/۸۷۶ میں ہے:

"و شرائط صحتها (أی الردة) العقل فلا یصح ردة المجنون، ولا الصبی الذی لا یعقل، و كذا لا یصح ردة السكران الذاهب العقل"(۱)۔

ایسے ہی اگر فتوی میں خلاف شرع حکم ہے مثلاً: تحریم حلال ہے یا تحلیل حرام ہے تب بھی اس لفظ کے کہنے سے کوئی ایمان سے خارج نہیں ہوا، اگر کہنے والا سمجھدار ہے اور فتویٰ موافق شرع ہے تو اس لفظ کے کہنے والے کو تجدید ایمان وتجدید نکاح کی ضرورت ہے، کیونکہ اس لفظ کا کہنے والا شرعاً کافر ہو جاتا ہے:

"رجل رجع من مجلس العلم، فقال له رجل آخر: "**از كنشت آمدة**" يكفر، وكذالو قال: **مرا با مجلس علم چه كار**" أو قال: من يقدر على أداء ما يقولون، أو ألقى الفتوىٰ على الأرض و قال: "**چه شرع است اين**" أو "**چه بار نامه فتوى آوردى**" يكفر"۔ خلاصة الفتاوىٰ (۲)۔

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فی أحكام المرتدين: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا البحر الرائق، كتاب السير، قبيل باب البغاة: ۵/۲۳۳، ۲۳۴ رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل ارتداد الصبی والسكران الخ: ۵/۵۵۵، ۵۵۶، إدارة القرآن)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب المرتدين: ۴/۱۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۴، سعيد كراچی)

(وكذا في المحيط البرهانی، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر قبل نوع في تصرفات المرتد والمرتدة: ۵/۵۹۰، غفاريه كوئٹه)

(۲) (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثانی، الجنس الثامن في استخفاف العلم والعلمآء: ۴/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثانی، النوع الثامن في الإستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۷، رشيديه)

(والتاتارخانية، كتاب ألفاظ الكفر، فصل فی العلم والعلمآء: ۵/۵۰۷، ۵۰۹، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فی أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر، و منها ما يتعلق بالعلم والعلمآء: ۲/۲۷۰، ۲۷۲ رشيديه) .... =

"وارتداد أحدهما: أی الزوجين فسخ عاجل"۔ در مختار هامش شامی (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ، عبداللطیف، ۱۷/محرم الحرام/۵۱ھ۔

داڑھی کی توہین

سوال[۷۱۰]: داڑھی منڈانا اور داڑھی والوں کی توہین کرنا مثلاً: "گالوں پر کوڑا ہے، جنگل ہے"، ایسے الفاظ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

داڑھی کا منڈوانا ناجائز اور اس کا مذاق اڑانا سخت خطرناک امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کا مذاق ہے، اگر اس نیت سے مذاق اڑایا جاتا ہے تو کفر ہے:

"رجل قال لآخر: إحلق رأسك و قلّم أظفارك، فإن هذه سنة، فقال: لا أفعل و إن كان سنةً، فهذا كفر؛ لأنه قال على سبيل الإنكار و الرد، وكذا في سائر السنن خصوصاً في سنة هي معروفة و ثبوتها بالتواتر اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۷۰۰ (۲)۔

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في العلم والعلماء: ۵/۵۶۹، ۵۷۰، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/۶۶۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۱/۳۳۹، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم ان الفاظ الكفر أنواع، الثاني في الأنبياء عليهم السلام: ۱/۶۹۲، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون اسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، =

"یحرم علی الرجل قطع لحیته اهـ" در مختار (۱)۔

"و قص اللحیة من صنیع الأعاجم و هو الیوم شعار کثیر من أهل الشرك و عبدة الأوثان کالأفرنج والهنود و من لا خلاق لهم فی الدین من الفرقة المسوّمة بالقلندریة فی زمننا اهـ". مرقاة المفاتیح (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/صفر/۵۹ھ۔

"داڑھی کے بال اکھاڑ کر پیشاب کروں گی" کہنے والی عورت کا حکم اور سزا

سوال[۱۱۷]: عبدالغفار کی چچی اہلیہ نظر محمد نے عبدالغفار سے کہا کہ "تمہاری داڑھی کے بال اکھاڑ کر میں پیشاب کروں گی"۔ ایک مرتبہ اہلیہ عبدالغفار کو کہا کہ خواجہ غریب نواز سے ایسا ویسا کروا کر آغوش بھروا نے گئی تھی، ایسی عورت کس جرم کی مرتکب ہے اور کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو الفاظ درج سوال ہیں وہ شرعاً نہایت سخت ہیں (۳)، ان پر سزا دینے کی قوت نہیں، شوہر خود ایسی

= النوع الثالث فی الأنبیاء علیهم السلام: ۳۲۸/۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب ألفاظ الکفر، فصل فیما یعود إلی الأنبیاء علیهم السلام : ۴۸۲/۵، إدارة القرآن)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب السیر، فصل فی مسائل المرتدین، نوع فیما یعود إلی الأنبیاء علیهم السلام: ۱۲۱/۵ غفاریه کوئٹه)

و فی مالابد منه :"اگر کسے گفت: ناخن تراشیدن سنت است، ودیگرے گفت: اگر سنت باشد نمی کنم، کافر شود، و اگر گوید: سنت چہ کار آید، کافر شود". (باب کلمات الکفر، ص: ۱۲۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۱) (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۴۰۷/۶، سعید کراچی)

(۲) (مرقاة المفاتیح فی شرح المشکوة، کتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول: ۹۱/۲، مکتبه رشیدیه)

(۳) "و فی التتمة : من أهان الشریعة أو المسائل التی لا بد منها، کفر". (شرح الفقه الأکبر، فصل فی =

عورت سے تعلق کم کردے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھائے، اس کے ساتھ سلام کلام بند کردے، ساتھ رہنا سہنا ترک کردے یہاں تک کہ جس کو یہ کہا ہے اس سے معافی مانگے، توبہ کرے(۱)۔ پس اتنی ہی سزا اصلاح کے لئے کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

پگڑی کی اہانت

سوال[۷۱۲]: ایک مولوی صاحب سر پر پگڑی باندھنے سے ایک بڑے سور کی طرح لگتے ہیں، اس کے جواب میں، میں بول اٹھا ''پگڑی کی اہانت کرنا بہت بری بات ہے، اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک پسندیدہ چیز ہے، آپ اسے استعمال کرتے تھے، ہر مسلمان کو استعمال کرنا چاہئے، تم اسے استعمال کرنے سے نہیں روک سکتے ہو، لیکن اہانت نہ کرو، اس مولوی صاحب کے ساتھ اگر تمہیں شخصی عداوت ہے تو

= العلم والعلماء، ص: ۱۷۴، قدیمی)

و فیہ فی فصل فی القرأة والصلوة: ''من استخف بالقرآن أو بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع، کفر''. (ص: ۱۶۷)

و فی مجمع الأنهر: ''من استخف بسنة أو حدیث من أحادیثه علیه السلام .... کفر''. (کتاب السیر، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الکفر أنواع، الثانی فی الأنبیاء علیهم السلام: ۶۹۲/۱، دار إحیاء التراث العربی)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الرابع فی الایمان دارالاسلام: ۳۲۸/۶، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن، فإن أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً، إن الله کان علیاً کبیراً﴾. (النسآء: ۳۴)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: ''وقیل: المراد: اهجروهن فی الفراش بأن تولوهن ظهورکم فیه، و لا تلتفتوا إلیهن، و روی ذلک عن أبی جعفر رضی الله تعالیٰ عنه، ولعله کنایة أیضاً عن ترک الجماع''. (روح المعانی: ۲۵/۵، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

اسے گالی دے سکتے ہو، مار سکتے ہو، پگڑی کی طرف دیکھ کر اہانت مت کرو، گالی مت دو''۔ اس کے جواب میں اَور ایک شخص بول اٹھا'' پگڑی استعمال نہ کرنے سے ویسا کچھ نفع ضروری نہیں، یہاں تک کہ تم کیا جانتے ہو، مولانا ابوبکر صاحب کی طرح پیر بزرگ شخص چاہیے''۔ اس کہنے کے بعد میں نے لا حول و لا قوۃ کہا اور پھر کہا کہ تمہارا کلمہ یعنی نکاح دوہرانا ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ شخص بے زوجہ ہیں، عمر۳۲/ سال سے کم نہیں، انجام کار گفتگو طول کھینچ رہی ہے، دیکھ کر میں نے کہا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بغیر عمامہ امامت کرنا بھی مکروہ ہے۔ مسجد کے وہ مولوی صاحب اس وقت تک ایک قسم چپ رہے، میرے اس جملہ بولنے کے بعد از حد غصہ ہوگئے، اسلئے کہ وہ مسجد کے امام صاحب ہیں اور مجھ سے فتویٰ طلب کیا، بار بار تاکید کر کے مجھ سے بولا کہ آپ کو اس کا فتوی دینا ہوگا، میں نے کہا دونگا اور کہا طلب کیا ہے۔ اب گزارش خدمت میں یہ ہے کہ از روئے بندہ نوازی کہ مخاطبت مذکورہ کے ہر مہتم بالشان یعنی اجزاء مخططہ کا بحیثیتِ شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر سور کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود عمامہ مسنونہ کا استخفاف ہے تو یہ موجب کفر ہے:

"قد كفّر الحنفية من التقبيح بسنيته كمن استقبح من إنسان آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه أو استقبح منه إحفاء شاربه اهـ". شامی: ۱/ ۱۴۶(۱)۔

اور اگر ان مولوی صاحب کی تذلیل مولوی اور عالم دین ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ بھی کفر کی بات ہے:

"والاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم ، والعلم صفة الله تعالىٰ منحه فضلاً على خيار عباده ليدلّوا خلقه على شريعته نيابةً عن رسله، فاستخفافه بهذا يعلم أنه إلى من يعود اهـ". فتاوی بزازیہ: ۳/ ۳۳۶ (۲)۔

---

(۱) (رد المحتار ، كتاب الجهاد ، باب المرتد : ۴/ ۲۲۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/ ۲۰۲، رشيديه)

(۲) (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ الكفر ، الفصل الثاني، النوع الثامن في استخفاف العلم والعلمآء : ۶/ ۳۳۶، رشيديه)

2 وإذا قال لرجل ملصح :" دیدارِوے نزدِمن چنانست کہ دیدار خوک"(١) یخاف علیه الکفراھ، کذا فی الخلاصة اھ". عالم گیری: ٢/ ٤٧٠ (٢)۔

اگر نہ سنت کی تذلیل مقصود، نہ ان مولوی صاحب کی مولوی ہونے کی وجہ سے تذلیل مقصود ہے، بلکہ کسی ذاتی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے ایسا کہا تو یہ موجب کفر نہیں:"و شتم العالم أو العلوی لأمر غیر صالح فی ذاته و عداوته لخلافه الشرع، لایکون کفراً و خطأً اھ". بزازیة:٣/٣٣٧(٣)۔

یہ تفصیل تو پہلے خط کشیدہ عبارت کے متعلق ہے، تیسری عبارت یعنی بغیر عمامہ کراہت امامت میں کوئی شے کفر کی نہیں، عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل و مستحب ہے، اور بلا عمامہ بھی مکروہ نہیں بلا کراہت درست ہے، البتہ جس جگہ عمامہ کا رواج اس قدر ہو کہ بغیر عمامہ کسی معزز مجلس میں نہ جاتے ہوں تو وہاں بلا عمامہ نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے اور اس میں امام اور مقتدی سب کا ایک حکم ہے۔ کذا فی نفع المفتی والسائل(٤)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

صحیح :عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، یکم/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

---

(١) "خوک" بمعنی خنزیر، کمافی هامش الفتاوی العالمکیریة: ٢/ ٢٧٠، رشیدیه)

(٢)(الفتاوی العالمکیریة ، کتاب السیر، موجبات الکفر : و منها ما یتعلق بالعلم : ٢/ ٢٧٠، رشیدیه)

(و کذا فی الخلاصة، کتاب ألفاظ الکفر، الفصل الثانی، الجنس الثامن فی استخفاف العلم: ٤/ ٣٨٨، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة ، کتاب ألفاظ الکفر، فصل فی العلم والعلمآء : ٥/ ٥١٠، إدارة القرآن)

(و کذا فی المحیط البرهانی ،کتاب السیر، فصل فی مسائل المرتدین،نوع فی العلم: ٥/ ٥٧٠، غفاریه)

(٣) (الفتاوی البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً ، الفصل الثانی، النوع الثامن: ٦/ ٣٣٧، رشیدیه)

(٤) "وقد سئلت غیر مرة عن الصلاة بغیر عمامة، هل تکره کما هو المشهور بین العوام؟ فتجسسته فی کتب الفقه، فلم أجد سوی قولهم: "المستحب أن یصلی فی ثلاثة أثواب : إزار ، وقمیص، وعمامة، وهو لایدل علی کراهة الصحة بدونها، کما حرره بعض علماء عصرنا، ظاناً أن ترک المستحب مکروه؛ وذلک لأنه قد صرح فی البحر الرائق وغیره: أن ترک المستحب لاتلزم منه الکراهة مالم یقسم دلیل خارجی علیه". (فتاویٰ اللکنوی المسماة بنفع المفتی والسائل، کتاب الصلاة المکروهات المتفرقة، ص: ٢٩٨، دارابن حزم، بیروت)

ما يتعلق بأحكام المرتدين

(مرتد کے اُحکام کا بیان)

مرتد کے احکام

سوال[۷۱۳]: ایک مسلمان اپنے کوکھلم کھلا کافر، مرتد کہتا ہے، اب اس کے ساتھ اسلامی معاملہ کرنا حلال ہے یا حرام؟ کھانا، نکاح کرنا یا سلام کرنا حرام ہے یا حلال؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ دینِ اسلام کو ترک کر کے کفر کے اختیار کرنے کا مقر ہے یا اس پر شرعی ثبوت موجود ہے تو وہ منافق نہیں بلکہ مرتد ہے، اس کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں، اس کا ذبیحہ بھی حرام اور مردار ہے:

"و منها ما هو باطل بالاتفاق نحوالنكاح، فلا يجوز له أن يتزوج امرأةً مسلمةً ولا مرتدةً ولا ذمیةً و لاحرة و لا مملوكةً، و تحرم ذبيحته و صيده بالكلب البازى والرمى"۔ كذا فی الفتاوی الهندية: ۲/۲۳۳ (۱) ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

مرتد کس طرح تجدید ایمان کرے؟

سوال[۷۱۴]: اگر کوئی مسلمان ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے کفر عائد ہو جائے تو اسے دوبارہ مسلمان کرنے کے لئے کس طرح کیا جاوے؟

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(و كذافى البحر الرائق، باب أحكام المرتدين من كتاب السير: ۵/۲۲۴، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

دوبارہ ازسرنوکلمہ پڑھےاور جملہ عقائد پر ایمان لاوے(۱) تجدید نکاح کرے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۳/۸۸ھ۔

مرتد سے موالات

سوال[۷۱۵]: جولوگ شرعاً شریعت کے مجرم ہوں، تبدیلی مذہب پر، ان پر حد نافذ ہوگئی ہو بروئے فتوی شرعی، اوران سے ترک موالات کا حکم ہو اور جو لوگ ان سے ترک موالات کرتے ہوں اور دوسرے لوگ ان کے ساتھ موالات کرتے ہوں اوران کے اس فعل کو اچھا سمجھتے ہوں اور اپنی ہوشیاری سے ان کے اس فعل کو غلط یا جائز بتاتے ہوں ایسے لوگوں کے لئے شرعاً کیا (حکم) ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جوشخص مذہب اسلام چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے وہ مرتد ہے (۳) اس سے موالات

---

(۱) "و إسلامه أن يتبرّا عن الأديان كلها أو عما انتقل إليه : أى إسلام المرتد بذلک ، و مراده أن يتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الإسلام .... و صرّح فى العناية بأن التبرأ بعد الإتيان بالشهادتين . و فى شرح الطحاوى : سئل أبويوسف كيف يسلم ؟ فقال: أن يقول : أشهد أن لا إله إلا الله ، و أن محمداً رسول الله ، و يقر بماجآء من عند الله ، و يتبرأ من الذى انتحله، و قال: لم أدخل فى هذا الدين قط، و أنا برىء منه". (البحر الرائق ،كتاب السير، أحكام المرتدين: ۲۱۶/۵، رشيديه)

(۲) "إن كانت نية القائل .... الوجه الذى يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتى، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، و تجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل فى إجرآء كلمة الكفر اهـ : ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(وكذافى الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، قبيل الباب العاشر فى البغاة : ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۳) "(المرتد) هو لغةً الراجع مطلقاً، و شرعاً الراجع عن دين الإسلام ".(الدر المختار ، كتاب الجهاد، باب المرتد : ۲۲۱/۴، سعيد)

حرام ہے(۱) جواس سے موالات کرے وہ گنہگار ہے اس کو اپنے اس فعل سے توبہ لازم ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا

مرتد سے سمجھوتہ

سوال[۷۱۶]: اگر کوئی مسلمان کسی مرزائی یا دوسرے مرتد کی پرورش یا حمایت کرے یا کسی قسم کا سمجھوتہ کرے یا پھر وہ مسلمان شخص مرتد کو کافر نہ کہتا ہو، جب کہ وہ شخص یہ بھی جانتا ہے کہ مرتد کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے اور پھر سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے اور مرتد کو کافر نہ کہتا ہو اور وہ کسی قسم کا سمجھوتہ کرے خواہ وہ کسی سطح کا ہو یا حمایت کرے اس کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا اس شخص کو دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونا پڑے گا اور کیا اس کا سوشل بائیکاٹ بھی کرنا پڑے گا؟ واضح رہے کہ اسلام میں کسی مرتد کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے اور نہ اسلام کسی مرتد سے دوستی کی اجازت دیتا ہے۔ اور سمجھوتہ اسی وقت ہوتا ہے جب دوستی پیدا ہو اور دوستی بھی اسی وقت ہوتی ہے جب مرتد کو کافر نہ کہا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ سوال بھی کر رہے ہیں اور خود جواب بھی بتا رہے ہیں۔ جب آپ کو جواب معلوم ہے تو دریافت کرنے کیا ضرورت ہے؟

تنبیہ: ہر سمجھوتہ کے لئے دوستی کہاں ضروری ہے، صلح حدیبیہ میں اہلِ مکہ سے سمجھوتہ کیا گیا تھا حالانکہ وہ اس وقت بھی دشمن تھے، رسول کے بھی دشمن تھے، اسلام کے بھی دشمن تھے، مسلمانوں کے بھی دشمن تھے، اسی سمجھوتہ کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے اور اس کو فتح فرمایا گیا(۲)۔ آپ کے یہاں کس طرح اور کن شرائط پر سمجھوتہ

---

(۱) "إن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات ما لم يظهر منه التوبة و الرجوع إلى الحق، فإنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لماخاف على كعب بن مالك و أصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك، أمر بهجرانهم خمسين يوماً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع اهـ، الفصل الأول: ۷۵۹/۸، رشيديه)

(۲) (أنظر سورة الفتح رقم الآية: ۱، ۲، ۱۰، ۱۸)

کیا ہے، مجھے اس کا علم نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس کے متعلق وہیں کے باخبر حضرات سے استصواب رائے کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند ۲۰/۹/۹۰ھ

کلمات کفریہ سے نکاح ختم

سوال[۷۱۷]: کفریہ کلمہ بولنے سے نکاح بھی ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بات یا کام کی وجہ سے ایک آدمی کا ایمان ختم ہوجاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۴ھ۔

کلمات کفریہ سے نکاح کا حکم

سوال[۷۱۸]: مسماۃ ہندہ عرصہ دراز سے بوجہ ناراضگی خاوندش کے اپنے میکہ میں رہتی تھی، مسماۃ مذکورہ جوش میں آکر کسی کو گالی گلوچ دینے لگی۔ تفصیل یہ ہے کہ بکر نے کہا کہ ''نماز، روزہ پر میں پیشاب کرتا ہوں'' (نعوذ باللہ) اور اس کے کہنے کے بعد پشیمان ہوکر خود بُرا سمجھتے ہوئے استفتاء کی، وخاوندش مذکورہ مسماۃ ہندہ سے اور دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا جو کہ آباد ہے۔ خاوندش مذکور نے از سرنو تجدید نکاح کی، مسماۃ ہندہ جو کہ میکہ کے گھر میں رہتی تھی کیا اس کے ساتھ تجدید نکاح نہیں ہوگا؟ مسماۃ ہندہ تفسیخ نکاح کی ڈگری بھی عدالت

---

(۱) "وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لاتنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذالك، وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته." (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، مكتبه رشيديه كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵۵۰/۵، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

میں ہندو مجسٹریٹ سے لے چکی ہے، خاوندش سے جو الفاظ مندرجہ بالا نکلے ہیں جس سے اہانتِ شرعی ہو چکی ہے، کیا اب اس سے اس عورت ہندہ مذکورہ کا فسخ نکاح ہو چکا ہے یا کیونکر؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: اس بات کو (یعنی جس سے اہانتِ شرعی مسلمہ طور پر ثابت ہے اور خاوندش مذکورہ قاضی مفتی علاقہ کے آگے تسلیم کر چکا ہے کہ میں نے یہ کلمات کفریہ کہے تھے) عرصہ تین سال کا گذر چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ کے موجب کفر ہونے میں شبہ نہیں، الفاظ کفریہ کہنے سے نکاح فسخ ہو کر عورت بائنہ ہو جاتی ہے لیکن کسی غیر مسلم سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کرنا شرعاً معتبر نہیں، نہ اس کی ضرورت (۱)۔

لہٰذا جب خاوند تجدید نکاح اور توبہ کر چکا تو ہندہ کو بھی اگر رکھنا چاہے تو تجدید نکاح کر کے رکھ سکتا ہے، بغیر تجدید نکاح کے نہیں رکھ سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کلمۂ کفر کی وجہ سے تجدید نکاح

سوال [۹۱۷]: جس کی زبان سے کلمۂ کفر ادا ہوا ہو، کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو تجدید ایمان کر کے نکاح بھی دوبارہ پڑھوانا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) "(وارتداد أحدهما) : أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عدداً (عاجل) بلا قضاء". قال الشامي: "أي بلا توقف على قضاء القاضي، وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها". (ردالمحتار على الدر المختار: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، سعيد)

(وكذا في الهداية على صدر فتح القدير: ۴۲۸/۳، باب نكاح أهل الشرك)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۹/۱، الباب العاشر في نكاح الكفار، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کلماتِ کفریہ سے نکاح ختم")

کفریہ کلمات کی ادائیگی کے بعد تجدید ایمان ونکاح کا حکم

سوال[۷۲۰]: زید نے بکر سے ایک چیز مانگی اور قرآن کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ چیز تم کو لوٹادوں گا، بکر نے وہ چیز دیدی، کچھ عرصہ بعد مانگنے پر زید نے انکار کردیا، بکر نے حلف یاد دلایا، اس پر زید نے کہا: ''میں قرآن سے منکر ہوں''، اس کے بعد دوسرے کلمات کہے: ''مجھے خدا سے انصاف کی امید نہیں، جو کچھ سزا ملے گی اس دنیا میں ملے گی، آخرت میں کوئی چیز نہیں، میں تو بد دین کافر ہوں'' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب زید کا غصہ ختم ہوگیا تو بکر نے زید سے توبہ کرائی، کلمہ شہادت کلمہ طیبہ پڑھوایا، پھر پوچھا مندرجہ بالا کلمات کی ادائیگی کے وقت آپ کا ارادہ اور نیت کیا تھی، کیا واقعی ایمان سے ہاتھ دھونے کا ارادہ تھا؟ زید نے جواب دیا کہ میری نیت اس وقت اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اسلام سے پھر جانے کی نہیں تھی، بلکہ دل دل میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کررہا تھا۔ مندرجہ بالا صورت حال کے متعلق ورج ذیل سوالات کے جوابات سے مدلل طور پر نوازیں۔

۱......مذکورہ بالا صورت میں زید کا نکاح فسخ ہوگیا یا نہیں؟

۲......اگر فسخ ہوگیا تو زید کے نکاح کی کیا صورت ہے؟ تجدید نکاح میں گواہ اور اعلانِ عام، نئے مہر کا تعین، خطبہ نکاح، زوجین کی اجازت، جولوازمات نکاح میں سے ہے، یہ سب کئے جائیں گے یا نہیں؟

۳......اگر نکاح فسخ ہوگیا تو بیوی پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی مدت کی؟ نیز نکاح عدت کے بعد ہوگا یا عدت کی ضرورت نہیں ہے؟

۴......زید کی بیوی اگر زید سے نکاح نہ کرنا چاہے بلکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں یعنی عدت واجب ہوگی یا نہیں؟ یا زید کا طلاق دینا ضروری ہے؟ مذکورہ بالا کفریہ کلمات کہنے سے تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟ اور جب تک تجدیدِ ایمان ونکاح نہ کرے دوسرے مسلمان اس سے کیسا تعلق رکھیں؟ نیز زید کا یہ کہنا کہ یہ الفاظ زبان سے کہہ رہا تھا دل سے ان کا انکار کررہا تھا یا غصہ میں نکل گئے، اس کے لئے تجدید ایمان ونکاح کی ضرورت ختم کردے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱،۲،۳...... زید کے ذمہ تجدیدِ ایمان توبہ واستغفار کے ساتھ (۱) تجدید نکاح کا بھی حکم ہے (۲)۔

---

(۱) قد کفر هذا القائل بكل واحد من أقواله المذكورة : إما قوله : "میں قرآن کا منکر ہوں" فلأنه قال القاریؒ: "ومن جحد القرآن : أى كله أو سورةً منه أو آيةً ، قلت: و كذا كلمةً أو قراءةً متواترةً ، أوزعم أنها ليست من كلام الله تعالىٰ، كفر يعني إذا كان كونه من القرآن مجمعاً عليه، مثل البسملة في سورة النمل". (شرح الفقه الأكبر ، فصل في القرآة والصلوة ، ص:١٦٧ ، قديمى)

(و بمعناه في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل فيمايتعلق بالقرآن : ٥/٤٩٠، ادارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب: موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق القرآن اهـ : ٢/٢٦٦، رشيديه)

وأما قوله : "مجھے خدا سے انصاف کی امید...... الخ" فقد قال في التاتارخانية: "رجل قال: از ہر امیدے کہ بخدا دارم، نومیدم، يكفر". (كتاب أحكام المرتدين ، قبيل فصل فيما يعود إلى الغيب : ٥/٤٧٦، ادارة القرآن)

"و أما قوله : "آخرت میں کوئی چیز نہیں ہے" فلِمَا في التاتارخانية، وهو: "من أنكر القيامة أو الجنة أو النار أو الميزان أوالحساب أو الصراط أو الصحائف المكتوبة فيها أعمالُ العباد، يكفر. و في مصباح الدين : أو جحد أحدّ و عداً أو وعيداً ذكره الله تعالىٰ في القرآن عندالفزع في القبر،و في القيامة ، يكفر". (كتاب أحكام المرتدين ، فصل فيما يتعلق بأمور الآخرة : ٥/٥٠٠، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب: موجبات الكفر أنواع ، و منها ما يتعلق بيوم القيامة اهـ : ٢/٢٧٤، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ٥/٢٠٦ ، رشيديه)

وأما قوله:"میں تو بددین کافر ہوں" فهو أيضاً كفر لماقاله الفقهاء الكرام ، قال في شرح الفقه الأكبر : "من قال: أنا ملحد، كفر: أى لأن الملحد أقبح أنواع الكَفَرة، وفي المحيط والحاوى : لأن الملحد كافر". (فصل في الكفر صريحاً وكناية ، ص:١٨٣ ، قديمى)

(٢)" ثم إن كانت نية القائل .... الوجه الذى يوجب التكفير ، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة =

دوگواہوں کے سامنے مہر جدید سے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)، خطبۂ نکاح اور اعلان فرض نہیں، سنت ہے (۲)، تجدید نکاح کے لئے عدت لازم نہیں۔

۴..... زید چونکہ کہتا ہے کہ میرے دل میں ایمان موجود ہے، میں نے اسے ترک کا بالکل ارادہ نہیں کیا، بلکہ جو الفاظ زبان سے کہہ رہا تھا دل میں توبہ بھی کر رہا تھا، اس لئے زید کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں بلکہ زید ہی کے ساتھ تجدید نکاح کے بعد رہے، البتہ اگر زید طلاق دیدے تو وہ واقع ہو جائے گی اور بعد عدت نکاح ثانی کا اس کو اختیار ہوگا، بغیر تجدید نکاح زید کو اپنے اوپر قابو نہ دے، تجدید ایمان اور تجدید نکاح بہر حال ضروری ہے، بغیر اس کے بیوی اس کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۵ھ۔

کفریہ افعال سے کیا نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال [۱۲۷]: زید کا نکاح ایک سال قبل ہندہ سے ہوا مگر زید آٹھ نو ماہ سے غیر مسلم عورتوں کے ہمراہ رہ رہا ہے اور ان سے زنا بھی کرتا ہے انہیں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتا ہے، شراب بھی پیتا ہے، جھٹکے (۳) کا گوشت کھاتا ہے، پوشاک بھی غیر مسلموں جیسی پہنتا ہے، ارکان اسلام بھی ادا نہیں کرتا، ہندہ اپنے میکہ میں رہ رہی ہے، زید ہندہ کو نان ونفقہ نہیں دے رہا ہے، زید کے کنبہ والوں نے کوشش کی کہ اس فعل شنیع سے توبہ کرلے، مگر زید نے ایک نہ سنی بلکہ اپنے والد کو مارنے پیٹنے پر آمادہ ہوا۔ ایک مرتبہ تو زید کو دس پندرہ آدمیوں نے مل کر ایک مکان میں بند کر دیا اور کہا اس فعل سے توبہ کر اور کلمہ پڑھ، زید نے کہا کہ توبہ وکلمہ ہر دو کام نہ کروں گا۔ ہندہ بالغہ ہے، دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، کیا زید کو مرتد سمجھتے ہوئے ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟

= والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینه و بین امرأته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر ، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(و کذافی التاتارخانیة ، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فی إجراء کلمة الکفر : ۵/۴۵۸، ادارة القرآن)

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان : "غیر مسلم کے ساتھ چلے جانے پر نکاح کا حکم")

(۲) "و یندب إعلانه (أی النکاح) و تقدیم خطبته اھ". (الدر المختار ، کتاب النکاح : ۳/۸، سعید)

(۳) "تلوار مار کر جانور کی گردن کاٹنا جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۴۹۲، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا یہ طریقہ غیر اسلامی ہے اس کے باوجود ابھی اس کو مرتد قرار نہیں دیا جائے گا، ارتداد کے قریب ضرور پہونچ چکا ہے (۱)۔ اللہ پاک اس کو سیدھے راستہ کی توفیق دے۔ بہتر یہ ہے کہ مہر کے عوض بیوی اس سے طلاق حاصل کرلے (۲)، اس کے بعد عدت تین حیض گزار کر دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۸۷ھ۔

تجدید ایمان وتجدید نکاح کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

سوال[۷۲۲]: اس بارے میں حکم شرع سے مطلع فرمائیں، جس کا حوالہ نمبر:۹۲۱، مورخہ ۱۷/۹/۸۸ھ ہے، اس میں مزید یہ پوچھنا ہے کہ جن صاحب اور جماعت نے عمداً یہ نکاح کیا اور کرایا ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ وہ صرف توبہ واستغفار کے مستحق ہیں یا تجدید نکاح بھی کرنا ہے؟ علانیہ توبہ واستغفار کے علاوہ تجدید نکاح کا بھی حکم دیا جائے، اس کے بارے میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) ممکن ہے، زید کا قصد ان افعال میں تشبہ بالکفار نہ ہو، اور اس صورت میں کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

"من تقلنس بقلنسوة المجوس: أي لبسها و تشبه بهم فيها، .... كفر .... و إلا، فلا يكفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص:۱۸۵، قديمي)

(۲) "إذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله فلا، بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة و لزمها المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، مكتبه شركة علمية ملتان))

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

وقال تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾. (البقرة: ۲۳۵)

"و تحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاء ها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (البدائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کی عدت میں نکاح ثانی جائز نہیں ہے: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلك المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (فتاوی عالمگیری) (۱) لہذا جونکاح اس طرح کردیا گیا وہ شرعاً معتبر نہیں ہوا بلکہ گناہ ہوا، مرد وعورت میں علیحدگی کرادی جائے، عدت ختم ہونے پر دوبارہ نکاح کیا جائے۔ جن لوگوں نے یہ نکاح کرایا ہے وہ گنہگار ہوئے ان کو توبہ واستغفار لازم ہے اور اس بات کو پورے طور پر ظاہر کردیا جائے کہ یہ نکاح غلط ہوا، اس کے باوجود ان لوگوں پر اپنے نکاح کی تجدید لازم نہیں۔ گناہ اگرچہ کبیرہ ہو اس سے تجدید نکاح لازم نہیں ہوتی، البتہ اگر خدانخواستہ کفر کا صدور ہوجاوے تو ایمان کے ساتھ نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے پھر تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہوتی ہے (۲)۔

جس مسئلہ میں اختلاف ہو کہ اس سے کفر ہوا یا نہیں ہوا، وہاں احتیاطاً تجدید ایمان وتجدید نکاح کا امر کیا جاتا ہے: "ماکان فی کونه کفراً اختلاف، یؤمر بتجدید الإیمان و تجدید النکاح الخ" (۳)۔

کبیرہ گناہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک نہ کفر ہوتا ہے، نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے، کذا فی شرح الفقه الأکبر (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (کتاب النکاح من الفتاوی العالمکیریة، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(۲) "وإن کانت نیته (أی نیة القائل بکلمة الکفر) الوجه الذی یوجب التکفیر، لا تنفعه فتوی المفتی، و یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینه و بین امرأته، کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، المصدر السابق آنفاً)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۱۰، رشیدیه)

(۴) "ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب: أی بارتکاب معصیة وإن کانت کبیرةً: أی کما یکفر الخوارج مرتکب الکبیرة، إذا لم یستحلها: أی لکن إذا لم یعتقد حلها؛ لأن من استحل معصیةً قد ثبتت =

ارتدادشوہر سے فسخ نکاح

سوال[۷۲۳]: مسماۃ نگینہ کا بعمر دس سال مسمی ادریس سے بعمر چودہ سال نکاح ہوا جس کو تین سال ہوچکے ہیں، بعد نکاح رخصتی کردی گئی اور ایک رات شوہر کے گھر رہی، دو چار دن بعد لڑکا فرار ہوگیا اور جاکر مذہب بدل دیا، ہندو ہوگیا، لڑکی والوں کو جب علم ہوا تو وہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ عورت گھر پر ہے اور تم نے مذہب بدل دیا، تم گھر چلو مگر چلنے سے انکار کردیا، متعدد مرتبہ سمجھایا، لیکن سمجھ میں نہیں آیا، مجبوراً واپس ہوگئے۔ اب چند ماہ سے اس کا پتہ نہیں، اس کی والدہ سے کہا گیا کہ ایسی صورت میں لڑکی کو دوسری جگہ بٹھلا دیں، جواب دیا کہ جو سمجھ میں آئے کرو، والد نہ لڑکی کا ہے اور نہ لڑکے کا ہے۔ ان حالات میں بغیر طلاق کے نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر عقیدہ بدل کر ہندو ہوجانا ثابت ہے تو اس کے ہندو ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح بلا طلاق خود ہی فسخ ہوگیا، اس لئے عدت گزارنے کے بعد اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے، جس وقت سے لڑکا ہندو ہوا ہے اس وقت سے عدت کا شمار ہوگا، مدت تین ماہواری ہے اور بصورت امید وضع حمل ہے:

"و إرتداد واحد منهما فسخ عاجل بلا قضاء". (در مختار). "و أما وجوب العدة سواء ارتد أو ارتدت بالحيض أو بالأشهر لو صغيرةً أو آئسةً أو بوضع الحمل كما في البحر". شامی: ٤/ ٥٣٩ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

ارتداد کے بعد تجدید نکاح

سوال[۷۲۴]: ایک مولوی صاحب نے فتوی دیا ہے کہ: ''جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اولیاء کرام کے

= حرمتها بدليل قطعي فهو كافر، و لا نزيل عنه اسم الإيمان الخ". (شرح الفقه الأكبر لملا على القاري، ص: ۱۷۱، قديمی)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل إذا ارتد أحد الزوجين: ۵۴۲/۵، إدارة القرآن)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳۷۳/۳، رشيديه)

وسیلہ سے مدد مانگنا جائز ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم ما کان و ما یکون الی یوم القیامۃ کا دیا گیا ہے اور یا رسول اللہ پکارنا جائز ہے اور قبور اولیاء اللہ پر بوسہ دینا جائز ہے اور نذر، نیاز اولیاء کرام کا ماننا جائز ہے، اس کا نکاح درست نہیں اور نہ وہ شخص مسلمان ہے بلکہ مشرک ہے، لہٰذا اگر وہ اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ بموجبِ مندرجہ بالا عقیدہ وہ مسلمان نہیں تھا'' اور مندرجہ بالا عقیدہ سے توبہ کرا کر بلا حلالہ وغیرہ صرف تجدید نکاح کر دیتا ہے، بلکہ کوئی مطلقہ تین طلاق ہو جائے تو وہ مولوی یہ کہہ کر کہ اس کا اول نکاح درست نہ تھا کہ عقیدہ بالا کے ساتھ منعقد کردہ ہے اور ایسے شخصوں کے نکاح پڑھانے سے نکاح بھی ناجائز ہے، یہ صرف تجدید کرا دیتا ہے۔

اسی طرح اس مولوی نے دوکانداری بنالی ہے، اسی طرح روپیہ فیس لیکر اوروں سے یہی الفاظ لکھا کر تجدید نکاح کرا دیتا ہے، لوگ فاسق و فاجر عورتوں کو اغواء کر کے تبدیل مذہب عیسائی کراتے ہیں اور اس طرح نکاح فسخ کراتے ہیں۔ اس مولوی نے یہ آرڈر عجیبہ لوگوں کے ہاتھ دی ہے اور اِدھر اُدھر جو عورتیں سابقہ خاوند سے ناراض ہوتی ہیں اس مولوی کے پاس آ کر یہی آرڈر لیکر سابقہ نکاح فسخ کرا کر حسب منشاء جس سے چاہیں نکاح کر لیتی ہیں، کئی مغلظہ تین طلاق والی وغیرہ اس آرڈر میں آ کر تجدید نکاح کرا رہی ہیں۔ جو حکم صحیح شرعی ہو تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ شخص ضال اور مضل ہے، اس سے فتوی دریافت کرنا ناجائز ہے، اگر کوئی مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ ہو کر بیوی بائنہ ہو جاتی ہے: ''إرتداد أحدهما فسخ عاجل " (زیلعی) (۱) اور کسی کو مشرکانہ عقیدہ کی تلقین کرنا کفر ہے (۲)۔

---

(۱) (تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر : ۲/۲۲۲، دار الکتب العلمیة)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر : ۳/۳۷۳، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل إذا ارتد أحد الزوجین اھ: ۵/۵۴۶، ادارة القرآن)

(۲) ''و یکفر بتلقین کلمة الکفر لیتکلم بها ولو علی وجه اللعب". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین : ۵/۲۰۸، رشیدیه)

(و کذا فی شرح الفقه الأکبر للقاریؒ، فصل فی الکفر صریحاً و کنایةً، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، قدیمی) =

اگر بلا وجہ شرعی نکاح فسخ کرایا ہے تو وہ معتبر نہیں اور جو شخص ناجائز نکاح پڑھائے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔

جو مسلمان عورت کلمۂ کفر کہہ کر یا مشرکانہ عقیدہ بنا کر مرتد ہو جائے، مفتی بہ قول پر اس کا نکاح فسخ نہیں ہوگا، عورتوں کا یہ طریقہ اختیار کرنا مطلقاً غلط ہے اور ان کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، اگر شوہر نے تین طلاق دی ہوں تو بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جو شخص قادیانی ہو جائے اس کا نکاح برقرار نہیں رہتا

سوال[۷۲۵]: زید حنفی، سنی، صحیح العقیدہ آدمی تھا، خدا جانے کن اثرات کے ماتحت وہ قادیانی بن گیا اور اپنا قدیم مسلک ترک کر دیا، سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اس کی بیوی اس کے نکاح میں باقی رہی؟ اور اس کے ذمہ شوہری حقوق کو ادا کرنا لازم رہا یا نکاح ختم ہو کر تعلق زوجیت ختم ہو گیا، اور بیوی اپنے شوہر پر حرام ہو گئی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قادیانی نے ختم نبوت (۳) اور بہت سی بنیادی عقائد اسلام کے خلاف کا ارتکاب کیا اور بار بار متنبہ

= (و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بتلقین الکفر اھ: ۲/۲۷۵، رشیدیه)

(۱) یہ شخص اپنے اس فعل کی وجہ سے فاسق ہے اور فاسق کی امامت کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے: "و یکره تنزیهاً إمامة عبد .... وفاسق و أعمی". (الدر المختار). و قال فی رد المحتار تحته: "و أما الفاسق، فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه، و بأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، و قد وجب علیهم إهانته شرعاً، و لا یخفی أنه إذا کان أعلم من غیره لا تزول العلة .... بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لما ذکرنا، قال: و لذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالک و روایةً عن أحمد". (کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) "لا ینکح مطلقةً من نکاح صحیح نافذ .... بها: أی بالثلاث لو حرةً، و ثنتین لو أمةً و لو قبل الدخول .... حتی یطأها غیره و لو الغیر مراهقاً یجامع مثله". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، سعید)

(۳) "و دعوی النبوة بعد نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کفر بالإجماع". (شرح الفقه الأکبر للقاری. =

کرنے پر اپنی بات سے رجوع نہیں کیا، اس لئے علمائے اسلام کے فتویٰ کی رو سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، جو شخص اس کے مسلک کو قبول کرتا ہے اور اس کے عقائد کو اختیار کرتا ہے اس کا حکم بھی وہی ہے (۱) کہ شوہر کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے مسلمان بیوی نکاح سے خارج ہوگئی (۲) اب اس کے ساتھ رہنا سہنا اور شوہر بیوی جیسا معاملہ کرنا ہرگز جائز نہیں رہا بلکہ پورا پردہ لازم ہے (۳)۔ قادیانی سے متعلق بہت تفصیل سے کتابیں موجود ہیں (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۱۰/۴/۹۰ھ

شوہر کے قادیانی ہونے سے فسخ نکاح

سوال [۷۲۶]: زید کہتا ہے کہ میری لڑکی کی عمر پانچ سال کی تھی اور جب اس کی شادی کی تو لڑکے کی عمر بھی پانچ سال کی تھی، چونکہ اب دونوں بالغ ہوگئے ہیں، جن کی عمر تقریباً اٹھارہ سال ہے، میں نے ہر چند

= أواخر بحث التوبة، ص: ۱۶۴، قديمي)

(۱) "لكن صرح في كتابه المسايرة بالاتفاق على تكفير المخالف فيما كان من أصول الدين و ضرورياته". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب لاعبرة بغير الفقهاء، يعني المجتهدين: ۲۶۳/۴، سعيد)

(۲) "ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال". (الفتاوى العالمكيرية، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۳۳۹/۱، رشيديه)

"وارتداد أحد الزوجين: أي تبدل اعتقاد الإسلام بالكفر حقيقةً على أحدهما كما إذا تمجس أو تنصر، أو حكماً، كما إذا قال بالاختيار ما هو كفر بالاتفاق فسخ: أي رفع لعقد النكاح في الحال".

(مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر: ۳۷۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(هكذا في البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳۷۳/۳، رشيديه)

(۳) مرتد ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا اور شوہر اجنبی بننے کی وجہ سے بیوی کو اس سے پردہ ضروری ہے: قال اللہ تعالیٰ:

﴿يأيها النبي قل لأزواجك و بناتك و نساء المؤمنين يدنين عليهم من جلابيبهن﴾. (سورة الأحزاب: پ: ۲۲، آیت: ۵۹)

(۴) جیسے (شمس الهداية، سيف چشتيائی پير مهر علی شاه، إكفار الملحدين في ضروريات الدين مولانا انور شاه كشميری)

لڑکے والے کو کہا کہ لڑکی بالغ ہے، لہذا اپنے گھر لے جاؤ مگر وہ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے۔ چونکہ میں بالغ لڑکی کو گھر رکھنا نہیں چاہتا، لہذا ہم نے چند لوگوں میں بھی پنچایت کر کے ان کو کہا کہ لڑکی لے جاؤ، مگر وہ انکار کر گئے، لڑکے والوں کا خاندان مع لڑکے کے مرزائی ہوگئے ہیں۔ چونکہ لڑکی بالغہ ہے، لڑکی کہتی ہے کہ میں مرزائی خاوند کے گھر نہیں جاؤنگی، نہ لڑکی نے لڑکا دیکھا اور نہ لڑکے نے لڑکی دیکھی۔ اب لڑکی کہتی ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق میرا کوئی نہ کوئی فیصلہ کیا جائے، دوسری جگہ لڑکی کا رشتہ ہونے پر مرزائی خاوند سے طلاق لینے کی ضرورت ہے یا نہیں، لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

مرزا غلام احمد قادیانی نصوصِ قطعیہ کے انکار اور خلاف شرع عقائد کی وجہ سے کافر اور مرتد ہے (۱) اور جو شخص اس کے عقائد کو اختیار کرے وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔ شوہر کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، طلاق کی ضرورت نہیں رہتی (۲) اور بغیر خلوتِ صحیحہ کے جب شوہر کا ارتداد وغیرہ کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے تو عدت واجب نہیں ہوتی اور صورت مسئولہ میں چونکہ مرتد ہوا ہے، لہذا نصف مہر ہی واجب ہوگا:

"ثم إن كان الزوج هو المرتد، فلها كل المهر إن دخل بها، و نصفها إن لم يدخل بهااھ"۔ فتاوی عالمگیری : ۱/۳۳۹ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۶/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۶/۲۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۶/۲۲ھ۔

---

(۱) "لا خلاف بين المسلمين أن الرجل لو أظهر إنكار الواجبات الظاهرة المتواترة، والمحرمات الظاهرة المتواترة، فإنه يستتاب، فإن تاب فبها، و إلا قتل كافراً مرتداً". (شرح الفقه الأكبر للقاری، بحث التوبة، ص: ۱۶۳، قدیمی)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان "شوہر مرتد ہوگیا")

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۱/۳۳۹، رشیدیه)

2

جو مسلمان عیسائی ہو جائے اس کا نکاح

سوال[۷۶۷]: جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اور مرتدین عیسائیوں سے رشتہ مناکحت قائم کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ مرتد لوگ بھی اہل کتاب ہیں اور ان مرتدین سے تعلقات رکھنا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ جو امام مسجد ایسے لوگوں کے ساتھ موالات رکھے، ان کا کھانا کھائے، اس کا کیا حکم ہے؟ جو شخص مسلمان تھا پھر مرتد ہوگیا (العیاذ باللہ) تو کیا ان کی لڑکیوں کا رشتہ لینا جائز ہے؟ آیاتِ قرآنیہ سے اس کو واضح فرمایا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص پہلے مسلمان تھا پھر مذہب عیسائی اختیار کرلیا (العیاذ باللہ) تو یہ شخص مرتد ہے، ایسے شخص کا نکاح کسی مسلم، کافرہ، مرتدہ سے جائز نہیں اور جو عورت ارتداد اختیار کرے اس کا بھی نکاح کسی سے درست نہیں۔ مرتد عیسائی کی لڑکی بھی اگر مرتدہ ہو تو اس سے بھی نکاح ناجائز ہے: "و لایجوز للمرتد أن یتزوج مرتدةً و لا مسلمةً و لا کافرةً أصلیةً، و کذالك لا یجوز نکاح المرتدة مع أحد، کذا فی المبسوط اهـ". عالمگیری: ۱/۲۸۲ (۱) مرتد سے موالات حرام ہے (۲) إلّا یہ کہ نرمی سے اس کے اسلام کی توقع ہو تو حسن تدبیر سے اس کو تبلیغ کی جائے اور محاسن اسلام پر متوجہ کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۶/۱۰ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، فصل: القسم السابع المحرمات بالشرک: ۱/۲۸۲، رشدیه)

(و کذا فی رد المحتار مع الدر المختار، باب نکاح الکافر: ۳/۲۰۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب نکاح الکافر: ۳/۳۶۴، رشیدیه)

(و کذافی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط أن یکون للزوجین ملة یقران علیها: ۳/۴۵۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "مرتد سے موالات")

(۳) "یعرض الإسلام علی المرتد .... و تکشف شبهته، بیان لفائدة العَرض: أی فإن کان له شبهة أبداها، کشفت عنه؛ لأنه عساه اعترضت له شبهة، فتزاح عنه". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۱۰، رشیدیه)

نکاح اور بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر نے کہا ''میں تو عیسائی ہوں''

سوال[۷۲۸]: ایک شخص نے جو اندرونی عیسائی تھا، لیکن ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان بنا کر ایک مسلمان لڑکی سے نکاح کرلیا، عرصہ تقریباً گیارہ بارہ مہینے کے بعد جب کہ اس کا ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا، اب وہ شخص ناکح مندرجہ بالا اپنے آپ کو عیسائی بتاتا ہے اور مذہب اسلام کو جھوٹا کہتا ہے۔

۱......کیا عندالشرع وہ نکاح فاسد ہو گیا یا نہیں؟

۲......اب وہ لڑکا کس کو ملنا چاہئے والد کو یا والدہ کو؟

۳......حق مہر وہ لڑکی لے سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ہر سہ نمبرات کا با سند رہے۔

غلام ربانی قریشی

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......صورتِ مسئولہ میں نکاح فسخ ہو گیا، عدت گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے:

"وارتداد أحدهما) أی الزوجین فسخ، فلا ینقص عدداً (عاجل) بلا قضاء: أی بلا توقف علی قضاء القاضی". در مختار وشامی: ۶۰۶/۲(۱)۔

۲......وہ بچہ مسلمان ہے اور والدہ کی پرورش میں رہے گا، والد اس کو والدہ سے جدا کر کے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا: "أحق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح و بعد الفرقة الأم". عالم گیری: ۵۵۶/۲(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب العاشر فی نکاح الکافر: ۳۳۹/۱، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل إذا ارتد أحد الزوجین: ۵۴۲/۵، إدارة القرآن)

(و کذا فی مجمع الأنهر، باب نکاح الکافر: ۳۷۲/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳۷۳/۳، رشیدیه)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة: ۵۴۱/۱، رشیدیه)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الحضانة: ۵۵۵/۳، ۵۵۶، سعید)

۳...... پورا مہر واجب ہے اور لڑکی کو اس کے لینے کا حق حاصل ہے: "المهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أومهر المثل"۔ هنديه: ۲/ ۳۱٤(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

شوہر شیعہ ہو جائے تو اس کے نکاح کا حکم

سوال[۷۶۹]: ایک سنی عورت کا نکاح ایک سنی مرد سے ہوا اور عرصہ تقریباً آٹھ نو سال آباد رہی، مگر شامتِ اعمال سے وہ مرد سنی مذہب کو ترک کر کے مذہب شیعہ تبرائی میں داخل ہو گیا اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حق میں بیباکانہ ظالم، غاصب الفاظ تک العیاذ باللہ استعمال کرنے لگا۔ چونکہ عورت اپنے مذہب اہل سنت والجماعت پر قائم تھی اس لئے اس سے متنفر ہو گئی اور دونوں میں باہمی مذہبی اختلاف اور ناچاقی شروع ہو گئی، آخر نوبت بایں جا رسید کہ شیعہ مرد نے تنگ آ کر عورت کو طلاق مغلظہ دیدی اور عورت میکے چلی گئی، لیکن گواہانِ طلاق اہل تشیع ہیں جو مذہبی پاسداری کے سبب سے قاضی کے روبرو گواہی دینے سے انحراف کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ ہمارے شیعہ مذہب میں طلاقِ مغلظہ واقع نہیں ہوتی۔

بعد ازاں مرد شیعہ نے ایک عورت شیعہ سے نکاح کر لیا اور عرصہ تک وہ بھی اس کے ساتھ آباد رہی، آخر اس کو بھی بوجہ کسی نااتفاقی کے اس مرد نے گھر سے نکال دیا، اب پھر وہ شیعہ مرد اس پہلی عورت سنی کو اپنے گھر آباد کرنے کے لئے لیجانا چاہتا ہے۔ کیا ایسا شخص جس کا مذکورہ بالا حال ہے وہ اس سنی عورت کو آبادی کے واسطے اپنے گھر شرعاً لے جا سکتا ہے اور ایسے تبرائی کا نکاح سنیہ عورت حنفیہ سے رہ سکتا ہے یا باطل ہو جاتا ہے

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۱/ ۳۰۳، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/ ۵۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۱۰۲، سعيد)

اور اس میں قضاء قاضی کی بھی شرط ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب بحوالہ کتب تحریر فرما کر عنداللہ وعندالرسول ماجور ہوں۔

خاکسار محمد حسین، خطیب جامع مسجد ضلع کٹک، ۲۴/شعبان/۱۳۴۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے(۱) اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اسلام وایمان پر اجماع ہے، ان کو کافر کہنا بالیقین کفر ہوگا اور ان حضرات کی خلافت بھی اجماعی ہے، لہٰذا ان حضرات کے حق میں ظالم اور غاصب وغیرہ الفاظ کا استعمال بھی خلافِ اجماع ہے، لہٰذا کفر ہے:

"وفی الفتح عن الخلاصة: إن أنكر خلافة الصديق رضى الله تعالىٰ عنه أوعمر رضى الله تعالىٰ عنه، فهو كافر اهـ. ولعل المراد إنكار استحقاقهما الخلافة، فهو مخالف لإجماع الصحابة، لا (المراد) إنكارُ وجودها لهما ، بحر". رد المحتار، ص: ٥٧٦ (٢).

اور شوہر کے مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، قضاء قاضی کی شرط نہیں، مدخولہ پر عدت واجب ہوتی ہے اور پورا مہر اس کو دلایا جاتا ہے اور غیر مدخولہ پر عدت واجب نہیں ہوتی اور نصف مہر اس کو دلایا جاتا ہے:

"وارتداد احدهما: أى الزوجين فسخ، فلا ينقص عدداً عاجلٌ بلا قضاء، فللموطوئة ولو حكماً كل مهرها لتأكده به، ولغيرها نصفه". (درمختار). قال الشامى فى قوله: (بلا قضاء): أى بلا توقف علىٰ قضاء القاضى، وكذا بلا توقف علىٰ معنى عدة فى المدخول بها، كما فى البحر". شامى: ٦٠٦/٢ (٣).

---

(١) "عن أبى ذر رضى الله عنه أنه سمع النبى صلى الله عليه وسلم يقول: "لايرمى رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ٨٩٣/٢، قديمى)

(٢) (ردالمحتار: ٥٦١/١، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ٢٠٣/٥، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتار خانية: ٢٨٥/٥، كتاب أحكام المرتدين، إدارة القرآن)

(٣) (ردالمحتار على الدر المختار: ١٩٣/٣، باب نكاح الكافر، سعيد)............ =

لہٰذا عدت گزر چکی ہے تو اس عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا درست ہے، اس شیعہ کے یہاں کسی طرح جانا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ رمضان۔

ایضاً

سوال[۷۳۰]: ایک شخص اہل سنت کا نکاح عرصہ ۱۴/ ماہ وسال کا ہوا ہوگا، آج تک لڑکی کے والدین نے شوہر کے پاس نہیں بھیجا، اکثر اوقات یہ کہتا ہے کہ مجھ کو بدلا دو، کچھ رقم دو۔ اب عرصہ دو سال سے یہ ظاہر کیا کہ لڑکا شیعہ ہو گیا ہے جس کی بابت دیوبند کے علماء صاحبان سے دریافت کیا تو یہ بتلایا گیا ہے کہ لڑکا شیعہ ہو گیا ہے تو اس کا نکاح جائز نہیں رہا، حرام ہو گیا۔ یہ تحریر برادری میں پیش کی، جو گواہان کے دستخط ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ لڑکے کو ہم نے شیعہ ہوتے نہیں دیکھا، بلکہ ان ہی لوگوں کی زبانی سنا ہے۔ اگر واقعی نکاح حرام ہو گیا تو کس صورت سے اس کے متعلق جو فتویٰ ہو تحریر ہو جائے؟

محمد حنیف رنگ ساز، قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکے نے شیعہ کے وہ عقائد اختیار کر لئے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے تو نکاح فسخ ہو گیا(۱)، اگر عقائد کفریہ اختیار نہیں کئے تو نکاح فسخ نہیں ہوا، تاہم بہتر یہ ہے کہ اس شخص کے عقائد سمجھا کر درست کر دیئے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۳/۳، باب نكاح الكافر، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۴۸/۲، باب نكاح أهل الشرك، شركت علميه)

(۱) "وارتداد احدهما): أى الزوجين (فسخ) فلا ينقص عدداً (عاجل) بلا قضاء". قال الشامي: "أى بلا توقف على قضاء القاضي، وكذا بلا توقف على مضى عدة في المدخول بها". (ردالمحتار على الدر المختار: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، باب نكاح الكافر، سعيد)

(وكذا في الهداية على صدر فتح القدير: ۴۲۸/۳، باب نكاح أهل الشرك)

جائیں کیونکہ رفتہ رفتہ زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے، جس کا اثر عورت پر بھی پڑے گا۔

شیعہ کے عقائد کفریہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھنا، یا ان کو نبی آخر الزماں ماننا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق عقیدہ رکھنا کہ انہوں نے وحی پہنچانے میں غلطی کی، قرآن شریف کو محرف ماننا وغیرہ وغیرہ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

جس عورت کا شوہر شیعہ ہو جائے اس کا حکم

سوال [۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی منکوحہ کے نان ونفقہ سے عرصہ آٹھ سال سے دست بردار ہے، کیا اس کی منکوحہ کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی بروئے شریعت اجازت ہے اور زید مذہباً شیعہ ہو گیا ہے، اور مفقود الخبر بھی نہیں ہے۔

بینوا بالبرهان و توجروا من الرب الرحمان.

الجواب حامداً و مصلیاً:

روافض کے فرقے مختلف ہیں جن میں سے اکثر کافر ہیں اور بعض مومن، مگر فاسق ہیں۔ جو فرقے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں، یا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا انکار کرتے ہیں، یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل مانتے ہیں، یا اس بات کے قائل ہیں کہ آئندہ کوئی نبی پیدا ہو کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو منسوخ کرے گا وغیرہ وغیرہ من الکفر الصریح یہ سب فرقے کافر ہیں اور شرعاً مرتد کے حکم میں ہیں:

"نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، أو أنكر صحبة

---

(۱) "وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان مما يعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة". (ردالمحتار: ۴۶/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۶۴/۲، الباب التاسع في أحكام المرتدين، رشيديه)

الصديق، أواعتقد الألوهية في عليّ، أو أن جبريل غلط في الوحي، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن". رد المحتار:۳/۴۵۳ (۱)۔

عالم گیری :۲/۸۸۵ میں ہے "أحكامهم أحكام المرتدين، كذا في الظهيرية"(۲)۔

لہٰذا اگر کوئی شخص بدکاران فرقوں میں سے کسی فرقے میں شامل ہوجاوے تو مرتد ہے اور ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجاوے گا۔ تنویر:۱/۲۲۰ میں ہے: "وارتداد أحدهما فسخ عاجل" (۳)۔

اور جو فرقے شیعہ کے ضروریاتِ دین کا انکار نہیں کرتے البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں وہ کافر نہیں، بلکہ مومن ہیں لیکن فاسق ہیں، اگر زید ان میں داخل ہوا ہے تو اس سے ان کا نکاح فسخ نہیں ہوا اور نفقہ نہ دینے کی وجہ سے اندریں صورت اس کی عورت کے لئے جائز نہیں کہ دوسری جگہ اپنا نکاح کرے: "ولا يفرق بينهما بعجزه عنها". شامی:۲/۶۵۶ (۴) کیونکہ وہ زید کے نکاح سے خارج نہیں

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين: ۴/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاريؒ، ص: ۷۰، ۲۷، و أيضاً في بحث التوبة منه، ص: ۱۲۲، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، أواخر فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/۴۸۵، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، و منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الأول في المقدمة: ۴/۳۸۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل إذا ارتد أحد الزوجين: ۵/۵۴۶، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۳۹، و مجمع الأنهر: ۱/۳۷۲، والبحر الرائق: ۳/۳۷۳، و تبيين الحقائق: ۲/۲۲۲، كلهم في كتاب النكاح، باب نكاح الكافر)

(۴) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الأمر بالاستدانة على الزوج: ۳/۵۹۱، سعيد)

ہوئی، البتہ عورت کو حق ہے کہ شوہر پر نفقہ کے مطالبہ کا دعوی کرے، اگر شوہر کے پاس نفقہ دینے کی گنجائش نہیں بلکہ وہ تنگدست ہے تو حاکم عورت کو اجازت دیدے گا کہ وہ قرض لے کر اپنا نفقہ پورا کرے اور اس قرض کی ادائیگی شوہر پر ہوگی: "و من أعسر بنفقة المرأة، لم يفرق بينهما، و يقال لها: استديني عليه". ہدایہ: ۲/۴۱۹(۱)۔

اور اگر زوج کے پاس نفقہ دینے کی گنجائش ہے تو حاکم اس کے اوپر جبر کرے گا اور اس کے مال سے نفقہ دے گا: "و لو امتنع عن الإنفاق عليها مع اليسر، لم يفرق، و يبيع الحاكم عليه ماله و يصرفه في نفقتها، فإن لم يجد ماله يحبسه حتى ينفق عليها و لا يفسخ". فتح القدير: ۳/۳۲۹ (۲)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن، صحیح: عبداللطیف، ۶/محرم الحرام/۵۲ھ۔

کیا بت کی پوجا سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال[۷۳۲]: میری شادی ایک دیہات میں ہوئی ہے، میرا شوہر ماتا کو دھوک دیتا ہے اور اس کی پوجا کرتا ہے حالانکہ مسلمان ہے، سوال یہ ہے کہ پوجا کرنے سے مسلمان رہا یا نہیں اور میرا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ یہ مجھ کو بھی مجبور کرتا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ پوجا کروں، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر شوہر نے بت کی پوجا کی جس طرح کہ ہندو کرتے ہیں تو اس سے نکاح بھی ٹوٹ گیا اور اس کا ایمان بھی جاتا رہا(۳)، جب تک کہ وہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کرے اس سے علیحدہ رہیں اور اس بات میں اس کا

---

(۱) (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۴۳۹، مكتبه شركة علميه)

(۲) (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۹۰، مصطفى البابى بمصر)

(۳) "و كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاذورة، فإنه يكفر و إن كان مصدقاً". (رد المحتار، كتاب الجهاد باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

"وارتداد أحد الزوجين: أى تبدل اعتقاد الإسلام بالكفر حقيقةً على أحدهما كما إذا تمجس أوتنصر، أو حكماً، كماإذا قال بالإختيار ما هو كفر بالإتفاق فسخ: أى رفع لعقد النكاح في الحال". =

حکم ہرگز نہ مانیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

مُرتد کا نکاح فسخ ہوگیا

سوال [۷۳۲]: ایک مسلمان لڑکا فرقہ قادیانی میں جا کر مل گیا ہے، اس لڑکے کی پہلی شادی مسلمان لڑکی سے ہوئی تھی اور اب اس نے دوسری شادی قادیانی لڑکی سے کرلی اور لڑکا اکثر گھر سے باہر رہتا ہے، جب کبھی گھر آتا ہے تو گھر والوں سے کہتا ہے کہ میں قادیانی ہوگیا ہوں، اب آپ لوگ میرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتے اور آپ لوگ میرا جنازہ تک نہیں پڑھ سکتے۔ اب اس صورت میں اس کا پہلا نکاح فسخ ہوگیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرزا غلام احمد قادیانی حکمِ شرعی کے اعتبار سے کافر ہے اور جو شخص اس کے مذہب کو اختیار کرے وہ بھی مرتد ہے (۲) جس کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ ہوگیا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

= (مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر: ۱/۳۷۲، دار احياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب العاشر في نكاح الكافر: ۱/۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۳، رشيديه)

(۱) قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۶۳۸۶/۱۲، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث، ۲۰۱۳۰، ۵۹/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب الامارة والقضاء، الفصل الثاني: ۳۲۱/۲، قديمي)

(۲) "لاخلاف في كفر المخالف في ضروريات الإسلام وإن كان من أهل القبلة، المواظب طول عمره على الطاعات". (مجموعه رسائل كشميرى، إكفار الملحدين: ۱۷/۳)

(۳) "وارتداد أحد الزوجين: أي تبدل اعتقاد الإسلام بالكفر حقيقةً على أحدهما، كما إذا تمجس أو تنصر، أو حكماً، كماإذا قال بالإختيار ما هو كفر بالإتفاق فسخ: أي رفع لعقد النكاح في الحال".

(مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر: ۳۷۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)............ =

نکاح مرتدہ

سوال[۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں، سماۃ غفوراً مرتدہ ہوکر عیسائی ہوگئی اور عرصہ تک عیسائی مشن میں رہی، بدقتِ تمام اس کو وہاں سے نکالا گیا اور پھر مسلمان کر کے مسمی عبداللہ مساۃ کے سوتیلے باپ کے برادرزادہ سے اس کا نکاح کیا گیا۔عورت مذکور کے متعلق مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱......بحالتِ ارتداد مساۃ غفوراً کا نکاح شوہر سابق سے باقی رہا یا نہیں؟

۲......اگر نکاح سابق مرتد ہونے سے فسخ ہوگیا تو عقد ثانی جو عبداللہ سے ہوا تو صحیح ہوگا، لہذا ابصحت عقد ثانی شوہر سابق کا شوہر ثانی عبداللہ سے مساۃ کے مہر کا معاوضہ کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

۳......اگر سابق نکاح بدستور قائم رہا تو عقد ثانی جو مسمی عبداللہ سے ہوا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......صورتِ مسئولہ میں مساۃ مذکور کے لئے جائز نہیں کہ علاوہ شوہر سابق کے کسی اَور سے نکاح کریں، بلکہ اگر شوہر اول اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً عورت پر جبر کیا جاوے گا، شوہر اول سے نکاحِ اول کی تجدید کرلے۔

"و ليس للمرتدة التزوج بغير زوجها، و به يفتي". در مختار (۱). وقال الطحطاوی: "وقوله: تجبر على تجديد النكاح مع الزوج، فلكل قاض أن يجدد النكاح بمهر يسير و لو بدينار، رضيت أم لا، و تمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها، قال في البحر: ولا يخفى أنه محله إذا طلب الأول ذلك، أما إذا رضي بتزوجها من غيره فهو صحيح؛ لأن الحق له، و كذلك لو لم يطلب تجديد النكاح، واستمر ساكتاً لا يجدده القاضي حيث أخرجها من بيته" (۲)۔

= (و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب العاشر في نكاح الكافر: ۱/۳۳۹، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۳، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۵۳، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب نكاح الكافر: ۲/۸۴، ۸۵، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في رد المحتار، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹۴، سعيد) .... =

۲.....شوہر سابق کو شرعاً حق حاصل ہے کہ مسماۃ مذکورہ کا عبداللہ سے مطالبہ کرے، اگر اس کے نکاح سے راضی نہیں ہے، اگر اس کے نکاح سے راضی ہے اور خود تعلق زوجیت کو ختم کر چکا تو مطالبہ کافی نہیں۔

۳.....شوہر سابق اگر راضی نہیں عورت کے اس نکاح ثانی سے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، لیکن اگر شوہر سابق عورت کے اس نکاح ثانی سے راضی ہے، تو یہ صحیح ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ۔

عبداللطیف، ۳۰/ ذی الحجہ/ ۵۱ھ۔

ارتدادِ زوجہ سے فسخ نکاح

سوال [۵۳۷]: ایک عورت عیسائی مذہب اختیار کر لیتی ہے پھر مسلمان ہو جاتی ہے آیا اس کا نکاح باقی ہے سابق خاوند سے یا نہیں؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں کہ عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد خواہ کتنی ہی مدت کے بعد مسلمان ہو اور مسلمان ہونے کے بعد اگر سابق خاوند کے علاوہ سے نکاح کرے تو کیا حکم ہے آیا فسخ ہو جائے گا یا نکاح درست ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں احناف کی کئی روایتیں ہیں، اس زمانہ میں جو مفتی بہ ہے وہ یہ ہے کہ عورت کا نکاح اس حرکت سے فسخ نہیں ہوا بلکہ وہ بدستور شوہر سابق کے نکاح میں باقی ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گزر جائے اس کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

البتہ شوہر کو اس سے استمتاع ہی منع ہے، جب وہ تجدیدِ اسلام کرلے تو احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرلے، اس کے بعد استمتاع جائز ہو جائے گا، اگر سابق شوہر اس کو نہ رکھنا چاہے، بلکہ آزاد کر دے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا اور جب تک سابق شوہر آزاد نہ کر دے تو اگر دوسری جگہ نکاح بھی کر دیا تو درست نہیں،

= (وكذا في البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر: ۱/ ۳۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) شامی میں بحوالہ البحر الرائق اور النہر الفائق لکھا ہے کہ اگر شوہر اول نے نکاح ثانی کی اجازت دی تو نکاح ثانی صحیح رہے گا کیونکہ شوہر اپنے حق کو خود ساقط کر رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، ص: ۵۶۶، حاشیہ نمبر: ۲۔

بلکہ غیر معتبر اور کالعدم ہے (۱)، حیلۂ ناجزہ میں اس کی تفصیل موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۱۳۶۰ھ۔

عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

سوال [۷۳۶]: ایک عورت اپنے شوہر کے یہاں رہنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ اپنے خاص دوست کے یہاں جانا چاہتی ہے، جو شادی سے پہلے کے دوست بنے ہوئے ہیں، اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا تو ایک آدمی نے خلاصی کا یہ طریقہ بتلا دیا کہ ارتداد کا اعلان کردے تو نکاح خود بخود ٹوٹ جائے گا، پھر دوست سے نکاح کر سکتی ہے، چنانچہ اس عورت نے ارتداد کا اعلان کر دیا، لہذا اس طرح دوست سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں دوست سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی، سابق نکاح بدستور باقی ہے، (مختار قول پر) ارتداد سے فرقت نہیں ہوئی، اول خاوند کے پاس ہی رہنا ہوگا اور جس شخص نے ارتداد کرا کے خلاصی کا طریقہ بتایا ہے، وہ خود اس سے مرتد ہو گیا (۳)، جلد سے جلد تائب ہو کر تجدید ایمان کرنا چاہئے ورنہ "خسر الدنیا والاٰخرۃ" کا مصداق ہوگا، کمافی الدر المختار علی هامش رد المحتار۔

"و لا تتزوج بغیرہ و بہ یفتیٰ. الملتقط": ۲۶۳/۳ (۴)۔ "وأفتیٰ مشایخ بلخ بعدم

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "نکاح مرتدہ" رقم الحاشیة ۱، ۲)

(۲) (الحیلة الناجزة، حکم ارتداد زوجہ، ص: ۱۸۱ - ۱۸۵، دار الاشاعت)

(۳) "من أمر امرأةً حتی ترتد عن الإسلام لتبین من زوجها، فهو کافر". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی تعلیم الکفر و تلقینه اهـ: ۵۲۶/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، و منها ما یتعلق بتلقین الکفر اهـ: ۲۷۶/۲، رشیدیه)

(۴) (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۵۲/۴، سعید)

الفرقة بردتها زجراً وتیسیراً لا سیماً التی وقع فی المکفر ثم تنکر". و هکذا فی فتاوی عالمگیری: ۲/٦٤٦ (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔

غیر مسلم کے ساتھ چلے جانے پر نکاح کا حکم

سوال[۷۳۷]: ایک مسلمان عورت ایک خاکروب کے گھر میں تیرہ روز رہی اور اس نے اس خاکروب کے گھر سے کھانا بھی کھایا اور زنا بھی کیا اور اس خاکروب کے گھر میں خنزیر بھی ہیں، یہ بھی سنا جاتا ہے کہ اس عورت کے تعلقات ناشائستہ خاکروب سے پہلے بھی تھے جس کی چشم دید شہادت کوئی نہیں، بعد تیرہ روز معرفت پولیس وہ عورت گرفتار کرائی گئی، اس وقت وہ عورت خاکروب کے رخ پر تھی، بعد میں تھانہ دار کے جبر کرنے پر اس عورت نے اپنے خاوند کا رخ کیا اور پھر اس عورت نے یہ بھی کہا کہ میں تو چوہڑی (۲) ہوگئی۔اب وہ عورت خاوند کے گھر میں ہے کھانا پینا علیحدہ ہے اور اب وہ عورت اسلام ہی میں رہنا چاہتی ہے شرعی حکم کیا ہے؟

چھچر ولی ڈاک خانہ ریاست کلہ،ضلع انبالہ،عبدالوہاب عرائض نویس۔

ان الفاظ سے عورت کا یہ منشاء نہ تھا کہ میں نے مذہب اسلام چھوڑ دیا اور چوہڑوں کا مذہب اختیار کرلیا ہے بلکہ یہ منشاء ہے کہ میں خاکروب کے ساتھ مخلوط ہوئی ہوں اس لئے چوہڑی ہوگئی ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر عورت نے مذہب اسلام چھوڑ کر اس ہندو خاکروب کا مذہب اختیار کرلیا تھا تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا

---

(۱) (لم أطلع على العبارة المذكورة في الفتاوى العالمكيرية، ولكن وجدتها باللفظ المذكور في الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر : ۱۹۴/۳، سعيد)

إلا أن مضمونها موجود في الفتاوى العالمكيرية : "ولكل قاض أن يجدد النكاح بأدنى شيء و لو بدينار سخطت أو رضيت، و ليس لها أن تتزوج إلا بزوجها، قال الهندواني : آخذ بهذا، قال أبو الليث: و به نأخذ، وكذا في التمرتاشي". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۹/۱، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكافر ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب النكاح باب نكاح الكافر : ۳۷۳/۳، رشيديه)

(۲)"چوہڑی (چُوہ۔ڑِی) خاکروبن،بھنگن،بھنگی کی بیوی"۔(فیروز اللغات،ص:۵۴۶،فیروز سنز لاہور)

تھااور وہ مرتد ہوگئی تھی، اب تجدید ایمان اور تجدید نکاح شرعاً ضروری ہے، اگر خاوند اس کو رکھنا چاہتا ہے تو عورت کو کسی دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اسی خاوند سے تھوڑے سے مہر پر نکاح جبراً دوبارہ کردیا جائے، عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو، اگر خاوند اس کو رکھنا نہیں چاہتا تو پھر دوسرے کسی مسلمان سے نکاح کرنا بھی جائز ہے(۱)۔ لیکن اس ہندو خاکروب سے یا کسی اور ہندو غیر مسلم سے اس کا نکاح ہرگز جائز نہیں ۔

اور اگر اس عورت نے مذہب اسلام نہیں چھوڑا تھا بلکہ خواہش نفسانی کی وجہ سے اس خاکروب کے گھر بھاگ گئی تو اس کا نکاح نہیں ٹوٹا، بدستور خاوند کے ساتھ قائم ہے(۲)، البتہ اپنی ناشائستہ حرکت سے سچے دل سے توبہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ سوال کے بعض الفاظ مبہم ہیں، اس لئے تجدید ایمان ونکاح احتیاطاً کرہی لینا بہتر اور مناسب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۰/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۵۲ھ۔

غیر مسلم کے ساتھ بھاگ جانے سے نکاح پر اثر

سوال[۷۳۸]: ہندہ شادی کے بعد چھ ماہ وہ اپنے شوہر کے پاس رہی، پھر ایک روز رات کو بھاگ

---

(۱) "وارتداد أحدهما فسخ في الحال .... و بعض مشايخ بلخ و مشايخ سمرقند أفتوا بعدم الفرقة بردتها حسماً لباب المعصية والحيلة للخلاص منه . و عامة مشايخ بخارى أفتوا بالفرقة، لكنها تجبر على الإسلام والنكاح مع زوجها الأول ؛ لأن الحسم يحصل بهذا الجبر .... قالوا: ولكل قاض أن يجدد النكاح بمهر يسير و لو بدينار رضيت أو لا .... وصحح في المحيط والخزانة ظاهر الرواية من وقوع الفرقة والجبر على تجديد النكاح من الأول و عدم تزوجها بغيره بعد إسلامها . وقال الولوالجي : وعليه الفتوى. ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الأول ذلك، أما إذا رضي بتزوجها من غيره، فهو صحيح؛ لأن الحق له". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر : ۳/۳۷۳، ۳۷۴، رشيديه)

(۲) "و ما كان خطأً من الألفاظ و لا يوجب الكفر ، فقائله مؤمن على حاله ، و لايؤمر بتجديد النكاح والرجوع عن ذلك ، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

گئی، بہت تلاش کیا مگر ایک ہندو لڑکے کے یہاں سے ملی، پھر اس کو لے کر آگئے اور اس کے باپ کے حوالے کردی تو اس کا اسلام قائم رہا یا نہیں وہ لڑکی رکھنے کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس نے شرک وکفر نہیں کیا تو وہ اس کمینہ حرکت کے باوجود اسلام سے خارج نہیں ہوئی (۱) شوہر رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے (۲)۔ آئندہ ایسی حرکت سے پختہ توبہ کرلے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا تعزیہ بنانے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟

سوال [۷۳۹]: شریعتِ مطہرہ کا حکمِ منع سن کر اگر مسلمان نہ مانیں، پھر اسی مسجد میں تعزیہ بناویں یا رکھیں. یا مسجد کے پاس نماز وجماعت کے وقت شوروغل مچاویں تو ان کا نکاح باطل ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف عمل نہ کرلینے سے نکاح باطل نہ ہوگا اگرچہ گناہ ہوگا، کسی حکمِ شرعی کا استخفاف واستہزاء کفر ہے (۳)

---

(۱) "ثم إن كانت نية القائل الوجه الذى يمنع التكفير فهو مسلم". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الأول: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، باب احكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۲) "له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر، لا يجب تطليقها، كذا فى القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون فى المتفرقات: ۳۷۲/۵، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة فصل فى البيع: ۲۱۱/۴، دار المعرفة)

(۳) "من قال: لا أصلى جحوداً أو استخفافاً، أو على أنه لم يؤمر أو ليس بواجب انتهى، فلا شك أنه كفر فى الكل". (شرح الفقه الأكبر، فصل فى القراءة والصلوة: ۱۷۰، قديمى)

"إذا أنكر آيةً من القرآن أو استخف بالقرآن أو بالمسجد أو نحوه مما يعظم فى الشرع، أو عاب شيئاً من القرآن أو خطئ أو سخر بآية منه اهـ". (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ۶۸/۱، دار إحياء التراث العربى)

اوراس سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۲/۵۲ھ۔

لاپتہ شوہر کی بیوی مرتد ہوگئی

بخدمت شریف جناب مولانا مفتی صاحب مظاہر العلوم اسلامیہ اسکول سہارن پور۔

جناب عالی!

[۷۴۰] نہایت ادب سے گزارش کرتا ہوں کہ ایک معاملہ آنجناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، امید کرتا ہوں کہ آنجناب بہت جلدی جوابات سے مشکور فرمائیں گے۔

معاملہ:

مسماۃ جنت بی بی دختر سکنہ ریاست بٹیالہ کی ہے، اس وقت اسی کے بارے میں فتویٰ مطلوب ہے، اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ اس کی شادی مسمی فضل الدین سے تھی، وہ کچھ واقعہ کرکے اس کو چھوڑ کر کے کسی جگہ چلا گیا اور لاپتہ ہوگیا، کچھ مدت گزرتی رہی بعد میں عورت نے ۱۰/۴/۸۴ کو مقام فیروز پور شدھی یعنی اہل ہنود مذہب اختیار کرلیا اور سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے، بعد میں ۲۶/۴/۸۴ کو مذہب اسلام پھر قبول کرلیا بمقام فیروز پور مولوی عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر، ان ایام میں آوارہ گردی رہی ہے، مذہب اسلام کے بعد عورت کا دین محمد سے ۴/۹/۸۴، کو نکاح پڑھ لیا گیا۔ان ایام میں جب کہ مسماۃ مذکورہ اہل ہنود ہی اور بعد میں پھر اسلام قبول کرلیا کسی قسم کا اعترض پیدا نہیں ہوا، اب نکاح پڑھنے پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا خاوند زندہ ہے اور طلاق نامہ نہیں ہوا اور نکاح جائز نہیں ہوا ہے، خواہ مخواہ اعتراض پیدا کرکے حیران کرتے ہیں، ان کا نکاح ہوچکا ہے اور کوئی وارث یا والدین کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔اس کے بارے میں فتویٰ طلب کرتا ہوں، آیا یہ مسماۃ کا

---

(۱) "وارتداد أحد الزوجين: أى تبدل اعتقاد الإسلام بالكفر حقيقةً على أحدهما، كما إذا تمجس أوتنصر، أو حكماً، كما إذا قال بالإختيار ما هو كفر بالإتفاق فسخ: أى رفع لعقد النكاح فى الحال".

(مجمع الأنهر ، باب نكاح الكافر : ۱/۳۷۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، الباب العاشر فى نكاح الكافر : ۱/۳۳۹، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر : ۳/۳۷۳، رشيديه)

2

معاملہ جائز ہے یا ناجائز؟

خادم احقر محمد لقمان، از کوٹ چھورہ خاص ۸۴/۹/۱۴ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شدھی ہونے پر یا اور کوئی مذہب تبدیل کرنے پر مفتی بہ قول کی بناء پر مسلمہ عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوتا، خواہ اس عورت نے نکاح فسخ کرنے اور اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے کے لئے ہی کیوں نہ مذہب اختیار کیا ہو، تب بھی نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ پس صورتِ مسئولہ میں عورت کے شدھی ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹا بلکہ مسمی فضل الدین کے نکاح میں بدستور باقی ہے اور دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں ہوا(۱)، عورت کو لازم ہے کہ دوسرے شخص سے بالکل علیحدہ رہے، اس کو صحبت وغیرہ کا ہرگز ہرگز موقع نہ دے، کیونکہ یہ زنا ہے جو کہ حرام ہے۔ ماں باپ یا دوسرے رشتہ داروں کے خاموش رہنے پر بلکہ اگر وہ خوش ہوکر نکاح ثانی کردیں تو اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔

اگر مسمی فضل الدین کہیں مارا گیا اور اس کا کوئی پتہ معلوم نہیں، نہ اس کی موت وحیات کی خبر ہے اور عورت صبر وضبط نہیں کرسکتی تو اس کو چاہئے کہ حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور بیان دے کہ مسمی فضل الدین سے میرا نکاح ہوا ہے، اس پر گواہ باقاعدہ پیش کرے کہ نہ تو نان ونفقہ دے کر گیا ہے اور نہ کسی کو کفیل بنا کر گیا ہے، اور نہ وہاں سے بھیجتا ہے، مجھے نکاحِ ثانی کی سخت ضرورت ہے، نیز میں عصمت پر قادر نہیں، زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور سب بیان حلفیہ دے۔ حاکم مسلم باقاعدہ واقعات کی تحقیق کرے اور مسمی فضل الدین کو تلاش کرے، جب اس کے ملنے سے مایوس ہوجائے تو عورت کو چار سال تک کے انتظار کا حکم دے، اگر وہ اس مدت میں آ گیا تب تو خیر، ورنہ عورت کے مطالبہ پر مسمی فضل الدین پر موت کا حکم لگادے۔ اس کے بعد عورت عدتِ وفات گزار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے، اگر حاکم مسلم چاہے تو چار سال سے کم بھی مدت متعین کرسکتا ہے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند مسلمان دینداروں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے، اس جماعت میں کم از کم ایک معتبر عالم معاملہ شناس ہونا بھی ضروری ہے

---

(۱)(قد تقدم تخریجه تحت عنوان ''نکاح مرتدہ'')

اور جب تک اس طریقہ سے فسخ کرا کے عدت نہ گزاری جائے تو نکاح ثانی جائز نہ ہوگا، رسالہ ''حیلۂ ناجزہ'' کا دیکھنا بھی ضروری ہے اس میں اس مسئلہ کو خوب تفصیل سے لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

مرتد کی تجدید نکاح میں مہر جدید وغیرہ ضروری ہے

سوال[۱۷۴۱]: زید نے بکر سے ایک چیز مانگی اور قرآن کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ چیز تم کو لوٹا دوں گا، بکر نے وہ چیز دیدی، کچھ عرصہ بعد مانگنے پر زید نے انکار کر دیا، بکر نے حلف یاد دلایا، اس پر زید نے کہا میں قرآن سے منکر ہوں، اس کے بعد دوسرے کلمات کہے، مجھے خدا سے انصاف کی امید نہیں، جو کچھ سزا ملے گی اس دنیا میں ملے گی، آخرت میں کوئی چیز نہیں، میں تو بد دین کافر ہوں وغیرہ وغیرہ، لیکن جب زید کا غصہ ختم ہو گیا تو بکر نے زید سے توبہ کرائی، کلمہ شہادت کلمہ طیبہ پڑھوایا، پھر پوچھا مندرجہ بالا کلمات کی ادائیگی کے وقت آپ کا ارادہ اور نیت کیا تھی؟ کیا واقعی ایمان سے ہاتھ دھونے کا ارادہ تھا؟ زید نے جواب دیا کہ میری نیت اس وقت اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اسلام سے پھر جانے کی نہیں تھی، بلکہ دل دل میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کر رہا تھا۔مندرجہ بالا صورت حال کے متعلق درج ذیل سوالات کے جوابات مدلل طور پر نوازیں۔

۱...... مذکورہ بالا صورت میں زید کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

۲...... اگر فسخ ہو گیا تو زید کے نکاح کی کیا صورت ہے؟ تجدید نکاح میں گواہ اور اعلان عام، نئے مہر کا تعین، خطبہ نکاح، زوجین کی اجازت، جو لوازمات نکاح میں سے ہے، یہ سب کئے جائیں گے یا نہیں؟

۳...... اگر نکاح فسخ ہو گیا تو بیوی پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی مدت کی؟ نیز نکاح عدت کے بعد ہوگا یا عدت کی ضرورت نہیں ہے؟

۴...... زید کی بیوی اگر زید سے نکاح نہ کرنا چاہے بلکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں یعنی عدت واجب ہوگی یا نہیں؟ یا زید کا طلاق دینا ضروری ہے؟ مذکورہ بالا کفریہ کلمات کہنے سے تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟ اور جب تک تجدید ایمان ونکاح نہ کرے

---

(۱) (الحیلة الناجرہ، لحکیم الأمة التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

دوسرے مسلمان اس سے کیسا تعلق رکھیں؟ نیز زید کا یہ کہنا کہ یہ الفاظ زبان سے کہہ رہا تھا دل سے ان کا انکار کر رہا تھا یا غصہ میں نکل گئے، اس کے لئے تجدید ایمان ونکاح کی ضرورت ختم کردے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲، ۳، ۴..... زید کے ذمہ تجدید ایمان توبہ واستغفار کے ساتھ (۱) تجدید نکاح کا بھی حکم ہے (۲)۔

---

(۱) قد كفر هذا القائل بكل واحد من أقواله المذكورة : إما لقوله : ''میں قرآن کا منکر ہوں'' لأنه قال القاري: "و من جحد القرآن : أي كله أو سورةً منه أو آيةً ، قلت: و كذا كلمةً أوقراءةً متواترةً ، أوزعم أنها ليست من كلام الله تعالىٰ، كفر يعني إذا كان كونه من القرآن مجمعاً عليه، مثل البسملة في سورة النمل". (شرح الفقه الاكبر ، فصل في القرآة والصلوة : ص: ۱۶۷ ، قديمي)

(و بمعناه في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل فيمايتعلق بالقرآن : ۴۹۰/۵، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب موجبات الكفر أنواع ، و منها ما يتعلق القرآن اھ : ۲۶۶/۲، رشيديه)

وأما لقوله : ''مجھے خدا سے انصاف کی امید نہ'' فقد قال في التاتارخانية: "رجل قال: از ہر امیدے کہ بخدا دارم، نومیدم، يكفر". (كتاب أحكام المرتدين ، قبيل فصل فيما يعود إلى الغيب : ۴۷۶/۵، إدارة القرآن)

"و أما لقوله : ''آخرت میں کوئی چیز نہیں ہے'' فلِمَا في التاتارخانية، وهو: من أنكر القيامة أو الجنة أو النار أو الميزان أوالحساب أو الصراط أو الصحائف المكتوبة في أعمال العباد، يكفر ،و في مصباح الدين : أو جحد أحد وعداً أو ويداً ذكر الله تعالىٰ في القرآن عندالفزع في القبر،و في القيامة ، يكفر".

(كتاب أحكام المرتدين ، فصل فيما يتعلق بأمور الآخرة : ۵۰۰/۵، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب موجبات الكفر أنواع ، و منها ما يتعلق بيوم القيامة اھ : ۲۷۴/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۶/۵ ، رشيديه)

وأما لقوله:''میں تو بددین کافر ہوں'' فهو أيضا كفر لماقاله الفقهاء الكرام ، قال في شرح الفقه الأكبر : "من قال: أنا ملحد، كفر : أي لأن الملحد أقبح أنواع الكفرة، وفي المحيط والحاوي : لأن الملحد كافر". (فصل في الكفر صريحاً وكناية ،ص: ۱۸۳ ، قديمي)

(۲) "ثم إن كانت نية القائل .... الوجه الذي يوجب التكفير ، لا تنفعه فتوى المفتي "و يؤمر بالتوبة =

دو گواہوں کے سامنے مہر جدید سے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱) خطبہ نکاح اور اعلان فرض نہیں سنت ہے (۲) تجدید نکاح کے لئے عدت لازم نہیں۔

۴......زید چونکہ کہتا ہے کہ میرے دل میں ایمان موجود ہے میں نے اسے ترک کا بالکل ارادہ نہیں کیا، بلکہ جوالفاظ زبان سے کہہ رہا تھا دل میں توبہ بھی کررہا تھا، اس لئے زید کی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں بلکہ زید ہی کے ساتھ تجدید نکاح کے بعد رہے، البتہ اگر زید طلاق دیدے تو وہ واقع ہوجائے گی، اور بعد عدت نکاح ثانی کا اس کو اختیار ہوگا۔ بغیر تجدید نکاح زید کو اپنے اوپر قابو نہ دے، تجدید ایمان اور تجدید نکاح بہر حال ضروری ہے بغیر اس کے بیوی اس کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱/۶/۹۵ھ۔

عورت کے مرتد ہونے سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال [۷۴۲]: ایک عورت شادی کے بہت دن بعد مرتد ہوگئی، اب شوہر سے مہر کا مطالبہ کرتی ہے، کیا اس عورت کو مہر ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردت اختیار کرنے سے فرقت واقع نہیں ہوئی، سابق نکاح بدستور باقی ہے (مختار قول پر)۔ دوسرے شخص سے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں اور عورت کو پورا مہر ملے گا، کیونکہ شادی کے بعد شوہر کے وطی کرنے کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا، کما فی الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۵٤۰: "وأفتی مشایخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً و تیسیراً و لا تتزوج لغیره، به یفتی ،ملتقط": ۳/۲٦۳ (۳) " فللموطوءة

= والرجوع عن ذلک، و بتجدید النکاح بینه و بین امرأته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر ، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(و کذافی التاتارخانیة ، کتاب أحکام المرتدین ، فصل فی إجراء کلمة الکفر : ۵/۴۵۸، ادارة القرآن)

(۱) (قد تقدم تخریجه تحت عنوان: "غیر مسلم کے ساتھ چلے جانے پر نکاح کا حکم" حاشیة رقم : ۱)

(۲) "و یندب إعلانه (أی النکاح) و تقدیم خطبته اهـ". (الدر المختار ، کتاب النکاح : ۳/۸، سعید)

(۳) (الدر المختار، کتاب النکاح ، باب نکاح الکافر : ۳/۱۹۴، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق ، باب نکاح الکافر : ۳/۳۷۳، رشیدیه)

ولو حکماً کل مهرها لتأکده به". قال الشامی : (قوله: کل مهرها) أطلقه فشمل ارتداده و ارتدادها، بحر: ٥٣٩٢ "(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۵ھ۔

کیا ارتداد سے اعمال حبط ہوجاتے ہیں؟

سوال[۷۴۳] : ایت نمبر ۱: ﴿ومن یرتدد منکم عن دینه، فیمت وهو کافر، فأولئك حبطت أعمالهم فی الدنیا والآخره﴾ الخ (٢)۔

ترجمہ: جو تم میں سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں ہوجائے گا تو ایسے لوگوں کے عمل ضائع ہوجائیں گے۔

ایت نمبر ٢: ﴿ومن یکفر بالإیمان، فقد حبط عمله﴾(٣)۔

ترجمہ: جو کوئی ایمان سے پھر گیا تو اس کے عمل ضائع ہوگئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال: آیت نمبر:۱، سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص مرتد ہوجائے اور جب تک وہ کفر کی حالت پر نہ مرے اس کے عمل ضائع نہیں ہوتے، کیونکہ مثلاً جیسے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر مرتد ہوگیا اور ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ وہ پھر مسلمان ہوگیا تو اب اس کو ظہر کی نماز مکرر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، نماز اس کی ضائع نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوئی شخص حج کر کے مرتد ہوجائے اور وہ پھر مسلمان ہوجائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا استدلال: آیت نمبر:۲، سے امام صاحب نے استدلال کیا ہے کہ جو کوئی ایمان سے پھر جائے اس کے عمل ضائع ہوگئے۔ اس آیت کو دلیل بنا کر وہ فرماتے ہیں کہ جو بھی ایمان سے پھر جائے اس کے عمل ضائع ہوجائیں گے، مثلاً: اگر وہ مسلمان ہوجائے اور نماز کا وقت باقی ہے تو اس کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی کیونکہ بوجۂ ارتداد کے اس کی پہلی نماز ضائع ہوگئی، اسی طرح اگر اس نے حج کیا ہے تو اس کا وہ حج

---

(١) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۱۹۴/۳، سعید)

(٢) (البقرة: ٢١٧)

(٣) (المائدة: ٥)

ضائع ہوگیا اس کو دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔

گزارش ہے کہ اگر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر:۱، کو عمل نہ ضائع ہونے کی دلیل بنایا ہے تو آیت نمبر:۲ کا مطلب ان کے پاس کیا ہے۔ اور اگر امام صاحب نے آیت نمبر:۲، سے عمل ضائع ہونے کا مطلب لیا ہے تو آیت نمبر:۱، کا ان کے پاس کیا مطلب ہے؟ وضاحت کے ساتھ ایماء فرمائیں تو باعثِ شکریہ ہے اور یہ بھی ایماء فرمائیں کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو بزمانۂ کفر جو اس نے نیکیاں کی ہیں جس کو اسلام بھی نیکیاں مانتا ہے بحال رہیں گی یا نہیں، کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ اگر بیوی اور خاوند دونوں ایک وقت میں مسلمان ہو جائیں تو زمانۂ کفر کا نکاح بحال رہے گا، ان کو جدید نکاح کی ضرورت نہ رہے گی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اختلاف ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ مفہومِ صفت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت نہیں جیسے کہ: ﴿ومن لم يستطع منكم طولاً أن ينكح المحصنات المؤمنات، فمما ملكت أيما نكم من فتياتكم المؤمنات﴾(۱). اصولیین نے اس کو مثال میں پیش کیا ہے، كما في إرشاد الفحول وحصول المأمول، والتحرير وغيرها(۲).

---

(۱) (النساء: ۲۵)

(۲) "قال الشافعيّ: إن الحكم متى علق بشرط أو أضعيف إلى مسمى بوصف خاص أوجب نفي الحكم عند عدم الشرط أو الوصف، ولهذا لم يجز نكاح الأمَة عند فوات الشرط أو الوصف المذكورين في قوله تعالى: (ومن لم يستطع منكم طولاً أن ينكح المحصنٰت المؤمنات، فمن ماملكت أيمانكم من فتياتكم المؤمنت) الخ". (الحسامي: ۱/۵۴، ۵۵، كتب خانه مجيديه، ملتان)

(وكذا في أصول الشاشي، الأصل الرابع، ص: ۹۵، قديمي)

(وكذا في المختصر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل: ۱۳۳، دار إحياء التراث العربي)

"مفهوم الصفة: هو دلالة اللفظ المقيد لصفة على نفي الحكم عن الموصوف عند انتفاء تلك الصفة كقوله تعالى: ﴿ومن لم يستطع منكم طولا﴾ الآية ...... وأثبت الجمهور من الشافعية والحنابلة حجية مفهوم الصفة ...... ونفاه أبو حنيفة ومالك، الخ". (أصول الفقه الإسلامي، للزحيلي: ۱/۳۶۲، رشيديه) =

تفسیر مظہری میں ہے:

"(ومن يرتدد منكم عن دينه، فيمت وهو كافر، فأولئك حبطت أعمالهم)

استدل الشافعي رحمه الله تعالىٰ بهٰذه الأية على أن المرتد لايحبط عمله مالم يمت على الكفر، فإن صلى الظهر مثلاً، ثم ارتد- نعوذ بالله منها- ثم آمن والوقت باق، لايجب عليه إعادة الصلوٰة، وكذا من حج ثم ارتد ثم أسلم، لا يجب عليه الحج، وهو احتجاج مفهوم الصفة، وهو غير معتبر عند أبي حنيفه رحمه الله تعالىٰ. قال أبوحنيفه رحمه الله تعالىٰ: يجب عليه إعادة الصلوٰة إن أسلم والوقت باقٍ، وكذا يجب عليه الحج، لنا قوله تعالىٰ: ﴿ومن يكفر بالإيمان، فقد حبط عمله﴾ وهٰذا مطلق والمطلق لايحمل على المقيد عندنا". واللہ تعالیٰ اعلم(۱)۔

جن نیکیوں کے لئے ایمان شرط نہیں وہ ایسے نومسلم کی باقی رہیں گی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

= (وكذا في كشف الأسرار مع نور الأنوار على المنار: ۱/۲۰۶، قديمی)

(وكذا في إرشاد الفحول، الباب الثامن في المنطوق والمفهوم، النوع الأول، مفهوم الصفة: ۳۰۶، مصطفىٰ أحمد الباز)

"المفهوم ينقسم، .... وإلى مفهوم مخالفة .... وهو أقسام مفهوم الصفة .... والحنفية ينفونه". الخ. (التقرير والتحبير شرح التحرير للإمام الكمال بن الهمام، مفهوم المخالفة: ۱/۱۱۵، ۱۱۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (التفسير المظهری: ۱/۲۶۳، ۲۶۴، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في روح المعاني للآلوسي: ۲/۱۶۷، دارالكفر)

(وكذا في التفسير المنير: ۲/۲۶۶، دارالكفر)

(۲) "عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن حكيم بن حزام أخبره أنه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أرأيت أموراً كنت أتحنّث بها في الجاهلية، هل لي فيها من شئي؟ فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: =

مرتد ہونے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا

سوال[۷۴۴]: زید نے کہا کہ میں رات میں قرآن شریف کے ایک صفحہ کو حفظ کروں گا ورنہ جتنی دفعہ جتنا کھانا کھاؤں گا سب میرے لئے حرام ہے، اب زید نے حفظ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ دیا اور چند دن کے بعد اس نے یہ خیال کر کے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے اس کا شاید کفارہ نہیں ہوسکتا ہے، یہ گمان کر کے العیاذ باللہ مرتد ہوگیا، پھر ایک گھنٹہ کے بعد اسلام لایا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اسلام لانے کے بعد وہ قسم کے کفارہ سے سبکدوش ہوگیا یا نہیں، اگر نہیں ہوا تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حالتِ اسلام میں جو کفارہ لازم ہے، ارتداد سے اس کے سقوط میں اختلاف ہے، محققین کے نزدیک ساقط نہیں ہوتا، پس تجدید اسلام کے بعد کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

" و يقضي ما ترك من عبادة في الإسلام؛ لأن ترك الصلوة والصيام معصية، والمعصية تبقى بعد الردة"(۱). "قال أبوالسعود نقلاً عن القهستاني: وفيه إشارة إلى أنه لا يسقط بالردة ما هو من حقوق العباد، و كذا حقوقه التي يطالب بها الكفار كالحدود سوى الشرب، كما في شرح الطحاوي. وكذا مالا يطالبون به مثل الصلوة والصوم و الزكوة والنذر والكفارة، فيقضي إذا أسلم على ما قاله شمس الأئمة؛ لأن تركها معصية، والمعصية بالردة لا ترتفع، كمافي قاضي

= " أسلمت على ما أسلفت من خير " والتحنث (التعبد) .... وذهب ابن بطال وغيره من المحققين إلى أن الحديث على ظاهره، وأنه إذا أسلم الكافر ومات على الإسلام، يثاب على مافعله من الخير في حال الكفر، واستدلوا بحديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذ أسلم الكافر فحسُن إسلامه، كتب الله تعالىٰ له كل حسنة كان زلفها، ومحي عنه كل سيئة كان زلفها، و كان عمله بعد الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف، والسيئة بمثلها إلا أن يتجاوزه الله تعالى". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده: ۱/۷۶، ۷۷، قديمي)

(۱) (الدر المختار على هامش الطحطاوي، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲/۴۸۸، دارالمعرفه)

خان وغیرہ اھ"۔ طحطاوی: ۲/ ۴۸۸ (۱) ۔علامہ شامی نے بھی ردالمحتار میں اسی کو اختیار کیا ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ محرم/ ۵۷ھ۔

جنازۂ مرتد پر نماز اور مسلم قبرستان میں دفن

سوال[۵ ۷۴]: جنازۂ مرتد کی نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا اور مسلم قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرتد کے جنازہ کی نماز درست نہیں، اس کو مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دے کر مسلم قبرستان میں دفن نہ کیا جائے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

کیا ارتداد سے یمین ساقط ہو جاتی ہے؟

سوال[۶ ۷۴]: اگر زید نے اسلام کی حالت میں قسم کھائی کلما کے ساتھ یعنی "جب بھی میرا نکاح

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۲/۴۸۸، دار المعرفة بیروت)

(۲) (رد المحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: المعصیة تبقی بعد الردة: ۴/۲۵۱، سعید)

(۳) "أما المرتد، فیلقی فی حفرة کالکلب". (الدر المختار) و فی رد المحتار: (قوله: فیلقی فی حفرة): أی و لا یغسل، و لا یکفن، و لا یدفع إلی من انتقل إلی دینهم، بحر عن الفتح". (کتاب الصلوة ،باب صلوة الجنازة، قبیل مطلب فی حمل المیت: ۲/۲۳۰، کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلوته: ۲/۳۴۴، رشیدیه)

(و کذا فی فتح القدیر، باب الجنائز، قبیل فصل فی حمل الجنازة: ۲/۱۳۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

ہوتو طلاق ہو"۔ اور پھر اس کے بعد میں زید نعوذ باللہ من ذالک مرتد ہوجائے اور پھر اسلام لے آئے تو اس قسم کا اعادہ نہیں ہوگا؟ برائے کرم مکمل ومدلل مع احادیث وفقہ تحریر فرمائیں۔ فقط۔

والسلام محمد نفیس خان لکھیم پوری، متعلم دارالعلوم دیوبند، ۲/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نیت سے مرتد ہونا کہ تعلیق باطل ہو بڑے نہایت خطرناک ہے، نہیں معلوم کہ ارتداد کے بعد اسلام قبول کرنے کی مہلت ملتی ہے یا نہیں، اس سے پہلے ہی وقت موعود آجاتا ہے۔ نیز پھر اسلام سے محبت رہے یا نفرت پیدا ہوجائے۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ نیت کرے کہ کل کو مرتد ہوجائے گا تو وہ ابھی سے کافر ہوجاتا ہے(۱)۔

تصرفات مرتد کے ذیل میں شامی، بحر وغیرہ میں تعلیق کے ذیل بطلان وبقاء یمین کے متعلق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف نقل کیا ہے۔ کوئی شخص مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا جائے اور قاضی اسلام اس کے لحاق کا حکم کردے پھر وہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں لوٹ آئے تو اس کی تعلیق بھی عود کر آئے گی جیسے کہ اس کی املاک باقیہ عود کر آئے گی، یہ مسلک صاحبین رحمہما اللہ کا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم لحاق بمنزلۂ موت کے ہے جس کی بناء پر تعلیق ساقط ہوچکی ہے، اب اس کے عود الی الاسلام سے تعلیق عود نہیں کرے گی: "وكذا يبطل بلحاقه مرتداً ابدار الحرب خلافاً لهما اه". درمختار۔ (قوله: وكذايبطل): أي التعليق (قوله: خلافالهما): أي للصاحبين، فعند هما لا يبطل التعليق؛ لأن زوال الملك لايبطله، وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته وبالإرتداد ارتفعت العصمة فلم يبق تعليقه لفوات الأهلية، فإذا عاد إلى الإسلام لم يعيد ذالك التعليق الذى حكم

(۱)" ولوقال: ماأمرني فلان أى من المشائخ أو العلماء والأمراء أفعل ولوبكفر، أوقال: ولوكان كلمة كفر، كفر: أى لأنه نوى الكفرفي الاستقبال فيكفرفي الحال". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۸۴، فصل في الكفرصريحاوكنايه، قديمى)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۵۰۲، كتاب السيروالجهاد باب المرتد، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۳۲۱، كتاب السير، الباب الرابع في المرتد الثاني فيمايكون كفرامن المسلم ومالايكون، رشيديه)

بسقوطه". بحر عن شرح المجمع للمصنف". شامی: ۲/ ٤۹۷(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

ردت کے بعد کلما کی قسم کا حال

سوال[۷۴۷]: کسی شخص نے کلما کے لفظ سے قسم کھالی اور یہ گمان وخیال کیا کہ دنیا میں اس کا کفارہ کسی چیز وصورت میں نہیں ہوسکتا، لہٰذا وہ شخص مرتد ہوگیا، (العیاذ باللہ تعالیٰ عنہ) پھر وہ شخص آدھ گھنٹہ کے بعد اسلام لایا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس ارتداد سے اس کے اعمال باطل ہوں گے یا نہیں اور کفارہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ غلط ہے کہ کلما کی قسم کھالینے کے بعد کوئی صورت جواز کی ممکن نہیں۔ مرتد ہونے سے تمام اعمال برباد ہوجاتے ہیں حتی کہ اگر حج کرچکا تھا اس کا اعادہ لازم ہوتا ہے، موت کا وقت معلوم نہیں کیا خبر ہے کہ آدھ گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہی موت آجائے اور پھر نہ ختم ہونے والی زندگی دردناک عذاب کی حالت میں جہنم میں گذرے۔

مرتد ہوجانے سے صاحبین کے نزدیک تعلیق باطل نہیں ہوتی، پس اگر اسلام لانے کے بعد شرط پائی جاوے گی تو اس پر جزا کا ترتب لازم ہوگا، ہاں امام اعظم کے نزدیک البتہ مرتد ہونے کی وجہ سے بشرطیکہ دارالحرب میں جاکر لاحق ہوجائے تعلیق باطل ہوجاتی ہے اور اس صورت میں جبکہ دارالحراب میں جاکر کوئی لاحق ہوجائے تو اس پر مرتد کے جمیع احکام جاری ہوں گے۔

"ثم اعلم أن مما يبطل التعليق ارتداد الزوج ولحاقه بدار الحرب عنده خلافاً لهما، اهـ. بحر: ۲/ ۲۰۔ وقد بقي لها أحكام كثيرة: منها حبط العمل عند نابنفس الردة: أي إبطال العبادات. وفي الخلاصة: من ارتداد ثم أسلم وهو قد حج مرةً، فعليه أن يحج ثانياً، وليس

---

(۱) "رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۳۴۹، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۳۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، مكتبه رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۱۲۵، كتاب الطلاق، باب الإيمان في الطلاق، مصطفى البابي الحلبي)

علیه إعادة الصلوة والزكوة والصيامات؛ لأن بالردة كأنه لم يزل كافراً، فإذا أسلم وهو غنى فعليه الحج، وليس عليه قضاء لسائر العبادات اهـ. من ارتد ومات، فإنه يواخذ بعقوبة الكفر الأول والثاني، الخ". بحر:۵/ ۱۲۷(۱)۔

کلما کی قسم کھا کر جواز (حانث ہونے سے بچنے) کی صورت یہ ہے:فلو قال: كلماتزوجت امرأةً فهي طالق، تطلق بكل تزوج ولو بعد زوج اخر؛ لأن صحة هذا اليمين باعتبار مايحدث من الملك وهو غير متناه، وعن أبي يوسفؒ أنه لو دخل على المنكر فهو بمنزلة كل. وتمام في المطولات۔ والحيلة منه عقد الفضولي أو فسخ القاضي الشافعي ،وكيفية عقد الفضولي: أن يزوجه فضولي، فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ر ونحوه لابالقول، فلاتطلق، بخلاف ماإذاوكل به لانتقال العبارة إليه. وكيفية الفسخ أن يزوج الحالف امرأةً فيرفعان الأمر إلى القاضي فيدعى أنه زوجها قد تمردت عليه وزعمت أنها بالحلف صار ت مطلقةً، فيلتمس من القاضي فسخ اليمين، فيقول: فسخت هذه اليمين وأبطلتها وجوزت النكاح، فإن أمضاه قاضي حنفي بعد ذلك كان أجود، وعقد الفضولي أولى في ز مانا من الفسخ، لكن في الجواهر أن الفسخ أولى لكونه متفقاً عليه إلافي رواية عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، ثم إن كان الحالف شاباً فإقدامه عليه أفضل من العزوبة، وإن كان شيخاً، فلعزوبة أولى، كما في القهستاني والفتح وغيره. اهـ"۔ مجمع الأنهر:۱/ ۴۱۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۲/۵۹ھ۔

صحیح :عبداللطیف، الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۵/ ۲۱۳، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

"ومامأدى منها فيه يبطل ولايقضى من العبادات إلاالحج". (الدرالمختار: ۴/ ۲۵۱،سعيد)

(مجمع الأنهر ،۲/ ۵۰۱،باب المرتد ،مكتبه غفاريه)

"وكذايبطل بلحاقه مرتد أبدارالحرب خلافاً لهما". وفي ردالمحتار : فعند هما لايبطل التعليق ؛لأن زوال الملك لايبطله". (ردالمحتار: ۳/ ۳۴۹،سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر: ۲/ ۶۰،باب التعليق ،مكتبه غفاريه)............................ =

مرتد کی تجہیز وتکفین

سوال[۷۴۸]: عنایت خان نے دھوری بائی نومسلم سے اسلام قبول کرا کے نکاح کیا جن کے نطفے سے لڑکا غلام محمد نامی ہے، دو بہن ہیں۔ دھوری بائی نے اب ظاہر کیا ہے کہ میں اب ہندو مذہب میں واپس رہوں گی، اسلام سے تعلق نہیں ہے، قاسم خان جو دوسرا شوہر تھا اس کو بھی دھوری بائی نے جلوادیا۔ اب دھوری بائی سے تعلق رکھیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

دھوری بائی نے اسلام چھوڑ کر جو ہندو مذہب اختیار کیا ہے اس سے اس کے زمانۂ اسلام کے سب اعمال برباد ہوگئے، اگر وہ توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو ہمیشہ کیلئے جہنم کی مستحق ہے، اس سے کسی قسم کا تعلق ومحبت جائز نہیں (۱) اگر وہ مرجائے تو اس کی نعش کو سنت کے موافق تجہیز وتکفین نہ کی جائے اور اس میں شرکت نہ کی جائے (۲)۔ ہندو لوگ جو چاہیں کریں، غلام محمد بالکل الگ رہے، قاسم خان کو انتقال کے بعد جلوا

= (وکذا فی الاشباہ والنظائر ، الفن الخامس: ۳/ ۳۰۱، الفصل السادس فی النکاح)

(وکذا فی فی الدر المختار ،۳/ ۸۴۶، سعید)

(۱) قال اللہ تعالیٰ :﴿و من یرتدد منکم عن دینہ، فیمت وھو کافر، فأولئک حبطت أعمالھم فی الدنیا والآخرۃ، وأولئک أصحاب النار ھم فیھا خلدون﴾. (سورۃ البقرۃ : ۲۱۷)

وقولہ : "(فیمت و ھو کافر) .... فیمت قبل أن یتوب من کفرہ فھم الذین حبطت أعمالھم .... بطلت و ذھبت وبُطُولُھا ذھاب ثوابھا و بطول الأجر علیھا أو الجزاء فی دار الدنیا والآخرۃ. وقولہ : (وأولئک أصحاب النار ھم فیھا خلدون) .... وإنما جعلھم أھلھا؛ لأنھم لا یخرجون منھا، فھم سکانھا المقیمون فیھا الخ". (جامع البیان فی تفسیر القرآن لابن جریر: ۲/ ۲۰۷، دار المعرفۃ)

قال اللہ تعالیٰ :﴿و من یکفر بالإیمان، فقد حبط عملہ، و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین﴾. (سورۃ المائدۃ:۵)

(۲) وفی الدر المختار:"(ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ) کخالہ (الکافر الأصلی)، أما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب (عند الاحتیاج) .... من غیر مراعاۃ السنۃ". (کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز : ۲/ ۲۳۰، سعید) .... =

دینا جائز نہیں تھا، یہ سخت گناہ ہوا تو بہ لازم ہے (۱) مسلمانوں کو چاہیے کہ کفن دفن کرتے اور نماز جنازہ ادا کرتے، اب اس کے لئے استغفار کریں، قرآن پاک پڑھ کر نوافل پڑھ کر صدقہ دے کر اس کو ثواب پہنچائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

منکر نماز کا جنازہ

سوال [۷۴۹]: ایک شخص نے اپنی تمام زندگی سرنگوں نہیں کیا یعنی لڑکپن سے لے کر حالت پیری تک نماز نہیں پڑھی، اس کی موت آنے کے ایک سال قبل کسی شخص نے اس کو برائے نماز تلقین کی، اس کے جواب میں شخص مذکور نے یہ کہا تھا کہ ''ہمیں نماز کے لئے ہدایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم نہیں پڑھتے اور نماز

= وفی البحر الرائق: ''و یغسل ولی مسلم الکافر ویکفنه و یدفنه .... و إنما یغسل غسل الثوب النجس من غیر وضوء و لا بداءة بالمیامن و لا یکون الغسل طهارةً له .... و یحفر له حفیرةً من غیر مراعاة سنة اللحد''. (کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته : ۳۳۴/۲، رشیدیه)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۰۳، سهیل اکیڈمی)

(۱) قال الله تعالیٰ : ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحریم: پ ۲۸)

''عن أبی هریرة -رضی الله تعالیٰ عنه- : قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''أشد فرحاً بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجدها اهـ''.

''واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور لا یجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً او کبیرةً''. (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی، کتاب التوبة : ۳۵۴/۲، قدیمی)

(۲) وفی رد المحتار : ''صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أوصوماً أصدقةً أو غیرها الخ''. (کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القرأة للمیت الخ : ۲۴۳/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر : ۱۰۵/۳، رشیدیه)

(عیاذاً باللہ) کوئی چیز نہیں ہے"۔ تو آیا یہ کفر حکمی ہے یا حقیقی؟ اگر اس کی کفریت کی بنا پر کسی نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی تو آیا اس کے اوپر شریعت کیا کہتی ہے؟ اگر یہ کفر حکمی ہے تو "من ترك الصلوة متعمداً، فجزاءه جهنم"۔"ومن ترك الصلوة متعمداً، فقد كفر" (۱) ان دونوں حدیثوں کی کیا مراد ہے؟ اور تیسری حدیث "الصلوة عماد الدين الخ "(۲) اس کی کیا مراد ہے؟

وہی شخص ایک سال پورا ہونے پر انتقال کر گیا مگر نہ اس نے توبہ کی اور نہ نماز پڑھی تو اس قسم کے آدمی کو مسلمان کہلوانا کیسا ہے اور اگر کسی نے ضداً اس کی نماز جنازہ پڑھادی تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ مرض وغیرہ کوئی نہیں، صحیح سالم بالکل تندرست تھا، عمر تقریباً سو سال کی ہوئی تھی اور کوئی وجہ نہیں۔

محمد حسین چاٹگامی، امام جامع مسجد موضع بہاراپور، بھوزی ڈاکخانہ پیران کلیر، تحصیل روڑکی، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز فرض عین ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور تارک فاسق ہے۔ اگر کوئی مقتدا شخص مذکور کی نماز جنازہ نہ پڑھے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو تو شرعاً وہ قابل ملامت نہیں، لیکن تکفیر مسلم میں جلدی نہیں کرنا چاہئے جب تک اس کے کلام کے لئے صحیح محمل نکل سکے، جانب کفر کو اختیار نہیں کرنا چاہئے:

"هي فرض عين على كل مكلف، و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق اهـ". در مختار (۳)۔ "لو قال لمريض: صل فقال: والله لاأصلي أبداً، ولم يصل حتى مات يكفر۔ و قول الرجل: لا أصلي يحتمل أربعة أوجه: أحدها لاأصلي؛ لأني صليت. والثاني: لاأصلي بأمرك، فقد أمرني بها من هو خير منك۔ والثالث: لا أصلي فسقاً مجانةً،

---

(۱) (فيض القدير: ۵۷۳۸/۱۱، رقم الحديث: ۸۵۸۷، نزار مصطفىٰ الباز)

(وتلخيص الحبير: ۷۱۹/۲، باب ترك الصلوٰة، نزار مصطفىٰ الباز)

(۲) (فيض القدير: ۳۸۲۵/۷، رقم الحديث: ۵۱۸۵، نزار مصطفىٰ الباز)

(والموضوعات الكبرى للقارى رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۵۰، رقم الحديث: ۵۷۸، قديمى)

(ومرقاة المفاتيح: ۵۶۱/۸، رشيديه)

(ومجموعة رسائل اللكنوى: ۳۵۲/۲، رساله: ردالإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان، إدارة القرآ

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۳۵۱/۱، ۳۵۲، سعيد)

فهذه الثلاثة ليست بكفر. والرابع :لا أصلي؛ إذ ليس يجب عليّ الصلوة، و لم أومر بها، يكفر. و لو أطلق وقال: لا أصلي لا يكفر، لإحتمال هذه الوجوه اهـ". عالمگیری(۱)۔

"إذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع، فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه، كذا في الخلاصة (۲)۔ و في البزازية: إلا إذا صرح بإرداة توجب الكفر، فلا ينفع التأويل حينئذ كذا في البحر الرائق (۳)۔ ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير ، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته، كذا في المحيط اهـ"۔(٤) هنديه (٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، مطلب: موجبات الكفر أنواع ، منها ما يتعلق بالصلوة والصوم الخ: ۲٦٨/٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الفاظ تكون إسلاما أو كفراً ، الفصل الثاني ، النوع التاسع فيما يقال في القرآن الخ: ٣٤٠/٦، ٣٤١، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلوة والزكوة الخ: ٤٩٣/٥، ٤٩٤، ادارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني ،كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين،نوع فيمايتعلق بالصلوة: ٥٦٣/٥، ٥٦٤، غفاريه كوئته)

(۲) (خلاصة الفتاوى ، كتاب ألفاظ الكفر ، الفصل الثاني، الجنس الأول في المقدمة : ٣٨٢/٤،رشيديه)

(۳) (البحر الرائق ، كتاب السير ، باب أحكام المرتدين : ٢١٠/٥، رشيديه)

(٤) (المحيط البرهاني ،كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين،النوع الأول في إجراء كلمة الكفر : ٥٥٠/٥، ٥٥١، غفاريه كوئته)

(٥) (العبارة بأسرها من الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع ، قبيل الباب العاشر ٢٨٣/٢، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ٤٥٨/٥، ٤٦١، ادارة القرآن)

متفرقات الکفر

بے عمل لوگوں کا یہ کہنا کہ ’’فلاں فلاں کہیں گے تو عمل کریں گے‘‘

سوال[۷۵۰]: اگر کوئی بستی یا گاؤں ایسا ہو کہ وہاں پر مسلمانوں کے ۴۰، ۵۰/گھر ہوں اور وہاں پر نہ کوئی مسجد ہو اور نہ کوئی عالم ہو تو کیا وہ بستی والے گنہگار ہوں گے، یا اگر کسی بستی یا گاؤں میں مسجد ہو اور ایسی بستی کے اندر ۱۵۰/ یا ۲۰۰/مسلمانوں کے گھروں کی آبادی ہو اور وہاں پر سب جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور روزہ بھی فرض ہے اور زکوۃ، حج بھی فرض ہے اور مثال کے طور پر ۲۰۰/ کی بستی ہے، اس میں ۱۰۰/ مسلمان مرد وعورت کو نمازوں وغیرہ کا درست طریقہ معلوم ہے اور کچھ زیادہ احکام سے بھی واقف ہیں، لیکن اس میں سے ایک بھی نماز نہیں پڑھتا اور مسجد میں اذان بھی نہیں ہوتی تو کیا اس بستی میں بسنے والے اور احکام کے جاننے والے اور نہ جاننے والے سب گناہگار ہوں گے؟ یا اگر اسی مذکورہ مقدار کی بستی یا گاؤں ہو جس میں ایک شخص ہو یا تین چار آدمی ایسے ہوں کہ وہ دین کے مطابق عمل کرنے لگیں، یا اگر دو تین گاؤں کے لوگ کہہ دیں کہ یہ کام ناجائز اور حرام ہے اور شرک ہے اس کو مت کرو یا اسی طرح تم عمل کرو یا ساری بستی کے لوگ اس کے کہنے یا کرنے کی بنا پر ۲۰۰/ یا ۵۰۰/ آدمی شرک وبدعت اور کبیرہ گناہوں سے بچ جاویں اور شریعت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں اور دین اور شریعت کے کام انہیں دو یا تین پر موقوف ہو اور لوگ شرک وبدعت وکفر میں مبتلا ہوتے ہوں اور وہ دو یا تین آدمی ایسے ناجائز امور سے نہ روکیں اور شریعت کے مطابق عمل نہ کریں اور لوگ یہ کہتے ہوں کہ فلاں فلاں اگر ہمیں کہیں یا عمل کرنے لگ جاویں تو ہم کریں اور ان چیزوں کو چھوڑ دیں تو اگر یہ تین حضرات خود بھی جاننے کے باوجود اور دوسروں کو سمجھانے کے باوجود خود بھی عمل نہ کریں اور دوسروں کو بھی شریعت کے مطابق عمل کرنے کی تاکید نہ کریں تو کیا ان تین پر پوری بستی اور گاؤں کی بدعملی اور بددینی کا بوجھ پڑے گا یا عنداللہ شریعت کی رو سے ان دو یا تین کی بھی پکڑ ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس بستی میں مسلمان موجود ہوں ان کو چاہئے کہ حیثیت کے مطابق وہاں مسجد کا انتظام کریں(۱) اور نماز باجماعت ادا کرلیا کریں، قدرت کے باوجود ایسا نہ کرنے سے وہ گناہگار ہوں گے۔ ہر بستی میں جہاں مسلمان کافی تعداد میں ہوں عالم کا ہونا بھی ضروری ہے جو شرعی احکام بتایا کرے۔ بچوں کی تعلیم کا انتظام بھی ضروری ہے(۲)۔ اگر کسی بستی میں ۲/۴ عالم بااثر ہیں مگر وہ نہ خود عمل کرتے ہیں نہ عوام کو تاکید کرتے ہیں، حالانکہ عوام ان کے کہنے سے بے عملی چھوڑ کر دین پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں تو ان دو چار کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، عوام کی بے عملی کی وجہ سے ان کا گناہ المضاعف ہوجاتا ہے، لیکن عوام کا گناہ بھی کم نہیں ہوتا، دین پر عمل کرنے کے لئے عوام اس کے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں فلاں کہیں گے تو ہم عمل کریں گے ورنہ نہیں کریں گے

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببناء المسجد في الدور". الحديث، رواه أبو داود والترمذي وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد الخ، ص: ۶۹، قديمي)

قال القاري: "والمراد المحلات، فإنهم كانوا يسمون المحلة التي اجتمعت فيها قبيلة داراً......... هو المعوّل و عليه العمل، ثم رأيت ابن حجر ذكر أنه المراد به ههنا المحلات و القبائل، و حكمة أمره لأهل كل محلة ببناء مسجد فيها أنه قد يتعذر أو يشق على أهل محلة الذهاب للأخرى، فيحرمون أجر المسجد وفضل إقامة المساجد فيه، فأمروا بذلك ليتيسر لأهل كل محلة العبادة في مسجدهم من غير مشقة تلحقهم. وقال البغوي: قال عطاء: لما فتح الله تعالىٰ على عمر رضي الله تعالىٰ عنه الأمصار، أمر المسلمين ببناء المساجد". (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الصلوة، باب المساجد الخ: الفصل الثاني: ۲/۴۲۰، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه و إخلاص عمله لله تعالىٰ و معاشرة عباده. وفرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية علم الوضوء والغسل والصلوة والصوم، وعلم الزكوة لمن له نصاب، والحج لمن وجب عليه الخ". (رد المحتار، المقدمة: ۱/۴۲، سعيد)

نہایت غلط ہے خدائے پاک کے یہاں یہ عذر قابل قبول نہیں ہوگا، دین پر عمل کرنا تو خدائے پاک کا حکم ہے(۱) نہ کہ فلاں اور فلاں کا، اس لئے عوام اپنے اس طرز کو چھوڑیں ورنہ خیر نہیں، قیامت کے دن فلاں اور فلاں بچانے کے لئے نہیں آئیں گے وہ خود ہی اسی گرفت میں ہوں گے کہ چھوٹنا مشکل ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

اپنی بیوی کو بغیر پردہ کے نچوانا کیا کفر ہے؟

سوال[۱۷۵۱]: ایک مجلس میں دو عالم نے وعظ کہا، پہلے عالم صاحب پردہ کے متعلق وعظ فرما کر چلے آئے، اس کے پیچھے دو شخصوں نے ان عالم صاحب کو برا بھلا کہا اور یہ بھی کہا کہ وہی پڑھ کر آیا ہے اور کوئی عالم نہیں، ہم اپنی بیوی لوگوں کے سامنے بغیر کپڑے کے نچوائیں گے، اس بات کو دوسرے عالم صاحب نے سن کر قرآن وحدیث پڑھ کر بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانے، اس پر اس عالم صاحب نے کفر کا حکم فرمایا۔ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہ ہو تو کہنے والے پر کیا حکم ہونا چاہئے؟ مدلل فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شریعت کا حکم معلوم ہونے پر اس طرح اس کا انکار کرنا یہ شریعت کا مقابلہ کرنا ہے جو کہ مسلمان کا کام نہیں، کافروں جیسا کام ہے، اس لئے اس معنی کر اس کو کفر بھی کہنا درست ہے، کیوں کہ اس کا انجام عامۃً یہ ہوتا ہے کہ آدمی قرآن وحدیث کی بھی بے ادبی اور گستاخی کر بیٹھتا ہے، اس لئے تجدیدِ ایمان اور توبہ کرالی جائے۔ بحر(۲)،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوة وآتوا الزکوة وارکعوا مع الراکعین﴾. (البقرة: ۴۳)

وقال تعالیٰ: ﴿شرع لکم من الدین ما وصی به نوحاً والذی أوحینا إلیک و ما وصینا به إبراهیم و موسی وعیسی أن أقیموا الدین و لا تتفرقوا فیه﴾. الایة (الشوری: ۱۳)

(۲) "و یکفر إذا أنکر آیةً من القرآن أو سخر بآیة منه". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۰۵/۵، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر للقاری، فصل فی القرآة، قدیمی)

عالم گیری(۱) خانیہ(۲) باب المرتد میں ایسا ہی مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۹ھ۔

بے دین فقیروں کا حال اور دعویٰ

سوال[۷۵۲]: حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب شب معراج میں دیدار خداوند عالم سے مشرف ہوئے تو اس وقت خدائے عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتنے کلام کیے تھے اور ان میں سے کتنے ظاہر میں ہیں اور کتنے باطن میں اور اس کی کوئی مقدار متعین اور ظاہری و باطنی میں تقسیم ہونا کسی

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالقرآن: ۲/۲۶۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً، الفصل الثاني، النوع التاسع في ما يقال في القرآن الخ: ۶/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (كذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في ما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۶۰، ادارة القرآن)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قديمى)

وفي شرح الفقه الأكبر أيضاً: "وفي تتمة الفتاوى: من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع، كفر". (المصدر السابق)

قال في الفتاوى العالمكيرية: "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط .... ثم إن كانت نية القائل...... الوجه الذى يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجرآء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، ۴۶۱، ادارة القرآن)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الأول في المقدمة: ۶/۳۲۲، رشيديه)

حدیث یا مرشدِ کامل یا کتبِ تصوف سے ثابت ہے یا نہیں؟

چونکہ ہمارے اس دیار میں بعض لوگ اپنے کو فقیر کہلاتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں خداوند عالم سے ملاقات کی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے نوے ہزار کلام کیے، منجملہ تیس ہزار ظاہری یعنی شریعت میں اور ساٹھ ہزار باطن میں جس کو معرفت کہتے ہیں، بناءعلیہ وہ ظاہری یعنی شریعت کو چھوڑ کر باطنی کی طرف راغب ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہ قرآن شریف کوئی چیز نہیں، دلی قرآن اصل ہے اور ظاہری قرآن محض کاغذ ہے''۔ نیز: ''علمائے دین کو اندھا کہتے ہیں، نماز کوئی چیز نہیں، وہ کچھ ضروری نہیں'' اور حدیث، تفسیر کو نہیں مانتے۔ یہ سب بکواس کرتے پھرتے ہیں اور گانجا افیون، بھنگ، حقہ نوشی اور ایک دوسرے کی بیوی سے خدمت لینا خلوت میں اور عورتوں کو مرید بنا کر رات میں خلوت میں فیض رسانی کرنا وغیرہ وغیرہ بے غیرتی ان کا طریقہ ہے اور چشتیہ کے نام سے شب و روز سماع، قوالی، بھنگ نوشی میں مشغول رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں کلام اللہ وکلام الرسول میں کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی گزارش ہے کہ کسی طریقہ میں یعنی چشتیہ وغیرہ میں اس کا جائز ہونا ثابت ہے یا نہیں؟ فقط۔

کتبہ: ابوسعید محمد دانش علی غفرلہ، ضلع گوالپاڑہ، آسام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے فقیروں سے گفتگو اور بحث بے سود بلکہ مضر ہے، دین میں ایسے لوگوں کا کوئی حصہ نہیں، اسلامی حکومت ہوتو ایسے لوگوں کو سخت ترین سزا دی جائے۔ جو قرآن کریم (۱) حدیث شریف (۲) تفسیر کو نہیں مانتا (۳) وہ اسلام سے خارج اور مستحق نار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

---

(۱) "و فی جواهر الفقه : من أنكر آيةً من كتاب الله .... كفر". ...... و فيه : "من جحد القرآن : أى كله أو سورةً منه أو آيةً ، قلت: و كذا كلمةً أو قرآءةً متواترةً ، أو زعم أنها ليست من كلام الله تعالىٰ كفر : أى إذا كان كونه من القرآن مجمعاً عليه ". (شرح الفقه الأكبر للقارى، فصل فى القرآءة والصلوة ص: ١٦٧ ، قديمى) .... =

....

= (وكذا في البحر الرائق ، كتاب السير ، باب أحكام المرتدين : ۲۰۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً ، الفصل الثاني ، النوع التاسع في القرآن..... : ۳۴۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالقرآن : ۲۶۶/۲ ،رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل في ما يتعلق بالقرآن : ۴۹۰/۵، ادارة القرآن)

(۲) " من أنكر الأخبار المتواترة في الشريعة، كفر ....ثم اعلم أنه أراد بالتواتر ها هنا التواتر المعنوي لا اللفظي .... وفي الخلاصة : من رد حديثاً ، قال بعض مشايخنا : يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً، كفر، أقول: هذا هو الصحيح إلا إذا كان ردّ حديث الآحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستحقار والإنكار". (شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب السير ، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم الصلاة السلام : ۲۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى ، كتاب ألفاظ الكفر ، الفصل الثاني، الجنس الثالث فيمايقال في الأنبياء عليهم الصلاة السلام : ۳۸۶/۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب أحكام المرتدين ، فصل في ما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام : ۴۸۱/۵، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "إذا كان الفقيه يذكر شيئاً من العلم أو يروى حديثاً صحيحاً ، فقال آخر: *این ہیچ نیست ووروہ* .... فهذا كفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع ، منها ما يتعلق بالعلم والعلمآء : ۲۷۱/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني ،كتاب السير، فصل في أحكام المرتدين،نوع في العلم والعلماء : ۵۲۹/۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

تقلید کی شرعی حیثیت

سوال[۷۵۳]: تقلید کی شرعی حیثیت کیا ہے، نیز اگر تقلید ضروری ہے تو شخصی تقلید کیوں ضروری سمجھی جاتی ہے؟ اگر کسی مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کی جائے، کسی میں کسی یعنی غیر معین امام کی تقلید کی جائے تو اس میں کیا حرج ہے، علماء اسے کیوں منع کرتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا مسلک درست تسلیم کیا جاتا ہے؟

الجواب: نحمده ونصلي على رسوله الكريم،

أما بعد! اصالۃً ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک ہے ﴿هدى للناس﴾ (۱) لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول اور مسائل بطورِ ضابطہ کلیہ بیان کئے گئے ہیں، تفصیلات اور فروع کا بیان کرنا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہے: ﴿لتبين للناس ما نُزّل إليهم﴾ (۲) تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں (بیان القرآن)۔

مثال نمبر ۱:

قرآن پاک میں ہے: ﴿وأقيموا الصلوة﴾ (۳) نماز قائم کرو۔ اس کی پوری تفصیل کہ کس نماز میں

---

(۱) (البقرة: ۱۸۵)

(۲) (النحل: ۴۴)

"قال الحافظ ابن كثير تحت الآية المذكورة: ﴿لتبيين للناس مانزل إليهم﴾: أى من ربهم لعلمك بمعنى ماأنزل الله، وحرصك عليه واتباعك له، ولعلمنا أنك أفضل الخلائق وسيدوُلد آدم، فتفصّل لهم ماأجمل وتبين لهم ماأشكل." (تفسير ابن كثير: ۲/۷۵۴، جمعية إحياء التراث الاسلامى)

(وكذافى روح المعانى: ۱۴/۱۵۰، دارإحياء التراث العربى)

(۳) (البقرة: ۴۳)

کتنی رکعت ہیں، کس رکعت کے بعد قعدہ ہے، کون سی رکعت میں صرف الحمد پڑھی جاتی ہے، کون سی میں سورت بھی ملائی جاتی ہے، کس نماز میں قرأت آواز سے پڑھی جاتی ہے، کس میں آہستہ؟ وغیرہ وغیرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، قرآن شریف سے براہ راست اس کا سمجھنا دشوار ہے۔

مثال نمبر ۲:

﴿وآتوا الزکوٰة﴾ (۱) زکوٰة ادا کرو۔ اس کی تفصیل کہ چاندی کی زکوٰة کس حساب سے ہے، سونے کی کس حساب سے، بکری، گائے، اونٹ کی کس حساب سے؟ احادیث سے معلوم ہوئی جس کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔

مثال نمبر ۳:

﴿ولله على الناس حج البيت﴾ (۲) لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج لازم ہے۔ اس کی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے، کتنے چکر ہیں؟ عرفات، منیٰ، مزدلفہ، رمی جمار وغیرہ کے مسائل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن شریف کو سمجھنا ناممکن ہے۔ امت کو حکم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفصیلات کے ماتحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کرے، اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ پاک ہی کی اطاعت ہے: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (۳)، اس لئے حدیث میں

---

(۱) (البقرة: ۴۳)

(۲) (آل عمران: ۹۷)

(۳) (النساء: ۸۰)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يُخبِر تعالىٰ عن عبده ورسوله محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن من أطاعه فقد أطاع الله، ومن عصاه فقد عصى الله، وماذاك إلا لأنه ﴿ماينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾ قال ابن أبي حاتم: حدثنا أحمد بن سنان ......عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصا الله." الحديث......قال: "وهذا الحديث ثابت في الصحيحين". (ابن كثير: ۱/۷۰۳، مكتبه دار السلام رياض)

ارشاد ہے: ''صلوا کمارأیتمونی أصلی''. (بخاری شریف: ۱۰۷۶/۲) (۱) جس طرح تم نے مجھ کونماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تم بھی اسی طرح پڑھو، یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح قرآن شریف سے تمہاری سمجھ میں آئے اس طرح پڑھو۔

حدیث کی قسمیں:

بعض چیزیں خود زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ہیں ان کو حدیث قولی کہتے ہیں، بعض چیزیں عملاً کی ہیں ان کو حدیث فعلی کہتے ہیں، بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ آپ کے سامنے کی گئی ہیں یا آپ کے علم میں لائی گئی ہیں اور ان پر آپ نے تردید ی انکار نہیں فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرمائی ہے جو کہ تائید وتصدیق کے حکم میں ہے اس کو تقریر کہتے ہیں (۲)، یہ تینوں قسم کی حدیثیں امت کے لئے ذریعۂ ہدایت ہیں۔

قیاس:

بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کی گئیں اور آپ نے اس کا جواب دیا اور سائل سے خود بھی ایک مسئلہ دریافت فرمایا جس کا حکم ظاہر اور سائل کو معلوم تھا جب سائل نے بتادیا تو آپ نے فرمایا کہ جو چیز تم نے دریافت کی ہے اس کا حکم بھی اسی کے موافق ہے۔

---

(۱) (کتاب أخبار الآحاد، باب ماجاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق: ۱۰۷۲/۲، قدیمی)

(۲) قال الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی رحمه الله تعالیٰ: ''اعلم أن الحدیث فی اصطلاح جمهور المحدثین یطلق علی قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وفعله وتقریره، ومعنی التقریر: أنه فَعَلَ أحدٌ أوقال شیئاً فی حضرته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ولم ینکره ولم ینهه عن ذلک، بل سکت وقرر، وکذلک یطلق علی قول الصحابی...... فماانتهی إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقال له: المرفوع، ومماانتهی إلی الصحابی یقال له: الموقوف ...... والرفع قد یکون صریحاً وقد یکون حکماً، أماصریحاً، ففی القولی یقول کذا...... وفی الفعلی کقول الصحابی: رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فعل کذا...... وفی التقریری أن یقول الصحابی أوغیره: فعل فلان أواحدبحضرة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کذا، ولایذکر إنکاره.'' (لمعات التنقیح شرح المشکوة، مقدمة فی بیان بعض مصطلحات الحدیث: ۲۲/۱، ۲۳، مکتبه المعارف العلمیة لاهور)

(وبمعناه فی نخبة الفکر لابن حجر رحمه الله تعالیٰ ص: ۹۳، فاروقی کتب خانه ملتان)

مثال:

کسی نے دریافت کیا کہ ”میری والدہ کے ذمہ حج ہے اس کو اس کی طرف سے ادا کرلوں تو ادا ہوجائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، ادا ہوجائے گا، اگر اس کے ذمہ قرض ہو اور تم ادا کردو تو ادا ہوجائے گا“؟ اس نے کہا ہاں ادا ہوجائے گا۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کا قرض بطورِ اولیٰ ادا ہوجائے گا“۔ (بخاری شریف: ۲/۱۰۸۸)۔ جیسا کہ بخاری شریف: ۲/۱۰۸۸، میں یہ حدیث مذکور ہے:

”عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أن امرأةً جاء ت إلى النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: إن أمی نذرت أن تحج، فماتت قبل أن تحج، أفأحج عنها؟ قال: "نعم حجی عنها، أرأیت لوکان علیٰ أمك دین أکنت قاضیةً"؟ قالت: نعم، قال: "اقضوا الذی له، فإن اللّٰه أحق بالوفاء"(۱)۔

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی (اور عرض کیا) میری اماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور حج کرنے سے قبل مرگئی، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اس کی طرف سے حج کردیں، بتا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتی“؟ اس نے کہا، ہاں، ارشاد فرمایا: ”جو اس کے لئے ہے اسے ادا کرو، بے شک اللہ کا حق پورا کرنے کے زیادہ لائق ہے“۔

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب من شبّه أصلاً معلوماً بأصل مبین: ۲/۱۰۸۸، قدیمی کتب خانه)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ تحت هذا الحدیث: "وقد احتج المزنی بهذین الحدیثین (أی الحدیث المذکور والذی قبله فی الباب) علی من أنکر القیاس.........فقد قاس الصحابة فمن بعدهم من التابعین وفقهآء الأمصار وبالله التوفیق......وقال الکرمانی: عقد هذا الباب، ومافیه یدل علی صحة القیاس، وأنه لیس مذموماً......وقال ابن العربی وغیره: القرآن هو الأصل، فإن کانت دلالته خفیةً، نظر فی السنة، فإن بینته وإلا فالجلی من السنة، و إن کانت الدلالة منهما خفیةً نظر فی ما اتفق علیه الصحابة، فإن اختلفوا رجح، فإن لم یوجد عُمل بما یشبه نص الکتاب، ثم السنة، ثم الاتفاق، ثم الراجح."

(فتح الباری، کتاب الاعتصام، باب من شبه أصلاً معلوماً: ۱۳/۳۶۷، ۳۶۸، قدیمی)

اس کو شریعت میں قیاس، اجتہاد، استنباط، اعتبار کہتے ہیں (۱)، اس کی تعلیم بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتبِ اصول میں مذکور ہیں (۲)، اس کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث سے مسئلہ صاف صاف سمجھ میں نہ آتا ہو (۳)۔

---

(۱)"قال الله تعالیٰ: ﴿فاعتبروا یاأولی الأبصار﴾[الحشر: ۲]،قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحتها: "واشتهر الاستدلال بالآیة علی مشروعیة العمل بالقیاس الشرعی،قالوا:إنه تعالیٰ امر فیها بالأعتبار،وهو العبور والانتقال من الشئ إلی غیره،وذلک متحقق فی القیاس؛ إذفیه نقل الحکم من الأصل إلی الفرع،ولذاقال ابن عباس فی الأسنان:"أعتبر حکمهابالأصابع فی أن دیتهامتساویة". والأصل فی الإطلاق الحقیقة. وإذاثبت الأمر، وهو ظاهر فی الطلب الغیر الخارج عن اقتضاء الوجوب اوالندب. ثبت مشروعیة العمل بالقیاس.......... وقال الخفاجی فی وجه الاستدلال: قالوا:إناأمرنافی هذه الآیة بالاعتبار،وهورد الشئ إلی نظیره بأن یحکم علیه بحکمه،وهذایشمل الاتعاظ والقیاس العقلی والشرعی،وسوق الآیة للا تعاظ، فتدل علیه عبارةً وعلی القیاس إشارةً، وتمام الکلام علی ذلک فی الکتب الأصولیة."(روح المعانی:۲۸/ ۴۱، ۴۲،دارإحیاء التراث)

وقال الخبازی رحمه الله تعالیٰ :"والفقهآء إذاأخذواحکم الفرع من الأصل،سمّوا ذلک قیاساً لتقدیرهم الفرع بالأصل فی الحکم والعلة،وهوالاعتبار المأموربه فی قوله تعالیٰ:﴿فاعتبروایاأولی الأبصار﴾. (المغنی فی أصول الفقه، باب القیاس، ص:۲۸۵ ،جامعة أم القری مکة المکرمة)

(۲)"وأماشرطه (أی القیاس)فأن لایکون أصل مخصوصاًبحکمه بنص آخر،کرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خصَّ بحل تسع نسوة إکراماً.......... والثانی: أن لایکون الأصل معدولاً به عن القیاس،کجوازالتوضی بنبیذالتمر.......... والثالث:أن یتعدالحکم الشرعی الثابت بالنص بعینه إلی فرع هونظیره ولانص فیه ....أن یبقی حکم النص بعدالتعلیل علی ماکان قبله،کقولهم فی طعام الکفارة: یشترط التملیک فیه کالکسوة."مختصراً.(المغنی فی أصول الفقه،باب القیاس، ص: ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۶،جامعه أم القری مکة المکرمة)

(وکذافی نورالأنوار، مبحث شرط القیاس،ص:۲۲۸، ۲۳۱، سعید)

(۳)"قال ابن العربی:القرآن هوالأصل،فإن کانت دلالته خفیةً،نظر فی السنة، فإن بینته وإلافالجلی من السنة،وإن کانت الدلالة منهاخفیةً،نظر فیمااتفق علیه الصحابة،فإن اختلفوا، رجّح". (فتح الباری، کتاب الاعتصام،باب من شبه أصلاًمعلوماًبأصل مبین: ۱۳/ ۳۶۸،قدیمی)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو بہت سی ہدایتیں دیں اور دور تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے، یہ بھی دریافت فرمایا کہ ”تم کس قانون کے ماتحت فیصلے کروگے“؟ تو انہوں نے عرض کیا: قرآن پاک کے ماتحت، ارشاد فرمایا کہ: ”اگر اس میں تم کو نہ ملے“؟ عرض کیا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق فیصلے کروں گا، فرمایا کہ: ”اگر تمہیں اس میں بھی نہ ملے تو“، عرض کیا کہ: اجتہاد کروں گا، اس پر مسرت کا اظہار کر کے پوری تائید فرمائی اور اس انتخاب پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ابوداؤد شریف: ۲/۱۴۹ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

”إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن قال: ”كيف تقضي إذا عرض لك قضاء“؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: ”فإن لم تجد في كتاب الله“؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: ”فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولا في كتاب الله؟“ قال: أجتهد برأيي ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدره، فقال: ”الحمدلله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله“(۱)۔

اجتہاد:

جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صاف صاف نہ ملتا ہو اس کا حکم نظائر و دلائل میں غور کر کے نکالنا اجتہاد ہے، اس کو قیاس بھی کہتے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، اگر اس پر اتفاق ہو جائے تو وہ اجماع کہلاتا ہے(۲) اسی لئے

---

(۱)(سنن أبي داؤد، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأي في القضآء: ۲/۱۴۹، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) قال الملاجيون رحمه الله تعالىٰ: ”باب الإجماع: وهو لغةً الاتفاق، وفي الشريعة: اتفاق مجتهدين صالحين من أمة محمد(عليه الصلوة والسلام) في عصر واحد على أمر قولي أو فعلي“. (نور الأنوار)، وفي قمر الأقمار: ”(قوله: على امر قولي أو فعلي) شرعي أو عقلي أو عرفي غير ثابت بالكتاب والسنة قطعاً.“ (ص: ۲۱۹، ايچ. ايم. سعيد كمپنى)

(وكذا في بداية المجتهد ونهاية المقتصد لابن رشد القرطبي رحمه الله تعالىٰ، الإجماع وأثره في الخلاف: ۱/۲۲۴، دار الكتب العلمية)

علمائے اصول نے لکھا ہے کہ قیاس حکم کو ثابت نہیں کرتا بلکہ ظاہر کرتا ہے (۱)۔ جو حکم قرآن یا حدیث میں موجود تو تھا لیکن مخفی تھا، عامۃً لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے، مجتہد نے اس کو اس کے نظائر پر قیاس کرکے یا دلالت، اشارۃ، اقتضاء وغیرہ سے استنباط کرکے ظاہر کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مستقل باب منعقد کیا ہے (۲)۔

تقلید:

جس شخص میں اجتہاد کی قوت نہ ہو اس کو مجتہد کا اتباع لازم ہے اس کا نام تقلید ہے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی لئے قاضی بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے بتائے ہوئے مسائل واحکام پر عمل کیا جائے، جن کے ماخذ تین ہیں: قرآن پاک، حدیث شریف، اجتہاد (۳) اور تینوں کو تسلیم کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن

---

(۱) "وهو (أي القياس) إبانة مثل حكم أحد المذكورين بمثل علته في الآخر، فاختير لفظ الإبانة؛ لأن القياس مظهر لا مثبت." (نور الأنوار، باب القياس، ص: ۲۲۴، ایچ. ایم. سعید کمپنی)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب ماجاء في اجتهاد القضاء بما أنزل الله تعالىٰ، لقوله تعالىٰ: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله، فأولئك هم الظالمون﴾. "ومدح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صاحب الحكمة حين يقضي بها ويعلمها، لا يتكلف من قبله، ومشاورة الخلفاء وسؤالهم أهل العلم". (۱۰۸۸/۲، قديمي)

و قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "وقد علم الجميع بأن النصوص لم تحط بجميع الحوادث، فعرفنا أن الله قد أبان حكمها بغير طريق النص وهو القياس، ويؤيد ذلك قوله تعالىٰ: ﴿لعلمه الذين يستنبطونه منه﴾؛ لأن الاستنباط هو الاستخراج وهو بالقياس؛ لأن النص ظاهر." (فتح الباري، كتاب الاعتصام، باب ماجاء في اجتهاد القضاء: ۳۷۰/۱۳، قديمي)

(۳) (راجع، ص: ۶۰۰، رقم الحاشيه: ۱)

يعص الأمير فقد عصاني". الحديث متفق عليه". (مشكوة شريف ص: ۳۱۰)(۱)۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی''۔

مسائل کی قسمیں:

مسائل دو قسم کے ہیں: ایک وہ جن کا تذکرہ نص (قرآن یا حدیث) میں موجود ہے، دوسرے وہ جن کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں موجود نہیں۔

قسم اول: (جن کا تذکرہ نص میں موجود ہے) کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ نص ایک ہی طرح کی ہے جس سے ایک ہی طرح کا مثبت یا منفی حکم صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نص دو طرح کی ہے: کسی سے مثبت حکم معلوم ہوتا ہے کسی سے منفی، مثلاً: کسی سے آمین بالجہر معلوم ہوتا ہے کسی سے آمین بالسر، کسی سے رفع یدین معلوم ہوتا ہے کسی سے ترک رفع۔ پھر ایسے مسائل میں بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ تاریخی شواہد یا دیگر قرائن سے نص کا مقدم ومؤخر ہونا معلوم ہو کہ فلاں نص مقدم ہے اور فلاں مؤخر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نص کا مقدم ومؤخر ہونا معلوم نہ ہو، یہ پتہ نہ چلے کہ کونسی نص پہلے کی ہے کونسی بعد کی؟ یہ کل چار قسمیں ہوئیں۔

پہلی قسم:

وہ مسائل جن میں نص ایک ہی طرح کی ہے، ایسے مسائل میں قیاس واجتہاد نہیں کیا جاتا، نہ کسی کی تقلید کی جاتی ہے بلکہ نص پر عمل کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم:

وہ مسائل جن میں نص دو طرح کی ہے اور مقدم ومؤخر کا بھی علم ہے، ایسے مسائل میں عموماً مقدم کو

---

(۱)(مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، ص: ۳۱۸، قديمي)

منسوخ مان کر مؤخر پر عمل کیا جاتا ہے، ان میں بھی نہ قیاس واجتہاد کی حاجت ہے نہ تقلید کی۔

تیسری قسم:

وہ مسائل جن میں نص دو طرح کی ہے اور مقدم ومؤخر کا علم نہیں۔

چوتھی قسم:

وہ مسائل جن میں نص موجود نہیں۔

ان اخیر کی دونوں قسم کے مسائل دو حال سے خالی نہیں: آدمی کچھ عمل کرتا ہے یا نہیں، اگر عمل نہیں کرتا اور آزاد پھرتا ہے تو اس کی اجازت نہیں: ﴿أيحسب الإنسا ن أن يترك سدئ﴾ (۱) ''کیا انسان سمجھتا ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا''؟ ﴿أفحسبتم أنما خلقنا كم عبثاً﴾ (۲) ''کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا'' یعنی ایسا نہیں بلکہ تمہیں ہر موقعہ پر ہمارے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ اور اگر کچھ عمل کرنا ہے تو کیا عمل کرے۔

تیسری قسم کے مسائل میں کونسی نص کو اختیار کرے؟ ایک نص کو اختیار کرنے سے دوسری نص چھوٹتی ہے اپنی طرف سے عمل کے لئے کسی نص کی تعیین کر نہیں سکتا، تقدیم وتاخیر کا علم نہیں کہ ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دے کر ناسخ پر عمل کرلے، اور چوتھی قسم کے مسائل میں نص موجود ہی نہیں تو بلا علم کے عمل کس چیز پر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تقف ماليس لك به علم﴾ (۳) اس کا حاصل یہ ہے کہ بلا تحقیق وعلم کے کسی بات پر عمل مت کرو، تو لا محالہ ان دونوں قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ تیسری قسم میں تو اس لئے کہ علم

---

(۱) (القيامة: ۳۶)

(۲) (المؤمنون: ۱۱۵)

(۳) (بنی اسرائیل (الاسراء): ۳۶)

قال العلامة السيد محمود الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: ''أي لاتتبع مالاعلم لک به من قول أوفعل، وحاصله يرجع إلى النهي عن الحكم بمالايكون معلوماً...... واختار الإمام العموم، قال: إن اللفظ عام يتناول الكل فلامعنى للتقييد.'' (روح المعاني: ۱۵/۷۳، دارإحياء التراث العربي)

(وكذافي تفسير ابن كثير: ۳/۵۷، جمعية إحياء التراث الاسلامي رياض)

کے واسطے نص کو متعین کیا جائے، چوتھی قسم میں اس لئے کہ حکم معلوم کیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص میں اجتہاد و استنباط کی قوت و اہلیت نہیں ہوتی، یہ آیت بھی اسی بات کو واضح کر رہی ہے: ﴿ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم، لعلمه الذين يستنبطونه منهم﴾ (۱) یوں تو ہر شخص کوئی نہ کوئی صحیح یا غلط رائے قائم کرنے کا دعوی کر ہی سکتا ہے لیکن جس کا استنباط شرعاً معتبر ہو اس کو مستنبط اور مجتہد کہتے ہیں (۲)، جس کا معتبر نہ ہو اس کو مقلد کہتے ہیں۔

پس ان دونوں قسم کے مسائل میں مجتہد کو اجتہاد ضروری ہے اور مقلد کو اس کی تقلید ضروری ہے، اجتہاد میں اگر خطا ہو جائے تب بھی مجتہد اجر سے محروم نہیں، اگر اجتہاد صحیح ہو تو دوہرے اجر کا مستحق ہے جیسا کہ بخاری شریف: ۱۰۹۲/۲ میں ہے (۳)۔

ایک شبہ:

اب یہاں یہ شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ مجتہد تو بہت سے ہوئے: صحابہ میں بھی، تابعین میں بھی، تبع تابعین میں بھی، پھر ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالی، ہی کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟ کسی اور کی تقلید میں کیا مضائقہ ہے؟ خاص کر وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین جن کے فضائل احادیث

---

(۱) (النساء: ۸۳)

(۲) کسی شخص کو اس وقت تک استنباط و اجتہاد کی شرعاً اجازت ہی نہیں جب تک اس کے اندر اس کے شرائط موجود نہ ہوں: "وقد ذكر الشافعي شرط من له أن يقيس فقال: يشترط أن يكون عالماً بالأحكام من كتاب الله تعالىٰ، وبناسخه ومنسوخه، وعامه وخاصه، ويستدل على ما احتمل التاويل بالسنة والإجماع، فإن لم يكن فبالقياس على مافي الكتاب، فإن لم يكن فبالقياس على ما في السنة، فإن لم يكن فبالقياس على ما اتفق عليه السلف وإجماع الناس...... ولا يكون لأحد أن يقيس حتى يكون عالماً بما مضى قبله من السنن وأقاويل السلف رحمهم الله تعالىٰ وإجماع الناس اه". (فتح الباري لابن حجرؒ، كتاب الاعتصام، باب من شبه أصلاً معلوماً بأصل مبين: ۲۶۷/۱۳، ۲۶۸، قديمي)

(۳) "عن عمرو بن عاص رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا حكم الحاكم، فاجتهد فأصاب، فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ، فله أجر". (صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ: ۱۰۹۲/۲، قديمي)

میں کثرت سے آئے ہیں ان کی تقلید کیوں نہ کرلی جائے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یقیناً ائمہ اربعہ سے بدرجہا افضل ہیں، ائمہ اربعہ کی تقلید کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تصور کیا جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید کے لئے ان مسائل کا معلوم ہونا ضروری ہے جن میں تقلید کی جاتی ہے اور آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مدون اور مجتمع ہیں، یہاں تک کہ کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک عبادات، معاملات، مزاجر غرض ہر شعبہ کے ایک ایک مسئلہ کو جمع کردیا گیا ہے، اس طرح تفصیل کے ساتھ نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کا مذہب مدون ملتا ہے، نہ تابعین سے، نہ تبع تابعین وغیرہ سے، پھر ائمہ اربعہ کو چھوڑ کر کسی اَور کی تقلید کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس لئے ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کو اختیار کیا گیا ہے۔

اللہ پاک نے ان چاروں کو قرآن وحدیث کا تفصیلی علم اور درایت واستنباط کی مہارت تامہ عطا فرمائی تھی حتی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جس قدر احادیث صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعہ عالم میں پھیلی ہیں وہ سب ان چاروں کے پاس موجود ہیں، یہ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک روایت ان میں سے ایک کے علم میں ہو اور دوسرے کے علم میں نہ ہو، مگر ایسا نہیں کہ کوئی روایت ان میں سے کسی کے پاس نہ ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مؤطا ص: ۶ میں احادیث کے نشر واشاعت اور مدینہ طیبہ کی علمی مرکزیت کا حال تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

"بالجملہ این چہار امامانند کہ عالم راایشاں احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی و امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ الخ"(۱)۔

یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ چار امام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (رحمہم اللہ) ہیں۔

---

(۱)(مقدمة مصفى شرح المؤطا للامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۲، کتب خانہ رحیمیہ دھلی)

ایک سوال:

یہ کیوں ضروری ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے، اس میں کیا حرج ہے کہ کوئی مسئلہ کسی امام کا لے لیا جائے کوئی کسی کا، جیسا کہ دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین میں یہی طریق رائج تھا، کسی ایک پر سارے مذہب کا انحصار نہیں تھا؟

جواب:

قرونِ اولیٰ میں خیر کا غلبہ تھا، نفسانی خواہشوں کا عامۃً دین میں دخل نہیں تھا، اس لئے جو شخص بھی اپنے جس بڑے سے مسئلہ دریافت کرتا نیک نیتی سے دریافت کرتا اور اس پر عمل کر لیتا تھا، چاہے نفس کے موافق ہو یا خلاف ہو، مگر بعد کے دور میں یہ بات نہیں رہی بلکہ لوگوں میں ایسا داعیہ پیدا ہونے لگا کہ ایک مسئلہ ایک عالم سے معلوم کیا اس میں نفس کو تنگی محسوس ہوئی تو دوسرے سے اسی پر قناعت نہیں کی گئی جس میں سہولت معلوم ہوئی تو بس اسی کو اختیار کر لیا، پھر اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ ہر مسئلہ میں اس کی فکر لگی (کہ) کہاں سے سہولت کا جواب ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طلبِ حق کا داعیہ نہیں۔

اس میں بعض دفعہ بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً: کسی باوضو آدمی نے بیوی کو ہاتھ لگایا اس سے کسی شافعی المذہب نے کہا کہ وضو دوبارہ کرو کیونکہ یہ ناقضِ وضو ہے تو یہ شخص جواب میں کہتا ہے کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتا ہوں، ان کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں، بلکہ اس وضو سے نماز درست ہے، پھر اس نے قے کی اس پر ایک حنفی المذہب نے کہا کہ وضو دوبارہ کرو کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قے ناقضِ وضو ہے، اس نے جواب دیا کہ میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں، ان کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں ہے، بلکہ اس وضو سے نماز درست ہے(۱)۔ اب یہ شخص اگر اسی وضو سے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ

---

(۱) "قال في شرح المهذب: إن العامي هل يلزمه أن يتمذهب بمذهب معين يأخذ عزائمه ؟فيه وجهان حكاهما ابن برهان: أحدهما: لايلزمه كما لم يلزم في العصر الأول أن يخص بتلقيده عالماً بعينه، والثاني: يلزمه......... وهو جار في كل من لم يبلغ رتبه الاجتهاد من الفقهاء وأصحاب سائر العلوم، ووجهه أنه لو جاز اتباع أيّ مذهب شاء، لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه، =

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہوگی، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہوگی، اسی کا نام تلفیق ہے جوکہ بالاجماع باطل اور ناجائز ہے۔

درحقیقت یہ طریقہ اختیار کرنا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید ہے نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید ہے، بلکہ یہ تو خواہش نفسانی کا اتباع ہے جوکہ شرعاً ممنوع ہے (۱) اس کا نتیجہ خدا کے راستہ سے ہٹنا اور بھٹکنا ہے: ﴿ولاتتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله﴾ (۲) اس لئے ضروری ہوا کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے۔ چونکہ قرآن پاک نے اتباع کو انابت کے ساتھ مربوط کیا ہے: ﴿واتبع سبيل من أناب إلي﴾ (۳) اس بناء پر مجموعی حالات سے کسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ظن غالب حاصل ہوا کہ منیب ومصیب ہیں یعنی ان کا اجتہاد قرآن وحدیث کے زیادہ موافق ہے، اس لئے ان کی تقلید اختیار کی۔ کسی کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں سے کسی کے متعلق یہ ظن حاصل ہوا

= ويتخير بين التحليل والتحريم، والوجوب والجواز، وذلك يؤدي إلى الخلال ربقة التكليف، بخلاف العصر الأول، فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذّبةً. فعلى هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين .... وليس له أن يتمذهب بمذهب أحد من أئمة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم وغيرهم من الأولين وإن كانوا أعلم وأعلى درجةً ممن بعد هم؛ لأنهم لم يتفرغوا للتدوين وضبط أصوله وفروعه، فليس لأحد منهم مذهب مهذب محرر مقرر، وإنما قام بذلك من جاء بعد هم من الأئمة الناحلين لمذاهب الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم والتابعين، القائمين بتمهيد الأحكام والوقائع قبل وقوعها".

(مقدمة إعلاء السنن، الفائدة الحادية عشر، تحقيق في الالتزام بمذهب اهـ : ۲/۲۲۳، ادارة القرآن)

(۱) "ولو شاعت المذاهب كلها في بلد من البلاد واشتهرت، وفيه من العلماء بكل مذهب عدد كثير، جاز للعامي تقليد أيّ مذهب من المذاهب شاء، وكلها في حقه سواء، وله أن لايتمذهب بمذهب معين، ويستفتي من شاء من علماء المذاهب هذا مرةً وذلك أخرى، كما كان عليه السلف الصالح رضي الله تعالىٰ عنهم بشرط أن لايُلفّق بين مذهبين في عمل واحد، ولايتتبع الرخص متبعاً هواه؛ لأن ذلك من التلهي، وهو حرام بالنصوص والإجماع". (مقدمة إعلاء السنن الفائدة الحادية عشر في مسائل شتى: ۲/۲۲۴)

(۲) (ص: ۲۶)

(۳) (لقمان: ۱۵)

اس نے ان کی تقلید کی۔ اب یہ درست نہیں کہ اپنے امام کو چھوڑ کر جب دل چاہا کسی دوسرے کے مذہب پر عمل کرلیا کیونکہ بغیر اجازتِ شرعیہ کے اس میں تلفیق بھی ہوجاتی ہے اور خواہش نفسانی کا اتباع ہے جس کا نتیجہ حق سے بُعد اور گمراہی ہے۔

چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب نے زمانہ دراز تک تقلید کی مخالفت کرتے رہنے کے بعد تقلید نہ کرنے کے تلخ تجربات سے متاثر ہوکر اپنے رسالہ (اشاعۃ السنۃ جلد: ۱۱، عدد: ۲، ص: ۵۳) میں لکھا ہے:

> ''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق اور مطلقِ تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی ہوجاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنی نتیجہ ہے اھ''۔
>
> (سبیل الرشاد ص: ۱۲) (۱)۔

اسی وجہ سے صدیوں سے بڑے بڑے بے شمار متبحر علماء جن کو قرآن پاک میں گہری بصیرت ہے اور علم حدیث و آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بے شمار خزانہ جن کی نظروں کے سامنے اور خشیت و تقوی سے جن کے قلوب مالا مال ہیں اور جو اپنی زندگی کا ہر گوشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے چراغ سے روشن کرتے ہیں وہ ان سب فضائل و کمالات کے باوجود تقلید ہی کو اختیار کرتے آئے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو یہ کمالات اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع اور اپنے دین کے خدام، اولیائے کرام، مجتہدینِ عظام کی تقلید و احترام کے طفیل میں عطا فرمائے تو غالباً مبالغہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تقلید کا ثبوت حدیث سے

سوال [۷۵۴]: رسالہ ''اہل حدیث'' دہلی سے شائع ہوتا ہے، اس رسالہ میں ۲۱/ جون ۱۹۷۳ء کو مولانا آزاد رحمانی نے تقلید کے بارے میں دو حدیث اور ایک آیتِ قرآنی درج کی ہے اور مذہب احناف پر طعن کیا ہے۔ آیت یہ ہے: ﴿أن هذا صراطي مستقيماً﴾ (۲) اور آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ بلاشبہ دین میں

---

(۱) (سبیل الرشاد، از تالیفات رشیدیہ، ص: ۵۰۲، ادارۂ اسلامیات لاہور)

(۲) (الأنعام: ۱۵۳)

سیدھا راستہ ہے تو اسی کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کیونکہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گے۔

احمد، نسائی، دارمی سے مشکوٰۃ نے بحوالہ اس آیت کے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے:

"عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطّ لنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خطاً، قال: "هذا سبیل الله" ثم خطّ خطوطاً عن یمینه وعن شماله، قال: "هذه السبل، وعلی کل منها شیطان یدعوا إلیه وقرأ: ﴿أن هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه﴾ (۱)۔

ترجمہ یہ کیا ہے کہ "عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا کہ "یہ اللہ کا راستہ ہے" پھر اس کے دائیں اور بائیں لکیر کھینچی پھر فرمایا: "یہ وہ راستہ ہے جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو لوگوں کو انہیں راستوں کی طرف بلاتا ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی: ﴿أن هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه﴾ (۲)۔ غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے راستہ کو صراط مستقیم فرمایا ہے اور اس کے دائیں اور بائیں راستوں یعنی بلند پایہ فقہائے احناف وغیرہ کے راستوں کو مردود شیطان کا راستہ قرار دیا ہے اور کہہ دیا کہ یہ شیطان سیدھے راستہ سے لوگوں کو منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔ اس سے بہتر تمثیل باطل کی نشاندہی کے لئے اَور کیا ہوسکتی ہے، اگر کسی کو یہ شک ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ تمثیل چاروں تقلیدی مذاہب پر کس طرح فٹ ہوسکتی ہے جبکہ اس حدیث میں صرف خطوط کا ذکر ہے اور چار کا ذکر نہیں ہے تو اس شخص کو "درمنثور" کی یہ روایت ملاحظہ کرنی چاہئے:

"عن جابر بن عبدالله قال: کنا جلوساً عندالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فخطّ خطاً هکذا أمامه، فقال: "هذا سبیل الله "وخطین عن یمینه وخطین عن شماله، وقال: "هذا سبیل

---

(۱)(مسند أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ: مسند ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: ۵/۲، رقم الحدیث: ۴۱۳۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قدیمی)

(۲)(الأنعام: ۱۵۳)

الشیطٰن"، ثم وضع یده فی الخط الأوسط وتلا: ﴿أن هذاصراطی مستقیماًفاتبعوه﴾: ۳/ ۵۱(۱)
(أیضاًابوداؤدشریف)

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اس طرح ایک خط اپنے سامنے کھینچا اور فرمایا: "یہ اللہ کا راستہ ہے" اور دو خط اس کے داہنے اور خط اس کے بائیں کھینچے یعنی چار خط، اور فرمایا: "یہ شیطان کا راستہ ہے" اور پھر اپنا دست مبارک بیچ کے خط پر رکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "بلاشبہ میرا راستہ سیدھا ہے، پس اس کی اتباع کرو"۔

اوپر کی حدیث اور آیت کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟ اور یہ ترجمہ ومطلب درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چاروں امام بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے صراط مستقیم پر ہیں، کوئی غلط راستہ پر نہیں، گمراہ نہیں، جیسے آمین بالجہر کہنا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راستہ ہے (۲) اور آمین بالسر کہنا بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راستہ ہے (۳)۔ محدثین نے دونوں قسم کی حدیثیں اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ لکھی ہیں۔

---

(۱)(الدر المنثور للسیوطی رحمه الله تعالیٰ: ۵۶/۳،طبع مؤسسة الرسالة)

(۲)"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "إذاقال الإمام: ﴿غیر المغضوب علیهم ولا الضالین﴾ فقولوا: آمین،فإنه من وافق قوله قول الملائكة، غُفرله ماتقدم من ذنبه." (صحیح البخاری، کتاب الأذان،باب جهر المأموم بالتامین: ۱/۱۰۸،قدیمی)

(۳)"عن علقمة بن وائل عن أبیه رضی الله عنه :أنه صلی مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فلما بلغ "غیر المغضوب علیهم ولاالضالین"، قال:"آمین"وأخفی بهاصوته."رواه احمد،وابوداؤدالطیالسی، وأبویعلی الموصلی فی "مسانیدهم"والدارقطنی فی: "سننه"والحاکم فی "المستدرک"......وقال:حدیث صحیح الإسنادولم یخرجاه". (إعلاء السنن، کتاب الصلاة،باب ماجاء فی سنیة التأمین والاخفاء بها: ۲/۲۱۶،ادارة القرآن)

(ومسندأحمدبن حنبل رحمه الله تعالیٰ: ۵/۴۱۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۷۵،دارإحیاء التراث العربی)

اسی طرح رفع یدین (۱) اور ترک رفع یدین کا حال ہے (۲)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صحابی کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اس طریقہ پر جس طریقہ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا تو غصہ آیا، لیکن ان کی نماز کے ختم ہونے کا انتظار کیا، پھر ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور شکایت کی، جس پر ارشاد فرمایا کہ ''ان کو چھوڑ دو اور ان سے سنا کہ کس طرح پڑھتے ہو''، جب انہوں نے اس طرح سنایا جس طرح وہ پڑھتے تھے تو ارشاد فرمایا کہ ''اسی طرح نازل ہوا ہے'' پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا انہوں نے اس طرح پڑھا جس طرح پڑھتے تھے تو ارشاد فرمایا کہ ''اسی طرح نازل ہوا ہے'' (۳)، حالانکہ دونوں کے پڑھنے میں

---

(۱) ''عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إذا قام فی الصلوۃ، رفع یدیہ حتی تکونا حذو منکبیہ، وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع، ویفعل ذلک إذا رفع رأسہ من الرکوع.'' الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب رفع الیدین إذ اکبر وإذا رکع: ۱/۱۰۲، قدیمی)

(۲) ''عن جابر بن سمرۃ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- قال: خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ''مالی أراکم رافعی أیدیکم کأنہا أذناب خیل شمس، اسکنوا فی الصلوۃ.'' (الصحیح لمسلم رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الصلوۃ، باب الأمر بالسکون فی الصلوۃ: ۱/۱۸۱، قدیمی)

(۳) ''عروۃ بن الزبیر أن المسور بن مخرمۃ وعبدالرحمٰن بن عبدالقاری حدثاہ أنہما سمعا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت ہشام بن حکیم یقرأ سورۃ القرآن فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فاستمعت لقرآء تہ، فإذا ہو یقرأ علی حروف کثیرۃ لم یقرئنیہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فکدت أساورہ فی الصلوۃ، فتصبرت حتی سلّم، فلببتہ بردائہ فقلت: من أقرأک ہذہ السورۃ التی سمعتک تقرأ؟ قال: أقرأنیہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. فقلت: کذبت، فإن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد أقرأنیہا علی غیر ما قرأت، فانطلقت بہ أقودہ إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقلت: إنی سمعت ہذا یقرأ بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئنیہا، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: '' أرسلہ، اقرأ یا ہشام!'' فقرأ علیہ القرآءۃ التی سمعتہ یقرأ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''کذلک أنزلت''، ثم قال: ''اقرأ یا عمر!'' فقرأت القرآءۃ التی أقرأنی، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ''کذلک أنزلت''. '' الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف: ۲/۷۴۷، قدیمی)

اختلاف تھا، مگر اس اختلاف کے باوجود کسی کو غلط اور گمراہ قرار نہیں دیا۔

جو حدیث خط کھینچنے کی آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح ہے معتبر ہے، داہنے اور بائیں کے خطوط یقیناً گمراہی ہیں اور وہ وہ ہیں جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، چاروں امام قرآن وحدیث کے خلاف نہیں بلکہ عین موافق ہیں۔ جو شخص ان چار کا مصداق چاروں اماموں کو قرار دیتا ہے وہ شیطان کی تقلید میں ایسا کہتا ہے کہ اس کو ایسی تقلید سے توبہ لازم ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں(۱)، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد مکی بن ابراہیم ہیں جن سے ''بخاری شریف'' میں ثلاثیات مروی ہیں(۲)، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ امام مالک وامام شافعی وامام احمد کا نام لے کر ان کے مذہب بڑے احترام کے ساتھ نقل کرتے ہیں، کیا معاذ اللہ وہ شیطان کے راستہ کی تائید واحترام کرتے ہیں۔

اہلِ حدیث کے اس کلام نے تو محدثین کو ہی گمراہ قرار دیا ہے اور یہ جرأت بجز شیطان کی تقلید کے اور کون کرسکتا ہے۔ مسئلۂ تقلید پر بہت سے رسالے موجود ہیں: ''الاقتصاد، سبیل الرشاد، عقد الجید، التقلید، ان میں تفصیل سے تقلید کا ثبوت دیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱)''وأبی عبدالله بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمه الله تعالیٰ''. (المشكوة). قال القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: ''كان إماماً في الفقه والحديث والزهد والورع والعبادة ......نشأ ببغداد......ثم رحل إلى مكة والكوفة والبصرة والمدينة ....وسمع من يزيد بن هارون..........ومحمد بن إدريس الشافعي رحمه الله تعالیٰ.''(مقدمة المرقاة، ترجمة الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ: ۱/ ۲۶، رشیدیه)

(۲)''وحكى الموفق عن مكي ابن إبراهيم البلخي إمام بلخ وشيخ البخاري أنه دخل الكوفة، ولزم أبا حنيفة رحمه الله تعالیٰ، وسمع منه الحديث والفقه، وأكثر عنه الرواية، ويحبه حباً شديداً حتى قال إسماعيل بن بشير: كنا في مجلس المكي، فقال: حدثنا أبو حنيفة، فصاح رجل غريب: حدثنا عن ابن جريج، ولا تحدثنا عن أبي حنيفة، فقال المكي: إنا لانحدث السفهاء، حرجت عليك أن تكتب عني، قم من مجلسي، فلم يحدث حتى أقيم الرجل من مجلس، ثم قال: حدثنا أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ، ومرّ به.''(مقدمة أوجز المسالك، الباب الرابع، الفائدة الرابعة: ۱/ ۵۹، ۶۰، المكتبة اليحيوية سهارنپور)

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

تقلید شخصی کا ثبوت:

[۷۵۵] ا......تقلید شخصی واجب ہے یا فرض؟ نیز تقلید کرنے کے لئے اقوال نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد تھے؟

[۷۵۶] ۲......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد تھے یا مقلد؟

۳......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کی تقلید کرتے تھے یا نہیں؟

جوابات مع اقوال نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سند نص، عبارات پوری معہ ز بروزیر علمی عنایت فرمادیں، بینوا وتوجروا۔

المستفتی: بندہ ابوذر گوریہاری، مظفرپوری، بہاری۔

الجواب حامداومصلیاً:

ا......تقلید شخصی واجب ہے، کیونکہ احکامِ شرعیہ دوقسم پر ہیں: اول منصوص، دوم غیر منصوص۔ پھر منصوص دونوع پر ہیں: اول متعارض، دوم غیر متعارض۔ پھر غیر متعارض کی دوصورتیں ہیں: اول معلوم التقدیم والتاخیر، دوم غیر معلوم التقدیم والتاخیر۔

پس احکام منصوصہ غیر متعارضہ اور متعارضہ معلوم التقدیم والتاخیر میں تو کوئی اشکال نہیں اور نہ ہی ان میں تقلید کی ضرورت، لیکن احکام غیر منصوصہ اور منصوصہ متعارضہ غیر معلوم التقدیم والتاخیر میں تقلید کی ضرورت ہے اور بجز تقلید کوئی چارہ کار نہیں، کیونکہ یہ دوحال سے خالی نہیں: یا ان پر کچھ عمل نہ کرے گا یا کچھ کرے گا۔ اگر کچھ نہ کیا تو نص: ﴿أیحسب الإنسان أن یترك سدیً﴾(۱) اور: ﴿أفحسبتم أنما خلقناکم عبثاً﴾(۲) کی

(۱)(القیامة:۳۶)

(۲)(المؤمنون:۱۱۵)

مخالفت لازم آئے گی۔ اگر کچھ عمل کیا تو احکام غیر منصوصہ میں بلاعلم اور منصوصہ متعارضہ غیر معلوم التقدیم والتاخیر میں بلاتعیین کسی جانب کے ممکن نہیں، پس علم تعیین حکم نص تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ غیر منصوصہ میں نص موجود نہیں اور منصوصہ متعارضہ غیر معلوم التقدیم والتاخیر میں تعارض ہوا، اور تقدیم و تاخیر کا علم نہیں، تعیین ہو تو کیسے ہو؟ لہذا ان دونوں میں قیاس کی ضرورت پیش آئی۔ اول: یعنی غیر منصوص میں نفس علم کے لئے۔ اور ثانی: یعنی منصوصہ متعارضہ غیر معلوم التقدیم والتاخیر میں تعین کے لئے۔

پس قیاس یا ہر شخص کا شرعاً معتبر ہو کہ جو کچھ کسی کی سمجھ میں آئے، یا بعض کا معتبر ہو بعض کا نہیں، کل کا تو معتبر ہو نہیں سکتا لقولہ تعالیٰ: ﴿ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم﴾ (۱) لہذا بعض کا معتبر ہوگا۔ جس کا قیاس شرعاً معتبر ہے اس کو مجتہد و مستنبط کہتے ہیں اور جس کا قیاس شرعاً معتبر نہیں اس کو مقلد کہتے ہیں اور مقلد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿واتبع سبيل من أناب إليّ﴾ (۲) اب جاننا چاہیے، ائمہ اربعہ کے تاریخی حالات سے بالیقین معلوم ہوا کہ وہ " من أناب إلي " کے عموم میں داخل ہیں پس ان کا اتباع بھی ضروری ہوا۔

رہی یہ بات کہ مجتہد تو بہت سے گذرے ہیں کسی دوسرے کی تقلید کیوں نہ کی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اتباع کے لئے علم سبیل ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی مجتہد کا سبیل بہ تفصیل جزئیات وفروع معلوم نہیں کیونکہ کسی کا مذہب اس طرح مدون موجود نہیں (۳) کسی کا اتباع کیونکر ممکن ہے؟ لہذا ائمہ اربعہ میں سے ہی اتباع کرنا ہوگا۔

ایک بات اَور باقی رہی وہ یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے ایک ہی کی تقلید کیوں ضروری ہے یعنی تقلید شخصی کیوں واجب ہے، بلاتعیین ائمہ اربعہ کے مذہب کا اتباع کیوں کافی نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں: اول مختلف فیہا دوم متفق علیہا، متفق علیہا میں تو سب کا اتباع ہوگا اور مختلف فیہا میں تو سب کا اتباع نہیں ہوسکتا، بعض کا ہوگا، بعض کا نہ ہوگا۔ لہذا ضروری ہے کہ کوئی وجہ ترجیح ہو، سو اللہ نے اتباع کو انابت الی اللہ پر معلق

---

(۱) (النسآء: ۸۳)

(۲) (اللقمان: ۱۵)

(۳) (سیأتي تحت عنوان: ''قول امام کے خلاف اگر حدیث ہو تو مقلد کیا کرے؟'')

فرمایا، جس امام کی انابت الی اللہ زائد معلوم ہوگی اس کا اتباع کیا جائے گا۔ اب تحقیق زیادہ انابت کی بالتفصیل کی جائے گی یا اجمالاً: تفصیلاً یہ کہ ہر فرع وجزئی مختلف فیہ میں دیکھا جائے کہ حق کس کی جانب ہے، اجمالاً یہ کہ ہر امام کے مجموعۂ حالات وکیفیات پر نظر کی جاوے کہ غالباً کوئی حق پر ہوگا اور کس کی انابت زائد ہے۔ صورتِ اولیٰ میں حرج اور تکلیف مالایطاق کے باوجود مقلد مقلد نہ ہوا بلکہ اپنی تحقیق کا متبع ہوا نہ دوسرے کے سبیل کا، وہو خلاف المفروض، پس صورتِ ثانیہ متعین ہوگئی۔ کسی کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ان کے مجموعہ حالات سے یہ ظن غالب واعتقاد راجح ہوا کہ یہ منیب ومصیب ہیں، کسی کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر، کسی امام مالک پر، کسی کو امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ پر، اس لئے ہر ایک نے اسی کا اتباع اختیار کیا اور جب ایک کے اتباع بوجہ علم بالانابۃ اجمالاً کے التزام کیا گیا تو اب بعض جزئیات کا بلا کسی وجہ قوی یا ضرورتِ شدیدہ کے اس کی مخالفت سے شق اول عود کرے گی وقد ثبت بطلانہ۔ پس اس تقریر سے چند مسائل ثابت ہوئے:

۱- وجوبِ تقلید مطلقاً۔ ۲- تقلیدِ ائمۂ اربعہ، خصوصاً انحصار فی المذاہب الاربعہ۔ ۳- وجوب تقلید شخصی۔ ۴- مقلد اپنے امام کے اقوال کی تقلید کرے گا۔ ۵- اوران مسائل پر عمل کرے گا جو اس کے امام نے قرآن کریم اور احادیث سے استنباط کئے ہیں۔ ۶- اور مقلد کو یہ حق نہیں کہ اقوالِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود مسائل کا استنباط کرے کیونکہ اس میں استنباط کی قوت نہیں، جیسا کہ مقلد کی تعریف سے معلوم ہو چکا، البتہ مسائلِ منصوصہ ظاہر الدلالہ، غیر متعارضہ، معلومۃ التقدیم والتاخیر میں نص کے موافق عمل کرے گا کما مر سابقاً۔

۲..... حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے درجہ کے مجتہد تھے اور بہت بڑے محدث بھی تھے۔ مجتہد کے لئے قرآن، حدیث، آثار، تاریخ، لغت، قیاس میں ماہر ہونا ضروری ہے۔

"الإمام (أبوحنيفه رحمه الله تعالیٰ) مجتهدٌ إجماعاً، بل من أكابر المجتهدين، لم ينكر أحد سلفاً ولا خلفاً، والرجل لايكون مجتهداً إلا بعد أن يكون ماهراً بالقرآن والحديث والآثار والتاريخ والقياس كما صرح به أئمة الأصول". مقدمه أوجز، ص: ٦٠ (١)۔

---

(١) (مقدمة أوجز المسالك لشيخ الحديث زكريا رحمه الله تعالیٰ، الباب الرابع في ذكر الإمام الأعظم أبي حنيفة رضي الله تعالیٰ عنه، الفائدة الرابعة في علو مرتبته في الحديث: ١/٥٨، المكتبة اليحيوية بسهارنپور)

ابن حجر نے لکھا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے چار ہزار مشائخ وتابعین وغیرہم سے علم حاصل کیا ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو محدثین کے طبقاتِ حفاظ میں شمار کیا ہے(۱)۔

۳.....خود مجتہد مطلق تھے، قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر خود ان سے مسائل استنباط کرتے تھے، کسی کے مقلد نہ تھے، (کذافی النافع الکبیر ص:۹۷) (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

بعض مسائل میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کیا مقلد تھے؟

سوال[۷۵۷]: جو شخص حنفی کہلا کر بعض مسائلِ اختلافیہ میں مسائل شافعیہ وحنابلہ پر اپنی تحقیق کی بناء پر عمل کرے تو وہ حنفیت سے نکل جائے گا یا نہیں؟ حالانکہ امام ولی اللہ صاحب انفاس العارفین، ص: ۷۰ میں لکھتے ہیں:

''مخفی نماند که حضرتِ ایشان: ای عبدالرحیم صاحب دهلوی در اکثر امور موافق مذهب حنفی عمل می کردند إلّا بعض چیز ها که بحسبِ حدیث یا وجدان بمذهبِ دیگر ترجیح می یافتند، ازاں جمله آنست که در اقتداء سورۂ فاتحه می خواندند، ودر جنازه نیز''(۳).

(دیکھو کتاب ''حزبِ امام ولی اللہ صاحب دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ''، ص: ۱۶۰) (۴)

---

(۱) ''قال ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: مرّ أنه أخذ عن أربعة آلاف شيخ من أئمة التابعين وغيرهم، ومن ثمة ذكره الذهبي وغيره في طبقات الحفاظ من المحدثين.'' (مقدمة الأوجز، المصدر السابق، الفائدة الخامسة: ۱/۶۰)

(وكذا في مقدمة إعلاء السنن، أبوحنيفة وأصحابه المحدثون، الفصل الثالث في درجة الإمام في علم الحديث: ۳/۱۱۵، إدارة القرآن)

(۲) (النافع الكبير مع الجامع الصغير، الفصل الأول، ص: ۱۰، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (أنفاس العارفين لشاه ولي الله محدث دهلوي، ص: ۱۵۷، المعارف گنج بخش روڈ لاہور)

(۴) (حزب ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ، ص: ۹۲، سندھ ساگر اکادمی لاہور)

مؤلفہ مولانا مولوی عبید اللہ صاحب سندھی حنفی دیو بندی۔

نیز مکتوبات شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے ص: ۵ میں لکھا ہے:

"گفتم: بقدرِ امکان جمع می کنم درمذہبِ مشہورہ، مثلاً صوم و صلوٰۃ ووضو وغسل وحج بوضعے کہ واقعے می شود کہ ہم اہلِ مذاہب صحیح دانند وعند تعذرِ الجمع باقویٰ مذاہب ازروئے دلیل وموافقتِ صریح حدیث عمل می نمایم" (١)۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی وحضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے مسلک مذکورہ کی بناء پر مقلد تھے یا غیر مقلد؟ اوران کو باوجودِ حنفی مذہب کے ایسا کرنا درست تھا یانہیں؟ غور فرما کر اس مسئلہ پر لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی حنفی اپنی وسعتِ نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اَورداعیۂ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوگا (٢) اورقوتِ داعیہ کے موافق

---

(١) (لم أظفر عليه)

(٢) "والحاصل أن ماخالف فيه الأصحاب إما مهم الأعظم لايخرج عن مذهبه إذا رجّحه المشايخ المعتبرون، وكذا مابناه المشايخ على العرف الحادث لتغير الزمان أوللضرورة، ونحو ذلك لايخرج عن مذهبه أيضاً؛ لأن مارجحوه لترجح دليله عندهم مأذون به من جهة الإمام الخ". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ٢٨، مير محمد كتب خانه)

"ونظير هذا ما نقله العلامة بيرى في أول شرحه على الأشباه عن شرح الهداية لابن الشحنة، ونصه: إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبه، ولايخرج مقلده عن كونه حنفياً بالعمل به، .... ولا يخفى أن ذلك لمن كان أهلاً للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها، .... ولذا ردّالمحقق ابن الهمام على بعض المشايخ حيث أفتوا بقول الإمامين بأنه لايعدل عن قول الإمام إلا لضعف دليله". (ردالمحتار، المقدمه، مطلب: صح عن الإمام أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي: ١/٦٧، ٦٨، سعيد) =

وہ شخص معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہیں ہوگا (۱) اور اس کی نظیریں مذاہب اربعہ میں موجود ہیں۔ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابحاث کو ان کے تلمیذ خاص قاسم بن قطلو بغا نے ناقابلِ اعتناء قرار دیا ہے، کذا فی رسم المفتی (۲)، ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوی کبریٰ میں لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوۃ کے متعلق تین مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے موافق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل الزکوٰۃ، ودفع الزکوٰۃ إلی واحد، ودفعها إلی أحد الأصناف اھ (۳)۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کو طہارتِ ماء کے متعلق پسند کیا ہے (۴)،

= "ولو انّ رجلاً برئ من مذهبه باجتهادٍ وضح له كان محموداً مأجوراً، أما انتقال غيره من غير دليل .... فهو المذموم الآثم". الخ. (ردالمحتار، باب التعزير: ۴/۸۰، سعيد)

(۱) "ان المفتي المجتهد ليس له العدول عما اتفق عليه أبو حنيفة وأصحابه، فليس له الإفتاء به وإن كان مجتهدا متقناً .... قلت: ذلك في حق من يفتي غيره .... وأما في حق العمل به لنفسه فالظاهر جوازه له، يدل عليه قول خزانة الروايات: يجوزله أن يعمل عليها وإن كان مخالفاً لمذهبه: أي لأن المجتهد يلزمه اتباع ماأدى إليه اجتهاده". (شرح عقود رسم الفمتي: ۱۰۲، ۱۰۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) "قال العلامة قاسم في حق شيخه خاتمة المحققين الكمال ابن الهمام: "لايعمل بأبحاث شيخنا التي تخالف المذهب". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۶۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في، ص: ۶۷، من شرح عقود رسم المفتي، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۳) "جازله أن ينقل ماكان اخذه إلى بلده .... فله إعطاء بعض آحاد الصنف أقل متمول، فإن أعطى اثنين من صنف دون الثالث .... أو واحد فقط .... أما إذا لم يوجد الثالث فيعطى الكل للإثنين إن احتاجاه، ولا ينقل باقي أسهم إلى غيرهما، فإن لم يحتاجوه ردعلى الباقين إن احتاجوه وإلا نقل إلى غيرهم؛ إذ حصة من فقد من الأصناف أو من أحاد الصنف بمحل الزكاة .... الخ". (الفتاوىٰ الكبرى لابن حجر المكي، كتاب الزكاة: ۱/۳۲، ۳۸، المكتبة الإسلامية)

(۴) "هذا هو مذهب الشافعي رضي الله عنه، وكنت أودّ أن يكون مذهبه كمذهب مالك رضي الله عنه في أن الماء وإن قلّ لا ينجس إلا بالتغير؛ إذ الحاجة ماسة إليه". (إحياء العلوم للغزالي، كتاب أسرار الطهارة: ۱/۱۸۴، رشيديه)

فقہائے احناف نے مسئلہ مفقود میں امام مالکؒ کا مسلک اختیار کیا ہے(۱) وغیرہ وغیرہ۔

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حنفی تھے (۲)، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں وہ بھی شریک تھے اور جگہ جگہ اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مقلد اور حنفی تھے (۳)، بعض حضرات کو ان کی مختلف عبارات سے اس کے خلاف کا ایہام ہوتا ہے مگر اسی کتاب، ص: ۴۸، ۶۲، ۱۰۵ میں حنفی مذہب کو ترجیح دی ہے، اصل یہ ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ طبعی چیز تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی مشاہدہ میں ان کو اس پر مجبور کیا گیا جیسا کہ اور بھی بعض اشیاء پر

---

(۱) (راجع إلی ''حیلۂ ناجزۃ'' لحکیم الأمت أشرف علی التھانویؒ، ص: ۶۲، دارالإشاعت، کراچی)

(۲) دیکھئے مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی کی مؤلف ''مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ اور تنظیم فکر ولی اللّٰھی''، ص: ۵۴، مطبع حق چار یار اکیڈمی گجرات)

''شاہ صاحب انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ بات مخفی نہ رہے کہ حضرت اکثر امور میں حنفی مذہب کے مطابق عمل فرماتے تھے سوائے چند ایک چیزوں کے''۔ (کتاب: ''مولانا عبیداللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللّٰھی، المصدر السابق)

(وکذا فی أنفاس العارفین، مترجم سید محمد فاورق قادری، ص: ۱۵۷، المعارف گنج بخش لاھور)

(۳) اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''کتبہ بیدہ الفیقر إلی رحمۃ اللہ الکریم الودود، ولی اللہ بن عبدالرحیم .... الصوفی طریقۃً، والحنفی عملاً، والحنفی والشافعی درساً'' یہ الفاظ حضرتؒ نے اس صحیح بخاری پر تحریر فرمائے ہیں جو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس میں استعمال ہوا ہے۔(مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور تنظیم فکر ولی اللّٰھی، ص: ۵۳، حق چار یار اکیڈمی گجرات)

وفی حزب امام ولی اللہ محدث دھلوی ھکذا: ''شاہ ولی اللہ حنفی تھے: ....''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حنفی مذہب کا ایک ایسا عمدہ طریقہ بتایا جو ان حدیثوں سے جن کو بخاری اور ان کے ساتھیوں نے جمع کیا اور ان کی جانچ پڑتال کی، زیادہ قریب اور موافق ہے اور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، ان تینوں کے اقوال میں سے وہ قول قبول کیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو..........الخ''۔ (حزب ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ، ص: ۹۲، سندھ ساگر اکادمی، لاہور)

خلافِ طبع مجبور کیا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وجبلتي تأبى التقليد وتأنف منه رأساً، ولكن شئى طلب منى التعبد به بخلاف نفسى اھ"۔ فيوض الحرمين، ص: ٦٤ (١)۔

اس میں مذاہبِ اربعہ میں سے کسی کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ دائر رکھا گیا ہے، لیکن ص: ۴۸، ۶۲، ۱۰۵ میں ترجیح موجود ہے۔

جن مسائل میں دیگر مذاہب کی رعایت موجود ہو اس میں خروج عن الخلاف کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے (۲)، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا عام طریقہ یہی ہے، إلا في بعض المسائل، فإنه عمل بتحقيقه.

ایک کتاب پر اپنے دستخط کے ساتھ انہوں نے حنفی خود بھی تحریر فرمایا ہے (۳) جس پر بادشاہِ وقت کے بھی دستخط ہیں اور وہ کتاب الٰہی بخش لائبریری پٹنہ بہار میں محفوظ ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۱۱/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی قعدہ/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۶۴ھ۔

کیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد تھے؟

سوال [۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مقلد تھے یا غیر مقلد، اگر مقلد تھے تو ان کا مسلک کیا تھا؟ یہاں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ اور تنظیم فکر ولی اللّٰھی، ص: ۵۵، (بحوالہ فيوض الحرمين: ١٦٥) حق چار یار اکیڈمی گجرات)

(فيوض الحرمين، مشاهد أخرى بالإجمال، ص: ٦٥، كتب خانه رحيميه ديوبند)

(٢) " الإحتياط في الدين مطلوب، ومراعاة الخلاف أمر محبوب سواء كان قولاً ضعيفاً في المذهب، أو كان مذهب الغير كيف، الخ". (الفوائد المخصصة بأحكام كيّ الحمصة، في ضمن رسائل ابن عابدين: ١/ ٦١، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٣) (راجع، ص: ٦١٩، رقم الحاشية: ٣)

تھے۔حوالہ کتب معتبرہ سے مدلل بیان فرمائیں۔ 2

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علوم واسعہ، افکار عمیقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ، تزکیۂ نفس، طہارت باطن، نسبت قویہ، مکاشفہ صحیحہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ جہاں کسی چیز میں کوئی اشکال ہوا فوراً روحانیتِ نبویہ سے حل کرلیا، آثار صحابہ گویا سب کے سب نظروں کے سامنے تھے، ان کے مذاہب سے واقفیت حاصل تھی، ائمہ مجتہدین کے اصولِ استنباط اور ماخذِ مسائل پر پورا عبور تھا، تطبیق بین الروایات میں ملکۂ تامہ تھا، ناسخ ومنسوخ کے حافظ تھے، وغیرہ وغیرہ ان اسباب کی بناء پر آپ تقلید کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے، طبیعت کو اس سے انکار تھا لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقلید پر مجبور فرمایا، تقلید کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں ایسی ہیں کہ تقاضائے طبعی کے خلاف ان پر مامور کیے گئے چنانچہ لکھتے ہیں:

”و ثانیهما: الوصاة بالتقلید بهذه المذاهب الأربعة، لا أخرج منها، والتوفیق ما استطعت، و جبلتی تأبی، و تأنف منه رأساً، و لكن شئ طلب منی التعبد منه بخلاف نفسی اهـ“. (فیوض الحرمین ص:۶۵)(۱)۔ اس سے مطلق تقلید کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوا، نیز وہ تقلید مذاہب اربعہ میں محصور ہے۔

مذہب حنفی کی ترجیح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”عرّفنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن فی المذهب الحنفی طریقة أنیقة، وهی أوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و أصحابه، و ذلك أن یؤخذ من أقوال الثلاثة قول أقربهم بها فی المسئلة، ثم بعد ذلك یتبع اختیار الفقهاء الحنفیین الذین من علماء الحدیث، فربّ شیء سكت عنه الثلاثة(أبو حنیفة وصاحباه) فی الأصول، و ما تعرضوا لنفیه، ودلت الأحادیث علیه، فلیس بدّ من أصحابه، والكل مذهب حنفی اهـ“. (فیوض الحرمین ص:۴۸)(۲)۔

۱۱۷۶ھ میں وفات ہے، اسی ۱۱۷۶ھ میں اخیر مرتبہ ”بخاری شریف“ پڑھائی ہے اور مولوی چراغ

---

(۱)(فیوض الحرمین (مترجم) تینتیسواں مشاہدہ، ص:۲۲۷، دارالاشاعت)

(۲)(فیوض الحرمین (مترجم) اٹھیسواں مشاہدہ، ص:۱۷۵، دارالاشاعت)

صاحب کے لئے سند اپنے قلم سے لکھی ہے جو کہ بخاری شریف کے ساتھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، اس میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھا ہے اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی تصدیق ہے کہ یہ میرے والد کی تحریر فرمودہ ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی اس تصدیق پر موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر تک حنفی رہے، کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ بعد میں غیر مقلد ہو گئے تھے۔نعوذ باللہ منہ۔ البتہ حسبِ وسعت جمع فرماتے تھے، ادلہ کی قوت وضعف سے بھی بحث فرمایا کرتے تھے جس سے بعض کو شبہ ہو جایا کرتا تھا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

امام کے قول کے خلاف اگر حدیث موجود ہو تو مقلد کیا کرے؟

سوال[۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثلاً اپنی رائے اور قول کی موافقت ناجائز ہو یعنی کوئی بھی مسئلہ ہو یعنی امام صاحب کے قول کے مقابل میں حدیث صحیح ہو، راوی حدیث بیان کرنے والے تقریباً چار سے زائد ہوں اور راوی ثقہ ہیں، راویوں کی بالکل ایک ہی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح حدیث بیان کرتے ہیں اور صحیح حدیث بخاری کی موجود ہے تو ایک شخص امام کا قول ترک کر کے احادیث پر عمل کرتا ہے۔اب آپ سے فتویٰ چاہتا ہے برائے مہربانی فتویٰ ارسال فرماویں۔

۲۷/ جون ۱۹۷۱ء، ڈاکخانہ ہون، علاقہ نوبجوہ، تحصیل کشتواڑ، ضلع ڈوڈہ، ریاست جموں وکشمیر، مولوی احمد اللہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بات تو ممکن ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے "بخاری شریف" کی کوئی حدیث اس کے خلاف ہو لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسئلہ بلا دلیل ہو۔اتنا تو غور کیجئے کہ صحیح حدیث جب کسی مسئلہ میں موجود ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رائے (قیاس) جائز نہیں (۱) پھر یہ

(۱) "و قد روى الشيخ محي الدين في: "الفتوحات المكية" بسنده إلى الإمام أبي حنيفة أنه كان يقول: "إياكم والقول في دين الله تعالىٰ بالرأي، وعليكم باتباع السنة، فمن خرج عنها ضل" .... و كان يقول: "عليكم بآثار مَنْ سَلَفَ، و إياكم و آراء الرجال اهـ". .... و كان يقول: "لم تزل الناس في صلاح مادام فيهم من يطلب الحديث، فإذا طلبوا العلم بلا حديث فسدوا". .... و قال أيضاً (أي في =

کہنا کہ ان کا قول (رائے) یعنی قیاس محض رائے اور قیاس ہے جو کہ حدیث کے خلاف ہے غلط اور امام صاحب کے اصول کے خلاف ہے جو کہ تہمت ہے۔

رائے کا حاصل تو یہ ہے کہ جو مسئلہ نص (آیت یا حدیث) میں موجود ہو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے علت تلاش کرتے ہیں تا کہ جن مسائل سے نص ساکت ہے اور ان میں وہ علت موجود ہے تو حکم نص کو وہاں متعدی کر دیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ حکم نص زیادہ سے زیادہ عام ہو جائے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اپنی صحیح میں ثابت کیا ہے (۱) لہٰذا جس مسئلہ میں خود نص موجود ہو گی وہاں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ رائے اور قیاس کو دخل ہی نہیں دیں گے بلکہ نص پر عمل کریں گے۔

بعض کوتاہ نظر کسی ایک حدیث کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا فلاں قول مطلقاً حدیث کے خلاف اور محض رائے پر مبنی ہے یہ ان کی کوتاہ نظری ہے یا عناد ہے۔ صحیح بخاری شریف مجموعی حیثیت سے اعلیٰ کتاب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی ہر ہر حدیث دیگر کتب کی ہر ہر حدیث سے اعلیٰ ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ دوسری کتاب کی حدیث مثلاً جس پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مبنی ہے وہ بخاری شریف کی حدیث سے اعلیٰ ہو، شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں اس پر بحث کی ہے (۲)، نیز عمدۃ

= الفتوحات): وقد تتبعت بحمد الله أقواله و أقوال أصحابه لما ألفت كتاب: "أدلة المذاهب" فلم أجد قولاً من أقواله و أقوال أتباع إلا وهو مستند إلى آية، أو حديث، أو أثر، أو إلى مفهوم ذلك، أو حديث ضعيف كثرت طرقه، أو إلى قياس صحيح على أصل صحيح". (ص: ۵۲)". (إعلاء السنن، المقدمة، أبو حنيفة و أصحابه المحدثون: ۴۹/۳، ادارة القرآن كراچى)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "تقلید کی شرعی حیثیت")

(۲) قال ابن الهمام: "و كون معارضه في البخاري لا يستلزم تقديمه بعد اشتراكهما في الصحة، بل يطلب الترجيح من خارج. و قول من قال: أصح الأحاديث ما في الصحيحين، ثم ما انفرد به البخاري، ثم ما انفرد به مسلم، ثم ما اشتمل على شرطهما من غيرهما، ثم ما اشتمل على شرط أحدهما تحكّمٌ لا يجوز التقليد فيه؛ إذ الأصحيّة ليس إلا لإشتمال رواتهما على الشروط التي اعتبراها، فإذا فرض وجود تلك الشروط في رواة حديث في غير الكتابين أفلا يكون الحكم بأصحية ما في الكتابين عين التحكّم؟ و قد أخرج مسلم عن كثير في كتابه ممن لم يسلم من غوائل الجرح، و كذا في البخاري جماعة تكلم =

القاری شرح بخاری: ۸/۵۱، میں ہے: ’’و دعوی الحکم بتصحیح جمیع ما أورده البخاری فی کتابه غیر موجهة؛ لأن دعوی الکلیة تحتاج إلی دلیل قاطع اھ‘‘(۱)۔

لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول حدیث کے خلاف اور محض رائے پر مبنی ہے، یہ خود دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہے جو اپنے علم ناقص یا عناد سے ناشی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

عالم محقق کیلئے تقلید اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال

سوال [۷۶۰]: ۱..... فقہاء کی اصطلاح میں تقلید کے کیا معنی ہیں؟

۲..... کیا حقیقۃً یہ امر علماء کے یہاں مسلم ہے کہ جو شخص بجائے خود مجتہد ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی تقلید کرے، بایں معنی کہ التقلید العمل بقول من لا یعرف دلیله۔

۳..... کوئی شخص اگر خود اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہ ہو، مگر عالم بالکتاب والسنۃ ہو اور نہ صرف عالم ہو بلکہ سنن نبویہ میں نظر بالغ رکھتا ہو، اس کے ساتھ وہ مختلف مذاہب فقہیہ کے فروعی مسائل میں تحقیق اور ترجیح کی بھی قابلیت رکھتا ہو ایسے عالم کے لئے ائمہ مذاہب کی تقلید کی کیا صورت ہوگی؟ آیا وہ لازمی طور پر ہر حالت میں کسی معین مذہب کے ساتھ وابستہ رہے گا اور کسی حالت میں بھی اس کے لئے دوسرے مذہب کی پیروی جائز نہ ہوگی اگرچہ وہ ایک ہی مسئلہ میں ہو، یا اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ مختلف مذاہب کے فروعیات پر تحقیقی نظر ڈال کر سب کا علمی جائزہ لے، پھر ان مختلف فروعیات میں بھی جو مسئلہ اس کو اوفق بالکتاب والسنۃ معلوم ہو اس پر عمل کرے؟

۴..... بالفرض اگر وہ پہلے سے کسی معین مذہب کا التزام کر چکا ہو تو آیا وہ التزام کے بعد دوسرے

= فیهم، فدار الأمر فی الرواة علی اجتهاد العلماء فیهم الخ". (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل: ۱/۴۴۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(کذا فی مقدمة فتح الملهم، أحادیث الصحیحین هل تفید القطع؟: ۱/۱۰۰، مکتبه دار العلوم، کراچی)

(۱) (عمدة القاری، کتاب مناقب الأنصار، باب القسامة فی الجاهلیة، تحت حدیث عمرو بن میمون قال: رأیت فی الجاهلیة قردةً الخ: ۱۶/۴۱۲، رقم الحدیث: ۳۸۴۹، دار الکتب العلمیة)

مذہب فقہی میں کلی یا جزوی طور پر انتقال کرسکتا ہے یانہیں یا ہمیشہ کے لئے اس مذہب سے وابستہ رہے گا جس کا اس نے پہلے التزام کیا ہے؟

۵......پھر جو شخص عالم بالکتاب والسنۃ نہ ہو بلکہ عامی ہو، ایسے عامی شخص کیلئے تقلید اور ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال کرنے کا کیا حکم ہے؟ عبدالرؤف قاسمی بستوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس شخص پر اعتماد ہو کہ دلیل کے موافق حکم بتائے گا اس کے قول کو تسلیم کرلینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا تقلید ہے، کذافی عقد الجید (۱)۔

۲......راجح قول یہی ہے کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کا حق حاصل ہے، اس لئے کہ اجتہاد متجزی ہے کما صرح بہ الشامی (۲)۔

۳......جب اس کا دامن اجتہاد سے خالی ہے تو اس کو وسعت نظر وعلم کے باوجود تقلید شخصی لازم ہے، محض اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر دوسرے مذہب کی پیروی کا حق نہیں، تلفیق بالاجماع باطل ہے کذافی الدر المختار (۳)۔ اس کا اجتہاد سے محروم ہونے کے باوجود کسی مسئلہ کو اوفق بالکتاب والسنۃ قرار دینا اپنے منصب سے بڑھ کر بات ہے۔

۴......جس اعتماد کی بناء پر ایک امام کی تقلید کی تھی اگر وہ اعتماد وسعت نظر وعلم کی بناء پر وہاں سے ختم ہو کر دوسرے امام کے ساتھ قائم ہوگیا ہے تو کلیۃً انتقال مذہب کی اجازت ہے، جزوی انتقال میں تلفیق کا مفسدہ

---

(۱) "وأمارة هذا التقليد أن يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقاً للسنة". (عقد الجيد، فصل سوم، مسئله پنجم، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانه کراچی)

(۲) "قال في التحرير: مسئلة: غير المجتهد المطلق يلزمه التقليد وإن كان مجتهداً في بعض مسائل الفقه، أو بعض العلوم كالفرائض، على القول بتجزي الإجتهاد، وهو الحق، فيقلد غيره فيما لا يقدر عليه". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في معنى قول الأئمة: لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا حتى يعلم من أين قلنا؟ ص: ۷۴، مير محمد كتب خانه)

(۳) "و أن الحكم الملفق باطل بالإجماع". (الدر المختار، المقدمة: ۱/۷۵، سعيد)

ہے کذافی الحموی (۱)۔

۵..... اس کی اجازت نہیں۔ یہ اتباع ھوا اور تلعب ہے، عقدالجید (۲)، انصاف (۳) سبیل الرشاد (۴) الاقتصاد (۵) انتصار الحق (۶) تیسیر (۷) التقریر والتحبیر (۸) میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حنفی کو کسی اَور کے قول پر عمل کرنا کیا تقلید کے خلاف ہے؟

سوال [۷۶۱]: تقلید کی تعریف کیا ہے؟ اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وزفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرے تو کیا اس صورت میں بھی حنفی رہیگا؟ بوقتِ ضرورت شوافع ومالکیہ کے قول پر (مثلاً مسئلہ مفقود) عمل کرنے سے حنفی رہے گا یا نہیں جب کہ وہ دوسرے امام کے قول پر عمل کر رہا ہے؟ سائل محمد بشیر رنگونی ۵/صفر ۵۳ھ

---

(۱) لم أجده في الحموي على الأشباه: و قال في مقدمة إعلاء السنن: "قال صاحب جامع الفتاوی من الحنفية: يجوز للحنفي أن ينتقل إلى مذهب الشافعي و بالعكس لكن بالكلية، أما في مسئلة واحدة فلا يمكن". (ذكر الشروط الثلاثة لجواز الإنتقال: ۲/۲۲۷، إدارة القرآن كراچي)

و في رد المحتار: "ولو أن رجلاً برئ من مذهبه باجتهاد وضح له، كان محموداً مأجوراً".

(كتاب الشهادات، باب التعزير، مطلب فيما إذا إرتحل إلى غير مذهبه: ۴/۸۰، سعيد)

(۲) (عقد الجيد (مترجم اردو) تاكيد الاخذ بهذه المذاهب الأربعة: ۵۳، ۷۳، ۱۳۳، ۱۱۴، قرآن محل كراچي)

(۳) (الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف، التقليد في المذاهب الأربعة، ص: ۹۷، ۱۱۱، دار النفائس)

(۴) (سبيل الرشاد، قول ششم ص: ۵۱۷، ۵۳۲، اداره اسلاميات لاهور)

(۵) (الاقتصاد في التقليد والاجتهاد، مقصد چهارم ص: ۳۰-۵۵، اداره اسلاميات لاهور)

(۶) (انتصار الحق، إثبات تقليد امام معین کے دلائل، ص: ۱۴۰، ۱۹۲، مطبع صديقي، بريلي)

(۷) (تيسير التحرير، مسئله: لا يرجع المقلد فيما قلد فيه، الجزء الرابع، ص: ۲۵۳، ۲۵۵، مصطفى البابي)

(۸) (التقرير والتحبير، مسئله: غير المجتهد المطلق يلزمه التقليد: ۳/۳۴۴، ۳۴۵، و مسئله: لا يرجع المقلد فيما قلد فيه: ۳/۳۵۰، ۳۵۵، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

الجوب حامداً ومصلیاً:

غیر مجتہد کا قول مجتہد کو اختیار کرنا اس اعتماد پر کہ اس کے پاس اس کی دلیل ہے اور اس سے دلیل طلب نہ کرنا یہی تقلید ہے (۱)۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول جن کو ان کے تلامذہ نے مفصلاً بیان کیا اور ان پر مسائل متفرع ہوئے، خواہ وہ مسائل امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بالتصریح منقول ہوں یا نہ ہوں ان کو ماننے والا اور ان پر عمل کرنے والا حنفی ہے۔ امام صاحب کے تلامذہ کے اقوال بھی امام صاحب ہی کے اقوال ہیں، خواہ وہ صراحۃً ہوں خواہ التزاماً، لہٰذا مواقع مخصوصہ میں ان پر عمل کرنے سے حنفیت سے خروج نہ ہوگا۔

بعض دفعہ واقعات اور حوادث کے تغیر سے حکم بدل جاتا ہے جیسے متاخرین نے دیکھا کہ اگر آج امام صاحب ہوتے تو فلاں مسئلہ میں یہ حکم دیتے لہٰذا متاخرین نے وہی حکم دیا، خواہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو یا کسی دوسرے کا۔ اس قسم کا تغیر جج نفل وصدقہ کی افضیلت وغیرہ کا خود امام صاحب کے زمانہ میں بھی ہوا ہے، لہٰذا اس سے حنفیت میں فرق نہیں آتا۔ والبسط فی عقود رسم المفتی لابن عابدین (۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۳/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔ صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) (تحفۃ العلماء، باب چہارم، تقلید کا بیان: ۲/۲۸۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۲) "و في الولوالجية من كتاب الجنايات: قال أبو يوسف: ما قلت قولاً خالفت فيه أباحنيفة إلا قولاً قد كان قاله، و روى أنه قال: ما خالفت أبا حنيفة في شيء إلا قد قاله ثم رجع عنه، فهذا إشارة إلى أنهم ما سلكوا طريق الخلاف، بل قالوا ما قالوا عن اجتهاد و رأى إتباعاً لما قاله استادهم أبو حنيفة، انتهى .... قالوا: ما قلنا في مسئلة قولاً إلا وهو روايتنا عن أبي حنيفة، و أقسموا عليه أيماناً غلاظاً، فلم يتحقق إذن في الفقه جواب و لا مذهب إلا له كيف ما كان، و ما نسب إلى غيره إلا بطريق المجاز للموافقة .... (و قال بعد صفحتين): والحاصل: أن ما خالف فيه الأصحاب إمامهم الأعظم لا يخرج عن مذهبه إذا رجحه المشايخ المعتبرون، و كذا ما بناه المشايخ على العرف لتغير الزمان أو للضرورة و نحو ذلك لا يخرج عن مذهبه أيضاً .... باعتبار أنه لو كان حياً لقال بما قالوه، إنما هو مبنى على قواعده أيضاً". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب: أقوال أصحاب الإمام في الحقيقة أقواله، ص: ۲۵-۲۸، مير محمد كتب خانه)

مذاہبِ اربعہ کا ماخذ

سوال[۷۶۲]: کیا اہل سنت والجماعت میں شامل ہونے کے لئے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ان چار مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی اتباع ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کتاب وسنت سے ثابت کیا جائے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کس کا اتباع کرے؟ اسلام میں ان چاروں مذاہب کے لئے کیا دلیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما أنا علیه وأصحابی" (۱) کے طریق کو صحیح وثواب فرمایا ہے، یہ تو حکم اجمالی ہے، پھر جو مذاہب تفصیل سے مدوّن ہوئے ان میں ائمہ اربعہ کے مذاہب "ما أنا علیه وأصحابی" کے ساتھ اوفق (۲)۔ یہ استقراء مسائل اور تتبع دلائل سے ثابت ہے، ان چاروں میں سے جس محقق عالم نے تفتیش کر کے جس کے مذہب کو اقرب واوفق پایا اس کا اتباع کر لیا (۳)۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل عربی، فارسی، اردو میں موجود ہیں جن میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے، الاقتصاد (۴)، سبیل

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) "فعليكم معاشرَ المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة، فإن نصرة الله وحفظه وتوفيقه في موافقتهم، وخذلانه وسخطه ومقته في مخالفتهم، وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة وهم: الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله تعالىٰ، ومن كان خارجاً عن هذه الأربعة في هذا الزمان فهو من أهل البدعة والنار". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۴/۱۵۳، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۴۱۹، رشيديه)

(۳) "وأخرج الخطيب .... قال: يا أمير المومنين! إن اختلاف العلماء رحمة الله من الله تعالىٰ على هذه الأمة، كل يتبع ما صح عنده، وكلهم على هدى، وكل يريد الله تعالىٰ". (رد المحتار على الدر المختار، مطلب في حديث "اختلاف أمتي رحمة": ۱/۶۸، سعيد)

(۴) (الاقتصاد في التقليد والاجتهاد (اردو) للعلامة اشرف علي التهانويؒ، إداره اسلاميات لاهور)

الرشاد(۱)، عقد الجید (۲)، خیر التنقید (۳) وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۸ھ۔

عامل بالحدیث کا حکم

سوال[۷۶۳]: ۱...... عامل بالحدیث حق پر ہیں یا نہیں؟

اہل حدیث کا حکم

سوال[۷۶۴]: ۲...... اہل حدیث کی جماعت کب سے نکلی؟ انجمن اشاعت تبلیغ الاسلام امرتسر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو شخص اہلیت اجتہاد کی رکھتا ہے اس کو تمام احادیث سامنے رکھ کر ان سے مسائل استنباط کرنے کا حق حاصل ہے (۴) مگر اس زمانہ میں اتنی اہلیت تمام عالم سے مفقود ہے جیسا کہ صدیوں سے تجربہ ہو رہا ہے، لہٰذا

---

(۱) (سبیل الرشاد (اردو) للعلامة رشید احمد الکنکوهی، رحمٰن برادرس، شارع لیاقت پاکستان چوک کراچی)

(۲) ''عقد الجید'' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' اعلم أن في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمه، وفي الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة، ونحن نبيّن ذلك لوجره : أحدها أن الأمة أجمعت على أن يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة، فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة، وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين، وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم .... وثانياً : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ''اتبعوا السواد الأعظم''، ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة، كان اتباعها اتباعاً للسواد الأعظم، والخروج عنها خروجاً عن السواد الأعظم ''. (عقد الجيد، باب تاكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة والتشديد في تركها والخروج عنها، ص: ۵۳، ۵۶، سعيد)

(۳) (خیر التنقید في سیر التقلید (اردو) مولانا خیر محمد جالندهری رحمه الله تعالیٰ، کتب خانه انصاریه جالندهر شهر بازار شیخان)

(۴) ''وإن وظيفة المجتهد العمل باجتهاده دون اجتهاد غيره''. (مقدمة عمدة الرعاية، الدراسة الثانية، ص: ۸، سعيد)

بجز تقلید چارہ نہیں، جو شخص تقلید چھوڑ کر اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہے اور مسائل استنباط کرنے کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے، معمولی مسائل کے دلائل سے اس کی تکذیب کی جاسکتی ہے، نیز اگر ائمۂ دین مجتہدین کو سب وشتم بھی کوئی شخص کرے تو وہ فاسق بالیقین اور فقہاء کی بڑی جماعت ایسے شخص کی تکفیر بھی کرتی ہے(۱) اور یہ مرض عام غیر مقلدین میں پھیلا ہوا ہے الا ماشاء اللہ، پھر ایسی جماعت کو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ حق پر ہے؟ رہا نفسِ عمل بالحدیث یہ کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ عینِ مطلوب ہے، لقوله تبارك وتعالیٰ: ﴿ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ الآية (۲)۔

ہر شخص کو اتنی اہلیت نہیں کہ مقدم ومؤخر، ناسخ ومنسوخ وغیرہ کو معلوم کرسکے اس لئے تقلید کا حکم دیا جاتا ہے۔

۲......عمل بالحدیث تمام عمر سے تھا، جب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تمام ائمہ کا عمل حدیث پر رہا ہے اور ائمۂ مجتہدین کے مسائل قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہیں (۳)، لیکن وہ حضرات مجتہد ہونے کی وجہ سے ناسخ ومنسوخ سے واقف تھے۔ اور چند صدیوں سے ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو کہ خود علم نہیں رکھتا کہ مسائل کا استنباط کرسکے اور تقلید کو شرک کہتا ہے، درحقیقت یہ فرقہ گمراہ ہے جو اپنے کو عامل بالحدیث بتاتا ہے۔

---

(۱) "من شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب، خيف عليه الكفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء: ۵/۵۰۸، ادارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين من السير، مطلب: موجبات الكفر أنواع: ومنها: ما يتعلق بالعلم والعلمآء: ۲/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۷، رشيديه)

(۲) (الحشر: ۷)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحتها: "و في الكشاف: الأجود أن تكون (أي الآية) عامةً في كل ما أمر به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و نهى عنه". (روح المعاني: ۲۸/۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (تقدم تخريجه من مقدمة إعلاء السنن العلامه العثمانيؒ، تحت عنوان: "قول امام کے خلاف اگر حدیث موجود ہو، تو مقلد کیا کرے")

وجوب تقلید کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ''الاقتصاد، سبیل الرشاد'' وغیرہ رسائل بھی اسی مضمون کی تفصیل میں ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۶/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

مسائلِ اختلافیہ پر غور وفکر کرنے کے لئے چند اصولِ موضوعہ

[۷۶۵] ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں چند سوالات ارسال کئے تھے اور لکھا تھا کہ ثبوتِ مدعا کے لئے صرف صحاحِ ستہ ہی کی حدیث پیش کی جائیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ان کے سوالات کے تفصیلی جوابات تو دیئے نہیں اس لئے کہ وہ مسائل ایسے معرکۃ الاراء اور مختلف فیہ تھے کہ دونوں طرف کے علماء نے اس مضمون پر مستقل کتابیں تصنیف کی تھیں، اس پر مزید کچھ لکھنا وقت کی بربادی کے سوا اَور کوئی خاص افادیت نہیں رکھتا۔ ایسے اصول تحریر فرمادیئے کہ جو کسی بھی مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امید کہ علماء کرام اس مضمون سے خاص طور پر محظوظ ہوں گے۔ (ادارہ)

مکرم ومحترم، زادکم اللہ علماً نافعاً! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، چند اصولِ موضوعہ تحریر ہیں، ان کو بغور دیکھیں اور مستحضر رکھیں پھر اپنے سوال پر غور کریں:

۱- اصول فقہ چار ہیں (۱)۔

۲- سائل کو حق نہیں ہے کہ کسی فرع کی دلیل کو کسی ایک اصل میں منحصر مان کر اس کا مطالبہ کرے۔

۳- مجیب ذمہ دار نہیں کہ سائل کے حصر کردہ اصل کا پابند رہے۔

۴- حدیثِ صحیح کتب صحاح میں منحصر نہیں، لہٰذا غیرِ صحاح ستہ کی ہر حدیث کو غیر صحیح نہیں کہا جاسکتا (۲)۔

---

(۱) قال العلامہ النسفی: "اعلم أن أصول الشرع ثلاثة: الكتاب والسنة و إجماع الأمة، والأصل الرابع: القياس". (المنار مع شرحه نور الأنوار، ص: ۵، تقسيم أصول الشرع، سعيد)

(وكذا فى مجموعة الفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيميه: ۲۰/۱۰، ۲۲، الجزء العشرون، مكتبة العُبَيكان)

(والمغني فى أصول الفقه، ص: ۱۸۳، باب الحجج الشرعية، جامعة أم القرىٰ، مكة المكرمة)

(۲) "وقول من قال: أصح الأحاديث ما فى الصحيحين، ثم ما انفرد به البخارى، ثم ما انفرد به مسلم، ثم =

۵-صحاحِ ستہ کی ہر حدیث اصطلاحِ محدثین میں صحیح نہیں، بلکہ ان میں حسن غریب وغیرہ بھی ہیں(۱)۔
۶-صحاحِ ستہ کی ہر حدیث کو غیر صحاحِ ستہ کی ہر حدیث پر ترجیح نہیں (۲)۔

= ماشتمل على شرطهما من غيرهما، ثم ما اشتمل على شرط أحدهما تحكّمٌ لا يجوز التقليد فيه ؛ إذِ الأصحية ليس إلا اشتمال رواتهما على الشروط التي اعتبراها، فإذا فرض وجود تلك الشروط في رواة حديث في غير الكتابين، أفلا يكون الحكم بأصحية ما في الكتابين عين التحكّم؟ ثم حكمهما أو أحدهما بأن الراوي المعين مجتمع تلك الشروط ليس مما يقطع فيه مطابقة الواقع، فيجوز كون الواقع خلافه". (فتح القدير : ۱/۴۴۵، باب النوافل ، مصطفى البابي الحلبي)

(وكذا في السعاية شرح شرح الوقاية : ۲/۳۰، مطلب في أن الأصحيّة منوطة بوجود شرائط الصحة الخ، باب الأذان ، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تيسير مصطلح الحديث ، ص: ۳۹، مكتبة دار التراث الكويت)

(۱) "فصل : الكتب الستة المشهورة المقررة في الإسلام التي يقال لها: الصحاح الست : هي صحيح البخاري، وصحيح مسلم، والجامع للترمذي، والسنن لأبي داؤد، والنسائي، و سنن ابن ماجه، و عند البعض المؤطا بدل ابن ماجة، و صاحب جامع الأصول اختار المؤطا. و في هذه الكتب الأربعة أقسام من الأحاديث من الصحاح والحسان والضعاف، و تسميتها بالصحاح الست بطريق التغليب". (مقدمة مشكوة المصابيح، للشيخ عبد الحق الدهلوي ،ص:۷، قديمي)

(۲) "وكون معارضه في البخاري لا يستلزم تقديمه بعد اشتراكهما في الصحة، بل يطلب الترجيح من خارج". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية : ۲/۳۰، باب الأذان ، مطلب في أن الأصحية منوطة بوجود شرائط الصحة الخ ، سهيل اكيڈمي لاهور)

"على أن دعوى أصحية ما في الكتابين أو أصحية البخاري على صحيح مسلم وغيره إنماباعتبار الإجمال، و من حيث المجموع دون التفصيل باعتبار حديث و حديث، صرح به في التدريب حيث قال : قد يعرض للمفوّق ما يجعله فائقاً، كأن يتفقا على إخراج حديث غريب، و يخرج مسلم أو غيره حديثاً مشهوراً، أو مما وصفت ترجمته بكونها أصح الأسانيد، و لا يقدح ذلك فيما تقدم؛ لأن ذلك باعتبار الإجمال ، قال الزركشي : و من هنا يعلم أن ترجيح كتاب البخاري على مسلم وغيره إنما المراد به ترجيح الجملة على الجملة لا كل فرد من أحاديثه على كل فرد من أحاديث الآخر". (مقدمه إعلاء السنن : ۱/۴۲، قواعد في علوم الحديث، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح والتحسين من قواعد مهمة و أصول ، إدارة القرآن كراچي)

۷-استدلال کے لئے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں بلکہ حسن وغیرہ سے بھی استدلال درست ہے(۱)۔

۸-تعارضِ حدیث کے وقت لازماً نسخ ہی متعین نہیں بلکہ ترجیح، تطبیق، رجوع الی الآثار، اجتہاد متعدد طرق ہیں(۲)۔

۹- سنتِ خلفائے راشدین کی حیثیت مستقل دلیل کی ہے(۳)۔

---

(۱) "الحسن كالصحيح في الاحتجاج به و إن كان دونه في القوة، و لهذا أدرجته طائفة في نوع الصحيح، كالحاكم وابن حبان و ابن خزيمة مع قولهم بأنه دون الصحيح المبين أولاً، و قال الحافظ في شرح النخبة : و هذا القسم من الحسن مشارك للصحيح في الاحتجاج به و إن كان دونه". (مقدمه إعلاء السنن : ۱/۴۹، قواعد في علوم الحديث ، الفصل الثاني ، إدارة القرآن كراچي)

(۲) قال العلامة البنوري : "و إذا تعارض الخبران في باب واحد فعند الشافعية يقدم التطبيق، ثم الترجيح، ثم النسخ، ثم التساقط والعمل بالأصول. و عند الحنفية: يعمل أولاً بالترجيح، ثم بالتطبيق، ثم بالنسخ، ثم بالتساقط، والمراد بالنسخ الاجتهادي أما المعلوم زمانه فهو المقدم على الكل عند الكل، و قيل: التطبيق مقدم على الترجيح عند الحنفية أيضاً، و ذلك أن في الترجيح عملاً بالعلم، و في التطبيق عملاً بعدمه ، والأول مقدم على ما يقتضيه العقل والذوق ". (معارف السنن : ۱/۱۰۲، ۱۰۳، فائدة في تعامل أهل المذاهب عند تعارض النصوص ، سعيد)

(و كذا في إعلاء السنن : ۱/۱۷۶، الفصل الثامن في أصول التعارض الخ ، قواعد في علوم الحديث ، إدارة القرآن)

(۳) "و عنه (أي عن العرباض بن سارية رضي الله تعالىٰ عنه) قال: صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم، ثم أقبل علينا بوجهه، فوعظنا موعظةً بليغةً .... فقال : "أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة و إن كان عبداً حبشياً، فإنه من يعش منكم بعدي، فسيرىٰ اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، و عضوا عليها بالنواجذ ". الحديث . (مشكوة المصابيح: ۱/۲۹، ۳۰، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ، الفصل الثاني ، قديمي)

(وسنن أبي داود : ۲/۲۸۷، كتاب السنة ، قبيل باب من دعا إلى السنة ، مكتبه امداديه ملتان)

(وسنن الترمذي : ۲/۹۲، أبواب العلم ، باب الأخذ بالسنة والاجتناب عن البدعة ، سعيد كراچي)

(ومسند أحمد بن حنبل :۴/۱۲۶، ۱۲۷، رقم الحديث :۱۶۶۹۴، ۱۶۶۹۵، دار إحياء التراث العربي)

۱۰- اجرائے مصالحِ مرسلہ کا مقام تحت التشریع فوق الاجتہاد ہے(۱)۔

۱۱- مقلد کو مسئلہ معلوم ہونے کے بعد عمل کو ماخذ معلوم ہونے پر موقوف کرنا منصبِ تقلید کے خلاف ہے۔

۱۲- مجیب کے ذمہ ماخذ بیان کرنا ضروری نہیں، اگر بیان کردے تو اس کا تبرع ہے، البتہ تصحیحِ نقل ضروری ہے۔

۱۳- ہٹ دھرم کی ہٹ دھرمی کو دور کرنے کے لئے مسائل یا دلائل دریافت کرنا بے سود ہے۔

۱۴- جو مسائل مستقلاً معرکۃ الافکار اور مطرح الانظار رہ چکے ہوں، ان پر مناظرے ہوئے ہوں، رسائل لکھے گئے ہوں، ان کے لئے براہِ راست رسائل کا مطالعہ کیا جائے، فتوی کے ذریعہ ان کے مباحثِ طویلہ عریضہ کو حل کرنا بے محل ہے، کوئی خاص پہلو مخفی ہو اس کو دریافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ جامع العلوم کانپور۔

اختلافی مسائل میں کیا مقلد کو ترجیح کا حق ہے؟

سوال[۷۲۶]: مسائلِ فقہیہ پر ادلۂ اربعہ کی بناء پر متاخرین علماء کو تنقید وترجیح کا حق ہے یا نہیں؟ حالانکہ مولانا مولوی معین الدین صاحب حنفی اجمیری صدر مدرس معینیہ عثمانیہ اپنی کتاب "القول الأظهر فيما يتعلق بالأذان عند المنبر" کے ص:۱۵ پر لکھتے ہیں کہ "حدیث سے استنباط کرنا مجتہد کا کام ہے، مقلد کی یہ شان نہیں کہ کسی حدیث سے تمسک کر کے کوئی حکم مستنبط کرے"۔ پھر آپ اسی کتاب کے ص:۲۱ پر لکھتے ہیں: "اگر کوئی مقلد استنباط کے درپے ہوجائے تو پھر فرمائیے کہ اس میں اور غیر مقلد میں کیا فرق ہے"؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولانا موصوف کا یہ فرمانا صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) "إن الخلفاء الراشدين مجازون في إجراء المصالح المرسلة، و هي مرتبة فوق مراتب الاجتهاد و دون مرتبة التشريع". (معارف السنن: ۳۹۹/۴، باب ماجاء في آذان الجمعة، بيان منصب الخلفاء الراشدين في إجراء المصالح المرسلة، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

مسائلِ فقہیہ کی بہت کافی تنقیح ہوچکی، ادلہ قائم کردی گئیں، راجح مرجوح کو بیان کردیا گیا، اب براہِ راست استدلال واستنباط کی ضرورت نہیں رہی، صرف تتبع کرکے راجح اور مفتی بہ کو نقل کرنا مقلد کا منصب ہے، خواہ وہ راجح قولِ امام ہو خواہ قولِ صاحبین وغیرہ:

"إن المشائخ اطلعوا على دليل الإمام، وعرفوا من أين قال، واطلعوا على دليل أصحابه، فيرجحون دليل أصحابه على دليله، فيفتون به ولا يظن بهم أنهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدليله، فإنا نراهم قد شحنوا كتبهم بنصب الأدلة، ثم يقولون: الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسفؒ مثلاً، وحيث لم نكن أهلاً للنظر في الدليل، ولم نَصِل إلىٰ رتبتهم في حصول شرائط التفريع والتأصيل، فعلينا حكاية مايقولونه؛ لأنهم هم أتباع المذهب الذين نصبوا أنفسهم لتقريره وتحريره باجتهاد هم، وانظر إلى ماقد مناه من قول العلامة قاسم: إن المجتهدين لم يفقدوا حتى نظروا في المختلف، ورجّحوا وصحّحوا (إلى أن قال) فعلينا اتباع الراجح والعمل به، كما لو أفتوا في حياتهم اھ". رسم المفتي، ص: ۲۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

اختلافِ ائمہ

[۷٦۷] ا...... جب چاروں امام صحیح ہیں تو اختلاف کیوں ہے؟

---

(۱) (شرح عقود المفتي، ص: ۷۳، مير محمد كتب خانه، كراچی)

"ليس له (المفتي المجتهد) العدول عما اتفق عليه أبو حنيفة وأصحابه، فليس له الإفتاء به وإن كان مجتهداً متقناً؛ لأنهم عرفوا الأدلة وميّزوا بين ماصح وثبت وبين غيره، ولا يبلغ اجتهاده اجتهادهم". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۵۲، مير محمد كتب خانه كراچی)

"قال العلامة ابن نجيم في الفوائد الزينية: لايحل الإفتاء من القواعد والضوابط، وإنما على المفتي حكاية النقل الصريح كما صرحوا به، انتهى". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۷۹، مير محمد كتب خانه كراچی)

تقلید شخصی سے ہٹ کر مختلف ائمہ کی تقلید

[٦٢٨]: ٢......ایک امام پر قائم نہ رہ کر بھی اماموں کی پیروی یکے بعد دیگرے درست ہے یا نہیں؟

باسمہ تعالیٰ

الجواب حامداً ومصلیاً:

١...... یہ اختلاف استنباط کے اعتبار سے ہے جو کہ امت کے لئے رحمت ہے(١)۔

٢...... یہ طریقہ غلط ہے اس میں بڑے مفاسد ہیں(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند۔

دیوبندی کس امام کے پیرو ہیں؟

سوال[٦٢٩]: ١......ایک شخص امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا پیرو ہے وہ سنی ہے یا نہیں؟

---

(١) قال العلامة العثماني ناقلاً عن حجة الله رئيس المحدثين الشاه الدهلوي رحمه الله تعالىٰ: "اعلم أن الله تعالىٰ أنشأ بعد عصر التابعين نشأ (جماعة) من حَمَلة العلم إنجازاً لماوعده رسول الله حيث قال: "يحمل هذاالعلم من كل خلف عدوله". فأخذواعمن اجتمعوامعه منهم صفة الوضوء، والغسل، والصلوة، والحج، والنكاح، والبيوع، وسائرمايكثروقوعه ......وحاصل صنيعهم أن يتمسك بالمسندمن حديث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمرسل جميعاً، ويستدل بأقوال الصحابة والتابعين علماً منهم أنهاإماأحاديث منقولة عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجعلوهاموقوفةً، أويكون استنباطاً منهم من المنصوص، أواجتهاداً منهم بآرائهم، وهم أحسن صنيعاً في كل ذلك ممن يجيئ بعدهم ......وإذااختلفت مذاهب الصحابة والتابعين في مسئلة، فالمختارعندكل عالم مذهب أهل بلده وشيوخه اهـ." (مقدمة إعلاء السنن للعلامة العثماني، فائدة في أسباب الاختلاف بين المجتهدين: ٣/٥٩، ادارة القرآن)

(والتفصيل في حجة الله البالغة، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهآء: ١/١٤٤، ١٤٥، مير محمد كتب خانه)

(٢) (تقدم تخريجه تحت عنوان. "تقلید کی شرعی حیثیت")

2

۲......سنی ہونے کے لئے چار اماموں میں سے کسی امام کا پیرو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا ان میں سے کسی خاص امام کی پیروی کرنا لازم ہے؟

۳......علمائے دیوبند ان چاروں ائمہ میں سے کس کی پیروی کرتے ہیں، یا کسی کی بھی نہیں کرتے، یا کس کے مسلک پر چلتے ہیں؟ کتاب کا نام، مصنف کا نام مع پتہ کے اور کہاں سے مل سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......وہ بھی سنی ہے۔

۲......چاروں اماموں کے پیرو سنی ہیں۔ کذا فی الدر المختار للعلامة محمد بن عابدین شامی (۱)۔

۳......علمائے دیوبند حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیرو ہیں اور ان کی نصرت کے سلسلہ میں ان کی کتابیں موجود ہیں: اوثق العری (۲)، سبیل الرشاد (۳)، الرای الصحیح (۴)، القطوف الدانیہ (۵)، ہدایۃ المعتدی (۶)،

---

(۱) "فإن اختلاف أئمة الهدى توسعة للناس، كما في أول التاتار خانية، وهذا يشير إلى الحديث المشهور على ألسنة الناس وهو: "اختلاف أمتي رحمة" .... وأخرج الخطيب أن هارون الرشيد قال لمالك بن أنس: يا أباعبدالله! نكتب هذه الكتب يعني مؤلفات الإمام مالك ونفرّقها في آفاق الإسلام لنحمل عليها الأمة، قال: يا أمير المؤمنين! إن اختلاف العلماء رحمة من الله تعالىٰ على هذه الأمة، كلٌّ يتبع ماصح عنده، وكلهم على هدى، وكل يريد الله تعالىٰ". (ردالمحتار على الدر المختار، مطلب في حديث: "اختلاف أمتي رحمة" : ۶۸/۱، سعيد)

وفي غنية الطالبين: "فعلى المؤمن اتباع السنة والجماعة، فالسنة ماسنه رسول الله صلى الله عليه وسلم، والجماعة ما اتفق عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في خلافة الأئمة الأربعة: الخلفاء الراشدين المهديين اهـ". (غنية الطالبين، ص: ۱۹۵، لاهور)

(۲) (أوثق العرى في تحقيق الجمعة في القرىٰ (اردو) حضرت مولانا رشید احمد گنگوهی، اداره اسلامیات، لاهور)

(۳) (سبيل الرشاد (اردو) مولانا رشید احمد گنگوهی، رحمٰن برادرس، کراچی)

(۴) (لم أطلع على هذه الرسالة) .... =

مصنفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب، محدث گنگوہی، نیز حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، وحضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی بہت سی کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں شائع شدہ ہیں جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید وتقویت کی گئی ہے۔ دیوبند کے کسی کتب خانہ سے فہرست طلب کریں تو اس میں کتابیں تفصیل سے ملیں گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

دیوبند اور جلال آباد کے علماء کا مسلک

سوال[۷۷۰]: دیوبند وجلال آباد میں مسلک کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ یہ دونوں ایک ہی ہیں یا جداگانہ، جیسے بریلوی وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے جلال آباد اور علمائے دیوبند کے عقائد ومسلک میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ سب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں، ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ایک دوسرے کے مدرسہ کی اعانت کرتے ہیں، یہاں کے طلبہ وہاں، اور وہاں کے طلبہ یہاں بکثرت پڑھنے کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔ بریلوی علماء کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

غیر مقلد کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس کے ساتھ شادی بیاہ

سوال[۷۷۱]: ہمارا ایک بھائی اہلِ حدیث کہلاتا ہے، سورہ فاتحہ خلف الامام پڑھتا ہے، آمین بالجہر کہتا ہے، رفع یدین کرتا ہے۔ کیا وہ مسلمان ہے؟ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے اور حق پر ہے اور ان کے ساتھ بیاہ شادی جائز ہے، یہ لوگ اہلِ حدیث گمراہ ہیں یا نہیں؟ میرا بھائی کسی کی توہین نہیں کرتا۔

= (۵) (القطوف الدانية في تحقيق الجماعة الثانية، اصل کتاب فارسی زبان میں ہے، مولانا محمد رضی عثمانی صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، طباعت دار الاشاعت، کراچی)

(۶) (هداية المعتدى في قراءة المقتدى (اردو)، بلالے ساڈھواں)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ حدیث کے بعض مسائل میں حنفیہ کا اختلاف معمولی ہے(۱) اور بعض میں شدید (حلت و حرمت کا) اور بعض مسائل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف اور وہ بہت شدید ہے (۲)، ایسے مسائل میں یہ لوگ قرآنِ کریم کے بھی خلاف کرتے ہیں، ان سب کے خلاف کرنے کی وجہ سے وہ لوگ حق پر نہیں ہیں۔ رہا نفس عمل بالحدیث تو یہ کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ عینِ مطلوب ہے، مگر ہر شخص میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ مقدم ومؤخر، ناسخ ومنسوخ وغیرہ کو معلوم کر سکے، اس لئے تقلید کا حکم دیا جاتا ہے (۳)۔

---

(۱) جیسا کہ رفع یدین میں اختلاف ہے

"وإنما بقي الكلام في الأفضلية، وصرح أبو بكر الجصاص في أحكام القرآن من مسائل رؤية الهلال بذلك، وإنه من الاختلاف المباح". (معارف السنن للعلامة البنوريؒ، كتاب الصلوة، الاختلاف في الرفع وعدمه في الاختلاف المباح: ۴۵۹/۲، سعيد)

(۲) جیسا دفعۃً تین طلاقیں دینے سے تین طلاقوں کے وقوع اور عدمِ وقوع میں اختلاف ہے۔ اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا ائمہ اربعہ کے ساتھ اختلاف کی شدت اور قرآن وسنت سے صریح عدول کے متعلق علامہ عینیؒ رقم طراز ہے "ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم، منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري وأبوحنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه وأحمد وأصحابه، وشافعي وأصحابه، واسحاق وأبو عبيد وآخرون كثيرون على أن من طلّق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم، وقالوا: من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة، وإنما تعلق به أهل البدع ومن لا يُلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة التي لايجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة". (عمدة القاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث الخ: ۲۳۱/۲۰، دار الكتب العلمية)

وقال الحافظ ابن حجر: "فالراجح في الموضعين تحريم المتعة وإيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك، ولا يحفظ أن أحداً في عهد عمر خالفه في واحدة منهما، وقد دلّ إجماعهم على وجود ناسخ، وإن كان خفي عن بعضهم، حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر، فالمخالف بعد هذا الإجماع مُنابذٌ له، والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق". (فتح الباري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: ۳۶۵/۹، دار المعرفة)

(۳) "قال ابن القيم أيضاً في كتابه (إعلام الموقعين): قال الشافعي فيما رواه عنه الخطيب في كتاب =

ان سے شادی بیاہ کرنے میں ایسے مسائل سے بھی واسطہ پڑنے کا امکان ہے، مثلاً اگر شوہر اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو قرآنِ کریم اور احادیثِ مشہورہ، ائمہ مجتہدین، سلفِ صالحین کی تصریحات کے پیشِ نظر بیوی پر حرمتِ مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے (۱) اور پھر بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوتا (۲)،

= "الفقيه والمتفقه" له : لا يحل لأحد أن يفتي في دين الله إلا رجلاً عارفاً بكتاب الله بنا سخه ومنسوخه ومحكمه ومتشابهه وتأويله وتنزيله ومكيه ومدنيه وما أريدبه، ويكون بعد ذلك بصيراً بحديث الرسول الله صلى الله عليه وسلم .... وهذا يرد على هولاء الذين تسمّوا بأهل الحديث أبلغ رد، ويكذبهم فيها أقبح تكذيب .... وأما غير أهل الاجتهاد، فليس له إلا تقليد أهل العلم". (مقدمة إعلاء السنن، الدين القيم، رسالة في الاجتهاد والتقليد: ۲/۴، إدارة القرآن ، كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسريح بإحسان .... فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة : ۲۲۹، ۲۳۰)

قال ابن كثير: " أى أنه إذا طلق الرجل امرأته طلقةً ثالثةً بعد ما أرسل عليها الطلاق مرتين، فإنها تحرم عليه (حتى تنكح زوجاً غيره): أى حتى يطأها زوج آخر في نكاح صحيح، فلو وطئها واطئ في غير نكاح ولو في ملک اليمين، لم تحل للأول". (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة): ۱/۳۷۳، دارالفيحاء)

(وكذا في روح المعاني: ۲/۱۴۱، (سورة البقرة : ۲۳۰)، دارإحياء التراث العربي)

"وعن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها أخبرته "أن امرأة رفاعة القرظيّ جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت : يارسول الله ! إن رفاعة طلقني ، فبتّ طلاقي، وإني نكحت بعده عبدالرحمٰن الزبير القرظيّ، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لعلک تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا حتى يذوق عسيلتک وتذوقي عسيلته".

"وعن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث : ۲/۷۹۱، قديمي)

"وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث".

(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۳۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية رقم : ۱)

مگر یہ لوگ ایسی تین طلاق کو ایک ہی طلاق اور وہ بھی رجعی طلاق قرار دے کر حقِ رجعت دیتے ہیں (۱)، یا بہت سے بہت دوبارہ نکاح کر لینے کے لئے کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ نکاح شرعی نکاح نہیں ہوتا، بلکہ نکاح کے نام پر بہت غلط اور فحش کام ہوتا ہے، اسی طرح یہ رجعت شرعی رجعت نہیں ہوتی بلکہ ناجائز چیز ہوتی ہے۔ایسے مسائل پر مستقل کتابیں اور رسائل موجود ہیں جن میں پورے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ان سے بیاہ شادی کرنے میں مفسدۂ عظیمہ ہے اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۹۰ھ۔

---

(۱) حالانکہ تین طلاق دینے کے بعد زوجِ اول کو رجوع کا کوئی حق نہیں، ص:۶۱۹، حاشیہ:۱، میں ذکر کردہ آیات اور احادیث اس پر دال ہیں۔حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: " هذه الآية الكريمة رافعة لما كان عليه الأمر في ابتداء الإسلام من أن الرجل كان أحق برجعة امرأته، وإن طلقها مائة مرة ما دامت في العدة، فلما كان هذا فيه ضرر على الزوجات، قصرهم الله إلى ثلاث طلقاتٍ، وأباح الرجعة في المرة والثنتين، وأبانها بالكلية في الثالثه، فقال: ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أوتسريح بإحسان﴾. (تفسير ابن كثير: ۱/ ۳۶۲، (سورة البقرة : ۲۲۹)، دارالفيحاء)

"وذهب بعضهم إلى أن مثل ذلك مالو طلق في مجلس واحدٍ ثلاث مرات، فإنه لا يقع إلا واحدة، أيضاً لما أخرج البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال : " طلق ركانة امرأته ثلاثاً في مجلس واحدٍ، فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم .... قال: "فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت، فراجعَها". والذي عليه أهل الحق اليوم خلاف ذلك كله .... ثم قال: والأحسن عندي أن يجاب بأن عمر رضي الله عنه لمّا استشار الناس، علم فيه ناسخاً لما وقع قبل ، فعمل بقضيته ، وذلك الناسخ إما خبر بلغه أو إجماع ، وهو لا يكون إلا عن نص، ومن ثم أطبَقَ علماء الأمة عليه اهـ". (روح المعاني: ۲/ ۱۳۷، (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)، دارإحياء التراث العربي)

"وعن ابن عباس رضي الله عنهما: ﴿والمطلقات يتربصن بالنفسهن ثلثة قروء ، ولا يحل لهن أن يكتمن ماخلق الله في أرحامهن﴾ (الآية) وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلق ثلاثاً، فنسخ ذلك ، فقال : ﴿ الطلاق مرتان ﴾ الآية . (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث: ۱/ ۳۰۴، امداديه ملتان)

کیا کسی دیوبندی کو حق ہے کہ وہ اپنی اہلِ حدیث بیوی کو تبدیل عقیدہ پر مجبور کرے؟

سوال[۷۷۲]: اگر کسی اہل حدیث لڑکی کا نکاح کسی حنفی دیوبندی لڑکے سے کردیا جائے تو لڑکی کو اپنے عقیدہ ومذہب پر قائم اوراس کے مطابق عمل کرنے کا حق باقی رہتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... حنفی دیوبندی اوراہل حدیث کے درمیان رفع یدین، آمین بالجہر، تورک، قنوت، تعداد وتر، تعداد تراویح، جمعہ فی القری، قرأۃ خلف الامام وغیرہ فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔ دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ بحث دلائل کی قوت وضعف میں ہے، ترجیح ونسخ میں ہے۔ ان میں سے بعض میں تو اَولیٰ اور غیراَولیٰ کا اختلاف ہے، بعض میں واجب وغیر واجب کا اختلاف ہے، بایں ہمہ عقیدہ ایمانیہ جو کہ حدیثِ جبرائیل میں مفصل مذکور ہے اس پر سب ہی متفق ہیں، پھر عقیدہ تبدیل کرنے کا کیا سوال ہے؟ اگر اختلافِ عقیدہ کی کوئی چیز ہے، مثلاً لڑکی کا عقیدہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید شرک ہے اور حنفی دیوبندی مشرک ہیں، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے کہ ایسی اہل حدیث لڑکی کا حنفی دیوبندی سے نکاح بھی صحیح ہوا یا نہیں، تبدیلِ عقیدہ کا سوال بعد کا ہے۔ جیٹھ دیور وغیرہ نامحرم ہیں، ان سے شرعی پردہ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء"، فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر الى المخطوبة و بيان العورات الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قديمى)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن .... أو إخونهن أو بنى إخوانهن أو بنى إخوانهن أو بنى أخواتهن﴾. (النور: ۳۱)

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب البدعات والرسوم	
	(بدعات اور رسومات کا بیان)	
۱	بدعت کی تعریف	۲۳
۲	فرض، سنت، بدعت وغیرہ کی تعریف	۲۵
۳	سنت و بدعت کی تعریف و تقسیم	۲۷
۴	بدعت کی تقسیم	۳۱
۵	ایضاً	۳۲
۶	بدعت کی اقسام	۳۴
۷	ایضاً	۳۶
۸	کیا غیر ثابت چیزیں بھی خیر ہیں؟	۳۶
۹	جمع قرآن اور تراویح وغیرہ کیا بدعت ہیں؟	۳۷

۱۰	سنی، حنفی، وہابی کی تعریف	۳۹
۱۱	وہابی کی تعریف	۴۳
۱۲	وہابی کون ہے؟	۴۶
۱۳	کیا تارکِ فرائض سنی کہلانے کا حقدار ہے؟	۴۸
۱۴	کسی کام کو کسی کی سنت کہنا	۴۹
۱۵	مستحب پر اصرار	۵۰
۱۶	ایضاً	۵۰
۱۷	اصلاح کی نیت سے بدعات میں شرکت	۵۳
۱۸	اصلاح کی نیت سے بدعتیوں کے ساتھ امام صاحب کی کھانے میں شرکت	۵۴
۱۹	بدعتی سے میل جول	۵۶
۲۰	رضاخانیوں کے ساتھ معاملہ	۵۷
۲۱	بدعتی اور متبع سنت عالم کے پرکھنے کا طریقہ	۵۸

(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)

۲۲	فاتحہ مروجہ	۶۰
۲۳	ایضاً	۶۱
۲۴	کتاب ''آرجندی'' کی حقیقت اور فاتحہ	۶۲
۲۵	کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت نہیں	۶۸
۲۶	شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ	۶۹
۲۷	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ	۷۰
۲۸	قل پنچایت اور فاتحہ	۷۱
۲۹	ختم کے بعد کھانا	۷۲
۳۰	یسین شریف کا ختم	۷۲

۳۱	وظیفۂ سورۂ یٰسین کے ختم پر شیرینی	۷۳
۳۲	ختمِ قرآن پر دعوت	۷۴
۳۳	ایمان کے شکر میں ختم	۷۵
۳۴	ختمِ خواجگان پر دوام برائے حصولِ مقصد	۷۶
۳۵	ختمِ قرآن پر مٹھائی	۷۶
۳۶	ختمِ قرآن کے دن جھنڈیاں لگانا	۷۸
۳۷	ختمِ قرآن میں چراغاں	۷۸
۳۸	مخصوص طور پر ختم اور مسجد میں کھانا کھلانا اور چھینا جھپٹی	۷۹
۳۹	روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قرآن خوانی	۸۰
۴۰	میت کے لئے ایک لاکھ کلمہ طیبہ	۸۱
۴۱	ختم میں سوا لاکھ کی تعداد	۸۳
۴۲	ایصالِ ثواب وغیرہ کے ختمِ قرآن پر شیرینی	۸۵
۴۳	ایصالِ ثواب کے لئے مجلس	۸۶
۴۴	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ ودن کی تعیین	۸۷
۴۵	غیر مسلم کو ثواب پہونچانا	۸۹
۴۶	ایصالِ ثواب پر چائے پیش کرنا	۸۹
۴۷	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کرنا	۸۹
۴۸	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا، اوقاتِ مدرسہ میں مدرسین اور طلبہ کا ایصالِ ثواب کرنا	۹۱
۴۹	ایصالِ ثواب کو اخبار میں شائع کرنا	۹۱
۵۰	ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا	۹۳
۵۱	مروجہ طریقہ پر ایصالِ ثواب	۹۴
۵۲	ایصالِ ثواب پر کھانا	۹۶
۵۳	کسی دوسرے مقام پر جاکر ایصالِ ثواب کرنا اور کھانا	۹۶

۵۴	ایصالِ ثواب کے لئے دن کی تعیین	۹۷
۵۵	ایصالِ ثواب کے کھانے کا مستحق کون ہے؟	۹۷
	(مروّجہ صلاۃ وسلام کا بیان)	
۵۶	''صلی اللہ علیک یا رسول اللہ'' کا ثبوت	۱۰۱
۵۷	اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت	۱۰۲
۵۸	اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا	۱۰۳
۵۹	ایضاً	۱۰۴
۶۰	ختمِ تراویح کے بعد ''الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ'' پڑھنا	۱۰۴
۶۱	تراویح کے بعد مخصوص انبیاء پر مخصوص درود پڑھنا	۱۰۵
۶۲	بعد نماز جمعہ مروجہ صلوۃ وسلام	۱۰۷
۶۳	فجر کی سنت سے قبل صلاۃ وسلام	۱۰۹
۶۴	کسی نماز کے بعد حمد وصلوۃ حلقہ بنا کر پڑھنا	۱۰۹
۶۵	صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ	۱۱۱
۶۶	بعد نماز فجر وعصر درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۵
۶۷	درود شریف وعظ میں زور سے پڑھنا	۱۱۵
۶۸	وعظ میں بلند آواز سے سامعین کا درود شریف پڑھنا	۱۱۶
۶۹	مجلسِ وعظ میں درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۷
۷۰	اجتماعی درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۸
۷۱	آواز سے صلوۃ وسلام	۱۱۸
۷۲	ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھنا	۱۱۹
۷۳	نماز کے بعد سلام پڑھنا	۱۱۹

۷۴	ہاتھ باندھ کر صلوۃ وسلام پڑھنا	۱۲۰
۷۵	ہر جمعرات کو محفلِ درود شریف اور شیرینی	۱۲۱
۷۶	درودِ تاج	۱۲۲
۷۷	ایک مخصوص من گھڑت درود	۱۲۲
۷۸	درود لکھی وغیرہ کی تعریف	۱۲۳
۷۹	ایک درود شریف	۱۲۳
۸۰	ایک خاص درود شریف کے فضائل	۱۲۴
۸۱	روضۂ اقدس کے فوٹو پر درود وسلام	۱۲۵
۸۲	نماز کے بعد نقشۂ مسجد نبوی کی طرف رخ کر کے درود شریف پڑھنا	۱۲۶
۸۳	درود وذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا	۱۲۷
۸۴	جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب	۱۲۸
۸۵	اسم مبارک سن کر، یا پڑھ کر، درود شریف پڑھنا اور اس کی قضاء	۱۳۱
۸۶	اسم مبارک سن کر درود شریف	۱۳۲
۸۷	لفظ ''نبی کریم'' اور اس پر درود شریف	۱۳۴
۸۸	درود میں لفظ ''سیدنا''	۱۳۴
۸۹	درود میں ''آل'' کا مصداق	۱۳۵
۹۰	صلوۃ وسلام کسی بھی نبی پر	۱۳۶
۹۱	درود شریف دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں	۱۳۶
۹۲	گنبدِ خضرا کو دیکھتے ہی صلوۃ وسلام	۱۳۷
۹۳	عشاء کے بعد روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام	۱۳۸
۹۴	محرابِ مسجد پر ایک مخصوص طغریٰ	۱۳۸
۹۵	درود کی عبارت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غوث پاک کا نام لکھنا	۱۳۹

(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)

۹۶	مصافحہ دونوں ہاتھوں سے یا ایک سے؟	۱۳۱
۹۷	مصافحہ بعد نماز	۱۴۲
۹۸	مصافحہ بعد العیدین	۱۴۳
۹۹	نماز عید کے بعد مصافحہ	۱۴۶
۱۰۰	ایضاً	۱۴۷
۱۰۱	عید ملنا	۱۴۷
۱۰۲	ایضا	۱۴۸
۱۰۳	مصافحہ بعد الفجر والعصر	۱۴۹
۱۰۴	نماز جمعہ سے پہلے بعض رسوم اور بعد میں مصافحہ	۱۵۳

(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)

۱۰۵	اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۵۶
۱۰۶	اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۵۷
۱۰۷	اذان کے بعد انگوٹھا چومنا	۱۵۸
۱۰۸	انگوٹھے چومنا اور حیلۂ اسقاط	۱۵۸
۱۰۹	اذان میں انگوٹھے چومنا	۱۵۹
۱۱۰	بوقتِ اذان تقبیلِ ابہامین	۱۶۲

(میلاد وسیرت کی محافل اور عرس کا بیان)

۱۱۱	محفلِ میلاد	۱۶۵
۱۱۲	مجلسِ میلادِ مروجہ	۱۶۹
۱۱۳	میلاد کا خاص طریقہ	۱۷۲
۱۱۴	مولود شریف	۱۷۶

۱۱۵	سالگرہ اور میلاد شریف	۱۷۹
۱۱۶	بطرزِ موسیقی میلاد شریف پڑھنا	۱۸۰
۱۱۷	مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت	۱۸۱
۱۱۸	عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۶
۱۱۹	کیا مجلس میلاد شریف تمام ارکان کا بدل ہے؟	۱۸۸
۱۲۰	گیارہویں اور میلاد کی ابتداء	۱۸۹
۱۲۱	قیامِ میلاد کو روکنا	۱۹۱
۱۲۲	قیامِ میلاد کا تفصیلی حکم	۱۹۱
۱۲۳	قیامِ میلاد کی شرعی حیثیت	۲۰۳
۱۲۴	قیامِ میلاد کا حکم	۲۱۲
۱۲۵	محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ میں وعظ کا خصوصی اہتمام	۲۱۸
۱۲۶	سیرت کانفرنس کے جلسے	۲۱۸
۱۲۷	ربیع الاول کا جلوس	۲۱۹
۱۲۸	بارہ ربیع الاول کو مدحِ صحابہ کا جلوس	۲۲۱
۱۲۹	۱۰/محرم، ۱۲/ربیع الاول کو کاروبار بند کرنا	۲۲۲
۱۳۰	وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہڑتال	۲۲۲
۱۳۱	حضرت غوث الاعظم کی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۲۲۳
۱۳۲	دس محرم کو مسجد میں مجلس	۲۲۴
۱۳۳	عرس	۲۲۴
۱۳۴	عرس وغیرہ	۲۲۷
۱۳۵	بدعات متعلقہ قبور عرس وغیرہ	۲۳۰
۱۳۶	عرس کرنا اور زیارتِ قبور کے لئے سفر	۲۳۴
۱۳۷	ولادت، وفات پر خوشی اور غم، عرس، قوالی وغیرہ	۲۳۶

۱۳۸	اذان گاچھی صاحب کا عرس	۲۴۰
۱۳۹	عرس، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا	۲۴۳
۱۴۰	اصلاح کی نیت سے عرس میں شرکت	۲۴۴
۱۴۱	مدرسہ چلانے کے لئے مجلسِ میلاد میں شرکت	۲۴۵
۱۴۲	مجذوب کی قبر پر عرس	۲۴۵
۱۴۳	قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف	۲۴۶
۱۴۴	قوالی اور پختہ قبر وغیرہ	۲۴۷
۱۴۵	مجلسِ شہادت	۲۴۸
۱۴۶	جلسہ میں غزل ونعت پڑھنا	۲۵۰
۱۴۷	جس جلسہ کی وجہ سے نمازِ فجر فوت ہوجائے، اس میں شرکت	۲۵۱
۱۴۸	خلفائے اربعہ کے ایامِ ولادت کی تعطیل	۲۵۱

(مخصوص ایام کی مروج بدعات کا بیان)

۱۴۹	اعمالِ شب برآت	۲۵۳
۱۵۰	شب برآءت کی بعض نمازیں	۲۵۴
۱۵۱	شب برآءت میں غروبِ آفتاب کے بعد چالیس دفعہ ''لاحول الخ'' کا ورد	۲۵۵
۱۵۲	مخصوص طرز پر آٹھ رکعات	۲۵۵
۱۵۳	مخصوص طرز پر چار رکعت	۲۵۵
۱۵۴	بچہ کا دودھ بخشوانا اور شب برآءت میں کھانا تقسیم کرنا	۲۵۶
۱۵۵	شب برآءت کو عرفہ بنانا	۲۵۶
۱۵۶	شب برآءت میں قبروں پر روشنی اور اگر بتی	۲۵۸
۱۵۷	متبرک راتوں میں چراغاں کرنا	۲۵۸
۱۵۸	شب برآءت اور شبِ قدر میں مسجدوں کو سجانا	۲۶۳
۱۵۹	دس محرم کو مٹھائی لاکر گھر میں تقسیم کرنا	۲۶۴

۱۶۰	شب برآءت اوراس کے اعمال	۲۶۴
۱۶۱	شب برآءت میں تہجد کی نماز باجماعت	۲۶۷
۱۶۲	شب برآءت کی رسمیں	۲۶۷
۱۶۳	شب برآءت کا حلوہ	۲۶۸
۱۶۴	لیلۃ القدر اور لیلۃ البرآءت میں چراغاں کرنا	۲۶۹
۱۶۵	متبرک راتوں میں بیداری کے لئے اجتماع	۲۷۰
۱۶۶	متبرک راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا	۲۷۱
۱۶۷	عاشورۂ محرم کے خصوصی اعمال	۲۷۲
۱۶۸	صلوۃ العاشورہ	۲۷۳
۱۶۹	یومِ عاشورہ کی خصوصیات	۲۷۴
۱۷۰	صلوۃ الرغائب	۲۷۵
۱۷۱	محرم کی بدعتِ شنیعہ	۲۷۶
۱۷۲	محرم کی رسوم	۲۷۶
۱۷۳	محرم کا شربت	۲۷۷
۱۷۴	صفر کے آخری چارشنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا	۲۷۸
۱۷۵	رجب کا روزہ، کونڈہ	۲۸۰
۱۷۶	۲۲/رجب کے کونڈوں کی حقیقت	۲۸۱
۱۷۷	رجب کی روٹی	۲۸۲
۱۷۸	شبِ معراج کے اعمالِ مروجہ	۲۸۳
۱۷۹	ایک مخصوص مشرکانہ رسم	۲۸۵
۱۸۰	رسم پر عمل	۲۸۶
۱۸۱	بچہ کو چالیسویں دن مسجد میں لانے کی رسم	۲۸۷

۱۸۲	چالیس روز بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانا	۲۸۷
۱۸۳	حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا	۲۸۸
۱۸۴	کیا کسی مسجد میں چار سال مغرب کی نماز پڑھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے؟	۲۸۹
۱۸۵	بسم اللہ خوانی کی تقریب	۲۹۰
۱۸۶	بسم اللہ خوانی کے لئے عمر کی تعیین	۲۹۰
۱۸۷	بچوں کی روزہ کشائی	۲۹۰
۱۸۸	بچہ کا دودھ بخشوانا	۲۹۱
۱۸۹	دودھ بخشوانا	۲۹۱
۱۹۰	محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ اور اس کا استلام	۲۹۲
۱۹۱	طغریٰ کے سامنے امام کا کھڑا ہونا	۲۹۲
۱۹۲	محراب سے طغریٰ کو ہٹانا	۲۹۲

(دفعِ مصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان)

۱۹۳	دفعِ مصائب کے لئے ختمِ بخاری شریف اور سوا لاکھ کا ختم	۲۹۵
۱۹۴	مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صدقہ کرنا	۲۹۶
۱۹۵	رفعِ وبا کے لئے اذان	۲۹۷
۱۹۶	دفعِ وبا و بلا کے لئے اذان دینا	۲۹۸
۱۹۷	جنات کے دفعیہ کے لئے خنزیر کی بھینٹ چڑھانا	۲۹۸
۱۹۸	دفعِ بلا کے لئے بھینٹ	۳۰۰
۱۹۹	دفعِ مشکلات کے لئے پرندوں کو دانہ ڈالنا	۳۰۱
۲۰۰	دفعِ بلا کے لئے چیلوں کو گوشت ڈالنا	۳۰۱
۲۰۱	دفعِ وبا کے لئے تعزیہ کی نذر	۳۰۱

کتاب العلم

مایتعلق بطلب العلم

(طلبِ علم کا بیان)

٢٠٢	علمِ ضروری کیا ہے؟	٣٠٣
٢٠٣	کیا علمِ دین سیکھنے کے لئے عربی سیکھنا ضروری ہے؟	٣٠٣
٢٠٤	علمِ باطن کیا ہے؟	٣٠٥
٢٠٥	کثرتِ عبادت بہتر ہے، یا تحصیلِ علمِ شریعت؟	٣٠٥
٢٠٦	والدین کا علمِ دین حاصل کرنے سے روکنا	٣٠٦
٢٠٧	والدین کی مرضی کے خلاف علمِ دین کے لئے سفر کرنا	٣٠٧
٢٠٨	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی تشریح	٣٠٨
٢٠٩	کیا عقل کو شرعی دلائل میں دخل ہے؟	٣١٠
٢١٠	تعلیم کا مقصد	٣١٠
٢١١	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑا ہاتھ میں لے کر بازار میں مسائل کی تعلیم دینا	٣١١
٢١٢	اجماع کی حجیت	٣١٢
٢١٣	فقہی جزئیات کا مقام بحیثیتِ ادلہ	٣١٣
٢١٤	نصوصِ شرعیہ سے متعلق چند معلومات	٣١٣
٢١٥	مسائلِ فقہیہ میں تعارض کے وقت ترجیح کا طریقہ	٣١٤
٢١٦	مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہے؟	٣١٥
٢١٧	مسائل کے لئے استخارہ	٣١٦
٢١٨	نہ جاننے والے کو لاعلم کہنا	٣١٧
٢١٩	ایضاً	٣١٧

۲۲۰	عالم دین کو کوتاہی پر ٹوکنا	۳۱۸
۲۲۱	جس چیز کے کئی رکن ہوں تو کیا ہر رکن کو ادا کرنا ضروری ہے؟	۳۱۹
۲۲۲	انسان میں عناصر اربعہ	۳۱۹
۲۲۳	قبلہ وکعبہ وغیرہ بعض خطابات کا حکم	۳۲۰

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

۲۲۴	فرض واجب وغیرہ کی تعریف	۳۲۰
۲۲۵	فقہاء کے یہاں ''درست نہیں'' اور ''مکروہ تحریمی'' کا مطلب	۳۲۲
۲۲۶	صاحب ہدایہ نے ''قال العبد الضعیف'' کیوں کہا؟	۳۲۳
۲۲۷	الفاظ ''ثویبہ، عرب العربا، ضرار'' کی تحقیق	۳۲۴
۲۲۸	''حفظ الایمان'' اور کلمہ سے متعلق حضرت تھانوی پر اعتراض	۳۲۵
۲۲۹	مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی کتاب ''صراط مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض	۳۲۶
۲۳۰	''صراط مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض کا جواب	۳۳۰
۲۳۱	''حفظ الایمان'' کی عبارت پر غلط فہمی کا ازالہ	۳۳۴
۲۳۲	''تقویۃ الایمان'' کی عبارت پر اعتراض	۳۳۵
۲۳۳	''تقویۃ الایمان'' کی ایک عبارت پر اشکال کا جواب	۳۳۸
۲۳۴	''نور الانوار'' کی عبارت پر خلجان	۳۳۹
۲۳۵	۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں ہے	۳۴۰
۲۳۶	حاشیہ پر ''۱۲'' کا مطلب	۳۴۰
۲۳۷	اللہ تعالیٰ کے لئے تعظیمی لفظ بولنے سے جمع کا شبہ	۳۴۱
۲۳۸	اختتام مجلس کی دعا میں واحد کے صیغہ کو جمع سے پڑھنا	۳۴۱
۲۳۹	لفظ ''حضور'' کا استعمال	۳۴۲
۲۴۰	لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ	۳۴۳
۲۴۱	''غوریا لعلم'' کے معنی	۳۴۳

۲۴۲	روشن ضمیر کا مطلب کیا ہے؟	۳۴۴
۲۴۳	''اعلیٰ حضرت'' لقب کا حکم	۳۴۵
۲۴۴	''سید، مولیٰ، عبد'' کے معانی	۳۴۵
۲۴۵	معذور اور مجبور میں فرق	۳۴۸
۲۴۶	روز شرعی اور لغوی کی تعریف	۳۴۸
۲۴۷	عبادت واطاعت میں فرق	۳۴۹
	(فتویٰ کا بیان)	
۲۴۸	قاضی اور مفتی میں فرق	۳۵۱
۲۴۹	''ظاہر الروایۃ'' کے خلاف فتویٰ	۳۵۲
۲۵۰	شامی دیکھ کر فتویٰ دینا	۳۵۳
۲۵۱	جاہل مفتی	۳۵۴
۲۵۲	غیر مستند عالم کا فتویٰ دینا	۳۵۵
۲۵۳	غیر مجتہد اور غیر مفتی کا فتویٰ دینا	۳۵۶
۲۵۴	بغیر علم کے مسئلہ بتانا اور حدیث کی طرف منسوب کرنا	۳۵۷
۲۵۵	غیر عالم کا مسئلہ بتانا	۳۵۸
۲۵۶	غیر عالم کو مسائل بتانے سے روکنا	۳۵۹
۲۵۷	غلط فتویٰ دینا اور فتویٰ کو نہ ماننا	۳۶۰
۲۵۸	غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ لینا	۳۶۲
۲۵۹	کیا عالم کے ذمہ ہر سوال کا جواب ضروری ہے؟	۳۶۳
۲۶۰	لامذہب کے سوال کا جواب	۳۶۴
۲۶۱	اگر امام عالم نہ ہو، تو مسئلہ کس سے پوچھیں؟	۳۶۵
۲۶۲	جہاں سے سہولت متوقع ہو، وہاں سے فتویٰ پوچھنا	۳۶۵
۲۶۳	مباہلہ	۳۶۶

۲۶۴	اختلاف کے وقت کس قول پر عمل ہو؟	۳۶۸
۲۶۵	غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنا	۳۶۹
۲۶۶	شیعہ کے سوال کا جواب کس طرز پر ہونا چاہیے؟	۳۷۱
۲۶۷	فتویٰ کی تائید میں کسی مولوی کا جھوٹ موٹ نام	۳۷۲
۲۶۸	اپنی ذات سے متعلق سوال سے مفتی کا جواب سے معذرت کرنا	۳۷۳

(تعلیم نسواں کا بیان)

۲۶۹	تعلیم نسواں	۳۷۵
۲۷۰	کیا تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے	۳۷۶
۲۷۱	بے پردگی کی حالت میں عورتوں کو تعلیم دینا	۳۷۶
۲۷۲	لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۷
۲۷۳	لڑکیوں کے لئے تعلیم	۳۷۸
۲۷۴	مدرسہ میں لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۹
۲۷۵	کتنی عمر کی بچی مدرسہ میں پڑھ سکتی ہے؟	۳۸۰
۲۷۶	لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا	۳۸۱
۲۷۷	لڑکے اور لڑکیوں کا ہندی، انگریزی تعلیم کا ممبر بننا	۳۸۲
۲۷۸	کتابۃ النساء	۳۸۳
۲۷۹	نیم عریاں لباس اسکول میں لڑکیوں کو تعلیم دینا	۳۸۵
۲۸۰	پردہ نشین لڑکی کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ	۳۸۶
۲۸۱	عورتوں کو حیض پردہ میں رکھ کر ونفاس کے مسائل بتانا	۳۸۷
۲۸۲	دنیوی تعلیم کے نتائج	۳۸۸
۲۸۳	معلمین کے ساتھ معلمات کا تقرر اور سیانے بچے، بچیوں کی مخلوط تعلیم	۳۸۹
۲۸۴	نرسری اسکول اور عیسائی معلمات	۳۸۹
۲۸۵	اسکول میں ترانہ	۳۹۲

۲۸۶	دوسرے سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنا	۳۹۷

باب مایتعلق بالقرآن الکریم

(تفسیر کا بیان)

۲۸۷	شرائط تفسیر	۳۹۸
۲۸۸	تفسیر وتاویل میں فرق	۳۹۸
۲۸۹	کیا قرآن میں ناسخ ومنسوخ ہیں؟	۳۹۹
۲۹۰	کیا حکمِ قرآنی حدیث سے منسوخ ہوسکتا ہے؟	۴۰۶
۲۹۱	آیتِ منسوخہ کی تلاوت کا حکم	۴۰۹
۲۹۲	نسخ کی تفصیل اور حکمت	۴۱۰
۲۹۳	آیتِ قطب	۴۱۳
۲۹۴	سبع آیات	۴۱۳
۲۹۵	آیت الکرسی کہاں تک ہے؟	۴۱۴
۲۹۶	پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہیں؟	۴۱۵
۲۹۷	حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق دو آیتوں میں تعارض	۴۱۶
۲۹۸	حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں فرق	۴۱۷
۲۹۹	حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت	۴۱۸
۳۰۰	استخلاف فی الارض کا وعدہ	۴۲۰
۳۰۱	وعید کی آیتیں زیادہ ہیں، یا وعدکی بشارتیں؟	۴۲۲
۳۰۲	"أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول" کا مطلب	۴۲۲
۳۰۳	"اسجدوا لآدم" کا خطاب کیا شیطان کو بھی ہے؟	۴۲۳
۳۰۴	"یسبّح للہ مافی السموات والأرض" کی تشریح	۴۲۴
۳۰۵	"من لم یحکم بما أنزل اللہ" کی تفسیر	۴۲۵

۳۰۶	غیر اللہ کو حاکم بنانے سے متعلق تفصیلات، چند آیات کی تفسیر	۴۲۶
۳۰۷	تفسیر "استوی"	۴۲۹
۳۰۸	تشریح "اقراء"	۴۳۰
۳۰۹	تفسیر "لا یمسه إلا المطهرون"	۴۳۲
۳۱۰	"لیس للإنسان إلا ماسعی"	۴۳۴
۳۱۱	"ضربت علیهم الذلة والمسکنة" کا مطلب	۴۳۷
۳۱۲	"إن الذین آمنوا والذین هادوا والنصاری" پر اشکال اور اس کا جواب	۴۴۱
۳۱۳	"جاعل الذین اتبعوک" کی تفسیر	۴۴۲
۳۱۴	"إن الصلوة تنهی عن الفحشآء والمنکر" کا مطلب	۴۴۵
۳۱۵	"وما تشاء ون إلا أن یشاء الله" کا مطلب	۴۴۵
۳۱۶	"لإن شکرتم لأزیدنکم" کا مطلب	۴۴۶
۳۱۷	حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت "کلمته" اور "وروح منه" سے	۴۴۷
۳۱۸	"قال: هی عصای" کی عجیب تفسیر وتشریح	۴۵۱
۳۱۹	"أرض" کی جمع قرآن کریم میں کیوں نہیں؟	۴۵۲
۳۲۰	"یوم ندعوا کل أناس بإمامهم" کی تفسیر	۴۵۶
۳۲۱	اللہ تعالیٰ کو وکیل کیسے بنایا جائے؟	۴۵۷
۳۲۲	کیا مغفرت، فتح سے مربوط ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ کس چیز میں ہے؟	۴۵۸
۳۲۳	حیاتِ طیبہ کون سی زندگی ہے؟	۴۵۹
۳۲۴	"وقتِ شام" سے کیا مراد ہے؟	۴۵۹
۳۲۵	قرآنِ پاک میں نبیوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مفہوم	۴۶۰
۳۲۶	دعا کے الفاظ والی صفت کیا نبی میں تھیں؟ (نعوذ باللہ)	۴۶۰
۳۲۷	کیا "تبت یدا أبی لهب" کونسا ہے؟	۴۶۴
۳۲۸	قرآن کریم میں تحریف کی علامات اور دلائل	۴۶۵

۳۲۹	تفسیرِ قرآن ذاتی مطالعہ سے	۴۷۴
۳۳۰	شرح جامی پڑھنے والے کا تفسیر بیان کرنا	۴۷۵
۳۳۱	ہجرِ جمیل کیا ہے؟	۴۷۷
۳۳۲	رحمۃ للعالمین کا مؤمنین کے ساتھ قربِ معیت، ایک آیت کی تفسیر بالرائے	۴۷۷
۳۳۳	کفار پر غصہ زیادہ ہے یا مسلمان پر؟	۴۷۸
۳۳۴	تفسیرِ مودودی اور تفسیرِ حقانی اور قرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر	۴۷۹
۳۳۵	''اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے گندی چیز منگانا'' اسرائیلیات میں سے ہے	۴۸۰

(تجوید اور ترتیبِ قرآنی کا بیان)

۳۳۶	قرآءاتِ سبعہ بھی منقول ہیں، محدث نہیں	۴۸۱
۳۳۷	حسنِ قرآءت کی محفلوں کا حکم	۴۸۱
۳۳۸	کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے؟	۴۸۳
۳۳۹	''وقفِ زعفران'' کا مطلب	۴۸۵
۳۴۰	کیا ہر آیت پر وقف کیا جائے؟	۴۸۶
۳۴۱	سورۂ قدر میں ''امر'' یا ''سلام'' پر وقف	۴۸۶
۳۴۲	تحقیق ''ضاد''	۴۸۷
۳۴۳	''نونِ قطنی'' کے ساتھ نماز	۴۹۱
۳۴۴	معروف ومجہول کا تلفظ	۴۹۲
۳۴۵	بعض آیات میں وارد ہمزات پڑھنے کا طریقہ	۴۹۳
۳۴۶	زیر، زبر، پیش	۴۹۴
۳۴۷	غیر قرآن کو قرآءت کے ساتھ پڑھنا	۴۹۵
۳۴۸	قرآن پاک میں اعراب اور کتبِ حدیث وفقہ کی تدوین	۴۹۵
۳۴۹	حرکات ونقاط قرآن میں کب سے ہیں؟	۴۹۵

۳۵۰	تدبر اور بلا تدبر تلاوت میں فرق	۴۹۶
۳۵۱	جواب امر بھی مجزوم ہوتا ہے	۴۹۷
۳۵۲	قرآنِ کریم کی سند	۴۹۷
۳۵۳	قرآنِ کریم کی ترتیب عثمانی	۴۹۸
۳۵۴	پارۂ عم کی طباعت خلاف ترتیب	۴۹۹
۳۵۵	سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے	۵۰۳
۳۵۶	کیا قرآنِ کریم کے چالیس پارے ہیں؟	۵۰۴
۳۵۷	قرآن کریم کے چالیس پارے ماننے والے کا حکم	۵۰۴
۳۵۸	سورۂ فاتحہ کس پارہ کا جز ہے؟	۵۰۵
۳۵۹	کتب سماویہ کی زبان	۵۰۶
۳۶۰	غیر عربی میں قرآن کریم لکھنا	۵۰۷
۳۶۱	اردو میں قرآنِ پاک پڑھنا	۵۰۹
۳۶۲	ترجمہ قرآن بغیر عربی عبارت کے	۵۱۰
۳۶۳	قرآنِ کریم ہندی میں لکھنا	۵۱۰
۳۶۴	اڑیہ زبان میں قرآن وحدیث کا لکھنا	۵۱۱

(حفظِ قرآن کا بیان)

۳۶۵	حفظِ قرآن اور ختم فرض ہے، یا سنت؟	۵۱۳
۳۶۶	کیا قرآنِ کریم حفظ کرنا مفید نہیں، مضر ہے؟	۵۱۳
۳۶۷	جس کو کلام پاک کچا یاد ہو، کیا وہ بھی بخشش کرائے گا؟	۵۱۴
۳۶۸	کیا حافظ کو غیر حافظ پر فوقیت ہے؟	۵۱۵
۳۶۹	بستی میں کوئی حافظ نہیں	۵۱۶
۳۷۰	قرآن شریف بھول جانے پر وعید	۵۱۶
۳۷۱	قرآن پاک حفظ کر کے بھول جانا	۵۱۷

۳۷۲	درجۂ حفظ سے انگریزی تعلیم میں جانا	۵۱۷

(آدابِ قرآن کا بیان)

۳۷۳	قرآنِ پاک کو بے وضوء چھونا کیسا ہے؟	۵۲۰
۳۷۴	معلم معذور کا قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ لگانا	۵۲۰
۳۷۵	طلبہ کا بے وضو قرآن پڑھنا	۵۲۱
۳۷۶	بے وضو بچوں کو قرآن کریم دینا	۵۲۲
۳۷۷	ریاحی مریض کے لئے قرآن کا چھونا	۵۲۲
۳۷۸	بلا وضو قرآن کریم لکھنا	۵۲۳
۳۷۹	بلا وضو کتبِ تفسیر کو ہاتھ لگانا	۵۲۳
۳۸۰	ایضاً	۵۲۴
۳۸۱	بے وضو و غسل کتابیں پڑھنا	۵۲۵
۳۸۲	بے وضو قرآن پاک چھونے اور بے غسل مسجد میں جانے کی توبہ سے معافی	۵۲۵
۳۸۳	حمائل شریف لئے ہوئے بیت الخلاء جانا	۵۲۶
۳۸۴	قرآنِ کریم کی طرف پشت کرنا	۵۲۷
۳۸۵	قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا	۵۲۷
۳۸۶	جس کمرہ میں قرآنِ پاک ہو، اس کمرہ میں بیوی سے ہمبستری کرنا	۵۲۸
۳۸۷	ایک شخص چار پائی پر بیٹھے اور دوسرا شخص نیچے قرآنِ پاک کی تلاوت کرے	۵۲۸
۳۸۸	زینہ کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنا	۵۲۹
۳۸۹	کرسی پر بیٹھنا، جب کہ قرآن کریم نیچے رکھا ہو	۵۲۹
۳۹۰	کرسی پر بیٹھ کر تعلیم قرآنِ کریم	۵۳۰
۳۹۱	استاد کرسی پر بیٹھے اور بچے ٹاٹ پر، اس کا کیا حکم ہے؟	۵۳۰
۳۹۲	ٹیچران کا کرسی پر بیٹھنا جب کہ دینی کتب نیچے ہوں	۵۳۱

۳۹۳	قرآن پاک کو چومنا	۵۳۲
۳۹۴	تقبیلِ قرآن کریم	۵۳۲
۳۹۵	تقبیلِ مصحف	۵۳۳
۳۹۶	قرآن کریم کو بغیر تلاوت کے چومنا	۵۳۳
۳۹۷	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا	۵۳۴
۳۹۸	ریشم کا جزدان قرآن پاک کے لئے	۵۳۵
۳۹۹	اخبارات میں قرآن پاک کی آیات اور ترجمہ شائع کرنا	۵۳۵
۴۰۰	خط میں ''بسم اللہ'' لکھنا	۵۳۶
۴۰۱	قرآن کریم کلینڈر اور اخبار میں چھپوانا	۵۳۷
۴۰۲	خط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو، اس کا ادب	۵۳۸
۴۰۳	جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں، ان کو کیا کیا جائے؟	۵۳۹
۴۰۴	دینی تحریک کی بے ادبی کے خیال سے اس خدمت کو چھوڑ دینا	۵۳۹
۴۰۵	خط لکھنے کے بعد اس کو مٹی سے خشک کرنا	۵۴۰
۴۰۶	دسترخوان، یا مصلی پر آیات یا اسمائے الٰہیہ لکھنا	۵۴۱
۴۰۷	اگر غلطی سے قرآن کریم گر جائے، تو کیا کرے؟	۵۴۲
۴۰۸	بوسیدہ قرآن کریم کو کیا کیا جائے؟	۵۴۲
۴۰۹	بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا	۵۴۳
۴۱۰	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا	۵۴۴
۴۱۱	دفن کے لئے بوسیدہ قرآن کریم کو لپیٹ کر رکھ دینا بے ادبی نہیں	۵۴۵
۴۱۲	قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور سننا کیسا ہے؟	۵۴۶
۴۱۳	قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور اس کی تجارت کرنا	۵۴۷
۴۱۴	قرآن کریم کی آلاتِ لہو اور ریڈیو میں تلاوت کرنا	۵۴۸
۴۱۵	ریڈیو میں قرآن پاک کا پڑھنا	۵۴۹

۴۱۶	کیسٹ کے ذریعے قرآن پاک پڑھنا	۵۵۰

(آدابِ تلاوت کا بیان)

۴۱۷	منبر کے پہلے درجہ پر قرآنِ پاک رکھ کر پڑھنا	۵۵۱
۴۱۸	مجبوراً لیٹے ہوئے تلاوتِ قرآنِ کریم	۵۵۱
۴۱۹	برہنہ سر تلاوت	۵۵۲
۴۲۰	تلاوتِ قرآن کریم بازار میں جہراً اور مسجد میں سراً	۵۵۲
۴۲۱	متعدد لوگوں کا بیک وقت جہراً قرآن پاک پڑھنا	۵۵۳
۴۲۲	چند آدمیوں کا قرآن کریم کو جہراً پڑھنا	۵۵۴
۴۲۳	قرآن خوانی میں قرآن کریم زور سے پڑھنا چاہیے، یا آہستہ سے؟	۵۵۵
۴۲۴	لوگوں کی رعایت میں قرآن سنوا کر پڑھنا	۵۵۶
۴۲۵	بوقتِ مطالعہ تلاوت کرنا	۵۵۷
۴۲۶	کیا تلاوت کی وجہ سے کسی کے وظیفہ کو روکا جائے؟	۵۵۷
۴۲۷	جلسہ کی ابتداء کلام پاک سے	۵۵۸
۴۲۸	سیاسی غیر مسلم ہندوؤں کی آمد پر قرآنِ کریم کی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا افتتاح	۵۶۰
۴۲۹	تلاوت کے وقت سر ہلانا	۵۶۱
۴۳۰	اٹک اٹک کر قرآن شریف پڑھنے والے کا اجر	۵۶۱
۴۳۱	تلاوت کا ثواب زیادہ ہے یا تحیۃ المسجد کا؟	۵۶۲
۴۳۲	دس دفعہ "قل هو الله أحد اهـ" پڑھنے سے جو مکان جنت میں ملے گا، کیا اس میں بیوی بچے بھی ساتھ ہوں گے؟	۵۶۳
۴۳۳	تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر تلاوت کرنا	۵۶۳
۴۳۴	دنیاوی غرض کے لئے ذکر و قرآن پر بھی اجر ہے	۵۶۴
۴۳۵	مصیبت کا علاج قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھنا	۵۶۷
۴۳۶	قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور "بسم اللہ" پڑھنا	۵۶۷

۴۳۷	ایک شب میں قرآن کریم ختم کرنا	۵۶۸
۴۳۸	ختمِ قرآن پر دعوت	۵۷۰
۴۳۹	مکان کی تعمیر پر قرآنِ کریم ختم کرنا	۵۷۱
۴۴۰	نابالغ سے ختم کرانا	۵۷۲
۴۴۱	تلاوت کا ثواب پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے	۵۷۳
۴۴۲	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا اور پڑھ کر ثواب پہونچانا	۵۷۳
۴۴۳	غیر مسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دینا	۵۷۵
۴۴۴	انگریز کو قرآن شریف کی تعلیم دینا	۵۷۵
۴۴۵	غیر مسلم کو قرآن وفقہ کی تعلیم دینا	۵۷۶

(المتفرقات)

۴۴۶	قرآن افضل ہے یا سید؟	۵۷۷
۴۴۷	غلافِ قرآن اور غلافِ کعبہ میں کون افضل ہے؟	۵۷۸
۴۴۸	شیطان قراءتِ قرآن پر قادر نہیں	۵۷۹
۴۴۹	کیا ملائکہ تلاوتِ قرآن کرتے ہیں؟	۵۸۰
۴۵۰	کیا مسلمان قرآن کریم کو نہیں سمجھتا	۵۸۲
۴۵۱	قرآن کریم میں سائنس کی بحث	۵۸۳
۴۵۲	فالنامہ قرآن پاک میں کیوں ہے؟	۵۸۴

☆.....☆.....☆

باب البدعات والرسوم

(بدعات اور رسومات کا بیان)

بدعت کی تعریف

سوال[۷۷۳]: بدعت کے کیا معنی ہیں، بدعتِ حسنہ اور بدعتِ ضلالہ کی تعریف بحوالہ حدیث و دلائل چند مثالیں دے کر جوابات مرحمت فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز پر شریعت نے ثواب نہ بتایا ہو اس کو ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے(۱) چاہے وہ چیز کوئی فعل ہو(۲) یا کسی فعل کی ہیئت ہو یا زمان مکان یا عدد وغیرہ کی کوئی قید ہو(۳) مثلاً میت کو قبر میں رکھ کر اس پر عرق گلاب وغیرہ چھڑکنا(۴) نماز جنازہ کے بعد مستقلاً اجتماعی حیثیت سے سب کو روک کر دعاء کرنا(۵)، نماز کے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، ایچ ایم سعید)

(والبحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشیدیه)

(و كذا في التيسير في المذهب الحنفي، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۷۶ دار الكلم الطيب بيروت)

(۲) "و كذلك كل محدث قولاً أو فعلاً لم يتقدم فيه متقدم، فإن العرب تسميه مبتدعاً". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۲۲، مكتبه دار السلام رياض)

(۳) "وما ذاك (أي كون الفعل بدعةً) إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع". (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۲/۲۳۵، سعيد)

(۴) قال العلامة العيني: "و كذا ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول و نحوها على القبور ليس بشيء، و إنما السنة الغرز". (عمدة القاري: ۳/۱۸۰، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله، دار الكتب العلمية)

(۵) "لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، الجنس الآخر في صلوة الجنائز: ۱/۲۲۵، أمجد اكيڈمي لاهور)

بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا(۱)، کھانا سامنے رکھ کر ثواب پہونچانے کے لئے مخصوص سورۃ یا آیتوں کی تعیین کرنا(۲) میلاد شریف کے نام پر مخصوص تاریخ میں مجلس منعقد کرنا(۳) اس میں صلوٰۃ وسلام کے لئے قیام کرنا وغیرہ وغیرہ(۴)۔حدیث شریف میں ہے:"من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد الخ" (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة، و ما ذاک إلا لكونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع ، فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بأنها سنة فيه". (رد المحتار، كتاب الجنائز ، مطلب فی دفن الميت : ۲/ ۲۳۵ ، وكتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره : ۶/ ۳۸۱ ، سعيد)

(۲) "این طور مخصوص نه در زمان آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، و نه در زمان خلفاء، بلکه وجود آن در قرون ثلاثه مشهود لها بالخیر اند، منقول نه شد، ...... و این راضروری دانستن مذموم است". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی ، أبواب الجنائز : ۱/ ۱۹۵ ، امجد اکیڈمی)

(۳) "إن عمل المولد بدعة لم يقل به و لم يفعله رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم والخلفاء والأئمة". (كذا فی الشرعة الإلهية، بحواله راه سنت ، ص: ۱۶۴ ، مكتبه صفدريه)

"قد اتفق علماء المذاهب الأربعة بذم هذا العمل". (القول المعتمد، بحواله راهِ سنت، ص: ۱۶۵ ، مكتبه صفدريه)

(۴) "و إن العاديات من حيث هی عادية لا بدعة فيها، و من حيث يتعبد بها أو توضع وضع التعبد، تدخلها البدعة". (الإعتصام : ۲/ ۹۸ ،دار الفكر، ص: ۳۸۵، دارالمعرفة)

وفی الاعتصام أيضاً: " منها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعيّنة، والتزام العبادات المعينة فی أوقات معينة لم يوجد لها ذلک التعيين فی الشريعة " (فصل فی تعريف البدع الخ ۱/ ۳۹، دار الفكر ،و ص:۲۵، ۲۶، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۵) (رواه البخاری فی كتاب الصلح ، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱ قديمی)
(وابن ماجه فی مقدمته ، باب اتباع سنة رسول الله صلی الله تعالی عليه وسلم، ص:۳، مير محمد كتب خانه)

فرض، سنت، بدعت وغیرہ کی تعریف

سوال[۷۷۴]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، بدعت کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فرض: جس کے کرنے کا حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو(۱)۔

واجب: جس کے کرنے کا حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو(۲)۔

سنت مؤکدہ: جس پر مواظبت ثابت ہو(إلا أحياناً)(۳)۔

---

(۱) "والشيء الفرض ما ثبت لزومه بدليل قطعي، و يكفر جاحده". (حاشية سعد الله على الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الطهارة: ۱/۱۴ مصطفى البابي مصر)

"الفرض ماثبت بدليل قطعي". (العناية على الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الطهارة: ۱/۱۸ مصطفى البابي)

"الفرض القطع والتقدير لغةً، وفي الشرع ماثبت بدليل لاشبهة فيه". (المغني في أصول الفقه، فصل في العزيمة والرخصة، ص:۸۳، جامعه أم القرىٰ مكة المكرمة)

(۲) "الواجب من الوجوب، وهو السقوط ...... و في الشرع: إسم لما لزم بدليل فيه شبهة". (المغني في أصول الفقه، ص: ۸۴، جامعه أم القرى مكه المكرمة)

(۳) "والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ماواظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم، لكن إن كانت لامع الترك، فهي دليل السنة المؤكدة، وإن كانت مع الترك أحياناً، فهي دليل غير المؤكده".(ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء: ۱/۱۰۵، سعيد)

"وقال: سنة الهدى هي التي واظب عليها النبي صلى الله عليه وسلم تعبداً وابتغاء مرضات الله تعالىٰ مع الترك مرةً أو مرتين بلا عذر، أو لم يترك أصلاً ولكنه لم ينكر على التارك". (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار، ص: ۱۲۷، سعيد)

(وكذا في حاشية اللكنوي رحمه الله تعالىٰ على الهداية، كتاب الطهارة: ۱/۱۷، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطهارة: ۱/۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

سنت غیر مؤکدہ: جس کو گاہے گاہے کیا گیا ہو(۱) یہی مستحب بھی ہے(۲)۔

حرام: جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو(۳)۔

مکروہ تحریمی: جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو(۴)۔

مکروہ تنزیہی: جو مستحب کے مقابلہ میں ہو(۵) یعنی جس کا نہ کرنا شرعاً پسندیدہ ہو(۶)۔

بدعت: جو چیز دین نہ ہو اس کو دین سمجھنا(۷) تفصیل کتب اصول میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "والذی ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم .... وإن كانت مع الترك أحياناً فهی دليل غير المؤكدة". (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۰۵ ايچ ايم سعيد)

(۲) " وقد يطلق عليه (أی علی المستحب) اسم السنة". (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۰۵، سعيد كراچی)

(۳) قال ابن عابدين: " قال فی الهداية: إلا أنه لما لم يجد فيه نصاً قاطعاً، لم يطلق عليه لفظ الحرام، فإذا وجد نصاً، يقطع القول بالتحريم". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۷، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا فی الهداية، كتاب الكراهية: ۴/۴۵۰، امداديه ملتان)

(۴) "فالمكروه تحريماً ..... فيثبت بما يثبت به الواجب يعنی بظنی الثبوت". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۷، سعيد)

(۵) "فالمكروه خلاف المندوب". (البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/۳۳۰، رشيديه)

(۶) "وأما المكروه كراهة تنزيه، فإلی الحل أقرب اتفاقاً". (الدر المختار). و قال ابن عابدين تحته: "بمعنی أنه لا يعاقب فاعله أصلاً، لكن يثاب تاركه أدنی ثواب........ لأن المكروه تنزيهاً كما فی المنح: مرجعه إلی ترك الأولی". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۷، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/۳۳۰ رشيديه)

(۷) (راجع، ص: ۳۲، رقم الحاشية: ۲، ۳، سيأتی تخريجه من رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰ سعيد، تحت عنوان: "بدعت کی تقسیم")

سنت وبدعت کی تعریف وتقسیم

سوال[۷۷۵]: ۱.....کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سنت کے صحیح معنی کیا ہیں اور سنت کس کو کہتے ہیں؟ شرعی حیثیت سے سنت کی تعریف کیا ہے؟ سنت کے اقسام اور اس کی تفصیل کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کریں؟

۲.....''بدعت'' کے صحیح معنی کیا ہیں اور بدعت کس کو کہتے ہیں؟ شرعی حیثیت سے بدعت کی تعریف کیا ہے؟ بدعت کے اقسام اور اس کی تفصیل کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کریں؟

السائل: یم، ین، جاوید جام راج نگر، ۱۵/ اگست/ ۵۰ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....''سنت'' کے معنی لغت میں طریقے کے ہیں، خواہ اچھا ہو، خواہ خراب ہو(۱) چنانچہ حدیث شریف میں سنتِ حسنہ اور سنت سیئہ دونوں وارد ہیں (۲)۔

اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"طریقة مسلوكة في الدين بقول أو فعل من غير لزوم و لاإنكار على تاركها، و ليست خصوصية، اهـ".

---

(۱) "والسنة لغةً الطريقة ولو سيئةً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۶۴، قديمي)

و قال ابن عابدين: "أما هي لغةً، فالطريقة مطلقاً و لو قبيحةً". (رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة و تعريفها: ۱/۱۰۴، سعيد)

(۲) "وهو ما رواه مسلم في حديث طويل، فيه: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سنّ في الإسلام سنةً حسنةً، فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء، و من سنّ في الإسلام سنةً سيئةً، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء". (كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة و لو بشق تمرة الخ: ۱/۳۲۷، قديمي)

(والنسائي في الزكوة، باب التحريض على الصدقة: ۱/۳۵۶، قديمي)

(و جامع الأصول: ۶/۴۵۷، رقم: ۴۴۶۳، دار إحياء التراث العربي)

(وذكره ابن عابدين في مقدمة رد المحتار: ۱/۵۸، سعيد)

فوائدِ قیود یہ ہیں:

"فقولنا: "طريقة الخ" كالجنس يشمل السنة وغيرها، و قولنا: "من غير لزوم" فصل خرج به الفرض، و "بلا إنكار" أخرج الواجب، و قولنا: "و ليست خصوصية" خرج به ما هو من خصائصه صلى الله تعالى عليه وسلم كصوم الوصال اهـ". (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۳۵)(۱)۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"إعلم أن المشروعات أربعة أقسام: فرض، و واجب، وسنة، و نفل، فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، و بلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب و نفل". ۱/۷۰(۲)۔

سنت کی دو قسمیں ہیں:

"والسنة نوعان: سنة الهدى: و تركها يوجب إساءةً و كراهةً كالجماعة والأذان والإقامة و نحوها، و سنة الزوائد: و تركها لا يوجب ذلك كسير النبي عليه الصلوة والسلام في لباسه و قيامه وقعوده اهـ". شامی (۳)۔

سنت کا حکم یہ ہے:

"قال القهستاني: حكمها كالواجب في المطالبة في الدنيا إلا أن تاركه يعاقب وتاركها

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۴، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء: ۱/۱۰۲، سعيد)

وفي المغني في أصول الفقه: "و هي نوعان: سنة أخذها هدى و تركها ضلال .... والثانية: أخذها هدى و تركها لا بأس به الخ". (فصل في العزيمة والرخصة، ص: ۸۵-۸۶، جامعه أم القرى مكة المكرمة)

(۳) (رد المحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء: ۱/۱۰۳، سعيد)

یعاتب اھ. و فی الجوهرة عن القنية: تاركها فاسق وجاحدها مبتدع. و فی التلويح: ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام، يستحق به حرمان الشفاعة؛ لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من ترك سنتي، لم ينل شفاعتي اھ" (۱)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں سننِ وضو کی بحث میں لکھا ہے:

"السنة: لغةً الطريقة و لو سيئةً، واصطلاحاً: الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة. وهي المؤكدة، إن كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تركها أحياناً، وأما التي لم يواظب عليها فهي المندوبة اھ"(۲)۔

مؤکدہ کی مثال میں طحطاوی فرماتے ہیں:

"كالأذان والإقامة والجماعة والسنن الرواتب والمضمضة والاستنشاق ويلقبونها بسنة الهدى: أي أخذها هدى و تركها ضلالة: أي أخذها من تكميل الهدى: أي الدين، ويتعلق بتركها كراهة و إساءة".

پھر غیر مؤکدہ کی مثال میں لکھا ہے:

"كأذان المنفرد، وتطويل القراءة في الصلوة فوق الواجب، و مسح الرقبة في الوضوء، والتيامن، وصلوة، وصوم، وصدقة تطوع، ويلقبونها بالسنة الزوائد، و هي المستحب والمندوب

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی المراقي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص:۶۴، قديمی)

(و كذا في رد المحتار كتاب الطهارة، أركان الوضوء، مطلب في السنة و تعريفها: ۱/۱۰۴، سعيد)

(۲) (مراقی الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۲۴، قديمی)

تنبیہ: عبارت طحطاوی کی نہیں بلکہ مراقی الفلاح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(و كذا في رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة و تعريفها: ۱/۱۰۳، سعيد)

(والعناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۱/۲۰، مصطفى البابی مصر)

(والمغني في أصول الفقه، باب النهي، فصل في العزيمة والرخصة، ص: ۸۵، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

والأدب من غير فرق بينهما عند الأصوليين اهـ"(۱)۔

اس کے بعد اصطلاحِ فقہاء کے اعتبار سے مندوب ومستحب کا کچھ فرق بیان کر کے لکھا ہے: "والأولى ما عليه الأصوليون"(۲)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ سنت کی تحقیق میں ہے جس کا نام ہے "تحفة الأخيار في إحياء سنة سيد الأبرار"(۳) اس میں بہت سی تعریفات سنت کی نقل کی ہیں۔

۲..... "بدعت" کے معنی نئی چیز جو پہلے سے نہیں تھی، لغۃً ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں، اصطلاح میں بدعت کی تعریف یہ ہے:

"ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً اهـ" شامی: ۱/۳۷۷(٤)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۴ قديمي)

وفي المغني في أصول الفقه: "كصلوة العيد والأذان والجماعة". (فصل في العزيمة والرخصة، ص: ۸۵، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۵، قديمي)

(۳) علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تحفة الأخيار بإحياء سنة سيد الأبرار" میں سنت کی بائیس تعریفات نقل کی ہیں لیکن ہر ایک پر کسی نہ کسی حد میں رد کیا ہے، اس کے بعد ان بائیس تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف علامہ ابن عابدین شامی سے نقل کی ہے اور اس پر کوئی رد نہیں کیا ہے:

فقال: "وقال ابن عابدين الشيخ محمد أمين في "رد المحتار": ما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك، إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعد، فسنة، وإلا فمندوب انتهى". (ص: ۸۴، مكتب المطبوعات الإسلاميه بحلب)

(٤) (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

اس تعریف کے اعتبار سے بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضالہ ہی ہوتی ہے، البتہ معنی لغوی کے اعتبار سے کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے:

"فقد تکون (أی البدعة) واجبةً کنصب الأدلة للرّد علی أھل الفرق الضالة و تعلم النحو المفھم للکتاب والسنة، و مندوبةً کإحداث نحو رباط و مدرسة و کل إحسان لم یکن فی الصدر الأول، ومکروھةً کزخرفة المساجد، ومباحةً کالتوسع بلذیذ المآکل و المشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی (۱) عن تھذیب النووی، ومثله فی الطریقة المحمدیه للبرکلی اھ" شامی(۲)۔

اس باب میں "طریقۂ محمدیہ" اور اس کی شروح "الحدیقة الندیہ" و "الدرر البریقة" اور "المدخل" اور "الاعتصام" مبسوط کتابیں ہیں، جن میں بدعات پر تفصیلی بحث کی ہے اور بدعات پر کافی رد کیا ہے اور محققانہ دلائل پیش کئے ہیں۔ نیز اردو میں "براہینِ قاطعہ" لاجواب ہے جس میں بدعات کا قلع قمع کیا ہے اور ایسے زریں اصول وضوابط بیان کئے ہیں کہ جن پر امورِ محدثہ کو بسہولت منطبق کیا جاسکتا ہے کہ یہ بدعات محرمہ ضالہ کی حدود میں داخل ہیں یا نہیں اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو بدعت حسنہ وسیئہ کے امتیاز میں بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۷۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

بدعت کی تقسیم

سوال[۷۷۶]: بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟

---

(۱) (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر لعبد الرؤوف المناوی: ۱۱/۵۵۹۴، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً :

شرعاً بدعت کی صرف ایک قسم ہے یعنی سیئہ، وہ کسی طرح جائز نہیں (۱)، جن لوگوں نے کوئی تقسیم کی ہے وہ لغت کے اعتبار سے ہے، وہ تقسیم شامی (۲) اور فتاویٰ حدیثیہ (۳) وغیرہ میں ہے۔ فقط۔

ایضاً

سوال [۷۷۷] : بدعت کی تقسیم جو بعض کتابوں میں نظر آتی ہے اس تقسیم کا موجد کون ہے؟ اگر بالفرض بدعتِ حسنہ وسیئہ وغیرہ سے تقسیم ثابت ہو تو: "کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار" (۴) قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کا کیا جواب ہوگا؟

---

(۱) "ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "فقد تكون (أى البدعة) واجبة كنصب الأدلة على أهل الفرق الضالة، و تعلم النحو المفهم للكتاب والسنة، و مندوبةً كإحداث نحو رباط و مدرسة و كل إحسان لم يكن فى الصدر الأول، ومكروهةً كزخرفة المساجد، و مباحةً كالتوسع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب كما فى شرح الجامع الصغير للمناوى عن تهذيب النووى، و مثله فى الطريقة المحمديه للبركلى". (رد المحتار، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، سعيد)

(و كذا فى روح المعانى : ۲۷/۱۹۲، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) " قال العز بن عبد السلام : البدعة...... وتنقسم إلى خمسة أحكام : يعنى الوجوب والندب الخ...... فمن البدع الواجبة: تعلم النحو الذى يفهم به القرآن والسنة، و من البدع المحرمة: مذهب نحو القدرية، ومن البدع المندوبة: إحداث نحو المدارس والاجتماع لصلوة التراويح، و من البدع المباحة: المصافحة بعد الصلوة، و من البدع المكروهة: زخرفة المساجد والمصاحف...... الخ".

(الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمى، ص: ۲۰۳، مطلب فى تفريق البدعة الخ، قديمى)

(۴) (رواه النسائى بهذا اللفظ مرفوعاً فى العيدين، باب كيف الخطبة : ۱/۲۳۴، قديمى)

(و فيض القدير شرح الجامع الصغير : ۳/۱۴۴۷، رقم : ۱۶۰۴، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شامی باب الامامۃ میں بدعت کی قسمیں بیان کی ہیں(۱) علامہ عز بن عبدالسلام سے منقول ہے(۲)، تراویح کی یکجائی جماعت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے "نعمت البدعة"(۳)، اس وجہ سے سیئہ وحسنہ کی تقسیم کی گئی ہے ورنہ بدعتِ حسنہ درحقیقت معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہے، نہ معنی شرعی کے اعتبار سے، اس لئے "کل بدعة ضلالة" (۴) میں بدعتِ شرعیہ وسیئہ مراد ہے اور جس چیز کو بدعتِ حسنہ کہا جاتا ہے وہ ضلالہ نہیں بلکہ مسلوک فی الدین ہے اور معین فی الدین ہے یعنی وہ احداث فی الدین نہیں ہے بلکہ احداث للدین ہے۔ تفصیل دیکھنا چاہیں تو براہین قاطعہ (۵) الاعتصام (۶) المدخل (۷) ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ: العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه من رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(والبحر الرائق كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(۲) "قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد: البدعة إما واجبة كتعلم النحو لفهم كلام الله و رسوله، ... (إلى أن قال): ... و ما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئاً من ذلك (أي الكتاب والسنة) فليس بمذموم، و قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه في قيام رمضان: "نعمت البدعة" ... الخ" (مرقاة المفاتيح، كتاب الايمان، باب الإعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(۳) (رواه البخاري في حديث طويل في الصوم، باب فضل من قام رمضان: ۱/۲۶۹، قديمي)

(۴) (رواه مسلم، في الجمعة، فصل في خطبة الجمعة: ۱/۲۸۴، ۲۸۵، قديمي)

(وابن ماجه في المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ۶، قديمي)

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "براہین قاطعہ" میں بدعت حسنہ وسیئہ کی تحقیق مکمل تفصیل سے کی ہے: (ص: ۳۵، ۴۵، دارالاشاعت کراچی)

(۶) علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "و مما يورد في هذا الموضع أن العلماء قسموا البدع بأقسام أحكام الشريعة الخمسة، و لم يعدوها قسماً واحداً مذموماً، فجعلوا منها ما هو واجب ومندوب و =

بدعت کی اقسام

سوال[۷۷۸]: بدعت کی کل کتنی قسمیں ہیں تحریر فرمائیں؟

فجر کی نماز میں جو: "الصلوة خیر من النوم" پڑھتے ہیں اور جو تراویح پڑھتے ہیں، یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے اور یہ بھی بدعت ہے اور کلام اللہ شریف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ جمع کیا گیا یہ بھی بدعت ہے، زید کا ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بدعت کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے: "کل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

"الصلوة خيرٌ من النوم" اذانِ فجر میں کہنا حدیث سے ثابت ہے یہ بدعت نہیں ہے(۲) تراویح

= مباح و مكروه و محرَّم ...... قسم: واجب، و هو ما تناولته قواعد الوجود و أدلته من الشرع ...... القسم الثاني: المحرَّم، و هو كل بدعة تناولها قواعد التحريم وأدلته من الشريعة ...... القسم الثالث: أن من البدع ما هو مندوب إليه، وهو ما تناولته قواعد الندب و أدلته كصلوة التروايح ..... القسم الرابع: بدعة مكروهة، و هي ما تناولته أدلة الكراهة ...... القسم الخامس: البدع المباحة، و هي ما تناولته أدلة الإباحة و قواعدها من الشريعة". (الإعتصام للإمام الشاطبي، باب في أن ذم البدع والمحدثات عام لا تخص محدثة دون غيرها، ص: ۱۵۱، ۱۵۴، دار المعرفة بيروت)

(۷) (المدخل لابن أمير الحاج المكي، فصل الكلام على البدع التي نسبوها إلى الشرع و ليست منه: ۳/۲۸۴، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (رواه النسائي مرفوعاً في العيدين، كيف الخطبة: ۱/۲۳۴، قديمي)

(والمناوي في فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۱۴۴۷، رقم: ۱۶۰۴، مكتبه نزار رياض)

و قال علي القاري: " قال في الأزهار: أي كل بدعة سيئة ضلالة، لقوله عليه الصلوة والسلام: " من سنّ في الإسلام سنةً سيئةً الخ" (المرقاة، باب الاعتصام الخ: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(۲) " عن أبي محذورة عن أبيه عن جده قال: قلت: يا رسول الله! علّمني سنة الأذان (إلى أن قال:) "فإن كان صلوة الصبح، قلت: الصلوة خير من النوم، الصلوة خير من النوم". الحديث " (سنن أبي داؤد =

بھی حدیث سے ثابت ہے یہ بھی بدعت نہیں (۱)۔ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کا نام لے کر صاف صاف ان کے اتباع واقتدا کا حکم فرمایا ہے (۲) پس جو جو دین کے کام ان حضرات سے ثابت ہوں وہ بدعت نہیں، قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کرنا بدعت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، یکم/شعبان/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۸۷ھ۔

= كتاب الصلوة، باب كيف الأذان: ۱/ ۷۹، امداديه)

ورواه الإمام مالك في مؤطاه عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه. (كتاب الصلوة، باب ما جاء في النداء للصلوة، ص: ۵۱، مير محمد كتب خانه)

(۱) رواه البخاري في الصوم، باب فضل من قام رمضان، فقال: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قام رمضان إيمانا و إحتساباً ..... الحديث. وفيه: "عن عبد الرحمن بن عبد القاري قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه و يصلي الرجل، فيصلي بصلوته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قاري واحد، لكان أمثل، فجمعهم على أبي بن كعب رضي الله تعالىٰ عنه، ثم خرجت معه ليلةً أخرى، والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعمت البدعة هذه". (۱/ ۲۶۹، قديمي)

و في مراقي الفلاح: "و روى أسد بن عمرو عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ قال: سألت أبا حنيفة عن التراويح و ما فعله عمر رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: "التراويح سنة مؤكدة، و لم يتخرصه عمر من تلقآء نفسه و لم يكن فيه مبتدعاً، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه". (كتاب الصلوة، فصل في صلوة التراويح، ص: ۴۱۱، قديمي)

(۲) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اقتدوا بالذين بعدي ابي بكر وعمر". (جامع الترمذي، أبواب المناقب، مناقب أبي بكر الصديق: ۲/ ۲۰۷ فاروقي كتب خانه)

(۳) "قال في الأزهار: أي كل بدعة ضلالة، لقوله عليه الصلوة والسلام: "من سن في الإسلام سنةً حسنةً، فله أجرها، و أجر من عمل بها، وجمع أبو بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما القرآن، و كتبه زيد رضي الله تعالىٰ عنه في المصحف، و جدد في عهد عثمان رضي الله تعالىٰ عنه. قال النووي رحمه الله تعالىٰ: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، و في الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله =

ایضاً

سوال[۷۷۹]: بدعت کی کل کتنی قسمیں ہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس بدعت کی حدیث میں مذمت آئی ہے وہ صرف ایک ہی قسم ہے: "کل بدعة ضلالة، و کل ضلالة فی النار "(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

کیا غیر ثابت چیزیں بھی خیر ہیں؟

سوال[۷۸۰]: کوئی ایسا امر جو بظاہر بہت اچھا ہے مگر وہ سنتِ نبوی یا صحابہ تابعین سے ثابت نہیں، مگر عوام میں برسہابرس سے چل رہا ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں میں ایک طرح کی اجتماعیت پائی جاتی ہے یعنی وہ چیز ان میں جوڑ پیدا کرتی ہے، کیا اس کو بدعت ہونے کے باوجود مٹانا چاہئے یا نہیں، جیسے میلاد، دعاء ثانیہ، فاتحہ بعد صلوۃ وغیرہ۔

نوٹ: عوام عام طور پر جاہل ہیں، وہ حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے، وہ سنت وبدعت کا فرق بھی نہیں جانتے بلکہ ان بدعات کو حصول خیر کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کو بدعت اور خلافِ شرع یا گناہ کہنے پر تعجب کرتے ہیں، بلکہ برافروختہ ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کے خلاف جدوجہد سے اور پھوٹ اور دو پارٹیاں بنتی ہیں، نمازیں ترک کردیتے ہیں، علماء کے خلاف تبلیغ کرتے ہیں، اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض اجتماع عنداللہ مطلوب ومقصود نہیں بلکہ خیر وسنت پر اجتماع مطلوب ومقصود ہے، اس لئے حسنِ تدبیر، شفقت ودلسوزی سے ان کو راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے، ان کو سمجھایا جائے کہ جس کام سے اللہ پاک اور اس

= تعالی علیہ وسلم "۔ (مرقاۃ المفاتیح، شرح المشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۳۶۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۱) (رواہ النسائی فی العیدین، باب کیف الخطبة: ۱/ ۲۳۴، قدیمی)

کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں وہ کام مسلمان کو کرنا چاہئے، وہی دین ہے، ذریعۂ نجات ہے(۱)، وہی وفاداری کا ثبوت ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو دین نہ فرمایا ہو اور اس پر ثواب نہ بتایا ہو اور اپنی خوشنودی کا تحفہ اس پر نہ دیا ہو، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو اختیار کیا ہو، نہ ائمہ مجتہدین نے اس کو استنباط کیا ہو تو ایسا کام دین نہیں، اور وفاداری کا ثبوت نہیں، ذریعہ نجات نہیں، اس سے نہ اللہ تعالیٰ خوش اور نہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش، ایسا کام ترک کردینے کے قابل ہے۔ اور دعا بھی کی جائے کہ حق تعالیٰ نفسانی جذبات سے محفوظ رکھے اور قلوب میں قبول حق کی صلاحیت پیدا فرمائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ''تم میں کوئی شخص مومن نہیں جب تک اس کی خواہش میرے بتائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہوجائے''(۲)۔

پھر بھی اگر پھوٹ پڑجائے اور علماء کی مخالفت پیدا ہوجائے تو اس کو صبر وتحمل سے برداشت کیا جائے، ورنہ عوام کی خواہش کے مطابق علماء بھی چلنے لگیں تو دین اور غیر دین میں فرق نہ رہے گا، دین آہستہ آہستہ ختم ہوکر اس کی جگہ غیر دین آجائے گا جو کہ دنیا میں بھی تباہی وہلاکت کا موجب ہے اور آخرت میں بھی۔ أعاذنا اللہ منہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

جمعِ قرآن، تراویح وغیرہ کیا بدعت ہیں؟

سوال[۱۷۸۱]: فجر کی اذان میں جو ''الصلوۃ خیر من النوم'' پڑھتے ہیں اور جو تراویح پڑھتے ہیں یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے اور یہ بھی بدعت ہے اور کلام اللہ شریف حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ جمع کیا گیا یہ بھی بدعت ہے، زید کا ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ عزوجل: ﴿قل إن کنتم تحبون اللہ، فاتبعوني یحببکم اللہ، و یغفر لکم ذنوبکم، واللہ غفور رحیم﴾. (آل عمران: ۳۱)

(۲) ''عن عبد اللہ بن عمرو رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''لا یؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ''. رواہ في شرح السنۃ''. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص: ۳۰، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً :

"الصلوۃ خیرٌ من النوم" اذانِ فجر میں کہنا حدیث سے ثابت ہے، یہ بدعت نہیں ہے(۱)۔ تراویح بھی حدیث سے ثابت ہے یہ بھی بدعت نہیں، حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کا نام لے کر صاف صاف ان کے اتباع واقتداء کا حکم فرمایا ہے(۲)۔ پس جو جو دین کے کام ان حضرات سے ثابت ہوں وہ بدعت نہیں، قرآن

---

(۱) "عن محمد بن عبدالملک أبی محذورة عن أبيه عن جده قال : قلت : يا رسول الله ! علمنی سنة الأذان (إلى أن قال:) "فإن كان صلوة الصبح ، قلت : الصلوة خير من النوم ، الصلوة خير من النوم ، الله أكبر الله أكبر ، لا إله إلا الله ". الحديث (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة ، باب كيف الأذان : ۱/۷۹ ، مكتبه امدايه ملتان)

(۲) "عن حذيفة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "اقتدوا بالذين من بعدی: أبی بكر و عمر". (جامع الترمذی، أبواب المناقب ، مناقب أبی بكر الصديق : ۲/۲۰۷ ، سعيد)

قال القاری رحمه الله تعالىٰ : "قال ابن حجر : واستمروا كذلك زمنه عليه الصلوة والسلام .... ثم جمع عمر رضی الله تعالیٰ عنه الرجال على أبیّ رضی الله تعالیٰ عنه .... و كان عمر يقول فی جمعه الناس على جماعة واحدة : "نعمت البدعة هی"، و إنما سماها بدعةً باعتبار صورتها، فإن الاجتماع محدث بعده عليه الصلوة والسلام ، و أما باعتبار الحقيقة فليست بدعة؛ لأنه عليه الصلوة والسلام إنما أمرهم بصلاتها فی بيوتهم لعلة: هی خشية الافتراض، و قد زالت بموته عليه الصلوة والسلام، و لم يأمربها أبو بكر رضی الله تعالیٰ عنه؛ لأنه كان مشغولاً بما هو أهم منها، و كذلك عمر أوائل خلافته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة ، باب قيام شهر رمضان ، الفصل الأول: ۳/۳۶۹، رقم الحديث: ۱۲۹۵ ، رشيديه)

و قال ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: "و قال ابن بطال : قيام رمضان سنة؛ لأن عمر رضی الله تعالیٰ عنه إنما أخذه من فعل النبی صلی الله عليه وسلم ، و إنما تركه النبی صلی الله عليه وسلم خشية الافتراض". (فتح الباری ، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان : ۴/۳۱۷، رقم الحديث: ۲۰۱۰ ، قديمی)

پاک کو ایک جگہ جمع کرنا بدعت نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ: العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

سنی، حنفی، وہابی کی تعریف

سوال[۷۸۲]: ۱...... کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنی، حنفی کسے کہتے ہیں؟ مستند کتب سے وضاحت فرمائیں۔

۲...... وہابی مذہب کیا ہے، لفظ وہابی کے معنی کیا ہیں؟ بریلوی علماء اوران پڑھ لوگ اپنی اصطلاح میں وہابی کے معنی کافر ومشرک سے زیادہ بدترین سمجھتے ہیں، جس کی بنا پر وہ جسے بھی اپنے اصول کے خلاف سمجھتے ہیں، وہابی کا فتوی لگا کر اسلام سے خارج کردیتے ہیں اور اس کا بائیکاٹ کر کے اس سے سلام وکلام بند کردیتے ہیں، بقول ان کے کسی وہابی سے جو مسلمان سلام وکلام کرے وہ وہابیوں کی طرح خارج از اسلام ہے، ان حالات کے پیش نظر شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئین وقوانین سے مطلع فرماتے ہوئے احکام صادر فرمائیں۔فقط۔

والسلام نور محمد۔۲۱/ جون/ ۱۹۷۰ء۔

---

(۱) "عن عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: أرسل إليّ أبو بكر الصديق ...... قال أبو بكر رضي الله عنه : إن عمر رضي الله عنه أتاني ، فقال: إن القتل قد استحرّ يوم اليمامة بقُرّآء القرآن .... و إني أرى أن تأمر بجمع القرآن ، قلت لعمر رضي الله عنه : كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ؟ قال عمر: هذا والله خيرٌ، فلم يزل عمر رضي الله عنه يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك". (صحيح البخاري ، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن : ۲/ ۷۴۵، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: "قال الخطابي وغيره: يحتمل أن يكون النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما لم يجمع القرآن في المصحف لما كان يترقبه من ورود ناسخ لبعض أحكامه أو تلاوته، فلما انقضى نزوله بوفاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، ألهم الله الخلفاء الراشدين ذلك وفاءً لوعده الصادق بضمان حفظه على هذه الأمة المحمدية -زادها الله شرفاً-، فكان ابتداء ذلك على يد الصديق رضي الله عنه بمشورة عمر رضي الله عنه". (فتح الباري ، كتاب فضائل القرآن ، باب جمع القرآن: ۹/ ۱۲، رقم الحديث : ۴۹۸۶، دار الفكر بيروت)

الجوب حامداً و مصلیاً :

۱..... حقیقت کے اعتبار سے سنی وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق کا متبع ہو، عقائد میں بھی، اخلاق میں بھی، اعمال میں بھی: "هم ما أنا عليه و أصحابي" الحدیث (۱)۔

حنفی وہ ہے جو مسائل فقہیہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقلد ہو (۲)۔

۲..... گذشتہ صدی میں عرب میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نامی نے ایک جماعت بنائی تھی اور دعوی یہ کیا تھا کہ ہم سنت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، اس کے ساتھ بہت لوگ ہوگئے تھے مگر اس کے مسائل بہت سے خلاف سنت تھے، آہستہ آہستہ لوگوں کو ان مسائل کا علم ہوا، مثلاً وہ توسل کے قائل نہیں تھے، زیارت قبور کے لئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے تھے حتی کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کو ناجائز کہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

جب لوگوں کو معلوم ہوتا گیا، لوگ اس جماعت سے ہٹتے گئے، پھر معلوم ہوا کہ اس جماعت کا مقصود حکومت پر قبضہ کرنا ہے اور یہ سیاسی جماعت ہے اور احیائے سنت کا نام محض لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کرنے کے لئے ہے تو حکومت نے مقابلہ کر کے اس جماعت کو شکست دی، چنانچہ "ردالمحتار" کی تیسری جلد میں اس کا تذکرہ موجود ہے (۳)۔ اور یہ جماعت وہابی کہلاتی ہے جو کہ سب عرب میں بدنام ہوئی اور ذلت کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی، جب اس کو شکست ہوئی تو اسی وقت کی بات ہے کہ ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ

---

(۱) (رواه الترمذي في الإيمان، باب افتراق هذه الأمة: ۲/۸۸-۸۹، فاروقی کتب خانہ)

(۲) "لفظ "الحنفي" نسبة إلى أبي حنيفة كنية إمام المذهب النعمان بن ثابت رحمهما الله تعالى".

(المذهب الحنفي: ۱/۳۷، مكتبه الرشد رياض)

(۳) "كما وقع في زماننا في أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد، و تغلبوا على الحرمين، وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، و استباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله شوكتهم، وخرب بلادهم، و ظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث و ثلاثين و مأتين وألف". (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۲، سعيد)

اللہ تعالیٰ محدث دہلوی کی تجویز کے ماتحت جہاد شروع کیا گیا، حضرت سید احمد صاحب، حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ اسی جہاد میں شہید ہوئے اور ان کی جماعت نے بہت بلند کام کیا، انگریز ان کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گئے، بہت سخت سزائیں دیں، مگر اس جماعت کو جو کچھ مقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس میں کمی نہیں ہوئی، تو اس وقت ہندوستان ہی کے بعض لوگوں سے انگریز نے فتویٰ حاصل کیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو عرب میں پٹ چکے ہیں اور یہ لوگ وہابی ہیں اور ان حضرات کی کتابوں میں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسے غلط عنوان سے مسلمانوں میں باتیں پھیلائیں جس کی وجہ سے ان سے نفرت پیدا ہو جائے، اس لئے لفظ ’’وہابی‘‘ کا لقب ابتداءً اس جماعت کے لئے انگریز نے تجویز کیا اور بدعتی علماء نے اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور آج تک کر رہے ہیں۔ ڈبلیوڈبلیو ہنٹر نے اس کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ بدعتی علماء کے فتووں نے جو کام دیا ہے وہ سخت سے سخت سزاؤں نے نہیں دیا، اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے، اس کا نام ہے ’’ہمارے ہندوستانی مسلمان‘‘(۱)۔ اب جو شخص بھی پابند شریعت اور متبع سنت دیندار ہے، بدعت سے پرہیز کرتا ہے اس کو وہابی کہتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو نفرت دلاتے ہیں، خوف یہ ہے کہ اگر لوگ ان کے وعظ کو سنیں گے، ان کی کتابوں کو پڑھیں گے، ان کی مجلس میں بیٹھیں گے تو بدعت سے متنفر ہو جائیں گے اور ان بدعتی علماء سے کٹ جائیں گے، تاہم اب لوگ اتنے بے خبر نہیں رہے کہ ان کو اندھیرے میں رکھا جائے بلکہ اب ان پر حقیقت روشن ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بدعتی علماء پریشان ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۶ھ۔

---

(۱) اس کتاب کے چند اقتباسات مختصر طور پر ذکر کئے جاتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: پہلی شئی یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرایا جائے اور دوسرے کوئی دستور یا طریقہ ایسا اختیار نہ کیا جائے، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کے وقت میں نہ تھا......۲۳،۱۸۲۲ء میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دیدیا گیا، انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جوان کے عقائد کے مطابق تھا، اس کے بانی نے مغربی ایشیا میں ایک دینی سلطنت قائم کرلی تھی، بعینہ جیسے کہ سید احمد صاحب ہندوستان میں قائم کرنے کی امید رکھتے تھے، اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس مذہب کی آئندہ ترقی کے واقعات کو یہاں تھوڑے عرصہ کے لئے ختم کردیں، اور عرب میں وہابیوں کی ترقی و زوال کی مختصر داستان بیان کریں‘‘ ص: ۵۱۔ .... =

= ''ایک سو پچاس برس ہوئے ایک نوجوان عرب حاجی جس کا نام عبدالوہاب تھا......اپنے ہمراہی حاجیوں کی بدمعاشی اور ریاکاری سے جس سے اماکن مقدسہ کی بے حرمتی کی جارہی تھی سخت دلگیر ہوا،......اور آخر کاران بدعات کے انسداد کے لئے میدانِ عمل میں نکل پڑا، لیکن قسطنطنیہ کے کارپردازوں نے اس کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا......لہذا عبدالوہاب کو شہر بشہر خارج ہونا پڑا، آخرالامر اس نے درایہ کے سردار محمد بن مسعود کے ہاں پناہ لی......اپنے نئے مرید سے مل کر......اس نے ایک مختصری عرب لیگ کی بنیاد رکھی اور قسطنطنیہ کی حکومت کی غلط کاریوں کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اب انہیں فتح پر فتح ہورہی تھی... نجد کا بہت سا حصہ فتح ہوگیا۔ عبدالوہاب اس کا روحانی پیشوا تھا۔ ...انہوں نے مطیع شدہ صوبہ جات میں اپنے نائب مقرر کئے، اوران کو سختی کے ساتھ اپنا اطاعت گزار بنائے رکھا'' ص:۵۲۔

''چنانچہ مصلحین کی یہ جماعت قدرتاً ایک جنگجو فرقہ تھا اور نہایت دلیری کے ساتھ اپنے عقائد کو تلوار کے ساتھ منواتا تھا... ترکوں نے اپنی ذلیل شہوت پرستی کو مقدس شہروں میں پھیلا دیا تھا ...ایسی عادتیں جن کو قرآن نے قطعاً ناجائز قرار دیا ہے، وہ مقدس شہر میں شراب کا نہایت ہی نفرت انگیز منظر پیش کرتے تھے، یہی وہ عملی اور ظاہری بے حرمتیاں تھیں جن کے خلاف عبدالوہاب نے سب سے پہلے آواز اٹھائی، مگر آہستہ آہستہ یہ ایک دینی فرقہ بن گیا، جو وہابیت کے نام سے مشہور ہے، ہندوستانی فرقہ کا بھی بڑی حد تک یہی عقیدہ ہے...... اس کے سات بڑے بڑے اصول ہیں'' الخ۔ ص:۵۳۔

''عبدالوہاب کا انتقال ۱۷۸۷ء میں ہوا، اور وہ اپنی تمام فتوحات کو ایک قابل جانشین کے سپرد کر گیا، ۱۷۹۱ء میں وہابیوں نے شریفِ مکہ سے ایک کامیاب جنگ کی، ۱۷۹۷ء میں انہوں نے بغداد کے پاشا کو بہت خونریزی کے ساتھ پسپا کردیا ....۱۸۰۱ء میں انہوں نے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، اور ۱۸۰۳ء میں اس مقدس شہر کو فتح کرلیا، اسلام کے ان دو مستحکم مراکز میں مصلحین نے ہر اس باشندے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے ان کے طریقے کو ماننے سے انکار کردیا۔ مسلمان بزرگوں کے خانقاہوں کو لوٹا اور بے حرمت کیا، حتی کہ مسجدِ نبوی تک کو بھی نہ چھوڑا'' ص:۵۴۔

''آخر کار محمد علی پاشا والیٔ مصر مصلحین کو تباہ وبرباد کرنے میں کامیاب ہوگیا، ۱۸۱۲ء میں تھومس کیتھ جو (سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا) پاشا کے لڑکے کے ماتحت مدینہ شریف پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ ۱۸۱۳ء میں مکہ معظمہ پر بھی قبضہ ہوگیا اور اس کے پانچ سال بعد یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصۂ شہود پر آئی تھی، اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہوگئی'' ۔ص:۵۵۔

''بہر حال ہندوستان کے وہابی مسلمانوں میں ایسے اصول کی اشاعت کرتے ہیں جس کی سختی ان تمام تکالیف کو لازم کردیتی ہے، سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب مکہ ہی میں تھے، تو حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقائد بھی ان صحرائی بدوؤں کی جماعت کے مطابق ہیں جن کی وجہ سے مقدس مقامات کو ایسے ایسے نقصانات اٹھانے =

وہابی کی تعریف

أيها العلماء الكرام والفضلاء العظام والمفتيون لشرع المتين والمحققون في أمور الدين! أنتم لنا ساداتنا و مركز علوم ديننا، أفتونا في هذه المسائل المندرجة الذيل، توجروا بالأجر الجزيل، واستخلصونا من أفواه المخالفين والمعاندين، ستخلصكم الله تعالى في الدارين. آمين يا رب العالمين۔

۱...... من الوهابي و ما اعتقادهم وأعمالهم؟ و يقولون أصحاب الهوى، الذين عبيد الدنيا و لا يجتنبون عن البدعات والشبهات و يظنون الجواز، ولا يتميزون بين الحلال والحرام والصدق والكذب، ولا يبالون على افتراء المشايخ الذين يعملون بالسنة والكتاب والمذهب واختتموا أعمارهم لصفوة الدين والمذهب: أن الوهابي من اعتقد اعتقاد عبد الوهاب النجدي وعلى أيّ اعتقادٍ مضى و بأي صفةٍ يُذَمّ، بل نرى أن من يعمل بالقرآن والحديث والمذهب و يجتنب عن البدعات والشبهات ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكرات والإختراعات، و يخالف المبتدعين بالرد والقدح، أو سكت من الكل و لا يوافقهم بالعمل والقول۔ يقولون: إن هذا هوالوهابي، و هو خارج من أهل السنة والجماعة، ولا تجوز خلفه الصلوة، و هكذا يضلون العوام بالوساوس والخداع، و يفتون على الفور بالوهابيات، و ما الحكم لمثل هذا المفتي هل هو من أهل السنة والجماعة أم كيف؟ بينوا بالتحقيق، هذا مرض لا علاج له يزداد يوماً فيوماً۔

= پڑے، پہلے جو چیز ان کی نظر میں محض خواب وخیال تھی، اب وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا، پہلے جو کچھ ان کی تعلیم میں ابہام تھا، اب اس نے خوفناک اور باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کرلی، جس سے عبدالوہاب نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی تھی، اور جس سے سید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو امید تھی کہ وہ ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ عظیم الشان اور پائیدار سلطنت قائم کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان، ترجمہ Our Induan Muslmans مصنف: W-W Hunter، باب دوم، ص: ۵۱۔ ۵۶)

۲...... ما الحکم للمفسد الذی ذکرت أحواله فی الواقعة؟ و هل تجوز الفتنةُ المذکورةُ و سوءُ الأدب الذی ذکر بمثل هذین الأمرین، وحرکتُه و عداوتُه من توهین العلماء أم کیف؟ و هل هو من أهل السنة والجماعة، و یقع علی زوجته الطلاق و یلزم علیه التوبة أم کیف؟ بیّنوا بالنظر والغور العمیق۔

۳...... ما تقولون فی حق الذی یجتنب عن الإختر عات والمنہیات والشبہات ولا یضع القدم خلاف المذهب، ولا یتبع أهل الهواء بالقول والفعل، و یخالفهم بالرد والقدح، ویجتنب عن المسائل الجدیدة المروجة بالرد والقدح أو السکوت عنها وعدم العمل علی المسائل التی لم تذکر فی الکتب المشهورة، و هل یکون الرجل وهابیاً و لا تجوز الصلوة خلفه أم کیف؟ و ما تقولون فی حق الإمام الذی ذکرت أحواله فی الواقعة هل أقواله و أفعاله موافقة بالسنة والکتاب والمذهب أم لا؟ وأفعاله خلاف التقوی أم عین التقوی، وما الفرق بین الفتوی والتقوی، وأیّ للعلماء الکرام أقوی ؟

المستفتی: فدوی محمد بدرالدجی عفی عنہ، ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

۱...... محمد بن عبد الوهاب النجدی کان متبعاً لسنة، ولکنه کان متشدداً فی الاعتقاد والقول والعمل، وکان قلیل البضاعة من العلم والفهم والعقل، فصدر منه بعض الأفعال والأقوال وصار سبباً لهیجان الفتن(۱)، وأما الیوم فی دیارنا فالإصطلاح ماقلتم من یستن بسنن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم، و یمنع عن البدع، فهو یسمی فی أفواه أهل الهواء "وهابیاً" فإلی الله المشتکی:

---

(۱) تقدم تخریجه من رد المحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۲/۴: سعید) (و راجع للتفصیل کتاب: "ہمارے ہندوستانی مسلمان" ترجمه Our Indian Muslmans (مصنف) W-W Hunten و قد تقدمت نبذة منه)

۲-۳......قد علم مما ذكرنا حكمها، صاحب التقوى أورع و صاحب الفتوى أوسع، و هو داخل تحت حدود الشرع، وإذا جاوزها فقد تعدى: ﴿و من يتعد حدود الله فقد، ظلم نفسه﴾(۱)۔ فقط والله سبحانه تعالى أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی بمدرسۃ مظاہر علوم سہارنفور الہند۔

الجواب صحيح: سعيد أحمد غفر له المبتلىٰ بأمانة الإفتاء بالمدرسة العلية المشتهر بمظاهر علوم الواقعة ببلدة سهارنفور. يوبى، ۷/ جمادى الأولى / ٦۷ هـ۔

---

(۱) (سورة الطلاق: ۱)

ترجمہ:

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

۱...... وہابی کون ہیں ان کے عقائد واعمال کیا ہیں؟ اہل ہوا دنیا پرست بدعات وشبہات سے اجتناب نہ کرنے والے ہر چیز میں جواز کو تلاش کرنے والے، حلال وحرام، صدق وکذب میں تمیز نہ کرنے والے اوران مشائخ پر جو کتاب وسنت پر عامل ہیں جن کی عمریں خالص دین ومذہب کی اشاعت میں صرف ہوگئیں افتراء کرنے والے یوں کہتے ہیں کہ وہابی وہ شخص ہے جو عبد الوہاب نجدی جیسے عقائد رکھتا ہے۔

اس کے اعتقادات کیا تھے اور کس بنا پر اس کی مذمت کی جاتی ہے؟ بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث اور مذہب پر عامل ہو، بدعات وشبہات سے اجتناب کرتا ہو، امر بالمعروف کرتا ہو، منکرات ومخترعات سے روکتا ہو، مبتدعین کی ردو قدح کے ساتھ مخالفت کرتا ہو، یا پھر تمام امور کے متعلق خاموش رہتا ہو، قول وعمل میں ان کی موافقت نہ کرتا ہو اس کے بارے میں یہ مبتدعین کہتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں، اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اسی طرح عوام کو وساوس اور دھوکہ سے گمراہ کرتے ہیں اور فوراً وہابی ہونے کا فتوی دے دیتے ہیں۔

ایسے مفتی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ اہلسنت والجماعت سے ہے؟ تحقیق کے ساتھ بیان فرمائیں، یہ ایسا لاعلاج مرض ہے جو دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

۲......جس مفسد کے احوال ذکر کئے گئے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ کیا فتنہ مذکورہ اور سوءِ ادب جو ذکر کیا گیا ان دوامر کے ساتھ، اس کی حرکت وعداوت اور علماء کی توہین جائز ہے؟ اور کیا وہ اہلسنت والجماعت سے ہے اس کی بیوی پر طلاق واقع .....=

وہابی کون ہے؟

سوال [۷۸۴]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ کو چھوڑنے والوں پر درجہ بدرجہ الگ الگ کیا شرعی سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں؟ نیز فرض، واجب، سنت مؤکدہ کو چھوڑ کر مستحبات پر عمل کرایا جانا کیسا ہے؟ اور کیا یہ اعمال قابلِ قبول ہوں گے؟ نیز مستحبات نہ کرنے والوں کو وہابی کہنا کیسا ہے؟ وہابی کی تعریف بھی بتا دیجئے؟

ہو جائے گی؟ اور کیا اس پر توبہ لازم ہے؟

۳ ان لوگوں کے حق میں کیا رائے ہے جو محدثات، منہیات اور شبہات سے اجتناب کرتے ہیں، مذہب کے خلاف ایک قدم نہیں چلتے، اہل ہوا کا قولاً وفعلاً کسی طرح اتباع نہیں کرتے بلکہ رد وقدح کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور جدید رائج شدہ مسائل سے رد وقدح کے ساتھ یا ان سے سکوت کرتے ہوئے اجتناب کرتے ہیں، جو مسائل کتب مشہورہ میں مذکور نہیں ان پر عمل نہیں کرتے، کیا وہ آدمی وہابی ہو جاتا ہے؟

اس کے پیچھے نماز جائز نہیں رہتی یا کیا حکم ہے؟ اور اس امام کے بارے میں کیا رائے ہے جس کے احوال ذکر کئے گئے کیا اس کے اقوال وافعال، سنت، کتاب ومذہب کے موافق ہیں یا نہیں؟ اسکے افعال تقوی کے خلاف ہیں یا عین تقوی ہیں؟ تقوی اور فتوی میں کیا فرق ہے اور کونسا علماء کرام کے لئے اقوی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱…محمد بن عبدالوہاب نجدی متبع سنت تھے لیکن اعتقاد، قول اور عمل میں متشدد تھے، علم وفہم اور عقل کم تھی اس لئے ان سے بعض افعال واقوال ایسے صادر ہوگئے جو فتنوں کے رونما ہونے کا سبب بن گئے۔ لیکن آج ہمارے علاقہ میں وہابی وہی ہے جس کو سائل نے بیان کیا ہے یعنی جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کا متبع ہو، بدعات سے روکتا ہو وہی شخص اہل ہوا کی اصطلاح میں وہابی ہے۔ پس شکوہ اللہ ہی سے ہے۔

۳،۲…ان دونوں کا حکم ماسبق سے معلوم ہوگیا، صاحب تقوی اورع ہے اور صاحب فتوی اوسع ہے حدود شرع کے تحت داخل ہیں اور جب وہ حدود شرع سے نکلے گا تو تجاوز کر جائے گا اور "جو شخص حدود شرع سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین المفتی بمدرسۃ مظاہر علوم سہارنفور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ المبتلی بأمانۃ الافتاء بالمدرسۃ العلیۃ المشتهر بمظاهر علوم الواقعۃ ببلدۃ سهارنفور. یوبی، ۷/ جمادی الأولیٰ ۶۷ھ.

الجواب حامداً و مصلیاً:

فرض کا درجہ سب سے زیادہ ہے، اس کا منکر کافر ہوتا ہے، اس کے بعد واجب کا درجہ ہے(۱)، سنتیں اور مستحبات یہ دونوں (فرض وواجب) کی تکمیل کے لئے ہیں (۲)، فرائض کو ترک کر کے مستحبات پر عمل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص رمضان المبارک میں فرض روزے کو ترک کرے اور سحری اہتمام سے کھائے حالانکہ سحری تو روزہ پر قوت حاصل کرنے کے لئے ہے(۳)، فرض وواجب کے ترک پر عقاب ہے اور سنت کے ترک پر عتاب اور مستحب کے ترک پر کوئی وعید نہیں (۴)۔

---

(۱) "وأما الفرض فحكمه اللزوم علماً بالعقل و تصديقاً بالقلب، وهو الإسلام، و عملاً بالبدن وهو من أركان الشرائع، و يكفر جاحده، و يفسق تاركه بلا عذر، و أما حكم الوجوب فلزومه عملاً بمنزلة الفرض لا علماً على اليقين؛ لما في دليله من الشبهة حتى لا يكفر جاحده، و يفسق تاركه". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۲۵، رشيديه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الوضوء، ص: ۵۲، قديمي)

(والمغني لأبي محمد عمر الخبازي، باب النهي، فصل في العزيمة والرخصة، ص: ۸۳، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

(و نور الأنوار، بحث الفريضة والواجب والسنة، ص: ۱۲۶، سعيد)

(۲) "ولأنها لإكمال الفرض: أي السنة، و ذكر باعتبار أنها مأمور به، و عبارته في الشرح أولى حيث قال: و تكون السنة لإكمال الفرض في محله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء: ۱۷، قديمي)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارة: ۱/۱۹، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في حاشية اللكنوي رحمه الله تعالىٰ على الهداية: ۱/۱۹، مكتبه شركة علميه)

(۳) "قلت: في زماننا لا يطلقون السحور إلا على ما يؤكل ليلاً لأجل الصوم". (رد المحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب: ۳/۷۸۱، سعيد)

(۴) "قال القهستاني: حكمها (أي حكم السنة) كالواجب في المطالبة في الدنيا إلا أن تاركه (أي الواجب) يعاقب و تاركها (أي السنة) يعاتب اهـ. و في الجوهرة عن القنية: تاركها فاسق وجاحدها مبتدع الخ". (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۲۴، قديمي) =

ڈیڑھ سو پونے دوسو سال پہلے عرب میں ایک شخص محمد بن عبدالوہاب کی طرف ایک جماعت منسوب تھی اس کے بعض نظریات ائمہ اربعہ سے الگ تھے، اس جماعت نے اس وقت کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہا تھا حکومت نے مقابلہ کر کے ۱۲۳۳ھ میں اس کو شکست دے کر جماعت کو ختم کر دیا تھا وہ جماعت بہت بدنام ہو چکی۔ اس کے قریب ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلے کے حضرات نے جہاد کا نظم قائم کیا اور جگہ جگہ دشمن اسلام سے مقابلہ کیا، انگریز نے ان کو بدنام کرنے کے لئے یہ لفظ ''وہابی'' ان کے واسطے ایجاد کیا اور کہا ان کا تعلق محمد بن عبدالوہاب نجدی کی جماعت سے ہے اور بدعتی علماء سے ان کے خلاف فتوے حاصل کئے، اب کیفیت یہ ہے کہ جو شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر اس کے حدود کی رعایت رکھتے ہوئے عمل کرتا ہے اور سنت کا اتباع کرتا ہے اور بدعات سے پرہیز کرتا ہے اس کو وہابی کہا جاتا ہے اور بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ آقائے نامدار سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا بلکہ شان اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبی کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تارکِ فرائض سنی کہلانے کا حقدار ہے؟

سوال[۷۸۵]: زید اپنے آپ کو پکا سنی مسلمان کہتا ہے، زید نہ تو پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے، نہ استنجاء پاک کرتا ہے اور نہ رمضان المبارک کے فرض روزے رکھتا ہے، زکوۃ بھی ادا نہیں کرتا، اس کے باوجود زید اپنے آپ کو قوم کا سردار بھی کہتا ہے اور قوم کے آدمی بھی اس کے حکم کو مانتے ہیں، اس حالت میں زید اور ایسی قوم کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

= "وفیہا: "وقیل: ما (أی المستحب) یمدح بہ المکلف ولا یذم علی ترکہ". فصل من آداب الوضوء الخ، ص: ۷۵، قدیمی)

(۱) (تقدم تخریجہ من رد المحتار، کتاب الجہاد، باب البغاۃ: ۴/۲۶۲، سعید، و ''ہمارے ہندوستانی مسلمان، باب دوم، ص: ۵۱-۵۶'')

الجواب حامداً ومصلیاً :

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو زید تارک فرائض ہے اور سخت گناہگار ہے (۱) جس کی ساری زندگی خلافِ سنت ہو وہ سنی کیسے کہلائے گا، وہ سردار بننے کا بھی حقدار نہیں (۲)، ایسے آدمی کو سردار بنانا بڑی بدقسمتی اور محرومی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کسی کام کو کسی کی سنت کہنا

سوال [۷۸۶]: کیا یہ کہنا کہ یہ کام فلاں صاحب کی سنت ہے غلط ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کہنا کہ یہ کام فلاں صاحب، مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے غلط نہیں جب کہ وہ کام واقعۃً ان کی سنت ہو (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "أوصاني خليلي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن لا تشرك بالله شيئاً وإن قطعت و حرقت ، و لا تترك صلوة مكتوبةً متعمداً، فمن تركها متعمداً ، فقد برئت منه الذمة، و لا تشرب الخمر ؛ فإنها مفتاح كل شر". (ابن ماجه ، كتاب الفتن ، باب الصبر على البلاء ، ص: ۲۹۲ ، قديمي)

(۲) کیونکہ تارکِ سنت فاسق ہے، اور فاسق کو امیر یا سردار بنانا مکروہ ہے: " و يكره تقليد الفاسق ، و يعزل به إلا لفتنة، و يجب أن يدعى له بالصلاح". (الدر المختار، كتاب الصلوة ، باب الإمامة: ۱/۵۴۸، ۵۴۹، سعيد)

(۳) "عن العرباض بن سارية قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات يوم ، ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا ...... الحديث، و فيه : "فإنه من يعش منكم ، فسيرى اختلافاً كثيراً ، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ...... اهـ" (رواه أبو داود في الديات، باب لزوم السنة : ۲/۲۸۷، مكتبه امداديه ملتان)

(وأحمد في مسنده : ۵/۱۰۹ ، رقم الحديث: ۱۶۶۹۵ ، دار إحيا التراث العربي)

(وابن ماجه في باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، ص: ۵ قديمي)

و قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ : "قال التوربشتي : و أما ذكر سنتهم في مقابلة سنته ؛ لأنه علم =

مستحب پر اصرار

سوال[۷۸۷]: اگر کوئی شخص پھول، مالا اور دعاءِ ثانیہ وغیرہ کرنے والا نہ کرنے والے کو ملامت نہ کرے تو کیا ایسی صورتوں میں ان امورِ مستحبہ کو کرسکتا ہے اور بدعت میں داخل نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو کر اس میں کراہت آجاتی ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهية" (سباحة الفكر) (۱)، اگر یہ شان نہ ہو تو استحباب باقی رہتا ہے اور جس چیز کے استحباب کا ثبوت شرعی دلائل سے نہ ہو اس کے متعلق یہ بحث نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایضاً

سوال[۷۸۸]: التزام کی کراہت کے متعلق جو علامہ طیبی کی عبارت: "من أصر على مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة" (۲) کا حوالہ دیا گیا ہے تو اس عبارت میں جو "عزماً" کا لفظ ہے اس کی تشریح "منتہی الارب" میں یہ مرقوم ہے: "عزمة بالفتح واجب وثابت، وعزمة من عزمات الله تعالى: أي حق من حقوقه أو واجب مما أوجبه". یعنی مستحب کو واجب جان کر جب اصرار ہوگا تو مذموم

= أنهم لا يخطئون فيما يستخرجون من سنته". (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الإيمان، باب الإعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۴۰۹، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) (مجموعه رسائل اللكهنوى، سباحة الفكر، الباب الأول: ۳/۲۹۰، إدارة القرآن)

(وكذا السعاية على شرح الوقاية اللكنوى رحمه الله تعالى، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في المرقاة شرح المشكوة، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء في التشهد، كتاب الصلوة، الفصل الأول: ۳/۳۱، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه)

ہوگا اور مستحب کو مستحب جان کر جب اصرار ہوگا تو یہ محمود ہوگا، چنانچہ اس کا فیصلہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: "إنما الأعمال بالنیات"۔ مداومت کا ہونا یا التزام میں داخل نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے: "أحب الأمور إلی اللہ أدومہا"۔ لہٰذا التزام کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمائیے ورنہ یہ تحریر فرمائیے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مستحب پر (یعنی مباح الترک اعتقاد کرتے ہوئے) مداومت موجب کراہت نہیں بلکہ اصرار موجب کراہت ہے (والفرق بین المداومة والإصرار لا یخفی علی من له أدنی ممارسة بالفقه)۔ جن سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا ماثور ومنقول ہے ان پر بھی مداومت اس طرح کہ ان کے علاوہ اور سورتیں نہ پڑھیں اگر چہ اعتقاداً جائز سمجھتا ہو مکروہ ہے:

"ویکره أن یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوة(۱) کالسجدة والإنسان لفجر الجمعة، و الجمعة والمنافقین للجمعة، قال الطحاوی والإسبیجابی: هذا إذا رآه حتماً یکره غیره، أما لو قرأ للتیسیر علیه أو تبرکاً بقرأته صلی اللہ تعالی علیه وسلم فلا کراهة، لکن بشرط أن یقرأ غیرهما أحیاناً؛ لئلا یظن الجاهل أن غیرهما لا یجوز، و لا تحریر فی هذه العبارة بعد العلم بأن الکلام فی المداومة، والحق أن المداومة مطلقاً مکروهة سواء رآه حتماً یکره غیره أولا اهـ" فتح القدیر: ۱/۲۳۸(۲)۔ والمسئلة مذکورة فی شرح النقایة: ۱/۸۳(۳)، و تبیین

(۱) (الهدایة، قبیل باب الإمامة، کتاب الصلوة: ۱/۱۲۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل فی القرآءة: ۱/۳۳۷، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(و بمعناه فی العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر، فصل فی القرآءة: ۱/۳۳۷، مصطفی البابی الحلبی)

(۳) "وکره عندنا وعندمالک تعیین سورة: أی غیر الفاتحة لصلوة من الصلاة، واستحب الشافعی قرآءة سورة السجدة وهل أتی فی الفجر کل جمعة ...... وقید الطحاوی والاسبیجابی الکراهة فیما إذا اعتقد أن الصلوة لاتجوز بغیرها، وأما إذالم یعتقد ذلک ولازمها ...... وقراءة السجدة وهل أتی فی بعض =

الحقائق: ۱/۱۳۱، (۱) وغیرھما۔

اس کراہت کا ماخذ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جس کو مسند احمد میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے: "مـن لـم يقبل رخصة الله (أي لم يعمل بها) كان عليه من الإثم مثل جبال عرفة" (فـي عـظـمهـا)". السراج المنير: ۳/۳۴۹ (۲) جب کسی شی کی ایک جانب مستحب ہے تو دوسری جانب کے ترک کی یقیناً رخصت ہوگی، اب اگر جانب مستحب پر اس طرح عمل کیا جائے کہ جانب رخصت بالکلیہ متروک ہو جائے تو اس مستحب کو درجہ وجوب حاصل ہو جائے گا اعتقاداً ہو یا عملاً، خود عامل کے حق میں ہو یا دوسرے دیکھنے والوں کے حق میں، یہ ایک مفسدہ ہے جس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جانب رخصت پر بھی کبھی کبھی عمل کیا جائے: "لأن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه"۔ الحدیث (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ۶۶ھ۔

تنبیہ: طرز سوال مناظرانہ ہے مستفتیانہ نہیں اس کے متعلق پہلے بھی عرض کیا تھا۔ فـي الـجـواب كفـاية لـمـن أراد الهـداية وأمـا الـمـجـادل فـلا يـقـنع إلا بالمجادلة ۔سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ شعبان/ ۶۲ھ۔

= الأحيان في فجر الجمعة فلا يكره بل يكون حسناً". (شرح النقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سنة القرأة في الصلاة: ۱/۸۳، اعزازیه)

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، أواخر باب صفة الصلوة: ۱/۳۳۷، دار الكتب العلمية)

(و كذا في حاشية الشلبي على التبيين، المصدر السابق لتبيين الحقائق)

(۲) (مسـند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني رحمه الله تعالى: ۲/۱۸۲، رقم الحديث: ۵۳۶۹، دار إحياء التراث العربي)

وكـذا ذكر الإمام أحمد رحمه الله تعالى أيضاً: "عن عقبة بن عامرة الجهني رضي الله تعالى عنه قال: قـال رسـول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "من لم يقبل رخصة الله عز وجل، كان عليه من الذنوب مثل جبال عرفة". (مسند أحمد بن حنبل: ۵/۱۲۰، رقم الحديث: ۱۶۹۹۷، دار إحياء التراث العربي)

(۳) ذكـره الـمـلا عـلى القاري في المرقاة باللفظ المذكور. (كتاب الصلوة باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه) =

اصلاح کی نیت سے بدعات میں شرکت

[۷۸۹] **الاستفتاء**: بعض مقامات پر دیوبندی، بریلوی سے قطع نظر ہوکر صرف آبائی تقلید کی وجہ سے بعض بدعات اس طرح گھٹی میں پڑی ہیں کہ اگر منع کریں تو مانع کو خارج از محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی خاطر بہ نیتِ اصلاح داخل ہوجائیں اور بدعات کو اختیار کرلیں اور شدہ شدہ سنت کے طریق پر لانے کی کوشش کریں تو یہ مستحسن ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعات میں کسی کی خاطر شرکت کرنے کے بعد شدہ شدہ اصلاح کرنا دشوار ہوجاتا ہے بلکہ بدعات کا بدعات ہونا بھی ذہن سے نکل جاتا ہے، پھر اصلاح کا خیال بھی نہیں رہتا، اگر رہا بھی تو جس چیز کو اپنے عمل سے پختہ کردیا گیا ہے اس سے عوام کو منع کرنے کی ہمت باقی نہیں رہتی، اگر منع کیا جائے تو لوگ ہرگز تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ایسے مقتدا کو غیظ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں، اس کی نظائر بھی موجود ہیں۔ غور سے سنئے دو چیزیں ہیں: پہلی حفاظتِ دین، دوسری اشاعتِ دین، اول مقدم ہے ثانی مؤخر، ثانی کی خاطر اول کو ضائع کرنا تو دین ودانشمندی نہیں (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۸۵/۱۰/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

= وقد ذكره الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ في مسنده مرفوعاً في موضعين بلفظ: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله يحب أن تؤتى رخصه، كما يكره أن تؤتى معصيته". (۲/۲۴۹، ۲۵۰، رقم الحديثين: ۵۸۳۲، ۵۸۳۹، دار إحياء التراث العربي)

(۱) "وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: وكان — والله — من الفقهاء ذوي الألباب".

"وعن العوام بن حوشب أنه كان يقول لابنه: "يا عيسى! أصلح قلبك وأقلل مالك، وكان =

اصلاح کی نیت سے بدعتیوں کے ساتھ امام صاحب کی کھانے میں شرکت

سوال[۷۹۰]: ایک شخص جو کہ عالم بھی ہے اور جائز ناجائز سے بھی اچھی طرح واقف ہے وہ ایک جگہ پر امامت کرتے ہیں، مقتدی ان کے اکثر بدعتی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مروجہ تیجہ، چالیسواں وغیرہ سب کچھ کرتے ہیں، یہ عالم صاحب بجائے ان کو منع کرنے اور سمجھانے کے خود بھی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی جملہ مبتدعہ رسومات میں شریک ہوتے ہیں اور دعوت وغیرہ کا کھانا وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔ جب ان سے دوسرے لوگوں نے سمجھانے کے طور سے کہا تو جواباً فرمایا کہ آپ بھی تو بے نمازی داڑھی، منڈوں کے ساتھ کھاتے ہیں، پس جس طریقہ سے وہ ناجائز یا حرام ہے اسی طریقہ سے تیجہ، چالیسواں بھی سمجھ لیجئے اور پھر فرمایا کہ اگر ہم آپ کی بات کو تسلیم کرلیں اور ان کی رسومات میں شریک نہ ہوں اور نہ ہی ان کے رسمی کھانے کو کھایا جائے تو ہمیں اپنی امامت کے چلے جانے کا خطرہ ہے۔ ایک موقع پر جب ایک دوسرے عالم صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کا موقع ملا تو عالم صاحب نے فرمایا کہ "اگر تم ان کی اصلاح کی غرض سے جاتے ہو تو اس میں گنجائش ہے ورنہ نہیں"، اس کے بعد انھوں نے عالم صاحب کے سامنے عذر رکھا کہ میں تو صرف ان کی اصلاح کی غرض سے شرکت کرتا ہوں، اور پھر اپنے ہمنوا لوگوں سے یہی فرمایا کہ میں تو فلاں عالم سے بھی کہہ آیا ہوں کہ میں تو برابر اسی طریقہ سے شرکت کرتا رہوں گا۔

۱..... عالم صاحب کا ان کے ساتھ شریک ہوکر دعوت کھانا، تیجہ اور چالیسواں وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... عالم صاحب کی یہ مثال پیش کرنا کہ بے نمازی اور ڈاڑھی منڈوں کے ساتھ کھانا پینا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ تیجہ، چالیسواں کا کھانا، آیا عالم صاحب کی یہ تمثیل صحیح ہے یا دونوں کھانوں میں کوئی فرق ہے؟ تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

۳..... محض امامت کے چلے جانے کے خطرہ سے ایسی رسومات میں شرکت کرنے کی گنجائش ہے؟ واضح طور پر مدلل بیان فرمائیں۔

= يقول: والله لأن أرى عيسى في مجالس أهل البرابط والأشربة والباطل أحب إلي من أن أراه يجالس أصحاب الخصومات، قال ابن وضاح: يعني أهل البدع". (الإعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ٦٥، ٦٦، دار المعرفة بيروت)

۴......امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۵......ایسے امام سے میل جول رکھنا از روئے شرع روا ہے یا ممنوع؟

۶......عالم ثانی کا قول کہ اصلاح کی غرض سے جانے کی گنجائش ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناجائز رسوم وبدعات میں شرکت کرنا مداہنت اور ممنوع ہے: ﴿ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾ الآیة (۱)۔ اس سے ان بدعات کو فروغ ہوتا ہے حالانکہ ان کی اصلاح لازم ہے۔

۲......ڈاڑھی منڈانا حرام ہے (۲)، لیکن جو شخص ڈاڑھی منڈے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے وہ کھانا کسی رسم قبیح اور بدعت کا کھانا نہیں بلکہ اگر اصلاح کی نیت ہو اور نرمی سے سمجھایا جائے تو اخلاق سے متاثر ہو کر اصلاح کی توقع ہے (۳) اس لئے یہ مثال صحیح نہیں، یہ مثال اس وقت صحیح ہوتی کہ اس کی خاطر ڈاڑھی منڈا دی جاتی۔ نعوذ باللہ منہ۔

۳......امامت تو دین کو قائم کرنے کے لئے ہے، محض روپیہ کی خاطر بدعات کو فروغ دینا اور مقتدیوں کی ہاں میں ہاں ملانا منصب امامت کے خلاف ہے اور اس منصب جلیل کو ذلیل کرنا ہے (۴)۔

---

(۱) (الأنعام: ۶۸)

(۲) "یحرم علی الرجل قطع لحیته". (الدر المختار، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۶/۴۰۷، ایچ ایم سعید)

(۳) "عن تمیم الداری رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الدین النصیحة". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

قال النووی رحمه الله تعالی تحته: "أما نصیحة عامة المسلمین وهم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم فی آخرتهم ودنیاهم ..... وأمرهم بالمعروف ونهیهم عن المنکر برفق وإخلاص، والشفقة علیهم ..... وتخولهم بالموعظة الحسنة ..... وحثهم علی التخلق بجمیع ما ذکرناه من أنواع النصیحة وتنشیط هممهم إلی الطاعات ..... قال إبن بطال رحمه الله تعالیٰ: ..... والنصیحة لازمة علی قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه یقبل نصحه ویطاع أمره الخ". (شرح النووی علی مسلم، ص: ۱/۵۴، قدیمی)

(۴) "فإن کان ممن یقتدی به فلم یقدر علی منعهم، خرج ولم یقعد؛ لأن فی ذلک شین الدین، وفتح =

۴......جو مقتدی ان بدعات میں مبتلا ہیں وہ تو ان ہی سے بہت خوش ہوں گے، اور جو مقتدی متبع سنت اور بدعات سے متنفر ہیں ان کو پریشانی ہوگی، بہتر یہ ہے کہ امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ بدعات سے پرہیز کریں، اگر امام صاحب نہ مانیں بلکہ بدعات پر مصر رہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے: "ویکره إمامة عبد وفاسق ومبتدع الخ". كذا في الدر المختار: ۱/۳۷۶(۱)۔

۵......ان کے ساتھ بدعات میں شریک ہونا تو جائز نہیں، معاملات کی اجازت ہے۔

۶......اصلاح کرنا لازم ہے مگر ان کے ساتھ بدعات میں شرکت کرنے سے امام صاحب دوسروں کی تو کیا اصلاح کرتے خود مبتلا ہو جاتے ہیں (۲)۔ ہاں اگر ان کی بات میں اثر ہے اور وہاں جا کر بدعات کو روک دیں اور لوگ توبہ کرلیں تو یقیناً اعلیٰ مقام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

بدعتی سے میل جول

سوال [۱۷۹۱]: اگر کوئی شخص عبادت گذار پابند صوم وصلوٰۃ ہو لیکن بدعات میں مبتلا ہو اس کے یہاں کھانا کھانا میل جول رکھنا کیسا ہے؟ عبداللہ صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے ساتھ میل جول رکھنے اور اسکے یہاں کھانا کھانے سے اس کی اصلاح کی توقع ہو تو میل جول رکھنا بہتر ہے، اگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہو تو میل جول نہیں

= باب المعصية على المسلمين". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس: ۸/۳۴۶، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "وعن الحسن: "ولا تجالس صاحب هوى، فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك". (الإعتصام، باب في ذم البدع الخ، ص: ۶۵، دار المعرفه بيروت)

رکھنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

رضا خانیوں کے ساتھ معاملہ

سوال[۷۹۲]: یہاں پر جو اپنے کوسنی کہتے ہیں وہ لوگ پیروں کے مزار پر جا کر پوجا پاٹ کرتے ہیں اور علماء حق کو گالی دیتے ہیں، مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دیتے ہیں، اور ''بہشتی زیور'' کو غلط بتلاتے ہیں(۲) ایسے موقع پر اگر کسی کو غیر معمولی جوش آجائے اس قسم کی بدتہذیبی اور توہین کرنے والے کو قتل کردے اور خود بھی اس کے ہاتھ سے مر جائے یا پھانسی آجائے تو شہادت ہوگی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قتل کرنا اور سزا میں پھانسی چڑھ جانا اصل علاج نہیں ہے(۳) ان کو صحیح راہ دکھلانا حسن تدبیر ہے،

---

(۱)''وعن الحسن: لا تجالس صاحب هوى، فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه، فيمرض قلبك''. وعن ابراهيم : و لا تكلموهم إني أخاف أن ترتد قلوبكم''.

''وعن يحيى بن أبي كثير رحمه الله تعالىٰ قال: إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في طريق آخر''. (الإعتصام للعلامة الشاطبي رحمه الله تعالىٰ، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۲۶، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۲) ''وعن معاذ بن معاذ قال: قلت لعمرو بن عبيد: ..... قال الراوي: قلت: ليس هكذا يقول أصحابنا، قال: ومن أصحابك لا أبا لك؟ قلت: أيوب، ويونس، وابن عون، والتيمي، قال: أولئك أنجاس، أرجاس، أموات غير أحياء. فهكذا أهل الضلال يسبون السلف الصالح، لعل بضاعتهم تنفق ..... وأصل هذا الفساد من قبل الخوارج، فهم أول من لعن السلف الصالح''. (الإعتصام، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۹۵، دار المعرفة بيروت).

(۳)قال العلامة الشاطبي رحمه الله تعالىٰ باحثاً عن الحكم في القيام على أهل البدع: ''فنقول: إن القيام عليهم بالتثريب أو التنكيل أو الطرد أو الإبعاد أو الإنكار هو بحسب حال البدعة في نفسها من كونها عظيمة المفسدة في الدين أم لا، وكون صاحبها مشتهراً بها أولا، وداعياً إليها أولا ؟ ..... فخرج من =

بزرگوں سے ان کی ملاقات کرائی جائے، ان کے صحیح حالات بتائے جائیں، ان کی دینی خدمات دکھلائی جائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی جائے کہ وہی مقلب القلوب ہے، کوئی ایسا اقدام کہ جس سے آدمی خود بھی فتنہ میں مبتلا ہو اور اس سے دوسری جگہ بھی فتنہ پیدا ہو ہرگز نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۵/ ۸۷ھ۔

بدعتی اور متبع سنت عالم کے پرکھنے کا طریقہ

سوال [۷۹۳]: زید کہتا ہے کہ علمائے دیوبند وعلماء بریلوی دونوں نے قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں کتابیں لکھی ہیں اور دونوں کا دعویٰ ہے کہ ہم حق پر ہیں، تقریر میں بھی دونوں طرف سے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سامنے آتی ہیں۔ اب عوام کیا کریں، کس کی بات پر عمل کریں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سب تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی غور کریں، جواب خود بخود سامنے آجائے گا، وہ یہ ہے کہ جب آپ علمائے دیوبند کو حق پر سمجھتے ہیں تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اس طریقے کو اختیار کیجئے، یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں کہ غیر حق کو اختیار کریں۔ اصل یہ ہے کہ طالب حق کے پاس اگر دلائل کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہے تو وہ کچھ وقت ہفتہ دو ہفتہ فارغ کر کے ایک جماعت کے مقتدیٰ کے پاس رہے اور بہت غور سے اس کی عادات، معاملات، معاشرت، اپنوں سے تعلق، غیروں سے تعلق، تنہائی کے اوقات، لوگوں کے ساتھ معاملات کو دیکھے، پھر اسی طرح دوسری جماعت کے مقتدیٰ کے پاس رہے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے، اللہ پاک اس کو ہدایت دیں گے، اور دل میں بات آجائے گی کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے، دوسروں کی ہمدردی ہے، اتباع سنت ہے، خدا کا خوف ہے، خدمتِ دین کا جذبہ ہے، صبر وتحمل ہے، تواضع ہے، سخاوت ہے، غرض حضرت رسول مقبول

= مجموع ما تكلم فيه العلماء أنواع: أحدها: الإرشاد والتعليم وإقامة الحجة، كمسألة ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما حين ذهب إلى الخوارج، فكلمهم حتى رجع منهم ألفان أو ثلاثة آلاف". (الإعتصام، باب في أن ذم البدع والمحدثات عام الخ، فصل ويتعلق بهذا الفصل أمر آخر، ص: ۱۴۰، دار المعرفة بيروت)

صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ ہیں۔ اور فلاں شخص میں ریا کاری ہے، نفس پروری ہے، خواہش نفسانی کا اتباع ہے، بجائے خوفِ خدا کے دنیا والوں کا خوف ہے، بجائے خدمت دین کے جاہ ومال مطلوب ہے، بے صبری ہے، بے قراری ہے، تکبر ہے، بخل ہے وغیرہ وغیرہ۔ جس میں پہلی قسم کی صفاتِ عالیہ ہوں وہ اس قابل ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے، راس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کیا جائے، جس میں دوسری قسم کی صفات ہوں اس سے دوری اختیار کی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿واتبع سبیل من أناب إلیّ﴾ (لقمان: ۱۵)

مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان

فاتحہ مروجہ

سوال[۷۹۴]: کھانے کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ کیا بغیر سامنے رکھے ثواب نہ پہونچے گا؟ کھانے کا ثواب غریبوں کو کھلانے سے پہلے میت کو پہنچانے سے پہونچے گا یا نہیں؟ بغیر فاتحہ پڑھے کھانا غریبوں کو کھلا کر میت کو ثواب بخشنے سے میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو ثواب ہر نیکی کا پہونچایا جاسکتا ہے، کھانا، کپڑا، غلہ، نقد جو بھی غریب محتاج کو دیدی جائے اور میت کو ثواب پہونچانے کی نیت کرلی جائے اس سے ثواب پہونچ جاتا ہے، اسی طرح قرآن کریم، نوافل، تسبیح پڑھ کر بھی ثواب پہونچ جاتا ہے، زبان سے بھی کہدے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے۔ روزہ اور حج کا ثواب بھی پہونچایا جاسکتا ہے اس کے لئے دلائلِ شرعیہ موجود ہیں۔ ہدایہ میں (۱) اور دیگر کتب فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہ۔

"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره الخ". الدر المختار۔ "سواء كانت صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قرأةً أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك" رد المحتار ۲/۲۳۶ (۲)۔

---

(۱) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

لیکن کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہونچتا یہ غلط ہے، کسی دلیل سے ثابت نہیں اس سے پرہیز لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۷۹۵]: فاتحہ مروّجہ حال یعنی کھانا، مٹھائی سامنے رکھ کر قرآن کی کچھ آیتیں یا سورتیں پڑھ کر اس کھانے اور قرآن کا ثواب میت کو پہونچاتے ہیں اور اس طریقہ سے نہ کرائیں تو ان کی سمجھ میں ثواب نہیں پہنچتا اور تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کرتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں، اگر کوئی اس مروجہ طریقہ کو منع کرے تو اس کو وہابی کہتے ہیں۔کیا یہ طریقہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور خاص کر امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے ثابت ہے، اگر ہے تو ان کی کس کتاب میں ہے؟ مع جلد صفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا التزامِ تاریخ ومہینہ وغیرہ کے نفس ثواب پہنچانا قرآن کریم پڑھ کر، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء و مساکین کو کھانا کھلا کر، کپڑا وغیرہ دے کر، بلاشبہ بہتر و مستحسن ہے، شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۲) لیکن فاتحہ مروجہ(۳) تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں(۴) یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل ہیں

---

(۱)" قال العلامة اللكنوى رحمه الله تعالىٰ فى الفاتحة المروّجة: ''ایں طور مخصوص نہ درزمانِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود، و نہ درزمانِ خلفاء، بلکہ وجودِ آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ، وحالاً در حرمین شریفین -زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً- عاداتِ خواص نیست.......... وایں را ضروری دانستن مذموم است الخ''۔(مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اكيڈمى، لاهور)

(۲)(تقدم تخريجه من ردالمحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد، تحت عنوان: ''فاتحہ مروجہ'')

(والهداية، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه، رقم الحاشيه: ۱)

(والبحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵ رشيديه)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، كتابالحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲ مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر) .... =

اور بدعت وممنوع ہیں، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، نہ تابعین عظام کا، نہ تبع تابعین کا، نہ امام اعظم کا، نہ ان کی کسی کتاب میں منقول ہیں (۱)۔ جو شخص اس کا مدعی ہے اس سے پوچھنا چاہئے کہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب آ زر جندی کی حقیقت اور فاتحہ مروجہ

سوال[۶۹۲]: استفتاء: ما قولکم فی هذه المسئلة رحمکم الله تعالی أیها العلماء؟

ایک شخص فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلیل میں دو روایتیں پیش کرتا ہے:

۱..... ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتویٰ ''آ زر جندی'' میں روایت نقل کرتے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ اور چھوارے لاکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس پر ایک مروجہ طریقہ کے مطابق ہاتھ اٹھا کر چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ثواب روح اپنے صاحبزادے کو بخشا''۔ انتہی ملخصاً۔

= (۳) (تقدم تخریجه من مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اکیڈمی، تحت عنوان: ''فاتحہ مروجہ'')

(۴) "وفی البزازیة: "ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلی المقابر ... الخ". (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

(و کذا فی البزازیة، کتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر: ۴/۸۱، رشیدیه)

(و کذا فی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، قبیل فصل فی زیارة القبور: ۲۱۷، ۲۱۸، قدیمی)

و المراقی فی هذا الموضع: "و هی بدعة مستقبحة". (ص: ۲۱۸)

(۱) "البدعة: و هی کما فی المغرب إسم من ابتدع الأمر إذا ابتداه وأحدثه ... ثم غلبت علی ما هو زیادة فی الدین، أو نقصان منه، و عرفها الشمنی بأنها ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشیدیه)

۲......ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک کنواں کھدوایا تھا، تیار ہوجانے پر ہاتھ اٹھا کر فرمایا: "اللھم ھذہ لأم سعد" (۱)۔ اس سے بھی فاتحہ مروجہ کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

۳......فاتحہ علی الطعام اور رفع یدین علی الطعام کے بارے میں فقہاء کے کچھ اقوال ہیں مجوزین فاتحہ کے دلائل کے جوابات کس کتاب میں ملیں گے؟

۴...... جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ "جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی"، اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۲)۔ کہتے ہیں: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم﴾۔ الآیۃ (۳) قول اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے۔ تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

---

(۱) "عن سعد بن عبادہ رضي الله تعالیٰ عنه قال: یارسول الله! إن أم سعد ماتت، فأيّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء"، فحفر بئراً، وقال: هذه لأم سعد". رواه أبوداود والنسائي". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قديمي)

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ایک تو رفع یدین کا ذکر نہیں، دوسرا یہ کہ "ھذہ لأم سعد" کس کا مقولہ ہے، ظاہر یہ ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے، پھر بھی استدلال تام نہیں بلکہ ایصال ثواب زبان سے کرنا اس سے مراد ہے۔

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: مر النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم علی قبرين، فقال: "إنهما يعذبان" .... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس علی هذا واحداً وعلی هذا واحداً، وقال: "لعله يخفّف عنهما ما لم ييبسا". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الإستبراء من البول: ۱/۴، دار الحديث ملتان)

(و رواه البخاري في الجنائز، باب الجريد علی القبر: ۱/۱۸۱، ۱۸۲، قديمي)

(۳) (الإسراء: ۴۴)

۵...... براہین قاطعہ میں "لا صلوۃ بحضرۃ الطعام" (۱) سے عدم جواز دعاء علی الطعام لایصال الثواب پر استدلال کیا گیا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ اس کھانے کے واسطے ہے جو اپنے کھانے کے واسطے ہو، دوسرے کھانے پر دعاء کرنا اس حدیث سے ناجائز نہیں۔

المستفتی: محمد فاروق، مقام اتراؤں، ضلع الہ آباد، ۲۸/شوال ۷۰ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱،۲...... یہ کتاب ملاعلی قاری کی تصنیف نہیں اور یہ روایت بھی صحیح نہیں، کتب حدیث میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں (۲)۔ مولانا عبدالحیٔ نے اس کو موضوع لکھا ہے، فتاوی رشیدیہ حصہ اول ص: ۱۰۴ و۱۰۵ و۱۰۶، پر اس روایت کے متعلق تفصیلی رد موجود ہے (۳) اور دہلی، لکھنو، مرادآباد، پانی پت وغیرہ کے بہت سے علماء کے

---

(۱) (براهین قاطعه، ص: ۹۰، ۹۱، دار الاشاعت کراچی)

(والحديث أخرجه البخاري في الأذان، باب إذا حضر الطعام الخ: ۹۲/۱، قديمي)

(و مسلم في: باب كراهة الصلوة بحضرة الطعام الذي يريد أكله الخ: ۲۰۸/۱، قديمي)

(۲) روایت کو فتاوی رشیدیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: "قال: كان اليوم الثالث عن وفات إبراهيم بن محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، جاء أبو ذر رضي الله تعالىٰ عنه عندالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، معه تمرة يابسة ولبن الناقة وخبز الشعير، فوضعها عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقرأ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفاتحة مرةً و سورة الإخلاص ثلاث مرات، و قرأ: "أللهم صل على محمد أنت لها أهل"، فرفع يديه و مسح وجهه، فأمر بأبي ذر أن يقسمهما، و قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثواب هذه الأطعمة لإبراهيم". (باب البدعات، ص: ۴۴۶، سعید)

(۳) "نہ کتاب آزرجندی از تصانیفِ ملاعلی قاری است، و نہ روایتِ مذکورہ صحیح و معتبر است، بلکہ موضوع است و باطل، برآں اعتماد نشاید، در کتب حدیث نشانے از ینچو روایت یافتہ نمی شود" حررہ ...... أبو الحسنات. مهر: (أبو الحسنات محمدعبد الحی)

"یہ حدیث وضعی ہے اور بنانے والا اس کا کاذب اور مفتری ہے اور آزرجندی کوئی کتاب ملاعلی قاری کی تصنیف سے نہیں ہے"۔ انتہی بلفظہٖ محمد صدرالدین صدر الصدور دہلی"۔ (فتاوی رشیدیه، باب البدعات، ص: ۴۴۶، سعید)

دستخط اس پر متفقہ ہیں (۱) اس روایت سے فاتحہ مروجہ پر استدلال کس طرح ہوا، کیا فاتحہ پڑھی ہے یا کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا ہے (۲)۔

۳.....فتح العزیز، شرح سفر السعادت (۳) فتاوی رشیدیہ (۴) براہین قاطعہ (۵) فتاوی دار العلوم (۶) امداد الفتاوی (۷) مائۃ مسائل (۸) وغیرہ میں اس طریقہ مروجہ کی ممانعت مذکور ہے اور بغیر رفع یدین

---

(۱) جن حضرات کے دستخط اور مہریں موجود ہیں ان کے لئے فتاوی رشیدیہ باب البدعات ص:۴۴۶، ملاحظہ فرمائیں:

(۲) قاعدہ مسلمہ ہے کہ کسی دلیل میں کئی احتمالات ہوں تو اس سے استدلال درست نہیں ہوتا ہے۔

(۳) ''وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقتِ نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند، نہ بر سرِ گور و نہ غیر آں، و ایں مجموع بدعت است و مکروہ، نعم تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن سنت و مستحب است، اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بوصیت از حق یتامی بدعت است و حرام''۔ (شرح سفر السعادات للعلامۃ اللکنوی، ص: ۲۷۳، طبع منشی نول کشور)

(۴) ''سامنے کھانا یا کچھ شیرینی رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھنا درست ہے یا نہیں الخ''۔

''جواب: فاتحہ مروجہ شرعاً درست نہیں ہے بلکہ بدعت سیئہ ہے، کذا فی اربعین وفتاوی سمرقندی، فقط''۔ (فتاوی رشیدیہ، باب البدعات، ص:۴۴۹، سعید)

(۵) (براہین قاطعہ، ص:۹۰-۹۳، دار الاشاعت کراچی)

(۶) ''مگر فاتحہ کی جو رسم ہندوستانی مسلمانوں میں رائج ہے وہ نہ سنت ہے، نہ مستحب، نہ مباح، بلکہ سراسر سنتِ سَنیۂ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہے.........پس اس بارے میں سنت سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ کھانے سے پہلے ''بسم اللہ'' اور ختم طعام پر ''الحمد للہ'' پڑھی جائے اور یہی طریقہ زمانہ صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہاء مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور حرمین شریفین کے رہنے والوں میں رائج ہوا، بلکہ تمام ملکِ حجاز میں آج تک اسی طرح جاری ہے۔ اس صورت میں فاتحہ مروجہ مسلمانانِ ہند بلاشبہ ناروا اور ناجائز ہے''۔ (فتاوی دار العلوم المسمی بعزیز الفتاوی کتاب، السنۃ والبدعۃ، ص: ۱۱۰، ۱۱۱)

(۷) ''سوم و دہم و چہلم وغیرہ..... و آنکہ طعام رو برو نہادہ چیزے خوانند، ایں ہم طریقۂ ہنود است، ترک چنیں رسوم واجب است کہ ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' و ہر گاہ طعام چنیں بدعات متلبس شد، بہتر آنکہ ایں چنیں طعام نخوردہ شود الخ''۔ (امداد الفتاوی، کتاب البدعات: ۵/۲۶۰-۲۶۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۸) ''مقرر کردن روز برائے فاتحۂ چہلم از شرع ثابت نہ شدہ، و معیّن نمودن روز برائے فاتحہ =

وغیرہ کے نفس سوئم وغیرہ کی ممانعت "فتح القدیر" (۱) "فتاوی بزازیہ" (۲) "شامی" (۳) وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے۔

۴..... اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوگیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے (۴) کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۃً حاضر ہوکر مقابر اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے (۵) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

= چهلم ساعتقادِ آنکه قبل از چهل روز و بعد از چهل روز ثواب طعام بمرده نخواهد رسید، یا در روزِ چهلم زیاده تر ثواب خواهد رسید غیر جائز است، و غیر جائز نمودن گناه است. و اصرار بر آن کبیره است، و طریق فاتحه که در مردمان رواج دارد که ایصالِ ثواب طعام بدونِ قرأت سورهٔ فاتحه وغیره بمرده نمی رسید، این هم از کتابی نیست، بلکه در چهلم وغیره طعام ساختن اعتبارے ندارد الخ". (مائة مسائل، سوال شانزدهم، ص: ۳۴، کتب خانه گلزار استاد مردان)

(۱) " و يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة". (فتح القدير، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) وفي البزازية : "و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد". (كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز الخ، نوع آخر: ۴/۸۱، رشيديه)

(۳) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۴) "قال المازري: يحتمل أن يكون أوحي إليه أن العذاب يخفف عنهما هذه المدة". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۳۲۵، قديمي)

(۵) "قلت ..... إن كانوا يدعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين ... الخ". (البدر الساري على حاشية فيض الباري، باب من الكبائر أن ... الخ: ۱/۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

خصوصیت تھی (١) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ "لعلّ" فرمایا ہے (٢)۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "إن إلقاء الریاحین لیس بشيء اھ" (٣)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری: ١/٢٧٧ میں لکھا ہے (٤):

"وأما حدیث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمین، ففي روایة ابن ماجة: "مر بقبرین جدیدین" (٥)، فانتفی كونهما في الجاهلیة، وفي حدیث أبي أمامة عند أحمد(٦): أنه صلی الله تعالی علیه وسلم مر بالبقیع فقال: "من دفنتم الیوم ههنا"؟ فهذا یدل علی أنهما كانا مسلمین۔ وفي روایة أبي بكرة عند أحمد(٧) والطبراني (٨) بإسناد صحیح: "یعذبان، وما یعذبان في كبیر، وما یعذبان إلا في الغیبة والبول". فهذا الحصر ینفي كونهما

---

(١) "بعض العلماء قال: إنها واقعة عین یحتمل أن تكون مخصوصة بمن اطلعه الله تعالیٰ علی حال المیت". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجریدة علی القبر: ٣/٢٢٢، دار المعرفة)

"وقد استنكر الخطابي ومن تبعه وضع الناس الجریدة ونحوه في القبر عملاً بهذا الحدیث، قال الطرطوسي: لأن ذلك خاص ببركة یده ... الخ". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لایستتر من بوله: ١/٤٢٥، قدیمي)

(وكذا في فیض الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن ... الخ: ١/٣١١، خضر راه بكدپو دیوبند)

(٢) "و"لعل" للترجي.

(٣) (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا یستتر من بوله: ٣/١٨٠، دار الكتب العلمیه بیروت)

(٤) (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لایستتر من بوله: ١/٤٢٦، قدیمي)

(٥) (سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب التشدید في البول، ص: ٢٩، قدیمي)

(٦) (مسند الإمام أحمد، حدیث أبي أمامة، رقم الحدیث: ٢١٧٨٩، ٥/٣٥٧، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(٧) (مسند الإمام أحمد، حدیث أبي بكرة نفیع بن حارث، رقم الحدیث: ١٩٨٦٠، ٥/١٣، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(٨) "عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مرّ النبي ﷺ بقبرین یعذبان، فقال: "إنهما یعذبان، وما =

كانا كافرين؛ لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلا خلاف"(۱)۔

۵...... تخصیص کی دلیل کیا ہے جب کہ الفاظ عام ہیں (۲) اور جواز کی دلیل کونسی حدیث ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت نہیں

سوال [۷۹۷]: کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، امام حسن، حسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت غوث پاک، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کھانے کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بخشا تھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اکابر تو متبع شریعت اور پابند سنت تھے یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= يعذبان في كبير، كان أحدهما لا يتنزه من البول". الحديث. رواه الطبراني في الأوسط". (مجمع الزوائد: ۱/ ۲۰۷، دار الفكر)

(۱) (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/ ۴۲۶، قديمي)

(۲) ایصالِ ثواب عبادت ہے اور عبادت میں جو دلیل عام ہو، اسکی تخصیص رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" قلت: ثم رأيت أنهم كلهم لا يكترثون بتخصيص الأحاديث الواردة في الأخلاق والمعاملات، ويخصونها بالرأي ابتداءً بلا نكير، بخلاف العبادات ..... الخ". (مقدمة فيض الباري، تخصيص العام بالرأي: ۱/ ۲۳، خضر راه بكذبو ديوبند)

(۳) (تقدم تخريجه من مجموعة الفتاوى للكنوى رحمه الله تعالىٰ على هامش خلاصة الفتاوى، أبواب الجنائز: ۱/ ۱۹۵: امجد اكيڈمي، تحت عنوان: "فاتحہ مروجہ")

شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ

سوال[۷۹۸]: مولوی رحمت اللہ صاحب نقشبندی ہمارے گاؤں میں ایک صاحب ہر سال تعزیہ نکالتے تھے اب انہوں نے یہ سلسلہ بند کردیا ہے، اب وہ شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ کرتے ہیں اور مساکین کو کھانا اور کپڑا تقسیم کرتے ہیں۔ کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیہ کا بند کردینا تو بہت ضروری تھا(۱)، سو بند کردیا، فالحمد للہ علی ذلک، شہدائے کربلا یا دیگر اکابر واقرباء کے لئے ایصال ثواب کرنا بغیر کسی ثابت شدہ پابندی وتقیید کے درست اور باعث اجر ہے(۲)۔ مگر اس قسم کے امور جہاں تک ہوسکے مخفی طور پر کئے جائیں جن میں شہرت اور نمود نہ ہو، اگر ناموری کے لئے کئے جائیں گے تو اجر ضائع ہوجائے گا، ریاکاری کا وبال مستقل ہوگا جو کہ سخت ترین معصیت ہے(۳)۔

---

(۱) "فقال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ماعليه، سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

اس حدیث شریف کا تقاضا یہ ہے کہ اس جیسے منکرات کو ختم کیا جائے۔

(۲) (تقدم تخريجه من الهداية باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(والبحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، مصطفى البابي مصر، و رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵ سعيد)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و نحن نتذاكر المسيح الدجال، فقال: "ألاأخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من مسيح الدجال"؟ قال: فقلنا: بلىٰ، فقال: "الشرك الخفي أن يقوم الرجل يصلي، فيزين صلوته لمايرى من نظر رجل".

"و عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من يسمّع، يسمّع الله به، و من يرآء يرآء الله به". (رواهما ابن ماجه في الزهد، باب الرياء والسمعة، ص: ۳۱۰، قديمي) .... =

جو فاتحہ کا طریقہ آج کل رائج ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر مخصوص آیات اور سورتیں پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہونچتا (خواہ عملاً ہی سہی) بالکل غلط ہے (۱)، تاریخ یا دن کی تعیین وتقیید بھی اس کام کے لئے شرعاً ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال [۷۹۹]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہونچ کر کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بالکل بے اصل (۳) اور خلاف سنت ہے (۴)، اس کو ترک کرنا لازم ہے (۵)، اس میں شریک نہ

= قال العلامة المناوی رحمه الله تعالى: "وقد سئل الشافعي رحمه الله تعالى عن الرياء، فقال على البديهة: هو فتنة عقدها الهوى حيال أبصار قلوب العلماء، فنظروا بسوء إختيار النفوس، فأحبطت أعمالهم". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۸۰۹، مكتبه نزار رياض)

(۱) (تقدم تخريجه من مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اكيڈمی، تحت عنوان: "فاتحہ مروجہ")

(۲) (تقدم تخريجه من رد المحتار: ۲/۲۴۰، والبزازية: ۴/۸۱، و مراقي الفلاح، ص: ۶۱۷، ۶۱۸، تحت عنوان: "ایضاً"، بعد عنوان: "فاتحہ مروجہ")

(۳) "این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود و نہ در زمانِ خلفاء، بلکہ وجود آن در قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر از منقول نشدہ، وحالاً در حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً عاداتِ خواص نیست ..... و این را ضروری دانستن مذموم است"۔ (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اكيڈمی)

(۴) تعزیت میں مستحب یہ ہے کہ دفن کے متصل بعد اہل میت کے پاس آکر ان کو تسلی دی جائے اور ان کے لئے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، اس کے بعد تمام اپنے اپنے کام میں مصروف ہوں۔ (كما في رد المحتار: كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۱، سعيد)

(۵) قال المناوی رحمه الله تعالى تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هذا": أي أنشأ و اخترع وأتى بأمر =

ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قلِ پنچایت اور فاتحہ

سوال[۸۰۰]: فاتحہ دینی درست ہے تو کس طرح؟ اور اس طریقہ پر فاتحہ دینی کیسی ہے کہ ایک شخص کے سامنے کھانا ایک رکابی میں اور پانی گلاس وغیرہ میں رکھنا اور ہاتھ اٹھا کر درود شریف وسورہ فاتحہ وسورہ اخلاص پڑھ کر اس کھانے کو بچوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب معتبرہ بیان کیجئے اور قل پنچایت اور ختم وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

شریف احمد انبہٹوی، متعلم مدرسہ ہذا، ۶۰/۱۰/۱۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ طریقہ شرعاً بے اصل، بدعت، ناجائز اور قابلِ ترک ہے۔ ثواب پہونچانے کا شریعت کے موافق طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر کسی غریب کو کھانا، کپڑا وغیرہ کوئی چیز دے کر دعا کرے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں شخص کو پہونچادے، اگر تمام مسلمانوں کی نیت کرے تو اور زیادہ اچھا ہے:

"(ولهذا اختاروا): أي الشافعية في الدعاء: اللهم أوصل مثل ثواب ما قرأته إلى فلان، أما عندنا (أي الحنفية) فالواصل إليه نفس الثواب۔ وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة۔ كذا في البدائع"۔ شامي: ۱/۹۴۳ (۲)۔

"وعن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛

= حديث من قبل نفسه..... (ما ليس منه) أي رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار رياض)

(۱) "عن المرجئة، فقال: حدثني عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله: ۱/۱۲، قديمي)

(۲) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

لأنها تصل إليهم، لا ينقص من أجره شيء اهـ"۔ رد المحتار: ۲/۱۰۸(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۱۱/۱۱/۶۰ھ۔

ختم کے بعد کھانا

سوال[۸۰۱]: ۱..... اکثر لوگ عورتوں اور مردوں کو جمع کر کے ایک ایک پارہ قرآن مجید کا ہر شخص کو دیکر پڑھواتے ہیں یا یتیم خانہ کے بچوں کو بلا کر قرآن شریف پڑھوا کر اپنے مرحوم رشتہ داروں کو ثواب پہونچاتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ تو نہیں ہے؟ یہ بدعت ہے یا نہیں؟ واضح رہے پڑھوانے کے بعد بچوں کو کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

یٰسین شریف کا ختم

سوال[۸۰۲]: ۲..... بہت سی عورتیں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے یٰسین شریف ۴۱/ یا ۱۷/ بار پڑھ کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور سب کو پہونچا کر اپنے واسطے دعا کر لیتی ہیں۔ یہ طریقہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا مفید ہے ہرگز گناہ نہیں(۲) لیکن اس کے لئے یہ صورت اختیار کرنا کہ مجمع اکٹھا کیا جائے(۳) اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلایا جائے یہ ثابت نہیں، یہ کھانا پڑھنے اور ختم کرنے کی

---

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه من الهداية، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، شركت علميه) (ورد المحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

(والبحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(والعناية على الهداية على هامش فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص، واو را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت =

اُجرت کے درجہ میں آتا ہے جو کہ شرعاً منع ہے۔ فتاویٰ بزازیہ، ردالمحتار وغیرہ میں اس کو بدعت اور مکروہ لکھا ہے اس کو اُجرت کے تحت پڑھنے سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے(۱)۔

۲......سورہ یٰسین شریف کو ۴۱/ یا ۷/ دفعہ پڑھ کر دعا کرنے کا عمل اگر تجربہ سے مفید ثابت ہو اور اس سے مصائب دور ہو جاتے ہوں تو درست ہے(۲)۔ مصائب دور کرنے کے لئے اصل عمل حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا اور گناہوں سے پرہیز، نیز سنت کی اشاعت کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

وظیفہ سورہ یٰسین کے ختم پر شیرینی

سوال: یٰسین شریف تین دن وظیفہ کے طور پر ۴۱، ۴۱/ بار پڑھنے پر تینوں دن کوئی میٹھی چیز تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

= نیست، صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ رسم ..... الخ" از لکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ".
(فتاوی رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۴۴۸، سعید)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ بعد بحث طويل في تنقيح المسئلة: "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت و لا للقارى، وقال العيني رحمه الله تعالىٰ في شرح الهداية: و يمنع القارى للدنيا، و الآخذ والمعطى آثمان، .... فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة لما قرأ أحدٌ لأحدٍ في هذا الزمان ..... الخ". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن والحرف: ۳۹/۵، رشيديه)

(۲) یعنی بطور رقیہ جائز، ایسا کرنا جائز ہے کما قالہ ابن عابدين: "اختلف في الاستشفاء بالقرآن بأن يقرأ على المريض أو الملدوغ الفاتحة ..... قال رضي الله تعالىٰ عنه: وعلى الجواز عمل الناس اليوم". (رد المحتار كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶۴/۶، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً :

فی نفسہ اس میں کوئی خرابی نہیں، نہ شریعت میں اس کا کوئی حکم ہے، ممکن ہے کہ یہ تجربہ کی چیز ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

ختم قرآن پر دعوت

سوال[۸۰۴] : میرے بچہ نے قرآن شریف حفظ کرلیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کرکے شیرینی تقسیم کردوں، کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کرلینا بہت بڑی دولت ہے، اگر شکرانہ کے طور پر احباب ومتعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء واحباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدردانی ہے ممنوع نہیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب وتبلیغ میں معین ہوجائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کرکے احباب و غرباء کو کھلا دیا تھا(۱) اس لئے سلف صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے(۲) ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول

(۱) "مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال: تعلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ البقرة فی اثنتی عشرة سنةً، فلما ختمها نحر جزوراً". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی : ۳۰/۱، رقم: ۴۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) ﴿و ما أمروا إلا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفآء﴾. (البینة : ۵)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ : "إن اللہ لا ینظر إلی صورکم وأموالکم، ولکن ینظر إلی قلوبکم و أعمالکم". (مشکوة المصابیح ، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، الفصل الأول ،ص: ۴۵۴، رقم الحدیث : ۵۳۱۴، قدیمی)

نہیں (۱) اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے (۲) مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کرلی تو اور پریشانی ہوگی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء دیدی جائیں (۳) اور بچہ نے جہاں ختم کیا ہے، وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شیرینی وغیرہ دیدی جائے اور مدرسہ کی امداد کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۸۹ھ۔

ایمان کے شکر میں ختم

سوال [۸۰۵]: اپنے ایمان کو تازہ اور مسلمان ہونے کے شکر پر اگر کچھ عورتیں ایک جگہ جمع ہوکر یٰسین شریف یا قرآن شریف پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایمان کے شکریہ میں جمع ہوکر یٰسین شریف یا قرآن شریف کا ختم کرنا ثابت نہیں، ایمان کا شکر تو یہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں پر پختگی سے عمل کیا جائے اور جو چیزیں ناجائز ہیں ان سے پورا پرہیز کیا جائے (۴) فی

---

(۱) "عن أبي سعيد عن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "من یسمع یسمع اللہ به، و من یرآء یرآء اللہ به" (ابن ماجه في الزهد، باب الریاء والسمعة، ص: ۳۱۰، قدیمی)

(وأیضاً راجع ماتقدم من فیض القدیر قول الإمام الشافعي رحمه اللہ تعالیٰ في الریآء، تحت عنوان: "شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ")

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یعلم ما تسرون و ما تعلنون، واللہ علیم بذات الصدور﴾. (التغابن: ۴)

وقال تعالیٰ: ﴿قل إن تخفوا ما في صدورکم أو تبدوه، یعلمه اللہ﴾. (آل عمران: ۲۹)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هي، وإن تخفوها و تؤتوها الفقرآء، فهو خیر لکم﴾. (البقرة: ۲۷۱)

(۴) أخرج الإمام البخاري في الإیمان: "عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشیر رضي اللہ تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "الحلال بیّن والحرام بیّن، و بینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس، فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه و عرضه، و من وقع في الشبهات کراع یرعی حول الحمی یوشک أن یواقعه، ألا! وإن لکل ملک حمی، ألا! و إن حمی اللہ في الأرض=

نفسہ قرآن پاک کی تلاوت یا سورہ یٰسین کی تلاوت میں دینی ودنیاوی منافع بہت ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۳/۶/۹۰ھ۔

ختم خواجگاں پر دوام برائے حصول مقصد

سوال[۸۰۶]: ایک جامع مسجد کے متعلق چند کوٹھریاں ہیں اوراس کے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے، اس مدرسہ اور کوٹھریوں میں عرصہ سے ایک غیر مسلم سے مقدمہ چل رہا تھا، مسلمان مناسب پیروی نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اَور وجہ سے ہار گئے اور مدرسہ اور کوٹھریاں منہدم کردی گئیں، اب پھر اپیل کی گئی ہے۔اس مقدمہ میں کامیابی کے لئے ایک مسجد میں روزانہ دعائے ختم خواجگاں بلا ناغہ پڑھی جارہی ہے، کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس اہتمام کے ساتھ بلا ناغہ کوئی دعاء پڑھنا درست نہیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کردینا چاہئے۔لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی اس میں کوئی قباحت ہے تو آگاہ فرمایئے اور کوئی مناسب طریقہ بتلایئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ ختم خواجگاں اوراس کے بعد دعاء ایسا ہے جیسے کہ بیمار کے لئے دوا، جب تک بیماری ہے اس کے دفعیہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے،لیکن بیماری طویل ہونے کی وجہ سے دوا بھی بہت دیر تک چلتی ہے، پس جس مقصد کے لئے یہ ختم کیا جاتا ہے اس مقصد کے حاصل ہونے پر یا اس مقصد کو ترک کردینے یا اس سے مایوس ہوجانے پر اس کو ترک کردیا جائے، نیز اس پر جبر نہ کیا جائے کہ لوگ اس کو تعبدی اور دائمی امر سمجھنے لگیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۳/۷/۸۹ھ۔

ختم قرآن پر مٹھائی

سوال[۸۰۷]: عام طور سے قرآن پاک کا ختم کیا جاتا ہے اور بعد میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اس

= محارمه، ألا! و إن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کله، وإذا فسدت فسد الجسد کله، ألا! و هی القلب". (باب فضل من استبرأ لدینه : ۱/۱۳ ، قدیمی)

(۱) (کما مر من الهدایة و رد المحتار والعنایة علی الهدایة والبحر الرائق تحت عنوان: "فاتحہ مروجہ"، وراجع لمزید التفصیل کتاب "فضائل القرآن" لشیخ الحدیث محمد زکریا رحمه الله تعالیٰ)

3

میں بعض حفاظ ایسے بھی شریک ہوتے ہیں جنہیں اگر مٹھائی نہ ملے تو افسوس کرتے ہیں اور آئندہ آنے میں عذر کردیتے ہیں۔ اس قسم کی قرآن خوانی کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حفاظ شیرینی کو اپنا حق الخدمت یعنی اجرت قرأت تصور کرتے ہیں اگرچہ اس کا نام اجرت نہ رکھیں، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے(۱)۔

اگر چندہ کرکے تقسیم کی جائے تو اس میں عموماً رعایت حدود نہیں کی جاتی بلکہ کہیں جبر کی صورت ہوتی ہے(۲) کہیں ریا اور تفاخر کی (۳) بعض دفعہ بچوں (۴) اور بڑوں کا مجمع ہوتا ہے اور وہ شور وغل چھینا جھپٹی

---

(۱) (تقدم تخریجه من رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۲، سعید، تحت عنوان: "یٰسین شریف کاختم")

(والبزازیة علی هامش الهندیة، نوع فی تعلیم القرآن والحرف: ۳۹/۴، رشیدیه)

(وکذا فی شفاء العلیل و بل الغلیل الخ من مجموعة الرسائل لابن عابدین: ۱۶۹/۱، مکتبه سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) جبراً کسی کا مال وصول کرکے کھانا جائز نہیں، ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: "عن أبی حرة الرقاشی، عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع باب الغصب والعاریة ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۳) کسی بھی عمل میں ریا اور نمود کو مذموم قرار دیا گیا ہے: " عن أبی سعید رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من یسمع یسمع الله به، و من یرآئ، یرآئ الله به". (ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الریاء والسمعة، ص: ۳۱۰، قدیمی)

(۴) "و یحرم إدخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم و إلا فیکره". (الدر المختار) و قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "و یحرم الخ" لما أخرجه المنذری مرفوعاً: " جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم ..... و رفع أصواتکم" ..... الحدیث. والمراد بالحرمة کراهة التحریم ..... و علیه فقوله: وإلا فیکره: أی تنزیهاً تأمل". (رد المحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، ۶۵۷، سعید)

کرتا ہے (۱)۔ بعض لوگ مٹھائی کے لالچ میں پیروں کی پاکی کا اہتمام کئے بغیر مسجد میں آجاتے ہیں جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا (۲) ان صورتوں میں ناجائز ہونا شدید تر ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ختم قرآن کے دن جھنڈیاں وغیرہ لگانا

سوال [۸۰۸]: کسی مسجد میں حافظ قرآن تراویح پڑھاتا ہے اور اس مسجد میں ختم قرآن کے دن خلاف شرع باتیں دیکھے، درمیان میں معلوم ہوجائے کہ اس مسجد میں چندہ وغیر چندہ کی رقم سے ختم قرآن کے دن کاغذ کی جھنڈیاں چراغاں کرنا اور تقسیم شیرینی کرنا باجودیکہ حافظ قرآن نے متعدد بار اس رسم کو منع کرنے کو بھی کہا کہ بدعت ہے مگر پھر بھی یہ مقتدی اپنی ضد پر قائم ہیں، تو ایسی مسجد میں حافظ کو ختم قرآن تک تراویح پڑھانا کیسا ہے، یا برابر کی مسجد میں پڑھتا رہے، بعد منع کرنے کے اس مسجد میں تراویح پڑھانے کو ترک کردے اور بقیہ قرآن کہیں اور سنا کر ختم کردے؟

ختم قرآن میں چراغاں

سوال [۸۰۹]: ۲..... بعض لوگ ختم قرآن کے سلسلہ میں تراویح میں مثال دیتے ہیں کہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں تو جھاڑ، فانوس، شمع کافوری اور کثرت سے چراغاں ہوتا ہے، اگر ناجائز ہے تو کیوں نہیں منع کیا جاتا ہے حالانکہ مکہ شریفہ و مدینہ منورہ میں بڑے بڑے جید عالم موجود ہیں، یہ بجلی کی روشنی مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں ختم قرآن کے دن ہوتی ہے یا ہمیشہ اور کثرت سے چراغاں ہونے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... ایسی حالت میں امام کسی ایسی مسجد میں پڑھے جہاں یہ خرافات نہ ہوں۔

---

(۱) "والکلام المباح (أی یکره فی المسجد) و قیده فی الظهیریة بأن یجلس لأجله، لکن فی النهر الإطلاق". (الدر المختار) و فی ردالمحتار: قوله: بأن یجلس لأجله، فإنه حینئذ لا یباح بالإتفاق؛ لأن المسجد ما بنی لأمور الدنیا". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، قبیل مطلب فیمن سبقت یده إلی مباح: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "و کره تحریماً ... إدخال نجاسة فیه" (الدر المختار) "فی الفتاوی العالمکیریة: لایدخل المسجد من علی بدنه نجاسة". (ردالمحتار، مطلب فی أحکام المساجد: ۱/۶۵۶، سعید)

۲..... یہ کہنا کہ منع نہیں کیا گیا غلط ہے۔ کتاب المدخل: ۲/۳۰۲(۱)، میں دیکھئے کس شدت سے منع کیا گیا مگر اہلِ ثروت وبدعت، اہلِ علم واہلِ حق کی کم مانتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

مخصوص طور پر ختم اور مسجد میں کھانا کھلانا اور چھینا جھپٹی

سوال[۸۱۰]: یہاں پر آستان بنڈار کے نام سے رسماً صدقہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور بصورتِ آٹا، چاول یا نقد جمع کر کے کھانا پکایا جاتا ہے، پھر ختم شیخ جیلانی، ختم خواجگاں، ختم سلطان العارفین وغیرہ ہوتا ہے، صرف خانہ پُری کے لئے آیتِ قرآنی کی تلاوت بھی ہوتی ہے، پھر حضرت فلاں فلاں المدد وغیرہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ علاوہ اس کے بہ لحن وصوت درود شریف ومناقب اولیاء کی یاددہانی کی جاتی ہے، صاحب وجاہت لوگ کھانا تقسیم کرتے ہیں، پہلے مجلس پڑھنے والوں کو کھلاتے ہیں، پھر عوام الناس کو مسجد ہی میں تقسیم کرتے ہیں، دورانِ تقسیم خاصی گالی گلوچ، چھینا جھپٹی ہوتی ہے۔

عرض یہ ہے کہ یہ بنڈار کرنا کیسا ہے؟ از روئے شرع اس قسم کے صدقات کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ائمہ مساجد کا اس میں شرکت کرنا اور پھر امامت کے فرائض ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) "و لا يزاد في ليلة الختم شيء زائد على ما فعل في أول الشهر: لأنه لم يكن من فعل من مضى، بخلاف ما أحدثه بعض الناس اليوم من زيادة و قود القناديل الكثيرة الخارجة عن الحد المشروع، لما فيها من إضاعة المال والسرف والخيلاء، سيما إذا انضاف إلى ذلك ما يفعله بعضهم من وقود الشمع و ما يركز فيه ..... و انضاف إلى ذلك بسبب كثرة الوقود اجتماع اللصوص و تشويشهم على بعض الحاضرين ..... و كثير من الناس يتحدثون و يخوضون في الأشياء التي ينزه المسجد عن بعضها في غير رمضان، فكيف بها في شهر رمضان العظيم؟ فكيف بها في ليلة الختم منه، فليتحفظ من هذا كله و ما شاكله جهده الخ". (المدخل لابن أمير الحاج: ۲/۳۱۱، ۳۱۲، فصل في وقود القناديل ليلة الختم، مصطفى البابي الحلبي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صورت اور تقریب قرآن کریم وحدیث شریف، آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، فقہ، ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں (۱)، حسنِ تدبیر، نرمی وشفقت سے اس کو روکا جائے (۲)، احترام قبرستان کے بھی یہ خلاف ہے (۳) احترامِ مسجد کے بھی خلاف ہے (۴)، احترامِ ائمہ کے بھی خلاف ہے۔ جبراً چندہ لینا بھی ظلم ہے اس کا کھانا بھی حلال نہیں: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه"۔ (الحدیث) (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۵ھ۔

روضۂ اقدس اور مزاراتِ صحابہ پر قرآن خوانی

سوال [۸۱۱]: کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزاروں پر بھی قرآن خوانی ہوتی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں اجرت پر مکانوں اور قبروں پر قرآن خوانی کراتے ہیں، ایسی صورت میں پڑھنے والے کو اور میت کی روح کو کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) جو کام ان اصول سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے: كما صرح به أهل العلم كابن عابدين وابن نجيم والطحطاوي وغيرهم رحمهم الله تعالىٰ في فتاوهم و قد مضى تخريجه من كتبهم تحت عنوان: "ايضاً" بعد عنوان: "فاتحہ مروجہ"۔

(۲) نیز اس میں گالی گلوچ کا تبادلہ ایک قبیح، مذموم اور ممنوع فعل ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے، فرمایا: "سباب المسلم فسوق، و قتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله: ۱/۱۳، قديمي)

(والطبراني في الكبير: ۱۰/۱۰۳۱۲)

(۳) " قال في الفتح: و يكره الجلوس على القبر و وطئه، فحينئذ فمايفعله من دفنت حول أقاربه خلق من وطىء تلك القبور إلى أن يصل إلى قبر قريبه مكروه". (رد المحتار، آخر باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۵، سعيد)

(۴) (تقدم تخريجه من رد المحتار، آخر باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۲، سعيد، تحت عنوان: "ختم قرآن پر مٹھائی")

(۵) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ طریقہ ممنوع اور ناجائز ہے، ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا بھی گناہ ہے اور دینا بھی اور اس سے ثواب بھی نہیں ملتا، رد المحتار، ج:۵(۱)۔ قرونِ اولیٰ میں یہ معمول نہیں تھا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

میّت کے لئے ایک لاکھ کلمہ طیّبہ کا ثواب

سوال[۸۱۲]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو میّت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلّیوں سے، اخیر میں تمام مصلّیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے چاہے غریب ہو یا غنی تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچانا اور غریبوں کو صدقہ دیکر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعثِ خیر ہے(۳) لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ

---

(۱) (تقدم تخریجه من رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶-۵۷، تحت عنوان: "یٰسین شریف کا ختم")

(۲) اور جو چیز قرنِ اولیٰ سے ماثور نہ ہو، وہ بدعت ہے کما مرت فیه تصریحات الفقهآء رحمهم الله تعالیٰ تحت عنوان: "ایضاً" بعد عنوان: "فاتحہ مروجہ"۔

(۳) "فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً کان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قرآءةً للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلک من أنواع البر، و یصل ذلک إلی المیت و ینفعه".

(مراقی الفلاح، کتاب الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قدیمی)

اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے "المعروف کالمشروط" کے تحت اس پڑھنے کی اجرت گویا کہ لازم ہوگئی (۱)۔

علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں ان کے مال میں تصرف کرنا اوران کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں (۲)۔ پھر یہ کہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کوواجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۳)۔

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جوصدقہ دیا جاتا ہے اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں (۴) یہاں غریب وغنی سب کودیا جاتا ہے یہ طریقہ غلط ہے اوراس میں عامۂ شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے (۵)، جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہئے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں

---

(۱) "و لا معنی أیضاً لصلة القاری ؛ لأن ذلک یشبه استیجاره علی قرآء ة القرآن، وذلک باطل، و لم یفعل ذلک أحد من الخلفاء". (رد المحتار ، باب الإجارة الفاسدة: ۶ /۵۷ ، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ : ﴿و آتوا الیتامیٰ أموالهم ، و لا تتبدلوا الخبیث بالطیب﴾. (النساء : ۲)

وقال تعالیٰ : ﴿الذین یأکلون أموال الیتامی ظلماً، إنما یأکلون فی بطونهم ناراً﴾. (النساء : ۱۰)

(۳) کیونکہ غیر لازم کولازم سمجھنا بدعت ہے: "ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة ، مطلب : البدعة خمسة أقسام : ۱ /۵۶۰ ، سعید)

(۴) " الوصیة المطلقة ...... لا تحل لغنی ؛ لأنها صدقة و هی علی الغنی حرام". (الدر المختار ، قبیل باب الوصی الخ : ۶ /۶۹۸ ، سعید)

(۵) "عن أبی هریرة –رضی الله تعالیٰ عنه– قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "المتباریان لا یجابان، و لا یؤکل طعامهما" ، قال الإمام أحمد : یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً و ریاءً" رواه البیهقی فی شعب الإیمان ". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح ، باب الولیمة ، ص: ۲۷۹ ، قدیمی)

رہتی۔فتاویٰ بزازیہ(۱) کبیری(۲) شامی (۳) وغیرہ کتب فقہ میں ایصال ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند،۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیو بند،۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

ختم میں سوالاکھ کی تعداد

سوال[۸۱۴]: دارالعلوم دیو بند میں جو ختم شریف ہوتا ہے خواہ کسی کی وفات پر ہو یا دفع مصائب کے لئے ہو اور خواہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا آیۃ الکرسی،مگر پڑھنے کی تعداد سوالاکھ کی متعین ہے،اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ایک عالم اس کو بدعت کہتے ہیں جو شریک دورہ دارالعلوم دیو بند رہ چکے ہیں،وہ کہتے ہیں نفس ایصال ثواب میں تو کوئی اشکال نہیں مگر تعداد متعین کرنا بدعت ہے،اس کے بارے میں تفصیل سے تحریر فرمائیں حالانکہ اپنے مشائخ کی شرکت کو شہادت میں پیش کیا گیا مگر وہ قرآن وحدیث سے ثبوت مانگتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفعِ مصائب کے لئے جو ختم پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے اس کے لئے قرآن وحدیث سے ثبوت ضروری نہیں،صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے منافی ومعارض یعنی شرعاً ممنوع و مذموم نہ ہو جیسا کہ

---

(۱)"و یکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث و بعد الأسبوع والأعياد ...... واتخاذ الدعوة بقرآءة القرآن و جمع الصلحاء ، والقرآءة للختم ، أو لقرآءة سورة الأنعام أو الأخلاص ، فالحاصل : أن اتخاذ الطعام عند قرآءة القرآن لأجل الأكل يكره". (البزازية على هامش الهندية ، باب صلوة الجنائز ، ذهب إلى المصلي الخ : ۴/۸۱ ، رشيديه)

(۲)" و يكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت ؛ لأنه شرع في السرور لا في الحزن ، قالوا : و هي بدعة مستقبحة ، لما روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال :"كنا نعد الإجتماع إلى أهل الميت و صنعهم الطعام من النياحة". (الحلبي الكبير (كبيرى)، فصل في الجنائز ، الثامن في مسائل متفرقة من الجنائز ، ص: ۶۰۹ ، مكتبه سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) (رد المحتار ، باب صلوة الجنائز ، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت : ۲/۲۴۰ ، سعيد)

غیر شرعی رقیہ ہے(۱)، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعاتِ نماز کی تعداد یا اشواطِ طواف کی تعداد ہے کہ اس کے لئے صراحۃً ثبوت ضروری ہے، بلکہ وہ ایسی تعداد ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں عناب ۵/ دانہ، بادام ۷/ دانہ وغیرہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہے، اس کے لئے قرآن وحدیث سے ثبوت طلب کرنا بے محل ہے۔ جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہوجاتا ہے(۲) تعداد کا تجربہ سے متعین کردینا خلافِ شرع نہیں، علاج کے لئے سات کنویں کا پانی سات مشکوں میں منگانا حدیث شریف سے ثابت ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "یقال: رقاہ الراقی و أما ما کان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس بہ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، قبیل فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعید)

وقال العلامۃ الزیلعي رحمہ اللہ تعالیٰ: "ولا بأس بالرقی: لأنہ علیہ الصلاۃ والسلام کان یفعل ذلک ..... ألا تری إلی ما یروی عن عروۃ بن مالک أنہ قال: کنا في الجاھلیۃ نرقي، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری في ذلک؟ فقال: "إعرضوا علیّ رقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک". (تبیین الحقائق، کتاب الکراھیۃ، فصل في البیع: ۸/ ۴۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

والحدیث الذي ذکرہ الزیلعي رحمہ اللہ تعالیٰ أخرجہ مسلم في السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین والنملۃ ... الخ: ۲/۲۲۴، قدیمی)

(وأبو داؤد في الطب، باب في الرقی: ۲/ ۵۴۲، دار الحدیث ملتان)

(۲) کیونکہ بدعت تو وہ ہوتی ہے جو اصولِ شرع سے منقول نہ ہونے کے باوجود دین سمجھی جائے اور یہ ختم بطورِ علاج ورقیہ ہونے کی بنا پر خالص دین نہیں سمجھا جاتا لہٰذا بدعت نہیں ہے، بلکہ بدعت کی تعریف علامہ شامی نے اس طرح نقل کی ہے: "ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبھۃ واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامۃ: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(۳) "قالت عائشۃ: فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما دخل بیتھا، واشتد وجعہ: "أھریقوا علیّ من سبع قرب لم تحلل أو کیتھن" ... ثم طفقنا نصبّ علیہ من تلک القرب حتی جعل یشیر إلینا أن قد فعلتن" ... الحدیث (صحیح البخاري، باب قبل، باب العدۃ: ۲/ ۸۵۱، قدیمی)

ایصالِ ثواب وغیرہ کے ختمِ قرآن پر شیرینی

الاستفتاء [۸۱۴] : یہاں کا رواج ہے لوگ علماء حفاظ اور کچھ علوم دین جاننے والے لوگوں سے ختمِ قرآن، ختم خواجگان یا اس کے علاوہ اور کسی قسم کا ختم کراتے ہیں اور ایصالِ ثواب یا اپنے مقاصد کی دعائیں کراتے ہیں، پڑھنے والوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں اور کچھ روپے پیسے بھی دیتے ہیں، یہ رواج شرعاً کیسا ہے؟ روپے پیسے لینا دینا کیسا ہے؟ اہلِ استطاعت اس قسم کے پیسے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پاک ختم کراکے بطور معاوضہ کھانا کھلانا درست نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے، علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اہلِ استطاعت اور فقراء کسی کو بھی ایسا کھانا کھلانا اور پیسے لینا درست نہیں (۱) مگر دیگر مقاصد مثلاً مقدمات کی کامیابی کے لئے اگر ختم کرایا جائے اور کھانا کھلایا جائے یا پیسے دیئے جائیں تو یہ درست ہے، یہاں ختم سے مقصود تحصیل ثواب نہیں بلکہ دوسرا کام مقصود ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: ومنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان. فالحاصل: ... فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستاجر؟ ولو لا الأجرة، لماقرأ أحد لأحد فى هذا الزمان اهـ". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "وما استدل به بعض المحشين بحديث البخارى فى اللديغ ..... لأن المتقدمين المانعين الإستيجار مطلقاً جوزوا الرقية ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوى رحمه الله تعالىٰ؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوى". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

(والمراد بالحديث هو الذى رواه البخارى رحمه الله تعالى فى الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ۲/۸۵۴، قديمى)

ایصالِ ثواب کے لئے مجلس

سوال[۵۸۱۵]: ہمارے علاقہ گجرات میں ختم قرآن کرکے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ کہ مسجدوں میں بورڈ پر یہ اعلان لکھ دیا جاتا ہے کہ مثلاً آج نمازِ جمعہ یا نمازِ عشاء کے بعد فلاں صاحب کے ایصالِ ثواب کے لئے ختمِ قرآن کی مجلس رکھی گئی ہے۔ بعد ختمِ قرآن کے نہ کوئی شیرینی ہوتی ہے اور نہ کوئی رسم ورواج ہے تو مجموعی طریقہ سے ختمِ قرآن کرکے ایصالِ ثواب کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اہلِ علم اس پر نکیر کرتے ہیں لیکن جب کوئی اہم شخصیت انتقال کر جاتی ہے تو خود ہی اہتمام کرکے قرآن کی مجلس کا انعقاد کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو حضرات اس پر نکیر کرتے ہیں اور کسی اہم شخصیت کے لئے اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ نکیر کس درجہ حقیر ہے۔ صورتِ مسئولہ میں قرآن خوانی کے لئے بلایا نہیں جاتا بلکہ جو لوگ نمازِ عشاء یا نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ ہماری میت کیلئے ایصالِ ثواب بھی کرتے جائیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، میت کو نفع ہوتا ہے پڑھنے والوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ بارہ مرتبہ "قل هو الله" پڑھ کر اموات کو ثواب بخش دے تو بعدد الاموات اس کو بھی ثواب ملتا ہے(۱)، چنانچہ فتح القدیر میں مذکور ہے کہ انسان کو حق ہے کہ اپنی حسنات کا ثواب دوسروں کو دیدے چاہے نماز ہو، ذکر ہو، تلاوت ہو، حج ہو، عمرہ ہو، صدقہ ہو یہی اہلِ سنت کا مسلک ہے۔ معتزلہ مطلقاً

---

(۱) "اسئلت عن الحكمة في قراءة سورة الإخلاص أحد عشر مرةً لمن دخل المقابر، فقلت: أما الحديث الوارد بذلك فهو عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من مرّ على المقابر، وقرأ: قل هو الله أحد إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات" أخرجه الديلمي في مسند الفردوس من طريق عبدالله بن أحمد. وهذا الحديث من نسخة، قال الذهبي: إنها موضوعة باطلة، ماتنفك عن وضع عبدالله أو وضع أبيه أحمد، وقال ابن الجوزي في الموضوعات في أحمد: هو محل التهمة. وقد رواه أبوبكر النجاد في سننه والقاضي أبو يعلي والدار قطني فيما عزاه إليهم الشمس محمد بن ابراهيم بن عبدالواحد المقدسي الحنبلي في "وصول القراءة إلى الميت" له، وأظنهم أخرجوه من هذ الوجه"، فالله أعلم".

(الأجوبة المرضية للحافظ السخاوي: ۲: ۵۴۹، ۵۵۰، رقم المسئلة: ۱۳۶، دار الرأيه، رياض)

ایصالِ ثواب کے منکر ہیں (۱)۔ عامۂ ایصالِ ثواب کے ساتھ کچھ غیر ثابت رسوم اور بدعات کا شمول ہوتا ہے ان سے پوری احتیاط لازم ہے۔ شامی وغیرہ میں بھی اس کو قوت سے روکا گیا ہے (۲)، مستقل ایک رسالہ بھی، شامی کا اس مسئلہ پر موجود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ ودن کی تعیین

سوال [۸۱۶]: ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ ودن ووقت ومہینہ کی تعیین وتحقیق کو مکروہ وممنوع بتایا گیا ہے مگر ثبوت میں کوئی حدیث صریح کی نقل نہیں فرمائی گئی، تفسیر کبیر وتفسیر درمنثور وغیرہ میں یہ حدیث نقل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبور شہداء پر ہر سال پہلے دن کو تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لئے دعاء فرماتے تھے (۴)۔

---

(۱) "و لما كان الأصل كون عمل الإنسان لنفسه لا لغيره قدم ما تقدم (قوله : أن يجعل ثواب عمله لغيره) صلوةً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة..... و خالف في كل العبادات المعتزلة". (فتح القدير ، باب الحج عن الغير : ۱۴۲/۳ ، مصطفى البابي مصر)

و في البحر الرائق : "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قرأةً قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلک عند أصحابنا ، للكتاب والسنة".

(باب الحج عن الغير : ۱۰۵/۳ ، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعيد)

(۲) (راجع للتفصيل الحاوی علی ثلثة صفحات من رد المحتار ، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶ - ۵۷ ، سعيد)

(۳) (رسالة ابن عابدين من مجموعة رسائله المسماة "شفاء العليل و بل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل". مطبوعه سهيل اكيڈمی)

(۴) "روى ابن أبي شيبة : " أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يأتي قبور الشهدآء بأحد على رأس كل حول، فيقول : "السلام عليكم بما صبرتم ، فنعم عقبى الدار". (رد المحتار ، باب صلوة الجنائز ، مطلب في زيارة القبور : ۲۴۲/۲ ، سعيد)

مشکوۃ شریف میں حدیث ہے کہ والدین کی قبر کی زیارت جمعہ کے روز کرنی چاہئے (۱)۔ چنانچہ زیارت کے سلسلہ میں فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے اور ایصال ثواب بھی کیا جاتا ہے، اس بارہ میں کوئی حدیث نہیں پائی جاتی ہے کہ بلاتعیین وتحقیق کے ثواب پہنچتا ہے جب ثواب دونوں طرح سے پہنچتا ہے تو پھر ایک صورت کو سنت اور دوسری کو بدعت کیوں کہا جاتا ہے؟

لہٰذا اس کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمایئے ورنہ یہ تحریر فرمایئے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شیء کی تعیین تخصیص شارع سے جس درجہ میں منقول ہے اس کا انکار نہیں (۲) اور جس شیٔ کی منقول نہیں، جیسے تیجہ، چالیسواں (۳) وغیرہ اس کی تعیین وتخصیص اپنی طرف سے کرنا بدعتِ ممنوعہ اور مداخلت

---

(۱) "وعن محمد بن النعمان يرفع الحديث إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة، غفر له، وكتب براً". رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلاً". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ص: ۱۵۴، قديمي)

(۲) یعنی اس حد تک تو تعیین منقول ہے کہ ابتداءِ سال میں زیارۃ قبور کی جائے یا ہر جمعہ کو والدین کی قبروں کی زیارت کی جائے، لیکن بات اگر اس حد تک محدود نہ رہے بلکہ ان دنوں میں قبروں اور مزاروں پر میلے اور عرس منعقد کئے جائیں تو اس کا شرع شریف میں کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ ایسے عمل کو حدیث میں نصاریٰ اور یہود کا عمل بتا کر مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے، فرمایا: "لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المسجد على القبور: ۱/ ۱۷۷، قديمي)

(۳) قال ابن الهمام: "ويكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة اهـ". (فتح القدير، قبيل باب الشهيد: ۲/ ۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البزازية، كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر: ۴/ ۸۱، رشيديه)

"سوم ودہم وچہلم وغیرہ بدعات ماخوذ از کفار ہنود است...... ترک چنیں رسوم واجب است کہ "من تشبه بقوم، فهو منهم". وہر گاہ طعام چنیں بدعات متلبس شد، بہتر آنکہ ایں چنیں طعام نخورد شود کہ: "دع ما يريبك إلى مالا يريبك".

(امداد الفتاوی، کتاب البدعات، عنوان: "فاتحہ مروجہ": ۵/ ۲۲۰، ۲۲۱، مکتبہ دار العلوم، کراچی)

فی الدین اور تقیید مطلق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ٦٦ھ۔

غیر مسلم کو ثواب پہنچانا

سوال[۸۱۷]: ۱..... غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

ایصال ثواب پر چائے پیش کرنا

سوال[۸۱۸]: ۲..... کچھ مسلمان ماہانہ یا ہفتہ وار ایک مقام پر یا مختلف مکانات پر قرآن شریف پڑھ کر اپنے احباب اور اعزّا اور تمام اہل اسلام کی روح کو ثواب بخشتے ہیں اور صاحبِ خانہ اخلاقاً چائے وغیرہ پیش کرتے ہیں تو اس صورت سے سب کو مل کر قرآن پڑھنا اور چائے وغیرہ کا استعمال کرنا کیسا ہے جب کہ یہ پروگرام گاہ بگاہ ترک کر دیا جاتا ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... ناجائز ہے(۱)۔

۲..... اس طرح اہتمام کے ساتھ قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا ثابت نہیں، اس سے بچنا چاہئے، انفرادی طور پر مضائقہ نہیں اور اختتام پر چائے وغیرہ پیش کرنا صورۃً معاوضہ ہے اس سے بچنا چاہئے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کرنا

سوال[۸۱۹]: فاتحہ کا شرعی ثبوت، کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا، تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنا کیسا ہے؟ صرف تیجہ کے دن چنوں پر کلمہ پڑھوانا، عوام وخواص کو اس کا کھانا اور کھلانا کیسا ہے؟ نیز شبِ برات میں حلوا پکا کر نیز ان کی فاتحہ کرنا، محرم میں کھچڑا پکوانا، شربت اور پانی کی سبیلیں لگوانا، مجلس کرنا اور گیارہویں کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ (سورة التوبة: ۱۱۳)

(۲) (تقدم تخريجه من رد المحتار وغيره تحت عنوان "ختم کے بعد کھانا")

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصال ثواب غریبوں کو کھانا، کپڑا وغیرہ ضرورت کی چیزیں دے کر، نماز، قرآن شریف، تسبیح پڑھ کر، روزہ رکھ کر، حج کر کے، غرض ہر نیک کام کر کے جب بھی توفیق ہو درست اور نفع بخش ہے(۱)۔ نہ اس میں تاریخ کی قید ہے کہ شب برات کی ۱۴/ محرم کی ۱۰/ ربیع الثانی کی ۱۱/ تاریخ ہو، نہ دنوں کا حساب ہے کہ تیسرا، دسواں، چالیسواں دن ہو، نہ اس میں کسی چیز کی قید ہو کہ حلوہ، کھچڑا، شربت، پانی ہو، نہ ہیئت کی قید ہے کہ چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جائے، نہ سورتوں اور آیتوں کی تخصیص ہے کہ قل پنج آیت ہو، نہ اور کسی قسم کی قید ہے، ان سب قیدوں کو ختم کر دیا جائے کہ یہ شرعاً بے اصل ہیں (۲) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بغیر ان قیدوں کے ثواب پہنچایا ہے۔

اگر یہ عقیدہ ہو کہ بغیر ان قیدوں کے ثواب نہیں پہنچتا تو یہ عقیدہ غلط ہے اس سے توبہ لازم ہے۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ روزی تقسیم کرنا بڑے پیر صاحب کے سپرد ہے، اگر ہم گیارہویں شریف نہ کریں گے تو بڑے پیر صاحب ناراض ہو کر ہماری روزی بند کر دیں گے، یہ عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے (۳)۔ (اللہ محفوظ رکھے)۔ بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ مخصوص تاریخوں میں روحیں آتی ہیں، اگر ایصال ثواب نہ کیا تو وہ لعنت کرتی ہیں

---

(۱) (تقدم تخریجه من الهداية و فتح القدير والعناية على الهداية على هامش فتح القدير والبحر الرائق كلهم في باب الحج عن الغير، تحت عنوان: ''ایصال ثواب کے لئے مجلس'')

وأيضاً في مراقي الفلاح: "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً أو حجاً صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت و ينفعه". (كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۲۲۱، ۲۲۲، قديمي)

(۲) قال العلامة عبدالحيّ اللكنوی رحمه الله تعالىٰ: ''این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود، و نہ در زمان خلفاء، بلکہ وجود آن در قرون مشہود لہا بالخیر اند، منقول نہ شدہ، و حالا در حرمین شریفین -زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً- عادات خواص نیست .... و این را ضروری دانستن مذموم است''۔ (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة باب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اكيڈمی)

(۳) لأن الله تعالىٰ قال: ﴿إن الله هو الرزاق ذو القوة المتين﴾. (الذاريات: ۵۸)

وقال تعالىٰ: ﴿هل من خالق غير الله يرزقكم من السمآء والأرض﴾. (الفاطر: ۳)

یہ بھی غلط ہے۔ایصال ثواب کرکے غریبوں کوکھلایا جائے، مالداروں کونہیں: " و یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث و بعد الأسبوع الخ". شامی ۶۰۳/۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

ایصال ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا اور اوقات مدرسہ میں مدرسین وطلبہ کا ایصال ثواب کرنا

سوال[۸۲۰]: خاص وعام میں سے جب کسی کا انتقال ہوجائے اکثر مساجد اور مدارس میں بالغ و نابالغ سب کو جمع کرکے قرآن شریف ختم کراتے ہیں، احادیثِ شریفہ میں ایصال ثواب مطلق آیا ہے، اس میں چند شبہات پیش آتے ہیں جوحسبِ ذیل ہیں:

۱-اس ہیئت کے ساتھ قرآن شریف ختم کرنا اوراس کا ثواب پہونچانے کا ثبوت زمانہ خیرالقرون سے ثابت ہے یانہیں؟

۲-اگرزمانہ خیرالقرون سے ثابت نہ ہوتو بدعت ہے یانہیں؟

۳-جب سب ایک جگہ جمع ہوکر پڑھیں گے تو:﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ کے خلاف ہوگا یانہیں؟

ایصال ثواب کواخبار میں شائع کرنا

سوال[۸۲۱]: ۴......یہ سب ایک جگہ جمع ہوکر پڑھنا اوراس کا ثواب پہنچانا اوراس کو اخبار میں شائع کرانا ریا ہوگا یانہیں؟

۵......قرآن شریف ختم کرکے اس کے ثواب پہنچنے کا شرعاً کیا قاعدہ ہے؟

۶......ختم قرآن شریف کے لئے منیجر مدرسہ اور مہتمم مدرسہ سے اجازت لینے کی ضرورت ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲،۱-یصال ثواب کا جوطریقہ مروج ہے یعنی میت کے انتقال سے تیسرے روز جمع ہوکر تلاوت قرآن

---

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت: ۲۴۰/۲، سعید)

کی جاتی ہے اور چنوں پر تسبیح پڑھی جاتی ہے، خیر القرون سے اس کا ثبوت نہیں (۱) لہٰذا اس ہیئت کے ساتھ ایصال ثواب کرنا بدعت ہوگا۔ "كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة" (۲)۔

۳- ایک جگہ جمع ہوکر قرآن شریف پڑھنا ناجائز نہیں بلکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ گنجائش اور اجازت بھی تحریر فرماتے ہیں:

"و في الدر المنيفة عن القنية: يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترك الإستماع والإنصات. و قيل: لا بأس به". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۸۸ (۳)۔

۴- اگر نیت یہ ہے کہ دوسروں کو ترغیب ہو اور وہ بھی ایصال ثواب میں شریک ہوں یا کوئی اور اچھی موافق شرع نیت ہے تب تو ریا میں داخل نہیں (۴) اور اگر اپنی شہرت اور بڑائی مقصود ہے تو البتہ ریا میں داخل ہے اور ریا ناجائز ہے (۵)۔

۵- قرآن شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہونچانے کی نیت کر لینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے، زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے (۶)۔

---

(۱) قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هذا ... الخ": أي أنشأ و اخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه ...... (ما ليس منه): أي رأياً ليس له في الكتاب والسنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) (أخرجه ابن ماجه في مقدمته، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ۶، قديمي)

(۳) (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۸، قديمي)

(۴) "علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه على المنبر يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إنما الأعمال بالنيات" ... الحديث. (صحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي الخ: ۲/۱، قديمي)

(۵) " قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، و من يرآء يرآء الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹۶۲/۲، قديمي)

(وابن ماجة في الزهد، باب الريآء والسمعة ص: ۳۱۰، قديمي)

(۶) " و يقرأ من القرآن ما تيسر له ...... ثم يقول: أللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم". =

۶- اگر مدرسہ کے وقت میں ملازمین مدرسہ کا کام نہ کریں بلکہ ختم قرآن میں مشغول رہیں تو مہتمم مدرسہ سے اجازت کی ضرورت ہے اور خارج وقت میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ مدرسین اجیر خاص ہیں(۱)۔ اگر طلبہ ختم قرآن شریف میں شریک ہونا چاہیں مدرسہ کے وقت میں تو جیسا کہ اپنی دوسری ضروریات کے لئے مدرسہ سے رخصت لیتے ہیں اسی طرح ایسے مواقع پر بھی رخصت لے کر شریک ہونا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۵۲/۳/۱۷ھ۔

جوابات درست ہیں: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ۔ صحیح بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا

سوال[۸۲۲]: کسی شخص نے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھا پھر اس پڑھنے والے کو للہ کچھ پیسہ دیدیا بلا مانگے تو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر خالصاً لوجہ اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کردیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرانی نہ ہوتی تو یہ پیسہ لینا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

کیونکہ بقاعدہ المعروف کالمشروط یہ استیجار کے حکم میں ہے اور استیجار علی تلاوۃ القرآن ناجائز ہے ایسی صورت میں پیسہ لینے والے اور دینے والے کو گناہ ہوگا پیسہ کی واپسی ضروری ہے۔

"والمذهب عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم فالإستيجار عليها [illegible]

= (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲۴۳/۲، سعيد)

(۱) "والثاني: و هو الأجير الخاص و هو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة الخ". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۹/۶، سعيد)

الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، ص: ٢/٣٨٤) (١) "ثم قرأة القرآن وإهدائها له تطوعاً بغير أجرة يصل إليه، وأما لو أوصى بأن يعطى شيء من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة. كذا في الاختيار". شرح فقه اکبر، ص: ١٦٠ (٢) وانبسط في رد المحتار (٣)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ١٢/٨/٥٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ١٣/شعبان/٥٧ھ۔

مروجہ طریقہ پر ایصال ثواب

سوال [۸۲۳]: مروجہ فاتحہ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھانا یا مٹھائی رکھ کر کچھ سورتیں اور آیتیں پڑھ کر موتی کو ثواب پہونچاتے ہیں اور بعض طریق میں خاص تاریخیں اور مہینے اور جگہ، طعام وغیرہ بھی مخصوص ہے، مثلاً: امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کا کونڈا رجب کی ۲۷/ تاریخ کو کیا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کورا کونڈا لے کر اس میں کچھ حلوا، کچوری اور دیگر مٹھائیاں بھر کر اور اتنی ہی جگہ لیپ کر جس میں کونڈا آسکے، کونڈے کو اس میں رکھ کر چند احباب کو بلا کر اس کونڈے میں اسی جگہ بٹھا کر کھلانے کو ضروری سمجھتے ہیں، یا رجب ہی میں بیوی کو صحنک کرتے ہیں جس کو مرد نہیں کھا سکتے بلکہ سہاگن عورتوں کے سوا بیوہ یا نکاح ثانی شدہ عورت کو بھی کھانا منع بتایا جاتا ہے۔

دسواں، بیسواں، چالیسواں یا ششماہی یا برسی وغیرہ رسومات کو دین کی باتیں سمجھ کر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ان افعال مذکورہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا یا نہیں؟ تو آپ نے ایصال ثواب کا کیا طریقہ اختیار فرمایا اور شریعت میں اس طریقہ مذکورہ بہ حیثیت خاصہ کے ساتھ صاف لفظوں میں مکمل طریقے کے مذکور ہے تو دلائل سے ثابت کر کے مشکور فرمادیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایصال کا کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ مدلل

---

(١) (كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٢/٣٨٤، دار إحياء التراث بيروت)

(٢) (شرح الفقه الأكبر، ص: ١٣١، أواخر مطلب: الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، قديمي)

(٣) "تنبيه: قال في البحر: "و لم أر حكم من أخذ شيئاً من الدنيا ليجعل شيئاً من عبادته للمعطي، و ينبغي أن لا يصح ذلك اهـ: أي لأنه إن كان أخذه على عبادة سابقة يكون ذلك بيعاً لها، وذلك باطل قطعاً. وإن كان أخذه ليعمل، يكون إجارة على الطاعة، و هي باطلة أيضاً كما نص عليه في المتون والشروح الخ". (رد المحتار، باب الحج عن الغير: ٢/٥٩٥، سعيد)

مع حوالہ جات ارشاد فرمادیں اور افعالِ مذکورہ ائمہ اربعہ یا خاندانِ اربعہ کے کسی بزرگ سے منقول ہیں؟ حضرت عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ثابت فرما کر مشکور فرمادیں۔ فقط۔

نواب الدین، ہندوراؤ، پکی گلی دہلی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ ایصالِ ثواب بلا التزام تاریخ، دن، ہیئت وغیرہ کے قرآن کریم، تسبیح، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء کو کھانا، کپڑا، نقد وغیرہ کچھ دے کر جب توفیق ہو شرعاً درست اور نافع ہے(۱) اور جو صورتیں سوال میں درج ہیں وہ بدعت اور ناجائز ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسا نہیں کیا، بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں، باغ وقف کر کے ثواب پہونچایا ہے۔ بعض نے نماز پڑھ کر، بعض نے صدقہ دے کر، بعض نے حج کر کے۔ ایک دو حدیث نقل کرتا ہوں:

في صحيح البخاري(۲): "عن عبدالله بن عباس رضي الله تعالى عنهما أن: سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فأتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم! إن أمي توفيت و أنا غائب عنها فهل ينفعها إن تصدقت عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عنها"۔ و في السنن: أسند أحمد عن سعد بن عبادة أنه قال: يا رسول الله! إن أم سعد ماتت فأي الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" فحفر بئراً، و قال: هذا اهـ". كتاب الروح (۳)۔

---

(۱) تقدم تخريجه من الهداية للمرغيناني و فتح القدير لابن الهمام والعناية للشيخ أكمل الدين محمد والبحر الرائق لابن نجيم و غيرهم رحمهم الله تعالى كلهم في باب الحج عن الغير، فراجعه. تحت عنوان: "ایصالِ ثواب کے لئے مجلس")

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والصدقة والوصية: ۱/۳۸۷)

(والترمذي في الزكوة، باب ما جاء في الصدقة عن الميت: ۱/۱۴۵، سعيد)

(۳) (رواه أبو داؤد في الزكوة، باب في فضل سقي الماء: ۱/۲۴۳، مكتبه امداديه ملتان)

(والنسائي في الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت: ۲/۱۳۲، قديمي) .... =

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب و قل هو الله أحد وألهاكم التكاثر، ثم قال: اللهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء له إلى الله تعالى".

عن الشعبي قال: كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرؤن له القرآن". شرح الصدور (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۵/شعبان/ ۶۶ھ۔

ایصال ثواب پر کھانا

سوال[۸۲۴]: مردہ کے لئے ثواب رسانی کرنا اور پھر اس جگہ کھانا یا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ جائز نہیں، شامی نے اس پر مفصل استدلال کیا ہے(۲) اور مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے مقام پر جا کر ایصال ثواب کرنا اور کھانا

سوال[۸۲۵]: ایک جگہ بہت دور ختم قرآن میں ایک شخص گیا اور اگر وہاں نہ کھائے تو بھوکا آتا

= (و مشكوة المصابيح كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قديمي)

(۱) (شرح الصدور لجلال الدين السيوطي، ص: ۱۳۵، مطابع الرشيد بالمدينة المنورة)

(۲) من جملة مبحثه الحاوي على ثلاث صفحات ما قال: "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت و لا للقاري. و قال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الإستيجار على التلاوة الخ: ۶/ ۵۶، ۵۷، سعيد)

(۳) (شفاء العليل و بل الغليل في الوصية بالختمات التهاليل، من مجموعة رسائل ابن عابدين، مطبوعه سهيل اكيدمي لاهور)

پڑے گا کیونکہ دور ہے تو اس جگہ بعد ختم قرآن کھانا کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

وہاں نہ کھائے (۱) اور وہاں جانے کی ضرورت نہیں، ایصال ثواب اپنے مکان سے بھی کر سکتے ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین

سوال [۸۲۶] : مردہ کے لئے دن متعین کرنا کہ فلاں دن ثواب رسانی کی جائے گی یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس قسم کی تعیین کو علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الجنائز میں مکروہ لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایصال ثواب کے کھانے کا مستحق کون ہے؟

سوال [۸۲۷] : زید کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ وحضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ وحضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ رشیدیہ، اشرفیہ میں اس قسم کا فتویٰ دیا ہے کہ اگر چہارم، تیجہ، چالیسواں نہ کرے بلکہ چالیس دن کے اندر ہی کسی دن کھانا وغیرہ پکا کر کھلانا جائز ہے اور اس

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان : "ایصال ثواب پر کھانا")

(۲) "و فی البزازیة : و یکره اتخاذ الدعوة لقرآءة القرآن، و جمع الصلحآء والقرآء للختم، أو لقرآءة سورة الأنعام أو الإخلاص ..... و أطال فی ذلک فی المعراج، و قال: و هذه الأفعال کلها للسمعة والریآء، فیحترز عنها؛ لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالیٰ". (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلوة، قبیل الفصل السادس و العشرون فی حکم المسجد: ۴/۸۱، رشیدیه)

کھانے کو غریب وامیر ہر کوئی کھا سکتا ہے اور ایسا کرنا اور کھانا دونوں جائز ہے۔ہاں اگر امیر اس کھانے کو کھائے تو ثواب نہیں ملے گا، البتہ جو غریب کھانے میں شامل ہیں اس کا ثواب مل جائے گا، یہاں ایک عالم دین جو کہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ شدہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں تین سال گزارے ہیں اور وہ ہم خیال بھی ہیں، کہتے ہیں کہ وہ میت کو ثواب پہونچانے کی نیت سے اگر کوئی شخص چالیس دن کے اندر ہی کسی دن کھانا پکا کر کھلا دے تو جائز ہے اور اس کھانے کو امیر وغریب سب کھا سکتے ہیں، ہاں امیر کے کھانے کا ثواب نہیں ملے گا لیکن امیر کھا سکتا ہے، اس کو ہمارے علماء نے جائز کہا ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ ہمارے علماء میں مولانا گنگوہی ومولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی فتاوی امدادیہ وغیرہ میں موجود ہے، یہی حق ہے بلکہ میلاد وغیرہ بھی لوجہ اللہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔شیرینی کی تقسیم وغیرہ سب جائز ہے۔اب جب ایک عالم یہ کہے گا تو لوگوں کو بہکنے میں دیر نہ لگے گی جنہوں نے ان بدعات کو ترک کر دیا تھا وہ بھی اس طرف مائل ہو گئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

زید کا جو استدلال آپ نے نقل کیا ہے اس میں کسی ایک بھی حدیث کا حوالہ نہیں، وہ حدیث کہاں ہے جس سے زید نے ثبوت دیا ہے اس سے لکھوایئے، پہلے بھی ہم نے یہی پوچھا اور حوالہ طلب کیا تھا۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وحضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدھما کی کتابیں بدعات کی تردید میں چھپی ہوئی ہیں وہ کسی بھی بدعت کو جائز نہیں فرماتے۔امداد الفتاوی آٹھ نو جلدوں میں ہے، فتاوی رشیدیہ تین حصوں میں، براہین قاطعہ اسی قسم کے مسئلوں پر لکھی گئی ہے جس پر حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تائید وتقریظ ہے، ایک ایک بدعت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی گئی ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک میت کو ثواب پہونچانا شرعاً درست اور مفید ہے(۱) مگر اس میں کسی غیر ثابت چیز کا اختلاط نہیں ہونا چاہئے، انتقال میت کے وقت اور اس کے بعد جب بھی دل چاہے ثواب پہونچایا جا سکتا ہے، کسی دن یا کسی تاریخ کی اپنی طرف سے ایسی تعیین کرنا کہ اس کا التزام ہو غلط

---

(۱) (تقدم تخريجه من باب الحج عن الغير من الهداية، فتح القدير و رد المحتار وغيرها من كتب الفقه. فراجعه. تحت عنوان: ''ایصال ثواب کے لئے مجلس'')

ہے اور میت کو کھانے کا ثواب پہونچانا ہو اس کے مستحق غرباء و مساکین ہیں، مالدار نہیں۔ جہاں تک ہو سکے اس میں اخفاء چاہئے (۱) نام و نمود نہ ہو (۲) اس کو تقریب نہ بنایا جائے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار شرح در مختار (۳) اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ (۴) میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اور تبلیغ الحق (۵) المدخل (۶) میں بھی بحث مذکور ہے۔ مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ

---

(۱) فی صحیح البخاری: "باب صدقة السر، و قال أبو هريرة رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. "و رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه". و قوله تعالیٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هي، و إن تخفوها و تؤتوها الفقرآء، فهو خير لكم، و يكفر عنكم سيآتكم، والله بما تعملون خبير﴾. (البقرة: ۲۷۱)(كتاب الزكوة: ۱/۱۹۱، قديمی)

و فی الصحيح لمسلم: "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "سبعة يُظلّهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله" ..... الحديث ... و فيه: "و رجل تصدق بصدقة، فأخفاها حتی لا تعلم يمينه ما تنفق شماله". (كتاب الزكوة، باب فضل إخفاء الصدقة: ۱/۳۳۱، قديمی)

(۲) فی صحیح البخاری: "باب الرياء في الصدقة، لقوله تعالی: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمنّ والأذی كالذی ينفق ماله رئاء الناس، و لا يؤمن بالله واليوم الأخر﴾ الآية. (البقرة: ۲۶۴) (كتاب الزكوة: ۱/۱۸۹، قديمی)

"قال النبي صلی الله عليه وسلم: من سمعَ سمعَ الله به، ومن يرآءِ يراءِ الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲)(ابن ماجه، باب الرياء والسمعة، كتاب الزهد، ص: ۳۱۰، قديمی)

(۳)(تقدم تخريجه من رد المحتار، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۰، و ۲/۲۶۵ سعيد، تحت عنوان: "ایصالِ ثواب کے لئے دن کا تعیّن")

(۴) (تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الإجارة: ۱/۱۳۹، مطبعة ميمنية، مصر)

(۵) (لم أطلع علی هذا الكتاب)

(۶) "و أما إصلاح أهل الميت طعاماً، و جمع الناس عليه، فلم ينقل فيه شيء، و هو بدعة غير مستحب، و ينبغي أن يكون التلبينة من أهم ذلك، لما ورد أنها تذهب الحزن". (المدخل لابن امير حاج: ۳/۲۸۸، مصطفی البابی مصر)

تعالیٰ کا فتویٰ میلاد شریف کے متعلق مستقل چھپا ہوا ہے جس پر بہت سے اکابر کے دستخط ہیں۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ ''طریقہ مولد شریف'' (۱) میں پوری تفصیل ہے۔ غرض اکابر کا مسلک مدت سے شائع شدہ ہے، نہ کسی جائز چیز کو منع کرنے کا حق ہے نہ کسی بدعت کو جائز کہنے کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''دوسری صورت وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں، جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح ومعصیت ہیں، مثلاً: روایاتِ موضوعہ خلافِ واقعہ بیان کی جاویں، یا خود وشرو وخوش الحان لڑکے اس میں غزل خوانی کریں، یا رشوت وسود کا حرام مال اس میں خرچ کیا جاوے، یا حد ضرورت سے زیادہ اس میں روشنی وفرش وآرائش مکان وغیرہ کا تکلف کیا جاوے، یا حاضرین کا لباس ووضع غیر مشروع ہو اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کیا جاوے، یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جاوے کہ اس قدر اہتمام نماز وجماعت ووعظ کے لئے نہ ہوتا ہو، یا نثر ونظم میں حضرت حق تعالیٰ جل شانہ یا حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات ملائکہ علیہم السلام کی توہین وگستاخی صراحۃً یا اشارۃً کی جاوے، یا اس مجمع میں جانے سے نماز یا جماعت فوت ہو جاوے یا وقت تنگ ہو جاوے یا اس کا قوی احتمال ہو، یا بانی مجلس کی نیت شہرت وتفاخر کی ہو، یا رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانا جاوے، یا اور کوئی امر اسی قسم کا خلاف شرع اس میں پایا جاوے، یہ وہ صورت ہے جو اکثر عوام وجہلاء میں شائع ہے اور شرعاً بالکل ناجائز اور گناہ ہے''۔ (طریقہ مولد شریف لحکیم الامت، ص: ۲، ۳)

مروجہ صلاۃ وسلام کا بیان

"صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" کا ثبوت

سوال[۸۲۸]: بعض علماء صلوۃ یعنی (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ، و سلم علیک یا حبیب اللہ، الخ کو پڑھنا ناجائز و بدعت کہتے ہیں، بجائے اس کے درود ابراہیمی کے پڑھنے کو ثواب اور زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ بتائیں کہ صلوۃ مذکورہ اور درود پڑھنا کیسا ہے؟ اگر صلوۃ کا کسی حدیث کی کتاب میں ذکر ہے تو مہربانی کر کے اس کتاب کا حوالہ دیا جائے تاکہ ہم بھی اس گمراہی سے دور رہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

درود ابراہیمی کا پڑھنا ہر جگہ سے درست اور موجب ثواب ہے(۱) اور "الصلوۃ و السلام علیک یا

---

(۱) "عن كعب بن عجرة قال رضي الله تعالىٰ عنه : قلنا: يا رسول الله ! السلام عليك قد عرفناه، فكيف الصلوة عليك؟ قال: "قولوا: "اللهم صل على محمد و على آل محمد كماصليت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد، و بارك على محمدو على آل محمد كماباركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد". (سنن النسائي ، كتاب السهو، باب كيف الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : ۱/ ۱۹۰ ، قديمي)

(وصحيح البخاري ، كتاب الدعوات ، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/ ۹۴۰، قديمي كتب خانه)

(والصحيح لمسلم ، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ۱/ ۱۷۵، قديمي كتب خانه)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة ، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ۱/ ۱۴۷ ، مكتبه امداديه، ملتان)

(وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۶۴، قديمي)

(وسنن الترمذي ، أبواب الوتر ، باب ما جاء في صفة الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/ ۱۱۰ ، سعيد)

رسول اللہ" کو مدینہ پاک حاضر ہو کر روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے (۱) دور سے اس طرح پڑھنے سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر اس طرح پڑھا جا رہا ہے، دل کا حال کسی کو معلوم نہیں (۲)، اس لئے اس سے احتیاط چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۰ھ۔

اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت

سوال [۸۲۹]: ہمارے یہاں کئی سال سے جمعہ کے روز مسجد میں اذان کے بعد صلوٰۃ پکاری جاتی ہے، پھر سب لوگ سنت نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، بعد میں موذن عصا لے کر "ان اللّٰہ" یا "لقد جاء کم" یا اردو میں کچھ نصیحت کر کے وہ عصا امام صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر ہے تو کسی معتبر کتاب حدیث سے معلوم کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں، نہ خلفاء راشدین کے حالات میں، نہ دیگر صحابہ

---

(۱) "روى أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من قبل القبلة، و تجعل ظهرك إلى القبلة، و تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته ...... و على ماذكرنا يكون الواقف مستقبلاً وجهه عليه الصلوة والسلام و بصره، فيكون أولى، ثم يقول في موقفه: السلام عليك يارسول الله، السلام عليك يا خير خلق الله ... السلام عليك يا حبيب الله، السلام عليك يا سيد وُلد آدم الخ". (فتح القدير على الهداية، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث: ۱۸۰/۳، ۱۸۱، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عالم غيب السموات والأرض، إنه عليم بذات الصدور﴾. (آل عمران: ۲۹)

کرام کی واقعات میں، نہ ائمہ مجتہدین کے فقہ میں، لہذا ایسی چیز اگرچہ صورۃً اچھی معلوم ہوتی ہو مگر درحقیقت وہ نہ خدا کا حکم ہے اور نہ رسول کا حکم ہے، نہ مسئلۂ فقہ ہے، بلکہ وہ دین کے نام پر نئی چیز ہے جس کو دین سمجھا جارہا ہے (۱) اس لئے اس کا ترک کرنا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۹۰ھ۔

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا

سوال [۸۳۰]: ہمارے یہاں ہر اذان سے پہلے "یا رسول اللہ" کا درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا ثابت نہیں، خلافِ سنت ہے، البتہ اذان کے بعد درود شریف پڑھ کر دعا مانگنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۳)۔ ہر کام حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے

---

(۱) "وهی (البدعة) اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة، بل بنوع شبهة". (الدر المختار)

و فی رد المحتار: "(قوله: وهی اعتقاد) ...... و حینئذ فیساوی تعریف الشمنی لها بأنها ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله ﷺ من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً اهـ، فافهم". (۱/ ۵۶۰، کتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، کراچی)

"البدعة: هی الأمر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون ولم یکم مما اقتضاه الدلیل الشرعی". (قواعد الفقه، ص: ۲۰۴، الرسالة الرابعة، التعریفات الفقهیة، الصدف پبلشرز)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (مشکوة المصابیح: ۱/ ۲۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، قدیمی کتب خانه)

(وفیض القدیر: ۱۱/ ۵۵۹۴، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، نزار مصطفی الباز ریاض)

(۳) اور یہی سنت طریقہ ہے: "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبی صلی الله =

مطابق کیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۱۹/۴/۹۰ھ

ایضاً

سوال[۸۳۱]: اذان دینے کے وقت اذان سے پہلے درود شریف یا کوئی تسبیحات آواز سے کہہ کر اذان شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو درود شریف پڑھ کر اذان دینا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درود شریف اور تسبیح بہت فضیلت اور ثواب کی چیز ہے، مگر اذان سے پہلے ثابت نہیں، لہٰذا اذان سے قبل اس کا اضافہ نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ختم تراویح کے بعد ''الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ'' پڑھنا

سوال[۸۳۲]: بعد ختم تراویح ''الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ'' سب مصلی بلند آواز سے کہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، غلط طریقہ ہے اس کو ترک کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= تعالیٰ علیه وسلم یقول: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا عليّ، فإنه من صلی عليّ صلوةً، صلی الله علیه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسیلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله و أرجو أن أکون أنا هو، فمن سأل لي الوسیلة، حلت علیه الشفاعة". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن اهـ: ۱/۱۶۶، قدیمی)

(۱) درود شریف اذان کے بعد مشروع ومسنون ہے، نہ کہ اذان سے قبل، راجع عنوان: ''اذان سے پہلے درود شریف''

(۲) یعنی جو امور ان اصول سے ثابت نہ ہوں اور دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہیں، علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث: "من =

تراویح کے بعد مخصوص انبیاء پر مخصوص درود پڑھنا

سوال[۸۳۳]: ہمارے یہاں یہ عادت چلی آرہی ہے کہ بعد نماز تراویح چند لوگ جس میں بچے بڑے شامل ہیں صلوۃ گاہ یعنی اذان دینے کے ممبر پر یا مسجد کے صحن میں قبلہ رو ہوکر چند مخصوص انبیائے کرام پر بآواز بلند اپنی شہادت کی انگلیوں کو دونوں کانوں میں رکھ کر صلوۃ وسلام اس ترتیب سے یکے بعد دیگرے پڑھتے ہیں:

(۱) الصلوۃ والسلام علیک یاحضرت آدم صفی اللہ

(۲) // یاحضرت نوح نجی اللہ

(۳) // یاحضرت ابراہیم خلیل اللہ

(۴) // یاحضرت اسماعیل ذبیح اللہ

(۵) // یاحضرت موسیٰ کلیم اللہ

(۶) // یاحضرت داؤد خلیفۃ اللہ

(۷) // یاحضرت عیسیٰ روح اللہ

(۸) // یاحضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کیا اس کی سند کسی معتبر کتب حنفیہ یا ائمہ اربعہ میں آتی ہے؟ یا کوئی فقہی جزئیہ مباح یا جائز یا موجب خیر ہونے پر دلالت کرتا ہے تو بحوالہ کتب مع عبارت درج فرمائیں۔

۲......اس امر پر اصرار کرنے والوں نے اس کی سند میں کنز العمال: ۶/ ۱۱۹، کا حوالہ دیکر یہ تختے لکھ کر مساجد میں آویزاں کیا ہے. ازراہ مہربانی اس مضمون کو ملاحظہ فرماکر لفظ بہ لفظ اس کی تحقیق سے آگاہ فرمائیں کہ کیا واقعی کنز العمال میں ایسی عبارت مندرج ہے؟ مضمون یہ ہے کہ ''ختم تراویح و وتر کے بعد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر صلوۃ وسلام پڑھنا موجب خیر ہے'' اور کنز العمال کی: ۶/ ۱۱۹ میں ہے کہ ''انبیاء کرام کا ذکر عبادت ہے

= أحدث في أمرنا هذا الخ " کے تحت فرماتے ہیں:

" أی أنشأ واخترع وأتی بأمر حديث من قبل نفسه ....(ما ليس منه): أی رأيا ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أی مردود علی فاعله لبطلانه".

(فيض القدير: ۱۱/ ۵۵۹۴، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزار رياض)

بلکہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام پر ان ناموں کی صراحت کے ساتھ سلام کیا گیا ہے۔ اگر اس طرح تراویح اور وتر کے بعد ان پر سلام پڑھا جائے تو منع کرنا درست نہیں ہے"۔ انبیائے کرام کے نام اوپر درج کئے گئے ہیں، لہٰذا از روئے شرع شریف اس کے مباح ہونے پر دلیل یا غلط ہونے پر دلیل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ نیز کنز العمال کی ۶/۱۱۹، والی عبارت کی تحقیق فرمائیں کہ کیا ایسی عبارت کنز العمال میں موجود ہے؟ خداتعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انبیاء علیہم السلام پر خاص کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھنا موجب قربت اور ان کا حق ہے(۱)، اس کے فضائل احادیث میں بکثرت موجود ہیں (۲)۔ لیکن سوال میں جو طریقہ لکھا ہے یہ طریقہ نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ فقہ سے، نہ سلف صالحین سے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

کنز العمال: ۶/۱۱۹ کی طرف اس کو منسوب کرنا غلط ہے اور بہتان ہے، وہاں بالکل یہ موجود نہیں، نہ

---

(۱) قال أحمد بن حجر الهيتمي بعد بحث طويل: "و لهذا كانت الصلوة مما يقصد بها قضاء حقه، و يتقرب بأدائها إلى الله تعالى". (الفتاوى الحديثية، ص: ۲۷، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالى عنه– أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من صلى عليّ واحدةً، صلى الله عليه عشراً". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۷۵، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى عليّ صلوةً واحدةً، صلى الله عليه عشر صلوات، و حطت عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب الفضل في الصلوة على النبي: ۱/۱۹۱، قديمي)

(وانظر للتفصيل سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۴۲، امداديه)

(وابن ماجه، إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۶۵، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب الوتر، باب ما جآء في الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

تراویح کا ذکر ہے، نہ صلوۃ گاہ یا صحن مسجد کا ذکر ہے، نہ کانوں میں انگلیاں دینے کا ذکر ہے، نہ جماعت بنا کر آواز بلند کرنے کا ذکر ہے، یہ سب جھوٹ ہے، غلط اور جھوٹ بات کسی کی طرف منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے(۱) اور حدیث شریف کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے(۲) اس لئے اس طریقہ کو بند کیا جائے اور ایسی بے سند باتوں کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند

بعد نماز جمعہ مروجہ صلوۃ وسلام

سوال[۸۲۴]: جامع مسجد خان پور میں دو چار ہفتہ سے بعد نماز جمعہ سلام شروع کردیتے ہیں جس کی کوئی سند نہ قرآن وسنت سے ملتی ہے، نہ صحابہ اور تابعین سے، سلام وہی مروجہ طریقہ پر باادب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوکر با آواز بلند یہ لوگ "یا شفیع الوری سلام علیك، یا نبی الهدی سلام علیك" اسی طرح پڑھتے ہیں، یا مساجد میں اسی طرح سلام پڑھنا جبکہ لوگ سنتیں ونوافل ادا کررہے ہوں شرعاً درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يكسب خطيئة أو إثماً ثم يرم به بريأ، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾. (النساء: ۱۱۲)

و قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا، فقد احتملوا بهتاناً و إثماً مبيناً﴾. (الأحزاب: ۵۸)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "تسموا باسمي ولا تكتنوا بكنيتي ...... و من كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

(ومقدمة الصحيح لمسلم، باب تغليظ الكذب الخ: ۱/۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد أبواب العلم، باب التشديد في الكذب الخ: ۲/۱۵۸، امداديه ملتان)

(و ابن ماجه في مقدمته، باب التغليظ في تعمد الكذب الخ، ص: ۴، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور بڑی سعادت وخوش نصیبی ہے(۱) اورصلوٰۃ وسلام نہ پڑھنا بڑی محرومی اور بدنصیبی ہے(۲)۔ سلف صالحین نے ہمیشہ صلوٰۃ وسلام کواپنے معمولات میں رکھا ہے اور رکھتے ہیں مگراس کے لئے کوئی ایسی صورت ازخود تجویز کرنا جس کا ثبوت شرعی دلائل سے نہ ہواوراس سے دوسروں کی نماز میں خلل بھی ہوتا ہو(۳) اور پھراس کوضروری سمجھ کراس پراصرار کرنا توبدعت اورممنوع ہے(۴)۔

سوال میں جوصورت درج ہے اس کا دلائل شرعیہ سے ثبوت نہیں، اس کوترک کیا جائے اور روزانہ صبح و شام اگر درود شریف تنہائی میں بیٹھ کر ہر شخص اخلاص کے ساتھ پڑھا کرے بڑی ہی خیروبرکت کی چیز ہے، کم ازکم سو سو مرتبہ صبح و شام کا اہتمام کریں۔ زاد السعید(للتھانویؒ) (۵) نشر الطیب (للتھانویؒ)(۶)،فضائل

(۱)(تقدم تخریجه من کتب الحدیث تحت عنوان: ''صلی اللہ علیک یارسول اللہ، کا ثبوت'')

(۲) "و عن ابن عباس رضی الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى اللہ تعالى علیه وسلم: "من نسی الصلوة علیّ، خطی طریق الجنة". (ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبی صلی الله تعالى علیه وسلم ص: ۶۵، قدیمی)

(۳) قال الله تعالى: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه﴾. الایة. (البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالى تحت هذه الآیة: " و ظاهر الآیة العموم فی کل مانع، وفی کل مسجد، و خصوص السبب (أی سببه نزوله) لا یمنعه...... (وسعى فی خرابها) أی هدمها و تعطیلها ...... و من أنجس حظاً وأنقص حقاً، (ممن منع) مواضع السجود لله تعالى: و هی القلوب التی یعرف فیها، فیسجد له بالفناء الذاتی ...... (و سعى فی خرابها) بتکدیرها بالتعصبات و غلبة الهوى ...... و دواعی الشیطان والوهم الخ". (روح المعانی: ۱: ۳۶۳، ۳۶۵، دار إحیاء التراث العربی)

(۴) "الإصرار على المندوب یبلغه إلى حد الکراهة". (السعایة شرح شرح الوقایة، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی)

(۵) (لحکیم الأمة مولانا اشرف علی التهانوی)

(۶) (لحکیم الأمة رحمه الله أیضاً)

درود شریف (۱)، القول البدیع (۲) وغیرہ میں درود شریف کے فضائل اور آداب تفصیل کے ساتھ درج ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ وسلام

سوال[۸۳۵]: ۱...... فجر میں سنت سے پہلے یا فرض وسنت کے بیچ وقت میں "یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک" پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ان اوقات میں فضائل بیان کرنا کیسا ہے؟ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے فضائل، اسلام کے فضائل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے فضائل دیگر اوراد ووظائف، حمد ونعت وغیرہ۔

کسی نماز کے بعد حمد وصلوٰۃ حلقہ بنا کر پڑھنا

سوال[۸۳۶]: ۲...... فجر میں دعا کے بعد کھڑے ہو کر حلقہ بنا کر "یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک" پڑھنا کیسا ہے؟ یا دعا کے بعد فضائل بیان کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فجر کا وقت ختم ہو گیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... دین کی باتیں، فضائل ومسائل بیان کرنا بھی درست ہے، اس کا خیال رہے کہ لوگوں کی سنتوں میں خلل نہ آئے لیکن یہ وقت نہایت سکون کا ہے، درود شریف، تسبیح، استغفار، تلاوت میں آہستہ مشغول رہنا بہتر ہے (۳) درود شریف اس طرح پڑھنا چاہیے: "اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آله و

---

(۱) (لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمه الله تعالیٰ)

(۲) (للعلامة السخاوي رحمه الله تعالیٰ)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿واذكر ربك في نفسك تضرعاً و خيفةً و دون الجهر من القول﴾ الآية. (الأعراف: ۲۰۵)

و قال علیه السلام: "خير الذكر الخفي". الحديث. (مسند الإمام أحمد: ۱/۱۷۲، رقم الحديث: ۱۴۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(والبيهقي في شعب الإيمان، رقم: ۵۵۲)

=

أصحابه و بارك و سلم"۔

۲......درود شریف کا یہ طریقہ قرآن کریم، حدیث شریف، صحابہ کرام، محدثین عظام اور دیگر سلف صالحین سے ثابت نہیں (۱)۔ ہر شخص یا جس کو توفیق ہو اپنی اپنی جگہ پر نمبر: ا میں لکھے ہوئے طریقے پر پڑھے تو بہت سعادت اور خیر و برکت کی چیز ہے (۲) یہ کھڑے ہو کر حلقہ بنا کر اس طرح پڑھنا اس میں نمائش زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کو اخلاص پسند و قبول ہے (۳) نمائش پسند و قبول نہیں (۴) نماز فجر کے بعد جب سب لوگ فارغ

= و قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى تحت الآية المذكورة: "فيه تجريد الخطاب إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، و هو عام لكل ذكر، فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص و أقرب من القبول .... و المراد بالجهر رفع الصوت المفرط و بمادونه نوع آخر من الجهر، قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: هو أن يسمع نفسه اهـ" (روح المعاني: ۹/۱۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

و في الدر المختار: "هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعآء؟ قيل: "نعم". وفي ردالمحتار: "و عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قرأة القرآن والجنازة" .... فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المسلمين أو النيام .... الخ". (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

(وكذا في فيض القدير للمناوي: ۶/۳۱۲۵، رقم الحديث: ۹۰۰۹، مكتبه نزار مصطفى رياض)

(۱) اور جو کام ان اصول سے ثابت نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے كما مر تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ" رقم الحاشية: ۱)

(۲) (تقدم تخريجه من كتب الحديث تحت عنوان: "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کا ثبوت")

(۳) قال الله تعالى: ﴿و ما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفآء﴾ (البينة: ۵)

(۴) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، و من يرآء يرآء الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الريآء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

(وابن ماجة، كتاب الزهد، باب الريآء والسمعة ص: ۳۱۰، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الزهد، باب تحريم الريآء: ۲/۴۱۲، قديمي)

ہوچکیں تو دینی ضروریات، فضائل ومسائل بیان کرنا اور تعلیم دینا بہت بہتر اور مفید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ

سوال[۸۳۷]: جو طریقہ درود وسلام کا ''درود اکبر، دعائے گنج العرش'' وغیرہ میں مذکور ہے جیسے ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله'' اس طریقہ خاص کا ثبوت قرآن مجید احادیث نبویہ على صاحبها ألف ألف تحية والسلام، تعامل صحابہ سے ہے یا نہ؟ اور طریقہ درود وسلام جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیا ہے؟ اور دیار ہند یا دیگر ممالک میں اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود میرا سلام سن رہے ہیں اور طریقہ مذکورہ استعمال کرے تو آیا وہ اس عقیدہ وخیال میں حق بجانب ہے یا ممنوع شرعی لازم آتا ہے اور مطابق عقیدہ اہل سنت والجماعت ''یا رسول اللہ، یا نبی اللہ السلام علیک'' کا استعمال کہاں تک درست ہے؟ جواب اگر مع حوالہ مرحمت فرمائیں مزید باعث اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔

سائل: الاحقر محمد خلیل الرحمٰن عفا اللہ عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''عن عبد الرحمن ابن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: ألا أهدي لك هديةً سمعته من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فقلت: بلى! فأهدها لي، فقال: سألنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقلنا: يا رسول الله! كيف الصلوة عليكم أهلَ البيت! فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليك، قال: ''قولوا: أللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على إبراهيم إنك حميد مجيد، أللهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم إنك حميد مجيد''. متفق عليه(١)، إلا أن مسلماً لم يذكر: ''على

(١) (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ٢/٩٤٠، قديمي كتب خانه)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد: ١/١٧٥، قديمي)

إبراهيم" في الموضعين مشكوة شريف، ص:٨٦(١)-

"وعنه (أي عن ابن مسعودرضي الله تعالى عنه) قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:"إن لله ملا ئكةً سيا حين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام". رواه النسائي (٢) والدارمي(٣) مشكوة شريف، ص:٨٦(٤)-

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال: رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:"من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان"(٥). مشكوة شريف،ص:٨٧(٦)-

روایاتِ بالا سے چند امور ثابت ہوئے: اول یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درود شریف کی تعلیم دی ہے اور یہ تعلیم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوال کے جواب میں ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس درود شریف

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص:٨٦، قديمي)

(٢) (أخرجه النسائي في السهو، باب التسليم على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ١٨٩/١، قديمي)

(وأحمد في مسنده ٤٤١/١، (وابن حبان في صحيحه:رقم الحديث: ٩١٤)

(و الحاكم في المستدرك: ٤٢١/٢، و قال: صحيح، و لم يخرجاه، و وافقه الذهبي)

(٣) (سنن الدارمي: ٤٠٩/٢، كتاب الرقائق، باب في فضل الصلاة على النبي ﷺ، قديمي)

(٤) (المشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و فضلها، ص:٨٦، قديمي)

(٥) (شعب الإيمان للبيهقي: ١٥٨٣/٢)

وقال العلامة المناوي رحمه الله تعالى "قال البيهقي: رواه في شعب الإيمان وفي كتاب "حياة الأنبياء" من حديث محمد بن مروان عن الأعمش عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه. و ضعفه في كتاب حياة الأنبياء بابن مروان هذا، وأشار إلى أن له شواهد. وقال العقيلي: حديث لا أصل له، و قال ابن دحية: موضوع تفرد به محمد بن مروان السدي، قال: و كان كذاباً، أورده ابن الجوزي في الموضوع. و في الميزان: ابن مروان السدي تركوه، و اتهم بالكذب، ثم أورد له هذا الخبر" (فيض القدير: ٥٨٨٨/١١، رقم الحديث: ٨٨١٣، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(٦) (المشكوة، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و فضلها، ص:٨٧، قديمي)

کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر تشہد میں ہے (کذافی هامش مشکوۃ المصابیح)(۱) اور جس کو صحابی کہتے ہیں: "فإن الله قد علمنا" اور اس کے جواب میں اس درود شریف کی تعلیم دی گئی ہے جس کو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس وجہ سے یہ افضل ہے۔ کماصرح به مولانا علی القاری (۲)۔

دوم: یہ کہ جو شخص حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے قریب سے درود شریف پڑھتا ہے تو آپ اس کو سنتے ہیں (۳) چوں کہ آپ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے (۴)۔

سوم: یہ کہ جو شخص دور سے پڑھتا ہے تو وہ آپ کو بذریعہ ملائکہ سیاحین پہونچایا جاتا ہے (خود نہیں سنتے کما هو الظاهر من التقابل)(۵) پس دور سے "الصلوة و السلام علیك یا رسول الله" اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ ملائکہ اس صلوۃ وسلام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہونچاتے ہیں تو درست ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی کو خط لکھتا ہے اور اس میں صیغہ خطاب استعمال کرتے ہیں اور جانتا ہے کہ مکتوب الیہ کے

---

(۱) "عن عبد الرحمن بن أبي ليلى ...... فقلنا : يا رسول الله ! كيف الصلوة عليكم أهل البيت ؟ فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليك، قال: "قولوا : أللهم صل على محمد و على آل محمد كماصليت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد ..... الخ". (مشكوة المصابيح ، كتاب الصلوة ،باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۸۶، قديمي كراچی)

(۲) قال علی القاری : "فأرادوا تعليم الصلوة أيضاً على لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل" (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : ۳/۶، مكتبه رشيديه كوئٹه)

(۳) (تقدم تخريجه من البيهقي ومشكوة المصابيح، تحت رقم الحاشية : ۵، ۶، ص: ۱۱۲)

(۴) "فيه إشارة إلى حياته الدائمة، وفرحه ببلوغ سلام أمته الكاملة". (مرقاة المفاتيح ، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفضلها : ۳/۱۲ ،رشيديه)

(۵) "(يبلغوني) من التبليغ، وقيل : من الإبلاغ .... يوصلون (من أمتي السلام) إذاسلموا عليّ قليلاً أو كثيراً،و هذا مخصوص بمن بَعُدَ عن حضرة مرقده المنور ومضجعه المطهر ، و فيه .... إيماء إلى قبول السلام حيث قبلته الملائكة و حملته إليه عليه السلام ". (مرقاة المفاتيح : ۳/۱۲ ، رشيديه)

پاس میرا خط بذریعہ ڈاک پہنچے گا تو درست ہے۔ اور اگر اس نیت اور اعتقاد سے کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بلا توسط اس کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو یہ اعتقاد احادیث اور شریعت کے خلاف ہے، ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں، اس اعتقاد سے تو یہ فرض ہے کیوں کہ یہ عقیدہ شرک ہے(۱)۔ عوام چونکہ اس فرق کو نہیں سمجھتے اس لئے ان کو ایسے مواقع پر صیغہ خطاب استعمال کرنے سے روکنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ رجب/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) کیونکہ قرآن کریم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عقیدے کی نفی کی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ بیان کیا ہے لہٰذا یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہونے کی بنا پر باطل ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿و ما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم﴾ (آل عمران: ۴۴)

و قال تعالیٰ: ﴿و ما كنت بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى الأمر، و ما كنت من الشاهدين﴾. (القصص: ۴۴)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالى: ﴿و ما كنت من الشاهدين﴾: أی من جملة الحاضرين للوحي إليه أو الشاهدين على الوحي إليه عليه السلام ...... فإنه قد نفى الحضور أولاً في قوله تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الغربي﴾ و كذا إرادة المعنى الثاني بلزوم نحو ذلك لما أن نفي الحضور يستدعي نفي كونه من الشاهدين بذلك المعنى ...... ما كنت حاضراً بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى أمر نبوته ...... حتى يكون لك علم بما وقع لموسى عليه السلام، فتخبر بها الناس، ...... المراد ما كنت من الشاهدين ذلك الزمان، فيكون نفياً لحضوره و مشاهدته ذلك الزمان أعم من أن يكون بجانب الغربی أو غيره". (روح المعانی: ۲۰/ ۸۵، ۸۶، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

و قال تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الطور إذ نادينا﴾. الآية، (القصص: ۴۶)

"إن المراد و ما كنت حاضراً مع موسى عليه السلام بجانب الطور لتقف على أحواله. فتخبر به الناس". (روح المعانی: ۲۰/ ۹۰، دار إحياء التراث العربی)

بعد نماز فجر وعصر درود شریف جہراً پڑھنا

سوال[۸۳۸]: کشمیر میں نماز فجر اور عصر کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں، وہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو پڑھنا فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، ہر نماز کے بعد بلکہ ہروقت رات دن میں درست ہے(۱) لیکن جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھیں، جس سے کسی کی نماز میں خلل نہ آئے(۲) ورنہ ہلکی آواز سے بھی پڑھ سکتے ہیں(۳) اور کسی کو مجبور نہ کریں، ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درود شریف وعظ میں زور سے پڑھنا

سوال[۸۳۹]: وعظ ونصیحت کی مجلس میں درود شریف با آواز بلند پڑھنا، نیز آخر میں قیام کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درود شریف پڑھنا باعثِ برکت اور موجب ثواب ہے(۴) لیکن چلا کر پڑھنا اور شور مچانا منع ہے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان ''صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ'')

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان ''فجر کی سنت سے قبل صلوٰۃ وسلام'')

(۳) حدیث شریف میں ہے ''خیر الدعاء الخفی''. (مسند الإمام أحمد : ۱۷۲/۱)

(والبیهقی فی الشعب : رقم الحدیث: ۵۵۲)

''والمراد بالجهر رفع الصوت المفرط، و بمادونه نوع آخر من الجهر، قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما : هو أن یسمع نفسه، وقال الإمام : المراد أن یقع الذکر متوسطاً بین الجهر والمخافة''. (روح المعانی : ۹/۱۵۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت).

(۴) (تقدم تخریجه من کتب الحدیث تحت عنوان: ''صلی اللہ علیک یارسول اللہ کا ثبوت''۔)

کیونکہ یہ دعاء ہے(۱)اور دعاء میں اصل اخفاء ہے(۲) درمختار میں ہے:

"الحديث: من ذكرت عنده" فليحفظ، و إزعاج الأعضاء برفع الصوت جهل اهـ. قال في الهندية: رفع الصوت عند سماع القرآن و الوعظ مكروه، و مايفعله الذين يدعون الوجد و المحبة لاأصل له، و يمنع الصوفية من رفع الصوت و تخريق الثياب، كذافي السراجية اهـ".

(رد المحتار: ۱/ ۵٤۱)(۳)۔ قیام ایسے وقت بدعت ہے، لأصل له(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبد اللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، ۱۴ شوال ۵۶ھ

وعظ میں بلند آواز سے سامعین کا درود شریف پڑھنا

سوال[۱۸۴۰]: بعض واعظین کی عادت ہے کہ وعظ کے درمیان سامعین سے درود شریف پڑھواتے ہیں جہراً۔ آیا اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں، اگر موجود نہیں تو کیا بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو کونسی، آیا بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ نیز بعض واعظین کی عادت ہے کہ خطبہ اور آیت کریمہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں، پھر وعظ شروع کرتے ہیں، نیز وعظ ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی کوئی اصل موجود ہے؟ نیز اذان کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل موجود ہے؟ بینوا توجروا۔

عبد الغفور مظاہری صوبہ آسام سلہٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ میں سامعین کا بلند آواز سے درود شریف وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے، اگر پڑھیں تو آہستہ پڑھیں:

---

(۱) "قال صدر الشريعة: يجوز أن يكون المعنى واحداً حقيقياً، و هو الدعآء". (روح المعاني تحت قوله تعالى: ﴿إن الله و ملائكته﴾ الاية: (۲۲/ ۷٦، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً و خفيةً، إنه لايحب المعتدين﴾. (الأعراف: ۵۵)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/ ۵۱۹. ايچ ايم سعيد)

(٤) "ونظير ذلک فعل كثيرعند ذكر مولوده صلى الله تعالى عليه وسلم ووضع أمه له من القيام، وهو أيضاً بدعة، لم يرد فيه شيء". (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي رحمه الله تعالى، ص: ۱۱۲، قديمي)

"رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه اھ"۔ شامی: ۱/۵٤۱(۱)۔

دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاتھ اٹھا کر ہو یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہو، وعظ کے شروع کرنے سے پہلے ہو یا ختم کر کے ہو، اذان کے بعد خصوصیت سے رفع یدین یا ترک رفع کی تصریح نہیں، دونوں طرح درست ہے، کسی ایک شیء پر اصرار نہیں چاہیے: "لأن الإصرار يبلغ المندوب إلى حد الكراهة". كما في السعاية (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

مجلس وعظ میں درود شریف جہراً پڑھنا

سوال [۱۸٤۱]: مجلس وعظ میں بعد الجمعہ وتراویح میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنا و پڑھوانا، نیز نہ پڑھنے پر حقارت کی نگاہ سے دیکھنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے اور مسلمان کو اس پر حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام ہے۔ کذا في رد المحتار (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، مطلب: نص العلماء على استحباب الصلوة الخ: ۱/۵۱۹، سعيد)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرأة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه". (رد المحتار، باب صفة الصلوة، مطلب: نص العلماء، على استحباب الصلوة الخ: ۱/۵۱۹، سعيد)

اجتماعی درود جہراً پڑھنا

سوال [۸۴۲]: ایک مسئلہ یہ ہے کہ وعظ کی مجلس میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد سب اہل مجلس کا شور مچا کر درود شریف پڑھنا، نیز بعد نماز عشاء اور دیگر نماز کے بعد تمام مصلی شور مچا کر درود شریف پڑھتے ہیں، آیا بموافق شریعت غرہ جائز ہے یا نہیں؟ مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف دعاء ہے اور دعاء میں مطلوب اخفاء احب وافضل ہے (۱)، صورت مذکورہ سے شور مچا کر درود شریف پڑھنا شرعاً ثابت نہیں بلکہ بے اصل وبدعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رجب/ ۵۶ھ۔

آواز سے صلوۃ وسلام

سوال [۸۴۳]: آج کل اکثر مسجدوں میں پیغمبروں کے نام پکار پکار کر سلام پڑھتے ہیں، بعض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے سلام پکار پکار کر پڑھتے ہیں۔ یہ رواج کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح صلوۃ وسلام پڑھنا ثابت نہیں (۳)، دور سے تو اس طرح پڑھا جائے جس طرح نماز میں درود شریف پڑھا جاتا ہے اور روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ہلکی درمیانی آواز سے انتہائی ادب ومحبت کے ساتھ صیغہ مخاطب سے پڑھا جائے، بلند آواز سے چلا کر وہاں بھی نہ پڑھا جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۹/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "فجر کی سنت سے قبل صلوۃ وسلام")

(۲) (تقدم تخریجه من فیض القدیر تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ پڑھنا")

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "ختم تراویح کے بعد الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ پڑھنا")

(۴) قال ابن الهمام: " و ما يفعله بعض الناس من النزول بالقرب من المدينة والمشي على أقدامه إلى أن =

ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھنا

سوال[۸۴۴]: نماز ختم کرکے درود پاک پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف کا تحفہ بھیجنا بہت بڑے ثواب کی چیز ہے(۱)، ہر مؤمن کو چاہیئے کہ درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھا کرے مگر اخلاص کے ساتھ آہستہ پڑھے(۲)، بلند آواز سے اس طرح پڑھنا کہ مسجد میں نمازیوں کو تشویش ہو اور نماز پوری کرنی مشکل ہو جائے یہ ٹھیک نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

نماز کے بعد سلام پڑھنا

سوال[۸۴۵]: مسجد میں بعض لوگ نماز فجر کے بعد سلام پڑھتے ہیں اور تبلیغ کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم کو وہابی کہتے ہیں۔ تو بعد نماز فجر سلام پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

= يدخلها حسن، و كل ما كان أدخل في الأدب والإجلال كان حسناً ... و روى أبو حنيفه رحمه الله تعالى في مسنده عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: "من السنة أن تأتي قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من قِبَل القبلة، و تجعل ظهرك إلى القبلة، و تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول، السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته". (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث: ۱۸۰/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) (أنظر صحيح البخاري، كتاب الدعوات، و الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، و سنن أبي داؤد كتاب الصلوة، والترمذي أبواب الوتر والنسائي كتاب السهو، وابن ماجة كتاب إقامة الصلوة كلهم في باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ")

(۲) قال الله تعالى: ﴿و ما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفآء﴾. (البينة: ۵)

(۳) (تقدم تخريجه من روح المعاني، و رد المحتار و فيض القدير تحت عنوان "فجر کی سنت سے قبل صلوۃ وسلام")

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کے پاس حاضر ہوکر صلوۃ وسلام اسطرح پڑھا جائے: "الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" (۱)، دور سے اس طرح پڑھا جائے "اللّٰھم صلی سیدنا و مولانا محمدالخ" حدیث شریف میں ہے کہ: ''جو شخص دور سے صلوۃ وسلام پڑھتا ہے وہ ملائکہ کے ذریعہ خدمت اقدس میں پہنچایا جاتا ہے (۲) اور جو شخص روزۂ اقدس کے قریب حاضر ہوکر پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں'' (۳)۔ اور صلوۃ وسلام دور سے آہستہ پڑھا جائے جیسے نماز میں پڑھا جاتا ہے، نہ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، نہ آواز ملانے، نہ زور سے پڑھنے کی یہ تو ایک جلوس اور شو ہے اس سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

ہاتھ باندھ کر صلوۃ وسلام پڑھنا

سوال [۸۴۶]: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر صلوۃ و سلام پڑھنے کو زید قطعاً حرام کہتا ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے؟ اور صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات اکابر نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابر نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: "و در وقت آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و وقوف درآں جناب باعظمت دست راست بر دست چپ نہند، چنانچہ در حالتِ نماز کند، کرمانی کہ از علمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ است''۔ جذب القلوب، ص: ۲۱۷ (۴)۔ لہٰذا اس میں تشدد نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۹۱ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''آواز سے صلوۃ وسلام پڑھنا'')

(۲،۳) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''صلوۃ سلام پڑھنے کا طریقہ''

(۴) (جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص: ۲۱۷، باب شانزدھم در آداب زیارت الخ، فصل، فیض نافی)

ہر جمعرات کو محفلِ درود اور شیرینی

سوال [۸۴۷]: ہر جمعرات کو پابندی سے بعد نماز عشاء محفل درود شریف اعلان کرکے منعقد کرنا اور بغیر کسی جبر کے دو ایک حضرات بخوشی اپنی طرف سے شیرینی تقسیم کردیں تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ سب کیسا ہے؟ اگر مناسب ہو تو کوئی اور بہتر طریقہ عمل درود شریف کا تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ دن کی پابندی ہر جمعرات، وقت کی پابندی بعد نماز عشاء، تداعی (اعلان) کے ساتھ محفل منعقد کرنا سلفِ صالحین: صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء سے منقول نہیں ہے(۱)۔ اپنی خوشی سے کوئی صاحب اگر شیرینی تقسیم کردیں گے تو اس سے جبریہ شیرینی کی قباحت تو ختم ہوجائے گی مگر دوسرے قبائح پھر بھی موجود ہیں۔

درود شریف کے فضائل احادیث سے خوب ثابت ہیں، جمعہ اور شب جمعہ میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کی ترغیب بھی ثابت ہے(۲)، مگر اس کے لئے یہ محفلیں منعقد کرنا ثابت نہیں، جو شخص تنہا مسجد میں یا مکان میں جس قدر توفیق ہو درود شریف دل لگا کر اخلاص کے ساتھ یکسوئی کے ساتھ پڑھا کرے، یہ عین سعادت ہے(۳)۔ شیرینی جب دل چاہے جس قدر چاہے بازار سے خرید کر کھالیا کرے، غرباء اور دوستوں کو بھی جس قدر چاہے کھلایا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) اور اس طرح کے غیر منقول کام دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے، کما تقدم تخریجه تحت عنوان: "اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت")

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ"۔)

(۳) "عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "أولی الناس بی یوم القیامة أکثرهم علیّ صلوةً" رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالی علیه وسلم و فضلها، ص: ۸۶، قدیمی)

درودتاج

سوال[۸۴۸]: درودتاج کا پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ اس میں "دافع البلاء والوباء والقحط والمرض" وغیرہ کے الفاظ ہیں، اس درود کی فضیلت بہت زیادہ لکھی ہے، اس درود کی ترتیب کب اور کس نے کی اور چیچک وغیرہ میں عام طور سے گیارہ دفعہ پڑھ کر دم کرتے ہیں، حالانکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ فتاوی رشیدیہ جلد دوم میں اس درود کو پڑھنا شرک وبدعت قرار دیا ہے، کہاں تک درست ہے؟ عوام کو دفع مرض ووظیفہ کے طور پر پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اس کو پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے یا ثواب ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداء معلوم نہیں کس نے ایجاد کیا ہے، جو فضائل عوام جہال بیان کرتے ہیں وہ محض غلط اور لغو ہیں، احادیث میں جو درود وارد ہیں وہ یقیناً درود تاج سے افضل ہیں (۱)، نیز اس میں بعض الفاظ شرکیہ ہیں اس لئے اس کو ترک کرنا چاہیے۔ فتاوی رشیدیہ میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مخصوص من گھڑت درود

سوال[۸۴۹]: ہمارے علاقے میں ایک درود پڑھتے ہیں "صل علی نبینا، صل علی محمد، دم

(۱) قال علی القاری بعد بحث: " فأرادوا تعليم الصلوة أيضاً على لسانه بأن ثواب الوارد أفضل وأكمل". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وفضلها: ۲/۳، رشيديه)

(۲) "آنچه فضائل درود تاج که بعض جهله بیان کنند، غلط است. و قدر آن بجز بیان شارع علیه السلام معلوم شدن محال، و تالیف این بعد مرور صدها سال واقع شد، پس چگونه در این صیغه را موجب ثواب قرار داده شود، وآنچه در احادیث صحاح صیغهائے درود وارد شده، آنرا ترک کردن واین را موعود بثواب جزیل پنداشتن و ورد ساختن بدعت ضلالت هست، و چون آن که در آن کلمات شرکیه مذکور اند اندیشهٔ خرابی عقیدهٔ عوام است. لهذا ورد آن ممنوع هست، پس تعلیم درود تاج همانا سمّ قاتل بعوام سپردن است که صدها مردم بفسادِ عقیدهٔ شرکیه مبتلا شوند، و موجب هلاکت ایشان گرد، فقط والله تعالی اعلم". (فتاوی رشیدیه، کتاب البدعات، ص: ۲۵۷)

بدم پڑھو درود، حضرت بھی ہیں یہاں موجود پڑھو صل علی محمد الخ'' یہ درود کسی حدیث سے ثابت ہے یا من گھڑت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کسی حدیث سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ حضرت بھی یہاں موجود ہیں صحیح نہیں، اس سے توبہ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

درود لکھی وغیرہ کی تعریف

سوال[۸۵۰]: ''نورنامہ، عہدنامہ، دعائے گنج العرش، درود تاج، درود لکھی'' کی اصلیت کیا ہے؟ ان کی تعریفات درست ہیں یا مبالغہ؟ دوسرے ان کا ثبوت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا لوگوں نے خود تالیف کیا ہے؟ ان کے پڑھنے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کی کوئی سند صحیح ثابت نہیں، جو تعریفیں لکھی ہیں بے اصل ہیں، بجائے ان کے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے، درود شریف، کلمہ شریف، استغفار پڑھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایک درود شریف

سوال[۸۵۱]: "اَللّٰھم صل علی سیدنا محمد ما دامت الصلوة، و صل علی سیدنا محمد مادامت الرحمة، و صل علی سیدنا محمد مادامت البرکات، و صل علی روح محمد فی الأرواح، وصل علی صورة محمد فی الصور، و صل علی اسم محمد فی الأسماء، و صل علی نفس محمد فی الریاض، و صل علی جسد محمد فی الأجساد، و صل علی تربة محمد فی القلوب، و صلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه سیدنا محمد و آله و أصحابه و أزواجه و ذریاته و أهل بیته و أحبابه أجمعین، برحمتك یاأرحم الرحمین".

یہ ایک عہد نامہ میں لکھا ہے اس کی بہت فضیلت لکھی ہے، یہ درود شریف درست ہے یا نہیں، اس کو

---

(۱) کیونکہ یہ قرآن کریم کے صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرکیہ اور باطل عقیدہ ہے۔ کما تقدم تحت عنوان ''صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ'')

پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے واضح طور پر مطلع فرمائیں۔فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

فی نفسہ اس درودشریف کا پڑھنا بھی درست ہے،اس کے اکثر کلمات ''الحزب الأعظم''(۱) میں ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کئے ہیں،مگر جوفضائلِ کثیرہ عہد نامہ میں درج ہیں وہ قابلِ وثوق نہیں،افضل درودشریف وہ ہے جوحضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا ہے،جیسے کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

ایک خاص درودشریف کے فضائل

سوال[۸۵۲]: میں نے ایک کتاب میں ایک درودشریف کے بارے میں دیکھا ہے کہ جس کے چالیس فائدے بتلائے گئے ہیں:پانچ ہزارنیکیاں لکھی جائیں گی اور پانچ ہزار گناہ معاف ہونگے اوراس کی پیشانی پرلکھا ہوگا کہ یہ منافق نہیں ہے اور قیامت کے روز وہ شہداء کے ساتھ اٹھے گا،مال میں ترقی اوراولاد میں برکت ہوگی،روزِ قیامت حضور سرورِکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''فداہ أبي وأمي'' اس سے مصافحہ فرمائیں گے۔ ''ألّلھم اجعلنا منھم'' درودشریف یہ ہے:''صلی اللہ علی النبي الأمي و آلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوۃً وسلاماً علیک یارسول اللہ''۔براہ کرم مطلع فرمائیں کہ یہ درودشریف حدیث کی کون سی کتاب سے ثابت ہے؟اور یہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''و صلی اللہ علی سیدنا محمد وسلم ، أللھم صل علی جسدہ في الأجساد، و علی روحہ في الأرواح، و علی موقفہ في المواقف، وعلی مشھدہ في المشاھد، وعلی ذکرہ إذا ذُکر صلوۃً منا علی نبینا الخ''. (الحزب الأعظم للقاري ص: ۱۸۰، نورمحمد کراچی)

اوربھی اسی قسم کے کئی درود موجود ہیں،تفصیل کے لئے مراجعت کریں۔

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان :''صلی اللہ علیک یا رسول اللہ'')

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے لکھے ہوئے الفاظ درود شریف مجموعی یکجائی اس ترتیب سے میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھے، جو الفاظ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان کو علماء نے اپنی تصانیف میں جمع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے مستقل کتابیں لکھی ہیں، علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''القول البدیع''(۱) اور حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''زاد السعید'' اور حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی کی ''فضائل درود شریف'' میں تفصیل سے الفاظ درود شریف کو جمع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند ۲۰/۲/۹۰ھ۔

روضہ اقدس علیہ السلام کے فوٹو پر درود وسلام پڑھنا

سوال [۸۵۳]: میں نے عقیدت کی بنا پر حضرت رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اقدس کے فوٹو کو فریم کر کے رکھ لیا ہے، جب کبھی اس پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار درود شریف پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہے، لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ معلوم نہیں یہ میرا فعل شرعاً کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روضہ اقدس کے نقشہ کو احترام کے ساتھ رکھنا اور اس کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں اور درود شریف تو بہت بڑی دولت وسعادت ہے، جس قدر بھی پڑھا جائے نور ہی نور ہے، لیکن اس نقشہ کو سامنے رکھ کر ایسا نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ اس نقشہ میں اصل قبر مبارک ذہن میں نہ بیٹھ جائے، اگر آپ اس سے محفوظ بھی رہے تو جن کو یہ علم ہوگا کہ آپ اس نقشہ کو دیکھ کر درود وسلام پڑھا کرتے ہیں ان کے مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، بت

---

(۱) (القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع للعلامة السخاوی، مشتمل علی مقدمة، و خمس أبواب، کل باب یشتمل علی فصول و فی أوله تعریف الصلوة لغةً و اصطلاحاً مع بحوث طویلة، وفی آخره خاتمة، من مطبع المکتبة العلمیة بالمدینة المنورة)

پرستی کی ابتداء اسی طرح ہوئی تھی۔ آپ اس طرح درود شریف پڑھیں کہ یہ تصور قائم ہو کہ ملائکہ ہمارے اس درود شریف کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش کردیتے ہیں، یہ حدیث شریف سے ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

نماز کے بعد نقشۂ مسجد نبوی کی طرف رخ کرکے درود شریف پڑھنا

سوال [۸۵۴]: ہر نماز کے بعد کعبہ کے آویزاں نقشے کی جانب رخ کرکے ہاتھ باندھ کر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ صحابہ کرام نے اختیار کیا، نہ محدثین نے، نہ فقہائے مجتہدین نے (۲)۔ نماز میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ افضل ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں جب دل چاہے جس قدر بھی توفیق ہو بڑے ادب واحترام سے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا بہت بڑی سعادت اور برکت کی چیز ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت بڑا حق ہے، حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۴/ ۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ")

(۲) "(البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵٦۰، سعيد)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ صلوةً واحدة، صلى الله عليه عشر صلوات، و حطّت عنه عشر خطيّات، و رفعت له عشر درجات". رواه النسائي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۸٦، قديمي)

درود وذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا

سوال[۸۵۵]: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک بار اپنے بعض شاگردوں کو دیکھا کہ ذکر وعبادت کے لئے ایک جگہ مقرر کرکے جمع ہوئے ہیں تو غصہ فرمایا اور تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''اے لوگو! کیا تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہو''؟

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو میں نے اس طرح کا ذکر نہیں دیکھا، پھر تم لوگ یہ نیا طریقہ نکال رہے ہو''۔ اثر یہ ہوا کہ یہ سلسلہ رک گیا، کیا آپ کے اس ارشاد کو فتوی کی شکل دی جاسکتی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریر فرمائیں کہ درود شریف کا اجتماعی شکل میں دن مقرر کرکے پڑھا جانا اس تعریف میں آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی غیر ثابت تاریخ، دن، ہفتہ، عدد وغیرہ کی تعیین اپنی طرف سے لازم کردینا اور اس کو حکم شرعی قرار دینا اسی زد میں آجائے گا، درود شریف کی کثرت جمعہ کے دن اور شب جمعہ میں ثابت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا عليّ من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة علي". الحديث.

"وعن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أكثروا الصلوة عليّ يوم الجمعة، فإنه مشهود تشهده الملائكة، وإن أحداً لن يصلي عليّ إلا عرضت عليّ صلوته حتى يفرغ منها" .... الحديث. (رواهما ابن ماجة في الجنائز، باب ذكر وفاته و دفنه صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۱۱۸، قديمي)

جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب

سوال [۸۵۲]: نمازِ جمعہ کے بعد جہراً درود شریف پڑھنا اور دیگر محلوں میں بھی ایسا کیا ہے، اجتماعی ہیئت کے ساتھ جہراً درود شریف، تسبیح وتہلیل اور تکبیر کے متعلق "المنہاج الواضح" یعنی راہِ سنت، ص: ۱۱۶ سے لے کر ص: ۱۲۳ میں جو فیصلہ مذکور ہے، اس بارے میں ایک دیوبندی شخص جو عقائد وعمل کے لحاظ سے اہلِ سنت کے مسلک پر ہیں وہ فاضل دیوبند بھی ہیں، مجھے شامی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ جمعہ کے بعد درود شریف جہراً واجتماعاً بدعت نہیں، چونکہ وہ مولوی صاحب مسافری کی حالت میں میرے یہاں آئے تھے اس لئے کتاب نہ ملنے کی وجہ سے نہ دکھلا سکے، کیا واقعۃً ایسا ہی ہے؟ پھر اعتراضاً کہتے ہیں کہ سہارنپور مظاہر علوم میں عصر کے بعد حضرت ناظم صاحب جو ختم پڑھتے ہیں وہ بھی تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کی تعیین ہے، پھر یہ بدعت کیوں نہیں ہے؟ نیز ماضی قریب کے بزرگوں کا اور فی الحال ان کے خلفاء کا عمل ہے کہ اپنے مریدین کو مسجد میں جمع کر کے ذکر اللہ اور وہ بھی ذکرِ جلی کرنے کا موقع دیتے ہیں بلکہ ترغیب دیتے ہیں اور تلقین بھی، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف سراً وجہراً دونوں طرح درست وثواب، باعثِ ترقی درجات اور موجبِ قرب ہے (۱) جمعہ کے روز خصوصیت سے اس کی تاکید ہے (۲) لیکن اجتماعی حیثیت سے جہراً پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچوں وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے، اوقاتِ نماز کے علاوہ بھی بکثرت حضر وسفر میں جمع ہونے کا موقع ملتا تھا مگر کہیں ثابت نہیں کہ اجتماعاً جہراً پڑھنے کا معمول رہا ہو (۳)، انفراداً بھی جہراً پڑھنے میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی کو تشویش نہ ہو، مثلاً: وہاں کوئی نماز میں مشغول نہ ہو یا نائم نہ ہو، نیز جہراً پڑھنے سے دوسری کوئی غرض مطلوب نہ ہو، مثلاً: کسی بڑے کی آمد پر زور سے درود شریف پڑھنے سے اس کی آمد کی اطلاع مقصود ہو یا تاجر اپنا مال خریدار کو دکھا کر زور سے درود شریف پڑھے تاکہ خریدار خریدنے پر آمادہ

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ")

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "درود وذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا")

(۳) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "اذان کے بعد کچھ کلمات نصیحت")

ہوجائے (۱)، اس قسم کی لغو چیزوں کی نیت نہ ہو اور ریا و سمعہ بھی مقصود نہ ہو، فساد نیت سے بڑی سے بڑی عبادتیں قابل قبول نہیں رہتی ہے (۲)۔ خطبہ جمعہ میں آیت درود شریف سنکر سب کا جہراً درود شریف پڑھنا منع ہے (۳)، دل میں ہر ایک کو پڑھنا چاہیے، واعظ ومقرر اثنائے تقریر میں جب کہے: "صلوا على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم" تو اس وقت بھی سب کا جہراً درود شریف پڑھنا منع ہے، ردالمحتار، ج: ۵ میں متعدد مقامات پر اس کے جزئیات موجود ہیں۔

اوقات خاصہ میں مقدار معینہ آیات واذکار کا اگر انہیں معمول کیا ہے، تو وہ عمل مشائخ ہے جو کہ حجت شرعیہ نہیں ہے، اسکا اتباع لازم نہیں ہے، البتہ چونکہ وہ مشائخ بھی متبع شریعت ہیں اس لئے ان کے ایسے عمل کی توجیہ کی جائے گی تاکہ وہ خلاف شرع ہوکر بدعت کی حدود میں داخل نہ ہوجائے۔ توجیہ یہ ہے کہ کسی وقت یا مقدار کی تعیین کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے، مثلاً: اوقات نماز کی تعیین فرمائی اور رکعات نماز کی مقدار متعین فرمادی، یہ تعیین تو امر تعبدی ہے جو بذریعہ وحی ہے، ایسی تعیین کرنے کا ازخود کسی کو حق نہیں بلکہ ایسی تعیین کے لئے امر شارع ہونا ضروری ہے (۴)، جو شخص ایسی (اعتقادی وعملی) تعیین اپنی

---

(۱) "و يمكن أن تكون الصلوة حراماً كما صرحوا به في الحظر والإباحة في مسئلة ما إذا فتح التاجر متاعه و صلى، و كذا في الفقاعي". (البحر الرائق ، آخر باب صفة الصلوة : ۱/ ۵۷۳، رشيديه)

(۲) " من سمّع سمّع الله به، و من يرآئي يرآء الله به". (صحيح البخاري ، كتاب الرقاق ، باب الرياء والسمعة : ۲/ ۹۶۲، قديمي)

(وابن ماجه ، ص: ۳۱۰، باب الرياء والسمعة،أبواب الزهد، قديمي)

(۳) "وإن صلى الخطيب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ..... فيصلي المستمع سراً بنفسه، وينصت بلسانه عملاً ..... والبعيد عن الخطيب والقريب سيان في افتراض الإنصات". (الدر المختار ، قبيل باب الإمامة : ۱/ ۵۴۵ ،سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ : "أمني جبرئيل عليه السلام مرتين عند باب البيت، فصلى بي الظهر حين مالت الشمس". الحديث (الطحاوي : ۱/ ۱۰۱، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة، سعيد)

عن سليمان بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فسأله عن =

طرف سے کرے وہ قابل قبول نہیں بلکہ قابل رد ہے: ''من أحدث فی أمرنا ھذا ما لیس منہ فھورد'' متفق علیه (۱)۔

تعیین کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کے لئے دوا یا غذا کی معین مقدار وقت مخصوص میں تجویز کرتا ہے، یہ امر تعبدی نہیں ہے بلکہ معالج کے تجربہ پر ہے، اگر کوئی شخص اس کا اتباع نہ کرے تو وہ عند اللہ گنہگار نہیں ہے، اس کی ہدایت پر عمل کرے گا تو انشاء اللہ صحت مند ہو کر نفع پائے گا۔ اسی قبیل سے ہے ذکر کی خاص مقدار خاص ہیئت وضرب کیساتھ، اسی وجہ سے تفاوتِ احوال کے تحت اس میں تفاوت بھی ہوتا رہتا ہے، بعض دفعہ اس جہر اور ضرب کو بالکل ترک کر دیا جاتا ہے، مخصوص ختمات کا حال بھی ایسا ہی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

= وقت الصلوة فقال: صل معنا هذين اليومين، فلما زالت الشمس أمر بلالاً، فأذن ثم أمره فأقام الظهر، ثم أمره فأقام العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية " الحديث . (سنن ابن ماجه ، ص: ۴۹، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة، مير محمد كراچي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۵۹، باب مواقيت الصلوة ، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: صليت مع رسول الله ﷺ أربعاً ليس بعدها شيء، و صلى المغرب ثلثاً و بعدها ركعتين، وقال: "هي وتر النهار" .... و صلى العشاء أربعاً". الحديث .

(الطحاوی : ۲۸۵/۱ ، كتاب الصلوة ، باب صلوة المسافر ، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۱۱۸ ، صلوة المسافر ، قديمي)

(وسنن الترمذی : ۱۲۳/۱ ، أبواب الصلوة في السفر ، باب ما جاء في التطوع في السفر ، سعيد)

(۱) (مشكوة المصابيح ، كتاب الإيمان، باب الإعتصام بالكتاب والسنة ص: ۲۷ ،قديمي)

(۲) "قرأ كثير من المشايخ والعلماء والثقات صحيح البخارى لحصول المرادات، وكفاية الهمات، وقضاء الحاجات، ورفع البليات، وكشف الكربات، وصحة الأمراض، وشفاء المريض عند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا لمقاصدهم، ووجدوه كالترياق مجرباً، وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة اهـ". (مقدمة لامع الدرارى شرح صحيح البخارى، الفصل الثاني في الكتاب، وفيه أيضاً فوائد الفائدة الثانية: ۲۳/۱ ، المكتبة اليحيوية، مظاهر علوم)

اسم مبارک پڑھ کر یا سن کر درود شریف پڑھنا اور اسکی قضا

سوال[۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان اسلام، مسائل مندرجہ ذیل میں، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

۱......حضور اقدس جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی و اسم گرامی سن کر درود پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ تحریر فرمادیجئے کہ درود شریف نام نامی سن کر کس عمر سے واجب ہوتا ہے یعنی ایام بلوغت سے واجب ہوتا ہے یا دس گیارہ سال کے بچے پر بھی واجب ہوتا ہے؟ براہ کرم اس مسئلہ کو اچھی طرح کھول کر بیان فرمائیں۔

۲......دوسری گذارش یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر تو درود شریف پڑھنا واجب ہوتا ہے اور اگر خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لے یا کلمہ طیبہ پڑھے یا کتاب میں بار بار نام نامی پڑھے یا حدیث شریف میں بار بار نام میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئے تو ایسی حالت میں درود پڑھنا کیسا ہے؟

۳......تیسری گذارش یہ ہے کہ ایک ہی جگہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے سو مرتبہ درود پڑھنا واجب ہوتا ہے؟

۴......چوتھی گذارش اگر کسی آدمی نے چالیس سال کی عمر تک نام نامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر درود نہ پڑھا ہو تو یہ گناہ اس کا توبہ سے معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ جس سے اس کی نجات ہو۔

۵......پانچویں گذارش یہ ہے کہ اگر ایسے آدمی نے قضاء کی نیت سے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تو وہ شخص جب کہ ایک مجلس میں نام نامی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو مرتبہ پڑھ چکا ہے یا سن چکا ہے تو اس پر کتنی مرتبہ درود پڑھنا واجب ہوا یعنی سو مرتبہ نام مبارک سن کر یا پڑھ کر کتنی مرتبہ درود شریف پڑھے جو اس کے سر سے واجب اتر جائے؟ مؤدبانہ گذارش ہے کہ مسئلہ ہذا کی پانچوں گذارشوں کا جواب صاف اور مفصل تحریر فرما کر مشکور فرمائیے۔

احقر محمد حشمت علی، شریف نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بلوغ کے وقت سے واجب ہوتا ہے(۱)۔

۲...... ایک مرتبہ واجب ہوتا ہے(۲)۔

۳...... ایک دفعہ(۳)۔

۴...... اس میں توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی قضاء کرے یعنی اتنی کثرت سے درود شریف پڑھے کہ دل گواہی دینے لگے کہ اب میرے ذمہ وجوب نہیں رہا، اس سے واجب پورا ہوجائے گا، زبانی توبہ کافی نہیں ہے۔

۵...... ایک دفعہ کافی ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ رمضان المبارک/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

اسم مبارک سن کر درود شریف

سوال [۸۵۸]: زید کہتا ہے کہ خطبہ کے علاوہ جب یہ آیت: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ الخ (۵) پڑھی جاوے تو درود شریف پڑھنا زبان سے واجب ہے۔ عمر کہتا ہے کہ نہیں ایسے صیغ امر کے قرآن

---

(۱) "وأما صحة عبادة الصبي كصلوته و صومه ...... فهي عقلية من باب ربط الأحكام بالأسباب، ولذا لم يكن مخاطباً بها، بل ليعتادها فلا يتركها بعد بلوغه". (رد المحتار، مقدمه: ۱/ ۳۸، سعید)

(۲) "إن الصلوة تكون فرضاً و واجباً وسنةً و مستحبةً ...... والأول في العمر مرةً والثاني كلما ذكر على الصحيح، والثالث في الصلوة، والرابع في جميع أوقات الإمكان". (البحر الرائق، باب صفة الصلوة: ۱/ ۵۷۳، رشیدیه)

(۳) (البحر الرائق المرجع السابق)

(۴) (البحر الرائق المرجع السابق)

(و كذا في رد المحتار على الدر المختار، باب صفة الصلوة، مطلب: نص العلماء على استحباب الصلوة الخ: ۱/ ۵۱۸، سعید)

(۵) (الأحزاب: ۵۶)

شریف میں بہت ہیں ﴿وارکعوا مع الراکعین﴾ (۱) ﴿آتوا الزکاة﴾ (۲) وغیرہ ان سے یہ مراد نہیں کہ جب یہ آیتیں پڑھی جاویں جب ہی رکوع یا زکوۃ واجب ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وقت آوے، اسی طرح جب حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام آئے جب درود واجب ہوتا ہے، صرف آیت کے پڑھنے سے درود شریف واجب نہیں ہوتا۔ پس شریعت کا کیا حکم ہے اور کس کا قول معتبر ہے؟ بینوا توجروا۔ بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صیغۂ امر کی وجہ سے عمر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے بالاتفاق (۳) اور جب اس آیت کو سنے یا کسی اور طرح اسم مبارک کو سنے تو اس وقت واجب ہے (۴) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف نہ پڑھنے پر احادیث میں وعید آئی ہے (۵)، اسی کو امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے (۶) اور امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ایک مجلس میں متعدد مرتبہ ذکر آئے تو ہر مرتبہ واجب

(۱، ۲) (البقرة: ۴۳، بتقديم و تاخير)

(۳) "و هي (أي الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم) فرض عملاً بالأمر ...... مرةً واحدةً إتفاقاً في العمر". (الدر المختار) وفي رد المحتار: "أي قلنا بفرضيتها لأجل العمل بالأمر القطعي الثبوت والدلالة الخ". (باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، قبيل مطلب لا يجب عليه أن يصلي الخ: ۱/۵۱۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، آخر باب صفة الصلوة: ۱/۵۷۳، رشيديه)

(۴) "لكن صح في الكافي وجوب الصلوة مرة في كل مجلس .... و هو كمن سمع اسمه عليه الصلوة و السلام مراراً، لم تلزمه الصلوة إلا مرةً في الصحيح" (رد المحتار: ۱/۵۱۶، باب صفة الصلوة، مطلب في وجوب الصلوة عليه كلما ذكر عليه الصلوة والسلام، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق المرجع السابق)

(۵) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من نسي الصلوة عليّ، خطيء طريق الجنة". (ابن ماجة، كتاب إقامة الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۶۴)

(۶) "والمختار عند الطحاوي تكراره: أي الوجوب كلما ذكر و لو اتحد المجلس في الأصح". (رد المحتار: ۱/۵۱۶، باب صفة الصلوة، مطلب في وجوب الصلوة عليه كلما ذكر الخ، سعيد)

نہیں ہے، كذا في در مختار (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۶۴ھ۔

لفظ نبی کریم اور اس پر درود

سوال [۸۵۹]: اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہ لے، صرف ''نبی کریم'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے تو سننے والے کو درود پڑھنا چاہیے یا نہیں اور اس طرح کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح کہنا بھی صحیح ہے اور سننے والے کو درود شریف بھی پڑھنا چاہیے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

درود میں لفظ ''سیدنا''

سوال [۸۶۰]: درود پاک ''اللهم صل على سيدنا إبراهيم'' پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے نماز کے درود میں سیدنا ابراہیم وسیدنا محمد پڑھ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور وہ شخص جس نے یہ بتلایا ہے اس کا ایمان کیسا ہے؟ اور جس نے اس لفظ ''سیدنا'' کو برا کہا اس شخص کا ایمان کیسا ہے، ان دونوں میں کون شخص مسلمان رہا اور کون کافر ہوگیا؟

---

(۱) "و هي (أي الصلوة) فرض مرةً واحدةً اتفاقاً في العمر، و اختلف في وجوبها كلما ذكر صلى الله تعالى عليه وسلم، والمختار عند الطحاوي تكراره: أي الوجوب كلما ذكر و لو اتحد المجلس في الأصح، لا لأن الأمر يقتضي التكرار، بل لأنه تعلق وجوبها بسبب متكرر، و هو الذكر، فيتكرر لتكرره، و تصير ديناً بالترك فتقضى؛ لأنها حق عبد كالتشميت، بخلاف ذكره تعالى، والمذهب استحبابه: أي التكرار، و عليه الفتوى" اهـ (الدر المختار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/ ۵۱۶-۵۱۷، سعيد)

(۲) تقدم تخريجه من رد المحتار، والبحر الرائق تحت عنوان: ''اسم مبارک سنکر یا پڑھ کر درود شریف پڑھنا اور اس کی قضاء''

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود پاک میں سیدنا کہنا مستحب ہے(۱)۔درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذکر کرنا چاہیے مگر اس طرح کہ پہلے سید الانبیا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہو پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا، اس کے باوجود ایسی بات کی وجہ سے کافر نہیں کہنا چاہیے کہ یہ بالکل آخری حد ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

درود میں آل کا مصداق

سوال[۸۶۱]: آل محمد ﷺ جو کہ درود شریف میں پڑھا جاتا ہے اس سے کون مراد ہیں؟ جواب کتب معتبرہ اہل سنت سے عنایت فرمائیں۔ احقر سید محمد ابراہیم عفا اللہ عنہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں تین قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد تمام امت ہے۔

دوسرا: یہ کہ اس سے مراد بنو ہاشم و بنو المطلب ہیں۔

تیسرا: یہ کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریت اور آپ کے اہل بیت ہیں:

"واختلف العلماء في آل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على أقوال أظهرها وهو اختيار الأزهري وغيره من المحققين أنهم جميع الأمة، و الثاني: بنو هاشم و بنو المطلب، و الثالث: أهل

---

(۱) "و ندب السيادة ؛ لأن زيادة الإخبار بالواقع عين سلوك الأدب ، فهو أفضل من تركه .... و خص إبراهيم لسلامه علينا أو لأنه سمانا مسلمين اهـ". (رد المحتار ، باب صفة الصلوة : ۵۱۴-۵۱۳/۱، سعید)

(۲) کفر کا حکم اس وقت لگایا جا سکتا ہے، جب کہ کوئی قطعیاتِ دین اور ضروریاتِ دین کا انکار کرے۔

"فهو كافر ، لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة ". (رد المحتار ، كتاب النكاح: ۴۶/۴، سعید)

بیت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ذریتہ. اللہ اعلم". نووی شرح صحیح مسلم: ۱/۱۷۵(۱) و کذا أشعة اللمعات: ۱/ ۴۳۵(۲) ودستور العلماء: ۱/۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

صلوۃ وسلام کسی بھی نبی پر

سوال [۸۶۲]: اگر کسی اور نبی کے نام پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ واعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، گنگوہی۔

درود شریف دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں

سوال [۸۶۳]: فضائل درود شریف میں ہے کہ سات اوقات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، اس میں ایک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کے درمیان اگر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک آجائے تو درمیان میں درود شریف نہ پڑھے، جناب والا میری یہ عادت ہے کہ ایک آیت قرآن پڑھ کر درود شریف پڑھتا

---

(۱) (النووی علی مسلم کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد التشهد: ۱/۱۷۵، قدیمی)

(۲) (أشعة اللمعات (فارسی): ۱/۴۰۲، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ و فضلها، الفصل الأول، مکتبه نوریه رضویه سکھر)

(۳) "واختلف فی آل النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم: فقال بعضهم: آل هاشم والمطلب، و عند البعض أولاد سیدة النسآء فاطمة الزهرآء رضی اللہ تعالی عنها کمارواه النووی رحمه اللہ تعالی، و روی الطبرانی بسند ضعیف أن آل محمد کل تقی. واختاره جلال العلماء فی "شرح هیاکل النور" و فی مناقب آل النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم و هم بنو فاطمة رضی اللہ تعالی عنها کتب ودفاتر". (دستور العلماء لأحمد نگری، باب الألف مع الألف: ۱/۸، مؤسسة العلمی بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلوۃ، ذکر سننها: ۱/۵۲۳، رشیدیه)

ہوں اس کے بعد ترجمہ پڑھتا ہوں، اس کے بعد پھر درود شریف پڑھتا ہوں یہ مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا یہ طریقہ مکروہ نہیں ہے جو موقعہ درود شریف پڑھنے کا نہیں جیسے نماز میں بحالت قیام ورکوع وسجود اور جیسے قرآن کریم کی تلاوت کے درمیان نام مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے پر وغیرہ وغیرہ۔ کتب فقہ شامی (۱)، طحطاوی (۲)، فتاوی عالمگیری (۳)، وغیرہ میں وہ مواقع مذکور ہیں اس موقع پر احتیاط کی جائے اور جس موقع پر پڑھنا مسنون مستحب ہے اس موقع پر پڑھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۴ھ۔

گنبد خضراء کو دیکھتے ہی صلوۃ وسلام

سوال [۸۶۴]: "بہار شریعت" مصنفہ مولوی امجد علی رضوی بریلوی کے حصہ ششم، ص: ۱۷ میں

---

(۱) "تكره الصلوة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم في سبعة مواطن: .... الجماع، و حاجة الإنسان، و شهرة المبيع، والعثر، والتعجب، والذبح، والعطاس الخ .... و لو قرأ القرآن فمر على إسم نبي، فقرآءة القرآن على تأليفه و نظمه أفضل". (رد المحتار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/۵۱۸، ۵۱۹، سعيد)

(۲) "(قوله: و حراماً عند فتح التاجر متاعه)؛ لأنه لم يقصد الصلوة، و إنما أراد الترويج. والظاهر عدم وجوب الصلوة بالسماع منه إلحاقاً له بسلام السائل، فإنه لايجب رده لقصده به السؤال، (وقوله: و نحوه) كالفقاعي الذي يبيع الفقاع و هو نبيذ الشعير، و نحوه من كل مطرب و هو أولى بالحرمة مما قبله. والظاهر أنه يلحق بالتاجر نحو باسم الله للدعاء إلى الطعام ..... الخ". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب صفة الصلوة، فصل الشروع في الصلوة: ۱/۲۲۸، دار المعرفة بيروت)

(۳) "من جاء إلى تاجر يشتري منه ثوباً، فلما فتح التاجر الثوب سبح الله تعالى و صلى على النبي ﷺ، أراد به إعلام المشتري جودة ثوبه، فذلك مكروه، هكذا في المحيط .... و إن سبح الفقاعي، أو صلى على النبي ﷺ عند فتح فقاعه على قصد ترويجه و تحسينه ..... أثم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح الخ: ۵/۳۱۵، رشيديه)

ہے: ''شہر مدینہ منورہ میں خواہ شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد خضرا پر نظر پڑے فوراً دست بستہ ادھر منہ کر کے صلوۃ و سلام عرض کرو''۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں، ہاں درود میں زیادتی مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۵/۴/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے:

سعید احمد غفرلہ خادم دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹/ ربیع الثانی ۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹/ ربیع الثانی ۵۵ھ

عشاء کے بعد روضۂ اقدس پر صلوۃ وسلام پڑھنا

سوال[۸۲۵]: بعد نماز عشاء روضۂ اقدس کے پاس درود شریف پڑھنا سلام پڑھنا ممنوع ہے، ایسا کیوں ہے؟ کیا بعد نماز عشاء حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرماتے ہیں اور صلوۃ وسلام سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے، یہ بات کہاں تک قرآن وحدیث سے تعلق رکھتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صلوۃ وسلام روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہر وقت درست اور موجب قرب وسعادت ہے، یہ کسی وقت ممنوع نہیں، عشاء کے بعد ممنوع کہنا بے دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ

سوال[۸۲۶]: مکہ مسجد حیدرآباد میں مندرجہ ذیل کتبہ نصب ہے، اس طغریٰ کے سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔ طغریٰ یہ ہے:

---

(۱) "و صح (أي في الصلوة) زيادة "في العالمين" (الدر المختار، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/۵۲۱، سعيد)

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا إله إلا الله محمد رسول الله. اللهم صل على محمد وعلى آل

محمد وبارك وسلم، أعلى سيدنا غوثنا أعظم محمد محي الدين عبدالقادر

رحمه الله تعالى ياشيخ عبدالقادر شيئاً لله.

درود کی عبارات میں نبی پاک کے بعد غوث پاک کا نام لکھنا

سوال[۸۶۷]: ا......درود شریف کے بعد زیرِ نظر طغریٰ میں ''اعلیٰ سیدنا غوثنا غوث اعظم'' کا جو اضافہ کیا گیا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲......اس کتبہ کے درود میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بغیر القاب وآداب کے لکھا گیا ہے اور حضرت جیلانی کے نام مبارک کو ''سیدنا، الاعظم'' کے القاب سے ملقب کیا گیا ہے، ایک ہی کلمہ میں اس طرح کی تحریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سوءِ ادبی مقصود نہ ہوگی؟ فقط۔

نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......حضرت سید العالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام کے تابع قرار دے کر آل واصحاب، اہلِ بیت، ذریت، ازواج، اتباع پر بھی ہوجائے تو درست ہے(۱) مگر مخصوص طور پر کسی معین شخص

(۱) "ولا يصلى على غير الأنبياء ولا غير الملائكة إلا بطريق التبع". (الدر المختار). وفي ردالمحتار: "لأن في الصلوة من التعظيم ما ليس في غيرها اهـ ...... ولا يليق ذلك بمن يتصور منه خطايا والذنوب إلا تبعاً بأن يقول: أللهم صلى على محمد وآله وصحبه وسلم. واختلف هل تكره تحريماً أو تنزيهاً أو خلاف الأولى؟ وصحح النووي في "الأذكار" الثاني، لكن في خطبة شرح الأشباه للبيري: من صلى على غيرهم أثم وكره، وهو الصحيح ...... وأما السلام ...... فلا يستعمل في الغائب ولا يُفرد به غير الأنبياء، فلا يقال: عليّ السلام، وسواء في هذا الأحياء والأموات، إلا في الحاضر ...... والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة أن ذلك شعار أهل البدع". (مسائل =

کو ذکر کرنا خواہ وہ خلفائے راشدین یا بعد کے اولیاء اللہ میں سے کوئی ہوموہم ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پایہ ہیں (۱)، اس لئے ایسے ایہام سے بچنا چاہیے، خاص کر حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کے متعلق عوام کے خیالات حد سے متجاوز ہیں، اسی کا یہ اثر بھی ہے۔

۲..... یہ صورت بھی محلِ اعتراض اور موہم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= شتی من كتاب الخنثى: ۶/۷۵۳، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم وفضلها: ۳/۱۰، حديث رقم: ۹۲۰، رشيديه)

(۱) چونکہ قرآن کی عمومات اور ذخیرۂ احادیث سے، نیز مفسرین اور محدثین کے اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات بلکہ افضل الانبیاء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی فضیلت حاصل ہے، اس بناء پر کسی کو مرتبہ ومقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ سمجھنا بے راہ روی اور اصولِ دین سے کھلی چھوٹ ہے۔

"أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: " أنا سيد وُلد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافع، وأول مشفّع". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله عليه وسلم: ۲/۲۴۵، قديمي)

قال النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: " وهذا الحديث دليلٌ لتفضيله صلى الله عليه وسلم على الخلق كلهم؛ لأن مذهب أهل السنة أن الآدميين أفضل من الملائكة، وهو صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أفضل الآدميين بهذا الحديث، وغيرهم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۲/۲۴۵، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله وسلامه عليه، الفصل الأول: ۱۰/۷، حديث رقم: ۵۷۴۱، رشيديه)

فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان

مصافحہ دونوں ہاتھوں سے یا ایک ہاتھ سے؟

سوال[۸۲۸]: مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے تو کس طرح، حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہاتھ کی کفِ دست دوسرے ہاتھ کی کفِ دست سے ملے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب ہر ہاتھ کو الگ الگ ملائے، لیکن مروجہ طریقہ کہ فریقین میں سے ہرایک کی ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ سے ہتھیلی ملے اور دوسرے ہاتھ کی کفِ دست اوپر کی جانب رہے، یہی رائج ہے یعنی دونوں کی دائیں ہاتھ کی کف دست تو ملتی ہیں اور دونوں کے بائیں ہاتھ کی کف دست دوسرے ہاتھ کے ظہر پر ہوتی ہے، اس کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟

سید نجم الحسن رضوی، خیرآباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بخاری شریف میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مذکور ہے: ''وکان کفی بین کفیہ'' الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی کا ایک ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا، اس صورت میں کف دست کا کف دست سے ملنا بالکل واضح ہے، البتہ دوسرا ہاتھ پشت دست پر ہوگا اور صحابی نے اپنے دوسرے ہاتھ کا ذکر نہیں کیا، ظاہر یہ کہ انکا دوسرا ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داہنے ہاتھ کی پشت پر تھا جیسا کہ آج کل علماء متبعین کا عمل ہے، بخاری شریف میں: باب الأخذ بالیدین (۲) موجود ہے:

''ثم التصافح بالیدین حدیث مرفوع أیضاً کمافی الأدب المفرد، وأرادالمدرسون أن

---

(۱) ''ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: علمنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و کفی بین کفیہ التشھد کمایعلمنی السورۃ من القرآن''..... الحدیث''. (صحیح البخاری، کتاب الإستیذان، باب الأخذ بالیدین: ۲/۹۲۶، قدیمی)

(۲) اس باب میں امام بخاریؒ نے حماد بن زید اور ابن مبارکؒ کا عمل بھی بطور استدلال ذکر کیا ہے، فرمایا: ''باب الأخذ بالیدین وصافح حماد بن زید و ابن المبارک بیدیہ''. (کتاب الإستیذان: ۲/۹۲۶، قدیمی)

یستدلوا علیه من حدیث ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه هذا، فقالوا: أما کون التصافح فیه بالیدین من جهة النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فالحدیث نص فیه، و أما کونه کذلک من جهة ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، فالراوی إن اکتفی بذکر یده الواحدة إلا أن المرجوّ منه أنه لم یکن لیصافحه بیده الواحدة و النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قد صافحه بیدیه الکریمتین، فإنه یستبعد من مثله أن لا یبسط یدیه و قد بسط محمد صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یدیه غیر أن الراوی لم یذکره لعدم کون غرضه متعلقاً بذلک، ولا ریب أن الرواة یختلفون فی التعبیرات الخ". فیض الباری: ٤/ ٤١١(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی غفرلہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مصافحہ بعد نماز

سوال[۸۲۹]: بعد نماز جمعہ، نماز عیدین، بعد نماز صبح مسجد میں جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اس کا حنفیہ مسلک میں کیا حکم ہے اور نہ کرنے والوں پر کیا گناہ ہوتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتدائے ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے (۲)، کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعتِ مکروہہ ہے، طریقہ روافض ہے۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، وغیرہ سب

---

(۱) (فیض الباری، کتاب الإستیذان، باب المصافحة: ۴/ ۴۱۱، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) "عن البرآء بن عازب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان إلا غفر لهما قبل أن یتفرقا". هذا حدیث حسن غریب من حدیث أبی إسحاق عن البرآء". (جامع الترمذی، أبواب الإستیذان، باب ما جاء فی المصافحة: ۲/ ۱۰۲، سعید)

"عن رجل من عنزة أنه قال لأبی ذر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ..... فی حدیث طویل ..... فیه: هل کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یصافحکم إذا لقیتموه؟ قال: ما لقیته قط إلا صافحنی". (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المصافحة: ۲/ ۳۶۱، امدادیہ ملتان)

سے علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

"و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلوة لکل حال؛ لأن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ما صافحو بعد أداء الصلوة، ولأ نها من سنن الروافض۔ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية أنها بدعة مکروهة لا أصل لها فی الشرع، و أنه ینبه فاعلها أولاً و یعزر ثانیاً۔ ثم قال: و قال بن الحاج من المالکیه فی المدخل: إنها من البدع، و موضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخیه، لا فی أدبار الصلوة، فحیث وضعها الشرع یضعها، فینهی عن ذلك، یزجر فاعله لما أتی به من خلاف السنة". (ردالمحتار: ۵/ ۲۴۴)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مصافحہ بعد العیدین

سوال[۸۷۰]: مخدومی جناب مفتی صاحب، دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔

یہاں گذشتہ سال ایک اشتہار اور امسال ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس میں بعد عیدین مصافحہ و معانقہ کا مسنون ہونا ظاہر کیا گیا ہے، اس کے جواب میں ایک صاحب نے "ردّ تحفہ" کے نام سے ایک مضمون لکھا ہے جو جناب کی خدمت میں ارسال ہے، جناب اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح فرمادیں اور اس سلسلہ میں اگر مزید اقوال علماء وکتب معتبرہ سے معلوم ہوسکیں ان کو مع نشان صفحہ وجلد تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔ فقط والسلام۔

احقر عبدالعزیز حسن منزل الہ آباد۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

علامہ شامی نے کتاب الجنائز میں بھی اس مصافحہ کو رد کیا ہے:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره: ۶/ ۳۸۱، سعید)

(و کذا فی باب الجنائز من ردالمحتار: ۲/ ۲۳۵، سعید)

(و للعلامة اللکنویؒ فی هذه المسئلة بحث طویل فی السعایة، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/ ۲۶۵، سهیل اکیڈمی)

تحت قول الدر: "يقول واضعه، باسم الله و بالله" بعنوان تنبیہ (۱)۔ مدخل: ۲۸۸/۲، کی عبارت یہ ہے: "أما المعانقة فقد كرهها مالك رحمه الله تعالى، وأجازها ابن عيينه اعنى عند اللقاء من غيبة كانت، و أما في العيد لمن هو حاضر معك فلا، أما المصافحة فإنها وضعت في الشرع عند لقاء المؤمن لأخيه، وأما في العيدين على ما اعتاده بعضهم عند الفراغ من الصلوة يتصافحون فلا أعرفه، لكن قال الشيخ الإمام أبو عبدالله ابن النعمان: إنه أدرك بمدينة ناس والعلماء العالمون بعلمهم بها متوافرون أنهم كانوا إذا فرغوا من صلوة العيد، صافح بعضهم بعضاً، فإن كان يساعده النقل عن السلف فيا حبذا، وإن لم ينقل عنهم فتركه أولى اهـ"(۲).

امام نووی فرماتے ہیں:

"المصافحة سنة عند التلاقي، وأما تخصيص الناس لها بعد هاتين الصلوتين (أي الفجر والعصر) فمعدود في البدع المباحة۔ والمختار أنه إن كان هذا شخص قد اجتمع هو و هو قبل الصلوة فهو بدعة مباحة كما قيل، وإن كانا لم يجتمعا فهو مستحب؛ لأنه ابتداء اللقاء اهـ" فتاوى النووى، ص: ۲۸(۳)۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ شروع باب المصافحہ والمعانقہ میں (۴)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی

---

(۱) "و قد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوة مع أن المصافحة سنة، و ما ذلک إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع، فالمواظبة عليه فيه توهم العوام بأنها سنة فيه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز: ۲۳۵/۲، سعيد)

(۲) (المدخل لابن أمير الحاج: ۲۹۵/۲-۲۹۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) (فتاوى النووى المسماة بالمسائل المنثورة، ص: ۲۷-۲۸ مطبعة الاستقامة: ۱۳۵۲ھ)

(۴) "قال النووى: اعلم أن المصافحة سنة، و مستحبة عند كل لقاء، و ما اعتاده الناس بعد صلوة الصبح والعصر، لا أصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأس به .... و لا يخفى أن في كلام الإمام (أى النووى) نوع تناقض .... فحاصله أن الابتداء بالمصافحة حينئذ على الوجه المشروع مكروه لا المجابرة، و إن كان قد يقال فيه نوع معاونة على البدعة. والله تعالىٰ أعلم". (مرقاة المفاتيح، شرح المشكوة، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۴۵۸/۸-۴۵۹، رشيديه)

نے اشعۃ اللمعات میں (۱) مجالس الابرار، ص:۳۱۷ میں (۲)، فتاوی رشیدیہ: ۱/ ۲۵ (۳)، امداد الفتاوی: ۴/ ۵۸ (۴) فتاوی ابن حجر مکی: ۴/ ۴۵-۶۶ میں (۵)۔ فتاوی دار العلوم دیوبند، ص: ۴۴۰ میں (۶) اس تخصیص کو بدعت قرار دے کر اس سے منع کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے علامہ نوویؒ کا کلام نقل کر کے لکھا ہے: ”قلت: و للنظر فیه مجال، فإن وقت أصل صلوة النافلة الخ“. فتح الباری: ۱۱/ ٤٧ (۷)۔

---

(۱) ”مصافحہ سنت است نزدِ ملاقات، وباید کہ بہر دو دست بود، وآنکہ بعضے مردم مصافحہ بعد از نماز میکنند یا بعد از نمازِ جمعہ کنندہ چیزے نیست وبدعت است از جہت تخصیص وقت“۔ (أشعة اللمعات: ۴/ ۲۲، كتاب الآداب، باب المصافحه والمعانقه، نول کشور)

(۲) ”مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو، اور وقت ملاقات کے علاوہ جیسے نماز جمعہ وعیدین کے بعد جیسا کہ اس زمانے میں عادت ہے تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بلادلیل ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے اس میں تقلید جائز نہیں، بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس کو رد کرتی ہے یعنی ”من أحدث في أمرنا هذا“. (ترجمه مجالس الأبرار للمفتي كفايت اللهؒ، پچاسویں مجلس، ص: ۳۶۱)

(۳) ”معانقہ ومصافحہ بوجہ تخصیص کے اس روز میں اس کو موجب سرور اور باعث مودت اور ایام سے زیادہ مثل ضروری کے جانتے ہیں بدعت ہے اور مکروہ تحریمی۔ اور علی الاطلاق ہر روز مصافحہ کرنا سنت ہے ایسا ہی بشرائط خود یوم العید کے ہے......... کوئی تخصیص اپنی طرف سے کرنا بدعت ہے“۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۴۴۳، قرآن منزل ڈھاکہ)

(۴) ”مصافحہ کردن مطلقاً سنت است، بوقتے خاص مخصوص نیست، پس تخصیص آن بروزِ جمعہ وعیدین وبعد نمازِ پنجگانہ وتراویح بے اصل است، ہاں اگر روز ہمیں اوقات یکے بعد مدتے ملاقات شود، با و مصافحہ کردن مضائقہ ندارد، نہ ایں کہ از خانہ یا مسجد یا عیدگاہ ہمراہ آمدہ، وپس از نماز مصافحہ ومعانقہ کنند، واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (امداد الفتاوی، باب البدعات: ۵/ ۲۶۰)

(۵) ”لم أطلع عليه“.

(۶) ”نماز عیدین میں یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقت خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا فقہاء نے منع لکھا ہے اور ”تبیین المحارم“ میں اس کو روافض کے طریقے سے لکھا ہے اور مکروہ فرمایا ہے“۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند الموسوم بعزیز الفتاوی، کتاب السنۃ والبدعۃ، ص: ۱۲۸، دار الاشاعت کراچی)

(۷) ”قال النووي: و أما تخصيص المصافحة بمابعد صلوتي الصبح والعصر، فقد مثّل ابن عبد السلام......=

البتہ طحطاوی شرح مراقی الفلاح،ص:۲۸۹(۱) باب احکام العیدین میں لکھا ہے: ”وكذا تطلب المصافحة سنة عقيب الصلوة كلها وعند كل لقاء(۲) ۔مگر اس کا حوالہ نہیں دیا، یہ امام نوویؒ سے ہی بعض مسائل نقل کرتے ہیں، کیا بعید ہے کہ یہ بھی وہیں سے نقل کیا ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کا طریقہ مروجہ بدعت ہے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۷/محرم/۷۰ھ۔

نماز عید کے بعد مصافحہ

سوال[۱۸۷۱]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا، ہاتھ ملانا ہر حال میں مکروہ ہے۔ جواب کتب فقہ سے دیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جی ہاں، بعض جگہ عید کے دن مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ بدعت اور مکروہ ہے۔ ”شامی“ کی پانچویں جلد میں فقہ کی متعدد کتب سے اس کا بدعت اور ممنوع ہونا نقل کیا گیا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "في القواعد" البدعة المباحة بها، قال النووي: وأصل المصافحة سنة، وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال لايخرج ذلك عن أصل السنة،قلت: و للنظر فيه مجال، فإن أصل صلوة النافلة سنة مرغّب فيها، و مع ذلك فقد كره المحققون تخصيص وقت بها دون وقت،و منهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلوة الرغائب التي لا أصل لها، و يستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرأة الأجنبية والأمرد الحسن". (فتح الباري، كتاب الإستيذان،باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفة بيروت)

(۱) ذكره الطحطاوي تحت قوله :"ويظهر الفرح بطاعة الله تعالىٰ وشكر نعمته و يتختم". (ص: ۵۳۰، قديمي)

(۲) یعنی اگر اس کو امام نووی سے نقل بھی کیا ہو لیکن اس کو علامہ ابن حجرؒ نے جواب دیکر رد کر دیا ہے کما تقدم۔

(۳) "و نقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابةؓ ماصافحوا بعد أداء الصلوة، و لأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة=

نمازعید کے بعد مصافحہ

سوال[۸۷۲]: عیدین کی نماز میں ثواب سمجھ کر مصافحہ کرنا ثابت ہے یا بدعت، خصوصاً امام پر ساری قوم کا ٹوٹ پڑنا اور مسجد کی حرمت کا خیال نہ رکھنا کیسا ہے؟ بعض اوقات امام کو اس وجہ سے تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، ایسے لوگوں کو شرعاً کیا کہا جائیگا؟ مفصل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ مصافحہ بدعت ہے اور طریقہ روافض ہے، اس کو ترک کرنا ضروری ہے کذا فی ردالمحتار (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

عید ملنا

سوال[۸۷۳]: معانقہ بعد نماز عیدین رسماً ہو یا سنت سمجھ کر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز

= مكروهة لاأصل لهافي الشرع، و أنه ينبه فاعلها أولاً و يعزرثانياً. ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنهامن البدع، و موضع المصافحة في الشرع إنماهو عندلقاء المسلم لأخيه، لافي أدبار الصلوات، فحيث وضعهاالشرع يضعها، فينهى عن ذلك، و يزجرفاعلهالماأتى به من خلاف السنة الخ". (ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة، باب الإستبراء وغيره: ٦/ ٣٨١، سعيد)

(١) وفي ردالمحتار: "تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه ماصافحوابعد أداء الصلاة، و لأنهامن سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالى عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل له في الشرع". (كتاب الحظروالإباحة، باب الإستبراء: ٢/ ٣٨١، سعيد)

وفي المرقاة: "فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، و قديكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة و يتصاحبون بالكلام و مذاكرة العلم وغيره مدةً مديدةً، ثم إذاصلّوا، يتصافحون. فأين هذامن السنة المشروعة؟ ولهذاصرح بعض علماء نابأنهامكروهة حينئذ، وأنهامن البدع المذمومة".
(كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ٨/ ٢٥٨، رشيديه)

یا بدعت ہے تو اگر روکنے سے حرج عظیم کا خطرہ ہو تو روکے یا نہیں؟ اور اگر اس خیال سے کرے کہ دلوں میں سینہ بسینہ مل کر محبت پیدا ہوگی، کینہ وحسد دور ہوگا، آپس میں میل جول ہوگا تو کیا حکم ہے؟

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

الجواب حامداً و مصلیاً:

عیدین کا معانقہ روافض کا شعار ہے اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ دل میں کینہ اور حسد رکھتے ہوئے محض عید کو معانقہ کر لینے سے ہرگز سینہ صاف نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۸۷۴]: عیدگاہ سے واپسی پر مسلمان آپس میں نہایت محبت اور خلوص سے ملتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے؟ یا اس کے بدعت ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید ملنا (مصافحہ اور معانقہ کرنا) بے اصل ہے، علامہ شامی نے اس کو روافض کا طریقہ لکھا ہے، یہ

---

(۱) (تقدم تخریجه من ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره: ۳۸۱/۶، سعيد تحت عنوان "نماز عید کے بعد مصافحہ")

قال ابن حجرؒ: "قال النوويؒ: و أما تخصيص المصافحة بمابعد صلوتي الصبح والعصر، فقد مثل ابن عبدالسلام في "القواعد" البدعة المباحة بها، قال النووي: أصل المصافحة سنة، وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال لايخرج ذلك عن أصل السنة. قلت: و للنظر فيه مجال فإن أصل صلاة النافلة سنة مرغب فيها، و مع ذلك فقد كره المحققون تخصيص وقتٍ بها دون وقت، و منهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلوة الرغائب التي لا أصل لها، و يستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرءة الأجنبية والأمرد الحسن". (فتح الباري، كتاب الإستيذان، باب المصافحة: ۵۵/۱۱، دار المعرفة)

(و كذا في السعاية على شرح الوقاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

بدعت قبیحہ ہے(۱) اس کا ترک کرنا لازم ہے، اس طرح مبارک باد دینا کہ "تقبل اللہ مناو منکم" درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

مصافحہ بعد الفجر والعصر

سوال[۸۷۵]: زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے اور صحاحِ ستہ سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول وفعل وعمل سے ثابت نہیں، زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمہور علماء کا بھی یہ عمل نہیں رہا ہے اور نہ ان کے عمل سے ثابت ہے، ایسا ہی عصر کی نماز کے بعد کہتا ہے جائز نہیں۔ عمر کہتا ہے کہ دونوں وقتوں میں مصافحہ کرنا جائز ولازمی ہے، اس کا ثبوت عمر یہ دیتا ہے کہ فجر وعصر کے بعد سنتیں نفلیں نہیں ہیں اس لئے مصافحہ کرنا دونوں وقتوں کی نمازوں کے بعد لازمی وضروری ہے۔ زید یہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے مذکورہ وقتوں کی نماز کے بعد رسم کر لی ہے ورنہ حدیثوں میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، عمر یہ بھی کہتا ہے یہ کہ رسماً مصافحہ جائز ہے۔ لہٰذا زید وعمر کی بحث کا جواب صحاح ستہ کی حدیثوں کی روشنی میں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول وعمل کے ساتھ مدلل عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کی ترغیب اور فضیلت احادیث میں موجود ہے(۳)، اس لحاظ سے یہ اسلامی کام ہے، اس کو

---

(۱) (تقدم تخریجہ من فتح الباری، کتاب الإستیذان، باب المصافحة، والسعایة للعلامة اللکنوی ؒ علی شرح الوقایة" باب صفة الصلوة، والمرقاة شرح المشکوة، باب المصافحة. تحت عنوان "عیدملنا")

(۲) "والتهنئة بیتقبل الله مناو منکم لاتنکر". (الدر المختار)

وفی ردالمحتار: و قال المحقق ابن أمیر حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة فی الجملة......... ثم قال: والتعامل فی البلاد الشامیة والمصریة "عیدمبارک علیک" و نحوه". (باب العیدین: ۲/۱۶۹، سعید)

(۳) "عن البرآء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: .... "والمسلمان إذا تصافحا، لم یبق بینهماذنب إلاسقط". رواه البیهقی فی شعب الإیمان". (المشکوة، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ۴۰۱، قدیمی)

اسلام ہی کی ہدایت کے مطابق انجام دینا چاہیے۔ شریعت نے اس کا وقت ابتدائے ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے، کسی نماز کے بعد کا وقت اس کے لئے تجویز نہیں کیا (۱)۔

پس نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کر لینا خواہ اعتقاداً ہو یا عملاً ہی ہو، یا اس وقت مصافحہ کے لئے کوئی مخصوص فضیلت تصور کرنا بلا دلیل ہے اور ایک مطلق کو مقید کرنا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں، جیسے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے بعد جب انصراف فرماتے تو داہنی یا بائیں کسی جانب کا التزام نہ فرماتے۔ پس اگر کوئی شخص داہنی جانب کا التزام کرنے لگے تو بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یہ شیطان کا حصہ ہے" (۲)، حالانکہ نماز کے

---

(۱) "قال النووي: اعلم أن المصافحة سنة، و مستحبة عند كل لقاء، و ما اعتاده الناس بعد صلوة الصبح والعصر، لا أصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأس به؛ لأن أصل المصافحة سنة، وكونهم محافظين عليها في بعض الأحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلها، و هي من البدعة المباحة. ...... و لا يخفى أن في كلام الإمام (أي النووي) نوع تناقض؛ لأن إتيان السنة في بعض الأوقات لا يسمى بدعةً مع أن عمل الناس في الوقتين المذكورين ليس على وجه الإستحباب المشروع، فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، و قد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة و يتصاحبون بالكلام و مذاكرة العلم و غيره مدةً مديدةً، ثم إذا صلوا، يتصافحون، فأين هذا في السنة المشروعة؟ و لهذا صرح بعض علمائنا بأنها بدعة مكروهة حينئذ و أنها من البدع المذمومة". (المرقاة شرح المشكوة كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۸/۳۵۸، رشيديه)

وقال ابن حجر بعد قول النووي: "و للنظر فيه مجال، فإن أصل صلوة النافلة سنة مرغّب فيها، ومع ذلك فقد كره المحققون تخصيص وقت بها دون وقت، و منهم من أطلق تحريم مثل ذلك كصلوة الرغائب التي لا أصل لها، ويستثنى من عموم الأمر بالمصافحة المرءة الأجنبية والأمرد الحسن". (فتح الباري، كتاب الإستيذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن الأسود قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلوته، يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الإنفتال والإنصراف عن اليمين والشمال: ۱/۱۱۸، قديمي)

بعد انصراف ہوتا ہی ہے اور فی نفسہ داہنی جانب کو بائیں جانب پر فضیلت بھی حاصل ہے، مگر اس جگہ مطلق انصراف کو داہنی جانب کے ساتھ مقید کرنے کی اجازت نہیں دی، جس طرح کسی ہیئتِ خاصہ غیر ثابتہ کا اپنی طرف سے ایجاد یا التزام ممنوع ہے۔

درمختار میں چند کتابوں کے حوالہ سے امام نوویؒ سے نمازوں کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو بدعت کہہ کر اجازت دی ہے، لیکن امام نووی حنفی نہیں ہیں شافعی المذہب ہیں، نیز انھوں نے کسی حدیث یا آثارِ صحابہؓ سے یا قولِ مجتہد سے اس کا ماخذ بیان نہیں کیا، اس وجہ سے دوسرے شوافع علامہ ابن حجرؒ وغیرہ نے بھی ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا بلکہ صراحۃً رد کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے اس کو بدعت مکروہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرے اس کو اول تنبیہ کی جائے، اگر نہ مانے تو تعزیر کی جائے۔

علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے بھی لکھا ہے کہ شریعت نے مصافحہ کے لئے نمازوں کے بعد کا وقت تجویز نہیں کیا، جو شخص ایسا کرے اس کو منع کر دیا جائے اور ڈانٹ دیا جائے۔ حنفیہ کی معتبر کتاب ''ملتقط'' سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور یہ تو روافض کا طریقہ ہے، نیز سلف سے کہیں منقول نہیں۔ علامہ شامی حنفی نے ان نقول کو ردالمحتار: ۲۴۴/۵، میں لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

"أن المواظبة عليها بعد الصلوة خاصة قد يؤدي الجهلة إلى اعتقاد سنيتها في خصوص هذه المواضع، وأن لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها أحد من السلف في هذه المواضع. و نقل في التبيين عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أدا الصلوة لكل حال؛ لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر: ٤/٥٤ من الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولاً و يعزر ثانياً: ثم قال: و قال ابن الحاج رحمه الله تعالى من المالكية في المدخل: ٢٨٨/٤: إنها من البدع، و موضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوة، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهى عن ذلك، و يزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة"(١)۔

---

(١) (كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ٦/٣٨١، سعيد)

(المدخل لابن الحاج: ٢/٢٢٣، فصل في البدع التي احدثت في المجالس، مصطفى البابي، مصر)

عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلوۃ یری أن حقاً علیہ أن لاینصرف إلا عن یمینہ، لقدرأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ". (مشکوۃ شریف، ص: ۸۷)(۱)۔

امام نوویؒ شافعی ہیں، خود شوافع ان کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، جیسا کہ ابن حجرؒ نے فتاوی کبری فقہیہ :۴/ ۴۵، ۴۷ میں لکھا ہے کہ یہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا بے اصل ہے، بدعت ہے، مکروہ ہے، جو شخص ایسا کرے اس کو اول تنبیہ کی جائے، اگر نہ مانے تو تعزیر کی جائے یعنی سزا دی جائے۔ مالکیہ بھی تسلیم نہیں کررہے ہیں، جیسا کہ المدخل :۲/ ۲۸۸ میں ہے۔ حنفیہ بھی اس کو ممنوع لکھتے ہیں، جیسا کہ مجالس الابرار مجلس:۸(۲) اشعۃ اللمعات ص۴۰ج۴(۳)، عزیز الفتاوی :۱/۴۰۳(۴) میں ہے۔

بعض اہلِ مطالعہ کو درمختار کی عبارت سے شبہ ہوجاتا ہے، حالانکہ وہ نووی سے نقل کررہے ہیں جو کہ حنفی نہیں، اسی پر ردالمحتار میں اس کی تردید کے لئے متعدد کتب سے عبارات نقل کی ہے۔ شرح عقود رسم المفتی (۵) میں لکھا ہے کہ درمختار میں بعض دفعہ اختصار نقل میں ہوتا ہے، بعض دفعہ غیر مختار، غیر مفتی بہ، مرجوح، ضعیف قول نقل

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الدعافی التشهد، ص:۸۷، قدیمی)

(۲) "مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو اور وقتِ ملاقات کے علاوہ جیسے نمازِ جمعہ وعیدین کے بعد جیسے کہ اس زمانے میں عادت ہے، تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے، اسلئے بلادلیل ہے۔ اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے، اس میں تقلید جائز نہیں ہے، بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس کو رد کرتی ہے" الخ یعنی (من أحدث في أمرنا هذا الخ) (ترجمہ مجالس الابرار المفتی کفیت اللہ، پچاسویں مجلس، ص:۳۶۱، دارالاشاعت)

(۳) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "مصافحہ بعد العیدین")

(۴) "نمازِ عیدین میں یا دیگر نمازوں کے بعد تخصیص مصافحہ کی کرنا اور اسی وقت خاص میں اس کو سنت جاننا اور معمول بہ ٹھہرانا فقہاء نے منع لکھا ہے اور "تبیین المحارم" میں اس کو روافض کے طریقے سے لکھا ہے اور مکروہ فرمایا ہے"۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند الموسومہ بعزیز الفتاوی، کتاب السنۃ والبدعۃ، ص:۱۲۸، دارالاشاعت کراچی)

(۵) "ومن الکتب الغریبۃ "ملامسکین شرح الکنز" .... أو لنقل الأقوال الضعیفة کصاحب "القنیة" أو الإختصار" کالدر المختار للحصفکي ...... انه لایجوز الإفتاء من هذه الکتب إلا إذا علم المنقول عنه و الإطلاع علی مآخذها الخ". (شرح عقود رسم المفتي، ص:۳۶، میر محمد)

کردیتے ہیں اس لئے محض اس پر فتویٰ دینا جائز نہیں، جب تک ماخذ سامنے نہ ہو، جہاں کہیں ایسی چیز درمختار میں ہوتی ہے علامہ شامیؒ اس پر تنبیہ فرمادیتے ہیں کہ یہ مرجوح ہے یا غیر مفتی بہ، دوسری فلاں فلاں کتاب میں اس کے خلاف لکھا ہے جیسا کہ اس کے مصافحہ والے مسئلہ میں تنبیہ کردی ہے(۱)۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۸۹ھ۔

نماز جمعہ سے پہلے بعض رسوم اور بعد میں مصافحہ

سوال [۸۷۶]: ہمارے یہاں شافعی مسلک کے لوگ رہتے ہیں وہ جمعہ کے دن خطبہ سے قبل یہ دعا: ''إن اللّٰه وملائكته يصلون على النبي، يا أيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً''۔ يا معشر المسلمين رحمكم اللّٰه! قد روينا في الخبر عن سيد البشر شفيع أمته في يوم المحشر، سيد الأشراف ومتمم مكارم الأخلاق والأوصاف، سيدنا عرب العجم محمد بن عبداللّٰه بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف، أنه ما إذا صعد الخطيب عن المنبر، ثم خطب فلا يتكلَّمُ أحد كم، من تكلم فقد لغا، ومن لغا فلا جمعة له، أنصتوا رحمكم اللّٰه، فاستمعوا يغفر اللّٰه تعالى ولنا ولوالدينا ولوالديكم، واستاذ نا ولاستاذ كم، وجميع المؤمنين والمومنات والمسلمين والمسلمات'' مؤذن کھڑا ہوکر پڑھتا ہے اور عصا اپنے ہاتھ

---

(۱) ''ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم ماصافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعزر ثانياً، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهى عن ذلك و يزجر فاعلها لما أتى به من خلاف السنة الخ''. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبرآء وغيره: ۶/۳۸۱، سعيد)

سے خطیب کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ اور خطیب کے منبر پر چڑھنے سے قبل یہ دعا پڑھی جاتی ہے جس کو خود مؤذن پڑھتا ہے: ''اللهم أعز الإسلام والمسلمين، وأذل الشرك والمشركين، برحمتك يا أرحم الراحمين'' اس کے بعد خطیب منبر پر رونق افروز ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے بعد اذان دی جاتی ہے، خطبۂ اولیٰ ختم ہو جانے کے بعد یہ دعا مؤذن بلند آواز سے پڑھتا ہے اور سب آمین کہتے ہیں، دعا یہ ہے: ''اللهم اختم لنا بالخير بحرمتك القرآن العظيم، وأكرم الكريم، برحمتك يا أرحم الراحمين، والحمدلله رب العالمين''۔

اس کے بعد خطبۂ ثانیہ ہوتا ہے، بعدۂ نماز پڑھی جاتی ہے، نماز کے فوراً بعد سب آدمی مسجد میں سلام ومصافحہ کرنے لگتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

ایک صاحب وہ دعائیں جو اوپر درج کی گئی ہیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ان دعاؤں کا وجود نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت والا سے استدعاء ہے کہ مکمل ومدلل تحریر فرمائیں کہ فقہ شافعی میں حدیث شریف میں ان دعاؤں کا وجود ہے یا نہیں اور ان کا پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ جمعہ سے متعلق ان دعاؤں کا پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، جو ثابت مانتے ہیں وہ دلیل دیں۔ فقہ حنفی کی مبسوط کتاب ردالمحتار: ۵/۲۴۴ (۱) میں مصافحہ کے لئے نماز کے بعد وقت مقرر کرنے کو

---

(۱) (قوله: كما أفاده النووي في أذكاره) حيث قال: اعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر، فلا أصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لابأس به، فإن أصل المصافحة سنة .... قال الشيخ أبو الحسن البكري: وتقييده بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت في زمنه وإلا فعقب الصلوات كلها كذلك اهـ". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۸۱، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب في صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في كتاب الأذكار للنوويؒ، كتاب السلام والاستئذان الخ، فصل في المصافحة: ۳۳۳، ۳۳۴، دارالبيان، بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دارالمعرفة)

بدعت ممنوعہ اور طریقۂ روافض لکھا ہے جس کا ترک لازم ہے، حافظ ابن حجر شافعی سے نقل کیا ہے کہ:
''انها بدعة مكروهة، لاأصل لها في الشرع، وينبه فاعلها أولاً، ويعزر ثانياً اه''(۱) ۔یعنی نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ومکروہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، جو ایسا کرے اس کو اولاً تنبیہ کی جاوے، نہ مانے تو تعزیر کی جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ: ۶/ ۳۸۱، سعید)

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان

اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

سوال[۸۷۷]: اذان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے اور جو لوگ انگوٹھے چومنے والی حدیث پیش کرتے ہیں کیا وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے اور موضوع حدیث سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اذان کا جواب دینا سنتِ موکدہ واجب کے قریب ہے (۱)۔ اذان میں انگوٹھے چومنا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ کتاب الفردوس (۲) میں وہ روایت موجود ہے، لیکن اس کتاب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس میں موضوع روایت بہت ہیں (۳)۔ موضوع روایت وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، بلکہ کسی اور نے جھوٹ بات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردی ہو۔ کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ (۴) میں بھی یہ روایت موجود ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن" .... هشام عن يحيى نحوه، قال يحيى: و حدثني بعض إخواننا أنه قال: لما قال: "حيّ على الصلوة" قال: لاحول و لاقوة إلا بالله، وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب مايقول إذا سمع المنادي: ١/ ٨٦، قديمي)

(٢) "و في كتاب الفردوس: "من قبّل ظفري إبهاميه عند سماع أشهد أن محمداً رسول الله في الأذان، أنا قائده و مدخله في صفوف الجنة". (ردالمحتار، باب الأذان: ١/ ٣٩٨، سعيد)

(۳) "دریں کتاب او موضوعات وواهیات توده تو ده مندرج". (بستان المحدثین، حافظ شیرویہ کا تذکرہ، ص: ۱۶۳، سعید)

(٤) "ثم يقول: "اللّهم متعني بالسمع و البصر بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين .... كذا في كنز العباد. قهستاني، و نحوه في الفتاوى الصوفية .... و ذكر الجراحي و أطال، ثم قال: لم يصح في =

3

ردالمحتار میں لکھا ہے کہ فتاوی صوفیہ غیر معتبر کتاب ہے، اس پر فتوی دینا درست نہیں (۱)۔ علامہ ابن عابدین نے اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وذكر ذلك الجراحي و أطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء اهـ". (شامي: ۱/ ۲٦۷)(۲)۔

ترجمہ: جراحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں طویل بحث کے بعد لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث موجود نہیں جس سے انگوٹھا چومنے کو مسنون یا مستحب قرار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا

سوال[۸۷۸]: "أشهد أن محمداً رسول الله" پر انگوٹھا چومنا اور ہر سنت کے بعد دعا مانگنا، فرض

= المرفوع من كل هذا شيء". (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۸، سعيد)

"مسح العينين بباطن أنملتي السابتين بعد تقبيلهما ..... ذكره الديلمي في الفردوس ..... وكذا ما أورد أبو العباس أحمد بن أبي بكر رداد اليماني المتصوف في كتابه "موجبات الرحمة وعزائم مغفرة" بسند فيه مجاهيل ..... ولا يصح في المرفوع من كل شئي". (المقاصد الحسنة، حرف الميم، ص: ۴۴۰- ۴۴۱، رقم الحديث: ۱۰۱۹، دارالكتب العلميه)

(۱) فتاوی صوفیہ پر رد کے بارے میں علامہ شامی کی مذکورہ بالا جزئیہ کے علاوہ دوسرا صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ اس کے رد میں علامہ عبدالحی لکنوی کی صریح عبارت موجود ہے فرماتے ہیں: "این تفصیل را دربعض کتب فقه مستحب نوشته است، نه واجب و نه سنت، مثل کنز العباد وخزانة الروايات وجامع الرموز و فتاوی صوفيه وغيره، مگر دراکثر کتب معتبره متداوله نشان آن نیست، و آن کتب که درآنها این مسئله مذکوراست غیرمعتبراند، چنانچه جامع الرموز و فتاوی صوفیه و کنز العبادوغیره ازین وجه که دراین کتب رطب و یابس بلاتنقیح مجتمع است، تفصیل آن دررساله من "النافع الكبيرلمن يطالع الجامع الصغير" موجوداست، و احاديثيكه دریں باب فقهاء نقل میکنندآنهابتحقیق محدثین نیستند، الخ". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، أوائل كتاب الكراهية: ۴/۳۲۵، امجداكيڈمی)

(۲) (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

(وكذافي مجموعة الفتاوی للعلامة اللكنوی، كتاب الكراهية: ۴/۳۲۵، امجداكيڈمی لاهور)

نماز کے بعد دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر پھر زمین پر لگانا، پھر کان کی لو پکڑنا (توبہ کا طریقہ سمجھ کر) کیسا ہے، تسبیح پڑھنے کے بعد دعا مانگنے سے پہلے منہ پر ہاتھ پھیرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"أشهد أن محمد رسول الله" پر انگوٹھے چومنا اور اس کو ثواب سمجھنا شرعاً ثابت نہیں، دعاء ہر نماز فرض سنت نفل کے بعد درست ہے۔ توبہ کا یہ طریقہ جو کہ عوام میں رائج ہے، قابل اتباع نہیں بلکہ قابل ترک ہے۔ تسبیح پڑھنے کے بعد دعاء مانگنے سے پہلے منہ پر ہاتھ پھیرنا ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد انگوٹھا چومنا

سوال [۸۷۹]: بعض لوگ اذان کے بعد انگوٹھا چومتے ہیں، اس کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟

محی الدین کلکتہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

علامہ شامی نے تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے کہ اس کے واسطے کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں۔ ردالمحتار جلد اول، ص: ۲۶۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

انگوٹھے چومنا اور حیلہ اسقاط

سوال [۸۸۰]: ۱...... جو مسلمان اذان کے وقت انگوٹھا نہ چومے وہ کافر ہے یا مسلمان، کیا اس کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... ہمارے ملک میں مردہ پر سے صوم و صلوۃ کے اسقاط کا یہ رواج ہے کہ دو سیر گندم اس پر ایک روپیہ اور قرآن مجید یہ تینوں چیزوں کو ملا کر دو تین آدمی جو کہ ان میں کوئی مسکین نہیں ہوتا ہے، آپس میں ملک و تملیک

---

(۱) "وذكر الجراحي فأطال، ثم قال: و لم يصح في المرفوع من كل هذاشيء". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد.)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

(و كذافي مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، اوائل الكراهية: ۴/۳۲۵، رشيديه)

کرتے ہیں، یہ فقہ میں بھی مروجہ طریقہ ہے یا نہیں اور جو شخص اس مروجہ طریقہ کا قائل نہ ہو اس کو ملامت کرنا اور اس پر دھبہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....اذان کے وقت انگوٹھے چومنا کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو سنت سمجھنا غلط ہے(۱)، البتہ بعض سلف سے آشوبِ چشم کا علاج ہونے کی حیثیت سے منقول ہے (۲)، پھر اس کے ترک پر کفر کا حکم تو کیا ہوتا ترکِ استحباب کا بھی نہیں، کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی کافر کہنا نہایت خطرناک ہے، اس سے ایمان جاتا رہتا ہے (۳)۔

۲..... یہ طریقہ بدعت و بے اصل ہے، اس سے صوم و صلوٰۃ وغیرہ میت کے ذمہ سے کچھ ساقط نہیں ہوتا اس سے اجتناب واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر العلوم سہارنپور۔

اذان میں انگوٹھے چومنا

سوال [۸۸۱]: اذان میں آنحضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا مولانا عبدالشکور صاحب نے ''کنز

---

(۱) ''قدمضی تخریجه من ردالمحتار لابن عابدین و مجموعة الفتاوی لعبدالحی اللکنوی ؒ تحت عنوان ''اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سنکر انگوٹھے چومنا'')

''مسح العینین بباطن أنملتي السبابتین بعد تقبیلهما عند سماع قول المؤذن: أشهد أن محمداً رسول الله ..... ذکره الدیلمي في الفردوس .... وأبو العباس في ''موجبات الرحمة وعزائم المغفرة'' بسند فیه مجاهیل ..... ثم روی بسند فیه من لم أعرفه. .... ولا یصح في المرفوع من کل هذا شئ''. (المقاصد الحسنة، ص: ۴۴۰، ۴۴۱، رقم الحدیث: ۱۰۱۹، دار الکتب العلمیه)

(۲) اس کے بارے میں علامہ عبدالحیؒ نے ''تذکرۃ'' سے عدم صحت نقل کیا ہے، کما سیأتي من مجموعة الفتاوی له: ۳۲۵/۴، امجد اکیڈمی)

(۳) ''عن أبي ذر رضي الله تعالی عنه أنه سمع النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: ''لا یرمي رجل رجلاً بالفسوق و لا یرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک''. (صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب ماینهی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمي)

العمال" سے ثابت کیا ہے کہ پہلی مرتبہ حضرت کے نام پر "صلی اللہ علیك یا رسول اللہ" کہے، یہ صیغے حاضر کے ہیں تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر تصور کریں؟ بہار شریعت میں بحوالہ ردالمحتار لکھا ہے کہ جب مؤذن: "أشهد أن محمداً رسول الله" کہے تو سننے والا درود شریف پڑھے اور مستحب ہے کہ انگوٹھوں کو بوسہ دیکر آنکھوں سے لگائے اور کہے: "قرة عيني بك يا رسول الله أللهم، متعني بالسمع و البصر"۔ یہ قول مفتی بہ ہے یا ردالمحتار نے کچھ تنقید کی ہے۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اس حدیث کو بحوالہ "فردوس دیلمی" نقل کرکے تذکرۃ الموضوعات، ص:۳۴ میں لکھا ہے: "لایصح" (۱) اور ابوالعباس متصوف کی سند کو لکھا ہے: "فیه مجاهیل" (۲)، اس کے بعد بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوبِ چشم کا مجرب علاج ہے (۳)۔ پس اس کو سنت ہدیٰ سمجھ کر بطور عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے، اس لئے ترک لازم ہے، ہاں اگر کوئی آشوبِ چشم کے علاج کی غرض سے اسی طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت وثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔ کنز العمال میں ہر طرح کی روایات ہیں، موضوعات بھی ہیں، ردالمحتار (۴) میں اس کو "کنز العباد" کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کا درجہ کنز العمال سے بھی

---

(١) "ذكره الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق أن لماسمع قول المؤذن: "أشهد أن محمداً رسول الله، قال مثله، و قبل بباطن الأنملتين السبابة، و مسح عينيه، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من فعل مثل مافعل خليلي، فقدحلت عليه شفاعتي، "و لايصح". (تذكرة الموضوعات لمحمدبن طاهربن علي الفتني، باب الأذان و مسح العينين فيه ونحوه، ص: ٣٤، مطبعة الشرق بمصر)

(٢) "وكذا (أي لايصح) ماأورده أبوالعباس بسندفيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام أنه "من قال حين سمع أشهدأن محمدرسول الله: مرحباً بحبيبي و قرة عيني محمدبن عبدالله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم يقبل إبهاميه و يجعلهما على عينيه، لم يعم و لم يرمدأبداً". (تذكرة الموضوعات، ص: ٣٤)

(٣) "وحكى البعض: من صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذاسمع ذكره في الأذان، وجمع أصبعيه المسبحة والإبهام، و قبلهماو مسح بهماعينيه، لم يرمدأبداً". (تذكرة الموضوعات، ص: ٣٤)

(٤) (ردالمحتار، باب الأذان: ١/٣٩٨، سعيد)

کمتر اورضعیف ہے، اس میں ایسی روایات ضعیفہ موضوعہ اورمسائل غریبہ ہیں،جن پرفتویٰ ہرگز نہیں دیاجاسکتا ہے۔النافع الکبیر(۱) میں اس کتاب کا حال مذکور ہے۔فردوس دیلمی کےمتعلق بستان المحدثین، ص:۶۱(۲)مصنف کاحال نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:"اما در اتقان معرفت و علم او قصوریست. درسقیم و صحیح احادیث تمیز نمی کند، و سنداو دریں کتاب فردوس موضوعات و واهیات تودہ تودہ مندرج اہ"۔ قہستانی اورفتاویٰ صوفیہ سےبھی استحباب نقل کیا ہے(۳)،خودعلامہ شامی فرماتے ہیں:"القهستاني كجارف سيل و حاطب ليل اه"(٤)۔

ملاعلی قاری نےلکھاہے: "لقد صدق عصام الدين في حق القهستاني أنه لم يكن من تلامذة شيخ الإسلام الهروي، لامن أعاليهم ولامن أدانيهم، وإنما كان دلال الكتب في زمانه، ولاكان يعرف بالفقه و غيره بين أقرانه، و يؤيده أنه يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح و الضعيف من غير تحقيق و تدقيق، فهو كحاطب الليل الجامع بين الرطب و اليابس في الليل اهـ"(٥)۔فتاوی صوفیہ کےمتعلق عمدة الرعایہ میں برکلی سےنقل کیا ہے:"إنهاليست من الكتب

---

(۱) "و كذاكنز العباد(أي من الكتب الغير المعتبرة)، فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لاعبرة له، لاعندالفقهاء و لاعندالمحدثين. قال علي القاري في "طبقات الحنفية" عليّ بن أحمدالغوري له كتاب أجمع فيه مكروهات المذهب سماه "مفيدالمستفيد" و له "كنز العبادفي شرح الأوراد" قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث سمجة موضوعة لايحل سماعها". انتهى". (النافع الكبيرللكنوي على الجامع الصغير، ص: ۲۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (بستان المحدثين اردو فارسي، بحث فردوس الديلمي. عنوان: حافظ شیرویہ کا تذکرہ، ص:۶۲، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

(۴) (تنقيح الفتاوى الحامدية لابن عابدين: ۲/۳۵۶، كتاب الحظر والإباحة، مسئلة لبس الأحمر. المطبعه الميمنيه،مصر)

(۵) (لم أظفر على طبقات الحنفيه للقاري)

(وقد ذكره اللكنوي في النافع الكبير على الجامع الصغير ص:۲۷، إدارة القرآن كراچي)

المعتبرة، فلايجوز العمل بمافيها إلا إذا علم موافقتها للأصول"(١)۔

نیز علامی شامیؒ نے اس کو بلاتنقید نہیں چھوڑا، ان کتب کا حوالہ نہ دینا بھی تنقید ہے، پھر اخیر میں ہے:

"لم يصح في المرفوع من كل هذا شئ اهـ" (٢)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم الحرام/۷۰ھ۔

بوقتِ اذان تقبیل ابہامین

سوال[۸۸۲]: مايقول العلماء الفقهية والإعتقادية في مسئلة: رجل سمع النداء، فلمابلغ المؤذن عندقول: أشهد أن محمداً رسول الله " فقبّل إبهاميه، فوضع على عينيه، وقال من فيه: قرة عيني بك يارسول الله، فطعن عليه رجل آخر، فقال: هذافعل حرام، فيغضبان بينهما، ولايتكلمان بينهما، مَن أصاب الحق ومن أخطأ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قال الشامي في ردالمحتار ١/٢٧٩: "يستحب أن يقال عندسماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يارسول الله، وعندالثانية منها: قرة عيني بك يارسول الله، ثم يقول: اللهم متعني بالسمع والبصربعدوضع ظفري الإبهامين على العينين، فإنه يكون قائداً له إلى الجنة، كذافي كنز العباد اهـ، قهستاني. ونحوه في الفتاوى الصوفية. وفي كتاب الفردوس: من قبل ظفري إبهاميه عندسماع "أشهدأن محمداً رسول الله " في الأذان، أناقائده ومدخله في صفوف الجنة، وتمامه في حواشي البحر للرملي "المقاصد الحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء اهـ"(٣)۔

---

(١)(مقدمة عمدة الرعاية: ١/١٢، سعيد)

(وانظر النافع الكبير للكنوى على الجامع الصغيرص٣٠، إدارة القرآن كراچى)

(٢) (ردالمحتار، باب الأذان: ١/٣٩٨ سعيد)

(٣) (ردالمحتار، باب الأذان: ١/٣٩٨ سعيد)

قلت: ذکر القاری (١) والشوکانی (٢) والفتنی (٣) فی الموضوعات هذا حال الروایة. و أما تقبیل إبهامین عند ذلک و وضعهما علی العینین، فهو عمل لاستشفائهما عن الرمد، منقول عن بعض السلف، لا یزید علی هذا(٤) فمن فعل هذا علی وجه القربة والمثوبة، فهو بدعة ینبغی ترکها. وأما النداء فإن اعتقد أن الملائکة تبلغه إلی النبی صلی الله تعالی علیه وسلم بإذنه تعالی فلا بأس، و إن اعتقد أن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم یسمع بغیر توسط أحد من کل مکان، فهو غیر ثابت، بل هو شعبة من علم الغیب، و هو أمر تفرد به الله تعالی، و کفر الحنفیة تصریحاً من اعتقد أن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یعلم الغیب و شریک معه تعالی فی علم الغیب لمعارضة قوله تعالی: ﴿قل لا یعلم من فی السموات والأرض الغیب إلا الله﴾ (٥) ﴿و عنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو﴾(٦) کذا فی شرح الفقه الأکبر(٧)۔ و أما الکتب التی نقل عنها الشامی أعنی "کنز العباد" و"الفتاوی الصوفیة"

---

(١) "مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلهما عند سماع قول المؤذن: أشهد أن محمداً رسول الله، مع قوله: أشهد أن محمداً عبده ورسوله، رضیت بالله رباً وبالإسلام دیناً وبمحمد علیه الصلوة و السلام نبیاً". ذکره الدیلمی فی "الفردوس" عن حدیث أبی بکر الصدیق أن النبی علیه الصلوة والسلام قال: "من فعل ذلک، فقد حلّت شفاعتی". (الموضوعات الکبری: ٢٠١، رقم الحدیث: ٨٢٩، قدیمی)

(٢) "من قال حین یسمع أشهد أن محمداً رسول الله مرحباً بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله، ثم یقبّل إبهامیه، ویجعلهما علی عینیه لم یعم ولم یرمد أبداً". قال فی التذکرة: لایصح". (الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة، ص: ٢٠، رقم الحدیث: ١٩، کتاب الصلاة، السنة المحمدیة الطاهرة)

(٣) "ذکره الدیلمی فی الفردوس من حدیث أبی بکر الصدیق أنه لما سمع قول المؤذن. "أشهد أن محمداً رسول الله، قال مثله، و قبل بباطن الأنملتین السبابة، و مسح عینیه، فقال صلی الله تعالی علیه وسلم: "من فعل مثل ما فعل خلیلی، فقد حلت علیه شفاعتی". "و لایصح". (تذکرة الموضوعات لمحمد بن طاهر بن علی الفتنی، باب الأذان و مسح العینین فیه ونحوه ص: ٣٤. مطبعة الشرق بمصر)

(٤) "وحکی عن البعض من صلی علی النبی صلی الله تعالی علیه وسلم إذا سمع ذکره فی الأذان، و جمع أصبعیه: المسبحة والإبهام، و قبلهما و مسح بهما عینیه لم یرمد أبداً". (تذکرة الموضوعات للفتنی ص: ٣٤)

(٥) (النمل: ٦٥) (٦) (الأنعام: ٥٩)

(٧) " و بالجملة فالعلم بالغیب أمر تفرد به سبحانه ...... ثم اعلم أن الأنبیاء علیهم الصلوة و السلام لم یعلموا المغیبات من الأشیاء إلا ما علّمهم الله تعالی أحیاناً، و ذکر الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاده أن =

و"كتاب الفردوس" فكنها لايعتمد عليها، لكونها جامعة للرطب واليابس، كماصرح به في النافع الكبير(۱) و بستان المحدثين (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= النبي عليه الصلوة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى: ﴿قل لايعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ كذافي المسايرة". (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

(۱) و كذا "كنز العباد" (أي من الكتب الغير المعتبرة) فإنه مملوء من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لاعبرة له، لاعندالفقهاء و لاعندالمحدثين. قال على القارى في "طبقات الحنفية": عليّ بن أحمدالغوري له كتاب جمع فيه مكروهات المذهب سماه "مفيدالمستفيد" و له كنز العبادفي شرح الأوراد" قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث سمجة موضوعة لايحل سماعها، ص: ۲۹۔

وكذا "الفتاوى الصوفية" لفضل الله محمد بن أيوب المنتسب إلى ماجو، تلميذ صاحب جامع المضمرات شرح القدوري ... قال البركلي: الفتاوى الصوفية ليست من الكتب المعتبرة، فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول. انتهى". (النافع الكبير للكنوى على الجامع الصغير، ص: ۲۹، ادارة القرآن كراچى)

(۲) "حافظ يحيى بن منده درحق او گفته که جوانے زیرک وحسن خلق درمذهب سنت متصلب ست، وازاعتزال دور مردکم گو ودلیردل، اما دراتقان معرفت وعلم او قصور است، درصحیح وسقیم احادیث تمییز نمی کند، دولهذا درین کتاب او موضوعات وواهیات توده توده مندرج". (بستان المحدثين، ص: ۱۲۲، سعید)

میلاد، سیرت کی محافل اور عرس کا بیان

محفل میلاد

سوال[۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

میلاد شریف میں قیام بوقتِ ذکرولادت بغرضِ تعظیم نبی علیہ السلام جسداً یا روحاً شرعاً مستحب یا مشروع کس درجہ میں ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو سیئہ ہے یا حسنہ؟ بعض قائلین بالقیام آیت کریمہ پارہ سورۂ فتح ﴿لتؤمنوا باللّٰہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ﴾(۱) الخ اور حدیث "قوموا إلیٰ سید کم" (۲) سے استدلال کرتے ہیں۔ بصورت عدم جواز استدلال کا جواب اور بیان تو بہ زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس طرح ثابت ہے؟ بینوا بالدلیل مع حوالہ کتب تو جروا اجرالجزیل۔ المستفتی: حکمت اللہ غفرلہ، میمن سنگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو یا عبادات، معاملات، جہاد، شب وروز کے نشست وبرخواست کا ذکر ہو بلاشبہ باعثِ ثواب، موجب خیر وبرکت ہے(۳)، مگر مجلسِ میلاد مروجہ طریق پر بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ہے، بہت قبائح اور منکرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ابن امیر حاج نے مدخل، ج:۲ میں ۳۲/صفحات میں اس کے مفاسد کو شمار کرایا ہے(۴)۔ آپ کا سوال صرف قیام کے متعلق ہے لہذا اسی کے

---

(۱)(الفتح: ۹)

(۲) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی القیام: ۲/۷۰۸، دار الحدیث ملتان)

(۳) "نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے"۔ (براہین قاطعہ:۴)

(۴) مدخل سے چند اقتباسات: "و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلک من أکبر العبادات و إظهار الشعائر، یفعلونه في شهر ربیع الأول من المولد، و قد احتوی علی بدع ومحرمات جمة. . .

و مضوا فی ذلک علی العوائد الذمیمة فی کونهم یشتغلون فی أکثر الأزمنة التی فضلها اللّٰہ تعالی =

متعلق جواب تحریر ہے کہ یہ قیام بدعت ہے(۱)، سورۂ فتح کی آیت سے مستدل نے جو استدلال کیا ہے قیام پر، بہت بعید بلکہ ابعد ہے کیونکہ اس میں کہیں قیام کا ذکر نہیں ہے اور نہ ولادت کے وقت کی کی تعظیم کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی حتمی نہیں کہ ضمائر منصوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں: ''(وتعزروه) وتقووه بتقوية دينه ورسوله (وتوقروه) وتعظموه (وتسبحوه) و تنزهوه أو تصلوا له من سبحو (بكرةً وأصيلاً) غدوةً وعشياً۔عن ابن عباس رضي الله عنهما صلوة الفجر و صلوة الظهر و صلوة العصر''۔تفسير أبي سعود: ۱۴۸/۷(۲)۔

''(و تعزروه): أى تعتقدوا قوة بحيث لا يحتاج إلى، شريك فتوحدوه و (توقروه): أى تعتقدوا عظمة بحيث لا يشاركه شئ في صفات، و غاية ذلك أن سبحوه: أى تنزهو عن كمالات الحوادث فضلاً عن النقائص'' اھ تفسير الرحمن: ۲ /۲۸۳(۳)۔

= وعظمها ببدع ومحرمات". "ص:۳" ...... فتعظيم هذا الشهر الشريف إنما يكون بزيادة الأعمال الزاكيات فيه و الصدقات إلى غير ذلك من القربات،فمن عجز عن ذلك، فاقل احواله أن يجتنب ما يحرم عليه و يكره له تعظيماً لهذا الشهر الشريف، وإن كان ذالك مطلوباً في غيره إلا أنه في هذا" الشهر أكثر احتراماً ..... فيترك الحدث في الدين، و يجتنب مواضع البدع و ما لا ينبغي". ص:۵-۶ ...... بل يزعم بعضهم أنه يتأدب، فيبدأ المولد بقراءة الكتاب العزيز، وينظرون إلى من هو أكثر معرفةً بالهنوك والطرق المهيجة لطرب النفوس، فيقرأ عشراً، و هذا فيه من المفاسد وجوه. ص:۶ ...... ثم العجب كيف خفيت عليهم هذه المكيدة الشيطانية والدسيسة من العين". ص: ۷ ...... ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم تشوقت نفوس النسآء لفعل ذلك،قد تقدم ما في مولد الرجال من البدع ...... فكيف إذا فعله النسآء. ص:۱۲. (المدخل لابن الحج المالكي، فصل في المولد: ۲/۳،۵،۶،۷،۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و نظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم، و وضع أمه له من القيام، و هو أيضاً بدعة لم يرد فيه شيء الخ". (الفتاوى الحديثية لابن حجر المكي الشافعي، مطلب في أن القيام في أثناء مولده الخ ص:۱۱۲، قديمي)

(۲) (تفسير أبي السعود: ۱۰۶/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (تفسير الرحمن) و بعضه في (التفسير المظهري: ۵/۹، حافظ كتب خانه كوئته) ...... =

"(وتعزروه) وتقووه بالنصر و (توقروه) وتعظموه (وتسبحوه) من التسبيح ومن السبحة، والضمائر لله عزو جل، والمراد بتعز ير الله تعالى تعزير دينه و رسوله، ومن فرق الضمائر، فجعل الأولين للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقد أبعد". إلى آخره. مدارك تنزيل: ۲/ ۱۴۰ (۱)۔ اور ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دین کی تقویت اور آپ کی تعظیم فرمانبرداری اور اتباع سنت میں ہے (۲) جس درجہ کوئی متبع سنت ہوگا اسی قدر حامی دین اور آپ کی تعظیم کرنے والا ہوگا (۳) اور حوادث بدعات سے آپ کی یا آپ کے دین کی تقویت ہوتی ہے نہ تعظیم، بلکہ صریح مخالفت ہے، گویا بدعتی اپنے لئے منصب تشریع ومنصب نبوت کا دعوی کرتا ہے۔ جو شخص یہ کہے یا یہ سمجھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر جگہ ہر زمان ومکان میں موجود رہتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالی کی طرح حاضر وناظر ہیں اور تمام حرکات وسکنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں تو یہ عقیدہ مشرکانہ ہے (۴) اس سے توبہ کر کے تجدید ایمان بھی لازم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے زمانہ میں اس مجلس میلاد کو منعقد نہیں کیا جاتا تھا حالانکہ وہ تمام امت

= (وكذا في تفسير القرطبي: ۱۶/ ۱۷۶، ۱۷۷، دارالكتب العلميه بيروت)

وفي فتح البيان في مقاصد القرآن: "و تسبحوه: أي تسبحوا الله عزوجل وهو من التسبيح الذي هو التنزيه من جميع النقائص ...... و قيل: الضمائر كلها في الأفعال الثلاثة لله عزوجل، فيكون المعنى تثبون له التوحيد، و تنفون عنه الشركاء". (فتح البيان: ۹/ ۳۹، بيروت قديمي)

(۱) (تفسير مدارك للنسفي: ۲/ ۱۵۷، قديمي.)

(۲) قال الله تعالى: ﴿قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله على بصيرة أنا و من اتبعني وسبحن الله وماأنا من المشركين﴾ (يوسف: ۱۰۸)

(۳) قال تعالى ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم والله غفور الرحيم، قل أطيعوا الله والرسول، فإن تولوا، فإن الله لا يحب الكافرين﴾. (آل عمران: ۳۱، ۳۲)

(۴) یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریح نصوص کے خلاف ہے۔ قال الله تعالى: ﴿و ما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم، و ما كنت لديهم إذ يختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)

و قال تعالى: ﴿و ما كنت لديهم إذ أجمعوا أمرهم و هم يمكرون﴾ (يوسف: ۱۰۲)

وقال تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الطور إذ نادينا﴾. الآية (القصص: ۴۶)

سے زیادہ نبی علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ تعظیم وتوقیر کا حاصل بھی یہی ہے کہ آپ کی سنت کی اتباع کریں اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی اشاعت کے لئے جان ومال، اولاد سب کچھ خدا کے راستہ میں فنا کردیں، وہاں یہ معمول نہ تھا جو کہ آج کل رائج ہے کہ داڑھی چہرے پر نہیں، احکام شرع کی پابندی نہیں، رات بھر مولود پڑھا جس میں موضوع اور غلط روایات سنائیں، کچھ اشعار گائے، محلہ والوں کو سونے نہیں دیا، مجلس میں حد سے زیادہ روشنی وغیرہ کر کے ایک تماشہ کی شکل بنائی اور آخر شب میں مٹھائی اور کچھ نقد لے کر گھر آکر سوئے تو صبح کو اٹھے نو بجے نیند سے بیدار ہوئے، نماز کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ اگر کسی نے شرکت مجلس سے یا قیام سے انکار کیا یا یہ کہہ دیا کہ ایسی مجلس جس سے صبح کی نماز قضاء ہو جاوے ناجائز ہے تو اس پر وہابیت اور کفر کے فتوی لگانا شروع کردیں(۱)۔

۶۰۴ھ میں سب سے پہلے مولود شریف کے لئے کتاب تصنیف کی گئی، سلطان ابوسعید مظفر کے زمانہ میں شہر اربل میں یہ بدعت جاری ہوئی (۲)۔

"قوموا إلی سید کم"(۳) میں میلاد، نہ ذکر میلاد، اس سے قیام میلاد پر استدلال کس طرح درست ہے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۵۹ھ

---

(۱) " و من لا یتبع هواهم، یرمونه بالوهابية و یسخرون به، و ینبدونه بالألقاب، فهداهم الله تعالی طریق الصواب". (البدر الساری إلی فیض الباری لبدر عالم میرتهی: ۱/ ۳۱۱، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(۲) کتاب کا نام "کتاب مستوفی" ہے جس کو ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں "التنویر فی مولد السراج المنیر" سے موسوم کیا ہے، اسکے مصنف کا نام ابوالخطاب عمر بن حسن بن دحیہ کلبی ہے ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے، ۶۰۴ھ میں کتاب مذکور تصنیف کر کے سلطان اربل کو دے کر ایک ہزار دینار یا اشرفی انعام حاصل کیا، علامہ سیوطیؒ نے "حسن المقصد" میں نقل کیا ہے: "قد صنف الشیخ أبو الخطاب بن دحیة مجلداً فی مولد رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم. سماه التنویر فی مولد البشیر والنذیر، فجازاه علی ذلک بألف دینار … الخ". (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ میلاد للحافظ الحکیم عبد الشکور المرزاپوری، تصنیف سن ۱۹۳۱ء ص: ۲۵، ۲۷)

(۳) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی القیام: ۲/ ۷۰۸، دار الحدیث ملتان)

مجلسِ میلاد مروجہ

سوال [۸۸۴]: بعض جگہ میلاد شریف کا طریقہ اس طرح مروج ہے کہ باسم میلاد شریف حضرات علماء کرام بغرض سماع عام لوگوں کو بلایا جاتا ہے، کھانے پینے کا اہتمام بعض تعلق دار وخصوصاً علماء کرام وطلبہ کا ہوتا ہے ورنہ تو اپنے محلہ والوں کے نزدیک عیب شمار کیا جاتا ہے۔ مجلس ہذا میں شمع مع دیگر خوشبو وغیرہ کا بھی کچھ انتظام کیا جاتا ہے لیکن کہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ومعجزات مع فضائل ووعظ نصیحت بیان کی جاتی ہیں اور کہیں محض وعظ ونصائح قرآن کریم واحادیث نبویہ بیان ہوتے ہیں۔ بہر حال کوئی خاص مضمون نہیں مگر اخیر میں جلسہ کے اختتام پر ضرور بالضرور عام لوگ کھڑے ہو کر کوئی ہاتھ چھوڑ کر کوئی بر سینہ، کوئی تحت سرہ دست بستہ ہو کر بآواز بلند مع القیام سلام و درود پڑھتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس قسم کے میلاد شریف مع القیام وعدم القیام کا شریعت میں کیا فیصلہ ہے؟ عبارت مذکورہ کے مطابق جو قیام کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا کسی نصوص قطعی وفقہ حنفی سے ثابت ہے یا قرونِ ثلثہ میں سے کسی نے اس فعل کو کیا یا ان سے ثابت ہے؟ اگر ناجائز ہے تو یہ ناجائز کس درجہ کا ہے اور ان ناجائز امور کرنے والے لوگوں کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

نیز تارکِ قیام پر سب وشتم وطعنہ زنی کرنا کرانا کیسا ہے؟ اس قسم کے لوگوں کو کیا کہا جائے گا، کیا ان کے متعلق شریعت محمدیہ میں کوئی وعید نہیں؟ بصورتِ جمیع ما ذکر کے عدم جواز پر اور کوئی صورت وہیئت سے میلاد مع القیام کا اس شریعت میں ثبوت معلوم ہوتا ہو تو تحریر فرما دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک مطلقاً خواہ وہ ذکر ولادت ہو یا ذکر عبادات ومعاملات وغیرہ بلا شبہ مستحسن اور باعث برکت وموجب ثواب ہے، لیکن میلادِ مروج ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں کہیں موجود نہ تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین ائمہ مجتہدین اور علماء حقہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کبھی نہیں کیا اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں لہذا بے اصل بدعت اور ناجائز ہے، اس کا ترک واجب ہے۔ یہ مجلس مفاسدہ کثیرہ پر مشتمل ہوتی ہے:

۱- اس مجلس کے انعقاد اور شرکت کو لازم سمجھا جاتا ہے۔

۲-اس کی اہمیت کا اعتقاد فرض عین سے بھی زیادہ ہے حتی کہ اگر کوئی شخص صلوۃ خمسہ کا تارک ہو اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے، اس مجلس میں شریک نہ ہونے والے پر سب وشتم کیا جاتا ہے: ''سباب المؤمن فسوق"(۱)۔

۳-مخصوص تاریخوں کی تعیین کو بلا دلیل شرعی لازم سمجھ رکھا ہے۔

۴-قیام کو فرض عین اعتقاد کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل قیام کے بارے میں یہ ہے:

"(أنس رضی اللہ تعالی عنہ) لم یکن شخص أحب إلیہم من النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، وکانوا إذا رأوہ، لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک"۔ الترمذی (۲)۔

"(أبو أمامۃ) خرج علینا النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یتوکأ علی عصا، فقمنا إلیہ فقال: "لا تقوموا کما تقوم الأعاجم یعظم بعضھم بعضاً"۔ لأبی داؤد (۳)۔

"(معاویۃ رضی اللہ تعالی عنہ) رفعہ: "من أحب أن یتمثل لہ الناس قیاماً، فلیتبوأ مقعدہ من النار"۔ لأبی داؤد والترمذی (٤) یہ تینوں روایتیں جمع الفوائد: ۲/۱٤۳ پر مذکور ہیں (۵)۔

۵-اس قیام کے وقت اکثروں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف رکھتے ہیں اور ہماری تمام نقل وحرکت کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ بسا اوقات ایک وقت ہزاروں جگہ یہ مجلس

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عملہ و ھو لا یشعر: ۱۲/۱، قدیمی)

(۲) (جامع الترمذی، أبواب الإستیذان، باب ما جاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل: ۱۰۴/۲، سعید)

(۳) (سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب الرجل یقوم للرجل یعظمہ بذلک: ۷۱۰/۲، دار الحدیث ملتان)

(۴) (أبوداؤد المرجع السابق، رقم الحاشیۃ: ۳، وجامع الترمذی أیضاً المرجع السابق، رقم الحاشیۃ: ۲)

(۵) (جمع الفوائد، کتاب الآداب، باب العطاس والتثاؤب والمجالسۃ و آداب المسجد: ۳۵۲/۳، رقم الأحادیث: ۷۷۷۸، ۷۷۷۹، ۷۷۸۰، ادارۃ القرآن کراچی)

منعقد ہوتی ہے اور ہر مجلس والے یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ہماری مجلس میں تشریف رکھتے ہیں حالانکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ پس یہ اعتقاد مشرکانہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شریک مانا(۱)۔

۶-عموماً مجلس میلاد میں روایاتِ موضوعہ بیان کی جاتی ہیں، ان کا بیان کرنا اور سننا اور ان کو سچا جاننا حرام ہے: " من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار "(۲)۔

۷-عموماً شرکاءِ مجلس کی رات کو دیر تک جاگنے کی وجہ سے نماز فجر قضاء ہوتی ہے اور اکثر میلاد خواں بے نمازی ہوتے ہیں(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ذلک من أنباء الغیب نوحیه إلیک، و ما کنت لدیهم إذ یلقون أقلامهم أیهم یکفل مریم، و ما کنت لدیهم إذ یختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما کنت لدیهم إذ أجمعوا أمرهم، و هم یمکرون﴾. (یوسف: ۱۰۲)

وقال تعالیٰ: ﴿و ما کنت بجانب الغربی إذ قضینا إلی موسی الأمر﴾. (القصص: ۴۴)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما کنت بجانب الطور إذ نادینا و لکن رحمة من ربک﴾ (القصص: ۴۶)

حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا قرآن کریم کی مذکورہ اور ان جیسی دیگر آیات کریمہ اور قطعیات کے خلاف ہے، مزید وضاحت کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۱۵۸/۳، دار إحیاء التراث العربی)

(وتفسیر ابن کثیر: ۴۸۴/۱، مکتبه دار السلام ریاض)

(وتفیسر ابن جریر الطبری: ۱۸۲/۳، دار المعرفة بیروت)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ۲۱/۱، قدیمی کتب خانه)

(۳) بلا عذر نمازوں کو ترک کرنے میں بہت بڑی وعیدیں آئی ہیں، حدیث شریف میں ہے:

"عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالی عنه ...... سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم یقول: "خمس صلوات افترضهن اللہ عزوجل، من أحسن و ضوئهن، و صلاهن لوقتهن، وأتم رکوعهن و خشوعهن، کان له علی اللہ عهد أن یغفر له، و من لم یفعل فلیس له علی اللہ عهد، إن شآء غفر له و إن شآء عذبه". (أبو داؤد، کتاب الصلوة، باب المحافظة علی الصلوات: ۶۱/۱، دار الحدیث ملتان)

۸-قریب کے رہنے والے لوگ بڑی ضیق میں مبتلا رہتے ہیں، ان کو سخت اذیت معلوم ہوتی ہے(۱)۔

۹-روشنی اور خوشبو وغیرہ میں ضرورت سے زیادہ صرفہ ہوتا ہے جو کہ اسراف ہے(۲)۔

غرض یہ کہ بے حد مفاسد اور ممنوعات کا ارتکاب ان مجالس میں ہوتا ہے، لہٰذا ان مجالس کا انعقاد اور ان کی شرکت بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند۔

میلاد کا خاص طریقہ

سوال[۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ درود میلاد شریف لوگ سب جمع ہوکر زور وشور سے بلند آواز کے ساتھ گلے سے گلے ملا کر برائے ایصال ثواب وثواب دارین وبرکت مکان ومحفوظ بلاء ومصائب کے لئے پڑھاتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور پڑھنے والے میلاد شریف بیان کرتے کرتے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے وقت تک جب پہونچ جاتے ہیں تب سب لوگ ایک دم کھڑے ہوجاتے ہیں اور زور وشور سے "صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" پھر "یا نبی سلام علیك، یا رسول سلام علیك" بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کے محفل میلاد شریف میں تشریف لانے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بوقت سلام قیام کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اب ایصال ثواب وغیرہ کی نیت سے پڑھنا اور پڑھانا اور زور وشور سے گلے سے گلے ملا کر پڑھنا اور محفل میلاد شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روح مبارک کے حاضر ہونے کا اعتقاد رکھنا وقت سلام قیام کرنے کو ضروری سمجھنا اور قیام کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کونسا اور کیسا گناہ ہے؟ اور رائج میلاد شریف یہ ہے کہ "ما کان محمد" سے لیکر "شیء علیما" تک پھر "إن اللہ وملائکتہ" سے لیکر "وتسلیما" تک پڑھتے ہیں۔ بعد میں سب لوگ مل کر زور وشور کے ساتھ درود شریف پڑھتے

---

(۱) "عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ". الحدیث ". (صحیح البخاری، الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون الخ: ۶/۱، قدیمی)

(۲) اور اسراف ممنوع ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولا تسرفوا، إنہ لا یحب المسرفین﴾ (الأعراف: ۳۱)

ہیں، پھر ایک مولوی یا منشی عربی میں تولید بیان کرتے ہیں مثلاً: ''بتدأ باسم ذاته العلى الخ'' پھر ''ولما أراد الله بإبراز حقيقة محمد أظهر الخ'' پھر ''ولما تم من حمله شهد ان على اشهد الأقوال الرؤيا'' سے لے کر آخیر تک پڑھتے ہیں اور بوقت سلام قیام کرتے ہیں اور ''یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک'' بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اسی طرح ختم کرتے ہیں۔ پھر ایک شعر پڑھتا ہے پھر سب مل کر زور وشور سے ''یا نبی سلام علیک'' پڑھتے ہیں، اسی طرح ختم کرتے ہیں اردو زبان میں پڑھتے ہیں۔ جیسے ؎

آمنہ سے ہے روایت اور یہ 		مجھ کو پیدا ہوگیا جب درد زہ

اس شعر سے لے کر

ہاتھ سے میرا شکم ملنے لگا 		اور کہتا تھا وہ نورانی تھا

پھر ''اظہر یا سید المرسلین الخ'' تک پڑھ کر.........

اٹھو وقت تعظیم محمد حبیبی، بیان ظہور محمد.........کھڑے ہوجاتے ہیں اور ''صلی اللہ علی محمد الخ'' اور ''یا نبی سلام علیک'' بلند آواز سے سب مل کر پڑھتے ہیں پھر ایک شعر پڑھتا ہے ؎

مثل أنت شمس أنت بدر، أنت أنت مصباح الصدور

تک پڑھتا ہے، پھر سب مل کر یا نبی سلام علیک بلند آواز کے ساتھ ختم تک اسی طرح پڑھتے ہیں، بعد میں بیٹھتے ہیں اور درود شریف پڑھتے اور مناجات کرتے ہیں۔ اس طرز وطریقہ کے ساتھ پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟ بدلیل شرعی وحوالجات کتب القوی تحریر فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو خواہ عبادات ومعاملات وعادات وغیرہ کا ذکر ہو، بلا التزام تاریخ ومہینہ کے بلاشبہ باعث اجر موجب ثواب ہے (۱) لیکن طریقہ مروجہ پر میلاد شریف کی مجلس منعقد کرنا

---

(۱) ''نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا، بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے''۔

(براهين قاطعه ص: ۴)

(وكذا في الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثميؒ، ص: ۲۰۲، قديمي)

بے اصل، بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔علامہ ابن الحاج نے کتاب المدخل (۱) میں بتیس صفحات میں اس مجلس اور

---

(۱) مدخل سے چند اقتباسات گزر چکے ہیں تحت عنوان: "محفل میلاد" اور مزید چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

"قال ابن الحاج: "فصل في المولد: و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، و إظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، و قد احتوى على بدع و محرمات جمة، فمن ذلك استعمالهم المغاني، و معهم آلات الطرب من الطار المصرصر والشبابة و مضوا في ذلك إلى العوائد الذميمة في كونهم يشتغلون في أكثر الأزمنة ...... ببدع و محرمات ...... و قد نقل ابن الصلاح أن الإجماع منعقد على أن آلات الطرب اجتمعت فهي محرمة (ص: ۲) ...... فمن كان باكياً فليبك على نفسه .... و يا ليتهم! عملوا المغاني ليس إلا بل يزعم بعضهم أنه يتأدب، فيبدأ المولد بقرأة الكتاب العزيز، و ينظرون إلى من هو أكثر معرفة بالهنوك ...... فهذا فيه من المفاسد وجوه: منها: ما يفعله القاري في قرآءته على تلك الهيئة المذمومة شرعاً ...... و الثاني: أن فيه قلة أدب و قلة احترام لكتاب الله عزوجل، الثالث: أنهم يقطعون قرآءة كتاب الله تعالى، و يقبلون على شهوات أنفسهم من سماع اللهو بضرب الطار و الشبابة والغناء والتكسير الذي يفعله المغني ...... الرابع: أنهم يظهرون غير ما في بواطنهم. و ذلك بعينه صفة النفاق ... الخامس: أن بعضهم يقلل من القرآءة لقوة الباعث على لهوه بما بعدها .... السادس: أن بعض السامعين إذا طوّل القاري القرآءة يتقلقلون منه لكونه طوّل عليهم، و لم يسكت حتى يشتغلوا بما يحبون من اللهو. (ص: ۲) .... فانظر ...... إلى هذا المغني إذا غنى، له من الهيئة والوقار و حسن الهيئة والسمت ...... فإذا دبّ معه الطرب قليلاً حرّك رأسه .... ثم إذا تمكن الطرب منه ذهب حياءه و وقاره ...... فيقوم ويرقص ويعيط و ينادي و يبكي و يتباكي و يتخشع و يدخل و يخرج و يبسط يديه و يرفع رأسه نحو السمآء ...... و يخرج الرغوة: أي الزبد من فيه، و ربما مزق بعض ثيابه .... و هذا منكر بيّن: لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن إضاعة المال ...... هذا وجه – والثاني: أنه في الظاهر خرج عن حد العقلاء إذأنه صدر منه ما يصدر من المجانين في غالب أحوالهم، الثالث: أنه ألحق نفسه بالبهائم، إذ التكليف إنما خوطب به العقلاء، و هذا يزعم أنه سلب عقله (ص: ۷) .... ثم انظر ...... إلى مخالفة السنة ما أشنعها، ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم، تشوقت نفوس النسآء لفعل ذلك، و قد تقدم ما في مولد الرجال من البدع، والمخالفة للسلف الماضين رضى الله عنهم أجمعين، فكيف إذا فعله النساء، لا جرم أنهن لما فعلنه، ظهرت فيه عورات جمة و مفاسد =

قیام کے مفاسد تحریر کئے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ (۱) میں اس کو ناجائز اور ممنوع لکھا ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں نذر مزارات کی حرمت (۲) کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے: "وأقبح منه النذر بقرأة المولد في المقابر مع اشتماله على الغناء و اللعب، و ثواب ذلك إلى حضرة المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم اهـ "(۳)۔

اور یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں کہیں اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں (۴)، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں اپنے لئے قیام سے صحابہ کرامؓ

= عديدة، فمنها ما تقدم في مولد الرجال من أنه يكون بعض النساء ينظر إلى الرجال، فيقع ما يقع من التشويش بين الرجل و أهله بسبب ذلك". (ص: ۱۲) (المدخل: ۲/۲،۳،۷،۱۲)

(۱) "وسئل نفع الله به: عن حكم الموالد والأذكار التي يفعلها كثير من الناس في هذا الزمان هل هي سنة أم فضيلة أم بدعة؟ ...... فأجاب بقوله: الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير كصدقة و ذكر و صلوة وسلام على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ومدحه، و على شر بل شرور لو لم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، و بعضها ليس فيها شر لكنه قليل نادر، و لا شك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، فمن علم وقوع شيء من الشر فيما يفعله من ذلك فهو عاص آثم، وبفرض أنه عمل في ذلك خيراً، فربما خيره لا يساوي شره ...... الخ". (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي، مطلب الإجتماع للموالد والأذكار ...... مطلوب ما لم يترتب عليه شر، و إلا فيمنع منه. ص: ۲۰۲ قديمي)

(۲) "أما لو نذر زيتاً لإيقاد قنديل فوق ضريح الشيخ أو في المنارة كما يفعل النساء من نذر الزيت لسيد عبد القادر، و يوقد في المنارة جهة المشرق، فهو باطل". (رد المحتار، قبيل باب الاعتكاف، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام الخ: ۲/۴۳۹، ۴۴۰، سعيد)

(۳) (رد المحتار المصدر السابق، ص: ۴۴۰)

(۴) بلکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کے صریح نصوص کے خلاف ہونے کی بنا پر باطل ہے: قال الله تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى الأمر، و ما كنت من الشاهدين﴾. (القصص: ۴۴)

قال القرطبي: ﴿ما كنت من الشاهدين﴾: أي الحاضرين". (تفسير القرطبي: ۱۳/۱۹۳، دار الكتب العلميه بيروت) ...... =

کو منع فرمایا ہے۔

"عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: "خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم متكئاً على عصا، فقمنا له، فقال: "لا تقوموا كما تقوموا الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً"۔ رواه أبو داؤد (١)۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خود معمول یہ تھا کہ قیام نہیں کرتے تھے۔

"عن أنس رضي الله عنه قال: "لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه، لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك"۔ الترمذي (٢) وقال هذا حديث حسن صحيح اهـ"۔ مشكوة شريف، ص: ٤٠٣ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مولود شریف

سوال [۸۸۶]: معروض ہے کہ مولود شریف کے متعلق ایک فتویٰ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''علامہ ابن امیر الحاج نے کتاب المدخل میں بتیس صفحات میں اس محفل کے شرعی مفاسد تحریر کئے ہیں، ان کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ محفل وعظ میں بلند آواز سے اہل مجلس کے ذکر درود کو کتب فقہ مثل درمختار، شامی، طحطاوی وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے''۔ بناءً علیہ بصد نیاز معروض خدمت ہے کہ کتاب المدخل ہمارے یہاں موجود نہیں، از روئے مہربانی اس کی عبارت کو نقل فرما کر ممنون کریں اور درود شریف زور سے پڑھنے کی کراہت کے متعلق شامی وطحطاوی کے کس موقع میں مذکور ہے، نشان تحریر کر کے رہین منت فرماویں۔

محمد عبدالغنی غفرلہ دارالافتاء وسط نظام پور چاٹگام۔

= وقال تعالى: ﴿وما كنت بجانب الطور إذ نادينا﴾ الآية: (القصص: ٤٦)

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ٢/٧٠٤، دار الحديث ملتان)

(٢) (جامع الترمذي، أبواب الإستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ٢/١٠٣، سعيد)

(٣) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ٤٠٣، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

بتیس صفحات (۱) نقل کرنے کی اس وقت فرصت نہیں، میری کتاب مدخل ایک صاحب کے پاس مستعارگئی ہوئی ہے۔ ''وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر والنذیر'' (۲) ''براہین قاطعہ'' (۳)، ''اصلاح رسوم'' (۴)، ''فتاویٰ حدیثیہ ابن حجر مکی'' (۵) وغیرہ میں اس مسئلہ پر کافی بحث ہے۔ اس محفل کی ابتداء ۶۰۰ھ میں شاہ اربل کے دور میں ہے، کذا فی العرف الشذی: ۲۴۰ (۶) اور جب ہی ابن وجیہہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''المورد فی الکلام علی عمل المولد'' (۷) پھر اس کے بعد سے اب تک عربی فارسی اردو میں رسائل اور فتاوی بکثرت اس مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔ یہ کتابیں روزمرہ کی ضرورت کی ہیں، دارالافتاء اور جمعیۃ علماء میں ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

امدادالفتاوی (۸) میں بھی متعدد جگہ اس کی بحث ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبیل باب الاعتکاف

---

(۱) (قد مضت اقتباساتٌ من المدخل تحت عنوان ''محفل میلاد'' ، و عنوان ''میلاد کا خاص طریقہ''، فراجع الموضعین تجد فیهما مایکفی لک.

(۲) (لم أجد هذه الرسالة)

(۳) ''براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ''، میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے مختلف عنوانات قائم کرکے اس بدعت کی تردید فرمائی ہے۔

(۴) چنانچہ اصلاح الرسوم میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باب سوم فصل اول میں ''مولود شریف'' کے عنوان سے تقریباً دس بارہ صفحات میں اس بدعت قبیحہ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ (۹۸، ۱۰۹، سعید)

(۵) (قد مضی تخریجه تحت عنوان ''میلاد کا خاص طریقہ'')

(۶) (لم أجده فی العرف الشذی و ذکره ابن خلکان فی کتابه: "و فیات الأعیان و أبناء أبناء الزمان، ترجمة مظفر الدین صاحب إربل، رقم الترجمة: ۵۴۷، ۴/۱۱۷، ۱۱۹، وکذا: ۱/۲۱۱، ۲۱۲، ترجمة الأسعد ابن مماتی، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بیروت)

(۷) (لم أجد هذه الرسالة أیضاً)

(۸) ''ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو ...... البتہ جیسا ہمارے زمانے میں قیودات و شنائع کے ساتھ مروج ہے، اس طرح بیشک بدعت ہے، اور بوجوہ ذیل ناجائز: =

نذر بقرأة المولد کو اقبح لکھا ہے(۱)۔

"وازعاج الأعضاء برفع الصوت جهل، وإنما هی دعاء له والدعاء یکون بین الجهر والمخافة، کذا اعتمده الباجی فی کنز القضاة اهـ". در مختار۔ "قال فی الهندیة: "رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه اهـ" شامی: ۵۴۱/۱، فصل فی تالیف الصلوة إلی انتهائها(۲)۔

دوسرے مقام پر اس سے صریح ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا عند التذکیر گرمئی ہنگامہ کے

= اولاً یہ کہ مولود خواں جاہل ہوتا ہے اور روایتیں اکثر موضوع اور غلط بیان کرتا ہے .... ثانیاً: یہ کہ اہتمام اس کا مثل اہتمام ضروریات دین کے بلکہ زیادہ کرتے ہیں، کہیں قالین وفروش، کہیں چوکی ومسند، کہیں شامیانہ، کہیں گلاب پاشی، کہیں شیرینی، کہیں قندیل وفانوس جھاڑ، چمنی، گلاس، کہیں لوبان سلگنا، اور بہت سے امور غیر ضروریہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر ان سامانوں کے مولود کرنے کو خالی پھیکا سمجھتے ہیں .... ثالثاً: یہ کہ تعیین وتقیید روز ولادت کو ضروری سمجھتے ہیں .... غیر مقید کو مقید سمجھنا اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بدعات قبیحہ سے ہے .... رابعاً: یہ کہ اکثر اہل محفل اہل بدعت یا فساق و فجار ہوتے ہیں .... خامساً: یہ کہ اکثر اشعار نعت تصنیف جاہلوں کے ہوتے ہیں، کہیں اس میں توغل شان نبوی ہوتا ہے کہیں اور انبیاء اور ملائکہ کی نسبت بے ادبی ہوتی ہے .... سادساً: وقت ذکر ولادت کے کھڑے ہوتے ہیں، پھر اس میں بعض کا عقیدہ تو یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تشریف رکھتے ہیں یہ تو بالکل شرک ہے .... سابعاً: یہ کہ ان امور پر اصرار کرتے ہیں .... اور اصرار معصیت پر سخت معصیت ہے" .... قال ابن المبارک ؒ ۔

تعصی الإله وأنت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لأطعته
إن المحب لمن یحب مطیع

(امداد الفتاوی، کتاب البدعات: ۲۴۹/۵، ۲۵۰، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۱) "واقبح منه النذر بقرآءة المولد فی المنایر، و مع اشتماله علی الغناء و اللعب .... الخ".

(ردالمحتار، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف: ۴۴۰/۲، سعید)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار، باب صفة الصلوة، مطلب فی المواضع التی تکره فیها الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۵۱۹/۱، سعید)

لئے مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۰/۶/۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

سالگرہ اور میلاد شریف

سوال[۸۸۷]: ہم نے اپنے بچے کی سالگرہ جب کہ وہ ایک سال کا ہوا خوب دھوم دھام سے منائی، چندلوگوں کو مدعو کیا، پارٹی کے کیک کاٹے، سالگرہ کی مبارکباد دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعی کراہت تو نہیں؟ یا پھر غیر مسلم طریقہ ہونے کی وجہ سے ممنوع تو نہیں ہے؟ ویسے ہمارے یہاں مولود النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تو مناتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سالگرہ (پیدائش سے سال بھر پورا ہونے پر تقریب اور خوشی منانا) یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے، یہ غیروں کا طریقہ ہے اس سے پرہیز چاہئے (۲)۔ مروجہ طریقہ پر میلاد شریف کرنا بھی دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں۔ چھ صدی تک اس کا وجود نہیں تھا، اس کے بعد اربل کے بادشاہ نے اس کو ایجاد کیا ہے (۳)، پھر اس میں بہت سی غلط چیزیں اور بھی شامل ہوگئیں، ان سب غلط چیزوں سے بچ کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک

---

(۱) "فقال: وعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه كره رفع الصوت عند قرائة القرآن والجنازة والزحف والتذكير ...... الخ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعید)

(۲) اور اس میں جو مال ضائع کیا جاتا ہے اور التزام کیا جاتا ہے وہ شرعاً مذموم اور غیر ثابت ہے: "قال ابن المنير: فيه: إن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شئ: أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله تعالى أعلم". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب الإنفتال والإنصراف على اليمين والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة بيروت)

(۳) (وفيات الأعيان وأبناء الزمان، ترجمة مظفر الدين صاحب إربل، رقم الترجمة: ۵۴۷، ۱۱۷/۴، ۱۱۹، وكذا: ۲۱۱/۱، ۲۱۲، ترجمة الأسعد ابن مماتي، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بيروت)

مثلاً: حدیث شریف پڑھ کر سنا کر ہو یا بصورت وعظ ہو، نہایت ہی موجب برکت اور سعادت کی چیز ہے(۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۵ھ۔

بطرز موسیقی میلا دشریف پڑھنا

سوال[۸۸۸]: ہمارے ملک میں یہ رواج جاری ہے کہ محفل میلا دشریف اور وعظ میں درود شریف بوزنِ موسیقی اور قصیدہ نعتیہ ایک شخص پڑھنے کو حکم کرتا ہے اور گلے ملا کر خوب زور وشور سے چلا چلا کر بار بار پڑھتے جاتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ ایسا ہی رواجی طور پر پڑھنا بدعت ہے، عمر کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جو ایک مجمع میں بیٹھے تھے، حکم کیا کہ تم لوگ درود شریف پڑھو، لہٰذا سب گلے ملا کر زور وشور سے درود پڑھتے رہے، اس سے ثابت ہے کہ ایسا ہی پڑھنا زیادہ مستحسن ومستحب ہے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ ایسا درود شریف اور قصیدہ پڑھنا عندالشرع کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

یہ طریقہ بدعت ہے، قرون مشہودلہا بالخیر سے ثابت نہیں، عمر ثبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس سے دلیل دریافت کی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس طرح پڑھنا کون سی حدیث میں منقول ہے اور اس حدیث کی سند کیسی ہے: "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "البينة على المدعي" (۲)۔ الحدیث۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۳/۶۴ھ۔

---

(۱) (امداد الفتاوی: ۵/۲۴۹، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (سنن ابن ماجة، كتاب الأحكام، باب البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، ص: ۱۶۸، قديمي)

مجلسِ میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت

سوال[۸۸۹]: میلاد النبی جو کہ شرعی حیثیت سے جائز ہے اور وعظ ونصیحت کر کے پہلے سے بغیر مقرر کئے ہوئے روپیہ پیسے لینا یعنی اس کی اجرت نام رکھ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہم تمہارے وہاں اتنے بجے سے لے کر اتنے بجے تک وعظ ونصیحت یا میلاد النبی پڑھیں گے، ایسے کام کی اجرت تم سے لیں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جواب مدلل مع ادلہ اربعہ یا صرف قرآن وحدیث سے ثابت کریں اور اگر جائز نہیں تو ادلہ اربعہ سے اس کی نفی کریں۔

المستفتی: احسان علی کلکتوی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو خواہ جہاد، صلوۃ، صوم، حج، نکاح، معاملات وغیرہ یقیناً باعث برکت وموجبِ ثواب ہے(۱) لیکن اس زمانہ میں مجالس میلاد بہت سے منکرات و ممنوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہیں۔ کتاب المدخل میں ۳۲ صفحات (۲) میں ان مجالس کے منکرات کو تحریر کیا ہے، عربی فارسی اور اردو میں مستقل رسائل اس کی تردید میں موجود ہیں۔ چند خرابیاں یہ ہیں:

۱- روایات جو محفل میلاد میں عموماً سنائی جاتی ہیں وہ اکثر وبیشتر غیر معتبر اور بعض موضوع ہوتی ہیں جن کا پڑھنا اور سنانا اور ان کا اعتقاد رکھنا ناجائز ہے اور سخت گناہ ہے(۳)۔

---

(۱) "ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے: قال الشاعر ؎

وذکرک للمشتاق خیر شراب و کل شراب دونه کسراب

(امداد الفتاوی، کتاب البدعات: ۲۴۹/۵، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان "محفل میلاد" و عنوان: میلاد کا خاص طریقہ")

(۳) قال النووی فی شرحه علی مسلم: "وأعلم أن هذا الحدیث (أی من کذب عليّ الخ) يشتمل على فوائد و جمل من القواعد .... الثانية: تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة .... الثالثة: أنه لا فرق في تحريم الكذب عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين ما كان في الأحكام و ما لا حكم فيه كالترغيب و الترهيب و المواعظ و غير ذلك، فكله حرام=

"عن أبی هريرة رضی الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"۔ رواه الشيخان (١)۔ "من حدث عنّي حديثاً و هو يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين"۔ رواه مسلم (٢)۔ "والذی نفس أبی القاسم بيده! لا يروى عنی أحد ما لم أقله، إلا فهو مقعده من النار"۔ رواه الدار قطنی(٣) " كفى بالمرء إثماً أن يحدث بكل ما سمع"۔ رواه مسلم (٤)۔

۲-رات کا بڑا حصہ ان مجالس میں گزار کر صبح کو جولوگ نیند سے مغلوب ہوکر سوجاتے ہیں جس سے فریضہ قضاء ہوتا ہے(۵)۔

= من أكبر الكبائر و أقبح القبائح بإجماع المسلمين الذين يعتدبهم فی الإجماع .... الرابعة: تحريم الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً، أو غلب على ظنه و ضعه، و لم يبيّن حال روايته وضعه، فهو داخل فی هذا الوعيد، مندرج فی جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". (مقدمة الكامل على الصحيح لمسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ١/٨، قديمی)

(١) (أخرجه البخاری فی العلم، باب إثم من كذب على النبی صلى الله تعالى عليه وسلم: ١/٢١، قديمی)

(ومسلم فی مقدمته على صحيحه، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ١/٧، قديمی)

(٢)(أخرجه مسلم فی مقدمته على صحيحه، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكذابين و التحذير من الكذب الخ: ١/٦، قديمی)

(٣) (أخرجه البخاری و لفظه: "من يقل عليّ مالم أقل، فليتبوأ مقعده من النار". (كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبی صلى الله عليه وسلم: ١/٢١، قديمی)

(٤) (أخرجه مسلم فی مقدمته على صحيحه، باب النهی عن الحديث بكل ما سمع: ١/٨، قديمی)

(۵) اور نماز کو ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے: "عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: " بين العبد و بين الكفر ترك الصلوة ". (ابن ماجة، كتاب إقامة الصلوة، باب ما جاء فيمن ترك الصلوة، ص: ٧٥، قديمی)

۳-قرب وجوار کے لوگ بھی نہیں سو سکتے جس سے ان کو اذیت ہوتی ہے(۱)۔

۴-ان مجالس کی شرکت کو ضروری خیال کیا جاتا ہے حتی کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھتا ہو، داڑھی منڈواتا ہو اس پر ملامت نہیں کی جاتی اور جو شخص ان مجالس میں شریک نہ ہو اس پر لعن طعن کیا جاتا ہے، وہابی کہا جاتا ہے بلکہ اخوت، مودت کا تعلق قطع کر کے اس سے دشمنی کی جاتی ہے، طرح طرح سے اس پر سب وشتم کرتے ہیں: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً وإثماً مبیناً﴾ الآیة(۲) بلکہ دین اسلام سے اس کو خارج مانا جاتا ہے۔

۵-روشنی، خوشبو، مجالس کی آرائش میں حد درجہ کا اسراف کیا جاتا ہے(۳)۔

---

(۱) کسی مسلمان کو اذیت دینا حرام ہے اور بسا اوقات جائز عمل بھی ایذا رسانی کے اندیشہ کی بنا پر مکروہ ہو جایا کرتا ہے جیسے جہراً ذکر اور تلاوت سے اگر مریض، سونے والے کی نیند یا نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو تو مکروہ ہے کما تقدم۔ اور کثرت سے احادیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ارشاد ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ: ۱/۶، قدیمی)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "و من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر، فلا یؤذ جارہ، و من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر، فلیقل خیراً أو لیصمت". (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق الجوار: ۲/۷۰۴، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

وقال العلامة الآلوسی تحت آیة: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا﴾. الآیة: "وأخرج غیر واحد عن قتادة قال: إیاکم وأذی المؤمن، فإن اللہ تعالیٰ یحوطہ و یغضب لہ". (روح المعانی: ۲۲/۸۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (الأحزاب: ۵۸)

قال العلامة الألوسی تحت الآیة المذکورة: ("والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات) یفعلون بھم ما یتأذون بہ من قول أو فعل الخ". (روح المعانی: ۲۲/۸۸، دار احیاء التراث)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تسرفوا إنہ لا یحب المسرفین﴾ (الانعام: ۱۴۱)

وقال العلامة الآلوسی تحتھا: "(ولا تسرفوا) ... و قال الزھری: المعنی لا تنفقوا فی معصیة اللہ تعالیٰ. و یروی نحوہ عن مجاھد، فقد أخرج ابن أبی حاتم عنہ أنہ قال: لو کان أبو قبیس ذھباً، فأنفقہ رجل فی طاعة اللہ تعالیٰ، لم یکن مسرفاً، و لو أنفق درھماً فی معصیة اللہ تعالیٰ کان مسرفاً". (روح =

۶- قیام کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی قیام نہ کرے تو وہ سب شرکاء مجلس کی نظروں میں حقیر وذلیل بلکہ مبغوض ہوتا ہے، طرح طرح سے اس پر سب وشتم کرتے ہیں حتی کہ اس ترک قیام کا درجہ ترک صلوۃ بلکہ ترک اسلام سے بھی بڑا ہوتا ہے حالانکہ اس قیام پر شرعی کوئی دلیل نہیں، قیام کے وقت یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں اور اہل مجلس کی ہر بات کو خداوند تعالیٰ کی طرح حاضر وناظر ہو کر بلاواسطہ ملاحظہ فرمارہے ہیں (۱)۔

۷- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ حدِ بشریت سے خارج مان کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ صفات خاصہ میں شریک کر دیا جاتا ہے (۲)۔

۸- بسا اوقات ان مجالس میں عورتیں شریک ہوتی ہیں ان کا مردوں کے ساتھ بے حجابانہ اختلاط ہوتا ہے (۳)۔

= المعانی: ۸/۳۸، دار احیاء التراث)

(۱) (تقدم ذکر بطلان هذه العقيدة تحت عنوان: "محفل میلاد")

(۲) و قد قال الله تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم، يوحى إليّ﴾ . الآية (الكهف: ۱۱۰)

"والمقصور عليه في الأول (أنا) والمقصور البشرية مثل المخاطبين". (روح المعانی: ۱۶/۵۳، دارإحياء التراث العربی)

"(هل كنت إلا بشراً رسولاً) و كونه بشراً توطئة لذلك، رداً لماء انكروه من جواز كون الرسول بشراً، و لا دلالة على أن الرسل عليهم السلام من قبل كانوا كذلك، و لهذا قال الزمخشری: هل كنت إلا رسولاً كسائر الرسل بشراً مثلهم. .... ولم ينكر أحد بشريته صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (روح المعانی: ۱۵/۱۷۰، ۱۷۱)

وقال في آية سورة فصلت: "لست ملكاً و لا جنياً، و يمكنكم التلقي منه. ... أي لست من جنس مغاير لكم حتى يكون بيني و بينكم حجاب". (روح المعانی: ۲۴/۹۷، دار إحياء التراث العربی)

(۳) عورتوں کی ایسی مجالس میں شرکت مذموم ہے کیونکہ عورت کو پردہ کہا گیا ہے، گھر سے نکلنے پر اس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے: "و عنه (أي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه) عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". رواه الترمذي" (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة و بيان العورات، الفصل الثاني، ص: ۲۶۹، قديمی) ... =

۹-تواریخ کی تعیین اپنی طرف سے کی جاتی ہے کہ ان میں مجلس کا انعقاد ضروری ہے(۱) والی ذلک من المفاسد۔

غور کا مقام ہے کہ ولادت صرف ایک مرتبہ ہوئی، اس کا اہتمام تو اس قدر اور نماز وروزہ، حج، زکوۃ، صدقہ، جہاد، نکاح وغیرہ جن پر مدت دراز تک مداومت رہی، ان کے لئے علیحدہ علیحدہ مجالس کیوں نہیں کی جاتی؟ دس مفاسد جن کا ذکر اوپر ہوا ان کی ممانعت پر نصوصِ قرآنیہ، حدیثہ، عباراتِ فقہیہ بکثرت موجود ہیں۔ جب ان مجالس کی یہ کیفیت اور شرعی حیثیت یہ ہے تو ان کے عدم جواز میں کوئی تأمل نہیں۔ پر ایسے میلاد پر اجرت لینا بھی ناجائز ہے، وعظ اگر منکرات شرعیہ (۲) سے خالی ہو تو اس پر متاخرین فقہاء نے اجرت کی اجازت دی ہے، کذا فی در مختار: ۵/۳۸ (۳) اس کے لئے اگر باقاعدہ مقرر کیا جائے کہ ہر روز یا ہر ہفتہ اتنی دیر وعظ کہنا ہوگا اور یہ تنخواہ ہوگی تو متاخرین کے نزدیک گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۱۰/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

= "و تمنع المرءة الشابة من كشف الوجه بين رجال، لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وإن أمن الشهوة الخ". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۶، سعيد)

(۱) "قال ابن المنير: فيه إن المندوبات تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شئ: أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته". والله تعالىٰ اعلم". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب الانفتال و الانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، ددار المعرفه بيروت)

(۲) منکرات شرعیہ سے خالی ہونا یہ ہے کہ مثلاً وہ تذکیر اور عبرت کے لئے ہو، کسی عہدے، مال یا لوگوں کے ہاں مقام حاصل کرنے کے لئے نہ ہو۔ قال في الدر المختار: "التذكير على المنابر للوعظ والإتعاظ سنة الأنبياء والمرسلين، و لرياسة و مال وقبول عامةٍ من ضلالة اليهود والنصارى". (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ذكر الفروع: ۶/۴۲۱، سعيد)

(۳) قال العلامة الشامي في كتاب الإجارة: "قال في الهداية: و بعض مشايخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم .... و زاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار الخ: ۶/۵۵، سعيد)

عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال [۸۹۰]: بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرنا، منڈپ سجانا (۱)، چراغاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

کسی چیز کو دین، ثواب، قربت سمجھ کر کرنا اس وقت درست ہوگا جب کہ ادلہ شرعیہ سے اس کا ثبوت ہو، ادلہ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس مجتہد، جس چیز کا اس طرح ثبوت نہ ہو اس کو دین، ثواب، قربت سمجھ کر کرنا بدعت وضلالت وممنوع ہوگا (۲)۔

قال علیه السلام: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". متفق عليه"(۳)۔

---

(۱) شامیانہ (فیروز اللغات: ۱۲۹۲)

(۲) " (البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً ". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

وقال العلامة المناوي في فيض القدير تحت حديث : " من أحدث في أمرنا هذا الخ ": أى أنشأ واخترع و أتى بأمر حديث من قبل نفسه ...... (ما ليس منه) أى رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أى مردود على فاعله لبطلانه ". (۱۱/ ۵۵۹۴، رقم الحديث : ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفى)

"و قال صاحب جامع الأصول: الابتداع من المخلوقين إن كان في خلاف ما أمر الله تعالى به و رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم، فهو في حيز الذم و الإنكار...... الخ". (روح المعاني تحت قوله : و رهبانية ابتدعوها: ۲۷/ ۱۹۲، دار احياء التراث العربي)

"معناه : من اخترع في الدين ما لا يشهد له أصل من أصوله، فلا يلتفت إليه". (فتح الباري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود : ۵/ ۳۰۲)

(۳) (رواه البخاري في الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود : ۱/ ۳۷۱، قديمي)

(و مسلم في الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور : ۲/ ۷۷، قديمي)

مشکوۃ المصابیح ص:۲۷ (۱) "و إیاکم و محدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة، و کل بدعة ضلالة"، رواہ أحمد (۲) وأبو داود (۳) والترمذی (٤) وابن ماجه (۵) مشکوۃ ص: ۳۰ (٦)۔

اس بنیادی چیز کو سمجھنے کے بعد اپنے سوالات کا جواب نمبر وار لیجئے:

یہ چیز ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں، قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا وجود نہیں تھا۔ چھ صدی تک یہ طریقہ ایجاد نہیں ہوا تھا اس کے بعد ایجاد ہوا، سب سے پہلے ایک بادشاہ نے یہ مجلس منعقد کی پھر اس کی حرص میں دوسرے لوگوں نے مجلسیں منعقد کیں، تاریخ ابن خلکان (۷) میں اس کی تفصیل مذکور ہے، اسی وقت

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷،قدیمی)

(۲) (مسند أحمد: ۱۲٦/۴، رقم الحدیث: ۱۲۲۹۴، عن العرباض رضی اللہ تعالیٰ عنه)

(۳)(أبوداؤد، کتاب السنة، آخر باب فی لزوم السنة: ۲/۲۳۵، مکتبه دار الحدیث ملتان)

(۴) (جامع الترمذی، أبواب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة: ۲/۹٦، سعید)

(۵)(ابن ماجة فی مقدمته، باب اجتناب البدع والجدل،ص: ٦، قدیمی)

(٦) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۲۹، ۳۰،قدیمی)

(۷) "وأما احتفاله بمولد النبی ﷺ: فإن الوصف یقصر عن الإحاطة به، لکن نذکر طرفاً منه و هو أن أهل البلاد کانوا قد سمعوا بحسن اعتقاده فیه، فکان فی کل سَنَة یصل إلیه من البلاد القریبة .... خلق کثیر من الفقهاء و الصوفیة والوعاظ والقراء والشعراء، و لا یزالون یتواصلون من المحرم إلی أوائل شهر ربیع الأول .... فکان مظفر الدین (ملک إربل) ینزل کل یوم بعد صلوۃ العصر و یقف علی قبة قبة إلی آخرها، و یسمع غناء هم، و یتفرج علی خیالاتهم، و ما یفعلونه فی القباب .... هکذا یعمل کل یوم إلی لیلة المولد .... فإذا کان صبیحة یوم المولد أنزل الخلع من القلعة إلی الخانقاہ علی أیدی الصوفیة .... فإذا فرغوا من الموسم تجهز کل إنسان للعود إلی بلده، فیدفع لکل شخص شیئاً من النفقة،و قد ذکرت فی ترجمة الحافظ أبی الخطاب ابن دحیة فی حرف وصوله إلی إربل و عمله لکتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" لما رأی من اهتمام مظفر الدین به". (وفیات الأعیان و أبناء أبناء الزمان لابن خلکان، ترجمة مظفر الدین صاحب إربل: ۴/۱۱۷، ۱۱۹، رقم الترجمة: ۵۴۷، دار صادر بیروت)

(وذکر شیئاً منه فی ترجمة الأسعد ابن مماتی: ۱/۲۱۱، ۲۱۲، رقم الترجمة: ۹۱، دارصادر بیروت)

سے علمائے حق نے اس پر نکیر کیا ہے۔علامہ ابن الحاج نے المدخل (۱) کی دوسری جلد میں بتیس صفحات میں اس کی تردید کی ہے اوراس کے رد میں دلائل قائم کئے ہیں، مستقل رسالے بھی اس مسئلہ پر موجود ہیں۔ ''الجنة لأهل السنة'' (۲) میں بھی اس پر تفصیلی رد ہے۔فی نفسہ ذکر مبارک جو کہ بدعات سے خالی ہو عین سعادت ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

کیا مجلس میلاد شریف تمام ارکان کا بدل ہے؟

سوال [۸۹۱]: بکر صوم وصلوٰۃ ودیگر امور شرعیہ کا پاس ولحاظ نہیں رکھتا، اس کا عقیدہ ہے کہ سال میں میلاد شریف مع قیام وسلام کا انعقاد سال کے جملہ گناہوں سے پاک وصاف ہوجانے کا سبب ہے اور سال میں گھر میں خیر وبرکت کا سبب ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

اس کا حکم (ماقبل سوال کے جواب میں) گزر چکا ہے، پھر اس کو یہ سمجھنا کہ اس سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور فرائض ساقط ہوجاتے ہیں، یہ تو سخت قسم کی ضلالت ہے اور کھلی گمراہی ہے۔اسلام کی بنیادیں جن چیزوں پر ہیں ان کو پورا اور مستحکم کرنا سب کے ذمہ ضروری ہے، ایک رکن کا بدل دوسرا رکن نہیں ہوسکتا مثلاً: ایک شخص نماز کی پابندی کرتا ہے تو روزہ اس سے ساقط نہیں ہوگا، نماز کی طرف سے بھی روزہ بدل نہیں ہوسکتا۔تو

---

(۱) (قد مضت اقتباساته تخريجاً تحت عنوان ''محفل میلاد'')

(۲) یہ رسالہ حضرت مولانا محمد عبدالغنی خان رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر مدرس مدرسہ عین العلوم شاہ جہان پور یوپی) کا ہے جس کے باب ثالث میں ص:۱۶۸، ۱۶۹، حضرت نے دلائل کی روشنی میں محفل میلاد مروجہ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔(المکتبۃ البنوریۃ کراچی نے رسالہ مذکورہ کی طباعت کی ہے)

(۳) "و سئل نفع الله بعلومه : عن الموالد والأذكار التي يفعلها كثير من الناس في هذا الزمان هل هي سنة أم فضيلة أم بدعة ؟ .... فأجاب بقوله : الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة، و ذكر و صلاة و سلام على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و مدحه " الخ (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي : ۲۰۲، قديمي)

پھر ایک بدعت واجب الترک چیز کیسے تمام ارکانِ اسلام کا بدل ہوجائے گی؟ غرض میلاد شریف کی محفل منعقد کرلینے کو صوم وصلوۃ کا بدل قرار دینا اعتقادی مفسدہ اور شیطانی زبردست حملہ ہے جس سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے۔

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "بنی الإسلام علی خمس: شہادۃ أن لا إلہ إلا اللہ و أن محمداً رسول اللہ، وإقام الصلوۃ، وإیتاء الزکوۃ، والحج، و صوم رمضان"۔ متفق علیہ (۱) مشکوۃ شریف (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

گیارہویں اور میلاد کی ابتداء

سوال[۸۹۲]: آج کل مسلمانوں میں ایک طبقہ ربیع الاول کی مخصوص تاریخوں میں میلاد النبی، گیارہویں شریف کی محفلیں بڑی دھوم دھام سے کرتا ہے، کھانا کھلانا، قصائد خوانی، مٹھائی تقسیم کرنا اور بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھنا وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے، اسکا کرنا اجر وثواب اور باعث برکت ہے۔

۱...کیا اس کا حکم کبھی اللہ کے رسول نے دیا ہے؟

۲...کیا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا ہے؟

۳...کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا ہے؟

---

(۱) (أخرجہ البخاری فی الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "بنی الإسلام علی خمس: ۱/۶، قدیمی)

(ومسلم فی الإیمان، باب بیان أرکان الاسلام و دعائمہ العظام: ۱/۳۲، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول ص: ۱۲، قدیمی)

"الأول: یفہم من ظاہر الحدیث أن الشخص لا یکون مسلماً عند ترک شیء منہا، لکن الإجماع منعقد علی أن العبد لا یکفر بترک شیء منہا، وقتل تارک الصلوۃ عند الشافعی وأحمد، إنما ہو حداً لا کفراً، وإن کان روی عن أحمد و بعض المالکیۃ کفراً ...... الثانی: أن ہذہ الأشیاء الخمسۃ من الفروض الأعیان لا تسقط بإقامۃ البعض عن الباقین". (عمدۃ القاری، کتاب الإیمان، باب دعاء کم إیمانکم: ۱/۱۲۰، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت)

۴..... کیا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

۵..... کیا تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

۶..... کیا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے کیا ہے؟

۷..... کیا محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضور اقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ أبی وأمی) کا ذکر مبارک خواہ ولادت شریفہ کا ذکر ہو یا عبادات، معاملات، معاشرات وغیرہ کا ذکر ہو بلا شبہ موجب قرب اور ذریعۂ سعادت ہے(۱)۔ نیز بزرگان دین کا ذکر بھی موجب نزول رحمت ہے لیکن جو صورت سوال میں درج ہے اور جو کچھ اس کو مقام دیا گیا ہے وہ ثابت نہیں اور بہت سے شرعی مفاسد وقبائح پر مشتمل ہے بعض مفاسد اعتقادی ہیں، بعض عملی ہیں، بعض اخلاقی ہیں۔ علامہ ابن الحاج نے المدخل (۲) میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۱..... بالکل نہیں۔

۲..... کبھی نہیں کیا۔

۳..... کبھی نہیں کیا۔

۴..... کبھی نہیں کیا۔

۵..... کبھی نہیں کیا۔

۶..... کبھی نہیں کیا۔

۷..... کبھی نہیں کیا۔

حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز اس وقت تک دنیا میں تشریف ہی نہیں لانے تھے، آپ کی پیدائش مبارک بعد میں ہوئی، پھر یہ ان سے معتقدین حضرات ان کی گیارہویں کہاں کرتے۔

---

(۱)(تقدم تخریجه من امداد الفتاوی کتاب البدعات : ۵/ ۲۴۹، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان ''میلاد کا خاص طریقہ'')

میلاد شریف کی محفل سب سے پہلے اربل کے بادشاہ نے ۶۰۰ھ کے بعد کی ہے، اس کی حرص میں اور لوگوں نے کی حتیٰ کہ پھیلتی چلی گئی، اسی وقت سے علماء نے اس پر رد کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

قیام میلاد کو روکنا

سوال[۸۹۳]: میلاد شریف میں قیام کرنا جائز ہے یا ناجائز یا بدعت، اگر بدعت ہے تو اگر روکنے میں حرج عظیم کا اندیشہ ہو مثلاً: اگر قیام سے بیک وقت روکا جائے تو لوگ فرض نماز بھی چھوڑ بیٹھیں گے اور مسجد میں جانا چھوڑ دیں گے، پارٹی بندی کا خطرہ ہے تو اس صورت میں قیام سے رک جانا یا روکنا اولیٰ ہے یا نہیں؟ روکا جائے یا خود بھی کرتا رہے اور آہستہ آہستہ ان کا دل اپنی طرف کر کے روکنے کا خیال رکھے، ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ شرعی دلیل سے ثابت نہیں، بے اصل اور بدعت ہے(۱) اگر روکنے سے فرض نماز بھی ترک کر دیں گے تو خاموشی اختیار کرلے مگر خود شریک نہ ہو، یہ کہنا کہ خود شرکت کر کے آہستہ آہستہ روک دے گا یہ غلط ہے، شرکت کرنے والا روک ہی نہیں سکتا بلکہ خود مبتلا ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

قیام میلاد کا تفصیلی حکم

سوال[۸۹۴]: میلاد شریف میں قیام کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے اور میلاد مروجہ کا پڑھنا پڑھوانا اور اس کے اندر ایسی احتیاط برتی جائے کہ کوئی کام غیر شرعی نہ ہو، روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور قیام کیا جائے،

---

(۱) "و نظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و وضع أمه له من القيام، وهو أيضاً بدعة لم يرد فيه شيء الخ". (الفتاوى الحديثيه لابن حجر الهيثمي المكي: ۱۱۲، قديمي)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے فتنوں سے دور رہنے کو سراہا ہے: "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمعه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "يأتي على الناس زمان، خير مال المسلم الغنم، يتبع بها شغف الجبال و مواقع القطر، يفر بدينه من الفتن". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب العزلة راحة من خلاط السوء: ۹۶۲/۲، قديمي)

حرام ہے یا ناجائز ہے یا بدعت ضلالت ہے؟ میلاد شریف کا کرنے والا خصوصاً بارہ ربیع الاول کو خاص اہتمام سے کرنے والا کس قسم کا گناہگار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک، خواہ آپ کی ولادت شریفہ کا ذکر ہو، خواہ آپ کی عبادات: نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے معاملات: خرید وفروخت، قرض ورہن وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کی معاشرت: سونے جاگنے، چلنے، پھرنے، بیٹھنے، وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے لباس: کرتہ، لنگی، چادر، عمامہ، جبہ وغیرہ کا ذکر ہو۔ خواہ آپ کے جانوروں: اونٹ، گھوڑا، بکری، خچر وغیرہ کا ذکر ہو۔ غرض جو چیز بھی آپ سے متعلق ہو اس کا ذکر کرنا اور اس سے نصیحت لینا بغیر کسی غیر ثابت پابندی کے اور قید کے بلا شبہ موجب برکت ہے، باعث اجر ہے، ذریعۂ قربت ہے، تقاضائے ایمان ہے(۱)۔

مروجہ طریقہ پر جو مجلس میلاد منعقد کی جاتی ہے اس کا ثبوت قرآن پاک، حدیث شریف وفقہ میں کہیں نہیں، نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مجلس منعقد کی، نہ صحابہ کرام نے، نہ ائمہ مجتہدین نے اور نہ فقہاء

---

(۱) "مجلس مولود خیر و برکت ہے درصورتیکہ ان قیودات مذکورہ سے خالی ہو"، فقط خلیل احمد" بلا قید وقت معین و بلا قیام و بغیر روایت موضوع مجلس خیر و برکت ہے" ...... هكذا سمعت من أبي مولانا الحاج المحدث السهارنفوري المولوي أحمد علي برد الله مضجعه ... محمد خليل الرحمن". (فتاوى رشيديه، كتاب البدعات ص: ۴۰۹)

(وكذا في الفتاوى الحديثية لابن حجر المكي، مطلب: الاجتماع للموالد والأذكار وصلاة التراويح الخ، ص: ۲۰۲، قديمي)

(وامداد الفتاوى، كتاب البدعات: ۲۴۹/۵، مكتبه دار العلوم كراچى)

(و براهين قاطعه، ص: ۴)

و في مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: " ذکر مولود شریف یعنی وقائع ولادت ومعجزات بیان کردن خواہ ملک ہند باشد یا سند........ جائز است، کہ اہل اسلام را دریں کلام نیست......الخ"۔ (كتاب الكراهية: ۳۳۵/۴، امجد اکیڈمی)

محدثین نے (۱)۔ چھ صدی تک یہ مجلس کہیں نہیں ہوئی، اس کے بعد سے شروع ہوئی۔ سلطان اربل نے سب سے پہلے یہ مجلس کی اور بہت پیسہ روپیہ خرچ کیا ہے جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے (۲) اسی وقت سے علماءِ حق نے اس کی تردید کی اور کرتے چلے آرہے ہیں۔

جو کام ان مجالس میں کئے جاتے ہیں ان میں سے صرف دو کو سامنے رکھ کر آپ نے سوال کیا ہے، ممکن ہے آپ کے ہاں مجالس میں یہی دو کام ہوتے ہوں جن کی وجہ سے آپ نے سوال کیا ہے اور کوئی کام ایسا نہ ہوتا ہو جس کے دریافت کرنے کی ضرورت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری چیزیں کچھ اور ہوتی ہوں مگر آپ ان کو درست سمجھتے ہوں اور وہ شریعت کی نظر میں غلط ہوں، جو کچھ بھی ہوں میں بھی دو چیزیں سامنے رکھ کر جواب تحریر کرتا ہوں۔ دوسری چیزیں جن کا عام مجالس میں رواج ہے اس جگہ ذکر نہیں کروں گا۔

پہلی چیز قیام ہے: اس کے متعلق تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ قیام کس مقصد کے لئے کیا جاتا ہے یعنی اس قیام سے کس کی تعظیم مقصود ہے؟ اس میں چار احتمال ہیں: ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہوں، اس لئے آپ کو دیکھ کر ایمان وادب کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی فوراً کھڑا ہو جائے (جیسا کہ کثرت سے ان مجالس والوں کا عقیدہ ہے)۔

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ کی تعظیم مقصود ہو یعنی یہ عقیدہ ہو کہ آپ اس وقت پیدا ہو رہے ہیں اور اس مجلس میں آپ کی ولادت شریفہ ہو رہی ہے (جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے کہ پس پردہ کسی عورت کے ہاتھ میں بچہ ہوتا ہے اور عین ذکر ولادت کے وقت وہ عورت اس بچہ کے چٹکی لیتی ہے، جس سے وہ بچہ

---

(۱) ''چونکہ ذکر مولد مشتمل پند ونصائح است ووعظ وپند ونصائح درزمان صحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین جاری ماندہ، در کدام زمانہ التزام آن نہ بودہ، واکنون چونکہ آنرا التزام کردہ اند وسوختن لوبان وغیرہ، ودر پیش مولود خوان نہادن رارکن ذکر قرار دادہ اند، بناءً علیہ ایں التزام ما لا یلزم خالی از کراہت نیست''۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب الکراهية: ۴/۳۳۵، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) (وفيات الأعيان و أبناء الزمان لابن خلكان، ترجمة مظفر الدين صاحب إربل: ۴/۱۱۷، ۱۱۹، رقم الترجمة: ۵۴۷، دار صادر بيروت)

(وكذا في ترجمة الأسعد ابن مماتي من وفيات الأعيان: ۱/۲۱۱، ۲۱۲، رقم الترجمة: ۹۱، دار صادر بيروت)

رو پڑتا ہے۔ اس کی آواز کو سن کر سب مجمع درود و سلام پڑھتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور امسال یہاں کانپور میں ایک مجلس میلاد میں جھولنا بھی موجود تھا، جس میں ایک بچہ کو لٹا کر جھلایا جا رہا تھا اور اس پر درود و سلام پڑھا جا رہا تھا۔ (استغفر اللہ العظیم)۔

تیسرا احتمال: یہ ہے کہ ذکر ولادت کی تعظیم مقصود ہو۔

چوتھا احتمال: یہ ہے کہ صرف ذکر رسول کی تعظیم مقصود ہو۔

احتمالات اربعہ کا شرعی حکم

احتمال اول: حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا مجالس میلاد شریف یہ عقیدہ بلا دلیل ہے۔ قرآن پاک (۱) حدیث شریف، کلام (۲)، اصول فقہ کسی چیز سے بھی ثابت نہیں ہے لہذا یہ عقیدہ بالکل غلط

---

(۱) یہ عقیدہ ان اصول مذکورہ کے خلاف ہے، قرآن کریم و حدیث وغیرہ میں اس عقیدہ کی نفی کی گئی ہے، قال الله تعالى: ﴿و ما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم، و ما كنت لديهم إذ يختصمون﴾. (آل عمران: ۴۴)، اس آیت کریمہ میں دو مرتبہ اس عقیدے کی نفی ہے۔ وقال تعالى: ﴿و ما كنت لديهم إذ أجمعوا أمرهم، و هم يمكرون﴾. (يوسف: ۱۰۲)

وقال تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى الأمر﴾. (القصص: ۴۴)

وقال تعالى: ﴿و ما كنت بجانب الطور إذ نادينا و لكن رحمة من ربك﴾. (القصص: ۴۶)

و راجع التفاسير كلها تحت هذه الآيات، تجد فيها مايبطل هذه العقيدة المخترعة بطلاناً بيناً.

(۲) وفي شرح العقائد: "والمحدث للعالم هو الله تعالى، (ص: ۲۵) ... "الحي القادر العليم السميع البصير الشائي المريد، (ص: ۳۰) و له صفات ... أزلية قائمة بذاته ضرورة أنه لا معنى لصفة الشيء إلا ما يقوم به". (ص: ۳۶، ۳۷) ... قال: واجب الوجود لذاته هو الله تعالى و صفاته يعني أنها واجبة لذات الواجب تعالى و تقدس، (ص: ۳۸) و قد أرسل الله تعالى رسلاً من البشر إلى البشر (ص: ۹۸ المطبع اليوسفي) مذکورہ بالا عبارات میں "الحي، السميع" اور "البصير" کے ضمن میں یہ ثابت ہوئی کہ حاضر و ناظر ہونا صفت خاصہ اللہ تعالی کی ہے اور یہ تخصیص "و له صفات الخ" سے واضح ہے اور "و قد أرسل الخ" سے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی محض بشریت کی طرف اشارہ ہے اور بشر کے لئے بعد موت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا محال ہے، لہذا علم کلام سے بجائے ثبوت کے نفی ہو گئی ہے۔

اور باطل ہے اس سے توبہ لازم ہے، ایسی چیز کا ثبوت آنکھوں سے دیکھ کر ہوسکتا ہے، یا دلیل شرعی سے ہوسکتا ہے۔ حاضرین مجلس آنکھوں سے یہ دیکھ نہیں رہے ہیں، دلیل شرعی قائم نہیں، پھر ثبوت کی ضرورت ہے۔

یہ بحث جداگانہ ہے کہ تشریف لاسکتے ہیں یا نہیں اس کا یہ موقع نہیں، جب کہ ان مجالس میلاد میں تشریف لانا ثابت نہیں تو پھر تشریف آوری کی خاطر قیام کرنا غلط ہوا، اگر بالفرض تشریف لاتے بھی تو کیا قیام کرنا درست ہوتا، اس کے لئے احادیث کی روشنی میں جو ہدایات ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

"عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم متكأ على عصا، فقمنا له فقال: "لا تقوموا كما يقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضاً". رواه أبو داؤد (١) مشكوة شريف، ص: ٤٠٣ (٢)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاٹھی ٹیکتے ہوئے تشریف لائے تو ہم لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کی خاطر تعظیماً قیام کیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: "میرے لئے قیام مت کرو جیسا کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں" یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی ہے" اس حدیث پاک میں صاف قیام کو منع کیا گیا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث شریف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قیام کی ممانعت اس طرح پر ہو کہ آپ تشریف فرما رہیں یعنی بیٹھے رہیں اور لوگ تعظیماً کھڑے رہیں، کیونکہ وہاں یہ طریقہ تو کبھی تھا ہی نہیں، آپ کی مجلس کا یہ حال ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں کہ ذرا حرکت کریں تو وہ اڑ جائیں (۳)۔

---

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ٢/٧٠٤، مكتبه دار الحديث ملتان)

(٢) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ٤٠٣، قديمي)

(٣) "عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: "خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في جنازة فانتهينا إلى القبر، فجلس وجلسنا، كأن على رؤوسنا الطير". (ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الجلوس في المقابر ص: ١١١، قديمي)

وفي إنجاح الحاجة على حاشية ابن ماجة: "كأن على رؤوسهم الطير" قال الطيبي: "هو كناية=

بلکہ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ جس مجلس میں صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوں اس مجلس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو آپ کی تشریف آوری کی خاطر صحابہ تعظیماً قیام نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ قیام نہیں کیا کرتے تھے:

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، و كانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهية لذلك"۔ رواه الترمذي، وقال هذا حديث حسن صحيح"(۱)۔ مشكوة شريف، ص:۴۰۳ (۲)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہیں تھا لیکن جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے تو قیام نہیں کرتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناپسند و ناگوار ہے۔ یہ حدیث شریف امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

اس حدیث پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل صاف صاف بیان کردیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام محبوب کو ناپسند و ناگوار ہو وہ ہرگز نہ کیا جائے، خواہ اس کا دلی تقاضا کتنا ہی مجبور کیوں نہ کرتا ہو، مگر اپنے دلی تقاضے کے مقابلے میں ہمیشہ محبوب کی خاطر کا لحاظ رکھنا ہمیشہ محب کے ذمہ لازم ہے اور یہی دراصل تقاضائے محبت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملیں گے کہ انہوں نے اپنی دلی خواہش اور جذبۂ محبت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش اور منشأ پر قربان کردیا۔ اس کی ایک مثال اس جگہ پیش کرتا ہوں:

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه لما بعثه رسول الله صلى الله تعالى عليه

= عن إطراقهم رؤوسهم وسكوتهم .... و هذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا تكلم، أطرق جلساء ه كأنها على رؤوسهم الطير ... الخ". (ص:۱۱۱)

(ورواه النسائي في الجنائز، باب الوقوف للجنائز: ۱/۲۸۲، قديمي)

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الإستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۲/۱۰۴، سعيد)

(۲) (كتاب الآداب، باب القيام الفصل الثاني، ص:۴۰۳، قديمي)

وسلم إلى اليمن، خرج معه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوصيه ومعاذ راكب و رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يمشي تحت راحلته"۔ الحديث رواه احمد (۱) مشكوة شريف ص: ٤٤٥ (۲)۔

ترجمہ: جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو آپ خود ان کو نصیحت کرتے ہوئے ساتھ ساتھ پیدل چل دیئے تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار تھے۔ یہ حدیث شریف امام احمد نے روایت کی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر کتنا بوجھ ہوا ہوگا کہ وہ تو سوار ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رخصت کرنے کے لئے پیدل ساتھ ساتھ تشریف لئے جارہے ہوں لیکن اپنی خواہش کو قربان کر کے ہر بوجھ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر برداشت کیا۔

"عن معاوية رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سره أن يتمثل له الرجال قياماً، فليتبوأ مقعده من النار"۔ رواه الترمذی (۳) ابو داؤد (٤) مشكوة شريف، ص: ٤٠٣ (٥)۔

ترجمہ: جس شخص کا دل اس بات سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے لئے قیام کیا کریں، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ حدیث امام ترمذی وابوداود نے روایت کی ہے۔

---

(۱) والحديث بتمامه بعد قوله: "يمشي تحت راحلته": "فلما فرغ قال: "يا معاذ! إنك عسى أن تلقاني بعد عامي هذا أو لعلك أن تمر بمسجدي هذا أو قبري"، فبكى معاذ جعشاً لفراق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم التفت فأقبل بوجهه نحو المدينة، فقال: "إن أولى الناس بي المتقون من كانوا و حيث كانوا". (مسند الإمام أحمد: ٢٣٥/٥، رقم الحديث: ٢٢٥٤٧، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص: ٤٤٥، قديمي)

(۳) (جامع الترمذي، أبواب الإستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ١٠٤/٢، سعيد)

(٤) (سنن أبي داؤد، كتاب الآداب، باب الرجل يقوم لرجل يعظمه بذلك: ٢/ ٧١٠، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۵) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ٤٠٣، قديمي)

یہ حدیث اس لئے ذکر کی ہے کہ لوگ اپنے لئے بھی قیام کو پسند نہ کریں۔

احتمال دوم:

ولادت شریفہ کی تعظیم کے لئے قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ اسی مجلس میں آپ کی ولادت ہو رہی ہے، یہ تصور اس قدر بے ہودہ اور باطل ہے جس کی حد نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس مجلس سے پہلے پیدائش نہیں ہوئی تھی تو قرآن پاک کس پر نازل ہوا؟ حدیثوں کا مجموعہ کس کی حدیثیں ہیں؟ ۲۳/ سالہ مبارک زمانہ وحی کی زندگی، غزوات، اصول وارکان اسلام، چودہ سو سالہ کارنامے یہ کیسے ہیں؟ اور کیا ہر گھر میں جہاں میلاد ہوتا ہے وہیں ولادت ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ) یہ تصور تو کوئی مسلمان بلکہ تھوڑی سمجھ والا غیر مسلم بھی نہیں کر سکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ اہل مجلس حضرات جوش محبت وعقیدت میں ولادت شریفہ کی نقل کرتے ہوں کہ کسی عورت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کے مشابہ قرار دے کر جو بچہ اس کی گود میں ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبیہ قرار دیتے ہوئے اور اس بچہ کے رونے کی آواز کو سن کر اس وقت کا تصور کرتے ہوں جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ہوئی تھی اور اسی تصور کے ماتحت قیام کرتے ہوں یہ تصور اور تشبیہ بھی اس قدر خطرناک ہے کہ الامان والحفیظ اور بالکل ایسا ہی طریقہ ہے جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت وعقیدت کا دعویٰ کرنے والا ایک طبقہ محرم کے مہینہ میں اختیار کرتا ہے۔ علم نکالتا ہے، میسر آجائے تو اونٹوں کی قطار بھی لیجاتا ہے جیسا کہ کانپور میں دستور ہے، اور دُلدُل بھی نکالتا ہے چوکی اور مہندی بھی ہوتی ہے اور قبر کی بھی شبیہ بنائی جاتی ہے اور ماتم بھی مرثیوں کے ساتھ ہوتا ہے، کوئی شمر بھی ہوتا ہے، کسی کو حسین بھی بنایا جاتا ہے اور سب ماجرا تفصیل وار اسی تفصیل کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جس طرح پیش آیا تھا۔

یہ بھی سب عقیدت اور محبت ہی کا مظاہرہ ہے کہ پورے واقعہ کی نقل کی جاتی ہیں، دوسری غیر مسلم قومیں بھی اپنے بزرگوں کے کارنامے اسی طرح نقل کرتی ہیں بلکہ بزرگوں کی شکل کے بت بنا کر رکھ لیتی ہیں اور ان کے سامنے ڈنڈوت (۱) کر لینے کو اور ان کی پیدائش اور جنگ وغیرہ کی نقل کرنے اور جلوس نکالنے کو اپنے ساری دین کا خلاصہ اور عطر سمجھتی ہیں۔

---

(۱) ڈنڈوت: سجدہ، جبہ سائی، ماتھا ٹیکنا، آداب، تسلیم، بندگی۔ (فیروز اللغات: ۶۸۱)

آپ تنہائی میں دماغ کو افکار وتعصب سے خالی کر کے سوچیں کہ یہ طریقہ مسلمانوں نے کن لوگوں سے لیا ہے اور ایسا عقیدہ اور ان کے لئے یہ عمل کہاں تک عقل اور شریعت کے مطابق ہوسکتا ہے؟ کیا شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے اور عقل اس کو برداشت کرسکتی ہے؟ اگر آج کسی کے والد بزرگوار کی نقل اس طرح اتاری جائے تو کوئی غیرت مند آدمی اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔

تیسرا احتمال:

ذکر ولادت شریف کی تعظیم کی خاطر قیام کرنا تو اس کے لئے بھی کوئی ثبوت نہیں کہ آپ کی ولادت شریفہ کا ذکر جب کیا جائے تو بحالت قیام کیا جائے، یا سننے والے قیام کریں۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "میں دوشنبہ کو پیدا ہوا ہوں" (۱)، لیکن پیدائش کا تذکرہ فرماتے ہوئے نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے۔

محدثین نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ لکھا ہے، ان کتابوں کو برابر اہل علم حضرات پڑھتے ہیں، کہیں ثابت نہیں کہ کسی راوی نے اس کو یا اس جیسی کسی حدیث کو روایت کرتے وقت قیام کیا ہو یا کسی محدث مثلاً: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، وامام نسائی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھتے یا پڑھتے وقت یا پڑھاتے وقت قیام کیا ہو۔ پس اس مقصد کے ماتحت قیام بھی بلا دلیل ہے۔

چوتھا احتمال:

یہ ہے کہ محض ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام ہو سو یہ بھی بلا دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہمیشہ ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے اور حدیثیں سنایا کرتے تھے (۲)، مگر کہیں قیام منقول نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) "و عنه (أی أبی قتادة رضی الله تعالیٰ عنه) قال: سئل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن صوم الاثنین، فقال: "فیه ولدت، و فیه أنزل علیّ". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۹، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر الخ: ۱/۳۶۷، قدیمی)

(۲) "عن أبی وائل قال: کان عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه یذکر الناس فی کل خمیس، فقال له رجل: یا =

ہر جمعہ کو منبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے اور روضہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اس قبر والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (۱) مگر کبھی حاضرین کو قیام کے لئے نہیں کہا۔ خلفاء راشدین: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کبھی حاضرین کو قیام کا حکم نہیں دیا اور کیسے حکم دیتے اور حاضرین کیسے قیام کرتے جب کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اس بات کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے کہ منبر پر تشریف لا کر فرمایا "اجلسوا" (بیٹھ جاؤ) اس حکم کو سن کر جو صحابہ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، حتی کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے، مسجد کے باہر دروازہ کے قریب تھے وہ یہ حکم سن کر وہیں بیٹھ گئے، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ

= أبا عبد الرحمن لوددت أنک ذکرتنا کل یوم، قال: أما أنه یمنعني من ذلک أني أکره أن أملکم، وإني أتخولکم بالموعظة کما کان النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یتخولنا بها مخافة السامة علینا".

(صحیح البخاري، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أیاماً معلومة: ۱/۱۶، قدیمی)

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث تو نہیں ملی، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بھی ان الفاظ میں ہے:

" عن ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنه أنه کان معتکفاً في مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فأتاه رجل فسلم علیه ثم جلس، فقال له ابن عباس! یا فلان! أراک مکتئباً حزیناً، قال: نعم یا ابن عم رسول اللہ! لفلان عليّ حق، ولا و حرمة صاحب هذا القبر ما أقدر علیه، قال ابن عباس: أفلا أکلمه فیک؟ قال: إن أحببت، قال: فانتعل ابن عباس، ثم خرج من المسجد، قال له الرجل: أنسیت ما کنت فیه؟ قال: لا، و لکني سمعت صاحب هذا القبر صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم والعهد به قریب فدمعت عیناه، وهو یقول: "من مشی في حاجة أخیه و بلغ فیها، کان خیراً له من إعتکاف عشر سنین، و من اعتکف یوما ابتغاء وجه اللہ، جعل اللہ بینه و بین النار ثلث خنادق أبعد مما بین الخافقین". رواه الطبراني في الأوسط، والبیهقي واللفظ له، والحاکم مختصراً و قال: صحیح الاسناد، و کذا في الترغیب، وقال السیوطي في الدر: صححه الحاکم و ضعفه البیهقي". (بحواله فضائل اعمال للشیخ مولانا محمد زکریاؒ، فضائل رمضان، فصل ثالث، ص: ۲۵۳، ۲۵۴، کتب خانه فیضی لاهور)

علیہ وسلم کی ان پر نظر پڑی فرمایا آگے آجاؤ (۱)۔

ایمان کے بعد سب سے بڑی چیز نماز ہے، اس کے متعدد ارکان میں مختلف چیزیں پڑھی جاتی ہیں، رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز اور درود شریف قیام کی حالت میں نہیں پڑھا جاتا، نہ رکوع سجدہ کی حالت میں پڑھا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ ہر حدیث لکھتے وقت اول غسل کیا، مسواک کی، دو رکعت نماز نفل پڑھی تب ایک حدیث لکھی (۲) اس ادب و احترام کے ساتھ یہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی (۳) مگر یہ ثابت نہیں کہ کسی حدیث کو خواہ وہ ذکر ولادت شریف سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو کھڑے ہو کر لکھا ہو۔ جس وقت اپنی کتاب کا املاء کراتے تھے تو بعض اوقات ایک لاکھ یا اس سے زیادہ مجمع موجود ہوتا مگر سب بیٹھے رہتے تھے، کوئی بحالت قیام نہیں لکھتا تھا اور بھی کسی محدث سے قیام ثابت نہیں۔ حالانکہ یہ سب حضرات ذکر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی تعظیم کرتے تھے (۴)۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما استوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا، فسمع ذلک ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، فجلس علی باب المسجد، فرآہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "تعال یا عبد اللہ بن مسعود". (أبو داؤد، أبواب الجمعة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبتہ: ۱/۱۵۶، مکتبہ دار الحدیث)

(۲) "قال أبو القاسم الکشمیضی: سمعت الفربری یقول: سمعت إسمعیل البخاری رحمہ اللہ تعالی یقول: "ما وضعت فی کتاب الصحیح حدیثاً إلا اغتسلت قبل ذلک وصلیت رکعتین ...... الخ". (مقدمہ فتح الباری، ذکر فضائل الجامع الصحیح: ۴۷۵، قدیمی)

(۳) "حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض واقعات سے اخذ کر کے فرمایا ہے کہ ۲۱۷ھ میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام ہوا .... اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی ہے"۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۲/۴۰۵، بحوالہ کشف الباری لشیخ الحدیث مولانا و مرشدنا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم: ۱/۱۵۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

(۴) اس تعظیم وتوقیر کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث لکھتے وقت جہاں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے، ان حضرات نے اہتمام کے ساتھ وہاں درود لکھا ہے، حتی کہ بے شمار ایسے مواضع ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، جہاں پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی صراحۃً نہ بھی ہو بلکہ ضمیر ہو وہاں بھی درود لکھا ہے لیکن قیام کا ذکر تک نہیں۔

نیز اس مقصد کے لئے شروع ہی سے قیام کیوں نہیں کیا جاتا جب کہ مجلس ہی ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

(یہاں تک تو قیام سے متعلق گزارش تھی)

آپ کے خط میں دوسری چیز ۱۲/ ربیع الاول کی تخصیص واہتمام کا سوال ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ مروجہ نفس میلاد شریف کی حیثیت جب سامنے آ گئی کہ اس کا کہیں شرعی ثبوت نہیں تو ۱۲/ ربیع الاول کی تخصیص واہتمام کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا، اگر مروجہ مجلس میلاد شریف کا ثبوت ہوتا پھر اس کی تخصیص ۱۲/ ربیع الاول کے ساتھ کی جاتی تو اس تخصیص کو منع کیا جاتا (۱) فقہاء نے لکھا ہے کہ جو چیز فی نفسہ مستحب ہو اور لوگ اس پر اصرار کرنے لگیں تو وہ چیز مکروہ ہو جاتی ہے۔

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة اهـ". سعاية: ۲/۲٦٥ (۲)۔

اسی طرح طیبی شرح مشکوۃ میں ہے:

"من أصر على المندوب، وجعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟ و جاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه اهـ". (سعاية: ۲/۲٦۳) (۳)۔

جب کہ اصرار سے مستحب چیزیں بھی مکروہ ہو جاتی ہیں تو بدعت پر اصرار کا کیا حال ہوگا؟

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے محفل میلاد شریف پڑھنے کے متعلق جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو، فرمایا ہے:

"میرے مخدوم! فقیر کے دل میں آتا ہے کہ اس دروازے کو بالکل نہ کھولیں کیونکہ بوالہوس نہیں

---

(۱) "قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء: أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته والله تعالىٰ أعلم". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف من اليمين و الشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲٦٥، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (السعاية، باب صفة الصلوة: ۲/۲٦۳، سهيل اكيڈمی)

رکتے ، اگر تھوڑا بھی جائز رکھیں تو بہت تک پہونچ جائے گا"۔ (مکتوب: ۲۷، دفتر سوم)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ جامع العلوم کانپور۔

قیام میلاد کی شرعی حیثیت

سوال[۸۹۵]: مجلس میلاد کیا نوعیت رکھتی ہے؟ اور اس کی کس حد تک تعظیم کرنا چاہیے، کیا وقت ذکر پیدائش بطور تعظیم قیام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بعض علماء فرماتے ہیں وقت ذکر پیدائش قیام کرنے کے لئے شرعاً کچھ اصلیت نہیں بلکہ ناجائز و بدعت ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور بعض کہتے ہیں مستحب ہے اور دو حدیث پیش کرتے ہیں۔

"عن أبي بكر رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله عليه و سلم إذا جاء ه أمر سرور يسربه، خرّ ساجداً لشكر الله تعالى". رواه أبو داؤد(۲) والترمذي (۳) مشكوة المصابيح ص: ۱۳۱(٤)۔

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ليضع لحسان منبراً في المسجد، يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه

---

(۱) فارسی عبارت یہ ہے: "دیگر در باب مولودخوانی اندراج یافتہ بود در نفسِ قرآن خواندن بصوتِ حسن، و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است، ممنوع تحریف و تغییر حروفِ قرآن است، .... مخدوما! بخاطرِ فقیر میرسد تا سدِ این باب مطلق نکنند، بوالہوسان ممنوع نمے گردند، اگر اندک تجویز کردند، منجر بہ بسیار خواہد شد، "قليله يفضي إلى كثيره"، قول مشہور است، والسلام" مکتوباتِ امام ربانی، ص: ۱۵۷، سعید)

(۲) (أبو داود، كتاب الجهاد، باب في سجود الشكر: ۲/۳۸۳، مكتبه دار الحديث ملتان.)

(۳) (جامع الترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في السجود: ۱/۲۸۷، سعيد)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب في سجود الشكر، ص: ۱۳۱، قديمي)

سوال میں مذکور الفاظ اور مشکوۃ شریف کے الفاظ میں تھوڑا سا تغیر ہے، سوال کے الفاظ تو ظاہر ہیں اور مشکوۃ المصابیح میں یہ ہیں: "إذا جاء ه أمر سروراً أو يسر به" شک کے ساتھ اور ابوداؤد میں "سروراً" منصوب نہیں بلکہ مضاف الیہ ہے "أمر" کے لئے۔ دوسری عبارت "خر ساجداً شاكراً لله تعالى" واللہ تعالیٰ اعلم۔

وسلم أو ينافح، و يقول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله يؤيد حسان بروح القدس ما نافح أو فاخر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم"، ص: ٤١٥"(١)۔

پہلی حدیث سے مراد لیتے ہیں کہ خوشی کے کام میں سجدہ کرنا اور بعد اس کے کھڑا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فخر وغیرہ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، ہم ذکر میلاد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پیدائش بیان کرتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے حدیث کی تابعداری ہوتی ہے، حدیث شریف سے جس چیز کا ثبوت ہو وہ بدعت سیئہ نہیں ہوسکتا بلکہ بدعت حسنہ ہے۔ دوسری حدیث سے ظاہر سمجھا جاتا ہے خبر خوش سے شکر کا سجدہ کرنا اور اس کے بعد کھڑے ہونا۔ اب مسلمانوں کے نزدیک جناب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر سے زیادہ خوش خبری اور کیا ہوسکتی ہے، اب اگر کوئی اس موقعہ پر سجدہ کرے اور اس کے بعد کھڑا ہوجائے تو یہ کوئی خرابی کی بات نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ دونوں فریق میں سے کس کی دلیل مانی جائے؟ اور دونوں حدیثوں سے کس نظم سے مستحب ثابت ہوتا ہے اور مستحب ثابت ہونے کے لئے کیا قواعد اور اصول ہونا ضروری ہیں؟ مطابق مذہب حنفی کے اور دونوں حدیثوں کے اندر کیا نظم ہے؟ مستحب کے پیش نظر رقم فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب وهو الموفق للصواب:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر مبارک مطلقاً خواہ آپ کی نماز وغیرہ عبادات کا ذکر ہو، خواہ بیع شراء وغیرہ معاملات کا ذکر ہو، خواہ ولادت وغیرہ دیگر احوال کا ذکر ہو بلاشبہ باعث برکت، موجب ثواب ہے(۲)۔

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ٤١٠، قديمي)

موجودہ نسخہ میں "یضع" بغیر لام کے ہے، اسی طرح مرقاۃ المفاتیح میں بھی ہے۔ (مرقاة المفاتيح: ٨/٥٥٥، رشيديه كوئته)

(٢) اس بات کی تائید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ بعض اوقات کوئی راوی کسی صحابی سے عرض کرتا ہے کہ ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیجئے تو وہ صحابی حتی المقدور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس، حلیہ، نشست و برخاست، اخلاق اور معاملہ بیان کرتا ہے لیکن قیام کسی سے بھی ثابت نہیں۔

"عن الحسن بن علي رضي الله تعالى عنه قال: سألت خالي هند بن أبي هالة: و كان وصافاً عن=

لیکن میلاد مروجہ شرعاً بے اصل، بدعت وناجائز ہے، اس کے مفاسد وقبائح کتاب المدخل، ج:۲ میں: ۳۲ صفحات میں لکھے ہیں (۱)۔ عربی فارسی اردو میں مستقل رسائل اس کے عدم جواز کے متعلق علمائے حق نے تصنیف فرمائے ہیں۔ چند خرابیاں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱- روایات جو محفل میلاد میں عموماً سنائی جاتی ہیں وہ اکثر غیر معتبر اور بعض موضوع ہوتی ہیں، جن کا پڑھنا اور سننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ناجائز اور سخت گناہ ہے (۲)۔

۲- رات کا بڑا حصہ اس محفل میں گزار کر اخیر شب میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے جس سے صبح کی نماز قضاء ہو جاتی ہے (۳)۔

= حلية رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وأنا أشتهي أن يصف إلي شيئاً أتعلق به، فقال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فخماً مفخّماً، يتلألأ وجهه تلألؤ القمر ليلة البدر، أطول من المربوع وأقصر من المشذب، عظيم الهامة، رجل الشعر: إن انفرقت عقيقته فرق وإلا فلايجاوز شعره شحمة أذنيه، إذا هو وفر ة، أزهر اللون، واسع الجبين، أزج الحواجب، سوابغ من غير قرن بينهما". إلى آخر ما قال. (شمائل الترمذي، باب ما جاء في خلق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۲، سعيد)

(۱) (تقدم بعض عبارات المدخل تحت عنوان: "محفل میلاد")

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (الصحيح لمسلم، مقدمة: باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۷، قديمي)

"واعلم أن هذا الحديث يشتمل على فوائد وجمل من القواعد .... الثانية: تعظيم تحريم الكذب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم، وأنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة اهـ". (شرح النووي على صحيح مسلم، مقدمته: ۱/۸، قديمي)

(۳) اور یہ بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ ترک جماعت پر بہت سخت وعید سنائی گئی ہے: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "إن أثقل صلوة على المنافقين صلوة العشاء و صلوة الفجر، و لو يعلمون مافيها، لأتوهما و لو حبواً، و لقد هممت أن آمر بالصلوة فتقام، ثم امر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال، معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلوة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۲، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد في التخلف عنها و أنها فرض كفاية، قديمي)

۳-قرب وجوار کے لوگ بھی نہیں سوسکتے ہیں (۱)۔

۴- اس محفل کی شرکت کو ضروری خیال کیا جاتا ہے چنانچہ شریک نہ ہونے والے پر لعن طعن کیا جاتا ہے، اگر کوئی نماز میں شریک نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں کی جاتی تو معلوم ہوا کہ اس محفل کی اہمیت نماز سے بھی زیادہ ہے (۲)۔

۵- روشنی اور خوشبو وغیرہ ضرورت سے زیادہ کی جاتی ہے جو اسراف ہے (۳)۔

۶- قیام کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی قیام نہ کرے تو وہ سب شرکاء کی نظروں میں مبغوض ہوتا ہے، طرح طرح سے اس پر سب وشتم کرتے ہیں حتی کہ اس ترک قیام کا درجہ ترک صلوۃ بلکہ اسلام سے بھی زیادہ بڑھا دیتے ہیں (۴)۔

۷- قیام کے وقت اعتقاد کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لائے ہیں اور ہماری ہر بات کو خدا تعالیٰ کی طرح بلا واسطہ حاضر و ناظر ہو کر ملاحظہ فرما رہے ہیں (۵)۔

۸- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں مبالغہ کرتے کرتے آپ کے درجہ کو انسانیت سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کے درجہ میں کر دیا جاتا ہے (۶)۔

---

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۱/۶، قديمي)

(۲) "قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء: أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته، والله تعالىٰ اعلم". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت.)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتسرفوا إنه لايحب المسرفين﴾. (الانعام: ۱۴۱)

(۴) (انظر الحاشية رقمها: ۲)

(۵) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "قیام میلاد مفصل")

(۶) "مطرف قال: قال أبي: انطلقت في وفد بني عامر إلى النبي ﷺ فقلنا: أنت سيدنا، فقال: "السيد الله"، قلنا: أفضلنا". (الحديث) ولرزين عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه: "إني لا أريد أن ترفعوني =

۹- بسا اوقات میلاد میں عورتیں شرکت کرتی ہیں اور ان کا مردوں کے ساتھ بے حجابانہ اختلاط ہوتا ہے(۱) الی غیر ذلک من المفاسد۔ بعض امور گناہ کبیرہ ہیں اور بعض شرک ہیں۔

دونوں حدیثوں سے استحباب قیام پر استدلال کرنا نہایت تعجب خیز ہے، پہلی حدیث میں قیام کا ذکر تک نہیں بلکہ سجدہ کا ذکر ہے، اگر کہا جائے کہ بعد سجدہ آپ قیام بھی فرماتے تھے تو گو حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں، تاہم علی سبیل التسلیم کہا جا سکتا ہے کہ اصل مقصود سجدہ ہے اور قیام سجدہ کے تابع ہے، قیام اصل مقصود ہی نہیں، اگر قیام اصل مقصود ہوتا تو کم از کم حدیث شریف میں اس کا ذکر ضرور ہوتا، گو تبعاً ہی کہیں۔ نیز کیا اہل محفل اس خوشخبری کے وقت سجدہ کرتے ہیں اور پھر قیام کرتے ہیں؟ جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا اصل مقصود (سجدہ) کو چھوڑ کر صرف تابع (قیام) پر اکتفا کرتے ہیں، اگر ایسا ہے تو کس قدر قلبِ موضوع ہے۔

بڑی غلطی مستدل سے یہ ہوئی کہ وہ خوشخبری کے معنی نہیں سمجھا، خوشخبری عرف میں کہتے ہیں اس اچھی چیز کو جس سے بشرہ میں خوشی کی وجہ سے تغیر پیدا ہو(۲) اور یہ پہلی مرتبہ خبر دینے میں ہوتا ہے، اہل محفل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا علم پہلے سے ہے، اس محفل میں ان کو اول مرتبہ علم نہیں کرایا گیا بلکہ ولادت کا علم پہلے سے ان کو حاصل تھا، اسی کا دوبارہ تذکرہ کیا گیا، لہٰذا ان کے حق میں یہ بشارت نہیں ہوئی بلکہ خبر ہوئی۔

"من قال: كل عبد بشرني بولادة فلانة، فهو حر، فبشره ثلاثة متفرقين، عتق الأول؛ لأن بشارة اسم لخبر يغير بشرة الوجه، و يشترط كونه سارا بالعرف، و هذا إنما

= فوق منزلتي التي أنزلنيها الله تعالىٰ، أنا محمد بن عبد الله، عبده و رسوله". (جمع الفوائد، باب الثناء والشكر والمدح والرفق: ۳/۳۶۸، ادارة القرآن کراچی)

(۱) (قد مضى تخريجه تحت عنوان "مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت")

(۲) "و بشر يبشر إذا فرح قال: و معنى يبشرك و يبشرك من البشارة، قال: و أصل هذا كله: أن بشرة الإنسان تنبسط عند السرور، و من هذا قولهم: فلان يلقاني ببشر: أي بوجه منبسط". (لسان العرب: ۴/۶۲، دار صادر بيروت)

وفيه أيضاً: "قال ابن سيدة: طلبوا منها البشرى على إخبارهم إياها بمجيء إبنها". (۴/۶۱)

يتحقق بالأول اهـ". هدايه (۱)۔

"وأصله ماروى أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بابن مسعودرضى الله تعالى عنه و هو يقرأ القرآن، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحب أن يقرأ القرآن غضاً طرياً كما أنزل، فليقرأه بقرأة ابن أم عبد رضى الله تعالى عنه". فابتدر إليه أبو بكر رضى الله تعالى عنه و عمر رضى الله تعالى عنه بالبشارة، فسبق أبو بكر رضى الله تعالى عنه عمر رضى الله تعالى عنه، فكان ابن مسعود رضى الله تعالى عنه يقول متى ذكر: "بشرنى أبوبكر رضى الله تعالى عنه وأخبرنى عمر رضى الله تعالى عنه" ولو كان مكان البشارة إخبار بأن قال: إن أخبرني و الباقي بحاله عتق الكل اهـ". فتح القدير: ۷۹/٤(۲)۔

لہذا قیام میلاد پر استدلال اس حدیث شریف سے کسی طرح درست نہیں، اگر اس حدیث شریف کی شرح لمعات (۳) میں دیکھیے تو وہاں تفصیل سے ائمہ کے نزدیک اس کے مختلف مطالب لکھے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ سے مراد نماز ہے کہ آپ شکریہ میں نماز پڑھا کرتے تھے (۴)، نماز پر سجدہ کا اطلاق کثرت سے

---

(۱) (الهداية، كتاب الإيمان، باب اليمين فى العتق والطلاق: ۲/۴۹۸، مكتبه شركت علميه)

(فتح القدير، كتاب الأيمان، باب اليمين فى العتق والطلاق: ۵/۱۲۵، مكتبه مصطفى البابى)

(۳) اختلف العلماء في السجدة المنفردة خارج الصلوة، هل هي جائزة و مسنونة و عبادة موجبة للتقرب إلى الله تعالى عملاً؟ فقال بعضهم: بدعة و حرام، ولا أصل لها فى الشرع .... وتفصيل الكلام أن السجدة خارج الصلوة على عدة أقسام: أحدها: سجدة السهو، و هو فى حكم سجدة الصلوة، و ثانيها: سجدة التلاوة و لا خلاف فيها، و ثالثها: سجدة المناجات بعد الصلوة وظاهر كلام الأكثرين أنها مكروهة، و رابعها: سجدة الشكر على حصول نعمة و اندفاع بلية، وفيها اختلاف، فعند الشافعي و أحمد رحمهما الله سنة، و هو قول محمد رحمه الله، والأحاديث والآثار فى ذلك كثيرة. و عند أبي حنيفة و مالك رحمهما الله ليس بسنة بل هي مكروهة". (لمعات التنقيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب فى سجود الشكر: ۵/۲۴۳، مكتبة المعارف العلمية)

(۴) "قال التوربشتي: ذهب جمع من العلماء إلى ظاهر الحديث، فرأوا السجود مشروعاً فى باب شكر النعمة، وخالفهم آخرون فقالوا: المراد بالسجود الصلاة، و حجتهم فى هذا التأويل ما ورد فى =

ثابت ہے(۱)۔ اگر بالفرض قیام کا استحباب ثابت بھی ہوتا تو چونکہ اس کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا ترک ضروری ہے۔

"من أصر علی مندوب وجعله عزماً و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة ومنکر؟ وجاء في حدیث ابن مسعود رضی الله تعالی عنه إن الله یحب أن تؤتی رخصه کما یحب أن تؤتی عزائمه"۔ انتهی عن الطیبی". حاشیة المشکوة(۲)، سعایه: ۲/۲٦۳ (۳) "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة اهـ". سعایه: ۲/۲٦۵ (٤)۔

= الحدیث أن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم لما أتی برأس أبی جهل خرّ ساجداً. و قد روی عبد الله بن أبی أوفی: رأیته صلی الله تعالی علیه وسلم صلی بالضحی رکعتین حین بشر بالفتح، أو برأس أبی جهل. و نضر الله وجه أبی حنیفة، وقد بلغنا عنه، أنه قال: و قد ألقی علیه هذه المسألة: "لو ألزم العبد السجود عند کل نعمة متجددة عظیمة الموقع عند صاحبها، لکان علیه أن لا یغفل عن السجود طرفة عین؛ لأنه لا یخلو عنها أدنی ساعة، فإن من أعظم نعمة عند العباد نعمة الحیاة، وذلک یتجدد علیه بتجدد الأنفاس، أو کلاماً هذا معناه". (المرقاة شرح المشکوة، کتاب الصلوة، باب في سجود الشکر: ۳/۲۰۲، مکتبه رشیدیه)

(۱) قال العلامة الآلوسی رضی الله تعالی عنه تحت قوله تعالی: ﴿وعهدنا إلی إبراهیم وإسماعیل أن طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود﴾: "و هم المصلون جمع راکع وساجد، وخص الرکوع والسجود بالذکر من جمیع أحوال المصلی، لأنهما أقرب أحواله إلیه تعالی، وهما الرکنان الأعظمان، و کثیر ما یکنی عن الصلوة بهما .....الخ". (روح المعانی: ۱/۳۸۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

(۳) (السعایة علی شرح الوقایة، باب صفة الصلوة، قُبیل فصل فی القرأة: ۲/۲٦۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(٤) (السعایة علی شرح الوقایة للکنوی، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القرأة: ۲/۲٦۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

"إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة اهـ".

شامی: ۱/۶۷۱ (۱)۔

حدیث سے (بزعم خود) ثابت کر کے یہ کہنا کہ یہ بدعت حسنہ ہے متدل کے کمالِ عقل وفہم پر دال ہے، دوسری حدیث میں میلاد کا ذکر کہاں ہے اور "یقوم" کا فاعل کون ہے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا جمیع حاضرین؟ اور پھر اس سے صرف میلاد خواں کے قیام پر استدلال ہے یا جمیع حاضرین کے قیام پر؟ نیز یہ قیام مستحب ہے یا واجب ہے؟ اور جس کا بھی قیام حدیث میں مذکور ہے وہ شروع مجلس سے یا کسی خاص وقت میں اور آپ کے یہاں بھی شروع سے قیام ہوتا ہے یا کسی خاص وقت میں؟ غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ حدیث شریف کے انطباق کی کیا صورت ہے۔ اگر لفظ "یقوم" یا "قائماً" کے لفظ سے استدلال مقصود ہے تو قرآن شریف میں "قوموا" اور "قائمین" اور "قائما" (۲) کے صیغے مختلف مواقع پر وارد ہوئے ہیں، ان سے استدلال کر لیا جاتا۔

اب میں بتاتا ہوں کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لئے قیام کی صراحتاً ممانعت فرمائی ہے تو جب ذات اقدس کے لئے ممانعت ہے تو ذکر ولادت کا درجہ یقیناً ذات اقدس سے کم ہے: "(أبو أمامة رضي الله تعالى عنه) خرج علينا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتوكأ على عصا، فقمنا إليه فقال: "لاتقوموا كما يقوم الأعاجم يعظم بعضهم بعضاً"۔ لأبي داؤد (۳)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، كان ترك السنة أولى: ۱/۶۴۲، سعيد)

(۲) انظر الآيات الأتية، فإن كان في سعة أحدان يستدل على قيام المولود من لفظ "قيام" أو "يقوم" لاستدل بأحد من هذه الأيات، و هي آية آل عمران: ۱۸، ۱۱۳، ۱۹۱، و آية التوبة: ۱۰۸، و آية يونس: ۱۲، و آية الحج: ۲۶)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۲/۷۰۲، مكتبه دار الحديث ملتان)

ترجمہ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس لاٹھی پر سہارا لگاتے ہوئے تشریف لائے ہم کھڑے ہوگئے، ارشاد فرمایا: "جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو"۔

جمع الفوائد: ۲/۱۴۳ (۱)۔

صحابہ کرام کا یہ عمل تھا: "(أنس رضي الله تعالى عنه): لم يكن شخص أحب إليهم من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك". للترمذی(۲) جمع الفوائد: ۲/۱۴۳ (۳)۔

اگر کوئی شخص اپنی تعظیم کے لئے قیام کو پسند کرے اس کا حکم یہ ہے: "(معاوية رضي الله تعالى عنه) رفعه: "من أحب أن يتمثل له الناس قياماً فليتبوأ مقعده من النار". لأبي داؤد(٤) والترمذي (٥) جمع الفوائد: ۲/۱۴۳ (٦)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعریف میں مبالغہ کرنے کو بھی منع فرمایا ہے، اس مضمون کی

---

(۱) (جمع الفوائد، باب العطاس والتثاؤب والمجالسة وآداب المجلس: ۳/۳۵۲، رقم الحديث: ۷۷۸۰، ادارة القرآن کراچی)

(۲) (جامع الترمذي أبواب الاستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۲/۱۰۴، سعید)

ترجمہ: کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سے ناگواری وناپسندیدگی کو جانتے تھے۔

(۳) (جمع الفوائد، باب العطاس و التثاوب والمجالسة اهـ: ۳/۳۵۲، رقم الحديث: ۷۷۸۰، إدارة القرآن)

(۴) (كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۲/۷۱۰، مكتبه دار الحديث ملتان)

ترجمہ: جو اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۵) (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۲/۱۰۴، سعيد)

(٦) (المصدر المتقدم لجمع الفوائد)

روایات جمع الفوائد:۲/۱۵۰(۱) میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۲۱/ رجب/ ۵۸ھ۔

قیام میلاد کا حکم

سوال[۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ کے بارے میں:

مسئلہ: قیام میلاد بدعت حسنہ ہے یا سئیہ؟ اگر بدعت سئیہ کہتے ہیں تو اس صورت میں تعامل، توارث اور اجماع کے خلاف لازم آئے گا کیونکہ قیام میلاد کے اوپر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان ۳۸/۴(۲) میں ہے:" وقد اجتمع عند الإمام تقي الدين السبكي جمع كثير من علماء عصره، فأنشد منشد قول الصرصري: قليل المدح الخ، فعند ذلك قام الإمام السبكي وجميع من بالمجلس (إلى) ويكفي ذلك في الاقتداء. وقال ابن حجر الهيثمي: إن البدعة الحسنة متفق على مذهبها". مولود برزنجی، ص:۲۹(۳)۔

"قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف أئمة ذورواية و روية". إشباع الكلام، ص:۶۰(۴)۔

"قد اجتمعت الأمة المحمدية من أهل السنة والجماعة على استحسان القيام المذكور". مجموعہ فتاوی:۳/ ۱۳۰(۵)۔ سیرت دحلان:۱/۵۱(۶) میں بھی ایسا ہی ہے۔

---

(۱) "مطرف قال: قال أبي :" إنطلقت في وفد بني عامر إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقلنا: أنت سيدنا فقال: "السيد الله". قلنا: أفضلنا". الحديث .... لرزين عن أنس رضي الله تعالى عنه: "إني لاأريد أن ترفعوني فوق منزلتي التي أنزلنيها الله تعالى ،أنا محمد بن عبد الله ، عبده ورسوله". (جمع الفوائد، باب الثناء والشكر والمدح والرفق: ۳/۳۶۸، ادارة القرآن كراچي)

(۲، ۳، ۴) (لم أجد هذه الكتب)

(۵) مجموعۃ الفتاوی سے اگر علامہ عبد الحی لکھنویؒ کے فتاوی مراد ہیں تو ان میں قیام میلاد کو بے اصل قرار دیا گیا ہے، (مجموعۃ الفتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ متفرقات:۳/۲۵۸، سعید)

(وأيضاً مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى :۴/۳۳۵، امجد اکیڈمی لاہور)

(۶) (لم أظفر على هذا الكتاب)

اس کے علاوہ امام غزالی ''احیاء العلوم'' میں لکھتے ہیں: "الأدب الخامس: موافقة القوم في القيام إذا قام أحد منهم في وجد صادق من غير رياء و تكلف، وقام باختيار من غير إظهار و جد، وقام له الجماعة، فلابد من الموافقة، فذلك من أدب الصحبة" (۱)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر قیام بدعت سئیہ ہے تو مذکورہ بالا دلائل کے دندان شکن جوابات کیا ہیں؟ بہر حال اگر بدعت سئیہ ہو تو مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی، یا حرام ہے؟ ان میں سے جس کو بھی اختیار کریں مدلل و مفصل وحوالہ کے ساتھ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام۔

عتیق الرحمٰن ۲۴، پرگنوی، ۲۲/ رجب/ ۱۳۹۱ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے، نہ تابعین وائمہ مجتہدین: (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیرہم) وغیرہ سے ثابت ہے، نہ محدثین: (امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداودؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، وغیرہ ہم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ اولیاء کاملین: (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاء الدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرہم) سے ثابت ہے۔

چھ صدی اس امت پر اس طرح گزر گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص واتباع میں وزراء امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخ ابن خلکان میں ہے (۲)۔

اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے، چنانچہ کتاب المدخل (۳) میں علامہ ابن

---

(۱) (احياء علوم الدين للغزالي، كتاب آداب السماع والوجد، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس: ۲/۳۰۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) (وفيات الأعيان وأبناء أبناء الزمان لأبن خلكان، ترجمة مظفر الدين صاحب إربل، رقم الترجمة: ۵۴۷: ۴/۱۱۷، ۱۱۹، دار صادر بيروت)

(۳) (قد مضى بعض اقتباساته تحت عنوان ''محفل میلاد'' و عنوان ''میلاد کا خاص طریقہ'')

الحاجّ نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائل شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۱۳۳۷ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت حاصل ہوئی، پھر جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے، چنانچہ عربی، فارسی، اردو، ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے اور آج تک تردید کی جارہی ہے، کیا اسی کا نام اجماع ہے، غالباً مدعی کو اجماع کی تعریف بھی معلوم نہیں ہے "جمع كثير من علماء عصره"، ایک مجلس میں اکٹھے ہوگئے اور بس اجماع ہوگیا؟ غور طلب یہ ہے کہ اس دور میں جتنے علما موجود تھے کیا ان میں سے کثیر تعداد ایک جگہ (سبکیؒ کے مکان) پر جمع ہوئی تھی؟ اس کثیر کی مقدار تعداد کیا تھی، تین چار کو بھی کثیر کہا جائے گا یا جمع کثرت کی حد تک پہنچا کر دس گیارہ تک مبالغہ کیا جائے گا؟ کیا ان کی تعداد کی شرکت مفید اجماع ہے؟

ہاں یہ ممکن ہے کہ ان حاضرین میں سے کسی نے مخالفت نہ کی ہو لیکن ان کے علاوہ جتنے علماء اس وقت کے تھے، کیا انہوں نے بھی مخالفت نہیں کی؟ یا اس گھریلو اجماع کے ساتھ موافقت کی ہے؟ نیز ان شریک نہ ہونے والوں کی تعداد شریک ہونے والوں کے مقابلے میں کثیر تھی یا قلیل؟ اگر شریک نہ ہونے والے قلیل تھے اور شریک ہونے والے کثیر تو اس مکان کی وسعت کس قدر ہوگی؟ جہاں اتنی بڑی تعداد سما گئی؟ اور صرف اس بستی کے علماء جمع ہوئے تھے یا تمام اطراف واکناف کے جمع ہوئے تھے (یا کئے گئے تھے؟) اگر نہ شریک نہ ہونے کی تعداد کثیر تھی جیسا کہ متبادر ہے کہ ایک مکان میں ایک وقت میں اتنی بڑی تعداد نہیں آسکتی ہے تو جمع کثیر کا اطلاق نہ شریک ہونے والوں پر زیادہ مناسب واقرب الی الفقہ ہے، لہٰذا استدلال برعکس ہوجائے گا۔

"الإجماع في اللغة الاتفاق، وفي الشريعة: إتفاق مجتهدين صالحين من أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في عصر واحد على أمر قولي أو فعلي اهـ"۔

"والمراد بالمجتهدين جميع المجتهدين الكائنين في عصر من الأعصار، واحترز به عن اتفاق المقلدين. واحترز بقول "صالحين" عن اتفاق مجتهدين ذوي هوى بدعة وفاسقين. وبقوله: "أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم" عن اتفاق مجتهدي الشرائع السابقه اهـ".

"الإجماع نوعان: عزيمة وهو التكلم منهم بما يوجب الاتفاق: أي اتفاق الكل على الحكم بأن يقولوا: أجمعنا على هذا، إن كان ذلك الشروع من باب القول أو شروعهم في الفعل إن كان من بابه: أي كان ذلك الشيء من باب الفعل كما إذا شرع أهل الاجتهاد جميعاً في المضاربة أو المزارعة أو الشركة كان ذلك إجماعاً على شرعيتها. ورخصة: وهو أن يتكلم أو

يفعل البعض دون البعض: أي يتفق بعضهم على قول أوفعل و سكت الباقون منهم، ولا يردون عليهم بعد مضى مدة التأمل، و هى ثلثة أيام من مجلس العلم اهـ. قوله : "وهى ثلثة أيام"؛ لأن هذا القدر هوالمشروع فى إظهار العذر عند أكثر الحنفية، ثم لا تقدر مدة التأمل شىء بل لا بد من مرور أوقات بعلم عادة أنه لو كان هنا مخالف لأظهر الخلاف اهـ". نور الأنوار و قمر الأقمار، ص: ۲۱۹ (۱)۔

کیا بتایا جا سکتا ہے کہ مکی کے مکان پر محفل میلاد شریف میں قیام کرنے والے حضرات کون کون تھے اور اجتہاد میں وہ کس درجہ پر فائز تھے؟ یعنی مجتہدین کے جو طبقے "شرح عقود رسم المفتی" میں مذکور ہیں (۲) یہ حضرات کس طبقہ کے تھے، جن کے قیام کو اجماع قرار دے دیا گیا؟ یہ سب گفتگو اس وقت ہے کہ سوال کی نقل کردہ عبارات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور یہ کہا جائے کہ نقل میں خیانت نہیں کی گئی، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مدعی نے نقل میں دیانت سے کام نہیں لیا جیسا کہ علامہ ابن حجر ہیثمی کی عبارت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ:

"و نظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم ووضع أمه له من

---

(۱) (نور الأنوار، باب الإجماع، ص: ۲۱۹، سعيد)

(۲) "لا بد للمفتى المقلد أن يعلم حال من يفتى بقوله .... فنقول : إن الفقهاء على سبع طبقات : الأولىٰ : طبقة المجتهدين فى الشرع كالأئمة الأربعة و من سلك مسلكهم .... الثانية : طبقة المجتهدين فى المذهب كأبى يوسف و محمد و سائر أصحاب أبى حنيفة القادرين على استخراج الأحكام عن الأدلة المذكورة على حسب القواعد ... الثالثة: طبقة المجتهدين فى المسائل .... كالخصاف وأبى جعفر الطحاوى وأبى الحسن الكرخى و شمس الأئمة الحلوانى، و شمس الأئمة السرخسى و فخر الإسلام البزدوى وفخر الدين قاضى خان و غيرهم .... الرابعة : طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازى .... الخامسة : طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبى الحسن القدورى وصاحب الهداية ..... والسادسة : طبقة المقلدين القادرين على التمييز بين الأقوىٰ والقوى والضعيف الخ .... كصاحب الكنز وصاحب الوقاية و صاحب المجمع ...... السابعة : طبقة المقلدين الذين لايقدرون على ما ذكر ولا يفرقون بين الغث والثمين .... فالويل لمن قلدهم كل الويل ، انتهى". (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۲۸، ۳۴، مير محمد كتب خانه)

القیام، و هو أیضاً بدعة، لم یرد فیه شئی". فتاوی حدیثیه، ص: ۵۷(۱)۔

ایک دوسرے قیام پر رد کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیام میلاد پر بھی رد فرمایا ہے(۲)۔اس کی اجازت نہیں دی،اس کی اجازت کو ان کی طرف منسوب کرنا غلط اور بہتان ہے،علاوہ ازیں حنفیہ پر غیر کا قول بلا دلیل کیسے حجت ہوگا؟

''احیاء العلوم'' میں کیا مجلس میلاد کے قیام سے متعلق یہ عبارت ہے،جس کو مدعی نے پیش کیا ہے،جب نفس مجلس میلاد شریف کا ہی مروجہ طریق پر ثبوت نہیں تو پھر قیام کیسے ثابت ہوگا؟

حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محفل میلاد میں تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ بلا دلیل ہے(۳) بلا دلیل شرعی کے حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا نہایت خطرناک ہے،اس کی سزا جہنم ہے(۴) اپنی ظاہری حیات طیبہ کے قیام کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

"عن أبی أمامة رضی اللّٰه تعالی عنه قال: خرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم متکئاً علی عصا، فقمنا له، فقال: "لاتقوموا کما یقوم الأعاجم یعظم بعضها بعضاً" رواه أبوداؤد

---

(۱) (الفتاوی الحدیثیة، مطلب فی أن القیام فی أثناء مولده الشریف بدعة لا ینبغی فعلها، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۲) "الموالد والأذکار التی تفعل عندنا أکثر ها مشتمل علی خیر .... و علی شر بل شرور، لو لم یکن منها إلارؤیة النسآء للرجال الأجانب، وبعضها لیس فیها شر، لکنها قلیل نادر، ولا شک أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح، فمن علم وقوع شیء من الشر فیما یفعله من ذلک فهو عاص آثم". (الفتاوی الحدیثیة، مطلب الاجتماع للموالد والأذکار .... مطلوب ما لم یترتب علیه شر و إلا فیمنع منه، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۳) (قد مضی تخریجه تحت عنوان: "محفل میلاد")

(۴) "عن أبی هریرة –رضی الله تعالیٰ عنه– قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من کذب علی متعمداً، فلیتبوأ مقعده من النار". (الصحیح لمسلم، مقدمة، باب تغلیظ الکذب علی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: ۱/۷، قدیمی)

في سننه (١) مشکوة المصابیح، ص: ٤٠٣ (٢)۔

جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں جس قدر عظمت ومحبت تھی وہ کسی کو نصیب نہیں، ان کا طرز عمل تھا کہ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے، قیام نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ قیام ناگوار خاطر تھا اسی وجہ سے قیام کی ممانعت فرمادی تھی:

"عن أنس رضي الله تعالى عنه لم يكن شخص أحب إليهم من رسول صلى الله تعالى عليه وسلم، و كانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك". رواه الترمذي، و قال: هذا حديث حسن صحيح اه"(٣). مشكوة المصابيح، ص: ٤٠٣ (٤)۔

براہین قاطعہ، الجنۃ لاہل السنۃ، فتاویٰ میلاد و قیام وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ایک بہت مختصر کتابچہ "غلط فہمیوں کا ازالہ" دارالعلوم دیوبند صدر مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے کچھ عرصہ ہوا طبع ہوکر شائع ہوچکا ہے اس میں بھی یہ بحث موجود ہے، بلا ثبوت کسی چیز کو دین اور تقرب سمجھنا ہی بدعت ہے اور یہاں تو قیام کے خلاف پر دلیل موجود ہے، جس چیز کو صاف صاف منع فرمایا گیا: "لا تقوموا" اس کو دین تصور کرنا تو تحریف ہے جس میں بدعت حسنہ ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔

نہی کا تحریم کے لئے ہونا اصل ہے، بغیر قرینہ صارفہ کے اصل سے عدول کا حق نہیں: "النهي كالأمر في كونه من الخاص؛ لأنه لفظ وضع بمعنى معلوم و هو التحريم اه". (نور الأنوار ص: ٦١ (٥)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ٢/٧١٠، مكتبه دار الحديث ملتان)

(٢) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ٤٠٣، قديمي)

(٣) (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ماجاء في قيام الرجل للرجل: ٢/١٠٢، سعيد)

(٤) (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ٤٠٣، قديمي)

(٥) (نور الأنوار، مبحث النهي كالأمر في كونه من الخاص، ص: ٦١، سعيد)

محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ میں وعظ کا خصوصی اہتمام

سوال[۸۹۷]: یہاں پر اکثر مساجد میں محرم کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک اور ربیع الاول کی پہلی سے بارہویں تاریخ تک اور ربیع الثانی کی پہلی تاریخ سے گیارہویں تک اور ستائیسویں رجب کی اور پندرہویں شعبان کی اور ستائیسویں رمضان کی اور نویں ذی الحجہ کی......سال بھر میں ان ایام میں رات کو بعد عشاء وعظ ہوتا ہے، ان کے علاوہ نہ کسی کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ وعظ کہلائے اور نہ کسی واعظ کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ خود کہے اور ایام مذکورہ بالا میں کمی بیشی نہیں ہوتی، مثلاً: یہ کہ محرم میں بجائے دس روز کے بارہ روز یا آٹھ روز کرلیں، یہ نہیں ہوتا، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تعیین بدعت ہے یا کہ نہیں، اگر ہے تو حسنہ ہے یا سیئہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایام مذکورہ کی تعیین دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں اور نہ اس کا وجود خیر القرون میں تھا، لہذا اگر ان ایام میں وعظ کو ضروری سمجھا جاتا ہے یعنی اگر کوئی وعظ میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کی جاتی ہے اور وعظ کہنے اور سننے کے ثواب کو انہیں ایام کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے: "وشر الأمور محدثاتها" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم، ۵۲/۳/۷ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

سیرت کانفرنس کے جلسے

سوال[۸۹۸]: ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں سیرت کانفرنس اور سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عنوان سے اجلاس ہوتے ہیں، دیوبندی حضرات بھی ایسے ہی اجلاس بلاتے ہیں، لیکن بریلوی سے اتنا مختلف کہ ان کے یہاں قیام ومیلاد بھی ہوتا ہے لیکن دیوبندی حضرات محض اپنے علماء کو بلا کر تقریریں سنتے ہیں اور سیرت طیبہ سے نیز ارشادات نبوی سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مستفید ہوتے ہیں، چنانچہ ہمارے علماء ومشائخ اساتذہ دیوبند، سہارنپور وغیرہ کے شرکت فرماتے ہیں اور یہ اجلاس سال کے دوسرے ایام اور شہر میں

(۱) (مشکوۃ المصابیح، باب الإعتصام بالکتاب والسنۃ، ص: ۲۷، قدیمی)

بھی منعقد ہوتے ہیں، لیکن ربیع الاول میں اس کا زور زیادہ ہو جاتا ہے اس میں بارہ ربیع الاول کی قید تو نہیں، اول وآخر میں بھی اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ ذہن میں خلجان ہے کہ آیا اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ ازراہ کرم واضح فرمائیں عنایت ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سیرت پاک کا بیان کرنا اور لوگوں تک پہنچانا جس کے ذریعہ زندگی مطابق سنت بنے اور دین کی پابندی کا شوق پیدا ہو درست اور موجب اجر اور مفید ہے، جبکہ اس میں التزام مالا یلزم نہ ہو اور کوئی عمل خلاف شرع نہ ہو(۱) مثلاً: زمان: مہینے، تاریخ، دن اور مکان اور خاص ہیئت اور مستحب وواجب کا درجہ دینا کہ نہ شریک ہونے والوں پر ملامت ہو وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

ربیع الاول کا جلوس

سوال[۸۹۹]: یوپی کے کئی شہروں میں بماہ ربیع الاول جلوسِ محمدی نکلتا ہے، اس کے نکالنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ کانپور وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ علماء کرام بھی اس میں شرکت فرماتے ہیں، اگر اس کے جواز کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرماویں۔

صورتِ مسئولہ میں زید کا قول مندرجہ ذیل ہے: ''اگر وہ منہیات شرعیہ سے خالی ہو تو شرعی قباحت نہیں

---

(۱) "الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة و ذكر و صلاة وسلام على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و مدحه، و على شرّ بل شرور، لو لم يكن منها إلا رؤية النسآء للرجال الأجانب، وبعضها ليس فيها شرّ، لكنه قليل نادر .... والقسم الثاني (أي الذي ليس فيه شر) سنة تشمله الأحاديث الواردة في الأذكار المخصوصة والعامة، كقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة، و غشيتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة، و ذكرهم الله تعالىٰ فيمن عنده". رواه مسلم ...... وفي الحديثين أوضح دليل على فضل الاجتماع على الخير والجلوس له الخ". (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي، مطلب: الاجتماع للموالد والأذكار .... مطلوب مالم يترتب عليه شر، و إلا فيمنع منه، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، قديمي)

اور ایسے امور جو قباحت شرعیہ سے خالی نہ ہوں اگر دینی رجحان کے پیدا کرنے میں تعاون معلوم ہو تو ان کا اختیار کرنا اولیٰ اور باعث اجر ہے"۔ بکر کا قول ہے کہ "یہ ناجائز اور بدعت ہے اور دلیل میں کہتا ہے کہ: "کل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار" ان دونوں میں کس کا قول درست ہے؟

المستفتی: محمد حنیف معرفت مسعود الحسن مسجد عالم شہید چوک، بازار بہرائچ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا جلوس نکالنا فی نفسہ ثابت نہیں، قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کہیں وجود نہیں، کتب فقہ اور کلام ائمہ میں کہیں پتہ نہیں (۱) اور اس کی اتنی اہمیت ہوتی ہے کہ اس میں جھنڈے ہوتے ہیں، نعرے ہوتے ہیں اور نعرے بھی وہ جو موہم شرک ہیں، بعض جگہ ننگے سر اور ننگے پیر چلتے ہیں، اخیر شب میں پھولوں کا ہار لے کر جاتے ہیں، کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش باادب یہ تصور لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ابھی حضرت رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش ہو رہی ہے اور یہ ہار ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہیں، پھر ایک دم صلوۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

بعض بدعات کی ابتداء اچھی نیت سے ہوتی ہے اور فی نفسہ ان میں کوئی خرابی بھی نہیں ہوتی تھی، مگر پھر ان میں خرابیاں پیدا ہوگئیں، مثلاً: تاریخ کا التزام، دن کا التزام، ہیئت کا التزام۔ بعض بدعات کی ظاہری صورت دیکھنے میں اچھی اور نیک معلوم ہوتی تھی لیکن حقیقتاً ان میں اعتقادی یا عملی مخفی خرابیاں تھیں، غرض ان بدعات کی

---

(۱) آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مستدلات بھی قرآن، حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار ہیں، انہی اصول سے وہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں، ان کے اندر اگر ان کو کسی مسئلہ کی طرف اشارہ بھی ملے تو یہ حضرات اس مسئلہ کی صراحت کر کے ذکر کرتے ہیں لیکن مذکورہ جلوس اور اس قسم کی دوسری بدعات جو مروج ہیں کے بارے میں ان حضرات کو نہ صراحۃً نہ دلالۃً اور نہ اشارۃً واقتضاءً کچھ ملا ہے کہ اس کے جواز کا حکم دیں، بلکہ اس قسم کی بدعات کے تو ان اصول میں عدم موجودگی کی بنا پر یہ حضرات تردید کرتے چلے آرہے ہیں۔

حدیث: "من أحدث في أمرنا هذا الخ" کے تحت علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " أى أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قِبَل نفسه ...... (ما ليس منه): أى رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أى مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/ ۵۵۹۲، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

وجہ سے بہت بڑی جماعت کے ذہنوں میں دینی اور بے دینی میں ایسا خلط ہوگیا کہ اللہ کی پناہ: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (۱) ان سب مفاسد کا قلع قمع ہے۔

ایسے جلوس میں دینی رجحانات تو کیا پیدا ہوتے، فرائض وسنن ترک ہوتے ہیں، فجر کی جماعت ہوتے ہوئے بھی اہل جلوس کو شرکت جماعت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے، جس طرح دوسری پارٹیاں اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اپنی تشہیر واقتداء کے لئے بغیر مذہب کی ہدایت کے اپنا عمل تجویز کرتی ہیں، یہی حال اس جلوس کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۹ھ۔

بارہ ربیع الاول کو مدح صحابہ کا جلوس

سوال[۹۰۰]: مثلاً محمود آباد، پینتے پور، فتح پور، کانپور وغیرہ میں ۸/ یا ۱۲/ ربیع الاول میں چاریاری جھنڈا خوب اہتمام سے شاندار جلوس کی صورت میں نکالتے ہیں، اس جلوس میں سب مل جل کر مدح صحابہ یا اسی قسم کے اشعار خوب راگنی لہجہ سے پڑھتے ہیں، سب گلی کوچوں سے گذرتے ہیں، عورتوں کو سناتے ہیں، جگہ جگہ شربت کا انتظام ہوتا ہے، جو اس میں شریک نہیں ہوتے اس کو خوب لعن طعن کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں، اس جھنڈے کے بانی مبانی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس جھنڈے میں شرکت کرنا کس طرح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو شریک ہونے والے نہ شریک ہونے والے کو برا بھلا کہتے ہیں، اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر ہے کہ اس کا جواب پاٹا نالہ دارالمبلغین لکھنو سے حاصل کریں، وہاں سے بتلا دیا جائے گا کہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے اس کی بنیاد قائم کی تھی یا اس میں کچھ تغیر ہوگیا ہے اور اس کی پشت پر کیا دلائل ہیں یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، کس دلیل سے یہ ثابت ہے؟ پھر جو کچھ وہاں سے جواب ملے، مہربانی فرما کر میرے پاس بھیج دیں، وہاں استفتاء کا جواب دیا جاتا

(۱) (رواه البخاري في الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)
(ومسلم في الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

ہے اور اس کی اصل حقیقت سے وہاں کے حضرات پوری طرح واقف ہیں۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

۱۰/محرم اور ۱۲/ ربیع الاول کو کاروبار بند کرنا

سوال [۹۰۱]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ۱۰/محرم اور ۱۲/ ربیع الاول کو کاروبار بند کردینا چاہیے، کچھ لوگ اس بات کی مخالفت کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شریعت کی طرف سے ان دونوں دنوں میں کاروبار بند کرنے کا حکم نہیں، اس کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہڑتال

سوال [۹۰۲]: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پر مدینہ شریف یا دیگر بلادِ اسلامیہ میں ہڑتال ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیاً:

اظہارِ افسوس کے لئے ہڑتال کا یہ طریقہ اس زمانہ میں نہیں تھا، نہ مدینہ طیبہ میں نہ دیگر بلادِ اسلامی میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) قال الشاطبی: "ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة ...... والتزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة الخ". (الاعتصام للشاطبي، الباب الأول في تعريف البدع الخ، ص: ۲۵، ۲۶، دارالمعرفة بيروت)

"البدعة اسم من الابتداع، سواء كانت محمودةً، أم مذمومةً، ثم غلب استعمالها فيما هو نقص في الدين أو زيادة" (القاموس الفقهي، ص: ۳۲، ادارة القرآن) .... =

حضرت غوث اعظم کی مجلس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری

سوال[۹۰۳]: ''الفتح الربانی'' کتاب میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ حسنہ ہیں لیکن دیباچہ میں حضرت مولانا عاشق الٰہی مرحوم لکھتے ہیں: ''ان کی مجلس وعظ میں صلحاء وملائکہ کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات کی روحانی شرکت ہوتی ہے اور کبھی کبھی روح پرفتوح سید ولد آدم علیہ افضل الصلوۃ والسلام کا نزول اجلال بھی تربیت وتائید کی غرض سے ہوا کرتا تھا''۔ ایسا ہی مضمون بریلوی علماء کی کتاب ''حدائق بخشش، ص:۷'' پر یہ شعر تحریر ہے ؎

ولی کیا رسل آئیں خود حضور آئیں
وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

ان دونوں عبارتوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دونوں میں فرق بالکل صاف وظاہر ہے، حضرت مولانا عاشق الٰہی کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ یہ تشریف آوری تائید وتربیت کے لئے ہے(۱)، حدائق بخشش کا حاصل یہ ہے کہ تشریف آوری استفادہ کے لئے ہے۔ حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم عالیہ وحی الٰہی سے حاصل ہیں اور اولین وآخرین سب کے مجموعہ کے علوم بھی ذاتِ مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر نہیں، تو پھر استفادہ کے لئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آنے کا مطلب تو یہ ہوگا جو علوم اس مجلس میں حاصل ہوتے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھے، یہ تنقیص ہے ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، اور فوقیت ہے حضرت قطب

= ''کل محدث بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار''. (مشكوة كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

''عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد'' متفق عليه''. (مشكوة، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۲۷، قديمي)

(۱) راجع: (الفتاویٰ الحديثية، مطلب: يمكن الاجتماع بالنبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم الآن يقظةً، ص: ۳۹۱، قديمي)

جیلانی قدس سرہ کی، اس کو کب حضرت جیلانی نوراللہ مرقدہ برداشت کرسکتے ہیں، نہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ روحی و روح أبی و أمی) کا کوئی ادنی خادم برداشت کرسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۸ھ۔

دس محرم کو مسجد میں مجلس

سوال[۹۰۴]: یہ مسجد اہل سنت والجماعت کی ہے، ۱۰/محرم کو مجلس یادگار امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما مسجد میں کرسکتے ہیں؟ جس میں شیعہ وسنی دونوں صاحبان پڑھیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ثواب پہونچانے کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا مسجد میں اور خارج مسجد درست ہے اور باعث ثواب ہے(۱) لیکن خاص کر محرم کے موقع پر بطور یادگار مجلسیں کرنا درست نہیں، نہ مسجد میں نہ باہر، اس لئے ایسی مجلسیں مسجد میں نہ کی جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

عرس

سوال[۹۰۵]: آج کل جس طرح بزرگوں کا عرس ہوتا ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے:

"فيجب أن يحذر ممايفعلون على رأس السَّنَة من موته، ويسمونه حولاً، فيدعون الأكابر والأصاغر، و يعدّون ذلك قربةً، و هي بدعة ضلالة؛ لأن التصدق لم يختص بيوم دون

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلوة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقةً، أو قرآءةً للقرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت و ينفعه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي كتب خانه)

یوم، و لا تصح إلا عنی الفقراء والمحتاجین، و قد زاد بعضهم فی جهله و هم المشایخ الذین لیس لهم إلا جمع حطام الدنیا؛ لأنهم یجمعون بعض أحوال المیت فی کتاب و یسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون، جیء برجل حسن الصوت فهو یأخذ تلک النسخة فی یده و یقرأها قرأةً مثل قرأة المولود، و قد ورد النهی عن مثل هذا صراحةً، ثم یختمون القرآن و یُمد لهم سماط، و لیس هذا إلا بدعة ضلالة لم یفعلها رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم و لا أصحابه من بعده و لا أتباعهم من بعدهم بل لم یوجد لذلک أثر إلی القرن الثامن کما یظهر من تتبع القوم، و هذه خصوصیات المشایخ، فإنهم یعتقدون أن هذا رجل من أولیاء اللّٰه و بذکره تنزل الرحمة، و لو سلم أنه من أولیاء اللّٰه، فهل ذکر الولی بهذه الکیفیة یستوجب نزول الرحمة؟ حاشا؛ فإن الرحمة لا تنزل إلا باتباع السنة السَّنیة، فإن البدع فهی تنزل الغضب والنقمة

عافانا اللّٰه و إیاکم من غضبه و سخطه- و لو کان هذه الخرافات نزل بها الرحمات لما غفل عنه أکابر المتقدمین من الأئمة الأعلام، و لکن لیس غرض هؤلاء المتصوفة إلا طلب الشهرة والافتخار بآبائهم وأجدادهم أنهم کانوا علی هذه المراتب، وأن لهم کرامات عظیمة و کذا و کذا، حتی أن السامع یعتقد فیهم فیدخل فی سلکهم، و متی دخل فی طریقهم أفقروه فأصبح ممن خسر الدنیا والآخرة. و هذا الحول یسمونه أهل الهند عرس، و ما عرفت له أصلاً، فإن العرس إنما یکون فی الزواج، و مع ذلک فهذه الأحوال والأعراس لا تکاد تخلو من إرتکاب المحرمات فضلاً عن المکروهات، فإن أهل الهند لهم الید الطولیٰ فی ذلک -قاتلهم اللّٰه- فإنهم یطوفون بقبر الولی الذی یعتقدون فیه ویظنون أنه هو المتصرف فی الکون، وأن الإنسان إذا تمسک بهذه، فلا حاجة له بالصلوة و الصیام، وأکثر ما غلوا فی ذلک أتباع سیدنا عبد القادر الجیلانی رحمه اللّٰه تعالیٰ ونفعنا ببرکاته، فإنه معاذ اللّٰه- أنّی یرضی بتلک الکفریات التی یعتقدونها". (تبلیغ الحق)،ص :۸۹۷ (۱)-

---

(۱) **عربی عبارات کا ترجمہ:** ''ان طریقوں سے بچنا لازم ہے جو کہ لوگ کسی کے مرنے کی سالانہ تاریخ میں کیا کرتے ہیں جس میں چھوٹے بڑے سب کو دعوت دیتے ہیں اور اس کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے، جب=

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے مسائلہ مسائل میں سوال نمبر:۱۵ کے جواب میں ساڑھے پانچ صفحات میں اس پر اصولی بحث فرما کر اس کو منع قرار دیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= یہ ہے کہ ایصال ثواب کسی خاص دن کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ صدقہ کے مستحق صرف محتاج اور غریب لوگ ہیں (اور یہ لوگ ایصال ثواب کے نام پر مالداروں کو بھی کھلاتے ہیں) اور بعض جاہل مشائخ جن کا مقصد دنیا طلبی کے سوا کچھ بھی نہیں وہ ایسا کرتے ہیں کہ فوت شدہ کے حالات لکھ لیتے ہیں جس کو وہ مناقب کہتے ہیں اور جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ایک خوش گلو (خوش آواز) آدمی ان کو میلاد کی طرح پڑھتا ہے حالانکہ یہ صراحۃً منع ہے، پھر یہ لوگ قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور ان کے لئے دسترخوان پھیلا دیا جاتا ہے یہ سب بدعت اور ضلالت ہے، اس کو نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کیا، نہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بلکہ آٹھویں صدی ہجری تک بھی اس کا کوئی نشان نہیں ملتا جیسا کہ علما کی کتابوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

یہ ان مشائخ کی خصوصیات ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ فوت شدہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے اور اس کے ذکر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ بزرگ بھی ہو تو کیا اس غلط طریقہ کی آمیزش سے رحمت کا نزول ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ نزول رحمت صرف اتباع سنت سے ہوا کرتا ہے اور بدعت سے خدا کا غضب اور عذاب آیا کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھے) اگر ان تمام خرافات اور واہی تباہی باتوں سے رحمت نازل ہوتی تو ائمہ اکرام اور اکابر بزرگان اس کو کبھی نہ چھوڑتے، ان بدعت پرست پیروں کی غرض صرف شہرت طلبی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنا ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے باپ دادا اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور ان سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئیں تاکہ سننے والا ان کا معتقد ہو کر ان کے سلسلہ میں داخل ہو جائے اور یہ لوٹ کھسوٹ کر اس مرید کو فاقہ مست بنا دیں اور وہ مرید دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے خسارہ میں پڑ جائے۔

اس (سالانہ جشن) کو اہل ہند عرس کہتے ہیں جو بالکل بے بنیاد چیز ہے، عرس تو شادی بیاہ میں ہوا کرتا ہے (نہ کہ موت کے موقعہ پر) بایں ہمہ اس عرس کے ساتھ مکروہ چھوڑ کر سینکڑوں حرام چیزیں شامل ہوگئی ہیں اور اہل ہند کو اس ابتداع اور حرام کی آمیزش میں کمال حاصل ہے ایسوں کا خدا ناس کرے، اہل ہند جو مبتدع ہیں وہ بزرگوں کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ اور گمان یہ ہے کہ یہ بزرگ عالم میں تصرف کرتے ہیں اور جب کسی کا یہ حال ہو جائے تو وہ نماز اور روزہ کی کیا ضرورت سمجھے گا، جاہل معتقدوں نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں بہت زیادہ غلو کر رکھا ہے اور کفریات میں مبتلا ہو گئے ہیں، سید عبدالقادر جیلانی (اگر زندہ ہوتے) تو کیا ان کفریات کی اجازت دے سکتے تھے"؟ (تبلیغ الحق ص:۸۹۷)۔

(۱) (مائة مسائل، ص: ۲۸-۳۲)

عرس وغیرہ

سوال[۹۰۶]: بزرگانِ دین کے عرسوں میں شامل ہوکر وہاں کچھ کھانا پکا کر اور اس کو فی سبیل اللہ بغیر کسی خرافات کے تقسیم کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب بزرگانِ دین کی ارواح کو پہونچانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر جاکر کھانا پکوانا یا کھانا لے کر وہاں جانا اور تقسیم کرنا بدعت اور ناجائز ہے، ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کر کے اس کو شرعی حیثیت دینا درست نہیں (۱)، عرس کرنا بدعت ہے۔ بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جب دل چاہے ایصالِ ثواب کرنا، خواہ غریبوں کو کھانا، غلہ، کپڑا، نقد کوکسی بھی ضرورت کی چیز دے کر یا قرآن پاک، تسبیح، نماز پڑھ کر ہو یا حج کر کے ہو غرض ہر نیک کام کر کے شرعاً درست اور باعث اجر وثواب ہے (۲) قبروں پر کبھی کبھی جاکر دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا اور اسلاف کو یاد کرنا بھی ثواب ہے (۳) لیکن مزارات پر

---

(۱) "أصل صلوة النافلة سنة مرغب فيها و مع ذلک فقد کره المحققون تخصيص وقت بها دون وقت، و منهم من أطلق تحريم مثل ذلک کصلاة الرغائب التي لا أصل لها الخ". (فتح الباري، کتاب الاستيذان، باب المصافحة: ۱۱/۵۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) "والأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها الخ". (الهداية، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مکتبه شرکت علميه)

وفي البحر الرائق: "والأصل فيه .... أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلک عند أصحابنا للكتاب والسنة". (باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۳) "والسنة زيارتها قائماً، والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الخروج إلى البقيع .... فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوةً كان أو حجاً أو عمرةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلک من أنواع البر، و يصل ذلک إلى الميت و ينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰-۶۲۲، قديمي)

پھول، چادر چڑھانا(۱) سجدہ کرنا(۲) طواف کرنا(۳) قبروں کو چومنا(۴) چراغ جلانا(۵)، ان کی ارواح سے رزق یا اولاد وغیرہ مانگنا(۶)، ان کی نذر ماننا(۷) قوالی کرنا(۸) یہ سب شرعاً ناجائز ہے ان سے بچنا لازم ہے، بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں(۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، یکم/ شعبان/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول و نحو هما على القبور ليس بشيء". (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من البول، الأسئلة والأجوبة: ۱۲۱/۳، ادارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحدة من الحقوق، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمي)

و قال الملا علي القاري تحته: "فإن السجدة لا تحل لغير الله". (مرقاة المفاتيح: ۳۰۲/۶، مكتبه رشيديه كوئته)

(۳) "بوسہ دینا قبر اولیاء کرام و دیگر صلحاء عظام کو، اور طواف کرنا گرد قبر کے، سجدہ کرنا تعظیماً، یہ سب عادات نصاریٰ وطریقہ پرستش کفار کا ہے، ہرگز ہرگز جائز نہیں حرام ہے کما قال حجة الإسلام الغزالي رحمه الله تعالىٰ في إحياء العلوم: "والمستحب في زيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت، و أن يسلم، و لا يمسح القبر و لا يمسه و لا يقبله، فإن ذلك من عادات النصارى" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منسک میں باب زیارت مزار پرانوار ...... کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں: "لا يطوف: أي و لا يدور حول البقعة الشريفة؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة، فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء .... وأما السجدة فلا شك أنها حرام .... الخ". (فتاوى دار العلوم ديوبند المعروفة بعزيز الفتاوى، كتاب السنة والبدعة، ص: ۸۸)

(ولمعات التنقيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور: ۳۷۹/۴، مكتبة المعارف العلمية لاهور)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۳) ....

....

(۵)(راجع رقم الحاشية: ۳)

(۶) تمام اشیاء: رزق، اولاد دینا، مدد کرنا وغیرہ امور پر قادر اور تمام کائنات میں تصرف کرنے والی ذات حقیقۃً صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، کسی دوسرے کے لئے یہ صفات اصالۃً ثابت کرنا شرک فی الصفات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إياک نعبد و إياک نستعين﴾

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أدعوني أستجب لكم﴾. (الغافر: ٦٠)

اور حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ ہے: "عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: كنت خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوماً فقال: "يا غلام! احفظ الله يحفظک، احفظ الله تجده تجاهک، و إذا سألت فاسئل الله، و إذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوک بشيء، لم ينفعوک إلا بشيء قد كتبه الله لک، ولو اجتمعوا على أن يضروک بشيء لم يضروک إلا بشيء قد كتبه الله عليک، رفعت الأقلام و جفت الصحف". رواه أحمد والترمذي".

(مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، ص: ۴۵۳، قديمي)

(۷) " واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام،وقد ابتلى الناس بذلک". (الدر المختار)

و في رد المحتار: "(باطل وحرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق .... و منها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ و اعتقاده ذلک كفر". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۸) "فانظر -رحمنا الله- وإياک إلى هذا المغنّي إذا غنى، تجد له من الهيبة والوقار و حسن الهيئة والسمت، و يقتدي به أهل الإشارات والعبارات والعلوم والخيرات، يسكت له و ينصت، فإذا دبّ معه الطرب قليلاً حرّک رأسه كما يفعله أهل الخمرة سواء بسواء كماتقدم، ثم إذا تمكن الطرب منه، ذهب حياءه ووقاره كماسبق في الخمرة سواء بسواء، فيقوم و يرقص ويعيط و ينادي .... ويبسط يديه و يرفع رأسه نحو السمآء ...... و يخرج الرغوة: أي الزبد من فيه ..... و ربما مزّق بعض ثيابه و عبث بلحيته، =

بدعات متعلقہ قبور عرس وغیرہ

سوال[۹۰۷]: ۱..... زید کہتا ہے کہ قبر کو سجدہ جائز ہے، نذر لغیر اللہ جائز ہے، قبر کا چڑھاوا جائز ہے، سماع موجودہ زمانہ کے مطابق جائز ہے، پیرومرشد کو سجدہ جائز ہے، قرآن، حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے ان کا جواب ارشاد فرمائیں۔ اگر یہ چیزیں ہر تینوں کی رو سے ناجائز ہیں تو زید مسلمان ہے یا نہیں اور احناف جماعت میں شامل ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگوں میں اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عوام میں اعلان کردینا ضروری ہے یا نہیں؟

۲..... ختم موجودہ رسم کے مطابق بدعت ہے یا سنت، اگر بدعت ہے تو بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ اگر سیئہ ہے تو جو شخص سنت کہے اور ان میں جھگڑا کرے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ روبرو اشیاء رکھ کر آیات پڑھنا سنت ہے، تارک سنت گنہگار ہے، منکر سنت کافر ہے، بحوالہ علامہ علی قاری فتویٰ آذرجندی مطبع مصر، فتاویٰ بزازیہ، حوالہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟

۳..... عرسوں پر جانا یا مزارات پر جانا زمانۂ جدید کے مطابق جیسا کہ لوگ پیران کلیر اور مجدد علیہ الرحمہ کے عرسوں پر جاتے ہیں یہ بدعت ہے یا نہیں، اگر بدعت ہے تو کون سی بدعت ہے، جو شخص اس طریق کو سنت کہے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ اپنے آپ کو حنفی کہلا سکتا ہے یا نہیں؟

۴..... بکر ان سب چیزوں کو ناجائز اور خلاف شریعت کہتا ہے، بکر اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں؟ اور اس کا دعویٰ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے یا نہیں؟ جو شخص اسے کافر اور بے دین کہے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بہتان مندرجہ ذیل باتوں کا ہے:

۱: ختم پڑھنا کفر ہے اور پڑھنے والا کافر ہے۔ ۲: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ملانا کفر ہے۔ ۳: بزرگانِ دین کے مزارات پر جانا کفر ہے جیسا کہ الف ثانی کے یا اجمیر۔ ۴: بیعت تقلید وجوب

= و هذا منكر بيّن؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن إضاعة المال، و لا شك أن تمزيق الثياب من ذلك". (المدخل، فصل في المولد: ۲/۷)

(۹) مثلاً سجدہ کرنا، طواف کرنا، اولیاء سے رزق وغیرہ مانگنا، ان کی نذر ماننا۔

شخصی پر پکڑنا کفر ہے۔ یہ الفاظ بعینہ اس فتوی سے نقل کئے گئے ہیں۔

۵: پیر کیسا پکڑنا چاہئے، اور جو پیر خلاف شرع کام کرتے ہوں ان کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟ بکر حنفی المذہب اور علماء دیوبندی عقیدہ کا معتقد ہے اور زید رضا خانی۔ بینوا وتوجروا۔

احقر عباد اللہ محمد طاہر ضلع لدھیانہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کو سجدہ اگر بغرض تحیہ محض ہو تو حرام ہے، اگر بہ نیت عبادت ہو تو شرک وکفر ہے، غیر اللہ کے لئے نذر ماننا شرک ہے، قبر کا چڑھاوا حرام ہے، سماع مروج حرام ہے، پیر ومرشد کو سجدہ بقصد تحیہ حرام ہے بہ نیت عبادت شرک وکفر ہے، جو شخص ان چیزوں کو جائز کہتا ہے اس سے جواز کی دلیل دریافت کی جائے، عدم جواز ان عبارات سے مستفاد ہے:

"قال صلى الله عليه وسلم: "لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد اهـ". طحطاوی، ص: ۱۹۶ (۱)۔

"وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضى به اثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفر؟ إن على وجه العبادة والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار اثماً مرتكباً لكبيرة، وفي الملتقط: التواضع لغير الله حرام اهـ". در مختار: ۵/ ۳۷۸ (۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمى)

(والحديث أخرجه مسلم فى كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور الخ: ۱/ ۲۰۱، قديمى)

(۲) (الدر المختار، كتاب الكراهية، باب الإستبراء وغيره: ۶/ ۳۸۳، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوك والتواضع لهم الخ: ۵/ ۳۶۸، ۳۶۹، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل فى البيع: ۸/ ۳۶۴، رشيديه)

"إعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام، وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو باطل وحرام، قال فی البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا یجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق، ومنها: أن المنذور له میت والمیت لا یملك، ومنها: أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالی، کفر، اهـ". طحطاوی: ۳۷۸ (۱)۔

"وأما الرقص والتصفیق والصریخ وضرب الأوتار والصنج والبوق الذی یفعله بعض من یدعی التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها زی الکفار اهـ" طحطاوی، ص: ۱۷٤ (۲)۔

جو شخص امور مذکورہ کو جائز کہتا ہے وہ ضال ومضل ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرے (۳)۔

۲..... موجودہ رسم کے مطابق ختم بدعت اور مکروہ ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے کوئی کتاب فتاویٰ برجندی تصنیف نہیں کی۔ فتاویٰ بزازیہ میں ختم کو مکروہ لکھا ہے:

"ویکره إتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعیاد، ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القران، وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص، فالحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراءة القران لأجل الأکل یکره اهـ".

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، قبیل باب الإعتکاف: ۲/ ۴۳۹، سعید)

(والبحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النظر: ۲/ ۵۲۰، ۵۲۱)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوة، قبیل باب مایفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قدیمی)

(وکذا فی الدر المنتقی فی شرح الملتقی المعروف بسکب الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات: ۴/ ۲۱۹، غفاریه کوئٹه)

(والدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ۶/ ۳۴۸، سعید)

(۳) کیونکہ مبتدع اور فاسق ہے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے: لما فی الدر المختار، باب الإمامة من کتاب الصلوة: "ویکره إمامة عبد..... وفاسق وأعمی ..... ومبتدع". (۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

فتاوی بزازیہ مصریة: ۱/۹۱(۱)۔

۳: زیارت قبور مطابق سنت درست ہے(۲) لیکن عرس کرنا اور عرس میں جانا درست نہیں:

"وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، وما عرفت به أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج ومع ذلك، فهذه الأحوال والأعراس لاتكاد تخلو عن ارتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فإن أهل الهند لهم اليد الطولى -قاتلهم الله-، فإنهم يطوفون بقبر الولي الذي يعتقدون ويظنون أنه هو المتصرف في الكون". تبليغ الحق، ص:۸۔

۴: بکر کا قول صحیح اور موافق شرع ہے، جو شخص اس کو کافر کہتا ہے اس کا ایمان خود خطرناک حالت پر ہے، کیونکہ مسلم کو بلا وجہ شرعی کافر کہنا کفر ہے(۳)۔ کذا في البحر (٤)۔

اس نزاع کو دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ براہ راست بکر سے امور مذکورہ کی تحقیق کر لی جائے، اگر وہ انکار کرے اور اپنی براءت کرے تو اس کی طرف سے دل صاف کر لیا جائے، کسی پر بہتان باندھنا کبیرہ گناہ ہے اور بہتان باندھنے والے کا باوجود علم کے ساتھ دینا بھی حرام ہے۔

۵: خلاف شرع کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، قال عليه الصلاة والسلام: "لا طاعة

---

(۱) (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، قبیل الفصل السادس من کتاب الصلوة: ۴/۸۱، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) "والمستحب في زيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجه الميت، وأن يسلم، ولا يمسح القبر ولا يقبله، ولا يمسه، فإن ذلك من عادة النصارى". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

(۳) "عن عبد الله بن دينار أنه سمع ابن عمر رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيما امرئ قال لأخيه: كافر! فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال، وإلا رجعت عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر: ۱/۵۷، قديمي)

(۴) "ويكفر ...... بقوله لمسلم: يا كافر عند البعض ...... والمختار للفتوى أن يكفر إن اعتقده كافراً، لا إن أراد شتمه". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۷، رشيديه)

لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔" الحدیث(۱) پیر اگر خلاف شرع مسلک رکھتا ہوتو اس سے بیعت ناجائز ہے، اگر بیعت کر لی ہوتو فسخ کرکے کسی متبع شرع پیر سے بیعت کی جاوے جس پر اہل علم دیندار اعتماد رکھتے ہوں اور بیعت کے لائق سمجھتے ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

عرس کرنا اور زیارت قبور کے لئے سفر

سوال[۹۰۸]: عرس کرنا یا لوگوں کو یوم متعین کرکے قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے بلانا جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر زیارت کے مقصد سے سفر کرنا آیا جائز ہے، اگر جواب نفی میں ہے تو آپ اس روایت کا کیا جواب دیں گے کہ جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر کو اپنی زیارت، بیت الحرام کی زیارت، بیت المقدس کی زیارت کیلئے مخصوص کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عرس کرنا یا دن متعین کرکے لوگوں کو قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے مدعو کرنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں (۲)، حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مائۃ مسائل" میں بدعت ممنوعہ

---

(۱) والحديث بتمامه: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق، وإنما الطاعة في المعروف". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة، الفصل الأول، ص: ۳۱۹، قديمي)

(۲) بعض کام فی نفسہ عبادت اور سنت ہوا کرتے ہیں لیکن اس کے لئے کوئی ہیئت، عدد یا طریقہ متعین کرنے سے وہ رسم و بدعات میں داخل ہو جاتے ہیں:

"و قد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة، و ما ذاك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع، فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بأنها سنة فيه، و لذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التي أحدثها بعض المبتدعين ؛ لأنها لم تؤثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة وإن كانت الصلوة خير موضوع". (ردالمحتار، =

فرمایا ہے(۱)۔ ''تبلیغ الحق'' میں بھی شدت سے منع فرمایا گیا ہے ''فتاوی عزیزی'' (۲) میں بھی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس پر کلام کیا ہے۔ علامہ شامی نے بھی اس پر نکیر کی ہے (۳)۔

زیارت قبور کی ترغیب حدیث میں آئی ہے(۴)، یہ قید نہیں کہ اپنے شہر ہی کی قبر کی زیارت کی جائے اسکے لئے سفر کرنے کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کی ہے اوران کی قبر مدینہ طیبہ سے مسافت سفر پر ہے(۵)۔ حدیث پاک

= كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۵، سعيد)

(۱) (مائة مسائل، سوال پانز دهم، ص: ۲۸-۳۴)

(۲) ''زیارت قبور کے لئے کوئی دن مقرر کرنا بدعت ہے اور فی نفسہ اصل زیارت جائز ہے اور تعیین وقت کی سلف میں نہ تھی یہ بدعت اس طرح کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے، صرف خصوصیت وقت کی بدعت ہے، جیسے مصافحہ بعد عصر کے ہے، کہ ملک توران میں مروج ہے۔ عرس کا دن اگر اس غرض سے مقرر کیا جاوے کہ جس بزرگ کا عرس ہو وہ یاد رہیں اور اس وقت ان کے حق میں دعا کی جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن دعاء کرنے کے لئے خاص اسی دن کا التزام کر لینا بھی اسی طرح کی بدعت ہے جس کا ذکر اوپر ہوا''۔ (فتاوی عزیزی (اردو)، باب التصوف، ص:۱۵۱)

(۳) (راجع، ص: ۲۳۴، الحاشية رقم: ۲)

(۴) ''و عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ''كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة'' (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ص: ۱۵۴، قديمي)

(۵) ''عن عبد الله بن أبي مليكة قال: توفي عبدالرحمن بن أبي بكر بالحبشي، قال: فحمل إلى مكة فدفن فيها، فلما قدمت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، أتت قبر عبد الرحمٰن ابن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه، فقالت:

و كنا كندماني جزيمة حقبة ... من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني و مالكاً ... بطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ثم قالت: والله لو حضرتك مادفنت إلا حيث مت، و لو شهدتك ما زرتك''. (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الزيارة للقبور للنسآء: ۱/۲۰۳، سعيد)

و أما قوله: ''اوران کی قبر مدینہ طیبہ سے مسافت سفر پر ہے''، ''فظاهر من الرواية المذكورة''.

میں مساجد کی نیت سے سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے کہ ایک مسجد کو دوسری مسجد پر فضیلت دے کر سفر مت کرو، صرف تین مساجد ہیں جن کو دیگر مساجد پر فوقیت حاصل ہے، ان کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے سفر کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ولادت، وفات پر خوشی اور غم، عرس اور قوالی وغیرہ

سوال[۹۰۹]: بارہویں ربیع الاول یا سال کے کسی اور دن کے اندر متعین کر کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی اور پیر مرشد کی ولادت یا وفات یا اور کسی اہم واقعہ کے تحت اگر عرس کیا جائے یا انفراداً اگر اس خاص دن کے اندر خوشی یا رنج کیا جائے اور مسلمانوں سے چندہ کر کے عرس کے اخراجات کئے جائیں اور لوگوں کی دعوتیں کی جائیں، قرآن شریف یا غزل وقوالی پڑھنے والوں کو ہدیے پیش کئے جائیں۔ تو چند امور

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول، و مسجد الأقصی". (صحيح البخاری، كتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة والمدينة: ۱/۱۵۸، قديمی)

قال العلامة الكشميری رحمه الله تعالی: "و قال الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالی: إن زيارة قبره صلی اللہ تعالی علیه وسلم مستحبة و قريب من الواجب، و لعله قال: قريباً من الواجب نظراً إلی النزاع (أی الذی وقع بين ابن تيميه وسراج الدين الهندی) و هو الحق عندی، فإن آلاف الألوف من السلف كانوا يشدون رحالهم لزيارة النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم و يزعمونها من أعظم القربات، و تجريدُنياتهم أنها كانت للمسجد دون الروضة المباركة باطل، بل كانوا ينوون زيارة قبر النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم قطعاً. وأحسن الأجوبة عندی أن الحديث لم يرد في مسئلة القبور لما في المسند لأحمد رحمه الله تعالی: "لاتشد الرحال إلی مسجد ليصلی فيه إلا إلی ثلاثة مساجد". فدل علی أن نهی شد الرحال يقتصر علی المساجد فقط، ولا تعلق له مسألة زيارة القبور، فجرُّه إلی المقابر مع كونه في المساجد ليس بسديد". (فيض الباری، كتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة: ۲/۴۳۳، مكتبه خضر راه بكڈپو ديوبند)

(و كذا في فتح الباری، كتاب فضل الصلاة في مكة والمدينة، باب فضل الصلوة في مسجد مكة والمدينة: ۳/۶۳، ۶۴، ۶۵، دار المعرفة بيروت)

دریافت طلب ہیں:

۱......سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی اور پیر مرشد کی ولادت یا وفات پر کتنے دن تک اظہار رنج وخوشی جائز ہے؟ اگر مطلق جائز ہے تو عرس کی شکل میں جائز ہے یا انفراداً اور اس کی قید کیا ہے؟

۲......تقریب عرس کے لئے چندہ مانگنا یا دینا کیسا ہے؟

۳......اس چندہ سے دعوت کھانا یا قرآن شریف یا نعزل وقوالی پڑھ کر ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

۴......اس تقریب میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۵......مسلمان پر سب وشتم، طعن وتشنیع کن امور کے فعل وترک پر جائز ہے، نیز تارک عرس پر جائز ہے یا کہ نہیں؟ جواب میں تفصیل فرمائی جائے۔ بینوا بالدلیل توجروا بأجر الجزیل۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قلت: و علی هذا فیجب أن یحذر ممایعملون علی رأس السنة عن موته ویسمّونه حولاً، فیدعون الأکابر والأصاغر، ویعدّون ذلك قربةً و هی بدعة ضلالة؛ لأن التصدق لم یختص بیوم دون یوم، و لا یصح إلا علی الفقراء والمحتاجین، و قد زاد بعضهم فی جهله و هم المشایخ الذین لیس لهم إلا جمع حطام الدنیا بأنهم یجمعون، بعض أحوال المیت فی کتاب و یسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون جیء برجل حسن الصوت، فهو یأخذ تلك النسخة فی یده و یقرأها قرأةً مثل المولد، و قد ورد النهی عن مثل هذا صراحةً، ثم یختمون القرآن، ویمد لهم سماط، و لیس هذا إلا بدعة ضلالة لم یفعلهما رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم ولا أصحابه من بعده و لا أتباعهم من بعدهم، بل لم یوجد لذلك أثر إلی القرن الثامن کما یظهر علی من تتبع کتب القوم.

و هذه خصوصیات المشایخ، فإنهم یعتقدون أن هذا رجل من أولیاء اللّٰه وبذکره تنزل الرحمة، و لو سلّم أنه من أولیاء اللّٰه فهل ذکر الولی بهذه الکیفیة یستوجب نزول الرحمة؟ حاشا، فإن الرحمة لاتنزل إلا باتباع السنة السَنیة، وأما البدع فهی تنزل الغضب والنقمة، عافانی اللّٰه و إیاکم من غضبه و سخطه۔ ولو کان هذه الخرافات تنزل به الرحمات لما غفل عنها أکابر

المتقدمين من الأئمة الأعلام، و لكن ليس غرض هولاء المتصوفة إلا طلب الشهرة والافتخار بآبائهم وأجدادهم أنهم كانوا على هذه المراتب وأن لهم كرامات عظيمة و كذا و كذا، حتى أن السامع يعتقد فيهم فيدخل في سلكهم، و متى دخل في طريقتهم أفقروه، فأصبح ممن خسر الدنيا والآخرة.

وهذا الحول يسمونه أهل الهندعرساً، و ما عرفت له أصلاً، فإن العرس إنما يكون في الزواج، و مع ذلك فهذه الأحوال والأعراس لا تكاد تخلو عن إرتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فإن أهل الهند لهم اليد الطولى في ذلك -قاتلهم الله-، فإنهم يطوفون بقبر الولي الذي يعتقدون فيه، ويظنون أنه هو المتصرف في الكون، وأن الإنسان إذا تمسك بهذا فلا حاجة بالصلوٰة والصيام، وأكثرما غلوا في ذلك أتباع سيدنا عبدالقادر الجيلاني رحمه الله تعالى و نفعنا ببركاته، فإنه -معاذ الله- أنّى يرضى بتلك الكفريات التي يعتقدونها اهـ" تبليغ الحق، ص: ۸۹۷ (۱).

۱......قلبی رنج وخوشی غیراختیاری ہے اس کی کوئی شرعی حدنہیں، البتہ کسی کی وفات پرسوگ منانا، ترک زینت کرنا، ماتمی لباس پہننا مردکوقطعاً جائزنہیں۔عورت کوشوہر کی وفات پرترک زینت کرنے کی مدت تااختتام عدت ہے، اس کے بعدنہیں، شوہر کے علاوہ کسی اورکی وفات پرترک زینت تین روزتک مباح ہےاس کے بعد ناجائزاوراس تین دن میں بھی شوہرکومنع کرنے کاحق حاصل ہے:

"و يباح الحداد على قرابةٍ ثلاثة أيام فقط، و للزوج منعها؛ لأن الزينة حقه اهـ". در مختار(۲)۔

ماتمی سیاہ لباس پہننا تین روزتک شوہر کے غم میں جائز ہےاس سے زائد ناجائز ہےاورکسی کی وفات پر مطلقاًممنوع ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "و لا تعذر في لبس السواد و هي آثمة إلا الزوجة في حق زوجها فتعذر إلى ثلاثة، قال في البحر: و ظاهره منعها من السواد تأسفاً على موت زوجها

---

(۱)(لم أجد هذا الكتاب)

(۲) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد: ۵۳۳/۳، سعيد)

فوق الثلاثة اھ". درمختار: ٤/٩٥٦ (١)۔

مولود بطریق مروج ممنوع ہے۔ کذا فی المدخل (٢)۔

۲......ناجائز ہے۔

۳......ناجائز ہے۔

۴......ممنوع ہے: "فما ظنك به عند الغناء الذي يسمونه وجداً و محبةً، فإنه مكروه لا أصل له في الدين. زاد في الجواهر: و ما يفعله متصوفة زماننا حرام لا يجوز القصد و الجلوس إليه اھ". سکب الأنهر: ٤/٥٥١ (٣)۔

۵......ہر مسلمان کو سب وشتم کرنا فسق ہے (۴) البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسب حیثیت ضروری ہے، مجالس مذکورہ میں شرکت ناجائز ہے (۵)۔ اس عدم شرکت کیوجہ سے سب وشتم کس طرح جائز

---

(١) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد: ٣/٥٣٣، سعيد)

(٢) قال ابن أمير الحاج في المدخل: "فصل في المولد: "و من جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، و إظهار الشرائع ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد. وقد احتوى على بدع و محرّماتٍ جمة: فمن ذلك استعمالهم المغاني و معهم آلات الطرب من الطار المصرصر والشبابة وغير ذلك مما جعلوه آلة للسماع، و مضوا في ذلك إلى العوائد الذميمة ...... الخ". (٢/٣)

(٣) (الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ٤/٢١٩، غفاريه كوئٹه)

(۴) "حدثني عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله و هو لا يشعر: ١/١٢، قديمي)

(۵) حدیث شریف میں ہے: "إياك و كل أمر يعتذر منه". (طبراني في الأوسط، عن ابن عمر، رقم الحديث: ۴۴۲۴)

وقال العلامة المناوي تحته: "وفيه جمع لماذكره بعض سلفنا الصوفية: أنه لا ينبغي دخول موضع التهم، و من ملك نفسه خاف من مواضع التهم أكثر من خوفه من وجود الألم، فإن دخولها =

نہیں، سخت گناہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ربیع الثانی / ۵۸ھ۔

اذان گاچھی صاحب کا عرس

سوال [۹۱۰۰]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالی: فرقہ اذان گاچھی کی بابت جن کا مرکز کلکتہ، مانک تلہ ۴/۷ باغماری روڈ فقیری حجرہ میں بنام حقانی انجمن واقع ہے، دستور العمل حسب ذیل ہے:

۱..... پنجگانہ نماز کے قبل یا بعد یا کسی اور وقت میں وظیفہ سورۃ فاتحہ، اخلاص، معوذتین، حقانی درود۔

۲..... بعد وظیفہ مناجات الٰہی کل عالم، ہمارے پیر روشن ضمیر اور مجھ پر رحمت زیادہ کر۔

۳..... جب مجھ پر رحمت زیادہ کر کہے اپنے چہرہ کا تصور کرے اگر تصور میں نہ آوے تو آئینہ دیکھے اپنا چہرہ دل میں جمالیوے۔

= يوجب سقم القلب، كمايوجب الأغذية الفاسدة سقم البدن، فإياك والدخول على الظَلَمة، و قد رأى العارف أبوهاشم عالماً خارجاً من بيت القاضي ، فقال له : تعوذ بالله من علم لا ينفع". (فيض القدير شرح الجامع الصغير : ۲۴۳۲/۵ ، مكتبه نزار مصطفى الباز)

و قال تحت حديث: "إياك و قرين السوء الخ". (فإنك به تعرف): أي تشتهر بمااشتهر من السوء ..... ومن ثَمَّ قالوا: الإنسان موسوم بسيما من يقارن، ومنسوب إليه أفاعيل من صاحب، و قال علي كرم الله تعالى وجهه: الصاحب مناسب، ما شيء أدل على شيء ولا الدخان على النار من الصاحب على الصاحب، و قال بعض الحكماء : اعرف أخاك بأخيه قبلك، وقال آخر: يظن بالمرء لا يظن بقرينه، قال عدى:

عن المرء لا تسئل وسل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدى

فمقصود الحديث التحرز من أخلاء السوء، و تجانب صحبة أهل الريب، ليكون موفور العرض سليم العيب، فلايُلام بلائمة غيره". (فيض القدير شرح الجامع الصغير : ۲۴۳۳/۵، ۲۴۳۴، مكتبه نزار مصطفى الباز)

۴.....عرس قل اس میں بہت سے مریداں اور دوسرے لوگ جمع ہوکر سور تہائے مذکورہ اور چند ادعیہ ماثورہ ایک آدمی کھڑا ہوکر پڑھتا ہے، باقی حاضران مجلس اس کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں، اس کے بعد سلف صالحین کے مرثیہ کے ۲۶/شعر ایک آدمی پڑھتا ہے، بدیں عنوان "حضرت آدم بنی نیچے زمین کے چل بسے" الخ وغیرہ وغیرہ، بعد مرثیہ خوانی کے سب دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ایک آدمی مبارک بادی کے ۷ اشعار مثلث بعنوان ذیل پڑھتا ہے ؎

الٰہی عرس کل شاخا جلیسوں کو مبارک ہو جلیسوں کو مبارک ہو جلیسوں کو مبارک ہو

بعد اس کے مناجات کرتے ہیں ؎

الٰہی رحمت زیادہ کر کل عالم پر، الٰہی رحمت زیادہ کر ہمارے پیر روشن ضمیر پر، الٰہی رحمت زیادہ کر ان لوگوں پر جو اس مجلس سے علاقہ رکھتے ہیں خاص کر حاضر باش خادمان آستانہ بوس پر۔

۵.....رسولی انمول رتن مبارک: یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاقہ کشی کے وقت جو پتھر شکم مبارک پر باندھے تھے اس کا ایک ٹکڑا اور ابوجہل کے ہاتھ میں جو سنگریزوں نے کلمہ شہادت پڑھے تھے، اس کا ایک ٹکڑا اذان گاچھی صاحب کو مرشدوں کے ہاتھوں ہاتھ وصیۃً امانۃً باطنی طریقہ سے علاوہ اس کو سمیٹ کر ایک بڑے قالب میں جما کر حقانی انجمن کو حوالہ کیا، ہر بنگلہ مہینہ کے پہلا جمعہ کے بعد جو اتوار ہے اسی اتوار کے دن عاشورہ آخری چہار شنبہ، فاتحہ دوازدہم، ۲۷/رجب، شب برات، عید الفطر، بقرعید کے دنوں میں لوگوں کو دکھاتا ہے، لوگ کلمۂ شہادت، درود شریف پڑھتے ہوئے اس کی زیارت کرتے ہیں اور توقیر و تعظیم کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں، فیض حاصل کرتے ہیں۔

۶.....اسی پتھر کے قالب پر کتنے لونگ رکھتے ہیں، مذکورہ الصدر دنوں میں اسی کو بنام لونگ مبارک لوگوں کو نیاز دیتے ہیں، بدیں عقیدہ کہ اگر فقط مبارک نہ کہیں اس کا فیض کم ہوگا، اس کے سونگھنے سے ہر قسم کی بلائیں، مصیبتیں، بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔

۷.....ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بہت سے مرشدوں میں سے مرقومۃ الذیل حضرات بھی ہیں: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، گنج مرادآبادی، حضرت حاجی دین محمد صاحب، عارفی صادقی الحسینی معلم حرم شریف، حضرت سید محمد غازی (سوادی)، حضرت سید خدا بخش صاحب، حضرت شاہ منصور

احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔

اب بصد نیاز عرض ہے کہ اس فرقہ کے مرید ہونا، عرس قل میں شریک ہونا، پتھر کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ زیارت کرنی، بوسہ دینا، لونگ مبارک سے استفادہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ با دلائل تحریر فرما کر بندگان خدا کو سیدھی راہ بتا کر گمراہی سے بچاویں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفس ایصال ثواب بدالتزام تاریخ وہیئت وغیرہ جب توفیق ہو قرآن کریم، تسبیح، درود شریف، نوافل پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء کو صدقہ دے کر درست اور باعث نفع ہے(۱) لیکن مذکورہ بالا طریقہ پر عرس کرنا خلاف شرع، بدعت اور ناجائز ہے اس لئے اس کا ترک کرنا ضروری ہے:

"وقد زاد بعضهم في جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم إلا جمع حطام الدنيا بأنهم يجمعون بعض أحوال الميت في كتاب و يسمونه مناقب، ثم إذا حضر الناس المدعوون، جيئ برجل حسن الصوت فهو يأخذ تلك النسخة في يده، ويقرأ ها قرأةً مثل قراة المولد، و قدورد النهي عن مثل هذا صراحةً ثم يختمون القران كما يظهر على من تتبع كتب القوم، و هذه خصوصية المشايخ ،فإنهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله و بذكره تتنزل الرحمة ،و لو سلم أنه من أولياء الله فهل ذكر الولي بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة؟ فإن الرحمة لاتنزل إلا باتباع السنة السنية، و أما البدع فهي تنزل الغضب والنقمة عافانا الله وإياكم من غضبه و سخطه-- ولو كان هذه الخرافات تنزل بها الرحمات ،لما غفل عنه أكابر المتقدمين من الأئمة الأعلام اهـ" تبليغ الحق، ص: ۲۰۸(۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاةً كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قرآءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في زيارة القبور، ص: ۲۲۳، قديمي)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

پتھر اور سنگریزوں کی اگر ان کے پاس کوئی سند معتبر ہے تو وہ پیش کریں، بلا سند کسی چیز کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جائز نہیں (۱) اور اس طرح سے ان کی زیارت بھی بے اصل ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/شوال/ ۶۷ھ۔

عرس، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا

سوال[۱۱۹]: عرس کرنا، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا علماء دیوبند اور دیگر علماء احناف کے نزدیک یہ افعال ہوتے ہوں، گمراہی اور ایسے مقامات پر شریک مجلس ہونا جہاں یہ افعال ہوتے ہوں عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی امام مذکورہ افعال کو برا نہ سمجھے اور لوگوں کو شرکت سے نہ روکے تو اس کی امامت میں اقتداء درست ہے یا مکروہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عرس اور قوالی کرنا، طبلہ اور سارنگی بجانا اور اس کا سننا اور ایسی محفلوں میں شریک ہونا سب ناجائز اور بدعت ہے، علامہ شامی نے تنقیح الفتاوی الحامدیہ (۲) میں اس کو منع لکھا ہے، فقہ حنفیہ کی معتبر اور مشہور کتاب

---

(۱) "عبدان بن عثمان يقول: سمعت عبد الله بن المبارك يقول: الإسناد من الدين، ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء". (مقدمة الصحيح لمسلم، باب بيان الإسناد من الدين الخ: ۱۲/۱، قديمي)

(۲) "سئل العلامة الجد عبد الرحمن أفندى العمادى عن السماع بماصورته فيما إذا سمع من الآلات المطربة .... فأجاب المولى المذكور .... قلت: والحق الذى هو أحق أن يتبع وأحرى أن يدان به ويسمع، أن ذلك كله من سيئات البدع، حيث لم ينقل فعله من السلف الصالحين، و لم يقل بحله أحد من أئمة الدين المجتهدين رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين. قال الأستاذ السهروردى فى عوارف المعارف: و ناهيك به من كتاب، و قد تكلم على السماع فى خمسة أبواب منه بماهو أحق التحقيق و لبّ اللباب، وإن أنصف المصنف و تفكر فى إجماع أهل الزمان: "وقعود المغنى بدفّه والمشبب بشبابته، و تصور فى نفسه، هل وقع مثل هذا الجلوس والهيئة بحضرة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه؟ و هل استحضروا قوّالاً و قعدوا مجتمعين لاستماعه؟ لا شك بأن ينكر ذلك من حال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و أصحابه رضى الله تعالى عنهم، و لو كان فى ذلك فضيلة تطلب، ما أهملوها، فمن يسير بأنه فضيلة تطلب ويجتمع لها، لم يحظ بذوق معرفة أحوال رسول الله صلى =

سکب الانہر شرح ملتقی الأبحر:۲/۵۵۱ میں ہے: "لا أصل له فی الدین، زاد فی الجواهر: ومایفعله متصوفة زماننا حرام، لا یجوز القصد والجلوس إلیه، ومن قبلهم لم یفعله کذلك"(۱)۔ فتاوی بزازیہ میں اس کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے(۲)۔ مزید تفصیل ماہنامہ ''نظام'' تصوف نمبر کانپور اگست ۶۳ء میں ہے۔

جو امام ان امور کو برا نہیں سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے دوسروں کو نہیں روکتا وہ غلطی پر ہے، اس مسئلہ کو خوب نرمی اور محبت سے شرعی دلائل کی روشنی میں سمجھایا جائے اگر وہ نہ مانے تو اس سے بہتر متبع سنت امام تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اصلاح کی نیت سے عرس میں شرکت

سوال[۵۱۲]: اعراس وغیرہ میں شرکت بغرض وعظ وتقریر کرنے یا علمائے واردین کے مواعظ سننے، شرکت کرنا درست ہے؟ چونکہ مقصود شرکت سے صلح واصلاح ہے جیسا کہ دیگر جلسوں میں کی جاتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصلاحی مواعظ کی خاطر بھی اعراس میں نہ جائیں بلکہ دوسری جگہ یہ سلسلہ کیا جائے اور نرمی وشفقت سے تفہیم کی جائے، اعراس میں تقریر کرنے سے اعراس میں شرکت ہوگی اور جو شخص کسی منکر میں خود شریک ہو اس کی تقریر سے فائدہ نہیں ہوتا(۳)۔

= اللہ تعالی علیه وسلم وأصحابه والتابعین". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الحظر والإباحة، مطلب فی سماع الآلات المطربة: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، المیمنیة مصر)

(۱) (الدر المنتقی فی شرح الملتقی المعروف بسکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات: ۴/۲۱۹، مکتبه غفاریه)

(۲) "إستماع صوت الملاهی کالضرب بالقضیب و نحوه حرام". (البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الکراهیة، الثالث فیما یتعلق بالمناهی: ۶/۳۵۹، رشیدیه)

(۳) اس میں اہل بدعت کے ساتھ تشبہ بھی ہے جو کہ ممنوع ہے۔ "والتشبه بأهل البدع منهی عنه، فتجب مخالفتهم". (رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۵۳، سعید)

کہا اس کا ہرگز نہ مانے گی دنیا جو اپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

مدرسہ چلانے کے لئے مجلس میلاد میں شرکت

سوال[۹۱۳۹]: زید نے ایک مدرسہ ایسی جگہ قائم کیا جہاں اہل بدعت ہیں مگر خود بدعات سے گریز کرتا ہے، مگر اس مصلحت کے پیش نظر کہ اگر بدعت میں شرکت نہ کی تو یہ لوگ مدرسہ میں بچے نہیں بھیجیں گے ان کی بدعات میں شرکت کرلے تو کیسا ہے؟ بالفرض تبلیغ کی نیت سے ان کے میلاد میں شرکت کرے تو زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور ایسی صورت میں زید کیا کرے؟ بعض لوگ حاجی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ نے مصالح کے پیش نظر قیام کرنے کی اجازت دی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے لئے مصالح مدرسہ کی خاطر ان مجالس بدعت میں شرکت کرنا جائز نہیں، یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ باجے بجا کر لوگوں کو جمع کیا جائے اور پھر انھیں نماز کی طرف دعوت دی جائے، اس کی اجازت نہیں (۱)، ہمارے علم میں نہیں کہ حاجی صاحب نے کسی مدرسہ کو چلانے کے لئے قیام کی اجازت دی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مجذوب کی قبر پر عرس

سوال[۹۱۴۰]: ہمارے علاقہ میں ایک مجذوب صاحب تھے، ان کی ایک خاندان نے ۲۵/۳۰/

---

(۱) و قال (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم): "الاسلام یعلو ولایعلی". (صحیح البخاری: ۱/۱۸۰، باب إذا أسلم الصبیّ فمات هل یصلی علیه الخ، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنه .... قالوا: یا رسول اللہ! و هل یأتی الخیر بالشر؟ قال: "لا یأتی الخیر إلا بالخیر ...... الخ". (الصحیح لمسلم: ۱/۳۳۶، کتاب الزکاة، باب التحذیر من الاغترار بزینة الدنیا و ما یبسط عنها، قدیمی)

(و صحیح البخاری: ۲/۹۵۱، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زهرة الدنیا والتنافس فیها، قدیمی)

سال تک خدمت کی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، بعد مردن کچھ خود غرض لوگوں نے مزار بنا کر آمدنی شروع کردی ہے اور جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ خدمت کی ہے ان کو محروم کردیا ہے، اب قدیم خدام پریشان ہیں اور جدید کمیٹی قابض بن کر عرس کرارہی ہے، ان حالات میں خود ساختہ کمیٹی کو مزار کی تولیت حاصل ہے یا نہیں، یا قدیم مخلصین کو حاصل ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

مجذوب صاحب کی خدمت جس نے بھی ثواب آخرت کی غرض سے کی ہے اور کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں کی، اب ان کی وفات کے بعد ان کی قبر کو آمدنی کا ذریعہ بنانا اپنے ثواب کو برباد کرنا ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ کسی نے بڑی محنت سے کھیتی کی، جب غلہ پختہ ہوگیا تو اس میں آگ لگادی، وہ سب ضائع ہوگیا، لہذا قدیم خدام و جدید کمیٹی کوئی بھی اس کا ارادہ نہ کرے، البتہ مرحوم کو ثواب پہونچانے کا ہر ایک کو حق ہے، اس سے کوئی بھی کسی کو منع نہیں کرسکتا، لہذا جس کو بھی ان سے تعلق ہے وہ نفل نماز پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرکے، نفل روزہ رکھ کر، نفلی صدقہ غریبوں کو دے کر (خواہ کھانا ہو یا کپڑا ہو یا نقد ہو یا کچھ اور سامان ہو) کسی مسجد میں صف بچھا کر، پانی کا انتظام کرکے، کسی دینی مدرسہ میں کتب حدیث وفقہ، تفسیر قرآن کریم وقف کرکے، غرض کوئی بھی نیک کام کرکے ثواب پہونچائے اور پہونچادیا کرے (۱)۔ مروجہ طریقے پر چہلم، عرس وغیرہ کی اجازت نہیں، گدی نشینی اور قبر کی آمدنی حاصل کرنے کا کوئی بھی ارادہ نہ کرے، نہ دیرینہ خدام اور نہ جدید کمیٹی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۱۳۹۵ھ۔

قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

سوال[۹۱۵]: زید یہ بھی کہتا ہے کہ علماء دیوبند نے قوالی وسماع کو بھی منع فرمایا کہ ان مذکورہ اولیاء

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاةً كان أو صوماً، أو حجاً، أو صدقةً، أو قرآئةً للقرآن، أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت و ينفعه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي كتب خانه)

کرام وغیرہ نے سماع کیسے سنا اور عرس کیوں کیا؟ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں سماع وعرس کو جائز قرار دیا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث پاک میں جس چیز کو منع کیا گیا ہے بزرگان دین نے ہمیشہ اس سے پرہیز کیا ہے، پھر ایسی چیز کو اگر کسی نے بزرگان دین کی طرف منسوب کیا ہے تو یا تو وہ نسبت صحیح نہیں بلکہ غلط نسبت کر کے اپنے لئے جواز کی راہ نکالی گئی ہے اور بکثرت یہی ہوتا ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے، یا پھر بعض مجبوری کے احوال ایسے پیش آئے جس سے وہ معذور ہو گئے اور ان پر شرعاً گرفت نہیں، مثلاً: کوئی بزرگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں کسی عذر کی وجہ سے کھڑے نہیں ہو سکتے تو غیر معذور کو ان کی اتباع کرنا اور ان کے عمل سے استدلال کرنا صحیح نہیں، عمل تو کیا جائے گا شرعی احکام پر، ان بزرگوں پر اعتراض نہ کیا جائے۔ ''السنۃ الجلیلہ'' میں بزرگان دین کے اس قسم کے اعمال کی تحقیق وتفصیل موجود ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں جائز لکھا ہے(۱) اس کو نقل کیجئے تب اس کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے گا۔ ان کی بعض کتابوں میں شیعوں نے گڑبڑ بھی کی ہے مثلاً تراویح کا انکار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

قوالی اور پختہ قبر وغیرہ

سوال[۹۱۶]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبے تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

(۱) شاید اس سے مراد فتاویٰ عزیزی، باب التصوف، ص:۱۵۱، عنوان: ''زیارۃ قبور یا عرس کے لئے تعیین تاریخ کی قباحت'' کے تحت یہ عبارت ہو: قولہ: ''عرس کا دن اگر اس غرض سے مقرر کیا جاوے کہ جس بزرگ کا عرس ہو وہ یاد رہیں اور اس وقت ان کے حق میں دعا کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں'' انتہیٰ۔ لیکن اس عبارت سے عرس مروج کے جواز پر استدلال کرنا بے معنی اور بے جا ہے بلکہ اس عبارت کا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اگر بغرض دعا اور یاد کے اتفاقاً اس طرح کی مجلس کی جائے، تو گنجائش ہے اور اس بات کی تائید اس کے بعد والی عبارت: ''لیکن دعا کرنے کے لئے خاص اسی دن کا التزام کر لینا یہ بھی اسی طرح کی بدعت ہے، جس کا ذکر اوپر ہوا''۔ یعنی: قولہ: ''زیارت قبور کے لئے کوئی دن مقرر کرنا بدعت ہے'' .... ''تعیین وقت کی سلف میں نہیں تھی یہ بدعت اس طرح کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے، صرف خصوصیت وقت کی بدعت ہے'' سے ہوتی ہے کہ بالکل صراحۃً انہوں نے عرس مروج کی تردید کی ہے اور اس کو بدعت فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں۔

"لما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن تجصیص القبور و أن یکتب علیہا وأن یبنی علیہ رواہ مسلم اھ"(۱)۔ شامی: ۱/۶۰۱(۲)۔

"أما الغناء المعتاد الذی یحرک الساکن و یہیج الکامن الذی فیہ وصف محاسن الصبیان والنساء ونحوہا من الأمور المحرمۃ، فلا یختلف فی تحریمہ اھ". تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، ص: ۳۵۹(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

مجلس شہادت

سوال[۷۱۶]: ۱.....اگر زید ایام محرم میں یا غیر ایام محرم میں اپنے گھر سے سادگی کے ساتھ بیٹھ کر اور آٹھ سات آدمی اور بلا کر معتبر اور مستند شہادت کی صحیح روایات پڑھے اور جس میں نوحہ و مرثیہ وغیرہ نہ ہوں اور اشعار جو کہ خلاف شرع ہیں نہ ہوں تو ایسی مجلس کا قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲.....ایام محرم میں جو عوام میں مجلس شہادت پڑھی جاتی ہے اس میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

۳.....حضرت مولانا مفتی سید نذیر الحق صاحب میرٹھی اپنی تصنیف سوانح عمری پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ مطبوعہ رسالہ پیشوا دہلی میں گیارہویں شریف کو بحث کے بعد جائز فرماتے ہیں کہ حضرت پیران پیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چہلم کی فاتحہ ہر ماہ دیا کرتے تھے اس لئے آپ کے معتقدین نے بھی اس کو باعث برکت سمجھ کر رواج دے دیا اور بلکہ ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ہوا تو کچھ صحابہ نے چھوارے دودھ میں بھگو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے مل

---

(۱) (کتاب الجنائز، فصل فی النہی عن تجصیص القبور والقعود الخ: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(۲) (کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الحظر والإباحۃ، مطلب من البدع المنکرۃ إیقاد القنادیل الکثیرۃ: ۲/۳۵۹، مصر)

کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی تھی اور ایصال ثواب کیا تھا اس لئے اب بھی ہاتھ اٹھا کر اور کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ آیا یہ حدیث آپ نے کسی کتاب میں صحیح روایت سے دیکھی ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ایام محرم میں ناجائز ہے غیر ایام محرم میں اگر حصول برکت مقصود ہو تو اولاً دیگر اکابر صحابہ شیخین و ختنین کا ذکر کیا جاوے پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح صحیح تذکرہ کیا جائے اور اظہار حزن وغم کے لئے مجلس منعقد کرنا بالکل ناجائز ہے خواہ محرم میں خواہ پھر کبھی (۱)۔

۲...... یہ روافض کا شعار اور ناجائز ہے اس میں شرکت ممنوع ہے (۲)۔

۳...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال حد بلوغ سے پہلے بہت ہی بچپن میں (ایام رضاعت میں) ہوا، ان کو ایصال ثواب کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں (۳)۔ جو شخص اس ایصال ثواب کا اعتقاد رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے اس کو توبہ لازم ہے۔ حضرت پیران پیر کا عمل مجھے معلوم نہیں۔ ہر ماہ چہلم کی فاتحہ کا کیا مطلب ہے، کیا چہلم ہر ماہ میں آتا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) غم وحزن کے اظہار کی اجازت صرف تین دن تک ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ موقع غم کا ہو، یہاں تو سرے سے موقع ہی نہیں ہے، بلکہ یہ مروجہ مجلسیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں ہوتی ہیں، اور شہادت بہت بلند اور اعلیٰ مقام ہے، اس پر نوحہ کرنا اور رونا پیٹنا غیر شرعی حرکت ہے: "و لا بأس ...... بتعزية أهله ...... و بالجلوس لها في غير مسجد ثلاثة أيام ...... وتكره بعدها". (الدر المختار، باب صلوة الجنازة: ۲/ ۲۳۹، سعيد)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/ ۵۵۹، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۳) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالیٰ عنه- قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من كذب علي متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (الصحيح لمسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب الخ: ۱/ ۷، قديمي)

قال النووي: "واعلم أن هذا الحديث يشتمل على فوائد ...... والثانية تعظيم تحريم الكذب عليه الصلوة والسلام، و أنه فاحشة عظيمة و موبقة كبيرة الخ". (شرح مسلم للنووي: ۱/ ۸، قديمي)

جلسہ میں غزل ونعت پڑھنا

سوال[۹۱۸]: ہمارے ملک میں جلسہ میں تقریر سے پہلے غزل، قوالی، نعت وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نعت پڑھنے کی اجازت ہے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے(۱)۔ قوالی کی اجازت نہیں، فتاوی بزازیہ میں اس کو ناجائز لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "مر عمر رضي الله تعالى عنه بحسان وهو ينشد في المسجد. فلحظ إليه ...... قال: كنت انشد وفيه من هو خير منك". (مسند أحمد بن حنبل حديث بن ثابت رضي الله تعالى: ۲۹۲/۶، دارإحياء التراث)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم". (جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء في إنشاد الشعر، ۱۱۱/۲، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله على وسلم دخل مكة في عمرة القضاء وعبد الله ابن رواحة بين يديه يمشي، وهو يقول خلوا بني الكفار عن سبيله، اليوم نضر بكم عن على تنزيله، ضرباً يذيل الهام عن مقيله، ويذهل الخليل عن خليله. فقال له عمر: يا ابن رواحة! بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي حرم الله تقول الشعر؟ فقال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "خل عنه يا عمر! فهي أسرع فيهم من نضح النبل". (جامع الترمذي، أبواب الأدب، باب مأجاء في إنشاء الشعر: ۱۱۲/۲، سعيد)

(۲) "استماع صوت الملاهي كالضرب بالقصب ونحوه حرام". (بزازية على هامش الهنديه، كتاب الكراهية، الفصل الثالث، فيما يتعلق بالاهي: ۳۵۹/۶)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (الدر المختار مع رد المحتار الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۴۹/۶، سعيد)

(وأيضاً حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمي كتب خانه)

جس جلسہ کیوجہ سے نماز فجر فوت ہوجائے اس میں شرکت

سوال[۹۱۹]: جلسہ مروجہ کہ رات کے اخیر حصہ دوتین بجے تک علی العموم ہوتا ہے، جس سے نماز صبح فوت ہوجائے کا گمان غالب ہوتا ہے اس میں تعاون کرنا اور شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فجر فوت ہونے کا مظنہ ہوتو جلسہ میں شرکت نہ کی جائے ، اگر فوت نہ ہوتو شرکت کی جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی اللہ عنہ دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

خلفائے اربعہ کے ایام ولادت کی تعطیل

سوال[۹۲۰]: فیض عام انٹر کالج میں حسب ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یوم ولادت کی تعطیل ہونا طے پائی ہے، لہٰذا ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یوم ولادت عربی مہینوں کی تاریخ اور عیسوی مہینوں کی تاریخ تحریر فرمادیں:

۱:حضرت ابوبکر صدیق۔۲:حضرت عمر فاروق۔

۳:حضرت عثمان غنی۔ ۴:حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

بندہ خاں کھجور والی مسجد کوٹلہ گھنٹہ میرٹھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت: مانام رسول اللہ صلی علیه وسلم قبل العشاء ولالعمر بعدها".

(ابن ماجة، أبواب الصلوة، باب النهی عن النوم قبل العشاء وعن الحدیث بعدها، ص: ۵۱، قدیمی)

(صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب مایکره من السمر بعد العشاء: ۱/۸۴، قدیمی)

قال الحافظ: "السمر بعد ها قد یؤدی إلی النوم عن الصحیح أوعن وقتها المختار أوعن قیام اللیل .وإذا تقرر أن علة النهی ذلک، فقد یفرق فارق بین اللیالی الطوال والقصار یمکن أن تحمل الکراهیة علی الإطلاق حسماً للمادة؛ لأن الشئ اذا شرح لکونه مظنةقد یستمر فیصیر مئنة واللہ تعالی اعلم". (فتح الباری، کتاب مواقیت الصلاة، باب مایکره من السمربعدالعشاء: ۲/۹۳، قدیمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (إنجاح الحاجة علی هامش سنن ابن ماجه: ۵۱، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یوم ولادت کی عربی تواریخ جو کہ عیسوی تواریخ کے ساتھ متعین وموافق ہو مجھے نہیں ملیں۔ ان ایام میں تعطیل کرنا بھی کوئی شرعی حکم یا مصلحت نہیں اور نہ اس امت کے اکابر کی تواریخ ولادت کا اگر تتبع کیا جائے اور ان ایام میں تعطیل کی جائے تو پھر سارا سال تعطیل ہی میں گذرے گا، تعلیم کا کوئی دن بھی نہیں ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ومنها وضع الحدود، والتزام الكيفيات، والهيئات المعيّنة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم، وأشباه ذلك. ومنها التزام العبادات المعنية في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة". (الاعتصام للشاطبيؒ، الباب الأول في تعريف البدع، ص: ۲۵، ۲۶، دار المعرفة بيروت)

تفصیل کیلئے دیکھئے: (کفایت المفتی: ۱/ ۲۴۱، دار الإشاعت)

مخصوص ایام کی مروج بدعات کا بیان

اعمالِ شب براءت

سوال[۹۲۱]: ۱...... شب براءت میں کون کون سے کام مسنون اور کون کون سے کام ممنوع ہیں؟

۲...... کیا شب براءت کے دن حلوہ بنانا اور اس پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام مروجہ فاتحہ دلانا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیوں؟ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے مدلل فرمائیں۔ نیز کرنے سے اگر گناہ ہے تو کونسا گناہ ہے، مکروہ یا حرام؟

۳...... کیا شب براءت کی رات کو مساجد میں چند آدمی جمع ہو کر اطمینان وسکون کے ساتھ تلاوت، ذکر مذاکرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... رات میں نفلی عبادت کرنا(۱)، پھر دن میں روزہ رکھنا(۲)، موقع مل جائے تو چپکے سے قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعائے خیر کرنا(۳)، یہ کام تو کرنے کے ہیں، باقی آتشبازی چلانا، نفل کی جماعت کرنا، قبرستان میں جمع ہو کر تقریب کی صورت بنانا، حلوہ کا التزام کرنا وغیرہ اور جو جو غیر ثابت امور رائج ہوں وہ سب

---

(۱)"وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "إن فی اللیل لساعةً لا یوافقها رجل مسلم یسأل اللہ فیها خیراً من أمر الدنیا والآخرة، إلا أعطاه إیاه، وذلک کل لیلة". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوٰة، باب التحریض علی قیام اللیل، ص: ۱۰۹، قدیمی)

(۲)"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أوصانی خلیلی صلی اللہ علیه وسلم بثلٰث: صیام ثلثة أیام من کل شهر". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صیام البیض الخ: ۱/۲۶۶، قدیمی)

(۳)"عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کلما کان لیلتها من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، یخرج من آخر اللیل إلی البقیع، فیقول: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وأتاکم ما توعدون، غداً مؤجلون، وإنا إن شاء اللہ بکم للاحقون، أللهم اغفر لأهل بقیع الغرقد". رواه مسلم".

(مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، ص: ۱۵۴، قدیمی)

ترک کرنے کے ہیں۔

۲…یہ حلوہ اور اس پر اصرار والتزام اور مروجہ فاتحہ اور مخصوص طور پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام کی اس رات میں فاتحہ کا التزام کسی دلیل سے ثابت نہیں، اگر یہ چیزیں ثواب ہوتیں تو ضرور کتاب وسنت، اجماع، قیاسِ مجتہدین سے ثابت ہوتیں، جب ثابت نہیں تو پھر ان کو ثواب اور دین کا کام سمجھنا بدعت وقابلِ رد ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". متفق عليه(۱)۔

۳…جمع ہونا غلط ہے، اپنے اپنے مقام پر تلاوت ونوافل میں مشغول رہیں تو بہتر ہے۔ (كذا في المراقي)(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

شبِ براءت کی بعض نمازیں

سوال[۹۲۲]: ۱…بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شبِ براءت میں عبادت کی نیت سے غسل کرے، دو رکعت نفل تحیۃ الوضو پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھے، اور مغرب کے وقت ہی سے عبادت میں مشغول ہو جائے تاکہ نامۂ اعمال کی ابتداء اچھے کاموں سے ہو، بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، ۲/۷۷، قديمي)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي المتقدم ذكرها في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز: منهم: عطاء وابن أبي مليكة وفقهاء أهل المدينة، وأصحاب مالك وغيرهم، وقالوا: ذلك كله بدعة". (كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلوة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمي)

شبِ براءت میں غروب آفتاب کے بعد چالیس دفعہ لاحول الخ کا ورد

سوال[۹۲۳]: ۲..... بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد چالیس بار "لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم" پڑھیں۔ یہ کیسا ہے؟

مخصوص طرز پر آٹھ رکعت

سوال[۹۲۴]: ۳..... آٹھ رکعت نفل ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک بار اور سورۂ اخلاص ۲۵ بار پڑھنا کیسا ہے؟

مخصوص طرز پر چار رکعت

سوال[۹۲۵]: ۴..... چار رکعت نفل ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پچاس بار پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... غسل، تحیۃ الوضوتو اچھی چیز ہے، تمام شب شام ہی سے عبادت میں مشغول رہنا بھی خوش قسمتی ہے مگر اس کا اہتمام والتزام ثابت نہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی، سورہ اخلاص تین بار پڑھنا ثابت نہیں، غیر ثابت چیز کی پابندی کرنا اور اس کو لازم سمجھ لینا دین میں مداخلت ہے، اس کی اجازت نہیں، ہر چیز کو اس کی اصل پر رکھنا چاہیے (۱)۔

۲..... "لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلی العظیم" بہت اعلیٰ ذکر ہے جو جنت وعرش کے مخصوص خزانہ سے عطا ہوا ہے (۲)، اس کی کثرت کرنا بہت مفید ہے کسی وقت بھی پڑھا جائے نافع ہے، غروب آفتاب سے

---

(۱) "قال ابن المنیر: فیه أن المندوبات قد تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التیامن مستحب فی کل شیئ: أی من أمور العبادة، لکن لما خشی ابن مسعود أن یعتقدوا وجوبه، أشار إلی کراهته، والله تعالیٰ أعلم". (فتح الباری، کتاب الأذان، باب الإنفتال والإنصراف عن الیمین والشمال: ۳۳۸/۲، دار المعرفة، بیروت)

(۲) "عن أبی موسی الأشعری قال: أخذ النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی عقبة ... ثم قال: "یا أبا موسی، أو یا عبد الله! ألا أدلک علی کلمة من کنز الجنة"؟ قلت: بلی، قال: "لاحول ولا قوة إلا بالله".

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب لاحول ولا قوة إلا بالله: ۹۴۸/۲، ۹۴۹، قدیمی)

چالیس مرتبہ کی قید احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں(۱)۔

۳..... یہ بھی احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں، ممکن ہے کہ اسلاف میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔

۴..... اس کا بھی یہی حال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۱ھ۔

بچہ کا دودھ بخشوانا، شب براءت میں کھانا تقسیم کرنا

سوال[۹۲۶]: ۱..... اگر شیر خوار (دودھ پیتے) بچہ کا انتقال ہوگیا تو اکثر لوگ ماں سے دودھ بخشواتے ہیں، یہ بخشوانا کیسا ہے؟

سوال[۹۲۷]: ۲..... شب براءت کی فضیلت میں عام طور پر اس روز فقراء کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، بعض لوگ مغرب کے پہلے دن ہی دن میں اور بعض لوگ مغرب کے بعد رات میں کھانا تقسیم کرتے ہیں، نیت سب کی شب براءت کی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو ثواب یکساں ملا یا بعد مغرب یا مغرب کے پہلے دینے میں کچھ ثواب میں کمی بیشی ہوگی؟

شبِ براءت کو عرفہ بنانا

[۹۲۸]: ۳..... اگر کسی شخص کا انتقال ہوگیا ہے تو وہ ایک روز قبل شب براءت کے عرفہ کرتا ہے، اس کا ثواب شرعاً کیا ہے؟ تینوں امور کا جواب مع استدلال چاہیے۔ بینوا توجروا۔

نوٹ: جو لوگ عرفہ کرتے ہیں یا شب براءت کے روز مغرب کے پہلے دن ہی دن میں کھانا دیتے ہیں وہ محض اس خیال سے کہ اس روز کھانے کی زیادتی کی وجہ سے فقراء کھانے کے بے قدری نہ کریں بلکہ عزت کے ساتھ اس کو کھا پی جائیں، اس لئے ایک روز قبل عرفہ کے نام سے اور شب براءت کو دن کو کھانا دیدیتے ہیں۔

---

(۱) قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ تحت حدیث: "من أحدث فی أمرنا هذا": أی أنشأ واخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه ..... (ما لیس منه): أی رأیاً لیس له فی الکتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أی مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر: ۱۱/ ۵۵۹۴، حدیث رقم: ۸۳۳۳، مکتبة نزار مصطفی الباز ریاض)

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... هذا من اغلاط العوام۔

۲......کھانا تقسیم کرنے کے متعلق اس شب میں خاص طور پر کوئی روایت میری نظر سے نہیں گذری، البتہ اس شب کی جو فضیلت وارد ہوئی ہے وہ غروبِ شمس سے طلوعِ فجر تک ہے: "شعبان بين رجب وشهر رمضان، يغفل الناس عنه، يرفع فيه أعمال العباد، فأحِبّ أن لا يرفع عملي إلا وأنا صائم". رواه البيهقي في شعب الإيمان عن أسامة اهـ" (۱)۔

"عن علي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إذا كان ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا فيقول: ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلى فأعافيه، ألا كذا، ألا كذا، حتى يطلع الفجر". رواه ابن ماجه(۲)، والبيهقي" (۳)۔

"قال العبد الضعيف: نزول الله تعالىٰ إلى السماء الدنيا يكون في كل ليلة، ولكن يختص ذلك بالثلث الآخر، وفي ليلة النصف من شعبان يكون من غروب الشمس إلى الفجر، ولا ينحصر ذلك في الثلث الأخير، وهذا من فضل هذه الليلة اهـ". ما ثبت بالسنة۔

۳......عرفہ تو ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے شعبان میں نہیں ہوتا، انتقال کے بعد شب براءت سے

---

(۱) (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام، صوم شعبان: ۳/۳۷۷، رقم الحديث: ۳۸۲۰، دار الكتب العلمية)

(۲) (سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوة والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قديمي)

"الحديث ضعيف بابن أبي سبرة أبي بكر بن عبد الله بن محمد ابن أبي سبرة، قال أحمد وابن معين: يضع الحديث، وقال ابن حبان: كان ممن يروي الموضوعات عن الثقات، لا يجوز الإحتجاج به". (التقريب، رقم: ۷۹۷۳)

(۳) (شعب الإيمان، باب في الصيام ما جاء في ليلة النصف من شعبان: ۳/۳۷۸، ۳۷۹، رقم الحديث: ۳۸۲۲، دار الكتب العلمية)

ایک روز قبل عرفہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے عرفہ کرتا ہے، نوٹ کا جواب اوپر آچکا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

شب براءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی

سوال [۹۲۹]: شب برات میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

متبرک راتوں میں چراغاں کرنا

سوال [۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارہ ربیع الاول کی شب میں چراغاں کرنا کیسا ہے؟ کیا چراغاں کرنا بارہ ربیع الاول میں قرآن مجید وحدیث شریف وفقہ حنفی سے ثابت ہے؟ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرما کر مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کی رہنمائی فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: قمر الزماں، موسیٰ نگری، سابق نائب سکریٹری، انجمن حیاۃ المسلمین، کانپور۔

الجواب وهو الموفق للصواب، مبسملاً وحامداً ومصلياً ومسلماً:

افضل الرسل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور توقیر، آپ سے محبت وعقیدت اصل الایمان ہے، جس بدنصیب کے قلب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت محبت نہیں (۲)، وہ درحقیقت ایمان ہی سے ناآشنا ہے، اس کے باوجود قرآن کریم میں اللہ پاک نے (۳)، حدیث شریف میں رسول مقبول صلی اللہ

---

(۱) سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''متبرک راتوں میں چراغاں''

(۲) ''عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لايؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين''. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الإيمان: ۱/۷، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم﴾ (الأحزاب: ۶)

علیہ وسلم نے جہاں ہم کو یہ بتایا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت رکھنا ایمان کی جڑ ہے تو ہم کو محبت اور عقیدت کا طریقہ بھی بتلایا ہے (۱) اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کر کے دکھلا دیا ہے (۲)۔

بارہ ربیع الاول کو چراغاں کرنا اگر خیر و برکت کی چیز ہوتی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرما دیتے اور صحابہ کرام دل کھول کر چراغاں کرتے، لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا، نہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چراغاں کیا، ائمہ مجتہدین نے بھی چراغاں نہیں کیا، اولیائے کرام: مثلاً خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمہم اللہ وغیرہم ان میں سے کسی بزرگ نے بھی چراغاں نہیں کیا اور نہ اس کی اجازت دی، اگر چراغاں کرنا واقعی ثواب اور ذریعہ خیر و برکت ہوتا تو یہ سب حضرات جو ہم سے زیادہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت رکھنے

---

(۱) قال الملا علي القاري تحت حديث: "لايؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه اهـ". "قال القاضي: ومن محبته نصر سنته والذب عن شريعته، وتمني إدراكه في حياته ليبذل نفسه وماله دونه". (المرقاة: ۱/۱۴۵)، وقال تحت حديث: "من كان الله و رسوله أحب إليه مما سواهما": يعم ذوي العقول وغيرهم من المال والجاه وسائر الشهوات والمرادات" (ص: ۱۴۷) وقال تحت قوله عليه السلام: "من رضي بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد رسولاً": "(وبمحمد رسولاً) والمقصود من الرضا الإنقياد الظاهري والباطني ...... وأن يعمل بجميع شرائع الإسلام بامتثال الأوامر واجتناب الزواجر، وأن يتبع الحبيب حق متابعته في سنته وآدابه وأخلاقه ومعاشرته، والزهد في الدنيا، والتوجه الكلي إلى العقبى".
(مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "وممن ارتقى إلى غاية هذه المرتبة ونهاية هذه المزية سيدنا عمر رضي الله تعالىٰ عنه، فإنه لما سمع هذا الحديث: "(أي لا يؤمن أحدكم ...... الخ) أخبر بالصدق حتى وصل ببركة صدقه إلى كمال ذلك، فقال بمقتضى الأمر الطبعي: "لأنت يا رسول الله! أحب إليّ من كل شئ إلا من نفسي، فقال: "لا، والذي نفسي بيده! حتى أكون أحب إليك من نفسك"، فقال عمر: فإنك الآن والله! أحب إلي من نفسي، فقال: "ألآن يا عمر! تمّ إيمانك". (المرقاة شرح مشكوة المصابيح، المرجع السابق: ۱/۱۴۵)

والے تھے ضرور بالضرور چراغاں کرتے۔

خیر القرون میں چراغاں کا نہ ہونا، اولیائے کرام ائمہ مجتہدین، فقہاء اسلام، محدثین عظام رحمہ اللہ تعالیٰ کا چراغاں نہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس رات میں چراغاں کرنا ثواب کی چیز نہیں، لہٰذا اس عمل کو ذریعۂ قرب وثواب سمجھنا بدعت اور معصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے صاف طور پر اپنی کتابوں میں متبرک راتوں میں چراغاں کرنے کو بدعت وحرام اور آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت قرار دیا ہے۔ سائل ومجیب چونکہ حنفی ہیں اس لئے کتب فقۂ حنفی سے چند حوالے پیش کرنے پر قناعت کرتا ہوں:

۱- "قنیۃ" اس کتاب کے مصنف نجم الدین ابوالرجاء مختار ابن محمود بن محمد الزاہدی الغزینی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۰۷ میں ہے:

"قال: كتبت في السرج أن إسراج السرج الكثيرة في السكك والأسواق بدعة، وكذا في المساجد، ويضمن القيم".

مطلب: گلیوں اور بازاروں میں کثرت سے چراغ جلانا بدعت ہے، مساجد کا بھی یہی حکم ہے اور متولی (اگر مال وقف سے چراغاں کرے) تو اس کو ضمان (تاوان) ادا کرنا پڑے گا۔

۲- "تنقيح الفتاوى الحامدية" اس کے مصنف الشیخ السید محمد امین الشہیر بابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی، ان کو تمام ارباب فتاویٰ جانتے اور پہچانتے ہیں، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی ان کو بہت بڑا فقیہ مانتے ہیں اور ان کی کتابوں سے مسائل اخذ کرتے ہیں، "تنقيح الفتاوى الحامدية" سے بھی "اعلیٰ حضرت" نے مسائل اخذ کئے ہیں۔ اس کتاب کی جلد نمبر: ۲، صفحہ نمبر: ۳۵۹ میں ہے:

"من البدع المنكرة ما يفعل في كثير من البلدان من إيقاد القناديل الكثيرة العظيمة والسرف في ليال معروفة من السنة كليلة النصف من شعبان، فيحصل بذلك مفاسد كثيرة: منها مضاهاة المجوس في الإعتناء بالنار في الإكثار منها، ومنها: إضاعة المال في غير وجهه، ومنها ما يترتب على ذلك من المفاسد من إجتماع الصبيان وأهل البطالة ولعبهم ورفع أصواتهم وامتهانهم المساجد وانتهاك حرمتها وحصول أوساخ فيها وغير ذلك من المفاسد التي صيانة

المسجد عنها لازمة، وفي شرح المهذب للإمام النووي رحمه الله تعالى: وصرح أئمتنا الأعلام رضي الله عنهم بأنه لا يجوز أن يزاد على سراج مسجد سواء كان في شهر رمضان أو غيره؛ لأن فيه إسرافاً كما في الذخيرة وغيرها"۔ (تنقيح الفتاوى الحامديه: ۲/۳۵۹)(۱)۔

مطلب: اکثر شہروں میں جورواج ہوگیا ہے کہ سال کی متبرک مخصوص راتوں میں چراغاں کیا جاتا ہے اوراس میں مال کثیر خرچ کیا جاتا ہے یہ بدعت اور ناجائز ہے، کیونکہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں مثلاً: آتش پرستوں کے ساتھ مشابہت ہےاور بلاوجہ شرعی مال کوضائع کرنا ہےاور بچے اور بے ہودہ لوگ مساجد میں جمع ہوکر شوروشغب کرتے ہیں جس سے مساجد کی بے حرمتی ہوتی ہے حالانکہ مساجد کا احترام لازم ہے۔'' شرح المہذب'' میں امام نووی نے اس کی تصریح کی ہےاور ہمارے اکابرواجب الاقتداء اماموں نے تحریرفرمایا ہے کہ مسجد میں جو چراغ بقدر ضرورت جلایا جاتا ہےاس سے زائد جلانا جائزنہیں خواہ رمضان شریف میں جلائے جائیں یا غیر رمضان (عرفہ) عید، شعبان، ربیع الاول، میں اس لئے کہ یہ فضول خرچی ہے جیسا کہ''ذخیرہ'' وغیرہ میں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عبارت میں دو کتابوں کے نام لئے ہیں جہاں سے انھوں نے یہ مسئلہ لیا ہے: پہلی کتاب شرح المہذب ہے جوشارح مسلم شریف امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، امام موصوف کی وفات ۶۷۷ھ میں ہوئی، یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے منقح ہیں، بہت اونچی شخصیت کے فقیہ ہیں۔

دوسری کتاب''ذخیرہ'' ہے، اس کے مصنف محمود بن صدر السعید تاج الدین احمد بن صدر کبیر برہان الدین صاحب محیط برہانی ہیں، یہ بڑے امام، مجتہد، متواضع، عالم، کامل شخص تھے، ابن کمال پاشا نے آپ کو مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔

۳-"غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر"، اس کتاب کے مصنف سید احمد الحنفی الحموی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، آپ بڑے فقیہ اور اصولی تھے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جگہ

(۱)(تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، فوائد ومسائل شتى من الحظر والإباحة، مطلب: من البدع المنكرة إيقاد القناديل الكثيرة: ۲/۳۵۹، المطبعة الميمنية مصر)

جگہ اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں، اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۳۸۳(۱) میں بھی عبارت مذکورہ موجود ہیں۔

اور اس کے بعد لکھا ہے:

"ومن المفاسد ما يجعل في الجوامع من إيقاد القناديل وتركها إلى أن تطلع الشمس وترتفع، وهو من فعل اليهود في كنائسهم، وأكثر ما يفعل ذلك في العيد، وهو حرام"(۲)۔

مطلب: اور جو خرابیاں مسلمانوں میں پھیلتی جارہی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے اور تمام رات چراغ روشن رہتے ہیں، حالانکہ یہ یہود کا شعار وطریقہ ہے جو کہ وہ اپنے گرجوں میں کرتے ہیں اور مسلمان زیادہ تر شب عید (عید الفطر) عید الاضحیٰ (عید میلاد) میں کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے۔

۴-"نفع المفتي والسائل"، اس کتاب کے مصنف حضرت مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی ہیں، یہ بہت جلیل القدر صاحبِ بصیرت عالم تھے، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی کتابوں سے بعض جگہ حوالہ دیئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۳۸ میں ہے:

"الاستفسار: إسراج السرج الكثيرة الزائد عن الحاجة ليلة البرائة أو ليلة القدر في الأسواق، والمساجد كما تعارف في أمصارنا هل يجوز؟

"الإستبشار" هو بدعة كذا في خزانة الروايات عن القنية"(۳)۔

---

(۱)(غمز عيون البصائر، القول في أحكام المسجد: ۱۹۲/۳، تحت رقم: ۲۱۳۷، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية)

(۲)(غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، المصدر السابق)

(۳) (نفع المفتي وسائل، كتاب الحظر والإباحة، المتفرقات، من مجموعة رسائل عبد الحي المجلد الرابع، ص: ۱۹۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "سئل أبوبكر عمن أوصى بثلث ماله لأعمال البر: هل يجوز أن يسرج في المسجد؟ قال: يجوز، قال: ولا يجوز على سراج المسجد سواء كان في شهر رمضان أو غيره، قال: ولا يزين به المسجد، كذا في المحيط". (كتاب الوقف، الفصل الثاني الوقف على المسجد الخ: ۴۶۱/۲، رشيديه)

مطلب: سوال: کیا بازاروں اور مساجد میں ضرورت سے زائد چراغ جلانا شبِ براءت اور لیلۃ القدر میں جیسا کہ ہماری بستیوں میں رواج ہوگیا ہے جائز ہے؟

جواب: یہ بدعت ہے ایسا ہی خزانۃ الروایات میں قنیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ متبرک راتوں میں چراغاں کرنا بدعت اور حرام ہے، مسلمانان اہل السنۃ والجماعت کو اس سے اجتناب چاہئیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

شبِ براءت اور شبِ قدر میں مسجدوں کو سجانا

سوال[۹۳۱]: شبِ برات اور شب قدر میں مسجد کو پھول پتی سے سجانا کیسا ہے؟ جبکہ سجانے کی نیت ان تیوہاروں کی وجہ سے خوشی منانا ہے نہ کہ بدعت کرنا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

شب قدر شب برات کے لئے شریعت نے عبادت، نوافل، تلاوت، ذکر، تسبیح، دعاء استغفار کی ترغیب دی ہے، پھول وغیرہ سے سجانے کی ترغیب نہیں دی۔ تیوہار ہندوانہ لفظ ہے اور یہ سجانا بھی ان کا ہی طریقہ ہے اس سے بچنا چاہئیے: لأن "من تشبہ بقوم فھو منھم". الحدیث (ابوداؤد شریف)(۱)۔ البتہ مسجد میں خوشبو کی ترغیب آئی ہے تاکہ نمازیوں کو اذیت نہ پہونچے بلکہ راحت پہونچے (۲)۔ ان مخصوص متبرک راتوں میں مسجد میں جمع ہوکر اجتماعی حیثیت سے جاگنا مکروہ وممنوع ہے۔ کذا فی مراقی الفلاح (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۲) "عن أنس بن مالک قال: رأى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نخامةً في قبلة المسجد، فغضب حتى أحمر وجهه، فقامت امرءة من الأنصار، فحكتها وجعلت مكانها خلوقاً، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أحسن هذا". (سنن النسائي، كتاب المساجد، باب تخليق المساجد: ۱/۱۱۹، قديمي)

(۳) (كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلوة الضحى، ص: ۲۰۲، قديمي)

(وقد تقدم تخريجه تحت عنوان: "اعمال شب براءت")

دس محرم کو مٹھائی مسجد میں لاکر گھر میں تقسیم کرنا

سوال[۹۳۲]: بعض ملکوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ دس محرم میں مٹھائی وغیرہ کھانے کی چیزیں مسجد میں لاکر یا گھر میں تقسیم کی جاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے، البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں محرم کو روزہ رکھنا بہت ثواب ہے(۱) اور اس دن کھانے میں کچھ وسعت کر لینا باعث برکت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

شبِ براءت اور اس کے اعمال

سوال[۹۳۳]: ۱..... شب برات میں عبادت کرنا کس نص سے ثابت ہے؟

۲..... عشاء کی نماز کے بعد مزار پر جانا جو معروف ہے، کس نص سے ثابت ہے؟ اگر نہیں ہے تو یہ فعل بدعت ہے یا نہیں؟ اور صحیح مسنون طریقہ کیا ہے؟

۳..... بعد نماز فجر مزار پر شعبان کی پندرہ تاریخ کو جانا کس نص سے ثابت ہے؟ اگر منع ہے تو منع کہاں لکھا ہے؟

۴ ..... شعبان کی پندرہویں کا روزہ اور اس کی فضیلت کس نص سے ثابت ہے؟

۵..... مقابر مسلمین پر فاتحہ پڑھنے کا طریقہ مسنون کس نص سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... شب براءت میں بلا کسی قید وخصوصیت کے مطلق نماز کا ثبوت ہے، ہر شخص اپنے طور پر عبادت

---

(۱) (تقدم تخريجه من شعب الإيمان للبيهقي تحت عنوان: ''شب براءت میں کھانا تقسیم کرنا'')

(۲) ''من وسع على عياله في يوم عاشوراء، وسع الله عليه في سنته كلها''. (الجامع الصغير للسيوطي: ۲/۱۱ ۶۴۵، رقم الحديث: ۹۰۷۵، ورمزله بالصحة)

کرے جس میں نمائش یا کسی رسم اور ہیئت مخصوصہ کی پابندی نہ ہو تو مستحسن ہے: "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا، ألا كذا، حتى يطلع الفجر"۔ رواه ابن ماجه" (۱)، مشكوة شريف، ص: ۱۱۵ (۲)، اور اگر اس میں رسوم اور ہیئت مخصوصہ کی پابندی ہوگی تو بدعت ہے۔

۲..... شب برات میں بعد العشاء کسی بھی وقت مزار پر جانا کافی ہے: "ومما ثبت من فعله صلى الله عليه وسلم أنه أتى المقبرة ليلة النصف من شعبان يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء"۔

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: دخل علیّ رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع عنه ثوبيه، ثم لم ينم أن قام فلبسهما، فأخذتني غيرة شديدة ظننت أنه يأتي بعض صويحباتي، فخرجت أتبعه فأدركته بالبقيع الغرقد يستغفر للمؤمنين والمؤمنات والشهداء". (ماثبت بالسنة، ص: ۱۱۸)(۳)۔

۳..... پندرہویں شعبان کو مزار پر جانا منع نہیں، لیکن پندرہویں شعبان کی وجہ سے مسنون بھی نہیں، البتہ اسی تاریخ میں جمعہ، پیر، جمعرات یا سنیچر آ جائے تو اس میں افضل ہے، مگر یہ فضیلت پندرہویں شعبان کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان دنوں کی وجہ سے ہوگی: "وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل، قال في شرح لباب المناسك: إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والأثنين والخميس"۔ شامی: ۱/۸۴۳(٤)۔

---

(۱) (كتاب إقامة الصلوة، ما جاء في قيام شهر رمضان، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب قيام شهر رمضان من كتاب الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قديمي)

(۳) (الحديث أخرجه مسلم في الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور مفصلاً: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۴) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

۴.....شعبان کی پندرہویں کوروزہ رکھنے کا حکم حدیث میں موجود ہے:"عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "إذا کانت لیلة النصف من شعبان، فقوموا لیلها وصوموا نهارها الخ". مشکوۃ شریف، ص: ۱۱۵ (۱)۔

۵.....جب قبرستان میں داخل ہوتو پڑھے:"السلام علیکم دار قوم مومنین، وإنا إن شاء اللّٰہ بکم لاحقون"(۲) اور سورہ یٰسین پڑھے اوراس کا ثواب مردوں کوبخش دے:"من دخل المقابر فقرأ سورة یس، خفف اللّٰہ عنهم یومئذ، وکان له بعدد من فیها حسنات"۔ شامی: ۱/۸۴۴(۳)۔

جو شخص قبرستان میں داخل ہوکر سورہ یٰسین پڑھے تواس روز اللہ تعالٰی ان قبرستان والوں پر آسانی کردے گا اور پڑھنے والے کواتنی مقدار میں نیکیاں ملیں گی جتنے آدمی اس میں ہیں۔

اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اوراس کا ثواب بخش دے، حدیث میں ہے:"من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات"۔ در مختار علی هامش الشامی: ۱/۸۴۴(۴)، یعنی جو شخص گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اوراس کا ثواب مردوں کا بخش دے تواس کو بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا اور متوفی کے قدموں کی طرف سے جاوے سر کی طرف سے نہیں اوراس طرح کھڑا رہے کہ اس کی نظروں کے سامنے ہو:"أنه یأتی الزائر من قِبَل رِجل المتوفی لا من قبل

---

(۱)(ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوة، ماجاء فی قیام شهر رمضان، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان،ص: ۹۹، قدیمی)

(و مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب قیام شهر رمضان الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی التسلیم علی أهل القبور: ۱/۳۱۳، قدیمی)

(ورد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

(۳) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، قبیل مطلب فی القراءة للمیت الخ: ۲/۲۴۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، قبیل باب صلوة الشهید: ۲/۳۴۳، رشیدیه)

(۴)(الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعید)

رأسه؛ لأنه أتعب البصر لميت بخلاف الأول، لأنه يكون مقابل بصره، لكن هذا إذا أمكنه". شامي: ۱/ ۸٤۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۸ھ۔

شب براءت میں تہجد کی نماز باجماعت

سوال[۹۳۴]: شب براءت میں تہجد کی نماز باجماعت اعلان کرکے پڑھی جاسکتی ہے، اس مقصد سے کہ جو بے نمازی ہیں کم ازکم اس بابرکت رات میں شریک ہوکر ثواب کے مستحق ہوجائیں، اگر تہجد کی جماعت کی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے، بے نمازیوں کو تبلیغ وتاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں، ترک فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے، نہ شرع کی طرف سے اجازت ہے، اس رات میں عبادت کے لئے جمع ہونا بھی منع ہے، کذا فی المراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۹۱ھ۔

شبِ برات کی رسمیں

سوال[۹۳۵]: شب برات کو حلوہ پکانا اور گھروں کی صفائی کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ اس شب گھروں اور قبرستان کو چراغاں کرنا، عود اور اگربتی سے معطر کرنا باسنا، شرعاً کیا حکم رکھتا ہے جب کہ ایک طبقہ ان کاموں کو سنت سمجھ کر کرتا ہے اور گھروں کی صفائی اس عقیدے کی بناء پر کرتا ہے کہ بزرگوں کی روحیں زیارت کو آتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امور مسئولہ کو سنت کہنا بے دلیل ہے (۳) اور بزرگوں کی ارواح کے آنے پر کوئی قوی دلیل نہیں جو

---

(۱) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "اعمال شب براءت")

(۳) "إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج" =

روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شبِ براءت کا حلوہ

سوال[۹۳۶] : ۱.....حلوہ بنانا فی نفسہ مباح ہے جس پر خاص وعام سب متفق ہیں، لیکن شب برات ۱۴/ شعبان المعظم کو حلوہ تیار کرنا اسی دن کی خصوصیات پر جو کہ ضروریات کی بناء پر تیار کیا جاتا ہے قولاً یا عملاً جیسا کہ مشاہدہ ہے، جس کے بارے میں ''اصلاح الرسوم'' مصنفہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ (چھوٹی تختی) ص:۱۳۸، ۱۳۹، پر جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ شب برات کے روز عوام الناس کے مفاسدِ کثیرہ میں ابتلائے عام کے پیش نظر حلوہ تیار کرنا گناہ ہے جس کی اس روز شرعی نقطۂ نظر سے بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے۔

۲.....ایک مولوی نے اس قسم کے الفاظ اپنے میزبان کے یہاں چند عامی آدمیوں کے روبرو کہے کہ شب برات کے روز ایک مباح چیز کو (یعنی حلوہ کو) علماء نے خواہ مخواہ ناجائز کر رکھا ہے۔ تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شب برات کے روز حلوہ بنانا جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہو تو پھر ایک امر جائز کی اشاعت کیوں نہ عام کردی جائے جس سے لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے اور ہم سب لوگ بھی جو اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور ایک جائز امر کو آج تک ناجائز سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہیں، اس کے گناہ پر مطلع ہو کر تائب ہو جائیں۔ اور اگر ناجائز ہے جیسا کہ ''اصلاح الرسوم'' میں مرقوم ہے تو کسی کا ایسے الفاظ کہنا اعلان اور اشاعت کیساتھ اگر گناہ کبیرہ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بصورت مکروہ کیا ایسا شخص فاسق ہے؟ ہر شق کا جواب مفصل و مکمل بحوالہ کتاب رقم فرما کر عند اللہ ماجور و مشکور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز شرعاً ضروری نہ ہو اس کو ضروری سمجھنا اور امر مباح کے ساتھ واجب یا سنت جیسا معاملہ کرنا درست نہیں، اس سے وہ چیز مکروہ ہو جاتی ہے:

''كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه، فهو مكروه كتعيين السورة

= لأصحاب السنن''. (جمع الفوائد، كتاب الجنائز، التعزية وأحوال القبور وزيارتها: ۱/۳۷۲، رقم: ۲۶۵۳، إدارة القرآن)

للصلوة وتعيين القراءة موقت". كذا في تنقيح الفتاوى الحامديه(۱)، بلکہ امر مستحب پر بھی اصرار کی اجازت نہیں "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (سباحة الفكر)(۲)۔

ان تصریحات کی وجہ سے شب براءت کے حلوہ کو منع کیا جاتا ہے جو صاحب اس کے منع کو خواہ مخواہ کہتے ہیں غالباً ان کے ذہن میں مذکورہ تصریحات نہیں ورنہ وہ خواہ مخواہ ایسی بات نہ کہتے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۹۰ھ۔

لیلۃ القدر اور لیلۃ البراءت میں چراغاں کرنا

سوال[۹۳۷]: شب براءت اور لیلۃ القدر میں ضرورت سے زائد روشنی کی جاتی ہے، اور اس کے لئے چندہ کرتے ہیں، یہ حرکت جائز ہے یا نہیں؟ اور چندہ دینے والوں کو ثواب ہوگا یا نہیں؟ اگر مسجد یا بیت المال سے خرچہ ہو تو متولی کو گناہ ہوگا یا سب نمازیوں کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لیلۃ القدر اور لیلۃ البراءت میں ساری رات روشنی کرنا اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ یعنی چراغاں کرنا

---

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامديه، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة، مطلب: كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال الخ: ۲/۳۶۷، المكتبة الميمنية مصر)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ في سباحة الفكر، لكن فيها عبارة تدل على هذا المعنى و هي: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، و التخصيص من غير مخصص، مكروهاً، كما صرح به علي القاري في شرح مشكوة المصابيح ..... الخ". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، تحت الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن)

(والمرقاة شرح مشكوة المصابيح للقاري، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، تحت رقم الحديث: ۹۳۶، رشيديه)

"بل العبارة مذكورة باللفظ المذكور في السعاية، شرح شرح الوقاية". (كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيدمي)

ثابت نہیں، شرعاً ناجائز۔ ہے، حرام ہے، جیسا کہ " الحموی شرح الاشباہ والنظائر " (۱) اور "تنقیح فتاوی الحامدیہ" (۲) میں بصراحت مذکور ہے، مسجد کے وقف کے مال سے جوایسا کرے گا اس کے ذمہ ضمان لازم ہوگا، اگر متولی ایسا کرتا ہے تو نمازیوں کو لازم ہے کہ اس کو فہمائش کریں، روکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

متبرک راتوں میں بیداری کے لئے اجتماع

سوال [۹۳۸]: کیا شب براءت اور شب قدر کی تلاش واہتمام میں مساجد میں شب بیداری کر سکتے ہیں؟ حسب ذیل حدیث کی روشنی میں جواب دیجئے: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع، ورب قائم ليس له من قيامه إلا السهر" (۳) نیز اس حدیث کی مختصر تشریح بھی فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شب براءت اور شب قدر کی تلاش اور عبادت کے لئے مساجد میں جمع ہونا مکروہ اور بدعت ہے، مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے (۴)۔ حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جو شخص روزہ رکھے اور اللہ کے یہاں ثواب

---

(۱) (الحموی المسمی "بغمز عيون البصائر" لسيد أحمد الحموی: القول في أحكام المساجد: ۳/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۳۷، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية)

(وتقدم تخريجه تحت عنوان: "متبرک راتوں میں چراغاں")

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "متبرک راتوں میں چراغاں")

(۳) "وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالى عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "كم من صائم ليس له من صيامه إلا الظمأ، وكم من قائم ليس له من قيامه إلا السهر". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب تنزيه الصوم، الفصل الثاني، ص: ۱۷۷، قديمی)

(۴) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي المتقدم ذكرها في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم: عطاء وابن =

کی نیت نہ کرے یا جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ گناہوں سے نہ بچے تو اس کو ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اس کو بھوک پیاس کے علاوہ روزہ کے فضائل وثمرات میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا اسی طرح جو شخص رات بھر نماز پڑھے، مگر ثواب کی نیت نہ ہو یا گناہوں سے نہ بچتا ہو تو اس کو بیداری کے تکان کے علاوہ کوئی ثمرہ اور ثواب حاصل نہ ہوگا، یہی حال ہر عبادت کا ہے، یہ تشریح مشکوۃ شریف کی شرح میں مذکور ہے (۱)۔

تنبیہ: اس حدیث شریف میں مشکوۃ شریف میں "إلا الظمأ" (۲) مذکور ہے، "إلا الجوع" نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

متبرک راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا

سوال [۹۳۹]: ہم لوگ اپنے محلے کی مسجد میں شب معراج کی تقریب کے سلسلے میں شب بیداری یعنی تلاوت قرآن، صلوۃ النفل، اوراد ووظائف میں مشغول رہتے ہیں اور شب گذارتے ہیں اور جمعہ کو روزہ رکھتے ہیں، زید کا کہنا ہے کہ قرآن وحدیث سے رجب کی ستائس تاریخ کو شب بیداری کرنا اور بطور تقریب کے ماننا ثابت نہیں ہے اور یہ بدعت کے مترادف ہے، اس بارے میں زید کا قول کیسا ہے؟

= مليكة وفقهاء أهل المدينة، وأصحاب مالك وغيرهم، وقالوا: ذلك كله بدعة". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمي)

(۱) "قال الطيبي: فإن الصائم إذا لم يكن محتسباً أو لم يكن مجتنباً عن الفواحش من الزور والبهتان و الغيبة ونحوها من المناهي، فلا حاصل له إلا الجوع والعطش و إن سقط القضاء و كذلك الصلوة في الدار المغصوبة، و أدائها بغير جماعة بلاعذر، فإنها تسقط القضاء، و لا يترتب عليها الثواب اهـ، قال ابن الملك: و كذا جميع العبادات إذا لم تكن خالصةً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب تنزيه الصوم، قبيل الفصل الثالث: ۴/۵۱۰، ۵۱۱، رقم الحديث: ۲۰۱۴، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۰، رقم الحاشية: ۳)

(۳) "الجوع" کا لفظ ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جیسے مرقاۃ میں ہے: قال ميرك: و رواه ابن ماجة و لفظه: "ربّ صائم ليس له من صيامه إلا الجوع". الحديث ... و رواه البيهقي و لفظه: ... "و رب صائم حظه من الصيام الجوع والعطش". (المرقاة، المصدر السابق)

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا قول صحیح ہے، اس طرح اس شب میں مسجد وغیرہ میں جمع ہونا اور اجتماعی ہیئت سے نوافل وتلاوت میں مشغول رہنا ثابت نہیں بلکہ مکروہ اور بدعت ہے: "ویکرہ الإجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد وغیرها؛ لأنه لم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم ولا أصحابه، فأنکره أکثر العلماء، وقالوا: ذلك کله بدعة اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۲۴۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

عاشورۂ محرم کے خصوصی اعمال

سوال [۹۴۰۰]: یوم عاشورہ میں مندرجہ ذیل باتیں سنت ہیں یا نہیں؟

۱-خوف خدا سے رونا۔ ۲-جنازہ کی نماز پڑھنا۔ ۳-سورہ اخلاص کثرت سے پڑھنا۔

۴-والدین کی قبور کی زیارت کرنا اور کچھ آیتیں پڑھ کر ان کو اور تمام مردوں کو ثواب پہونچانا۔

۵-شہدائے کربلا کی روحوں کو ثواب پہونچانا جیسے حلیم یا کھچڑا نوح علیہ السلام کی سنت ہے یا نہیں؟

۶-غسل کرنا۔ ۷-سرمہ لگانا۔ ۸-کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا۔

۹-نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، قرآن پاک کی دس آیتیں پڑھنا۔

۱۰-دس مسلمانوں سے مصافحہ کرنا۔ ۱۱-دو دشمنوں میں صلح کرانا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خوف خدا سے ہمیشہ رونا چاہئے (۲)، جنازہ جب موجود ہو اس کی نماز فرض کفایہ ہے (۳)، سورۂ

---

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی تحیة المسجد وصلوة الضحی وإحیاء اللیالی، ص: ۴۰۲، قدیمی)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "ما من عبد مؤمن یخرج من عینیه دموع وإن کان مثل رأس الذباب من خشیة الله، ثم یصیب شیئاً من حر وجهه إلا حرمه الله علی النار". (سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحزن والبکاء، ص: ۳۰۹، قدیمی)

(۳) "والصلاة علیه فرض کفایة بالإجماع". (الدر المختار، باب صلوة الجنازة: ۲/ ۲۰۷، سعید)

اخلاص ہر روز پڑھنا چاہیئے (۱)، والدین کی قبر کی بلکہ عامۂ مؤمنین کی قبور کی زیارت ہر ہفتہ مستحب ہے (۲)، ایصال ثواب بھی مستحب ہے (۳)، ان چیزوں کو عاشورہ کے دن خاص کردینا بلا دلیل ہے (۴)، اس دن کھانے میں کچھ وسعت کردینا برکت کا باعث ہے (۵)، روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، مگر ایک دن پہلے ملا لے یا بعد میں۔ بقیہ مذکورہ چیزیں اس دن صحیح روایات سے ثابت نہیں، جو چیز مستحب ہے وہ بغیر عاشورہ کے بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

صلوٰۃ العاشورہ

سوال [۱۴۹۱]: بعض عالم بزرگ روز عاشورہ چار رکعت نماز مع قراءت جماعت سے پڑھتے ہیں

---

(۱) "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً سمع رجلاً يقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ يردّدها، فلما أصبح، جاء إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فذكر ذلك له، وكأن الرجل يتقالّها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! إنها لتعدل ثلث القرآن". (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب فضل ﴿قل هو الله أحد﴾ : ۲/۷۵۰، قديمي)

(۲) "وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل". (رد المحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

(۳) "إن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها". (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القرآة للميت الخ: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۴) قال العلامة اللكنوي رحمه الله تعالى "إذا كان فيه...... أو لو حظت فيه خصوصيات غير مشروعة، أو التزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص بغير مخصص .... مكروهاً، كما صرح به علي القاري في شرح مشكوة المصابيح والحصفكي في الدر المختار الخ". (سباحة الفكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر الخ، تحت: الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالىٰ: ۳/۴۹۰، ادارة القرآن)

(۵) "من وسّع على عياله في يوم عاشوراء، وسّع الله عليه في سنته كلها". (الجامع الصغير للسيوطي: ۱/۵۴۵، رقم الحديث: ۹۰۷۵، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

اور بڑی لمبی جماعت ہوتی ہے، کیا روز عاشورہ جماعت سے نماز ادا کرنا شرعاً ثابت ہے یا بدعت؟ اور اس کو ترک کرنا یا اس میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ نماز ثابت نہیں، یہ بدعت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

یوم عاشورا کی خصوصیات

سوال [۹۴۲]: مظاہر حق، جلد دوم، ص: ۱۴۲، باب الصدقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یوم عاشوراء میں روزہ رکھے اور کشادگی کرے اپنے کنبے اور اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تو اللہ تعالیٰ کشادگی کرے گا اس پر باقی سال کشادگی رہے گی'' فرمایا سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے: میں نے تحقیق کیا اور ایسا ہی پایا اور بعض نے ضعیف کہا ہے، جیسے بیہقی نے (۲)۔

اس کے علاوہ ''مرقع کلیمی'' میں جو دس افعال لکھے ہیں وہ بدعت ہیں یا نہیں؟

۱- عزیزوں سے ملنا۔ ۲- قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳- مسلمانوں سے مصافحہ ومعانقہ کرنا۔ ۴- عطر وخوشبو لگانا۔ ۵- بالخصوص میٹھا لقمہ کھانا۔ ۶- یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا۔ ۷- صلح کرانا آپس میں۔ ۸- والدین کے لئے بستر بچھانا۔ ۹- خط بنوانا، لباس بدلنا وغسل کرنا۔ ۱۰- سرمہ لگانا وغیرہ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه من مراقي الفلاح تحت عنوان: ''اعمال شب برات'')

(۲) ''وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من وسّع على عياله يوم عاشوراء، وسع الله عليه سائر سنته''. قال سفيان: إنا قد جربناه، فوجدناه كذلك، رواه رزين، ورواه البيهقي في شعب الإيمان عنه، وعن أبي هريرة وأبي سعيد، وجابر رضي الله تعالىٰ عنهم، وضعفه''. (مظاهر حق، كتاب الزكاة، باب أفضل الصدقة: ۲/ ۱۴۲، ادارهٔ اشاعت دينيات لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یوم عاشورا میں روزہ اور خرچ کی کشادگی کی فضیلت دیگر کتب میں بھی ہے(۱)اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، باقی جملہ امور مذکورہ کی خصوصیت اس روز کے ساتھ حدیث وفقہ سے ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صلوۃ الرغائب

سوال[۹۴۳]: صوبہ گجرات کے بعض اضلاع میں مسلمانان کرام شب برأت میں خصوصاً بعد عشاء دو رکعت نفل جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور یہ عمل بالالتزام ہر سال ان کی جانب سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ کیا ایسی نماز نفل کی جماعت کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس جماعت کا کوئی ثبوت نہیں، نہ حدیث میں، نہ فقہ حنفی میں بلکہ حنفیہ کی معتبر کتب میں اس کو مکروہ لکھا ہے: "ومن المندوبات إحياء ليلتي العيدين والنصف من شعبان والعشر الأخير من رمضان والأول من ذي الحجة، ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره اهـ". در مختار(۳)۔

"ويكره الإجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد، قال في الحاوي القدسي: و لا يصلي تطوع بجماعة، و ما روي من الصلوات في الأوقات الشريفة، تصلي فرادى، و من ههنا يعلم كراهية الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب أول ليلة جمعة منه، وأنها بدعة، و ما يحتاله

---

(۱)(تقدم تخريجه تحت عنوان: "عاشورہ محرم کے خصوصی اعمال")

(۲) صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ: "اور حدیث سرمہ لگانے کی، دن عاشورے کے جو بعضوں نے نقل کی ہے، کچھ اصل اس کی نہیں، اور اسی طرح اور دس افعال جو دن عاشورے کے نقل کئے ہیں، ان کی بھی کچھ اصل نہیں، سوائے روزے کے اور وسعت کرنی کھانے کی کہ یہ ثابت ہے حدیث سے"۔ (مظاهر حق، كتاب الزكاة، باب أفضل الصدقة: ۲/۱۴۲، ادارۂ اشاعت دینیات لاهور)

(۳) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعيد)

أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل اهـ". بحر عن المحلي". طحطاوی: ۲۸۸/۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محرم کی بدعت شنیعہ

سوال[۵۴۴]: محرم میں تعزیہ میں قرآن پاک لگانا اور اس کو گلی گلی گھمانا، جس کو پاک، ناپاک، ہندو، مسلمان سب ہی چومتے ہیں کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سخت معصیت ہے اور قرآن پاک کی بے حرمتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محرم کی رسوم

سوال[۵۴۵]: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عظمیٰ پر رسم تعزیہ داری، سیاہ پوش ہونا، ننگے سر ہونا، سر میں خاک ڈالنا، سر کو پیٹنا، اور سر کو تیل وغیرہ سے خشک رکھنا، ماتم کرنا، واویلا کرنا، نوحہ کرنا، مرثیے گانا جس میں بزرگانِ دین کی توہین ہوتی ہو، چلا چلا کر رونا، علم نکالنا، بچوں کو قیدی فقیر بنانا، تعزیہ گاہ میں تلاوت کلام پاک کرنا اور منتیں ماننا، دُلدُل کو گائے کا دودھ اور جلیبی کھلانا، ڈھول اور تاشے بجانا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یقیناً ایک دردناک حادثہ ہے اور خاندانِ نبوت سے عقیدت ومودت کا تعلق رکھنے والوں کے لئے روح فرسا واقعہ ہے، سب کو اس سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے کہ حق پر کس طرح قائم رہنا چاہئے، کسی جابر طاقت کے سامنے جھکنے سے جام شہادت نوش کرنے کا مقام بہت

---

(۱) وقال الحلبي: "إن كلاً من صلاة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، و صلاة البراءة ليلة النصف من شعبان، و صلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة". (الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لا يمسه إلا المطهرون، تنزيل من رب العالمين. أفبهذا الحديث أنتم مدهنون﴾. (الواقعة: ۷۹، ۸۰، ۸۱)

بلند ہے(۱) لیکن یہ انتہائی بدقسمتی اور حرمان نصیبی ہے کہ جرأت اور حق گوئی کا سبق حاصل کرنے کی جگہ پر ان جاہلانہ اور زنانہ مراسم نے قبضہ کرلیا ہے اور اب ان ہی کے ذریعہ حق وفاداری ادا کیا جاتا ہے۔اور مذکورہ سوال میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، بعض بدعتِ سیئہ ہیں، بعض حرام ہیں، بعض درجۂ شرک تک پہنچی ہوئی ہیں، اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے، یہ روافض کا شعار ہے(۲)، ان کی صحبت کا اثر بے علم یا بے عمل اہل سنت والجماعت میں بھی پھیل گیا ہے، ان کا بند کرنا ضروری ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

محرم کا شربت

سوال[۹۴۶]: محرم کے دنوں میں جو لوگ سبیل شربت لگاتے یا کھلاتے پلاتے ہیں، وہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں چندہ دینا جائز ہے یا حرام؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أفضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر" أو "أمیر جائر".

قال العلامة فخر الحسن الكنكوهي في التعليق المحمود على هامش أبي داؤد تحت الحديث المذكور: "قال الخطابي: إنما صار ذلك أفضل الجهاد؛ لأن من جاهد العدوّ، وكان متردداً بين رجاء وخوف: لا يدري هل يَغلب أو يُغلب، ومن قال للسلطان حقاً، وأمره بالمعروف أو نهاه عن المنكر، فهو مقهور في يده، وتعرض للتلف، وأهرق نفسه للهلاك، فصار ذلك أفضل أنواع الجهاد من أجل غلبة الخوف، والله تعالیٰ اعلم". (هامش سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي: ۲/۵۹۷، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبة دار الحديث ملتان)

قال الملا علي القاري تحت هذه الحديث المذكور: "قال الطيبي: هذا عام في الخُلق والخَلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير". (المرقاة شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ پابندی بھی غلط اور غیر ثابت ہے، اگر سردی کا موسم ہو تب بھی شربت ہی پلایا جائے۔ ایک غلط عقیدہ کو بھی اس میں دخل ہے، وہ یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ پیاسے شہید کئے گئے، اور یہ شربت ان کے پاس پہونچ کر ان کی پیاس بجھائے گا۔ اس عقیدہ کی اصلاح ضروری ہے، یہ شربت وہاں نہیں پہونچتا، نہ ان کو اس شربت کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے ان کے لئے جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جن کے مقابلہ میں یہاں کا شربت کوئی حیثیت نہیں رکھتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال [۷۹۴]: یہاں مرادآباد میں ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو کارخانہ داران ظروف کی طرف سے کاریگروں کو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، بلا مبالغہ یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ ہے، کیونکہ صدہا کاریگر ہیں اور ہر ایک کو اندازاً کم وبیش پاؤ پاؤ بھر مٹھائی ملتی ہے، ان کے علاوہ دیگر کثیر متعلقین کو بھی کھلانی پڑتی ہے۔ مشہور یہ روایت کر رکھی ہے کہ اس دن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت کیا تھا، مگر از روئے تحقیق بات برعکس ثابت ہوئی کہ اس دن حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں غیر معمولی شدت تھی، جس سے خوش ہوکر دشمنان اسلام یعنی یہودیوں نے خوشی منائی تھی (۲)۔ احقر نے اس کا ذکر ایک کارخانہ دار سے کیا تو معلوم ہوا

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: "الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة". (مقدمة سنن ابن ماجه، فضل علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه، ص: ۱۲، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/۶۲ - ۸۲، رقم الحدیث: ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۶۸، دار إحیاء التراث، بیروت)

(والمقاصد الحسنة، ص: ۲۲۰، رقم الحدیث: ۴۰۵، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح، ص: ۵۷۱، باب مناقب أهل البیت، قدیمی)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، ص: ۱۲۹، نقل مکتوب نمبر: ۸، قبیل کتاب التفسیر، عنوان: آخری چہار شنبہ کی اصل، سعید)

کہ جاہل کاریگروں کی ہوا پرستی اور لذت پروری اتنی شدید ہے کہ کتنا ہی ان کو سمجھایا جائے وہ ہرگز نہیں مانتے اور چونکہ کارخانوں کی کامیابی کا دارومدار کاریگروں ہی پر ہے تو اگر کوئی کارخانہ دار ہمت کرکے شیرینی تقسیم نہ کرے تو جاہل کاریگر اس کے کارخانہ کو سخت نقصان پہونچائیں گے، کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

(الف) حقیقت کی رو سے مذکورہ تقسیم شیرینی کا شمار افعالِ کفریہ، اسلام دشمنی سے ہونا تو عقلاً ظاہر ہے تو بلا عذر شرعی اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ وہ مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو؟

(ب) جاہل کاریگروں کی ایذاء رسانی سے حفاظت کے لئے کیا کارخانہ داروں کو فعلِ مذکور میں معذور مانا جاسکتا ہے؟

(ج) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ سے متعلق جو صحیح روایات اوپر مذکور ہوئیں وہ کس کتاب میں ہیں؟

(د) حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں شدت کی خبر پاکر یہودیوں نے کس طرح خوشی منائی تھی؟

احمد حسین کھڑاؤں فروش دریبہ کلاں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو خوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسل صحت ثابت نہیں، البتہ شدت مرض کی روایت ''مدارج النبوۃ'' میں ہے(۱)۔

یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدت مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اور ان کی عداوت اور شقاوت کا تقاضا ہے۔

(الف) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر ہے، نہ ان کو اس روایت کی خبر ہے، نہ یہ فی نفسہٖ کفر و شرک ہے، اس لئے ان حالات میں کفر و شرک کا حکم نہ ہوگا (۲)، ہاں یہ کہا جائیگا کہ یہ غلط طریقہ ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس روز غسل

(۱) (مدارج النبوۃ: ۲/۴۰۷، ۷۰۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۲) ''وینبغي للعالم إذا رفع إلیه هذا أن لا یبادر بتکفیر أهل الإسلام .... وفي الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم فلا أجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة أنه لایکفر ..... وفي الخلاصة وغیرها: إذا =

صحت ثابت نہیں، کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے(۱)، بغیر نیت موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے(۲)۔

(ب) نہایت نرمی وشفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ وفہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت اس کے ذہن میں اتار دے، ان کا مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حسنِ اسلوب سے پورا کردے، مثلاً: رمضان، عید، بقرعید وغیرہ کے موقعہ پر دیدیا کرے جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، بہرحال کارخانہ دار بڑی حد تک معذور ہے۔

(ج) مدارج النبوۃ میں ہے(۳)۔

(د) یہود نے کس طرح خوشی منائی اس کی تفصیل نہیں معلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۹۲/۱۲/۱۹ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۹۲/۱۲/۱۹ھ

رجب کا روزہ، کنڈہ

سوال[۹۴۸]: ماہ رجب میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کنڈہ ہوتا ہے، اس کی بھی شریعت میں کوئی اصلیت ہے یا نہیں؟ اور ۷/رجب ۱۳/ و۲۷/ کو روزہ رکھتے ہیں اور بہت ثواب سمجھتے ہیں آیا۔ حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور ماہ رجب کی شرعی فضیلت کیا ہے؟ مختصر تھوڑی تحریر فرمائیں۔

= كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، مكتب رشيديه)

(۱)"قال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً، إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من تعمد على كذباً، فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري كتاب العلم، باب إثم من كذب على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

(۲)"عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۹، مكتبة دار الحديث ملتان)

(۳) (مدارج النبوة: ۲/۱۹۹–۲۰۸، مدينه پبلشنگ كمپنى كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماہ رجب میں تواریخ مذکورہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت پر بعض روایات وارد ہوئی ہیں لیکن وہ روایات محدثین کے نزدیک درجۂ صحت کو نہیں پہونچی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ماثبت بالسنۃ'' میں ذکر کیا ہے، بعض بہت ضعیف ہیں اور بعض موضوع ہیں۔ ایصال ثواب جس کو چاہے جب چاہے بلا کسی التزام تاریخ ومہینہ وغیرہ کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہت بہتر ہے لیکن کنڈہ کرنا جیسا کہ رواج ہے بے اصل اور بدعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۲/ رجب کے کونڈوں کی حقیقت

سوال[۹۴۹]: ۲۲/ رجب کو بعض جگہ کونڈا کرنے کا بڑا رواج ہے اس میں جو جو رسمیں کی جاتی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ کونڈے کی اصلیت کیا ہے، کیا مسلمانان اہل سنت کو یہ رسم کرنی چاہیئے؟ امید کہ شریعت کے مطابق اس رسم کی اصلیت تفصیل سے بیان فرما کر مسلمانان اہل سنت والجماعت کی رہنمائی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

محمد حمید اللہ نعمانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کونڈوں کی مروجہ رسم مذہب اہل سنت والجماعت میں محض بے اصل، خلاف شرع اور بدعت ممنوعہ ہے کیونکہ بائیسویں رجب نہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ہے اور نہ تاریخ وفات، حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸/ رمضان ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، پھر بائیسویں رجب کی تخصیص کیا ہے اور اس تاریخ کو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کیا خاص مناسبت ہے؟ ہاں بائیسویں رجب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات ہے (دیکھو تاریخ طبرانی ذکر وفات معاویہ)(۱)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لئے حضرت امام جعفر صادق کی طرف

(۱) "وحدثني عمر قال: حدثنا علي قال: بايع أهل الشام معاوية رضي الله عنه بالخلافة في سنة: ٣٧، في ذي القعدة ...... وسلم له الأمر سنة: ٤١، لخمسٍ بقين من شهر ربيع الأول، فبايع الناس جميعاً معاوية رضي الله عنه، فقيل: عام الجماعة، ومات بدمشق سنة: ٦٠هـ، يوم الخميس لثمان بقين من رجب". =

منسوب کیا گیا، ورنہ درحقیقت یہ تقریب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔

جس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی، اہل سنت والجماعت کا غلبہ تھا اس لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شیرینی بطور حصہ علانیہ نہ تقسیم کی جائے تاکہ راز فاش نہ ہو بلکہ دشمنانِ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاں جاکر اسی جگہ یہ شیرینی کھالیں جہاں اس کو رکھا گیا ہے اور اس طرح اپنی خوشی ومسرت ایک دوسرے پر ظاہر کریں، جب کچھ اس کا چرچا ہوا تو اس کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے یہ تہمت امام موصوف پر لگائی کہ انہوں نے خود خاص اس تاریخ میں اپنی فاتحہ کا حکم دیا ہے حالانکہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔لہٰذا برادرانِ اہل سنت کو اس رسم سے بہت دور رہنا چاہیئے، نہ خود اس رسم کو بجالائیں اور نہ اس میں شرکت کریں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رجب کی روٹی

سوال[۹۵۰]: رجب المرجب کا جب مہینہ آتا ہے تو لوگ جمعہ کے دن کچھ میٹھی روٹی پکواتے ہیں اور اکتالیس بار سورہ ملک پڑھواتے ہیں اس کو تبارک کہتے ہیں، اور سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روٹی میت کی جانب سے فدیہ یا صدقہ یا خیرات کی جارہی ہے، پھر بھی پڑھنے والے اس روٹی کو حاصل کرنے کے لئے سبقت کرتے ہیں اور جگہ جگہ سے روٹی باندھ کر لے آتے ہیں، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب خانہ مسجد میں بھیج دیتا ہے اور سب پر تقسیم کردیتا ہے، اس کو بھی تبرک سمجھ کر کھا جاتے ہیں، چاہے وہ صاحب نصاب ہو یا کوئی دوسرا، ہر شخص اس کو کھاتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ایصالِ ثواب کی یہ صورت نہ قرآن سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے، نہ صحابہ کرام سے، نہ فقہاء ومجتہدین کی کتب سے بلکہ من گھڑت ہے، ایسی چیز کو شریعت میں بدعت کہتے ہیں(۱)۔اس

= (تاريخ ابن جرير الطبري، سنة ستين، وفاة معاوية بن أبي سفيان: ۲۳۹/۴، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت)

(۱) (البدعة) "ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة. =

کا ترک کرنا واجب ہے، قرآن کریم یا اس کی کوئی سورت پڑھ کر اجرت لینا جائز نہیں، پڑھنے والے کے حق میں ممانعت کی یہ مستقل وجہ موجود ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے معتمد کتب سے اس کو نقل کیا ہے، ردالمحتار میں بھی (۱)، شرح عقود رسم المفتی میں بھی (۲)، شفاء العلیل میں بھی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

شب معراج کے اعمال مروجہ

سوال [۱۹۵۱]: (الف) یہاں افریقہ میں یہ التزام ورواج ہے کہ شب معراج میں عشاء کے وقت خصوصی اعلان ودعوت کے ساتھ لوگوں کو جمع کر کے وعظ، شیرینی اور نماز نوافل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آیا شریعت میں اس قسم کا التزام واہتمام کہیں مشروع ہے اور اس التزام کا نہ ماننے والا گنہگار ہوگا؟

(ب) اس شب میں علاوہ فرض وقت کے آیا کوئی دوسری عبادت فرض، واجب، سنت یا نفل مشروع ہے؟

(ج) یہاں بیشتر مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں نمازی اپنے گھروں میں فرداً فرداً یا نماز با جماعت ادا کرلیا کرتے ہیں، صرف جمعہ اور عیدین کے لئے ایک خاص جگہ تجویز کرلی جاتی ہے جہاں سب مل کر خطبہ ونماز ادا کرلیتے ہیں۔ سو ایسے مقام پر جہاں مسجد بھی نہ ہو اور لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہوں وہاں ایک خاص جگہ تجویز کر کے شب معراج میں اعلان عام اور دعوت ناموں کے ذریعے لوگوں کو جمع کر کے اس مخصوص مقام

= مطلب في أقسام البدعة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة: فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: مطلب في الإستيجار على الطاعات: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي، بعد ذكر طبقات الكتب المعتبرة وغيرها، ص: ۳۶، ۳۷، ۳۸، مير محمد كتب خانه)

(۳) (شفاء العليل وبل الخليل اهـ، رسالة من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵۲–۲۰۷، سهيل اكيدمي، لاهور)

پر وعظ، شیرینی اور نوافل کا التزام واہتمام کرنا کیسے مشروع ہے؟ جو شخص ان مراسم کو روکے اسے برا بھلا اور کافر وفاسق کہنا کیسا ہے؟ اور اس قسم کے غیر مشروع اور رسمی امور کو دین کے اہم امور میں شمار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی احمد گل بھائی (جنوبی افریقہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) یہ التزام واہتمام بے دلیل، بدعت، خلاف شرع ہے، جو اس التزام کو نہ مانے وہ گنہگار نہیں بلکہ اس کو روکنے والا ماجور ہے (۱)۔

(ب) اس شب میں خصوصیت سے کوئی نماز علاوہ روزانہ کی نماز کے مسنون ومشروع نہیں۔

(ج) نفس وعظ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے جمع کرنا شرعاً درست ہے اور اس شب کو اس کے لئے مخصوص کرنا بے دلیل ہے، اسی طرح شیرینی کا اہتمام بے اصل ہے اور التزام مالا یلزم ہے (۲)۔ اس شب کے لئے نوافل خصوصی کا اہتمام کہیں ثابت نہیں نہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے کیا۔ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ المستملی، ص:۴۱۱ میں (۳)، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر رائق شرح کنز

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان" رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ص ۴۳۶، قديمي)

وفي المرقاة: "ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً، ندب".
(كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۲، مكتبه حقانيه)

(۲) قال اللكنوي رحمه الله تعالىٰ: "فكم من مباح يصير بالإلتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص، مكروهاً الخ". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، تحت: الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ: ۳/۴۹۰، ادارة القرآن)

(۳) "واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ماتقدم ماعدا التراويح وصلوة الكسوف والإستسقاء، فعلم أن كلاً من صلوة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، وصلوة البراءة ليلة النصف من شعبان، وصلوة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة . ولا ينبغي أن =

الدقائق:۲/ ۵۶ میں (۱)، علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح، ص:۲۲ میں (۲)، اس رواج پر نکیر فرمائی ہے اور اس کے متعلق جو فضائل نقل کرتے ہیں ان کو رد کیا ہے، اس رواج کے روکنے والے کو کافر کہنا تو انتہائی جسارت ہے، کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر آتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ محرم/ ۶۸ھ۔

ایک مخصوص مشرکانہ رسم

سوال [۹۵۲]: ایسی حرکت بعض رسم کے اندر کی جاتی ہے کہ سات ماہ کی حاملہ عورت کو سہرہ سرخ کپڑوں سے آراستہ کر کے اس کے سامنے ونڈے میں چاول اُبال کر رکھتے ہیں، چراغ روشن کرتے ہیں اور عورت کو کعبہ کی طرف منہ کر کے چوکی پر بٹھا کر گود میں پھل وغیرہ رکھ دیتے ہیں، احباب دوستوں کی دعوت کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

= يتكلف لإلتزام ما لم يكن في الصدر الأول كل هذا التكلف لإقامة أمر مكروه، وهو أداء النفل بالجماعة على سبيل التداعي". (غنية المستملي (المعروف بحلبي كبير)، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۱) "ويكره الإجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد. قال في الحاوي القدسي: ولا يصلي تطوعٌ بجماعة غير التراويح ... ومن هنا يعلم كراهة الإجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب في أول ليلة منه، وإنها بدعة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۹۳، رشيديه)

(۲) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في تحية المسجد وصلوة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمي)

(۳) "عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ردت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۲/ ۸۹۳، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ رسم اسلامی طریقہ نہیں (۱) اس میں بعض چیزیں مشرکانہ ہیں، مثلاً: اس وقت خاص طور پر (ضرورت ہو یا نہ ہو) چراغ روشن کرنا جیسا کہ مشرکوں کا طریقہ ہے، وہ اپنے دھرم میں معتقدانہ چراغ روشن کرتے ہیں اور اس کی تعظیم بجالاتے ہیں اور دیگر مذکورہ اشیاء کی جاتی ہیں، ایسی رسم سے توبہ واستغفار لازم ہے اس کو بالکل ترک کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۹ھ۔

رسم پر عمل

سوال [۹۵۳]: ''رسوم کی بنا عرف پر ہے، یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب ہے یا سنت یا مستحب ہیں، لہذا جب تک کسی رسم کے متعلق یہ نہ معلوم ہو جائے کہ از روئے شرع ممنوع ہے اسے حرام نہیں کہا جاسکتا، کھینچ تان کر ممنوع قرار دینا زیادتی ہے''۔ بہار شریعت، ج: ۷۔ سائل: محمد قاسم عرف میاں صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

رسم پر کوئی ثواب موعود نہیں، نہ ترک پر عقاب کی وعید بشرطیکہ وہ کفار وفساق کے ساتھ مخصوص نہ ہو، پھر اس کے ساتھ ایسا التزام کرنا جیسا کہ فرائض اور واجبات کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کے ترک سے ایسا بچنا جیسا کہ ترکِ فرائض وواجبات سے بچنا لازم ہے (گو اعتقاداً نہ سہی عملاً ہی سہی) تجاوز عن الحدود ہے یا نہیں، تارکِ فرض پر نکیر نہیں کی جاتی تارکِ رسم پر طعن وتشنیع کی نوبت آتی ہے۔

جن اعمال پر ثواب کا وعدہ ہے اور وہ مندوب ہیں ان پر اصرار کرنا بھی حدِ کراہت تک پہونچا دیتا ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة" (۲) جب مندوب کا یہ حال ہے تو محض مباح کا التزام اور اصرار کیسے درست ہوگا: "كم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم مكروهاً" اهـ. سباحة الفكر (۳)۔

---

(۱) (كذا في ''بهشتي زيور، حصه ششم، ''بچہ پیدا ہونے کی رسموں کا بیان'' ص: ۸، امداديه ملتان)

(۲) (أيضاً السعاية على شرح الوقاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/ ۲۶۵، امجد اكيڈمی)

(۳) (سباحة الفكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر، تحت: الحديث الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل عبدالحیء: ۳/ ۴۹۰، إدارة القرآن)

طیبی شرح مشکوۃ میں تصریح ہے کہ جو شخص عزیمت کا حد درجہ پابند ہو اور کسی رخصت پر عمل نہ کرے "فقد أصاب الإضلال من الشیطان"(۱)۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے کہ جس مباح مندوب پر عمل کرنے سے عوام کو اس کے وجوب کا اعتقاد ہوتا ہو اس کا ترک واجب ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بچہ کو چالیسویں دن مسجد میں لانے کی رسم

سوال[۹۵۴]: بچہ چالیس دن کا ہو جانے کے بعد بعض لوگ اسے مسجد میں لا کر لٹاتے ہیں اور پھر کچھ شیرینی تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ رسم بے اصل، لغو اور قابلِ ترک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چالیس روزہ بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانا

سوال[۹۵۵]: عورتوں کا بڑا غسل بعد ولادتِ بچہ، چالیسواں دن لڑکے کو غسل دے کر سب سے پہلے بچہ کو مسجد میں بھیجتے ہیں معہ شیرینی وغیرہ کے کہ بچہ کو سجدہ کرا کے لاؤ اللہ کے گھر میں۔ عام طور پر ہر شخص ۴۰/ دن بعد بچہ کو مسجد میں لے جاتا ہے سجدہ کی رسم کی نیت سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ ایسا بچہ سجدہ کیا کر سکتا ہے؟ پس ایسا کرنا چاہیے یا نہیں، کیا زمانہ سابقہ میں یہ طریقہ تھا؟

---

(۱) (مرقاۃ المفاتیح للقاری، کتاب الصلوۃ، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) "کل مباح یؤدی إلی زعم الجهال سنیة أمر أو وجوبه، فهو مکروه". (تنقیح الفتاوی مسائل و فوائد شتی من الحظر و الإباحة، مطلب: کل مباح یؤدی الی زعم الجهال اھ: ۲/۳۶۷، المطبعة المیمنیة)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس رسم کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، یہ قابلِ ترک ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۱۱/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔ صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۳/ ذیقعدہ ۶۱ھ

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

سوال[۹۵۶]: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً مسٹر جناح کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بلند آواز سے روانگی کراتے وقت، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ ایک نمائش ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/ ۱۱/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ ذیقعدہ ۶۱ھ۔

---

(۱) انسان کی عمر کے دو بڑے حصے ہیں: قبل البلوغ اور بعد البلوغ۔ بعد البلوغ ہر صحیح العقل شخص احکامِ شرع کا مکلف ہوتا ہے۔ قبل البلوغ کا دور بھی دو حصوں میں منقسم ہے: ایک وہ دور ہے کہ اس میں بندہ سیانا ہوتا ہے، اچھے برے کی تمیز کرتا ہے، اس وقت والدین کو حکم ہے کہ اپنی اولاد کو احکامِ شرع نماز وغیرہ کی تلقین و ترغیب دیں۔

لیکن ایک دور اس سے قبل ہے، جو پیدائش کے بعد سے اس وقت تک ہے جب کہ بندہ اچھے برے میں تمیز کرے، اس دور میں نہ تو والدین کو بچے کو تلقین کا حکم ہے اور نہ وہ اس کا متحمل ہے، بلکہ اس کو تلقین کرنا لغو ہے۔ اسی طرح جب کہ وہ عند اللہ مرفوع القلم ہے تو اس سے اس عمر میں سجدہ کرانے کا کیا مطلب ہے، بطور فال و نیک شگونی بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ بندہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اس کے والدین کی تربیت پر موقوف ہے۔ (فضل مولیٰ بن القاضی)

(۲) عموماً اس میں دکھاوا اور ریاکاری مقصود ہوتی ہے جو کہ سخت وعید کو دعوت دیتا ہے:

"عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من يسمّع يسمع الله به، و من يرآئي يرآئي الله به". (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الرياء و السمعة، ص: ۳۱۰، قديمي)

کیا کسی مسجد میں ۴/ سال مغرب کی نماز پڑھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے؟

سوال [۷۵۹]: شہر برہان پور میں حضرت شاہ نظام الدین بھکاری کے زمانہ سے مغرب کی نماز موصوف کی درگاہ کے پاس ندی کے اندر ہوتی ہے۔ خطیب، جامع مسجد مغرب کی نماز پڑھاتے ہیں، دور دراز سے لوگ اس کے لئے سفر کرتے ہیں اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز وہاں ادا کرے تو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ کیا اس طرح نماز پڑھنا، پڑھانا، ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل موجود ہے؟ اور کیا وہاں اس مسجد میں ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز ادا کرنے سے فریضۂ حج ادا ہو جائے گا؟ اور کیا اس شخص کو حاجی کہا جا سکتا ہے؟ افسوس یہ ہے کہ وہ مسجد تفریح گاہ بن گئی ہے، ہندو مسلم، مرد وزن، وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں اور مؤذن ان کو مسجد میں گھما کر رہبری کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور مرد وعورت کا بے خطر اس میں داخل ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ بے اصل ہے (۱) اس کی کوئی اصل شرع میں نہیں ہے۔ تین مساجد کے متعلق مخصوص ثواب کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔ ۱: مسجد حرام۔ ۲: مسجد نبوی۔ ۳: مسجد اقصیٰ، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے: "لا تشدوا الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد" (۲)۔ الحدیث۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۴/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) یہ بدعت مردود غیر مقبول ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالیٰ عنه- عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: "لا تشدوا الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، و مسجد الرسول، و مسجد الأقصی". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة والمدينة: ۱/ ۱۵۸، قديمي)

بسم اللہ خوانی کی تقریب

سوال[۹۵۸]: ۱..... یہاں پر بسم اللہ خوانی کا رواج ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا شمار بدعت میں ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس کو جزو دین نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک رواج اور موقع خوشی ہے کہ بچے کی تعلیم کا اب آغاز ہورہا ہے تو ایسے موقع پر دعوت وغیرہ کی جاتی ہے، تو ایسی دعوت قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ خوانی کے لئے عمر کی تعیین

سوال[۹۵۹]: ۲..... بعض لوگ بسم اللہ خوانی کے لئے بچہ کی عمر کی تعیین کرکے یعنی (چار سال چار مہینے چار دن) بسم اللہ خوانی کرتے ہیں، آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ اس کی اصل کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... کسی بزرگ وصالح شخص سے بسم اللہ کراوی جائے اور کچھ غرباء واحباب کو کھلا پلا دیا جائے تاکہ بچے کی تعلیم میں برکت ہو تو درست ہے، مگر تکلفات وریاء وفخر سے بچنا لازم ہے۔

۲..... اس کا التزام غلط ہے(۱)۔ اس عمر سے پہلے بھی بسم اللہ درست ہے، اگر بچہ ذہین و ہونہار ہو تو اس عمر کے انتظار میں اس کا وقت ضائع نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

بچوں کی روزہ کشائی

سوال[۹۶۰]: رمضان میں اکثر چھوٹے بچے کو روزہ رکھوا کر روزہ کشائی کرواتے ہیں اور اپنے گھروں پر بہت اہتمام کرتے ہیں، ایسی جگہ روزہ کھولنے جانا چاہئے یا نہیں؟ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ

---

(۱) قال فی "بہشتی زیور": ان رسموں میں سے ایک "بسم اللہ" کی رسم ہے۔..... اس میں یہ خرابیاں ہیں: چار برس، چار مہینے، چار دن کا ہونا، اپنی طرف سے مقرر کرلیا ہے، جو محض بے اصل اور لغو ہے، پھر اس کی اتنی پابندی کہ چاہے جو کچھ ہو، اس کے خلاف نہ ہونے پائے اور ان پڑھ لوگ تو اس کو شریعت ہی کی بات سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے عقیدہ میں خرابی اور شریعت کے حکم میں ایک پیچر لگانا لازم آتا ہے" الی آخر ما ذکرہ من المفاسد۔ (حصہ ششم، مکتب یعنی بسم اللہ کی رسموں کا بیان، ص: ۱۵، مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں بھی ایسا رواج تھا روزہ کشائی کا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ بچے کا دل بڑھانے کے لئے، نیز شکریہ کے طور پر اگر نسبۃً افطار کی میں کچھ زیادتی کرلی جائے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے، دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس کا پتہ نہیں چلتا، زیادہ اہتمام جس میں ریا اور نمود یا فخر ہو یا وسعت سے زیادہ قرض وغیرہ لے کر اہتمام کرنا خلافِ شرع اور ناجائز ہے، ایسی حالت میں شرکت بھی منع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

بچہ کا دودھ بخشوانا

سوال[۹۶۱]: اگر شیر خوار بچہ کا انتقال ہوگیا تو اکثر لوگ ماں سے دودھ بخشواتے ہیں، یہ بخشوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

هذا من أغلاط العوام۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ بخشنا

سوال[۹۶۲]: ادھر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو

---

(۱) چونکہ مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو رضائے خداوند کریم کا عکاس ہوتا ہے، بایں وجہ ہر لغو کام سے بچتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کام سرزد نہ ہوجائے، لہٰذا ریا چونکہ ایک مذموم غیر ممدوح فعل ہے، اس سے بھی بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا بہت اہم اور عبادت ہے۔

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من يسمّع يسمّع الله به، و من يرائي يرائي الله به". (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، ص: ۳۱۰، قديمي)

دودھ بخشتی ہے، اس کی اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دودھ بخشنا شرعاً بے اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محراب مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ اور اس کا استلام

سوال[۹۶۳]: ۱.....مکہ مسجد حیدرآباد میں مندرجہ ذیل کتبہ نصب ہے، اس طغریٰ کے سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا إله إلا الله محمد رسول الله. أللهم صل على محمد و على آل

محمد و بارك وسلم ،أعلى سيدنا غوثنا أعظم محمد محي الدين

عبد القادر رحمه الله تعالى ياشيخ عبد القادر شيئاً لله.

سوال[۹۶۴]: ۲.....اس طغریٰ پر ایک پردہ پڑا رہتا ہے، نماز جمعہ کے بعد بہت سے لوگ بالالتزام پردہ کے نیچے دونوں ہاتھ پھیر کر چہرہ پر عقیدت واحترام کے انداز میں ملتے ہیں، لوگوں کا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

طغریٰ کے سامنے امام کا کھڑا ہونا

سوال[۹۶۵]: ۳.....اگر امام اس طغریٰ کے روبرو کھڑا ہو تو نماز میں کسی قسم کا حرج تو نہیں ہے؟

محراب سے طغریٰ کو ہٹانا

سوال[۹۶۶]: ۴.....طغرے کی مجموعی حیثیت ونوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایئے کہ اس کو محراب سے الگ کر دینا چاہئے یا نہیں؟

سوال[۹۶۷]: ۵.....جو امام اس طغریٰ کو حسب حال رکھنے کے حق میں ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ یا دوسری مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا؟

دراصل سوال تو ایک ہی ہے مگر الگ الگ شقیں نکال کر لوگوں کے لئے موضوع بحث بنی ہوئی ہیں، علماء

ومشائخ، عوام وخواص کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ گذارش ہے کہ ہرشق کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بن سکے۔ فقط۔

نعمت اللہ جنگ لائن، عابد روڈ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....ایسے طرز پر کوئی چیز لکھنا یا تحریر لٹکانا کہ نمازی کا دھیان ادھر جائے مکروہ ہے جیسے نقش ونگار سے روکا جاتا ہے(۱)۔

۲.....یہ استلام اور پھر اس کا بھی التزام بربنائے عقیدت واحترام موجب فساد عقائد اور خلاف طریقہ سید الأنام علیہ الصلوۃ والسلام ہے(۲)۔

۳.....نماز سب کی ہوجائے گی، خاص کر جب کہ اس پر پردہ پڑا ہوا ہے، نظر کے سامنے نہیں، نہ اس کی پرستش مقصود ہے نہ اس کا ایہام ہے۔

۴.....بالکل فوراً الگ کردیا جائے، مگر ایسے طریقہ پر کہ فتنہ نہ ہو، نرمی سے مسئلہ بتا کر فہمائش کردی

---

(۱) "و لا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، و يكره التكلف بدقائق النقوش و نحوها خصوصاً في جدران القبلة، قاله الحلبي، وفي حظر المجتبى: وقيل: يكره في المحراب دون السقف والمؤخر، انتهى. و ظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة". (الدر المختار، أو اخر باب مايفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، قبيل باب الوتر والنوافل: ۲/۶۴، ۶۵، رشيديه)

(۲) استلام کا حکم صرف طواف کے موقع پر حجر اسود اور رکنین کا ہے، مذکورہ استیلام کی نہ شریعت مطہرہ میں کوئی نظیر ہے نہ اس کی اجازت ہے، بلکہ اس جیسی بدعات محرمہ غیر مرضیہ کی شدید مذمت آئی ہے:

"عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله ﷺ يقول في خطبته: ...."إن أصدق الحديث كتاب الله، و أحسن الهدى هدى محمد، و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة، و كل ضلالة في النار". الحديث (سنن النسائي، كتاب العيدين، كيف الخطبة: ۱/۲۳۴، قديمي)

جائے (۱)۔

۵.....امام صاحب کی خدمت میں ادب سے درخواست کی جائے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ اس کو علیحدہ کر دیں، یہ حکم شرعی ہے اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے، نماز ان کے پیچھے ترک کر کے مسجد کو ویران نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و شرطها (أی الأمر بالمعروف والنهی عنه) أن لا یؤدی إلی الفتنة کما علم من الحدیث، و أن یظن قبوله، فإن ظن أن لا یقبل، فیستحسن إظهاراً لشعار الإسلام". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۵۲۲، رقم الحدیث: ۵۱۳۷، رشیدیه)

دفع مصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان

دفع مصائب کے لئے ختم بخاری شریف اور سوا لاکھ کا ختم

سوال[۹۲۸]: ۱...... دارالعلوم دیوبند میں جو ختم شریف ہوتا ہے خواہ کسی کی وفات پر ہو یا دفع مصائب کے لئے، اور خواہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے یا آیۃ الکرسی مگر پڑھنے کی تعداد سوا لاکھ متعین ہے، اس پر کیا دلیل شرعی ہے؟ ایک عالم اس کو بدعت کہتے ہیں جو شریک دارالعلوم دیوبند رہ چکے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نفس ایصال ثواب میں تو کوئی اشکال نہیں مگر تعداد متعین کرنا بدعت ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل سے تحریر فرمائیں حالانکہ اپنے مشائخ کی شرکت کو شہادت میں پیش کیا گیا مگر قرآن وحدیث سے ثبوت مانگتے ہیں۔

۲...... بخاری شریف پڑھ کر دعا مانگنے پر کیا دلیل ہے، ورنہ یہ بھی بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... دفع مصائب کے لئے جو ختم پڑھا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے، اس کے لئے قرآن وحدیث سے ثبوت ضروری نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے منافی ومعارض یعنی شرعاً ممنوع ومذموم نہ ہو، جیسا کہ غیر شرعی رقیہ ممنوع ہے، ایسے ہی ختم میں جو تعداد متعین ہے وہ ایسی نہیں جیسی رکعت نماز کی تعداد یا اشواط طواف کی تعداد ہے کہ اس کے لئے صراحۃً ثبوت ضروری ہے بلکہ وہ ایسی تعداد ہے جیسے حکیم نسخہ میں لکھتے ہیں، عناب ۵ دانہ، بادام ۷ دانہ کہ یہ تجربات سے ثابت ہیں، اس کے لئے قرآن وحدیث سے ثبوت طلب کرنا بے محل ہے، جب اس ختم کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تعداد کا تجربہ سے متعین کر دینا خلاف شرع نہیں، علاج کے لئے سات کنویں کا پانی سات مشکوں میں منگانا تو خود حدیث شریف سے بھی ثابت ہے(۱)۔

---

(۱) "قالت عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: ...... فقال النبي صلی الله علیه وسلم بعد مادخل بیتها، =

۲..... اس کی نوعیت بھی تقریباً وہی ہے: "قرأ كثير من المشائخ والعلماء والثقات صحيح البخاري لحصول المرادات وكفاية المهمات وقضاء الحاجات ودفع البليات وكشف الكربات وصحة الأمراض وشفاء المريض عند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا لمقاصدهم، ووجدوه كالترياق مجرباً. وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة اهـ". مقدمة لامع، ص: ۲۳ (۱)۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ علاج ہے نہ کہ تعبداً، پھر اس کو بدعت کی حد میں لانا بدعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صدقہ

سوال[۹۲۹]: کسی مصیبت کے آنے پر صدقہ کیا جاتا ہے، مثلاً: ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ اگر بارش نہیں ہوتی ہے تو اپنے گاؤں سے، خاندان سے پیسہ، گڑ، چاول وغیرہ مانگ مانگ کر جمع کرتے ہیں، پھر اس کو پکاتے ہیں، اور گاؤں کے سب ہی بچوں کو بلا امتیاز غریب وامیر کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں، لہذا یہ کھانا یا ان بچوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، زیادہ تر اس سے اپنے گاؤں کی ناموری اور مفاخرت کی نیت ہوتی ہے(۲)

=واشتد به وجعه: "أهريقوا عليّ من سبع قرب لم تحلل أوكيتهن، لعلي أعهد إلى الناس". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب بلا ترجمة بعد باب اللدود: ۲/ ۸۵۱، قديمي)

(۱) (مقدمة لامع الدراري شرح صحيح البخاري، الفصل الثاني في الكتاب، وفيه أيضاً فوائد، الفائدة الثانية: ۱/ ۲۳، المكتبة اليحيوية مظاهر علوم سهارنپور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "المتباريان لا يجابان، ولا يوكل طعامهما".

قال الإمام احمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخراً ورياءً". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قديمي) .... =

اور صدقہ تو غریبوں کا حق ہے، غریبوں کی حاجتیں مخفی طریقہ پر پوری کی جائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

رفع وباء کے لئے اذان

سوال [۹۷۰]: وبائے بیماری و وبائے بارش کے موقعوں پر گاؤں کے چاروں طرف صحیح اذان کہنے والے دس پانچ آدمی مل کر اگر ایک مرتبہ اذان دیں تو اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو سنن میں سے ہے یا بدعت حسنہ میں سے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز نہیں، لہٰذا ایسے وقت اذان کہنا سنت نہیں اور غیر سنت کو سنت سمجھنا ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث: "(المتباريان): أی المتفاخران فی الضيافة (لا يجابان): أی لا أولهما ولا آخرهما، لفساد غرضهما، وسوء قصدهما ..... (بالضيافة فخرا ورياءً): أی لا إحساناً إبتداءً ولا مكافأة إنتهاءً". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: الفصل الثالث: ۶/ ۳۷۶، ۳۷۷، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هی، وإن تخفوها وتؤتوها الفقرآء، فهو خيرلكم، ويكفر عنكم من سيئآتكم، والله بما تعملون خبير﴾. (البقرة: ۲۷۱)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "عن أبی أمامة أن أباذر رضی الله تعالیٰ عنه قال: يا رسول الله! أیّ الصدقة أفضل؟ قال: "صدقة السر إلی فقير، أو جهد من مقل، ثم قرأ الأية". (روح المعانی: ۳/ ۴۴، دار إحياء التراث العربی)

قال الحافظ رحمه الله تعالیٰ فی فتح الباری: "المراد خير الصدقة ما أغنيت به من أعطيته عن المسألة". (كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی: ۳/ ۳۷۸، قديمی)

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جہاں جہاں نماز کے علاوہ اذان کو جائز لکھا ہے، وہاں پر مذکورہ اور اس قسم کی دیگر کاموں میں اذان کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ظاہر عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جیسے کاموں کے لئے اذان دینا غیر مشروع ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درمختار کے =

دفع وباو بلا کے لئے اذان

سوال[۱۷۱۹]: ا...... یہاں بخار، ملیریا وغیرہ کی عام شکایت ہے، مسجد یا غیر مسجد میں کسی بلا، یا بیماری کے دفع کرنے کے لئے چند آدمی مل کر یا علیحدہ علیحدہ اذانیں دیں تو شرعاً جائز ہے؟

۲...... اس قسم کی اذان کیا وقت نماز یا غیر وقت میں کہی جائے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... بلا کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے(۱) اور بخار کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لئے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذان نماز کا اشتباہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۱۰/۶۱ھ۔

جنات کے دفعیہ کیلئے خنزیر کی بھینٹ (۲) چڑھانا

سوال[۱۷۲۹]: ہندہ پر بعقیدہ عوام آسیب کا خلل ہے وہ وقتاً فوقتاً کھیلتی رہتی ہے، ہندہ اور اس کے گھر کے لوگوں نے مسلم عاملین کو دکھا کر ہندو اوجھا (۳) کو دکھلایا، اس نے اپنے طریقہ کار اور عقیدہ کے مطابق

=قول: "ولا یسن لغیرها کعید" کے تحت لکھا ہے: "أي ووتر وجنازة وکسوف واستسقاء وتراویح الخ"۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جب ان مقامات میں اذان غیر مشروع ہے تو دوسرے مقامات مثل مذکورہ مواضع میں بھی غیر مشروع ہے اور غیر مشروع کو عبادت یا مشروع اور سنت سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

(۱) "و یسن أیضاً (أي الأذان) عن الهم و سوء الخلق لخبر الدیلمي عن عليّ رضي الله تعالیٰ عنه: رأني النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حزیناً، فقال: "یا ابن أبي طالب! إني أراک حزیناً، فمُر بعض أهلک یؤذن في أذنک، فإنه درأ لهم". قال: فجرّبته فوجدته کذلک". و قال کل من رواته إلی عليّ: إنه جرّبه، فوجده کذلک، و روی الدیلمي عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ساء خُلقه من إنسان أو دابة، فأذّنوا في أذنه". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الأذان، قبیل الفصل الأول: ۲/۳۳۰، ۳۳۱، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، باب الأذان، مطلب في المواضع التي یندب لها الأذان اهـ: ۱/۳۸۵، سعید)

(۲) "نذر دینا"۔ (فیروز اللغات ص: ۲۴۳، فیروز سنز)

(۳) "جھاڑ پھونک کرنے والے برہمنوں کی ایک ذات"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۳۶، فیروز سنز)

اس کی دیکھ بھال کی، لیکن ہندہ اچھی نہیں ہوئی۔ اوجھا کے گھر آتے جاتے ہندہ نے دیکھا کہ دوسرے اس طرح کے مریض کے لئے ہندو عامل خنزیر کی بھینٹ چڑھاتا ہے اور وہ اچھے ہورہے ہیں، لہٰذا یہ بات ہندہ اور اس کے گھر والوں کے ذہن میں بیٹھ گئی۔

ایک روز ہندہ نے کھیلتے ہوئے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ہم پر تم لوگ خنزیر کا بھینٹ چڑھاؤ تو چھوڑیں گے ورنہ نہیں چھوڑیں گے، خنزیر بھی ایک روز کا تخلیق شدہ ہو، چنانچہ ہندہ کے گھر کے لوگوں نے چار خنزیر کے بچے جو ایک روز کے تخلیق شدہ تھے چالیس روپیہ پر خرید کرلائے اور ان کا گلا دبا کر بھینٹ چڑھائے، یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ ہندہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی۔ جب ہندہ کے برادری کے لوگوں نے یہ واقعہ سنا تو ہندہ اور اس کے گھر والوں کو برادری سے نکال دیا اور سوشل بائیکاٹ کردیا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ برادری کے لوگوں کا ہندہ اور اس کے گھر والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا از روئے شرع کہاں تک صحیح ہے؟ کیا ہندہ اور اس کے گھر کے لوگ اس فعل کی وجہ سے خارج از ایمان تو نہیں ہوگئے، اگر ہوگئے تو ایمان اور برادری میں انھیں کس طرح واپس لایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بھینٹ چڑھانا سخت غلطی ہوئی، خنزیر کی بیع وشراء بھی باطل ہے (۱) اور معصیت ہے، ان لوگوں کو توبہ اور استغفار لازم ہے، غیر اللہ کے نام کی نذر کو ''بحر'' میں شرک لکھا ہے (۲)، اس لئے احتیاط کا بھی تقاضا یہ ہے کہ وہ کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان بھی کرلیں اور اپنی غلطی کا اقرار ندامت کے ساتھ کریں، پھر ان کا بائیکاٹ ختم کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۱۶ھ۔

---

(۱) ''وشعر الخنزير لنجاسة عينه، فيبطل بيعه''. الدر المختار (لنجاسة عينه): أي عين الخنزير: أي بجميع أجزاءه''. (رد المحتار، باب البيع الفاسد: ۵/۷۱، سعيد)

(۲) ''وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض .... فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجوه: منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق، ..... ومنها: إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، واعتقاده ذلك كفر''. (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشيديه)

دفع بلا کے لئے بھینٹ

سوال[۹۷۳]: ہمارے گاؤں میں مارکنڈا دریا جو کہ گاؤں سے دو چار قدم کے فاصلہ پر آ گیا جس سے گاؤں کو بہت خطرہ ہے، لہٰذا ہمارے گاؤں میں ایک پیر جی ریڑی تاجپورہ کے آئے ہوئے تھے، انھوں نے مارکنڈہ میں دور جا کر کوئی پچاس قدم کے فاصلہ پر مارکنڈہ میں دعاء خیر کی اور یہ فرمایا کہ اس جگہ ایک بکرا صدقہ ذبح کیا جائے اور اسی جگہ وہ پکایا جائے۔ آیا بکرا اس جگہ ذبح کرنا مارکنڈہ میں درست ہے یا نہیں؟ اور پیر جی صاحب بے علم بھی ہیں، کچھ تعلیم نہیں، لیکن مرید پیر جی کے بہت ہیں۔ اس مسئلہ کا مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دفع بلا کے لئے صدقہ کرنا بہتر اور نافع ہے(۱)۔ اصل علاج اپنے گناہوں سے توبہ کرنا(۲) اور خدا اور مخلوقِ خدا کے حقوق کو ادا کرنا اور احکام شرعی کی پابندی کرنا ہے۔ خاص طور سے اسی جگہ پر جانور ذبح کرنے کی شرعاً کوئی اصل موجود نہیں، یہ ایک ٹوٹکا ہے جو بے علم اور کچے عقیدہ کے آدمی کرتے ہیں کہ دریا کی بھینٹ دیدی

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع میتة السوء". (جامع الترمذی، کتاب الزکوة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۴۲، سعید)

قال العلامة المناوی تحت هذا الحدیث: "یمکن حمل إطفاء الغضب علی المنع من إنزال المکروه فی الدنیا، وخاتمة العاقبة فی العقبی ... کأنه نفی الغضب وأراد الحیاة الطیبة فی الدنیا والجزاء الحسن فی العقبی". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۲/۱۲۷۴، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) قال الله تعالی: ﴿وأن استغفروا ربکم ثم توبوا إلیه، یمتعکم متاعاً حسناً إلی أجل مسمی، ویؤت کل ذی فضل فضله﴾. الآیة (هود: ۳)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالی تحتها: "والمعنی کما قیل: یعشکم فی أمن وراحة ... قال الزجاج: المراد یبقیکم ولا یستأصلکم بالعذاب کما استأصل أهل القری الذین کفروا، والخطاب لجمیع الأمة بقطع النظر عن کل فرد فرد". (روح المعانی: ۱۱/۲۰۸،۲۰۲، دار إحیاء التراث العربی)

جائے تو دریا نقصان نہیں پہونچاتا (۱)۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ۲۰/ رجب/ ۶۴ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

دفع مشکلات کے لئے پرندوں کو دانہ ڈالنا

سوال [۹۷۴]: ایک صاحب بغرض ثواب یا اپنی مشکلات کے دفع ہونے یا اپنے کسی مقصد کی برآری کے لئے پرندوں (چڑیوں) کو اناج چننے کے لئے ڈالتے ہیں، چند حضرات اسے بدعت بتاتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چڑیوں کو دانہ ڈالنا اور نیت کرنا کہ اللہ تعالیٰ میری مشکلات دور فرمائے، گناہ نہیں، مگر ضرورت مند انسان صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں، ایک پیاسے کتے کو کسی نے پانی پلادیا تھا تو اس کی بخشش ہوگئی تھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

دفع بلا کے لئے چیلوں کو گوشت ڈالنا

سوال [۹۷۵]: زید کا ردِ بلا یا پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد بطورِ صدقہ چیلوں کو گوشت دینا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) یہ نذر لغیر اللہ ہونے کی بناء پر حرام ہے۔ کما تقدم تخریجه تحت عنوان: ''جنات کے دفعیہ کے لئے خنزیر کی بھینٹ چڑھانا'' فراجعه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۲) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: '' أن رجلاً رأى كلباً يأكل الثرى من العطش، فأخذ الرجل خفه، فجعل يغرف له به حتى أرواه، فشكر الله له، فأدخله الجنة''.

(صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في الإناء: ۱/ ۲۹، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ردِ بلا کے لئے صدقہ کا مستحق انسان ہے، اگر کوئی انسان مستحقِ صدقہ نہ ملے تب جانور مستحق ہیں، انسان مستحق کے ہوتے ہوئے چیلوں کو دینا گویا ضائع کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفع وباء کے لئے تعزیہ کی نذر

سوال[۵۷۶]: احقر نماز پنجوقتہ کا پابند ہے، تہجد اور اشراق بھی ادا کرتا ہے، احقر کی بستی میں ہیضہ کی بیماری چل رہی تھی بستی کے مسلمانوں نے ہیضہ کے دفعیہ کے لئے تعزیہ مانا، اس کے لئے عام بستی میں چندہ کیا، سبھی لوگ چندہ میں شریک ہوئے، مگر میں اور میرے چند رفقاء چندہ میں شریک نہیں اور جلوس میں شرکت نہیں کی۔ اس بناء پر بستی کے لوگوں نے احقر اور احقر کے رفقاء سے قطع تعلق کرلیا، اور حقہ پانی بند کردیا اور کہا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور وہابی شیطان ہیں اور یہ بھی کہا کہ جو نماز زیادہ پڑھتا ہے وہ کافر وہابی شیطان ہوتا ہے۔ اور (حالانکہ) نماز کا تو ایک سجدہ بھی اگر خدا قبول کرلے تو کافی ہے۔ تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ تعزیہ نہ بنائیں اور اس سے مرادیں نہ مانگیں اور اس کے جلوس میں شریک نہ ہوں تو کیا وہ واقعی کافر اور شیطان ہیں؟ میرا چندہ میں شرکت نہ کرنا جائز تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے بالکل ٹھیک کیا، ایمان کا تقاضہ یہی ہے، اللہ پاک آپ کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کرے، جو کچھ وہ لوگ کفریات کرتے اور بکتے ہیں (۱) ان سے ہرگز متاثر نہ ہوں، حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهي عن السباب و اللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

کتاب العلم

ما یتعلق بطلب العلم

(طلب علم کا بیان)

علم ضروری کیا ہے؟

سوال[۹۷۷] : جس علم کو حاصل کرنے کی حدیث شریف میں تاکید فرمائی اس کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس علم کی تعریف یہ لکھی ہے: "والمراد بالعلم: العلم الشرعی الذی یفید معرفة ما یجب علی المکلف من أمر دینه فی عباداته و معاملاته، والعلم بالله و صفاته و ما یجب له من القیام بأمره و تنزیهه عن النقائص. و مدار ذلك علی التفسیر والحدیث والفقه" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۵۶/۱۲/۲۷ھ

کیا علم دین سیکھنے کے لئے عربی سیکھنا ضروری ہے؟

سوال[۹۷۸] : زید کہتا ہے کہ علمِ فقہ اور عربی ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اور قرآن پاک اور اُردو مسائل کی کتب پڑھنے والا علم دین سے ناواقف ہے۔ بکر کہتا ہے کہ علم دین ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم دین یہ ہے

(۱) (فتح الباری، کتاب العلم، باب فضل العلم: ۱/۱۴۱ رقم الحدیث : ۵۹، دار الفکر بیروت)

"قال العلامی فی فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما یحتاج إلیه العبد فی إقامة دینه و إخلاص عمله لله تعالیٰ و معاشرة عباده، و فرض علی کل مکلف و مکلفة بعد تعلمه علمَ الدین والهدایة تعلّمُ علم الوضوء والغسل". (مقدمة ردالمحتار، قبیل مطلب فی فرض الکفایة اهـ : ۱/۴۲، سعید)

کہ قرآن پاک اور پانچ رکن جو بنیادِ اسلام کہلاتے ہیں، ان کے مسائل جاننا ہی فرض ہیں نہ کہ فارسی عربی پڑھنا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفسِ علم دین کے سیکھنے کی فرضیت پر اتفاق ہوگیا، بحث صرف زبان کی رہ گئی کہ کس زبان میں سیکھے۔ تدریس میں شریعت نے کسی خاص زبان کی خصوصیت نہیں رکھی، بلکہ جس زبان سے یہ مقصد حاصل ہوسکے اور سہولت سے سمجھ میں آجائے اس میں سیکھ لیا جائے، لیکن نماز میں قرآن کریم کو عربی ہی میں پڑھنا چاہئے، یہ نہیں کہ اردو میں ترجمہ پڑھ لے۔ اور اس قدر قرآن کریم حفظ کرنا فرضِ عین ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی (۱) اور بغیر عربی پڑھے قرآن اور حدیث شریف کا پورا انکشاف بھی نہیں ہوتا، حدیث شریف میں عربی زبان کی فضیلت بھی وارد ہے، محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے (۲)۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان العارفین میں ایک مستقل باب اس امر کے لئے منعقد کیا ہے (۳) لہٰذا عربی نہ سیکھنا ایک بڑی نعمت سے محرومی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". الخ. و قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "(طلب العلم): أي الشرعي (فريضة): أي مفروض فرض عين (على كل مسلم) .....قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع والعلم بوحدانيته و نبوة رسوله و كيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عين". (مرقاة المفاتيح: ۱/۴۷۷، كتاب العلم، رشيديه)

(كذا في فتح الباري: ۱/۱۴۱ كتاب العلم، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۴۲، مطلب فرض العين أفضل من فرض الكفاية، سعيد)

(۲) قوله عليه الصلاة والسلام: "أحبوا العرب لثلاث: لأني عربي، والقرآن عربي، و كلام أهل الجنة عربي". (المستدرك للحاكم: ۴/۸۷، فضل كافة العرب، دار الفكر بيروت)

(ومجمع الزوائد: ۱۰/۵۲، باب ماجاء في فضل العرب، دار الفكر بيروت)

(وفيض القدير: ۱/۳۳۹، رقم الحديث: ۲۲۵، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة) .... =

علمِ باطن کیا ہے؟

سوال[۹۷۹]: علم باطن کیا ہے اور علمِ باطن کیا بے نمازی کو بھی ہوسکتا ہے؟

علمِ باطن جب ہی نافع ہے جب کہ ظاہر شریعت پر بھی عمل ہو، جو شخص فرض نماز کو ترک کرتا ہے اس کو علم باطن سے کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

کثرتِ عبادت بہتر ہے یا تحصیل علمِ شریعت؟

سوال[۹۸۰]: کثرتِ عبادت بہتر ہے یا تحصیل علمِ شریعت؟ اور کیا کثرت عبادت سے کرامت اور تحصیل علمِ شریعت سے کامل ہدایت جاری ہوتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عباداتِ نافلہ کی کثرت موجب رفع درجات ہے، تحصیل علم شریعت میں جدوجہد کی کثرت کا فائدہ متعدی ہے جو کہ اعلیٰ ہے، اخلاص بہرحال ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤١٩، سعيد)

(٣) (كتاب البستان لأبي الليث السمرقندي، ص: ٦٨، الباب السادس والعشرون، باب تفضيل لسان العربية على غيرها، مطبع فاروقي دهلي)

(١) "فمن اعتقد في بعض البله أو المولعين .... مع تركه لمتابعة الرسول في أقواله وأفعاله وأحواله .... أنه من أولياء الله .... فهو ضالّ مبتدع، مخطئ في اعتقاده، .... ولايقال: يمكن أن يكون هذا متبعاً في الباطن وإن كان تاركاً للإتباع في الظاهر، فإن هذا خطأ أيضاً، بل الواجب متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم ظاهراً وباطناً الخ". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، تحت قول الماتن: ولا تصدق .... من يدعي شيأ يخالف الكتاب والسنة، ص: ٤٢٣، ٤٢٦، مكتبه الغرباء الجامعة الستاريه، كراچی)

(٢) "طلب العلم والفقه إذا صحت النية أفضل من جميع أعمال البر، وكذا الاشتغال بزيادة العلم إذا =

والدین کا علم دین حاصل کرنے سے روکنا

سوال[۹۸۱]: زید تحصیل علوم دینیات کررہا ہے اوراس کا رجحان دیوبندی کی طرف ہے اوراس کے باپ اورعزیز واقارب اس کوروکتے ہیں،ایسی حالات میں اگرزید اپنے باپ اورعزیز قریب کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو یہ فعل زید کا بہتر ہے یانہیں؟ فقط والسلام راقم: راہ حق کا ایک طالب علم ایک مسلمان،مورخہ۵/نومبر/۱۹۳۶ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

بقدرضرورت توتحصیل علم ہرشخص کے ذمہ ضروری ہے (۱) اگر والدین اس سے روکتے ہیں تب

= صحت النية؛ لأنه أعم نفعاً، لكن بشرط أن لا يدخل النقصان في فرائضه". (الفتاوى البزازية: ۳۷۸/۶، كتاب الاستحسان، نوع، رشيديه)

"و قال ابن وهب: " كنت عند مالك بن أنس فجاء ت صلاة الظهر أو العصر، و أنا أقرء عليه، وأنظر في العلم بين يديه، فجمعت كتبي، وقمت لأركع، فقال لي مالك: ما هذا؟ قلت: أقوم للصلاة، قال: إن هذا لعجب، فما الذي قمت إليه بأفضل من الذي كنت فيه إذا صحت النية". (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر: ۱/۱۲۲، رقم: ۱۱۶)

و قال الشافعي: "طلب العلم أفضل من الصلاة النافلة". (جامع بيان العلم و فضله: ۱/۱۲۳، رقم: ۱۱۸)

"و روى عنه بلفظ آخر: "ليس بعد أداء الفرائض شيء أفضل من طلب العلم، قيل له: ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: "و لا الجهاد في سبيل الله". (تعليقات جامع بيان العلم و فضله: ۱/۱۲۳)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". (سنن إبن ماجه، ص: ۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، مير محمد كتب خانه كراچى)

قال ابن عابدين: "قال العلامي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه و إخلاص عمله لله تعالىٰ و معاشرة عباده، و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علمُ الدين والهداية تعلُّمُ علم الوضوء والغسل". (ردالمحتار: ۱/۴۲، قبيل مطلب في فرض الكفاية و فرض العين، سعيد)

(و فتح الباري، كتاب العلم، باب فضل العلم: ۱/۱۴۱، رقم: ۵۹، دار الفكر بيروت)

تو والدین کی اطاعت زید کے ذمہ واجب نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں (۱) اور تبحر جمیع علوم میں فرض کفایہ ہے، اس سے اگر روکتے ہیں تو زید کو ان کی اطاعت ضروری ہے اور بستی میں ایک عالم ہونا بھی لازم ہے، اگر کوئی اور عالم وہاں موجود ہے تب بھی زید کے ذمہ تکمیل ضروری نہیں، اگر اور عالم نہیں صرف زید ہی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور والدین زید کی خدمت وغیرہ کے اس قدر محتاج نہیں کہ بلا زید کے گزر دشوار ہو۔ نیز زید اس قدر کم عمر اور ناسمجھ نہیں کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو زید والدین کی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔ اور اگر اس وجہ سے روکتے ہیں کہ زید فرقہ بریلویہ سے نکل کر فرقہ دیوبندیہ میں جا ملے گا تو یہ ان کی سخت غلطی ہے، اس سے ان کو خود ہی رکنا چاہئے اور اس تعمیلِ حکم نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا بلکہ ماجور ہوگا، کیونکہ راہِ حق معلوم کرے گا، خود گمراہی سے بچے گا اور کیا عجب ہے کہ اللہ جل شانہ اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں اور اس کے والدین واعزہ کو بھی گمراہی سے بچالیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

والدین کی مرضی کے خلاف علم دین کے لئے سفر کرنا

سوال [۹۸۲]: مسمی محمد مکرم علم دین حاصل کرنے کے لئے پردیس میں جاتا ہے اور اس کے والدین چاہتے ہیں کہ محمد مکرم ہم کو چھوڑ کر پردیس میں نہ رہے، بلکہ وہ ہمارے پاس رہ کر کچھ کمانے کی کوشش کرے تاکہ ہم لوگ آخری وقت میں سہولت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں، لیکن محمد مکرم بالکل نہیں چاہتا ہے کہ وہ حصولِ علم کو چھوڑ کر دنیاوی کام میں لگ کر اپنی زندگی برباد کرے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ صرف اس کے والدین نہیں ساری دنیا ناراض اور سب ان سے جدائی حاصل کرلیں جب بھی وہ حصولِ علم دین میں ذرا سستی نہیں کرتا ہے۔ لہذا دریافت طلب یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنا والدین کے حکم کی نافرمانی کرکے کیسا ہے جائز ہے کہ ناجائز؟

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة لأحد في معصية الله تبارك و تعالى". (مسند الإمام أحمد: ۵/ ۶۷، رقم الحديث: ۲۰۱۳۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً :

بقدرِ ضرورت علمِ دین حاصل کرنا فرضِ عین ہے، لیکن تکمیل نصاب فرضِ عین نہیں ہے(۱)۔ اگر والدین حاجت مند ہیں، کما نہیں سکتے تو ان کی خدمت حسبِ وسعت لڑکے پر لازم ہے، مکان پر رہ کر آہستہ آہستہ کچھ علم بھی حاصل کرتا رہے اور ان کی خدمت بھی کرتا رہے، ان کو ناراض نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

"علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین" کی تشریح

سوال[۹۸۳]: علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی تعریف کیا ہے؟ دنیا میں اللہ پاک کی ذات کے بارے میں علم الیقین کے بعد عین الیقین ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کس طرح؟ بہرحال یہ تینوں یقین کب کب ہوں گے؟ کہاں کہاں ہوں گے؟ اور کس کس کے لئے ہوں گے؟ مہربانی فرما کر ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھیں، دلائل بھی لکھیں اور حوالہ بھی دیں۔ ایک بدعتی پیر کے ساتھ بحث ہے، اس نے لوگوں کی نماز بند کر دی ہے کہ جب تم کو عین الیقین حاصل نہیں ہے تو نماز کس کی پڑھتے ہو؟ ۲۹/ شعبان کا دن ہے، اس

---

(۱) " واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه، و فرض كفاية وهو مازاد عليه لنفع غيره". (الدر المختار: ۱/۴۲، المقدمة، سعيد)

"وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". (سنن ابن ماجه، ص: ۲۰، باب فضائل العلم، مير محمد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، باب فضل: ۱/۴۷۷، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "و له الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه" .... قال ابن عابدين: "و في الخانية: ولو أراد الخروج إلى الحج و كره ذلك، قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج .... لأن مراعاة حقهما فرض عين". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۸، سعيد)

لئے جلدارسال فرمائیں، اگرکسی کتاب میں اس کی تفصیل ہوتو وی پی کردیں، میں چھڑ والوں گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض کسی علم کی بناء پر یقین ہو، مثلاً: کسی معتقد علیہ سے سنا"النار محرقة" یقین کرلیا کہ آگ جلانے والی ہے(۱)، پھراس نے دیکھا کہ کاغذ آگ میں ڈالا تھا جل گیا، یہ عین الیقین ہوگیا(۲)، پھر اپنا ہاتھ آگ میں داخل کردیا وہ جل گیا، جس کا اثر بغیر کسی کے بتائے ہوئے خود محسوس ہوا یہ حق الیقین ہوگیا(۳)۔

اس دنیا میں ذات باری تعالیٰ کی رویت آنکھوں سے نہیں ہوتی: ﴿لا تدركه الأبصار﴾ الآية(۴)، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی: ﴿رب أرني أنظر إليك﴾(۵)، جواب میں ارشاد ہوا: ﴿لن تراني﴾(۶)۔ نیز حدیث جبریل میں احسان کو دریافت کرنے پر فرمایا گیا ہے: "أن تعبد الله كأنك تراه"(۷) "کأن" حرف تشبیہ ہے، کیونکہ دنیا میں حقیقی رویت نہیں ہوتی اور عندالشرع مطلوب بھی نہیں، ایمان بالغیب مطلوب ہے۔ شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تفصیل مذکور ہے، صوفیائے کرام نے جو مقامات لکھے ہیں بندہ ان سے واقف نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۱ھ۔

---

(۱) قال ابن حجر الهيثمي المكي: "علم اليقين، و هو ما ينشأ عن النظر والاستدلال". (الفتاوى الحديثيه، ص: ۴۰۵، مطلب في الفرق بين اليقين، قديمي)

(۲) "و عين اليقين، و هو ما يكون من طريق الكشف والنوال". (الفتاوى الحديثيه، المصدر السابق)

(۳) "و حق اليقين، و هو مشاهدة الغيب مشاهدة العيان، كما يشاهد الرائي". (الفتاوى الحديثيه، المصدر السابق)

(۴) (الأنعام: ۱۰۴)

(۵) (الأعراف: ۱۴۳)

(۶) (الأعراف: ۱۴۳)

(۷) (صحيح البخاري: ۱/۱۲، كتاب الإيمان، قديمي)

کیا عقل کو شرعی دلائل میں دخل ہے؟

سوال[٩٨٤]: عقلی دلائل کو دخل ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب حامداً و مصلياً :

عقلِ صحیح شرعی احکام کے حِکَم ومصالح کو پہچانتی ہے اور اَوامر ونواہی کے حسن وقبح یعنی ماموراتِ کے حسن کو اور منہیات کے قبح کو جانتی ہے، جیسا کہ شرح تحریر میں موجود ہے(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

تعلیم کا مقصد

سوال[٩٨٥]: بچہ کو کس واسطے پڑھایا جاتا ہے اور قرآن شریف کس مقصد کے لئے نازل ہوا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ حق اور ناحق کو سمجھے اور جان لے کہ اس دنیا میں اس کی ذمہ داری کیا ہے جس کے پورا کرنے سے آخرت میں راحت ملے گی اور پورا نہ کرنے سے سخت تکلیف ہوگی (٢)۔ اس مقصد کے لئے

---

(١) "العقل نور في القلب يعرف به الحق والباطل .... اعلم أن العقل الذى هو مناط التكليف الشرعية اختلف أهل الشرع ...... و الظاهر أن العقل صفة غزيرة يلزمها العلم بالضروريات عند سلامة الآلات، و هي الحواس الظاهرة والباطنة". (قواعد الفقه ص: ٣٨٥، العقل، الصدف پبليشرز)

(كذا في شرح العقائد النسفية ص: ٢٠ ، مبحث أسباب العلم ، قديمى .)

"و قال بعض المحققين : العلم أفضل باعتبار أنه أقرب إلى الإفضاء إلى معرفة الله و صفاته ، والعقل أفضل باعتبار أنه منبعٌ للعلم و أصل ، و حاصله أن فضيلة العلم بالذات و فضيلة العقل بالوسيلة إلى العلم". (الفتاوى الحديثية، ص: ٢٤١، قديمى)

(٢) قال الله تبارك وتعالى : ﴿إنما يخشى الله من عباده العلماء﴾ (سورة الفاطر : ٢٨)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى: "عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال: " العالم بالرحمن من عباده من لم يشرك به شيئاً، و أحل حلاله و حرم حرامه ، و حفظ وصيته، وأيقن أنه ملاقيه، و محاسب بعمله. ..... و قال الحسن البصرى : العالم من خشي الرحمن بالغيب، و رغب فيما رغب الله فيه، و زهد فيماسخط الله فيه". (تفسير ابن كثير : ٣/ ٧٣٠، مكتبه دار السلام ، رياض)

قرآن کریم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتداءً اس کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اس کے الفاظ سے قلب میں نور پیدا ہو اور اس کی برکت سے آئندہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑا ہاتھ میں لیکر بازار میں مسائل کی تعلیم دینا

سوال[۹۸۶]: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں کوڑا ہاتھ میں لیکر گشت کرتے تھے اور تجارت زراعت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کی بہت اشاعت فرمائی ہے(۲)۔ اللہ پاک ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الإمام شاه ولي الله المحدث الدهلوي رحمه الله تعالى: "ومنها تلاوة القرآن واستماع المواعظ، فمن ألقى السمع إلى ذلك، .... و في القرآن تطهير للنفس عن الهيآت السفلية، وهو قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لكل شيء مصقلة و مصقلة القلب تلاوة القرآن". (حجة الله البالغة: ۱/۲۲۴، قديمي)

(و كذا في فتح الباري: ۹/۹۲، كتاب فضائل القرآن، دار الفكر بيروت)

(۲) "عن سعيد بن المسيب قال: مرّ عمر بن الخطاب على حاطب بن أبي بلتعة رضي الله تعالى عنه، و هو يبيع زبيباً له في السوق، فقال له عمر: "إما أن تزيد في السعر، و إما أن ترفع من سوقنا".

"و عن القاسم بن محمد أن عمر رضي الله تعالى عنه مرّ بحاطب بسوق المصلى و بين يديه غرارتان فيهما زبيب، فسأله عن سعرهما، فسعر مُدّين بكل درهم، فقال له عمر: "قد حدثت بعير مقبلة من الطائف تحمل زبيباً، و هم يعتبرون بسعرك، فإما أن ترفع في السعر، وإما أن تدخل زبيبك البيت فتبيعه كيف شئت"، فلما رجع عمر حاسب نفسه، ثم أتى حاطباً في داره، فقال له: إن الذي قلته ليس بعزمة و لا قضاء، و إنما هو شيء أردت به الخير لأهل البيت، فحيث شئت فبع، و كيف شئت فبع". (كنز العمال: ۴/۱۸۳، ۱۸۴، كتاب البيوع من قسم الأفعال، باب في الاحتكار والتسعير، مكتبه التراث الإسلامي)

اجماع کی حجیت

سوال[۹۸۷]: اجماع کے حجت ہونے کی دلیل قرآن وحدیث سے ثابت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إجماع الصحابة حجة بلا خلاف اھ". إرشاد الفحول، ص: ۷۲(۱)، آیتِ قرآنی: ﴿وكذلك جعلنا كم أمةً وسطاً لتكونوا شهداء على الناس﴾ سے بھی حجت اجماع پر استدلال کیا گیا ہے، کذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۱۰۱/۱(۲)۔ متعدد احادیث بیان کی گئی ہیں:

"لن تجمع أمتي على ضلالة"۔ لا تجمع أمتي على ضلالة، ويد الله على الجماعة، ومن شذ شذّ في النار"(۳)۔ "من فارق الجماعة شبراً، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه"(٤)۔ وغير ذلك من الرويات والايات۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (إرشاد الفحول، المقصد الثالث في الإجماع، البحث السابع، ص: ۱۴۸، مصطفى أحمد البا مكه المكرمة)

(۲) "وفي هذه الآية دلالة على صحة إجماع الأمة من وجهين: أحدهما: وصفه إياها بالعدالة، وأنها خيار، وذلک يقتضي تصديقها والحكم بصحة قولها، ونافٍ لإجماعها على الضلال. والوجه الأخر قوله: (لتكونوا شهداء على الناس) بمعنى الحجة عليهم الخ". (أحكام القرآن، باب القول في صحة الإجماع: ۸۸/۱، دارالكتب العربي، بيروت)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله لايجمع أمتي ...... أو قال: – "أمة محمد" – على الضلالة، ويدالله على الجماعة، ومن شذّ شذّ في النار". رواه الترمذي".

"وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذّ شذّ في النار". رواه ابن ماجه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

(۴) (المشكوة، المصدر السابق، ص: ۳۱)

فقہی جزئیات کا مقام بحیثیتِ ادلّہ

سوال[۹۸۸]: کتبِ اصولِ فقہ میں ادلہ شرعیہ چار بتلائے ہیں:

۱: کتاب اللہ۔ ۲: سنت رسول اللہ۔ ۳: اجماعِ امت۔ ۴: قیاسِ مجتہد۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسائلِ فقہیہ عملیہ کس دلیلِ شرعی کی حیثیت رکھتے ہیں، ان مسائل کو قرآنی درجہ دیا جائے، یا حدیثِ نبوی کے درجہ میں رکھا جائے، یا اجماعی کہا جائے، یا قیاسی سمجھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ادلۂ شرعیہ کی ایک حیثیت نہیں اسی طرح ان سے ثابت شدہ مسائل کی بھی ایک حیثیت نہیں، پھر لحوقِ ثبوت میں بھی بہت تفاوت ہے، اس لئے ان ادلّہ کی تقسیماتِ متعددہ کرکے ہر تقسیم کے اقسام اور ان کے احکام کی تفصیلات کو اصولِ فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض مسائلِ فقہیہ درجۂ قرآن کریم میں ہیں، بعض درجۂ حدیث شریف میں ہیں، بعض درجۂ اجماع میں، بعض درجۂ قیاس میں۔

نصوصِ شرعیہ سے متعلق چند معلومات

سوال[۹۸۹]: ۱.....قواعدِ شرعیہ اسلامیہ جو نصوصِ قطعیہ کی دعوت سے مسلمانوں پر رکھے گئے ہیں وہ کسی وقت بھی قابلِ تغیر وتبدل ہیں یا نہیں؟

۲.....وہ امر جو نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہو، اس میں علماء میں سے کسی فرد کو ترمیم یا تنسیخ کردینے کا شرعاً حق پہونچتا ہے یا نہیں؟

۳.....قرآنِ کریم قانونِ اسلامی ہے یا نہیں؟ اگر قانون اسلامی ہے تو یہ قانون الی یوم القیامۃ قائم رہنے کا حقِ کامل رکھتا ہے یا نہیں؟

۴.....قرآن کریم میں جس قدر احکامات بعبارۃ النص یا باشارۃ النص ثابت ہیں ان کی حمایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا فعلاً فرمائی ہے یا نہیں؟

۵.....قرآن کی تفسیر واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی علمی وعملی وقولی ہے یا نہیں؟

۶.....قرآن وحدیث دونوں نے مل کر جو راہِ عمل بتلائی، مسلمانوں کو الی یوم القیامۃ عمل کرنے کے لئے

کامل ہے یا ناقص؟

۷...... اگر کامل ہے تو موجودہ زمانے کا مسلمان اپنی ذاتی اغراض یا کسی اور مصلحت کی بناء پر اس میں اپنی مرضی سے تغیر وتبدل کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

۸...... کیا قرآن وحدیث مع اپنی تفسیراتِ مشہورہ اور اپنی اپنی تنقیحاتِ مقبولہ اور فقہیہ مسلمانوں کا قابلِ عمل اور حوادثاتِ زمانہ سے بےخوف بنا دینے والا قانون ہے یا نہیں؟

سائل: علی حسن، مدرسہ جامعہ عربیہ نور الاسلام، شاہ پیر دروازہ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ جملہ امور اہلِ علم حضرات کے لئے بدیہی ہیں۔ تعارضِ ادلہ کی وجہ سے یا راجح ومرجوح کے عدمِ تعین کی بناء پر کوئی خلجان ہو تو واضح بھی کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

مسائلِ فقہیہ میں تعارض کے وقت ترجیح کا طریقہ

سوال[۹۹۰]: جب فقہی مسائل میں تعارض ہو تو ان میں صورتِ تطبیق کیا ہے؟ اور جب شیخین وطرفین وصاحبین میں اختلاف ہو تو فتویٰ کس کے قول پر دیا جائے، حالانکہ رد المحتار: ۱/۵۳، میں لکھا ہے:

"المقرر عندنا أنه لايفتى ولا يعمل إلا بقول الإمام الأعظم، ولا يعدل عنه إلى قولهما، أو قول أحدهما إلا بضرورة كمسئلة المزارعة"(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم المفتی میں اصولِ تطبیق وترجیح کو بیان کیا ہے:

وههنا ضوابط محررة غدت لدى أهل النهى مقررة

في كل أبواب العبادات رجح قول الإمام مطلقاً مالم تصح

(۱) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۲، سعيد)

عـنـه روایة بهـا الـغیـر أخـذ — مثـل تیـمّـم لـمن تـمـر انبذ

کـل نـوع بـالـقـضـاء تعلقـا — قـول أبـی یـوسف فیـه ینتقیٰ

وفـی مسـائـل ذوی الأرحـام قـد — أفتـو ابـمـا بـقـولـه محـمـد

وَرجحـو استحسـانهم علی القیاس — إلامسـائـل ومـافیهـا التبـاس

وظـاهـر الـمـروی لیـس یُعدَل — عـنـه إلیٰ خـلافـه إذ یُـنـقـل

لا یـنبـغـی الـعُـدولُ عـن درایة — إذا أتـی بـوفـقـهـا روایة

کـل قـول یـنـفـی الـکـفـرا — عـن مسـلـم ولـو ضعیفاً أحـری

وکـل مـارَجـع عـنـه الـمجتهد — صـار کـمنسوخ فـغیـرَه اعتمد

وکـل قـولٍ فـی الـمتـون أثبتـا — فـذلك تـرجیحٌ لـه ضمنـاً أتـی

فرُجحـت علی الشروح والشروح — علی الفتاوی القدم من ذات رجوع

مـالـم یکـن سواه لـفـظـاً صححـا — فـالأرجـح لـلـذی بـه قد صرحـا

(رسم المفتی ص:۴۳)(۱)۔

ردالمحتار کی عبارت منقولہ فی السوال کے پس وپیش میں بھی ان ضوابط محررہ کی شرح موجود ہے، ان کے علاوہ اَور بھی ضوابط ہیں جن پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے خوب بسط سے کلام کیا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/۶۴ھ۔

مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہوگی؟

سوال [۹۹۱]: ساری مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہوئی؟

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۰۹، رقم البیت: ۴۰-۵۲، الرشید (وقف))

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سلسلہ میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں اس سے اپنا مطلب حل کرلیں:

"وعنه: أی عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: أخذ رسول الله صلی الله عليه وسلم بيدی، فقال: "خلق الله التربة يوم السبت، وخلق فيها الجبال يوم الأحد، وخلق الشجر يوم الإثنين، وخلق المكروه يوم الثلاثاء، وخلق النور يوم الأربعاء، وبث فيها الدواب يوم الخميس، وخلق آدم بعد العصر من يوم الجمعة فی آخر الخلق وآخر ساعة من النهار فيها بين العصر إلی الليل". رواه مسلم"(۱) مشکوۃ شریف، ص: ۵۱۰(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۵ھ۔

مسائل کے لئے استخارہ

سوال[۹۹۲]: کسی بدعتی سے کہا جائے کہ میلاد کرنا بدعت ہے تمہارا جی چاہے نماز استخارہ پڑھلو، جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسائل کے جائز وناجائز ہونے کا دارومدار دلائل شرعیہ پر ہے(۳) استخارہ پر نہیں، استخارہ ایسی چیز دیکھنے کے لئے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱)(الصحيح لمسلم، كتاب صفة المنافقين وأحكامهم، باب صفة القيامة والجنة والنار: ۲/۳۷۰، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء عليهم السلام، ص: ۵۱۰، قديمی)

(وأيضا مسند الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانی رحمه الله تعالیٰ، مسند أبی هريرة -رضی الله تعالیٰ عنه- ۲/۳۲۷، إحياء التراث العربی، بيروت)

(۳) "فموضوعه علی المختار الأدلة والأحكام جميعاً، الأول من حيث أنه مثبت، والثانی من حيث أنه مُثبَت .... (اعلم أن أصول الشرع ثلثة) والأصول جمع أصل ...... والمراد بها ههنا الأدلة والشرع .... إن كان بمعنی المشروع فاللام فيه للجنس: أی أدلة الأحكام المشروعة .... الكتاب والسنة وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس". (نور الأنوار: ۴،۵، سعيد)

نہ جاننے والے قاضی کولاعلم کہنا

سوال[۹۹۳]: ۱......کیا صحیح طریقہ پر شریعت کے نہ جاننے والے کو یہ کہنا کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں ہے، جرم ہے؟

۲......اگر ایسا شخص جماعت کا صدر ہے اور اس کو مشورہ دیا جائے کہ چونکہ آپ کو شریعت کا علم نہیں ہے، اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں تو کیا یہ مشورہ دینا غلط ہے؟

ایضاً

سوال[۹۹۴]: ۳...... اگر جماعت کا صدر انگریزی داں وکیل ہے اور شریعت کا مکمل علم نہ رکھتا ہو اور اس کو یہ کہا جائے کہ آپ شریعت کا علم نہیں رکھتے، اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں تو کیا جماعت اور صدر جماعت کی توہین ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......شریعت سے واقف آدمی اگر کسی ناواقف کو یہ بات کہے کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں تو یہ صحیح ہے، جرم نہیں، جیسے کوئی قانون داں وکیل کسی ناواقف کو کہدے کہ آپ کو قانون کا علم نہیں تو یہ بات صحیح ہے، جرم نہیں(۱)۔

۲......جو شخص شریعت سے واقف نہیں اس کو لازم ہے کہ واقفِ شریعت سے علمِ شریعت حاصل کرے

---

(۱) "وفي هذا الحديث فوائد ... السابعة: جواز تحدث المرء بما فيه من فضل بحسب الحاجة لذلك عند الأمن من المباهات والتعاظم". (فتح الباري، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله الخ": ۹۸/۱، قديمي)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (عالمگیری كتاب الكراهية، باب المتفرقات: ۳۷۷/۵، رشيديه)

"في الحديث: "اللهم اهد قومي، فإنهم لا يعلمون." (الدر المنثور: ۲۹۸/۲، بيروت طبع جديد)

(وأيضا في المشكوة، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، ص: ۴۵۴، قديمي)

اوراس کی نگرانی میں کام کرے(۱)۔

۳.....اس مشورہ دینے میں توہین نہیں البتہ ناواقفِ شریعت کوشرعی جماعت کا صدر بنانے میں جبکہ فیصلہ بھی شرعی احکام کے کرنے کی نوبت آتی ہو جماعت کی توہین ہے، کیا ذمہ داری ہے کہ وہ فیصلے شریعت کے موافق ہوں گے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۶ھ۔

عالمِ دین کوکوتاہی پرٹوکنا

سوال[۹۹۵]: ایک عالم دین کی اگرفرائض وشرائطِ وضو میں اورشرائطِ نماز،فرائض نماز میں اگرعملاً کوتاہیاں ہوں توبحیثیتِ عالمِ دین ہونے کے نہیں ٹوکنا چاہیے، چونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے یا خلافِ شرع امور میں "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کامصداق ہونے کا خطرہ تو نہیں ہوگا؟ جیسا کہ پارہ نمبر۲۴،سورہ مومن کے رکوع:ا کے حاشیہ پرمحشی نے ایک حدیث کی امام نووی رحمہ اللہ کی شرح لکھی ہے کہ کسی حق بات کے معلوم کرنے کی نیت سے یا صحیح مسئلہ دریافت ہوجانے کی غرض سے اختلاف ہوتو جائز ہے،شریعت میں مخالفت نہیں۔اس میں کون سی بات درست ہے؟

---

(۱) "طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة"۔

"طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه لأمر لابد منه من أحكام الوضوء و الصلاة وسائر الشرائع، ولأمور معاشه . وما وراء ذلك ليس بفرض، فإن تعلمها فهو أفضل، وإن تركها فلا إثم عليه" . (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في كتاب الحظر والاباحة، باب التعليم، ص: ۱۷)

(۲)"إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة"

(صحيح البخاري، كتاب العلم باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه: ۱/۱۴، قديمي)

"قال الحافظ: "ومناسبة هذ المتن لكتاب العلم أن إسناد الأمر إلى غير أهله إنما يكون عند غلبة الجهل ورفع العلم". (فتح الباري: ۱/۱۹۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بات کسی عالمِ دین کی اپنی معلومات کے خلاف نظر آئے جس سے شبہ پیدا ہو کہ یہ عالم صاحب غلطی پر ہیں یا اپنے کو غلط علم ہے، اس کے متعلق ان عالم صاحب سے دریافت کر لیا جائے کہ زید نے یہ مسئلہ بتایا ہے، یہ صحیح ہے یا غلط، اس طرح اصل مسئلہ کی تحقیق بھی ہو جائے گی اور ان عالم صاحب پر اعتراض بھی نہ ہوگا۔ اگر وہ غلطی پر ہوں گے تو ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

جس چیز کے کئی رکن ہوں تو کیا ہر رکن کو ادا کرنا ضروری ہے؟

سوال[۹۹۶]: کیا شریعت کا کوئی ایسا عمل یا فعل یا عبادت ہے کہ اگر اس کے چند فرائض میں سے صرف ایک فرض ادا کر لیا جائے تو وہ عمل یا فعل یا عبادت عند الشریعت مکمل ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو فعل یا عبادت چند فرائض سے مرکب ہو تو اس کی ادائیگی ان تمام فرائض پر موقوف ہوگی، بعض فرائض ادا کر لینے سے اس فعل یا عبادت کی حقیقت شرعیہ وجود میں نہ آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۴/۲۴ھ۔

انسان میں عناصرِ اربعہ

سوال[۹۹۷]: آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے عناصر اربعہ سے پیدا فرمایا ہے اور ہر عناصر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلقتِ آدم علیہ السلام میں عناصر اربعہ ہیں، ہر عنصر کی کتنی اقسام ہیں، مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۵ھ۔

---

(۱) "اعلم أن الفرض ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالإيمان والأركان الأربعة، وحكمه اللزوم علما ...... أى لزوم اعتقاد حقيقية وعملاً بالبدن". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۳، سعيد)

"الركن اصطلاحاً ما يقوم به ذلك الشيئ من التقوم؛ إذ قوام الشيئ بركنه" (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية ص ۳۰۹، الصدف)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القاموس الفقهي حرف الفاء، ص: ۲۸۲، ادارة القرآن)

قبلہ وکعبہ وغیرہ بعض خطابات کا حکم

سوال[۹۹۸]: متعلقہ خطابات جیسے: ۱: قبلہ وکعبہ۔ ۲: قبلہ عالم۔ ۳: حکیم الامت۔ ۴: حکیم الاسلام۔ ۵: کعبہ دو جہاں۔ ۶: قبلہ کونین، فلاح دارین۔ ۷: قبلہ مقصود حیات۔ ۸: اعلیٰ حضرت، یہ کہنا یا خط وکتابت میں تحریر کرنا یا پتھر پر کندہ کر دینا مثلاً بزرگوں کی خاص کر ان بڑوں کے مزار پر ان کی یادگار کے لئے جو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے بڑوں کی خاص کر ان بڑوں کی جن سے فیض پہونچا ہو تعریف فطری اور احساس شناسی ہے جو کہ موجب خیر وترقی ہے، لیکن حد سے بڑھانا اور غلط تعریف کرنا منع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بھی تعریف میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) پس ۱، ۲، ۳، ۶، ۷، والے القاب سے احتراز کیا جائے، ان کی زندگی میں بھی بعد الوفات بھی، زبان میں بھی تحریر میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

فرض، واجب وغیرہ کی تعریف

سوال[۹۹۹]: فرض، واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، بدعت کی تعریف بتلائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض: جس کے کرنے کا حکم دلیل قطعی سے ثابت ہو (۲)۔ واجب: جس کے کرنے کا حکم دلیل ظنی

---

(۱) "قال النبي صلی اللہ علیه وسلم لاتفضلوني علی الأنبیاء". (ابن کثیر، سورة البقرة: ۱/۳۰۴ سهیل)
(وبمعناه في مسند أحمد ابن حنبل عن أبي هريرة: ۲/۵۱۹. دار احياء التراث)
(وصحيح البخاري، كتاب الخصومات، باب مايذكر في الأشخاص: ۱/۳۲۴، قديمي)
(۲) " فالفرض أعم منهما (أي من الشرط والركن) و هو ما قُطع بلزومه" (الدر المختار، كتاب الصلوة، أركان الوضوء: ۱/۹۴، سعيد) =

سے ثابت ہو(۱)۔ سنتِ مؤکدہ: جس پر مواظبت ثابت ہو(۲)۔ مکروہ تحریمی: جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو(۳)۔ مکروہ تنزیہی: جو مستحب کے مقابلہ میں ہو یعنی جس کا نہ کرنا شرعاً پسندیدہ ہو(۴)۔ بدعت: جو

= و هو بمعنى قولهم : ما لزم فعله بدليل قطعي". (البحر الرائق ، كتاب الطهارة: ۱/۲۴ رشيديه)

(و كذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/۲۴ ، رشيديه)

"فريضة : و هي ما لا يحتمل زيادةً و لا نقصاناً، ثبت بدليل لا شبهة فيه". (نور الأنوار ، ص:۱۶۶ ، سعيد)

(۱) "واجب: و هو ما ثبت بدليل فيه شبهة". (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار، ص:۱۶۶ ، سعيد)

"وأما الحنفية فيقولون ...... والواجب ، فهوما ثبت بدليل ظني فيه شبهة". (أصول الفقه الإسلامي: ۱/۴۷ ، رشيديه)

(۲) "والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، لكن إن كانت لا مع الترك، فهي دليل السنة المؤكدة، و إن كانت مع الترك أحياناً، فهي دليل غير المؤكدة". (رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء: ۱/۱۰۵ ، سعيد)

"و قال: سنة الهدى هي التي واظب عليها النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تعبداً أو ابتغاء مرضات الله تعالىٰ مع الترك مرةً أو مرتين بلا عذر، أو لم يترك أصلاً و لكنه لم ينكر على التارك". (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار ، ص:۱۶۷ ، سعيد)

(و كذا في حاشية اللكنوى رحمه الله تعالىٰ على الهداية، كتاب الطهارة: ۱/۱۷ مكتبه شركت علميه)

(و كذا في فتح القدير ، كتاب الطهارة : ۱/۲۱ ، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳)وفي البحر في مكروهات الصلوة: "المكروه في هذا الباب نوعان: أحدهما: ما كره تحريماً ...... و ذكر أنه في رتبة الواجب، لا يثبت إلابما ثبت به الواجب يعني بالظني الثبوت ".(رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء: ۱/۱۳۲ ، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة ، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها : ۲/۳۳، رشيديه)

"المكروه تحريماً، و هو ما طلب الشارع تركه على وجه الحتم والإلزام بدليل ظني". (أصول الفقه الإسلامي: ۱/۸۵ ، رشيديه)

(۴) "المكروه تنزيهاً: و هو ما كان تركه أولى من فعله، و يرادف خلاف الأولى". (رد المحتار ، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء : ۱/۱۳۱ ، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة ، باب ما يكره في الصلوة و ما يكره فيها: ۲/۳۲، رشيديه)

"المكروه تنزيهاً: هو ما طلب الشارع تركه لا على وجه الحتم والإلزام". (أصول الفقه الإسلامي : ۱/۹۶ ، رشيديه)

چیزیں دین نہ ہو اس کو دین سمجھنا(۱)۔ تفصیل کتبِ اصول میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

فقہاء کے یہاں ''درست نہیں'' اور ''مکروہ تحریمی'' کا مطلب

سوال[۱۰۰۰]: فقہاء جب لفظ ''درست نہیں'' بولتے ہیں تو اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اور مکروہ تحریمی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں (۲)۔ مکروہ تحریمی ناجائز ہی ہے یعنی ایسا کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی کرے تب بھی کہا جائے گا کہ نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگئی، پھر بعض صورتوں میں فرض ادا ہونے کے باوجود اس کا اعادہ لازم ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۸/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "بدعة": و هي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة". (الدر المختار) و قال ابن عابدين: "تعريف الشمني لها بأنها ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(۲) في الدر: "كل ما لا يجوز "مكروه". (الدر المختار: ۱/۴۷۰، كتاب الصلاة، سعيد)

(۳) قال ابن عابدين: "(قوله: و مكروه) هو ضد المحبوب، قد يطلق على الحرام ... و على المكروه تحريماً: وهو ما كان إلى الحرام أقرب، و يسميه محمد حراماً ظنياً ... مكروه في هذا الباب نوعان: أحدهما ما كره تحريماً، و هو المحمل عند إطلاقهم الكراهة .... و ذكر أنه في رتبة الواجب لا يثبت إلا بما يثبت به الواجب، يعني بالنهي الظني الثبوت، فإن الواجب يثبت بالأمر الظني الثبوت". (رد المحتار: ۱/۱۳۱، مطلب في تعريف المكروه، سعيد)

"و قد ذكر في الإمداد: بحثاً أن كون الإعادة بترك الواجب واجبة لا يمنع أن تكون الإعادة مندوبة بترك سنة ..... والحق التفصيل بين كون تلك الكراهية كراهة تحريم فتجب الإعادة أو=

صاحب ہدایہ نے "قال العبد الضعیف" کیوں کہا؟

سوال[۱۰۰۱]: ہدایہ فارسی کے دیباچہ ص:۵ میں ہے:

"صاحب هدایه لفظ متکلم را برائے احتراز از صیغه انانیت ذکر نه کرده است واز "قال العبد الضعیف" خود را مراد میگرد"۔

۱.....صاحب ہدایہ نے انانیت سے کیوں احتراز کیا، اس کا کیا سبب ہے؟

۲.....اہلِ علم حضرات اگر اپنی تحریروں میں صاحب ہدایہ کی طرح صیغۂ انانیت سے احتراز کریں تو یہ احتراز علماء کے نزدیک کیسا ہے؟

۳.....کیا صاحب ہدایہ کے سوا متقدمین میں سے کسی اور صاحب نے بھی ایسا احتراز کیا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر "أنا" کے بولنے اور لکھنے سے دل میں تکبر، خودی پیدا ہو، یا دوسروں کو تکبر کا گمان ہو تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ متکلم صیغۂ "انا" سے احتراز کرے، اگر خالی الذہن ہو تو پھر احتراز کی حاجت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ الآية(۱)۔

اسی طرح احادیث میں بہت جگہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو صیغہ "انا" سے تعبیر فرمایا ہے(۲) بہت سے اکابر کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صیغۂ "انـا" سے تعبیر فرماتے تھے اور بہت سے

= تنزيه فتستحب". (رد المحتار: ۱/۴۵۷، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، سعيد)

(و كذا في فتح القدير: ۱/۴۱۲، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) "حدثني يزيد بن حبان التيمي قال: ... قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوماً خطيباً ... أما بعد! "ألا يأيها الناس إنما "أنا" بشر يوشك أن يأتيني رسول ربي الخ". (مسند الإمام أحمد: ۴/۳۶۷، ۱/۴۲۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت) .... =

دوسرے کلمات سے اور بعض حضرات کبھی صیغۂ انا سے کبھی دوسرے کلمات سے۔ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)، زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ (۳)، سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم (۴) کی تصانیف میں ہر طرح کی نظیریں موجود ہیں۔ جس وقت یہ حضرات کسی بڑے شخص کی دلیل کا جواب دیتے ہیں اس وقت صیغۂ انا سے زیادہ تر احتراز کرتے ہیں کیونکہ یہ موقع ایسا ہے جس سے خود بھی طبیعت میں ایک بڑائی پیدا ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ اکابر کی شان اس سے بالاتر ہے تو کم از کم دوسروں کو شبہ ضرور ہوتا ہے، اس سے آپ کے ہر سہ سوالات کا جواب ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۱/۵۹ھ۔

الفاظ: ”ثویبہ، عرب العرباء، ضرار“ کی تحقیق

سوال [۱۰۰۲]: لفظ ”ثویبہ“ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔ بضم ثاء مثلثہ، وفتح واو، وسکون یاء مثناۃ تحتانی، وفتح باء وہاء ہوز، صحیح ہے یا بالفتح ثائے مثلثہ، وسکون واو وکسر یائے تحتانی، وفتح

= (وكذا في المرقاة: ۷/۲۲۶، كتاب الإمارة والقضاء، مكتبه حقانيه پشاور)

"إن اتقاكم وأعلمكم بالله أنا" (صحيح البخاري: ۱/۷، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم. أنا أعلمكم بالله، قديمي)

(۱) مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: "إذا عرضت هذا الأصل فنقول: أقسام المملوک بحسب الزات وبحسب الأفعال غير قناهية". (التفسير الكبير: ۱/۱۳۸، دارالكتب العلمية طهران)

(۲) قال المصنف: "ويجعل السرة على حاجبه الأيمن أو الأيسر، به ورد الأثر، قلت: يشد إلى حديث أخرجه أو داوؤد في سننه". (نصب الراية، كتاب الصلوة: ۲/۸۳، مجلس علمي)

(۳) وقد يذكر الشيخ حديثاً في الأول ونسبته أنا إلى غير الشيخين". (لمعات التنقيح، شرح مشكوة المصابيح: ۱/۴۶، مكتبه المعارف العلميه، لاهور)

(۴) مثلاً: قلت: في كأن خمس لغات، قال ابن مالک في الكافية الشافية وفي كائن مثل كائن وكاين، وهكذا كسيء وكأين فاستبن". (عقود الزبرجد في أعراب الحديث النبوي للسيوطي: ۱/۸۳، مسند أبي بن كتب، مكتبه دار الجليل)

بائے مثناۃ، وہائے ہوز صحیح ہے، جواب ضرور دیں۔ ضرار بن ازور رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بفتح ضادِ معجمہ ہے یا بکسر؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ حضرت شہید رحمہ اللہ کے خطبہ میں لفظ ''عرب العرباء'' بکسر الراء مہملہ ہے یا بفتح الراء مہملہ، اور یہ عرب کی صفت ہے یا جمع، اور معنی کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''ثویبہ'' بضم الثاء مثلثہ، وفتح واو، وسکون یائے مثناۃ تحتیہ، وفتح بائے موحدہ، وہاء ہوز صحیح ہے (۱)۔ ''ضرار'' بکسر الضاد بروزن کتاب صحابی کا نام ہے اور معنی نقصان پہونچانا ایک دوسرے کو (۲)۔ ''عرب'' بفتحتین بمعنی تازی مونث مستعمل ہے۔ اس کی صفت کے لئے تین صیغے مونث لائے جاتے ہیں: ایک ''عاربة''، دوسرا ''عربة''، تیسرا ''عرباء''، بفتح عین وسکون راء مہملہ، اس طرح ''عَرَبٌ عارِبَةٌ، عَرَبٌ عَرْبَةٌ، عَرَبٌ عَرْباء'' اور ''عربات'' بھی اس کی صفت آتی ہے، اس کے معنی ہیں خالص عربی النسل (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

''حفظ الایمان'' اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض

سوال [۱۰۰۳]: کیا مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے مرید سے نعوذ باللہ اپنے نام کا کلمہ پڑھوایا،

---

(۱) ''ثُوَيبة'': التي أرضعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهي مولاة أبي لهب''. (الإصابة لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى، كتاب النساء، رقم الترجمة: ۱۰۹۷۰: ۸/۲۰، دار الكتب العلمية)

''وجعلها أبو إسحق من ثاب الماء يثوب، واستدل على ذلك بقولهم في تصغيرها: ثُوَيبة'' (لسان العرب، فصل: الثاء المثلثة، تحت لفظ: ثبا، : ۱۴/۱۰۸، دار صادر، بيروت)

(۲)''والضرار'': فعال من الضر ...... والضرار فعل الإثنين ..... وقيل: والضرار أن تضره من غير أن تنتفع''. (لسان العرب، فصل: الضاد المعجمة، تحت لفظ ضرر، : ۴/۴۸۲، دار صادر، بيروت)

(۳)''والعرب العاربة هم الخلص منهم، وأخذ من لفظه فأكد به كقولك: ليل لائل، تقول: عرب عاربة وعرباء''. (لسان العرب، فصل العين المهملة، تحت لفظ عرب، : ۱/۵۸۶، دار صادر، بيروت)

اگرایسا ہے تو پھران کے متعلق شرعی کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں مرید اور پیر دونوں اسلام سے خارج نہیں ہوگئے؟

کیا کتاب ''حفظ الایمان'' کی عبارت کو دیکھ کر علماء حرمین نے ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے؟ کیا کتاب '' حفظ الایمان'' میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے؟ ہم نے ''حفظ الایمان' پڑھی لیکن اس کی عبارت اتنی سخت ہے کہ ہم لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس لئے آپ سے رجوع کیا۔

مولانا اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''صراطِ مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض

سوال[۱۰۰۴]: کیا مولانا اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں یہ لکھا ہے کہ اگر نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی، ایسا لکھا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے، نیز کیا علماء نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا ہے؟ ازراہ کرم تفصیل سے جواب دیا جائے اور حق کو واضح کیا جائے۔ وددوالحی، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا القاری الحافظ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حکیم الامت تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی نسبتوں کے جامع تھے۔ انہوں نے مدتِ درازتک تدریس، تذکیر، تصنیف، تزکیہ کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیں اور بہت بڑی جاہلوں کی جماعت کو عالم بنایا، فاسقوں کی جماعت کو متبعِ سنت اور صالح بنایا، غافلوں کی جماعت کو ذاکر بنایا، صحیح راہ سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت پر چلایا، جولوگ خدائے پاک کی معرفت سے ناآشنا تھے، ان کو عارف بنایا، قرآن کریم کی بہترین اور اپنے دور کی لاجواب تفسیر تحریر فرمائی جس کا نام ''بیان القرآن'' ہے، روزمرہ کے پیش آنے والے مسائل فقہیہ کے جوابات دیکر ''امدادالفتاویٰ'' کے نام سے بہت سی جلدیں شائع کیں۔

مبتدعین نے جو غلط باتیں بزگان دین کی طرف منسوب کی تھیں ان کی تنقیح کرکے ایک ایک چیز کو صاف کیا، ان کیلئے مستقل کتاب ''السنۃ الجلیہ'' تصنیف فرمائی۔ حضرت شیخ ابن عربی پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کی تردید کے لئے ''التنبیہ العربی'' تصنیف فرمائی، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے لئے ''نشر الطیب'' تصنیف کی، درود شریف کے فضائل پر ''زادالسعید'' تصنیف کی، باطنی احوال اور ترقیات کے لئے ''التکشف'' تصنیف کی، سالکین کی اصلاح کیلئے ''تربیت السالک'' تحریر فرمائی۔

غرض ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کی اور بہت بڑی تعداد اپنے خلفاء ومجازین کی چھوڑی جو اپنی

اپنی جگہ بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کے متعلق یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنا کلمہ پڑھوایا یا اس کی تلقین کی جھوٹ اور غلط ہے، ان شاء اللہ اس کا حساب روز جزا ہوگا۔کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا اور وہ شخص اس وقت تک مولانا کا مرید بھی نہیں تھا، خواب میں اس نے کلمہ پڑھا جو اس کی زبان سے غلط ادا ہوا، بیدار ہونے پر اس کو سخت بے چینی لاحق ہوئی کہ خواب میں میری زبان سے کیسا غلط کلمہ نکلا، انتہائی اضطراب اور قلق کی حالت میں اس نے اس کلمہ کو درست پڑھنا چاہا مگر زبان قابو میں نہیں تھی، پھر اسی طرح سے اس کی زبان سے غلط لفظ نکلا جس پر اور زیادہ اضطراب پیدا ہوا، یہاں تک کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہوگیا۔اس لئے یہ سب حال لکھ کر بھیجا جس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شدید اضطراب اور زبان کے بے اختیار ہونے کے تحت معذور قرار دیتے ہوئے تعبیر دی کہ تم جس کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہو وہ متبع سنت ہے، یعنی تم کو بھی ہر چیز میں اتباع سنت لازم ہے۔اس واقعہ کی پوری تفصیل ''امدادالفتاویٰ'' اور ''بوادر'' میں موجود ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لیں، کہیں بھی یہ نہیں کہ حضرت مولانا نے اس کو غلط کلمہ یا غلط درود پڑھنے کی تلقین فرمائی۔جو لوگ اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے باوجود حضرت مولانا تھانویؒ کو یہ بہتان لگاتے ہیں، وہ اپنی قبر کے لئے آگ جمع کرتے ہیں اس کے لئے تیار رہیں، اور جو لوگ دوسروں کو بہکاتے ہیں ان کا انجام اور بھی خطرناک ہے۔

''حفظ الایمان'' کی عبارت ترجمہ عربی میں کرکے علمائے حرمین کی خدمت میں پیش کیا جس پر انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ عبارت کفریہ ہے اور جس کی یہ عبارت ہے وہ کافر ہے، وہ عبارت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی نہیں تھی، ان کی عبارت اردو ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تھی، جنہوں نے عربی میں ترجمہ بھی غلط کیا تھا جو کہ بہتان تھا، لہٰذا آپ خود غور کریں کہ علمائے حرمین کے فتویٰ کے مطابق تکفیر کس کی ہوئی۔ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی وضاحت کیلئے مستقل ایک کتاب لکھی اس کا نام ہے ''بسط البنان'' (۱)۔پھر اس عبارت کو بھی اس طرح تبدیل کیا کہ مبتدعین کو کسی قسم کا موقع نہ رہے، اس کا نام ہے ''تغیر العنوان'' (۲)۔نیز حفظ الایمان کی متعدد شروح لکھی گئیں: ''توضیح البیان، تکمیل العرفان، خلاصۃ البیان'' وغیرہ، نیز مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے صاف صاف لکھا ہے کہ ''حسام الحرمین'' میں جو خبیث مضمون میری

---

(۱) (بسط البنان لكف اللسان عن كاتب حفظ الإيمان، انجمن إرشاد المسلمين ، لاهور)

(۲) (تغير العنوان في بعض عبارات حفظ الإيمان، انجمن إرشاد المسلمين ، لاهور)

طرف سے منسوب کیا گیا ہے، وہ میرا عقیدہ کیا ہوتا کبھی میرے خیال میں بھی نہیں آیا، میں اس کو کفر سمجھتا ہوں۔ اس سب کے باوجود ایک غلط چیز کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ان پر کفر کا حکم لگانا آپ خود غور کر لیں، کس قدر خطرناک ہے، کیونکہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی براءۃ فرما چکے کہ نہ یہ میرا مقصد ہے، نہ میری عبارت سے مفہوم ہوتا ہے، میں اس کو کفر سمجھتا ہوں، پھر بھی بعض لوگوں نے اپنے ایمان کا معیار یہی قرار دے لیا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو کافر کہتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے کہ: ''جو شخص کسی کو کافر کہے اور وہ واقعۃً کافر نہ ہو تو یہ کلمہ کفر اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے'' (۱)۔

''صراط مستقیم'' فارسی زبان میں تصوف سے متعلق کتاب ہے، سید احمد صاحب کی ہدایات اس میں جمع ہیں، اس میں ایک لفظ ''صرف ہمت'' (۲) جو تصوف کی اصطلاح ہے، اس کے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں اس کا ترجمہ ''خیال'' سے کرنا غلط ہے، اصطلاحاتِ تصوف سے ناواقفیت ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کے متعلق ایک کتاب "الکوکبة الشهابية في كفريات أبي الوهابية" لکھی ہے اس میں ستر دلائل لکھے ہیں مولانا اسماعیل رحمہ اللہ کی تکفیر کے لئے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''من شك في كفره وعقابه فقد كفر'' کہ جو شخص مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے کفر اور عقاب میں شک کریں وہ خود کافر ہے، دوسرے مقام میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اولاد حرامی ہے، مگر اسی کتاب کے آخیر میں مولانا احمد رضاں خان صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ محتاط علماء اس کو (یعنی مولانا اسماعیل کو) کافر نہیں کہتے ہیں، یہی مفتی بہ ہے، ہم بھی کافر نہیں کہتے۔ اب بتائیں کہ جس کے کفر پر ستر دلائل قائم کر دیئے اور ثابت کر دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی اور آخیر میں لکھ دیا کہ ان کو کافر نہیں کہتے، خود ان کے ایمان، ان کے نکاح اور ان کی اولاد کا کیا حال ہوگا؟

آپ کے لئے فی الحال ایک چھوٹے سے رسالہ کا مشورہ دیتا ہوں اس کا نام ہے: ''غلط فہمیوں کا ازالہ''

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلی الله عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(۲) (أنظر التكشف، ص: ۴۱۸، توجيه همت اوست، كتب خانه اشرفيه دهلی)

اس میں اکابر علماء، اولیاء اللہ پر کیے گئے اعتراضات کو لکھ کر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں اور بہت ہی بہتر طریقہ پر سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ رسالہ مکتبہ نعمانیہ دیوبند سے بھی مل جائے گا۔ اور بھی متعدد کتابیں اس سلسلہ میں لکھی گئی ہیں۔ غصہ کے جذبات سے دماغ کو خالی کرکے تحقیقِ حق کے واسطے مطالعہ کیا جائے۔ واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

زبان قابو میں نہ ہونیکا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ایک شخص کی زبان سے نکلا کہ ''اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں'' (۱) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکفیر نہیں فرمائی کیونکہ بے اختیار نکلا تھا۔

ہر شخص وہر مجمع سے ایسے بات کہی جائے جس کو اس کی سمجھ برداشت کر سکے، اہلِ علم سے علمی باتیں کہی جاتی ہیں، اہلِ معرفت سے معرفت کی باتیں، عوام سے سیدھی سادی باتیں۔ اگر متکلم کے ذہن میں معرفت کے بلند خیالات وجذبات ہوں اور مخاطب ان کے سمجھنے کے اہل نہ ہوں تو ان کے سامنے ان جذبات وخیالات کے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہوگا، اس ضابطہ کے تحت تمام اہلِ علم وفضل بھی ہدایات دیا

---

(۱) "حدثنا عبداللہ بن مسعود حديثين، أحدهما عن النبي صلى الله عليه وسلم والآخر عن نفسه، (إلى أن قال): ثم قال: "لَلّٰه أفرح بتوبة العبد من رجل نزل منزلاً، وبه مهلكة، ومعه راحلته عليها طعامه وشرابه، فوضع رأسه فنام نومةً، فاستيقظ قد ذهب راحلته حتى اشتد عليه الحر والعطش أو ما شاء الله، قال: ارجع إلى مكاني، فرجع فنام نومةً، ثم رفع رأسه فإذا راحلته عنده". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التوبة، ۲/۹۳۳، قديمي)

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو یہاں صرف اتنا ہی نقل فرمایا ہے، وہ الفاظ اس میں نہیں جن کی طرف حضرت مفتی صاحبؒ نے اشارہ فرمایا ہے، البتہ ان الفاظ کے ساتھ امام مسلمؒ نے نقل فرمایا ہے:

"أنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لَلّٰه أشد فرحاً بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان على راحلته بأرض فلاة، فانفلت منه وعليها طعامه وشرابه، فأيس منها، فأتى شجرةً فاضطجع في ظلها قد أيس من راحلته، فبينا هو كذلک إذ هو بها قائمة عنده، فأخذ بخطامها، ثم قال من شدة الفرح: أللهم أنت عبدي وأنا ربک، أخطأ من شدة الفرح". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، قبيل باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة: ۲/۳۵۵، قديمي)

کرتے ہیں: ''کلموا الناس علی قدر عقولهم''(۱)، ''أمرنا أن ننزل الناس منازلهم''(۲)۔

تنبیہ: ایک بات غور طلب ہے حسام الحرمین پر علمائے حرمین کے دستخط کرا کے تو یہاں کے لوگوں کو مرعوب کیا جاتا ہے، مگر اس طبقہ کا خود یہ حال ہے کہ علمائے حرمین کو کافر کہتے ہیں، وہاں جا کر بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، جماعت سے محروم رہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ۔

''صراط مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض کا جواب

سوال[۱۰۰۵]: حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مسمی ''صراط مستقیم'' موجود ہے، اس کی بھی ایک عبارت نے ذہن کو خلجان میں ڈال دیا ہے، ذہن میں ایک قسم کا تزلزل پیدا ہو گیا ہے کہ واقعی بریلوی جو کہا کرتے ہیں سچ یا غلط؟ اب میں پریشان ہو کہ کیا کروں عبارت صراط مستقیم کی یہ ہے:

---

(۱) ''(أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم)'' رواه الديلمي بسند ضعيف عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً، و في الآلئ بعد عزوه لمسند الفردوس عن ابن عباس مرفوعاً قال: و في إسناده ضعيف و مجهول انتهى. و قال في المقاصد و غيره الحافظ ابن حجر: لمسند الحسن بن سفيان عن ابن عباس بلفظ: ''أمرت أن أخاطب الناس على قدر عقولهم''. قال: و سنده ضعيف جداً. رواه أبو الحسن التيمي من الحنابلة في العقل، و عن ابن عباس من طريق أبي عبد الرحمن السلمي أيضاً بلفظ: ''بعثنا معاشر الأقباء، نخاطب الناس على قدر عقولهم''. و له شاهد عن سعيد بن المسيب مرسلاً بلفظ: ''أنا معتبر الأنبياء، نحدث الناس على قدر عقولهم اهـ''. (كشف الخفاء و تزيين الألباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس: ۱/۱۹۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ، وقد ذكره الإمام أبو داؤد بلفظ: ''عن ميمون بن أبي شبيب أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرّ بها سائل، فأعطته، (إلى أن قال)، فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''أنزلوا الناس منازلهم''. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۳۱۷، مكتبه امداديه ملتان)

وقال الملا علي القاري: ''ورواه الخراطي في مكارم الأخلاق بلفظ: ''أنزل الناس منازلهم من الخير والشر، وأحسن أدبهم على الأخلاق الصالحة''. (المرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قبيل الفصل الثالث: ۸/۷۲۳، رشيديه)

''وصرفِ ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باشند بچندین مرتبہ بدتر از استغراق درصورتِ گاؤ وخرِ خود است کہ خیالِ آں با تعظیم واجلال بسویدائی دل انسان می چسپد بخلاف خیالِ گاؤ وخر''۔ صراط مستقیم، مطبوعہ خیاتی، ص:۹۰(۱)۔

یعنی کہ توجہ کرنا پیر ومرشد یا ان کے مثل دوسرے بزرگوں کی طرف گو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے، ان کا خیال انسان کے دل میں تعظیم وبزرگی کے ساتھ آتا ہے بخلافِ گائے اور گدھے کے خیال۔

نوٹ: جب رسول کا خیال نماز میں آنا بدتر ہوا گائے اور گدھے کے خیال کے آنے سے تو اس نماز میں تشہد پڑھا جائے گا یا نہیں جب کہ تشہد میں: "السلام علیك أیها النبی" موجود ہے (اے نبی آپ پر سلام ہو)(۲) اس موقعہ پر کیا کیا جاوے، تشہد پڑھا جاوے اور "السلام علیك أیها النبی" کو الگ کر دیا جاوے، کیونکہ جب تشہد پڑھا جائیگا تو تعظیم کا خیال فوراً ذہن میں آئے گا، جب کہ احیاء العلوم: ۱/۱۰۷، میں حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ پہلے اپنے دل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور آپ کی شخصیت گرامی کا تصور باندھ کر کہو "السلام علیك أیها النبی" اے نبی آپ پر سلام ہو(۳) کس قدر تضاد ہے۔ امید ہے کہ ہماری دماغی الجھن کو دور فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کتاب جس فن کی ہوگی اس کتاب میں اسی فن کے اصطلاحی الفاظ استعمال ہوں گے، ان الفاظ کو لغوی

---

(۱) (ملاحظہ ہو صراط مستقیم (اردو) ص:۱۶۸، مطبوعہ اسلامی اکیڈمی، لاہور)

(۲) "فإذا جلستم فقولوا: التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیک أیها النبی و رحمة الله و برکاته الخ". (ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی التشهد، ص: ۶۴، قدیمی)

(وکذا فی مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب التشهد، ص: ۸۵ قدیمی)

(۳) "و أحضر فی قلبک النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و شخصه الکریم، و قل" سلام علیک أیها النبی و رحمة الله و برکاته". و لیصدق أملک فی أنه یبلغه و یرد علیک ما هو أوفی منه". (إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلاة، بیان الدواء النافع فی حضور القلب: ۱/۱۶۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

معنی یا کسی دوسرے فن کے اصطلاحی معنی میں سمجھنے سے مفہوم خبط ہو جائے گا، مثلاً: لفظ ''موضوع'' کے معنی ہیں: ''معنی دار لفظ'' جو مقابلہ میں مہمل (بے معنی لفظ) کے ہے، اب اگر اس لفظ کو منطق کی کتاب میں کوئی شخص دیکھے: ''زید قائم '' میں زید موضوع اور قائم محمول ہے اور اس کا مطلب سمجھنے لگے معنی: ''دار لفظ'' تو وہ پریشان ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ لفظ (موضوع) فلسفہ میں مستعمل ہو، مثلاً: جدار موضوع ہے بیاض کے لئے تو وہاں بھی اس کا مطلب اگر: ''معنی دار لفظ'' کرے گا تو کچھ مطلب نہیں سمجھ سکے گا۔ اسی طرح اگر فنِ حدیث میں یہ لفظ مثلاً: فلاں حدیث موضوع ہے تو اس کا مطلب اگر معنی دار کریگا تو غلط ہوگا۔

بطورِ مقدمہ ذہن نشین رکھیے، اب سنئے کہ ''صراط مستقیم'' فنِ تصوف کی کتاب ہے جس میں تزکیہ اور اصلاحِ نفس کے طرق بیان کئے گئے ہیں۔ جس شخص پر خیالات و وساوس کا ہجوم رہتا ہو اور ان کو دور کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو صوفیائے کرام اس کے لئے ایک علاج تجویز کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے دل میں کسی ایک چیز کا تصور اس طرح جمالیا جائے کہ دوسری کسی شئے کی گنجائش نہ رہے، جیسا قدِ آدم آئینہ بازار میں کسی دکان پر لگا ہو اس میں ہر گزرنے والے کا عکس آتا ہے، کبھی آدمی، کبھی گھوڑا، کبھی کتا، کبھی موٹر، غرض جو بھی چیز سڑک پر گزرے ان کا عکس آتا ہے، اگر مالکِ آئینہ چاہے کہ یہ مختلف چیزوں کا عکس اس میں نہ آئے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس آئینہ پر ایک موٹا کپڑا ڈال دیا جائے جو اس کو پوری طرح گھیر لے کہ کسی دوسری چیز کی جگہ اور گنجائش نہ رہے۔ اس طرح دل میں جب کسی ایک چیز کا تصور پوری طرح جمالیا جائے گا، کہ دوسری چیز کا خیال اور جگہ ہی نہ رہے گی تو خیالات وساوس کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ اس علاج میں خطرات بھی ہیں کیونکہ جب کسی ایک شئی کا تصور تمام قلب کو گھیر لے گا اور اس کے علاوہ کسی دوسری شئی کی گنجائش ہی نہیں رہے گی تو ہر چیز سے قطع نظر ہو کر ایک ہی چیز سامنے رہے گی، اس لئے یہ علاج بھی ہر ایک کے بس کا نہیں۔ اس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''صرفِ ہمت'' کہتے ہیں (۱)۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شیخِ طریقت حضرت سید صاحب بریلوی سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ علاج (صرف ہمت) نہیں چاہیے، اگر نماز میں صرفِ ہمت حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) دیکھئے: (التکشف ص: ۴۱۸، توجیہ ہمہ اوست، کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

(و مبارات اکابر ص ۹۸، مکتبہ صفدریہ)

علیہ وسلم کی طرف کیا تو کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں رہے گی حتی کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کا دھیان بھی نہیں آئے گا، اس لئے کہ صرف ہمت کر رہا ہے اس نے پورے قلب کو گھیر رکھا ہے تو اب نماز میں: ﴿إياك نعبد و إياك نستعين﴾ کہے گا، تو یہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگا، رکوع بھی، سجدہ بھی، قیام بھی، قعدہ بھی، سبحان ربي العظيم بھی، اور سبحان ربي الأعلى بھی۔ غرض پوری نماز سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہے گی، حالانکہ نماز عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ جب رکوع، سجدہ سب ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ہوگا اور صرفِ ہمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہا تو یہ بندہ مشرک ہوجائے گا (۱)۔

عبادت کے واسطے انتہائی درجہ کی محبت اور انتہائی درجہ کی عظمت وجلالت قلب میں ہونا ضروری ہے۔ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کو ایسا ہی تعلق ہے کہ تصور مبارک بہت ہی عظمت و جلالت کے ساتھ قلب میں آتا ہے، پھر صرف ہمت کی وجہ سے اللہ کی طرف دھیان باقی نہیں رہا تو یہ پوری عبادت ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہوگئی تو جو نماز موجبِ قرب الٰہی اور معراج المومنین تھی اس صرف ہمت کی وجہ سے شرک ہوکر موجب نار ہوگئی۔ اگر اپنے کھیت، گھوڑے، گدھے، بیل، گائے کا خیال نماز میں آجائے اور آدمی اس خیال میں غرق بھی ہوجائے تو اس کو ان چیزوں کے ساتھ عظمت وجلالت کا تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں احتمال نہیں کہ ان کے خیال کی وجہ سے نماز ان کے لئے ہوجائے گی کیونکہ انسان خود شرمندہ و نادم ہوتا ہے کہ افسوس نماز عبادت میں ان حقیر ذلیل دنیوی چیزوں کا خیال آگیا جس سے میری نماز کی حیثیت ہی جاتی رہی۔

یہ حاصل ہے: ''صراط مستقیم'' کی عبارت کا، یہ مقصد ہرگز نہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال مبارک قلب میں آنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، یا یہ خیال مبارک ان حقیر وذلیل چیزوں کے خیال سے خراب ہے۔نعوذ باللہ العظیم۔ یہ مطلب ہے مولانا شہید کا، نہ کوئی مسلمان بلکہ شریف غیر مسلم ایسا خیال کر

---

(۱) "السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۳۶۵/۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۳۸۳/۶، سعيد)

سکتا ہے۔ نماز کو تو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے جب نماز میں پڑھے گا: ﴿محمد رسول اللہ﴾ (۱) تو خیال مبارک آئے گا، جب پڑھے گا: ﴿وما محمد إلا رسول﴾ (۲) تب خیال مبارک آئے گا۔ غرض بے شمار آیات میں ذکر مبارک ہے ایسی ہر آیت میں خیال مبارک آئے گا، تشہد میں سلام ہے اس کے بعد درود شریف ہے، ہر دفعہ خیال مبارک آآ کر ایمان تازہ ہوتا رہے گا، غرض خیال سے منع نہیں کیا اور نہ اس کو مفسدِ نماز کہا، بلکہ ''صرفِ ہمت'' کو منع کیا ہے جس کی تشریح بیان کر دی گئی۔

کچھ مہربان حضرات کا یہ مستقل شیوہ ہے، مقصدِ زندگی ہی یہ ہے کہ ان اہل اللہ کے کلام کو لفظاً یا معنیً بگاڑ کر عوام کو ان کے خلاف نفرت دلا دلا کر مشتعل کیا جائے حالانکہ حدیث قدسی میں ہے کہ ''جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے، میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے'' (۳)۔ اللہ پاک ہدایت دے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''حفظ الایمان'' کی عبارت پر غلط فہمی کا ازالہ

سوال [۱۰۰۶]: مرسلہ فتاح ارسال خدمت ہے، یہ قدیم سوالات واعتراضات ہیں، بہترین اور مدلل جوابات دئے جا چکے ہیں، آپ مہربانی فرما کر خوشخط اور بہترین مدلل تحریر کر دیں اور جواب اطمینان بخش رہے تاکہ موقع پر مناسب حکم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو مطمئن کیا جا سکے، مکمل کر کے دفتر مرکزیہ میں ارسال کر دیں۔

سید احمد ہاشمی ناظم جمعیۃ العلماء ہند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بارہا یہ سوال آیا اور جواب لکھا گیا، بلکہ حفظ الایمان کی متعدد شروح لکھی گئیں: ''بسط البنان''، ''توضیح

---

(۱) (سورة الفتح: آیت: ۲۹)

(۲) (سورة آل عمران آیت: ۱۴۴)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله قال: من عادىٰ لي ولياً، فقد اذنته بالحرب". الحديث (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب من جاهد نفسه في طاعة الله: ۲/۹۶۳، قديمي)

(وكذا في كنز العمال، رقم الحديث: ۱۱۶۱)

البیان''، ''تکمیل العرفان''، ''الجنۃ لاہل السنۃ''، اور ''السحاب المدرار'' وغیرہ میں بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا گیا ہے، مگر ایک خاص شق کے تحت بریلوی طبقہ کی طرف سے آئے دن اشتہارات، رسائل، جلسے، تقریر کی بھر مار رہتی ہے۔ اب کیونکہ عوام کا بڑا طبقہ ان کے قابو سے باہر جا رہا ہے اور اصل مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے اس لئے ان کے بڑے لوگوں کو بہت تشویش وفکر لاحق ہو رہی ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ذمہ دارانہ حیثیت سے تازہ کتاب شائع کی ہے، جس میں پانچ کتابوں کے متعلق اشکالات اور غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا، اس کے نمبر چار پر حفظ الایمان سے متعلق بھی غلط فہمی کو واضح کر کے صاف بیان کیا گیا ہے، آپ چاہیں تو اس کے اس حصے کو اخبار یا اشتہار کی شکل میں شائع فرمادیں، اس کے چھپنے کے انتظار میں آپ کے جوابات میں تاخیر ہوگئی، دیگر مقامات سے بھی بعینہ یہی سوال آیا تھا اس کا جواب فوراً تحریر کر دیا گیا تھا۔

اس کتاب کا نام ''مسلکِ علماء دیوبند سے غلط فہمیوں کا ازالہ اور ایک مخلصانہ دعوت'' ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''تقویۃ الایمان'' کی عبارت پر اعتراض

سوال[۱۰۰۷]: چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اہل مبتدعین کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی اس عبارت پر اعتراض شدید کرتے ہیں، وھو کذا یعنی ''کل مخلوق کا مرتبہ عنداللہ ایسا ہے کہ جیسا ایک چمار کا عندالملک'' یہ لفظ ''کل'' سور ایجاب کلی کا ہے لہٰذا استفسار ہے کہ یہ کل باعتبار ایجاب کلی ہونے کے تمامی افراد انبیاء وغیرہم کو شامل ہے یا نہیں، اگر انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں تو وہ کس طرح؟ اور سلب جزئی کا ہونا ایجاب کلی کے منافی ہے، لہٰذا یہ کل کا لانا بیکار اور لغو ہوگا۔ لہٰذا اس کا جواب محققانہ اور مفصل ومدلل از آیات قرآنی واحادیث روحانی سے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور عام مسلمانوں کی بدخیالی اور شکوک وشبہات قرآن وحدیث سے رفع فرمائیں۔

محمد فائق پرتاب گڑھ متعلم مدرسہ ہذا، ۹/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

---

(۱) اسی طرح ملاحظہ کیجئے: ''عبارات اکابر'' مصنفہ ترجمان اہل سنت شیخ الحدیث سرفراز خان دامت برکاتہم العالیہ)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ملک بادشاہ کو کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ بادشاہ اور تمام رعایا ایک نوع کے افراد ہیں، کلی طبعی تمام میں مشترک ہے، نیز یہ اشتراک بطریق تواطؤ ہے نہ کہ بطریق تشکک۔ ھیولیٰ اور صورتِ جسمیہ میں اتحاد ہے، دونوں کے اجزائے خارجیہ اور اجزاءِ ذہنیہ داخل فی الماہیۃ قطعاً متحد ہیں، فرق اگر ہے تو عوارضِ خارجیہ اور تشخصات کا ہے، یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ کوئی امر مدارِ افضلیت رعایا کے کسی فرد میں اعلیٰ اور ازید ہو بادشاہ سے، کیونکہ یہ کلی مشکک ہے (وھو مشہد)، بایں ہمہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان بربنائے عوارضِ خارجیہ واتحادِ ماہیتِ کلیہ جو فرق اور ربط ہے کسی معمولی سے معمولی ذی احساس پر مخفی نہیں اس کے بعد کل کائنات اور اللہ تعالیٰ کا فرق دیکھئے تو ممکن اور واجب کا فرق نکلے گا۔ بادشاہ کی ملک رعایا پر ناقص ہے جس شخص کو چاہے قید کردے جس کو چاہے قتل کردے وغیرہ وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہر مخلوق پر تام، کیونکہ اللہ تعالیٰ معطی وجود ہیں، مخلوق کا وجود اور اس کی ہر صفت مستعار ہے، مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، مالک کو اپنی عطا کردہ چیز ہر وقت لینے کا اختیار ہے۔

ممکن اور مخلوق ہونے میں انبیاء اور غیر انبیاء سب مساوی ہیں، جس طرح زید اپنے وجود اور بقا میں کسی آن ذاتِ خداوندی سے مستغنی نہیں بلکہ ہر لحہ اس کا محتاج ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی ہر سانس میں اس مالک حقیقی، معطی وجود، قادر علی الاطلاق کے محتاج ہیں اور یہ فرق بادشاہ و چمار کے فرق سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ کوئی چمار اپنے سانس میں، اپنی قوت میں، اپنے حسن اور دیگر صفات میں بادشاہ کے وجود کا محتاج نہیں کہ اگر بادشاہ کا وجود ہے تو اس کے اوصاف باقی ہیں ورنہ فنا ہو جائیں گے۔ وہذا ہو الظاہر۔

اس کے بعد غور کا مقام ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چمار کو بادشاہ کے ہم مرتبہ کہہ دے یا بادشاہ کا سا معاملہ چمار کے ساتھ کرے تو بادشاہ اور اس کے ندماء کا غیرت اور غصہ سے کیا حال ہوگا۔

ان مبتدعین پر اللہ تعالیٰ کی غیرت اور جلال کا کیا حال ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخلوق کو شریک کر رہے ہیں(۱)، کہتے ہیں کہ مخلوق بھی خالق کی طرح ہر جگہ حاضر وناظر ہے، جمیع جزئیات وکلیات کا اس کو بھی پورا پورا علم حاصل ہے اس اشتراک سے: ﴿لیس کمثلہ شیئ﴾(۲) کی کس قدر گستاخی کرتے ہیں، نیز نص قطعی ہے: ﴿قل لا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتری المجرمین یومئذ مقرنین فی الأصفاد﴾ . (سورہ إبراھیم. آیت: ۴۹)

(۲) (سورۃ الشوری. آیت: ۱۱)

أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾ (۱) ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾(۲) کی کس قدر صریح مخالفت کرتے ہیں، سرکار دوجہاں فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرماتے ہیں:

"إنما أنا بشر مثلكم أنسى كما تنسون"(۳) "أنتم أعلم بأمر دنياكم" (۴)۔

مگر یہ دشمنانِ خدا اور رسول دونوں کے امر کی مخالفت اس شدت سے کرتے ہیں کہ جو شخص اس مخالفت میں ان کا ہم نوا نہ ہو تو اس کو کافر کہتے ہیں (۵)۔ نمازیں قضا کردیں تو اس پر کوئی ملامت نہیں کرتے، مگر میلاد کا ترک بدترین گناہ سمجھتے ہیں (۶)۔ اللہ جل جلالہ کا اسم مبارک لیا جائے تو اس کی کوئی تعظیم نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد میں ذکر ہو تو قیام کو لازم سمجھتے ہیں۔ یہ مخلوق کا رتبہ خالق سے بڑھانا نہیں تو اور کیا ہے اور مرتبہ بڑھانا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے نہیں بلکہ اہلِ حق سے عناد کی وجہ سے، اگر تعظیم مقصود ہوتی تو آپ کے فرمان مقدس کی وقعت کرتے، سنت کے متبع ہوتے، نہ فرمانِ صریح کی مخالفت کرتے (۷)۔ فقط واللہ المستعان و ھادی کل ضال۔

حررہ، العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ شعبان/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (سورة الأنعام آیت : ۵۰)

(۲) (الأنعام آیت : ۵۹)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب التوجه نحو القبلة : ۱/ ۵۸، قديمي)

(أبو داؤد، كتاب الصلوة، باب إذا صلى خمساً : ۱/ ۱۴۶، دار الحديث ملتان)

(وابن ماجه، ص: ۸۷، قديمي)

(۴) "أنتم أعلم بأمر دنياكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً دون ما ذكره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/ ۲۶۴، قديمي)

(۵) تفصیل کے لئے دیکھئے: (جاء الحق: ۶۱، دیباچہ ضیاء القرآن پبلیکشنز لاہور)

اور اسی طرح خانصاحب کی تصنیف: (الکوکبۃ الشہابیۃ، ص: ۱۰، مطبع کلیمی کلکتہ) ملاحظہ کیجئے۔

(۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: (جاء الحق ۱/ ۲۳۳، میلاد شریف کا بیان، ضیاء القرآن پبلیکشنز لاہور)

(۷) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾ الآية. (آل عمران، آيت : ۳۱)

وقال عليه السلام "لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به" (شرح السنة للبغوي: ۱/ ۲۱۳، بيروت)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسير ابن كثير : ۱/ ۳۵۸، سهيل اكيڈمي)

''تقویۃ الایمان'' کی ایک عبارت پر اشکال کا جواب

سوال[۱۰۰۸]: تقویۃ الایمان میں ایک جگہ یوں لکھا ہوا ہے کہ ''یوں نہ کہو کہ فلاں چیز کھائی یا پی تھی نقصان کر دیا اور یہ مرض ہو گیا، ایسا کہنا شرک ہے، نفع ونقصان سب اللہ کی طرف سے ہے'' (۱)۔ مگر زید کا سینکڑوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ ترشی دار کوئی بھی چیز کھائے تو آنکھوں کے پپوٹوں میں سوزش ہو جاتی ہے اور آنکھ مثل دکھنے کے ہو جاتی ہے اور جب شلغم، دال، مسور، اورار ہر کھاتا ہے تو فوراً فم معدہ پر جلن ہو جاتی ہے اور جب مولی کھاتا ہے تو گردہ میں بھاری پن ہو جاتا ہے۔

زید جب ان مرضوں کی شکایت طبیب سے کرتا ہے تو طبیب غذا کھانے کے بارے میں دریافت کرتا ہے کہ کیا کھایا تھا تو اس پر زید بتاتا ہے کہ رات کو فلاں چیز کھائی تھی، اب طبیب بہت سی چیزوں کو منع کرتا ہے، اگر کھاؤ گے تو مرض بڑھ جائے گا۔ طبیب کی منع کردہ اشیا پر یقین یہ کر کے نہ کھانا کہ نقصان دیں گی اور مشاہدہ بھی ایسا ہی ہو کہ ان کے کھانے سے نقصان ظاہر ہو جاتا ہو، کیا واقعی شرک ہو جائے گا کہ اس چیز نے نقصان کر دیا، اگر شرک ہے تو پھر کیا سوچ کر طبیب کی ہدایت پر عمل کرے جو شرک نہ ہو؟

محمد فہیم الدین مدرسہ تعلیم القرآن لاور بازار پاوڑی ضلع پوڑی گڑھوال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی چیز کی تاثیر بغیر اذنِ خداوندی کے اثر نہیں کر سکتی، اس لئے کوئی چیز بھی مؤثر بالذات نہیں، اگر کسی چیز کا مؤثر بالذات اعتقاد کرے گا تو یہ شرک ہوگا (۲)۔ ترشی کھانے سے اگر آنکھوں کے پپوٹوں میں سوزش کا

---

(۱) ''تقویۃ الایمان میں شرک کی تردید مختلف عبارتوں کے ذریعے کی گئی ہے لیکن ان الفاظ کے ساتھ کہیں یہ عبارت نہیں ملی۔

(۲) ''وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاعدوى ولا هامة ولا نوح ولا صفر". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، ص: ۳۹۱، قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالىٰ: "وإنما أراد بذلك نفي ما كان يعتقده أصحاب الطبيعة، فإنهم كانوا يرون العلل المعدية مؤثرةً لا محالة، فأعلمهم بقوله هذا أن ليس الأمر على ما يتوهمون، بل هو متعلق بالمشيئة إن شاء كان، وإن شاء لم يكن". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى: ۸/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، باب لا عدوى ولا طيرة الخ: ۲/۲۳۰، قديمي)

ہوتا ترشی کے لوازم ذاتیہ میں ہوتا تو جوشخص بھی کھاتا اس کو یہ تکلیف ضرور ہوتی، دنیا بھر کھاتی ہے اور یہ تکلیف نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترشی مؤثر بالذات نہیں بلکہ جس کے حق میں خدائے پاک کی طرف سے جب اذن ہوتا ہے ویسی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ شلغم، دال مسور، ارہر، مولی وغیرہ سب کو اس پر قیاس کرلیں کہ کوئی بھی مؤثر بالذات نہیں، ورنہ اطباء سب کو ہی منع کردیتے، تجربہ یا طبیب حاذق کی تجویز سے ایک چیز کا مضر ہونا معلوم ہوجائے تو اس سے پرہیز کرنا ہرگز شرک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ، العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

"نورالانوار" کی عبارت پر خلجان

سوال[۱۰۰۹]: نورالانوار کے دومقام پر خلجان ہے:

۱- "قال: والقضاء يجب به الأداء عند المحققين خلافاً للبعض" قال الشارح: لأن بقاء الصلوة والصوم في نفسه لقدرة على مثل من عنده وسقوط فضل الوقت لا إلى مثل و ضمان للعجز عنه أمرٌ معقول في نفسه" ص: ۳٤(۲) شارح کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔

۲- "قال: والأداء أنواع: كامل و قاصر و ما هو شبيه بالقضاء، وفي هذا التقسيم مسامحة؛ لأن الأقسام لا يتقابل فيما بينهما". ص: ۳٦(۳)۔

شارح یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اقسام میں آپس میں تقابل ہے، کامل قاصر ادا، اور اداء شبیہ بالقضاء جمع نہیں ہوسکتے، جیسے کہ کلمہ کے اقسام ثلاثہ: اسم، فعل، حرف، ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔ میرے نزدیک شارح کے اس قول میں مسامحت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- صوم صلوۃ کی فرضیت نصِ قطعی کے ساتھ ثابت ہے، جب وقت پر ادا نہ کرسکے تو قضاءً لازم ہے، وقت پر ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا، یہ امر معقول ہے، اس کی تسلیم من عند نفسہ اس طرح ہوگی کہ نفس

---

(۱) لہذا تقویۃ الایمان کی عبارت پر بے جا اعتراضات کرنا سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔

(۲) (نور الأنوار، مبحث الأمر: ص: ۳۴، سعيد)

(۳) (نور الأنوار، مبحث الأمر: ص: ۳٦، سعيد)

صوم وصلوۃ کی قضاء پیش کردے جو کہ اصل کے مثل ہے، البتہ اب وقت کی فضیلت حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس سے عجز ظاہر ہے جس کا آدمی مکلّف نہیں، اس لئے بغیر فضیلت وقت کے جس قدر مثل اپنے اختیار میں ہے اسی پر کفایت کی گئی ہے اور اس کو تسلیم مثل الواجب کہا گیا ہے، پس جو نص موجب ادا نہیں وہی موجب قضاء ہے، کیونکہ فوتِ وقت کی وجہ سے وہ نص منسوخ نہیں ہوگی، نہ اس پر عمل ہوا بلکہ اس کا مطالبہ اب بھی باقی ہے ،لہٰذا وجوبِ قضاء کیلئے کسی جدید نص کی حاجت نہیں۔شارح کے کلام کا یہی حاصل ہے۔

۲-ماتن کے کلام میں مسامحت ہے جس کی کڑی دور تک (فخر الاسلام وغیرہ تک) چلی گئی ہے، شارح کے کلام میں مسامحت تسلیم کرنا اھون ہے بشرطیکہ تشریح شارح کا آپ جواب دیدیں جس میں وجہ مسامحت کا بیان ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۳/۲/۶ھ۔

۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں

سوال[۱۰۱۰]: بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بدلہ ''۷۸۶'' لکھنے پر بسم اللہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ثواب ۷۸۶ لکھنے سے نہیں ملے گا، یہ تو بسم اللہ کا عدد ہے جن سے اشارہ ہوسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

حاشیہ پر ''۱۲'' کا مطلب

سوال[۱۰۱۱]: جو کتابوں میں حاشیہ پر ۱۲ لکھا ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''۱۲'' کا مطلب ایسے موقع پر یہ ہوتا ہے کہ یہاں پہنچ کر بات پوری ہوگئی، یہ دو حرفوں کے اعداد کا

---

(۱) دیکھئے: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۲۸، جائز و ناجائز، مکتبہ لدھیانوی)

مجموعہ: ایک ح، اس کے آٹھ عدد ہیں (۱) دوسرا حرف ''د'' اس کے چار عدد ہیں (۲)، ان کا مجموعہ ۱۲ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

اللہ تعالیٰ کیلئے تعظیمی لفظ بولنے سے جمع کا شبہ

سوال [۱۰۱۲]: ایک صاحب قرآن شریف مترجم حضرت تھانوی رحمہ اللہ منگوالائے مگر جب کلام پاک منگوانے والے نے دیکھا کہ ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ہے اور بسم اللہ کا ترجمہ یہ ہے: ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں'' بس فوراً کہہ دیا کہ یہ ترجمہ غلط ہے، اب آپ فرمادیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے یا صحیح؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ترجمہ صحیح ہے، مقام ادب میں اس طرح بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، اس سے جمعیت یا تعداد مقصود نہیں ہوتی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دار العلوم دیوبند۔

اختتامِ مجلس کی دعا میں واحد کے صیغہ کو جمع سے پڑھنا

سوال [۱۰۱۳]: حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اختتامِ مجلس کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: "سبحان الله وبحمده سبحانك وبحمدك، وأشهد أن لا إله أنت أستغفرك وأتوب إليك".

---

(۱) فیروز اللغات (اردو جامع) ص: ۵۶۰)

(۲) (فیروز اللغات (اردو جامع) ص: ۶۰۵، فیروز سنز)

نوٹ: پہلے زمانے میں یہی ۱۲ کا عدد انتہائے کلام پر لکھا جاتا تھا اور آج کل عربی کتابت میں اس کی جگہ نکتہ لگایا جاتا ہے جس کی علامت یہ ہے: (.)۔

(۳) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اپنے لئے جمع کے صیغے استعمال فرمائے ہیں کما قال: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر، وإنا له لحافظون﴾ (الحجرات: ۱۴، آیت: ۹)

خط کشیدہ صیغہ واحد متکلم کا ہے، اسے جمع متکلم کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ میری نیت یہ ہوتی ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اختتامِ مجلس کے بعد دعا پڑھتے تھے اور جو دعا پڑھتے وہی ہم پڑھ رہے ہیں، پھر بھی واحد کی جگہ جمع کا صیغہ پڑھنا یا پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے کہ اس میں اہلِ مجلس کی شرکت بھی ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۹/۱۸ھ۔

لفظ ''حضور'' کا استعمال

سوال[۱۰۱۴]: لفظ ''حضور'' صرف حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی کے لئے مخصوص ہے، اس لئے آپ یہ بتائیں کہ اگر لفظ حضور کسی دوسرے انسان کے لئے استعمال کیا جائے تو کیا گناہ ہے۔

یار حسین، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، گناہ نہیں (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) ''قال العلماء الشافعية والحنابلة يستحب للإمام أن يقول في دعاء القنوت المودى عن الحسن بن علي رضي الله عنه: ''اللهم اهدنا فيمن هديت'' بجمع الضمير مع أن الرواية: ''اللهم اهدني فيمن هديت'' بإفراد الضمير. قال الشيخ منصور بن إدريس الحنبلي في كشاف القناع في شرح الإقناع: والرواية إفراد الضمير، وجمع المؤلف؛ لأن الإمام يستحب له أن يشارك المأموم في الدعا. انتهى''. (تحفة الأحوذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعا: ۲/۳۴۳، مطبع المدني قاهرة)

(۲) اس لئے کہ اس کا معنی علامہ ابوالفضلؒ یوں کرتے ہیں: ''الحضور نقيض المغيب والغيبة''. (لسان العرب، حرف الراء: ۴/۱۹۶، دار صادر، بيروت)

اور فارسی میں اس کا معنی علامہ غیاث الدینؒ یوں بیان کرتے ہیں: ''حضور بضمتین مصدر ست بمعنی حاضر شدن نقیض غیبت، ودر عرف کلمۂ تعظیم است بلکہ بر ذات مخدومان اطلاق کنند''. (غیاث اللغات، ص: ۱۷۴، سعید) ....=

لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ

سوال[۱۰۱۵]: ''آمدنامہ'' میں جو طریقہ متعدی ہے، اس کا کیا مطلب ہے(۱)؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فعل لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ مراد ہے، یعنی جو فعل صرف فاعل پر پورا ہو جاتا ہے اس کو متعدی بنانا چاہتے ہیں تا کہ اس کا تعلق مفعول بہ سے بھی ہو۔ تو اس کی صورت یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فعل ایک مفعول پر پورا ہو جاتا ہے اس کا تعلق دو مفعول سے ہو جائے، مثلاً: ''خوردن'' کھانا، یہ ایک مفعول پر پورا ہوتا ہے اس کو دو مفعول سے متعدی بنایا جائے تو ''خورانیدن'' بنایا جائے، ایسے ہی ''پرسیدن'' سے ''پرسانیدن'' ہوگا، ایسے ہی ''پروردن'' سے ''پروانیدن'' ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

''غزیر العلم'' کے معنی

سوال[۱۰۱۶]: ''غزیر العلم'' ہے، وسیع العلم، فتوی صرف لفظ غزیر کا لینا ہے کہ لفظ صحیح کیا ہے؟ عزیز ہے یا غزیر، نیز غزیر کے کیا معنی ہوں گے؟ جواب سے نوازیں۔

= اور اردو میں اس کا معنی مولوی نور الحسن نیر یوں کرتے ہیں: ''حضور: حاضر ہونا، سامنے آنا، کلمۂ تعظیم..... عزت کا لقب''۔

(نور اللغات: حضور: ۲/۱۲۲۲، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

الحاصل عربی، فارسی، اردو میں سے کسی زبان میں یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خصوصیت کیساتھ مستعمل نہیں، اسلئے یہ لفظ دوسرے انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے:

قال العلامہ الآلوسی تحت قولہ تعالی: (لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة) الآیہ:

''والآیة وإن سیقت للاقتداء به علیه الصلاة والسلام في أمر الحرب من الثبات ونحوه، فهي عامة في كل أفعاله صلى الله علیه وسلم إذا لم یعلم أنها من خصوصیاته كنكاح مافوق أربع نسوة''.

(روح المعاني: ۲۱/۱۶۷، دار إحیاء التراث العربي)

(۱) ملاحظہ کیجئے: (رسالہ آمدنامہ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ میں غزیر العلم ہے یعنی غین ہے نقطہ والا، عین نہیں بلا نقطہ والا، پھر ''ز'' نقطہ دار ہے، پھر ''ی'' ہے پھر ''ر'' ہے بلا نقطہ، اس کے معنی ہیں زیادہ اور گہرا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

''روشن ضمیر'' کا مطلب

سوال [۷۱۰۱]: اللہ کے بندے روشن ضمیر ہوتے ہیں تو کیا ان کو چودہ طبق کے معاملات نظر آتے ہیں اور وہ سب کچھ جانتے ہیں؟ ظہور احمد جامع مسجد کوکڑ ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روشن ضمیر کا مطلب یہ نہیں کہ چودہ طبق نظر آئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایسا نور پیدا فرمادیا ہے کہ وہ سنت و بدعت، صدق و کذب، حق و باطل، طاعت و معصیت میں ایسا فرق کر لیتے ہیں کہ ہرگز بدعت و معصیت کے لئے آمادہ نہیں ہوتے کہ ان کا یہ نور سلب ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "الغزارة: الكثرة، وقد غزر الشيء، بالضم، يغزر، فهو غزير، ابن سيده: الغزير الكثير من كل شيء، وأرض مغزورة: أصابها مطر غزير الدر". (لسان العرب: حرف الراء، ۵/۲۳، دار صادر)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القاموس المحيط للفيروز آبادي، باب الزاء: ۲/۱۸۴، دار الفكر)

(۲) قال الآلوسي رحمه الله تحت قوله تعالى: "أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه": "وهو اللطف الإلهي المشرق عليه من بروج الرحمة عند مشاهدة الآيات التكوينية والتنزيلية للاهتداء بها إلى الحق". (روح المعاني سورة الزمر: ۲۳/۲۵۷، دار إحياء التراث بيروت)

قال عليه الصلاة والسلام: "اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ينظر بنور الله عز وجل". قال المناوي في شرح هذا الحديث: "قوله: (فإنه ينظر بنور الله عز وجل): أي يبصر بعين قلبه المشرق بنور الله تعالى، وبأستار القلب تصح الفراسة، لأنه يصير بمنزلة المرآة التي تظهر فيها المعلومات كما هي، والنظر بمنزلة النقش فيها. قال بعضهم: من غض بصره عن المحارم، وكف نفسه عن الشهوات، وعمر باطنه المراقبه، وتعود أكل الحلال، لم تخطئ فراسته". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۱۵۱، ۱/۲۶۹، ۲۷۰، مكتبه نزار مصطفى رياض)

اعلیٰ حضرت لقب کا حکم

سوال [۱۰۱۸]: احمد رضا خان صاحب مجدد بھی ہیں اوران کا لقب ''اعلیٰ حضرت'' بھی ہے، میں نے تو کسی کتاب میں کسی پیغمبر کے لئے سوائے حضرت، اعلیٰ حضرت خطاب نہیں دیکھا، جو لقب حضرت سے بڑھ جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی انسان کی تعریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں، آپ کے مرتبہ کو نہ فرشتہ پہونچا، نہ پیغمبر، نہ کوئی پہونچ سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

''سید، مولیٰ، عبد'' کے معانی

سوال[۱۰۱۹]: کتاب التوحید میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا ''أنت سيدنا وأفضلنا وخيرنا'' الخ أو كماقال۔ آپ نے فرمایا ''السيد هو الله'' (۲)، تو اس سے سید کہنے کی ممانعت ثابت ہورہی ہے۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ مالک رقبہ غلام کو ''عبدی'' نہ کہے اور غلام مالک کو ''رب'' نہ کہے بلکہ سید کہے (۳) اور سید خادم ہے، یہاں سید کہنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ دونوں

(۱) ''والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، وقد ادعى بعضهم الإجماع على ذلک، فقد قال ابن عباس رضي الله عنهما: إن الله فضّل محمداً على أهل السماء وعلى الأنبياء. وفي حديث مسلم والترمذي عن أنس رضي الله تعالى عنه: ''أنا سيد وُلد آدم يوم القيمة ولا فخر الخ''. (شرح الفقه الأكبر، بعد قول الماتن: ''والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم''، ص: ۱۱۴، قديمي)

(۲) ''عن عبدالله بن الشخير رضي الله عنه، قال: انطلقتُ في وفد بني عامر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقلنا: أنت سيدنا، فقال: ''السيد الله تبارک وتعالىٰ''. الحديث. (فتح المجيد، شرح كتاب التوحيد، باب ماجاء في حماية النبي صلى الله عليه وسلم حماية التوحيد، وسدّه طرق الشرک، ص: ۴۵۶، ۴۵۷، جمعية إحياء التراث الإسلامي، كويت)

(۳) ''في الصحيح، عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''لايقُل أحد كم: أطعم ربک، وضّئ ربک، وليقل: سيدي ومولاي، ولا يقل أحدكم: عبدي وأمتي، وليقل: فتاي وفتاتي وغلامي''. =

ایک دوسرے کے متضاد ہیں، کیا یہ حدیثیں صحیح ہیں، اگر صحیح ہیں تو پھر ایک دوسرے کے خلاف کیوں ہیں؟

مزے کی بات یہ ہے کہ فاضل مصنف کتاب التوحید میں جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں وہ خطبہ کے اندر خود بھی سیدنا و مولانا کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿أنت مولانا﴾(۱) اور ﴿الله ولی الذین آمنوا﴾(۲) تو کیا دوسرے کو "مولانا" کہنا درست ہے؟ کیا یہ حدیث درست ہے کہ: "من لا مولاه، فعلیّ مولاه". جب کہ مومنین کا مولیٰ اور ولی اللہ ہی ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیسے فرمایا گیا؟

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، وضاحت فرمائیں "علی" اور "علیؔ" میں کیا فرق ہے؟ یہ نام کیسے جائز رکھا گیا ویسے تو منع کرتے ہیں کہ رازق و خالق نہ ہو، عبداللہ و عبدالخالق کہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"سید" کے ایک معنی ایسے بھی ہیں جن کے اعتبار سے سید صرف اللہ ہے اسی اعتبار سے فرمایا ہے "السید هو الله"۔ ایک معنیٰ کے اعتبار سے دوسروں پر بھی اس کا اطلاق درست ہے(۳)، تضاد رفع ہوگیا۔ اسی طرح عبد کے ایک معنیٰ ایسے بھی ہیں جن کے اعتبار سے اس کی اضافت غیر اللہ کی طرف نہ کی جائے، ایک معنیٰ کے اعتبار سے غیر اللہ کی طرف بھی اضافت جائز ہے(۴)، جیسے عبدالمطلب(۵)۔ عبد کی جمع "عباد" آتی ہے،

= (فتح المجید، باب لایقول: عبدی و أمتی، ص: ۴۰۲)

(۱) (البقرة: ۲۸۶)

(۲) (البقرة: ۲۵۷)

(۳) وفي مجمع بحار الأنوار: " (سود) فيه: قيل: أنت سيد قريش، فقال: "السيد هو الله": أي هو الذي يحق له السيادة .... : "أنا سيد وُلد آدم" ...... وهو سيدهم في الدارين لظهوره يومئذ، يبعث المقام المحمود .... إن ابني هذا سيد، قيل: أي حليم ...... انظروا إلى سيدنا مايقول: أي إلى من سوّدناه على قومه الخ". (۳/۱۴۰، حیدر آباد دکن)

(۴) "العبد: الإنسان حراً كان أو رقيقاً، يذهب بذلك إلى أنه مربوب لباريه .... والعبد: المملوك خلاف الحر". (لسان العرب: ۳/۲۷۰، دار صادر)

(۵) عبدالمطلب آپ کے دادا کا اصل نام نہیں ہے بلکہ ان کا نام شیبہ تھا، عبدالمطلب کے والد ھاشم کا شام کے سفر کے دوران انتقال ہوگیا تھا، ان کے بعد حجاج کی سیرابی اور مہمان نوازی کی ذمہ داری ان کے بھائی مطلب بن عبد مناف پر آئی۔ =

قرآن پاک میں ہے:﴿وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم﴾الآية (۱)۔

لفظ ''مولیٰ'' کے معنی بھی متعدد ہیں: ایک معنی کے اعتبار سے ''مولیٰ'' صرف اللہ ہے جیسے "الله مولانا ولا مولى لكم "(۲) الحديث ۔ دوسرے معنی کے کے اعتبار سے غیر اللہ کو بھی مولیٰ کہنا درست ہے، صاحبِ ہدایہ نے ایک روایت بالمعنی نقل کی ہے جس میں ایک صحابی کو ارشاد فرمایا ہے:"أنت مولانا"۔

"من لا مولى له فمولاه عليٌّ" کے الفاظ تو کسی حدیث میں دیکھنا یاد نہیں، البتہ ایک دوسری روایت ہے: "من كنت مولاه، فعلي مولاه "(۳)۔

"العلي "اللہ کا نام ہے مگر "علي" لفظِ مشترک ہے، غیر اللہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اگر یہ نام ناجائز ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ضرور بدل دیا جاتا، جس طرح کہ دوسرے ایسے نام تبدیل کر دیئے گئے (۴) اور محدثین نے "تغيير الاسماء القبيحة" کا مستقل باب منعقد کیا ہے، جو لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص

= مطلب اپنے بھتیجے کو لینے مدینہ آئے تو شیبہ کی والدہ سلمی بنت عمرو نے بیٹے کو لے جانے سے منع کر دیا، انہوں نے سمجھایا کہ میرا بھتیجا ایک غیر قوم میں پرورش پا کر بالغ ہونے والا ہے، ہم عزت وشرافت اور سیادت والے لوگ ہیں، لوگوں کی ذمہ داریاں ہمارے اوپر ہیں، شیبہ کی پرورش کے لئے اس کی قوم، خاندان اور شہر سب کچھ یہاں بہتر ہے تو والدہ نے شیبہ کو لے جانے کی اجازت دے دی۔

مطلب جب اپنے بھتیجے کو لے کر آئے تو قریش کے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ مطلب نے غلام خریدا، چنانچہ وہ عبد المطلب کہنے لگے، مطلب کہتے رہ گئے کہ 'ويحكم! إنما هو ابن أخي : هاشم " ارے! یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے، غلام نہیں، لیکن پہلے والا لقب ان کے علم پر غالب آ گیا اور عبد المطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ (السيرة النبوية، لابن هشام ، ميلاد عبدالمطلب ونسبه تسميته كذلك : ۱/۱۴۵ ، مصطفى البابي، مصر)

(۱) (النور: ۳۲)

(۲) (صحيح البخاري ، كتاب المغازي، باب غزوة أحد: ۲/۵۷۹، قديمي)

(۳) (مسند الإمام أحمد ، حديث البراء بن عازب: ۵/۳۵۵، دار إحياء التراث العربي)

(۴) "عن زينب بنت أبي سلمة قالت: سُمّيتُ برّة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "لا تزكوا أنفسكم، الله أعلم بأهل البر منكم، سمّوها زينب ". رواه مسلم ".

"وعن ابن عمر أنّ بنتاً كانت لعمر يقال لها: عاصية، فسمّاها رسول الله صلى الله عليه وسلم جميلة". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأسامي، الفصل الأول، ص: ۴۰۷، قديمي) =

ہے، اس کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

معذور اور مجبور میں فرق

سوال [۱۰۲۰]: مجبور اور معذور میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کس فن کے اصطلاحی لفظ ہیں؟

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیو بند۔

روزِ شرعی ولغوی

سوال [۱۰۲۱]: شریعت میں دن کب سے کب تک ہے، اگر صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کو دن شمار کیا جائے تو: ﴿أتموا الصيام إلى الليل﴾ القرآن (۲) اور "صلوة النهار عجماء" الحديث (۳)

= "وعن عائشة قالت: إن النبي صلى الله عليه وسلم كان يغيّر الاسم القبيح". رواه الترمذي".

"وعن بشير بن ميمون عن عمه أسامة بن أخدري أن رجلاً يقال له: أحرم، كان في النفر الذين أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماسمك"؟ قال: أحرم، قال: "بل أنت زرعة". رواه أبوداؤد، وقال: وغيّر النبي صلى الله عليه وسلم اسم العاص وعزيز وعتلة وشيطان والحكم وغراب وحباب وشهاب، وقال: تركت أسانيدها للاختصار". (المشكوة، باب الأسامي، الفصل الثاني، ص: ۴۰۹، قديمي)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أخنى الأسماء يوم القيمة عند الله رجل يسمى "ملك الأملاك". رواه البخاري. وفي رواية مسلم: قال: أغيظُ رجلٍ على الله يوم القيمة وأخبثه رجلٌ كان يسمى ملك الأملاك، لاملك إلاالله". (المشكوة، المصدر السابق)

(۲) (البقرة: ۱۸۷)

(۳) "وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "صلاة النهار عجماء". قلت: غريب ورواه عبدالرزاق في =

میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ جب آیت کے مطابق مغرب رات میں داخل ہے اور حدیث کے مطابق فجر دن میں داخل ہے تو فجر کی نماز بالجہر نہیں ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی نہار صبح صادق سے شروع ہوکر غروب آفتاب پر ختم ہوجاتا ہے: "الیوم الشرعی من طلوع الفجر إلی الغروب اھ". شامی: ۲/۸۰(۱)۔ عرفی نہار طلوعِ شمس سے شروع ہوکر غروب پر ختم ہوتا ہے۔ بعض مواقع پر شریعت نے اس کا بھی اعتبار کیا ہے، مسئلہ قرأة بالجہر میں بھی ایسا ہی ہے۔

"صلوٰة النهار عجماء" حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ ہوسکے تو اس متن کو مع سند نقل فرمادیں (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

عبادت واطاعت میں فرق

سوال[۱۰۲۲]: آیت: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾ کے سلسلہ میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادت انسان وجنات کی امتیازی خصوصیت ہے اور باقی مخلوقات اطاعت کرتے ہیں۔ تو کیا عبادت واطاعت کی حقیقت الگ الگ ہے؟ دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے یا ایک ہے؟ کیا دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبادت غایتِ تذلل کے ساتھ تعظیم حسب الامر صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے: ﴿إیاك نعبدو

= مصنفه من قول مجاهد وأبي عبيدة، فقال: أخبرنا معمر عن عبدالكريم الجزري قال: سمعت أباعبيدة يقول: "صلاة النهار عجماء". انتهى".

"أخبرنا ابن جريج قال: قال مجاهد: "صلاة النهار عجماء". انتهى. وقال النووي في الخلاصة: حديث "صلاة النهار عجماء" باطل لا أصل له. انتهى". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الحديث الثالث والخمسون: ۲/۴، مكتبه حقانيه، پشاور)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۳۷۱، سعید)

(۲) عبدالرزاق وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث باطل ہے، کما مرّ فلیراجع، ص: ۳۴۸، الحاشية رقم: ۳)

وإيــاك نستعيــن ﴾الآية(۱)۔ اطاعت (بات ماننا) دوسروں کی بھی کی جاتی ہے: ﴿أطيعــو الله وأطيعوالـرسول وأولـي الأمـر منكم﴾ الآية (۲)۔ عبادت اخص مطلق ہے اور اطاعت اعم مطلق ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (الفاتحة: ۴)

" العبادة لاتقوم إلا بقطب رحاها الذي لا تدور إلا عليه، وذلك غاية الذلّ في غاية المحبة".
(تيسير العزيز الحميد، شرح كتاب التوحيد، باب ماجاء في حماية النبي صلى الله عليه وسلم اهـ ، ص: ۷۳۲، المكتب الاسلامي)

(۲) (النساء : ۵۹)

(۳) " ذكر شيخ الإسلام زكريا أن الطاعة فعل مايثاب عليه، توقف على نية أولا، عرف مَن يفعله لأجله أولا ...... والعبادة مايثاب على فعله، ويتوقف على نية . الخ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب الفرق بين الطاعة والقربة والعبادة : ۱۰۶/۱ ،سعيد)

فتویٰ کا بیان

قاضی اور مفتی میں فرق

سوال[۱۰۲۳]: مفتی اور قاضی میں کیا فرق ہے؟

المرسل بندہ محمد قطب الدین مہتمم مدرسہ رنگپور بنگال۔ ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مفتی اور قاضی کے احکام میں متعدد طرق سے فرق ہے، نفسِ منصب کے اعتبار سے ایک اہم فرق ہے کہ مفتی مخبر ہے اور قاضی ملزم ہے: ''لا فرق بین المفتی والقاضی إلا أن المفتی مخبر عن الحکم والقاضی ملزم اھ". در مختار۔ قال الشامی: "(قوله: لا فرق الخ): أی من حیث أن کلاً منهما لا یجوز له العمل، بل علیه اتباع ما رجحوه فی کل واقعة وإن کان المفتی مخبراً و القاضی ملزماً، ولیس المراد حصر عدم الفرق بینهما من کل جهة، فافهم اھ" ۔ ردالمحتار (۱)۔

ترجمہ : مفتی اور قاضی میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ مفتی حکم کی خبر دینے والا ہے اور قاضی (حکم کو) لازم کرنے والا (اس پر عمل درآمد کرنیوالا ہے) درمختار، شامی نے کہا کہ (اس کا قول کوئی فرق نہیں) کہ دونوں (مفتی وقاضی) میں سے کسی کو عمل کرنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک پر اس کا اتباع لازم ہے جس کو انہوں (اصحاب ترجیح) نے ترجیح دی ہے ہر واقعہ میں، اگرچہ مفتی خبر دینے والا اور قاضی عمل درآمد کرانے والا ہے، دونوں کے درمیان ہر جہت سے عدم فرق کا حصہ مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۵/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) دیکھئے: (رد المحتار علی الدر المختار، المقدمة: ۱/ ۷۴، مطلب إذا تعارض التصحیح، سعید)

(وکذا فی مجموعة رسائل ابن عابدین: ۱/ ۱۱، سهیل اکیڈمی)

(وکذا فی إعلام الموقعین: "فالحاکم مخبر منفذ و المفتی مخبر غیر منفذ": ۴/ ۱۳۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ

سوال [۱۰۲۴]: فقہاء رحمہم اللہ کا قاعدہ صریحہ ہے کہ ظاہر الروایۃ ہوتے ہوئے دوسری روایت پر فتویٰ نہیں ہوگا، پھر اس کے خلاف اکثر مسائل میں کیوں فتویٰ دیا جاتا ہے؟ بینوا وتوجروا۔ بندہ نور محمد غفرلہ الصمد بر سپال

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کے خلاف کرنے کی بھی فقہاء نے تصریح کی ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لئے وجہ ترجیح کی ضرورت ہے اور وجوہ ترجیح مختلف ہیں، اسی طرح ان کے الفاظ بھی مختلف ہیں، اگر کسی ایک قول کی فقہاء نے صراحۃً ترجیح بیان کردی ہو تو وہ دوسرے قول پر مقدم ہوگا اگرچہ وہ دوسرا قول ظاہر روایت ہی کیوں نہ ہو، اگر دونوں میں سے کسی ایک کو صراحۃً ترجیح نہیں اور ایک ان میں ظاہر الروایت ہے تو یہ ظاہر الروایۃ ہونا بھی اس کے لئے مرجح ہوگا۔ شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

وإن تجد تصحيح قولين ورد — فاختر لما شئت فكلٌ معتمد

إلا إذا كان صحيحاً وأصح — أو قيل: ذا يفتى به فقد رجح

أو كان في المتون أو قول الإمام — أو ظاهر المروى أو جلّ العظام

قال به أو كان الاستحسانا — أو زاد للأوقاف نفعاً بانا

أو كان ذا أوفق للزمان — أو كان ذا أوضح في البرهان

هذا إذا تعارض التصحيح — أو لم يكن أصلاً به تصريح

فتأخذ الذي له مرجح — مما علمته فهذا الأوضح

شرح المنظومة المسماة بعقود رسم المفتي مجموعة رسائل ابن عابدين (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتي في ضمن مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/ ۳۹، سهيل اكيدمي لاهور)

وفي الدر: "وإذا كان في المسئلة قولان مصححان، جاز الإفتاء والقضاء بأحدهما، بحر ومصنف". =

شامی دیکھ کر فتوی دینا

سوال[۱۰۲۵]: شامی کا کتب فقہ میں کیا درجہ ہے، آیا فقط شامی دیکھ کر فتوی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

افتخار حسین کاندھلہ، ۲/ رجب/ ٦٦ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

شامی جامع ہے اور مجموعی حیثیت سے معتبر ہے، صاحب اتقان کے لئے صرف شامی دیکھ کر فتوی دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ٦/ رجب/ ٦٦ھ۔

= و فی رد المحتار : "(قوله: قولان مصححان): أی و قد تساويا في لفظي التصحيح، وإلا فالأولى الأخذ بما هو آكد في التصحيح كما لو كان أحدهما بلفظ: الصحيح والآخر بلفظ: عليه الفتوى، فإن الثاني أقوى، وكذا لو كان أحدهما في المتون أو ظاهر الرواية أو كان عليه الأكثر أو كان هو الأوفق، فإنه إذا صح هو و مقابله كان الأخذ به أولى الخ". (رد المحتار: ۴/۳۶۳، مطلب فيما إذا كان في المسألة قولان مصححان ، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار : ۲/ ۵۳۹، كتاب الوقف، دار المعرفة ، بيروت)

(۱) قال أحمد النقيب : "يعتبر هذا الكتاب "خاتمة التحقيقات و الترجيحات في المذهب الحنفي" لتأخر جامعه و سعة إطلاع واضعه و تحريره ما اعتمده المتأخرون الثقات، و لأنه أجمع كتاب في الفقه الحنفي من كتب الفتوى والترجيح، و يعتبر لدى علماء الحنفية منخل المذهب فيما عليه الفتوى، ولا يكاد يفتى في الفقه الحنفي دون الرجوع إليه، و كان و ما يزال أهم كتب الفتوى التي انحصرت جهد الفقهاء المتأخرين على قرأتها، و قد جمع فيه ابن عابدين (رحمه الله) "حصيلة كتب المذهب ، مع التحرير للمنقول و موازنة بعضها ببعض والاستمداد من الكتب الأصلية بدقة وعناية الخ". (المذهب الحنفي : ۲/۵۸۳، مكتبه الرشد ، رياض)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (مقدمة في الفقه، ص: ۱۱۹ ،للدكتور سليمان أباخيل، دار العاصمة ، رياض)

(ورد المحتار : ۱/ ۸۴، ۱۳۲، دار الفكر بيروت)

جاہل مفتی

سوال[۱۰۲۶]: ایک صاحب میرے یہاں ہیں ان کا نام خدابخش ہے اور وہ فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ وہ عربی جانتے بھی نہیں ہیں، ہر سال بچوں کے اسکول کا روپیہ کھا جاتے ہیں اور اپنی برادری میں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ بھائیو! میں نے اسکول کا روپیہ اپنے خرچ میں لے لیا ہے اور میں ادا نہیں کر پاؤں گا اس کو آپ لوگ معاف کر دیجئے۔ وہ سب بے چارے مجبور ہو کر معاف کر دیتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ یہ دے نہیں پائے گا۔ اور نماز میں تہجد ادا کرتا ہے اور ٹٹی شارع عام پر پھرتا ہے، راستہ چلنے والی عورتیں اور آدمی اپنے منہ پھیر لیتے ہیں مگر ان کو شرم نہیں لگتی۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میدان میں ایک باغ ہے اس کے پیڑ کے نیچے بیٹھا پاخانہ پھر رہا تھا۔ یہ فعل اس مفتی جاہل کے لئے کب روا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جاہل آدمی کا بلا تحقیقِ علم حاصل کئے فتویٰ دینا فتویٰ نہیں بلکہ ضلالت اور گمراہی ہے(۱) اور ایسے شخص کو مفتی کہنا بھی جہالت اور ضلالت ہے، سب کے سامنے ستر کھولنے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۹۰/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أفتي بغير علم كان اثمه على من أفتاه". (سنن أبي داود، باب التوقي في الفتيا: ۱۵۹/۲، امدادیہ ملتان)

"من أفتى الناس و ليس بأهل للفتوى، فهو اثم و عاص". (إعلام الموقعين: ۱۲۲/۴، دار الكتب العلمية ،بيروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۳۶۵/۲ ،رقم الحديث: ۸۵۵۸، دار إحياء التراث العربي)

(۲) "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: اتقوا الله و استحيوا و تواروا، و لا يغتسل أحد منكم إلا و عليه ستره، و يستره أخوه و لو بثوبه. قال: و نا ابن وهب أخبرني عبد الرحمن بن سلمان عن عمرو مولى المطلب عن الحسن قال: و بلغني أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لعن الله الناظر والمنظور". (شعب الإيمان للبيهقي: ۱۶۲/۶، باب الحياء، دار الكتب العلمية) .... =

غیر مستند عالم کا فتوی دینا

سوال[۱۰۲۷]: کوئی غیر مستند عالم یا غیر مستند مفتی جس نے کسی ادارے سے سند حاصل نہ کی ہو ایسا شخص تحریری یا زبانی فتوی دے سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ اکثر جماعت اسلامی کے افراد جو کہ اکثر عالم نہیں ہوتے اور نہ مفتی ہوتے ہیں وہ فتوی دیتے ہیں لہذا ایسے غیر مستند مفتیوں کے فتاوی کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس مسئلہ کی پوری تحقیق کر لی ہو خواہ استاذ سے پڑھ کر ہو یا اہل علم سے سن کر ہو اس کو پوری احتیاط کے ساتھ نقل کرنا درست ہے، از خود کتاب دیکھ کر بسا اوقات سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے محتاط حضرات ہمیشہ فتوی دینے سے بچتے ہیں، جب تک کہ اس فن کو باقاعدہ حاصل نہ کیا ہو وہ ہرگز جسارت نہیں کرتے، اس کی اجازت بھی نہیں (۱)۔ عقود رسم المفتی میں ہے:

فليس يجرأ على الأحكام سوى شقي خاسر المرام (۲)

بغیر تحقیق کے اگر فتوی دیا تو اس کا وبال فتوی دینے والے پر ہوتا ہے (۳)

سید ابو الاعلی مودودی صاحب رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: ''میں نے فتوی دینے کی غلطی کبھی نہیں کی'' ایک دفعہ ان سے فتوی دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ ''فتوی کسی مفتی سے پوچھو دین کی بات میں بتاتا ہوں'' و

= (ومشكوة المصابيح: ۲/۱۳، باب النظر إلى المخطوبة، كتاب النكاح، المكتب الإسلامي)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: "رأيت في فتاوى العلامة ابن حجر سئل في شخص يقرأ، و يطالع في الكتب الفقهية بنفسه، و لم يكن له شيخ، و يفتي، و يعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك أم لا؟ فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه الخ". (مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵، سهيل اكيدمى)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي في ضمن مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۳۳، سهيل اكيدمى)

(۳) "و عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أفتي بغير علم كان اثمه على من أفتاه". (سنن أبي داود، باب التوقي في الفتيا: ۲/۱۵۹، مكتبه امداديه ملتان)

"من أفتى الناس و ليس بأهل للفتوى فهو اثم و عاص". (إعلام الموقعين: ۴/۱۲۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

کما قال ، پھر جماعت اسلامی والے کیا فتوی دیگر غلطی میں مبتلا ہوتے یا کرتے ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

غیر مجتہد اور غیر مفتی کا فتویٰ دینا

سوال[١٠١٨]: عالم مجتہد کون ہے؟ اگر کوئی ناظرانہ قرآن شریف پڑھ کر چند کتب فقہ کی پڑھ لے، وہ عالم مجتہدین میں داخل ہے کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ عالم مجتہد نہیں، اجتہاد تو بڑا درجہ ہے، ایسے شخص کے لئے تو یہ بھی حق نہیں کہ معمولی مسائل روزمرہ میں فتوی بتاسکے کہ کس قول پر فتویٰ ہے:

" سئل في شخص يقرأ، و يطالع في الكتب الفقهية بنفسه، و لم يكن له شيخ، ويفتي، و يعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك أم لا؟ فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه؛ لأنه عامي جاهل لا يدري ما يقول، بل الذي يأخذ العلم عن المشايخ المعتبرين، فلا يجوز له أن يفتي من كتاب و لا من كتابين، بل قال النووي و لا من عشرة، فإن العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم على مقالة ضعيفة في المذهب، فلا يجوز تقليدهم فيها، بخلاف الماهر الذي أخذ العلم عن أهله و صارت له فيه ملكة نفسانية، فإنه يميز الصحيح من غيره، و يعلم المسائل و ما يتعلق بها على الوجه المعتمد به، فهذا هو الذي يفتي الناس، و يصلح أن يكون واسطةً بينهم و بين الله تعالى، و أما غيره فيلزمه إذا تسور هذا المنصب الشريف التعزير البليغ والزجر الشديد الزاجر ذلك الأمثال عن هذا الأمر القبيح الذي يؤدي إلى مفاسد لا تحصى اهـ". شرح عقود رسم المفتي عن الفتاوى الكبرى(١)۔

---

(١) (شرح عقود رسم المفتي: ١/١٥، في ضمن مجموعة رسائل ابن عابدين، سهيل اكيڈمی)

"وروى الطبراني عن معاوية رضي الله تعالى عنه: مرفوعاً: "يأيها الناس! تعلموا، إنما العلم بالتعلم، والفقه بالتفقه، و من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين". (فتح الباري: ١/١٦١، كتاب العلم، دار الفكر، بيروت)

(كذا في تغليق التعليق لابن حجر رحمه الله تعالى: ٢/٧٩، المكتب الإسلامي)

مجتہدین کے طبقات متعدد و متفاوت ہیں، ہر طبقہ کی تعریف علیحدہ ہے، تفصیل مطلوب ہو تو ردالمحتار(۱)، النافع الکبیر(۲) عقود رسم المفتی (۳) وغیرہ مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/محرم/ ۶۷ھ۔

بغیر علم کے مسئلہ بتانا اور حدیث کی طرف منسوب کرنا

سوال[۱۰۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کے ایک مسجد کا امام بن گیا پھر وہ لوگوں کو مسئلہ بتانے کے وقت کہتا ہے کہ یہ مسئلہ حدیث کا قول ہے حتی کہ ہر ایک مسئلہ میں کہتا ہے۔ تو اگر حدیث کا قول نہ ہو تو اس امام کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص خود واقف نہ ہو اس کے لئے مسئلہ بتانے کی اجازت نہیں (۴) اور جو شخص اپنی طرف سے بات بنا کر کہہ دے کہ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تو وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"۔ رواه البخاري (۵)، "وعن سمرة بن جندب، والمغيرة بن شعبة رضي الله تعالىٰ عنهما، قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه

(۱) (رد المحتار: ۱/۷۷، المقدمة، مطلب في طبقات الفقهاء، سعيد)

(۲) (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، ص:۷-۱۱، ادارة القرآن)

(۳) (شرح عقود رسم المفتي، ص:۴، ۵، دار الاشاعت)

(۴) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "غیر عالم کا مسئلہ بتانا" رقم الحاشية: ۱)

(۵) (صحيح البخاري: ۱/۲۱، كتاب العلم، قديمي)

"و قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ، في شرحه: و قد فرق النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين الكذب عليه و بين الكذب على غيره كما سيأتي في الجنائز في حديث المغيرة حيث يقول: "إن كذباً عليّ ليس ككذب على أحد". (فتح الباري: ۱/۲۰۲، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، دار الفكر بيروت)

وسلم: "من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين"۔ رواه مسلم اهـ". مشکوة (۱)۔

ایسا شخص فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو:

"لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهية تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه و تساهله في الإتيان بلوازمه، فلا يبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلوة وفعل ما ينافيها، بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه اهـ". كبيرى (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶۱/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

غیر عالم کا مسئلہ بتانا

سوال [۱۰۳۰]: ۱..... قاضی صاحب جنہوں نے کسی دینی درسگاہ میں تعلیم نہیں پائی بلکہ رڑکی انجینئرنگ اسکول میں تعلیم پاکر بوجہ جعلی سند پیش کرنے ملازمت سے محروم رہ کر عطاری کی دوکان کرتے ہیں، شرعی فتویٰ دے سکتے ہیں؟ اور وہ کہاں تک شرعاً درست ہے؟

۲..... ایسے شخص کی نسبت جو بلا سند شرعی فتویٰ دے کر فساد برپا کرے شرع شریف میں کوئی حکم ہے کہ نہیں؟

نیازمند: عبدالہادی قریشی، ساکن شاہ آباد ضلع کرنال۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱..... بلا علم کے مسئلہ بتانا شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے، لیکن اگر مسئلہ معلوم ہو تو مسئلہ بتلانے کے لئے سند کا ہونا ضروری نہیں (۳)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲، كتاب العلم، الفصل الأول، قديمي)

(۲) (الحلبي الكبير، ص: ۵۱۳، فصل الأولى بالإمامة، سهيل كيڈمي)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "و قد رأيت في فتاوى العلامة ابن حجر: سئل في شخص يقرأ، =

۴..... اگر معتبر عالم اس کے بیان کردہ مسئلہ کو غلط قرار دیں تو اس کو اپنی غلطی سے رجوع کرنا چاہئے اور باوجود مسئلہ کے غلط ثابت ہونے کے اس پر جمار ہنا اور اصرار کرنا گناہ ہے(۱)۔

ہاں اگر اس کے پاس دلیل ہے یا مسئلہ کسی خاص وجہ سے اختلافی ہے تو اس کے لئے رجوع ضروری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۰/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

غیر عالم کو مسائل بتانے سے روکنا

سوال[۱۰۳۱]: صرف اردوداں حضرات کو فقہی مسائل (نماز وضو وغیرہ کے علاوہ) بتلانے سے اگر روکا جائے کہ آپ مسئلہ نہیں بتلائیں تو یہ اقدام غلط ہوگا یا صحیح، جب کہ عالم دین موجود ہیں؟ بعض تو اردو سمجھ لیتے ہیں اور بعض اردو بھی نہیں سمجھ پاتے، دونوں کو روکا جائے کہ حرام وحلال والے مسائل نہ بتائیں تو اس رکاوٹ کی اجازت ہے یا نہیں؟ رکاوٹ میں سختی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک فقہ کے مسائل باقاعدہ معتمد استاذ سے حاصل نہ کئے ہوں کچھ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح طور پر

= ویطالع فی الکتب الفقهیة بنفسه، ولم یکن له شیخ، یفتی، ویعتمد علی مطالعته فی الکتب، فهل یجوز له ذلک أم لا؟

فأجاب بقوله: "لا یجوز له الإفتاء". (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۵/۱، ۱۶، من مجموعة رسائل ابن عابدین،، سهیل اکیدمی)

"و عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من قال علیّ ما لم أقل، فلیتبوأ مقعده من النار، و من أفتی بفتیا بغیر علم کان إثم ذلک علی من أفتاه الخ".
(مسند الإمام أحمد: ۳۶۵/۲، رقم الحدیث: ۸۵۵۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)
(و کذافی تغلیق التعلیق، لإبن حجر: ۷۹/۲، المکتب الإسلامی)

(۱) "و لا ینبغی له أن یحتج للفتوی إذا لم یسأل عنه، وإذا أخطأ، رجع و لا یستحیی و لا یأنف، کذا فی النهر الفائق". (الفتاوی العالمکیریة: ۳۰۹/۳، کتاب أدب القاضی، رشیدیه)

سمجھ کر صحیح طور پر ان کو بیان کیا جائے گا، اس لئے اس کی عام اجازت نہیں دی جائے گی، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ صحیح سمجھ کر صحیح بیان کردے، اس لئے پہلے کسی واقف کار مستند عالم کو پہلے وہ مسائل سنا دیئے جائیں جب وہ تصویب کردے تو پھر ان کو بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے مگر ان کی اپنی طرف سے مزید تشریح نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غلط فتوی دینا اور فتویٰ کو نہ ماننا

سوال [۱۰۳۲]: اگر شرعاً ہندہ کو زید کے مال ومتاع سے کچھ حصہ اور مہر بھی ملتا ہے اور پھر کوئی شخص اس کا انکار یارد کردے یا اس کے خلاف اپنی خواہش نفسانی کے واسطے فتویٰ دے تو شرعاً ایسے آدمی پر کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ اور کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب بحوالہ لکھیں۔

المستفتی احقر عبدالکریم۔ قوم بلوچ مقیم چک ریاست بہاولپور۔

الجواب حامداً و مصلياً :

شرعی فتویٰ کو بلا دلیل رد کرنا اور نہ ماننا سخت گناہ ہے، اگر کوئی اس فتویٰ شرعیہ کا استخفاف کرکے توہین و تحقیر کرے گا تو یہ کفر ہے کہ تحقیر شریعت کو بھی مستلزم ہے۔ اور جان بوجھ کر خواہش نفسانی کی وجہ سے خلاف شرع فتویٰ دینا اور مستحق کو محروم کرنا بڑا ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ جو ناواقف اس خلاف شرع فتویٰ پر عمل کریں گے اس کا

---

(۱) قال الشامي رحمه الله : "و قد رأيت في فتاوى العلامة ابن حجر سئل في شخص يقرأ، و يطالع في الكتب الفقهية بنفسه ،و لم يكن له شيخ ،و يفتي و يعتمد على مطالعته في الكتب ، فهل يجوز له ذلك أم لا؟

فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه : لأنه عاميّ جاهل، لا يدرى ما يقول، بل الذى يأخذ العلم عن المشايخ المعتبرين، لا يجوز له أن يفتي من كتاب، و لا من كتابين ، بل قال النووى رحمه الله: و لا من عشرة، فإن العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم على مقالة ضعيفة في المذهب ، فلا يجوز تقليدهم فيها". (شرح عقود رسم المفتي ، ص: ٥٦، ٥٧، مطلب: لا يجوز الإفتاء لمن طالع الكتب بنفسه ، الرشيد (الوقف) كراچی)

گناہ بھی فتویٰ دینے والے پر ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا بالکل ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ توبہ کرکے حق بات کو ظاہر نہ کردے لیکن اس کا فیصلہ بھی معتبر علماء سے کرایا جائے کہ فتویٰ موافق شرع ہے یا خلاف شرع کسی غیر عالم کا از خود فیصلہ کرنا درست اور معتبر نہیں:

"رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها و قال ''چہ بارنامہ فتویٰ آوردہ'' قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع. وكذا لولم يقل شيئاً لكن ألقى الفتوى على الأرض و قال: ''ایں چہ شرع است'' كفر. إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهذا، كان عليه التعزير. كذا في الذخيرة اهـ". هنديه: ۲/۲۷۲ (۱)۔

"فليس يجسر على الأحكام سوى شقي خاسر المرام، وإن كان المفتي مقلداً غير مجتهد يأخذ بقول من هو أفقه الناس عنده و يضيف الجواب إليه، فإن كان أفقه الناس عنده في مصر اخر يرجع إليه بالكتاب، و يكتب بالجواب، و لا يجازف خوفاً من الافتراء على الله تعالى بتحريم الحلال و ضده اهـ". شرح عقود رسم المفتي (۲)۔

"و يحجر على المفتي الماجن هو الذي يعلم الناس الحيل الباطلة بأن علّم المرأة الارتداد لتبين من زوجها، و بأن علم الرجل أن يرتد لتسقط عنه الزكوة ثم يسلم، و لا يبالي أن يحرم حلالاً و يحل حراماً اهـ". (مجمع الأنهر) قلت: "ويدخل فيه المفتي الفاسق كما في الملتقط: والذي يفتي عن جهل كما في الخانية اهـ". (سكب الأنهر) (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۹۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيريه: ۲/۲۷۲، الباب التاسع أحكام المرتدين، رشيديه)

(۲) (شرح عقود ورسم المفتي ۱/۳۳، من مجموعه رسائل ابن عابدين سهيل اكيڈمی)

(۳) (مجمع الأنهر: ۲/۴۴۱، كتاب الحجر، دار احياء التراث العربي، بيروت)

غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ لینا

سوال[۱۰۳۳]: زید کی لڑکی کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے لڑکی کے والدین نے کرادیا تھا مگر جب کہ لڑکی بلوغ کو پہنچی تو اس وقت باہم فریقین میں رضامندی نہ رہی اور نہ لڑکی کو طلاق ہی ہوئی، لڑکے کے والدین نے ایک مولوی صاحب سے اصلیت کو چھپاتے ہوئے یہ بیان کیا کہ نکاح لڑکی کا مجھے بیہوشی کی دوا لگا کر کردیا تھا، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں نے بیہوشی کی حالت میں اجازت دی یا نہیں دی، نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہ لڑکی کے والدین نے مولوی صاحب سے زبانی بیان کیا، مولوی صاحب نے سن کر والدین کو یہ کہدیا کہ نکاح ناجائز ہے، دوسرا نکاح کرادیا جاوے۔

مولوی صاحب کے تحریری فتوی دینے پر قاضی صاحب نے لڑکی کا نکاح دوسرا پڑھ دیا، اس کے بعد جب مولوی صاحب مذکور پر اعتراض ہوا تو انہوں نے اپنا تحریری فتویٰ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ مولوی صاحب نے رمضان المبارک نماز جمعہ میں یہ کہا کہ قاضی صاحب تکبیر نہ کہیں۔ اب اس میں کون قابل اعتراض ہے آیا مولوی صاحب یا قاضی صاحب؟ لہذا اس کا جواب بہت جلد تحریر فرمایا جائے عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مولوی صاحب جب کہ خود اصل واقعہ سے ناواقف تھے اور لڑکی کے والد نے غلط واقعہ بیان کیا اور مولوی صاحب نے اس کو صحیح سمجھتے ہوئے فتویٰ دیا تو اس میں مولوی صاحب کا قصور نہیں، لیکن جس وقت ان کو صحیح واقعہ کا علم ہوا اور لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو ان کو اپنا فتویٰ چھپانا نہیں چاہیئے تھا بلکہ ان کے ذمہ لازم تھا کہ لوگوں سے نیز قاضی صاحب سے ظاہر کرتے کہ لڑکی کے والد نے مجھ سے یہ بیان کیا تھا یعنی اس بیان پر فتویٰ دیا۔ اور قاضی صاحب جب کہ مسائل سے خود ناواقف تھے انہوں نے مولوی صاحب کا تحریری فتویٰ دیکھ کر دوسرا نکاح پڑھایا ہے تو قاضی صاحب کا بھی قصور نہیں، لیکن قاضی صاحب کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ پہلے اور دوسرے نکاح والوں کو اس کی اطلاع کردیں کہ لڑکی کے والد نے غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ حاصل کیا ہے(۱)، لہذا دوسرا

---

(۱) "إذا أفتى بشيء ثم رجع، فإن علم المستفتي برجوعه .... وكذا إن نكح بفتواه، واستمرّ على نكاح بفتواه ثم رجع، لزم مفارقتهما........ أما إذا لم يعلم المستفتي برجوع المفتي .... يلزم المفتي إعلامه قبل العمل وكذا بعده اهـ". (بابٌ منقول عن شرح المهذب في بداية شرح العقود، فصل في أحكام المفتين، ص: ۹، الثانية، مير محمد كتب خانه)

(كذا في رد المحتار: ۱/۷۴، مطلب إذا تعارض التصحيح، سعيد)

نکاح صحیح نہیں بلکہ پہلا ہی نکاح بدستور صحیح اور قائم ہے، اپنی حالت میں مولوی صاحب کو تکبیر کہنے سے روکنا بے جا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

کیا عالم کے ذمہ ہر سوال کا جواب ضروری ہے؟

سوال[۱۰۳۴]: اگر کوئی کسی کو مولوی عالم اور واقف اسرار شریعت سمجھ کر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کرے اور وہ اس خیال سے کہ اس کے جواب سے کسی عزیز و دوست کا نقصان ہوگا عمداً اس کا جواب نہ دے اور اس کے سوال کو گذاشتنی اور اس کو جاہل جان کر ''جواب جاہلاں باشد خموشی'' پر عمل کرے تو کیا اس نے خدا کے اس حکم کے خلاف ورزی نہیں کی کہ جو تم کو معلوم ہو صاف صاف ظاہر کر دو اور کچھ نہ چھپاؤ اگر چہ اس میں تمہارا یا تمہارے عزیز دوست کا نقصان ہی کیوں نہ ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف کرنے والے کی قیامت میں خدا کی طرف سے باز پرس نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ شرعیہ بوقتِ ضرورت ظاہر کرنا واجب ہے اور محض اس خیال سے کہ میرے کسی عزیز کو نقصان پہونچے گا چھپانا جائز نہیں (۱)، لیکن ہر سوال کا جواب دینا بھی واجب نہیں اور ضرورت کا مدار جواب دینے والے کے احساس پر ہے یعنی بسا اوقات سائل کے نزدیک اس سوال کا جواب ضروری ہوتا ہے اور مجیب کے نزدیک

---

(۱) ''من سئل عن علم فکتمه، ألجمه الله بلجام من النار یوم القیامة''. (جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۴۹، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم، دار إحیاء التراث العربی)

(و أخرجه أبو داؤد فی سننه فی کتاب العلم، باب کراهیة منع العلم، رقم الحدیث: ۳۶۵۸، دار إحیاء التراث العربی)

(و ابن ماجه فی سننه، فی المقدمة، باب من سئل عن علم فکتمه، رقم: ۲۶۱، من حدیث أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه)

ضروری نہیں ہوتا بلکہ بیکار اور مضر ہوتا ہے(۱)، یا مجیب کو پورے طور پر اس کا جواب معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص ہر سوال کا جواب خواہ وہ قابل جواب ہو خواہ نہ ہو، لوگوں کو دیتا ہے وہ دیوانہ ہے''، کذا فی الدارمی (۲)۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ: ''جس شخص کو بلا تحقیق فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے''۔ کذا فی سنن الدارمی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

لامذہب کے سوال کا جواب

سوال [۱۰۳۵]: ایک لامذہب کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿و إذ قال ربك للملائكة اسجدوا﴾ میں فرشتوں کو خطاب کیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو اور شیطان اس آیت کی رو سے مستثنیٰ ہوا تو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار پایا؟ احقر بشیر احمد کمہار ہیڑہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

لامذہب کا جواب دینا بیکار ہے کیونکہ وہ کسی دلیل کو تسلیم نہیں کرے گا بلکہ شیطان کا وجود ہی نہ مانے گا، اگر آپ کو شبہ ہو تو فرمایئے جواب دے دیا جائے گا۔ بیضاوی شریف، ص: ۴۴۷ پر نہایت تفصیل سے اس کا جواب لکھا ہے (۴) اور لامذہب سے مناظرہ کرنا فروعی امور میں قطعی مفید نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ محرم/ ۵۴ھ۔

---

(۱) " و لا يجب الإفتاء فيما لم يقع و يحرم التساهل في الفتوى و اتباع الحيل إن فسدت الأغراض و سوال من عرف بذلك". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/ ۳۰۹، كتاب أدب القاضي، رشيديه)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، قال: "إن الذي يفتي الناس في كل ما يستفتى لمجنون".
(سنن الدارمي: ۱/ ۷۳، باب في الذي يفتي الناس في كل ما يستفتى، قديمي)

(۳) (سنن الدارمي: ۱/ ۶۹، باب الفتيا و ما فيه من الشدة، قديمي)

(۴) "وإن إبليس كان من الملائكة وإلا لم يتناوله أمرهم و لم يصح استثناء ه منهم، و لا يرد على ذلك=

اگر امام عالم نہ ہو تو مسئلہ کس سے پوچھیں؟

سوال[۱۰۳۶]: زید سے الفاظ قرآن بھی اکثر صاف نہیں نکلتے، ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟ اور ایسے شخص سے آئندہ مسئلہ دریافت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر امام عالم نہیں تو مسئلہ کسی عالم سے پوچھا جائے (۱)۔ وہ الفاظ قرآن میں کیا غلطی کرتا ہے، تشریح کے ساتھ لکھیں تو حکم معلوم ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۲ھ۔

جہاں سے سہولت متوقع ہو وہاں سے فتویٰ پوچھنا

سوال[۱۰۳۷]: بعض مسائل ایسے ہیں کہ اس میں احناف کے علماء مثلاً علماء دیوبند، سہارنپور،

= قوله تعالى: ﴿إلا ابليس كان من الجن﴾ لجواز أن يقال: إنه كان من الجن فعلاً و من الملائكة نوعاً. و لأن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما روى: "إن من الملائكة ضرباً يتوالدون، يقال لهم: الجن، و منهم إبليس" و لمن زعم أنه لم يكن من الملائكة أن يقول: أنه كان جنياً نشأ بين أظهر الملائكة، و كان مغموراً بالألوف منهم، فغلبوا عليه، أو الجن أيضاً كانوا مأمورين مع الملائكة لكنه استغنى بذكر الملائكة عن ذكرهم فإنه إذا علم أن الأكابر مأمورون بالتذلل لأحد والتوسل به، علم أن الأصاغر أيضاً مأمورون به اهـ". (تفسير البيضاوي، ص: ٦٢، مير محمد كتب خانه)

(۱) کسی کو مسئلہ بتانے کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم، صاحب بصیرت، کثیر المطالعہ وسیع النظر اور احوال زمانہ سے واقف ہو جس شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ مسئلہ بتانے کا اہل نہیں:

"لا ينبغي لأحد أن يفتي إلا من كان هكذا، و يريد أن يكون المفتي عدلاً عالما بالكتاب والسنة واجتهاد الرأي إلا أن يفتي بشيء قد سمعه". (الفتاوى العالمكيرية: ٣٠٨/٣، الباب الأول في تفسير الأدب والقضا، رشيديه)

"أن المفتي في الوقائع لا بد له من ضرب اجتهاد و معرفة بأحوال الناس". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسده، مطلب مهم: ٣٩٨/٢، سعيد)

(و كذا في إعلام الموقعين: ١٦٦/٤، دار الكتب العلميه، بيروت)

دہلی مختلف ہیں، کسی کے نزدیک حلت ہے کسی کے نزدیک حرمت ہے تو کیا ایسی صورت میں جس جگہ سہولت ملے استفتاء کر سکتے ہیں یا نہیں؟ درآنحالیکہ قابل اعتماد اور دیندار ہر ایک ہیں، یعنی اتباع ہوا میں تو داخل نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جب سب اداروں پر یکساں اعتماد ہے تو محض سہولت کے لئے انتخاب کرنا کہ فلاں مسئلہ میں فلاں جگہ سے سہولت ملے گی اور فلاں مسئلہ میں فلاں جگہ سے سہولت ملے گی، اگر کامل اتباع ہوا نہیں تو اتباع ہوا کے قریب قریب ضرور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۶ھ۔

مباہلہ

سوال[۱۰۳۸]: آج کل اہلِ بدعت کی طرف سے گجرات بھر میں ایک بہت بڑا شور ہے اور جاہلوں کو بہکا پھسلا کر سر توڑ پھوڑ کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ سوال کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کا اعلان کر کے ان کو زیر کیا، اس طرح اہلِ حق میں سے کوئی خدا کا بندہ تیار ہو کر مباہلہ کرنا چاہے تو آیا شریعت اس بارے میں اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ اگر اجازت دیتی ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ چونکہ نومبر میں بڑودہ میں اجتماع ہونے والا ہے اس کو ناکام بنانے کے لئے اہلِ بدعت نے ایک قسم

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله﴾ الاية (الشورىٰ: ٦)

"الكيّس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت، والعاجز من اتبع نفسه هواها و تمنى على الله". رواه الترمذي و ابن ماجه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۵۱، باب استحباب المال والعمر للطاعة، الفصل الثاني، قديمي)

قال ابن عابدين: "إذا كان في المسئلة قولان مصححان، جاز الإفتاء و القضاء بأحدهما". (الدرالمختار) وقال ابن عابدين: "(قوله: قولان مصححان): أي و قد تساويا في لفظي التصحيح كما لو كان أحد هما بلفظ: الصحيح، والأخر بلفظ: عليه الفتوى الخ". (ردالمحتار: ۳۶۳/۴، مطلب فيما إذا كان في المسئلة قولان مصححان، سعيد)

(كذا في شرح عقود رسم المفتي، ص: ۳۸، من رسائل ابن عابدين، سهيل اكيڈمي.)

(و كذا حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۵۳۹/۲، كتاب الوقف، دار المعرفة بيروت)

کا شوراور ہنگامہ برپا کیا ہےاورنت نئے جھگڑے کررہے ہیں اور خاص کر بڑودہ میں جھگڑے بھی ہوگئے، جس میں جماعت والوں کو بدنام کیا اور دفعہ نمبر:۱۴۴ بھی لگوانے کی کوشش جاری ہے، لہذا مناسب جواب تحریر فرمائیں۔

احقر حاجی عبدالرحیم۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مباہلہ کرنے کی اب نہ ضرورت ہے نہ اجازت ہے، دین مکمل ہو چکا ہے، ہر چیز کے دلائل تفصیل سے موجود ہیں، جو گفتگو کی جائے دلائل کی روشنی میں کیجائے (۱)، اوران لوگوں سے تعرض کی ضرورت نہیں، ان کے اتہامات اور بہتانوں کی طرف کوئی توجہ نہ کریں، زیادہ سے زیادہ اتباع سنت میں مشغول رہیں، اسی کی اشاعت کریں (۲)۔

جس قدر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہر مجلس میں ہوگا اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا بیان ہوگا اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کی سعی ہوگی، اس قدر فتنے ختم ہوں گے، باطل مضمحل ہوگا، حق بلند ہوگا۔ بڑے اجتماع سے پہلے اہل اللہ کے وعظ ہوں، جگہ جگہ گشت کئے جائیں اور مخالفین کی مخالفتوں کا تذکرہ نہ اجتماعات میں ہو نہ اپنی نجی مجلسوں میں ہو بلکہ زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہو، اسی سے دعاء کریں، ہر معاملہ میں اسی کی طرف التجا ہو، اسی کو فریادرس یقین کریں، اس کے قبضہ وقدرت میں

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً﴾ (المائدہ، پ: ۶، آیة: ۳)

"(اليوم أكملت لكم دينكم) بالنصر والإظهار على الأديان كلها أو بالتنصيص على قواعد العقائد والتوقيف على أصول الشرع وقوانين القياس". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۵، مكتبه حقانيه پشاور)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی ۸: ۲۴۶، كتاب الحظر والاباحة، باب المتفرقات، سعيد)

(۲) "صِل من قطعك، وأحسن إلى من أساء إليك" قال المناوي رحمه الله: "قوله: "صل من قطعك الخ" بأن تفعل معه ما تعد به واصلاً ..... فإنك إن فعلت ذلك انقلب عدوك المشاق مثل الولي الحميم". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۵۰۰۴: ۷/ ۳۷۱۹، نزار مصطفى رياض)

سب کے دلوں کو سمجھیں، انشاء اللہ تعالیٰ پوری نصرت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۸ھ۔

اختلاف کے وقت کس قول پر عمل ہو؟

سوال[۱۰۳۹۱]: ۱.....فقہ حنفی کی جتنی درسی کتب ہیں ان میں تقریباً سب میں احناف کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے، آیا اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ ہر عمل جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس بات پر عمل ہو، امام صاحب کے مسلک، یا امام ابویوسف اور امام محمد کے مسلک پر ہم فیصلہ کس طرح کریں؟

۲.....احناف کی وہ کونسی کتاب ہے کہ جس کے تمام مسائل بطور فیصلہ اور فتوے کے ہوں تاکہ وہ خرید کر ہر وقت مسئلہ دیکھ لیں اور وہ کتاب اوروں سے جامع بھی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....کیف ما اتفق کسی قول پر عمل کرنا درست نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ قواعد وضوابط ہیں جن کی پابندی ضروری ہے، اگر کسی مسئلہ میں چند اقوال ہوں اور اصحاب ترجیح نے کسی قول کی ترجیح صراحۃً بیان کی ہے تو راجح پر عمل کیا جائے گا اور اگر صراحۃً ترجیح بیان نہیں کی تو ضمنی ترجیح کو تلاش کیا جائے (۱) مثلاً: ایک قول متون میں ہے، دوسرا شروح میں تو قول اول کو ترجیح ہوگی (۲)، یا ایک قول قیاس ہے، دوسرا استحسان تو ثانی کو ترجیح ہوگی (۳)

---

(۱) "ومن هذا تراهم قد يرجحون قول بعض أصحابه على قوله، كما رجحوا قول زفر وحده في سبع عشرة مسألةً، فنتبع ما رجحوه؛ لأنهم أهل النظر في الدليل". (ردالمحتار، المقدمه، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۱، سعيد)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۰، مطلب في قواعد الترجيح، الرشيد الوقف)

(۲) "وكذا لو كان أحدهما في الشروح والآخر في الفتاوى، لما صرحوا به من أن ما في المتون مقدم على ما في الشروح". (ردالمحتار، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۲، سعيد)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۵، المتون مقدم على الشروح، الرشيد الوقف)

(۳) "وكذا لو كان أحدهما استحساناً والآخر قياساً؛ لأن الأصل تقديم الاستحسان إلا فيما استثنى" (ردالمحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ۱/۷۲، سعيد)

تفصیل کے لئے دیکھئے (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۲، يرجح الاستحسان على القياس، الرشيد الوقف)

الا فی مسائل معدودۃ۔ اور اگر ترجیح ضمنی بھی حاصل نہ ہو تو پھر اس کے لئے ابواب کی تفصیل اس طرح کی ہے:

"قد جعل العلماء الفتوی علی قول الإمام الأعظم فی العبادات مطلقاً، وقد صرحوا بأن الفتوی علی قول محمد فی جمیع مسائل ذوی الأرحام۔ وفی قضاء الأشباه والنظائر: الفتوی علی قول أبی یوسف فی ما یتعلق بالقضاء کما فی القنیة والبزازیة". رد المحتار: ۵۰/۱ (۱)۔

اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو تو علامہ شامی کا رسالہ شرح عقود رسم المفتی دیکھئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

غیر مفتیٰ بہ قول کو اختیار کرنا

سوال [۱۰۴۰]: محترم المقام! سلام مسنون!

رویتِ ہلال سے متعلق تیرہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء بھیجا تھا جس کا جواب آپ کے یہاں یکم ذی قعدہ ۶۹ھ کو مکمل ہوا اور آخر ذی قعدہ میں یہاں پہونچا ہے، اس کے جواب نمبر: ۳ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "جب ایک شہر میں دو قاضی ہوں تو مراسلت ان کے درمیان جائز ہے"۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ مفتیٰ بہ مذہب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے لہٰذا مسافت مقرر کردہ امام ابو یوسف سے کم کی صورت میں کیا صورت اختیار کیجائے۔ مثلاً: سیتا پور یہاں سے پانچ میل ہے وہاں اگر شہادت گذر جائے تو خیر آباد میں مراسلت کیسے کی جائے۔ امام محمد صاحب رحمہ اللہ کی روایت "نوادر" کی ہے اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ جس قول پر فتویٰ کی صراحت ہو اس سے عدول نہیں جائز ہے۔ تو خصاف سے جو امام محمد صاحب کا قول تحریر فرما کر عمل کی گنجائش تحریر فرمائی ہے وہ کس طرح ممکن ہوگی؟ ذیل میں وہ عبارتیں درج کیجاتی ہیں جن میں غیر مفتی بہ قول پر عمل کرنا ناجائز بتایا گیا ہے جب کہ دوسرے قول کے لئے فتویٰ کی صراحت موجود ہو:

۱- عقود رسم المفتی، ص: ۱۶، میں ہے: "معناه أن ما کان من المسائل فی الکتب التی رویت عن محمد بن الحسن روایةً ظاهرةً یفتی به وإن لم یصرحوا بتصحیحه، نعم لو

---

(۱) (رد المحتار، مطلب إذار التصحیح: ۷۱/۱، سعید)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۱۰، الرشید الوقف)

صححوا روايةً من غير كتب ظاهر الرواية يتبع ما صححوه. قال العلامة الطرطوسي في أنفع الوسائل في مسئلة الكفالة إلى شهر: إن القاضي المقلد لايجوز له أن يحكم إلا بما هو ظاهر الرواية لا بالرواية الشاذة، إلا أن ينصوا على أن الفتوى عليها"(۱)۔

۲ "فما فيه لفظ الفتوى يتضمن شيئين: أحدهما الاذن بالفتوى به، والاخر صحته؛ لأن الإفتاء به تصحيح له"۔ عقود، ص: ۳۹ (۲)۔

۳۔ "وإذا ذيلت بالصحيح، أو المأخوذ به، أو به يفتي، أو عليه الفتوى، لم يفت بمخالفتها"۔ ص: ۳۸ عقود (۳)۔

عبارات مذکورہ بالا سے صاف واضح ہے کہ جس امر پر فتویٰ کی صراحت ہو اس کے خلاف عمل نہیں جائز ہے۔

الجواب وهو الموفق للصواب:

یہاں کے جواب میں روایت امام محمد "نوادر" کو مفتی بہ نہیں کہا گیا، بلکہ مفتی بہ حسبِ تصریح فقہاء قول ابو یوسف رحمہ اللہ ہی ہے، لیکن جیسے کہ آج کل کے قاضی شرعی قاضی نہیں، ان پر فقہاء کی بیان کردہ تعریف صادق نہیں آتی (۴) ان کو قدرت الزام حاصل نہیں، بلکہ تسامحاً مفتی یا عالم پر قاضی کے احکام جاری کردیے جاتے ہیں، اسی طرح قبولِ کتاب قاضی کے شرائط میں بھی تسامح سے کام لیا جاتا ہے، خاص کر ایسے مسائل میں جن میں عوام کے فتنہ کا مظنہ ہو۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۴۴، مير محمد كتب خانه آرام باغ)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۸۸، مير محمد كتب خانه آرام باغ)

(۳) (شرح العقود، المصدر السابق)

(۴) "القاضي: هو الذي تعين و نصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء: أي فصل الخصومات وحسم الدعاوى والمنازعات وغير ذلك، و قال النسفي: القاضي الحاكم المحكم: أي المنفذ المتقن .... و في رد المحتار: ثم القاضي تتقيد ولايته بالزمان والمكان والحوادث"۔ (كتاب القضاء: ۳۵۴/۵، سعيد)

(و كذا في قواعد الفقه، ص: ۴۲۰، حرف: القاف، الصدف پبلشرز)

مواقع ضرورت میں بعض غیر مفتی بہ اقوال کو اختیار کرنے کی فقہاء نے گنجائش تحریر فرمائی ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے نواقض وضو کی بحث میں "کی الحمصة" کا حکم ذکر فرماتے ہوئے خارج ومخرج کے ذیل میں بعنوان "تنبیہ" ایک قول کو صحیح کہا ہے اور پھر بحوالہ حلوانی اسی صحیح کے مقابل قول پر عمل کی گنجائش نقل کی ہے(۱)، بلکہ اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی تالیف کیا ہے(۲)۔

نیز احکام حیض میں بھی مواضع ضرورت میں کسی ایک قول کو اختیار کرنے بلکہ فتویٰ دینے کی اجازت نقل کی ہے(۳) اگر چہ وہ قول مفتیٰ بہ نہ ہو۔ امسال عید کے موقعہ پر بعض دیار میں اس قدر خلفشار رہا کہ جس کی حد نہیں، ایک ہی شہر میں کچھ آدمی صائم رہے کچھ نے نماز عید ادا کی، بعض نے محض افواہ پر روزہ افطار کیا بعض نے شرعی شہادت کے باوجود روزہ پورا کیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر نا اہل لوگوں نے مسائلِ فقہ پر زبانِ محض درازی کی، اس کے بعد فتویٰ کا سلسلہ چلا، جواب تک ختم نہیں ہوا یعنی افطار کردینے والوں پر قضاء وکفارہ کا کیا حکم ہے اور جنہوں نے افطار نہیں کیا وہ صوم منہی عنہ سے عاصی ہوئے یا نہیں۔ پس اگر ایسے خلفشار اور فتنۂ عوام سے بچنے اور عوام کو بچانے کے لئے قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ پر عمل کی گنجائش تحریر کردی جائے تو یہ اصولِ افتاء کے خلاف نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/محرم/۷۰ھ۔

شیعہ کے سوال کا جواب کس طرز پر ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۴۱]: اگر کوئی حنفی، سنی، مفتی شیعوں کے مسائلِ میراث سے واقف ہو تو وہ استفتاء جس میں مورثِ اعلیٰ شیعہ ہو اور باقی مورث ووارث سنی ہوں یا مورثِ اعلیٰ سنی ہو اور بقیہ مورث ووارث خواہ کل شیعہ

(۱) "والصحيح الأول، كما ذكره قاضيخان. لكن في الثاني توسعة لمن به جدري أو جرب كما قاله الإمام الحلواني، و لا بأس بالعمل به ههنا عند الضرورة". (رد المحتار: ۱/۱۳۹، كتاب الطهارة، مطلب في كي الحمصة، سعيد)

(۲) الرسالة الثالثة: (الفوائد المخصصة بأحكام كيّ الحمصة، من رسائل ابن عابدين: ۱/۵۴، قاسميه كوئٹه)

(۳) "لو أفتى بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير، كان حسناً اهـ". (رد المحتار: ۱/۲۸۹، باب الحيض، مطلب لو أفتى مفت الخ، سعيد)

ہوں وبعض شیعہ وبعض سُنی، پس ایسی صورت میں سنی مفتی ایسے استفتاء کا جواب اس طرح لکھے، آیا ہر اصل میں اپنے اصول کے موافق لکھے یا مورثِ شیعہ کے ترکہ وحصے کو اصولِ تشیع کے موافق اور مورثِ حنفی اور سنی کے ترکہ وحصہ کو اصولِ حنفیت کے موافق، یا کیا صورت ہوگی؟ جو صورت ہو مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو فرقہ شیعہ کا کافر ہے اُس کی رعایت کرتے ہوئے جواب دینا شرعاً درست نہیں، بلکہ جو اسبابِ میراث اہلِ اسلام کے نزدیک معتبر ہے انہی اسباب کے ماتحت ان کو ہی جواب دیا جائے گا:

"الكفار يتوارثون في ما بينهم بالأسباب التي يتوارث بها أهل الإسلام في ما بينهم من النسب والسبب". عالمگیری، الباب السادس في ميراث أهل الكفر: ٦/٤٥٤(١).

اور جو فرقہ کافر نہیں بلکہ مسلم ہے اس کو بھی حنفی سنی اپنے اصول کے مطابق جواب دے گا، جیسا کہ اگر کوئی شافعی المذہب کسی مفتی حنفی سے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق کوئی مسئلہ دریافت کرے تو حنفی مفتی اس وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق جواب نہیں دے گا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق جواب دے گا۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے ''درِمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع'' میں ''کتاب إحياء الموات'' سے کچھ پہلے لکھا ہے: "فروع: "كتب إماقول الشافعي رحمه الله: يكتب جواب أبي حنيفة رحمه الله".

اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: "(قوله كتب الخ)، مثل الكتابة السوال بالقول، ومثل الشافعي وغيره من أصحاب المذاهب اهـ". ردالمحتار: ٥/٢٩٩(٢)۔

پس مذہبِ شیعہ کے مطابق سوال کرنے سے مفتی سنی کو بطریق اولیٰ مذہب اہلِ سنت کے مطابق جواب دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

فتویٰ کی تائید میں کسی مولوی کا جھوٹ موٹ نام

سوال[١٠٤٢]: مفتی صاحب نے اپنے دیئے ہوئے فتوے کی تائید میں جھوٹ موٹ ایک مولوی

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض: ٦/٤٥٤، ٤٥٥، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٤٢١، سعيد)

صاحب کا نام شائع کردیا، اب مولوی صاحب منکر ہیں کہ میرا نام جھوٹ شائع کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے مفتی کی شرعاً قدر و منزلت کیا ہوگی؟ اور ان کا فتویٰ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اصل فتویٰ مفتی صاحب سے پوچھا گیا ہے تو یہ بھی ان ہی سے پوچھا جائے، وہی اپنے فتوے کے ماخذ کی صحیح نشاندہی کریں گے۔ تصحیحِ نقل مفتی کے ذمہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۶ھ۔

اپنی ذات سے متعلق سوال سے مفتی کا جواب سے معذرت کرنا

سوال [۱۰۴۳]: ایک وقف کی آمدنی جو کہ مخصوص ادارہ کے لئے خاص ہے لہٰذا اس کے علاوہ پھر وقف کی آمدنی کو دوسرے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی وقف کے منشاء کے خلاف صرف کرے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون الملك:

مدرسہ عالیہ جامع مسجد کا صدر مدرس ہی مفتی ہے، اس لئے اس کے متعلق کسی دوسرے دارالافتاء سے فتویٰ حاصل فرمائیں۔ اختلافی مسائل کا جواب دینے کی وقف بورڈ کی جانب سے ممانعت ہے، اس لئے معذوری ہے۔ فقط عبدالقدوس رومی

نوٹ: عبدالقدوس رومی مفتی شہر نے جو جواب دیئے ہیں وہ کہاں تک درست ہیں؟ کیا کسی کے متعلق خود اس کی ذات سے متعلق بات دریافت کرنا شرعاً ممنوع ہے اور اس کے جواب دینے کا حق نہیں ہے؟ کیا کسی مفتی کو یہ کہنے کی مجال ہے کہ وہ سنی وقف بورڈ کی وجہ سے امرِ حق کو ظاہر نہ کرے اور معذوری پیش کر کے جواب دینے سے اعراض کرے، ایسے مفتی کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ نیز سوال اول کا جواب ندارد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مفتی کی ذات سے متعلق سوال ہو وہ اگر خود ہی جواب دے کر اپنی پوزیشن کو صاف کرلے تو مظنۂ

تہمت ہے جس سے بچنے کا حکم ہے(۱)، اس بناء پر اگر انہوں نے جواب دینے سے معذرت کردی تو یہ طریقہ مناسب ہے۔ اگر کسی مفتی کو پابند کردیا جائے کہ فلاں فلاں مسئلہ کا جواب دیں اور فلاں فلاں مسئلہ کا جواب نہ دیں پھر وہ اس پابندی کی رعایت رکھے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، مثلاً پہلے زمانہ میں قاضی کے نام منشور آتا تھا کہ قولِ راجح اور قولِ مختار پر فیصلہ کرسکتا ہے تو وہ اس کا پابند ہوتا ہے، یا مثلاً قولِ امام ابوحنیفہ پر فیصلہ کرے تو وہ اس کا پابند ہوتا تھا اگر چہ دوسرے قول بھی غلط نہیں لیکن اس کو اختیار کرنے کا حق نہیں (۲)، یا جیسے ایک طبیب ہے کہ امراضِ چشم کا علاج کرتا ہے دوسرے امراض کا علاج نہیں کرتا تو اس پر کیا اعتراض ہے، دوسرے امراض کے علاج کے لئے دوسرے طبیب موجود ہیں۔ لہٰذا آپ کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے سوالات دوسری جگہ حل کرلیں، ان سے ہی دریافت کرنے پر اصرار نہ کریں، نہ ان کے یا کسی کے درپے ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴۸۲۴/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(ویتقی مواضع التهم تحذراً سوٴظنهم) أی بالریبة (ووقوعهم فی الغیبة) ...... وعن أنس أنه علیه السلام کلم إحدی نسائه، فمر به رجل ، فدعاه ، فقال: "یافلان! هذه زوجتی صفیة"، فقال: یارسول الله! من کنت أظن فیه؟ فإنی لم أظن فیک، فقال: "إن الشیطن یجری من ابن آدم مجری الدم". رواه مسلم...... "وعن عمر رضی الله عنه "من أقام نفسه مقام التهمة فلا یلومنّ بالدرة، فقال: یا أمیر المومنین! إنها امرأتی، قال: فهلا تکلمت بحیث لا یراک الناس". (عین العلم لملا علی القاری، الباب الثامن فی الصحبة: ۱/۳۴۷، مکتبه القدس کوئٹه)

(۲) "القضاء مُظهر لا مثبت، ویتخصص بزمان ومکان وخصومة". (الدرا لمختار، کتاب القضاء، فصل فی الحبس، مطلب القضاء یقبل التقیید والتعلیق: ۴۱۹/۵، سعید)

تعلیم نسواں کا بیان

تعلیم نسواں

سوال[۱۰۴۴]: تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اسلام سے احکام کے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

سائل شفیع الدین معرفت حفیظ الدین صاحب، جامن والی مسجد، شوراب گیٹ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو بھی ضرورت کے مطابق دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم نہ صرف جائز بلکہ لازم ہے(۱)، البتہ حدودِ شرع کی پابندی ضروری ہے، دنیاوی اعلیٰ تعلیم کا طریقہ مروجہ حدودِ شرع اور حدودِ اخلاق سے متجاوز ہے، بے شمار مفاسد اور فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے، کورس میں بھی فتنے ہیں کہ اسلامی عقائد، اخلاق، معاشرہ ہر چیز پر اثر انداز ہیں، جن کا مشاہدہ ہے۔ اس تعلیم کا مقصد بھی عام طور پر سرکاری ملازمتیں اور عہدے حاصل کرنا ہے جن کی مروجہ طریقہ شرعاً کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". (سنن إبن ماجه، ص: ۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، ص: ۳۴، كتاب العلم، قديمى)

و قال العلامة القارى: "أى و مسلمة، كما فى رواية". (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۸۴، كتاب العلم، امداديه)

(۲) "وسئل رحمه الله تعالىٰ: ماحكم تعليم النساء الكتابة ..... اهـ؟ فأجاب .... فقد روى الحاكم وصححه عن البيهقى "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "لاتنزلوا هن فى الغُرف ولا تعلّموهن الكتابة". يعنى النساء .... وحينئذٍ فيكون فيه إشارة إلى علة النهى عن الكتابة، وهى أن إذا تعلّمتها توصلت بها إلى أغراض فاسدة، وأمكن توصل الفسقة إليها على وجه أسرع وأبلغ وأخدع من توصلهم إليها بدون ذلك اهـ". (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب يكره تعليم النساء الكتابة، قديمى)

کیا تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے؟

سوال[۱۰۴۵]: لڑکا تعلیم یافتہ ہے، لڑکی کے والدین قرآنی تعلیمات سے بے خبر ہیں، لڑکا شریعت کا پابند ہے مگر اس کی شادی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینی تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ضروری ہے(۱) اور اس کی ضرورت پوری زندگی کے لئے ہے، صرف شادی کے لئے نہیں، لہذا ایک کی تعلیم کا خیال کرنا دوسرے کی تعلیم کا خیال نہ کرنا غلط ہے۔ جو لڑکا شریعت کا پابند ہے اس کی شادی نہ کرنا ظلم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بے پردگی کی حالت میں عورتوں کو تعلیم دینا

سوال[۱۰۴۶]: ایک مولوی صاحب ہائی اسکول میں عورتوں کو تعلیم دیتے ہیں اور پردہ کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے، اتنا ہے کہ عورت کے اعضاء ڈھکے رہتے ہیں مگر چہرہ کھلا رہتا ہے۔ ایسی صورت میں مولوی صاحب کو تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". (ابن ماجه، ص: ۲۰، باب فضائل العلم، مير محمد)

و قال الملا علي القاري في شرحه: "طلب العلم": أي: الشرعي "فريضة": أي مفروض فرض عين "على كل مسلم": أو كفاية والتاء للمبالغة: أي و مسلمة، كما في رواية". (مرقاة المفاتيح: ۱/۴۷۷، رقم الحديث: ۲۱۸، كتاب العلم، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۴۱، مطلب الفرق بين المصدر و الحاصل بالمصدر، سعيد)

(۲) "وعن أبي سعيد و ابن عباس رضي الله عنهم قالا: قال رسول الله ﷺ: "من ولد له ولد، فليحسن اسمه و أدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثماً، فإنما إثمه على أبيه". قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: أي جزاء الإثم عليه حقيقة، ودل هذا الحصر على أن لا إثم على الولد مبالغة؛ لأنه لم يتسبب لما يتفادى ولده من إصابة الإثم". (مرقاة المفاتيح: ۶/۳۰۰، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثالث، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح تعلیم دینے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۱۸/۱۱/۹۲ھ۔

لڑکیوں کی تعلیم

سوال[۷۰۴۷]: ۱.....کوئی شخص اپنے محلّہ کی غیر محرم عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض ونفاس کا مسئلہ و نماز، روزہ پاکی، ناپاکی کے بارے میں وعظ ونصیحت سنائے اور بتلائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲.....قریب البلوغ لڑکیوں کو مکتب و مدرسہ میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیسا گناہ ہے؟ بدلیل شرعی مع حوالہ جات کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت ثابت ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر احتیاط چاہئے، خاص کر حیض ونفاس کے مسائل اپنی محرم عورتوں کو سمجھا دے اور پھر وہ عورتیں دوسری عورتوں کو سمجھا دیں، جیسا کہ ازواج مطہرات سمجھایا کرتی تھیں (۲)۔ یا مردوں کو سمجھا دے اور وہ اپنی عورتوں کو سمجھا دیں، غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ہرگز نہ کرے کہ یہ ممنوع ہے۔

۲.....دینی مسائل کی تعلیم جس طرح لڑکوں کے لئے ضروری ہے لڑکیوں کے لئے بھی ضروری ہے، جو

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾ الاية (النور: ۳۰)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿و قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن﴾ الاية (النور: ۳۱)

و قال تعالیٰ: ﴿ يأيها النبي قل لأزواجك و بنتك و نساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الأحزاب: ۵۹)

(۲) "أن فاطمة بنت أبي حبيش رضي اللہ تعالیٰ عنها أستحيضت، فأمرت أم سلمة رضي اللہ تعالیٰ عنها أن تسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: فقال: "تدع الصلاة أيام أقرائها، ثم تغتسل و تستذفر بثوب و تصلي". (والسنن الكبرى للبيهقي: ۱/۳۴۶، بيروت)

(وكذا في نصب الرأيه، كتاب الطهارة: ۱/۲۰۲، المكتبة الاسلامية)

لڑکی مراہقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے اس کے لئے پردہ ضروری ہے، اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں، لہٰذا ایسی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام خودان کے مکانوں پر ہونا چاہئے، جیسا کہ نمبر ا میں گزرا:

"قال عليه الصلوة والسلام: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان"۔ رواه الترمذي(۱) مشكوة شريف (۲)۔ "طلب العلم فريضة على كل مسلم: أي ومسلمة كما في رواية اهـ". هامش المشكوة (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/ ۶۱ھ۔

لڑکیوں کے لئے تعلیم

سوال[۱۰۴۸]: قریب البلوغ لڑکیوں کو مکتب یا مدرسہ میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیسا گناہ ہے بدلیل شرعی مع حوالہ جات کتب تحریر فرمادیں!

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی مسائل کی تعلیم جس طرح لڑکوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کے لئے بھی ضروری ہے(۴)۔ جو لڑکی مراہقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے، اس کے لئے پردہ ضروری ہے، اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں، لہٰذا ایسی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام خودان کے مکانوں میں ہونا چاہئے: لأن "المرأة عورة، فإذا خرجت من بيتها، استشرفها الشيطان". رواه الترمذي مشكوة(۵) "طلب العلم فريضة على

---

(۱) (جامع الترمذي، كتاب الطلاق، باب (بلا ترجمة): ۱/ ۲۲۲، سعيد)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة و بيان العورات: ۲/ ۲۶۹، قديمي)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/ ۳۴، رقم الهامش: ۱۱، قديمي)

(۴) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين: و هو بقدر ما يحتاج لدينه". قال العلامة ابن عابدين: "قال العلامي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالىٰ و معاشرة عباده، و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علمَ الدين و الهداية تعلّمُ علم الوضوء والغسل". (مقدمة رد المحتار: ۱/ ۴۲، قبيل مطلب في فرض الكفاية و فرض العين، سعيد)

(۵) (مشكوة المصابيح: ۲/ ۲۶۹، كتاب النكاح، قديمي)

کل مسلم: أی و مسلمة کما فی الروایة اهـ" هامش مشکوة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مدرسہ میں لڑکیوں کی تعلیم

سوال[۱۰۴۹]: ہمارے گاؤں میں ایک مدرسہ "باب العلوم" کے نام سے چل رہا ہے اس میں اکثر طالبات ہیں اور لڑکے کم ہیں، ان طالبات اور طلباء کو مرد اساتذہ ہی تعلیم دیتے ہیں، اس مدرسہ کے صدر مدرس کے بڑے طلباء بعض بالغ بھی ہیں اور بعض طالبات بھی قریب البلوغ ہوگئی ہیں اور بعض طالبات ایسی ہیں جن کی عمر کم ہے، لیکن بہت سے قابل پردہ معلوم ہوتی ہیں۔ مدرس صاحب ان طالبات کو یکے بعد دیگرے تعلیم دیتے ہیں، اور اکثر وقت ایک ورانڈے میں ایک صف طالبات کو بٹھاتے ہیں اور دوسری صف میں طلباء بالغ کو بٹھاتے ہیں اور غیر بالغ بھی موجود ہوتے ہیں غرض کہ دونوں کا اختلاط ایک دوسرے سے ہوتا رہتا ہے۔ مدرسہ کے اوقات میں مدرس نگرانی کرتے رہتے ہیں اور بوقتِ آمد و رفت اختلاط ہوتا رہتا ہے اور بچیاں گھر سے آتے وقت بلا برقع کے آتی ہیں، حالانکہ ہر طالبہ جو قابل پردہ ہیں ان کا قرآن صحیح ہوگیا ہے، اگر منتظمین چاہیں تو ان کے سرپرستوں کو بلا کر اخراج کرسکتے ہیں یا پردہ کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں، لیکن ان تمام امور کی انجام دہی کو مصالحِ مدرسہ کے خلاف سمجھ کر عند الشرع ان کے لئے جو منتظم ہیں، کیا ضروری ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب حامداً و مصلیاً:

لڑکی جب بالغ ہو جاوے یا بلوغ کے قریب ہو جاوے تو اس کو پردہ کی تاکید لازم ہے ورنہ وہ عمر بھر بے پردہ رہے گی۔ دینی مدرسہ میں صرف تعلیم ہی مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اخلاقی تربیت اور عملی پابندی کی بھی مشق کرائی جاتی ہے۔ سیانے لڑکوں اور لڑکیوں کا اس طرح بے پردہ اختلاط باعثِ فتنہ بھی ہوسکتا ہے جس کے شواہد اسکولوں اور کالجوں میں بے شمار ملیں گے، اگر ابھی سے احتیاط نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ کہیں دینی مدارس کا بھی وہی حال نہ ہو (۲)۔ حدیث شریف میں ہے کہ "عورت تو چھپانے کی چیز ہے، جب وہ اپنے مکان سے نکلتی ہے تو

---

(۱) (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۸۴، كتاب العلم، مكتبه امداديه، ملتان)

(۲) قال الإمام شاه ولي الله: " اعلم أنه لما كان الرجال يهيّجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن، و يفعل بالنساء مثل ذلك، و كان كثيراً مايكون ذلك سبباً لأن يبتغى قضاء الشهوة منهن على =

شیطان ان کو جھانکتا اور تاکتا ہے" (۱)۔ ایک حدیث میں ہے کہ "نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو سیدھا دل پر جا کر لگتا ہے" (۲)۔ اور بھی احادیث ہیں، اس لئے بہت زیادہ احتیاط ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

کتنی عمر کی بچی مدرسہ میں پڑھ سکتی ہے؟

سوال [۱۰۵۰]: کتنی عمر تک کی بچیوں کو مکاتب یا عربی مدارس میں دینی تعلیم دی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

چھ سات سال تک کی بچیوں کے لئے تو کچھ مضائقہ نہیں وہ بھی جب کہ بداخلاقی نہ سیکھیں، ان کی پوری نگرانی کی جائے (۳)۔ آٹھ نو سال کی بچیوں کو لڑکوں کے مکتب مدرسہ میں آنے سے روک

= غير السنة الراشدة، كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح، أو غير اعتبار كفاءة، والذى شوهد من هذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر ،اقتضت الحكمة أن يسدد هذا الباب". (حجة الله البالغة: ۳۳۲/۲ ،ذا العورات ، قديمي)

(۱) "المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان " و في رواية "المرأة عورة مستورة". نصب الراية لأحاديث الهداية: ۲۹۸/۱ ،المكتبة المكية جدة)

(وكذا في الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹ ، مطلب: يكره تعليم النساء الكتابة ، قديمي)

(۲) قد وجدت هذا الحديث في كشف الخفاء بهذا اللفظ: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ربه عزوجل: "النظرة سهم مسموم من سهام إبليس، من تركها من مخافتي أبدلته إيماناً يجد حلاوته في قلبه". (كشف الخفاء: ۳۲۸/۲، حرف النون ، بحواله طبراني، رقم الحديث :۲۸۶۴، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في المستدرك للحاكم :۳۱۴/۴، كتاب الرقاق، النظرة سهم من سهام إبليس مسمومة ، دار الفكر بيروت)

(ومجمع الزوائد :۶۳/۸، باب غض البصر ، كتاب الأدب ، دار الفكر بيروت)

(والدر المنثور للسيوطى :۴۱/۵، تحت قوله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين﴾ مؤسسة الرسالة الناشر محمد امين دمج بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم ناراً﴾. (سورة التحريم : ۶) .... =

3

دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا

سوال [۱۰۵۱]: لڑکیوں کو اعلیٰ انگریزی تعلیم دلا کر سرکاری مدارس میں ملازم کرانے کے متعلق شرع اسلامیہ کا کیا ارشاد ہے، کیا ایسا شخص مسلمانوں کا مذہبی امام یا پیشوا بن سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفس زبان سیکھنا فی حد ذاتہ شرعاً ممنوع نہیں، لیکن آج کل انگریزی پڑھنے والوں پر ماحول کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ وہ اپنے اقوال، افعال، وضع قطع کو بالکل شریعت کے خلاف کر لیتے ہیں حتی کہ ان کے عقائد تک مسخ ہوجاتے ہیں۔ مسائلِ شرعیہ: نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں، بہت سے لا مذہب مادہ پرست ہو کر قادر مطلق کی ذات وصفات کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس لئے ان مفاسد کے پیش نظر شرعی نقطۂ نظر سے

= قال الحافظ ابن كثير في تفسيره : "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه في قوله تعالىٰ: ﴿قوا أنفسكم و أهليكم ناراً﴾ يقول : أدبوهم وعلموهم ... و قال قتادة: تأمرهم بطاعة الله و تنهاهم عن معصية الله، وأن تقوم عليهم بأمر الله و تأمرهم به الخ". (تفسير ابن كثير : ۴/ ۵۰۲ ، سورة التحريم ، مكتبه دار السلام رياض)

و قال الإمام أحمد: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "كلكم راع و كلكم مسؤول عن رعيته ... والرجل راع على أهل بيته، و هو مسئول عنهم الخ". (مسند الإمام أحمد : ۲/ ۵۵ ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) اس میں بہت سے مفاسد ہیں جیسا کہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"أن فيها خشية مفسدة، و درء المفاسد مقدم على جلب المصالح". (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹ ، قديمى)

(كذا في حجة الله البالغة : ۲/ ۳۳۳، قديمى)

(و فتاوى رحيميه : ۱۰/ ۴۱ ، كتاب العلم ، دار الاشاعت كراچى)

انگریزی تعلیم کو مخرب عقائد اور مفسد اعمال کہا جاتا ہے۔

لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانے میں مفاسدِ مذکورہ کے علاوہ کچھ اور بھی شرمناک اور ناقابلِ بیان خرابیاں موجود ہیں(۱) جو کہ اہلِ زمانہ پر بخوبی روشن ہیں، اس لئے اس سے کلی اجتناب لازم ہے(۲) خصوصاً مذہبی مقتداء کو کہ ایسے شخص کے فعل سے عوام استدلال کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۱۱/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

لڑکے اور لڑکیوں کا ہندی، انگریزی تعلیم کا ممبر بننا

سوال[۱۰۵۲]: شبلی کالج جس میں انگریزی اور ہندی کی ہی تعلیم ہوتی ہے اسی طرح نسواں ہائی

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: كتابة النساء، رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال ابن حجر الهيثمي المكي رحمه الله تعالىٰ: "روى الحكيم الترمذي عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا تسكنوا نساء كم الغرف و لا تعلموهن الكتابة".

وأخرج الترمذي الحكيم عن ابن مسعود أيضاً –رضي الله تعالىٰ عنه– أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "مرّ لقمان على جارية في الكتاب، فقال: لمن يصقل هذا السيف"؟: أي حتى يذبح به، و حينئذٍ فيكون فيه إشارة إلى علة النهي عن الكتابة، و هي أن المرأة إذا تعلمتها توصلت بها إلى أغراض فاسدة، وأمكن توصل الفسقة إليها على وجه أسرع وأبلغ وأخدع من توصلهم إليها بدون ذلك؛ لأن الإنسان يبلغ بكتابته في أغراضه إلى غيره ما لم يبلغه برسوله، ولأن الكتابة أخفى من الرسول، فكانت أبلغ في الحيلة و أسرع في الخداع والمكر، فلأجل ذلك صارت المرأة بعد الكتابة كالسيف الصقيل الذي لا مرّ على شيء إلا قطعه بسرعة، فكذلك هي بعد الكتابة ...... اهـ.

واعلم أن النهي من تعليم النساء للكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هذه مصالح عامة من غير خشية مفاسد تتولد عليها بخلاف الكتابة؛ فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسدة، و درء المفاسد مقدم على جلب المصالح". (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب يكره تعليم النساء الكتابة، قديمي)

اسکول میں انگریزی اور ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے اس کا ممبر بننا فتوی اور تقوی کی رو سے کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جس کالج یا اسکول میں خلافِ اسلام تعلیم ہوتی ہے، عقائد، اعمال، اخلاق سب غلط ذہن نشین کرائے جاتے ہیں اس کا ممبر بننا اور تقویت پہونچانا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/ ۸۸ھ۔

کتابت النساء

سوال[۱۰۵۳]: بہشتی زیور کے ایک حصہ پر بریلوی حضرات کو یہ اشکال تھا کہ خواتین کو لکھنا جائز نہیں ہے، ہاں علومِ شرعیہ حاصل کرنے کی یقیناً اجازت ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ممانعت کی ایک حدیث انہوں نے بھی نقل کی ہے۔ علی گڑھ کے مفتیٔ اعظم مولانا حافظ حفیظ اللہ صاحب قدس سرہ سے اس ناکارہ نے خود سنا کہ لڑکیوں کو لکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، حدیث پاک میں صریح اس کی ممانعت ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس ناکارہ نے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سہارنپوری سے رجوع کیا تو موصوف نے بھی بہشتی زیور کی تائید کی۔ بریلوی حضرات کی کتاب اسوقت سامنے نہیں ہے ورنہ حوالہ بھی نقل کرتا۔

میں گذشتہ چوبیس سال سے مخلوط تعلیمی ادارے سے منسلک ہوں اور گذشتہ تیرہ سال سے ایم۔اے کی سطح پر لڑکیوں کو بھی پڑھا رہا ہوں، میرے تجربات اس سلسلہ میں نہایت تلخ ہیں، اس وجہ سے اپنی بچی کو مولوی محمد اسماعیل مرحوم کی کتاب تو پڑھاتا ہوں مگر لکھنا نہیں سکھاتا۔ کیا واقعی شرعاً لڑکیوں کو لکھنے کی اجازت نہیں تاکہ اپنے بچوں کے بارے میں اتباعِ سنت کا اہتمام کروں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیثِ پاک میں ایک مقام پر عورت کو لکھنا سکھانے کی ممانعت آئی ہے اور ایک مقام پر ترغیب آئی ہے(۱)، اس لئے شراحِ حدیث (نبوی علی صاحبہ ألف الف صلوۃ وسلام) نے لکھا ہے کہ جہاں فتنہ کا خطرہ ہو

(۱) "عن شفاء بنت عبد الله رضي الله تعالى عنها قالت: دخل عليّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأنا عند حفصة رضي الله تعالىٰ عنها، فقال لي: "ألا تعلّمين هذه رقية النملة كما علّمتيها الكتابة". (سنن أبي داؤد: ۱۸۶/۲، باب ما جاء في الرقى، سعيد) .... =

وہاں سکھانے سے اجتناب چاہئے (۱)، جہاں نہ ہو وہاں بقدرِ ضرورت گنجائش ہے کہ امور خانہ داری میں بعض مرتبہ اس کی حاجت پیش آجاتی ہے۔

جو لڑکیاں اپنے مکان میں والد، بھائی، چچا، دادا، نانا سے لکھنا سیکھے اور ان کی دینی تربیت کی جائے، ماحول صالح ہو تو اجازت ہے۔ اس مقصد کے لئے بہشتی زیور کی تصنیف کی گئی ہے اور اس سے نفع بھی بے حد ہوا اور جو لڑکیاں اسکول میں جائیں اور پردے کا اہتمام نہ ہو، نامحرموں سے احتیاط نہ ہو، ان کو اس سے روکنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۲ھ۔

= قال الشيخ في بذل المجهود: "فيه دليل على جواز كتابة النساء، و أما حديث: "لا تعلموهن الكتابة". محمول على من يخشى عليها الفساد". (۵/۸۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(و مسند الإمام أحمد ابن حنبل: ۲/۳۷۲، رقم الحديث: ۲۶۵۵۵، حديث شفاء بنت عبد الله، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"لا تسكنوهن الغرف، و لا تعلّموهن الكتابة، و علّموهن الغزل و سورة النور". من حديث عائشة، و من حديث ابن عباس بلفظ: "لا تعلموا نساء كم الكتابة، و لا تسكنوهن العلالي".

و عن مجاهد مرسلاً: "علموا رجالكم سورة المائدة، و علموا نساء كم سورة النور". أخرجه سعيد بن منصور في سننه. و روى البيهقي في الشعب عن أبي عطية الهمداني كتب عمر بن الخطاب: تعلّموا سورة براءة و علموا نساء كم سورة نوح". (تنزيه الشريعة المرفوعة: ۲/۲۰۸، ۲۰۹، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "واعلم أن النهي عن تعليم النساء الكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هذه مصالح عامة من غير خشية مفاسد تتولد عليها بخلاف الكتابة، فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسد، و درء المفاسد مقدم على جلب المصالح". (الفتاوى الحديثية، ص: ۱۱۹، مطلب: يكره تعليم النساء الكتابة، قديمي)

(و كذا في حجة الله البالغة: ۲/۳۳۲، قديمي)

(۲) "وعن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: "إن الدنيا حلوة خضرة، و إن الله مستخلفكم فيها، فينظر كيف تعلمون، فاتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن أول فتنة بني إسرائيل كانت في النساء". رواه مسلم".=

نیم عریاں لباس اسکول میں لڑکیوں کو تعلیم دینا

سوال [۱۰۵۴]: ہمارے اطراف میں عموماً بے پردگی ہے، جوان لڑکیاں بے محابا عریاں لباس پہن کر اسکول کالج میں آتی جاتی رہتی ہیں، بعض خال خال گھرانوں ہی میں کچھ پردہ کا رواج ہے۔ ایسی حالت میں ایک عالم صاحب نے اسکول میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ موجودہ دور کے تقاضہ کے مطابق مسلمان لڑکیوں کو بھی ایس، سی، سی (یعنی اسکول کالج میں جو نیم فوجی تربیت دی جاتی ہے) سکھلانا جائز ہے۔ ان کا یہ فرمانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آج کل جو برادرانِ وطن اسکول کالج میں سرسوتی پوجا وغیرہ کرتے ہیں، اس میں مسلمان طلباء کا چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مولانا موصوف کی اس تقریر سے دیندار عوام میں شک وتردد پیدا ہو گیا ہے اور غیر دیندار مسلمانوں کے رجحان کی تائید ہوتی ہے جس سے عوام میں کچھ کشمکش پیدا ہوگئی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو بات انہوں نے فرمائی ہے وہ موجودہ دور کی سیاسی بات ہے شرعی حکم نہیں ہے، شریعت نے تو عورتوں کو بے پردگی اور عریانی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے (۱) بلکہ پردہ کے ساتھ خوشبو لگا کر مکان سے نکلنے کو بھی منع کیا ہے، اس کو زنا کی دعوت دینے والی قرار دیا گیا ہے، یہ حدیث صحاح میں موجود ہے (۲)۔

اگر چندہ نہ دینے میں خطرہ ہو تو چندہ مانگنے والے کو دینے کی نیت سے دیدیا جائے، پھر وہ جس کام میں چاہیں گے خرچ کریں گے، وہ ان کا فعل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

= قال العلامة علي القاري : "وهو تخصيصٌ بعد التعميم إشارة إلى أنها أضر ما في الدنيا البلايا، و قد جاء في رواية الديلمي عن معاذ : "اتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن إبليس طلاع رصاد، وما هو بشيء من فخوخه بأوثق لصيده في الانقياد من النساء". (مرقاة المفاتيح : ٦/٢٦٧، كتاب النكاح، الفصل الأول، رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ : ﴿و قرن في بيوتكن و لا تبرّجن تبرج الجاهلية﴾ (سورة الأحزاب : ٣٣)

(٢) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أيما امرأة استعطرت، فمرت على قوم ليجدوا من =

پردہ نشین لڑکی کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ

سوال[۱۰۵۵۵]: میری ہمشیرہ مذہبی خاندان سے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ صوم وصلوۃ کی پابند اور غیر شادی شدہ خوبصورت اور پردہ نشین ہے جو بمبئی میں مقیم ہے، پھر یہ اعلیٰ تعلیم کے لئے طبیہ کالج اسپتال میں حکمت کے کورس میں داخلہ لینا چاہتی ہے۔ طبیہ کالج میں اکثر اساتذہ مرد ہیں اور طلبہ میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم حاصل کرتے ہیں، لڑکیاں کلاس میں برقعہ اوڑھ کر بیٹھیں تو سختی نہیں ہے مگر نقاب نہیں ڈال سکتیں، چہرہ کھلا رہے گا۔ بعد میں دو سال تک مریضوں پر عمل تشخیص بھی کرائی جائے گی، جہاں مرد مریضوں کا معائنہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ یہ کورس کا عمل ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ کافی بے پردگی ہے اور لڑکی یہ کورس حاصل کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے، مقصد صرف ڈاکٹری حاصل کر کے اچھی جگہ شادی کرنی ہے، یہ دنیاوی حسن حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا اس لڑکی کا کالج میں داخلہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ رہا شادی کا معاملہ تو وہ قسمتی معاملہ ہے جو صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، یہ ہمارا عقیدہ ہے بس ترکِ اسباب نہ ہو۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمادیں کہ گورنمنٹ کے میڈیکل کالج میں جہاں اکثر اساتذہ اور طلبہ غیر مسلم ہیں اور تعلیم مخلوط ہے وہاں پر بے پردگی کے ساتھ لڑکیوں کو تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے دیگر ڈگری کالجوں میں جہاں ایم اے وغیرہ کی ڈگری دی جاتی ہے لڑکیوں کو تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

طریقۂ مذکورہ پر داخلہ لے کر تعلیم اور ڈگری حاصل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے(۱) یہی حکم

= ريحها فهي زانية". (سنن النسائي، رقم الحديث: ٢/ ٢٨٢، كتاب الزينة، باب ما يكره للنساء من الطيب، قديمي)

(وجامع الترمذي، رقم الحديث: ٢/ ١٠٧، كتاب الأدب، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة، سعيد)

(و سنن الدارمي: ٢/ ٣٦٢، باب في النهي عن الطيب إذا خرجت، قديمي)

(١) قال العلامة ابن حجر المكي رحمه الله تعالى: "اعلم أن النهي من تعليم النساء للكتابة لا ينافي طلب تعلمهن القرآن والعلوم والآداب؛ لأن في هذه مصالح عامة من غير خشية مفاسد تتولد عليها بخلاف الكتابة، فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشية مفسدة، و درء المفاسد مقدم على جلب المصالح". =

دیگر میڈیکل کالجوں کا ہے۔لڑکوں اورلڑکیوں کی مخلوط تعلیم اور بے پردہ ملاقات، بود و باش، مرد اساتذہ کا ان کو تعلیم دینا، ان کا مریض مردوں پر عمل تشخیص کرنا یہ سب چیز غلط ہے، ان سے پورا پرہیز لازم ہے۔شادی کا معاملہ جس طرح خدا کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہر معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض ونفاس کے مسائل بتانا

سوال[۱۰۵۲]: اگر کوئی شخص اپنی محلہ کی غیر محرم عورتوں کو پردہ میں رکھ کر حیض ونفاس کا مسئلہ اور نماز وروزہ اور پاکی وناپاکی کے بارے میں وعظ ونصیحت سنانا اور بتلانا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ثابت ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر احتیاط چاہیے، خاص کر حیض ونفاس کے مسائل اپنی محرم عورتوں کو سمجھادے اور پھر وہ عورتیں دوسری عورتوں کو سمجھادیں، جیسا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سمجھایا کرتی تھیں(۱)، غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ہرگز نہ کرے، یا مردوں کو سمجھادے اور وہ اپنی عورتوں کو سمجھادیں، غیر محرم عورتوں کے ساتھ خلوت ممنوع ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (الفتاوی الحدیثیة، ص: ۱۱۹ مطلب: یکره تعلیم النساء الکتابة، قدیمی)

(کذا فی حجة الله البالغة: ۲/۳۳۳، قدیمی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح: ۸/۳۶۴، باب الرقی، مکتبه حقانیه پشاور)

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: دخلت أسماء علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت: یارسول الله! -صلی الله علیه وسلم- کیف تغتسل إحدانا إذا طهرت من المحیض؟ قال: تأخذ سدرها وماءها فتوضأ ثم تغتسل رأسها وتدلکه حتی تبلغ الماء أصول شعرها، ثم تفیض علی جسدها، ثم تأخذ فرصتها فتطهر بها، قالت: یا رسول! کیف! تطهر بها؟ قالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: فعرفت الذی یکنی عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقلت: لها تتبعن بها آثار الدم". (أبوداؤد، کتاب الطهارة، باب الإغتسال من الحیض: ۱/۵۰، إمدادیه)

(۲) "وفی الأشباه: الخلوة بالأجنبیة حرام .... ". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی =

دنیوی تعلیم کے نتائج

سوال[۱۰۵۷]: ا......بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بی،اے۔ایم،اے پڑھ کرا کثرلڑکے بگڑ جاتے ہیں،کیاان کے کہنے سے شریعت اسلامی یہ بتلاتی ہے کہ اسے اعلیٰ تعلیم نہ دی جائے یادنیوی تعلیم نہ دی جائے،اگر دی جائے تو کس طریقہ سے؟

۲......اس نازک دور میں دنیوی تعلیم دلوانا جائز ہے یا ناجائز؟ان تمام سوالوں کے جدا جدا جواب دے کراس کا کوئی نیک حل نکالا جائے،خداتعالیٰ آپ کے عظیم ارادوں کودائمی قائم رکھےاورعلماءدین کی اللہ تعالیٰ ہر طرح سے امدادفرمائے۔آمین!ان سوالوں کے جواب آسان اردو میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......ایسی تعلیم دلانا جس کے اثر سے بچے بگڑ جائیں اور دین سے بے تعلق ہوکر بے دین بن جائیں (عقائد،اخلاق،اعمال خراب ہوجائیں) جائز نہیں،یہ ان کے ساتھ خیرخواہی نہیں بلکہ ان کوتباہ اور برباد کرنا ہے، اس بگاڑ سے حفاظت کا انتظام ہوجائے تو دنیوی تعلیم بھی درست ہے(۱)۔اول عقائد واخلاق واعمال شرعیہ کی تعلیم دی جائے،بزرگوں کی صحبت میں رکھا جائے،دینی کتب کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہیں تو حفاظت ہوسکتی ہے۔

۲......نمبر:ا سے نمبر:۲ کا جواب واضح ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

= اللحس والنظر : ۶/۳۶۸، سعید)

(۱) "زيد بن ثابت رضي الله تعالیٰ عنه قال : أمرني رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ، أن أتعلم السريانية ، و في رواية: أنه أمرني أن أتعلم كتاب يهود ، وقال:إني ما من يهود على كتاب ، قال زيد بن ثابت، فما مر بي نصف شهر، حتى تعلمت فكان إذا كتب إلى يهود كتبت، وإذا كتبوا إليه قرأت له كتابهم". (صحيح البخاري : ۲/۱۰۶۸، باب ترجمة الحكام ، قديمي)

(كذا في امداد الفتاوی : ۶/۱۸۵، مكتبه دار العلوم)

معلمین کے ساتھ معلمات کا تقرر اور سیانے بچے بچیوں کی مخلوط تعلیم

سوال [۱۰۵۸] : ایک اسلامیہ اسکول جس کا سارا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، اس میں معلموں کے ساتھ معلمات کا تقرر درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح دس سال یا زائد عمر کے بچے بچیوں کی یکجائی تعلیم کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامیہ اسکول میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو معلّمہ کی حیثیت سے مقرر کرنا شرعاً درست نہیں، اسی طرح سیانی لڑکیوں کو لڑکوں کے اسکول میں داخل کرنا جائز نہیں، دس سال کی لڑکی (حسب سوال سائل) کو ہرگز ایسے اسکول میں داخل نہ کیا جائے اس میں سخت فتنہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۴ھ۔

نرسری اسکول اور عیسائی معلمات

سوال [۱۰۵۹]: محترم جناب مفتی صاحب! سلام مسنون!

سائلہ کی استدعاء ہے کہ امور مندرجہ ذیل میں شریعت حقہ کی روشنی میں رائے عالی سے مطلع فرمائیں:

برائے بنات ایک قومی تعلیمی ادارے کی خدمت انتظامیہ ایک نسواں کمیٹی کے سپرد ہے جس کی خدمت صدارت میں اٹھارہ سال سے انجام دے رہی ہوں اور پورے زمانۂ خدمت میں ادارہ کے تمام امور متعلقہ حدود

---

(۱) قال الشیخ ولی اللہ المحدث الدهلوی : "اعلم أنه لما كان الرجال يهيّجهم النظر إلى النساء على عشقهن والتوجه بهن، و يفعل بالنساء مثل ذلک، وكان كثيراً ما يكون ذلک سبباً لأن يبتغى قضاء الشهوة منهم على غير السنة الراشدة كاتباع من هي في عصمة غيره، أو بلا نكاح، أو غير اعتبار كفائة، والذى شوهد من هذا الباب يغني عما سطر في الدفاتر، اقتضت الحكمة أن يسد هذا الباب". (حجة الله البالغة : ۲/۳۳۳، ذكر العورات، قديمى)

" (و تمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة، بل (لخوف الفتنة) كمسه وإن أمن الشهوة الخ". (الدر المختار : ۱/۴۰۶ باب شروط الصلاة، سعيد)

(وكذا في فتاوى إبن حجر رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۱۹، قديمى)

شریعت پاک کی روشنی میں ترک واختیار کرنے کی کوشش کی گئی، ادارۂ مذکور سے متعلق شعبہ تربیت گاہ اطفال بھی قائم ہے جس میں ۳/ تا ۶ سال کے بچوں کو ابتدائی معلومات دین ودنیا کی بابت کھیل ہی کھیل میں ضروری امور ذہن نشین کرادیئے جاتے ہیں۔

نصاب تربیت پوری چھان بین کے بعد سائلہ مرتب کرتی ہے اور روز کا کارِ خدمت مشاہدہ میں رہتا ہے، شعبہ مذکور کی خدمت تربیت کے لئے معلّمہ ادارۂ مذکور کی تعلیم پائی ہوئی اور دوسری عیسائی لیڈی انجام دے رہی ہے، دوسری مسلم معلّمہ باوجود تلاش وکوشش کے میسر نہ ہوئی، جو ملیں وہ انتہائی آزاد خیال، بے پردہ ہندو اداروں کی سند یافتہ، ناتجربہ کار لڑکیاں تھیں، اس لئے عیسائی معلّمہ کو ترجیح دی گئی کہ وہ نسبتاً بہتر اخلاق، پرورشِ اطفال سے واقف، ماہر نفسیات خانہ داری اور سن رسیدہ ہیں۔

مقصودِ تقرر یہ بھی ہے کہ ادارے کی معلمات دوسرے اداروں میں جا کر طریقۂ تربیت سیکھنے کے بجائے اپنے ادارے میں رہ کر ضروری باتیں سیکھ لیں اور کام خود سنبھال سکیں، مختصر یہ کہ عیسائی قطعاً آزاد نہیں ہیں، بلکہ حدود متعین کے اندر کام کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں احکام شریعت کیا ہیں؟ مطلع فرمایئے یعنی ان سے خدمت لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (سائلہ کا نام مصلحتاً درج نہیں کیا گیا)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے بڑی مسرت ہوئی کہ اس ادارہ کے تمام امورِ متعلقہ حدود شریعت پاک کی روشنی میں ترک واختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اور زیادہ پابندی کی توفیق دے۔ معلّمہ موصوفہ عیسائی کے تقرر کے وقت بھی تو اولاً یہی کوشش کی گئی ہو، اب کیا وجہ پیش آئی کہ اس کے متعلق استفسار کیا جارہا ہے، کیا وقت تقرر اس مسئلہ کی تحقیق نہیں کی گئی اور بلا تحقیق معصوم بچوں کی تربیت وتعلیم کو معلّمہ موصوفہ کے سپرد کردیا گیا، مسلم معلّمہ جو ملیں تو وہ بے پردہ، انتہائی آزاد خیال ملیں، کیا معلّمہ موصوفہ پردہ نشین اور پابندِ خیال ہیں؟

جناب نے معلّمہ موصوفہ کے اخلاق کو بہتر فرمایا ہے تو کیا کفر کے ساتھ بہتر اخلاق جمع ہوسکتے ہیں؟ شاید اخلاق سے مراد شرعی اخلاق نہیں بلکہ عرفی اخلاق ہیں، سب سے ہنس بول کر ملنا، چکنی چپڑی باتیں بنالینا مراد ہے، ورنہ شریعتِ مقدسہ میں اخلاق نام ہے اتباعِ سنت کا یعنی اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ تو یہ چیز کسی غیر مسلم سے نہیں ہوسکتی کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس کا ایمان ہی نہیں تو پیروی کا کیا محل ہے؟

فطری بات ہے کہ استاد کے جذبات وخیالات شاگردوں کے دلوں پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں جیسا کہ ہندو اداروں کی سند یافتہ معلمات کے متعلق آپ کو خود شکایت ہے۔ انگریز استاد کے اثرات بھی جو کچھ طلباء پر پڑتے ہیں وہ آج کسی سے مخفی نہیں حتی کہ اگر کوئی ہندو یا عیسائی خالص مذہب اسلام کی تعلیم دے اور اس کو آزاد نہ چھوڑا جائے، بلکہ اس کے حدود متعین کردیجائیں جیسا کہ معلمہ موصوفہ کے متعلق ادارۂ موصوفہ میں کیا گیا ہے تب بھی اس کے قلبی اور دماغی اثرات ضرور پڑیں گے۔ جن عیسائیوں نے قرآن پاک کی تفسیر یا حدیث شریف کی تشریح کی وہ ان کے اندرونی اثرات سے خالی نہیں، بلکہ جو ڈکشنری لکھی اس میں بھی وہ اثرات موجود ہیں۔ بڑے سمجھدار آدمی کو استاد کے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر بچنا دشوار ہوتا ہے اور یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں جس کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی حاجت ہو، بلکہ اس کا مشاہدہ سب کو ہے۔ اپنے دین کی حقیقت سے ناواقفیت یا تاثر سے بچے رہنے کے زعمِ باطل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے کوئی انکار کرے تو اس سے وہ اصل حقیقت باطل نہیں ہوگی۔

نصابِ تربیت اگر محض اپنی رائے اور بصیرت سے چھان بین کر کے تجویز ومتعین کیا جاتا ہے تو اس کے متعلق اتنی گزارش ہے کہ اپنی رائے کو معیارِ حق نہ بنایا جائے، بلکہ جو حضرات کتاب وسنت کے ماہر ہیں کہ انہوں نے سب طرف سے کٹ کر کتاب وسنت ہی کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کردیا ہے اور ہر حکم کے درجہ کو پہچانتے ہیں اور حدیث پاک کے متن اور شروح پر نظر رکھتے ہیں، قرآن شریف اور اس کی تفسیر سے خوب واقف ہیں اور آثارِ صحابہ ان کے سامنے ہیں، ائمہ مجتہدین کے تخریج کردہ مسائل کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور ان کے طرقِ استنباط واستدلال کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کی تمامتر جدوجہد اعتقادی، عملی، اخلاقی، معاشرتی زندگی کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت اصلاح کرنا ہے اور اتباعِ سنت، مسائل فقہ پر عمل، تزکیہ، اصلاحِ باطن کی بدولت اللہ پاک نے ان کو خشیۃ، تقویٰ، احسان کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے، ان کے مشورہ سے استفادہ کی بے حد ضرورت ہے۔ یہ چند سطور تحریر سے ضمناً متعلق تھیں اب اصل سوال کا جواب عرض ہے:

قرآن پاک میں ہے:

﴿یا أیها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء﴾ (۱): "أی لا تعتمدوا علیهم، و لا تعاشروهم معاشرة الأحباب (بعضهم أولیاء بعض) إیماء إلی علة النهی یعنی أنهم متفقون علی خلافکم و إضرارکم، و توالی بعضهم بعضاً لاتحادهم فی الدین. (ومن یتولهم منکم) یعنی عبد الله بن أبیّ، فإنه منهم یعنی کافرٌ و فاسقٌ۔ عن عیاض أن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أمر أبا موسی الأشعری رضی الله تعالیٰ عنه أن یرفع إلیه ماأخذ و ما أعطی فی أدیم واحد، وکان له کاتب نصرانی، فرفع إلیه ذلك، فعجب عمر رضی الله تعالیٰ عنه: و قال: "إن هذا الحفیظ هل أنت قاریٔ لنا کتاباً فی المسجد جاء من الشام"؟ فقال: هو لا یستطیع أن یدخل المسجد، قال عمر: "أجنب"؟ قال: بل نصرانی، قال: فهرنی، و ضرب فخذی، ثم قال: أخرجه، ثم قرأ: ﴿لاتتخذوا الیهود والنصاری أولیاء﴾ أخرجه ابن أبی حاتم والبیهقی فی شعب الإیمان، وجاز أن یکون قوله تعالیٰ. ﴿و من یتولهم منکم فإنه منهم﴾ مَبنیاً علی التجویز: أی من یتولهم فهو فاسق، والفاسق یشابه الکافر، والغرض منه التشدید فی مجانبتهم اهـ". تفسیر مظهری(۲)۔

"إن هذا العلم دین، فانظروا عمن تأخذون دینکم اهـ". :أی الدین لا یؤخذ إلا ممن أوتمن علی دینه اهـ"۔ (شرح مسلم) (۳)۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ عیسائی کو ولی بنانا جائز نہیں یعنی اس پر اعتماد کرنا اور اس کے ساتھ احباب جیسا معاملہ کرنا درست نہیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائی سے خط پڑھوانا بھی گوارہ نہیں کیا اور جب تک کسی شخص پر دینی اعتماد نہ ہو یعنی شریعتِ مقدسہ کے نزدیک اس کا دین قابلِ اعتماد نہ ہو اس سے علم نہیں حاصل کرنا چاہئے، اس

---

(۱) (المائدہ: ۵۱)

(۲) (التفسیر المظهری: ۱۲۵/۳، سورة المائده، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(و تفسیر ابن کثیر: ۹۲/۲، دارالسلام ریاض)

(۳) (شرح الکامل للنووی علی الصحیح لمسلم: ۱۱/۱، باب أن الإسناد من الدین، قدیمی)

سے صاف ظاہر ہے کہ معصوم بچوں کو معلّمہ موصوفہ کے سپرد کرنا اس بناء پر کہ وہ تربیت کا سلیقہ رکھتی ہیں اور بچوں کو صاف ستھرا رہنے اور مکان پر جا کر سب کو جدا گانہ سلام کرنے کا طریقہ بتادیتی ہیں درست نہیں اور یہ چیز بچوں کے حق میں زہر قاتل ہے، گو وہ زہر ابھی ہر ایک کو نظر نہیں آتا مگر اس کے جراثیم ابھی سے بچوں میں پیدا ہو کر پرورش پاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ان کے قلب و دماغ اثر قبول کرتے ہیں۔ پھر جب کہ معلّمہ موصوفہ پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور وہ ماہر نفسیات بھی ہیں تو اگر وہ اپنے مذہب کی پابند ہیں تو ان کی دوڑ دھوپ زیادہ سے زیادہ اس لئے ہوگی کہ آہستہ آہستہ بچوں پر بلکہ تمام ادارے پر اپنا مذہبی رنگ جمائیں۔

اگر وہ اپنے مذہب کی پابند نہیں تو غور کریں کہ جو اپنے مذہب سے آزاد ہے وہ دوسروں کے مذہب کا خیال کیا کرے گی؟ بلکہ وہ تو چاہے گی کہ میری طرح سب ہی آزاد ہو جائیں۔ میڈیکل کالج کی نرسیں بھی بہت سلیقہ شعار اور ماہر نفسیات ہوتی ہیں، مریضوں کو ان کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، وہ بہت ہوشیاری اور اخلاص کے ساتھ مریضوں کی خدمت کرتی ہیں، لیکن ۴۷ء سے پہلے کی بات ہے کہ لدھیانہ میڈیکل کالج سے ایک ہزار سے زائد لڑکیاں عیسائی بنا کر فرار کرادی گئیں کہ ان کے ورثاء باپ شوہر وغیرہ ملنے کے لئے گئے تو کہہ دیا کہ وہ تو یہاں سے صحت یاب ہو کر چلی گئیں (اخبارات میں تفصیل آئی تھی)۔ اس لئے للہ ان معصوم بچیوں پر رحم کیجئے۔

فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

باسمہ و بحمدہ :

محترم المقام جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب استفتاء موصول ہوا اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ کی سعادت عطا فرمائے اور ہم سب کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق و استقامت کے ساتھ آسانیاں بھی عطا فرمائے (آمین) جناب کی حتمی تحریر کے ذیل میں کچھ باتیں جواب طلب محسوس ہوئیں اس لئے دوبارہ عریضہ ارسالِ خدمت کر رہی ہوں، متوقع ہوں کہ آپ اسے گستاخی پر محمول نہ فرمائیں گے۔

ا...... شعبۂ تربیت گاہ اطفال قائم کرنے کی ضرورت کا احساس اس وجہ سے ہوا کہ قریبی عزیز و اقارب

نیز بیشتر مسلم گھرانوں کے بچے عیسائی تربیت گاہوں یا ہندو نرسری اسکولوں میں بھیجے جارہے تھے، جہاں کا پورا نظام تعلیم و تربیت انہیں کے عقائد اور ذوق کے مطابق ہے، لہٰذا معاونین کار کو مذکورہ نقصان کی نشاندہی کرتے ہوئے شعبۂ تربیت گاہ اطفال قائم کرنے کی ضرورت پر متوجہ کیا اور آمادگی بھی حاصل ہوگئی۔

تقرر معلّمہ کے ذیل میں انتہائی کوشش کی گئی کہ وہ مسلم اور کارمنصب کی اہل بھی ہو مگر جو مسلم لڑکیاں ملیں ان میں اتنی لچک بھی نہ پائی گئی کہ وہ ڈانس، ساز، گانے وغیرہ کا طریقہ بھی چھوڑ دیں اور دوسرے لادینی طریقوں میں ترمیم کرسکیں۔ عیسائی معلّمہ ہماری زیر ہدایت کارخدمت انجام دینے پر آمادہ ہوگئیں، گمان ہوا کہ ان کے پیش نظر حصول زر ہے اور شعبہ تربیت گاہ اطفال کی مسلم معلّمہ کے لئے ایک تجربہ کار مددگار کی ضرورت ہے، لہٰذا اپنے اس ادارے میں رہتے ہوئے چھوٹے بچوں پر قابو حاصل کرنے کا طریقہ سیکھ کر آئندہ خود کام سنبھال سکیں، اگر محض ناواقف کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو داخلے نہ ہوتے۔ بہرصورت مقصود مسلم بچوں کو لادینی اثرات سے بچانا ہے، اللہ تعالیٰ کو میری نیت کا بخوبی علم ہے۔

سیرت النبی جلد اول زیر عنوان ”مذہبی انتظامات“ کے ذیل میں دیکھا کہ اسیران بدر میں جو لوگ فدیہ ادا نہ کرسکے ان کو حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرط پر رہا فرمادیا کہ وہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھادیں، نیز علمائے کرام کا حکومت سے یہ مطالبہ بھی پیش نظر تھا کہ غیر دینی تعلیم اور لادینی نصاب والی درسگاہوں (جبریہ تعلیم) میں کچھ وقت دینی تعلیم کے لئے مخصوص کردیا جائے۔

اب میرے علم میں یہ چیز لائی گئی کہ کسی صاحب کو عیسائی معلّمہ کے تقرر پر دینی اعتراض ہے تو میں نے استفتاء روانہ خدمت کردیا، تاکہ احکامِ حق کی روشنی میں یا تو اپنے غلط انتخاب کی اصلاح کرسکوں یا معترض صاحب کو مطمئن کرسکوں۔

۲..... نصاب تعلیم مرتب کرنے کی چھان بین سے میری مراد مشہور و معروف امور کے علاوہ اجتہادی مسائل میں اخلاص اور دینی بصیرت رکھنے والے علمائے کرام کی تحقیق و تفتیش سے فائدہ اٹھانا ہے، اپنی رائے کو معیارِ حق ماننے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔

طالب دعا: (..........) ۲۵/ستمبر/ ۵۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً :

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دینی تحقیق کے سلسلہ میں اللہ جل شانہ کی مرضی کا دریافت کرنا اوراس پرعمل کرنا ہرایک کے ذمہ ضروری ہے،اس کوگستاخی پر کیوں محمول کیا جائے۔تربیت اطفال کی ضرورت بدیہی ہے اورلا دینی اداروں کی مضرت بھی بالکل واضح ہے اوراسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم معلمہ دینی تربیت کے لئے دستیاب نہیں ہوتی جس کی جناب کوبھی شکایت ہے۔اس پربھی تعجب ہے کہ ۱۸/ سال سے خدمت صدارت جناب کے سپرد ہے مگراس مدت میں پوری جدوجہد کے باوجودایسی دومعلّمہ بھی اس ادارہ میں کامیاب نہیں ہوسکیں،جن سے اس ادارہ میں کام لیا جاسکے۔عدم جواز کی دلیل احقر گذشتہ تحریر میں قرآن پاک وحدیث شریف،حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کےعمل سے پیش کرچکا،لہٰذااس کے متعلق تواب کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں،البتہ جواز کے لئے گنجائش جناب نے جس دلیل سے نکالی ہے اس کا حاصل دوچیزیں ہیں:ایک اسیرانِ بدرکاواقعہ،دوم موجودہ علماء کی سعی اورحکومت سے مطالبہ۔

امراول کے متعلق غورکریں کہ اسیرانِ بدرسے جوفدیہ لیا گیا تواللہ تبارک وتعالیٰ نے کیااس کوپسند فرمایا ،یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواس پرکوئی دوسری چیزارشادفرمائی (۱) اورخودحضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیاارشادفرمایاکہ’’عذاب بالکل قریب آ گیا تھا،اگرعذاب ہوتا توعمرکے علاوہ کوئی اورنہ بچتا‘‘ (۲)،حضرت عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی بلکہ قتل کردینے کی تھی (۳)۔ایسے واقعہ سے استدلال کرنا کہاں تک برمحل تھا؟نیزوہاں رسم الخط سیکھنا تجویز کیا گیا تھا (۴) جیسے اوردوسری صنعتیں:نجاری،حدادی وغیرہ نہ کہ

---

(۱) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ما كان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في الأرض ، تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة ، والله عزيز حكيم ٥ لو لا كتابٌ من الله سبق لمسكم فيما أخذتم فيه عذاب عظيم﴾ (سورة الأنفال :٦٧، ٦٨)

(۲) (زرقانی: ۱/۴۴۲، بحواله سيرة مصطفیٰ: ۲/۱۱۴، وزرقانی: ۱/۴۴۲، بحواله سيرة مصطفیٰ: ۲/۱۱۴،مولانا ادريس كاندهلوی ،مكتبه عثمانيه لاهور)

(۳) (البدايه والنهاية :۳/۲۹۷، أبو الفداء ابن كثير ، مكتبه المعارف بيروت)

(۴) دیکھئے: (طبقات ابن سعد : ۲/۲۲)

دینی تربیت معصوم بچوں کی، جن کو رسم الخط سیکھنا تھا وہ اپنا دین براہ راست آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھ کر اتنے پختہ ہو چکے تھے کہ ان پر کسی کے اثر کا خطرہ نہیں تھا بلکہ کچھ مدت دینی ماحول میں رہ کر اسیرانِ بدر خود بھی مسلمان ہی ہو گئے تھے۔

یہاں معصوم بچوں کی دینی تربیت ایک دشمنِ دین کے سپرد ہے وہ بچے خود دین سے ناواقف ہیں ان کے دین کا سنگِ بنیاد دشمنِ دین کے قبضہ میں ہے، بچوں کے دلوں میں اس کی دینی عزت ہے، سب ادارہ اس کی دینی تربیت وواقفیت سے متأثر ومرعوب ہے، تحصیل زر کے ساتھ اس کے اعزاز واکرام ترقی پر ہے، بچے سمجھتے ہیں کہ ہم کو دین اس نے سکھایا ہے یہ دین کی بڑی ماہر ہے، اخلاق اس نے ہم کو سکھائے ہیں یہ اخلاق کی بڑی ماہر ہے حالانکہ وہ دین کی بھی دشمن ہے اور اخلاق کی بھی دشمن ہے، اس کے نتائج جو کچھ ہوں گے وہ نہایت خطرناک اور بچوں کے لئے بلکہ تمام ادارہ کے لئے بڑے مہلک ہوں گے۔

امر دوم: علماء کی جدوجہد یہ نہیں ہے کہ مسلمان بچوں کو ہندو دینی تعلیم دیں، بلکہ جبریہ تعلیم کے پیش نظر جب بچے اسکولوں میں داخل ہونے پر مجبور ہیں اور اپنا ادارہ کوئی قابلِ اطمینان نہیں اور وہاں کا سارا ماحول غیر ہے تو کوشش کی گئی کہ اس مجموعی لادینی ماحول میں مسلمان بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ جس قدر بھی مسلم معلم ان کے دین کی حفاظت کر سکیں غنیمت ہے، آپ کے ادارے میں سب کچھ دین ہی دین ہے تو وہاں عیسائی معلّمہ کو لا کر دین کی تربیت اس کے سپرد کرنا اور معصوم بچوں کا اس کو دینی استاد بنا دینا ان بچوں کے دلوں میں بددینی کی بنیاد قائم کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر محمود غفی عنہ، ۲۳/ ربیع الاول/ ۱۳۷۸ھ۔

اسکول میں ترانہ

سوال[۱۰۶۰]: اسکولوں میں آج کل شرعی لباس نہیں ہے اور صبح کو پرارتھنا میں "رگھو پتی راگھو راجہ رام" ترانہ مسلمان، ہندو، سکھ سب مل کر گاتے ہیں، اگر مسلمان بچے اور استاذ شریک نہ ہوں تو ان پر ناحق ظلم کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان بچوں اور استاذوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرک اور معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"۔ الحدیث (۱)۔ایسی چیزوں سے بچنے کے لئے آئینی تدابیر اختیار کی جائیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

دوسرے سے سرٹیفکٹ حاصل کرنا

سوال[۱۰۶۱]: اگر ایک لڑکے نے ٹیکنیکل کورس کیا مگر اس کے پاس سرٹیفکٹ نہیں ہے، تو کہیں سے سرٹیفکیٹ لیکر نوکری حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ لڑکا تجربہ کار بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قانوناً سرٹیفکٹ حاصل کرنا ضروری ہے بغیر اس کے ملازمت حاصل کرنا جرم ہے تو قانون کی پابندی لازمی ہے کہ اس میں جان ومال کی حفاظت بھی ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (فیض القدیر ۱۲/۶۸۶۲ ط:مکتبہ نزار مصطفی ریاض)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارۃ والقضاء الفصل الثانی، ص ۳۲۱، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿یاأیھا الذین اٰمنوا لاتخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم﴾. (سورۃ الأنفال، پ: ۹، آیۃ: ۲۷)

"طاعۃ الإمام فی غیر معصیۃ واجبۃ". (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعۃ الإمام واجبۃ: ۵/۳۲۲، سعید)

ما يتعلق بالقرآن الكريم

(تفسیر کا بیان)

شرائط تفسیر

سوال[۱۰۶۲]: قرآن پاک کی تفسیر کے لئے کیا شرائط ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

لفظ کو معنی حقیقی یا مجاز متعارف پر حمل کرنا، سیاق وسباق کے خلاف نہ ہونا، شاہدانِ وحی کی شہادت سے مؤید ہونا۔ تفسیر فتح العزیز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر وتاویل میں فرق

سوال[۱۰۶۳]: تفسیر وتاویل میں کیا فرق ہے؟

---

(۱) قال الإمام جلال الدين السيوطى رحمه الله تعالى: " و منهم من قال: يجوز تفسيره لمن كان جامعاً للعلوم التى يحتاج المفسر إليها، و هى خمسة عشر علماً: أحدها : اللغة ، الثانى : النحو ، الثالث : التصريف ، الرابع : الاشتقاق ، الخامس والسادس والسابع: المعانى والبيان والبديع، العاشر: أصول الفقه ، الحادى عشر: أسباب النزول والقصص، الثانى عشر: الناسخ والمنسوخ ، الثالث عشر : الفقه، الرابع عشر: الأحاديث المُبَيِّنة لتفسير المجمل والمبهم، الخامس عشر . علم الموهبة".

قال : فهذه العلوم التى هى كالآلة للمفسر، لا يكون مفسراً إلا بتحصيلها، فمن فسر بدونها كان مفسراً بالرأى المنهى عنه". ملخصاً. (الإتقان : ۲/ ۳۵۹، النوع الثامن والسبعون فى معرفة شروط المفسر و آدابه، دارذوى القربى)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الاتقان : ۲/ ۳۵۱ – ۳۷۰، فى معرفة شروط المفسر، دار ذوى القربى)

(و روح المعانى : ۱/ ۲ ، داراحياء التراث)

(و فتح البارى : ۸/ ۱۵۵ ، دار الفكر)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر جملہ امورِ مذکورہ بالا (سوالِ گذشتہ کے تحت) ملحوظ ہوں تو تفسیر ہے، اگر بعض مفقود ہوں تو تاویل ہے۔ تفسیر فتح العزیز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

کیا قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ ہیں؟

سوال [۱۰۶۴]: زید و بکر کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱- زید کا قول ہے کہ متقدمین علما بھی اس امر کے قائل رہے ہیں کہ قرآن شریف میں بعض منسوخ الحکم آیات شریفہ موجود ہیں اور ان کی ناسخ آیاتِ شریفہ بھی اور علماء متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے اور اکثر کتب اہل سنت والجماعت مثلاً بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں بھی یہی امر موجود ہے اور کتب تفاسیر اہلِ سنت میں بھی یہی ہے کہ منسوخ الحکم آیاتِ شریفہ قرآن مجید میں موجود ہیں، ایسی آیات کی تعداد کے متعلق تو علماء

---

(۱) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالى: واختلف في التفسير والتأويل؛ فقال أبو عبيد و طائفة: هما بمعنىً، و قد أنكر ذلك قوم، حتى بالغ ابن حبيب النيسابوري، فقال: قد نبغ في زماننا مفسرون، لو سئلوا عن الفرق بين التفسير و التأويل، ما اهتدوا إليه.

و قال الراغب: التفسير أعم من التأويل، و أكثر استعماله في الألفاظ و مفرداتها، و أكثر استعمال التأويل في المعاني والجمل، وأكثر ما يستعمل في الكتب الإلهية، والتفسير يستعمل فيها و في غيرها.

و قال غيره: التفسير بيان لفظ لا يحتمل إلا وجهاً واحداً، والتأويل: توجيه لفظ متوجه إلى معان مختلفة إلى واحد منها، بما ظهر من الأدلة.

و قال غيره: التفسير يتعلق بالرواية والتأويل يتعلق بالدراية" (الإتقان في علوم القرآن: ۴۶۲/۲، في معرفة تفسيره و تاويله، دار ذوي القربى)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (البرهان في علوم القرآن: ۱۳/۱، دار المعرفة، بيروت)

(و روح المعاني: ۱۳/۱، دار الفكر)

(و فتح الباري: ۱۵۵/۸، دار الفكر)

کرام اہل سنت میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے، کسی نے ان کی تعداد کم بتلائی ہے کسی نے زیادہ، لیکن ان آیتوں کے موجود فی القرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، علمائے متقدمین ومتاخرین سب کا اتفاق ہے، موجودۃ الوقت علمائے اہل سنت بھی یہی فرماتے ہیں کہ منسوخ الحکم آیات شریفہ قرآن شریف میں موجود ہیں۔ کتاب مستطاب اتقان میں ایسی آیتوں کی تعداد بیس لکھی ہے اور امام الہند حجۃ اللہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں اور یہ دونوں باتیں تفسیر فوز الکبیر کے، ص:۱۸، ص:۲۰ میں موجود ہیں۔ غرض کچھ منسوخ الحکم آیات کے قرآن شریف میں موجود ہونے کے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر عالم اہل سنت بھی قائل ہیں اور معتبر ومسلم علماء میں سے ایک ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو کہ قرآن شریف میں کوئی منسوخ الحکم آیت موجود نہیں۔ کتب حدیث بخاری شریف وغیرہ اور کتب تفسیر مسلم اہل سنت والجماعت میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن شریف میں ایک آیت بھی منسوخ الحکم آیت موجود نہیں۔ برخلاف اس کے بکر کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ایک آیت بھی منسوخ الحکم نہیں اور بکر کے ہم خیالوں میں سے ایک شخص یہ بھی کہتا ہے کہ ہم شاہ ولی اللہ کے پیرو نہیں، ہمارے سامنے ان کے اقوال کا ذکر فضول ہے، ہم تو امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیرو ہیں، ہم کو آنجناب اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف وامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کس نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں منسوخ الحکم آیت موجود ہیں۔

اب ارشاد فرمائیں کہ زید کا قول مطابق مذہب علمائے کرام اہل سنت کے ہے یا بکر کا قول؟ اور بکر کے ہم خیال نے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جو خیال کیا ہے وہ مناسب ا۔ اہلِ سنت علماء کرام کے مطابق ہے یا نامناسب اور علماء اہل سنت کے خلاف؟ والسلام مع الاکرام۔

المستفتی: خاکسار عبداللہ عفا اللہ عنہ از محلہ بہاری پور شہر بریلی

الجواب حامداً و مصلیاً :

آپ نے سوال میں طرفین کے حوالجات کو بہت ہی مجمل ومبہم طور پر ذکر کیا ہے اور خصوصیت سے بکر کا حوالہ تو اکثر ابہاماً ہے، اگر کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے یعنی ہر کتاب کی عبارت نقل فرمادیتے کہ زید اس عبارت سے استدلال کرتا ہے اور بکر اس عبارت سے تو پھر بھی آسان ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک اور طرفین کے نزدیک صرف کتاب کا نام تحریر کرنا اور بہت سے بہت صفحہ کا حوالہ دینا کافی ہوتا ہے، احقر بھی

جواب میں اسی طریق کو اختیار کرے گا۔

تفسیر مفاتیح الغیب، ۱/۴۴۳ میں اس امر پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن کریم میں نسخ واقع ہوا ہے، صرف ابومسلم بن بحر کی رائے یہ ہے کہ نسخ واقع نہیں ہوا ہے(۱)، جمہور کی طرف سے استدلال میں چند آیات نقل کی ہیں:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ما ننسخ من آیة﴾ (الآیة)(۲)

ترجمہ: ''ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں، کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شئی پر قدرت رکھتے ہیں''۔ (بیان القرآن)

﴿وإذا بدلنا آیةً مکان آیة﴾ (الآیة)(۳)۔

---

(۱) (المسألة السادسة) اتفقوا علی وقوعه(أی النسخ) فی القرآن و قال أبو مسلم بن بحر: إنه لم یقع، و احتج الجمهور علی وقوعه فی القرآن بوجوه: أحدها هذه الآیة، وهی قوله تعالیٰ: ﴿ما ننسخ من آیة أو ننسها نأت بخیر منها﴾ ...... الحجة الثانیة للقائلین بوقوع النسخ فی القرآن: أن الله تعالیٰ أمر المتوفی عنها زوجها بالاعتداد حولاً کاملاً ...... ثم نسخ ذلک بأربعة أشهر و عشر .... أمر الله بتقدیم الصدقة بین یدی نجوی الرسول بقوله تعالیٰ: ﴿یا أیهاالذین امنوا إذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقةً﴾ ثم نسخ ذلک اهـ''. (التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) ۳۰/۲۲۹، ۲۳۱، سورة البقرة: ۲۲، دار الکتب العلمیة طهران)

''واتفقت أهل الشرائع علی جواز النسخ ووقوعه، و خالفت الیهود غیر العیسویة فی جوازه، وقالوا: یمتنع عقلاً وأبو مسلم الأصفهانی فی وقوعه فقال: إنه وإن جاز عقلاً لکنه لم یقع''. (روح المعانی: ۱/۳۵۲، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۳۴، دار القلم)

(والإتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۱، ذوی القربی)

(۲) (سورة البقرة: ۱۰۶)

(۳) (سورة النحل: ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور جب ہم کسی آیت کو بجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افتراء کرنے والے ہیں بلکہ انہیں میں اکثر لوگ جاہل ہیں“۔ (بیان القرآن)

﴿یمحو اللّٰہ ما یشاء و یثبت﴾ (الآیۃ) (۱)۔

ترجمہ: ” خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہیں کے پاس ہے“۔ (بیان القرآن) وغیرہ۔

پھر ص: ۴۴۴ پر وہ آیات درج کی ہیں جو منسوخ الحکم ہیں اور قرآن کریم میں موجود ہیں مثلاً: متوفی عنہا زوجہا کی عدت اولاً ایک سال تھی جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

﴿والذین یتوفون منکم و یذرون أزواجاً وصیۃً لأزواجہم متاعاً إلی الحول﴾ (۲) (الآیۃ)۔

ترجمہ: ”اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیبیوں کے واسطے ایک سال منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں، ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارہ میں (تجویز) کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں“۔ (بیان القرآن) (۳)۔

پھر منسوخ ہو کر چار ماہ دس روز عدت باقی رہ گئی، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿والذین یتوفون منکم و یذرون أزواجاً یتربصن بأنفسہن أربعۃ أشہر وعشراً﴾ الآیۃ۔ (٤)

ترجمہ: ” اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینہ اور دس دن۔ پھر جب اپنی میعاد ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہیں ہوگا ایسی بات میں کہ وہ

(۱) (سورۃ الرعد: ۳۹)

(۲) (سورۃ البقرۃ: ۲۴۰)

(۳) (بیان القرآن: ۱/۱۴۲، میر محمد کراچی)

(۴) (سورۃ البقرۃ: ۲۳۴)

عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں"۔(بیان القرآن)(۱)۔

دیکھئے قرآن شریف میں ناسخ اور منسوخ دونوں آیتیں موجود ہیں اور ہر دو کی تلاوت ہوتی ہے۔اسی طرح:

﴿یا أیها الذین امنوا إذا ناجیتم الرسول، فقدموا بین یدی نجواکم صدقة﴾۔الایة(۲)۔

ترجمہ: "اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے"۔(بیان القرآن)(۳)۔

یہ آیت بھی مابعد کی آیت سے منسوخ ہے(۴) اسی طرح:

﴿إن یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین﴾. (۵)۔ الایة بھی ﴿الآن خفف الله عنکم﴾(٦) الایة سے منسوخ ہے(۷)۔

---

(۱) (بیان القرآن: ۱/۱۳۹، میر محمد کراچی)

(۲) (المجادلة: ۱۲)

(۳) (بیان القرآن: ۲/۱۱۶، میر محمد کراچی)

(۴) "نسخ وجوب ذلک عنهم. و قد قیل: إنه لم یعمل بهذه الآیة قبل نسخها سوی علیّ رضی الله عنه ... و قال لیث بن أبی سلیم عن مجاهد: قال علیّ رضی الله عنه: آیةٌ فی کتاب الله عزوجل لم یعمل بها أحد قبلی و لا یعمل بها أحد بعدی، کان عندی دینار فصرفته بعشرة دراهم، فکنت إذا ناجیت رسول الله ﷺ تصدقت بدرهم، فنسخت و لم یعمل بها أحد قبلی و لا یعمل بها أحد بعدی، ثم تلا هذه الآیة: ﴿یاأیها الذین امنوا إذا ناجیتم الرسول، فقدموا بین یدی نجوکم صدقةً﴾. (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۱۸، سورة المجادلة: ۱۲، دار الفیحاء دمشق)

(وکذا فی روح المعانی: ۲۸/۳۱، سورة المجادلة: ۱۲، دار إحیاء التراث العربی)

(۵) (الأنفال: ۶۵)

(٦) (الأنفال: ۶۶)

(۷) "الآن خفف الله ...... أخرجه البخاری وغیره عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لما نزلت: ﴿إن یکن منکم عشرون﴾ شق ذلک علی المسلمین إذ فرض علیهم أن لا یفر واحد من عشرة، فجاء =

ترجمہ: ۱-''اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں کے سوآدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔ (بیان القرآن)۔

۲-''اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں''۔ (بیان القران)(۱)۔

''افادۃ الشیوخ'' میں اول قرآن سے لے کر اخیر تک ہر سورت کے متعلق بحث کی ہے اور ناسخ ومنسوخ کو شمار کیا ہے(۲)۔ تفسیر احکام القرآن میں حافظ ابوبکر حنفی رازی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن شریف میں آیات منسوخ موجود ہیں(۳)۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ابومسلم کے قول کی تردید کرکے آیاتِ منسوخہ کو گنایا ہے(۴)۔

= التخفيف ...... و هل يعد ذلك نسخاً أم لا؟ قولان .... و ذهب الجمهور إلى الأول، وقالوا: إن الآية ناسخة". (روح المعاني: ۱۰/۳۲، سورة الأنفال: ۶۶، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (بيان القرآن: ۱/۸۶، مير محمد كراچى)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۳) قال أبو بكر: "زعم بعض المتأخرين من غير أهل الفقه أنه لا نسخ في شريعة نبينا محمد ﷺ، و أن جميع ما ذكر فيها من النسخ، فإنما المراد به نسخ شرائع الأنبياء المتقدمين .... فارتكب هذا الرجل في الآي المنسوخة والناسخة وفي أحكامها أموراً خرج بها عن أقاويل الأمة مع تعسف المعاني و استكراهها، و أكثر ظني فيه أنه إنما أتي به من قلة علمه بنقل الناقلين لذلك و استعمال رأيه فيه من غير معرفة منه".

(أحكام القرآن للجصاص، باب في نسخ القرآن بالسنة وذكر وجوه النسخ: ۱/۵۹، ۸۰، دار الكتاب العربي)

(۴) قال ابن كثير رحمه الله تعالى: "والمسلمون كلهم متفقون على جواز النسخ في أحكام الله تعالى لماله في ذلك من الحكمة البالغة، و كلهم قال بوقوعه. وقال أبومسلم الأصبهاني المفسر: لم يقع شيء من ذلك في القرآن، وقوله ضعيف مردود مرذول، وقد تعسف في الأجوبة عما وقع من النسخ. فمن ذلك قضية العدة بأربعة أشهر وعشر بعد الحول لم يجب على ذلك بكلام مقبول". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۳۴، دار القلم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسير القرطبي: ۱/۵۵، دار الكتب العلميه بيروت)

اگر بکر کا ہم خیال کوئی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو تسلیم نہیں کرتا اس بنا پر کہ وہ اس کا اجتہاد اور ذاتی قول ہے اور اس کے پاس ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا صریح جزئیہ اس قول کے معارض ہے تب تو اس کو حق ہے کہ یہ کہہ دے کہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا معتقد و مقلد ہوں ان کے مقابلہ میں شاہ صاحب کا قول حجت نہیں، لیکن اگر شاہ صاحب امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ نقل کرتے ہوں اور صراحۃً امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کرتے ہوں مگر تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ صراحۃً امام صاحب سے یہی منقول ہے یا ان کے اصول پر متفرع ہے، خلاف نہیں پھر نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

آج امام ابوحنیفہ اور ابویوسف ومحمد وزفر رحمہم اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے موجود نہیں ان میں سے بعض کی تصانیف موجود ہیں، پس زید کے قول کی تردید بکر اس صورت میں کرسکتا ہے کہ ان اکابر کی تصانیف سے جزئیات یا کلیات ونظائر مقابلہ میں پیش کرے، محض اتنا کہہ دینا کہ میں شاہ ولی اللہ کا پیرو نہیں، کافی نہیں، کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ان اکابر کے خلاف نہیں فرمایا، بلکہ ان حضرات کی تصانیف میں جزئیات وکلیات ونظائر سے ہی بیان فرمایا ہے جیسا کہ دیگر کتب۔ سے ہی اتفاق جمہور نقل کیا گیا ہے۔ دیکھئے اصول فقہ کی کتاب ''المنار'' اس کی شرح ''نور الانوار''، ص:۲۱۱ (۱) و''حسامی''، ص:۸۹ (۲)۔ دوسرے علماء نے مستقل کتابیں اس مسئلہ پر تصنیف فرمائی ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

---

(۱) "وهو جائز عندنا بنص الذى تلونا قبل ذلك: ﴿ماننسخ من آية أو ننسها﴾ خلافاً لليهود لعنهم الله، فإنهم يقولون: تلزم منه سفاهة الله تعالىٰ والجعل بعواقب الأمور و هو لا يصلح للألوهية، وغرضهم من ذلك أن لا تنسخ شريعة موسى عليه السلام أحد، ويكون دينه مؤبداً، و نحن نقول: إن الله تعالىٰ حكيمٌ يعلم مصالح العباد و حوائجهم، فيحكم كل يومٍ على حسب علمه و مصلحته كالطبيب اهـ". (نور الأنوار على المنار، مبحث أقسام البيان: ۲۰۸، ۲۱۲، رشيديه)

(۲) (الحسامي: ۱۷۲/۱، ۱۸۵، كتب خانه مجيديه ملتان)

(۳) دیکھئے: (البرهان في علوم القرآن للزركشي: ۳۳/۲، دار المعرفه بيروت)

(والإتقان في علوم القرآن: ۴۰/۲، ذوى القربى)

نیز دیکھئے: (النامي شرح الحسامي: ۱۸۳، كتب خانه مجيديه ملتان)

الجواب صحیح : جمہور کا مسلک یہی ہے کہ قرآن شریف میں بعض آیات ایسی موجود ہیں جو منسوخ الحکم ہیں اگرچہ بعض علماء ان کو منسوخ نہیں کہتے اور یہ بحث کتبِ تفسیر واصولِ فقہ میں تفصیل سے مذکور ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے اجمالی حوالہ لکھ دیا ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارن پور۔ صحیح: عبداللطیف ۱۴/ شعبان/ ۱۳۶۰ھ۔

کیا حکمِ قرآنی حدیث سے منسوخ ہوسکتا ہے؟

سوال [۱۰۶۵] : ایک شخص جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن پاک کے واسطہ ہرگز ناسخ نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی حدیث ایسی ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث بھی قرآن مجید کے لئے ناسخ بن سکتی ہے تو ہم ایسی حدیث کو کسی انسان کا کلام نہیں سمجھیں گے بلکہ ہم اسے شیطان کا کلام سمجھیں گے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہلِ حق کا ایسے نسخ کے متعلق کیا عقیدہ ہے اور اگر اس میں اختلاف ہو تو راجح اور مفتی بہ مذہب کیا ہے۔

نیز وہی شخص یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں اٹھائے گئے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح ان کی وفات ہوچکی ہے اور ان کی روح اٹھائی گئی۔ ایسے شخص کا جس کا مذکورہ بالا عقیدہ ہو شرعاً کیا حکم ہے مؤمن رہا یا کافر ہوگیا اور عامۃ المسلمین کو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

نسخ الکتاب بالسنۃ میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے:

”إنما یجوز النسخ بالکتاب والسنة متفقاً و مختلفاً، فیجوز نسخ الکتاب بالکتاب والسنة، وکذا یجوز نسخ السنة بالسنة والکتاب، فهی أربع صور عند نا خلافاً للشافعی رحمه الله تعالی فی المختلف، فلا یجوز عنده إلا نسخ الکتاب بالکتاب والسنة بالسنة اهـ“. نور الأنوار (۱)

امام فخر الدین رازی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ”جواز نسخ الکتاب بالسنۃ“ جمہور کا قول ہے اور عدمِ جواز نسخ الکتاب بالسنۃ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ پھر طرفین کے دلائل بیان کرکے جمہور کی

(۱) (نور الأنوار : ۱۱۰، مکتبہ حقانیہ ملتان)

طرف سے امام شافعی کے دلائل کا جواب دیا ہے(۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جمہور کے قول کو راجح سمجھتے ہیں، جو شخص اس نسخ کے انکار میں اس قدر متشدد ہے وہ جاہل بلکہ معاند ہے۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ احادیث شریفہ میں احکام بیان فرماتے ہیں وہ بھی بذریعہ وحی ہوتا ہے، اگر کوئی حکم اجتہاداً فرمایا تو اس کو بھی وحی کے ذریعہ تائید ہوگئی (۲) ورنہ تبدیلی ہوگئی: ﴿و ما ینطق

---

(۱) "(المسألة الثالثة) قال الشافعي رضي الله عنه : الكتاب لا ينسخ بالسنة المتواترة ، واستدل عليه بهذه الآية من وجوه: أحدها: أنه تعالىٰ أخبر أن ما ينسخه من الآيات يأت بخير منها، و ذلك أنه يأتي بما هو من جنسه .... و إذا ثبت أنه لا بد و أن يكون من جنسه فجنس القرآن قرآن، و ثانيها : أنه قوله تعالى: ﴿نأت بخير منها﴾ يفيد أنه هو المنفرد بالإتيان بذلك الخير، و ذلك هو القرآن .... و ثالثها : أن قوله: ﴿نأت بخير منها﴾ يفيد أن المأتي به هو خير من الآية والسنة لا تكون خيراً من القرآن ،و رابعها : أنه قال: ﴿ألم تعلم أن الله على كل شيء قدير﴾ دلّ على الآتي بذلك الخير هو المختص بالقدرة على جميع الخيرات و ذلك هو الله تعالىٰ.

والجواب عن الوجوه الأربعة بأسرها: أن قوله تعالىٰ: ﴿نأت بخير منها﴾ ليس فيه أن ذلك الخير يجب أن يكون ناسخاً، بل لا يمتنع أن ذلك الخير شيئاً مغايراً للناسخ،و الذي يدل على تحقيق هذا الاحتمال أن هذه الآية صريحة في أن الإتيان بذلك الخير مرتب على نسخ الآية الأولى، فلو كان نسخ الآية الأولى مرتباً على الإتيان بهذا الخير لزم الدور وهو باطل.

ثم احتج الجمهور على نسخ الكتاب بالسنة؛ لأن آية الوصية للأقربين منسوخة بقوله عليه السلام : "ألا لا وصية لوارث" و بأن آية الجلد منسوخة بخبر الرجم اهـ". (التفسير الكبير للإمام الرازي :۳/۲۳۲، ۲۳۳، سورة البقرة : ۱۰۶ ، دار الكتب العلمية طهران)

(۲)قال العلامة الألوسي : " وإذا جاز ذلك فيجوز أن يكون الناسخ سنةً، والمأتيُّ به الذي هوخير أو مثل آية أخرى ، وأيضاً السنة ممأتي به سبحانه لقوله تعالىٰ: ﴿ و ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحىٰ﴾ و ليس المراد بالخيرية والمماثلة في اللفظ حتى لا تكون السنة كذلك، بل في النفع والثواب، فيجوز أن يكون ما اشتملت عليه السنة خيراً في ذلك ". (روح المعاني: ۱/۳۵۳، دار إحياء التراث العربي)

عن الهوی إن هو إلا وحی یوحی﴾ (۱)، اگر حدیث شریف کے ذریعہ کسی حکمِ قرآن کو منسوخ قرار دینا بالکل محال ہے تو ﴿ما آتاکم الرسول فخذوه، و ما نهاکم عنه فانتهوا﴾ الایة (۲) اور ﴿أطیعوا الله و أطیعوا الرسول﴾ الایة (۳). ﴿قل إن کنتم تحبون الله فاتبعونی﴾ الایة (۴) ﴿و من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (۵) وغیرہ آیات میں تخصیص کے بغیر چارہ نہ ہوگا یعنی یہ کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ قابلِ قبول اور واجب العمل ہے جس میں قرآن کریم کی کسی آیت کا منسوخ ہونا نہ بتایا گیا ہو، اگر بتایا گیا ہے تو وہ قابلِ قبول نہیں، حالانکہ آیاتِ مذکورہ عام ہیں کسی جگہ سے تخصیص کا ثبوت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وفات پاگئے اور ان کا جسم زمین میں مدفون ہوگیا اور روح آسمان پر اٹھائی گئی وہ شخص خلافِ اسلام عقیدہ رکھتا ہے، وہ اسلام سے خارج ہے (۶)۔

---

(۱) (سورة النجم : ۳)

(۲) (سورةالحشر : ۷)

(۳) (النساء : ۵۹)

(۴) (آل عمران : ۳۱)

(۵) (النساء : ۸۰)

(۶) نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہیں کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ قال الله تعالیٰ :﴿ و ماقتلوه و ما صلبوه ولکن شُبّه لهم، وإن الذین اختلفوا فیه لفی شک منه، مالهم به من علم إلا اتباع الظن، و ماقتلوه یقیناً بل رفعه الله إلیه، و کان الله عزیزاً حکیماً﴾ (النساء : ۱۵۷، ۱۵۸)

وقال العلامة الآلوسی البغدادی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "لما أراد ملک بنی إسرائیل قَتْلَ عیسی علیه السلام، دخل خوخةً و فیها کوة، فرفعه جبرئیل علیه السلام من الکوة إلی السماء، فقال الملک لرجل منهم خبیث: أدخل علیه فاقتله، فدخل الخوخة، فألقی الله تعالیٰ علیه شبه عیسی علیه السلام، فخرج إلی أصحابه یخبرهم أنه لیس فی البیت، فقتلوه وصلبوه و ظنوا أنه عیسی ...... فلما صلب شبه عیسی و أتی علی ذلک سبعة أیام، قال الله تعالیٰ لعیسیٰ : اهبط علی مریم، ثم لتجمع لک الحواریین و بثهم فی الأرض دعاة ، فهبط علیها واشتعل الجبل نوراً فجمعت له =

اس مسئلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں (۱)، دلائل اور تفصیل کی ضرورت ہو تو ان کا مطالعہ کریں، ایسا عقیدہ رکھنے والے سے تعلق ممنوع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

آیتِ منسوخہ کی تلاوت کا حکم

سوال[۱۰۶۶]: ۱..... کیا کلام مجید میں ایسی آیت بھی ہے جس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو مگر صرف تلاوت کی جاتی ہو؟

۲..... کیا بعض آیات ایسی بھی ہیں جو موجودہ قرآن مجید میں درج نہیں ہیں مگر ان کا حکم جائز اور باقی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس مسئلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن میں نسخ کی تعریف، منسوخ کے اقسام، ناسخ کی

= الحواريين، فبثهم في الأرض دعاةً، ثم رفعه الله سبحانه. و تلك الليلة هي الليلة التي تذخن فيها النصارىٰ، فلما أصبح الحواريون، قصد كلّ منهم بلدة من أرسله عيسى إليهم". (روح المعاني: ۱۷۷/۳، ۱۷۸، دار إحياء التراث العربي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (صحيح البخاري: ۴۹۰/۱، باب نزول عيسى بن مريم، قديمي)

(والبحر المحيط: ۴۷۲/۲ دار الفكر)

(و تفسير ابن كثير: ۳۱۵/۱، دار الفكر)

(والدر المنثور: ۲۰۷/۳ موسسه الرساله)

(و تفسير ابن جرير: ۲۰۷/۳ دار المعرفة)

(و مصنف ابن أبي شيبة: ۱۹۸/۱۵، دار السلفيه، بمبئی)

(۱) مثلاً حضرت انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف بزبان عربی "عقيدة الإسلام في حياة عيسى عليه السلام"۔ حضرت مولانا بدرعالم صاحب میرٹھی کی کتاب (اردو) "حیات عیسیٰ علیہ السلام"۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی تصنیف "حیات مسیح علیہ السلام"۔ اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی جمع کردہ سوا احادیث کا مجموعہ "التصريح بماتواتر في نزول المسيح".

اقسام، منسوخ کے احکام درج ہیں(۱) بطور مثال ایک آیت درج کرتا ہوں:

﴿کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن ترك خیراً الوصیة للوالدین والأقربین﴾۔الایة (۲)

پہلے والدین کے حق میں مال کی وصیت کی جاتی تھی پھر وہ وصیت منسوخ ہوگئی اور والدین کا حصہ بطور میراث متعین کر دیا گیا، اس کے باوجود یہ آیت باعتبار تلاوت منسوخ نہیں ہوئی، بلکہ تلاوت باقی ہے۔

۲۔ (الشیخ والشیخة إذا زنیا فارجموهما نكالاً من الله)۔ الایة (۳) اس آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر حکم باقی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۱۹ھ۔

نسخ کی تفصیل اور حکمت

سوال[۱۰۶۷]: (الف) نسخ آیات قرآنی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے اور اکابرین کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(ب) کتنی اور کون کونسی آیتیں منسوخ ہیں؟

(ج) کیا نسخ آیات سے حکمت باری تعالیٰ میں نقص یا اس کی حکمت میں کسی قسم کا الزام عائد ہوتا ہے؟

(د) نسخ آیات قرآنی کی تعداد کے بارے میں علماء اسلام بتدریج کمی کی طرف مائل نظر آتے ہیں، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غالباً پانچ آیتیں منسوخ مانی ہیں۔ آخر یہ کس خیال کے ماتحت ایسا ہو رہا ہے؟ اگر چندے یہی رہا تو وہ دن دور نہیں جب کہ نسخ کا مسئلہ ختم ہو جاوے۔

---

(۱) دیکھئے: (تفسیر قرطبی: ۵۵/۲، دار الکتب العلمیه بیروت)

(والفوز الکبیر، ص: ۴۰، ۴۲، قدیمی)

(الإتقان في علوم القرآن: ۴۰/۲، ۵۴، ذوی القربی بیروت)

(۲) (سورة البقرة: ۱۸۰)

(۳) دیکھئے (نور الأنوار، مبحث أقسام البیان: ۲۱۲، مکتبه حقانیه ملتان)

(وکذا فی التفسیر الکبیر: ۲۳۰/۳، سورة البقرة: ۱۰۶، دار الکتب العلمیة، طهران)

(د) نسخ کی کتنی صورتیں ہیں اور وہ کیا کیا؟

(و) منکرینِ نسخ کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

(الف) نسخ جائز ہے عقلاً، اور واقع ہے سمعاً بلا اختلاف، صرف ابو مسلم اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ نسخ واقع نہیں: ''النسخ جائز عقلاً واقع سمعاً بلا خلاف فی ذلک بین المسلمین إلا ما یروی عن أبی مسلم الأصفهانی، فإنه قال: أنه جائز غیر واقع''. (إرشاد الفحول)(۱)۔

(ب) اس میں مختلف اقوال ہیں، اس مختصر تحریر میں تفصیل کی گنجائش نہیں، الفوز الکبیر (۲) وغیرہ (۳) کا مطالعہ کیجئے۔

(ج) نہیں (۴)۔

(د) بالکل مسئلہ نسخ کو ختم کرنا نص قرآنی، اجماع امت کے خلاف ہے اس لئے وہ ہرگز قابل قبول نہیں (۵)، تقلیل نسخ کی مصلحت ظاہر ہے، نفس نسخ کی مصلحت بتدریج و تمرین و عرف تعلیم احکام ہے۔ کما

---

(۱) (إرشاد الفحول، الباب التاسع فی النسخ، ص: ۳۱۳، المکتبة التجاریة، مکة المکرمة)

(۲) دیکھئے: (الفوز الکبیر: ۴۰، ۴۶، قدیمی)

(۳) دیکھئے: (الإتقان فی علوم القرآن: ۲/۴۰، ۵۴، ذوی القربی)

(۴) ائمہ اسلام کے نزدیک نسخ بالا جماع احکام سماویہ میں جائز ہے، فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''والنسخ فی أحکام الشرع جائز صحیح عند المسلمین أجمع''. (أصول فخر الإسلام علی هامش کشف الأسرار: ۱۵۷/۳، صدف پبلشرز، کراچی)

وقال ابن کثیر: ''والمسلمون کلهم متفقون علی جواز النسخ فی أحکام الله، لما فیه من الحکمة البالغة''. (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۱۰، دار الفیحاء دمشق)

(۵) ''أنکر طوائف من المنتمین للإسلام المتأخرین جوازه (أی النسخ) وهم محجوجون بإجماع السلف علی وقوعه فی الشریعة'' (تفسیر القرطبی: ۲/۴۴، سورة البقرة: ۱۰۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

صرح بہ علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مطالب العالیہ(۱)۔

(ہ) علامہ نسفی نے منار میں یہ صورتیں ذکر کی ہیں:۔ "التلاوة والحكم جميعاً، الحكم دون التلاوة، التلاوة دون الحكم"(۲)۔

(و) سب سے پہلے اور سب کے خلاف اصفہانی ہے جس نے نسخ کا انکار کیا ہے۔ امام رازی، ابواسحاق شیرازی، سلیم رازی، ابن دقیق العید وغیرہ نے اس کے انکار کی توجیہ کی ہے(۳) اور علامہ شوکانی نے لکھا ہے:

"وإذا صح هذا عنه فهو دليل على أنه جاهل بهذه الشريعة جهلاً قطعاً"(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) لم أجده في المطالب العالية و ذكره الشوكاني بلفظ: "فإن قلت: ما الحكمة في النسخ؟ قلت: قال الفخر الرازي في المطالب العالية: إن الشرائع قسمان: منها ما يعرف نفعها بالعقل في المعاش والمعاد، و منها سمعية لا يعرف الانتفاع بها إلا من السمع، فالأول يمتنع طروء النسخ عليه كمعرفة الله و طاعته أبداً .... والثاني: ما يمكن طريان النسخ والتبديل عليه، و هو أمور تحصل في كيفية الطاعات الفعلية والعبادات الجسمية، و فائدة نسخها: أن الأعمال البدنية إذا تواطأوا عليها خلفاً عن سلف صارت كالعادة عند الخلق .... و قيل: الحكمة حفظ مصالح العباد، فإذا كانت المصلحة لهم في تبديل حكم بحكم و شريعة بشريعة. كان التبديل لمراعاة هذه المصلحة اهـ". (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۴، مصطفى أحمد الباز مكة المكرمة)

(۲) (المنار، ص: ۲۱۱، مكتبه حقانيه ملتان)

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: (الإتقان: ۳۸/۲، ذوى القربى)

(۳) "و قد أول جماعة خلاف أبي مسلم الأصفهاني المذكور سابقاً بما يوجب أن يكون الخلاف لفظياً، قال ابن دقيق العيد: نقل عن بعض المسلمين إنكار النسخ لا بمعنى أن الحكم الثابت لا يرتفع بل بمعنى أنه ينتهي بنص دل على انتهائه. فلا يكون نسخاً. و نقل عنه أبو اسحاق الشيرازي والفخر الرازي، وسليم الرازي إنما أنكر الجواز و أن خلافه في القرآن خاصة لا كما نقل الآمدي وابن الحاجب أنه أنكر الوقوع". (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۳، المكتبة التجارية مكة المكرمة)

(۴) (إرشاد الفحول، الباب التاسع في النسخ، ص: ۳۱۳، المكتبة التجارية، مكة المكرمة)

آیت قطب

سوال[۱۰۶۸]: قرآن پاک میں آیتِ قطب کونسی آیت ہے، اس کو پڑھنے کا طریقہ اور اس کے اثرات کیا ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پارہ:۴ میں ﴿و ما النصر إلا من عند الله العزيز الحكيم﴾ (۱) کو آیت قطب کہتے ہیں، ہر نماز کے بعد سات سات مرتبہ درود شریف کے ساتھ اول آخر پڑھنا بعض اکابر سے منقول ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۲/۱۳ھ۔

سبع آیات

سوال[۱۰۶۹]: سورہ فاتحہ میں سبع آیات تحریر ہیں جن کے معنی سات آیات، مگر سورہ فاتحہ میں شمار کرنے سے صرف چھ آیات ہیں جیسے سورہ اخلاص پر چار آیات لکھی ہیں اور "لم یلد" کے بعد بھی بنا ہے، اگر اس کو شمار کیا جائے تو پانچ آیات ہیں۔ اگر سورۂ فاتحہ کو بسم اللہ کا جز قرار دیا جائے اور بسم اللہ کی آیت کو بھی شمار کیا جائے، مگر نماز میں اگر بسم اللہ کوئی مصلی نہ پڑھے تو نماز تو ہو جاتی ہے اور اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، محض کوئی سورت پڑھے تو نماز ناقص رہتی ہے۔ قرآن کو دیکھ کر بالتفصیل جواب تحریر فرمایئے کہ سورۂ فاتحہ پر سات آیات لکھی ہوئی ہیں مگر شمار میں صرف چھ آیات ہیں۔ ایسا کیوں اور کیا وجہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ جزء فاتحہ نہیں بغیر اس کے بھی سات آیات ہیں (۲)۔ سورۂ اخلاص میں خود

---

(۱) (سورة آل عمران : ۱۲۶)

(۲) قال الحافظ العيني: "قوله: "الحمد لله رب العالمين" هذا صريح في الدلالة على أن البسملة ليست من الفاتحة، قوله: "وفي السبع المثاني" أما السبع فلأنها سبع آيات بلا خلاف إلا أن منهم من عد "أنعمت عليهم" دون التسمية، و منهم من مذهبه على العكس، قاله الزمخشري. قلت: الأول قول الحنفية والعكس قول الشافعية، فإنهم يعدون التسمية من الفاتحة و لا يعدون "أنعمت عليهم" آيةً، و لكل فريق حجج و براهين". (عمدة القاري: ۱۸/۸۱، باب ما جاء فاتحة الكتاب، إدارة الطباعة المنيريه) .... =

اختلاف ہے، بعض چار آیت مانتے ہیں بعض پانچ۔ کذا فی الجلالین (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

آیۃ الکرسی کہاں تک ہے؟

سوال [۱۰۷۰]: آیۃ الکرسی کہاں تک ہے اور کتنی آیتیں ہیں اپنے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو انہوں نے تین آیت فرمائی یعنی "خالدون" تک۔ اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ صرف ایک آیت ہے، اس کے بارے میں فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیۃ الکرسی "العلی العظیم" تک ہے، شرح حصن حصین اور شروح بخاری شریف میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

= وقال السيوطي: "سورة الفاتحة مكية، سبع آيات بالبسملة إن كانت منها، والسابعة "صراط الذين" إلى آخرها، وإن لم يكن منها فالسابعة "غير المغضوب" إلى آخرها الخ". (تفسير الجلالين، ص: ۲، سورة الفاتحة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۳۳، قديمي كراچي)

(۱) "سورة الإخلاص، مكية أو مدنية، و آياتها أربعة أو خمسة". (جلالين، ص: ۸۱۴، سورة الإخلاص، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "روح المعانی میں بھی اس کی تصریح موجود ہے: قال العلامة الآلوسي: "لا إكراه في الدين" قيل: إن هذه إلى قوله سبحانه "خالدون" من بقية آية الكرسي، والحق أنها ليست منها، بل هي جملة مستأنفة جيء بها إثر بيان دلائل التوحيد الخ". (تفسير روح المعاني: ۳/ ۱۲، دار إحياء التراث العربي)

(وتفسير ابن كثير: ۱/ ۴۰۹ - ۴۱۲، دار الفيحاء، دمشق)

(صحيح البخاري، كتاب الوكالة، باب إذا وكل رجلاً فترك الوكيل شيئاً الخ .... فاقرأ آية الكرسي (الله لاإله إلا هو الحي القيوم) حتى تختم الآي الخ: ۱/ ۳۰۱، قديمي)

دیکھئے: (صحيح البخاري: ۱/ ۳۱۰، كتاب الوكالة، باب وكالة المرأة الإمام في النكاح، قديمي)=

پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہے؟

سوال[۱۰۷۱]: پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہے؟ایک گروہ کہتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز کا حکم کسی پارے میں نہیں۔ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآنِ کریم میں کوئی بات صاف صاف موجود ہے،کوئی ایسے طریقے پر ہے جس کو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا بلکہ بڑے علم والے سمجھ سکتے ہیں،اس لئے آپ کو خود تلاش کرنا مشکل ہوگا۔آپ بہار میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب کی خدمت میں جا کر سمجھ لیں، وہ انشاء اللہ تعالیٰ تشفی کر دیں گے، وہ آپ سے قریب ہیں۔ پانچ وقت کی نماز قرآن شریف میں ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف جگہ ہے مثلاً: پندرہویں پارہ میں ہے: ﴿أقم الصلوة لدلوك الشمس إلى غسق الليل و قرآن الفجر﴾ (۱)اور ستائیسویں پارہ میں سورہ والطور کے ختم پر ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۹۵/۳/۲۹ھ۔

= "قوله : آية الكرسي(الله لا إله إلا هو الحي القيوم) حتى تختم الآية".

وفي رواية النسائي والإسماعيلي: "الله لا إله إلا هو الحي القيوم من أولها حتى تختمها"

(عمدة القاري : ۱۲/۱۴۶ ،باب وكالة المرأة الإمام في النكاح، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا فتح الباري : ۴/۴۸۸ كتاب الوكالة ،باب وكالة المرأة الإمام في النكاح، دارالفكر، بيروت)

(۱) (سوره بنی اسرائيل : ۷۸)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وسبح بحمدك ربك حين تقوم و من الليل فسبحه و ادبار النجوم﴾ ". (الطور:۴۸، ۴۹)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل آیتوں میں نماز کا ذکر آیا ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿وأقم الصلوة طرفي النهار و زلفاً من الليل، إن الحسنات يذهبن السيأت، ذلك ذكرى للذاكرين﴾ (هود : ۱۱۴)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني : ۱۲/۱۵۶ ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿فاصبر على ما يقولون و سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل الغروب﴾ الخ (ق: ۳۹، ۴۰) .... =

حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق دو آیتوں میں تعارض

سوال[۱۰۷۲]: خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لو کان من عند غیر الله، لوجدوا فیه اختلافاً کثیراً﴾(۱)۔ لیکن ان دو آیتوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، وهو هذا: ﴿ولقد عهدنا إلى آدم من قبل، فنسي ولم نجد له عزماً﴾(۲)۔ ﴿قال ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة إلا أن تكونا ملكين أو تكونا من الخالدين، وقاسمهما إني لكما لمن الناصحين﴾ رکوع: ۹، پارہ: ۸(۳)۔

آیت نمبر: ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو دونوں باتیں یاد تھیں، کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں فرمائی تھیں: ایک یہ کہ اس درخت کے قریب نہ جاؤ، دوسری یہ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اور شیطان نے دونوں باتیں بتادیں کہ اس درخت کے کھانے سے یہ یہ فوائد ہیں اور دوسرے یہ کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں بلکہ تمہارا دوست ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ دونوں باتیں یاد تھیں، ان دونوں میں سے بھولے ایک بھی نہیں تھے، خدا کو جھوٹا سمجھا اور شیطان کو سچا اور دوست مان کر درختِ ممنوعہ چکھ لیا۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامدا ومصلياً:

حضرت آدم علیہ السلام کو جس وقت شیطان نے اکلِ شجرہ کی ترغیب دی تو اس وقت یہ باتیں دونوں یاد تھیں: ممانعت بھی، عداوتِ شیطان بھی، لہٰذا اس کے کہنے کو قبول نہیں فرمایا، جس پر شیطان نے وجۂ ممانعت

=تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانی: ۲۶ / ۱۹۳، دار إحیاء التراث)

(وجلالین: ۲ / ۴۳۱، تفسیر کبیر: ۷ / ۶۴۵)

وقال الله تعالى: ﴿فسبحان الله حين تمسون و حين تصبحون، و له الحمد في السموات والأرض وعشياً و حين تظهرون﴾ (روم: ۱۷. ۱۸)

دیکھئے: (جلالین: ۲. ۳۴۲، قدیمی)

(روح المعانی: ۲۱ / ۲۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱)(سورة النساء الآية: ۸۲)

(۲) (سورة طه الآية: ۱۱۵)

(۳)(سورة الاعراف الآيه: ۲۰. ۲۱)

اپنی خیر خواہی کو بیان کیا اور قسم کھائی مگر اس کی قسم کی بھی تصدیق نہیں فرمائی حتی کہ زمانہ دراز گذر گیا اور ممانعت کو بھول گئے، اتنی بات ذہن میں ضرور رہ گئی کہ ملائکہ کو بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں، مثلاً: ہر وقت عبادت میں مناجات کی لذت میں مشغول رہتے ہیں، ضعف وتکان نہیں ہوتا، نوم، مرض، ہرم وغیرہ سے محفوظ ہیں، اس لئے اکلِ شجرہ کا میلان طبیعت میں پیدا ہوا اور اس کو چکھ لیا، چکھنے کے واقعہ کو آیت نمبر:ا(۱) میں بیان فرمایا کہ ایسا بھول کر کیا اور ابتداء ترغیب اور قسم کے واقعہ کو آیت نمبر:۲(۲) میں بیان فرمایا۔ ان دونوں کے درمیان ایک لمبا زمانہ ہے، اگر ایک ہی وقت کے متعلق دونوں باتیں ہوتیں تو تعارض ہوتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت صفی اللہ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کی تکذیب نہیں فرمائی کہ یہ معمولی درجہ کے مسلم عاقل سے بالکل بعید ہے: ﴿ومن أصدق من الله قيلاً﴾ (۳) اور اللہ پاک کے مقابلہ میں ابلیس لعین کی تصدیق نہیں کی اور اس کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھا: ﴿إن الشيطان للإنسان عدو مبين﴾ الآية (۴) اور قرآن کریم کی دو آیتوں میں تعارض یا اختلاف بھی نہیں کہ اس کا "من عند غير الله" ہونا لازم آئے۔ جوابِ مذکور کی اگر تفصیل مطلوب ہو تو شیخ زادہ علی البیضاوی دیکھئے: ۱/ ۲۷۸(۵)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ۱۱/ ۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں فرق

سوال[۱۰۷۳]: آج ایک واعظ صاحب نے یہ کہا کہ ابلیس اور آدم دونوں مرتکب حرام ہیں، دونوں سے غلطی ہوئی ہے۔ میری معلومات یہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، میں اس کی تشریح چاہتا ہوں۔

---

(۱) (آيةُ سورة طه: ۱۱۸)

(۲) (سورة الأعراف: ۲۰، ۲۱)

(۳) (سورة النساء: ۱۲۲)

(۴) (سورة يوسف: ۵)

(۵) (حاشية محي الدين شيخ زاده، على تفسير البيضاوي: ۱/ ۵۳۸-۵۴۳، عباس أحمد الباز، مكة المكرمة)

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت آدم علیہ السلام کوفرمایا گیا تھا: ﴿و لا تقربا هذه الشجرة﴾ (۱) اس درخت کے پاس نہ جانا، مگر اس کی پابندی نہ ہوسکی، بھول ہوئی۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور تکبر کیا، خدائے پاک کا مقابلہ کیا ﴿أبیٰ واستکبر﴾ (۲) و ﴿قال أنا خير منه، خلقتني من نار و خلقته من طين﴾ (۳) اس لئے ابلیس اس تکبر اور مقابلہ کی وجہ سے کافر ہوا اور توبہ کی توفیق ہی سلب ہوگئی، بخلاف آدم علیہ السلام کے کہ وہ اپنی بھول پر ساری عمر روئے اور توبہ فرماتے رہے:

﴿ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا و ترحمنا، لنكونن من الخاسرين﴾ (٤)۔

اور ابلیس کا عمل اس کے مقابلہ میں یہ ہوا:

﴿قال فبما أغويتني لأقعدن لهم صراطك المستقيم، ثم لآتينهم من بين أيديهم و من خلفهم وعن أيمانهم و عن شمائلهم، و لا تجد أكثرهم شاكرين﴾ (۵)۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کومغفرت سے نوازا گیا اور ابلیس کی سرکشی پرلعنت اور جہنم کی وعید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت

سوال [۱۰۷۴]: قصص الانبیاء (اردو) میں حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے جسم اطہر میں کیڑے ہوجانے کا واقعہ درج ہے، حالانکہ تفسیر بیضاوی، جلالین،...... مدارک اور کشاف اور دیگر مستند تفاسیر میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر نہیں۔ اکابر علماء حضرت شیخ الھند رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو

---

(۱) (البقرة : ۳۵)

(۲) (البقرة : ۳۴)

(۳) (سورہ ص : ۷٦)

(۴) (الأعراف : ۲۳)

(۵) (الأعراف : ۱۷)

ترجمہ قرآن پاک حضرت شیخ الھند وفوائد از شیخ الھند اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص:۵۹۲
﴿واذکر عبدنا أیوب إذنادی ربہ﴾ الخ(۱)۔

فائدہ (تنبیہ) ''واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے، ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو، انبیاء علیہم السلام کے منصب کے منافی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تکونوا کالذین اذوا موسی فبرّأہ﴾ الخ(۲) (سورہ احزاب)(۳) لہذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصبِ نبوت کے منافی نہ ہو''۔ آیتِ مبارکہ کے فوائد میں اسی ترجمہ کے ص:۵۵۳-۵۵۴، میں یوں ارشاد فرمایا ہے: ''لہذا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ان کی قوم نے برص وغیرہ جسمانی مرض کا عیب لگایا تھا، اللہ تعالیٰ نے بطورِ خرقِ عادت ظاہر کر دیا کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جسمانی طور پر بے عیب ہیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انبیاء علیہم السلام کو جسمانی اور روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر واستخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبولِ حق میں رکاوٹ نہ ہو''(۴)۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے جسمِ اقدس میں کیڑے پڑنے کی تردید حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب قصص القرآن، وحال ایوب علیہ الصلاۃ والسلام(۵)۔ ایسی صورتوں میں قصص الانبیاء وغیرہ معمولی کتاب کے بیان کو من جملہ خرافات اسرائیلی سمجھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصص الانبیاء اردو میں دیر سے ہندوستان میں چھپی ہوئی موجود ہے اور عوام کے لئے کافی جاذب

---

(۱) (سورہ ص: ۴۱)

(۲) (تفسیر عثمانی، ص:۶۰۷، حاشیہ: ۲، پ:۲۳ حاشیہ: ۲)

(۳) (سورہ احزاب: ۶۹)

(۴) (تفسیر عثمانی، ص: ۵۶۹، حاشیہ: ۲، سورۃ الأحزاب)

(۵) (قصص القرآن لحفظ الرحمن سیوھاروی، حضرت ایوب علیہ السلام اور قرآن عزیز: ۲/۱۸۷، ۱۸۸، دار الاشاعت کراچی)

کتاب ہے، بعض جگہ مجلس منعقد کرکے اس کتاب کو پڑھا اور سنا جاتا ہے، مگر سند اور حجت کے اعتبار سے یہ اس پایہ کی نہیں کہ اس پر کلی اعتماد کرلیا جائے، اس میں بہت سی غیر معتبر، ضعیف، مرجوح روایتیں موجود درج ہیں بلکہ موضوع اور صریح غلط باتیں بھی درج ہیں، اسرائیلیات بھی درج ہیں۔ متبحر عالم ہی اسکی صحیح اور غلط بات کا پتہ چلا سکتا ہے عوام کو پتہ نہیں چل سکتا، اس میں بہت سی باتیں صحیح اور کارآمد بھی ہیں۔

حضرت ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کے بیمار ہونے کے متعلق بعض کتابوں میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، البدایہ والنہایہ میں کیڑے پڑنے کا تو ذکر نہیں اور دوسری حالت اس سے زیادہ موحش لکھی ہے(۱)۔ چیچک کا نکلنا بھی بعض کتب میں مذکور ہے، بعض کتب میں لکھا ہے کہ سر اور تمام جسم میں زخم ہوگئے تھے۔ مستند چیز تو وہی ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو اور جس چیز کی قرآن وسنت میں نفی کردی گئی ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں بلکہ قابلِ رد ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ شانہ، متنفر اشیاء سے یقیناً محفوظ رکھتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۷ھ۔

استخلاف فی الأرض کا وعدہ

سوال[۱۰۷۵]: سورہ نور میں "استخلاف فی الأرض" کا وعدہ ہے، یہ وعدہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکامِ خداوندی کو پورا پورا بجالاتے ہیں، ان کے ساتھ ہے یا کوئی بھی امت ہو جو احکامِ خداوندی کو پورا پورا بجالاتے ہوں ان کے ساتھ رہا ہے، یعنی یہ آیت تعمیم کا حکم رکھتی ہے یا مقید کا اس شرط کے ساتھ جو قوم رائج الوقت احکامِ خداوندی کو پورا پورا بجالائیں گی اس کو تمکن فی الأرض حاصل ہوگا، یا صرف امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟

---

(۱) "وكان له أولاد وأهلون كثير، فسلب من ذلك جميعه، وابتلي في جسده بأنواع البلاء، ولم يبق منه عضو سليم سوى قلبه ولسانه ...... وطال مرضه حتى عافه الجليس، وأوحش منه الأنيس، وأخرج من بلده، وألقي على مزبلة خارجها، وانقطع عنه الناس الخ". (البداية والنهاية لابن كثير: ۱/ ۲۲۱، مكتبة رياض الحديثيه)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۳/ ۵۲، دار السلام رياض)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس آیت میں جو مخصوص وعدہ ہے(۱) وہ اکثر مفسرین کے قول کے موافق شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں پورا ہو چکا(۲) جیسا کہ خطاب "منکم" اس پر شاہد ہے اور ﴿کما استخلف الذین من قبلھم﴾ سے اشارہ ہے اس طرف کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم کو بھی استخلاف فی الأرض، جبارین کے مقابلہ میں حاصل ہوا تھا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۹/ شعبان/ ۵۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الأرض کما استخلف الذین من قبلھم، و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم﴾ الخ" (سورۃ النور: ۵۵)

(۲) "فاستخلف اللہ أبا بکر و عمر (رضی اللہ عنھما)، و أنجز وعدہ حین قاتل أبو بکر بنی حنیفۃ ومن ارتد من العرب، وفتح الشام فی خلافۃ عمر حین غزاھم فی السنۃ التاسعۃ من غلبۃ الروم الذی کان یوم الحدیبیۃ فی سنۃ ست من الھجرۃ، وکون الوعد منجزاً فی خلافۃ عمر مروی عن علی (رضی اللہ عنہ) حین استشار عمر أصحاب النبی ﷺ فی المسیر إلی العراق للجھاد، فأشار علیٌّ بالجھاد متمسکاً بھذہ الآیۃ اھ". (التفسیر المظھری: ۶/ ۱۵۵، سورۃ النور: ۵۵، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(وبمعناہ فی تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳، سورۃ النور: ۵۵، دار الفیحاء بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۱۸/ ۲۰۱، ۲۰۲، سورۃ النور: ۵۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(وکذا فی معارف القرآن للمفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ: ۶/ ۴۴۴، سورۃ النور: ۵۵، ادارۃ المعارف)

(۳) "(کما استخلف الذین من قبلھم) و ھم بنو إسرائیل استخلفھم اللہ عزوجل فی الشام بعد إھلاک الجبابرۃ، و کذا فی مصر علی ما قیل من أنھا صارت تحت تصرفھم بعد ھلاک فرعون وإن لم یعودوا إلیھا أوھم و من قبلھم من الأمم المؤمنۃ الذین أسکنھم اللہ تعالیٰ فی الأرض بعد إھلاک أعدائھم من الکفرۃ الظالمین". (روح المعانی: ۱۸/ ۲۰۳، سورۃ النور: ۵۵، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۰۲، ۴۰۳، سورۃ النور: ۵۵، دار الفیحاء)

وعید کی آیتیں زیادہ ہیں یا وعدہ کی بشارتیں؟

سوال[۱۰۷۶]: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے قہر کا ذکر زیادہ فرمایا ہے یا رحمت کا؟ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے غصہ وغضب کا ذکر زیادہ فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہیں ہے، بلکہ رحمت کے وعدے اور بشارتیں زیادہ ہیں، عذاب وغضب کے لئے تو نافرمان کی قید ہے اور ثواب ورحمت کے لئے اعمالِ صالحہ کی قید نہیں، مثلاً: معصوم بچے کچھ کئے بغیر ہی بخشے جائیں گے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۴ھ۔

"أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" کا مطلب

سوال[۱۰۷۷]: "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو وہ کیا کہلاتا ہے؟

---

(۱) "عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه في تفسير قوله تعالى: ﴿كل نفس بما كسبت رهينة إلا أصحاب اليمين﴾ (سورة المدثر: ۳۸) قال: هم أطفال المسلمين". زاد الترمذي: "لم يكتسبوا فيرتهنوا بكسبهم" ...... و روى بقية بن الوليد عن محمد بن يزيد الألمعاني قال: سمعت عبد الله بن قيس يقول: سمعت عائشة رضي الله تعالى عنها، سألت رسول الله ﷺ عن ذراري المسلمين فقال: "هم مع آبائهم" قلت: فلا عمل ؟ قال: "والله أعلم بما كانوا عاملين". الحديث (التذكرة في أحوال الموتى وأمور الآخرة، ص: ۵۹۱، ۵۹۴، باب ما جاء في أطفال المسلمين والمشركين، مكتبه أسامة الإسلامية)

"ومنها الآية الآتية: حيث أفادت أن لا تعذيب قبل التكليف، ولا يتوجه على المولود التكليف، ويلزمه قول الرسول عليه السلام حتى يبلغ". (روح المعاني: ۳۶/۱۵، تحت قوله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ اهـ"، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے(۱) اور ہر ایک کی اطاعت پر مقدم ہے۔جس آیت کا مطلب دریافت کرنا ہو اس کو قرآن کریم میں دیکھ کر صحیح لکھیں اور سورت کا حوالہ دیں ،سوال میں آیت صحیح نہیں لکھی ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۲ھ۔

"اسجدوا لآدم" کا خطاب کیا شیطان کو بھی ہے؟

سوال[۱۰۷۸]: جب ابلیس مطابق آیت ﴿خلقتني من نار و خلقته من طين﴾ قوم جن سے ہوا تو ﴿وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم﴾ کا مخاطب ہو کر کیسے خاطی بنا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس آیت کی متعدد تفسیریں ہیں اور ابلیس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ابلیس قوم جن سے ہے، پھر خاطی کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا اور ملائکہ کی تخصیص خطاب میں شرافت کی وجہ سے تھی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کے لئے حکم کیا جاتا ہے تو بڑوں کو خطاب کیا جاتا ہے اور چھوٹے تبعاً اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تعظیم کے لئے بڑوں کا خود بخود مامور سمجھتے ہیں اگرچہ خصوصیت سے چھوٹوں کو خطاب نہ کیا جاوے جیسا کہ: ﴿أقيموا الصلوة وأتوا الزكوة﴾ (۱) وغیرہ مذکر کے صیغے ہیں حالانکہ حکم عورتوں کو بھی ہے۔ بیضاوی مطبوعہ نظامی دہلی (۲)۔اگر وہ ملائکہ میں سے ہے تو

---

(۱) قال العلامة الآلوسي البغدادي: " قل أطيعوا الله والرسول ": أي في جمع الأوامر والنواهي، ويدخل في ذلك الأمر السابق دخولاً أولياً، وإيثار الإظهار على الإضمار بطريق الالتفات لتعيين حيثية الإطاعة والإشعار بعلتها الخ". (روح المعاني: ۳/۱۳۰، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في عمدة القاري: ۱۸/۱۷۶ المطبعة المنيريه بيروت)

(وتفسير كبير: ۱۰/۱۴۸ مكتبه الاعلام الإسلاميه ايران)

(وأحكام القرآن لابن العربي: ۱/۴۵۱، دار المعرفه بيروت)

(۱) (البقرة: ۴۳)

(۲) قال العلامة البيضاوي: "وإن ابليس كان من الملائكة و إلا لم يتناوله أمرهم، ولم يصح استثناؤه =

"واسجدوا" کا مخاطب ہونا ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، عبدالرحمان، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

"یسبح للّٰہ ما فی السموات وما فی الأرض" کی تفسیر

سوال[۱۰۷۹]: قرآن پاک کی آیت: ﴿یسبح للّٰہ ما فی السموات ومافی الأرض﴾ (۱) ہے اور اس (ارض) کے اندر بول و براز بھی ہے، تو کیا یہ بھی تسبیح کرتے ہیں؟ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تسبیح ان کی شان کے مناسب ہے، تو بہر حال تسبیح کی نسبت ان کی طرف کرنا ذرا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سور (خنزیر) بھی تسبیح کرتا ہے یا نہیں؟ اس کی طرف تسبیح کی نسبت کرنے کے متعلق کیا خیال ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

= منهم و لا يرد على ذلك قوله تعالى : ﴿إلا إبليس كان من الجن﴾ لجواز أن يقال: إنه من الجن فعلاً و من الملائكة نوعاً، و لأن ابن عباس روى أن من الملائكة ضرباً يتولدون: يتوالدون يقال لهم: الجن، و منهم إبليس. ومن زعم أنه لم يكن من الملائكة أن يقول: إنه كان جنياً نشأبين أَظْهُر الملائكة، وكان مغموراً بالألوف منهم فغلبوا عليه، أو الجن أيضاً كانوا مأمورين مع الملائكة، لكنه استغنى بذكر الملائكة عن ذكرهم، فإنه إذا علم أن الأكابر مأمورون بالتذلل لأحدوالتوسل به، علم أن الأصاغر أيضاً مأمورون به". (بيضاوى : ۱/ ۶۴، نور محمد كراچى)

(وكذا فى تفسيرابن كثير : ۴۳/۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وامداد الفتاوى : ۱۲/۵، مكتبه دار العلوم كراچى)

(و تفسير معارف القرآن كاندهلوى : ۹۲/۱، عثمانيه لاهور)

(۱) (سورة الجمعة: آية: ۱)

(۲) قال ابن كثير فى تفسير هذه الآية: "يخبر تعالىٰ أنه يسبح له ما فى السموات وما فى الأرض: أى من جميع المخلوقات ناطقها وجامدها، كما قال تعالىٰ: ﴿وإن من شئ إلا يسبح بحمده﴾ (تفسير ابن كثير:=

"من لم یحکم بما أنزل اللّٰه" کی تشریح

سوال [۱۰۸۰]: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ فرماتا ہے کہ جو اس کے اتارے ہوئے کلام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ قرآن پاک میں "کافرون، ظالمون، فاسقون" ہی عام طور سے کافر کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدا کا قرآن کی روشنی میں منکر ہوتا ہے، رسالت کا منکر ہوتا ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام کے تابع نہیں رہیں گے۔ مگر جو ایمان لا چکے ہیں اگر وہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتے ہیں تو وہ ظالم اور فاسق ضرور ہیں، جو ایمان ہی نہیں لایا وہ احکامِ خداوندی کے تابع کیونکر ہوگا، اس کے لئے قیامت کے دن عذاب ہے جس کا وعدہ ہے۔ بات یہاں اس لئے میرے نزدیک دشوار ہوگئی ہے کہ جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے کیا وہ بھی کافر ہے؟

امید ہے کہ آپ مجھے خط کے ذریعہ روشنی بخشیں گے۔ جہاں تک میں نے قرآن کے مطالعہ سے سیکھا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اگر وہ احکامِ خداوندی اور طریقۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے تو اللہ کے یہاں اس کی قدر و منزلت ہے نہیں تو پھر اس کا شمار کافروں، فاسقوں، ظالموں میں ہی ہونا چاہئے، پھر بھی اپنے علم کی کمی کی بنا پر مجھے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ ایسے شخص کو کافر کہوں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ تعالیٰ نے کتنی جگہ پر فرمایا ہے کہ جو اس کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے، اس آیت کو اصل الفاظ میں لکھیں، اگر آپ کی مراد: ﴿ و من لم یحکم بما أنزل اللّٰه، فأولئك هم الکافرون ﴾ ہے (۱) تو اس کا مطلب مفسرین نے متعدد طریقہ پر بیان کیا ہے (۲)، ایک مطلب یہ ہے کہ جو

= ۴/۴۲۵، ۴۲۶، دار السلام، ریاض)

(کذا فی روح المعانی: ۱۵/ ۸۴، دار إحیاء التراث العربی)

(۱) (المائدة: ۴۴)

(۲) قال ابن کثیر عن الحسن البصری و غیرهم: "نزلت فی أهل الکتاب، زاد الحسن البصری، وهی علینا واجبة .... و عن علقمة و مسروق أنهما سألا ابن مسعود عن الرشوة، فقال: من السحت. =

شخص کوئی حکم کرے اور کہے کہ اللہ کا حکم ہے اور وہ حقیقتاً اللہ کا حکم نہیں، اللہ کے حکم کی جگہ اس نے غلط حکم کو اللہ کا حکم بتایا اس نے کفر کیا۔ تفسیر احکام القرآن (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن بن ابراہیم نے یہی مطلب نقل کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۹۰ھ۔

غیر اللہ کو حاکم بنانے سے متعلق تفصیلات، چند آیات کی تفسیر

سوال [۱۰۸۱]: درج ذیل آیاتِ کریمہ کے معنی منشاء و محمل واضح فرمائیں۔

= قال: فقالا: من الحكم؟ قال: ذاك الكفر، ثم تلا: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله، فأولئك هم الكافرون﴾. و قال السدى: " (و من لم يحكم)". الاية، يقول: و من لم يحكم بما أنزلت فتركه عمداً أو جار و هو يعلم، فهو من الكافرين. وقال على بن أبى طلحة عن ابن عباس: قوله: (و من لم يحكم) الاية قال: من جحد ما أنزل الله فقد كفر و من أقر به فهو ظالم فاسق رواه ابن جرير، ثم اختار أن الاية المراد بها أهل الكتاب، أو من جحد حكم الله المنزل فى الكتاب، وقال عبد الرزاق عن الثورى عن زكريا عن الشعبى ﴿و من لم يحكم بما أنزل الله﴾ قال للمسلمين". (تفسير ابن كثير: ۵۵/۲، دار القلم)

(و كذا: فى تفسير الخازن: ۴۹۸/۱، حافظ كتب خانه كوئته)

(وتفسير معارف القرآن، مفتى محمد شفيع: ۱۲۲/۳، ادارة المعارف كراچى)

(۱) قال أبو بكر: "قوله تعالى: ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون﴾ يخلو من أن يكون مراده كفر الشرك والجحود أو كفر النعمة من غير جحود، فإن كان المراد جحود حكم الله أو الحكم بغيره مع الإخبار بأنه حكم الله، فهذا كفر يخرج الملة، و فاعله مرتد إن كان قبل ذلك مسلماً، و على هذا تأوله من قال: إنها نزلت فى بنى إسرائيل وجرت فينا، يعنون أن من جحد ما حكم أو حكم بغير حكم الله، ثم قال: إن هذا حكم الله، فهو كافر كما كفرت بنو إسرائيل حين فعلوا ذلك". (أحكام القرآن: ۲/ ۱۲۶، باب الحكم بين أهل الكتاب، قديمى كراچى)

(۲) "ونقل فى اللباب عن ابن مسعود والحسن والنخعى أن هذه الآيات الثلاث عامة فى اليهود وفى هذه الأمة، فكل من ارتشى وبدل الحكم فحكم بغير حكم الله، فقد كفر و ظلم و فسق".

(تفسير القاسمى المسمى بمحاسن التأويل: ۲۱۵۴، سورة المائدة: ۴۴، دار الفكر بيروت)

(وكذا فى تفسير الخازن: ۴۹۹/۱، سورة المائدة: ۴۴، حافظ كتب خانه كوئته)

(۱) ﴿فإن تنازعتم فی شیئ، فردوہ إلی اللہ ورسولہ﴾(۱)۔

(۲)﴿فلا وربك لایؤمنون حتی یحکموك فی ما شجر بینھم﴾(۲)۔

(۳)﴿من لم یحکم بما أنزل اللہ، فأولئك ھم الظالمون﴾(۳)۔

(٤)﴿إن الحکم إلا للہ﴾(٤)۔

(٥)﴿ومن أحسن من اللہ حکماً﴾(٥)۔

سائل منیر احمد مدرسہ عربیہ عین العلم ٹانڈہ ضلع فیض آباد، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس آیت میں ﴿فردوہ إلی اللہ والرسول﴾ ہے "ورسولہ" نہیں، پوری آیت اس طرح ہے: ﴿یا أیھا الذین امنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم، فإن تنازعتم فی شیئ فردوہ إلی اللہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللہ والیوم الأخر، ذلك خیر وأحسن تاویلاً﴾(٦)۔

ترجمہ : اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور جو تم میں اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کرلیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے۔

۲......ترجمہ پوری آیت کا یہ ہے: "پھر قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں۔ پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کرلیں"۔

شبہ: ظاہرِ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے قانون کی طرف اس کو باطل سمجھ کر رجوع

(۱) (سورۃ النساء : ۵۹)

(۲) (سورۃ النساء : ٦۵)

(۳) (سورۃ المائدہ: ۴۵)

(۴) (سورۃ یوسف: ۴۰)

(۵) (سورۃ المائدہ : ۵۰)

(٦) (سورۃ النساء : ۵۹)

کرے وہ مسلمان نہیں، حالانکہ حرام کا مرتکب جب کہ اعتقادِ حلت نہ رکھتا ہو، مومن ہے گو فاسق ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں شرعی فیصلہ سے تنگی پیدا ہو مگر اس فیصلہ کو حق سمجھے وہ بھی مسلمان نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں ہے اور غیر اختیارات کی تکلیف نہیں۔ اسی طرح اگر اس فیصلہ پر کوئی عمل نہ کرے تو یہ عدمِ تسلیم ہے تو وہ بھی مسلمان نہیں رہے، حالانکہ ترکِ عمل سے ایمان نہیں جاتا۔ ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم اور عدمِ حرج اور تسلیم کے مراتب تین ہیں: اعتقاد سے اور زبان سے اور عمل سے۔

اعتقاد سے یہ کہ قانونِ شریعت کو حق اور موضوع للتحکیم جانتا ہے اور اس میں مرتبۂ عقل میں ضیق نہیں اور اس مرتبہ اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اور زبان سے یہ کہ ان امور کا اقرار کرتا ہے کہ حق اس طرح ہے۔ عمل سے یہ کہ مقدمہ لے بھی جاتا ہے اور طبعی ضیق بھی نہیں اور اس فیصلہ کے موافق کارروائی بھی کر لی۔

سو اول مرتبۂ تصدیق و ایمان ہے، اس کا نہ ہونا عند اللہ کفر ہے اور منافقین میں خود اس کی کمی تھی، چنانچہ تنگی کے ساتھ لفظِ انکار اس کی توضیح کے لئے ظاہر کر دیا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ اقرار کا ہے، اس کا نہ ہونا عند الناس کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ تقویٰ و اصلاح کا ہے، اس کا نہ ہونا فسق ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔

پس آیت میں بقرینۂ ذکرِ منافقین مرتبہ اولیٰ مراد ہے۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا (۱)۔

۳..... جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے موافق حکم نہ کرے بلکہ غیرِ حکمِ شرعی کو قصداً حکمِ شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے، ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

۴..... حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''اے قید خانہ کے رفیقو! متفرق معبود عبادت کے واسطے اچھے ہیں یا ایک معبود برحق جو رب ہے، زبردست ہے وہ اچھا ہے؟ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے آپ ہی ٹھہرا لیا ہے، خدا تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کا کوئی دلیلِ عقلی یا نقلی نہیں بھیجی اور حکم دینے کا اختیار صرف خدا ہی کا ہے اور اس نے یہ حکم دیا کہ بغیر اس کے کسی اور کی عبادت مت کرو۔ پس اس حکم پر عمل کرنا چاہیے، یہی توحید اور عبادت میں حق تعالیٰ کی تخصیص سیدھا طریقہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' (۲)۔

---

(۱) تحکیم، عدمِ حرج اور تسلیم کے تینوں درجات کے لئے ملاحظہ کیجئے: (بیان القرآن للتھانویؒ، ص: ۱/۱۳۰، ۱۳۱، میر محمد کتب خانہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا صاحبی السجن ء أرباب متفرقون خیرٌ أم اللہ الواحد القهار، ماتعبدون من دونه إلا =

۵...... یہ آیت بھی آیت نمبر:۳ کے ساتھ مسلسل و مربوط ہے اور اس کے مضمون کو ادا کر رہی ہے، جیسا کہ: ﴿أفحکم الجاهلية يبغون﴾ سے مستفاد ہے۔ مزید تفسیر و تشریح مطلوب ہو تو روح المعانی (۱)، مظہری (۲)، مفاتیح الغیب (۳) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/ ۸/ ۹۳ھ۔

تفسیر "استوی"

سوال [۱۰۸۲]: عرض می دارم که در معنئ "استواء" اختلافِ شدید واقع شده است: ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ (۱) جمهورِ علماء می گویند که استوی بمعنئ غلبه و قدرت باشد، و ملا عبد الکریم می گویند که استوی بمعنئ سکونت باشد، یعنی –نعوذ بالله– معنئ آیتِ مذکوره بقرارِ ذیل می کند که خداوند تعالیٰ بر عرش مبارک نشسته باشد. فلهذا جمهورِ علماء بر ملّا عبد الکریم فتویٰ کفر کردند، از جماعتِ خود اُو را خارج نمودند. فی الحال از علمائے دار العلوم دیوبند درخواست است که اصلِ معنئ استویٰ مدلل بحوالۂ کتب بیان کنند. بینوا توجروا

الجواب حامداً و مصلیاً:

تفسیر استویٰ باستیلاء نیز کرده شده است، و لکن دریں مسئله مسلکِ اهلِ

= أسماء سميتموها أنتم وآباؤكم، ماأنزل الله بها من سلطان، إن الحكم إلا لله، أمر ألا تعبدوآ إلآ إياه، ذلك الدين القيم، ولكن أكثر الناس لايعلمون﴾ (سورة يوسف: ۴۰،۱۲)

(۱) (أفحكم الجاهلية يبغون) إنكار وتعجيب من حالهم وتوبيخ لهم ...... أى أيتولون عن قبول حكمك بما أنزل إليك، فيبغون حكم الجاهلية .... (ومن أحسن من الله حكماً) إنكار لأن يكون أحدٌ حكمه أحسن من حكم الله تعالىٰ أو مساوله؛ كما يدل عليه الاستعمال اهـ". (روح المعاني: ۴/۲۲۸، ۲۲۹، دارالكفر، بيروت)

(۲) (التفسير المظهرى: ۳/۱۲۵، حافظ كتب خانه)

(۳) (تفسير القرطبىٰ (مفاتيح الغيب): ۳/۱۳۹، ۱۴۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) (سورة طه: ۵)

حق این است کہ استوی حق است، و ایمان بر آن لازم است، و کیفیتِ آن غیر معلوم است، و سوال و تفتیشِ آن بدعت است، و انکارِ آن گمراهی است. کذا فی تفاسیر الایة(۱) و کتب العقائد و(۲) صرح بہ الإمام مالک وغیرہ(۳). فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۹۱ھ۔

تشریح "اقرأ"

سوال[۱۰۸۳] :۱...... "اقرأ" قرآن مجید کے ۳۰/ ویں پارے سے لیا گیا ہے، اس کی تشریح کیجئے، کس علم سے تعلق رکھتا ہے؟

۲...... "اقرأ" یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے، جو بھی صورت ہو، اس کی آواز کس کو بلند کرنی چاہئے اور اس کا انتظام کس کو کرنا چاہئے، اقرأ کا امام اور مقتدی سے کیا تعلق ہے؟

---

(۱) "حکی الاستاذ أبو بکر بن فورک عن بعضهم أن (استوی) بمعنی علا، و لا یراد بذلک العلو المسافة والتمیز والکون فی الإمکان متمکناً فیه، و لکن یراد معنیً یصح نسبته إلیه سبحانه. و هو علی هذا من صفات الذات، و کلمة (ثم) تعلقت بالمستوی علیه لا بالاستواء، أو أنها للتفاوت فی الرتبة و هو قول متین.

و أنت تعلم أن المشهور من مذهب السلف فی مثل ذلک تفریض المراد منه إلی الله تعالیٰ، فهم یقولون : استوی علی العرش علی الوجه الذی عناه سبحانه منزهاً عن الاستقرار والتمکن، وأن تفسیر الاستواء بالاستیلاء تفسیر مرذول، إذ القائل به لا یسعه أن یقول: کاستیلاء نا، بل لا بد أن یقول : هو استیلاء لائق به عزوجل، فلیقل من أول الأمر: هو استواء لائق به جل و علا". (تفسیر روح المعانی : ۱۳۲/۸ ،دار إحیاء التراث العربی)

(وکذا فی معارف القرآن : ۵۰۲/۴، سورة یونس ، ادارة المعارف)

(۲) "الاستواء معلوم والکیف مجهول ، والسوال عنه بدعة ، والإیمان به واجب ، و هذه طریقة السلف، وهی أسلم، والله أعلم". (شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری ، ص:۳۸، قدیمی)

(۳) "و هذا کما روی عن مالک رحمه الله تعالی أن رجلاً سأله من قوله تعالیٰ: ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (طه :۵) قال مالک: الإستواء غیر مجهول ، والکیف غیر معقول ، والإیمان به واجب ، والسؤال عنه بدعة، و أراک رجل سوء". (تفسیر القرطبی : ۱۷۶/۱ ، سورة البقرة الآیة : ۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

۳......"اقرأ" کے جزوی انکار کرنے والے کو یا مکمل انکار کرنے والے کو کیا کہیں گے؟

۴......اگر امام "اقرأ" یعنی "پڑھو" کو اپنی ذمہ داری نہیں لیتا یا اس کی مدد بالفعل نہیں کرتا اور مخالفت کم یا زیادہ کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اس کی ذمہ داری نہ لینے کی وجہ سے پورے قصبے کی حمایت اس کو نہیں ملتی جس کی وجہ سے چندہ بخوبی وصول نہیں ہوتا اور لڑکوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوتی۔ اس امام پر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......سب سے پہلے جب جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام وحی خداوندی لیکر آئے اس وقت مخصوص طور پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا "اقرأ" اس پر ارشاد فرمایا: "ما أنا بقاری" پھر بحکم الٰہی تدبیر کی، جس سے وحی الٰہی کے پڑھنے پر قدرت حاصل ہوگئی (۱)۔

۲...... یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ نمبر: ۱ میں گزرا، اس کا تعلق امام یا مقتدی سے نہیں، نہ اس سے نماز کی قرأت مراد ہے (۲)۔

۳......جو شخص یہ کہے کہ یہ "سورۂ اقرأ" قرآن پاک کی سورت نہیں، اللہ پاک نے نازل نہیں فرمائی تو وہ غلط کہتا ہے جیسا کہ نمبر: ۱ میں مذکور ہے (۳)۔

۴......اگر امام اپنے مقتدیوں کو یہ کہتا ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے قرأت مت کرو بلکہ خاموش رہو تو یہ امام "اقرأ" کا منکر و مخالف نہیں وہ صحیح راستہ پر ہے۔ خود مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أنها قالت: أول ما بُدئ به رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم (إلى قوله) حتى جاءه الحق وهو في غار حراء، فجاءه الملك فقال: إقرأ، فقال: "فقلت: ما أنا بقارئ" قال: "فأخذني، فغطّني حتى بلغ منّي الجهد، ثم أرسلني، فقال: إقرأ، فقلت: ما أنا بقارئ قال: فأخذني فغطّني الثالثة، ثم أرسلني فقال: "إقرأ باسم ربك الذي خلق، خلق الإنسان من علق اقرأ وربك الأكرم". الخ (صحيح البخاري، باب كيف كان بدؤ الوحي إلى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم الخ: ۱/۲، قديمي)

(۲، ۳) (راجع صحيح البخاري المصدر السابق)

"إذا قرأ فأنصتوا" (۱) جب امام قرأت کرے تو اس کے پیچھے مقتدی خاموش رہیں۔ کسی خارجی رعایت سے حدیث شریف کی مخالفت کرنا جائز نہیں، اگر امام کا مطلب کچھ اور ہے تو واضح کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر "لا یمسه إلا المطهرون"

سوال [۱۰۸۴]: زید کا کہنا ہے آیت کریمہ: ﴿إنه لقرآن کریم، فی کتاب مکنون، لا یمسه إلا المطهرون، تنزیل من رب العالمین﴾ میں جملہ "لا یمسه" کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جملۂ لا یمسه، کتاب مکنون کی صفت ہے اور کتاب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ ہے اور مطهرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ یہی تفسیر حضرت انس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، جابر بن زید، عبدالرحمٰن ابن زید ابونہیک ابوالعالیہ، قتادہ وغیرہم سے منقول ہے۔ اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کو سوائے ملائکہ کے اور کوئی نہیں چھوتے، اس تفسیر وتاویل کے لحاظ سے مصحفِ مجید کو بے وضو اور جنابت والا بغیر غلاف چھونے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ فقہائے حنبلیہ اسی تفسیر وتاویل کو اختیار کر کے کہتے ہیں کہ مصحف مجید کو بے وضو اور جنابت والے کو بغیر غلاف کے چھونا جائز ہے۔

دوسرا قول جو عطاء، طاؤس، سالم، قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ جملہ لا یمسه قرآن کریم کی صفت ہے اور قرآن کریم سے مراد مصحف مجید ہے اور مطهرون سے مراد وہ مومنین ہیں جو باوضو وغسل ہوں۔ اس

---

(۱) "وفي حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزيادة: "وإذا قرأ فأنصتوا" ... فحديث أبي هريرة فقال: هو صحيح يعني: "وإذا قرأ فأنصتو" فقال: هو عندي صحيح، فقال: لِمَ لم تضعه ها هنا؟ قال: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ها هنا، إنما وضعت ها هنا ما أجمعوا عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

قال الله تعالى: ﴿وإذا قرئ القرآن، فاستمعوا له وأنصتوا، لعلكم ترحمون﴾ (سورة الأعراف آيت: ۲۰۴ پاره: ۹)

"وعن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: علّمنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا قمتم إلى الصلاة، فليؤمكم أحدكم، وإذ قرأ الإمام فأنصتوا". رواه أحمد ومسلم، وهو حديث صحيح".
(آثار السنن، باب في ترك القرأة خلف الإمام في الجهرية الخ، ص: ۱۰۹، مكتبه امداديه ملتان)

تفسیر وتاویل کے لحاظ سے مصحفِ مجید کو بے وضو اور جنابت والے کے لئے بغیر غلاف چھونے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اسی تفسیر وتاویل کو اختیار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ مصحفِ مجید کو بے وضو اور جنابت والے کو چھونا بغیر غلاف جائز نہیں صحیح ہے، یا نہیں؟ بحوالہ تفسیر معتبرہ بیان فرمادیں۔

حاجی قاضی محمد زماں قاضی ایفہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ ضمیر منصوب "لا یمسہ" میں راجع ہے "کتاب مکنون" کی جانب اور "مطہرون" سے مراد ملائکہ ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر منصوب قرآنِ کریم کی طرف راجع ہے اور "مطہرون" سے وہ لوگ مراد ہیں جو باغسل اور باوضو ہوں (۱) تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

﴿لا يمسه إلا المطهرون﴾ من جميع الأدناس أدناس الذنوب و غيرها إن جعلت الجملة صفةً "لكتاب مكنون" و هو اللوح، وإن جعلتها صفةً للقران فالمعنى: لا ينبغي أن يمسه إلا من هو على الطهارة من الناس اهـ"(۲)۔

تفسیر بیضاوی، میں: ﴿لا يمسه إلا المطهرون﴾ لا يطلع على اللوح إلا المطهرون من الكدورات الجسمانية و هم الملائكة، أو لا يمس القرآن إلا المطهرون من الأحداث، فيكون نفياً بمعنى النهي اهـ"(۳)۔

---

(۱) "وقال العوفي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: "لا يمسه إلا المطهرون" يعني الملائكة، وعن قتادة "لا يمسه إلا المطهرون" قال: لا يمسه عند الله إلا المطهرون الخ، وقال ابن زيد: زعمت كفار قريش أن هذا القرآن نزلت به الشياطين، فأخبر الله تعالىٰ أنه لايمسه إلا المطهرون. وقال الآخرون: (لا يمسه إلا المطهرون): أي من الجنابة والحدث". (تفسير ابن كثير: ۲۹۸/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) دیکھئے: (مدارك التنزيل: ۲۴۲/۲، قديمي)

(۳) دیکھئے: (تفسير البيضاوي: ۳۴۵، نور محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا روح المعاني: ۱۵۴/۲۷، دار إحياء التراث العربي)

اکثر کا قول یہ ہے کہ ضمیرِ منصوب قرآن کریم کی طرف راجع ہے:

"والضمير في "لا يمسه" إن عاد إلى "الكتاب المكنون" كان المعنى لا يمس الكتاب المكنون في اللوح المحفوظ إلا الملائكة المطهرون من الأدناس و الكدورات. وإن عاد إلى القرآن كان نهياً معنىً: أي لا يمس القرآن إلا المطهرون من الأحداث (إلى أن قال): والمقصود أن قوله: (لا يمسه إلا المطهرون) وإن كان يحتمل المعاني ولذا تركه صاحب الهداية ولكن الأكثر على أنه نفي بمعنى النهي، وأن الضمير المنصوب راجع إلى القرآن، وأن الطهارة هو الطهارة عن الأحداث: أي لا يمس هذا القرآن إلا المطهرون من الأحداث، فلا يمسه المحدث والجنب ولا الحائض ولا النفساء. و قد اشتهر في كتب أبي حنيفة أنه لايجوز للمحدث والحائض والنفساء مس المصحف إلا بغلافٍ متجافٍ منفصل عنه، وأما قرأته فيجوز للمحدث فقط إن كان حافظاً لا لغيره، وإن كان ناظراً فلا يجوز القرأة للمحدث إلا إذا قلبت الأوراق بقلم أو سكين مع الكراهة، هكذا في القنية. وذكر في الحسيني: أن الشافعي ومالك لا يجوّزان مسه للمذكورين و لا حمله، والحنابلة يجوّزونها جميعاً للمحدث والجنب دون الحائض والنفساء، وأبو حنيفة لا يجوّز مسه للمذكورين إلا بغلاف متجاف. وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أنه قال: أحب إليّ أن لا يقرأ القرآن إلا المطهرون. و قد قيل: لا يمسه: أي لا يقرأه". (تفسيرات أحمديه)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۸/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم، ۱۹/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

"ليس للانسان إلا ما سعى" الاية

سوال[۱۰۸۵]: قولہ تعالیٰ: ﴿ليس للانسان إلا ما سعى﴾ الاية " اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کام میں خود انسان کی سعی نہ ہو، اس کا ثواب نہیں پہنچتا۔ کیا یہ آیت منسوخ ہے یا کسی حدیث سے تحقیق کی گئی ہے؟

---

(۱) (التفسيرات الأحمديه، ص: ۶۸۳، سورة الواقعة، المطبع الكريمي الواقع في بمبئی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتزلہ کا مذہب یہی ہے اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں (۱)۔ حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح ہدایہ میں اس کے آٹھ جوابات لکھے ہیں (۲) اور ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الروح میں بہت تفصیل سے معتزلہ پر رد کیا ہے (۳)۔ اموات کو احیاء کے افعال: دعاء، صوم، صلوٰۃ، صدقہ وغیرہ سے نفع پہنچنا، خود قرآن

---

(۱) "ویعلم من مجموع ما تقدم أن استدلال المعتزلة بالآية على أن العبد إذا جعل ثواب عمله أیّ عملٍ كان لغيره لا ينجعل و يلغو جعله غير تام". (روح المعانی: ۲۷/۶۷، دار إحياء التراث العربی)

(۲) "و أما الجواب عن الآية فبثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم ......﴾ أدخل الأبناء الجنة بصلاح آبائهم، قاله ابن عباس رضي الله عنهما. الثاني: خاصة بقوم إبراهيم و قوم موسى عليهما السلام، يعني في صحف إبراهيم و موسى عليهما السلام: ﴿أن لا تزر وازرة وزر أخرى، و أن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ للعطف، فهذان في صحيفتهما مختص بهما، فأما هذه الآية فلقد ما سعت و ما سُعي لها غيرها، قاله عكرمة. الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، و أما المؤمن فله ما سَعى و ما سُعي له، قاله الربيع بن أنس. الرابع: (أن ليس للإنسان إلا ما سعى) من طريق العدل، و أما من طريق الفضل فجاز أن يزيده الله تعالىٰ من فضله ما يشاء، قاله الحسن بن الفضل. الخامس: أن معنى ما سعى ما نوى، قاله أبو بكر الرازي. السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خير ألبتة، ذكره الأستاذ أبو اسحق التعلبي. السابع: اللام بمعنى "على": أي ليس على الإنسان إلا ما سعى كقوله تعالىٰ: ﴿و إن أسأتم فلها﴾: أي فعليها، و كقوله تعالىٰ: ﴿و لهم اللعنة﴾: أي عليهم. الثامن: ليس له إلا سعيه، غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيه في تحصيل الشيء بنفسه، و تارة لتحصيل سببه كسعيه في تحصيل ولد أو صديق يستغفر الله، و تارة يسعى في خدمة الدين والعبادة، فيكسب منه أهل الدين والصلاح، فيكون ذلك سبباً حصل بسعيه اهـ". (البناية في شرح الهداية للحافظ العيني، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مسئلة: إيصال الثواب للأحياء والأموات: ۵/۳۹۶، مكتبه حقانيه ملتان)

(۳) "أما قوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾، فقد اختلف طرق الناس في المراد بالآية، فقالت طائفة: المراد بالإنسان ها هنا الكافر، و أما المؤمن فله ما سَعى و ما سُعي له بالأدلة ذكرناها .... و قالت طائفة: في الآية إخبار بشرع من قبلنا، و قد دل شرعنا على أن له ما سعى و ما سُعي له .... =

کریم اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے: ﴿والذين جاء وا من بعدهم، يقولون ربنا اغفر لنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ ۔ الاية (۱)

﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمانٍ ألحقنا بهم ذريتهم﴾ ۔ الاية (۲)

صلوٰۃ جنازہ کی مشروعیت اسی غرض کے لئے ہے: "من سن سنة حسنة، فله أجرها وأجر من عمل بها". الحديث (۳)۔

قبرستان میں جاکر "قل هو الله" شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا، صدقہ جاریہ کا ثواب پہنچتے رہنا وغیرہ وغیرہ بہت سی احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ اور عمل بھی تھا کہ وہ ثواب پہونچایا کرتے تھے (۴)۔ آیت ﴿ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ الایۃ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

= ..... و قالت طائفة: اللام بمعنى "على": أى و ليس على الإنسان إلا ماسعى ..... و قالت طائفة أخرى: الآية منسوخة بقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان، ألحقنا بهم ذريتهم﴾ و هذا منقول عن ابن عباس رضى الله عنهما اهـ". (كتاب الروح، (المسئلة السادسة عشرة) و هى: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعى الأحياء أم لا: ۲۰۱، ۲۱۰، دار الكتاب العربى)

(۱) (سورة الحشر: ۱۰)

(۲) (سورة الطور: ۲۱)

قال الإمام أحمد: "أنبأنا العلاء عن أبيه، عن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أوولد صالح يدعو". (مسند الإمام أحمد: ۶۵/۳، رقم الحديث: ۸۶۲۷، دار إحياء التراث العربى)

"وعنه: (عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه) أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دعا إلى هدى، كان له من الأجر مثل أجور من تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً الخ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۰۹/۳، رقم الحديث: ۸۹۱۵، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) (الصحيح لمسلم: ۳۴۱/۲ كتاب العلم، باب من سن سنة، قديمى كراچى)

(۴) "عن عائشة رضى الله عنها أن رجلاً أتى النبى ﷺ، فقال: يا رسول الله! إن أمى افتلتت نفسها ولم توص و أظنها لو تكلمت تصدقت، أفلها أجر إن تصدقت عنها؟ قال: "نعم." قال النووى تحته: "وفى هذا الحديث: أن الصدقة عن الميت تنفع الميت و يصل ثوابها، و هو كذلك باجماع العلماء، و كذا =

فرماتے ہیں کہ: ﴿والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بإیمان ألحقنا بهم ذریتهم﴾ سے منسوخ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

"ضربت علیهم الذلة والمسکنة" کا مطلب

سوال[۱۰۸۶]: قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿ضربت علیهم الذلة والمسکنة﴾

= أجمعوا على وصول الدعاء و قضاء الدين بالنصوص الواردة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووى، كتاب الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت إليه: ۱/۳۲۴، قديمى)

قال العلامة الكاسانى رحمه الله تعالىٰ: "فإن من صام أو تصدق أو صلى و جعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء، جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، و قد صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه ضحىّ بكبشين أملحين: أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته ممن آمن بواحدنية الله تعالىٰ و برسالته صلى الله عليه وسلم، و روى أن سعيد بن أبى وقاص رضى الله عنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمى كانت تحب الصدقة أفأتصدق عنها؟ فقال النبى صلى الله عليه وسلم: "تصدق". و عليه عمل المسلمين من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا من زيارة القبور و قراءة القرآن عليها و التكفين، والصدقات، والصوم، والصلوة، و جعل ثوابها للأموات". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: الحج عن الغير: ۳/۲۷۰، ۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

قال الحصكفى رحمه الله: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها". ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و إنا إن شاء الله بكم لاحقون، و يقرأ يس. وفى الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". قال الشامى رحمه الله: "صرح علمائنا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها........ الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شيء، هو مذهب أهل السنة والجماعة اهـ". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجنائز، مطلب فى القرأة للميت و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعيد)

(۱) قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ: "و عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن الآية منسوخة بقوله تعالىٰ: (والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم)". (روح المعانى: ۲۷/۲۶، دارإحياء التراث العربى)

(و كذا فى تفسير ابن كثير: ۴/۳۳۰، دارالفيحاء دمشق)

الخ، یہود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہیں گے ان کو کبھی اقتدار حاصل نہیں ہوگا۔ میرا ایمان یہی ہے اور یقین بھی ہے، لیکن آج جب کہ ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ جناب والا ان کی آج حکومت ہے، فلسطین پر قابض ہیں، عرب مسلمان پریشان ہیں۔ یہ اعتراض سن کر میں تو بغلیں جھانکنے لگا اور پسینہ آ گیا۔ میں کم علم کیا، کچھ پڑھا لکھا ہی نہیں، صرف مولوی نما ہوں، کیا جواب دیتا، وہی سبق کا سنا ہوا ایک جواب کہ ان کی حکومت مستقل نہیں بلکہ امریکہ کے رحم وکرم پر ہے اور یہاں بالذات حکومت کی نفی ہے۔ لیکن عیسائی معترض نے کہا کہ یہ بتایئے کہ حکومت کونسی مستقل ہے، سب ایک دوسرے کے تعاون سے چلتی ہیں، کوئی بھی بالذات نہیں، آج پاکستان کا ساتھ امریکہ چھوڑ دے تو ہندوستان اسے ہڑپ کر جائے اور ہندوستان کا ساتھ روس چھوڑ دے تو چین اسے جینے نہ دے، سعودی عرب، مصر، اردن وغیرہ جتنی حکومتیں ہیں سب پر ایک دوسرے کا سایہ ہے، اسی طرح کا تعاون امریکہ بھی اسرائیلیوں کا کر رہا ہے۔ اسرائیلی نمائندہ ہر عالمی میٹنگ میں موجود ہوتا ہے ان کو سب تسلیم کر رہے ہیں، آخر یہ بھی انسان ہیں، ان کا بھی حق ہے، یہ بھی اپنے لئے کوئی مستقل جائے قیام چاہتے ہیں، اس کے لئے انہوں نے اپنی پرانی جگہ تجویز کی اور عربوں کو بھگا کر فلسطین پر قابض ہو گئے، آج ان کی حکومت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا قرآن کی پیشین گوئی درست ثابت نہیں ہوئی۔ برائے مہربانی جلد جواب سے نوازیں تاکہ ان معترض صاحب کو بتایا جا سکے اور مسلمانوں کو اطمینان دلایا جا سکے؟

نجم الرحمٰن قاسمی چلکانہ سہارنپور

الجواب حامداً و مصلیاً:

﴿ضربت علیهم الذلة والمسكنة الخ﴾ (۱) میں سلطنت کی نفی کہاں ہے کہ موجودہ حالات سے معارضہ کیا جائے، جب تک کسی آیت یا قوی روایت سے سلطنت یہود کی ہمیشہ کے لئے نفی ثابت نہ ہو قرآن و حدیث کی تکذیب نہیں کی جا سکتی (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں جو یہودی تھے اول

---

(۱) (سورة البقرة: ٦١)

(۲) تفسیر جلالین میں ہے: "الذلة الذل، والهوان والمسكنة: أى أثر الفقر، من السكون، والخزى، فهى لازمة لهم و إن كانوا أغنياء لزوم الدرهم المضروب لسكته". (جلالين: ١/١١، قديمي كراچي)

تفسیر ابن کثیر میں ہے: "لا يزالون مستذلين، من وجدهم استذلهم و ضرب عليهم الصغار". =

ان کومعاہدہ میں شریک کیا گیا، مگران کی کمینہ حرکات ختم نہ ہوئیں۔ دو قبیلے: بنونضیر، بنوقریظہ تھے، ان میں آپس میں بھی سخت اختلاف تھا، ایک قبیلہ خزرج کا سہارا لیتا تھا اور دوسرا اوس کا۔ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے باوجود چپکے چپکے قریشِ مکہ سے سازباز کی اوران کو مدینہ طیبہ پرحملہ کرنے کی دعوت دی اوراپنے مسلک کے بالکل خلاف بعض یہود نے مکہ معظمہ پہونچ کرمشرکین کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بت کو سجدہ بھی کیا(۱)۔ ادھر کعب بن اشرف نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی (۲)۔ نیز ابورافع

= (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۴۶، المکتبة دار الفیحاء دمشق)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اخیر میں جو بات تحریرفرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ کچھ یہودیوں کا کہیں تھوڑا بہت اقتدار حاصل ہوجانا پوری قوم یہود پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوپی ہوئی دائمی ذلت کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت تحریرفرماتے ہیں: ''یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں میں سب سے پہلے یہود ہیں، ان کی شریعت ان کی تہذیب سب سے پہلی ہے، اگر پوری دنیا میں فلسطین کے ایک چھوٹے سے قصبے پر ان کا تسلط کسی طرح ہو بھی گیا تو پوری دنیا میں یہ حصہ ایک نقطہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، اس کے بالمقابل نصاریٰ کی سلطنتیں اور مسلمانوں کے دورِ تنزل کے باوجود ان کی سلطنتیں بت پرستوں کی سلطنتیں، لا مذہبوں کی حکومتیں جوجگہ جگہ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں ان کے مقابلے میں فلسطین اور وہ بھی آدھا اور اس پر بھی امریکہ وبرطانیہ کے زیرِسایہ کوئی تسلط یہودیوں کا ہوجائے تو کیا اس سے پوری قوم یہود پر اللہ کی طرف سے لگائی ہوئی دائمی ذلت کا کوئی جواب بن سکتا ہے''۔ (تفسیر معارف القرآن: ۱/۱۸۴، ادارة المعارف کراچی)

(وکذا فی التقریر الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی: ۴/۱۴۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۱) ان تمام حالات کے لئے دیکھئے:............''وهم قبيلة من يهود المدينة، وكان بينهم وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم عقد موادعة الخ''. (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر: ۱۷/۱۶۸-۱۷۰، رقم الحدیث: ۴۰۲۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) ''فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى بني النضير مستعيناً بهم في دية القتيلين ...... فقالوا: إنكم لن تجدوا الرجل (يعنون بالرجل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) على مثل حاله هذا، و رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى جنب جدار من بيوتهم قاعد، فمن رجل يعلو على هذا البيت فيلقي عليه صخرة فيريحنا منه...... و هذا معنى قوله: ''و ما أرادوا'' أي و في بيان ما أراد بنو النضير من الغدر برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اهـ''. (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر: ۱۷/۱۶۸، ۱۶۹، دارالکتب العلمیة)

نے بہت ہی کمینہ حرکات کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کعب بن اشرف قتل ہوا، ابورافع قتل ہوا(۱)۔

اوس وخزرج کی نگاہوں سے بھی گر گئے، عہد شکنی کی بناپر بنوقریظہ قتل کئے گئے، بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ سورۂ حشر میں ان کے حالات پڑھیے کس طرح اپنے گھروں کو اجاڑ کر نکلے ہیں، یہ ان کی ذلت ومسکنت سب کی نظروں میں تھی (۲)، ہوسکتا ہے آیتِ مذکورہ میں اسی کو بیان کیا گیا ہو (۳) نہ کہ آئندہ کے حالات کو جیسا کہ مکہ مکرمہ کو (وادٍ غیر ذی زرع) قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کو لیکر وہاں تشریف لائے اس وقت اس مقام پر یہی حال تھا، آج وہاں باغات، درخت، سب چیز موجود ہے جو کہ آیت کے منافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

---

(۱) "فلما استمکن منه، قال: دونکم، فقتلوه، ثم أتوا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فأخبروه".
(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن أشرف: ۲/۵۷۷، قدیمی)

"عن البراء بن عازب: قال: "بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رهطاً إلی أبی رافع، فدخل علیه عبد اللہ بن عتیک بیته لیلاً وهو نائم، فقتله". (صحیح البخاری، باب قتل أبی رافع: ۲/۵۷۷)

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: روح المعانی: ۲۸/۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، دار احیاء التراث العربی)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۲۳، دار الفیحاء بیروت)

(۳) یہود کی موجودہ حالت اور اسرائیلی حکومت کا قیام، یہ بھی نہ صرف قرآن کریم کے قطعی ارشادات کے منافی نہیں بلکہ قرآن کریم کے قطعی ارشادات کے عین مطابق ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿ضربت علیهم الذلة أین ما ثقفوا إلا بحبل من اللہ وحبل من الناس﴾ الخ" (سورة آل عمران: ۱۱۲)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "بہت سے حضرات مفسرین نے اس کو استثنائے منقطع قرار دیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ذات اور اپنی قوی حیثیت سے تو ذلیل وخوار رہیں گے، گو قانون الٰہی کی وسعت میں آکر ان کے بعض افراد اس سے محفوظ ہوجائیں گے، یا دوسرے لوگوں کے سہارا لے کر ذلت وخواری پر پردہ ڈال دیں"۔ (معارف القرآن: ۱/۱۸۴، ادارة المعارف)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۲۶، دار الفیحاء دمشق)

(وکذا فی تفسیر روح المعانی: ۴/۱۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر جلالین: ص: ۵۸، قدیمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/۲۶۸، مادہ "ف، فلسطین" دانش گاہ لاہور)

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى" پر اشکال اور اس کا جواب

سوال [۱۰۸۷]: مومن ہونے کے لئے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول دونوں ضروری ہیں، اللہ و رسول میں سے اگر کسی ایک پر بھی ایمان نہ لائے تو مؤمن نہیں ہوسکتا لیکن آیت: ﴿إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحاً، فلهم أجرهم عند ربهم، ولا خوف عليهم، ولا هم يحزنون﴾ میں ایمان بالرسول کا کہیں ذکر تک نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول ضروری نہیں، اگر ضروری ہے تو عدم ذکر کی وجہ تحریر فرمائی جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ایمان بالرسول کے ساتھ ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب بھی ضروری ہے، نیز ایمان بالقدر بھی ضروری ہے (۱) لیکن ہر آیت میں تمام چیزوں کو بیان نہیں کیا گیا، موقع اور مقام کے لحاظ سے کہیں تمام چیزوں کا ذکر کر دیا گیا، کہیں بعض کا، اسی طرح یہاں بھی بعض کے بیان پر اکتفا کیا گیا جس کی حکمت بیان کی جاسکتی ہے، مثلاً: یہ کہ جتنے فرقے اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب ایمان بالرسول رکھتے تھے، یہود و نصاریٰ کا حال تو ظاہر ہے، صابئین کے متعلق بھی ایک قول یہی ہے (۲)۔ جس طرح عدم ذکر سے ایمان بالکتاب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر کی ضرورت کی نفی کرنا صحیح نہیں اسی طرح ایمان بالرسول کی ضرورت کی نفی کرنا بھی درست نہیں۔ ایک کلیہ یاد رکھئے کہ عدمِ ذکر، ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) وفي حديث جبريل "قال: فأخبرني عن الإيمان قال: أن تؤمن بالله و ملائكته و كتبه ورسله واليوم الآخر و تومن بالقدر خيره و شره". (المشكوة: ۱/۱۱، كتاب الإيمان، قديمي كراچي)

(و كذا في الصحيح لمسلم: ۱/۲۷، كتاب الإيمان، قديمي)

(و كذا في سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر: ۲/۲۹۷، امداديه ملتان)

(۲) قال العلامة الآلوسي: "الإمام أبو حنيفة رضي الله تعالى عنه يقول: إنهم (الصابئين) ليسوا بعبدة أوثان، وإنما يعظّمون النجوم كما تعظم الكعبة، و قيل: هم قوم موحدون يعتقدون تأثير النجوم و يقرّون ببعض الأنبياء كيحيى عليه السلام، و قيل: إنهم يقرون بالله تعالى، ويقرؤن الزبور، و يعبدون الملائكة، و يصلون إلى الكعبة ..... و في جواز مناكحتهم وأكل ذبائحهم كلام للفقهاء". (روح المعاني ۱/۲۷۹، دار إحياء التراث العربي)

(والفقه الإسلامي وأدلته: ۸/۲۲۲۰، رشيديه)

﴿جاعل الذین اتبعوك﴾ کی تفسیر

سوال[۱۰۸۸]: ﴿و جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا إلی یوم القیامة﴾ میں "الذین اتبعوا" سے مراد تقریباً سارے مفسرین نے عیسائی اور مسلمان لئے ہیں، لیکن آج کل قرآن کی یہ حقیقت اپنی صداقت کھو بیٹھی ہے اور سیاق وسباق میں "الذین کفروا" سے اسرائیل ہی کی تخصیص کر دیا ہے۔ اگر کافرین سے مطلق مراد لیا جائے تو عالمگیر پیمانہ پر مسلمانوں کی پستی مسلم ہے نہیں تو بعد التخصیص اسرائیل سے مسلمانوں کی پستی واضح ہے۔ مفسرین "الذین کفروا" سے عیسائی بھی مراد لیتے ہیں۔ یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ آج کل عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے کیسے متبع مانے جاسکتے ہیں جب کہ وہ تثلیث پرستی اور مختلف گمراہ کن نظریات وعقائد کی دنیا میں گم نظر آتے ہیں تو پھر مفسرین کا یہ خیال کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے؟

فوق سے کیا مراد ہے؟ اور حکومت کے معاملہ میں یا کسی اور چیز میں آیتِ مذکورہ "الذین اتبعوك" سے مسلمان مراد لئے جائیں تو "حبل من اللہ و حبل من الناس" کی آیت اس کے لئے ناسخ مانی جاسکتی ہے یا نہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شادی کریں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مفسرین کی لکھی ہوئی کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے یا آپ کی معلومات پر منطبق نہ ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "آج کل قرآن کی حقیقت اپنی صداقت کھو بیٹھی ہے" کہاں تک درست ہے اور آپ غور کریں کہ اس سے ایک مؤمن کا ایمان کس حد تک مجروح ہو جاتا ہے، قرآنی صداقت جس قلب سے کھو جائے کیا وہ قلب بھی مسکنِ ایمان رہے گا؟ ایسے کلمات کے کہنے اور لکھنے سے کلی اجتناب لازم ہے، یہود ونصاریٰ کے واقعات کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع نہ کیا جائے، تحقیق کے لئے دوسرا عنوان بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اتباع ایک حقیقی ہوتا ہے، ایک ادعائی ہوتا ہے یعنی دعویٰ یہ ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متبع ہیں اگرچہ اعتقاداً وعملاً بے شمار امور میں مخالفت کرتے ہیں، مگر ادعاءً سب ہی نصرانی ہیں جیسے کہ اسلام کے مدعی بھی دونوں قسم کے ہیں۔ اگر یہاں یہ مراد ہو کہ جو لوگ نصرانی ہونے کے مدعی ہیں، ان کو غلبہ ہوگا اس جماعت پر جو ان پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ ان کا منکر ہے یعنی یہود پر تو آپ کا اشکال ختم ہو جائے گا، یہ قول بھی تفسیر

مظہری، ص: ۵۷ میں موجود ہے (۱) وقیل: "أراد بهم النصاری فهم فوق اليهود إلى يوم القيامة". (۲) ۔ اورفوق کی تفسیر کی ہے۔ بالحجۃ والسیف فی غالب الاحوال۔ اب "حبل من الله حبل من الناس" (۳) سے تعرض کی بھی حاجت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نزول شادی کریں گے: "فيتزوج بعد النزول و يولد له، ويمكث أربعين سنة، ثم يتوفى" إلى آخره (۴)۔ عقیدۃ الاسلام (۵)۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے جس میں انہوں نے اتباع کی مذکورہ دونوں صورتیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ فتح البیان میں بھی ہے (۶)،

---

(۱) "(و جاعل الذين اتبعوك) الخ يعني يعلونهم بالحجة والسيف في غالب الأحوال و متبعوه الحواريون، و من كان من بني إسرائيل على دينه الحق قبل مبعث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمسلمون من أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين صدقوه واتبعوا دينه في التوحيد، ووصيته باتباع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيث قال: (ومبشراً برسول يأتي من بعدى اسمه أحمد) و قيل: أرادبهم النصارى، فهم فوق اليهود إلى يوم القيامة إلى الآن، لم يسمع غلبة اليهود عليهم". (التفسير المظهرى: ۲/۵۷، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) (التفسير المظهرى: ۲/۵۷)

(۳) (سورة آل عمران: ۱۰۳)

(۴) "عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ينزل عيسى بن مريم إلى الأرض فيتزوج، و يولد له، و يمكث خمساً و أربعين سنةً، ثم يموت فيدفن معى فى قبرى، فأقوم أنا وعيسى بن مريم فى قبر واحد بين أبى بكر وعمر". رواه ابن الجوزى فى "كتاب الوفاء". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۸۰، كتاب الفتن، باب نزول عيسى، قديمى كراچى)

(۵) (عقيدة الإسلام لشيخ أنور شاه الكاشميرى، ص: ۴۵، ۴۶، ادارة القرآن)

(۶) "وعلى كل حال فغلبة النصارى لطائفه الكفار أو لكل طوائف الكفار لا ينافى كونهم مقهورين مغلوبين لطوائف المسلمين، كما يفيد الآيات الكثيرة بأن هذه الملة الإسلامية ظاهرة على كل الملل، قاهرة لها، مستعلية عليها ...... ثم بعد البعثة المحمدية لا شك أن المسلمين هم المتبعون لعيسى لإقراره لنبوة محمد صلى الله عليه وسلم و تبشيره بها كما فى القرآن الكريم و الإنجيل، بل فى الإنجيل: الأمر لأتباع عيسى بأتباع محمد صلى الله عليه وسلم. .... =

حافظ ابن حجر(۱) ابن کثیر(۲) ابن تیمیہ(۳)، علامہ آلوسی(۴) وغیرہ کی کتابوں میں سیر حاصل بحث موجود ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا بھی ایک مضمون مفصل رسالہ دارالعلوم میں اسی سال شائع ہوا ہے، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

= فالمتبعون لعيسى بعد البعثة المحمدية هم المسلمون في أمر الدين، ومن بقي على النصرانية بعد البعثة المحمدية، فهو و إن لم يكن متبعاً لعيسى في أمر الدين و معظمة، لكنه متبع له في الصورة، و في الإسم، و في الجزئيات من أجزاء الشريعة العيسوية، فقد صدق عليهم أنهم متبعون له في الصورة و في الإسم و في شيء مما جاء به. و إن كانوا على ضلال و وبال و كفر، فذلك لا يوجب خروجهم عن العموم المذكور في القرآن الكريم ...... و الأولون هم الأتباع حقيقةً، وغيرهم الأتباع في الصورة". (تفسير فتح البيان : ۲۸/۲، سورة آل عمران : ۵۵، مطبعة العاصمة، شارع الفلكي بالقاهرة)

(۱) دیکھئے: (التلخيص الحبير للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ، ص: ۳۱۹، دار نشر الكتب الإسلاميه لاهور)

(۲) دیکھئے: (تفسير ابن كثير : ۱/۴۸۷، ۴۹۳ دار الفيحاء دمشق)

(والطبقات الكبرى للشعراني : ۱/۲۶ دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "و أما قوله تعالىٰ ﴿يا عيسى إني متوفيك .... و جاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا إلى يوم القيامة﴾ فهو حق كما أخبر الله تعالىٰ به، فمن اتبع المسيح عليه، جعله الله فوق الذين كفروا إلى يوم القيامة، و كان الذين اتبعوه على دينه الذي لم يبدل قد جعلهم الله فوق اليهود، و أيضاً فالنصارى فوق اليهود الذين كفروا به إلى يوم القيمة، و أما المسلمون فهم مؤمنون به ليسوا كافرين به، بل لما بدل النصارى دينه و بعث الله محمداً ﷺ بدين الله الذي نزل به المسيح وغيره من الأنبياء جعل الله محمداً (ﷺ) و أمته فوق النصارى إلى يوم القيمة اهـ". (التفسير الكبير لإبن تيمية، فصل : موقف الأمم من الرسل: ۳/۱۸۸، ۱۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) (روح المعاني : ۱/۵۹۵ و ۳/۱۸۳ دار إحياء التراث العربي)

(وكنز العمال : ۱۴/۶۱۸ مكتبه التراث الإسلامي حلب)

(و تفسير الخازن لعلي بن محمد خازن : ۱/۳۳۴ دار المعرفه بيروت)

﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ کا مطلب

سوال[۱۰۸۹]: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز منع کرتی ہے تب تو کوئی اشکال نہیں، اگر یہ ہے کہ روک دیتی ہے تو کیا اس سے مقبول نماز مراد ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پورے خشوع سے اس کے اوپر ثواب کا تصور کرتے ہوئے اور تاثیرات کا استحضار کر کے پڑھی جائے تو روک بھی دیتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

﴿وما تشائون إلا أن يشاء الله﴾ کا مطلب

سوال[۱۰۹۰]: "وما تشائون إلا أن يشاء الله" کا کیا مطلب ہے(۲)؟ اور پھر یہ بھی ارشاد ہے: ﴿فمن شاء فليؤمن، ومن شاء فليكفر الخ﴾ الآية (۳) پھر جزاء وسزا کیوں مرتب ہوتی ہے؟ جب کہ سب کچھ مشیتِ ایزدی ہی سے ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ تقدیر ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے، بحث وتفتیش کی اجازت نہیں (۱) کہ دامن تر مکن

---

(۱) وقال ابن كثير أبي العالية : في قوله تعالىٰ : (إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر)، قال: إن الصلاة فيها ثلاث خصال، فكل صلاة لا يكون فيها شيء من هذه الخصال فليست بصلاة: الإخلاص والخشية و ذكر الله، فالإخلاص يأمره بالمعروف، و الخشية تنهاه عن المنكر، و ذكر الله القرآن يأمره و ينهاه". (تفسير ابن كثير : ۳/ ۵۵۰، ۵۵۱، المكتبة الفيحاء دمشق)

(وكذا في روح المعاني : ۲۰/ ۱۶۳، دار إحياء التراث العربي)

" حدثنا وكيع أخبرنا الأعمش قال : أخبرنا أبو صالح عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال : "جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: إن فلاناً يصلي بالليل، فإذا أصبح سرق، فقال : إنه سينهاه ما تقول". (مسند الإمام أحمد : ۲/ ۴۴۷، رقم الحديث: ۹۴۸۶، المكتب الإسلامي بيروت)

(۲)(الدهر : ۳۰) (۳) (الكهف : ۲۹)

(۴) "قال في شرح السنة: الإيمان بالقدر فرض لازم الخ". (مرقاة، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/ ۲۵۶، رشيديه) =

هشیار باش۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ کا مطلب

سوال[۱۰۹۱]: قرآن پاک کی آیت ﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ ہے اور آدمی کو جب تکلیف ہوتی ہے تو وہ بھی ایک نعمت خداوندی ہے، اس پر اگر شکر کرے گا تو اس کے اندر زیادتی ہوگی حالانکہ انسان یہ نہیں چاہتا کہ میں ہروقت تکلیف میں مبتلا رہوں، اس صورت میں اس آیت شریفہ کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل نعمت اجر وثواب ہے تکلیف، رنج، مرض، مشقت پر صبر بھی اس کا ذریعہ ہے، راحت، صحت، شادمانی، عافیت پر شکر بھی اس کا ذریعہ ہے۔ ایک ذریعہ سے بچ کر دوسرا ذریعہ اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک مقصد تک پہونچنے کے دو راستے ہوں ایک آسان دوسرا دشوار، دشوار کو چھوڑ کر آسان اختیار کرنا مذموم نہیں (۱)،

= "عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتنازع في القدر، فغضب حتى احمر وجهه حتى كأنما فُقئ في وجنتيه حب الرمان، فقال: "أبهذا أمرتم، أم بهذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا فيه". رواه الترمذي، وروى ابن ماجه نحوه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الثاني، ص: ۲۲، قديمي)

"وأصل القدر سر الله تعالى في خلقه، لم يطلع على ذلك ملك مقرب ولا نبي مرسل، والتعمق والنظر في ذلك ذريعة الخذلان، وسلم الحرمان، ودرجة الطغيان، فالحذر كل الحذر من ذلك نظراً وفكراً ووسوسة الخ". (شرح العقيدة الطحاوية، أصل القدر سر الله، ص: ۱۸۰ - ۱۹۴، مكتبه الغرباء، الجامعة الستارية، كراتشي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (البقرة: ۲۸۶)

قال العلامة الآلوسي في شرحه "(الوسع) ما تسعه قدرة الإنسان أو ما يسهل عليه من المقدور، =

لہذا تکلیف کا علاج بھی مشروع بلکہ مسنون ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۳/۹۵ھ۔

حضرت مسیح کی فضیلت "کلمته" اور "و روح منه" سے

سوال[۱۰۹۲]: قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿إنما المسيح عيسى ابن مريم، ورسول الله، و كلمته ألقاها إلى مريم، و روح منه﴾ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک تو "کلمہ" کہا گیا ہے یہ تو اس معنی کر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "کن" کہہ کر پیدا فرمایا ہے اور "کن" اللہ تعالیٰ کا کلمۂ تخلیقی ہے، دوسری بات یہ کہ آپ کے بارے میں یہ "روح منه" فرمایا گیا ہے۔اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ روح بدن کا ایک حصہ ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان بدن فرض کر کے اس سے روح کو اگر مانا جائے تو شاید یہ۔نعوذ باللہ۔حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ابنیت کی طرف مشیر ہوگا اور یہ بولا بھی جاتا ہے اردو میں بیٹے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ میری روحِ رواں ہے یا پھر حد درجہ قریب والے کے لئے کہتے ہیں جیسے بیوی کو کہتے ہیں میری روح، میری روح کی تسکین وغیرہ۔

= وهو مادون مدى طاقته: أى سنته تعالى أنه "لا يكلف نفساً" عن النفوس إلا ما تطيق وإلا ما هو دون ذلك كما في سائر ما كلفنا به من الصلاة و الصيام مثلاً، فإنه كلفنا خمس صلوات والطاقة تسع ستاو زيادة، و كلفنا صوم رمضان والطاقة تسع شعبان معه، و فعل ذلك فضلاً منه و رحمةً بالعباد أو كرامةً و منةً على هذه الأمة خاصةً". (روح المعاني: ۳/۶۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۱/۴۵۷، دار الفيحاء دمشق)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاءً" قال العلامة العيني تحته: "وفيه إباحة التداوى و جواز الطب". (عمدة القاري، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاءً: ۲۱/۳۴۲، رقم الحديث: ۵۶۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله". قال القاري رحمه الله تعالى تحته: "فيه إشارة إلى استحباب الدواء، و هو مذهب السلف وعامة الخلف........ و حاصله أن رعاية الأسباب بالتداوى لا ينافي التوكل". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول: ۸/۲۸۹، رقم الحديث: ۴۵۱۵، رشيديه)

دوسری بات یہ ہے کہ روایت ہے: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا فرمایا تو تمام ارواح کی آپ کو صلب میں ڈال دیا اور پھر آپ کی صلب سے تمام ارواح پیدا کی گئیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی روح اللہ تعالیٰ نے الگ رکھ لی تھی، جو کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی صلب سے نہیں نکالی گئی''۔ اس معنی کو لے کر یہ کہا جائے گا کہ آپ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے پیدا شدہ ہیں، اللہ کی روح سے ہیں یا روح ہیں۔

بہر صورت اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ سے خاص گہرا جزء کا سا لگاؤ اور ساتھ ہے، تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے، غیر انسان پر تو انسان کو فضیلت ہے ہی، غیر انسان چاہے فرشتہ ہی کیوں نہ ہو اور پھر جب کہ انسان نبی اور جلیل القدر نبی ہو تو اس کی فضیلت میں کیا شک ہے، لیکن یہاں سے یہ آگ سلگتی ہوئی آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی پہونچتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی فضیلت ہے، کیونکہ آپ نے اپنی فضیلت ابن آدم پر بتائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ابن آدم نہیں، اس لئے اس طرح تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

اب رہ جاتی ہے یہ حدیث قدسی کہ آپ باعث تخلیق کون ومکان ہیں تو اس سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے کیونکہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ جیسے ہم نے کوئی کارخانہ لگایا اور وہ اپنے دوست کی وجہ سے لگایا یعنی اسے اس کا منیجر یا نگران بنانے کے لئے تاکہ اس کی عزت اس طرح دوبالا ہو اور دوست کا خرچ پانی بھی نکلتا رہے، لیکن اس کی تمام آمدنی کس کے لئے، بیٹے کے لئے ہے، تو قرب زیادہ بیٹے کو ہوگا اور محبت بھی اس سے زیادہ ہوگی اور فضیلت بھی زیادہ بیٹے ہی کو ہوگی، تو اس معنی کو لے کر خاص لگاؤ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے روح ہونے کے ناطے مانا جائے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا نگراں، یا منیجر ہونے کے ناطے سے اوروں پر فضیلت کہی جاسکتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت کا بھی حق حاصل ہوگا، اس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہے تو اس کو یوں سمجھئے کہ جب دوست کارخانہ کا منیجر ہے تو کسی کو ملازم رکھے یا اگر مالک کسی سے ناراض ہے تو اس کی سفارش بیٹا یا بیوی یا اور کوئی خاص رشتہ دار تو کرنے سے رہا، یہ کام منیجر ہی کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی چونکہ کارخانہ میں فضیلت کے اعتبار سے آقائے مدنی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم بڑے ہوئے ہیں، اس لئے آپ گناہ گاروں کی سفارش کریں گے کارخانہ کے منیجر کی حیثیت سے، لیکن جو منشاء و مبنی فضیلت، بڑائی، اشرفیت کا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ہے۔ غرض کہ آیت مذکورہ سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی افضلیت پر طرح طرح سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ برائے کرم جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر یہ تقریر عیسائی معترض کی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآنِ کریم وحدیث شریف کوبھی مانتا ہے، پھر اس نے مجتہدانہ استنباط سے اشکال کیا ہے تو اس کو چاہئے کہ قرآنِ کریم کی جو تفصیل وتشریح حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور حضرت نبی اکرم کے افضل الرسل ہونے کی جو روایات حدیث میں موجود ہے(۱) ان سب کے ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز استنباط واجتہاد سے کام نہ لے، کیونکہ نصِ صریح کے مقابلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں (۲)۔ یہ بات کونسی روایت میں ہے کہ صلبِ آدم میں ارواح ڈالتے ونکالتے وقت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی روح علیحدہ محافظ خانہ میں رکھی تھی۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : أنا سيد وُلد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافع، و أول مشفَّع". (الصحيح لمسلم : ۲/۲۴۵، كتاب الفضائل ، قديمی كراچی)

"قوله: "أنا سيد ولد آدم يوم القيامة" قال النووی رحمه الله تعالیٰ : "قال الهروی : السيد: هو الذی يفوق قومه فی الخير .... وأما قوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم "يوم القيامة" مع أنه سيد هم فی الدنيا والآخرة الخ". (تكمله فتح الملهم : ۴/۴۷۳ ، دار العلوم كراچی)

(وكذا فی شرح مسلم للنووی علی هامش مسلم : ۲/۲۴۵ ، كتاب الفضائل ، قديمی كراچی)

(وفيض الباری : ۴/۱۹۸ ، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۲) "أما ما لا يجوز الاجتهاد فيه: فهو الأحكام المعلومة من الدين بالضرورة والبداهة، أو التی تثبت بدليل قطعی الثبوت، قطعی الدلالة، مثل وجوب الصلوة الخمس والصيام والزكاة والحج .... فإنه لا مجال للاجتهاد فيها". (أصول الفقه الإسلامی ، المبحث الثالث: مجال الاجتهاد: ۲/۱۰۵۲ ، رشيديه)

معراج میں جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز کس نے پڑھائی (۱)، کیا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھائی اور حدیث میں ہے: "آدم من دونہ تحت لوائی"(۲)۔

نیز بغیر باپ کے پیدا ہونے پر اشکال کیا گیا تھا تو اس کا قرآن کریم میں جواب دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا گیا، مگر آدم علیہ الصلاۃ والسلام بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے (۳)۔ نیز عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جو بشارت دی: ﴿مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ أحمد﴾ (۴) اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت نبی اکرم کے مناقب وفضائل معلوم ہونے پر درخواست کی کہ یا اللہ مجھے ان کی امت میں بنادے مگر چونکہ وہ نبی تھے امتی کا درجہ نبی سے کم ہوتا ہے، اس لئے ان کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور زمانہ اخیر میں بطور مہمان آسمان سے نازل ہوں گے کہ ان کی

---

(۱) قال الحافظ ابن کثیر: "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "لما کان لیلۃ أسری برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی بیت المقدس، أتاہ جبریل بدابۃ فوق الحمار دون البغل، حملہ جبریل علیہا ینتھی خفہا حیث ینتھی طرفہا، فلما بلغ بیت المقدس و بلغ المکان الذی یقال لہ: باب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، أتی إلی الحجر الذی ثمۃ .... ثم انصرفت فلم ألبث إلا یسیراً حتی اجتمع ناس کثیر، ثم أذن مؤذن وأقیمت الصلاۃ، قال: فقمنا صفوفاً ننتظر من یؤمّنا، فأخذبیدی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام، فقدّمنی فصلیت بھم، فلماانصرفت، قال: جبریل: یامحمد! أتدری من صلی خلفک؟ قال: "قلت: لا، قال: صلی خلفک کل نبی بعثہ اللہ عزوجل". (تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۰، ۱۱، سورۃ الإسراء، مکتبہ دارالفیحاء دمشق)

(۲) (مسند الإمام أحمد: ۱/۲۶۳، ۲۶۴، رقم الحدیث: ۲۵۴۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) قال الشیخ محمد أنور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ "وإن قالوا: خلق عیسی علیہ الصلاۃ والسلام من غیر ذکر، فقد خلق آدم من تراب بتلک القدرۃ من غیر أنثیٰ و لا ذکر، فکان کماکان عیسی لحماً و دماً و شعراً و بشراً، فلیس خلق عیسی من غیر ذکر بأعجب من ھذا". (عقیدۃ الإسلام: ۱۳۶، ادارۃ القرآن کراچی)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب، ثم قال لہ کن فیکون﴾. (آل عمران: ۵۹)

(۴) (سورۃ الصف: ۶)

خواہش بھی ایک معنی کو لے کر پوری ہو جائے گی کہ وہ امت میں آکر شامل ہو جائیں گے اور ان کی نبوت بھی برقرار رہے گی، اس کو ان سے سلب نہیں کیا جائے گا اور جس حدیث میں ان کے نزول من السماء کی بشارت ہے، اس میں یہ بھی ہے "إمامكم منكم" کہ ان کے آنے کے باوجود امامت کی فضیلت اسی امت کو حاصل ہوگی (۱)۔

اس سب کے علاوہ غور طلب یہ بات ہے کہ جس عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے، عیسائی تو اس کے قائل ہی نہیں، ان کو جانتے ہی نہیں بلکہ وہ تو عیسیٰ کو "الٰہ" مانتے ہیں "ابن اللہ" مانتے ہیں، ایسے عیسیٰ کا تذکرہ تو قرآن وحدیث میں کہیں نہیں بلکہ اس کی پوری پوری تردید موجود ہے۔ جس عیسیٰ کو "الٰہ" اور "ابن اللہ" کہا جاتا ہے ان کا جب وجود ہی نہیں تو اس کی فضیلت کا کیا سوال، ان عیسائیوں کا تو ایمان ہی نہیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اور جس عیسیٰ پر ایمان ہے اس کا وجود نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

"قال هي عصاي" کی عجیب تشریح وتفسیر

سوال [۱۰۹۳]: واعظ زید نے وعظ کرتے ہوئے حسب ذیل آیت: ﴿وما تلك بيمينك يا موسى، قال هي عصاي، أتوكأ عليها، وأهش بها على غنمي، ولي فيها مآرب أخرى - تا - سيرتها الأولى﴾ (طٰہٰ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک جلیل القدر نبی کے ساتھ ناشائستہ لفظوں کو منسوب کردیا

---

(۱) "ذكر الملا على القاري: في المرقاة: "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "والله! لينزلن ابن مريم حكمًا عادلاً، فليكسرنّ الصليب، وليقتلن الخنزير، وليضعن الجزية، وليتركن القلاص، فلا يسعى عليها اهـ". رواه مسلم، وفي رواية لهما: قال: "كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم وإمامكم منكم؟"

قال القاري في شرحه "وإمامكم منكم": أي من أهل دينكم. وقيل: من قريش وهو المهدي. والحاصل أن إمامكم واحد منكم دون عيسى، فإنه بمنزلة الخليفة .... ويحتمل أن يكون معنى "إمامكم منكم" كيف حالكم وأنتم مكرمون عند الله تعالى، والحال أن عيسى ينزل فيكم وإمامكم منكم وعيسى يقتدي بإمامكم تكرمةً لدينكم، ويشهد له الحديث الآتي الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۹/ ۴۴۰، كتاب الفتن، حقانيه پشاور)

(وأيضاً في عقيدة الإسلام للشيخ انور شاه الكشميري: ۸۲، ۸۳، ادارة القرآن كراچي)

کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ”موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا عصا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ”داداہو، دادا گیری کرتے پھرتے ہو“۔ ایسا بہتانِ عظیم ذاتِ باری تعالیٰ پر باندھنے اور اس طرح تفسیر بالرائے کرنے والے کے متعلق ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ اور اس واعظ کو اس کے ردِ عمل کے طور پر کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بڑی غلطی وجرأت ہے (۱) بہتان ہے، آئندہ ہرگز ایسا نہ کیا جائے، بغیر علم کے وعظ ہرگز نہ کہا جائے، ہاں کوئی معتبر کسی عالم حقانی کی کتاب ہو جس کے مضامین بیان کرنے اور سنانے کی واعظ میں صلاحیت ہو اور مجمع میں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہو اس کتاب کے سنانے میں مضائقہ نہیں، مگر اس کی کوئی تشریح بغیر علم کے اپنی طرف سے نہ کی جائے، ورنہ غلطی کا اندیشہ ہے جس سے نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۹۲ھ۔

”ارض“ کی جمع قرآن کریم میں کیوں نہیں؟

سوال [۱۰۹۴]: قرآن مجید کے اندر جمع کا لفظ ”ارض“ یعنی زمین کے متعلق وارد نہیں ہوا بلکہ واحد آیا ہے اور آسمان کے لئے جمع کا لفظ آیا ہے جیسے آیۃ الکرسی میں ہے ”له ما في السموات وما في الأرض“ کیا زمین کے طبقات نہیں ہیں جیسے سات طبق آسمان کے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین صرف ایک اور جز سات ہیں یا علیحدہ علیحدہ سات طبق ہیں مثل آسمان کے؟ شعراء وعوام عام طور سے چودہ طبق کہتے ہیں مثلاً:

کئے چودہ طبق پیدا خدا نے دکھائے معجزے خیر الوریٰ نے

اور احادیث میں ہے کہ سات دوزخیں زمین میں ہیں اور سات جنت آسمان میں۔

---

(۱) احادیث میں اس کی تحت وعید آئی ہے، چنانچہ مسند احمد میں ہے: ”عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار“. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/ ۳۸۵، رقم الحديث: ۲۰۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۱/ ۴۸۹ كتاب العلم، رشيديه)

(وجامع الترمذي: ۲/ ۹۵، كتاب العلم، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً :

سات زمین ہونا حدیث سے صراحۃً ثابت ہے(۱)اور قرآنِ کریم میں بھی سورۂ طلاق کے آخر میں ہے: ﴿والله الذی خلق سبع سموات و من الأرض مثلهن﴾ (۲)،اس کی تفسیر جلالین شریف میں ہے:''سبع أرضین'' سات اجزا نہیں بلکہ سات طبق آسمانوں کی طرح ہیں(۳)۔

بعض روایات میں ہر زمین کے کچھ حالات بھی علیحدہ منقول ہیں، کذا فی الطرائس(٤)،

(۱) قال الإمام أحمد : ''حدثنا عبد الله، حدثني أبي، ثنا يحي عن هشام و ابن نمير، ثنا هشام، حدثني أبي عن سعيد بن زيد بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم : قال ابن نمير : سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه يوم القيامة إلى سبع أرضين '' (مسند الإمام أحمد : ۱/۱۸۸ دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (سورة الطلاق : ۱۲)

(۳) (جلالین، ص: ۴۶۴)

''وعلى الهامش قوله: يعني سبع أرضين اعلم أن العلماء أجمعوا على أن السموات سبع طباق بعضها فوق بعض، و أما الأرضون فالجمهور على أنها سبع كالسموات بعضها فوق بعض ،وفي كل أرض سكان من خلق الله، و عليه فدعوة الإسلام بأهل الأرض العليا؛ لأنه الثابت والمنقول، ولم يثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا أحد ممن بعده نزل إلى الأرض الثانية و لا غيرها من باقي الأرضين و بلغهم الدعوة''. (هامش الجلالين، ص: ۴۶۴، قديمي)

(۴) یہ کتاب نہیں ملی البتہ روح المعانی وغیرہ میں ایسی روایات موجود ہیں:

''أي و خلق من الأرض مثلهن .... و المثلية تصدق بالإشتراك في بعض الأوصاف، فقال الجمهور : هي ههنا في كونها سبعاً وكونها طباقاً بعضها فوق بعض بين كل أرض و أرض مسافة كما بين السماوات والأرض، و في كل أرض سكان من خلق الله عزوجل، لا يعلم حقيقتهم إلا الله تعالىٰ. و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أنهم إما ملائكة أوجن، و أخرجه ابن جرير و ابن أبي حاتم .... أنه قال في الآية: سبع أرضين، في كل أرض نبيٌ كنبيكم، وآدم كآدم، و نوح كنوح، وإبراهيم كإبراهيم، وعيسى كعيسى .... و أخرج ابن أبي حاتم والحاكم و صححه عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعا : ''أن بين كل أرض والتي تليها خمس مائة عام، والعليا منها على ظهر حوت قد التقى طرفاه في =

وبدائع الظہور(۱) ومجموعۃ الفتاوی(۲)۔

= السماء، والحوت على صخرة، والصخرة بيد ملك، والثانية سجن الريح، والثالثة: فيه حجارة، والرابعة فيها كبريتها، والخامسة فيها حيّاتها، والسادسة فيها عقاربها، والسابعة فيها صقر و فيها إبليس مصفر بالحديد، يدٌ أمامه و يدٌ خلفه، يطلقه الله تعالىٰ لمن يشاء اهـ". (روح المعانی: ۲۸/۱۴۲، ۱۴۳، سورة الطلاق: ۱۲، دار إحياء التراث)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴/۴۹۴، ۴۹۵، سورة الطلاق: ۱۲، دار الفيحاء)

(۱) "(قال وهب بن منبه): لما فتق الله الأرض و جعلها سبعاً كان اسم الطبقة الأولىٰ أديماً، والثانية بسيطاً، والثالثة ثقيلاً، والرابعة بطيحاً، والخامسة حيناً، والسادسة مسكة، والسابعة الثرى، وفي بعض الروايات تختلف أسمائها. قال الثعلبي: إن الأرض الثانية تخرج منها الريح، و سكانها أمم يقال لهم: الطمس، وطعامهم من لحومهم، و شرابهم من دمائهم، والطبقة الثالثة: سكانها أمم وجوههم كوجوه بني آدم، و أفواههم كأفواه الكلاب، و أيديهم كأيدي بني آدم، وأرجلهم كأرجل البقر، و آذانهم كآذان البقر، و على أبدانهم شعر كصفوف الغنم و هو منهم ثياب. و يقال: إن ليلنا نهارهم و نهارهم ليلنا، والطبقة الرابعة: سكانها أمم يقال لهم: الحلهام، وليس لهم أعين و لا أقدام، بل لهم أجنحة مثل أجنحة القطا، والطبقة الخامسة: بها أمم يقال لهم: الخشن و هم كأمثال البغال، و لهم أذناب كل ذنب نحو ثلثمائة ذراع، و في هذه الأرض حيّات كأمثال النخل الطوال، ولهم أنياب مثل الجمال، والطبقة السادسة: بها أمم يقال لهم الحثوم وهو سُود الأبدان، و لهم مخالب كمخالب السباع، و يقال: إن الله تعالىٰ يسلطهم على يأجوج و مأجوج حين يخرجون على الناس اهـ". (بدائع الزهور في وقائع الدهور، ذكر مبدأ خلق الأرض، ص: ۷، ۸، مكتبه الساميه ميزان ماركيٹ كوئٹه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه في قوله تعالىٰ: ﴿و من الأرض مثلهن﴾ قال: سبع أرضين في كل أرض نبي كنبيكم، و آدم كآدمكم، و نوح كنوح، و إبراهيم كإبراهيم، و عيسى كعيسى". هذا حديث صحيح الإسناد.

و في الدر المنثور: "أخرجه ابن أبي حاتم .... سبع أرضين .... و في أجوبة اللأسئلة للزرقاني: السوال الخامس والسادس و الأربعون: هل الأرض سبع طبقات كالسماء، وهل فيهن خلق الله؟ الجواب: قال الله: (و من الأرض مثلهن) و قال في آية أخرى: (ألم تروا كيف خلق الله سبع سموات طباقاً) فأفاد أن طباقاً في الآية الأولى مراد و إن لم يذكر، فيكون المثلية في الأرض كذلك .... و كذا الحديث الآخر: "ماالسموات السبع و ما فيهن و مابينهن في الكرسي إلا كحلقة ملقاة =

جمع کا لفظ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لفظ فصیح نہیں اور قرآن کریم میں اعلیٰ درجہ کے فصیح الفاظ آئے ہیں، غیر فصیح نہیں آئے (۱)۔ نیز لفظِ ارض اسم جنس ہے، قلیل کثیر سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے (۲) اور بعض کا قول ہے کہ لفظ ارض خود جمع ہے جس کا واحد نہیں آتا ہے، کذا فی منتہی الأرب (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

= بأرض فلاة" .... و فی تفسیر محمد بن علی الشوکانی المسمی "فتح القدیر" (الله الذی خلق سبع سموات و من الأرض مثلهن): أی و خلق من الأرض مثلهن یعنی سبعاً، و قد اختلف فی کیفیة طبقات الأرض، قال القرطبی فی تفسیره: اختلف فیهن علی قولین: أحدهما وهو الجمهور علی سبع أرضین طباقاً، بعضهم فوق بعض، بین کل أرض مسافة کما بین السماء والأرض، و فی کل أرض سکان خلق الله اهـ". (مجموعة رسائل اللکنوی، زجر الناس علی إنکار أثر ابن عباس، الباب الأول فیمن تکلم علی الأثر: ۱/۳۹۷، ۴۰۰)

(أحکام القرآن للقرطبی: ۱۸/۱۱۵، سورة الطلاق: ۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) "وقال الإمام فخر الدین: وجه الإعجاز الفصاحة و غرابة الأسلوب والسلامة من جمیع العیوب .... و مثال ابن عطیة: الصحیح والذی علیه الجمهور والحذاق فی وجه إعجازه أنه بنظمه و صحة معانیه و توالی فصاحة ألفاظه، و ذلک أن الله أحاط بکل شیء علماً .... و قال حازم فی منهاج البلغاء: وجه الإعجاز فی القرآن من حیث استمرت الفصاحة والبلاغة فیه من جمیع أنحائها فی جمیعه استمراراً لا یوجد له فترة اهـ". (الإتقان فی علوم القرآن، النوع الرابع والستون فی إعجاز القرآن: ۲/۲۳۲، دار ذوی القربی)

(وکذا فی مناهل العرفان فی علوم القرآن، الخامس: إعجاز القرآن و بلاغة النبی ﷺ: ۱/۲۸۹، ۲۹۰، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) "أرض" اسم جنس، قاله الجوهری". (تاج العروس، مادة: "أرض": ۱۸/۲۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(ولسان العرب: ۷/۱۱۰، نشر أدب الحوزة)

(۳) "أرض" بالفتح زمین و مؤنث است، واسم جنس یا جمع بدون واحد". (منتهی الأرب: ۱/۲۲، مادة: "أرض" مطبع اسلامی لاهور)

﴿يوم ندعو كل أناس بإمامهم﴾ کی تفسیر

سوال [۱۰۹۵]: ﴿يوم ندعو كل أناس بإمامهم﴾ امام ''ام'' کی جمع بتلا کر ایک عالم صاحب ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں۔ کیا ''م'' کی جمع بھی کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"أم" کی جمع امہات آتی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم﴾ الاية (۱) بعض لوگ اس کی جمع "أمات" بغیر ہاء کے بھی بولتے ہیں۔ "فأما الجمع، فأكثر العرب على أمهات، و منهم من يقول: أمات". لسان العرب (۲)۔ امام راغب اصفہانی نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ جانوروں کے حق میں ''امات'' اور انسانوں کے حق میں ''امہات'':

"والأم قيل: أصله أمهة لقولهم: أمهات وأميهة، وقيل: أصله من المضاعف لقولهم. أمات و أميمة. قال بعضهم: أكثر ما يقال: أمات في البهائم و نحوها، و أمهات في الإنسان". (المفردات في غريب القرآن)(۳)۔

تفسیر و شروح حدیث، لغت و محاورات ادب میں ام کی جمع امام آئی ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے: ﴿يوم ندعو كل أناس بإمامهم﴾ (۴) میں لفظ امام سے مراد نبی ہیں، یا وہ کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی، یا نامۂ اعمال کی کتاب ہے، یا ہر جماعت کا مقتدی ہے۔

یہ سب اقوال محدث کبیر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھے ہیں (۵)۔

---

(۱) (النساء: ۲۳)

(۲) (لسان العرب: ۱۲/ ۳۰، مادة "أمم"، نشر أدب الحوزة)

(۳) (مفردات القرآن: ۲۴، أهل حديث اكيڈمی لاهور)

(۴) (سورة بني إسرائيل: ۷۱)

(۵) (يوم ندعو كل أناس بإمامهم) الخ. يخبر تبارك و تعالى عن يوم القيامة أنه يحاسب كل أمة بإمامهم، و قد اختلفوا في ذلك: فقال مجاهد و قتادة: بينهم و هذا كقوله تعالى: (و لكل أمة رسول فإذا جاء رسولهم قضى بينهم بالقسط). الاية، و قال بعض السلف: هذا أكبر شرف لأصحاب الحديث؛ لأن إمامهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم. و قال ابن زيد: لكتابهم الذي أنزل على نبيهم من التشريع =

امام سے والدہ مراد لینا اور ماں کی طرف منسوب کر کے بلایا جانا کس تفسیر میں ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ وہ دریافت کر کے آپ ہمیں بھی مطلع کریں، بلا دلیل ایسی بات کہنا قرآنِ کریم کا ترجمہ یا تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے جس پر سخت وعید ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۲ھ۔

اللہ کو وکیل کیسے بنایا جائے؟

سوال[۱۰۹۲]: ﴿رب المشرق والمغرب لاإله إلاهو، فاتخذه وكيلاً﴾ یہ بتایئے کہ اس کو وکیل کیسے بنایا جائے؟ اس کی کچھ تشریح فرمائیں، غالباً صرف زبان سے تو کہنا کافی نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور دل سے پورا بھروسہ رکھے کہ میرا حقیقی کارساز وہی ہے جس طرح چاہے وہ کام بنادے(۲)، ظاہری اسباب مؤثر حقیقی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= واختاره ابن جرير ...... عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما في قوله : (يوم ندعو كل أناس بإمامهم): أى بكتاب أعمالهم .... و يحتمل أن المراد بإمامهم: أى كل قوم بمن يأتمون به ..... الخ". (تفسير ابن كثير : ۳/۷۳، دار الفيحاء دمشق)

وقال العلامة الآلوسي : "و أخرج ابن مردويه عن على كرم الله وجهه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الآية : "يدعى كل قوم بإمام زمانهم، و كتاب ربهم، و سنة نبيهم". وأخرج ابن أبي شيبة و ابن المنذر وغيرهما عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال : إمام هدى و إمام ضلالة". (روح المعاني: ۱۵/۱۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار". (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۸۵، رقم الحديث: ۲۷۰۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال العلامة الألوسي: "(فاتخذه وكيلاً) لترتيب الأمر موجه على اختصاص الألوهية والربوبية =

کیا مغفرت فتح سے مربوط ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تشبیہ کس چیز میں ہے؟

سوال[۱۰۹۷]: سورہ فتحنا میں ﴿إنا فتحنا لك﴾ کو﴿لیغفرلك الله﴾ الآیة (۱) کے ساتھ کیا ربط ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مغفرت اس فتح کی وجہ سے ہوئی؟ اور سورہ مزمل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إنا أرسلناك كما أرسلنا إلى فرعون رسولاً﴾ (۲) میں کس امر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس ربط کو امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفاتیح الغیب: ۳۸۲/۷ میں چار طرح بیان کیا ہے: اول " إن الفتح لم يجعله سبباً لمغفرة و حدها، بل هو سبب لاجتماع الأمور المذكورة، و هي المغفرة و إتمام النعمة والهداية والنصرة كأنه تعالى قال: ليغفرلك الله و يتم نعمته و يهديك و ينصرك، و لا شك أن الاجتماع لم يثبت إلا بالفتح، فإن النعمة به تمت، والنصرة بعده قد عمت الخ" (۳).

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کی تکذیب پھر اس کے ہلاک کا قصہ اہلِ علم کے نزدیک مشہور و مسلم تھا، اسی بنا پر فرمایا کہ اسی طرح رسول برحق کو تمہاری طرف بھیجا جا رہا ہے، اگر تم تکذیب کروگے تو عذاب کے منتظر رہو۔ هكذا في حاشية الجلالين (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= عزوجل، و كيل فعيل بمعنى مفعول: أي موكول إليه، والمراد من إتخاذه سبحانه وكيلاً أن يعتمد عليه سبحانه، ويفوض كل أمر إليه عزوجل." (روح المعاني: ۱۰۲/۲۹، ۱۰۷، دار إحياء التراث العربي)

(وكذافي تفسير ابن كثير رحمه الله تعالى: ۵۲۳/۴، دار السلام رياض)

(۱) (پارہ: ۲۶، آیت: ۱، ۲)

(۲) (پارہ: ۲۹، آیت: ۱۵)

(۳) (مفاتيح الغيب: الموسوم بالتفسير الكبير، (سورة الفتح: ۲): ۷۸/۲۸)

(۴) "قوله: (كما أرسلنا إلى فرعون) خص موسى و فرعون بالذكر؛ لأن قصتهما مشهورة عند أهل مكة" (حاشية الجلالين، ص: ۴۷۸، مطبوعه قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۵۲۳/۴، دار السلام، رياض)

حیاتِ طیبہ کون سی زندگی ہے؟

سوال[۱۰۹۸]: دنیاوی زندگی سے پہلے کی حالت موت سے تعبیر کی گئی ہے جس کے بعد یہ زندگی ملی ہے، پھر موت آئے گی پھر اس کے بعد دوسری زندگی ملے گی جس کے لئے موت نہیں، یہ زندگی حشر کے دن ملے گی۔ اب رہی یہ بات کہ جو زندگی عالم برزخ میں مل رہی ہے، یہ تیسری زندگی کہلائے گی، یہ تیسری زندگی ہم لوگ تسلیم کریں گے تو کیا قرآن کے خلاف ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم کی ایک آیت: ﴿من عمل صالحاً من ذکر أو أنثی وهو مؤمن، فلنحيينه حياةً طيبةً﴾ الاية میں حیاتِ طیبہ کا مصداق حیاتِ برزخی بھی ہے، جیسا کہ تفسیر مفاتیح الغیب میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

وقت شام سے کیا مراد ہے؟

سوال[۱۰۹۹]: قرآن شریف میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے صبح، شام اپنی تسبیح وتحمید کا حکم دیا ہے تو شام سے کونسا وقت مراد ہے؟ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت یا غروب کے بعد کا وقت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصر کے بعد غروب سے پہلے کا وقت مراد ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) "(والقول الثاني) وهو قول السدي: إن هذه الحياة الطيبة إنما تحصل في القبر". (التفسير الكبير، الجزء: ۲۰، ص: ۱۱۳، دار الكتب العلمية، طهران)

(۲) "المساء وهو إقبال الليل بظلامه، وعند الصباح وهو إسفار النهار عن ضيائه". (ابن كثير: ۵۶۸/۳، الجزء الحادي والعشرون، مكتبه دار السلام)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵۲/۳، دار احياء التراث)

قرآن پاک میں نبیوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مفہوم

سوال[۱۱۰۰]: ۱......کیا ان آیاتِ مقدسہ میں اللہ عزوجل نے جو الفاظ فرمائے ہیں وہ واقعی عظمتِ رسالت کی سبکساری، عصمتِ نبوت کی درماندگی، یا انبیاء علیہم السلام کی کفار ومشرکین کے ساتھ اہانت، پامالی اور بے وزنی ظاہر کرنے کے لئے فرمائے گئے ہیں، یا پھر ان ہی لفظوں کو بطورِ اظہار کے عظمتِ رسالت ونبوت فرما کر مرسلین کے صادق المصدوق ومقامِ محمود میں ہونے کی شہادت کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ ﴿ولو أشركوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون﴾ (۱). ﴿ولو تقول علينا بعض الأقاويل، لأخذنا منه باليمين، ثم لقطعنا منه الوتين﴾ الخ (۲). (اسی طرح دیگر آیاتِ مقدسہ)

دعا کے الفاظ والی صفات کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تھیں؟ (نعوذ باللہ)

سوال[۱۱۰۱]: ۲......کیا ان دعاؤں میں ذاتِ اقدس ﷺ نے جو الفاظ ادا فرمائے ہیں اور جن جن باتوں سے بچانے اور جس جس نیکی کی زیادتی کے لئے فرمایا ہے، کیا نعوذ باللہ ذاتِ رسالت مآب ﷺ میں حقیقیاً ان باتوں کی کمی بیشی تھی؟ پھر جیسے "انی ذلیل" وغیرہ فرمایا ہے تو کیا حقیقی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہی ذاتِ مقدسہ کو کماحقہٗ ان الفاظ سے متصف تصور فرما کر بطورِ شہادت ان کا اظہار فرمایا ہے؟ یا ہم گنہگاروں کو دعا کرنے کے طور پر طریقے اور سلیقے سکھلائے؟ "اللهم إني أعوذبك من عذاب الكفر والفقر، ومن عذاب القبر"(۳). "اللهم إني ضعيف فقوني، وإني ذليل فأعزني، وإني فقير فارزقني"(٤). "إليك ربي فحببني، وفي نفسي لك فذللني، وفي أعين الناس فعظمني، ومن سيئ الأخلاق فجنبني"(٥).

---

(۱) (الأنعام: ۸۸)

(۲) (الحاقة: ۴۴ - ۴۶)

(۳) (عمل اليوم والليلة، باب مايقول في دبر صلاة الصبح، رقم: ۱۱۱، ص: ۱۰۰، مكتبه الشيخ)

(۴) "رواه الطبراني في الأوسط، وفيه أبوداؤد الأعمى وهو ضعيف جداً". (مجمع الزوائد، باب الاجتهاد في الدعا: ۱۰/۱۷۹، ۱۸۲، دار الفكر)

(۵) "عن إبن لال في مكارم الأخلاق، وسنده ضعيف". (كنز العمال: ۲/۱۸۸، رقم: ۵۰۸۷، مكتبه التراث الاسلامي)

"أللهم اجعلني صبوراً، واجعلني شكوراً، واجعلني في عيني صغيراً وفي أعين الناس كبيراً" (۱). اسی قبیل کی دیگر دعائیں۔

ہم نے بامعنی قرآن مجید سے اس آیتِ مقدسہ کا مطلب ومفہوم یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے اعتراض اور شکوک وشبہات کو رفع کرنے کے لئے اور اپنے مرسلین کی عظمت رفعت کی شہادت کے طور پر فرماتے ہیں کہ ہمارے یہ نبی من وعن تمہارے رب کی باتیں تمہیں سناتے ہیں، اس میں ذرہ برابر ہیر پھیر نہیں کرتے، نہ وہ غبی ہیں نہ خائن کہ کمی بیشی کرتے، اس لئے تم ان کی ہر بات کو وحی سمجھو، یقین رکھو کہ یہ تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے وہ اس لئے کہ ہمارا خیال ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس میں لفظ "اگر" شرط ہے اگر ایسا کرتے تو ہم ایسا کرتے، مگر نہ نبی نے ایسا کیا، نہ کرسکتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے قریب ان کا وہ مقام ہے جس کو ہم ہی جانتے ہیں اور اس لفظ شرط "اگر" نے ہمارے نفسِ خیال کے تحت اس آیت کی بڑی وضاحت کے ہمراہ تشریح وتفصیل ظاہر کردی ہے کیونکہ شرط کے ٹوٹنے پر مشروط کا مقام بھی بدل جاتا ہے، جیسے جرم ثابت ہو تو سزا واجب ہے ورنہ باعزت بری ہے یا پھر جیسے ﴿إنه كان ظلوماً جهولاً﴾ میں ظلوم وجہول ہی تحسین وتعریف کے مظہر وضامن بن کر رہ گئے ہیں یعنی بارِ امانت اٹھانے پر بطور سرزنش، تادیب واظہارِ ناراضگی کے ظلوم وجہول نہیں فرمایا گیا بلکہ بڑائی اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ اس کی نادانی وناسمجھی نے بھی اتنا بڑا کام کیا کہ جس بارِ امانت کو زمین وآسمان نہ اٹھا سکے اس نادان وکمزور نے اٹھالیا۔

مزید دعائیں ان دعاؤں کے سلسلہ میں ہم آج بھی اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ شرک، کفر، فسق، فجور، گناہ، کبر، نخوت، غرور، خودرائی، بے صبری، ناشکری وغیرہم قسم کی مقہورانہ خصلتیں، معتوبانہ عادتیں ایسی ہیں جن کے ملعونانہ ومردودانہ جراثیم ہم ہی میں پیدا ہوسکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ ان معذوبانہ ومغضوبانہ خبائث سے ہمیشہ منزہ ومبرہ رہی ہے اور ایسی کہ سہواً بھی اس کا سایہ اسوہ مرسلین پر نہ پڑ سکا، نہ پڑ سکتا تھا، اس لئے ہی ہمیں اس بات پر یقین ہے، نہ صرف یہ کہ نبی معصوم ہوتا ہے بلکہ معصوم صرف نبی ہی ہوتا ہے، پھر یہ کہ حالات

---

(۱) (مجمع الزوائد بلفظ: " اللهم اجعلني شكوراً واجعلني صبوراً". الحديث. رواه البزار، وفيه عقبة بن عبدالله الأصم وهو ضعيف، وحسن البزار حديثه". باب الاجتهاد في الدعا: ۱/۱۸۱)

ہمارے ہی مؤید نظر آرہے ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ اس قدر اور بے اندازہ عطا فرمایا تھا کہ پوری دنیا بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی بعض امتیوں کو جنت کی بشارت دیدی گئی، فتوحات کے دروازے کھول دیئے گئے، تخت وتاج قدموں پر آکر گرے۔

پھر اس صورت حال کے پیش نظر عذابِ قبر، کفر، فقر، ذلت وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان دعاؤں کے الفاظ کا صحیح رخ براہِ راست رسالت ونبوت کے منصب ومقام کی طرف کس طرح ہو سکتا ہے، اس لئے بالیقین رب ارحم الراحمین نے ہمیں اپنے نبی کے ذریعہ دعا مانگنے کے طریقے سکھلائے تاکہ ہماری تمام تر ذلتوں اور روسیاہیوں کے بعد بھی ہم پر فضل وکرم، عطاء وبخشش، عفو ودرگزر کے باب کھل سکیں، لیکن ہمارے بعض بزرگ ہمارے خیال کی قطعی نفی کر رہے ہیں اور اس امر پر مصر وبضد ہیں کہ ان آیات کا رخ براہِ راست مقامِ رسالت کی طرف اس انداز واحوال سے ہے جس سے اہانت نبکی کا اظہار واضح اور ظاہر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدائے جل وعلا نے جس مادے سے انسان کے اعضاء کو پیدا کیا اس کے قلب کو اس سے لطیف مادے سے پیدا کیا، اس وجہ سے قلب میں لطافت زیادہ ہوتی ہے اور جس مادے سے عامۂ مومنین کے قلوب بنائے جاتے ہیں خواص واولیاء کے اجسام اس مادے سے بنتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف مادے سے بنتے ہیں جن میں الہامات ومعارف کے برداشت کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور جس مادے سے خواص واولیاء کے قلوب بنتے ہیں اس مادے سے انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ طیبہ بنتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں جن میں وحی الٰہی اور نزولِ ملائکہ کی برداشت ہوتی ہے اور جس مادے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب بنے اس مادے سے سید الانبیاء مرکز نبوت امام المرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر تیار ہوا تو آپ کا جسد اطہر اور زیادہ لطیف مادے سے بنا جس میں معراج، او ادنیٰ، وقاب قوسین اور رویت کے برداشت کی طاقت تھی، وہاں حیاتِ طیبہ نور ہی نور ہے، شک ووہم معصیت کی ظلمت کی مجال نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دعا پڑھی: یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك (۱) وغیرہ

---

(۱) "أم سلمة تحدث: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یکثر فی عدائه أن یقول: "اللهم مقلب القلوب اثبت قلبی علی دینک". قالت: قلت: یارسول الله! أو أن القلوب لتتقلب؟ قال: "نعم، ما من =

تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کو ہم پر کچھ ڈر ہے بدل جانے کا؟ جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود بھی ان دعاؤں کا محمل یہی قرار دیا کہ تعلیمات امت کے لئے ہیں۔ جہاں جہاں "لئن اشرکت" وغیرہ ہے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے دوسرے آدمیوں کو خطاب ہے، نیز نہ ماننے والوں کو تہدید ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ آیاتِ قرآنیہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از خود بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے ہیں، یہ بات نہیں کیوں کہ جو شخص ایسا کرے گا ﴿لأخذنا منه باليمين﴾ نیز منطقی قاعدہ سے مقدم اور تالی کے درمیان تالی کا تحقق لازم نہیں صرف علامت بتانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر فلاں چیز ہو تو اس پر فلاں چیز مرتب ہوگی جیسے: ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾ (۱) تا کہ اگر تعددِ الٰہ ہوگا تو اس پر فساد مرتب ہوگا حالانکہ نفس الامر میں تعدد الٰہیۃ محال ہے، نیز تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال صالحہ پر مغرور نہ ہو بلکہ ہر شخص اپنے آپ کو اللہ جل جلالہ کے سامنے حقیر اور ذلیل سمجھے، حدیث قدسی میں ہے: "الكبرياء ردائي" (۲)۔ نیز دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ "جس کے دل میں ذرا برابر تکبر ہوگا اس کو جہنم کی آگ میں جلا کر جب تک سارا تکبر ختم نہیں کر دیا جائے گا وہ جنت میں جانے کا اہل نہیں ہوگا" (۳)۔ امید ہے کہ آپ کے اشکالات کی تشفی کے لئے یہ مضمون کافی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۹ھ۔

= خلق الله من نبي آدم من بشر إلا أن قلبه بين أصبعين من أصابع الله". الحديث. (مسند الإمام أحمد: رقم الحديث: ۲۸ ۴ ۷، دار احياء التراث العربي)

"وعن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر أن يقول: "يا مقلب القلوب! ثبت قلبي على دينك"، فقلت: يا نبي الله! فهل تخاف علينا؟ قال: "نعم، إن القلوب بين إصبعين من أصابع الله يقلبها كيف شاء". رواه الترمذي وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الثاني، ص: ۲۲، قديمي)

(۱) (الأنبياء: ۲۲)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الاول، ص: ۴۳۳، قديمي)

(۳) "ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

کیا ﴿تبت یدا أبی لهب﴾ کوسنا ہے؟

سوال[۱۱۰۲]: سورۂ لہب کے اندر اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو کوسا ہے اور کوستا وہ ہے جس کو سزا دینے پر قدرت نہ ہو جیسے کہ "تیرا بیڑا غرق ہو، تیرا ناس ہو" وغیرہ۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ سزا دینے پر قادر ہے تو اس کو کوسنے کی کیوں ضرورت پیش آئی، سزا دیدیتا۔ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب آیت ﴿وأنذر عشیرتك﴾ (۱) نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر سب کو بلایا، اہل خاندان جمع ہو گئے، اول اپنے صدق کا اقرار ان سے لیا پھر عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا، اس پر ابولہب نے کہا تھا: "تباً لك سائر الیوم، ألهذا جمعتنا"، اس کے اس مقولہ کا جواب اللہ پاک نے دیا ﴿تبت یدا أبی لهب﴾ یہ کوسنا نہیں بلکہ اس کی سخت بات کا جواب ہے (۲) اور اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعہ سے کر دکھایا کہ اس کو اور اس کی بیوی کو کس طرح ہلاک کیا اور: ﴿ناراً ذات لهب﴾ آخرت کے لئے ہے، اس کا وہاں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۱ھ۔

---

(۱) (الشعراء: ۲۱۵)

(۲) قال الإمام أحمد: "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "لما أنزل الله عزوجل: ﴿وأنذر عشیرتک الأقربین﴾ قال: أتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الصفا، فصعد علیه، ثم نادی "یاصباحاه"! فاجتمع الناس إلیه بین رجل یجیء إلیه، و بین رجل یبعث رسوله، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یا بنی عبدالمطلب! یا بنی فهر! یا بنی لوی! أرأیتم لو أخبرتکم أن خیلاً بسفح هذا الجبل ترید أن تغیر علیکم، صدقتمونی"؟ قالوا: نعم. قال: "فإنی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید". فقال أبو لهب: تباً لک سائر الیوم، أما دعوتنا إلا لهذا؟ فأنزل الله عزوجل: (تبت یدا أبی لهب و تب)".

(مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۰۷، دار إحیاء التراث العربی)

(و کذا فی تفسیر روح المعانی: ۳۰/۲۶۰، دار إحیاء التراث العربی)

(و تفسیر ابن کثیر: ۴/۷۳۱، دار الفیحاء دمشق)

قرآن کریم میں تحریف کی علامات اور دلائل

سوال[۱۱۰۳]: عام طور سے مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ قرآن میں کوئی تحریف واقع نہیں ہے، مگر ہم ذیل میں وہ اسباب درج کرتے ہیں جس سے شروع زمانہ میں قرآن میں تحریف واقع ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے:

۱.....بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو سورۂ نمل کی تیسویں آیت کا جز اور وحی ہے، قرآن کی ترتیب دینے میں ہر سورۃ (سوائے سورہ توبہ کے) شروع میں اضافۃً تحریر کیا گیا ہے تا کہ قرآن مجید خدا کا نام لے کر شروع کیا جائے، ورنہ وہ نہ وحی ہے، نہ کسی سورت کی آیت ہے اور نہ قراءۃ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔

۲....."یبصط" (۲۴۵-۲)، "بصطة" (۶۹-۷)، "هم المصیطرون" (۳۷-۵۲)، "المصیطر" (۲۲-۸۸) ان الفاظ کا صحیح املا "س" سے ہونا چاہئے۔ اور قرأت نماز میں "س" ہی کا تلفظ صحیح ہے، مگر کاتبانِ وحی نے ان کو "ص" سے لکھا۔

۳.....قرآن کے وہ ۲۵/ مقامات جن میں الف کا نہ پڑھنا ضروری ہے، اگلے صفحہ میں نقشہ میں ملاحظہ فرماویں:

بسم الله ۳–۱۹۲	ملائه ۷–۱۰۳	لشایء ۱۸–۲۳	ثمودا ۲۹–۳۸	بئس الاسم ۴۹–۱۱
أفائن مات ۳–۱۴۴	لااوضعوا ۹–۴۷	لكنا هوالله ۱۸–۳۸	ليربوافی ۳–۳۹	ثمودا ۵۳–۵۱
لاإلى الله ۳–۱۵۸	ان ثمودا ۱۱–۶۸	افائن مات ۲۱–۳۴	لا إلى الجحيم ۳۷–۶۸	لا أنتم ۵۹–۱۳
ان تبوا ۵–۲۹	أمم لتتلوا ۱۳–۳	ثمودا ۲۵–۳۸	ليبلوا ۴۷–۴	سلسلا ۷۶–۴
من نبای ۶–۳۴	لن ندعوا ۱۸–۱۴	لا اذبحنه ۲۲–۲۱	نبلوا ۴۷–۳۱	قواريرا ۷۶–۱۵

ان مقامات میں کاتبانِ وحی نے الف کو بے ضرورت زیادہ لکھ کر وحی میں تحریف واقع ہونے کا موقع دیا۔

۴...."ننجی المؤمنین" کو قرآن میں اس طرح لکھا ہوا ہے: "نـنـج المؤمنین" (۸۸-۱۲)
یہاں اخیر کی یاء حذف کردی گئی ہے۔

۵....زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ﴿لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون﴾ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ پھر اس کے درمیان میں ﴿غیر أولی الضرر﴾ کا اضافہ فرمایا۔

۶....علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے "واللات والعزی ومناة الثالثة الأخری، هؤلاء الغرانیق العلی، وإن شفاعتهن لترتجی "(۱) بعد میں اس عبارت کے اندر تحریف واقع ہوئی، آخر کے حصہ کو مطلق نکالدیا گیا اور بقیہ عبارت کے الفاظ کو بدل کر موجودہ قرآن کی آیات (۱۹-۵۳) اور (۲۰-۵۳) کی شکل میں بدل دیا گیا۔

۷....حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ﴿غیر المغضوب علیهم ولا الضالین﴾ کو "غیر المغضوب علیهم وغیر الضالین" پڑھا ہے۔

۸....﴿وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾. (۱۰۴-۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "لیعبدون" کو "یعرفون" پڑھا ہے، کیا قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے؟

۹....جو حضرات قرآنی آیتوں کی منسوخیت کے قائل ہیں وہ منسوخیت پر ذیل کی آیات سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ صریحاً غلط ہے، یہاں صرف اس طرف اشارہ ہے کہ اگلی کتابوں کے احکام منسوخ ہوئے نہ کہ قرآن کی آیات یا ان کے احکام، نسخ کے معنی زائل، یا رفع کرنے کے ہیں یعنی ایک آیت کی غلط فہمی کو دوسری آیت نسخ (زائل) یا رفع کر دیتی ہے، یا اگر ایک آیت کے معنی پوشیدہ ہوں اور وضاحت کے ساتھ نہ ہوں تو دوسری آیت اس معنی کو ظاہر اور واضح کر دیتی ہے، یا اگر ایک آیت کے معنی عام ہوں تو دوسری آیت اس معنی کو خاص کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نسخ کے یہی معنی ہیں۔ صراحۃً فرمائیں کیا نسخ کے یہ معنی صحیح ہیں؟

۱۰....لفظ اللہ لغت کے اعتبار سے نہ کسی دوسرے لفظ کا مخرج و مشتق ہے، نہ دو کلموں کا مرکب ہے، نہ اس کی تذکیر و تانیث ہے، نہ اس کی جمع ہے۔ جیسی ذات ہے ویسا ہی اس کا نام ہے۔ یہ اسم ذات ہے صحیح فرمائیے۔

---

(۱) (وکذا فی حیاة الحیوان للدمیری، بحث لفظ غرانیق: ۲/ ۵۳۱، ادارہ اسلامیات لاهور)

۱۱......قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتقال کر چکے، ان کی وفات کے بارے میں جو آیات صاف صاف دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۵۵-۳)(۱۴-۵)(۱۱۷-۵)اور(۳۳-۱۹)اور جو آیات ان کی وفات کے بارے میں کنایۃً دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں (۱۹۹-۳)اور(۷۵-۵)اور(۲۱-۱۵)۔ ہاں صلیب پر ان کی وفات کی نفی قرآن میں موجود ہے(۱۵۹-۹)، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان پر سرے سے طبعی موت واقع نہیں ہوئی، اوپر کی آیات کے تحت ان پر طبعی موت لاحق ہوتی ہے، اسی طرح حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام انتقال کر چکے۔

آیت:(۵۷-۱۶) میں حضرت ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کو صرف مرتبہ نبوت پر فائز کرنا مراد ہے نہ کہ زندہ مع جسم آسمان پر اٹھا لینا یا اٹھا لینے سے مراد ان کی معراج ہو جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھا لئے گئے معراج میں، ہاں قرآن اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ عام طور پر کل انبیاء کرام اور شہداء کرام طبعی موت کے بعد بھی اس عالم میں زندہ اور حیات ہیں مگر اس حیات کا علم صرف خدا کو ہے(۱۵۹-۲)۔

برزخی حیات اپنی طبعی موت کے بعد اس عالم میں تو فانی ہو جاتا ہے مگر دوسرے عالم میں زندہ رہتا ہے، مگر انبیائے کرام اور شہدائے کرام اس عالم اور اُس عالم دونوں میں زندہ رہتے ہیں تو ان دونوں عالم میں انبیاء کی اس حیات کا منکر ہوں کہ ان کی پیدائش سے لے کر اب تک بدون طبعی موت کے زندہ ہیں، میں اس حیات کا قائل ہوں کہ وہ پیدا ہوئے زندہ رہے، طبعی موت واقع ہوئی، اس کے بعد بھی دنیا و آخرت دونوں میں زندہ ہیں جیسے کل انبیاء کرام، شہداء کرام زندہ ہیں، صحیح عقیدہ سے مطلع فرما دیں۔

۱۲......فرعون غرق ہوتا ہوا ایمان لاتا ہے اور با ایمان غرق ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاش کو دریا میں ختم ہونے کے بجائے دریا سے نکال دیتا(۹۲-۹۱)(۹۰-۱۰)۔ چونکہ وہ آخری وقت پر ایمان لا کر شہید ہوا ہے، اس لئے اس کی لاش جوں کے توں ایک نشانی کے لئے اب تک محفوظ ہے اور وہی ایک (mummy) (مسالہ لگا کر محفوظ رکھی ہوئی لاش) ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۱۳......﴿إنه لقول رسول كريم﴾ (۹۰-۱۸)اور(۱۹-۱۸)۔ کیا ان آیات کے تحت قرآن کریم بھی رسول کا کلام ہے؟

۱۴......﴿وما أنا عليكم بوكيل﴾(۱۰۸-۱۰)۔ کیا بحکم قرآن رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شافعِ روزِ جزا شفیع المذنبین ہیں؟

۱۵..... "إن الموجودات هو الله" یہ حدیث کس نے روایت فرمائی ہے؟ مطلع فرمادیں۔

(**یاد داشت**) تمام سوالات میں جو ہندسے مندرج ہیں ان میں پہلا ہندسہ (دائیں سے) قرآن پاک کی سورہ اور اس کے بعد کے ہندسے سے اس سورہ کی آیات مراد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سورہ نمل میں "بسم الله الرحمن الرحيم" پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا جز ہے اور ہر سورۃ کے شروع میں "بسم الله الرحمن الرحيم" پوری آیت ہے اور بعض ائمہ نے اس کو ہر سورت کا جز قرار دیا ہے، اس کی تفصیل "احکام القرآن للجصاص" (۱) اور "أحكام القنطرة في أحكام البسمله" (مولانا عبدالحیٔ لکھنوی) میں ہے (۲)، یہ تحریف نہیں ہے۔

۲.....ان الفاظ کا رسم الخط دونوں طرح ہے اور تلفظ بھی دونوں طرح ہے، ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح تو کہا جا سکتا ہے، مگر غلط نہیں کہا جا سکتا (۳)، یہ تحریف نہیں۔

---

(۱) قال أبو بكر: "لا خلاف بين المسلمين أن (بسم الله الرحمن الرحيم) من القرآن في قوله تعالى: (إنه من سليمان و إنه بسم الله الرحمن الرحيم) .... ثم اختلف في أنها من فاتحة الكتاب أم لا، فعدها قراء الكوفيين آيةً منها، و لم يعدها قرّاء البصريين .... قال الشافعي: هي آية منها .... ثم اختلف في أنها آية من أوائل السور أو ليست بآية منها .... من مذهب أصحابنا أنها ليست بآية من أوائل السور .... و زعم الشافعي أنها آية من كل سورة". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۱، ۱۲، قديمي)

(۲) (وتفصيله في أحكام القنطرة في أحكام البسملة للعلامة اللكنويؒ، الباب الأول: هل البسملة من القرآن: ۱/۱۷، ۱۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والأصل في المكتوب أن يكون موافقاً تمام الموافقة للمنطوق من غير زيادة و لا نقص و لا تبديل و لا تغيير، لكن المصاحف العثمانية قد أهمل فيها هذا الأصل، فوجدت بها حروف كثيرة جاء رسمها مخالفاً لأداء النطق، و ذلك لأغراض شريفة .... و قد عني العلماء .... و حصر الكلمات التي جاء خطها على غير مقياس لفظها ..... وللمصحف العثماني قواعد في خطه و رسمه، حصرها علماء =

۳...... "الخطان لایقاسان: خط العروض وخط القرآن"۔ خط قرآن کو دوسرے عام خط پر قیاس کرنا درست نہیں، یہ توقیفی ہے(۱) اور اس کو تحریف کہنا غلط ہے۔

= الفن في ست قواعد: و هي الحذف، والزيادة، والهمز، والبدل، والفصل والوصل، و ما فيه قراء تان فقرىء على إحداهما .... قاعدة الحذف: خلاصتها أن الألف تحذف من ياء النداء نحو: يأيها الناس .... و تحذف الواو: إذا وقعت مع واو أخرى في نحو (لايستوون) ..... قاعدة الزيادة .... قاعدة ما فيه قراء تان: خلاصتها أن الكلمة إذا قرئت على وجهين، تكتب برسم أحدهما، كما رسمت الكلمات الآتية بلا ألف في المصحف و في: (مالك يوم الدين) الخ .... الفائدة الأولى: الدلالة في القراء ات المتنوعة في الكلمة والواحدة بقدر الإمكان، و ذلك أن قاعدة الرسم لوحظ فيها أن الكلمة إذا كان فيها قراء تان أو أكثر كتبت بصورة تحتمل هاتين القراء تين أو الأكثر، فإن كان الحرف الواحد لا يحتمل ذلك بأن كانت صورة الحرف تختلف باختلاف القراء ات جاء الرسم على الحرف الذي هو خلاف الأصل، و ذلك ليعلم جواز القراء ة به وبالحرف الذي هو الأصل، و إذا لم يكن في الكلمة إلا قراء ة واحدة بحرف الأصل رسمت به الخ". (مناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/۳۶۲، ۳۶۶، دار إحياء التراث العربي)

(وقال البيهقي في شعب الإيمان من يكتب مصحفاً فينبغي أن يحافظ على الهجاء الذي كتبوا به هذا المصحف ولايخالفهم فيه، ولايغير مما كتبوه شيئاً فانهم كانوا أكثر علماً وأدق قلباً ولساناً وأعظم أمانةً منا فلا ينبغي أن تظن بأنفسنا استدلاقاً عليهم، الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط: ۲/۳۲۸، ۳۳۸، منشورات ذوى القربى)

(وكذا في مناهل العرفان: ۱/۳۷۱، دار احياء التراث العربي)

(۱) "هل رسم المصحف توقيفي؟ .... الرأي الأول. أنه توقيفي لا تجوز مخالفته، و ذلك مذهب الجمهور، واستدلوا بأن النبي ﷺ كان له كُتّاب يكتبون الوحي، و قد كتبوا القرآن فعلاً بهذا الرسم، وأقرهم الرسول على كتابتهم الخ". (مناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/۳۷۰، دار إحياء التراث العربي)

"إن الخط توقيفي لقوله تعالى: (علّم بالقلم، علم الإنسان مالم يعلم) (سورة العلق: ۴، ۵) (نٓ والقلم وما يسطرون) (سورة القلم: ۱)، وإن هذه الحروف داخلة في الأسماء التي علم الله آدم الخ". (الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون: ۲/۳۲۸، ذوى القربى)

وفي مناهل العرفان: "إنه توقيفي، لاتجوز مخالفته، وذلك مذهب الجمهور". (مبحث هل رسم المصحف توقيفي؟: ۱/۳۷۰، داراحياء التراث العربي)

۴..... مثل ۳ نمبر ہے۔

۵..... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "غیر أولی الضرر" بذریعۂ وحی فرمایا ہے، اپنی طرف سے بلا وحی کے نہیں فرمایا ہے (۱) پس اس کو تحریف کہنا غلطی ہے۔

۶..... علامہ آلوسی (۲)، علامہ بغوی، امام رازی (۳)، حافظ ابن کثیر (۴)، حافظ عینی (۵) رحمہم اللہ

(۱) "الضرر" المرض والعلل التي لا سبيل معها إلى الجهاد، .... و قد نزلت الآية و ليس فيهما (غير أولي الضرر) ثم نزل بعد. .... قال زيد بن ثابت: كنت أكتب بين يدى النبي ﷺ في كتف: (لايستوى القاعدون من المؤمنين والمجاهدون) وابن أم مكتوم عند النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! قد أنزل الله تعالىٰ في فضل الجهاد ما أنزل و أنا رجل ضرير، فهل لي من رخصة؟ فقال النبي ﷺ: "لاأدرى" قال زيد: وقلمي رطب ما جف حتى غشى النبي ﷺ الوحي، ووقع فخذه على فخذي حتى كادت تدق من ثقل الوحي، ثم جلي عنه، فقال لي: "أكتب يا زيد: (غير أولي الضرر)". (تفسير روح المعاني، سورة النساء: ۵/۱۲۱، دار الفكر)

(وكذا تفسير ابن كثير: ۱/۸۱۷، دارالسلام رياض)

قال الإمام ابن كثير: "عن البراء، قال لمانزلتا: (لايستوى القاعدون من المؤمنين) دعارسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم زيداً فكتبها، فجاء ابن ام مكتوم فشكا ضرارته، فأنزل الله: (غيراولي الضرر)". (تفسير ابن كثير: ۱/۸۱۷، دارالسلام، رياض)

(۲) "وقد أنكر كثير من المحققين هذه القصة ... و قال القاضي عياض في الشفاء: يكفيك في توهين هذا الحديث أنه لم يخرجه أحد من أهل الصحة. ...... هذامن وضع الزنادقة". (روح المعاني: ۱۷/۲۶۲، ۲۶۳، دار الفكر)

(۳) "أما أهل التحقيق فقد قالوا: هذه الرواية باطلة موضوعة، و احتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول الخ". (التفسير الكبير للرازي: ۱۳/۵۰، دارالكتب العلمية)

(۴) "قد ذكر كثير من المفسرين ههنا قصة الغرانيق ...... و لكنها من طرق كلها مرسلة، ولم أرها مسندةً من وجه صحيح. ...... و قد ساقها البغوي في تفسيره .... ثم سأل ههنا سؤالاً كيف وقع مثل هذا مع العصمة المضمونة من الله تعالى الخ". (تفسير ابن كثير: ۳/۱۹۹، دار العلم)

(۵) "و قال ابن العربي: ذكر الطبري في ذلك روايات كثيرة باطلة لا أصل لها، و قال عياض: هذا=

تعالی نے اس کی تردید کی ہے۔

۷، ۸...... یہ تفسیر ہے، تحریف نہیں (۱)۔

۹...... نسخ کے معنی مذکور بیان کرنے سے اگر یہ مقصد ہے کہ کسی آیت کے الفاظ منسوخ نہیں ہوئے تو یہ غلط ہے، کتب حدیث اور تفسیر میں منسوخ شدہ الفاظ بھی سند کے ساتھ منقول ہیں (۲)۔

= الحديث لم يخرجه أحدٌ من أهل الصحة، و لا رواه ثقة بسندٍ سليمٍ متصلٍ مع ضعف نقلته و اضطراب رواياته و انقطاع إسناده ...... قلت: الذی ذكره هو اللائق بجلالة قدر النبی ﷺ، فإنه قدقامت الحجة واجتمعت الأمة على عصمته ﷺ و نزاهته عن مثل هذه الرذيلة الخ". (عمدة القاری للعينی، كتاب تفسير القرآن، سورة الحج: ۱۹/۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی فتح الباری لابن حجر، كتاب التفسير: ۸/۵۶۱، ۵۶۲، قديمی)

(۱) قال الحافظ ابن كثير: "عن الأسود عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالىٰ عنه أنه كان يقرأ: (غير المغضوب عليهم و غير الضآلين) ...... و كذلك حكی عن أبی بن كعب أنه قرأ كذلك، وهو محمول على أنه صدر منهما على وجه التفسير". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۳، ۵۴، دار السلام)

﴿و ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ .... و قال مجاهد: "إن معنى (ليعبدون) ليعرفون، وهو مجاز مرسل هی المعرفة الحاصلة بعبادته تعالىٰ لا ما يحصل بغيرها كمعرفة الفلاسفة".

(روح المعانی: ۲۷/۲۰، ۲۱، دار احياء التراث العربی)

(۲) "والنسخ فی أحكام الشرع جائز صحيح عندالمسلمين أجمع". (أصول فخر الإسلام على هامش كشف الأسرار: ۳/۱۵۷، صدف پبلشرز)

" وفی هذا النوع مسائل: الأولى: يرد النسخ بمعنى الإزالة، ومنه قوله: ﴿فينسخ الله مايلقی الشيطان ثم يحكم الله آياته﴾ ...... وبمعنى التبديل، ومنه. ﴿وإذا بدّلنا آيةً مكان آية﴾ وبمعنى التحويل...... وبمعنى النقل من موضع إلى موضع ...... وقد أجمع المسلمون على جوازه ...... السابعة: النسخ فی القرآن على ثلاثة أضرب: أحدها: مانسخ تلاوة وحكمه معاً ...... الضرب الثانی: مانسخ حكمه دون تلاوته .... الضرب الثالث: مانسخ تلاوته دون حكمه اهـ". (الإتقان فی علوم القرآن، النوع السابع والأربعون فی ناسخه ومنسوخه: ۲/۴۰-۴۷، ذوی القربى)

(وكذا فی فوز الكبير، ص: ۴۰-۴۶، قديمی)

۱۰.....قول راجح یہی ہے، دوسرے اقوال بھی ہیں جو کہ تفسیر بیضاوی میں مذکور ہیں (۱)۔

۱۱.....صحیح عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے، وہ پھر اس دنیا میں تشریف لاویں گے اور کافی مدت قیام کریں گے، اس کے بعد ان پر موت طاری ہوگی "عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" (۲) میں اس پر نہایت قوی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

۱۲.....موت کو دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں، قرآنِ پاک اور حدیث شریف اور فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے، فرعون کا ایمان بھی معتبر نہیں ہے۔ اس کی لاش کو باہر نکال کر پھینک دینا اس واسطے تھا کہ دنیا دیکھے کہ یہی ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، اس کا جسم کیسا بے بس اور بے حس وحرکت پڑا ہوا ہے، اور آج بھی وہ عبرت کا ذریعہ ہے، تا کہ کوئی ذی عقل اس قسم کا دعویٰ نہ کرے (۳)۔

---

(۱) (تفسیر البیضاوی، ص: ۴، ۵، میر محمد کتب خانہ)

"(الله) علَم على الرب تبارک وتعالىٰ، یقال: إنه الإسم الأعظم؛ لأنه یوصف بجمیع الصفات ...... وقد اختار الرازی أنه إسم غیرمشتق ألبتة، قال: وهو قول الخلیل و سیبویه وأکثر الأصولیین والفقهاء" اهـ. (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۹، ۲۰، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) (عقیدة الإسلام للشیخ أنور الکشمیریؒ، ص: ۴۵، ۴۶، من مجموعة رسائل الکشمیری، المجلد الأول، إدارة القرآن)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۲/ ۵۷، حافظ کتب خانه)

(والتلخیص الجیر للحافظ ابن حجرؒ، ص: ۳۱۹، دارنشر الکتب الاسلامیه، لاهور)

"(إنی متوفیک ورافعک إلیّ) فقال قتادة وغیره: هذا من المقدم والمؤخر، تقدیر: "إنی رافعک إلیّ ومتوفیک بعد ذلک". ...... وقال الأکثرون المراد بالوفاة ههنا النوم". (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۶۶، سهیل اکیڈمی)

(۳) "وتراکمت الأمواج فوق فرعون، وغشیته سکرات الموت، فقال وهو کذالک: ﴿آمنت أنه لا إله إلا الذی آمنت به بنو إسرائیل، وأنا من المسلمین﴾ فآمن حیث لا ینفعه الإیمان ...... ﴿لتکون لمن خلفک آیة﴾: أی لتکون لبنی إسرائیل دلیلاً علی موتک وهلاکک، وأن الله هو القادر الذی ناصیة کل دابة بیده، وأنه لایقوم بغضبه شئی". (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۶۶، ۵۶۷، دارالسلام ریاض)

۱۳.....قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی کتاب ہے، اس نے نازل فرمائی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو لوگوں کو سنایا، سمجھایا اور اس پر عمل کیا۔ قرآن پاک میں اس کی جگہ جگہ تصریح ہے، اپنی طرف سے بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا (۱)۔ ایسا کرتے تو سخت گرفت میں آجاتے، یہ بھی صراحۃً مذکور ہے (۲)۔

۱۴.....روزِ جزاء میں شفاعت قرآن پاک (۳) اور حدیثوں سے ثابت ہے (۴)۔

۱۵.....آپ نے اس کا حدیث ہونا کہاں سے معلوم کیا ہے؟ یہ حدیث نہیں ہے۔

تنبیہ: قرآن پاک کا بغیر استاذ عالم، ماہر کے از خود مطالعہ کرنے اور ترجمہ دیکھنے سے نیز بغیر دینی

---

(۱) "(ومـا ينطق عن الهوى): أى مايقول قولاعن هوى وغرض (إن هو إلاوحى يوحى): أى إنما يقول مايؤمر به يبلغه إلى الناس كاملاً موفوراً من غير زيادة ولانقصان" (تفسير ابن كثير: ۳۱۵/۴، دارالسلام رياض)

(كذافى مسند أحمد: ۱۶۲/۲، دارإحياء التراث العربى.)

وقوله تعالى: "انه لقول رسول كريم" يعنى أن هذا القرآن لتبليغ رسول كريم: أى ملك شريف حسن الخلق بهى النظر، وهو جبريل عليه الصلاة والسلام، كذافى مسند الإمام أحمد". (تفسير ابن كثير: ۶۱۷/۴، دارالسلام رياض)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولو تقوّل علينا بعض الأقاويل﴾: أى محمد صلى الله عليه وسلم لو كان كما يزعمون مفترياً علينا، فزاد فى الرسالة أو نقص فيها، أو قال شيئاً من عنده فنسبه إلينا وليس كذالك لعاجعلناه بالعقوبة، لهذا قال الله تعالى: ﴿لأخذنا ه باليمين﴾ قيل: معناه لا نتقمنا منه باليمين؛ لأنها أشد فى البطش". (تفسير ابن كثير: ۵۳۷/۴، دارالسلام)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يومئذ لاتنفع الشفاعة إلامن أذن له الرحمن ورضى له قولاً﴾ (سورة طه: ۱۰۷)

وقال الله تعالى: ﴿فماتنفعهم شفاعة الشافعين﴾ (المدثر: ۴۸)

(۴) "عن أنس أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "شفاعتى لأهل الكبائر من أمتى": أى: شفاعتى التى تنجى الهالكين مختصة بأهل الكبائر..... وقدجاء الأثار الذى بلغت مجموعها التواتر لصحة الشفاعة فى الآخرة، وأجمع السلف الصالحون ومن بعدهم من أهل السنة والجماعة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۵۶۴/۹، رشيديه)

اسلام میں مہارت حاصل کئے اہلِ باطل کی کتابیں مطالعہ کرنے سے اس قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اس سے پوری احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس کے نتائج نہایت خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

تفسیر قرآن ذاتی مطالعہ سے

سوال[۱۱۰۴]: کیا تعلیم یافتہ مسلمان مرد جس کو اردو انگریزی، ہندی تھوڑا بہت عربی سے تعلق ہو وہ آدمی تفسیر قرآن کو بیان کرسکتا ہے یا نہیں؟ جیسے بیان القرآن یا ابن کثیر، مظہری وغیرہ کا، یعنی دیکھ کر اپنے اہل وعیال کو یا مسجد میں چند آدمیوں کو پڑھ کر سنا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح درسِ قرآن وغیرہ اس کے پڑھنے کے لئے کیا عالم ہونا شرط ہے، یا تعلیم یافتہ مرد بھی کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن پاک کا ترجمہ یا تفسیر وہ شخص بیان کرے جس نے ترجمہ یا تفسیر استاذ سے حاصل کیا ہو، محض اپنے ذاتی مطالعہ سے قرآن کریم کی تفسیر کو حاصل کرنا اور پھر بیان کرنا مناسب نہیں (۱)۔ قرآن کریم کو دیگر کتب کی طرح نہ سمجھیں اس کی شان بہت بلند ہے، اس کے لئے بہت علوم کی ضرورت ہے (۲)۔ جو حضرات ذاتی مطالعہ سے اس کو سمجھتے ہیں اور سمجھاتے ہیں وہ بہت غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسروں کو مبتلا کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/ ۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة السيوطي رحمه الله تعالى: "اختلف الناس في تفسير القرآن هل يجوز لكل أحد الخوض فيه؟ فقال قوم: لا يجوز لأحد أن يتعاطى تفسير شيء من القرآن و إن كان عالماً أديباً متسعاً في معرفة الأدلة والفقه والنحو والأخبار والآثار، و ليس له إلا أن ينتهي إلى ما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في ذلك". (الإتقان في علوم القرآن ۲: ۳۵۹، ذوى القربى)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "شرائطِ تفسیر")

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني: ۱/ ۱۳، فتح الباري: ۸/ ۱۵۵)

شرح جامی پڑھنے والے کا تفسیر بیان کرنا

سوال[۱۱۰۵]: کوئی طالب علم شرح جامی وکنز الدقائق وغیرہ پڑھتا ہے، کیا ان کے لئے یہ جائز ہے کہ قرآن مجید تلاوت کرتے وقت قرآن کا ترجمہ کرنا خود سمجھتا ہے اور دوسروں کو سمجھاتا ہے، اگر یہ امر جائز ہو تو اس تقدیر پر حرام ہے یا مکروہ؟

مولوی ولی اللہ احمد ارکانی فرماتے ہیں یہ امر جائز ہے اور وہ فرماتے ہیں اگر قرآن مجید کے معنی سمجھتا ہو تو میرے خیال میں عدمِ جواز نہ ہوگا، کیونکہ تفسیر پڑھنے کی غرض قرآن کے معنی سمجھنا ہے، جب اس شخص کو تفصیل خود سمجھنے کی توفیق ہے، فلا حاجة إلى التفسير۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کون سی تفسیر پڑھے ہوئے تھے، وہ حضرات کیا قرآن کا ترجمہ کرکے تبلیغِ دین نہیں فرماتے تھے۔

عبد الحفیظ اس امر کو ناجائز سمجھتا ہے اور کہتا ہے ہزار بلیغ فصیح کیوں نہ ہو جب تک تفسیر نہیں پڑھی ہو، یہ امر کبھی جائز نہیں ہوسکتا، یہ طالب علم معنی سمجھتا ہے تسلیم کرتا ہوں، لیکن ظنِ غالب ہے کہ غلط سمجھا ہو، اس لئے قرآن شریف میں اکثر جگہ مجاز پر حمل کرلیا ہے، مجاز مراد ہے، ظاہری معنی مراد نہیں۔

بتایئے اس طالب علم کو کیا خبر، کہاں معنی مجازی پر محمول ہے، کہاں معنی حقیقی پر، اور قرآن شریف ایسی شی ہے بلاغت، فصاحت سے پُر ہے، طاقتِ بشریہ سے خارج ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

لغوی معنی، صرفی صیغہ، نحوی ترکیب اپنی معلومات کے مطابق بیان کرنا جائز ہے، لیکن مرادِ خداوندی کو بیان کرنا حرام ہے، کیونکہ اس کا مدار بہت سے علوم پر ہے۔ شرح جامی اور کنز پڑھنے والے عامۃً ان علوم سے واقف نہیں ہوتے۔ تفسیرِ اتقان: ۲/۱۸۰ پر ان علوم کو شمار کیا ہے(۱)۔ اپنی رائے سے قرآن شریف کی تفسیر کرنے

---

(۱) (ومنهم من قال: يجوز تفسيره لمن كان جامعاً للعلوم التي يحتاج المفسر إليها، وهي خمسة عشر علماً: أحدهما: اللغة .... الثاني: النحو .... الثالث: التصريف .... الرابع: الاشتقاق .... الخامس والسادس والسابع: المعاني والبيان والبديع .... الثامن: علم القرأت .... التاسع: أصول الدين .... العاشر أصول الفقه .... الحادى عشر: أسباب النزول والقصص .... الثانى عشر: الناسخ والمنسوخ .... الثالث عشر .... الفقه .... الرابع عشر: الأحاديث المبنية لتفسير =

والے کے متعلق صحاح میں بہت سخت وعید آئی ہے(۱)۔اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب واذہان کی مثالیں آج موجود نہیں وہ حضرات اہلِ لسان ہونے کی وجہ سے مستغنی تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحبت سے ان پر علومِ کثیرہ فائض ہوتے تھے، بایں ہمہ وہ حضرات مرادِ خداوندی کو اپنی رائے سے نہیں بیان فرماتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کرکے اور سن کر بیان فرماتے تھے۔ان کو آیات کا شانِ نزول،قصہ کا محمل،مطلب سب کچھ معلوم تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر مطلب بیان فرمایا ہے(۲)۔ نیز احادیث سے ثابت ہے وہی مرادِ خداوندی ہے،آج کل شرح جامی، کنز پڑھنے والوں کو قرآن شریف پڑھنا بھی صحیح نہیں آتا، اگر اعراب موجود نہ ہو تو خدا جانے نفسِ عبارت میں کس قدر غلطیاں کریں، پھر اپنے آپ کو

= المجمل والمبهم .... الخامس عشر: علم الموهبة الخ". (الإتقان في علوم القرآن: ۳۵۹/۲-۳۶۱، مطبع ذوی القربی)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار". أخرجه الترمذي في سننه، و قال: هذا حديث حسن صحيح".

(جامع الترمذي: ۱۲۳/۲، أبواب تفسير القرآن، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه، سعيد)

(ومشكوة المصابيح: ۳۵/۱، كتاب العلم، الفصل الثاني، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۱۵۸/۲، كتاب العلم، باب الكلام في كتاب الله باعلم، امداديه)

(۲) في الإتقان في علوم القرآن: "و قال ابن تيمية في كتاب ألفه في هذا النوع: "يجب أن يعلم أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيّن لأصحابه معاني القرآن، كما بيّن لهم ألفاظه، فقوله تعالىٰ: ﴿لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ (النحل: ۴۴) يتناول هذا و هذا، وقد قال أبو عبد الرحمن السلمي: حدثنا الذين كانوا يقرؤون القرآن كعثمان بن عفان وعبد الله بن مسعود وغيرهما رضي الله تعالىٰ عنهم أنهم كانوا إذا تعلموا من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عشر ايات، لم يتجاوزها حتى يعلموا ما فيها من العلم والعمل، قالوا: فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جميعاً، و لهذا كانوا يبقون مدةً في حفظ السورة. و قال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: كان الرجل إذا قرأ البقرة و آل عمران جدّ في أعيننا". رواه أحمد في مسنده". (۳۵۲/۲، في معرفة شروط المفسر و آدابه، ذوی القربی)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قیاس کرنا انتہائی جسارت ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اس لئے محض عبارت کلام اللہ شریف پڑھ کر تفسیر کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ شعبان/ ۵۸ھ۔

ہجرِ جمیل کیا ہے؟

سوال[۱۱۰۶]: ﴿واهجرهم هجراً جميلاً﴾ کا کیا مطلب ہے، کیا رہبانیت ہے؟ اگر یہ اختیار کرتے ہیں تو پھر تبلیغِ دین وفرائضِ رسالت کیسے ادا ہوسکتے ہیں؟ کیا اس آیت کے دوسرے لوگ بھی مصداق ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے حقوق کے مطالبہ نہ کرنے، درگزر کرنے، انتقام نہ لینے سے اس پر بخوبی عمل ہوجائے گا(۱)۔ ایسے موقعہ پر اپنے معاملات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کردیا جائے اور دل سے پورا بھروسہ رکھے کہ میرا حقیقی کارساز وہی (ذاتِ وحدہ لاشریک لہ) ہی ہے جس طرح چاہے وہ کام بنادے، ظاہری اسباب مؤثر حقیقی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کے ساتھ قربِ معیت ایک آیت کی تفسیر بالرائے

سوال[۱۱۰۷]: ایک واعظ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قربِ معیت نیک بندوں کے ساتھ جو مدلل ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ ہیں اور کلام مجید میں: ﴿إن رحمت الله قريب من المحسنين﴾ ہے، لہٰذا حدِ اوسط گراکر منطق کی شکلِ اول سے یہ ثابت ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسنین سے قریب ہیں۔ یہ استدلال کیسا ہے؟ فقط۔

---

(۱) قال العلامة الألوسي: ﴿واهجرهم هجراً جميلاً﴾ بأن تجانبهم وتداريهم، ولا تكافئهم، وتكل أمورهم إلى ربهم". (روح المعاني: ۱۰۷/۲۹، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۵۶۳/۴، دارالسلام رياض)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بارش بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، کیا اس کو بھی قربِ معیت نیک بندوں کے ساتھ ثابت ہوگا، کیا اس آیت میں رحمت اللہ کا مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ جب تک اس کا ثبوت پیش نہ کیا جائے، یہ تفسیر بالرائی ہوگی جس پر بہت بہت سخت وعید ہے (۱)۔ آیت شریفہ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوف (قہر) اور طمع (رحم) کے ساتھ پکارتے رہو، اس کی رحمت نیک بندوں کے قریب ہے، وہ دعا کو قبول کرے گا۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفار پر غصہ زیادہ ہے یا مسلمان پر؟

سوال [۱۱۰۸]: اللہ تعالیٰ نے نافرمان مسلمان سے کتنے غصے کا اظہار فرمایا ہے اور کفار سے کتنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفار پر اتنا غصہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے، ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی (۲)،

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قال في القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار". وفي رواية: "من قال في القرآن بغير علم، فلتبوأ مقعده من النار". (رواه الترمذي)

"وعن جندب رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قال في القرآن برأيه فأصاب، فقد أخطأ". رواه الترمذي وأبو داؤد". (مشكوة المصابيح مع المرقاة، كتاب العلم، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۳۴، ۲۳۵: ۱/۴۸۹، ۴۹۱، رشيديه، كوئته)

"إن التفسير علم نفيس خطير، لا يليق بكل أحد أن يتكلم فيه، ولا أن يخوض فيه الخ". (الفتاوى الحديثية، باب الأحكام المتعلقة بالقرآن، مطلب: هل يجوز لأحد أن يفسر شيأ من القرآن؟، ص: ۳۰۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار، أولئك عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، خالدين فيها، لايخفف عنهم العذاب﴾. (سورة البقرة: ۱۶۱، ۱۶۲)

وقال الله تعالى: ﴿من كسب سيئةً و أحاطت به خطيئته، فأولئك أصحاب النار، هم فيها خالدون﴾ (البقرة: ۸۱)

مسلم گنہگاروں پر اتنا غصہ نہیں وہ شفاعت کے ذریعہ بھی بخشے جائیں گے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تفسیر مودودی وتفسیر حقانی اورقرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر

[۱۱۰۹] **استفتاء**: مولانا مودودی صاحب کی تفسیر میں یہود ونصاریٰ کی کتابوں سے قرآن کی تفسیر سمجھائی گئی ہے،اسی طرح تفسیر حقانی میں بھی یہود ونصاریٰ کی کتابوں کے حوالوں سے قرآن کی تفسیر سمجھائی گئی ہے۔ان دونوں میں فرق کیا ہے؟اورقرآن کو سمجھنے کے لئے کون سی تفسیر مفید ہے؟ یہود ونصاریٰ کے احوال و اقوال اوران کی کتابوں کے بغیر قرآن کی ہرآیت کی اچھی طرح شریعت کے مطابق کون سے اشخاص تفسیر لکھتے ہیں؟ان کی تفسیر کا نام پیش کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہود ونصاریٰ کی کتابوں میں جو چیزیں قرآن وحدیث کے خلاف ہیں،ان کو تفسیر قرآن کے لئے بطور تائید پیش کرنا درست نہیں،بلکہ گمراہی ہے اور جو چیزیں خلاف نہیں ہیں ان کو پیش کرنے میں مضائقہ نہیں (۲)۔اس تفصیل کے بعد فرق کا سمجھ لینا آسان ہوگا۔اگر کسی معتبر تفسیر میں بھی استدلال کے لئے کوئی غیر معتبر بات

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یومئذ لاتنفع الشفاعة إلامن أذن له الرحمن ورضی له قولاً﴾ (سورة طٰه:۱۰۷)

"وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال:قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "شفاعتی لأهل الکبائر من أمتی". وقال العلامة علی القاری فی شرحه :"وقد جاء الأثار الذی بلغت مجموعها التواتر لصحة الشفاعة فی الآخرة، وأجمع السلف الصالحون ومن بعدهم من أهل السنة والجماعة". (مرقاة المفاتیح: ۹/۵۶۴،رشیدیه)

(۲) "عن عبداللہ بن عمرو أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "بلغوا عنی ولو آیةً، وحدثوا عن بنی إسرائیل ولا حرج". الحدیث.

قال الحافظ: "وقال مالک: المراد جواز التحدث عنهم بما کان من أمر حسن، أماما علم کذبه فلا، وقیل: المعنی حدثوا عنهم بمثل ماورد فی القرآن والحدیث الصحیح الخ". (فتح الباری، کتاب الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل: ۶/۶۱۷ – ۶۱۸، قدیمی)

آجائے تو وہ بات بہرحال غیر معتبر ہے۔ اگر کسی تفسیر میں غیر معتبر چیزیں کثرت سے ہوں تو اس کی ہر چیز کو پرکھنے کی ضرورت ہوگی، الا یہ کہ مصنف ان کو رد کردے، مجموعی حیثیت سے اس پر معتبر ہونے کا حکم نہیں ہوگا۔ تفسیر بیان القرآن، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معتبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے گندی چیز منگانا اسرائیلیات میں سے ہے

سوال [۱۱۱۰]: دریافت طلب یہ امر ہے کہ میں نے چند مسلمانوں کی زبانی یہ سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر حکم ہوا تھا کہ تم دنیا میں جاؤ جو سب سے گندی چیز ہے اس کو لاؤ، وہ دنیا میں آئے اور ایک کتا مرا پڑا تھا جس میں سے زیادہ تیز تعفن آرہا تھا، اس کو اٹھا کر لے گئے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آئی۔ اب آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ اس کے علاوہ مع حوالہ تحریر ہو کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ واقعہ قرآن شریف یا اور کسی دینی معتبر کتاب میں موجود نہیں، حدیث شریف کی بھی کسی معتبر کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا اور عقل سے بھی یہ فیصلہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گندی چیز سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ تو پاک صاف اچھے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے تو شاید یہ اسرائیلیات یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہوگا اور ان کی کتابیں جھوٹ اور بہتان سے بھری ہوئی ہیں، جب تک ہماری شریعت ان کی تصدیق نہ کرے وہ قابلِ اعتماد نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۴/۵۸ھ

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''تفسیر مودودی وتفسیر حقانی اور قرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر''۔

تجویداورترتیب قرآنی کا بیان

قرآءاتِ سبعہ بھی منقول ہیں محدث نہیں

سوال[۱۱۱۱]: ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہیں ہوا، جیسا اور جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا وہی آج بھی بین الدفتین موجود ہے۔ قراءِ سبعہ کی روایات میں زیر، زبر، پیش کا حتیٰ کہ الفاظ کا بھی فرق پایا جاتا ہے۔ کیا اس سے عقیدہ پر زدنہیں پڑتی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قراءِ سبعہ کی قرأتیں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، ان کی خود کی ایجادنہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حسنِ قرأت کی محفلوں کا حکم

سوال[۱۱۱۲]: یہاں دہلی میں ایک اجتماع قراء کا قرار پایا ہے جس میں نامور اور مشہور قاری حضرات تشریف لاویں گے، وُزراء اور اُمراء بھی شرکت کریں گے، مختلف قاری جو سنانے کے لئے تجویز کئے جائیں گے ان کی قرات سن کران کو انعام بھی قرأت کے موافق دیا جائے گا۔ ایسے اجتماع میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن پاک کوخوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنے کی حدیث شریف میں تاکید آئی ہے اور اس پر بڑی

---

(۱) قال السيوطي عن الزركشي: "فالقرآن: هو الوحي المنزل على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للبيان والإعجاز، والقراءات اختلاف ألفاظ الوحي المذكور في الحروف أو كيفيتها، من تخفيف و تشديد و غيرهما، والقراءات السبع متواترة عند الجمهور، وقيل: بل مشهورة، قال الزركشي: والتحقيق أنها متواترة عن الأئمة السبعة". (الإتقان: ۱/۱۲۰، النوع الثاني إلى السابع والعشرين معرفة المتواتر والمشهور: دار ذوي القربى)

(وكذا في مناهل العرفان للزرقاني: ۱/۴۱۰، دار احياء التراث العربي)

بشارت ہے، اس کی تشریح محدثین نے اس طرح فرمائی ہے کہ قرآن پاک کی عظمت سے قلب بھرا ہوا ہو، خوف و خشیت طاری ہو، ہیبتِ الٰہی سے کانپتے ہوئے، اس کی وعیدوں اور بشارتوں کا استحضار کر کے اس تصور سے تلاوت کرے کہ اللہ پاک کو سنا رہا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، ایسی تلاوت میں بڑی کشش ہوتی ہے، اللہ پاک اس سے بہت خوش ہوتے ہیں (۱)۔ صحابہ کرام میں بھی یہ طریقہ جاری تھا کہ ایک نے تلاوت کی، بقیہ سب سنتے اور ایمان کو تازہ کرتے رہتے (۲)۔

پیسہ کمانا یا اپنی تعریف وشہرت ہرگز مقصود نہ ہو (۳)، اگر قرآنِ پاک کی تلاوت کو خدانخواستہ روپیہ کمانے کا ذریعہ بنایا جاوے خواہ وہ اہلِ قبور کو ثواب پہنچانے کی شکل میں ہو، یا منبر پر بیٹھ کر جلسوں کی زینت بڑھانے کی صورت میں ہو، یا دوسرے قاریوں سے مقابلہ کر کے انعام حاصل کرنے کی صورت میں ہو، یا اپنی تعریف وشہرت حاصل کرنے کے لئے پڑھا جاوے، یا موسیقی (راگ) کے قواعد کے طور پر نشیب وفراز اور

---

(۱) "عن البراء رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "زینوا القرآن بأصواتكم". (مسند الإمام أحمد: ۲۸۳/۴، دار إحیاء التراث العربي)

"وعن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "أحسن الناس قراءةً من قرأ القرآن یتحزن به". و قال الشیخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالیٰ في شرحه: قوله: "عن ابن عباس" الخ. قلت: فیه استحباب التحزن بالقرآن، و معناه أن یقرأ بحیث یظهر من تلاوته حزن قلبه دون أن یتعمد في تحزین الصوت فقط". (إعلاء السنن: ۱۵۵/۴، أبواب القرأة، ادارة القرآن)

(وأیضاً سیأتي تحت عنوان: "کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے")

(و کذا في کتاب الآثار، للإمام محمد، ص: ۵۵، إدارة القرآن)

(۲) "وکان عمر بن الخطاب رضي الله عنه یقول لأبي موسی الأشعري: یاأبا موسی! ذکّرنا ربنا، فیقرأ وهم یستمعون ویبکون. و کان أصحاب محمد ﷺ إذا اجتمعوا، أمروا واحداً منهم أن یقرأ القرآن والباقي یستمعون، و قد ثبت في الصحیح: أن النبي صلی الله علیه وسلم مرّ بأبي موسی الأشعري وهو یقرأ، فجعل یستمع لقرأته اهـ". (مجموعة الفتاوی لابن تیمیة: ۵۱/۵، مکتبه العبیکان، بیروت)

(۳) "قال النبي ﷺ: "من سمّع سمّع الله به، و من یرائي یرائي الله به". (مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، رقم الحدیث: ۵۳۱۶، ۲/۲۶۷، دار الکتب العلمیة)

زیروبم کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں، اس پر سخت وعید ہے(۱)۔ حدیث شریف میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جن کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور دوزخ کو ان سے دھونکایا جائے گا، ان میں سے ایک قاری کو بھی شمار کیا گیا ہے جو اس لئے تلاوت کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں کہ بہت اچھا قاری ہے(۲)۔ اب آپ خود ہی منطبق کرلیں کہ آپ کے یہاں کے اجتماع کی شان کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے؟

سوال[۱۱۱۳]: ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ جو آج کل قاری لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، لہجہ سیکھنے اور اس کے مطابق پڑھنے کو حرام کہتے ہیں۔ سورۂ کہف میں لفظ "عوجا" کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کیا لہجہ سیکھنا اور اس کے مطابق پڑھنا غلط ہے؟

---

(۱) "إقرأوا القرآن و لا تأكلوا به، و لا تجفوا عنه، و لا تغلوا فيه، و لا تستكثروا به" ...... عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن فأهدى إلىّ .... فقال: "إن أردت أن يطوّقك الله طوقاً من نار فاقبلها" ..... و قال ..... " من قرأ القرآن يأكل به الناس، جاء يوم القيمة ووجهه عظمة ليس عليه لحم". .... "اقرأوا القرآن وسلوا الله به، فإن من بعدكم قوم يقرأون القرآن يسألون الناس". (رسالة شفاء العليل و بل الغليل في حكم الوصية بالختمات اهـ، في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"والتغني بالقرآن لا يجوز على الإطلاق بل هو مقيد بقيد عدم إخراج القرآن من العربية إلى غيرها". (إعلاء السنن، أبواب القرأة: ۴/۱۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أول الناس يقضى عليه يوم القيامة .... رجلٌ تعلم العلم و علمه، و قرأ القرآن، فأتى به، فعرفه نعمه، فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: تعلّمتُ العلم و علّمته، وقرأتُ فيك القرآن، قال: كذبت و لكنك تعلّمت العلم ليقال: إنك عالم، و قرأتَ القرآن ليقال: هو قارىء، فقد قيل: ثم أمر به. فسحب على وجهه حتى ألقي في النار اهـ". (الترغيب والترهيب، في إخلاص النية في الجهاد: ۲/۲۹۶، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن شریف جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سکھایا، پھر اسی طرح بعد کے لوگوں کو سکھایا گیا۔ اصل لہجہ حدیث پاک سے ثابت ہے (۱)۔ ایک صحابی بالکل اسی لہجہ میں دوسروں کو پڑھ کر بتاتے ہیں، جس طرح سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے، آپ کی اور صحابہ کرام کی تلاوت قواعد کے مطابق ہوتی تھی۔ اس وقت تک قواعد کتابی صورت میں نہیں تھے، بعد کے حضرات نے ان کو لکھا ہے اور یہ سب قواعد آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت سے ہی بنائے گئے ہیں۔

فنِ تجوید ایک مستقل فن ہے جو بغیر استاد کے سیکھے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کسی چیز کو حرام کہنا جب تک اس کے حرام ہونے کی دلیل نہ ہو جائز نہیں ہے، اور جو چیز حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہو اس کو حرام کہنا تو انتہائی جسارت ہے (۲)۔ بعض لوگ جو حقیقتاً قواعدِ تجوید سے واقف نہیں، قواعدِ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ورتّل القرآن ترتيلاً﴾: أي اقرأه على تمهّل، فإنه يكون عوناً على فهم القرآن و تدبره ...... و قد قدمنا في أول التفسير الأحاديث الدالة على استحباب الترتيل و تحسين الصوت بالقرأة .... الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۵۵۹، دار السلام)

"قالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "كان يقرأ السورة، فيرتلها حتى تكون أطول من أطول منها"....... "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أنه سُئل عن قرأة رسول الله ﷺ فقال: كانت مداً. ثم قرأ: (بسم الرحمن الرحيم) يمدّ بسم الله، ويمدّ الرحمن، و يمد الرحيم" .... جاء في الحديث: "زينوا القرآن بأصواتكم". و "ليس منا من لم يتغن بالقرآن".

"و عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا تنثروه نثر الرمل، و لا تهذوه هذّالشعر، قفوا عند عجائبه، و حرّكوا به القلوب الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۵۵۹، دار السلام)

(۲) وقال السيوطي: "عن الجزري: القراءات السبع ...... متواترة معلومةٌ من الدين بالضرورة، و كل حرف انفرد به واحد من العشرة معلومٌ من الدين بالضرورة أنه منزل على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، لا يكابر في شيء من ذلك إلا جاهل". (الإتقان: ۱/۱۶۳، معرفة المتواتر والمشهور، دار ذوي القربى)

"عن البراء رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: " زينوا القرآن بأصواتكم، فإن الصوت الحسن يزيد =

موسیقی کے مطابق سُر ملا کر پڑھتے ہیں جس سے بعض حروف کو زیادہ دراز کرتے ہیں، حالانکہ وہ مد نہیں، بعض کو جلدی سے پڑھ جاتے ہیں حالانکہ وہ مد ہے۔ اور بھی اسی طرح متعدد قسم کے تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ راگ گانے میں ہوتا ہے، اس طرح پڑھنا یقیناً ناجائز ہے، اس سے معنی میں کافی تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور الفاظ بھی مسخ ہو جاتے ہیں(۱)۔

سورۂ کہف میں "عـوجـاً" دونوں طرح پڑھنا درست ہے: سکتہ سے بھی اور بغیر سکتہ کے بھی، جب سکتہ سے پڑھیں گے تو اس پر تنوین نہ ہوگی اور بغیر سکتہ کے اگر پڑھیں گے تو اس پر تنوین پڑھیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقفِ غفران کا مطلب

سوال[۱۱۱۴]: قرآن مجید کے حاشیہ پر جا بجا وقفِ غفران لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مطلب ہے کہ اس مقام پر وقف کرنا بھی درست ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے۔ دونوں میں کسی بات پر مواخذہ نہیں بلکہ دونوں فعل مغفور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۲/۱۳۶۱ھ۔

= القرآن حسناً". رواه الحاكم في مستدركه"، و قال الحافظ في الفتح: "فإن لم يكن حسن الصوت، فليحسنه ما استطاع". (فتح الباري لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ، كتاب فضائل القرآن، باب من لم يتغن بالقرآن: ۹/۷۲، دار المعرفة)

(و كذا في إعلاء السنن: ۴/۱۵۳، أبواب القرأة، ادارة القرآن)

(۱) قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "دلّ الحديث على أن التغني بالقرآن لا يجوز على الإطلاق، بل هو مقيد بقيد عدم إخراج القرآن من العربية إلى غيرها بأن يفرط في المدّ، وفي إشباع الحركات حتى يتولد من الفتحة ألف .... و نحوها، والصحيح أن الإفراط على الوجه المذكور حرام، يفسق به القاري، و يأثم المستمع". (إعلاء السنن: ۴/۱۵۵، أبواب القرأة، ادارة القرآن)

کیا ہر آیت پر وقف کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۵]: قرآن شریف میں جو گول آیت (○) جگہ بجگہ بنی ہوتی ہیں، اس گول آیت پر کسی جگہ ''الف''، کسی جگہ ''میم''، کسی پر ''جیم''، کسی پر صل۔ تو اس صورت میں جس جگہ دل چاہے ٹھہر جائے اور جس جگہ دل نہ چاہے نہ ٹھہرے جیسے ''ج''۔ زید کا فرمانا ہے کہ ہر گول آیت پر ٹھہرنا ضروری ہے کیونکہ ان گول آیتوں میں ترمیم نہیں ہوتی، یہ بجنسہ وحی کے ساتھ نازل ہوئی ہیں اور جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجنسہ ترتیب دیا ہے اور بجنسہ ایسے ہی نازل ہوئیں۔ کیا ہر گول آیت پر ٹھہرے یا جہاں جیسی علامت حروف کی ہو ویسا عمل کرے جیسے: ''ط، ج، ص، ق، ل، و، م'' وغیرہ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فقہاء کے نزدیک ان میں سے کسی مقام پر ٹھہرنا واجب نہیں، یہ قراء کی اصطلاحات ہیں، ان کی رعایت محض مستحب ہے، واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سورۂ قدر میں ''امر'' یا ''سلام'' پر وقف

سوال[۱۱۱۶]: سورہ قدر میں امر پر ٹھہرے یا سلام پر یا دونوں جگہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں جگہ میں اختیار ہے، جہاں چاہے وقف کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۵/۱۱/۹۵ھ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ورتل القرآن ترتيلاً﴾: أي اقرأه على تمهل. فإنه يكون عوناً على فهم القرآن وتدبره. ...... وقد قدمنا في أول التفسير الأحاديث الدالة على استحباب الترتيل وتحسين الصوت بالقراءة الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/ ۵۵۹، دار اسلام)

(۲) قال في الهندية: "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتداء في غير موضع الابتداء إن لم يتغير المعنى تغيراً فاحشاً نحو: أن يقرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف ثم ابتدأ بقوله: "أولئک هم خير البرية" لا تفسد بالإجماع بين علمائنا، هكذا في المحيط." (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۱/ ۸۱، رشيديه) ...... =

تحقیقِ ضاد

سوال[۷۱۱۱]: اکثر لوگ حرفِ ضاد کو ''دال'' پُر''یا''طا''پُر کی آواز پڑھتے ہیں اور بعض حفاظ وجہلاء کہتے ہیں کہ اسی طرح سے پڑھنا چاہئے، عربی میں ''دواد'' ہی پڑھا جاتا ہے اور اردو میں ''ضاد'' پڑھا جاتا ہے، مگر جب دواد کا ثبوت کسی معتبر کتاب کا ان سے مانگا جاتا ہے تو چپ ہو جاتے ہیں اور کچھ جواب نہیں دیتے حالانکہ تجوید کی کتاب میں لکھا ہے کہ ضاد کو اس کے مخرج سے یعنی حافۂ لسان اور متصل کی داڑھوں سے نکالنا چاہیے خواہ بائیں جانب سے یا دائیں جانب سے اور بندہ اسی طرح ادا کرتا ہے گو کہ بندہ عالم یا قاری نہیں ہے اور نہ حافظ ہے، مگر علمائے دین کے تصدق میں تجوید سے کسی قدر واقف ہے۔ بندہ کے پاس رفع التضاد، فیض العزیز، ہدیۃ الوحید، جمال القرآن، تجوید القرآن، جزری، مقدمۃ الجزری، فتوی ضاد، تبیین الضاد، فوائد مکیہ وغیرہ موجود ہیں، لہذا یہ کتابیں غلط ہیں یا غلط تھیں اور ضاد کو اس کے مخرج سے مع اس کی صفات کے پُر ادا کرنا چاہئے یا بصورتِ دال؟ مستند اور معتبر کتب مع نام کتب تحریر کیا جائے۔

اور مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تبیین الضاد(۱) میں فرماتے ہیں کہ ضاد کو دال پُر یا طاء پُر عمداً پڑھنا غلط ہے، ایسا پڑھنے والا گمراہ اور گنہ گار ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں مرقوم فرماتے ہیں کہ جو شخص مجود قاری ہو اور مخارج وصفات سے واقف ہو اگر وہ عمداً دال یا ظا پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہے، قاری اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اور اگر صفات ومخارج سے واقف نہ ہو، اگر وہ بلا قصد دال یا ظا پڑھے تو اس کی نماز ہو جائیگی اور قاری اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے(۲)۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفرائض، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۴۸۹، ادارة القرآن)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۵۵، رشيديه)

(۱) (تبيين الضاد، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه)

(۲) (فتاوى رشيديه (از تاليفات رشيديه)، ص: ۲۸۸، ۲۸۹، کن امور سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کن سے نہیں؟ ادارہ اسلامیات لاہور)

مولانا عبد الوحید صاحب ہدیۃ الوحید (۱)، میں مولانا اشرف علی صاحب جمال القرآن (۲) میں فرماتے ہیں کہ ضاد کو دال یا ظا پڑھنا غلط ہے اس سے معنی میں تغیر فاحش پیدا ہوتا ہے۔

سنا گیا ہے کہ قصبہ کھور ضلع رہتک میں کوئی قاری صاحب مدینہ شریف کے آئے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں ضاد کا پڑھنا غلط ہے دواد پڑھنا چاہئے، عربی زبان میں ضاد نہیں پڑھا جاتا ہے، لہٰذا کیا قاری صاحب کا یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے اور فتویٰ ضاد (۳) میں جو حدیث مرقوم ہے کہ: "من زاد حرفاً في القرآن أو نقص منه، أو بدّل حرفاً بحرف متعمداً، فقد كفر" (۴)، یہ دونوں حدیث صحیح ہیں یا غلط؟ اول تو حدیث اور فقہ اکبر کی عبارت تو ملاعلی قاری کی لکھی ہے مگر صحیح ہے یا غلط؟ رفع التضاد میں مرقوم ہے (۵) کہ "جو شخص مخارج وصفات سے واقف نہیں ہے، اگر دال یا ظاء پڑھتا ہے تو اس صحیح ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جب تک وہ کوشش کرتا رہے گا

---

(۱) (ھدیۃ الوحید، ص: ۱۸، آٹھواں مخرج ضادِ معجمہ، رقم الحاشیۃ: ۳۶، و ص: ۲۸، صفت استطاعت، رقم: ۷، قرأت اکیڈمی لاہور)

(۲) (جمال القرآن، ص: ۸، دوسرا لمعہ، مکتبہ حمادیہ گوالمنڈی لاہور)

(۳) "استفتاء من علماء الحرمين الشريفين .... الجواب من شيخ القراء بالمدينة المنورة .... أن نهاية القول في الضاد هو أنها أقرب إلى الظاء فقط كما في الرعاية وجُهد المقل وغيرهما، فقرأة الفرقة الثالثة المسئولة في الاستفتاء صحيح، و أما كون الضاد شبيهة بالدال أو الغين، فما سمعنا به قط، ولا وُجد في كتاب، فمن صلى خلف الإمام يعتقد ذلك فصلاتهما باطلة. والله على ما نقول وكيل .... الجواب من علماء المكة المكرمة .... فنقول: إن الذى استقر عليه رأى جميع أهل الأداء من كتبهم أن الضاد والظاء اتفقتا في الاستعلاء والإطباق والتفخيم والجهر والرخاوة، واختلفتا في المخرج، وانفردت الضاد بالاستطالة، فإذا أعطيت للضاد ههنا من مخرجها و صفاتها، فقد أتيت بالثواب الذى لا محيد عنه عند علماء القرأة المدقلين، وحينئذ يكون بها أثر شبهه الظاء في التلفظ كما في نهاية القول المفيد، و أما كون الضاد قريبةً من الدال أو الغين في التلفظ فبعيد عن الحق، والله أعلم".
(رسالہ إعلام العباد بحقيقة النطق بالضاد مع استفتاء علماء الحرمين الشريفين ونظم الضاد، ص: ۲۷، ۲۸، مذہبی کتب خانہ پشاور)

(۴) (لم أجد كتابه)

(۵) (رفع التضاد في أحكام الضاد للمفتي محمد شفيع، ص: ۱۱، دار الاشاعت دیوبند)

تب تک اس کی نماز جائز قرار دیجائیگی اور جب کوشش کرنا چھوڑ دیگا تب اس کی نماز فاسد ضرور قرار دیجائیگی۔ یہ مضمون صحیح ہے یا غلط؟ جہاں تک ہوسکے معتبر اور مستند کتب کے موافق اس کا جواب تحریر کیا جائے اور ان کتب کا نام بھی تحریر کیا جائے کہ جن کے مطابق جواب لکھا جائے یا علماء دین خود یہاں تشریف لاکر یہاں کے جاہلوں کو سمجھائیں۔

بندہ تو دو سال سے سمجھا رہا ہے مگر میرا کہنا سب غلط سمجھتے ہیں، جو شخص باوجود لاعلم ہونے فقہ اور حدیث کے اور تجوید کے اگر توجیہات رکیکہ بیان کرے اور حدیث وفقہ کا منکر ہو اور کہے تمام زمانہ میں ایسی بات ہوتی ہے تو ہم کیوں نہ کریں اور حدیث وفقہ کا کسی طرح قائل نہ ہو حالانکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں چیز شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے، مگر اتباعِ نفس سے اس کو حلال اور جائز قرار دے تو اس کو مولانا عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوی جلد اول میں کافر لکھتے ہیں تو جب وہ کافر ہوا تو شرعاً اس کی عورت بھی نکاح سے خارج ہوگی (۱)۔ فقط والسلام

مقبول احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضاد، ظاء، دال تینوں علیحدہ علیحدہ مستقل حروف ہیں، ضاد اور ظاء اکثر صفات میں شریک ہونے کی وجہ سے مشابہ ہیں، تاہم دونوں کا مخرج علیحدہ ہے اور ضاد میں صفتِ استطالت زائد ہے جو ظاء میں نہیں: "ومنهم من يجعلها ظاء الخ. هذا ليس بعجيب لثبوت التشابه وعسر التميز بينهما، فإنه يشارك ظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها باستطالة، فلو لا اختلاف المخرجين والاستطالة في الضاد لكانت ظاء اهـ". جهد المقل (۲)۔

ملاعلی قاری شارح جزریہ اس شعر کے تحت:

من والضاد باستطالة ومخرج　　　منیر عن الظاء كلها تجئی

---

(۱) (فتاوی عزیزیۃ، ص: ۳۸۵، باب العقائد، استحلال الحرام و استحرام الحلال، احادیث کی رکیک تاویلات)

(۲) (الإتقان في علوم القرآن للسيوطي، فصل من المهمات، تجويد القرآن: ۱/۱۰۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

تحریر فرماتے ہیں: "لما كان تميزه عن الظاء مشكلاً بالنسبة إلى غيره أمر الناظم مميزه نطقاً"۔ جب کہ باوجود اس کثیر تشابہ کے دونوں میں تمیز کرنا اور ظاء کی جگہ ضاد یا اس کے عکس قصداً پڑھنا درست نہیں (۱) تو پھر ضاد کی جگہ دال پڑھنا یا ضاد کو مشابہ دال پڑھنا کیسے درست ہوگا (۲)، کیونکہ دونوں کی اکثر صفات علیحدہ علیحدہ اور ممتاز ہیں، لہٰذا ضاد کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات کے حسب الطاقۃ ادا کرنا ضروری ہے، البتہ اگر ادائیگی پر قدرت نہ ہو تو معذوری ہے (۳)، تاہم اگر اس سے بہتر امامت کا اہل ادائیگی پر قادر موجود ہو تو اس کو امام بنانا چاہئے۔ کتب مذکورہ فی السوال مجموعی حیثیت سے معتبر ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ شرح فقہ اکبر میں عبارت مندرجہ فی السوال نظر سے نہیں گذری، البتہ یہ عبارت موجود ہے: "سئل الإمام الفضلي عمن يقر الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة، أو يقرأ: (أصحاب الجنة) مكان (أصحاب النار) أو على العكس، فقال: لا يجوز إمامته، ولو تعمد يُكفر. قلت: أما كون تعمده كفراً فلا كلام فيه إذا لم يكن فيه لغتان، ففي (ضنين الخلاف) (سامي). وأما تبديل الظاء مكان الضاد ففيه تفصيل، وكذا تبديل: (أصحاب الجنة) في موضع (أصحاب النار) وعكسه، ففيه خلاف وبحث طويل اه" (۴)۔

حدیث: "من زاد حرفاً" الخ کا مضمون درست ہے۔

اور نماز کی صحت وفساد کے متعلق رفع التضاد میں صحیح لکھا ہے: إنه ما دام في التصحيح ولم يقدر

---

(۱) "وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته، ومن لايعرف بعض الحروف ينبغي أن يجهد ولا يعذر في ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في زلة القاري: ۱/۷۹، رشيديه)

(۲) في "الفتاوى الحديثية" للشيخ أحمد المكي: "لو أبدل الضاد بغير ظاء لم يصح قرأته قطعاً، فعلم من هذا أنه لم يقع خلاف في إبدالها دالاً كما وقع في الظاء، فالنطق بها دالاً، لم يقل أحد بصحته". (ص: ۲۰۹، مصر)

(۳) "مادام في التصحيح والتعلم ولم يقدر عليه فصلاته جائزة، وإن تركه جهده فصلاته فاسدة، كذا في المحيط". (رد المحتار، مطلب في الألثغ: ۱/۵۸۲، سعيد)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۷، قديمي كتب خانه)

عليه فصلاته جائزة، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة". رد المحتار (۱)۔

حدیث دفقہ کا انکار کرنا جہالت اور سخت خطرناک ہے، اندیشۂ کفر ہے، توبہ کرنا ضروری ہے، حرام قطعی بعینہ کو حلال قطعی کہنا بھی کفر ہے، لہٰذا توبہ کرنا فرض ہے اور احتیاطاً تجدید نکاح وتجدید ایمان بھی کرنا واجب ہے (۲)۔ ایسے لوگوں کے درپے ہونا اس طرح پر کہ وہ حدیث کا انکار کر بیٹھیں مناسب نہیں، بلکہ ان کو نرمی اور احتیاط سے سمجھا دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۵۳ھ۔

''نونِ قطنی'' کے ساتھ نماز

سوال [۱۱۱۸]: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورہ اخلاص کی پہلی آیت کو نون قطنی کے ساتھ دوسری آیت سے ملا کر پڑھا یعنی وصل کیا، نماز کے بعد بعض لوگوں نے آپس میں کہا کہ آج امام صاحب نے ایسا کیوں پڑھا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ امام صاحب نے صحیح پڑھا ہے کیونکہ امام صاحب قاری اور مولوی ہیں۔ غرض نائب متولی کے پاس یہ بات پہونچی، نائب متولی صاحب نے امام صاحب کو اپنے گھر بلا کر کہا کہ آپ اس طرح قرآن شریف کیوں پڑھتے ہیں جو مقتدی کی سمجھ میں نہیں آتا اور گڑبڑ ہوتی ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ سورۂ اخلاص کی پہلی آیت کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، کیونکہ یہ قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر بعض لوگوں نے متولی صاحب سے کہا کہ آپ اس پر فتوی منگائیے، متولی صاحب نے کہا کہ فتوی کی کوئی ضرورت نہیں اور امام صاحب سے کہا کہ اس طرح قرآن شریف پڑھیں جس طرح لکھا ہے اور جس طرح لوگ سمجھ سکیں۔

---

(۱) (ردالمحتار، مطلب في الألثغ: ۱/ ۵۸۲، سعيد)

(۲) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۲۸۳، الباب السابع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام صاحب نے یہ قواعدِ تجوید کے موافق پڑھا ہے، کتبِ تجوید میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

معروف ومجہول کا تلفظ

سوال[۱۱۱۹]: ایک مدرسہ میں بچوں کو ''بہ'' کے بجائے ''بے ہ'' پڑھاتے ہیں اور دوسرے مدرسہ میں ''بـہ'' کے بجائے ''بی ہ'' پڑھاتے ہیں۔ اب دونوں میں سے کون سے الفاظ صحیح ہیں کیوں کہ دونوں کے الفاظ الگ الگ ہیں، اصل میں کس طرح پڑھایا جائے، دونوں الفاظ میں کیا فرق ہے؟ اور معنیٰ میں کچھ فرق پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دونوں طرح پڑھانے سے معنیٰ میں کوئی فرق نہیں آتا(۲)، البتہ عربی تلفظ ''ب'' معروف ہے مثلاً: ''ب'' اور ''ی'' کو ملا کر پڑھیں گے تو ''بی'' پڑھیں گے، ''بے'' نہیں پڑھیں گے، یہ چیز تحریر سے سمجھانی مشکل ہے، تلفظ سے زبانی سمجھ میں جلد آئے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) لیکن فقہاء نے اس کو خلافِ اولیٰ لکھا ہے تاکہ عوام اور جہلاء میں انتشار پیدا نہ ہو۔

قال الحصكفي رحمه الله تعالى: "لكن الأولىٰ أن لا يقرأ عند العوام صيانةً لدينهم". وقال ابن عابدين: "أي بالروايات الغريبة والإمالات ؛ لأن بعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون، فيقعون في الإثم". (الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب السنة تكون سنة : ۵۴۱/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۴۹۵، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الرابع في القرأة : ۷۹/۱، رشيديه)

(۲) "ويجوز بالروايات السبع، بل يجوز بالعشرة أيضاً كما نص عليه أهل الأصول ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب السنة: ۵۴۱/۱، سعيد كراچی)

بعض آیات میں وارد ہمزات پڑھنے کا طریقہ

سوال[۱۱۲۰] : ا.....سورہ بقرہ رکوع نمبر:۱۴ میں ہے: ﴿ثم أضطره﴾ (۱) بعض ہمزہ کو حذف کرکے میم کو ضاد سے ملاکر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور بعض ہمزہ کو ثابت کرکے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کون سا صحیح ہے؟

۲.....سورہ مائدہ رکوع نمبر:۱۴ میں ہے: ﴿ثم أصبحوا بها﴾ (۲) میں بعض ہمزہ کے حذف اور بعض اثبات کرکے پڑھتے ہیں، کونسا صحیح ہے؟

۳.....سورہ مائدہ رکوع نمبر۲ میں: ﴿أن لا تعدلوا، إعدلوا﴾ (۳) میں بعض حالت وصل میں "اعدلوا" اور بعض وقف کرکے "اعدلوا" پڑھتے ہیں۔کونسا صحیح ہے اور کونسا غلط ہے؟

۴.....سورہ توبہ رکوع نمبر:۴ میں: ﴿یوم حنین إذ أعجبتکم﴾ (۴) میں بعضے ہمزہ کو حذف کرکے نون کو ذال سے ملاکر پڑھتے ہیں اور بعض وقف کرکے ہمزہ کو ثابت رکھ کر پڑھتے ہیں۔کونسا صحیح ہے، کونسا غلط ہے؟

۵.....سورہ طٰہٰ رکوع نمبر:۱۰ میں: ﴿من ایاتنا الکبری اذهب إلی فرعون﴾ (۵) میں بعضے ہمزہ کو حذف کرکے نون قطنی لگا کر پڑھتے ہیں اور بعضے ہمزہ کو ثابت رکھ کر پڑھتے ہیں، آیا کونسا صحیح ہے؟

۶.....سورہ حج رکوع نمبر:۹ میں: ﴿ذالکم، ألنار﴾ (۶) میں بعضے وقف کرکے پڑھتے ہیں اور بعض ﴿ذالکم النار﴾ پڑھتے ہیں، کونسا جائز ہے؟

مزید عرض ہے کہ جس طرح قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے اسی طرح پڑھنا چاہئے یا اپنی رائے کے مطابق محض اپنے کو قاری مشہور کرنے کی غرض سے بلاقانون کہیں حذف، کہیں اثبات، کہیں ادغام، کہیں وصل،

---

(۱)(آیت: ۱۲۶)

(۲)(آیت: ۱۰۲)

(۳)(آیت: ۸)

(۴)(آیت: ۲۵)

(۵)(آیت: ۲۳، ۲۴)

(۶)(آیت: ۷۲)

کہیں تغیر پڑھنا ہوتو جائز ہے؟ اور ایسے قاری کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی جوابات مع دلیل وحوالہ کتب مرحمت فرمائیں، بے حد ممنون ہوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ ہمزہ وصل نہیں بلکہ واحد متکلم کا ہے، اس لئے یہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ ثابت رہے گا۔

۲...... یہ ہمزہ باب افعال کا ہے جو کہ قطعی ہے وصلی نہیں، اس لئے یہ بھی ثابت رہے گا۔

۳...... وقف کر کے "إعدلوا" پڑھنا چاہئے، وقف نہ کرنا ہو تو "اعدلوا" کا ہمزہ ساقط ہو جائے گا۔

۴...... یہ ہمزہ ساقط نہیں ہوگا، باقی رہے گا۔

۵...... نونِ قطنی تو تنوین کی حالت میں آتا ہے وہ یہاں موجود نہیں ہے، اس لئے نونِ قطنی تو یہاں غلط ہے، اس کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر "الکبریٰ" پر وقف کیا جائے تو "إذهب" کا ہمزہ پڑھا جائے گا، وصل کی حالت میں ساقط ہو جائے گا۔

۶...... یہاں وصل بھی صحیح ہے اس صورت میں "النار" کا ہمزہ ساقط ہو جائے گا اور "ذلکم" کے میم پر ضمہ آئے گا۔ وقف کرنا زیادہ اچھا ہے، اس صورت میں "ذلکم" میں میم پر سکون ہوگا اور "ألنار" کا ہمزہ پڑھا جائے گا۔

قرآن کریم کو قواعد کے موافق پڑھنا چاہئے، اپنی طرف سے اس میں کچھ نہ کیا جائے، یہ خطرناک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۵ھ۔

زیر، زبر، پیش

سوال[۱۱۲۱]: زبر کے کیا معنی ہیں اور زیر اور پیش کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبر ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے "الف" پیدا ہوتا ہے، زیر ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قال في القرآن بغير علم، فليتبوأ مقعده من النار". (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۸۵، رقم الحديث: ۲۰۷۰، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب العلم: ۱/۴۸۹، رقم الحديث: ۲۳۴، رشيديه)

''یا'' پیدا ہوتی ہے، پیش ایک حرکت ہے جس کے کھینچنے سے ''واؤ'' پیدا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

غیرِ قرآن کو قرأت کے ساتھ پڑھنا

سوال[۱۱۲۲]: غیر قرآن کو قرأت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قواعدِ عربیت کی رعایت سے پڑھے تو ٹھیک ہے، مگر قرآن کے ساتھ غیر قرآن ملتبس نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۸/۲/۹۰ھ۔

قرآن پاک میں اعراب اور کتبِ حدیث وفقہ کی تدوین

سوال[۱۱۲۳]: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ کلام اللہ اس طرح من أوله إلى آخره اوراق میں لکھا ہوا تھا، نہ اس زمانے میں زبر، زیر، جزم اور تشدید ایجاد ہوئے تھے، نہ کتبِ احادیث یوں تصنیف ہوئیں، نہ تدوینِ کتبِ فقہ، اصولِ فقہ اور تفسیر کا دستور تھا''۔ (یہ عبارت سوانحِ قاسمی: ۲/۲۵، کی ہے)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوانحِ قاسمی تو میرے پاس نہیں ہے لیکن واقعہ یہ صحیح ہے، اس پر آپ کو کیا دریافت کرنا مقصود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

حرکات ونقاط قرآن میں کب سے ہیں؟

سوال[۱۱۲۴]: قرآن کریم میں زیر، زبر، پیش اور نقطے عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے

زمانہ میں تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو اب اس میں یہ نقطے اور اعراب لگانا بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرونِ مشہود لہا بالخیر میں حفاظت قرآن پاک کے لئے یہ سب کچھ کر دیا گیا، تاکہ لوگ غلط نہ پڑھیں اور تحریف نہ ہو جائے، یہ بدعت نہیں، بدعت کہتے ہیں احداث فی الدین کو اور یہ تمام دین کی حفاظت کے لئے کیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تدبر اور بلا تدبر تلاوت میں فرق

سوال[۱۱۲۵]: دو آدمی ہیں ایک ناظرۂ قرآن شریف پڑھنے والا، اور ایک عالم آدمی ہے جس نے عربی تعلیم صرف ونحو کے ساتھ پڑھا ہے، وہ تلاوت کرتا تو ناظرہ پڑھنے والے کو دس نیکیاں ایک حرف پر، یہ اگر ترجمہ ایک ساتھ پڑھے تو ایک حرف پر کتنی نیکیاں ملیں گی؟ دوسرے وہ شخص جو عالم ہے اب تلاوت کرنے پر کتنا ثواب ہے ہر حرف پر؟ اگر ترجمہ کو خیال وتصور میں لائے اور اگر نہ لائے اور حافظوں کی طرح تیز رفتاری کے ساتھ پڑھ رہا ہے اور خیال کہیں اور ہے تو کتنا ثواب ملے گا، کیا پہلی صرف ونحو والی کمائی اب کام دے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جس قدر زیادہ تدبر کے ساتھ عظمتِ قرآن کریم کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کرے گا اسی قدر زیادہ ثواب پائے گا۔ تدبر کے لئے صرفی صیغوں اور نحوی ترکیبوں کا ذہن میں آنا ضروری نہیں، بلکہ کلام اور متکلم کی جلالتِ شان اور آیاتِ رحمت وآیاتِ عذاب پر رجاء وخود اور اوامر ونواہی پر عزمِ عمل واجتناب وغیرہ اثرات کا پیدا ہونا تدبر کا ثمرہ ہے۔ بڑا زبردست عالم بھی اگر بے دھیانی سے تلاوت کرتا ہے تو وہ ان ثمرات

---

(۱) قال العلماء: "ويستحب نقط المصحف وشكله، فإنه صيانة من اللحن فيه، وما كرهه الشعبي والنخعي النقط، فإنما كرهاه في ذلك الزمان خوفاً من التغيير فيه، وقد أمن ذلك اليوم فلايمنع من ذلك لكونه محدثاً، فإنه من المحدثات الحسنة، فلايمنع منه كنظائره: مثل تصنيف العلم وبناء المدارس وغير ذلك".

(مناهل العرفان: ۱/۴۰۲، حكم نقط المصحف وشكله، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في التفسير القرطبي، مقدمة المؤلف: ۱/۴۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(والإتقان: ۱/۳۶۵، ۸۷۳ للسيوطي، دار ذو القربى)

سے خالی رہتا ہے۔ صرف ونحو سے ناواقف آدمی اگر دھیان سے تلاوت کرتا ہے تو اس کے قلب میں بھی رقت پیدا ہوتی ہے اور ایمان قوی ہوتا ہے۔ عالم اگر دھیان سے کام لے تو اس کے لئے زیادہ موقع ہے اس کا درجہ ہی بلند ہے۔ پھر ایک اور دس کا حساب بھی عام حساب ہے، ورنہ خزانۂ غیب سے بے شمار و بے حساب ملتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۴ھ۔

جوابِ امر بھی مجزوم ہوتا ہے

سوال[۱۱۲۶]: سورہ ملک میں لفظ "ینقلب" کی "ب" پر جزم کیوں آیا ہے جبکہ عامل جازم نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جوابِ امر ہے جو کہ امر کی طرح مجزوم ہوتا ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۷/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۷/۱۸ھ۔

قرآن کریم کی سند

سوال[۱۱۲۷]: قرآنِ کریم کے لئے صرف تواترِ طبقاتی ہے یا تواترِ اسنادی ہے؟ اگر تواتر اسنادی ہے تو سند کیا ہے؟ بطریق "عن عن" یا کسی اور طریقے سے ہے؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

تواترِ طبقاتی تو ظاہر ہے، اسی کی وجہ سے ہر شخص نے اپنی سند کو "عن عن" سے پہنچانے کی کوشش نہیں کی،

---

(۱) "یجزم الفعل المضارع إذا كان جواباً للطلب (يشمل الطلب الأمر، والنهي، ودعاء)......نحو: "صُنْ عن القبيح تكرّم". (موسوعة النحو والصرف والإعراب، مبحث الفعل المضارع، ص: ۵۰۲-۵۰۳، دار العلم للملايين، بيروت)

(كذا في أوضح المسالك إلى ألفية ابن مالك، فصل جازم الفعل نوعان: ۱۸۵/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نہ ضرورت سمجھی۔ حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستقلاً تدریس قرآن کریم فرمایا کرتے تھے، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درس میں ایک وقت میں سولہ سو طلبہ تھے۔ اور بعض حضرات نے اپنی عمر تدریس قرآن کریم میں صرف کردی، کیونکہ ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: "خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ" (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

قرآن کریم کی ترتیبِ عثمانی

سوال [۱۱۲۸]: ایک عزیز نے ایک مولوی صاحب کے وعظ میں سنا کہ قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب بحوالۂ اتقان حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں کس طرح سورتیں پڑھی جاتی تھیں؟ مجھے یہ معلوم تھا کہ ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دَور کیا کرتے تھے۔ کیا یہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیشتر سورتوں کی کیا ترتیب تھی؟ کیا اتقان معتبر کتاب ہے اور واعظ صاحب کا بیان صحیح ہے؟

مکلف خدمت بابرکت شاہ حبیب اللہ، از خانقاہ نانکپور ضلع پرتاپ گڑھ، ۱۳/رجب/۵۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اتقان، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، معتبر ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ترتیب سے قرآن کریم کو جمع فرمایا ہے، ترتیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی یہ تھی لیکن یکجا لکھا ہوا عام طور پر نہ تھا، بلکہ طرق مختلف لغات میں کہ ابتداءً سہولت کے لئے عرب کی کئی لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی، کسی کے پاس کچھ لکھا ہوا تھا، کسی کے پاس کچھ، باقی ذہنوں میں ترتیب یہی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو یکجا لغتِ قریش میں لکھا دیا اور اس ترتیب سے لکھایا جس ترتیب سے اب موجود ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقتِ نزول فرمایا کرتے

(۱) (مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۸۳، کتاب فضائل القرآن، قدیمی)

(والمسند للإمام أحمد بن حنبل: ۱/۹۴، رقم الحدیث: ۴۱۲، دار إحیاء التراث العربی)

تھے کہ ''اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھو''۔ لکھنے کا رواج کم تھا، زیادہ تر حافظہ پر مدار تھا اور عام رواج لکھائی کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/ رجب/ ۵۷ھ۔

پارۂ عم کی طباعت خلافِ ترتیب

سوال[۱۱۲۹]: ہندوستان میں پارۂ عم (تیسواں پارہ) جو قرآن سے الگ طبع کرایا جاتا ہے وہ قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف طبع ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور یہ طریق عمل کب سے جاری ہوا اور کس نے جاری کیا؟ کیا قرآنِ پاک کی طباعت مصحفِ عثمانی کی ترتیب کے خلاف کی جاسکتی ہے؟ اگر ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو پارۂ عم کی ترتیب مصحفِ عثمانی کی ترتیب کے خلاف کیوں عملاً جائز قرار دی جاتی ہے؟ یہ فرما کر مطمئن نہ فرمائیں کہ بچوں کی آسانی کے لئے ایسا کیا گیا، یہ آسانی مصحفِ عثمانی کی ترتیب کو باقی رکھ کر بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صریح جزئیہ کتب فقہ میں نہیں ملا، اولاً یہ عاجز چند عبارات نقل کرتا ہے، اس کے بعد جو کچھ اس سے مستفاد ہے صراحۃً یا اشارۃً یا دلالۃً یا لزوماً وہ عرض کرے گا، إن کان صواباً فمن اللہ فالحمد للہ علی

---

(۱) وقال الحاکم في المستدرک: جمع القرآن ثلاث مرات: إحداها بحضرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم .... الثانیة: بحضرة أبي بکر رضي اللہ تعالیٰ عنہ......... الجمع الثالث: هو ترتیب السور في زمن عثمان رضي اللہ عنہ .... کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنزل علیہ السور ذوات العدد، فکان إذا نزل علیہ الشيء دعا بعض من کان یکتب، فیقول: ''ضعوا هؤلاء الآیات في السورة التي یذکر فیها کذا وکذا الخ''. (الإتقان في علوم القرآن للسیوطي: ۱/۱۶۲، النوع الثامن عشر في جمعه و ترتیبه، دار ذوي القربی)

(وکذا في مناهل العرفان في علوم القرآن للزرقاني: ۱/۲۴۸، جمع القرآن علی عهد عثمان رضي اللہ تعالیٰ عنه، دار إحیاء التراث العربي)

(و تفسیر القرطبي، مقدمة المؤلف: ۱/۴۵، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ذلک، وإن کان خطأ فمنی ومن الشیطان، فاستغفر اللہ العلی العظیم، والفقهاء بُراء منه.

"ویکره قرأة سورة فوق التی قرأها. قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه: "من قرأ القرآن منکوساً، فهو منکوس الرأس". وما شرع لتعلیم الأطفال إلا لتیسیر الحفظ بقصر السوراه"۔ (مراقی الفلاح) (۱)۔

"ویکره قراءة سورة، وکذا الآیة فوق الآیة مطلقاً، سواء کان فی رکعتین، أو رکعة، واستثنی فی الأشباه النافلة فلا یکره فیها ذلک، وأقرّ علیه الغزی والحموی، ونقله عن أبی الیسر، وجزم به فی البحر والدر وغیرهما. قال بعض الفضلاء: وفیه تأمل؛ لأن النکس إذا کره خارج الصلوٰة کما یرشد إلیه قوله: "ما شرع لتعلیم الأطفال الخ، لکون الترتیب من واجبات التلاوة ففی النافلة أولی، وکون باب النفل واسعاً لایستلزم العموم بل فی بعض الأحکام اه". (طحطاوی ص۱۹۳) (۲)۔

"یجب الترتیب فی سور القرآن، فلو قرأ منکوساً، أثم اه". شامی: ۱/۳۰۷(۳)۔

"وجاز کتب المصحف وتعشیره ونقطه: أی إظهار إعرابه، وبه یحصل الرفق جداً خصوصاً للعجم فیستحسن، وعلی هذا لا بأس بکتابة أسامی سور وعدد الآی وعلامات الوقف ونحوها، فهی بدعة حسنة، در وقنیة اه". (٤)۔ قوله: وتعشیره هو جعل العواشر فی المصحف، وهو کتابة العلامة عند منتهی عشر آیات". عنایه: ۸/۱۳۰(۵)۔

"قوله: أی إظهار إعرابه تفسیرٌ للنقط. قال فی القاموس: نقط الحروف أعجم، ومعلومٌ أن الإعجام لا یظهر به الإعراب، إنما یظهر بالشکل، فکأنهم أراد وما یعم إفادة. قوله: وبه

(۱)(مراقی الفلاح حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی المکروهات، ص: ۳۵۲، قدیمی)

(۲)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۵۲، قدیمی کتب خانه)

(۳)(رد المحتار، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة: ۱/۵۴۶، سعید)

(۴)لم أظفر بهذا الکتاب.

(۵) (العنایة شرح الهدایة للعلامة البابرتی علی هامش فتح القدیر: ۱۰/۶۲، کتاب الکراهیة، مسائل متفرقة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

یحصل الرفق الخ إشار إلی أن ماروی عن ابن مسعود: "جردا" والقرآن کان فی زمنهم، وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمکان کما بسطه الزیلعی وغیره. قوله: وعلیٰ هذا: أی علی اعتبار حصول الرفق. قوله: ونحوها کالسجدة ورموز التجوید اھ. ویکره تصغیر مصحف وکتابته بقلم رقیق: أی تصغیر حجم، وینبغی أن یکتبه بأحسن خط وأبینه علی أحسن ورق، وأبیضه بأفخم قلم وأبرق مداد. ویفرج السطور، ویفخم الحروف، ویفخم المصحف اھ". قنیه، ص: ۱۵۶، در مختار وشامی: ۲۴۷/۵(۱)۔

"(وتعشیر المصحف ونقطه)، لأن القراءة والآئ توقیفیة، لیس للرأی فیها مدخل، فبالتعشیر حفظ الای، وبالنقط حفظ الإعراب، فکانا أحسنین، ولأن العجمی الذی لایحفظ القرآن لا یقدر علی القراءة إلا بالنقط فکان حسناً، وماروی عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالی عنه أنه قال: "جرّدوا القرآن"، فذاك فی زمنهم؛ لأنهم کانوا ینقلونه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کما أنزل، وکانت القراءة سهلةً علیهم، وکانوا یرون النقط مخلاً بحفظ الإعراب، والتعشیر بحفظ الآئ، ولا کذلك العجمی فی زماننا، فیستحسن لعجز العجمی عن التعلیم إلابه. وعلی هذا لا بأس بکتابة أسامی السور وعدّ الآی فهو وإن کان محدثاً فمستحسن، وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمکان اھ". زیلعی شرح کنز: ۶۰/۶(۲)۔

"قال فی شرح الطحاوی لأبی بکر الرازی فی کتاب الکراهة: وکان الشیخ أبوالحسن یقول: لا یکره ما یکتب فی تراجم السور حسب ماجرت به العادة؛ لأن فی ذلك إبانةً عن معنی السورة، وهو بمنزلة کتابة التسمیة فی أجزائها للفصل اھ"۔ حاشیة الشبلی علی تبیین للزیلعی اھ: ۳۰/۶(۳)۔

عباراتِ منقولہ سے چند امور مستفاد ہوئے: ۱- قرآن کریم کی موجودہ ترتیب واجب ہے، اس کے

---

(۱)(رد المحتار، فصل فی البیع: ۳۸۶/۲، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق: ۶۲/۷، کتاب الکراهیة، دار الکتب العلمیة)

(۳) (حاشیة الشبلی عن التبیین: ۶۲/۷، کتاب الکراهیة، دار الکتب)

خلاف پڑھنا گناہ ہے، سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب کے خلاف نماز میں پڑھنا مکروہ ہے، فقہاء کی بڑی جماعت نے نوافل میں خلافِ ترتیب قراءت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

۲-نہجِ کتابت میں چند تغیرات ہوئے: اعراب، نقطے، سورتوں کے نام، سورتوں کے مکی و مدنی ہونے کی تعیین، تعدادِ آیات، ہر دس آیت پر علامت، علامتِ وقف، سجدۂ تلاوت، رموزِ تجوید۔

۳-بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ فقہاء نے ان کو مکروہ لکھا ہے، مثلاً: باریک قلم سے قرآن پاک کو لکھنا، حجم کو چھوٹا کرنا، بلکہ فقہاء کی تاکید ہے کہ موٹے قلم سے بڑے بڑے حرفوں میں کشادہ کشادہ سطور لکھ کر حجم بڑا کیا جائے، مگر یہ چیزیں بلانکیر شائع ہیں، ہند میں بھی اور بیرون ہند میں بھی، چنانچہ نہایت خوشنما باریک حرفوں میں لکھے ہوئے جیبی بلکہ اس سے بھی چھوٹے چھوٹے قرآن شریف مطابع سے چھپ کر آرہے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے چھوٹے حرفوں میں لکھنا خلافِ احترام تھا، اس سے تحفظ کے لئے فقہاء نے تاکید کی تھی اور اب یہ چیز نہیں، پس علتِ کراہت باقی نہیں رہی۔

۴-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ "جردوا القرآن" لیکن نہجِ کتابت کے جو تغیرات منقول ہوئے، ان سب کی فقہاء نے اجازت دی ہے بلکہ مستحسن لکھا ہے، اس لئے کہ پہلے ان کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یہ مخلِ حفظ تھے، پھر ان کی حاجت پیش آئی اور یہ معینِ حفظ قرار پائے (۱)۔

۵-ترتیب واجب ہونے کے باوجود بچوں کی سہولت کی خاطر خلافِ ترتیب تعلیم دینا درست ہے، یہ امر ظاہر ہے کہ یہ نقوش منزل من اللہ نہیں البتہ منزل من اللہ پر دال ہیں۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ موجودہ ترتیب اور ہے اور نزولی ترتیب اور، نزول کے وقت جس طرز پر کتابت کرائی گئی تھی اب کلی طور پر وہ طرز باقی نہیں، لیکن

---

(۱) "وتعشير المصحف ونقطه يعني يجوز؛ لأن القراءة والآية توقيفية، ليس للرأي فيها مدخل. فالتعشير حفظ الآيات، والنقط حفظ الإعراب، فكانا حسنين، ولأن العجمي الذي لا يحفظ القرآن لا يقدر على القرأة إلا بالنقط فكان حسناً، وما روي عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه من قوله: "جردوا القرآن" فذلك في زمانهم؛ لأنهم كانوا ينقلونه عن النبي صلى الله عليه وسلم كما أنزل، وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعد الآي، وإن كان محزبا فهو حسن، وكم من شئ يختلف باختلاف الزمان والمكان". (البحر الرائق: ۸/۳۷۲، كتاب الكراهية، مكتبة رشيديه)

الفاظ وہی ہیں، ان میں سرِ مُو فرق نہیں اور: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ (۱) کا وعدہ بالکل صادق ہے۔

۲- جب الفاظ کو خلافِ ترتیب سہولت کی خاطر تعلیم دینا حسبِ تصریحِ فقہاء درست ہے حالانکہ الفاظ منزل من اللہ ہیں اور موجودہ دور میں تعلیمِ اطفال گویا کہ موقوف ہے نقوش کی شناخت پر، تو جو نقوش خود منزل من اللہ نہیں بلکہ منزل من اللہ پر دال ہیں تو ان کا اس سہولت اور توقف کی خاطر پارۂ عم کو مروجہ طریقہ پر طبع کرنا بھی بظاہر درست ہوگا، البتہ اس کا اہتمام ضروری ہے کہ بچے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اصلی ترتیب یہی ہے، بلکہ ذہن نشین کرادیا جائے کہ تم کو خلاف ترتیب پڑھایا جارہا ہے، اصلی ترتیب وہ ہے جو قرآن پاک میں ہے، پارۂ عم کے بعد حاجت باقی نہیں رہتی، بلکہ عامۃً اتنی شناخت ہوجاتی ہے کہ بسہولت شروع سے پڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بایں ہمہ ترتیب کے ساتھ پڑھانا اور طبع کرانا اصل کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے

سوال [۱۱۳۰]: قرآن حکیم کی ترتیبِ آیات اور سورتوں کی ترتیب قطعی ہے یا ظنی؟ اس ترتیبِ موجودہ کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ عاشق علی دہلوی

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ ترتیب توقیفی ہے، بعض جگہ اختلاف بھی ہے، اس کا منکر کافر نہیں، گنہگار ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (سورة الحجر: ۹)

(۲) " انعقد إجماع الأمة على أن ترتيب آيات القرآن الكريم على هذا النمط الذي نراه اليوم بالمصحف ، كان بتوقيف من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الله تعالىٰ إنه لا مجال للرأي والاجتهاد فيه". (مناهل العرفان في علوم القرآن : ۱/ ۳۳۹، ترتيب آيات القرآن ، دار إحياء التراث العربي) =

کیا قرآن کے چالیس پارے ہیں؟

سوال[۱۱۳۱]: اگر زید کہے کہ قرآن پاک تو مولوی لوگوں کے لئے ۳۰/ پارے ہیں، حالانکہ اصل قرآن پاک ۴۰/ پارہ کا ہے، پوچھنے پر پیر نے جواب دیا کہ ۱۰/ پارے پیر کے قلب میں ہیں۔ تو ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عقیدہ رکھنا سخت گمراہی اور بددینی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

قرآن کریم کے چالیس پارے ماننے والے کا حکم

سوال[۱۱۳۲]: یہ قرآن کریم فرقان حمید کے مکمل تیس پارے ہیں، مگر ایک فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کریم کل چالیس پاروں میں اترا ہے، ظاہر تیس پارے اور مشائخ کے سینہ میں پوشیدہ دس پارے سینہ بسینہ چلے آرہے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے، یہ غلط ہے تو اس جماعت کو کیا کہنا چاہئے؟

= "وقال السيوطي ما نصه: الذي ينشرح له الصدر ما ذهب إليه البيهقي، و هو أن جميع السور ترتيبها توقيفي إلا براءة والأنفال". (مناهل العرفان: ۱/۳۵۰، ترتيب السور، دار إحياء التراث العربي)

(وكذا في الإتقان: ۱/۱۶۱، ۱۳۰، النوع الثامن عشر، دار ذوي القربى)

(و مرقاة المفاتيح: ۴/۲۲۷، ۲۳۰، كتاب فضائل القرآن، رشيديه)

(۱) "اعلم أن من استخف بالقرآن أو المصحف أو بشيء منه أو سبهما، أو جحده أو حرفاً منه أو آيةً، أو كذب به أو بشيء منه، أو كذب بشيء مما صرح به من حكم أو خبر، أو أثبت ما نفاه أو نفى ما أثبته على علم منه بذلك، أو شك في شيء من ذلك، فهو كافر عند أهل العلم بإجماع، قال الله تعالى: ﴿لا يأتيه الباطل من بين يديه و لا من خلفه، تنزيل من حكيم حميد﴾. (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، الفصل التاسع، الحكم بالنسبة للقرآن: ۲/۲۹۲، دار الأرقم)

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ فرقہ قرآنِ کریم کو محرّف مانتا ہے، اس کا ایمان قرآن پر نہیں (۱)، جب پورا قرآن بھی اس کے پاس نہیں تو یہ اہلِ کتاب بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

سورہ فاتحہ کس پارہ کا جز ہے؟

سوال[۱۱۳۳] : سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی سورۃ ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو کون سے پارہ کی سورۃ ہے؟ نیز یہ کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے سے نماز میں تو کوئی قصور واقع نہیں ہوتا؟ نیز شانِ نزول وغیرہ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سورہ فاتحہ (الحمد شریف) بالیقین کتاب اللہ قرآن شریف کی سورت ہے، مصحفِ عثمانی میں سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہے، اس کے بعد سورۂ بقرہ ہے، بچوں کی تعلیم میں سہولت کی خاطر پارہ عم میں خلاف ترتیب سورتیں لکھی گئی ہیں۔ سورۂ فاتحہ نماز میں (امام، منفرد کے لئے) پڑھنا واجب ہے، اور اس کے ساتھ سورت یا تین آیات کی مقدار پڑھنا بھی واجب ہے (۲) اور نفسِ قرأت فرض ہے، اگر صرف فاتحہ پر کفایت کی تو نفسِ قرأت کا فریضہ اور سورۃ فاتحہ کا وجوب تو ادا ہو گیا (۳) مگر ضمِ سورۃ کا وجوب ادا نہیں ہوا۔ اگر بھولے سے واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، عمداً واجب ترک کرنے سے اعادۂ نماز واجب ہوتا ہے (۴)۔ شانِ نزول اور مزید معلومات

---

(۱) ''وجواب این مطعن راحق تعالیٰ خود متکفل شد، جائے کہ فرمودہ: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ ہر چہ در حمایت وکلایتِ الٰہی باشد بشر راچہ امکان کہ دراں نقص وکمی را راہ دہد .... اھ''۔ (تحفۂ اثنا عشریہ، باب دوم در مکائد شیعہ و طریق اضلال و تلبیس، کید سیزدہم، ص: ۴۸، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) ''تجب قرأة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة، كذا في النهر الفائق''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشيديه)

(۳) ''الفصل الأول في فرائض الصلاة .... و منها القرأة، و فرضها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يتأدى بآية واحدة الخ''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة : ۱/۶۹، رشيديه)

(۴) .... الأصل في هذا المتروك ثلاثة أنواع : فرض وسنة وواجب ...... وفي الثالث إن ترك =

''لباب المنقول''، ''الدرالمنثور''(۱)، ''مفاتیح الغیب''(۲) وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۰ھ۔

کتبِ سماویہ کی زبان

سوال [۱۱۳۴]: تورات، زبور، انجیل، صحف ابراہیم وموسیٰ کس زبان میں تھیں، عربی یا سریانی؟ سوائے تاریخ کے قرآن وحدیث سے ان کتابوں کی زبان کی تحقیق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو تحریر فرمایئے اور اگر صرف تاریخ ہی سے پتہ چلتا ہے تو بحوالۂ کتب تحریر فرمایئے، جو حضرت عیسیٰ وموسیٰ وحضرت داؤد علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نزول ہر کتاب کا عربی زبان میں ہوا پھر ہر رسول نے اس کتاب کا اپنی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کو سمجھایا، قیامت کو سب کی زبان سریانی ہوگی پھر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ان کی زبان عربی ہوجائے گی، سفیان ثوری سے ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے، كذا في تفسير ابن كثير: ۳۴۷/۳ (۳)۔ شیخ

= ساهياً يجبر بسجدتي السهو، وإن ترك عامداً، لا...... لايجب السهو في العمد، وإنما تجب الإعادة جبراً لنقصانه، كذا في البحر الرائق........ وإذا ترك الفاتحة في الأوليين أوإحداهما يلزمه السهو". (الفتاوى العالمكيرية: ۱۲۶/۱، رشيديه)

(۱) (الدر المنثور في التفسير الماثور، سورة الفاتحة: ۵،۳/۱، مؤسسة الرسالة، بيروت)

(وكذا راجع للتفصيل الإتقان للسيوطي، المسئلة الخامسة ...... لنزول الآية أسباباً متعددة الخ الإتقان، النوع التاسع معرفة سبب النزول: ۱/۲۰، ذوى القربى)

(۲) (التفسير الكبير: ۲۱۶/۱-۲۱۸، اشتراط الفاتحة في الصلاة، دار الكتب العلمية، طهران)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۴۹۵، تتمات فيما يكره من القران، سهيل اكيدمى)

(والفتاوى العالمكيرية: الباب الخامس في آداب المسجد والمصحف: ۳۲۳/۵، رشيديه)

(۳) "وقال سفيان الثورى: لم ينزل وحى إلا بالعربية، ثم ترجم كل نبى لقومه، واللسان يوم القيامة بالسريانية، فمن دخل الجنة تكلم بالعربية. رواه ابن أبى حاتم". (تفسير ابن كثير: ۴۶۳/۳، الشعراء، تحت قوله تعالى: ﴿بلسان عربى مبين﴾ رقم الآية: ۱۹۵، دار السلام رياض)

عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواهر : ۹٤/۱ ، میں لکھا ہے: کہ قرآن، تورات، انجیل، سب کلام اللہ ہیں، اول عربی میں، ثانی عبرانی میں، ثالث سریانی میں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر عربی میں قرآن لکھنا

استفتاء سوال[۱۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس بارے میں کہ مقامی ایک نیم عالم صاحب نے قرآن حکیم کو بنگلہ خط میں اور ترجمہ میں لکھا ہے، جس کے شروع میں کہتے ہیں ''کہ یہ حروف بنگالیوں کے لئے ہیں''۔ لفظ بنگالی کی تشریح نہیں کی، آیا بنگالی مسلمانوں کے لئے ہے یا اور کسی کے لئے ہے۔ یہ تو سرخی ہوئی، دوسرے صفحہ پر انھوں نے ''اللہ'' کو (لفظ) اس شکل میں لکھا ہے، لوگوں نے دریافت کیا تو جواب دیا گیا کہ یہ ہماری چیز تھی جو ہندوؤں نے لے لی، نیز ''مذہب اسلام کیا ہے'' اور ''مسلمان کسے کہتے ہیں'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ ''مسلمان اسے کہتے ہیں جو موسیٰ، عیسیٰ، محمد، کرشن جی پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو نبی مانتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''ھاکر'' یعنی ڈاکیہ، ہرکارے بتلایا ہے، حضور اکرم۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے تکریم کے مناسب الفاظ بھی لانا اپنی دانست میں مناسب نہ سمجھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

بنگلہ خط میں قرآن حکیم لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''قال اشهب رحمه الله تعالى: سئل مالك هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا إلا على الكتبة الأولى. رواه الداراني في المقنع. ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة. وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان رضي الله تعالى عنه في واو أو ياء أو ألف أو غير ذلك۔ وقال البيهقي في شعب الإيمان: من يكتب مصحفاً ينبغي أن يحافظ على الهجاء التي كتبوا به تلك المصاحف، ولايخالفهم، ولا يغير مما كتبوه شيئاً فإنهم كانوا أكثر علماً وأصدق قلباً ولساناً وأعظم أمانةً منا، فلا ينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكاً عليهم اهـ''.

---

(۱) ''فإن عبر عن كلام الله تعالىٰ بالعربية كان قرآناً، وبالسريانية كان إنجيلاً، وبالعبرانية كان توراةً''.
(اليواقيت والجواهر للشعراني، ص: ۹۴، مكتبه عباس بن عبد السلام، مصر)

اتقان، النوع السادس والسبعون: ۲/۱۹۶(۱)۔

"وصرح بتحريم كتابته بالعجمية في الفتاوى الكبرى: ۱/۳۸ (۲): قال بعض أئمة القراء ة: ونسبته إلى مالك؛ لأنه المسئول عن المسئلة، وإلا فهو مذهب الأئمة الأربعة، وقال أبوعمرو: ولا مخالف له في ذلك من علماء الأمة، وقال بعضهم: والذي ذهب إليه مالك هو الحق؛ إذ فيه بقاء الحالة الأولى إلى أن يتعلم الآخرون، وفي خلافها تجهيل اخر الأمة أولهم وإذا وقع الإجماع كما ترى على منع ما أحدث الناس اليوم من مثل كتابة الربو بالألف مع أنه موافق للفظ الهجاء، فمنعُ ما ليس من جنس الهجاء أولى، وزعم أنه كتابته بالعجمية فيها سهولة للتعلم كذبٌ مخالفٌ للواقع والمشاهدة، فلا يلتفت لذلك على أنه لو سلم صدقه، لم يكن مبيحاً لإخراج ألفاظ القران عما كتبت عليه وأجمع عليه السلف و الخلف اه"۔ والمسئلة مذكورة في اكام النفائس ايضا، ص: ۲٤(۳)۔

عباراتِ منقولہ بالا سے معلوم ہوا کہ مصحفِ عثمانی کے رسمِ خط کی رعایت ومتابعت لازم وضروری ہے اوراس کے خلاف لکھنا اگرچہ وہ عربی رسم خط میں ہی کیوں نہ ہو، ناجائز اور حرام ہے اوراس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے بلکہ علمائے امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں تو یہ اجماعی مسئلہ ہوا، پھر غیر عربی بنگلہ وغیرہ رسم خط میں لکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، اس میں تو جواز کا کوئی احتمال ہی نہیں۔لہٰذا صورتِ مسئولہ بالاجماع ناجائز ہے، بعض حروف عربی کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے: طاء، حا، ض، ظ، وغیرہ، یہ حروف دوسری زبان میں استعمال ہی نہیں ہوتے، ان کے لئے ان زبانوں میں نہ صوت ہے، نہ شکل وصورت ہے تو لامحالہ ان کی جگہ دوسرے حروف لکھے جائیں گے جو کہ بنگلہ میں مستعمل ہیں اور یہ عمداً تحریف وتغییر ہے جو کہ حرام ہے۔البتہ اگر متنِ قرآن کریم تو

---

(۱) (الإتقان في علوم القرآن: ۲/۳۲۸، النوع السادس والسبعون، في مرسوم الخط وآداب كتابته، دار ذوي القربى)

(۲) (الفتاوى الكبرى الفقهية: ۱/۳۸، باب النجاسة، المكتبة الإسلامية، تركي)

(۳) (آكام النفائس، ص: ۵۳، في ضمن رسائل الكنوي: ۴/۳۸۵، ادارة القرآن).

(وكذا في الإتقان في علوم القرآن، للسيوطي: ۱/۱۲۶ - ۱۲۹، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه، دار ذوي القربى)

عربی اصل رسم خط میں ہو، اور اس کا ترجمہ وتفسیر بنگلہ زبان میں ہو تو شرعاً مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولی/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سلف صالح کا اتباع اور پیروی ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔ فقط۔ زکریا قدوسی

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ مدرسہ ہذا۔ ہذا الجواب ہو الحق و بالاتباع أحق، امیر احمد کاندھلوی کان اللہ لہ

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن غفرلہ۔ احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

اردو میں قرآن پاک پڑھنا

سوال [۱۱۳۶]: آج کل لوگ اردو کا قرآن پاک پڑھ رہے ہیں، ایسے قرآن شریف پڑھنا یا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اردو میں قرآن پاک لکھنا اور چھاپنا اور فروخت کرنا اور خریدنا درست نہیں، اصل عربی کے ساتھ ترجمہ بھی ہو تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

---

(۱) قال المحقق ابن همام: "و في الكافي: إن اعتاد القرآن بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع، فإن فعل اٰية او اٰيتين لا، فإن كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمته جاز الخ". (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۸۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في رد المحتار: ۱/ ۴۸۶، مطلب في بيان المتواتر و الشاذ، سعيد)

(و كذا في مناهل العرفان: ۲/ ۳۸، دار احياء التراث العربي)

ترجمۂ قرآن بغیر عربی عبارت کے

سوال[۱۱۳۷]: قرآن شریف کو بغیر عربی کے صرف اردو ترجمہ کے ساتھ چھاپنا کیسا ہے اور اس کو خریدنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر عربی کے محض اردو یا کسی بھی زبان میں قرآن شریف کو لکھنا چھاپنا منع ہے، اتقان میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل ہے(۱)۔

قال العلامة الشامی: "فی الفتح عن الکافی: إن اعتاد القرأة بالفارسیة أو أراد أن یکتب مصحفاً بها یمنع اهـ". شامی: ۱/۳۲۶(۲).

اس سے خریدنے اور بیچنے کی بھی ممانعت معلوم ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

قرآن کریم ہندی میں لکھنا

سوال[۱۱۳۸]: ہندی میں جو قرآن کریم جماعت اسلامی ہند نے شائع کیا ہے اس کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور عربی رسم الخط عربی قرآن جو ہے، اس کو تلاوت کرتے ہیں تو ان میں افضل کون ہے، عربی رسم الخط یا ہندی، کس کی تلاوت کا ثواب زیادہ ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظِ قرآن کو عربی رسم الخط میں لکھنا ضروری ہے، ہندی یا کسی اور رسم الخط میں لکھنے کی اجازت نہیں(۳)۔ اتقان

---

(۱) (الإتقان فی علوم القرآن، النوع السادس والسبعون فی مرسوم الخط الخ: ۲/۳۲۸، ذوی القربی)

(۲)(ردالمحتار: ۱/۴۸۶، مطلب فی بیان المتواتر والشاذ، سعید)

(کذا فی فتح القدیر، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(ومناهل العرفان: ۲/۳۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۳) "و فی الکافی: إن اعتاد القرآن بالفارسیة، أو أراد أن یکتب مصحفاً بها یمنع، فإن فعل اٰیةً أو اٰیتین لا، فإن کتب القرآن و تفسیر کل حرف و ترجمته جاز الخ". (فتح القدیر، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصر) =

میں اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے(۱)۔ ہندی رسم الخط میں لکھنے سے عبارت مسخ ہو جائیگی، ح، ذ، ز، ض، ظ میں نمایاں فرق نہیں رہے گا، سب کی صورت یکساں ہوگی، اصل مخارج وصفات سے ان کو ادا نہیں کیا جائے گا۔ استعلاء، اطباق، استطالت، سب کچھ ضائع کر دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

اُڑیہ زبان میں قرآن وحدیث کا لکھنا

سوال[۱۱۳۹]: ہمارے علاقے میں اپنی صوبائی زبان اُڑیہ زبان کے علاوہ کسی اور زبان کو عام طور پر صحیح نہیں جانتے، اکثر لوگ دوسری زبان سے بالکل ہی ناواقف ہیں، خاص طور پر عربی اور اردو زبان سے بالکل نابلد ہیں، لہذا احکام اسلام سیکھنے کے مشتاق ہونے کے باوجود سیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے ان لوگوں کی خواہش ہے کہ احکام اور ارکانِ اسلام اور تمام ضروری مسائل اُڑیہ زبان میں شائع کرائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، لہذا کیا اس مجبوری کی صورت میں مندرجہ ذیل مسائل واحکامات اُڑیہ زبان میں سیکھ سکتے ہیں؟

۱.....کیا کلام اللہ کی چھوٹی چھوٹی سورتیں جو نماز کے لئے ضروری ہیں اس کو اڑیہ زبان میں لکھ سکتے ہیں؟

۲.....کیا کلام اللہ کی اسلام اور ارکان اسلام کی فضیلت والی آیتیں اور دعائیں بھی لکھ سکتے ہیں؟

۳.....کیا احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فضائل واحکام سے متعلق ہیں، نیز دوسری دعائیں ان کو بھی لکھ سکتے ہیں؟

۴.....کیا اس مجبوری کے تحت کلام اللہ کی تفسیر وترجمہ اس متعلقہ زبان میں کر سکتے ہیں؟ براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مع دلائل وحوالۂ کتب وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

= (وكذا في رد المحتار: ۲۸۶/۱، مطلب في بيان المتواتر والشاذ، سعيد)

(۱) "وقال أشهب: سئل مالک هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى..... وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان رضي الله عنه في واو، أوياء أو ألف أو غير ذلک". (الإتقان في علوم القرآن النوع السادس والسبعون، في مرسوم الخط و اداب كتابته: ۳۲۸/۲، دار ذوي القربى)

(وكذا في مناهل العرفان في علوم القرآن: ۳۸۰/۲، دار احياء التراث العربي)

فقط

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآنِ کریم اوراحادیث کی دعائیں اصل عربی رسم الخط میں لکھ کران کا ترجمہ اورتفسیر اورتشریح اپنی اُڑیہ زبان میں کر سکتے ہیں۔فتح القدیر اوردیگر کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے(۱)۔محض اُڑیہ یا کسی اَورزبان میں (عربی کے علاوہ) قرآن پاک کولکھنا بالاجماع ناجائز ہے، کذافی الإتقان(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۲۴/۴/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال المحقق ابن همام رحمه الله تعالیٰ : "و فی الکافی: إن اعتاد القرآن بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع ، فإن فعل اٰيةً أو اٰيتين، لا، فإن كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمته جازالخ". (فتح القدير ، باب صفة الصلاة : ۱/۲۸۶، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی رد المحتار: ۱/۴۸۶،مطلب فی بيان المتواتر والشاذ، سعيد)

(۲) "وقال أشهب : سئل مالک هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى .... وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان رضی الله عنه الخ".

(الإتقان: ۳۲۸/۲ النوع السادس والسبعون ،، فی مرسوم الخط و اٰداب كتابته ، دار ذوی القربی).

(وكذا فی مناهل العرفان فی علوم القرآن: ۳۸/۲، دار إحياء التراث العربی)

حفظِ قرآن کا بیان

حفظِ قرآن اور ختم فرض ہے یا سنت؟

سوال[۱۱۴۰]: ماقولکم رحمکم الله تعالی فی الدنیا والآخرة: ہر شخص پر عمر بھر میں ایک ختم قرآن شریف پڑھنا یا سننا فرضِ عین ہے یا سنت موکدہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفظِ قرآن کرنا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے(۱)، تراویح میں ہر سال پڑھنا یا سننا سنت موکدہ ہے اور ہر چالیس روز میں ایک مرتبہ ختم کرنا مستحب ہے، کذافی الدر المختار: ۷۲۹/۱(۲)، والهندیه: ۳۱۷/۱(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۸/ ذیقعدہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم ۲۹/ ذیقعدہ/۶۰ھ۔

کیا قرآن کریم حفظ کرنا مفید نہیں مضر ہے؟

سوال[۱۱۴۱]: بکر کہتا ہے کہ کل کلام پاک کا حفظ کرنا-نعوذ باللہ- ایسا ہے کہ جیسے گندی نالی میں

---

(۱) "قوله: و حفظ جمیع القرآن الخ. أقول: لامانع من أن یقال: جمیع القرآن من حیث هو یسمی فرض کفایة و إن کان بعضه فرض عین و بعضه واجباً". (رد المحتار: ۵۳۸/۱، مطلب فی الفرق بین فرض العین و فرض الکفایة، سعید)

(و کذا فی الحلبی الکبیر: ص: ۴۹۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "ینبغی لحافظ القرآن فی کل أربعین یوماً أن یختم مرةً". (الدر المختار: ۷۵۷/۲، مسائل شتی عقیب کتاب الفرائض، سعید)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، فصل فی التراویح: ۱۱۷/۱، رشیدیه)

عطر کا چھڑکنا کہ بعد حفظ نہ کلام پاک کا احترام کیا جاتا ہے نہ یاد رکھا جاتا ہے جس کی ذمہ داری استاذ پر ہے، ممکن ہے کہ قیامت میں استاذ کی پکڑ ہو۔

عمر، بکر کو کہتا ہے کہ ایسے پرفتن زمانے میں مسلمانوں کو کلام پاک کا حفظ کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ بچے دین سے واقف رہیں، اور کلام پاک کو بھلا دینا یہ ان کا اپنا فعل ہے، استاذ پر کوئی ذمہ داری نہیں، استاذ کو حفظ کلام پر آمادگی ورثاء وذمہ داروں کی ہے اور وہ اساتذہ دوہرے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کا قول درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جس کو کلام پاک کچا یاد ہو، کیا وہ بھی بخشش کرائے گا؟

سوال[۱۱۴۲]: ایک آدمی نے حفظ کرنا شروع کیا اور پورا کرلیا، ایسا کیا کہ جو پارہ استاذ کو سنانا ہوا اور سنایا مگر سناتے وقت دسیوں غلطیاں ہوئیں اور کبھی غلطیوں کی وجہ سے بھگا دیا کہ جاؤ یاد کرو، ابھی یاد نہیں ہے، ایسے ہی قرآن شریف ختم ہوگیا اور رمضان میں کبھی قرآن شریف (تراویح) پورا نہیں کیا، بس دو چار پارے سنایا اور حفظ وغیرہ کی پگڑی وغیرہ کچھ نہیں بندھی۔ ایسے شخص کو حافظ مانا جائے گا یا نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ حافظ دس آدمیوں کو بخشوانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ یہ حافظ بہت بیمار رہتا ہے یعنی زکام اور خواب ہو جانے کا بہت بڑا مرض ہے، لگاتار اس مرض میں مبتلا ہے، اس لئے دماغ کی کمزوری بہت رہتی ہے، صحیح یاد نہیں ہوتا، چھوٹی چھوٹی سورتیں تک بھول جاتا ہے۔ قیامت کو یہ حافظ اللہ تعالیٰ کے ہاں اندھا تو نہیں اٹھایا جائے گا؟ قرآن شریف دیکھ کر روزانہ پڑھتا ہے ایک دو پارہ، ناغہ نہیں کرتا، پنج وقتہ نماز پڑھتا ہے، امام بھی ہے۔

---

(۱) حضرات فقہائے کرام نے قرآن مجید کے حفظ کرنے کو فرض کفایہ لکھا ہے: قال العلامة التمرتاشي: "حفظ جميع القرآن فرض كفاية". (الدر المختار: ۱/۵۳۸، مطلب في الفرق بين فرض العين و فرض الكفاية، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير: ۴۹۵، سهيل اكيدمي)

(وفتاوى قاضي خان على هامش العالمكيرية: ۱/۲۳۸، فصل في مقدار القراءة في التراويح، مكتبه رشيديه، كوئته)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب وہ روزانہ دیکھ کر تلاوت کرتا رہتا ہے اور دماغ کی کمزوری کی وجہ سے محنت کے باوجود یاد نہیں ہوا تو وہ اندھا نہیں اٹھایا جائے گا (۱) اور اس کو محنت کا پورا اجر ملے گا (۲) اور امید ہے کہ وہ بخشش بھی کرا دے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا حافظ کو غیر حافظ پر فوقیت ہے؟

سوال [۱۱۴۳]: زید کہتا ہے کہ حاجی مقتدی پر حافظ قرآن کا مرتبہ زیادہ ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر حافظ پر حافظ کو فوقیت حاصل ہے، امام کو مقتدیوں پر فوقیت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

---

(۱) اندھا اٹھائے جانے کی وعید ایسے شخص کے حق میں ہے کہ جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو، ورنہ تو یہ وعید نہیں: "والنسیان عندنا أن لا یقدر أن یقرأ بالنظر، کذا فی شرح شرعة الإسلام". (بذل المجهود فی حل أبی داؤد: ۱/۲۶۶، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، قالت عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذی یقرأ القرآن، و یتتعتع فیه، وهو علیه شاق، له أجران".

(الصحیح للبخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: ۴۹۳۷، دار السلام، ریاض)

(۳) "الأولیٰ بالإمامة أعلمهم بأحکام الصلاة .... فإن تساووا فأقرؤهم: أی أعلمهم بعلم القرأة". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الخامس فی الإمامة: ۱/۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

و قال علیه الصلاة والسلام: "یؤم القوم أقرؤهم لکتاب الله، فإن کانوا فی القرأة سواء الخ".

(الحلبی الکبیر، فصل فی الإمامة، ص: ۵۱۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

بستی میں کوئی حافظ نہیں

سوال[۱۱۴۴]: ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں ہے، زید کہتا ہے کہ حفظ کرنا فرض کفایہ ہے، اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑی محرومی کی بات ہے کہ وہاں پر کوئی حافظ نہیں، کوشش کرکے حفظ کی طرف توجہ دلانی چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۴/۱/۹۵ھ۔

قرآن شریف بھول جانے پر وعید

سوال[۱۱۴۵]: ایک شخص نے قرآن شریف کو حفظ کیا تھا لیکن غفلت سے بھول گیا، اب ضعیفی میں اس کو خیال ہوا لیکن یاد نہیں ہوتا، اگر اس کے بجائے نفل نمازوں کی کثرت کرے تو کیا اس وعید سے بچ سکتا ہے جو یاد کرکے بھلا دینے پر ہے یا یاد کرنے میں لگا رہنا بہتر ہے، خواہ یاد ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ وعید اس وقت ہے کہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو، بذل المجہود: ۱/۲۶۶ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال العلامة التمرتاشي: "و حفظ جميع القرآن فرض كفاية". وقال ابن عابدين: "فرض الكفاية" معناه فرض ذو كفاية: أي يكتفى بحصوله من أيّ فاعل كان". (رد المحتار، مطلب في الفرق بين فرض العين و فرض الكفاية: ۱/۵۳۸، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير: ۴۹۵، سهيل اكيڈمي)

(۲) "والنسيان عندنا أن لا يقدر أن يقرأ بالنظر، كذا في شرعة الإسلام". (بذل المجهود في حل أبي داؤد: ۱/۲۶۶، باب فضل كنس المسجد، مكتبه امداديه ملتان)

وفي الحلبي الكبير: "والنسيان أن لا يمكنه القرأة من المصحف". (ص: ۴۹۸، تتمات فيما يكره من القرآن، سهيل اكيڈمي)

قرآن پاک حفظ کر کے بھول جانا

سوال[۱۱۴۶]: جو شخص حافظ ہے قرآن مجید بھول گیا، کیا حافظ کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بھول جانیوالا گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن مجید کو یاد کر کے بھلا دینا بہت بڑی ناقدری ہے اور ایک نعمتِ عظمیٰ کی ناشکری ہے اور ناشکری پر وعید آئی ہے: ﴿لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد﴾ (الآية)(۱)۔

ایسے شخص کو خود حافظ ہونے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے، اگر لوگ اس اعتبار سے حافظ کہیں کہ اس نے حفظ کیا تھا تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

درجۂ حفظ سے انگریزی تعلیم میں جانا

سوال[۱۱۴۷]: معہود مدرسہ عرصہ دراز سے بغرضِ ترویجِ امورِ دینیہ قائم ہے، حفظِ قرآن کی تعلیم تھی، اس کے ساتھ ساتھ بغیر درجہ بندی اردو کی بھی تعلیم ہوتی تھی مگر حفظِ قرآن کو غلبہ رہا۔ اسی درجہ میں طلبہ کی کثرت رہی اور بحمد اللہ حفظ کا اچھا خاصا کام ہو رہا تھا، سرکاری ہندی وغیرہ کے پرائمری اسکول تھے جو خالص دنیوی اور عقائد شکن تھے، ایسی صورت میں مسلم لڑکوں کا کتنا عقیدہ خراب ہوتا تھا ناگفتہ بہ ہے۔ حالات کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے سرپرستانِ مدرسہ نے معہود مدرسہ کے اندر باقاعدہ درجہ بندی کرا کے پرائمری کا

---

(۱) (سورة إبراهيم: ۷)

قال الحافظ ابن كثير: "(ولئن كفرتم): أى كفرتم النعم و سترتموها و جحدتموها (إن عذابي لشديد) و ذلك بسلبها عنهم و عقابه إياهم على كفرها". (تفسير ابن كثير: ۲/ ۹۰۰، دار السلام رياض)

لیکن قرآن کریم بھلا دینے کا معیار یہ ہے کہ قرآن کریم دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے: "إذا حفظ الإنسان القرآن، ثم نسيه، فإنه يأثم، و تفسير النسيان أن لا يمكنه القرأة من المصحف الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۳۱۷، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح و قرأة القرآن، رشيديه)

نصاب قائم کرایا اور انجمن سے الحاق کرایا تاکہ لڑکے پرائمری تک اس میں تعلیم حاصل کریں عقائد کی درستگی کے ساتھ، پھر آگے انگریزی میں داخل ہونا چاہیں تو الحاق ہونے کے ناطے اسی سرٹیفکٹ سے بلا رکاوٹ داخلہ لے لیں تاکہ کم از کم ابتدائی تعلیم تو ایسی رہے کہ ان کے اندر اسلامی داغ بیل پڑی رہے۔ ظاہر ہے اس نظریہ کے فوائد سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ سارے اخراجات کی تکمیل انہیں رقوم سے کی گئی جو خالص قرآن کی تعلیم و دینیات کے لئے آتی رہیں۔ اور پرائمری تعلیم کے لئے یہ تنصیف انہیں طلباء کے اندر کی گئی جو غالب طور پر حفظِ قرآن کے لئے رہتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درجہ پرائمری کو عروج و فروغ ہوا اور عوام بھی کسی حد تک زمانے کے ساتھ ہوجانے کے باعث مطمئن ہوگئے اور پرائمری کے وجود سے طلبہ کی تعداد میں بھی غیر متوقع اضافہ ہوا، گو کہ یہاں سے نکل کر انگریزی مدرسہ میں داخل ہوجانے کے بعد نہ تو اس کی زہریلی فضا سے وہ بچ سکے اور نہ خود اپنی بنیادی ساکھ جس پر انہیں چند سال تک باقی رکھا گیا تھا محفوظ رہ سکے، اس طرح درجہ پرائمری کے وجود کا اولین مقصد تقریباً فوت ہوگیا۔

اس کے برعکس درجۂ حفظ و دینیات پر یہ اثر پڑا کہ اس درجہ میں طلبہ انتہائی قلیل و محدود رہ گئے، جہاں سال میں کئی جدید طلباء داخل ہوتے رہے وہ درجہ بندی کی زد میں آگئے اور جو پرائمری سے نکلے وہ انگریزی کے پیچھے دوڑ پڑے، اس کے لئے گویا کہ مدرسہ نے ہی راستہ ہموار کیا۔ مزید غضب یہ ہوا کہ طلباء قدیم ماحول نہ پاکر نیز درجہ کا شیرازہ بکھر جانے کے باعث خود درجہ حفظ والے بھی چھٹنے لگے اور مدرسہ کے غیر تجربہ کار اراکین کا موہوم ارتقائی فلسفہ قیام مدرسہ کے اولین مقصدِ عظیم کے لئے ناسور بن گیا۔ طرفہ تماشہ یہ کہ نہ تو انہیں اس کا احساس ہے نہ اس پہلو سے وہ سوچنے کے عادی ہیں۔ ایسی صورت میں مدرسہ کا موجودہ طرزِ تعلیم باقی رکھ کر حفظ قرآن کی زیاں کاری برداشت کی جائے، یا سابق طریقۂ تعلیم کو مکرر معرضِ وجود میں لایا جائے؟ حضرات مفتیانِ کرام آراءِ عالیہ سے بہرہ ور فرمائیں۔ تفصیل پر مجموعی حیثیت سے روشنی ڈالیں اور مفہوم کا اجمال درج ذیل ہے:

۱…… قرآن پاک اور عربی تعلیم کے طلبہ کے لئے آنے والی زکوٰۃ وصدقات کی رقموں سے پرائمری درجوں کو چلانا اگر مآل کے اعتبار سے وہ انگریزی کا زینہ بنیں تو کیا حکم ہے؟

۲…… درجہ پرائمری کے قیام سے گو وہ مصلحۃً ہی ہو اور عامۃ المسلمین کے اصرار و خواہش کے مطابق ہی ہو مگر درجہ حفظ کی تعلیم پر غیر معمولی اثر نہ پڑے تو کیا حکم ہے؟

۳.....مدرسہ کا ایسا عملہ جس میں فساق وفجار غالب ہوں اور مدرسہ کے تعلیمی وتربیتی نشوونما کے طریقوں سے یکسر ناواقف ہوں، ان کی عہدہ داری کیا حیثیت رکھتی ہے؟

نسیم اللہ مظاہری، مدرسہ باب العلوم، قصبہ باپونج، پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اندازِ سوال سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی اس کے متعلق سوال کر کے کوئی جواب حاصل کیا گیا ہے، اگر ایسا ہے تو بہتر ہوتا کہ وہ سوال و جواب بھی ہمرشتہ ارسال کر دیا جاتا، نوعیت سوال کے پیش نظر جواب کا بدل جانا کچھ مستبعد نہیں۔ موجودہ سوال کا جواب نمبر وار تحریر ہے:

۱.....جائز نہیں (۱)۔

۲.....اجازت ہے (۲)۔

۳.....مضر وممنوع ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدہ: ۲)

قال الحافظ إبن كثير في تفسير هذه الآية: "يأمر تعالى عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات ...... و ينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم الخ". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، سورة المائده، مكتبه دار السلام، رياض)

(و كذا في أحكام القرآن: ۲/۲۹، قديمي)

(۲) "و إن غرس للمسجد لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد ...... الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق: ۵/۳۴۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۳) "إذا وُسّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة". (مرقاة المفاتيح: ۹/۳۳۴، كتاب الفتن، رشيديه)

"في الإسعاف: لا يُوَلّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه أو يستوى فيه الذكر والأنثى الخ".

(الفتاوى العالمكيرية: ۲/۴۰۸، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۸، كتاب الوقف، رشيديه)

آدابِ قرآن کا بیان

قرآن پاک کو بے وضو چھونا کیسا ہے؟

سوال[۱۱۴۸]: قرآن کو بے وضو چھونا کیسا ہے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ﴿لا یمسه إلا المطهرون﴾ سے باوضو چھونے کا حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "المطهرون" سے فرشتے مراد ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بحوالہ تفسیر وحدیث تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

﴿لا یمسه﴾ کو اگر خبر مانا جائے تو ﴿مطهرون﴾ سے مراد ملائکہ ہیں اور ضمیر مفعول راجع ہوگی ﴿کتاب مکنون﴾ کی طرف جس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اگر اس کو نہی مانا جائے تو اس سے مقصد یہ ہوگا کہ قرآن پاک کو بلا طہارت کے مس نہ کیا جائے (۱)۔ حافظ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اس کو اولیٰ قرار دیا ہے اور حدیث عمرو بن حزم کو استدلال میں پیش کیا ہے:

"إنه كتب في كتابه لعمرو بن حزم: ولا يمس القرآن إلا طاهر". فوجب أن يكون نهيه ذلك بالآية اهـ". أحكام القرآن (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

معلم معذور کا قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ لگانا

سوال[۱۱۴۹]: اگر کوئی معلم قرآن شریف پیٹ کا مریض ہو، اس کا وضو زیادہ دیر تک نہ رہتا ہو،

---

(۱) "وقال العوفي: عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: (لايمسه الا المطهرون) يعني الملائكة. وعن قتادة (لا يمسه إلا المطهرون) قال: لا يمسه عند الله إلا المطهرون الخ. و قال ابن زيد: زعمت كفار قريش أن هذا القرآن تنزلت به الشياطين، فأخبر الله تعالىٰ أنه لايمسه إلا المطهرون. وقال الآخرون: (لا يمسه إلا المطهرون): أي من الجنابة والحدث". (تفسير ابن كثير: ۲۹۸/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (أحكام القرآن: ۶۲۱/۳، قديمي)

(كذا في رد المحتار: ۸۹/۱، مطلب في اعتبارات المركب التام، سعيد)

اس کے لئے بغیر وضو کے یا تیمم سے قرآن شریف چھونے میں کچھ گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا شخص رومال ہاتھ میں لے کر اس سے چھولیا کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

طلبہ کا بے وضو قرآن پڑھنا

سوال[۱۱۵۰]: طلباء کو قرآن شریف وضو سے پڑھنا چاہئے یا بلا وضو، اگر پانی کا طلباء کے لئے انتظام نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو طلبہ بالغ ہوں ان کو قرآن شریف ہاتھ میں لیکر با وضو پڑھنا چاہئے (۲) اور جو نابالغ ہوں ان کو بلا وضو بھی ہاتھ میں لیکر پڑھنا درست ہے (۳)، بالغ طلبہ کو اگر پانی کا انتظام دشوار ہو تو بلا وضو قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے، بلکہ کپڑے یا قلم وغیرہ سے ورق الٹنا چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

---

(۱) في مجمع الأنهر: "لا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح".

(۴۲/۱، كتاب الطهارة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۱۷۳/۱، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱۳۴/۱، كتاب الطهارة، امداديه ملتان)

(۲) "و يحرم به تلاوة القرآن بقصده ...... و مسه بالأكبر وبالأصغر مس المصحف، إلا بغلاف متجاف غير مشرز أو بصرة، به يفتى". (الدر المختار: ۱۷۲/۱، ۱۷۳، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا في الطحطاوي، ص: ۱۴۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۸/۱، رشيديه)

(۳) "و لا يكره مس صبي لمصحف و لوح، و لا بأس بدفعه إليه و طلبه منه للضرورة؛ إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر". (الدر المختار: ۱۷۴/۱ كتاب الطهارة، سعيد)

(۴) "ولايجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح، كالخريطة ونحوها".=

بے وضو بچوں کو قرآن کریم دینا

سوال[۱۱۵۱]: وہ نابالغ بچے جو پیشاب کرنے کے بعد پانی استعمال نہیں کرتے انہیں قرآن شریف پڑھنے کے لئے دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گنجائش ہے(۱) مگران کو طہارت کی ہدایت کی جائے اور عادی بنایا جائے۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

ریاحی مریض کے لئے قرآن کا چھونا

سوال[۱۱۵۲]: زید نے قرآن پاک حفظ کرلیا ہے،اب وہ پکا کرنا چاہتا ہے،چونکہ اسے تجارت کی غرض سے اکثر سفر کرنا پڑتا ہے اور وہ ریاحی مریض بھی ہے کہ اکثر ریاح خارج ہوتی رہتی ہے تو اس صورت میں کیا وہ دو ایک مرتبہ وضو بنا کر بار بار قرآن چھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں وہ شرعی معذور نہیں،اس کو چاہئے کہ رومال یا تولیہ ساتھ رکھے اس سے قرآن کریم کو پکڑے،بلا وضو ہاتھ نہ لگائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

= (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة: ۲:۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۲، ۱۷۳، سعيد)

(۱) في الدر: "(ولا) يكره (مس صبي لمصحف و لوح) و لا بأس بدفعه إليه و طلبه منه للضرورة، إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر". (الدر المختار: ۱/۱۷۴، كتاب الطهارة، سعيد)

(و كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۴۲، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۹، مطلب في أصح القولين، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، رشيديه)

(۲) "لايجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح". (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، ۱/۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(كذا في ردالمحتار: ۱/۱۷۳، كتاب الطهارة، سعيد) =

بلا وضو قرآن کریم لکھنا

سوال[۱۱۵۳]: بلا وضوء قرآن مجید کو لکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر کاغذ ہاتھ میں لے کر لکھتا ہے تو ناجائز ہے، اگر کاغذ کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ کاغذ کسی چیز پر رکھا ہوا اور اس پر صرف قلم چلتا ہو تو مکروہ ہے۔ طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بلا وضو کتبِ تفسیر کو ہاتھ لگانا

سوال[۱۱۵۴]: قرآن پاک کی تفسیر جس میں اکثر اردو ہے اور کہیں کہیں قرآن کریم کی آیتیں مکتوب ہیں، ایسی کتاب کو بغیر وضو ہاتھ لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسی کتاب کو بغیر وضو ہاتھ لگانا درست ہے لیکن جہاں قرآن پاک لکھا ہوا ہو اس کو ہاتھ نہ لگائے، خالی جگہ اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۳۴، كتاب الطهارة، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) "وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف: لأنه ليس بحامل للصحيفة، وكره ذلك محمد، وبه أخذ مشايخ بخارى الخ". (حاشية الطحطاوی، ص: ۱۴۴، قديمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۷۵، مطلب يطلق الدعا كتاب الطهارة، سعيد)

(۲) "وقد جوز بعض أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث .... لا يجوز مس مواضع القرآن منها، وله أن يمس غيرها بخلاف المصحف الخ". (حاشية الطحطاوی، ص: ۱۴۴، قديمی)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۷۷، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

کتبِ تفسیر کو بلا وضو مس کرنا

سوال[۱۱۵۵]: قاضی، مفتی، طلبہ خصوصاً کتب تفسیر وحدیث پڑھنے والے اگر صاحب اعذار ہوں تو ان کو ان کتابوں کا مس کرنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں، اگر مکروہ ہے تو کس درجہ کا، مکروہ نہیں تو کیوں، جو بھی متعین ہو اس کے مرتکب پر شرعاً کیا حکم ہے؟ تصریح اعذار موصوفہ کے رات و دن اکثر اوقات میں ممارست و مزاولت کتب مذکورہ ہوتی رہتی ہیں مثلاً بوقتِ مطالعہ وتکرار سبق علاوہ اس کے مثلاً مطالعہ کر رہا ہے اتفاق سے نیند آ گئی دوبارہ وضو کیا، پھر ثانیاً وثالثاً اس قسم کا واقعہ پیش آتا رہا۔

فرض کیجئے اگر مقام وضو نیز دور ہو اور موسم سردی بھی ہو اور ان اوقات میں اگر وضو کے پابند ہوں گے تو مذکورہ امور میں سخت نقصان واقع ہوتا ہے اور ان پر مخفی نہ رہے کہ اعذار مسطورہ ہوتے ہوئے تیمم کر لینا کافی ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمادیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صورتِ مسئولہ میں مس کرنا مکروہ نہیں:

"ویکره أیضاً للمحدث و نحوه مس تفسیر القرآن و کتب الفقه و کذا کتب السنن؛ لأنها لا تخلو عن آیات، و هذا التعلیل یمنع مس شروح النحو أیضاً، و فی الخلاصة: و کذا کتب الأحادیث والفقه عندهما، و الأصح أنه لا یکره عند أبی حنیفة رحمه الله تعالی انتهی. ووجه قول أبی حنیفه رحمه الله تعالی أنه لا یسمی ما ساً للقرآن؛ لأنه ما فیه منه بمنزلة التابع، فکان کما لو توسد خرجاً فیه مصحف أو رکب فوقه فی السفر وإن أخذه: أی التفسیر و کتب الفقه بکمه لا بأس به: لأن فیه ضرورة لتکرر الحاجة إلی أخذه زیادة علی الحاجة إلی أخذ المصحف؛ لأن القرآن یقرأ حفظاً فی الغالب بخلاف التفسیر والفقه، وهذا الفرق إنما یحتاج إلیه علی قول من کره مس القرآن بالکم اهـ". غنیة المستملی للحلبی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الحلبی الکبیر، ص: ۵۹ مطلب فی أصح القولین، سهیل اکیڈمی لاهور) =

3

بے وضوو غسل کتابیں پڑھنا

سوال[۱۱۵۶]: وہ کتاب جس میں قرآن وحدیث لکھی ہوئی ہو علاوہ فقہ واصول کے مثلاً نحو کی کتاب ہو تو ایسی کتاب کو بے وضو پڑھنا کیسا ہے؟ اور وہ کتاب جس میں بجز بسملہ کے اور قرآن وحدیث لکھی ہوئی نہ ہو مثلاً منطق کی کتاب ہے تو ایسی کتاب کو جنبی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ نیز مفسرین کو بے وضو چھونا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی نحو کی کتاب کو بغیر وضو پڑھنا درست ہے، ایسی کتاب جنب پڑھ سکتا ہے، بروقت ضرورت جائز ہے مگر بہتر نہیں (۱) اور جب چھوئے تو جس جگہ قرآن شریف لکھا ہے اس جگہ پر ہاتھ نہ لگائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم، ۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

بے وضو قرآن پاک چھونے اور بے غسل مسجد میں جانے کی توبہ سے معافی

سوال[۱۱۵۷]: ایک آدمی نے بے وضو قرآن پاک اکثر چھوا ہے اور بغیر غسل مسجد میں داخل ہوا ہے اور اکثر ایام حیض میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا ہے، لہٰذا اب وہ نادم ہے، ڈرتا ہے اور توبہ کرتا ہے۔ تو اس کا گناہ توبہ سے معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر معاف ہونے کی کوئی اور صورت ہو تو جواب عنایت ہو، جو صورت اس کے لئے مفید ہو حکم فرمایا جاوے تاکہ عذاب سے چھوٹے۔

= (وکذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۴۳، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۷۷، كتاب الطهارة، سعيد)

(۱) "ومندوب في نيف وثلاثين موضعاً". وفي الرد: فمنها عند ..... دراسة علم ..... ومس كتب شرعية تعظيماً لها". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۸۹، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا في مداد الفتاح، ص: ۸۹، كتاب الطهارة، فصل في صفة الوضوء، احياء التراث العربي)

(۲) " وفي السراج عن الإيضاح: إن كتب التفسير لايجوز مس موضع القرآن منها، وله أن يمس غيره وكذا كتب الفقه إذا كان فيها شيء من القرآن". (ردالمحتار، كتاب الطهارت: ۱/ ۱۷۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدا کے سامنے روئے، عاجزی کرے اور سچی توبہ کرے، اللہ تعالیٰ تواب رؤف رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے(۱)۔حسبِ وسعت کچھ صدقہ بھی دیدے(۲)۔فقط۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ

حمائل شریف لئے ہوئے بیت الخلاء جانا

سوال[۱۱۵۸]: کسی شخص کے پاس حمائل شریف ہے اور بڑے استنجے کی حاجت درپیش ہے،اب وہ کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمائل شریف کو اپنے سے الگ کرکے ادب واحترام کے ساتھ کہیں رکھ دے، پھر فراغت حاصل کرلے۔کہیں جگہ نہ ہو اور حمائل شریف جیب میں ہو اور جنگل میں صاف جگہ بیٹھ کر ضرورت پوری کرلے تب بھی گناہ نہ ہوگا۔

"إذا كان عليه خاتم، وعليه شئي من القرآن مكتوب، أو كتب عليه اسم الله، فدخل المخرج معه يكره، وإن اتخذ لنفسه مبالاً طاهراً في مكان طاهر لايكره، كذا في

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلىٰ الله توبةً نصوحاً﴾ (التحريم: ۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿واستغفروا ربكم ثم توبوا إليه، إن ربي رحيم و دود﴾ (هود: ۹۰)

(۲) "(ويستحب أن يتصدق بدينار إن كان) الجماع (في أول الحيض وبنصفه إن كان في آخره) أو وسطه كذا قال بعضهم، وقيل: إن كان الدم أحمر فدينار، أو أصفر فبنصفه سراج". (مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۱۴، الرسالة الرابعة، منهل الواردين من بحار الفيض على ذخر المتأصلين في مسائل الحيض، مكتبه قاسميه)

"ثم هو كبيرة لو عامداً مختاراً عالماً بالحرمة، لا جاهلاً أومكرهاً أوناسياً، فتلزمه التوبة، ويندب تصدقه بدينار ونصفه". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۲۹۸، سعيد)

المحیط". (عالمگیری: ۹٤/٤) (۱) ۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۵ھ۔

قرآن شریف کی طرف پشت کرنا

سوال[۱۱۵۹]: کمرہ کے دروازے کے سامنے اندر الماری میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے، نکلتے وقت اس کی جانب پشت ہوجاتی ہے تو کیا یہ خلاف ادب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ ادب واحترام کے ساتھ رکھا ہوا ہے تو اس طرح نکلتے وقت اس کی جانب پشت ہوجانا خلاف ادب نہیں (۲) فقط۔

قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا

سوال[۱۱۶۰]: قرآن کریم اونچی الماری یا دیوار کے طاق پر رکھا ہے تو چارپائی پر اسی کمرہ میں اس کی طرف پیر کرکے لیٹنا کیسا ہے؟

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شئ من القرآن نحو الدراهم والقرطاس: ۳۲۳/۱، رشیدیه)

"رقية في غلاف متجاف لم يكره دخول الخلأ به، والإحتراز أفضل". (الدرالمختار)

وفي ردالمحتار: "(قوله: رقية) والظاهر أن المراد بها مايسمونه الآن بالهيكل والحمائلي المشتمل على الآيات القرآنية ..... الخ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه: ۱۷۸/۱، سعيد)

(۲) قال العلامه الحصكفي: "كره مدّ رجليه في نوم أو غيره إليها أو إلى مصحف أو شيء من الكتب الشرعية، إلا أن يكون على موضع مرتفع عن المحاذاة، فلا يكره". (الدر المختار: ۶۵۲/۱، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۲/۵، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشيديه)

وقال ابن الحجر المكي: "و الأولى أن لا يستدبره و لا يتخطاه و لا يرميه بالأرض". (الفتاوى الحديثيه: ۳۰۷، مطلب: حكم مد الرجل للمصحف، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر قرآن شریف پیروں کی سیدھ میں نہیں بلکہ بلند ہے تو اس میں گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

جس کمرہ میں قرآن پاک ہو اس میں بیوی سے ہمبستری کرنا

سوال[۱۱۶۱] : جس کمرہ میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس کمرہ میں بیوی سے ہم بستر نہ ہونا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر قرآن شریف طاق یا الماری میں اونچی جگہ حفاظت سے رکھا ہوا ہے تو اس کمرے میں بیوی سے ہمبستری میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

ایک شخص چارپائی پر بیٹھے اور دوسرا شخص نیچے قرآن پاک کی تلاوت کرے

سوال[۱۱۶۲] : ایک شخص چارپائی پر بیٹھا ہے اور نیچے اسی کمرہ میں ایک شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے تو کیا یہ درست ہے یا اس شخص کو چارپائی سے نیچے بیٹھنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

چارپائی پر ایک شخص بیٹھے اس طرح کہ قریب ہی نیچے ایک آدمی قرآن پاک لے کر تلاوت کر رہا ہے تو

---

(۱) "مدّ الرجلين إلى جانب المصحف إن لم يكن بحذائه لا يكره، وكذا لو كان المصحف، معلقاً في الوتد و هو قد مدّ الرجل إلى ذلك الجانب، لا يكره، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۲/۵، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۶۵۵/۱، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

(والفتاوى الحديثيه، ص: ۳۰۷، مطلب حكم مد الرجل للمصحف، قديمي كراچي)

(۲) "يجوز قربان المرأة في بيت فيه مصحف مستور، كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۲/۵، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱۷۸/۱، كتاب الطهارة، سعيد)

(والفقه الإسلامي و أدلته: ۴۵۱/۱، رشيديه)

ہمارے عرف میں یہ چیز خلافِ ادب سمجھی جاتی ہے(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۱/۲۳ھ۔

زینہ کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنا

سوال[۱۱۶۳]: زید مسجد کے فرش پر قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہتا ہے اس کے قریب چار پانچ گز کے فاصلہ پر ایک بڑا اور زینہ ہے اور زینہ مسجد کی حدود میں ہے، آیا اس صورت میں جب کہ اس زینہ سے اترتے چڑھتے رہتے ہیں اور زید نے قرآن شریف پر کپڑا ڈالدیا ہے قرآن شریف کی بے ادبی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسی حالت میں زینے پر اترنا چڑھنا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن شریف دور بیٹھ کر پڑھے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۷/۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبداللطیف۔

کرسی پر بیٹھنا جب کہ قرآن نیچے رکھا ہو

سوال[۱۱۶۴]: اگر نیچے قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو اور کوئی شخص کرسی پر یا چارپائی پر بیٹھنا چاہے تو کتنی دور ہو کر بیٹھنا ضروری ہے؟

---

(۱) "و لا تقعدوا علی مکان أرفع مما علیه القرآن". (حیوٰة المسلمین لحکیم الأمة، ص: ۵۴، ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: "اگر ایک ہی مکان اور ایک ہی جگہ ایسی صورت ہو تو عرفِ عام میں اس کو بے ادبی قرار دیا جاتا ہے .... "کتب فقہ" میں تلاش کرنے پر اس صورت کی تصریح تو نہیں ملی مگر عرفی بے ادبی کا مدار عرف عام پر ہے"۔ (کفایت المفتی: ۱/۱۲۶، کتاب العقائد، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (راجع رقم الحاشیة : ۱)

وفی الفتاوی العالمکیریة : "لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم". (۵/۳۲۴، الباب الخامس فی أدب المسجد و القرآن، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

جتنی دور سے دوسرا مکان شروع ہو اور قرآن شریف کی بے ادبی نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، ۲۶/رجب/۵۶ھ۔

کرسی پر بیٹھ کر تعلیم قرآن کریم

سوال[۱۱۲۵] : امام صاحب ایک دینی مدرسہ میں کرسی پر بیٹھ کر تعلیم دیتے ہیں جہاں پر قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس طرح کرسی پر بیٹھ کر تعلیم دینا کہ قرآن پاک نیچے رہے، احترام کے خلاف ہے (۲) اس طریق کو ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۹ھ۔

استاذ کرسی پر بیٹھے اور بچے ٹاٹ پر، اس کا کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۲۶] : ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ ہے اس میں مولوی صاحب تو کرسی پر بیٹھتے ہیں اور ان کے سامنے بچے قاعدہ بغدادی اور قرآن شریف وغیرہ لے کر نیچے ٹاٹ پر بیٹھتے ہیں، یہ طریقہ تعلیم خلاف شرع ہے یا نہیں؟ بچے آتے ہیں اور کھڑے ہو کر میز پر قرآن شریف رکھ کر سبق لے کر چلے جاتے ہیں۔ قرآن

---

(۱) (راجع رقم : ۲)

(۲) "و لا تقعدوا على مكان أرفع مما عليه القرآن". (حيواة المسلمين لحكيم الأمة : ۵۴، اداره اسلاميات لاهور)

وفي الفتاوى العالمكيرية : "لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم". (۳۲۴/۵، الباب الخامس في أدب المسجد والقرآن، رشيديه)

(وكذا في كفايت المفتي : ۱۲۶/۱، كتاب العقائد، دار الاشاعت كراچی)

عظیم کی بے حرمتی کرنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تعلیم کا یہ طریقہ کہ قرآن کریم لے کر بچے ٹاٹ پر یا فرش پر بیٹھیں اور استاذ وہیں کرسی پر تشریف رکھیں خلافِ سنت ہے اور احترام قرآن عظیم کے بھی خلاف ہے اس کی اجازت نہیں (۱) ایسی حالت میں استاذِ محترم کو چاہئے کہ کرسی وہاں سے ہٹادیں اور نیچے ہی بیٹھ کر تعلیم دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۰ھ۔

ٹیچران کا کرسی پر بیٹھنا جب کہ کتبِ دینیہ نیچے ہوں

سوال[۱۱۶۷]: کچھ مدارسِ دینیہ جن میں دینیات کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور دنیاوی بھی اور ٹیچران کرسیوں پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور دینیات کی کتابیں نیچے رکھی ہوتی ہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ادب واحترام کے خلاف ہے، اس کی اصلاح کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) "ولا تقعدوا على مكان أرفع مما عليه القرآن". (حيواة المسلمين لحكيم الأمة: ۵۴، اداره اسلاميات لاهور)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم". (۳۲۴/۵، الباب الخامس في أدب المسجد والقبلة والقرآن، رشيديه)

(وكذا في كفايت المفتي: ۱۲۶/۱، كتاب العقائد، دار الاشاعت كراچی)

(۲) مذکورہ طریقہ ادب واحترام کے خلاف اس لئے ہے کہ اس میں دینی کتابوں کی تعظیم مفقود ہے، جب کہ دینی کتابوں کی تعظیم واجب ہے۔

"رجل أراد أن يقرأ القرآن، فينبغي أن يكون على أحسن أحواله: يلبس صالح ثيابه، ويتعمم ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقه واجب، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۶/۵، رشيديه)

قرآن پاک کو چومنا

سوال[۱۱۶۸]: قرآن شریف پڑھتے وقت رحل پر جھک کر قرآن شریف کو چومنا یعنی بوسہ دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف کو چومنا برکت اور تعظیم کی غرض سے درست ہے لیکن اٹھا کر چومنا چاہئے، رحل پر رکھے ہوئے جھک کر نہیں چومنا چاہئے۔

"روی عن عمر رضی اللہ تعالی عنه أنه کان یأخذ المصحف کل غداة و یقبله، ویقول: عهد ربی، و منشور ربی عزوجل. وکان عثمان رضی اللہ تعالی عنه یقبل المصحف و یمسحه علی وجهه اھ". در مختار هامش رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵۶/۱۲/۲۶ھ۔

تقبیل قرآن کریم

سوال[۱۱۶۹]: قرآن مجید کو بوسہ دینا اور بوسہ لے کر ماتھے یا آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور ماتھے سے لگانا درست ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۳۸۴، کتاب الحظر والاباحة، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی صفة الأذکار، ص: ۳۲۰، قدیمی)

(وکذا فی نفع المفتی والسائل للکنوی، ص: ۱۷۶، فی ضمن مجموعة رسائل اللکنوی: ۴، ادارة القرآن)

(۲) "تقبیل المصحف قیل بدعة، لکن روی عن عمر رضی اللہ تعالی عنه أنه کان یأخذ المصحف کل غداة و یقبله، ویقول: "عهد ربی و منشور ربی -عزوجل-". و کان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه یقبل =

تقبیلِ مصحف

سوال[۱۱۷۰]: اکثر تلاوت شروع کرنے سے قبل عوام قرآن کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

تبرکاً ایسا کرتے ہیں اور بعض صحابہ سے بھی منقول ہے۔ کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن کریم کو بغیر تلاوت کے چومنا

سوال[۱۱۷۱]: ایک شخص پڑھنا لکھنا نہیں جانتا، بعد میں آکر قرآن شریف کو چوم کر اور سر پر رکھ کر اور آنکھوں سے لگا کر چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ پڑھنے والے پڑھ کر ثواب حاصل کرتے ہیں، میں ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اس طرح ثواب حاصل کرتا ہوں۔ زید کہتا ہے کہ یہ فعل بدعت ہے، کیوں کہ یہ فعل رواج پکڑ جائے گا اور لوگ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا قابلِ تحقیق بات یہ ہے کہ اگر قرآن پڑھنے والا بھی اس فعل کو کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دونوں قسم کے لوگوں کے لئے صحیح ہے؟ اگر ان پڑھ کے لئے بھی ناجائز ہے تو ان پڑھ لوگ کس طرح قرآن شریف سے ثواب حاصل کریں؟

= المصحف و يمسحه على وجهه". (الدر المختار: ٦/٣٨٤، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٢٠، فصل في صفة الأذكار، قديمي)

(وكذا في "نفع المفتي والسائل للكنوي رحمه الله تعالىٰ، ص: ١٧٦، في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ ج: ٤، ادارة القرآن كراچی)

(١) "تقبيل المصحف قيل: بدعة، لكن روي عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة و يقبله و يقول: عهد ربي و منشور ربي -عزوجل-. و كان عثمان رضي الله تعالى عنه يقبل المصحف و يمسحه على وجهه". (الدر المختار: ٦/٣٨٤، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في "نفع المفتي والسائل للكنوي رحمه الله تعالىٰ، ص: ١٧٦، في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، ج: ٤، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٢٠، فصل في صفة الأذكار، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات صحابہ علیہم الرضوان سے ثابت ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور اس کو چومتے تھے یہ احترام ہے(۱)، مگر محض چومنے پر کفایت کرنا اور تلاوت سے اعراض کرنا غلط ہے، بڑی ناقدری ہے، زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

قبرستان میں قرآن پاک لے جانا

سوال[۱۱۷۲]: قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے لے جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، وہاں جا کے جو حفظ ہو وہ پڑھ دے، جو حفظ نہ ہو وہ مکان یا مسجد میں پڑھ دے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "تقبيل المصحف قيل: بدعة، لكن روى عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله و يقول: عهد ربى و منشور ربى – عزوجل –. و كان عثمان رضى الله تعالىٰ عنه يقبل المصحف و يمسحه على وجهه". (الدر المختار: ۶/۳۸۴، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۳۲۰، فصل فى صفة الأذكار، قديمى)

(وكذا فى "نفع المفتى والسائل للكنوى رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۷۶، فى ضمن مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالى، ج: ۴، ادارة القرآن كراچى)

(۲) "وكان الصدر أبو إسحاق الحافظ يحكى عن أستاذه ...... لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك سواء أخفى أو جهر". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵۰، الباب السادس عشر فى زيارة القبور، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲/۲۴۳، مطلب فى زيارة القبور، سعيد)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۲/۱۵۸۰، المكتبة الرشيديه)

ریشم کا جزدان قرآن پاک کے لئے

سوال[۱۱۷۳]: ریشمی کپڑے کا جزدان بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ریشم کے کپڑے کا جزدان قرآن پاک میں لگایا جاسکتا ہے اس میں کوئی منع نہیں (۱)، ریشم کا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے(۲)، مطلقاً ریشم حرام نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

اخبارات میں قرآن پاک کی آیات اور ترجمہ شائع کرنا

سوال[۱۱۷۴]: بعض اخبارات ورسائل میں قرآن پاک کی آیات شائع ہوتی رہتی ہیں جن کولوگ عام طور سے ردی میں فروخت کردیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ردی میں فروخت کرنا اور اخبارات ورسائل میں آیات کا شائع کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر صرف اردو یا ہندی ترجمہ شائع کریں تو صورت مذکورہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دین کی اشاعت کے لئے آیات کا لکھنا اوران کا ترجمہ کرنا اوران کا چھاپ کرنا درست ہے(۳) لیکن

---

(۱) قال العلامة الحصفكي :"جاز تحلية المصحف لمافيه من تعظيمه كمافي نقش المسجد". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة : ۶/۳۸۶، سعيد)

(كذا في نفع المفتي والسائل ،ص: ۱۷۲، في ضمن رسائل اللكنوي، المجلد الرابع، ادارة القرآن كراچی)

(وامداد الفتاوى : ۴/۵۶، دار العلوم كراچی)

(والإتقان في علوم القرآن : ۲/۳۴۲، ذوي القربى)

(۲) "عن أبي موسى الأشعري. رضي الله تعالى عنه. أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أحل الذهب والحرير للأناث من أمتي، و حرّم على ذكورها". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۲/۳۷۵، قديمي)

"حرم للرجال لا للمرأة لبس الحرير إلا قدر أربع أصابع". (البحر الرائق، فصل في اللبس، كتاب الكراهية: ۶/۳۵۱، رشيديه)

(۳) "تجوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية، لا أكثر". (الدر المختار ، كتاب الصلوة: ۱/۳۸۶،سعيد) =

ان کا ردی میں استعمال کرنا درست نہیں، احترام کے خلاف ہے، محض ترجمہ کا بھی احترام لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

خط میں بسم اللہ لکھنا

سوال[۱۱۷۵]: خط کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برکت کے لئے جائز ہے، اگر کسی جگہ یہ احتمال ہو کہ پورا پورا ادب نہیں ہو سکے گا تو پھر احتیاط کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في نفع المفتي والسائل للكنوي ،ص: ۱۷۶، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "و لا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه، و في الكلام الأولى أن لا يفعل". (الفتاوى العالمكيرية : ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المسجد والمصحف، رشيديه)

(۲)"عن أبي مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يكتب: "باسمك أللهم فلما نزلت ﴿إنه من سليمن وإنه بسم الله الرحمن الرحيم﴾ كتبها". (مراسيل أبي داؤد ،ص: ۲ ، سعيد)

"قال العلامه الآلوسي: "وكتابة البسملة في أوائل الكتب مما جرت به سنة نبينا صلى الله عليه وسلم بعد نزول هذه الآية بلا خلاف ..... كان أهل الجاهلية يكتبون: باسمك أللهم، فكتب النبي صلى الله عليه وسلم أول ما كتب: باسمك أللهم حتى نزلت: (بسم الله مجراها ومرساها) فكتب: بسم الله، ثم نزلت: (ادعوا الله أو ادعوا الرحمن)، فكتب: بسم الله الرحمن الرحيم الخ". (روح المعاني: ۱۹/۱۹۵ ط:دار احياء التراث بيروت)

"وعن عمر بن عبد العزيز أن النبي صلى الله عليه وسلم مرّعلى كتاب في الأرض: فقال لفتى معه "ما هذا"؟ قال بسم الله: قال: "لعنه الله من فعل هذا؟ لاتضعوا اسم الله إلا في موضعه". قال: فرأيت عمر بن عبد العزيز رأى ابنا له كتب ذكر الله في الحائط فضربه"

(مراسيل أبي داؤد، ص: ۲۰ ، سعيد)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں: "حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز =

قرآنِ کریم کلینڈر اور اخبار میں چھپوانا

سوال[۱۱۷۶]: قرآنِ کریم کلنڈر پر چھپوا کر دوکانوں اور مکانوں پر لگاتے ہیں بہ نیت زیبائش جو کچھ دنوں میں دیواروں سے گر کر نالوں، کوڑہ خانوں کی نذر ہو جاتا ہے جس سے قرآن کریم کی بے حرمتی ہوتی ہے، اخبارات میں بکثرت کلام اللہ چھپتا ہے جو دوکانوں پر پنساری استعمال کرتے ہیں ان کی پُڑیہ بناتے ہیں، پھر ان کو نالیوں میں ڈال دیتے ہیں یا چولہوں میں جلا دیتے ہیں یا کوڑے کرکٹ پر ڈال دیتے ہیں، اس سے کتاب اللہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ حکمِ شرع ہے کہ اشاعتِ قرآن اخباروں وکلنڈروں کی بندکی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صورت حال یقیناً احترامِ قرآن کریم کے خلاف اور موجبِ وبال ہے، اس کی اصلاح اور روک تھام ضروری ہے۔ اگر آیاتِ قرآنیہ کو محض ذریعۂ زیبائش بنایا جائے اور ان سے کمرہ سجایا جائے تو اس کی بھی اجازت نہیں (۱) چہ جائیکہ انجامِ کار غلاظت بھر کر پھینکی جائے یا ان آیات کو غلاظت میں پھینکا جائے (۲)- العیاذ باللہ-، عمداً ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۵/۲۲ھ۔

= رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے......لیکن......آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں، یہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہے، تحریر میں نہ لکھے"۔ (معارف القرآن: ۶/۵۷۹، ادارة المعارف کراچی)

(۱) "ولو كتب القرآن على الحيطان والجداران، بعضهم قالوا :يرجى أن يجوز، و بعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس ، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۳/۴۲۴ فصل في التسبيح والتسليم ، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "و نُهينا عن إخراج ما يجب تعظيمه و يحرم الاستخفاف به كمصحف وكتب فقه و حديث". (الدرالمختار: ۴/۱۳۰ ، سعيد)

(۳) "كما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاورة، فإنه يكفر". (رد المحتار : ۴/۲۲۲، كتاب الجهاد، باب المرتد ،سعيد)

خط میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک ہو اس کا ادب

سوال[۱۱۷۷]: آپ نے میرے ۲۴/۳/۹۱ء کے چند سوالات کے جوابات اس طرح دیئے تھے کہ ایسے اخبارات ورسائل وخطوط جن پر اردو یا کسی زبان میں اللہ اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام لکھے ہوں، ان کے زمین پر گرنے یا ردّی والے کو دینے سے بے حرمتی ہوتی ہے اور قرآنی آیات کے اردو ترجمہ کی بھی حرمت مثل آیات کرنی چاہیے اور ایسی چیزوں کو پانی میں وزن دار چیز کے ساتھ چھوڑنا چاہیے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈھیر سے اخبارات بار بار جمع ہوتے ہیں اور کسی کو پھر تبلیغ کا خط بھی نہیں لکھ سکتے اور تاریخ گواہ ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو بھی خط جو بھیجے ہیں، ان میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام لکھا تھا، غیر مسلم نے حرمت کیسے کی ہوگی؟ ہاں البتہ کلام الٰہی اور اس کی آیات کی بات علیحدہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ پریس اور مشین کے رواجِ عام سے آج کل اسمائے الٰہیہ وآیاتِ قرآنیہ وغیرہ کا احترام باقی نہیں رہا، اخبارات ورسائل میں آیات واحادیث ہوتی ہیں اور وہ ردی اور نالی میں، غرض بے ادبی کی جگہ پڑے ہوئے ملتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جو تبلیغی خطوط کفار ومشرکین کے پاس ارسال فرمائے ان میں اللہ پاک کا نام اور نبی ﷺ کا نام بھی اور کبھی آیاتِ قرآنی کا ہونا بھی ثابت ہے(۱) اور جن کے خط بھیجے ہیں بعض نے اتنا ادب کیا کہ سر پر رکھ کر اور بعض نے بے ادبی کر کے چاک کر دیا، اس کی حکومت بھی چاک ہوگئی (۲)۔ ترجمہ کا حال اصل عربی آیت کے برابر نہ ہو تو اس کے قریب ہوگا۔ تبلیغی خطوط جو بذریعہ ڈاک بھیجے جائیں ان میں بھی احتیاط کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۱ھ

---

(۱) "ثم كتب إلى مسيلمة: بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب: السلام على من اتبع الهدى، أما بعد! فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين". (السيرة النبوية لابن هشام، كتاب مسيلمة إلى رسول الله والجواب عنه: ۲۴۷/۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ومنهم: "عبدالله بن حذافة السهمي" بعثه بكتابه إلى كسرى، فمزقه فدعا عليهم أن يمزقوا =

جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۷۸]: خطوط جن پر احادیث نبوی یا قرآنی آیت کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ان کو دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہادیں، جلانے کی بھی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دینی تحریر کی بے ادبی کے خیال سے یہ خدمت چھوڑ نا

سوال[۱۱۷۹]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ تحریری دینی خدمت جو کی جارہی ہیں وہ غلط ہے، مثلاً

= كل ممزق". ومنهم : دحية بن خليفة الكلبي رضي الله عنه. بعثه بكتابه إلى قيصر، فوجد عنده أبا سفيان، فاستدعاه قيصر فسأله عن صفات النبي صلى الله عليه وسلم، وشرائع دينه، فأخبره أبو سفيان بها فاعترف قيصر بنبوته ..... الخ". (حدائق الأنوار ومطالع الأسرار، كتب الرسول صلى الله عليه وسلم. إلى ملوك الأقاليم: ۱/۵۷، ۵۸، صاحب السمو الشيخ خليفة بن حمد آل ثاني، مطابع قطر الوطنية قطر)

"عن عبدالله ابن عباس رضي الله عنهما، أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى مع عبدالله بن حذافة السهمي، فأمر أن يدفعه إلى عظيم البحرين، فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى فلما قرأه، فرّقه ..... فدعا عليهم رسول صلى الله عليه وسلم أن يُمزّقوا كل ممزق". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي صلى الله عليه وسلم إلى كسرى وقيصر: ۲/۶۳۲، قديمي)

"عن ابن مسعود أن عبدالله بن عباسؓ أخبره أن أبا سفيانؓ بن حرب أخبره أن هرقل أرسل إليه ركب ..... ثم دعا بكتاب رسول صلى الله عليه وسلم الذي بعث به مع دحية الكلبي إلى عظيم البصرى، فدفعه عظيم بصرى إلى هرقل، فقرأه، فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد بن عبدالله ورسوله إلى هرقل عظيم بصرى، سلام على من اتبع الهدىٰ ..... الخ". (صحيح البخاري، قبيل كتاب الإيمان: ۱/۴، ۵، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قديمي)

(۱) في الدر المختار: "الكتب التي لا ينتفع بها يمحىٰ عنها اسم الله و ملائكته و رسله، ويحرق الباقي، و لا بأس بأن تلقى في ماءٍ جارٍ كما هي، أو تدفن، و هو أحسن اهـ". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۲، سعيد)

کوئی ماہنامہ یا اخبار اوران میں قرآن پاک کی آیتیں اوراحادیث لکھی ہوئی ہوتی ہیں، بہت سے ناواقف اوران پڑھ لوگ ان کو پھاڑ کرکوڑا کرکٹ پر ڈال دیتے ہیں تواس کا گناہ اس کے لکھنے والے پر پڑتا ہے، بے ادبی کرنے والوں پرکوئی گناہ نہیں۔ ایک اہل علم جن کواپنے علم پرناز ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیاً:

قرآن کریم، سیپارے، حدیث شریف، فقہ سب ہی کی طباعت واشاعت ہوتی ہے، اگر ناواقف یا بے دین ادب واحترام کا معاملہ نہیں کرتے تو وہ خود ذمہ دار ہیں (۱)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی دعوت نامہ شاہ فارس کے پاس بھیجا، اس بدنصیب نے اس کو چاک کردیا کوئی احترام نہیں کیا تواس کا وبال خود اس پر پڑا، نہ کہ بھیجنے والی ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (۲)- معاذ اللہ- فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

خط لکھنے کے بعداس کو مٹی سے خشک کرنا

سوال [۱۱۸۰]: مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب کی ایک تصوف کی کتاب میں لکھا ہے کہ خط لکھنے کے بعدمٹی سے خشک کرنے میں ایک راز ہے، لیکن راز کا انکشاف نہیں فرمایا۔ براہ کرم اس راز سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سے خط میں لکھی ہوئی حاجت پوری ہوتی ہے، اتنی بات تو ظاہر ہے کہ

---

(۱) "ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه مكتوب من الفقه .... الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المسجد والمصحف، رشيديه)

(۲) "عن إبن عباس رضي الله تعالى عنهما أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى، مع عبد الله بن حذافة السهمي رضي الله تعالى عنه، فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين، فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى، فلما قرأه مزقه. فحسبت أن ابن المسيب قال: فدعا عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن يمزّقوا كل ممزق:" (صحيح البخاري: ۲/۶۳۷، كتاب المغازي، كتاب النبي صلى الله عليه وسلم، قديمي)

تفصیل کے لئے دیکھیے: (فتح الباري: ۸/۱۲۷، كتاب المغازي، دار الفكر)

(وعمدة القاري: ۱۸/۵۸، ادارة المطبع المنيرية، بيروت)

اگر روشنائی خشک نہ کی جائے تو ہاتھ وغیرہ لگ کر اس کے پھیل جانے اور تحریر کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر ایسی حالت میں مکتوب الیہ اس کو پڑھ نہیں سکے گا، کاتب کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا روشنائی خشک کردی جائے تاکہ حروف اصلی صورت پر باقی رہیں اور مکتوب الیہ بسہولت صحیح پڑھ لے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

دسترخوان یا مصلے پر آیات یا اسمائے الٰہیہ لکھنا

سوال[۱۱۸۱]: حامد ایک دسترخوان پر کچھ آیاتِ قرآنی تحریر کرکے اس پر خوردونوش کرنا چاہتا ہے، مثلاً: یہ آیات: ﴿کلوا حلالاً طیباً﴾، ﴿کلوا واشربوا و لا تسرفوا﴾، ﴿لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها﴾۔ حامد کی نیت میں یہ خلوص ہے کہ جو بندہ خدا بھی اس دسترخوان سے کھانا تناول کرے اس کی اصلاح ہوجائے، حلال وحرام کی تمیز کرے۔ آیا اس قسم کی حرکت از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا کرنے والا آثم ہوگا یا نہیں؟ نیز جلالین شریف بغیر وضو چھونا جائز ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں آیاتِ قرآنی سے زیادہ شرح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو کام شرعاً ناجائز ہے، ضروری نہیں کہ نیک نیت سے جائز بھی ہوجائے، قرآنِ کریم کی آیات واسمائے الٰہیہ واجب الاحترام ہیں، دسترخوان پر لکھ کر ایسے دسترخوان کو استعمال کرنے سے ان کا احترام باقی نہیں رہے گا:

"کتابة القرآن علی ما یفترش و یبسط مکروهة، کذا فی الغرائب، بساط أو مصلی کتب علیه الملك یکره بسطه والقعود علیه واستعماله الخ" (فتاوی عالمگیری)(۲)۔ اس لئے اس کی

---

(۱) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "تربوا صحفکم أنجح لها، إن التراب مبارک". (ابن ماجه، کتاب الآداب، باب تتریب الکتاب، ص: ۲۶۷، قدیمی)

"قال المحشی: قوله: تربوا صحفکم: أی اسقطوها علی التراب اعتماداً علی الحق تعالیٰ فی إیصاله إلی المقصد، أو أراد ذر التراب علی المکتوب لیجفّ من الحروف کان رطباً". (إنجاح الحاجة علی هامش ابن ماجة، ص: ۲۶۷، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۲۳/۵، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف، رشیدیه)

اجازت نہیں، تذکیر کے دیگر طرقِ ماثورہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ تفسیر کی کتاب کے متعلق خواہ جلالین ہو یا کوئی اور ہو فقہاء نے لکھا ہے کہ لکھی ہوئی آیات کو بغیر وضو مس کرنا جائز نہیں (۱)، ہاں مضمونِ تفسیر یا خالی جگہ کے مس کرنے میں دو قول ہیں: اول اباحت، دوم کراہت، والأول أوسع و الثانی أورع (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۰ھ۔

اگر غلطی سے قرآن کریم گر جائے تو کیا کرے؟

سوال [۱۱۸۲]: اگر کسی شخص کے ہاتھوں سے غلطی سے قرآن کریم گر جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

استغفار و توبہ کہ غلطی ہوگئی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوسیدہ قرآن کریم کو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۸۳]: اگر قرآن شریف بوسیدہ ہو جائے تو کیا کیا جائے، ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ آگ میں جلا کر راکھ کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ کیا ایسا کرنا بہتر اور جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو قرآن شریف بوسیدہ ہو کر تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر قبر کھود کر اس میں دفن کر دینا چاہئے یہی بہتر ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و لا یجوز لهم مس المصحف بالثیاب التی هم لا بسوها، و یکره لهم مس کتب التفسیر و الفقه والسنن". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۹، الفصل الرابع فی أحکام الحیض، رشیدیه)

(۲) "وأما کتابة القرآن، فلا بأس بها إذا کانت الصحیفة علی الأرض عند أبی یوسف، لأنه لیس بحامل للصحیفة، و کره ذلک محمد، و به أخذ مشایخ بخاری". (حاشیة الطحطاوی، ص: ۱۴۴، قدیمی)

(۳) (کذا فی امداد الفتاوی: ۴/۲۰، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۴) قال فی الدر: "المصحف إذا صار بحال لا یقرأ فیه، یُدفن کالمسلم".

وفی ردالمحتار: "(قوله: یدفن): أی یجعل فی خرقة طاهرة، و یدفن فی محل غیر ممتهن لا =

بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا

سوال[۱۱۸۴]: ایک شخص نے قرآن شریف کو جلادیا، کیا وہ ایمان سے خارج ہوگیا؟ اگر ایمان سے خارج ہوگیا تو کیا اس شخص کا نکاح بھی فاسد ہوگیا؟ ایسی حالت میں کیا اس کی زوجہ کو عدت کے دن گزارنا لازم ہے؟ اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو رجوع کرنا چاہتا ہے تو شرعاً اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن کریم کو جلانا اگر اس وجہ سے پیش آیا کہ وہ بوسیدہ ہوگیا تھا اور تلاوت کے قابل نہیں رہا تھا، اس کو بے ادبی سے بچانے کے لئے جلادیا تب تو ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا (۱)، البتہ اس نے غلطی کی، ایسی حالت میں پاک کپڑے میں لپیٹ کر قبر بنا کر دفن کردینا چاہئے تھا (۲)۔ اب استغفار کرے، اس کا نکاح قائم ہے ختم

= یوطأ، و فی الذخیرة : و ینبغی أن یلحد له، و لا یشق له؛ لأنه یحتاج إلی إهالة التراب علیه .... الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب یطلق الدعاء علی ما یشمل الثناء : ۱/۱۷۷، سعید)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۶/۴۲۲، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف: ۵/۳۲۳، رشیدیه)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اس عمل کے جواز کی دلیل ہے:

"و أمر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة أو مصحف أن یحرق".

قال المحشی رحمه الله تعالیٰ : "و إنما جاز حرقه؛ لأن المحروق هو القرآن المنسوخ ،أو المختلط بغیره من التفسیر، أو بلُغَة غیر قریش اهـ". (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن : ۲/۷۴۶، قدیمی کراچی)

اس لئے کہ یہ جلانا استخفاف بالقرآن کی نیت سے نہیں ہے اگر استخفاف اور توہین کی نیت سے ہوتا تو کفر ہوتا: "من استخف بالقرآن .... أو بنحوه مما یعظم فی الشرع یکفر". (شرح الفقه الأکبر، فصل فی القرأة والصلاة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(۲) فی الدر : "المصحف إذا صار بحال لا یقرء فیه، یدفن کالمسلم". وفی الرد : "قوله: یدفن: أی =

نہیں ہوا۔ اگر کسی اور وجہ سے جلایا ہے تو تفصیل لکھ کر دریافت کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۶ھ۔

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا

سوال [۱۱۸۵]: قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو اگر کوئی آگ میں جلادے تاکہ بے حرمتی سے بچ جائے تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کوئی گناہ نہیں (۱) لیکن پاک کپڑے میں لپیٹ کر محفوظ جگہ دفن کرنا اس سے بھی بہتر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم / ربیع الثانی / ۵۷ھ۔

= يجعل في خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۷، مطلب يطلق الدعاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المساجد والقبلة والمصحف، رشيديه)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اس عمل کے جواز کی دلیل ہے:

"وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق". (صحيح البخاري: ۲/۷۴۶، قديمي)

(وكذا مر تخريجه تحت عنوان: "بوسیدہ قرآن کریم کو جلانا")

(۲) "المصحف إذا صار بحال لا يقرأ فيه، يدفن كالمسلم". وفي الرد: "(قوله: يدفن): أي يجعل في خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۷۷، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۳، الباب الرابع، رشيديه)

دفن کے لئے بوسیدہ قرآن کریم کو لپیٹ کر رکھ دینا بے ادبی نہیں

سوال[۱۱۸۲]: زید نے پرانے قرآن پاک کو جو کہ بہت ہی خستہ ہو گیا تھا اکٹھا کر کے ایک کپڑے میں اس نیت سے باندھ کر رکھ دیا کہ اس کو کسی کنویں یا تالاب میں ٹھنڈا کر دیا جائے گا، اس پر زید کی بیوی نے بہت فریاد شور وغل کیا اور زید کو برادری میں بدنام کیا کہ زید نے قرآن پاک کی توہین کی ہے۔ زید کا اور اس کی بیوی کا کسی اور معاملہ میں اختلاف ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں زید نے کسی قسم کا گناہ کیا یا نہیں؟ یا اس کی بیوی نے گناہ کیا یا نہیں؟ بیوی کے اس الزام سے برادری والوں نے زید کو برادری سے نکالدیا اور یہ کہا کہ جب تک فتوی نہ آئے گا اس وقت تک ہم تمہیں گاؤں میں نہ رہنے دیں گے۔

الجواب حامداً و مصلياً :

جو قرآن پاک بہت بوسیدہ ہو جائے اور استعمال میں نہ آسکے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس کو کپڑے میں لپیٹ کر قبر بنا کر اس میں محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے، کسی کنویں یا تالاب وغیرہ میں بھی اس طرح ٹھنڈا کر دینا درست ہے کہ اس کے اوراق نیچے بیٹھ جائیں اور بے ادبی نہ ہو(۱)۔ اگر زید کا مقصود یہی تھا تو اس نے یہ کوئی جرم کا کام نہیں کیا۔ ذاتی اختلاف کی وجہ سے بیوی کو اس کا بدنام کرنا بڑا جرم ہے اور برادری کا اس کی وجہ سے بطور سزا کے برادری یا گاؤں سے نکالنا غلط اور بلا وجہ ہے، برادری کو لازم ہے کہ زید کو گاؤں میں آنے اور رہنے سے ہرگز نہ روکے اور اپنا فیصلہ واپس لے، بیوی کو بھی توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "المصحف إذا صار بحال لا يقرء فيه، يدفن كالمسلم". وفي الرد : "(قوله: يدفن): أي يجعل في خرقه طاهرة، و يدفن في محل غير ممتهنٍ لا يوطأ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۱۷۷، مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : ۵/۳۲۳، الباب الخامس، رشيديه)

وقال العلامة و هبة الزحيلي : "و يدفن المصحف كالمسلم إذا صار بحال لا يقرأ فيه .... أو تلقى في ماء جار، والأول أحسن". (الفقه الإسلامي وأدلته : ۱/۴۵۱، المطلب التاسع، رشيديه)

قرآن کریم کو گراموفون میں بھرنا اور سننا کیسا ہے؟

سوال[۱۱۸۷]: ایک شخص صاحب حشمت کے مکان میں فوٹو گراف رکھا ہوا ہے اس کے اندر غایت درجہ خوش الحانی کے ساتھ میں کلام پاک کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تقریر اور اظہار کافی طرز سے بیان کیا جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے احوال، جائز قصے، صوفیائے کرام کی تعریف، خواجہ معین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باجے کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا اس کا سننا اور مکان کے اندر رکھنا جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہ ہو تو پورا پتہ مع حوالۂ حدیث نوشتہ فرمادیں تاکہ اس باجے سے لوگ باز رہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

فوٹو گراف لہو ولعب کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے عیش پرست، دنیادار، دین سے غافل، بیکار لوگ اپنا دل بہلاتے اور وقت گزارتے ہیں، اس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے، فحش اور مذاقیہ غزلیں بھی پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم خدائی کلام سب سے زیادہ معزز اور واجب الاحترام ہے اس کا گراموفون میں بھرنا اور سننا ناجائز ہے(۱)، اس سے احتراز لازم ہے، اگر قرآن شریف کو آلۂ لہو ولعب بنایا جائے تو یہ کلام اللہ کا استہزاء اور استخفاف ہوگا جو کفر ہے:

"وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب، يكفر، قلت: و يقرب منه ضرب الدف و القضيب مع ذكر الله تعالىٰ ونعت المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و كذا التصفيق على الذكر". اهـ شرح فقه اكبر (۲)۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ جو اشیاء قابل احترام ہیں ان کا اس میں بھرنا اور سننا ناجائز ہے خواہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصافِ مبارکہ ہوں یا دوسرے بزرگانِ دین کے احوالِ حسنہ۔ خواجہ معین الدین

---

(۱) "وفي السراج: ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام الخ". (الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة: ۶/۳۴۸، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۷، فصل في القرأة والصلاة، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس باجے کو پسند فرمانا کس کتاب میں لکھا ہے اور وہ کتاب کس درجہ کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/محرم/ ۵۹ھ۔

قرآنِ کریم کو گراموفون میں بھرنا اور اس کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۸۸]: ۱..... گراموفون کے ریکارڈوں میں آیات قرآنی ونعتیہ غزلیں کہ جن میں حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور آپ کے محامد ومعجزات ہوں، بھرنا یا بھروانا اور پھر ان کو حسن فروش طوائفوں کے کوٹھوں اور شراب خانوں میں اور بازاروں میں یا عیش ونشاط کے وقت کوٹھی بنگلوں میں بجائے جاتے ہیں کیسا ہے؟

۲..... جو لوگ قراء یا حفاظ سے آیاتِ قرآنی کو اجرت دے کر بھرواتے ہیں، ان کا فعل کیسا ہے اور یہ اجرت لینا دینا جائز ہے یا حرام ہے؟

۳..... جو لوگ اجرت دے کر ایسے ریکارڈ بھرواتے ہیں اور پھر اس کی تجارت کرتے ہیں، یہ تجارت جائز ہے یا حرام ہے؟

۴..... جو لوگ ایسا ریکارڈ سنتے ہیں، وہ لوگ ان ریکارڈوں کا بھرنا یا بھروانا، اس کی تجارت کرنا جائز سمجھ کر کرتے ہیں، وہ مرتکبِ کبیرہ ہیں یا صغیرہ؟ کل سوالوں کا جواب مہربانی فرما کر مدلل تحریر فرماویں۔

قاضی محمد بشیر الدین صدیقی قاضیٔ شہر میرٹھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... گراموفون، آلات لہو ولعب میں سے ہے اس لئے قابلِ احترام مضامین اس میں بھرنا اور محض تفریح طبع کے طور پر سننا اور بجانا، ناجائز ہے، خصوصاً مذکورہ مقامات پر بجانا نہایت ہتکِ حرمت کا باعث ہے، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

۲..... یہ فعل اور اجرت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے قرآن کریم کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہے۔

۳..... اسی طرح یہ تجارت بھی ناجائز ہے۔

۵۰۴......جس فعل سے قرآن کریم کے احترام میں فرق آتا ہو، بلکہ قرآن شریف کو آلۂ تفریح اور لہو ولعب بنایا جاتا ہو وہ فعل کبیرہ گناہ ہے، اگر اس میں استہزاء واستخفاف بھی شامل ہو تو نہایت خطرناک امر ہے، ایمان کا باقی رہنا دشوار ہو جائے گا۔ جو شخص قرآن کریم کے ساتھ استہزاء کرے، فقہاء اس کی تکفیر کرتے ہیں:

"إذا أنكر اٰيةً من القراٰن، أو تسخر باٰية من القراٰن، وفي الخزانة: أوعاب، كفر، كذا في التاتار خانية"(۱)۔ "إذا قرأ القرآن على ضرب الدف والقصب، فقد كفر"۔ فتاوی عالمگیری: ۸۸۷/۲(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۱/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۳/محرم/۵۴ھ۔

قرآن کریم کو آلاتِ لہو اور ریڈیو میں تلاوت کرنا

سوال[۱۱۸۹]: قرآنِ کریم کا عربی الفاظ میں جن الفاظ میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یعنی "الحمد لله رب العالمين" کو گانے کے آلات میں جن آلات میں راگ دیا جاتا ہو سننا وسنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کس حد پر ناجائز ہے، حرمت کیسی ہے اور سننے وسنانے والوں کو شرع شریف کیسا سمجھتی ہے؟ ریڈیو پر قرآن کریم کا عربی الفاظ میں سننا وسنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قرآن کریم کے مبارک عربی الفاظ کو راگ اور گانے کے آلات میں پڑھنا اور سننا جیسے سارنگی، ہارمونیم وغیرہ میں انتہائی بے حرمتی اور توہین ہے، شرعاً ہرگز جائز نہیں، فقہاء نے بہت سخت حکم لگایا ہے(۳)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مكلب موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالقرآن اهـ: ۲/۲۶۶، ۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقرآن: ۵/۴۹۰، إدارة القرآن)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق: ۲/۲۶۷، رشيديه)

(۳) "قرأة القرآن على ضرب الدف والقضيب، يكفر لاستخفافه، و أدب القرآن أن لا يقرأ في مثل هذه المجالس والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع =

ریڈیو گانے اور راگ کا اصالۃً آلہ نہیں ہے بلکہ خبر کو بہت دور تک پہنچانے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، اس میں گانا بجانا بھی ہونے لگا جیسے انسان کی زبان ہے کہ اس سے گانے کا کام بھی لینا ہے اور اس کی وجہ سے زبان سے قرآن کریم کی تلاوت بھی ممنوع نہیں ہوگی، اسی طرح ریڈیو کا حال ہے تاہم جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں تلاوت نہ کی جائے: "وفي الخلاصة: من قرأ القران على ضرب الدف والقضيب يكفر"۔(۱) شرح فقه أكبر (۲)۔ "و يكفر بقراءة القرآن على ضرب الدف والقضيب"۔ البحر الرائق(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔

ریڈیو میں قرآن پاک کا پڑھنا

سوال[۱۱۹۰]: ریڈیو پر قرآن شریف پڑھنے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ریڈیو دراصل مخصوص خبروں کی اشاعت کا ایک ذریعہ ہے لیکن یہاں اس کا استعمال بھی اگر بالکل فوٹو گراف کی طرح سے نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور ہے جس میں بہت سی لغویات بھری رہتی ہیں، مختلف قسم کی تقریریں مختلف قسم کے اشعار اور طرح طرح کا گانا بجانا ہوتا ہے، مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں، ابھی ایک بازاری عورت گا رہی ہے، ابھی ایک قاری صاحب نے قرآن شریف شروع کر دیا، یہ یقیناً احترام کلام اللہ کے خلاف ہے۔ فقہاء نے مواضعِ لغو اور بازار میں کلام اللہ شریف پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ اسی طرح سے ایسے لوگوں

= والكنائس؛ لأنه مجمع الشيطان". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۴۸، رشيديه)

"وفي السراج: ودلّت المسئلة أن الملاهي كلها حرام الخ". (الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة: ۶/۳۴۸، سعيد)

"قلت: و يظهر من هذا ما كان دليل الإستخفاف، يكفر به". (رد المحتار: ۶/۲۲۲)

"والاستهزاء بشيء من الشرائع كفر". (رد المحتار: ۵/۲۷۴، سعيد)

(۱) (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۸۸، الجنس الثامن، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۷، فصل في القرأة والصلوة، قديمی)

(۳) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۵، رشيديه)

کے سامنے جو اپنے کاموں میں مشغول ہوں، زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے:

"لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال و من حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق و في مواضع اللغو، كذا في القنية اهـ". فتاوی عالمگیریہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/محرم/۵۹ھ۔

کیسٹ کے ذریعہ قرآن پاک پڑھنا

سوال[۱۱۹۱]: قرآن پاک صحیح پڑھنے کے لئے اگر کیسٹ چلائیں اور خود بھی قرآن مجید کھول کر ساتھ ساتھ پڑھتا ہے تو کیا ثواب ملے گا؟ دوسرے سجدہ آئے تو کیا ایک ہی سجدہ کافی ہے یا کیسٹ سے سننے کا الگ کرے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر خود بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا اس مجبوری سے کیسٹ چلاتا ہے اور اس کے موافق پڑھتا ہے تو ضرور ثواب ملے گا (۲) اور سجدہ ایک ہی کافی ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۶/۵، الباب الرابع من آداب المسجد و التسبيح و القرأة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۴۶/۱، مطلب الاستماع للقران فرض كفاية، سعيد)

(ومجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ۳۳۰/۴، امجد اكيڈمی)

(۲) قرآن کریم کی تلاوت کے لئے جو بھی کوشش ہوگی اس پر اجر ملے گا "عن عائشة -رضي الله تعالى عنها- : قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن و يتتعتع فيه، وهو عليه شاق، له أجران". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۴۳۷، ص: ۱۰۶۷، دار السلام، بيروت)

(۳) "ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ جو آیت سجدہ کی جائے اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لئے تلاوتِ صحیح شرط ہے اور آلۂ بے جان بے شعور سے تلاوت مقصود نہیں"۔ (آلات جدید)، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ملخص، ص: ۲۰۷، ادارۃ المعارف کراچی)

آدابِ تلاوت کا بیان

منبر کے پہلے درجہ پر قرآن رکھ کر پڑھنا

سوال[۱۱۹۲]: منبر کے پہلے درجہ پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جزودان، غلاف، تکیہ وغیرہ پر رکھ کر پڑھنا تقاضائے ادب ہے۔ جس جگہ پیر رکھے جاتے ہوں اس جگہ بغیر غلاف وتکیہ کے نہ رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مجبوراً لیٹے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا

سوال[۱۱۹۳]: ضعفِ شدید کی وجہ سے بیٹھ کر تلاوت نہیں کر پاتے، کیا جائز ہے کہ چت لیٹ کر یا کروٹ لیکر تلاوت کریں اور پیروں کو نہ سکوڑیں کہ پیروں کو ذرا دیر سکوڑنے میں گھٹنوں میں درد پیدا ہو جاتا ہے اور ٹانگوں میں درد ہو جاتا ہے، کیا پیر کو سکوڑنا لازم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی حالت میں بغیر پیر سکوڑے بھی تلاوت جاری رکھیں، جب سہولت ہو سکوڑ لیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

وقال الحافظ ابن کثیر: "أی لا یکلف أحداً فوق طاقته، و هذا من لطفه تعالیٰ بخلقه و رأفته بهم و إحسانه إلیهم". (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۵۷، دار السلام، ریاض)

برہنہ سر تلاوت کرنا

سوال[۱۱۹۴]: برہنہ سر تلاوتِ قرآن کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

افضل یہ ہے کہ حسبِ حیثیت عمدہ لباس پہن کر عمامہ باندھ کر تلاوت کرے۔ عالمگیری (۱) لہذا برہنہ سر خلاف افضل ہے۔

تلاوت قرآن کریم بازار میں جہراً اور مسجد میں سراً

سوال[۱۱۹۵]: قرآن شریف کو بازار میں بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ بعض حافظ صاحبان مسجد میں چلتے پھرتے آہستہ آواز سے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

مسجد میں چلتے پھرتے آہستہ تلاوت کرنا درست اور موجبِ ثواب ہے، بازار (مواضع لغو) میں بلند آواز سے تلاوت کرنا کہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اور کوئی تلاوت نہ سنتا ہو درست نہیں، منع ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "رجل أراد أن يقرأ القرآن، فينبغي أن يكون على أحسن أحواله، يلبس صالح ثيابه، و يتعمّم، ويستقبل القبلة؛ لأن تعظيم القرآن والفقه واجب". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۱۶، كتاب الكراهية، الباب الرابع، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۵/۳۱۶، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح و قرأة القرآن، رشيديه.)

(وامداد الفتاوى: ۴/۳۹، دار العلوم كراچى)

(۲) "يجب على القارى احترامه بأن لا يقرأ في الأسواق و مواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المُضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال، دفعاً للحرج". (رد المحتار: ۱/۵۴۶، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد) .... =

متعدد لوگوں کا بیک وقت جہراً قرآن پاک پڑھنا

سوال[۱۱۹۶]: زید وعمر وبکر وخالد جمع ہوکر بآواز بلند تلاوت قرآن مجید فرماتے ہیں آیا یہ جائز ہوگا یانہیں، قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ الخ۔

اس آیت سے سننا واجب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے فقہ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت مستحب ہے، اس لئے شبہ ہوتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"وفي الدرة المنيفة عن القنية: يكره للقوم أن يقرؤا القرآن جملةً، لتضمنها ترك الإستماع والإنصات، و قيل: لا بأس به اهـ". طحطاوی (۱). "ولا بأس باجتماعهم على قرأة الإخلاص جهراً عند ختم القرآن، ولو قرأ واحد و استمع الباقون فهو أولى اهـ". هندیه(۲).

اس سے معلوم ہوا کہ اولیٰ واحوط بلا اختلاف یہ ہے کہ ایسی حالت میں سب آہستہ پڑھیں جہر نہ کریں تاکہ استماع واجب میں خلل نہ ہو، اگر جہر کریں تو ایک جہر سے پڑھے باقی سنیں سب کا جہر کرنا مکروہ ہے اور بعض فقہاء اس حالت میں بھی عدم کراہت کے قائل ہیں۔

آیت: ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ الخ (۳) کو ایک جماعت نے نماز کے ساتھ مخصوص مانا ہے، اس لئے خارجِ صلوٰۃ یہ آیت اس کا حکم نہیں دیتی، اور ایک جماعت نے عام مانا ہے اگر چہ سببِ نزول خاص ہے۔

"عن طلحة –رضي الله تعالىٰ عنه– قال: رأيت عبيد بن عمر، وعطاء بن أبي

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۶/۵، الباب الرابع من آداب المسجد والتسبيح والقرأة، رشيديه)

و في المحيط: "يكره رفع الصوت لقرأة القرآن عند المشتغلين بالأعمال". (مجموعة الفتاوى، على هامش خلاصة الفتاوى: ۳۳۰/۴، أمجد اكيڈمی لاهور)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الاذكار، ص: ۳۱۸، قديمي)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۷/۵، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح والقرأة، رشيديه)

(۳) (الأعراف: ۲۰۴)

رباح رحمه الله تعالىٰ يتحدثان والقاصّ يقص، فقلت: ألاتستمعان إلى الذكر و تستوجبان الموعود؟ قال: فنظرا إليّ ثم أقبلا على حديثهما، قال: فأعدت فنظرا إليّ وأقبلا على حديثهما، قال: فأعدت الثالثة قال: فنظرا إليّ فقال: إنما ذلك في الصلوة: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾. و كذا قال سفيان الثورى عن أبي هاشم إسماعيل بن كثير عن مجاهد في قوله: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ قال: في الصلوة، و كذا رواه غير واحد عن مجاهد. وقال عبد الرزاق: عن الثورى عن ليث عن مجاهد قال: لا بأس إذا قرأ الرجل في غير الصلوة أن يتكلم (إلى قوله) عن أبي هريرة –رضى الله تعالى عنه– أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من استمع إلى آية من كتاب الله، كتبت له حسنة مضاعفة، و من تلاها كانت له نوراً يوم القيمة"۔ ابن كثير(١).

﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قرأة القرآن في الصلوة وغيرها، و قيل: معناه: إذا تلا عليكم الرسول القران عند نزوله، فاستمعوا له. وجمهور الصحابة رضى الله تعالى عنهم أنه في استماع المؤتم، و قيل: في استماع الخطبة، وقيل: فيهما وهو الاصح اهـ". مدارك التنزيل (٢).

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ استماع اور سکوت کو فرضِ عین قرار دینا اور وقتِ تلاوت قرآن تکلم کو حرام قرار دینا اور اس حکم کی تعمیل کرنا کہ حالت صلوۃ وغیر صلوۃ ہر دو کو شامل ہو دشوار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

چند آدمیوں کا قرآن کریم کو جہراً پڑھنا

سوال[۱۱۹۷]: چند لوگ ایک جگہ بیٹھ کر تلاوتِ قرآن جہر کے ساتھ کریں اور دوسرا نہ سنے ایسا کرنا

(١) (تفسير ابن كثير: ٣٧٣/٢، (سورة الأعراف: ٢٠٤)، دار الفيحاء دمشق)

(٢) (مدارك التنزيل: ٤٥٨/١ (سورة الأعراف)، قديمى)

(و كذا في رد المحتار: ٥٤٦/١، الاستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد)

درست ہے یا نہیں؟ ایک مقامی عالم اس طریقہ کو درست فرماتے ہیں حالانکہ اس طریقے سے تلاوتِ قرآن کرنا درست نہیں ہے، جب کہ علماءِ حق نے منع کیا ہے، مسئلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصليا:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ سب آہستہ آہستہ تلاوت کریں تاکہ ایک کی آواز دوسرے سے نہ ٹکرائے اور قرأتِ قرآن کو سننے کا فریضہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو، لیکن اگر جہراً پڑھیں تب بھی ایک قول پر اجازت ہے۔ جب ایک شخص خود ہی تلاوت میں مشغول ہے اور دوسرے کی تلاوت کو نہیں سن رہا ہے تو وہ قرآن پاک کی طرف سے اعراض کرنے والا شمار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنا چاہئے یا آہستہ سے؟

سوال [۱۱۹۸]: ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی میں قرآن شریف زور سے پڑھنا چاہئے یا خاموشی سے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے موقعہ پر خاموشی سے پڑھنے کو کہتے تھے۔ صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "وفي الدرة المنيفة عن القنية: يكره للقوم أن يقرؤوا القرآن جملةً لتضمنها ترك الإستماع والإنصات، وقيل: لا بأس به". (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل باب ما يفسد الصلاة، ص: ۳۱۸، قديمي)

"وحكى ابن المنذر الإجماع على عدم وجوب الإستماع والإنصات في غير الصلاة والخطبة، وذالك أن يجابها على كل من يسمع أحداً يقرأ فيه حرج عظيم ؛لأنه يقتضي أن يترك له المشتغل بالعلم علمه، والمشتغل بالحكم حكمه، والمتاعان مسادمتهاؤ تعاقد هما، وكل ذي شغل شغله". (تفسير المنار: ۹/۵۵۲، ۵۵۳)

"(وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) ...... المؤمن في سعة من الإستماع إليه إلا في صلاة مفروضة". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۳۹، باب القراءة خلف الإمام، دارالكتب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۹/۱۵۰، ۱۵۳، داراحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

افضل تو یہی ہے کہ جب ایک جگہ مجمع قرآن شریف پڑھے تو سب آہستہ پڑھیں لیکن زور سے پڑھیں تب بھی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

لوگوں کی رعایت میں قرآن سنوا کر پڑھنا

سوال[۱۱۹۹]: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو تعریف فرمائی، جب ان کو پتہ چلا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر ہم کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور اچھا پڑھتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی فرمائش پر قرآن پڑھا جائے اور خوب سنوار کر پڑھا جائے تو جائز ہے، لہٰذا اگر نماز تراویح میں کسی کی رعایت سے خوب سنوار کر اس کا دل خوش کرنے کے لئے پڑھا جائے تو کیا حکم ہے کہ مؤمن کا دل خوش کرنا بھی ثواب ہے؟

الجواب حامدا ومصلیاً:

اس میں شک نہیں کہ مؤمن کا دل خوش کرنے میں بھی ثواب ہے، لیکن جو عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے اس میں نیت اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہی ہونی چاہئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا اپنی اصل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کو خوش کرنا ہے: ﴿ومن يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (۲) ورنہ اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) "ولا بأس باجتماعهم على قرأة الإخلاص جهراً عند ختم القرآن، و لو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى". (الفتاوى العالمكيرى: ۳۱۷/۵، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح والقرأة، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸ فصل في صفة الأذكار، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۲۸۱/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مدارك التنزيل: ۴۵۸/۱، سورة الأعراف، قديمي)

(۲)(سورة النساء: ۸۰)

وقال ابن كثير: "يخبر تعالىٰ عن عبده ورسوله محمد صلى الله عليه وسلم بأن من أطاعه فقد أطاع الله، ومن عصاه فقد عصى الله، وما ذاك إلا لأنه ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى".

(تفسير ابن كثير: ۷۰۳/۱، دار السلام رياض) .... =

3

عبادت اگر مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کی جائے تو شرک کا خطرہ ہے: ﴿فمن کان یرجو لقاء ربه، فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرك بعبادة ربه أحداً﴾(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۰ھ۔

بوقتِ مطالعہ تلاوت کرنا

سوال[۱۲۰۰]: ایک ایسے کمرہ میں بالجہر تلاوت کرنا جس میں کئی آدمی اپنی کتب دینیہ زور سے پڑھ رہے ہیں یا سرا مطالعہ کر رہے ہیں مگر تلاوت کی طرف توجہ بالکل نہیں ہے تو اس صورت میں تلاوت بالجہر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر دوسرا شخص پہلے سے دینی کتب کے مطالعہ میں مشغول ہے تو آہستہ تلاوت کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

کیا تلاوت کی وجہ سے کسی کے وظیفہ کو روکا جائے گا؟

سوال[۱۲۰۱]: اگر مسجد میں کوئی ورد یا وظیفہ پڑھ رہا ہو تو بآواز بلند تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

= "وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أطاعني فقد إطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۲۷۰، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (سورة الكهف: ۱۱۰)

(۲) "يكرر من الفقه وغيره يقرأ القرآن لا يلزمه الاستماع .... رجل يكتب الفقه و بجنبه رجل يقرأ القرآن و لا يمكنه استماع القرآن، كان الإثم على القارى و لا شىء على الكاتب". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۸/۵، الباب الرابع، رشيديه)

(كذا في رد المحتار: ۵۴۶/۱، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد)

(ومجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ۳۳۰/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر تلاوت پہلے سے کوئی شخص بآواز بلند کررہا ہے اور پھر کسی نے آکر اپنا وظیفہ شروع کردیا تو تلاوت کرنے والے کو روکا نہیں جائے گا اور اگر وظیفہ پہلے سے کوئی شخص پڑھ رہا ہے تو بعد میں آنے والا آہستہ تلاوت کرے مگر مجبور پھر بھی نہیں کیا جائے گا محض استحسانی چیز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

جلسہ کی ابتدا کلام پاک سے

سوال[۱۲۰۲]: ۱...... مسلم یونیورسٹی مسلمانوں کا ادارہ ہے، جس کی مجلس (مسلم یونیورسٹی کورٹ) خالصۃً مسلمانوں کی جماعت ہے اور کوئی غیر مسلم قانوناً اس کا ممبر نہیں بن سکتا۔ مجلسِ مذکورہ کے جلسہ خصوصی منعقدہ ۱۷/ دسمبر ۱۹۳۹ء میں ایک ممبر نے یہ تجویز پیش کی کہ کورٹ کے جلسوں کی ابتداء تلاوت کلام سے ہوا کرے، اس پر ایک دوسرے ممبر نے مخالفت کی اور کہا کہ آج اس جلسہ میں تلاوت کلام ہوگی کل دوسرے جلسوں میں ہوا کرے گی اور جلسہ میں ناظمِ دینیات کو کلامِ پاک پڑھنے کے لئے بلانا ہوگا، اس لئے اس تجویز کو پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ واضح رہے کہ اس مجلس میں کافی تعداد میں ممبران حافظ جی اور مذہبی پیشوا ہیں، مزید ممبران ہر ممبر مسلمان ہی ہے اور تلاوتِ کلام پاک کرسکتا ہے اور ناظمِ دینیات کا اس کام کے لئے مامور ہونا ضروری نہیں ہے۔

چونکہ یہ تجویز شاملِ ایجنڈا نہ تھی اور ہر ایسی تجویز کے پیش کرنے کے لئے جو خارج ایجنڈا ہو، دو تہائی

---

(۱) "صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل، يعذرون في ترك الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القرأة و إلا فلا، و كذا قرأة الفقه عند قرأة القرآن، مدرس يدرس في المسجد و فيه مقرئ يقرأ القرآن بحيث لو سكت عن درسه يسمع القرآن يعذر في درسه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۱۷، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح و قرأة القرآن، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار: ۱/۵۴۶، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد)

(و كذا في مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوى: ۴/۳۳۰، امجد اكيڈمی لاهور)

ممبران موجودہ کی رضامندی ضروری ہوتی ہے اس لئے اس مخالفت کی بنا پر اس تجویز کو دوتہائی ممبروں کی تائید حاصل نہ ہوئی اور تجویز نہ پیش کی جاسکی۔ محرک آئندہ اجلاس میں پھر اس تجویز کو باضابطہ نوٹس کے ساتھ پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان حالات کے ماتحت اس تجویز کو پیش کرنا شریعتِ حقہ کی رو سے کیسا ہے اور کیا اس مخالفت کے بعد اس تجویز کو پیش کرنا اور جلسہ کو تلاوتِ کلام سے شروع کرنا لازمی ہوگیا؟ مفصل اور مشرح جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

[۱۴۰۳] ۲:... نیز کیا تلاوتِ کلام پاک کے لئے وضو کا ہونا ضروری ہے، بلا وضو کلام پاک ممنوع ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱... اہلِ اسلام کے جلسہ کی ابتداء اگر تلاوت کلام اللہ شریف سے ہو تو نہایت مستحسن ہے اور باعث برکت ہے، لیکن یہ فرض واجب کے درجہ میں نہیں کہ اس کے ترک کرنے سے گناہ ہو بلکہ محض استحسان اور استحباب کا درجہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے برکت اور ثواب سے محرومی رہے گی (۱) اور بفضلہ تعالیٰ مسلمان قرآن شریف سے اس قدر تعلق اور لگاؤ رکھتے ہیں کہ ہر جگہ کم وبیش اس کی تلاوت پر قدرت رکھنے والے ضرور ہی میسر آجاتے ہیں اور کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اگر کوئی مجلس مسلمانوں کی قانوناً ممانعت کردے کہ ہمارے جلسہ میں تلاوت کی اجازت نہیں تو یہ قانون یقیناً اسلام اور اسلامی احساسات کے مخالف ہوگا، ایسی صورت میں اس قانون ساز جماعت کو نرمی سے سمجھایا جائے کہ وہ خود ہی اس قانون کو منسوخ کردے اور کلام الٰہی کی تلاوت پر ایسی پابندی عائد نہ کرے، اگر وہ نہ مانے تو ایسے قانون کی پابندی شرعاً ناجائز ہے (۲)، اس کے خلاف کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح تلاوت کو ایسا لازم کرنا کہ بغیر اس کے کوئی اجلاس ہی نہ ہوسکے اس کو فرض کا درجہ دینا یہ بھی ناجائز ہے (۳)، اس لئے ایسا

---

(۱) "كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بذكر فهو أقطع" ... "كل أمر ذي بال لم يبدأ فيه بذكر الله ثم بالصلاة عليّ فهو أقطع". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، مقدمه: ۱/۳۷، ۳۸، رشيديه)

(۲) "لا طاعة لمخلوق في معصية الله". (مسند الإمام أحمد: ۱/۲۱۲، رقم الحديث: ۱۰۹۸، دار إحياء التراث العربي)

(۳) "من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال =

کرنا چاہئے کہ اکثر تو افتتاح تلاوت سے ہو اور کبھی بغیر اس کے بھی۔

۲..... قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کے لئے تو وضو کا ہونا ضروری ہے اور محض تلاوت کے لئے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اور بلا وضو بھی تلاوت جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ ہذا، ۶/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

سیاسی غیر مسلم ہندوؤں کی آمد پر قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا افتتاح

سوال[۱۲۰۴]: ایک سیاسی مجلس میں ہندو مسلم شریک ہوں اور یہ مجلس ہندو لیڈروں کی آمد پر منائی گئی ہو اور چند ہندو مجلس کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ کرنے کے متمنی ہیں۔ دریں صورت تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نوٹ: تلاوت نہ کرے تو تعصب کا اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس مقصد سے تلاوت کی جائے کہ اللہ کے کلام سے ان کے قلوب متاثر ہو کر اسلام سے قریب ہو جائیں تو گنجائش ہے، اگر محض رسمی طور پر ہو یا اس کے اعزاز میں ہو تو اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= .... و جاء في حديث ابن مسعودؓ: إن الله يحب أن تؤتى رُخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه".
(السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرأة: ۲/ ۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "و لا تكره قراءة القرآن للمحدث ظاهراً": أي على ظهر لسانه حفظاً بالإجماع" (الحلبي الكبير، مطلب في اصح القولين، ص: ۲۰، سهيل اكيڈمی)

(كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۴۲، كتاب الطهارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(والنهر الفائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۳۴، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "قال الإمام محمد في السير الكبير: وإذا قال الحربي أو الذمي للمسلم: علّمني القرآن، فلا بأس بأن يعلمه و يفقهه في الدين لعل الله يقلب قلبه ..... إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن =

تلاوت کے وقت سر ہلانا

سوال[۱۲۰۵]: تلاوتِ کلام پاک یا کتب حدیث پڑھتے وقت سر ہلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ شرعی حکم نہیں طبعی چیز ہے، بعض ہلاتے ہیں بعض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

اٹک اٹک کر قرآن شریف پڑھنے والے کا اجر

سوال[۱۲۰۶]: نسائی اور ابن ماجہ کے باب فضائل قرآن شریف میں جو یہ حدیث آئی ہے کہ "اٹک اٹک کر پڑھنے والے کو دہرا ثواب اور جو تیز پڑھتا ہے اس کو اکہرا ثواب ملتا ہے"(۱) یہ عقل کے خلاف اور انصاف کے خلاف ہے یا نہیں؟ محدثین نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ مہربانی فرما کر جواب صاف اردو میں مفصل ومدلل دینا چاہیے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ اٹک اٹک کر پڑھنے میں مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو دو اجر ملیں گے: ایک پڑھنے کا اجر، دوسرا مشقت کا اجر۔ جو شخص روانی سے پڑھتا ہے اس کو مشقت نہیں ہوتی تو اس کو صرف پڑھنے کا اجر ملے گا اور اس سے مقصود قرآن شریف کی طرف توجہ اور رغبت دلانی ہے۔ جو شخص ماہر ہے اٹک کر نہیں پڑھتا

= مثل هذا الخوف فلا بأس بذلک". (تکمله فتح الملهم شرح صحيح المسلم، باب النهى إن سافر بالمصحف الخ: ۳/۳۸۶، مكتبه دار العلوم)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۶۰، مطلب في أصح القولين، سهيل اكيڈمی)

(وفي رد المحتار: ۱/۱۷۷، مطلب يطلق الدعاء الخ، سعيد)

(۱) "عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرؤه، يتعتع فيه، وهو عليه شاق، له أجران إثنان". (سنن ابن ماجه، باب ثواب القرآن، ص: ۲۷۶، مير محمد كتب خانه)

(وسنن أبى داؤد مع بذل المجهود، باب في ثواب قرأة القرآن: ۲/۳۳۷، مكتبه قاسمية، ملتان)

وہ افضل ہے اگر چہ اس کو مشقت کا اجر نہیں ملتا، لیکن اس کا اجر بھی اٹک کر پڑھنے والے سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہوگا اگر چہ اکہرا ملے: "فله أجران: أی أجر لقرأته وأجر لتحمل مشقته، وهذا تحريض على تحصيل القرأة، وليس معناه أن الذي يتتعتع فيه أجره أكثر من الماهر، بل الماهر أفضل وأكثر أجراً حيث اندرج في سلك الملائكة المقربين والأنبياء المرسلين والصحابة المقربين اهـ". بذل المجهود: ۲/۳۳۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۲/۵۷ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

تلاوت کا ثواب زیادہ ہے یا تحیۃ المسجد کا؟

سوال[۱۲۰۷]: تقریباً دس بیس نمازی مسجد میں تلاوت قرآن پاک کر رہے تھے، ایک شخص آکر کہتا ہے کہ مجھے تحیۃ المسجد پڑھنی ہے تلاوت بند کردو۔ تو یہ فعل افضل ہے یا تلاوت کرنا افضل و بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں جبکہ لوگ تلاوت کر رہے ہیں تو اس کے بعد میں آنے والے کو مناسب یہ ہے کہ تلاوت سننے میں مشغول ہو جائے دوسروں کو تلاوت سے نہ روکے، اگر تحیۃ المسجد پڑھنی ہی چاہے تو الگ کسی جگہ پڑھ لے، تلاوت کرنا، سنت تحیۃ المسجد پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له﴾ الآیہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

---

(۱) (بذل المجهود في حل أبي داود، الجزء التاسع، باب ثواب قرأة القرآن: ۲/۳۳۸، مكتبه قاسمية، ملتان)

(۲) (سورة الأعراف، آيت: ۲۰۴)

"صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل، يعذرون في ترك الإستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة، وإلا فلا، وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن". (رد المحتار، فروع في القراءة خارج الصلوة: ۱/۵۴۶، سعيد) .... =

دس دفعہ "قــل هــو الله" پڑھنے سے جو مکان جنت میں ملے گا کیا اس میں بیوی بچے بھی ساتھ ہوں گے؟

سوال[۱۲۰۸]: بعض نوتعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ جو شخص دس بار "قل ھو اللہ" پڑھے گا ایک محل جنت میں تعمیر ہوتا ہے تو کیا وہ محل صرف اسی کے لئے ہے یا اس کے ساتھ حور وغلمان بھی رہیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس مرتبہ "قــل هــو الله" پڑھنے پر جنت میں ایک محل کا تیار ہونا کس روایت میں ہے؟ ان سے دریافت کر کے لکھئے تا کہ اس پر غور کیا جائے، اتنا ثابت ہے کہ جنت میں جو کچھ آدمی چاہے گا اس کو ملے گا: ﴿وفيها ماتشتهيه الأنفس وتلذ الأعين﴾ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر تلاوت کرنا

سوال[۱۲۰۹]: پان میں تمباکو کھا کر مسجد یا دوسری جگہ تلاوت قرآن کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لئے پان کھایا گیا ہو کہ اس سے نیند نہ آئے۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۱۷، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن، رشيديه)

(مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوى: ۴/۲۳۰، امجد اكيڈمى لاهور)

(۱) (الزخرف: آیت: ۷۱)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسير ابن كثير: ۴/ ۱۷۱، دار السلام، رياض)

وقال الإمام أحمد رحمه الله تعالىٰ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أدنى أهل الجنة منزلةً أن له لسبع درجات، وهو على السادسة، وفوقه السابعة، وأن له ثلثمأة خادم، ويغدى عليه ويراح كل يوم بثلث مأة صفحة إلخ". (مسند الإمام أحمد: ۲/ ۴۵۰، دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامدا ومصلیاً:

ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ منہ صاف کرکے تلاوت کی جائے (۱) اور یہ تصور کیا جائے کہ میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں، پھر انشاء اللہ تعالیٰ نیند نہیں آئے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۱/۱۸ھ۔

دنیاوی غرض کے لئے بھی ذکر قرآن پر اجر ہے

سوال [۱۲۱۰]: بعض اوراد جن کے فضائل احادیث سے ثابت ہیں مثلاً: قرآن شریف علی الاطلاق اور اس کی بعض سورت وآیات بالخصوص "سبحان اللہ، والحمد للہ، لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" الخ. لاإلٰہ إلا اللہ وحدہ" وغیرہ وغیرہ جن کے فضائل منصوص ہیں، اس قسم کے اوراد اگر ایسی ترکیب سے پڑھے جائیں جو مشائخ نے بیان فرمائی ہیں یا عالموں نے بتلائی ہیں یا خاص اس کمیت اور کیفیت سے پڑھی جائیں جو کمیت اور کیفیت ان کی احادیث سے ثابت ہے، مگر ان کے پڑھنے سے کسی دنیوی غرض کا پورا کرنا ہے مثلاً: یہ کہ رزق میں فراخی ہو جائے یا بچہ پیدا ہو یا فلاں مرض دفع ہو جاوے، یا فلاں غائب واپس آجائے یا تجارت میں نفع ہو یا فلاں عورت سے نکاح ہو جائے یا فلاں فلاں میں محبت ہو جائے یا فلاں گمشدہ مال واپس مل جائے یا فلاں مصیبت اور تنگی دور ہو جاوے یا تسخیر عالم ہو جائے یا تسخیر جنات وغیرہ ہو جائے یا تسخیر کوکب مثلا زہرہ، مشتری، عطارد، شمس وغیرہ ہو جائے یا فلاں فلاں مقدمہ ختم ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک حاجت کے لئے خاص خاص تراکیب کتب عملیات میں موجود ہیں اور مشائخ عظام سے منقول ہیں اور قرآن شریف کی مختلف آیات اور سورے بتلائی گئی ہیں اور بعض مفسرین نے بعض بعض آیات کی خاصیات تحریر فرمائی ہیں کہ ان میں یہ فوائد ہیں جو کہ دنیوی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں اور حالانکہ قرآن شریف کے نصوص میں وارد ہے کہ ایک ایک حرف کے بدلہ میں ۱۰، ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن شریف کی بعض آیات یا اذکار مذکورہ میں سے کسی کو اگر کوئی شخص اس قسم کی دنیوی حاجات کے لئے پڑھے تو پڑھنے والے کو اس پر کوئی ثواب مرتب ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) کتب فقہ میں صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ عرف عام میں اس کو بے ادبی خیال کیا جاتا ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

اگر ہوگا تو کیا وہی منصوص یا اس سے کم اور اگر حاجت دنیوی کے لئے پڑھا جائے کہ آثار میں صراحۃً ذکر ہیں مثلاً: سورہ واقعہ کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بررات میں پڑھنا دافع فقر ہونا منقول ہے(۱)، اسی طرح پر "لاحول ولا قوة إلا بالله" الخ ولامنجا، من الله إلا إليه"(۲) کا حدیث مرفوع میں ننانوے بلا کا دافع ہونا جس کا ادنیٰ فقر ہے مروی ہے تو اگر کوئی اس وظیفہ کو دفع فقر اور فاقہ تنگدستی کے لئے دائمی پڑھتا ہے تو کیا اس کو اس دنیوی حاجت کے قضاء کے لئے پڑھنے سے ثواب جو مطلقاً تلاوت قرآن شریف کے متعلق یا "لا حول" الخ پڑھنے پر روایات میں وارد ہے موصول ہوگا یا نہیں؟

اور اگر کوئی شخص ایسا وظیفہ جن کے فضائل نصوص سے ثابت ہیں بالفاظہا تو نہیں پڑھا کرتا مگر ایسا ہی جن اوراد کے فضائل روایات سے ثابت ہیں، مثلاً: دعاء، ثناء حمد باری عزاسمہ و درود بالفاظ ماثورہ، ان کے فضائل منصوص ہیں، اب کوئی شخص فارسی، ہندی وغیرہ زبان میں کوئی ورد، دعاء، ثناء کا کسی حاجت کے لئے پڑھتا ہے تو کیا اس کو وہ ثواب بھی مل سکتا ہے جو دعاء، ثناء وغیرہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ بالتفصیل بیان فرمادیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو خواص وفوائد آیات وسور واذکار کے منصوص ہیں ان کے لئے پڑھنے سے ثواب میں کمی نہیں آئے گی، کیونکہ جس نے ثواب بتایا ہے اسی نے خواص وفوائد بتائے ہیں اور ان خواص وفوائد کے لئے پڑھنے کی تعلیم دی ہے اور ثواب کو مشروط نہیں کیا خواص وفوائد کی نیت نہ ہونے کے ساتھ۔

نیز خواص وفوائد اور نیت ثواب میں تزاحم بھی نہیں کہ اجتماع دشوار ہو، گو اعلیٰ اور افضل درجہ یہ ہے کہ محض رضائے حق تعالیٰ مقصود ہو کیونکہ خواص وفوائد کا ترتب تو بہر حال ہوگا پھر ثواب کو تابع اور خواص وفوائد کو متبوع بنانے کی کیا ضرورت ہے، تاہم اس سے ثواب منصوص میں کمی نہ ہوگی اگرچہ یہ درجہ مفضول ہونے کی وجہ سے افضلیت کا ثواب نہ مل سکے گا، اپنی مشروع اغراض کے لئے دعا کرنا خود مامور بہ ہے جو کہ موجب ثواب ہے اور

---

(۱) "عن عبدالله مسعود رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قرأ سورة الواقعة كل ليلة، لم تصبه فاقة أبداً". (تفسير ابن كثير: ۴/۳۶۰، سورة الواقعه، دارالسلام، رياض)

(۲) (مسند الإمام أحمد: ۲/۵۹۵، رقم الحديث: ۸۰۲۴، دارإحياء التراث العربي)

(وحصن حصين: ۳۵۴، رقم: ۵۴، خزينة علم وادب، لاهور)

غیر مشروع اغراض کے لئے پڑھنا جائز ہے:

''من قرأ حرفاً من كتاب الله، فله حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: آلم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف اهـ''. ترمذی شریف(۱)۔

''من شغله القرآن: أى لفظاً أو حفظاً أو معنىً أو عملاً، وتخلف عن ذكرى: أى من سائر الأذكار ومسئلتى: أى من بقية الأدعية، أعطيه أفضل ما أعطى: على صيغة المضارع المعلوم المتكلم الواحد: أى أفضل ما أعطيه السائلين: أى والذاكرين فهو من باب الاكتفاء، أو المراد بالسائلين الطالبون فى ضمن الذكر والدعاء بلسان القال أو بيان الحال. وقال المظهر: يعنى إن اشتغل بقراءة القرآن ولم يفرغ إلى الذكر والدعاء، أعطاه الله مقصوده ومراده أحسن وأكثر مما يعطى الذين يطلبون من الله تعالى حوائجهم، والمعنى أنه لا يظن القارى أنه إذا لم يطلب من الله حوائجه لا يعطيه إياها، بل يعطيه أكمل الإعطاء، فإنه من كان لله كان الله له اهـ''. الحرز الثمين مختصراً، ص: ۲۵۲(۲)۔

''فلو قصد بالذكر القربة إلى الله تعالى لكان أكثر ثواباً، ومن ثم قال الغزالیؒ: حركة اللسان بالذكر مع الغفلة منه تحصل الثواب؛ لأنه خير من حركة اللسان بالغيبة، بل هو خير من السكوت مطلقاً: أى المجرد من التفكر، قال: وإنما هو ناقص بالنسبة إلى عمل القلب اهـ''. فتح الباری: ۱/۱۴(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۳/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱)(جامع الترمذی، باب ماجاء من قرأ حرفاً من القرآن فله من الأجر: ۲/۱۱۹، سعید)

(۲)لم أظفر عليه

(۳)(فتح الباری، كتاب بدء الوحی، باب: ۱، ۱/۱۸، قديمى)

مصیبت کا علاج قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھنا

سوال[۱۲۱۱]: ہمارے یہاں ایک صاحب نے یہ عمل بتلایا کہ مصیبت کے وقت یا کسی پریشانی کے وقت پریشانی دور کرنے کے لئے قرآن مجید کی سطروں پر انگلی رکھتے جائیں اور بسم اللہ پڑھتے جائیں چاہے قرآن پڑھا ہوا ہو وہ بھی قرآن پاک کی لائنوں پر انگلی رکھتا جائے اور بسم اللہ پڑھتا جائے تو کیا یہ عمل ٹھیک ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مصیبت دور کرنے کا علاج توبہ واستغفار ہے، گناہوں سے نادم ہو کر معافی مانگنا اور آئندہ کو عہد کرنا ہے، حقوق اللہ: نماز، زکوۃ، صدقہ، روزہ جو بھی ذمہ میں باقی ہیں ان کو پورا کرنا ہے(۱)، بندوں کے حقوق کو ادا کرنا ہے اور ان سے معافی مانگنا ہے(۲)۔ قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھ کر بسم اللہ پڑھنا قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علاج تجویز نہیں فرمایا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم/۱۳۹۳ھ۔

قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور بسم اللہ پڑھنا

سوال[۱۲۱۲]: ۱.....قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور ہر سطر پر محض بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال:....."یا کعب بن عجرة! الصلاة قربان، والصوم جنة، والصدقه تطفئ الخطیئة، کما یطفئ الماء النار". (المسند للإمام أحمد: ۳/۳۹۹، دار إحیاء التراث العربی)

(وصحیح البخاری: ۹/۱۷۵، دار الفکر بیروت)

(والسنن للنسائی: ۴/۱۲۶، دار الکتب)

(۲) "وأیضاً قد نصوا علی أرکان التوبة ثلاثة: الندامة علی الماضی، والإقلاع فی الحال، والعزم علی عدم العود فی الاستقبال.......... و إن کانت عما یتعلق بالعباد......... فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه فی حقوق اللہ تعالیٰ علی الخروج عن عهدة الأموال و إرضاء الخصم فی الحال والاستقبال بأن یتحلل منهم أو یردها إلیهم" الخ. (شرح الفقه الأکبر، بحث التوبة، ص:۱۵۸، قدیمی)

تبرکاً وتیمناً اور عدم علم قرآن کی وجہ سے ہر دو کا کیا حکم ہے؟

۲......اس طریقہ کو ختم قرآن سے تعبیر کرنا کیسا ہے؟

۳......اگر وظیفہ کے لئے ایسا عمل کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

۴......اگر جائز ہے تو محض امر دینی ومقصد شرعی کے لئے جائز ہے یا حصول غرض دنیاوی یعنی غیر شرعی کے لئے بھی جائز ہوگا؟ نیز حصول دولت جبکہ ضرورت سے زائد ہو امر دینی ہوگا یا دنیاوی وغیر شرعی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیر کر بسم اللہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ بسم اللہ ہے، یہ غلط ہے، محض بسم اللہ پڑھنے کا ثواب مستقل ہے۔

۲......اس طریقہ کو ختم قرآن کہنا اور سمجھنا غلط ہے۔

۳......اگر کوئی وظیفہ ایسا ہو کہ قرآن کریم کی سطور کے عدد کے موافق بسم اللہ پڑھی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

۴......خلاف دین کسی مقصد کا حاصل کرنا اور اس کے لئے وظیفہ پڑھنا درست نہیں، غیر شرعی امور سے تو بچنے کا حکم ہے، ضرورت سے زائد ناموری کے لئے دولت حاصل کرنا امر دنیوی اور غیر شرعی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شب میں قرآن کریم ختم کرنا

سوال[۱۲۱۳]: زید نے کہا کہ تلاوت قرآن پاک ایک شخص ایک شب میں نہیں کرسکتا، اگر کسی نے کیا تو سنت کے خلاف کیا، قرآن پاک کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، ایک شب میں جس نے تلاوت کر کے لوگوں کو سنایا وہ قرآن کا حق ادا نہ کیا خلافِ سنت ہے، قرآن کی بعض آیات یا تمام آیات کو جلد جلد

(۱) "عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالیٰ عنه يقول: قال النبي ﷺ: "من سمّع سمع الله به و من يراء يراء الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹۶۲/۲، قديمي)

پڑھنے کا حکم شرعاً نہیں ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کم از کم وہ گنہگار ہے۔ اس پر بکر نے کہا کہ ایک شب میں تلاوتِ قرآن کرنا درست ہے، ہمارے علاقہ میں حافظ چند گھنٹے میں قرآن ختم کرتے ہیں۔ اس پر زید نے کہا کہ وہ شیطان ہیں جو چند گھنٹے میں جیسا ویسا پڑھ دیا۔ تمام آبادی زید پر ناراض ہے کہ حافظ کو شیطان کیوں کہا مگر زید نے حدیث نہ ماننے کی وجہ سے کہا۔

زید کی مندرجہ باتیں کس حد تک درست ہیں اور بکر کی بات کہاں تک درست ہے؟ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو نہ مانے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں اس بات پر شدید اختلاف ہے۔ بکر نے کہا کہ حافظ کو شیطان کیوں کہا، زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو جو نہ مانے اس بناء پر کہا۔ دونوں میں سے کس کا قول درست ہے؟ شرعاً جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیثِ پاک میں تین شب سے کم میں ختم قرآن پاک کو ناپسند فرمایا گیا ہے(۱)، اس میں پورے تدبر کا عموماً موقع نہیں ملتا، اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے اولیائے عظام سے تین شب سے کم میں بلکہ ایک شب میں بلکہ ایک رکعت میں پڑھنا بھی منقول ہے بلکہ ایک رات میں کئی کئی مرتبہ قرآن ختم کرنا بھی منقول ہے(۲)۔ اب بھی جو شخص قرآن پاک سے شوق ودلچسپی رکھتا ہو اور اس کو پختہ یاد ہو، صحیح پڑھتا ہو، دل جمعی سے تین شب سے کم میں ختم کرلے تو وہ گنہگار نہیں اور ایسے آدمی کو شیطان کہنا زیادتی ہے، جس نے کہا وہ اپنی

---

(۱) "وعن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلاث" أی: لیالی .... لأنه إذذاک لم یتمکن من التدبر له والتفکر فیه بسبب العجلة والملالة". (مرقاة المفاتیح، شرح مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن: ۴/۱ ۰ ۲، رقم الحدیث: ۲۲۰۱، رشیدیه)

(۲) قال العلامة اللکنوی: "ان قیام اللیل کله، وقراءة القرآن فی یوم ولیلة مرةً ومرات، وأداء ألف رکعات أو أزید من ذلک، ونحو ذلک من المجاهدات والریاضات لیس ببدعة، ولیس بمنهی عنه فی الشرع، بل هو أمر حسن مرغوب إلیه، لکن بشروط إلخ". (إقامة الحجة علی أن الإکثار فی التعبد لیس ببدعة، فی ضمن مجموعة رسائل اللکنوی: ۲/۱ ۰ ۲، إدارة القرآن)

(وکذا فی الفتاوی الحدیثیة، ص: ۸۲، ۸۳، قدیمی)

غلطی کا اعتراف کر کے رجوع کر لے، اس نے بھی حدیث شریف کی وجہ سے کہا ہوگا مگر کہنے میں حد کی رعایت نہیں کی، غلطی سے غلط لفظ کہدیا، اپنی غلطی کا اقرار کر کے اصلاح کرنا بہت عمدہ بات ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۷ھ۔

ختمِ قرآن پر دعوت کرنا

سوال[۱۲۱۴]: میرے بچہ نے قرآن کریم حفظ کرلیا ہے، میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کر کے شیرینی تقسیم کردوں، کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآنِ پاک اللہ پاک کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کرلینا بہت بڑی دولت ہے، اگر شکرانہ کے طور پر احباب ومتعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء واحباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدردانی ہے ممنوع نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب وتبلیغ میں معین ہوجائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کر کے احباب وغرباء کو کھلایا تھا(۱)، اس لئے سلفِ صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول نہیں(۲) اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے(۳)،

---

(۱) "قال السیوطیؒ في الدر: أخرج الخطیب في رواۃ مالک والبیهقي في شعب الإیمان عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنه قال:" تعلم عمر رضي الله تعالیٰ عنه البقرۃ في اثنتي عشرۃ سنةً، فلما ختمها نحر جزوراً". (أوجز المسالک: ۱۳۴/۴، ادارۃ تالیفات اشرفیه)

(۲) "وعن جندب – رضي الله تعالیٰ عنه – قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، ومن یرائي یرائي الله به". متفق علیه". (مشکوۃ المصابیح، باب الریاء والسمعة من الرقاق، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

(۳) "عن أبي هریرۃ رضي الله تعالیٰ عنه قال: عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن الله عزوجل لا ینظر إلی صورکم و أموالکم، ولکن ینظر إلی قلوبکم و أعمالکم". رواہ مسلم". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی تو اور پریشانی ہوگی (۱)، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء بھی دے دی جائیں (۲) اور بچے نے جہاں ختم کیا ہے وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شیرینی وغیرہ دیدی جائے اور مدرسہ کی امداد کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۸/۷/۸۹ھ۔

مکان کی تعمیر پر قرآن کریم ختم کرنا

سوال[۱۲۱۵]: زید ایک نیا مکان تعمیر کر رہا ہے، اس کی خیر و برکت کے لئے ایک ختم قرآن کروانا چاہتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود اور اہلِ خانہ واحباب اس میں قرآن پاک کی تلاوت کرلیں اور دعا کرلیں کہ حق تعالیٰ اس میں خیر و برکت عطا فرما، اس مکان میں رہنے والوں کو طاعات کی توفیق دے، اتباعِ سنت نصیب فرما، گناہوں سے محفوظ رکھ، شیاطین، جنات اور پڑوسیوں کے شرور سے حفاظت فرما (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۵/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال .... و جاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه : إن الله يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه". (السعاية، باب صفة الصلوة ، قبيل فصل في القرأة : ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإن تخفوها و تؤتوها الفقراء فهو خيرلكم﴾: اى فالإخفاء (خير لكم) من الإبداء .... والأحاديث في أفضلية الإخفاء أكثر من أن تحصىٰ الخ". (روح المعانی : ۳/۴۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "و لا بأس باجتماعهم على قرأة الإخلاص جهراً عند ختم القرآن ...... و يستحب له أن يجمع أهله وولده عندالختم و يدعو لهم الخ". (الفتاوى العالمكيرية ، الباب الرابع في التسبيح و قرأة القرآن : ۵/۳۱۷، رشيديه) =

نابالغ سے ختم کرانا

سوال[۱۲۱۶]: ہمارے یہاں گھروں میں ختم شریف کراتے ہیں، بہت سے بچے ناپاک کہ جن کو کچھ ناپاکی کی تمیز نہیں ہے وہ بھی پڑھتے ہیں، قرآنِ پاک میں کئی جگہ سجدہ آتا ہے وہ ایک مرتبہ بھی سجدہ نہیں کرتے، اس طرح پر ختم کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو بچے نابالغ اور ناسمجھ ہوں ان پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں (۱)، جب وہ قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ان کو بھی ثواب ملتا ہے (۲)، بڑوں کے ذمہ ہے کہ پاکی، ناپاکی کی تمیز سکھائیں۔ میت کو ثواب پہونچانا بہت اچھا ہے ان سے ثواب پہونچانے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور میت کو بھی (۳)، لیکن جب کہ یہ ثواب پہونچانا شریعت کے موافق ہو یعنی اخلاص کے ساتھ ہو، ریاکاری، رسم کی پابندی، سوم، دہم، چہلم وغیرہ نہ ہو اور پڑھنے والے بھی ثواب کے لئے پڑھیں، چنوں، الائچی دانوں، دعوت پیسوں کے لالچ سے نہ پڑھیں ورنہ ثواب نہیں ہوگا بلکہ گناہ ہوگا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،ص: ۳۱۸، فصل في صفة الأذكار ، قديمي)

(وتفسير ابن كثير : ۲۸۱/۲، سهيل اكيڈمی)

(۱) "فلا تجب (سجدة التلاوة) على كافر و صبي و مجنون وحائض و نفساء قرأوا أو سمعوا؛ لأنهم ليسو أهلاً لها". (الدر المختار: ۱۰۷/۲، باب سجود التلاوة ، سعيد)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، و الحسنة بعشرة أمثالها الخ". (جامع الترمذي : ۱۱۹/۲ باب ما جاء في من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر ، سعيد)

(۳) "من صام أو صلى أو تصدق، و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة". (رد المحتار: ۲۴۳/۲ ، مطلب في القرأة للميت ، سعيد)

(۴) "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث و بعد الأسبوع، و نقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرآءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم". (رد المحتار : ۲۴۰/۲ ، مطلب في =

3

تلاوت کا ثواب پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے

سوال[۱۲۱۷]: زید روزانہ تلاوت کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات کو ثواب بخش دے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی ثواب ملے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف لے جانا اور پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال[۱۲۱۸]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت

= کراهة الضیافة من أهل المیت، سعید)

(۱) "الأصل أن کل من أتی بعبادة مّا، له جعل ثوابها لغیره". (الدر المختار) (قوله: بعبادة مّا الخ): أی سواء کانت صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلک ...... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم و لا تنقص من أجره شیء اهـ". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۲/۵۹۵، سعید)

"قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قرأ حرفاً من کتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "الٓمٓ" حرف، ولکن "ألف" حرف "ولام" حرف "ومیم" حرف". (جامع الترمذی، باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن: ۲/۱۱۹، سعید).

(کذافی المسند للإمام أحمد: ۳/۴۳۷، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(ومصنف ابن أبی شیبة: ۱۰/۴۶۱، دار الفکر بیروت)

(والکامل فی الضعفاء لإبن عدی: ۵/۱۷۸۰، دار الفکر بیروت)

کیلئے نافع ہے(۱) لیکن اجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں ہے گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی نا جائز ہے اوراس سے ثواب نہیں پہنچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔

جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد خامس، کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے(۲)۔قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملاعلی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"ثم قرأة القران وإهداء ها له تطوعاً بغير أجرة، يصل، ولو أوصىٰ بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة، كذافي الاختيار. وهذا بمعنى عدم جواز الإستجار على الطاعات (إلى قوله) ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفه رحمه الله تعالى ومالك رحمه الله تعالى وأحمد رحمه الله تعالى في رواية؛ لأنه محدث تردّ به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد في رواية: لايكره ......روى عن ابن عمرؓ أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، والله سبحانه اعلم"(۳).

طحطاوی نے امام محمد کے قول کو مختار لکھا ہے: "وأخذ من ذلك جواز القرأة على القبر، والمسئلة ذات خلاف: قال الإمام، تكره؛ لأن أهلها جيفة، ولم يصح فيها شئ عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقال محمد: تستحب لورود الآثار، و هو المذهب المختار كما صرحوا به في كتاب الاستحسان الخ". طحطاوی، ص:۳۲۳(٤).

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

(۱) " من صام أوصلى أوتصدق، وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة".(رد المحتار: ۲/۲۴۳، مطلب في القرأة للميت، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۶/۵۶، كتاب الإجارة، مطلب: تحريرمهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل ونحوه ممالا ضرورة إليه، سعيد)

(۳) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۳۱، قديمي)

(۴) (حاشية الطحطاوي، ص: ۶۲۳، باب زيارة القبور، قديمي)

غیر مسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دینا

سوال[۱۲۶۹]: اگر کوئی مسلم غیر مسلم کو قرآن وغیرہ پڑھائے تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باا ثر مسلم کسی غیر مسلم کو اس نیت سے قرآن کریم پڑھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے تو درست ہے، مگر اس کو تاکید رکھے کہ وہ بے وضو قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

انگریز کو قرآن شریف کی تعلیم دینا

سوال[۱۲۷۰]: ایک عیسائی اور اس کی میم بالغ ہیں اور قرآن شریف پڑھنا چاہتے ہیں، آیا ان کو پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ امام مسجد، جدید دہرہ دون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہ نیتِ تبلیغ وہدایت پڑھانا جائز ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیقِ اسلام عطا فرمائے۔ قرآن شریف کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ بلا وضو اس کو ہاتھ نہ لگایا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۱۱/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایمسه إلا المطهرون﴾ (واقعة: ۷۹)

"ويمنع النصراني من مسه، وجوزه محمد إذا إغتسل، ولابأس بتعليمه القرآن والفقه عسى أن يهتدى". (الدر المختار، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه: ۱/ ۱۷۸، سعيد)

"ولا بأس بتعليم الكافر القرآن أو الفقه رجاء أن يهتدى، ولكن لا يمس المصحف مالم يغتسل". (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالا يكره وفي القرأة خارج الصلاة، ص: ۴۹۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینا")

غیر مسلم کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینا

سوال[۱۲۲۱]: سوائے مسلم کے دیگر مذہب کے لوگوں کو قرآن شریف پڑھانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو اسلام کی توفیق دیدیں، مگر اس کو قرآن شریف کو ہاتھ لگانے سے بلا وضو منع کر دینا چاہئے:

"کافر من أهل الذمة أو من أهل الحرب طالب من مسلم أن يعلّم القرآن والفقه، قالوا: لا بأس بأن يعلم القرآن والفقه في الدين؛ لأنه عسى أن يهتدى إلى الإسلام فيسلم، إلا أن الكفار لا يمس المصحف اهـ". فتاوى قاضي خان: ۷۹۴/۴ (۱)۔

یعنی اہلِ ذمہ یا اہلِ حرب میں سے کسی کافر نے کسی مسلمان سے درخواست کی کہ وہ اس کو قرآن وفقہ کی تعلیم دے تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کو قرآن اور فقہ فی الدین کی تعلیم دے، اس لئے کہ امید ہے کہ اس کو اسلام کی ہدایت ہو جائے اور وہ اسلام قبول کرلے، مگر یہ کافر قرآن پاک کو نہ چھوئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۲۰ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال الإمام محمد في السير الكبير: "و إذا قال الحربي أو الذمي للمسلم: علمني القرآن، فلا بأس بأن يعلمه و يفقهه في الدين، لعل الله يقلب قلبه. والحاصل مما سبق أن وقوع المصحف بأيدي الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هذا الخوف، فلا بأس بذلك لا سيّما لتعليم القرآن و تبليغه. والله اعلم". (تكمله فتح الملهم شرح صحيح الإمام مسلم، باب النهي أن يسافر بالمصحف الخ: ۳۸۶/۳، مكتبه دار العلوم كراچى)

و في الدر: "و يمنع النصراني من مسه، و جوزه محمد إذا اغتسل، ولا بأس بتعليمه القرآن والفقه، عسى أن يهدى". (الدر المختار، كتاب الطهارة: ۱۷۸/۱، سعيد)

المتفرقات

قرآن افضل ہے یا سید؟

سوال[۱۲۲۲]: ایک مولوی صاحب سے کسی نے شانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شان قرآن پاک کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ مسئلہ نازک ہے عام لوگوں کی فہم سے اوپر ہے۔ لیکن سائل ایک سیّد تھا جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم قرآن شریف سے بوجہ اولاد ہونے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افضل ہیں لہٰذا ہم پر شریعت کی پابندی ضروری نہیں۔ مولوی صاحب نے عظمتِ قرآن شریف میں فرمایا کہ قرآن شریف کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لا یمسہ إلا المطھرون﴾۔ اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ لگانا حالتِ جنابت اور وضو نہ ہونے میں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا احترام تھا۔

ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ بعض جہلاء نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا مولوی صاحب واجب القتل ہے، والد نے اپنے بیٹے کو تنبیہ کی کہ مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے تم نماز پڑھا کرو، اس نے جواب دیا کہ دیوبندی کے پیچھے نماز ناجائز ہے اور آپ کی اس بارے میں میرے اوپر اطاعت کوئی ضروری نہیں اور قیامت میں میری اس نافرمانی کا اجر ملے گا نہ کہ گناہ آیا والد صاحب کی اطاعت ضروری ہے یا مرشد بریلوی کی؟ جواب مدلل ہو اور مسئلہ کی پوری تحقیق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاہل سیّد کا یہ مقولہ انتہائی جہالت پر مبنی ہے، شریعتِ غرا کی پابندی خود بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ضروری تھی (۱)۔ آں حضرت صلی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأمر أھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا﴾. (سورۃ طٰہٰ: ۱۳۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾ (سورۃ الذاریات: ۵۶)

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے-اعاذنا اللہ منہا-تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا''(۱)۔ پھر حضور بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پر شریعت کی پابندی کیسے ضروری نہیں ہوگی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک میں تقابل کا مسئلہ واقعۃً نازک ہے، ہر شخص کے سمجھنے کا نہیں، سعایہ شرح وقایہ میں اس پر کلام کیا ہے۔ جو امور موافقِ شرع ہوں ان میں باپ کی اطاعت کرنی چاہئے، خلافِ شرع امور میں اطاعت جائز نہیں: ''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق''۔ الحدیث (۲)۔

مسئلہ مذکورہ میں عظمتِ قرآن شریف کے متعلق مولوی صاحب کا جواب اور عقیدہ صحیح ہے اور ایسے شخص کو واجب القتل قرار دینا عناد اور عصبیت ہے۔ لڑکے کا اپنے والد کو جواب مذکور دینا غلط ہے، اس کو معاملہ میں والد کی اطاعت کرنی چاہئے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۸/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/ شعبان/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

غلافِ قرآن اور غلافِ کعبہ میں کون افضل ہے؟

سوال[۱۲۲۳]: زید کہتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۰ھ میں پانی پت میں وعظ فرمایا

---

(۱) ''عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن قريشاً أهمهم شأن المرأة المخزومية التی سرقت، فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: و من يجترئ عليه أسامة بن زيد حِبّ رسول الله صلى الله عليه وسلم. فكلمه أسامة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''أتشفع فی حدٍّ من حدود الله''؟ ثم قام فاختطب، ثم قال: ''إنما أهلك الذين قبلكم، إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وأيم الله! لو أن فاطمة بنت محمد (صلى الله عليه وسلم) سرقت لقطعت يدها''. (مشكوة المصابيح، ص: ۳۱۴، باب الشفاعة فی الحدود، قديمی)

(وسنن ابن ماجه، ص: ۱۸۳، باب الشفاعة فی الحدود، قديمی)

(۲) (فيض القدير: ۱۲/ ۶۴۸۶، رقم الحديث: ۹۹۰۳، بيروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۲/ ۵۹، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، دار إحياء التراث العربی)

تھا جس میں حضرت نے ایک اہم مسئلہ بیان فرمایا تھا کہ غلاف کلام اللہ غلاف بیت اللہ سے افضل ہے، چونکہ کلام اللہ، اللہ کی صفات ازلیہ ابدیہ میں سے ہے اور صفت موصوف میں علاقہ اتحاد ہوتا ہے، اس بناء پر وہ کپڑا غلاف کلام اللہ جس کا اتصال صفت حق تعالیٰ کے کلام سے ہے وہ افضل ہے بہ نسبت اس کپڑے کے جس کا اتصال صفت باری تعالیٰ سے نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں کہ اس پر ایمان کی صحت موقوف ہو یا اس پر ادائے فرائض موقوف ہو، محض علمی نکتہ کے درجہ میں ہے، ایسے مسائل میں نزاع نہیں کرنا چاہئے۔

قرآنِ کریم کا بیت اللہ سے افضل ہونا حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے (۱)، اسی واسطے جو غلاف (جزدان) قرآن کریم سے متصل ہے وہ غلاف بیت اللہ سے افضل ہوگا، یہ بات الگ ہے کہ غلاف بیت اللہ پر کلمہ شریف یا کوئی آیت لکھی ہو تو اس کی وجہ سے اس کو افضلیت ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/ ۹۸ھ۔

شیطان قراءتِ قرآن پر قادر نہیں

سوال [۱۲۲۴]: مولانا لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ شیطان قراءتِ قرآن پر قادر نہیں، لیکن بخاری شریف میں حدیث طویل "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه" میں ہے: شیطان نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آیۃ الکرسی کی تعلیم کی۔ لہٰذا اس میں پڑھنا بھی آگیا، اس تعارض کا کیا جواب ہے؟ زید اس کا جواب دیتا ہے کہ پڑھنا بطور نام کے ہے جیسے سورہ "الحمد لله" کہنا لہٰذا یہ پڑھنے میں شمار نہیں، یا شیطان نے صرف آیۃ الکرسی کہا ہوگا، یا اس وقت شیطان انسان کے روپ میں تھا، وغیرہ وغیرہ۔

---

(۱) "وعنه عليه الصلاة والسلام: "القرآن أحب إلى الله تعالى من السموات والأرض ومن فيهن. (قوله: ومن فيهن) ظاهره يعم النبي صلى الله عليه وسلم، والمسألة ذات خلاف، والأحوط الوقف". (رد المحتار: ۱/۱۷۸، قبيل باب المياه، سعيد)

الجواب حامدا ومصلیاً:

یہ جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور محققین نے دیئے ہیں (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

کیا ملائکہ کو تلاوتِ قرآن پاک پر قدرت ہے؟

سوال [۱۲۲۵]: علم الکلام مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے قول حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کا تحریر کیا ہے کہ فرشتے قرآن مجید پڑھ نہیں سکتے سن سکتے ہیں: ﴿فالتالیات ذکرا﴾ (۲) ﴿فإذا قرأناه فاتبع قرآنه﴾ (۳) سے کیا مراد ہے؟ اور وقتِ نزول جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کو کس طرح نازل فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے (۴)۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب

---

(۱) "وسئل ابن الصلاح عمن يقول: الشيطان يقدر أن يقرأ القرآن ويصلي هو وجنوده؟ فأجاب بقوله: ظاهر النقول ينفي قراءتهم القرآن وقوعاً، ويلزم من ذلك انتفاء الصلاة منهم؛ إذ منها قراءة القرآن الخ". (الفتاوى الحديثية، ص: ۳۱۰، مطلب: يجوز تكرير سورة الإخلاص خلافاً للإمام أحمد، قديمي)

(۲) (الصافات: ۳)

(۳) (القيمة: ۱۸)

(۴) "وقد ورد أن الملائكة لم يعطوا فضيلة حفظه، فهم حريصون على استماعه من الإنس، فإن قراءة القرآن كرامة أكرم الله بها الإنس، غير أن المؤمنين من الجن بلغنا أنهم يقرؤونه، وما ذكره في الملائكة.

قال الكمال الدميري: قد يتوقف فيه من جهة أن الجبريل هو النازل بالقرآن على النبي صلى الله عليه وسلم، وقال تعالى في وصف الملائكة: ﴿فالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ (الصافات: ۳): أي يتلوا القرآن، وقد يجاب أن ذلك خصوصية لجبريل، وتفسير الآية بخصوص كونها تتلوا القرآن هو محل النزاع، فلا دليل فيه". (الفتاوى الحديثية، ص: ۳۱۰، مطلب يجوز تكرير سورة الإخلاص الخ، قديمي)

قرآن پاک کی آیت لاکر سناتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھنا شروع فرماتے اس خیال سے کہ بھول نہ جائیں، اس پر ارشاد ہوا: ﴿لا تحرك به لسانك .... إن علينا جمعه وقرانه، فإذا قرأنه فاتبع قرانه، ثم إن علينا بيانه﴾ (الآية) (۱) یہ وحی پہنچنے کے وقت کا واقعہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو فرشتہ جب دل چاہے تلاوت کرلیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

کیا ملائکہ تلاوت کرتے ہیں؟

سوال [۱۲۲۶]: علم الکلام مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے حافظ ابن صلاح کا قول تحریر کیا ہے کہ فرشتے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے ہیں سن سکتے ہیں: ﴿فالتاليات ذكراً﴾ (۲)، ﴿فاذاقرأنه فاتبع قرأنه﴾ (۳) سے کیا مراد ہے؟ اور وقتِ نزول حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کس طرح نازل فرماتے تھے؟

---

(۱) (سورة القيامة: ۱۸-۱۹)

(۲) (سورة الصافات: ۳)

سورۂ صافات کی آیت سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا، لیکن اس کا جواب بظاہر یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ "ذکراً" ہے اور ملائکہ کے لئے ذکر اللہ کا ثبوت احادیث میں ہے، دوسرا یہ کہ اس سے بھی آیاتِ کتب سماویہ کا انبیاء علیہم السلام پر بطور وحی پڑھنا ہے، یا "التالیات" سے علماء کی نفوس مراد ہیں جو کہ نمازوں میں صف بند ہوتے ہیں اور شرک وکفر سے ڈراتے ہیں دلائل کے ذریعہ سے، یا اس سے مراد نفوسِ مجاہدین ہے جو کہ وقتِ قتال صف بند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دشمن کی پکار ان کو غافل نہیں کرسکتی: قال القاضي ثناء الله الباني بتي رحمه الله تعالىٰ: "(فالتاليات ذكراً) هم الملائكة الذين يتلون ذكر الله، أو آيات الله من الكتب السماوية على الأنبياء ...... أو أقسم نفوس العلماء الصافين أقدامهم في الصلوٰة، الزاجرين عن الكفر والسيئات بالحجج والنصيحات، التالين آيات ربهم رفيع الدرجات. أوبنفوس الغزاة المقاتلين في سبيل الله صفاً كأنهم بنيان مرصرص، الزاجرين الخيل والعدوّ، التالين لذكر الله، لا يشغلهم مبارزة العدوّعن ذكر الله".

(التفسير المظهري (الصافات: ۳): ۸/ ۱۰۵، المكتبة الحبيبية، كوئٹه)

(۳) (سورة القيامة: ۱۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولانا محمد ادریس صاحب نے صحیح لکھا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام جب قرآن پاک کی آیت لاکر سناتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھنا شروع فرماتے، اس خیال سے کہ بھول نہ جائیں، اس پر ارشاد ہوا ﴿فإذا قرأنه فاتبع قرانه ثم إن علینا بیانه﴾ الآیة (۱) یہ وحی پہونچانے کے وقت کا واقعہ ہے (۲)۔ ایسا نہیں کہ جو فرشتہ جب دل چاہے تلاوت کرلیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

مسلمان قرآن شریف کو نہیں سمجھتا

سوال [۱۲۲۷]: ایک بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ جب ہم قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ آخر اس کا ترجمہ کیا ہے، جو آیات ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں، آج ہم مسلمان اپنے اسلام کے بارے میں صحیح طرح نہیں جانتے اس لئے بڑا افسوس ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص قانون کی زبان یا رائج الوقت ملک کی زبان کو نہ سیکھے درآنحالیکہ اس کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے اور ہر طرح کی سہولتیں ہیں اور وہ یہ کہے کہ دکھ کی بات ہے کہ ہم قانون کی کتاب کو نہیں سمجھ پاتے، یا اسٹیشنوں، بازاروں، دفتروں، کچہریوں میں جو اعلانات، سائن بورڈ، نقشے، نام لگے ہوئے اور لکھے ہوئے ہیں

---

(۱) (القیامة: ۱۸)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: "كان رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا نزل علیه الوحي يلقى منه شدةً، وكان إذا نزل عليه عرف في تحريكه شفتيه يتلقى أوله، ويحرك شفتيه خشية أن ينسى أوله قبل أن يفرغ من آخره، فأنزل الله تعالى: ﴿لا تحرك به لسانك الخ﴾". (تفسير ابن كثير، الجزء التاسع والعشرون (القيامة: ۱۸): ۴/ ۵۷۸، دار السلام، الرياض)

(وكذا في صفوة التفاسير، (القيامة: ۱۸): ۳/ ۴۸۶، دار القرآن الكريم، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۹/ ۱۴۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

ان کو نہیں سمجھتے، تو اس کا صاف صاف جواب یہی ہے کہ یہ دکھ آپ نے خود ہی اپنے سر لے رکھا ہے کہ قانون کی زبان اور رائج الوقت زبان کو نہیں سیکھا اور جگہ جگہ جو تعلیم گاہیں، کالج، یونیورسٹیاں موجود ہیں جن میں تعلیم ہوتی ہے، امتحانات ہوتے ہیں، سندیں ملتی ہیں، پھر اچھی ملازمتوں پر بلایا جاتا ہے، ان سب سے آپ نے صرفِ نظر کر کے سب کو بیکار سمجھ لیا ہے، یہی جواب آپ کے اس سوال کا ہے۔ آپ انگریزی تعلیم پر یا ہندی تعلیم پر وقت صرف کرتے ہیں، دماغی محنت خرچ کرتے ہیں، روپیہ خرچ کرتے ہیں، راحت و آرام ترک کرتے ہیں، اس کا پھل آپ لیتے ہیں، وہاں کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ اس طرح آپ عربی تعلیم پر محنت کرتے وقت خرچ کرتے تو آپ اس کو سمجھ لیتے اور دکھ رفع ہو جاتا، تفاسیر و تراجم، اردو، ہندی، انگریزی، عربی ہر زبان میں موجود ہیں۔ الحاصل اس دکھ کی دوا خود آپ کے پاس ہے، ذرا ہمت و توجہ کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

قرآن میں سائنس کی بحث

سوال[۱۲۲۸]: ایک شخص کا یہ خیال ہے کہ قرآن پاک کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ اخروی سعادت اور نجات حاصل ہو سکے اور خدا کی صحیح معرفت نصیب ہو، اسی مقصد کے لئے خدا نے جہاں مناسب سمجھا وہاں تمثیلات بیان کیں اور دلائل آفاقی و انفسی سے کام لیا، مگر قرآن سائنس اور مادیات کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں، کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ضمنی یا توحید کے بیان کے لئے یا رسالت و آخرت وغیرہ عقائد اسلامی کے استدلال کے لئے، مقصد نزول، کائنات کی ماہیت وغیرہ بیان کرنا نہیں، اسی لئے اس کا یہ گمان ہے کہ کائنات کے بارے میں قرآن نے جو کچھ انکشافات کئے ہیں ان میں سے بہت سی چیزیں حقیقت نفس الامریہ ہیں اور بعض چیزیں مسلم قوم ہیں۔

چونکہ قرآن تو عرب قوم کو توحید و رسالت اور آخرت پر مضبوطی کے ساتھ جمانا چاہتا ہے اس لئے کائنات کے بارے میں ان کے جو خیالات تھے اسی کو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حقیقت نفس الامر بھی یہی ہے، اگر یہ خیال صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بہت سے اعتراضات سے چھٹکارا مل جاتا ہے جو آئے دن سائنس کی جدید تحقیقات کے ذریعہ سے قرآن پر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ سے دریافت

طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ خیال صحیح ہے، امید کہ اس کے ۔ پہلو پر بڑے غور وفکر سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فیض الباری میں بھی اس کے قریب ہے مثلاً: اس میں ہے کہ آسمان حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے، چاند، سورج، تاروں کی حرکت نظر آتی ہے، قرآن پاک نے اس ظاہری ہیئت کا تذکرہ فرمایا ہے ﴿والشمس تجری لمستقر لها...... كل فی فلك يسبحون﴾ (۱) وغیرہ (۲)۔ اس سے بحث کرنا کہ زمین متحرک ہے یا آسمان، زائد از ضرورت ہے، بلکہ ظاہری ہیئت سے جو عبرت ونصیحت حاصل کی جاسکتی ہے اور خالق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، اس پر اکتفا کیا گیا ہے، اگر سائنس نے یہ پتہ بھی لگالیا کہ زمین متحرک ہوتی ہے یا آسمان متحرک ہوتا ہے یا آسمان موجود ہی نہیں بلکہ منتہائے نظر ہے اور جو متحرک ہے اس کی حرکت طبعی ہے یا عائق کی وجہ سے تو اول تو اس پر بھی کوئی قطعی دلیل قائم نہیں اس لئے کہ آئے دن تحقیقات بدلتی رہتی ہیں، بعد والا طبقہ اپنے سے پہلوں کی تغلیط وتردید کرتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ ظن وتخمین پر ہے نہ کہ علم ویقین پر، ورنہ تبدل نہ ہوتا، کیونکہ حقائق واقعیہ میں تبدل نہیں ہوتا۔ دوسرے جو مقصد ہے (معرفت خالق اور اس کی اطاعت) اس سے یہ سائنسدان طبقہ بہت دور اور محروم ہے، وہ عامۃً خالق ہی کا منکر ہے، پھر تو یہ سائنس وبال جان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فالنامہ قرآن پاک میں کیوں ہے؟

سوال [۱۲۲۹]: فال نکالنا کفر ہے تو فالنامہ قرآن میں کیوں لگائے گئے ہیں؟ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی کتابوں میں کفر اور شرک لکھا ہے۔

---

(۱) (سورۃ یٰس: ۳۸، ۴۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسیر ابن کثیر: ۳/۷۵۴، دار السلام، ریاض)

(۲) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ويتفكرون في خلق السموات والأرض ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾. (آل عمران: ۱۹۱)

وقال جل شانه: ﴿وبنينا فوقكم سبعاً شداداً، وجعلنا سراجاً وهاجاً﴾. (النبأ: ۱۲، ۱۳)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فالنامہ قرآن شریف میں تاجروں نے لگادیا ہے تاکہ لوگ زیادہ خریدیں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے نہیں لگایا، نہ لگانے کی اجازت دی (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

(۱) امداد الفتاوی میں ہے: ''محققین نے اس (قرآن مجید سے فال نکالنے) کو ناجائز لکھا ہے خصوصاً جب کہ اس کا یقین کیا جائے تو سب کے نزدیک ناجائز ہے۔'' (۵۸/۴، ۵۹، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(وکذا فی الفتاوی الحدیثیة، ص: ۳۰۷ قدیمی)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۴۹، قدیمی)

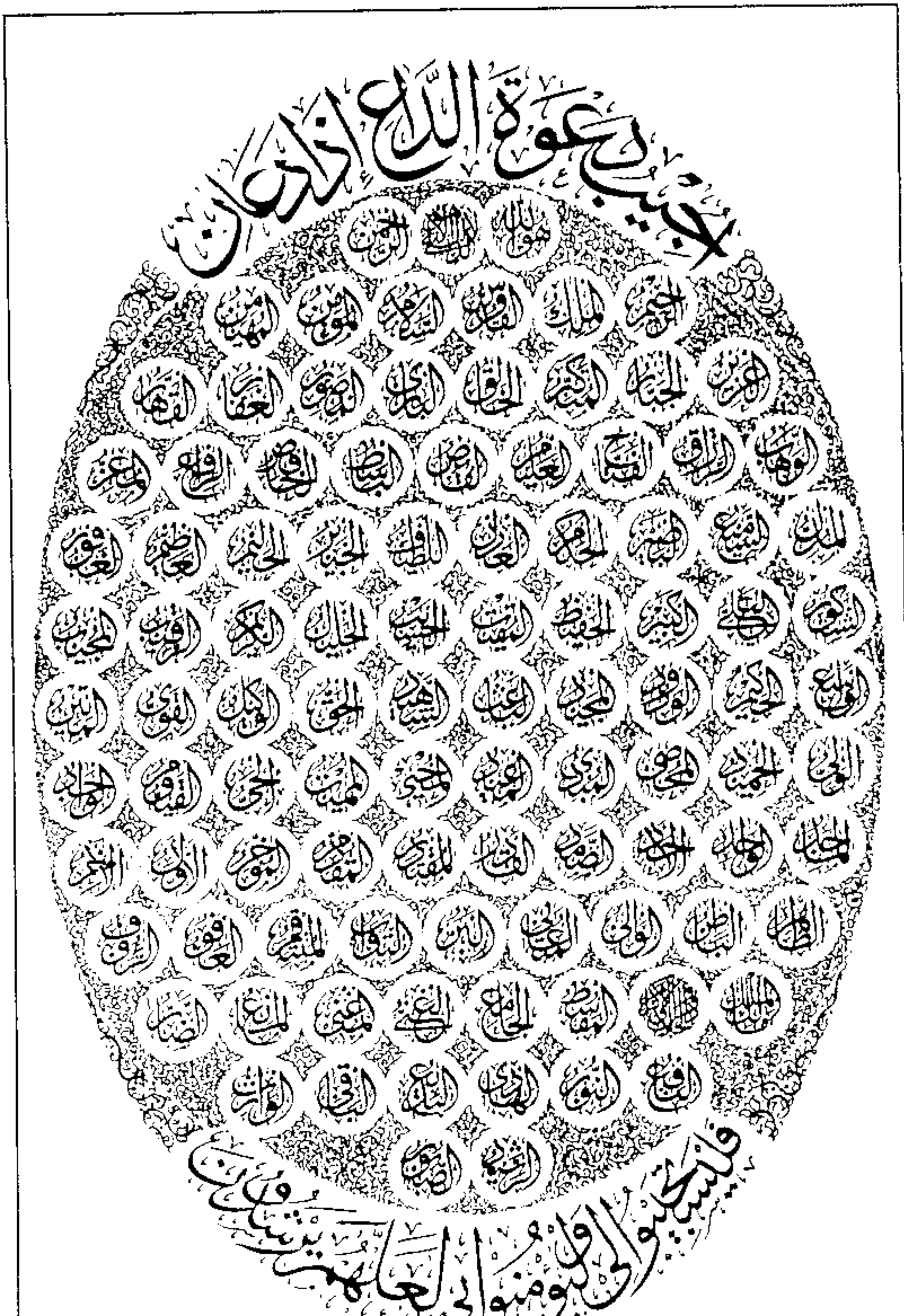

أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	بقیة كتاب العلم	
	باب مايتعلق بالحديث النبوى	
	(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)	

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۸	احادیث جمع کرنے کی ممانعت	۱
۳۴	حدیثِ موضوع کی علامت	۲
۳۵	فضائل میں ضعیف روایت پر عمل	۳
۳۶	حدیثِ ضعیف سے استدلال کی شرائط	۴
۳۷	کیا ہر کتاب کی ہر حدیث پر عمل کیا جائے؟	۵
۳۷	بے پڑھے حدیث کا حوالہ دینا	۶
۳۸	حدیث کی روایتیں ''عن'' سے ہیں ''من'' سے کیوں نہیں؟	۷
۳۹	ایک واقعہ سن کر اس میں شک پھر معلوم ہوا کہ حدیث ہے، اب کیا کرے؟	۸

۹	ایک صیغہ چالیس دفعہ پڑھنے سے چہل حدیث کا ثواب	۳۹
۱۰	درخت کے جڑوں سمیت آنے والے معجزہ سے متعلق روایت کی تحقیق	۴۰
۱۱	غروب کے بعد سورج کے لوٹ آنے کی روایت	۴۱
۱۲	حدیثِ معراج اور قلبِ ماہیت	۴۳
۱۳	شقِ صدر کے متعلق روایت کی تحقیق	۴۴
۱۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سات سال کی عمر میں اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں حدیث کی تحقیق	۴۵
۱۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے چپت مارنے کی روایت	۴۵
۱۶	چند احادیث: "علماء أمتی" الخ، "اختلاف أمتی" الخ، "النکاح من سنتی، فمن رغب" الخ، اور "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رکعة البتیرة" کی تحقیق	۴۶
۱۷	حدیثِ قضاء عمری	۴۸
۱۸	تعمیرِ کعبہ کے وقت برہنہ ہوجانے کی روایت	۴۹
۱۹	حدیثِ قرطاس	۵۰
۲۰	کعبہ کو توڑنا اور حرم میں کافر کے داخل ہونے سے متعلق چند حدیثوں میں تعارض	۵۱
۲۱	غزوۂ خندق کے وقت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ	۵۱
۲۲	فضائلِ رجب کی احادیث	۵۳
۲۳	ہفتِ ہیکل کی فضیلت کی روایت	۵۵
۲۴	خضاب سے متعلق چند احادیث	۵۶
۲۵	کھڑے ہو کر پانی پینے، چلتے ہوئے کھانے کی احادیث میں رفعِ تعارض	۵۷
۲۶	ابن ماجہ کی ایک روایت کا معنی اور ترجمۃ الباب سے مطابقت	۵۹
۲۷	کتاب "دین ودنیا" کی ایک حدیث کی تحقیق	۶۰
۲۸	کیا کاشتکار ہمیشہ محتاج رہتا ہے؟ اور زراعت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق	۶۰

۲۹	کالے کپڑے والوں سے متعلق حدیث	۶۲
۳۰	ثواب تلاوت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق	۶۲
۳۱	چاروں ''قل'' پڑھنے کی روایت	۶۳
۳۲	جنت کے پھل میں سے حور نکلنا کیا حدیث ہے؟	۶۴
۳۳	جنت کی قیمت ادا کر کے سونے کی روایت	۶۵
۳۴	سوتے وقت کے اعمال کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت	۶۵
۳۵	جس کا روپیہ برباد کرنا ہو اس کے دل میں تعمیر کا شوق، ایک حدیث کی تحقیق	۶۷
۳۶	نجد میں فتنوں اور زلازل سے متعلق چند احادیث	۶۸
۳۷	زلزلہ کے اسباب، حدیث اور قولِ فلاسفہ میں تعارض	۷۲
۳۸	کیا زمین بیل کے سینگ پر ہے؟	۷۲
۳۹	عصر کے بعد مطالعہ کے متعلق حدیث کی تحقیق	۷۴
۴۰	حدیث میں لفظ ''جعظری'' کی تشریح	۷۵
۴۱	گناہ معاف ہونے کی ایک روایت	۷۶
۴۲	توبہ سے متعلق ایک روایت کی تحقیق	۷۷
۴۳	استغفار سے متعلق روایت	۷۷
۴۴	''من استغفر للمؤمنين والمؤمنات'' حدیث کی تشریح	۷۸
۴۵	تحقیق ''أحدث''	۷۸
۴۶	''من أحدث في أمرنا هذا'' الحدیث کا مطلب	۷۹
۴۷	''أول ما خلق الله نوری''	۸۰
۴۸	''أول ما خلق الله نوری'' اور ''أول ما خلق الله القلم''	۸۱
۴۹	ایضاً	۸۱
۵۰	حدیث: ''لولاک لما خلقت الأفلاک'' اور ''أنا من نور الله'' کی تحقیق	۸۲

۵۱	"لولاک لماخلقت الأفلاک"، "لولاک لماأظهرت الربوبية"، "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" اور "أناأحمد بلاميم، وأنا عرب بلاعين" کی تحقیق	۸۳
۵۲	حدیث "لولاک لما خلقت الأفلاک"	۸۴
۵۳	"أنا أحمد" الخ، کیاحدیث ہے؟	۸۵
۵۴	حدیث: "کنت کنزاً مخفیاً" کی تحقیق	۸۵
۵۵	"کنت کنزاً مخفیا" الحدیث	۸۶
۵۶	"کنت نبیاً وآدم اھ" پراشکال	۸۸
۵۷	"لیس مني، ولست منه" کامطلب	۸۹
۵۸	"لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین" کی تحقیق	۸۹
۵۹	"جزی الله عنها بما هو أهله" کی فضیلت	۹۱
۶۰	"إن للقرآن ظهراً وبطناً"	۹۱
۶۱	"طلب العلم فريضة على كل مسلم" کی تشریح	۹۲
۶۲	"من صلى خلف عالم تقي" کس کتاب میں ہے؟	۹۲
۶۳	"لاطاعة في المعصية" کی ترکیب نحوی	۹۳
۶۴	حدیث: "من تزيا بغير زيّه" الخ کی تحقیق	۹۳
۶۵	"من قال: لاإله إلا الله، دخل الجنة" کامطلب	۹۴
۶۶	"من قال: لاإله إلا الله"	۹۵
۶۷	"صاحب الورد وتارک الورد" الحدیث	۹۵
۶۸	"نم كنومة العروس" پراشکال	۹۶
۶۹	"طعام الميت يميت القلب" حدیث نہیں	۹۷
۷۰	نکاح کے بعد "اللهم ألِّف بينهما كماألّفتَ بين يوسف وزليخا عليهما السلام" کی تحقیق	۹۸
۷۱	حدیث "من أحي سنتي" الخ کاحوالہ	۹۹

۷۲	حدیث "من تمسک بسنّتی" الخ کا حوالہ	۹۹
۷۳	"لموقف ساعة فی سبیل اللہ" کی تحقیق	۱۰۰
۷۴	"النکاح من سنتی" اور "من رغب عن سنتی" کیا یہ ایک حدیث ہے؟	۱۰۰
۷۵	"کل طویل" اور "کل قصیر" حدیث کی تحقیق	۱۰۰
۷۶	حدیث میں دعائے برکت کے الفاظ	۱۰۱
۷۷	حرمت سے قبل شراب پینے کی روایت	۱۰۲
۷۸	شہید اور جس کا پہلے انتقال ہوا، ان میں افضل کون ہے؟ حدیث کی تحقیق	۱۰۳
۷۹	لیلۃ القدر کی تعیین کی فراموشی کی روایت	۱۰۴
۸۰	قلیل وقت میں کثیر عبادات، ایک روایت پر اشکال کا جواب	۱۰۵

فصل فی متفرقات الحدیث

۸۱	محدث کی تعریف	۱۰۷
۸۲	حدیث شریف کا ادب	۱۰۷
۸۳	حدیث کے لئے وضو	۱۰۸
۸۴	ننگے سر حدیث شریف پڑھنا	۱۰۹

باب الکتب المعتمدة وغیرها

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

۸۵	چند کتب معتبرہ وغیر معتبرہ	۱۱۰
۸۶	چند مفید وغیر مفید کتابوں کے نام	۱۱۰
۸۷	کتاب "دواسلام" کا مطالعہ	۱۱۱
۸۸	"بلاغ المبین"	۱۱۲
۸۹	مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کی کتابیں	۱۱۲
۹۰	"تقویة الإیمان" و "تذکرة الإخوان" کی شان	۱۱۳

۹۱	"تقوية الإيمان"، "ارواحِ ثلاثه" اور "الشهاب الثاقب" کا حوالہ دینا	۱۱۴
۹۲	"حفظ الإيمان"، "تقوية الإيمان" اور "صراطِ مستقيم" کس کی تصنیف ہیں؟	۱۱۵
۹۳	"توضيح البيان فى عبارة حفظ الإيمان"	۱۱۵
۹۴	"بہشتی زیور" اور "تقوية الإيمان" کیسی کتابیں ہیں؟	۱۱۸
۹۵	"بہشتی زیور"	۱۱۹
۹۶	"رکن الدین" اور "بہشتی زیور" میں کون سی کتاب معتبر ہے؟	۱۱۹
۹۷	"رکن الدین" کی اصلاح	۱۲۰
۹۸	"انوار الأتقیاء" کا حال	۱۲۱
۹۹	"فقہ اوزاعی"	۱۲۲
۱۰۰	امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ	۱۲۳
۱۰۱	"فتاویٰ عالمگیری" کو غیر مستند کہنا	۱۲۴
۱۰۲	ذکرِ شہادت کی کتابیں	۱۲۵
۱۰۳	"جنگ نامہ محمد حنیف" وغیرہ	۱۲۶
۱۰۴	"مناجاتِ مقبول" اور "حزب الاعظم" میں فرق	۱۲۶
۱۰۵	کیا "قدوری" کا درجہ "صحاح ستہ" سے بڑھا ہوا ہے؟	۱۲۷
۱۰۶	"موطاء"، کتبِ حدیث اور "قدوری" وغیرہ کتبِ فقہ میں صحیح قابلِ عمل کون ہے؟	۱۲۹
۱۰۷	"کتبِ صحاح"	۱۳۰
۱۰۸	صحاحِ ستہ اور معتبر و غیر معتبر کتب	۱۳۰
۱۰۹	صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث	۱۳۱
۱۱۰	صحاحِ ستہ پر اعتماد نہ کرنا	۱۳۲
۱۱۱	"فرمانِ مصطفوی" نام کا پرچہ اور طبع شدہ پرچہ کی نقل	۱۳۳
۱۱۲	شیخ احمد نامی کے خواب سے متعلق طبع شدہ پرچہ کی تحقیق، پرچہ کی نقل	۱۳۵
۱۱۳	"هما"، "هدى" وغیرہ کا دیکھنا	۱۳۹

۱۱۴	مسئلۂ تقدیر پر کون سی کتاب ہے؟	۱۴۰
۱۱۵	ردِّ شیعہ اور ردِّ اہل ہنود میں کون سی کتاب معتبر ہے؟	۱۴۰
۱۱۶	اہلِ حق اور بریلوی کے متفقہ مسائل کی اشاعت	۱۴۱
۱۱۷	صلہ رحمی اور اس کے حدود پر کتاب کی ضرورت	۱۴۲
۱۱۸	دینی معلومات کے لئے کون سی کتاب معتبر ہے؟	۱۴۳
۱۱۹	غیر عالم کا مسائل بتانا اور چند معتبر کتابیں	۱۴۴
۱۲۰	"عین الهداية"	۱۴۵
۱۲۱	ناسخ ومنسوخ سے متعلق کتابیں	۱۴۵
۱۲۲	اہلِ فرنگ کی رد کے لئے کتابیں اور توریت وانجیل کی زبان	۱۴۶
۱۲۳	"تاریخ ابن خلدون" کا حال	۱۴۷
۱۲۴	کیا "تاریخ الخلفاء" مستند کتاب ہے؟	۱۴۷
۱۲۵	کتاب "آزرجندی" کی حقیقت	۱۴۸
۱۲۶	ضروری مستند مسائل کی اشاعت	۱۴۹
۱۲۷	بوسیدہ کتب کا حکم	۱۴۹

باب فی تذكرة الرجال

(رجالِ کا بیان)

۱۲۸	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو مرجئہ کہنے والا	۱۵۲
۱۲۹	امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ پر گمراہ ہونے کا الزام	۱۵۳
۱۳۰	عبدالرحمٰن قاری کا حال	۱۵۴
۱۳۱	کیا امام بخاری، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں؟	۱۵۵
۱۳۲	سحبان الہند	۱۵۶
۱۳۳	پالن حقانی	۱۵۶

۱۳۴	محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق تفصیل	۱۵۹
۱۳۵	محمد بن عبدالوہاب نجدی	۱۶۴
۱۳۶	اورنگزیب عالمگیر کو ولد الحرام کہنا	۱۶۵
۱۳۷	علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور مولانا اسماعیل شہید رحمہما اللہ تعالیٰ	۱۶۵
۱۳۸	علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کی سازش	۱۶۷
۱۳۹	حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا جواب	۱۷۱
۱۴۰	اعلیٰ حضرت کی فصاحت	۱۷۵

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

۱۴۱	زمین متحرک ہے یا ساکن؟	۱۷۷
۱۴۲	کیا چاند، سورج آسمان میں ہیں؟	۱۷۸
۱۴۳	چاند، سورج کہاں ہیں؟	۱۷۹
۱۴۴	چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں؟	۱۷۹
۱۴۵	قیامت میں بعد حساب چاند، سورج کہاں رہیں گے؟	۱۸۰
۱۴۶	چاند پر پہونچ جانا	۱۸۱
۱۴۷	خلائی سفر، چاند پر پہونچ جانا	۱۸۱
۱۴۸	کیا چاند کے اوپر پہونچ جانا کوئی کمال ہے؟	۱۸۴
۱۴۹	ستارے، بروج اور چاند تک پہنچنا	۱۸۵
۱۵۰	چاند پر نشان کیسا ہے؟	۱۸۹
۱۵۱	چاند کے اوپر اور زمین کے نیچے آبادی	۱۹۱
۱۵۲	کہکشاں	۱۹۲
۱۵۳	ماہِ عروج کی ابتداء وانتہاء	۱۹۲

۱۵۴	ماہ ثابت، یا ذوالحجہ	۱۹۲
۱۵۵	محکمہ موسمیات کے فلکیاتی اعلانات	۱۹۳
۱۵۶	دفینہ معلوم کرنے کا طریقہ	۱۹۳
۱۵۷	سات زمینوں کا پتہ	۱۹۴

باب التبلیغ

(تبلیغ کا بیان)

۱۵۸	موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت	۱۹۷
۱۵۹	مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت	۲۰۱
۱۶۰	تبلیغ کب تک فرض تھی	۲۰۳
۱۶۱	کیا تبلیغ فرض ہے؟	۲۰۳
۱۶۲	کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟	۲۰۵
۱۶۳	کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرضِ عین ہے؟	۲۰۸
۱۶۴	کیا تبلیغ میں نکلنا فرض ہے؟	۲۰۸
۱۶۵	کیا تبلیغ ہر شخص کے ذمہ واجب ہے؟	۲۱۰
۱۶۶	تبلیغ مستحب ہے یا فرض؟	۲۱۲
۱۶۷	تبلیغی جماعت کی حیثیت	۲۱۳
۱۶۸	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تبلیغ کرنا	۲۱۴
۱۶۹	تبلیغی جماعت میں تقریر کی حیثیت	۲۱۵
۱۷۰	مسجد سے باہر تبلیغی تقریر	۲۱۶
۱۷۱	ایک تبلیغی کی تقریر کہ: ''نبوت ختم، کارنبوت باقی''	۲۱۷
۱۷۲	کیا نصرت مدینہ طیبہ سے ہوئی، وہیں سے دین پھیلا، مکہ مکرمہ سے نہیں	۲۱۸
۱۷۳	تبلیغی چلہ کا حکم	۲۲۲

۱۷۴	تبلیغی چلہ وغیرہ کا ماخذ	۲۲۳
۱۷۵	تبلیغ پہلے گھر میں، پھر باہر	۲۲۸
۱۷۶	نماز کے فوراً بعد تبلیغ	۲۲۹
۱۷۷	تبلیغ کا صحیح طریقہ	۲۳۱
۱۷۸	تبلیغ بھی دین سیکھنے کا ذریعہ ہے	۲۳۱
۱۷۹	تبلیغی جماعت میں دین سیکھنا	۲۳۵
۱۸۰	تعلیم وتبلیغ کی ضرورت	۲۳۶
۱۸۱	کیا تبلیغ تعلیم سے افضل ہے؟	۲۴۰
۱۸۲	مدارس اور تبلیغی کام	۲۴۱
۱۸۳	تبلیغی جماعت کا تعلق اساتذہ دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے	۲۴۳
۱۸۴	امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تبلیغ کرنا	۲۴۶
۱۸۵	تبلیغی جماعت کے نقائص	۲۴۷
۱۸۶	تبلیغی جماعت کی کوتاہی اور اس کا علاج	۲۵۱
۱۸۷	والد کی مرضی کے بغیر تبلیغ میں جانا	۲۵۴
۱۸۸	ایضاً	۲۵۴
۱۸۹	ایضاً	۲۵۴
۱۹۰	تبلیغی گشت میں ناپاک اور مشتبہ کپڑے والوں کو نماز کے لئے کہنا	۲۵۵
۱۹۱	نماز کے لئے زبردستی کرنا	۲۵۹
۱۹۲	بغیر انتظامِ اہل وعیال تبلیغی چلہ میں نکلنا	۲۶۱
۱۹۳	قرض لے کر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا	۲۶۲
۱۹۴	بچوں کے خرچے کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا	۲۶۳
۱۹۵	عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا	۲۶۳
۱۹۶	عورتوں کے لئے تبلیغی سفر	۲۶۵

۱۹۷	عورتوں کی تبلیغ	۲۶۶
۱۹۸	عورتوں کے لئے تبلیغی اجتماع	۲۶۷
۱۹۹	عورتوں کا اجتماع اور تقریر	۲۶۸
۲۰۰	عورتوں کی اجتماعات میں شرکت	۲۷۰
۲۰۱	عورتوں کی تبلیغ اور نظم ترنم سے پڑھنا	۲۷۱
۲۰۲	صرف عورتوں کی مجلس میں وعظ کے بجائے کتابی تعلیم مناسب ہے	۲۷۲
۲۰۳	تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا	۲۷۲
۲۰۴	تبلیغی پروگرام کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنا	۲۷۳
۲۰۵	تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۴
۲۰۶	تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور جوابات	۲۷۵
۲۰۷	تبلیغی جماعت پر اعتراض	۲۷۷
۲۰۸	مرتکبِ منہیات کا تبلیغ کرنا	۲۷۹
۱۰۹	تبلیغی جماعت سے متعلق اہلِ بدعت کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا ازالہ	۲۸۰
۲۱۰	تبلیغی جماعتوں اور کتابوں پر اعتراضات کے جوابات	۲۸۳
۲۱۱	تبلیغی جماعت والے کیا وہابی ہیں؟	۲۸۶
۲۱۲	چلہ کے فوائد	۲۸۸
۲۱۳	ایک تبلیغی کی تقریر کہ: ’’مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب الہامی نبی تھے‘‘	۲۹۰
۲۱۴	مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراضات	۲۹۱
۲۱۵	مستقل قوم کا مطلب	۲۹۶
۲۱۶	تبلیغ کا ثواب	۲۹۹
۲۱۷	تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ	۳۰۰
۲۱۸	تبلیغ میں ایک قدم پر سات لاکھ کا ثواب	۳۰۱
۲۱۹	تبلیغ میں ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ	۳۰۲

۲۲۰	کیا تبلیغی جماعت کے ساتھ جانا جہاد ہے؟	۳۰۲
۲۲۱	تبلیغی جماعت سے مولانا احتشام الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف، جہاد فی سبیل اللہ کی تشریح	۳۰۳
۲۲۲	سیدی ومولائی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا مکتوب گرامی، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے نام	۳۱۲
۲۲۳	کتابی تعلیم شروع ہونے کے بعد آنے والے نمازیوں کی پریشانی کا حل	۳۱۶
۲۲۴	کتابی تعلیم میں مسبوق حضرات کا خیال	۳۱۷
۲۲۵	جماعت سے پہلے حدیث کی کتاب سنانا	۳۱۹
۲۲۶	جمعہ سے پہلے اور فجر کے بعد مسجد میں کتاب سنانا	۳۱۹
۲۲۷	نمازیوں کی فراغت سے پہلے جہراً کتاب پڑھنا	۳۲۰
۲۲۸	کیا روزانہ تعلیم حدیث کے خلاف نہیں؟	۳۲۱
۲۲۹	اجتماع سے سامان بچ گیا، اس کا کیا کیا جائے؟	۳۲۲
۲۳۰	تبلیغ ومدرسہ کی رقم کا مصرف	۳۲۲
۲۳۱	تبلیغی اجتماع میں کھانے کی قیمت بغیر وزن کے مقرر کرنا	۳۲۳
۲۳۲	مسجد کی چٹائی تبلیغی اجتماع میں لے جانا	۳۲۴
۲۳۳	تبلیغی جماعت کو دُرّہ رکھنا	۳۲۴
۲۳۴	امتحان میں کامیابی پر تبلیغی جماعت میں وقت لگانا	۳۲۵
۲۳۵	جماعت میں نکل کر دوسرے کام میں مشغول ہونا	۳۲۶
۲۳۶	ایک تبلیغی کی تقریر کہ "مشورہ وحی کا بدل ہے"	۳۲۷
۲۳۷	علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض	۳۲۸

مایتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

۲۳۸	کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا	۳۲۹

۲۳۹	وعظ میں خطاب کا طریقہ	۳۲۹
۲۴۰	بے عمل واعظ کا حکم	۳۳۰
۲۴۱	بے عمل کا وعظ کہنا اور چھوٹے بھائی کا اس کو ٹوکنا	۳۳۱
۲۴۲	اپنی نصیحت پر خود عمل	۳۳۲
۲۴۳	غیر عالم کا تقریر کرنا	۳۳۳
۲۴۴	غیر تعلیم یافتہ شخص کی تقریر	۳۳۴
۲۴۵	وعظ کہہ کر چندہ مانگنا	۳۳۴
۲۴۶	تقریر میں سونے والوں کو جگانا	۳۳۴
۲۴۷	مقرر کو نبی پر قیاس کرنا	۳۳۵
۲۴۸	تقریر یا تحریر کے ختم پر ’’واللہ تعالیٰ اعلم‘‘	۳۳۵
۲۴۹	وعظ سنتے وقت وظیفہ میں مشغول ہونا	۳۳۶
۲۵۰	بغیر سامعین کے لاؤڈ اسپیکر پر وعظ کہنا	۳۳۶
۲۵۱	وعظ ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر سے	۳۳۷

کتاب السلوک والإحسان

۲۵۲	ولی کی تعریف اور ایک پیر کے حالات	۳۳۸
۲۵۳	نبی اور ولی میں فرق، کیا ولی سے عبادت ساقط ہوتی ہے؟	۳۴۰
۲۵۴	مجدد کے شرائط	۳۴۳
۲۵۵	تحقیقِ مجدد	۳۴۴
۲۵۶	مجدد کون ہے؟	۳۴۶
۲۵۷	تجدیدِ دین کی حقیقت	۳۴۹
۲۵۸	کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟	۳۴۹
۲۵۹	کیا منصور ولی تھے؟	۳۵۰

مایتعلق بصفات الشیخ وأهمیة التزکیة

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

۲۶۰	شیخِ طریقت کے اوصاف	۳۵۱
۲۶۱	کیا اولیاء بھی معصوم ہوتے ہیں؟	۳۵۲
۲۶۲	کامل بزرگ کی پہچان	۳۵۲
۲۶۳	پیر کیسا ہونا چاہیے؟	۳۵۳
۲۶۴	پیر کے شرائط یعنی پیر کیسا ہونا چاہیے؟	۳۵۴
۲۶۵	پیر کیسا ہونا چاہیے اور مرید ہونے کا حکم	۳۵۷
۲۶۶	بیعت کیسے شخص سے ہونا چاہیے؟	۳۵۸
۲۶۷	ایضاً	۳۵۹
۲۶۸	کیا زانی ولی ہوسکتا ہے؟	۳۶۰
۲۶۹	تارکِ فرائض شخص سے بیعت	۳۶۰
۲۷۰	مرتکبِ کبیرہ پیر کا حکم	۳۶۱
۲۷۱	مرتکب کبائر پیر سے بیعت	۳۶۳
۲۷۲	غیر متبع سے بیعت ہونا	۳۶۶
۲۷۳	اولیائے کرام کو ''ایرے غیرے نتھو خیرے'' کہنا ہرگز درست نہیں	۳۶۸

مایتعلق بسلاسل الصوفیة واصطلاحاتهم

(صوفیاء کے سلاسل اور اصطلاحات)

۲۷۴	تصوف کے چار سلسلے	۳۷۰
۲۷۵	سلاسلِ صوفیہ کی انتہاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیوں ہے؟	۳۷۱
۲۷۶	اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت واجازت کی وجہ	۳۷۲
۲۷۷	طرقِ نقشبندیہ کی تحقیق	۳۷۳

۲۷۸	شریعت، معرفت، طریقت اور حقیقت کیا ہیں؟	۳۸۲
۲۷۹	شریعت وطریقت میں فرق	۳۸۳
۲۸۰	کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟	۳۸۴
۲۸۱	طریقِ توبہ	۳۸۵
۲۸۲	تصورِ شیخ	۳۸۶
۲۸۳	نماز میں پیر صاحب کا تصور	۳۸۶
۲۸۴	فقراء کے رموز کا حکم	۳۸۷

مایتعلق بالاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

۲۸۵	شرائطِ خلافت	۳۸۹
۲۸۶	خلافت کسے کہتے ہیں؟	۳۹۰
۲۸۷	آستانۂ شیخ کی تولیت	۳۹۱
۲۸۸	دوسرے کے مرید کو اجازت دینا	۳۹۱
۲۸۹	شیخ کی طرف سے اجازت وبیعت	۳۹۲
۲۹۰	بغیر اجازت وخلافت کے بیعت کرنا	۳۹۲
۲۹۱	دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا	۳۹۳
۲۹۲	اپنے مرشد کی طرف سے اجازت دینا	۳۹۴
۲۹۳	ایضاً	۳۹۴
۲۹۴	ایضاً	۳۹۵
۲۹۵	حاجی صاحب کے پیر اور خلفاء	۳۹۵
۲۹۶	کیا خلافت دینے کے لئے مرید ہونا ضروری ہے؟	۳۹۶
۲۹۷	شیخ کا نافرمان کیا سجادہ نشین بننے کا مستحق ہے؟	۳۹۶

۲۹۸	پیر بھائی کو اجازت وخلافت	۳۹۷
۲۹۹	حضرت خواجہ اجمیری کا چور کو قطب بنا دینا	۳۹۸

مایتعلق بالبیعة

(بیعت کا بیان)

۳۰۰	قرآن وحدیث سے بیعت کا ثبوت	۳۹۹
۳۰۱	پیر یا ولی کی ضرورت	۴۰۲
۳۰۲	مقاصدِ بیعت	۴۰۲
۳۰۳	کیا بیعت کے بغیر کامل اصلاح نہیں ہوسکتی؟	۴۰۳
۳۰۴	کیا شیخ صالح کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے؟	۴۰۴
۳۰۵	کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟	۴۰۵
۳۰۶	ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا	۴۰۵
۳۰۷	وفاتِ پیر کے بعد دوسرے پیر کی طرف رجوع	۴۰۶
۳۰۸	ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے بیعت کرنا	۴۰۷
۳۰۹	متعدد مشائخ سے بیعت	۴۰۸
۳۱۰	کیا محض عقیدت کی بناء پر کسی کو مرید کہا جاسکتا ہے؟	۴۰۹
۳۱۱	حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدین میں کیا مولوی احمد رضا بھی ہیں؟	۴۱۰
۳۱۲	بیعت کے بعد پھر ارتکابِ معاصی	۴۱۱
۳۱۳	کیا مرید اور شاگرد میں فرق ہے؟	۴۱۲
۳۱۴	حکمِ بیعت	۴۱۳
۳۱۵	بیعت کا حکم	۴۱۴
۳۱۶	عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا	۴۱۵
۳۱۷	نامحرم کا ہاتھ پکڑ کر مرید کرنا	۴۱۶

۳۱۸	عورت کا مرید کرنا	۴۱۶
۳۱۹	عورت سے بیعت	۴۱۷
۳۲۰	اخلاق بلا عبادت اور عبادت بلا اخلاق کا تقابل	۴۱۸
۳۲۱	"نخلع ونترک من یفجرک" پر عمل کی صورت	۴۲۱

مایتعلق بمجالس الصوفیة وأذکارهم

(صوفیاء کی مجالس اوران کے وظائف کا بیان)

۳۲۲	ایک پیر صاحب کے وظیفے	۴۲۳
۳۲۳	کیا بزرگوں سے رہبانیت ثابت ہے؟	۴۲۴
۳۲۴	ذکر کے لئے اجتماع	۴۲۶
۳۲۵	ذکر جہری کا ثبوت	۴۲۸
۳۲۶	فجر کے بعد ہوا خوری افضل ہے، یا اوراد و وظائف؟	۴۳۰
۳۲۷	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ذکر جہری کی ممانعت	۴۳۱
۳۲۸	ذکر بالجہر	۴۳۴
۳۲۹	ذکر اللہ کا طریقہ	۴۳۴
۳۳۰	کلمہ طیبہ کامخصوص مقدار میں پڑھنا	۴۳۵
۳۳۱	ذکر بالجہر والجماعة	۴۳۷
۳۳۲	آواز ملا کر ذکر بالجہر کرنا	۴۴۲
۳۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے عمل	۴۴۳
۳۳۴	پے در پے مصائب کا علاج ذکر واستغفار ہے	۴۴۴
۳۳۵	حال وجد	۴۴۶
۳۳۶	محاسبہ	۴۴۶
۳۳۷	مجلسِ سماع	۴۴۷
۳۳۸	قوالی	۴۴۸

۳۳۹	ایضاً	۴۵۱
۳۴۰	قوالی اور خنزیر کھانے کی حرمت میں فرق	۴۵۲
۳۴۱	غناء پر استدلال اور اس کا جواب	۴۵۴
۳۴۲	قوالی اور پختہ قبر	۴۵۶

منکرات المتصوفة

(جاہل صوفیاء کے منکرات)

۳۴۳	پیر کا نام بطورِ وظیفہ پڑھنا اور مرید سے نذرانہ لینا	۴۵۷
۳۴۴	پیر نذرانہ لیتا ہے، مرید کی اصلاح نہیں کرتا	۴۵۷
۳۴۵	مریدوں سے ہدیہ لینا	۴۵۹
۳۴۶	ایک پیر صاحب کے حالاتِ تصوف	۴۵۹
۳۴۷	پیر کا بخشش کروانا	۴۶۱
۳۴۸	ایک پیر کے مخلوط حالات	۴۶۲
۳۴۹	ایک پیر صاحب کے خلافِ شرع حالات	۴۶۴
۳۵۰	اپنے پیر پر جھوٹا مقدمہ چلانا	۴۶۵
۳۵۱	بزرگوں کے اس عمل کا اتباع جو کتاب وسنت کے خلاف ہے	۴۶۷
۳۵۲	کلامِ مشائخ میں خلافِ شرع بات ہو تو کیا کیا جائے؟	۴۶۹
۳۵۳	فقیری جماعت میں داخل کرنے کے لئے تمام جسم پر استرہ پھیرنا	۴۷۱

كتاب السير والتاريخ

باب في شمائل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

(شمائلِ نبوی کا بیان)

۳۵۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں	۴۷۳

۳۵۵	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی عیب نہیں	۴۷۴
۳۵۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان	۴۷۵
۳۵۷	مہر نبوت اور جسمِ اطہر پر مکھی نہیں بیٹھی	۴۷۶
۳۵۸	کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟	۴۷۷
۳۵۹	معراج سے واپسی براق پر ہوئی	۴۷۸
۳۶۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ کی حرمت کی تفصیل	۴۷۹
۳۶۱	حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ	۴۸۰
۳۶۲	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو قتل کیا؟	۴۸۲
۳۶۳	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۹۰/سال تھی؟	۴۸۳
۳۶۴	عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے	۴۸۴
۳۶۵	قدمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۴۸۴
۳۶۶	قیلولہ اور کھانے کا معمول	۴۸۵
۳۶۷	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس رنگ کا لباس پسند تھا؟	۴۸۶
۳۶۸	پیراہن مبارک کی لمبائی اور چوڑائی	۴۸۷
۳۶۹	نعلین شریفین کیسے تھے؟	۴۸۸
۳۷۰	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیزہ کا طول وعرض	۴۸۸
۳۷۱	بغل مبارک میں بال نہیں تھے	۴۸۹
۳۷۲	ناک شریف میں بال نہیں تھے	۴۹۰
۳۷۳	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استرے سے بالوں کی صفائی	۴۹۰
۳۷۴	رخسار مبارک پر بال	۴۹۰
۳۷۵	کیا کسی وقت ننگے سر رہنے کا معمول تھا؟	۴۹۱
۳۷۶	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گدھے پر سواری فرمانا	۴۹۱
۳۷۷	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم کا خون پاک ہے	۴۹۳

۳۷۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بول کا پینا....................................	۴۹۴
۳۷۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیشاب پاک ہے....................................	۴۹۵
۳۸۰	فضلاتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طہارت....................................	۴۹۸
۳۸۱	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایلچی کا لفظ....................................	۴۹۹
۳۸۲	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاحبزادی کو دفن کرنے کے لئے ایسے شخص کا تجویز فرمانا جس نے رات کو صحبت نہ کی ہو....................................	۵۰۰
۳۸۳	پتھر میں اسمِ مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدرتی طور پر نکلا، تو اس کو کیا کیا جائے؟..........	۵۰۱
۳۸۴	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کے لئے ہر زبان میں نعت کہنا جائز ہے..........	۵۰۲

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاء، تاریخ کی روشنی میں)

۳۸۵	حضرت آدم علیہ السلام کا مرد ہونا اور حضرت حوا کا عورت ہونا کیا دنیا میں آکر ہوا، یا جنت میں؟....................................	۵۰۴
۳۸۶	قبرِ آدم علیہ السلام....................................	۵۰۵
۳۸۷	حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی قبریں کہاں ہیں؟....................................	۵۰۵
۳۸۸	حضرت آدم علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے؟....................................	۵۰۷
۳۸۹	حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بائیں پسلی سے....................................	۵۰۷
۳۹۰	حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنے پر چالیس روز تک رونا....................................	۵۰۸
۳۹۱	سفینۂ نوح میں کتنے آدمی تھے؟....................................	۵۰۸
۳۹۲	انگشتریٔ حضرت سلیمان علیہ السلام....................................	۵۰۹
۳۹۳	حضرت یونس علیہ السلام کا تحت الثری تک پہونچنا....................................	۵۱۰
۳۹۴	حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام....................................	۵۱۱
۳۹۵	زلیخا کی تحقیق....................................	۵۱۱
۳۹۶	کیا زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی تھی؟....................................	۵۱۲

۳۹۷	حضرت ہاجرہ اور سارہ رضی اللہ عنہا کیا ایک ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تھیں؟........	۵۱۲
۳۹۸	ختنہ کی ابتداء اور مصلحت........	۵۱۳
۳۹۹	ختنہ کی ابتداء، کون نبی مختون پیدا ہوئے؟........	۵۱۴
۴۰۰	ختنہ کا طریقہ کس زمانہ سے ایجاد ہوا؟........	۵۱۶
۴۰۱	ہاروت وماروت اور زہرہ........	۵۱۷
۴۰۲	اول غلاف کعبہ کس نے دیا؟........	۵۱۸

(عہدِ صحابہ تاریخ کی روشنی میں)

۴۰۳	فتحِ بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس چیز پر سوار تھے........	۵۱۹
۴۰۴	اصحابِ صفہ کون تھے؟........	۵۱۹
۴۰۵	خلفائے اربعہ کی ازواجِ مطہرات اور امہات........	۵۲۰
۴۰۶	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویوں کا حال، ان کے کل کتنے نکاح ہوئے؟........	۵۲۱
۴۰۷	کیا حضرت حلیمہ نے اسلام قبول کیا؟........	۵۲۳
۴۰۸	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدفن........	۵۲۳
۴۰۹	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد........	۵۲۵
۴۱۰	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا........	۵۲۵
۴۱۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویاں........	۵۲۶
۴۱۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن میں کوئی وعدہ کیا تھا؟........	۵۲۷
۴۱۳	وفاتِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت کسی خلیفہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ........	۵۲۷
۴۱۴	بچہ کے انتقال پر اہلیہ کا اپنے شوہر کو مطلع نہ کرنا........	۵۲۸
۴۱۵	ابوطالب کا ایمان لانا........	۵۲۹
۴۱۶	ابوجہل کا باپ........	۵۳۰
۴۱۷	کیا دجال کی پنڈلی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کا زخم ہے؟........	۵۳۰
۴۱۸	ابوجہل سے اپنے غلام کا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق سوال........	۵۳۱

۴۱۹	ابولہب کے بیٹوں کے نام	۵۳۲
۴۲۰	کیا حاتم طائی اور نوشیرواں ایمان لائے؟	۵۳۳
۴۲۱	سنِ ہجری اور عیسوی کی ابتداء	۵۳۵
۴۲۲	سب سے پہلا شہید	۵۳۵
۴۲۳	شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۳۵
۴۲۴	بیوی کو غسلِ میت کی وصیت	۵۳۷
۴۲۵	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات، مدفن اور نمازِ جنازہ کی تحقیق	۵۴۰
۴۲۶	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات	۵۴۰
۴۲۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدفن معلوم نہ ہونے کی حکمت	۵۴۱
۴۲۸	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن	۵۴۲
۴۲۹	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کا مدفن	۵۴۲
۴۳۰	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کہاں مدفون ہیں؟	۵۴۲
۴۳۱	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل کس نے دیا؟	۵۴۳
۴۳۲	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مدفن	۵۴۴

(عہدِ تابعین تاریخ کی روشنی میں)

۴۳۳	محمد بن الحنفیہ کا حال	۵۴۶
۴۳۴	محمد بن الحنفیہ کی تحقیق	۵۴۷
۴۳۵	محمد بن حنفیہ کی نسبت	۵۴۸
۴۳۶	یزید کی نسل	۵۴۹
۴۳۷	کیا یزید نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا تھا؟	۵۵۰
۴۳۸	مروان کا مدینہ سے اخراج، پھر واپسی	۵۵۰
۴۳۹	کیا حضرت حسن بصری صحابی ہیں؟	۵۵۱
۴۴۰	حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا سنِ پیدائش	۵۵۱

۴۴۱	امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز	۵۵۲
۴۴۲	امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا منصور کے خلاف کا واقعہ	۵۵۳
۴۴۳	کیا کعبہ حضرت رابعہ کے استقبال کو گیا تھا؟	۵۵۳
۴۴۴	شہر بانو بنتِ یزدجرد کا ایمان	۵۵۴
	(تاریخِ ہند)	
۴۴۵	کیا سب سے پہلے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان آئے؟	۵۵۵
۴۴۶	خواجہ اجمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد	۵۵۵
۴۴۷	بانی جامع مسجد دہلی	۵۵۶
۴۴۸	کیا صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیوی کو جلا دیا تھا؟	۵۵۶
۴۴۹	قیامِ دارالعلوم ومظاہر علوم کی تاریخ	۵۵۷
۴۵۰	مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین	۵۵۸
۴۵۱	جمعیۃ العلماء کا جھنڈا	۵۵۸
۴۵۲	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سند	۵۶۲
۴۵۳	کیا اعلیٰ حضرت خان صاحب نے دارالعلوم میں پڑھا ہے؟	۵۶۲
۴۵۴	اردو کس نے ایجاد کی؟	۵۶۳
۴۵۵	شیخ صدیقی، شیخ فاروقی اور مغل پٹھان کی نسل	۵۶۴
۴۵۶	خاندانی شرافت	۵۶۵
	كتاب السياسة والهجرة	
۴۵۷	مذہبِ اسلام میں سیاست اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں توضیح	۵۶۶
۴۵۸	علماء کے لئے سیاست میں شرکت	۵۶۸
۴۵۹	سیاست میں حصہ لینا	۵۶۹
۴۶۰	پاکستان میں اسلامی قانون	۵۶۹

۴۶۱	جائز قانونِ حکومت کی پابندی	۵۷۰

(امامت اور خلافت کا بیان)

۴۶۲	امارتِ شرعیہ	۵۷۱
۴۶۳	امیر المومنین	۵۷۶
۴۶۴	امارتِ شرعیہ کے مقابلہ میں ادارۂ شرعیہ	۵۷۸
۴۶۵	عورت کی خلافت وامامت	۵۸۱
۴۶۶	عورت کو قاضی بنانا	۵۹۲
۴۶۷	چودھریوں کی حکومت	۵۹۶
۴۶۸	بےعلم صدر کا قاضی کی مدد سے فیصلہ کرنا	۵۹۸
۴۶۹	ایضاً	۵۹۸

(جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان)

۴۷۰	جمہوریت	۶۰۰
۴۷۱	جمہوریت اور مشاورت	۶۰۱
۴۷۲	کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟	۶۰۳
۴۷۳	جمعیۃ العلماء میں شرکت	۶۰۴
۴۷۴	کیا ہر جماعت کا جھنڈا اسلامی جھنڈا ہے؟	۶۰۴
۴۷۵	مسلم تنظیم میں کسی غیر مسلم کی شرکت	۶۰۵
۴۷۶	پارٹی بازی سے بچنے کی ترکیب	۶۰۷
۴۷۷	شریعت سے ناواقف لوگوں کی کمیٹی اور اس کا حکم	۶۰۷
۴۷۸	ایسی پنچایت میں شرکت جس کے قوانین غیر شرعی ہوں	۶۰۸
۴۷۹	تفریق بین المسلمین	۶۰۹
۴۸۰	ایضاً	۶۰۹
۴۸۱	برادری کی جماعت کی مخالفت کرنا	۶۱۰

۴۸۰ پنچایت کے خلاف کرنا ۶۱۱
۴۸۱ مطالبہ منوانے کے لئے بھوک ہڑتال ۶۱۴
۴۸۲ ہڑتال کے موقع پر پتلہ جلانا ۶۱۷
۴۸۳ بلوائیوں سے بھاگنا ۶۱۷

(انتخابات کی شرعی حیثیت)

۴۸۴ ووٹ کا حکم ۶۱۸
۴۸۵ ووٹ کس کو دیا جائے؟ ۶۱۸
۴۸۶ شیعہ کو ووٹ دینا ۶۱۹
۴۸۷ پارلیمنٹ کے ووٹ کی بنیاد ۶۲۰

(دارالاسلام، دارالحرب اور دارالہجرۃ کا بیان)

۴۸۸ دارالحرب ۶۲۱
۴۸۹ دارالحرب اور دارالاسلام ۶۲۱
۴۹۰ کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ ۶۲۴
۴۹۱ دارالحرب، دارالاسلام، انگریزی حکومت، کانگریسی حکومت، جمعہ وعیدین اور ہجرت ۶۲۶
۴۹۲ دارالحرب، ہجرت، حفاظتِ اہل وعیال ۶۳۷
۴۹۳ ہجرت ۶۴۳
۴۹۴ مسئلۂ ہجرت ۶۴۴
۴۹۵ ظلم کی حالت میں ہجرت ۶۴۷
۴۹۶ ہندوستان سے ہجرت ۶۴۸
۴۹۷ ہندوستان کے کافر حربی ہیں یا ذمی؟ جان بلب حربی کے منہ میں پانی ٹپکانا ۶۵۰

متفرقات

۴۸۹ یورپی تہذیب اور اسلام کی ترقی ۶۵۲

۴۹۹ کیا برما کی لڑائی جہاد ہے؟............ ۶۵۳
۵۰۰ جہاد کے جھنڈے کا رنگ............ ۶۵۴
۵۰۱ صدرِ جمہوریہ کا استقبال............ ۶۵۶

کتاب تعبیر الرؤیا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

۵۰۲ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''میرے ساتھ کھانا کھانا''............ ۶۵۸
۵۰۳ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبلیغی جماعت کے ساتھ دیکھنا............ ۶۵۹
۵۰۴ خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر زخم دیکھنا............ ۶۵۹
۵۰۵ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹی کی زیارت............ ۶۶۱
۵۰۶ خواب میں مولانا فخر الدین صاحب کا ختمِ بخاری شریف کرانا............ ۶۶۱
۵۰۷ باپ دادا کو خواب میں دیکھنا............ ۶۶۲
۵۰۸ خواب میں داڑھی صاف کرا دینا............ ۶۶۲
۵۰۹ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی کو دونوں ہاتھوں سے درست کرنا............ ۶۶۳
۵۱۰ خواب میں وضوء کرتے وقت امام نے سلام پھیر دیا............ ۶۶۳
۵۱۱ ایضاً............ ۶۶۴
۵۱۲ خواب میں اذان پڑھنا............ ۶۶۴
۵۱۳ ''ھذا من فضل ربی'' خواب کی تعبیر............ ۶۶۵
۵۱۴ بدعات کے لئے خواب سے استدلال............ ۶۶۶
۵۱۵ چرن سنگھ کو خواب میں اسلام کی دعوت............ ۶۶۷
۵۱۶ خواب میں بارانِ رحمت............ ۶۶۸
۵۱۷ خواب میں انگور دیکھنا............ ۶۶۸
۵۱۸ خواب میں درخت کا گرنا دیکھنا............ ۶۶۸

۵۱۹	کئی چاند خواب میں دیکھنا	۶۶۹
۵۲۰	خواب میں دودھ دیکھنا	۶۶۹
۵۲۱	خواب میں گوشت دیکھنا	۶۶۹
۵۲۲	خواب میں گائے کا گوشت دیکھنا	۶۷۰
۵۲۳	خواب میں ایک اونٹ کھول کر لے جانا	۶۷۱
۵۲۴	خواب میں جوتی گم ہونے کی تعبیر	۶۷۱
۵۲۵	خواب میں حالتِ موت میں اپنا منہ کھلا دیکھنا	۶۷۲
۵۲۶	خواب اور اس کی تعبیر	۶۷۳
۵۲۷	خواب میں مینار دیکھنا	۶۷۳
۵۲۸	خواب میں سانپ کو مارنا	۶۷۴
۵۲۹	خواب میں خنزیر دیکھنا	۶۷۴
۵۳۰	خواب میں مُردوں کو دیکھنا	۶۷۵
۵۳۱	مرحومین کی کوئی بات خواب میں معلوم ہونے پر یقین	۶۷۶
۵۳۲	موت کے لئے خواب میں ایک جگہ کو دیکھنا	۶۷۷
۵۳۳	خواب میں مُردہ کو برہنہ دیکھنا	۶۷۸

☆......☆......☆

باب ما یتعلق بالحدیث النبوی

(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)

احادیث جمع کرنے کی ممانعت

از جناب سعید احمد مدرس اردو اسکول دورہ متعلقہ ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

محترمی ومکرمی مفتی محمود صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال[۱۲۳۰]: احقر کو اپنے ایک عزیز سے (جو کہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہیں) معلوم ہوا کہ آپ معاملاتِ دین سے متعلق سوالات کے جوابات دیتے ہیں، میں ایک عرصے سے اس سوچ میں تھا کہ کوئی ایسی قابل ہستی کا مجھے علم ہو جائے تا کہ اپنے خطرناک خیالات پر نظر ثانی کر سکوں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ جیسی قابل ہستی سے روشناس ہو رہا ہوں جو خدمتِ قوم کو اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہے۔

میں نے عرصہ ہوا مالیگاؤں کی ایک لائبریری میں ایک کتاب ''دو اسلام'' پڑھی تھی اس کتاب کے پڑھنے پر مجھ پر جو تأثرات ہوئے ان کا مکمل اظہار ناممکن ہے، البتہ مجملاً اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میرے خیالات اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر غلام جیلانی برق کو بھی پیچھے چھوڑ گئے تھے اور آج بھی تقریباً یہی حال ہے، یہ کتاب مجھے اس قدر پسند آئی کہ میں نے اسے کتنی مرتبہ پڑھا خود یاد نہیں، اس کتاب کے خاص حصے میں نے بطور یاد داشت اپنے پاس لکھ کر رکھ لئے ہیں۔

اب حال ہی میں حکومتِ ہند نے اس پر پابندی عائد کر دی ہے، کہنے کا مقصد یہ کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ذہن میں لاتعداد سوالات اُبھرے جو دماغ کے پردوں پر ایک بھاری بوجھ کی صورت میں آج بھی قائم ہیں، ان سوالات نے میرا تمام تر ذہنی سکون چھین لیا ہے، ایک عجیب سی جھنجھلاہٹ ذہن پر طاری ہوگئی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں ذہنی حالت اَور بدتر نہ ہو جائے اس لئے آپ سے اپنے خیالات کا اظہار کر کے اپنی ذہنی کشمکش دور کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے کچھ کوشش کر سکوں جو عرصہ دراز سے

تصورات کے پردوں پرنقش ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ پھر سے مسلمان ہو جاؤں، وہ مسلمان جس کی شمشیر خارا شگاف سے ایک دنیا دہلتی تھی، وہ مسلمان جس کا نام سن کر اس کا دشمن ایک مہینہ کی مسافت پر لرز جاتا تھا، وہ مسلمان جس نے دنیا کو اخلاق و دیانت، سچائی و انصاف اور قابلِ رشک زندگی کا سبق سکھلایا تھا، مگر کیا کروں اس وقت جو کم علمی اور متغیر خیالات نے ذہنی کشمکش برپا کر دی ہے اس سے کچھ بھائی نہیں دیتا۔ اس لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم میرے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیکر ایک اور دینی خدمت اور مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کریں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کا وقت بے حد قیمتی ہے اس لئے اختصار کے طور پر سر دست صرف دو سوال پوچھ رہا ہوں، انشاء اللہ آئندہ بھی آپ سے دینی رہنمائی کا طالب رہوں گا۔ ایک بات اور، وہ یہ کہ جوابات کی زبان ممکنہ حد تک آسان ہو تو بہتر ہے یہ اس لئے کہ آپ کا حلقہ بوقتِ تحریر ایسی زبان استعمال کرتا ہے جو ہم جیسے ڈاڑھی منڈوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جوابات گول مول زبان میں نہ ہوں تو اور کرم ہوگا۔ امید ہے کہ آپ مطلوبہ جوابات سے نواز کر صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔ وہ سوالات درج ذیل ہیں:

س:۱...... بخاری میں مذکور ہے کہ رحلت سے پہلے جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’قلم اور دوات اور کاغذ لاؤ، تمہیں میں ایک ایسی چیز لکھ کر دے جاؤں کہ میرے بعد تمہاری گمراہی کا کوئی امکان باقی نہ رہے‘‘ تو حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھٹ بول اٹھے: ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے(۱)۔ اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’قرآن کے بغیر میرا اور کوئی قول قلمبند نہ کرو اور اگر کوئی شخص ایسا لکھ چکا ہو تو اسے مٹا دے‘‘(۲)۔

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب قول المریض قوموا منی: ۸۴۶/۲، قدیمی)

(وانظر أیضاً عنوان: ”حدیثِ قرطاس من هذا الباب)

(۲) ”عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ”لاتکتبوا عنی شیئاً إلا القرآن، فمن کتب عنی شیأً غیر القرآن فلیمحه“. (مسند أحمد: ۳۹۹/۳، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(وجامع بیان العلم وفضله، باب ذکر کراهیة کتابة العلم: ۲۶۸/۱، دار ابن الجوزی)

حدیث کے صحیح ہونے کے کئی دلائل ملتے ہیں مثلاً: علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ: ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ہوا تھا لیکن ایک صبح اٹھ کر اسے جلا دیا، اسی طرح آپ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک دن ایک مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ آج احادیث میں اختلاف رکھتے ہو (یعنی احادیث میں اسی زمانے میں تحریف ہوگئی تھی) آئندہ یہ اختلاف بڑھتا جائے گا اس لئے تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل نہ کرو اور اگر کوئی پوچھے تو کہو کہ ہمارے پاس قرآن ہے جو اس میں جائز قرار دیا ہے اسے جائز اور جسے ناجائز قرار دیا ہے اسے ناجائز سمجھو“۔ (تذکرۃ الحفاظ ،ص:۳)(۱)۔

اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا: ”گھر جاؤ اور احادیث کا تمام ذخیرہ اٹھا لاؤ، جب یہ ذخیرہ جمع ہوگیا تو آپ نے تمام صحابہ کے سامنے اسے جلا دیا“۔ (طبقات ابن سعد، ص:۲۳)(۲)۔

حضرت عبداللہ بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے حکم دیا: ”یہاں سے جانے کے بعد ہر شخص پہلا کام یہ کرے کہ اپنے مجموعہ حدیث کو جلا ڈالے“۔ (مختصر جامع بیان العلم، ص:۲۳)(۳)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ: ”میں نے ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ اگر ان کو عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں نقل کرتا تو دُرّے سے پیٹ

---

(۱) ”فلما أصبح قال: أى بُنيّة! هلمّي الأحاديث التى عندك، فجئته بها، فدعا بنار فحرقها، فقلت: لم أحرَقتها؟ قال: خشية أن أموت وهى عندى، فيكون فيها أحاديث عن رجل قد ائتمنته ووثقت ولم يكن كما حدثنى، فأكون قد نقلتُ ذاك، فهذا لايصح“. (تذكرة الحفاظ، أبوبكر صديق: ۱/۵،دار إحياء التراث العربى)

(۲) (جامع بيان العلم وفضله، باب ذكر كراهية كتابة العلم: ۱/۳۷۴، ۳۷۵، دار ابن الجوزى)

(۳) جامع بيان العلم، باب ذكر كراهية كتابة العلم: ۱/۲۸۲، وفيه أيضاً: ”وعن عبدالله بن يسار قال: سمعت علياً يخطب يقول: أعزم على كل من عنده كتاب إلارجع فمحاه، فإنما هلك الناس حيث (تتبعوا) أحاديث علمائهم وتركوا كتاب ربهم“. (أيضاً: ۱/۲۷۲)

ڈالتے'' (تذکرۃ الحفاظ، ص:۸)(۱)۔ کیوں پیٹ ڈالتے، رسولِ خدا کا اُسوہ بیان کرنے پر کیا کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے؟ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو روایتِ حدیث کی بناء پر پیٹنے پر تل گئے تھے اور اسی جرم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم المرتبت اصحاب کو قید کر دیا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیوں فنا کیا تھا؟ صحابہ کو قید و بند کی سزائیں کیوں دی تھیں؟ کیا یہ صریحاً اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ کو مکمل اور اتم ضابطۂ حیات سمجھتے تھے اور یہ کہ وہ ارشادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ: ''میرے بعد کوئی حدیث مت لکھو'' (صحیح مسلم) پر سختی سے عمل پیرا تھے؟

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم قرآنِ حکیم کو مکمل اور اتم ضابطۂ حیات سمجھتے ہیں تو احادیث جمع کیوں کی گئیں؟ اور ان پر ایمان لانا خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ احادیث بگڑ کر کیا سے کیا ہو گئیں تھیں، خدا نے قرآن پاک میں بیسیوں جگہ اپنے لاکھوں انبیاء وسینکڑوں صحائف اور کروڑوں ملائکہ پر ایمان لانے کے احکامات نازل کئے ہیں مگر کیا سارے قرآن میں حدیث کا کہیں ضمناً بھی ذکر ہے؟ کیا خدا ان احادیث پر ایمان لانے کا حکم نہیں دے سکتا تھا؟ تو جب خدا اور رسول اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حدیث کو قابلِ ایمان نہیں سمجھا تو پھر آپ کیوں ہم پر صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کو مسلط کرتے ہیں؟ تلخ گوئی کی معافی چاہتا ہوں کیونکہ اپنی صاف گوئی کی عادت سے مجبور ہوں۔

میں آپ سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں آپ زیادہ صحیح مسلمان ہیں یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ و رسول کے منشاء سے وہ زیادہ باخبر تھے یا آپ؟ اور وہ ذخیرۂ احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر رہے تھے تو آپ کون ہوتے ہیں احادیث کو ہمارے سر تھوپنے والے؟ دوبارہ معافی کی التجا ہے اس سے نرم الفاظ میں میرا مفہوم اچھی طرح ادا نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے یہ سخت الفاظ لکھنے پڑے، امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

س:۲...... کیا بیشتر علماء کی طرح آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ حدیث وحی خفی ہے، اگر ہاں تو یہ بتائیے

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قلت له: أكنت تحدث في زمان عمر هكذا؟ فقال: لو كنت أحدّث في زمان عمر مثل ما أحدثكم لضربني بمخفقته". (تذكرة الحفاظ، عمر بن الخطاب: ۱/۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

کہ حدیث کو قرآن کے متن میں شامل کیوں نہیں کیا گیا؟ حدیث بھی اللہ کا پیغام ہے اور قرآن بھی تو پھر احادیث قرآن کے متن سے کیوں جدا کردی گئیں؟ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے کیوں منع کردیا تھا اور انہوں نے ذخیرۂ احادیث کو ہر ممکن طریقہ سے کیوں فنا کیا تھا؟ کیا اللہ کے پیغام کی ان کی نظروں میں یہی وقعت تھی کہ خدا نے قرآنِ عظیم کے متعلق فرمایا ہے: ''یہ ذکر اور ہدایت ہم نے نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرینگے''۔ قرآن کی صحت پر تمام عالم شاہد ہے مگر حدیث اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ تمام عالم میں اس سے زیادہ محرف، بریدہ اور تراشیدہ لٹریچر موجود نہیں تو آپ پھر کس بنیاد پر حدیث کو وحی خفی سمجھتے ہیں؟

سرِ دست یہ دو ہی سوال لکھ رہا ہوں آپ کا بڑا کرم ہوگا، اگر آپ مفصل ومکمل ومدلل جواب سے نوازیں تاکہ میں تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ سکوں، مجھے یقین تو نہیں کہ آپ میرے مطلوبہ جوابات دیں گے لیکن پھر بھی جہاں تک مجھ سے ہوگا میں ان سوالات (اگر خدانا خواستہ آپ نے بھی جواب نہیں دیا تو) کا جواب پانے کی کوشش کروں گا اور اگر پھر بھی ناکام رہا تو شاید ''دو اسلام'' سے بھی زیادہ سخت ایک کتاب شائع ہوجائے گی جو ''حدیثی اسلام'' کی زنجیروں کو پگھلادے گی اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ایک بار آپ سے پھر تلخ گوئی کی معافی چاہتے ہوئے جواب کے لئے استدعا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری بے چینی کو مدنظر رکھیں گے۔

(نوٹ) جواب کے لئے لفافہ ارسالِ خدمت ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم محترم زیدَ احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خطوط سے آپکے جذبات کی قدر ہوئی، جس کے دل میں مسلمانوں کی اصلاح کی تڑپ ہوگی اور اسبابِ اصلاح سے وہ خود خالی ہوگا اور سب کو غلط رُو سمجھ کر سب سے مایوس وبے اعتماد ہوگا واقعی اس کی بے چینی کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس کا دماغی توازن قائم رہنا دشوار ہے پھر جذبات کے رو میں جو کچھ کہہ ڈالے یا لکھ دے تو اس سے کچھ بعید نہیں، ایسے شخص کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں، غالباً اسی وجہ سے آپ کو کہیں سے تسلی بخش جواب نہیں ملا ہوگا۔

آپ کے ہر قسم کے طعن، تلخ گوئی، جذباتی، گرم خون، ''دواسلام'' سے زیادہ سخت تصنیف کی دھمکی سے متاثر ہوئے بغیر میں نے سوچا کہ اللہ کے نام پر میں بھی کوشش کر کے دیکھ لوں، اثر دینے والا اللہ پاک ہے اور آپ سے آپ کی استعداد کے متعلق دریافت کیا، تا کہ جو کچھ لکھوں آپ کے فہم کے مطابق ہو مگر آپ کا جواب ملا کہ:

''میں نے کسی مدرسہ یا مکتب سے حدیث یا علومِ حدیث کی تعلیم حاصل نہیں کی اور یہ بھی کہ خدائے کریم کی بہت بڑی مہربانی تھی جو اس نے مجھے اس دلدل میں پھنسنے سے بچالیا، میں آپ کی اصطلاح میں جاہلِ مطلق ہوں، اب دیکھنا ہے کہ آپ ایک جاہل کو مطمئن کر سکتے ہیں یا نہیں''۔

آپ کے اس جواب کو پڑھ کر مجھے کلی مایوسی ہوگئی، میں ہرگز نہیں سمجھا سکوں گا، ایک شخص ضعیف البصر ہے اس کو سفر کرنا ہے دور سے نشانِ راہ دیکھنے کے قابل نہیں، دوسرے راہ رو پر اعتماد نہیں کہ اس کے ساتھ چلا جائے، بینائی کا علاج کرانے (دوا، آپریشن، چشمہ) کا تذکرہ آئے تو اس کو دلدل سمجھ کر اس سے بچے رہنے پر رشک وفخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کی اصطلاح میں، میں بے بصر مطلق ہوں (مگر خلقی طور پر بے بصر نہیں ہوں) اب دیکھنا ہے کہ آپ دور سے ایک بے بصر کو نشانِ راہ دکھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کو اس طرح نشان راہ دکھلانا دشوار ہے، اس سے نہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نشان راہ موجود نہیں، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی نشانِ راہ نہیں دیکھ رہے ہیں اور سب غلط چل رہے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ نشانِ راہ دکھلانا اتنا مشکل ہے کہ کسی کو دکھلایا نہیں جا سکتا۔

البتہ یہ ضرور صحیح ہے کہ جو صفات بالا کے ساتھ متصف ہو اس کو دکھلانے سے سب ہی قاصر ہیں اِلّا یہ کہ خدائے پاک خرقِ عادت کے طور پر اس کی بینائی کو قوی فرمادے یا کوئی مردِ خدا قوتِ روحانی سے اس کو اٹھا کر نشانِ راہ کے پاس لے جا کر کھڑا کردے۔ بار بار خط لکھنے اور انتظارِ جواب میں آپ کو واقعۂ زحمت ہوئی اس کی صدقِ دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔

آپ کے خط سے مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے آپ کے لکھے ہوئے حوالہ جات کو اصل کتابوں میں دیکھا، ان کی حیثیت (صحیح وغلط، راجح ومرجوح، ناسخ ومنسوخ، صریح ومبہم) سب کو از سرِ نو مستحضر کرلیا، پھر تن

دلائل سے احادیثِ مقدسہ کا لکھنا ثابت و مامور بہ ہے، ان کو جمع کیا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے جس جس طرح ان کی تعلیم واشاعت کا انتظام فرمایا اور اللہ پاک نے ان کی مساعی جمیلہ پر جس طرح دینِ اسلام کو فروغ دیا اور اس پر بہتر اثرات مرتب ہوئے، ان کا بڑا مواد جمع کیا اور حدیث پاک سے بے تعلق ہوکر قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش کرنے میں جو جو برے اثرات پیدا ہوتے ہیں اور گمراہی پھیلتی ہے، اس کے بہت سے نظائر اور دلائل کو جمع کیا اور حدیث شریف کے وحی خفی ہونے کا پورا ثبوت فراہم کیا، مگر افسوس صد افسوس کہ آپ کے موجودہ مجموعی خیالات ونظریات کے پیش نظر آپ کے لئے یہ مجموعہ کچھ بھی مفید اور تسلی بخش نہیں، اس لئے آپ کے پاس بھیجنا بیکار اور عبث ہے، ایک دوست وہ سب مجموعہ پاکستان لے گئے۔

آخر میں پھر معافی چاہتا ہوں، اب میرے پاس آپ کے لئے صرف دعاء ہے، حق تعالیٰ جل شانہ آپ کو اُلجھنوں سے باَحسنِ وجوہ نجات دے، صحیح راہ قلب پر منکشف فرمادے، اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق دے، بیش از بیش اپنا قرب نصیب فرمادے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

آپ کے بھیجے ہوئے دو لفافے رکھے ہیں وہ ارسال ہیں، نیز ایک روپیہ کے ٹکٹ صرفہ ڈاک کی حیثیت سے ارسال ہیں قبول فرمائیں۔ فقط والسلام۔

احقر محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۳/۸۸ھ۔

حدیثِ موضوع کی علامت

سوال[۱۲۳۱]: ایک راوی ہے جس پر "کان یکذب، وکان یضع الحدیث" جیسی سخت جرحیں کی گئی ہیں وہ ایک حدیث روایت کرتا ہے اور کوئی دوسرا راوی اس کی تائید اور متابعت بھی نہیں کرتا، ثقہ، نہ ضعیف۔ تو ایسے راوی کی اس حدیث کو موضوع، یا قریب بہ موضوع، شدید الضعف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کسی حدیث کے موضوع ہونے کیلئے بنیادی طور پر کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟!

السائل: عبدالرحمٰن اومن پورہ مئوناتھ بھنجن، اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی روایت کا حال شیخ الاسلام نے اس طرح بیان کیا ہے: "وذكر شيخ الإسلام له ثلثة شروط. أحدها أن يكون الضعيف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب، ومن فحش غلطه، نقل العلائي الاتفاق عليه. الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به. الثالث: أن

لا یعتقد عند العمل به ثبوته، بل یعتقد الإخبار". (تدریب الراوی، ص: ۱۹۶)(۱)۔

کتب اصولِ حدیث میں کسی روایت کے موضوع ہونے کے متعدد قرائن بیان کئے گئے ہیں، بہت مختصر اور جامع ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وقال ابن الجوزی: " ما أحسن قول القائل إذا رأیت الحدیث یبائن المعقول أو یخالف المنقول أو یناقض الأصول، فاعلم أنه موضوع، قال: ومعنی مناقضة الأصوَل أن یکون خارجاً عن دَوا وِین الإسلام من المسانید والکتب المشهورة". (تدریب، ص: ۱۸۰) (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

فضائل میں ضعیف روایت پر عمل

سوال[۱۲۳۲]: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إذا کانت لیلة النصف من شعبان، فقوموا لیلها، وصوموا یومها، فإن اللہ تعالیٰ ینزل فیها لغروب الشمس إلی السماء الدنیا، فیقول اللہ: ألا من مستغفر فاغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلی فأعافیه، ألا کذا ألا کذا، حتی یطلع الفجر" رواه ابن ماجه"۔ (مشکوۃ شریف، ص: ۱۱۵)(۳) ۔ ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے(۴)۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

---

(۱)(تدریب الراوی: ۱/۲۵۱، ۲۵۲، قدیمی)

(۲)(تدریب الراوی: ۱/۲۳۴، قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، باب قیام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی)

(۴) (ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی صلوۃ التسبیح، ص: ۱۰۰، میر محمد کتب خانه)

"ویجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لاتعلق له بالعقائد والأحكام اه".

(تدريب الراوي، ص: ۱۹۲)(۱)۔

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

حدیثِ ضعیف سے استدلال کی شرائط

سوال[۱۲۳۳]: کسی حدیث میں اگر دو جگہ انقطاع ہو تو کیا اس کو معرضِ استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے اور اس سے کسی عمل کے استحباب وندب کو ثابت کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اس حدیث کے لئے ضعیف سے ضعیف نہ کوئی شاہد ہے نہ تابع۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سنداً ایسی روایت ضعیف ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریب میں لکھا ہے: "ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالىٰ والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما ممالا تعلق له بالعقائد والأحكام اه".

اس کی شرح کرتے ہوئے سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن حنبل، ابن مہدی، ابن المبارک رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "قالوا: إذا روينا في الحلال والحرام شددنا، وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا اه". اس کے بعد شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وذكر شيخ الإسلام له ثلثة شروط: أحدها: أن يكون الضعيف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب، ومن فحش غلطه، نقل العلائي الاتفاق عليه۔ الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به۔ الثالث: أن لا يعتقد عند العمل

(۱) (تدريب الرواى، ص: ۲۵۲، قديمى)

به ثبوته، بل يعتقد الإخبار". (تدريب الراوي، ص: ۱۹۶)(۱)۔

تقریب والی عبارت تذکرۃ الموضوعات (۲) اورمقدمۃ ابن الصلاح (۳) اورمعرفۃ علم الحدیث وغیرہ میں بھی ہے۔علمائے اسلام کے دیگر اقوال بھی ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا ہر کتاب کی ہر حدیث پر عمل کیا جائے؟

سوال[۱۲۳۴]: بہت سی کتابوں میں حدیث کی باتیں لکھی ہیں، مثلاً: بمبئی سے ایک کتاب نکلی ہے جس کا نام ''شریعت یا جہالت'' ہے اور بہت سی ایسی کتابیں جو بمبئی کلکتہ سے نکلتی ہیں، جن کے مصنف نہ تو عالم ہیں اور نہ مولوی ہیں مگر حوالہ حدیث کا دیتے ہیں، ہم ان کتابوں پر عمل کریں یا نہ کریں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو حدیث عمل کے لئے ہو اس کو لکھ کر دریافت کرلیں، اس کی تحقیق کر کے بتادیا جائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

بے پڑھے حدیث کا حوالہ دینا

سوال[۱۲۳۵]: جو شخص حدیث نہیں پڑھا ہے اور صرف کسی آدمی سے سنا ہے اور جاہل ہے وہ فوراً گفتگو کے اندر حدیث کا حوالہ دیتا ہے، کیسا ہے؟

---

(۱)(تدريب الراوي: ۱/۲۵۱، ۲۵۲، قديمي)

(۲)"قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً". (القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع: ۱/۲۵۸، مؤسسة الريّان)

(وكذا في تذكرة الموضوعات، ص: ۵، مقدمه، المطبعه الشرق بمصر)

(۳) (مقدمة ابن الصلاح، ص: ۴۹، النوع الثاني والعشرون معرفة المقلوب، المطبعة العربية لاهور)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی کو معلوم ہو کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اور وہ حوالہ دیدے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن حدیث شریف کا بتانا اور اس کی تشریح کرنا بغیر استاذ سے پڑھے بسا اوقات غلطی اور فتنہ کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے اس سے احتیاط کرنا چاہیے۔ اہل علم حضرات بھی اس میں احتیاط کرتے ہیں، بے علم آدمی تو بہت غلطی کریگا اور دوسروں کو غلطی میں مبتلا کرے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۰ھ۔

حدیث کی روایتیں "عن" سے ہیں یا "من" سے کیوں نہیں؟

سوال[۱۲۳۶]: حدیث کی جتنی روایت ہے سب کو "عن" سے ذکر کیا ہے "من" سے کیوں نہیں کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محدثین کی اصطلاح ہے کہ وہ "عـــن" سے روایت کرتے ہیں "مـــن" سے نہیں، ہر فن والوں کی اصطلاحات ہوتی ہیں، دوسروں کو دخل دینا بے سود ہے، دونوں "عن و من" میں فرق شرح نخبہ میں مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أفتىٰ بغير علم، كان إثمه على من أفتاه". (أبوداؤد: ۱۵۹/۲، مكتبه امداديه ملتان)

" وروى الطبراني عن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً قال: "يا أيها الناس تعلموا، إنما العلم بالتعلم، والفقه بالتفقه الخ". (فتح الباري: ۱۲۱/۱، كتاب العلم، دارالفكر بيروت)

(وكذا في مجموعة رسائل ابن عابدين: ۳۳/۱، سهيل اكيڈمی)

(۲) "كلمة "من" للاتصال، و كلمة "عن" للانقطاع، فإذا قيل: سمعت منه، يكون اسمعاعه بلا واسطة وإذا قيل: عنه، يكون بواسطة، و يحتمل أن يكون بلا واسطة، و لذا قيده بقوله: عنه بواسطة". (شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، لابن حجر العسقلاني، الشارح ملا على القاری، ص: ۱۲۸، مطلب: كلمة من للاتصال و كلمة عن للانقطاع، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روایت قدرے تغیر کے ساتھ شفاء قاضی عیاض میں ہے(۱)، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح بیان کی ہے(۲)۔ صحاح میں اس تفصیل کے ساتھ دیکھنا محفوظ نہیں، البتہ معجزات وفضائل کی کتابوں میں ہے، خصائص کبریٰ للسیوطی، دلائل النبوۃ لابی النعیم وغیرہ میں یہ حدیث نہیں ملی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۹۹ھ۔

غروب کے بعد سورج کا لوٹ آنے کی روایت

سوال[۱۱۲۴۰]: ایک قصہ جو کراماتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے، وہ اس طرح ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک سائل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں جاؤ، تمہارا سوال پورا کردے گی''، اس نے وہاں جاکر سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں لڑکے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو کسی یہودی کے یہاں درہموں کے بدلہ اس شرط پر گروی رکھ دیا کہ اگر شام تک آپ نے درہم واپس کردیئے تو میں آپ کے لڑکے واپس کردوں گا اور شام کے بعد واپس نہیں

---

(۱)''سأل أعرابی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیۃً، فقال لہ: ''قل لتلک الشجرۃ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدعوک''. قال: فمالت الشجرۃ عن یمینہا وشمالہا وبین یدیہا وخلفہا، فتقطعت عروقہا، ثم جاءت تخد الأرض تجر عروقہا مغبرۃً، حتی وقفت بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: السلام علیک یا رسول اللہ، قال الأعرابی مُرہا فلترجع إلی منبتہا، فرجعت فدلت عروقہا فی ذلک إلخ''. (الشفاء للقاضی عیاض: ۱/۲۱۹، الباب الرابع فیما أظہرہ اللہ تعالیٰ علی یدیہ من المعجزات، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) ''(سأل أعرابی النبی ﷺ آیۃ): أی علامۃ تکون معجزۃً دالۃً علی صدق الرسالۃ (فقال لہ: ''قل لتلک الشجرۃ .... فمالت الشجرۃ عن یمینہا و شمالہا وبین یدیہا و خلفہا): أی من جہات کلہا واضطربت فی مکانہا، و ارتفعت فی شأنہا متوجہۃً بجمیع دواعیہا إلی داعیہا (فتقطعت عروقہا مغبرۃً حتی وقفت بین یدی رسول اللہ ﷺ فقالت: السلام علیک یا رسول اللہ)''اھ.(شرح الشفاء للقاری: ۱/۲۱۹، الباب الرابع، فصل فی کلام الشجرۃ و شہادتہا لہ اھ، دار الکتب بیروت)

(۳) (دلائل النبوۃ للبیہقی، قبیل فصل فی قبول الأخبار: ۱/۱۹، دارالکتب بیروت)

کروں گا، اور اس سائل کا سوال پورا کر دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنایا، انہوں نے فوراً سجدہ میں جا کر گریہ وزاری کی تو آنکھوں سے جو آنسو گرے وہ قیمتی موتی بن گئے، فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ ان موتیوں کو لے کر یہودی کے پاس گئے تو دن چھپ چکا تھا۔

یہودی نے کہا اب تو لڑکے واپس نہیں کروں گا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ابھی دن نہیں چھپا ہے، حالانکہ واقعی دن چھپ چکا تھا، تو پھر اللہ کے حکم سے سورج واپس آیا اور دھوپ نکل آئی، اس کرامت کو دیکھ کر بہت سے یہودی مسلمان ہوگئے۔ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ قصہ بالکل غلط ہے، لیکن ایک دفعہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے کچھ دیر کے لئے سورج لوٹ آیا تھا تاکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عصر کی نماز پڑھ لیں، ان کو خدمتِ اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں مشغولی کی وجہ سے نماز عصر میں دیر ہوگئی تھی، یہ واقعہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند کے ساتھ شرح مشکل الآثار میں نقل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) ’’عن أسماء بنت عميس رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر بالصهباء، ثم أرسل علياً فى حاجته، فرجع وقد صلى النبى صلى الله عليه وسلم العصر، فوضع النبى صلى الله عليه وسلم رأسه فى حجر على رضى الله عنه فنام، فلم يحركه حتى غابت الشمس، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: ’’اللهم إن عبدك عليًا احتبس بنفسه على نبيه، فردِ عليه الشمس‘‘. قالت: فطلعت عليه الشمس حتى رفعت على الجبال، وعلى الأرض فقام عليٌّ فتوضأ وصلى العصر، ثم غابت وذالك بالصهباء‘‘. (المعجم الكبير للطبرانى: ۲۴/۴۵)

قال محمود الآلوسى: ’’وهذا الخبر فى صحته خلاف، فقد ذكره ابن جوزى رحمه الله تعالىٰ فى الموضوعات وقال: إنه موضوع بلاشک، وقال الإمام أحمد لاأصل له، وأفرد ابن تيمية تضيفاً فى الرد على الروافض، وذكر الحديث بطرقه ورجاله وأنه موضوع، وصححه الطحاوى والقاضى عياض والطبرانى رحمهم الله تعالى‘‘. (روح المعانى: ۲۳/۱۹۴، مطلب فى تفسير قوله تعالىٰ: (فطفق مسحاً)، دار إحياء التراث، بيروت)

حدیثِ معراج اور قلب ماہیت

سوال[۱۱۴۱]: عام کتابوں میں تحریر ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج تشریف لے گئے اور واپس آئے تو آپ کا بستر مبارک گرم تھا، نیز حجرہ شریف کی کنڈی ہل رہی تھی اور وضو کا پانی چل رہا تھا، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا تو صحابہ نے کہا سچ ہے(۱)۔اس وقت وہاں ایک یہودی بھی کھڑا یہ قصہ سن رہا تھا وہ دل میں یہ سوچتا ہوا کہ یہ قصہ غلط ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، گھر واپس آ رہا تھا کہ اس نے ایک زندہ مچھلی بازار سے خرید کر گھر آ کر بیوی سے کہا، اس مچھلی کو پکا، میں ذرا نہا آؤں، اس کی بیوی نے کہا میرے ہاتھ میں پونی ہے اس کو کات کر پھر پکاؤں گی۔ وہ یہودی دریا پر گیا، کپڑے نکال کر غوطہ لگایا تو کسی دوسرے گھاٹ پر جا پہونچا، تو دیکھتا ہے کہ اس کی شکل عورت کی بن گئی، وہاں ایک گھوڑے والا آیا اور اسے بٹھا کر گھر لے گیا، اس سے دو چار بچے بھی پیدا ہوئے اور وہ وہاں بارہ سال رہا۔ ایک دن وہ پھر گھاٹ پر نہانے گیا، پھر غوطہ لگایا تو اپنے پہلے گھاٹ پر پہونچ کر دیکھتا ہے تو اس کی پھر وہی مرد کی صورت بن گئی ہے اور اس گھاٹ پر اس کے کپڑے دھرے ہوئے ہیں، اپنے گھر واپس آیا تو اس کی بیوی کے ہاتھ میں وہی پونی ہے، مچھلی بھی زندہ ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس گیا تو دیکھا وہاں معراج کا قصہ ہو رہا ہے تو فوراً مسلمان ہو گیا۔ کیا یہ قصہ صحیح حدیث و معتبر کتب تواریخ میں موجود ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میں نے یہ قصہ کسی حدیث یا معتبر تاریخی کتاب میں نہیں دیکھا، البتہ تصوف کی کتابوں میں بعض حضرات کے حالات میں اس قسم کے واقعات ہیں، لیکن مرد کے عورت بن جانے پھر عورت کے مرد بن جانے کا واقعہ ان میں بھی نہیں دیکھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "و في بعض الآثار أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما رجع، وجد فراشه لم يبرد من أثر النوم، و قيل: إن غصن شجرة أصابة بعمامته في ذهابه فلام رجع وجد بعد يتحرك". (روح المعاني: ۱۵/ ۱۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

شقِ صدر کے متعلق روایت کی تحقیق

سوال[۱۲۴۲]: سیرت کی کتابوں میں واقعہ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائی حلیمہ کے قبیلہ میں تھے تب شق صدر ہوا اور معراج کی شب میں حطیم میں تھے اس وقت بھی شق صدر ہوا، یہ روایت کہاں تک صحیح ہے؟

مولوی رحمت اللہ صاحب نقشبندی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تفسیر مظہری: ۲۹۰/۱۰(۱) میں پہلا واقعہ صحیح مسلم سے نقل کیا ہے(۲) اور دوسرا واقعہ بخاری شریف اور مسلم شریف (۳) سے نقل کیا ہے۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو تفسیر ابن کثیر دیکھیں (۴) اردو میں ''نشر الطیب'' میں واقعہ مذکور ہے(۵)۔

معراج سے متعلق اس میں جو بیان ہے اس کو علیحدہ بھی کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے، اس کا نام ہے ''تنویر السراج فی لیلۃ المعراج''۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (التفسير المظهرى: ۱۰/ ۲۹۰، سورة الانشراح، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) "عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله ﷺ: "أتاه جبريل وهو يلعب .... فصرعه فشق عن قلبه". إلى آخر الحديث". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله: ۱/ ۹۲، قديمى)

(۳) "عن انس بن مالك رضى الله عنه .... "و أنا بمكة، فنزل جبرئيل عليه السلام، ففرج صدرى ثم غسله بمآء زمزم". (صحيح البخارى، كتاب الصلوٰة، باب : كيف فرضت الصلوٰة: ۱/ ۵۰، قديمى)
(والصحيح لمسلم رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات: ۱/ ۹۲،قديمى)

(۴) (تفسير ابن كثير: ۳/ ۳۵، ۳۶، دار السلام)
(وكذافى المسند للإمام أحمد: ۵/ ۱۳۹،دارإحياء التراث العربى)
(ومجمع الزوائد للهيثمى: ۸/ ۲۲۲،القدسى)

(۵) (تسهيل نشر الطيب فى ذكر النبى ﷺ، فصل بارھویں،ص: ۴۲، سعيد كراچى)

ایک واقعہ سن کر اس میں شک پھر معلوم ہوا کہ یہ حدیث ہے اب کیا کرے؟

سوال[۱۲۳۷]: کسی مقرر سے زید نے کوئی حدیث کا واقعہ سنا اور پھر اسے یاد نہیں رہا کہ یہ حدیث ہے یا نہیں، مگر زید نے موسیٰ سے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ میں نے یہ واقعہ فلاں مقرر سے سنا، موسیٰ نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اس میں شک ہے، ایسا واقعہ غلط ہے اور پھر معلوم ہوا کہ یہ تو حدیث میں ہے، پھر انکار کرنے والے سے کہا کہ بھائی! یہ تو میں نے حدیث کی بات سنائی تھی، تب بات کو ٹال مٹول کر کے ختم کر دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا تحقیق نہ کسی بات کو حدیث شریف کی طرف منسوب کیا جائے (۱)، نہ کسی ثابت شدہ حدیث کا انکار کیا جائے (۲)۔ اگر کوئی بات کسی مقرر سے سنی اور دل نے اس کو قبول نہ کیا اس وجہ سے اس کا انکار کر دیا، پھر معلوم ہوا کہ یہ بات حدیث پاک میں ہے تو پھر انکار سے رجوع کر لیا جائے اس بات کو تسلیم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

ایک صیغہ چالیس دفعہ پڑھنے سے چہل حدیث کا ثواب

سوال[۱۲۳۸]: زید کو جو صیغۂ درود یا استغفار یاد ہو تو کیا اس کے چالیس مرتبہ پڑھنے کے بعد ثواب کامل چہل حدیث کا ہو جائے گا یا علیحدہ علیحدہ چالیس صیغہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چہل حدیث کی فضیلت تو چالیس حدیثوں کے ذریعہ حاصل ہوگی، صیغہ درود شریف یا استغفار سے

---

(۱)"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:" من كذب علی متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار" (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث العربی)

(۲) انکارِ حدیث سے متعلق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بہت سخت حکم لگایا ہے، یہاں تک کہ بعض حضرات نے مطلق انکار پر کفر تک کا حکم لگایا ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وفي الخلاصة: من رد حديثاً قال بعض مشايخنا: يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً كفر، أقول: هذا هو الصحيح". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۲، قديمی)

چالیس دفعہ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی، ہاں! اس کے پڑھنے کا ثواب مستقل ملے گا وہ بھی بہت قابل قدر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱/۸۸ھ۔

درخت کے جڑوں سمیت آنے والے معجزہ سے متعلق روایت کی تحقیق

سوال[۱۲۳۹]: ایک اعرابی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تحقیق میں مسلمان ہوا ہوں، ایک معجزہ ایسا دکھایئے کہ جس سے میرا ایمان ویقین زیادہ مضبوط ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا چاہتا ہے''؟ اس نے کہا کہ فلاں درخت کو اپنے نزدیک بلایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ہی جا کر بلا لا''، اس نے جا کر کہا اے درخت! تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے، تب اس درخت نے اپنے کو ایک طرف جھکایا تو ادھر کی جڑیں ٹوٹ گئیں، پھر دوسری طرف جھکایا تو ادھر کی جڑیں بھی ٹوٹ گئیں، اسی طرح چاروں طرف کی جڑیں توڑ کر اپنی جڑیں اور شاخوں کو کھینچتا ہوا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام کر کے کھڑا رہا، تب اعرابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اب خوب یقین ہوگیا، بس درخت کو رخصت فرمایئے، وہ اپنی جگہ پر جا کر جڑوں کو گاڑ کے قائم ہوگیا، اعرابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے حکم دیجئے کہ آپ کے پاؤں اور سر کو بوسہ دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، پھر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حکم دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ ہر عورت اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ مرد کا حق عورت پر بڑا ہے''۔ (حدیث شریف) کیا یہ حدیث شریف صحیح ہے؟

---

(۱) ''من حفظ علی أمتی أربعین حدیثاً من السنة، کنتُ له شفیعاً وشهیداً یوم القیٰمة''. (فیض القدیر: ۱۱/۵۷۷۲، رقم: ۸۶۳۶، نزار مصطفیٰ الباز)

قال الله تعالیٰ: ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره﴾. (سورة الزلزال: ۷)

وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''أبشر یا أباسعید! فإن الحسنة بعشرة أمثالها''. یعنی إلی سبعمائة ضعف. ویضاعف الله لمن یشاء''. (تفسیر ابن کثیر: ۴/۷۰۰، دار السلام، ریاض)

(وکذا فی الدر المنثور للسیوطی رحمه الله تعالیٰ: ۲/۱۸۲، دار الفکر، بیروت)

4

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سات سال کی عمر میں اور رخصتی نوسال کی عمر میں

سوال[۱۲۴۳]: حدیثِ تزویج پیغمبر خدا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا در سنِ ہفت سالگی وزفاف در ۹ سالگی، حدیث فوق صحت دارد یا خبر؟ (از حوزہ علمیہ احناف خوان ایران خراسان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایں حدیث بحوالہ صحیح مسلم در مشکوٰۃ المصابیح ص: ۲۷۰، مذکور است (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۵ھ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے چپت مارنا

سوال[۱۲۴۴]: حدیث زدنِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک الموت راعند الموت، صحیح است یا نے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایں حدیث بحوالہ صحیح بخاری و مسلم در مشکوٰۃ المصابیح ص: ۵۰۷، مذکور است (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "وعن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت سبع سنين، وزُفّت إليه وهي بنت تسع سنين ولعبها معها، ومات عنها وهي بنت ثماني عشرة". رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح ...... الفصل الأول: ۲۷۰، قديمي)

"تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم عائشة بنت أبي بكر صديق بمكة وهي بنت سبع سنين وبنى بها بالمدينة، وهي بنت تسع سنين ...... الخ". (السيرة النبوية لابن هشام، ذكر أزواجه صلى الله عليه وسلم امهات المؤمنين": ۲۹۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جاء ملك الموت إلى موسىٰ بن عمران، فقال له: أجب ربك. قال: فلطم موسىٰ عين ملك الموت ففقأها، قال: فرجع الملك إلى الله ...... الخ". (مشكاة المصابيح، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، الفصل الأول، ص: ۵۰۷، ۵۰۸، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب وفاة موسىٰ عليه السلام وذكره بعد: ۴۸۲/۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ عليه السلام: ۲۶۷/۲، قديمي)

چند احادیث: "علماء أمتی"، "اختلاف أمتی"، "النکاح من سنتی"، "فمن رغب الخ" اور "نهی رسول الله ﷺ عن رکعتی البتیراء" کی تحقیق

سوال[١٢٢٥]: ایک اہل حدیث سے واسطہ پڑا اس نے مندرجہ ذیل احادیث کی نشاندہی کے بارے میں کہا، تاہم صحاح ستہ میں ہونی چاہئے اور سند کی واضح الدلالت ہونی چاہئے۔ ١..... "علماء أمتی کأنبیاء بنی اسرائیل" ۔٢..... "اختلاف أمتی رحمة" ۔٣..... "النکاح من سنتی، فمن رغب عن سنتی، فلیس منی" ۔٤..... "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رکعة البتیرة"۔

مذکورہ بالا احادیث کی نشان دہی فرماتے ہوئے اگر کچھ ان کے مسلک پر رد ہو جائے اور ان کے اعتراضات پر کہ ہم اقتداء کس امام کی کریں؟ آج یہ ایک بات ہے کل کو دوسری تیار ہو جاتی ہے لہٰذا ہم تو ڈر سے کہ حضور نے جو کچھ فرمایا ہم اس کو مانتے ہیں، ان تمام چیزوں پر روشنی ڈال دی جائے تو بہتر ہوگا، تاہم اقتداء کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اور بغیر اقتداء و تقلید کے چارہ کار کیوں نہیں ہے؟ مشفیٰ اور معقول طور پر جوابات عنایت فرمائیں۔

"رکعة البتیراء" والی حدیث کو حضرت مہتمم صاحب نے بیان کیا تھا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم کو فرصت کا ٹائم ملتا تو ہم ضرور معلوم کرتے مگر عدم فرصت کی بناء پر معلوم نہ کر سکے۔ نیز حدیثوں کے ظاہر کے اعتبار سے جو اعتراضات واقع ہو رہے ہیں ان کی تائید میں حدیث صحیح ہونی چاہئے۔ ابوالکلام متعلم دارالعلوم دیوبند

الجواب حامداً ومصلیاً:

١..... ان الفاظ کے ساتھ یہ کتب صحاح میں موجود نہیں (١)، البتہ: "العلماء ورثة الأنبیاء" کو ابو داؤد (٢)، ترمذی (٣)، احمد وغیرہ (٤) ائمہ کرام نے روایت کیا ہے، ابونعیم نے مرفوعاً "أقرب الناس من

---

(١) قال الملا علی القاری: "حدیث: "علماء أمتی کأنبیاء بنی اسرائیل" قال الدمیری والعسقلانی: لا أصل له. وکذا قال الزرکشی، وسکت عنه السیوطی". (الموضوعات الکبری، ص: ١٥٩، رقم الحدیث: ٢١٤، قدیمی)

(٢) (سنن أبی داؤد: ١٥٧/٢، کتاب العلم، باب فی فضل العلم، سعید)

(٣) (جامع الترمذی: ٩٧/٢، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، سعید)

(٤) (سنن الدرامی: ٩٨/١، بیروت) (وابن ماجه، ص: ٢٢٣، عیسیٰ الحلبی)

درجة النبوة أهل العلم والجهاد" کو روایت کیا ہے۔

۲......ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بحوالۂ قرطبی وبیہقی نقل کیا ہے(۱) علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بجائے "أمتي" کے "أصحابي" نقل کیا ہے اور جملہ مسئولہ ایک ٹکڑا ہے حدیث کا، پوری روایت اس طرح ہے: "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد في تركه، فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضية، فإن لم تكن سنة مني فما قال أصحابي، إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء، فأيما أخذتم به اهتديتم، واختلاف أصحابي لكم رحمة اه"(۲)۔

۳......یہ دو جملے الگ الگ بخاری شریف میں مذکور ہیں (۳)۔

۴......"البتيراء" تو کسی کتاب میں نہیں لیکن امام زیلعی نے سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن البتيراء"(۴)۔

اہلِ حدیث حضرات ائمۂ فقہ ہی کے اختلاف سے اتنے پریشان کیوں ہیں، ائمۂ حدیث میں بھی تو اختلاف ہے بلکہ زیادہ ہے، پھر وہاں کیسے راستہ نکال لیتے ہیں بلکہ خود احادیث میں بھی اختلاف ہے جس کی وجہ سے ائمہ حدیث میں اختلاف ہے۔ جس طرح دیگر محدثین کے مقابلہ میں امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو ترجیح دے لیتے ہیں اسی طرح اگر اختلاف کے وقت امام المجتہدین حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) حديث: "إختلاف أمتي رحمة" زعم كثير من الأئمة أنه لا أصل له، لكن ذكره الخطابي في "غريب الحديث" مستطرداً، وأشعر بان له أصلاً عنده، وقال السيوطي: أخرجه نصر المقدسي في "الحجة" والبيهقي في "الرسالة الأشعرية" بغير سند.

وقال الزركشي: أخرجه المقدسي في كتاب "الحجة" مرفوعاً والبيهقي في "المدخل" عن القاسم بن محمد إلخ". (الموضوعات الكبرى لملا علي القاري، ص: ۱۵، قديمي)

(كذا في إتحاف السادة المتقين للزبيدي: ۱/۲۰۴ و ۲۰۵، بيروت)

(۲) (المقاصد الحسنة للسخاوي، ص: ۴۶، رقم الحديث: ۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (صحيح البخاري ۲/۷۵۷، باب الترغيب في النكاح، قديمي)

(۴) (نصب الرايه: ۲/۱۲۰، باب الوتر، المكتبه المكية جده)

کے قول کو راجح تصور کرلیا جائے تو کیا اشکال ہے۔

مسئلۂ تقلید پر مستقل رسالے موجود ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے: ''عقد الجید، خیر التقلید، الاقتصاد، سبیل الرشاد، انتصار الحق'' وغیرہ۔ جس مسئلہ میں خلجان ہو اس کو دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

حدیثِ قضاءِ عمری

سوال[۱۲۴۶]: قضائے عمری اس خیال سے پڑھی کہ تمام سال کی نماز جو کہ فوت شدہ ہیں اس کے پڑھنے سے معاف ہوجاتی ہیں درست ہے یا نہیں؟

قضائے عمری اس صورت سے پڑھی جاتی ہے دو رکعت نفل با جماعت، کیا یہ نماز شریعت اسلامی میں ثابت ہے؟ فقہ کی کون سی کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور حدیث کی کسی کتاب میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نماز شرعاً ثابت نہیں، نوافل کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، دو رکعت اس طور سے پڑھ کر یہ اعتقاد رکھنا کہ اس سے عمر بھر کی فوت شدہ نمازیں معاف ہوجاتی ہیں بالکل اصولِ شرع کے خلاف ہے، جو فرض نماز فوت ہوئی ہے اس کی قضاء فرض ہے، جو واجب نماز فوت ہوئی ہو اس کی قضاء واجب ہے، جو سنت نماز فوت ہوئی ہو اس کی قضاء سنت ہے:

''قضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة، لف نشر مرتب و جميع أوقات العمر وقت للقضاء اهـ''. (در مختار(۱))۔

---

(۱) (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۶، سعید)

في الفتاوى العالمكيرية: ''كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه، يلزمه قضاؤها ترك عمداً أو سهواً أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائت كثيرةً أو قليلةً ...... والقضاء فرض في الفرض، وواجب في الواجب، وسنة في السنة، ثم ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر له إلا ثلاثة الخ''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱، رشيديه)

جو حدیث قضاءِ عمری کے لئے اَنیس الواعظین میں لکھی ہے وہ موضوع ہے، موضوعات کبیر (۱)، فوائد مجموعہ (۲)، عجالہ نافعہ (۳) وغیرہ میں اس کو موضوع لکھا ہے، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قضائے عمری کے بطلان میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تعمیر کعبہ کے وقت برہنہ ہوجانے کی روایت

سوال [۱۲۴۷]: قبل النبوۃ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱) "من قضى صلاةً من الفرائض فى آخر جمعة من شهر رمضان، كان ذلک جابراً لكل صلاة فائتة فى عمره إلى سبعين سنةً". باطل قطعاً ؛ لأنه مناقض للإجماع الخ". (الموضوعات الكبرى لملا على القارى، رقم الحديث :۹۵۳، ص:۲۴۲، قديمى)

(۲) "وقال القاضى الشوكانى فى "الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة " حديث: " من صلى فى آخر جمعة رمضان الخ" هذا موضوع بلا شک فيه". (مجموعة رسائل اللكنوى"رساله "ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان :۲/۳۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(۳) "وقال الشيخ عبد العزيز الدهولى فى رسالته "العجالة النافعة" عندقرائن الوضع ما معربه : الخامس أن يكون مخالفاً لمقتضى العقل، وتكذبه القواعد الشرعية: القضاء العمرى و نحو ذلک اهـ". (مجموعة رسائل اللكنوى"رساله "ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲/۳۶۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية)

"وكذا فى أنيس الواعظين .... "من فاتته صلوات و لا يدرى عددها، فليصل يوم الجمعة أربع ركعات نفلاً واحد، و يقرأ فى كل ركعة بعد الفاتحة آية الكرسى سبع مرات و ﴿إنا أعطيناک الكوثر﴾ خمس عشرة مرةً". (مجموعة رسائل اللكنوى"رساله "ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان :۲/۳۵۰، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية)

(۴) "اعلم أنهم قد أحدثوا فى آخر جمعة شهر رمضان أموراً مما لا أصل لها، ....فمنها القضاء العمرى". الخ. (مجموعة رسائل اللكنوى"رساله "ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲/۳۴۹، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

عنہ کے کہنے سے اپنا ازار مبارک بناءِ دیوارِ کعبہ کے سلسلے میں دوش پر رکھ لیا تھا۔ یہ واقعہ بخاری کے کس باب میں ہے اور صفحہ کیا ہے۔ ترجمۃ الباب کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باب کراهية التعرى فى الصلوة وغيرها، ص: ٥٢ ؛ باب فضل مكة وبنيانها، ص: ٢١٥، باب بنيان الكعبه، ص: ٥٤، بخاری شریف، جلد اول میں تین مواقع پر یہ واقعہ مذکور ہے(١) ترجمہ و صفحات نقل کردیے گئے ہیں، بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ عمر مبارک اس وقت پندرہ سال کی تھی لیکن عامۃ مؤرخین وشراح نے ۳۵/ سال لکھی ہے(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲ھ۔

حدیثِ قرطاس

سوال[۱۲۴۸]: حدیثِ قرطاس منقول است یا نہ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایں حدیثِ طویل در مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۵۴۸(۳) بحوالہ صحیح بخاری(۴) وصحیح مسلم(۵) منقول است۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۱ھ۔

---

(١) (صحيح البخاری، قديمی)

(٢) "فإن ذلك كان قبل البعثة بمدة، و قد قيل: إن عمر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان حينئذ خمس عشرة سنةً، وفى هامش الأصل ...... كان ابن خمس و ثلاثين، و هذا بعيد جداً". (فتح البارى لابن حجر، كتاب الصلاة، باب كراهية التعرى فى الصلاة وغيرها: ١٦٨/٢، دار ابن الجوزى)

(٣) "عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: لما حضر رسول الله ﷺ .... قال النبى ﷺ: "هلمّوا أكتب لكم كتاباً لن تضلوا بعده". الخ (مشكوة المصابيح، باب وفاة النبى ﷺ: ٥٤٨/٢، قديمى)

(٤) (صحيح البخارى، كتاب المرضى، باب قول المريض قوموا عنى: ٨٤٦/٢، قديمى)

(٥) (الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصىٰ فيه: ٤٣/٢، قديمى)

کعبہ کو توڑنے اور حرم میں کافر کے داخل ہونے سے متعلق حدیثوں میں تعارض

سوال[۱۲۴۹]: مفتی صاحب! مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ: ''مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں کفر وشرک قیامت تک داخل نہ ہوں گے، نہ دجال داخل ہوسکتا ہے کیونکہ فرشتے دروازوں پر متعین ہوں گے''۔ اور دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب تک حبش والے تم سے نہ لڑیں تم ان سے نہ لڑو، کیونکہ خانہ کعبہ کا خزانہ دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی نکالے گا'' مشکوۃ شریف۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی ویران کرے گا پھر بات یہ ہے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی بدبخت ہو وہ کعبہ کو منہدم نہیں کرسکتا، بخاری ومسلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کافر ہی ڈھائے گا تو دونوں حدیثوں میں ٹکراؤ لازم آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی حدیث کا بھی حوالہ دیجئے جس میں کافر ومشرک کے حرمین شریف میں داخل نہ ہوسکنے کا ذکر ہے، اگر اس کے الفاظ نقل کردیں تو زیادہ اچھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۰ھ۔

غزوۂ خندق کے وقت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ

سوال[۱۲۵۰]: ایک بدعتی مولوی ہر عید پر ایک تقریر کرتا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا تذکرہ کرتا ہے، اس میں وہ کہتا ہے کہ دعوت کے لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بکری کا بچہ ذبح کیا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو چھوٹے چھوٹے صاحبزادے تھے وہ بکری کے بچے کو ذبح ہوتے دیکھتے رہے۔ بعد میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم بھی ذبح کرتے ہیں، ایک لیٹ گیا دوسرے نے چھری چلائی، بچہ شہید ہوگیا، دوسرے نے جب یہ منظر دیکھا تو گھبراہٹ سے مکان کی چھت سے بھاگتا ہوا گرا، وہ بھی جاں بحق ہوگیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دونوں بچوں کو لپیٹ کر چٹائی میں ایک کونے میں کھڑا کردیا تاکہ دعوت

کے انتظام میں فرق نہ آئے، تمام صحابہ حاضرین نے کھانا کھایا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا، کھانے سے پہلے فرمایا کہ جابر دونوں بچوں کو لاؤ، ساتھ میں کھانا کھائیں گے، اولاً ٹال مٹول کیا، بالآخر معاملہ کی نوعیت پیش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جاؤ اوران کو نکال لاؤ''، جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چٹائی کے پاس پہونچے تو دونوں کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے ساتھ میں آئے۔ کیا اس قسم کی کوئی ضعیف روایت بھی ہے؟ اور پھر وہ اس پر مصالحہ لگا کر اہلِ حق پر کیچڑ اُچھالتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ روایت اتنی ثابت ہے: ''غزوۂ خندق کے وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نقاہت اور کمزوری کا اثر دیکھا، بیتاب ہوکر گھر آئے، بکری کا بچہ ذبح کیا، بیوی کو کھانا پکانے کے لئے کہا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: ''کیا کھانا ہے''، بتلایا کہ بکری کا بچہ ہے، تھوڑے جَو ہیں ان کی روٹی ہے، ارشاد فرمایا: ''یہ تو بہت ہے'' اور ایک بڑے مجمع کو ساتھ لے کر تشریف لے گئے، برکت کے لئے گوشت کی ہانڈی میں اور روٹی کے آٹے میں لعاب دہن ڈالا، کچھ پڑھ کر دم کیا اور دس دس آدمیوں کا حلقہ بنا کر روٹی اور گوشت کھلایا، یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے، گوشت بھی ہانڈی میں باقی رہا، روٹی بھی تنور میں پکتی رہی''۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے(۱)۔

لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حال یہ ہے کہ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے، یہ اس وقت کم عمر تھے ان کے نو بہنیں تھیں، بعض کی شادی ہوگئی تھی اور اکثر کی نہیں ہوئی تھی، انھوں نے ایک عمر رسیدہ پرانی بیوہ سے نکاح کرلیا تھا تاکہ وہ ان کی سب بہنوں کی تربیت کرے اور گھر کا انتظام کرے، اس وقت ان کے خود کوئی بچہ نہیں تھا(۲)۔ ان کی طرف دو بچوں کی نسبت کرنا اور اس قصہ کو اس طرح رنگ دے کر بیان کرنا غلط ہے،

---

(۱) (صحيح البخاري: ۵۸۸/۲، باب غزوة الخندق، وهي الأحزاب، كتاب المغازي، قديمي)

(وفتح الباري: ۳۹۷/۷، دار الفكر، بيروت)

(والإحسان بترتيب صحيح ابن حبان: ۳۲۳/۸، باب ذكر الأمر بتحميد الله جل وعلا عند الفراغ من الطعام، موسسه الرسالة)

(۲) (صحيح البخاري: ۳۹۰/۱، كتاب الوصايا، باب قضاء الوصي، قديمي)

بے بنیاد ہے، جو شخص ایسی بات بیان کرتا ہے، اس سے دریافت کیا جائے کہ یہ حدیث شریف کی کونسی کتاب میں ہے۔ اردو کے بعض غلط سلط رسالوں میں اس قسم کی بے بنیاد باتیں ہیں جو بے سند ہیں، ہرگز ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۹ھ۔

فضائلِ رجب کی احادیث

سوال[۱۲۵۱]: شبِ معراج کی بیداری کے بارے میں فضائل احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں یا نہیں؟ اور اس رات اہتمام سے شب بیداری کرنا کیسا ہے؟ نیز اس بارے میں یہ احادیث نقل کی جاتی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ کہ:

''جو کوئی پاوے مہینہ رجب کا اور اس کی پندرہویں اور آخری تاریخ میں غسل کرے گا تو گویا کہ اس نے گناہوں سے پاکی ایسی حاصل کی جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اس مہینہ کی پانچ راتیں افضل ہیں واسطے عبادت کے، ایک تو اول اور ایک اوسط اور تین آخیر کی''۔

اس ماہ کی ۲۷ رتاریخ کو معراج ہوئی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو کوئی اس ماہ میں تیس رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے ﴿قل یا أیها الکافرون﴾ الخ تین بار پڑھے تو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ اور اس کے لئے ہر دن شہید بدر کے برابر عمل اٹھایا جاوے گا اور تمام مہینہ روزہ رکھنے والوں اور سال بھر نماز پڑھنے والوں کے برابر ثواب دیا جائے گا''۔

اور یہ بھی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو خبر دی ہے کہ نہیں نماز پڑھتا اس نماز کو مگر مومن، اور نہیں چھوڑتا اس نماز کو مگر منافق اور مشرک''، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خبر دیجئے مجھ کو اس نماز کی، کس طرح پڑھوں اس نماز کو؟ تو فرمایا: ''اے سلمان! پڑھ''۔ پھر اس کے بعد نماز کی کیفیت مذکور ہے، طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کی گئی۔ اس کیفیت کے بعد یہ حدیث مذکور ہے۔ اس ماہ میں روزے بھی رکھے جاتے ہیں، ان کے فضائل بھی بے شمار ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''رجب کے مہینہ میں ایک دن ہے اور ایک رات جو کوئی روزہ رکھے اس میں، عبادت کرے اس میں، تو ہووے ثواب واسطے اس کے مانند جو روزہ رکھے سو برس تک، پس وہ رات ستائیسویں

اوردن ستائیسواں ہے''۔ یہ پوری عبارت رکن الدین کتاب کی ہے، یہ احادیث صحیح ہیں یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آخر شب میں بیدار ہوکر نماز پڑھنے اور دعا کرنے کی فضیلت احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا(۱) اور صالحین کا شیوہ وطریقہ بھی ہے(۲)، شبِ معراج میں خصوصیت سے بیدار رہنے کے متعلق احادیث صحاح میں کوئی روایت میرے علم میں نہیں۔

ماہ رجب کی مخصوص تاریخوں میں غسل کی جو فضیلت سوال میں درج ہے یہ اصول کے اعتبار سے موضوع ہے، باطل ہے، ہرگز یہ اعتقاد نہ رکھا جائے۔ ستائیسویں تاریخ کا روزہ سو برس کے روزہ کے برابر ہونے کی بھی حدیث صحیح نہیں۔ ''ما ثبت بالسنة'' میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۳ھ۔

---

(۱) قال العلامه اللكنوى رحمه الله تعالىٰ: "أخرجه البخارى "عن عائشة رضى الله تعلىٰ عنها: كان النبى صلى الله عليه وسلم يقوم ليصلى حتى ترم قدماه، فيقال له، فيقول: "أفلا أكون عبداً شكوراً؟"

وأخرج الترمذى، وقال: حسن صحيح "عن المغيرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انتفخت قدماه، فقيل له: أتتكلف هذا وقد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال: "أفلا أكون عبداً شكوراً؟". (إقامة الحجة في ضمن مجموعة رسائل اللكنوى: ۲/ ۱۸۶، إدارة القرآن)

(۲) "عن .... رهيمة قالت: كان عثمان رضى الله تعالىٰ عنه يصوم الدهر و يقوم الليل إلا هجعة من أوله .... عن عثمان بن عبد الرحمن التيمى قال: قال لى أبى : لأغلبن الليلة على المقام، قال: فلما صليت العتمة تخلصت إلى المقام حتى قمت فيه، فبينا أنا قائم إذا رجل وضع يده بين كتفيّ، فإذا هو عثمان بن عفان، فبدأ بأم القرآن حتى ختم القرآن فركع وسجد ...... سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه .... كان يصلى بالناس العشاء، ثم يدخل بيته فلا يزال يصلى إلى الفجر .... عن نافع أن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما كان يحيى الليل صلاةً، ثم يقول: يا نافع! أسحرنا ؟ فيقول : لا، فيعاود الصلاة ، ثم يقول: يا نافع! أسحرنا؟ فيقول : نعم ، فيقعد و يستغفر الله و يدعوا إلى الصبح الخ".
(رسائل اللكنوى : ۲/ ۱۷۱، ۱۷۲، إقامة الحجة ، الأصل الثانى ، إدارة القرآن)

ہفت ہیکل کی فضیلت کی روایت

سوال[۱۲۵۲]: احقر نے ہفت ہیکل کی فضیلت میں ایک کتاب میں دیکھا ہے، اس کتاب پر نہ مصنف کا نام ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا گیا ہے، احقر اس بات کو بعینہ نقل کرتا ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ احقر کو تفصیل کے ساتھ سمجھا دیں کہ صحیح ہے یا غلط ہے؟

''مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا کہ ''ہفت ہیکل، اے حبیب اللہ! نازل کرتا ہوں، جو کوئی ہفت ہیکل پڑھے گا یا اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اس کو اور اس کے والدین کو عذابِ دوزخ سے آزاد کرے گا، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جس گھر میں یہ ''ہفت ہیکل'' ہوگا اس گھر میں دیو پری داخل نہ ہوگا، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی اس کو لکھ کر پاس رکھے گا وہ مرگِ مفاجات اور بلا سے محفوظ رہے گا اور جو کوئی لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ ہمیشہ سرخرو اور باعزت اور جانکنی کے وقت سکراتِ موت ایسر آسان ہوگی، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو کوئی اس ہفت ہیکل کو ہر روز پڑھے گا اگر پڑھنا نہ جانتا ہو تو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو اس کو ستر ہزار کلام پاک کا ثواب اور ستر ہزار شہیدوں کا اور ستر ہزار حج کا اور ستر ہزار مسجد تیار کرنے کا اور ستر ہزار غلام آزاد کرنے کا اور ستر ہزار آدمیوں کو روزہ افطار کرانے کا اور ستر ہزار حافظوں کا اور ستر ہزار غازیوں کا اور ستر ہزار حاجیوں کا اور ستر ہزار عالموں کا اور ستر ہزار عابدوں کا اور ستر ہزار فرشتوں کا اور ستر ہزار دانشمندوں کا اور ستر ہزار پیغمبروں کا اور چار ملکِ مقرب کا ثواب پاوے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو کوئی اپنے پاس رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں ستر ہزار نیکی کا ثواب لکھے گا اور ستر بھوکوں کو کھانا کھلانے کا ثواب دے گا، یا جو کوئی اپنے پاس رکھے گا اللہ تعالیٰ اس بندے کو چغلخوری سے اور غیبت کرنے والوں سے اور تمام بلیات وآفات سے محفوظ رکھے گا، اگر وہ مقروض ہوگا تو اس کو قرض سے نجات دے گا اور اس کے دشمن کو مغلوب کرے گا''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتبِ حدیث میں اس کا وجود نہیں، اصولِ محدثین کے اعتبار سے یہ بالکل موضوع اور بے اصل ہے،

نہ اس پر اعتقاد رکھا جائے اور نہ اس پر عمل کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۷ھ۔

خضاب سے متعلق چند احادیث

سوال[۱۲۵۳]: خضاب کے متعلق اگر ہو سکے تو چند احادیث تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) مرّعلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال: "ما أحسن هذا"؟ فمر اخر قد خضب بالحناء والکتم فقال: "هذا أحسن من هذا". ثم مر اخر قد خضب بالصفرة فقال: "هذا أحسن من هذا کله". لأبی داؤد"۔ (جمع الفوائد: ۲/۸۱۹ (۲)۔

"(جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) أتی بأبی قحافة یوم الفتح ولحیته ورأسه کالثغامة بیاضاً فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "غیّروا هذا بشیء، واجتنبوا السواد". لمسلم(۳) وأبی داوٗد (٤) والنسائی: ۲/۲۷۷، و ۸۳۰(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "اعلم أنه قد صرح الفقهاء والمحدثون بأجمعهم في کتبهم بأنه تحرم روایة الموضوع و ذکره و نقله، والعمل بمفاده مع اعتقاد ثبوته، إلا مع التنبیه علی أنه موضوع، و یحرم التساهل فیه، سواء کان فی الأحکام أو القصص أو الترغیب والترهیب، أو غیر ذلک". (مجموعة رسائل اللکنوی، الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة ،ص:١٦٥، المقدمة في المطالب المعظمة، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (جمع الفوائد، مطبوعه إدارة القرآن، کتاب اللباس والزینة)

(والبیهقی فی شعب الإیمان: ۷/٣١٠، بیروت)

(۳) (الصحیح لمسلم :۲/١٩٩، باب استحباب خضاب الشیب بصفرة و حمرة و تحریمه بالسواد، کتاب اللباس والزینة، قدیمی)

(٤)(سنن أبی داؤد، کتاب الترجّل، باب فی خضاب الصفرة، رقم الحدیث: ٤٢١١، دار السلام، ریاض)

(۵) (سنن النسائی: ۲/۵۲، النهی عن الخضاب بالسواد، کتاب الزینة من السنن الفطرة ،دار الکتب العلمیة)

(و کذا فی التاریخ الکبیر للبخاری: ۷/٦٠، بیروت)

کھڑے ہوکر پانی پینے اور چلتے ہوئے کھانے کے متعلق احادیث میں رفعِ تعارض

سوال[۱۲۵۴]: مندرجہ ذیل احادیث کے تضاد کو رفع فرما کر ممنون فرمائیں۔

"نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن يشرب الرجل قائمًا"۔ رواه مسلم". (مشكوٰة شريف، ص:۳۵) (۱)۔

"لايشربن أحد منكم قائماً، فمن شرب منكم فليستقي"(۲)۔

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كنا نأكل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نمشي، ونشرب ونحن قيام". رواه الترمذي وابن ماجه وأبوداؤد، وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب"(۳)۔

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب قائماً وقاعداً" رواه الترمذي، ص:۳۷۱ (٤)۔

مذکورہ احادیث میں کھڑے ہوکر پینے کی دو حدیث سامنے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر کھانے پینے کو منع کیا ہے اس لئے کھڑے ہوکر نہیں کھانا چاہئے، چنانچہ زید نے ایک مرتبہ عمر کو کھڑے ہوکر پانی پینے کی حالت میں دیکھا تو منع کیا اور کہا ایسا کرنے والا گنہگار ہے۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ بے شک کھڑے ہوکر پانی پینے کی احادیث موجود ہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو امت کو کھڑے ہوکر پینے کا حق نہیں۔ عمر کا کہنا ہے کہ جب کھڑے ہوکر پانی پینے کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پینا درست ہے۔ براہ کرم اس تضاد کو رفع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں قسم کی احادیث کے تعارض کو رفع کرنے کے لئے شراحِ حدیث نے متعدد طرق اختیار کئے ہیں:

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۳۷۰، باب الأشربه، الفصل الأول، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، المصدر السابق)

(۳)(مشكوٰة المصابيح، ص: ۳۷۱، باب الأشربه، الفصل الأول، قديمي)

(۴) (مشكوٰة المصابيح، المصدر السابق)

ایک یہ کہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ اس سے مقصد ادب ہے۔ دوم یہ کہ اس میں نسخ ہے، پھر بعض نے نہی کو ناسخ مانا ہے، بعض نے اس کا عکس مانا ہے۔ سوم یہ کہ محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ چہارم یہ کہ حدیث قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے۔ پنجم یہ کہ ماءِ زمزم اور فضلِ وضو دونوں مستثنیٰ ہیں۔

اگر مختصر لفظوں میں اس طرح تعبیر کر دیا جائے کہ اصل اباحت ہے اور نہی تعبدی نہیں بلکہ طبی ہے، زمزم (میں) شفاء ہے اس میں مضرت نہیں ہے، فضلِ وضو قلیل ہے اس پر مضرت مرتب نہیں ہوگی، جس کو عادت ہو شرب قائماً کی اس کو مضر نہیں تو میرے خیال میں قصرِ مسافت کے ساتھ منزل طے ہو جائے گی۔

"(فصل) وكان من هديه الشرب قاعداً، هذا كان هديه المعتاد، وصح عنه أنه نهى عن الشرب قائماً، وصح عنه أنه أمر الذى يشرب قائماً أن يستقي، وصح عنه أنه شرب قائماً، قالت طائفة: هذا ناسخ للنهي، وقالت طائفة: بل مبين أن النهي ليس للتحريم بل للإرشاد وترك الأولى. وقالت طائفة: لاتعارض بينهما أصلاً، فإنه إنما شرب قائماً للحاجة، فإنه جاء إلى زمزم وهم يسقون منها فاستقى، فنا ولوه الدلو فشرب وهو قائم، وهذا كان موضع حاجة. وللشرب قائماً آفات عديدة: منها أنه لايحصل به الرى التام، ولا يستقر في المعدة حتى يقسمه الكبد على الأعضاء، ينزل بسرعة وحدة إلى المعدة فيخشى منه أن يبرد حرارتها ويشوشها ويسرع النفوذ إلى أسامل البدن بغير تدريج، وكل هذا يضر بالشارب، وأما إذا فعله نادراً أو لحاجة لم يضره، ولا يعترض بالفوائد على هذا، فإن الفوائد طبائع ثوان، ولها أحكام أخرى، وهو بمنزلة الخارج من القياس عند الفقهاء: ۳/۱۸۹ (۱)"۔

تو یہ شرب کے متعلق گفتگو تھی۔ اکل ماشیاً کے ثبوت کا اثر تو جناب نے نقل کیا مگر نہی نقل نہیں کی تاکہ تعارض کو رفع کیا جائے، تاہم اگر نہی موجود ہو تو اکل ماشیاً کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پلیٹ میں پلاؤ لے کر بازار میں کھاتے ہوئے جائیں یا ایک ہاتھ میں پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں روٹی لے کر کھاتے ہوئے جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ منہ میں کھجور رکھی اور اس کو کھاتے رہے اور میدانِ جہاد میں تلوار چلاتے رہے جیسے آج کل آپ

(۱) (زاد المعاد فی هدی خیر العباد لابن قیم الجوزیة رحمه الله تعالیٰ، فصل فی الشرب قاعداً وقائماً، ص: ۸۲۷، دار الفکر)

حضرات پان کھاتے ہوئے چلتے رہتے ہیں یا چنے کے دانے منہ میں ڈال لیتے ہیں اور کھاتے چلے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

ابن ماجہ کی ایک روایت کا مطلب اور ترجمۃ الباب سے مطابقت

سوال[۱۲۵۵]: ابن ماجہ میں ص:۱۳ پر "فضل علي ابن أبي طالب" کے ذیل میں یہ روایت درج ہے: "عن عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ يسير مع عليّ، فكان يلبس ثياب الصيف وثياب الشتاء، فقلنا: لو سئلته، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأنا الخ". (۱)" يسير" اور "فكان" کے اوپر نشان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی ضمیر کا مرجع ایک ہے یعنی ابی لیلیٰ، جو قطعاً غلط ہے، اس لئے کہ ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ معنیٰ بھی مختل ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ سمجھا ہے کہ دونوں کا مرجع ایک نہیں ہے، "يسير" کا مرجع ابی لیلیٰ ہے اور "فكان" کا مرجع علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور "لو سئلته" کی جزا "سئلت فقال" محذوف ہے، یہ تشریح اس وقت صحیح ہے جبکہ عبدالرحمٰن اور علی کا زمانہ ایک نہ ہو، لیکن اگر دونوں کا زمانہ ایک ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن اصل اور اول ہیں جو واقعہ سے واقف تھے مگر بغرضِ تائید اپنے باپ ابولیلیٰ کو بھی شریک کیا ہے، اگر میں نے صحیح سمجھا تو فبہا، ورنہ مفہوم صحیح سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فضل علی ابن ابی طالب والی حدیث میں "يسير" اور "فكان" پر نشان ضمیر کا مرجع بتانے کے لئے نہیں بلکہ نسخہ کا نشان ہے، چنانچہ "يسير" میں دوسرا نسخہ "يسمر" ہے اور "فكان" میں دوسرا نسخہ "وكان" ہے، حاشیہ میں نسخہ موجود ہے، اس قسم کا نشان کتبِ حدیث بخاری شریف وغیرہ میں بکثرت ہوتا ہے، ان کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں ہم نے اپنے والد ابولیلیٰ سے کہا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کر لیتے (واقعہ خیبر کا) تو انھوں نے وہ واقعہ سنا دیا جس سے حر و برد سے عدم تاثیر کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲، مطبوعه قديمي)

کتاب ''دین ودنیا'' کی ایک حدیث کی تحقیق

سوال[۱۲۵۶]: مفتی شوکت علی صاحب فہمی کی ایک کتاب ''دین ودنیا'' سے ایک عبارت نقل کر کے احقر نے دارالافتاء میں برائے جواب دیا، اس کا جواب صرف یہ دیا گیا کہ یہ حدیث موضوع غیر معتبر ہے، مگر عوام کے لئے یہ تسلی بخش جواب نہیں ہے۔ احقر سے بار بار دریافت کرتے ہیں کہ اگر حدیث ہے تو حضرات علمائے دیوبند اس پر عامل کیوں نہیں؟ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ ریاض القاصد میں بحوالہ جامع الفقہ مجموع الروایات سے منقول ہے کہ ''آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کے لئے تیسرے روز دسویں روز اور بیسویں روز، چالیسویں روز، نیز سالانہ کے روز کھانا پکواتے تھے۔ اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل غلط ہے، حدیث شریف کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں: بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، مشکوۃ شریف، دارمی شریف، دار قطنی شریف، وغیرہ وغیرہ، کسی کتاب میں یہ باب مذکور نہیں، جو شخص اس چیز کے صحیح ہونے کا دعوی کرتا ہے وہ حدیث شریف میں دکھائے، مطالبہ اس سے کیا جائے۔

''ریاض القاصد'' ہو یا کوئی اور ہو جب تک حدیث شریف میں نہ دکھایا جائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کو کیسے صحیح مان لیا جائے، اگر حدیث شریف میں یہ واقع ہوتا تو علمائے دیوبند ضرور اختیار کرتے، جب نہیں ہے تو غلط بات پر کیوں عمل کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ، العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۵ھ۔

کیا کاشتکار ہمیشہ محتاج رہتا ہے؟ اور زراعت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال[۱۲۵۷]: یہاں ایک مترجم قرآن مجید کے حاشیہ پر ایک حدیث درج ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس گھر میں کھیتی اور اس کا سامان ہوتا ہے اس

---

(۱) کتاب ''دین ودنیا'' اور ''ریاض القاصد'' دونوں نہیں ملیں۔

4

میں محتاجی اور مسکینی رہتی ہے'' اور یہ اس جگہ درج ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی امت نے منّ وسلویٰ کے عوض لہسن اور پیاز اور ککڑی وغیرہ کو ترجیح دی ہے۔ کیا حدیث مندرجہ بالا کی روشنی میں کھیتی کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محتاجی اور مسکینی لاتا ہے؟ حدیث پاک کا حوالہ اس وقت ذہن میں نہیں ہے، ہاں البتہ ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پیشوں کے کچھ خواص بعض احادیث میں موجود ہیں، جو ناپسند ہوں ان سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے، بعض طبعی خواص ہوتے ہیں ان سے بچنا دشوار ہوتا ہے مگر وہ پیشے بھی ضروری ہوتے ہیں (۱)، کھیتی کرنے والے سال کا اکثر حصہ اس قدر مشغول رہتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی فرصت نہیں رہتی اور چھوٹی چھوٹی چیز ہی ان کی شب و روز کی ایسی ہوتی ہیں کہ ایک چیز مقصود ہو جائے تو وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے رہ جاتے ہیں اور کام نہیں کر پاتے۔ غرض احتیاج کا ظہور انہیں بے حد ہوتا ہے اور عامۃً ذہن میں ان کے انتشار رہتا ہے سکون نصیب نہیں ہوتا، اس کے باوجود یہ پیشہ ناجائز نہیں ہے اور اس کے برکات بھی ظاہر ہیں کہ تمام روئے زمین میں بسنے والے اسی پیشے کی بدولت روزی کھاتے ہیں۔ اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ زراعت افضل ہے تجارت سے:

"وأفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم الصناعة، كذافي الاختيار". شرح مختار۔

والتجارة أفضل من الزراعة عند البعض، والأكثر على أن الزراعة أفضل، كذافي الوجيز. كردري". (عالمگیری) (۲)۔

احتیاج کا وہ مطلب نہیں کہ کھیتی کرنے والا ہمیشہ فقیر مسکین رہتا ہے جس سے شبہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رأس الكفر نحو المشرق، والفخر والخيلاء في أهل الخيل والإبل، والفدادين أهل الوبر، والسكينة في أهل الغنم". (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب والفضائل: ۲۳۶/۱۰، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار، كتاب الصيد: ۳۶۲/۶، سعيد)

کالے کپڑے والوں سے متعلق حدیث

سوال[۱۲۵۸]: کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس میں شیعوں کے لئے پیشین گوئی ملتی ہو کہ کالے کپڑے والے نکلیں گے لہٰذا جب یہ لوگ آئیں تو ان کو سلام نہ کرنا اور ان کے سلام کا جواب نہ دینا، ان سے مقاطعہ کرنا، کیا اس مضمون کی کوئی حدیث ہے؟ براہ کرم مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں جس میں یہ ہو کہ کالے کپڑے والے نکلیں گے لہٰذا جب یہ لوگ آئیں تو ان کو سلام نہ کرنا اور ان کے سلام کا جواب نہ دینا، ان سے مقاطعہ کرنا۔ شیعوں کے فرقے اپنے عقائد کے اعتبار سے مختلف ہیں، ان کا حکم بھی مختلف ہے، "الصواعق المحرقہ" میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۳ھ۔

ثوابِ تلاوت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال[۱۲۵۹]: مندرجہ ذیل روایت کے بارے میں بتایا جائے کہ صحیح ہے یا نہیں؟

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف کی تلاوت نماز کے اندر کھڑے ہو کر کرے اس کو ہر حرف کے بدلہ میں سو نیکیوں کا ثواب ہوگا اور جو بیٹھ کر پڑھے ہر حرف پر پچاس پچاس نیکیوں کا ثواب ہوگا، اور جو شخص نماز میں نہ ہو اور باوضو تلاوت کرے اس کو پچیس نیکیوں کا ثواب ہوگا، افضل یہ ہے کہ رات کو اکثر تلاوت کرے کہ اس وقت جمعیت دل کو زیادہ ہوتی ہے''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روایت سوال میں درج ہے اس تفصیل کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول میں نے کہیں نہیں دیکھی، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بحوالہ دیلمی کنز العمال: ۱/۱۳۵ میں اس کے کچھ اجزاء موجود ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''من قرأ القرآن فی صلوٰۃ قائماً، کان لہ بکل حرف مائۃ حسنۃ، ومن قرأہ

---

(۱) (الصواعق المحرقہ، ص: ۵، الفرق الإسلامیہ والاختلاف بین الأمۃ المحمدیۃ، مکتبہ القاهرۃ بمصر)

قاعداً کان له بکل حرف خمسون حسنةً، ومن قرأه في غير صلوٰة كان له بكل حرف عشر حسنات، ومن استمع إلى كتاب الله كان له بكل حرف حسنة". (الديلمي عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه) (۱) ممکن ہے کہ روایتِ مسئولہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۵ھ۔

چاروں قل پڑھنے کی روایت

سوال[۱۲۶۰]: صبح وشام یا رات میں سوتے وقت چاروں قل پڑھ کر دم کرنے کی روایت نہیں مل رہی ہے، کیا یہ مشائخ سے منقول ہے یا کوئی روایت ہے؟ البتہ قل ثلاثہ کی روایت تو مل گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن عروة بن نوفل عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ماجاء بك"؟ قال: جئت يا رسول الله تعلمني شيئاً أقوله عند منامي، قال: "إذا أخذت مضجعك فاقرأ: ﴿قل ياأيها الكافرون﴾ ثم نم على خاتمها، فإنها برأة من الشرك".

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا اوىٰ إلى فراشه كل ليلة جمع كفيه فيهما ﴿قل هوالله أحد﴾ و ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و﴿قل أعوذ برب الناس﴾ يمسح من جسده يمر بهما على رأسه ووجهه وما أقبل من جسده، يفعل ذلك ثلاث مرات بهما مااستطاع". عمل اليوم والليلة، ص: ۱۸۷ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (مسند الديلمي: ۱/۵۴۱، ۵۴۲، مكتبة التراث الاسلامي، حلب)

(وكذا في اتحاف السادة المتقين للزبيدي: ۳/۲۹۳، بيروت)

(۲) ترجمہ: عروہ بن نوفل اپنے باپ (حضرت نوفل رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضری کی وجہ دریافت فرمائی، انہوں نے عرض کیا (اس لئے حاضر ہوا ہوں) تاکہ آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز تعلیم فرمادیں جس کو میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں، ارشاد فرمایا: "جب بستر پر لیٹو تو "قل یا أیها الکافرون" پڑھ کر سوجاؤ اس لئے کہ یہ سورۃ شرک سے برأت ہے"۔ .... =

جنت کے پھل میں سے حور کا نکلنا، کیا حدیث ہے؟

سوال[۱۲۶۱]: بعض مقررین فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت بعض پھلوں کو تراشیں گے تو اس میں سے حور نکلے گی، مزید یہ کہ وہ چھلکا حور کا لباس ہوگا، کیا یہ صحیح ہے؟ کس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے؟ برائے مہربانی حوالہ حدیث وصفحہ کے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس مضمون کی حدیث دیکھنا محفوظ نہیں، جن صاحب نے اس کو بیان کیا ہے ان سے حوالہ دریافت کیا جائے، قرآن کریم میں یہ البتہ موجود ہے کہ ﴿ فیھا ما تشھیہ الأنفس وتلذ الأعین ﴾ (۱)۔ جو کچھ بھی جنت میں خواہش کریں گے وہ ان کے لئے وہاں حاصل ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب ہر رات بستر پر تشریف لاتے تو "قل هو الله احد" اور "قل أعوذ برب الفلق" اور "قل أعوذ برب الناس" پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور اپنے سر اور چہرہ اور جسم مبارک پر جہاں تک ہاتھ پہونچتا ہاتھ پھیرتے، تین مرتبہ ایسا ہی فرماتے"۔ (عمل الیوم واللیلۃ، ص: ۱۸۷)

(والسنن الکبری، کتاب عمل الیوم واللیلۃ: ۶/۱۸۷، إدارہ تالیفات اشرفیہ)

(وکذافی الدر المنثور للسیوطی: ۶/۴۰۶، دارالفکر)

(ومصنف ابن أبی شیبۃ: ۱۰/۲۴۹، دارالفکر)

(۱) (سورۃ الزخرف: ۷۱)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: "إن عکرمۃ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما أخبرہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إن أدنی أھل الجنۃ منزلةً وأسفلھم درجةً لَرجلٌ لایدخل الجنۃ بعدہ أحد، یفسح لہ فی بصرہ مسیرۃ مائۃ عام فی قصور من ذھب وخیام من لؤلؤ، لیس فیھا موضع شبر إلا معمور، یغدی علیہ ویراح بسبعین ألف صحفةً من ذھب لیس فیھا صحفۃ إلا فیھا لون لیس فی الأخری مثلہ، إلخ". (تفسیر إبن کثیر: ۴/۱۷۱، دار السلام، ریاض)

(وکذا فی المسند للإمام أحمد: ۲/۵۰۴، دار إحیاء التراث العربی)

جنت کی قیمت ادا کر کے سونے کی روایت

سوال[۱۲۶۲]: اکثر مسجدوں میں پرچہ دیکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت فرمائی کہ: ''چار ہزار دینار صدقہ کر کے سویا کرو، ایک حج کر کے سویا کرو، جنت کی قیمت ادا کر کے سویا کرو، ایک قرآن شریف پڑھ کر سویا کرو، دولڑنے والوں میں صلح کر کے سویا کرو''۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو بہت مشکل ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''چار مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ لو چار ہزار دینار صدقہ کرنے کا ثواب ہوگا، تین مرتبہ درود شریف پڑھ لو تو جنت کی قیمت ادا ہو جائے گی وغیرہ''، یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے پرچہ لگایا ہے اس سے سند اور حدیث دریافت کی جائے، میں نے کسی حدیث کی کتاب میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۵ھ۔

سوتے وقت کے اعمال کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

سوال[۱۲۶۳]: حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ''ہر رات کو پانچ کام کر کے سویا کرو''۔

۱- چار ہزار دینار صدقہ کر کے سویا کرو۔ ۲- ایک قرآن شریف پڑھ کر سویا کرو۔ ۳- جنت کی قیمت دیکر سویا کرو۔ ۴- دولڑنے والوں میں صلح کر کے سویا کرو۔ ۵- ایک حج کر کے سویا کرو''، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ امر تو محال ہے مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ۱- ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سویا کرو اس کا ثواب چار ہزار دینار صدقہ کرنے کے برابر ہے۔ ۲- تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر سویا کرو اس کا ثواب ایک قرآن مجید کے برابر ہے۔ ۳- تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر سویا کر اس سے جنت کی قیمت ادا ہوگی۔ ۴- دس مرتبہ استغفار کر کے سویا کرو اس کا ثواب دولڑنے والوں میں صلح کروانے کے برابر ہے۔ ۵- چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھ کر سویا کرو اس کا

ثواب ایک حج کرنے کے برابر ہے، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! یہ عمل میں ہر روز کروں گا۔ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو اس میں جو غلطیاں ہوں اس کی اصلاح فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ (١)، تلاوتِ قرآن کریم (٢)، لڑنے والوں میں صلح (٣)، حج (٤)، درود شریف (٥)،

---

(١) "عن جابر رضی الله عنه، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار اهـ". (مسند الإمام أحمد: ٣٩٩/٣، رقم الحديث: ١٤٨٦٠، دار إحياء التراث العربي)

(٢) "عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشرة أمثالها، لا أقول: "الٓمٓ" حرف، ولكن "الف" حرف، و"لام" حرف، و"ميم" حرف". (جامع الترمذی، باب ماجاء من قرأ حرفاً من القرآن فله من الأجر: ١١٩/٢، سعيد)

(٣) قال الله تعالىٰ: ﴿لا خير فى كثير من نجواهم إلا من أمر بصدقة أو معروف أو إصلاح بين الناس، ومن يفعل ذلك ابتغاء مرضات الله، فسوف نؤتيه أجراً عظيماً﴾ (النساء: ١١٤)

"و أيد بما أخرجه البيهقى عن أبى أيوب رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال له: "يا أبا أيوب! ألا أدلك على صدقة يرضى الله تعالىٰ و رسوله موضعها"؟ قال: بلىٰ! قال: "تصلح بين الناس إذا تفاسدوا، و تقرب بينهم إذا تباعدوا".

"و عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنه و قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفضل الصدقة إصلاح ذات البين". و هذا الخبر ظاهر فى أن الإصلاح أفضل من الصدقة بالمال، و مثله ما أخرجه أحمد وأبو داود والترمذى و صححه عن أبى الدرداء رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلوة والصدقة"؟ قالوا: بلىٰ: إصلاح ذات البين". (روح المعانى: ١٤٥/٥، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(٤) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حج لله فلم يرفث و لم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ٢٢١/١، كتاب المناسك، الفصل الأول، قديمى)

(٥) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى علىّ صلوةً واحدةً صلى الله عليه عشر صلوات، و حط عنه عشر خطيئات، و رفعت له عشر درجات". رواه النسائى". (مشكوة المصابيح: ٨٦/١، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبى و فضلها، الفصل الثانى، قديمى)

استغفار(۱)، کلمہ طیبہ(۲)، سورہ فاتحہ(۳)، سورہ اخلاص(۴) کی فضیلت احادیث میں بہت آئی ہے، لیکن یہ پوری روایت اسی ترتیب کے ساتھ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۹۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۹۵/۱۲/۲۵ھ۔

جس کا روپیہ برباد کرنا ہو اس کے دل میں تعمیر کا شوق ایک حدیث کی تحقیق

سوال[۱۲۶۴]: میں نے ایک کتاب میں یہ حدیث پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اس کا پیسہ بنیاد میں لگاتا ہے تو وہ کون سی بنیاد ہے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا پیسہ تباہ کرنا ہو اس کے دل میں تعمیر کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، بلا ضرورت کے بھی محض اپنی شان دکھانے کے لئے وہ مٹی گارہ میں روپیہ خرچ کرتا رہتا ہے کہ ایک منزل پر دوسری منزل تعمیر کرتا ہے، ایک مکان

---

(۱) "و عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من لزم الاستغفار جعل اللہ له من کل ضیق مخرجاً، و من کل هم فرجاً، و رزقه من حیث لا یحتسب". (رواه أحمد وأبوداؤد و ابن ماجه". (مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثاني، ص: ۲۰۴، قدیمی)

(۲) "عن أبی بکر بن أبی موسی عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أبشروا الناس، من قال: لا إله إلا اللہ صادقاً بها دخل الجنة". الحدیث. (مسند الإمام أحمد: ۴/۴۱۱، حدیث أبی موسی الأشعری، رقم الحدیث: ۱۹۴۹۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "و عن عبد الملک بن عمیر مرسلاً قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "في فاتحة الکتاب شفاء من کل داء". رواه الدارمی والبیهقی في شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، ص: ۱۸۹، قدیمی)

(۴) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم سمع رجلاً یقرأ: (قل هو اللہ أحد)، فقال: "وجبت"، قلت: و ما وجبت؟ قال: "الجنة". رواه مالک والترمذی والنسائی". (مشکوة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني، ص: ۱۸۸، قدیمی)

موجود ہے پھر دوسرا امکان بنا تا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۳ھ۔

نجد میں فتنوں اور زلازل سے متعلق چند احادیث

سوال[۱۲۶۵]: مندرجہ ذیل احادیث صحیح ہیں یا غلط؟ اگر صحیح ہیں تو ان کا ترجمہ تحریر فرمائیں۔

حدیث:۱...... "وإنه سيكون في أمتي كذّابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي الله وأنا خاتم النبيين، لا نبي بعدي"۔از مشكوة ،ص:٤٦٥۔

حدیث:۲......از مشكوة، ص: ٥٥٤۔"إذا رأيتم الذين"، الحديث"۔

حدیث:۳......از مشكوة، ص: ٢٨۔"يكون في آخر الزمان دجالون كذابون"۔

حدیث:۴......از مشكوة، ص٢٨۔"يتحدثون بالأحاديث"۔

حدیث:۵......از مشكوة، ص٢٩۔"لاألفين أحدكم"۔

حدیث:۶......از مشكوة ،ص ٥٨٢۔"أللهم بارك لنا في شامنا أللهم بارك لنا في يمننا"۔

حدیث:۷......از مشكوة۔"هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان"۔

مذکورہ بالا احادیث علمائے بریلی نے ایک رسالہ میں تحریر کی ہیں اور ان کا ترجمہ بھی تحریر کیا ہے جو کہ علمائے دیوبند کے خلاف کیا ہے، مجھے آپ کے ترجمہ سے ملانا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ اور پھر ایک بدعتی کو دکھلانا ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

احادیث مذکورہ فی السوال پوری پوری نہیں ہیں بلکہ وہ پوری حدیث سے ٹکڑے لئے گئے ہیں، پوری حدیث مع ترجمہ اس طرح ہیں:

۱......"عن ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا وُضع السيف في أمتي لايرتفع عنها إلى يوم القيامة، ولا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين حتى يعبد قبائل من أمتي الأوثان، وأنه سيكون في أمتي كذّابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي الله، وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي، ولاتزال طائفة من أمتي على

الحق ظاهرين، لايضرهم من خالفهم حتّی يأتی أمر اللّٰه". رواه أبوداؤد(۱) والترمذی(۲) (مشكوة،ص: ٤٦٥، كتاب الفتن)(۳)۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب میری امت میں تلوار کھینچی جائیگی تو وہ میری امت سے قیامت تک نہیں اٹھائی جائیگی اور قیامت نہیں آئی گی یہاں تک کہ میری امت کے چند قبائل مشرکین سے جاملیں اور یہاں تک کہ میری امت کے چند قبائل بت پرستی کرنے لگیں، عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، جن میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور میری امت میں سے ایک جماعت حق پر ہوگی جو غالب رہے گی اور مخالفین کی مخالفت ان کو کچھ مضر نہ ہوگی۔

۲...... "عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابی، فقولوا: لعنة اللّٰه علی شركم"۔ رواه الترمذی"(٤) (مشكوة، ص: ٥٥٤)(٥)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو برا کہتے ہیں تو تم کہو کہ خدا کی لعنت ہو تمہارے فعلِ بد پر''۔

۳...... "عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "يكون فی آخر الزمان دجّالون كذّابون يأتونكم بالأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا

(۱) (سنن أبی داؤد، كتاب الفتن والملاحم، قبيل باب النهی عن السعی فی الفتنة، رقم: ۴۲۵۲، دارالسلام)

(۲) (سنن الترمذی، رقم: ۲۲۰۲، مصطفی الحلبی)

(۳) (مشكوٰة المصابيح، مطبوعه قديمی)

(۴) (سنن الترمذی، كتاب الفتن ماجاء الهرج اهـ، أبواب المناقب، باب فی من سب أصحاب النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: ۲/۲۲۵، سعيد)

(۵) (مشكوٰة المصابيح، قديمی)

(وكذا فی التاريخ لبغداد: ۱۳/۱۹۵، بيروت)

(وتهذيب تاريخ بدمشق لعساكر: ۲/۲۳۱، بيروت)

اباؤکم، فإیاکم، وإیاهم لایضلونکم ولایفتنونکم"۔ رواه مسلم"(۱) (مشکوۃ،ص: ۲۸، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)(۲)۔

٤......حاشیه، ص: ١٤(٣)۔ "بمالم تسمعوا أنتم ولااباؤکم: أی یتحدثون بالأحادیث الکاذبة ویبدعون أحکاماً باطلة واعتقادات فاسدةً" (مرقاة) (٤)۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''آخری زمانہ میں فریب دینے والے جھوٹے ہونگے، جو کہ تمھارے پاس ایسی ایسی حدیثیں لائیں گے جو کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں سنی، پس تم ان سے بچو اور اپنے آپ کو بچاؤ، تم کو وہ نہ گمراہ کریں اور نہ فتنے میں ڈالیں''۔ یعنی جھوٹے حدیثیں بیان کریں گے اور احکامِ باطلہ اور اعتقاد فاسدہ بتائیں گے''۔

٥...... "عن أبی رافع رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لاألفین أحدکم متکأعلی أریکته، یأتیه الأمر من أمری ممأمرت به أو نهیت عنه، فیقول: لاأدری، ماوجدنا فی کتاب الله اتبعناه"۔ رواه أحمد(٥)وأبوداؤد(٦)والترمذی(٧)وابن ماجه(٨) والبیهقی فی دلائل النبوة"(٩)

---

(۱) (الصحیح لمسلم،المقدمه باب النهی عن الروایة عن الضعفاء اهـ، ص: ۱۰، رقم الحدیث: ۱٦، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، مطبوعه قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۸، قدیمی)

(۴) دیکھئے: (مرقاة المفاتیح: ۱/ ۳۹۰،کتاب الإیمان،رشیدیه)

(۵) (مسند الإمام أحمد: ۷/ ١٦ حدیث أبی رافع، رقم الحدیث: ۲۳۳۴۹). البتہ الفاظ میں قدرے اختلاف ہے

(٦) (سنن أبی داؤد، رقم الحدیث: ٤٦٠٥، دارالسلام)

(۷) (جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲٦٦۳،مصطفی الحلبی)

(۸) (ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ص: ۳، میر محمد)

(۹) (البیهقی فی دلائل النبوة، باب ماجاء فی إخباره بشبعان علی أریکته اهـ: ٦/ ٥٤٩، دار الکتب العلمیه)

(مشکوۃ شریف، ص: ۲۹)(۱)۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں تم کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تم میں سے کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آوے جس کا میں نے حکم کیا ہو یا اسے منع کیا ہو اور وہ یوں کہدے کہ میں نہیں جانتا، جو ہم قرآن میں پاتے ہیں اس کا اتباع کرتے ہیں''۔

۶-۷..... "عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: اللّٰهم بارك لنا فی شامنا، اللّٰهم بارك لنا فی يمننا"، قالوا: يا رسول اللہ! وفی نجدنا، فأظنه قال فی الثالثة: "هناك الزلازل والفتن، وبها يطلع قرن الشيطان"۔ رواه البخاری"(۲)

(مشکوة شریف، ص: ۵۱۲) (۳)۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اے خداوند تعالیٰ! ہم کو ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے''۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یوں بھی فرمایئے کہ ہمارے نجد میں بھی برکت دے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے اللہ! ہم کو ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے''، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ! کے رسول ہمارے نجد میں بھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ: ''اس جگہ یعنی نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں''۔

نوٹ: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ احادیث حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علماء دیوبند کی مذمت

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/ ۲۹، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری: ۲/ ۱۰۵۱، قدیمی)

(والسنن للترمذی، رقم الحدیث: ۳۹۵۳)

(والمسند للإمام أحمد: ۲/ ۹۰، ۱۱۸)

(۳) (مشکوة المصابیح، کتاب المناقب، باب ذکر الیمن والشام: ۴/ ۴۵۹، رقم الحدیث: ۶۲۷۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

کے لئے ارشاد فرمائی ہیں تو وہ شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان باندھ کر اپنے لئے جہنم کا سامان کر رہا ہے۔حدیث پاک میں ارشاد ہے:

''من کذب علیّ متعمداً، فلیتبوأ مقعده من النار'' (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

زلزلہ کے اسباب حدیث اور قولِ فلاسفہ میں تعارض

سوال[۱۲۶۶]: ۱......زلزلہ کے شرعی نقطہ نظر سے کیا کیا اسباب وعلل ہیں؟ اگر کثرتِ معاصی اس کے اسباب قرار دیئے جائیں تو کوئی صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس کے متعلق منقول ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مع حوالہ تحریر فرمائیں تو پھر حدیث کے مقابلہ میں فلاسفہ اور سائنسدانوں کے نظریہ کا کیا جواب ہوگا جو اس بات کے مدعی ہیں کہ زمین کے سوراخوں میں ہوا داخل ہو جاتی ہے اور وہ دفعتاً نکلنا چاہتی ہے تو نکل نہیں سکتی، پھر اس کی تیزی کی وجہ سے زمین میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز سائنسدانوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ زمین کے نیچے اجزائے ناریہ ہیں جب وہ متحرک ہوتے ہیں تو زمین میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے، یہ لوگ آلات کے ذریعہ ان اجزائے ناریہ کو دیکھ کر چند دن پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت میں زلزلہ ہوگا ٹھیک اسی وقت پر زلزلہ بھی ہو جاتا ہے۔

نیز شاستر والے بھی جنتریوں میں ایسا ہی لکھ دیتے ہیں اور ہم نے اس سال تجربہ بھی کیا، جو دن یا وقت جنتری میں لکھا تھا ٹھیک اسی وقت پر زلزلہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

چونکہ ہمیں ان لوگوں سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہتا ہے، اس لئے براہ کرم عقلی ونقلی جواب سے تفصیلی طور پر مطلع فرمائیں، شرعی اسباب وعلل اور ان لوگوں کے نظریہ میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کثرتِ معاصی زلزلہ کی علت ہے تو پھر ان لوگوں کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟

کیا زمین بیل کے سینگ پر ہے؟

سوال[۱۲۶۷]: ۲......ایک کتاب جس کا نام ''ہزار مسئلہ'' ہے اس میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''زمین ایک بیل کے سینگ پر ہے، ایک مرتبہ بیل کو شیطان نے بہکایا

(۱) (صحیح البخاری، باب: ۱/ ۳۸، دار الفکر) (والسنن للدارمی: ۱/ ۷۶، بیروت)
(والسنن الکبریٰ للبیهقی باب: ۱/ ۴۳۶، دار إحیاء التراث العربی)

تو بیل نے زمین کو نیچے پھینکنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر کو حکم دیا کہ بیل کی ناک میں گھس جا، چنانچہ وہ گھس گیا اور اس قدر کاٹا کہ بیل تھرا اٹھا، پھر بیل نے وعدہ کیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا، چنانچہ وہ مچھر اب بھی بیل کے سامنے ادھر ادھر اڑتا رہتا ہے تو بیل کو جب وہ وقت یاد آتا ہے تو کانپ جاتا ہے اسی وجہ سے زمین میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے''۔

اب فرمائیں کہ اس حدیث کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ شرعی حیثیت سے زمین سورج و چاند کی طرح معلق ہے یا کسی چیز پر ٹھہری ہوئی ہے؟ المستفتی غلام حسین کشمیری۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ا......احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت کے قریب بکثرت زلزلے آئیں گے (۱)، زلزلۂ قیامت کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے: ﴿إذا زلزلت الأرض زلزالها﴾ (۲) ﴿إن زلزلة الساعة شيء عظيم﴾ (۳)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بھی زلزلہ آیا جس پر ارشاد فرمایا کہ: ''ابھی وقت نہیں آیا''، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بصراحت اس کا سبب کثرت ذنوب کو فرمایا ہے۔ فتاویٰ عزیزی وغیرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے (۴) اس کی صورت خواہ یہ ہو کہ زمین کی رگیں ملائکہ کھینچتے ہیں، خواہ یہ ہو کہ زمین میں ہوا بھرنے سے یا نکالنے میں یا کوئی اور صورت ہو۔

یہ سب اس عالم اسباب میں ظاہری صورتیں ہیں جیسے حدیث پاک میں آتا ہے کہ: ''جہنم کا ایک سانس ٹھنڈا ہے جس سے سردی پھیلتی ہے، ایک سانس گرم ہے جس سے گرمی پھیلتی ہے'' (۵) حالانکہ بظاہر

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تقوم الساعة حتى يقبض العلم وتكثر الزلازل الخ". (الصحيح للبخاري، أبواب الإستسقاء، باب ما قيل في الزلازل والآيات: ۱۴۱/۱، قديمي)

(۲) (الزلزال: ۱)

(۳) (الحج: ۱)

(۴) (فتاویٰ عزیزی (اردو) باب التفسير والتشريح، زلزلہ کی حقیقت، ص: ۷۸، سعید)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "إن جهنم استأذنت ربّها، فنفسها في كل عام مرتين، فشدة =

اسباب موسم کے تغیر اور سورج کی شعاعوں سے اس کا ظہور ہوتا ہے جس کو سب جانتے ہیں اور جنتریوں میں چھپا ہوا ہے۔

سائنسدانوں کا قول وحی نہیں ہے جس کے تسلیم کرنے یا وحی کے ساتھ متعارض ہونے کی صورت میں تعارض رفع کرنے کی ذمہ داری عائد ہو، تاہم ہوسکتا ہے کہ جہنم کے سانس کا اثر ابتداءً سورج پر پہونچتا ہو جو لوگوں سے مخفی ہو اور سورج کے واسطے سے زمین پر پھیلتا ہو جس کو اور لوگ بھی دیکھتے ہوں، اس طرح ممکن ہے کہ کثرت معاصی کی بناء پر زمین کے سوراخوں میں ہوا کا داخل یا خارج ہونا سائنس داں معلوم کر کے بتا دیتے ہوں کہ زلزلہ آئے گا، ایک چھوٹا سا رسالہ ''اخبار الزلزلہ'' ہے جو اس موضوع پر ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے۔

۲...... یہ سندِ صحیح سے مروی نہیں، محدثین نے اس کو موضوع لکھا ہے، جیسا کہ موضوعات کبیر میں ہے(۱)۔

چاند سورج کے معلق یا غیر معلق ہونے کے متعلق بحث کرنا موضوع فقہ وعقائد سے خارج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۳ھ۔

عصر کے بعد مطالعہ کے متعلق حدیث کی تحقیق

سوال[۱۲۲۸]: کیا کوئی ایسی حدیث جس میں عصر کے بعد مطالعہ کی ممانعت کی گئی ہو موجود ہے؟ تسلی بخش جواب مطمئن فرمائیں۔ متعلم: حسام الدین رائپوری کمرہ نمبر ۳۹، دارجدید دارالعلوم دیوبند۔

= الحرّ من حر جهنم، و شدة البرد من زمهريرها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسانيد أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه : ۲/۳۹۴، المكتبة الإسلامي بيروت)

(۱) قال الملا على القاري: "فصل : ومنها: أن يكون الحديث مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه .... قال بعد ذكر أحاديث: " ولاريب أن هذا و أمثاله من وضع الزنا دقة أهل الكتاب الذين قصدوا السخرية والاستهزاء بالرسل وأتباعهم .... وذكر بعد صفحة الحديث فقال: " ومن هذا: أى الأحاديث الباطلة حديث: "إن الأرض على صخرة ، والصخرة على قرن ثور ، فإذا حرك الثور قرنه تحركت الصخرة، فتحركت الأرض ، و هى الزلزلة". (الموضوعات الكبرى للملا على القاري، ص: ۳۲۱، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"من أكرم حبيبتيه، فلايكتب بعد العصر". ليس في المرفوع، ولكن قد أوصىٰ الإمام أحمد بعض أصحابه أن لا ينظر بعد العصر في كتاب. أخرجه الخطيب وغيره. وقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ فيما رواه حرملة بن يحيىٰ كما أخرجه البيهقي في مناقبه: الوراق إنما يأكل دية عينيه اهـ". المقاصد الحسنة، ص: ۳۹۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۱ھ۔

حدیث میں لفظ "جعظری" کی تشریح

سوال[۱۲۶۹]: نفحۃ العرب، ص:۱۸۱، "ختامه مسك" کے عنوان کے تحت: "لايدخل الجنة الجواظ ولا الجعظرى" مذکور ہے (۲) روایتِ احادیث میں سے کس حدیث کی کتاب میں ہے؟ یہاں صرف مشکوۃ باب الغضب والکبر: "ألا أخبركم بأهل النار، هو عتل جواظ متكبر" (۳) میں دیکھا، اس میں جواظ ہے جعظری نہیں ہے۔ نیز لفظ جعظری کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الجعظرى: الفظ الغليظ المتكبر". (مجمع البحار)(٤) مشکوۃ شریف، ص:۴۳۳، سے

---

(۱) (المقاصد الحسنة، ص: ۳۹۹، حرف الميم، مكتبة الخانجي بمصر)

(وكشف الخفا: ۲/۳۰۷، ۳۱۷، دار التراث)

(والفوائد المجموعة للشوكاني، ص: ۲۱۷، السنة المحمدية)

(۲) (نفحة العرب، ختامه مسک، ص: ۲۳۶، قديمي)

(۳) "وعن حارثة بن وهب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا أخبركم بأهل الجنة كل ضعيف ...... ألا أخبركم بأهل النار كل عتل جواظ متكبر". (مشكاة المصابيح، باب الغضب والكبر، الفصل الأول: ۴۳۳، قديمي)

(۴) (مجمع بحار الأنوار: ۱/۳۶۴، دائرة المعارف العلمانية هند)

ایک ورق پہلے ص:۴۳۱، پر دیکھئے۔ یہ روایت موجود ہے(۱)۔اوراس میں لفظ جعظری کی شرح بھی مذکور ہے۔

فقط۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۵ھ۔

گناہ معاف ہونے کی ایک روایت

سوال[۱۲۷۰]: ایک شخص نے بعد عصر کے بیان کیا بھائیو! کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوسکتا، مگر جو شخص یہ عمل کرے، اس نے بیان کیا کہ باب جنت میں لکھا ہوا ہے: "إني أنا الله لا إله إلا أنا، محمد رسول الله"، اس کلمہ کے پڑھنے سے ایک لاکھ چوبیس ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں، اور بیان کیا کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ کیا یہ احادیث صحیح نہیں، اس کا حوالہ کیا ہے؟

المستفتی احرار احمد پوسٹ موانہ کلاں ضلع میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی، کلمہ طیبہ دل سے اگر کوئی کافر شخص پڑھ لے گا تو گناہ تو کیا اس کا کفر معاف ہوجاتا ہے اور وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو(۲)، لیکن قبولِ اسلام کے بعد جو گناہ کئے ہوں ان کے اتنی تعداد معاف ہونے کے لئے محض کلمہ شریف پڑھ لینا میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا(۳)۔ جنازہ کے متعلق

---

(۱) "وعن حارثة بن وهب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايدخل الجنة الجوّاظ ولا الجعظري". قال: والجواظ: الغليظ الفظّ ...... وكذا في شرح السنة عنه ولفظه: قال: لايدخل الجنة الجواظ الجعظري، يقال: الجعظري الفظّ الغليظ. وفي نسخ المصابيح عن عكرمة بن وهب ولفظه: قال: والجواظ الذي جمع و منع والجعظري الغليظ الفظ". (مشكاة المصابيح، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، الفصل الثاني: ۴۳۱، قديمي)

(۲) قوله تعالىٰ: ﴿قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف﴾ الآية .... والمعنى أن الكفار إن انتهوا عن الكفر، أسلموا، غفرلهم ما سلف منهم من الكفر والمعاصي، و خرجوا منها كما تنسل الشعرة من العجين". (روح المعاني: ۹/۲۰۶، (الأنفال: ۳۸)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) بلکہ صدقِ دل سے توبہ کرنا ضروری ہے، کما قال النووی رحمہ اللہ: "واتفقوا على أن التوبة من =

4 جو روایت بیان کی گئی ہے وہ مراقی الفلاح میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱ھ۔

توبہ سے متعلق ایک روایت کی تحقیق

سوال[۱۲۷۱]: ایک کتاب میں ایک حدیث نظر سے گذری مگر لب ولہجہ اور طرز عبارت حدیث سے جداگانہ محسوس ہوتا ہے، دو تین کتابوں میں دیکھا مگر کہیں نہ مل سکی، اگر موقع ہو تو تحریر فرمائیں اس کا ماخذ کیا ہے:

"الشاب التائب التارك بشهوته لاجل بمنزلة ملائكته"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"الشاب التائب" الخ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں ملی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

استغفار سے متعلق روایت

سوال[۱۲۷۲]: کیا صیغۂ استغفار "أستغفر الله (إلى)وأتوب إليه" حدیث مرفوع میں ہے اور اس کا اپنے معمول کے مطابق پڑھنا صحیح ہے اور کیا یہ استغفار کے تمام صیغوں کا خلاصہ ہے اور کیا طلبِ مغفرت میں یہ سب برابر ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جی ہاں حدیثِ مرفوع میں موجود ہے، صیغے مختلف آئے ہیں، ہر ایک اپنی ایک شان رکھتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۵/۱/۲۶ھ۔

= جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعيصة صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من أمهات الإسلام وقواعده المتأكدة". (شرح النووي على مسلم: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۱) "قوله عليه الصلوة والسلام: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، .... كفرت عنه أربعين كبيرةً".
(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۷۹، قديمي)

(۲) "استغفر الله وأتوب إليه" (مسند الإمام أحمد: ۵/۲۹۳، رقم الحديث، دار إحياء التراث العربي)
(وسنن النسائي، باب: ۴/۲۷، ۹۴، دار الكتب)

"من استغفر للمؤمنین و المؤمنات الخ" حدیث کی تشریح

سوال[۱۲۷۳]: کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ "من استغفر للمؤمنین والمؤمنات كل يوم سبعاً وعشرين مرةً أو خمساً وعشرين مرةً أحد العددين، كان من الذين يستجاب لهم، ويرزق بهم أهل الأرض"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"من استغفر للمؤمنين والمؤمنات كل يوم سبعاً وعشرين مرةً، كان من الذين يستجاب لهم، ويرزق بهم أهل الأرض". (طب عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه) كنز العمال، ص: ۱۲۰، الكتاب الثاني من حرف الهمزة في الأذكار من قسم الأقوال"(۱)۔ البتہ یہ حدیث صحاح میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۵/ ۹۲ھ۔

تحقیق "أحدث"

سوال[۱۲۷۴]: حدیث شریف میں "أحدث" کی تحقیق مطلوب ہے، میں سمجھتا ہوں کہ "من أحدث" کے معنیٰ "نئی چیز کے نکالنا" یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط، کس قاعدے سے یہ معلوم ہو کہ یہ نئی چیز "ماليس منه" میں ہے یا نہیں؟ مثال دے کر سمجھائیے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قال في مبارق الأزهار: "من أحدث": أي أتى بأمر جديد في أمرنا الذي تشتغل به "ماليس منه": أي شيئاً لم يكن له سند ظاهر أو خفي من الكتاب والسنة، "فهو رد": أي

---

(۱) (كنز العمال: ۱/ ۴۷۶، مكتبة التراث الاسلامی)

(وكذا في مجمع الزوائد للهيثمي: ۵/ ۸۱، ۸۲، القدسي)

(والتاريخ الكبير: ۴/ ۲۱۹، بيروت)

الذی أحدثه مردود اھ" مبارق الأزهار: ۱/۲۷(۱)۔

"للبدعة معنیً لغویٌّ عام هو المحدث مطلقاً عادةً أو عبادةً، ومعنی شرعی خاص هو الزيادة في الدين أو النقصان، منه الحادثات بعد الصحابة بغير إذن من الشارع لا قولاً ولا فعلاً، ولا صريحاً ولا إشارةً، فلا تتناول العادات أصلاً، بل تقصر على بعض الاعتقادات وبعض صور العبادات، فهٰذه هي مراده عليه السلام لقوله عليه السلام: "من أحدث في أمرنا هٰذا ماليس منه، فهو رد". والبدعة في الاعتقاد هي المتبادرة من إطلاق البدعة والمبتدع والهوىٰ وأهل الهواء، فبعضها كفر وبعضها ليست به، ولكنها أكبر من كل كبيرة في العمل حتى القتل والزنا، وليس فوقها إلا الكفر، والبدعة في العبادة وإن كانت دونها لكنها أيضاً منكر وضلال، لاسيماً إذا صادمت سنةً مؤكدةً اھ". الطريقة المحمدية(۲)۔

مثلاً: قبر پر چراغ جلانا، غلاف چڑھانا، قبور پر نذر چڑھانا، بزرگانِ دین کی ارواح سے مرادیں مانگنا اوران کو متصرف فی الکون اعتقاد کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

براہینِ قاطعہ، اصلاح الرسوم، بہشتی زیور وغیرہ میں بہت جزئیات وامثلہ موجود ہیں، نیز کتاب المدخل اس باب میں بے نظیر ہے، چار جلدوں میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"من أحدث في أمرنا هذا" الحديث کا مطلب

سوال[۱۲۷۵]: حدیث "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" ۔کیا یہ صحیح حدیث ہے؟ "امر" معنی حکم کے ہیں، احداث اس کو کہتے ہیں جو جدید ہو پہلے نہ ہو، "ما ليس منه" کی ضمیر کس کی طرف راجع ہورہی ہے جو موجود نہیں ہے؟

فقط الشیخ غلام مرتضیٰ متوائمہ ضلع الہ آباد۔

---

(۱) (مبارق الأزهار: ۱/۷۲، الباب الأول، دار الطباعة العامرة)

(۲) (الطريقة المحمدية، ص:۷، الفصل الثاني في البدع، مطبع دامنكير لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

''من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو رد'' صحیح ہے، متفق علیہ ہے، بخاری ومسلم میں موجود ہے(۱)۔''امر'' سے مرادامرِ دین ہے، جو چیز امر دین سے نہ ہو اس کو ایجاد کرنا اور دین میں داخل کرنا سخت گناہ ہے اسی کو فرمایا گیا ہے کہ یہ ''رد'' یعنی مردود ہے۔

''منه'' کی ضمیر ''أمرنا'' کی طرف راجع ہے اس حدیث سے جملہ بدعات کا مردود ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔ فتح الباری، شرح بخاری: ۲۲۲/۵ میں لکھا ہے:

"هذاالحديث يصلح أن يسمى نصف أدلة الشرع، وهذا الحديث معدود من أصول الإسلام وقاعدة من قواعده، فإن معناه: من اخترع في الدين مالا يشهد له أصلٌ من أصوله فلا يلتفت إليه، قال النووي رحمه الله تعالىٰ: هذاالحديث مماينبغي أن يعتني بحفظه واستعماله في إبطال المنكرات وإشاعة الاستدلال به كذلك(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۶۸ھ۔

"اول ما خلق الله نوری"

سوال[۱۲۷۶]: "أول ما خلق الله نوری"۔ آیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجمع البحار کے حاشیہ میں اس کو حدیث کہا ہے(۳) ''الیواقیت والجواہر، ص: ۱۰'' میں بھی اس کو حدیث

(۱)(صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)
(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، كراهية قضاء القاضي و هو غضبان: ۷۷/۲، عيسى الحلبي)

(۲)(فتح الباري، كتاب الصلح، باب إذا صطلحوا على صلح جور اهـ: ۳۰۱/۵، ۲۵۳، دارالفكر)
(وكذافي السنن الكبرى للبيهقي: ۱۱۹/۱۰، بيروت)
(ومسند الإمام أحمد: ۲۴۰/۶، دارإحياء التراث العربي)

(۳) "وكذلك تأويل قوله صلى الله عليه وسلم: "أول ما خلق الله نوري: أي أول ما خلق الله من الأنوار، كان نوري، مختصره". (مجمع بحار الأنوار، ماده: اول: ۱۱۸/۱، دائرة المعارف العثمانيه، الهند)

لکھا ہے(۱)، فتاویٰ ابن حجر مکی ص:۴۴ وص:۲۰۶ (۲) میں اس کے مضمون کو عبدالرزاق سے حدیث نقل کیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

أول ماخلق الله نوری " اور"أول ماخلق الله القلم"

سوال[۱۲۷۷]: ۱...... "أول ماخلق الله نوری"(۳) اور"أول ماخلق الله القلم"(٤) اوکما قال یہ دونوں متضاد ہیں۔کون صحیح ہےاورکون غلط ہے؟اگر دونوں درست ہیں تو پھر تطبیق کیسے؟

ایضاً

سوال[۱۲۷۸]: ۲...... رات ریڈیو میں کہیں سے آواز آرہی تھی،کوئی صوفی صاحب فرمارہے تھے

---

(۱) "فإن قلت: قد ورد فی الحدیث : "أول ما خلق الله نوری" و فی روایة: "أول ماخلق الله العقل"، فما الجمع بینهما؟ (فالجواب) أن معناهما واحد؛ لأن حقیقة محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تارة یعبر عنها بالعقل الأول، و تارةً بالنور". (الیواقیت والجواهر للشعرانی : ۲/۲۰، المبحث الثانی والثلاثون فی ثبوت رسالة نبینا محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ ، مکتبه عباس بن عبد السلام بمصر)

(۲) (الفتاوی الحدیثیة، ص: ۲۱۲، قدیمی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح: ۱/۱٦۱، امدادیه ملتان)

(وکذا فی شرح الشفاء: ۱/٦، المکتبة العلمیه، بیروت)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۱/۱۱۸، دائرة المعارف العثمانیة هند)

(وکذا فی الیواقیت والجواهر للشعرانی: ۲/۱۰۲۰، البحث الثانی والثلاثون فی ثبوت رسالة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم الخ، مکتبه عباس بن عبدالسلام بمصر)

(۴) "وسئل نفع الله به: (اول ماخلق الله القلم) هل ورد؟

فأجاب: نعم، وردبل صح من طرق ...... ورجالها ثقات إلا الضحاک بن مزاحم، فوثقه ابن حبان وقال: لم یسمع من ابن عباس، وضعفه جماعة ...... الخ". (الفتاویٰ الحدیثیه، مطلب هل ورد (أول ماخلق الله القلم) ام لا: ۲۱۲، ۲۱۳، قدیمی)

(وکذا فی مجمع بحار الأنوار: ۱/۱۱۸، دائرة المعارف العلمانیة هند)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح، باب الإیمان باالقدر، الفصل الأول: ۱/۲۵۸، رشیدیه)

کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور میں سے میرا نور پیدا کیا اور پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا فرمایا''، کیا یہ حدیث درست ہے؟ اگر درست ہے تو (لم یلد ولم یولد) کے خلاف نہیں؟ کیا خدا بھی منقسم ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے جزء نہ بن گئے؟ ونعوذ باللہ من ذلك۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... یہ دونوں درجہ صحت کو نہیں پہونچی ہیں کما صرح به(۱)۔

۲..... کتبِ صحاح میں یہ حدیث موجود نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حدیث "لولاك لما خلقت الأفلاك" اور "أنا من نور الله" کی تحقیق

سوال[۱۲۷۹]: محترمی جناب مفتی صاحب! سلام مسنون

گذارش یہ ہے کہ براہ کرم ذیل میں لکھی ہوئی حدیثوں کی صحت کے بارے میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیے۔ حدیث: "لولاك لما خلقت الأفلاك" دوسری حدیث: "أنا من نور الله، والخلق كلهم من نوری"۔

راقم محمد اکرام انصاری موتی محال

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی روایت لفظاً موضوع ہے، معناً صحیح ہے(۲) دوسری روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے(۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۸۱، رقم الحاشیہ: ۴)

(۲) قال العلامة الملا علی القاریؒ: "لولاک لما خلقت الأفلاک" قال الصنعانی: إنه موضوع، كذا فی الخلاصة، لكن معناه صحيح، فقد روى الديلمي رحمه الله تعالیٰ عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً =

"لولاك لما خلقت الأفلاك" لولاك لما أظهرت الربوبية"، "علماء من أمتى كأنبياء بنى اسرائيل"، "أنا أحمد بلا ميم، وأنا عرب بلا عين" کی تحقیق

سوال[۱۲۸۰]: ا......حدیث: "لولاك لما خلقت الأفلاك"، "لولاك لما أظهرت الربوبية"۔ "علماء من أمتى كأنبياء بنى اسرائيل"۔ "أنا أحمد بلا ميم، وأنا عرب بلا عين"۔کیا یہ حدیثیں درست ہیں، ضعیف ہیں یا موضوع؟ جیسا حکم ہو تحریر فرمادیں۔

۲......قضائے عمری جو جمعۃ الوداع کے دن پڑھتے ہیں اس کا پڑھنا کیسا ہے؟ کیا تمام عمر کی نمازیں جو قضاء ہو چکی ہیں معاف ہو جائیں گی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......حديث: "لولاك لما خلقت الأفلاك" قال الصنعاني: "إنه موضوع" كذافي الخلاصة، لكن معنا صحيح، فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "أتاني جبرئيل عليه الصلاة والسلام فقال:" يا محمد! لولاك لما خلقت الجنة، ولولاك ماخلقت النار". وفي رواية ابن عساكر: "لولاك ماخلقت الدنيا" الخ اه موضوعات كبير(۱)۔

حديث: "علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل" قال الدميرى والعسقلانى: لاأصل له، وكذا قال الزركشى، وسكت عنه السيوطى، وأما حديث: "العلماء ورثة الأنبياء" فرواه الأربعة عن أبى

= "أتاني جبريل فقال: يا محمد! لولاک ما خلقت الجنة، ولولاک ماخلقت النار". وفي رواية ابن عساكر: "لولاک ما خلقت الدنيا". (الموضوعات الكبرىٰ، ص: ۱۹۴، قديمى)

"روى في حديث طويل عن سلمان رضي الله عنه: "ولقد خلقت الدنيا وأهلها لأعرفهم كرامتک ومنزلتک عندى، ولولاک ما خلقت الدنيا." (المواهب اللدنية: ۸۳/۱)

(وكذا في تذكرة الموضوعات للفتنى، ص: ۸۶، بيروت)

(۳) یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں تو نہیں ملی البتہ "تذکرۃ الموضوعات" للفتنی، ص: ۸۶، بیروت میں موجود ہے۔

(۱) (الموضوعات الكبرى للقارى، ص: ۱۹۴، قديمى)

(وكذا في كشف الخفاء: ۲۲۳/۲، مكتبة دارالتراث)

الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه الخ". موضوعات کبیر(۱)۔

"أنا أحمد بلا میم، وأنا عرب بلا عین" کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری۔ بظاہر یہ دونوں روایت موضوع معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

اورحدیث:"لولاك لما خلقت" الخ "وعلماء أمتی "الخ معنی صحیح ہیں۔

۲......اس طرح قضائے عمری پڑھنے سے عمر بھر کی قضاء نمازیں معاف نہیں ہوتیں اور یہ قضاء عمری شرعاً بے اصل وبدعت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۴/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حدیث "لولاك لما خلقت الأفلاك"

سوال[۱۲۸۱]: "لولاك لما خلقت الأفلاك"۔" لولاك لما خلقت الدنیا"۔ ان دونوں میں سے کس کے الفاظ صحیح ہیں، حدیث پاک کی کس کتاب میں مذکور ہیں اور باب وصفحہ تحریر فرمایئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"لولاك لما خلقت الأفلاك" کو مولانا تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ، ص:۹۰(۳) میں اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فتاویٰ عزیزی: ۴/۱۲۹ میں(۴) موضوع لکھا ہے، علامہ شوکانیؒ نے الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعه، ص: ۱۰۸ میں موضوع بتایا ہے(۵)، لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ

(۱) (الموضوعات الکبری، ص: ۱۵۹، قدیمی)

(۲) (الدرالمختار، باب القضاء الفوائت: ۲/۲۶، سعید)

اورعلامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید پر مستقل رسالہ تالیف فرمایا ہے، دیکھئے: (رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان" من مجموعه رسائل اللکنوی: ۲/۳۴۹، إدارة القرآن کراچی)

(۳) (امداد الفتاوی: ۴/۷۹، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۴) (فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۲۲، رحیمیه دیوبند)

(۵)(الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة، ص: ۳۲۶، باب فضائل النبی صلی اللہ علیه وسلم، المطبعة السنة المحمدیة)

تعالیٰ نے موضوعات کبیر،ص:۷۰، میں تحریر فرمایا ہے: "لولاك لما خلقت الأفلاك قال الصناني: موضوع، كذا في الخلاصة، لكن معناه صحيح، قد روى الديلمي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "أتاني جبرئيل فقال: يا محمد صلى الله عليه وسلم! لولاك لما خلقت الجنة، لولاك لما خلقت النار" وفي رواية ابن عساكر: "لولاك لما خلقت الدنيا"(۱) ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے الفاظ موضوع ہیں مگر معنی صحیح ہیں، اسی عبارت سے حدیث: "لولاك لماخلقت الدنيا" کا حال بھی معلوم ہوگیا، کہ اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"أنا أحمد الخ" کیا حدیث ہے؟

سوال[۱۲۸۲]: مندرجہ ذیل حدیث کے بارے میں زید اور بکر کا اختلاف ہے، زید کہتا ہے کہ حدیث قدسی ہے، بکر کہتا ہے کہ حدیث قدسی نہیں ہے، حدیث یہ ہے: "أنا أحمد؛ لأنهم أنا فوق العرش أحمد، وفي السماء أحمد، وفي الأرض محمد، وبشرني محمود"۔ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کتبِ حدیث میں یہ روایت نہیں ملی، محدثین نے ایک ایک حدیث کو سند کے ساتھ اپنی کتب میں جمع فرمادیا ہے، جو شخص اس کو حدیث قدسی وغیرہ کہتا ہے اس سے پورا حوالہ دریافت کیا جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۶ھ۔

حدیث "كنت كنزاً مخفياً" کی تحقیق

سوال[۱۲۸۳]: یہ روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ خود کو ظاہر کروں، پس اس عالم کو پیدا کیا"۔ اس کے عربی الفاظ کیا

---

(۱)(الموضوعات الكبرى، ص: ۱۹۴، قديمي)

(وكذا في كشف الخفاء: ۲۲۳/۲، دار التراث)

(وكذا في المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۱۴۲. إدارة نشر الثقافة النعمانيه كراچي)

ہیں؟ یہ حدیث کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"حدیث: "کنت کنزاًمخفیاً لاأُعرَف، فأحببت أن أعرف، فخلقت خلقاً عرفتهم لی فعرفونی". قال أبو ربیعة: لیس من کلام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، ولا یعرف له سند صحیح ولاضعیف، وتبعه الزرکشی والعسقلانی؛ لکن معناه صحیح مستفاد من قوله: ﴿وماخلقت الجن والإنس إلا لیعبدون﴾: أی یعرفون کما فسره ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما". (موضوعات کبیر، ص: ٦٤)(١)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بلاسند ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام نہیں، البتہ تفسیرِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے معنی کی ایک درجہ میں تائید ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"کنت کنزاً مخفیاً" الحدیث

سوال[۱۲۸۴]: ایک مولوی صاحب نے ایک حدیث بیان کی تھی کہ "کنت کنزاًمخفیاً، فأحببت أن أعرَف فخلقت الخلق الخ "اوراس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ تمام اشیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ لگے ہوتے ہیں، کیا ایسا مطلب لینا صحیح ہے؟ برائے مہربانی اطلاع فرمائیں۔

نوٹ: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ قرآن میں سورہ طلاق کی آخری آیت ﴿إن اللہ قد أحاط بکل شئ علماً﴾ کے بارے میں حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:"کنت کنزاً" گویا یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، غالباً یہ حدیث اس آیت سے مستفاد ہے، أو کما قال، لیکن میری سمجھ میں نہیں

---

(۱) (موضوعات الکبری، ص: ۱۷۹، قدیمی)

(وکذافی کشف الخفاء: ۲/ ۱۹۱، المکتبة التراث)

(وأیضا فی الموضوع فی معرفة الحدیث الموضوع، ص: ۱۴۱، إدارةنشر الثقافة النعمانیة کراچی)

(۲)(کشف الخفاء للعجلونی: ۲/ ۱۳۲، المکتبة التراث)

(وکذا سیأتی تخریجه تحت عنوان: "کنت کنزاً مخفیاً" الحدیث)

آتا کہ حدیث اس آیت سے کیسے مستفاد ہے۔ برائے کرم اس حدیث کے ساتھ اس آیت کے تعلق کو سمجھا کر ثواب دارین حاصل کریں۔

سائل: محمد سیف اللہ بردوان مغربی بنگال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگران مولوی صاحب کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حق تعالی شانہ کی معرفت دنیا کی ہر ہر شی سے ہوسکتی ہے اور ہر شی سے وجودِ خداوندی اور قدرتِ خداوندی پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو یہ معنی لینا درست ہے(۱) لیکن لفظ غیر محتاط ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: "کنت کنزاً مخفیاً" یا اس قسم کی جو چیزیں زبانوں پر یا اوراق میں پائی جاتی ہیں ان کا منشاء اور ماخذ یہ آیت بن سکتی ہے جو عموم علم، عموم قدرت پر نص ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

---

(۱) "(كنت كنزاً لاأعرف الخ) وفي لفظ: "فتعرفت إليهم فبي عرفوني" قال ابن تيمية: ليس من كلام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف. وتبعه الزركشي والحافظ ابن حجر في اللآلي والسيوطي وغيرهم. وقال القاري: لكن معناه صحيح مستفاد من قوله تعالى: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾. أي ليعرفوني، كما فسره ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، والمشهور على الألسنة: "كنت كنزاً مخفياًفأحببت أن اعرف، فخلقت خلقاً فبه عرفوني"، وهو واقع كثيراً في كلام الصوفية، واعتمدوه، وبنواعليه أصولهم". (كشف الخفاء للعجلوني: ۲/۱۳۲، إحياء التراث العربي)

(وكذا في المصنوع في معرفةالحديث الموضوع، ص: ۱۴۱، ادارہ نشر الثقافة النعمانية كراچی)

وقال الإمام المفسر الآلوسي في روح المعاني عندتفسير قوله تعالى: ﴿وماخلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾: "وقد جاء: "كنت كنزاً مخفياً، فأحببت أن أعرف،فخلقت الخلق لا أعرف"، ذكره بهذا اللفظ سعد الدين سعيد الفرغاني في "منتهى المدارك"وذكر غيره كالشيخ الأكبر في (الباب المأة والثمانية والتسعين)من "الفتوحات"بلفظ آخر". (كشف الخفاء: ۲/۱۳۲)

"کنت نبیاً وادم" پر اشکال

سوال[۱۲۸۵]: ''کنت نبیاً وادم بین'' الخ کیا یہ درست ہے؟ حدیث شریف کا مطلب وضاحت سے فرمائیں۔ اگر آپ ازل سے نبی تھے تو پھر حق کی تلاش میں کم وبیش چالیس دن تک غار حرا میں کیوں بیٹھے رہے؟ اور ﴿ووجدك ضالاً﴾ کس لئے ارشاد ہوا؟ پہلی وحی کے بعد کیوں آپ خائف ہوئے اور ''زملونی'' فرماتے ہوئے گھر تشریف لے گئے اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی وتشفی دی، حضرت نوفل کے پاس لے گئیں؟ تو یہ باتیں ازلی نبوت کے منافی معلوم ہوتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روایت درست ہے اس کی تشریح اس طرح ہے: ''قد جاء: إن الله تعالى خلق الأرواح قبل الأجساد". فقد تكون الإشارة بقوله: "كنت نبياً" إلى روحه الشريفة وإلى حقيقته، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها، وإنما يعلمها خالقها، ومن أمده بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله كل حقيقة منها مايشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدتكون من قبل خلق ادم أتاها الله ذلك الوصف بأن يكون خلقها متهيئةً لذلك، وأضافه عليها من ذلك الوقت فصار نبياً"۔ الحاوی للفتاوی (۱)۔ اس تشریح کے بعد کوئی اشکال نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین۔

---

(۱) ترجمہ: اللہ نے ارواح کو اجساد سے قبل پیدا فرمایا، پس ہوگا اشارہ آنحضرت ﷺ کے قول ''کنت نبیاً'' الخ سے آپ کی روح شریف اور آپ کی حقیقت کی طرف اور حقائق کی معرفت سے ہماری عقلیں قاصر ہیں، بس ان کا علم تو ان کے خالق ہی کو ہے اور جس کی مدد نور الٰہی سے ہوئی ہو، پھر ان حقائق میں سے ہر حقیقت کو جو اللہ پاک چاہتے ہیں جس وقت چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی حقیقت کو حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے قبل ہی یہ وصف (نبوت) عطا فرمادیا، بایں طور کہ اس کو پیدا ہی فرمایا اس کے لئے تیار کرکے (اس کی صلاحیت دے کر) اور اس پر اسی وقت سے اس کا افاضہ فرمایا، پس وہ نبی ہوگئے''۔ فقط۔ (الحاوی للفتاوی ۲/۱۰۰، المکتبة النوریة الرضویة، فیصل آباد)

(وكذا في كشف الخفاء، للعجلوني: ۲/۱۲۹، ۱۳۰، دار إحياء التراث العربي)

(وفي الموضوع في معرفة الحديث الموضوع: ص: ۱۴۲، ۱۴۳، ادارة نشر الثقافة النعمانية كراچی)

"لیس منی ولست منه" کا مطلب

سوال[۱۲۸۶]: حدیث "لیس منی ولیس منا" کے متعلق کہنے والے کہ "یہ صرف ترہیباً ہے، معناً کچھ نہیں" کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"لیس منی ولیس منا" کے استعمال کو مطلقاً ترہیب کے لئے قرار دینا صحیح نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۲ھ۔

"لوکان موسٰی وعیسٰی حییّن" کی تحقیق

سوال[۱۲۸۷]: یہاں ایک قادیانی مولوی صاحب کی اور پادری صاحب کی بحث چل کر "لو کان موسی وعیسی حیاً" پر ٹھہر گئی۔قادیانی مولوی حدیث کی کتب سے یہ الفاظ بتلادے تو پادری کے جامع مسجد کو پچاس روپیہ دینے پر بات ٹھہری ہے، قادیانی مولوی نے لاہور کی لائبریری سے کتب منگا کر بتلانا قبول کیا ہے اور لائبریری کو لکھا ہے مندرجہ ذیل کتب ارسال کرنے کو لکھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث ان کتب میں ہے۔آپ تحریر فرمائیں کہ یہ کتب حدیث کی کتب ہیں یا نہیں؟ ۱-زرقانی علی مواہب اللدنیہ۔۲-الیواقیت والجواہر۔۳-شرح فقہ اکبر۔۴-مدارج السالکین۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح ہے۔حدیث شریف میں ہے (۲)۔

---

(۱)"قوله: "فليس مني" إن كانت الرغبة بضرب من التأويل يعذر صاحبه فيه، فمعنى أنه ليس مني: أي ليس على طريقتي، ولا يلازم أن يخرج، وإن كانت الرغبة إعراضا فمعنى "ليس مني" ليس على ملتي؛ لأن اعتقاد ذلك نوع من الكفر الخ". (حاشية صحيح البخاري: ۷۵۸/۲، رقمها: ۱، كتاب النكاح، قديمي)

(۲) "المواهب اللدنيه بالمنح المحمدية"في السيرة النبوية في مجلد، للشيخ أحمد القسطلاني المصري،وشرح المواهب للعلامة خاتمة المحدثين محمد الزرقاني المصري، المتوفى ۱۱۲۲ھ، وألف شرحاً حافلاً في أربع مجلدات جمع فيه أكثر الأحاديث المروية في شمائل المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (كشف الظنون: ۱۸۹۶/۲، ۱۸۹۷، (بتغير يسير) مكتبة المثنى، بيروت)

۲......الیواقیت والجواہر میں شیخ اکبر کی فتوحاتِ مکیہ کے مغلق مقامات کو حل کیا گیا ہے۔ روایاتِ حدیث جمع کرنے کا اس میں اہتمام نہیں، بلکہ علم الاسرار وعلم التصوف کے مضامین کو بیان کیا ہے (۱)۔

۳......شرح فقہ اکبر علم کلام میں ہے، علم حدیث میں نہیں (۲)۔

۴......مدارج السالکین ہمارے پاس موجود نہیں، اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی تصوف میں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۸/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

یہ الفاظ روایاتِ صحیح کے خلاف ہیں، صحیح روایات میں صرف: "لو کان موسیٰ" ہے عیسیٰ نہیں ہے۔ اگر تفصیل اس بحث کی دیکھنی ہو تو "عقیدۃ الاسلام فی حیٰوۃ عیسیٰ علیہ السلام" دیکھو (۴)۔ فقط سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الأکابر" للشیخ عبد الوهاب الشعرانی، ألفه فی العقائد، حاول فیه المطابقة بین عقائد أهل الکشف و عقائد أهل الفکر لم یسبقه إلیه أحد". (کشف الظنون: ۲/۲۰۵۴، مکتبة المثنی بیروت)

(۲) "الفقه الأکبر "فی الکلام للإمام الأعظم أبی حنیفة نعمان بن ثابت الکوفی، وشرحه لمولانا علی القاری فی مجلد وسماه منح الأزهر". (کشف الظنون: ۲/۱۲۸۷، مکتبة المثنی بیروت)

(۳) "مدارج السالکین إلی رسوم طریق العارفین" للشیخ عبد الوهاب الشعرانی، رتب علی خمسة أبواب، الأول من ذکر سنده الثانی فی آداب المرید الثالث فی آداب المرید مع شیخه، الرابع فی آدابه مع إخوانه، الخامس فی مقالات الشیوخ". (کشف الظنون: ۲/۱۶۴۰ مکتبة المثنی بیروت)

(۴) جاء فی حق موسی علیه السلام: "لو أن موسی کان حیاً ما وسعه إلا اتباعی" .... و حیثما وقع بذکر عیسیٰ أیضاً کما فی نسخة تفسیر ابن کثیر، .... فمن سهو الناسخین قطعاً وبتاً، ولا أصل له فی کتاب من کتب الحدیث، و قد وقع فی بعض المواضع من غیر کتب الحدیث بذکره، و هو کما قلنا من قلم الناسخین الخ". (مجموعة رسائل الکشمیری، لا وجود لحدیث: "لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعهما إلا اتباعی" فی کتاب من کتب الحدیث: ۲/۸۰، ۸۱، إدارة القرآن کراچی)

"جزیٰ اللّٰہ عنّا بما ھو اھلہٗ" کی فضیلت

سوال[۱۲۸۸]: فضائل درود شریف مصنفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ میں: "جزی اللہ عنا بما ھو أھلہ" کی بڑی فضیلت لکھی ہے، کیا صحیح ہے، اور کب کب کیسے کیسے پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں صحیح ہے(۱) جب جب جیسے جیسے دل چاہے پڑھا جائے، نہ وقت کی تعیین ہے نہ کسی خاص ہیئت کی تعیین ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

"إن للقرآن ظھرًا وبطناً"

سوال[۱۲۸۹]: "إن للقران ظھرًا وبطناً إلی سبعین البطن" وفی روایۃ: "إلی سبعین بطناً"۔اس کا ترجمہ کیا ہے اور یہ حدیث ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس طرح یہ کسی حدیث کی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (کنز العمّال للمتقی الھندی: ۳۹۰۰، التراث الإسلامی)

(۲) البتہ مشکوٰۃ میں ایک حدیث درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

"وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف، لکل آیۃ منھا ظھر وبطن، ولکل حد مطلع". رواہ فی شرح السنۃ". (مشکوٰۃ المصابیح: ۳۵، کتاب العلم، الفصل الثانی، قدیمی)

(وکذا فی اتحاف السادۃ المتقین: ۲/۶۵، بیروت)

(والمغنی للعراقی: ۱/۹۹، عیسی الحلبی)

(ومرقاۃ المفاتیح: ۱/۴۹۵-۴۹۹، رقم الحدیث: ۲۳۸، رشیدیہ)

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم" کی تشریح

سوال[۱۲۹۰]: حدیث شریف میں آیا ہے: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" اس سے علم دین کی کتنی مقدار مراد ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی مقدار کے ذریعے سے عقائد حقہ اخلاق فاضلہ، فرائض وواجبات اور محرمات کو سمجھ جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

"من صلیّ خلف عالم تقیّ" کس کتاب میں ہے؟

سوال[۱۲۹۱]: "جس نے ایک نماز کسی پرہیزگار امام کے پیچھے پڑھی اس نے گویا بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پیچھے نماز پڑھی اور جس نے کسی عالم باعمل متقی کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا میرے پیچھے نماز پڑھی"، یہ کون سی کتاب حدیث میں آیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدایہ میں یہ روایت ہے: "من صلی خلف عالم تقی فکأنما صلی خلف نبی" (۲) نصب الرایہ: ۲/۲٦ (۳) میں اس کو غریب لکھا ہے اور کوئی تخریج نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) قال الحافظ ابن حجر: "والمراد بالعلم العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر دينه في عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره وتنزيهه عن النقائص الخ". (فتح الباري: ۱/۱۴۱، دار الفكر بيروت)

(وكذا في رد المحتار: مطلب فرض العين اهـ: ۱/۴۲، سعيد)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل: ۱/۴۷۷، رشيديه)

(۲) (الهداية: كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲/۲۸)

(۳) "الحديث الحادي والستون: قال عليه السلام: "من صلى خلف عالم تقي فكأنما صلى خلف نبي". قلت غريب". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۲۸، مكتبه حقانيه)............... =

4

"لا طاعة في المعصية" کی ترکیب نحوی

سوال[۱۲۹۲]: گزارش ہے کہ حدیث کی عبارت:''لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" میں بحث ہے، امیر اللہ ظفیر کا کہنا ہے کہ اس میں "لاطاعة" فعل ماضی منفی ہے باب تفاعل سے اور "لمخلوق" مفعول ہے، "لاطاعة" کا اور دلیل یہ ہے کہ "ۃ" اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ لیکن زین العابدین کا کہنا ہے کہ اس میں "لا" مشابہ بلیس ہے اور اسم مصدر ہے۔ لہٰذا آپ فیصلہ فرمائیں کہ کس فریق کی بات صحیح ہے؟

عبداللہ خان چمپارن

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں: "لاطاعة لمخلوق في المعصية" اس میں لائے نفی جنس ہے، "لا" مشبہ بلیس نہیں ورنہ اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے، جیسے ؎

وكن لي شفيعاً يوم لا ذوشفاعة بمعنى قتلا عن سواد بن قارب

اور "لاطاعة" کو باب تفاعل سے ماضی منفی کہنا تو بالکل صریح البطلان ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۴ھ۔

حدیث "من تزيّا بغير زيّه الخ" کی تحقیق

سوال[۱۲۹۳]: ''من تزيا بغير زيّه فقتل، فدمه هدر''۔ جس کو حضرت شاہ صاحب مرحوم ومغفور نے ایک جن صحابی کی طرف سے روایت کیا ہے اور اکابرِ دیوبند بھی اس روایت کو حضرت شاہ صاحب سے سلسلہ وار نقل کرتے ہیں، اس روایت کا محدثینِ کرام کے نزدیک کیا مقام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق علامہ سخاوی نے ''المقاصد الحسنہ، ص:۱۹۲، میں لکھا ہے:'' من تزيا بغير زيه فقتل دمه هدر" ليس له أصل يعتمد، ويحكي فيه حكايات منقطة أن بعض الجان حدث به، إما عن

= (وكذا في تذكرة الموضوعات: ص: ۲۰۴/بيروت)

(وفي كشف الخفا للعجلوني: ۲/ ۱۴۰، ۲۵۵، مكتبه دار التراث)

علی رضی اللہ عنہ مرفوعاً وإما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطة مالم يثبت فيه شئ" (۱) یعنی اس کی کوئی قابلِ اعتماد اصل نہیں، بعض جنات کی حکایات نقل کی جاتی ہیں جوکہ سند کے اعتبار سے منقطع ہیں اور کوئی چیز بھی ثابت نہیں، یہی مضمون ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی الموضوعات الکبیر (۲) اور اس فن کی دیگر کتب میں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۳۹۹ھ۔

"من قال: لا إله إلا الله دخل الجنة" کا مطلب

سوال [۱۲۹۴]: حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: "من قال: لا إله إلا الله، فقد دخل الجنة"۔ مدعی نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر کسی کافر نے اس حدیث کو پڑھ لیا تو کافرانہ اعمال کی سزا دینے کے بعد ایک نہ ایک دن اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حدیث میں لفظ "من" عام ہے اس میں کافر و مسلم سب برابر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ لفظ "من" کے تحت میں ایمان شرط ہے یا نہیں؟ اگر ایمان شرط ہے تو کافر کو کیسے جنت میں داخل کیا جائے گا؟ اگر ایمان شرط نہ ہو تو اس کی کیا دلیل ہے؟ حدیث و قرآن کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس قول میں جنت کی بشارت ہے جب کہ تصدیقِ قلبی کے ساتھ ہو، اسی کا نام ایمان ہے، اس کے بعد آدمی کافر نہیں رہے گا۔ کافر جنت میں نہیں جائیگا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۱ھ۔

---

(۱) (المقاصد الحسنة، ص: ۴۰۷، رقم الحديث: ۱۰۹۹، حرف الميم، مكتبة الخانجي، بمصر)

(۲) (الموضوعات الكبير، ص: ۲۲۶، قديمي)

(۳) (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۱۸۱، سعيد)

(وتذكرة الموضوعات ص: ۱۵۸، بيروت)

(وكشف الخفاء: ۲/۳۳۱، مكتبة دار إحياء التراث)

(۴) قال على القارى: "دخل الجنة (أى من قال: لاإله إلا الله) دخولاً أولياًإن لم يصدر عنه ذنب بعد الإيمان أوذنب وتاب أو عفاالله عنه أودخولاً أخروياً، فإن الله لا يضيع أجر من أحسن عملاً، أو معناه =

"من قال لاإله إلاالله الخ "

سوال[۱۲۹۵]: حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ پیغمبر خدا حکم اعلان بشارت بہ تہنیت فرمود :"مـن قال: لا إله إلا الله، دخل الجنة" بعد اعلان می گوید :"ضـربني عمر فخررت لاستي" أو كما قال۔

الجواب حامداًومصلياً:

این حدیث مفصلاً بحوالۂ صحیح مسلم درمشکوٰۃ المصابیح ص:۱۵مذکوراست (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۱/۲/۹۹ھ۔

"صاحب الورد وتارك الورد" الحديث

سوال[۱۲۹۶]: "مـن أراد العبـاد ة ويـرائـي فقد أشرك بالله ومن قال: "لاإله إلا الله محمد رسول الله بعد الفريضة فقد كفربالله، صاحب الورد مامون وتارك الوردملعون"۔

ایک کتاب ہے جناب حاجی محمدزردارخان صاحب کی تالیف شدہ کتاب مذکور چند جزئیات کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کے ص:۱۷۱، مرغوب القلوب، شمس تبریز، جزء میں یہ حدیث شریف قدسی کے عنوان سے مکتوب ہے، ظاہری الفاظ سے حدیث صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بندہ کا ناقص فہم اسی کا قائل ہے،اگر بالفرض محال حدیث مکتوب صحیح العبارۃ ہوتواس کے کیامعنی ہیں اوراحادیث کی کون سی کتاب میں ہے؟مدلل جواب مطلوب ہے۔

= استحق دخول الجنة."(مرقاة المفاتيح: ۱/۱۰۲،كتاب الإيمان، حقانيه پيشاور)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم : ۱/۴۱، قديمي)

وفي كشف الخفاء للعجلوني :"من قال لااله الا الله مخلصاً دخل الجنة " (۲/۳۷۲) مكتبه دار التراث)

(وكذا في مجمع الزوائد للهيثمي: ۱/۱۷، ۱۸،القدسي)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثالث، ص: ۱۵ ،قديمي)

(والصحيح لمسلم ، باب الدليل على من مات على التوحيد: ۱/۴۱،قديمي)

(وكذا في كشف الخفاء للعجلوني : ۲/۳۷۲،مكتبه دارالتراث)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے کسی حدیث کی کتاب میں یہ عبارت بعنوان حدیث نہیں دیکھی، ظاہری مفہوم کے لحاظ سے اس کو حدیث کہنا بھی صحیح نہیں، بعض الفاظ بالکل حدیثِ صحیح کے خلاف ہیں:

"عن المغيرة بن شعبة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول فى دبر كل صلوة مكتوبة: "لاإله إلا الله وحده لا شريك له"۔الحديث مشكوة شريف، ص:۸۸ (۱)۔ فقط والله اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۰ھ۔

"نم كنومة العروس" پر اشکال

سوال[۱۲۹۷]: "نم كنومة العروس" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا قبر کے اندر "پہلی رات کی دلہن کی طرح سوجا، بغیر کسی طرح کے کھٹکے" (۲)۔اب الجھن یہ ہے کہ آج کل کے ماحول کے اندر دلہن کو تقریباً پہلی ہی رات کے اندر خوب بے اطمینانی اور خدشہ رہتا ہے کیونکہ اجنبی واجنبیہ کی ملاقات

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، قديمى)

(وكذا فى صحيح البخارى: ۱/۱۴۲، دارالفكر)

(وفتح البارى: ۲/۳۲۵، دارالفكر بيروت)

(وكشف الخفاء للعجلونى: ۲/۴۹۸، مكتبه دارالتراث)

(۲) "وأخرج جويبر فى تفسيره عن الضحاک عن ابن عباس رضى الله عنه قال: شهد رسول الله صلى الله عليه وسلم جنازة رجل من الأنصار ......(إلى أن قال) "فيقول: مادينک؟ فيقول: دينى الإسلام، فيقول: من نبيک؟ قال: محمد، فيقولان: وما يدريک؟ قال: قرأتُ كتاب الله و آمنت به وصدقت، وينتهرانه عندها، وهي أشد فتنة تعرض على المؤمن، فينادى من السماء: قد صدق عبدى، فأفرشوه من فُرش الجنة، وأكسوه من كسوتها، وطيبوه من طيبها، وافسحوا له فى قبره مد البصر، وافتحوا له باباً من أبواب الجنة عند رأسه، وباباً عند رجليه، ثم يقولان له: نم نومة العروس فى حجلتها، ولم تذق عذاب القبر ...... الخ". (شرح الصدور فى أحوال الموتى والقبور، باب فتنة القبر، وسوال الملكين: ۱۲۷، ۱۲۸، دارالمعرفة، بيروت)

ہے، جہاں گھبراہٹ ہونا فطری ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے اس کا حل اور تطابق فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلے سے محبت ہو اور پوری تمنا کے بعد شادی ہو تو پھر بھی گھبراہٹ کا سوال پیدا ہوتا ہے: "لا یوقظ إلا أحب أهله إليه" سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے (۱) نیز تشبیہ کے لئے ہر جزء سے انطباق (..............) ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۳/۵/۹۷ھ۔

"طعام المیت یمیت القلب" حدیث نہیں

سوال [۱۲۹۸]: میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو شیرنی بنائی جاتی ہے وہ یہاں کے رواج کے مطابق یہاں کے غرباء اور امراء سبھی کھاتے ہیں، پھر "طعام المیت یمیت القلب" کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ کون سا طعام ہے اور کیا یہ حدیث ہے اور مذکورہ شیرنی کیا سب ہی لوگوں کو کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے لئے ایصالِ ثواب کرنا ہو تو کھانا وغیرہ غریبوں کو دیا جائے، مالدار اسکے مستحق نہیں۔ "طعام المیت یمیت القلب" حدیث نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کا کھانا غیر مستحق کھائے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اس کو خیر و شر کی تمیز نہیں رہتی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۷/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "وأخرجه الترمذي وحسنه، وابن أبي الدنيا، والآجري في "الشريعة" وابن أبي عاصم في "السنة"، والبيهقي في "عذاب القبر عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا قُبِرَ الميت أتاه ملكان أسودان أزرقان، يقال لأحدهما: منكر، وللآخر: نكير، فيقولان له: ماكنت تقول في هذا الرجل؟ ...... فيقول له: نم كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه، حتى يبعثه الله من مضجعه ذالك ...... الخ". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين: ۱۳۴، ۱۳۵، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (كذا في فتاوى عزيزي، شاه عبد العزيز محدث دهلوي رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۸۰، سعيد)

نکاح کے بعد "ألھم ألّف بینھما کما ألفت بین یوسف وزلیخا علیھما السلام" کی تحقیق

سوال[۱۲۹۹]: یہاں کے قاضی صاحبان نکاح کے بعد دعا میں یہ بھی پڑھتے ہیں: "اللھم ألف بینھما کما ألفت بین یوسف وزلیخا علیھما السلام"۔ بعض صاحبان فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ دعا میں شریک نہ کرو کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا کے ساتھ نکاح نہیں ہوا تھا۔ کیا ان لوگوں کی بات درست ہے ؟اور کیا اس طرح دعا مانگنا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض کتب میں نکاح ہونا مذکور ہے (۱) البتہ قرآن کریم وصحاح کی کتب میں نکاح ہونا مذکور نہیں۔ حدیث شریف میں "اللھم ألف بینھما" کی دعا کے ساتھ "کما ألفت بین یوسف وزلیخا علیھما السلام" کو نہیں دیکھا (۲)۔ حدیث پاک میں جو الفاظ آئے ہیں ان میں برکت ہی برکت ہے، دوسرے الفاظ میں وہ بات نہیں۔ کوئی شخص اگر دعا میں ایسا کہے تو اس سے لڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر "قطفیر" کا انتقال ہوگیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی شادی کردی...... تاریخی روایات کے مطابق دولڑکے بھی پیدا ہوئے جن کا نام افرائیم اور منشا تھا"۔ (معارف القرآن، للمفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ، سورۃ یوسف: ۵/۸۹، إدارۃ المعارف کراچی)

قال القرطبي: " ثم مات قطفیر: أی عزیز مصر، فزوجه الولید بزوجة قطفیرر اعیل، فدخل بها یوسف، فوجدها عذراء، وولدت له ولدین ...... الخ". (أحکام القرآن للقرطبي، سورہ یوسف: ۹/۱۴۰، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر: ۲/۶۳۴، دارالاسلام، الریاض)

(وکذا في التفسیر المنیر لمعالم التنزیل للشیخ محمد نووی الجاوی: ۱/۴۱۰، مصطفیٰ البابی الحلبی)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج وعمر بن خطاب رضی الله عنه معه، فعرضت إمرأة، فقالت ...... ثم قال: "أللهم ألف بینهما وحبب أحدهما إلی صاحبه الخ". (دلائل النبوۃ، باب ماجاء في دعائه لزوجین أحدهما یبغض الآخر بالألفة واستجابة الله دعائه فیها: ۲/۲۲۹، دارالکتب العلمیه، بیروت)

حدیث "من أحییٰ سنتی الخ" کا حوالہ

سوال[۱۳۰۰]: "من أحییٰ سنتی فقد أحیانی" أو کما قال علیه السلام۔ اگر یہ حدیث ہے تو اس کتاب کا نام اور کس باب میں ہے؟ مطلع فرمائیں، بعض مخالف حضرات کو اس کے ثبوت میں تردد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن علی رضی الله عنه رفعه: "من أحییٰ سنة من سنتی أمیتت بعدی، فقد أحیانی، ومن أحیانی کان معی". رزین (جمع الفوائد: ۱/۱۷) (۱)۔ فقط والله تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۷ھ۔

حدیث "من تمسک بسنتی الخ" کا حوالہ

سوال[۱۳۰۱]: "ومن تمسک بسنتی عند فساد أمتی، فله أجر مائة شهید"۔ او کما قال علیه السلام۔ اس کا حوالہ درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من تمسک بسنتی عند فساد أمتی، فله أجر مائة شهید. رواه مشکوٰة، ص: ۳۰(۲) (البیهقی فی کتاب الزهد من حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه)(۳) مرقاة، ص: ۲۵۰ (٤)۔ فقط والله سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۷ھ۔

---

(۱)(جمع الفوائد، للشیخ محمد المغربی، کتاب الاعتصام: ۲۹/۱، رقم الحدیث: ۱۳۹، المکتبة الإسلامیة، سمندری، پاکستان)

(وکذا فی جامع الأصول: ۲۲۹/۹، دار الفکر)

(۲) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۰، باب الإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۳) کتاب الزهد الکبیر للبیهقی، ص: ۱۱۸، رقم الحدیث: ۲۰۷، مؤسسة الکتاب الثقافیة)

(۴)(مرقاة المفاتیح: ۴۲۲/۱ کتاب الإیمان، باب الإعتصام، الفصل الثانی، رشیدیه)

"لموقف ساعة في سبيل الله" کی تحقیق

سوال[۱۳۰۲]: "لموقف ساعة في سبيل الله خير من العبادة في ليلة القدر عند حجر الأسود"۔ أو كما قال عليه السلام۔ مہربانی فرما کر حدیث کا حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسرے الفاظ تو فضائل کے بہت اونچے وارد ہوئے ہیں، یہ لفظ دیکھنا مجھے یاد نہیں، ممکن ہے کسی روایت میں ایسا بھی ہو، جن صاحب نے یہ بیان کیا یا لکھا ہو انھوں نے کوئی حوالہ دیا ہو تو وہاں دیکھ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۵ھ۔

"النكاح من سنّتي" اور "من رغب عن سنّتي" کیا یہ ایک حدیث ہے؟

سوال[۱۳۰۳]: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ: "النكاح من سنتي"، "فمن رغب عن سنتي" یہ مستقل حدیث نہیں ہے، بلکہ الگ الگ جملے ہیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان صاحب کا کہنا صحیح ہے، دونوں جملے الگ الگ ہیں، ان کے درمیان "قال" کہہ دیا جائے تا کہ الگ الگ ہونا واضح ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

"کل قصیرٍ" اور "کل طویلٍ" کی تحقیق

سوال[۱۳۰۴]: حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں کس کا قد بڑا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی حدیث ہے جس میں دونوں کے قد کے متعلق ذکر کیا گیا ہے جس میں "إلا عمر رضي الله عنه

---

(۱) (سنن ابن ماجه، رقم: ۱۸۴۶، عيسى الحلبي، و مطبوعه مير محمد كتب خانه، أبواب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، ص: ۱۳۴)

(وكذا في المغني للعراقي: ۴۱/۳، عيسى الحلبي)

(وفتح القدير: ۱۱۱/۹، دارالفكر، بيروت)

وإلا علی رضی اللہ عنہ " کہہ کر مذکور ہے، کچھ مضمون حدیث غالباً اس طرح ہے کہ جتنے لمبے وہ سب ایسے "إلا عمر"، جتنے قصیر وہ سب ایسے إلا علی رضی اللہ عنہ.

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قد دراز تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، کذا فی صبح الأعشی (۱) وتاریخ الخلفاء (۲)۔ جن دو "إلا إلا" کا آپ نے سوال کیا ہے ان کا نام ونشان متونِ حدیث میں نہیں ملا۔ لوگوں کی زبان پر جو چیز آجائے بلا سند اس کو حدیث کہہ دینا درست نہیں (۳)۔ طویل اور قصیر کے بارے میں احمق اور فتنہ ہونا کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

حدیث میں دعائے برکت کے الفاظ

سوال [۱۳۰۵]: مشکوۃ شریف میں باب المعجزات میں ایک حدیث ہے، یہ دسویں حدیث ہے، اسی حدیث کے الفاظ کے درمیان میں یہ ہے: " فبصق فیه وبارك ثم عمده اخره". الی اخره (٤).

---

(۱) "من کان فی غایة الطویل کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه کأنه راکب والناس یمشون لطوله". (صبح الأعشی: ۱/۴۴۷، المقالة الأولی، الباب الأول، الفصل الثانی، النوع السادس عشر، أوصاف جماعة من المشاهیر)

(۲) "عن زرٍ قال: "خرجت مع أهل المدینه فی یوم عید، فرأیت عمر یمشی حافیاً ...... طوالاًمشرفاً علی الناس کأنه علی دابة، ...... عن ابن عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنهما- أنه وصف عمر فقال: رجل، أبیض، تعلوه حمرة، طوال ...... عن عبید ابن عمر قال: کان عمر یفوق الناس طولاً ...... عن أبی رجاء العطاردی قال: کان عمر رجلاًطویلاً الخ". (تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: ۱۰۳، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه، فصل فی صفته رضی اللہ عنه)

"وقال سعید بن المسیب ...... کان علی شیخاً سمیناً ...... ربعة إلی القصر". (تاریخ الخلفاء، المصدرا السابق، ص: ۱۳۲، قدیمی)

(۳) "عن حفص بن عاصم قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: " کفی بالمرأ کذباً أن یحدث بکل ماسمع ". (الصحیح لمسلم: ۱/۹، المقدمه، باب النهی عن الحدیث بکل ماسمع، قدیمی)

(۴) (مشکوۃ المصابیح، باب فی المعجزات، الفصل الأول، ص: ۵۳۲، قدیمی)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حصہ میں "وبارك" کا لفظ ہے، یعنی آپ نے برکت کی دعا فرمائی، وہ برکت کی کیا دعا تھی؟ دعا کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ مجھے ملے نہیں، براہِ کرم آپ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ دعا یہ تھی کہ "یا اللہ! اس تھوڑے کھانے میں برکت دے جو سب کو کافی ہوجائے اور ہم تیری برکت کے محتاج ہیں"۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲۹ھ۔

حرمت سے پہلے شراب پینے کی روایت

سوال[۱۲۰۶]: "صحیفہ" نامی ایک پرچہ خانقاہ رحمانی مونگیر سے نکلتا ہے۔ جنوری ۱۹۷۳ء کے پرچہ میں ایک مضمون چھپا ہے، رائٹر غیاث الاسلام رحمانی ہیں، انہوں نے اپنے مضمون میں حرمتِ شراب کے تحت یہ واقعہ درج کیا ہے کہ "ایک صحابی نے ایک روز حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کو دعوت دی اور کھانے کے بعد شراب سے ضیافت فرمائی۔ شراب کے نشہ میں قرآن کی آیات نامناسب انداز میں پڑھ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہیں بہت صدمہ ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! کوئی واضح حکم شراب کے لئے نازل فرما تا کہ اس قسم کی لغویات سے صاحبِ ایمان محفوظ رہیں۔ اس کے بعد ﴿لا تقربوا الصلوٰة وأنتم سکاری﴾ الآیة (۱) نازل ہوئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی تاریخی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حرمتِ شراب سے پہلے شراب پی تھی؟ یہاں یہ مشہور ہے کہ دو شخص ایسے ہیں جنہوں نے ایمان سے پہلے عالم کفر میں بھی شراب نہیں پی۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ایک صاحب نے ایسے ثبوت میں "احیاء العلوم" امام غزالی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے اور بتلایا کہ حضرت علی وحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی شراب نہیں پی: پھر ایمان کے عالم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شراب پینا تو اور بھی مذموم فعل ہے۔

اس علاقہ میں اس مضمون کی وجہ سے ایک ہیجانی کیفیت طاری ہے اور یہ واقعہ موضوع بحث بن کر باہم

---

(۱) (سورة النساء: ۴۳)

نفاق کا سبب بن گیا ہے، اس لئے اس کی پوری تحقیق کتب معتبرہ کے حوالہ کے ساتھ ارقام فرما کر مشکور فرمائیں۔
المستفتی: عبدالودود، داحسن منزل، صاحب گنج، بہار۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرمتِ خمر سے پہلے شراب پی کر نماز پڑھانا اور سورہ "قل یا أیها الکافرون" کو نامناسب طریقہ پر اس میں پڑھنا حدیث وتفسیر کی کتب میں بسندِ صحیح موجود ہے(١)۔ جب کہ ایک چیز حرام نہیں تھی تو اس کے استعمال کو اتنا مذموم سمجھ کر صحابہ کرام کی طرف سے بدظن یا تذبذب ہونا غلط ہے، جن کے متعلق شبہات پیدا ہوئے تو آیتِ شریفہ نازل ہوئی: "عن أبي النعمان قال: كنت ساقي القوم في منزل أبي طلحة، فنزل تحريم الخمر، فأمر منادياً فنادى، فقال أبوطلحة: فاخرج فانظر ما هذا الصوت، قال: فخرجت فقلت: هذا مناديادى: ألا! إن الخمر قد حرمت، فقال لي: اذهب فأهر قها، قال: فجرت في سكك المدينة، قال: وكانت خمرهم يومئذ الفضح، فقال بعض القوم: قتل قوم وهي في بطونهم، قال: فأنزل الله: ﴿ليس على الذين امنو وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا﴾اه". بخاری، ص: ٦٦٤(٢).

جس کا حاصل یہ ہے کہ تحریم سے پہلے پینے والے گنہگار نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٨/٦/٩٣ھ۔

شہید اور جس کا پہلے انتقال ہوا ان میں افضل کون ہے؟ حدیث کی تحقیق

سوال[١٣٠٧]: ایک شخص شہید ہوتا ہے دوسرا شخص (نمازی) کا ایک سال کے بعد انتقال ہوتا ہے،

---

(١) "حدثنا مسدد قال: نا يحيى عن سفيان قال: نا عطاء بن السائب عن أبي عبدالرحمٰن السلمي عن علي بن أبي طالب أن رجلاً من الأنصار دعاه وعبدالرحمن بن عوف فسقاهما قبل أن تحرم الخمر، فامهم عليٌ في المغرب، وقرأ ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ فخلط فيها، فنزلت: ﴿لاتقربوا الصلوٰة وأنتم سكارىٰ حتى تعلموا ما تقولون﴾. (سنن أبي داؤد: كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر: ١٦١/٢، سعيد)
(وكذا في التفسير ابن كثير: ٥٠٠/١، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(٢) (صحيح البخاری، باب قوله (ليس على الذين أمنوا وعملو الصلحت) ...... الى قوله، (والله يحب المحسنين): ٦٦٤/٢، قديمی)

یہ دوسرا شخص شہید سے پہلے جنت میں جائے گا۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے اعمالِ صالحہ شہید نے کئے اور اس کے شہید ہونے پر اس کا سلسلۂ اعمال بند اور ختم ہوگیا، اگر چہ شہادت پر ختم ہوا جو کہ بہت ہی اعلیٰ چیز ہے، لیکن جس شخص نے سال بھر تک اس کے بعد اعمالِ صالحہ کئے (نماز وغیرہ) ظاہر ہے کہ یہ سال بھر کا ذخیرہ معمولی نہیں ہے کہ اس کو نظر انداز کیا جاسکے۔ اس میں فرقِ مراتب کو حدیثِ پاک میں بیان کیا گیا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

لیلۃ القدر کی تعیین کی فراموشی کی روایت

سوال [۱۲۰۸]: مشہور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر متعین کرکے بتلادی گئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، دو شخصوں میں تنازع ہو رہا تھا، آپ ان کے چکانے میں مشغول ہوگئے، اس جھگڑے میں اس قدر دیر ہوگئی کہ قلبِ مبارکہ سے ذہول ہوگیا۔ یہ واقعہ احادیث سے ثابت ہے یا محض زبان زد ہے؟ اگر حدیث شریف سے ثابت ہے تو کس کتاب میں ہے؟ اور اس کے راوی قابلِ اعتبار ہیں یا نہیں؟ اور یہ واقعہ کس سن میں پیش آیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حدیث جمع الفوائد میں، ص: ۴، پر بخاری، مسلم، ابوداؤد شریف، نسائی، ابن ماجہ کے حوالہ سے

---

(۱) "عن أبی هریرةؓ قال: "كان رجلان من بنی حیّ من قضاعة أسلما مع رسول الله صلی الله علیه وسلم، فاستشهد أحدهما، وأخر الآخر سنةً، قال طلحة بن عبیدالله: فرأیت المؤخر منهما أدخل الجنة قبل الشهید، فتعجبت لذلک، فذکرت ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم ...... فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألیس قد صام بعده رمضان، وصلی ستة آلاف رکعةً، وکذا وکذا رکعةً صلاة سنة؟".

(الترغیب والترهیب: ۱/ ۲۴۳، ۲۴۴، کتاب الصلوٰة، رقم الحدیث: ۲۸، الترغیب فی الصلوٰت الخمس والمحافظة علیها والایمان موجوبها، احیاء التراث العربی بیروت)

(مسندالإمام أحمد: ۲/ ۳۳۳، رقم الحدیث: ۸۱۹۴، احیاء التراث العربی، بیروت)

(بمعناه فی سنن أبی داؤد: ۱/ ۳۴۹، کتاب الجهاد، باب فی النور یُری عند قبر الشهید، امدادیه، ملتان)

مذکور ہے(۱)، سن معلوم نہیں، حدیث مستند و معتبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

قلیل وقت میں کثیر عبادات، ایک روایت پر اشکال کا جواب

سوال[۱۳۰۹]: ''فضائل نماز'' ص:۸۱(۲) پر ایک روایت، ''نزہۃ البساتین'' کے حوالہ سے حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق درج ہے، جس میں منقول ہے کہ موصوف روزانہ ایک ہزار رکعات نفل نماز پڑھا کرتے تھے، اس روایت پر ایک ریاضی داں صاحب کا اعتراض ہے، جبکہ وہ اپنے آپ کو اہلِ علم حضرات کی صف میں شامل سمجھتے ہیں۔

اعتراض ان کا یہ ہے کہ حضرت شیخ مدظلہ نے یہ روایت بلا سوچے سمجھے نقل کر دی کیونکہ اگر دو رکعت نماز کیلئے دس منٹ صرف ہوں تو ۲۴/ گھنٹہ میں صرف ایک ہزار رکعت پوری ہو سکے گی، اور اگر اس سے نصف وقت بھی مان لو تو ۲۴ گھنٹہ میں سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اوقاتِ ممنوعہ اور کچھ وقت ضروریات کا لگا کر پھر بھی اس تعداد کو پورا کرنا قیاس سے باہر ہے، اور ان کا یہ بھی یقین ہے کہ اگر شیخ کو اس طرف توجہ دلائی جائے تو انہیں خود احساس ہو کر وہ اس کو کتاب سے خارج کرا دیتے۔ اس مسئلہ کی توجیہ حضور والا پر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے وقت میں برکت عطا فرماتے ہیں جو ریاضی کے حساب سے بالاتر ہے(۳)۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ''بعض حضرات کا معمول رہا ہے کہ وہ ۲۴/ گھنٹہ میں آٹھ مرتبہ

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت قال: خرج النبي صلى الله عليه وسلم ليخبرنا بليلة القدر، فتلاحیٰ رجلان من المسلمين، فقال: "خرجت لأخبركم بليلة القدر، فتلاحى فلان وفلان، وعسى أن يكون خيراً لكم، فالتمسوها في التاسعة والسابعة والخامسة". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب رفع معرفة ليلة القدر اهـ: ۱/۲۷۱، قديمي)

(۲) (فضائل اعمال، فضائل نماز، ص: ۹۱، کتب خانہ فیضی لاہور)

(۳) "فإن قلت: بعض المجاهدات مما لايعقل و قوعها، كثمان ختمات في يوم و ليلة، و كأداء ألف ركعة في ليلة و نحو ذلك. قلت: وقوع مثل هذا وإن استبعِد من العوام لكن لا يستبعد ذلك من أهل الله تعالىٰ، فإنهم أعطوا من ربهم قوةً ملكيةً وَصَلُوا بها إلى هذه الصفات، لا ينكره إلا من ينكر صدور الكرامات و خوارق العادات". (مجموعه رسائل لكهنوى، إقامة الحجة: ۲/۱۸۴، إدارة القرآن كراچي)

پورا قرآن کریم ختم کرتے تھے(۱)۔ عصر کی نماز کے بعد جمنا کے کنارے دہلی میں کھڑے ہوکر شروع سے آخیر تک پڑھ کر مغرب سے پہلے ختم کرنا حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں بھی درج ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوحاتِ مکیہ کی دس جلدوں کو روزانہ ڈھائی مرتبہ یعنی ۲۵/ جلدوں کا مطالعہ کرنا ''الیواقیت والجواہر'' میں مذکور ہے(۲) اور بے شمار اکابر کے کارنامے تصنیف اور مسافت طے کرنے سے متعلق مشہور ومعروف ہیں۔ ریاضی داں صاحب کو اگر اس طرف توجہ ہو جائے تو وہ اپنا اعتراض واپس لے لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "و قد كانت للسلف رضي الله عنهم عادات مختلفة في القدر الذي يختمون فيه القرآن .... ختم بعضهم في اليوم والليلة ثماني ختمات : أربعاً في الليل ، و أربعاً في النهار، و ممن ختم أربعاً في الليل وأربعاً في النهار السيد الجليل ابن الكاتب الصوفي رضي الله عنه". (كتاب الأذكار للنووي، كتاب تلاوة القرآن ، ص: ۱۳۸ ، مكتبة دار البيان دمشق)

(۲) "و حكى عبد الوهاب الشعراني في "اليواقيت والجواهر" عن نفسه أنه طالع "الفتوحات" — و هي عشر مجلدات ضخمة— كل يوم مرتين". (مجموعه رسائل لكهنوى، إقامة الحجة: ۲/۱۸۹)

فصل فی متفرقات الحدیث

محدّث کی تعریف

سوال[۱۳۱۰]: محدِّث ومحدِث میں کیا فرق ہے؟ کیا ہندوستان میں اس وقت بھی کوئی محدث حیات ہیں یا نہیں؟ یا حضرت مولانا محمود حسن اسیر مالٹا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان خاتم المحدثین تھے۔ بعض عالم اب بھی اپنے نام کے ساتھ محدث لکھتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مُحدِث، بے وضو کو کہتے ہیں اور جو شخص حدیث دانی کا مدّعی ہو اور وہ فقہ وحدیث کا ماہر نہ ہو تو استہزاء کے طور پر اس کو بھی کہتے ہیں، یہ "محدّث" علمِ حدیث کا ماہر نہیں بلکہ "مُحدِث" (بے وضو) ہے۔

"محدّث" اس شخص کو کہتے ہیں جس نے علمِ حدیث کے متون واسانید وعلل، تواریخ کو اصولاً وفروعاً سناً، پڑھا، لکھا ہو اور اس کے لئے شہروں اور گاؤں کا سفر بھی کیا ہو۔

بعض حضرات علمِ حدیث کا مشغلہ رکھنے والے اب بھی موجود ہیں جن کا اَور کوئی مشغلہ ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حدیث شریف کا ادب

سوال[۱۳۱۱]: زید حدیث کی کتاب سے مسائل خلاف وغیرہ پڑھ رہے تھے سر پر ٹوپی نہیں تھی اور پیر پر پیر ڈالے پڑھ رہے تھے، بکر نے علیحدگی میں ان کو منع کیا کہ اس حالت میں سر پر ٹوپی وغیرہ ہونا چاہیے تو انہوں نے دلیل مانگی۔ براہِ کرم اس طرف اشارہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیثِ پاک کا احترام لازم ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عمدہ لباس پہن کر، خوشبو لگا، کر قبلہ رُو بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، عمامہ سر پر ہوتا تھا اثنائے درس میں کسی اَور طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، حتی کہ ایک

دفعہ بچھو کرتہ میں کسی طرح پہنچ گیا اور وہ کاٹتا رہا مگر آپ برابر درس دیتے رہے فارغ ہو کر دیکھا تو کئی جگہ اس نے کاٹ رکھا تھا(۱)۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ غسل کرتے، وضو اور مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، تب ایک حدیث شریف لکھا کرتے تھے، اس طرح سولہ سال میں بخاری شریف پوری لکھی (۲)۔ مجمع البحار، مقدمۃ الاوجز وغیرہ میں بڑے آداب لکھے ہیں (۳)۔

جو شخص جس قدر بے پروائی کرتا ہے اس قدر علم حدیث کی خیر و برکت سے کم بہرہ یاب ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

حدیث کیلئے وضو

سوال[۱۳۱۲]: احادیث کی کتابیں بلا وضو پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گنجائش ہے، مگر باوضو مستحب ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تذکرہ ائمۂ اربعہ ومشہور محدثین، ص: ۲۸، امام مالک، دار الاشاعت)

(۲) قال البخاری: " والحامل لي على تأليفه أني رأيتني واقفاً بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم وبيدى مروحة أذب عنه فعبرلى بأنى أذب عنه الكذب وما وضعت فيه حديثاً إلا بعد الغسل وصلاة ركعتين، وأخرجته من زهاء ستمائة ألف حديث وصنفته في ستة عشر سنةً، وجعلته حجةً فيما بيني وبين الله، وما أدخلت فيه إلا صحيحاً، وما تركت من الصحيح أكثر لئلا يطول. وصنفته بالمسجد الحرام، وما أدخلت فيه حديثاً حتى استخرت الله وصليت ركعتين وتيقنت صحته اهـ". (مقدمة مرقاة المفاتيح، ترجمة الإمام البخارى ومناقبة: ۱/۵۴، رشيديه)

(۳) (مقدمه أوجز المسالك: ۱/۲۰-۲۴، تاليفات اشرفيه)

(وكذا فى "تذكره ائمۂ اربعه ومشهور محدثين، ص: ۴۱، امام بخارى، دار الاشاعت)

(۴) "ويكره لهم (الجنب والمحدث) مس كتب التفسير والفقه والسنن". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۹، رشيديه)=

ننگے سر حدیث شریف پڑھنا

سوال[۱۳۱۳]: زید حدیث کی کتاب سے مسائلِ طلاق وغیرہ پڑھ رہے تھے، سر پر کوئی ٹوپی نہیں ہے اور پیر پر پیر رکھے ہوئے پڑھ رہے تھے، بکر نے علیحدگی میں ان کو منع کیا کہ اس حالت میں سر پر ٹوپی وغیرہ ہونا چاہئے تو انھوں نے دلیل مانگی ہے، براہ کرم اس طرف اشارہ فرمادیں۔ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف کا احترام لازم ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عمدہ لباس پہن کر، خوشبو لگا کر، قبلہ رو بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، عمامہ سر پر ہوتا تھا، اثناءِ درس میں کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے حتی کہ ایک دفعہ بچھو کرتہ میں کسی طرح پہونچ گیا اور وہ کاٹتا رہا مگر آپ برابر درس دیتے رہے، فارغ ہونے کے بعد دیکھا تو بچھونے کئی جگہ کاٹ رکھا تھا۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ غسل کرتے وضو اور مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے تب ایک حدیث شریف لکھا کرتے تھے، اس طرح سولہ سال میں بخاری شریف پوری لکھی۔ مجمع البحار(۱)، مقدمۃ الاوجز(۲) وغیرہ میں بڑے آداب لکھے ہیں، جو شخص جس قدر بے پروائی کرتا ہے اسی قدر علم حدیث کی خیر و برکت سے کم بہرہ یاب ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

=(وكذا في الحلبي الكبير: ۵۹، سهيل اكيڈمی)

(والطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس، ص: ۱۴۴، قديمي)

(۱) (تذكره ائمۂ أربعه ومشهور محدثين، ص: ۲۸، امام مالک، دار الاشاعت)

(۲) (مقدمه أوجز المسالک: ۱/۲۰-۲۴، تاليفات اشرفيه)

(وكذا في "تذكره ائمۂ اربعه ومشهور محدثين، ص: ۳۱، امام بخاری، دار الاشاعت)

باب الکتب المعتمدۃ وغیرھا

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

چند کتب معتبرہ وغیر معتبرہ

سوال[۱۳۱۴]: ۱-کتب فردوس آسیہ۔۲-قصص الانبیاء۔۳-تذکرۃ الاولیا ہند۔۴-سر الشہادتین۔۵-قیامت نامہ۔۶-صبح کا ستارہ۔۷-رکن دین۔۸-کنز الدقائق۔۹-تنبیہ الغافلین۔ ۱۰-تقویت الایمان۔۱۱-مالابد منہ۔۱۲-تفسیر سورہ یوسف۔۱۳-گلزار ابراہیم۔۱۴-فتاوی رشیدیہ۔۱۵-نور نامہ کلاں۔۱۶-مجالس الابرار۔آیا یہ کتابیں مستند و معتبر ہیں یا نہیں اور ان میں سے کون سی کتاب پڑھنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۴-حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصنیف ہے، بعض روایتیں اس کی ضعیف ہیں۔

۵-حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی تصنیف ہے اسکا اصل نام "علامات قیامت" ہے یہ معتبر ہے۔

۷-کے بعض مسائل غیر معتبر ہیں۔۹-ابو اللیث سمرقندی کی تصنیف ہے اس کی بعض روایات کمزور ہیں۔

۸، ۱۰، ۱۱-معتبر ہیں۔۱۴، ۱۶-بھی معتبر ہیں، بقیہ کتب میں نے نہیں دیکھیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

چند مفید وغیر مفید کتابوں کے نام

سوال[۱۳۱۵]: حسب ذیل کتابوں میں جو آپ کی دیکھی ہوئی ہوں کون سی معتبر ہیں؟ ۱-قصص الانبیا۔۲-مجالس الابرار۔۳-حکایات صحابہ۔۴-مالابد منہ۔۵-رکن دین۔۶-کنز الدقائق۔۷-شاہنامہ

---

(۱) "فردوس آسیہ"، "قصص الانبیاء، صبح کا ستارہ، تفسیر سورۂ یوسف، گلزار ابراہیم" نامی کتب کا حال آئندہ سوال: "چند مفید وغیر مفید کتب کے نام" کے جواب میں ملاحظہ کیجئے۔

(کتابوں کے تعارف اور مطالعہ سے متعلق بہشتی زیور حصہ دہم، ص:۷۰۵، (طبع جدید) کا مطالعہ انتہائی مفید ہے)

اسلام مصنفہ حفیظ جالندھری۔۸-فتح الباری۔۹-گلزار ابرہیم۔۱۰-تفسیر سورہ یوسف۔۱۱-نور نامہ کلاں۔۱۲-تاریخ خیر البشر۔۱۳-معجزہ آل نبی ۔۱۴-قصۂ دردِ سر۔۱۵-قصۂ ہرنی۔۱۶-قصۂ آل جابر۔۱۷-احسن المواعظ ۔۱۸-فردوس آسیہ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

۸،۶،۵،۴،۳،۲،۱: میری دیکھی ہوئی ہیں، معتبر ہیں، مگر نمبر:۹ بخاری شریف کی شرح ہے جس کے مصنف شافعی المذہب ہیں اس لئے اس کے مسائل فقہیہ اسی وقت تک قابل عمل ہیں جب تک وہ حنفی مذہب کے موافق ہوں۔

۱، ۹، ۱۷-کو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفید فرمایا ہے۔

۱۳،۱۰-غیر مفید بلکہ مضر فرمایا ہے۔بہشتی زیور حصہ دہم:ص۵،۴ (۱)۔

۵-کی اصلاح کسی عالم صاحب نے تحریر کی ہے وہ اگر ساتھ ہوتو اس کے مسائل پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۶-میں اگر آل جابر کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کا قصہ مذکور ہے تو وہ غلط ہے۔

۱۵،۱۴،۱۱-بچپن میں دیکھی تھیں اب یاد نہیں ان میں کیا ہے، بقیہ کا حال کچھ معلوم نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۳/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۵/صفر/۶۸ھ۔

کتاب ''دو اسلام'' کا مطالعہ

سوال[۱۳۱۶]: کتاب ''دو اسلام'' غلام جیلانی برق مصنف ہے، یہ کتاب پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ جو حدیثوں کے متعلق لکھا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ کتاب دو اسلام کے جواب میں مولانا طیب صاحب نے لکھی

(۱) (بہشتی زیور، ص:۴۰۷، مطبوعہ دار الاشاعت طبع جدید)

(۲) جن کتب کے نام نہیں آئے ہیں ان کو کسی محقق عالم کو دکھائے بغیر مطالعہ نہیں کرنا چاہئے۔(بہشتی زیور، ص:۴۰۷ (طبع جدید) میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس طرح لکھا ہے)

ہے، اگر لکھی ہے تو آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ’’دو اسلام‘‘ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ سراپا ہدایتِ حدیث کو نا قابلِ اعتبار قرار دے کر مذاق اڑایا گیا ہے جو انتہائی درجہ کی گمراہی اور بد دینی ہے، مسلمانوں کو ہرگز اس کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے، ورنہ اگر اس پر اعتماد کیا تو دین تباہ ہو جائے گا، اس کی ایک اَور کتاب دو قرآن وہ بھی بد دینی پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کی تردید میں ایک کتاب لکھی ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۸ھ۔

بلاغ المبین

سوال [۱۳۱۷]: جناب مولانا مولوی ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف کردہ کتاب ’’بلاغ المبین‘‘ کو جھٹلاتے ہیں، اس کے نزدیک رکھنا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتاب کی کونسی بات کو غلط کہتے ہیں اور کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں، تفصیل سے لکھئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کی کتابیں

سوال [۱۳۱۸]: مولانا اسماعیل صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف کا پڑھنا مناسب ہے یا نہیں؟ ان کی مشہور کتاب ’’تقویۃ الایمان‘‘ اور ’’صراط مستقیم‘‘ پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں لہٰذا صحیح حکم سے مطلع کیجیے۔

---

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف کہیں نظر سے نہیں گزری، البتہ ترجمان اہل سنت شیخ الحدیث سرفراز خان صفدر صاحب نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھی ہے: ’’صرف ایک اسلام بجواب دو اسلام‘‘ اس کا نام ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے متبعِ سنت صاحب نسبت عالم اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاگرد تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے، ان کا عقیدہ بالکل قرآن وحدیث کے موافق تھا، اتباع سنت پر دل سے فریفتہ تھے، بدعت کے سخت مخالف تھے، رات دن سنت کو پھیلانے اور بدعت کو مٹانے میں مشغول رہتے تھے، خدا کے راستے میں خدا کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اسی میں شہید ہوئے۔ ان کی کتابیں معتبر ہیں، ان کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت دلوں میں سما جاتی ہے، مگر ان کی کتابیں کسی ایسے ماہر عالم سے پڑھنے کی ضرورت ہے جو کہ ان کے مزاج سے واقف ہو اور ان کی اصلاحات کو خوب جانتا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''تقویۃ الایمان'' اور ''تذکیر الاخوان'' کی شان

سوال: زید کہتا ہے کہ ''تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان'' کے مسائل مطابقِ اہلِ حق کے ہیں لہٰذا ہر دو کتاب کا رکھنا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا عینِ اسلام ہے اور اس کے مسائل سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں، ہر دو کتاب ردِ بدعت میں نہایت مدلل ہیں ان کا انکار کرنے والا اہل باطل وبدعتی ہے۔ اور عمر کا کہنا ہے کہ ''تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان'' کا رکھنا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا مطابقِ مذہب اہل باطل ہے اور ہر دو کتاب خلافِ سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید وعمر میں کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا قول صحیح ہے، عمر کا قول غلط ہے (۱) لیکن ان میں بعض الفاظ سخت ہیں جو کہ اس زمانہ کی جہالت

---

(۱) اس لئے کہ دونوں کتابوں کے مضامین اور مسائل آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے عین مطابق ہیں ملاحظہ ہو (تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، دارالاشاعت کراچی)

کے علاج کے طور پر لکھے گئے ہیں (۱) جیسا کہ ان لوگوں کی تردید کے لئے جو کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو"الٰہ" مانتے تھے،قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:﴿قل فمن يملك من الله شيئا إن أراد أن يهلك المسيح ابن مريم﴾ الخ (۲)۔

مگر ان الفاظ کا مطلب غلط نہیں جو کہ غور کرنے یا سمجھانے سے سمجھ میں آ سکتا ہے، بلاضرورت ان الفاظ کو استعمال کرنا جیسا کہ بعض کی عادت ہوگئی ہے گستاخی ہے اس سے احتیاط چاہیے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۰/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

"تقویۃ الایمان"،"ارواحِ ثلاثہ"،"الشہاب الثاقب" کا حوالہ دینا

سوال[۱۳۲۰]: کتاب "تقویۃ الایمان"،"ارواحِ ثلاثہ"،"الشہاب الثاقب" کے حوالے دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بات جس کتاب میں لکھی ہے اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ فلاں بات فلاں کتاب میں لکھی گئی ہے، یہی حال ان کتابوں کا ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۴ھ۔

---

(۱) "المفتي في الوقائع لا بد له من ضرب اجتهاد و معرفة بأحوال الناس". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۳۵۸، سعيد)

(۲) (سورة المائدة: ۱۷)

(۳) "وفي هذا الحديث من الفوائد: الندب إلى حسن المعاشرة والتواضع". (فتح الباري: ۱/۴۳۴ باب بول الصبيان، قديمي)

قال الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله: ﴿يأيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم﴾ المعنى لا يحتقرن بعض المؤمنين بعضاً". (روح المعاني: ۲۶/۱۵۲، سورة الحجرات، بيروت قديم)

’’حفظ الایمان، تقویۃ الایمان، صراط مستقیم‘‘ کس کی تصنیف ہیں؟

سوال[۱۳۲۱]: ایک شخص اکابر دیوبند کی کتابوں کو غلط قرار دے رہا ہے، نمبروار جواب دیں۔

۱.....تقویۃ الایمان حضرت اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دہلوی کی نہیں ہے اور صراط مستقیم بھی ان کی نہیں ہے۔

۲.....حفظ الایمان مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی نہیں ہے، یہ بھی مت پڑھو۔ ہم تبلیغی جماعت کے آدمی ہیں، ہم اَن پڑھ ہیں اور وہ شخص جو اعتراض کر رہا ہے تعلیم یافتہ ہے۔ یہ کتابیں اپنی جماعت کی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تبلیغی جماعت والوں کو اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیے جو لوگ تعلیم یافتہ نہیں وہ اپنے چھ نمبروں پر قناعت کریں اور تبلیغی نصاب کی کتابوں کو پڑھیں اور سنیں، ’’حفظ الایمان‘‘ حضرت مولانا تھانوی کی ہے اس پر مخالفین نے اعتراض کیا اور ہنگامہ برپا کیا، جس کے جواب میں ’’توضیح البیان‘‘ وغیرہ متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں اور اب تک اعتراضات کئے جارہے ہیں، اس لئے آپ لوگ بالکل ان چیزوں سے علیحدہ رہیں۔ ’’تقویۃ الایمان‘‘ اور ’’صراط مستقیم‘‘ دونوں کتابیں مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہیں ان پر بھی مخالفین نے اعتراض کئے ہیں، ان کے جوابات دیئے گئے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

’’توضیح البیان فی عبارۃ حفظ الایمان‘‘

سوال[۱۳۲۲]: سیرت کمیٹی ہذا میں ایک درخواست آئی ہے جس کی عبارت ذیل میں درج ہے، کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ درخواست کے مضمون کو اپنی شکل میں نقل کر کے دیوبند، بریلی اور جماعت اسلامی کے مراکز سے رجوع کیا جائے تاکہ آپ سے اس بات کی تصدیق کرالی جائے کہ آیا درخواست میں مرقومہ عبارت کی صحت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں بتائیں کہ حضرت مولانا

---

(۱) ملاحظہ کیجئے: (’’عبارات اکابر‘‘ مصنفہ ترجمان اہل سنت شیخ الحدیث سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ)

اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسا اعتقاد رکھا جائے؟ نقل درخواست حسب ذیل ہے:

بخدمت شریف صدر کمیٹی صاحب

سلام مسنون عرض ہے کہ ایک پیر صاحب پیر غلام محی الدین کے پاس (نام نامعلوم) ایک کتاب میری نظر سے گزری جس میں سرتاج علمائے دین ہند و مکہ مکرمہ خصوصاً حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کو کافر لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ان حضرات کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور نیز تحریر ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''حفظ الایمان'' میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نعوذ باللہ سور اور کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ساتھ ہی بہشتی زیور کے حصہ اول میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "لا إلـه إلا الله أشـرف علـى رسول الله" اور اسی طرح درود شریف بھی "اللهم صل على سيدنا أشرف على و على آله و أصحابه" لکھا ہوا ہے۔

اس بات پر میں نے سیرت لائبریری سے مذکورہ کتابیں پیش کرنے کی دعوت دی ہے، اگر واقعی بہشتی زیور وغیرہ کتابوں سے ایسا صریح طوفانِ نوح ثابت ہو جائے تو ایسی کتابیں فوراً تحقیق طلب ہیں۔ اور پیر صاحب کی کتاب کی نشان دہی غلط ثابت ہوئی تو امت محمدی کی نظر میں ان جلیل القدر علمائے دین کی تکفیر کیا درجہ رکھتی ہے۔ سیرت کمیٹی نے پیر صاحب کی کتاب کو دیکھا، کتاب ''ظفر الاسلام'' مصنفہ محمد جمیل الرحمٰن قادری برکائی رضوی بریلوی جس میں مولوی اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کافر لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ تھانوی نے کہا ہے کہ میرا کلمہ اور درود پڑھو۔

الجواب حامداً و مصلياً :

''حفظ الایمان'' کو چھپے ہوئے زمانہ دراز گزر چکا، بارہا مختلف مقامات میں چھپی ہے اور چھپتی رہتی ہے نایاب نہیں، اس کو منگا کر دیکھ لیا جائے اس میں کتے اور سور کا نام تک نہیں، اس کی شرح خود مصنف نے لکھی ہے جس کا نام ''بسط البنان'' ہے، ایک اور شرح ہے اس کا نام ہے ''توضیح البیان'' اور سب شرحیں موجود ہیں ان میں

تفصیل مذکور ہے۔ خود مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو دریافت کیا گیا اور جو کچھ انہوں نے جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

سوال: بخدمتِ اقدس حضرت مولانا المولوی الحافظ الحاج الشاہ اشرف علی صاحب مدت فیوضکم العالیہ!

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب (بریلوی) یہ بیان کرتے ہیں اور ''حسام الحرمین'' میں آپ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے ''حفظ الایمان'' میں اس کی تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا ہر بچہ، ہر پاگل، بلکہ ہر جانور، ہر چارپائے کو حاصل ہے، اس لئے امور ذیل دریافت طلب ہیں:

۱...... آیا آپ نے ''حفظ الایمان'' یا کسی اَور کتاب میں ایسی تصریح کی ہے؟

۲...... اگر تصریح نہیں تو بطریقِ لزوم بھی یہ مضمون آپ کی کسی عبارت سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟

۳...... آیا ایسے مضمون سے آپ کی کیا مراد ہے؟

۴...... اگر آپ نے نہ ایسے مضمون کی تصریح فرمائی، نہ اشارہ مفاد عبارت ہے، نہ آپ کی مراد ہے تو ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے اسے آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟

بندہ: محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

شفیق مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط کے جواب میں عرض کرتا ہوں:

۱...... میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں اس مضمون کا خطرہ بھی نہیں گزرا۔

۲...... میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا، چنانچہ اخیر میں عرض

کروں گا۔

۳...... جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں اور میرے دل میں کبھی بھی اس کا خطرہ نہیں گزرا جیسا کہ اوپر معروض ہوا تو میری مراد کیسے ہوسکتا ہے؟

۴...... جو ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوصِ قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

اس کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''حفظ الایمان'' کی عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان فرمایا، جس میں کسی قسم کا شبہ بھی باقی نہ رہے۔

''بہشتی زیور'' بے شمار مقامات پر چھپی ہے اس میں بھی کہیں "لا إله إلاالله أشرف علی رسول الله "اور یہ درود شریف "ألـلهـم صل عـلـی سیـدنا أشرف علی و علی آله وأصحابه" موجود نہیں، جو لوگ اس قدر صریح غلط الزام لگاتے ہیں اور کفر کا حکم لگاتے ہیں ان کو خدا سے ڈرنا چاہئے کہ اس سے ایمان تباہ ہوتا ہے (۱) اور جن لوگوں کا عقیدہ بگڑے گا ان کا وبال بھی سر رہے گا، خدائے پاک ہدایت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

''بہشتی زیور'' اور ''تقویۃ الایمان'' کیسی کتابیں ہیں؟

سوال [۱۳۲۳]: کتاب ''تقویۃ الایمان''، ''بہشتی زیور'' اور ''اصلاح رسوم'' کیسی کتابیں ہیں؟ ان کو پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ جو شخص ان کتب کو برا کہے وہ کیسا ہے؟

---

(۱) "عن أبي ذرّ أنه سمع النبي صلی الله علیه وسلم یقول: "لا یرمي رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک". (صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب ماینهی عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قدیمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کتابیں صحیح اور معتبر ہیں، جو شخص علمائے محققین سے ان کو سمجھ کر پڑھے گا اس کو ان میں کوئی اشکال نہیں ہوگا، جو ان کتابوں کو برا کہے وہ یا تو ناواقف ہے یا معاند ہے، بہر حال غلطی پر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۷ھ۔

بہشتی زیور

سوال[۱۳۲۴]: جو کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی ''بہشتی زیور'' چھپائے ہوئے ہیں، ان کا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز بعض کہتے ہیں کہ مولانا اہل سنت نہیں ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ قابل اعتماد، مستند حنفی، اہلسنت والجماعت کے عالم اور بزرگ ہیں جیسا کہ ان کے حالات، تصانیف، مواعظ سے ظاہر ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ مولانا اہلِ سنت نہیں وہ غلط کہتا ہے، یا اس کو مولانا کے حالات سے واقفیت نہیں، لاعلمی اور جہالت سے کسی مخالف سے سن کر ایسا کہتا ہے، اس کے مسائل مجموعی حیثیت سے قابل اعتماد ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۱۱/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

''رکن الدین'' اور ''بہشتی زیور'' میں کون سی کتاب معتبر ہے؟

سوال[۱۳۲۵]: ''رکن الدین'' مولفہ محمد رکن الدین نقشبندیہ ومجددیہ اور ''بہشتی زیور'' مصنفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں کونسی کتاب بلحاظِ قرآن حکیم وسنتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وتبع تابعین زیادہ مستند اور انسب، ارجح وارفع ہے؟

درمیانِ مسائل اختلافی مابین ہر ''دو کتاب'' مثلاً لیلۃ الرغائب، شب معراج، ہزاری روزہ، سوئم، دسویں، بیسویں، اور چہلم و برسی و دیگر رسوم و بدعاتِ شنعیہ جن کو کتاب ''رکن الدین'' سنت اور مستحب و مستوجب بتلاتی ہے، لیکن بہشتی زیور ہزاری روزہ، آخری چہار شنبہ، ظہر احتیاطی، چہلم، سوئم اور دیگر رسومات کو

مذموم رسومات قرار دیتی ہے، اس کی پابندی دن اور تعین وقت کو ضروری قرار نہیں دیتی ہے اور ہزاری روزہ کو بدعت قرار دیتی ہے، حدیث نبوی ﷺ اور اسوہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا جواز نہیں ملتا، دونوں میں درمیان اختلافی مسائل کس کتاب پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کتاب ''رکن الدین'' میں بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جو قرآن کریم، حدیث شریف، آثار صحابہ سے ثابت نہیں، آئمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں بلکہ وہ بدعت محض ہیں، اس لئے اس کے مطالعہ سے عوام کو اجتناب چاہیے۔

''بہشتی زیور'' کے مسائل صحیح ہیں وہ معتبر کتاب ہے اس کے مسائل مآخذ عربی میں حاشیہ پر درج کر دیئے گئے ہیں، اختری بہشتی زیور سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم کتب خانہ یحیوی سے یہ مکمل مدلل بہشتی زیور شائع ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

''رکن الدین'' کی اصلاح

سوال [۱۳۲۶]: میں نے ایک مسئلہ کی کتاب دیکھی ہے جس کا نام ''رکن الدین'' ہے، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ غیر معتبر ہے، یہ کتاب میرے پاس ہے۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ اپنے قلم سے اس کی تصحیح کر دیں اگر چہ مولف دوسرے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

''رکن الدین'' کی ایک اصلاح بھی طبع ہوئی ہے، اس کے مصنف بھی ایک دفعہ ملے تھے، اس کا نام ''اصلاح رکن دین'' ہے۔ جو اصلاحات آپ چاہتے ہیں خدا جانے اس میں آ گئی ہیں یا نہیں، اگر آپ بھیجیں گے اور وقت ملے گا تو میں بھی مطالعہ کرلوں گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۱۲/ ۹۱ھ۔

''انوارالاتقیاء'' کا حال

سوال[۱۳۲۷]: ا......''انوارالاتقیاء'' حضرت فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ جس کا ترجمہ ''تذکرۃ الاولیاء'' حافظ برکت اللہ صاحب فرنگی محلی نے کیا ہے۔کیا یہ معتبر ہے؟

۲......کیا اس کتاب کے مصنف ولی تھے؟ کیا ان کا شمار صف اول کے اولیاء میں ہوتا ہے؟

۳......کیا ان کے اقوال معتبر وثقہ ہیں کہ ان پر اعتماد اور بھروسہ کیا جائے؟

۴......اگر کوئی اس کتاب کو فضول وغیر معتبر مانے تو وہ کیسا ہے؟

۵......کیا حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی کتاب میں اس کو معتبر فرمایا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......مجھے اس کتاب کی زیارت نہیں ہوئی اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتا(۱)۔

۲......حضرت فرید الدین عطار مشہور اولیاء میں سے شمار ہوتے ہیں۔

۳......اصلاحِ باطن اور معارف میں ان کا قول خاص وزن رکھتا ہے اور ان کی ہدایت سے روشنی ملتی ہے، چنانچہ ان کا ''پند نامہ عطار'' شائع اور داخل درس ہے، اکابر اس کے مطالعہ کی تاکید فرماتے ہیں(۲)۔

۴......ساری کتاب کو لغو کہتا ہے یا کسی عبارت پر اعتراض کرتا ہے؟

۵......میرے علم میں نہیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۰ھ۔

---

(۱)انوارالاتقیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء کے شروع میں مترجم لکھتے ہیں: ''میں نے کتاب مذکور کا با محاورہ سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اپنے ترجمہ کا نام انوارالاتقیاء رکھا''۔ کتاب میں چونکہ بزرگان واولیاء امت کے حالات ہیں، حلال وحرام کے احکام نہیں اور مصنف خود ولی کامل تھے اس لئے دیکھنے اور مطالعہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ شاید اعمال صالحہ میں مدد ومعاون ہو۔

(۲) "پند نامه" فارسي منظوم .... للشيخ فريد الدين محمد بن إبراهيم العطار الهمداني المتوفى سنة سبع و عشرون وستمائة، و هو نظم مفيد مشهور، فيه نصائح بليغة لطيفة، و لهذا يقرأه الصبيان، و شرحه مولانا شمعي بالتركية، وسماه سعادت نامه". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱/۲۵۵، مكتبه المثنى بيروت)

(۳) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور تالیف ''بہشتی زیور'' میں جہاں کتابوں پر تبصرہ کیا ہے ان میں یہ کتاب نہیں۔ دیکھئے: (بہشتی زیور، ص:۷۰۴، طبع جدید دارالاشاعت)

فقہ اوزاعی

سوال[۱۳۲۸]: جب کبھی کسی خاص کام میں استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ ہی یاد آتے ہیں، اس وقت یہ معلوم کرنا کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام شام کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا فقہ تقریباً دوسو سال تک شام میں اور چالیس سال تک اندلس میں رائج رہا اور کچھ لوگ ائمہ اربعہ کی صف میں شمار کرتے ہیں(۱)، ان کے متعلق یہ معلوم کرنا ہے کہ کوئی کتاب آپ نے ایسی بھی ملاحظہ فرمائی ہے کہ جس میں امام اوزاعی کی فقہ کے مسائل یکجا جمع ہوں یا فقہ اوزاعی کے اصول پر کوئی کتاب ہو۔

امام اوزاعی کے حالات میں لکھا ہے کہ تقریباً ستر ہزار مسائل کا جواب دیا، اگر اتنی گنتی مراد نہ ہو تب بھی سات ہزار تو ہوں گے ہی۔

فقہ کی کتب میں متفرق طور پر تو مل جاتے ہیں لیکن یکجا نہیں ملتے، اگر کوئی کتاب ایسی نظر سے گذری ہو کہ جس میں ان کی فقہ بھی ہو تو مہربانی فرما کر ضرور مطلع فرمائیں، میں بہت تلاش کر رہا ہوں لیکن مجھے کوئی کتاب نہیں ملی اس لئے آپ کی رہبری کی ضرورت ہے۔ ایک طالب علم امام اوزاعی پر تحقیقی کام کر رہے ہیں ان کے سلسلہ میں ضرورت ہے، بدرجہ مجبوری اگر کتب فقہ سے ان کی فقہ جمع کی جاوے تو کن کن کتب سے مدد مل سکتی ہے؟ جمع کرنے کا آسان طریقہ کیا ہوگا؟ فقہ کی کن کن کتب میں ان کی آراء کو زیادہ ذکر کیا گیا ہے؟ ویسے تو یہ کام بڑا لمبا نظر آتا ہے اس کو آسان کرنے کا طریقہ تحریر فرمائیں۔ امام اوزاعی کے حالت پر تو بیروت اور تونس سے نو کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن اب تک کسی کتاب میں فقہ اوزاعی کے سو دوسو مسائل بھی یکجا جمع نہیں کئے ہیں، اگر فقہ اوزاعی کا ایک بڑا حصہ جمع ہو گیا تو ایک بڑا کام ہوگا۔

---

(۱) "هو عبد الرحمن بن عمرو بن محمد أبو عمر و الأوزاعي، حدث عن عطاء بن أبي رباح، وربيعة بن يزيد .... و ابن المبارك ، و يحي القطان وغيرهم، قال الهقل : أجاب الأوزاعي في سبعين ألف مسئلةً، له تصانيف كثيرة مهمة، معظمها مفقودة .... و سكن في آخر عمره بيروت مرابطاً، و توفي بها سنة سبع و خمسين و مائة". (الإجماع لابن المنذر النيسابوري، ص: ۱۳۶، مكتبه الفرقان عجمان)

(انظر ترجمته في طبقات ابن سعد : ۷/۴۸۸، بيروت ، تذكرة الحفاظ : ۱/۱۷۸، بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

فقہ اوزاعی پر کوئی مستقل کتاب میں نے نہیں دیکھی، ویسے بھی کتب فروع میں ان کا مذہب کم ہی ملتا ہے، مبسوط میں نسبتاً زیادہ ہے، ''میزان الکبریٰ'' (۱) میں شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط سے زائد بیان کیا ہے (۲)۔

امام ابو یوسف نے مستقل کتاب لکھی ہے ''الرد علی سیر الاوزاعی'' (۳) جو کہ لجنۃ احیا المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن نے ۱۳۵۷ھ میں شائع کی ہے۔ امام ابوحنیفہ کی کتاب ''السیر'' پر اعتراضات کئے تھے یہ اس کا جواب ہے، اس میں مستقلاً امام اوزاعی کا مذہب ہے، مگر یہ صرف مسائل سیر کے متعلق ہے دیگر ابواب فقہیہ اس میں موجود نہیں۔

شروح حدیث فتح الباری (۴)، عمدۃ القاری (۵)، بذل المجہود (۶)، اوجز المسالک (۷) وغیرہ میں مختلف ابواب میں اقوال ائمہ کو بیان کرتے ہوئے ان کا قول بھی بہت سے مسائل میں نقل کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۱۰ھ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ

سوال [۱۳۲۹]: ''کیمیائے سعادت''، بحر الحقائق، إحیاء العلوم''، مولفہ مولانا امام غزالی رحمہ

---

(۱) (المیزان الکبری للشعرانی، ص: ۱۰۵، مصر)

(۲) "فأما إبراهیم النخعی والأوزاعی رحمه الله تعالیٰ، فقد روی عنهما توریث ثلاث جدات".

(المبسوط للسرخسی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الفرائض، باب الجدات: ۱۸۲/۲۹، غفاریه کوئٹه)

(۳) (الرد علی سیر الأوزاعی مع التعلیق لأبی الوفاء الأفغانی، مصر)

(۴) "وعن طائفة .... کل فریق من الکفار ملة، فلم یورثوا مجوسیاً من وثنی، و لایهودیاًفی نصرانی، و هو قول الأوزاعی". (فتح الباری، کتاب الفرائض، باب لایرث المسلم الکافر: ۵۸/۱۲، قدیمی)

(۵) دیکھئے: (عمدة القاری: ۲۵۹/۲۳، کتاب الفرائض، باب مولی القوم من أنفسهم)

(۶) (بذل المجهود، کتاب الفرائض، باب هل یرث المسلم الکافر: ۱۱۰/۵، امدادیه)

(۷) (أوجز المسالک، کتاب الفرائض، میراث الجد: ۲۱۲/۵، المکتبة الیحیویه سهارنفور)

اللہ تعالیٰ کو پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسائل اصلاح سے متعلق ہیں ان پر عمل کرنا شیخ کی اجازت سے جائز ہے اور مذہب کے خلاف مسائل پر عمل کرنا جائز نہیں اور ان کا مطالعہ عالم کے لئے جائز ہے، غیر عالم کو ناواقفیت کی وجہ سے احتیاط چاہیے (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹/۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی اللہ عنہ، مفتی مدرسہ ھذا، ۳۰/محرم/۵۲ھ۔

’’فتاوی عالمگیری‘‘ کو غیر مستند کہنا

سوال [۱۲۳۰]: ایک شخص کہتا ہے کہ ’’فتاوی عالمگیری‘‘ غیر مستند ہے اور حضرت اورنگزیب سخت گیر بادشاہ تھا، وہ فتاوی عالمگیری سے منحرف ہوتا ہے اور اس کے مسائل قبول نہیں ہیں۔ کیا علمائے دیوبند کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ’’فتاوی عالمگیری‘‘ سے لیا جائے تو قابلِ قبول نہ ہو اور غیر مستند قرار دیا جائے؟ اس کتاب کا اشتہار وسیم بکڈپو دیوبند کی جانب سے دیکھ کر اس کی اہمیت میری سمجھ میں آئی۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، دیگر اکابرین نے اس کے حوالے پیش کئے ہیں، لیکن مذکورہ شخص کے اس طرح بیان سے لوگوں کا رجحان عالمگیری کی جانب سے ہٹتا ہے، لہذا ایسے شخص کے متعلق از روئے شریعت کیا حکم ہے؟ جو عالمگیری سے منحرف ہو اور اسے غیر مستند قرار دیتا ہو جبکہ وہ خود بھی عالم نہ ہو اور نہ کہیں سے فارغ التحصیل ہو اس کی اقتداء دینی ودنیاوی معاملہ میں کیسی ہے؟ آگاہ فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ پابند شرع متبع سنت تھے (۲)، انھوں نے ’’فتاوی عالمگیری‘‘ خود

---

(۱) ’’احیاء علوم الدین میں بعض روایتیں ضعیف اور بعض موضوع ہیں جیسا کہ علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخریج میں نشاندہی کی ہے، اس لئے عوام کو اس کے مطالعہ کرنے کے لئے پہلے کسی محقق عالم سے مشورہ کرنا چاہیے یہی حال کیمیائے سعادت وغیرہ کا بھی ہے۔

(۲) ’’أمیر المؤمنین و رئیس المسلمین، إمام الغزاة ورأس المجاهدین أبو المظفر محي الدین محمد أورنک زیب عالمگیر پادشاه، غازی أبد الله تعالیٰ سلطانه الخ‘‘. (الفتاوی العالمکیریه: ۱/۲، رشیدیه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تاریخ دعوت و عزیمت: ۵/۴۲، ۴۳، مجلس نشریات اسلام)

تصنیف نہیں کی بلکہ علماء کی ایک بڑی جماعت کے ذریعے مدون کرائی گئی۔ مجموعی حیثیت سے اس میں بیان کردہ مسائل معتبر اور صحیح ہیں (۱)۔ اتنی بڑی کتاب میں اگر ایک دو یا کچھ زیادہ مسائل غیر مفتی بہ بھی موجود ہوں تو سب کتاب کو غیر معتبر نہیں کہا جائیگا۔

جو شخص خود عالم نہ ہو اس کو معتبر غیر معتبر کی تمیز ہی نہیں ہوتی اس کو ایسی بات کہنے کا حق نہیں، کسی ایک دو مسئلہ کی وجہ سے اگر کسی سے سن کر شخصِ مسئول عنہ نے ایسا کہہ دیا تو اس کو رجوع کر لینا چاہیے، نماز اس کے پیچھے درست ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

ذکرِ شہادت کی کتابیں

سوال [۱۳۳۱]: ذکر شہادت میں صحیح کتابیں کونسی ہیں کیونکہ ذکر شہادت میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر سب میں مختلف فیہ حالات درج ہیں، اس لئے صحیح حالات دیکھنے کے لئے کونسی کتاب دیکھنی چاہیے؟

---

(۱) "الحذاق في هذا الفن من العلماء الغائصين على فرائده، و كذا الكتب المدونة الجامعة لفوائده فأوعز إليهم بالكدش في مخايل هذا الفن ودلائله واللمش عن تفاصيله وتنقير وجوه مسائله، وان يألفوا كتاباً حامشاً لظاهر الروايات التي اتفق عليها، وأفتى بهاالفحول الخ". (الفتاوى العالمكيريه : ۱/۳، رشيديه)

تفصیل کے لئے دیکھئے (: تاریخ دعوت وعزیمت: ۴۳/۵، مجلس نشریات اسلام)

(۲) نماز اس شخص کی اقتداء میں پڑھنا مکروہ ہے جو کہ فاسق ہو، شخص مذکورہ چونکہ اس وجہ سے فاسق نہیں، لہٰذا اس کی اقتداء میں نماز درست ہے: "ويكره تنزيهاً إمامة عبد .... وأعرابي .... وفاسق". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في شرح المنية (حلبي كبير) باب الإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۴، رشيديه)

"أويظهر سب السلف لظهور فسقه بخلاف من يُخفيه؛ لأنه فاسق مستور .... والأولى أن يقال: سب مسلم لسقوط العدالة بسبب المسلم وإن لم يكن من السلف". (رد المحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۸۳، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

ذکر شہادت سے کیا مراد ہے، اگر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حال دیکھنا ہے تو شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''سر الشہادتین'' (۱) اس مضمون میں بہتر ہے، روضۃ الصفا (۲) تاریخ الخلفاء وغیرہ میں بھی یہ قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنگ نامہ محمد حنیف وغیرہ

سوال [۱۳۳۲]: ''جنگ نامہ محمد حنیف، جنگ نامہ بابل، جنگ نامہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' وغیرہ یہ کتابیں پڑھنے میں کوئی گناہ تو نہیں اور جوان میں قصے قید دیو اور بیر الام لکھا ہے آیا یہ صحیح ہے یا غلط اور یہ کتابیں کون سے زمانے میں لکھی گئی تھیں؟ کیونکہ زید نے کسی تاریخ میں ان قصوں کو نہیں دیکھا، آپ ان کی اچھی طرح صحت فرما کر زید کو اطمینان دلا دیجئے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تینوں کتابیں غیر معتبر ہیں ان کے واقعات جھوٹے ہیں، ان کو ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے، بظاہر رافضیوں کی یہ کتابیں لکھی ہوئی ہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''مناجاتِ مقبول'' اور ''حزب الأعظم'' میں فرق

سوال [۱۳۳۳]: حزب اعظم بہتر ہے یا مناجات مقبول؟

---

(۱) في أوله: ''اعلم رحمك الله تعالیٰ أن الكمالات الخ''. (سر الشهادتين لمولانا شاه عبد العزيز محدث دهلوی رحمه الله تعالیٰ، مجتبائی دهلی)

(۲) (روضة الصفاء)

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: (بہشتی زیور، حصہ دہم، ص: ۷۰۴، مطبوعہ دارالاشاعت طبع جدید)

الجواب حامداًومصلیاً:

دونوں بہتر ہیں ان میں تضادنہیں، طویل ومختصر کا فرق ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۴/۲۷ھ۔

کیاقدوری کا درجہ صحاحِ ستہ سے بڑھا ہوا ہے؟

سوال[۱۳۳۴]: آپ نے میرے فتوی کا جواب: ۲۹/۴/۷۴۱ (ب) بھیجا جس کا شکریہ(۲)، لیکن میرے بزرگ مفتی صاحب نے جواب میں اپنی الٹی گنگا بہا کر اپنے بزرگوں کے بھی خلاف کیا: ''حدیث کی کتابیں ترمذی وغیرہ معتبر ہیں، مگر ایسی حدیثیں ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں وغیرہ وغیرہ اور کتب فقہ قدوری وغیرہ میں ایسے مسائل ہیں جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں، ان پر عمل کرنے سے کسی منسوخ حدیث پر عمل نہیں ہوگا''۔ یہ آپ کا تحریر فرمانا حق بجانب نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھتے ہیں:

> ''تفریعاتِ فقہ کو ہمیشہ کتاب وسنت پر منطبق کرتے رہنا چاہیے، جو مسائل تفریعی کتاب وسنت کے موافق ہوں قبول کئے جاویں جو خلاف ہوں ان کو ترک کردیا جاوے، امتِ محمدی کے واسطے اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر رکھنا نہایت ضروری ہے''(۳)۔

پھر تحریر فرماتے ہیں:

> ''طبقۂ اولیٰ کی صرف تین کتابیں ہیں: موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، لیکن صحیح بخاری

---

(۱) ''مناجاتِ مقبول'' مرتبہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ مطبوعہ دارالاشاعت، اور ''حزب اعظم'' کئی علماء نے مرتب کئے ہیں، ان میں سے ایک ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب شدہ بھی ہے۔

(۲) اس سے بظاہر آئندہ مسئلہ عنوان: ''موطا کتب حدیث قدوری اھ'' مراد ہے۔

(۳) "و لا ينبغي أن يرد حديثاً أو أثراً تطابق عليه القوم لقاعدة استخرجها هو أو أصحابه .... فإن رعاية الحديث أوجب من رعاية تلك القاعدة المخرجة". (حجة الله البالغة، فصل في مسائل ضلت فيها الأفهام: ۱/۴۴۹، قديمى)

وصحیح مسلم پر محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں اور جو ان کی عظمت نہ کرے وہ مبتدع ہے، جو مسلمان کی راہ کے خلاف چلتا ہے''(۱)۔

آپ نے شاہ صاحب کے خلاف جرأت کر کے حدیث کا مرتبہ گھٹا دیا، پھر اپنے امام مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھی خلاف کیا ہے کہاں تک اپنے بزرگوں کو گناؤں، سب ہی نے صحاح ستہ کو قابلِ عمل بتلایا ہے(۲)۔ خان محمد، بہادر گڑھ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کیا ترمذی شریف میں ضعیف، منسوخ، متعارض حدیث موجود نہیں، حالانکہ امام ترمذی خود جگہ جگہ فرماتے ہیں ''هذا حديث ضعيف'' اس کا انکار تو وہی شخص کرسکتا ہے جس نے ترمذی شریف کا بس نام ہی سنا ہے، پڑھا نہیں، تب ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنے استدلال میں پیش کرتا ہے۔ اگر عقد الجید (۳) اسعاف (۴) ازالۃ الخفاء (۵) کا مطالعہ ہی کرلیا ہوتا تو خلجان نہ ہوتا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سبیل الرشاد (۶)، الکوکب الدری (۷)،

---

(۱) "فالطبقة الأولى: منحصرة الاستقراء في ثلاثة كتب: الموطأ، وصحيح البخاري، وصحيح مسلم .... وأما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، و أنه كل من يهون أمرهما، فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين". (حجة الله البالغة، باب كيفية فهم المراد من الكلام: ۱/۳۸۶، قديمي)

(۲) دیکھئے: (التعليق الممجد على مؤطأ الإمام محمد للكنوى رحمه الله تعالىٰ، ص: ۱۲، مير محمد كتب خانه)

(۳) "فيجب أن يعلم من علم الكتاب الناسخ والمنسوخ .... ويعرف منها الصحيح والضعيف والمسند والمرسل الخ". (عقد الجيد في أدلة الإجتهاد والتقليد، ص: ۱۱، ۱۲، سعيد)

(۴) (لم أطلع على هذا الكتاب)

(۵) دیکھئے: (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۱/۱۴۳)

(۶) (سبيل الرشاد منسلكه تاليفات رشيديه، ص: ۵۰۶، ادارۂ اسلاميات)

(۷) "أطلق لفظ الحسن أو الصحيح على الروايات الغريبة بل الضعيفة الخ". (الكوكب الدرى: ۱/۳۱، ادارة القرآن)

لامع الدراری (۱) بھی غالباً سائل کی نظر سے نہیں گزریں ورنہ ان کے کلام کو ہمارے فتویٰ کے خلاف نہ قرار دیتا۔ اسی طرح مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب کی سعایہ (۲) ہی دیکھ لیتا تو یہ شبہ نہ ہوتا۔ ہم نے صحاح ستہ کو ہرگز ہرگز ناقابلِ اعتماد نہیں کہا، اگر سائل ہمارے فتوی کا یہ مطلب سمجھا تو غلط سمجھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

موطاء، کتبِ حدیث اور قدوری وغیرہ کتبِ فقہ میں صحیح قابل عمل کون ہے؟

سوال [۱۳۳۵]: صحاح ستہ: موطا امام مالک، بخاری شریف، مسلم شریف، سنن ابوداود شریف، سنن ترمذی، سنن نسائی، قابلِ عمل ہیں یا قدوری، ہدایہ، منیۃ المصلی، کنز الدقائق، شرح وقایہ، درمختار، فتاوی عالمگیری، مالابدمنہ، بہشتی زیور قابل عمل ہیں؟

ان کتابوں میں کون کون سی کتابیں صحت کے اعتبار سے صحیح ہیں، جن میں صحیح صحیح حدیثیں درج ہیں؟ آپ کے دفتر سے فتاوی عالمگیری پر کس کس مسئلہ پر فتوی ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث کی کتابیں: موطاء امام مالک، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی وغیرہ معتبر ہیں (۳) مگر ان میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو منسوخ ہوچکی ہیں، راجح بھی ہیں، مرجوح بھی، متعارض بھی ہیں، اس واسطے جو شخص ان حدیثوں پر عمل کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ مرجوح پر عمل کرلے یا منسوخ پر عمل کرلے۔ اور کتبِ فقہ قدوری وغیرہ میں ایسے مسائل ہیں جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں، ان پر عمل کرنے سے کسی منسوخ حدیث پر عمل نہیں ہوگا اور کوئی معتبر حدیث ترک نہیں ہوگی، اور حدیث میں بصیرت رکھنے والا سمجھتا جائے گا کہ فلاں مسئلہ فلاں حدیث سے ثابت ہے اور فلاں مسئلہ فلاں حدیث سے ثابت ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲ھ۔

---

(۱) "قوله (فاقرع بينهم الخ) والقرعة منسوخة عندنا الخ". (لامع الدراری: ۱۰۴/۳، كتاب الأذان، مكة المكرمة)

(۲) (السعاية في حل شرح الوقاية، أحكام التيمم: ۵۱۲/۱، سهيل اكيڈمی)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''کتب صحاح'')

(۴) دیکھئے: (شرح المعلل لابن رجب رحمه الله تعالیٰ)

کتبِ صحاح

سوال[۱۳۳۶]: کتب حدیث میں اول درجہ پر کون کون کتابیں ہیں اور صحاح ستہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحت کے اعتبار سے بخاری شریف کا درجہ سب سے اول ہے(۱)۔ صحاح ستہ یہ ہیں: بخاری شریف، مسلم شریف، نسائی شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صحاح ستہ اور معتبر وغیر معتبر کتب

سوال[۱۳۳۷]: صحاح ستہ کی حدیث کا کیا مطلب ہے اور حدیث کی کل کتنی کتابیں ہیں اور معتبر و مستند حدیث کی کونسی کتاب ہے؟ موضوع حدیث کی کتاب کا کیا نام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحاح ستہ: بخاری، مسلم، سنن ابو داود شریف، سنن ترمذی، ابن ماجہ، سنن نسائی کا نام ہے(۳) حدیث کی کل کتابیں بے شمار ہیں (۴)، یہ صحاح ستہ معتبر اور مستند ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی

---

(۱) "صحيح البخاری ولعمری! إنه نال من الشهرة والقبول درجة لاترام فوقها". (حجة الله البالغة: ۱/۴۳۳، باب الفرق بين أهل الحديث وأصحاب الرأی بيان أعلم المضفين واشهرهم.

ثم اتفقت العلماء على تلقى الصحيحين بالقبول وأنهما أصح الكتب المؤلفة، ثم الجمهور على أن صحيح البخاری أرجحهما وأصحهما قيل: ولم يوجد عن أحد التصريح بنقيضه". (مرقاة المفاتيح: ۱/۵۸، شرح مقدمة المشكاة: ترجمة الإمام البخاری ومناقبه، بيروت)

(وكذا فی هدی الساری مقدمة فتح الباری: ۱/۱۰، قديمی)

(۲) "المشهور أن أول مراتب الصحاح منزلةً صحيح البخاری ثم صحيح مسلم ثم سنن أبی داؤد ثم سنن النسائی .... ثم جامع الترمذی ثم ابن ماجه للقزوينی". (معارف السنن: ۱/۷۷، بيان سماع البخاری من الترمذی حديثين ومنزلة جامع الترمذی من بين الصحاح)

(وكذا فی مقدمة المشكاة، ص: ۱۰، قديمی)

(وكذا فی مقدمة بذل المجهود: ۱/۲، مكتبه امدايه ملتان)

(۳) (سيأتی تخريجه تحت عنوان: "کتبِ صحاح")

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے: (نفحات التنقيح شرح مشكوة المصابيح: ۱/۳۶، ۳۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

معتبر ہیں(۱)۔موضوعات کی کتابیں تذکرۃ الموضوعات،موضوعات کبیر، اللآلی المصنوعہ(۲)، اللؤلؤ المرصوع وغیرہ ہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم،۴/شعبان/۶۱ھ۔

صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث

سوال[۱۳۳۸]: کتبِ صحاح کے بغیر دوسری کتبِ احادیث مثلاً:بیہقی، دارمی،طبرانی،طحاوی وغیرہ یہ قابلِ قدر اور معتبر کتابیں ہیں کہ نہیں؟ نیز کتبِ صحاح کی حدیث کو ہی حدیث سمجھنا اور ان کے علاوہ دوسری کتبِ حدیث کو احادیث نہ سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث:بیہقی(۳)طحاوی(۴)دارمی(۵)دارقطنی(۶)موطاء(۷)

---

(۱) "قد ظن أناس أنهما (الشيخان) قد التزما أن يخرجا كل ما صح من الحديث في كتابهما .... فقد روى عن البخاري أنه قال: ماأدخلت في كتابي الجامع إلا ما صح، و تركت جملةً من الصحاح خشية أن يطول الكتاب، وروى عن مسلم أنه .... قال :إنما أخرجت هذا الكتاب وقلت: هو صحاح ولم أقل: إن ما لم أخرجه من الحديث في هذا الكتاب فهو ضعيف .... و بما ذكرنا من عدم التزامهما استيعاب الأحاديث الصحيحة أجمع يظهر لک أن لا وجه لإلزام من ألزمهما إخراج أحاديث لم يخرجاها مع كونها صحيحة .... الأصول الخمسة: هي صحيح البخاري .... السادس: الموطاء، وتبعه على ذلک المجد بن الأثير في كتاب جامع الأصول وكذا غيره الخ". (مقدمه فتح الملهم: ۱/۹۵، بيان أن الشيخان لم يستوعبا الصحيح ، كتب خانه محموديه سهارنپور)

(۲) (اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة لجلال الدين السيوطي رحمه الله تعالىٰ، وهوتلخيص موضوعات ابن الجوزي)

(كشف الظنون من أسامي الكتب والفنون : ۲/۱۵۳۴، مكتبه المثنى بغداد)

(۳) (السنن الكبرىٰ للبيهقي لإمام المحدثين الحافظ الجليل أبي بكر أحمد بن الحسين ابن على البيهقي المتوفى سنة: ۴۵۸، مطبوعه تاليفات اشرفيه ملتان)

" المعجم الكبير والصغير والأوسط في الحديث للإمام أبي القاسم سليمان بن أحمدالطبراني =

وغیرہ بھی قابل قدر کتابیں ہیں، ان کی احادیث کو احادیث نہ سمجھنا جہالت اور ضلالت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

صحاح ستہ پر اعتماد نہ کرنا

سوال[۱۳۳۹]: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ مرادآباد میں جامعہ قاسمیہ کی صحاح ستہ کی کتابیں سراسر غلط ہیں، انہوں نے کچھ حدیثیں اپنی طرف سے بنا کر لکھوادی ہیں۔ اوران کتابوں میں توحید بھی ہے تو توحید کو بھی غلط قرار دیتا ہے، کیونکہ لفظ ''سراسر'' میں سب کچھ آ گیا ہے۔ لیکن وہ شخص کلمہ گو ہے مگر بدعتی خیال کا ہے، اس کا

= الحافظ المتوفى سنة: ۳۶۰، ستين و ثلثمائة. رتب في الكبير الصحابة على الحروف مشتملاً على نحو خمسة وعشرين ألف حديث، و رتب في الأوسط والصغير شيوخه على الحروف أيضاً". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱۴۳۷/۲، مكتبه المثنى بغداد بيروت)

(۴) "معاني الآثار للطحاوي، و هو أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي، ولد سنة: ۲۲۸، و توفي سنة: ۳۲۱.........في الأحكام التي يتوهم أهل الإلحاد والضعفة أن بعضها ينقض بعضاً لقلة علمهم بناسخها ومنسوخها". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱۷۲۸/۲، مكتبه المثنى بيروت، بغداد)

(۵) "السنن للدارمي و هو الإمام الحافظ عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي المتوفى سنة: ۲۵۵، خمس و خمسين و مائتين". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱۰۰۸/۲، مكتبه المثنى بيروت، بغداد)

(۶) "السنن للدارقطني، وهو الإمام الحجة أبوالحسن علي بن عمر الشهير الحافظ البغدادي المتوفى سنة: ۳۸۵". (كشف الظنون، المصدر السابق)

(۷) "موطأ في الحديث للإمام مالك بن أنس الحميري الأصبحي المدني إمام دار الهجرة، المتوفى سنة: ۱۷۹، وهو قديم مبارك، قصد فيه جمع الصحيح، لكن إنما جمع الصحيح عنده لا على اصطلاح أهل الحديث؛ لأنه يرى المراسيل والبلاغات صحيحة، كذا في النكت الوفية". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱۹۰۷/۲، مكتبه المثنى بيروت، بغداد)

اعتبار حدیث کی کتابوں پر نہیں ہے تو وہ شخص کافر ہوا یا مشرک یا مرتد؟ جواب باصواب دے کر جزائے دارین حاصل کریں۔ بینوا وتوجروا۔ محمد شریف عفی عنہ، مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ وہ کچھ حدیثیں جو کہ اپنی طرف سے بنا کر لکھوادی ہیں وہ کیا ہیں اور کس نے بنا کر لکھوائی ہیں؟ جامعہ قاسمیہ کی صحاح ستہ کہاں ہیں، کیا وہ صرف جامعہ قاسمیہ میں ہیں یا دوسری جگہ بھی موجود ہیں؟ شخص مذکور کا مقولہ مذکورہ بدعت وجہالت کا نتیجہ ہے (۱)، جس طرح لفظ ''سراسر'' سے سائل کے ذہن میں اس کے کفر وشرک اور ارتداد کا شبہ پیدا ہوتا ہے تو سائل کو لفظ صحاح اور لفظ ''کچھ'' پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کو صحاح تسلیم کرتا ہے اور کچھ کو اپنی طرف سے بتاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ سائل اس کا بھی مدعی ہے کہ وہ کلمہ گو ہے لہٰذا اس کی تکفیر سے اجتناب اور اس کی اصلاح کی سعی حتی الوسع لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، عبداللطیف غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۰/۶۲ھ۔

''فرمانِ مصطفوی'' نام کا پرچہ اور طبع شدہ پرچہ کی نقل

سوال [۱۴۴۰]: آج کل ایک مضمون پوسٹ کارڈوں کے ذریعے چل رہا ہے جس کی ایک کاپی اس عریضہ کے ہمراہ ارسال خدمت کر رہا ہوں، اب سے قبل حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اشتہار

(۱) ''نفسِ حدیث کے انکار کو فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کفر قرار دیا ہے: في شرح الفقه الأكبر للقاري رحمه الله تعالى: ''من رد حديثاً، قال بعض مشايخنا: يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً، كفر، أقول: هذا هو الصحيح، إلا إذا كان رد حديث الآحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستحقار والإنكار''. (قبيل فصل في القرآءة والصلوة، ص: ۱۶۶، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، مطلب في حكم من أنكر شيئاً مما جاء به رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۱۹۵)

(۲) ''إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم''. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

''فرمان مصطفوی'' کی بابت تردید فرمائی تھی اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ کسی یہودی یا غیر مسلم کی کارروائی ہے۔

''تذکرۃ الخلیل'' ص:۲۰۳(۱) پر تحریر ہے آج کل یہ کارڈوں کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس کے مضمون کا چھٹا نمبر بعض کارڈوں میں تحریر ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا، نمونہ مضمون یہ ہے:

تاریخ روانگی	۷۸۶	تاریخ وصولی
۱۷/اپریل ۴۸ء	اللہ اکبر	۱۷/اپریل ۴۸ء

اے پروردگار عالم! ہمارے اوپر، اپنی سب مخلوق پر رحم وخوشی اور فارغ البالی عطا فرمایئے تاکہ ہم اطمینان وسکون کے ساتھ تیری بندگی بجالائیں۔

۱-مندرجہ بالا دعا آپ کو تمام دنیا میں شائع کرنی چاہیے۔

۲-مندرجہ بالا دعا کی نو کاپیاں لکھ کر اپنے احبابوں کے نام جو خوشی و فارغ البالی کے خواہشمند ہوں روانہ کریں۔

۳-اس سلسلہ کو قطعی نہ روکیں، کیونکہ نتائج یہاں روانہ کرنے کے نو دن بعد آپ کو ظاہر ہو جاویں گے انشاءاللہ۔

۴-اگر آپ اس سلسلہ کو محض مذاق سمجھیں گے تو نحوست سوار ہو جانے کا احتمال ہے۔

۵-اپنا نام قطعی ظاہر نہ کریں، سوائے تاریخ روانگی و وصولی اور کچھ نہ لکھیں۔

۶-ملکہ وکٹوریا نے اس دعاء کی نو کاپیاں تقسیم کرنے کے دس دن بعد بیس ہزار روپیہ پایا۔

۷-نپولین نے نو کاپیاں روانہ نہ کرنے کے سبب تین دن کے اندر اندر اپنے لڑکے کو گنوایا۔ تمام مضمون پرچہ کا ضرور لکھنا چاہیے فرق نہ پڑے۔ تاکید جانو صرف چار کا خرچ ہے۔

حضرت عالی کی اس مضمون کے بارے میں کیا رائے ہے؟

خادم افتخار فریدی بستی نظام الدین اولیاء مدرسہ کاشف العلوم دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے عافیت بہت مبارک اور بہتر چیز ہے، احادیث میں اس کی ترغیب وتاکید آئی ہے لہٰذا ہر شخص کو

---

(۱) (تذکرۃ الخلیل، ص:۲۹۶، مکتبۃ الشیخ کراچی)

اس کا اہتمام چاہیے(۱)۔لیکن نو کا پیاں لکھنا کوئی شرعی عمل نہیں جس کے ترک پر کوئی وعید یا نحوست ہو۔ملکہ وکٹوریہ اور نپولین کا کوئی قول وفعل، اعتقاد شرعی حجت نہیں جس سے کوئی مسلم استدلال کرے، بلکہ اس کے لئے ایسی خرافات کو استدلال کے لئے پیش کرنا عار اور بے غیرتی کی بات ہے،اس کے لئے تو قرآن کریم اور حدیث شریف اور اقوالِ سلفِ صالحین کا بیش بہا ذخیرہ ہی سرمایۂ سعادت ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۱/ رجب/ ۶۷ھ۔

اس خط میں جو نمبر لکھے ہیں سب بے اصل اور خود ساختہ ہیں،مصیبت اور پریشانی کا یہ علاج نہیں ہے بلکہ اس کا مسنون علاج حق تعالیٰ شانہ کی اطاعت اور روزہ نماز کا اہتمام اور کثرت سے اہتمام استغفار کرنا ہے۔ اس خط کے مضمون پر ہرگز عمل نہ کیا جائے، جو لوگ اس سلسلہ پر عمل کر رہے ہیں وہ فضول خرچی کے علاوہ تمام دوسرے مسلمانوں کو تشویش میں بھی مبتلا کرتے ہیں۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۱۴/ رجب/ ۶۷ھ۔

شیخ احمد نامی کے خواب سے متعلق طبع شدہ پرچہ کی تحقیق پرچہ کی نقل

سوال[۱۳۴۱]: گذارش ہے کہ ایک طبع شدہ پرچہ بھیج رہا ہوں ایسے پرچے بکثرت چھپے اور لکھے

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجل فقال: يا رسول الله! أيّ الدعاء أفضل ؟ قال: "سل ربک العفو والعافية في الدنيا والآخرة". ثم أتاه اليوم الثاني فقال: يا رسول الله! أيّ الدعاء أفضل ؟ قال: "سل ربک العفو والعافية في الدنيا والآخرة"، ثم أتاه في اليوم الثالث، فقال: يا نبي الله! أيّ الدعاء أفضل؟ قال: "سل ربک العفو والعافية في الدنيا والآخرة، فإذا أعطيت العفو والعافية في الدنيا والآخرة فقد أفلحت". (سنن ابن ماجه، أبواب الدعاء، باب الدعاء، بالعفو والعافية، ص: ۲۷۳، قديمي)

(وكذا في سنن الدارمي، أبواب السير، رقم الباب: ۶، قديمي)

(وكذا في مسند أحمد بن حنبل: ۱/ ۳۴۴، دار احياء التراث العربي)

(۲) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يأتي بعد ذلک قوم تسبق شهاداتهم أيمانهم و أيمانهم شهاداتهم". (مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن مسعود: ۱/ ۴۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہوئے تقسیم ہورہے ہیں، جیسا کہ پرچہ کے آخیر میں بانٹنے والے کے لئے مالی منفعت اور جھوٹ سمجھنے والے کے لئے تباہی کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ کار خیر ہے تو رو.پے کے لالچ میں اس کا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم نظام کے باب الاستفسار کے ذریعہ عوام کی رہنمائی فرمایئے مہربانی ہوگی۔ والسلام۔

مشکور علی صدیقی ملیح آباد۔ ضلع لکھنؤ۔

طبع شدہ پرچہ کی نقل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم کو مدینہ منورہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ قیامت آنے والی ہے، توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے، غافل مت ہو، گناہوں سے توبہ کرو، پیر کے دن سے چار روزے رکھو، نماز پڑھو، زکوۃ دو۔

جو شخص ایسے تیس پرچے بانٹ دے گا، اس کو چودہ دن میں خوشی ہوگی، بمبئی میں ایک شخص نے تیس پرچے بانٹ دئے تھے اس کو ڈھائی ہزار کا فائدہ ہوا اور ایک شخص نے اس پرچہ کو جھوٹ جانا اس کو اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا پڑا، جو شخص تقسیم نہیں کرے گا غم ضرور دیکھے گا۔

بندۂ خدا ایک یا دو پرچے لکھ کر ضرور تقسیم کرے گا، جو زیادہ چھپوا کر بانٹے گا زیادہ فائدہ ہوگا۔

بھائیو! یہ بات یقین جانو اور پہچانو، خدا ہم سب کو نیک ہدایت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: یہ پرچہ پاس رکھنا گناہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ کا دروازہ بند ہونا اور قیامت کا قریب آنا احادیث میں کثرت سے مذکور ہوا ہے اور جو وقت بھی گذرتا ہے یہ دونوں چیزیں قریب سے قریب تر آرہی ہیں، ان کے لئے کسی کے خواب کی

حاجت نہیں (۱)، گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم قرآن پاک میں مذکور ہے اور ہر وقت ہر آدمی کو توبہ کرتے ہی رہنا چاہئے (۲)۔ دنیا میں جس قدر مصائب اور فتنے ہیں اور آخرت میں جو سزائیں ہیں وہ سب گناہوں کی وجہ سے ہیں (۳) اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کو بچائے۔ نفلی روزہ رکھنے کی بھی فضیلت ثابت ہے (۴)، پیر اور جمعرات کا روزہ بھی روایات میں بکثرت آیا ہے (۵)۔ نماز اور زکوٰۃ دونوں

---

(۱) "عن أبي سعيد رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا يأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منفوسة اليوم". (مشكوٰة المصابيح، باب قرب الساعة، ص: ۴۸۰، قديمي)

"وعن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رجال من الأعراب يأتون النبي صلى الله عليه وسلم فيسألونه عن الساعة، فكان ينظر إلى أصغرهم، فيقول: "إن يعش هذا لايدركه الهرم حتى تقوم عليكم ساعتكم متفق". عليه". (مشكوٰة المصابيح، المصدر السابق)

"لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة، ولا تنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶۶/۵ حديث معاوية بن ابي سفيان، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ان بالمغرب باباً مفتوحاً للتوبة مسيرته سبعون سنةً، لا يغلق حتى تطلع الشمس من نحوه".

(مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۸۸/۵ حديث صفوان بن عسال المرادي، دار احياء التراث العربي)

(وأبو داؤد، كتاب الجهاد، باب الهجرة هل انقطعت: ۳۳۵/۱، دار الحديث ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يايها الذين توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح النووي على صحيح مسلم: ۳۵۴/۲، كتاب التوبة، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس﴾ (سورة الروم: ۴۱)

(۴) "قال عثمان رضي الله تعالىٰ عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "الصيام جنة من النار كجنة أحدكم من القتال". (ابن ماجه، أبواب الصيام، باب ماجاء في فضل الصيام، ص: ۱۱۸، قديمي)

(۵) عن عائشة رضي الله عنها قالت: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يتحرى صوم الاثنين والخميس" (جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب في صوم يوم الاثنين والخميس: ۱۵۷/۱، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تعرض الأعمال يوم الاثنين والخميس، فأحِبّ أن يعرض عملي و أنا صائم" (حوالہ بالا) (وایضا فی ابن ماجه، أبواب الصيام، باب صيام يوم الخ، ص: ۱۲۴، قديمي)

اسلام کے مستحکم ارکان میں سے ہیں (۱)۔

غرض ان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا ثبوت کسی کے خواب سے ہو پیر کے دن سے چار روزوں کا اہتمام کسی روایت سے ثابت نہیں، یہ بالکل بے اصل ہے محض خواب سے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ دین کی تبلیغ اور اشاعت امت کا اہم فریضہ ہے اس سے غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے۔

اب باقی رہا، اس کاغذ کے تیس پرچے تقسیم کرنا اور اس پر چودہ دن میں اس کو خوشی کا ہونا اور جو تقسیم نہ کرے اسکا اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا یا غم دیکھنا اور اس کو اپنے پاس رکھنا گناہ ہونا، یہ سب بے اصل، لغو، ڈھونگ ہے، ایک دو پرچہ لکھ کر تقسیم کرنے کو ضروری قرار دینا بھی جہالت ہے۔

اس سے قبل بھی مدتِ دراز سے ہر سال اس قسم کا اشتہار چھپتا رہا، اس میں خواب دیکھنے والے خادم کا نام بھی شیخ احمد درج ہوتا تھا اور بھی خرافات درج ہوتی تھی مثلاً: یہ کہ امسال اتنے مسلمان مرے جن میں فقط ایک یا دو جنت میں گئے، باقی سب جہنم میں گئے۔ اس وقت اکابر نے تحقیق کی، نہ مدینہ میں شیخ احمد نامی کوئی خادم تھا، نہ وہاں کسی سے اس خواب کا تذکرہ سنا گیا، درحقیقت یہ کسی دشمنِ اسلام کی ایک چال تھی، جس کے ذریعہ وہ اسلام سے بدظن کرتا تھا کہ اتنے مسلمانوں میں سے جب فقط ایک یا دو جنت میں گئے باقی سب جہنم میں گئے تو ایسے اسلام سے کیا فائدہ، تذکرۃ الخلیل (۲) فتاویٰ دارالعلوم (۳) دینی کتب میں ایسا ہی درج ہے (۴)۔

ہم نے ہمیشہ اس اشتہار کو چاک کر دیا ہے، خدا کے فضل سے کوئی غم نہیں ہوا، نہ اپنے سے نہ اپنی اولاد سے ابھی تک ہاتھ دھوئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿اقيموا الصلوة واٰتوا الزكوٰة﴾ (سورة البقره، پ: ۱، آیت: ۴۳)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس شهادة: أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله وإقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة والحج وصوم رمضان". (صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب. قول النبي صلى الله عليه وسلم، بني الاسلام: ۱/۶، قديمي)

(۲) (تذكرة الخليل، ص: ۲۹۲، مكتبة الشيخ)

(۳) لم أجده في فتاوى دار العلوم)

(۴) (كفايت المفتي، كتاب العقائد، باب المتفرقات: ۱/۳۶۸، مطبوعه دارالاشاعت طبع جديد)

اسی طرح دیکھئے: (فتاوى حقانيه، كتاب الوصية: ۲/۱۱۵، دار العلوم حقانيه اكوڑه خٹک)

''ھما، ہدیٰ'' وغیرہ پرچوں کا دیکھنا

سوال[۱۳۴۲]: ھدیٰ یا ھما یا اس جیسے پرچوں کا پڑھنا، مطالعہ کرنا، ساتھ رکھنا از روئے شرع کیسا ہے؟

نوٹ: دو رسالے سوال کے ساتھ نمونۃً پیش ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں کچھ مضامین میں عمدہ نصیحت وعبرت کے ہیں، مقاماتِ مقدسہ کے نقشے اور کچھ نقشے بھی نعت وغیرہ پر مشتمل ہیں مگر کچھ مضامین اخلاق وعقائد کو تباہ کرنے والے بھی ہیں۔ جاندار انسانوں اور جانوروں کے فوٹو بھی ہیں، جب کسی کتاب وغیرہ (کسی شیء میں بھی) منفعت ومضرت دونوں پہلو ہوں تو مضرت سے بچنے کے لئے اس کا ترک کرنا اہم ہوتا ہے(۱)، ایسی چیز جس سے عقائد واخلاق پر غلط اثر پڑے جیسے محرم کے تعزیوں سے متعلق اس میں درج ہے(۲) اور فوٹو بھی دے رکھے ہیں اس سے پورا اجتناب لازم ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "قاعدة: درء المفاسد أولى من جلب المنافع". قال الشارح: "فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع مفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (قواعد الفقه، رقم القاعده: ۱۲۸، ص: ۸۰، الصدف پبلشرز کراچی)

(وكذافي شرح المجلة للبناني المادة: ۳۱، ص: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذافي الأشباه والنظائر مع الشرح (طبع جديد) الفن الأول في القواعد الكلية، قبيل القاعدة السادسة: ۱/۲۶۴، إدارة القرآن)

(۲) "تعزیه داری در عشرۂ محرم یا غیر آن وساختنِ ضرائح و صورتِ قبور و عَلَم تیار کردن دُلدُل وغیرذالک، این همه امور بدعت است الخ". (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ۴/۳۴۴، رشيديه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (كفايت المفتى: ۱/۲۴۰، دار الاشاعت طبع جديد)

اور اسی طرح دیکھئے: (تاليفات رشيديه، كتاب الايمان والكفر، ص: ۷۵، اداره اسلاميات)

(۳) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول:=

مسئلہ تقدیر پر کونسی کتاب ہے؟

سوال[۱۳۴۳]: مسئلہ تقدیر کے لئے کس کتاب کا مطالعہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسئلہ تقدیر پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''اکسیر اکبر'' ہے۔اب ''تقدیر کیا ہے'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۴ھ۔

ردِ شیعہ اور ردِ اہلِ ہنود میں کون سی کتاب معتبر ہے؟

سوال[۱۳۴۴]: ردشیعہ اور رد اہل ہنود میں کونسی کتاب کا مطالعہ کیا جائے، نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ردشیعہ میں تحفہ اثنا عشریہ(۱) ہدیۃ الشیعہ (۲) ہدایۃ الشیعہ (۳) ہدایۃ الرشید کا مطالعہ مفید ہوگا، یہ کتابیں اعلیٰ علمی مضامین پر مشتمل ہیں۔اور ردِ اہل ہنود میں ''قبلہ نما، انتصار الاسلام (۴)، ردتناسخ، کفرتوڑ'' وغیرہ وغیرہ مفید ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۵ھ۔

= "أشد الناس عذاباً عند الله المصورون". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، ص:۳۸۵،قديمى)

"التصاوير جمع التصوير،و هوفعل الصورة ، والمراد به هنا ما يصور مشبهاً بخلق الله من ذوات الروح مما يكون على حائط أو ستر". (مرقاة المفاتيح :۲۶۵/۸، رشيديه)

(و كذا فى رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس : ۳۶۱/۶، سعيد)

(۱)(تحفۃ اثناعشریہ، مصنفہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ، سہیل اکیڈمی)

(۲)(ہدیۃ الشیعہ، تصنیف لطیف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، نعمانی کتب خانہ)

(۳)(ہدایۃ الشیعہ، مصنفہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، منسلکہ تالیفات رشیدیہ، ص:۵۳۳، ادارہ اسلامیات)

(۴)(انتصار الاسلام، تالیف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ادارہ اسلامیات)

(بقیہ کتب کے مصنفین کا تذکرہ کہیں نظر سے نہیں گزرا)

4

اہلِ حق اور بریلویوں کے متفقہ مسائل کی اشاعت

سوال[۱۲۴۵]: مابین بریلوی اور دیوبندی کے بہت سے مسئلوں میں اتفاق پایا جاتا ہے جو چالیس بدعت ہیں اور فتاوی اعلیٰ حضرت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، اب ایسی کتابوں کو کون حضرات خرید سکتے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ آج کل مذہبی کتب کی خریداری بہت ہی کم ہوگئی ہے، نیم ملا انھیں متفقہ مسئلوں کو عوام الناس میں مختلف عنوان کو بیان کر کے لوگوں کو یہی سمجھاتے ہیں کہ دیوبندیوں کے نزدیک ناجائز اور بدعت ہے لیکن بریلویوں کے نزدیک مستحب اور کارِثواب ہے۔ اس لئے اگر ان ہی مسئلوں کو دو تین صفحوں میں بہشتی زیور کے مسئلوں کی طرح تحریر کیا جائے تو شاید دو صفحے میں ۷۰/۸۰ مسئلے یا جتنے بھی ہوں آسکتے ہیں اور ہر مسئلہ کے ذیل میں انہی اعلیٰ حضرت کی کتاب کا حوالہ تحریر کیا جائے جیسے بہشتی زیور وغیرہ میں شامی یا درمختار سے اخذ کیا گیا ہے، جہاں متفقہ مسئلہ کے متعلق سوال آئے تو ذیل میں بریلوی کے اعلیٰ حضرت کی کتاب کا بھی حوالہ دیا جائے اور تحریر کر دیا جائے کہ اس مسئلہ میں علماء بریلوی اور دیوبندی کا اتفاق ہے اور اس رسم کے بدعت ہونے میں تو شک نہیں ہے، اور مسئلہ کے ان دو پرچوں کو عام اخباروں کے ذریعے عوام الناس کو بھی باخبر کیا جائے تو نیم ملاؤں کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ بڑے مفتی صاحب انشاءاللہ اختصار کے ساتھ تمام مسئلوں یعنی بدعتوں کو تحریر فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس قسم کے متعدد رسالے شائع بھی ہو چکے ہیں جن میں وہ مسائل بیان کئے گئے ہیں جو دونوں کے نزدیک یکساں ہیں لیکن اگر اختلاف فروعی ہوتو پھر تو یہ تدبیر مفید ہے، احمد رضا خان صاحب تو علمائے دیوبند سے اپنا اختلاف اصولی یعنی کفر و اسلام کا اختلاف اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، اکابر دیوبند کا نام لے لے کر صاف صاف باقاعدہ لکھا ہے کہ یہ کافر ہیں (۱) جو ان کو کافر نہ مانے یا ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، ان بریلویوں کا شب و روز کا مشغلہ ہی تکفیر اکابر ہے۔

تاہم آپ کے نزدیک جن مسائل کی ضرورت ہے ان مسائل کی فہرست بھیج دیجیے تلاش کر کے کتب کے حوالہ کے ساتھ ان کو لکھ دیا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس طرح لکھنا اور شائع کرنا گویا کہ دو اہلِ حق علماء

---

(۱) دیکھئے: (الكوكب الشهابية في كفريات الوهابية، ص: ۱۰)

کے اختلاف کو پیش کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صلہ رحمی اور اسکے حدود پر کتاب کی ضرورت

سوال[۱۳۴۶]: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ صلہ رحمی اور قطع کا معیار، انتخاب اور حدود کیا ہیں؟ صلہ رحمی کے حدود کہاں سے ختم ہوتے ہیں اور قطع رحمی کے کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟ جن کو قرآن وحدیث کی روشنی میں جاننا چاہتا ہوں۔

معاشرتی زندگی میں ہر وقت معاملہ داری کرنے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور بندہ ثواب وعذاب کا مستحق ہوتا ہے، اس اہم موضوع پر اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک کتاب کی شکل میں اشاعت فرمائیں جو بہت بڑی خدمت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلہ رحمی اور قطع رحمی کے متعلق قرآن کریم (۱) اور حدیث شریف (۲) میں بہت ترغیب وترہیب وارد ہوئی ہے اور مفسرین وشراح نے اس کی تفصیل بھی بیان کی ہے (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واتقوا الله الذی تساء لون به والأرحام﴾ (النساء، آیت: ۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وآتِ ذا القربی حقه﴾ (سورة الإسراء، آیت: ۲۶)

(۲) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصله الله، ومن قطعنی قطعه الله". (متفق علیه، مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، ص: ۴۱۹، قدیمی)

"وعن جبیر بن مطعم رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لا یدخل الجنة قاطع". (مشکوٰة المصابیح، المصدر السابق)

"وعن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لیس الواصل بالمکافیٔ، و لکن الواصل الذی إذا قطعت رحمه، وصلها". (مشکوٰة المصابیح، المصدر السابق)

(۳) قال الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "المراد بالرحم الأقارب، و یقع علی کل من یجمع بینک و بینه نسب وإن بَعُد". (روح المعانی: ۱۸۵/۴، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

قال القاری: "من وصلنی وصله الله": أی بحسن رعایته و بجمیل حمایته. "و من قطعنی قطعه الله": أی عن عین عنایته، و من کمال رحمته و رأفته، فالوصل کنایة عن الإقبال إلیه والقبول منه". (مرقاة المفاتیح: ۶۵۵/۸، باب البر والصلة، رشیدیه)

ترجمہ وتفسیر مظہری (۱)، بیان القرآن (۲)، تفسیر حقانی (۳)، مظاہر حق (۴)، معارف الحدیث (۵)، فضل اللہ الصمد (۶) بہشتی زیور (۷)، حقوق اوراسلام (۸) میں تفصیل مذکور ہے۔

مستقل بیان تصنیف کرنے کی ضرورت نہیں، آپ کو جو صورت پیش آئی ہو اس کو ان سب میں دیکھ لیں، اگر پوری طرح سمجھ میں نہ آئے اس کو لکھ کر دریافت کرلیں، ہر ایک کی خواہش پر مستقل کتاب لکھنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، جس چیز کی ضرورت ہو اس پر کتاب لکھی بھی گئی ہے اور آئندہ بھی لکھی جاسکتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۱ھ۔

دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے کون سی کتاب معتبر ہے؟

سوال[۱۳۴۷]: وہ کونسی کتاب ہے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ ہر مسلمان پر اس قدر علم دین سیکھنا فرض ہے، آپ مجھے مشورہ دیجئے، میرے پاس وقت بہت کم ہے لیکن دین کی معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ کے جذبات سے دل بہت خوش ہوا کہ آپ اپنی مصروفیت کے باوجود علمِ دین سیکھنے کا فریضہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس اتنا وقت نہیں کہ علماء کی خدمت میں جا کر پڑھیں۔بہتر یہ ہے کہ آپ "تعلیم

---

(۱) "والأرحام بالنصب عطفاً على "الله" يعني واتقوا الأرحام أن تقطعوها الخ ".(التفسير المظهري، سورة النساء: ۲/۳، حافظ كتب خانه)

(۲) (بيان القرآن: ۱/۸۹، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تفسير حقاني: ۲/۱۲۳، مير محمد كتب خانه)

(۴) (مظاهر حق كتاب الادب: ۴/۱۲۳، خواجه محمد اسلام)

(۵) (معارف الحديث، كتاب الآداب والمعاشرة عنوان: صلهٔ رحمى: ۲/۵۰، دار الاشاعت كراچى)

(۶) لم اجده

(۷) بهشتى زيور حصه هفتم، باب: ۸۳، طبع جديد دار الاشاعت كراچى)

(۸) لم اجده

الاسلام'' کے سب حصے کسی عالم سے پڑھ لیں، رات دن میں تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اگر کچھ سمجھ کر پڑھ لیں گے تو آپ کو عقائد، عبادات کا ضروری علم حاصل ہو جائے گا، اس کے ساتھ بہشتی زیور کے سب حصے پڑھ لیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۸ھ۔

غیر عالم کا مسائل بتانا اور چند معتبر کتابیں

سوال [۱۴۴۸]: ہمارے گاؤں میں بہت سے بدعت کے کام ہوتے ہیں، مثلاً: ایصالِ ثواب میں پیسہ دے کر قرآن شریف پڑھاتے ہیں اور اس کا ثواب مردوں کو بخشتے ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے کام شریعت کے خلاف ہوتے ہیں اس کے اندر ہم شریک نہیں ہوتے ہیں، لوگ ہم سے پوچھتے ہیں تو ہم اس کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بہشتی زیور مکمل و مدلل مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے، اسی طرح فتاوی دار العلوم دیوبند چہار حصہ، فتاویٰ رشیدیہ اور خطبات و موعظات مکمل جناب مولانا الحاج مفتی ابوالناصر الشہیر بہ ذاکر حسن اور مظاہر حق اردو مطبوعہ دیوبند ہمارے پاس ہے، نیز حکایاتِ صحابہ اور دیگر فقہی کتابیں موجود ہیں۔

ان کتابوں سے ہم ان کو سمجھاتے ہیں اور کچھ لوگ مانتے بھی ہیں اور ہمارا ان کتابوں پر عمل ہے، ہاں اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو ہم فوراً کسی عالم سے دریافت کر کے پوری تحقیق کرتے ہیں پھر بتلاتے ہیں۔ زید ہم کو کہتا ہے کہ تم کو ایک یا دو کتابیں پڑھ کر آپ کو مسئلہ سنانے کا کیا حق ہے؟ خالی کتابیں پڑھنے سے مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا، زید عالم ہے اور مقامی نہیں ہے بلکہ دوسری جگہ کا ہے، اس لئے معلوم نہیں کہ علمائے حق میں سے ہے یا نہیں۔ یہاں پر بہت اچھے اچھے عالم آتے ہیں وہ ہم کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اس لیے بندہ دریافت کرنا چاہتا ہے کہ زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کتابوں کا آپ نے نام لکھا ہے وہ مجموعی حیثیت سے معتبر ہیں، ان میں لکھے ہوئے مسائل صحیح ہیں، ان پر عمل کرنا اور دوسروں کو عمل کے لئے آمادہ کرنا درست بلکہ عینِ راہ ہدایت ہے اور ذریعۂ نجات ہے، البتہ ہر مسئلہ کی باریکی کو سمجھنا آسان نہیں جو عالم ان کتابوں کے مسائل کو غلط بتائیں ان سے غلط ہونے کی دلیل لکھوا کر بھیجیں تو انکی دلیل پر غور کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۱۲ھ۔

''عین الهدایہ''

سوال[۱۳۴۹]: ''عین الہدایہ'' یہ کس کی تصنیف ہے اور زمانہ تصنیف کیا ہے؟ اور فقہ میں کس پایہ کی تصنیف مانی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عین الہدایہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا، یہ ہدایہ کا ترجمہ ہے، اس کے مصنف گذشتہ صدی میں گذرے ہیں وہ مترجم تھے کہیں، کچھ تشریح بھی کرتے تھے، مجتہد نہیں تھے(۱)، مجموعی حیثیت سے یہ ترجمہ معتبر ہے، تاہم اگر کوئی چیز خلاف مذہب اس میں ہو وہ معتبر نہیں اور کسی ایک روایت کی وجہ سے پوری کتاب کو غیر معتبر بھی نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

ناسخ ومنسوخ سے متعلق کتابیں

سوال[۱۳۵۰]: آپ کا جواب ۵۸۷(ب) مورخہ ۸۸/۶/۱۷ھ ملا شکریہ، آپ نے تحریر فرمایا کہ ''اس مسئلہ پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جن میں نسخ کی تعریف، منسوخ کے احکام، ناسخ کے اقسام، درج ہیں''۔ براہ کرم ان کتب کے نام جو اردو میں ہوں تحریر فرمائیں۔

---

(۱) ''السيد الفاضل العلامة أمير على بن معظم على الحسيني المليح آبادي ثم اللكهنوي أحد العلماء المشهورين في الهند، ولد في سنة أربع و سبعين و مائتين و ألف، و قرأ الرسائل الفارسية والفنون الرياضية ...... و لما بلغ الخامس عشر من سنه ترك الاشتغال بذلك و أقبل إلى العلوم العربية، و كان مفرط الذكاء جيد القريحة، قوي الحفظ سريع الإدراك، متين الديانة، شريف النفس ...... غير متصلب في المذهب الحنفي، يتتبع الدليل، و يترك التقليد إذا وجد في مسئلة نصاً صريحاً مخالفاً للمذهب غير منسوخ...... و له مصنفات عديدة، منها مواهب الرحمن في تفسير القرآن بالأردو في ثلاثين مجلداً، و منها عين الهداية شرح هداية الفقه بالأردو، و منها ترجمة الفتاوى العالمگيرية، و منها شرح صحيح البخاري بالأردو في مجلدات كبار...... مات في شهر رجب سنة سبع و ثلاثين و ثلاثمائة و ألف بلكهنؤ''. (نزهة الخواطر: ۸/۸۵، طيب اكادمي ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ملاحازمی کی تصنیف عربی میں ہے، حیدرآباد میں طبع ہوئی، إفادۃ الشیوخ لمقدار الناسخ والمنسوخ نواب صدیق حسن صاحب کی فارسی میں ہے، الفوز الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے، اصل فارسی میں ہے اس کا ترجمہ عربی میں بھی ہوا ہے اور اردو میں بھی ہوا ہے، اس میں بھی یہ بحث موجود ہے، اگرچہ یہ کتاب مستقلاً محض نسخ کے بیان کے لئے نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۸۸ھ۔

اہلِ فرنگ کی رد کے لئے کتابیں اور توریت وانجیل کی زبان

سوال[۱۳۵۱]: گاہے گاہے یہاں اہلِ فرنگ سے بحث ومباحثہ کی نوبت آتی ہے، ان کے عقائد کو رد کرنے کے لئے کسی زبردست کتاب کی رہنمائی کی جائے تو بے حد مدد مل سکے گی اور کامیابی کی توقع ہے اور اگر زحمتِ خاطر نہ ہو تو اس سے بھی آگاہی بخشیں کہ انجیل کس زبان میں اور توریت کس زبان میں اور زبور کس زبان میں نازل ہوئی تھی اور صحائف ابراہیمی کس زبان میں تھے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تقریر دلپذیر(۱)، تفسیر حقانی(۲)، اظہار الحق(۳)، میں کافی سیر حاصل دلائل موجود ہیں، جس زبان میں تورات، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیم ہیں اس کو عبری یا عبرانی زبان کہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

---

(۱)(تقریر دل پذیر، مؤلفہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۲)تفصیل کے لئے دیکھئے:(تفسیر حقانی، (سورۂ نساء آیت: ۱۷۱): ۲/۲۳۲، مؤلفہ: فخر المفسرین عمدۃ المتکلمین أبو محمد عبد الحق حقانی دھلوی، میر محمد کتب خانہ)

(۳)(اظہار الحق تالیف الإمام العلامہ رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن العثمانی الکیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) یہ کتاب عربی میں ہے اور اس موضوع پر بہترین کتاب ہے، مطبع قطر۔

اردو میں اس کی تشریح وتحقیق شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے کی ہے کتاب کا نام ''بائبل سے قرآن تک'' ہے۔

''تاریخ ابن خلدون'' کا حال

سوال[۱۳۵۲]: تاریخ ابن خلدون معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مجموعی حیثیت سے معتبر ہے اگر چہ بہت سی اشیاء اس میں غیر معتبر بھی ہیں جیسا کہ اکثر تواریخ کا حال ہوتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا''تاریخ الخلفاء''مستند کتاب ہے؟

سوال[۱۳۵۳]: تاریخ الخلفا جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے، یہ کتاب مستند ہے یا غیر مستند؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تاریخ الخلفاء مستند نہیں ہے بلکہ یہ تاریخ کی کتاب ہے جس میں کچی پکی سب قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں، حدیث کی جو روایات اس میں موقع موقع سے بیان کی ہیں وہ بھی قوی ضعیف ہر طرح کی ہیں(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "تاريخ ابن خلدون ، القاضي عبد الرحمان بن محمد الخضرمي .... وهو كبير عظيم النفع والفائدة رتب على السنوات .... و لعل ذلك الكتاب هو (المعبر و ديوان المبتداء والخبر في أيام العرب والعجم و البربر) .... و هو على مقدمة و ثلاثة كتب، المقدمة في فضل علم التاريخ .... و هذا الكتاب الأول ذهب باسم امقدمة حتى صار عَلَما عليها". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون : ۲۷۸/۱، ۱۱۲۴/۲، مكتبه المثنى بغداد بيروت)

(۲) "تاريخ الخلفاء لجلال الدين عبد الرحمن أبي بكر السيوطي المتوفى سنة إحدى عشرة و تسعمائة، و هو أحسن ما صنف فيه". (كشف الظنون، حرف التاء : ۲۹۳/۱، مكتبه المثنى ، بغداد)

کتاب آذرجندی کی حقیقت

سوال[۱۳۵۴] : استفتاء:ما قولکم فی هذه المسئلة رحمکم الله تعالیٰ أیها العلماء۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتوی ''آذرجندی'' میں روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ اور چھوہارے لاکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس پر ایک مروجہ طریقہ کے مطابق ہاتھ اٹھا کر چاروں قل اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ثواب روح اپنے صاحبزادے کو بخشا۔انتہی ملخصاً۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کتاب ملاعلی قاری کی تصنیف نہیں اور یہ روایت بھی صحیح نہیں، کتب حدیث میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں (۱) مولانا عبدالحیء نے اس کو موضوع لکھا ہے۔فتاوی رشیدیہ حصہ اول ص:۱۰۴و۱۰۵و۱۰۶پر اس روایت کے متعلق تفصیلی رد موجود ہے (۲) اور دہلی، لکھنو، مرادآباد، پانی پت وغیرہ کے بہت سے علماء کے دستخط

---

(۱) روایت کوفتاوی رشیدیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:"قال: کان الیوم الثالث عن وفات إبراهیم بن محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، جاء أبو ذر رضی الله تعالیٰ عنه عندالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم معه تمرة یابسة ولبن الناقة وخبز الشعیر، فوضعها عند النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقرأ النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الفاتحة مرةً و سورة الإخلاص ثلاث مرات، و قرأ: "أللهم صل علی محمد أنت لها أهل"، فرفع یدیه و مسح وجهه، فأمر بأبی ذر أن یقسمهما، و قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ثواب هذه الأطعمة لإبراهیم". (باب البدعات، ص: ۲۴۶، سعید)

(۲) "نہ کتاب آزرجندی از تصانیف ملا علی قاری است، و نہ روایتِ مذکورہ صحیح و معتبر است، بلکہ موضوع است و باطل، برآں اعتماد نشاید، در کتبِ حدیث نشانے از همچو روایت یافتہ نمی شود" حررہ .... أبو الحسنات، مهر (أبو الحسنات محمدعبد الحیء)

یہ حدیث وضعی ہے اور بنانے والا اس کا کاذب اور مفتری ہے اورآزرجندی کوئی کتاب ملاعلی قاری کی تصنیف سے نہیں ہے"۔انتہی بلفظہ۔محمد صدرالدین صدر صدور دہلی۔

(فتاوی رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۲۴۶، سعید)

اس پر متفقہ ہیں(۱) اس روایت سے فاتحہ مروجہ پر استدلال کس طرح ہوا کیا فاتحہ پڑھی ہے یا کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۳/ ذیقعدہ ۵۷ھ

ضروری مستند مسائل کی اشاعت

سوال[۱۳۵۵]: سائل نے کچھ ضروری مسائل کتب فقہ سے لے کر مستند علماء سے تصدیق کرا کر شائع کئے ہیں، وہ دارالافتاء کو روانہ کیے ہیں کہ میرا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا یہ طریقہ کہ مستند و معتبر کتب فقہ سے ضروری مسائل لے کر اور ان پر قابلِ اعتماد علماء کی تصدیق حاصل کر کے شائع فرماتے ہیں جس سے عامۃ المسلمین کو واقفیت حاصل ہوتی ہے، بہت بہتر اور انشاء اللہ تعالیٰ موجب اجر و ثواب ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۱ھ۔

بوسیدہ کتب کا حکم

سوال[۱۳۵۶]: درمختار میں ہے کہ اگر کتب پرانی ہو جائیں اور قابلِ استفادہ نہ رہیں تو اللہ جل شانہ اور انبیاء، ملائکہ کے اسماء محو کر کے بقیہ کو جلا دیا جائے (۳) اور شامی میں جو قرآن مجید قابل تلاوت نہ ہو اس کے متعلق لکھا ہے: "لا یحرق وبہ نأخذ" (٤)۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اگر قرآن کو جلانے کی

---

(۱) جن حضرات کے دستخط اور مہر موجود ہیں ان کو: (فتاویٰ رشیدیہ، باب البدعات، ص: ۴۴۶، سعید) میں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ کسی دلیل میں کئی احتمالات ہوں تو اس سے استدلال درست نہیں ہوتا ہے۔

(۳) "الکتب التی لا ینتفع بها یمحی عنها اسم الله وملائكة ورسله ويحرق الباقي". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۲، سعيد)

(۴) قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ: "والمصحف إذا صار خلقاً وتعذر القرآة منه، لايحرق بالنار، إليه أشار محمد، وبه نأخذ". (ردالمحتار، فصل في البيع: ۶/۴۲۲، سعيد)

روایت صحیح ہے تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرح سیر کبیر: ۲/۲۷۷، میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس امر کے متعلق لکھا ہے: "لا یکاد یصح" اور "لا أصل لذلك الحديث اه"(۱)۔ لیکن یہ قصہ بخاری شریف میں مذکور ہے، اس لئے سند کے اعتبار سے اس کو بے اصل کہنا دشوار ہے: "وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق اه" (۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "في رواية الأكثر أن يحرق بالحاء المعجمة، وللمروزي بالمهملة، ورواية الأصيلي بالوجهين، والمعجمةُ أثبتُ (إلى قوله) وفي رواية سويد بن غفلة عن علي رضي الله عنه قال: لاتقولوا لعثمان في إحراق المصاحف إلا خيراً (إلى قوله) وقد جزم عياض بأنهم غسلوها بالماء ثم أحرقوها مبالغةً في إذهابها. قال ابن بطال: في هذا الحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله بالنار، وأن ذلك إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام (إلى قوله) وكرهه إبراهيم، وقال ابن عطية: الرواية بالحاء المهلمة أصح، وهذا الحكم هو الذي وقع في ذلك الوقت، وأما الآن فالغسل أولىٰ لمادعت الحاجة إلى إزالته اه" فتح الباري: ۱۸/۹(۳)۔

حافظ عینی رحمہ اللہ نے متعدد توجیہات بحوالہ کرمانی رحمہ اللہ نقل کر کے روایتِ احراق کو تسلیم کیا ہے اور حنفیہ کا مذہب وہی نقل کیا ہے جو شامی میں ہے(۴)۔

---

(۱) "والذي يروى أن عثمانؓ فعل ذلک بالمصاحف المختلقة حين أراد جمع الناس على مصحف واحد، لايكاد يصح، فالذي ظهر منه من تعظيم الحرمة لكتاب الله تعالىٰ، والمداومة على تلاوته آناء الليل والنهار دليل على أنه لاأصل لذلک الحديث"۔ (شرح السير الكبير، الجزء: ۳، ص: ۱۴۱، باب مايحمل عليه الفئى وما يركبه الرجل من الدواب الخ، عباس احمد الباز، مكة المكرمة)

(۲) (صحيح البخاري: ۲/۷۴۶، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، قديمي)

(۳) (فتح الباري: ۹/۲۰، ۲۱، كتاب فضائل القرآن، دارالفكر، بيروت)

(۴) "وقال الكرماني: فإن قلت كيف جاز إحراق القرآن؟ قلت: المحروق هو القرآن المنسوخ أو المختلط بغيره من التفسير أو بلُغة غير قريش أو القراء ات الشاذة، وفائدته أن لايقع الاختلاف فيه =

فیض الباری: ۲۶۴/۴ میں ہے:

"والإحراق ههنا لدفع الاختلاف، وهو جائز، قلت: وهذا حاصل ما قال ابن عطية"۔ فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

= .... عن علي، رضي الله عنه قال: لا تقولوا لعثمان في إحراق المصاحف إلا خيراً ..... ومن طريق مصعب بن سعد قال: أدركت الناس متوافرين حين أحرق عثمان المصاحف، فأعجبهم ذلک، أو قال: لم ينكر ذلک منهم أحد. وقال ابن بطال : في هذالحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله عزوجل، بالنار وإن ذلک إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام ..... وقال أصحابنا الحنفية: إن المصحف إذا بلى بحيث لاينتفع به يُدفن في مكان طاهر بعيد من وطء الناس". (عمدة القاري: ۲۰/۲۶، ۲۷، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم الحديث: ۴۹۸۷/۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

"المصحف إذا صاربحال لايقرأ فيه يدفن كالمسلم" . وفي الرد "(قوله: يدفن): أي يجعل في خرقة طاهرة، ويدفن في محل غير ممتهن لايوطاء الخ". (ردالمحتار على الدر المختار: ۱۷۷/۱، كتاب الطهارة، (فروع) قبيل باب المياه، سعيد)

باب فی تذکرۃ الرجال

(رجال کا بیان)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مرجیہ کہنے والا

سوال[۱۳۵۷]: حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین مرجیہ ہیں، ایسا کہنے والا، لکھنے والا علمائے حق کے نزدیک پیر یا ولی، قطب یا غوث کہلانے کا حقدار ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کے متعلق پوری عبارت مع حوالہ نقل کریں، اگر حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی "غنیۃ الطالبین" کے متعلق یہ سوال ہے تو اس کی توضیح شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہمانے کی ہے(۱)، اس کو دیکھیں اشکال رفع ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الشيخ اللكنوى رحمة الله عليه في الرفع والتكميل في الجرح والتعديل: "و قد طال البحث قديماً و حديثاً بين علماء المذاهب الأربعة في عبارة الغنية، و استشكلوا وقوعها من مثل هذا الشيخ الجليل، و الصوفي النبيل(أى عبد القادر الجيلانى) ، و ذلك لوجهين : الأول : أن كتب الإمام أبى حنيفة "كالفقه الأكبر "و "كتاب الوصية" تُنادىٰ بأعلى النداء على أنه ليس مذهبه في باب الإيمان و فروعه ما ذهبت إليه المرجئة أصحاب الإغوا ، و كذلك كتب الحنفية تشهد ببطلان مذهب المرجئة ، و أن الحنفية و إمامهم ليسوا منهم ، فهذه النسبة الواقعة فِريَةٌ بلا مرية ،و صدورها من مثل هذا الشيخ الذى هو سيد الطائفة الرضية : بلية أىّ بلية.

والثانى : أن غوث الثقلين بنفسه ذكر في "الغنية " أبا حنيفة بلفظ الإمام ، و أورد قوله عند ذكر خلاف الأئمة الأعلام .... الخ ". (مجموعة رسائل للكنوى :۵/۱۸۵ ، رساله: الرفع والتكميل في الجرح والتعديل ، ص:۵۳، تحت عنوان: نافع لكل وجيه ، إدارة القرآن كراچى) ....=

امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر گمراہ ہونے کا الزام

سوال[۱۳۵۸]: سائل کا بیان ہے کہ رسالہ ''نشیمن'' میں شائع ہوا ہے کہ ''تجلی'' دیوبند میں مضمون شائع ہوا ہے کہ مفتیان دارالعلوم دیوبند نے یہ فتوی دیا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ گمراہ ہیں۔ کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟ اس کے بارے میں مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے دیوبند حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں، ان کے مذہب کی کتابیں: "نور الإیضاح، قدوری، کنز، شرح وقایہ، ھدایہ" پڑھاتے ہیں اور ان کتابوں کے موافق عمل کرتے ہیں اور یہاں کے مفتی بھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے ہر ہر مسئلہ کو پختہ دلائل کے ذریعہ سمجھاتے ہیں۔ حدیث شریف میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاص شاگرد امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ'' پڑھاتے ہیں، جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند سے حدیثیں موجود ہیں، نیز ''طحاوی شریف'' پڑھاتے ہیں جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی علمائے دیوبند بہت بڑا محدث اور امام اور فقیہ مانتے ہیں، ہرگز ہرگز ان دونوں بزرگ اماموں کو یہاں کے مفتیوں نے گمراہ نہیں کہا، جو شخص بھی دارالعلوم دیوبند کے مفتیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ ہونے کا فتوی دیا ہے وہ غلط اور سراسر بہتان ہے، خدائے قہار کے سامنے اس کو میدانِ حشر میں اس کا جواب دینا ہوگا، دارالعلوم کے مفتی اس الزام سے بالکل بری ہیں، آئے دن قسم قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں، ہم معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

= مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (مجموعہ رسائلِ علمائے ھند، ج: ۱ میں رسالہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر إرجاء کی تھمت)

(ومقدمة إعلاء السنن، أبو حنيفة وأصحابه المحدثون، الفصل الثامن: ۳/۴۳، ادارة القرآن)

تنبیہ: دارالافتاء میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی سوال آیا ہی نہیں کہ جواں کو گمراہ بتلا دیا جائے۔نعوذباللہ من ذلک فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

عبدالرحمٰن قاریؒ کا حال

سوال[۱۳۵۹]: مولانا احمد رضا خان کے ملفوظ میں ہے کہ "ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا (اے ناظرین! قرأت سے قاری نہ سمجھیں بلکہ قارہ سے ہے) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا، اونٹ ہانک کرلے گیا، چرواہے کو قتل کر دیا، اسے حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا"۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن قاریؒ صحابی تھے، ان کو مولانا احمد رضا خان نے کافر کہا۔کیا یہ اعتراض درست ہے؟ کیا عبدالرحمٰن قاری نام کے کوئی صحابی ہیں؟ اگر کوئی خاص دقت نہ ہو تو جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہو اس کتاب کا نام مع سنِ پیدائش اور وفات اور کب ایمان لائے تحریر کریں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عبدالرحمٰن قاریؒ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئے تھے، لیکن صغرسنی کی وجہ سے روایت سننے کی نوبت نہیں آئی، اس وجہ سے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور اصطلاحِ محدثین میں یہ صحابہ میں شمار نہیں بلکہ مدینہ پاک کے تابعین میں داخل ہیں۔۸۱ھ میں ان کی وفات ہے، اس وقت ان کی عمر ۷۸/ سال تھی۔"اکمال" میں ان کا ترجمہ موجود ہے(۱) یہ مشکوۃ شریف کے آخر میں ہے دیگر کتب رجال

---

(۱) " عبد الرحمن بن عبد القاریّ : هو عبد الرحمن بن عبد القاریّ ، یقال : إنه ولد علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، و لیس له منه سماع ولا روایة، و عدّه الواقدی من الصحابة فیمن وُلد علی عهد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، والمشهور أنه تابعی، هو من جملة تابعی المدینة و علمآئها، سمع عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه، مات سنة إحدی و ثمانین ، وله ثمان و سبعون سنةً ، القاریّ بفتح القاف والرآء و تشدید الیآء بغیر همزة". (الإکمال فی أسماء الرجال لصاحب المشکوة الملحق بمشکوة المصابیح، حرف العین ، فصل فی التابعین ص: ۶۰۹ ، قدیمی) .... =

میں زیادہ تفصیل ہے۔

"الملفوظ" کے حوالہ سے جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور ان کو کافر کہنا تو انتہائی جرأت ہے اور ایک مؤمن کے لئے بہت خطرناک ہے (۱)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کو کافر کہنا کیا معنی، ادنیٰ بے ادبی اور خلافِ شان بات کہنا بھی مومن کی شان نہیں۔ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرے قسم کے لفظ کہے وہ ملعون ہے، حدیث پاک میں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد ہیں؟

سوال [۱۳۶۰]: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کونسی کتاب صحیح ہے؟

= (وكذا في المرقاة شرح المشكوة مختصراً، كتاب الصلوة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث: ۳/۳۷۷، رشيديه)

قلت: وقد روى عنه الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ في صحيحه فقال: "و عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير، عن عبد الرحمن بن عبدٍ القاريّ أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلةً في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون .... (إلى أن قال): قال عمر: "نعم البدعة هذه، والتي تنامون عنها أفضل من التي تقومون" يريد آخر الليل، و كان الناس يقومون أوّله". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان: ۱/۲۶۹، قديمي)

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، و لا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الذين يسبّون أصحابي، فقولوا: لعنة الله على شركم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

دونوں ہی ٹھیک ہیں، بخاری استاذ ہیں، امام مسلم شاگرد ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ،العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔

سحبان الہند

سوال[۱۳۶۱]: سحبان الہندحضرت مولانااحمدسعیدصاحب کاکیامقام ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہت عمدہ خوش بیان واعظ تھے، چند کتابوں کے مصنف تھے(۲)، جمعیۃ العلماء کے ناظم تھے(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند،۲۰/۵/۹۲ھ۔

پالن حقانی

سوال[۱۳۶۲]: ہمارے یہاں ایک صاحب محمد پالن حقانی صاحب آئے اوروعظ کہاجس سے سامعین پر بہت اثر ہوا، اور دوسرے مقامات پر بھی وعظ کی درخواست کی گئی، چنانچہ متعدد بیانات ہوئے، سامعین کی بہت بڑی تعداد نے بدعات سے توبہ کی، نماز کا جذبہ پیدا ہوا، مساجدِ کثیرہ آباد ہوگئیں، قلوب میں خدا کا خوف اوردین کی طلب کا ولولہ ان کی تقاریر سے پیدا ہوا، وہ خود عالم نہیں اس کا بھی اقرار کرتے ہیں۔

---

(۱)"ومسلم مع أنه أخذ عن البخاری فإنه یشارک البخاری في کثیر من شیوخه". (هدي الساری مقدمة فتح الباری: ۱/۱۰، الفصل الثانی فی بیان موضوعه والکشف عن مغزاه فیه: ۱/۱۰، قدیمی)

"وقد صح أن مسلماً کان ممن یستفید من البخاری، ویعترف بأنه لیس له نظیر فی علم الحدیث". (مقدمة شرح الإمام النووی علی صحیح مسلم: ۱/۱۳، قدیمی)

(وکذا فی مقدمة فتح الملهم: ۱/۱۰۰، ترجمه الإمام مسلم بن الحجاج رحمه الله تعالیٰ، کتب خانه یحیویه سهارنپور)

(۲)مثلاً:"جنت کی کنجی"،"دوزخ کا کھٹکا" وغیرہ۔

(۳)دیکھئے:(دہلی میں دفن خزینے،ص:۲۶۷،طیب پبلشرز لاہور)

4 ایک کتاب بھی انہوں نے تصنیف کی ہے اس کا نام ''شریعت یا جہالت'' بعض لوگ ان کی تقریر سننے سے منع کرتے ہیں اور ان کی کتاب دیکھنے سے روکتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کی کتاب میں مسائل غلط ہیں۔ مثلاً: قبروں پر پھول ڈالنا انھوں نے جائز بتایا ہے اور تمبا کو کو حرام لکھا ہے اس لئے دیوبند سے دریافت کیا گیا، جواب میں دو فتوے آئے ایک موافق ایک مخالف، تو آپ رہنمائی کریں کہ ان کی کتب دیکھی جائے یا نہیں، یہ دونوں بھی ارسال ہیں اور ان کی تقریر سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محمد پالن حقانی کے متعلق آپ کا مرسلہ دو مطبوعہ اشتہار پہونچے جن میں موافق ومخالف دیوبند کے دو فتوے درج ہیں، جب سوال یہ کیا جاوے کہ وہ اپنی تقریر میں ہر مسئلہ کو قرآن پاک کی آیات اور حدیث شریف اور فقہ کے مکمل حوالہ کے ساتھ مبرہن کر کے بیان فرماتے ہیں تو لامحالہ جواب وہی ہوگا جو کہ بذیل نمبر:۱۸۔ ۸۶/۱/۶ھ کو دیا گیا ہے۔ اور جب سوال یہ کیا جائے کہ وہ ان پڑھ جاہل ہیں اور ان کی تقریروں میں بہت سے مسائل غلط ہیں تو ظاہر ہے کہ جواب وہ ہوگا جو کہ نمبر:۶۶ کے ذیل میں ۸۶/۱/۲۶ھ کو دیا گیا ہے لہٰذا اختلافِ جواب اختلاف سوال پر مبنی ہے، دیوبند ہی کے دونوں فتوے ہیں، لیکن جو فتویٰ حقانی صاحب کے خلاف ہے اس کے حاشیہ والی عبارت یہاں کے فتوے کی نہیں ہے وہ کسی اور صاحب کا اضافہ ہے، ہم نہیں جانتے کہ وہ کن صاحب کا اضافہ ہے۔

اب آپ نے کتاب ''شریعت یا جہالت'' بھی روانہ کی ہے، اس کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ مخالف صاحبان نے دونوں مسئلوں میں احتیاط سے کام نہیں لیا، یا خود غلط فہمی میں مبتلا ہو کے دوسروں کو مغالطہ دینا چاہا، قبر پر پھول ڈالنے کے متعلق حقانی صاحب نے ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ قبروں پر پھول ڈالنا اور خوشبو ڈالنا درست ہے اور اس کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن اس قول کو پسند نہیں کیا، نہ اس کی ترغیب دی بلکہ اس کے خلاف کو پسند کیا ہے جس عقیدہ سے اولیاء کرام کی قبروں پر لوگ پھول ڈالتے ہیں اول اس عقیدہ کی جڑ کاٹی ہے، لکھا ہے:

''اس میں کسی دوسرے قسم کی نیت نہ ہو یعنی یہ میری مشکل حل کر دیں گے، یا مجھے بیٹا، بیٹی دیں گے، یا مجھے قرض سے نجات دلائیں گے، یا مجھے نوکری یا بیوپار دھندا مل جائے گا، اس نیت سے قبروں پر جانا قطعاً حرام ہے، کیونکہ یہ شرک ہے اور شرک

کرنے والا اگر بے توبہ کے مرگیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے''۔

پھر اخیر میں لکھا ہے کہ ''رقم کو خیرات کرکے اس کا ثواب اس قبر والے کو بخش دے یہ پھولوں سے زیادہ اچھا ہے''۔

اب دیکھئے عوام کا کیا حال ہے، پھول قبر پر عامۃً تقرب کے لئے چڑھائے جاتے ہیں اور نیت وہی ہوتی ہے جو حقانی صاحب نے لکھی ہے، اس نیت سے پھول چڑھانا کیا معنی، قبر پر جانا بھی حرام لکھا ہے، پھر یہ کہنا کہ حقانی صاحب نے قبر پر پھول ڈالنے کو جائز لکھا ہے، صحیح نہیں بلکہ مغالطہ ہے۔

دوسرا مسئلہ آپ نے تمباکو کے متعلق لکھا ہے کہ حقانی صاحب نے اس کو حرام لکھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ بعض علماء نے اس کو حرام فرمایا ہے، ان کی کتابوں سے حقانی صاحب نے نقل کیا ہے، اس کا مدار اس بات پر ہے کہ تمباکو مسکر (نشہ آور) ہے یا نہیں، جن حضرات کے نزدیک یہ مُسکر ہے انھوں نے ناجائز لکھا ہے اور جن کے نزدیک مسکر نہیں انھوں نے اجازت دی ہے یا بدبو کی وجہ سے مکروہ تنزیہی لکھا ہے، چنانچہ دوسرا قول بھی حقانی صاحب نے نقل کیا ہے، اس کی حرمت پر ان کو اصرار نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''میرے عزیز دوست! بعض مولوی صاحبان تمباکو کو مکروہ تنزیہی سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں، میرے دوست! تو جو سمجھ رہا ہے، وہی سمجھ لے پھر بھی آپ کو چھوٹے سے چھوٹے مکروہات کو چھوڑنا ہوگا، کیونکہ جنت کی جو خاص خاص نعمتیں ہیں وہ ان کی آڑ میں ہیں یعنی ان کاموں کے ترک کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں، ص: ۴۹۳۔

یہ بات حدیث شریف میں بھی ہے کہ مقام تقویٰ کو حاصل کرنے کے لئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا ہوتا ہے(۱)، کیونکہ اگر ہر مباح کو اپنی خواہش کے موافق کرنے لگے تو نوبت غیر مباح تک پہونچ

(۱) "عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات، لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات، استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات، كراع يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! وإن لكل ملك حمى، ألا! إن حمى الله في الأرض محارمه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه: ۱/۱۳، قديمي)

جاتی ہے(۱)، یہ ان دونوں مسئلوں کی حقیقت ہے جس کو حقانی صاحب نے لکھا ہے، اصل کتاب گجراتی زبان میں تھی جس میں قرآن حدیث فقہ کے تراجم سے مدد لی گئی ہے، پھر اس کا اردو ترجمہ کردیا گیا ہے۔ حقانی صاحب نہ عربی سے واقف، نہ اردو میں تصنیف کرسکتے ہیں، ان کی مخالفتوں کا زور ہے، یہ زور اب سنبھل میں بھی شروع ہوگیا اگر بہ نظرِ انصاف مطالعہ کیا جائے تو ان کی کتاب مجموعی حیثیت سے بہت مفید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق تفصیل

سوال[۱۳۶۳]: ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پرانے حضرات تو کچھ فرمائیں اور اب کے نئے ان کے خلاف تحقیق کچھ اور لکھیں، نہ معلوم کیوں ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو قابل سمجھا جاتا ہے اور اگلوں کی تحقیق کو غلط سمجھا جاتا ہے کیوں اپنی بڑائی مقصود ہے اور اپنا کمال وتحقیق ظاہر کیا جاتا ہے، چاہے اگلوں کی توہین ہوجائے؟ سائل گمراہ ہوجائے کچھ خیال نہیں، اب تک تو ہم نے یہ عقیدہ رکھا کہ قطب الارشاد امام ربانی صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا حق وصحیح ہے، اب ان کو غلط وجھوٹا اور صحیح نہ لکھنے والا سمجھیں اور اب آپ یہ عقیدہ رکھیں کہ جو آپ قطب الارشاد عالم ربانی کے خلاف لکھ رہے ہیں وہ صحیح ہے اور آپ سچے ہیں اور انہوں نے جو لکھا غلط لکھا ہے، عجیب مذاق ہے، معاف کیجئے گا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا زبردست وقطب الارشاد امام ربانی تو غلط لکھ دے اور ان کو معلوم نہ ہو اور آپ کو ساری تحقیق ہوگئی اب تو فتاویٰ رشیدیہ کا کوئی مسئلہ ہی صحیح نہیں رہا، نہ معلوم کون سا صحیح اور کون سا غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ امام ربانی نے اور دوسرے مسائل میں بھی غلطی کی ہوگی، تحقیق نہ ہوئی ہوگی، اب آپ اپنے فتوے شائع کرائیے، امام ربانی کے فتوے شائع کرانا بند کرائیے، ورنہ سب گمراہ ہوجائیں گے، ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ جیسا کہ امام ربانی کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ "مؤلف آپ کے یعنی (امام ربانی) کے کمالات علمیہ وعملیہ کا حق ادا نہیں کرسکتا، خلاصہ یہ ہے کہ ملت محمدیہ کو اگر آسمان کہا جائے تو آپ کو اس کا کوکب دری کہا جائے گا"۔ اب یہ

---

(۱) "الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، باب صفة الصلوٰة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

تعریف غلط یا پہلی ہی غلط یا جھوٹ لکھی گئی، ہم تو لوگوں کو حضرت امام ربانی کا معتقد بناتے ہیں اور آپ ان سے برگشتہ کرتے ہیں اور ان کی کمالات علمی کی شان کو بالکل بیکار کر دینا چاہتے ہیں۔

آج آپ نے یہ لکھا کل کو کل فتاویٰ رشیدیہ ہی کو غلط اور بغیر تحقیق سے لکھا ہوا بتا دیجئے گا، آپ خود بھی سوچئے اور خدا کے لئے غور فرمائیے کہ اس کے بعد فتاوی کا کیا ویلیو باقی رہ جاتا ہے، امام ربانی کی شان تو یہ ہے کہ جیسا کہ ’’ارواح ثلاثہ‘‘ میں تحریر ہے کہ:

’’خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب محمد یحیی صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مسئلہ شامی میں تو نہیں ہے۔ فرمایا کہ: یہ کیسے ہوسکتا ہے، لاؤ شامی، شامی لائی گئی، حضرت ایک آنکھ سے معذور ہو چکے تھے، شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کرکے اور ایک ثلث بائیں جانب کرکے اندازہ سے کتاب ایک دم کھولی کہ بائیں صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو، دیکھا تو وہ مسئلہ اسی صفحہ پر موجود تھا، سب کو حیرت ہوئی، حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا‘‘۔

اب بتائیے کہ کیا اتنے بڑے امام نے غلط لکھا، بھول ہوئی، معلوم نہ ہوا، کہنے والا تو کہتا ہے کہ اگر آپ نے اس ’’فتاویٰ رشیدیہ‘‘ کے موافق دیوبند سے جواب منگوا دیا تو وہ مان لوں گا، ورنہ فتاوی رشیدیہ غلط ماننے اور عمل کرنے کے لائق نہیں۔ اب آپ ہی غور فرمائیے کہ جب اس کو آپ کا یہ جواب دکھایا جائے گا تو وہ امام ربانی گنگوہی کی طرف سے کس قدر بدظن ہوگا، معتقد ہونے کے بجائے مخالف ہوگا، غلط بیانی کرنے والا سمجھے گا، اس کی نظر میں بلکہ اوروں کی نظر میں بھی فتاوی رشیدیہ کی کتنی وقعت رہ جائے گی اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوگا، امام ربانی کی ساری زندگی کی محنت اور سرمایہ زندگی بے کار ہو کر رہ جاتا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ مسئلہ یہیں تک ہی ختم نہیں ہو جاتا، آگے بڑھے گا، اپنے بھی بدظن ہی نہیں بلکہ ان کی نظروں میں بھی امام ربانی کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی، ان کی تحریر پر کسی کو اعتماد نہیں رہتا۔

ہم تو امام ربانی کی سوانح عمری اور فتاوی سنا سنا کر ان کا معتقد بناتے ہیں اور آپ جدائی قائم کرتے، بدظن بناتے اور عزت کھوتے ہیں، اتنے بڑے امام کی شامی پر اس قدر گہری نظر ہو تو کیا وہ غلط کہے گا، معلوم نہ

ہوگا، یا یہ تعریف یا اس قسم کی کتابیں غلط وجھوٹ ہیں، دونوں طرح مشکل ہے، یا فتاوی بالکل غلط، اور جب فتاویٰ رشیدیہ غلط تو اب آپ ہی غور فرمائیے کہ امام ربانی کی کیا عزت باقی رہ جاتی ہے یا امام کی تعریف میں بھری یہ کتابیں غلط ہیں تو لکھنے والے اکابر غلط اور جھوٹے اور من گھڑت تعریف اور غلط اور جھوٹی کتابیں صرف روپیہ حاصل کرنے کی خاطر اس قسم کے غلط افسانے لکھنے اور تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے والے سمجھے جاتے ہیں۔

افسوس صد افسوس! ہم نہیں سمجھتے، ہم تو صرف فتاویٰ رشیدیہ ہی کو سمجھتے ہیں، اب آپ کا کیا کہنا ہے، آپ تو مفتی صاحب ہیں، میں تو اس قابل نہیں کہ آپ کو کچھ مشورہ دے سکوں، ان مشکلوں سے حل کا صرف یہی طریقہ ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسی طرح جواب تحریر فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں اور فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے کے مطابق کیا یہ جواب نہیں ہوسکتا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات پہلے مخفی اور پوشیدہ سے تھے، اب تو ان کی بہت سی کتابیں سامنے آچکی ہیں، عربی اردو اخبارات وغیرہ میں ان کے حالات شائع ہوچکے اور ہوتے رہتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب صاحب نجدی کے متعلق اکثر الزامات بالکل غلط ہیں، ان کے ہم خیال آج کل حرمین شریفین کے فرمانرواں ہیں، سب ہی جانتے ہیں کہ وہ اہل سنت کا ایک فرقہ ہیں، برا کہنا سخت بری بات ہے، توبہ کرنی چاہیئے۔ لہذا امام ربانی نے صحیح تحریر فرمایا، اس صورت میں تو فتاویٰ رشیدیہ کی لاج وعزت اور امام ربانی گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان رہ جاتی ہے، اگر یہ صورت اختیار نہ کی گئی تو پھر آپ جانیئے، عرض کردینا خادم کا کام تھا، کہدیا۔

ہم تو آپ کے الٹ پلٹ لکھ دینے سے خود بھی الٹ پلٹ ہوکر رہ گئے، لہذا مہربانی فرمائیں اور توجہ کریں کہ اپنا بنانا مقصود ہے، لہذا اس بار پھر سوال آپ کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں، اگر اس گذارش کی بناء پر جواب لکھ دیا تو اپنی بھی بات رہ جاتی ہے اور امام ربانی کی شان بھی اور فتاویٰ رشیدیہ کی لاج بھی، ویسے پھر میں زحمت نہیں دوں گا، سائل سے جس طرح ہوگا نمٹ ہی لوں گا، جھوٹا بن کر ہی نمٹ لوں گا، مگر جب میں دیوبند پہنچ گیا اس وقت میں پھر جو کچھ کہنا ہوگا کہہ ہی لوں گا۔ فقط خادم خیر اندیش عبدالرزاق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث، فقیہ، مفسر،

عارف، متبع سنت بزرگ تھے، تمام عمر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے اور ان کی تعلیم دینے، ان کی اشاعت میں گذار دی، ان کمالات کے باوجود وہ عالم الغیب نہیں تھے، ان کو کشف بھی ہوتا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کا اور ہر وقت ہوتا ہو۔

ایک مرتبہ ایک مسئلہ بیان فرمایا، مولانا محمد یحییٰ کو اس کا حوالہ مطلوب تھا وہ ان کو نہیں مل رہا تھا، تلاش کرتے تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا، حضرت نے شامی کا حوالہ دیا، مولانا موصوف نے کہا کہ شامی میں تلاش کرلیا ہے، نہیں ملا، حضرت نے فرمایا کہ فلاں جلد لاؤ، وہ جلد لائی گئی، حضرت نے اندازے سے اس کو کھول کر دیا تو وہاں وہ مسئلہ مل گیا، اس پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ جملہ فرمایا جو آپ نے نقل کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ بتادیا وہ صحیح تھا، غلط نہیں تھا، چنانچہ وہ شامی ہی میں مل گیا، اہل علم حضرات جب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ مسائل کو جانچتے ہیں تو صحیح پاتے ہیں۔

عبدالوہاب نجدی کے ابتدائی حالات جو مشہور تھے وہ یہی تھے وہ بدعات کو مٹا کر سنت کو قائم کرنا چاہتے ہیں، یہی شہرت ہندوستان میں بھی پہنچی، اس شہرت کی بناء پر نیز ہر مسلمان سے حسنِ ظن رکھنے کا حکم ہے، اس بناء پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے رائے تحریر کی جو فتاویٰ رشیدیہ میں درج ہے(۱)۔ پھر شامی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھجوائی، اس میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ حالات درج کئے ہیں جو انھوں نے بچشم خود دیکھے تھے(۲)، اگر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ حالات پہنچ جاتے

---

(۱)(فتاویٰ رشیدیہ از تالیفات رشیدیہ، مسائل منثورہ، محمد عبدالوہاب نجدی کا مذہب، ص: ۲۴۱، ۲۴۲، ادارہ اسلامیات لاهور)

فرمایا: ''محمد عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں، وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت وشرک سے روکتا تھا، مگر تشدد اس کے مزاج میں تھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، المصدر السابق)

(۲)''وقع في زماننا في أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد، وتغلبوا على الحرمين، وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم، حتى كسر الله شوكتهم وخرب بلادهم، وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومأتين وألف. ''(ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في أتباع عبدالوهاب الخوارج في زماننا: ۲۶۲/۴، سعيد)

جو شامی میں درج ہیں تو ظاہر ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی رائے قائم نہ فرماتے جو فتاوی رشیدیہ میں ہے، اس کی وجہ سے نہ فتاوی رشیدیہ کے مسائل غلط ثابت ہوتے ہیں اور نہ حضرت کی شان میں فرق آتا ہے، نہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کے مقابلہ میں ہمارے فتاوی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، نہ حضرت کی شان کے مقابلے میں ہماری شان کچھ بلند ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ توہمات ہیں جو کم علمی اور کم فہمی سے بھی پیدا ہوسکتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ کسی شخص کے متعلق تاریخی ونجی معاملات وحالات حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ ہوں یا ناتمام ہوں اور اس شخص کے قریب رہنے والوں کو حالات زیادہ معلوم ہوں، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہے، اور حضرت گنگوہی کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہے۔

شخص مذکور کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی رائے نہیں لکھی اور نہ یہ بات محض رائے سے لکھنے کی ہے، نہ یہ فقہی مسئلہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے پر ہماری رائے فائق ہوجائے، یا حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے تحریر فرمودہ فقہی مسئلہ پر ہمارا لکھا ہوا مسئلہ فائق ہوجائے بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قریب سے بچشم خود حالات دیکھے ان کی بنا پر ہم نے لکھا ہے، علاوہ ازیں مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ''الشهـاب الثـاقـب ''(۱) میں ان مسائل کی فہرست درج کی ہے جس میں وہابی نجدی مسائل سے علماء دیوبند کا مسلک بالکل جداگانہ ہے اور اختلاف شدید ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بالاتر ہے کہ کوئی فتاویٰ رشیدیہ سنا سنا کر لوگوں کو ان کا معتقد بنائے یا غیر معتقد بنائے اور گالیاں دے، جسے اپنی عاقبت درست کرنا ہو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ اور دیگر تالیفات سے فائدہ حاصل کر کے اپنا ایمان مستحکم کر لے، اعمال درست کرے، اخلاق درست کرے، حضرت مولانا پر اس کا کوئی احسان نہیں بلکہ خود اس کا نفع ہے۔ جسے اپنی عاقبت برباد کرنا ہو وہ حضرت کے فتاوی اور دیگر تالیفات بلکہ ان کے مخالف گروہ کی گالیوں سے بھری ہوئی تصنیفات سنا سنا کر دوسروں کو بدعقیدہ کرے اور حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مطلب بگاڑ بگاڑ کر اپنا دین تباہ کرے، اخلاق خراب کرے، چنانچہ دونوں قسم کے لوگ دنیا میں اپنی اپنی اختیار کردہ راہ پر چل رہے ہیں اور سرگرم عمل ہیں۔

خدا وہ دن لائے کہ آپ کی دیوبند تشریف آوری ہو اور ملاقات پر زبانی گفتگو ہو کر آپ کے پوشیدہ دلی

---

(۱) (الشهاب الثاقب، ص: ۲۲-۲۶-۲۳۸- ۲۴۶، انجمن ارشاد المسلمین لاهور)

خلجانات سب سامنے آئیں اور اللہ پاک آپ کو تشفی بخش جوابات کے ذریعہ مطمئن فرمادے۔

ضروری گذارش یہ ہے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے، حضرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے(۱) اس لئے کسی مخالف سے نمٹنے کے لئے نہ جھوٹ بولنے کی ضرورت ہے اور نہ اجازت ہے، اہل حق کبھی اس کو اختیار نہیں کرتے نہ اس سے خوش ہوتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو معتقد بنانے کے لئے ہرگز ہرگز جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کریں، یہ شیوہ اہلِ باطل کا ہے کہ وہ جھوٹ بول بول کر اپنے بڑوں کی عقیدت کا سکہ جماتے ہیں اور اہل حق اس سے بے نیاز بلکہ متنفر ہیں۔ فقط و ماعلینا الا البلاغ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی

سوال[۱۳۶۴]: دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی مندرجہ ذیل عبارت سے علمائے حق متفق اور ان کی یہ رائے درست ہے یا نہیں اور: ''امام محمد بن عبدالوهاب النجدی، فإنه كان رجلاً بليداً قليل العلم، فكان يتسارع إلى الحكم بالكفر". (مقدمہ فیض الباری)'' ان کی مندرجہ بالا رائے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے بھی اسی کے قریب ہے جیسا کہ ردالمحتار: ۳/۴۲۷، باب البغاۃ میں

---

(۱) "عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال(في حديث طويل): قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عليكم بالصدق ...... وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، ومايزال الرجل يكذب، ويتحرى الكذب حتى يُكتب عندالله كذاباً." (الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله: ۲/۳۲۶، قديمی)

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وقال آخرون منهم الطبري: لايجوز الكذب في شئ أصلاً، قالوا: وماجآء من الإباحة في هذا المراد به التورية واستعمال المعاريض، لاصريح الكذب." (النووي على مسلم، كتاب البر الخ، باب تحريم الكذب اهـ: ۲/۳۲۵)

ہے کہ زمانہ بھی دونوں کا ایک ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

اورنگ زیب عالمگیر کو ولدالحرام کہنا

سوال[۱۳۶۵]: ایک شخص کہتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے جدّ امجد جلال الدین اکبر نے جودھابائی سے شادی کی تھی تو نکاح نہیں ہوا، ایسی صورت میں عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کو ولدالحرام کہتا ہے -نعوذ باللہ- اس کی بابت مسئلہ قطعی طور پر صاف کردیں کہ واقعہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کو جلال الدین اکبر کا بیٹا ولدالحرام کہنا تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۶ھ۔

علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا اسماعیل شہید رحمہما اللہ تعالیٰ

سوال[۱۳۶۶]: زید کہتا ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی حضرت شیخ عبدالوہاب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، انہوں نے صاحب "تقوية الايمان" پر کفر کا فتویٰ دیا ہے کہ: "قائلِ این کلام لا طائل از روئے شرع مبین بلا شبہ کافر و بے ایمان است، ہرگز مومن و مسلمان نیست" فضل حق خیرآبادی (تحقیق الفتویٰ، ص:۷، ۸)(۳)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی علامہ موصوف نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، زید کا حوالہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: "عبدالوہاب نجدی کے متعلق تفصیل"۔(ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في اتباع عبدالوهاب الخوارج في زماننا: ۲۶۲/۴، سعيد)

(۲) "حضرت اورنگ زیب صاحب قراں اعظم شہاب الدین شاہ جہاں کے تیسرے لڑکے تھے"۔(تاریخ ملت: ۱۹۷/۳، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۳) لم أظفر على هذا الكتاب

جواب مستحکم مدلل عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس کے جواب کے لئے ارواحِ ثلاثہ، ص: ۳۷۰ سے حکایت نمبر: ۴۰۰ نقل کرتا ہوں، امید ہے کہ رہنمائی میسر ہوگی۔

خان صاحب نے فرمایا کہ:

''مولوی عبدالرشید صاحب غازی پوری رام پور میں مولوی فضل حق سے پڑھتے تھے، یہ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے، اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے ان دوست نے ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا اسماعیل صاحب کے) معتقد ہو، آج تمہیں تمہارے استاذ سے تبرے سنوائیں گے، انہوں نے کہا چلو، جب دونوں وہاں جاکر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسماعیل پر تبرے سنواؤں گا، مولوی فضل حق صاحب نے کہا: ''اچھا! اس غرض سے لائے ہیں'' اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا: ''میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں، یہ نہیں ہوسکتا، جو جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے وہ بھی بہکانے اور سکھانے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہوسکتا'' اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھادیا اور فرمایا کہ ''میرے یہاں کبھی نہ آنا اٹھ'' (۱)۔

خط کشیدہ عبارت کو بغور پڑھئے تو مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق معلوم ہوگا۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ''عقباتِ منصبِ امامت''، ''ایضاح الحق'' وغیرہ مطالعہ کرنے سے ان کی جلالتِ قدر معلوم ہوتی ہے، ان کے جہاد کے کارنامے بھی بہت بلند ہیں ''ارواحِ ثلاثہ'' میں، ص: ۵۷ سے لے کر ص: ۱۰۲، تک ان کے واقعات مذکور ہیں۔ ''تقویۃ الایمان'' کی تصنیف اور اس کی اشاعت وافادیت کا تذکرہ بھی اس میں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (أرواح ثلاثه یعنی حکایات أولیاء، ص: ۳۵۰، رحمانیه لاهور)

(۲) (أرواح ثلاثه یعنی حکایات أولیاء، ص: ۲۰ - ۱۰۶، رحمانیه لاهور)

علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کی سازش

سوال[۱۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ راقم الحروف (عبدالغفور ملکینک) سے قادر صاحب نے کہا کہ ایک دیوبندی کی کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ اگر نماز میں سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز نہ ہوگی اور اگر گدھے کا خیال آجائے تو نماز ہوجائے گی، اس کے جواب میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہ بات تو عالم کے سمجھانے کی ہے، مگر اصرار کرنے پر میں نے عرض کیا کہ چونکہ سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال شریف کوئی وسوسہ نہیں بلکہ ایک عالی مقام ہے ممکن ہے شرک ہوجائے اور وسوسہ معاف ہے جس سے نماز ہوجائے گی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر محمد یوسف نے مجھ سے فرمایا کہ سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا، میں نے عرض کیا کہ قرآن سے ثابت نہیں، دیکھئے پارہ سات رکوع تیرہ (۱) اور پارہ سولہ رکوع تین میں (۲)۔ اس پر ڈاکٹر یوسف صاحب نے فرمایا کہ وہ قرآن مجید دیوبندی قرآن مجید ہوگا۔ تب میں نے عرض کیا کہ توبہ کیجئے قرآن نہ بدلا ہے اور نہ بدلے گا اور اس کے بعد ڈاکٹر یوسف نے نماز میں تصور سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی بات دریافت کی تو میں نے عرض کیا کہ یہ مسئلہ حضرت علامہ مجدد شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے، ایسا مجھے معلوم ہوا ہے مگر میں نے پڑھا نہیں، چندلوگوں کی ضد پر میں نے کہا کہ علامہ شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر مجھے ایمان ہے۔

مفتیان دین سے گزارش ہے کہ کتاب وسنت سے واضح فرماویں کہ:

۱...... حالتِ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال یا تصور کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور نماز میں سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال یا تصور نہ کرنے والے کو کافر ومشرک اور وہابی کہنا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا وسلم کی رو سے کیسا ہے؟

۲...... قرآن مجید کو دیوبندی قرآن کہنا قرآن وسنت کی رو سے کیسا ہے؟

۳...... بریلی شریف کے ایک مولوی صاحب کے فتوی پر راقم الحروف کا مسلمانوں سے سوشل

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ (سورة الأنعام: ٦٠)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إليّ أنما إلهكم إله واحد﴾ (سورة الكهف: ١١٠)

بائیکاٹ کرنا، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم لگانا اور راقم الحروف سے سلام وکلام کرنے والے مسلمان کو کافر اور وہابی کہہ کر نکاح سے خارج کرنا، انہیں ذلیل کرنا اور مولوی صاحب بریلوی کے تحریر کردہ احکام پر بالجبر تمام مسلمانوں سے عمل کرانا اور عمل نہ کرنے پر یا مولوی صاحب بریلوی کے احکام کو نہ ماننے پر کافر، وہابی اور خارج از اسلام کا حکم صادر کرنا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا وسلم کی رو سے کیسا ہے؟

برائے کرم جواب سے جلد مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ فقط والسلام

عبدالغفور مکینک، ۲۲/ جون/ ۱۹۷۰ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، منظم سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت علمائے دیوبند کو بدنام کرنے اور ان سے عوام کو متنفر کرنے کے لئے ان کی طرف بے بنیاد غلط باتیں منسوب کی جارہی ہیں اور ان کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان کے غلط اور مکروہ معنی عوام کو بتلائے جارہے ہیں جن کی صفائی بارہا کی جاچکی ہے۔ بریلی کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جاکر وہاں کے علماء کو بتلایا کہ علمائے دیوبند نے اپنی کتابوں میں ایسا ایسا لکھا ہے (جس کو علماء دیوبند نہ زبان پر لاسکتے ہیں، نہ قلم سے لکھ سکتے ہیں، نہ ان کے قلب ودماغ میں وہ موجود ہے، نہ ان کا عقیدہ ہے، نہ ان کی مراد ہے) لہذا یہ حضرات اسلام سے خارج اور کافر ہیں۔ اس پر علماء حرمین شریفین نے کہا کہ یہ علماء دیوبند کی کتابیں جس زبان میں ہیں (یعنی اردو یا فارسی میں) ہم اس زبان کو نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے، ہم کو کیا خبر ہے کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کہا کہ میں ان کا ترجمہ آپ کو عربی میں بتلاتا ہوں، پھر جو چاہا ترجمہ عربی میں بتلایا اور وہاں کے علماء سے اس پر دستخط کرائے، اس کتاب کا نام ''حسام الحرمین'' رکھا۔

پھر مدینہ منورہ سے ان مسائل وعبارات کے متعلق عربی میں سوالات ہندوستان آئے جن کے جوابات یہاں سے عربی میں بھیجے گئے اور بہت سے علماء نے اس پر دستخط کردیئے، ان کو بہت صدمہ ہوا کہ افسوس ہم کو دھوکہ دیا گیا انہوں نے رجوع کیا اور اعلان کیا کہ یہ علمائے دیوبند کافر نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے سچے مسلمان اور قرآن وحدیث کے سچے متبع اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہیں۔ اس سوال وجواب کے مجموعہ کا نام ''التصدیقات لدفع التلبیسات'' ہے، پھر اس کو خالص اردو میں شائع کردیا گیا اس کا نام ''عقائد علمائے

دیوبند" ہے، اس کو منگوا کر ملاحظہ کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ جب مصنف خود برأت کر رہے ہیں کہ ہماری یہ مراد نہیں اور ہمارا یہ عقیدہ نہیں تو پھر اس پر زبردستی کفر کا فتویٰ لگانا کون سی دیانت ہے؟ "حسام الحرمین" میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے متعلق "الشہاب الثاقب" کا مطالعہ کیا جائے اس میں تفصیل مذکور ہے۔

۱......نماز کو سمجھ سمجھ کر پڑھنے کا حدیث شریف میں حکم آیا ہے، یعنی جو کچھ پڑھا جائے اس کو سمجھ کر پڑھا جائے (۱)۔ جب نماز میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے گا مثلاً: ﴿محمد رسول الله والذين معه﴾ الاية (۲) ﴿و ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (۳) وغیرہ پڑھے گا تو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ضرور تصور آئے گا، اسی طرح جب التحیات میں پڑھے گا "السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته" اور جب درود شریف میں پڑھے گا: "اللهم صل على سيدنا محمد" تب بھی تصور آئے گا اس سے تو نماز کا درجہ بہت بلند ہو جائے گا، نہ اس سے نماز فاسد ہوگی، نہ اس سے آدمی کافر و مشرک ہوگا، یہی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے جو شخص اس کے خلاف علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتا ہے وہ بہتان لگاتا ہے، اس کو میدانِ حشر میں خدائے قہار کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

۲......قرآن کریم تو اللہ پاک نے نبی آخر الزماں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے، دیوبندیوں کا تصنیف کردہ نہیں ہے، یہ کہنا کہ قرآن کریم دیوبندی ہے، نہایت خطرناک ہے، مسلمان کے کلام

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خمس صلوٰات افترضهن الله تعالىٰ، من أحسن وضوء هن، و صلاهن لو قتهن، و أتم ركوعهن و خشوعهن، كان له على الله عهد أن يغفر له". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، ص: ۵۸، قديمي)

قال الملا على القاري: "والمراد بخشوعهن سكون الجوارح عن العبث، والقلب عن أن يشتغل بغير ما هو فيه من صلاته بأن متأملاً لمعاني قرآءته و أذكاره". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني: ۲/۲۷۳، رشيديه)

(۲) (الفتح: ۲۹)

(۳) (الأحزاب: ۴۰)

میں جہاں تک ہوسکے تاویل کرکے کفر سے بچانے کا حکم ہے، ورنہ اس مقولہ کے کفر ہونے میں کیا شبہ ہے؟ تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ دیوبندی قرآن سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ دیوبندی علماء نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قرآن مراد ہوگا، حالانکہ علمِ غیب کے متعلق تو خود قرآن کریم میں اعلان کا حکم ہے کہ آپ فرمادیں: ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ (۱) ''میں غیب نہیں جانتا'' یہ ارشادِ خداوندی ہے، دیوبندیوں کی تصنیف نہیں ہے۔

۳...... ان حضرات بریلوی، رضا خانی صاحبان کا شب وروز کا مشغلہ ہی یہ ہے، ان کی کتابیں ان کی تقریریں، ان کے فتوے کفر سے بھرے پڑے ہیں، ''تکفیر کا افسانہ'' دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح کفر تقسیم کیا ہے، جو چیز جس کے پاس ہوتی ہے، وہی تقسیم کیا کرتا ہے ان کا اس طرح کفر کا فتوی دینا اتنا خطرناک ہے کہ آخری منزل جہنم ہے اس لئے کہ بلا دلیلِ شرعی کفر کا فتویٰ دینے سے وہ کفر اسی فتوی دینے والے پرلوٹ کرآتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں تصریح فرمائی گئی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (الأنعام: ۵۰)

وكذا قوله تعالىٰ: ﴿قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾. الاية، (النمل: ٦٥)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

"وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دعا رجلاً بالكفر، أو قال: عدوَّ الله!، وليس كذلك، إلاّ حار عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: ياكافر: ۵۷/۱، قديمي)

لأنه إذا قال القائل لصاحبه: ياكافر! مثلاً، فإن صدق رجع إليه كلمة الكفر الصادر منه مقتضاها، وإن كذب واعتقد بطلان دين الإسلام، رجعت إليه (أي إلى القائل) هذه الكلمة .... وقال النووي: .... في تاويل الحديث أوجه: أحدها أنه محمول على المستحل لذلك، فعلى هذا معنى "باء بها": =

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا جواب

سوال[۱۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین حسب ذیل مسائل میں:

۱......زید کا یہ کہنا ہے کہ امریکہ کے لوگ راکٹ کے ذریعہ چاند پر پہونچ گئے۔

۲......نئی تعلیم کے دو ایک شخص جو شریعت کے احکام سے ناواقف ہیں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ مولانا حکیم الامت کو علم شریعت بعض علم شریعت تھا جس میں مولانا حکیم الامت کی کیا خصوصیت کوئی تخصیص نہیں ہے، مولانا اشرف علی صاحب کو اتنا علم بھی نہ تھا جتنا علم حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حاصل تھا اور اتنا علم شریعت جتنا حکیم الامت کو تھا، اتنا اور ایسا علم شریعت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے محلّہ وگلی کوچوں میں پڑے رہنے والے جانوروں، گائے، بیل، بھینس اور کتوں کو بھی حاصل ہے، کوئی خصوصیت نہیں۔ جب اس پر اعتراض کیا گیا تو وہ شخص کہتا ہے اگر یہ توہین اور کفر ہے تو ہم توبہ کرنے کو تیار ہیں، فتویٰ منگوا لیجئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بکواس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علم شریعت مطہرہ کی توہین اور کفر ہے یا نہیں اور ان پر کفر لازم آتا ہے کہ نہیں؟

۳......اور اس صورت میں ان کو توبہ کرنا چاہئے یا نہیں، خدا اجر عطا فرمائے گا۔

جواب جلد اور مکمل اور مدلل عنایت فرمائیے گا۔

المستفتی: صادق حسن صاحب فاضل دیوبند، وانعام الٰہی عفی عنہ سہوانی۔

= أی بکلمة الکفر: أی رجع علیه الکفر اهـ". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۵۶۲/۸، رشیدیه)

"والمختار للفتویٰ فی جنس هذه المسائل أن القائل بمثل هذه المقالات (أی قوله: یا کافر وغیره) إن کان أراد الشتم ولا یعتقده کافراً، لایکفر، وإن کان یعتقده کافراً فخاطبه بهذا بناءً علی اعتقاده أنه کافر، یکفر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، ومنها مایتعلق بتلقین الکفر الخ: ۲۷۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیه، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الخامس فی الإقرار الخ: ۳۳۱/۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتار خانیه، کتاب أحکام المرتدین، فصل فی الرجل یقول لغیره: یاکافر: ۵۱۴/۵، إدارة القرآن)

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... یہ بات فی نفسہ مُحال نہیں۔

۲،۳...... اگر ان دونوں کی یہ گفتگو واقعی ہے بناوٹی نہیں ہے تو جس شخص کا یہ عقیدہ ہے اس سے اس کی دلیل دریافت کر کے اطلاع دیں، کیونکہ کفر کا فتوی لگانا بہت بڑی ذمہ داری ہے، اگر کسی شخص کو کافر کہہ دیا جائے اور وہ واقعۃً کافر نہ ہو تو یہ کفر لوٹ کر اس پر آتا ہے، جس نے کافر کہا ہے(۱)- العیاذ باللہ-

اس کا ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا: زید کا عقیدہ ہے اور وہ کہتا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب تھے اور اس کی مراد یہ ہے کہ عالم الغیب بواسطہ تھے (بلا واسطہ عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں) اس کا یہ عقیدہ کیسا ہے؟ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ:

''کتب شریعت (قرآن وحدیث) میں جہاں لفظِ علم غیب آتا ہے اس سے مراد وہی غیب ہے جو بلا واسطہ ہو، پس عالم الغیب خدائے پاک کے سوا کسی اَور کو کہنا اور اس سے غیب بواسطہ مراد لینا اطلاقاتِ شرع کے خلاف ہے اور شرک ہے(۲) اس لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا ورنہ اس تاویل سے (یعنی بواسطہ) خالق ورازق وغیرہ کہنا بھی درست ہوگا، کیونکہ آپ ایجادِ عالم اور بقائے عالم کے سبب ہیں بلکہ خدا بھی ایک تاویل سے اور معبود بھی ایک تاویل سے کہنا درست ہوگا اور جب معنی کے اعتبار سے آپ کو عالم الغیب، خالق، رازق،

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن : ۸۹۳/۲، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"أيما رجل مسلم أكفر رجلاً مسلماً، فإن كان كافراً، وإلا كان هو الكافر". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب الدليل على الزيادة والنقصان : ۲۲۸/۲، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۵۱، قديمي)

خدا، معبود کہنا درست ہوگا اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے اس کی نفی بھی درست ہوگی یعنی یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں، یعنی بواسطہ عالم الغیب نہیں، غرض ایسی تاویلات کی بنا پر دین ایک کھلونا بن جائے گا''۔

آگے فرماتے ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زید عالم الغیب کس بنا پر کہتا ہے اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اور اللہ تعالیٰ کا علم بالکل برابر مانتا ہے کہ جس طرح کوئی چیز عالم الغیب والشہادة سے مخفی نہیں، اسی طرح ذات مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخفی نہیں، اگر زید کی مراد یہ ہے تو نصوص قطعیہ کے اور واقعات کے خلاف ہے، مثلاً اللہ پاک نے فرمایا: ﴿و عنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هـو﴾. الاٰیۃ (۱) اور مثلاً حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ فرمادیجئے اور اعلان کردیجئے کہ میں عالم الغیب نہیں: ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله و لا أعلم الغيب﴾ الاٰیۃ (۲)۔

تعیین قیامت وغیرہ کے علم کی نفی قرآن کریم میں موجود ہے (۳) تابیر نخل، واقعہ افک (۴) بیر معونہ (۵) وغیرہ کا ذکر احادیث میں موجود ہے، غرض حضور اکرم صلی اللہ

---

(۱) (الأنعام: ۵۹)

(۲) (الأنعام: ۵۰)

(۳)" قال الله تعالىٰ: ﴿يسئلونك عن الساعة أيان مرسٰها. قل إنما علمها عند ربى، لا يجلّيها لوقتها إلا هو، ثقلت في السموات والأرض، لا تأتيكم إلا بغتةً. يسئلونك كأنك حفى عنها، قل إنما علمها عند الله و لكن أكثر الناس لا يعلمون. قل لا أملك لنفسى نفعاً و لا ضراً إلا ما شاء الله، و لوكنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير﴾ الاية. (الأعراف: ۱۸۷، ۱۸۸)

(۴)" وهى الواقعة التى وقعت لعائشة رضى الله تعالىٰ عنها، واتّهمها بها المنافقون الأشقياء، وقد ذكرها الإمام البخارى رحمه الله تعالىٰ في باب حديث الإفك من كتاب المغازى بطولها: ۲/۵۹۳، ۵۹۴، وأيضاً ذكرها فى تفسير سورة النور من كتاب التفسير، فى باب ﴿إن الذين جآء وا بالإفك﴾ الخ: ۲/۲۹۶، قديمى)

(۵) (راجع صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة الرجيع و رعل و ذكوان و بير معونة: ۲/۵۸۵، ۵۸۶، قديمى)

تعالیٰ علیہ وسلم کو زید کا اس معنی کے لحاظ سے عالم الغیب کہنا اس وجہ سے غلط ہے کہ یہ نصوص کے خلاف ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برابری ہوتی ہے۔

اگر زید کی مراد عالم الغیب کہنے سے یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم برابر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو تو پورا پورا ہر شے کا علم ہے اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم کم ہے یعنی غیب کی بعض چیزوں کا علم ہے بعض کا نہیں تو یہ چیز کمالاتِ نبوت میں سے نہیں کیونکہ ہر ایک کو کسی ایسی چیز کا علم ہوتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم نہیں۔

زید ایک خاص نصاب ڈاکٹری پڑھا ہوا ہے، محکمۂ ڈاکخانہ کی اصطلاحات نہیں پڑھا ہوا ہے، ڈاکخانہ کے محکمہ کی اصطلاحات اور قواعد کا علم معمولی ڈاکیہ کو حاصل ہے اور بہت بڑے ڈاکٹر کو نہیں، اسی طرح بہت سے جانوروں کو کسی بات کا علم حاصل ہوجاتا ہے جو کہ بڑے عالم انسان کو نہیں ہوتا، مثلاً خنزیر کو پاخانہ کا ذائقہ جس قدر معلوم ہے اس قدر کسی تعلیم یافتہ کو نہیں معلوم تو تعلیم یافتہ کے حق میں یہ عیب ہے جس کا علم خنزیر کو حاصل ہے تعلیم یافتہ کو نہیں، جب کسی عیب کی چیز کا علم جو کہ بواسطہ ہو کمالاتِ نبوت سے نہیں تو زید کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس کو ثابت مان کر آپ کو عالم الغیب کہنا غلط ہے اور وجہ غلطی کی یہی ہے کہ زید ایسی بات ثابت کررہا ہے جو کہ سید الرسل فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کمالات میں سے نہیں، اس صورت میں زید شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کررہا ہے۔

یہ دو احتمال ہیں زید کے عقیدہ اور کلام میں کہ ایک صورت میں وہ جب کہ کل علمِ غیب ذاتِ مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کررہا ہے تو وہ ایک شرک ثابت کر رہا ہے، دوسری صورت میں جب کہ وہ علم غیب جزئی ثابت کررہا ہے تو کمالاتِ نبوت سے بہت کم درجہ کی چیز ثابت کررہا ہے، جس سے شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین

کررہا ہے لہذا زید کو اپنے عقیدہ اور قول کی اصلاح لازم ہے"۔

اس پر بریلی کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کو خدا جانے کیا شبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ ہے کہ جیسا علم حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا ایسا علم تو زید، عمر، بکر، بچوں اور چوپایوں کو بھی تھا اس وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور بہت علماء کو دھوکا دے کر ان کے دستخط کرائے، حالانکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ یہ لکھا اور نہ یہ ان کی مراد ہے، بلکہ یہ تو جو کچھ لازم آیا وہ زید کے عقیدہ پر لازم آیا جو کہ علم غیب کا معتقد ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت نے دیدہ ودانستہ ایسا کیا ہے جیسا کہ ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے تو یہ انتہائی خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک کرنا بھی ان کے عقیدہ پر لازم آتا ہے اور جانوروں اور پاگلوں کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ان کے عقیدہ پر لازم آتا ہے جو کہ علمِ غیب کے قائل ومعتقد ہیں اور جو کفر کا فتویٰ انہوں نے مرتب کیا ہے وہ ان کی طرف لوٹتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

اعلیٰ حضرت کی فصاحت

سوال [۱۳۶۹]: بعض رضاخانی کہتے ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے لفظِ "آہو" جو گوجروں کی زبان کا لفظ ہے استعمال فرمایا ہے اور یہ فصیح نہیں اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے کبھی کوئی اس قسم کا لفظ استعمال نہیں کیا تو مولانا احمد رضا خان صاحب زیادہ فصیح ہوئے حضرت والا سے؟ درخواست ہے کہ کیا لفظِ "آہو" استعمال کرنا فصاحت کے خلاف ہے اور عوام کی دلجوئی کے خیال سے ان کی زبان میں ان کے انداز پر ان سے گفتگو کرنا کیا فصاحت کے خلاف ہے؟ نیز کیا واقعی مولانا احمد رضا خان صاحب نے کبھی کوئی لفظ فصاحت کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ بینوا وتوجروا۔ فقط محمد فاروق غفرلہ ۷/۱/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مخاطب کی زبان اور اس کے محاورہ میں اگر کوئی لفظ بولدیا جائے تو اس پر اعتراض بے کار ہے، نیز اگر ایک دو لفظ غیر زبان کا بولدیا جائے تو اس پر بھی اعتراض بے کار ہے، بستان العارفین میں فقیہ ابو اللیث سمرقندی

(۱) (راجع، ص: ۱۷۲، رقم الحاشية: ۱)

رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ایسے الفاظ لکھے ہیں جو عربی زبان کے نہیں، حدیث شریف میں موجود ہیں جیسے "تمریک یکٗ، عنب دو دو" اور "اشکم درد" اور "کلّم الناس علی قدر عقولھم" تو بہت مشہور ومعروف ہے۔آپ کے سوال کے فکۂ نظر سے اگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحریرات کا جائزہ لیا جائے تو آپ سخت تعجب میں پڑ جائیں گے، "خالص الاعتقاد اورفتاویٰ رضویہ، الکوکبۃ الشہابیۃ" وغیرہ میں کیسے کیسے گندے غیر مہذب گرے پڑے الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔بطورِ نمونہ چند اشعار نقل کرتا ہوں جو کہ علمائے دیوبند سے متعلق لکھے ہیں ؎

مجتہد العصران کا ہے جس کو بن سے پکڑ کر لاتے یہ ہیں
ترمجی مِسکاۃ اور بکھاری گھول کر اس کو پلاتے یہ ہیں
سَاپھی حَلپھی کے سکھے کھوٹے جھنجنی اپنی بھناتے یہ ہیں
سارے سرّک بدّت پے بیٹھے اب کیا دیدا لجاتے یہ ہیں
الحاصل قرآن کو ہر دم جھٹلاتے مکراتے یہ ہیں

پڑھئے اور فصاحت کی داد دیجئے، حدیث شریف کی کتابوں کو کس طرح بگاڑا ہے، ترمذی، مشکوۃ، بخاری، شافعی، حنفی ان الفاظ کی کیسی گت بنائی؟ اعلیٰ حضرت خان صاحب کا یہ قصیدہ تین سو ساٹھ اشعار کا ہے جو اپنے انتقال سے تین سال پہلے انہوں نے لکھا جب کہ سارے علوم کی منزلیں طے کر چکے تھے، اس کا نام ہے "الاستمداد علی اجیال الارتداد" ساتھ ساتھ اس کی شرح بھی ہے جس کا نام ہے "کشف ضلال دیوبند" اور یہ دونوں تاریخی نام ہیں ۱۳۳۷ھ اور اس قصیدے کے متعلق ٹائیٹل پر درج ہے، یہ تین سو ساٹھ شعر کا مبارک قصیدہ اردو زبان سلیس بیان میں ہے، آپ بھی اس زبان کی داد دیں گے۔فقط واللہ الھادی الی صراط مستقیم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند، ۸/۹/۱۴۱۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

زمین متحرک ہے یا ساکن؟

سوال[۱۴۷۰]: زمین متحرک ہے یا ساکن؟ کیا سورج ساکن ہے یا متحرک؟ کیا زمین وسورج دونوں متحرک ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین، سورج کے متحرک یا ساکن ہونے سے شریعت نے صراحۃً کوئی بحث نہیں کی، نہ اس سے اعتقادی یا فرعی مسئلہ متعلق ہے، ان میں سے کوئی متحرک ہو یا ساکن ہو شریعت کے کسی مسئلہ پر اس کی زد نہیں پڑتی، ان بحثوں میں پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہے، ایک ایک سانس قیمتی ہے:

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے　　یہ جزر ومد جواہر کی لڑی ہے

یہاں کی ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا فرمایا اور انسان کو اپنے لیے پیدا فرمایا کہ اپنے مالک کو راضی کرے اور آخرت میں کام آنے والی اشیاء یہاں سے حاصل کرے: "إنما الدنیا خلقت لکم وإنکم خلقتم للاٰخرۃ" (۱) اصل مقصدِ خلقت سے صَرفِ نظر کرنا بہت بڑی غفلت ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۴ھ۔

---

(۱) "قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بعض خطبتہ: "المؤمن بین مخافتین: بین أجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ .... فإن الدنیا خلقت لکم و أنتم خلقتم للآخرۃ ...... الخ". (إحیاء علوم الدین للغزالی، کتاب ذم الدنیا: ۲۲۴/۳، رشیدیہ)

قال العلامۃ العراقی: "حدیث: "المؤمن بین مخافتین ......". أخرجہ البیہقی فی شعب من حدیث الحسن عن رجل من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فیہ انقطاع. (المغنی عن حمل الأنصار فی الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار، کتاب ذم الدنیا: ۲۲۴/۳، رشیدیہ)

کیا چاند سورج آسمان میں ہیں؟

سوال[۱۲۷۱]: چاند اور سورج کہاں ہیں، ساکن ہیں یا متحرک، اگر آسمان میں ہیں تو کس آسمان میں؟ قرآن کی کونسی آیت میں بیان کیا گیا ہے، انسان، چاند، سورج اور ستاروں پر پہنچ سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں پہنچ سکتا ہے تو امریکہ کے چاند پر جانے کی دعویٰ کی تردید کیا ہے؟ اور اگر جا سکتا ہے تو قرآن و حدیث سے اس کا مستدل کیا ہے، نیز تسخیر مافی السمٰوٰت والأرض کا مفہوم کیا ہے، اس کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں آسمان سے نیچے ہیں، متحرک ہیں کذا فی العرائس (۱) اگر انسان چاند میں پہنچ جائے تو قرآن پاک یا حدیث شریف کے خلاف لازم نہیں آتا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گلستان میں لکھا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری (۲)

---

(۱) فی روایة طویلة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ..... "ثم خلق الله تعالیٰ بحراً دون سماء الدنیا فهو موج مکفوف قائم فی الهواء باذن الله تعالیٰ لا یقطر منه قطرة والنجوم کلها ساکنة فی ذلک البحر، وهو جار فی سرعة السهم وإطلاقه، فهو فی الهواء مستوٍ کأنه جبل ممدود ما بین المشرق والمغرب، وتجری الشمس والقمر والخنس فی سرعة دوران الرحی من أهوال یوم القیامة وزلازلها فی ذلک البحر، فذلک لقوله تعالیٰ: ﴿کل فی فلک یسبحون﴾ وفی روایة عليّ رضی الله تعالیٰ عنه: فقال علیه الصلاة والسلام: "یاعلی! الکواکب الخمسة: البرجیس، وهو المشتری، وزحل، وعطارد، وبهرام والزهرة". فهو الکواکب الخمسة الطالعات الجاریات مع الشمس والقمر فی الفلک، و أما سائر الکواکب فکلها معلقات فی السموات کتعلیق القنادیل فی المساجد". (العرائس للثعلبی، ص: ۱۶، ۱۷)

(۲) **ترجمہ**: بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان ہمہ وقت مصروف ہیں، تاکہ تُو ان کے ذریعے کما کر کھائے اور غفلت سے نہ کھائے، یہ سارے تیرے کام میں مصروف ہیں اور تیرے فرمانبردار ہیں پس یہ تو بعید ہے کہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانبردار نہ رہے۔ (گلستان سعدی، ص: ۲، قدیمی)

آیتِ تسخیر کے مفہوم پراس سے بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ سب اشیاء انسان کی منفعت کے لیے پیدا کی ہیں اور انسان خدائے پاک کی عطافرمائی ہوئی صلاحیت وقوت کے موافق ان سے منتفع ہوتا ہے جس کی بے شمار صورتیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چاند، سورج کہاں ہیں؟

سوال[۱۳۷۲]: آسمان کی تعریف کیا ہے؟ آسمان حاوی ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ چاند سورج کا جائے وقوع کس مقام پر ہے؟ چاند پر یا آسمان پر حاوی جسم پہنچ سکتا ہے نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور (آسمان کی تعریف، اس کا حاوی یا غیر حاوی ہونا، چاند سورج کا جائے وقوع) نہ اعتقادیات میں سے ہیں کہ ان پر تکمیلِ ایمان موقوف ہو، نہ فروع میں سے ہیں کہ ان پر اعمال مکلف موقوف ہوں، پھر ان پر بحث کرنا امرِ زائد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں؟

سوال[۱۳۷۳]: زمین وآسمان کے جو سات درجہ ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ کیا چاند اور سورج ایک ایک کے علاوہ دوسرے درجوں میں بھی ہے یا نہیں؟ نیز زمین کے سات درجے ہیں، تو کیا آسمان کے اوپر بھی کوئی زمین کا درجہ ہے یا نہیں؟

نیز عوام میں جو مشہور ہے کہ زمین کا نیچے کا درجہ تحت الثریٰ ہے اور وہ ایک گائے کے قرن پر رکھا ہوا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ شریعت کیا فیصلہ فرماتی ہے؟ نیز چاند، سورج آسمان سے پیوست ہیں یا زنجیر سے لٹکے ہوئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند، سورج، ستارے سب آسمان سے نیچے اپنے مدار میں ہیں، نہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں نہ زنجیر میں لٹکے ہوئے ہیں بلکہ قدرتی کشش کے تحت ان کا نظم قائم ہے(۱)۔ زمین نیچے ہے آسمان کے اوپر نہیں۔

---

(۱) "قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاء فی بعض الآثار ان الکواکب جمیعها معلقة بسلاسل من =

گائے کی قرن پر زمین کا ہونا موضوعات میں سے ہے، مستند صحیح روایت میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۹۲ھ۔

قیامت میں بعد حساب چاند، سورج کہاں رہیں گے؟

سوال [۱۳۷۴]: قیامت میں بعد حساب کے چاند سورج کہاں رہیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں، ان کی تذلیل وتوبیخ کے لئے ان

= نور تحت سماء الدنیا بأیدی ملائکة یجرونها حیث شاء الله تعالیٰ". (روح المعانی: ۱۷، ۴۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عنه أیضاً (ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه) أن النجوم قنادیل معلقة بین السماء والأرض بسلاسل من نور بأیدی ملائکة من نور، فإذا مات مَن فی السموات والأرض تساقطت من أیدیهم". وظاهر هذا أن النجوم لیست فی جرم أفلاک لها کما یقول الفلاسفة المتقدمون، بل معلقة فی فضاء، ویقرب منه من وجه قول الفلاسفة المحدثین، فإنهم یقولون بکونها فی فضاء أیضاً، لکن بقویٰ متجاذبة معلقة بسلاسل بأیدی ملائکة......وإن صح خبر الجر وهو فی حکم المرفوع، لم نعدل عن ظاهره إلا أن ظهر استحالته". (روح المعانی: ۳۰/ ۵۰، تحت قوله تعالیٰ: سورة التکویر، تحت قوله تعالیٰ: ﴿واذا النجوم انکدرت﴾ الآیة، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"لم یقم دلیل علی أن شیئاً من الکواکب مغروزٌ فی شئ من السموات کالفص فی الخاتم". (روح المعانی: ۲۸/ ۴۵، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر القرطبی: ۱۹/ ۱۴۹، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی هیئة الوسطیٰ، ص: ۱۷، ادارة التصنیف والتالیف لاهور)

(۱) ومن هذا [أی الموضوعات] "ان الأرض صخرة والصخرة علی قرن ثور، فإذا حرک الثور قرنه تحرکت الصخرة، فتحرکت الأرض، وهی الزلزلة". (الموضوعات الکبریٰ لملا علی القاری، ص: ۳۲۱، قدیمی)

کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا(۱) اس پر لوگ بہت نادم ہوں گے کہ افسوس ہمارے معبود بھی ہماری طرح دوزخ میں بے یارومددگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

چاند پر پہنچ جانا

سوال[۱۳۷۵]: اگر کوئی شخص پورا یقین کرے کہ چاند پر آدمی جاسکتا ہے وہاں رہنا بھی ممکن ہے۔ اس مسئلہ پر قرآن پاک سے کیا معلوم ہوتا ہے، ہم سب مسلمانوں کو پورا یقین کرنا چاہیے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق قرآنِ پاک نے کوئی بات نہیں فرمائی کہ چاند پر آدمی جاسکتا ہے یا نہیں، اس لیے اگر کوئی وہاں چلا جائے تو قرآن کے خلاف نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خلائی سفر، چاند پر پہنچنا

سوال[۱۳۷۶]: ۱.....کیا چاند سورج تک انسان پہنچ سکتا ہے؟ سورج تک پہنچنا انسانی عقل کے بھی

---

(۱) "أخرج ابن حاتم عن ابن أبي مريم: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في قوله تعالىٰ: ﴿إذا الشمس كورت﴾: "في جهنم" ﴿وإذا النجوم انكدرت﴾، قال: "انكدرت في جهنم، وكل من عبد من دون الله فهو في جهنم إلا ما كان من عيسىٰ وأمه". (التفسير المظهري: ۱۰/۲۰۴، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه: ﴿إذا الشمس كوّرت﴾ قال: يكور الله الشمس والقمر والنجوم يوم القيامة في البحر، ويبعث الله ريحاً دَبوراً فتضرمها ناراً.....ثم قال ابن أبي حاتم.....عن ابن يزيد بن أبي مريم عن أبيه أن رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في قول الله: ﴿إذا الشمس كورت﴾ قال: "كورت في جهنم". (تفسير ابن كثير: ۴/۶۱۱، دار الفيحاء دمشق)

(۲) دیکھئے: (فتاویٰ حقانیه: ۱/۳۳۰-۳۷۸)

خلاف ہوگا، کیوں کہ اس قدر شدتِ حرارت میں زندہ رہنا ناممکن ہے، پھر ﴿سخر الشمس والقمر﴾(۱) سے انسان کے چاند تک پہنچنے کا مطلب کیسے لیا جاسکتا ہے؟

۲......کیا خلاء نوردی (خلائی سفر) فضول خرچی میں شامل ہے؟

۳......کیا چاند پہاڑوں، غاروں اور گہری کھائیوں کا مجموعہ ہے؟ کیا ہماری زمین سے اوپر فضاء میں کوئی زمین ہے؟

۴......مادّی وسائل کے ذریعہ چاند تک پہنچنے سے کیا معراجِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے؟

۵......شیاطین پہلے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو ان پر شہاب پڑتے ہیں، پھر یہ شیطان کیسے چاند پر پہنچ گئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......چاند سورج تک پہنچ جانا نہ شرعاً ممنوع ہے، نہ عقلاً محال ہے، یہ دونوں چیزیں آسمان پرنہیں ہیں بلکہ فلک میں ہیں، فلک آسمان سے بہت نیچے ہے جو کہ ان سیاروں کا مدار ہے اس میں یہ گردش کرتے ہیں: ﴿کل فی فلک یسبحون﴾ (۲) جس طرح سورج ایک مخلوق ہے جس میں زبردست تمازت ہے، یہ جسد عنصری اپنی اسی حالت میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا جیسے کہ آگ کو برداشت نہیں کرسکتا مگر آگ سے بڑی سرعت کے ساتھ عبور کرسکتا ہے جس کا مشاہدہ شب وروز باورچیوں سے ہوتا ہے کہ پھرتی سے آگ کا انگارہ بھی پکڑ کر ادھر ادھر کردیتے ہیں اور ڈال دیتے ہیں اور لپٹ میں کو ہاتھ بھی گذار دیتے ہیں، یہ سب کچھ بغیر کسی دوا کے استعمال کئے ہوئے کرتے ہیں۔

سورج کی تمازت بظاہر آگ سے بہت زیادہ ہے، مگر ممکن ہے کہ قدرت نے ایسی اشیاء بھی پیدا فرمادی ہوں جو اس تمازت کے لئے حجاب بن سکیں، یہ عقلاً کچھ بعید نہیں، آخر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) (سورۃ الرعد، پ: ۱۳/ ۲)

(۲) (الانبیاء: ۱۷، آیۃ: ۶۹)

تفصیل کے لئے دیکھیے: (فتاویٰ حقانیہ: ۱/ ۳۳۰تا۳۷۸، دار العلوم حقانیہ)

معراج میں تشریف لے گئے، کرۂ نار اور کرۂ زمہریر کو عبور فرمایا، جبرئیل امین بھی ساتھ تھے، براق بھی ساتھ تھا، ان دونوں کرّوں سے ان تینوں کو تکلیف نہیں ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کتنی زبردست آگ میں ڈالا گیا مگر جس ذات نے آگ میں جلانے کی خاصیت رکھی اسی ذات نے آگ کو خطاب فرمایا قولہ تعالیٰ: ﴿یا نار کونی برداً وسلاماً علی إبراهیم﴾ (الآیۃ)(۱) اگر سورج کی تمازت کو بھی کسی کے حق میں ختم یا کم کر دیا جائے تو کیا بعید ہے کہ ایسا بھی ایک وقت آئے گا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے ﴿إذا الشمس کورت﴾ (۲)۔

ہر چیز میں جو بھی تاثیر ہے وہ خدائے پاک کی عطا فرمودہ ہے، وہ جب چاہے اپنی دی ہوئی تاثیر واپس لے لے۔ ابو مسلم خولانی کو بھی آگ میں ڈال دیا گیا تھا مگر آگ نے انہیں نہیں جلایا (۳)۔

۲..... خلاء نوردوں سے دریافت کیا جائے کہ ان کا مقصد کیا ہے؟ پھر غور کیا جائے کہ وہ مقصد کیا حیثیت رکھتا ہے؟

۳..... سات زمینوں کا تذکرہ بعض روایات میں آیا ہے (۴)، ہماری زمین سے اوپر فضا میں کوئی زمین

---

(۱) (الأنبياء، پ: ۱۷، الآية: ۶۹)

(۲) (التكوير، پ: ۳۰، آيت: ۱)

(۳) "سيد التابعين و زاهد العصر، اسمه على الأصح: عبد الله بن ثوب ...... قال إسماعيل بن عياش: حدثنا شرحبيل ابن مسلم، قال: أتى أبو مسلم الخولاني المدينة و قد قبض النبي ﷺ واستخلف أبوبكر".

فحدثنا شرحبيل: أن الأسود تنبأ باليمن، فبعث إلى أبي مسلم، فأتاه بنارٍ عظيمة، ثم إنه ألقىٰ ابا مسلم فيها، فلم تضره، فقيل للأسود .... فبصر عمر رضي الله عنه فقام إليه ...... فقال: "الحمد لله الذي لم يمتني أراني في أمة محمد من صنع به كما صنع بابراهيم الخليل". (سير أعلام النبلاء: ۴/۸، ۹، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿الله الذي خلق سبع سموات ومن الأرض مثلهن﴾. (الطلاق، پ: ۲۸، آية: ۱۲)

"(ومن الأرض مثلهن): أي سبعاً أيضاً". (تفسير ابن كثير: ۴/۴۹۴، دار الفيحاء دمشق)

"قال الجمهور: هي ههنا في كونها سبعاً وكونها طباقاً بعضها فوق بعض بين كل أرض وأرض =

ہے یا نہیں، اس کا تذکرہ صاف نہیں۔ چاند، پہاڑوں، غاروں، گہری کھائیوں کا مجموعہ ہے، اس کا تذکرہ روایات میں نہیں۔

۴...... معراجِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، سلف صالحین سے ثابت ہے، چاند تک مادّی وسائل سے پہنچ جانا اس کے مقابل میں بہت ہی معمولی بات ہے۔

۵...... یہ آسمان تک نہیں پہنچے بلکہ اس سے بہت نیچے اسی فضاء میں پہنچنے کے مدعی ہیں، چیل، چکور، کبوتر جیسے اڑتے ہیں ان سے کچھ اوپر تک یہ اڑ کر پہنچ گئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم و علمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۴ھ۔

کیا چاند پر پہنچ جانا کوئی کمال ہے؟

سوال [۱۳۷۷]: آج کل یہ خبریں بہت چل رہی ہیں کہ یہود ونصاریٰ چاند پر پہنچ گئے ہیں تو چاند آسمان سے نیچے ہے، قرآن پاک میں اس بات کی خبر دی گئی ہے یا نہیں؟ کیا ہم مسلمانوں کو ان کی باتوں پر یقین کرنا چاہیے؟ ہمارے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے، بادل، ہوا، پانی، آگ، برف، بجلی، پہاڑ، درخت، غرض سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں، انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوت دی ہے، انسان خدا کی دی ہوئی قوت کے موافق ان چیزوں سے نفع اٹھائے۔ چاند پر پہنچنے یا نہ پہنچنے کے متعلق قرآن پاک نے کچھ نہیں بیان کیا، نہ قرآن پاک ایسی چیزوں کے بیان کرنے کے لیے نازل ہوا ہے، قرآن پاک تو انسان کو فرائض بتانے اور صحیح زندگی سکھلانے

= مسافة كمابين السماء والأرض، وفي كل أرض سكان من خلق الله عزوجل، لا يعلم حقيقتهم إلا الله". (روح المعاني: ۲۸/۱۴۲، إحياء التراث بيروت)

في رواية طويلة "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "هل تدرون ما الذي تحتكم"؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "إن تحتها أرضاً أخرى بينهما مسيرة خمسمائة سنة". (مشكوة المصابيح: ۲/۵۱۰، باب بدء الخلق، الفصل الثالث، قديمي)

کے لیے نازل ہوا ہے تاکہ اس کو ابدی راحت مل سکے، محض چاند پر پہنچنے سے ابدی راحت نہیں ہوگی۔ اگر کوئی شخص چاند پر پہنچ جائے تو اس کی وجہ سے قرآن پاک کی مخالفت نہیں ہوتی اور اس کا یقین کر لینے سے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

آسمان پر فرشتے رہتے ہیں، ہمیشہ سے آتے جاتے ہیں، انسان کے نیک اعمال آسمان پر چڑھتے ہیں، رزق آسمان سے اترتا ہے، انبیاء علیہم السلام کا آسمانوں پر تشریف فرما ہونا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں ملاحظہ فرمایا ہے، خود بھی آپ آسمان پر اور اس سے بھی آگے خدا جانے کہاں کہاں تک تشریف لے گئے ہیں اور پہلے شیاطین بھی آسمان پر جاتے تھے اور اب بھی جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ملائکہ ان کو بھگا دیتے ہیں، جو کام شیطان کرتے تھے وہ کام یہود ونصاریٰ کرنے کی کوشش کریں تو کون سا کمال ہے، ان چیزوں پر بحث کرنا بے کار ہے، کام وہ کرنا چاہئے جو آخرت میں کارآمد ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۸۹ھ۔

ستارے، بروج اور چاند تک پہنچنا

الاستفتاء[۱۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین راہنمایان امت مسئلہ ذیل میں:

اس وقت روز بروز جو خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ چاند پر پہنچنے کے مدعی اپنے برسوں کی کوشش میں کامیاب ہو گئے ہیں اس کے متعلق احق الادیان کا کیا فیصلہ ہے؟

۱......چاند من حیث ھو کیا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبیہ کیا ہیں؟

۲......قمر وارض میں کونسا بڑا ہے اور چاند کی وسعت اور طول وعمق کی کیا مقدار ہے؟

۳......ارض کو قمر سے کیا فصل ہے اور کتنی مسافت ہے اور جو ہر آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت آتی ہے وہ کس رفتار سے ہے، آیا پیادہ یا گھوڑے یا اونٹ کے اعتبار سے؟

۴......چاند کا وقوع کس جگہ پر ہے اور اگر آسمان پر ہے تو کون سے آسمان پر ہے؟ اور نہیں ہے تو پھر کہاں ہے اور قیام کا کیا انتظام ہے؟

۵......اس کی گردش اختلاف مشارق ومغارب کے ساتھ ایک ہی برج میں ہوتی رہتی ہے یا مختلف برجوں میں اور ان برجوں کے نام کیا ہیں؟

۶......تاریخوں کے اختلاف سے چاند کا بڑا چھوٹا ہونا نظر آتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، آیا چاند ہی کم وبیش ہوکر کبھی ختم ہوتا (جیسے ماہ کے ختم پر) اور کبھی وجود میں آتا (جیسے چاند رات میں) یا اور کوئی چیز حائل ہوتی ہے اور حائل ہونے والی چیز کیا ہے؟

۷......شمس وقمر، مریخ، زحل وغیرہ سبع سیارہ ایک سطح پر ہیں یا مختلف سطحوں میں اور ان سطحوں کے نام کیا ہیں؟

۸......سبع سیارہ جو آسمان پر ہیں تو کون سے آسمان پر اور ہر ایک کو اوپر نیچے ہونے کے اعتبار سے کتنا فاصلہ ہے؟

۹......مابین السماء والأرض ایسی کتنی سنگین گھاٹیاں ہیں، جیسے: طبقہ بارد وحار اور وہ طبقہ جہاں ہوا کا نام ونشان نہیں، یہ طبقات وکرّات زمین سے کتنے فاصلے سے شروع ہوجاتے ہیں؟

۱۰......ان تمام گھاٹیوں سے گذر کر چاند پر پہنچنے کا دعوی کرنے والے کے حق میں قرآن وحدیث واقوالِ علماء کا تصدیق وتکذیب میں کیا فیصلہ ہے اور ان کے اس دعوی کی تصدیق صاحب ایمان کو کرنا کیسا ہے، معراج کی اطلاع پر ملحدین کا سب سے پہلے یہ کہنا تھا کہ ان تمام کرات سے گذرنا انسان کے بس سے باہر ہے؟

۱۱......مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق صرف ایک سواری (براق) پر سوار ہوکر جنت، دوزخ، عرش وکرسی تک کی خبر دی جاسکتی ہے تو ہمارا مدعیان (برسیدن چاند) کے آلات کے ذریعے صرف چاند کی اور اس میں پہاڑوں، بخاروں اور زمینوں وغیرہ اشیاء کی خبر دینے میں کونسا استحالہ ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ اگر یہ بھی دعوہائے ماضیہ باطلہ کی طرح بالکل باطل ہے تو پھر بمصداق "لکل فرعون موسی"، اس کی تردید کا آپ حضرات نے کیا انتظام کیا ہے، کیونکہ ہر روز کے معمہ کے حل کا میں ہی نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ شدت سے انتظار کررہی ہے، اگر باضابطہ انتظام ہوجائے اور گاہ بگاہ اخبارات میں بھی اشاعت ہوتی رہے تو کروڑوں ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بن کر عندالناس مشکور وعنداللہ ماجور ہوں گے۔

۱۲......جو ضمیمہ ہے نمبر: ۶ کا، یہ چاند مہینہ کے ختم ہونے پر جو گم رہتا ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے، اگر گم رہتا ہے تو کہاں رہتا ہے اس کا کیا نام ہے؟ قرآن وحدیث واقوالِ علمائے حق بحوالۂ کتب مدلل ومفصل

تحریر فرمائیں، جتنا جلدی ہو بہتر ہے والسلام۔

محمد ابراہیم کھیڑہ افغان، حال مقیم مدرسہ اشرف العلوم، قصبہ گنگوہ، سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۸۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... "القمر کوکب .... یستمدنوره من الشمس، فینعکس علی الأرض، فیرفع ظلمة اللیل، وهو قمر بعد ثلاث لیال إلیٰ آخر الشهر، وأما قبل ذلك فهو هلال ۱هـ"۔ المنجد، ص: ۶۹۲ (۱)۔ اجزائے ترکیبیہ کا علم نہیں۔

۲...... چاند چھوٹا ہے، چاند کی وسعت طول، عمق کا علم نہیں (۲)۔

۳...... ارض وقمر کے درمیان کی مسافت کا علم نہیں (۳)، آسمانوں کے درمیانی مسافت سے مراد بظاہر وہ مسافت ہے جو کہ سفر شرعی میں مراد ہے، بعض روایات میں اس کے علاوہ بہت تیز رفتار کا ذکر بھی آیا ہے۔

۴...... آسمان سے نیچے فلک میں ہے کما سیأتی فی رقم: ۸۔

۵...... مختلف بروج میں ان کے نام یہ ہیں: "الشرطین، والبطین، والثریا، والدبران، والهقعة والنشرة، والطرفة، والجبهة، والزبرة، والصرفة، والعواء، والسماك، والفغر، والزبانی، والاکلیل، والقلب، والشولة، والنعائم، والبلدة، وسعد الذابح، سعد بلع، وسعد السعود، وسعد الأخبیة، وفرغ الدلو المقدم، وفرغ الدلو المؤخر، وبطن الحوت ۱هـ" ان کو منازل سے قرآن پاک میں تعبیر کیا گیا ہے، کذا فی تبصیر الرحمن: ۱/ ۲۲۱ (٤)۔

---

(۱) (المنجد: ۶۵۳، المطبع الکاثولیکه بیروت)

(۲) "حجم الأرض أکبر من حجم القمر: ۴۹ مرةً، فلو جمعت ۴۹ کرةً مثل القمر، وفرضت کرة واحدة ساوی حجم مجموع هذه الکرات حجم الأرض". (الهیئة الوسطی، ص: ۳۹۳، إدارة التصنیف والأدب، لاهور)

(۳) "زمین سے چاند کا زیادہ سے زیادہ فاصلہ ۲۵۲۷۱۰/ میل اور کم سے کم فاصلہ ۲۲۱۴۶۳/ میل ہوتا ہے، اس حساب سے اس کا اوسط فاصلہ ۲۳۷۰۵۸ میل بنتا ہے"۔ (فہم الفلکیات، ص: ۱۰۸، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۴) (تفسیر القرآن المسمیٰ بتبصیر الرحمن للعلامة علی بن أحمد بن ابراهیم المهایمی: ۱/ ۳۵۷،]یوسف: ۴[)، عالم الکتب، بیروت) .... =

۶......ان منازل میں مقررہ تاریخوں میں رہنے کی وجہ سے ان کے نور میں تفاوت رہتا ہے، کذا فی تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۷۲(۱)۔

۷......یہ سب (ایک ہی) فلک میں ہیں، کما سیجیئ۔

۸......آسمان سے نیچے ہیں: "فی روایة طویلة" عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "ثم خلق الله تعالیٰ بحراً دون سماء الدنیا، فهو موج مکفوف قائم فی الهواء بإذن الله تعالیٰ، لا یقطر منه قطرة، والنجوم کلها ساکنة فی ذلك البحر، وهو جارفی سرعة السهم وإطلاقه، فهو فی الهواء مستوٍ کأنه جبل ممدود مابین المشرق والمغرب، وتجری الشمس والقمر والخنّس فی سرعة دوران الرحیٰ من أهوال یوم القیٰمة وزلازلها فی ذلك البحر، فذلك لقوله تعالیٰ: ﴿کل فی فلك یسبحون﴾۔ وفی روایة علیّ فقال علیه الصلوٰة والسلام: "یاعلی! الکواکب الخمسة: البرجیس وهو المشتری، وزحل، وعطارد، وبهرام، والزهرة". فهو الکواکب الخمسة الطالعات الجاریات مع الشمس والقمر فی الفلك، وأما سائر الکواکب فکلها معلقات فی السموات کتعلیق القنادیل فی المساجد اهـ"۔ (العرائس للثعلبی، ص: ۱۶، ۱۷)(۲)۔

= علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ان بروج کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وهی مقسمة علی البروج الإثنی عشر المشهورة، فیکون لکل برج منزلان وثلث". (روح المعانی: ۱۱/۷۰، (تحت قوله تعالیٰ: ﴿وهو الذی جعل الشمس ضیآء والقمر نور اوقدرهٗ﴾. الآیة، (سوره یونس)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "(والقمر قدّرنا منازل)، فأول مایبدو صغیراً ثم یتزا یدنوره وجرمه حتی یستوسق ویکمل أبداره، ثم یشرع فی النقص حتی یرجع إلی حالته الأولیٰ فی تمام الشهر". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۳۶، دار الفیحاء دمشق)

(۲) "إن النجوم قنادیل معلقة بین السماء والأرض بسلاسل من نور بأیدی ملٰئکة من نور اهـ". (روح المعانی: ۳۰/۵۰، داراحیاء التراث العربی بیروت)

"لم یقم دلیل علی أن شیئاً من الکواکب مغروز فی شئ من السموات کالفصّ فی الخاتم". (روح المعانی: ۲۸/۴۵)

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں رسالہ: (چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام، فتاویٰ حقانیہ: ۱/۳۳۰، ۱/۳۷۴، جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

۹......ان کی تعداد اور فاصلہ کا علم نہیں۔

۱۰...... یہ مسئلہ ایمانیات میں سے نہیں، قرآن کریم اور حدیث شریف نے ثبوتاً یا نفیاً اس پر ایمان لانے کا مکلّف نہیں کیا، اگر چاند پر کوئی پہنچ جائے تو اس سے ایمان میں فرق نہیں آتا، ملحدین مکہ نے جو اشکال کیا تھا اس کی بنیاد قرآن وحدیث سے استدلال پر نہیں تھی کیونکہ ایمان کی دولت سے محروم تھے۔

۱۱...... جنت اور عرش کرسی تک پہنچنے کے لیے براق کی سواری لائی گئی تھی (۱) وہاں تک یہ لوگ نہیں پہنچے، نہ ان کا ان چیزوں پر ایمان ہے کیونکہ یہ چیزیں مغیبات میں سے ہیں اور ان کو صرف محسوسات کا اعتراف ہے، چاند محسوسات میں ہے اس تک پہنچنے کے لئے براق کی ضرورت نہیں، لہذا اگر چاند تک بغیر براق کے پہنچ بھی جائیں تو ایمان میں فرق نہیں آئے گا، پھر تردید کی کیا ضرورت ہے، دو عادل متدین مقبول الشہادۃ عند الشرع اگر پہنچنے کی گواہی دیں تو قبول کرنے میں اشکال نہیں (۲)۔

۱۲......اس کا جواب نمبر:۶ میں آ گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

چاند پر نشان کیسا ہے؟

سوال[۱۳۷۹]: چاند میں بادل کے ٹکڑے جیسا کچھ نشان معلوم ہوتا ہے یہ نشان کس چیز کا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ اللہ پاک نے چاند اور سورج کو یکساں بنایا تھا پھر چاند کے نور کے ستر اجزاء میں سے ایک جز چاند میں باقی رہا اور ۶۹/ اجزاء حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بامر خداوندی اپنے

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "أتیتُ بالبراق وھو دابة أبیض فوق الحمار دون البغل". (تفسیر ابن کثیر: ۳/۷، ۸، مکتبہ دار الفیحاء دمشق)

(وکذا فی روح المعانی: ۱۵/۵، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) فی الھدایة: "وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیھا شھادة رجلین أو رجل وامرأتین، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال، مثل النکاح والطلاق والوکالة والوصیة ونحو ذلک". (الھدایہ: ۳/۱۵۳، کتاب الشھادة، مکتبہ امدادیہ ملتان)

بازو سے رگڑ کر چاند سے نکال کر سورج کی طرف منتقل کر دیئے، یہ اس رگڑ کا نشان ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حروف جمیل لکھے ہوئے ہیں، فتاوی ابن حجر مکی ص:۱۳۱(۱)، میں دونوں قول درج ہیں، تفسیر مفاتیح الغیب میں ﴿فمحونا اٰیة اللیل﴾ کے ذیل میں،:۵/۳۷۳(۲) میں پہلے قول کے ساتھ ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح کواکب اجرام فلکیہ میں مرتکز ہیں اسی طرح اجسام قلیلۃ الضوء وجہ قمر میں مرتکز ہیں۔ قول اول کی کچھ تائیدات تفسیر ابن کثیر (۳) اور فتاویٰ ابن حجر میں ذکر کی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۴/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) قال ابن الحجر الهيثمي رحمه الله تعالىٰ: "و سئل نفع الله به عن السواد بالقمر؟ فأجاب بقوله: قيل: إن علياً كرم الله وجهه سئل عن ذلك، فقال: "هو أثر مسح جناح جبريل؛ لأن الله تعالىٰ خلق .... حوّلها إلى الشمس، فأذهب منه الضوء، و أبقى فيه النور، فذلك قوله تعالىٰ: ﴿فمحونا إية الليل و جعلنا آية النهار مبصرة﴾ (الاسراء: ۱۲) ...... اهـ". (الفتاوى الحديثية، مطلب في السواد الذى في القمر، ص: ۲۴۸، قديمى)

قال النيسابورى رحمه الله تعالىٰ: "وسببه في الشرع ماروى أن الشمس والقمر كاناسواء في النوروالضوء، فأرسل الله تعالىٰ جبرئيل، فأمَرّ جناحه على وجه القمر، فأذهب عنه أثر الضياء، وسببه عندالفلاسفة أنه ارتكزفي وجه القمرأجسام قليلة الضوء كارتكازالكواكب في أجرام الأفلاك، ولماكانت تلك الأجرام أقل ضوء من جرم القمرلاجرم، شوهدت تلك الأجرام في وجه القمر كالكلف في وجه الإنسان". (تفسيرغرائب القرآن على هامش الطبرى: ۸/۱۳، ۱۴، دارالمعرفه، بيروت)

(۲) "وأحسن ما ذكره الفلاسفة في الاعتذار عنه أنه ارتكز في وجه القمر أجسام قليلة الضوء، مثل ارتكاز الكواكب في إجرام الأفلاك ......اهـ". (تفسير مفاتيح الغيب المعروف بالتفسير الكبير للرازى: ۲۰/۱۶۵ أ، (الإسراء: ۱۲)، دار الكتب العلمية، طهران)

(كذافي روح المعاني: ۱۵/۱۸، داراحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "(فمحونا آية الليل) قال: السوادالذى في القمر، وكذلك خلقه الله تعالىٰ: وقال ابن جريج: قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: كان القمريضئ كماتضئ الشمس، والقمرآية الليل، والشمس آية النهار، (فمحوناآية الليل) السوادالذى في القمر". (تفسيرابن كثير: ۳/۴۰، دارالفيحاء بيروت) .... =

چاند کے اوپر اور زمین کے نیچے آبادی

سوال[۱۳۸۰]: چاند پر اور زمین کے نیچے اور آسمان پر آبادی ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کی امت میں سے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آسمان کے اوپر سب جگہ ملائکہ ہیں وہ خود مطیع ہیں ان کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں، چاند بھی آسمان پر ہے اس میں کسی مخلوق کا وجود معلوم نہیں، زمین کے سات طبقات ہیں ہر طبقہ میں جداگانہ مخلوق آباد ہے اور ہر مخلوق کی طرف نبی اس کی جنس سے بھیجا جاتا ہے:

" قال وهب ابن منبه: لما خلق الله تعالىٰ الأرض كانت طبقةً واحدةً، ففتقها، فصيرها سبعاً كما فعل بالسماء، وجعل بين الطبقة والطبقة مسيرة خمس مائة عام وهوقوله تعالىٰ ﴿ففتقناهما﴾وجعلهماسبعاً،فكان اسم الطبقة الأولى: أديماً، والثانية: بسيطاً ،والثالثة: ثقيلاً، والرابعة: بطيحاً، والخامسة:جيناً، والسادسة: ماسكة، والسابعة: الثرىٰ۔ وسكان الأرض الثانية:أممٌ يقال لهم: الطمس، وطعامهم من لحومهم، وشرابهم من دمهم۔

والطبقة الثالثة: سكانها أممٌ وجوههم كوجوه بنی ادم، وأفواههم كأفواه الكلاب، وأيديهم كأيدى بنی ادم، وأرجلهم كأرجل البقر.......... وعلىٰ أبدانهم شعر كصوف الغنم، وهولهم ثياب. والطبقة الرابعة: سكانهاأممٌ يقال لهم: الحلهام، ليس لهم أعين ولاأقدام، بل لهم أجنحة كأجنحةالقطا۔

والطبقة الخامسة: بهاأمم يقال: الخشن، وهم كأمثال البغال، ولهم أذناب، كل ذنب نحوثلث مائة ذراع ....../ والطبقة السادسة: بهاأمم يقال: الختوم، وهم سودالأبدان، ولهم مخالب كمخالب السباع، ويقال:إن اللّٰه‌تعالىٰ يسلطهم على يأجوج ومأجوج حين يخرجون فتهلكهم. والطبقة السابعة: فيهامسكن إبليس وجنوده من المردة الشياطين ١هـ". بدائع

= مزید تفصیل کے لیے دیکھیے :(الهيئة الوسطى) ،ص: ۳۸۸، ۳۹۳، للشيخ البازی رحمه الله تعالىٰ، ادارة التصنيف والتاليف لاهور)

الذهور في وقائع الدهور(۱).

﴿الله الذي خلق سبع سمٰوٰت ومن الأرض مثلهن﴾ يعني سبع أرضين، ينزل الأرض الوحي بينهن بين السمٰوٰت والأرض، ينزل به جبرئيل من السماء السابعة إلى الأرض السابعة، انتهى". جلالین شریف مجموعہ فتاویٰ، ص:۱۲۶(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کہکشاں

سوال[۱۳۸۱]: رات کوآسمان پر جوسفیدی لمبی نظرآتی ہے اس کوبعض لوگ پل صراط کہتے ہیں وہ کیا چیز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا نام کہکشاں ہے، قیامت کوآسمان اس جگہ سے پھٹے گا، فتح العزیز(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ماہ عروج کی ابتداء وانتہاء

سوال[۱۳۸۲]: ۱...... ماہ عروج سے فلاں کام شروع کرو، تو ماہ عروج سے کیا مطلب ہے؟

ماہ ثابت یا ذوالجد

سوال[۱۳۸۳]: ۲...... عروج ماہ ہو اور ثابت یا ذوالجد ہو، ماہ منقلب نہ ہو، جمعرات سے شروع کیا جائے، پوچھنا یہ ہے کہ ماہ ثابت یا ذوالجد کس کو کہتے ہیں؟

---

(۱) (بدائع الذهور في وقائع الدهور، ذكر مبدأ خلق الأرض، ص:۷،۸، مكتبه إسلاميه، ميزان ماركيث، كوئٹه)

(۲) (جلالين: ۴۶۴/۲، قديمي كتب خانه كراچي)

(۳) وقال الشيخ موسى الروحاني رحمه الله تعالى: "مجرہ کہکشاں، اسے "الطريق اللبني ودربة التبانه" کہتے ہیں، ام النجوم بھی اس کا ایک نام ہے، رات کو جنوباً و شمالاً آسمان میں ایک سفید پٹی نظرآتی ہے اسے کہکشاں کہتے ہیں، اس کی شکل پہئے کی طرح ہے بلکہ چکی کے گول پاٹ کی طرح ہے"۔ (الهيئة الوسطى، ص:۷۷، ادارۃ التصنیف والتألیف لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یکم سے ۱۴/ تک عروج ہے۔

۲......ماہ ثابت اور ذوالجد میں نہیں جانتا کس کو کہتے ہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

محکمہ موسمیات کے فلکیاتی اعلانات

سوال[۱۳۸۴]: ہماری گورنمنٹ کا محکمۂ موسمیات جو بارش یا آندھی، طوفان وغیرہ کی خبریں بذریعۂ ریڈیو نشر کرتا ہے ان پر یقین رکھنا شرعی حیثیت سے کیا ہے؟ اور وہ محکمہ کیسے اندازہ لگاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ آثار وعلامات پر اعلان کیا جاتا ہے، کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط، یہ شرعی دلیل نہیں جس پر یقین واجب ہو(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۱ھ۔

دفینہ معلوم کرنے کا طریقہ

سوال[۱۳۸۵]: اگر کوئی شخص اپنے گھر کا دفینہ معلوم کرنا چاہے تو معلوم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا طریقہ ہے، کہاں نقشہ بھیجنا پڑے گا؟ پرانے آدمی بتاتے ہیں کہ روپیہ ضرور ہے مگر ثابت نہیں ہے کہاں پر ہے، اگر مل جائے تو ضرور آپ کی محنت ادا کروں گا، ورنہ آخرت میں معلوم کروں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفینہ معلوم کرنے کا طریقہ یا نقش میں نہیں جانتا، آپ خدا کے سامنے جا کر دعویٰ کریں گے تو میں وہاں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث﴾ (سورة لقمان: ۳۴، پ: ۲۱)

"كون المراد اختصاص علم هذه الخمس به عز وجل هو الذى تدل عليه الأحاديث والآثار".

(روح المعانى ۲۱/۱۱۱، دار إحياء التراث العربى)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (معارف القرآن: ۷/۵۲، إدارة المعارف كراچى)

بھی عرض کردوں گا کہ میں نے اس کا طریقہ نہ قرآن میں پڑھا ہے نہ حدیث میں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

سات زمینوں کا پتہ

سوال[۱۳۸۶]: ۱.....قرآن کریم کی بیان کردہ سات زمین، سات آسمان صحیح قول کے لحاظ سے سب الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک (۲) تو وہ زمین کہاں ہے اور ہم کو نظر آتی ہے یا نہیں؟

۲.....ان زمینوں کے باشندوں تک اگر شریعت محمدیہ پہونچ سکے تو ان پر اس کا ماننا واجب ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها﴾. (البقرہ: ۲۸۶، پ:۳)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله: "الوسع ما تسعه قدرة الإنسان أو ما يسهل عليه من المقدور، وهو ما دون مدى طاقته: أى سنته تعالیٰ أنه ما لايتكلف نفساً من النفوس إلا ما تطيق". (روح المعانی، قبيل سورة آل عمران: ۳/۹۶، دار إحياء التراث)

وقال ابن كثير رحمه الله: "أى لا يكلف أحداً فوق طاقته، وهذا من لطفه تعالیٰ بخلقه ورأفته بهم وإحسانه إليهم". (تفسير ابن كثير: ۱/۳۴۲، سهيل اكيڈمی)

(۲) "قال (عليه الصلوة والسلام): "فإن فوق ذلک سماء بعد ما بينهما سيرة خمس مائة سنةً"، حتى عدّ سبع سماوات مابين كل سمائين كما بين السماء والأرض الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۳۸۸، (الحديد، الجزء السابع والعشرون) تحت رقم الآية: ۳، دار الفيحاء دمشق)

"وقيل: بين كل أرض وأرض خمس مائة عام مثل مابين كل سماء وسماء". (عمدة القاری: ۱۲/۲۱۹، كتاب المظالم والغضب، باب إثم من ظلم شيأ من الأرض، دار الكتب العلمية، بيروت)

قوله تعالى: ﴿الله الذى خلق سبع سموات ومن الأرض مثلهن﴾ يعنى سبع أرضين". وفى الحاشية: رقم: ۲۰، "قوله: يعنى سبع أرضين فالجمهور على أنها سبع أرضين طباقًا بعضها فوق بعض، بين كل أرض وأرض مسافة كما بين السماء والأرض". (تفسير جلالين كلاں: ۲/۴۶۴، الطلاق: ۱۲، ۲/۲۸، قديمی)

ان تینوں چیزوں کے بارے میں اشارہ قرآن پاک میں ہے یانہیں؟ ورنہ اصول کے لحاظ سے تحریر فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

۳...... خلا میں نظر آنے والے ستارے وہ زمین قرار پاسکتے ہیں یانہیں؟ المستفتی :محمد عبداللہ، مکتبہ نورنئی دہلی نمبر ۱۳۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ابن کثیر (۱)، ابن حجر (۲)، عینی (۳)، ثعلبی (۴) وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتب میں سبع ارضین سے متعلق احادیث وآثار خاص تعداد میں مذکور ہیں، مگر راجح ومنقح طور پر ان سے یہ متعین نہیں ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں اور ہم کو نظر آتی ہیں یانہیں۔

۲...... وحی کا ان سب زمینوں میں پہونچنا تو بعض آثار میں مروی ہے جن کا انداز یہ ہے کہ احکام سب کے لئے ان زمینوں کے رہنماؤں کے ذریعہ پہونچتے ہیں (۵)۔

---

(۱) "(ومن الأرض مثلهن): أی سبعاً أيضاً كماثبت فی الصحيحين: "من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين" وفی صحيح البخاری: " حسف به إلی سبع أرضين" ...... وكذا فی الحديث الآخر: "ما السموات السبع ومافيهن ومابينهن، والأرضون السبع ومافيهن وما بينهم فی الكرسی إلا كحلقة ملقاة بأرض فلاة" ...... عن ابن عباس -رضی الله تعالیٰ عنهما- ...... قال: سبع أرضين فی كل أرض نبی كنبيكم، وآدم كآدم، ونوح كنوح، وإبراهيم كإبراهيم، وعيسی كعيسی الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۳۹۴، ۳۹۵، الجزء الثامن والعشرون، الطلاق: ۱۲، دارالفيحاء، دمشق)

(۲) (فتح الباری: ۵/۱۳۱، ۱۳۲، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيأ من الأرض، قديمی)

(۳) (عمدة القاری: ۱۲/۴۱۸ - ۴۲۱، كتاب المظالم والغصب، باب إثم من ظلم شيأ من الارض، رقم الحديث: ۲۴۵۲، ۲۴۵۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (تفسير الثعالبی: ۴/۳۱۳، تفسير سورة الطلاق وهی مدنية، قبيل تفسير سورة التحريم، مؤسسة الأعلمی بيروت، لبنان)

(۵) (راجع رقم الحاشية : ۱)

شریعتِ محمدیہ سے متعلق مخصوص طور پر کوئی چیز نہیں دیکھی کہ وہ لوگ اس کے مکلف ہیں یا نہیں؟

۳...... ایک قول یہ بھی ہے جیسا کہ فیض الباری: ۴/۴ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "انہ یمکن أن یکون لامرادمنہ السبع السیارات". (فیض الباری، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شیئاً من الأرض: ۳۳۴/۳، حضر راہ بکڈپو دیوبند)

باب التبلیغ

(تبلیغ کا بیان)

موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت

سوال[۱۳۸۷]: ا......آج کل جو تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے اس جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک امیر جماعت متکلم اور رہبر مقرر کیے جاتے ہیں امیر کے ماتحت جماعت قریہ بقریہ شہر بشہر کام کر رہی ہے، یہ طریقہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تھا یا نہیں؟ اگر اس زمانہ میں یہ طریقہ تبلیغ موجودہ زمانہ کی تبلیغ کے مطابق نہ ہو تو یہ کام جو نیا ایجاد کیا گیا ہے کس امر میں داخل ہے یعنی بدعت ہے یا بدعت حسنہ ہے؟ آیا ہم لوگوں کو صرف امت مسلمہ ہی کو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہیئے یا غیر اقوام میں بھی اسلام کی تبلیغ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

۲......مذہب اسلام میں کتنی عیدیں پائی جاتی ہیں موجودہ زمانہ میں میلاد النبی، میلاد محبوب سبحانی منایا جارہا ہے اور بہت سے لوگوں کو کھانا بھی کھلا رہے ہیں ایسی دعوتوں میں جا کر کھانا نوش فرمانا شریعت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل سے معلوم کریں۔

۳......دنیاوی زندگی سے پہلے کی حالت موت سے تعبیر کی گئی ہے جس کے بعد یہ زندگی ملی ہے، پھر موت آئے گی پھر اس کے بعد دوسری زندگی ملے گی جس کے لئے موت نہیں، یہ زندگی حشر کے دن ملے گی، اب رہی یہ بات کہ زندگی عالم برزخ میں مل رہی ہے، یہ تیسری زندگی کہلائے گی، آیا یہ تیسری زندگی ہم لوگ تسلیم کریں گے، تو قرآن شریف کی آیتوں کے مطلب کے خلاف ہوگا، تو ہم لوگ اس زندگی کو تیسری زندگی میں شمار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ خلاصہ معلوم کیجئے۔

۴......غیر اقوام کو حالت سکرات سے ہی عذاب شروع ہونے کے متعلق دلیل حدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ فقط، شیخ نبی صاحب ۲۱/۶/۱۷ھ۔

محترمی زیدا احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ، الحمدللہ خیریت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....نفس تبلیغ کا حکم تو کتاب وسنت میں موجود ہے اور ہر زمانہ میں اس پر عمل بھی ہوتا رہا البتہ ہر زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے قلوب میں مفید طریقے القاء فرماتے رہے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوتے اور وہ احادیث سناتے، مسائل بتایا کرتے تھے(۱)، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہفتہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں ممبر کے قریب کھڑے ہوکر احادیث سنایا کرتے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کو خطبہ شروع ہونے سے پہلے احادیث سنایا کرتے تھے(۲)، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ(۳)۔ حضرت

---

(۱)"عن أبي وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان عبداللہ یذکر الناس في کل خمیس، فقال لہ رجل: یاأبا عبدالرحمٰن! لوددت أنک ذکرتنا کل یوم، قال: أما إنہ یمنعني من ذلک أني أکرہ ان أملکم، وأني أتخولکم بالموعظۃ کما کان النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتخولنا بہا مخافۃ السآمۃ علینا". (صحیح البخاري، کتاب العلم، باب من جعل لأھل العلم أیاماً معلومۃً: ۱/۱۶، قدیمي)

(وکذا في بستان الفقیہ أبي اللیث، باب إباحۃ المجلس للعظۃ، ص: ۲۲، مطبع فاروقي، دھلي)

(۲)"أخرج ابن عساکر عن حمید بن عبدالرحمن أن تمیما الداري استاذن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ في القصص سنین، فأبی أن یأذن لہ، فاستاذنہ في یوم واحد، فلما أکثر علیہ، قال لہ: ماتقول؟ قال: أقرأ علیہم القرآن، وآمرھم بالخیر وأنہاھم عن الشر، قال عمر: ذلک الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعۃ، فکان یفعل ذلک یوماً واحداً في الجمعۃ". (موضوعات الکبیر لملا علي القاريؒ، المقدمۃ، فصل ولما کان أکثر القصاص والوعاظ الخ، ص: ۲۰، نور محمد کتب خانہ)

(تنبیہ) لایغتر أحد بأن الروایۃ المذکورۃ موضوعۃ لذکرہ إیاھا في الموضوعات، بل ھي صحیحۃ وقد ذکرھا مستدلاً بہا علی عدم جواز بیان القصص الطویلۃ، لا لأنہا موضوعۃ، فلیتأمل.

(۳)"وکان عبادۃ یعلّم أھل الصفۃ القرآن، ولما فتح المسلمون الشام، أرسلہ عمر بن خطاب، وأرسل معہ معاذ بن جبل وأبا الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم، لیعلموا الناس القرآن بالشام ویفقھوھم في الدین، وأقام عبادۃ بحمص، وأقام أبو الدرداء بدمشق، ومضی معاذ –رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم– إلی فلسطین الخ". (أسد الغابۃ في معرفۃ الصحابۃ: ۳/۵۵، رقم: ۲۷۸۹، دار الفکر)

ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستقلاً تبلیغ کیا کرتے تھے(۱)۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خط لکھا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں بھیج دیجئے تبلیغ کے لئے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھیجا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈیڑھ ہزار کے قریب اپنے تلامذہ کو لے کر تشریف لے گئے (۲) پھر ایک وقت آیا کہ احادیث کو لکھا گیا اور کتابی شکل دی گئی (۳)، جگہ جگہ حدیث سنانے کے حلقے ہوتے تھے، بعض محدثین کے حلقہ میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زائد آدمی موجود رہتے تھے (۴) (یہ سب مخاطبین مسلمان ہی تھے) پھر ایک وقت آیا کہ مشائخ نے تصوف اور توجہ باطن کے ذریعہ تبلیغ کی، علماء نے مدارس قائم کئے، واعظین

---

(۱) (راجع، ص: ۱۹۸، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "ومن مناقبه (أي عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه): منها: أنه شهد اليرموك بالشام، وكان على النفل، وسيّره عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه إلى الكوفة، وكتب إلى أهل الكوفة: "إني قد بعثت عمار بن ياسر أميراً، وعبدالله بن مسعود معلماً ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من أهل بدر، فاقتدوا بهما، وأطيعوا واسمعوا قولهما، وقد آثرتكم بعبدالله على نفسي".

(أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۳/۲۸۳، رقم: ۳۱۷۷، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الإصابة في تمييز الصحابة: ۴/۲۰۱، رقم: ۴۹۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فظهر في آخر عصر التابعين تدوين الأحاديث والأخبار، وتصنيف السنن والآثار، وتصدّوا لهذا الأمر الشريف كالزهري ...... فصنف الإمام مالك مقدم أهل المدينة مؤطاه ...... وصنف من أهل مكة أبو حامد عبدالملك بن عبدالعزيز بن جريج، ومن أهل الشام أبو عمرو عبدالرحمن بن عمرو الأوزاعي، ومن أهل الكوفة سفيان الثوري، ومن البصريين أبو سلمة حماد بن سلمة، وبعدهم كل واحد من أعيان العلماء المجتهدين ألف كتاباً الخ". (مرقاة المفاتيح، المقدمة، ترجمة الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ: ۱/۵۷، رشيديه)

(۴) قال القاري رحمه الله تعالىٰ في ترجمة الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ: "قيل: روى عنه مائة ألف محدث". (مرقاة المفاتيح، المصدر السابق: ۱/۵۹)

وقال في ترجمة الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: "روى عنه عبدالله بن المبارك ووكيع بن الجراح، وخلائق لايحصون". (مرقاة المفاتيح: ۱/۷۵)

نے وعظ کہے۔

غرض یہ امت کسی وقت بھی مجموعی حیثیت سے نفس تبلیغ سے کلیۃً غافل نہیں رہی اور ہر ہر طریقۂ تبلیغ نہایت مؤثر ومفید ثابت ہوا، ان میں کوئی طریقہ غلط نہیں، آج کے دور میں تبلیغی جماعت کا طریقہ اصول کی پابندی کے ساتھ نہایت مؤثر ومفید ہے، جس طرح مدارس کے عمل کو نیا طریقہ کہہ کر غلط نہیں کہا جاسکتا اسی طرح تبلیغ کے اس طریقہ کو نیا کہہ کر غلط نہیں کہا جاسکتا، مسلمان کا اپنے اسلام میں پختہ ہونا لازم ہے پھر اس کی غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ خود ہی اس طرف مائل ہوجائے، موجودہ جملہ طرق تبلیغ سے غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے اور مستقلاً بھی ان میں تبلیغ کی ضرورت ہے اور اس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

۲...... یہ عیدیں لوگوں کی گھڑی ہوئی عیدیں ہیں، شریعت نے نہیں کہا کہ اس دن میں اس طرح جمع کر کے لوگوں کو کھانا کھلانا، اس لئے ان کو ترک کرنا چاہئے۔ شریعت میں دو عیدیں ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، ان کے مخصوص احکام بھی موجود ہیں ان کے علاوہ کوئی عید نہیں ہے (۱)۔

۳..... قرآن کریم کی ایک آیت: ﴿من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن، فلنحيينه حياةً طيبةً﴾ (الآية)(۲) میں حیات طیبہ کا مصداق حیات برزخی بھی ہے جیسا کہ تفسیر ''مفاتیح الغیب'' (۳)

---

(۱) "وسئل نفع الله بعلومه: عن الموالد والأذكار التي يفعلها كثير من الناس في هذا الزمان هل هي سنة أم فضيلة أم بدعة؟ .... فأجاب بقوله: الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتملة على خير .... وعلى شر بل شرور، لو لم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، .... ولا شك أن القسم الأول (أي مايكون فيه شر) ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح اهـ". (الفتاوى الحديثية مطلب: الاجتماع للموالد اهـ، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۲)(النحل: ۹۷)

(۳) علامہ قرطبی نے: (تفسیر القرطبي) میں مندرجہ ذیل معانی بیان کئے ہیں۔

"وفي الحياة الطيبة خمسة أقوال: الأول: أنه الرزق الحلال، قاله ابن عباس وسعيد بن جبير وعطاء والضحاك. والثاني: القناعة، قاله الحسن البصري وزيد ووهب الخ..... الثالث: توفيقه إلى الطاعات، فإنها تؤديه إلى رضوان الله تعالى، قال معناه الضحاك، وقال أيضاً: من عمل صالحاً وهو مؤمن في فاقة وميسرة، فحياته طيبة الخ..... وقال مجاهد وقتادة وابن زيد: هي الجنة..... وقيل: هي السعادة.......... =

میں مذکور ہے۔

۴.....عبادہ ابن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ جس کو مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۳۹(۱) میں نقل کیا ہے کہ:"إن الکافر إذا أحضر بشر بعذاب اللّٰہ وعقوبته، فلیس شیئ أکرہ إلیه مما أمامه، فکرہ لقاء اللّٰہ، وکرہ اللّٰہ لقاء ہ". متفق علیه"(۲). یہ مستقل عذاب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت

سوال[۱۳۸۸]: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار کے پاس تبلیغ کے لئے جاتے تھے اور آج کل لوگ مسلمانوں کو تبلیغ کرتے ہیں، کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور نے مسلمانوں میں اس طرح چل کر تبلیغ کی ہے جیسے کہ آج کل تبلیغ کرتے ہیں؟ اس قسم کی روایتیں اگر مشکوٰۃ شریف یا بخاری شریف میں ہوں تو مع باب وصفحہ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوفہ اور قرقیسیہ میں جماعت صحابہ کا تبلیغ کے لئے جانا فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ

= وقال أبوبکر الوراق: هی حلاوة الطاعة. وقال سهل بن عبداللّٰہ التستری: هی أن ینزع عن العبد تدبیرہ، ویرد تدبیرہ إلی الحق، وقال جعفر الصادق: هی المعرفة باللّٰہ، وصدق المقام بین یدی اللّٰہ، وقیل: الاستغنآء عن الخلق والافتقار إلی الحق، وقیل: الرضاء بالقضاء". (۱۰/۱۱۴، ۱۱۵، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"وقال شریک: هی حیاة تکون فی البرزخ الخ." (روح المعانی: ۱۴/۲۲۶، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، الفصل الأول، ص: ۱۳۹، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء اللّٰہ أحب اللّٰہ لقاءہ: ۲/۹۶۳، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعا، باب من أحب لقاء اللّٰہ تعالی الخ: ۲/۳۴۳، قدیمی)

کوفہ بھیجا(۱) اور معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲)، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳)، عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) کی جماعت کو بصرہ اور عبادہ ابن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵) کی جماعت کو شام بھیجا۔ یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں جیسا کہ ازالۃ الخفاء: ۲/۲ (۶) میں مذکور ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) لم أجده فی زکوٰۃ فتح القدیر، وقال العلامة محمدیوسف الکاندھلوی فی حیاۃ الصحابة: "أخرج ابن سعد عن حارثة بن مضرب قال: قرأت کتاب عمر الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه إلی أهل الکوفة: "أمابعد! فإنی بعثت إلیکم عماراً أمیراً وعبداللہ معلماً ووزیراً، وهمامن النجبآ من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فاسمعوالهما، واقتدوابهما، وإنی قدآثرتکم بعبداللہ علی نفسی أثرةً".

(الباب الثالث عشرفی رغبة الصحابة فی العلم الخ: ۱۹۵/۳، دارالقلم بیروت)

(۲) (سیاتی فی الحاشیة رقمها: ۶)

(۳) "وکان (أی عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنه) أحد العشرة الذین بعثهم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه إلی البصرة یفقّهون الناس." (أسد الغابة، ذکر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۲۹۴/۳، رقم: ۳۱۹۷، دارالفکر)

(وکذا فی الإصابة: ۳۰۷/۴، رقم: ۴۹۸۸، دارالکتب العلمیه)

(۴) "عمران بن حصین ...... بعثه عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه إلی البصرة، لیفقه أهلها، وکان من فضلاء الصحابة." (أسد الغابة: ۷۷۷/۳، رقم: ۴۰۴۲، دارالفکر، بیروت)

(وکذافی الإصابة: ۵۸۵/۴، رقم: ۶۰۲۴، دارالکتب)

(۵) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت")

(۶) "علمائے صحابہ رادرآفاق فرستند، وایشان راامرنمایندبروایتِ حدیث، ومردمان راحمل کنندبراخذِ ایشان، چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود راباجمعی باکوفہ فرستاد، ومعقل بن یسار وعبداللہ بن مغفل وعمران بن حصین رابصرہ، وعبادہ بن صامت وأبودرداء رابشام، ومعاویہ بن أبی سفیان کہ امیر شام بود قدعن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند." (ازالۃ الخفاء، نکتۂ سوم دربیان کیفیت توسط خلفائے راشدین: ۲/۲، سہیل اکیڈمی لاہور)

تبلیغ کب تک فرض تھی؟

سوال[۱۳۸۹]: تبلیغ کس زمانہ تک فرض تھی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے کتنے دنوں پر فرضیت جاتی رہی اور اب تبلیغ کا شرع شریف میں کیا درجہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم قرآن میں ہے(۱)اور وہ منسوخ نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے، اس کے شروط وآداب اتحاف(۲)، نہایۃ الامل(۳) وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۷/۸۹ھ۔

کیا تبلیغ فرض ہے؟

سوال[۱۳۹۰]: تبلیغ دین اس زمانہ میں واجب ہے یا کچھ اور؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغِ دین ہر زمانہ میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی الکفایہ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جس میں جیسی اہلیت ہو اس کے حق میں اسی قدر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران:۱۰۴)

وقال تعالیٰ: ﴿قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني، وسبحان الله، وما أنا من المشركين﴾ (يوسف:۱۰۸)

"أي أدعو الناس إلى معرفته سبحانه بصفات كماله ونعوت جلاله ومن جملتها التوحيد." (روح المعاني: ۱۳/۶۷، دار إحياء التراث العربي)

(۲) (اتحاف السادة المتقين، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الثاني في أركان الأمر بالمعروف وشروطه :۸/۲۷، ۱۰۸، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) لم أجده

ذمہ داری ہوگی (۱)، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے (۲)، سب سے بڑا معروف ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مؤمن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلّف ہے کہ خدائے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق پہنچاتا رہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً، وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لمايؤمر به، فإن وجب فواجب وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له، إذ النهي عن الشئ أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف، ولفظ "من" لعمومه شمل كل أحد: رجلاً أو امرئةً، عبداً أو فاسقاً أو صبياً مميزاً إذا كان." (المرقاة، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۲۲/۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر، وتؤمنون بالله﴾. الآية (آل عمران: ۱۱۰)

قال العلامة الآلوسي تحتها: "وأخرج ابن المنذر وغيره عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في الآية: أن المعنى تأمرونهم أن يشهدوا أن لا إله إلا الله، ويقرّوا بما أنزل الله تعالىٰ، وتقاتلونهم عليهم، و"لا إله إلا الله" هو أعظم المعروف. وتنهون عن المنكر، والمنكر هو التكذيب، وهو أنكر المنكر." (روح المعاني: ۲۸/۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وقال تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير، ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، أولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴)

قال العلامة الآلوسي تحتها: "والخطاب..... قيل: متوجه إلى أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاصةً، وهم الرواة. والأكثرون على جعله عاماً، ويدخل فيه من ذكر دخولاً أوّلياً..... العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات". (روح المعاني: ۲۱/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المرقاة للملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۶۰/۸، ۸۶۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها، لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت﴾. (البقرة: ۲۸۶) ...... =

4

کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟

سوال[۱۳۹۱]: آنجناب کو بخوبی علم ہوگا کہ مدتِ مدید سے تبلیغی جماعت کے نام سے ایک جماعت ہندوستان وبیرون ہندوستان میں تبلیغ کا کام کررہی ہے اور اب تو اس کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے بفضلہ غالباً شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا گوشہ ہوگا، جہاں یہ کام نہ ہورہا ہو، بفضلہ تعالیٰ احقر کا بھی بارہا اس سلسلہ میں کئی مقامات پر جانا ہوا ہے مگر عینی مشاہدہ ہوا ہے کہ جن لوگوں کو تبلیغی جماعت سے وابستگی ۲۰/۲۰، ۲۵/۲۵/سال ہوگئے، ان کے اندر نماز جیسی اہم ترین عبادت کے آداب ولوازمات خشوع وخضوع کی بات ذرا نہیں پائی گئی، ان کا محور چھ نمبر ہیں جو کہ زبانی سنا دیئے جاتے ہیں اور لوگوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ تم بھی زبانی یاد کرو اور عملی طور پر بس!!!

اور ایک خاص بات یہ کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ نبیوں والا کام ہے، کیا اس طریقہ پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ کا کام کیا ہے؟ اگر ایسا ہے جیسا کہ یہ لوگ فرماتے ہیں تو ہمارے اسلاف کرام، علمائے سابقین رحمہم اللہ علیہم اجمعین اس طریقہ تبلیغ کے تارک رہے ہیں اور تارکِ سنت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی رہے اور ایسا ہونا بعید از فہم اور ناممکن ہے، براہ کرام جواب بالتفصیل دیجئے کہ کیا واقعی یہ نبیوں والا کام ہے؟

فقط والسلام۔ المستفتی: خادم العلماء پُر معاصی: اشفاق الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھ نمبروں کو زبانی سنا دینے اور دوسروں کو یاد کرا دینے پر کفایت کر لینا اور بقایا اعمال وافعال سے صرف

= "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من رأی منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان." (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

قال القاري تحته: "(أضعف الإيمان)"......وقد قال بعض علمائنا: الأمر الأول للامرآء، والثاني للعلماء، والثالث لعامة المسلمين." (المرقاة، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۱، رشيديه)

نظر کرنا بڑی کوتاہی ہے، تبلیغ کا مقصد یہیں تک محدود نہیں، ہر عملِ صالح میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے جو کہ تمام اعمالِ صالحہ کی جان ہے، اعمالِ صالحہ کا سکھانا بھی ضروری ہے، ان پر پابندی بھی ضروری ہے، ان میں اخلاص کی کوشش بھی ضروری ہے، بہت سے اللہ کے بندوں کو یہ دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے، جو محروم رہتے ہیں وہ اپنی کوتاہی کی بناء پر محروم رہتے ہیں ان کو اس طرف توجہ اور اس میں محنت کی ضرورت ہے، انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی محروم نہیں رہیں گے۔

ان چھ نمبروں کی کوشش کے ساتھ دیگر امور ضروریہ کی طرف بھی ان کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہ کہ آپ ان کے ساتھ تشریف لے جاتے ہی ہیں، آپ ان کو متوجہ کیا کریں اس طرح دیگر اخلاص والے جائیں تو وہ بھی متوجہ کیا کریں۔ جو شخص شریک کار ہوتا ہے اس کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے، خدا نے چاہا تو آپ کا اجر بہت زیادہ ہو جائے گا، جتنے آدمیوں میں آپ کی کوشش سے اخلاص خشوع وخضوع پیدا ہوگا، آپ کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔ ہر جماعت کے امیر کو اگر توجہ دلائی جائے کہ وہ بار بار تنبیہ کرتے رہا کریں تو جلد نفع کی توقع ہے۔

انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے آقائے نامدار حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خصوصاً معلم بنا کر بھیجے گئے (۱) اور دین سیکھنے اور سکھلانے کی ذمہ داری سب پر ڈالی گئی (۲)، پھر اس کے طریقے مختلف رہے شروع میں نہ آج کل کی طرح مدارس تھے، نہ خانقاہیں تھیں، نہ کتابیں تصنیف کرنے کا سلسلہ تھا نہ وعظ

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذات یوم من بعض حجرته، فدخل المسجد، فإذاهو بحلقتین :إحداهمایقرء ون القرآن ویدعون الله،والأخری یتعلّمون ویعلّمون، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "کل علی خیر، هؤلاء یقرء ون القرآن ویدعون الله،فإن شاء أعطاهم وإن شآء منعهم، وهؤلاء یتعلمون ویعلمون وإنمابعثت معلّما"، فجلس معهم." (سنن ابن ماجة،المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص: ۲۱،قدیمی)

(۲) "عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال:قال لی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :"تعلّموا العلم وعلّموه الناس، تعلموا الفرائض وعلموه الناس،تعلموا القرآن وعلموه الناس،فإنی امرء مقبوض، والعلم سینقبض، وتظهر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضة لایجد أحداً یفصل بینهما." رواه الدارمی والدارقطنی." (مشکوة المصابیح، کتاب العلم، آخر الفصل الثالث،ص:۳۸،قدیمی)

وتقریر کے جلسے ہوئے تھے، نہ انجمنیں بنانے کا دستور تھا بلکہ زبانی ہی سیکھنے اور سکھانے کا عموماً معمول تھا۔ اصحاب صفہ نے بھی اسی طرح سیکھا(۱) اور جہاں جہاں آدمی بھیجے گئے، مثلاً: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب اسی طرح سکھاتے تھے(۲)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بھیجا، وہ ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر گئے اور تمام علاقہ کوفہ میں دین سکھانے کا انتظام فرمایا، پھر احادیث جمع کرنے اور لکھنے کا رواج ہوگیا تو ان کے ذریعہ سے دین سیکھا گیا(۳) پھر مدارس قائم کیے گئے، ان کے ذریعہ سے سیکھا گیا اور اس جیسے طریقے سب جائز ہیں اور مفید ثابت ہوئے، لیکن اول اول جو طریقہ تھا وہ بلا کتاب کے ہی تھا اور ہر زمانہ میں بلا کتاب ہی سیکھنے اور سکھانے کا دستور باقی رہا اگرچہ قرن اولیٰ کی طرح نہیں تھا مگر فنا کبھی نہیں ہوا، اب تبلیغی جماعت کی مساعی سے اللہ پاک نے پھر اس طریقہ کو رواج عام دے دیا۔

لہذا یہ کہنا بھی درست ہے کہ نبیوں والا کام ہے یعنی بغیر مدرسہ وکتاب کے زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دینا طریقۂ انبیاء ہے، مگر دین سیکھنے کے جو دوسرے طریق ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں اور اصول تبلیغ کے بھی خلاف ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے اور ہر مسلم کا اکرام اور علمی اور دینی خدمت کرنے والوں کا اکرام بھی لازم ہے۔ فقط واللہ الموفق لمایحب ویرضی۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن عبادة الصامت قال: علّمت ناساً من أهل الصفة الكتابة والقرآن." الحديث. (مسند أحمد بن حنبل: ۶/۳۳۰، رقم الحديث: ۲۲۱۸۱، دار إحياء التراث العربي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتى علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ونحن أناس من ضعفة المسلمين ورجل يقرأ علينا القرآن ويدعولنا." الحديث. (حلية الأولياء، ذكر أهل الصفة: ۱/۳۴۲، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) (تقدم تخرجه تحت عنوان. "موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت")

(۳) (تقدم تخرجه تحت عنوان. "موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت")

کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرضِ عین ہے؟

سوال[۱۳۹۲]: تبلیغی جماعت میں جانا فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں(۱)، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے(۲)، خواہ مدرسہ میں داخل ہوکر ہو یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت ساتھ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تبلیغ میں نکلنا فرض ہے؟

سوال[۱۳۹۳]: تبلیغی جماعت والے جو یہ کہتے ہیں کہ گھر بار بچوں کو چھوڑ کر تبلیغی جماعت کے ساتھ چلو اور اس تبلیغی کام کو ہر خاص و عام کیلئے فرض بتلایا ہے، آیا انکا کہنا درست ہے یا نہیں؟ یہ تبلیغ والے میلاد

---

(۱) مروجہ تبلیغ من جملہ امر بالمعروف میں سے ہے اور اس کا فرض کفایہ ہونا متفق علیہ ہے۔

قال العلامة الآلوسي هذا الآية: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، أولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴): "إن العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات." (روح المعاني: ۲۱/۴، دار احياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المرقاة شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۰، رشيديه)

(۲) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر مايحتاج إليه، وفرض كفاية، وهو مازاد عليه لنفع غير." (الدر المختار)

وفي رد المحتار: "قال العلامة في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم مايحتاج إليه العبد في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالىٰ ومعاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلوة والصوم الخ...... وفي تبيين المحارم: لاشك في فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الإخلاص الخ." (المقدمة: ۴۲/۱، سعيد)

مروجہ اور قیام وسلام بھی کرلیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے جوڑ پیدا ہوتا ہے اور جوڑ بہت ضروری ہے، ایسا کہنا اور کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عقائد(۱) اخلاق، اعمال کی اصلاح ضروری ہے خواہ وہ تبلیغی جماعت کی صورت سے ہو یا کسی دوسری صورت سے (۲) تبلیغی جماعت میں یہ چیز سہولت سے حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ جماعت خود غلط طریقہ اختیار نہ کرے، جوڑ پیدا کرنے کیلئے غلط کام کرنا یا غلط کام میں شرکت کرنا خود ہی غلط ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "الذی صرح به أئمتنا أنه یجب علی کل أحد وجوباً عیناً أن یعرف صحیح الاعتقاد من فاسده". (الفتاوی الحدیثیة، باب فی أصول الدین، مطلب یتعین علی ولاة الأمور منع من یشتهر، ص: ۲۷۵، قدیمی)

(۲) جیسے کہ تصوف کو اصلاحِ اعمال واخلاق میں بڑا دخل ہے:

"تزکیه الأخلاق من أهم الأمور عند القوم، ومن أمعن النظر فی الکتاب والسنة، عرف موضع الأخلاق من الدین کموضع الآس من البناء، ولایتیسر ذلک إلابالمجاهدة علی یدشیخ کامل قد جاهد نفسه وخالفه هواه، وتخلی عن الأخلاق الذمیمة، وتحلی بالأخلاق الحمیدة". (إعلاء السنن، کتاب الأدب والتصوف والإحسان، باب الترهیب عن مساوی الأخلاق: ۱۸/ ۴۴۲، ۴۴۳، ادارۃ القرآن)

اسی طرح عقائد کی اصلاح کا ذریعہ علم بھی ہے: "وأماقوة العلم، فحسنهاوصلاحهافی أن تصیر بحیث یسهل بهادون الفرق بین الصدق والکذب فی الأقوال، وبین الحق والباطل فی الاعتقادات، وبین الجمیل والقبیح فی الافعال،اهـ". (إعلاء السنن، المصدر السابق: ۱۸/ ۴۴۲)

(۳) "عن أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال صلی الله علیه وسلم: "مثل الجلیس الصالح والسوء، کحامل المسک ونافخ الکیر، (إلی ان قال): ونافخ الکیر إما أن یحرق ثیابک، وإما أن تجد منه ریحاً خبیثةً". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الحب فی الله ومن الله، الفصل الاول، ص: ۴۲۶، قدیمی)

قال الملاعلی القاری، "قیل: فیه إرشاد إلی الرغبة فی صحبة الصلحاء والعلماء ومجالستهم، فإنهاتنفع فی الدنیاوالآخرة، وإلی الاجتناب عن صحبة الأشرار والفساق، فإنهاتضر دیناً ودنیا، قیل: مصاحبة =

کیا تبلیغ ہر شخص کے ذمہ واجب ہے؟

[۱۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

۱..... قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں موجودہ "تبلیغی جماعت" کی حیثیت کیا ہے؟

۲..... جو مسلمان تبلیغی جماعت میں داخل نہیں ہوتا اور نہ گشت وچلہ کشی کرتا ہے اس کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

۳..... جو اصطلاحی عالم دینی مدرسہ یا حکومت سے منظور شدہ مدارس میں درس نظامی کی تعلیم وتعلم یا خطابت یا قرآن وحدیث خیر الانام کی نشر واشاعت کرتا ہو یا عالم باعمل مجاز یا خلیفہ سلاسل ہر چہار میں منسلک ہو کر خانقاہ میں متوسلین ومسترشدین کی تعلیم وتربیت کرتا ہو اور موجودہ تبلیغی جماعت سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو، ایسے اشخاص وافراد کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں یا دین واسلام کے مخالف شمار ہو سکتے ہیں؟

۴..... تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر امریکہ، انگلینڈ، ایشیا، یورپ، وغیرہ ممالک کی سیر وسیاحت کے مقصد کو گشت میں پنہاں کر کے اور ﴿انفروا خفافاً وثقالاً﴾ الآیۃ کے تحت نکلنا کیسا ہے، یہ گشت از روئے شرع واجب یا سنت یا مستحب ہے؟

۵..... جو شخص عربی زبان سے واقف نہ ہو اور کسی مستند درسگاہ یا درسِ نظامی کا فارغ التحصیل بھی نہ ہو ایسے شخص کا مذہبی مجامع ومجالس میں عالمانہ، فقیہانہ، قائدانہ ومصلحانہ حیثیت سے قرآن وحدیث بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۶..... ایسا شخص یا ایسے افراد جو عام طور پر تبلیغی جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر علماء اصطلاحی کی شان میں گستاخانہ، حاکمانہ پیرایہ میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ مولوی کیلئے "سات چلے ہیں" اور عوام کیلئے

= الأخيار تورث الخير، ومصاحبة الأشرار تورث الشر..... وقيل: إذا جالست الحمقى علق بك من حماقتهم مالا يعلق بك من العقل إذا جالست العقلاء؛ لأن الفساد أسرع إلى الناس وأشد اقتحاماً مافي الطبائع، والحاصل أن الصحبة تؤثر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله اهـ، الفصل الأول: ٧٤٢/٨، رقم الحديث: ٥٠١٠، رشيديه)

صرف تین چلے ہیں، عوام کے سامنے ایسا بیان کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

السائل: شیخ غلام محمد، ۳۲ چاندنی چوک اسٹریٹ کلکتہ ۲۱/ شعبان المعظم/ ۹۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ دین سیکھنے، پختہ کرنے، اشاعت کا ایک ذریعہ ہے، اصول کے ساتھ کیا جائے تو تجربہ سے ثابت ہوا کہ بے حد مفید ہے۔

۲...... اس کا جو فائدہ ہے اس کو حاصل نہیں ہوگا۔

۳...... نہ وہ مخالف ہیں، نہ مخالف اسلام ہیں۔

۴...... اگر نیت سیر وسیاحت کی ہو اور تبلیغ کو پردہ بنایا ہے تو یہ بنیادی غلطی ہے (۱)، تبلیغ کے نمبروں میں سے ایک بہت اہم نمبر تصحیحِ نیت ہے اس سیر وسیاحت کے سفر پر: ﴿انفروا خفافاً وثقالاً﴾ الآیۃ (۲) پڑھ کر آمادہ کرنا غلط ہے آیت کا محمل دوسرا ہے (۳)۔

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إنما الأعمال بالنیات، وإنما لامرئ ما نوی، فمن کانت هجرته إلی الله ورسوله فهجرته إلی الله ورسوله، ومن کانت هجرته إلی دنیا یصیبها أو امرأة یتزوجها، فهجرته إلی ما هاجر إلیه". (صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الخ، ۱/۲، قدیمی)

قال القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: "أی منصرفة إلی الغرض الذی هاجر إلیه فلا ثواب له لقوله تعالی: ﴿من کان یرید حرث الآخرة نزد له فی حرثه، ومن کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وما له فی الآخرة من نصیب﴾ (الشوری، ۱۰) أو المعنی: فهجرته مردودة أو قبیحة، قیل: إنما ذم؛ لأنه طلب الدنیا فی صورة الهجرة، فأظهر العبادة للعقبی، ومقصوده الحقیقی ما کان إلا الدنیا، فاستحق الذم لمشابهته أهل النفاق".

(مرقاة المفاتیح، شرح مشکوة المصابیح، المقدمة، حدیث النیة الخ: ۱/۱۰۳، رشیدیه)

(۲) (التوبه: ۴۱)

(۳) قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: ﴿انفروا خفافاً وثقالاً وجاهدوا بأموالکم وأنفسکم فی سبیل الله﴾ الآیة (التوبة: ۴۱): أی بما أمکن لکم منهما کلیهما أو أحدهما، والجهاد بالمال إنفاقه علی السلاح، وتزوید الغزاة ونحو ذلک". (روح المعانی، ۱۰/۱۰۴، دار إحیاء التراث العربی)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کا محمل جہاد ہے، جیسے کہ آیتِ کریمہ میں خود صراحت ہے اور حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

۵......اگر وہ صحیح مضامین بیان کرتا ہے، حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو مضائقہ نہیں، اہلِ علم حضرات ایسے شخص کی تقریر میں جو غلطی دیکھیں اصلاح فرمائیں اور اس مقرر کو لازم ہے کہ شکریہ کیساتھ اصلاح کو قبول فرمالے، لیکن ایسا کم ہوتا ہے کہ ایسا شخص پورے حدود کی رعایت کر سکے اس لئے عامۂ تبلیغی جماعت کو چھ نمبروں میں مقید کر دیا جانا اور جو شخص جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے مضمون میں اضافہ کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض آدمی عربی سے ناواقف ہونے کے باوجود کئی کئی گھنٹہ تقریر کر لیتا ہے اور آیات واحادیث کے مطالب کو بھی پورے طور پر صحیح صحیح بیان کر دیتا ہے اور کبھی ہمارے درس نظامی کے بعض فارغ شدہ پرانے مقرر جن کا کام ہی شب وروز سفر کرنا اور تقریر کرنا ہے، اپنی تقریر میں موضوع روایات اور غلط حکایات بیان کر جاتے ہیں، وقت ضرورت ان کی نشان دہی بھی کی جاتی ہے اور ان کیلئے سوالات بھی آتے رہتے تھے کہ فلاں واعظ صاحب نے فلاں آیت یا فلاں روایات کا یہ مطلب بیان کیا اور فلاں بات کو حدیث کہہ کر بیان کیا ہے اور فلاں مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے، مگر اس کی وجہ سے تمام فارغ شدہ مقررین سے کلیۃً اعتماد ختم نہیں کیا جا سکتا اور ہر ناواقف تبلیغی آدمی کی تقریر پر کلیۃً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۶......گستاخانہ، وحاکمانہ پیرایہ اختیار کرنا تبلیغ کے بنیادی اصول ''اکرام مسلم'' کے بھی خلاف ہے، جو ایسا کرتے ہیں وہ تبلیغ کی روح کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

''عوام کیلئے تین چلے اور مولوی کیلئے سات چلے'' یہ گستاخی نہیں بلکہ بلندی مقام کیلئے ہے، عوام کیلئے معمولی مسائل ضروری دینی کا سیکھ لینا کافی ہے، مگر مولوی کو دس سال درس نظامی میں صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، عوام کیلئے بہشتی زیور کا پڑھنا کافی ہے اور مولوی کیلئے ''ہدایہ'' اور ''بخاری'' کا پڑھنا بھی ضروری ہے اور عمر بھر کتابوں میں لگا رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ مولوی کی ذمہ داری بڑی ہے اس کیلئے مدت بھی زیادہ چاہئے، اس قسم کی چیزیں مشائخ کی خانقاہوں میں بھی سنی ہیں کہ مولوی کیلئے معمولی مجاہدہ کافی نہیں، بنسبت عوام کے اس کو بہت زیادہ مجاہدہ کرنا ہوتا ہے، اس فقرہ کو بلاوجہ ہمیشہ گستاخی پر حمل کرنا بھی نہیں چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۸/۱۷ھ۔

تبلیغ مستحب ہے یا فرض؟

سوال[۱۲۹۵]: ایک صاحب تبلیغی جماعت میں جانے کو فرض عین فرماتے ہیں اور حضرت تھانوی

رحمہ اللہ تعالیٰ تبلیغ عام کو مندوب فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ دین سیکھنا فرض عین ہے (۱) اس کی ایک صورت مدارس میں پڑھنا ہے اور ایک صورت تبلیغ میں جانا ہے اور بھی صورتیں ہیں۔ میوات کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ دین سیکھنا فرض ہے، اس لئے یا مدارس قائم کرو، یا دوسری صورتیں اختیار کرو، اگر تم کوئی دوسری صورت اختیار نہ کرسکو تو متعین طور پر تبلیغ ہی میں نکلو، اس لئے وہاں یہی کہہ کر لوگ نکلتے ہیں کہ دین سیکھنے کیلئے چلو، اتنی بات میں کسی کو اختلاف نہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مندوب فرمایا ہے اس تبلیغ کے یہ معنی نہیں، بلکہ وہاں تبلیغ سے مراد دوسروں کو دین سکھانے کیلئے نکلنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کام عوام کا نہیں بلکہ خواص اہل علم کا کام ہے (۲) پھر فرض عین کیسے کہا جاسکتا ہے، لہٰذا دونوں کا محمل الگ الگ ہے اور دونوں صحیح ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تبلیغی جماعت کی حیثیت

سوال [۱۳۹۶]: موجودہ تبلیغ جس کا مرکز نظام الدین دہلی میں ہے، اس تبلیغ کا کیا درجہ ہے، فرض، سنت، یا مستحب؟

جو لوگ اس میں نہیں جاتے ان سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اور جو لوگ مدرسہ میں پڑھاتے ہیں، ان کو مدرسہ چھوڑ کر تبلیغ میں جانا ضروری یا نہیں؟ اور جو لوگ اس میں نہیں لگتے ہیں ان کو لعن اور طعن کرنا کیسا ہے؟ اس کو فرض اور واجب قرار دینا کیسا ہے؟ اور اگر فرض یا واجب اور سنت ہے تو اس سے پہلے علماء

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض ہے"؟)

(۲) قال الملاعلی القاری تحت حدیث: "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، وإن لم یستطع فبقلبه". الحدیث: "وقد قال بعض علمائنا: الأمر الأول للأمراء، والثانی للعلماء، والثالث لعامة المسلمین، ثم اعلم أنه إذا کان المنکر حراماً، وجب الزجر عنه، وإذا کان مکروهاً ندب، والأمر بالمعروف أیضاً تبع لما یؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۱، ۸۶۲، رشیدیه)

وصلحاء ومشائخ حضرات سے ضروروا جب اور سنت ترک ہوئی ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سیکھنا، اس پر عمل کرنا، اس کو دوسروں تک پہونچانا نہایت اہم اور ضروری ہے، امت نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا ہے، البتہ طریقہ اس کا یکساں اختیار نہیں کیا، کسی ایک طریقہ کو سب کیلئے لازم قرار نہیں دیا، وعظ وتقریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد وتلقین حسب استعداد مناسب طرق سے کام لیا گیا، جس طرح سے مدارس کا نصاب ونظم ہے کہ وہ نہایت مفید ہے اور اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے، مگر قرون اولی میں یہ طریقہ موجود نہیں تھا، محض اس بناء پر اس کو غلط نہیں کہا جائے گا اور متقدمین پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ انہوں نے اس کو کیوں نہیں اختیار کیا، اس نصاب ونظم کی ترغیب دی جائے گی، اس کی افادیت کو ثابت کیا جائے گا، لیکن جو شخص مدرسہ میں داخل نہ ہو اس کو مطعون وملعون نہیں قرار دیا جائے گا، بہت سے بہت کہا جائے گا کہ وہ اس نصاب کے فوائد سے بے بہرہ ہے۔

اس دور میں بے علمی، بے عملی عام ہے، مدارس میں اگر پڑھنے والوں کی تعداد قلیل ہے تو عوام تک دین پہونچانے اور ان کے دین کو پختہ کرنے کا ذریعہ موجودہ تبلیغی کام ہے جو کہ بے حد مفید ہے اور اس کا مشاہدہ ہے، لیکن جو شخص دوسرے طریقے سے دین حاصل کرے اور دوسروں تک پہونچائے اس کو مطعون اور ملعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔

جو حضرات تدریس میں مشغول ہیں وہ ہرگز اپنا مبارک مشغلہ ترک نہ کریں، البتہ فارغ اوقات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تعاون کرتے رہیں اور مقامی کام میں حصہ لیتے رہیں، طلبہ کو اس سے باخبر کرتے رہیں، وہاں جو اہل علم حضرات تدریس کے مشاغل میں نہیں لگے ہوئے ہیں بلکہ ان کی ذمہ داری زیادہ ہے وہ اس میں شرکت کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۷ ھ۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تبلیغ کرنا

سوال[۱۳۹۷]: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین نے تبلیغ کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے یا نہیں

؟اگر نہیں کیا تو اس قسم کی تبلیغ کو کیا کہیں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان حضرات نے بھی دین سیکھنے اور اس کو پھیلانے کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ بڑے انہماک سے یہ کام کرتے تھے، جماعتیں بھی نکلتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انتظام فرمایا کرتے تھے، ازالۃ الخفاء (۱) اور حیات الصحابہ (۲) میں تفصیلات مذکور ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈیڑھ ہزار کی جماعت لے کر کوفہ تشریف لے گئے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

تبلیغی جماعت میں تقریر کی حیثیت

سوال [۱۳۹۸]: قرآن وحدیث کی روشنی میں بات کرنے کیلئے صرف تبلیغی جماعتوں والوں ہی کو حق ہے یا کسی اور کو بھی، مثلاً: کوئی عالم حافظ یا اور کسی بھی مسلک کا جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ان لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تبلیغی مرکز کے اندر وقتاً فوقتاً بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض تبلیغی جماعت والے یہ کہتے ہیں کہ یہاں مرکز میں اور کوئی بیان نہیں کرسکتا تبلیغی جماعت کے علاوہ، اگر کوئی قرآن وحدیث کی روشنی بیان کرنا چاہتا ہے تو اسے روکنا کیسا ہے؟ روکنے والے کو گناہ ہوگا یا ثواب؟

---

(۱) (قد سبق تخريجه تحت عنوان: "مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت")

(۲) "أخرجه ابن سعد عن حارثه المضرب قال: قرأت كتاب عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه إلى أهل كوفة: "أما بعد! فإني بعثت إليكم عماراً أميراً وعبد الله معلماً و وزيراً وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاسمعوا لهما، واقتدوا بهما، وإني قد اثرتكم بعبد الله على نفسي إثرةً".

"وأخرج ابن سعد عن أبي الأسود الدؤلي قال: قدمت البصرة، وبها عمران بن حصين وأبو النجيد رضي الله تعالىٰ عنه عنهما، وكان عمر الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه بعثه يفقه أهل البصرة". (حياة الصحابة للكاندهلويؒ، الباب الثالث في رغبة الصحابة في العلم وترغيبهم به، إرسال عمر عماراً وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهم إلى الكوفة .... الخ: ۳/۱۹۵، دار القلم دمشق)

(۳) (لم أجده في فتح القدير، وقد مر تخريجه تحت عنوان: "مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت")

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں حنفی، شافعی، مالکی، ہرمسلک کے آدمی کام کرتے ہیں، کتاب بھی سناتے ہیں گشت بھی کرتے ہیں، یہ تبلیغ کسی ایک مسلک کے لئے مخصوص نہیں، جس کو بھی دین سیکھنا اور دین پھیلانا مقصود ہو وہ اس جماعت میں کام کرتا ہے، جس مقصد کیلئے کوئی اجتماع کیا جائے اس میں اس مقصد کی بات کی جاتی ہے۔

دوسرا مقصد اگر چہ وہ درست اور شرعی مقصد ہو اس کو وہاں بیان کرنا مناسب نہیں، مثلاً: ایک جگہ ''بخاری شریف'' کا درس ہو اور اس کیلئے طلباء اور اساتذہ جمع ہوئے ہوں اور احادیث کا بیان ہو رہا ہو تو کوئی شخص وہاں اگر قرآن شریف کی تفسیر بیان کرنا شروع کردے یا تبلیغی تقریر کرنے لگے تو اس کو روکا جائے گا کہ یہاں اس وقت یہ مجمع ''بخاری شریف'' کے درس کیلئے جمع ہوا ہے، آپ تفسیر یا تبلیغ دوسرے وقت کریں، اسی طرح اگر تبلیغ کیلئے مجمع ہے تو وہاں تبلیغ ہی کی بات کی جائے گی، کوئی اگر تفسیر یا بخاری کا درس دینے لگے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس وقت یہ مجمع تبلیغ کی بات کیلئے جمع ہوا ہے، آپ اپنا کام دوسرے وقت کریں، اور یہ بات نہایت نرمی اور شفقت سے کی جائے جس سے کہ سمجھ آجائے اور کوئی فتنہ بھی نہ ہو، اور یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے سب جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعتوں میں عام تقریر تجربہ کار علماء ہی کو کرنی چاہئے، جو ایسے نہ ہوں ان کو چھ نمبر یا کوئی تبلیغی نصاب کی کتاب پڑھ کر سنانی چاہئے وہ عام تقریر نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۳/ ۱۴۰۶ھ۔

مسجد سے باہر تبلیغی تقریر

سوال[۱۳۹۹]: دہرہ دون میں تبلیغی جماعت آتی رہتی ہے، جو مساجد میں تقریر کرکے دیہات کا دورہ کرتی ہے، ایسی تقاریر محض نمازی ہی سن پاتے ہیں، بے نمازی جن کے لئے تبلیغ ضروری ہے نہیں سن پاتے، حالانکہ گشت کرکے بے نمازی کو ہی لایا جاتا ہے کیا ایسی تقاریر مجمع عام میں نہیں کی جاسکتی جس سے ہر ایک پر اثر ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جلسہ عام کے لئے اجتماعات کئے جاتے ہیں جن میں ہر قسم کے آدمی شریک ہوتے ہیں، بعض مقامات پر ہفتہ وار بھی مسجد کے علاوہ دوسری جگہ انتظام کیا جاتا ہے، مسجد میں اجتماع کرنے پر کچھ ایسے فوائد بھی ہیں

جو دوسری جگہ حاصل نہیں ہوتے، مثلاً: شریک ہونے والوں کو ایک دو نماز کا تو موقع مل ہی جاتا ہے، نیز نماز کا مذاکرہ اور اس کی عملی مشق کے لئے بھی مسجد ہی موزوں ہے، ویسے بھی وضو و غسل وطہارت کی سہولت مسجد میں ہوتی ہیں، جس کا عامۂ نمازی عذر کردیا کرتے ہیں، قرآن پاک بھی مسجد میں بہ آسانی مل جاتا ہے۔

الغرض! تبلیغ ہی نہیں بلکہ عملی نظام مستقل ہے، جس کے لئے مسجد کو تجویز کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ شب گزاری کی بھی دعوت ہوتی ہے تاکہ رات میں اٹھ کر خدا کے سامنے روئے اور دعاء کرنے، استغفار وتوبہ کرنے کا موقع بھی نصیب ہوجائے، علاوہ ازیں مسجدوں کی طرف سے جس طرح بے توجہی ہے وہ ظاہر ہے نہ ان کی ضروریات کا احساس ہے، نہ ان کے آباد کرنے کی فکر ہے، ویسے اگر ترغیب دی جائے یا تحریک کی جائے تو کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہوتی، جب اجتماعات اور شب گزاری کا مسجد میں انتظام ہوتا ہے تو پھر توجہ خود بخود ہوجاتی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک تبلیغی کی تقریر: ''نبوت ختم کار نبوت باقی''

سوال[۱۴۰۰]: یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی کہ: ''نبوت ختم ہوچکی ہے لیکن کار نبوت باقی ہے اس کی تکمیل سارے مسلمانوں پر ضروری ہے''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو صحیح ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے اب کسی نئے نبی کے آنے کی گنجائش نہیں (۱) اور

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ الآية، (الأحزاب: ۴۰)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم .... وأرسلت إلى الخلق كآفة، وختم بي النبيون". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد المرسلين صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليه، الفصل الأول، ص: ۵۱۲، قديمي)

جس مقصد کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا گیا تھا وہ مقصد باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا، اس کو پورا کرنا حسب استعداد وصلاحیت امت کے ذمہ لازم ہے جس کے لئے آیات واحادیث بکثرت شاہد ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کیا نصرت مدینہ طیبہ سے ہوئی، وہیں سے دین پھیلا، مکہ مکرمہ سے نہیں؟

محترم المقام، زیدمجدکم! السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ۔

[۱۴۰۱]: امابعد! عرض یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں بروز جمعرات تبلیغی جماعت آئی اور بعد نماز مغرب ان میں سے ایک صاحب نے تقریر کی جس میں گاؤں کے بہت سے لوگ شریک اور میں بھی موجود تھا، لائق مقرر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ" مکہ معظمہ میں نصرت نہیں ہوئی، جب نصرت اور ہجرت جمع ہوئی تب دین پھیلا، دین دراصل مدینہ منورہ ہی سے پھیلا ہے"۔ لائق مقرر کی اس بات کو سن کو مجھ کو بہت رنج ہوا کیونکہ میرے ذہن میں حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کچھ واقعات ہیں مثلاً: جناب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمزور مسلمانوں کو اپنے روپے سے آزاد کرانا، یا خانہ کعبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کپڑا ڈال کر بیٹھنے والوں کو ہٹاتے ہوئے بری طرح مار کھانا اور بوقت ہجرت سردار دوجہاں کے آگے پیچھے

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، أولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان." (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

"عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده! لتأمرنّ بالمعروف ولتنهون عن المنكر، أوليوشكن الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، ثم لتدعنّه ولايستجاب لكم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح المصدر السابق، الفصل الثاني، ص: ۴۳۶، قديمي)

اور دائیں بائیں چلنا اور پشت مبارک پر جناب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھلا کر پنجوں سے چلنا وغیرہ۔

جناب سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجناب سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کو لے کر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا اور دوسرے حضرات سے بھی اس قسم کے افعال سرزد ہوئے ہوں گے، میں تو ان واقعات کو نصرت ہی سمجھتا ہوں۔ درخواست یہ ہے کہ میری رہبری فرمائی جائے کہ کیا میں غلط سمجھتا ہوں، ایسے بھی واقعات میرے ذہن میں ہیں کہ مکہ معظمہ میں ان لوگوں نے بھی مسلمانوں کی اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی ہے جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، مثلاً: طائف سے لوٹتے وقت مطعم بن عدی نے کی، یا ترک تعلقات کے وقت وہ پانچ اشخاص، یہ ضروری ہے کہ وہ امداد حمایت اسلام نہ سہی رشتہ داری یا اَور کسی بناء پر مبنی ہوگی، حالانکہ مدینہ منورہ میں تو شاید ہی کوئی ایسی مثال ہو کہ دل میں اسلام کا داعیہ نہ ہو اور امداد کی ہو۔

رہا دین کا پھیلنا، لائق مقرر نے فرمایا: ''دین مکہ سے نہیں پھیلا بلکہ مدینہ منورہ سے پھیلا'' تو میں یہ سمجھتا ہوں واقعی دین امداد اور گنتی کے لحاظ سے مدینہ منورہ سے پھیلا اور جناب انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت امداد کی اور تن من دھن سے ساتھ دیا، لیکن ہم کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ جناب مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رشتہ دار لڑائیوں میں سامنے ہوتے تھے اور وہ حضرات ان سے لڑتے تھے جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا سر کاٹ دیا تھا اور دوسرے حضرات نے بھی بہت کچھ کیا ہوگا، اس سے میرا مطلب جناب مہاجرین حضرات کی فضیلت ہے اور انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی جگہ بہت بڑے ہیں اور ان کے کارنامے رہتی دنیا تک بے مثال ہیں۔

دین کی اشاعت مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوشش سے ایک جماعت مشرف باسلام ہوئی اور دوسرے حضرات نے بھی کوشش کی ہوگی، یہ ضرور ہے کہ مکہ معظمہ میں مخالفوں کا بہت زور تھا اور وہ ان کے عزیز ورشتہ دار تھے، حالانکہ مدینہ منورہ میں شاید کوئی ایسی مثال نہ ہو کہ کوئی مشرف باسلام ہوا ہو اور عزیز رشتہ داروں نے اس پر سختی کی ہو، وہاں باہر کے دشمنوں کا بہت زور تھا اندر منافقوں وغیرہ سے ہر وقت بے اطمینانی تھی۔

مجھے اس بات کا بہت رنج ہے کہ عام مجمع میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ مکہ معظمہ میں نصرت نہیں ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نصرت نہیں کی اور دین بھی مکہ معظمہ سے نہیں پھیلا،

لہذا درخواست یہ ہے کہ میری وجہ سے تکلیف کو گوارہ فرما کر میری رہبری فرمائی جائے، فقط۔

محمد یاسین، ساکن موضع نگلہ، تحصیل موانہ، ضلع میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ ذرا وسعت حوصلہ سے کام لیں اور ان مقرر صاحب کے کلام کا وہ محمل تجویز کریں جو آپ کے نظریہ کے خلاف بھی نہ ہو تو آپ کا رنج سب ختم ہو جائے، مقامی حضرات جو کچھ جدوجہد اور دینی خدمت کرتے ہیں وہ ایسا ہے جیسا کہ ان کا اپنا اصلی کام، فرض منصبی، ڈیوٹی، ان کی محنت بہت وزنی اور قیمتی ہوگی، اگر ایسے لوگ باہر جائیں اور وہاں کے آدمی ان کا استقبال کریں اور ان کے کام میں نصرت کریں تو وہ نصرت بھی کام کو بہت آگے بڑھائے گی۔

مہاجرین نے دین کی خاطر وہ مشقتیں برداشت کی ہیں، جو دوسروں کے بس کی نہیں، ان کو درجات بھی وہ ملے جہاں تک دوسرے لوگ نہیں پہونچ سکتے، ان حضرات کے مدینہ منورہ پہنچنے پر وہاں کے حضرات نے جو اُن کا ساتھ دیا اس کا نام نصرت ہے (۱)، اس اصطلاح کے اعتبار سے یہ کہنا کہ نصرت مدینہ پاک سے ہوئی یعنی ان حضرات کی خدمت دین واعانت کا نام نصرت ہے اور دین کی جس قدر اشاعت بصورت وفود وبصورتِ غزوات وسرایا مدینہ طیبہ سے ہوئی ہے وہ مکہ مکرمہ سے نہیں ہوئی حتی کہ اس نصرت کی بدولت مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، ان نصرتوں میں بھی مہاجرین کی ہدایات کے ماتحت اور بکثرت ان کی سرکردگی وامارت میں خدمات انجام دی گئی ہیں یعنی مدینہ پاک میں جو دین کی خدمات ہوئی ہیں وہ تنہا انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نہیں ہیں اس میں بھی مہاجرین پیش پیش تھے، ہاں مہاجرین کو قوت اور کام میں سہولت زیادہ تر انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

---

(۱) "قال القاری تحت حدیث: "آیة الإیمان حب الأنصار". الحدیث:

" وهو (أی أنصار) جمع ناصر أو نصیر، والمراد أنصار رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من الأوس والخزرج..... فسماهم النبی صلی الله علیه وسلم الأنصار، فصار عَلَماً لهم..... وإنما فازوا بهذه المنقبة لأجل إیوائهم النبی صلی الله علیه وسلم ونصرته حیث تبوّؤا الدار والإیمان، وجعلوه مستقراً ومتوطناً لهم لتمکنهم منه واستقامتهم علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الأول: ۱۰/۵۸۶، رشیدیه)

نصرت واعانت سے حاصل ہوئی۔

مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کی مدت میں چند حضرات ایمان لائے، اگر چہ وہ اس قدر بلند مرتبہ ہیں کہ دوسرے لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، لیکن مدینہ منورہ پہونچ کر دس سال کی مدت میں سارا جزیرہ عرب اسلام سے مالامال ہوگیا اور مکہ شریف کے وہ ازلی دشمن جوسدّ راہ بنے ہوئے تھے وہ مختلف غزوات میں مغلوب وختم ہوگئے، اور جن کے ہدایت مقدر تھی انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور جزیرہ عرب ہمیشہ کفر سے محفوظ ہوگیا، اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا اس کے باجود مہاجرین، مہاجرین ہیں-رضی اللہ عنھم-اور انصار انصار ہیں-رضی اللہ عنھم-۔

علاوہ اس اصطلاحی مفہوم نصرت کے دوسری بات یہ ہے کہ مقرر صاحب کے کلام کا مطلب یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اکابر صحابہ ومہاجرین نے دین کی خدمت اور نصرت نہیں کی، معاذ اللہ، ان کی خدمت ونصرت کا تو قرآن پاک میں اعتراف ہے (۱)، احادیث میں صراحۃً ذکر ہے، تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی ادنی مسلم بھی ان کی خدمت ونصرت کا انکار کرے بلکہ کوئی غیر مسلم تاریخ دان بھی انکار نہیں کرسکتا، پھر آپ ایسا مطلب کیوں مراد لیتے ہیں؟ کم ازکم اتنا تو دیکھیں، مقرر جب ان کی ہجرت کا معترف ہے تو یہ ہجرت خود اتنی بڑی خدمت ونصرت ہے کہ جس کی تعریف قرآن کریم میں بار بار آئی ہے (۲)، اور مقرر بھی یہی کہتا ہے کہ جب نصرت اور ہجرت جمع ہوئی تب دین پھیلا، لامحالہ اس کی یہ مراد نہیں جو آپ کیلئے رنجیدہ ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿ الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ بأموالھم وأنفسھم أعظم درجۃً عند اللہ وأولئک ھم الفائزون، یبشّر ھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیھانعیم مقیم خالدین فیھاأبداً، إن اللہ عندہ أجر عظیم﴾. (التوبۃ: ۲۰، ۲۱، ۲۲)

"ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "اقتدوابالذین من بعدی من أصحابی أبی بکر وعمر". الحدیث. (مشکوۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الثانی، ص: ۵۷۸، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿ والسابقون الأولون من المھاجرین والأنصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضواعنہ، وأعدلھم جنٰت تجری تحتھاالأنھٰر خالدین فیھا أبداً، ذلک الفوز العظیم﴾. (التوبۃ، ۱۰۰)

آپ یہ مطلب مراد لیجئے کہ مکہ مکرمہ کے عام باشندوں نے نصرت نہیں کی بلکہ دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں، چند مخصوص مقبول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خدمت کرنیوالے تھے اور دشمن ان کو ہر طرح ستاتے اور اذیت دیتے تھے، مدینہ پاک کا یہ ماحول نہیں تھا وہاں پہنچ کر یہ رکاٹیں نہیں رہیں اور آزادی کیساتھ دین پھیلا۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ مکہ مکرمہ میں نصرت نہ کرنیوالوں کے مصداق مشرکین اور اَعدائے دین ہیں، نہ کہ مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین، نصرت حقیقی اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہے اور اس عالم اسباب میں اشاعت دین کیلئے یہ تدبیر تجربہ سے بہت مفید و موثر ثابت ہوئی ہے کہ لوگ اپنے مقام سے دین کی خاطر سفر کریں، جیسے مہاجرین نے سفر کیا اور مدینہ طیبہ گئے اور جہاں جائیں وہاں کے لوگ ان کے ساتھ اس کام میں پورا تعاون کریں جیسے کہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا، اس سے انشاء اللہ اپنا دین بھی پختہ ہوگا اور اشاعت بھی زیادہ ہوگی مگر اصول کی پابندی بہر حال ضروری ہے، اصول چھوڑنے میں منفعت کم اور مفسدہ زیادہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

تبلیغی چلہ کا حکم

سوال[۱۴۰۲]: مروجہ تبلیغی جماعت جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب ہیں، لوگوں کو چلہ یعنی چالیس دنوں کا انتظام کر کے تربیت دیتی ہے۔ آیا یہ چلہ رسم بدعت ہے یا مستحسن؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نیک کام پر چالیس روز پابندی کی جائے اس پر بہت اچھے ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اس کام سے خاصی قلبی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے(۱) اور بہت سے اکابر و مشائخ کا تجربہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو الصادق المصدوق. "إن =

تبلیغی چلہ وغیرہ کا ماخذ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفسار [۱۴۰۳] : ماقول العلماء من أهل السنة والجماعه فی المسائل الآتية:

(الف) الجماعة التبليغية المتعارفة كيف ذاك على أصول الشريعة الغرآء الملة البيضاء ؟

(ب) الأربعينة التی فی الجماعة هل لها أصل ثابت فی الدين المتين؟

(ج) جرت عادة أولئك المبلغين البيتوتة فی المساجد، والمآكل والمشارب فيها، وهم يقولون: نحن معتكفاً نفلاً، هل لهم فيه سعة أم حرام ؟

(د) ماحكم من يكفّر الجماعة المذكورة بأسرها حتى حُماتها ومؤسّسها؟

نرجومن جنابكم الجواب مع غراء الأدلة والكتاب، كی تيسر لنا إرسال الفتوى إلى الممالك العربية للتصديقات، فليكتب خلاصة الأجوبة بالبلاغة مختصراً، وليزين كلاالعبارتين بالإمضاء والمهر الخاص۔ فقط توجرواعند الله۔

المستفتی: عبدالجبار، ۳/۲/ ۷۷ھ۔ محمد نظام الدین عفاعنہ، بندہ محمد مفیض اللہ عفاعنہ۔

باسمه سبحانه وتعالى، الجواب وبيده أزمة الحق والصواب:

دین کا سیکھنا سکھانا اوراس پرعمل کرنا فرض ہے(۱)، دین سیکھنے کیلئے جس کوسہولت ہے کہ مدارس دینیہ میں داخل ہوکر باقاعدہ پورانصاب پڑھے تو یہی صورت اختیار کرلے، جس کے پاس اتناوقت نہیں یااتنی مالی وسعت نہیں یاعمر زائد ہوچکی ہو یاحافظہ وذہن ایسانہیں توخواہ وہ خود آہستہ آہستہ اہل دین سے زبانی سیکھے یاکتاب کے ذریعہ سیکھے یااہل دین کی تقریر سے سیکھے، غرض جوصورت اس کے قابوکی ہواس کواختیارکرے۔

اس مقصد کیلئے تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں دہلی نظام الدین بڑامرکز ہے، ان جماعتوں میں: اَن پڑھ کاشتکار، مزدور، تاجر، ملازمت پیشہ، اہل صنعت، کارخانہ دار، اہل علم گریجویٹ، ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں،

= أحدكم يجمع خلقه فی بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون فی ذلک علقةً مثل ذلک، ثم يكون فی ذلک مضغةً مثل ذلک". الحديث، (الصحيح لمسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمی اهـ: ۳۳۲/۲، قديمی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے"؟)

اپنے مصارف سے سفر کرتے ہیں، کوئی ایک دن کیلئے، کوئی دو دن، تین دن، دس دن، بیس دن، چالیس دن، چار مہینے، سال بھر، تین سال کیلئے، جس کو جتنا وقت ملا وہ نکلا، ہر فرد اپنے سے بڑے سے سیکھتا ہے اور چھوٹے کو سکھاتا ہے، کسی نے کلمہ نماز سیکھا، کسی نے قرآن کریم کی سورتیں سیکھیں، کسی نے ترجمہ ومطلب سیکھا، کسی نے حدیثیں سیکھیں، پھر یہ لوگ گشت کے لئے نکلتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے پاس جا کر نہایت ہمدردی ودلسوزی سے ان کی خوشامد کر کے ان کو مسجد لاتے ہیں دین کی اہمیت بتلاتے ہیں، نماز کی طرف توجہ دلاتے ہیں، کوئی وضوء کراتا ہے، کوئی الحمدللہ یاد کراتا ہے، کوئی قل هوالله أحد یاد کراتا ہے، کوئی تشہد یاد کراتا ہے۔

مسجد میں عموماً رات گذارتے ہیں اعتکاف کی نیت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، تہجد کا سب کو عادی بناتے ہیں، دعاء میں روتے ہیں، پیدل سفر کرتے ہیں، گاؤں در گاؤں پھرتے ہیں، بس اور ٹرین پر سفر کرتے ہیں، ہر جگہ اپنا مشغلہ (سیکھنا سکھانا) جاری رکھتے ہیں، جہازوں میں حجاج میں بھی کام کرتے ہیں، بندرگاہ پر، جدہ میں، مکہ مکرمہ، منی میں، عرفات، مدینہ منورہ میں سب جگہ یہ جماعتیں کام کرتی ہیں، بیرون ہند، دیگر ممالک اسلامیہ وغیر اسلامیہ میں بھی جاتی ہیں۔

ان جماعتوں کی مساعی سے بہت بڑی تعداد نے پورا علم دین حاصل کیا، بہت بڑی تعداد نمازی بن گئی، روزہ رکھنے لگی، باقاعدہ زکوۃ دینے لگی، صحیح طریقہ پر حج ادا کرنے لگی۔ اس جماعت کی بدولت بہت سی بدعات ختم ہوگئیں، سنت پر لوگوں کا عمل شروع ہوگیا، بہت سے ان پڑھوں کو دیکھا کہ ہزاروں حدیثوں کے مطالب ان کو یاد ہوگئے، عالم نہ ہونے کی باوجود ان کی طویل طویل تقریر وگفتگو حدیث شریف کے مضامین ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ:

''نطفہ رحم میں چالیس روز گذرنے پر علقہ بنتا ہے، پھر چالیس روز گذرنے پر مضغہ بنتا ہے، پھر چالیس روز گذرنے پر اس کی روزی، عمر، وغیرہ لکھدی جاتی ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبدیل طبیعت میں چلہ کو بڑا دخل ہے، نیز چالیس روز نماز میں جماعت کے ساتھ مکمل طور پر ادا کرنے سے نار ونفاق سے برات کی بشارت بھی وارد ہوئی ہے، اور چالیس روز تک مسلسل عمل صالح کرنے پر علم عطاء ہونے کی بھی بشارت ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما شادی سے قبل مسجد میں

سویا کرتے تھے، معتکف کیلئے کھانے پینے اور سونے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

اس جماعت کو چھ نمبر یاد کرائے جاتے ہیں، کلمہ طیبہ "لا إلـه إلا الله محمد رسول الله" اس کے الفاظ کو صحیح یاد کریں اس کا ترجمہ سیکھیں، اس کا مطلب وضاحت سے سمجھیں، اس کے مطالبہ کو پورا کریں۔ نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، تصحیح نیت، ترک مالایعنی، ان جملہ امور کو سمجھنے، ذہن نشین کرنے، عملی مشق کرنے اور دوسرے بھائیوں تک پہنچانے کیلئے جماعتیں نکلتی ہیں کیونکہ اپنی جگہ اور اپنے مشاغل: زراعت وحرفت وغیرہ میں رہتے ہوئے ان امور کی تکمیل دشوار ہوتی ہے۔

اسی طرح جماعت بنا کر نکلنے میں ناموافق لوگوں کے اخلاق وافعال پر صبر وتحمل، رفقاء کیلئے ایثار وہمدردی، عامۂ مخلوق کیلئے خیر خواہی واحسان، بڑوں کا اعزاز واحترام، چھوٹوں پر شفقت ومہربانی، امیر کی اطاعت وفرمانبرداری، ماتحتوں کی نگرانی وغمگساری، باہمی مشورہ کی اہمیت وعادت وغیرہ وغیرہ بے شمار اخلاق وتعلیمات نبویہ کی آہستہ آہستہ مشق ہوجاتی ہے، اور رفتہ رفتہ تمام دین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنیکی توفیق ہوتی ہے، اور دین کی خاطر سر کھپانے، محنت کرنیکا جذبہ مستحکم ہوتا ہے، ایسی جماعتوں اور ان کے بانیوں کو کافر کہنا نہایت خطرناک ہے، جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں وہ اپنے ایمان کی فکر کریں کیونکہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ "جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے وہ کافر نہیں ہے، تو اس کو کافر کہنے کا وبال اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے"۔

۱-"عن عبدالله رضی الله عنه قال: حدثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو الصادق المصدوق: "إن أحدكم يجمع فی بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك، ثم يبعث الله ملكاً فيؤمر بأربع: برزقه وأجله وشقی أوسعيد". الحديث. صحيح البخاری، ص: ۹۷٦(۱)۔

۲-"أنس رضی الله تعالیٰ عنه رفعه من صلی أربعين يوماً جماعةً لم تفته التكبيرة الأولی، كتب الله له براء تين: براءة من النار، وبراءة من النفاق". للترمذی. (جمع الفوائد: ۲/۳۴)(۲)۔

---

(۱) (صحيح البخاری، كتاب القدر: ۲/۹۷٦، قديمی)

(والصحيح لمسلم. كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمی الخ: ۲/۳۳۲، قديمی)

(۲) (جامع الترمذی، كتاب الصلوة، باب فضل التكبيرة الأولی: ۱/۵٦، سعيد)

۳- "ومن أخلص لله أربعين يوماً ،ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه". رواه أبونعيم بسند ضعيف عن أبى أيوب". (كشف الكفاف: ۲/۲۳٤، باب نوم الرجل فى المسجد)(۱)۔

٤- "وقال أبوقلابة: "عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه: "قدم رهط من عكل على النبى صلى الله عليه وسلم وكانوا فى الصفة"، وقال عبد الرحمٰن بن أبى بكر:"كان أصحاب الصفة الفقراء"۔

"أخبرنى عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما: "كان ينام -وهو شاب أعزب لاأهل له- فى مسجدالنبى صلى الله عليه وسلم"۔

٥- "عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه قال: جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة، فلم يجدعلياً فى البيت، فقال: "أين ابن عمك"؟ قالت: كان بينى وبينه شئ، فغاضبنى فخرج فلم يقل عندى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنسان: "أنظر أين هو"؟ فجاء فقال: يارسول الله (صلى الله عليه وسلم)! هوفى المسجد راقد، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وهويضجع قد سقط ردآء ه عن شقه وأصابه تراب، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسحه عنه ويقول: "قم ياأباتراب، قم ياأباتراب"۔

٦- "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء، إماإزاروإماكساء، قد ربطوافى أعناقهم، فمنهامايبلغ نصف الساقين، ومنهامايبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية أن ترىٰ عورته"۔ (بخارى، ص: ٦٣)(۲)۔

۷- "وخص المعتكف بأكل وشرب ونوم"۔(در مختار)۔ "أى فى المسجد يكره النوم والأكل فى المسجد لغير المعتكف، وإذاأراد ذلك ينبغى أن ينوى الاعتكاف، فيد خل فيذكر

(۱) (فيض القدير: ۱۱/۵۲۱، رقم الحديث: ۸۳۲۱، مكتبه نزار مصطفى الباز)

(۲)(صحيح البخارى، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال فى المسجد: ۱/٦۳،قديمى)

الله بقدره مانوى أويصلى، ثم يفعل ماشاء"۔(ردالمحتار: ٢/ ١٣٤)(١)-

٨- "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "لايرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلاارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك"۔ (بخاری شریف:٨٩٣)(٢)-

تنبیہ: ایک دفعہ کسی صاحب نے عربی میں سوالات کئے اور جوابات بھی عربی میں لکھے گئے، وہ خط مخدوش سمجھ کر مصر بھیجا گیا، خدا جانے اس میں کیا سیاسی باتیں ہونگیں حالانکہ صرف مذہبی مسائل کے متعلق وہ خط تھا اسلئے جوابات اردو میں لکھے گئے ہیں، آپ چاہیں تو ان کو عربی میں لکھ کر حسب صوابدید بھیج دیں، نیز اگر کوئی فرد اس کے خلاف تقریر کرے تو اس کی اطلاع مرکز کو کی جائے تا کہ اس کو تنبیہ کی جاسکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ٢/٤٤٨،سعيد)

(وكذافي البحرالرائق،كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/٥٣٠،رشيديه)

(وكذافي الهدايه، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ١/٢٣٠،مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢)(صحيح البخاري، كتاب الأدب،باب ماينهى عن السباب واللعن، ٢/٨٩٣،قديمي)

ترجمہ عربی عبارت:

ترجمہ سوال: علماء اہل سنت والجماعت مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں:

(الف) متعارف تبلیغی جماعت کے اصول شریعت کے مطابق کیا حکم رکھتے ہیں؟

(ب) جماعت میں جو چلہ ہوتا ہے دین میں اس کی کوئی اصل ہے؟

(ج) ان مبلغین کی عادت نفلی اعتکاف کر کے مسجد میں رات گزارنے، کھانے پینے کی ہے، کیا اس کی گنجائش ہے یا حرام ہے؟

(د) جو جماعت مذکورہ کی بالکلیہ تکفیر کرے حتی کہ اس کے معاونین اور بانیین کی بھی، اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

ترجمہ جواب:

۱-"حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیان فرمایا اور آپ صادق ومصدوق ہیں کہ: "تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک رہتا ہے، پھر اسی طرح چالیس روز تک علقہ کی صورت میں رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جس کو چار چیزوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے: رزق کا اور موت کا اور اس بات کا کہ وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت"۔ .... =

تبلیغ پہلے گھر میں پھر باہر

سوال[۱۴۰۴] :زید پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے، گاہ بگاہ تبلیغی جماعت میں چلّہ لگاتا ہے، مسجد کے امام جو مستند عالم ہیں اس سے کہتے ہیں تمہارے لئے ضروری ہے کہ پہلے تبلیغ اپنی بستی وگھرانہ کی کرو جب کہ گھر میں بے نمازی ہوں اور بستی میں کس قدر بے نمازی ہیں، گھر گھر تبلیغ کرو اس کے بعد باہر دوسری جگہ تبلیغ کیلئے جاؤ اور استدلال میں: ﴿وأمر أهلك بالصلوة واصطبر عليها﴾. الآية (۱) بیان کرتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کس کا قول انسب ہے؟

۲- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: ''جس نے چالیس روز تک نماز باجماعت اسطرح ادا کی کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو براءتیں لکھدیتے ہیں: ایک براءۃ آگ سے، ایک نفاق سے''۔

۳- ''جس شخص نے چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کا معاملہ کیا تو اس کے دل میں سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں''۔

۴- ''حضرت ابو قلابہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ عکل کے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے''، اور عبد الرحمن بن ابی بکر نے فرمایا کہ ''اصحاب صفہ فقراء میں سے تھے''۔

''خبر دی مجھ کو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ ''وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سویا کرتے تھے اور وہ بے شادی شدہ جوان تھے، ان کے اہل وعیال نہ تھے''۔

۵- ''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھر میں نہیں پایا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: ''تمہارے ابن عم کہاں ہیں''؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میری ان کی کچھ بات ہوگئی وہ مجھ سے غصہ ہوئے اور یہاں سے چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے فرمایا کہ: ''دیکھنا وہ کہاں ہیں''؟ وہ صاحب آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو مسجد میں سو رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ لیٹے ہوئے تھے، ان کی طرف سے چادر ہٹی ہوئی تھی اور اس حصہ کو مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اوپر سے مٹی صاف کرنے لگے اور آپ یہ فرمار ہے تھے کہ: ''اے ابوتراب! اٹھ، اے ابوتراب! اٹھ''۔

۶- ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا ان میں سے کسی آدمی کے پاس چادر نہیں تھی یا تو ازار ہوتا تھا یا اور کوئی کپڑا، وہ اپنی گردنوں میں اس کو باندھ لیا کرتے تھے بعض کپڑا ان کی آدھی پنڈلیوں تک اور بعض ٹخنوں تک پہونچتا تھا تو پھر ستر کھل جانے کے اندیشہ سے اس کو اپنے ہاتھ سے روکے رہا کرتے تھے''۔

(۱) (طٰہ: ۱۳۲)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے گھر اور بستی کا حق دوسروں پر مقدم ہے(۱) لیکن اس کا یہ طلب نہیں کہ گھر یا بستی والے جب تک پورے پابند نہ ہو جائیں دوسروں تک پیغام نہ پہونچانا چاہئے، مثلاً: کسی جگہ دینی مدرسہ جیسے دارالعلوم دیو بند ہی ہے، یہاں اس کی پابندی نہیں کی گئی کہ دیو بند کے ایک ایک آدمی کو پورا عالم دین بنایا جائے تب دوسری جگہ کے طالب علم کو داخلہ کی ترغیب دی جائے، نہ کسی بزرگ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ اپنے گھر اور بستی والوں کی اصلاح تام کئے بغیر باہر کے آدمیوں کی بیعت نہ کی ہو، نہ کسی حافظ عالم نے باہر کے لڑکوں کو پڑھانے کیلئے اس کا اہتمام کیا، بلکہ بکثرت یہی دیکھا جاتا ہے کہ گھر اور بستی والے فیض حاصل نہیں کرتے باہر والے کر لیتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف وغیرہ تشریف لے جانے سے پہلے کیا مکہ کے سب لوگوں کو مسلمان کر لیا تھا؟ یہ جواب اس وقت ہے جبکہ تبلیغ کا مقصد بھی یہی ہو، لیکن اگر تبلیغ کا مقصد محنت اور مجاہدہ کر کے اپنے دین کو پختہ کرنا ہو تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نماز کے فوراً بعد تبلیغ

سوال[۱۴۰۵]: ا...... ہماری مسجد میں بعد نماز فجر تبلیغی نصاب کی تعلیم ہوتی ہے، کیسا ہے؟ علیحدہ گوشہ میں بیٹھ کر تلاوت کلام پاک، درود شریف، کلمہ طیبہ پڑھنا بہتر ہے، یا کتاب سننا؟

---

(۱)"عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إن اللہ یوصیکم بأمهاتکم ثلاثاً، إن اللہ یوصیکم بآبائکم، إن اللہ یوصیکم بالأقرب فالأقرب". (سنن ابن ماجة، کتاب الأدب، باب بر الوالدین، ص: ۲۶۰، قدیمی)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿و أنذر عشیر تک الأقربین﴾. (الشوری، ۲۱۴): "ووجه تخصیص عشیرته صلی اللہ علیه وسلم الأقربین بالذکر مع عموم رسالته علیه الصلوة والسلام دفع توهم المحاباة، أن الاهتمام بشانهم أهم، وأن البدائة تکون بمن یلی ثم من بعده". (روح المعانی: ۱۹/۱۳۴، دار إحیاء التراث العربی)

۲......پڑھنے والے اتنی زور سے پڑھتے ہیں کہ نماز میں انتشار پیدا ہوتا ہے، اس ہیئت سے پڑھنا کیسا ہے؟

۳......تبلیغی جماعت نے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ عشاء کے نماز کے فوراً بعد اعلان کرتے ہیں جس کو سنن نوافل پڑھنے ہیں وہ علیحدہ گوشہ میں پڑھ لیں اور فوراً اپنی تقریر شروع کر دیتے ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قرآن پاک کی تلاوت (۱)، دورد شریف (۲)، کلمہ طیبہ (۳) کی فضیلت تو اس قدر عام ہے کہ اس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں، لیکن ان چیزوں کیلئے دوسرا وقت نکالا جا سکتا ہے، اگر کوئی حافظ ہے تو وہ ایک گوشہ میں بیٹھنے کا محتاج نہیں، دورد شریف، کلمہ طیبہ بہر حال ہر شخص چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتا ہے، اس لئے اگر اس معین وقت کتاب سنے جس سے دینی معلومات میں اضافہ ہو اور نام مبارک سنتے وقت درود شریف بھی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لاحسد إلا في اثنين: رجل علمه الله القرآن، فهو يتلوه آناء الليل وآناء النهار، فسمعه جار له، فقال: ليتني أوتيت مثل ما أوتي فلان، فعملت مثل ما يعمل". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن: ۲/ ۷۵۱، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى عليَّ، صلى الله عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات، ورفعت له عشر درجات".

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليَّ صلاةً". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۸۶، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال: "لا إله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير" في يوم مائة مرة، كان له عِدل عشر رقاب، وكتب له مائة حسنة، ومحيت عنه مائة سيئة، وكان حرزاً من الشيطان يومه ذلك حتى يمسي، ولم يأت أحد بأفضل مما جاء به إلا رجل عمل أكثر منه". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التهليل، ۲/ ۹۴۷، قديمي)

پڑھتا رہے اور دوسرے وقت مسجد میں یا مکان میں دوسری چیز بھی پڑھتا رہے تو دونوں کا فائدہ مستقل ہوگا۔

۲.....قاری کو اس کی رعایت چاہیئے کہ کسی کی نماز میں اس کی قراءت سے تشویش نہ ہو(۱)، اگر سب مجمع ایک جگہ کتاب سننے یا سنانے میں مشغول ہو اور کوئی ایک دو نمازی اپنی نماز پڑھنا چاہیں تو اس کو خود ہی خیال کرنا چاہیئے کہ وہ اس مجمع سے الگ دور پڑھے، بہر حال طرفین اگر ایک دوسرے کی رعایت کریں تو نزاع پیدا نہ ہو۔

۳......جماعت کو چاہیئے کہ لوگوں کو سنن پڑھنے کا موقع دے، سنن پڑھنے سے ہرگز نہ روکے، ہاں نوافل میں توسع ہے، تاہم تبلیغی جماعت کو حاکمانہ لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے دوسروں کے اعمال صالحہ کی تحقیر ہو اور بد دلی پیدا ہو یہ سخت مذموم ہے اور طریقہ تبلیغ کے بھی خلاف ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب: صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ ۲۷/ ۷/ ۸۸ھ۔

تبلیغ کا صحیح طریقہ

سوال[۱۴۰۶] : تبلیغ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ براہ راست تبلیغ کا طریقہ نہیں جانتے ہیں، ان کیلئے بہتر صورت یہ ہے کہ دہلی نظام الدین میں تبلیغ کا مرکز ہے وہاں چلے جائیں اور وہاں کی ہدایت کے موافق کام میں لگ جائیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۱۲/ ۸۸ھ۔

تبلیغ بھی دین سیکھنے کا ذریعہ ہے

سوال[۱۴۰۷] : تبلیغی جماعت کے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ اس کی ہر ایک

---

(۱) "واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر اللہ تعالی جماعةً فی المساجد...... إلاأن یشوّش جهرهم بالذکر علی نائم أومصل...... وفی الحلبی: الأفضل الجهر بالقرآءة إن لم یکن عند قوم مشغولین مالم یخالطه ریاء". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی صفة الأذکار الواردة من باب الإمامة، ص: ۳۱۸، قدیمی)

بات کو مان کر عمل کرے حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو دینی تعلیم سے بہت ہی کم واقف ہوتے ہیں اور منبر پر کھڑے ہوکر بعض غیر ضروری امور چلہ وغیرہ پر زور دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے جبکہ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک عالم تقریر کررہے تھے، ان سے جب دریافت کیا گیا کہ تم کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہے تو انہوں نے انکار کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو مسجد سے باہر کردیا، تو یہ تبلیغی جماعت کے لوگ کس طرح وعظ کیلئے کھڑے ہوجاتے ہیں، ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خود سیکھنے آئے ہیں، کیا سیکھنے کیلئے دارالعلوم ناکافی ہے؟ بہرصورت اس بارے میں تسلی بخش جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے اچھی اور صحیح العقیدہ جماعت ہے، اس جماعت میں جو معتمد اہل علم ہیں ان کی تقریروں میں تو کوئی اشکال نہیں، جو غیر عالم ہیں ان کو ہدایت ہے کہ چھ نمبروں سے زائد کوئی بات بیان نہ کرے، یا تو چھ نمبروں کو بیان کرے تاکہ پکا ہوجائے، باقی کتاب پڑھ کر سنانے اور کتاب بھی قابل اعتماد تجویز ہے (۱) اس کے علاوہ غیر اہلِ علم کو اجازت نہیں۔ چھ نمبروں میں کوئی بات قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف نہیں ہے (۲)، ان کو بیان کرنے اور سننے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ نفع ہی نفع ہے۔

---

(۱) کتاب سے مراد بظاہر ''فضائل اعمال'' ہے۔

(۲) النکات الستة التي هي من جملة أصول جماعة التبليغ ثابتة بنص القرآن الكريم والحديث المبارك:

أماالنكتة الأولى: وهي: "لاإله إلا الله محمد رسول الله"، فهي أصل الإيمان، وعليهامدار الإسلام، قال الله تعالى: ﴿فاعلم أنه لاإله إلا الله، واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾. الاية، (سورة محمد: ۱۹)

"عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لاإله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والحج وصوم رمضان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس: ۱/۶، قديمي)

وأماأصحاب التبليغ فهم يتكلمون عن مقصودها، والمقصود بها توافق الحياة بالأحكام المنزّلة توافقاً تاماً لقوله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كآفة﴾ ويتكلمون عن فضائلها، وهي كثيرة، منهاماقاله صلى الله عليه وسلم: "من قال: لاإله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهوعلى كل شي قدير في يوم مائة مرة، كان له عدل عشر رقاب، وكتب له مائة حسنة، =

....

= ومحيت عنه مائة سيئة، وكان له حرزاً من الشيطان يومه ذلك حتى يمسى، ولايأتى أحد بأفضل مماجاء به إلارجل عمل أكثر منه". (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب الفضل التهليل: ۲/۹۴۷، قديمى)

وأماالنكتة الثانية: وهى "الصلوة" فهى من مبانى الإسلام وبهايقام الدين، قال الله تعالى: ﴿وأقيموا الصلوة وآتوا الزكوة، واركعوامع الراكعين﴾ (البقرة: ۴۳)، وفيهاأحاديث كثيرة، منهاماسبق فى النكتة الأولى حديث البخارى، من كتاب الإيمان، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم، بنى الإسلام على خمس: ۱/۶، وفضائلها كثيرة. منهاقاله النبى صلى الله عليه وسلم: "الصلوٰة الخمس، والجمعة إلى الجمعة، ورمضان إلى رمضان مكفرات لمابينهن إذااجتنب الكبائر". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الأول، ص: ۵۷، قديمى)

وأماالنكتة الثالثة، فمشتملة على شقين: الأول: "العلم" فهوأيضاً من أهم أمور الدين؛ لأن به معرفة الأحكام وهوما مور به ومرغب فيه. قال الله تعالى: ﴿قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون﴾. (الزمر: ۹) وقال تعالى: ﴿إنمايخشى الله عباده العلماء﴾. الآية (الفاطر: ۲۸)

قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة، وإن الملئكة لتضع أجنحتهارضىً لطالب العلم، وإن العالم يستغفر له من فى السموات ومن فى الأرض، والحيتان فى جوف الماء، وإن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانى، ص: ۳۳، ۳۴، قديمى)

والشق الثانى: "الذكر"، وله أيضاً ثبوت وفضائل، أماالثبوت فقد قال الله تعالى: ﴿ياأيهاالذين آمنوااذكروالله ذكراً كثيراً، وسبحوه بكرةً وأصيلاً﴾. (الأحزاب: ۴۱، ۴۲)

وأماالفضائل فمنهاماتقدم فى النكتة الأولى من صحيح البخارى، باب فضل التهليل من كتاب الدعوات، فليراجع.

وأماالنكتة الرابعة: وهى إكرام المسلمين، فثبوتهامن الحديث وعن ابن عمر رضى الله تعالى عنهماأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "المسلم أخوالمسلم، لايظلمه ولايسلِمه، ومن كان فى حاجة أخيه كان الله فى حاجته، ومن فرج عن مسلم كربات فرج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب =

علمِ دین سیکھنے کا یہ ایک سادہ طریقہ ہے اور دار العلوم دیوبند میں داخل ہوکر سیکھ لیا جائے، مگر یہ ظاہر ہے کہ کروڑوں مسلمان سب کے سب دار العلوم دیوبند میں نہ سیکھنے کیلئے آسکتے ہیں، نہ سما سکتے ہیں، نہ سب کے پاس وقت ہے، نہ سب کو شرعاً اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ سب میں اس کی صلاحیت ہے، نہ مدرسہ سب کا صرفہ برداشت کرسکتا ہے، اس لئے جگہ جگہ مدارس ومکاتب بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، اور کتابیں بھی تصنیف کی جاتی ہیں، رسالے اور اخبار بھی شائع کئے جاتے ہیں، فتوی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے، انجمنیں بھی بنائی جاتی ہیں، وعظ کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، یہ سب ہی طریقے دین سیکھنے اور سکھانے کے ہیں اسی طرح تبلیغی جماعت کا جو طریقہ ہے یہ بھی دین سیکھنے کا بہت مفید طریقہ ہے۔

جس شخص کو نماز، کلمہ، وضوء کچھ نہیں آتا وہ چالیس روز کیلئے جماعت کیساتھ نکل جاتا ہے، تو اس مدت میں اچھا خاصہ سیکھ لیتا ہے، اور پابند ہوجاتا ہے اور پھر آگے ترقی کرتا جاتا ہے، تجربہ اس کا شاہد ہے۔

جو شخص براہ راست قرآن پاک سے مسائل استنباط کرکے بیان کرے اس کیلئے ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا ضروری ہے، اور بھی بہت سی چیزوں کا علم ضروری ہے (۱) اور جو شخص ائمہ دین کے بیان فرمودہ منقح مسائل

= الشفقة والرحمة، الفصل الأول، ص: ۴۲۲، قديمي)

وأما النكتة الخامسة: وهى "الخلوص في العمل"، فمأموربه ومرغب فيه، قال الله تعالىٰ: ﴿وما أمروا إلاليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة، وذلك دين القيمة﴾. (البينة: ۵)

أما النكتة السادسه: وهى فى "الدعوة إلى الله"، فهى مأموربها، أمر بها الله تعالى فقال: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران ۱۰۴)

وقال عليه السلام: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول ص: ۴۳۶، قديمي)

(۱) قال العلامة الآلوسى رحمه الله فى مقدمة تفسيره: "(الفائدة الثانيه): فيمايحتاجه التفسير...... الأول: علم اللغة. والثاني: معرفة الأحكام التى للكلم العربية من جهة إفرادها وتركيبها...... الثالث: علم المعاني، =

کونقل کرے اس کیلئے علم ناسخ ومنسوخ کا ماہر ہونا ضروری نہیں، اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کی بناء پر تبلیغی جماعت کو یا کسی اور کو وعظ وتقریر سے روکنا غلط وبے محل ہے، البتہ جو بات خواہ روایت ہو یا مسئلہ ہو غلط بیان کرے اس پر ضرور تنبیہ کی جائے اور غلطی کو واضح کیا جائے اس میں بھی شفقت اور اصلاح کا جذبہ پورا چاہیے، تحقیر وتذلیل کا ہرگز شائبہ نہ ہو، یہی معاملہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کیا جائے یہی دوسرے دینی خدمت کرنیوالوں کے ساتھ کیا جائے، خواہ تقریر وعمل سے کی جائے یا تحریر وتصنیف سے یا افتاء وتدریس یا گشت واجتماع سے وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی جماعت میں دین سیکھنا

سوال[۱۴۰۸]: اگر کسی شخص کو نماز جنازہ بھی پڑھنا نہ آتی ہو اور قرآن پاک کی کسی آیت کا مطلب بھی نہیں سمجھتا ہو تو کیا ایسا شخص بھی تبلیغی کام کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی کام کرنے اور جماعت کا مقصود دین سیکھنا اور سکھانا ہے، بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ایسی ہے جو دین سے بالکل ناواقف تھے، تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک دو چلے کیلئے نکل گئے، وہاں وضوء، عمل، نماز، قرآن پاک، نماز جنازہ بہت کچھ انہوں نے سیکھا، مکان پر رہتے تو اپنے دھندوں میں لگے رہنے کی وجہ سے برسوں بلکہ شاید عمر بھر بھی اس کی نوبت نہ آتی، بعضوں کو بہت سی حدیث یاد ہوگئیں کہ اہل علم کی طرح دین کی معلومات کو بہت سلجھا کر تقریر کرلیتے ہیں، تبلیغی جماعت دین سیکھنے کیلئے مدرسہ کا کام بھی دیتی ہے، جن لوگوں کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ مدرسہ میں داخل ہو کر باقاعدہ پڑھیں ان کیلئے تبلیغی جماعت میں رہ کر دین سیکھنا بہت آسان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

= والبيان والبديع. الرابع: تعيين مبهم وتبيين مجمل، وسبب نزول ونسخ، يؤخذ ذلك من علم الحديث. الخامس: معرفة الإجمال والتبيين والعموم والخصوص الخ..... إذ الطريق الرجوع في تفسير ألفاظه إلى أهل اللغة، وفي نحو الناسخ والمنسوخ إلى الأخبار في بيان المراد إلى صاحب الشرع".

(روح المعاني: ١/٥، ٦، دار إحياء التراث العربي)

تعلیم وتبلیغ کی ضرورت

سوال[۱۴۰۹]: ۱......دنیا میں ایک لاکھ چوبیس یا پچیس ہزار کم وبیش انبیاء علیھم السلام آئے اور سب نے دینِ حق کی دعوت دی اور گشت کیا، یہ گشت کرنا سنت ہے یا نہیں؟ مبلغین حضرات اکثر اپنے گشت کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ گشت کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے، اور اس گشت کو کرنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی، اس کی فضیلت سات لاکھ ہوجائے گی، لفظ ''گشت کرنا سنت ہے''، یہ کیسے ثابت کیا جائے؟ حوالہ حدیث سے دیں۔

۲......اللہ کے راستے میں نکل کر ہر نیک عمل سات لاکھ بن جاتا ہے، نماز، ذکر، قرآن اور ہر نیکی سات لاکھ بن جاتی ہے، نظام الدین مرکز کے اکابرین کہتے ہیں کہ یہ چودہ روایتوں سے منقول ہے، مسند احمد، مشکوۃ شریف، ترغیب وترھیب کا حوالہ دیتے ہیں۔

۳......کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ، نماز کی دعوت ودینِ حق کی دعوت مسلمانوں کو دی تھی یا کفار کو، اور یہ تبلیغی مسلمانوں کو کلمہ اور نماز پڑھاتے پھرتے ہیں، کیا مبلغین اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے، یہ شک کرتے ہیں اور صرف اپنے آپ کو ہی مسلمان سمجھتے ہیں، تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں تبلیغ بھی ہے اور تعلیم بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿یأیھا الرسول بلّغ ما أنزل إلیك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته﴾ (الأیه)(سورة المائده)(۱)۔

﴿لقد منّ اللہ علی المؤمنین إذ بعث فیھم رسولاً من أنفسھم یتلوا علیھم آیاته ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة﴾. (الایة)(سورة آل عمران)(۲)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہی کام کئے ہیں، تبلیغ کیلئے دوسروں کے پاس تشریف لے گئے ہیں

(۱) (المائدہ: ۶۷)

(۲)(آل عمران: ۱۶۴)

4

اور تعلیم کیلئے دوسرے لوگ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہیں: تبلیغ کے معنی ہیں پہونچانا، اس کیلئے مبلغ کو جانا بھی ہوتا ہے، تعلیم کے معنی ہے علم سکھانا، اس کیلئے سیکھنے والے کو معلم کے پاس آنا ہوتا ہے، یہ دوسرے کام امت کے سپرد فرمائے: "بلغوا عني ولو آية" (۱)، اخیر خطبہ میں ارشاد فرمایا: "ألا فليبلغ الشاهد الغائب". (الحدیث) (۲) یعنی جو شخص حاضر ہے، جس نے براہ راست مجھ سے دین سیکھا ہے وہ غائب تک پہونچادے، دین کے ہر ہر جزء اور حکم کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کی ہے، اس لئے کہ دین کا ہر حکم امانت ہے، اس کا پہونچانا ضروری ہے، بعض چیزیں ایسی بھی تھیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالکل اپنی اخیرِ حیات میں بیان فرمائی ہیں کہ کہیں یہ امانت ہمارے ذمہ باقی نہ رہ جائے (۳)۔

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر جس نے ایک دفعہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ مومن کامل ہوگیا، اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ بعد والوں کو میسر نہیں (۴) پھر اس کے دل میں ایسی

---

(۱) الحديث بأسره: "عن عبد الله بن عمر وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "بلّغوا عني ولو آيةً، وحدّثوا عن بني إسرائيل ولاحرج، ومن كذب على متعمداً فليتبوامقعده من النار". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب ماذكر عن بني اسرائيل: ۱/۴۹۱، قديمي)

(۲) "عن أبي شريح أنه قال لعمر وبن سعيد وهويبعث البعوث إلى مكة: ائذن لي أيهاالأمير أحدّثك قولاً قام به رسول الله صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح، سمِعَته أذناى، ووعاه قلبي، وأبصر ته عيناى، حين تكلم به، حمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "إن مكة حرّمهاالله ولم يحرمها الناس، (إلى أن روى): وليبلغ الشاهد الغائب". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ليبلغ الشاهد الغائب: ۱/۲۱، قديمي)

(۳) "عن قتادة قال: حدثنا أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم ومعاذ رديفه على الرحل قال: "يامعاذبن جبل"! قال: لبيك يارسول الله، وسعديك، ثلاثاً، قال: "مامن أحد يشهد أن لاإله إلاالله وأن محمداً رسول الله صدقاً من قلبه إلاحرمه الله على النار"، قال: يارسول الله أفلاأخبر به الناس فيستبشرون؟ قال: "إذاً يتكلوا"، وأخبر بهامعاذ عند موته تأثماً". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم: ۱/۲۴۸، قديمي)

(۴) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لاتسبوا أصحابي، فلوأن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً، مابلغ مدّ أحد ولانصيفه". (مشكوة المصابيح، كتاب الفضائل والمناقب، باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۵۵۳، قديمي)

لگن پیدا ہوجاتی تھی کہ وہ سارا دین سیکھنے کیلئے تیار ہوجاتا تھا اور بے چین رہتا تھا اور خود حاضر ہوکر یا جس طرح سے بھی اس کو ممکن ہو دین سیکھتا تھا(۱)، ایک ایک حکم بتانے اور پہونچانے کیلئے اس کے پاس جانے کی نوبت آتی تھی، تاہم بعض احکام دوسروں تک پہونچانے کے انتظامات بھی کئے کبھی کسی کو متعین کیا کہ گشت کر کے فلاں حکم پہونچادو(۲) کبھی لوگوں کو بلا کر جمع کرلیا گیا پھر حکم سنادیا گیا(۳) کبھی حج کے موقعہ پر آدمی بھیجے گئے کہ فلاں حکم اعلان کردو(۴) وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم سب ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیا گیا،

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن الناس يقولون: أكثَرَ أبوهريرة، ولولا آيتان فی كتاب الله، ماحدثت حديثاً ثم يتلوا: ﴿إن الذين يكتمون ماأنزلنامن البينات والهدى (إلی قوله) الرحيم﴾ إن إخوانـامن المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالأسواق، و إن إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل فی أموالهم، وإن أباهريرة كان يلزم رسول الله صلی الله عليه وسلم بشبع بطنه، ويحضر مالايحضرون، ويحفظ مالايحفظون". (صحيح البخاری، كتاب العلم: ۱/ ۲۲،قديمی)

(۲) "أخرج ابن جرير عن علی رضی الله تعالی عنه قال:أتی النبیَّ صلی الله عليه وسلم ناسٌ من اليمن فقالوا: ابْعَث فينا مَن يفقّهنا فی الدين، ويعلّمناالسنن، ويحكم فينابكتاب الله، فقال النبی صلی الله عليه وسلم: "انطلق ياعلی إلی أهل اليمن،ففقّههم فی الدين، وعلّمهم السنن، واحكم فيهم بكتاب الله". فقلت: إن أهل اليمن قوم طغام يأتونی من القضاء بمالاعلم لی به، فضرب النبی صلی الله عليه وسلم علی صدری، ثم قال: "اذهب فإن الله سيهدی قلبک،ويثبّت لسانک"، فماشككتُ فی قضاء بين اثنين حتی الساعة". (حياة الصحابة، الباب الثالث عشر فی رغبة الصحابة فی العلم ، إرسال الصحابة إلی البلدان، إرساله عليه السلام علياً الخ: ۳/ ۱۹۳ ،دارالقلم دمشق)

(۳)"عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالی عنه قال:قام فينارسول الله صلی الله عليه وسلم خطيباً بعد العصر ، فلم يدع شيئاً يكون إلی قيام الساعة إلاذكره، وكان فيماقال: "إن الدنياحلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها، فناظرٌ كيف تعملون، ألا! فاتقوا الدنيا، النسآء" . الحديث(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب،باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانی، ص: ۴۳۷، قديمی)

(۴) "قال ابن شهاب: حدثنی حميد بن عبد الرحمن أن أباهريرة أخبره أن أبابكر الصديق بعثه فی الحَجَة التی أمّره عليهارسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قبل حجة الوداع يوم النحر فی رهط يؤذّن فی الناس أن لايحج بعد العام مشرک ولايطوفن بالبيت عريان".(صحيح البخاری،كتاب المناسک، باب لايطوف بالبيت عريان الخ، ۱/ ۲۲۰،قديمی)

اور فرمایا گیا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو(۱)۔"لا إلــه إلا الله" پڑھ کر اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) ان حضرات میں ایمان موجود نہیں تھا۔

یہاں دارالعلوم میں بھی بعض حضرات معلم ہیں، ان کی درسگاہ میں علم سیکھنے کیلئے طلبہ حاضر ہوتے ہیں، اور بعض حضرات مبلغ ہیں کہ وہ مختلف مقامات پر خود سفر کر کے جاتے ہیں اور دین پہونچاتے ہیں۔ آج یہ بات نہیں کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا اس میں دین سیکھنے کی لگن پیدا ہو جائے یا وہ خود اپنی جگہ ایمان کی تجدید میں لگا رہے، عربی مدارس جگہ جگہ خدا کے فضل سے قائم ہیں تعلیم کا انتظام ہے مگر دین کی لگن نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم آدمی اپنے بچوں کو علم سیکھنے کیلئے بھیجتے ہیں۔

مسجدیں ویراں ہیں، مسلمانوں کا محلہ ہونے کے باوجود کتنی مساجد ایسی ہیں جن میں اذان وجماعت کا اہتمام نہیں، کسی مسجد میں تنہا ایک شخص اذان کہتا ہے اور نماز پڑھ لیتا ہے، کسی میں دوتین نمازی ہوجاتے ہیں، ضلع کے ضلع ایسے ملیں گے جن میں کوئی عالم نہیں، حافظ نہیں، بہت علاقے ایسے ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کو دین کی بنیادی چیزیں کلمہ وغیرہ بھی معلوم نہیں، صورت شکل، چال چلن، رسم ورواج کسی چیز سے بھی اسلام ظاہر نہیں ہوتا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے اور وہاں خبر تک نہیں ہوتی، پانچ وقت کی نماز ہی غائب ہے تو تراویح کا کیا ذکر ہے، ہوٹل کھلے ہوئے ہیں اور خدا کے قانون روزہ کو علی الاعلان توڑا جارہا ہے۔

ان سب حالات کے پیش نظر دین حاصل کرنیکی لگن کا پیدا ہونا ضروری ہے اس تبلیغ کا حاصل یہی ہے کہ دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، کلمہ پڑھنے اور پڑھانے سے یہ ہرگز تصور نہ کرے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا کلمہ پڑھ کر اور پڑھا کر اس کا مطلب اور مطالبہ سمجھایا جاتا ہے، اور جن کو کلمہ یاد نہیں ان کا کلمہ صحیح کرایا جاتا ہے، جن کو نماز یاد نہیں ان کو نماز یاد کرائی جاتی ہے، جن کو مطلب یاد نہیں ان کو مطلب سمجھایا جاتا ہے، اس کی بدولت بے شمار آدمی کلمہ سیکھ گئے، نمازیں سیکھ گئے، نمازیں پڑھنے لگے، حج میں کام کرنے کی وجہ سے بہت

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يارسول! أوصني قال: "إذا عملت سيئة، فاتبعها حسنة تمحها" :قال: قلت: يارسول الله! أمن الحسنات لاإله إلا الله؟ قال: "هي أفضل الحسنات". (حياة الصحابة، الباب الرابع عشر في رغبة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه في الذكر الخ، كفارة المجلس، ذكر الكلمة الطبية الخ، قوله عليه الصلاة والسلام في "لاإله إلاالله": هو أفضل الحسنات: ۲۹۴/۳، دار القلم دمشق)

سے لوگوں کا حج صحیح طریقہ پر ادا ہونے لگا، لوگوں میں دین کا عام چرچا ہو گیا، جگہ جگہ دینی مکتب و مدرسے قائم ہو گئے، بڑی عمر کے لوگوں میں دین سیکھنے کیلئے سفر کا رواج ہو گیا، بکثرت لوگ زکوۃ دینے لگے، حرام معاملات سے پرہیز کرنے لگے، خدا کے راستے میں جدوجہد کیلئے جو شخص نکلے اس کے واسطہ ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ والی حدیث حضرت علی، ابوالدرداء، ابوہریرۃ، ابوامامہ، ابن عمر، عمر بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں:

"ومن أرسل بنفقة في سبيل الله وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾ (۱)۔

اس مضمون کی اَور حدیثیں بھی ہیں، جمع الفوائد (۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ص: ۲۸۲ (۳)، میں ملاحظہ فرمائیں، یہ روایات اصالۃً غزوہ اور جہاد سے متعلق ہیں، مگر جہاد کا مفہوم قتال سے عام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۲/۸۹ھ۔

کیا تبلیغ تعلیم سے افضل ہے؟

سوال [۱۴۱۰]: یہاں ایک مسئلہ بہت عام ہو گیا ہے، وہ یہ کہ تبلیغی کام تعلیم دین سے (ناظرہ قرآن ہی کیوں نہ ہو) زیادہ افضل (فرض) ہے، گذارش یہ ہے کہ تبلیغی کام تعلیم علم دین سے (ناظرہ قرآن ہی کیوں نہ ہو) کیا افضل ہے؟ بیان فرمائیں۔

---

(۱) "عن عليّ و أبي الدرداء و أبي هريرة و أبي أمامة و عبد الله بن عمرو و جابر بن عبد الله و عمران بن حصين رضي الله عنهم أجمعين كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: "من أرسل نفقةً في سبيل الله و أقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾ رواه ابن ماجه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث، ص: ۳۳۵، قديمي)

(۲) (جمع الفوائد: ۸/۳، كتاب الجهاد، باب فضل الرباط والجهاد في سبيل الله، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(۳) (مجمع الزوائد: ۲۸۲/۵، باب في المجاهدين و نفقتهم، دار الفكر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال اصول تبلیغ کے بھی خلاف ہے، یعنی علم چھوڑ کر تبلیغ میں جانا غلط ہے، البتہ تعطیل اور فارغ اوقات میں جانا بہتر ہے، نیز کسی مدرس کو مجاہدہ کی مشق کیلئے یا کسی اُور مصلحت کے تحت اگر کبھی تبلیغ کیلئے بھیجا جائے اسطرح کہ اس کے متعلق تعلیم میں حرج بھی نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۶ھ۔

مدارس اور تبلیغی کام

حضرت اقدس، دامت برکاتھم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ ایک استفتاء بسلسلہ موجودہ تبلیغی جماعت آیا ہے دو کا جواب اپنی سمجھ کے مطابق لکھ دیا ہے تیسرے کے جواب میں تردد ہے، حضرت والا تینوں کی بابت اپنی تحقیق فرمائیں، کیونکہ وقتی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے، ہم لوگوں سے لوگ مشورہ بھی کرتے ہیں اس کی شرعی حد اگر معلوم ہو جائے تو اس کی رعایت کرتے ہوئے مشورہ دیں گے۔

سوال [۱۴۱۱]: ۱...... بعض فارغ مولوی موجودہ صورتِ تبلیغ میں شریک ہونے کو فرض کہتے ہیں، اس کی کوئی فقہی اصل تحریر فرمائیں۔

۲...... مدرسہ اور خانقاہ سے موجودہ صورتِ تبلیغ افضل ومندوب ہے یا نہیں؟ ان کا کہنا درست ہے یا نہیں؟

۳...... اہل علم حضرات کا تبلیغی کام میں لگنا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں؟ دینی رجحانات پامال ہو چکے ہیں، مدارس جو چل رہے تھے وہ ٹوٹ رہے ہیں، خانقاہیں ویران ہو رہی ہیں، دینی رجحانات اگر عام ہو جاویں تو سب زندہ ہو جائیں گے، اس اعتبار سے وقتی طور پر اہلِ علم حضرات کا تبلیغ میں لگ کر دینی رجحانات پیدا کر کے ہزارہا مدارس وخانقاہوں کو آباد کر دینا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں لگنا؟ المستفتی محمد انصار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کی تحصیل فرض ہے(۱) اور حسبِ حیثیت اس کی تبلیغ واشاعت بھی لازم ہے(۲) مگر تحصیل وتبلیغ کی کوئی معین ومشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے۔ مدارس، خانقاہوں، انجمنوں، کتابوں، رسالوں، اخباروں، مواعظ، مذاکرے، تقاریر، مجالس تعلیمات، توجہات اور اس کے علاوہ بھی جو جو صورتیں مفید ومعین ہوں اور ان کو اختیار کیا جاسکتا ہے، جب تک ان میں کوئی قبح ومفسدہ نہ ہو، مختلف استعداد رکھنے والوں کے لئے کوئی خاص صورت اسہل وانفع ہو اس کا انکار بھی مکابرہ ہے، اور اس خاص صورت کو ہر شخص کے لئے لازم قرار دینا بھی تضییق وتحجیر ہے۔

اگر کسی فرد یا جماعت کیلئے اسبابِ خاصہ کی بناء پر دیگر طرق مسدود ومتعذر رہوں اور کوئی ایک طریقہ ہی متعین ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت کو لازم کہا جائے گا اور تخییر میں تحجیر ہوگی مثلاً: کفارۂ یمین میں اشیائے ثلاثہ: "تحرير رقبه، إطعام عشرة مساكين، أو كسوتهم" میں تخییر ہے، لیکن اگر کسی پر ان میں سے دو کا راستہ مسدود ہو تو ایک کی تعین خود بخود لازم ہو جائے گی۔ اور جیسے اضحیہ میں اشیائے ثلاثہ: شاۃ، بقر، ابل میں تخییر ہے مگر دو کے مفقود ہونے سے ایک کی تعین لازم ہوگی، "التقرير والتخيير" میں اس کی تفصیل مذکور ہے(۳)۔

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلباء بھی کثرت سے ملیں اور خانقاہوں کو ذاکر بھی کثرت سے ملیں، اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو، اہل علم، اہل مدارس حضرات کو حسبِ موقع تعاون فرمائیں۔ اگر اس میں کوتاہی اور خلافِ اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کی تصحیح کریں، اصلاح فرمائیں اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہ اور مدارس کا پورا احترام

---

(۱) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر مايحتاج لدينه". (الدر المختار) وفي رد المحتار: "قال العلامي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم مايحتاج إليه العبد، في إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى ومعاشرة عباده". (المقدمه: ۱/۴۲، سعيد)

(۲) "عن عبدالله بن عمر وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "بلّغوا عني ولو آيةً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب ماذكر عن بني اسرائيل: ۱/۴۹۱، قديمي)

(۳) (التقرير والتحبير لم أظفر عليه)

کریں اور اپنی اصلاح کیلئے ان حضرات سے مشورہ لیں اور ان کی ہدایات کو دل وجان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشغلہ کو ترک کر دیں، اور مدارس وخانقاہوں کو بند کر کے تبلیغ کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔

دینی مدارس کا قیام از حد ضروری ہے، اس لئے کہ محض کتابیں پڑھنے سے تزکیۂ باطن نہیں ہوتا، اور بغیر اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمال صالحہ کی، تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بے جان ڈھانچہ، اخلاص اکابرِ اہل اللہ کی صحبت اور ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوتا ہے، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت مرفوع ہے: "لكل شئي معدن ومعدن التقوى قلوب العارفين" جمع الفوائد "(۱) امید ہے کہ اس تحریر سے ہر سہ سوالات کے جوابات نکل آئیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۸۸ھ۔

تبلیغی جماعت کا تعلق اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے

سوال[۱۴۱۲]: ۱...... تبلیغی جماعت جس کا مرکز بستی نظام الدین دہلی ہے، از روئے شرع شریف کیسی ہے؟

۲...... دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا علمائے دیوبند بھی اس کے خلاف ہیں؟

۳...... کیا متذکرہ بالا تبلیغی جماعت اصولِ اسلام اور قوانینِ تبلیغ کے خلاف کام کر رہی ہے؟

۴...... کیا مندرجہ بالا تبلیغی جماعت دیوبندی مسلک اور حضرت مجددِ الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے خلاف ہے؟

۵...... یہاں پر عوام الناس میں مشہور ہو رہا ہے کہ ذیل کے علماء دیوبند۔ ۱- مولانا فخر الحسن صاحب، صدر مدرس دارالعلوم دیوبند۔ ۲- مولانا عبد الاحد صاحب محدث دارالعلوم دیوبند۔ ۳- حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند۔ ۴- حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند۔ ۵- حضرت مولانا ابوالکلام مبلغ دارالعلوم دیوبند۔ ۶- حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مظاہر العلوم سہارن پور۔

---

(۱) (جمع الفوائد، كتاب الزهد والفقر والأمل والرجاء والحرص: ۴/۴۰۷، إدارة القرآن كراچی)

۷-مولانا عبدالرحیم۔۸-حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی اور دیگر علمائے دیوبند نے اس تبلیغی جماعت کے خلاف اپنی اپنی رائے دی ہیں۔کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس جماعت کے اصول شریعت کے مطابق اور بہت اہم ہیں،''چھ باتیں''(۱) کے نام سے چھپے ہوئے ہیں،ان پر عمل کرنے سے اعتقادی،اخلاقی،عملی اصلاح ہوتی ہے۔

۲......اس جماعت کے پہلے بزرگ اور بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے بہت قابل اعتماد شاگرد تھے،دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے ہیں،دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اہتمام سے تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں،سہارن پور کے اجتماع میں ان''چھ نمبروں''پر ہی تقریر فرمائی اور ہر نمبر کو قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت کر کے فرمایا کہ اس دور میں یہ طریقہ نہایت جامع ہے،ہمہ گیر ہے،انتہائی مفید ہے،متعدد تقریریں ان کی طبع بھی ہو چکی ہیں۔

دہلی نظام الدین خط لکھ کر خود بھی اجتماعات میں شرکت کی خواہش کی اور دارالعلوم میں جماعتیں بھیجنے کی فرمائش کی،اب بھی جماعتیں آتی ہیں،اور آج بھی ایک جماعت آئی اور اس نے ایک مسجد میں قیام کیا،خبر ملنے پر اس جماعت کو دارالعلوم کے مہمان خانہ میں بلا کر قیام کرایا اور تمام طلبہ میں اس جماعت نے کام کیا،بقرعید کی تعطیل میں یہاں سے طلبہ کی جماعت کے نکلنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند بھی شرکت فرما رہے ہیں،مستقل سفر کر کے مدراس کے اجتماع میں بھی تشریف لے گئے تھے،حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ بار ہا میوات وغیرہ کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا عبدالاحد صاحب مدظلہ اس جماعت سے محبت کرتے ہیں اور جماعت کو اپنے مکان پر لے جا کر دعوت کا اہتمام فرماتے ہیں،حضرت مولانا ارشاد صاحب نے مستقل جماعت کی مدافعت کیلئے مناظرے کئے اور بار ہا اس مقصد کیلئے طویل طویل سفر کیا۔سہ ماہی،ششماہی،سالانہ امتحان کے موقع پر یہاں

---

(۱) (''چھ باتیں''للشیخ مولانا عاشق إلهي بلند شهري صاحب رحمة الله، مطبوعة قديمي)

طلبہ کو جمع کر کے باہر نکلنے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور اجتماع کے موقع پر عامۃً حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب تقریر فرماتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں۔

مدرسہ مظاہر العلوم تو پورے طور پر ہمیشہ ہی اس جماعت کی نصرت کیلئے اپنے آدمی بھیجتا اور سعی کرتا رہتا ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس مظاہر العلوم بھی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں۔ مولانا عبدالرحیم صاحب نہ دارالعلوم کے مدرس ہیں نہ مظاہر العلوم کے، ممکن ہے کہ اس نام کے کوئی اور صاحب مخالف جماعت ہوں، مگر ان کی مخالفت کی وجہ سے نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ علمائے دارالعلوم دیوبند اس جماعت کے مخالف ہیں، نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ علمائے مظاہر علوم سہارن پور اس کے مخالف ہیں، بلکہ یہ کہا جائیگا کہ مولانا صاحب موصوف خود ہی علماء دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کی رائے سے اختلاف یا مخالفت رکھتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ تنبیہ کی ہو جس سے ان کو مخالف تصور کیا گیا ہے۔

۳......اس کا جواب نمبر:۱، اور:۲، سے واضح ہے۔

۴:......جو کام قرآن وحدیث کے موافق ہو، ان حضرات کے مسلک کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ اکابر قرآن وحدیث سے جداگانہ کوئی مسلک نہیں رکھتے تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے متبع تھے (۱)۔

---

(۱) موجودہ تبلیغ نصوصِ قرآن کریم اور نصوصِ احادیث مبارکہ سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں نظائر کثیرہ کا حامل بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴)

"عن حذيفه رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "والذي نفسي بيده! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر، أوليوشكن الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، ثم لتدعنه ولا يستجاب لكم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، ص: ۴۳۶، قديمي)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو مختلف مواقع پر مختلف قوموں کے پاس تعلیم کی غرض سے بھیجا ہے، كما في قصة القراء السبعين من الصحابة، ذكرها الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ من حديث أنس رضي الله عنه في المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان: ۵۸۶/۲ قديمي) ...... =

۵.....اس کا جواب اوپر آ گیا، مزید تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تقریر مطبوعہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے''، اور ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات'' مطالعہ فرمائیں۔ کوئی ایک فرد یا چند افراد کوئی غلطی اور کوتاہی کریں اور اس پر اہل علم حضرات تنبیہ فرمائیں تو یہ اصلاح کیلئے ہے اور اس کی ہمیشہ ہر جگہ ضرورت رہتی ہے، کیونکہ کوتاہی سے کوئی خالی نہیں، ہر جماعت اور ہر ادارہ میں ہوتی ہے اور اکابر اصلاح وتنبیہ فرماتے رہتے ہیں، اس کو مخالفت سمجھنا اور کہنا قصور فہم ہے یا عناد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۹/۱۱/۹۲ھ۔

امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تبلیغ کرنا

سوال[۱۴۱۳]: یہاں کی جامع مسجد کا امام نیم ملا ہے، اگر کوئی شخص اس کے بغیر تبلیغ کرے گا تو امام صاحب کو ناگوار گذرتا ہے، حالانکہ خود تبلیغ کرنے کا طریقہ نہیں رکھتا ہے، کیا یہ طریقہ جو امام صاحب نے اختیار کر رکھا ہے قرآن پاک وحدیث کی رو سے جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس میں تبلیغ کی اہلیت ہو امام صاحب کو چاہئے کہ خود ہی اس کو تبلیغ کے لئے فرمادیں وقت ضرورت ہرگز اس کو منع نہ کریں، ان کا منع کرنا غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: " ويحتمل أنه لم يكن استمدادهم لهم لقتال عدو، وإنماهو للدعاء إلى الإسلام، وقد أوضح ذلك ابن اسحاق قال: حدثني أبي قال: قدم أبوبراء عامر بن مالك (وساق الحديث، وقال فيه)قال: يامحمد! لوبعثت رجالاً من أصحابك إلى أهل نجد، رجوت أن يستجيبوا لك، أناجارٌلهم، فبعث المنذر بن عمرو في أربعين رجلاً، منهم: الحارث بن الصمّة وحرام بن ملحان". (فتح الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع: ۷/۴۹۱،تحت حديث رقم: ۴۰۸۸، قديمي)

(۱)قال الله تعالى: ﴿ ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾. (سوره ال عمران: ۱۰۴) ....=

تبلیغی جماعت کے نقائص

سوال[۱۴۱۴]: ۱...... موجودہ فساد دین کے زمانہ میں عمومی تبلیغ کا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ آج کل جو تبلیغی نہج پر کام ہورہا ہے، وہ بظاہر بہت نافع نظر آتا ہے، لیکن اکثر و بیشتر جگہ یہ دیکھا گیا کہ جو تبلیغی کارکن ہیں اسی نہج پر کام کرتے ہوئے جن کو عرصہ گذر رہا ہے اور اس کام میں جوڑنے کی برکت سے بہت سے فرائض سے آشنا ہوئے اور عملی حیثیت سے حج وزکوۃ وغیرہ جیسے فرائض کو انجام دے چکے ہیں۔ آج برسوں کے بعد ان کو دیکھا جارہا ہے کہ وہ علانیہ جن شادیوں میں منکرات ہیں شرکت کرتے ہیں، مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے قریوں میں جہاں شرائطِ جمعہ نہیں پائے جاتے جمعہ ادا کرتے ہیں، اور بوقتِ عیدین بعد نماز مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں۔

اور جن تبلیغی کارکن حضرات کو دینی مدارس میں چندہ دینے کا شرف بھی حاصل ہے وہاں باوجود بتلانے کے پردہ سے طالبات کی تعلیم کا نظم نہیں کرتے ہیں اور یومیہ مروجہ فاتحہ وغیرہ جیسی رسومات میں شریک ہوتے ہیں، بعض کارکن حضرات کی خدمت میں یہ بھی گذارش کی جاتی ہے، کہ بھائی! دیکھو فلاں محقق بزرگ خلیفۂ تھانویؒ وغیرہ ہمارے مقام پر ہماری طلب پر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس سلسلہ میں کوشش کریں گے، مگر باوجود اطلاع ہونے کے شریک نہیں ہوتے۔

برخلاف اس کے اگر کوئی بزرگ یا عالم ان کی موجودہ جماعت کا حامی ساعی وداعی آنا چاہے وہ ان بزرگ سے مرتبہ میں اور علم میں کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو، مگر اس کیلئے اہتمام سے اسٹیشن میں آدمی بھیجے جائیں گے اور ان کا ادب واحترام کر کے ان کے آدمی کو اطلاع بھی کی جاوے گی اور جگہ جگہ بیانات بھی ہونگے، مگر اس کے برخلاف ایک محقق عالم اور مصلحِ زمانہ کی آمد کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت منہ غم سے سکڑ جاتا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔

= وقال الله تعالى: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾. (سورة ال عمران: ۱۱۰)

وقال الله تعالى: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داود وعيسى ابن مريم. ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون، كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه، لبئس ما كانوا يفعلون﴾. (سورة المائدة: ۷۸، ۷۹)

اور بعضوں کی یہ حالت ہے کہ روز مرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں جوکوئی تبلیغی لگاؤ کا آدمی ہووہ کتاب سناتا ہے اور وہ نہ ہوتو ان میں ایک آدمی جولگاؤ رکھتا ہے، مگر کتاب وغیرہ پڑھنے سے معذور ہوتو وہ کسی ایسے شخص کوکتاب پڑھنے کیلئے دیگا جس کو دیکھ کرار دوصحیح نہیں پڑھنا آتا مگر ایسا شخص یا بعض اوقات علماء حضرات بھی موجود ہوتے ہیں جوزیادہ اچھے طریقہ سے انشاء اللہ کتاب پڑھ سکتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ان کا حال یہاں یہ ہے کہ وہ اس کام سے والہانہ لگاؤ نہیں رکھتے، ان کا طریقہ ایسا ہے کہ وہ بوقت ضرورت مسائل کے خلاف ہونے پر بعض وقت ان لوگوں کو مسئلہ بتلانے پر نہیں مانتے، بلکہ خود عملی علیحدگی اختیار کرتے ہیں ایسے عالم کو بھی کتاب نہیں دیتے ہیں، اس کو چھوڑ کر دوسرے اناڑی کو کتاب سنانے کیلئے دیتے ہیں جس کی بنیاد اردو کے جملہ غلط ہونے کی بناء پر جہلاء میں ہنسی مذاق کا ذریعہ بن رہا ہے اور بعض اہل علم نے بھی اس کمی کو دیکھ کر ٹوکا، مگر پھر بھی اس کے باوجود جاہلوں کو کتاب سنانے کا موقع دیتے ہیں۔

غرض مندرجہ بالا منکرات کا جو درجہ ہے اس کو بتلا کر منکرات سے اجتناب کرنے کی گذارش عمومی اور خصوصی طور سے کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ایسا کرنا مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے کہ آج وہ زمانہ کہاں رہا کہ لوگوں سے ہم چھوٹی چھوٹی منکرات کی خاطر علیحدگی اور ناراضگی کا اظہار کرسکیں، اس لئے کہ لوگ آج فرائض سے بھی ناآشنا ہیں، ایمان ان کا بہت کمزور ہوگیا ہے، کیا ان حضرات کا ایسا کہنا بجا اور درست ہے، کیا اس زمانہ کے فساد کی خاطر عوام وخواص کے اتحاد واجتماعی کام کی انجام دہی کی خاطر مکروہ تحریمی اور بعض بدعات والے اعمال کو اختیار کرلیا جائے اوران کی ہاں میں ہاں ملاکر ان کی دل شکنی نہ ہو؟ اور وہ کہیں اتنے سخت احکامات دیکھیں تو بھاگ نہ جائیں اس لئے ہم سابق اور پرانے کارکن حضرات کو ان کی اصلاح کی خاطر خصوصاً غیر عالم یا عالم تھوڑی دیر کیلئے ان کی تالیف قلوب کی خاطر منکرات میں مبتلا ہوجانا درست ہے؟ اس سے کہیں ایسا تو نہیں ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خاطر جو منکر کو دل سے برا سمجھ کر کیا ہے تو وہ عندالشرع معصیت کے عذاب وپرسش سے بری ہوتا ہے یا کیا حکم ہے؟

۲......آج کل کے تبلیغی کارکن حضرات میں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آج عمومی لوگوں میں دین کی احیاء کا صرف یہی ایک واحد ذریعہ ہے اور یہ کام منہاجِ نبوت ہے، اس کے سواء دوسرے طریقہ تبلیغ کو جس میں مشائخ حضرات وغیرہ لگے ہوئے ہیں کم نافع بلکہ بے سود کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ یہ خیالات واقوال ان حضرات کے

کہاں تک صحیح ہیں؟

۳...... جب کوئی شخص ہر منکرات سے بچنے کی سعی کرتا ہے اور ہمارے امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کار منصبی عمومی تبلیغ ہے، سمجھ کر ان جماعتوں کے ساتھ باوجود معصیت نکل جائے تو کیا عمومی اور جماعتی مصلحت کی خاطر دل سے برا سمجھتے ہوئے جماعت کا ساتھ دے یا اس وقت بھی ادباً عرض کر کے معصیت سے اجتناب کیا جائے، جب ان میں رہ کر ایسا کرتے ہیں تو کہتے ہیں بہت متشدد ہے اور اس کی وجہ سے جماعتی کام متاثر ہوتا ہے، تو اب ایسا خیال ہے تو پھر ایسے شخص کو صرف مقامی اجتماعات اور گشت کی حد تک ساتھ دے کر پھر خاموش رہنا یا بالکل شرکت ہی کرنا چاہیے یا کیا کرے؟ رہبری چاہتا ہوں جملہ مقاصد کیلئے چاہتا ہوں فقط۔

العارض احقر عبدالحمید عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ باب العلوم منڈی بازار، ایم، پی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو چیزیں شرعی منکرات ہیں ان کو منکر سمجھنا اور حسب حیثیت ان پر نکیر کرنا ضروری ہے، ان میں شرکت جائز نہیں، اگر تبلیغی کارکن منکرات میں شرکت کرتے ہیں تو وہ غلطی کرتے ہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ منکر پر نکیر سے پہلے ذہن کو کچھ ہموار کیا جائے تاکہ وہ نکیر کو قبول کرلے اور اس سے باز آجائے، نیز ذہن کو ہموار کئے بغیر نکیر بے تاثیر ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت ضعیف ہے، علم بھی ان کو حاصل نہیں، ان کے لئے پہلے ایمان کی چیزوں کا پیش کرنا ضروری ہے ان پر نکیر منکرات متعلقہ اعمال کا وقت دیر میں آتا ہے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلفاء کے اقوال واحوال سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

کسی محقق عالم مصلح کی تشریف آوری پر منہ چڑھانا اور ان سے استفادہ نہ کرنا بڑی محرومی ہے، تبلیغی جماعت کو اس کی ہدایت نہیں بلکہ ان کو تاکید کی جاتی ہے کہ جس بستی میں جانا ہو وہاں کے اہل علم کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں اور ان سے دعاء کی درخواست کرو، خواہ تبلیغی کام سے ان کو والہانہ تعلق ہو یا نہ ہو۔ بعض اہل علم اور تعلیم یافتہ حضرات کے متعلق اس کا بھی تجربہ ہوا کہ اعزاز کی خاطر ان سے تقریر یا کتاب سنانے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے پھر تبلیغ اور تبلیغی جماعت کو اصلاح کے نام پر بہت کچھ نازیبا الفاظ فرمائے، یا موضوع سے ہٹ کر مروجہ پیشہ ور واعظوں کی طرح قصے اور چٹکلے سنا کر سامعین کا وقت ضائع کیا، مگر سب ایسے نہیں، جن کے متعلق اطمینان ہو یہ کام سے والہانہ تعلق نہ رکھنے کے باوجود کام اور جماعت کے متعلق مفید باتیں بتائیں گے ان سے

استفادہ کرنا چاہئے، لیکن مقدر سے یہ چیزیں مرض کے درجہ تک پہونچ گئی ہے، دیگر جماعتیں اور ادارے بھی اس مرض سے خالی نہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض مجازین کے مریدوں کو بھی دیکھا ہے کہ وہ اپنے پیر کے علاوہ دوسرے مجاز سے نہ عقیدت رکھتے ہیں، نہ استفادہ کرتے ہیں، نہ کشادہ روئی سے ملاقات کرتے ہیں، کہیں موقعہ ہوتا ہے تو کترا جاتے ہیں، بعض مرتبہ زبانی یا تحریری الفاظ بھی ناشائستہ کہتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں، مگر یہ خود ان کی غلطی ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے یا ان کے خلفاء کی تعلیم ہے- استغفر اللہ-۔

۲...... خانقاہوں اور مدارس کا کام بہت اہم ہے، اس کو بے سود کہنا گمراہی ہے، اتنا ضرور ہے کہ مدارس وخانقاہوں میں وہ آتے ہیں جن کے دل میں طلب ہو، جن کے دل میں طلب نہیں وہ نہیں آتے اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔

تبلیغی جماعت بے طلب لوگوں کے پاس جاتی ہے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے طلب لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اس اعتبار سے تبلیغی جماعت کا کام زیادہ پھیلا ہوا ہے اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے، لیکن یہ تقابل کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے، اس میں فتنہ ہے، اپنی اپنی جگہ پر سب حضرات کا کام بہت اہم اور ضروری ہے، کسی سے استغناء نہیں، ہر ایک کو دوسرے کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، تخریبی تنقید سے بچنا چاہئے ورنہ اس تخریبی تنقید کا عمومی دروازہ کھل گیا تو بس تنقید، تحمیق، تجہیل، تفسیق، تضلیل کا بازار گرم ہوکر تکفیر تک نہ پہونچ جائے، کوتاہیوں سے کون خالی ہے۔

۳...... منکر ومعصیت میں شرکت نہ کرے (۱) اگر جماعت میں نکلے اور وہاں شرکتِ معصیت پر مجبور کیا جائے تو ان سے کہہ دے کہ میں معذور ہوں، اس پر وہ مجبور کریں تو ان سے رخصت ہوکر چلا آئے، آئندہ اگر وہ جانے کیلئے کہیں تو شرط کرلے کہ میں معصیت میں شریک نہ ہوں گا، یہ شرط منظور ہو تو میں چلتا ہوں ورنہ

---

(۱) "وعن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الأهواء، ولاتجادلوهم، فإني لاآمن أن يغمسوكم في ضلالتهم، ويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون، قال أيوب: كان- والله- من الفقهاء ذوي الألباب. وعن عمر بن عبد العزيز رحمه الله، كان يكتب في كتبه: إني أحذركم مامالت إليه الأهواء، والزيغ البعيدة". (الاعتصام للشاطبي رحمه الله تعالىٰ، باب ذم البدع الخ، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۶۷، دار المعرفة بيروت)

مجھے معاف کیا جائے، ہر جماعت میں تو شاید یہ بات نہ ہو کہ معصیت میں ضرور شرکت کرتی ہو، ایسی جماعت کے ساتھ چلا جایا کرے جس میں معصیت میں شرکت نہ ہوتی ہو، ورنہ مقامی گشت و اجتماع پر کفایت کرلیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی جماعت کی کوتاہی اور اس کا علاج

سوال [۱۴۱۵]: تبلیغی جماعت کے امیر نیز شرکت کرنیوالے افراد اپنی چندروزہ کلمہ ونماز کی تحریکی گشت پر اتنا نازاں ہیں کہ علمائے حقہ کی قدر تو در کنار بلکہ ان کی توہین وتذلیل کرتے ہیں اور سر بازار عوام میں کہتے ہیں، یہ لوگ مدارس سے تنخواہ لیتے ہیں، نذرانے وصول کرتے ہیں، لیکن عوام کو صحیح معنی میں دین سکھانا تو در کنار کلمہ ونماز کی تحریک میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ علماء کی مجبوریوں سے آپ اچھی طرح واقف ہونگے، علماء کثیر تعداد میں مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں اور مساجد کی امامت کی ذمہ داری بھی ان کا خاص مشغلہ ہے۔ مدارس اور مساجد تعلیم وتبلیغ کے اہم مراکز ہیں جنہیں چندروزہ نمازی دین کی کوئی خدمت ہی تصور نہیں کرتے، علماء پر آوازیں کستے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے امراء دینی تعلیم سے ناواقف اکثر وبیشتر قرآن کو بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، بلکہ جہلاء کی تعداد زیادہ رہتی ہے، انہیں میں سے کسی معمولی اردو خواں کو امیر بنادیا جاتا ہے وہ عوام کے سامنے نیابتِ رسول کے فرائض قال اللہ قال رسول کے ذریعہ دو دو گھنٹے تین تین گھنٹے جھوم جھوم کر تقریریں کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی خوف نہیں ہوتا، اللہ پر افتراء ہوگا، یا رسول پر۔ مسائل تو قیاسی بھی ہیں، اجماعی بھی، لیکن عوام کو دین کی طرف مائل کرنے کیلئے ''اللہ فرماتے ہیں، رسول فرماتے ہیں'' کو نہیں چھوڑ سکتے حالانکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ مدارس کے طلبہ کی جب انجمنیں ہوتی ہیں اور ہمارے علماء کی جماعت ان کی نگرانی کرتی ہے، تو مبتدی اور متوسط تو در کنار، دورہ حدیث کے طلبہ بھی ایک آدھ گھنٹہ صحیح نہیں بول پاتے۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکابرین پر ایسا ناروا حملہ محض مخالفت کیوجہ سے نہیں کرتے ہیں ورنہ عام طور پر علماء کی حجامت سنائی جارہی ہے، ہندوستان کے کونے کونے سے آپ حضرات کے کان تک یہ صدائیں پہونچی

ہونگی۔ ایک میری بات ہوتو ضرور شکایت ہے، لیکن جب اس کا ہیضہ ہی شروع ہو جائے تو ٹیکہ لگانا اور انجکشن دلانا لازمی ہے، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ علماء کی تذلیل وتوہین وطعن وتشنیع شرعاً جائز ہے، جب کہ وہ اپنے فرائض کوانجام دینے کیوجہ سے ان کی جماعت میں شریک ہونے سے مجبور ہیں؟ اور ہمارے اکابرین میں سے کون کون حضرات کتنے دنوں کا چلہ کر چکے ہیں؟ اس سے بھی باخبر کیا جائے تا کہ تبلیغی جماعت کو عبرت ہو، اورآوازیں کسنا برا بھلا کہنا چھوڑ دیں، ورنہ آپ حضرات تک بھی یہ وبا پہونچ سکتی ہے۔ فقط۔

السائل: مولانا رستم علی قاسمی، صدرالمدرسین مدرسہ رشیدیہ محلّہ اشرف جک، موضع ضلع دربھنگہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ، نماز وغیرہ کو اللہ تعالی پاک کی نعمتِ عظیمہ تصور کرتے ہوئے شکرِ حق ادا کرنا تو واجب ہے کہ اس سے مزید توفیق ہوگی: ﴿لئن شکر تم لأزیدنکم﴾ .الآیۃ ،(۱) لیکن اس پر ناز کرکے دوسروں کو حقیر وذلیل سمجھنا سخت معصیت ہے کہ یہ تکبر ہے، جس کی سزا جہنم ہے (۲) اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ اس تبلیغی کام کے نمبروں میں ایک اہم نمبر ''اکرام مسلم'' کا بھی ہے، مذکورہ روش اس نمبر کے بھی خلاف ہے، اس غلط طریقہ کو تبلیغی کام کی طرف منسوب کرنا اصل کام کو بدنام کرنا ہے، ان کی پوری نگرانی کی ضرورت ہے، کام چونکہ زیادہ پھیل چکا ہے اس لئے ہر جماعت کو عالم اس میں میسر بھی نہیں آسکتا، جو واقعی علمائے حق ہیں وہ جن مشاغل کو اختیار کئے ہوئے ہیں (تدریس، تذکیر، تصنیف وغیرہ) ان کے اوقات میں اتنی گنجائش نہیں کہ جماعتوں کے ساتھ جائیں اور ہر جماعت کی امارت کے فرائض انجام دیں۔

اور جو علماء نام کے علماء ہیں کہ محض فارغ ہوگئے، نہ ان کو صحیح تذکیر ووعظ کا سلیقہ ہے، نہ تصنیف وتالیف کی صلاحیت رکھتے ہیں، نہ تدریس کے اہل ہیں، ان سے توقع ہی کیا کی جاسکتی ہے کہ وہ اصلاح کریں گے کتابوں کی عبارتیں بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، آیات وروایات ومسائل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اس مجبوری کیوجہ سے جماعت ہی میں سے کسی کو امیر بنا دیا جاتا ہے، پھر جماعتوں کو مقید کیا جاتا ہے، کہ وہ چھ نمبروں سے زائد بات نہ کہیں، جو مستقل وعظ کی شکل میں ہو جائے، اگر کچھ کہنا ہے تو زبانی نہ کہے بلکہ کتاب کو سنا دیں تا کہ ان کی اپنے

---

(۱) (سورۃ ابراھیم: ۷)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿ قیل ادخلوا أبواب جھنم خالدین فیھا، فبئس مثوی المتکبرین﴾ .(الزمر: ۷۲)

4 ذمہ داری کچھ نہ رہے، پھر جو شخص اس میں زیادہ محنت کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اس کو ملتا بھی ہے، چنانچہ بعض ایسے آدمی بھی ہیں، جو جماعت میں کام کرنے اور اصول کی پابندی کی وجہ سے کئی کئی گھنٹے تقریر کرتے ہیں اور ان کی تقریر صحیح ہوتی ہے، مگر جماعتوں کے تناسب سے ایسے آدمی خال خال ہیں۔

جو لوگ آیات واحادیث بکثرت بیان کرتے ہیں اگر ان کا مقصود فقہی اجتہادی مسائل کا استخفاف ہے (معاذ اللہ) تو نہایت خطرناک پہلو ہے (۱) اس کا پوری طرح سدِ باب ضروری ہے، اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ فقہی اجتہادی مسائل میں ائمہ علماء کا اختلاف بھی ہوتا ہے، مفتی بہ اور غیر مفتی بہ، راجح مرجوح اقوال بھی ہوتے ہیں اور صورتِ مسئلہ کچھ بدل جائے تو حکم بدل جاتا ہے، نیز مسائل میں قیود وشروط بھی ہوتے ہیں جو پورے طور پر مستحضر نہیں ہوتے اس لئے ایسے مسائل کا بیان فرمانا علمائے حق ہی کا منصب ہے اس لئے تبلیغی جماعت کے عام لوگ ان مسائل کو بیان نہیں کرتے ہیں تو یہ پہلو قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے۔

تبلیغی جماعت کے اصول میں سے ہے کہ جو حضرات علماء ومشائخ دینی مشاغل ہی میں لگے ہوئے ہیں ان کو باہر نکلنے کی دعوت ہرگز نہ دیجائے، جیسا کہ ''چھ باتیں'' میں تصریح ہے (۲)، البتہ اس کام کو پسند کرنے والے اور بغیر چلہ ہی کے وقتاً فوقتاً اس میں شرکت کرنیوالے بہت علماء ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات میں بہت تفصیل ملے گی۔

خود دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے میرے سامنے فرمایا کہ ''میں بھی چلہ میں جاتا ہوں مگر وقت میں گنجائش نہیں''۔

اور اپنے سامنے طلباء کے زمانہ تعطیل میں جانے کیلئے کوشش فرمائی اور چلہ کو بہت اہمیت دی، جہاں جہاں جماعت جائے وہاں کے علمائے کرام نگرانی فرما کر غلطیوں پر تنبیہ فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قرآن کریم اور دیگر شعائر دینیہ معظمہ کا استخفاف فقہاء کرامؒ نے جملہ کفریات میں شمار کیا ہے: قال القاریؒ فی شرح الفقہ الأکبر: "وفی تتمة الفتاوی: من استخف بالقرآن أو بالمسجد، أو بنحوه ممایعظم فی الشرع کفر". (فصل فی القراءة والصلوة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(۲) (کتاب ''چھ باتیں''، تبلیغی کام کرنیوالے کو ہدایات، رقم: ۹)

والد کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا

سوال[۱۴۱۶]: زید نے تبلیغی جماعت میں جانے کیلئے چار ماہ لکھوار کھے ہیں، زید کے باپ نے معلوم ہونے پر زید کو جماعت میں جانے سے منع کیا کہ میرے اوپر خرچ کا بار پڑھے گا، اور زید کچھ رقم اپنے باپ کو ماہانہ دیتا ہے، جب وہ جماعت میں جائے گا تو وہ رقم باپ کو نہیں ملے گی۔ زید یہ کہتا ہے کہ میں نے وعدہ کرلیا ہے مجھے جھوٹا ہونا پڑے گا، دوسرے یہ بھی کہتا ہے کہ تبلیغی جماعت میں جانا چونکہ فرض عین ہے، لہذا باپ کی مرضی کے بغیر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

ایضاً

سوال[۱۴۱۷]: ۲......اگر باپ کے اوپر خرچ کا بار نہ پڑے، یعنی زید خرچہ دیدے اور باپ پھر بھی اجازت نہ دے تو کیا بلا اجازت جماعت میں جاسکتے ہیں؟

ایضاً

سوال[۱۴۱۸]: ۳...... کیا باپ کو ناراض کر کے جماعت میں جاسکتے ہیں اور قرض لے کر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں (۱)، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے (۲) خواہ مدرسہ میں داخل ہو کر یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو۔ بلا وجہ قوی کے وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۳)، جہاں تک ہو سکے وعدہ پورا کرنا چاہیئے، جس وعدہ کے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے'')

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے''؟)

(۳) "عن زید بن أرقم رضي الله تعالی عنه، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه، ومن نیته أن یفي له، فلم یف ولم یجئ للمیعاد، فلا إثم علیه". رواه أبو داؤد والترمذي". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قدیمي)

قال القاري: "ومفهومه أن من وعد، ولیس من نیته أن یفي، فعلیه الإثم سواء وفی به أو لم یف،=

لئے وقت مقرر نہیں کیا اس کے پورا کرنے میں کچھ تاخیر ہوجائے تو یہ وعدہ خلافی اور جھوٹ نہیں۔

۲......اگر باپ بلاوجہ تبلیغی جماعت میں جانے سے روکے تو اس کی اطاعت لازم نہیں، جیسے کہ علم دین حاصل کرنے سے روکنے میں اس کی اطاعت لازم نہیں (۱)۔ اگر قرض کے ادا کرنے کا بھی انتظام ہوجائے تو جس طرح دیگر ضروریات کے لئے قرض لینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح تبلیغ میں جانے کیلئے بھی قرض لینے کی اجازت ہے۔

۳......حقوقِ واجبہ کو تلف کرکے تبلیغ میں جانے کی اجازت نہیں، بیوی بچوں اور ماں باپ کا نفقہ بھی اگر اس کے ذمہ ہو تو اس کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کو ترک کرلے گا تو گناگار ہوگا۔ اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی جسمانی خدمت بھی لازم ہے، اس کو ترک کرکے بھی تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں، اگر حقوقِ واجبہ کا بھی انتظام ہو اور جسمانی خدمت کی بھی حاجت نہ ہو تو پھر ان کو خود ہی منع کرنے کا حق نہیں، منع کرنے پر بھی اگر چلہ میں چلا گیا تو گناہ گار نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی گشت میں ناپاک اور مشتبہ کپڑے والوں کو نماز کیلئے کہنا

سوال[۱۴۱۹]: ہم لوگ نماز کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو کلمہ یاد نہیں ان کو کلمہ یاد کراتے ہیں اور بعض اوقات ان کا مطلب بھی بتلاتے ہیں، اس پر چند امور معلوم کرنے ہیں، ہر نمبر کا جواب مختصر و عام فہم عنایت

= فإنه من أخلاق المنافقين، ولاتعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، الفصل الثاني: ۸/۵۱۲، رشيديه)

(۱) "وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلاإذن والديه لوملتحياً". (الدرالمختار)

وفي رد المحتار: "أي إن لم يخف على والديه الضيعة إن كانا مؤسّرين، ولم تكن نفقتهماعليه، وفي الخانيه: لوأرادالخروج إلى الحج، وكره ذلك قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته فلابأس، وإلافلايسعه الخروج، وفي بعض الروايات: لايخرج إلى الجهاد إلاباذنهما، ولوأذن أحدهمافقط، لاينبغي له الخروج؛ لأن مراعاة حقهمافرض عين والجهاد فرض كفايه". (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۸، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

ہو، اللہ تعالیٰ اجر عنایت فرمائے۔

۱......بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو کپڑے پاک ہونے میں شبہ ہے یا کچھ معمولی ناپاک چھینٹ کپڑوں پر آ گئیں ہیں تو ایسے آدمیوں سے ہم کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت انہیں کپڑوں میں نماز پڑھو، آئندہ احتیاط کرو۔

۲......بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے کپڑے بالکل ناپاک ہیں ان سے ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت جماعت میں برابر ملکر کھڑے ہو جاؤ، آئندہ کپڑے پاک کرو اور نماز پڑھو۔

۳......جو نماز جماعت سے نہ پڑھے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم فریا ہے؟

۴......کوئی کہہ دیتا ہے کہ میں ناپاک ہوں، اس کو ہم غسل کرا دیتے ہیں۔

۵......بے نمازیوں کی بعض اوقات ہم بہت خوشامد کرتے ہیں۔

۶......بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہم تم کو کلمہ نہیں سناتے اس پر ہم کہتے ہیں کہ تم ہمارا سنو اور ہم تمہارا سنیں تا کہ ایمان تازہ ہو اور جو غلطی ہو، وہ نکل جائے۔

۷......اگر ہماری جماعت کا کوئی آدمی اتفاقیہ کسی بے نمازی پر کسی وقت سختی کرتا ہے اور زبان سے برا کہتا ہے تو ہم اس آدمی کو تنبیہ کرتے ہیں اور توبہ کراتے ہیں اور اگر وہ پھر بھی سختی کرتا ہے تو اس کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔

۸......بعض لوگ ہماری اس تبلیغ کی مخالفت کرتے ہیں تو آیا اس میں ہمارا قصور ہے یا مخالفین کا قصور ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲......محض شبہ سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اگر صحیح علم یا ظنِ غالب ہو تو پھر اس کی مقدار معلوم کی جائے، اگر نجاستِ غلیظہ ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ ایک درہم سے کم معاف ہے، اس کا دھونا افضل ہے نہ دھونے سے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے، اور ایک درہم مقدار کا دھونا واجب ہے نہ دھونے سے نماز مکروہ تحریمی ہے اور ایک درہم سے زائد دھونا فرض ہے(۱)، بغیر دھوئے نماز صحیح نہیں ہوتی اور پیشاب وغیرہ کی بہت چھوٹی چھوٹی سوئی کے سرے

---

(۱) "وعفا الشارع عن قدر درهم، وإن كره تحريماً، فيجب غسله، ومادونه تنزيهاً، فيسن، وفوقه مبطل فيفرض". (الدر المختار) ....=

کے برابر چھینٹیں معاف ہیں، بغیر دھوئے نماز درست ہے(۱)۔

اور اگر نجاستِ خفیفہ ہو تو جب تک ایک چوتھائی کپڑے سے کم پر لگی ہو تو اس کا دھونا فرض نہیں، بغیر دھوئے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے، تاہم دھونا بہتر ہے اور جب ایک چوتھائی پر یا اس زائد پر لگی ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے(۲)۔ یہ تو نفسِ مسئلہ کا حکم ہے، لیکن آپ حضرات اگر لنگیوں کا انتظام کرلیں تو اچھا ہو، کیونکہ زیادہ تر لوگ پائجامہ کی ناپاکی کا عذر کیا کرتے ہیں۔

۳..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ترک جماعت منافق کی علامت تھی(۳)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایسے لوگوں کے گھروں میں آگ لگادوں''(۴)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اہلِ شہر ترک جماعت کے عادی ہو جائیں اور باوجود کہنے سننے کے نہ مانیں

= وفي رد المحتار: "وفي النتف مانصّه: فالواجبة إذاكانت النجاسة أكثر من قدر الدرهم، والنافلة إذاكانت مقدار الدرهم ومادونه". (كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶،۳۱۷، سعيد)

(۱) "ولانزح في بول فارة في الأصح .... ولابتقاطر بول كرؤوس الإبروغبار نجس للعفوعنهما". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/۲۲۰،سعيد)

وفي باب الأنجاس: "وعفي دم سمك، وبول انتضح كرؤوس إبر". (الدر المختار: ۱/۳۲۲)

(۲) "وعفي دون ربع جميع بدن وثوب ولوكبيراً...... من نجاسة مخففة كبول مأكول". (الدرالمختار، المصدر السابق: ۱/۲۳۱، ۳۲۲، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۹۶،۴۰۵،۴۰۸، رشيديه)

(۳) "عن أبي الأحوص قال: قال عبد الله: لقد رأيتناومايتخلف عن الصلوة إلامنافق قد علم نفاقه". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل صلوة الجماعة الخ: ۱/۲۳۲،قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ليس صلوة أثقل على المنافقين من الفجر والعشاء، ولويعلمون مافيها، لأتوهماولوحبواً، لقد هممت أن آمر مؤذناً، فيقيم، ثم آمر رجلاً فيؤم الناس، ثم آخذ شعلاًمن نار، فأحرق على من لايخرج إلى الصلوة بعد". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة العشاء في الجماعة: ۱/۹۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل صلاة الجماعة الخ: ۱/۲۳۲،قديمي)

تو حاکم وقت کو ان سے قتال کرنا چاہئے (۱) اور جو شخص بلا عذر جماعت ترک کرے تعزیر اس پر واجب (۲)۔

۴...... ایسا ہی کرنا چاہئے۔

۵...... اس کا اثر اچھا ہوتا ہے، اول ایسا ہی کرنا چاہئے کلمہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے ثواب ملتا ہے، الفاظ کا صحیح کرنا مطلب سمجھ کر دل سے صحیح یقین کرنا ضروری ہے۔

۷...... بے محل سختی کرنے کا نتیجہ خراب ہوتا ہے اول نرمی سے سمجھانا چاہئے (۳) اگر کوئی نہ مانے اور نماز کا یا اس کی فرضیت کا انکار کرنے لگے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو تبلیغ کرنا چاہئے، البتہ اگر کسی پر اپنا اثر اور قدرت ہو اور اس پر سختی کرنے سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر شریعت نے قابل برداشت سختی کا بھی حکم فرمایا ہے (۴)، تاہم زبان سے برا کہنے اور لڑنے سے اجتناب کیا جائے کیوں کہ مقصود کام ہے، لڑائی اور

---

(۱) "وصرح في المحيط بأنه لا يرخص لأحد في تركها بغير عذر حتى لو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن ائتمروا، وإلا يحل مقاتلتهم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل السابع عشر، فصل في الحث على الجماعة: ۱/۴۸۹، المكتبه الغفارية)

(۲) "وفي القنية وغيرها: بأنه يجب التعزير على تاركها (أي الجماعة) بغير عذر". (البحر الرائق، المصدر السابق)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(۳) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه، ومن وعظه علانيةً فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، رشيديه)

(۴) قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالیٰ في إحياء العلوم في كتاب الأمر بالمعروف: "الركن الرابع: نفس الاحتساب، وله درجات وآداب، الدرجة الرابعة: السب والتعفيف بالقول الغليظ الخشن، وذلك يعدل إليه عند العجز عن المنع باللطف وظهور مبادى الإصرار والاستهزاء بالوعظ والنصح، ولسنا نعني بالسب والفحش بما فيه نسبة إلى الزنا ومقدماته ولا الكذب، بل أن يخاطبه بما فيه مما لا يعد من جملة الفحش، كقوله: يا فاسق، يا أحمق، يا جاهل! ألا تخاف الله، فإن كل فاسق فهو جاهل، ولو لا حمقه لما عصى الله تعالى". (الباب الثاني في أركان الأمر بالمعروف، الخ: ۲/۳۳۰، دار إحياء التراث بيروت)

برا کہنا نہیں۔

۸.....طریق مذکورہ بالا پر تبلیغ کرنا ہرگز اسلام کے مخالف نہیں بلکہ مامور بہ ہے(۱)،اس کی مخالفت کرنے والا یا ناواقف ہے یا مخالف ہے۔فقط واللہ اعلم الصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۴/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا،صحیح:عبداللطیف،۱۵/ربیع الاول/۵۷ھ۔

نماز کیلئے زبردستی کرنا

سوال[۱۴۲۰]: دورِحاضر میں جب مسلمانوں نے فرائض مذہبی کو قطعی پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور ان کو فرائضِ مذہبی کو انجام دینے کی تنبیہ کی جاوے تو برا مانتے ہیں اگر کسی محلہ میں سمجھوتہ ہوجائے اور اتفاق ہوجائے کہ جو شخص نماز روزہ ادا نہیں کریگا اس کو اول سمجھانے کی کوشش کی جائے،اس پر بھی نہ مانے تو زدوکوب کرکے ادا کرایا جائے اور زبردستی نماز پڑھائی جائے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ زبردستی نماز پڑھوانیوالے پر شرعاً گناہ تو صادر نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض عین ہے اس کا منکر کافر ہے اور تارک فاسق ہے(۲)،یہی حکم روزہ کا ہے(۳) اور احکام

---

(۱) قال تعالیٰ:﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾.(آل عمران.۱۰۴)

(۲)"هي (أي الصلوة) فرض عين على كل مكلف بالإجماع .... ويكفر جاحدها، لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق".(الدر المختار، كتاب الصلوة، ۱/۳۵۱،۳۵۲،سعيد)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، قبيل باب المواقيت: ۱/۲۱۷،مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المرقاة شرح المشكوة، كتاب الصلوة، الفصل الثاني: ۲/۲۷۲،رشيديه)

(۳)"ولم يتكلم على فرضية رمضان لما أنها من الاعتقادات لا الفقه، لثبوتها بالقطعي المتأيد بالإجماع، ولهذا يحكم بكفر جاحده".(البحر الرائق، كتاب الصوم، تحت قوله: وصح صوم رمضان والنذر المعين والنفل الخ: ۲/۴۵۲،رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم: ۱/۲۱۱،مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

شرعیہ کی تبلیغ بھی ضروری ہے، پس بے نمازی کو اولاً مسئلہ بتا کر نرمی سے سمجھانا ضروری ہے(۱) اگر وہ مان جائے اور نماز پڑھنے لگے تو اس پر سختی کی حاجت ہی نہیں اور جو شخص نہ مانے اور اس پر اپنا اثر اور قدرت بھی ہو تو حسب استطاعت شریعت نے اس پر سختی کا بھی حکم فرمایا ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ نہ ہو(۲)، اگر کوئی اور فتنہ ہو مثلاً وہ نماز کی فرضیت کا انکار کردے اور اہل محلہ کو اتنی قدرت نہ ہو کہ زبردستی نماز پڑھا سکیں، یا اس سختی کی بناء پر وہ مقدمہ کرے اور اس میں ناقابل برداشت مضرت پہونچے جس سے آئندہ تبلیغ کا سلسلہ ہی بند ہوجائے یا اس کشاکش کو دیکھ کر دوسرے لوگ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں اور آپس میں منافرت وکشیدگی پیدا ہوجائے کہ ایک دوسرے سے حسد کرے اور درپئے آزار ہوجائے تو پھر سختی نہیں چاہیئے، نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے کام کرنا چاہیئے: قال اللّٰہ تعالی: ﴿ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾ الاية (۳)۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''اولاد کو جب وہ دس برس کی ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو مار کر نماز پڑھاؤ''، نیز یہ بھی آیا ہے کہ: ''تم میں سے جب کوئی معصیت کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے روک دے، اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت نہ ہو تو مجبوراً دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے'':

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم في المضاجع". رواه أبوداؤد"(٤)۔

"عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم"(٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۵/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۲/۱ ۳۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱، ۲) (قد مضى تخريجه تحت، عنوان: تبلیغی گشت میں ناپاک ومشتبہ کپڑا والوں کو نماز کیلئے بلانا'')

(۳)(آل عمران: ۱۵۹)

(۴)(سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة: ۱/۷۷، مكتبه امداديه ملتان)

(۵) (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان الخ: ۱/۵۱، قديمي)

بغیر انتظام اہل وعیال تبلیغی چلہ میں نکلنا

سوال[۱۴۲۱]: مجھ ناچیز کو ناگ پور میں ہونے والے اجتماع میں تبلیغی جماعت بمبئی کے حضرات دس روز کے لئے ناگ پور لے گئے، گذشتہ ماہ کی ۲۶، ۲۷، ۲۸/ تاریخ کو وہاں اجتماع شروع ہوا اور ان تاریخوں میں تقریروں کے بعد مقرر صاحب یہ کہتے ہیں کہ اس اجتماع کے بعد تین چلے یا کم از کم ایک چلہ کے لئے آپ لوگ ضرور نکلیں اور نام لکھوائیں، بہت مجبور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بیوی بچوں کو چھوڑو، کاروبار بند کرو اور ضرور تبلیغ کیلئے نکلو اور چلو، کوئی اگر معذرت چاہے کہ اس کی ایسی مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تو وہ بیان کرتے تھے کہ بس تم سب چھوڑ دو، ضرور نکلو، سب اللہ پر چھوڑ دو۔ اب یہاں مجھے حقوق العباد کے بارے میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سب چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ نکل جائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص بیوی بچوں کیلئے روزانہ کماتا ہے اور ان کے حقوقِ واجبہ ادا کرتا ہے تو وہ تبلیغی جماعت کیلئے اس وقت جائے جب نفقہ واجبہ کے ادا کرنے کا انتظام کر دے، ان کو بھوکا روتا چھوڑ کر نہ جائے (۱)، تبلیغی جماعت کے لوگ جس قدر بھی اصرار کریں ان کے اصرار کی وجہ سے بغیر انتظام کئے ہرگز نہ جائے، نہ ان سے بحث کرے بلکہ یہ کہہ دے کہ میں مقامی کام میں بھی حصہ لیتا ہوں، چلہ کیلئے نکلنے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انتظام کر دے تو نکلوں گا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انتظام کر ہی دے گا، پھر نکلوں گا، آپ بھی دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور کوشش میں لگا رہے۔

چلوں کا موقع نہ ہو تو تین روز یا ایک روز کیلئے انتظام کر کے نکل جایا کرے، اس کا بھی موقعہ نہ ہو تو ہفتہ میں جس جگہ کام ہوتا ہو وہاں شرکت کر لیا کرے، اس سے وہ لوگ بھی اصرار نہیں کریں گے اور کام سے بھی تعلق رہے گا، اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگا اور بحث کرنے کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں ہوتا، تبلیغی جماعت کے جو لوگ اس طرح مجبور کرتے ہیں وہ اچھا نہیں کرتے، ان کے متعلق مرکز نظام الدین دہلی میں اطلاع کرنی چاہئے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) (سیاتی تخریجہ تحت عنوان: "قرض لے کر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا")

قرض لیکر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا

سوال[۱۴۲۲]: ہمارا علاقہ پہاڑی ہے یہاں پر زیادہ تر جولائی کے مہینہ میں تبلیغی جماعتیں آتی ہیں، کیا یہ طریقِ تبلیغ درست ہے جبکہ بہت سے تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ تم بچوں کے نفقہ کا فکر نہ کرو، اللہ مالک ہے، بس ہمارے ساتھ چلو اور بہت مجبور کرتے ہیں۔ حضرت والا اس سلسلہ میں وضاحت تحریر فرمادیں کہ قرضہ لے کر تبلیغ کریں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دین سیکھنا فرض ہے(۱) خواہ مدرسہ میں رہ کر ہو، خواہ دینی کتابوں کا مطالعہ کر کے ہو، خواہ اہلِ دین کی صحبت میں رہ کر ہو۔ آج کل دین سے جس قدر غفلت و جہالت اور بے پرواہی ہے وہ ظاہر ہے محتاجِ بیان نہیں، اگر علاقہ ایسا ہے کہ نہ وہاں مدارس ہیں، نہ وہاں اہل علم علماء ہیں، نہ دینی کتابوں کے دیکھنے کا شوق ہے، نہ قابلیت ہے، اس کیلئے تبلیغی کام کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کچھ وقت نکال کر ہر قسم کے فکر سے خالی ہو کر دین سیکھنے کیلئے نکل جائیں، تجربہ سے ثابت ہے کہ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے، کتنے آدمی اس طرح نماز وغیرہ کے پابند ہوگئے، کتنوں نے بہت سے ضروری مسائل سیکھ لئے۔

ان جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، لیکن بعض آدمی جوش میں آکر واقعۃً حدود کی رعایت نہیں کرتے، اس سے نقصان پہونچتا ہے، یہ ان کی غلطی ہے، ان کو تبلیغی علماء کے ذریعہ سے تنبیہ کرائی جائے اور ان کے اصرار کیوجہ سے ہرگز حقوقِ واجبہ کو ضائع نہ کیا جائے، بیوی بچوں کے نفقہ کا ادا کرنا ضروری ہے(۲)، بلانفقہ

---

(۱)(تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے'')

(۲)"ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، وملك........ فتجب للزوجة على زوجها؛ لأنها جزاء الاحتباس، وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب النفقة، ۳/۵۷۲، سعيد)

"وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله الفقير الحر". (الدرالمختار، المصدر السابق: ۳/۶۱۲)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۲۹۳، ۲۹۴، ۳۳۲، رشيديه)

کے ان کو بھوکا چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں، اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہوتو ان کے کہنے کی وجہ سے قرض نہ لیں، اگر جلدی ادا کرنے کی صورت ہوتو پھر حسبِ حیثیت قرض لینے کی بھی گنجائش ہے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں باقاعدہ مدارس نہیں تھے، ایسے ہی لوگ دین سیکھا کرتے تھے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/ ۸/ ۸۷ھ۔

بچوں کے خرچ کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا

سوال[۱۴۲۳]: ایک شخص تبلیغ میں رہتا ہے، گھر پر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے کھانا وغیرہ سے پریشان رہتے ہیں، کیا اس کیلئے اس طریقہ کی تبلیغ جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بچوں کا خرچ نہ دینا جس سے وہ پریشان رہیں اور ان سے بے فکر ہوکر تبلیغ میں نکل جانا جائز نہیں (۱)، اس کو لازم ہے کہ بچوں کے خرچ کا انتظام پہلے کرلے، پھر اگر موقع ملے تب تبلیغ میں جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۲/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۲/ ۹۰ھ۔

عورتوں کا تبلیغ کیلئے سفر کرنا

سوال[۱۴۲۴]: ۱......عورتوں کو تبلیغ کیلئے سفر کرنا کیسا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں تبلیغ کیا کریں اور ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو تبلیغ کیلئے بھیجا ہے؟

۲......کچھ عورتوں کا تنہا دنیاوی یا دینی کسی کام کی وجہ سے ایک ساتھ مل سفر کرنا کیسا ہے؟ جیسا کہ عورتیں عموماً اجتماع میں باہر جاتی ہیں اگر خدانخواستہ اس سفر میں کسی گناہ کی جیسا کہ غیر محرم پر نظر پڑنا وغیرہ مرتکب ہوتی ہیں پھر اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

۳......کچھ عورتیں اپنے مردوں کی ناراضگی کی وجہ سے منع کرنے کے باوجود تبلیغ میں جاتی ہیں ان کو کس

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''قرض لے کر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا'')

طرح روکا جائے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....تبلیغ یا کسی بھی مقصد کیلئے عورت کو شرعی سفر کی اجازت نہیں جب تک شوہر یا محرم ساتھ نہ ہو(۱)، بلا سفر کے ان کا اجتماع ثابت ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو کسی مکان میں اجتماع کیلئے جمع فرمایا ہے(۲)۔

۲.....مسافت سفر ۴۹/میل سے کم میں جانے کی گنجائش ہے (۳) لیکن پوری احتیاط کے ساتھ کوئی

---

(۱) قال في الهداية: "ولايجوز لها أن تحج بغير هما (أي الزوج والمحرم) إذا كان بينها وبين مكة ثلاثة أيام......... بخلاف ما إذا كان بينها وبين مكة أقل من ثلاثة أيام؛ لأنه يباح لها الخروج إلى مادون السفر بغير محرم". (كتاب الحج، ۱/۲۳۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"كما في الصحيحين، "لاتسافر امرء ة ثلاثاً إلا ومعها ذومحرم". وفي لفظ لهما: "فوق ثلاث"، وفي لفظ للبخاري: "ثلاثة أيام". (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۲۰، مصطفى الجلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، ۲/۵۵۱، رشيديه)

البحر أيضاً: "وقيد بالسفر وهو ثلاثة أيام بلياليها؛ لأنه يباح لها الخروج إلى مادون ذلك لحاجة بغير محرم". (المصدر السابق: ۲/۵۵۲)

(وكذا في المرقاة شرح المشكوة، كتاب الحج، الفصل الأول: ۵/۳۸۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحج: ۲/۴۶۴، ۴۶۵، سعيد)

(۲) "ابن الأصبهاني قال: سمعت أباصالح ذكوان يحدث من أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلَبَنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوماً من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن، فكان فيما قال لهن: "مامنكن امرء ة تقدم ثلاثةً من ولدها إلا كان لها حجاباً من نار"، فقالت امرء ة: واثنين، فقال: "واثنين". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم عليحدة في العلم، ۱/۲۰، قديمي)

قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فوعظهن)......ووقع في رواية سهل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- بنحوهذه القصة، فقال: "موعد كن بيت فلانة، فأتاهن فحدثهن". (فتح الباري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم: ۱/۲۶۱، قديمي)

(۳) (تقدم في الحاشيه الأولى)

قبیح واقعہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو، نظر کی حفاظت لازم ہے، مکان میں بھی باہر بھی (۱)۔ چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی، دیور، بہنوئی وغیرہ بھی سب نامحرم ہیں، ان سے بھی پردہ لازم ہے، جوعموماً مکانات میں نہیں ہوتا اور اہل خاندان اس کو برداشت کرتے ہیں بلکہ ان سے پردہ کو معیوب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں اور نظر سے آگے بڑھ کر ان سے ہنسی مذاق، بے تکلفی، تنہائی کی باتیں ہو کر خراب نتائج بھی پیدا ہوتے ہیں، بقول اکبر مرحوم ۔

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا
جسکو سمجھے تھے کہ بیٹا ہے، بھتیجا نکلا

۳.....عورتوں میں تبلیغ کی بے حد ضرورت ہے، اگر اپنے مکان پر ان کو دین سکھانے اور کتاب سنانے کا انتظام کردیں تو بہتر ہے، یا پھر اپنے ہی شہر میں ہفتہ میں ایک دن ان کے اجتماع کا مقرر کردیا جائے، یہاں سب پردہ کے ساتھ جمع ہوجایا کریں، اگر کہیں سفر کرنا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جانے کا انتظام کیا جائے تاکہ دینی نقصان بھی نہ ہو، فتنہ سے بھی امن رہے، عورتوں کی تربیت کا مقصد بھی حاصل ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۶ھ۔

عورتوں کیلئے تبلیغی سفر

سوال[۱۴۲۵]: زید کی والدہ تبلیغی جماعت میں بمبئی میں کام کرتی ہیں، اب تبلیغی جماعت کے

---

(۱) قال تعالى: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن إلا ما ظهر منها﴾ الآية (النور: ۳۱)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: "وفي الزواجر لابن حجر المكي: كما يحرم نظر الرجل للمرءة، يحرم نظرها إليه ولو بلا شهوة ولا خوف فتنة، نعم! إن كان بينهما محرمية نسب أو رضاع أو مصاهرة نظر كل إلى ماعدا مابين سرة الآخر وركبته......... نعم! غض بصرهما من الأجانب أصلاً أولى بها وأحسن، فقد أخرج أبو داود ....من أم سلمة أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة قالت: فبينما نحن عنده أقبل ابن مكتوم ....فدخل عليه –عليه الصلاة والسلام– فقال رسول الله ﷺ: "احتجبا منه". فقلت: يارسول! هو أعمى لايبصر. قال: "أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه"؟ واستدل به من قال بحرمة نظر المرأة إلى شئي من الرجل الأجنبي مطلقاً". (روح المعاني، ۱۸/ ۱۴۰، دار إحياء التراث العربي)

اکابرین نے چند مستورات کی جماعت محرموں کے ساتھ لندن بھیجنے کا ارادہ کیا ہے، اس مذکورہ جماعت میں زید کی والدہ کا نام بھی ہے، زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائیں گی، مگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، ایک پندرہ سالہ لڑکی بھی ہے، والدین کی عدم موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے تیار ہے، تو ان حالات میں یہ سفر، جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دوردراز کا سفر بغرضِ تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا، اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے، پختہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لئے طویل طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے، اس لئے اگر لندن یا کسی بھی دوردراز مقام پر محرم کے ساتھ حدودِ شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہوسکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گی تو پھر اجازت ہے۔ خدائے پاک اس سفر میں برکت دے، نصرت فرمائے اور کامیاب واپس لائے، بچوں کو عافیت سے رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۱ھ۔

عورتوں کی تبلیغ

سوال[۱۴۲۶]: ہمارے یہاں عورتوں کی جماعتِ تبلیغ بھی شروع ہوگئی ہے، کیا اس پُرفتن زمانہ میں شرعاً اس کی اجازت ہے؟ کیا حدیث شریف یا آثارِ صحابہ میں اس کی اجازت ہے؟ کیا اس میں شرکت کرنے والی عورتیں گنہگار ہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستورات کی درخواست پر ان کے لئے اجتماع کا دن اور

مکان مقرر فرمایا(۱)، پھر ازواجِ مطہرات کے پاس کثرت سے مستورات دین سیکھنے اور مسائل معلوم کرنے کے لئے آیا کرتی تھیں، یہ تو حدیث شریف میں موجود ہے۔ اب جبکہ دین سے بے خبری بلکہ بے حیائی غالب آچکی ہے اور مستورات کے باپ، دادا، بھائی، شوہر وغیرہ ان کو دین نہیں سکھلاتے اور نہ مردوں کی طرف سے دین سیکھنے کا کوئی انتظام ہے تو اس حالت میں ضروری ہے کہ مستورات کے لئے دین سکھلانے کا انتظام کیا جائے، مگر اس میں بھی حدودِ شرعیہ کی پابندی لازم ہے، مثلاً: یہ کہ اپنے محلّہ یا اپنی بستی میں پردہ کے ساتھ جائے، نامحرم کے ساتھ نہ جائے (۲)۔ اگر کوئی عورت کتاب سنائے، یا تقریر کرے تو اس کی آواز نامحرم تک نہ پہونچے، لاؤڈ اسپیکر نہ ہو اور بے ضرورت جمع نہ ہو اور اگر دوسری بستی میں جانا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جائے۔ اگر حدودِ شرعیہ کی رعایت نہ کی گئی تو فتنے پیدا ہوں گے، اللہ پاک محفوظ رکھے۔ آمین! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۸ھ۔

عورتوں کے لئے تبلیغی اجتماع

سوال[۷۴۲۷]: تبلیغی اجتماع جو عورتوں کا ہوتا ہے اس میں عورت کا اپنے شوہر کی اجازت سے شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لئے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر باپ بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کردیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے، البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں، تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہونچے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جاکر دین سکھایا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۴/ ۹۱ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا'')

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا''

(۳) (قد مضی تخریجہ تحت عنوان: ''عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا'') .... =

عورتوں کا اجتماع اور تقریر

سوال[۱۴۲۸]: عورتوں کا اجتماع کرنا اور عورتوں کا عورتوں میں تقریر کرنا، ممالک وغیر ممالک، محلّہ وغیر محلّہ کا سفر کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیا اسلاف میں اس کی نظیر ملتی ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو ان امور پر عیاناً وحقیقۃً تنقید وتبصرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دین سیکھنا اور سکھانا حسبِ حیثیت سب کے ذمہ ضروری ہے(۱)۔ گھر کے آدمی: باپ، دادا، نانا، چچا، ماموں، بھائی اگر مستورات کو دین سکھایا کریں تو یہ ضرورت پوری ہو جائے، اگر وہ نہ سکھائیں یا ان کے پاس خود ہی دین نہ ہو تو ضروری مسائلِ اعتقادیہ وعملیہ سیکھنے کے لئے ان کو دوسری مستورات کے پاس جانے کی ضرورت پیش آئے گی کہ وہ اپنے مردوں سے دریافت کر کے بتلائیں، لیکن پردہ کا لحاظ ضروری ہوگا۔

= اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عورتوں کی انفرادی اور اجتماعی تعلیم مختلف موقعوں پر ثابت ہے:

"عن عبد الرحمن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت ابن عباس قال: خرجت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم فطر أو أضحی، فصلی، ثم خطب، ثم أتی النسآء، فوعظهن وذكّرهن وأمرهن بالصدقة." (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب خروج الصبیان إلی المصلی: ۱/۱۳۳، قدیمی)

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالی عنه قال: قال رسول اللہ صلی علیه وسلم: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم". الحدیث. (المقدمه من سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء، والحث علی طلب العلم، ص: ۲۰، قدیمی)

قال الشیخ عبدالغنی المجددی رحمه اللہ تعالی علیه: "قال البیضاوی: المراد من العلم هنا مالا مندوحة للعبد عن تعلمه کمعرفة الصانع، والعلم بوحدانیته، و نبوة رسوله، و کیفیة الصلوة، فإن تعلمه فرض عین". (إنجاح الحاجة هامش سنن ماجة، ص: ۲۰، حاشیة رقم: ۴، قدیمی)

وکذافی المرقاة شرح المشکوة، کتاب العلم، الفصل الثانی: ۱/۴۷۷، رقم: ۲۱۸، رشیدیه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں مستورات دین سیکھنے کے لئے آیا کرتی تھیں (۱)، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مستورات کا اجتماع فرمایا (۲) اور خود تشریف لے جا کر ان کو دین سکھایا (۳)۔

اگر اپنے محرم یا شوہر کے ساتھ جائیں اور مستورات میں تقریر کریں اس طرح کہ نامحرم آواز نہ سنیں اور پردہ کا پورا لحاظ رکھیں، نیز اَور کسی فتنہ کا بھی مظنہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔ بغیر شوہر یا بغیر محرم کے شرعی سفر کرنا یا بے پردہ جانا (۴) یا اس طرح تقریر کرنا کہ غیر محرم بھی آواز سنیں مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر یا کوئی اَور فتنہ ہو تو

---

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے دیگر صحابیات رضی اللہ تعالی عنھن نے مختلف طریقوں سے دین سیکھا ہے، بعض اوقات کسی کو کوئی مسئلہ پیش آیا تو وہ آپ کی خدمت میں بھیجتی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا جواب ارسال فرماتی، مثلاً: امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے باب باندھا ہے: "باب إقبال المحيض وإدباره" اس میں صحابیات کا عمل نقل کر کے فرماتے ہیں: "وكنّ نساء يبعثن إلى عائشه بالدُّرجة فيهاالكرسف، فيه الصفرة، فتقول: "لاتعجلن حتى ترين القصّة البيضاء". تريد بذلك الطهر من الحيضة". (كتاب الحيض، ۱/۴۶، قديمى)

بعض اوقات کسی نے مسئلہ پیش آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، سمجھ نہیں آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سمجھایا: "عن عائشه رضى الله تعالى عنهاأن امرأةً سالت النبى ﷺ عن غسلهامن المحيض فأمرهاكيف تغتسل، قال: "خذى فرصةً من مسك، فتطهرى بها"، قالت: كيف أتطهر بها؟ قال: "تطهرى بها"، قالت: كيف؟ قال: "سبحان الله، تطهرى" فاجتذبتُهاإلىّ، فقلت: تتبعى بهاأثر الدم".

(صحيح البخارى، كتاب الحيض، باب دلك المرأة نفسها: ۱/۴۵، قديمى)

قال ابن حجر: "وفهمت عائشه رضى الله تعالى عنهاذلك عنه، فتولّت تعليمها". (فتح البارى، كتاب الحيض، باب ذلك المرأة: ۱/۵۴۸، قديمى)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کا تبلیغ کیلئے سفر کرنا")

(۳) "ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم خرج ومعه بلال رضى الله تعالىٰ عنه،فظن أنه لم يسمع النساء فوعظهن، وأمر هن بالصدقة". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب العلم، باب عظة الإمام النساء: ۱/۲۰، قديمى)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا")

پھر اجازت نہیں (۱)۔ عموماً عورتوں کے اجتماع میں فتنہ پیدا ہو ہی جاتا ہے اس لئے اس سے بچنے کی ازحد ضرورت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۴/۹۵ھ۔

عورتوں کی اجتماعات میں شرکت

سوال: مروجہ طریقہ پر جو دینی اور تبلیغی جلسے ہوتے ہیں اس میں وعظ وتقریریں اور نصائح بیان کئے جاتے ہیں، ایسی مجلسیں یقیناً بابرکت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ایسے جلسوں میں عورتوں کا شریک ہونا عند الشرع کیا حکم رکھتا ہے؟ جبکہ صوم وصلوۃ وغیرہ اور ضروری مسائل وفضائل سے واقف ہوں، اور بہشتی زیور یا اس جیسی دینی کتابیں پڑھ کر سمجھ بھی لیتی ہوں اور دوسرے کو بھی سمجھا سکتی ہوں، اور کسی قدر عمل بھی ہو، اگر مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو پڑوسی سے سمجھ سکتی ہوں۔

مختصر یہ کہ ضروری علم ان کو حاصل ہو، تو ایسی صورت میں جلسوں کی مجلس میں آمدورفت کیسا ہے، جبکہ زیادہ تر رات ہی میں ہوتا ہے اور جلسہ میں کم ازکم چار پانچ سو مرد ہو جاتے ہیں اور عورتوں کا یہ کہنا کہ نیک کام میں جارہی ہوں صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ طریقہ عورتوں میں عام ہورہا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عورت کے لئے اعلیٰ بات یہ ہے کہ گھر میں رہے، دینی مسائل کی ضرورت ہو تو شوہر، باپ، بھائی وغیرہ سے معلوم کریں، کتاب سمجھ سکے تو کتاب میں دیکھ لے، جو شوہر وغیرہ سے بھی معلوم نہ ہو سکے اور کتاب بھی نہ ملے یا سمجھ میں نہ آوے تو وہ شوہر، باپ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی عالم سے دریافت کرے، نہ خود باہر جائے، نہ کسی کے پاس خط لکھے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو، لیکن مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی کی فضاء عام ہے، ہزاروں میں ایک

---

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ: "و(العورة) للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين.......... وصوتها على الراجح". (الدر المختار)

"قال عليه السلام: "التسبيح للرجال والتصفيق للنساء"، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة الخ". (ردالمحتار، باب شروط الصلوة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ۱/۴۰۶، سعيد)

آدھ ہی مشکل سے ملے گا جو علم اور عمل میں پختہ ہو، یا اس کو علم وعمل کی لگن ہو، اس لئے علم کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور عمل کو بھی، دین سیکھنے کا جذبہ بھی ہونا چاہئے، پھر یہ کہ چند مسائل میں دین محدود نہیں۔

اجتماعات میں شرکت کرنے سے دینی جذبہ قوی ہوتا ہے، اس جذبہ کے اثر سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے، گھر کے ماحول کو درست کرنے کی بھی فکر پیدا ہوتی ہے، علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ایمان میں پختگی آتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ زندگی کو سن کر قلب میں اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ ان فوائد کے پیشِ نظر پورے پردہ کے ساتھ جانا ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تو بلا مجبوری کے ان کو شرکت سے روکنا نہیں چاہیئے، بلکہ شوہر یا کوئی محرم اپنے ساتھ لے جائے، وہاں خود بھی متفع ہو اور ان کو بھی محروم نہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

عورتوں کی تبلیغ اور نظم ترنم سے پڑھنا

سوال[۱۴۳۰]: ۱...... عوتوں کا کسی کے گھر جا کر تبلیغ کا ذکر کرنا اور ایسا معمول بنانا کہ روزانہ تبلیغ کا کام ہو سکے، کہاں تک مناسب ہے اور اس میں کیا کوئی حرج ہے؟

۲...... اگر ذکر کے دوران نظم آجائے تو اس کو ترنم کے ساتھ پڑھنا کیا عورتوں کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پردہ کیساتھ کسی ایک مکان میں جمع ہو کر دین کی باتیں کریں، سیکھیں سکھائیں، کتاب پڑھیں، سنیں جس سے دینی معلومات حاصل ہوں، عمل پر پابندی ہو، ایمان تازہ ہو، شرعاً درست ہے مفید ہے، (۱) لیکن کوئی تقریر کسی عورت کی ایسی نہ ہو جس کی آواز نامحرموں تک پہونچے، لاؤڈ اسپیکر اس میں استعمال نہ کیا جائے (۲)۔ ترنم اور گانا ہرگز نہ ہو اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۳)، ایسا نہ ہو کہ دین کی خاطر کام کیا جائے اور اس میں شیطان کا بھی حصہ ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۴/ ۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا'')

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا'')

(۳) "و (العورة) للحرة جميع بد نها خلا الوجه، و الكفين .... وصوتها على الراجح". (الدر المختار) =

صرف عورتوں کی مجلس میں وعظ کے بجائے کتابی تعلیم مناسب ہے

سوال[۱۴۳۱]: جب صرف عورتوں کی مجلس ہو اور عورتیں ہی وعظ کرنے والی ہوں تو ان کے وعظ کا کیا طریقہ ہونا چاہئے، ؟معتبر کتاب پڑھ کر سنائیں یا مقررین کی طرح لکھے دار اشعار وغیرہ پڑھ کر تقریر کریں، یا مذاکرہ کریں؟ کونسی صورت میں عورتیں وعظ ونصیحت کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذاکرہ کرلیں، کتاب سنادیں، حسبِ موقع دونوں صورتیں مناسب اور مفید ہیں،تقریر سے احتراز مناسب ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۴/۹۶ھ۔

تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا

سوال[۱۴۳۲]: ۱...... جیسا کہ آج کل تبلیغی جماعت اپنے کام تبلیغِ دین میں گاؤں درگاؤں لگی ہوئی ہے اور سنتِ رسول کو زندہ کررہی ہے،لیکن وہ حضرات اپنی تقریر کے بعد جماعت میں شامل ہونے کے لئے بہت ہی زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں اور چلّہ میں جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور مقامی جماعت گاؤں میں گشت کرتے وقت لوگوں کو اپنے پاس بلانے میں مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ عذر کرے کہ میں اس وقت کھانا کھارہا ہوں، یا کوئی بیماری کی وجہ سے دوا لگا کر آرام کررہا ہوں اور اپنے یہ اعذار بیان کرنے پر کیا وہ آدمی جو حقیقت میں ان کاموں میں مشغول ہے گناہ گار ہوگا؟ خلاصہ یہ ہے دینی کاموں میں مجبور کرنے کا کیا حکم ہے؟

= وفي رد المحتار: "ومقابله مافي النوازل، نغمة المرءة عورة......... وفي الكافي: لاتلبّي جهرا؛ لأن صوتهاعورة، ولانجيز لهن رفع أصواتهن ولاتمطيطها،ولاتليينهاوتقطيعها، لمافي ذلك من استمالة الرجال إليهن، وتحريك الشهوات منهم، ومن هذالم يجز أن تؤذّن المرأة.قلت: ويشير إلى هذاتعبير النوازل بالنغمة". (باب شروط الصلوة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ۱/۴۰۶،سعيد)

(۱) تقریر میں آواز کے بلند ہونے کا قوی احتمال ہے، جو کہ ممنوع ہے."كماتقدم تحت عنوان: "عورتوں کا اجتماع اور تقریر")

تبلیغی پروگرام کی وجہ سے عشاء کو موخر کرنا

سوال[۱۶۳۳]: ۲......اور مغرب کی نماز کے بعد وہ حضرات اپنی تقریروں کا پروگرام رکھتے ہیں اور عشاء کی نماز کو اپنے مقررہ وقت سے ۱۱/ بجے تک مؤخر کرتے ہیں اس میں وہ حضرات جو کہ گیارہ بجے تک کا ٹائم نہیں دے سکتے، وہ بغیر عشاء کی جماعت میں شرکت کئے گھر واپس آجاتے ہیں، کیا تقریر کی وجہ سے عشاء کو موخر کرنا یہاں تک کہ دوسرے لوگ جماعت کے ثواب سے محروم ہو جائیں شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......جو شخص واقعی کسی قوی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے وہ اللہ کے نزدیک مجرم اور گنہگار نہیں (۱)، لیکن معمولی عذر کو بہانا نہیں بنانا چاہئے، چونکہ لوگوں کے ذہن میں آج کل دنیا کے کاموں کی عموماً جو اہمیت ہے، اس کے مقابلہ میں دین کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے، اسی لئے تبلیغی کام کرنے والے زیادہ زور دیتے ہیں اور بعض ناواقف جوشیلے مبلغ حدود کو پہچانتے بھی نہیں۔

۲......مسجد کی جماعت اپنے وقت پر کی جائے، اپنے تقریری پروگرام کی وجہ سے جماعت کو زیادہ مؤخر نہ کیا جائے جس سے وہاں کے پابندِ جماعت نمازی بلا جماعت نماز پڑھیں (جماعت سے محروم رہ جائیں) یا کسی دوسری مسجد میں جائیں (۲)، ہاں اگر وہاں کے سب ہی آدمی اس دینی کام کی قدر کرتے ہوں اور ایک دو آدمی

---

(۱) "الضرورات تبیح المحظورات، الضرورات تتقدر بقدرها". (قواعد الفقه، ص: ۸۹، الصدف پبلیشرز)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (قواعد الفقه، ص: ۷۵)

(۲) "چونکہ نماز با جماعت کی اہمیت کے پیشِ نظر ترکِ جماعت پر احادیث شریفہ میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، بناء بریں بعض فقہاء کرامؒ نے جماعت کو فرض عین قرار دیا ہے اور مذکورہ وجہ ان اعذار میں سے بھی نہیں جن کی وجہ سے ترکِ جماعت جائز ہے اس لئے بربنائے احتیاط ترکِ جماعت کیلئے سبب بھی نہیں بننا چاہئے، ایک دو آدمیوں کی بات الگ ہے جیسے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "والذی نفسی بیده! لقد هممت أن آمر بحطب فیحطب، ثم آمر بالصلوة فیؤذن لها، ثم آمر رجلاً فیؤمّ الناس، ثم أخالف إلی رجال"، وفی روایة: "لایشهدون الصلوة، فأحرق علیهم بیوتهم". الحدیث. (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها. الفصل الأول، ص: ۹۵، قدیمی) ...... =

شریک نہ ہوتا ہوتو پھر ۱۱/ بجے تک تاخیر کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، ایک دو آدمی کو خود بھی ایثار سے کام لینا چاہیئے، یعنی یہ سمجھے کہ میری وجہ سے اس سب بڑے مجمع کے پروگرام میں تغیر ہونا مناسب نہیں، مخالفت کرکے یا شکوہ شکایت کرکے نہ اپنا وقار کھوئیں نہ اجر ضائع کریں، معمولی بات کی وجہ سے زیادہ اثر نہ لینا چاہیئے تبلیغی جماعت کو بھی اکرام مسلم کے تحت کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے جس سے مسلم کے وقار کو صدمہ پہونچے، اس سے ان کے کام میں کھنڈت پڑتی ہے جو کہ دینی نقصان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۵ھ۔

تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے

سوال[۱۴۳۴]: تبلیغی جماعت کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خیالات کیا تھے؟ اگر وہ خیالات کسی کتاب میں شائع ہوئے ہوں تو اس کتاب کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مستقلاً کسی کتاب میں ان کی رائے میں نے نہیں دیکھی، البتہ دوسرے حضرات نے خود ان سے سن کر جو نقل کیا ہے وہ متعدد جگہ دیکھی ہے، ایک چھوٹا سا رسالہ "چشمہ آفتاب" ہے اس میں متعدد اکابر کے خطوط تبلیغی کام سے متعلق شائع ہوئے ہیں، اس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی رائے بھی منقول ہے، یہ

= قال القاری رحمه الله: "قال ابن الهمام: وحاصل المسئلة أنها (أی الجماعة) فرض عين إلامن عذر، وهوقول أحمد وداؤد وعطاء، وأبی ثور. وعن ابن مسعود وأبی موسى الأشعری وغيرهما- رضی الله تعالى عنهم-: "من سمع النداء، ثم لم يجب فلاصلوة له". وقيل: علی الكفاية. وفی الغاية: قال عامة مشايخنا: إنهاواجبة .... وفی البدائع: تجب على العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الجماعة من غير حرج،......... فمن الأعذار المرض الذی يبيح التيمم، وكونه مقطوع اليد والرجل من خلاف، أومفلوجاً، أومستخفياً من السلطان أومن غريم وهومعسر، أولايستطيع المشی كالشيخ العاجز وغيره. وفی شرح الكنز: والأعمى، عند أبی حنيفة". (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول: ۱۴۵/۳، رشيديه)

(وكذافی الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، ۵۵۶، سعيد)

رسالہ ماہنامہ دفتر ''نظام'' کرنیل گنج کانپور یوپی سے شائع ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور جوابات

سوال[۱۴۳۵]: ۱...... دور حاضر میں دعوت وتبلیغ یا تبلیغی جماعت کے نام سے جو محنت چل رہی ہے اور گشتوں، ذکر واذکار وغیرہ اعمال کی دعوت دیتی ہے، یہ جماعت قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟

۲...... کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ جماعت ایمان کو مردہ بناتی ہے اور جذبۂ جہاد کو ختم کرتی ہے اور اسلام کے خلاف کام کرتی ہے یا غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف سازش ہے؟

۳...... شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جمع کردہ کتب فضائل ''تبلیغی نصاب'' یا ''فضائل اعمال'' کے بارے میں حضرات علماء کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے نظام الدین دہلی سے تبلیغی جماعت کا جو کام شروع فرمایا ہے، جس کے چھ نمبر ہیں اور وہ کام اللہ کے فضل سے بڑھتے بڑھتے آج تمام دنیا میں عرب وعجم میں پھیل چکا ہے جس کی بدولت بے شمار بد دین، فاسق اب متبعِ سنت اور پابندِ شریعت ہوگئے، بے نمازی بڑی تعداد میں نمازی بن گئے، جو لوگ کبھی زکوۃ نہیں دیتے تھے وہ باقاعدہ زکوۃ دینے لگے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ مالدار ہونے کے باوجود ان کو حج کا خیال تک نہیں آتا تھا انہوں نے حج کیا اور بار بار حج کرتے ہیں، کتنی مسجدیں ویراں پڑی ہوئی تھیں وہ نمازیوں سے آباد ہوگئیں، کتنی بستیوں میں دینی مدارس قائم ہوگئے جن میں قرآن کریم، حدیث، تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے، کتنے ان پڑھ اور جاہل آدمی عالم ہوگئے اور تمام دنیا میں دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے پھر رہیں ہے، کتنے لوگوں کے ایمان نہایت پختہ ہوگئے جب کہ وہ پہلے سے مشرکانہ عقائد میں مبتلا تھے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی کیا اس کے دینی کام ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے، قرآنِ کریم اور حدیث شریف(۱) کا بھی یہی حکم ہے اور سلف صالحین نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے توقف کی ہیں۔

---

(۱) قال تعالى: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف، وتنهون عن المنكر، وتؤمنون بالله﴾ .الاية (آل عمران: ۱۱۰) ...... =

۲......اس جماعت کے نصاب میں ایک کتاب ''حکایاتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' بھی ہے جس میں جذبۂ جہاد اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہادری، ورشجاعت اور دین کی خاطر جان کی قربانی اور صحابی بچوں اور صحابی عورتوں کے واقعات بھی اس سلسلہ میں ترغیب اور اتباع کے لئے مذکور ہیں، کم سے کم اسی کا مطالعہ کرلیا جائے تو معترض کے اعتراضات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔

اگر کوئی شخص ایمان کے زندہ ہونے کا نام ہی ایمان کا مردہ ہونا رکھدے اور قرآن کریم اور حدیث شریف کے امر کو جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ہے(۱) دشمنانِ اسلام کی سازش

= ''عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: '' من رأى منكم منكراً فليغير بيده، فإن لم يستطع فلبسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان''. رواه مسلم''. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف. الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)
(وأيضاً راجع للتفصيل عنوان: ''کیا تبلیغ فرض ہے'')

(۱)''وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من قال في القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار''، رواه الترمذي.

''وعن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطاء''. رواه أبو داؤد والترمذي''. (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ۳۵، قديمي)

قال القاري: ''(من قال): أي تكلم (في القرآن): أي في معناه أو قرآءته (برأيه): أي من تلقاء نفس من غير تتبع أقوال الأئمة، من أهل اللغة والعربية المطابقه للقواعد الشرعية، بل بحسب مايقتضيه عقله ...... قال البيهقي: المراد رأى غلب من غير دليل قام عليه، أما مايشهده برهان فلامحذور فيه. فعلم أن علم التفسير إنمايتلقى من النقل أومن أقوال الأئمة، أومن المقاييس العربية، أو القواعد الأصولية المبحوث عنها في علم أصول الفقه أو أصول الدين .... (بغير علم): أي دليل يقيني أو ظني، نقلي أو عقلي مطابق للشرعي (فليتبوأ مقعده من النار) قيل: يخشى عليه الكفر .... (فقد أخطاء): أي فهو مخطي بحسب الحكم الشرعي. قال ابن حجر: أي أخطأ طريق الاستقامة بخوضه في كتاب الله بالتخمين والحدس لتعديه بهذا الخوض مع عدم استجماعه لشروطه، فكان آثماً به مطلقاً، ولم يعتد بموافقته للصواب؛ لأنها ليست من قصد ولا تحرّ، بخلاف من كملت فيه آلات التفسير، وهي خمسة =

قرار دینے لگے وہ اپنے کام کا خود ذمہ دار ہے یا اس کی اصطلاح ہی کچھ اَور ہو کہ وہ ایمان واسلام کے معنی ایسے بیان کرتا ہو جو کہ قرآن وحدیث کے خلاف ہوں اور سلفِ صالحین نے کبھی بھی ایسے معنی بیان نہ کئے ہوں تو وہ اپنی جداگانہ اصطلاح میں مسلم ومومن ہے۔

۳......بہت مفید ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

تبلیغی جماعت پر اعتراض

سوال[۱۴۳۶]: تبلیغی جماعت کیسی ہے؟ کیا مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس کی ہر بات کو مان کر عمل کریں، حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو دینی تعلیم سے بہت ہی کم واقف ہوتے ہیں اور ممبر پر کھڑے ہو کر وعظ ودیگر ضروری امور کلیہ وغیرہ پر زور دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ جبکہ غالباً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک عالم تقریر کر رہے تھے، ان سے جب دریافت کیا گیا کہ تم کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہے تو انہوں نے انکار کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو مسجد سے باہر کر دیا۔تو یہ تبلیغی جماعت والے کس طرح وعظ کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان سے جب کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خود سیکھنے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں، کیا سیکھنے کیلئے دارالعلوم دیوبند نا کافی ہے؟ بہر صورت اس بارے میں تشفی بخش جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے اچھی اور صحیح العقیدہ جماعت ہے، اس جماعت میں جو معتمد اہلِ علم ہیں ان کی تقریروں میں تو کوئی اشکال نہیں، جو غیر عالم ہیں ان کو ہدایت ہے کہ چھ نمبر سے زائد کوئی بات بیان نہ کریں، یا تو چھ نمبروں کو بیان کریں تا کہ وہ پختہ ہو جائیں یا کتاب پڑھ کر سنائیں اور کتابیں بھی قابل اعتماد تجویز ہیں، اس کے علاوہ غیر اہل علم کو اجازت نہیں۔ چھ نمبروں میں کوئی بات قرآن کریم اور حدیث شریف اور فقہ کے خلاف نہیں ہے(۱)، ان کو بیان کرنے اور سننے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ نفع ہی نفع ہے۔

= عشر علماً: اللغة والنحو الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ۱/۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، رشيديه)

(۱) (قد سبق تخريجه تحت عنوان: "تبلیغ بھی دین سیکھنے کا ذریعہ ہے")

علم دین سیکھنے کا یہ طریقہ بھی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر سیکھا جائے مگر یہ ظاہر ہے کہ کروڑوں مسلمان سب کے سب دارالعلوم دیوبند میں نہ سیکھنے کیلئے آسکتے ہیں نہ سما سکتے ہیں، نہ سب کے پاس اتنا وقت ہے، نہ سب کو شرعاً اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے، نہ سب میں اس کی صلاحیت ہے، نہ مدارس ان سب کا صرفہ برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے لئے جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم کئے جاتے ہیں اور کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں اور رسالے اوراخبار شائع کئے جاتے ہیں، فتاوی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے، انجمن بھی بنائی جاتی ہے، وعظ کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، یہ سب ہی طریقے دین سیکھنے اور سکھانے کے لئے ہیں، اسی طرح تبلیغی جماعت کا جو طریقہ ہے وہ بھی دین سیکھنے کا بہت مفید طریقہ ہے۔

جس شخص کو نماز، کلمہ، وضوء، کچھ نہیں آتا ہے وہ چالیس روز کے لئے جماعت کے ساتھ نکل جاتا ہے تو اسی طرح اسی مدت میں اچھا خاصا وہ سیکھ لیتا اور پابند ہو جاتا ہے اور پھر آگے ترقی کرتا جاتا ہے، تجربہ اس کا شاہد ہے۔

جو شخص براہ راست قرآن پاک سے مسائل استنباط کر کے بیان کرے اس کے لئے ناسخ منسوخ کا علم ہونا ضروری ہے اور بھی بہت سی چیزوں کا علم ہونا ضروری ہے(۱) اور جو شخص ائمہ دین کے بیان فرمودہ منقح مسائل کو نقل کرے اس کے لئے علم ناسخ منسوخ کا ماہر ہونا ضروری نہیں، اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس ارشاد کی بناء پر تبلیغی جماعت کو یا کسی اَور کو وعظ اور تقریر سے روکنا غلط اور بے محل ہے، البتہ جو بات خواہ روایت ہو یا مسئلہ غلط بیان کریں اس پر ضرور تنبیہ کی جائے اور غلطی کو واضح کر دیا جائے اس میں بھی شفقت اور اصلاح

---

(۱) قال الملاعلی القاری رحمه الله تعالیٰ :"علم أن علم التفسير إنمايلتقى من النقل، أومن أقوال الأئمه، أومن المقاييس العربية، أوالقواعد الأصولية المبحوث عنهافي علم أصول الفقه أوأصول الدين..........قال ابن حجر: أي أخطاء(أى من قال فى القرآن برأيه)طريق الاستقامة بخوضه في كتاب الله بالتخمين...... بخلاف من كملت فيه آلات التفسير، وهي خمسة عشر علماً: اللغةُ والنحو، والتصريف، والاشتقاق، والمعاني، والبيان، والبديع، والقراء ة، والأصلين، وأسباب النزول، والقصص، والناسخ والمنسوخ، والفقه.......... والأحاديث ....لتفسير المجمل والمبهم، وعلم الموهبة، وهوعلم يورّثه الله لمن عمل بماعلم". (المرقاه، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/ ۴۹۰،۴۹۱، رشيديه)

(وكذافي روح المعاني، المقدمة، الفائدة الثانيه: ۱/ ۵،۶، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

کا جذبہ ہونا چاہیے، تحقیر اور تذلیل کا جذبہ ہرگز نہ ہو، یہی معاملہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کیا جائے، یہی دوسرے دینی خدمت کرنے والوں کے ساتھ کیا جائے خواہ تقریر وعمل سے خدمت کی جائے، یا تحریر وتصنیف سے یا افتاء وتدریس سے یا گشت واجتماع وغیرہ سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

مرتکب منہیات کا تبلیغ کرنا

سوال[۱۴۳۷]: زید نہ داڑھی رکھتا ہے نہ سر کے انگریزی بال کٹواتا ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا لیکن کبھی کبھی نماز پڑھ لیتا ہے اور قوم کو تبلیغ بھی کرتا ہے، لیکن پھر وہی حال ہو جاتا ہے کہ نماز نہیں پڑھتا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغ کے اجر کا مستحق ہے (۱)، ترکِ واجبات اور ارتکابِ منہیات کی وجہ سے گنہ گار ہے (۲)۔ اپنی

---

(۱) "قرأ القرآن ولم يعمل بموجبه يثات على قراء ته". وفي رد المحتار: "قوله: (يُثاب على قرأته) وإن كان يأثم بترك العمل، فالثواب من جهةٍ والإثم من أخرى". (الدرا لمختار مع ردالمحتار: ۳۹۷/۶، فصل في البيع، سعيد)

"قوله عليه الصلاة والسلام: "نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه غير". (الحديث)

"(قوله: نضر الله امرأ) ...... قال التور بشتي: الحسن والرونق ...... وقال الحافظ ...... معناه ألبسه النضرة وخلوص اللون: يعني جمّله الله وزينه، أو معناه أو صله الله إلى نضرة الجنة وهي نعيمهاالخ". (فيض القدير: ۱۲/۶۱۵۳، ۶۱۵۴، رقم الحديث: ۹۲۶۴، نزار مصفطىٰ الباز مكة المكرمة)

(مرقاة المفاتيح: ۴۸۶/۱، كتاب العلم، رقم: ۲۲۸، ۲۲۹، رشيديه)

(۲) "والإثم في اللغة الذنب ...... وفي الاصطلاح عند أهل السنة استحقاق العقوبة". (ردالمحتار: ۷۰۶/۳، مطلب في معنى الإثم، كتاب الايمان، سعيد)

"وحكمه (أي الواجب) أنه يثاب بفعله ويستحق بتركه عقوبةً لولا العذر حتى يضل جاحده".

(قواعد الفقه حرف الواو، ص: ۵۳۹، الواجب، الصدق پبلشر)

"الحظر: مايثاب بتركه ويعاقب على فعله، في المغرب: "الحظر المنع الخ" (قواعد الفقه: =

حالت کوشریعت کے مطابق بنانا فرض ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

تبلیغی جماعت کے متعلق اہلِ بدعت کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا ازالہ

سوال[۱۴۳۸]: چند دن پہلے ملک ویتنام کے صدر مقام سائیگون شہر میں ہندوستان سے ایک تبلیغی جماعت آئی اور چند دن یہاں قیام کرکے تبلیغی اشاعتِ دین کا اہم فریضہ انجام دیتی رہی، کچھ دن بعد یہ جماعت یہاں سے چلی گئی۔اس کے بعد شہر کی جامع مسجد کے امام وخطیب نے لوگوں میں یہ بات پھیلانا شروع کردی کہ تبلیغ والے وہابی ہیں،اہلسنت والجماعت میں سے نہیں ہیں۔اس سے اہل شہر میں ایک قسم کا اضطراب اور بے چینی پھیل گئی ہے،اورامام صاحب نے سیلون سے چند پمفلٹ منگواکرلوگوں میں پھیلانا شروع کردیا، جس میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور مولانا اسماعیل رحمہ اللہ کے خلاف یہ تأثر پیش کیا گیا کہ یہ لوگ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔یہاں پران تمام واقعات نے بہت برااثر پیدا کردیا ہے،اس لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کا مدلل جواب قرآن وحدیث میں کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

نیز مولانا محمد الیاس،مولانا تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں،ان کی کتابوں میں بہت غلط باتیں ہیں۔آپ سے درخواست ہے کہ مذکورہ علمائے کرام کی حقانیت کے بارے میں مدلل جواب دیں،اگر دارالعلوم دیوبند سے یا کسی اَور جگہ سے تبلیغی جماعت اوران اکابر کی براءت میں کتابیں شائع ہوئی ہوں تو اس کی نشاندہی فرمادیں تاکہ ان پر یہ کتاب بطور حجت پیش کرسکیں۔

نیز ان حالات میں تبلیغی جماعت کا کام یہاں سائیگون میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟اس بارے میں حقانی علماءکرام کی ایک کانفرنس ۱۰/اکتوبر/۷۱ءکو ہونا طے پائی ہے،جس میں اس بارے میں مشورہ ہوگا۔آپ براہ کرم

= حرف الحاء، ص: ۲۶۶، الحظر، الصدق پبلشرز)

(۱) "بل الواجب متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم ظاهراً وباطناً". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۴۲۶، تحت قول: الماتن: ولا تصدق من يدعي شيئاً يخالف الكتاب والسنة، مكتبه الغرباء الجامعة الستارية، كراچي)

ممکن حد تک جواب جلد عنایت فرمادیں تاکہ ہم اس کو جماعت کے سامنے پیش کرسکیں۔

مختصراً یہ کہ ہمارے یہاں تبلیغی جماعت کے خلاف لوگ ایک محاذ بنا چکے ہیں جس کے لئے آئندہ ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے، مدلل جواب عنایت فرمادیں تو بڑی نوازش ہوگی۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

تبلیغی جماعت کا مقصد دینِ برحق کی اشاعت ہے یعنی رسول مقبول سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے جو دین عطاء فرمایا اور اس کے کامل فرمان کی بشارت اس آیت شریفہ میں دی ہے: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ الایة (۱) اس دین کو دنیا کے تمام لوگوں کو پہونچادیں اور ان کو سکھادیں۔ اس مقصد کیلئے حدیث شریف کی روشنی میں جو ہدایات ملتی ہیں، ان کے تحت اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو جو صورتیں اختیار فرمائی ہیں ان کے تحت اپنے اپنے مکان سے نکلیں، جماعتیں بنا کر بستی بستی میں گشت کریں اور اپنے بھائیوں کو انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ مسجد میں لائیں، دین کی اہمیت سمجھائیں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بتائیں، اور یہ ذہن نشین کرائیں کہ نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ہدایات کے موافق بنایا جائے، کوئی کام خلاف سنت نہ کیا جائے، جس قدر اس میں پختگی حاصل ہوگی، اسی قدر دنیا میں بھی فتنوں سے حفاظت رہے گی اور آخرت میں بھی حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا (۲)، جس قدر سنت سے بُعد ہوگا اسی قدر دنیا میں بھی

---

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) "وعن عبدالله بن عمر رضی الله تعالی عنهما قال: قال رسول صلی الله علیه وسلم: "لایؤمن أحد کم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به". رواه فی شرح السنة". (مشکواة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام ص: ۳۰، قدیمی)

قال القاری رحمه الله: "والمحبوب الاتباع تبعاً لماجئت به من السنة الزهراء، والملة النقیة البیضاء، حتی تصیر همومه المختلفة وخواطره المتفرقة التی تنبعث عن هوی النفس، ومیل الطبع هماًواحداً یتعلق بأمر ربّه واتباع شرعه تعظیماً له......... فلایمیل إلابحکم الدین، ولایهوی إلابأمر الشرع، فهوالمؤمن الفرید الکامل الوحید الذی یقبل منه التوحید". (المرقاة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی: ۱/۲/۱۴، رقم الحدیث: ۱۶۷، رشیدیه)

فتنے بڑھیں گے اور آخرت میں بھی دوری رہے گی۔ اس کے اصول ایسے مضبوط اور پختہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں، ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس کا نام ''چھ باتیں'' ہے اس کو دیکھ لیا جائے (۱)۔

اس جماعت کا کام صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ہورہا ہے، بے شمار آدمیوں کا حج اس کی وجہ سے سنت کے موافق ادا ہورہا ہے، ہر جہاز میں جماعت کے آدمی کام کرتے ہیں، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ–زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً–صفا، عرفات، بندرگاہ، سب جگہ کام کرنے والے موجود ہیں۔ انگریزی ممالک لندن، امریکہ وغیرہ میں بھی بحمداللہ کام ہورہا ہے۔ کروڑوں آدمی اس جماعت کی کوشش کی بدولت نمازی ہوگئے، روزہ رکھنے لگے، حرام کمائی سے تائب ہوگئے، شراب پینے سے، زنا کرنے سے توبہ کرچکے، زکوٰۃ ادا کرنے لگے، جہاں دینی مدارس نہیں تھے، وہاں دینی مدارس کھل گئے، عام دینی بیداری پیدا ہوگئی۔ اس جماعت کا عمومی کام زبانی ہے، تحریری لٹریچر زیادہ نہیں، ایک چلہ ساتھ رہ کر اصول کی پابندی سے آدمی کام کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے حالات میں کافی تغیر ہوگا اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت اور محبت میں اضافہ ہوگا، بدعات اور معاصی سے نفرت ہوگی۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور خطوط اور حالات بھی کسی حد تک شائع ہوچکے ہیں، ان کے پڑھنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے اور تعلق مع اللہ ومع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ترقی ہوتی ہے۔ مخالفین ان سب چیزوں کو برداشت نہیں کرپاتے تو مخالفت کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور صراطِ مستقیم پر چلائے، افسوس کہ وہ مخالفت کی وجہ سے بہت بڑی نعمت سے محروم ہیں۔

ایک مختصر رسالہ ''غلط فہمیوں کا ازالہ'' ہے جس میں اکابر دیوبند کی پوری عبارتیں نقل کرنے کے بعد ان پر جو اعتراضات کرکے قوم کو بدظن کیا جاتا ہے، ان اعتراضات کا جواب دیا گیا، اس کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، اس سے بڑی بھی ایک کتاب ہے، جس کا نام "الجُنة لأهل السنة" ہے (۲)، اس میں تفصیل سے اعتراضات کو نقل کرکے جوابات دیئے گئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۹۱ھ۔

---

(۱) (للشيخ عاشق إلهي بلند شهري رحمه الله تعالى عليه)

(۲) (الجنة أهل السنة، للشيخ محمد عبد الغني خان، صدر المدرس، مدرسه عين العلوم، المكتبة البنورية، كراچی)

تبلیغی جماعتوں اور کتابوں پر اعتراضات کے جوابات

سوال [۱۴۳۹]: ۱..... آج کل تبلیغی جماعت کا رویہ زور پکڑتا جا رہا ہے، کہ ہر محلّہ کی مسجد میں تبلیغی نصاب کی کتابیں پڑھتے ہیں لوگوں کو زبردستی روکتے ہیں، اگر کوئی شخص نہ بیٹھے تو اس پر نکیر کرتے ہیں، یہ التزام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲..... تبلیغی نصاب میں صرف عبادات کے فضائل کا بیان ہوتا ہے، مسائلِ ضروریہ کا حصہ نہیں اور اگر کوئی عالم سمجھائے کہ مسائل کی کتاب بھی پڑھو تو ہرگز نہیں پڑھتے، اگر کوئی شخص پڑھے تو پڑھنے نہیں دیتے ہیں، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

۳..... ان فضائل کی کتابوں میں بہت سی ایسی احادیث ہیں، جو موضوع ہیں، مگر مرتب کتاب نے عربی عبارت میں تو ان کا موضوع ہونا واضح کر دیا، لیکن اردو ترجمہ میں نظر انداز کر دیا، اب وہ احادیثِ موضوعہ اردو میں پڑھی جاتی ہیں۔ کیا ایسی حدیثوں کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴..... کیا مصنف کو ایسی حدیثیں (جن کا وضع ہونا خود ان پر واضح تھا) درج کرنا اور بطورِ نصاب ان کی اشاعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... اصل یہ ہے کہ دین کا سیکھنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے (۱)، اس مقصد کیلئے کتابیں تصنیف اور شائع کی جاتی ہیں، مدارس قائم کئے جاتے ہیں، ان کے لئے مستقل نصاب تجویز کیا جاتا ہے، جماعتوں اور درجوں کا نظام بنایا جاتا ہے، خانقاہیں قائم کی جاتی ہیں، مبلغ واعظ رکھے جاتے ہیں، ان کے لئے تقریریں ہوتی ہیں، انجمنیں بنائی جاتی ہیں، کتب خانے بنائے جاتے ہیں، غرض جس جس طریقہ پر دین حاصل کرنا آسان ہو جائے، وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ شرعاً ممنوع نہ ہو، اسی طریقہ پر تبلیغی جماعت کا حال ہے۔

مدارس میں نہ سب دین حاصل کرنے کیلئے جاتے ہیں، نہ سب کے پاس اتنا وقت ہے کہ پورا نصاب پڑھیں، نہ مدارس میں اتنی گنجائش ہے، نہ سب میں نصاب کے پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے، یہی حال

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم". الحديث (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ۳۴، قديمي)

خانقاہوں کا ہے۔خود کتابیں دیکھ کربھی دین حاصل کرنے کی صلاحیت عموماً نہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ عمومی طور پر دین کی طلب ہی اس قدر قلیل ہے کہ جس کو شمار میں لانا ہی محلِ تامل ہے۔

کتنے کروڑوں کی مسلم آبادی ہے اور کتنے مدارس وخانقاہوں سے استفادہ کرنے والے ہیں، انجمنوں اور واعظوں سے استفادہ اس سے بھی کماً وکیفاً کم ہے، بے دینی جس قدر عام ہے اس کو دور کرنے کیلئے بھی ایسے طریقے کی ضرورت تھی، جو عام اور سہل ہو۔ اللہ تبارک وتعالی نے یہ تبلیغی جماعت کا طریقہ جاری فرمایا، خدائے پاک کے فضل وکرم سے اس کا نفع بہت ہی عام ہوا، کتنے لوگوں کا کلمہ درست ہوا، نماز درست ہوئی، بے نمازیوں نے نماز کی پابندی کی۔ کتنے تاجر زکوۃ نہیں دیتے تھے، سودی معاملہ کرتے تھے، انہوں نے باقاعدہ زکوۃ دینی شروع کردی، سودی معاملات سے پرہیز کرنے لگے، کتنے لوگوں نے حج کیا۔

یہ جماعت بندرگاہ پر، جہازوں پر، جدہ میں، مکہ مکرمہ میں، منی میں، عرفات میں، مدینہ طیبہ میں غرض سب جگہ کام کرتی ہے، جس کی بدولت بہت سے لوگوں کا حج صحیح طور پر ادا ہوتا ہے، انگریزی ممالک میں مساجد کی تعمیر ہوئی، قرآن کریم تراویح میں پڑھا جانے لگا، مکاتب قائم ہوئے۔ چونکہ یہ جماعت کوئی منظم جماعت نہیں بلکہ دین سیکھنے والے ہر چھوٹے بڑے طبقہ کے لوگ ہیں، اس لئے بے عنوانیاں بھی ہوتی ہیں، بعض جوش میں تقریر کرتے ہوئے اپنی حد سے بڑھ کر باتیں کہہ دیتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ ہدایت دی جاتی ہے، کہ وہ چھ نمبروں سے زائد بات نہ کہیں، شکایات معلوم ہونے پر تنبیہ بھی کی جاتی ہے، کبھی تقریر سے ہی بالکل روک دیا جاتا ہے۔

مقامی علماء اگر سرپرستی فرمائیں اور غلطیوں پر تنبیہ کریں، تو اس جماعت کو قدر دانی کرنی چاہیئے، ان مخلص علماء کو تبلیغ کا مخالف سمجھنا غلطی اور سخت غلطی ہے، اس جماعت کو ان کی شفقت اور خیر خواہی کا تجربہ نہیں، اس لئے اہلِ علم حضرات اگر ان کے حلقوں میں تھوڑی سی شرکت بطور نگرانی فرمائیں تو ان کی غلطی کی اصلاح بھی ہوجائے اور قلوب میں ہمدردی اور شفقت کا احساس بھی ہوجائے۔ بعد نماز جو شخص اپنی ضرورت کی خاطر جانا چاہتا ہے اس کو زبردستی روکنا بھی نہیں چاہئے۔ غالباً اس سے بھی آپ کو انکار نہ ہوگا کہ قلوب میں دین کی طلب نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بکثرت ضرورت کا حیلہ کرکے بھی چلے جاتے ہیں۔ اہلِ مدارس غیر حاضر طلباء، ناکام طلباء کا کھانا وظیفہ بند کردیتے ہیں اور دوسری سزائیں بھی دیتے ہیں، یہ جماعت اس قسم کا کوئی کام نہیں

کر سکتی، بلکہ خوشامد کا طریقہ استعمال کرتی ہے، تاہم خوشامد سے آگے بڑھ کر کسی کو مجبور کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، چہ جائیکہ اس پر نکیر کیجائے۔

۲......اس جماعت کے اصول میں علم کی تحصیل بھی ہے، لیکن جس طرح مدارس میں کتابیں ''ہدایہ'' وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں، اس طرح یہاں تعلیم نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ پڑھانے کے لئے پہلے کتنی کتابوں کا پڑھانا ضروری ہے، مدارس میں ''میزان'' سے جماعت پڑھنا شروع کرتی ہے، شروح، حواشی، تراجم دیکھتی ہے، مطالعہ کرتی ہے، استاذ کی تقریر سنتی ہے، پھر ہدایہ وغیرہ میں کیا پوری جماعت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی عبارت کو حل کرے اور مسائل صحیح سمجھ جائے، نہیں ہرگز نہیں۔

پھر تبلیغی جماعت میں کوئی تین دن کیلئے نکلا، کوئی دس بیس چالیس دن کیلئے نکلا، نہ امیر ایک رہتا ہے، نہ جماعت ایک رہتی ہیں، ایسی حالت میں اگر مسائل کی کتابیں ان کو سنائی جائیں تو غلطی کا احتمال کس قدر غالب ہوگا، البتہ ان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے طور پر اپنی استعداد اور حالت کے مطابق ضروریاتِ دین کا علم حاصل کریں اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں، مسائل پوچھ کر، کوئی اہل علم کی صحبت میں جاکر، کوئی مطالعۂ کتب سے، کوئی مدارس میں داخل ہوکر، جو شخص حاصل نہیں کرتا وہ کوتاہی کرتا ہے، اصول کا پابند نہیں۔ امام عالم اگر مسائل کی کتاب سنانا چاہیں تو ضرور سنائیں جماعت نہ روکے، البتہ باہمی مصالحت سے وقت متعین کرلیا جائے کہ فلاں وقت مسائل کی کتاب ہوگی۔

۳......ایسی حدیث تو شاید کوئی نہ ہو جس کے موضوع ہونے پر اتفاق ہو، ہاں یہ کہ بعض حدیثیں ضعیف ہیں اور ایسی بھی ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو موضوع کہا ہے، اس کو مصنف مدظلہ نے بیان بھی کردیا، فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کا بیان کرنا تدریب الراوی (۱) وغیرہ کتب میں جائز لکھا ہے۔ آخر ابن ماجہ کے متعلق

---

(۱) ''قالوا: إذا روينا في الحلال والحرام شدّدنا، وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا''.

''تنبيه: لم يذكر إبن الصلاح والمصنف هنا وفي سائر كتبه لما ذكر سوى هذا الشرط، وهو كونه في الفضائل ونحوها، وذكر شيخ الإسلام له ثلاثة شروط: أحدها، أن يكون الضعف غير شديد...... والثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به، الثالث: أن لايعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط''. (تدريب الراوي. قبيل النوع الثالث والعشرون، صفة من تقبل روايته: ۱/۲۹۸، ۲۹۹، المكتبه العلميه بالمدينه)

آپ کیا کہیں گے، جس کی نصف سے زائد احادیث کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے(۱)، ابن ماجہ داخلِ درس ہے بلکہ صحاح ستہ میں شمار ہے(۲) اور مصنف قدس سرہ نے کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، بلانکیر اس کا درس دیا جاتا ہے۔

۴......مصنف مدظلہ نے تو بہت احتیاط سے کام لیا کہ جس حدیث کو بعض حضرات نے موضوع قرار دیا اس کو واضح کردیا، اگر وہ حدیث بالاتفاق موضوع ہوتی تو ہرگز اس کو لکھ کر اس سے استدلال نہ کرتے، اب رہ گیا عوام کا حال تو ان کیلئے حدیث کی قوت وضعف کا بیان کرنا ہی کچھ مفید نہیں، اس لئے ترجمہ میں اس کا ذکر نہیں آیا، اہل علم حضرات کے لئے عربی عبارت میں موجود ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۱۳۹۵ھ۔

تبلیغی جماعت والے کیا وہابی ہیں؟

سوال[۱۴۴۰]: ہم لوگ ہندوستان سے بہت دور ساؤتھ افریقہ کے ایک ملک سرینام میں رہتے ہیں، ہمارے یہاں ۱۹۵۰ء سے پاکستان وغیرہ سے بریلوی حضرات آتے رہتے تھے۔۱۹۶۸ء کے بعد سے تبلیغی

= (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة قبيل: مطلب في بيان ارتقاء الحديث الضعيف: ۱/۱۲۸، سعيد)

(۱) لم أطلع عليه من ابن الجوزي على هذه اللفظ، وقد وجدت لغيره بمعناه بلفظ: "وقال الشيخ أبوالحسن السندي في تعليقه: وقد اشتمل هذاالكتاب من بين الكتب الستة على شئون كثيرة، انفرد بهاعن غيره، والمشهور أن ماانفرد به، يكون ضعيفاً، وليس بكلي، لكن الغالب كذلك، وقد ألف الحافظ الحجة العلامه أحمد بن أبي بكر البوصيري رحمه الله في زوائده تاليفاً، نبّه على غالبها..........أماماأورده ابن الجوزي في الموضاعات من أحاديث ابن ماجة، فنحوأربع وثلاثين حديثاً ....الخ". (ماتمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه للشيخ عبد الرشيد النعماني رحمه الله، ص: ۴۸، قديمي)

(۲) "قال السيد صديق حسن خان في "الحطة بذكر الصحاح الستة": قال الشيخ عبد الحق الدهلوي رحمه الله: كتابه واحد من الكتب الإسلامية التي يقال لهاالأصول الستة، والكتب الستة، والصحاح الستة.......... وإذاقال المحدثون: رواه الجماعة يريدون به هذه الرجال الستة في تلك الكتب الستة اهـ". (ماتمس إليه الحاجة، ص: ۳۵، قديمي)

جماعت کا سلسلہ جاری ہوا، ہمارے قریب ملک بار بادوس سے، پھر لندن اور افریقہ سے جماعتیں آتی رہیں، اس کے بعد گذشتہ سال امریکہ کے اجتماع سے پہلے ہندوستان میں سورت اور بمبئی سے وہاں کے سات حضرات جماعت میں آئے تھے، کافی ووافی کام کیا تھا جس سے ہم لوگ متاثر ہوکر اجتماع میں شریک ہوئے تھے اور ہمارا پورا یقین ہے۔

لیکن پاکستان سے بریلوی اشرف القادری آکے یہاں رہتا ہے، جس کے پاس ایک بڑی مسجد اور بڑی جماعت ہے، وہی زیادہ شور مچاتا ہے اور کہتا ہے کہ مولوی الیاس-رحمہ اللہ تعالیٰ- وہابی ہے، وہابی مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے، وہابی کا شاگرد ہے، وہابی عقیدہ پھیلاتا ہے اور مولانا اشرف علی کی تعلیم کو دنیا میں عام کرنا چاہتا ہے، ایسا ایک پرچہ بمبئی سے منگوا کر لوگوں مین تقسیم کیا ہے، اور لوگوں کو بتایا ہے کہ سب دیوبندی اور تبلیغی جماعت والے وہابی اور کافر ہیں، لہٰذا زبردستی مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور مولانا اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ کو کافر کہلواتا ہے اور مجھ کو کہتا ہے کہ تم لوگ تبلیغی جماعت والوں کا ساتھ چھوڑ دو، ان کو مسجدوں میں گھسنے نہ دو، لات مار کے نکالو، یہ لوگ پہلے پہلے نماز، کلمہ کی دعوت دیتے ہیں پھر اپنا رسوخ ہونے کے بعد اپنا وہابی عقیدہ ظاہر کریں گے۔

لہذا مفتی صاحب! آپ تفصیل سے نقل شدہ پرچہ کا جواب دیں تاکہ ہم دوسرے حضرات کو دکھا سکیں اور مفتیان کرام کے دستخط اور مدرسہ کی مہر کے ساتھ جواب جلدی سے روانہ فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

تبلیغی جماعت والے چاہے پرانے ہوں یا نئے ہوں، یا عالم ہو یا عامی ہوں، اسی طرح سے دیوبند سے تعلق رکھنے والے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ صاحب سے عقیدت اور تعلق والے (ان کے شاگرد، مرید اور معتقد) لاکھوں موجود ہیں جنہوں نے ہزاروں دینی مدارس قائم کئے جن میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے اور تبلیغی جماعت تو خدا کے فضل سے تمام دنیا میں دینی کام کر رہی ہے۔

اس کام کی برکت سے فرائض زندہ ہو رہے ہیں، سنتیں زندہ ہو رہی ہیں، مسلمانون کی زندگی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق درست ہو رہی ہے، جو لوگ کبھی زکوۃ نہیں دیتے تھے وہ باقاعدہ زکوۃ دے رہے

ہیں، جن کے ذمہ حج فرض تھا اوران کو حج کرنے کا خیال بھی نہ ہوتا تھا، وہ حج کر رہے ہیں، بے نمازی نماز کے پابند ہورہے ہیں، غلط رسوم میں جولوگ مبتلا تھے وہ ان کو چھوڑ رہے ہیں، بدعات سے توبہ کررہے ہیں پکے پکے پرانے بدعتیوں اور بریلویوں کے عزیز بھی تبلیغی جماعت میں آرہے ہیں۔

اس عملی انقلاب کو دیکھ دیکھ کر بریلوی رہنما پریشان ہیں ان کو اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ بے نمازیوں کو مسجد میں لائیں، جس کی تاکید قرآن وحدیث سے ثابت ہے(۱) اور جس کے لئے اللہ پاک نے ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر بھیجے (۲) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اصحابہ کرام اورامت کے اکابر نے اپنی زندگیاں صرف کردیں، ہاں ان بریلویوں کا کام صرف یہی رہ گیا ہے کہ نماز کے لئے مسلمانوں کو مسجد میں بلانے والوں کو گالیاں دے کر کافر بناکر سیدھے سادے مسلمانوں کو ان سے دور رکھیں تاکہ وہ اصل دین سے بے خبر رہیں اور بریلویوں کے معتقد بنے رہیں اور نذرانہ ان سے لیتے رہیں۔ قیامت آنے والی ہے اس وقت سب کچھ سامنے آجائے گا اور اپنے اعمال وعقائد کی حقیقت کھل جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

چلہ کے فوائد

سوال[۱۴۴۱]: تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جماعت لوگوں کو باہر نکلنے پر کیوں مجبور کرتی ہیں، کیا باہر نکلنا اور چلہ دینا ضروری چیز ہے؟ اس جماعت کے بانی کیا اس تحریک کے ذریعہ کوئی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئک هم المفلحون﴾. (آل عمران: ۱۰۴)

"وعن حذيفة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده، لتأمرن بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر، أوليوشكنّ الله أن يبعث عليكم عذاباًمن عنده، ثم لَتَدْعُنّه ولايستجاب لكم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمربالمعروف، الفصل الثاني، ص: ۴۳۶، قديمي)

(۲) "وقد ورد أنه عليه الصلوة والسلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلوة والسلام، فقال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفاً"، وفي رواية: "مائتاألف وأربعة وعشرون ألفاً". (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۵۶، قديمي)

نئی قوم تیار کرنا چاہتے تھے اس سے کیا ان کی مراد کیا تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دہلی نظام الدین مرکز تبلیغی مسجد بنگلہ سے جو جماعتیں تبلیغ کیلئے جاتی ہیں، ان کے لئے ایک دستور العمل موجود ہے، ایک چھوٹا سا کتابچہ چھپا ہوا ہے جس کا نام ''چھ باتیں'' ان چھ باتوں کو سیکھنے، سمجھنے صحیح کرنے، دل میں جمانے، زندگی میں جاری کرنے کے لئے لوگ نکلتے ہیں، اپنے اپنے خرچ کا ہر شخص خود ذمہ دار ہوتا ہے، کوئی ایک روز کے لئے، کوئی سال بھر کیلئے نکلتا ہے، بعضوں نے پوری زندگی ہی اسی مقصد کیلئے دیدی۔

اس طریقہ پر نکلنے سے عقائد بھی درست ہوتے ہیں، اخلاق واعمال کی بھی اصلاح ہوتی ہیں، اس سے دین پختہ ہوتا ہے، غلط چیزیں چھوٹتی ہیں، مثلاً جو شخص ایک چلہ کیلئے نکلا وہ اس مدت میں نماز باجماعت کا پابند ہوگا، قرآن کریم کا بھی حسب حیثیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کرلے گا، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، شراب نوشی، جھوٹ، غیبت، بہتان، حسد وغیرہ برائیوں سے محفوظ رہے گا، چلہ سے واپسی پر بھی امید ہے کہ دیر تک اثرات باقی رہیں گے، پھر کچھ مدت بعد دوبارہ چلہ کیلئے نکلا تو پہلے چلہ کی باتوں میں پختگی آئیگی، تبلیغی نصاب سن کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرنے کا اچھا خاصا جذبہ پیدا ہوگا، غرض اس طرح جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دے گا اسی قدر زیادہ اصلاح ہوگی، دین قائم ہوگا، غلط باتوں سے بچے گا۔

جو لوگ مالدار تاجر وغیرہ زکوۃ نہیں دیا کرتے تھے وہ تبلیغ کی برکت سے باقاعدہ پورا پورا حساب کرکے زکوۃ ادا کرنے لگے ہیں، جن پر حج فرض تھا مگر ارادہ نہیں کرتے تھے، وہ فضائلِ حج سن کر حج کے لئے آمادہ ہوگئے، بلکہ عمرہ کرنے کیلئے بھی مستقل سفر کرنے لگے، جگہ جگہ مکاتب ومدارس قائم ہوگئے جن سے قرآن کریم اور دینی تعلیم کو فروغ ہوا ہے۔

اچھی خاصی بڑی عمر والوں کو بھی جب تعلیمی حلقوں میں نماز سننے اور سنانے کی نوبت آئی اور اپنی غلطی پر اطلاع ہوئی تو وہ اصلاح کی فکر میں لگ گئے، نمازیں درست کرنے لگے، جو صرف الفاظ جانتے تھے انہوں نے معانی ومطالب کو بھی سیکھنا شروع کردیا، جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی اس تبلیغ کی بدولت بہت سی احادیث کا مطلب یاد کرلیا، الغرض اس کے بیشمار منافع ہیں۔ ریلوں میں، بسوں میں، جہازوں میں جماعتیں جاتی ہیں، ہر بندرگاہ پر حاجیوں میں کام کرتی ہیں، بلکہ مکہ مکرمہ، عرفات، مزدلفہ، منی، میں کام کرتی ہیں، بے شمار

لوگوں کا حج اس تبلیغی کام کی بدولت صحیح اور شریعت کے مطابق ہونے لگا۔مختلف ممالک کے لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں، عرب میں اجتماعات ہوتے ہیں، ترکی، سوڈانی، یمنی، شامی، عراقی، ہر جگہ کے لوگ آتے ہیں اور جماعتیں بنا کر نکلتے ہیں۔الغرض کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں یہ کام نہ پہونچا ہو، اس کی بدولت بہت بڑی مخلوق کی اصلاح ہوئی اور ہورہی ہے۔

جو لوگ جماعت کے مخالف ہیں انہوں نے مستقل گروہ بنا کر بڑے بڑے جماعات میں مخالفت اور فتنہ پردازی کے لئے بھیجے، اس گروہ نے جب دینِ حق کی باتیں سنی اور عملی زندگی کو دیکھا تو وہ گروہ رو پڑا اور بہت ندامت کے ساتھ اپنے غلط ارادوں سے توبہ کی اور جن لوگوں کو بھیجا تھا ان پر بہت زیادہ اظہار افسوس کیا کہ ہمیں ان لوگوں نے اندھیرے میں رکھا اور غلط باتیں بتائیں، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اگر یہی چیز وہابیت، دیوبندیت ہے تو اس پر کیا اعتراض ہے۔حضرت مولانا محمد الیاسؒ ایک بے نفس بزرگ تھے، جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور چاہتے تھے کہ ایک مستقل جماعت ہر علاقہ میں ایسی ہونی چاہیے جن کا مقصدِ زندگی ہی دین اسلام اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت ہو، صرف کلمہ ونماز پر کفایت نہ کرے بلکہ تمام دین کو لے کر دنیا میں پھیلے، یہی وہ چیز ہے جس کو فرمایا تھا ''ایک نئی قوم پیدا کرنا'' جو سارے دین کو لے کر پوری دنیا میں پھیلے اور اس کی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف ہو۔چنانچہ کتابچہ ''چھ باتیں'' کے آخیر میں جو جو ہدایت دی ہیں کہ:

> ''ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین مسلمانوں تک پہونچا دیں اور ان کو سکھا دیں اور یہ کلمہ ونماز اس کی الف، ب، ت، ہے''۔

اس پر کیا اعتراض ہے کیونکہ صرف نماز کے لئے تو وعظ بھی ہوتے رہتے ہیں مگر یہاں صرف نماز پر کفایت کرنا نہیں ہے بلکہ پورے دین کو لے کر مستقلاً مقصد بنانا ہے۔

ایک تبلیغی کی تقریر: ''مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ الہامی نبی تھے''

سوال[۱۴۴۲]: یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دراصل الہامی نبی تھے، انبیاء پر وحی آتی تھی لیکن مولانا ایسے نبی تھے

جن کو ہر آنے والے واقعہ کا الہام ہوتا تھا گویا الہامی نبی تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کو نبی کہنا درست نہیں نہ الہامی نبی نہ کسی اَور قسم کا نبی، ایسے عنوانات سے بہت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس لئے کلی احتراز واجب ہے(۱)، اس پر بھی کوئی دلیل شرعی قائم نہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کو ہر آنے والے واقعہ کا الہام ہوتا تھا، اگر حضرت مولانا مرحوم حیات ہوتے تو ہرگز ہرگز ایسی ایسی باتوں کی اجازت نہ دیتے، بلکہ سختی سے روک دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم، دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

مولانا علی میاں کی عبارت سے مولانا الیاس صاحب پر اعتراضات

سوال[۱۴۴۳]: ''مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ صاحب اوران کی دینی دعوت'' مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، باب ہفتم، ص: ۲۰۵ پر ہے:

''مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب ایم، اے علیگ سے فرمایا جو ایک وسیع النظر عالم ہیں: ''ظہیر! اصل میں میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریکِ صلوۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں کہ ہرگز تحریک صلوۃ نہیں''۔

ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ:

''ظہیر الحسن! ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے''۔

ص: ۲۰۶ پر ہے:

''منشی نصر اللہ راوی ہیں کہ ایک روز میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ:

''آپ مجدّدِ وقت ہیں، فرمایا: ''تم سے کون کہتا تھا، میں نے کہا لوگوں میں چرچا ہے، فرمایا: ''نہیں! میری جماعت مجدد ہے''۔

---

(۱) ''وعن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه قال: إن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الأغلوطات''. رواه أبوداود''. (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ۳۵، قديمي)

ص:۲۰۹اورص:۲۱۰پر ہے:

''اگرکوئی کوئی شخص ان جگہوں سے غیرِ مسلم اہلِ شوکت کے مقامات ومرکزوں سے قنوت نازلہ پڑھے بغیر گذرے توسلبِ ایمان کا خطرہ ہے''۔

ص:۱۸۵پر ہے:

''فرمایا: میں مشغول بہت ہوں، میں محسوس کرر ہاہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کواذیت ہے، میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا''۔(نعوذ باللہ)۔

دریافت طلب یہ امور ہیں:

۱......بانیٔ تبلیغ کااعلان کھلااورصاف ہے کہ تحریکِ نمازنہیں اورپھراس بات کو وہ قسم سے کہتے ہیں تو کیا یہ دھوکانہیں ہے؟

۲......مجدد کی کیاتعریف ہے؟ مجدد کتنے عرصہ بعد پیدا ہوتا ہے،کیاپوری جماعت مجدد ہوسکتی ہے؟

۳......کیایہ صحیح ہے کہ اگر بغیرقنوتِ نازلہ پڑھے غیرمسلم کے مقامات سے کوئی گذر گیاتوایمان سلب ہونے کااندیشہ ہے؟

۴......کیایہ صحیح ہے کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کواذیت ہوئی-نعوذ باللہ- کیایہ ہوسکتی ہے؟ ایسے سننے والے اورسوچنے والے اورلکھنے والے کے متعلق ازروئے شریعت کیاحکم ہے،مسلمان ہے یانہیں،توبہ وتجدیدایمان لازم ہے یانہیں؟

۵......مجدد ایک وقت میں ایک ہوتا ہے،کیاایک وقت میں پوری جماعت کے افراد جوذمہ دار ہیں اورکل افرادشریکِ تبلیغ مجددوقت کہلائیں گے؟ برائے کرم مفصل حکم شرع مع حوالہ ودلیل سے تحریرفرمائیں۔

محمد حنیف قادری،دھولوی،مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت اوراس کی خدمتِ دین،نقل وحرکت اس قدرپھیل چکی ہے کہ محتاجِ تعارف نہیں،تبلیغی جماعت کیلئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ نے کچھ ہدایات دی ہیں ان میں ایک نمبر یہ بھی ہے:

''ہماری جماعت کااصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کوحضورصلی اللہ علیہ وسلم

کالایا ہوا دین پورا پورا سکھادیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی ''الف، ب، ت'' ہے''(۱)۔

مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانی نے نظام الدین دہلی میں کچھ مدت قیام کرکے ملفوظات کو جمع کیا تھا، اس مجموعہ میں یہ ملفوظ بھی ہے اور ایک چھوٹی سی کتاب ''چھ باتیں'' ہے، اس کے اخیر میں بھی نمبر:۳ پر یہ ملفوظ ہے، اس میں غور کرنے سے یہ اشکال خود رفع ہوجائے گا، مثلاً ایک استاد ایک جماعت کو قاعدہ بغدادی شروع کراتا ہے جس کی ابتداء میں ہے کہ ''الف، ب، ت'' اور سب کو تاکید کرتا ہے کہ اس کو پڑھو، دوسری طرف سے توجہ ہٹالو، جو وقت سبق یاد کرنے کا ہے اسی میں خرچ کرو، اس کے بعد پھر وہ پارۂ عم اور قرآن کریم پڑھاتا ہے، پھر فارسی، عربی، حدیث، تفسیر ایک طویل نصاب پڑھاتا ہے اور اس جماعت کو ترتیب دے کر ہمہ تن علم دین کی خدمت واشاعت کے لئے مشغول کردیتا ہے۔ اس جماعت کا مقصد یہی ہوتا ہے، کہ جس طرح خود (الف، ب، ت) سے ابتداء کرکے تمام علوم دینیہ کو پڑھا اور اس کا یقین دل میں قائم کیا ہے، اپنے ظاہر وباطن کو دین کے تابع کیا، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ، غرض حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر بات کو اختیار کیا۔ اسی طرح تمام دنیا میں یہ جماعت اسی کو لے کر پھرتی ہے اور اپنا مقصدِ حیات بتاتی ہے، کیونکہ اس مقصدِ عظیم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خوشنودی مرتب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ اب اگر وہ شخص معلم یہ کہے کہ میرا مقصد صرف قاعدہ بغدادی پڑھانا نہیں، حالانکہ ابتداء اسی سے کی ہے بلکہ یہ تو میرے مقصد کیلئے الف، ب، ت، ہے، میرا مقصد ایسی جماعت کو تیار کرنا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو پوری طرح پڑھے، سمجھے، اس پر یقین کرے، عمل کرے، اس کو پڑھائے، پھیلائے تو کوئی دانشور اس کی اس بات کو دھوکہ نہیں کہے گا، تاہم نمبروار جوابات بھی عرض ہیں۔

۱...... یہ بالکل دھوکہ نہیں، ایسی جماعت میں شریک ہونا عینِ سعادت اور اکمالِ دین کا ذریعہ ہے اور بعثتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے عین مطابق ہے۔

۲......ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر رأس ماۃ سنۃ پر ایسے شخص

---

(۱) (''چھ باتیں'' مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ تبلیغی کام کرنیوالوں کو ھدایات، ملفوظات نمبر:۳، ص:۷۹، قدیمی)

کو بھیجتے ہیں جو دین کی تجدید کرتا ہے"(۱)۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک جماعت بھی مجدد ہو سکتی ہے(۲)۔

۲......کفر کی شوکت اور اہل کی وجاہت کو دیکھ کر قلب کے اندر ضرور خدشہ ہونا چاہیئے اس کا تقاضہ وہی ہے جو حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ایک مضمون ہے کہ:

"بستی پر عذاب نازل کرنے کا ملائکہ کو حکم ہوا، ملائکہ نے عرض کیا بہت اچھا، ہم تعمیل ارشاد کے لئے جا رہے ہیں مگر وہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا ہے کبھی نافرمانی نہیں کرتا، کیا اس کو بھی تباہ کر دیں؟ حکم ہوا کہ ہاں اس کو بھی تباہ کر دو، اس لئے کہ وہ ہماری نافرمانی کو دیکھتا رہا اور اس کے چہرہ پر تغیر تک نہیں آیا"(۳)۔

کفر کے برابر کیا نافرمانی ہوگی، اس کی مثال ایسے سمجھئے جیسے کوئی نظیف الطبع آدمی کسی مکان میں جائے اور وہاں غلاظت پڑی ہو، کیا اسے ناگواری نہیں ہوگی اور ناگواری کا اثر چہرہ پر ظاہر نہیں ہوگا، کیا اس کا طبعی تقاضہ نہ ہوگا کہ یہ غلاظت یہاں نہ ہوتی، کیا وہ اس کی کوشش نہیں کرے گا کہ یہ غلاظت یہاں نہ رہے، اگر اس کے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه فيما أعلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الله تعالى يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لهادينها". (سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المأة: ۲/ ۲۴۱، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالى: "وقد تكلم العلماء في تأويله (أي الحديث المذكور)، والأولى الحمل على العموم، فإن لفظة "من" تقع على الواحد والجمع، والأظهر عندي -والله أعلم- أن المراد بمن يجدد ليس شخصاً واحداً، بل المراد به جماعة يجدد كل أحد في بلد، في فن أوفنون من العلوم الشرعية ماتيسر له من الأمور التقريرية أوالتحريرية، ويكون سبباً لبقائه وعدم اندراسه وانقضائه إلى أن يأتي أمر الله". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، قبيل الفصل الثالث: ۱/ ۵۰۷، رشيديه)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أوحى الله عزوجل إلى جبريل عليه السلام أن أقلب مدينة كذا وكذا بأهلها، قال: يارب! إن فيهم عبدك فلان، لم يعصك طرفة عين، قال: فقال: اقلبها عليه وعليهم، فإن وجهه لم يتمعر فيّ ساعةً قط". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف. الفصل الثالث، ص: ۴۳۸، ۴۳۹، قديمي)

قابو میں نہ ہوتو کیا وہ اس کی فکر نہ کرے گا کہ وہ وہاں سے دور ہٹ جائے، قنوتِ نازلہ اسی فکرِ عظیم کو دور کرنے کی ایک کوشش ہے۔

۴......امت کے اعمال حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں(۱)، بداعمالیوں سے اذیت بھی ہوتی ہے، روایاتِ حدیث میں موجود ہے کہ ظاہر حیات طیبہ میں بھی ہے، اذیت کی چیزوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی تھی، خود حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی ہے"(۲)۔ نیز قرآن کریم میں ہے:

﴿إن الذين يؤذون الله ورسوله، لعنهم الله في الدنيا والآخرة، وأعدلهم عذاباًمهيناً﴾ (۳) بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (بیان القرآن)۔

اور حیاتِ برزخی تو زیادہ قوی ہے اس کے احساسات بھی زیادہ ہیں، اس کی وجہ سے ایمان میں شک کرنا اور توبہ وتجدید ایمان کا سوال کرنا آیات واحادیث سے عدم واقفیت یا عدم استحضار کی بناء پر ہے۔

۵......اس کا جواب نمبر: ۲ میں آچکا ہے، لیکن کسی شخص کے متعین طور پر مجدد ہونے کے لئے کوئی نص نہیں ہوتی ہے، یہاں قرائن واحوال سے ہر زمانہ کے "اصحابِ علم واصحابِ عرفان" سمجھتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اگر براہ راست ان سے دریافت کریں تو ممکن ہے وہ کوئی اور جواب تشفی بخش تحریر فرمادیں، میرا یہ جواب ان کے پاس بھیجنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، اس

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حياتي خير لكم، تحدثون ويحدث لكم، ووفاتي خير لكم، تعرض عليّ أعمالكم، فما رأيت من خير حمدت الله عليه، وما رأيت من شر استغفر الله لكم". رواه البزار و رجاله رجال الصحيح". (مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴، بحواله تسكين الصدور، ص: ۳۳۴)

(۲) "عن المسور بن مخرمة قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "إنما فاطمة بضعة مني، يؤذيني ما آذها". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمة رضي الله تعالى عنها: ۲/ ۲۹۰، قديمي)

(۳) (الأحزاب، ۵۷)

سے یہ بھی معلوم بھی ہو جائے گا کہ ان کے نزدیک یہ جواب صحیح ہے یا غلط اور اگر مجھ کو بھی اطلاع کر دیں تو مزید احسان ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

مستقل قوم کا مطلب

سوال[۱۴۴۴]: عرصہ ہوا تبلیغی جماعت کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تھا آپ نے نہایت اطمینان بخش جواب دیا تھا، پھر میں کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہوا، بریلویوں کی ضد سامنے آئی اور یہی خیال کرتا رہا کہ یہ لوگ ضدی ہوتے ہیں مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد کتاب مسمّی ''دینی دعوت'' نظر کے سامنے ہے، جس کے ص:۲۲۶، پر یہ تحریر ہے کہ:

> ''ایک مرتبہ حضرت موصوف نے اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن ایم، اے، علیگ سے فرمایا جو ایک وسیع النظر عالم بھی ہیں۔
>
> ظہیر الحسن! میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک تحریکِ صلوٰۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں۔
>
> ایک روز بڑے حسرت سے فرمایا: میاں ظہیر الحسن! ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے''۔

دو سال پیشتر جو استفسار کیا گیا تھا اور موجود تحریر کردہ عبارت میں بہت بڑا فرق ہے، دماغ پریشانیوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب مسمّی ''اصول دعوت تبلیغ'' بھی سامنے ہے جو حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ رحمہ اللہ قبلہ کی تقریر کا مجموعہ ہے:

> ''وہ آیات واحادیث جو جہاد سے متعلق ہیں ان کو موجودہ تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے، اس عبارت پر مولانا موصوف نے تبلیغی جماعت کے لوگوں سے دلیل بھی طلب کی ہے کہ جہاد کی آیتوں اور احادیث کو موجودہ تبلیغ پر چسپاں کرنے سے پہلے دلیل دیں''۔

دیکھئے! کس قدر تضاد ہے، امید کہ شافی جواب دے کر بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

محمد حبیب الرحمٰن، مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ۔ نیا صرافہ بازار اودے پور راجستھان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خط کشیدہ عبارت اور گذشتہ فتوی جس کی عبارت میں بڑا فرق آپ کو محسوس ہوتا ہے بہتر یہ تھا کہ اس فتوی کو بھی ساتھ بھیج دیتے تا کہ دونوں کو دیکھ کر فرق سمجھ لیا جاتا اور جواب دیا جاتا، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، اس فتوی کا نمبر لکھا نہ تاریخ تا کہ رجسٹر نقول فتاوی میں اس کو تلاش کر لیا جاتا (۱)۔

یہ بات صحیح ہے کہ اس تبلیغی کام کا مقصد تحریکِ صلوۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ مقصد کی توضیح وتشریح ہے، خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ صاحب نے جو کچھ فرمائی ہے وہ یہ ہے:

''ہماری جماعت کا اصل مقصد ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کالایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیا جائے یہ تو ہمارا اصل مقصود ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت، ہے'' (۲)۔

یہ عبارت کتاب ''چھ باتیں'' کے آخر میں تبلیغی کام کرنیوالوں کو ہدایات کے تحت نمبر: ۳ پر منقول ہے اس پر کوئی اعتراض ہو تو لکھئے۔

شاید نئی قوم پر آپ کو اشکال ہو تو سنئے کہ دنیا میں ایک قوم شب وروز تجارت کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے، اس کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں اس میں خرچ ہوتی ہیں، مکان میں ہے تو یہی تذکرہ ہے، مسجد میں ہے تب بھی ذہن اس فکر سے خالی نہیں، سفر ہے تو اسی لئے ہے، غرض مقصدِ حیات خواہ عملی طور پر سہی، یہی قرار دے رکھا ہے۔

ایک قوم زراعت میں مشغول ہے، اس کا بھی یہی حال ہے کہ ہر وقت اسی کی فکر دامن گیر ہے، حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ایک قوم ایسی پیدا ہو جس کا مقصدِ حیات دینی جدوجہد ہو اس کی ہر قوت اور صلاحیت اسی لئے ہو، ایک روز، تین روز، چلے، برس، عمر، اس کے لئے وہ طلب فرماتے تھے اور چاہتے

---

(۱) اس سے مراد بظاہر ماقبل والا سوال وجواب ہے جو کہ عنوان مولانا علی میاں کی عبارت سے مولانا الیاسؒ صاحب پر اعتراضات کے نام سے گزرا۔ واللہ اعلم۔

(۲) (کتاب ''چھ باتیں'' مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری، تبلیغی کام کرنے والوں کیلئے ہدایات، ملفوظ نمبر: ۳، ص: ۷۹، قدیمی)

تھے کہ تمام دنیا میں اسی مقصد کو اصل قرار دے کر دوسرے مقاصد ضمنی ہو جائیں، اس پر کیا اعتراض ہے۔

کتاب ''اصول دعوت تبلیغ'' میرے پاس نہیں، میں نے نہیں پڑھی، اس کا اعتراض آپ نے نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں: ایک خدا کے راستہ میں قتل ہو جانا، اس کا جو اجر وثواب ہے وہ تو اسی سے حاصل ہوگا اور دوسری چیز ہے جہاد، تو اس کا مفہوم قرآن وحدیث کی روشنی میں بہت عام ہے، دین کے لئے جو کچھ جدوجہد ہو وہ جہاد ہے حتی کہ دین کی تعلیم دینا، کتاب تصنیف کرنا، وعظ کرنا، مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا، مسئلہ بتانا، سب ہی جہاد ہے، وہ قتل ہونے کے ساتھ مخصوص نہیں، اسلئے امام نووی رحمہ اللہ نے جہاد کی تیرہ قسمیں لکھی ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا﴾(۱) اور: ﴿یاأیها النبی جاهد الکفار والمنافقین﴾ (۲) اور حدیث شریف میں ہے: ''رجعنا من الجهاد الأصغر إلی الجهاد الأکبر'' (۳)۔

آپ چونکہ عالم ہیں اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی، آپ خود سمجھتے ہیں کہ یہاں جہاد سے کیا مراد ہے۔

لہذا جہاد کو تلوار کے ساتھ خاص کر دینا قرآن وحدیث کی رو سے غلط اور بالکل غلط ہے بلکہ جہاد کی آیات واحادیث عام ہیں، سب قسموں کو شامل ہیں، اسی طرح خروج فی سبیل اللہ کا مفہوم بھی عام ہے۔
حدیث: ''من اغبرّت قدماه فی سبیل الله، حرّمه الله علی النار'' (۴) کو حضرت بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد، ص: ۳۹۴ میں بھی بیان کیا ہے اور جمعہ کی نماز کے بیان میں بھی لیا ہے، یعنی جمعہ کی نماز کیلئے جانے

---

(۱) (العنکبوت: ۶۹)

(۲) (التوبة: ۷۳)

(۳) (المرقاة شرح المشکوة، کتاب الجهاد، قبیل الفصل الأول: ۷/۳۴۸، رشیدیه)

(۴) ذکره الإمام البخاری رحمه الله فی الجمعة باللفظ المذکور، باب المشی إلی الجمعة: ۱/۱۲۴، وقد ذکره فی الجهاد بلفظ: عبدالرحمٰن بن جبیر أن رسول الله علیه وسلم: قال: ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار''. (باب من اغبرت قدماه فی سبیل الله: ۱/۳۹۴، قدیمی)

پر وہی اجر ہے جو کہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے جانے پر ہے، کیا آپ امام بخاری رحمہ اللہ پر بھی اعتراض فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغ کا ثواب

سوال[۱۴۴۵]: کہا جاتا ہے کہ تبلیغ میں نکل کر عمل کرنے سے ایک کو ساٹھ لاکھ نیکیاں ملیں گی اور ایک ساعت تبلیغ میں نکلنا ستر سال گھر بیٹھے عبادت کرنے سے بھی افضل ہے اور ان کی دعائیں پیغمبروں کی دعائیں جیسی قبول ہوتی ہیں اور ایک روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے کی مقدار ثواب ملتا ہے۔ آیا یہ مفہوم بعینہ حدیث سے ثابت ہے اور بات کہاں تک صحیح ہے، اگر حدیث میں ہے تو کیا وہ حدیث صحیح بھی ہے۔؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خروج فی سبیل اللہ میں ہر نیکی سات لاکھ نیکی کا درجہ رکھتی ہے، یہ حدیث شریف ''الترغیب والترهیب'' میں حافظ عبدالعظیم منذری نے بیان کی ہے اور اس کو معتبر ومعتمد قرار دیا ہے(۱)۔

خروج فی سبیل اللہ سے عامۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد قتال فی سبیل اللہ ہے لیکن یہ لفظ خروج فی سبیل اللہ بہت عام ہے دین کی ہر جدوجہد کیلئے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے، مثلاً علمِ دین سیکھنے کے لیے، وعظ کہنے کے لئے، اصلاحِ نفس کی خاطر کسی بزرگ کی خدمت میں جانے کیلئے، تبلیغ کے واسطے جماعت بنا کر نکلنے

---

(۱) "و عن الحسن بن علي بن أبي طالب، و أبي الدرداء، و أبي هريرة و أبي أمامة الباهلي، و عبد الله بن عمر، و جابر بن عبد الله، و عمران بن حصين -رضي الله عنهم أجمعين- كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من أرسل نفقةً في سبيل، و أقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم، و من غزا بنفسه في سبيل الله، و أنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشآء﴾. (الترغيب و الترهيب للمنذري، الترغيب في النفقة في سبيل الله الخ: ۲/۲۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث، ص: ۳۳۵، قديمي)

کیلیے، کہیں فساد ہوگیا ہو تو مظلوموں کی امداد کے لئے، اہل باطل کے فتنہ سے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر مناظرہ کرنے کیلیے یہ سب خروج فی سبیل اللہ ہے، حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری رحمہ اللہ میں جمعہ کے واسطے جانے کو بھی خروج فی سبیل اللہ تجویز فرمایا ہے، جیسا کہ: ۱/۱۲۴ میں ہے(۱)۔

اپنے گھر بیٹھ کر دعا اور عبادت کرنے اور خدا کی راہ میں نکل کر دعاء اور عبادت کرنے میں بھی بڑا فرق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام -علیہم السلام- کی بعثت کا مقصود اسی دین حق کی تبلیغ واشاعت ہے، لہذا جس کی زندگی اس راہ سے زیادہ قریب ہوگی اس کو اسی قدر انبیاء کرام -علیہم السلام- سے دعاء وعبادت میں زیادہ قرب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم، دیوبند، ۸۹/۵/۲۴ھ۔

تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ

سوال[۱۴۴۶]: موجودہ تبلیغی جماعت میں بارہا سنا گیا ہے کہ اس جماعت میں نکلنے سے جو عمل کیا جاتا ہے وہ سات لاکھ گناہ زیادہ ہوتا ہے، یعنی ایک عمل گھر پر کیا گیا مثلاً ایک نماز گھر پر ادا کی گئی تو ایک ہی نماز کے اجر کا استحقاق ہے اور اگر وہی نماز تبلیغی جماعت میں نکل کر ادا کی جائے تو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے اور اس کی کیا اصل ہے؟ اور جو فضائل احادیث شریف میں مجاہدین کے سلسلے میں وارد ہیں کیا تبلیغ جماعت میں کام کرنے والوں کو وہ فضائل حاصل ہوں گے؟ فقط

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغ بھی ایک قسم کا جہاد ہے اور جہاد کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی شخص اس راہ میں نکل کر ایک روپیہ صرف کرے گا تو اس کو سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا بلکہ ہر نیکی کا ثواب اسی طرح ہے اور خدا کی راہ میں

---

(۱) (وقد مضی تخریجه تحت عنوان: "مستقل قوم کا مطلب")

قال الحافظ ابن حجر: "قال (أي ابن بطال) المراد في سبيل الله جميع طاعاته اهـ ....

وقد أورده المصنف في فضل المشي إلى الجمعة استعمالاً للفظ في عمومه. ولفظه هناك: "حرمه الله على النار"، وقال ابن المنير، مطابقة الآية من جهة أن الله أثابهم بخطواتهم وإن لم يباشروا قتالاً". (فتح الباري، كتاب الجهاد. باب من اغبرت قدماه في سبيل الله: ۶/ ۳۶، ۳۷، قديمي)

جو جان دے گا اس کا ثواب الگ مستقل ہے۔

"عن علیؓ، وأبی الدرداء، وأبی هریر، وأبی أمامة، وعن عبد الله بن عمر، وعبدالله بن عمرو، وجابر بن عبدالله، وعمران بن حصین رضی الله تعالی عنهم أجمعین کلهم یحدّث عن رسول صلی الله علیه وسلم أنه قال: "من أرسل نفقةً فی سبیل الله، وأقام فی بیته، فله بکل درهم سبع مائة درهم، ومن غزابنفسه فی سبیل الله، وأنفق فی وجهه ذلك، فله بکل درهم سبع مائة دراهم، ثم تلاهذه الآیة: ﴿والله یضاعف لمن یشاء﴾۔ مشکوۃ شریف، ص: ۳۳۵ (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم، دیوبند، ۲۲/۵/۸۸ھ۔

تبلیغ میں ایک قدم پر سات لاکھ کا ثواب

سوال: تبلیغی لوگ فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت کیساتھ چل کر مسلمانوں کو نماز کی دعوت دینے سے اللہ پاک ایک ایک قدم پر سات لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، یہ بات قرآن پاک یا حدیث پاک سے کہیں ثابت ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مضمون کی حدیث "الترغیب والترہیب" میں حافظ عبدالعظیم بن المنذر ۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔ نے روایت کی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث، ص: ۳۳۵، قديمی)

(ورواه أيضاً عبد العظيم المنذر فی الترغيب والترهيب، الترغيب فی النفقة فی سبيل الله الخ: ۲/۲۵۳، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(۲) "و عن الحسن بن علی بن أبی طالب، و أبی الدرداء، و أبی هريرة، و أبی أمامة الباهلی، و عبد الله بن عمر، و جابر بن عبد الله، و عمران بن حصين –رضی الله عنهم أجمعين– كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من أرسل نفقةً فی سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، =

تبلیغ میں ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ

سوال[۱۴۴۸]: تبلیغی جماعت والوں کا کہنا ہے کہ اگر عید کی نماز اپنے گاؤں اور بستی سے باہر جماعت کے ساتھ کسی دوسری جگہ عیدگاہ میں نماز پڑھیں تو اس کا ثواب سات لاکھ عید کا ثواب ملے گا۔ کیا واقعی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو مجھے حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''الترغیب والترهیب'' میں حافظ عبدالعظیم منذری نے حدیث نقل کی ہے کہ راہ خدا میں نکل کر ایک حسنہ کا ثواب سات لاکھ ہو جاتا ہے (۱)، جب آدمی خدا کے راستے میں نکلتا ہے تو جتنا بھی اللہ تعالیٰ ثواب دیں تو اس کے خزانہ میں کمی تو نہیں آئے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

کیا تبلیغی جماعت کے ساتھ جانا جہاد ہے؟

سوال[۱۴۴۹]: کیا تبلیغی جماعت کے ہمراہ جا کر لوگوں کو صرف نماز کی دعوت دینا جہاد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاد کہتے ہیں کہ خدا کے دین کی خاطر محنت ومشقت جدوجہد کرنے کو، اس کی بہت سی صورتیں ہیں،

= و من غزا بنفسه في سبيل الله، و أنفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشآء﴾. (الترغيب و الترهيب للمنذري، الترغيب في النفقة في سبيل الله و تجهيز الغزاة و خلفهم في أهلهم: ۲/۲۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱)(الترغيب و الترهيب لعبد العظيم المنذري -رحمه الله تعالىٰ- ، الترغيب في النفقة في سبيل الله و تجهيز الغزاة و خلفهم في أهلهم: ۲/۲۵۳، دار احياء التراث العربي بيروت)

(وراجع للحديث، ص: ۳۰۱، رقم الحاشية : ۲)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث، ص: ۳۳۵، قديمي)

اس حدیث میں لفظ ''سبیل'' عام ہے، جس طرح یہ لفظ جہاد بالسیف کو شامل ہے اسی طرح تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت، درس وتدریس اور قلم وقدم کو بھی شامل ہے، لہٰذا صرف جہاد بالسیف کے ساتھ اس کی تخصیص بے محل ہوگی۔

ایک صورت یہ بھی ہے جو تبلیغی جماعت کرتی ہے اور خدا کے راستے میں جان دیدینا، یعنی دشمنوں سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کیلئے مقبول ہوجانا، یہ جہاد کا بڑا درجہ ہے جو کہ قتال سے ہی حاصل ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۶ھ۔

تبلیغی جماعت سے مولانا احتشام الحسن صاحب کا اختلاف

جہاد فی سبیل اللہ کی تشریح

سوال [۱۴۵۰]: مکرمی محترمی جناب حضرت قبلہ مفتی صاحب، مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واضح ہو کہ جناب کا تحریر کردہ ملفوف بنام جناب اشفاق الرحمٰن موصول ہوا اور احقر نے بھی اس کا مطالعہ کیا، بڑی مسرت ہوئی، مگر احقر کو کچھ اشکال تھا اس لئے یہ تحریر کرنے پر مجبور ہوا، آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ "تبلیغ والوں کا یہ کہنا بھی بجا اور درست ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے" اور اس کی وجہ بھی جناب والا نے تحریر کی ہے۔

اول تو وہ حضرات اس توجیہ سے خالی ہیں بلکہ وہ حضرات اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں، لیکن آپ نے حسنِ ظن رکھتے ہوئے توجیہ فرمائی ہے تو آپ ہی فرمائیں کیا ادنیٰ مناسبت پر کلی حکم لگایا جاسکتا ہے؟ اگر زید گوشت آگ پر سینک کر کھائے اور کہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے تو آیا یہ درست ہوگا اگرچہ یہ ایک بعید مثال ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک ہوتی ہے عقیدہ کی غلطی اور دوسری عملی غلطی، میں سمجھتا ہوں عملی غلطی بہتر ہے عقیدہ کی غلطی سے، یہ حضرات بے شک عملی غلطی کی اصلاح کرتے ہیں مگر اس میں عقیدہ کی غلطی ضرور پیدا ہوجاتی ہے جو

---

(۱) "والجهاد بكسر الجيم، أصله لغةً المشقة، .... وشرعاً بذل الجهد في قتال الكفار، ويطلق على مجاهدة النفس والشيطان والفساد. فأمامجاهدةالنفس، فعلى تعلّم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأمامجاهدة الشيطان، فعلى دفع مايأتي به من الشبهات ومايزيّنه من الشهوات، وأمامجاهدة الكفار فتقع باليد والمال، ثم اللسان، ثم القلب، وأما مجاهدة الفساق فباليد ثم اللسان ثم القلب". (فتح الباري. كتاب الجهاد: ۶/۳، قديمي)

زیادہ مضر ہے۔ اول یہ مستحب کو فرض سمجھتے ہیں، فضائلِ جہاد کو محمول کرتے ہیں فضائلِ تبلیغ پر۔ آپ کی توجیہ سے زیادہ سے زیادہ استحباب کا درجہ دیا جاسکتا ہے، مگر وہ حضرات اس کو سنتِ موکدہ کا درجہ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ تارکِ تبلیغ کو مبغوض اور تارکِ سنت کہتے ہیں، اگر یہ سنت ہے تو کیا تمام علمائے کرام خود زیادہ گنہ گار ہیں اور کیا انہوں نے کتمانِ علم کیا اور قیامت میں جواب دہ ہوں گے؟

احقر نے جمعہ ایڈیشن میں پڑھا تھا کہ:

''حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے فرمایا کہ بعض لوگ تبلیغ کے نام پر کچھ دین کا کام کر رہے ہیں، مگر وہ تبلیغ نہیں تحریف ہے''۔ اور حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی نے فرمایا (جو حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ) کے خلیفہ ہیں: ''نظام الدین کی موجودہ تبلیغ نہ قرآن وحدیث کے موافق اور نہ علمائے حق اور حضرت مجددِ الف ثانی کے مسلک کے مطابق''۔

بلکہ آگے فرماتے ہیں:

''بے انتہا اصولوں کے بعد جو کام مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بدعتِ حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا اب بے انتہا بے اصولیوں کے باوجود اس کو بدعت حسنہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے، نام کتاب ''بندگی کی صراط مستقیم''۔

امید کہ جناب بلا رورعایت کے جواب قرآن وحدیث کے موافق عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔ ''قل الحق ولو کان مرا''۔ فقط۔ والسلام۔

محتاجِ دعاء وخاکپائے بزرگان: مولوی محمد حارث دہلوی، خطیب مسجد املی والی نمبر: ۱۰۴، گلی مسجد تہور خان، نیا بانس، شہر دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید مجدکم! السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جس بے تکلفی سے اپنا اشکال تحریر فرمایا اس سے بہت مسرت ہوئی، دین کے جس کام یا جس مسئلہ میں بھی شبہ پیدا ہو، اس کو ضرور حل کر لینا چاہئے دل میں نہیں رکھنا چاہیے، اگر نفس الامر میں وہ مسئلہ غلط چل

رہا ہے تو اصلاح کی جائے گی، اگر اپنے سمجھنے میں غلطی ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے گی یعنی غلط روی اور غلط فہمی دونوں ہی کی اصلاح ضروری ہے۔

احقر نے اس کام کو نبیوں والا کام قرار دینے کی جو توجیہ کی ہے اس پر آپ کا اشکال ہے: ''گوشت آگ پر سینک کر کھانا بھی نبیوں والا کام ہے'' اس کا جواب بغیر زور رعایت کے یہ ہے کہ نبیوں نے دو قسم کے کام کئے ہیں: ایک وہ جو طبعی بشری تقاضہ کے تحت ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا، چلنا، بیٹھنا، خریدنا، فروخت کرنا وغیرہ کہ چاہے وحی آئے یا نہ آئے نبی غیر نبی اپنی اپنی ضرورت کے موافق یہ سب کام کرتے ہیں (۱)، ایسے کاموں کے متعلق تو نبیوں نے ان کے طریقوں کی اصلاح کی ہے، مثلاً فلاں فلاں چیز کا کھانا پینا درست ہے اور فلاں فلاں چیز کا کھانا پینا درست نہیں۔ نیز کھانے پینے کا طریقہ یہ ہے، فلاں فلاں چیز کی خرید وفروخت درست ہے اور فلاں فلاں چیز کی خرید فروخت درست نہیں، نیز خرید وفروخت کا طریقہ یہ ہے۔ ایسے کاموں کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ نبی ان کاموں کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ یہ کام تو دنیا میں پہلے ہی سے ہو رہے ہیں اور سب لوگ کر رہے تھے خواہ نبی پر ایمان لائے یا نہ لائے، ہاں نبیوں نے ایسے کاموں کے طرق وحدود کو متعین فرما دیا۔

دوسرے کام نبیوں نے وہ کئے جن کے لئے نبی اصالۃً مبعوث ہوئے، انکا خلاصہ اجمالی اور کلی طور پر یہی ہے کہ بندوں کو بندگی کی زندگی سکھائی جائے (۲)، جس کی بنیاد توحید ورسالت پر ہے یعنی کلمہ طیبہ اس کے

---

(۱) "أنس بن مالك يقول: "جاء ثلثة رهط إلى بيوت أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يسئلون عن عبادة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلماأخبروا، كأنهم تقالوها، فقالوا: وأين نحن من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قد غفر له ماتقدم من ذنبه وماتأخر، قال أحدهم: أماأنا، فأناأصلي الليل أبداً ...... (إلى أن قال): فجآء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أنتم الذين قلتم كذاو كذا؟أماوالله! إني لأخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد، وأتزوج". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ۲/۷۵۷، قديمي)

(۲) "وعن مالك رضي الله عنه بلغه أن رسول الله ﷺ قال: "بُعثتُ لأتمّم حسن الأخلاق" رواه في المؤطا". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، الفصل الثالث، ص: قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالىٰ: "أي لأن أجعل حسنهاأحسنها، قال البيضاوي: وكانت العرب أحسن أخلاقاً بمابقي عندهم شريعة إبراهيم عليه السلام، وكانوا ضلوابالكفر عن كثير منها، فبعث ﷺ ليتمّم ......=

الفاظ سکھائے جائیں (۱)۔ مطلب بتایا جائے، مطالبہ سمجھایا جائے مطالبہ میں، نماز، ذکر، علم، اکرام مسلم، تصحیح نیت، تفریغِ وقت سب چیزیں آجائیں گی، ان پر پابندیٔ اصول کے ساتھ محنت کی جائے تو دین کا ہر ہر دروازہ کھلتا چلا جائے گا اور عملی مشق ہوتی چلی جائیگی، یہاں تک کہ پورے دین کے ساتھ تعلق قوی ہوجائے گا اور جس قدر بھی دنیا میں یہ جماعتیں دین کو لے کر نکلیں گی ان کا دین پختہ ہوگا اور دوسروں تک دین کی اشاعت ہو کر کارِ نبوت پورا ہوگا۔ درحقیقت اسی کام کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوئی اور یہی نبیوں والا کام ہے، باقی کام ضمناً وطبعاً عمل میں آئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کی خود ہی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ''ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھادیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کیلئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ، نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت، ہے'' (۲)۔

= محاسن الأخلاق". (مرقاة المفاتيح ، كتاب الآداب ، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، الفصل الثالث : ۸/۹ ا ۸،رشيديه)

وقال : "مَثَلي ومثل الأنبياء كمثل قصر أحسن بنيانه، ترك منه موضع لبنة". الحديث قال الطيبي: هذا من التشبيه التمثيلي ، شبّه الأنبياء وما بعثوا من الهدى والعلم ، وإرشاد الناس إلى مكارم الأخلاق بقصر شيّد بنيانه وأحسن بناءه ، لكن ترك منه ما يصلحه ، وما يسد خَلَله من اللبنة، فبعث نبينا لسد ذلك الخلل مع مشاركته إياهم في تأسيس القواعد ورفع البنيان". (المرقاة ، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الأول : ۱۰/۱۰ ،رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله أنا ومن اتبعني﴾ الاية (يوسف :۱۰۸)

قال العلامة الآلوسي :"أي هذه السبيل التي هي الدعوة إلى الإيمان، والتوحيد سبيلي .... أي أدعو الناس إلى معرفته سبحانه بصفات كماله ونعوت جلاله، ومن جملتها التوحيد". (روح المعاني: ۶۷/۳ ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (کتاب ''چھ باتیں'' تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایات ، رقم:۳، ص:۷۹، قدیمی)

مثال کے طور پر سمجھئے کہ ایک طالب علم مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس کا مقصد تحصیلِ علم ہے، اگر چہ وہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، سب ہی کام کرتا ہے مگر اس کا سفر اور مدرسہ میں قیام ان کاموں کے لئے نہیں، یہ کام تو وہ پہلے بھی کرتا تھا اور ہر جگہ کرتا تھا اور جو لوگ مدرسہ میں داخل نہیں وہ بھی یہ کام کرتے ہیں، لہٰذا اس کا اصل کام جس کیلئے مدرسہ آیا ہے پڑھنا ہے۔

تنبیہ: اس مقصدِ عظیم (تبلیغ) نبیوں والے کام کے لئے بڑی اہلیت اور بڑے اوصافِ جلیلہ کی ضرورت ہے ورنہ نااہلیت اور پست اوصاف کی وجہ سے یہ کام نظروں سے گرجائے گا، اسی لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کام کی ابتداء میوات کے غیر تعلیم یافتہ طبقہ سے کی تو ان کو یہ ذہن نشین کرایا کہ ''دین سیکھنے کیلئے چلو''۔ اپنے اپنے مکانات پر رہتے ہوئے شب وروز کے مسائل، کھیتی، لڑائی، چوری اور دیگر جرائم کیوجہ سے نہ ذہنوں میں دین سیکھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، نہ اس کے اسباب موجود ہیں، لہٰذا وقت کو فارغ کرکے اپنے کھانے کے سامان لیکر چلوں کے لئے نکلو۔ ایک چلہ گذار کر واپسی پر ان میں اتنا تغیر ہوگیا کہ کسی کا ایک پارہ ہوگیا، کسی نے نماز سیکھ لی، کسی کو استنجاء وضوء کا صحیح طریقہ آگیا، کسی کو ستر ڈھانکنے کا اہتمام ہوگیا، کسی کو مسجد میں داخل ہونے نکلنے اور دیگر اوقات کی کچھ دعائیں یاد ہوگئیں، کسی نے گالی دینا چھوڑ دیا، کسی نے شراب اور کسی نے دوسری برائیوں سے توبہ کرلی۔ إلی غیر ذلك۔

پھر دوسرے چلہ میں اَور تغیر ہوا، غرض حسبِ استعداد وطلب دین سیکھے گئے اور اصلاح ہوتی گئی اور کارِ نبوت انجام پاتا گیا، اس اعتبار سے یہ تمرین بھی ہے۔

اصول کی پابندی نہ کرنے اور اپنی حد سے بڑھ کر تقریر کرنے سے خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں اور بعضوں کے ذہن میں یہ بھی آجاتا ہے کہ اصل کام تو ہمارا ہی ہے باقی دوسرے طریقوں پر، مدارس، خانقاہیں، وعظ وتذکیر، تصنیف وغیرہ کے ذریعہ جو دینی کام کیا جاتا ہے اس کو وہ لوگ معمولی کام بلکہ نااہل تو حقیر کام سمجھنے لگتے ہیں، یہ ان کی غلطی اور فتنہ کی چیز ہے، اہلِ علم ودانش کو ان کی نگرانی اور اصلاح ضروری ہے ورنہ یہ فتنہ متعدی ہوجائے گا۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمہ اللہ کے متعلق اتنا عرض ہے کہ یہ تبلیغ کے ''چھ نمبر'' ان کے ہی قلم سے لکھے گئے ہیں اور دیر تک وہ خود بھی اس کام کو بہت جدوجہد سے کرتے رہے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی: ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' اس پر اکابر کے دستخط کرائے، اس میں بھی اس کام کو بہت سراہا اور اس

پر لوگوں کو ابھارا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد جوان کی سوانح لکھی گئی اس پر مولانا نے مقدمہ لکھا اور اس کام کی تعریف لکھی۔

مولانا نے ''بندگی کی صراط مستقیم'' لکھی اور چھپنے سے پہلے مجھے بھی دکھلائی، پھر میرے دیکھنے کے بعد جب وہ چھپ کر آئی تو اس کے اخیر میں ''نہایت ضروری انتباہ'' کو لوگوں نے پڑھا اور میرے پاس خطوط آئے کہ میرے نزدیک کیا یہ تبلیغ ملت کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے اور کیا یہ قرآن وحدیث اور طریقۂ سلف کے موافق نہیں وغیرہ وغیرہ، تب میں نے بھی ایک نسخہ منگا کر اس کو پڑھا اور حیرت میں پڑ گیا کہ یا اللہ! اس خطرناک بات کو میری طرف منسوب کیا جارہا ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ چالیس بیالیس سال کے بعد مولانا موصوف کی رائے بدل گئی ہو اور جس چیز کو انہوں نے مسلمانوں کے حق میں علاج تجویز کیا تھا اور اس پر قرآن کریم اور حدیث شریف اور عملِ اسلاف سے قوی دلائل پیش کئے تھے اور اس کو وہ اپنے لئے بہت مایہ ناز فخر تصور کرتے تھے، آج وہ چیز تباہی وبربادی بن گئی ہو، یا انہوں نے اپنی پہلی رائے کو غلط سمجھا ہو اور آج محسوس ہوا ہو کہ جس چیز کو علاج بنا کر پیش کیا تھا اور اس پر اکابر کی تصدیق بھی تھی وہ تباہی اور بربادی تھی اور جن آیات اور احادیث کو بطورِ دلیل پیش کیا تھا ان کے متعلق بھی آج ان کو محسوس ہوا ہو کہ ان کا مطلب وہ غلط سمجھتے تھے اور اب صحیح سمجھتے ہیں۔

غرض! اللہ ہی کے علم میں ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، تاہم میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ برائے خدا دو لفظ لکھ کر مجھے دیدیجئے یا خود شائع کردیجئے کہ محمود کی رائے اصل کتاب کے بارے میں تو موافق ہے، مگر نہایت ضروری انتباہ کے ذیل میں جو تبلیغی کام کو ملت کی تباہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے یہ مضمون محمود نے نہیں دیکھا بلکہ یہ اضافہ بعد میں کیا گیا ہے، اس کی رائے اس سے متفق نہیں، مگر مولانا اس کے لئے آمادہ نہیں ہوئے، کئی بار خط لکھا، مگر مولانا نے درخواست منظور نہیں فرمائی اور آخیر میں میں نے اپناوہ خط شائع کردیا جو ان کی خدمت میں لکھا تھا اور اس میں قدرے تفصیل بھی تھی۔

ادھر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کی خدمت میں مدرسہ کے مبلغ مولانا ارشاد احمد صاحب کو بھیجا کہ اس غلط نسبت سے عوام میں غلط فہمی پھیلے گی، میری طرف اس کی نسبت نہیں ہونی چاہئے مگر مولانا احتشام الحسن صاحب نے اس غلط فہمی کے زائل کرنے کے لیے کوئی تحریر شائع نہیں فرمائی، حالانکہ اس وقت جہاں جہاں وہ کتاب ''بندگی کی صراط مستقیم'' پہونچی اور خوب پہونچی اس کی وجہ سے بہت فتنے

پیدا ہوئے، بعض جگہ کشیدگی کی نوبت بھی آئی، مولانا کے پاس بھی ان کے قدیم احباب متعارفین: مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا جمیل احمد حیدرآبادی، مولانا عامر انصاری وغیرہ کے خطوط آئے، حتی کہ حجاز مقدس سے مولانا کے خاندانی عزیز مولانا سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے پاس سے تو بہت سخت قسم کا خط آیا جس نے مولانا کے نفسیات کو بہت کھول کر رکھدیا (وہ خاندانی عزیز اور بے تکلف ہیں ان کو حق ہوگا) سب نے ہی مولانا کی اس تحریر کو نامناسب، مضر، غلط قرار دیا اور مشورہ دیا کہ آپ اس سے رجوع کرلیں۔

میں نے اپنا خط شائع کرنے کیلئے کانپور بھیجا، وہاں اس کے ساتھ چند اکابر کے خطوط بھی شائع کردیئے گئے، جس سے تبلیغ کے متعلق ان کا نظریہ معلوم ہوتا ہے اور ان سب کو ایک رسالہ کتابچہ کی شکل میں دے کر ایک پیش لفظ بھی ناشر نے لکھدیا، اس میں مولانا احتشام الحسن صاحب کے متعلق بعض ایسے لفظ بھی آگئے جن سے مجھے دکھ ہوا، میں نہیں چاہتا تھا کہ مولانا کے احترام کے خلاف ایسے گرے پڑے الفاظ استعمال کئے جائیں، ان کی رائے اگر بدل گئی اور مجھے اس سے اتفاق نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے لڑائی کی جائے، یا ان کا احترام نہ کیا جائے۔ وہ کتابچہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آئندہ بھی جو اصلاحی مشورہ دیں گے، شکر گذار ہوں گا۔

ہاں! ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ فضائلِ جہاد کی حدیثوں کو تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے تو یہ بات صحیح ہے اور اس کی وجہ جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ ہے خدا کی راہ میں دشمنانِ اسلام سے قتال کرنا، عامۃً اسی کو جہاد کہا جاتا ہے (۱)، اس کی فضیلتیں مستقل ہیں اور وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں (۲)۔

---

(۱) "والجهاد بكسر الجيم، أصله لغةً المشقة ...... وشرعاً بذل الجهد في قتال الكفار، ويطلق أيضاً على مجاهدة النفس والشيطان والفساق، فأما مجاهدة النفس فعلى تعلم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأما مجاهدة الشيطان فعلى دفع ما يأتي به من الشبهات، وما يزيّنه من الشهوات، وأما مجاهدة الكفار فتقع باليد والمال واللسان والقلب، وأما مجاهدة الفساق فباليد، ثم اللسان، ثم القلب". (فتح الباری، کتاب الجهاد والسير: ۳/۶، قدیمی)

(وكذا في المرقاة شرح مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، قبيل الفصل الأول: ۳۴۸/۷، رشيديه)

(۲) "وفضل الجهاد عظيم، وكيف وحاصله بذل أعز المحبوبات، وإدخال أعظم المشقات عليه، وهو نفس الإنسان إبتغاء مرضاة الله وتقرباً بذلك إليه تعالىٰ .... وقد جآء أنه جعله أفضل بعد الإيمان في حديث أبي هريرةؓ قال: سئل رسول الله ﷺ أيّ الأعمال أفضل؟ قال: "إيمان بالله ورسوله" =

دوسری چیز ہے خدا کے دین کے لئے کوشش کرنا اگر چہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امور دین کا علم حاصل کرنا (پڑھنا) تعلیم دین (پڑھانا) امر بالمعروف نہی عن المنکر سب جہاد ہے(۱)۔ اسی طرح دینی کتابیں تصنیف کرنا، مسائل بتانا، مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا، ان سے مناظرہ کرنا بھی سب جہاد ہے، حتی کہ امام نووی نے غالباً تیرہ قسمیں جہاد کی لکھی ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿یا أیها النبی جاهد الکفار والمنافقین﴾ (۲) اس آیت میں کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے مگر منافقین سے جہاد بالسیف کی نوبت نہیں آئی، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿والذین جاهدوافینالنهدینهم سبلنا﴾ (۳) یہاں بھی قتال بالسیف مراد نہیں، نیز "خروج فی سبیل اللہ" کا لفظ بھی قتال بالسیف کے ساتھ مخصوص نہیں۔

حضرت امام بخاری نے کتاب الجہاد، ص:۳۹۴ میں حدیث نقل کی ہے: "ما اغبرت قدما عبد فی سبیل اللّٰه فتمسه النار الخ" (٤) اور اسی مضمون کی حدیث کتاب الجمعہ، ص:۱۲۴ میں بیان کیا ہے: "من اغبرت قدماه فی سبیل اللّٰه حرمه اللّٰه علی النار" (٥)۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کو قتال بالسیف کے

= قیل: ثم ماذا؟ قال: "الجهاد فی سبیل اللّٰه" قیل: ثم ماذا؟ قال: "حج مبرور". متفق علیه". (المرقاة، کتاب الجهاد، قبیل الفصل الأول: ۳۴۸/۷)

(۱) (راجع الحاشیة رقم: ۵)

(۲) (التوبة: ۷۳)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللّٰه تعالیٰ: "وروی عن الحسن وقتادة أن جهاد المنافقین بإقامة الحدود علیهم، واستشکل بأن إقامتها واجبة علی غیرهم أیضاً، فلایختص ذلک بهم، وأشار فی الأحکام إلی رفعه بأن أسباب الحد فی زمنه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أکثر ماصدرت عنهم". (روح المعانی: ۱۳۷/۱۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) (العنکبوت: ٦٩)

(۴) "عبد الرحمان بن جبر أن رسول اللّٰه ﷺ قال: "ماغبرت قدماعبد فی سبیل اللّٰه فتمسه النار". (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب من اغبرت قدماه فی سبیل اللّٰه تعالیٰ: ۳۹۴/۱، قدیمی)

(۵) (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب المشی إلی الجمعة: ۱۲۴/۱، قدیمی)

ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے(۱)۔

دوسرے غور کیا جائے کہ قتال سے مقصودِ اصلی خون ریزی نہیں بلکہ دین کا فروغ مقصود ہے اور قتال بالسیف کی وہاں نوبت پیش آتی ہے جہاں دین کے فروغ میں ایسی رکاوٹ پیش آجائے جو بغیر قتال بالسیف کے دور نہ ہو سکے، اسی لئے ابتداءً دین کی دعوت دیجائے، اگر وہ قبول ہو جائے تو سیف کی ضرورت نہیں، اگر دعوت قبول نہ ہو تو پھر جزیہ کا حکم ہے، اگر اس کو منظور کرلیا جائے تب بھی سیف کی ضرورت نہیں ورنہ مجبوراً اتنی مقدار میں سیف کی ضرورت ہے کہ رکاوٹ دور ہو اور اصل مقصود (فروغِ دین) حاصل ہو جائے (۲)۔ جواجر وثواب

---

(۱) "قال(أی ابن بطال) :المراد فی سبیل الله جمیع طاعاته". (فتح الباری ، کتاب الجهاد والسیر ، باب من اغبرت قدماه فی سبیل الله :۳۶/۶ ، قدیمی)

وقال القاری رحمه الله تعالیٰ تحت قوله علیه الصلوة والسلام :"إن فی الجنة مأة درجة أعدها للمجاهدین فی سبیل الله" الحدیث : "هم الغزاة أوالحجاج أوالذین جاهدوا أنفسهم فی مرضاة الله تعالیٰ". (المرقاة ، کتاب الجهاد ، الفصل الأول :۳۵۱/۷، رشیدیه)

وقال القاری رحمه الله تعالیٰ أیضاً تحت حدیث البخاری المتقدم : "(فی سبیل الله) هوفی الحقیقة کل سبیل یطلب فیه رضاه، فیتناول سبیل طلب العلم ،وحضور صلاة الجماعة ، وعیادة مریض، وشهود جنازة ونحوها" (المرقاة، المصدر السابق:۳۵۹/۷، رشیدیه)

(۲) "عن سلیمان بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان رسول الله ﷺ إذا أمّر أمیراً علی جیش أوسریة، أوصاه فی خاصته بتقوی الله ومن معه من المسلمین خیراً، ثم قال ..... (إلی أن قال): "وإذا لقیت عدوک من المشرکین فادعهم إلی ثلاث خصال أوخلال، فأیتهن ماأجابوک فاقبل منهم، وکف عنهم : ثم ادعهم إلی الإسلام، فإن أجابوک فاقبل منهم، وکف عنهم ، ثم ادعهم إلی التحول من دارهم إلی دار المهاجرین ، وأخبرهم أنهم إن فعلوا ذلک ، فلهم ماللمهاجرین ، وعلیهم ماعلی المهاجرین ، فإن أبوا أن یتحولوا منها، فأخبرهم أنهم یکونون کأعراب المسلمین .... فإن أبوا فسلهم الجزیة، فإن هم أجابوک، فاقبل منهم وکف عنهم، فإن هم أبوا، فاستعن بالله وقاتلهم". الحدیث .(الصحیح لمسلم ، کتاب الجهاد، باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث الخ :۸۲/۲، قدیمی)

قال الحصکفی رحمه الله : "فإن حاصرناهم ، دعوناهم إلی الإسلام ، فإن أسلموا فبها، وإلافإلی الجزیة لومحلاً لها..... فإن قبلوا ذلک فلهم مالنامن الإنصاف وعلیهم ماعلینامن الإنتصاف ..... ولایحل لناأن =

وسیلہ پر ہے اس سے زیادہ اجر وثواب اصل مقصود پر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

تبلیغی جماعت کے متعلق سیدی ومولائی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا مکتوب گرامی، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے نام

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا...... باعث تحریر آنکہ آپ کا رسالہ ''بندگی کی صراط مستقیم'' ملا، چھپنے سے پہلے بھی اس کا مطالعہ کیا تھا اور آپ کے دیگر رسائل کی طرح اس کو بحیثیتِ مجموعی نافع سمجھا تھا، اختتامی دستخط کے بعد جہاں تک میں نے دیکھا تھا، اب بطورِ ضمیمہ بعنوان ''نہایت ضروری انتباہ'' اضافہ کرکے اس کو شائع کیا گیا ہے، اس میں میرا نام بطورِ گواہ تصدیق پیش کیا گیا ہے جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ مجھے اس ضمیمہ سے بھی اتفاق ہے، حالانکہ نہ میں نے اس کو دیکھا تھا، نہ اس وقت تک اس کو لکھا گیا تھا، نہ مجھے اس سے اتفاق ہے اس لئے اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے جس نہج پر نظام الدین سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا اس سے تو آپ کو پورا اتفاق ہے کیونکہ بقولِ خود آپ اس کے روح رواں تھے اور آپ کے خیال میں آپ کے اب تک کے رسائل سے موجودہ تبلیغ کی حمایت مقصود نہیں اور آپ کے نزدیک حضرت کے وقت میں وہ تبلیغ بدعتِ حسنہ کے درجہ میں تھی اور اب اس میں منکرات شامل ہیں اور یہ ایک غلط چیز ہے جو دین کے نام پر پھیل رہی ہے اور اس کی وجہ سے ملت تباہی وبربادی میں مبتلا ہورہی ہے اس لئے اب یہ بدعتِ حسنہ بھی نہیں (جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بدعتِ سیئہ اور بدعتِ ضلالت ہے)۔ اب جو علماء تبلیغ میں شریک ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اس کو قرآن وحدیث، ائمہ سلف اور علمائے حق کے مطابق کریں (جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تبلیغ نہ قرآن

= نقاتل من لاتبلغه الدعوة إلى الإسلام ...... وندعو ندباً من بلغته إلا إذاتضمن ذلک ضرراً، ...... وإلا يقبلوا الجزية، نستعين بالله، ونحاربهم بنصب المجانيق وحرقهم وغرقهم وقطع أشجارهم ولومثمرةً ...... ورميهم بنبل ونحوه". (الدرالمختار، كتاب الجهاد: ۱۲۸/۴، ۱۲۹، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب السير: ۱۲۵/۵، ۱۲۸، رشيديه)

کے مطابق ہے، نہ حدیث کے، نہ ائمہ سلف کے، نہ علماء حق کے)۔

آپ نے مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا نام بھی لکھا ہے کہ ان کو یہ رسالہ دیکھنے اور تصدیق کرنے کے لئے بھیجا اور آپ نے ان سے بھی اس کی صحت کا اطمینان کرلیا حالانکہ مولانا موصوف نے سہارنپور کے بڑے تبلیغی اجتماع میں کئی گھنٹے تقریر فرمائی اور اس موجودہ تبلیغ کے جملہ اصول کو قرآن پاک وحدیث شریف سے مؤید ومؤکد فرمایا۔ اب قریب ہی مظفر نگر کے اجتماع میں انہوں نے شرکت اور تقریر فرمائی اور یہاں دیوبند کے مقامی اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے رہتے ہیں اور نظام الدین جانے کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور خود اپنی خواہش بھی ظاہر فرمائی، جن لوگوں نے حضرت مہتمم صاحب کی براہ راست تقریر سنی اور سنتے رہتے ہیں وہ آپ کے رسالہ کا یہ ضمیمہ دیکھ کر کیا رائے قائم کریں گے؟

آپ اس تبلیغ کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف فرما کر اس کو ملت کی تباہی کا ذریعہ تحریر فرما رہے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب سے اپنے رسالہ کی صحت کا اطمینان بھی کر چکے ہیں، اگر حضرت مہتمم صاحب اس کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے موافق بیشمار رحمتوں کے نزول کا باعث اور آفات وبلیات سے حفاظت کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں تو پھر اس کی جوز دفطرۃً پڑنی چاہئے وہ پڑے گی۔ آپ نے واضح طور پر یہ نہیں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی وفات کے کتنے عرصہ بعد یہ تبلیغ بدعتِ حسنہ کی حد سے خارج ہو کر بدعتِ ضلالت اور ملت کی تباہی کا ذریعہ بن گئی تھی، کیا متصلاً ہی ایسا ہوا۔

خدانکردہ یہ ایسی بات نہ ہو جیسی ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ہی چند اہل بیت کے سوا سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صراط مستقیم سے ہٹ گئے اور گمراہی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ نعوذ باللہ۔ لیکن وہاں تو منشاء یہ تھا کہ وہ گروہ خلافت کو بزعمِ خود حق اہلِ بیت تصور کرتا تھا اور جن کو بمشورۂ ارباب حل وعقد خلیفہ بنایا گیا اور باجماع خلیفہ تسلیم کیا گیا ان کو معاذ اللہ غاصب کہتا تھا مگر یہاں کا تو معاملہ برعکس ہے۔

میں اب تک یہی سمجھتا رہا کہ خرابی صحت کی وجہ سے آپ نے کاندھلہ مستقل قیام فرمایا اور نظام الدین کا قیام ترک کردیا اور اسی وجہ سے تبلیغی کام میں حصہ نہیں لے سکتے مگر اس ضمیمہ سے معلوم ہوا کہ حصہ نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ تبلیغ دینی کام نہیں بلکہ مخرّبِ دین ہے، مگر تعجب ہے کہ جس کام سے آپ کو گہرا تعلق تھا اور جس پر آپ نے محنت بھی کی تھی اس کو خراب ہوتے اور اجڑتے ہوئے بیسیوں برس صبر وسکون سے کیسے

دیکھتے رہے اور کوئی تحریر اس کے خلاف شائع نہیں کی اور لطف یہ کہ قوم آپ کے رسائل کو اس کا مؤید سمجھتی رہی۔
کام میں اگر خرابی آئی تھی تو اس کی اصلاح کچھ دشوار نہیں تھی، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ حضرت حافظ فخر الدین صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے متحدہ مشورہ سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس کام کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، یہ سب حضرات ان پر مطمئن تھے اور ان کی فطری صلاحیتوں سے واقف تھے اور وہ مرحوم اپنے علو مرتبت کے باوجود عمر و رشتہ کے اعتبار سے آپ کے خورد بلکہ آپ کے پروردہ تھے، ان پر آپ کا حق تھا، فہمائش سے کام نہ چلتا تو آپ قوت کے ساتھ بھی کہہ سکتے تھے اور وہ اپنی غایتِ سعادت اور مرتبہ کی رعایت کے پیش نظر آپ کی بات کو ہرگز ناقابلِ التفات نہ قرار دیتے بلکہ اس پر غور فرماتے اور دلائل کی روشنی میں جو چیز قابلِ اصلاح سمجھتے وہ ضرور اصلاح فرمالیتے، وہ تو مشورہ کے بہت عادی تھے، معمولی معمولی آدمیوں کے مشورہ کی بھی بہت قدر فرمایا کرتے تھے، کام سے تعلق رکھنے والے خاص کر نظام الدین کے حاضر باش سب ہی اس چیز سے واقف ہیں کہ ﴿أمرهم شورى بينهم﴾ پر کس مضبوطی سے عامل تھے؟

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کے وقت سے برابر یہ طرز چلا آرہا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم سے مشورہ ہوتا ہے اور اسی سابق طرز پر اجتماعات، تعلیمی حلقے، علمی مذاکرے، تشکیلیں، شب گزاری، جماعتوں کی چلت پھرت وغیرہ سب اجزاء اسی طرح جاری ہیں۔ اصل کام کرنے والے بڑی تعداد میں وہی ہیں جن اکابر کے مشورہ سے ان کے سر ذمہ داری عائد ہوئی تھی، ان کے علاوہ حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب وغیرہ بھی برابر تائید و نصرت فرماتے رہے، کسی کو خیال نہ آیا کہ دین کے نام پر غلط چیز پھیل رہی ہے اور اس سے ملت تباہ و برباد ہو رہی ہے، کیا یہ سارے حضرات قرآن و حدیث اور سارے دین سے ناآشنا اور بے خبر تھے؟ پھر بھی آپ نے کبھی ان کو متنبہ نہیں کیا حالانکہ یہ خود آپ کے بھی اکابر تھے، آپ کی بڑی ذمہ داری تھی کہ اگر یہ سب اکابر غلط چیز کی تائید فرمارہے تھے تو آپ ان کو متنبہ فرماتے، آپ کے دو بھائی اس میں پوری قوت سے لگے ہوئے ہیں ان کا بھی آپ کے ذمہ حق تھا۔

غرض! آپ کا علمی خاندان، نسبتی خاندان .... جن میں آپ کے بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں یہ سب ہی آپ کے نزدیک غلط راستہ پر چلتے رہے اور غلط چیز کو دین کے نام پر پھیلاتے اور اس کی تائید و

نصرت کرتے رہے مگر آپ نے ان کو توجہ نہ دلائی، اگر آپ ان کو توجہ دلاتے اور اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرتے اور وہ بات ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ قادیانیت، خاکساریت، مودودیت، رضاخانیت کی طرح اس کی بھی تردید نہ فرماتے، ان سب حضرات کے ایک طرف ہونے اور آپ کے دوسری طرف ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ کبھی معاملہ برعکس ہو۔

غرض! آپ کی تحریر سے سخت حیرت ہے کہ اساتذہ متحد، مشائخ متحد، مشرب متحد، مذہب متحد، تربیت متحد پھر بھی آپ ان سب سے بعید۔

تبلیغی کام کسی خاص طبقہ کی ہی اصلاح کا ذریعہ نہیں بلکہ تمام دین کے احیاء اور تمام مسلمانوں کی اصلاح اور پختگی کا ذریعہ ہے اور دائرہ اسلام کی بیش از بیش وسعت کا ذریعہ ہے اور دیگر اقوام کے مطالعہ کا ذریعہ ہے کہ جو غلط چیزیں غلط ماحول اور جہالت کی وجہ سے لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، چونکہ یہ کام بہت عمومی حیثیت رکھتا ہے ہر قسم کے آدمی اس میں آتے اور کام کرتے ہیں اور ہر ایک کی اصلاح اس کے حوصلہ کے موافق ہوتی ہے، اس لئے بے علم اور باعلم، ذہین اور غبی، نئے اور پرانے، تجربہ کار اور بے تجربہ، متقی اور غیر متقی، ذاکر اور غافل، نستعلیق اور شکستہ، شہری اور دیہاتی، شستہ زبان اور اکھڑ، سب کو تنقید کرتے وقت ایک معیار پر جا پہنچانا اور ایک وزن سے تولنا صحیح نہیں بلکہ اصولاً غلط ہے، کسی سے اگر کوتاہی ہو جائے تو اس کو اصول نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے گا۔

آپ کی اس تحریر سے انشاء اللہ کام کرنے والوں کے بددل ہو جانے کا اندیشہ تو نہیں، کیونکہ ان میں جو اہلِ علم ہیں وہ دلائلِ حقہ کی روشنی میں علی وجہ البصیرت کام کر رہے ہیں، آپ کی مجمل تحریر سے ان کے دلائل میں اضمحلال پیدا نہیں ہوگا اور جو بے علم ہیں وہ اپنی عملی اور اخلاقی حالت کو بہتر سے بہتر ترقی پر دیکھتے ہیں اور ان کے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے جس سے یقین میں پختگی آتی ہے اور اللہ پاک کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں، بے علم ہونے کے باوجود ان کو یہ چیزیں روزانہ زیادہ سے زیادہ اس کام پر مستعد کرتی ہیں۔

لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے جس کام کی خاطر زندگی قربان کردی ہے اور اپنے زمانہ کے اکابر، عرفاء، اہلِ نسبت، اہلِ علم حضرات سے اس کی صحت وحقانیت اور مقبولیت کو تسلیم کرالیا اور اس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کے سپرد فرمایا، اس کے متعلق جب

یہ رائے قائم کی جائے کہ یہ دین کے نام پر ایک غلط چیز پھیل رہی ہے اور اس سے ملت تباہی اور بربادی میں مبتلا ہو رہی ہے تو ان کی روح کو کتنا زبردست صدمہ پہونچے گا اور جو روحانی رابطہ ان کے ساتھ تھا وہ کیسے قائم رہ سکے گا؟ میرے کہنے کی بات نہیں کہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر آپ کی تحریر نے مجبور کیا۔

آپ کا ایک مضمون رسالہ ''تذکرہ'' میں بھی دیکھا جس میں جماعتِ اسلامی کی ابتدائی داستان آپ نے بیان کی ہے اور اس کے دستور و اصول کا ماخذ اپنی ہی تحریرات کو قرار دیا ہے اور اس میں اپنی مودودی صاحب کی ملاقات اور ملاقات کی محویت میں ہر دو کا نماز سے بے ہوش ہو جانا بھی مذکور ہے اور یہ مقامِ مدح میں ہے، یاللعجب !!!

بہر حال اس کے متعلق اس خط میں کچھ عرض کرنا نہیں، ضرورت ہوئی تو پھر سہی، جواب کے لئے لفافہ ارسال ہے۔ احقر محمود غفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۳/ ربیع الآخر/ ۸۷ھ۔

کتابی تعلیم شروع ہونے کے بعد آنے والے نمازیوں کی پریشانی کا حل

سوال[۱۴۵۱]: ۱...... تبلیغی جماعت کی کوشش سے ہماری مسجد میں بعد نماز عشاء تعلیم ہوتی ہے ایک دو آدمی تو نمازیں لمبی پڑھتے ہیں اور کسی کی تو جماعت کام کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہے، کچھ حضرات حقہ اور ریڈیو کی مجلس میں بیٹھ کر جماعت ترک کر دیتے ہیں بعد میں آنے والے حضرات پریشان ہوتے ہیں، کتاب پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

۲...... مسجد کی بغل میں ایک کمرہ ہے جس میں بچے پڑھتے ہیں دوسری منزل پر ہے، اگر بعد میں آنے والے حضرات وہاں اپنی نمازیں ادا کرلیں تو کچھ حرج تو نہیں؟

۳...... بعد میں آنے والے حضرات تعلیم ہوتے وقت تعلیم میں شرکت فرمالیں اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لیں، اس میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جماعتی کام کرنے سے جماعتی فائدہ ہے، یعنی اس سے دینی معلومات حاصل ہوتی ہے ایک دو آدمی لمبی نماز پڑھتے ہیں اس میں ان کا شخصی فائدہ ہے اگر وہ ایثار کریں کہ شخصی فائدے پر جماعتی فائدے کو مقدم رکھیں تو یہ اعلیٰ مقام ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فرض کے بعد سنت پڑھ کر وہ تعلیم میں شریک ہو جائیں

4

ان کو بھی تعلیم سے فائدہ پہونچے گا، پھر تعلیم کے بعد اپنی لمبی لمبی نماز جب تک دل لگے پڑھتے رہیں۔

۲......مسجد کے بغل میں جو کمرہ ہے وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، جن حضرات کی جماعت چھوٹ جاتی ہے اور وہ بعد میں آتے ہیں، تو ان کے لئے بھی دونوں صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اول تعلیم میں شرکت کرلیں پھر اپنی نماز پڑھیں، دوسرے یہ کہ بغل والے کمرہ میں اپنی نماز پڑھ لیں، غرض معاملہ صلح اور سمجھوتہ سے کرلیا جائے خلفشار پیدا نہ ہو، تکبیرِ اولیٰ سے جماعت میں شرکت کا سب کو اہتمام کرنا چاہیے، اپنے کسی کام میں مشغول رہنا یا حقہ پیتے رہنا اور جماعت ترک کردینا بڑے نقصان کی بات ہے۔

۳......وہاں ادا کرلیں بلکہ وہاں جماعت کرنے کا بھی موقع مل جائے گا، لیکن مسجد کی جماعت ترک نہ کریں اور اس کی عادت نہ ڈالیں کہ بعد میں آکر جماعت بغل والے کمرہ میں کرلیا کریں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۹ھ۔

کتابی تعلیم میں مسبوق حضرات کا خیال

سوال[۱۴۵۲]: ا......ہمارے یہاں کی جامع مسجد میں روزانہ تبلیغی جماعت کے افراد صبح کی فرض نماز کے فوراً بعد مصلے پر بیٹھ کر کتابی تعلیم کے نام پر احادیث شریف پڑھ کر سناتے ہیں، فرض نماز کی آخری رکعت میں شامل نمازیوں اور دیگر فرض نماز ادا کرنے والوں کا خیال تک نہیں کرتے اور ان کی تعلیم سے دوسروں کی نمازوں میں خلل واقع ہورہا ہے، باوجود انہیں ٹوکنے کے وہ برابر اپنی ضد پوری کئے بغیر اس تعلیم کو ختم نہیں کرتے

---

(۱)"ویکره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لافي مسجد طريق الخ" (الدرالمختار)

وفي الرد:" ولنا،أنه عليه الصلوٰة والسلام كان إذا خرج، (إلى أن قال) فرجع إلى منزله، فجمع أهله وصلى، ولأن في الإطلاق هكذا(أى تكرير الجماعة فى المسجد مطلقاً)تقليل الجماعة معنى، فإنهم لايجتمعون إذا علموا أنهم لاتفوتهم، وقدمناعن أبي يوسف أنه إذالم تكن الجماعة على الهيئة الأولى، لاتكره وإلاتكره، وهوالصحيح،وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة الخ". (باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة فى المسجد: ۱/ ۵۵۲،۵۵۳، سعيد)

ہیں، کیا انکا یہ فعل شرعاً درست ہے؟

۲......یہی تبلیغی حضرات دیگر مساجد میں بعد نماز عصر مصلے پر بیٹھ کر حدیث شریف پڑھتے ہیں اور اہلِ جماعت کو تاکیداً کہہ دیا گیا ہے وہ کہ ان کی آواز میں آواز ملا کر بلند آواز میں چلایا کریں، پوچھنے پر جواب ملتا ہے کہ وہ حدیث شریف سکھا رہے ہیں، ان کی اس آواز سے نمازوں میں خلل ہوتا جا رہا ہے، یہ حرکات بدعات ہیں، فتنہ ہیں یا مستحب ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تکبیر اولی سے جماعت میں شرکت کا اہتمام شرعاً مطلوب ہے، اس کی پابندی کی جائے (۱)۔ جماعت سے کچھ دیر پہلے آیا کریں تا کہ کوئی رکعت فوت نہ ہو، اگر اتفاق سے کوئی شخص کچھ دیر میں آیا اور اس کی رکعت رہ گئی جو کہ وہ سلام امام کے بعد پوری کریگا تبلیغ والوں کو چاہئے کہ وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ اس کی رہی ہوئی نماز میں خلل نہ آئے، اس کو تشویش لاحق نہ ہو، اگر کسی کی پوری نماز رہ گئی وہ علیحدہ فاصلہ پر اپنی نماز ادا کر لے۔ غرض! طرفین ایک دوسرے کا خیال رکھیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت ہے، تبلیغ کا کام بھی بہت اہم ہے اور نماز کو خلل سے بچانا بھی بہت اہم ہے۔ اہل علم حضرات حدود کو پہنچانتے ہیں کوئی حرکت دوسروں کو اذیت پہونچانے کے لئے نہیں کی جاتی، نہ نمازی قصداً رکعت چھوڑتا ہے تا کہ بعد میں پوری کرے اور تبلیغ والوں سے لڑے، نہ تبلیغ والے اس لئے تعلیم و تبلیغ کرتے ہیں کہ کسی کی نماز خراب کریں، سوءِ ظن سے سب کو احتراز لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۶ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من صلی للہ أربعین یوماً فی جماعۃ یدرک التکبیرۃ الأولی کتب لہ براء تان: براء ۃ من النار، وبراء ۃ من النفاق". (جامع الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب فی فضل التکبیرۃ الأولی، ۱/۵۶، ایچ، ایم، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ الایۃ. (الحجرات، ۱۲)

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث، ولاتجسسوا، ولاتحسسوا، ولاتناجشوا، ولاتحاسدوا، ولاتباغضوا، ولاتدابروا،=

جماعت سے پہلے حدیث کی کتاب سنانا

سوال[۱۴۵۳]: ہم طلبہ کی جماعت نے یہ طے کیا ہے کہ مسلمانوں کو مذہبی معلومات سکھلانے کے لئے قبل نماز فجر (رمضان المبارک میں) فجر کی اذان کے بعد سے اور جماعت کھڑی ہونے سے ۱۰ منٹ پہلے تک حدیث کی کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جائے، ہم طلبہ کے لئے وقت کی کمی ہے ہم نے نمازِ فجر سے پہلے اوراذان کے بعداس لئے وقت رکھا ہے تا کہ زیادہ لوگ شرکت کرسکیں۔کیا یہ وقت تبلیغ کے لئے مناسب ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

آپ کا پروگرام مناسب اور بابرکت ہے(۱) اللہ تعالیٰ مزید اخلاص و استقامت عطاء فرمائے۔آمین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۶ھ

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۷ھ

جمعہ سے پہلے اور فجر کے بعد مسجد میں کتاب سنانا

سوال[۱۴۵۴]: میرا معمول ہے کہ بعد نماز فجر متصلاً وبعد اذان اول جمعہ کتاب مسجد میں سناتا

= وكونوا عباد الله اخوانا". (صحيح البخاری کتاب الأدب، باب قوله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن﴾: ۸۹۶/۲، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب في الظن: ۳۲۵/۲، مكتبه امدايه ملتان).

قال القاری: "قال بعض المحققين: أی لاتشغلوا بأسباب العداوة؛ إذ العداوة والمحبة ممالااختيارفيه، فإن البغض من نفارالنفس عمايرغب عنه، وأوله الكراهة، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة، كما أن الحب من انجذاب النفس إلى مايرغب فيه، ومبدء ه الميل، ثم الإرادة، ثم المودة، وهمامن غرائز الطبع، والله تعالىٰ أعلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجروالتقاطع، الفصل الأول: ۷۲۱/۸، رقم: ۵۰۲۸، رشيديه)

(۱) "لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله". (كنز العمال: ۳۵۹/۶، رقم الحديث: ۱۶۰۵۲، منشورات مكتبة التراث الإسلامی)

(وكذا فی الأدب المفرد، باب الدال على الخير: ۱۲۷/۱، مكتبة المعارف الرياض)

رہتا ہوں، ایک نمازی نے اعتراض کیا کہ نماز پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہے، میں نے اس کو کچھ جواب نہیں دیا اور یہ استفتاء جناب کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں، آج کل تبلیغی جماعت اور علماء کا جو معمول ہے وہ بھی دیکھنے میں آتا ہے اور آداب المساجد میں بھی جو دیکھا تو قول فیصل یہی نظر آیا کہ اگر نمازی اور نائم وغیرہ کو خلل انداز ہو تو ذکر جہری وغیرہ ممنوع ہے، یہاں تک کہ قرآن کریم بھی جہراً پڑھنا ممنوع لکھا ہے، اس کو مفصل تحریر فرمائیں۔ نیز ہماری مسجد بہت تنگ ہے باہر برآمدہ پر بھی جگہ نہیں ہے اس لئے مسجد کے اندر کے سوا نماز پڑھنا مشکل ہے اور مسجد چھوٹی ہے کتنی ہی آہستہ سے پڑھیں آواز تو پہونچتی ہی ہے اور فجر میں بعد نماز لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی اعتراض کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جمعہ کے لئے مشورہ سے طے کر کے سب نمازیوں کو اطلاع کردیں کہ اذانِ اول کے بعد کتاب سنائی جائے گی لوگ اکثر شریک ہوتے رہیں جب اذان ثانی یعنی خطبہ میں ۵/ منٹ باقی رہ جائیں تو کتاب بند کردی جائے اور اس وقت سب لوگ سنتیں پڑھ لیں اس سے کتاب بھی ہوجائے گی اور کسی کی سنتوں میں بھی خلل نہیں آئے گا یہ تو سہل ہے، لیکن فجر کے بعد جو لوگ آئیں ان کی نماز کو خلل سے بچانے کی آپ کی چھوٹی مسجد میں کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی الا یہ کہ طلوع شمس کے قریب تک تسبیح وتلاوت میں مشغول رہیں پھر کتاب سنائیں جب نماز کا وقت نہ رہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نمازیوں کی فراغت سے پہلے جہراً کتاب پڑھنا

سوال [۱۴۵۵]: جماعتیں مرکز وغیرہ سے آتی جاتی رہتی ہیں، اکثر وبیشتر یہ دیکھا گیا ہے کہ امیر جماعت وغیرہ رکوع وسجود وقیام خلاف سنت ادا کرکے اس خیال سے کہ کہیں نمازی چلے نہ جائیں فارغ ہوجاتے ہیں، نمازی ابھی سنن ونوافل وتر ہی پڑھ رہے ہیں اور امیرِ جماعت وغیرہ اپنی تقریر یا کتاب کا پڑھنا جہراً شروع کردیتے ہیں جس سے غریب نمازیوں کا باطمینان قلب نماز پڑھنا دشوار ہوجاتا ہے آیاتِ قرآنیہ میں منازعت ہونے لگتی ہے، کیا یہ فعل اور طریقۂ اصلاح عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

ان کو تاکید کی جائے کہ نماز سنت کے مطابق ادا کریں، نیز نمازیوں کی فراغت کا انتظار کریں، لیکن اگر سب کی فراغت کا انتظار کرنے تک نمازی چلے جائیں اور جو شخص سب سے اخیر میں فارغ ہو بس وہی رہ جائے، تو پھر کام کرنے کی کیا صورت ہوگی، اسلئے بہتر یہ ہے کہ فرض کے بعد سنت مؤکدہ تو سب باطمینان ادا کرلیں پھر بیٹھ جائیں اور کتاب وتقریر کو سنیں اس کے بعد وتر ونوافل پڑھ لیں تاکہ سب کا کام ہوجائے اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۶ھ۔

کیا روزانہ تعلیم کرنا حدیث کے خلاف نہیں؟

سوال[۱۴۵۶]: مشکوۃ کے اندر حدیث سے ثابت ہے کہ روزانہ تعلیم نہ کرنا چاہئے، ایک صحابی جمعرات کے روز تعلیم فرماتے تو اس سے غالباً منع فرمایا گیا(۱)، اب لوگ ہر روز تعلیم دیتے ہیں، حالانکہ دین کی بات سننے میں جتنی دلچسپی اس وقت تھی اب اس کا عشر عشیر بھی نہیں، پھر روزانہ تعلیم کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین کی ضرورت کا احساس کرایا جائے جس قدر دین سے بے رغبتی ہو اسی کے اندر تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے، دینی مدارس قائم کئے جائیں، یہاں دارالعلوم دیوبند میں بعد فجر سے تعلیم شروع ہوجاتی ہے، چھٹی کے بعد بھی تعلیم ہوتی ہے، مغرب کے بعد بھی عشاء کے بعد جمعہ کے روز بھی، اصحابِ صفہ تو سب کاموں سے فارغ ہوکر دین ہی حاصل کرنے کے لئے خدمت اقدس میں آپڑے تھے(۲)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱) "عن شقيق قال: كان عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوددت أنك ذكّرتنا في كل يوم ، قال: اما إنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم ، وأني أتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة علينا". متفق عليه". (مشكاة المصابيح: ص۳۳، كتاب العلم، قديمي)

(۲)(مجمع بحار الأنوار: ۳/ ۳۳۱، مجلس دائرة المعارف العثمانيه، حيدر آباد، دكن، الهند)

(وكذا في "راحت القلوب" ص: ۱۰۸، مدينه پبلشنگ كراچى)

عنہ کے حلقۂ درس میں سولہ سو طلباء تھے اور محدثین نے شب و روز علم حاصل کیا اور پھیلایا حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نوے ہزار لوگوں نے بخاری شریف پڑھی (۱)۔ مشکوۃ شریف کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ وعظ تذکیر کی صورت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۵ھ۔

اجتماع سے سامان بچ گیا اس کا کیا کیا جائے؟

سوال [۷۱۴۰]: ۱۶/شعبان/۱۳۹۲ھ کو ہمارے یہاں ایک تبلیغی اجتماع ہوا تھا، جس میں گاؤں والوں نے اجتماع کے اخراجات کا ذمہ لیا تھا، باہر کے آنے والے مہمانوں کے کھانے کا انتظام وغیرہ کا ذمہ گاؤں والوں نے ہی لیا تھا، الحمد للہ اجتماع خوب کامیاب رہا، لیکن گاؤں والوں نے اجتماع کیلئے جو غلہ وغیرہ جمع کیا تھا اس میں سے کچھ تو اجتماع میں خرچ ہوگیا اور کچھ بچ گیا، اب کچھ لوگوں کی رائے تو یہ ہے کہ جو کچھ بچا ہوا ہے اس کو مسجد میں دیدیا جائے اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سب کچھ عیدگاہ میں دیدیا جائے، لوگوں میں اختلاف چل رہا ہے، لہذا آپ بتائیں کہ وہ غلہ کہاں دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے اختلاف کی حالت میں بہتر یہ ہے کہ دوسرا جلسہ (اجتماع) کرلیا جائے اس میں یہ غلہ خرچ ہوجائے، اگر عیدگاہ یا مسجد میں دینے پر سب کا اتفاق ہوجائے تو وہاں دیدیا جائے، اس طرح اعلان کیا جائے کہ سب کو خبر ہوجائے اور جو چاہے اپنی رائے دے سکے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

تبلیغ ومدرسہ کی رقم کا مصرف

سوال [۱۴۵۸]: ہم نے تبلیغی اجتماع کے لئے چندہ کیا تھا، کچھ چندہ بچ گیا، تو وہ مدرسہ میں دیدیا، اب جو دوسرا اجتماع ہوا تو مدرسہ میں سے وہ چندہ نکال کر پھر اجتماع میں لگادیا، ازروئے شرع ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) "قال الحافظ: و ذكر الفربري أنه سمعه منه تسعون ألفاً". (هدى الساري مقدمة فتح الباري، ص: ۶۷۸، ذكر تصانيفه والرواة عنه، قديمي)

(۲) (انظر، ص: ۳۲۱، الحاشية رقم: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً :

چندہ جس کام کے لئے لیا جائے اس کا اسی کام میں خرچ کرنا لازم ہے، دوسرے کام میں از خود خرچ کرنا درست نہیں، اگر تبلیغی اجتماع کے نام سے لیا گیا ہے تو اس کو تبلیغی اجتماع میں خرچ کیا جائے (۱) جو کچھ بچ گیا اس کو مدرسہ میں خرچ نہ کریں، بلکہ چندہ دینے والوں کو واپس کردیں یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے تبلیغی اجتماع میں خرچ کردیں یا اپنے ہی دوسرے اجتماع کے لئے محفوظ رکھیں، ہاں! اگر وہ بخوشی مدرسہ میں دیدیں تو مدرسہ میں صرف کرنا بھی درست ہوگا، لیکن مدرسہ میں اگر بطور حفاظت رکھا ہو تو جب وہ مدرسہ سے طلب کیا جائے تو مدرسہ والوں کو چاہئے کہ وہ دیدیں، مدرسہ کا پیسہ تبلیغی اجتماع میں خرچ نہ کریں، اگر مدرسہ کا پیسہ تبلیغی اجتماع میں خرچ کیا ہو تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۸۸ھ۔

تبلیغی اجتماع میں کھانے کی قیمت بغیر وزن کے مقرر کرنا

سوال [۱۴۵۹] : ہمارے یہاں اکثر تبلیغی اجتماعات میں کھانے خوراک پر کچھ پیسے رکھ دیئے جاتے ہیں اس کا وزن کچھ نہیں ہوتا، یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

کھانے کی قیمت متعین کرنا بغیر وزن کئے ہوئے بھی درست ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۳ھ۔

---

(۱) "والواقف لو عيّن إنساناً للصرف تعيّن، حتى لو صرف الناظر لغيره، كان ضامناً ...... الخ". (البحر الرائق كتاب الوقف : ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۲) "وصح بيع الطعام كيلاً وجزافاً إذا كان بخلاف جنسه ...... الخ" (الدر المختار)

وفي الرد : "وحاصله مافي المغرب : من أنه (أي المجازفة) البيع والشراء بلا كيل ولاوزن، ونقل أن شرط جوازه أن يكون مميزاً مشاراً إليه". (كتاب البيوع، بعد مطلب مهم في حكم الشراء بالقروش في زماننا: ۵۳۸/۴، سعيد)

مسجد کی چٹائی تبلیغی اجتماع میں لے جانا

سوال[۱۴۶۰]: تبلیغی اجتماع کے موقع پر مسجد یا عیدگاہ کی جانماز یا دری یا چٹائی وغیرہ بچھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی جانماز، دری، یا چٹائی نماز کے لئے مسجد میں استعمال کی جائے، وہاں تبلیغی اجتماع بھی درست ہے وہ سب لوگ اس پر نماز پڑھیں گے، مسجد سے باہر اجتماع کے واسطے لے جانے کی اجازت نہیں عیدگاہ میں بھی نہ لے جائیں (۱) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی جماعت کو دُرّہ رکھنا

سوال[۱۴۶۱]: تبلیغی کو درّہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درہ سے پٹائی کرنا تبلیغ کے وقت تبلیغی جماعت کے اصول کے خلاف اور غلط ہے، لاٹھی ہاتھ میں رکھنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۱۴ھ۔

---

(۱) چونکہ عام طور پر اس طرح کی چٹائیاں اور مصلے وقف ہوتے ہیں اور وقف اشیاء کا مصرف وہی ہوتا ہے جو کہ واقف نے متعین کیا ہو:

"وماخالف شرط الواقف، فهومخالف للنص وهوحكم لادليل عليه سواء كان نصه في الوقف نصاًأوظاهراً اهـ، وهذاموافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف فهومخالف للنص، ۴/۴۹۵، سعيد)

(۲) "وسئل رضى الله تعالى عنه: عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أنه قال: التوكؤ على العصامن أخلاق الأنبياء (عليهم الصلوة وانسلام)، وكان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يتوكأ عليها". من رواه؟ فأجاب بقوله: رواه ابن عدى، وروى الديلمى بسنده حديث: "حمل العصاعلامة المؤمن وسنة الأنبياء". وروى أيضاً حديث، "كانت الأنبياء يفتخرون بهاتواضعاًلله عزوجل". .... وأخرج ابن ماجه "خرج =

امتحان میں کامیابی پر تبلیغی جماعت میں وقت لگانا

سوال[۱۴۶۲]: ایک شخص نے دعاء کی کہ اگر میں امتحان میں پاس ہوجاؤں تو پندرہ دن تبلیغی جماعت میں وقت دونگا، وہ پاس ہوگیا اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں پندرہ دن دینے کی امتحان میں کامیاب ہونے پر جونذر مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمادیا ہے اگرچہ یہ شرعی نذر نہیں ہے(۱) لیکن حق تعالیٰ سے ایک وعدہ ہے اس کو پورا کرنا چاہئے، وعدہ خلافی نہ کی جائے کہ یہ شرعاً مذموم ہے(۲) اور بعض صورتوں میں منافق کی علامت بھی ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

= إلینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وھو متکئ علی عصاہ". (الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الھیثمی، مطلب: التوکأ علی العصا من أخلاق الأنبیآء، ص: ۲۲۶، قدیمی)

(۱) قال فی الدرالمختار: ولم یلزم الناذر مالیس من جنسہ فرضٌ، کعیادۃ المریض وتشییع جنازۃ ودخول مسجد". وقال فی رد المحتار: "(قولہ: کعیادۃ مریض) ھذا یفید أن مرادھم بالفرض ھنا فرض العین دون مایشمل فرض الکفایۃ اھـ: أی فإن ھذہ (أی العیادۃ) فرض کفایۃ....وقد مناعن البدائع خروج ھذہ المذکورات بقولہ: عبادۃ مقصود علی أنہ یرد علیہ دخول المسجد للطواف....فإن الدخول حینئذ فرض لکنہ لیس مقصوداً لذاتہ...الخ". (کتاب الأیمان، بعد مطلب فی أحکام النذر: ۳/۷۳۶، سعید)

(وکذافی البحرالرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۲/۵۱۴، ۵۱۵، رشیدیہ).

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعھد إن العھد کان مسئولا﴾. (الاسراء: ۳۴)

قال العلامۃ الآلوسی (وأوفوا بالعھد) ماعاھدتم اللہ تعالی من التزام تکالیفہ....والإیفاء بالعھد والوفاء بہ ھو القیام بمقتضاہ، والمحافظۃ علیہ، وعدم نقضہ....الخ". (روح المعانی: ۵/۷۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال: "آیۃ المنافق ثلاث: إذا حدّث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، ۸باب علامۃ المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

جماعت میں نکل کر دوسرے کام میں مشغول ہونا

سوال [۱۴۶۳]: راقم الحروف تبلیغی جماعت مرکز دہلی میں حاضر ہوا، جماعت میں کام کرنے کے واسطے مرکز سے ایک جماعت ناگپور روانہ ہوئی، بندہ کو اس میں جانے کا اتفاق ہوا، ناگپور آنے کے بعد ناگپور کے ایک صاحب نے جماعت کے نمبر اس جماعت کو تعلیم کیے، آخر میں پرہیز بتلایا کہ لایعنی باتوں سے بچنا ایسی باتیں جن میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، البتہ دنیا کا فائدہ ہو تو جماعت کے خالی اوقات میں کرلینا کچھ حرج نہیں ہے۔ بندہ نے اپنی جماعت کے امیر صاحب سے مسئلہ معلوم کیا کہ میں کپڑے کا تاجر ہوں، ناگپوری لنگیاں ہمارے یہاں پر فروخت ہوتی ہیں، کیا خالی اوقات میں میرے لئے ان کا خریدنا جائز ہے؟ امیر صاحب نے فرمایا کہ جائز ہے، لہذا میں نے مال خرید لیا، بعدہ ناگپور سے جماعت کامٹی آ گئی، اتفاق سے کامٹی کی لنگیاں بھی ہمارے یہاں بکتی ہیں، چنانچہ بندہ نے کامٹی سے بھی مال خرید لیا، لہذا از روئے شریعت مطہرہ جواب دیں کہ میرا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟

۲......اگر یہ عمل ناجائز ہے تو بندہ کو معافی کے لئے طریقہ تحریر فرمائیں۔

۳......اگر کسی شخص نے جماعت میں کام کرنے کا وعدہ کیا کہ اتنے روز کروں گا، اگر یہ شخص پورے روز کام نہ کرے بلکہ پختہ ارادہ کرلے کہ اب اپنے مشاغل میں لگ جاؤں، بقیہ دن ان شاء اللہ تعالیٰ بعد کو پورے کرلوں گا، لہذا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......فی نفسہ لنگیاں خریدنا اور تجارت کرنا بلاشبہ جائز ہے، جماعتی نظام کے تحت جب آپ نے امیر جماعت سے اجازت لے لی تو اس حیثیت سے بھی آپ پر گرفت نہیں۔

۲......ناجائز تو بالکل نہیں، لیکن جب آپ جماعت میں نکلے ہیں تو ذہن کو ہر طرف سے فارغ کر کے جماعتی کام میں لگنے سے زیادہ فائدہ ہوگا اور ذہن جس قدر تجارت وغیرہ میں رہے گا اسی قدر جماعتی کام میں کم متوجہ ہوگا اور وقت بھی کم رہ جائے گا۔

۳......جب وعدہ کیا ہے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ جلد از جلد بلکہ فوراً ہی وعدہ پورا کرنے میں لگ جائے

مؤخر نہ کرے(۱) خدا جانے کیا بات پیش آجائے اور وعدہ پورا نہ ہو سکے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے فوراً نہ لگ سکے اور امیر بھی اجازت دے دے تو بعد میں وعدہ پورا کرنے سے بھی وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایک تبلیغی کی تقریر کہ مشورہ وحی کا بدل ہے

سوال[۱۴۶۴]: یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی کہ: مشورہ دراصل وحی کا بدل ہے، جس طرح انبیاء کے مسائل وحی سے اللہ تعالیٰ شانہ حل فرما دیتے تھے اسی طرح مشورہ بمنزلہ وحی کے ہے یعنی وحی کا بدل ہے۔ آپ ان باتوں کی تشریح فرماویں تاکہ مغالطے دور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشورہ شریعتِ اسلامیہ میں بہت مفید اور اہم ہے، قرآن وحدیث میں اس کی تاکید آئی ہے(۲)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی لیکن مشورہ کا وہاں بھی حکم تھا، مشورہ سے اگر کوئی بات طے ہو جائے تو اس میں خیر وبرکت ہے، اگر مشورہ میں کچھ کوتاہی رہی تو اس کی اصلاح وحی سے ہو جاتی تھی، اب وحی بند ہے(۳) اشاعت وحفاظت دین کے لئے کسی ایک شخص کی رائے پر اعتماد نہیں ہوتا(۴) اس لئے مشورہ سے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''امتحان میں کامیابی پر تبلیغی جماعت میں وقت دینا'')

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فی الأمر، فإذا عزمت فتوكل علی الله﴾''. الاية (آل عمران: ۱۵۹)

وقال الله تعالیٰ: ﴿والذين استجابوا لربهم وأقاموا الصلوة، وأمرهم شوری بينهم﴾ الاية (الشوریٰ: ۳۸)

''وأخرج عبد بن حميد، والبخاری فی الأدب، وابن المنذر عن الحسن قال: ماتشاور قوم قط إلاهدوا، وأرشد أمرهم ثم تلا﴿ وأمرهم شوری بينهم﴾. (روح المعانی: ۲۵/۴۶، آية الشوری رقم: ۳۸، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۳) ''وكانت الشوری بين النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وأصحابه فيمايتعلق بأحكام الحروب .... وكانت بينهم أيضاً فی الأحكام كقتال أهل الردة اهـ .... والمراد بالأحكام مالم يكن لهم فيه نص شرعی، وإلافالشوری لامعنی لها'' (روح المعانی المصدر السابق.)

(۴) ''عن علی كرم الله وجهه قال: قلت: يارسول الله! الأمر ينزل بنا بعدك لم ينزل فيه قرآن، ولم =

کرنا بہتر ہے، وحی قطعی چیز ہے جس میں شبہ اور غلطی کا احتمال نہیں (۱) مشورہ میں غلطی اور شبہ کا احتمال رہتا ہے، اس لئے مشورہ وحی کا پورا بدل نہیں۔ ہاں خدائے پاک کی رحمت ضرور مشورہ میں شامل رہتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض

سوال[۱۴۶۵]: مسلمان نہ صرف علوم دینی سے بے بہرہ ہیں، بلکہ ان کے دنیوی اور دینی لیڈر بھی مسلمانوں کا علوم دین سے مستفید ہونا پسند نہیں کرتے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی لیڈر تو علمائے کرام ہیں اور دنیوی غیر متقی اور مسلمان ہیں تو کیا یہ دونوں رہبران دینی علوم حاصل کرنا پسند نہیں کرتے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء نے تو مدارس قائم کئے، کتابیں جمع کیں، اساتذہ کو مقرر کیا، طلبہ کو اکٹھا کر کے تعلیم کا انتظام کیا، جگہ جگہ وعظ کہتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں، کتابیں تصنیف کرتے ہیں، پھر اس کا مشاہدہ کرلیا جائے، پھر ان کے متعلق یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے کہ یہ مسلمانوں کا دینی علوم سے مستفیض ہونا پسند نہیں کرتے، اس بات کا غلط ہونا تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يسمع منك فيه شيء، قال: أجمعوا له العابد من أمتي، واجعلوه بينكم شورى، ولا تقضوه برأي واحد". (روح المعاني المصدر السابق)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قرآناً عربياً غير ذي عوج لعلهم يتقون﴾. (الزمر: ۲۸)

"(غير ذي عوج) .... وقد يقال: مراد من قال: أي لا لبس فيه ولا شك نفي بعض أنواع الاختلال، وعلى ذلك ما روي عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه من أنه قال: أي غير مضطرب ولا متناقض اهـ". (روح المعاني: ۲۶۲/۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ما یتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا

محترمی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

سوال[۱۴۲۶]: اکثر علماء مسجد کے اندر کرسی کے پائے دھلوا کر اور مسجد کے اندر کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا ناجائز ہے، لہذا ان لوگوں کو شریعت کی روشنی میں مطلع فرمائیے کہ کرسی پر بیٹھ کر مسجد کے اندر علماؤں کا وعظ کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسلم شریف:۱/۲۸۷ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسجد میں کرسی پر تشریف فرما کر دین کی باتیں ارشاد فرمانا مذکور ہے، کرسی کے پائے لوہے کے معلوم ہوتے تھے(۱)۔

الادب المفرد، ص:۲۱۰ میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ذکر فرمایا ہے(۲)۔ جو چیز حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر اعتراض کرنا عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وعظ میں خطاب کا طریقہ

سوال[۱۴۲۷]: اکثر علماء مخاطب تم سے کرتے ہیں کہ تم نے ایسا کیا، تم نے ایسا کیا تو عذاب نازل

---

(۱) "قال أبو رفاعة رضي الله تعالىٰ عنه انتهيت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يخطب قال: فقلت: يا رسول الله! رجل غريب جاء يسئل عن دينه لا يدري ما دينه قال: فأقبل عليّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ترك خطبته حتى انتهى إلي. فأتي بكرسي حسبت قوائمه حديداً". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۷، كتاب الجمعة، قديمي)

(۲) (الأدب المفرد، باب الجلوس على السرير: ۲/۲۵۸، رقم الحديث: ۱۱۶۴، مكتبة المعارف الرياض)

ہوا تو کیا ان کو مغفرت کا پرمٹ مل چکا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس طرح مجمع کو خطاب کرنا جس سے تمام قصور اور گناہ سامعین کا معلوم ہو اور واعظ صاحب اپنے آپ کو بے قصور اور سب سے اعلیٰ بے گناہ سمجھتے ہوں درست نہیں، ایسے وعظ کا اچھا اثر نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

بے عمل واعظ کا حکم

سوال[۱۴۶۸]: جو خود امر و نہی پر عامل نہ ہو دوسروں کو تلقین و ترغیب دے اس کے بارے میں کیا وعید ہے؟

---

(۱) قال اللہ عزوجل: ﴿ألم تر إلی الذین یزکّون أنفسھم بل اللہ یزکی من یشآء و لا یُظلمون فتیلاً﴾.

"نزلت فی رجال من الیھود أتوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بأطفالھم، فقالوا: یا محمد! ھل علی أولادنا ھؤلاء من ذنب؟ فقال: "لا". فقالوا: والذی یحلف به ما نحن فیه إلا کھیئتھم، ما من ذنب نعمله بالنھار إلا کفر عنا باللیل، ومامن ذنب نعمله باللیل إلا کفر عنا بالنھار، فھذا الذی زکوا به أنفسھم. و أخرج ابن جریر عن الحسن: أنھا نزلت فی الیھود والنصاریٰ حیث قالوا: نحن أبنآء اللہ و أحبآء ہ، وقالوا: لن یدخل الجنة إلا من کان ھوداً أو نصاری: والمعنی: انظر إلیھم فتعجّبُ من ادعائھم أنھم أزکیاء عند اللہ تعالیٰ مع ما ھم علیه من الکفر والإثم العظیم، أو من ادعائھم أن اللہ تعالیٰ یکفر ذنوبھم اللیلیة والنھاریة مع استحالة أن یغفر لکافر شیء من کفرہ أو معاصیه، و فی معناھم من زکی نفسه و أثنی علیھا". (روح المعانی: ۵/۵۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۱/۶۸۱، دار الفیحاء دمشق)

و قال تعالی: ﴿فلا تزکوا أنفسکم ھو أعلم بمن اتقی﴾. آلایة.

قال ابن کثیر: عن محمد بن عمرو بن عطاء قال: سمیت ابنتی برۃ، فقالت لی زینب بنت أبی سلمة: إن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم نھی عن ھذا الاسم و سمیت برۃ، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "فلا تزکوا أنفسکم، إن اللہ أعلم بأھل البر منکم". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۲۹، دار الفیحاء دمشق) (وکذا فی روح المعانی: ۲۷/۶۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

عباراتِ مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے تزکیہ کے شائبہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے حق تعالیٰ عمل کی توفیق دے، جو واعظ وعظ کہتے ہیں خود عمل نہیں کرتے آگ کی قینچی سے ان کے ہونٹ کاٹے جائیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

بے عمل کا وعظ کہنا اور چھوٹے بھائی کا اس کو ٹوکنا

سوال [۱۴۶۹]: ایک شخص عالم دین ہیں مگر بے عمل اور اکثر برائیاں اس کے اندر پائی جاتی ہیں، یہ شخص کبھی کبھی وعظ و تقریر بھی کرتا رہتا ہے، بعد نماز جمعہ بھی وعظ کہتا ہے۔ ایک مرتبہ اس نے وعظ کا اعلان کیا مگر اس کا چھوٹا بھائی مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا تم اس قابل ہو کہ وعظ کہو۔ تو کیا اس حالت میں وہ وعظ سے رک جائے؟ اگر خدا تعالیٰ نے قیامت میں پوچھ لیا کہ جب تم کو علم دین دیا تھا تم نے کیوں نہیں پہونچایا تو اس کا کیا جواب دے گا اور اس روکنے والے بھائی کو کیا کہا جائے گا جو کہ دین کی بات عوام الناس کے سامنے بیان کرنے سے روکے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بڑے بھائی جب کہ عالم بھی ہیں تو چھوٹے بھائی کو ان کا دوہرا احترام لازم ہے، جو طریقہ چھوٹے بھائی نے استعمال کیا ہے نہایت غلط اور مذموم ہے، لازم ہے کہ بڑے بھائی سے معافی مانگے اور آئندہ ایسی حرکت سے اجتناب کرے (۲)۔ بڑے بھائی کو جہاں اس کا خیال ہے کہ اپنے علم سے مخلوق کو نفع نہ پہونچانے کی

---

(۱) "عن ثمامة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "مررت ليلة أسري بي على أناس تُقرض شفاههم و ألسنتهم بمقاريض من نار، قلت: من هؤلاء يا جبريل!؟ قال: هؤلاء خطباء أمتك الذين يأمرون الناس بالبر و ينسون أنفسهم". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۲۶، دار الفيحاء، دمشق)

(۲) "عن سعيد بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق كبير الإخوة على صغيرهم حق الوالد على ولده" (مشكوة المصابيح: ۲/۴۲۱، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمي) .... =

صورت میں جواب طلب کیا جائے گا وہاں اپنی اصلاح کی بھی فکر وکوشش لازم ہے۔ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہوجائے کبھی بھی اپنی اصلاح سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور جس کو وعظ کہنا ہو اس کو تو زیادہ فکر کی ضرورت ہے(۱) کیونکہ بقول شخصے ۔

کہا اس کا ہرگز نہ مانے گی دنیا
جو اپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا

وعظ جب ہی مؤثر ہوتا ہے جب خود بھی واعظ باعمل ہو جتنے لوگ وعظ پر عمل کریں گے اتنا ہی واعظ کے اجر میں اضافہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اپنی نصیحت پر خود عمل

سوال[۱۴۷۰]: مندرجہ ذیل واقعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے یا کسی امام یا بزرگ کا کہ ایک

= "و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس منا من لم يرحم صغيرنا و لم يوقر كبيرنا". (مشكوة المصابيح: ۴۲۳/۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أتأمرون الناس بالبر و تنسون أنفسكم﴾ (البقرة: ۴۴)

و قال تعالىٰ: ﴿ يا أيها الذين آمنوا لِمَ تقولون ما لا تفعلون ﴾. (الصف: ۲)

"عن علي بن زيد بن ثمامة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه: قال سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "مررت ليلة أسرى بي على أناس تُقرَض شفاههم و ألسنتهم بمقاريض من نار، قلت: من هؤلاء يا جبريل!؟ قال: هؤلاء خطباء أمتك الذين يأمرون الناس بالبر و ينسون أنفسهم ...... اهـ".

"عن أبي وائل، قال: قيل لأسامة و أنا رديفه .... قال: سمعته يقول: يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار فتندلق به أقتابه، فيدور بها في النار كما يدور الحمار برحاه، فيطيف به أهل النار فيقولون: يا فلان! ما أصابك، ألم تكن تأمرنا بالمعروف و تنهانا عن المنكر؟ فيقول: كنت آمركم بالمعروف و لا آتيه، و أنهاكم عن المنكر و آتيه". (ابن كثير: ۱۲۶/۱، دار الفيحاء دمشق)

4

بڑھیا ان کے پاس آئی اور کہا کہ میرا لڑکا گڑ بہت کھاتا ہے، نصیحت فرما دیجئے، جواب میں فرمایا: ''میں بھی گڑ کھاتا ہوں، پہلے میں کھانا ترک کردوں تب نصیحت کروں گا''۔ پہلے انہوں نے کھانا چھوڑا، پھر نصیحت فرمائی، جن صاحب کا واقعہ ہو تفصیل سے بیان کر دیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ واقعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں، اور کسی بزرگ کا ہوگا، فی نفسہ یہ بات صحیح ہے کہ دوسرے کے حق میں نصیحت کارگر جب ہوتی ہے کہ ناصح خود بھی اس پر عامل ہو(۱)۔

کہا اس کا ہرگز نہ مانے گی دنیا
جو اپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۰ھ۔

غیر عالم کا تقریر کرنا

سوال [۱۴۷۱]: غیر عالم کے لئے تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر عالم کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ کتاب پڑھ کر سنا دے مستقل تقریر نہ کرے، کیونکہ عامۃً حدود کی رعایت نہیں کر پاتا، اگر حدود کی رعایت کرے اور جو بات کہے مستند کہے تو اس کو اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أتأمرون الناس بالبر و تنسون أنفسكم﴾. (البقرة: ۴۴)

ابن كثير: "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه: قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: مررت ليلة أسرى بي على أناس تقرض شفاههم و ألسنتهم بمقاريض من نار، قلت: من هؤلاء يا جبريل!؟ قال: هؤلاء خطباء أمتك الذين يأمرون الناس بالبر و ينسون أنفسهم، وهم يتلون الكتاب أفلا يعقلون". (ابن كثير: ۱/۱۲۶، دار الفيحاء، دمشق)

(۲) ''البتہ غیر عالم کے لئے درس قرآن یا درس حدیث دینا جائز نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۸۳، سعید)

غیر تعلیم یافتہ شخص کی تقریر

سوال[۱۴۷۲]: ایک شخص تعلیم یافتہ نہیں ہے، اس شخص کی تقریر معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بغیر تقریر سنے کیسے بتایا جائے کہ ان کی تقریر سننا کیسا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

وعظ کہہ کر چندہ مانگنا

سوال[۱۴۷۳]: مسجد میں وعظ وتقریر فرما کر بعد میں جو چندہ کی وصولی کی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وعظ کہہ کر مسجد میں چندہ مانگنا اچھی بات نہیں، یہ پیشہ وروں کا کام ہے اس سے وعظ کا اثر نہیں ہوگا، لوگ سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود چندہ مانگنا اور پیشہ کی خاطر وعظ کو اس کا ذریعہ بنا رکھا ہے(۱) اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

تقریر میں سونے والوں کو جگانا

سوال[۱۴۷۴]: علمائے کرام تقریر کے لئے اٹھے، سامعین کی طرف نگاہ ڈالی، سب کے سب نیند میں اونگھ رہے تھے، نیند اڑانے کے لئے کچھ ایسی بات بولے کہ سب کی نیند ٹوٹ گئی، حدیث وقرآن کی طرف دل رجوع ہوا اور قرآن وحدیث سنانے لگے۔ اس پر کیا فتویٰ ہے؟

---

(۱) "الواعظ إذا سأل الناس شيئاً في المجلس لنفسه، لا يحل له ذلك؛ لأنه اكتساب الدنيا بالعلم، كذا في التاتارخانية نقلاً عن الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۱۹/۵، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح، مكتبه رشيديه كوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

نیند سے جگانا اور جگا کر حاضرین وسامعین کو وعظ سنانا درست ہے مگر اس مقصد کے لئے غلط اور خلافِ شرع بات نہ کہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ ۲۱/۹/۹۰ھ

مقرر کو نبی پر قیاس کرنا

سوال[۱۴۷۵]: بار بار تقریر سے لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو اگر کوئی مقتدی یہ کہے کہ کہنے والوں میں اخلاص نہیں، اس کے جواب میں امام مسجد یہ کہے کہ ایسا کہنے سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض ہوگا کہ ان میں بھی اخلاص نہیں تھا جس کی وجہ سے ابوجہل اور دیگر کفار ایمان نہیں لائے تو مقتدی کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہر مقرر کو نبی پر قیاس کرنا صحیح نہیں، نہ ہر مقرر کو غیر مخلص کہا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

تحریر یا تقریر کے ختم پر واللہ اعلم

سوال[۱۴۷۶]: زید کی عادت ہے کہ خط لکھتے وقت نیز مسئلہ کا جواب لکھتے وقت خط کے ختم پر لکھتا ہے: "واللہ اعلم" اور یہ کلمہ بطورِ ختم کی نشانی کے لکھتا ہے کہ اس کلمہ کو دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ بات ختم ہوگئی۔ تو زید کا یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟ اسی طرح سبق کے ختم پر کہتا ہے: "واللہ اعلم"۔ جواب مع حوالہ عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نیت سے یہ کلمہ کہنا اور لکھنا مکروہ ہے۔ درمختار میں کتاب الحظر والاباحۃ کے ختم پر منظومۂ ابن وہبان سے نقل کیا ہے:

"وقد كرهوا والله تعالى أعلم ونحوه لإعلام ختم الدرس حين يقرر"۔

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی نے لکھا ہے: "أما إذا لم يكن إعلاماً بإنتهاء ئه

لایکرہ؛ لأنه ذکر وتفویض، بخلاف الأول فإنه استعمله آلةً لإعلام". ردالمحتار: ۵/۲۷۷ (۱)۔

یعنی اگر واللہ اعلم اس لئے کہتا ہے کہ دیکھنے والے کو بات کا ختم ہونا معلوم ہوجائے تو مکروہ ہے کیونکہ اس کلمہ مبارکہ کو اپنے اس مقصد کا آلہ بنا کر استعمال کرنا اسکے علوِ شان کے خلاف ہے اور اگر اس سے مقصد اللہ پاک کے علم پر حوالہ کرنا ہے تو مکروہ نہیں، بلکہ درست اور بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

وعظ سنتے وقت وظیفہ میں مشغول ہونا

سوال[۱۴۷۷]: کسی عالم کی تقریر کے وقت یا درسِ حدیث یا کسی دینی کتاب پڑھنے کے وقت اپنے وظیفہ یا کلمہ سوم، استغفار، درود شریف میں مصروف رہنا خلافِ اولیٰ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح نہ تو تقریر کا پورا فائدہ حاصل کرسکتا ہے، نہ وظیفہ کی طرف پوری توجہ ہوسکتی ہے، بلکہ دونوں کام ادھورے رہتے ہیں۔ فقط۔

بغیر سامعین کے لاؤڈ اسپیکر پر وعظ کہنا

سوال[۱۴۷۸]: ہمارے یہاں ایک امام صاحب فجر کی اذان کے بعد اور نماز سے قبل لاؤڈ اسپیکر میں اپنے کمرہ میں بیٹھ کر جب کہ سامعین بھی ان کے سامنے نہیں ہوتے وعظ کہتے ہیں۔ ایسے ہی کبھی عشاء کے بعد بھی لوگ اپنے اپنے گھروں اور اپنی اپنی جگہ سے سنتے رہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ کا یہ طریقہ غیر موزوں ہے، اس میں نہ وعظ کا احترام ہے نہ واعظ کا، نہ ہی وعظ وتذکیر کے فوائد مرتب ہوتے ہیں جو کہ سامعین کے قلوب کو قلبِ واعظ سے ربط کی بناء پر مرتب ہونے چاہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۴/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار مع الدر المختار، آخر کتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۳۱، سعید)

(وکذا في حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار، قبیل إحیاء الموات: ۴/۲۱۳، دار المعرفة، بیروت)

وعظ ریڈیواور لاؤڈاسپیکر سے

سوال[۱۴۷۹]: ریڈیومیں وعظ کہنا شریعت میں کیاحکم رکھتا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ سے مقصود چونکہ صرف اعلان وافہام ہی ہوتا ہے اس لئے اگر دوروالے نہ سن سکیں تومقصودفوت ہوجائے گا،اس لئے ان کوعربی میں کوئی تغیر کرنا مثلاً عربی زبان چھوڑ کر حاضرین کی زبان میں کہنا، یالاؤڈاسپیکر کے ذریعہ سے آواز بلند کرنا موجب کراہت نہ ہوگا۔زیادہ تفصیل کی ضرورت ہوتومفتی شفیع صاحب دیوبندی کے رسالہ جس میں اس کی تفصیل وتحقیق مذکور ہے۔دیکھے(۱)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہٗ مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۹/۵/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱)(آلات جدید،حکم آلہ مکبر الصوت،ص:۱۶دارالمعارف)

تفصیل کے لئے دیکھے:(کفایت المفتی،کتاب الحظر والاباحۃ،باب ریڈیولاؤڈاسپیکر:۹/۲۰۶،دارالاشاعت)

کتاب السلوک والإحسان

ولی کی تعریف اور ایک پیر کے حالات

[۱۴۸۰]: أیھا العلماء الکرام والفضلاء العظام والمفتیون لشرع المتین والمحققون فی أمور الدین! أنتم لنا سادا تنا ومرکز علوم دیننا، أفتونا فی ھذہ المسئلة المندرجة الذیل، توجروا بالأجر الجزیل، واستخلصونا من أفواہ المخالفین والمعاندین استخلصکم اللہ تعالیٰ فی الدارین، امین! یارب العالمین!!!

الواقعة: رجل مفسد ذوثروۃ لا یتمیز بین الحلال والحرام، والحق وغیر الحق، ولا یجتنب من الفسق والفجور حتی الکبائر، ویوالی بکل نوع من الرجال لتحصیل عزۃ الدنیا، وھو مرید شیخ سنذکر أحوالہ وأحوال اذنابہ، وکانت تأتی بین قوم المفسد وقوم الإمام الذی من...... أحوالہ أیضا عداوۃ أبویہ، وقدجا دل ھو بنفسہ وإخوانہ فی أمور الدین مع إخوان العالم بکلام لایجوز قبیل صلوۃ الجمعة أیضاً، ولکن العالم برئ من العداوۃ والجدال، ویخالفہ دائماً فی کل أمر شرعی من أیّ جھة کان ظلماً وعناداً، وما یشاء أن یصلی خلفہ إلا بالکراھة، ویوسوس فی قلوب المؤمنین لا نتشار الفسادو النفاق علی الدوام ما دام یبغض لعامل نفی ورع حقانی محض عامل بالسنة والکتاب، ولا یضع لقدم خلاف المذھب. ویجتنب من المسائل لخلافہ لحدیدة کالقیام لمروج والفاتحة المروحة وغیر ھما، ولا یعمل علی المسائل لتی لم تذکر فی الکتب المعتبرۃ لمتداولہ صراحةً اتباعاً بخیر القرون وإن کان بعض الناس یعمل بھااستحسانا، ولا یتبع أھل الھواء بالقول والفعل، ویخالف شیخہ وأذناب شیخہ بتردید أقوالھم وأفعالھم علی الدوم

أحوال شیخہ: شیخہ تارک الصلوۃ والصوم، ولا یحاجب بینہ وبین الأجنبیة،

ويستخدم منها خلاف الشرع كالا غسال وغيره، ولا يقيم إلا في بيت الأجنبية، ويدعى الصوفية ولا فيه رائحة الصوفية الذين هم من أهل الطرق الأربعة بل ينكرالشريعة الغرة بالكلية، يقول: إنا نحن من أهل الطريقة لا تعلق منابالشريعة، وختم زمان النبوة بعد ثلث مائة وألف من الهجرية، وبعده جاء زمان الولاية، فالولي ما يفعل ويقول هوقابل للعمل والا عتقاد، وليس وراء ذلك شيئ يعبأ به. ويقول: إن الله تعالى ورسوله ووليه شيئى واحد لافرق بينهم شيئاً. ويعتقد أن الله تعالى يظهر من وجه المرشد كالصورة في المرأة، ويكفي تصور الشيخ للمريد، ولا ضرورة لعبادة فرضاً كانت أو سنةً أونفلاً. ويعتقد أن كل شئى مباح، ويكفر جميع المعاصي بالحلقة والرقص وضرب الدهول والغناء مع المزامير والصفقة يوم الخميس. وكتب في تعريف شيخه:

مصدر رأنوار رب العالمين ‏ ‏ ‏ ‏ قبلة التوحيد لأهل اليقين

وجهه مثل المراة للورى ‏ ‏ ‏ ‏ فيه وجه الله تعالى يُرى

ہر مریدے پیررا آئینہ میساز دوراں ‏ ‏ ‏ ‏ وجہ باری بنگرو پس سجدہ ساز دوریں زماں

الحاصل في شيخه لايوافق بجر ، من أجزاء الشرع من الأصول، والفروع، ويضل الناس يوماً فيوماً بالوساوس والخداع، وأيضاً أحوال اتباع شيخه كأحوال شيخه الذين لايبالون أحداً، ينكرون الشريعة حرفاً حرفاً علانيةً حتى القران. يقولون في شانه: إنه ليس بكلام الله تعالى، ولو كان هذا كلام الله لَماحرق في النار، ولعل شيخنا لايحرق في النار. و نحوه من الهديان خارج من البيان: ويقولون من الرسول: ألا يكذب الرسول انتم ترون الله تعالى يوم الحشرونحن نرون كل يوم في الدنيا. هكذا لا تحصى خرافاتهم أيضا، فلما اخذوا باقوالهم في كل محلة من الأطراف كفوا السنتهم من الهذيان والخرافات علانية، ولكن منهم من لا يبالي احداً لا يقرب الصلوة والصوم، ولا يبالي بين الحلال والحرام قط حال شيخهم. والضعفاء منهم من يفعل شيئاً من احكام الشرع اما لخوف او لتحصيل مرامه بلا مبالاة، لا يفهم من الضروريات والرحل المفسد وان كان مريد هذا الشيخ لكنه يصلي ويصوم الى لا لكنه مريد جديد، فافهم، والا أكسر صلوة وتلاوةً وورد أمه الف درجة ضل وغاب ويكسر احكام الشرع كما يكسر الكلب

العظام، ويريد ان يطفئ نورا اللّٰه بفوهه بالوساوس الشيطانية، فلهٰذه الوجوه أظهر المفسدعداوته بحيث اذا جلس الإمام على منبر لخطبة الجمعة فقام المؤذن للاذان الثاني قدام الامام عند المنبر في الصف الأول فقال له الإمام أذن شيئا منحرفاً إلى خلفك، وفيه أفيد للحاضرين والغائبين، وأيضاً هكذا السنة متوارثة فوثب المفسد على الفور، و قال: أنت وهابي الخيال لا نصلي خلفك وأنزل من المنبر واترك الخطبة، وجعل يأخذها من يدالإمام ويقول: أنت تبين أمراً جديداً دائماً مالم يكن من ابائنا وأجدادنا، وكان يأتي عمل ابائنا وأجد ادنا أن يؤذن الأذان الثاني في الصف الأول عند المنبر وأنت تقول منحرفاً إلى الباب، وكان يأتي عمل ابائنا واجدادنا أن يناجي الإمام مع القوم برفع اليدين في كل ترويحة صلوٰة التراويح وأنت لا تفعل إلا في اخر الترويحة، فأقام فساداً كبيراً على هٰذين الأمرين أعني الأذان الثاني والمناجات في كل ترويحة التراويح برفع اليدين، فلما لم يفز على فساده خرج من بطن المسجد إلى صحنه مع أتباعه وأدى صلوٰة الجمعة برجل آخر، والإمام أدى مع المصلين الصادقين في موضعه، وقام من ذلك الوقت في انتشار الجماعات للصلوات الخمس بالوسوسة والإفذار، فانتشرت الجماعات التي قامت من مدة طويلة لشرارته (إنا للّٰه وإنا إليه راجعون)۔

من الولي، ماتعريفه، هل تجوز البيعة على يدالشيخ تارك الصلوٰة والصوم ومنكر الشريعة أم لا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"الولي هو العارف باللّٰه وصفاته حسب مايمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي، المعرض عن الإنهماك في اللذات والشهوات" شرح العقائد النسفية ص:١٠٤(١)، وهكذا في المنهج الأطهر (٢)شرح فقه الأكبر، ص: ٩٥(٣)۔

---

(١) (شرح العقائد، ص: ٢٢٠، سعيد)

(٢) (لم أجدهذا الكتاب)

(٣) (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ٧٩، قديمي)

ولا تجوز البيعة على من يترك الفرائض من غير عذر شرعي، فإنّه ضال مضل، والشيخ لابد أن يكون هادياً مرشداً(۱)۔

نبی اور ولی میں فرق، کیا ولی سے عبادت ساقط ہوجاتی ہے؟

السوال[۱۴۸۱]: ماهوا الفرق بين نبي ووليّ؟ وهل تسقط العبادة عن الولي؟ بينوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"الولي لايبلغ درجة الأنبياء؛ لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون، مأمونون عن خوف الخاتمة، مكرمون بالوحي حتى في المنام، ولمشاهدة الملائكة الكرام، مأمورون بتبليغ الأحكام وإرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام، فما نُقِل عن بعض الكرامية من جواز كون الولي أفضلَ من النبي كفرٌ وضلالةٌ وإلحادٌ وجهالةٌ اهـ". شرح الفقه الأكبر، ص:۱٤٨(۲)، وقال في، ص: ۱٤٩: "إن العبد مادام عاقلاً بالغاً لا يصل إلى مقام يسقط عنه

---

(۱) "فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة ...... وإنما شرطنا العلم؛ لأن الغرض من البيعة أمره بالمعروف ونهيه عن المنكر وإرشاده إلى تحصيل السكينة الباطنة وإزالة الرذائل واتصال الحمائد، ثم امتثال المسترشد به في كل ذلك، فمن لم يكن عالماً كيف يتصور منه هذا .... والشرط الثاني: العدالة والتقوى، فيجب أن يكون مجتنباً عن الكبائر وغير مصرّ على الصغائر، فائده .... سوجو مرشد کہ اعمال خیر سے متصف نہ ہو..........) فقط زبانی تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ شخص حکمت بیعت کا برہم زن ہے"۔

(شفاء العليل ترجمة القول الجميل (للشاه ولي الله) شرائط مرشد، ص: ۲۳- ۲۵، فوائد فصل دوسری کے، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

اول یہ دیکھے کہ شریعت پر مستقیم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس سے علیحدہ ہوجائے گو خوارق وغیرہ بھی اس سے صادر ہوتے ہوں، حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ: (ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان أمره فرطاً) الاية، الكهف: ۲۸)......... (ولا تطع منهم آثما أو كفوراً) الاية". (جامع المجددين، ص: ۵۳۷، ۵۳۸، پیر کی تلاش)

(۲) (شرح الفقة الأكبر لملا على القاري، ص: ۱۲۱، قديمي)

الأمروا النهی لقوله تعالیٰ: ﴿واعبدربك حتیٰ یأتیك الیقین﴾ فقد أجمع المفسرون علی أن المرادبه الموت. وذهب بعض أهل الإباحة إلی أن العبد إذا بلغ غایة المحبة وصَفَا قلبه من الغفلة، واختار الإیمان علی الکفر والکفران، سقط عنه الأمر والنهی، ولایدخله الله النار بارتکاب الکبائر، وذهب بعضهم إلی أنه تسقط عنه العبادات الظاهرة، وتکون عباداته التفکر و تحسین الأخلاق الباطنة، وهذا کفروزندقة وضلالة وجهالة، فقد قال حجة الإسلام: إن قتل هذا أولیٰ من قتل مائة کافراه"(۱)۔ "قال الدمیری: نقل القرطبی عن أبی بکر الطرطوسی أنه سئل عن قوم یجتمعون فی مکان یقرؤون شیئاً من القران، ثم ینشد لهم منشد شیئاً من الشعر، فیرقصون ویطربون ویضربون بالدف والشبابة، هل الحضور معهم حلال أم لا؟ فأجاب: مذهب السادات الصوفیة أن هذا بطالة وجهالة وضلالة، وماالإسلام إلاکتاب الله وسنة رسوله صلی الله علیه وسلم، وأما الرقص والتواجد فأول من أحدثه أصحاب السامری لمّا اتخذ لهم عجلاً جسداً له خوار، قاموا یرقصون حوله ویتواجدون، فهو دین الکفار وعبادة العجل، وإنما کان مجلس النبی صلی الله علیه وسلم مع أصحابه کأنما علی رؤو سهم الطیر من الوقار، فینبغی للسلطان ونوابه أن یمنعوهم من الحضور فی المساجد وغیرها، ولا یحل لأحد یؤمن بالله والیوم الآخر أن یحضر معهم ولا یعینهم علی باطلهم، هذا مذهب مالك والشافعی وأبی حنیفة وأحمد وغیر هم من أئمة المسلمین اه"(۲)۔ "وألف الحافظ ابن تیمیة الحرانی رسالةً وجیزةً لطیفةً سماها "الفرقان بین أولیاء الرحمٰن وأولیاء الشیطان" بیّن فیها علامات ممیزةً بین الحق والباطل،

---

(۱) (شرح الفقة الأکبر لملا علی القاری، ص: ۱۲۲، قدیمی)

(۲) قال العلامة القرطبی: "وسئل الإمام أبو بکر الطرطوسی رحمه الله: مایقول سیدنا الفقیه فی مذهب الصوفیة؟ واعلم– حرس الله مدته – أنه اجتمع جماعةٌ من رجال، فیکثرون من ذکر الله تعالیٰ، وذکر محمد صلی الله علیه وسلم، ثم ألهم یوقعون بالقضیب علی شئی من الأدیم، ویقوم بعضهم یرقص ویتواجد حتی یقع مغشیاً علیه، ویحضرون شیئاً یأکلونه هل الحضور معهم جائزأم لا؟ ....الجواب: مذهب الصوفیة .... الخ". (تفسیر القرطبی: ۱۱/۱۵۸، سورة طه: ۹۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

وحاصلها أن الولاية لاتحصل إلا باتباع الشريعة، ومن خالف في هذا فليس من أولياء الله الذين أمر الله باتباعهم، بل إما أن يكون كافراً وإما أن يكون مفرطاً في الجهل اهـ"(۱)۔

مجدد کے شرائط

سوال[۱۴۸۲]: مجدد ہونے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ نیز مجدد کو اپنا مجدد ہونا معلوم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ہندوستان میں اب تک کتنے مجدد گزرے ہیں؟ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں سو سال میں ایک مجدد پیدا ہوگا تو اس اعتبار سے کافی مجدد ہونے چاہئیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مجدد کو الہامی طریق پر اور علامات کے ذریعہ سے استدلالی طریق پر اپنے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے گو کہ وہ علمِ وحی کے برابر نہیں ہوتا، مجدد احکامِ سنت پر بڑی قوت سے عامل ہوتا ہے، بدعات سے سخت متنفر اور مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اب چودہویں صدی ہے اب تک کافی مجدد ہو چکے(۲)، سب سے پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شمار کئے جاتے ہیں(۳)۔ ہندوستان میں بھی مجدد ہوتے رہے ہیں، رسالہ "الفرقان" کے مجدد نمبر میں زیادہ تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۶ھ۔

---

(۱) لم أجد رسالة ابن تيمية الحراني.

(۲) "فلا يخلو زمان من رسول يكون فيه، و ذلك هو القطب الذى هو محل نظر الحق تعالىٰ من العالم كما يليق بجلاله، و من هذا القطب يتفرع جميع الأمراد الإلهية على جميع العالم العلوى والسفلي، قال الشيخ محى الدين: و من شرطه أن يكون ذا جسم طبيعي و روح، ويكون موجوداً في هذه الدار الدنيا بجسده وروحه الخ" (الفتوحات المكية، باب ۷۳)

(وكذا في إتمام البرهان، ص: ۱۶)

(والكبريت الأحمر على هامش اليواقيت والجواهر: ۱/۱۰)

(۳) "إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدّد لها دينها" .... و قد اعتمد الأئمة هذا الحديث، قال البيهقي في المدخل بسنده إلى الإمام أحمد: إنه كان في المائة الأولىٰ عمر بن عبدالعزيز، =

تحقیق مجدد

مصدرِ فیض وکرم جناب مہتمم صاحب مدرسہ مظاہر علوم دام فیضہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

[۱۴۸۳]:۱...... حدیثِ مجدد کہ صرف ابوداؤد میں آئی ہے، کیا اس کو علمائے حدیث نے لفظاً صحیح سمجھا ہے؟

۲...... کیا ہر صدی کے ابتداء یا آخر ہی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے؟ کیا مجدد .... صدی کے درمیان میں نہیں آسکتا؟

۳...... کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد ہر صدی میں ضرور ہی ہو؟ کیا مجدد خدائی عہدہ ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ مجدد اپنے دعویٰ کا اظہار کرے؟

۴...... کیا حدیث شریف کے الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تجدید کا کام ایک جماعت کرسکتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ مجدد صرف ایک شخص ہو؟

۵...... علاوہ مندرجہ بالا سوالات کے اگر اَور کوئی خاص بات آپ کے علم میں ہو تو وہ بھی ضرور تحریر فرماویں۔ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... حدیث "إن الله تعالى يبعث لهذه الأمة على رأس كل مأة سنة من يجدد لها دينها". کی حاکم نے مستدرک میں (۱) اور بیہقی نے مدخل میں تصحیح کی ہے (۲)۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: "اتفق الحفاظ على أنه حديث صحيح"۔ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں: ۱/ ۲۴۸، میں فرماتے ہیں: "وسنده صحيح، ورجاله كلهم ثقات" (۳).

= وفي الثانية الشافعي الخ". (كشف الخفاء و مزيل الألباس، للعجلوني: ۱/ ۲۴۳، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (المستدرک: ۴/ ۵۲۲، ۵۲۳، کتاب الفتن والملاحم، دارالفکر، بیروت)

(۲) "لم يوجد هذا الحديث في المدخل للبيهقي بل وجد في كتابه: معرفة السنن والآثار: ۱/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۴۲۲، باب ذكر مولود الشافعيؒ وتاريخ وفاته، دارالوعی ودارالوفاء، دارقتیبه)

(۳) (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۵۰۸، کتاب العلم، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۴۷، رشیدیه)

۲......مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تجدیدِ شریعت اور تبلیغ احکام کی شہرت ایک صدی کے اخیر اور دوسری صدی کے شروع میں ہو اور جو شخص صدی کے شروع اور اخیر میں اس کام کو انجام نہ دے بلکہ درمیانِ صدی میں انجام دے تو وہ اس حدیث کے ماتحت مجدد کہلانے کا مستحق نہیں (۱)۔

۳......حدیث مذکور میں وعدہ ہے (۲) اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے: ﴿إن الله لا يخلف الميعاد﴾ (۳) لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر صدی میں مجدد کا ہونا ضروری ہے۔ اور مجدد خدائی عہدہ ہے لیکن یہ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مجدد کو دعویٰ کا اظہار بھی ضروری ہے۔

۴......حدیث شریف میں لفظ "مـن" مذکور ہے اور اس کا اطلاق ایک فرد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ تجدید کا کام ایک جماعت کرے (۴) "قال صاحب جوامع الأصول: وقد تكلم العلماء في تأويله، وكل واحد أشار إلى العالم الذي هو في مذهبه، وحمل الحديث عليه، والأولىٰ حمله على العموم، فإن لفظ "من" تقع على الواحد والجمع اهـ". بذل المجهود: ۵/۴۰۳(۵) ومرقاة: ۱/۴۴۷(۶)۔

---

(۱) (أنظر الحاشية رقم: ۱، من الصفحة الآتية)

(۲) "واشكره شكراً كبيراً على أن وعد على رأس كل مائة من مئات هذه الأمة، بأن يبعث فيها منها من يجدّد لها دينها ويقيم لها طريقها". (الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، للإمام عبدالحئ اللكنوى، ص: ۴۴، مكتبه الدعوة الإسلاميه بشاور)

(۳) (آل عمران: ۹)

(۴) "إنه لا يلزم أن يكون في رأس كل مأة سنة واحد فقط، بل يكون الأمر فيه كما ذكر في (حديث: "الطائفة الظاهرة حتى يأتي أمر الله") من أنها جماعة متعددة من أنواع المؤمنين، مابين شجاع وبصير بالحرب، وفقيه ومحدث ومفسر، وقائم بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وزاهد وعابد". (الرفع والتكميل في الجرح والتعدى، للامام عبدالحئ اللكنوى، رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۴، ۴۵، تحت شرح حديث: "إن الله تعالىٰ يبعث لهذة الأمة ...... الخ، الدعوة الاسلاميه، بشاور)

(وكذا في عون المعبود، اول كتاب الملاحم، باب مايذكر في القرن المأة: ۱۱/۲۹۳، دارالفكر، بيروت)

(۵) (بذل المجهود: ۵/۱۰۳، أول كتاب الملام، باب مايذكر في قرن المأة، معهد الخليل الاسلامى)

(۶) (مرقاة المفاتيح: ۱/۵۰۷، كتاب العلم، الفصل الثانى، رقم الحديث: ۲۴۷، رشيديه)

"اعلم أن المراد من رأس المائة في هذا الحديث اخرها (الى قوله) وقال الطيبي: الرأس مجاز عن آخر السنة، وتسميته رأساً باعتبار أنه مبدأ السَّنَة الأخرىٰ انتهى (الىٰ ان قال) وما قال بعض السادات الأعاظم: إن قيد الرأس اتفاقي، وإن المراد أن الله يبعث في كل مائة سواء كان في أول المائة أو وسطها أواخرها، واختاره ليس بظاهر، بل الظاهر أن القيد احترازي، ولذلك لم يُعَدّ كثير من الأكابر الذين كانو في وسط المائة من المجددين وإن كانوا أفضل من الذي كان على رأس المائة، ففي مرقاة الصعود: قديكون في إثناء المائة من هو أفضل من المجدد على رأسها، نعم! لو ثبت كون قيد الرأس اتفاقياً بدليل صحيح، فكان دائرة المجددية أوسع، ولدخل كثير من الأكابر المشهورين المستجمعين لصفات المجددية في المجددين كالإمام أحمد بن جنبل ومحمد بن اسماعيل البخاري ومالك بن أنس ومسلم النيسا بوري وأبي دائود السجستاني وغيرهم من أئمة الهدى اه". عون المعبود : ۱۷۸/٤(۱)۔

۵......"الفوائد الحجة في من يبعثه الله لهذا الامة" مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور "تنبيه لمن يبعثه على رأس المائة" مولفہ علامہ سیوطیؒ کا مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

مجدد کون ہے؟

سوال[۱۴۸۴]: مجدد کی کیا تعریف ہے، کیا ہر صدی ہجری کے شروع میں یا پوری صدی میں بھی کسی مجدد کا آنا ضروری ہے؟ اور اگر کوئی مجدد وقت کو نہ مانے تو کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟ مجدد کس طرح پہچانا جاتا ہے؟ تیرہ صدی ہجری میں جو مجدد آئے ان کا نام تحریر فرمائیے۔ کیا مجدد ایک وقت میں تمام عالم کے لئے آتا ہے یا کہ ایک وقت میں مختلف ممالک میں مختلف مجدد آتے ہیں؟ خواجہ عامر حسن۔

---

(۱) (عون المعبود شرح أبي داؤد: ۳۸٦/۱۱ - ۳۹۰، أول كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة، دارالفكر، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: فیما أعلم عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه قال: "إن اللّٰہ یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها". أبوداؤد شریف (۱).

مجدد وہ شخص ہے جو سنت کی اشاعت کرے، بدعت کو مٹائے، علم کو پھیلائے، اہل علم کی عزت کرے (۲) اس کے لئے ایک صدی کے ختم پر اور دوسری صدی کے شروع میں تجدید دین ضروری ہے (۳)۔ مجدد ہونا ماننے نہ ماننے پر موقوف نہیں، کوئی شخص مانے یا نہ مانے جو شخص طریق مذکور پر تجدید دین کرے گا وہ مجدد ہوگا۔ جو شخص مجدد کو نہ مانے اس کا جاہلیت کی موت مرنا کسی نص میں میری نظر سے نہیں گزرا مگر باوجود تجدد دین ظاہر ہونے کے پھر مجدد وقت کو نہ ماننا ظاہر ہے کہ کتنی بڑی جہالت ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ تمام عالم کے لئے مجدد ایک ہوتا ہے یا مختلف۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے، بعض کی رائے ہے کہ ایک جماعت ہوتی ہے اور اس کا ہر فرد دین کے کسی خاص شعبہ کی تجدید کرتا ہے، کذا فی

---

(۱) (سنن أبی داؤد: ۲/۲۴۱، اول کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائة، امدادیه، ملتان)

(والمستدرک للحاکم: ۴/۵۲۲، کتاب الفتن والملاحم، دار الفکر، بیروت)

(ومشکوٰة المصابیح، ص: ۳۶، کتاب العلم، الفصل الثانی، قدیمی)

(والرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، للإمام عبدالحئی اللکنوی، ص: ۴۴، رقم الحاشیة: ۱۷، الدعوة الاسلامیة، بشاور)

(۲) "(من یجدد لها دینها): أی یبیّن السنة من البدعة، ویکثر العلم، ویعز أهله ویقمع البدعة ویکسر أهلها". (مرقاة المفاتیح: ۱/۶۰۷، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۴۷، رشیدیه)

(وکذا فی فیض القدیر: ۳/۱۲۵۶، رقم الحدیث: ۱۸۴۵، نزار مصطفیٰ الباز مکة المکرمة)

(۳) "(علی رأس کل مائة سنة): أی انتهائه أو ابتدائه إذا قل العلم والسنة، وکثر الجهل والبدعة". (مرقاة المفاتیح: ۱/۵۰۷، کتاب العلم، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۲۴۷، رشیدیه)

(وکذا فی مجموعة الفتاوی (اردو) لعبد الحی اللکنوی، ص: ۱۱۸، کتاب العلم والعلماء، مجددوں کے ناموں کی تفصیل اور ان کے شرائط وعلامات، سعید)

(وبذل المجهود: ۵/۱۰۳، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائة، معهد الخلیل)

بذل المجھود: ٥/١٠٤(١)۔ مجدد اپنے مذکورہ مخصوص کارناموں سے پہچانا جاتا ہے۔

تیرہ صدی ہجری میں جو مجددین گزرے ہیں بعض کی مجددیت پر اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، دوسری صدی کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں، ان دونوں کی مجددیت پر اتفاق ہے، تیسری صدی کے قاضی ابوالعباس ابن شریح ابوالحسن اشعری، محمد بن جریر طبری وغیرہ ہیں، چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانی، ابوطیب صعلوکی ہیں، پانچویں کے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، چھٹی کے امام رازیؒ وغیرہ ہیں، ساتویں کے تقی الدین ابن دقیق العید ہیں، آٹھویں کے زین الدین عراقی، شمس الدین جزری، تاج الدین بلقینی وغیرہ ہیں، نویں کے جلال الدین سیوطی، شمس الدین سخاوی وغیرہ ہیں، دسویں کے شہاب الدین رملی، ملاعلی قاری ہیں، گیارہویں کے مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں، بارہویں کے شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں، تیرہویں کے شاہ اسمٰعیل صاحبؒ ہیں، چودھویں کے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ہیں(۲)۔ علمائے کرام کے اَور بھی اقوال ہیں اور اس مبحث پر علمائے کرام نے مستقل رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

---

(١) " ان المراد بمن يجدد ليس شخصاً واحداً بل المرادبه جماعة يجدد كل واحد في بلد، في فن أو فنون من العلوم الشرعية ماتيسرله من الأمور التقريرية أو التحريريه ...... الخ". (بذل المجهود: ٥/١٠٣، كتاب الملاحم، باب الذكر في قرن المائة، معهد الخليل الاسلامي)

(٢) " انه كان في المائة الأولى عمر بن عبدالعزيز، و في الثانية الشافعي، وزاد غيره، وفي الثالثه أبو العباس بن سريج، وقيل: أبو الحسن الأشعري، وفي الرابعة أبو الطيب منهل الصعلوكي، وأبو حامد الأسفر ايني أو الباقلاني، وفي الخامسة حجة الإسلام محمد الغزالي، وفي السادسة الفخر الرازي أو الحافظ عبدالغني، وفي السابعة ابن دقيق العيد، وفي الثامنة البلقيني أو الزين العراقي، قال في المقاصد وفي التاسعة المهدي ظناً "اهـ...... (كشف الخفاء: ١/٢٤٣، حرف الحمزه مع النون، رقم الحديث: ٧٤٠، احياء التراث العربي) .... =

تجدیدِ دین کی حقیقت

سوال[۱۴۸۵]: تجدیدِ دین یا تجدیدِ احکامِ شریعت کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کے جو احکام مرورِ دہور، بے توجہی، غلبۂ ہوا وہوس، مساعیٔ نفس وابلیس کی وجہ سے متروک ہوگئے تھے ان کو اُجاگر کرنا، ان کی طرف توجہ دلانا، ان کو عملی جامہ پہنانا مراد ہے (۱)۔

کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟

سوال[۱۴۸۶]: ولی اور غوث بعد وفات غوثیت پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کا جس بزرگی اور مرتبہ پر خاتمہ ہوا ہے وہ بزرگی اس سے انتقال کے بعد سلب نہیں کی جاتی، لیکن جس طرح اس دنیا میں کام سپرد ہوتے ہیں انتقال کے بعد یہ بات نہیں ہوتی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۱ھ۔

= (وکذا في المقاصد الحسنة للسخاوي، ص: ۱۴۶، حرف الهمزه، رقم الحديث: ۳۳۸، دار الكتب العلميه، البيروت)

(وفيض القدير: ۱۶۵۶/۳، ۱۶۵۷، رقم الحديث: ۱۸۴۵، نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة، الرياض)

(وكذا في مجموعة الفتاوىٰ لمولانا عبدالحيي اللكنوي، ص: ۱۱۸، بزيادة: "نویں صدی کے مجدد جلال الدين سيوطي اور شمس الدين سخاوي رحمهما الله ...... دسویں صدی کے مجدد شهاب الدين رملي اور ملا علي قاري رحمهما الله ہیں" كتاب العلم العلماء، مجددوں کے ناموں کی تفصیل اور ان کے شرائط وعلامات)

(۱) "المراد هنا بدليل إضافة الدين إليهم في قوله: (من يجدد لهذه الأمة أمر دينها): أي ما اندرس من أحكام الشريعة، وما ذهب من معالم السنن، وخفي من العلوم الدينية الظاهرة والباطنة". (فيض القدير في أول الخطبة: ۲۶/۱، نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة، الرياض)

(۲) قال العلامة عبد الغني النابلسي رحمه الله تعالىٰ: "(كرامات الأولياء) الأحياء والأموات، إذ الولي لا =

کیا منصور ولی تھے؟

سوال[۱۴۸۷]: حضرت منصور بن حلاج کیا ولی کامل تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کا نام حسین بن منصور ہے، یہ ولی تھے، کذا فی الفتاویٰ الرشیدیہ: ۱/۷۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ینعزل عن ولایته بالموت کالنبی لا ینعزل عن نبوته بالموت الخ". (الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة: ۱/۲۹۲)

(وکذا فی فتاوی حقانیه: ۲/۲۶۷، کتاب السلوک، المطبعة العربیه لاهور)

(۱) (فتاویٰ رشیدیه، ص: ۱۰۸، کتاب العقائد، منصور کون تھے؟ سعید)

ما يتعلق بصفات الشيخ وأهمية التزكية

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

شیخِ طریقت کے اوصاف

سوال[۱۴۸۸]: زید پیر طریقت اور بعض اعمال میں نہایت متبعِ شرع ہے مگر ایک عمل تو یہ ہے کہ اکثر قیلولہ ایسا کرتے ہیں کہ نماز ظہر میں دیدہ و دانستہ اپنی جماعت ثانیہ کرتے ہیں، تقریباً ہمیشہ کا معمول ہے اگر چہ اشارۃً کہا جا چکا ہے کہ جماعتِ اول کے برابر جماعت ثانیہ کا ثواب نہیں ہوتا۔ حافظ ہیں ظاہراً علمِ حدیث و قرآن کا نہیں مگر نماز روزہ کے نہایت پابند ہیں اور بظاہر کوئی گناہ کی بات نظر آئی نہ سنی۔ آیا عند الشرع شریف ایسے شخص قابلِ شیخیت ہو سکتے ہیں اور لوگ بیعت ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بیعت کے لئے شیخ ایسا ہونا چاہئے جو بقدرِ ضرورت علم دین رکھتا ہو، عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کے ساتھ متصف ہو، حبِ جاہ، حبِ مال، ریاء، کبر، حسد وغیرہ اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کسی شیخ محقق کی تربیت میں رہ کر کر چکا ہو اور اس شیخ محقق نے اس پر اعتماد کیا ہو، بدعات سے پرہیز کرتا ہو، متبعِ سنت ہو، ان صفات کو دیکھ کر انتخاب کیا جائے (۱)۔ بلا عذر ترکِ جماعت کی عادت کر لینا اور جماعتِ ثانیہ کرنا شرعاً مذموم ہے (۲)، جس مسجد میں امام و نمازی متعین ہوں اور ہمیشہ جماعت ہوتی ہو وہاں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی: ۱۰۴/۲، ۱۰۵، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند)

(۲) قال ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "تارك الجماعة يستوجب إساءةً، ولايقبل شهادته إذاتركهااستخفافاً بذلك". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۳۶۵/۱، بيروت)

(۳) قال العلامة الحصفكي: "ويكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة في مسجد محلة لافي مسجد طريق". =

کیا اولیاء بھی معصوم ہوتے ہیں؟

سوال[۱۴۸۹]: کیا اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصمت تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے، البتہ بہت سے اولیاء کو اللہ پاک گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور بعض اولیاء کاملین سے کبھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، مگر وہ عین گناہ کی حالت میں خائف رہتے ہیں اور گناہ پر اس قدر نادم ہوتے ہیں جس کا دوسرے لوگ اندازہ نہیں کر سکتے حتی کہ ساری عمر ان کو اس کا ملال رہتا ہے، عصمت اور حفاظت کا فرق فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۳۵، میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کامل بزرگ کی پہچان

سوال[۱۴۹۰]: سچے اور کامل بزرگ کی کیا پہچان ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کے عقائد قرآن وحدیث کے مطابق ہوں، اخلاق نبویہ کے ساتھ متصف ہو، ضروریات دین کا علم رکھتا ہو، متبع سنت ہو مال و جاہ کا لالچی نہ ہو، آخرت درست کرنے کی فکر ہر وقت ہو، مخلوق پر شفیق ہو، کسی کامل بزرگ کی صحبت اور تعلیم کے ذریعہ سے اپنے نفس کی اصلاح کی ہو اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد کیا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی حالت روز بروز درست ہوتی ہو یعنی دنیا کی رغبت کم اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (الدر المختار: ۱/۵۵۲، کتاب الصلاۃ، سعید)

(وکذا فی رد المحتار: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، سعید)

(۱) ''عصمت کے دو معنی ہیں: ایک معنی عصمت کے یہ ہیں کہ: ''منع ہونا صدور گناہ کا باوجود قدرت ہونے کے اس گناہ پر'' اور اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ معنی انبیاء اور ملائکہ کے سوا اور کسی دوسرے میں نہیں ہو سکتے۔ اور دوسرے معنی عصمت کے یہ ہیں کہ: ''نا صادر ہونا گناہ کا کسی شخص سے باوجود اس کے کہ جائز ہو کہ اس شخص سے گناہ صادر ہو جائے .... صوفیاء اس معنی میں محفوظیت کہتے ہیں''۔ (فتاویٰ عزیزیہ (اردو) ص: ۳۵۸، ۳۵۹، سعید)

(۲) "والولی هو العارف بالله تعالیٰ حسب مایمکن، المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی".

(شرح العقائد، ص: ۱۴۵، مکتبہ خیر کثیر کراچی) .... =

پیر کیسا ہونا چاہئے

سوال[۱۴۹۱]: اصل پیر کے اوصاف کیا ہیں، کیا پیر کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مریدوں سے خلوت یا جلوت میں بلا پردہ بات کرے، نیز پیر صاحب کی اہلیہ کے لئے درست ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مریدوں سے بلا پردہ بات کرے اور ان سے اپنا بدن پٹوائے؟

محمد سجاد حسین قاسمی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"مرید شدن از ان کس درست است که درآن پنج شرط متحقق باشد : شرطِ اول: علمِ کتاب و سنتِ رسول الله داشته باشد، خواه خوانده باشد خواه از عالم یاد داشته باشد . شرطِ دوم : آنکه موصوف بعدالت و تقویٰ باشد، و اجتناب از کبائر وعدمِ اصرار صغائر نماید . شرطِ سوم: آنکه بے رغبت از دنیاو راغب در آخرت باشد، وبر طاعاتِ مؤکده واذکارِ منقوله که در احادیثِ صحیحه آمده اند مداومت نماید . شرطِ چهارم : امرِ معروف و نهی از منکر کرده باشد . شرطِ پنجم : آنکه از مشایخ این امر گرفته باشد و صحبت معتدبهاایشان نموده باشد. پس هر گاه این شروط در شخصے متحقق شوند، مرید شدن از ان درست است اهـ". (فتاویٰ عزیزی : ۱۰۲/۱)(۱).

نامحرم کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے اور اس کے ساتھ خلوت حرام ہے(۲) خواہ وہ اپنا پیر ہو یا اپنے

= وقال علی القاری : "الولی هو العارف بالله و صفاته بقدر مایمکن له، المواظب علی الطاعات، المجتنب عن السيئات ، المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات والغفلات واللهوات" . (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمی)

(وكذا في النبراس، ص: ۲۹۵، امداديه ملتان)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(فتاویٰ عزیزی: ۱۰۴/۲، ۱۰۵، مطبوعه رحيميه ديوبند)

(وتربيت السالک : ۱۰/۱، دار الاشاعت کراچی)

(۱) (فتاویٰ عزیزی: ۱۰۴/۲، ۱۰۵، مطبوعه رحيميه ديوبند)

(۲) قال عليه الصلاة والسلام: "لايخلون رجل بامرأة إلاكان ثالثهاالشيطان ". (جامع الترمذی، باب كراهية الدخول على المغيبات : ۲۰۲/۱، سعيد)

شوہر کا مرید ہو۔ اور اپنے شوہر کے مریدوں سے بدن پٹوانا تو انتہائی بے غیرتی بھی ہے اور خود پیر اپنی بیوی کو اس کی اجازت دے وہ بے غیرتی میں اپنی بیوی سے کچھ کم نہیں اور جو پیر نامحرم عورتوں کو مرید کر کے ان سے خلوت کرے اور جلوت میں ان سے بے پردہ ملے، وہ خود اس کا محتاج ہے کہ کسی متبعِ سنت صاحبِ نسبت بزرگ سے اپنے نفس کی اصلاح کرائے، دوسروں کو مرید کرنے کا وہ اہل نہیں، اس کا نفس اس پر غالب ہے وہ اپنے نفس پر غالب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

پیر کے شرائط یعنی پیر کیسا ہونا چاہئے؟

سوال [۱۴۹۲]: کیا پیر کے لئے جائز ہے کہ مرید کی عورتوں سے بلا پردہ بات چیت کرے جب کہ وہ عورتیں زیورات اور کپڑوں سے آراستہ ہوں اور پیر صاحب اپنے رومال کے ایک کنارہ کو اپنے پیروں کی جانب ڈال لیں اور اس رومال کے ڈالے ہوئے کنارہ کو وہ عورتیں بلا پردہ پیر کے سامنے جا کر رکوع کے مانند جھک کر پیر صاحب کے رومال کو چومیں اور بوسہ دیں اور مریدین کی عورتیں پیر صاحب کے آنے پر تعریف کے گانے گاویں اور پیر صاحب گانے سن کر مریدین کی عورتوں کو مبارکبادیں۔

ان چیزوں سے پیر صاحب کو روکنا فرض ہے یا نہیں؟ کیا یہ مذکورہ بالا چیزیں پیر صاحب کے لئے جائز ہیں؟ ان تمام افعالِ ذمیمہ سے مریدین اور مریدین کی عورتوں کو پیر صاحب پر روکنا فرض ہے یا نہیں؟ اور پیر کیوں رکھا جاتا ہے؟ کیا پیر جنت میں مریدین کے بغیر احکام شرعیہ اور فرائض اور واجبات پر عمل کئے تو پیر مع اپنے مذکورہ صفات کے مریدین مرد یا عورتوں کو جنت میں لے جا سکتا ہے؟ اگر مریدین نے کسی قسم کے فرائض اور واجبات ادا نہ کئے ہوں تو پیر اپنے مریدین کو جنت میں لے جا سکتا ہے؟ اور پیر مذکورہ صفات کے ساتھ مریدین کو بخشوا سکتا ہے؟

---

(۱) "والولي هو العارف بالله تعالىٰ حسب مايمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي".

(شرح العقائد، ص: ۱۴۵، مكتبه خير كثير كراچی)

(كذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمی)

(وفي النبراس، ص: ۲۹۵، امداديه ملتان)

ایسا پیر جس کے ذریعہ دین کا نفع نہ پہونچتا ہو اور متبع سنت نہ ہو، وضع قطع ولباس اسلامی نہ ہو تو ایسے پیر کو چھوڑ کر دوسرا پیر تلاش کرنا چاہئے یا اسی پیر کو پکڑے رکھنا چاہئے؟ مریدین کی کس چیز میں پیر صاحب کا حق ہوسکتا ہے؟ مریدین کی چیزوں کو پیر صاحب کو کب کھانا درست ہے؟ پیر کے اندر کون کون سی چیزیں ہوں کہ وہ پیرائی کے قابل ہو؟ کیا پیر کا بیٹا پیر بن سکتا ہے؟ کیا پیران کے لئے وراثت ہوسکتی ہے؟

اگر کوئی شخص پیر یا سید ہونے کا دعویٰ کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے کوسوں دور ہو، نہ لباس اسلامی ہو اور نہ وضع قطع اسلامی ہو اور نہ اخلاق واعمال درست ہوں تو کیا ایسا شخص پیر ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

انسان کو عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کا اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ عقائدِ باطلہ، اخلاقِ رذیلہ، اعمالِ سیئہ سے پرہیز کرے۔ تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ یہ چیز بغیر مربی کے حاصل نہیں ہوتی، جس مربی کی تربیت سے یہ چیز حاصل ہوسکے وہ پیر بنانے کا قابل ہے، استعداد یں ناقص ہونے کی وجہ سے عموماً خود کتابیں دیکھ کر ان امور کی تکمیل نہیں ہوتی (۱)۔

پیر کیسے شخص کو بنایا جائے اس کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں ہے:

”مرشد شدن ازاں کس درست است کہ دراں پنج شرط متحقق باشد: شرطِ اول: علمِ کتاب و سنتِ رسول داشتہ باشد، خواہ خواندہ

---

(۱) "قال العبد الضعيف : تزكية الأخلاق من أهم الأمور عندالقوم .... و لا يتيسر ذلک إلا بالمجاهدة على يد شيخ أكمل قد جاهد نفسه، و خالف هواه، و تخلى عن الأخلاق الذميمة، و تحلى بالأخلاق الحميدة، و من ظن من نفسه أنه يظفر بذلک بمجرد العلم و درس الكتب فقد ضل ضلالاً بعيداً، فكما أن العلم بالتعلم من العلماء كذلک الخُلق بالتخلق على يد العرفاء، فالخُلق الحسن صفة سيد المرسلين الخ". (إعلاء السنن، كتاب الأدب، باب الترهيب عن مساوی الأخلاق : ۱۸/ ۴۴۲، ۴۴۳، ادارة القرآن كراچی)

باشد، خواه از عالم یاد داشته باشد. شرطِ دوم: آنکه موصوف بعدالت و تقویٰ باشد واجتناب از کبائر وعدمِ اصرار بر صغائر نماید. شرطِ سوم: آنکه بے رغبت از دنیا و راغب در آخرت باشدو و بر طاعاتِ مؤکده واذکارِ منقوله که در احادیثِ صحیحه آمده اند مداومت نماید. شرطِ چهارم: آنکه امرِ معروف و نهی از منکر کرده باشد. شرطِ پنجم: آنکه از مشایخ ایں امر گرفته باشد، و صحبت معتد بهاایشان نموده باشد. پس هر گاه ایں شروط در شخصے متحقق شوند، مرید شدن ازاں درست است، چنانچه در "قول جمیل فی بیان سواء السبیل" تفصیلِ ایں شروط مذکور است اهـ". فتاوی عزیزی (۱).

جس شخص میں یہ شروط موجود نہ ہوں وہ پیر بنانے کے قابل نہیں، اگر غلطی سے اس کو پیر بنالیا ہے تو وہ کارآمد نہیں، دوسرے شخص کو تلاش کیا جائے جس میں مذکورہ شروط موجود ہوں (۲)۔ تو اگر کوئی شخص کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے اور اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنائے ہوئے ہے مگر کسی پیر سے بیعت نہیں ہے تو اس کو جہنمی یا گمراہ کہنا درست نہیں (۳)، وہ غلط قسم کے پیر اور ایسے پیر کے مریدوں سے بہت بہتر حالت میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی، جواب سوال سوم: ۲/۱۰۴، مکتبہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(۲) (مر تخریجه تحت عنوان "پیر کیسا ہونا چاہیے")

(۳) (كذا في كفايت المفتي، كتاب السلوک والطريقة: ۲/۱۰۸، دار الاشاعت كراچی)

"اعلم أن البيعة سنة و ليست بواجبة .... ولم يدل دليل على تأثيم تاركها، ولم ينكر أحد على تاركها". (القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۱۲، كلكته)

پیر کیسا ہونا چاہیے اور مرید ہونے کا حکم

سوال[۱۴۹۳]: بیعت ہونے کا مرد و عورت کے لئے کیا طریقہ ہے؟ اور کیسے پیر سے بیعت ہونا چاہیے؟ اگر کوئی عورت بغیر اپنے خاوند کی اجازت کے بیعت ہو جائے اور مرد ابھی تک کسی سے بیعت نہیں ہوا تو اس کا ایسا کرنا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کا ہاتھ پیر اپنے ہاتھ میں لے کر توبہ کرادے جس کے الفاظ سورۂ ممتحنہ میں مذکور ہیں اور عورت کا ہاتھ پیر اپنے ہاتھ میں نہ لے بلکہ پردہ کے پیچھے سے اسے کوئی کپڑا، رومال، عمامہ وغیرہ پکڑا کر توبہ کرادے(۱)۔ اگر

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمتحن مَن هاجر إليه من المؤمنات بهذه الآية بقول الله: ﴿يأيها النبى إذا جاءك المؤمنات يبا يعنك على أن لايشركن بالله شيأ ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين يبهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن، ولا يعصينك في معروف، فبا يعهن﴾ الاية (الممتحنه: ۱۲) قال عروة: قالت عائشة: فمن أقرّ بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قد بايعتك كلاماً". و-لا والله!- مامست يده يد امرأة قط في المبايعة، مايبا يعهن إلا بقوله: "قد بايعتك على ذلك". الحديث". (صحيح البخارى: ۲/۷۲۶، كتاب التفسير، سورة الممتحنة، باب قوله: (إذا جاءكم المؤمنات مهاجرات)، قديمى)

(ومشكوٰة المصابيح: ۲/۳۵۴، كتاب الجهاد، باب الصلح، قبيل الفصل الثاني، قديمى)

"(قوله: قد بايعتك كلاماً): أى يقول ذلك كلاماً فقط، لا مصافحةً باليد كماجرت العادة بمصافحة الرجال عند المبايعة ...... عن الشعبى "أن النبى صلى الله عليه وسلم حين بايع النساء أتى ببرد قطرى، فوضعه على يده وقال: "لا أصافح النساء" ...... وقد جاء في أخبار أخرى: أنهن كن يأخذن بيده عند المبايعة من فوق ثوب". (فتح البارى: ۸/۸۲۱، كتاب التفسير، باب: (إذا جاكم المؤمنات مهاجرات)، رقم الحديث: ۴۸۹۱، قديمى)

"والحاصل أنها تريد أن مبايعته صلى الله عليه وسلم مع النساء كانت بالكلام لهن، لابوضع اليد في أيديهن". (مرقاة المفاتيح: ۷/۶۳۵، كتاب الجهاد، باب الصلح، رقم الحديث: ۴۰۴۵، رشيديه)

مرد بیعت نہ ہو اور عورت بیعت ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بہتر یہ ہے کہ عورت شوہر سے اجازت لے کر بیعت ہو(۱)۔

پیر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح العقیدہ، صالح الاعمال، صادق الاقوال ہو، بقدرِ ضرورت علمِ دین سے واقف، متبعِ شریعت، پابندِ سنت ہو، بدعت سے متنفر ہو، کسی بزرگ کی خدمت میں اپنے نفس کی اصلاح کر چکا ہو اور ان بزرگ نے اس پر اعتماد فرمایا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بیعت کیسے شخص سے ہونا چاہئے

سوال[۱۴۹۴]: کیا بیعت ہونا ضروری ہے، اگر بیعت نہ ہو سکے تو کیا کوئی گناہ ہوگا اور بیعت ہونے کیلئے مرشد میں کیا کیا خواص دیکھنا چاہئے؟ ڈاکٹر شہاب الدین، احمد تکیت گنج ضلع بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کا اختیار کرنا ضروری ہے اور عقائدِ باطلہ، اخلاقِ رذیلہ، اعمالِ فاسدہ سے تحفظ ضروری ہے، خواہ بذریعہ بیعت ہو یا تحصیلِ علم سے ہو یا صحبت اکابر سے ہو، لیکن تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ عموماً بغیر شیخ محقق سے بیعت ہونے کے یہ مقصد پورا حاصل نہیں ہوتا ہے(۳)۔

(۱) "ولا تخرج من بيتها إلا بإذنه". (مفاتيح الجنان شرح شرعة الإسلام، ص: ۴۲۶، حقوق الزوج، المطبعة الواقعة في (وزير خاني) استنبول)

"وحق الزوج على الزوجة أكثر من هذا وهو أن يطيعه في كل مباح". (ردالمحتار: ۶/۷۵۶، مسائل شتى، قبيل كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "فشرط من يأخذ البيعة أمور: أحدها: علم الكتاب والسنة، والشرط الثاني: العدالة والتقوى، والشرط الثالث: أن يكون زاهداً في الدنيا راغباً في الآخرة، والشرط الرابع: أن يكون آمراً بالمعروف ناهياً عن المنكر، والشرط الخامس: أن يكون صحب المشائخ متادب بهم دهراً طويلاً وأخذ منهم نور الباطن والسكينة". (القول الجميل للشاه ولي الله رحمه الله، ص:۶-۹، مولیاں کاندھلہ مظفر نگر اوپردیش)

(۳)(مر تخريج هذه المسئله تحت عنوان "پیر کی شرائط یعنی پیر کیسا ہونا چاہئے"؟)

شیخ محقق کے اوصاف یہ ہیں۔ا:علم ضروری کتاب وسنت کا رکھتا ہو خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے سُنکر۔ ۲:عدالت وتقویٰ میں پختہ ہو،کبائر سے اجتناب رکھتا ہو،صغائر پر مصر نہ ہو۔۳:دنیا سے بے رغبت ہو(حب مال وحب جاہ سے خالی ہو) آخرت میں رغبت رکھتا ہو،طاعتِ موکدہ واذکار منقولہ ومرویہ کا پابند ہو۔۴:امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عادی ہو۔۵:سلوک،تزکیہ باطن کو مشائخ معتبر سے حاصل کیا ہو اوران کی صحبت میں کافی رہا ہو۔حضرت شاہ عبدالعزیز شاہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ:۲/۱۰۲میں (۱) یہ تفصیل مذکور ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۱۴۹۵]: کیا مرید ہونا ہر شخص کیلئے لازم ہے اور پیری مریدی کی کیا حقیقت ہے؟ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ بے اصل چیز ہے اوراس کی وجہ سے بڑی خرابیاں دین میں پیدا ہوئی ہیں،کیا یہ صحیح ہے؟

نسیم الدین گونڈہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عقائدِ حقہ،اعمالِ صالحہ،اقوالِ صحیحہ،اخلاقِ فاضلہ کا اختیار کرنا سب کے ذمہ لازم ہے اور عادۃً یہ مجموعہ بغیر شیخ کامل کی تربیت کے حاصل نہیں ہوتا،اسی تربیت کیلئے تعلقِ ارادت قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے(۲) جیسے امراضِ بدنیہ کے علاج کیلئے حکیم یا ڈاکٹر کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس طریق کو اختیار کرکے بیشمار مخلوق نے حسبِ استعداد کمالات حاصل کئے اوراپنی زندگیوں کو سنت کے مطابق بنایا اور ولی وعارف ہوکر ہدایتِ خلق کی خدمت انجام دی،کھرے کھوٹے کی تمیز ہر لائن میں ضروری ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(فتاوی عزیزی:۲/۱۰۴،۱۰۵،مکتبہ رحیمیہ دیو بند، یو پی)

(۲) "لایلزم البیعة الرسمیة فی طریقة من طرق المشایخ، نعم تستحب فمن أتی بهاو وفّی توفیَ أجرها، ومن لم یأت بهاو سلک الطریق المستقیم أخذاً من الکتاب والسنة و آداب السلف الصالحین لایخشی علیه سوء الخاتمة الخ". (کفایت المفتی ، کتاب السلوک : ۲/۱۰۷، دار الاشاعت کراچی)

(۳) "ولایتسیر ذلک إلابالمجاهدة علی ید شیخ کامل قد جاهد نفسه، و خالف هواه، و تخلّی عن =

کیا زانی ولی ہوسکتا ہے؟

سوال[۱۴۹۶]: زید کہتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ زانی کو ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، یہ کس حدیث میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی کہتے ہیں خدا کے دوست کو، جو خدائے پاک کا مقرب ہوتا ہے اس کے لئے متقی ہونا ضروری ہے جو شخص زنا یا دوسرے کبیرہ گناہ میں پھنسا ہو وہ ولی نہیں ہوسکتا: ﴿إن أولیاء ہ إلا المتقون﴾(۱)۔

یہ مضمون قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ مخصوص طرز پر زانی کے لئے یہ بات کس حدیث میں ہے، زید سے ہی دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۴ھ۔

تارکِ فرائض شیخ سے بیعت

السوال[۱۴۹۷]: ۱......الشیخ الذی یترك الفرائض، ویرتکب المنهیات من البدع وغیرها یلیق للشیخوخه والولایة أم لا،وما الحکم علیه شرعاً ؟بینوا کما حقه۔

۲...... ماالحکم للذی یعتقد أن طریقة هذا الشیخ المذکور حق، ویعاونه بالمال والجنان والحیوانات للذبح أیام العرس الذی لایکون فیه إلا الشرك والمعاصی، وهو بنفسه یحضر أیام العرس لانتظامه، وإذا جاء الشیخ فی بیته لا یحاجب بین الشیخ وزوجته، لکنه یصلی ویصوم لکونه مریداً جدیداً فافهم، هل هو من أهل السنة والجماعة أم کیف؟ ۱۲۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... هذا الشیخ لیس بشیخ الطریقة المعروفة بل هو شیخ النجد، ولیس هو ولی

= الأخلاق الذمیمة، و تحلی بالأخلاق الحمیدة .... فکماأن العلم بالتعلم من العلماء فکذلک الخُلق بالتخلق علی ید العرفاء الخ". (إعلاء السنن ، باب الزهد:۱۸/۴۴۳، ادارة القرآن کراچی)

(۱) (الأنفال : ۳۴)

الرحمن، بل هو ولي الشيطان يجب التباعد عند على كل الناس، لاحظ له في الإسلام، ولاخلاق له في الآخرة، وهكذا حكم من حذا حذوه، وذهب مذهبه(۱)۔

۲...... هذا فاسق وجاهل بأحوال الشريعة والطريقة، يجب تعليمه وتفهيمه، فإنه على شفاحفرة من النار، فمن أنقذه فأجره على الله تعالیٰ (۲)۔

مرتکب کبیرہ پیر کا حکم

سوال[۱۴۹۸]: جو پیر خلافِ شرع کام کرتا ہے یعنی نمازوں کا پابند نہیں یا ننگا بیٹھا ہوا ہے یا لوگوں کو گالیاں بکتا ہے، بھنگ، چرس، سگریٹ پیتا ہے، اگر کوئی ان حرکات سے روکے تو کہہ دیتا ہے کہ یہ شریعت میں ناجائز ہیں اور ہم طریقت والے ہیں، طریقت میں جائز ہیں، ہمارا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ معرفت سے ہے۔ ایسے پیر سے بسا اوقات خارقِ عادات چیزیں صادر ہوتی ہیں، اس کو خدا کی طرف سے کرامت کہیں گے یا شیطانی فعل سے تعبیر کریں گے؟ امید ہے ان سوالات کے جوابات کتاب وسنت اور مذہب امام ابوحنیفہ اور ارشاداتِ بزرگانِ دین واکابر دیوبند کی روشنی میں دیں گے اور ماہنامہ ''نظام'' ماہ جون یا اس کے بعد شائع فرمادیں گے؟

المرسل: خاکپائے اکابر محمد افضال حسین دیوبندی، خطیب جامع مسجد ومدرس مدرسہ حنفیہ تعلیم القرآن، مقام بنگولٹین، ڈاکخانہ پاچھوٹ، تحصیل باغ ضلع پونچھ، آزاد جموں کشمیر، خریداری نمبر:۱۳۲۳۔

---

(۱) "ومن لم يكن له (رسول الله صلى الله عليه وسلم) مصدقاً فيما أخبر، ملتزماً لطاعته فيما أمر في الأمور الباطنة التي في القلوب، والأعمال الظاهرة التي على الأبدان لم يكن مؤمناً، فضلاً عن أن يكون ولياً لله تعالىٰ ولو طار في الهواء ومشى على الماء ...... ولو حصل له من الخوارق ماذا عسى أن يحصل!! فإنه لايكون مع تركه الفعل المأمور، إلا من أهل الأحوال الشيطانية المُبعِدة لصاحبها عن الله تعالىٰ المقربة إلى سخطه وعذابه". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، تحت قول الماتن: ولا نصدق ...... من يدعي شيأ يخالف الكتاب والسنة، ص: ۴۱۷، مكتبه الغرباء الجامعة الستارية الاسلاميه، كراچی)

(۲) "فمن اعتقد في البله أو المولعين ...... مع تركه لمتابعة الرسول في أقواله وأفعاله وأحواله ...... انه من أولياء الله...... فهو ضال مبتدع مخطأ في اعتقاده ...... ولا يقال: يمكن أن يكون هذا متبعاً في الباطن، وإن كان تاركاً للاتباع في الظاهر، فإن هذا خطأ أيضاً، بل الواجب متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم ظاهراً وباطناً الخ". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، تحت قول الماتن: ولا نصدق من يدعي شيئاً يخالف الكتاب والسنة، ص: ۴۲۳، ۴۲۶، مكتبه الغرباء، الجامعة الستارية، كراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

ایسا پیر پیرتو ضرور ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہرگز نہیں ورنہ خدا کے فرض اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر خود بھی عمل کرتا دوسروں کو بھی تاکید کرتا، ہرگز فرائض وسنن کو ترک نہ کرتا اور ان ناجائز حرکات سے روکنے پر وہ جواب ہرگز نہ دیتا جو دیا ہے، البتہ شیطان کا نائب ضرور ہے جس کو شیطان کی پیروی کر کے جہنم میں جانا ہو وہ ایسے پیر سے بیعت ہو جائے (۱)۔

شریعت اور طریقت کو جدا جدا کہنے کا حکم ''تصوف نمبر'' میں مذکور ہے: علامہ شامی نے ردالمحتار شرح در مختار:۳/۳۹۵ میں لکھا ہے ''وهي (أي الحقيقة) والطريقة والشريعة متلازمة اهـ''(۲)۔ خارق عادات

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن يكن الشيطن﴾ والمراد به إبليس وأعوانه الداخلة والخارجة من قبيلته، والناس التعابعين له أومن القوى النفسانية والهوى وصحبة الأشرار أومن النفس، (له قريناً) أي: صاحباً وخليلاً في الدنيا (فسآء قريناً)؛ لأنه يدعوه إلى المعصية المؤدية إلى النار". (روح المعاني: ۵/۳۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

" ومبدأ المعاصي سقوط ثقلها وتفاحشها عن القلب، ومبدأ سقوط الثقل ووقوع الأنس بها بكثرة السماع إذا كان هذا حال ذكر الصالحين والفاسقين فما ظنك بمشاهدتهم؟ بل قد صرح بذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث قال: " مثل الجليس السوء كمثل الكير إن لم يحرقك بشرره عقل بك من ريحه". فكما أن الريح يعلق بالثوب ولا يشعر به، فكذلك يسهل الفساد على القلب وهو لا يشعر به .... فإن وجدت جليساً يذكرك الله رؤيته وسيرته فالزمه ولا تفارقه واغتنمه ولا تستحقره فإنها غنيمة العاقل وضالة المؤمن". (إحياء العلوم، كتاب آداب العزلة، الباب الثاني في فوائد العزلة: ۲/۳۱۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/۲۳۹، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في حال الشيخ الأكبر لسيدي محي الدين ابن كجعربي نفعنا الله تعالىٰ به، سعيد)

قال العلامة ابن حجر الهيثمي :" الطريقة مشتملة على منازل السالكين، و تسمى مقامات اليقين، و الحقيقة موافقة للشريعة في جميع علمها وعملها، وأصولها و فروعها، و فرضها و مندوبها، ليس بينهما مخالفة أصلاً". (الفتاوى الحديثية، باب السلوك، مطلب في الفرق بين الحقيقة والشريعة، ص: ۳۰۹، قديمي)

چیزیں تو شیطان سے بھی صادر ہوتی ہیں (۱)۔ کرامت ولی سے صادر ہوتی ہے اور ولی ہمیشہ متبعِ سنت اور پابندِ شریعت ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرتکب کبائر پیر سے بیعت

سوال [۱۴۹۹]: زید تصویر کشی اور تصویروں کی زینت سے اپنے مکانوں کو زیبائش دیتا ہو اور اس کو جائز خیال کرتا ہو اور مرید کرنے میں کسی مذہب وملت کی قید نہ رکھتا ہو، مسلم، ہندو، عیسائی، پارسی کو بلادعوت اسلام پیش کئے اور بلاتوبہ کرائے مرید کرتا ہو اور اس طریق کار کو جائز سمجھتا ہو اور طوائفوں کا گانا سنتا ہو اور ریڈیو پر غزلیں اور گانا بھی سنتا ہو اور نماز باجماعت کا پابند نہ ہو، عینِ نماز جماعت کے وقت سینما حال میں تماشہ اور ناچ رنگ دیکھتا ہو اور مریدوں اور دوستوں کی عورتوں کا حلیہ اور خط وخال اور زلفوں کا حال اپنے اخبار میں لکھتا ہو اور اس سے دل چسپی اور مزہ لیتا ہو اور مولویوں کو بھلا برا کہتا ہو اور سجدۂ تعظیمی مقابر کو جائز قرار دیتا ہو اور اپنے اخبار میں یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ نہ میں سنی اور نہ میں شیعہ ہوں، اپنا مذاق مذہبی تفضیلیت رکھتا ہو۔

بہت سے امورِ بدعت کا مرتکب ہو، عورتوں کو بے حجابانہ اپنے سامنے رکھتا ہو اور اپنی اولاد کو تھیٹر

---

(۱) "والكرامات للأولياء حق، و أما التي تكون لأعدائه مثل: إبليس و فرعون والدجال مما روى في الأخبار أنه كان لهم، فلا نسميها آيات و لا كرامات، لكن نسميها .... استدراجاً و عقوبةً لهم، ففي الحديث: "إذا رأيت الله يعطي العبد ما يحب من النعمة و هو مقيم على المعصية، فإنما ذلك استدراج". (شرح الفقه الأكبر، الكرامات للأولياء حق، ص: ۷۹، ۸۱، قديمي)

(۲) "الولي هو العارف بالله تعالىٰ حسب ما يمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي". (شرح العقائد ص: ۱۴۵، مكتبه خير كثير كراچي)

(كذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمي)

"الولي هو العارف بالله -تعالىٰ- و صفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الإنهماك في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمي)

و في النبراس: "حتى أنه خرج بالكبيرة و إصرار الصغيرة عن الولاية". (ص: ۲۹۵، مكتبه امداديه ملتان)

سنیما دکھلاتا ہو اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو۔ تو کیا ایسے شخص کی جس کے اندر اس قدر منہیاتِ شرع متذکرہ بالا موجود ہوں اس سے بیعت جائز ہے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذی روح کی تصویر کھینچنا اور اس سے مکان کو زیبائش کرنا حرام ہے(۱)۔

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عند الله المصورون". متفق عليه"(۲)۔

البتہ درخت وغیرہ غیر ذی روح کی تصویر میں مضائقہ نہیں:

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "كل مصور في النار، يُجعَل له كل صورة صورها نفساً، فيعذبه في جهنم". قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: فإن كنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر ومالا روح فيه". متفق عليه"(۳)۔

---

(۱) "ومن أجل هذه الأحاديث والآثار ذهب جمهور الفقهاء إلى تحريم التصوير، واتخاذ الصور في البيوت سواء كانت مجسمةً لهاظل، أو كانت غير مجسمة ليس لهاظل، فيقول النووي رحمه الله تعالىٰ تحت حديث الباب: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بمايمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال أن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى". (تكملة فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم، حكم الصورة الشمسية: ۱۵۸/۴، دارالعلوم كراچی)

(۲)(مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۴۹۷، ۱۳۹/۲، دارالكتب العلميه بيروت، وقديمي، ص: ۳۸۵)

(ومسند الإمام أحمد، ۳۶/۶، رقم الحديث: ۲۳۵۶۱، دار احياء التراث)

(۳) (مشكاة المصابيح، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث ۴۴۹۸، ۱۳۹/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۳۰۸/۱، داراحياء التراث)

طوائف کا گانا سننا اور ناچ دیکھنا بھی شرعاً حرام ہے(۱)، جماعت کی پابندی واجب ہے اس کا تارک فاسق ہے(۲)، عورتوں کا حلیہ اخبار میں شائع کرنا بھی منع ہے، اہلِ حق علماء کو برا کہنا سخت گناہ ہے، سجدۂ تعظیمی مقابر وغیرہ کو کرنا اور دوسروں سے کرانا حرام ہے اور صورۃً شرک ہے(۳)۔ اسی طرح دیگر افعال جو سوال میں مذکور ہیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں، ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس سے بیعت کیا جائے(۴)، ایسے شخص سے بیعت ہونا درحقیقت گمراہ ہونا اور جہنم کا راستہ اختیار کرنا ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے اس سے بیعت ہو جاوے تو اس بیعت کا فسخ کرنا واجب ہے(۵):

" والتغني حرام إذا كان يذكر امرأةً معينةً حيةً (إلى قوله) وأما الرقص والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار الذي يفعله بعض من يدعي التصوف، فإنه حرام بالإجماع لأنها ذي

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". (مشكوة المصابيح، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۱۸۹/۲، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في شعب الإيمان للبيهقي: ۲۷۹/۴، رقم الحديث: ۵۱۰۰، الهند)

(۲) "تارك الجماعه يستوجب إساءةً، ولايقبل شهادته إذا تركها استخفافاً بذلك ومجانةً، أما إذا تركها سهواً أو تركها بأن يكون الإمام من أهل الأهواء لايستوجب الإساءة". (البحرالرائق، باب الإمامة: ۳۶۵/۱، بيروت)

(۳) "وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء .... و هل يكفر إن على وجه التعظيم والعبادة كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار آثماً مرتكباً للكبيرة". و قال الشامي: "و قال شمس الأئمة السرخسي: إن كان (السجود) لغير الله تعالىٰ على وجه التعظيم كفر اهـ. قال القهستاني: يكفر بالسجدة مطلقاً اهـ". (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في البيع: ۳۸۳/۶، سعيد)

(۴) "والولي هو العارف بالله تعالىٰ حسب مايمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي". (شرح العقائد) وفي النبراس: "حتى أنه يخرج بالكبيرة وإصرار الصغيرة عن الولاية الخ". (النبراس، ص: ۲۹۵، مكتبه إمداديه، ملتان)

(۵) (كذا في فتاوىٰ حقانيه، كتاب السلوك: ۲۴۸/۲، دار العلوم حقانيه)

الکفار، کذافی سکب الأنهر". طحطاوی (۱).

"والجماعة سنة مؤکدة للرجال. قال الزاهدی: أرادو بالتأکید الوجوب". درمختار.

"وقال فی شرح المنیة: والأحکام تدل علی الوجوب من أن تارکهابلاعذر یعزر، وترد شهادته ویأثم الجیران بالسکوت عنه اهـ". شامی، ص: ٥٧٦(۲)۔

"ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً فقیهاً من غیر سبب اهـ". عالمگیری: ۸۹۰/۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

غیر متبع سے بیعت ہونا

سوال[۱۵۰۰]: جو شخص قرآن کریم کو بنگلہ خط اور زبان میں لکھے اور کہے کہ مسلمان عیسی، موسی، محمد اور کرشن جی پر ایمان رکھنے والے کو کہتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کو "ہاکر"، ڈاکیہ اور ہرکارے بتلائے، ایسے شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کی اشاعت میں امداد کرنے والوں کی رقمیں غیر محل میں صَرف تو نہیں ہوئیں؟ ادب واحترام کے ساتھ گزارش ہے جو کچھ ارشاد فرمائیں قرآن حکیم اور احادیث خیر الانام علیہ الصلاۃ والسلام وائمۂ دین ومجتہدین کے اقوال حوالہ میں موجود ہوں، اس لئے کہ علماء مظاہر علوم (وفارغ التحصیل) ودیوبند کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ براہ کرم حضرت العلام مولانا سعید احمد صاحب، مولانا عبد اللطیف صاحب، ناظم مدرسہ عربیہ، مولانا شیخ الحدیث صاحب قدوسی صاحب، حضرت صدر المدرسین صاحب، حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کامل پوری، مولانا اسعد اللہ صاحب، مولانا امیر احمد صاحب، مولانا ظہور الحق صاحب اور جتنے حضرات ہیں سب کے دستخط ہو جاویں تو عین عنایت ہوگی۔ اس بارے میں مولوی عبد الاحد بردوانی اور بھی علماء میرے ہمنوا ہیں۔ السائل: احقر محمد علی بردوانی۔

---

(۱) (حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی صفة الأذکار، ص: ۳۱۹، قدیمی)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب شروط الإمامة الکبری: ۵۵۲/۱، سعید)

(۳) (الفتاوی العالمکیرية: ۲۷۰/۲، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم میں مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کی رعایت ومتابعت لازم وضروری ہے، اس کے خلاف لکھنا ناجائز اور حرام ہے اور اس مسئلہ پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے بلکہ علمائے امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں، اجماعی مسئلہ ہوا، تو غیر عربی، بنگلہ وغیرہ رسم الخط میں لکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اس میں تو جواز کا احتمال ہی نہیں، البتہ ترجمہ بنگلہ زبان میں جائز ہے۔

جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں اسی طرح غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آئے ہیں (ان میں کرشن جی کا نام نہیں) ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر قرآن کریم نے تعلیم نہیں دی، بلکہ اجماعی طور پر ایمان کا حکم ہے اس طرح کہ جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے۔ جب صورتِ مسئولہ کا حکم معلوم ہو گیا تو اس میں صَرف شدہ رقوم اور اس میں سعی کا حکم بھی معلوم ہو گیا اور سعی کرنے والے کا حکم بھی واضح ہو گیا۔

بیعت سے مقصود رشد وہدایت ہے نہ کہ اغواء وضلالت (۱)، جو نمونہ آپ نے ذکر کیا وہ نہایت موحش اور پُر مفاسد ہے، خدا جانے تمام ترجمہ میں کیا کیا غضب ڈھایا ہوگا، اس کی بندش کیلئے اہلِ اسلام پر سعی لازم ہے اور اس کی اعانت معصیت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف. ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

---

(۱) (فتاوی حقانیه ، کتاب السلوک : ۲/۲۴۷، دار العلوم حقانیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ فیعم النهی کل ما هو من مقولة الظلم والمعاصی، .... الإثم بترک ما أمرهم به و إرتکاب ما نهاهم عنه، والعدوان بمجاوزة ماحده سبحانه لعباده فی دینهم و فرضه علیهم فی أنفسهم". (روح المعانی ، سورة المائدة : ۶/۵۷، دار إحیاء التراث)

سلف صالح کا اتباع اور پیروی بہر حال ضروری ہے اور اسی میں ہماری فلاح اور سعادت ہے۔فقط زکریا قدوسی-غفرلہ-۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحق عفی عنہ، مدرسہ ہٰذا

الجواب: ھوالحق وبالاتباع احق: امیر احمد کاندھلوی کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ۔احقر علیم اللہ مظاہری عفا اللہ عنہ۔

اولیائے کرام کو ''ایرے غیرے نتھو خیرے'' کہنا ہر گز درست نہیں

سوال[۱۵۰۱]: ۱.....حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تین روز تک غار میں رہے مگر کچھ کھانہ سکے یعنی بالکل بے بس تھے، اگر استطاعت ہوتی تو بھوکے نہ رہتے۔حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید کردیئے گئے مگر خود سے نہ بچ سکے تو یہ ایرے غیرے نتھو خیرے اولیاء اللہ اور مشائخ تم کو کیا دے سکتے ہیں؟ تو یہ حضرات اگر کچھ نہ دے سکیں تو ہم ان کو ''ایرے غیرے نتھو خیرے'' کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲.....کیا قوم کے عقائد کے مسلک میں پھوٹ ڈالنا کسی عالم کے لئے زیبا ہے؟

۳.....کسی مسلم کو چیلنج کرنا کہ ہمت ہو تو ہم سے مسائلِ فقہیہ میں گفتگو کرو، علماء کو مناظرہ کے لئے للکارنا ،قوم میں اختلاف پیدا کرنا، اپنے آپ کو ولی کہہ کر لوگوں کو ہموار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴.....نماز میں پیَروں کو نچانا، ایک پیر کو ڈھیلا کرنا دوسرے پیر پر کھڑا ہونا، کبھی ایڑھیاں اٹھانا، کبھی پنجوں کو اٹھانا، اگر یہ عمل کسی امام سے سرزد ہو تو نماز میں کوئی خلل پیدا ہوگا یا نہیں؟

۵.....فقہی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے کیا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے رشتہ ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات صحیح ہے کہ بغیر علم خداوندی کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔انبیاء علیہم السلام کوئی مسئلہ بھی بغیر اجازتِ خداوندی نہیں بیان فرماتے تھے، نہ کچھ کسی کو دیتے تھے اور قہارِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کے سامنے بے بس تھے اور تقدیرِ الٰہی پر راضی تھے، پھر اولیاء اللہ اور شہداء کا مقام انبیاء علیہم السلام سے کم ہے۔اولیاء کرام کے متعلق ایرے غیرے نتھو خیرے کہنا ہر گز

درست نہیں کہ یہ تحقیر کے الفاظ ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام اور مشائخِ عظام کی قبور سے یا ان کی ارواحِ مبارکہ سے براہ راست و مستقل قرار دے کر مانگنا بھی درست نہیں اس سے بچنا بھی لازم ہے۔

کسی پیغمبر کا مذاق اڑانا، توہین کرنا ہرگز جائز نہیں، اس سے ایمان سلب ہو جائے گا۔ صحابہ کرام اور اہلِ بیت کا پورا پورا ادب لازم ہے، ہرگز کوئی کلمہ ان کی شان میں گستاخی کا کہنا جائز نہیں۔ بزرگانِ دین کو جو لوگ بعد وفات متصرف مان کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں ان کی اصلاح بھی ضروری ہے، کچھ لوگ ارواحِ خبیثہ کافرہ سے مدد مانگتے ہیں، ان کو ایرے غیرے نتھو خیرے کہنا درست ہے۔ شرک کا دور کرنا اور بزرگانِ دین کا احترام کرنا دونوں چیزیں اپنے اپنے مقام پر ضروری ہیں، نہ کسی کا مقام حد سے بلند کیا جائے مثلاً: مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کیا جانے لگے جو خالق کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کسی کا مقام حد سے پست کیا جائے کہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی تحقیر ہونے لگے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اپنے چچا ابو طالب کے لئے کس قدر تمنا تھی کہ وہ ایمان لے آئیں مگر اللہ پاک کو منظور نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے باپ کے ایمان کی تمنا تھی، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ سب انبیاء بے بس ہیں: ﴿إنك لاتهدی من أحببت ولكن الله يهدی من يشاء﴾(۱)۔

۳،۲......عقائدِ حقہ کا پیش کرنا اچھے طریقہ پر ضروری ہے، غلط عقائد کی اصلاح ضروری ہے، غلط عقائد پیش کر کے پھوٹ ڈالنا سخت مذموم ہے، اپنے ولی ہونے کا دعویٰ کرنا ولی کا کام نہیں۔

۴......پیروں کو نچانا تو غلط ہے، البتہ قیامِ طویل ہو تو ایک پیر پر بوجھ دینا وہ تھک جائے تو دوسرے پیر پر بوجھ دینا درست بلکہ بہتر ہے، بلاضرورت بار بار ایسا کرنا خلافِ خشوع ہے۔

۵......صاف صاف وہ مسئلہ لکھئے جس کی وجہ سے تعلق توڑا گیا ہے، ہر مسئلہ کی حیثیت یکساں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۱۳۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (القصص: ۵٦)

ما يتعلق بسلاسل الصوفية واصطلاحاتهم

(صوفیاء کے سلاسل اور اصطلاحات)

تصوف کے چار سلسلے

سوال[۱۰۵۱۲]: تصوف کے چار سلسلے کون کون سے ہیں اور یہ سلسلے کن کن بزرگوں کی طرف منسوب ہیں، یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ چار کے علاوہ کیا تصوف کا کوئی اور سلسلہ نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آج کل ہمارے اطراف میں چار سلسلے یہ مشہور ہیں: ا: چشتی، ۲: قادری، ۳: نقش بندی، ۴: سہروردی۔

ا-خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ اجمیری کی طرف منسوب ہے۔ ۲-دوسرا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ۳-تیسرا حضرت بہاؤ الدین نقشبندی کی طرف۔ ۴-چوتھا شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ان کے علاوہ اور بھی سلسلے ہیں جو دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال شاہ ولي الله رحمه الله تعالیٰ: "وبعد از زمانِ ایں خانواد ها، خا نوادهائے دیگر پیدا شدند، چوں جامیه، قادریه، اکبریه، سهروردیه، کیرویه، أو یسیه. وخانوادۂ خواجگان خانوادۂ معینیه که احیائے طریقۂ چشتیه است، ونقشبند یه که احیائے خانوادۂ خواجگان است". (همعات، صفحه: ۱۵)

قال العلامه الشکار پوری رحمه الله تعالیٰ: "إن الطرق إلی الله كثيرة: كالشاذلية، والسهروردیه، والقادریه إلی غیر ذلک". (قطب الإرشاد، ص: ۵۴۴، فصل: أن العلماء من المتكلمين والفقهاء والمحد ثين الخ)

(وكذا في شفاء العليل ترجمه قول الجميل، ص: ۴۰، حكمت تكرار بیعت)

(وكذافي شريعت وطريقت كاتلازم، ص: ۱۵۲، مجاهدات ورياضات صوفیه، دارالاشاعت)

سلاسلِ صوفیہ کی انتہاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیوں ہے؟

سوال[۱۵۰۳]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ بزرگوں کے چاروں سلسلے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے حضرت علی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہونچتے ہیں اس لئے ان سلاسل کی سند مشکوک معلوم ہوتی ہے اور اس میں روافض کی دسیسہ کاریوں کا شبہ ہوتا ہے، کیونکہ اولاً تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات میں اختلاف ہے اور اگر ملاقات ثابت بھی ہو تو کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اکابرِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تصوف اور علمِ باطن میں کمال نہیں رکھتے تھے، اگر رکھتے تھے اور یقیناً رکھتے تھے تو پھر یہ باطنی سلسلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے کیوں چلا، دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کیوں نہ چلا؟ امید کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈال کر خلجان کو دور فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نسبت احسانیہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل ہوئی تھی اس کو انہوں نے خلیفۂ اول (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے، پھر خلیفۂ ثانی (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پھر خلیفۂ ثالث (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے راسخ اور مستحکم کیا تو یوں سمجھتے کہ ان کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے ثلاثہ کے فیضان کا مجموعہ تھی۔ جس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کے فیضان کا مجموعہ تھی، ان حضرات میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا ایسے شخص تھے جن کی تربیت وتکمیل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا اور کسی انسان کا حصہ نہیں۔

لہٰذا جو سلاسل بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلے وہ خلفائے ثلاثہ کے فیضان سے خالی نہیں۔

بااین ہمہ بعض سلاسل ایسے بھی ہیں کہ جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ نہیں جیسا کہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جمع کردہ شجرہ سے واضح ہے(۱)۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) (کلیات امدادیہ کے رسالہ ضیاء القلوب میں چہاروں سلسلوں کے شجرے کا ذکر ہے، مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم کے سلسلوں کی کیفیت، ص: ۴۳-۷۶، دارالاشاعت کراچی) .... =

بھی اس کی تصریح فرمائی ہے (۱)۔ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دونوں طرح کی امامتِ کاملہ (ظاہرہ وباطنہ) حاصل تھی اور اعلیٰ درجہ کی جانشینی کے منصب پر فائض تھے اور اس جامعیت میں دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے، اس لئے ان حضرات کے سلاسل اور باطنی فیوض میں برکات بھی زائد ہیں جن کی بدولت طالبِ صادق بہت جلد منازل طے کر کے مقامِ معرفت تک پہنچ جاتا ہے اور دولتِ احسان سے مالا مال ہو جاتا ہے اور اس کا قدم شریعت وطریقت میں نہایت راسخ ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت واجازت کی وجہ

سوال [۱۵۰۴]: چاروں سلسلے کے طریقہ اصلاح وتربیت میں کوئی اختلاف ہے یا نہیں، اگر اختلاف ہے تو بعض بزرگوں کے یہاں جو یہ دستور ہے کہ ایک ہی شخص کو چاروں سلسلے میں بیعت کرتے اور اجازت دیتے ہیں تو آخر اس کی کیا صورت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تربیت واصلاح میں کچھ اختلاف بھی ہے مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے، اس لئے یہ اختلاف کچھ مضر نہیں (۲) اور چاروں سلسلوں میں بیعت کی اجازت دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو طبِ یونانی، ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک، ویدک میں مہارت ہو جانے پر جملہ طرقِ معالجہ میں اس کو ڈگری دے دی جائے اور وہ مریضوں کے امراض، طبائع، مواسم کی رعایت کرتے ہوئے جو طریقہ علاج جس کے حق میں مفید سمجھے اس کو اختیار کرے، ان طرق معالجہ میں اختلاف کثیر کے باوجود مقصود سب کا ایک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (ایضاً کلیات امدادیہ، رسالہ ارشاد مرشد، ص: ۹۸، ۹۹، دار الاشاعت کراچی)

(۱) مترجم "القول الجمیل"، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، پھر جس سلسلہ کا ذکر ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں ہے، سندھ ساگر اکادمی، لاہور)

(۲) "ولابأس أن يلقنه فيقول: قل اخترت الطريقة النقشبندية أو القادرية أو الجشتية الخ". (القول الجميل الفصل الثاني سنيه البيعة، ص: ۱۲، كلكتة)

"نیز حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ کو اجازت بیعت تمام طریق: چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ سے تھی"۔ (كليات امداديه، ضياء القلوب، ص: ۷۶، دار الاشاعت)

طرقِ نقشبندیہ کی تحقیق

سوال[۱۵۰۵]: ۱......دونوں ہونٹ بند کرکے ناک کے ذریعہ سانس نکالتے ہوئے ''اللہ'' کا ذکر کرنا، سانس اندر لیتے ہوئے ''اللہ''، باہر نکالتے ہوئے ''ھو'' کہنا، ساتھ اس کے سر کو بھی کافی زور سے حرکت دینا، زور زور سے سانس نکالنا کیا طریقۂ نقشبندیہ میں ضروری اور لازمی ہے اور اس طریقہ کا نام نقشبندیہ اصطلاح میں کیا ہے؟ اور ناک کے ذریعہ کرنا، منہ بند کرکے ناک کے ذریعہ ذکر کرنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

۲......اور اسی کیفیت پر مسجد میں یا کسی دوسرے مکان میں بہ ہیئتِ اجتماعی بجلی بند کرکے اور آنکھیں بھی بند کرکے ذکر کرنا از روئے شریعت بدعت ہے یا نہیں؟

۳......اسی ہیئتِ اجتماعی اور اسی کیفیت یعنی ناک کے ذریعہ زور زور سے ذکر کرنے پر اصرار کرنا بدعت ہے یا مستحب؟

۴......ذکر کے بعد اسی ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ذکر کرنے والا آدمی ''المراقب'' پکارتا ہے، ''مقامِ احدیت'' کچھ وقفہ کے بعد پکارتا ہے، ''مقامِ معیت'' اور کچھ وقفہ کے بعد ''مقامِ اقربیت'' پکارتا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان مقامات تک پہونچو، دعویٰ یہ ہے کہ سینئر ساتھی ان مقامات تک پہونچتے ہیں۔

۵......اس کے بعد سیر کعبہ ہوتا ہے، ذاکر پکارتا ہے طواف کرو اور اس کے بعد ذاکر کہتا ہے کہ روضۂ اقدس کے پاس چلو اور دعویٰ ہے کہ طواف بھی مراقبہ میں ہو جاتا ہے اور روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر درود شریف بھی پڑھتے ہیں۔ یہ معمول روزانہ بعد نماز مغرب بہ ہیئتِ اجتماعی لزوماً کیا جاتا ہے، بعد نماز تہجد اکابر موجود ہوں تو بہ ہیئت اجتماعی یہ معمول مذکور ہوتا ہے، اکابر اگر موجود نہ ہوں تو انفرادی طور پر کیا جاتا ہے۔

۶......اور ان ذاکرین کا دعویٰ ہے کہ مُردوں کے احوال مشاہدہ کر سکتے ہیں اور مردوں سے بات چیت بھی کرتے ہیں۔ ان کیفیات کے ساتھ ذکر کرنا از روئے شریعت بدعت ہے یا مستحب یا فرض یا واجب؟ اور اس طریق کے لئے دعوت دینے والا مستحقِ اجر ہوگا یا نہیں؟

۷......کیفیتِ مذکورہ سے ہیئتِ اجتماعی کے ساتھ مُنہ بند کرکے ناک کے ذریعہ زور زور سے اللہ کا ذکر کرنا ان ذاکرین کے نزدیک بھی ''پاس انفاس'' ہے۔ کیا واقعی ''پاس انفاس'' اسی کا نام ہے یا ''پاس انفاس'' مُنہ کے ذریعہ بھی کیا جا سکتا ہے، اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟

۸......کیفیتِ مذکورہ کے علاوہ مطلق ذکراذکار بہ ہیئتِ اجتماعی بعداز نماز یا کسی بھی وقت مسجد میں یا مسجد کے علاوہ کسی مقام پر کرنا بدعت ہے یا مستحب؟

۹......ذاکرین میں سے ایک فرد کا کہنا ہے کہ ہمارا مرشد چھ مہینے کے بعد پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کراسکتا ہے۔ یہ ازروئے شریعت کہاں تک درست ہے؟

نوٹ: ان ذاکرین میں سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم ترقی کرنے کے بعد یہاں ان مساجد میں نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ نماز حرم شریف میں پڑھیں گے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح علم حدیث مستقل فن ہے(۱) اس کی اصطلاحات ہیں، اس کا طریق روایت ہے، حدیث کو قبول ورَد کرنے کے لئے اصول ہیں، جرح وتعدیل کے ائمہ ہیں۔ اسی طرح تزکیۂ باطن مستقل فن ہے، اس کے اصول ہیں، طریق کار ہے، اس کے ائمہ ہیں، سہروردیہ طالبین سے کچھ ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کہ ان کو اپنے دھیان پر قابو ہوجائے اور یکسوئی میسر آسکے، یہ درحقیقت معالجات ہیں، ہر معالجہ کا قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ومنقول ہونا ضروری نہیں بلکہ معالجہ کا مدار زیادہ تجربات پر ہے جیسا کہ طبیب اور ڈاکٹر علاج کرتے ہیں، دوا اور انجکشن وآپریشن وغیرہ کا منقول ہونا لازم نہیں، البتہ تزکیۂ باطن کے معالجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی چیز قرآن کریم، حدیث شریف کے خلاف نہ ہو(۲)۔

---

(۱) ضیاء القلوب میں تیسرا باب حضرات نقشبندیہ کے اذکار و اشغال کی مکمل تفصیل ملاحظہ ہو: (کلیات امدادیہ، ص:۴۵، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "قال الشافعي رحمه الله تعالیٰ: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة، و ما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئاً من ذلك فليس بمذموم". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام: ۱/۳۶۸، رشيديه)

وفي إعلاء السنن: "وبهذا اندحض إيراد بعض الناس على الصوفية بأنهم اخترعوا أذكاراً من أنفسهم لا أصل لها في السنة كذكر الإثبات بلفظ إلا الله، إلا الله، فالأذكار التي اخترعها المشايخ و إن لم تكن مأثورةً، فإنها مقدمات لقبول القلب وصلاحيته للذكر المأثور". (باب الذكر: ۱۸/۴۵۳، ۴۵۴، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في كفايت المفتي، كتاب السلوک والطريقة: ۲/۱۱۰، دار الاشاعت كراچی)

جو چیزیں بطور عبادتِ مستقلہ کی جاتی ہیں ان کا منقول ہونا ضروری ہے، ان کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا جاسکتا(۱)، یہ فرق ہے معالجات وعبادات میں، ایک کو دوسرے پر قیاس کرکے دلیلِ نقلی کا مطالبہ بے محل ہے۔ اللہ کا ذکر منہ سے ہو یا ناک سے ہو سب درست ہے، بلکہ ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر سری بھی کیا جاتا ہے۔ آخر قرآن کریم میں یہ تو صاف صاف مذکور ہے: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم﴾ الآية (۲) ہر شیء تسبیح پڑھتی ہے، ناک اور منہ بھی تسبیح پڑھنے لگیں تو اس میں کیا اشکال ہے، بلکہ ہر ہر عضو کی تسبیح بھی مسموع ہوسکتی ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است

نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست کہ ہر خارے بہ تسبیح اش زبانیست

اگر دوسرے لوگوں کو اس طرز سے بُعد ووحشت ہو تو مناسب یہ ہے کہ یہ عمل مسجد میں نہ کیا جائے بلکہ کسی اور مکان میں جہاں سب اسی قسم کے لوگ ہوں وہاں کیا جائے، دھیان ایک طرف لگائے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آدمی طواف میں لگا لے اور قرب ومعیت کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے: ﴿إن الله معنا﴾ (۳) اور ﴿نحن أقرب﴾ (۴) وغیرہ ان آیات کے معانی کا کچھ مراقبہ کیا جائے (۵) اس طرح یکسوئی حاصل ہونے میں بڑی

---

(۱) "قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه .... و في رواية لمسلم: (من عمل عملاً): أي من أتى بشيء من الطاعات أو بشيء من الأعمال الدنيوية والأخروية سواء كان محدثاً أو سابقاً على الأمر ليس على أمرنا: أي و كان من صفته أنه ليس عليه إذننا، بل أتى به على حسب هواه، فهو رد: أي مردود غير مقبول".

قال تعالىٰ: ﴿ونزلنا عليك الكتاب تبياناً لكل شيء﴾: أي مما يحتاج إليه من أمر الدين والدنيا والعقبىٰ، كالعلوم الاعتقادية والأعمال الشرعية والأخلاق البهية والأحوال السَّنية وغيرها".

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب: ۱/۳۶۶، رشيديه)

(۲) (سورہ الإسراء، آیت: ۴۴)

(۳) (سورة التوبة، آیت: ۴۰)

(۴) (سورة ق، آیت: ۱۶)

(۵) (کلیاتِ امدادیہ، ضیاء القلوب، ص: ۳۰، مراقبہ قربیت، دار الاشاعت کراچی)

مدد ملتی ہے۔

مادیات سے ہٹ کر آدمی معنویات اور روحانیت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جس سے اس کو نسبت حاصل ہوجاتی ہے۔ نقشبندیہ کے یہاں لطائف پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور وہ حضرات اس لائن میں کامیاب ہوتے ہیں جب کہ "لطیفۂ قلب"، "لطیفۂ روح"، "لطیفۂ سر"، "لطیفۂ خفی"، "لطیفۂ نفس" اور پھر "لطیفۂ ذاتِ بحت" یہ سب لطائف جاری ہوجاتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں اور ان لطائف کے علوم بھی حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)، خواجہ محمد معصوم کے کلام میں بہت کچھ تفصیلات مذکور ہیں۔ بعد میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ چیدہ چیدہ امور کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

ذکر کا علم قرآن کریم میں ہے: ﴿یا أیھاالذین آمنوا اذکروا اللّٰہ ذکراً کثیراً﴾ الایة ﴿وسبحوہ بکرۃً و أصیلاً﴾(۲) الایة نیز حدیثِ پاک میں ہے: "لا یزال لسانك رطباً من ذکر اللّٰہ "(۳) اور حدیثِ قدسی میں ہے کہ "میرا بندہ جب اپنے جی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں، میری مجلس اس کی مجلس سے بہتر ہے"(۴)۔ نیز حدیث پاک میں ہے: "قیامت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک جب تک اللہ کا ذکر کرنے والے

(۱) "بگوش ہوش بشنو کہ چون سالک بعد از تصحیحِ نیت و .... ہر آئینہ سیرِ آفاقی را تمام کردہ باشد، جمعے ازین طائفہ درین مقام احتیاط ورزیدہ اند، و ہر لطیفہ از لطائفِ سبعہ انسانے را در عالم بصورتِ نورے از انوارِ مناسبۂ آن قرار دادہ اند .... الخ". (مکتوباتِ امام ربانی، مکتوب چھل و دوم، دفتر، دوم ص: ۱۰۱ حصہ ششم، محترم لالہ اسرار محمد خان صاحب، ۳۷۰ گارڈن کراچی)

(۲) (سورۃ الأحزاب، آیت : ۴۱، ۴۲)

(۳) (مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب إلیہ : ۴۲۶/۱، رقم الحدیث: ۲۲۷۹، مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) "وعن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ربما ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إذا تقرب العبد منی شبراً تقربت منہ ذراعاً، وإذا تقرب إلیّ ذراعاً تقربت منہ باعاً، و إذا أتانی مشیاً أتیتہ ہرولۃً".

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : ۱۱۲۵/۲، قدیمی) =

موجود رہیں گے''(۱) اس لئے ذکر جماعت کے ساتھ ہو یا تنہا ہو مامور و منقول ہے۔ البتہ اتنا لحاظ چاہئے کہ دوسرے کے لئے باعث اذیت نہ ہو مثلاً: اس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے یا سونے والوں کی نیند میں خلل آئے (۲)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بعضے بندوں کو کشف قبور بھی عطا فرماتے ہیں کہ وہ ان احوال سے واقف ہوجاتے ہیں اوران سے بات چیت بھی کرلیتے ہیں (۳)، ناواقف لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی، مگر یہ یاد رہے کہ کشف میں اگر کوئی شخص طواف کرلے بلکہ سارا حج کرلے تواس سے فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا، اسی طرح جو کچھ بھی کشف میں دیکھے وہ حجت شرعی نہیں، اگر حجت شرعی کے خلاف ہے تو اس کشف کو قبول نہیں کیا جائے گا (۴)، رد

= (وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الذكر، باب أفضل الذكر الدعا والتقرب إلى الله تعالىٰ وحسن الظن به: ۲/۳۴۳، قديمى)

(۱) "و عن أنس رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تقوم الساعة على أحد يقول: الله، الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب لا تقوم الساعة إلا على شرار الناس: ،ص: ۴۸۰، قديمى)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''ذکر جہری کا ثبوت'')

(۳) دیکھئے: (نور الصدور في شرح القبور للسيوطي، باب: ۲۹، ''ان لوگوں کا بیان جنہوں نے مردوں کو خواب میں دیکھا اور بات کی۔'' اس میں کافی روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں مردوں کے احوال اوران سے بات چیت کرنے کے متعلق ہیں''۔(نور الصدور في شرح القبور ،ص: ۱۴۱، دار الاشاعت كراچى)

قال عليه الصلاة والسلام: .... "فلو لا أن لا تدفنوا، لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذى أسمع منه": أى الذى أسمعه من القبر............ "أن يوصل إلى آذانكم أصوات المعذبين فى القبر، فإنكم لو سمعتم ذلك تركتم التدافن من خوف قلع صياح الموتى أفئدتكم، أوخوف الفضيحة فى القرائب لئلا يطلع على أحوالهم". و هذا الحديث مثل قوله عليه السلام: "لو علمتم ماأعلم لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيراً" و فيه أن الكشف بحسب الطاقة، و من كوشف بما لا يسعه يطيح ويهلك". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب عذاب القبر: ۱/۳۴۶، رشيديه)

(۴) "ولايخفى أن مبنى الاعتقاد لا يكون إلا على الأدلة اليقينية............ ولذا لم يعتبر أحد من الفقهاء جواز العمل فى الفروع الفقهية بما يظهر للصوفية من الأمور الكشفية، أو من الحالات المنامية، =

کردیا جائے گا۔ کوئی شخص اگر کشف کو تسلیم نہ کرے تو اس پر سخت حکم نہیں لگایا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کو قبول نہ کرنے سے سخت حکم لگایا جاتا ہے اور کشف کو ہر کس و ناکس کے سامنے بیان بھی نہیں کرنا چاہئے۔

''پاس انفاس'' بھی قرآن وحدیث سے ثابت کرنا دشوار ہے، سانس کے ساتھ ہوتا ہے، جس طرح ناک سے کرتے ہیں اسی طرح منہ سے بھی کرتے ہیں، زبان کو تالو سے لگا کر جب سانس اندر جائے تو ''اللہ'' کہا جائے اور جب باہر آئے تو ''ھو'' کہا جائے، زبان کو حرکت نہ ہو، یہی پاس انفاس ہے۔ نقشبندیہ ناک سے کرتے ہیں، چشتیہ منہ سے کرتے ہیں (۱)۔ درحقیقت کرتے تو سب سانس سے ہی ہیں مگر بعض حضرات ناک سے سانس لے کر کرتے ہیں بعض منہ سے اور یہ بھی بطورِ معالجہ یکسوئی حاصل کرنے کے لئے ہے مراقبہ اور یکسوئی کی مشق سے یہ بھی ممکن ہے کہ اس مراقبہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوجائے (۲) اور اسی حالت میں بیعت سے بھی مشرف ہوجائے مگر اس بیعت کا وہ حال وحکم نہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بیعت کا حکم ہے اور ایسا شخص صحابی کہلانے کا مستحق نہیں ہے، نہ ان کے

= ولو كانت منسوبةً إلى الحضرة النبوية على صاحبها أفضل الصلاة الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن: ٣٥٨/٨، رشيديه)

"وكشف أربابِ باطن اثبات فرض و سنت ننمايد". (مكتوبات امام رباني، مكتوب: ۵۵، ۱۵/۲، ۱۶، گارڈن ایسٹ کراچی)

(۱) (کلیات امدادیہ، ارشاد مرشد، ص:۹۶، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) قال العلامة آلوسي: "فقد وقعت رؤيته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الأمة، والأخذ منه يقظةً .... والذي يغلب على الظن أن رؤيته ﷺ بعد وفاته بالبصر ليست كالرؤية المتعارفة عند الناس من رؤية بعضهم لبعض، و إنما هي جمعية حالية، و حالة برزخية، و أمر وجداني لا يدرك حقيقته إلا من باشره، و لشدة شبه تلك الرؤية بالرؤية البصرية المتعارفة يشتبه الأمر على كثير من الرائين، فيظن أنه رآه ﷺ ببصره الرؤية المتعارفة، وليس كذلك". (روح المعاني: ٣٥/٢٢، سورة الأحزاب، آيت: ٥١/٢٢-٥٣، دار الفكر)

(وكذا في الحاوي للفتاوى: ٢٦٣/٢، القول بامكان روية النبي في اليقظة)

درجہ کو پہونچ سکتا ہے(۱)۔

جو شخص اپنے مراقبہ میں فرض نماز حرم شریف میں پڑھے اور یہاں رہنے کے باوجود اپنے جسم سے ادا نہ کرے تو اس کا فرض ادا نہیں ہوا، وہ تارکِ فرض ہے یہاں پڑھنا ضروری ہے۔ مراقبہ کی نماز تو قلب وروح کی لذت کے لئے ہے ادائے فرض کے لئے نہیں، اگر یہاں نماز ادا نہیں کی جائے گی بلکہ مراقبہ کی نماز پر کفایت کی جائے گی کہ ہم تو حرم شریف میں نماز پڑھ چکے تو اس سے بددینی پھیلے گی اور زندقہ کہلائے گا جس کی وجہ سے فرائض کا اہتمام ختم ہو کر ترک اور انکار کا موقع ملے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

مضمون جواب مکمل وصحیح ہے صرف تقریبِ فہم کے لئے سوال کے نمبروں کے اعتبار سے نمبروار کچھ توضیح کردی جاتی ہے یہ توضیحات مندرجہ ذیل سطور پر ملاحظہ فرمائیں۔ فقط

بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۴۰۰ھ

---

(۱) "الصحابی من لقی النبی ﷺ: أی رأی النبی ﷺ أو رآه النبی ﷺ مؤمناً به، و مات علی الإسلام .... و هل یدخل من رآه میتاً قبل أن یدفن .... و الراجح عدم الدخول، وإلا یعدّ من أن یری جسده المکرم وهو فی قبره المعظم و لو فی هذه الأعصار، وکذلک من کشف له عنه من الأولیاء، فرأه کذلک علی طریق الکرامة إذ حجة من الصّحة لمن رأه قبل دفنه أنه مستمر الحیاة، وهذه الحیاة لیست دنیویة و إنما هی أخرویة .... و کذا لا یدخل من رأه فی المنام الخ". (إمعان النظر شرح شرح نخبة الفکر، تحقیق تعریف الصحابی: ۲۰۴، ۲۰۹،)

وفی المرقاة: "لکن لا یبتنی علیه الأحکام لیصیر به من الصحابة". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الرؤیا: ۳۷۸/۸، رشیدیه)

(۲) "ولایصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلی حیث یسقط عنه الأمر والنهی لعموم الخطابات الواردة فی التکالیف یعنی أن النصوص الأمر والنهی وردت عامةً لکل عاقل بالغ فی جمیع أحوالهم، والقول بالسقوط إنکار لعمومها وإجماع المجتهدین علی ذلک: أی علی عدم السقوط .... فإن أکمل الناس فی المحبة والإیمان هو الأنبیاء علیهم السلام .... مع أن التکالیف فی حقهم أتم و أکمل".

(النبراس شرح شرح العقائد النسفیة، ص: ۵۶۲، محمدی پریس لاهور)

توضیح موعود حسب ترتیب نمبر سوال

۱......ان اشغال ومراقبات کی بابت فی نفسہ کلام نہیں البتہ ان سب کو ضروری ولازمی یا واجب بالاصل نہیں کہہ سکتے۔ یہ چیزیں معالجات وتربیت کے باب سے متعلق ہیں، بعض مریض کے اعتبار سے واجب لغیرہ، بعض مریض کے اعتبار سے ناجائز بھی ہوسکتی ہیں اور مباحِ شرعی کو جب واجبِ شرعی واصل قرار دیا جانے لگے یا اس کے ساتھ واجبِ شرعی اور اصل جیسا معاملہ کیا جانے لگے تو اس مباح کا ترک یا اس کی اصلاح کرنا واجب ہوجاتا ہے(۱) بس وہاں کے جیسے حالات ہوں گے ویسا ہی حکم ہوگا۔

۲......اس نمبر کا حکم بھی وہی ہے جو نمبر:۱میں مذکور ہے۔

۳......کسی خاص طالب ومریض کے بارے میں اگر کوئی شیخ محقق ومتبع سنت ہونے کے ساتھ ساتھ عالم ربانی بھی ہو اور وہ اس علاج میں اس مریض کی صحت منحصر سمجھ کر ضروری قرار دیتا ہے تو تاحصولِ مضرت وعدمِ درمیانِ معالجہ یہ اصرار کرنا بھی درست ہوسکتا ہے اور درصورتِ دیگر ناجائز وممنوع بھی ہوسکتا ہے(۲)۔

۴، ۵......اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر:۱، ۳ میں مذکور ہے۔ باقی ان اشغال میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے منافع کے اعتبار سے خطرات ونقصانات زیادہ ہیں، اس لئے ان سب کا عام حکم دینا خلافِ تحقیق ہوگا بخلاف اس کے طریق سنت چونکہ زیادہ محفوظ ومضبوط ہوتا ہے اس لئے وہ انسب واحوط ہوگا: ”کما أشار إليه قوله عليه السلام: "تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله و سنة رسوله" (۳)۔ نیز طریقِ سنت حسب ارشادِ عالت: "ما أنا عليه وأصحابي" (۴) کا ہے، لہذا اس کو مضبوط پکڑنا مقدم ہے۔

---

(۱) من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف بمن أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح: ۳/ ۳۱، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۷، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في السعاية على شرح الوقاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/ ۲۶۳، سهيل اكيڈمی)

(۲) (انظر فتاوى حقانيه: ۲/ ۲۷۴، كتاب السلوك، المطبعة العربيه لاهور)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإعتصام بالكتاب والسنة: ص: ۳۱، قديمی)

(والمؤطا للإمام مالك، باب قول النبي في القدر، ص: ۷۰۲، مير محمد كتب خانه)

(۴) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإعتصام بالكتاب والسنة: ۱/ ۳۰، قديمی)

۶...... عارفین کاملین کے نزدیک ان احوال ومشاہدات میں استغراق کبھی کشود کار میں حاجب بنتا ہے اور کبھی وصول الی المطلوب میں حائل ومانع بنتا ہے، لہذا مصلح کی نظر اس پر بھی رہنا ضروری ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا مفید نہ ہوگا بلکہ" طريق الوصول إلى الله بعد أنفاس الخلائق " بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا۔

۷...... یہ مقصود نہیں بلکہ صرف ذریعۂ مقصود ہے اس لئے اس میں بھی غلو مثل اور مراقبات میں غلو کے مضر فی المقصود ہوگا، باقی اس کی کیا صورت ہوتی ہے، اصل جواب میں مذکور ہے۔

۸...... ہیئتِ اجتماعی سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد کہ سب اپنا اپنا ذکر اپنے اپنے طور پر کر رہے ہیں مگر مکان واحد ہونے کی وجہ سے ہیئتِ اجتماعی معلوم ہوتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس سے حلقہ بنا کر مروجہ اجتماعی طریقہ مراد ہے تو اس کا حکم نمبر: ا میں گزر چکا ہے۔

۹...... یہ بیعت اس عالم کی بیعت نہیں ہوگی اور نہ اس کی اجازت اس عالم کی اجازت ہوگی اور نہ اس پر وہ ثمرات مرتب ہوں گے جو اس عالم کی بیعت پر مرتب ہوتے ہیں۔

۱۰...... مساجد میں سے کسی مسجد میں جماعت کے وقت موجود رہے گا اور پھر اس مسجد میں نماز نہ پڑھے گا اور مذکورہ دعویٰ کرے گا تو یہ قول عند الشرع زندقہ کا مورث شمار ہوگا اور اگر باز نہ آئے گا تو درجہ ضال ومضل میں داخل شمار ہوگا (۱)۔

نوٹ: مشائخ متقدمین کے سخت سخت مجاہدات کے متحمل نہ تو اس زمانہ کے قُویٰ رہے اور نہ ان کا اب سہارا رہا، پھر ان کی تکمیل کے بعد عُجب وکبر میں ابتلاء کا شائبہ بھی کجیٔ طبائع کی وجہ سے مظنون ہو جاتا ہے اور نسبتِ احسان جو طریق باطن کی اساس ہے اور جس کی تحصیل کی سعی کا قیامت تک کے لئے حدیث احسان (۲) کے

(۱) "كل حقيقة ردته الشريعة فهو زندقة". (مكتوبات امام رباني : ۱/۱۱۴، دفتر أول، مكتوب: ۴۳)

(وكذا في مكتوبات شاه غلام علي، ص: ۹۳ مكتوب هفتاد و پنجم)

(وكذا في قطب الإرشاد، ص: ۱۳، مقدمه)

(۲) "وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنهما قال: بينما نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات يوم، إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب .... قال: فأخبرني عن الإحسان، قال: "أن =

تحت جو مکلّف ومخاطب ہے۔ انہیں وجوہ کی وجہ سے مشائخ متأخرین کے محققین نے طریقۂ علاج میں احیاء العلوم (۱) وغیرہ میں لکھے ہوئے سخت سخت مجاہدوں کو ختم کر کے عبدیت کاملہ جو اصل مقصود میں معاون ہے کے تحت انکسارِ قلوب کے مشاغل ومجاہدات کے ذریعہ سلوک باطن کے طرق متعین فرمائے اور تکمیل سلوک میں مشغول ہوگئے۔ اس میں نہ عجب وکبر کا شائبہ ہوتا ہے، نہ خلافِ مقامِ عبدیت (خرافات وغیرہ) کی جانب رجحان ہوتا ہے اور افادیت دوچند ہوجاتی ہے۔ اس تجدیدی کارنامہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بہت دخل ہے، پھر ان کے اصحاب میں سے حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تجدیدی کارنامہ کو پروان چڑھایا اور تکمیل فرمادی، مکاتیبِ رشیدیہ وتصانیف حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہیں، رسالہ ''مبادی التصوف'' کا مطالعہ بہت زیادہ حصول بصیرت کا ذریعہ بنے گا۔ فلیراجع إلیها۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

اس تحریر میں حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے روشنی ڈال کر بہت وضاحت فرمادی۔

العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

شریعت، معرفت، طریقت اور حقیقت کیا ہیں؟

سوال [۱۵۰۶]: شریعت، معرفت، طریقت اور حقیقت کیا چیز ہے؟ اور ان چاروں کا مطلب کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اونچی باتیں ہیں، اربابِ شریعت اور حقیقت ہی سمجھتے ہیں، البتہ شریعت وطریقت کا فرق ظاہر ہے، وہ یہ کہ جو احکام انسان کے ظاہر سے متعلق ہوں وہ شریعت ہے اور تربیتِ باطن کا نام طریقت ہے اور یہ دونوں

= تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك" قال: فأخبرني عن الساعة". الحديث (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، ص: ۱۱، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد، : ۱/۵۱، رقم الحديث: ۳۶۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ومن أنفع أسباب العلاج أن تطلب صحبة عبد من عباد الله مجتهد في العبادة، فتلاحظ أقواله و تقتدي به الخ". (كتاب المراقبة والمحاسبة، المرابطة الخامسة: المجاهدة: ۴/۴۸۳، مكتبه حقانيه پشاور)

چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ معاون ومددگار ہیں (۱)۔ان میں سے ایک کی تکمیل دوسرے سے ہوتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۶ھ۔

شریعت وطریقت میں فرق

سوال[۱۵۰۷]: یہ کہنا کہ شریعت اَور ہے طریقت اَور ہے، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ شریعت اور طریقت کے احکام الگ الگ ہیں جیسے دو حکومتوں کے قانون الگ الگ ہوتے ہیں کہ ایک حکومت میں مثلاً: بندوق رکھنا درست ہے، دوسری حکومت میں جرم ہے۔اسی طرح کچھ چیزیں شریعت میں حرام ہیں: جیسے شراب پینا، ننگے پھرنا، نماز روزہ فرائض کو چھوڑنا، قبروں کو سجدہ کرنا، اکابر کو گالیاں دینا، پیروں سے مرادیں مانگنا، ساز گانا سننا، اور قوالی میں سر دھننا وغیرہ وغیرہ اور طریقت میں یہ سب درست اور جائز ہیں تو یہ اعتقاد سراسر باطل اور گمراہی اور انتہائی بددینی ہے۔

اگر یہ مطلب ہے کہ شریعت میں احکامِ ظاہرہ: نماز، روزہ زکوٰۃ، حج، بیع، شراء، نکاح، طلاق وغیرہ

---

(۱) "الطريقة مشتملة على منازل السالكين، وتسمى مقامات اليقين، والحقيقة موافقة للشريعة في جميع علمها وعملها، أصولها وفروعها، وفرضها ومندوبها، ليس بينهما مخالفة أصلاً". (الفتاوى الحديثيه، ص: ۴۰۹، قديمى)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یہ دونوں ایک ہے، ظاہر سے عمل کرنا شرع ہے اور جب قلب میں حکم شرع کا داخل ہو کر طبعاً عمل شرع پر ہونے لگے وہ طریقت ہے، دونوں کا حکم قرآن وحدیث سے ہے، ادنیٰ درجہ شرع ہے، اس کا ہی اعلیٰ درجہ طریقت کہلاتی ہے"۔(فتاوی رشیدیہ، شریعت وطریقت کا فرق، ص: ۱۹۱، تالیفات رشیدیہ، ادارہ اسلامیات لاہور)

(وکذا فی امدادالفتاویٰ: ۱۶۵/۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

وقال ابن عابدين: "الطريقة سلوك طريق الشريعة، والشريعة: أعمال شرعية محدودة، وهما والحقيقة ثلاثة متلازمة". (رد المحتار، مطلب: يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، المقدمة: ۶۰/۱، سعيد)

کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور طریقت میں احکامِ باطنہ: صبر، شکر، رضاء، تسلیم، تفویض، توکل، اخلاص وغیرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں، یعنی شریعت ظاہر کی اصلاح کرتی ہے اور طریقت باطن کی اصلاح کرتی ہے تو یہ صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟

سوال[۱۵۰۸]: عوام میں بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی پیر کا مرید نہ ہوگا اور مر جائے تو اس کی بخشش نہ ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت کا راستہ اور حقیقت کا راستہ الگ الگ ہے اور جو فقیر جانے اس کو شریعت والے کیا جانیں، فقیر کی رمز کو مُلا مولوی کیا جانے، سمجھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جہالت در جہالت ہے (۲)، ایسے لوگ خود بھی گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، ان کی صحبت سم قاتل ہے۔ مرید ہونے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور نفس وشیطان کے دھوکہ میں نہ آئے (۳)۔ جس حقیقت کا راستہ شریعت کے خلاف ہو وہ ہرگز اللہ ورسول کی مرضی کے موافق نہیں، وہ شیطان کا راستہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "قال مجدد الألف الثاني في مكتوباته، دفتر اول، مكتوب: ۱/۵۷: "ظاهر رابظاهرِ شريعت وباطن رابباطنِ شريعت كه عبارت از حقيقت است متجلي ومتزين دارند چه حقيقت وطريقت عبارت از حقيقت شريعت است وطريقت آن حقيقت نه آن كه شريعت امرى ديگر است وطريقت وحقيقت ديگر كه الحادوزندقه است". (فتاوىٰ حقانيه: ۲/۲۴۳، كتاب السلوك، دار العلوم حقانيه)

(۲) (كفايت المفتي: ۲/۱۰۸، كتاب السلوك، دار الإشاعت)

(وكذا في القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۱۲، كلكته)

(۳) (تقدم تخريجه سابقاً تحت عنوان: "شریعت، معرفت، طریقت")

طریقِ توبہ

سوال[۱۵۰۹]: جب زید اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گزشتہ گناہوں کی توبہ کرے اور معافی مانگے تو زید اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کیلئے بہتر طریقہ کونسا اختیار کرے اور توبہ کیلئے کون سے الفاظ زبان سے بولے یعنی اپنی زبان سے یا اردو یا فارسی سے صرف ایسے الفاظ کہے کہ ''یا اللہ! میں اپنے تمام کبیرہ گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں، اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میری توبہ قبول کر لیجئے''۔ اور اس کے ساتھ میں زید اپنے دل میں بھی شرمندہ ونادم ہوتا رہے، اس کے علاوہ شرعی احکام کے مطابق گناہوں سے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کا جو اور کوئی بہتر طریقہ ہو یعنی زبان سے الفاظ ادا کرنا اور دل میں تصور اور نیت کرنا اور ہاتھ پاؤں سے عمل کرنا ان سب طریقوں سے مطلع فرمایا جائے جس کے ذریعہ توبہ قبول ہونیکی توقع ہو۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول وضو کرے اور اچھی طرح کرے، بعدہ دو رکعت نفل پڑھے پھر اللہ سے استغفار کرے، اگر کوئی خاص گناہ کیا ہو تو اس سے ورنہ سب گناہوں سے دل سے توبہ کرے یعنی دل سے جس قدر ندامت کر سکتا ہے کرے اور آئندہ کیلئے اس سے بچنے کا پختہ ارادہ کرے، اگر کسی کا کوئی حق ہو تو اس کی توبہ کیلئے اس کی ادائیگی یا اس سے معافی مانگنا شرط ہے(۱)، مذکورہ الفاظ بھی کافی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''ثم اعلم أن التوبة لغةً هي الرجوع .... وفي الشريعة: هي الندم على المعصية من حيث هي معصية مع عزم أن لايعود إليها إذا قدر عليها، .... وأيضاً قد نصّوا على أن أركان التوبة ثلثة: الندامة على الماضي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في الاستقبال الخ''. (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۵۸، قديمي)

''في بعض الآثار: تسبغ الوضوء، وتدخل المسجد، وتصلي ركعتين الخ''. (إحياء العلوم: ۵۸/۴، كتاب التوبه، حقانيه پشاور)

تصورِ شیخ

سوال[۱۵۱۰]: تصورِ شیخ کا کیا مطلب ہے اور یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بعض لوگوں پر خطرات و وساوس کا ہجوم ہوتا ہے جو کہ عبادات میں بھی مخل ہوتا ہے اور ایمان میں بھی، ان کی وجہ سے بہت مضمحل ہوجاتا ہے اور کوئی دوسری تدبیر فوری طور پر کارگر نہیں ہوتی تو ان کے لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ اپنے پیر کا تصور کریں یہاں تک کہ کوئی خطرہ اور وسوسہ باقی نہ رہے اور یکسوئی حاصل ہوجائے اور عبادات پورے سکون سے ادا ہوسکیں اور ایمان میں اضحلال نہ ہو(۱) لیکن اس میں دوسرا اندیشہ بھی ہوتا ہے جو بہت نقصان دہ ہے، اس لئے آج کل عام طور پر اس سے منع کیا جاتا ہے اور دوسری تدابیر کو اختیار کیا جاتا ہے اگرچہ ان کا اثر دیر میں ہو، اس لئے ان میں مضرت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز میں پیر صاحب کا تصور

سوال[۱۵۱۱]: حالتِ نماز میں پیر صاحب کا دھیان کرنا کیسا ہے؟ پیر صاحب نے کہا ہے کہ جائز ہے اور حوالہ دیا کہ سورہ لہب میں ابولہب کا تذکرہ ہے، اس کی تو نماز میں یاد آتی ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر میرا بھی نماز میں دھیان آجائے تو اس سے نماز میں نہ خلل ہوگا اور نہ نماز فاسد ہوگی۔

---

(۱) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''تصورِ شیخ کوئی خاص شغل نہیں، بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغۃً مفہوم ہوتی ہے، محل اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطراتِ فاسدہ کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی اس کا علاج زیادتِ توجہ الی المذکور سے کرتا ہے ...... کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہوجاوے گی حسبِ قاعدۂ فلسفی ''النفس لاتتوجہ إلی شیئین فی آن واحد'' دوسری طرف نہ رہے گی، .... اس سبب سے تصورِ شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے''۔ (امداد الفتاوی: ۱۷۸/۵، مکتبہ دار العلوم)

(وکذافی فتاوی رشیدیہ از تالیفات رشیدیہ) کتاب السلوک، ص: ۱۹۸، ادارہ اسلامیات لاہور)

الجواب حامداً و مصلیاً :

حالتِ نماز میں یہ تصور کیا جائے کہ اللہ پاک کے سامنے حاضری ہے(۱)، اس وقت قصداً پیر صاحب کا دھیان کرنا کہ ان کے سامنے حاضری ہے ہرگز نہیں چاہئے، ویسے جو کچھ بھی نماز میں پڑھا جائے گا اس کے معنی کا دھیان آئے گا مگر یہ حاضری کا تصور نہیں۔ پیر صاحب کے تصور کو ابولہب کے تصور پر قیاس کرنا پیر صاحب کی بے ادبی ہے، ابولہب خدا کا دشمن اور جہنمی ہے، اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اذیت پہونچائی ہے اور گمراہی پھیلائی، ہدایت سے روکا(۲) پیر صاحب کا مقام کچھ اور ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

فقراء کے رموز کا حکم

سوال[۱۵۱۲]: مشہور ہے کہ فقیروں کے رمز کو کوئی کیا جانے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رمز شریعت کے موافق ہے اس کا حکم خود شریعت نے بیان کر دیا ہے، جو خلاف شرع ہے وہ ضلالت

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه.......... قال: فأخبرني عن الإحسان : قال: "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول : ۱/۱۱،سعيد)

(۲) قال ابن كثير رحمه الله عليه : "و اسمه عبد العزى بن المطلب .... و كان كثير الأذيّة لرسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، والبغضة له، و الازدراء به، والتنقص له و لدينه". (تفسير ابن كثير : ۱۱۱/۴، دار السلام)

(۳) "لأن غاية التصوف حصول القرب والرضا من الله في الآخرة، و حصول بشاشة الإيمان ومخالطتهما بالقلب في الدنيا، وهي المعروفة عندهم بالنسبة مع الله .... و هذه النسبة لا تكاد تحصل إلا بصحبة المشايخ الكُمّل الذين استنارت قلوبهم بنور هذه النسبة العُظمىٰ، وهي التي لم تزل تنتقل من قلب إلى قلب الخ". (إعلاء السنن، باب الذكر والدعاء : ۴۵۴/۱۸، ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

اور فسق ہے، جب تک آدمی اپنے ہوش میں ہے اس کو خلافِ شرع کی ہرگز اجازت نہیں خواہ فقیر ہو خواہ کوئی ہو(۱)۔ نہ اس کا اتباع درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ومنها: أن العبد مادام عاقلاً بالغاً لايصل إلى مقام يسقط عنه الأمر والنهى .... وذهب بعض أهل الإباحة إلى أن العبد إذا بلغ غاية المحبة، وصَفَاقلبه من الغفلة، واختار الإيمان على الكفر والكفرانِ، سقط عنه الأمر والنهي، ولا يدخله الله النار بارتكاب الكبائر، وذهب بعضهم إلى أنه تسقط عنه العبادات الظاهرة، وتكون عباداته التفكر وتحسين الأخلاق الباطنة، وهذا كفر وزندقة وضلالة وجهالة، فقد قال حجة الإسلام: إن قتل هذا أولى من مأة كافر". (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ۱۲۲،قديمى)

"ويقول بعض الناس: الفقراء يسلم إليهم حالهم، وهذا كلام باطل، بل الواجب عرض أفعالهم وأحوالهم على الشريعة المحمدية، فما وافقها قُبل، وما خالفها رُدّ ،كما قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا ، فهورد". (مهذب شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۳۲۲، تحت قوله: ولا نصدق .... من يدعى شيئاً يخالف الكتاب والسنة، الجامعة الستارية، كراچى)

ما یتعلق بالاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

شرائطِ خلافت

سوال[۱۵۱۳]: زید بحمد اللہ حافظ قرآن ہے، حاجی مولوی ہے، پابندِ صلوٰۃ وصوم بھی ہے، تقریباً چالیس بیالیس سال سے علانیہ طور پر سلسلۂ بیعت قادری مسلک میں جاری کیے ہوئے ہے۔ زید جن بزرگ سے خود کو بیعت بتاتا ہے وہ زید کے پیر ومرشد شیخ طریقت سلسلہ عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں خلافت حاصل کیے ہوئے تھے۔ زید کا یہ قول مصدقہ ہے کہ وہ شیخِ طریقت کی صحبت میں بچپن سے رہا، تعلیم و تربیت بھی شیخِ طریقت کے پاس پائی اور پھر اپنے بزرگ کے قائم کردہ مدرسہ میں شعبۂ حفظ القرآن میں معلم رہا، زید لباس، رہن سہن بھی بظاہر شیخِ طریقت کا رکھتا ہے۔

زید نے شیخِ طریقت کے وصال کے بعد ایک دوسرے مقام پر جنگل میں دوسرے ضلع میں شیخ طریقت کے آستانہ وخانقاہ کی طرح آستانہ وخانقاہ قائم کی، مسجد تعمیر کرائی، مدرسہ قائم کیا اور پھر قریب دس بارہ سال کے بعد سب ملکیت وقف کردی بنام مسجد وآستانہ ومدرسہ۔ وقف نامہ میں تحریر کیا کہ تاحیات زید خود متولی رہے گا اور بعد انتقال میرا کوئی وارث نہ ہوتو اس جائیداد کا حقدار دعویدار ہوگا۔ نہ ہی متولی، بلکہ جو پیر ومرشد شیخ کے آستانہ کا متولی ہوگا وہی اس آستانے کا متولی ہوگا، خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی نمائندہ سے کرائے۔ یہ وقف نامہ چالیس بیالیس سال پرانا ہے یا زائد کا اور رجسٹری شدہ ہے، وقف نامہ میں ''منکہ زید بن فلاں'' کی جگہ ''منکہ زید مرید فلاں شیخ طریقت مذکورہ'' تحریر کیا ہے، اس لئے کہ شیخ مذکور نے بھی جو وقف نامہ تحریر کیا تھا اس میں بھی ''بن'' کی جگہ ''مرید'' تحریر کیا ہے اور اپنے شیخ طریقت کا نام تحریر کیا ہے، یہ بھی رجسٹر شدہ ہے۔

زید کے پاس یا شیخ طریقت مذکور سے حاصل کردہ کوئی سند نہیں، بقولِ زید وہ ضائع ہوگئی ہے، اب سوائے اس کے کہ جب زید آستانۂ شیخ طریقت مذکور میں زیر تعلیم تھا تو شروع میں زید کے نام کے ساتھ اس کے

گاؤں کا نام تحریر کیا جاتا تھا جیسے دہلوی، کیرانوی وغیرہ، لیکن بعد میں اس رجسٹر میں زید کے نام کے ساتھ گاؤں کا نام نہیں بلکہ قادری تحریر ہے، رجسٹر بہت پرانا بوسیدہ ہے اور موجود ہے، لہذا کیا زید کو شیخِ طریقت کا مرید تسلیم کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زید کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ سے مرید ہوں تو بلاوجہ اس کی تکذیب کیوں کی جائے اور یہ قول کوئی شرعی حکم نہیں، جس کا تسلیم کرنا واجب ہو۔ ایک شخص اپنے ایک حال کی خبر دیتا ہے، آثار سے وہ صادق معلوم ہوتا ہے تو سچ مان لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۴ھ۔

خلافت کسے کہتے ہیں؟

سوال[۱۵۱۴]: شرع شریف میں خلافت اور وصیت کی کیا حقیقت ہے اور خائن اور فاسق وفاجر کسے کہتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''خلافت'': کسی کو اپنا جانشین بنانا، مثلاً: کوئی صاحبِ نسبت بزرگ اپنے کسی مرید کی تربیت واصلاح کرکے اس کو اپنے قائم مقام بنادیں کہ ان سے بیعت ہوکر اپنی اصلاح کرایا کرو اور طریقۂ تربیت سکھا کر فرمادیں کہ بجائے میرے تم اصلاح کیا کرو(۱)۔ ''وصیت'': کسی مال میں کسی تصرف کیلئے ہدایت دینا کہ میرے انتقال کے بعد یہ تصرف کیا جائے، مثلاً: میرے ذمہ نماز، روزہ، حج باقی ہے، فدیہ دیا جائے یا حج بدل کرایا جائے(۲)۔ ''خائن'': جو شخص امانت کی حفاظت نہ کرے اس میں بے جا تصرف کرے(۳)۔ ''فاسق'':

(۱)"الخلافة: خلف فلان مكان أبيه يخلف خلافةً إذا كان في مكانه ولم يصرف فيه غيره الخ". (لسان العرب: ۸۵/۹، ف، مكتبه دار صادر)

(۲)"أوصى الرجل وصاه: عهد إليه". (لسان العرب: ۳۹۴/۱۵، و، ى، دار صادر)

(۳)"وقد خانه العهد والأمانة". (لسان العرب: ۱۴۴/۱۳، دار صادر)

جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے(۱)۔ ''فاجر'' کا درجہ اس سے بڑھ کر ہے جو کھلم کھلا بے دھڑک بڑے بڑے گناہ کرتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۲ھ۔

آستانۂ شیخ کی تولیت

سوال[۱۵۱۵]: کیا زید آستانۂ شیخِ طریقت کا متولی وسجادہ منتخب کیا جا سکتا ہے جب کہ کوئی خلیفہ حیات نہ ہو، البتہ دوسرے مریدین حیات ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کے شیخِ طریقت کے آستانہ کی تولیت کے لئے کیا شرائط ہیں، اگر وہ شرائط زید میں ہوں تو وہ بھی متولی ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے کے مرید کو اجازت دینا

سوال[۱۵۱۶]: کیا خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین کو اپنے پیر بھائی کو مندرجہ خلافت نامہ دینا جائز ہے یا اپنے پیر بھائی کے مرید کو اجازتِ بیعت دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خلیفہ جب کہ اپنے شیخ کی طرف سے اہلیت وصلاحیت کی بنا پر خلیفہ ومجاز ہے اور اس کے شیخِ طریقت نے اس کو اس کی اجازت دی ہے تو وہ بھی اجازت دے سکتا ہے، اپنی طرف سے بھی اور اپنے شیخ کی طرف سے بھی(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الفسق: العصیان والترک لأمر الله عز وجل، والخروج عن طریق الحق". (لسان العرب: ۱/۳۰۸، ف، دار صادر)

(۲) "وهو المنبعث فی المعاصی والمحارم". (لسان العرب: ۵/۴۶، ر، ز، دار صادر)

(۳) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا'')

شیخ کی طرف سے بیعت واجازت

سوال[۱۵۱۷]: کیا کوئی یہ تحریر کرسکتا ہے یا زبانی پڑھوا سکتا ہے کہ پیرو مرشد شیخِ طریقت کے دستِ مبارک پر بیعت کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بعض مشائخ اپنے خلفاء اور معتمدین کو فرما دیتے ہیں کہ تم جس کو اہل سمجھو اس کو میری طرف سے اجازت دیدو تو ان کی طرف سے بھی اجازتِ بیعت ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۱۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیو بند۔

بغیر اجازت وخلافت کے بیعت کرنا

سوال[۱۵۱۸]: زید حضرت مولانا شاہ وصی اللہ کا مرید ہے مگر اب وہ کچھ کام بدعت کے کرتا ہے مثلاً: قوالی سنتا ہے، گاگر (مٹی سے بنے ہوئے چڑھاوے کا ظرف) اٹھاتا ہے، غرضیکہ عام بدعت جو ہر بریلوی خرافات کرتا ہے، مگر زید اب بھی اپنے آپ کو دیو بندی کہتا ہے اور نہ زید کو خلافت ملی مگر مرید کرتا پھرتا ہے۔ کیا ان بدعات پر اس کو صحیح العقیدہ اہلِ سنت کہا جاسکتا ہے؟ کیا وہ مرید کرنے کا بھی حق رکھتا ہے؟ کیا زید دعاء وتعویذ کا پیسہ لیکر کھا سکتا ہے؟ لہذا صحیح صورت حال جو ہو وہ احادیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ اس کو اجازتِ بیعت حاصل نہیں ہے اور وہ بدعات میں مبتلا ہے اس سے بیعت ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ بیعت کا مقصود اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن ہے، شخصِ مذکور خود اصلاح کا محتاج ہے وہ کسی کی کیا اصلاح کرے گا بلکہ جن غیر شرعی امور میں مبتلا ہے اس سے مرید ہونے والے بھی ان میں مبتلا ہوں گے اور بجائے اصلاح کے نفس میں خرابی پیدا ہوگی (۲)۔ جو شخص متبع سنت نہیں اور بدعات سے متنفر نہیں وہ دیو بندی

---

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا'')

(۲) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''قوالی'')

مسلک پر نہیں۔ اگر وہ تعویذ جانتا ہے اور فریب نہیں کرتا ہے، تعویذ میں کوئی ناجائز بات نہیں کرتا ہے تو تعویذ کی اجرت اس کو لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا

سوال[۱۵۱۹]: اگر کسی ایک سلسلہ میں خلافت مجاز عطا ہوئی تو پھر دوسرے سلسلے کے پیر کی طرف سے بھی خلافت عطا ہو تو کیا خلافت لے سکتے ہیں، اس کی کیا ضرورت ہے، کیا ایک سلسلہ سے خلافت کافی نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اصل مقصود تو خلافت نہیں ہے اور اس کے لئے جدوجہد بھی نہیں چاہئے کہ اس میں مشیخت کی طلب ہے جو کہ راہ سلوک کے خلاف ہے، تاہم کوئی بزرگ اگر اجازت وخلافت دیں خواہ دوسرے سلسلے کے کیوں نہ ہوں تو ان کے اخلاص وشفقت کے پیشِ نظر قبول کر لینا چاہئے مگر ان سے نہ طلب کی جائے نہ دل میں اس کی خواہش ہونی چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن ناساً من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أتو على حيّ من أحياء العرب، فلم يقرُوهم، فبينهاهم كذلك، إذ لُدغ سيد أولئك، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم! إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً، فيجعلوا لهم قطيعاً من الشاة، فجعل يقرأ بأم القرآن و يجمع ويتفل، فبرأ، فأتوا بالشاء، فقالوا: لا نأخذه حتى نسئل النبي صلى الله عليه وسلم، فسئلوه فضحك و قال: "ما أدراك أنها رقية، خذوها و اضربوا لي بسهم". (صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الشرط في الرقية بقطع الغنم: ۲/۸۵۴، قديمي)

و قال ابن عابدينؒ: "لأن المتقدمين المانعين الاستيجار مطلقاً جوّزوا الرقية بالأجرة و لو بالقرآن كما ذكره الطحاوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسده، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة اهـ: ۶/۵۷، سعيد)

(۲) "إعلم أن البيعة المتوارثة بين الصوفية على وجوه: أحدها: بيعة التوبة من المعاصي، والثاني: بيعة التبرك =

اپنے مرشد کی طرف سے اجازت دینا

سوال[۱۵۲۰]: اگر کوئی مرشد صاحب اپنے وقتِ آخر کسی خلیفہ کو ہدایت کرے کہ میرے فلاں مرید کا سلوک مکمل ہونے کے بعد ان کو میری طرف سے خلافت دیدینا، یعنی وہ مرشد صاحب جو بعد کو وصال کر گئے ان کی طرف سے خلافت ہوسکتی ہے؟ جو بزرگ وصال کر گئے ان کا خلیفہ کہلائے گا یا جس نے خلافت دی ان کا خلیفہ ہوگا؟ ہمارے سلف کا کیا طریقہ رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نظیریں موجود ہیں کہ ایک طالب کی اصلاح کی مگر استحکام کا انتظار رہا کہ مرشد کا وقت آگیا تو اپنے خلیفہ سے کہہ دیا کہ استحکام ہونے پر میرے بعد تم فلاں شخص کو اجازت وخلافت دیدینا، وہ اجازت بھی میری طرف سے ہوگی۔ اس صورت میں ایسے شخص کو اصل مرشد کا خلیفہ کہا جائے گا مگر بالواسطہ۔

ایضاً

سوال[۱۵۲۱]: اگر کسی مرشد نے اپنے کسی خلیفہ کو یہ ہدایت نہیں کی کہ میرے فلاں مرید کو میری خلافت دینا تو کیا مرشد کے انتقال کے بعد بغیر ہدایت وحکم ان کا خلیفہ مرحوم کے مرید کو بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرشد جب کسی کی تربیت کے بعد اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو خلافت دینے کیلئے بھی بناتے ہیں، مرید کرنے کیلئے بھی بناتے ہیں، اب یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ میرے لوگوں میں سے جس کو اہل سمجھو میری طرف سے خلافت دیدینا، اسلئے وہ بھی مرشد ہی کا خلیفہ شمار ہوتا ہے مگر بالواسطہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

= فی سلسلة الصالحین .... و لا باس أن یلقنه فیقول: قل: اخترت الطریقة النقشبندیة، أو القادریة، أو الجشتیة الخ". (القول الجمیل، الفصل الثانی، سنیة البیعة، ص: ۱۲، کلکته)

"نیز حضرت مجدد کو اجازت بیعت تمام طریقہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ حاصل تھی"۔ (کلیات امدادیہ ضیاء القلوب، ص: ۷۶، دارالاشاعت کراچی)

(۱)(مر تخریجه سابقاًتحت عنوان: "دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا")

ایضاً

سوال[۱۵۲۲]: کوئی خلیفہ اپنے مرید کو یا کسی دوسرے پیر بھائی کے مرید کو (ایک ہی سلسلہ کے) اپنے مرشد کی طرف سے خلافت دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نظیریں ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

حاجی صاحب کے پیر اور خلفاء

سوال[۱۵۲۳]: حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے پیرومرشد کا کیا نام ہے؟ حاجی صاحب عرس، فاتحہ، ایصالِ ثواب، میلاد وقیام کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ ان کے کتنے خلفاء تھے؟ ان میں کون کون اکابر ومشاہیر خلیفہ ہوئے ہیں، ان کے کیا عقائد تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد کا نام حضرت نور محمد جھنجھانوی نور اللہ مرقدہ ہے (۲)۔ "فیصلہ ہفت مسئلہ" اور اس کے ضمیمہ میں لکھا ہے کہ یہ افعال فی نفسہٖ مباح ہیں اور قیود زائد ہیں یعنی قابلِ ترک ہیں (۳)۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ کے بہت سے خلیفہ تھے، ضیاء القلوب میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے متعلق بہت اونچے الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اپنے متعلقین کو نصیحت ووصیت فرمائی ہے کہ "ان دونوں کو میری جگہ سمجھیں، اگر یہ مجھ سے بیعت نہ ہوتے تو میں

---

(۱) (مر تخریجہ تحت عنوان: "دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا")

(۲) (کلیات امدادیہ، ضیاء القلوب، ص: ۸/ ۳۷/ ۷، ابتدائیہ از مصنف، دار الاشاعت)

(۳) پہلا مسئلہ: میلاد، ص: ۷۸، دوسرا مسئلہ: فاتحہ مروجہ، ص: ۸۱، تیسرا مسئلہ: عروس، ص: ۸۲۔ (کلیاتِ امدادیہ، رسالہ "ہفت مسئلہ"، ص: ۷۷-۸۶، دارالاشاعت)

ان سے بیعت ہوتا مگر معاملہ برعکس ہوگیا کہ وہ پہلے بیعت ہوگئے ان کے فتویٰ اور حکم سے باہر نہ جائیں'' (۱)۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کے متعلق ایک جگہ فرمایا ہے کہ ''میرے سلسلے کے فخر ہیں''۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے متعلق بھی بہت تعریف واعتماد کے الفاظ مذکور ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

کیا خلافت دینے کیلئے مرید ہونا ضروری ہے؟

سوال [۱۵۲۴]: خلافت دینے کیلئے مرید کرنا ضروری ہے، یا خلافت دینے والے کا ہی مرید ہونا ضروری ہے، یا اپنے کسی پیر بھائی کے مرید کو بھی خلافت دی جاسکتی ہے (ایک ہی سلسلہ کے) کسی دوسرے سلسلہ کے بھی مرید کو بغیر مرید کئے خلافت دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تزکیۂ باطن کرلیا اور احسان وحضور کی کیفیت حاصل ہوگئی تو اس کو بھی اجازت دے سکتے ہیں (۳)، مرید ہی ہونا رسمی طور پر لازم نہیں (۴)، البتہ مرید ہونے سے نفع زیادہ ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۴۰۶ھ۔

شیخ کا نافرمان کیا سجادہ نشین بننے کا مستحق ہے؟

سوال [۱۵۲۵]: خلفاء اور ورثاء میں ہر وہ شخص جو اپنے پیرومرشد کا نافرمان، مزید برآں وصیت کے

---

(۱) (کلیات امدادیہ، ضیاء القلوب، ص: ۲۷، نصیحت اور وصیت آمیز کلمے، دارالاشاعت)

(۲) ''حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی جو ہمارے حضرت پر عنایتیں تھیں اس کا تذکرہ خود حضرت والا فرمارہے تھے اس میں فرمایا: ''کہ زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ بحمد للہ کسی وقت کسی موقع پر حضرت کو میری طرف سے کسی قسم کی کوئی گرانی نہیں ہوئی اور حضرت حاجی صاحب میرے متعلق یہ سمجھتے تھے اور فرماتے بھی تھے کہ یہ بالکل میرے مذاق کے موافق ہے، بس جو میرا مذاق ہے وہی اس کا ہے''۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/۲۱۹، ملفوظ نمبر: ۱۸۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

(۳) (مر تخریجه سابقاً تحت عنوان: ''دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا'')

(۴) (کفایت المفتی، کتاب السلوک والطریقة: ۲/۱۰۸، دار الإشاعت کراچی)

(وکذا القول الجمیل، الفصل الثانی، ص: ۱۲، کلکته)

خلاف دست تصرف دراز کر کے اور حق تلفی کر کے خودساختہ ہر چیز کا مالک ومنتظم ازخود بھی بن بیٹھا، وہ صحیح معنوں میں سجادہ نشین کہلانے کا مستحق ہے کہ نہیں، لہذا اس سے بیعت درست ہے کہ نہیں؟ محمد ظل الرحمٰن، ڈ زلین، کلکتہ: ۳۳۔

الجوب حامداً و مصلیاً:

خلافت اور بیعت کرنے کا وہ مستحق ہے جس کے اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح ہوگئی ہو اور اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ میں رسوخ رکھتا ہو، متبع سنت اور احکام شرع کا پابند ہو(۱) اور اس کے شیخ محقق نے اس پر اعتماد کیا ہو کہ یہ صاحبِ نسبت ہے، اس کے ساتھ تعلقِ اصلاح کرنے سے اخلاق واعمال کی اصلاح ہو کر کیفیتِ احسان حاصل ہوتی ہو، حبِ مال وحب جاہ سے خالی ہو، ورنہ جیسا پیر ہوگا ویسے اثرات مرید میں پیدا ہوں گے(۲)۔ فالله خير حافظاً۔

تنبیہ: اس طرح مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجبِ فتنہ بھی ہوتا ہے، جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۱ھ۔

پیر بھائی کو اجازت وخلافت

سوال[۱۵۲۶]: کسی بھی شیخ کے وصال کے بعد ان کے شیخ صاحب کے خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی طرف سے اپنے پیر بھائی کو خلافت دے سکے۔ خلیفہ اپنے پیر بھائی کو بیعت کر کے خلافت دے سکتا ہے یا بغیر بیعت کئے ہوئے ہی خلافت دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اہل ہے، تزکیۂ اخلاق ہوگیا ہے، نسبت حاصل ہوگئی، طریقہ تربیت سے واقف ہے تو اجازت

---

(۱) قال علي القاري: "الولي هو العارف بالله و صفاته بقدر مايمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمي)

(و كذا في إعلاء السنن، باب الزهد، ص: ۱۸ / ۴۴۳، ادارة القرآن)

(۲) (مر تخريجه تحت عنوان: "پیر کیسا ہونا چاہئے"؟)

دے سکتا ہے، دونوں طرح درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

حضرت غوث پاک کا چور کو قطب بنا دینا

سوال[۱۵۲۷]: حضرت غوثِ پاک کے دربار میں ایک چور چوری کے ارادہ سے داخل ہوا مگر وہ چوری کرتے ہوئے گرفتار ہوگیا، جب اسے حضرت غوث پاک کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ میرے دربار سے کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں گیا ہے، اس لئے جا! تجھے شہر قطب کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے، یہ سن کر تمام حاضرینِ مجلس دم بخود رہ گئے۔ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بزرگ حضرات اکثر اپنے ستانے والوں پر احسان کیا کرتے ہیں، کسی عامی چور کا دم میں توبہ کر کے اصلاح پذیر ہوجانا بعید نہیں۔ حق تعالیٰ مقلب القلوب ہیں، جب چاہیں کسی ذلیل کو عزت کا تاج پہنا دیں، اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے(۲)۔ اس قسم کے واقعات دنیا میں بکثرت پیش آئے ہیں ممکن ہے کہ واقعہ مسئولہ بھی پیش آیا ہو۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (مر تخریجہ سابقاً تحت عنوان: ''دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا'')

(۲) قولہ تعالیٰ: ﴿وتعزّ من تشآء وتذلّ من تشآء، بیدک الخیر، إنک علی کل شيء قدیر﴾ (آل عمران: ۲۶)

''وعن عبداللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''إن قلوب بنی ادم کلها بین إصبعین من أصابع الرحمٰن کقلب واحد، یصرفه کیف یشاء''. ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''اللّٰهم مصرف القلوب! صرف قلوبنا علی طاعتک''. رواہ مسلم''. (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۰، باب الإیمان بالقدر، الفصل الأول، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۳۳۵/۲، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد: ۱۶۸/۲، مسند ابن عمرو، رقم الحدیث: ۶۵۳۳، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

ما یتعلق بالبیعة

(بیعت کا بیان)

قرآن وحدیث سے بیعت کا ثبوت

سوال[۱۵۲۸]: بندہ ایک بزرگ سے مرید (بیعت) ہے، پہلے یہ حال تھا کہ کبھی نماز پڑھی کبھی نہیں، زبان کو گالی کی عادت تھی، جھوٹ کثرت سے بولتا تھا، جھوٹی قسمیں بھی کھالیا کرتا تھا، قرآن شریف کی تلاوت صرف رمضان میں کبھی کرلیا کرتا تھا، آمدنی میں حرام، حلال کی تمیز بالکل نہیں کرتا تھا، بڑوں بوڑھوں کا ادب لحاظ نہیں تھا، پڑوسیوں سے اکثر لڑائی اور بدسلوکی ہوتی تھی۔ بیعت کے بعد الحمدللہ ان سب خطاؤں اور گناہوں کی آہستہ آہستہ اصلاح ہوئی جس کا احساس میرے ملنے والوں کو بھی ہے، نماز کی پابندی نصیب ہوئی اور ایسا دل لگتا ہے جیسے بالکل اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے اور اپنے پیر صاحب کی خدمت میں حاضری کے وقت گذشتہ گناہ یاد آ کر رونا آتا ہے اور توبہ کی توفیق ہوتی ہے، بندہ سمجھتا ہے کہ یہ سب بیعت کی برکت ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ یہ پیری مریدی تو جوگیوں اور بدھ مذہب والوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایجابی کام کم کراتے ہیں سلبی کام زیادہ کراتے ہیں، بلکہ ان کے یہاں سب سلبی ہی سلبی تعلیم ہے کہ فلاں کام نہیں کرنا، بس آدمی کو عضوِ معطل ومفلوج بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ غرض اس طریقہ میں کوئی خوبی نہیں اور یہ کتاب وسنت سے ثابت بھی نہیں، حضور اکرم ﷺ سے تو اسلام کی بیعت ثابت ہے کہ وہ کافروں کو مسلمان بناتے تھے، نہ یہ کہ وہ مسلمانوں کو بیعت کیا کرتے تھے۔ بندہ اس کا جواب نہیں دے سکا، مرید ہونے کا فائدہ خود کو تو محسوس ہو رہا ہے، لیکن ان صاحب کا جواب دینے کے لئے اپنے پاس سامان نہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں اندیشہ یہ ہے کہ ان صاحب کا اعتراض دل میں جم نہ جائے جس سے نقصان پہنچے۔ فقط والسلام

مفتی ابراہیم صالح جی، مدرسہ تعلیم الدین، دربن جنوبی افریقہ، ۶/۶/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان صاحب سے عرض کردیں کہ وہ سورۃ الفتح پڑھیں، اس میں ارشاد ہے: ﴿إن الذین یبا یعونك إنما یبایعون اللہ ﴾الآیۃ (۱) پھر چند آیات کے بعد یعنی تیسرے رکوع کے شروع میں ہے: ﴿لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونك تحت الشجرۃ ﴾الایۃ (۲) یہاں مؤمنین بلکہ اعلیٰ درجہ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لی گئی جن میں وہ حضرات بھی ہیں جو مکہ مکرمہ میں اسلام لا چکے تھے اور دینِ اسلام کی خاطر بڑی تکلفیں برداشت کر چکے تھے اور ان کا شمار مہاجرین اولین میں ہے اور غزوات میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر شریک رہتے تھے، یہ بیعت اسلام قبول کرنے کے لئے نہیں تھی، اسلام تو ان کو بہت پہلے سے حاصل تھا جب کہ نہایت قوی تھا۔

اور سورہ ممتحنہ پڑھیں جس میں ارشاد ہے: ﴿یا أیها النبی إذا جاء ك المؤمنات یبایعنك علی أن لا یشرکن باللہ شیئاً و لا یسرقن و لا یزنین و لا یقتلن أولادهن، و لا یأتین ببهتان یفترینه بین أیدیهن وأرجلهن، و لا یعصینك فی معروف، فبایعهن ﴾ الایۃ (۳) اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ

---

(۱) (سورۃ الفتح: ۱۰)

وقد قال ابن کثیر: "وهذه بیعۃ الرضوان، وکانت تحت شجرۃ سمر بالحدیبیۃ، أو کان الصحابۃ رضی اللہ عنهم الذین بایعوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یومئذ قیل: ألفاً و ثلثمائۃ". (تفسیر ابن کثیر: ۲۳۷/۴، متکبہ دار السلام الریاض)

(۲) (سورۃ الفتح: ۱۸)

(۳) (سورۃ الممتحنۃ: ۱۲)

قال البخاریؒ: "و عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم قالت: کان رسول اللہ ﷺ یمتحن من هاجر إلیه من المؤمنات بهذه الآیۃ﴿ یأیها النبی إذا جاءک المؤمنات یبایعنک (الی قوله) غفور رحیم﴾ قال عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها: فمن أقر بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول اللہ: "قد بایعتک". کلاماً، و–لا واللہ– مامست یده ید امرأۃ فی المبایعۃ اھ". الحدیث. (صحیح البخاری، باب الطلاق، باب قول اللہ (و لا تنکحوا المشرکات): ۷۹۶/۲، قدیمی)

"و قال الإمام أحمد: "و عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی مجلس فقال: "بایعونی علی أن لا تشرکوا باللہ شیئاً، و لا تسرقوا، ولاتزنوا، و لا تقتلوا أولادکم، =

نے چھ چیزوں پر بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے اور سب سلبی ہیں، اگر غور کریں تو سمجھ میں آئے کہ چھٹی چیز تمام ایجابات کو حاوی ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معروف میں نافرمانی نہ کریں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرمان کی اطاعت کریں، یہ صورۃً سلب ہے اور حقیقۃً سب سے بڑا ایجاب ہے، اس کے علاوہ بعض صحابہ سے اور بھی کسی خاص چیز پر بیعت لینا ثابت ہے۔ بزرگانِ دین جو بیعت لیتے ہیں وہ جوگیوں اور بدھ مذہب والوں کی پیروی نہیں کرتے بلکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں کہ چند کبائر سے صراحۃً توبہ کراتے ہیں اور ہر نافرمانی سے روک کر طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آمادہ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں صاف صاف موجود ہے:

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ– و حوله عصابة من أصحابه–: "بايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئاً، و لا تسرقوا، و لا تزنوا، و لا تقتلوا، أولادكم، و لا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم، و لا تعصوا في معروف، فمن وفیٰ منكم فأجره على الله، و من أصاب من ذلك شيئاً فعوقب به في الدنيا، فهو كفارةٌ له، و من أصاب من ذلك شيئاً ثم ستره الله، فهو إلى الله إن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبه". فبايعناه على ذلك اهـ". متفق عليه". (مشكوة شريف)(۱)۔

مشائخِ تصوف چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی سب کے یہاں بیعت کا طریقہ یہی ہے اور بہت بڑی مخلوق کو اس کے ذریعہ تزکیۂ باطن ہو کر نسبتِ سلسلہ حاصل ہوتی ہے، اخلاقِ رذیلہ دور ہو کر اخلاقِ فاضلہ نصیب ہوتے ہیں۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ نزیل جوہانسبرگ جنوبی افریقہ ۱۴۱۰/۶/۱۰ھ

= قرأ الآية التي أخذت على النساء: ﴿إذ جاءك المؤمنات﴾ فمن وفیٰ منكم فأجره على الله، و من أصاب من ذلك شيئاً فعوقب به فهو كفارة له، و من أصاب من ذلك شيئاً ثم ستره الله، فهو إلى الله إن شاء غفر له، وإن شاء عذبه". أخرجه في الصحيحين". (تفسير ابن كثير: ۴/۴۵۳، مكتبه دارالسلام الرياض)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۳، قديمي)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۳، قديمي)

(وكذا رواه البخاري أيضاً في كتاب الإيمان، باب بدون ترجمة: ۱/۷، قديمي)

پیر یا ولی کی ضرورت

سوال[۱۵۲۹]: ۱...... کیا خدا تک پہونچنے کے لئے پیر یا ولی کا سہارا ضروری ہے؟

۲...... جب خداوند کریم شہ رگ سے بھی زائد قریب ہے تو سہارے کی ضرورت کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر راستہ بغیر پیر اور ولی کے معلوم ہو اور چلنے کی قدرت بھی ہو تو پھر واسطہ ضروری نہیں جیسے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال ہوتا ہے۔

۲...... اس لئے کہ نہ اس کا ادراک ہے اور نہ ادراک کا طریقہ معلوم، کتنے انسان ایسے ہیں جو اپنی شہ رگ کو بھی نہیں جانتے تو وہ اور اوصاف وصفات وخواص کو کیا جانیں گے۔ فقط. واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۱۷ھ۔

مقاصدِ بیعت

سوال[۱۵۳۰]: کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا کیا مطلب ہوا کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیعت کے مقاصد متعدد ہوتے ہیں(۱):

۱- توبہ کرنا: جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ طالب کسی بزرگ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا اور ان بزرگ کو اپنی توبہ کا گواہ بناتا ہے اور ان سے دعا وتوبہ کا خواستگار ہوتا ہے جس کی برکت سے اپنی توبہ پر قائم رہے۔

۲- تبرک: جس کا یہ حاصل ہے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر محض داخلِ سلسلہ ہونے کے لئے بیعت ہو جائے کہ ان بزرگ اور ان کے سلسلہ سے محبت ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگ کے ساتھ قیامت کو محشور فرمائے،

---

(۱) "اعلم أن البيعة المتوارثة بين الصوفية على وجوه: أحدها: بيعة التوبة من المعاصي، والثاني: بيعة التبرك في سلسلة الصالحين" اهـ. (القول الجميل، الفصل الثاني، سنة البيعة، ص: ۱۱۲، كلكته)

(کلیات امدادیہ، رسالہ ضیاء القلوب، ص: ۱۰، دار الاشاعت کراچی)

نابالغ بچوں کو عامۃً اسی مقصد کے لئے بیعت کرا دیا جاتا ہے۔

۳-جہاد: جس کا حاصل یہ ہے کہ اعلائے دین کے لئے خدائے پاک کے دی ہوئی تمام صلاحیتوں اور قوتوں: جان، مال، عزت، طاقت وغیرہ کو خدا کے راستے میں ان بزرگ کی تجویز کے مطابق خرچ کرنا۔

۴-سلوک: جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی معرفت ورضامندی حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں حائل ہونے والے اخلاقِ رذیلہ واعمالِ سیئہ کو چھوڑ کر اخلاقِ فاضلہ واعمالِ صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرنا اور جس قدر مجاہدہ وریاضت، تزکیۂ نفس، واصلاحِ نفس کے لئے شیخ تجویز کریں اس کو بطیبِ خاطر اختیار کرنا جس سے نفس کو فانی مالوفات کی بے محل رغبت باقی نہ رہے، بلکہ خدائے پاک کی ذات وصفات سے گہرا اور دائمی تعلق واستحضار قائم ہوجائے، شیخ اپنے مشائخ کے واسطہ سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے۔

کیا بیعت کے بغیر کامل اصلاح نہیں ہوسکتی؟

سوال[۱۵۳۱]: کسی بزرگ سے تعلق قائم کئے بغیر کیا براہ راست شریعت پر عمل کر کے کامل اصلاح نہیں ہوسکتی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی ولی کامل سے رابطہ قائم کئے بغیر اول تو عامۃً پوری طرح احکامِ شریعت پر عمل ہوتا ہی نہیں، دوسرے اس میں اخلاص نہیں پیدا ہوتا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہلم جراً رابطہ قائم کیا اور بیعت ہوئے اور یہ بیعت صرف امر خلافت میں اطاعت کے لئے نہیں تھی، بلکہ تزکیۂ باطن کے استحکام کے لئے بھی ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے اکابر علماء نے باوجود مہارت علمیہ کے بیعت کی ضرورت محسوس کی (۱) جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خاندان کے علماء کا حال معلوم ہے۔ اخیر دور میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا نانوتوی، مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم نے

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟'' وتحت عنوان: ''کیا شیخ صالح کے ہاتھ بیعت ضروری ہے؟'')

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی ضرورت سمجھی اوراس بیعت کی بدولت بہت کچھ باطنی منافع حاصل کئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کیا شیخ صالح کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے؟

سوال[۱۵۳۲]: کیا کسی شیخ صالح کے ہاتھ پرتوبہ کرلینا شرعاً ضروری ہے؟ اگر شیخ صالح نظر نہیں آتا تو پھر کیا کیا جائے؟ کسی جعفری، رضوی، صدیقی وغیرہ کی بھی شرط ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ بغیر توبہ کے مرجاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا؟ تصوف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر توبہ مرجانا جاہلیت کی موت ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

توبہ قبول ہونے کے لئے تو یہ ضروری نہیں کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر ہی توبہ کی جائے، ہرایک کا معاملہ براہ راست اپنے خدا سے ہے(۱)، لیکن شیخ صالح کی برکت اور توجہ سے توبہ پر استقامت نصیب ہوتی ہے ورنہ بسااوقات آدمی اپنی توبہ توڑ دیتا ہے(۲)، بغیر توبہ کے دنیا سے جانا بہت بڑی محرومی ہے، توبہ ہمیشہ ہی کرتے رہنا چاہئے، قرآن پاک اور حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے:﴿یاأ یھاالذین آمنوا توبوا إلی اللہ﴾(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "یقول تعالیٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه﴾: أی إنمایعود نفع ذلک علی نفسه ﴿و من أساء فعلیها﴾ إنمایرجع وبال ذلک علیه". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۳۲، دار السلام، ریاض)

(۲) "ولیتیسّر ذلک إلا بالمعاهدة علی ید شیخ کامل قد جاهد نفسه و خالف هواه .... و من ظن من نفسه أنه یظفر بذلک بمجرد العلم و درس الکتب، فقد ضل ضلالاً بعیداً، فکماأن العلم بالتعلم من العلماء، فکذلک الخُلق بالتخلق علی ید العرفاء". (إعلاء السنن، باب الزهد والورع: ۱۸/۴۴۳، إدارة القرآن کراچی)

(۳) (سورة التحریم: ۸)

و قال الإمام ابن کثیر: "عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: "التوبة النصوح أن یتوب من الذنب ثم لایعود فیه، أو لایرید أن یعود فیه". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۰۳، دار السلام ریاض)

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "قال الله =

کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟

سوال[۱۵۳۳]: پیر بنانا کیسا ہے؟ فرض ہے یا واجب یا سنت؟ اگر کوئی شخص پیر نہ بنائے اور راہ سنت پر احکامِ خداوندی کے مطابق زندگی گزارے تو کیا وہ جنت میں نہیں جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے راہ سنت پر چلنا اور احکام خداوندی کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوجاتا ہے (۱)۔ اگر کسی کو اللہ پاک نے یہ دولت عطا فرمادی اور اس نے کسی کو پیر نہیں بنایا تو وہ جنت کا مستحق کیوں نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت کرنا

سوال[۱۵۳۴]: بزرگوں کے یہاں یہ دستور ہے کہ مرید ہونے والے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر بیعت کرتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے کیا اس کے بغیر بیعت نامکمل رہتی ہیں؟

= عزوجل: (أنا عند ظن عبدي بي، و أنا معه حيث يذكرني) والله، لله أفرح بتوبة عبده من أحدكم يجد ضالته بالفلاة اهـ". و قال الشيخ تقي العثماني في شرح هذا الحديث: "معنى الحديث أن الله أرضى بالتوبة و أقبل له اهـ". (تكملة فتح الملهم، كتاب التوبة: ۶/۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) "اعلم أن البيعة سنة و ليست بواجبة .... و لم يدل دليل على تأثيم تاركها، ولم ينكر أحد على تاركها". (القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۱۲، كلكته)

وقال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "وبالجملة فالتصوف عبارة عن عمارة الظاهر والباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، و أما عمارة الباطن فبذكر الله و ترك الركون إلى ماسواه ...... و كان يتيسر ذلك للسلف بمجرد الصحبة الخ". (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف والإحسان: ۴۳۸/۱۸، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "اگر وہ شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرتا رہا تو اس کو صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی کا مرید نہیں تھا، کوئی نقصان نہیں ہوگا"۔ (كفايت المفتي، كتاب السلوک: ۱۰۸/۲، دارالاشاعت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہی رہا ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ بیعت کرنا درحقیقت اس مقصد کا عہد کرنا ہے جس کیلئے بیعت کی جاتی ہے اور عہد کرتے وقت عام طور پر ہاتھ میں ہاتھ لیا جاتا ہے(۱) لیکن نفس بیعت بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے بھی منعقد ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: عورتوں کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے ہی بیعت فرمایا کرتے تھے، نامحرم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں (۲)۔ فقط۔

وفاتِ پیر کے بعد دوسرے پیر کی طرف رجوع

سوال[۱۵۳۵]: سلوک کے منازل طے کرنے کے بعد یعنی تعلیمات وغیرہ مکمل ہونے کے بعد، خلافت کے بھی عطا ہونے کے بعد، اپنے پیر کے وصال فرمانے کے بعد کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع ہونا ضروری ہے، کیا ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود تزکیۂ باطن ہے جس کی بدولت احسان وحضور کی کیفیت نصیب ہو جائے خواہ اجازت

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالی: ﴿إن الذین یبایعونک إنما یبایعون اللہ ید اللہ فوق أیدیهم﴾. (سورة الفتح: ۱۰)

وقال الحافظ ابن کثیر: "عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: لمّا أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ببیعة الرضوان کان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی أهل مکة، فبایع الناس، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "اللهم! إن عثمان فی حاجة اللہ تعالی وحاجة رسوله، فضرب بإحدیٰ یدیه علی الأخری اهـ". (تفسیر ابن کثیر: ۲۳۸/۴، دارالسلام ریاض)

(وأخرج هذا الحدیث الدولابی فی "الکنی والأسماء: ۱۳۳/۱، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وابن أبی شیبه فی مصنفه: ۴۶/۱۲، دارالفکر بیروت)

(۲) (سیاتی تخریجه تحت عنوان: "عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت کرنا")

وخلافت عطاء ہو یا نہ ہو، اس کیلئے پوری جد و جہد کی ضرورت ہے، اگر ایک شیخ کی نگرانی میں احسان وحضور کی کیفیت مستحکم نہ ہو اور اجازت وخلافت مل جائے تب بھی کام میں لگے رہنا چاہئے اور شیخ کا انتقال ہو جائے تو پھر دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اگر اسی سلسلے کے دوسرے شیخ ہوں تو بہتر ہے(۱)۔

اگر کوئی شخص اپنے شیخ کی عطا کردہ تعلیمات نیز اجازت وخلافت پر قناعت کر کے بیٹھ جائے اور آگے کوئی ترقی کرنا منظور نہ ہو تب بھی وہ گنہ گار نہیں، صوفیاء کا مقولہ مشہور ہے۔

شعر ۔

اے برادر بے نہایت گہیست   پر چہ بروئے می رسی بروے مایست

اکابرین میں بھی دونوں قسم کے ذوق کے حضرات گزرے ہیں اور موجود بھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۷/۱۴۰۶ھ۔

ایک بزرگ کے بعد دوسرے سے بیعت کرنا

سوال[۱۵۳۶]: اگر کوئی شخص ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا اور پھر کچھ دونوں کے بعد اپنی کم فہمی یا کسی دوست کے کہنے سے دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا، بعد بیعت ہونے کے اس کو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ سے بیعت ہونے بعد دوسرے بزرگ سے بیعت نہیں ہونا چاہیئے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے جبکہ وہ دوسرے بزرگ سے بیعت ہو گیا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص استخارہ کرے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، اب جس سے نفع پہونچنا میرے لئے مقدر ہے میرے دل میں اس کو ڈالدے اور اس سے نفع پہونچا اور دوسرے کی طرف سے میرے دل کو اس مقصد سے خالی

---

(۱) "فإن كان بظهور خلل فيمن بايعه فلابأس، وكذلك بعد موته أو غيبة منقطعة، وأ مابلاعذر فإنه يشبه المتلاعب ويذهب بالبركة ويصرف قلوب الشيوخ عن تعهده". (القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۲، كلكته)

"ولابأس أن يلقنه فيقول: قل: اخترت الطريقة النقشبندية أو القادرية أو الجشتية الخ". (القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۱۲، كلكته)

فرما، پھر دل کا رجحان جس کی طرف ہو اس کی خدمت میں جاتا رہے اور ہدایات پر عمل کرتا رہے، دوسرے سے بھی بدظن نہ ہو، نہ بدگوئی کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

متعدد مشائخ سے بیعت

سوال[۱۵۳۷]: ایک شخص متبعِ سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے اس کے بعد کسی دوسرے متبعِ سنت شیخ سے مرید ہوتا ہے، شیخِ ثانی نے قبل بیعت اس سے دریافت کیا کہ کہیں مرید تو نہیں؟ تب اس شخص نے جھوٹ بولا اور کہا کہ نہیں، (الف) اس جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس شخص مذکور کی بیعت اول تو نہیں ٹوٹی؟ (ب) اور شیخ ثانی سے بیعت صحیح ہوگئی یا نہیں؟ (س) بعد تسلیم بیعت ثانی جھوٹ بولنے کے گناہ کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) جھوٹ بولنا گناہ ہے (۱) بیعت ہوتے وقت سب گناہوں سے توبہ کی جاتی ہے اور عہد کیا جاتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں کروں گا اور یہ بھی کہ اگر گناہ ہوگیا تو توبہ کروں گا، گناہ کرنا خلاف عہد ہے مگر توبہ کرنے سے بیعت باقی رہ جاتی ہے، فسخ نہیں ہو جاتی (۲)، پس اگر شخص مذکور نے توبہ کرلی تو بیعت سابق باقی ہے۔

(ب) بیعت، ایک قسم بیعت توبہ ہے، وہ شیخِ ثانی بلکہ ثالث ورابع وغیرہ سے بھی درست ہے، کیونکہ

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان". (صحيح البخاري، باب علامة المنافق، كتاب الإيمان: ۱/۱۰، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامة النفاق: ۱/۳۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "ارتکاب کبائر سے بیعت فسخ نہیں ہوتی"۔ (تربیت السالک: ۱/۳۹، دار الاشاعت کراچی)

"وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل بني آدم خطأ وخير الخطائين التوابون". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، كتاب الدعوات: ۱/۴۳۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(ومسند الإمام أحمد: ۳/۱۹۸، دار احياء التراث، بيروت)

اس کا حاصل تجدید توبہ ہے جس کا بار بار کرتے رہنا نصوص سے ثابت ہے:"کلکم خطأ ؤن وخیر الخطائین التوابون" (الحدیث) نماز اور خارج نماز میں بکثرت توبہ واستغفار منقول ہے، کسی شیخ کے ہاتھ پر توبہ کرنے سے زیادہ خیال رہتا ہے، بیعت مجاہدہ وریاضت میں ایک ہی شیخ سے عادۃً نفع ہوتا ہے (س) اس کی تلافی توبہ واستغفار ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

کیا محض عقیدت کی بنا پر کسی کو مرید کہا جا سکتا ہے؟

سوال[۱۵۳۸]: حضرت سید محمد المعروف بہ پیر محمد شاہ المتخلص اقدس بن شاہ امین الدین بن شاہ علاء الدین قادری حسنی حسینی قدس سرہ ایک باکمال ولایت ذات بزرگ احمد آباد زین البلاد میں گزرے ہیں جن کا مزار بھی اسی جگہ واقع ہے، آپ کو متفرق خانوادوں سے خرقۂ خلافت حاصل تھا اور زیادہ تر قادریہ سلسلہ میں تحریر کرتے تھے۔ آپ نے کسی کو اپنا جانشین یا خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اس لئے آپ کی وفات ۱۱۶۳ھ کے بعد آپ کا سلسلہ پیری مریدی ختم ہو جانا چاہئے، لیکن معرفت آگاہ حضرت پیر محمد شاہ صاحب کی سوانح عمری (مذکورہ اقدس) جو مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی بہ ایمائے جناب شیخ احمد بن شیخ حافظ محمد عثمان کمکوری والے، صدر انتظامیہ کمیٹی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ بقید تحریر لائے ہیں اس میں مولانا موصوف ص:۵۵ پر حضرت پیر محمد شاہ کے مریدین کے سلسلہ میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"اب قدرتی امر ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایک سوال پیدا ہوا کہ مریدین کس کو کہتے ہیں جب کہ قبر سے مرید نہیں ہوتے اور آپ کا خلیفہ کوئی ہے نہیں تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ ہر شخص جو حضرت کا عقیدت مند اور ارادت مند ہو وہ مرید تھے، چنانچہ مریدین حضرات آپ کے اس شعر سے بھی سند لاتے ہیں۔

گرلے در پیر خالی شدہ   مثل اقدس ہست شاہ بے وزیر

---

(۱) "وعن عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الدعوات، باب التوبة والاستغفار: ۱/ ۲۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

اس شعر کے معنی کچھ بھی ہوں مگر ان کے عقیدت مندوں کا خیال یہ ہے کہ آخری مصرع سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کا کوئی وزیر یعنی خلیفہ نہ ہوگا، فقط عقیدت کافی ہے۔ لیکن جس زمانہ میں یہ کمیٹی بنی ہے میرے خیال میں مریدوں کی اصطلاح کردی گئی ہے یعنی ہر وہ شخص جس کے آباء واجداد میں سے کوئی حضرت اقدس کا مرید ہوا ہے اور نسلاً بعد نسل یہ ارادت آج تک چلی آئی ہے"۔ لہذا مذکورہ بالا اقتباس، نیز عقائدِ ارادت مندان پیر سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱......مرید کس کو کہتے ہیں؟

۲......کیا کسی مرید کی اولاد میں سے کوئی شخص جو حضرت اقدس کا مرید نہ ہوا ہو مرید کہلا سکتا ہے؟

۳......کیا ارادت مندی کی بنا پر کسی کو کسی بزرگ کا مرید کہہ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً :

۱......جو کسی سے تعلق اصلاح وعقیدت رکھتا ہو اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے یا اس سے اصلاح نفس اور تزکیہ اخلاق میں تربیت کا تعلق رکھتا ہو(۱)۔

۲......جس نے بیعت نہیں کی وہ اصطلاح میں مرید نہیں کہلاتا۔

۳......جب تک تعلقِ بیعت واصلاح نہ ہو محض ارادت کی بنا پر اصطلاحاً اس کو مرید نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاجی امداداللہ صاحب کے مریدین میں کیا مولوی احمد رضا بھی ہیں؟

سوال[۱۵۴۹]: حضرت حاجی شاہ امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے کتنے جید مرید تھے؟ مولوی احمد رضا خان بریلوی بھی ان کے مریدوں میں سے تھے؟ کیا بحیثیت علم کے مثلاً: حدیث، فقہ، تفسیر ودرس کے حاجی

(۱) "اعلم أن البيعة المتوارثة بين الصوفية على وجوه: أحدها بيعة التوبة من المعاصي الخ". (القول الجميل : الفصل الثاني ص:۱۲، كلكته)

وفي إعلاء السنن : "تزكية الأخلاق من أهم الأمور عند القوم......... و لا يتيسر ذلك إلا بالمجاهدة على يد شيخ كامل قد جاهد نفسه و خالف هواه". (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف، باب الترهيب عن مساوى الأخلاق: ۱۸/ ۴۴۲، ۴۴۳، ادارة القرآن)

صاحب کا پایہ علم میں مولانا حاجی حافظ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ ومولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ بانی مدرسہ دیوبند وحضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ سے زیادہ تھا، یا حاجی صاحب کا پایہ صرف فقراور بزرگی اور پیری ومرشدی میں بڑا تھااور علم شرعی میں پایہ اپنے مریدوں سے کم تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

مولوی احمد رضا خان صاحب جہاں تک مجھے علم ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید نہیں تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے بڑے بڑے مریدین وخلفاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ بعض حضرات ان میں سے بیعت بھی حاجی صاحب سے ہوئے اور خلافت بھی ان کو حاصل ہوئی، بعض صرف بیعت ہوئے اور پھر خلافت ان کو حضرت حاجی صاحب کے بعض خلفاء سے حاصل ہوئی اور بعض بیعت ہوئے حضرت حاجی صاحب کے بعض خلفاء سے پھر خلافت ان کو حاصل ہوئی حضرت حاجی صاحب سے (۱)۔

پایہ اور مرتبہ بیان کرنا بڑوں کا کام ہے۔ امداد المشتاق، ضیاء القلوب، مرقومات امداد، شمائم امدادیہ وغیرہ (۲) کے مطالعہ سے ممکن ہے کہ شاید آپ بھی کچھ سمجھ لیں اور پوری کیفیت بغیر نورِ قلبی معلوم نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بیعت کے بعد پھر ارتکابِ معاصی

سوال [۱۵۴۰]: میرا ایک دوست ہے وہ سنگاپور میں رہتا ہے، اس کے خاندان کے لوگ ہندوستان میں ہیں، زمانۂ دراز سے بری صحبت میں پڑ کر بگڑ گیا، شراب نوشی، زناکاری، حتی کہ جتنی برائیاں ہیں سب اس میں تھیں، دوسال قبل وہ ہندوستان گیا تھا وہاں پر ایک بزرگ سے بیعت ہوا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی مگر یہاں سنگاپور

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلفاء" تالیف: ڈاکٹر فیوض الرحمٰن، مجلس نشریات اسلام کراچی)

(۲) (کلیات امدادیہ، مصنفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، دارالاشاعت میں یہ رسائل موجود ہیں)

آنے پر اسی سوسائٹی سے ملنے جلنے پر پھر اسی پرانی عادتوں کا شکار ہو گیا یعنی جتنی برائیاں تھیں پھر ان سب کا مرتکب ہو گیا، پھر اب اس کو ہوش آیا ہے اور توبہ کر کے نماز کا پابند ہے اور رمضان کے روزے بھی رکھ رہا ہے۔ اب وہ یہ کہہ رہا ہے کہ جو بیعت ہوا تھا اس کا کیا حشر ہوگا، یعنی اس کی بیعت برقرار رہے گی یا ٹوٹ گئی؟ کیا پھر اس عالم بزرگ پیر سے سب کچھ کہہ کر بیعت ہو یا اس کی بیعت برقرار رہے گی؟ اس بارے میں جو حکم ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدائے پاک کے سامنے توبہ کرتا رہے(۱) اور ان عالم بزرگ کو اگر وہ حیات ہوں ورنہ ان کے جانشین کو خط لکھ کر دریافت کرلے کہ جن چیزوں سے توبہ کی تھی پھر وہ چیزیں سرزد ہو گئیں، فی الحال خط کے ذریعہ سے بیعت دوبارہ قبول کرلیں، موقع ملنے پر حاضر ہو کر تجدیدِ بیعت کرلوں گا، اللہ تعالیٰ پختہ توبہ نصیب فرمائے (۲)۔ آمین! فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۷ھ۔

کیا مرید اور شاگرد میں فرق ہے؟

سوال[۱۵۴۱]: ۱...... مرید اور شاگرد میں کیا فرق ہے؟ کیا شاگرد مرید کے زمرے میں ہوتا ہے؟

۲...... زید کے ہاتھ پر بیعت ہونا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱...... شاگرد عرفاً وہ کہلاتا ہے جو استاذ سے علم پڑھتا ہے، مرید وہ ہے جو پیر کے ہاتھ پر توبہ کرے اور گناہوں سے بچنے کا عہد کرے اور احکام خداوندی پر عمل کا وعدہ کرے اور اپنے نفس کی اصلاح پیر کے بتائے ہوئے طریقہ پر کرتا ہو(۳)۔ ہر شاگرد مرید نہیں ہوتا ہر مرید شاگرد ہوتا ہے، بعض میں دونوں باتیں ہوتی ہیں۔

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "التائب من الذنب کمن لا ذنب له". (مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبہ : ۱/۴۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "اس سے بیعت تو نہیں ٹوٹتی، مگر اس کی برکت جاتی رہتی ہے، جیسے کوئی سخت بد پرہیزی کرلے تو اس کی حیات تو منقطع نہیں ہوتی، مگر صحت اور قوت بعض اوقات ایسی برباد ہو جاتی ہے کہ موت سے بدتر حالت ہو جاتی ہے"۔ (تربیت السالک، حصہ اول: ۱/۱۱۳، دارالاشاعت)

(۳) (سیأتی تخریجه تحت عنوان : "حکم بیعت") .... =

۲......اگر اس میں شرائط موجود ہوں، تو اس قسم کی بیعت جائز ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''قول جمیل'' (۱) کے حوالہ سے پیرِ طریقت کے لئے پانچ شرطیں بیان کی ہیں:

''مرید شدن از آنکس درست است که در آن پانچ شرائط متحقق باشد: شرطِ اول: علمِ کتاب و سنتِ رسول داشته باشد، خواه خوانده باشد، خواه از عالم یاد داشته باشد. شرطِ دوم: آن که موصوف بعدالت و تقوی باشد، و اجتناب از کبائر و عدمِ اصرار بر صغائر نماید. و شرطِ سوم: آنکه بے رغبت از دنیا و راغب در آخرت باشد، و بر طاعاتِ مؤکده و اذکارِ منقوله -که در احادیثِ صحیحه آمده اند- مداومت نماید. شرطِ چهارم: امر بالمعروف و نهی از منکر کرده باشد. و شرطِ پنجم: آنکه از مشایخ این امر گرفته باشد، و صحبتِ معتدبها ایشان نموده باشد، پس هر گاه این شروط در شخصے متحقق شوند، مرید شدن از آنکس درست است''. فتاوی عزیزی: ۱۰۲/۲ (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۱۶ھ۔

حکمِ بیعت

سوال [۱۵۴۲]: بیعت ہونے کی کیا شرطیں ہیں اور کیسے آدمی سے بیعت ہونا چاہئے اور بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ جو بغیر بیعت کے مرجائے گا اس کی شفاعت نہ ہوگی اور شریعت اور طریقت کا رشتہ الگ الگ ہے، یہ بھی بعض جاہل فقیر ہی کہتے ہیں کہ اللہ میں فقیر اور فقیر میں اللہ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جاہل فقیروں کا یہ مقولہ الحاد و زندقہ ہے، شریعت طریقت کا رشتہ الگ الگ ہونے کا مطلب

---

(۱) ''البيعة المتوارثة بين الصوفية على وجوه: أحدها بيعة التوبة من المعاصي، والثاني: بيعة التبرك في سلسلة الصالحين اهـ''. (القول الجميل، الفصل الثاني، ص: ۱۹، كلكته)

(۲) (فتاوی عزیزی، جواب سوالِ سوم: ۱۰۲/۲، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، یوپی)

کیا ہے(۱)۔ بیعت ہونے کے لئے پیر کی ضرورت ہے، اس کی شرطیں ''امداد السالکین، القول الجمیل، التکشف'' میں دیکھئے (۲) اس مختصر سی جگہ میں نہیں آسکتی۔ شفاعت ہر مسلم کی ہوگی، مقدم ومؤخر کا فرق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بیعت کا حکم

سوال [۱۵۴۳]: پیر کامل سے مرید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عقائد حسنہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ کی تحصیل ہر شخص پر واجب ہے خواہ اساتذہ سے، خواہ کتابوں سے پڑھ کر یا بزرگانِ دین کی صحبت میں رہ کر ہو یا خواہ بذریعہ مطالعہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جو حضرات بحالتِ ایمان حاضر ہوئے تو برکتِ صحبت سے ان کو یہ چیز حاصل ہوگئی، ان کے باطن میں ایک نور پیدا ہوگیا جس کے ذریعہ سے وہ حضرات حق و باطل، صحیح وغلط میں بے تکلف فرق کر لیتے تھے، اتنا تقویٰ

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: "الطريقة سلوك طريق الشريعة، والشريعة أعمال شرعية محدودة، و هما والحقيقة ثلاثة متلازمة". (ردالمحتار، المقدمة: ۱/۲۰، سعيد)

"ظاهر را بظاهرِ شريعت و باطن را بباطنِ شريعت كه عبارت از حقيقت است، متجلي و متزين دارند، چه حقيقت و طريقت عبارت از حقيقتِ شريعت است، وطريقت آن حقيقت نه آنكه شريعت امرے ديگر است، و طريقت و حقيقت ديگر كه الحاد و زندقه است". (مكتوباتِ امام رباني، دفتر اول، مكتوب: ۵۷، ۱/۷۳)

(وكذا في المرقاة شرح مشكوة: ۱/۵۲۲، كتاب العلم، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) لما قال الشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله تعالىٰ: " فشرط من يأخذ البيعة أمورٌ: أحدها علم الكتاب والسنة، والشرط الثاني: العدالة والتقوىٰ، والشرط الثالث: أن يكون زاهداً في الدنيا راغباً في الآخرة، والشرط الرابع: أن يكون آمراً بالمعروف ناهياً عن المنكر، والشرط الخامس: أن يكون صحب المشايخ و تأدب بهم دهراً طويلاً، وأخذ منهم نورالباطن والسكينة". (شفاء العليل ترجمة القول الجميل، ص: ۲۳ - ۳۰، الفصل الأول، حکمت بیعت)

(وكذا في مكتوبات شاه غلام علي، ص: ۱۰۹، مكتوب هشتاد و پنجم، (رساله اول)

(وكذا في مرصاد العباد للشيخ نجم الدين كبيرىٰ، ص: ۱۵۸)

قلب میں پیدا ہوجاتا تھا کہ عمومی حالات میں بھی نفس وشیطان پر قابو رکھتے تھے، بعد میں آپ کے خلفاء اور دیگر صحابہ کے فیضِ صحبت سے دوسروں کو اس نوع کا نفع حاصل ہوتا رہا، پھر بعد زمانہ اور تغیرِ ماحول کی بنا پر اس مقصد کی تحصیل کے لئے مجاہدہ وریاضت کی ضرورت پیش آئی۔

جن حضرات نے اس نسبت کو حاصل کیا اب بھی ان کی صحبت سے بہت نفع پہونچتا ہے اور اب اس دور میں عمومی استعداد اتنی ضعیف ہوچکی ہے کہ بغیر پیر کامل سے رابطہ کئے اور بغیر ان کی ہدایت پر عمل کئے اخلاقِ رذیلہ زائل نہیں ہوتے اور اخلاق فاضلہ حاصل نہیں ہوتے، تاہم آج بھی کوئی سلیم الفطرۃ (جو لاکھوں میں سے ایک ہوگا) اپنے عقائد، اخلاق، اعمال کو حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق خود ہی بنالے تو اس کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

جواب صحیح ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود بیعت سنت ضرور ہے، اس کی سنیت سے انکار درست نہ ہوگا۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا

سوال[۱۵۴۴]: جس پیر کے سامنے غیر محرم عورتیں بے پردہ آتی ہوں اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہوتی ہو، ایسا پیر عندالشرع پیر کہلانے کا مستحق ہے یا شیطان ہے، ایسے پیر کی عزت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کی سعادت نصیب ہوجاوے، جو شخص خود خلاف سنت کام کرتا ہو، یہاں تک کہ بیعت بھی خلاف سنت کرتا ہو، اس سے بیعت ہو کر تو سارے ہی کام خلاف سنت ہوں گے اور کبھی بھی اتباع سنت کی توفیق نہ ہوگی، ایسے شخص کو پیر نہ بنایا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی نامحرم عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے

---

(۱) (مر تخریجہ تحت عنوان: "کیا بیعت ہونا ضروری ہے")

کر بیعت نہیں فرمایا اور پردہ کی بہت سخت تاکید فرمائی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نامحرم کا ہاتھ پکڑ کر مرید کرنا

سوال[۱۵۴۵]: ایک شخص عورتوں کو مرید کرتا ہے عورتیں بے پردہ ہو کر مرید ہوتی ہیں اور ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے کہ خوب زور سے پکڑو، پاؤں دبواتا ہے، سر میں تیل لگواتا ہے۔ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا شخص فاسق ہے اس سے بیعت ہونا ناجائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا، کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیکر بیعت نہیں فرمایا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورت کا مرید کرنا

سوال[۱۵۴۶]: عورتوں کے اجتماع میں اس مسئلہ پر بڑی کش مکش چل رہی ہے، ایک فریق کہتا ہے کہ پیری مریدی مرد عورت دونوں کیلئے جائز ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ صرف مردوں کیلئے درست ہے، تیسرا فریق کہتا ہے کہ پیری مریدی نہ عورتوں کیلئے درست ہے نہ مردوں کیلئے۔اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

---

(۱) "وعن عائشه رضي الله عنهازوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمتحن من هاجر إليه من المؤ منات بهذه الآية: ﴿يأيهاالذين آمنو إذاجاءك المئومنات يبايعنك (إلى قوله) غفور رحيم﴾ قال عروة: إن عائشة رضي الله عنهافمن أقر بهذاالشرط من المؤ منات قال لهارسول الله: "قد بايعتك". كلاماً، و-لاوالله- مامست يده يدامرأة في المبايعة". الحديث (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب قول الله: (ولاتنكحوا المشركات) : ۲/۷۹۶،قديمي)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح مردوں سے جہاد اور اسلام کے علاوہ تزکیۂ باطن کی بیعت لی اسی طرح عورتوں سے بھی تزکیۂ باطن اور تعمیر ظاہر، امتثالِ اوامر اور اجتنابِ نواہی پر بیعت لی، لیکن بیعت کے دوران جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ مبارک نہیں لگایا، كما تقدم في الحاشية الأولى، بلکہ اگر کسی نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کے لئے عرض بھی کیا لیکن حضرت نے انکار فرمایا، كما قال العلامة الآلوسيؒ: "قلنا : الله ورسوله أرحم بنامن أنفسنا، يارسول الله! ألاتصافحنا؟ قال: "لاأصافح النساء.......... اهـ". (روح المعاني: ۲۸/۸۱، تحت آية البقرة ، رقم: ۱۲)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلاحِ نفس کی ضرورت مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے، اسی مقصد کیلئے مرید ہونے کی ضرورت ہوتی ہے (۱)، مگر دوسروں کی اصلاح کرنا اور مرید کرکے ذکر وشغل کی تلقین کرنا یہ کام مردوں کیلئے مخصوص ہے، معمولی باتوں کا مشورہ عورت بھی دے سکتی ہے، مرید نہیں کرسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

عورت سے بیعت

سوال [۷۵۴۱]: عورتوں کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی، خلفائے راشدین اور بعد کے اکابر اہل اللہ کے یہاں بھی یہ دستور نہیں ملتا، اس لئے عورت کو پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۲ھ۔

---

(۱) "وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحو له عصابة من أصحابه: "بايعوني على أن لاتشركوا بالله شيئاً، ولاتسرقوا، ولاتزنوا، ولاتقتلوا أولادكم".

(مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۳ قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب بدون ترجمه: ۱/۷، قديمي)

وقال الله تعالى: ﴿يأيها النبي اذاجاءك المؤمنات يبايعنك على أن لايشركن بالله شيئاً ولايسرقن ولايزنين﴾ الايه. (سورة الممتحنه، آيت: ۱۲)

(۲) "حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اخذِ بیعت اہلِ تصوف کے نزدیک عورت کو درست نہیں، مگر ہاں کسی کو شغل وظیفہ بتادینا جائز ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۱۹۳، سعید)

اخلاق بلاعبادت اورعبادت بلااخلاق کا تقابل

سوال[۱۵۴۸]: ایک شخص مسلمان ہے، ازروئے عقیدہ پختہ حنفی المذہب ہے، قرآن پاک کی تلاوت مع ترجمہ خوب کرتا ہے، نیک خصلت ہے، جھوٹ سے نفرت ہے، معصیت وبداخلاقی سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان بہت کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی عادت رذیلہ نہ اس سے دیکھی گئی نہ سنی گئی، مگر اصل چیز نماز روزہ سے غافل ہے یعنی تارک ہے۔

دوسرا شخص بھی مسلمان ہے، پختہ حنفی ہے، اصل چیز نماز روزہ میں چوکس ہے، پیشانی پر نماز کے نشانات بھی موجود رہتے ہیں، ریش مبارک بھی ہے، مرید بھی ہے خلافت بھی حاصل ہے مگر جھوٹ بہت بولتا ہے، جھوٹی گواہی دیتا ہے، یتیم کا مال خوب کھاتا ہے، وعدہ خلافی اس کا شعار ہے، جس سے قرض لیتا ہے ادانہیں کرتا ہے، غرضیکہ بداخلاقی کا پتلہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ بحالت موجودہ کون اچھا ہے، کون ترجیح کے قابل ہے؟ اولٹ کر ملاحظہ فرمایئے۔

۲......معیارِ نبوت اخلاق ہیں یا عبادت؟

۳......اخلاق کو عبادت پر فوقیت ہے یا عبادات کو اخلاق پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز دین کا ستون ہے(۱)۔ جو شخص نماز کا تارک ہے وہ بہت بڑی معصیت میں مبتلا ہے(۲) حتی کہ اگر عمداً چھوڑ دے اور قضاء کی نیت نہ ہو اور خوف عقاب بھی نہ ہو تو کفر تک نوبت پہونچ جاتی ہے(۳) پھر ایسے

---

(۱)"الصلوة عماد الدين". (الكاف الشاف في تخريج أحاديث الكشاف لابن حجر) (ولدرر المنتشرة للسيوطي، ص:۱۰۴)

(۲)"وعن بريدة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "العهد الذى بيننا وبينهم الصلوٰة، فمن تركها فقد كفر". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، ص:۸۵، قديمي)

"ان بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۱/۶۱، قديمي)

(۳) "وأما تارك الصلاة فإن كان منكراً لوجوبها، فهو كافر بإجماع المسلمين خارج عن ملة الإسلام، إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام ...... وإن كان تركه تكاسلاً مع اعتقاده وجوبها كما هو حال كثير من =

شخص کو یہ کہنا کہ معصیت و بداخلاقی سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان بہت کوشش کرتا ہے قرین قیاس نہیں (۱)۔ جہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے اور اوصافِ حسنہ جھوٹ سے نفرت وغیرہ دئے ہیں، اس کو چاہئے کہ نماز کی بھی پابندی کرے (۲)۔ اسی طرح روزہ نہ رکھنا کبیرہ گناہ ہے، اس کی پابندی بھی فرض عین ہے (۳)۔ بغیر نماز روزہ وغیرہ عبادات کئے محض خوش اخلاقی عذاب سے نجات کے لئے کافی نہیں (۴)۔

= الناس فقد اختلف العلماء فيه الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/۶۱، قديمی)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (مرقاة المفاتيح: ۲/۲۷۲، بيروت جديد)

"وكذلك كان رأى أهل العلم من لدن النبي صلى الله عليه وسلم أن تارك الصلاة عمداً من غير عذر حتى يذهب وقتها كافر، وقال أيوب: ترك الصلاة كفرٌ لا يختلف فيه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر: ۱/۲۲۰، دارالفكر بيروت)

(۱) "عن نافع مولى عبد الله بن عمر أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كتب إلى عُمّاله: "إن أهم أمركم عندي الصلاة، فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه، فمن ضيعها فهو لما سواها أضيع". (المؤطا، كتاب وقوت الصلوة، باب: ۱، ۱/۶، دار إحياء بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتا﴾. (سورة النساء، پ: ۵، آية: ۱۰۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد في السموات والأرض وعشياً وحين تظهرون﴾. (سورة الروم، پ: ۲۱، آية: ۱۷، ۱۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أقيمو الصلاة﴾. (البقرة، پ: ۱، آية: ۴۳)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يآيها الذين امنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم، لعلكم تتقون﴾. (سورة البقره، پ: ۲، آية: ۱۸۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (سورة البقرة، پ: ۲، آية: ۱۸۳)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صلوا خمسكم، وصوموا شهركم، وأدوا زكوة أموالكم، واطيعوا ذا أمركم، تدخلوا جنة ربكم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، ص: ۵۸، قديمی)

(۴) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يقول الله تعالىٰ: (أنا عند ظن عبدى بى) اهـ".

قال القارى: "حسن الظن يطلب من العبد في أمر دنياه وفي أمر آخرته، أما أمر دنياه، فأن يكون واثقاً بالله تعالىٰ في إيصال المنافع والمرافق إليه من غير كدٍ ولا سعي، أو بسعي خفيف مأذون فيه ومأجور عليه، وبحيث لايفوته ذلك شيئاً من فرض ولا نفل". (مرقاة المفاتيح: ۵/۳۶، بيروت جديد)

دوسرے شخص کا جھوٹ بولنا یتیم کا مال ناحق کھانا وغیرہ بھی کبیرہ گناہ ہیں (۱)، قیامت میں ہر ہر بات کی باز پرس ہوگی (۲)۔

حقوق العباد سر پر ہوتے ہوئے محض نماز روزہ سے عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا، حقوق العباد جس کے ذمہ ہیں اور ادا نہیں کرتا، اس کی حالت زیادہ خطرناک ہے، اس شخص سے جس کے ذمہ حقوق اللہ ہیں اور حقوق العباد سے سبکدوش ہے (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾ (سورة النساء، پ: ۴، آية: ۱۰)

"آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب الخ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، ص: ۱۷، قديمی)

"لأنهم نصوا على كبائر كثيرة، ولاحد فيها كآكل الربا ومال اليتيم والعقوق ...... وشهادة الزور". (الزواجر عن اقتراف الكبائر: ۸/۱، دارالفكر بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿من يعمل سوءً ا يجزبه﴾. (سورة النساء، پ: ۵، آية: ۱۲۳)

"قال الآلوسي رحمه الله: "عاجلاً أو آجلاً". (روح المعاني: ۱۵۲/۵، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "قال رسول الله صلى الله عيه وسلم: "الغيبة أشد من الزنا"، قالوا: يارسول الله! كيف الغيبة أشد من الزنا؟ قال: "إن الرجل ليزني فيتوب، فيتوب الله عليه". وفي رواية: "فيتوب فيغفر الله له، وإن صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفرها له صاحبه". وفي رواية: "صاحب الزنا يتوب، وصاحب الغيبة ليس له توبة". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، ص: ۴۱۵، الفصل الثالث، قديمی)

قال القاري: "(ليس له توبة): أي غالباً؛ لأنه يحسبه هيناً وهو عند الله عظيم، لكن البلية إذا عمت طابت، أو ليس له توبة مستقلة لتوقف صحتها على رضا صاحبها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشم، الفصل الثالث: ۶۱۰/۸، رشيديه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح النووي على صحيح مسلم: ۳۵۴/۲، قديمی)

۲......اخلاقِ حسنہ وعبادات دونوں میں نبی کے لئے کمال ضروری ہے، عبادات بلا اخلاق یا اخلاق بلا عبادات نبوت کے لئے کافی نہیں (۱)۔

۳......جن کو شریعت نے اخلاقِ حسنہ بتایا ہے وہ عبادات ہی ہیں، پھر فوقیت کا سوال بیکار اور لغو ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ ہذا، ۱۹/شعبان/۵۲ھ۔

"نخلع و نترك من يفجرك" پر عمل کی صورت

سوال[۱۵۴۹]: موجودہ دور میں "نخلع و نترك من يفجرك" پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہیں،

---

(۱) "عن مالك بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "بُعِثتُ لأتمم حسن الأخلاق". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، ص: ۴۳۲، قديمي)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما يطيقون، قالوا: إنا لسنا كهيأتک يا رسول الله! إن الله قد غفرلک ما تقدم من ذنبک وما تأخر، فيغضب حتى يعرف الغضب في وجهه ثم يقول: "إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان: ۱/۷، قديمي)

قال القاري رحمه الله: "قال الإمام فخر الدين تحت قوله تعالىٰ: (أولئک الذين هدى الله فبهداهم اقتده) الآية دالةٌ على فضله عليه الصلاة والسلام؛ لأنه تعالىٰ أمره بالاقتداء بهداهم، ولا بدله من امتثاله لذلک الأمر، فوجب أن يجتمع فيه جميع خصائلهم وأخلاقهم المتفرقة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الرفق والحياد وحسن الخلق، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۵۰۹۶، ۸/۸۱۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإنک لعلى خلق عظيم﴾. (سورة القلم، پ: ۲۹، آية: ۴)

"قالت عائشة رضي الله عنها: كان خلقه القرآن: أي ما فيه من مكارم الأخلاق، وإنما استعظم خلقه؛ لأنه جاد بالكونين وتوكل على خالقهما". (تفسير المدارک: ۴/۲۱۲، قديمي)

"قال ابن عباس: معناه على دين عظيم، لادين أحب إليّ ولا أرضى عندي الخ". (تفسير الخازن: ۴/۳۱۵، حافظ كتب خانه)

(وكذا في التفسير المظهري: ۱۰/۳۱، حافظ كتب خانه)

رہبانیت کے علاوہ اَور صورت بھی ہوسکتی ہے؟ مگر اسلام رہبانیت کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

الجواب حامداً و مصلياً :

مجبور بر حسب استطاعت نکیر کرنے سے اس پر عمل ہو جائے گا (۱)، جیسے کہ اگر بچہ نجاست میں ملوث ہو تو اس کی وجہ سے بچے کو نہیں چھوڑا جاتا، نہ اپنے کو اس کی وجہ سے نجاست میں ملوث کیا جاتا ہے بلکہ حسنِ تدبیر سے اس کی نجاست سے بچتے ہوئے اس کو بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے، یہی تقاضائے شفقت و رحمت ہے اور یہی تقاضائے طہارت و نظافت ہے اور یہی تقاضائے عبودیت و طاعت ہے اور یہی تقاضائے اتباعِ سنت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله ﷺ قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان" .... والمعنى أنه أقلها ثمرةً، فمن غيّر المراتب مع القدرة، كان عاصياً، و من تركها بلا قدرة، أو يرىٰ المفسدة أكثر ويكون منكراً بقلبه، فهو من المؤمنين .... ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، و إذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به .... و شرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۰، ۸۶۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن﴾ الاية (سورة النحل : ۱۲۵)

مایتعلق بمجالس الصوفیة و أُذکارهم

(صوفیاء کی مجالس اوران کے وظائف کا بیان)

ایک پیر صاحب کے وظیفے

سوال[۱۵۵۰]: یہاں چندلوگ ایک فقیر کے مرید ہیں جن کا وظیفۂ ہدایت یہ ہے کہ بعد نماز عشاء جہراًوسراًیہ کہتے ہیں:"أنت الهادی أنت الحق لیس الهادی إلاهو"۔ دوسراوظیفہ یہ کہ "حسبی ربی جلّ الله، مافی قلبی غیر الله، نور محمد صلی الله لاإله إلاالله" تیسراوظیفہ "حسب ربی کل نور ہے،یامحمد ،یارسول الله، لاإله إلاالله "۔ ان کے مریدین جن کوخلیفہ کہتے ہیں وہ فاسق وفاجر ہیں، کہتے ہیں کہ مجھے حالت بیداری میں بزرگانِ دین اولیاء کرام کی زیارت ہوتی ہے اور پیر صاحب عورتوں کو جماعت سے خودنماز پڑھاتے ہیں، روبرو بلاحجاب بٹھلاکر حلقہ کراتے ہیں اور مستورات بآواز بلند چیخ پکارکرتی ہیں۔اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ آج ہمارے حلقہ میں حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، یہ پیر صاحب قادری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ان اوصاف کے حامل بزرگ کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کوذکر جہری کرانا جس سے ان کی آواز نامحرموں تک جائے اوروہ چیخ پکارکریں، نیزان کو بے حجاب سامنے بٹھلاکر حلقہ کرانا سلسلہ قادریہ میں درست نہیں(۱)۔اس سلسلے کے امام حضرت سیدعبدالقادر جیلانی قدس سرہ ہیں، شریعت کے پابند تھے، خلاف سنت امور سے بہت دور تھے۔مذکورہ طریقہ پر حلقہ کرنا ان کے طریقہ کوبدنام کرناہے، حدیث پاک کی مخالفت ہے(۲)۔داڑھی منڈانا حرام ہیں:"یحرم علی الرجل

---

(۱) "أن صوت المرأة عورة". (ردالمحتار: ۳۶۹/۲، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس والدر المختار: ۴۰۶/۱، کتاب الصلوٰة، شروط الصلوٰة، سعید)

(۲) "وعن عائشه رضی الله عنها قالت: کانت المؤمنات إذا هاجرن إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم =

قطع لحیته اھ"۔ در مختار: ۲/۲۶۱ (۱)۔

بیداری میں آنکھیں بند کرکے یا کھول کر جو زیارت ہوتی ہے وہ کشف کی ایک صورت ہے جس کیلئے نہ بزرگ ہونا ضروری ہے، نہ متقی ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں (۲)، میری خود ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جنھوں نے اپنے حالات ایسے بیان کئے ہیں، بعض ہندو اور سکھوں کو بھی ایسی صورت پیش آتی ہے، کبھی دماغی تخیلات سے بھی ایسا ہوتا ہے، کبھی امراض سے بھی ہوتا ہے، غرض خدائے پاک کی بارگاہ میں تو وہ چیزیں مقبول ہیں جو اتباع سنت کے ساتھ ہوں ورنہ مقبول نہیں اور اس کی حیثیت شعبدہ بازی ونظر بندی سے زیادہ نہیں، یہ بحث اس وقت ہے جبکہ اس شخص کو صادق مانا جائے "یا محمد، یا رسول اللہ" پکارنا درست نہیں، بالکل منع ہے۔ غرض ایسے حلقوں اور ایسے پیروں سے جدا رہنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

کیا بزرگوں سے رہبانیت ثابت ہے؟

سوال [۱۵۵۱]: ۱..... اسلام میں رہبانیت نہیں ہے تو عبد القادر جیلانی نے جنگل میں ۲۵/ سال کیوں گزارے؟

۲..... کیا وہ حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں؟

۳..... لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ پچیس سال تک پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غار حرا میں عبادت

= قال لهن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "انطلقن فقد بايعتكنّ". و-لا والله- مامست يد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدا امرأة قط غير أنه بايعهن بالكلام اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب قول الله تعالى: (ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمن: ۲/۷۹۶، قديمي)

(۱) " (ولذا يحرم على الرجل قطع لحيه". (الدر المختار، ۲/۴۰۷، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۲) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت سے کشف کے کمال ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا: "کوئی کمال معتبر نہیں اگرچہ کمال ہو، کیونکہ یہ امر مشترک ہے مومن وکافر میں تو کمال ہو، مگر خیر سے خیر ہے اور شر سے شر"۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۵۰۲، سعید)

(تالیفات رشیدیه، ص: ۷۲، ادارة اسلامیات، لاهور)

کی اس لئے عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۵/ سال جنگل میں گزارے ہیں۔ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ا.....حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہوں یا کوئی اور بزرگ ان پر کوئی کیفیت طاری ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ بے اختیار ہوگئے، انہوں نے شرعی حکم قرار دیکر ایسا نہیں کیا۔

۲.....نہیں کوئی مستثنیٰ نہیں (۱) حظوظ نفسانیہ سے اگر کوئی شخص پرہیز کرتا ہے اس اندیشہ کی بنا پر کہ معصیت کا ارتکاب نہ ہوجائے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ تحصیلِ تقویٰ میں معین ہے (۲)۔

۳.....مجھے اس کی تحقیق نہیں کہ انہوں نے یہ کیا اور اس لئے کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال العلامة التفتازاني : "و لا يصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهي لعموم الخطابات الواردة في التكاليف و إجماع المجتهدين على ذلك". (شرح العقائد النسفية، مبحث لايبلغ ولي درجة الأنبياء، ص: ۱۶۶، قديمي)

(كذا في رد المحتار، مطلب في معنى درويش درويشان : ۲۵۹/۴، سعيد)

"رہبانیت کا عام اطلاق ترکِ لذات اور ترکِ مباحات پر ہوتا ہے، پھر اس کے کئی درجے ہیں، ایک یہ کہ مباح کے کرنے کو اعتقاداً یا عملاً حرام نہیں سمجھتا، البتہ دینی یا دنیاوی ضرورت کی وجہ سے اس کے چھوڑنے کی پابندی کرتا ہے تو یہ درحقیقت رہبانیت نہیں بلکہ تقویٰ ہے جو مطلوب فی الدین اور اسلاف کرام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے ثابت ہے"۔ (معارف القرآن بتغيير : ۳۲۹/۸، ادارة المعارف كراچی)

سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے جو عزلت نشینی اختیار کی تھی وہ دوسرے درجہ کے قبیل سے تھی کہ مباحات اور حلال کے کرنے کو نہ اعتقاداً حرام سمجھتے تھے نہ عملاً، بلکہ دینی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کچھ عرصہ مباحات اور حلال چیزوں کے چھوڑنے کی پابندی کی جب وہ مقاصد و فوائد حاصل ہوگئے تو پھر اجتماعی زندگی اختیار کرلی۔

(۲) "وهي (أي فوائد العزلة) تنقسم إلى فوائد دينية و دنيوية، الدينية تنقسم إلى ما يمكن من تحصيل الطاعات في الخلوة والمواظبة على العبادة والفكر و تربية العلم، و إلى تخلص من ارتكاب المناهي التي يتعرض الإنسان لها بالمخالطة: كالرياء، والغيبة، والسكوت عن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، و مسارقة الطبع من الأخلاق الرديئة والأعمال الخبيثة من جلساء السوء .... الفائدة الأولى: التفرغ للعبادة والفكر والاستئناس بمناجاة الله تعالىٰ عن مناجاة الخلق والاشتغال باستكشاف=

ذکر کے لئے اجتماع

سوال[۱۵۵۲]: سنا ہے کہ کتاب الصلوٰۃ ترغیب وترہیب کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ بروز قیامت ایک جماعت نور کے ممبروں پر بیٹھی ہوگی، انبیاء ومرسلین اس جماعت پر رشک کریں گے، اس جماعت کا کوئی رشتہ ناطہ آپس میں نہ ہوگا بلکہ سب ایک دوسرے کے غیر ہوں گے اور محض اللہ کے ذکر اور یاد کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جمع ہوتے ہوں گے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

ریاض الحق کلیانوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روایت ترغیب وترہیب(۱) کی میری نظر سے نہیں گزری، البتہ یہ موجود ہے کہ جولوگ اندھیری

= أسرار الله تعالیٰ .... الفائدة الثانية: التخلق بالعزلة عن المعاصي التي يتعرض الإنسان لها غالباً بالمخالطة و يسلم منها في الخلوة، و هي أربعة: الغيبة، والنميمة، والرياء، والسكوت عن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، و مسارقة الطبع من الأخلاق الرديئة .... الفائدة الثالثة: الخلاص من الفتن والخصومات، و صيانة الدين والنفس عن الخوض فيها، والتعرض لأخطارها .... الفائدة الرابعة: الخلاص من شر الناس، فإنهم يؤذونک مرةً بالغيبة ومرةً بسوء الظن .... الفائدة الخامسة: أن ينقطع طمع الناس عنک و ينقطع طمعک عن الناس .... الفائدة السادسة: الخلاص من مشاهدة الثقلاء والحمقى الخ اهـ". (احياء علوم الدين، كتاب آداب العزلة، الباب الثاني في فوائد العزلة الخ: ۲/۳۰۴، ۳۱۶، رشيديه)

(۱) "وعن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليبعثن الله أقواماً يوم القيمة في وجوههم النور على منابر اللؤلؤ، يغبطهم الناس، ليسوا بأنبياء ولا شهداء"، قال: فجثا أعرابي على ركبتيه فقال: يارسول الله! حلّهم لنا نعرفهم؟ قال: "هم المتحابون في الله من قبائل شتى، وبلاد شتى، يجتمعون على ذكر الله يذكرونه".

"وعن عمرو بن عنبسة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "عن يمين الرحمن –وكلتا يديه يمين– ، رجال ليسوا بأنبياء ولا شهداء، يغشي وجوههم نظر الناظرين، يغبطهم النبيّون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله عزوجل، قيل: يارسول الله! من هم؟ قال: "هم جمّاع من نوازع القبائل يجتمعون على ذكر الله فينتقون أطايب الكلام كما ينتقي أكل التمر أطايبه". (الترغيب =

رات میں دور سے جماعت کی نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں ان کے لئے نور کے ممبروں کی بشارت ہے(۱)۔اور جمع الفوائد:۲/ ۴۴۹ پر یہ روایت بھی کچھ فرق کے ساتھ موجود ہے جو سوال میں درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

''(أبو الدرداء)رفعه: "ليبعثن الله أقواماً يوم القيمة في وجوههم النور على منابر اللؤلؤ، يَغبطهم الناس، ليسوا بأنبياء ولا شهداء، قال: فجثى أعرابي على ركبتيه فقال: يارسول الله! صلى الله عليه وسلم صفهم لنا نعرفهم قال: "هم المتحابون في الله من قبائل شتى وبلاد شتى، يجتمعون على ذكر الله يذكرونه"۔ (۲) للكبير اورمشكوة المصابيح، ص: ٤٢٦ (۳) میں انبیاء کے رشک کا بھی تذکرہ ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی ۲۳/۳/۵۳ھ۔

صحیح:عبداللطیف،۲۶/ربیع الاول/۵۳ھ۔

= والترهيب: ۲/ ۴۰۶، كتاب الذكر والدعاء، الترغيب في حضور مجالس الذكر والاجتماع على ذكر الله، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في رسائل اللكنوى: ۳/ ۴۸۴، ۴۸۵، رسالة: "سباحة الكفر في الجهر بالذكر، ص: ۲۸، ۲۹، ادارة القرآن، كراچي)

(۱) "وعن أبي أمامة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "بشر المدلجين إلى المساجد في الظُلَم بمنابر من النور يوم القيمة، يفزع الناس ولا يفزعون". (الترغيب والترهيب: ۲/ ۲۱۲، ۲۱۳، كتاب الصلوة، الترغيب في المشي إلى المساجد سيماً في الظُلَم وماجاء في فضلها، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (جمع الفوائد: ۴/ ۲۱۴، رقم الحديث: ۹۲۰۹، كتاب الأذكار والأدعية، فضل الذكر والدعا، ادارة القرآن)

(۳) "وعن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "إن من عباد الله لأناساً ما هم بأنبياء ولا شهداء يغبطهم الأنبياء والشهداء يوم القيمة بمكانهم من الله". قالوا: يارسول الله! تخبرنا من هم؟ قال : "هم قوم تحابّوا بروح الله على غير أرحام بينهم". الحديث". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۶، باب الحب في الله ومن الله، الفصل الثاني، قديمي)

ذکر جہری کا ثبوت

سوال[۱۵۵۳]: صوبہ بنگال میں کچھ ایسی وبا پھیلی ہوئی ہے جس سے دین کو زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے یعنی جس آدمی نے صرف قرآن شریف ایک بار پڑھا ہے اس کو قرآنی اور میانجی کہتے ہیں اور اردو کی ایک دو کتابیں جس نے پڑھی ہوں وہ منشی کہلاتا ہے اور جس نے منیہ یا قدوری پڑھی ہوں اس کو مولوی کہتے ہیں اور جس نے مشکوۃ اور ہدایہ، جلالین شریف پڑھی ہوں اس کو مولانا صاحب کہتے ہیں۔

چونکہ صوبہ بنگال میں جہالت کا غلبہ ہے، ان لوگوں کا مزہ ہے، کبھی کچھ دھوکہ کرتے ہیں اور کبھی کچھ اور لوگوں میں قسم قسم کے فسادات پیدا کرتے ہیں اللہ کی پناہ، مثلاً یہ کہ اس اطراف کے لوگ پہلے شرک میں مبتلا تھے، نماز روزہ کا پتہ ہی نہیں تھا، رفتہ رفتہ اللہ کے فضل وکرم سے اور علمائے کرام کے وعظ ونصیحت کی برکت سے اکثر لوگ ہدایت کی طرف آئے اور ہندوستان سے بعضے بعضے پیروں کا بھی آنا جانا ہوا اور لوگ مرید ہو گئے، پنجگانہ نماز باقاعدہ پڑھنے لگے اور ذکرواذکار اکیلا اور حلقہ بنا کر خفی وجلی کرنے لگے۔ اب اس پر ان منشیوں اور مولویوں کو بہت حسد ہوا کہ اب تو لوگ کچھ اچھا وبُرا، حلال وحرام جاننے لگے ہم لوگوں کو تو مشکل ہوئی تو اس حسد اور بغض کی وجہ سے شر وفساد کرنا شروع کر دیا کہ ذکر جہری قطعاً حرام ہے اور سلسلہ چشتیہ وقادریہ میں داخل ہونے والا شیطانوں کی جماعت میں شرکت کرتا ہے اور داخل ہوتا ہے اور ذکر جہری کرنے والوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔نعوذ باللہ۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا، بعضوں نے مان لیا اور بعضوں نے انکار کر دیا اور یہ سب ان منشیوں اور مولویوں کی شرارت ہے، لیکن پھر بھی برائے تسلی واطمینان سہارنپور اور دیوبند کے علمائے کرام سے جواب چاہتے ہیں اور مدلل جواب چاہتے ہیں۔

حضرت! یہ لوگ ذکر خفی کو جائز اور ذکر جلی کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے حضور والا کی خدمت میں جواب قرآن وحدیث شریف سے چاہتے ہیں اور جو آدمی بزرگوں کی اہانت بیان کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تحریر فرماویں اور اس استفتاء سے فساد کم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"ونص الشعراني في "ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور" ما لفظه: وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن

يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصلي أو قاري قرآن كما هو مقرر في كتب الفقه اهـ".
طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۸۵ (۱)۔

"وقد حرر المسئلة في الخيرية و حمل ما في فتاوى قاضي خان على الجهر المفرط، وقال: إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر و أحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملاً و متعدى فائدته إلى السامعين، و يوقظ قلب الذاكر، فيجمع همته إلى الفكر، و يصرف سمعه إليه، و يفرد النوم، و يزيد النشاط اهـ"۔ رد المحتار: ۵/ ۲۸٤ (۲) ۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز بلکہ مستحب ہے، البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوجائے گا، مثلاً: نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریا کا خوف ہو تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہئے (۳)۔

سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے اکابر اہلِ حق بزرگ تھے اور ان میں بہت بہت بڑے بڑے اہل اللہ اور اولیاء اللہ ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان میں داخل ہونے والا شیطان کی جماعت میں شرکت کرتا ہے اور داخل ہوتا ہے، اگر وہ ان کے اکابر اور بزرگوں کے حسد کی وجہ سے کہتا ہے تو وہ خود شیطان ہے اور مردود ہے، اگر ان کے بعض افراد کے خلافِ شرع کام کو دیکھ کر کہتا ہے تب بھی اس کے لئے ایسا کہنا جائز نہیں، ایک دو شخص کے افعالِ قبیحہ کی وجہ سے تمام سلسلہ کو شیطان کی جماعت کہنا حرام ہے۔ شخص مذکور کو توبہ لازم ہے (۴) اور

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۹۸، سعيد)

(۳) (حاشية الطحطاوي على المراقي، المصدر السابق آنفاً)

(۴) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله﴾ من الذنوب، (توبةً نصوحاً) .... و لم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر .... و عبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، و أنها واجبة على الفور، و لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني: ۲۸/ ۱۵۷، ۱۵۹، دار إحياء التراث، بيروت)

بزرگوں سے بدعقیدہ رہنا اوران کو برا کہنا خدائے تعالیٰ کے بڑے غصہ کا سبب ہے(۱)۔

بزرگوں کی ارواح کو عالم میں متصرف ماننا کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ سب بزرگوں کی ارواح کرتی ہیں اور خدا کے حکم کو کہیں دخل نہیں اوران سے مدد مانگنا کہ وہ ہماری آواز کو براہ راست سنتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں چاہے خدا کا حکم ہو یا نہ ہو، مشرکانہ عقیدہ ہے(۲) اس سے بھی توبہ لازم ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ربیع الأول/ ۵۸ھ۔

فجر کے بعد ہوا خوری افضل ہے یا اوراد وظائف؟

سوال[۱۵۵۴]: فجر میں دعا کے بعد اگر فجر کا وقت باقی ہے تو اس وقت اوراد وظائف حمد ونعت، صلوٰۃ وسلام یا تلاوت کا کلام پاک میں لگ جانا افضل ہے یا ہوا خوری کے لئے نکل جانا افضل وضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوا خوری کی ضرورت صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ہے تو اس سے بھی منع نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کی رعایت بھی قابل اہتمام ہے(۴)۔

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تعالىٰ قال: (من عادىٰ لي ولياً، فقد آذنته بالحرب)". الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات، باب ذكر الله عز و جل والتقرب إليه، الفصل الأول: ۱/۱۹۷، قديمي)

و في مرقاة المفاتيح: "(فقد آذنته بالحرب): أي بمحاربتي إياه لأجل ولي .... فكأنه محارب لي، قال الأئمة: ليس في المعاصي من توعد الله أربابها بأنه مهاربه إلا هذا و أكل الربا.......... و هذا يدل على مافي هاتين الخصلتين من عظم الحظر؛ إذ محاربة الله للعبد تدل على سوء خاتمته؛ لأن من حاربه الله لا يفلح أبداً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، الفصل الأول: ۵/۴۱، رشيديه)

(۲) "قال علماؤنا: من قال: أرواح المشايخ حاضرة يكفر". (الفتاوى البزازيه، باب ألفاظ يكون كفراً من المسلم و ما لا يكون، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ: ۶/۳۲۲، رشيديه)

(۳)(راجع، ص: ۴۲۹، رقم الحاشية: ۴)

(۴) "وحاصل الكلام أن ترويح القلب وتفريحه وكذا تمرين البدن من الارتفاقات المباحة والمصالح البشرية التي لا تمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضر بالمعاش =

ذکروتلاوت وغیرہ کے افضل ہونے کے متعلق تو مستقل دلائل موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذکرِ جہری کی ممانعت

سوال [۱۵۵۵]: کاٹھیاواڑ میں بعد نماز عشاء تمام مساجد میں روزانہ بادام وغیرہ پر درود شریف، آیت کریمہ کا وظیفہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے تمام مصلیان پیتے ہیں اور وظیفہ نہ پڑھنے والے اور پانی نہ پینے والے کو بُرا جانتے ہیں۔ یہ بدعت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ کون سی حدیث ہے جس میں آپ نے ذکر کرنے والی جماعت کو منع فرمایا ہے، نیز بدعت کہا ہے، یہ حدیث کونسی کتاب میں ہے؟

عبداللہ پٹنی جونا گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف کی ترغیب وتاکید قرآن کریم (۲) اور حدیث شریف سے ثابت ہے (۳)، یہ بڑی

= أو المعاد، وهذا هو السر في إباحة بعض الملاهي في بعض الأحيان، فإن هذا اللهو على هذه النية والغرض لم يبق لهوا بل عاد مصلحة وفائدة". (تكمله فتح الملهم، كتاب الشعر، حكم الألعاب في الشريعة ۴/۴۳۴ ط: مكتبه دار العلوم)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يجيئ القرآن يوم القيمة كالرجل الشاحب فيقول: أنا الذي اسهرت ليلك واظمات نهارك". (ابن ماجه، أبواب الآداب، باب ثواب القرآن، ص: ۲۶۸، قديمي)

"عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ألا انبئكم بخير أعمالكم وأرضاها عند مليككم وأرفعها في درجاتكم، وخيرلكم من إعطاء الذهب والورق ومن أن تلقوا عدوكم فتضربوا أعناقهم ويضربوا أعناقكم؟ قالوا: وما ذاك يا رسول الله؟ قال: "ذكر الله". (ابن ماجه، أبواب الآداب، باب ثواب القرآن، ص: ۲۶۸، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي، يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾ (الأحزاب: ۵۶)

(۳) "عن كعب بن عجرة قال: قلنا: يارسول الله! السلام عليك قد عرفناه، فكيف الصلوة عليك؟ قال: "قولوا: أللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم، =

سعادت کی چیز ہے، ہر مسلمان کو کثرت سے اس کا ورد رکھنا چاہیے، بلکہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا جو طریقہ تھا وہی اختیار کرنا چاہئے، ہر شخص تنہا اپنی اپنی جگہ پوری توجہ اور یکسوئی سے قلب کو حاضر کر کے اس تصور کے ساتھ پڑھا کرے کہ میری طرف سے یہ ہدیہ بذریعہ ملائکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مسرور ہوتے ہیں (۱) اور جواب ارشاد فرماتے ہیں (۲) حق

= إنک حميد مجيد، وبارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب كيف الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۹۰، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم: ۲/۹۴۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۴۷، امداديه، ملتان)

(وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۶۴، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب الوتر، باب ماجاء في صفة الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن لله ملائكةً سياحين في الأرض، يبلغوني من أمتي السلام". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب التسليم على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۸۹، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "مامن أحد يسلّم عليَّ، إلا رد الله عليّ روحي حتى أرد عليه السلام". (سنن أبي داؤد، كتاب المناسک، باب زيارة القبور: ۱/۲۸۶، امداديه ملتان)

(ورواه أحمد في مسنده: ۲/۵۲۷، رقم الحديث: ۱۰۴۳۴، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

تعالیٰ جل شانہ بھی خوش ہوکر ایک درود کے بدلہ میں دس دس رحمتیں مجھ پر نازل فرماتے ہیں(۱)۔

سوال میں جو صورت درج ہے اس کا ثبوت ادلۂ شرعیہ سے نہیں ہے پھر اس کا ایسا التزام کہ جو شخص اس کو اختیار نہ کرے اس کو برا جانتے ہیں، یہ تو اور بھی زیادتی کی بات ہے، اصرار کرنے سے تو مستحب بھی درجۂ کراہت میں آجاتا ہے: ''الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة''۔ (سباحة الفكر)(۲)۔

کسی کو چھینک آئے تو اس پر ''الحمد لله'' کہنا چاہیے، ایک شخص نے ''الحمدلله'' کے ساتھ ''والسلام على رسول الله'' بھی کہہ دیا، اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں بھی ''الحمد لله والسلام على رسول الله'' کا قائل ہوں، یہ بات حق ہے، مگر اس موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں دی بلکہ صرف ''الحمد لله'' کی تعلیم دی:

''عن نافع أن رجلاً عطس إلى جنب ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فقال: الحمد لله و السلام على رسول الله، فقال ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: وأنا أقول الحمد لله و السلام على رسول الله، و ليس بكذا علّمنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، علّمنا أن يقول: الحمدلله على كل حال اهـ''. ترمذی شریف: ۲/ ۹۸ (۳)۔ یہ روایت کافی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث کے متعلق کچھ مزید توضیح کریں تو حوالہ دیا جائے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

---

(۱) ''عن عبد الله بن أبي طلحة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جاء يوماً والبشرى في وجهه، فقلنا: إنا لنرى البشرى في وجهك، فقال: ''إنه أتاني الملك فقال: يا محمد! إن ربك يقول: أما يرضيك أنه لا يصلي عليك أحد إلا صليت عليه عشراً، و لا يسلم عليك أحد إلا سلمت عليه عشراً''. (سنن النسائي، باب فضل التسليم على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/ ۱۸۹ قديمي)

(۲) (سباحة الفكر، ص: ۳۴، رسائل اللكنوى: ۳/ ۴۹۰، ادارة القرآن'')

(وكذا في السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/ ۲۶۵ سهيل اكيڈمی)

(۳) (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان، باب مايقول العاطس إذا عطس: ۲/ ۱۰۳، سعيد)

(۴) اس حدیث کو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار ''كتاب الحظر والإباحة'' میں ذکر کیا ہے: ''انه حرام =

ذکر بالجہر

سوال[۱۵۵۶]: کیا ذکر بالجہر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، اگر ایسا ہے تو حنفی بزرگ اس کی کیوں اجازت دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذکر بالجہر بعض صورتوں میں بلا کراہت درست ہے، بعض صورتوں میں مکروہ ہے۔ تفصیل ''سباحۃ الفکر'' میں ہے(۱) جو علمائے احناف ذکر دوازدہ تسبیح وغیرہ کو بالجہر فرماتے ہیں وہ درحقیقت علاجاً ہے کہ اس سے قلب پر ضرب لگتی ہے اور حرارت پیدا ہوتی ہے جو کہ اس راہ میں معین ہے اور جس کے لئے اس کی ضرورت نہیں اس کو جہر سے منع فرما دیتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر اللہ کا طریقہ

سوال[۱۵۵۷]: ایک پیر صاحب ''ھا'' کو لمبا کر کے پڑھنے کو کہتا ہے یعنی ''اللہ'' الٹی پیش (ٗ) کے ساتھ استعمال کراتا ہے جس سے ''ھو'' نکلتا ہے، لیکن ایک دوسرا عالم صاحب کہتا ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے، بلکہ صحیح ''اللہ'' ہے۔ جواب تحریر فرمائیں۔

= لما صح عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه أخرج جماعةً من المسجد: يهللون و يصلون على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم جهراً، وقال: ماأراكم إلا مبتدعين".

لیکن اس کے بعد محمل بتا کر لکھا ہے: "الحديث يحتمل أنه لم يكن للرفع مصلحةٌ .... و أما رفع الصوت بالذكر فجائز، كمافي الأذان و الخطبة والجمعة والحج". (فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(۱) "فهذه أحاديث صحيحة يظهر منها ومن نظائرها صراحةً أو إشارةً: أن الكراهة في الجهر بالذكر، بل فيها مايدل على جوازه أو استحبابه، كيف لا، و الجهر بالذكر له أثر في ترقيق القلوب ماليس في السر.

نعم الجهر المفرط ممنوع شرعاً، وكذا الجهر الغير المفرط إذاكان فيه إيذاء لأحد من نائم أو مصل، أو حصلت فيه شبهة رياء، أو لو حظت في خصوصيات غير مشروعة، أو التزم كالتزام الملتزمات الخ". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص: ۳۴، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر، رسائل اللكنوي: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن، كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں دونوں قول ہیں، قول ثانی اقرب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کلمہ طیبہ کا مخصوص مقدار میں پڑھنا

سوال[۱۵۵۸]: ۱......ایک شخص خود کو مذہباً حنفی کہتا ہے اور مذہب حنفی کے مطابق اس کے تمام عقیدے ٹھیک نظر آتے ہیں مگر یہ شخص کہتا ہے کہ کلمۂ توحید ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بطور عبادت کے ہزار پانچ سو دفعہ تسبیح پر پڑھنا جائز نہیں اور پڑھنے والے کو بدعتی کہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر بطور عبادت کے پڑھنے کا شوق ہے تو صرف کلمۂ توحید ''لا الہ الا اللہ'' پڑھو، ''محمد رسول اللہ'' کو نہ ملاؤ۔ علمائے دین ان دوصورتوں میں سے جو مطابق شرع ہو مطلع فرمائیں، نیز یہ بھی کہتا ہے کہ اگر تصدیق رسالت کے لئے ''محمد رسول اللہ'' بھی پڑھیں تو جائز ہے۔

۲......اور یہ شخص کہتا ہے کہ حدیث شریف میں کلمات کی تعداد کسی جگہ پر نہیں آئی جیسا کہ بعض کتب میں اول کلمہ، دوم وسوئم وغیرہ مندرجہ ہے بلکہ کلمہ شہادت آیا ہے۔ اور کہنا کہ عبارت سب کلمات کی قرآن و حدیث کی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد اور نام کلمہ نہیں فرمایا۔ آیا درست کہتا ہے یا غلط؟

۳......قصداً تارک سنت موکدہ گنہگار ہوگا یا نہ اور سزا قیامت میں کیا ملے گی؟

۴......جس شخص کا ذکر نمبر: ۱، ۲ میں لکھا گیا ہے کہ یہ بطور عبادت کے ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھنے کو منع بتلایا ہے اس کو پیشِ امام رکھنا جائز ہے یا نہ؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......توحیدِ باری تعالیٰ کا (لا الہ الا اللہ) میں اقرار ہے اس کا ثواب مستقل ہے اور ''محمد رسول اللہ'' میں رسالت کا اقرار ہے اس کا ثواب مستقل ہے۔ ایک جزء کو پڑھنے سے اسی کا ثواب ملے گا جس کو کہ پڑھا ہے

---

(۱) ''پھر ذکر اسم ''اللہ اللہ'' کرکے اس طرح سے کہ اول حرف ''ھا'' لفظ اللہ کو پیش اور دوسری ھاء لفظ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے......طریق دوسرا: نہ لفظ مبارک ''اللہ'' کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور لفظ ''ھو'' کے ساتھ سانس کو چھوڑ دے الخ۔

(کلیات امدادیہ، ص: ۹۵، ۹۶، طریق اسم ذات، طریق ذکر پاس انفاس کا، ۴، ارشاد مرشد، دار الاشاعت)

دوسرے کا نہیں ملے گا۔ دونوں کو پڑھنے سے دونوں کا ثواب ملے گا اور دونوں جز علیحدہ علیحدہ قرآن شریف میں مذکور ہیں (۱)۔

البتہ بعض دفعہ مشائخ کسی خاص طریقہ سے کلمہ کا ذکر اپنے مریدین کے لئے تجویز کرتے ہیں اس میں ہر دفعہ ''لا الہ الا اللہ'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کے پڑھنے کو بھی نہیں بتاتے بلکہ کچھ تعداد مقرر کرتے ہیں کہ اتنی مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ کر ایک مرتبہ ''محمد رسول اللہ'' پڑھو، اس کو تجویز کرنے میں مخصوص منافع ہیں جن کو مشائخ جانتے ہیں اور وہ مخصوص منافع اس کے خلاف کرنے سے حاصل نہیں ہوتے (۲)۔ لیکن ثواب بہر صورت حاصل ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کے عبادت ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲...... جب کلماتِ قرآن شریف وحدیث شریف میں موجود ہیں تو بس اتنا کافی ہے یہ ظاہر بات ہے کہ دوم، سوم وچہارم، پنجم عربی کے الفاظ ہی نہیں بلکہ فارسی کے الفاظ ہیں، نہ یہ لفظ قرآن شریف میں آئے،

---

(۱) " الله لا إله إلا هو" (سورة البقرہ، آیت : ۲۵۵، جزء : ۳)

(وسورة ال عمران آیت : ۱، جزء : ۳)

(وسورة "طه" آیت : ۸، جزء : ۱۶)

"لاإله إلا هو" (سورة "ال عمران" آیت : ۱۸، جزء : ۳)

(وسورة "التوبة" آیت : ۱۲۹، جزء : ۱۱)

(وسورة "المومنون"، آیت : ۱۱۶، جزء : ۱۸)

"محمد رسول الله" (سورة "الفتح" آیت : ۲۹، جزء : ۲۶)

(۲) "وسئل: في "صحيح البخاري": كانت عائشة " تحدث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال بعد ما دخل بيته واشتدوجعه: "أهريقوا عليّ من سبع قرب لم تحلل أو كيتهن" ...... (الحديث) ماالحكمة في ذلك وفي تخصيص السبع؟"

فأجاب بقوله : إنما طلب ذلك؛ لأن الماء البارد ينفع بعض الأمراض .... في الحديث إشارة إلى أنه ينبغي صب الماء البارد على المريض حيث كان ينفعه بمعرفة نفسه، أو يقول طيب عدل بنية التداوي وقصدا الشفاء. وحكمة السبعة أن هذا العدد فيه بركة بالاستقرآء". (الفتاوىٰ الحديثيه، ص: ۳۶۲، ۳۶۳، مطلب في قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أهريقوا عليّ من سبع قرب لم تحلل أو كيتهن"، قديمي)

نہ حدیث شریف میں البتہ ان کے مضامین کی رعایت سے یہ ترتیب ہے۔

۳......ایسے شخص پر عتاب ہوگا اور اس کے لئے قیامت میں شفاعت سے محرومی کی وعید ہے اور سنت ظاہرہ کو استخفافاً ترک کرے تو یہ کفر ہے(۱)۔

۴......بظاہر یہ شخص ناواقفیت سے ایسا کہتا ہے اس کو پورے طور پر مسئلہ سمجھا دیا جائے اور معمولی چیزوں میں نزاع وفساد کرنا بہت بری بات ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ امام کو بھی چاہیے کہ مسئلہ کسی عالم شخص سے باقاعدہ سمجھے اور اس پر کاربند رہے۔ اور مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ ذرا ذرا سی بات میں اختلاف پیدا نہ کریں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/شوال/۵۷ھ

ذکر بالجہر والجماعۃ

سوال[۱۵۵۹]: ''دلیل الخیرات فی ترک المنکرات'' مولفہ جناب مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی ادام اللہ فیوضہم مصدقہ علماء اطراف واکناف میں روایت دیکھی گئی ہے جو درج کی جاتی ہے:

---

(۱) "(وسننه) .... وحكمها (أى السنة) ما يؤجر على فعله ويلام على تركه".

"قوله: (ويلام): أى يعاتب -بالتاء- لا يعاقب كما أفاده فى البحر والنهر لكن فى "التلويح": ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "من ترك سنتى لم ينل شفاعتى اهـ". وفى "التحرير": إن تاركها يستوجب التضليل واللوم اهـ".
(ردالمحتار: ۱/۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، كتاب الطهارة، مطلب فى السنة وتعريفها، رشيديه، كوئٹه)

قال ابن الهمام: "إلا أن يستخف فيقول: هذا فعل النبى صلى الله عليه وسلم وأنا لا أفعله، فحينئذٍ يكفر. وفى النوازل: ترك سنن الصلوٰة الخمس إن لم يرها حقاً كفر، وإن رآها وترك قيل: لا يأثم، والصحيح أنه يأثم؛ لأنه جاء الوعيد بالترك". (فتح القدير: ۱/۴۳۹، كتاب الصلوٰة، باب النوافل، مصطفىٰ البابى الحلبى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنو أطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾. (سورة الأنفال، آيت: ۴۶)

"أخبرَ عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه بالجماعة الذين يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول: كبّروا الله كذا وكذا، أوحمّد واالله كذا وكذا، فيفعلون، فحضر هم، فلما سمع مايقولون، قام فقال: أنا عبدالله بن مسعود فوالذی لاإله غيره! لقد جئتم لقد جئتم بدعةً ظلماً، أولقد فقتم على أصحاب محمد عليه الصلوٰة والسلام علماً". (مجالس الأبرار)(۱).

دوسری عبارت ''نفائسِ مرغوبہ'' مؤلفہ مفتی علامہ دہلوی میں بحوالہ ''واقعات'' و''بحر الرائق'' حسب ذیل درج ہے:

"قال فی الواقعات: قرأة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات وغير ها مكروهة؛ لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة والتابعين. وفی بحر الرائق: عن ابن مسعود رضی الله عنه أنه سمع قوماً اجتمعوا فی المسجد يهلّلون ويصلون على النبی صلی الله عليه وسلم جهراً، فراح إليهم، فقال: ما عهد نا ذلك فی عهده صلی الله عليه وسلم، وما أراكم إلا مبتدعين. "(۲) ۔اس روایت میں تسبیح وتہلیل کے علاوہ درود کا ذکر بھی ہے۔

مفتی صاحب نے دلیل الخیرات کے صفحہ:۴ میں روایت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشریح فرمائی ہے کہ اس روایت سے واضح ہوا کہ ان لوگوں کا فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی وتسبیح وتہلیل تھا مگر چونکہ اس کی وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا وجود شریعتِ مطہرہ سے نہ تھا۔ اس وجہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت قرار دیا(۳)۔اور احادیث میں ذکر بالجماعت کی فضیلت ثابت ہے ایک دو روایات نقل کی جاتی ہیں:

"إن للهملئكةً يطوفون فی الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجد وا قوماً يذكرون الله عزوجل، تنا دوا: هلموا إلىٰ حاجتكم، قال: فيحفونهم بأجنحتهم إلى السماءِ الدنيا". (مسلم شريف)(٤).

---

(۱) (مجالس الأبرار (اردو)، ص: ۱۶۵، رقم المجلس: ۱۸، بدعت اور اس کے اقسام اور حکم، دار الاشاعت)

(۲) (النفائس المرغوبة فی الدعا بعد المكتوبة للمفتی محمد كفايت الله، ص: ۳۵، تحريرات علمائے سورت، رانديروگجرات، از مدرسه اشرفيه وقوة الاسلام رانديرِ، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(۳) (دلیل الخیرات، للمفتی کفایت اللہ صاحبؒ، ص: ۱۰، بدعت بھلی اور نیک معلوم ہو لیکن بڑے گناہ کی چیز ہے مع دلیل، مکتبہ تھانوی دفتر رسالۃ الایقاع، کراچی)

(۴) (الصحيح لمسلم: ۲/۳۴۴، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل مجالس الذكر، قديمی)

دوسری حدیث: "لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده". (مسلم شریف)(۱)، (ترمذی شریف) (۲) (ابن ماجه شریف) (۳)۔

"جمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها، إلا أن يشوّش غير هم على نائم أو على مصلي أو قاري". (شامی، ج: ۱، مطبوعه میمنه مصر، ص: ۴۶۳) (۴)۔

اور احادیثِ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدعت کی تشریح یہ ہے: "البدعة الشرعية وهي ماليس له دليل شرعي، وكل ما فعله الشارع عليه السلام، أو أمر به فهوليس ببدعة شرعية". (۵)۔

پس احادیث اور عبارتِ شامی سے ذکر بالجماعت کی فضیلت ثابت ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بدعتِ سیئہ ہونا نبی کریم علیہ السلام کے امر سے جماعت کے ساتھ ذکر نہ کرنے کی ترغیب ہے۔ پس روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبارت بحر الرائق اور روایت شامی اور احادیث میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل یہ ہے کہ ذکر اللہ خواہ انفراداً ہو، خواہ اجتماعاً بالاجماع امرِ مستحسن ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے (۶) البتہ عوارض کی وجہ سے بعض اوقات ممانعت کی جاتی ہے مثلاً

---

(۱) (الصحيح لمسلم: ۳۴۵/۲، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، قديمي)

(۲) (سنن الترمذي: ۱۷۵/۲، أبواب الدعوات، باب ماجاء في القوم يجلسون فيذكرون الله مالهم من الفضل، سعيد)

(۳) (سنن ابن ماجة: ۲۷۷/۲، أبواب الأدب، باب فضل الذكر، مير محمد كتب خانه)

(۴) (ردالمحتار: ۶۶۰/۱، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، سعيد)

(۵) (الاعتصام للشاطبي، ص: ۲۳، باب في تعريف البدع وبيان معنا ها وما اشتق منه لفظاً، دارالمعرفة، بيروت)

(۶) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً وسجوه بكرةً وأصيلاً﴾ (سورة الأحزاب: ۴۱)

وقال تعالىٰ: ﴿فاذكروني أذكركم واشكروالي ولا تكفرون﴾ (سورة البقرة: ۱۵۲) =

کسی خاص ہیئت، وضع وتاریخ وغیرہ جن کا ثبوت شرعی نہیں ہے ان کا التزام کرنا، تارک پر ملامت سب وشتم کرنا یا ریا کا پایا جانا یا جہر مفرط کا ہونا، جس سے نائم، مصلی، قاری وغیرہ کو تشویش ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ممانعت ان عوارض پر ہی محمول ہے، بحر واقعات وغیرہ کا محمل بھی یہ ہی ہے۔ بسا اوقات ایک مباح بلکہ مندوب شئ اصرار والتزام سے مکروہ ہو جاتی ہے:

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة".

"من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال". سعايه، ص: ٤٦٣، ٤٦٥ (١) - اور یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ماخوذ ہے کما فی الطیبی شرح مشکوٰۃ (٢)۔

شامی نے جوازِ ذکر پر علامہ حموی سے بحوالۂ امام شعرانی حنبلی اجماع نقل کیا ہے اس میں بھی ان عوارض کا استثناء موجود ہے (٣) چنانچہ امام شعرانی نے "ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" میں اس کی تصریح کی ہے (٤)۔ اجتماعاً وانفراداً ذکر میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ذکر جہراً افضل ہے یا سراً۔

= قال عليه الصلوة والسلام: "لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة، ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده". (الصحيح لمسلم: ٣٤٥/٢، كتاب الذكر والدعا والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة، وعلى الذكر، طبع قديمي)

(وجامع الترمذي: ١٧٥/٢، أبواب الدعوات، باب ماجاء في القوم يجلسون فيذكرون الله مالهم من الفضل، سعيد)

(١) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: ٢٦٣/٢، ٢٦٥، (على طريق لف ونشر غيرمرتب، باب صفة الصلوٰة، ومنها استحباب الانصراف عن أحد الجانبين، قبيل فصل في القرأة، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(٢) (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب التشهد، الفاظ الأول: ٣/ ٣٠، رشيديه)

(٣) "وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها، إلا أن يشوّش جهرهم على نائم أو مصل أوقارى الخ". (ردالمحتار: ٦٦٠/١، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر، سعيد)

(٤) لم أطلع على هذا الكتاب

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مراقی الفلاح ص:۱۸۵، میں فریقین کے دلائل ذکر کیے ہیں (۱) ان اختلافات اور دلائل کو اس میں پوری تفصیل اور بسط سے دیکھنا ہوتو ''سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر'' کو دیکھئے، اس میں ص:۴۸ پر لکھا ہے:

"الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: اعلم أنهم اختلفوافي ذلك، فجوزه بعضهم وحرمه بعضهم، وجعله بعضهم بدعةً إلافي مواضع ورد الشرع بالجهر فيها"(۲).

پھر ممانعت جہر کی روایات کو ذکر کرکے جوابات دیئے ہیں اس کے بعد اڑتالیس دلیلیں جواز جہر کی نقل کی ہیں: ''خلاصة المرام في هذا المقام أنه لاريب في كون السرأ فضل من الجهر للتضرع والخيفة، وكذا لاريب في كون الجهر المفرط ممنوعاً لحديث": إربعوا علىٰ أنفسكم" وأما الجهر الغير المفرط فالأحاديث متظافرة، والآثار متوافقة على جوازه، ولم نجد دليلاً يدل صراحةً على حرمة أوكراهة، والظاهر أن مراد من قال: الجهر حرام هوالجهر المفرط، ومن قال: إنه بدعة أرادبه على وجه مخصوص والتزام، فتلزم مالم يعهد في الشرع"، ص: ۱۰۷(۳).

(۱) "فروع: اختلف هل الإسرار في الذكر أفضل؟ فقيل: نعم، لأحاديث كثيرة تدل عليه: منها: "خير الذكر الخفي، وخير الرزق ما يكفي". ولأن الإسرار أبلغ في الإخلاص، وأقرب إلى الإجابة، وقيل: الجهر أفضل لأحاديث كثيرة: منها مارواه ابن الزبير: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلّم من صلاته قال بصوته الأعلى: "لا إله إلاالله وحده لاشريك له". وتقدم وقدكان صلى الله عليه وسلم يأمر من يقرأ في المسجد أن يسمع قراءته. وكان ابن عمر يأمر من يقرأ عليه وعلى أصحابه وهم يستمعون، ولأنه أكثر عملاً وأبلغ في التدبير، ونفعه متعد لإيقاظ قلوب الغافلين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، فصل في صفة الأذكار، قديمي)

(۲) (رسالة: سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص: ۹، الباب الأول، مجموعة رسائل اللكنوي: ۴۶۵/۳، ادارة القرآن، كراچي)

(۳) "فاستمع أن القائلين بمنع الجهر بالذكر استدلوا لوجوه .... وأما القائلون بجواز نفس الجهر، فاحتجوا بوجوه قوية .... إلى قوله: وخلاصة المرام ...... الخ". (مجموعة رسائل اللكنوي: ۴۷۱/۳ -۴۸۰ - ۴۹۵، رساله سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص: ۱۵ - ۲۴ - ۳۹، إدارة القرآن، كراچي)

اور سب روایات کے درمیان جمع اس طرح کیا ہے:

"وهناك أحاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، كي يجمع بين الأحاديث الطالبة للجهر والطالبة للإسرار بقراءة القرآن، ولايعارض ذلك حديث: "خير الذكر الخفي". لأنه حيث خيف الريا أوتأذى المصلين أوالنيام"(۱)۔

اسی طرح علامہ شامی نے جمع کیا ہے(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان/ ۱۳۵۷ھ۔

آواز ملا کر ذکر بالجہر

سوال[۱۵۶۰]: بستی کے اندر ایک مسجد ہے اور اس مسجد میں کچھ آدمی مل کر ذکر بالجہر کرتے ہیں، ذکر یہ ہے جو پیر صاحب نے بتا رکھا ہے: "سبحانه الله، الحمد لله، لا إله إلا الله" وغیرہ اور اس وقت کرتے ہیں جب عشاء کی نماز کے بعد نمازی نماز سے فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں، عشاء کی نماز سے تقریباً ۴۰/ یا ۴۵/ منٹ کے بعد حلقہ والوں نے بآواز بلند ذکر شروع کر دیا، تو اب آپ برائے مہربانی یہ تحریر کر دیجئے کہ اگر کوئی نمازی پھر آ جائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ ایسے مل کر حلقہ کرنا یعنی ذکر بآواز بلند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

فی نفسہ ذکر اللہ بہت مبارک ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس کی کثرت سے ترغیب آئی ہے(۳) جو کلمات سوال میں مذکور ہیں ان کی بڑی فضیلت وارد ہے، ان کو آہستہ اور جہر سے پڑھنا ہر طرح ٹھیک

(۱) (مجموعه رسائل اللكنوى: ۳/ ۴۶۹، رسالة: سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، ص: ۱۳، الباب الأول فى حكم الجهر بالذكر، ادارة القرآن)

(۲) (ردالمحتار: ۱/ ۶۶۰، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب فى رفع الصوت بالذكر، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين يذكرون الله قياماً و قعوداً و على جنوبهم، و يتفكرون فى خلق السموات =

ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ان کو آہستہ پڑھا جائے اور انفرادی طور پر پڑھا جائے، حلقہ کی صورت سے آواز ملا کر پڑھنے سے پرہیز کیا جائے، بسا اوقات اس میں تان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، اپنا اپنا الگ پڑھیں، اگر ایسے وقت کوئی نماز کے لئے آئے اور وہیں پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جائے تا کہ اس کی نماز میں خلل نہ آئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۴ھ۔

= والأرض﴾ الآية. (سورة آل عمران: ۱۹۱)

وقال تعالیٰ: ﴿فاذكروني أذكركم﴾ سورة البقرة: ۱۵۲)

وقال تعالیٰ: ﴿ولذكر الله أكبر﴾ (سورة العنكبوت: ۴۵)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقول الله عزوجل: أنا عند ظن عبدي بي، و أنا معه حين يذكرني، إن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ هم خير منهم".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليسير في طريق مكة، فمر على جبل يقال له: جمدان، فقال: "سيروا، هذا جمدان، سبق المفرّدون" قالوا: و ما المفرّدون يا رسول الله؟! قال: "الذاكرون الله كثيراً والذاكرات". (أخرجهما مسلم في صحيحه: ۲/۳۴۱، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحث على ذكر الله تعالىٰ، قديمي)

(۱) "و حمل ما في فتاوى القاضي على الجهر المضرّ، وقال: إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر، و أحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص و الأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المصلين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر؛ لأنه أكثر عملاً، ولتعدى فائدته إلى السامعين، و يُوقِظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط". (رد المحتار: ۶/۳۹۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص: ۱۳ في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي: ۳/۴۶۹، ۴۷۰، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر، إدارة القرآن كراچي)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے عمل

سوال[۱۵۶۱]: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا چاہتا ہوں، کونسا عمل بہتر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر چیز میں سنت کا اتباع (۱) اور درود شریف کی کثرت (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲۴/۵/۹۲ھ۔

پے در پے مصائب کا علاج ذکر واستغفار ہے

سوال[۱۵۶۲]: ۱...... جب پے در پے مصیبتیں آ رہی ہوں تو کیا ان کا کوئی علاج ہے؟

۲...... جب مصیبت اور پریشانی بہت زیادہ ہو تو اس وقت کیا پڑھنا چاہئے اور کونسا عمل کرنا چاہئے جس سے مصیبت دور ہو جائے؟

۳...... میں مقروض ہوں اور ہر عمل میں نے کیا ہے، اللہ رب العزت کے دربار میں میری کوئی دعاء مقبول نہیں ہوتی اور نہ کوئی عمل مقبول ہوتا ہے، آپ نے بھی ایک بار یہ دعاء بتلائی تھی: اللهم اكفني بحلالك

---

(۱) "لايؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

"المحبوب الاتباع تبعاً لما جئت به من السنة الزهراء والملة النقية البيضاء، حتى تصير همومه المختلفة وخواطره المتفرقة التي تنبعث عن هوى النفس وميل الطبع هماً واحداً". (مرقاة المفاتيح، شرح رقم الحديث: ۱۶۷، ۱/۴۱۲، رشيديه)

(وايضاً صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الإيمان: ۱/۷، قديمي كتب خانه)

(۲) ﴿إن الله وملئكته يصلون على النبي يأيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾. (الأحزاب: ۵۶، پ: ۲۲)

"عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن أولى الناس بي يوم القيمة أكثرهم عليّ صلوٰة". (جامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (فضائل درود شریف، مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ، کتب خانہ فیضی)

عن حرامك، وأغنني بفضلك عمن سواك" (۱) ہر نماز کے بعد گیارہ گیارہ بار پڑھتا ہوں لیکن یہ بھی قبول اور منظور نہیں ہوتی ہے، درود شریف کے ساتھ پڑھتا ہوں اور عاجزی بھی اللہ تعالیٰ سے بہت کرتا ہوں، لیکن عاجزی بھی منظور نہیں ہوتی ہے اور مصیبت پر مصیبت آرہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مصیبتوں کا علاج گناہوں سے توبہ واستغفار اور حقوق کا ادا کرنا ہے (۲)۔

۲...... استغفار اور درود شریف زیادہ سے پڑھا جائے اور صدقہ دیا جائے اور جس جس کا حق اپنے ذمہ ہو اس کو ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے (۳)۔

۳...... جو شخص یہ کہتا ہے کہ میری دعاء قبول نہیں ہوتی، اس کی دعا واقعۃً اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے، اس لئے ایسا ہرگز نہ کہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کا وقت مقرر ہے، ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے، اس لئے جلدی کا تقاضا نہیں کرنا چاہئے بلکہ سمجھنا چاہئے کہ دعا کے قبول ہونے میں جو کچھ دیر ہو رہی ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے (۴)۔ پھر یہ کہ دعاء کے قبول ہونے کے لئے شرائط بھی ہیں: کھانا حلال ہو، پینا حلال ہو، لباس

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، باب الدعوات في الأوقات، ص: ۲۱۵، قديمي)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: من لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجاً، ومن كل همّ فرجاً، ورزقه من حيث لايحتسب". (مشكوٰة المصابيح، باب الاستغفار، ص: ۲۰۴، قديمي)

"وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه". متفق عليه". (مشكوٰةالمصابيح، باب البر والصلة، ص: ۴۱۹،قديمي)

(۳) "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب الخ". (جامع الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء في فضل الصدقة)

"وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قال الله تعالىٰ: يابني آدم! أنفق أنفق عليك". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۱۶۴، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يُستجاب للعبد ما لم يدع بإثم، أو قطيعة رحم مالم يستعجل". قيل: يا رسول الله! ما الاستعجال؟ قال: "يقول قد دعوت وقد دعوت، فلم أرَيُستجاب لي، فيستحسر عند ذلك ويدع الدعاء". (مشكوٰة لمصابيح، كتاب الدعوات، ص: ۱۹۴، قديمي) .... =

حلال ہو، کمائی حلال ہو، دل حاضر ہو غافل نہ ہو(۱) وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

حال، وجد

سوال[۱۵۶۳]: محفل سماع میں جوان عورتوں کو حال آنا اور اپنے پیر سے لپٹنا اور نامحرم مردوں کا ان کو سنبھالنا، ایسے امور کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جملہ امور حرام ہیں:

"وأما الرقص والتصفيق والصريخ و ضرب الأوتار والصنج والبوق الذی يفعله بعض من يدعی التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها زیّ الكفار كما فی سكب الأنهر"۔ طحطاوی، ص: ۱۸۵ (۲)۔

جب مردوں کے لئے یہ حکم ہے تو عورتوں کے لئے ممانعت شدید تر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محاسبہ

سوال[۱۵۶۴]: محاسبہ کرنا چاہئے یا نہیں، اگر کریں تو کیا کریں؟ اگر اسے جماعتی طور پر کریں تو

= (وجامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما جاء فی من يستعجل فی دعائه: ۱۷۶/۲، سعيد)

(۱) "وعن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "ادعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلبه غافل لاه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الدعوات، ص: ۱۹۵، قديمی)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمی)

وفی الحديث: "نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن الصوتين الأحمقين: النائحة والمغنية". (الهداية، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۶۲/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وسيأتی أيضاً تخريجه تحت عنوان: "مجلس سماع")

کیسا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بدعت ہے لہذا جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ہر شخص کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے، ہاں کوئی جاننے والا اگر کسی نہ جاننے والے کو سکھانے کے لئے اس کا محاسبہ کرے یا اپنے ماتحت اور زیر تربیت سے محاسبہ کرے تو اس کی بھی اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

مجلس سماع

سوال [۱۵۲۵] : مجلس سماع جو شیوخ کے یہاں منعقد ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں؟ صاف صاف تفسیر فرمادیں۔

المستفتی: محمد عبد الشکور دھنباد براؤلی، ۲۱ شوال المکرم۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

مجلسِ سماع جس میں مزامیر بھی ہوں بالاتفاق ناجائز ہے، بغیر مزامیر کے مخصوص، خوش الحانی سے اللہ پاک کی حمد میں یا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت مبارک میں کوئی نظم پڑھنا جب کہ وہ صحیح مضامین پر مشتمل ہو درست ہے۔

" کما قال الدمیری: نقل القرطبی عن أبی بکر الطرطوشی رحمهما الله تعالیٰ أنه سئل عن قوم یجتمعون فی مکان یقرؤون شیئاً من القرآن، ثم ینشد لهم منشد شیئاً من الشعر، فیرقصون و یطربون و یضربون بالدف والشبابة، هل الحضور معهم حلال أم حرام؟

فأجاب: مذهب السادة الصوفیة، أن هذا بطالة و جهالة و ضلالة إلی اٰخر کلامه،

---

(۱) قال الإمام الغزالی رحمه الله تعالیٰ: "إعلم أن العبد کما یکون له وقت فی أول النهار یشارط فیه نفسه علی سبیل التوصیة بالحق، فینبغی أن یکون له فی آخر النهار ساعة یطالب فیها النفس، و یحاسبها علی جمیع حرکاتها وسکناتها .... الخ". (کتاب المراقبة والمحاسبة، بیان حقیقة المحاسبة بعد العمل، إحیاء علوم الدین : ۴۸۰/۴، مکتبه حقانیه پشاور)

قلت: وقد رأيت أنه أجاب بلفظ غير هذا و هو: أنه قال: مذهب الصوفية بطالة و جهالة و ضلالة و ما الإسلام إلا كتاب الله و سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وأما الرقص والتواجد، فأول من أحدثه أصحاب السامری لما اتخذ لهم عجلاً جسداً له خوار، قاموايرقصون حوله و يتواجدون، فهو دين الكفار و عباد العجل، وإنما كان مجلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مع أصحابه كأنما على رؤسهم الطير من الوقار. فينبغي للسلطان أن يمنعوهم من الحضور فی المساجد وغيرها، و لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يحضر معهم ولا يعينهم على باطلهم، هذا مذهب مالك رحمه الله تعالىٰ والشافعی و أبی حنيفة وأحمد رحمه الله تعالىٰ وغيرهم من أئمة المسلمين"(۱).

معلوم ہوا کہ مجالس متعارفہ سماع کے حرام وناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے (۲)۔ ایسی مجالس میں شرکت کی قطعاً اجازت نہیں، بلکہ شوکت حاصل ہوتو قوت سے ایسی مجالس کوروکنا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قوالی

سوال[۱۵۶۶]: بعض لوگ جو اپنے کو سلسلہ چشتیہ سے وابستہ بتاتے ہیں ان کے یہاں ڈھولک اور ہارمونیم کے ساتھ بڑے زوروں پر قوالی ہوتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ چونکہ خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قوالی سنی

---

(۱) (حيواة الحيوان، تحت لفظ العين المهملة "العجل" : ۱۵۴/۲، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) "التغني باللهو معصية فی جميع الأديان". (العناية علی هامش فتح القدير، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل : ۴۰۸/۷، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

و فی الحديث:" نهی رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصوتين الأحمقين النائحة والمغنية". (الهداية ، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل : ۲۲/۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

قال رحمه الله تعالیٰ: "السماع والقول والرقص الذی يفعله المتصوفة فی زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه، و هوو الغناء والمزامير سواء". (الفتاوى اللعالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو و سائر المعاصی : ۳۵۲/۵، رشيديه)

ہے اس لئے ہم بھی سنتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قوالی چشتیت کا اہم ترین جزو ہے اس کے بغیر چشتیت ناتمام رہتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساز وقوالی سنی ہے یا اس کی اجازت دی ہے؟ شریعت کی رو سے قوالی کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ڈھولک ہارمونیم وغیرہ کسی قسم کے ساز کے ساتھ محفل منعقد کرنا شرعاً جائز نہیں، چشتیت کی آڑ بھی کار آمد نہیں۔ حضرت خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کسی سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں، نیز جس چیز کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صاف منع فرمادیا ہو اس کو کوئی جائز نہیں کرسکتا (۱)۔ بزرگان دین رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خود بھی اتباع کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اتباع کی تلقین کرتے ہیں۔ خود بھی نافرمانی سے بچتے ہیں دوسروں کو بھی بچاتے ہیں۔ ہواپرستوں نے اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لئے کچھ غلط باتیں بزرگوں کی طرف منسوب کردی ہیں وہ ہرگز قابل التفات نہیں (۲)۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تفہیمات الٰہیہ" (۳) میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: ۲/۳۵۵ (۴) میں اس کو منع لکھا ہے۔ علامہ حصکفی سکب الأنہر: ۲/۵۵۱ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) "التغني باللهو معصية في جميع الأديان .... وعلل بأنه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة". (العناية على هامش فتح القدير، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۷/۴۰۸، ۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

وفي الحديث: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصوتين الأحمقين: النائحة والمغنية". (الهداية، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۳/۶۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام، لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۵۲، الباب السابع عشر في الغناء والهواء، رشيديه)

(۳) "فالملاهي نوعان: محرم، و هي الآلات المطربة كالمزامير، المزامير: جمع مزمار، و هي آلة موسيقية تعتمد على النفخ وهي أنواع كثيرة". (حجة الله البالغة، الملاهي: محرم و مباح: ۲/۵۲۱، قديمي)

(۴) (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۳۵۵، في سماع الآلات المطربة، حاجي عبد الغفار و پسران =

"لا أصل له فی الدین۔ زادفی الجواهر: وما یفعله متصوفة زماننا حرام، لا یجوز القصد والجلوس إلیه و من قبلهم لم یفعله کذلك"(۱)۔

یعنی اس قوالی کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے اور ہمارے زمانہ کے نام نہاد صوفیاء جس طرح قوالی کرتے ہیں وہ حرام ہے، اس کا قصد کرنا اور قوالی کی محفل میں بیٹھنا جائز نہیں، پہلے بزرگوں نے ہرگز ایسا کام نہیں کیا۔

علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ابتدا اس طرح نقل کی ہے:

"نقل القرطبی عن أبی بکر الطرطوشی أنه سئل عن قوم یجتمعون فی مکان، یقرأون شیئاً من القرآن، ثم ینشد لهم منشد شیئاً من الشعر، فیرقصون و یطربون و یضربون بالدف والشبابة، هل الحضور معهم حلال أم لا؟ فأجاب: مذهب السادة الصوفیة أن هذا بطالة و جهالة و ضلالة إلی اخر کلامه، قلت: و قد رأیت أنه أجاب بلفظ غیر هذاوهو: أنه قال: مذهب الصوفیة بطالة و جهالة و ضلالة و ما الإسلام إلا بکتاب الله و سنة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، و أما الرقص والتواجد فأول من أحدثه أصحاب السامری لما اتخذ لهم عجلاً جسداً له خوار، قاموا یرقصون حوله و یتواجدون، فهو دین الکفار و عباد العجل. وإنما کان مجلس النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مع أصحابه کأنما علی رؤسهم الطیر من الوقار، فینبغی للسلطان و نوابه أن یمنعوهم من الحضور فی المساجد وغیرها، لا یحل لأحد یؤمن بالله والیوم الاخر أن یحضر معهم، و لا یعینهم علی باطلهم، هذا مذهب مالك و الشافعی وأبی حنیفة وأحمد وغیرهم من أئمة المسلمین اهـ"(۲)۔

ترجمہ: "ابوبکر طرطوشی سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کسی جگہ جمع ہو کر پہلے تو

= تاجران کتب ارگ بازار قندهار، افغانستان)

(۱)" زاد فی الجواهر و ما یفعله متصوفة زماننا حرام، لا یجوز القصد والجلوس إلیه الخ". (سکب الأنهر، فصل فی المتفرقات: ۲/۵۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت قدیم)

(۲) (کتاب حیوة الحیوان: ۲/۵۴۱، تحت لفظ العین المهملة "العجل"، دار الکتب العلمیة بیروت)

کچھ قرآن پڑھتے ہیں، اس کے بعد کوئی گویا کوئی شعر پڑھتا ہے جس پر وہ لوگ ناچنے لگتے ہیں، ان پر مستی سوار ہوجاتی ہے اور دف وغیرہ بھی بجاتے ہیں تو کیا ایسوں کی مجلس میں حاضر ہونا جائز ہے؟ اس پر علامہ ابوبکر نے جواب دیا کہ یہ طریقہ جہالت، گمراہی اور باطل پرستی ہے، اسلام کی بناء تو صرف کتاب وسنت پر ہے اور ان باتوں کا کتاب وسنت سے دور کا بھی تعلق نہیں، یہ رقص اور مستانگی سامری کے ماننے والوں کی ایجاد ہے جو بچھڑے کو معبود بنا کر ان کے گرد ناچتے اور کودتے تھے، لہذا جاہل صوفیوں کا یہ طریقہ دراصل کافروں اور مشرکوں کا طریقہ ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں اس درجہ وقار اور سکون ہوتا تھا کہ معلوم ہوتا کہ صحابہ کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ لہذا با اختیار اور ذمہ داروں کو چاہئے کہ ایسے ناچنے اور گانے بجانے والے پیروں کو مسجد میں آنے تک سے روک دیں اور خدا پرست مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ان کی مجلس میں قدم رکھے اور ان کی باطل پرستی میں کوئی بھی حصہ لے''۔

اس کے ناجائز ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، علامہ کردری نے فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب ''وجیز'' (۱) میں اس پر تفصیلی کلام کیا اور اس کے ناجائز ہونے پر نہایت قوی دلائل قائم کئے ہیں۔ اسلاف میں سے اگر کسی نے اضطراری خصوصی حالت کی وجہ سے قوالی سنی بھی تو ان کا یہ فعل قابل حجت نہیں بن سکتا، حجت شرعیہ تو قرآن پاک ہے، حدیث شریف ہے اور ان دونوں کی تشریح وتفصیل فقہ ہے اور بس۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قوالی

سوال[۱۵۶۷]: قوالی سننے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قوالی میں ڈھول، تاشے وغیرہ ہوں تو کسی شرط سے سننا جائز نہیں، محض اشعار بلا مزامیر کے کسی ایسے شخص سے کبھی کبھی سننا جس میں کسی قسم کا فتنہ اور کوئی امر خلاف شرع نہ ہو، درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (لم أظفر علی هذا الكتاب)

(۲) قال العلامة الآلوسي: "اعلم أن الشعر باب من الكلام حَسَنُه حسن و قبيحه قبيح، و في الحديث: =

قوالی اور خنزیر کھانے کی حرمت میں فرق

سوال[۱۵۶۸]: فتوی ۹۴۲/ب موصول ہوا، اس میں تحریر ہے کہ ''جس چیز کو قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا، اس کی حرمت لعینہ ہے اور شدید ہے، بعض دفعہ ایک حرام کا ارتکاب متعدی ہوتا ہے''۔ اس کے بعد تحریر ہے کہ ''جس جگہ جس قسم کی حرمت ہوگی اس پر اسی حیثیت سے نکیر کی جائے گی، لہذا قوالی مع معازف، مزامیر اور گانے کی حرمت قرآن کریم میں ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ الخ (۱) ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك﴾ الخ (۲) سے لعینہ ثابت ہوئی، لہٰذا یہ حرمت شدید ہوئی اور اس حرام کا ارتکاب متعدی بھی ہے اس لئے باعث اشتداد ہوا۔ چونکہ حرمت اس کی بھی قرآن کریم سے ثابت ہے بایں وجہ اس پر شدید نکیر ہونی چاہیے، اس میں تعدیہ ہے۔

خنزیر، شراب اور زنا میں تعدیہ نہیں، اس لئے قوالی بمقابلہ خنزیر وشراب اور زنا کے زیادہ کیا سخت ہوئی اور اس کا گناہ بھی زیادہ ہوا؟ اس کا مرتکب بہ نسبت اس کے زیادہ لعن وطعن کا مستحق ہوا؟ نیز جس طرح خنزیر و شراب وزنا کی حلت کا قائل کافر ہے اسی طرح اس کی حلت وجواز کا قائل کافر ہوا؟ جس طرح خنزیر وغیرہ قسم کی

= "إن من الشعر لحكمة" و قد سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الشعر و أجاز عليه و فيه. بعد صفحات : و ما أحسن قول الماوردي : الشعر في كلام العرب مستحب و مباح و محظور، فالمستحب ماحذر من الدنيا و رغب في الآخرة و حث على مكارم الأخلاق، و المباح ما سلم من فحش أو كذب، والمحظور نوعان: كذب و فحش". (روح المعاني : ۱۸/ ۱۴، ۱۵، (تفسير سورة الشعرا)، دار إحياء التراث العربي)

قال الحافظ : "والذي يتحصل من كلام العلماء في حد الشعر الجائز أنه إذا لم يكثر منه في المسجد، و خلاعن هجو، و عن الإغراق في المدح والكذب المحض ، والتغزل بمعين لا يحل. و قد نقل ابن عبد البر الإجماع على جوازه إذا كان كذلك . وأخرج الطبري من طريق ابن جريج قال: سألت عطاء عن الحداء والشعر والغناء، فقال: لا بأس به مالم يكن فحشاً". (فتح الباري : ۱/ ۶۲۰، ۶۲۱، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء ، قديمي)

(۱) (لقمان : ۶)

(۲) (الإسراء : ۶۴)

اعانت کبیرہ گناہ ہے اسی طرح یہ بھی ہے؟ فقط۔

سائل قاری محمد انس صاحب این اے ڈرائی کلین نینی تال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قوالی کی مضرتیں تو قـــال کے اعتبار سے آپ نے تحریر فرمادی ہیں مگر ان کے مقابلہ میں خنزیر، شراب و زنا کی خرابی کو غیر متعدی قرار دے کر بہت ہلکا کر دیا حالانکہ حرام غذا سے جو خون پیدا ہو کر دل، دماغ اور جوارح میں پہونچتا ہے پھر اس سے جیسے نظریات اور اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی طرف نظر نہیں گئی، نیز شراب پی کر، عقل کھو کر جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں (۱) ان کی جانب دھیان نہیں گیا اور زنا کی حالت میں ایمان کا جدا ہونا بھی حدیث شریف میں موجود ہے (۲) اور اس سے اگر استقرار حمل ہو جائے تو یہ زنا کا اثر کس قدر متعدی ہے؟

---

(۱) قال العلامة الالوسی تحت قوله تعالیٰ: ﴿ویسئلونک عن الخمر والمیسر﴾ الایة، (البقرة: ۲۱۹): "الخمر إزالة العقل الذی هو أشرف صفات الإنسان، و إذا كانت عدوة للأشرف لزم أن تكون أخس الأمور؛ لأن العقل إنما سمي عقلاً؛ لأنه يعقل: اى يمنع صاحبه عن القبائح التي يميل إليها الطبعة، فإذا شرب زال ذلک العقل المانع عن القبائح و تمكن ألفها، و هو الطبع، فارتكبها وأكثر منها، و ربما كان ضحكةً للصبيان .... و ربما يقع القتل بين الشاربين فی مجلس الشرب .... فإنه إذا اختل العقل حصلت الخبائث بأسرها .... (المیسر) أن فيه أكل الأموال بالباطل، وأنه يدعو كثيراً من المقارين إلى السرقة، وتلف النفس، و إضاعة العيال، و ارتكاب الأمور القبيحة، و الرذائل الشنيعة، والعداوة الكامنة والظاهرة، و هذا أمر مشاهد لا ينكره إلا من أعماه الله و أصمه". (روح المعانی: ۲/۱۱۵، دار إحياء التراث العربی)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لايزنی العبد حين يزنی و هو مؤمن، و لايسرق حين يسرق و هو مؤمن، و لا يشرب حين يشرب و هو مؤمن، ولا يقتل و هو مؤمن". قال عكرمة: قلت لابن عباس: كيف ينزع الإيمان منه؟ قال: هكذا - و شبک بين أصابعه ثم أخرجها - فإن تاب عاد إليه هكذا وشبک بين أصابعه". (صحيح البخاری، كتاب المحاربين، باب إثم الزناة: ۲/۱۰۰۶، قديمی)

کیسے کیسے بے حیائی کے اخلاق کا مبدأ ہے؟ ان سب پر بھی غور کیجئے تو اندازہ ہوگا پھر توازن قائم کرنے میں سہولت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

غنا پر استدلال اور اس کا جواب

سوال[۱۵۶۹]: جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سماع سنا ہے اور انصار کی لڑکیوں کو اجازت دی ہے اور حبشی کا کھیل مسجد میں دیکھا ہے وہ گانا تھا تو یہ فعل لہو نہ ہونا چاہئے، حضرت کی شان سے بعید ہے، کیا اس کو مستحب کہیں گے یا مباح، یا منع کی حدیثیں بعد کی ہیں جس سے جواز منسوخ سمجھا جائے؟ طبل جنگ اور رمضان شریف میں سحری کے لئے نقارہ بجانا جائز ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

انصار کی چھوٹی بچیاں کچھ گا رہی تھیں، آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا(۱)، اس سے بالغین کے گانے پر استدلال بعید ہے کیونکہ وہ بچیاں غیر مکلف تھیں(۲)۔ حبشی کا کھیل مسجد میں کیا تھا، وہ لڑائی کے ہاتھ دکھانا تھا(۳)، آج بھی اگر کوئی لڑائی کے ہاتھ دکھائے، نیزہ تلوار وغیرہ چلائے یا بندوق کا نشانہ لگائے یا تیراندازی کرے تو نہ اس فعل کی ممانعت ہے، نہ اس کے دیکھنے کی، بلکہ احادیث میں تیراندازی وغیرہ کی ترغیب آئی ہے

---

(۱) "عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت: جاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فدخل حين بني عليّ، فجلس على فراشي كمجلسك مني فجعلت جوريات لنا يضربن بالدف و يندبن مَن قُتل من آبائي يوم بدر، إذ قالت إحداهن: و فينا نبي يعلم ما في غد. فقال: "دعي هذه، و قولي بالذي كنت تقولين". (صحيح البخاري: ۷۷۳/۲، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة، قديمي)

(۲) قال علي القاري: "قيل تلك البنات لم تكن بالغات حد الشهوة، وكان دفهن غير مصحوب بالجلاجل". (مرقاة المفاتيح: ۳۰۱/۶، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الأول، رشيديه)

(۳) "قال الزين بن المنير: سماه لعباً وإن كان أصله التدريب على الحرب، وهو من الجر لما فيه من شبه اللعب، لكونه يقصد إلى الطعن ولا يفعله ويوهم بذلك قرنه ولو كان آباه أوابنه". (فتح الباري: ۵۶۴/۲، كتاب العيدين، باب الحراب اهـ، رقم الحديث: ۹۴۹، قديمي)

یعنی فنِ سپہ گری مستحسن ہے کیونکہ معین علی الجہاد ہے(۱)۔

طبلِ غازی اور نقارہ سحری کی شرعاً اجازت ہے اس سے مقصود اعلان واطلاع ہے، نہ کہ حظِ نفس (۲) جیسا کہ قوالی اور سماع میں ہوتا ہے، باقی قوالی اور سماع کی روایت جیسا کہ بعض صوفیہ بیان کرتے ہیں وہ قطعاً غیر معتبر ہے، "حق السماع" اور "آثار الأبرار فی حرمة الغنا والمزامیر" وغیرہ میں اس کے عدم جواز پر دلائل قائم کئے ہیں، علامہ دمیری نے بحوالہ قرطبی نقل کیا ہے کہ رقص وتواجد کی ابتداء اصحابِ سامری سے ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو علی المنبر یقول: ﴿وأعدّوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ ألا ! إن القوة الرمی، ألا ! إن القوة الرمی، ألا! إن القوه الرمی". رواه مسلم".

"وعنه (أی عقبة بن عامر) قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "ستفتح علیکم الروم، ویکفیکم الله، فلا یعجز أحدکم أن یلهو بأسهمه". رواه مسلم". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۳۶، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الأول، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: " هی کل مایتقوی به فی الحرب فی عددها .... قال النووی : فیه وفی الأحادیث بعده ففضیلة الرمی ، والمناضلة والاعتناء بذلک بنیة الجهاد فی سبیل الله، والمراد بهذا التمرّن علی القتال والتدرب فیه ورياضة الأعضاء بذلک". (مرقاة المفاتیح: ۴۲۴/۷، باب إعداد آلة الجهاد، رقم الحدیث: ۳۸۶۱، الفصل الأول، رشیدیه)

(۲) "وإذا کان الطبل لغیر اللهو فلا بأس به، کطبل الغزاة والعرس، لما فی الأجناس: ولابأس أن یکون لیلة العرس دف یضرب به لیعلن به النکاح، وفی الولوالجیة: وإن کان للغزو أو القافلة یجوز". (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی المعاصی، سعید)

"وینبغی أن یکون بوق الحمام یجوز کضرب النوبة .... أقول : وینبغی أن یکون طبل المسحر فی رمضان لإیقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام، تأمل". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس، سعید)

قوالی اور پختہ قبر وغیرہ

سوال[۱۵۷۰]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبے تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں:

"لماروى جابر رضى الله تعالىٰ عنه نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، وأن يبنى عليه" رواه مسلم اهـ". (۱) شامی: ۱/۶۰۱(۲)۔

"أما الغناء المعتاد الذى يحرك الساكن و يهيّج الكامن الذى فيه وصف محاسن الصبيان والنساء و نحوها من الأمور المحرمة، فلا يختلف فى تحريمه اهـ". تنقيح الفتاوى الحامدية، ص: ۳۵۹(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبور والقعود الخ: ۱/۳۱۲، قديمى)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۳) (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الحظر والإباحة، مطلب: من البدع المنكرة إيقاد القناديل الكثيرة: ۲/۳۵۹، المكتبة الميمنية، مصر)

منكرات الصوفية

(جاہل صوفیاء کے منکرات)

پیر کا نام بطورِ وظیفہ پڑھنا اور مرید سے نذرانہ لینا

سوال[۱۵۷۱]: پیر صاحب کا نام بطور وظیفہ لینا کیسا ہے؟ نیز پیر صاحب کا مریدین سے نذرانہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وظیفہ کے طور پر پیر صاحب کا نام لینا جائز نہیں (۱)، مرید اگر خوشی سے ہدیہ پیش کرے اور وہ حلال مال کا ہو تو اس کا دل خوش کرنے کیلئے قبول کرنا درست ہے (۲)، اسکی مرضی کے خلاف بطور ٹیکس کے اس سے نذرانہ وصول کرنا جائز نہیں، حرام ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

پیر اپنا نذرانہ لیتا ہے مریدین کی اصلاح نہیں کرتا

سوال[۱۵۷۲]: ریاست کشمیر میں ہر ایک خاندان کے پیر صاحب صدیوں سے مقرر ہیں، بعضے بعد عرصہ ایک سال بعض سال میں چند دفعہ مرید کے گھر میں آکر خورد نوش کرتے ہیں اور کچھ شب گزار کر اس

---

(۱) (أنظر تاليفات رشيديه، كتاب الإيمان والكفر، ص: ۷۶، ۷۷، اداره اسلاميات)

(وكذا النهر الفائق، كتاب القاضي، كتاب الحدود، باب التعذير: ۱۵۶/۳، رشيديه)

(وشرح المجلة: ۶۲/۱، دار الكتب)

(۲) قال عليه السلام: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح، باب الغصب والعارية، ص: ۲۲۵، قديمی)

(۳) "والإسلام يجعل مال الغير حرمة، فلا يجوز أخذه منه، إلا من طريق مبادلة مشروعة أو عن طيب نفس منه هبة أو صدقة". (الحلال والحرام ليوسف القرضاوی، ص: ۲۵۰، بيروت)

مرید سے ھدیہ حاصل کرکے واپس جاتے ہیں۔علاوہ ازیں مرید پیر صاحب سے اسلام کی کوئی بات پوچھتے ہی نہیں، سال بھر عمر بھر مریدین بے نماز، کسبِ حرام خور ہوکر رہتے ہیں، اور یہ پیر اپنا مقرر کردہ ھدیہ لیتے رہتے ہیں، اس کمائی کا کیا نام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر کسی بزرگ، متبع سنت، صاحب سنت کو بنایا جاتا ہے، اور پیر بنانے کا مقصد یہ ہے کہ مرید کے نفس کی اصلاح ہو، حرام کاموں سے توبہ کرے، شریعت کا ہر حکم مانے، فرائض وواجبات کا اہتمام کرے، اپنی پوری زندگی کو سنت کے مطابق بنائے (۱)۔ پیر کے ذمہ مرید کی اصلاح وتربیت واجب ہے، اگر مرید حرام کاموں میں مبتلا ہے اور پیر سب کچھ جانتا ہے مگر مرید کی اصلاح نہیں کرتا ہے اور اس کو حرام کاموں سے نہیں روکتا ہے، اور مرید حرام کاموں سے نذرانہ دیتا ہے اور پیر جان بوجھ کر اس کو قبول کرتا ہے تو وہ پیر حرام خور ہے، اپنا فریضہ نہیں ادا کرتا ہے، اس طرح مرید کی ہرگز اصلاح نہ ہوگی (۲)، حرام روپیہ پیر کو دینے سے مرید کو ثواب نہیں ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۴ھ۔

---

(۱) "فالتصوف عبادة عن عمارة الظاهر والباطن، أما عمارة الظاهر فبالأعمال الصالحة، وأما عمارة الباطن فبذكر الله وترك الركون إلى ماسواه، وكان يتيسر ذلك للسلف بمجرد الصحبة الخ".
(إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف: ۴۳۸/۱۸، ادارة القرآن)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کامل کی علامات ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "وہ شیخ تعلیم وتلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور انکی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے"۔
(تربیت السالک، حصہ اول: ۱۰/۱، دارالاشاعت)

(۳) "إذا تصدق بالمال الحرام القطعي، أو بنى من الحرام بعينه مسجد ونحوه مما ير جو به التقرب، مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله، كفر؛ لأن استحلاله المعصية كفر، والحرام لاثواب فيه". (الفقه الإسلامي وأدلته، أحد عشر: التصدق من المال الحرام، ۲۰۵۸/۳، رشيديه كوئته)
(وكذافي الدر المختار ورد المحتار، مطلب: تصدق بالمال الحرام: ۲۹۲/۲، سعيد)

مریدوں سے ہدیہ لینا

سوال[۱۵۷۳]: مرید سے روپیہ پیسہ وغیرہ لینا پیر کے واسطے درست ہے یا نہیں

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرید بطیبِ خاطر دیتے ہیں تو جائز ہے اور اگر جبراً دیتے ہیں تو ناجائز ہے: "إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". عالمگیری: ۲/۷۷۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۹/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/صفر/۵۵ھ۔

ایک پیر صاحب کے حالاتِ تصوف

سوال[۱۵۷۴]: ایک عالم نے پارسال گاؤں میں آکر تصوف کا بہت بڑا مدرسہ کھولا ہے اس میں مریدوں کا نام لکھ کر داخل کرتے ہیں اور روزانہ مریدوں کا نام پکارا جاتا ہے اور حاضری اور غیر حاضری کا نشان لگایا جاتا ہے، سال میں دو مرتبہ: ایک مرتبہ سات دن اور دوسری مرتبہ پانچ دن مدرسہ کھولا جاتا ہے۔ مجموعہ بارہ دن سال میں اپنے مریدوں کو تصوف کی تعلیم دیتے ہیں اور ایصالِ ثواب کی مجلس کرتے ہیں اور وعظ کرتے کراتے ہیں اور علم تصوف کو بلاضرورت فرض عین بتاتے ہیں۔ علم شریعت بدونِ معرفت مکمل نہیں ہوتا ہے اور مریدوں سے حسبِ مقدور روپیہ، پیسہ، چاول، گھانس، بکری، مرغی وغیرہ لے کر مریدوں اور دور دراز کے وعظ سننے والوں کو کھلاتے ہیں، بچے ہوئے روپیہ میں سے کچھ غریبوں کو دیتے ہیں اور کچھ آمد ورفت کی بابت پیر صاحب لے لیتے ہیں۔ عوام کو شبہ ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے بہت اچھی تجارت بنائی ہے۔ ہیئت کذائی کے ساتھ تصوف کی تعلیم دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۲/۱۶۷، فصل فی التعزیر، رشیدیه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل فی تعزیر، باب حد قذف: ۵/۶۸ رشیدیه)

(وكذا فی شرح المجله، سلیم رستم باز: ۱/۶۲، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً :

آپ نے روپیہ کمانے اور تجارت کرنے کا طریقہ تو سب لکھ دیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ تصوف کی کیا تعلیم دیتے ہیں تاکہ اس کے جواز وعدم جواز پر غور کیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ ایسا تصوف فرض عین ہے یا نہیں اور بغیر ایسی معرفت کے علم شریعت مکمل ہے یا غیر مکمل۔ جو روپیہ پیسہ مریدوں سے لیتے ہیں وہ اگر توبہ کرانے کا معاوضہ ہے تب تو حرام ہے(۱) اگر مرید اپنی خوشی سے بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں تو اس میں گنجائش ہے(۲)۔ وعظ سننا، سنانا جائز بلکہ ثواب ہے بشرطیکہ اس میں خلاف شرع کوئی شیء نہ ہو(۳)۔ ایصال ثواب بھی اچھی بات ہے لیکن اس میں اگر تاریخ وغیرہ کا تعین مثل عرس کے ہو اور کسی ہیئت خاصہ غیر ثابتہ کا التزام ہو(۴) جیسے کھانا سامنے رکھ کر

---

(۱) "و لا تصح الإجارة لعسب التيس .... و لا لأجل الطاعات". (الدر المختار، كتاب الإجارة : ۵۵/۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ : "تهادوا فإن الهدية تذهب وغر الصدر" (مسند احمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ :۱۲۲/۳ ، دار احياء التراث العربي)

و قال عليه السلام : "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية: ۲۵۵/۱، قديمي)

"والإسلام يجعل مال الغير حرمة، فلا يجوز أخذه منه إلا من طريق مبادلة مشروعة أو عن طيب نفس منه هبةً أو صدقةً". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، ص: ۲۵۰، بيروت)

"لايجوز أخذ مال مسلم بغير سبب شرعي". (النهر الفائق، كتاب الحدود، باب التعزير :۱۲۵/۳ ، رشيديه)

(۳) قوله: "فبلسانه": أي فليغيره بالقول و تلاوة ما أنزل الله من الوعيد عليه و ذكر الوعظ والتخويف والنصيحة .... ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، و إذا كان مكروهاً ندب، وشرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة ". (المرقاة شرح مشكوة المصابيح :۸/ ۸۶۱، ۸۶۲، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، رقم الحديث :۵۱۳۷، رشيديه)

(۴) قال العلامة اللكنوي : "فكم من مباح يصير بالالتزام. من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص. أسس مكروهاً الخ". (سباحة الفكر، ص: ۳۴، في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي : ۳/ ۴۹۰، ادارة القرآن)

فاتحہ وغیرہ پڑھایا مزار پر چڑھایا چڑھایا جاتا ہو یا غیر اللہ کی نذر مانی جاتی ہو یا وہ مجلس غنا مزامیر، رقص وسرود وغیرہ منکرات پر مشتمل ہو یا یہ مجلس ریا وفخر کے لئے کی جاتی ہو پھر شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے اس کا ترک کرنا واجب ہے اس میں شرکت گناہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۱/ ۵/ ۶۰ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ۵/ ۶۰ھ۔

پیر کا بخشش کروانا

سوال [۱۵۷۵]: ۱...... کیا پیر اپنے مرید کی بخشش کرا سکتا ہے؟

۲...... جو اس دنیا سے چل بسا وہ زندوں کے کام آ سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنه: قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو مردود". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/ ۲۷، سعيد)

وقد قال الله تعالىٰ: ﴿و قد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم ايت الله يكفر بها و يستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره، إنكم إذاً مثلهم﴾. (سورة النساء: ۱۴۰)

"أي إنكم إذا ارتكبتم النهي بعد وصوله إليكم و رضيتم بالجلوس معهم في المكان الذي يكفر فيه بآيات الله و يستهزأ و ينتقص بها و أقررتموهم على ذلك، فقد شاركتموهم في الذي هم فيه، فلهذا قال الله تعالىٰ: ﴿إنكم إذاً مثلهم﴾ في المأثم، كما جاء في الحديث: "من كان يؤمن بالله واليوم الأخر، فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر". (تفسير ابن كثير: ۱/ ۷۵۳، ۷۵۴، دار السلام)

وفي روح المعاني: ﴿و إذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا فأعرض عنهم﴾ الاية، و هذا يقتضي الانزجار عن مجالستهم في تلك الحالة القبيحة، فكيف بموالاتهم والاعتزاز بهم"؟ (روح المعاني: ۵/ ۱۷۲، دار احياء التراث العربي)

و قال الضحاك تحت آية: "(وقد نزل عليكم) الخ عن ابن عباس رضي الله عنهما: "دخل في هذه الآية كل محدث في الدين و كل مبتدع إلى يوم القيامة". (تاليفات رشيديه، شركت مجالس بدعت، ص: ۱۳۷، اداره اسلاميات لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......اللہ کی اجازت سے کراسکتا ہے(۱)۔

۲......کام سے کیا مراد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

ایک پیر کے مخلوط حالات

سوال[۱۵۷۶]: علاقہ کشمیر ضلع مظفرآباد میں ایک شخص بدعویٰ پیری آیا ہوا ہے اپنا سلسلہ نقشبندی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ علمی قابلیت میں عربی میں خلاصہ کیدانی بھی نہیں پڑھا ہے البتہ اردو میں تحریر وتقریر جانتا ہے وعظ ونصیحت کرتا ہے جو کہ مطابق شرع ہوتی ہے لباس عالمانہ پہنتا ہے صرف شملہ چھوڑتا ہے، داڑھی مطابق شرع ہے، ڈھول وغیرہ سے اعراض کرتا ہے اسی طرح منکرات سے بچنے کے لئے خوب وعظ کہتا ہے۔ با ایں ہمہ اوصاف جدھر جاتا ہے ایک مرید کے ہاں قیام کرتا ہے۔ مسجد محلہ میں باجماعت نماز کمتر پڑھتا ہے اگرچہ وہ دس قدم پر ہی کیوں نہ ہو بلکہ اپنے جائے قیام پر مریدوں کے ساتھ باذان واقامت ادا کرتا ہے، لوگوں کو بلا بلا کر مرید کرتا ہے کوئی شخص مرید نہ ہو تو خود نرم زبانی سے قابو میں لاتا ہے ورنہ کسی معتبر مرید کے ذریعہ اس کو زیر کرتا ہے۔ جب ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو جاتا ہے تو خود گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور دوسرے مریدوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ آگے پیچھے ذکر جہریہ کرتے چلیں۔ مٹی پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا، عموماً کرسی یا چوکی پر بیٹھتا ہے، بعض اوقات خود کسی کرسی پر بیٹھ کر ذکر کراتا ہے۔ جس مرید کے مکان میں اقامت اختیار کرتا ہے اس کے گھر کی مستورات میں بے پردہ بیٹھتا ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ بہت تعلق رکھتا ہے، ہمیشہ ان کے ساتھ مجلس کرتا ہے ان کے پاس جاکر ریڈیو، گراموفون، باجے سے بھی کبھی شغل کرتا ہے۔ اس کے یہاں مراتب کا خاص خیال ہے یعنی غریبوں کی اتنی عزت نہیں جتنی امیروں کی کرتا ہے۔ مریدوں سے نقد جنس وصول کرتا ہے لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتا۔ غذا عمدہ پرتکلف کھاتا ہے معمولی خوراک کھاتا ہی نہیں اس کا اثر یہ ہے کہ مرید کچھ مدت تک ذکر وشریعت کے پابند رہتے ہیں۔ بے نمازی، فاسق، فاجر اور ریش تراشوں تک کو مرید کرلیتا ہے۔ مریدوں کو مجمع عام میں لیجا کر کہتا ہے کہ مونہہ کو بند کر کے ''اللہ'' دل میں اور ''ہو'' کو دم کے ساتھ ناک سے نکالیں مرید ایسا

(۱) ﴿یومئذ لا تنفع الشفاعة إلا من أذن له الرحمن و رضی له قولاً﴾. (سورة طٰه: ۱۰۹)

کرتے ہیں اور دو تین منٹ میں بدحواس ہو کر اچھلنے کودنے لگتے ہیں، یہاں تک کے بے خود ہو جاتے ہیں۔ بدحواسی میں ''اللہ'' اور ''ہو'' کا تلفظ صحیح ادا نہیں ہوتا اسی طرح شور وشر کر کے گر جاتے ہیں۔ اگر نماز پڑھنا ہوتا ہے تو بلا تازہ وضو کیے نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی حالت میں جب پیر کوئی شعر پڑھتا ہے تو تمام مجلسِ رقص میں آجاتی ہے۔ پیر اسے ذکر قلبی مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کہتا ہے جن مریدوں پر اثر نہیں ہوتا انہیں سنگدل کہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کو پیر بنانا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو مریدوں کو بیعت توڑ دینی چاہئے؟ نیز اس ذکر کو مطابق سلسہ نقشبندیہ کہنا درست ہے یا نہیں جن مریدوں پر اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ کیا ہے اور بلا تجدید وضو نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

گراموفون وغیرہ سننا، رقص کرنا، بلا عذر شرعی جماعت مسجد ترک کرنا، دنیا دار، دنیاداری کی وجہ سے تواضع کرنا، امور خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ حدیث وفقہ سے ممانعت ثابت ہے(۱) وعظ ونصیحت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ تلقینِ ذکر خواہ اسم ذات کا ذکر ہو خواہ نفی اثبات کا شرعاً درست و مستحسن ہے۔ خلافِ شرع میں کسی پیر کی اطاعت جائز نہیں (۲)۔ شیخِ کامل کی علامات ''التکشف عن مهمات التصوف'' میں

---

(۱) "السماع والقول والرقص الذی یفعله المتصوفة فی زماننا حرام، لا یجوز القصد إلیه والجلوس علیه، وهو والغناء والمزامیر سواء". (الفتاوی العالمکیریة، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو، کتاب الکراهیة: ۳۵۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: الحظر والإباحة: ۳۴۹/۶، سعید)

"والجماعة سنة مؤکدة للرجال، قال الزاهدی: أرادوا بالتاکید الوجوب". وفی ردالمحتار: "وفی النهر عن المفید: والجماعة واجبة وسنة لوجوبها بالسنة، .... إلا أن هذا یقتضی الاتفاق علی أن ترکها مرةً بلا عذر یوجب إثماً .... قال فی شرح المنیة الأحکام تدل علی الوجوب من أن تارکها بلا عذر یعزر وترد شهادته ویأثم الجیرانِ بالسکوت عنه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۵۲/۱، کتاب الصلوٰة، باب الامامة، سعید)

(۲) "عن علی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الله عز و جل". (مسند الإمام احمد: ۲۱۲/۱، رقم الحدیث: ۱۰۹۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

درج ہیں (۱) اور تصوف کا مطالعہ کیجئے۔ پیر کامل کی بہت بڑی علامت یہ ہے کہ اس کے تعلق کے بعد روز بروز اللہ تعالیٰ کی محبت اور اتباع سنت میں ترقی ہو اور گناہوں سے نفرت (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک پیر صاحب کے خلاف شرع حالات

سوال [۱۵۷۷]: یہاں ایک فقیر آئے ہیں جو نامحرم عورتوں کو لے کر اپنے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان عورتوں سے اپنے ہاتھ پیر دبانے کی خدمت بھی لیتے ہیں، وہ عورتیں فقیر کی قدم بوسی کرتی ہیں۔ فقیر کہتے ہیں کہ اس کے بغیر مریدین فیض یاب نہیں ہوتے۔ فقیر اور ان کے اصحاب محلّہ کی مسجد میں جماعت کے اندر شریک نہیں ہوتے حالانکہ مسجد اور مکان کے درمیان دو تین منٹ کی مسافت ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام مسجد ناپاک ہے کراسین تیل سے بتی جلتی ہے۔ فقراء اور ان کے اصحاب نہایت سخت آواز سے ذکر کرتے ہیں اور یا شیخ عبدالقادر کہہ کر پکارتے ہیں اور اثنائے ذکر خوب زور وشور سے زانو پر ہاتھ مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ قادریہ اور چشتیہ کا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مرید نہیں کیا (۳) کسی نامحرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے (۴) جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے واجب کے درجہ میں ہے۔ بلا عذر شرعی ترک جماعت شرعاً بہت مذموم ہے اور اس کی عادت ڈالنا قبیح ہے اور نفاق کی علامات ہے اس سے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مرید اور شاگرد میں فرق'')

"والولي هو العارف بالله تعالیٰ حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي". (شرح العقائد ص: ۱۴۵، مكتبه خير كثير كراچي)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''شیخ کامل کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ: اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو''۔ (تربیت السالک: ۱/۱۰، دارالاشاعت کراچی)

(۳) "قال عروة: قالت عائشة رضي الله عنها فمن أقرّ بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قد بايعتك كلاماً" و- لا والله- ما مست يده يد امرأة قط في المبايعة: ما يبايعهن إلا بقوله: "قد بايعتك على ذلك". (صحيح البخاري، باب إذا جاء كم المؤمنات مهاجرات: ۲/۷۲۶، قديمي)

(۴) "لا يخلونّ رجلٌ بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان". (جامع الترمذي، باب كراهية الدخول على المغيبات: ۱/۲۰۲، سعيد)

آدمی مردود الشہادۃ ہوجاتا ہے(۱)۔ ذکر میں چیخ چیخ کر بڑے پیر کو پکارنا، تالی بجانا غلط طریقہ ہے، حضرت شیخ شہاب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے عوارف المعارف میں اس پر کلام کیا ہے(۲)۔ جو پیر متبع سنت نہ ہو وہ خود پیر کا محتاج ہے، وہ اس لائق نہیں کہ کوئی اس سے مرید ہو، کوئی طالب حق اپنے آپ کو خراب نہ کرے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۸۹/۲/۵ھ۔

اپنے پیر پر جھوٹا مقدمہ چلانا

سوال[۱۵۷۸]: ایک مرید کا تعلق اپنے پیر سے کیسا ہونا چاہئے؟ ایک شخص اپنے بڑے بھائی سے مرید ہے اور ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ چلاتا ہے اور پیر کے خلاف حلفیہ جھوٹا الزام لگاتا ہے اور پیر کے خلاف جھوٹی گواہی دیتا ہے لوگوں کے کہنے پر جواب دیتا ہے کہ ہم نے بھائی پر مقدمہ چلایا ہے، پیر پر نہیں۔ یہ مرید کا قول کہاں تک درست ہے، اس صورت میں مرید فاسق وفاجر ہے یا نہیں؟ اور محبت پیر سے باقی ہے یا نہیں؟ اور مرید کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرید کا تعلق پیر سے ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ذہن میں اعتقاد رکھے کہ اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن

---

(۱) "تارک الجماعة یستوجب إساءةً، و لا یقبل شهادته إذا ترکها استخفافاً بذلک". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۳۶۵، بیروت)

(و کذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعید)

(۲) دیکھئے: (احیاء علوم الدین، کتاب عوارف المعارف، الباب الثالث والعشرون في القول في السماع رداً و إنکاراً: ۱۵۶/۵، ۱۵۹، مکتبه حقانیه، پشاور)

(۳) "والولي هو العارف بالله وصفاته بقدر ما یمکن له، المواظب علی الطاعات، المجتنب عن السیئات، المعرض عن الانهماک في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات". (شرح الفقه الأکبر. ص: ۷۹، قدیمی)

وفي النبراس: "حتی أنه یخرج بالکبیرة و إصرار الصغیرة عن الولایة". (ص: ۲۹۵، امدادیه ملتان)

کے لئے مجھے سب سے زیادہ فائدہ میرے پیر سے پہونچے گا اور میں اپنے پیر کی ہدایت پر عمل کرنے سے اپنے مولیٰ جل شانہ کی معرفت حاصل کرسکوں گا اور دنیا کی محبت ورغبت کم ہوکر آخرت کی رغبت زیادہ ہوگی اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت واطاعت حاصل ہوگی، پیر کی ہدایت پر عمل نہ کرنے سے نفس کی اصلاح نہیں ہوگی فیض نہیں پہونچے گا(۱)۔ جو حالات مرید کے سوال میں لکھے گئے ہیں اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس کا حکم مخفی ہو، ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ باتیں جھوٹا الزام، جھوٹا مقدمہ، جھوٹا حلف نہایت مذموم، قبیح، ممنوع، معصیت، کبیرہ گناہ فسق ہے(۲) پھر مرید کی تاویل کہ بھائی پر مقدمہ چلایا ہے پیر پر نہیں بالکل لغو ہے، اس تاویل سے یہ چیزیں جائز نہیں ہوجائیں گی۔

کسی غیر شخص بلکہ غیر مسلم کے ساتھ بھی یہ معاملہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے، اگر اس نے پیر کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ بھائی پر جھوٹا مقدمہ قائم کیا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ حدیث پاک میں بڑے بھائی کو باپ کے درجہ میں

---

(۱) ''شیخ کو اپنے حق میں سب سے زیادہ انفع (زیاد نفع پہنچنے کا ذریعہ) سمجھے اور یہ اعتماد رکھے کہ میرا اصلاح باطن اور حصول معرفت کا مطلب اسی مرشد سے بآسانی حاصل ہوگا، ہرجائی نہ بنے اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو فیض و برکات سے محروم رہے گا''۔ (تصوف وسلوک، للفقیر ذوالفقار احمد نقشبندی، ص:۵۲، دارالعلوم جھنگ)

(۲) ''عن أنس بن مالک رضي الله عنه، قال ذكر رسول الله ﷺ "الكبائر أو سئل عن الكبائر فقال: "الشرك بالله" .... فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ قال: "قول الزور" أو قال: "شهادة الزور".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۸۸۴/۲، قديمي)

"قال رسول الله ﷺ: "كفىٰ بك أن لا تزال مخاصماً". و أخرج البخاري: "أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم". أي كثير الخصومة، .... قول النووي ..... إنه قال: "ما رأيت شيئاً أذهب للدين و لأنقص للمرؤة و لا أضيع للذة و لا أشغل للقلب من الخصومة". و في أذكار النووي: فإن قلت: لا بد للإنسان من الخصومة لاستيفاء حقوقه، فالجواب ما أجاب به الغزالي أن الذم إنما هو لمن خاصم بباطل أو بغير علم .... و كذلك من يحمله على الخصومة محض العناد للقهر الخصم و كسره إلخ". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثلاثون والحادية والثانية ..... بعد الأربعمائة، الخصومة بباطل: ۳۱۶/۲، ۳۱۷، دار الفكر)

قرار دیا گیا ہے(۱)۔

تنبیہ: بیعت ہونے سے پہلے پیر کی خوب جانچ کرلی جائے کہ وہ بیعت کے قابل ہے بھی یا نہیں، اس کی علامات فتاویٰ عزیزیہ(۲) وغیرہ میں درج ہیں۔ بہر حال شخص مذکور کے لئے اپنے بھائی پیر سے فیض کا دروازہ تو بند ہو گیا ہے اور بیعت بھی برائے بیعت رہ گئی حقیقۃً باقی نہیں رہی۔ واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا سائل کی ذمہ داری ہے، سائل کے بیان سے ہی جواب مرتب ہوتا ہے۔ اگر واقعات اس کے خلاف ہوں گے تو جواب بھی کچھ اور ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۱۷/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۹/۸۷ھ۔

بزرگوں کے اس عمل کا اتباع جو کتاب وسنت کے خلاف ہے

سوال[۱۵۷۹]: دینی امور میں صرف بزرگوں کے عمل کو اہمیت دینی چاہئے یا قرآن وسنت کو معیار حق تصور کیا جائے؟ کیونکہ مطالعہ میں ہمارے بعض بزرگوں کے عمل ایسے بھی آجاتے ہیں کہ وہ باتیں سراسر طریقۂ سنت سے متصادم نظر آتی ہیں تو ایسے موقعوں پر بزرگوں کے عمل کو حجت مانا جائے یا قرآن وسنت پر عمل کیا جائے کیونکہ باقتضائے بشریت بزرگوں سے لغزشات کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی صورت میں عمل کس پر کیا جائے؟ بینوا وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل سرچشمۂ ہدایت قرآن کریم ہے عوام کے لئے بھی "ھدی للناس" خواص کے لئے "ھدی

---

(۱) "وعن سعيد بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق كبير الإخوة على صغيرهم حق الوالد على ولده". (مشكوة المصابيح، باب الشفعة والرحمة، ص: ۴۲۱، قديمى)

(وكذا فى شعب الايمان للبيهقى: ۶/۲۱۰، رقم الحديث: ۷۹۲۹، الهند)

(۲) دیکھئے: (فتاویٰ عزیزی: ۲/۱۰۴، ۱۰۵، مکتبہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(و تربیت السالک: ۱/۱۰، دار الاشاعت کراچی)

للمتقین " (۱)اور ہادی مطلق حق تعالیٰ ہے جس کو چاہے ہدایت دے ﴿یهدی من یشاء﴾(۲)قرآن کریم میں بیشتر بنیادی امور اور کلیات ہیں جن کی تبیین وتشریح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی ﴿لتبین للناس ما نزل إلیهم﴾ (۳)ہدایت ان کے اختیار میں نہیں دی گئی کہ جس کو چاہیں واصل بنادیں ﴿إنك لا تهدی من احببت﴾ (۴)جو شخص ارشاداتِ نبوی کی جس قدر پیروی کرے گا اسی قدر راہ یاب اور مقبول ہوگا(۵)۔علم ومعرفت کی روشنی میں حق وباطل کو الگ الگ سمجھے گا، اگر اس سے لغزش ہوگی تو لغزش ہی سمجھے گا اور تدارک کی فکر کرے گا، لغزش کو امرِ تعبدی قرار نہیں دے گا، اپنی پوری زندگی سنت کے تابع بنائے گا، اس کے اقوال واحوال سے بے شمار احادیث کی شرح سامنے آئے گی۔احادیث متعارضہ میں اگر وہ شرعی دلائل کی بنا پر ایک حدیث کو منسوخ قرار دیکر ناسخ پر عمل کرے گا تو اس کے اس عمل کو سنت کے متصادم کہنا صحیح نہیں ہوگا بلکہ ایسا کہنا بے علمی یا علم ناقص کی بنا پر ہوگا، اسی طرح راجح کو اختیار کرکے مرجوح کو ترک کرنا بھی سنت کے متصادم نہیں ہوگا۔جو شخص اپنے ناقص علم کو معیارِ حق بنا کر اس پر تمام اہلِ حق کو پرکھے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔جو بزرگ دیدہ دانستہ اپنی زندگی کو خلاف سنت بنائے اس کو اپنی بزرگی کی اصلاح لازم ہے، ایسا شخص قابلِ اتباع نہیں(۶)، اگر کسی عذر کی وجہ سے اس کا کوئی عمل خلاف سنت نظر آئے مثلاً گھٹنوں کے عذر سے

---

(۱) (سورة البقرة آیت: ۲)

(۲) (سورة فاطر آیت: ۸)

(۳) (سورة النحل آیت: ۴۴)

(۴) (سورة القصص آیت: ۲۸)

(۵) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ما أمرتکم به فخذوه، و ما نهیتکم عنه فانتهوا. ....اهـ".

"و عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: .... "فإذا أمرتکم بشیء فخذوا منه ما استطعتم، و إذا نهیتکم عن شیء فانتهوا". (سنن ابن ماجه، باب اتباع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، ص: ۲، میر محمد کراچی)

(۶) قال الله تعالیٰ: ﴿قل إن کنتم تحبون الله، فاتبعونی یحببکم الله، و یغفر لکم ذنوبکم، و الله غفور رحیم، قل أطیعوا الله والرسول، فإن تولوا، فإن الله لا یحب الکفرین﴾ (آل عمران: ۳۱، ۳۲)

قال ابن کثیر: "هذه الآیة الکریمة حاکمة علی کل من ادعی محبة الله و لیس هو علی الطریقة =

بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ یا خلاف سنت طریقہ پر بیٹھتا ہے تو وہ اپنے عمل میں معذور ہوگا اور ترکِ سنت کے وبال سے محفوظ رہے گا (۱) اور دوسروں کو اس کا اتباع درست نہیں ہوگا (۲) نہ اس پر اعتراض درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۱۴۰۱ھ۔

کلام مشائخ میں خلاف شرع بات ہو تو کیا کیا جائے

سوال [۱۵۸۰۱]: مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ، محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے دوسرے اہلِ حق بزرگوں کے کلام میں ایسے اقوال اور رموز بھی ملتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ رد کرے یا سکوت

= المحمدية فإنه كاذب في دعواه في نفس الأمر حتى يتبع الشرع المحمدي، والدين النبوي في جميع أقواله و أفعاله و أحواله، كما ثبت في الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهورد" و لهذا قال: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾ .... ثم قال تعالىٰ: ﴿و يغفر لكم ذنوبكم و الله غفور رحيم﴾ باتباعكم الرسول صلى الله عليه وسلم يحصل لكم هذا كله من بركة سفارته، ثم قال تعالىٰ آمراً لكل أحد من خاص و عام: ﴿قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا﴾ خالفوا عن أمره: ﴿فإن الله لايحب الكفرين﴾ فدل على أن مخالفته في الطريقة كفر، والله لايحب من اتصف بذلك، و إن ادعى و زعم في نفسه أنه محب لله و يتقرب إليه حتى يتابع الرسول النبي الأمي .... لو كان الأنبياء بل المرسلون بل أولوا لعزم منهم في زمانه ما وسعهم إلا اتباعه والدخول في طاعته واتباع شريعته". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۷، دارالسلام)

(۱) "إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر بوجود ألم شديد أو خاف زيادة المرض .... صلى قاعداً بركوع وسجود لما روى عن عمران بن حصين قال: كانت بي بواسير، فسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فقال: "صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، ص: ۴۳۰، ۴۳۱، قديمي)

(۲) اس لئے کہ معذور اور تندرست کے احکام میں فرق ہے عذر کی وجہ سے جو تخفیف معذور کو حاصل ہے وہ تندرست کو نہیں حاصل ہوتی۔

(۳) اس لئے کہ وہ معذور ہے اور معذور پر کوئی تنگی نہیں تو اعتراض کرنا بھی درست نہ ہوا۔

اختیار کرے؟ اس مسئلہ میں جناب کی رہنمائی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

جب کہ آپ ان کو اہلِ حق بزرگ تسلیم کرتے ہیں تو ان کے کلام میں خلاف شریعت اقوال کیسے ہو سکتے ہیں، کیونکہ بزرگی کی اولین شرط اتباع شریعت ہے(۱)۔ اصل یہ ہے کہ ہر فن کی اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو اہلِ فن ہی جانتے ہیں جب تک ان اصطلاحات کو اہلِ فن سے حاصل نہ کیا جائے ان کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تفسیر، کلام، فرائض، اسماء رجال، معانی، بیان، بدیع، صرف، نحو، طب، منطق، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی وغیرہ وغیرہ جملہ علوم وفنون کا یہی حال ہے کہ اگر ان کو بغیر استاد کے محض اپنے مطالعہ سے حاصل کیا جائے تو وہ اصل فن نہیں ہوگا۔ بلکہ غلطیوں کا انبار ہوگا (۲)۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہماری کتابوں کا مطالعہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جو ہماری اصطلاحات سے واقف نہ ہو شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال سے جو غلط فہمی پھیلی اور پھیلائی گئی

---

(۱) ''والولی هو العارف بالله تعالیٰ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی''. (شرح العقائد ص: ۱۴۵، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

و فی النبراس : ''حتی أنه خرج بالکبیرة و إصرار الصغیرة عن الولایة''. (ص: ۲۹۵، امدادیہ ملتان)

''ہر وہ مسلمان جو شریعت کا پابند ہو، متقی پرہیز گار ہو، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، ولی اللہ ہے، قال حکیم الأمة التهانوی رحمه الله : ''هو العارف بالله تعالیٰ و صفاته حسب ما یمکن، المواظب علی الطاعات، المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات''. (فتاوی حقانیہ، کتاب السلوک: ۲/۲۵۵، دار العلوم حقانیہ)

(۲) ''فینبغی للإنسان أن یعرض عنها بکل وجه أمکنه، فإنها مشتملة علی حقائق یعسر فهمها إلا علی العارفین المتضلعین من الکتاب والسنة، والمطلعین علی حقائق المعارف و عوارف الحقائق، فمن لم یصل لهذه المرتبة یخشی علیه منها مزلة القدم، والوقوع فی مهامه، والوقوع فی مهامه الحیرة، و الندم کما شاهدناه فی أناس جهال أزمنوا مطالعتها......... وأیضاً ففی تلک الکتب مواضع عبّر عنها بما لا =

اوران کے کلام میں ایسی چیزیں داخل کردی گئی ہیں جوخلاف شریعت ہیں ان کوتفصیل کے ساتھ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی "الیواقیت والجواھر" اور"کبریت احمر" میں بیان کیا ہے۔نیز مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالی نے "التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی" میں ان چیزوں کوواضح کیا ہے۔ان کے مطالعہ کے بعد شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالی کا کلام بالکل بے غبار ہوجاتا ہے،مولانا روم رحمہ اللہ تعالی کے کلام میں جواقوال خلافِ شریعت معلوم ہوں ان کو سمجھنے کے لئے مثنوی کی شرح کلید مثنوی کافی اور شافی ہے،حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی کا کلام خوداس قدر مبسوط ہے کہ اگرایک جگہ کچھ خلجان ہوتو دوسری جگہ اس کی تشریح مل جاتی ہے جیسا کہ ان کی کتب "الخیرالکثیر"،"البدورالبازغۃ"،ازالۃ الخفاء"، حجۃ اللہ البالغۃ" اور "تفہیمات الہیہ" وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ان اکابر کے جس کلام کا صحیح محمل سمجھ میں نہ آئے اور الفاظِ ظاہرہ سے خلافِ شریعت مطلب نکلتا ہوتو نہ اس مطلب پر عمل کیا جائے کیونکہ وہ خلافِ شریعت ہے نہ اس مطلب کوان حضرات کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ ظاہری مطلب کوغلط تصور کرتے ہوئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا کوئی اور مطلب ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فقیری جماعت میں داخل کرنے کے لئے تمام جسم پر استرہ

سوال[۱۵۸۱]: اس علاقہ میں قوم فقیر جب کسی شخص کواپنی فقیری جماعت میں داخل کرتی ہے تو اس فقیری جماعت کا پیر یا بزرگ شخص شریک ہونے والے شخص کے تمام بدن کے بال استرے سے منڈوانے کا حکم دیتا ہےاوراس کے حکم پرتمام بدن کے بال مامور شخص استرے سے بالکل مونڈادیتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے پہلے سے چہرے پر سنت یا غیرسنت کے مطابق داڑھی رکھ لی ہےتواس کوبھی منڈوادیتا ہےاور جماعت فقیر میں شریک ہوجاتا ہے۔اور یہ مشہور کررکھا ہے کہ یہ دستور اور سلسلہ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے فقیری جماعت میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اورخواجہ حسن بصری

= یطابقہ ظواھر عباراتھا، اتکالاً علی اصطلاح مقرر عند واضعھا، فیفھم مطالعھا ظواھرھا الغیر المرادۃ، فیضل ضلالاً مبیناً .... الخ". (الفتاوی الحدیثیۃ، ص:۳۸۸، ۳۸۹، قدیمی)

رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ دینا کیسا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ طریقہ حرام اور سخت معصیت ہے(۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو منسوب کرنا صریح بہتان ہے، ان پر افتراء ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲/۵/۹۹ ۱۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الإمام الغزالي: "عن سهل بن عبد الله : "كل وجد لا يشهد له الكتاب والسنة فباطل". (إحياء علوم الدين، كتاب عوارف المعارف : ۵/۸۷، مكتبه حقانيه، پشاور)

وقال مجدد الألف الثاني رحمه الله تعالىٰ: " كل حقيقة ردته الشريعة، فهو زندقة".

(مكتوبات: ۱/۱۱۴، دفتر أول مكتوب : ۴۳، سعيد)

"قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: ما أحدث مما يخالف الكتب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإعتصام : ۱/۳۶۸، رشيديه)

کتاب السیر والتاریخ

باب فی شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(شمائلِ نبوی صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کا بیان)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں

سوال[۱۵۸۲]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں اور ابلیس لعین کے علم میں کس کا علم زیادہ ہے؟ اور زیادتی کماً (مقدار میں) یا کیفاً (کیفیت میں) ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے اپنی ذات اور صفات کے متعلق اور شان نبوت کے لائق (مثلاً علم جنت، لوح محفوظ، کرسی، عرش، امور برزخ وآخرت وغیرہ) کا اتنا علم عنایت فرمایا کہ نہ کسی اور نبی کو دیا اور نہ ملائکہ کو دیا بلکہ اولین وآخرین کے علم کا مجموعہ بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا (۱)، ان علوم میں کوئی بھی آپ کے مقابلہ میں نہیں ہوسکتا، ان علوم میں کسی کو بھی آپ کے مقابلہ میں نہیں لایا جاسکتا، کسی کو بھی یہ

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :أمرهم ...... إلی أن قالت: ثم یقول: "إن أتقاکم و أعلمکم باللہ أنا". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم : "أنا أعلمکم باللہ": ۱/۷، باب أنا أعلمکم باللہ، قدیمی)

قال ابن حجر فی شرحه: "قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أنا أعلمکم باللہ" ظاهر فی أن العلم باللہ درجات، وأن بعض الناس فیه أفضل من بعض، وأن النبی منه فی أعلی الدرجات، والعلم باللہ یتناول ما بصفاته، و ما بأحکامه و مایتعلق بذلک". (فتح الباری: ۱/۹۶، کتاب الإیمان، قدیمی)

و فی امداد الفتاوی: "وأن سیدنا و شفیعنا محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جمیعاً". (۶/۳۲۷، مکتبه دار العلوم)

فضل وکمال حاصل نہیں ہے۔ پھر ابلیس لعین کو مقابلہ میں لاکر موازنہ کرنا انتہائی ذہنی پستی اور علم وشرف سے تہہ دستی اور شانِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واقفیت سے بے مائیگی پر مبنی ہے۔ رہا خسیس اور گندی چیزوں کا علم تو یہ مدارِ فضل وکمال نہیں، موجبِ قربِ الٰہی نہیں، باعثِ رفعِ درجات نہیں، اگر یہ علوم ابلیس یا اس کی ذریت یا کسی ہمنوا کو حاصل ہوں تو ان کا حال ایسا ہے جیسے کسی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ، حضور پرنور کے مقابلہ میں خنزیر کو پاخانہ کے ذائقہ کا علم حاصل ہو جائے، کوئی ادنیٰ فہم والا بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس سے خنزیر کا مقام بلند ہو گیا یا وہ بڑا عالم ہو گیا اور اعلیٰ حضرت کا مقام پست ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی عیب نہیں

سوال [۱۵۸۳]: جس طرح اللہ تعالیٰ پاک اور بے عیب ہے ایسے ہی ہمارے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاک اور بے عیب ہیں یا ان کے اندر کوئی عیب ہے؟ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر کوئی عیب ہے یا نہیں؟ اور روزِ حشر میں ان کا حساب لیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس قدر صفاتِ مؤدت کسی محبوب ومقبول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں وہ سب ہی حضرت اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موجود تھے اور کوئی عیب آپ میں موجود نہیں تھا(۱)۔

---

(۱) "فهو انه تعالىٰ وصف الأنبياء بالأوصاف الحميدة ثم قال لمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ﴿أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده﴾ أمره بأن يقتدى بهم بأسرهم فيكون آتياً به و إلا يكون تاركاً للأمر و تارك الأمر عاص و بين أنه ليس كذلك، و إذا أتى بجميع ما أتوا به من الخصال الحميدة فقد اجتمع فيه ما كان متفرقاً فيهم، فيكون أفضل منهم". (أصول الدين للرازى، ص: ۱۰۳)

"إن أفضل المخلوقات في الدنيا والآخرة هو سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذى جمع كل خِلال الخير و نعوت الكمال، و بعثته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عامةٌ لجميع المكلفين، وأفضليته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على جميع المخلوقات مما أجمع عليه المسلمون لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنا أكرم الأولين والآخرين على الله ولا فخر". (الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۲۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا حساب لیا جاتا آپ کی شفاعت سے دوسروں کا حساب معاف ہوگا (۱) اور مختلف قسم کی سہولتیں ملیں گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۵ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نسیان

سوال [۱۵۸۴]: بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی نسیان نہیں ہوا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نسیان ثابت کردے اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخت توہین کی، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں مانتا اور نیز کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم سحر (جادو) تمام کا تمام دیا گیا تھا مگر آپ نے عمل سحر نہیں کیا، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں" (۲) اتنی بات ضرور ہے کہ دینی امور میں آپ سے بھول نہیں ہوتی تھی اگر کبھی اتفاقیہ بھول ہوئی ہے تو فوراً آپ کو متنبہ کردیا گیا (۳)۔

---

(۱) "فيأتوني فأنطلق أستاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي و قعت ساجداً، فيدعني ما شآء، ثم يقال: ارفع رأسك و سل تعطه، و قل تسمع، واشفع تشفع، فأرفع رأسي فأحمده بتحميد يعلمنيه، ثم أشفع فيحد لي حداً فأدخلهم الجنة، ثم أدعوا إليه، فإذا رأيت ربي مثله ثم أشفع فيحد لي حداً فأدخلهم الجنة، ثم أعود الرابعة فأقول: ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن و وجب عليه الخلود اهـ". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب رد علم آدم الأسماء كلها: ۲/۶۴۳، قديمي)

(۲) "ولكن إنما أنا بشر مثلكم أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني الخ". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۱/۵۸، قديمي)

"قوله: (قال: و ما ذاك) و فيه دليل على جواز وقوع السهو من الأنبياء عليهم السلام في الأفعال". (فتح الباري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۱/۶۶۴، قديمي)

(۳) "(و ظاهر قوله) صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (إنما أنسى لأسن) أنه يورد عليه النسيان من قبل الله سبحانه و تعالىٰ (فيتصف به إلا أنه لا يقر عليه فيما هو أمر ديني لكن ينبه)". (المسامرة بشرح المسايرة: =

سحر سے بچنا واجب ہے (۱) اور ساحر کے متعلق فقہاء نے کلام کیا ہے کہ اگر اس کے سحر میں کفر ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے (۲) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم قرآن دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے سحر کو بھی دفع فرمایا تھا علم سحر نہیں دیا گیا (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۴/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مہرِ نبوت اور جسمِ اطہر پر مکھی نہیں بیٹھی

سوال [۱۵۸۵]: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ دریافت طلب ہے کہ مہرِ نبوت کی اصلیت کیا ہے اور اس کا نام مہرِ نبوت کس نے رکھا، اور مکھی آپ کے جسم اطہر پر بیٹھی تھی کہ نہیں؟

= ۲۲۴، المكتبه المحمودية التجارية بمصر)

"والمذهب عندنا منع الكبائر بعد البعثة مطلقاً، والصغائر عمداً لا سهواً، لكن لا يصرون و لا يقرون بل ينبهون فينتبهون". (شرح المقاصد، المقصد السادس في السمعيات، فصل في النبوة: ۳/۳۱۰، دار الكتب العلمية)

(۱) "السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم، و اعتقاد إباحته كفر". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب في الساحر والزنديق: ۴/۲۴۰، سعيد)

"و تعليم السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم، واعتقاد إباحته كفر". (فتح القدير، باب المرتد: ۶/۹۹، مصطفى البابي الحلبي و أولاده بمصر)

(۲) "وأما إذا كان سحراً هو كفر، فيقتل الساحر لا الساحرة؛ لأن علة القتل الردة والمرتدة لا تقتل". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۴۶، قديمي)

(۳) "ثم بعث علياً و الزبير و عمار بن ياسر فنزحوا ماء البئر كأنه نقاعة الحناء، ثم رفعوا الصخرة وأخرجوا الجف، فإذا فيه مشاطة رأسه و أسنان من مشطة، و إذا فيه وتر معقود فيه اثنا عشر عقدةً مغروزة بالإبر، فأنزل الله تعالىٰ السورتين، فجعل كلما قرأ آيةً انحلت عقدة، و وجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خفةً حين انحلت العقدة الأخيرة". (تفسير ابن كثير، [سورة الفلق]: ۴/۷۴۷، مكتبه دار الفيحاء)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہت سی احادیث میں خاتمِ نبوت کا ذکر آیا ہے اس کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ بیضوی شکل میں کبوتر کے بیضہ کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان سرخ رسولی کی طرح تھی، بعض احادیث میں ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی اور وصال کے بعد وہ نہیں رہی تھی۔ فتح الباری (۱)، نووی (۲)، جمع الوسائل (۳)، وغیرہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور جسم اطہر پر بلکہ لباس مبارک میں مکھی نہ بیٹھنے کی روایت خصائص کبریٰ (۴)، اور فتح العزیز وغیرہ میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟

سوال [۱۵۸۶]: انبیاء میں چند پیغمبروں کا مولود مختون ہونا شامی کے پانچویں جز ص: ۴۶۷ میں ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختون مولود ہوئے یا نہیں؟

---

(۱) "وعن الجعد بن عبد الرحمن قال: سمعت السائب بن يزيد قال: أذهبت بي خالتي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إن ابن اختي وقع، فمسح رأسي، ودعالي بالبركة، وتوضأ فشربت من وضوئه، ثم قمت خلف ظهره فنظرت إلى خاتم النبوة بين كتفيه". (قوله: باب خاتم النبوة): أي صفته، وهو الذي كان بين كتفي النبي صلى الله عليه وسلم وكان من العلامة التي كان أهل الكتاب يعرفونه بها، وادعىٰ عياض هنا أن الخاتم هو أثر شق الملكين لمابين كتفيه ......الخ". (فتح الباري، باب خاتم النبوة، ۶ / ۶۹۹، قديمي)

(۲) (شرح المسلم للنووي رحمة الله عليه: ۲/ ۲۵۹، باب إثبات خاتم النبوة الخ، قديمي)

(۳) (جمع الوسائل في شرح الشمائل لملا علي القاري: ۱/ ۲۷، باب ماجاء في خاتم النبوة، إدارة التاليفات أشرفيه، ملتان)

(۴) "ذكر القاضي عياض في الشفاء والعرفي في مولده أن من خصائصه صلى الله عليه وسلم: أنه كان لاينزل عليه الذباب، وذكره ابن سبع في الخصائص بلفظ: أنه لم يقع على ثيابه ذباب قط ......الخ". (الخصائص الكبرىٰ، باب ماكان لاينزل الذباب عليه: ۱/ ۶۸، دار الكتب العلميه)

الجواب حامداًومصلیاً:

"قد اختلف الرواة والحفاظ في ولادة نبينا صلى الله عليه وسلم مختونًا، ولم يصح فيه شيئ، وأطال الذهبي في ردقول الحاكم: إنه لو تواترت به الرواية وقدثبت عند هم ضعف الحديث. وقال بعض المحقيقين من الحفاظ: الأشبه بالصواب أنه لم يولد مختونًا"۔ (ردالمحتار جلد خامس مسائل شتی)(۱)۔ خصائصِ کبریٰ میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ کیا تھا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبدمحمودغفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

معراج سے واپسی بُراق پر ہوئی

سوال[۱۵۸۷]: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر بذریعہ بُراق تشریف لے گئے،مگرواپسی کس طرح ہوئی؟

---

(۱)(ردالمحتار: ۷۵۲/۲،مسائل شتی، سعید)

(۲)"ماوجدت هذا القول في الخصائص الكبرىٰ إلا أنه ذُكر في روايات عديدة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مختونا، وقال صلى الله عليه وسلم: "من كرامتي على ربي أني ولدت مختونًا ولم يرَاحدٌ سوأتي". بل ذكرفي تاريخ الخميس: وقد حصل من الاختلاف في ختانه صلى الله عليه وسلم ثلاثة أقوال كما أشرنا إليه سابقًا". (الخصائص الكبرى، باب الآية في ولادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مختوناً : ۹۰/۱،المكتبة الحقانيه پشاور)

"أحدها أنه ولد مختونا كما تقدم، الثاني: أنه ختنه صلى الله عليه وسلم جدُّه عبد المطلب يوم سابعه وصنع له مأدبةً، وسماه محمدًا. رواه وليد بن مسلم بسنده إلى ابن عباس وحكاه ابن عبد البر في التمهيد وابن الأثير في أسد الغابة. والثالث أنه ختن عند حليمة كذا ذكره ابن القيم والدمياطي ومغلطائي، قالا: إن جبريل ختنه حين طهر قلبه. وكذا أخرجه الطبراني في الأوسط وأبونعيم من حديث أبي بكرة. وقال الذهبي: وهذا منكر". (تاريخ الخميس، ذكرختانه صلى الله عليه وسلم : ۲۰۴/۱، ۲۰۵،مؤسسة شعبان،للنشر والتوزيع،بيروت)

(وانظر التفصيل في تحفة المولود بأحكام المودود للحافظ ابن القيم، الفصل الثالث عشر في ختان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، ص:۱۵۸، ۱۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح تشریف لے گئے اسی طرح واپسی ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۵ھ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے صدقہ کی حرمت کی تفصیل

سوال[۱۵۸۸]: زید کہتا ہے کہ صدقہ خواہ فرض ہو کہ نفل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا حرام تھا، اور بکر کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ فرض یا نفل کھانا حلال تھا، بکر کی دلیل یہ ہے: ''عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان في بريرة ثلث سنن: إحدى السنن أنها عتقت فخيرت في زوجها، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الولاء لمن اعتق" ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم والبرمة تفور بلحم فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: "ألم أرَ بُرمةً فيها لحم؟" قالوا: بلىٰ! ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة رضي الله عنها، وأنت لاتأكل الصدقة، قال: "هو عليها صدقة، ولنا هدية"۔متفق عليه". مشكوٰة شريف، ص: ۱٦۱)(۱)۔

بکر یہ حدیث بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ کھانا حرام تھا تو کیوں حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گوشت صدقہ کا کھاتے کس کا قول صحیح ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلّیاً:

بکر نے اپنے دعویٰ پر جو حدیث دلیل میں پیش کی ہے اس میں تقریب تام نہیں، اس لحم کا صدقہ ہونا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر پہنچ کر ختم ہوگیا، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے خدمتِ اقدس میں ہدیہ ہوکر پیش کیا گیا نہ کہ صدقہ ہوکر، عام دستور تھا کہ کوئی چیز بطور صدقہ پیش کی جاتی تو مستحقینِ صدقہ اصحابِ صفہ وغیرہ کو عنایت فرمادیتے خود نوش نہیں فرماتے تھے(۲)۔

---

(۱)(مرقاة المفاتيح: ۴/۳۳۷،رقم الحديث: ۱۸۲۵،باب من لاتحل له الصدقة، رشيديه)

(۲)"قال حدثنا بهزبن حكيم عن أبيه عن جده، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أتي بالشئ سأل: "أهديةٌ هو أم صدقة"؟ فإن قالوا: هدية بسط يديه، وإن قالوا صدقة قال لأصحابه: "كلوا". (شرح معاني الآثار: ۱/۳۵۱،باب الصدقة على بني هاشم، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۴/۳۳۷،رشيديه)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جب حاضر خدمت ہوئے اور کچھ پیش کیا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے تو نوش نہیں فرمایا، اور جب پیش کر کے یہ عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے تو قبول فرمالیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

سوال[۱۵۸۹]: حضور پرنور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا نہیں؟ آیت پاک: ﴿قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین﴾(۲) میں نور سے کیا مراد ہے، نیز حدیث میں ہے: "کل نبی مستجاب" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی "اللهم اجعل في قلبي نورًا الخ"(۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور آپ سراپا نور ہوئے، جب آپ نور ہوئے تو نور کا سایہ بھی نہ ہونا چاہیئے، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ کیا ایسا ہی ہے اگر نہیں تو مسئلہ کی وضاحت فرمایئے اور مدلل فرما کر مشکور فرمایئے، نیز مکمل حوالہ بھی، والأجر عند اللہ۔

السائل: عبدالسبحان بستوی۔

---

(۱)"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: حدثني سلمان الفارسي رضي الله عنه وذكر حديثاً طويلاً ذكر فيه أنه كان عبدًا قال: فلمّا أمسيتُ جمعت ماكان عندي، ثم خرجت حتي جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بقباء، فدخلت عليه ومعه نفرٌ من أصحابه، فقلت له: بلغني أنه ليس بيدک شيئ وأن معک أصحاباً لک وأنتم أهل حاجة وغربة وقد كان عندي شئ وضعته للصدقة، فلما ذُكر لي مكانكم رأيتكم أحق به، ثم وضعته له، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كله أو أمسكه". ثم أتيته بعد أن تحول إلى المدينة وقد جمعت شيئًا، فقلت: رأيتک لاتأكل الصدقة، وقدكان عندي شئ أحببت أن أكرمک به كرامةً ليس بصدقة، فأكل وأكل أصحابه". (شرح معاني الآثار: ۱/۳۵۰، باب الصدقة على بني هاشم، سعيد)

(۲)(مائدة: ۱۵)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه من الليل: ۲/۹۳۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں ایک نام نور بھی ہے، صرح بہ ابن القیم وغیرہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تصریح شفائے قاضی عیاض (۱)، خصائص کبری (۲)، فتح العزیز، مدارج النبوۃ (۳) وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے، ان حضرات نے وہی استدلال کیا ہے جوکہ سائل نے لکھا ہے، مگر کوئی روایت مرفوع پیش نہیں کرسکے جیسا کہ دیگر معجزات کے متعلق مرفوع روایات موجود ہیں، البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، اس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوپہر کے وقت تشریف لانا اور آپ کے سایہ مبارک ہونا صاف صاف مذکور ہے: "قالت بینما أنا یوماً بنصف النهار إذ أنا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبل الخ" (مسند أحمد: ۵/۲۳۱ (٤))۔

---

(۱) "و من ذلک .... أنه کان لا ظل لشخصه في شمس و لا قمر، لأنه کان نوراً": أی بنفسه والنور لا ظل له لعدم جرحه، و هذا معنی مافي النوادر، و لفظها: "لم یکن له ظل في شمس و لا قمر" و نقله الحلبي عن ابن سبع أیضاً". (شرح الشفاء، الباب السابع، فصل و من ذلک ما ظهر من الآیات عنه مولده: ۱/۷۵۴، دار الکتب)

(۲) "أخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یُری له ظل في شمس و لا قمر، قال ابن سبع: من خصائله أن ظله کان لا یقع علی الأرض و أنه کان نوراً، فکان إذا مشی في الشمس أو القمر لا ینظر له ظل، قال بعضهم: و یشهد له حدیث قوله صلی اللہ علیہ وسلم في دعائه: "واجعلني نوراً". (الخصائص الکبریٰ، باب الآیة في أنه صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری له ظل: ۱/۱۱۶، المکتبة الحقانیه پشاور)

(۳) "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، نہ آفتاب کی روشنی میں نہ چاند کی طلعت میں، اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے، ان بزرگوں پر تعجب ہے کہ چراغ کی روشنی کا ذکر نہ فرمایا، نور آپ کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا"۔ مولانا جامی نے خوب کہا

امی و دقیقہ دان علام بے سایہ و سائبان عالم

(مدارج النبوۃ (مترجم) حصہ أول: ۱/۴۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۴) (مسند أحمد: ۶/۱۳۲، حدیث السیدة عائشة، رقم الحدیث: ۲۴۴۸۱، دار إحیاء التراث العربی)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح جلد أول، بـاب اول، ص: ۴۲ میں ہے(۱) جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک کو خود ملاحظہ فرمانا منقول ہے، ''لقد رأیت ظلی''، دونوں روایتیں مرفوع ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو قتل کیا؟

سوال[۱۵۹۰]: حدیث: "اشتدغضب اللّٰه علی من قتله النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سبیـل اللّٰه" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے لوگوں کو فی سبیل اللہ قتل فرمایا ہے، اور وہ کون ہیں؟ مع حوالہ کے جواب عنایت فرمائیں تو کرم ہوگا۔ محمد نور اللہ رائے چوٹی، متعلم دارالعلوم دیو بند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اُبی ابن خلف ایک عمدہ گھوڑے پر سوار غزوۂ احد میں ایسے وقت قریب پہنچا کہ شیطان نے آواز لگائی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتول (شہید) ہوگئے، (حالانکہ آپ صرف مجروح ہوئے تھے) اور پہلے سے اس نے یہ کہا تھا کہ قتل کروں گا، جیسے ہی وہ سامنے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس کے مارا جو اس کے گلے پر لگا جس سے وہ بدحواس وبے تاب ہو کر بھاگا، لوگوں نے اس کو تسلی بھی دی کہ معمولی خراش لگی ہے، اس نے کہا کہ یہ خراش اگر تمام اہل حجاز کے لگ جائے تو سب مرجائیں اسی خراش سے وہ ''سرف'' میں جا کر مر گیا، بس یہ ایک ہی شخص اپنی منحوسیت وملعونیت میں متفرد ہے، جس پر اشتداد غضب کی یہ وعید ہے، یہ واقعہ تفصیل سے زادالمعاد جلد دوم ص: ۹۳ میں مذکور ہے(۲)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه صلی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذات یوم صلوٰۃ الصبح، ثـم مـد یده ثم أخرها، فلما سلّم قیل له: یا رسول اللّٰه! قد صنعت فی صلوتک شیئًا لم تصنعه فی غیرها؟ قال ...."حتی لقد رأیت ظلی وظلکم فأومات إلیکم أن استأخر الخ". (حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح لابن قیم الجوزیة: ۱/۴۲، باب أول)

(وکذا فی نظام الفتاوی: ۲/۴۵، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ پڑتا تھا، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

(۲) "ویقول: أقتل علیه محمدًا، فبلغ ذلک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فقال: "بل أنا أقتله إن شاء اللّٰه تعالیٰ "فلما طعنه تذکر عدوا للّٰه تعالیٰ قوله: أنا قاتله' فأیقن بأنه مقتول من ذلک الجرح، فمات منه فی طریقه بسرف مرجعه إلی مکة". (زاد المعاد، فصل فی غزوۃ أحد ص: ۴۸۰، دار الفکر بیروت)

نیز شروح بخاری فتح الباری (۱)، عمدۃ القاری (۲)، ارشاد الساری (۳) وغیرہ میں بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۴ھ۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۹۰/ سال تھی؟

سوال[۱۵۹۱]: خلاصۃ الأنبیاء ترجمہ قصص الأنبیاء مؤلف مولوی غلام نبی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک نوے برس بتائی ہے جس میں سے ۶۳/ سال مکی مدنی زندگی اور ۲۷/ سال معراج کی زندگی بتائی ہے جبکہ دیگر فقہ وحدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک رات میں ہوئی، پھر معراج میں ۲۷ برس گذرنے سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف نوے برس بتانا غلط ہے، (۴) معراج کی عمر ۲۷ برس نہیں ہے، وہ تو بہت جلد ایک ہی شب کے کچھ حصہ میں ہوئی تھی، اس میں ۲۷/ برس صرف نہیں ہوئے (۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۶۷ھ۔

---

(۱) "قوله: (اشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله في سبيل الله) زاد سعيد ابن منصور من مرسل عكرمه "يقتله رسول الله بيده"........الخ. (فتح الباری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی صلی الله علیه وسلم من الجراح یوم أحد: ۴۷۴/۷، قدیمی)

(۲) "قال في ذلك الوقت: اشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله صلى الله عليه وسلم"......الخ (عمدة القاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی صلی الله علیه وسلم من الجراح یوم أحد: ۱۶۰/۱۷، مکتبه إدارة الطباعة المنيريه، الدمشق)

(۳) (إرشاد الساری، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم أحد: ۱۱۸/۹، ۱۱۷، دار الكتب العلمية)

(۴) "عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم مات وهو ابن ثلث وستين سنة". (شمائل الترمذی ص: ۲۳۹، باب ماجاء في سن رسول الله صلى الله عليه وسلم، مكتبة الشيخ كراچی)

"وعن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه سمعه يقول ......بعثه الله على رأس أربعين سنةً فأقام بمكة عشر سنين وبالمدينة عشر سنين، وتوفاه الله وليس في رأسه ولحيته عشرون شعرةً بيضاء".

(صحيح البخاری، كتاب المناقب باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم: ۵۰۲/۱، قديمی)

(۵) (ليلاً) ظرف لأسرى، و فائدته الدلالة بتنكيره على تقليل مدة الإسراء، و أنها بعض من أجزاء الليل =

عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے

سوال[۱۵۹۲]: عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے، کیا عصا ہاتھ میں رکھنا عمر کے ساتھ مقید ہے یا ہر کوئی اس کو رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ادائے سنت کی نیت ہو تو موافقِ سنت عصا رکھنے سے انشاء اللہ بلا قیدِ عمر بھی ثواب ملے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

قدمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سوال[۱۵۹۳]: ضلع ہوگلی، موضع آشہری بھان، بنام قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک آستانہ تقریباً دوسو سالہ کی ہے اس میں منقوش قدم ایک پتھر ہے اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نقشہ کہتے ہیں، لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں چومہ دیتے ہیں، لوگ کہتے ہیں اور چیزیں بھی تھیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ، تسبیح، رومال مبارک، اب وہ چیزیں ضائع ہوگئیں۔ کہتے ہیں کہ یہ مولوی حفیظ الدین دلّی کے بادشاہ کے ملازم تھے، برطانیہ نے ان کو بہت روپیہ دیا، اس کے ذریعہ سے بادشاہ کو پکڑا، اس کے انعام میں مولوی حفیظ الدین صاحب کو دو گھنٹہ ایک گھنٹہ کے لئے اختیار دیا گیا کہ شاہی دربار سے جہاں تک ہوسکے لوٹ لیا جائے، اس وقت بہت کچھ لوٹ کرلایا اور ساتھ ساتھ قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اشیاءِ مذکورہ بھی لایا تھا، اور بھان ضلع ہوگلی آشہری آکر اس نے اقامت کی اور آستانہ بنایا۔ دریافت حال یہ ہے کہ کسی تاریخ وغیرہ سے ثبوت ہے کہ رسول

= الخ". (روح المعانی: ۱۵/۴، إحیاء التراث العربی)

(۱) روی: "حمل العصاء علامة المؤمن وسنة الأنبیاء"، (کشف الخفاء للعجلونی: ۳۸۳/۱، مکتبہ دار التراث)

(وکذا فی "السلسلة الضعیفة" للألبانی، ص: ۵۳۵، المکتب الإسلامی)

(والفتاوی الحدیثیة، ص: ۲۲۶، مطلب: التوکؤ علی العصا من أخلاق الأنبیاء، قدیمی)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کسی پتھر پر منقوش تھے مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا میں نے لا نصدق ولا نکذب سے جواب دیا، چونکہ مجھے اس کا علم نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی پتھر پر قدم مبارک رکھنے سے پتھر میں قدم مبارک کا نقش اتر آنا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش اتر آیا تھا، کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم ۶۸ھ۔

قیلولہ اور کھانے کا معمول

سوال[۱۵۹۴]: دن کے کھانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلولہ کا کیا معمول تھا؟ کھانے کے کتنی دیر بعد اور کتنی دیر قیلولہ فرمایا کرتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دور میں نہ کھانے کا آج کل کی طرح طول طویل قصہ تھا اور نہ تکلف تھا بلکہ بکثرت کھانے کی شان یہ ہوتی تھی کہ کھجور کھائی، پانی پی لیا، روٹی گوشت کی نوبت بہت کم آتی تھی، نہ گھنٹے اور منٹ کی تعیین و پابندی تھی، کبھی سویرے کھانے کا موقع مل گیا، کبھی دیر میں، کبھی بالکل ہی کھانا غائب ہو گیا، صبح کو کھایا تو شام کو نہیں، شام کو مل گیا تو صبح کو نہیں، دو وقت مسلسل کم ہی نوبت آئی ہوگی (۱)۔

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ عنها أنها قالت: ماشبع آل محمد صلی اللہ علیه وسلم من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم".

"وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یبیت اللیالی المتتابعة طاویاً هو وأهله لایجدون". (شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة خبز رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ص: ۸۴، ۸۵، مکتبة الشیخ)

(والمسند للإمام أحمد: ۷/ ۱۴۲، رقم الحدیث: ۲۴۱۴۴، ۹۸/۲، ورقم الحدیث: ۲۵۰۱۳، دار إحیاء التراث)

پھر سردی کے ایام میں قیلولہ کم ہوتا تھا اور ظہر کی نماز زوال کے بعد ہی ادا فرما لیتے تھے اور گرمی کے دنوں میں قیلولہ دیر تک فرماتے تھے اور ظہر کی نماز بھی زوال سے دیر بعد ہوتی تھی، جمعہ کے روز کھانا اور قیلولہ کا موقع نماز جمعہ کے بعد ہوتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۸۷ھ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس رنگ کا لباس پسند تھا؟

سوال[۱۵۹۵]: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا لباس پسند تھا، سفید اور ہرے رنگ کا یا لال اور زرد رنگ کا؟ ایک صاحب نے تجرید بخاری کا حوالہ دیکر ارشاد فرمایا کہ آپ کو زرد اور لال رنگ زیادہ محبوب و پسند تھا۔ نیز تجرید بخاری کی صحت پر رائے قائم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۃً سفید لباس پسند تھا، کذا فی شمائل الترمذی (۱)، لال سیاہ دھاری والا بھی استعمال فرمایا ہے، خالص سُرخ اور خالص زرد کو منع فرمایا ہے (۲)۔

بخاری شریف کی احادیث کو مختصراً تجرید میں لیا گیا ہے، بخاری شریف میں کوئی حدیث موضوع

(۱) "عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البسوا البياض فإنها أطهر وأطيب، وكفنوا فيها موتاكم". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۴۲، مكتبة الشيخ كراچي)

وذكر ابن القيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ في "زاد المعاد": "وكان أحب الألوان إليه البياض، وقال: "هي من خير ثيابكم، فالبسوها، وكفنوا فيها موتاكم" (ص: ۵۴، فصل في ملابسه، دار الفكر)

(۲) "ولبس حلة حمراء، والحلة إزار ورداء، ولاتكون الحلة إلا اسماً للثوبين معاً، وغلط مَن ظن أنها كانت حمراء بحتاً لايخالطها غيره، وإنما الحلة الحمراء بردان يمنيان منسوجان بخطوط حمر مع الأسود ......وإلا فالأحمر البحت منهي عنه أشد النهي". (زاد المعاد، ص: ۵۳، فصل في ملابسه، دار الفكر)

نہیں (۱)، البتہ بعض روایات کو بعض پر فوقیت ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بخاری شریف کی کسی روایت پر غیر بخاری کی روایت کو ترجیح ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

پیراہن مبارک کی لمبائی چوڑائی

سوال[۱۵۹۶]: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا کیسا ہوتا تھا، کلیاں ہوتی تھیں یا نہیں؟ کتنا لمبا چوڑا ہوتا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرب میں عامۃً کلیوں کا دستور نہیں، ظاہر یہ ہے کہ پیراہن مبارک بھی ایسا ہی ہوگا، لمبائی نصف ساق تک یا کچھ زیادہ ہوتی تھی، کعبین سے اوپر تک، آستین گٹوں تک اور اصابع تک دونوں طرح ثابت ہیں، چوڑائی جسم مبارک کے مناسب، (بذل وشرح شمائل) (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

---

(۱) "أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما المرفوع صحيح بالقطع، و أنهما متواتران إلى مصنفيهما، و أنه كل من يهون أمرهما، فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين". (حجة الله البالغة، مبحث في طبقة كتب الحديث: ۱/۱۳۴، مير محمد)

(۲) "وكون معارضه في البخاري لا يستلزم تقديمه بعد اشتراكهما في الصحة، بل يطلب الترجيح من خارج الخ". (فتح القدير، باب النوافل: ۱/۴۴۵، مصطفى البابي بمصر)

وانظر هذا البحث مفصلاً في: (كشف الباري آخر مقدمة الكتاب: ۱/۱۸۵، ۱۸۹، مكتبه فاروقيه كراچى)

(۳) "عن أسماء بنت يزيد قالت: كان كمّ قميص رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الرسغ".

"عن معاوية بن قرة عن أبيه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من مزينة، لنبايعه، و إن قميصه لمطلق، أو قال: زرّ قميصه مطلق، قال: فأدخلت يدي في جيب قميصه، فمسست الخاتم".

(شمائل الترمذي، باب ما جاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۴۷، مكتبة الشيخ)

"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصاً قصير اليدين والطول". .... =

نعلین شریفین کیسے تھے؟

سوال[۱۵۹۷]: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا مبارک کیسا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سبتی (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزہ کا طول وعرض

سوال[۱۵۹۸]: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزہ کا طول وعرض کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ نیزے تھے، بعض بڑے تھے بعض چھوٹے تھے، کسی کو نماز کیلئے سترہ بنایا جاتا تھا، کوئی قتال وغیرہ کے کام میں آتا تھا، زاد المعاد (۲)۔

= "عن حذيفة رضي الله عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بأسفل عضلة ساقي أو ساقه، فقال: "هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فلا حق للإزار في الكعبين".

"عن العلاء بن عبد الرحمن عن أبيه قال: قلت لأبي سعيد: هل سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً في الإزار؟ قال: نعم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إزارة المؤمن إلى أنصاف ساقيه، لاجناح عليه ما بينه و بين الكعبين، و ما أسفل من الكعبين" ...... الحديث، (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس و متعلقاته، ص: ۲۶۴، مير محمد كتب خانه)

و راجع للتفصيل: (شرح شمائل الترمذي، باب ما جاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۳۵، مكتبة الشيخ)

(۱) "عن قتادة، قلت: لأنس بن مالك: كيف كان نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: لهما قبالان".

(شرح شمائل الترمذي، باب ما جاء في نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ۴۶، مكتبة الشيخ)

(و كذا في المشكوة، باب في النعال، ص: ۳۷۹) و ابن ماجة، باب صفة النعال، ص: ۲۶۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "كانت له خمسة أرماح: يقال لأحدهم: المثوي، والآخر: المثنى، وحربة يقال لها، النبعة، وأخرى كبيرة تدعى: البيضاء، وأخرى صغيرة شِبه العكاز يقال لها: العنزة يمشى بها أحياناً". (زاد المعاد ص: ۵۱ =

اور علامہ عینی وفتح الباری (۱) میں ان نیزوں کے نام بھی لکھے ہیں، اگر ایک ہی نیزہ ہوتا تو اس کے طول وعرض کو تلاش کیا جاتا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اٹھارہ مقام پر کلام کیا ہے مگر طول نہیں لکھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

بغل مبارک میں بال نہیں تھے

سوال [۱۵۹۹]: بغل کے بالوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف کیا تھا؟ نیز بغل میں بال تھے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغل مبارک میں بال نہیں تھے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

= فصل في ذكر سلاح وأثاثه صلى الله عليه وسلم، دار الفكر)

(۱) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: ويذكر عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم "جعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذلة والصغار على من خالف أمري". (فتح الباري: ۱۲۲/۶)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب الصلاة، باب سنة الإمام سترة من خلفه: ۷۵۲/۱، قديمي)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الصلاة إلى العنزة: ۷۵۷/۱، قديمي)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب الصلاة، باب السترة بمكة و غيرها: ۷۵۸/۱، قديمي)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب العيدين، باب الصلاة إلى الحربة يوم العيد: ۵۸۸/۱، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يرفع يديه في الدعا حتى يُرىٰ بياض إبطيه يعني في الاستسقاء الخ". (دلائل النبوة، ص: ۲۴۷/۱، باب صفة كفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وقدميه وإبطيه وذراعيه وساقيه وصدره، دار الكتب العلمية)

(وصحيح البخاري: ۵۰۳/۱، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، قديمي)

قال ابن حجر: "(بياض إبطيه) واختلف في المراد بوصف إبطيه بالبياض فقيل: لم يكن تحتهما =

ناک شریف میں بال نہیں تھے

سوال[۱۶۰۰]: ناک کے بالوں کے متعلق آپ کا عمل شریف کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بال نہیں تھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسترے سے بالوں کی صفائی

سوال[۱۶۰۱]: موئے زیرناف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے صاف فرماتے تھے؟ سرین کے بالوں، نیز ران وغیرہ کے بالوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اُسترے سے موئے زیرناف صاف کرنے کا عام معمول تھا، بقیہ مواقع مسئولہ میں بالوں کا ہونا منقول نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

رخسار مبارک پر بال

سوال[۱۶۰۲]: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار پر بال تھے یا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خط بنواتے تھے یا نہیں؟

= شعر فكانا كلون جسده، ثم قيل: لم يكن تحت إبطيه شعر البتة الخ". (فتح الباری: ۲/۷۱۷، باب صفة النبی صلی الله علیه وسلم، قدیمی)

"وكان إبطه صلی الله علیه وسلم لا شعر علیه، قاله القرطبی": (شرح الزرقانی: ۷/۱۹۲، الفصل الرابع مااختص به صلی الله علیه وسلم من الفضائل والکرامات، عباس أحمد الباز)

(۱) "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو و پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے"۔ (شرح شمائل ترمذی للشیخ زکریاؒ ص:۹، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان، مکتبہ شیخ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بال تھے(۱)۔ خط بنوانے کا معمول نہیں تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

کیا کسی وقت ننگے سر رہنے کا معمول تھا؟

سوال[۱۶۰۳]: آنحضرت ﷺ کھانے پینے کے وقت سر پر ٹوپی رکھا کرتے تھے یا نہیں؟ نماز کے علاوہ حالتوں میں آپ سر کھلے رہنے یا سر پر کپڑا ہوتا، سونے کے علاوہ چلنے پھرنے مجلسوں میں بیٹھنے عام لوگوں سے ملاقات، بات چیت کرنے میں آپ ٹوپی پہننے کا اہتمام کرتے تھے یا نہیں؟ اس سلسلہ کی احادیث کو بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ٹوپی پر عمامہ باندھنا پسند تھا، اس کے خلاف بھی کبھی ہوتا تھا (۲) ننگے سر رہنے کا فیشن جو آج کل رائج ہے یہ طریقہ نہیں تھا۔ جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی میں روایت مذکور ہے (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھے پر سواری فرمانا

سوال[۱۶۰۴]: ۱..... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دائی حلیمہ سعدیہ دودھ پلانے کیلئے گدھے پر

---

(۱) "عن حسن بن علی رضی اللہ عنهما قال سألت خالی هند بن أبی هالة –و كان وصافاً عن حلية رسول الله صلی الله عليه وسلم، و أنا أشتهی أن يصف لی شيئاً أتعلق– فقال: "كان رسول الله صلی الله عليه وسلم فخماً مفخماً، يمتلأ وجهه .... كث اللحية سهل الخدين ...... الخ". (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی خاتم النبوة، ص: ۲، سعيد)

(۲) (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی لباس رسول الله ﷺ، ص: ۵، سعيد)

(۳) (بذل المجهود شرح أبی داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء فی حل الإزار: ۵/۵۲، معهد الخليل كراچی)

(وسنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب ما جاء فی حل الإزار رقم الحديث، ص ۴۰۸۲)

(وكذا فی الشمائل المحمديه، باب ما جاء فی لباس رسول الله ﷺ ص: ۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

لے گئیں تھیں یا اونٹنی یا خچر پر؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گدھے پر لے گئیں تھیں۔ آپ پوری حقیقت پر روشنی ڈال دیں کہ کونسی سواری پر لے گئیں؟ مع کتاب کے حوالہ کے۔

۲.....کبھی آپ نے گدھے پر سواری کی ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے گدھے پر سواری کی ہے تو کون سے موقعہ پر کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....عرب میں گدھے پر سوار ہونا کوئی عیب نہیں تھا، اونچی حیثیت کے حضرات بھی سوار ہوتے تھے، جامعہ ازہر کے شیخ کی تنخواہ کے ساتھ ان کے گدھے کی بھی تنخواہ دی جاتی تھی جس پر وہ سوار ہو کر مکان سے تشریف لاتے تھے۔ حلیمہ سعدیہ بھی گدھے پر سوار ہو کر اپنے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئیں تھیں، سیرتِ پاک کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے: ''قالت (حليمة): ثم خرجن ولركبتُ أتاني وحمله عليها معي –فو الله– لقطعتُ بالركب مايقدر عليها شيئ من حمرهم حتى أن صواحبي ليقلن لي: يا ابنة أبي ذويب! ويحك! إربعي علينا، أليست هذه أتانك التي كنت خرجت عليها؟ فأقول لهن: بلىٰ! والله إنها هي، فيقلن: والله! إن لها لشانًا، قالت: ثم قدمنا منازلنا من بلاد بني سعد اه''. (سیرت ابن هشام: ۱/۸۸)(۱)۔

۲.....حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ گدھے پر سواری کی ہے، حدیث شریف میں صراحتاً موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

---

(۱)(السيرة النبوية لابن هشام، شرح مافي حديث الرضاع من الأخبار والآيات: ۱/۱۰۹، مكتبه حديث اكادمي فيصل آباد پاكستان)

(۲) "عن بريدة يقول: بينما رسول الله ﷺ يمشي جاء رجل و معه حمار، فقال: يا رسول الله! اركَبْ وتأخر الرجل، فقال رسول الله ﷺ: "أنت أحق بصدر دآبتک مني إلا أن تجعله لي". فقال: فإني قد جعلته لک، فركب". (أبو داود، باب رب الدابة أحق بصدرها: ۱/۳۵۴، امداديه)

"عن قيس بن سعد قال: أتانا النبي ﷺ، فوضعنا له غسلاً فاغتسل .... ثم أتيناه بحمار ليركب، فقال: "صاحب الحمار أحق بصدر حماره". فقلنا: يا رسول الله! فالحمار لک". (مسند أحمد، =

4

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا خون پاک ہے

سوال[۱۲۰۵]: جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر کچھ زخم آیا تھا اور اس زخم سے نکلا ہوا خون کسی صحابی نے پی لیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی کہ اس پر جہنم کی آگ حرام ہے جس کے جسم میں میرا خون ہو۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خون کو حرام قرار دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ واقعہ شروحِ حدیث میں موجود ہے اور معتبر ہے(۱)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خصائص ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بول کے متعلق بھی مواہبِ لدینہ (۲)، عمدۃ القاری (۳)،

= حدیث قیس بن سعید بن عبادة رضی اللہ عنه :۱۳/۷، دار احیاء التراث العربی)

(۱) "وإن مالک بن سنان مص الدم من وجنته صلی اللہ علیہ وسلم، ثم ازدرده، فقال صلی اللہ علیہ وسلم: "من مسّ دمی دمه، لم تصبه النار". (عمدة القاری، کتاب: (المغازی، باب لیس لک من الأمرشئی أو یتوب علیهم: ۲۰۹/۱۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی فتح الباری، کتاب المغازی، باب: لیس لک من الأمرشیئی أو یتوب علیهم) : ۴۶۴/۷، قدیمی)

(وکذا فی إرشاد الساری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجراح یوم أحد: ۱۱۸/۹، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی المواهب اللدینة مع شرحه للعلامة الزرقانی، الفصل الأول فی کمال خلقته وجمال صورته: ۵۴۲/۵، عباس أحمد باز مکة المکرمة)

(۲) "وفی هذه الأحادیث دلالة علی طهارة بوله ودمه صلی اللہ علیہ وسلم، قال النوویؒ فی شرح المهذب: واستدل من قال بطهارتهما بالحدیثین المعروفین: أبا طیبة الحجام حجمه صلی اللہ علیہ وسلم وشرب دمه ولم ینکر علیه، وأن امرأةً شربت بوله صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکر علیهااھ".

(المواهب اللدنیة مع شرحه للعلامة الزرقانی، الفصل الأول فی کمال خلقته وجمال صورته: ۵۵۱/۵، عباس أحمد باز مکة المکرمة)

(۳) "ولئن سلمنا أن المراد هو الماء الذی یتقاطر من أعضائه الشریفة، فأبو حنیفةؒ ینکر هذا ویقول بنجاسة ذاک —حاشاه منه— وکیف یقول ذلک وهو یقول بطهارة بوله وسائر فضلاته". (عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس: ۱۱۸/۳، رقم الحدیث: ۱۹۰، دارالکتب العلمیة، بیروت)

مرقاۃ (۱)، جمع الوسائل (۲) وغیرہ کتب میں طہارت کی تصریح کی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بول کا پینا

سوال [۱۲۰۲]: سید نوری صاحب نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ "سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلغم صحابی نوش جان فرمایا کرتے تھے اور پیشاب بھی ازواجِ مطہرات بلا کسی عذر کے نوش فرمایا کرتی تھیں"، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"أما البول فقد شهده غير واحد، و شربته بركةُ أم أيمن مولاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و بركةُ أم يوسف خادمة أم حبيبة صحبتها من أرض الحبشة، و كان له قدحٌ من عيدانٍ تحت سريره يبول فيه، فشربته بركة الثانية، فقال لها: "صححت يا أم يوسف" فلم تمرض سوىٰ مرض موتها".

"و صح عن بركةِ الأولىٰ قالت: قام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من ليلة إلى فخارة في جانب البيت، فبال فيها، فقمت من الليل و أنا عطشانة، فشربتُ ما فيها و أنا لا أشعر، فلما أصبح صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يا أم أيمن! قومي فأحريقي ما في تلك

(۱) "والفتوىٰ على أن الماء المستعمل طاهر في مذهب أبي حنيفة ...... ومِن ثَمّ اختار كثيرون من أصحابنا طهارة فضلاته عليه الصلوٰة والسلام"۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب أحكام المياه، الفصل الأول: ۲/۱۷۳، ۱۷۴، رقم الحديث: ۴۷۶، رشيديه)

(۲) "وهذا ممايؤيد القول الأول، إذلا ضرورة لحمله على المغى الثاني المختلف في جوازه، مع أن المستعمل في فرض الوضوء لا في التجديد وهو غير معلوم، ويحتمل أن يكون من خصوصياته صلى الله عليه وسلم كما قيل في فضلاته". (جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في خاتم النبوة: ۱/۵۷، ۵۸، إدارة تاليفات اشرفيه، ملتان)

(وكذا في الخصائص الكبرى للسوطي، باب الإستشفاء ببوله صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۲۲، المكتبة الحقانية، بشاور)

الفخارة" فقلت : واللّٰه شربت ما فيها، فضحك صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم حتى بدت نواجذه، ثم قال: "أما واللّٰه! لا ينجعنّ بطنك أبداً".

"قال ابن حجر : و بهذا استدل جميع من أئمتنا المتقدمين وغيرهم على طهارة فضلاته صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، و هو المختار وفاقاً بجميعٍ من المتأخرين، فقد تكاثرت الأدلة عليه، و أعده الأئمة من خصائصه، و قيل : سببه شق جوفه الشريف، و غسل باطنه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم اهـ". كذا في جمع الوسائل شرح الشمائل: ۳۷۲/۲ (۱) -

ان روایات سے ثابت ہوا کہ دومرتبہ اس کے پینے کی نوبت آئی ہے، عمومی طور پر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ مواہبِ لدنیہ (۲)، عینی شرح البخاری (۳) شرح اشباہ وغیرہ میں بھی یہی چیز موجود ہے (۴) اور یہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے (۵) تھوک بلغم کا درجہ تو بہت ہلکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۲ھ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پاک ہے

سوال [۱۲۰۷]: ایک عالم نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں

---

(۱) (جمع الوسائل في شرح الشمائل : ۳۰۲/۲، باب ما جاء في تعطر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ادارة تاليفات اشرفيه)

(۲) (المواهب اللدنيه مع شرح الزرقاني : ۵۴۸/۵-۵۵۳، المقصد الثالث ، الفصل الأول في كمال خلقته و جمال صورته ، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۳) (عمدة القاري :۵۲/۳، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، دارالكتب العلمية)

(وكذا في فتح الباري : ۳۶۱/۱، كتاب الوضوء ، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، قديمي)

(۴) (عمدة ذوي البصائر لحل مهماة الأشباه والنظائر للبيري ، إبراهيم بن حسين بن أحمد البيري)

(۵) "(تنبيه) صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و سائر فضلاته، و به قال أبو حنيفة .... و عد الأئمة ذلك من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و نقل بعضهم عن شرح المشكاة لملا على القاري أنه قال: اختاره كثير من أصحابنا". (رد المحتار: ۳۱۸/۱، كتاب الطهارة ، باب الأنجاس ، مطلب في طهارة بوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، سعيد)

پیشاب کیا اور صحابی کو پھینک دینے کیلئے دیا، وہ دوسری جگہ پر جا کر اس کو پی گئے، جب واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ پھینک دیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ پی گیا، میرے پیٹ میں درد تھا وہ ٹھیک ہوگیا، اس پر آپ مسکرائے اور کہا کہ اب درد نہیں ہوگا۔ اس بناء پر چند سامعین نے رقعہ دیا کہ آپ نے روایت غلط بیان کی، اگر اس قسم کی روایت غیر مسلم کو مل جائے تو وہ اسلام پر سخت اعتراض کر سکتے ہیں کہ ہم کو گائے کا پیشاب پینے پر کیوں برا کہا جائے، اس پر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ روایت شفا شریف میں ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ شفاء شریف کس کی تصنیف ہے؟ اس روایت کا درجہ کیا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ طاہر، اَطہر، مزکی تھے آپ کی کوئی چیز نجس نہیں، نہ دوسرے آدمیوں کو آپ پر قیاس کیا جا سکتا ہے، جو روایت آپ نے سوال میں نقل کی ہے وہ شفا میں موجود ہے(۱)۔

---

(۱) "وقد روی نحو من هذا (أی عن النبی صلی الله علیه وسلم) فی امرأة شربت بوله، فقال لها: "لن تشتکی وجع بطنک أبداً". ولم یأمر واحداً منهم بغسل فمه ولا نهاه عن عودة ...... وقیل: هی أم أیمن وکانت تخدم النبی صلی الله علیه وسلم، قالت: وکان لرسول الله صلی الله علیه وسلم قدح من عیدانٍ یوضع تحت سریره یبول فیه من اللیل، فبال فیه لیلةً ثم افتقده، فلم یجد فیه شیئاً، فسأل برکة (اسم هذه المرأه) عنه فقالت: قمت وأنا عطشانة فشربته وأنا لا أعلم (أی أنه بوله) ...... روی حدیثها ابن جریج .... وغیره". (شرح الشفاء للقاضی عیاض مع شرحه للملا علی القاری، الباب الثانی فی تکمیل الله تعالیٰ له المحاسن خَلقاً وخُلقاً، فصل: وأما نظافة جسمه وطیب ریحه وعرقه علیه السلام: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، دارالکتب العلمیه، بیروت)

"وأخرجه الحسن بن سفیان فی مسنده والحاکم والدار قطنی والطبرانی و أبو نعیم من حدیث أبی مالک النخعی عن الأسود بن قیس عن نبیح العنزی عن أم أیمن قالت: قام رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من اللیل إلی فخارة فی جانب البیت، فبال فیها، فقمت من اللیل و أنا عطشانة، فشربت ما فیها و أنا لا أشعر، فلما أصبح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یاأم أیمن! قومی فأهریقی ما فی تلک الفخارة" فقلت: والله! شربت ما فیها، قالت: فضحک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی بدت =

یہ کتاب قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور معتبر ہے(۱)، اسی طرح زرقانی شرح مواہب لدنیہ(۲)

= نواجذه ثم قال: أما والله لايبجعن بطنك أبداً". (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية :۵/ ۵۴۹، الفصل الأول في كمال خلقته و جمال صورته ، عباس حمد الباز)

(۱) اسی کتاب (الشفاء) کے معتبر ہونے پر عبداللہ محمد الخلیلی کے کلمات ملاحظہ ہوں وہ فرماتے ہیں:" أما بعد! فإن كتاب "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى" للقاضي عياض من الكتب اللتي عدها كثيرٌ من العلماء والمحققين من خير الكتب في موضوعه، فقد قال عنه المقرئ في أزهار الرياض: لما كمل تأليفه، -رضوان الله عليه -، "الشفا" الذى بلغ فيه الغاية القصوى ...... وفضائل هذا الكتاب لا تستوفى، ولا يمترى من سمع كلامه العذب السهل المنور في وصف النبي صلى الله عليه وسلم ...... وقال القارى: كتاب "الشفاء" في شمائل صاحب الاصطفاء أجمع ماصنف في بابه مجملاً في الاستيفاء". (تقديم العلامه عبدالله محمد الخليلي على الشفاء: ۱/ ۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) اس بارے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں اور اس کی شرح میں علامہ زرقانیؒ نے ان کی تشریح فرمائی ہے ملاحظہ ہو:" عن أم أيمن قالت: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم من الليل إلى فخارةٍ (جرة) في جانب البيت فبال فيها، فقمت من الليل وأنا عطشانة، فشربت ما فيها وأنا لاأشعر (أنه بول لطيب رائحته) فلما أصبح النبي صلى الله عليه وسلم قال: "يا أم أيمن! قومي فأهريقي ما في تلك الفخارة"، فقلت: قد والله! شربت مافيها، قالت: فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه، ثم قال: "أما والله لا يبجعن (أى لايصيب) بطنك (وجع) أبداً".

"وعن ابن جريج قال: أخبرت أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول في قدح من عيدان، ثم يوضع تحت سريره، فجاء، فإذا القدح ليس فيه شيئ، فقال لامرأة (يقال لها بركة، كانت تخدم أمّ حبيبة، جاء ت معها من أرض الحبشة): "أين البول الذى كان في القدح؟" قالت: شربته، قال: "صحة": أى جعله الله صحة" .... وصح ابن دمية أنهما قصتان وقعتا لامر أتين". (المواهب اللدنية مع شرحه للعلامة الزرقاني، الفصل الأول في كمال خلقته وجمال صورته: ۵/ ۵۴۸، ۵۵، عباس احمد الباز مكة المكرمة)

اردوشرح شفا(۱)اور شامی درمختار وغیرہ میں بھی ہے(۲)، البتہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود اس کی اجازت کسی کو مرحمت نہیں فرمائی، کسی نے غلبۂ محبت وعقیدت کی بناء پر ایسا کرلیا تو اس کو مجرم ومستحق سزا قرار نہیں دیا بلکہ درد سے شفاء کی بشارت دی(۳)، جو اعتراض غیر مسلموں سے آپ نقل کر رہے ہیں ذرا غور کریں تو اس کا جواب ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

فضلاتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طہارت

سوال[۱۲۰۸]: حدیث شریف میں ہے جس کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے بھی حکایاتِ صحابہ میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کو ایک صحابی نے پی لیا اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون گیا اس پر آگِ جہنم حرام ہے۔ اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خون کے بارے میں قرآن میں حرمت آئی ہے تو پھر آپ نے اس کے شرب پر نکیر نہ فرمائی بلکہ بشارت دی تو خونِ رسول کی طہارت پر آپ کی تحقیق کیا ہے از روئے احادیث؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قاضی عیاضؒ نے ''کتاب الشفاء'' میں اس کو نقل کیا ہے ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

---

(۱) (راجع، ص: ۴۹۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "[تنبيه] صحّح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و سائر فضلاته، و به قال أبو حنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني، و صرح به البيري في شرح الأشباه، و قال الحافظ ابن حجر: تظافرت الأدلة على ذلك، و عد الأئمة ذلك من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ونقل بعضهم عن شرح المشكوة لملا علي القاري أنه قال: اختاره كثير من أصحابنا، و أطال في تحقيقه في شرحه على الشمائل في باب ما جاء في تعطره عليه الصلاة و السلام". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في طهارة بوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۳۱۸، سعيد)

(۳) جیسا کہ روایت مذکورہ میں "لن تشتكي وجع بطنك أبداً" اور اس جیسے دوسرے جملوں سے ظاہر ہے۔

خونِ مبارک طاہر ہو جیسا کہ شرب بول کا واقعہ "دار قطنی" وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ پاک نے اس کی ماہیت ہی بدل دی ہو جیسے مشک کی کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ پینے والے سے جب دریافت کیا گیا کہ خون کا مزہ کیسا تھا "کیف وجدت طعم الدم" تو جواب دیا کہ مزہ شہد کا تھا اور خوشبو مشک کی تھی "فقال: أما الطعم فطعم العسل، والرائحة فرائحة المسك، أقول: هذا من باب قلب الأعيان الذى عد من معجزات الأنبياء عليهم الصلوة والسلام"۔ پھر اعتراض ونزاع کا موقعہ ہی ختم ہو گیا۔ "و بهذا يندفع نزاع الفقهاء اهـ" شرح شفاء میں یہ سب موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایلچی کا لفظ

سوال[۱۶۰۹]: جو شخص احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایلچی بتاتا ہے، آپ اس کے بارے میں حدیث وفقہ سے جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایلچی کے معنی ہیں قاصد، پیغام پہنچانے والا۔ حضور اکرم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام مخلوق کو پہنچانے کیلئے تشریف لائے، گذشتہ کتابوں میں یہ لفظ اسی اعتبار سے اسی معنی میں مذکور ہے، ترکی لفظ ہے(۲)۔ ہمارے اردو میں یہ کچھ اونچا لفظ نہیں، معمولی آدمی جو پیغام یا خط لے کر جائے اس کو بھی ایلچی کہہ

---

(۱) "شرب عبد الله بن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه دم حجامته قال له عليه السلام: "ويل لک من الناس و ويل لهم منک". و لم ينكر عليه .... قال الشعبى: فقيل لابن الزبير كيف وجدت طعم الدم؟ فقال: أما الطعم فطعم العسل، و أما الرائحة فرائحة المسک. أقول: فهذا من باب قلب الأعيان الذى عُدّ من معجزات الأنبياء عليهم السلام و بهذا يندفع نزاع الفقهاء". (شرح الشفاء للملا على القارى: ١/١٧٠، فصل و أما نظافة جسمه)

"فقد قال: قوم من أهل العلم: بطهارة هذين الحَدَثين منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم".

(الشفاء للقاضى عياض مع شرحه: ١/١٦٨، فصل و أما نظافة جسمه)

(۲) (فیروز اللغات، باب الف، ص: ۱۵۰) اور معنی بیان کرنے سے قبل حرف "ت" سے لفظ کے ترکی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ص: ۱۵۰۔

دیتے ہیں، اس لئے سرور کائنات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ لفظ نہ بولا جائے کہ اس میں کچھ خاص بلندی ورفعت مفہوم نہیں ہوتی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۵ھ۔

آپ ﷺ کا صاحبزادی کو دفن کرنے کیلئے ایسے شخص کا تجویز فرمانا جس نے رات صحبت نہ کی ہو

سوال[۱۶۱۰۱]: حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی کا انتقال ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے قبر میں وہ شخص اترے جس نے آج رات اپنی بیوی سے قربت نہ کی ہو'' اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! وہ میں ہوں، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اترے، حالانکہ حضور خود سراپا نور ہی نور تھے، کیا وجہ تھی؟ جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ قصہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا نہیں بلکہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہے جو کہ زوجہ تھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ایک لطیف تنبیہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہ انہوں نے اسی شب اپنی ایک جاریہ سے صحبت کی تھی، چونکہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دیر سے بیمار تھیں اور یہ خیال نہ تھا کہ آج ان کی وفات ہوجائے گی، كذا في مجمع البحار: ۱۳۶/۳(۱) وفتح الباري،(۲)،

---

(۱)"ولعل العذر لعثمان أنه طال مرضها ولم يكن يظن أنها تموت ليلتئذٍ". (مجمع بحار الأنوار، قرف: ۲۵۵/۴، دائرة المعارف العثمانيه بحيدر آباد الدكن، الهند)

(أيضاً اللمعات شرح المشكوة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۳۵۴/۴، مكتبة المعارف العلمية لاهور)

(۲) "قوله: (شهدنا بنتاً للنبي صلى الله عليه وسلم هي أم كلثوم زوج عثمان رضي الله عنه رواه الواقدي عن فليح بن سليمان بهذا الإسناد وأخرجه ابن سعد في الطبقات في ترجمة أم كلثوم رضي الله عنها ......الخ". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يعذب الميت ببعض بكاء أهله الخ": ۲۰۳/۳، قديمي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود قبر میں دفن فرمانے کیلئے تشریف نہ لے جانا کسی عذر کی وجہ سے تھا، کذا فی شرح مسلم للنووی واللمعات شرح المشکوٰۃ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

پتھر میں اسم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر نکلا اس کو کیا جائے؟

سوال[۱۶۱۱]: یہاں ضلع راجوری کے قصبہ تھانہ منڈی میں جہاں پر ہمارا مدرسہ ہے اس سے تقریباً چار میل دور ایک گاؤں ہے عظمت آباد، نہایت ہی پسماندہ اور غیر مشہور ہے، وہاں پر چند نوجوان ہیں جن کو دین کی کوئی واقفیت نہیں ہے، ظاہری طور پر فاسق وفاجر ہیں۔

ایک سال سے انھوں نے وہاں پر جامع مسجد بنانے کا پروگرام بنایا ہے اور کام شروع بھی کرادیا ہے، تعمیری نگرانی میری ہی ہے یعنی ہمارے مدرسہ کی ہے، مشورہ وغیرہ ہم سے لیتے ہیں، کام وہ خود اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔

چند مہینہ قبل وہاں دریا میں سے پتھر چیرتے ہوئے ایک پتھر چیرا گیا تو اس کے دو ٹکڑے صاف ہو گئے اور درمیان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی قدرتی طور پر کندہ نکلا، شروع میں الف بھی ہے لیکن صاف ظاہر نہیں ہے، یہ ایک قدرتی سفید لکیر ہے اس میں کسی کے دستی لکھنے وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں پر دور دراز سے لوگ زیارت کے لئے آرہے ہیں، کچھ لوگ نیاز وغیرہ بھی چڑھا رہے ہیں، ریڈیو اور اخبارات میں بھی نشر ہوا ہے، یہاں پر کچھ آدمی ایسے ہیں جو اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ پوجا کا مرکز نہ بنے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر قدرتی تھا تو صاف لکھنا چاہئے تھا۔

اس سلسلہ میں کافی فضلائے دیوبند بھی آئے انھوں نے بھی تقاریر کیں اور کہا کہ یہ ایک معجزہ ہے، عام

---

(۱) قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: "لاحتمال أنه صلی اللہ علیه وسلم وعثمان کان لهما عذر منعهما نزول القبر ......الخ". (لمعات التنقیح کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۳۵۴/۴، مکتبة المعارف العلمیه، لاهور)

لوگوں کی مختلف آراء ہیں کوئی کہتا ہے کہ اس کا نام حجر عظمت رکھا جائے، کوئی کہتا ہے کہ اس کا نام حجر نور یا حجر نورانی وغیرہ رکھا جائے، اس پتھر کے لگانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

گاؤں کے مقامی لوگ کافی اہمیت دے رہے ہیں، کارکنانِ مسجد کو برائے تعمیر ذریعۂ آمدنی بھی بن گیا ہے، وہ اس کے خلاف ایک لفظ سننا نہیں چاہتے ہیں اور امکان ہے کہ چند ہی یوم میں یہاں پر لڑائی نہ ہو جائے۔ اس پتھر کے رکھنے کے لئے اس وقت بہت بڑے بڑے پروگرام بن رہے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس کے لئے علیٰحدہ حجرہ تعمیر کراؤ، کوئی کچھ کہتا ہے، ہم نے پہلے یہ تجویز رکھی تھی کہ مسجد کے دروازہ پر دیوار میں لگوادیں، لیکن عام شہرت نے حالات کو بدل دیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پتھر کو مسجد کی تعمیر میں کس جگہ لگایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس پتھر کو مسجد کی تعمیر میں بلندی پر نمایاں کر کے لگوایا جائے کہ دیکھنے والے اس کو دیکھ سکیں، بظاہر تو یہ قدرتی طور پر پتھر کی ساخت ہے، نام مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر صورت نمودار ہوگئی ہے تو اس سے سبق لیا جائے کہ لوگ بیش از بیش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علوم کو حاصل کریں اور آپ کے دین کو سیکھیں اور پھیلائیں، واللہ الموفق۔ درحقیقت یہی قدردانی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کے لئے ہر زبان میں نعت کہنا جائز ہے

سوال[۱۶۱۲]: حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کشمیری زبان میں نعت بنانا کیسا ہے؟

---

(۱) ﴿إن في خلق السمٰوٰت والأرض واختلاف الليل والنهار لآيٰت لأولي الألباب﴾ (ال عمران: ۱۹۰، پ: ۴)

"فاعتبروا يأولي الأبصار" (سورة الحشر، آيت: ۲، پ: ۲۸)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله: "(لآيٰت): أي دلالات على وحدة الله تعالىٰ وكمال علمه وقدرته". (روح المعاني سورة ال عمران: ۱۵۶/۴، دار احياء التراث العربي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوالِ مقدسہ اور اوصافِ عالیہ کو نظم کر کے نعت بنالینا اور اس کا پڑھنا بھی درست ہے، کشمیری زبان میں ہو یا کسی اَور زبان میں۔ مگر مضمون صحیح حدیث شریف کے موافق ہونا چاہیے۔ کوئی غلط بات نہ ہو، نیز پورا ادب ملحوظ رہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبی هریرة (رضی الله عنه) أن عمر مرّ بحسّان وهو ینشد الشعر فی المسجد فلحظ إلیه، فقال: قد کنت أنشد وفیه من هو خیر منک، ثم التفت إلی أبی هریرة، فقال: أنشدک الله أسمعتَ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "أجب عنی، اللهم أیده بروح القدس؟ قال: اللهم نعم".

قال النووی تحته: "فیه جواز إنشاد الشعر فی المسجد إذا کان مباحاً، واستحبابه إذا کان فی ممادح الإسلام وأهله، أو فی هجاء الکفار والتحریض علی قتالهم، أو تحقیرهم ونحو ذلک". (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل حسان بن ثابت رضی الله عنه: ۲/۳۰۰، قدیمی)

"عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: " لأن یمتلی جوف أحدکم قیحاً خیر له من أن یمتلی شعراً". قال الحافظ تحته: ظاهره العموم فی کل شعرٍ، لکنه مخصوص بمالم یکن مدحاً حقاً کمدح الله ورسوله، وما اشتمل علی الذکر والزهد وسائر المواعظ ممالا إفراط فیه".

(فتح الباری، کتاب الأدب، باب مایکره أن یکون الغالب علی الإنسان الشعر حتی یصده عن ذکر الله والعلم والقرآن: ۱۰/۶۷۱، ۶۷۲، قدیمی)

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاءِ کرام تاریخ کی روشنی میں)

حضرت آدم علیہ السلام کا مرد ہونا اور حوا کا عورت ہونا کیا دنیا میں آکر ہوا یا جنت میں؟

سوال[۱۶۱۳]: حضرت آدم علیہ السلام نے جب دانۂ گندم بہشت میں کھایا اس کے بعد رفعِ حاجت کی ضرورت ہوئی، چند لوگ یہاں کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام و نیز حوا علیہا السلام کے رفعِ حاجت کی جگہ یعنی اندام نہانی وغیرہ نہیں تھی جس کی وجہ سے پیٹ پھٹ گیا اور شیطان لعین نے ان پر ٹانکے لگائے، اس کے بعد جنت سے نکالے گئے، اس کے بہت مدت بعد جب قصور معاف ہوا تب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اکٹھا ہوئے اور اندام نہانی کی جگہ بعد میں ہوئی یعنی مذکر و مؤنث بعد میں ہوئے۔ اس کا صحیح واقعہ کیا ہے؟ کیا مذکر مؤنث بعد میں ہونے کے بعد نسل انسانی شروع ہوئی، کیا حضرت آدم علیہ السلام کا جب پتلہ خاکی تیار ہوا انسانی مجسمہ مذکر نہ تھا؟ چونکہ دیہات کا واقعہ ہے، جاہل لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں، ان کا شک مٹانے کیلئے یہ فتویٰ دریافت کیا گیا، صحیح واقعہ بیان فرمادیجئے، تاکہ ان کو سمجھا دیا جائے۔

ظفر محمد خاں، موضع سری پوسٹ اورا، ضلع کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکر مؤنث ہونے کی یہ تفصیل کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھی، بظاہر یہ اسرائیلیات میں سے ہے یعنی یہودیوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر اپنی کتابوں میں درج کرلی ہے، جس کو اور بھی بعض لوگوں نے بیان کرنا شروع کردیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہٗ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ رمضان/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

قبرِ آدم علیہ السلام

سوال[۱۶۱۴]: حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے متعلق ایسا سنا ہے کہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ شریف کی دیوار کے نیچے حطیم میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ۔

حضرت آدم وحوا کی قبریں کہاں ہیں؟

سوال[۱۶۱۵]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی نے اپنی کتاب بہار شریف حصۂ ششم میں مسئلہ ذیل لکھا ہے، یہ کتاب ہزاروں کے یہاں معمول بہا ہے مگر مجھ کو غلط معلوم ہوتی ہے، آپ تصحیح فرمادیں، غلط ہو تو تردید لکھدیں۔

جن لوگوں نے حضرت آمنہ حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار سوہات کا بنا رکھا ہے، وہاں بھی زیارت کو نہ جائیں کہ بے اصل ہے (فقط)۔ جناب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کا مزار، حضرت آدم علیہ السلام کا مزار کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''روضۃ الصفا'' جلد اول میں لکھا ہے کہ ''وفاتِ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام در روزِ جمعہ در مکہ واقع شد، و حواء بعد ازو یک سال، و بقولے ہفت سال رحلت نمود،

---

(۱) قال الحافظ ابن كثير: "واختلفوا في موضع دفنه فالمشهور أنه دفن عند الجبل الذى أهبط منه فى الهند، وقيل: بجبل أبى قبيس بمكة، ويقال إن نوحاً عليه السلام لما كان زمن الطوفان حمله هو وحواء فى تابوت فدفنهما بيت المقدس، حكى ذلك ابن جرير، وروى ابن عساكر عن بعضهم أنه قال رأسه عند مسجد إبراهيم ورجلاه عند صخرة بيت المقدس". (البداية والنهاية، ذكر وفاة آدم: ۱/۹۸، دار الفكر بيروت)

و در جنبِ آدمؑ مدفون شدا ہ"(۱) اور بعض کتبِ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ وحضرت حواء کا مزار سراندیب میں ہے(۲)۔ یقینی علم دشوار ہے۔

ملاعلی قاری نے محمد بن الجزری سے نقل کیا ہے کہ:"لا يصح تعيين قبر نبي غير نبينا صلى الله عليه وسلم، نعم! سيدنا إبراهيم عليه الصلوٰة والسلام في تلك القرية لا بخصوص تلك البقعة انتهى. وكأنه أشارة إلى أن لاوجود لنور القمر والكواكب بعد ظهور ضياء الشمس، وإيماء إلىٰ فسخ سائر الأديان في جمعي الأماكن والأزمان، ولئلا يشاركه أحد في زيارته ليعظم له الشان"۔ موضوعات کبیر (۳)۔

---

(۱) (روضة الصفاء، ذكر انتقال حضرت آدم عليه السلام: ۱/۱۵، طبع مقبول جهاں لكهنو)

(۲) "وتوفي بمكة يوم الجمعة، وصلى عليه جبريل، واقتدى به الملائكة وبنو آدم، وفي رواية: صلى عليه شيث بأمر جبريل، ودفن بمكة في قبر، لحد له في غار أبي قبيس، وهو غار يقال له: غار الكنز، قاله وهب. وفي العرائس: قال ابن اسحاق: في مشارق الفردوس ...... وبحر العلوم عن ابن عباس أنه قال: لما فرغ آدم من الحج رجع إلى الهند، فمات على نودٍ بالهند ودفن بها، وعن ثابت البناني: حضروا لآدم ودفنوه بسرنديب من الهند ..... وصححه الحافظ عماد الدين". (تاريخ الخميس، قصة عنق وابنها عوج: ۱/۶۳، مؤسسة شعبان، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱/۲۳۶، سورة البقرة: ۳۶، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

وفي البداية النهاية: "واختلفوا في موضع دفنه، فالمشهور أنه دفن عند الجبل الذي أهبط منه في الهند، وقيل: بجبل أبي قبيس بمكة، ويقال: إن نوحاً عليه السلام لما كان زمن الطوفان حمله مصر وحواء في تابوت، فد فنهما ببيت المقدس، حكى ذلک ابن جرير وروى ابن عساكر عن بعضهم أنه قال: رأسه عند مسجد إبراهيم ورجلاه عند صحرة بيت المقدس، وقدماتت بعده حواء بسنة واحدة".

(البداية والنهاية، ذكروفاة آدم ووصيته إلى ابنه شيث عليه السلام: ۱/۱۲۱، دارالفكر، بيروت)

(وكذا في تاريخ الطبري، ذكر وفاة آدم عليه السلام: ۱/۱۰۸، ۱۰۹، مؤسسة الأعلمي، بيروت)

(۳) (الموضوعات الكبرى للملاعلي القاريؒ، فصول في تحقيق بعض المسائل التي اشتهرت والصواب خلا فها: ۲۸۰، قديمي)

آدم علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے؟

سوال[۱۶۱۶]: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین میں ہے یا آسمان میں؟ اگر آسمان پر ہے تو دلیل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمع الفوائد،ص:۶۰۹ ج ۲ میں حدیث نمبر:۹۱۸۱ بحوالہ مسلم موجود ہے:

(أنس رضی اللّٰہ عنہ رفعہ): "لما صور اللّٰہ آدم فی الجنۃ ترکہ ماشاء اللّٰہ أن یترکہ، فجعل إبلیس یطیف بہ وینظر إلیہ، فلمّا رآہ أجوف عرف أنہ خلق لایتمالک"۔ (مسلم)(۱) اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں تخلیق ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دارالعلوم دیوبند۔

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بائیں پسلی سے

سوال[۱۶۱۷]: حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں، کیا اس پر نص موجود ہے، نص سے مراد عام ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی؟

---

(۱) (جمع الفوائد، کتاب بدء الخلق وعجائبہ: ۶۰۹/۳، إدارۃ القرآن کراچی)

"عن أنس رضی اللہ عنہ قال: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لمّا صوّر اللہ آدم فی الجنۃ". الحدیث، (تاریخ الخمیس ذکر ابتداء خلق آدم، ۳۷/۱،مؤسسۃ شعبان بیروت)

وقال القاضی: الأخبار متظاهرۃ علی أن اللہ خلق آدم من تراب قبض من وجہ الأرض ......لکن لاینافی ذلک تصویرہ فی الجنۃ لجواز أن تکون طینۃ..........واستعدت لقبول الصورۃ الإنسانیۃ حملت إلی الجنۃ، فصوّرت ونفخ فیہا الروح". (تاریخ الخمیس، ذکر ابتداء خلق آدم: ۳۷/۱، مؤسسۃ شعبان للنشروالتوزیع، بیروت)

(وکذا فی شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح، کتاب أحوال القیامۃ، باب بدأ الخلق وذکر الأنبیاء: ۲۹۹/۱۰ ،إدارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال :قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" استوصوا بالنساء خیرًا فإنهن خلقن من ضِلع أعوج". الحدیث بکسر الضاد وفتح اللام وأحد الأضلاع، وهو عظم معوج، استعیر للمعوج صورةً أو معنًی: أی خلقن خلقًا فیه اعوجاج فکأنهن خلقن من أصل معوج وقیل: ذلك؛ لأن أمهن أول نساء هو حواء خلقت من أعوج ضلع من أضلاع آدم علیه الصلوة والسلام وهو القلع الأعلی الخ". (مرقاة المفاتیح:٦/٢٦٣(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ،۹۵/۲/۲۶ھ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنے پر چالیس سال تک رونا

سوال[۱۲۱۸]: حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر اتارے گئے تو خطا کی وجہ سے وہ چالیس سال تک روئے، آیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو صحیح نہیں کہا جائیگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند، ۹۶/۶/۲۵ھ۔

سفینۂ نوح میں کتنے آدمی تھے؟

سوال[۱۲۱۹]: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں وقتِ طوفان شمار میں کس قدر مرد وعورت تھے؟ ان کا جواب حدیث یا قرآن سے لکھا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخ حسین بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ کل اسّی تھے، اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ کل بہتر تھے، نصف مرد اور نصف عورتیں، اور بھی بعض اقوال ہیں:

(۱)(مرقاة المفاتیح: ٣٨٧/٥، باب عشرة النساء ومالکل واحدة من الحقوق، کتاب النکاح، رقم الحدیث : ٣٢٣٨، مکتبه)

"واختلفوا في عدد أصحاب السفينة، قال قتادة وابن جريج ومحمد بن كعب القرظي: لم يكن في السفينة إلا ثمانية: نوح وامرأته وثلاث بنين له: سام،وحام ويافث ونسائهم، فجميعهم ثمانية: وقال الأعمش: كانوا سبعة: نوح وثلاث بنين له وثلاث نسوة لهم. وقال ابن اسحق: عشرة: نوح وبنوه سام وحام ويافث والستة أناس ممن كان آمن به وأزاوجهم جميعًا. وقال مقاتل: كانوا ثنتين وسبعين نفرًا رجلاً وامرأةً، وبنيه الثلاثة ونسائهم، فجميعهم ثمانية وسبعون نصفُهم رجال ونصفهم نساء. وعن ابن عباس رضي الله عنهما: كان في سفينة نوح ثمانون رجلاً أحدهم جرهم". (تاريخ الخميس"۔ ۱: ۷۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الثانی/ ۵۷ھ۔

انگشتریٔ حضرت سلیمان علیہ السلام

سوال[۱۲۲۰]: انگشتری حضرت سلیمان علیہ السلام معجزۂ نبوت ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا کوئی اس کو ضبط کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشہور یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت اور سلطنت انگشتری کی وجہ سے تھی، یعنی درحقیقت حکومت انگشتری کے تابع تھی، لہذا جس کے پاس انگشتری ہوتی اس کی حکومت ہوتی (۲)۔

---

(۱) (تاريخ الخميس: ۱/۷۰، مطبوعه مكتبه مؤسسة شعبان للنشر والتوزيع، بيروت)

(وراجع للتفصيل: (تفسير المدارك، (سورة العنكبوت): ۲/۲۸۵، قديمى)

(والتفسير المظهرى، (سورة العنكبوت): ۷/۱۹۵، حافظ كتب خانه)

(وروح المعانى: ۲۰/۱۴۳، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) "(على كرسيه جسداً) شيطاناً يقال له: آصف، فقال له سليمان: كيف تفتنون الناس؟ قال: أرني خاتمك أخبرك، فلما أعطاه إياه، نبذه آصف في البحر، فساح سليمان وذهب ملكه، وقعد آصف على كرسيه، ومنعه الله نساء سليمان، فلم يقربهن، وأنكرنه، قال: فكان سليمان يستطعم فيقول: أتعرفوني =

لیکن تفسیر روح المعانی:۱۸۱/۲۳میں اس کی تردید کی ہے، لکھا ہے کہ: "ویستبعد جداً أن یکون اللہ تعالیٰ قد ربط ماأعطیٰ نبیہ علیہ السلام من الملک بذلک الخاتم"(۱)۔

اور انگشتری کے تابع ہونا کتب یہود سے منقول ہے جن کی تحریف نصِ قطعی سے ثابت ہے، لہذا کتبِ یہود قابلِ اعتماد نہیں، نبی کا معجزہ کوئی جن وغیرہ ضبط نہیں کرسکتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حضرت یونس علیہ السلام کا تحت الثریٰ تک پہنچنا

سوال[۱۶۲۱]: ہر زمین جب کہ پانچسو برس کی راہ موٹا پا رکھتی ہے تو حضرت یونس علیہ السلام کا چالیس روز میں تحت الثریٰ پہنچنا اور پھر واپس آجانا عقلاً ونقلاً کیسے ثابت ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت کو کس مصنف نے اپنی تصنیف کے کس باب میں تحریر کیا ہے، عبارت وحوالہ وصفحہ ومطبع

= أطعموني أنا سلیمان، فیکذبونہ حتی أعطتہ امرأۃ یوماً حوتاً یطیب بطنہ فوجد خاتمہ فی بطنہ فرجع الیہ ملکہ، وفر آصف فدخل البحر فاراً". (جامع البیان للطبری، (سورۃ ص،پ:۲۳): ۱۵۷/۱۰، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۱۷۹/۸، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(وکذا فی روح المعانی: ۱۹۹/۲۳، بیروت)

(وکذا فی تفسیر الخازن: ۴۳/۴، حافظ کتب خانہ، کوئٹہ)

(وکذا فی تفسیر جلالین، ص: ۳۸۲، قدیمی)

(۱)(روح المعانی: ۱۹۹/۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴۶/۴، مکتبہ دار السلام ریاض)

(۲) "وأما مایروی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادۃ الوثن فی بیت سلیمان علیہ السلام فمن أباطیل الیہود". (تفسیر المدارک، (سورہ ص، پ۲۳): ۴۳۷/۲، قدیمی)

"ان ھذہ المقالۃ من أوضاع الیہود وزنا دقۃ السو فسطائیہ، ولا ینبغی لعاقل أن یعتقد صحۃ مافیہا". (روح المعانی، (سورہ ص): ۱۹۹/۲۳، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

کتاب لکھنے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمٰن، ۱۸/۱/۵۲ھ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام

سوال[۱۶۲۲]: حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت یوسف علی انبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا نام کسی مستند کتاب میں نہیں دیکھا، اسرائیلیات میں ''راحیل'' نام ملتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زلیخا کی تحقیق

سوال[۱۶۲۳]: کیا زلیخا وہی عورت ہیں جن کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا گیا، یا دونوں الگ الگ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دور میں میرے علم میں نہیں کہ زلیخا نام کی کتنی عورتیں تھیں، مشہور تو ایک ہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۶ھ۔

---

(۱) "عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " أعطِی یوسف وأمه شطر الحسن، وأن أمه "راحیل" لما ولدته، دفعه زوجها یعقوب إلی أختە تحضنه اھ". (تاریخ الطبری: ۱/۲۳۲، مؤسسة الأعلمی، بیروت)

وفی حاشیة الجلالین: "وما مشی علیه المفسرون من أن المراد بالشمس أمه، أحد قولین، وقیل: إن أمه راحیل قدماتت، والمراد بالشمس خالته لیا". صاوی". (حاشیة الجلالین: ۱/۱۹۰، سورة یوسف: ۴، قدیمی)

کیا زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی تھی؟

سوال[۱۶۲۴]: یہاں پر چند لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی زلیخا کو نہیں مانتے، اس کا جواب دیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم میں یہ کہیں مذکور نہیں، احادیثِ صحاح میں بھی یہ صاف صاف نہیں دیکھا، مفسرین ضرور لکھتے ہیں کہ شادی ہوگئی تھی (۱) بعض حضرات انکار کرتے ہیں-والله اعلم لحقيقة الحال- تاہم ان کی شان میں ہرگز گستاخی کرنے کی اجازت نہیں، اس سے پورا پرہیز کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۸ھ۔

حضرت ہاجرہ وحضرت سارہ رضی اللہ عنہما کیا ایک ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تھیں؟

سوال[۱۶۲۵]: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس جگہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ملی تھیں کیا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی اسی جگہ سے ملی تھیں؟

---

(۱) "فزوج الملک یوسف راعيل امرأة العزيز، فلما دخل عليها، قال: أليس هذا خيراً مما كنتِ تريدين؟ فقالت: أيها الصديق! لا تلمني، فإني كنت امرأةً حسناء ناعمة كما ترى، و كان صاحبي لا يأتي النساء .... فوجدها يوسف عذراء، فأصابها فولدت له رجلين: إفرائيم بن يوسف، ومنشا بن يوسف الخ". (تفسير القرطبي: ۹/۱۴۰، دار الكتب العلمية بيروت: تحت قوله تعالى: قال: (اجعلني على خزائن الارض) الاية: يوسف: ۵۵)

(۲) "و تعقب الإمام الرازي ما ذكر (أي معنى الهم الذي نسبه الواحدي وغير إلى يوسف عليه السلام) بأن هذه المعصية التي نسبوها إلى يوسف ؑ و حاشاه - من أقبح المعاصي و أنكرها، و مثلها لو نسب إلى أفسق خلق الله تعالىٰ و أبعدهم، لا ستنكف منه، فكيف يجوز إسناده إلى الصديق الكريم .... و عند هذا يقال للجهلة الذين نسبوا إلى يوسف ؑ تلك الفعلة الشنيعة: إن كانوا من أتباع الله سبحانه، فليقبلوا شهادة الله تعالىٰ على طهارته عليه السلام، وإن كانوا من أتباع إبليس فليقبلوا شهادته"...... (الى آخر ما مادفع عن عصمته عليه السلام). (روح المعاني: ۲۱۵/۱۲، تحت قوله تعالىٰ: (لو لا أن رأى برهان ربه) الاية، يوسف: ۲۴، دار احياء التراث العربي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں بلکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے پہلے نکاح ہوا تھا ان کو ساتھ لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لا رہے تھے، ایک ظالم بادشاہ سے واسطہ پڑا اس نے خرقِ عادت حال دیکھا وہاں سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ملیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ۔

ختنہ کی ابتداء اور مصلحت

سوال[۱۶۲۲]: مسلمانی (ختنہ) کا آغاز کب سے ہوا؟ اور سب سے پہلے کس نے کروائی؟ پہلے کہاں ہوئی اور کب ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ بالتفصیل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانی (ختنہ) حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، ان کے اتباع کا حکم اس امت کو بھی دیا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ پاک کے حکم سے اس کو کیا، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۰/ سال کی عمر میں کیا ہے۔ اتباعِ حکم کے بعد کسی علت کے دریافت کرنے کی حاجت نہیں رہتی، بدن کی صفائی میل سے اور طہارت قطرات سے اور جماع میں حصولِ لذت وغیرہ مفاد ومنافع کی حیثیت سے ظاہر ہیں، شروح بخاری میں تفصیل مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لم يكذب إبرهيم النبي عليه السلام قط، إلا ثلاث كذبات: ثنتين في ذات الله قوله: (إني سقيم) وقوله: (بل فعله كبير هم هذا) وواحدة في شأن سارة، فإنه قدم أرض جبار ومعه سارة كانت أحسن الناس، فقال لها: إن هذا الجبار" ...... الحديث.

(الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم خليل الله عليه السلام: ۲ / ۲۶۶، قديمي)

(وكذا في صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب: واتخذ الله ابراهيم خليلاً: ۱ / ۴۷۴، قديمي)

(وكذا في جامع الترمذي، أبواب التفسير، من سورة الأنبياء: ۲/ ۱۵۰، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، ونتف الإبط، وقص الشارب، وتقليم الأظفار". (فتح الباري: ۱۱/ ۱۰۴، قديمي) ....=

ختنہ کی ابتداء، کون نبی مختون پیدا ہوا؟

سوال[۱۶۲۷]: ختنہ سنتِ ابراہیمی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہوا ہے یا اس سے پہلے سے چلا آرہا ہے، اگر پہلے سے ہے تو کس پیغمبر سے یہ سنت جاری ہوئی، اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام مختون تھے یا نہیں؟ اسی طرح پر تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، اور اگر تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام تھے تو وہ یدِ قدرت سے مختون ہی متولد ہوئے تھے یا بعد میں ختنہ کیے گئے اور اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے مشروع ہوا ہے تو اگلے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی ذوات کے متعلق کیا کہا جائے گا، اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا ختنہ کس نے کیا؟ وہ کس نام اور کس قوم کا تھا اور ان کے زمانہ میں کون کون قوم یہ کام کرتی تھی؟ اور غسل جنابت کی ابتداء کن سے ہوئی۔ ہر سوال کا مفصل جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جائے، اگرچہ بعض سوال تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں، مگر من وجہ شرعی ہونے کی حیثیت سے منصب سے چنداں ناز یبا نہیں، بالخصوص جبکہ بعض چیزوں کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیان کی ہو، مبرہن بیان فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وقال القرطبی رحمه الله تعالى: وفي المؤطأ وغيره عن يحيىٰ بن سعيد أنه سمع سعيد بن المسيب يقول: إبراهيم عليه الصلاة والسلام أول من اختتن الخ". تفسير ابن كثير: ١/١٦٦(١)۔ "إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام أول من اختتن وهو ابن عشرين ومائة، واختتن بالقدوم ......الخ". فتح الباري: ١١/٧٤(٢)۔ "وقد ثبت لإبراهيم عليه الصلاة والسلام

= (وكذا في المشكوة: ١/٣٨٠، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اختتن إبراهيم عليه الصلاة والسلام بعد ثمانين سنةً، واختتن بالقدوم". (فتح الباري: ١١/١٠٤، قديمي)

"وإنما اختتن وقت أوحى الله إليه بذلك وأمره به، قال: والنظر يقتضي أنه لاينبغي الاختتان إلا قريب وقت الحاجة إليه لاستعمال العضو في الجماع". (فتح الباري: ١١/١٠٥، قديمي)

(١) (ابن كثير: ١/١٦٦، سهيل اكيڈمی)

(٢) (فتح الباري: ١١/١٠٤، قديمي)

أولیات أخرىٰ كثيرة: منها: أنه أول من ضاف الضيف، وقص الشارب، واختتن، ورأى الشيب وغيره ذلك بأدلة فی كتابی "إقامة الدلائل على معرفة الأوائل ......الخ". فتح الباری: ۱/۲۷۶(۱)۔

"إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام أمرأن يختتن وهو حينئذ ابن مأتی سنة، فجعل واختتن بالقدوم، فاشتدعليه الوجع فدعا ربه، فأوحىٰ الله إليه: إنك عجلت قبل أن نأمرك بآلته، قال: يا رب! كرهت أن أوخر أمرك. قال الماوردی: القدوم جاء مخففًا ومشدداً، وهو الفأس الذی اختتن به، وذهب غيره إلى أن المراد به مكان يسمّى القدوم. وقال أبو عبيد الهروی فی الفرسين: يقال: هو كان مصلاه. وقيل: اسم قرية بالشام، وقال أبو شامة: هو موضع بالقرب من القرية التی فيها قبره. وقيل: بقرب حلب، وجزم غير واحد أن الآلة بالتخفيف. وصرح ابن السكيت بأنه لايشدد، و أثبت بعضهم الوجهين فی كل منهما......الخ". فتح الباری: ۱۰/۲۸۸(۲)۔

"وفی الوشاح لابن دريد: قال ابن الكلبی: بلَغَنا عن كعب الأحبار رضی الله عنه أنه قال: نجد فی بعض كتبنا أن آدم عليه الصلاة والسلام خلق واثنا عشر نبيأمن بعده من وُلده خلقوا مختتين آخرهم محمد صلى الله عليه وسلم وشيث وإدريس ونوح وسام،ولوط ويوسف وموسىٰ وسليمان وشعيب ويحی وهود وصالح صلى الله عليهم وسلم ......الخ". خصائص كبرىٰ: ۱/۵۳(۳)۔

" عن أنس بن مالك رضی الله تعالىٰ تعالىٰ عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: "إنی وُلدت مختوناً، ولم يرأحدسوأتی.......... الخ". دلائل النبوة لأبی نعيم: ۱/۴۶۔ "للعلماء أقوال فی ختانه صلى الله عليه وسلم: أحدها أنه ولدمختوناً مسرورًا، الثانی: أن الملائكة ختنوه"۔

فنقل أبو نعيم الأصبهانی بسنده: "عن أبی بكرة أن جبريل عليه الصلاة والسلام ختن

---

(۱) (فتح الباری: ۱۱/۱۰۵، قديمی)

(۲) (الخصائص الكبرى: ۱/۱۳۳، الآية فی ولادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مختوناً مقطوع السرة، دار الكتب الحديثية)

(۳) (دلائل النبوة: ۱/۱۹۲، الفصل الحادی عشرة الخ)

النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین طهر قلبه". دلائل النبوة : ١ / ٤٦ (١)۔ "ختنه فی الیوم الذی شق فیه صدره المبارك ومُلئ علماً وحكمةً، وذلك خلف خيمة حليمة رضى الله عنها، وكان ختانه فی ذلك اليوم الثالث أن جده عبد المطلب ختنه فی اليوم السابع وسماه وأضاف ......الخ". سفر السعاده ص: ١١٠ (٢)۔

"عن جابر أن النبی صلی الله علیه وسلم ختن حسنًا وحسینًا بعد سبعة أیام، قال الولید: فسألت مالكًا عنه فقال: لاأدری، ولكن الختان طهرة، فكلما قدمها كان أحب إلیّ، وأخرج البیهقی حدیث جابر وأخرج أیضًامن طریق موسیٰ بن علی عن أبیه أن إبراهیم علیه الصلاة والسلام ختن إسحاق وهو ابن سبعة أیام ......الخ". فتح الباری : ١٠/ ٢٨٩ (٣)۔

عباراتِ بالا سے امورِ ذیل ثابت ہوئے: ختنہ سنتِ ابراہیمی ہے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو کیا اور خود اپنے سے کیا، کسی خاص قوم کا پیشہ نہیں تھا، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام مختون پیدا ہوئے، اور بارہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام مختون پیدا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین قول ہیں، صحیح یہ ہے کہ آپ بھی مختون پیدا ہوئے۔ غسلِ جنابت کا حکم اس امت کیلئے تو: ﴿وإن كنتم جنبًا فاطهروا﴾ الآیة سے ثابت ہے، اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس کا ذکر کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

ختنہ کا طریقہ کس زمانہ سے ایجاد ہوا؟

سوال[۱۶۲۸]: ختنہ کا طریقہ کون سے زمانہ سے اور کس پیغمبر کے زمانہ سے ایجاد ہوا؟

---

(١) (دلائل النبوة)

(٢) (سفر السعادة)

(٣) (فتح الباری : ١١/ ١٠٦، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے غالباً ابتداء ہوئی ہے۔(کذا فی فتح الباری) (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہاروت اور ماروت اور زہرہ

سوال[۱۲۲۹]: ہاروت وماروت کے متعلق جو مشہور ہے اور قصص کی کتابوں میں مذکور ہے کہ چاہ بابل میں سرنگوں لٹک رہے ہیں اور زہرہ جو تارا ہے یہ پہلے عورت تھی۔کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقعاتِ سیر وتاریخ میں زیادہ تر اسرائیلیات سے منقول ہیں، بہت سے مفسرین نے بھی ان واقعات کو ذکر کیا ہے، مگر محققینِ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کی تردید کی ہے، تفسیر مظہری (۲) وتفسیر کبیر وغیرہ میں ان واقعات پر بسط سے کلام کیا ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۱۶/ ذی قعدہ/۵۵ھ۔

---

(۱) "وقد ثبت لإبراهيم عليه السلام أوّليات أخرى كثيرة : منها: أول من ضاف الضيف، وقص الشارب، واختتن، ورأى الشيب وغير ذلك". (فتح الباري، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: (واتخذ الله إبراهيم خليلاً): ۳۹۰/۶، دار المعرفة)

"وثانيها الختان ...... وهي من سنة الأنبياء كما سبق من لدن إبراهيم عليه الصلوٰة والسلام إلى زمن نبينا محمد صلى الله عليه وسلم". (مرقاة المفاتيح على مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الثاني: ۹۵/۲، رقم الحديث: ۳۸۲، رشيديه)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۹۸/۲، سورة البقرة: ۱۲۴، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في تاريخ الخميس، اختتان إبراهيم عليه السلام: ۱۳۰/۱، موسسة شعبان، بيروت)

(۲) (التفسير المظهري: ۸۵/۱، ۸۶، سعيد)

(۳)"وعلم أن هذه الرواية فاسدةٌ مردودةٌ غير مقبولة؛ لأنه ليس في كتاب الله مايدل على ذلك بل فيه مايبطلها من وجوه: الأول: ماتقدم من الدلائل الدالة على عصمة الملائكة عن كل المعاصي". =

اول غلاف کعبہ کس نے دیا؟

سوال[۱۶۳۰]: خانہ کعبہ میں جو غلاف پڑا رہتا ہے وہ کس مقصد سے پڑا رہتا ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے یا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے وقت سے غلاف چڑھانے کا رواج ہے یا کسی خلیفہ یا بادشاہ نے ایجاد کیا، اور غلاف چڑھانے میں خانہ کعبہ پر کیا بھید ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اخبارِ مکہ، ص:۳۴۹، میں ازرقی نے لکھا ہے :"قال: حدثنا أبو محمد قال: حدثنا أبو الوليد قال: حدثني جدي قال: حدثنا إبراهيم بن محمد بن أبي عيسىٰ عن همام بن منبه عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم :أنه نهى عن سبّ أسعد الحِميَري، وهو تبع، وكان هو أول من كسى الكعبة ......الخ"۔ پھر، ص:۲۶۵ تک غلافِ کعبہ کی تفصیل بیان کی ہے(۱)، مقصود تعظیم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (التفسير الكبير: ۳/۲۱۹، ۲۲۰)

(وكذا في حاشية الجلالين، ص: ۱۶، سورة البقرة، قديمي)

(۱) "قال الأزرقي: قال ابن جريج: كان تبع أول من كسا البيت كسوة كاملة ......الخ". (تاريخ الخميس، أول من كسا الكعبة: ۱/ ۱۰۹، مؤسسة شعبان، بيروت)

عہدِ صحابہ تاریخ کی روشنی میں

فتح بیت المقدس کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس چیز پر سوار تھے؟

سوال[۱۶۳۱]: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک عیسائی بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو غلام کی باری سواری پر تھی اور آپ پیدل تھے تو وہ گدھے کی سواری تھی یا کوئی اَور؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ واقعہ عیسائی بادشاہ کے دربار میں جانے کا نہیں، بلکہ بیت المقدس کو فتح کرنے کے موقعہ کا ہے، اس وقت اونٹ پر سوار تھے، ایک منزل غلام پیدل چلتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوار ہوتے تھے، اور ایک منزل غلام سوار ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیدل چلتے تھے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

اصحابِ صفہ کون تھے؟

سوال[۱۶۳۲]: اصحابِ صفہ کون تھے اور اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصحابِ صفہ فقرائے صحابہ کی ایک جماعت تھی جن کا گھر اور اہل وعیال کچھ نہیں تھا، یہ کچھ کاروبار اور تجارت وغیرہ بھی نہیں کرتے تھے، محض توکل پر ان کا گذارہ تھا۔ مسجدِ مدینہ میں ایک جگہ سایہ دار تھی وہاں یہ

(۱) علامہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں: ''(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) ستوؤں کا ایک تھیلا، ایک اونٹ، ایک غلام، ایک لکڑی کا پیالہ ہمراہ لے کر اور اپنی جگہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر روانہ ہوگئے، آپ کے اس سفر کی سادگی و جفاکشی عام طور پر مشہور ہے، کبھی غلام اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوتے اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور فاروق اعظم اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے آگے چلتے''۔ (تاریخ اسلام: ۱/۳۰۷، ۳۰۸، نفیس اکیڈمی، کراچی)

حضرات رہتے تھے، ان کی تعداد اکثر ستر ہوتی تھی، کبھی کچھ کم زیادہ بھی ہوجاتی تھی، (كذا في مجمع البحار: ۲/۲۵۳)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

خلفائے اربعہ کی ازواجِ مطہرات اور امہات

سوال[۱۶۴۳]: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشرکہ بیوی کا نام تو قتیلہ تھا اورنئی بیوی کا نام مظاہر حق جلد پنجم میں نہیں، ایک مقام پر اُمِ رومان لکھا ہے اور دوسری جگہ اسماء بنتِ عمیس ہے، صحیح نام کونسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ نے تین نکاح کئے: پہلا حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور انہیں کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی، ان سے محمد رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ، عون رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا جن سے محمد رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، تیسرا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا جن سے حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، كذا في الإكمال، ص: ۳(۲)۔

ام رومان رضی اللہ عنہا بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں جن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

(۱)"وأهل الصفة: "فقراء المهاجرين ومن لم يكن له منهم منزل ليسكنه؛ فكانوا يأوون إلى موضع مظلل في مسجد المدينة.....وكانوا سبعين ويقلون حيناً ويكثرون .....الخ". (مجمع بحار الأنوار، ص:۳/۳۳۱، مطبع مجلس دائرة المعارف العثمانيه، حيدر آباد، الدكن، الهند)

وقال الشيخ عبد الحق الدهلوي رحمه الله تعالىٰ: "قاضی عیاض کہتے ہیں کہ صفہ-بضم صاد مہملہ وادغام فاء- مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختتام پر ایک سائبان تھا، جس میں فقراء ومساکین صحابہ جو اہل وعیال نہیں رکھتے تھے، رہتے تھے، اسی مکان کی نسبت سے ان کو اصحاب صفہ کہتے ہیں"۔ (راحت القلوب، ص:۱۰۸، مدینہ پبلشنگ، کراچی)

(۲)"أسماء بنت عميس هاجرت إلى أرض الحبشة مع زوجها جعفر بن أبي طالب، فولدت له هناك محمد، وعبد الله وعون رضي الله عنهم، ثم هاجرت .....تزوجت أبوبكر الصديق وولدت له محمدًا فلما مات الصديق، تزوجها علي بن أبي طالب" .....الخ، (الإكمال الملحق بمشكوة المصابيح، حرف الألف، فصل في الصحابيات، ص: ۵۸۷، قديمي)

پیدا ہوئیں، ان کی وفات ذی الحجہ ۶ھ میں یا ۵ھ یا ۴ھ میں ہوئی، کذا فی تجرید اسماء الصحابہ: ۲/۳۶، (۱)، لہذا یہ دو نام کی دو ہیں، ایک بیوی اور بھی تھیں حبیبہ بنت خارجہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیویوں کا حال، ان کے کل کتنے نکاح ہوئے؟

سوال [۱۶۳۴]: ۱...... حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کتنی مدت بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے ہوتے ہوئے اور کسی عورت سے نکاح تو نہیں کیا؟ ان کی وفات کے بعد آپ نے کونسی عورت سے نکاح کیا، آپ نے ایک وقت میں دو بیویاں رکھی یا نہیں؟ جنگ میں جو کہ عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہوا، اس میں آپ گئے یا نہیں اور کوئی عورت اس جنگ میں آپ کے حصہ میں آئی یا نہیں، اگر آئی تو اس کا نام کیا اور کس کی لڑکی ہیں۔ چونکہ کتاب ''جنگ زیتون'' اور ''جنگ نامہ محمد حنیف''، ''جنگ نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ'' کی کتابوں میں جو کہ شروع سے آخر تک بالکل غلط ہیں اور سمجھ نہیں آتا کہ یہ کتابیں کس زمانہ میں لکھی گئی ہیں، چونکہ یہ جنگیں کسی اور کتب تواریخ میں نہیں ملتیں، اور محمد حنیف کس سے پیدا ہوئے اور آپ جنگِ کربلا میں شریک تھے یا نہیں؟ آپ کا وصال کب ہوا اور کس طرح ہوا؟ اس کو مفصل طریقہ سے تحریر فرمائیں۔

۲...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کل کتنے نکاح ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بعض کہتے ہیں چھ ماہ بعد، بعض کہتے ہیں تین ماہ بعد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) "أم رومان بنت عامر عويم الكنانية أم عائشة، توفيت في ذي الحجة، سنة ستة، وقيل: سنة أربع، وقيل: سنة خمس". (تجريد أسماء الصحابة رضي الله عنهم للذهبي: ۲/۳۲۰، دار المعرفة، بيروت)

(۲) "حبيبه بنت خارجه بن زيد أو بنت زيد بن خارجة الخدرجيه، زوج أبي بكر الصديق ووالدة أم كلثوم اهـ". (الإصابة في تمييز الصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم، كتاب النساء: ۸/۸۰، رقم الترجمة: ۱۱۰۲۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، کذا فی تلقیح فهوم اهل الاثر، ص: ۱۵ (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، کذا فی بذل المجہود (۲)۔ جنگِ یمامہ میں خولہ بنت جعفر رضی اللہ عنہ گرفتار کر کے لائی گئیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملیں جن سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اس جنگ کے حالات ''تاریخ الخمیس'' (۳)، ''تاریخ ابن جریر'' (۴)، ''روضۃ الصفا'' (۵) وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی امامہ سے نکاح کرنا، چنانچہ انہوں نے اس وصیت کو پورا کیا۔ اسماء بنت عمیس، ام البنین بنت الحزام، لیلیٰ بنت مسعود، ام سعیدہ بنت عروہ بھی آپ کے نکاح میں رہی ہیں اور ان سب سے اولاد بھی ہوئی۔ ترتیب نکاح معلوم

---

(۱) "و ماتت فاطمة رضی الله عنها بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بستة أشهر، وقيل: ثلاثة أشهر".
(تلقيح فهوم أهل الأثر ،ص: ذكر الأناث من أولاده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، مكتبه الآداب قاهره)

(۲) (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب مايكره أن يجمع بين النساء : ۱۵/۴ ، مكتبه امداديه ملتان)
(وكذا في تاريخ طبرى، ذكر الخبر عن أزواجه وأولاده: ۱۱۸/۴ ، مؤسسة العلمي، بيروت)

(۳) "(ذكر الذكور) الحسن والحسين رضي الله تعالىٰ عنهما، وقد سبق ذكر ولادتهما ..... ومحمد الأكبر أمه خولة بنت إياس بن جعفر الحنفيه..... الخ". (تاريخ الخميس، ذكر أولاد على رضي الله عنه، ۲۸۴/۲ ،مؤسسة الشعبان، بيروت)

"ومحمد الأكبر أمه خوله بنت إياس بن جعفر الحنفية ذكره الدار قطني وغيره، وقال : و أخته لأمه عوانة بنت أبي مكمل الغفارية، وقيل: بل كانت أمه من سبي اليمامة، فصارت إلى على، و أنها كانت أمه لبني حنفية سندية سوداء، ولم تكن من أنفسهم. و قيل: إن أبابكر أعطى علياً الحنفية أمّ محمد من سبي بني حنيفة". (تاريخ الخميس، ذكر أولاد عليٍّ : ۲۸۴/۲ ، مؤسسة شعبان ، بيروت)

(۴) "فأول زوجة تزوجها فاطمة بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولم يتزوج عليها حتى توفيت عنده". (تاريخ طبرى : ۸۹/۲ ، إحياء التراث العربي ، بيروت)

(۵) (روضة الصفا : ۲۲۵/۲، ۲۲۶، ذكر رفتنِ خالد رضي الله تعالىٰ عنه بيمانه وكشته شدن مسليمه كذاب، نولكشور لكهنو)

نہیں، جنگِ یمامہ میں جانے والے چند اعیان کے نام تاریخ الخمیس میں تحریر کئے ہیں ان میں حضرت رضی اللہ عنہ کا نام نہیں۔

۲......ایک نمبر میں اس کا جواب آ گیا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا حضرت حلیمہ نے اسلام قبول کیا؟

سوال[۱۶۳۵]: حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشرف باسلام ہوئیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں دونوں قول ہیں، کذا في الخمیس: ۲۲۸/۱(۱)۔ فقط۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن

سوال[۱۶۳۶]: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کتنی اولادیں پیدا ہوئیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اَور کسی عورت سے نکاح تو نہیں کیا اور ان کی وفات کے بعد کسی عورت سے نکاح کیا ہو، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے ایام کے بعد وصال ہوا ہے؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کس جگہ مدفون ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرا نکاح نہیں

---

(۱) "روی أن حليمة قدمت على رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة بعد تزوجه خديجة، فشكت إليه جدب البلاد وهلاك المواشي، فكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم خديجة، فأعطتها بعيراً وأربعين شاةً، وانصرفت إلى أهلها، ثم قدمت عليه بعد الإسلام، فأسلمت هي وزوجها وبايعهما .... وفي مزيل الخفا صحح ابن حبان وغيره حديثاً دل على إسلامها، وقيل: لم يثبت إسلامها". (تاريخ الخمس، رعيه عليه السلام للغنم: ۲۲۸/۱، مؤسسة شعبان، بيروت)

کیا (کذا فی البذل: ۳/۱۵ (۱))۔

ان کے بطن سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا چار اولادیں پیدا ہوئیں، کذا فی فتاویٰ ابن حجر ص:۱۲۱، (۲) اور تاریخ الخمیس: ۲/۲۸۳ میں محسن رضی اللہ عنہ اور رقیہ کا بھی اضافہ ہے (۳)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا ہے، کذا فی مرأة الجنان: ۱/ ۶۱ (۴) اور انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بھانجی امامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کرنا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وصیت کو پورا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کوفہ میں ہوئی، مدفن کا صحیح علم نہیں، مشہور ہے کہ نجف میں دفن ہوئے، بعض کہتے ہیں مدینہ طیبہ

---

(۱) قال العلامة خليل أحمد السهارنفوری رحمه الله تعالیٰ تحت قوله عليه السلام: "ولكن لاتجتمع بنت رسول الله) :أی فاطمة(وبنت عدو الله): أی بنت أبی جهل، (مكانًا واحدًا أبدًا)، قال الحافظ: وقال أهل التين أصح ماتحمل عليه هذه القصة أن النبی صلی الله عليه وسلم حرم علی علیّ رضی الله عنه أن يجمع بين ابنته وابنة أبی جهل؛ لأنه علل بأن ذلک يؤذيه وأذيته حرام بالاتفاق .... لأنه يبعد أن فی خصائص النبی صلی الله عليه وسلم أن لا تزوج علی بناته ويحتمل أن ذلک مختصًا بفاطمة سلام الله عليها". (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب مايكره أن يجمع بين النساء: ۱۵/۴، مكتبة امداديه ملتان)

(وكذا فی تاريخ الطبری، ذكر الخبر عن أزواجه وأولاده: ۱۱۸/۴، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات، بيروت)

(۲) (الفتاوی الحديثية لابن حجر الهيثمی، ص: ۲۲۴، مطلب هل أولاد زينب بنت فاطمة الزهراء، قديمی، كراچی)

(۳) "عن الليث بن سعد قال: تزوج علی فاطمة فولدت له حسنًا وحسينًا ومحسنًا، وزينب، وأم كلثوم، ورقية، .... الخ". (تاريخ الخميس، ذكر ولد فاطمة رضی الله عنها: ۲۷۸/۱، ۲۷۹، مؤسسة شعبان للنشر والتوضيع)

(۴) "فی الصفوة: توفيت فاطمة بعد وفاة رسول الله صلی الله عليه وسلم بستة أشهر فی ليلة الثلاثاء لثلاث خلون من رمضان سنة من إحدی عشرة من الهجرة .... اهـ". (تاريخ الخميس، ذكر تاريخ وفاتها وسنها: ۲۷۸/۱، مؤسسة شعبان للنشر والتوضيع، بيروت)

میں (کذا فی تاریخ الخمیس: ۲۸۲/۲)(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد

سوال[۱۶۳۷]: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کتنی اولاد تھی؟ اور کیا ان کی اولاد کے مہر زیادہ مقرر کیے گئے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

البدایہ والنہایہ: ۲۱۸/۷ (۲) میں سترہ اولاد کے نام مذکور ہیں، مہر کا حال معلوم نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۲ھ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سوال[۱۶۳۸]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں وہ کونسی ام المومنین تھیں جن کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''صبر کرو اللہ اس سے بہتر شوہر عطا فرمائے گا''، بعد میں حضور کے نکاح میں آئیں۔

---

(۱) (تاریخ الخمیس، ذکر تاریخ وفاتها وسنّها: ۱۷۸/۱، مؤسسة شعبان)

(۲) "تزوج برقية بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فولد له منهما عبد الله .... ثم ..... تزوج بفاختة بنت غزوان، فولد له منها عبيد الله الأصغر، و تزوج بأم عمر بنت جندب بن عمرو الأزدية فولدت له عمر و خالداً و أبانا و مريم، و تزوج بفاطمة بنت الوليد .... فولدت له الوليد و سعيداً، و تزوج أم البنين بنت عيينة بن حصن الفزارية فلودت له عبد الملك، و تزوج رملة .... فولدت له عائشة و أم أبان، و أم عمرو بنات عثمان، و تزوج نائلة بنت الفرامضة .... فولدت له مريم". (البداية والنهاية، فصل في مناقب عثمان، ذكر زوجاته و بناته رضي الله عنه: ۲۱۲/۵، دار الفكر بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیویاں

سوال [۱۶۳۹]: حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیک وقت کتنی بیویاں تھیں، اور حضرت مذکور نے اپنی حیات میں کل کتنی شادیاں ونکاح کئے، کتنی بیویوں کو طلاق دی، کتنی نے زوجیت میں انتقال فرمایا؟ شہادت کے وقت کتنی ازواج تھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ ایک کا نام شہر بانو، دوسری کا نام لیلیٰ، تیسری کا نام رباب، چوتھی کا نام ام اسحاق تھا، وقتِ شہادت دو بیویاں ساتھ تھیں: ایک شہر بانو اور دوسری کا نام تحریر نہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ عزیزی میں یہ تفصیل لکھ کر فرمایا ہے کہ "وصالِ دیگر ازواج معلوم نیست کہ دراں وقت زندہ بودند یامردہ ......الخ" (۲)۔

---

(۱) "عنها (أم سلمة) قالت: قال رسول الله ﷺ: "ما من مسلم تصيبه مصيبة، فيقول أمره الله به (إنا لله و إنا إليه راجعون) اللهم آجرني في مصيبتي و اخلف لي خيراً منها، .... فلما مات أبو سلمة ثم إني قلتها ، فأخلف الله لي رسول الله ﷺ". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت ، الفصل الأول، ص: ۱۴۰ ، قديمي)

"عن أم سلمة .... فلما مات أبو سلمة، قلت: يا رسول ما أقول؟ قال: "قولي أللهم اغفر له و أعقبنا عقبى صالحةً". قالت: فأعقبني الله به محمداً ﷺ". (سنن أبي داؤد : ۸۸/۲، باب ما يقال عند الميت من الكلام، كتاب الجنائز، امداديه ملتان)

(والصحيح لمسلم : ۱/ ۳۰۰، كتاب الجنائز ، القول الخير عند المحتضر، قديمى)

(۲) حضرت امام حسين عليه السلام وقتيكه دركربلا تشريف آوردند ايشاں سه پسر بودند ......ديگر ازواج معلوم نيست كه دراں وقت زنده بودند يامرده". (فتاوىٰ عزيزى، مكتوب درحال همراهيان =

کل کتنی عورتوں سے نکاح کیا، پھر کسی کو طلاق دی یا نہیں؟ اور کس کس کا ان کے سامنے انتقال ہوا، یہ سب تفصیل معلوم نہیں، اتنا طے شدہ مسئلہ ہے کہ ایک وقت میں چار بیویوں تک اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دار العلوم دیوبند۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیا بچپن میں کوئی وعدہ کیا تھا؟

سوال[۱۶۴۰]: حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیا بچپن میں کچھ وعدہ کیا تھا؟ لوگ یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ۔

آئی ندا یہ غیب سے بس ہاتھ تھام لو بچپن میں جو وعدہ کیا تھا وفا کرو

آیا وہ کونسا وعدہ تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بچپن میں کس سے کیا وعدہ فرمایا تھا، مجھے معلوم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دار العلوم دیوبند۔

وفاتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کسی خلیفہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ

سوال[۱۶۴۱]: بوقتِ وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے اربعہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا، پھر آپ کے انتقال کے بعد حاضر ہوئے۔ کیا یہ صحیح ہے، اگر واقعی ایسا ہے تو یہ حضرات کہاں پر تشریف فرما تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کے مکانات الگ الگ تھے، سب اپنی اپنی جگہ تھے، کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آج وفات

= حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: ۱/ ۸۸، ۸۹، محمد اسحق صدیقی مالک کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، یو،پی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رُبع﴾ الایة (النساء: ۳)

ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

بچے کے انتقال پر اہلیہ کا اپنے شوہر کو مطلع نہ کرنا

سوال[۱۶۴۲]: وہ کونسے صحابی رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی بیوی کا نام کیا تھا کہ جس کے لڑکے کا انتقال ہو چکا تھا اور بیوی نے فرمایا شوہر سے کہ بچہ بالکل اچھا ہے اور بیوی نے زینت بھی کی تھی جس کی وجہ سے شوہر (صحابی رضی اللہ عنہ) نے شب میں بیوی سے صحبت بھی کی تھی، اس وقت بیوی نے فرمایا کہ صاحب زادہ کا انتقال ہو گیا ہے صبر کیجئے، اس کی امانت تھی، لے لی۔ اور اتنی دیر تک میت کا پڑا رہنا اور اس صورت سے صبر دلانے کی کیا وجہ تھی؟ اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف کا ہے یا بعد میں ایسا ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ صحابی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں، جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور اس بچے کا نام ابوعمیر تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے، شام کے وقت جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا کسی اَور جگہ تشریف لے گئے تھے، بچے کا انتقال ہو گیا، ان کو اپنے

---

(۱) وصال کے دن آپ ﷺ کی طبیعت پر سکون تھی جیسا کہ روایات میں اس کا ذکر ہے:

"عن أنس بن مالک رضي الله عنه أن المسلمين بينما هم في صلوة الفجر من يوم الإثنين، وأبوبكر يصلي لهم، لم يفجأهم إلا ورسول الله صلى الله عليه وسلم قد كشف ستر حجرة عائشة، فنظر إليهم وهم في صفوف الصلوٰة، ثم تبسّم يضحک، فنكص أبوبكر على عقبيه ليصل الصف، وظن أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد أن يخرج إلى الصلوٰة، فقال أنس: وهمّ المسلمون أن يفتتنوا في صلاتهم فرحاً برسول الله صلى الله عليه وسلم ......اهـ".

"أن علي بن أبي طالب خرج من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم في وجعه الذي توفي فيه، فقال الناس: ياأبا حسن! كيف أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال: أصبح بحمدالله بارئاً اهـ" (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله ووفاته ......: ۲/ ۶۳۹، ۶۴۰، قديمي)

(وكذا في دلائل النبوة، باب ماجاء في تقرير النبي صلى الله عليه وسلم أبا بكر على آخر صلوة صلاها بالناس: ۷/ ۱۹۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

بچہ سے محبت بہت تھی، والدہ کو اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ابھی ظاہر کردیا تو ان کو رنج بہت ہوگا، اس لئے کھانا کھلا کر اور صحبت وغیرہ سے فارغ ہوکر صبح کو نماز کے وقت بتلایا، رات میں بتلانے سے بجز پریشانی کے اضافہ کے کچھ نتیجہ نہیں تھا، بلکہ خود ہی غسل دے کر کفن پہنا کر رکھ دیا تھا، کذا فی فتح الباری: ۱۳۶/۳ (۱) اور حکایاتِ صحابہ، ص: ۱۰۵ میں بھی یہ واقعہ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ علیہ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے تحریر فرمایا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

ابوطالب کا ایمان لانا

سوال [۱۶۴۳]: شیعہ کہتے ہیں کہ ابوطالب ایمان لے آئے تھے، اگر اس کے متعلق کچھ تحریر فرمانے کی زحمت فرمائیں تو کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابوطالب پر ان کے اخیر وقت میں کلمہ ایمان پیش فرمایا، وہ ایمان نہیں لائے، جس پر بہت صدمہ ہوا، یہ بات کتبِ صحاح بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے (۳)، اسی موقعہ پر ﴿إنك لا تهدی من أحببت

---

(۱) "وقوله: (فلما أراد أن يخرج أعلمته أنه قد مات) زاد سليمان بن المغيرة عن ثابت عند مسلم "فقالت يا أباطلحة! أرأيت لو أنّ قومًا أعاروا أهل بيت عاريةً فطلبوا عاريتهم، ألهم أن يمنعو هم ؟ قال: لا، قالت: فاحتسب ابنک ......الخ". (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب من لم يظهر حزنه عند المصيبة: ۲۲۰/۳، ۲۱۹، قدیمی)

(۲) (حکایاتِ صحابہ، ص: ۱۳۲، باب دھم کتب خانہ فیضی لاهور)

(۳) "لما حضرت أباطالب الوفاة، جاء ه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوجد عنده أبا جهل وعبد الله بن أبي أمية بن المغيرة فقال: "أى عم! قل: لا إله إلا الله كلمة أحاجّ لک بها عندالله، فقال أبو جهل وعبدالله بن أبي أميه: أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعرضها عليه ويعيدانه بتلک المقالة، حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم على ملة عبد المطلب، وأبىٰ =

ولکن اللہ یھدی من یشاء﴾(۱) (الآیہ) نازل ہوئی، کتب تفسیر میں دیکھئے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۶ھ۔

ابوجہل کا باپ

سوال[۱۶۴۴]: ابوجہل لعین کس کا پسر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہشام بن مغیرہ کا۔ کذا فی تاریخ الخمیس: ۱/۴۰۳(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

کیا دجال کی پنڈلی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا زخم ہے؟

سوال[۱۶۴۵]: دجال کا ذکر جہاں بھی آیا ہے وہاں صرف اتنا آتا ہے کہ دجال آئے گا اور حکومت

= أن یقول:"لا إلٰه إلا الله". قال: رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:" والله! لأستغفرن لک مالم أنه عنک، فأنزل الله: ﴿ماکان للنبي والذین اٰمنوا أن یستغفروا للمشرکین﴾، وأنزل الله في أبي طالب، فقال لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ﴿إنک لاتهدی من أحببت ولکن الله یهدی من یشاء﴾ الخ". (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ: (إنک لا تهدی من أحببت ولکن الله یهدی من یشاء)، ۲/۷۰۳، قدیمی)

(۱) [القصص: ۵۶]

(۲) "(إنک لا تهدی من أحببت ولکن الله یهدی من یشاء) وقد ثبت في الصحیحین: أنها نزلت في أبي طالب عمّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وقد کان یحوطه وینصره ویقوم في صفه ویحبه حبًا شدیداً طبعیاً لا شرعیاً، فلما حضرته الوفاة وحان أجله، دعاه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی الإیمان والدخول في الإسلام. فسبق القدر واختطف من یده، فاستمر علی ماکا ن علیه من الکفر، ولله الحکمة التامة." (تفسیر ابن کثیر، [القصص: ۵۶]: ۳/۵۲۳، ۵۲۴، مکتبة دارالفیحاء)

(وکذا في روح المعاني، [القصص: ۵۶]، ۲۰/۹۶، ۹۷، دارالاحیاء التراث العربي)

(تفسیر الطبری، [القصص: ۵۶]، ۹/۹۱، ۹۲، مصطفی البابي الحلبي)

(۳) "أبوجهل بن هشام اسمه عمرو بن هشام بن المغیرة بن عبدالله بن عمرو بن مخذوم اهـ". (تاریخ الخمیس، عدة قتلی المشرکین یوم بدرٍ: ۱/۴۰۳، مؤسسة شعبان، بیروت)

کرے گا، پیدا ہونا دوبارہ سے کہیں پتہ نہیں چلتا، لیکن کچھ معتبر لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دجال کسی کوہ میں زخمی پڑا ہوا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شمشیر کا زخم دجال کی پنڈلی میں ہے، حقیقت سے مستفیض فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ معتبر لوگ کون ہیں، ان سے حوالہ دریافت فرما کر مجھے بھی مطلع فرمادیں، احسان ہوگا، میں اگر ان سے واقف ہوتا تو خود ہی دریافت کر لیتا کہ یہ بات کہاں لکھی ہے، بظاہر تو روافض کی گھڑی ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دجال کی پنڈلی پر تلوار مارنا میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا، دجال کی تاریخِ پیدائش بھی معلوم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۴ھ۔

ابوجہل سے اپنے غلام کا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق سوال کرنا

سوال[۱۶۴۶]: بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابوجہل کا ایک غلام تھا جس نے ابوجہل سے غالباً کسی وقت تنہائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں یا تم حق پر ہو؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، تو غلام نے پھر سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حق پر ہیں تو تم کیوں نہیں مان لیتے ہو، تو ابوجہل نے یہ جواب دیا کہ ہماری اور بڑوں کی ناک کٹ جائے گی۔ کیا یہ واقعہ سچ ہے؟ اگر سچ ہے تو صحیح اور مکمل واقعہ کتابوں کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قسم کے واقعات متعدد لوگوں کے پیش آئے ہیں، خود قرآن پاک میں ہے: ﴿الذین اتیناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناء هم﴾ (۱) (الآية) یہ تو اہل کتاب کے متعلق ہے، دوسری جگہ ہے: ﴿وجحدوابها واستيقنتها أنفسهم ظلماً وعلوًا﴾(۲) (الآية)۔ ابوطالب کا ایمان نہ لانا ہی بعض حضرات کے نزدیک اسی بناء پر تھا جس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا، اور پھر یہ آیت

---

(۱)(سورة البقرة، الآية: ۱۴۶)

(۲)(سورة النمل الآية: ۱۴)

کریمہ نازل ہوئی: ﴿إنك لاتهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء﴾ (۱) (الآیۃ) خصائص کبریٰ میں متعدد لوگوں کے واقعات نقل کیے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند، ۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہٗ دار العلوم دیوبند، ۹/۹/۸۸ھ۔

ابولہب کے بیٹوں کے نام

سوال [۱۶۴۷]: ابولہب کے لڑکے کا کیا نام تھا جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی منسوب تھیں اور اس نے بعد میں طلاق دیدی تھی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابولہب کے لڑکے کا نام عتبہ تھا، اس کے نکاح میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ تھیں دوسرے لڑکے کا نام عتیبہ تھا، اس کے نکاح میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لڑکی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، سورہ تبت کے نازل ہونے پر باپ کے کہنے سے دونوں لڑکوں نے طلاق دیدی تھی (۳) اور یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے، رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی، پھر فتح مکہ کے بعد حضرت عتبہ مسلمان ہوگئے تھے (۴) اور عتیبہ نے گستاخی کی تھی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بددعا سے ہلاک ہوگیا ایک شیر نے ہلاک کردیا (۵) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) (سورة القصص الآية: ۵۶)

(۲) (الخصائص الكبرىٰ، باب اعجاز القرآن و اعتراف مشركي قريش باعجازه: ۱/۱۸۷، ۱۹۴، المكتبة الحقانيه پشاور)

(۳) " و كانت أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند عتيبة و رقية أختها عند أخيه عتبه، فلما نزلت السورة، قال أبو لهب لهما: رأسي و رأسكما حرام إن لم تطلقا ابنتي محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فطلقاهما " (روح المعاني: ۲۶۲/۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "أسلم هو و أخوه معتب يوم الفتح". (أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۴۶۳/۳، دار الفكر بيروت)

(۵) "إلا أن عتيبة –المصغّر– كان قد أراد الخروج إلى الشام مع أبيه فقال: لآتين محمداً عليه الصلاة =

کیا حاتم طائی اور نوشیرواں ایمان لائے؟

سوال [۱۶۴۸]: حاتم طائی اور نوشیرواں عادل کس دین پر تھے اور ظاہر میں کس حالت پر مرے؟ کیا نوشیرواں بادشاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی زمانہ پایا تھا؟ حاتم طائی نے دعا کی تھی کہ میری اولاد حیات رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک بغرضِ ایمان لانے کے حاتم کی لڑکی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی تھی، کیا نام تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاتم طائی اور نوشیرواں ہر دو کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۸/ سال تھی، دونوں غیر مسلم تھے (۱)۔ روح المعانی میں حاتم طائی کے حق میں تخفیفِ عذاب روایت نقل کی ہے۔ حاتم طائی کی دعا میری نظر سے نہیں گزری۔ حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے (۲)۔ بیٹی کا نام سَنانہ

= والسلام و اوذيـنّـه، فأتاه ، فقال: يا محمد! إني كافر بالنجم إذا هوى و بالذى دنا فتدلّى، ثم تفل تجاه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لم يصبه عليه الصلاة والسلام شيء، و طلق ابنته أمّ كلثوم فأغضبه عليه الصلاة والسلام بما قال و فعل، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اللهم سلط عليه كلباً من كلابك". .... ثم خرجوا إلى الشام، فنزلوا منزلاً، فاشرف عليهم راهب من دير، و قال لهم: إن هذه أرض مسبعة فقال أبولهب: أغيثوني يا معشر قريش في هذه الليلة، فإني أخاف على ابنى دعوة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجمعوا جِمالهم و أنا خوها حولهم خوفاً من الأسد، فجاء أسد يتشمم وجوههم حتى أتى عتيبة فقتله". (روح المعاني: ۳۰/۲۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ومن وقائع هذه السنة موت حاتم الطائي وهو حاتم بن عبدالله بن سعد بن الخشرج بن امرئ القيس، وهو حاتم المشهور الذي يضرب به المثل في الجود والكرم، ومن وقائع هذه السنة موت كسرى أنو شروان وولاية ابنه هر فرالبسلطنة، وفي نظام التواريخ كان هر فرين أنو شروان ملكاذ اعدل ورأى.......... وقيل: قبرأ نوشروان بالجبل الأحمر". (تاريخ الخميس: ۱/۲۵۵، وقائع السنة الثامنة من مولده، موت حاتم الطائي، موت كسرى أنو شروان، مؤسسة شعبان، بيروت)

(۲) "قال ابن اسحاق: قال عدى بن حاتم: ماكان رجل من العرب أشد كراهية لرسول صلى الله عليه وسلم مني حين سمعت به صلى الله عليه وسلم وكنت امرأ شريفاً و كنت نصرانياً.......... قال:" فإن =

تھا۔ کذا فی الخمیس (۱)۔ سنانہ کا اسلام لانا کہیں نہیں دیکھا (۲)۔ زادالمعاد (۳)، سیرت ابن ہشام (۴)، فتح الباری (۵)، روضۃ الصفاء، تاریخ الخمیس (۶) وغیرہ میں قصہ منقول ہے مگر اس کا اسلام منقول نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۱ھ۔

= اليهود مغضوب عليهم وإن النصارى ضالّون، قال: فقلت: إني حنيف مسلم، قال: فرأيت وجهه ينبسط فرحاً". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، ص: ۶۳۲، ۶۳۳، فصل في ذكر سرية علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه إلى صنم طيئي ليهدمه في هذه السنة، دارالفكر، بيروت)

(۱) "تاریخ الخمیس" میں حاتم طائی کی بیٹی کا نام "سنانہ" لکھا ہے جب کہ "أسد الغابة" اور "الإصابة" میں اس کا نام "سفانة" لکھا ہے:

"وسبيت أخته سنانة بنت حاتم في السبايا، فأطلقها النبي صلى الله عليه وسلم، فكان ذلك سبب إسلام عدي". (تاريخ الخميس: ۲/۱۲۰، ۱۲۱، الموطن التاسع في حوادث السنة التاسعة من الهجرة، بعث علي بن أبي طالب إلى الفلس، موسسة شعبان، بيروت)

"وترك أخته سفانة بنت حاتم، فأخذها المسلمون". (أسد الغابة لابن الأثير: ۳/۵۰۵، رقم الترجمة: ۳۶۰۴، عدي بن حاتم، دارالفكر، بيروت)

(وكذا في الإصابة لابن حجر: ۸/۱۸۰، رقم الترجمة: ۱۱۳۰۳، سفانة بنت حاتم الطائي، كتاب النساء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "أسد الغابة" اور "الإصابة" میں اس کا اسلام لانا منقول ہے:

"سفانة بنت حاتم الطائي.......... وكانت أسلمت فحسن إسلامها". (أسد الغابة، النساء: ۶/۱۴۶، ۱۴۷، رقم الترجمة: ۲۹۸۸، سفانة بنت حاتم، دارالفكر، بيروت)

(۳) (انظر الحاشية، رقم: ۱)

(۴) (سيرة ابن هشام: ۴/۵۷۸-۵۸۱، أمر عدي بن حاتم، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۵) (فتح الباري: ۸/۱۲۹، ۱۳۰، كتاب المغازي، باب قصة وفد طئ وحديث عدي بن حاتم، قديمي)

(۶) (تاريخ الخميس: ۲/۱۲۰، ۱۲۱، الموطن التاسع في حوادث السنة التاسعة من الهجرة، بعث =

سن ہجری اور عیسوی کی ابتداء

سوال[۱۶۴۹] : سن ہجری اور سن عیسوی کی تفصیل بیان فرمائیں

الجواب حامداًومصلیاً:

سن ہجری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال سے شمار کیا جاتا ہے(۱) اور سن عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے شمار کیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے غلط عقیدہ کے مطابق (العیاذ باللہ) جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی، اس وقت سے اس سن کی ابتدا ہوئی ہے(۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

سب سے پہلا شہید

سوال[۱۶۵۰] : قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں سب سے پہلے کون شہید ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ بنت خیاط، کذا فی اسد الغابۃ :۵/۴۸۱(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ

سوال[۱۶۵۱] : کیا وجہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے چچیرے بھائی مروان

= علی بن أبی طالب إلی الفلس، مؤسسہ شعبان ، بیروت)

(۱) (فیروز اللغات، ص:۱۴۳۴)

(۲) فیروز اللغات، ص:۹۰۸)

(۳)"سمیة أم عمار بن یاسر، وھی سمیة بنت خیاط ......روی أن أباجھل طعنھا فی قُبُلھا بحربة فی یدہ فقتلھا، فھی أول شھید فی الإسلام". (أسد الغابة، لابن الأثیر :۱۵۲/۷، ۱۵۳، حرف السین، دار الکتب العلمیة، بیروت)

بن الحکم کو مدینہ بلوا کر اپنا عقل کل کیوں قرار دیا، حالانکہ مسلمانوں نے مروان کی پریشانیوں سے تنگ آ کر مطالبہ کیا کہ یا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کو مسلمانوں کے حوالہ وسپرد کر دیں یا خلافت سے برطرف ہو جائیں، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں شرطوں میں ایک کو بھی منظور نہیں فرمائی، آخر میں لوگوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور شہید کر ڈالا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سوال کے چار اجزاء ہیں:

۱- مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا عقلِ کل کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ان کے نزدیک اس کا اہل اور قابلِ اعتماد تھا۔

۲- اس کو لوگوں کے حوالہ اور سپرد کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ مستحقِ قتل نہیں تھا، شرعی شہادت سے اس کا قصور ثابت نہیں ہوا تھا، جس سے وہ واجب القتل قرار دیا جاتا، لہذا ایک بے قصور کو قتل کرنے کیلئے حوالہ کرنا کب جائز تھا۔

۳- وہ خلافت سے برطرف کیوں نہیں ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا: "عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یا عثمان! إنه لعل الله یقمصك قمیصاً، فإن أرادوك علی خلعه فلاتخلع لهم"۔ رواه الترمذی وابن ماجه، وقال الترمذی فی الحدیث قصة طویلة......الخ". مشکوۃ شریف، باب مناقب عثمان(۱)۔ "أی سیجعلك الله خلیفةً، فالناس إن قصدوا عزلك فلاتعزل نفسك عنها لأجلهم، لکونك علی الحق وکونهم علی الباطل، وفی قبول الخلع إیهام وتهمة، فلذا کان عثمان ماعزل نفسه حین حاصروه یوم الدار"۔ (لمعات)(۲)۔

---

(۱)(مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، ص: ۵۶۲،قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، فضل عثمان رضی اللہ عنہ ص: ۱۱،قدیمی)

(وجامع الترمذی، مناقب عثمان رضی اللہ عنہ: ۲/۲۱۱،سعید)

(۲) (أشعة اللمعات، مناقب عثمان رضی اللہ عنہ: ۲۵۹/۴،مکتبہ نوریہ سکھر)

ترجمہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائے گا، اگر لوگ اس کو نکالنے کا ارادہ کریں، تو مت نکالنا''۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو خلیفہ بنائے گا، اگر لوگ تم کو معزول کرنے کا ارادہ کریں ان کی وجہ سے اپنے آپ کو معزول نہ کرنا، اپنے حق پر اور ان کے باطل پر ہونے کی وجہ سے''۔

۴-لوگوں نے محاصرہ کرکے شہید کردیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگوں کا ظلم ہے اور حضور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں ان کے مظلوم ہونے اور شہید ہونے کی خبر دے دی تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیوی کو غسلِ میت کی وصیت

سوال [۱۲۵۲]: ۱...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ بعد وفات مجھے تم (بیوی) غسل دینا۔ کیا وجہ تھی جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن موجود تھے اور صحابۂ کرام وخلیفہ بھی موجود تھے، جیسا کہ مظاہر حق جلد پنجم میں ہے۔

۲...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشرکہ بیوی کا نام کیا تھا اور بعد ایمان لانے کے جو نکاح ثانی کیا تھا اس بیوی کا کیا نام تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا کیا نام تھا اور ایمان لائیں تھیں یا نہیں؟ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے، تو ان کے والد خطاب حیات تھے یا نہیں، اور ان کے والد بھی ایمان لائے تھے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی کا کیا نام تھا؟

---

(۱) ''وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم فتنة فقال: '' يقتل هذا فيها مظلومًا'' -لعثمان- هذا حديث حسن''. (جامع الترمذي: ۲۱۲/۲، مناقب عثمان رضي الله عنه، سعيد)

''وعن قتادة أن أنسًا رضي الله تعالىٰ عنه حدثهم قال: صعد النبي صلى الله عليه وسلم أحدًا ومعه أبوبكر وعمر وعثمان فرجف فقال: ''اسكن أحد!'' أظنه ضربه برجله فليس- ''عليك إلا نبي وصديق وشهيدان''. (صحيح البخاري، باب مناقب عثمان رضي الله عنه: ۵۲۳/۱، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، باب مناقب عثمان رضي الله عنه، ص: ۵۶۲، قديمي)

۳......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایام فیل میں ۶ھ میں ایمان لائے تھے، کیا قبل اسلام لانے کے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو چکا تھا یا بعد اسلام لانے کے ہوا تھا؟ اوران کی والدہ کا کیا نام تھا اور والدین حیات تھے یا نہیں؟ اور کیا والدین بھی ایمان لائے یا نہیں؟

۴......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کا کیا نام تھا اور عقدِ ثانی والی بیوی کا کیا نام تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس میں کیا اشکال ہے، ظاہر ہے کہ بیوی سے جس نوع کا تعلق ہوتا ہے وہ دوسروں سے نہیں ہوتا، لہذا جس طرح وہ غسل دے سکتی ہے دوسرے نہیں دے سکتے، پھر تنہا بیوی کو وصیت نہیں کی، بلکہ اولاد کو بھی اعانت کا حکم فرمایا (کذا فی تاریخ الخلفاء، ص: ٦٤)(١)۔

۲......مشرکہ بیوی کا نام ملیکہ بنت جرول تھا، ام کلثوم کنیت تھی، (کذا فی تاریخ الخمیس: ٢/٢٥١)(٢) دوسری بیویوں کے یہ نام تھے: زینب بنت مظعون، ام کلثوم بنت علی، جمیلہ بنت عاصم بن ثابت، ام حکیم بنت الحارث، عاتکہ بنت زید، کذا فی تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: ٥١ (٣) والدہ کا نام خیثمہ بنت ہاشم تھا، کذا فی الخمیس: ٢/٢٣٩ (٤)، مگر اسد الغابہ: ۴/۵۴ (۵)، اصابہ: ۴/۲۷۹ (٦)، استیعاب: ٢/۴۴۸ (٧)، وغیرہ میں ختمہ تحریر ہے، اس کے والدین ایمان نہیں لائے اور آپ کے اسلام کے وقت آپ کے والدین حیات نہیں تھے، آپ کے بھائی کا نام زید بن الخطاب تھا۔

---

(١) "أخرج ابن أبي الدنيا عن ابن أبي ملكية أن أبا بكر أوصى أن تغسله امرأته أسماء بنت عميس، ويعينها عبدالرحمن بن أبي بكر رضي الله عنه". (تاريخ الخلفاء ص: ۷۳، فصل في مرضه ووفاته الخ ،مؤسسة الكتب الثقافيه، بيروت)

(٢) (تاريخ الخميس: ٢/٢٥١، ذكر أولاد عمر، مؤسسة شعبان، بيروت)

(۳) (تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: ١٠٦، ذكر عمر بن الخطاب، المطبعة النموذجيه)

(۴) (تاريخ الخميس: ٢/٢٣٩، ذكر عمر بن الخطاب، مؤسسة شعبان، بيروت)

(۵) (أسد الغابه: ۳/۱۴۲، حرف العين، عمر بن الخطاب، دار الفكر)

(٦) (الإصابه: ۴/۴۸۴، حرف العين المهمله، دار الكتب العلميه)

(۷) (الاستيعاب على هامش الإصابة: ۲/۴۵۸، باب عمر، دار الفكر)

۳......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام کی آپ نے جو تاریخ لکھی وہ خلافِ عقل ونقل ہے، واقعۂ فیل بھی ۶ ھ میں نہیں ہوا، اصل یہ ہے کہ واقعۂ فیل سے چھ سال بعد آپ کی ولادت ہوئی ہے، خمیس: ۲/۲۵۴ (۱)۔ آپ قدیم الاسلام ہیں، چوتھے نمبر پر اسلام لائے، اسد الغابہ: ۳/۳۷۶ (۲)، اسلام کے بعد بیوی رقیہ سے نکاح ہوا، (اوجز المسالک: ۱/۷ (۳)۔ والد کا نام عفان تھا، والدہ کا نام اروی بنت کریز ہے، آپ کی نانی ام حکیم بنت عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، (الاستیعاب: ۱/۲۸۷) (۴)۔ آپ کے والد جاہلیت میں فوت ہوئے اور والدہ اسلام لائیں اور آپ کی خلافت میں انتقال ہوا (فتح الباری لابن حجرؒ: ۷/۴۴) (۵)۔

۴......والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا (تلقیح، ص: ۵۳) (۶) ایک بیوی اسماء بنت عمیس تھیں، انہوں نے تین نکاح کئے، پہلا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب سے کیا اور ان کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی، دوسرا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا، تیسرا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔ خمیس: ۲/۲۸۴ (۷) میں ان کی مع اولاد تفصیل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ ھ۔

---

(۱) (تاریخ الخمیس: ۲/۲۵۴، ذکر عثمان بن عفان، مؤسسة شعبان، بیروت)

(۲) "أسلم في أول الإسلام، ودعاه أبو بكر إلى الإسلام، فأسلم، وكان يقول: إلى الرابع أربعة في الإسلام". (أسد الغابة، عثمان بن عفان: ۳/۴۸۰، دار الفكر)

(۳) "فلما أسلم (أي عثمان) زوّجه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رقية". (أوجز المسالك، باب وقوت الصلاة، وقت الجمعة: ۱/۱۶۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۴) (الاستيعاب على هامش الإصابة: ۳/۷۰، دار الفكر)

(۵) "و قد أسلمت أمّ عثمان ...... ماتت في خلافة ابنها عثمان ...... و أما أبوه فهلك في الجاهلية". (فتح الباري، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان: ۷/۵۵، دار المعرفة)

(۶) (تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: ۱۱۰، علي بن أبي طالب، المطبعه النموذجية)

(۷) (تاريخ الخميس: ۲/۲۸۴، ۲۸۵، ذكر الذكور .... ذكر الأناث، مؤسسة شعبان، بيروت)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات، مدفن اور نماز جنازہ کی تحقیق

سوال[۱۶۵۳]: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال کس سن میں اور کہاں ہوا؟ نیز ان کے جنازہ کی نماز کس نے پڑھائی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے متعلق الاصابہ(۱)، استیعاب(۲)، تاریخ الخلفاء(۳)، اور کمال(۴) وغیرہ(۵)، میں ہے کہ قسطنطنیہ کے جہاد کیلئے جاتے ہوئے ۵۰ھ، یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوا، وہاں ہی مدفون ہیں۔ جنازہ کی نماز کس نے پڑھائی اس کی تصریح نہیں دیکھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۶ھ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات

سوال[۱۶۵۴]: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کس حال میں وصال ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملک شام میں ۲۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مشتاق تھے، بلکہ بیتاب تھے، کذا فی مرأۃ الجنان(۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)(الاصابة، الهمزة بعدها الياء: ۱/۳۲۷، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲)(الاستيعاب: ۴/۱۶۰۶، باب الالف، دار الجيل، بيروت)

(۳)(تاريخ الخلفاء، فصل في نبذ من أخبار معاوية، ص: ۱۶۸، مؤسسة الكتب الثقافيه، بيروت)

(۴)(تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ۳/۴۵۵، مؤسسة الرسالة، بيروت)

(۵)"ذكر الحافظ ابن كثير عن الواقدى: "مات أبو أيوب بأرض الروم سنة ثنتين وخمسين، وذُفن عند القسطنطنية، وقبره هنالك ......وقيل: إنه مدفون فى حائط القسطنطنية" الخ". (البداية والنهاية: ۸/۵۹، مكتبة الرياض الحديثية، دار الفكر، بيروت)

(۶)" سنة عشرين فيها ......توفى بلال بن حمامة الحبشى مؤذن النبى صلى الله عليه وسلم بدار يا من بلاد الشام" (مرأة الجنان: ۱/۷۷، سنة عشرين، مؤسسة العلمى لمطبوعات، بيروت)

حضرت علی کا مدفن معلوم نہ ہونے کی حکمت

سوال[۱۶۵۵]: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دفن نہیں ہوئے، بزرگوں سے سنا ہے کہ آپ کوفہ میں شہید ہوئے اور دفن کہاں ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شہید تو کوفہ میں ہوئے پھر دفن کے متعلق اختلاف ہے۔ اگر یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ فلاں جگہ دفن ہیں تو ممکن تھا کہ خوارج وہاں نعش کی توہین کرتے، یہ مصلحت ظاہر ہے مدفن متعین نہ ہونے میں (۱)۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "قال أبوبكر بن عياش: عُمّيَ قبر عليّ لئلا ينبشه الخوارج، وقال شريك: نقله ابنه الحسن إلى المدينة، وقال المبرد عن محمد بن حبيب: أول من حوّل من قبر إلى قبر عليّ رضي الله عنه".

"وأخرج ابن عساكر بن سعيد بن عبدالعزيز قال: لما قتل عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه حملوه ليدفنوه مع النبي صلى الله عليه وسلم، فبينما هم في مسيرهم ليلاً إذ ندّ الجمل الذي هو عليه، فلم يُدر أين ذهب؟ ولم يقدر عليه، قال: فلذلك يقول أهل العراق: هو في السحاب، وقال غيره: إن البعير وقع في بلادِ طيئ، فأخذوه فدفنوه". (تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل في مبايعة علي رضي الله عنه بالخلافة وما نشأ عن ذلك، ص: ١٧٢، منشورات الشريف الرضي)

جب کہ بعض کتب میں ان کا مدفن کوفہ قرار دیا گیا ہے۔

"حدثنا عبدالله بن أحمد أن عبدالرحمن بن ملجم ضرب علياً في صلاة الصبح على دهش بسيفٍ كان سمّه بالسم، ومات من يومه ودُفن بالكوفة". (فضائل الصحابه للإمام أحمد بن جنبلؒ، اسم أمه ونسبها: ٥٥٨/٢، رقم الرواية: ٩٤٠، مؤسة الرسالة)

(وكذا في تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن سبب قتل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ومقتله: ١١٦/٤، موسسة الأعلمي)

(وكذا في تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل في مبايعة علي رضي الله عنه بالخلافة وما نشأ عن ذلك، ص: ١٧٥، منشورات الشريف الرضي)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مدفن

سوال[۱۶۵۶]: حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک کس جگہ مدفون ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

معلوم نہیں، کتبِ تواریخ روضۃ الصفاء وغیرہ میں مختلف روایتیں ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کا مدفن

سوال[۱۶۵۷]: کتبِ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں پڑھنے کیلئے کون کتاب معتبر اور مستند ہے کیونکہ جتنی بھی کتابیں پڑھیں سب کی روایات علیحدہ علیحدہ ہیں اور سر مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس جگہ مدفون ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فتح الباری زیادہ معتبر ہے، سر مبارک مدینہ طیبہ میں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کہاں مدفون ہیں؟

سوال[۱۶۵۸]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب ''بہار شریعت''، ص:۳۰۷، میں ہے کہ ''سر مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور مزار سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بقیع میں ہے، فقط''۔ میں سنا کرتا ہوں کہ سر مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ میں آنا ثابت نہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار احد میں ہے۔ اب جو ثابت ہو اور صحیح ہو ارشاد فرمائیں۔

---

(۱) (البداية والنهاية: ۸/۲۰۳، ۲۰۴)

(۲) "فروى محمد بن سعد أن يزيد بعث برأس الحسين إلى عمرو بن سعيد نائب المدينة فدفنه عند أمه بالبقيع". (البداية والنهاية، ذكر موضع رأس الحسين: ۸ / ۲۰۴، دار الفكر، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار احد میں ہے، کذا في القنية، ص: ٤٠٨، اورحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

"ونیز روایت کرده اند که یزید بن معاویه سرِ مبارکِ حضرت امام المؤمنین حسین بن علی مرتضی را پیشِ عمرو بن العاص رضی الله عنه که از جانبِ آں بد بخت عاملِ مدینه منوره بود فرستاده، وے تکفین کرد دربقیع نزدیک بقبرِ امِّ او فاطمه الزهراء سلام الله علیه وعلیها، وبعض محدثان آوردند که سرِ مبارکِ آنحضرت را بعد از هلاکِ یزید در خزانهٔ او یافتند، تکفین کرده هم دردمشق نزدبابِ الفرزدیس دفن نمودند، وقولے دیگر نیز دریں باب آمده". والله اعلم بحقیقته، (جذب القلوب، ص: ۱۶۴)(۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل کس نے دیا؟

سوال[۱۶۵۹]: جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وصال فرمایا تو آپ کو غسل ازواجِ مطہرات نے دیا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو امِ ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا ہے جیسا کہ "شرح المجمع" کے حوالہ سے "ردالمحتار" میں نقل کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۲۷ھ۔

(۱) دیکھئے: (جذب القلوب (فارسی) للشیخ عبد الحق محدث دهلوی رحمه الله تعالیٰ ص: ۱۶۲، مطبع نامی منشی نولکشول)

(۲) "قال في شرح المجمع لمصنفه: فاطمة رضي الله عنها غسلتها أم أيمن حاضنته صلى الله عليه وسلم =

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مدفن

سوال[۱۶۶۰]: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کے متصل اتر جانب جو اونچا مقام ہے مثل چبوترہ کے، سنا جاتا ہے یہ کوئی مزار ہے، کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، حالانکہ مشہور سیدہ رضی اللہ عنہا کا مزار جنت البقیع میں ہونا سنا جاتا ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے متعلق مؤرخین نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''جذب القلوب إلی دیار المحبوب'' میں ص:۱۲۲، (۱) پر یہ روایت ذکر کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے جو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے موسوم ہے۔

اصل یہ ہے کہ رات میں دفن کی گئیں اور ہر کسی کو عام طور پر تجہیز وتکفین اور جنازہ میں شرکت کی نوبت نہیں آئی، کیونکہ اپنی وصیت میں اس سے منع فرمایا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کے حجرہ ہی میں دفن کیا گیا، پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں اس حجرہ کو داخلِ مسجد کردیا گیا۔ بعض کی رائے ہے کہ آپ کا مزار شریف جنت البقیع میں ہے، ''غنیۃ الناسک'' میں اہلِ بقیع کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ومشهد عباس بن عبد المطلب، وفيه حسن بن علي رضي الله عنه عند رجلي العباس، قيل: وفاطمة الزهراء بجنبه، وقيل: في مسجدها بالبقيع بدار الأحزان، وقيل: في بيتها في مكان المحراب الخشب الذي خلف الحجرة الشريفة داخل مقصورتها، ورجحه ابن جماعة، وقيل: غيره''۔ غنية، ص:۳۰۷(۲)۔

= ورضي عنها''. (رد المحتار: ۱۹۸/۲، کتاب الجنائز، باب اصلوٰة الجنائز، سعید)

(۱)(جذب القلوب إلی دیار المحبوب، ص: ۱۵۷، مطبع نامی منشی نول کشور)

(۲)(غنية لناسک، ص: ۳۸۴، فصل في زيارة أهل البقيع، ادارة القرآن کراچی)

تاریخ الخمیس:۱/ ۲۷۸، میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۵/ ۶/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۹/ ۶/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱)"ذكر الحافظ أبو عمر وابن عبد البر أن الحسن لماتوفى دفن إلى جنب أمه فاطمة رضى الله عنها وقبر الحسن معروف بجنب قبر العباس رضى الله عنه ولايذكر لفاطمة ثمةً قبر، فتكون على هذا مع الحسن فى قبة العباس رضى الله عنه، فينبغى أن يسلّم عليها هناك". (تاريخ الخميس، ذكر موضع قبرها: ۱/۲۷۸،مؤسسة شعبان للنشر والتوزيع، بيروت)

عہدِ تابعین تاریخ کی روشنی میں

محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال

سوال[۱۶۶۱]: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتنی شادیاں کی ہیں، ایک یا دو یا تین یا اس سے بھی زائد؟ اور ہر بیوی سے کتنی کتنی اولاد ہوئی ہیں؟ مع نام کے تحریر فرمادیں، اولاد میں لڑکیاں بھی ہیں یا کہ نہیں؟ نیز کس بیوی سے امام حنفیہ پیدا ہوئے؟ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی بہادری میں ایک کتاب لکھی گئی ہے اور ''جنگ نامہ محمد حنیف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ صحیح ہے یا غلط؟ حنیف کو بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا مانتے ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔

الجواب حامدًا ومصلياً:

معلوم ہوتا ہے کہ امام حنیف ہی سے اصل سوال متعلق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس نام کا کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے نہیں ہے۔ جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ زندہ رہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اَور کوئی شادی نہیں کی (۱)، ان کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کی ہیں اور متعدد اولاد پیدا ہوئیں۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا، اس کے مقابلہ میں لشکر بھیجا گیا، اللہ نے فتح دی، اس جہاد میں خولہ بنت جعفر یمامیہ بھی گرفتار ہوکر آئیں، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملیں، وہ بنوحنیفہ کے قبیلہ سے تھیں، ان سے بچہ پیدا ہوا ان کا

---

(۱) قال العلامہ خليل أحمد السهارنپوری رحمه الله عليه تحت قوله عليه السلام: "ولكن لاتجتمع بنت رسول الله (أى فاطمة) وبنت عدوالله (أى بنت أبى جهل) مكاناً واحدًا أبدًا". قال الحافظ: وقال ابن التين: أصح ماتحمل عليه هذه القصة أن النبى صلى الله عليه وسلم حرم على عليّ رضى الله عنه أن يجمع بين ابنته وابنة أبى جهل؛ لأنه علل بأن ذلک يوذيه و أذيته حرام بالاتفاق..... لأنه يبعدّ أن يعد فى خصائص النبى صلى الله عليه وسلم أن لاتزوج على بناته، ويحتمل أن ذلک مختصًا بفاطمة سلام الله عليها". (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب مايكره أن يجمع بين النساء: ۱۵/۴، مكتبه امداديه ملتان)

نام محمد رکھا گیا اور اپنی والدہ کے قبیلہ کی طرف نسبت کر کے ان کو محمد بن الحنفیہ کہا گیا(۱) جن کو ناواقف لوگ امام حنیف یا محمد حنیف کہتے ہیں، روافض کا ایک طبقہ ان کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتا اور دوسرا طبقہ ان کی بہت تعریف کرتا ہے، ان کے حالات ہی میں جنگ نامہ ہے جس کو جنگ محمد حنیف کہتے ہیں۔ تحفۂ اثناعشریہ میں محمد بن الحنفیہ کی والدہ کے متعلق جنگِ یمامہ میں گرفتار ہو کر آنے کی تصریح موجود ہے،(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

محمد بن الحنفیہ کی تحقیق

سوال[۱۶۶۲]: ''جنگ نامہ محمد حنیف، جنگ نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، بیر الالم، ملک قندور، جنگِ بابل، نور نامہ'' وغیرہ کتابیں مستند ہیں یا نہیں؟ اور حضرت محمد حنیف کس کے بطن سے پیدا ہوئے؟ اور آپ کس کے لڑکے ہیں اور کس کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے؟ عوام میں مشہور ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں۔

نوٹ: علمائے دین منع فرماتے ہیں کہ غلط روایات نہیں پڑھنا چاہئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ صحیح روایت کونسی ہے اور غلط کون؟ اس کی تحقیق علمائے دین سے ہی ہوسکتی ہے، جواب سے جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی جس کو ''جنگ یمامہ'' کہتے ہیں، اس میں ایک عورت گرفتار کر کے لائی گئی تھیں، جو بنی حنیفہ سے تھیں ان کا نام ہے ''خولہ بنت جعفر یمامیہ'' یہ غنیمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تھیں، ان سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رکھا، یہ والدہ کی نسبت سے محمد بن الحنفیہ کہلاتے ہیں، ان کو عوام ناواقف محمد حنیف کہتے ہیں، جنگ نامہ محمد حنیف اور دوسرے جنگ نامے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں وہ غلط ہیں یا مسخ شدہ ہیں (۳)

---

(۱) ''وله محمد بن علي الأكبر الذي يقال له محمد بن الحنفية: أمه خوله ابنة جعفر الخ''. (تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن أزواجه وأولاده (أي عليؓ): ۱۱۸/۴، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت)

(۲) (اس قسم کی کوئی عبارت ''تحفۂ اثناعشریہ'' میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی)

(۳) (مر تخريجه تحت عنوان ''محمد بن الحنفیہ کا حال'')

بہشتی زیور میں کچھ معتبر اور غیر معتبر کتابوں کے نام درج ہیں وہاں دیکھ لیں، اور جس کتاب کے متعلق معلوم ہو کہ یہ معتبر ہے اس کو ہی دیکھیں، خدا کے فضل سے ایسی کتابوں کی کمی نہیں، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ صحیح کتابوں کو پڑھنے کی فکر کرتے ہیں، غلط کتابوں سے پرہیز کرتے ہیں، حق تعالیٰ برکت دے اور مدد فرمائے، آمین۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۱۳۹۴ھ۔

محمد بن حنفیہ کی نسبت

سوال[۱۲۶۳]: آپ نے جواس سے قبل فتوے میں تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خولہ بنت جعفر یمامیہ کے لڑکے ہیں۔ اس سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ محمد، حنفیہ کے لڑکے ہیں، اگر خولہ کے لڑکے ہیں تو محمد بن خولہ ہونا چاہیے۔

آیا یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مالِ غنیمت میں آئے یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پشت خولہ کے بطن سے پیدا ہوئی یا یمامہ میں پیدا ہوئے؟ اور جعفر یمامیہ کون تھا، یہودی یا نصرانی؟ اس کو مفصل بیان کر کے تحریر فرمائیں تاکہ شک رفع ہو جائے۔

الجواب حامداً مصلیاً:

یہ خولہ کے بطن سے حضرت علی کی صلب سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی والدہ خولہ حنفیہ کہلاتی ہیں(۱)، یہ ان کے قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔ کوئی باپ کی نسبت سے مشہور ہو جاتا ہے اور کوئی ماں کی نسبت سے اور کوئی وطن

---

(۱) "وأما ابنه محمد الأكبر فهو ابن الحنفية، وهي خولة بنت جعفر بن قيس ...... سبّاها خالد أيام الصديق أيام الردة من بني حنيفة، فصارت لعلي بن أبي طالب، فولدت له محمداً هذا". (البداية والنهاية، أحوال سنة أربعين من الهجرة، ذكر زوجاته وبنيه وبناته رضي الله عنهم: ۵/۳۴۳، الرمز: ۱۲۵/۲، دارالفكر بيروت)

"وله محمد بن علي الأكبر الذي يقال له: محمد بن الحنفية، أمه خولة ابنة جعفر بن قيس اهـ".

(تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن أزواجه وأولاده: ۱۱۸/۴، مؤسسة الأعلمي، بيروت)

کی نسبت سے اور اس نسبت میں بسا اوقات اصلی نام مخفی اور غیر مشہور ہو جاتا ہے اور اسی طرح یہ بھی اپنے قبیلہ کی نسبت سے مشہور ہوگئیں۔ یمامہ کی جنگ میں گرفتار کر کے لائی گئیں (۱)۔ ان کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ حبشیہ تھیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

یزید کی نسل

سوال[۱۲۶۴]: یزید پلید کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس جگہ ہے؟ یزید پلید کے بعد اس کا فرزند معاویہ بن یزید کو خلافت کی مسند پر بٹھانا چاہا، مگر تخت پر بیٹھ کر اس نے نصیحت کی اور اپنے باپ کا ظلم بیان کیا اور تخت پر سے اتر گیا اور کہا: ابوسفیان کے خاندان میں سے جس کو تخت پر بیٹھنا ہو وہ بیٹھے، مجھ کو اس تخت نشینی سے کوئی تعلق نہیں، معاویہ کے بعد تخت پر کون بیٹھا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یزید کے ہاتھ پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی تھی، اس کے مرنے پر حجاز ویمن، عراق وخراسان کے لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ بیعت کر لی تھی اور معاویہ بن یزید کے انتقال پر اہلِ شام ومصر نے بھی کر لی اور وہ مستقل خلیفہ ہوگئے، کذا فی تاریخ الخلفاء، ص: ۱٤۸ (۳)۔

---

(۱) "واسمها خولہ بنت جعفر بن قیس ...... وكانت من سَبْي اليمامة الذين سباهم أبوبكر الصديق، وقيل: كانت أمه لبني حنيفة، ولم تكن من أنفسهم". (تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ترجمة محمد بن علي بن أبي طالب ...... ابن الحنفية: ۱٤۸/۲٦، رقم الترجمة: ۵٤۸٤، مؤسسة الرسالة)

(وكذا في الطبقات الكبرى لابن سعد، ترجمة محمد بن الحنفية: ۹۱/۵، دار صادر بيروت)

(وكذا في كتاب الثقات لابن حبان، باب الميم: ۳٤۷/۵، دار الفكر، بيروت)

(۲) تلاشِ بسیار کے باوجود "خولہ حنفیہ" کے متعلق یہ قول نہیں ملا کہ وہ حبشیہ تھی۔

(۳) "وكان (أي عبد الله بن الزبير) ممن أبى البيعة ليزيد بن معاوية ..... فلما مات يزيد بويع له بالخلافة، وأطاعه أهل الحجاز واليمن والعراق وخراسان، ..... ولم يبق خارجًا عنه إلا الشام ومصر، فإنه بويع بهما معاوية بن يزيد، فلم تطل مدته، فلما مات أطاع أهلها ابن الزبير وبايعوه". (تاريخ الخلفاء، ص: ۱۷۵، ۱۷٦، مؤسسة الكتب الثقافية)

یزید کے خاندان اور نسل کا مجھے علم نہیں کہ اب بھی اس کی اولاد کہیں موجود ہے یا نہیں، یہاں کوئی تاریخ بھی ایسی دستیاب نہیں ہوئی جس سے معلوم ہو سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا یزید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا تھا؟

سوال [۱۱۶۵]: ہمارے یہاں ایک پیر صاحب ہیں وہ اکثر اپنے وعظ میں کہا کرتے تھے کیا یہ صحیح ہے کہ یزید نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس شادی کا پیغام بھیجا تھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یزید نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا تھا یا نہیں، مجھے اس کی تحقیق نہیں (۱)۔

مروان کا مدینہ سے اخراج پھر واپسی

سوال [۱۱۶۶]: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کو مع ان کے باپ ''الحکم'' کو کس وجہ سے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا، جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت میں بلا لیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مروان کے باپ کی یہ عادت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو منافقین سے کہہ دیتا تھا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال دیا تھا، كذافي الاستيعاب، (۲) اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا لیا تھا کہ

---

(۱) کتب تواریخ میں کہیں اس کی صراحت نہیں ملی البتہ قرآن کی آیت: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾ کے عموم سے ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔

(۲) "فعلى قول مالك توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو (أي مروان) ابن ثمان سنين أونحوها، ولم يره؛ لأنه خرج إلى الطائف طفلاً لايعقل، وذلك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان قد نفا أباه الحكم إليها، فلم يزل بها حتى وُلّي عثمان بن عفان رضي الله عنه، فرده عثمان، فقدم المدينة هو وولده في خلافة عثمان الخ". (الاستيعاب: ۱۳۸۶/۳، باب مروان، دار الجيل، بيروت)

اس وقت یہ خطرہ نہیں تھا، کیونکہ منافقین نہیں رہے تھے، نیز وہ آپ -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کا رشتہ دار بھی تھا، صلہ رحمی کا آپ میں غلبہ تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا حضرت حسن بصری صحابی ہیں؟

سوال[۱۲۲۷]: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ صحابی ہیں یا تابعی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحابی تو یقیناً نہیں، تابعی ہیں، کذا فی فتاویٰ ابن حجر المکی ص: ۱۲۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا سنِ پیدائش

سوال[۱۲۲۸]: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کس سن ہجری میں پیدا ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، کذا فی مقدمة الأوجز (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "وسئل نفع الله بعلومه : هل سمع الحسن البصري من كلام عليّ رضي الله عنه ...... فأجاب بقوله: اختلف الناس فيه ، فأنكره الأكثرون ، فأثبته جماعة. قال الحافظ السيوطي : هو الراجح عندي كالحافظ ضياء الدين المقدسي في "المختارة" والحافظ شيخ الإسلام ابن حجر في أطراف "المختارة" لوجوه : .... الثاني : أنه وُلد لسنتين بقيتا من خلافة عمر، و ميّز لسبع، وأمر بالصلوة فكان يحضر الجماعة، و يصلي خلف عثمان إلى أن قتل، و عليّ إذ ذاك بالمدينة يحضر الجماعة كل فرض .... و سن الحسن إذ ذاك أربع عشرة سنةً ، فكيف ينكر سماعه منه .... قال علي بن المديني : رأى الحسن علياً بالمدينة وهو ملام". (الفتاوى الحديثيه، ص: ۲۳۶ ،مطلب في أن الحسن البصري سمع من عليّ على الصحيح، قديمي)

(۲)"وولد الإمام رضي الله عنه سنة ثمانين بالكوفة في خلافة عبد الملك بن مروان". (أوجز المسالك، =

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

سوال[۱۶۶۹]: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، ایک صاحب اس کا بھی انکار کرتے ہیں، آپ ارشاد فرمائیں کہ یہ بات کہاں تک درست ہے، میں نے سنا ہے کہ علامہ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو سیرت النعمان میں غلط کہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بعض کتابوں میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا منقول ہے(۱)۔

علامہ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اس کو غلط کہا ہے(۲)، مگر جو وجہ غلط ہونے کی

= الباب الرابع: ۸۶/۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(وكذا في شرح مقدمة المشكاة من مرقاة المفاتيح، ترجمة الإمام أبي حنيفة و مناقبه: ۴۲/۱، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وقال إسماعيل بن أبي رجاء: رأيت محمدًا في المنام فقلت له: مافعل الله بك؟ فقال: غفرلي، ثم قال: لو أردت أن أعذبك، ماجعلت هذا العلم فيك، فقلت له: فأين أبو يوسف؟ قال: فوقنا بدرجتين، قلت فأبو حنيفة؟ قال: هيهات ذاك في أعلىٰ عليين ...... كيف وقد صلى الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة، وحج خمسًا وخمسين حجةً، ورأى ربه في المنام مائة مرةٍ ...... الخ". (الدرالمختار، المقدمة: ۵۱/۱، سعيد)

(وكذا في "إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبديس ببدعة، للعلامة اللكنوي، ص: ۲۸، في ضمن مجموع رسائل اللكنوي: ۱۷۸/۲، إدارة القرآن)

(وكذا في ابن البزاز الكردري، ص: ۲۲۴، مكتبة اسلامية، كوئٹه)

(وكذا في إحياء العلوم: ۵۱۷/۱، دارالاشاعت كراچي)

(وكذافي تذكرة النعمان، ترجمة عقود الجمان، ص: ۲۸۷، كتب خانه مظهري)

(وكذا في مقدمة مرقاة المفاتيح شرح المشكوة، ترجمة الإمام أبي حنيفة و مناقبه: ۷۷/۱، رشيديه)

(۲) علامہ شبلی فرماتے ہیں: "ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق وعادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت پہچانی نہیں جاتی، چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی .... حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہوسکتا ہے ...... اس قسم کے =

لکھی ہے وہ کوئی معقول وجہ نہیں، یہ لوگ بزرگانِ دین کے احوال ومقامات سے نیز ان کے مجاہدوں سے واقف نہیں، ان کی زندگی کو اپنی زندگی پر قیاس کرتے ہیں، ان کا قیاس بے محل اور غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۸ھ۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا منصور کے خلاف کا واقعہ

سوال [۱۶۷۰]: ہر وہ حکومت جو قرآن وحدیث کے مطابق نہیں ہے، باطل ہے، اگر ایسی باطل حکومت میں کوئی خفیہ تنظیم مسلمانوں کو جمع کر کے اگر جہاد کیا جائے تو شریعت کے مطابق ہوگا یا نہیں؟ اس طرح کا ایک واقعہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے وقت بادشاہ منصور کے وقت میں پیش آیا تھا، جواب دلیل کے ساتھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منصور کے مقابلہ میں کونسی فوج بنائی اور جہاد وقتال کیا، میرے علم میں نہیں، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح اور منصور کی تاریخ میں مجھے اس فوج اور جہاد وقتال کا پتہ نہیں ملا، ہاں اتنی بات تھی کہ جو حکم ایسا ہو کہ حکمِ خدا، ورسول کے خلاف تھا اس کے سامنے سر نہیں جھکایا، اور سب کو اپنی حیثیت کے موافق اس کا لحاظ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۸/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۹۰ھ۔

کیا کعبہ حضرت رابعہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے استقبال کو گیا تھا؟

سوال [۱۶۷۱]: حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی کرامات میں یہ روایت کہاں تک درست ہے کہ وہ جب حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئیں تو کچھ فاصلہ پر کعبہ ان کے استقبال کو گیا، اس وقت جب ایک بزرگ طواف کی غرض سے حرم میں پہنچے تو کعبہ کو وہاں نہ پایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ کیا عینِ کعبہ اپنی جگہ سے چلا گیا تھا یا مثلِ کعبہ؟ اس قسم کی باتیں وعظ میں کہنا کیسا ہے؟

= واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہ ہو یعنی حدیثِ صحیح مرفوع متصل کے لئے جو قیدیں ضروری ہیں ان سے بھی بڑھ کر الخ''۔ (سیرت النعمان، اخلاق وعادات، ص: ۵۴، ۵۵، دار الاشاعت کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مایتعلق بالحدیث، قلیل وقت میں کثیر عبادت ایک روایت پر اشکال کا جواب''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روایت حدیث شریف کی روایت نہیں، جس کیلئے سندِ متصل تلاش کر کے بتایا جا سکے نہ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے، عوام کے سامنے ایسی باتیں تقریر میں بیان کرنا ان کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے، جب تک وہ حقیقت نہیں سمجھیں گے پریشان رہیں گے اور ہر ایک میں حقیقت سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ کعبۃ اللہ تجلی گاہ ہے وہ مخصوص تجلی جب کسی اَور جانب ہوتی ہے تو بعض اہلِ کشف کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ اپنی جگہ پر موجود نہیں یعنی اس کی مخصوص تجلی نہیں رہی کسی اَور جگہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲/۶/۹۷ھ۔

شہر بانو بنت یزدجرد کا ایمان

سوال[۱۶۷۲]: نوشیرواں عادل بادشاہ کے لڑکے کا کیا نام تھا لڑکے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ثابت ہے یا نہیں، کیونکہ نوشیرواں کی پوتی شہر بانو کے والدین کا ایمان لانا ثابت ہے یا نہیں جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں اور شہر بانو کے والدین یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خسر وساس کس مذہب پر تھے، یعنی شہر بانو کے والدین؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنگِ قادسیہ میں شاہ فارس یزدجرد کی تین بیٹیاں گرفتار ہو کر آئی تھیں: ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ملی جس سے حضرت قاسم پیدا ہوئے، دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ملی جس سے حضرت سالم پیدا ہوئے، تیسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ملی جس سے حضرت زین العابدین پیدا ہوئے۔ نکاح کہاں ثابت ہے اور کیا ضرورت تھی اس لئے کہ وہ تو باندی تھیں۔ یزدجرد یا اس کی بیوی کا ایمان لانا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، ان تینوں لڑکیوں کا حال حیوۃ الحیوان اور تاریخ الخمیس میں درج ہے(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) وقال في شواهد النبوة اسم أمه شهر بانو بنت يزدجرد من أولاد أنو شيروان العادل انتهى.

وفي حياة الحيوان: قال ابن خلكان كانت أمه سلامة بنت يزدجرد آخر ملوك الفرس، و ذكر الزمخشري في ربيع الأبرار، أن يزدجرد كان له ثلاث بنات سُبِين في زمن عمر بن الخطاب، فحصلت واحدة منهن لعبد الله بن عمر فأولدها سالماً، و الأخرى لمحمد بن أبي بكر .... والأخرى للحسين الخ". (تاريخ الخميس ذكر الأئمة الاثني عشر: ۲/۲۸۶، بيروت)

(وكذا في حيوة الحيوان اردو: ۱/۲۱۶، إداره اسلاميات)

تاریخِ ہند

کیا سب سے پہلے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں آئے؟

سوال[۱۶۷۳]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سب سے پہلے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ آئے ہیں، ان سے پہلے اور کوئی مسلمان نہیں آیا۔ کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان میں پہلی صدی ہجری میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا آنا ثابت ہے، محمد بن قاسم کا علاقہ سندھ میں آنا بکثرت تواریخ میں مذکور ہے، پھر بعد میں بھی تقریباً ہر صدی میں کچھ نہ کچھ مسلمان آتے رہے ہیں (۱) لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہاں رہ کر مستقلاً تبلیغِ دین فرمائی ہے وہ ان کا ہی حصہ ہے، اس طرح ان سے پہلے یہ خدمت کسی نے انجام نہیں دی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد

سوال[۱۶۷۴]: میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اسلامی دنیا کیلئے ہندوستان کی دریافت اور بازیافت ''نئی دنیا'' کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگر چہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہوگئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر واخلاق سے تسخیر کرلیا تھا، اور برصغیر (ہند) میں جابجا داعیانِ اسلام کے مرکز وخانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھی''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/۲۱ مجلس نشریات اسلام، کراچی)

(۲) ''ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ چشتیوں اور ان کے مخلص وعالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/۲۹)

کے ہاتھ پر نوے لاکھ آدمی مسلمان ہوئے تھے، لیکن ایک صاحب اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ بات کسی تاریخ سے ثابت نہیں، لہٰذا آپ ارشاد فرمائیں کہ یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بہت بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے (۱)۔ ایک عیسائی نے نوّے لاکھ تعداد لکھی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مبالغہ ہو، ایسی باتوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۵ھ۔

بانی جامع مسجد دہلی

سوال[۱۶۷۵]: جامع مسجد دہلی کس نے تعمیر کرائی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشہور ہے کہ شاہجہاں نے بنوائی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کیا صابر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو جلا دیا تھا؟

سوال[۱۶۷۶]: صابر میاں بلاشک بزرگ تھے، مگر روایت ملتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو جلا دیا تھا غصہ میں آکر، اور جبکہ شبِ وصال تھی اور صابر میاں نے بیوی کا حق پورا نہ کیا اور وہ بزرگ تھے تو بیوی کا حق ادا کرنا فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیوں کیا، اور ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ایسی

---

(۱) "کسی قدیم تاریخی مآخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج واثرات کا مستند ومعین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا، عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر وعظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان واحسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے"۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/۳۰، مجلس نشریات اسلام کراچی)

(۲) ("مسلم ثقافت ہندوستان میں" ص: ۳۷۵، ۳۷۷، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور)

بیوی سے شادی کرو جو زیادہ بچے پیدا کرے''، کے خلاف ہوا، تو ان کے بزرگ ہونے میں شک ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو حدیث کے خلاف بات کیوں ہوئی؟ ان کا مدلل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے کسی کتاب میں ایسا نہیں پڑھا کہ حضرت مخدوم علی احمد صابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو جلا دیا، (۱)، بیوی یا کسی بھی انسان کو جلا دینا شرعاً درست نہیں (۲)، بزرگوں کی طرف کچھ معتقدین، کچھ مخالفین غلط باتیں منسوب کردیتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

قیام دارالعلوم ومظاہر علوم کی تاریخ

سوال [۱۶۷۷]: دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور، کس تاریخ سن میں قائم ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم دیوبند ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ (۳)، اور مظاہر علوم سہارنپور، رجب ۱۲۸۳ھ میں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''حضرت صابر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حالات کیلئے دیکھئے: (''خواجگانِ چشت'' مؤلف منیر لکھنوی، ص:۹۹، سعید)

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: " لا ینبغی أن یعذب بالنار إلا رب النار". (أبو داود، باب قتل الذر: ۲/۳۶۸، امدادیہ ملتان)

(۳) ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۸۶۷ء۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ، ص:۱۴، دار الاشاعت، کراچی)

(وکذا فی دار العلوم دیوبند، ص:۸۷، تأسیس دارالعلوم، اکادیمیہ شیخ الهند)

(۴) ''یکم رجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۹/ نومبر ۱۸۶۷ء۔ (جامعہ مظاہر علوم اہل کمال کی نظر میں، ص:۸، ناشر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین

سوال[۱۱۶۷۸]: مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین کون ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانشین تو معلوم نہیں، البتہ خلفاء بہت ہیں جن کے نام مختلف کتابوں میں چھپے ہوئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ دین کی خدمت کر رہے ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۵۹/۳/۱۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۴/ ربیع الثانی/۵۹ھ۔

جمعیۃ العلماء کا جھنڈا

سوال[۱۱۶۷۹]: جمعیۃ العلماء کے ہاتھوں میں جو سفید اور کالی دھاریوں والا جھنڈا پرچم ہے آیا اس کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا نہیں؟ مثبت پہلو پر صحیح ابتداء عَلَم نبوی کی روایت سے مع دلیل واضح فرما کر شکریہ کا موقع دیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک جھنڈا سفید اور کالی دھاری کا بھی تھا(۲)۔فتح الباری شرح بخاری: ۶/۸۹(۳) اور عمدۃ

---

(۱) تفصیل کیلئے دیکھئے:(ڈاکٹر فیوض الرحمٰن کی تالیف،حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلفائے کرام"،مجلس نشریات اسلام کراچی)

نیز دیکھئے:("کاروانِ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ" تالیف حافظ اکبر شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ،ادارۃ المعارف، کراچی)

(۲)"وكانت له راية سوداء يقال لها: العقاب وفي "سنن أبي داود" عن رجل من الصحابة قال: رأيت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم صفراء...... وربما جعل فيها الأسود". (زاد المعاد ص: ۵۱، دار الفكر، بيروت)

(۳)"وأورد حديث جابر رضي الله عنه "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة ولواؤه أبيض "ثم ترجم للرايات وأورد حديث البراء "أن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت سوداء مربعة من نمرة"......الخ ولأبي الشيخ من حديث ابن عباس رضي الله عنهما: "كان مكتوباً على رأيته : لاإله إلا الله =

القاری شرح بخاری: ۲۳/۷، میں ہے: "حدیث البراء إن رایة رسول الله کانت سوداء مربعة من نمرة"۔ الخ (۱) اور مجمع البحار: ۳۹۷/۳ میں نمرہ کی تحقیق کے ذیل میں لکھا ہے:

"وفیه فجاءه قوم مجتابی النمار هی کل شملة مخططة من أزر العرب، فهی نمرة وجمعها نمار کأنها أخذت من لون النمر لِمَا فیها من السواد والبیاض وهی من الصفات الغالبة: أی جاءه قوم لابسی أزر مخططة من صوف الخ" (۲)۔

سفید، زرد، سیاہ جھنڈے کی بھی روایت عینی اور فتح الباری میں مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۲ھ۔

گول اور لمبی ٹوپی کی سنیت کی تحقیق مع فتاویٰ دارالعلوم ومظاہر علوم

سوال [۱۶۸۰]: ہمارے مغربی بنگال میں ٹوپی سے متعلق ایک اشتہار چھپایا گیا ہے جس کے

=محمد رسول الله". وسنده واه، وقیل: کانت له رایة تُسمّی العقاب سوداء مربعة، ورایة تسمّی الرایة البیضاء" وربما جعل فیها شیئ أسود". (فتح الباری، کتاب الجهاد والسیر: ۵۶/۶، قدیمی)

(۱) دیکھئے: (عمدة القاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ماقیل فی لواء النبی صلی الله علیه وسلم: ۲۳۲/۱۴، إدارة الطباعة المنیریه)

(۲) (مجمع البحار: ۷۸۶/۴، مجلس دائرة المعارف، حیدرآباد دکن هند)

(۳) "وجنح الترمذی إلی التفرقة فترجم بالأولویة و أورد حدیث جابر أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دخل مکة و لواؤه أبیض ثم .... و أورد حدیث البراء أن رایة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کانت سوداء مربعة من نمرة، و حدیث ابن عباس: کانت رایته سوداء و لواؤه أبیض .... وردف أبوداود عن طریق سماک: رأیت رایة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صفراء.........اهـ".

(فتح الباری، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی لواء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱۲۶، ۱۲۷، رقم الحدیث: ۲۹۷۴، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی عمدة القاری، باب ما قیل فی لواء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲۳۲/۱۴، إدارة الطباعة المنیریة، بیروت)

اندر تمام جگہوں سے استفتاء کیا گیا ہے اور وہ تمام فتوے اس کے اندر جمع کردیئے گئے، اور اس میں مفتی ابوظفر صاحب فرورذی (مفتی بنگال وآسام) نے یہ فتوی دیا ہے کہ: ''الجواب: مواہب لدنیہ(۱) وتحفۃ الاحوذی فی شرح الترمذی (۲) اور مشکوٰۃ (۳) میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام گول ٹوپی پہنتے تھے، محبانِ سنت کو ضروری ہے کہ لمبی کے بجائے گول ٹوپی استعمال کریں اور حدیث: "من أحب سنتی فقد أحبنی، ومن أحبنی کان معی فی الجنة" کے مصداق بنیں، کتبہ ابوظفر غفرلہ۔

اور دارالعلوم دیوبند کے مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کا فتویٰ۔

''الجواب صحیح: گول اور سر مبارک سے چپٹی ہوئی تھی، کما ھو المستفاد من شرح المواہب للإمام الزرقانی: ۵/۹ (٤)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد جمیل الرحمٰن دارالعلوم دیوبند۔

اسی طریقہ پر مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ۔ ''الجواب: گول ٹوپی پہننا جائز ہے، فتاوی رشیدیہ، ص:۴۸۳ (۵) صحابہ کرام کی ٹوپی اٹھی ہوئی نہیں ہوتی تھی، مشکوٰۃ شریف، ص:۳۷۴، میں روایت:" عن أبی کبشة قال: کمام أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحا"۔ وفی مرقاۃالمفاتیح:"أی مبسوطة علی رؤسهم ولازقة مع رؤسهم غیر مرتفعة"(٦)۔ فقط۔ کتبہ مظفر حسین المظاہری۔

---

(۱)"وعن أبی کبشة الأنماری قال: کانت کمام أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بطحاً، وفی روایة: أکمه، و هما جمع کثرة وقلة، والکمة: القلنسوة، یعنی أنها کانت منطبحة غیر منتبعة.

وفي شرحه: "وفی المصباح: الکمة بالضم: القلنسوة المدوّرة؛ لأنها تغطی الرأس". (شرح المواهب اللدنیة، النوع الثانی فی لباسه و فراشه: ۲۷۸/٦، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (وکذا فی تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب بعد باب ماجاء فی ترقیع الثوب: ۵/۲۷۹، رقم الحدیث: ۱۸۴۲، المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة)

(۳) (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۴، قدیمی)

(۴)(شرح المواهب، النوع الثانی فی لباسه وفراشه: ۲۷۸/٦، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(۵) (فتاوی رشیدیه، کتاب جواز و حرمت کے مسائل، ص: ۵۷٦، سعید)

(٦)(مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۴، قدیمی)

کمہ کی جمع کمام ہے کمہ کے معنی گول ٹوپی کذا فی القاموس (۱)۔ ان تمام روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گول ٹوپی کا استعمال کرنا سنت ہے کہ جس کی سنیت حدیث سے ثابت ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ جو علمائے دیوبند لمبی ٹوپی استعمال کرتے ہیں اس کی سنیت میں کوئی ثبوت ہے کہ نہیں اور ہماری اس ٹوپی کا رواج ڈالنے والے علمائے دیوبند ہی ہیں، کیا مطلق ٹوپی کا استعمال ہی سنت ہے یا اس کے اندر اس کی ہیئت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟ اور وہ ہیئت بھی کون سی ہے جن سے سنیت ادا ہو جائے گی اور ان میں افضل کون سی ہوگی؟ اگر ہم صرف یہ کہیں کہ ٹوپی کا استعمال سنت زوائد میں سے ہے، لہذا جو چاہے پہنے تو یہ بات کافی نہیں ہے کیونکہ جب ہم ٹوپی سنت ہی کی نیت سے پہنتے ہیں تو جس سے سنت کامل درجہ کی ادا ہو وہی استعمال کریں، ورنہ تمام زندگی ٹوپی سر پر لئے پھریں لیکن کامل سنت ادا نہیں ہوگی، یا اس کے لئے جو کامل درجہ کی سنت پر عمل کرنا چاہے اگر چہ شرعاً زیادہ اہم نہیں ہے لیکن اس کے متعلق کبھی علمائے فروردی کے ساتھ ہمارا اہم کلام ہوتا ہے، اس وقت ہمارا جواب دینا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت سے عرض یہ ہے کہ اس کو تفصیل وار تشفی بخش جواب دیکر مشکور فرمائیں۔ ٹوپی کا استعمال سنت زائدہ ہے یا اس کی ہیئت سنت زائدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عبارت بحوالہ اشتہار نقل کی ہیں مشکوۃ ومرقاۃ سے ان میں گول ٹوپی کی تصریح نہیں، صرف یہ بات مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں اوپر کو اُبھری ہوئی بلند نہیں تھیں "مسبوطة علی رؤسهم ولازقة مع رؤسهم غير مرتفعة اهـ" مگر مرقات ہی میں یہ بھی موجود ہے "وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترةً بين يديه ويصلي اهـ"، مرقاة: ۱۸/۲۴۶ (۲)، جو ٹوپی سر سے چپکی ہوئی ہو، اٹھی ہوئی نہ ہو اس سے سترہ کا کام کس طرح لیا جائے گا جبکہ سترہ کے متعلق یہ بھی موجود ہے کہ "سئل رسول الله صلی الله عليه وسلم من سترة المصلي؟ فقال: "مثل مؤخرة الرحل" إلى قوله: وفسرت بأنها ذراع فما فوقه اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۲۴۰ (۳)۔ المواهب اللدنیہ اور تحفة

---

(۱) المنجد، ص: ۸۹۳، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "كانت مسبوطة على رؤسهم لازقة غير مرتفعة عنها، الخ. وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي". (مرقاة المفاتيح: ۸/۱۴۱، رشيديه)

(۳) "لأن سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم من سترة المصلى فقال: "مثل مؤخرة الرحل" الخ =

الأحوذی کی عبارتیں منقول نہیں جن میں غور کیا جائے، صرف نام مذکور ہیں پہلے اشتہار کا دعویٰ ثابت ہو جائے تب دوسری باتوں کا نمبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۱۶ھ۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کی سند

سوال [۱۶۸۱]: کیا مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں؟ اگر نہیں تو بریلوی صاحب کے استاد کون صاحب ہیں، وہ باقاعدہ عالم کا نصاب پڑھے ہوئے تھے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنے والد مولانا نقی علی خان صاحب سے پڑھا ہے، انہوں نے مولانا یعقوب علی خاں صاحب سے سنا ہے، انہوں نے شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب مجددی محدث دہلوی سے پڑھا ہے۔ خانصاحب نے اپنی سند فتاویٰ رضویہ کے شروع میں اللہ تک پہونچائی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

کیا اعلیٰ حضرت نے دارالعلوم میں پڑھا ہے؟

سوال [۱۶۸۲]: ۱...... زید وبکر کے درمیان عرصہ سے یہ بحث جاری ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنی ابتدائی تعلیم اور دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں دورِ اول کے اساتذہ سے حاصل کی ہے، اور سندِ فراغت حاصل کی ہے، زید اس بارے میں اثبات کرتا ہے بکر نفی کرتا ہے۔ حضرت والا کو حکم بنایا گیا ہے کہ زید وبکر کے درمیان اثبات ونفی کرنے کے سلسلہ میں فیصلہ صادر فرمائیں کہ کون صحت پر قائم ہے؟

= وفسرت بأنها ذراع، الخ فمافوقه كذا في غاية البيان". (مراقي الفلاح ص: ۳۶۶،۳۶۵، قديمي)

(۱) (فتاویٰ رضویہ، سند الفقير في الفقة المنير: ۸/۱، سني دار الاشاعت علويه رضويه، فيصل آباد)

۲......زید وبکر کے درمیان دوسری بحث یہ بھی جاری ہے کہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کے مریدین اور خلفاء میں مولوی احمد رضاء خان بریلوی بھی داخل ہیں اور یہ ارادت وخلافت کا معاملہ اس وقت ہوا جب حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی، زید کا پہلو اس بحث میں اثبات کا ہے اور بکر نفی کا پہلو لئے ہوئے ہے، لہذا حضرت والا منصبِ حَکم سے تحقیقی فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲......مثبت کیلئے بینہ (دلیل) پیش کرنا ضروری ہوتا ہے، منکر کیلئے بینہ کی ضرورت نہیں، یہ مسلمہ اصول ہے، لہذا زید اپنے دعویٰ کے ثبوت کیلئے دلیل پیش کرے، ورنہ اس کا دعویٰ واجب التسلیم نہیں، جس شخص نے خانصاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا وہ ہرگز زید کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرے گا، ان کی کتابوں میں اکابرِ دیوبند پر اس قدر سب وشتم ہے کہ شاید روافض کی کتابوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی نہ ہو، جن اساتذہ سے علم دین حاصل کیا جائے کیا ان کے احترام کا یہی تقاضا ہوتا ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۵ھ۔

اردو کس نے ایجاد کیا؟

سوال [۱۲۸۳]: اردو کس نے ایجاد کیا ہے اور کہاں سے کیا اور کس سن سے ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بادشاہ کے لشکر میں مختلف علاقوں کے لوگ تھے زبانیں الگ الگ تھیں، ان کی مجموعی زبان اردو ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں کئی نظریے پیش کئے جاتے ہیں: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اردو اکبر بادشاہ کے زمانے میں دلی میں مختلف زبانوں کے بولنے والے لوگوں کے جمع ہونے سے پیدا ہوئی''۔ (جدید اردو ادبیات ''ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ص:۱۱، غضنفر اکیڈیمی)

شیخ صدیقی، شیخ فاروقی اور مغل پٹھان کی نسل

سوال[۱۶۸۴]: ۱…..کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیخ اور یہود ونصاریٰ سے مغل پٹھان کی نسل جاری ہوئی؟

۲…..بواہیر کون لوگ ہیں، ان کی بنیاد کس نے ڈالی اور کہاں ڈالی؟ ان کے بنیادی عقائد مختصراً بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱…..شیخ صدیقی اپنے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے (۱) اور شیخ فاروقی اپنے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے کہتے ہیں (۲) مغل (۳) پٹھان (۴) کے متعلق مجھے معلوم نہیں۔

۲…..بواہیر عربی قاعدہ سے بوہرہ کی جمع بنالی گئی ہے جو کہ بہوار سے ہے جس کا معنی ''تاجر'' ہے (۵) یہ تو لغت کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ صاحب مجمع البحار کے تذکرہ میں ہے (۶) لیکن یہ مستقل خاندان یا قوم ہے کچھ سنی ہیں اکثر شیعہ ہیں (۷) غالباً یہ سنی بھی پہلے شیعہ تھے پھر سنی ہوگئے ان کی نسل بوہرہ سنی ہے۔ بوہرہ کے عقائد کی تفصیلات ان سے ہی دریافت کیجئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) (دائرہ معارف اسلامی (اردو) ۱۲/۱۰۲، دانش گاہ پنجاب لاہور)

(۲) (دائرہ معارف اسلامی (اردو) ۱۵/۴۸، دانش گاہ پنجاب لاہور)

(۳) مغل ہندوستان شہنشاہوں کے ایک خاندان کا نام ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: (دائرہ معارف اسلامی (اردو) ۲۱/۳۹۲، دانش گاہ پنجاب لاہور)

(۴) ''پختون اور افغان کے لئے پٹھان لفظ کا استعمال اس لئے ہوا کہ جب یہ ہندوستان پر قابض ہوئے تو ان میں اکثر بتی قبیلے کے لوگ تھے اور یہ شام کے اس شہر سے تعلق رکھتے تھے جو اردن کے مشرق میں بثان کے علاقے میں واقع تھا اور بتھانیا سے موسوم تھا اس نسبت سے وہ یہاں آکر بتی کہلانے لگے، ہندوستان میں ان کو پٹھان موسوم کیا گیا''۔ (تذکرہ پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ، روشن خان، ص: ۶۲، روشن خان اینڈ کمپنی جونا مارکیٹ کراچی)

(۵) دائرہ میں ہے کہ ''بوہرہ'' گجراتی لفظ ''وہورو'' سے لیا گیا۔

(۶) "البوهرة: و هي مشتقة من "بيوهار" في لغة أهل الهند معناه "التجارة". (مجمع البحار، ترجمة المصنف: ۱/۲۰، دار الإيمان، المدينة المنورة)

(۷) دیکھئے: (دائرہ معارف اسلامی: ۵/۶۸)

خاندانی شرافت

سوال[۱۶۸۵]: مسلمانوں میں خاندانی، چھوٹائی، بڑائی مثلاً: شیخ، سید، مغل، پٹھان، یہ لوگ نورباف، نداف وغیرہ کو نیچ ذات کہتے ہیں۔ اصلیت کیا ہے اور اس کا خلاصہ کس کتاب میں ہے کہاں مل سکتی ہے۔ ازروئے قرآن مجید وحدیث شریف اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خاندانی شرافت اور بزرگی بعض احکام اور مسائل میں شرعاً معتبر ہے مثلاً سید کو زکوۃ لینا درست نہیں، اَوروں کو درست ہے، نکاح کے مسائل میں کفاءت کا ایک حد تک اعتبار ہے۔ اس خاندانی شرافت کے ساتھ اگر نیک اعمال اور اتباع سنت کی بھی توفیق ہو جائے تو یہ نور علیٰ نور ہے، محض خاندانی شرافت بغیر نیک اعمال کے کچھ زیادہ وقیع نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "من أبطأ به عمله لم يسرع به نسبه"۔ أو كما قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم " (۱) لیکن کسی شخص کو محض خاندانی شرافت نہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ اس کے اعمال اچھے ہوں حقیر سمجھنا حرام ہے (۲) کسی طرح اس کی اجازت نہیں، دیو بند ضلع سہارنپور میں مفتی محمد شفیع صاحب نے اس چیز کو ایک کتاب "غایات النسب" میں تحریر فرمایا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (سنن أبي داود: ۲/۱۵۷، كتاب العلم، باب في فضل العلم، سعيد)

قال الشيخ السهارنفوري رحمة الله عليه: (" من أبطأ به عمله): أي أخره عمله عن البلوغ إلى الجنة أو إلى الدرجات العالية، (لم يسرع به نسبه): أي لم يبلغه علو النسب و لم ينفعه في الآخرة شرف النسب كما ورد: "إن الله لا ينظر إلى صوركم بل إلى أعمالكم". (بذل المجهود: ۵/۳۲۳، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " المسلم أخو المسلم لا يخونه و لا يكذبه .... التقوى ههنا، بحسب امرىء من الشر أن يحتقره أخاه المسلم". (جامع الترمذي: ۲/۱۴، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم، سعيد)

(۳) (نهايات الأرب في غايات النسب مع ضميمة رساله عقيدة: فضل السبب في فضل النسب، جمعية المصلحين سهارنپور)

کتاب السیاسة والهجرة

مذہبِ اسلام میں سیاست اور مفتی محمد شفیع کی کتاب کی عبارت کی توضیح

سوال[۱۶۸۲]: عبارتِ کتاب ''سیرتِ خاتم الانبیاءؐ'': مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ، مقیم حال کراچی (پاکستان)۔

۱...... ''وہ مذہب ہی کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو، وہ سیاست مکمل نہیں جس کے ساتھ تلوار نہ ہو'' وغیرہ، (الف) عبارت کے تحت عرض ہے کہ دینِ اسلام میں سیاست کیا ہے؟ اور یہاں ہندوستان میں کس سیاست کی ضرورت ہے؟

(ب) سیاست مکمل کیا ہے؟ اب اس کے ساتھ کون سی تلوار کی ضرورت ہے؟

۲...... ''غزوہ بدر قریش کا مایہ ناز اور اس کے تمام تر شوکت اور قوت کا سبب وغیرہ'' الخ۔ ''اس لئے سیاسی اصول کے مطابق ضرورت تھی کہ ان کی شوکت توڑنے کے لئے اس کا سلسلہ بند کیا جائے الخ''۔ اس عبارت کی روشنی میں ہند میں بالخصوص اور دیگر ممالک اسلامیہ میں بالعموم موجودہ وقوعہ حالات کے ردِ عمل کے لئے اب کیا لائحہ عمل ہے اور وہ کس جگہ کس صورت سے، انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے عمل میں آرہا ہے؟

۳...... عبارتِ کتاب ''مجموعی تقاریر بسلسلہ کیا تبلیغی کام ضروری ہے''؟

چوتھی تقریر از مفتی مظفر حسین مظاہری، ناظم مدرس مظاہر العلوم سہارنپور، ص: ۱۶ ''منصبِ خلافت'' انبیاء کے سچے جانشین، نفع کی دو قسم، دو اہم طبقے، ہماری زندگی میں بگاڑ ذرا سا بھی آئے گا تو دنیا گمراہ ہو جائے گی''۔ معلوم ہوا کہ صلاح اور فلاح دونوں ہمارے لئے ضروری ہیں کہ تحتِ منصبِ خلافت کے صحیح وارث علمائے مدارس ہیں یا علمائے تبلیغی مرکز یا علمائے ملت وزعمائے قوم جماعتہائے سیاست؟ اگر تینوں ہیں تو منصبِ خلافت کا کامل اور مکمل الگ یا مجموعی حیثیت سے ان کے پاس کیا لائحہ عمل ہے؟ یعنی درس وتدریس یا چھ نکاتی پروگرام کے کوزہ میں تمام سمندر اسلام یا حکومتِ وقت کے ساتھ کورانہ تقلید کا اشتراک یا اختلاف بوجوہ افراط وتفریط، ان تینوں گروہوں میں سے کون سچے اور صحیح جانشین ہیں؟

(ج) جب انبیائے کرام روحانی اور مادی دونوں نفع پہنچاتے ہیں تو دونوں نفع پہنچانے والا ہی شخص انبیاء کا صحیح جانشین ہوگا تو روحانی اور مادی نفع پہونچانے میں ان دونوں گروہوں کا کیا لائحہ عمل ہے؟ اور وہ کس پروگرام کے ساتھ عمل میں آرہا ہے؟

(د) موجودہ دور میں سب ممالک میں سب طرح کے بگاڑ کے ذمہ دار کیا یہ دونوں گروہ نہیں ہیں اور مادی اور روحانی نفع رسانی میں جو صلاح اور فلاح کی ذمہ داری ان دونوں طبقوں پر ہے تو الگ الگ یا مجموعی حیثیت سے یہ دونوں طبقے کس صلاح وفلاح کے پروگرام کے تحت عمل کررہے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... سیاست کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ اس کو دنیا وآخرت میں نجات حاصل ہو، یہ سیاست خاصۃً وعامۃً، ظاہراً وباطناً حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا منصب ہے، خاصۃً وعامۃً، ظاہراً سلاطین کا منصب ہے اور باطناً علماء کرام کا منصب ہے، یہ تو سیاست کا عمومی اطلاق ہے۔ خصوصی اطلاق زجر وتادیب پر بھی ہوتا ہے گو اس میں کبھی قتل تک نوبت پہنچ جائے اس کا حق حسب حیثیت ہوتا ہے، باپ اپنی اولاد کو، شوہر اپنی بیوی کو، افسر اپنے ماتحت کو، استاذ اپنے شاگرد کو، بڑا اپنے چھوٹے کو حدود کے اندر سیاست کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ ردالمحتار (۱)، معین الحکام (۲)، درمنتقی (۳) میں تفصیل سے موجود ہے۔

اس کو سمجھنے کے بعد حضرات انبیاء کرام والی سیاست کا تو ختم نبوت کی وجہ سے سوال ہی ختم ہوگیا،

(۱) "السياسة: استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجي في الدنيا والأخرة، فهي من الأنبياء على الخاصة والعامة في ظاهرهم و باطنهم، و من السلاطين والملوك على كل منهم في ظاهره لا غير، و من العلماء ورثة الأنبياء على الخاصة في باطنهم لا غير .... و هذا تعريف السياسة العامة .... وتستعمل أخص من ذلك مما فيه زجر و تأديب ولو بالقتل". (رد المحتار، كتاب الحدود: ۱۵/۴، سعيد)

(۲) (معين الحكام، القسم الثالث من الكتاب في القضاء بالسياسة الشرعية: ۱۶۹/۱، شركة مصطفى مصر)

(۳) (الدر المنتقى في شرح الملتقى عل هامش مجمع الأنهر، كتاب الحدود: ۳۴۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (لسان العرب: ۴۲۹/۶)

(والبحر الرائق، كتاب الحدود: ۱۱۸/۵، بيروت و رشيديه)

سلاطین کی سیاست کا سوال وہاں پیدا ہوگا جہاں سلاطینِ اسلام ہوں اور ان سے ہی تحقیق کرنا برمحل ہوگا کہ وہ کیا کررہے ہیں، علماء سے جس سیاست کا تعلق ہے وہ برابر بفضلہ تعالیٰ جاری ہے۔

۴......حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ایسی جگہ ہیں جہاں سے مکاتبت دشوار ہے، مگر حضرت مفتی مظفر حسین صاحب سے نہ ملاقات دشوار ہے نہ مکاتبت دشوار، اس لئے براہ راست ان کی طرف مراجعت کریں، اپنی تقریر کو وہ خود بہترین طریقے سے واضح فرمائیں گے اور اس پر جو اشکالات آپ کو ہیں ان کا جواب دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

(نوٹ) کلمہ گو اور مصلحین کے جو طبقات آپ نے قائم فرمائے ہیں آپ کس طبقہ میں ہیں اور کس پروگرام کے تحت کام کررہے ہیں، اس کی تشکیل اور خاکہ عنایت فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ جواب گرامی اگر مدلل ہوگا تو موجب بصیرت ہوگا۔ محمود۔

علماء کے لئے سیاست میں شرکت

سوال [۱۶۸۷]: عوام الناس میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ علمائے کرام کو موجودہ سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیئے، کیا اس بگڑے ہوئے ماحول میں علمائے کرام کو خاموش رہنا چاہیے؟ جو علمائے کرام عملی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں کیا وہ غلط کررہے ہیں، کیا علماء کا کام صرف مدرسہ کی تعلیم دینا اور مسجد کی امامت کرنا ہے اور بس؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال آج کا نہیں بہت پرانا ہے، پہلے بھی کہا کرتے تھے کہ علماء کا سیاست سے کیا تعلق، بات یہ ہے کہ جس عالم کے اندر صلاحیت ہو وہ صحیح طور پر سیاست کو اور پارٹیوں کو سمجھتا ہو کہ سیاست میں شریک ہوکر دوسروں کو اپنا ہم خیال بنالے گا، غلط بات پر نکیر کرے گا، صحیح راہ عمل پیش کرے گا اس کا سیاست میں شریک ہونا درست اور مفید ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن من أعظم =

سیاست میں حصہ لینا

سوال[۱۶۸۸]: کیا اسلامی اصول کے مطابق اس ہندوستان کی سیاست میں ہم مسلمان بھی حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس حصہ لینے سے آپ کو احکامِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہلِ اسلام کی خدمت کر سکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پاکستان میں اسلامی قانون

سوال[۱۶۸۹]: پاکستان میں ۱۹۷۳ء میں ایک آئین نافذ ہوا جس میں تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے دستخط ہیں۔ اس آئین کی بنیادی باتیں یہ ہیں: اس ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ہوگا، اس ملک کا حاکمِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے، کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوگا اور جتنے غیر اسلامی قوانین ملک میں موجود ہیں سات سال تک ان کو اسلام کے مطابق بنا دیا جائے گا۔

۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نے اس آئین کو معطل کر دیا، چند سال بعد اس آئین کو کچھ ترمیم کے بعد پھر نافذ

= الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر". (جامع الترمذی، أبواب الفتن، باب أفضل الجهاد: ۲/ ۴۰، سعيد)

(وابن ماجة، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۲۸۹، قديمي)

قال الطرابلسي: "السياسة نوعان .... وسياسة عادلة تخرج الخلق من الظالم، وتدفع كثيراً من المظالم، و تردع أهل الفساد، و يتوصل بها إلى المقاصد الشرعية للعباد". (معين الحكام: ۱/ ۱۶۹، شركة مصطفى البابي مصر)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. الآية (النساء: ۵۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و من يكتمها فإنه آثم قلبه﴾. (البقرة: ۲۸۳)

تفصیل کے لئے: (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص: ۴۴۶، ادارۃ المعارف کراچی)

کردیا اور ترمیم بنیادی نظریہ کے خلاف ہیں، لہذا اس آئین کی بحالی کے لئے ملک کی متعدد جماعتیں متحد ہوکر کام کرنا چاہتی ہیں جس میں ایک جماعت علماء کی ہے(۱) باقی تمام سیاسی جماعتیں ہیں جوملکی سیاست میں اہم مقام رکھتی ہیں تو صرف مندرجہ بالا پروگرام پراتحاد کا شرعی حکم تحریر فرمائیں۔ نیز اس آئین کے تحت انتخابی سیاسی آزادی، اخبارات کی آزادی کے نکات بھی شامل ہیں، براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وہاں علماء کی جماعت کا مستقل ایک موقف ہے، وہاں کی سیاست سے بھی یہ جماعت خوب واقف ہے اور دیگر سیاسی جماعتوں کے نظریات ومقاصد کو بھی خوب جانتی ہے اور اس کے سامنے بنیادی قانون بھی ہے اور اس کی ترمیمات بھی ہیں لہذا وہ جماعت ہی شریعت کی روشنی میں علیٰ وجہ البصیرت رائے قائم کرسکتی ہے، ہم خدام ان چیزوں سے ناواقف کیا رائے پیش کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

جائز قانونِ حکومت کی پابندی

سوال[۱۱۹۰]: دوقریبی ملکوں کے درمیان پنجاب حکومت نے آنا جانا منع کردیا ہے، اب اگر کوئی شخص چپکے سے چلا آئے یا چپکے سے چلا جائے تو شرعی نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

رعایا کے ہرفرد کو اپنی حکومت کے ہر جائز قانون کی پابندی لازم ہے(۲)۔ خلافِ قانون کرنا جرم ہے جس سے عزت اور جان ومال کا خطرہ ہے جس کی حفاظت ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (اس جماعت سے مراد بظاہر جمعیت علماء اسلام ہے)

(۲) (ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية: ۱۷۲/۲، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والأصل فيه قوله تعالىٰ: ﴿وأولي الأمر منكم﴾ ...... وعن ابن عمر أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: "عليكم بالسمع والطاعة لكل من يؤمر عليكم مالم يأمركم بالمنكر". (ردالمحتار، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام: ۲۶۴/۴، ۲۶۵)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (البقرة: ۱۹۵)

امامت اور خلافت کا بیان

امارتِ شرعیہ

سوال[۱۱۹۱]: آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے صوبہ بہار میں کم وبیش ۲۰/ سال سے چند لوگوں نے ایک امارتِ شرعیہ قائم کر رکھی ہے اور سب لوگ مخالف ہیں۔)

۱......امارت مذکورۃ الصدر کے مبلغ عوام میں تبلیغ کرتے رہتے ہیں کہ جو امارت کے احکام نہ مانے گا اس کی موت جہالت وگمراہی اور کفر کی موت ہوگی، کیا یہ درست ہے؟

۲......(الف) امیر وامارت کا قائم کرنا فرض ہے یا واجب؟

(ب) اس کا قیام کیسے ملک میں ہو سکتا ہے؟

(ج) اس غلام ملک ہندوستان میں اس کا قائم کرنا کیسا ہے واجب یا فرض؟

(د) یہ جلیل القدر جمعیۃ العلماء، علمائے دیوبند اور دیگر علماء کرام جنہوں نے ہندوستان میں امارت قائم نہیں کی وہ خاطی، عاصی، گنہگار ہیں یا نہیں؟

(ز) اور ان کی موت بغیر قیامِ امارت واطاعت امیر شریعت کی نظر میں کیسی ہوگی؟

(س) امیر بنانے کی غرض وغایت کیا ہے اور وہ ہندوستان میں کما حقہ پوری ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(ص) امیر کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں؟

(ط) ایک فاسق وفاجر کا امیر ہونا اور اس کی اطاعت بشرطیکہ اس سے معصیۃ اللہ نہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟

۳......ایک ایسا شخص جو ایک خانقاہ کا سجادہ نشین ہے اور صوم وصلوۃ کا پابند بھی ہے مگر اپنی خانقاہ میں راہبوں کی طرح گوشہ نشین ہے، چلنے پھرنے کی طاقت کے باوجود بھی شادی غمی، اپنے پرائے میں شریک نہیں ہوتا اور اپنی خانقاہ میں مجلسِ رقص وسرود بھی حال وقال کی مجلس منعقد کرتا ہے، ہر سال مقررہ وقت پر عرس واعراس کیا کرتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں مرد وعورت کا اجتماع ہوتا ہے، قبروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں ان پر سجدہ کیا جاتا ہے اور بوسہ دیا جاتا ہے، صاحب قبر سے حاجتیں اور مرادیں مانگی جاتی ہیں، مرد وعورت کے باہمی

اجتماع سے طرح طرح کی بدعنوانیاں اور بے ہودگیاں ہوتی ہیں مگر سجادہ نشین مذکوران تمام خبروں کا علم رکھتے ہوئے اور روکنے ومنع کرنے کی قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود نہ ان چیزوں کو روکتا ہے اور نہ لوگوں کو ان باتوں سے منع کرتا ہے۔ لہذا

۱- ایسے شخص کے متعلق شریعتِ حقہ کا کیا حکم ہے؟

۲- اور ایسا شخص مسلمانوں کا امیر ہوسکتا ہے؟

۴..... حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید کی امارت کا قبول کرنا جائز تھا یا نہیں؟

۵..... اگر بغیر امیر لوگوں کی موت جہالت کی موت ہے جیسا کہ امارت کے مبلغین صاحبان کہا کرتے ہیں تو پھر دو سو برس سے اس وقت تک مرنے والوں کی موت کیسی موت ہوئی اور پھر ان کا حشر کیا ہوگا، شرعاً کیا ہے؟ آگاہ فرمادیں۔

المستفتی محمد اظہار ہاشمی انجمن امداد المسلمین قصبہ ماڑہ ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... امارتِ مذکورہ کے حالات کی مجھے تحقیق نہیں نہ اس کے ارکان سے تعارف وواقفیت، اصول و ضوابط اور قیام کی تشکیل کا حال بھی کچھ معلوم نہیں، تاوقتیکہ پوری تشکیل سامنے موجود نہ ہو کوئی رائے قائم کرنا دشوار ہے، تاہم آپ کے سوالات کا تعلق جہانتک شریعت سے ہے ان کا جواب تحریر ہے۔

۱..... امیرِ جماعتِ شرعیہ کی اطاعت کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے اور جو شخص جماعت سے مخالفت کرے اس کی موت کو جاہلیت کی موت فرمایا گیا ہے۔ کذا فی مشکوۃ المصابیح، مرقاۃ، ص: ۳۱۹ (۱)۔

---

(۱) "وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: " من رآى من أميره شيئاً يكرهه، فليصبر، فإنه ليس أحد يفارق الجماعة شبراً فيموت، إلا مات ميتةً جاهليةً". متفق عليه". "وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم: يقول: "من خرج من الطاعة وفارق الجماعة، فمات مات ميتةً جاهليةً". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، ص: ۳۱۹، قديمي)

۲...... (الف) مسلمانوں کو اپنا ایک امام مقرر کرنا واجب بلکہ اہم واجبات سے ہے(۱)۔

(ب) جیسے ملک میں قدرت ہو۔

(ج) اگر قدرت ہوتو واجب ہے۔

(د) ان کو قدرت ہے یا نہیں (۲)۔

(ز) امام قائم ہونے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے پر جو وعید ہے کیا امام قائم نہ کرنے پر بھی وعید ہے؟

(س) اس کا جواب (ص) میں ہے۔

(ص) "والمسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم، وإقامة حدودهم، وسد ثغورهم، و تجهيز جيوشهم، وأخذ صدقاتهم، و قهر المتغلبة والمتلصصة و قطاع الطريق، وإقامة

= قال القاري رحمه الله تعالى: " قال الطيبي: الميتة والقتلة بالكسر الحالة التي يكون عليها الإنسان من الموت أوالقتل، والمعنى أن من خرج عن طاعة الإمام وفارق جماعة الإسلام وشذعنهم، وخالف إجماعهم، ومات على ذلك، فمات على هيئةٍ كان يموت عليها أهل الجاهلية؛ لأنهم ماكانوا يرجعون إلى طاعة أمير، فلا يتبعون هدى إمام، بل كانوا مستنكفين عنها، مستبدّين في الأمور، لايجتمعون في شئ، ولا يتفقون على رأى". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۷/۲۵۰، رقم الحديث: ۳۶۶۸، رشيديه)

(۱) "والمسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم، وإقامة حدودهم، و سد ثغورهم، و تجهيز جيوشهم اهـ". (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۰۶، سعيد كراچى)

(وكذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۴۸، سعيد)

(وحجة الله البالغة، أبواب سياسة المدن: ۲/۳۹۴، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾. (البقرة: ۲۸۶)

قال الجصاص في تفسير هذه الآية: "فيه نص على أن الله تعالىٰ لا يكلف أحداً ما لا يقدر عليه ولا يطيقه .... فهذا حكم مستمر في سائر أوامر الله و زواجره و لزوم التكليف فيها على ما يتسع له و يقدر عليه". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۷۳۳، قديمى)

الجُمَع والأعياد، وقطع المنازعات الواقعة بين العباد، وقبول الشهادات القائمة على الحقوق، و تزويج الصغار والصغائر الذين لاأولياء لهم، وقسمة الغنائم. ثم ينبغي أن يكون الإمام ظاهراً لا مختفياً و لامنتظراً، و يكون من قريش، ولا يجوز من غيرهم"۔ شرح عقائد نسفی، ص: ۲۰۵(۱)۔

"الإمام الحق هو الذي استجمع شرائط خمسةً للإمامة من الإسلام والحرية والعقل والبلوغ والعدالة، و صار إماماً ببيعة جماعة من المسلمين وهم رضوابإمامته وهو يريد بإعلاء كملة الإسلام ومعونة المسلمين، و يؤمن به دمائهم وأموالهم و فروجهم، ويأخذ العشر والخراج على الوجه المشروع، ويعطي العلماء والخطباء والقضاة والمفتين والمدرسين والمتعلمين والحافظين وغير ذلك من بيت المال، و يكون عدلاً مؤمناً مشفقاً على المسلمين، و من ليس كذلك فهو ليس بإمام حق، فلا يجب إعانته"۔ منہاج(۲)۔

"ونصبه أهم الواجبات: أي من أهمها لتوقف كثير من الواجبات الشرعية عليه (قوله قادراً): أي على تنفيذ الأحكام وإنصاف المظلوم من الظالم وسد الثغور و حماية البيضة وحفظ حدود الإسلام، و جر العساكر"۔ رد المحتار (۳)۔

(ط) فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے تاہم اگر وہ امام بن جاوے تو اس کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے:

"وعند الحنفية ليست العدالة شرطاً للصحة، فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهةاهـ". رد المحتار، ص: ۱/۳٦۸(٤)۔

۳......ان میں سے بعض امور صغیرہ گناہ ہیں اور بعض کبیرہ اور بعض شرک (۵)۔

---

(۱)(شرح العقائد النسفيه، ص: ۱۰٦، سعيد)

(۲) (لم اجد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۴۸، سعيد)

(۴) (رد المحتار، مطلب شروط الإمامة الكبرى : ۱/۵۴۰، سعيد)

(۵) "في الأحكام عن الحجة : تكره الستور على القبور". (رد المحتار، مطلب في دفن الميت : ۲/۲۳۸ سعيد) =

۱-ایسا شخص جو کہ معاصی کے روکنے پر قادر ہو اور پھر بلا عذر شرعی نہ روکے وہ گنہ گار ہے خواہ سجادہ نشین ہو خواہ کوئی اور، ہر شخص کے ذمہ حسب وسعت وحیثیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے(۱)۔

۲-اس کا جواب (ط) میں آ گیا ہے۔

۴......وہ جو کچھ اس وقت جائز سمجھتے تھے وہی انہوں نے کیا۔

= "لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، و اتخاذ السرج والمساجد إليها، و من الاجتماع بعد الحول كالأعياد و يسمونه عرساً". (التفسير المظهري: ۲/۶۵، حافظ كتب خانه)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبياء هم مساجد". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلوة، ص: ۶۹، قديمي)

قال القاري تحت هذا الحديث: "سبب لعنهم إما لأنهم كانوا يسجدون لقبور أنبياء هم تعظيماً لهم وذلك هو الشرك الجلي، و إما لأنهم كانوا يتخذون الصلاة في مدافن الأنبياء والسجود على مقابرهم، والتوجه إلى قبورهم حالة الصلاة نظراً منهم بذلك إلى عبادة الله والمبالغة في تعظيم الأنبياء، وذلك هو الشرك الخفي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلوة ۲/۴۱۵، ۴۱۶، بيروت)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، ص: ۴۳۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

قال النووي تحت هذا الحديث: "قال العلماء: و لا يسقط عن المكلف الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لكونه لا يفيد في ظنه بل يجب عليه فعله، فإن الذكرىٰ تنفع المؤمنين .... ثم انه إنما يأمر و ينهي من كان عالماً بما يأمر به وينهي عنه، و ذلك يختلف باختلاف الشيء، فإن كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلاة والصيام و الزنا والخمر و نحوها، فكل المسلمين علماء بها، وإن كان من دقائق الأفعال والأقوال و مما يتعلق بالاجتهاد و لم يكن للعوام مدخل فيه و لا لهم إنكاره، بل ذلك للعلماء". (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/۵۱، قديمي)

۵......امامِ شرعی موجود ہواور پھر بلا وجہ شرعی کوئی اس کی مخالفت کرے اور بیعت نہ کرے اس کے لئے یہ وعید ہے اور جبکہ امام شرعی موجود نہ ہو تو اس وقت یہ وعید نہیں، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے فتاویٰ عزیزی: ۲/ ۷۷، میں اسکی تصریح ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۴/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۴/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۴/۶۳ھ۔

امیر المومنین

سوال[۱۶۹۲]: ۱......موجودہ حالات میں اگر کسی صوبہ کا مسلمان اپنا کوئی امیر منتخب کرلیں تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی جب کہ اس کے پاس کوئی قوتِ نافذہ اجرائے احکام وفرامین کیلئے موجود نہیں ہے۔ کیا ایسا امیر ہر مسلمان کے لئے شرعی حیثیت سے واجب الاطاعۃ ہے اور کیا ہر ایک مسلمان کو شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی رو سے ایسے امیر کے احکام وفرامین کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی ضروری ہے؟

۲......جن صوبوں کے مسلمانوں نے کسی امیر کے ماتحت زندگی نہیں گذاری ہے اور بغیر نصب امیر کے اس ملک میں مرگئے، کیا وہ سب: "مات میتۃ جاھلیۃ" کی وعید کے تحت آتے ہیں یا نہیں؟

۳......کیا موجودہ حالات میں کسی صوبہ کے منتخب شدہ امیر کی شرعاً وہی حیثیت ہوگی جو کہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کی نافرمانی کرنے والوں کیلئے ہیں؟

العارض: محمد فاروق الحسینی غفرلہ، ناظم جمعیۃ علماء بہار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ اہلِ اسلام کے معاملات کا نظم ونسق ایک مرکز سے وابستہ ہو اور اس پر سب متفق رہیں اور اپنے معاملات کچہریوں میں لیجانے کے بجائے شریعت کی روشنی میں حل کرایا کریں، اس مرکز کی شاخیں جگہ جگہ قائم ہوں اور سب کو مرکز ہدایات دے، نگرانی کرے اور اس مرکز کو پورا اقتدار پوری قوت حاصل

---

(۱) "ومعنی" معرفت وجوب اطاعت است درصورت وجود وتحذیر از منازعت ومخالفت......... وبعضے صحابہ کہ با خلفائے وقت خود بیعت نکردہ اند وتوقف نمودہ اند قبل از انعقاد، وتسلط آنہا بود فقط"۔ (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۲/ ۷۹، اردو: ۴۱۴، سعید)

ہو، اگر اس طرح اجتماعی ایک مرکز نہ بن سکے تو ہر صوبہ میں جداگانہ مرکز بنالیا جائے اور صوبہ کے مختلف مقامات میں حسبِ ضرورت اس کی شاخیں قائم کردی جائیں، ایک صوبہ کو دوسرے صوبہ سے خیر خواہانہ اور ہمدردانہ تعلق ہو، حریفانہ اور رقیبانہ نہ ہو، جس مرکز پر سب متفق ہو کر عہد کرلیں اسکی پابندی حدودِ شرع کے ماتحت لازم ہوگی، عہد شکنی کی اجازت نہ ہوگی، اس کے فیصلوں کو تسلیم کرنا ہوگا، اگر کوئی فیصلہ خلاف شرع ہوگیا ہو اور اس میں چوک ہوگئی ہو تو اس پر نظر ثانی (اپیل) کی بھی اجازت ہوگی، ایسے مرکز کی موجودگی میں کوئی جداگانہ کمیٹی بنا کر اس سے فیصلہ کرانا غیر مستحق و مذموم ہوگا کہ اس سے انتشار و خلفشار پیدا ہوتا ہے اور ایسے مرکز کو نقصان پہونچتا ہے جس سے توقع ہوتی ہے کہ اللہ پاک اس کو اصل امارت کا ذریعہ بنادے اس بنا پر اس سے پورا تعاون کرنا لازم ہوگا۔

لیکن موجودہ حالات میں قوتِ منفذہ اور قوتِ قاہرہ موجود نہ ہونے کی بناء پر فی الحال اس کو خلافتِ اسلامیہ کی حیثیت حاصل نہ ہوگی اور اس کو امیر المؤمنین کا مقام حاصل نہ ہوگا، لہذا اگر کوئی شخص اس صوبہ کا باشندہ اپنا مقدمہ وہاں فیصل نہ کرائے کسی اور سے فیصل کرائے تو اس کو نہ باغی کہا جائے گا نہ خارجی، نیز اگر وہ فیصلہ حدودِ شرع کے موافق ہو تو اس کو غلط بھی نہ کہا جائے گا، باضابطہ خلافتِ اسلامیہ رہتے ہوئے بھی کسی حَکَم سے فیصلہ کرانا جرم نہیں ہے، البتہ تقابل کی صورت اختیار نہ کی جائے (۱)۔

جہاں کے مسلمان ایسے مرکز نہ بناسکیں نہ بنائیں، ان پر "مات میتة جاھلیة" کی وعید چسپاں کرنے سے قبل خود اس مقولہ کی تحقیق ضروری ہے۔

باوجودِ تتبع کے کتبِ حدیث میں من حیث المتن یہ مقولہ نہ مل سکا کہ اس کی سند دیکھ کر رفع، قطع، وصل، ارسال کی تحقیق کی جاتی، نیز رواۃ کی جرح وتعدیل کی بحث دیکھنے کا موقع ملتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "و یشترط أن یکون من أهل الولایة المطلقة الکاملة: أی مسلماً .... مالکاً للتصرف فی أمور المسلمین بقوة رأیه و رؤیته و معونة بأسه و شوکته قادراً بعلمه و عدله و کفایته و شجاعته علی تنفیذ الأحکام و حفظ حدود دار الإسلام وإنصاف المظلوم من الظالم". (شرح العقائد النسفیة، ص: ۱۰۹، ۱۱۰، سعید)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: " من رأی من أمیره شیئاً یکرہه فلیصبر، فإنه لیس أحدٌ یفارق الجماعة شبراً فیموت إلامات میتةً جاهلیةً" متفق علیه". .... =

امارتِ شرعیہ کے مقابلے میں ادارۂ شرعیہ

سوال[۱۶۹۳]: ادارۂ شرعیہ بہار کے نام سے پٹنہ میں ایک دینی ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کا ایک مقصد منجملہ دیگر مقاصد کے دارالقضاء کا قیام بھی ہے اور اس کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آج فتنۂ آشوب دور میں جب عفت و پارسائی ایک جنس نایاب ہوتی جارہی ہے، ہندوستان میں لاکھوں عورتوں کی ازدواجی زندگی خطرے کے نشانہ پر ہے، بہت سی عورتیں ایسی ہیں جن کے شوہر مفقود الخبر ہیں، بیشتر عورتیں معدومۃ النفقہ اور

= "(قوله : مات ميتة جاهلية): أى منسوبة إلى الجاهل في الدين .... والمعنى أنه من خرج عن طاعة الإمام وفارق جماعة الإسلام وشذ عنهم وخالف لجماعتهم ومات على ذلك فمات على هيئة كان يموت عليها أهل الجاهلية؛ لأنهم ماكانوا يرجعون إلى طاعة أمير فلا يتبعون هدى إمام، بل كانوا مستنكفين عنها مستبدين في الأمور لايجتمعون في شئي ولا يتفقون على رأى". (مرقاة المفاتيح: ۷/۲۵۰، رقم الحديث: ۳۶۶۸، كتاب الإمارة والقضاء، رشيديه)

"عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من كره من أميره شيئاً فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبراً مات ميتةً جاهليةً" (صحيح البخارى: ۲/۱۰۴۵، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : "سترون بعدى أموراً تنكرونها"، قديمى)

وفى عمدة القارى: "كموت أهل الجاهلية، حيث لم يعرفوا إماماً مطاعاً وليس المراد أنه يموت كافراً بل يموت عاصياً". (عمدة القارى: ۲۴/۲۶۵، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "سترون بعدى أموراً تنكرونها"، دارالكتب العلمية، بيروت)

"من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات، مات ميتةً جاهليةً". وقال النووى: على صفة موتهم من حيث هم فوضى لاإمام لهم. وفى الحاشية: قال فى منتهى الأرب: قوم فوضىٰ كسكرى گروه برابر كه ميانِ ايشان رئيس وبزرگ تر نباشد".

"وقوله عليه السلام : "ومن مات وليس في عنقه بيعة، مات ميتةً جاهليةً". (الصحيح لمسلم: ۲/۱۲۷، ۱۲۸، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين، قديمى)

"(ومن مات وليس فى عنقه بيعة): أى الإمام (مات ميتةً جاهليةً) وهو معنى ما اشتهر على الألسنة، وذكره السعد فى شرع العقائد من حديث: "من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتةً جاهليةً". (مرقاة المفاتيح: ۷/۲۵۷، كتاب الإمارة والقضاء، رقم الحديث: ۳۶۷۴، رشيديه)

مظلومہ معلقہ کی صورت میں ہیں، بہت سی عورتیں جن کے شوہر اپنے جنسی نقائص کے باعث وظیفۂ ادائیگی سے قاصر ہیں، کچھ عورتیں خیار بلوغ کے باوجود اپنے حق کے استعمال سے مجبور ہیں، اس طرح کی عورتوں کو بیک وقت دو طرح کی سنگین مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے: پہلی مصیبت تو نان نفقہ وسکنی اور زندگی کے دوسرے حوائج کی ہے اور دوسری سب سے عظیم مصیبت ان کی عفت وعصمت کا تحفظ ہے۔ پس ان حالات میں شدت کے ساتھ ضرورت مجبور کر رہی ہے کہ فقہ حنفی کی روشنی میں ان مظلوم عورتوں کے مسائل کا کوئی حل ضرور نکال دیا جائے۔ استفتاء ہذا کے ساتھ فقہ حنفی کی سولہ کتابوں کی مستند عبارتیں روانہ کی جارہی ہیں تفصیل درج ذیل ہے؟

۱- عبارت ۱، ۲، ۳، ۴، اس امر پر روشنی ڈالتی ہے کہ جب کسی ملک میں اسلامی نظامِ حکومت باقی نہ رہے تو وہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ان معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے جن میں مسلمان حاکم ہونے کی شرط ہے، ایک قاضی منتخب کرلیں، ایسے قاضی کا فیصلہ اس اصلاحی قاضی کے قائم مقام ہوگا جو سلطانِ اسلام کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔

۲- عبارت ۵، ۶، سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ ایلاء میں ایلاء کی مدت گذر جانے کے بعد منع حق کی وجہ سے عورت پر خود بخود طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے، پس جب عارضی منع حق طلاقِ بائن کا موجب ہوجاتا ہے تو معدومۃ النفقہ معلقہ مظلومہ وغیرہ صورتوں میں جہاں دائمی اور مستقل حق کا منع ہے وہاں بدرجہ اُولی تفریق کی اجازت ملنی چاہیے۔

۳- مسئلۂ تفریق میں احناف کے لئے سب سے بڑی دشواری قضاء علی الغائب کا مسئلہ ہے لیکن عبارت ۷، ۸، ۹، ۱۰، سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قضاء علی الغائب کے مسئلہ میں احناف کے یہاں دو روایتیں ہیں، ایک روایت قضاء علی الغائب کے قضاء کے جواز بھی ہے اور اسی کو اظہر الروایۃ کہا گیا ہے۔

۴- عبارت ۱۱، ۱۲، سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضاء علی الغائب کے نفاذ کا قول ہی قول مفتی بہ ہے اور خاص طور پر اس کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ مبسوط میں شمس الائمہ علامہ سرخسی اس کے ناقل ہیں۔

۵- عبارت ۱۳، ۱۴، مُظہر ہیں کہ علامہ سرخسی کی مبسوط کے خلاف کسی کتاب کی روایت قابلِ اعتماد نہیں، نیز یہ بھی مظہر ہے کہ موقعِ ضرورت میں قول ضعیف پر بھی اپنے مذہب کے خلاف عمل کرنا جائز ہے بلکہ حسن ہے۔

۶-عبارت ۱۵،۱۶،اس مدعا کے اثبات میں نہایت واضح ہے کہ اگر چہ قضاء علی الغائب احناف کے یہاں جائز نہیں لیکن ضرورت ومصلحت کے پیش نظر اگر قاضی غائب کے موافق یا خلاف فیصلہ صادر کرے تو وہ نافذ ہو جائے گا اگر چہ قاضی حنفی ہو،عبارت پندرہ میں اس قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے،عبارت ۱۶ میں ان اقوال کا جو قضاء علی الغائب کے عدم جواز سے متعلق ہیں جواب دیا گیا ہے کہ قضاء علی الغائب کے جواز کا حکم ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے لہذا دونوں مسلکوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔اب مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں سوالوں کے شافی جوابات مرحمت فرمائیں۔

۱......آج کے ہندوستان میں جب کہ اسلامی حکومت کا فقدان ہے، حدود وقصاص وغیرہ کے علاوہ اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لئے جن میں مسلمان حاکم ہونے کی شرط لازمی ہے، اگر جمہورِ مسلمین کسی عالم باشرع کو اپنا قاضی مقرر کرلیں تو انھیں شرعاً یہ حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ نیز ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حدودِ خاص میں از روئے شرع جائز ونافذ ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگا تو عبارت ۱،۲،۳،۴، کا صحیح مفاد کیا ہے؟

۲......مفقود الخبر، معدومۃ النفقہ، عنین ومجنون، مظلومہ ومعلقہ اور خیار بلوغ والے مسائل میں مسلمانوں کے مقرر کردہ قاضی عورت کی درخواست پر زن وشوہر کے درمیان تفریق کرا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز مسلمانوں کا منتخب کردہ قاضی عند الضرورت شدیدہ غائب پر حکم نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرسکتا تو عبارت: ۵، سے لے کر: ۱۶، تک مفاد کیا ہے؟

۳......آج کے منتخب کردہ قاضی فریقین کے بیانات کی سماعت کے بعد اپنی صوابدید پر مقدمات کا فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوالات میں جن ضروریات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اوران کے علاوہ بھی بعض دیگر ضروریات ہیں جن کی وجہ سے مسلمان مردوں وعورتوں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے جس سے ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور قسم قسم کے مصائب ومعاصی میں ابتلا ہوتا ہے۔موجودہ عدالتوں میں جھوٹ بول کر رشوت دے کر جھوٹے گواہ پیش کر کے قانونی فیصلہ تو ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ بظاہر مصائب سے صاحب معاملہ کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے، مگر شرعی حل نہ ہونیکی بنا پر معاصی سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہوتی، اس لئے ضروری تھا کہ اس قسم کا نظام قائم کیا

جائے جس سے ایسے مسائل کا شرعی حل ہو سکے اور یہ نظام اہلِ علم، اہلِ دیانت، اہلِ تجربہ اور اہلِ فہم کے ہاتھوں میں ہو۔

الحمدللہ کہ صوبہ بہار میں مدت سے امارتِ شرعیہ قائم ہے وہاں اس قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہیں اور ذمہ دار حضرات بہت غور وخوض سے فقہ حنفی کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں ان کی شاخیں متعدد مقامات پر قائم ہیں، حکومت کی عدالتیں بھی ان کے فیصلے کو عامۃً تسلیم کرتی ہیں، ایسے مقدمات اور فیصلوں کی نظیریں کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ شرعی فتاوی کی تصدیق کے ساتھ عدالتوں نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے اور اپیل کی گنجائش نہیں دی، اس لئے تمام صوبہ کے کلمہ گو حضرات کو ضروری ہے کہ امارتِ شرعیہ میں اس قسم کے معاملات کو پیش کر کے شرعی فیصلہ کرایا کریں کہ اتحاد واتفاق کی قرآن پاک اور حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے، اس مقصد کے لئے مستقل علیحدہ ادارہ قائم کر کے اختلاف وشقاق کو ہوا دے کر کلمہ متفقہ منظمہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ مسلمانوں میں ایسے ہی بہت انتشار ہے اس سے زیادہ انتشار پیدا ہوگا (۱)۔

شرعی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے جو موجودہ مصائب پیش آرہے ہیں، غور کیا جائے تو ان کا بنیادی سبب ہی اختلاف وشقاق ہے، انگریز نے یہی پالیسی اختیار کی تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو، جیسا کہ ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے لکھا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ متحد ومتفق ہو کر ایک ہی مرکز (امارتِ شرعیہ) سے وابستہ رہنا چاہیے۔ واللہ الموفق لما یحب و یرضی۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۸ھ۔

عورت کی خلافت وامامت

سوال [۱۶۹۴]: زید اور عمر کے درمیان حسبِ ذیل گفتگو ہوئی، محاکمہ کیا جائے کہ کس کی بات صحیح

---

(۱) ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

قال ابن كثير رحمه الله تعالى: "أمرهم بالجماعة و نهاهم عن التفرقة، و قد وردت الأحاديث المتعددة بالنهي عن التفرق، والأمر بالاجتماع والائتلاف كما في صحيح مسلم ...... "إن الله يرضى لكم ثلاثاً...... وأن تعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۱۶، دار الفيحاء، دمشق)

ہے؟ یہ بھی واضح رہے کہ یہ دونوں ایک ہی مکتبہ فکر کے طالب علم ہیں۔

زید: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھا ہے کہ خلافت منعقد ہونے کی چند صورتیں ہیں: ایک صورت یہ بھی ہے کہ وقت کے سربرآوردہ بااثر لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور اس کو اپنا بڑا حاکم تسلیم کرلیں اور اس کی اطاعت کا عہد کرلیں تو وہ خلیفہ، امام، امیر، حاکم شرعی طور پر ہوجاتا ہے اور اس کی اطاعت لازم ہوجاتی ہے اور اس کی نافرمانی معصیت ہوتی ہے (۱) اور اس میں حضرت شاہ صاحب نے مرد وعورت کی تفریق نہیں کی، لہذا اگر کسی عورت کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے تو وہ بھی امیر وحاکم بن جائے گی اور اس کو امام و خلیفہ بنانا درست ہوگا۔ نیز قرآن کریم میں بلقیس کی سلطنت کا ذکر موجود ہے جو کہ ہمارے لئے حجت ہے، حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی سلطنت کو ختم نہیں فرمایا تھا۔

عمر: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ حکم مردوں کے لئے فرمایا ہے، مردوں اور عورتوں کی تفریق سے اس جگہ سکوت کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں، جب تک صراحت موجود نہ ہو، سکوت سے مسائل ثابت نہیں ہوتے، نیز بلقیس کی حکومت خود مختار اور مستقل نہیں تھی بلکہ وہ آج کل کی طرز پر جمہوری حکومت تھی جس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿یا أیها الملا أفتونی فی أمری ما کنت قاطعةً أمراً حتی تشهدون﴾ (۲)۔

وہاں جو کچھ فیصلہ ہوتا تھا وہ مشورہ سے ہوتا تھا، پھر اس حکومت سے استدلال غلط ہے۔

درخواست: زید اور عمر کی مذکورہ دلیلوں کے علاوہ قول صحیح کی دلیل بھی تحریر فرمادیں تو عین کرم ہوگا۔

(مفتی) رضاء الحق استاد دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ۔

الجواب و بیده أزمة الحق والصواب حامداً و مصلیاً و مسلماً:

زید اور عمر دونوں طالب علم ہیں یہ ناکارہ بھی طالب علم ہے پھر دونوں میں محاکمہ کیا کرے، اس کے لئے تو بڑی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے یہ عاجز خالی ہے، البتہ جس طرح دونوں اپنی اپنی رائے بتا کر طالب تصدیق وتوثیق ہوئے یہ ناکارہ بھی اپنی رائے لکھ رہا ہے، إن کان صوابا فمن الله تعالی وله الحمد

---

(۱) "انعقاد الخلافة بوجوه الخ". (حجة الله البالغة، أبواب سياسة المدن: ۲/۳۹۸، قديمي)

(۲) (النمل: ۳۲)

وإن كان خطاءً فمني و من الشيطن واستغفرالله العظيم، و أرجو منه الصواب۔

زید کا یہ قول کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کی تفریق نہیں کی، لہذا عورت کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے عورت بھی خلیفہ ہو جائے گی اور بااثر لوگوں کے لئے جائز ہوگا کہ عورت کو خلیفہ وامام بنالیں غلط ہے اور قلتِ مطالعہ کا نتیجہ ہے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کے شرائط میں بیان کیا ہے:

"واعلم أنه يشترط في الخليفة أن يكون عاقلاً و بالغاً، حراً، ذكراً، شجاعاً، ذا رأى و سمع و بصر و نطق، و ممن سلّم الناس شرفه و شرف قومه، و لا يستنكفون عن طاعته اهـ". حجة الله البالغة: ٢/٤٢٥(١)۔

جب خلیفہ کے لئے مرد ہونا بطورِ شرط صراحۃً ان کے کلام میں مذکور ہے تو اس جگہ کے سکوت کو صراحت پر ناطق وحاکم قرار دینا صحیح نہیں بلکہ حضرت مصنف-رحمہ اللہ تعالیٰ- کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جوان کے نزدیک غلط ہے۔

زید کی دوسری دلیل سلطنتِ بلقیس کا قرآن میں موجود ہونا ہے اور حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کا ان کی سلطنت کو ختم نہ کرنا ہے کہ اس کو برقرار رکھنا ہے، اگر سورہ نمل میں اس کا واقعہ سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو استدلال خود بخود ختم ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس نے ہدیہ بھیجا تا کہ وہ آزمائے کہ وہ دنیوی بادشاہ ہے کہ ہدیہ سے خوش ہوں گے یا نہیں مگر انھوں نے واپس کر دیا اور فرمایا:

﴿ولنأتينهم بجنود لا قِبَل لهم بها ولنخرجنهم منها أذلة وهم صاغرون﴾(٢)۔

اور اس کا تختِ شاہی اٹھوا کر منگوالیا تھا جس پر وہ سلطنت کرتی تھی:

﴿ولها عرش عظيم﴾ (٣)۔

بلقیس نے خود حاضرِ خدمت ہو کر اطاعت قبول کر لی تھی اور اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی

---

(١) (حجة الله البالغة، أبواب سياسة المُدن: ٢/٣٩٦، قديمي)

(٢) (النمل: ٣٧)

(٣) (النمل: ٢٣)

محل میں داخل کردیا گیا:﴿قیل لها ادخلی الصرح﴾ الآیة(۱) ﴿قالت رب إنی ظلمت نفسی وأسلمت مع سلیمان للّٰہ رب العالمین﴾ (۲)۔

شرائع من قبلنا حجت نہیں، بلقیس کی سلطنت بحالتِ کفر تھی:﴿إنها کانت من قوم کافرین﴾(۳) ﴿وجدتها و قومها یسجدون للشمس﴾(٤)۔

سلطنتِ فارس جب عورت کے سپرد کرنے کی خبر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئی تو فرمایا:"لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة اهـ". حجة اللّٰہ البالغة، ص: ٤٢٥(٥)، بحوالہ صحیح بخاری شریف(٦)۔

عمر کا یہ کہنا کہ بلقیس کی حکومت جمہوری طرز کی تھی خود مختار مستقل حکومت نہیں تھی، عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے جو کہ غلط ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿إنی وجدت امرأة تملکهم وأوتیت من کل شیء، و لها عرش عظیم﴾ (۷)۔

وہ مالکہ ملکہ تھی، لوازمِ سلطنت اس کے پاس تھا، اس کے پاس شاندار تختِ شاہی تھا جس پر وہ حکمرانی کرتی تھی جیسے شاہ جہاں کے پاس تخت طاؤس تھا، جمہوری حکومت کی یہ حیثیت وکیفیت کہاں ہوتی ہے۔

اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اور کہہ دیا کہ میں بغیر تمہارے مشورہ کے قطعی فیصلہ نہیں کرتی، اس مشورہ کے جواب میں ان درباریوں نے کہا کہ:

---

(۱) (النمل: ۴۴)

(۲) (النمل: ۴۴)

(۳)(النمل: ۲۴)

(۴) (النمل: ۲۴)

(۵) (حجة اللّٰہ البالغة، أبواب سیاسة المدن: ۲/۲۹۶، قدیمی)

(٦) (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم إلی کسری: ۲/۶۳۷، قدیمی)

(۷) (النمل: ۲۳)

﴿نحن أولوا قوة وأولوا بأس شديد والأمر إليكِ فانظري ماذا تأمرين﴾ (۱)۔

یعنی: ''ہماری کمزوری کا خطرہ دل میں نہ لانا، ہم بہت قوی اور مردانِ جنگ ہیں (لڑائی کی رائے ہوگی تو خوب لڑیں گے) آخری فیصلہ کن رائے آپ کی ہے''۔ خودمختار مستقل حکومت کی شان یہی ہوتی ہے فرعون کی حکومت تو خودمختار اور مستقل تھی اس کا دعوی تو یہاں تک تھا: ﴿أنا ربكم الأعلى﴾ (۲)۔

اس نے اپنے مخصوص درباریوں سے کہا تھا:

﴿قال للملاء حوله إن هذا لساحر عليم، يريد أن يخرجكم من أرضكم بسحره، فما ذا تأمرون﴾ (۳)۔

یہ بھی مشورہ ہی تھا جس میں اس کو آمر بنایا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی مشورہ کا حکم دیا گیا: ﴿و شاورهم في الأمر﴾ پھر خود مختاری کو بھی بتادیا گیا: ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ (۴)۔

خلاصۂ واقعہ

حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی سلطنت انسانوں، جنات اور جانوروں پر تھی، ایک مرتبہ لشکر کا جائزہ لیا اور کسی مصلحت سے پرندوں کی حاضری لی جن میں ہدہد نظر نہیں پڑا، فرمایا: ''ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ پرندوں کے جھرمٹ ہی میں ہے یا غیر حاضر ہے) اس غیر حاضری پر اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح ہی کرڈالوں گا الا یہ کہ وہ کوئی عذر معقول پیش کرے۔ بس اتنے ہی میں ہدہد نے عرض کیا کہ میں قومِ سبا کے پاس سے ایسی یقینی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس پہلے سے نہیں تھی، میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو ملکہ ہے اور اس کے پاس لوازمِ سلطنت ہیں اور اس کے پاس بڑا قیمتی شاندار تخت ہے جس پر وہ سلطنت اور حکمرانی کرتی ہے اور وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے''۔

---

(۱) (النمل: ۳۳)

(۲) (النازعات: ۲۴)

(۳) (الأعراف: ۱۱۰)

(۴) (آل عمران: ۱۵۹)

حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ''ہم تحقیق کرتے ہیں کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ''، ایک خط تحریر فرما کر اس کو دیا کہ ''یہ اس کے پاس پہونچادے پھر وہاں سے ہٹ جا، پھر دیکھ وہ اور اس کے ارکان سلطنت کیا جواب دیتے ہیں''۔ ہدہد نے وہ خط اس کے سینہ پر رکھ دیا جب کہ وہ اپنے محل میں آرام کر رہی تھی اس کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور درباریوں سے اس پُرشکوہ خط کا تذکرہ کر کے مشورہ طلب کیا، خط میں تھا کہ ''میرے مقابلہ میں سرکشی مت کرو بلکہ اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو کر حاضر ہو جاؤ۔ درباریوں نے کہا ہم بڑی قوت والے اور مردانِ جنگ ہیں رائے ہو گی تو خوب لڑیں گے، آخری اور فیصلہ کن رائے آپ کی ہے، اس نے کہا بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ جب کسی بستی میں لڑتے ہوئے پہونچتے ہیں تو وہاں کے باعزت لوگوں (امیروں وزیروں) کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ بلقیس نے کہا میں ان کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں معلوم ہو جائے گا کہ وہ لالچی ہیں یا نہیں؟ جب اس کے قاصد ہدیہ لے کر آئے تو حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تمہارا مال تم ہی کو مبارک میرے مالک نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تم کو دیا، واپس لے جاؤ، ہم ایسے لشکر کے ذریعہ چڑھائی کریں گے کہ ملکہ اور اس کے ارکانِ سلطنت مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو ذلیل وخوار کر کے نکال دیں گے''۔

اپنے درباریوں کو فرمایا کہ ''ان کے فرمانبردار ہو کر حاضر ہونے سے پہلے بلقیس کا تخت کون میرے پاس لے آئے گا''، ایک عفریت جن نے کہا میں لاتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، دوسرے نے کہا میں پلک جھپکنے سے پہلے لاتا ہوں، چنانچہ دیکھا کہ تخت آ گیا حالانکہ بلقیس ابھی تک نہیں آئی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے تخت کی ہیئت کو متغیر کرادیا آزمائش کے لئے کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں، پھر اس سے پوچھا کہ تیرا تخت ایسا ہی ہے اس نے کہا یہ تو بالکل ویسا ہی ہے، پھر بلقیس سے کہا گیا کہ شاہی محل میں حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے حرم سرا میں داخل ہو جاؤ، وہ مطیع وفرمانبردار ہو کر داخل ہو گئی تو وہاں محسوس ہوا کہ پانی کا حوض ہے اس لئے کپڑا پنڈلیوں سے اوپر چڑھا لیا تو اس کو بتایا گیا کہ یہ پانی نہیں بلکہ شیشے کا فرش ہے تب اس نے کہا:

﴿إني ظلمت نفسي وأسلمت مع سليمان لله رب العالمين﴾(۱)۔

---

(۱) (النمل: ۴۴)

اس عاجز و ناقص نے جو کچھ قرآن کریم، حدیث شریف، فقہ، کلام سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جو امور، استعلاء، استیلاء، اعلان، شوکت سے متعلق ہیں وہ مردوں کے سپرد ہیں، اس کے چند شواہد اس وقت تحریر ہیں:

۱- جتنے رسول آئے وہ سب مرد آئے، کسی عورت کو رسول نہیں بنایا گیا: ﴿وما أرسلنا قبلك إلا رجالا﴾ (۱)۔

۲- **اذان:** وأما أذان المرأة فلأنه لم ينقل عن السلف حين كانت الجماعة مشروعةً في حقهن، فيكون من المحدثات لا سيما بعد انتساخ جماعتهن، ولأن المؤذن يستحب له أن يشهر نفسه، و يؤذن على المكان العالي، و يرفع صوته، والمرأة منهية عن ذلك كله اهـ". زیلعی: ۱/۹٤۔

"لم يشرع لهن الأذان و هو دعاء إلى الجماعة اهـ". زیلعی: ۱/۱۳۵ (۲)۔

اذان کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو بآوازِ بلند اعلان واعلام کر دیا جائے کہ نماز کے لئے چلو، جہاں تک آواز جائے گی حجر و مدر گواہی دیں گے، شیطان بری حالت میں بھاگے گا (۳)۔

---

(۱) (سورة الأنبياء: ۷)

(۲) (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، باب الأذان: ۱/۹۴، امدادیہ ملتان)

قال في البحر: "وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنها يؤدي إلى الفتنة". (باب الأذان: ۱/۴۵۸، بیروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا نودي للصلوة أدبر الشيطان له ضراط لا يسمع التأذين". الحديث.

"عن عبد الرحمن .... عن أبيه أنه أخبره أن أبا سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال له: إني أراك تحب الغنم والبادية، فإذا كنت في غنمك أو باديتك فأذنت للصلوة، فارفع صوتك بالنداء، فإنه لا يسمع مدى صوت المؤذن جن و لا إنس و لا شيءٌ إلا شهد له يوم القيامة، قال أبو سعيد: سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخاري: ۱/۸۵، ۸۶، باب فضل التأذين، و باب رفع الصوت بالنداء، كتاب الأذان، قديمي)

۳-اقامت: اس کا مقصد اعلامِ حاضرین ہے، كما في السعايه(۱) کہ وظیفۂ تسبیح وغیرہ موقوف کر کے جماعت کی شرکت کے لئے آجاؤ، گواس میں اذان کی طرح بلند آواز اور بلند جگہ کی ضرورت نہیں تاہم اس میں بھی اعلان واعلام کی شان ہے، یہ بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے۔

۴-خطبہ جمعہ: محلہ بلکہ بستی کے لوگ ہفتہ میں ایک دن جمع ہوکر نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں اس کے لئے خطبہ شرط ہے، سب کے سامنے منبر پر آکر خطبہ دینا مردوں کے لئے مخصوص ہے، عورتوں کو اس کا حق نہیں: ''أما الخطيب، فيشترط فيه أن يتأهل للإمامة في الجمعة اهـ''. بحر: ۱/۱٤٨(۲)۔

۵-خطبۂ عیدین: بستی اور اس کے ملحقات کے لوگ جمع ہوکر جبانہ آبادی سے باہر کھلے میدان میں نمازِ عیدین ادا کرتے ہیں، بعد نماز خطبۂ مسنون ہے وہ بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے: ''شرائط الجمعة وجوباً و صحةً شرائط للعيد إلا الخطبة اهـ''. بحر: ۱/۱۵۸ (۳)۔

۶-امامتِ رجال: عورت کو امام بنا کر اس کے اقتداء میں مرد نماز پڑھیں تو یہ درست نہیں: ''و فسد اقتداء رجل بامرأة اهـ'' بحر: ۱/۳۵۵ (٤)۔

۷-محاذاۃ: اگر شوہر نماز پڑھائے اور بیوی اس کے اقتداء میں برابر کھڑی ہو جائے تو دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا مقام مرد کے برابر نہیں بلکہ مرد کے پیچھے ہے اس نے اپنے مقام سے تجاوز کیا ہے: ''وفي فتاوى قاضي خان: ''المرأة إذا صلّت مع زوجها في البيت إن كان قدمها بحذاء قدم

---

(۱) وفي السعاية: ''لم يشرع تكرار الإقامة، لأنها لإعلام الحاضرين''. (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: ۲/۳۲، كتاب الصلوة، باب الأذان، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(هكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۷، سعيد)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصلاة باب صلوة العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱٦٦، سعيد)

(۴) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۲۸، رشيديه)

في رد المحتار: ''ولا يصح اقتداء رجل بامرأة .... مطلقاً''. (باب الإمامة: ۱/۵۷۲، سعيد)

الزوج، لا تجوز صلوتهما بالجماعة. و فی المحیط: إذا حاذت إمامها فسدت صلوة الکل، واستدل بحدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "أخروهن من حیث أخرهن اللہ". والبسط فی البحر: ۱/۳۵۴(۱)۔

۸- استخلاف: اگر کسی امام نے نماز میں عورت کو اپنا خلیفہ بنا دیا تو امام کی اور اس کی سب مقتدیوں کی خواہ مرد ہوں یا عورت اور اس عورت کی جس کو خلیفہ بنایا ہے سب کی نماز فاسد ہو جائے گی:

"إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلوة الکل اھ". درمختار، ص: ۳۸۰ (۲)۔

۹- ولایتِ نکاح: بچہ بحالتِ حمل کم وبیش نو ماہ شکمِ مادر میں رہتا ہے پھر دو برس وہ اس کو خونِ جگر (دودھ) پلاتی ہے اور اس کی تمام ضروریات پوری کرتی ہے، اس کے باوجود ولایتِ نکاح باپ کو حاصل ہے: "والولایة تنفیذ القول علی الغیر شاء أو أبی اھ" (۳)۔

"الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلاتوسط انثیٰ اھ". در مختار: ۱/۳۱۱(٤)۔

۱۰- گھوڑے پر سوار ہونا: اظہارِ شوکت وجلادت کے لئے گھوڑے پر سوار ہونا مردوں کا حق ہے، عورت کا حق نہیں: "لعن اللہ الفروج علی السروج اھ" فتح القدیر (۵)۔

۱۱- امیرِ سریہ: حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ جہاد کے جماعتوں کو بھیجا، کبھی ان

---

(۱) (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۲۰، بیروت، رشیدیه)

(أنظر أیضاً فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، فصل فیمن یصح الاقتداء به و من لایصح الخ: ۱/۹۵، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵٦۵، سعید)

(أنظر أیضاً الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل فی الاستخلاف: ۱/۹۵، رشیدیه)

(۳) (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۵۴، سعید)

(۴) (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۷٦، سعید)

(۵) قال علی القاری: "لا أصل له" (الموضوعات الکبری، ص: ۲۸۲، المکتبة الأشرفیه پاکستان)

کا امیر کسی عورت کو نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مردوں کو امیر بنایا ہے(۱)۔

۱۲- **نائب:** متعدد مرتبہ بنفس نفیس جہاد میں تشریف لے گئے اور اپنی طرف سے اپنا نائب مدینہ طیبہ میں مردوں کو بنایا، کبھی کسی عورت کو نہیں بنایا(۲)۔

۱۳- **امیر الحج:** حج کے لئے جب جماعتیں گئیں تو امیر الحج کبھی کسی عورت کو مقرر نہیں فرمایا(۳)۔

۱۴- **ختم معاہدہ کا اعلان:** مشرکین کا معاہدہ ختم اور ان کو بحالتِ شرک حج سے ممانعت کا اعلان کرنے کے لئے عورت کو تجویز نہیں فرمایا بلکہ مردوں کو تجویز فرمایا(۴)۔

۱۵- **صلح نامہ:** مقابل فریق سے صلح و جنگ کی گفتگو کے لئے عورت کو منتخب نہیں فرمایا بلکہ مردوں کے ذریعہ اس کی تکمیل کی گئی(۵)۔

---

(۱) "أمّر رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم في غزوة موتة زيدبن حارثة، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم: "ان قُتِل زيد فجعفر، وإن قُتل جعفر فعبد الله بن رواحة رضي الله تعالیٰ عنه......... اهـ". (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب غزوة موته: ۲/۶۱۱، قديمی)

(۲) بلکہ اس پر نکیر فرمائی ہے: "لمّا بلغ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى، قال: "لن يفلح قوم و لّوا أمرهم امرأةً". (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب كتاب النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إلى كسرى: ۲/۶۳۷، قديمی)

(۳) "عن حميد بن عبدالرحمن أن أبا هريرة أخبره أن أبا بكر الصديق رضي الله تعالیٰ عنه بعثه في الحَجة التي أمّره عليها رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قبل حجة الوداع اهـ". (صحيح البخاری، كتاب المناسك، باب لا يطوف بالبيت الخ : ۱/۲۲۰، قديمی)

(۴) "قال أبو هريرة رضي الله تعالیٰ عنه فأذن معنا عليٌّ في أهل منى يوم النحر: لا يحج بعد العام مشرك، و لا يطوف بالبيت عريان". (صحيح البخاری، كتاب الصلوة، باب مايستر من العورة: ۱/۵۳، قديمی)

(۵) "عن أبي سعيد الخدری رضي الله تعالیٰ عنه قال: لما نزلت بنو قريظة على حكم سعد بن معاذ، بعث رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، فجاء على حمار، فلما دنى، قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "قوموا إلى سيدكم". فجاء فجلس، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن هؤلاء نزلوا على حكمك" قال: فإني أحكم أن تقتل المقاتلة وأن تسبى الذرية، قال: قال: "لقد حكمت فيهم =

۱۶- **مرد قوام ہیں:** عورتوں کی تادیب، تہذیب، حمایت، حفاظت مردوں کے ذمہ ہے ان کے رہنے کیلئے مکان اور کھانے پینے پہننے کا انتظام لازم ہے تاکہ ان کو گھر سے نکلنے کی ضرورت پیش نہ آئے: ﴿الرجال قوامون على النساء﴾ (۱)۔ "فدلت الآية على معان: أحدها: تفضيل الرجال على المرأة فى المنزلة، وأنه هو الذى يقوم بتدبيرها و تأديبها، و هذا يدل على أن له إساكنها فى بيته و منعها من الخروج وأن عليها طاعته و قبول أمره مالم يكن معصيةً، ودلت على وجوب نفقتها عليه، و بما أنفقوا من أموالهم اهـ". أحكام القرآن: ۲/۲۲۹ (۲)۔

۱۷- **تشبہ:** جو امور مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے جیسا کہ اس کے عکس میں ہے: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال"۔ رواه البخارى اهـ". مشكوة شريف، ص: ۳۸۰ (۳)۔

۱۸- عورت کی امارت پر وعید:

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كان أمرائكم خياركم، وأغنياء كم سمحائكم، وأموركم شورىٰ بينكم، فظهر الأرض خيرٌ لكم من بطنها. وإذا كان أمرائكم شراركم، وأغنياء كم بخلائكم، وأموركم إلى نساء كم، فبطن الأرض خيرٌ لكم من ظهرها"۔ رواه الترمذى، وقال: هذا حديث غريب". مشكوة شريف: ۳۵۹ (٤)۔

= بحكم الملك". وفى رواية: "بحكم الله". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، باب فى حكم الأسراء، ص: ۳۴۴، قديمى)

(۱) (النساء: ۳۴)

(۲) (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۶۷، قديمى)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الترجل، ص: ۳۸۹، قديمى)

(وصحيح البخارى، كتاب اللباس، باب لعن الله الخ: ۲/۸۷۴، قديمى)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الإنذار والتخويف، ص: ۴۵۹، قديمى)

(وجامع الترمذى، كتاب الفتن: ۲/۵۲، سعيد)

۱۹-حق تعزیر: عورت کی بے راہروی پر مرد کو حق تعزیر حاصل ہے، اس کی بہت سی مثالیں فقہاء نے لکھی ہیں چند یہ ہیں:

"ومنه: ماإذا شتمه أو مزقت ثيابه أو أخذت لحيته أو قالت له: يا حمار يا أبله!، أو لعنته سواء شتمها أو لا على قول العامة. ومنه: ما إذا شتمت أجنبياً، و منهماإذا كشفت وجهها لغيرمحرم أوكلمت أجنبياً أو تكلمت عامداً مع الزوج أو شاغبت معه يسمع صوتها الأجنبى اهـ". بحر: ٥/٥٤٩ (١)۔

۲۰-خلیفہ اور امام کی ذمہ داریاں: کتبِ فقہ اور کلام میں اتنی بات بیان کی گئی ہیں کہ عورت کے قابو سے باہر ہیں شرعی حدود کو قائم رکھتے ہوئے وہ ان کو پورا نہیں کرسکتی:

"هى استحقاق تصرف عام على الأنام، و تحقيقه فى علم الكلام، و نصبه أهم الواجبات، فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات، ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاًقادراً قرشياً لا هاشمياً علوياً معصوماً اهـ". در مختار (٢)۔

"قال فى العقائد النسفية (٣): "والمسلمون لابد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم، وإقامة حدودهم، و سد ثغورهم، و تجهيز جيوشهم، وأخذ صدقاتهم، وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق، وإقامة الجُمُع والأعياد، وقبول الشهادة القائمة على الحقوق، و تزويج الصغار والصغائر الذين لا أولياء لهم، و قسمة الغنائم اهـ". رد المحتار: ١/٣٦٨ (٤)۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فى التعزير: ٥/٤٢، بيروت، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے: (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٧٧، سعيد)

(والنهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فى التعزير: ٣/١٧٣، بيروت)

(٢) (الدر المختار، باب الإمامة: ١/٥٤٨، سعيد)

(٣) (شرح العقائد النسفيه، ص: ١٠٢، سعيد)

(٤) (رد المحتار، باب الإمامة: ١/٥٤٨، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (حجة الله البالغة، أبواب سياسة المُدن: ٢/٣٩٦، قديمى)

"الخلافة ثابتة والإمارة قائمة مشروعة واجبة على الناس الخ". (تمهيد أبى الشكور، الباب الحادى عشر فى الخلافة والإمارة، ص: ١٧٢)

اگر خلعت امارت وامامت کے لئے عورت کا قد وقامت زیبا ہوتا تو کبھی تو اس کو اس سے شرف بخشا جاتا مگر وہ تو مخلوق ہی تابع اور محکوم بنا کر ہوئی۔

تنبیہ : اگر کسی مجبوری کی حالت میں کسی وقت میں ایک یا متعدد عورتیں خدمت کے لئے لڑائی کے موقع پر پہونچ گئیں اور ان کو واپس کرنا اس وقت خلاف مصلحت تھا تو اس کو ضابطہ کلیہ نہیں بنایا جائے گا مجبوری ومعذوری کے احکام مستثنیٰ ہوتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ،نزیل جوہانسبرگ جنوبی افریقہ،یکم/ربیع الثانی/۱۴۱۰ھ۔

عربی عبارات کا ترجمہ :

۱:''بلقیس نے کہا اے اہل دربار! تم مجھ کو اس معاملہ میں رائے دو، میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو''(بیان القرآن)

۲: ''اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور اگر خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور عظمت والے اللہ ہی سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اسی سے صواب کی امید رکھتا ہوں۔

۳:''اور جان لے کہ خلیفہ میں شرط ہے کہ وہ عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، بہادر ہو، ذی رائے ہو، سننے، دیکھنے، بولنے والا ہو اور لوگ اس کی اور اس کی قوم کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی اطاعت سے ناک منہ نہ چڑھاتے ہوں''۔(حجۃ اللہ البالغۃ)

۴:''سو ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکالدیں گے اور وہ ماتحت ہو جاویں گے''۔(بیان القرآن)

۵:''اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے''۔(بیان القرآن)

۶:''بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو تو جب اس کا صحن دیکھا تو اس کو پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں، سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے، بلقیس کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی''۔(بیان القرآن)

۷:''وہ کافر قوم میں سے تھی''۔(بیان القرآن)

۸:''میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے اور ان کو راہ سے روک رکھا ہے سو وہ راہ پر نہیں چلتے''۔(بیان القرآن)

۹:وہ قوم فلاح یاب نہیں ہو سکتی جنہوں نے اپنے امر کا والی ایک عورت کو بنالیا(حجۃ اللہ البالغۃ) .... =

....

۱۰: ''میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کا سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے''۔ (بیان القرآن)

۱۱: ''ہم بڑے طاقت ور اور بڑے لڑنے والے ہیں اور اختیار تم کو ہے، سو تم ہی دیکھ لو جو کچھ حکم دینا ہو''۔ (بیان القرآن)

۱۲: ''میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں''۔ (بیان القرآن)

۱۳: ''فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے، سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو''۔ (بیان القرآن)

۱۴: ''اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے''۔ (بیان القرآن)

۱۵: ''پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''۔ (بیان القرآن)

۱۶: ''اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ ہوکر رب العالمین پر ایمان لائی''۔ (بیان القرآن)

۱۷: ''اور ہم نے آپ کے قبل صرف آدمی ہی رسول بنا کر معجزات اور کتابیں دیکر بھیجے ہیں کہ ان پر وحی بھیجا کرتے تھے، سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو''۔ (بیان القرآن)

۱۸: ''بہرحال عورت کی اذان اس لئے کہ سلف سے منقول نہیں جب کہ جماعت ان کے حق میں مشروع تھی، پس یہ (عورت کی اذان) گھڑی ہوئی چیزوں میں ہے، بالخصوص ان کی جماعت منسوخ ہونے کے بعد اور اس لئے کہ مؤذن کیلئے اپنے نفس کا ظاہر کرنا اور بلند جگہ پر اذان دینا اور اپنی آواز کا بلند کرنا مستحب ہے اور عورت کو ان سب سے روکا گیا ہے ان کیلئے اذان مشروع نہیں اور اذان جماعت کی دعوت ہے''۔ (زیلعی)

۱۹: ''خطیب کے لئے شرط ہے کہ وہ جمعہ کی امامت کی اہلیت رکھتا ہو''۔ (بحر)

۲۰: ''جمعہ کے لئے وجوب وصحت کے اعتبار سے جو شرائط ہیں وہی عید کے لئے شرائط ہیں خطبہ کے علاوہ''۔

۲۱: ''مرد کو عورت کی اقتداء کرنا، نماز کو فاسد کر دیتا ہے''۔ (بحر)

۲۲: ''فتاوی قاضی خان میں ہے کہ عورت جب اپنے شوہر کے ساتھ گھر میں نماز پڑھے، اگر اس کا قدم شوہر کے قدم کے برابر ہو تو دونوں کی جماعت کے ساتھ نماز جائز نہیں اور محیط میں ہے کہ جب عورت اپنے امام کے برابر ہو جائے سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: ''ان کو پیچھے کرو جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے کیا ہے'' سے =

....

= استدلال کیا ہے اور بحر میں تفصیل ہے''۔

۲۳:''جب امام نے عورت کو امام بنادیا اور اس کے پیچھے مرد وعورت دونوں ہیں سب کی نماز فاسد ہوجائے گی اھ''۔ (درمختار)

۲۴:''ولایت قول کا نافذ کرنا ہے غیر پر، وہ چاہے یا انکار کرے نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے کسی عورت کے واسطہ کے بغیر''۔

۲۵:''اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کی زینوں پر سوار ہونے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے''۔

۲۶:''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱- مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے اور مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ ۲- مرد عورت کو ادب سکھاتا ہے اور اس کو سلیقہ سکھاتا ہے۔ ۳- آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ عورت کو اپنے گھر میں رکھے اور اس کو باہر نہ جانے دے۔ ۴- عورت پر مرد کی فرمانبرداری اور اس کا حکم ماننا ضروری ہے جبکہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔ ۵- آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا نفقہ شرعاً مرد پر واجب ہے''۔

۲۷:''اللہ تعالیٰ شانہ ان مردوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں''۔

۲۸:''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تمہارے حکمران اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے کام آپس کے مشورہ سے طے پائیں تو زمین کا اوپری حصہ تمہارے لئے زمین کے نیچے کے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکمران برے لوگ مقرر ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے مشورہ سے ہوں تو تمہارے لئے زمین کے نیچے کا حصہ اوپر کے حصہ سے بہتر ہے''۔

۲۹:''انہیں مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ عورت مرد کو گالی دیدے یا اس کے کپڑے پھاڑ دے یا اس کی داڑھی پکڑ لے یا اس کو گدھا، بے وقوف کہہ کر پکارے یا اس پر لعنت بھیجے خواہ گالی دے یا نہ دے، قول عام کے مطابق یا کسی اجنبی کو گالی دے یا غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولے یا اجنبی سے گفتگو کرے یا عورت شوہر کے ساتھ سختی سے گفتگو کرے یا اس سے جھگڑا کرے جس کی آواز اجنبی کو سنائی دے''۔

۳۰:''وہ مخلوق پر تصرف عام کا استحقاق ہے اس کی تحقیق علم کلام میں ہے اور اس کا قائم کرنا اہم واجبات میں سے ہے اسی لئے اس کو مقدم کیا، صاحب معجزات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفن پر اور شرط ہے، اس کا مسلمان ہونا، آزاد ہونا، عاقل، بالغ، قادر، قریشی ہونا نہ کہ ہاشمی، علوی، معصوم ہونا''۔ (درمختار)

= ۳۱:''عقائد نسفیہ میں ہے اور مسلمانوں کے لئے امام ضروری ہے جو ان کے احکام نافذ کرے، حدود قائم کرے، =

عورت کو قاضی بنانا

سوال[۱۶۹۵]: مقدمات فیصلہ کرنے کے لئے عورت کو قاضی بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو وہ قابلِ اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن امور میں عورت کی شہادت معتبر ہے ان امور میں اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا جبکہ وہ شریعت کے مطابق ہو لیکن اس کو قاضی بنانے والا گناہگار ہوگا جن امور میں اس کی شہادت معتبر نہیں ان امور میں اس کا فیصلہ بھی معتبر نہیں۔ جیسے حدود وقصاص۔

"والمرأة تقضي في غير حدٍ و قَوَد وإن أثم المولّي لها قوله في غير حد الخ؛ لأنها لا تصلح شاهدةً فيهما فلا تصلح حاكمة" رد المحتار: ٤/٣٥٦، نعمانيه(١)۔

جیسے کوئی شخص ارضِ مغصوبہ میں نماز پڑھے یا ثوب حریر میں پڑھے یا ازار ٹخنوں سے نیچے ہو ان سب صورتوں میں فریضہ نماز ادا ہو جائے گا اور گناہ بھی ہوگا (۲)۔ اور جیسے کوئی عورت غیر محرم کے ساتھ سفر حج میں جائے تو حج بھی ہو جائے گا اور گناہ بھی ہوگا (۳)، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

چودہریوں کی حکومت

سوال[۱۶۹۶]: کیا حکم ہے شریعت کا مسائل ذیل میں کہ حکومت چند رقم پر ہے: اول: حکومتِ

= قلعوں کی حفاظت، لشکروں کی تیاری، صدقات کی وصولیابی، باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں کی سرکوبی، جمعہ اور عیدین کا قیام، شہادت کا قبول کرنا جو حقوق پر قائم ہو اور چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح کرنا جن کا کوئی ولی نہیں اور مال غنیمت کی تقسیم"۔

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ٥/٤٤٠، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ٣/٦٢٣، بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، فصل آخر: ٧/٢٩٧، مصر)

(٢) "وكذا تكره في أماكن .... وأرض مغصوب". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ١/٣٨١، سعيد)

(٣) "ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة: أي التحريمية". (رد المحتار، كتاب الحج: ٢/٤٦٥، سعيد)

سلطان، دوسرے: نائبِ سلطان وہ ماتحت سلطان کے رعایا پر حکومت کرتا ہے، تیسرے: ولی اپنے مولی پر حکومت کرتا ہے، چوتھے: وہ شخص ہے جس کو طرفین نے مقرر کیا ہے، پانچویں صورت کے چند جاہل اور کچھ نام کے مولوی ملکر اهل دیہات پر حکومت کریں ان کو کوئی سلطان کی طرف سے حکومت نہیں ملی اور جاهل دیہاتیوں نے بھی ان کو حکم مقرر نہیں کیا ویسا ہی فلاں کو پکڑ او مسجد کیوں بنایا ہے ہم لوگوں نے حکم نہیں دیا ہے اور مدرسہ کیوں قائم کیا ہے، ان کو سزا دو، اپنی اولاد کی شادی کیوں کرایا ہے ہمارے بدونِ اجازت ان کو برادری سے علیحدہ کردو۔

الغرض اهلِ دیہات اگر کوئی مسجد بناویں یا کوئی شادی کریں ان سے اجازت لینا ہوگا، خواہ کام شرعی یا غیر شرعی، ان کی اجازت سے جائز ہوتا ہے ورنہ سزا کا مستحق ہے، جرمانہ کرتے ہیں مالدار کو نہیں کرسکتے بلکہ متوسط قسم کی آدمی سے لیتے ہیں یہ پانچویں قسم شریعتِ بیضاء اور ملتِ غراء ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعاً یہ حکومت جبراً اور ظلم ہے، اپنی اولاد کی شادی کرنے کا ہر شخص حق رکھتا ہے اس میں کسی غیر شخص سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی جگہ مسجد نہ ہو وہاں مسجد بنادیں تو کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، یہی حکم مدرسہ کا ہے بلکہ بعض اوقات یہ چیزیں شرعاً ضروری ہوجاتی ہے۔ اور مال کا جرمانہ ناجائز اور ظلم ہے:

"لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی (إلی قوله) والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال"۔ بحر (۱)۔

جس قدر روپیہ جرمانہ کا جس جس سے لیا ہو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔ ۱۹/۱۲/ ۵۸ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم ۲۲، ۱۲، ۵۸ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵ رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۴/۳ رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴ سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲ رشیدیه)

بے علم صدر کا قاضی کی مدد سے فیصلہ کرنا

سوال[۷۱۹۷] : ۱...کیا صحیح طریقہ پر شریعت کے نہ جاننے والے کو یہ کہنا کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں ہے، جرم ہے؟

۲......اگر ایسا شخص جماعت کا صدر ہے اور اس کو مشورہ دیا جائے کہ چونکہ آپ کو شریعت کا علم نہیں اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں، تو کیا یہ مشورہ دینا غلط ہے؟

ایضاً

سوال[۷۱۹۸] : ۳......اگر جماعت کا صدر انگریزی داں وکیل ہے اور شریعت کا مکمل علم نہ رکھتا ہو اور اس کو یہ کہا جائے کہ آپ شریعت کا علم نہیں رکھتے، اس لئے قاضی صاحب کو ساتھ لے کر فیصلہ دیں، تو کیا جماعت اور صدرِ جماعت کی توہین ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......شریعت سے واقف آدمی اگر کسی ناواقف کو یہ بات کہے کہ آپ کو شریعت کا علم نہیں تو یہ صحیح ہے، جرم نہیں، جیسے کوئی قانون دان وکیل ناواقف کو کہہ دے کہ آپ کو قانون کا علم نہیں تو یہ بات صحیح ہے، جرم نہیں(۱)۔

۲......جو شخص شریعت سے واقف نہیں، اس کو لازم ہے کہ واقفِ شریعت سے علمِ شریعت حاصل کرے اور اس کی نگرانی میں کام کرے(۲)۔

---

(۱) "وفي هذا الحديث الفوائد .... السابعة : جواز تحدث المرء بما فيه من فضل بحسب الحاجة لذلك عند الأمن من المباهات والتعاظم". (فتح الباری، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم: "أنا أعلمكم بالله الخ": ۱/۹۸، قديمی)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشيديه)

"في الحديث: "اللهم اهد قومي، فإنهم لايعلمون". (الدر المنثور: ۲/۲۹۸، بيروت، طبع جديد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الرقائق، باب التوكل والصبر، ص: ۴۵۴، قديمی)

(۲) "طلب العلم فريضه على كل مسلم و مسلمة". .... =

۳......اس مشورہ دینے میں توہین نہیں، البتہ ناواقفِ شریعت کوشرعی جماعت کا صدر بنانے میں، جب کہ فیصلہ بھی شرعی احکام کے کرنے کی نوبت آتی ہو، جماعت کی توہین ہے۔

کیا ذمہ داری ہے کہ وہ فیصلے شریعت کے موافق ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "طلب العلم فريضة بقدر الشرائع ومايحتاج إليه لأمر لابد منه من أحكام الوضوء والصلاة وسائر الشرائع ولأمور معاشه، وما وراء ذلك ليس بفرض، فإن تعلمها فهوا أفضل، وإن تركها فلا إثم عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات: ۵/۳۷۷)

(وكذا في السراجيه، كتاب الحظر والإباحة، باب التعليم، ص: ۷۱)

(۱) "إذا وُسّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة". (صحيح البخاري، كتاب العلم: ۱/۱۴، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر: "ومناسبة هذا المتن لكتاب العلم أن إسناد الأمر إلى غير أهله إنما يكون عند غلبة الجهل ورفع العلم". (فتح الباري: ۱/۱۹۰، قديمي)

جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان

جمہوریت

سوال[۱۲۹۹]: کیاہمارے نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا تھا؟ اور کیا خلفائے اربعہ بھی اس جمہوریت پر چلے یا انہوں نے کچھ تغیر وتبدل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے(۱)، وہاں قوانین واحکام کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، پس اگر کثرتِ رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہوتو اسی پر فیصلہ ہوگا، قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا ہے:

﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (الآية) (۲).

اہل علم، اہل دیانت، اہل فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں، خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، انھوں نے اس کے خلاف کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "ولما كانت المدينة ذات اجتماع عظيم لا يمكن أن يتفق رأيهم جميعاً على حفظ السنّة (أى الطريقة) العادلة". (حجة الله البالغة، باب سياسة المدنية: ۱/۱۳۵، قديمى)

(۲) (سورة الأنعام، آيت: ۱۱٦)

(۳) "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين الخ". (ابن ماجة، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين، ص: ۵، قديمى)

(ومشكوة المصابيح كتاب الايمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمى)

"قال القاري": "المهديين": أى الذين هداهم الله إلى الحق، قيل: هم الخلفاء الأربعة: أبوبكر وعمر، و عثمان وعلى رضى الله تعالىٰ عنهم". (مرقاة المفاتيح: ۱/۴۰۹، بيروت، رشيديه)

جمہوریت اور مشاورت

سوال[۱۷۰۰]: ۱......﴿وشاورهم فی الأمر فإذا عزمت فتوکل علی اللہ﴾ (۱)۔
یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا عام؟

۲......جمہوریت کسے کہتے ہیں اور اسلام میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

۳......مدارس میں کمیٹی قائم کرنا کیسا ہے؟ اور اس کی کیا صورت ہونی چاہیے؟

۴......نیز زید کا یہ کہنا کہ موجودہ دور میں اسلام میں جمہوریت نہیں ہے کیسا ہے؟ زید مذکورہ بالا آیت: ﴿وشاورهم فی الأمر﴾ الخ کو استشہاد میں پیش کرتا ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ موجودہ دور کے لوگوں میں ایسی صلاحیت نہیں رہی کہ جمہوریت چل سکے تو اس صورت میں زید کا اس آیت کو پیش کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ زید نے پہلے کہا کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اس آیت میں اصل خطاب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے پھر آپ کی اتباع میں ضمناً اوروں کو ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ ﴿وشاورهم﴾ میں جو ضمیر مفعول ہے اس کا مصداق بھی سب صحابہ کرام نہیں بلکہ مقصودرات دن حاضر باش "أولوا الأحلام والنهى" اور اہل الرائے ہیں جن کی اصابتِ رائے کا تجربہ ہوتا رہا ہے اور حق تعالیٰ نے بھی ان کی رائے کی تصویب فرمائی ہے (۲)، نیز "الامر" کا مصداق مفسرین محققین نے عام نہیں لکھا، بلکہ خاص امر یعنی "الحرب" اس کا مصداق قرار دیا ہے جیسا کہ روح المعانی وغیرہ میں موجود ہے (۳)، لہذا اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر کام میں ہر ایک کے لئے ہر ایک سے مشورہ ضروری ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) (سورہ آل عمران: ۱۵۹)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و شاورهم فی الأمر﴾ أبو بكر، عمر. و من طريق الكلبي عن أبي صالح عن الحبر أن الآية نزلت فيهما". (روح المعاني: ۱۰۷/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) ﴿وشاورهم في﴾: الأمر: أی فی الحرب. (روح المعاني: ۱۰۶/۴) قال الجصاص: "و لأنه معلوم أن مشاورة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أمر الدنيا إنما كانت تكون في محاربة الكفار و مكايدة العدو". (أحكام القرآن: ۱۲/۲، قديمي)

خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بہت سے اجتماعی کاموں میں محض اپنی رائے پر عمل کرنا بھی ثابت ہے، نیز مشورہ کے بعد بھی ہر مشورہ کا قبول کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ امیر کے لئے سب کے مشورہ کو رد کرکے اپنی صوابدید پر عمل کرنا بھی ثابت ہے(۱)۔

۲......آج کل جمہوریت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بالغ مرد وعورت خواندہ یا ناخواندہ عاقل کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو اور ان کے ووٹوں کی اکثریت سے سربراہ حکمران تجویز کیا جاتا ہو، اسلام میں اس جمہوریت کا کہیں وجود نہیں، نہ کوئی سلیم العقل اس کے اندر خیر تصور کرسکتا ہے، ظاہر ہے کہ اکثریت نادانوں اور جاہلوں کی ہے، وہ لوگ ایسے ہی شخص کو ووٹ دیں گے جن کے ذریعہ ان کی خواہشات پوری ہونے کی توقع ہو اور یقین ہے کہ ان کی خواہشات میں خیر غالب نہیں بلکہ شر غالب ہے۔ تو شر پھیلانے والے کا انتخاب کرنا کون سی عقل کی بات ہے۔

جو لوگ سیاستدانی کے بڑے بڑے دعوایدار تمام حکومتوں پر بے لاگ تبصرہ کرنے والے اربابِ قلم ہیں وہ بھی اس جمہوریت پر اس قسم کا تبصرہ کرتے ہیں (۲) اس ملک وحکومت کا کیا ٹھکانہ ہے جہاں سربراہی ہی کا معیار اہلیت اور دلائل سے ہٹا کر عوام کالانعام کی کثرت رائے پر رکھ دیا جائے (۳)۔

۳......اہلِ علم، اہلِ دیانت، اہلِ رائے حضرات کا دینی مدارس کی ظاہری ومعنوی ترقی وفلاح کے لئے کمیٹی مقرر کرلینا انشاء اللہ مثمر خیر ہے اور سب کے مصالح کے پیشِ نظر بہت اہم ہے۔ طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہ مشورہ طلب بات کمیٹی کے سامنے پیش کردی جائے تو منافع ومضار پر متانت اور سنجیدگی سے دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں گفتگو اور باہمی تبادلۂ خیالات بھی کریں، اسی بحث وتمحیص کے بعد جو چیز خیر ہو اس کو اختیار کرلیا جائے جن کی رائے پر عمل نہ ہو وہ کبیدۂ خاطر نہ ہوں اور آئندہ رائے دینے سے گریز بھی نہ کریں اور جن کے رائے کو اختیار

---

(۱) "فما وافق رأيه عُمل به، و ما خالفه ترک من غير لوم". (روح المعانی: ۴/۱۰۱)

(۲) جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"۔ (کلیاتِ اقبال، ص:۱۱۱)

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام ؟

چہرہ روشن ، اندروں چنگیز سے تاریک تر

(کلیاتِ اقبال، ص:۶۵۰)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾. (سورة الأنعام : ۱۱۶)

کرلیا گیا وہ اپنی رائے پر ناز کرتے ہوئے دوسروں کی تحقیر نہ کریں (۱)۔

۴......اس کا جواب نمبر:۲ سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۹ھ۔

کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟

سوال[۱۷۰۱]: ہندوستان کی کس سیاسی جماعت سے تعلق رکھنا چاہیے؟ جناب کا جو خیال ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعتوں کے قواعد وضوابط میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے زیادہ واقفیت نہیں ہے، اپنے یا اہلِ علم و دیانت کے تجربہ سے جو جماعت احکام اسلام کی زیادہ پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں، اگر کسی پر اعتماد نہ ہو کسی میں شرکت نہ کرنے سے گناہ گار نہیں ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأمرهم شورى بينهم﴾ (الآية: سورة الشورى: ۳۸)

في الحديث: "إذا كان أمراء كم خياركم، وأغنياء كم اسخياء كم، وأمركم شورى بينكم، فظهر الأرض خير لكم من بطنها". (روح المعاني: ۳۶/۲۵، دار إحياء التراث العربي)

(ومشكوة المصابيح، باب الإنذار والتخويف، ص: ۳۵۹، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الفتن قبيل أبواب الرؤيا: ۵۲/۲، سعيد)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تودوا الأمانات إلى أهلها﴾ الآية (النساء: ۵۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و من يكتمها فإنه آثم قلبه﴾ (البقرة: ۲۸۳)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المستشار مؤتمن". (جامع الترمذي: ۱۰۹/۲، باب ما جاء أن المستشار مؤتمن، أبواب الآداب، سعيد)

تفصیل کے لئے: (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص: ۴۳۶، ادارۃ المعارف کراچی)

جمعیۃ العلماء میں شرکت

سوال[۱۷۰۲]: جمعیۃ العلماء نامی جماعت میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ عوام کو دور رکھنا اور شرکت سے منع کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعیۃ العلمائے ہند کا دستور منگا کر مطالعہ کریں، اگر اس میں کوئی بات تحقیق طلب ہو یا جمعیۃ کا کوئی خاص رویہ محلِ تامل ہو تو اس کو دریافت کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

کیا ہر جماعت کا جھنڈا اسلامی جھنڈا ہے؟

سوال[۱۷۰۳]: آج کل انتخاب کے موقع پر مختلف جماعتیں مختلف رنگ کے جھنڈے اپنے جماعتی نشان کے لئے استعمال کررہی ہیں، ہر ایک جماعت یہ دعوی کرتی ہے کہ یہ جھنڈا اسلامی ہے، براہ کرم حضرت والا اس کی وضاحت فرمادیں کہ حدیث شریف کے مطابق کونسا جھنڈا اسلامی ہے؟ اگر احادیث میں مختلف اقسام بیان ہوئے ہیں تو اقسام کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمائیں کہ ترجیح کس رنگ کے جھنڈے کو ہے؟ نیز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کون سا جھنڈا استعمال فرمایا بالتفصیل و بالدلیل بیان فرمائیں۔

محمد رفیع گھنٹہ گھر ملتان پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جھنڈا اسلام کو بلند کرنے اور کفر کو شکست دینے کے لئے تھا، کیا آپ

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليس الخبر كالمعاينة". (مشكوة المصابيح، باب ذكر الأنبياء، ص: ۵۱۱، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (سورة النحل: ۴۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (جمعیۃ العلماء کیا ہے؟ مؤلفہ مولانا حامد میاںؒ)

4 کے انتخابات میں بھی یہی مقصود ہے؟ کیا یہ سب جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کا اسی طرح مقابلہ کرتی ہیں جس طرح اسلام وکفر کا مقابلہ تھا کہ ہر ایک اپنے جھنڈے کو اسلامی جھنڈا اور دوسرے کے جھنڈے کو کفر کا جھنڈا قرار دے؟ العیاذ باللہ۔ اور کیا یہ انتخابات مرجہ طریقہ پر کرنا اسلامی تعلیمات وہدایات کے تحت ہے اور ان میں اسلامی احکام اور شرعی حدود کی رعایت کی جاتی ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف تذلیل، تحقیر، تفسیق، تضحیک، تجہیل، تکذیب، افتراء، بہتان غیبت کون سا گندا حربہ ایسا ہے جو استعمال نہیں کیا جاتا، بسا اوقات تکفیر تک نوبت پہونچ جاتی ہے پھر اس سب کو اسلامی جھنڈے کے تحت کرنا اور ہر ایک کا اپنے جھنڈے کو اسلامی جھنڈا کہنا تو بہت ہی معیوب اور مذموم اور اسلام کو بدنام کرنا ہے(۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

مسلم تنظیم میں کسی غیر مسلم کی شرکت

سوال[۱۷۰۴]: ایک مسلم تنظیم ہے جس کے مقاصد مذہبی خیر اندیشی اور دیگر تفریحی مشغلے ہیں، مذکورہ انجمن کے ممبران میں ایک غیر مسلم ممبر بھی ہے، جو حالات وقواعد کے اعتبار سے مذہبی چندہ ودیگر تنظیمی معاملات میں پورا پورا حصہ لیتا ہے، پیشہ کے اعتبار سے وہ شخص ایک ڈاکٹر ہے جس نے اپنے آپ کو اس اسلامی اور تنظیمی ماحول میں ڈھال لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان راستوں کو زیادہ پسند کرتا ہے، نیز مسلمان بھی اسے محبوب سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی تجہیز وتکفین ودیگر تقریبات میں بھی شامل ہوتا ہے اور کسی ذاتی مقصد کے تحت نہیں۔ ایسی

---

(۱) "قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من قاتل تحت راية عمية يغضب لعصبية أو يدعو لعصبية أو ينصر عصبية فقتل، فقتلة جاهلية". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة، ص: ۳۱۹، قديمي)

"سباب المسلم فسوق و قتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله و هو لا يشعر: ۱/ ۱۲، قديمي)

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۱/ ۶، قديمي)

صورت میں مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے؟ جس نے اپنے آپ کو ہر انداز سے مسلمانوں کی اس تنظیم میں شامل کر رکھا ہے؟ اور اسے مسلم انجمن کا ممبر بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کو اخلاق ومروت کا معاملہ کرنا چاہیے، آہستہ آہستہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے (۱)۔ اور جبکہ یہ انجمن مسلم تنظیم ہے اور مقصد اس کا خیر ہی خیر ہے، اسی کے ساتھ تفریحی مشغلہ بھی ہے اور وہ غیر مسلم ظاہر ہے کہ مذہب کے ان کاموں میں تو بالکل شرکت نہیں کرتا ہے جن کے لئے اسلام شرط ہے، صرف تفریحی مشغلہ میں شرکت کرتا ہے، ایسے مذہبی کام میں شریک ہوتا ہے جس کے لئے اسلام شرط نہیں تو اس میں شرعاً قباحت نہیں (۲) بشرطیکہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو، اس کا لحاظ رہے کہ وہ کسی مسلم میت کو غسل نہ دے، نہ اٹھا کر قبرستان میں لے جایا جائے اور نہ قبر میں رکھے (۳) اور یونہی مجمع کے ساتھ چلا جائے تو روکنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ (النحل : ۱۲۵)

قال ابن كثيرؒ تحت هذه الآية : "يقول تعالى آمراً رسوله محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يدعو الخلق إلى الله بالحكمة الخ". (تفسير ابن كثير آخر، سورة النمل : ۵۹۱/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني : ۲۵۴/۱۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "جاز إدخال الذمي جميع المساجد عندنا". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع : ۳۷۳/۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، آخر مطلب تميز أهل الذمة في الملبس : ۲۰۹/۴، سعيد)

(ومجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات : ۲۲۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(۳) "و ليس للكافر غسل قريبه المسلم .... ويكره أن يدخل الكافر في قبر قريبه المسلم ليدفنه".

(الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة : ۲۳۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته : ۳۳۵/۲، رشيديه)

پارٹی بازی سے بچنے کی ترکیب

سوال[۱۷۰۵]: مسلمانوں کے اجتماعی امور میں پارٹی بازی نہ ہونے کیلئے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، یعنی دینی اجتماعی امور میں اتحاد واتفاق (ڈسپلن) برقرار رکھنے کے لئے ہم مسلمانوں کو شرعاً کس حکم کے پابند ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسانی جذبات پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے (۱)، اتفاق واتحاد کے تصور اور واقعات سلف کو مطالعہ ومذاکرہ میں رکھا جائے، جس کا حکم اور رائے کتاب وسنت کے موافق ہو اس کا اتباع کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح العبد نظام الدین دیوبند، ۱۳/۱/۹۱ھ۔

شریعت سے ناواقف لوگوں کی کمیٹی اور اس کا حکم

سوال[۱۷۰۶]: اگر کسی کمیٹی کا صدر انگریزی تہذیب کا دلدادہ شرعی مسائل سے ناواقف ہو اس کے اراکین میں چند زانی وشرابی، سود خور اور بے نمازی اور شرعی مسائل سے ناواقف ہوں تو کیا وہ شرعی معاملے پر

(۱) "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذّ شُذّ في النار". (مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

"إن أمتي لا تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم اختلافاً، فعليكم بالسواد الأعظم". (سنن ابن ماجه، أبواب الفتن، باب السواد الأعظم، ص: ۲۸۳، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۵۰/۵، رقم الحديث: ۲۹۸۲۷، دار احياء التراث)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول﴾. (سورة المائدة: ۹۲، پ: ۷)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله: "أي في جميع الأوامر والنواهي". (روح المعاني ۱۳۰/۳، دار إحياء التراث)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة رسوله". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۱، قديمي)

کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، کیا ان کا فیصلہ قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے لوگوں کی کمیٹی شرعی کمیٹی نہیں اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ نہیں، کذا فی الحیلة الناجزه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

ایسی پنچایت میں شرکت جس کے قوانین غیر شرعی ہوں

سوال[۱۷۰۷]: ہمارے یہاں انصاری برادری کی پنچائیت میں کچھ قوانین ہیں جو کہ شرع محمدی کے مطابق نہیں مثلاً: شادی میں کوئی ولیمہ کرنا چاہے تو پورے گاؤں کی برادری کو بلائے یا پھر پورے محلہ کی برادری کو بلائے، اگر دوسرے کے ایک شخص کو بلائے خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو تو محلّہ کی پوری برادری کو بلائے، اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، جوا کھیلے، شراب پئے اس پر برادری کی کوئی پابندی نہیں۔ اب از روئے شرع ایسی پنچایت میں شامل رہنا بہتر ہے یا علیحدہ گی بہتر ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ اس کی کوئی بھی بات شرعِ محمدی کے مطابق نہیں تو پھر وہ شرعی پنچایت نہیں، اس میں شرکت سے غیر شرعی باتوں کی تقویت وترویج ہوگی جس کی شرعاً اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ "حیلۂ ناجزہ" میں فرماتے ہیں:

(تنبیہ اول): "فتاویٰ مالکیہ میں "جماعة المسلمین العدول" کے الفاظ ہیں اور عدل سے مراد وہ شخص ہے جو فاسق نہ ہو یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغائر پر بھی مصر نہ ہو اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہٰذا وہ شخص جو سود یا رشوت وغیرہ لیتا ہے یا داڑھی منڈاتا ہو یا جھوٹ بولتا ہو یا نماز روزہ کا پابند نہیں ہے وہ اس جماعت کا رُکن نہیں ہو سکتا"۔

(حیلۂ ناجزہ، تنبیہات ضروریہ متعلق جماعت مسلمین، ص: ۴۰، ۴۱، ۴۲، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الحکم إلا للہ یقصّ الحق وهو خیر الفاصلین﴾ (الأنعام: ۵۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الحکم إلا للہ أمر أن لاتعبدو إلا إیاه﴾ (سورة یوسف: ۴۰، پ: ۱۲) ...... =

تفریق بین المسلمین

سوال[۱۷۰۸]: دو آدمیوں میں عرصہ سے میل جول اور محبت واخلاص چلا آرہا تھا دو شخصوں نے ان کے درمیان رنجش ڈلوادی شرعاً اس کا کیا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بلا وجہ شرعی ایسا کیا ہے تو یہ فعل گناہ ہے اس سے توبہ کرنا چاہئے اوران لوگوں سے جن میں رنجش ڈلوائی ہے معاف کرنا چاہئے اوران میں مصالحت کرانی چاہئے (۱)۔

العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۸/۱۲/۵۱ھ۔

بندہ عبدالرحمن غفرلہ۔

عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم۔

تفریق بین المسلمین

سوال[۱۷۰۹]: جوشخص جماعتِ اہلِ اسلام کو پراگندہ کرتا ہے اور مریدوں کوتلقین کرتا ہے اس کا شرعاً کیا جرم ہے اور جوشخص اتفاق کرانا چاہتا ہے اس کو کیا ملے گا؟

رقمہ غلام محمد تاجر، شہرخان گڈھ، ضلع مظفر گڈھ (پنجاب)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعتِ اہلِ اسلام اغراضِ نفسانیہ کی بناء پر پراگندہ کرنا اوراس میں تفریق ڈالنا شرعاً بدترین جرم ہے

= وقال الله تعالیٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون اللهفاتبعوني﴾ (ال عمران: ۳۱، پ: ۳)

(۱) "لايدخل الجنة قتات". (صحيح البخاري، كتاب الآداب، باب مايكره من النميمة: ۸۹۵/۲ قديمی)

قال المحشي: "قال القاضي عياض: القتات والنمام واحد..........، وفرق بعضهم .... القتات الذي يسمع من حديث من لايعلم به ثم ينقل ماسمعه .... النميمة نقل حال الشخص لغيره على جهة الإفساد بغير رضاه سواء كان بعلمه أو بغير علمه". (صحيح البخاري، المصدر السابق) (ومسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث حذيفه بن اليمان: ۵۲۸/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اوراہل اسلام کی کسی حق بات پر مجتمع کرنا اوران میں اتفاق کرانا حق نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، پہلے شخص کے لئے اس کو جرم کے موافق بدترین سزا ہے، دوسرے شخص کے لئے اس کے عمل کے موافق بلکہ اس سے بہترین جزا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۳/ ۸/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۴/ شعبان/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

برادری کی جماعت کی مخالفت کا حکم

سوال[۱۷۱۰]: جو جماعت علمائے دین اوران کے کسی شرعی فیصلہ کو لاپرواہی سے نظرانداز کرے اورلوگوں میں افتراق وانشقاق پیدا کرے، افتراء پرداز، اتہام طراز ہو، اس سے شرعاً ترکِ موالات کرنا ضروری ہے یا نہیں اورجوان باتوں کے ثابت ہوجانے کے بعد بھی اس جماعت کا ساتھی رہے وہ خدا اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص یا جماعت بلاوجہ شرعی علماء کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرے اوراختلاف پیدا کرے اور بہتان باندھے اس کو اولاً نرمی سے مسئلہ اوراس کی حیثیت کو سمجھانا چاہیئے، اگر باز آوے تو توبہ کرلے، بہتر ہے، ورنہ بااثر لوگوں سے اس پر زور دیا جائے، تب بھی نہ مانے تو ترکِ تعلقات کی سزادی جائے بشرطیکہ اس سے اصلاح کی توقع ہو(۲)۔اگر اَور فتنہ کے بڑھنے کا خوف ہو تو پھر سکوت اختیار کرنا چاہیے اوراس کے خلاف شرع کام میں

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "تفریق بین المسلمین")

(۲) "رُخّص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوقها إلا إذاکان الهجران فی حق من حقوق الله تعالی، فیجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر: ۷۵۸/۸، رشیدیه)

مزید تفصیل کے لئے: (فیض القدیر ۲۵۲۱/۱۲، رقم الحدیث: ۹۹۲، نزار مصطفی ریاض)

(والنووی علی الصحیح لمسلم، کتاب البر، باب ماینهی من التهاجر الخ: ۳۱۶/۲، قدیمی)

شرکت واعانت بہرحال ممنوع ہے، دارالاسلام نہ ہونے کی وجہ خلاف شرعی حدود نافذ کرنا اختیار نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

پنچائت کے خلاف کرنا

سوال[۱۱۷۱]: جس جماعت میں شرعی خرابی ہو اس سے علیحدہ ہو کر اس میں اختلاف وافتراق پیدا کرنا: "اتبعوا السواد الأعظم" (۲) کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اور: "فإنه من شَذّ شُذّ في النار" (۳) کا مصداق بنتا ہے یا نہیں، ایسے شخص کے لئے شرعی تعزیر کیا ہے؟

---

(۱) في الفتاوىٰ العالمكيرية: "وركنه إقامة الإمام أونائبه في الإقامة". (كتاب الحدود، الباب الاول: ۱۴۳/۲ رشيديه)

قال الكاساني: "وأما شرائط جواز إقامتها، فمنها مايعم الحدود كلها، ومنها مايخص البعض دون البعض أما الذى يعم الحدود كلها فهو الإمامة، وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أومن ولّاه الإمام". (بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۵۲۴/۵،رشيديه)

"ان الحدود لاتقام فى حال الغزو ولافى دار الحرب الخ". (كتاب الفقة على المذاهب الأربعة، كتاب الحدود: ۴۱/۵، دارالفكر بيروت)

(۲، ۳)"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شَذّ شُذ فى النار". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰ قديمى)

(أنظر أيضاً مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث بن بشير رضى الله تعالى عنه: ۳۴۹/۵، دار احياء التراث بيروت)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لايجمع أمتى" أوقال: "أمة محمد على ضلالة، ويد الله على الجماعة، ومن شذ شذ إلى النار". (جامع الترمذى، أبواب الفتن، باب فى لزوم الجماعة: ۳۹/۲، سعيد)

(وبمعناه فى ابن ماجه، أبواب الفتن، باب السواد الأعظم، ص: ۲۸۳، قديمى)

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث میں سوادِ اعظم کوئی گاؤں یا کسی چودھری کی قائم کردہ پنچائت نہیں کہ اس کی مخالفت سے شذ فی النار کا حکم لگایا جائے (۱)، یہ دوسری بات ہے کہ بلا وجہ اختلاف پیدا کرنا بھی زیبا نہیں، شرعاً مذموم ہے (۲) اس لئے وعید میں چودھری برادری کا حکم نہ ماننے والا داخل نہیں، نہ یہ برادری کی پنچائت افراد برادری کی رضامندی پر موقوف ہے، جو اس پر رضامند نہ ہو تو اس پر جبر کرنے کا برادری کو حق نہیں (۳)، البتہ جو شخص خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرتا ہو اس سے روکنا ہر شخص پر حسبِ حیثیت ضروری ہے لحدیث: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده اهـ" (٤)۔

لزومِ جماعت اور مخالفتِ جماعت کے متعلق العرف الشذی، ص:۵۱۲ میں ہے:

(۱) قال الملا علي القاري الحنفي: "السواد الأعظم يعبر به عن الجماعة الكثير، والمراد ماعليه أكثر المسلمين". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۱۷۴، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (إنجاح الحاجة على ابن ماجه، كتاب الفتن، باب السوار الأعظم، ص: ۲۸۳، قديمي)

(۲) "لاتباغضوا ولاتدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، ص: ۴۲۷، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولاتفرقوا﴾ (سورة آل عمران، پ:۴، آيت: ۱۰۳)

(۳) (راجع رقم الحاشيه: ۱)

(۴) "من راى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، ص: ۴۳۶، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن محمد بن حنبل بن مالكؒ، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: ۳/۳۹۷، دار إحياء التراث)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (فيض القدير على الجامع الصغير: ۱۱/۵۸۰۰، رقم الحديث: ۸۶۸۷، نزار مصطفى رياض)

(وتنبيه الغافلين، باب الأمر بالمعروف الخ، ص: ۴۷، مكتبه حقانيه پشاور)

"وإذا تحققت" (۱)۔ بہتر یہ ہے کہ بلا وجہ مخالفت نہ کی جائے، اگر برادری کے قوانین خلاف شرع ہوں تو تحقیق کر کے ان کو شریعت کے موافق بنالیا جائے۔

حدیثِ اتباع سوادِ اعظم کی تفسیر منظور ہو تو فیض الباری، ص:۵۸ (۲):۴/۵۱۱ (۳) وفتح الباری: ۱۲/۲۶۶، وغیرہ دیکھیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "إذا تحققت الإمامة الكبرى لأحد، فلايجوز لأحد البغاوة والخروج عليه، ويجب اتباعه، وتعبر الشريعة هذا الاتباع بلزوم الجماعة". (العرف الشذى على جامع الترمذى، أبواب الفتن، باب فى لزوم الجماعة: ۲/۳۹، سعيد)

مزید تفصیل کیلئے دیکھیے: (حجة الله البالغه، أبواب سياسة المدن: ۲/۳۹۸ قديمى)

(شرح الفقة الأكبر آخر بحث مسئله نصب الإمام، ص: ۱۴۸، قديمى)

(۲) "قوله: تلزم جماعة المسلمين الخ، ومنه أخذ لفظ أهل السنة والجماعة، وذلک لكون الحق فى جماعة المسلمين فى الأغلب .... تلک الأحاديث إنما وردت فى سياق التحريض على إطاعة أولى الأمر لئلا تثير الفتن عند انقلاب الحكومة، فأوصىٰ باتباع السواد الأعظم لهذا......... ثم إعلم أن الحديث يدل على أن العبرة بمعظم جماعة المسلمين، فلوبايعه رجل واحد. أواثنان، أوثلاثة، فإنه لايكون إماماً مالم يبايعه معظمهم، أو أهل الحل والعقد". (فيض البارى، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ۴/۵۸، ۵۹، خضر راه بک ڈپو ديوبند)

(۳) "قوله: وأمر النبى صلى الله عليه وسلم بلزوم الجماعة الخ، أحاديث الأمر بلزوم الجماعة إنماوردت فى الجماعة مع الأمير .... أويقال: إن مصداق لزوم الجماعة هى إطاعة الأمير أولاً والإجماع ثانياً". (فيض البارى، كتاب الاعتصام، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة الخ: ۴/۵۱۱، خضر راه بک ڈپو ديوبند)

(۴) "المراد بالوصف المذكور أهل السنة والجماعة، وهم أهل العلم الشرعى ومن سواهم .... وفى خطبة عمر المشهورة التى خطبها بالجابية: "عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة، فإن الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين أبعد". وقال ابن بطال: مراد الباب الحض على الاعتصام بالجماعة .... والمراد بالجماعة أهل الحل والعقد من كل عصر". (فتح البارى، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: (وكذلک جعلنا كم أمة وسطاً) الخ: ۱۳/۳۹۱، قديمى)

مطالبہ منوانے کے لئے بھوک ہڑتال

سوال[۱۷۱۲]: یہاں بہت دنوں سے سوت کی گرانی چل رہی ہے جس کی وجہ سے لاکھوں بنکر مصیبت اور بھوک کے شکار ہوگئے ہیں، حکومت کو بار بار متوجہ کیا گیا کہ وہ اس کا انتظام کرے کہ بنکروں کو مناسب قیمت پر سوت ملے لیکن حکومت نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ مجبوراً یہاں کے بنکروں نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت سے اپنا مطالبہ منوانے کیلئے بھوک ہڑتال کی جائے۔ چنانچہ بھوک ہڑتال شروع ہو چکی ہے، جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حکومت سے اس قسم کا مطالبہ منوانے کے لئے مسلمانوں کو بھوک ہڑتال کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر اس قسم کی بھوک ہڑتال میں کسی مسلمان کی موت ہو جائے تو شرعاً اس کی موت کیسی ہوگی؟

مولانا ظفیر الدین صاحب، کتب خانہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مطالبہ شرعاً ایسا نہیں ہے کہ اس کو منوانا واجب ہو، بھوک ہڑتال اس حد تک کہ جان تلف ہو جائے شرعاً جائز نہیں، جان بچانے کے لئے تو حرام چیز کی حرمت بھی مرتفع ہو جاتی ہے اور حالتِ اضطرار میں اس کا کھانا واجب ہو جاتا ہے(۱)، پھر حلال اور مباح چیز کے ہوتے ہوئے اس کو نہ کھا کر جان دے دینا کیسے جائز ہوگا؟

﴿ولا تقتلوا أنفسكم﴾ الآية (۲) کے ذیل میں حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے:

"ومن امتنع من المباح حتى مات كان قاتلاً نفسه، متلفاً لها عند جميع أهل العلم: ۱/۱۲۷"(۳)۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

درمختار میں ہے:

"الأكل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام أو ميتة أو مال غيره وإن ضمنه فرضٌ يثاب

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "بھوک ہڑتال")

(۲) (النساء: ۲۹، پ: ۵)

(۳) (أحكام القرآن، سورة البقرة، باب ذكر الضرورة المبيحة لأكل الميتة: ۱/۱۷۹، قديمي)

عليه بحكم الحديث، ولكن مقدار مايدفع الإنسان الهلاك عن نفسه، ومأجور عليه" (۱)۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے:

"فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك، فقد عصى؛ لأن فيه إلقاء النفس إلى التهلكة، وإنه منهي عنه في حكم التنزيل اهـ". (رد المحتار: ۱۲۵/۵)(۲)۔

یہ بحث الگ ہے کہ بھوک ہڑتال کرنے والوں نے اپنی قدر ومنزلت حکومت کے دل میں اس قدر پیدا کردی ہے کہ وہ ان کے سامنے جھک کر ان کے مطالبات پورے کردے گی یا پیدا نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

بھوک ہڑتال

سوال [۱۷۱۳]: بھاگل پور میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ بنکروں نے سرکار سے مانگ کی ہے اور ہڑتال جاری ہے، اس سلسلہ میں کچھ لوگ سبرت اور مرن برت بھی منارہے ہیں، چونکہ اس میں ہندو مسلم دونوں شریک ہیں، اگر خدانخواستہ کسی مسلمان کی موت واقع ہوئی کیسی موت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مطالبہ ایسا نہیں کہ اس کو منوانا شرعاً واجب ہو، بھوک ہڑتال اس حد تک کہ جان تلف ہوجائے، شرعاً جائز نہیں۔ جان بچانے کے لئے تو حرام چیز کی حرمت بھی مرتفع ہوجاتی ہے اور حالتِ اضطرار میں اس کا کھانا واجب ہوجاتا ہے (۳)۔ پھر حلال اور مباح چیز ہوتے ہوئے اس کو نہ کھا کر جان دیدینا کیسے جائز ہوگا؟

(۱، ۲) (ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الأكل: ۳۳۸/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع شرحه الملتقى، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۱۸۰/۴، غفاريه)

(وكذا في طحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۱۷۰/۴، دار المعرفة بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿قل لا أجد في ما أوحي إلي محرماً على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير، فإنه رجس أو فسقاً أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولا عاد، فإن ربك غفور رحيم﴾ =

﴿ولا تقتلوا انفسکم﴾ الآیة (۱) کے ذیل میں حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے:

"ومن امتنع من المباح حتی مات، کان قاتلاً نفسه متلفاً لها عند جمیع أهل العلم".

أحکام القرآن: ۱/۱۲۷ (۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

درمختار میں ہے:

"الأکل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام أومیتة أومال غیره وإن ضمنه فرضٌ یثاب علیه بحکم الحدیث، ولکن مقدار ما یدفع الإنسان الهلاك عن نفسه وماجور علیه" (۳)۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے:

"فإن ترك الأکل والشرب حتی هلك، فقد عصی؛ لأن فیه إلقاء النفس إلی التهلکة، وإنه منهی عنه فی حکم التنزیل اهـ"۔ (رد المحتار: ۵/۲۱۵) (٤)۔

یہ بحث الگ ہے کہ بھوک ہڑتال کے کرنے والوں نے اپنی قدر ومنزلت حکومت کے دل میں اس قدر پیدا کردی ہے کہ وہ ان کے سامنے جھک کر ان کے مطالبات کو پورا کردیگی یا پورا نہیں کرے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

= (سورة الانعام، آیت: ۱۴۵، پ: ۸)

(سورة البقرة، آیت: ۱۷۳، پ: ۲)

من اضطر فلم یأکل ولم یشرب ثم مات دخل النار، وهذا یقتضی أن أکل المیتة للمضطر عزیمة لارخصة". (تفسیر ابن کثیر، سورة البقرة: ۱/۲۸۰، دارالسلام ریاض)

(۱) (النساء، آیت: ۲۹، پ: ۵)

(۲) (أحکام القرآن، سورة البقرة، باب ذکر الضرورة المبیحة لأکل المیتة: ۱/۱۷۹، قدیمی)

(۳،۴) (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی الأکل: ۶/۳۳۸، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیه، فصل فی الأکل: ۴/۱۸۰، غفاریه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة: ۴/۱۷۰، دار المعرفة بیروت)

ہڑتال کے موقعہ پر پتلہ جلانا

سوال[۱۷۱۴]: ہڑتال یا غیر ہڑتال میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا پتلہ بنا کر پورے علاقہ میں جلوس نکال کرنا گفتہ بہ نعرے لگانا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پتلہ بنانا اور اس کو جلانا غیر مسلموں کا طریقہ ہے، اس سے بچنا واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

بلوائیوں سے بھاگنا

سوال[۱۷۱۵]: بلوائیوں کے حملہ کے وقت بھاگنا جائز ہے یا حرام ہے؟ مرد، عورت، غلام ہر ایک پر دفاع فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرقہ وارنہ فسادات میں بلوائیوں کا حملہ اگرچہ با قاعدہ جہاد نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقابلہ سے کنارہ کشی اختیار کریں، بلکہ اگر بلوائی دوچند یا اس سے کم ہیں اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی ہیں تو ہرگز نہ بھاگیں، مقابلہ کریں۔ اور اگر بلوائی دوچند سے بھی زیادہ ہیں یا مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو جان بچانے کی تدبیر اختیار کریں خواہ مقابلہ کرکے ہو یا دوسری صورت سے ہو: "إن كان عدد المسلمين نصف عدد المشركين لايحل لهم الفرار، وهذا إذا كان معهم أسلحة، وأما من لاسلاح له فلابأس بأن يفرممن معه السلاح، وكذالا بأس بأن يفرممن يرمى إذالم تكن معه آلة الرمى". عالمگریہ: ۱۷۸/۲ (۲) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود الحسن غفرلہ۔

---

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، ص: ۳۷۵، قديمى)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (مرقاه المفاتيح، كتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشيديه) (وبذل المجهود، كتاب اللباس: ۴۰/۵، معهد الخليل الاسلامى) (والدر المختار، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب الثانى فى كيفية القتال: ۱۹۳/۲، رشيديه)

تفصیل کیلئے دیکھئے: (ردالمحتار، كتاب الجهاد: ۱۳۰/۴، سعيد)

انتخابات کی شرعی حیثیت

ووٹ کا حکم

سوال[۱۷۱۶]: الیکشن میں ووٹ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ووٹ کس کو دیا جائے؟

سوال[۱۷۱۷]: اس جمہوری ملک میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ دینا کیسا ہے؟ اگر کوئی مسلمان اس پارٹی کو ووٹ دے گا وہ ﴿تعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا یا نہیں اور اس پارٹی کے منتخب شدہ ممبران جو صوم وصلوۃ کے پابند ہیں اور قومی وملی جذبہ رکھتے ہیں ایسے لوگوں سے تعلقات رکھنا اور ان کے ساتھ مل جل کر قومی وملی کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جمہوری ملک میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہونچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے جس پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو اس پارٹی کو ووٹ دیا جائے۔ جو لوگ خود مسلمان اور دین ومذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ الآية (النساء: ۵۸)

تفصیل کے لئے: (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص: ۴۴۶ - ۴۵۲، ادارۃ المعارف کراچی)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ومن يكتمها فإنه آثم قلبه﴾۔ (البقرة، آیت: ۲۸۳)

کے نظریات وعقائد سے بھی متفق ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

شیعہ کو ووٹ دینا

سوال[۱۷۱۸]: ایک دشمنِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں ممبری کا ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس کا مقابلہ باشرع اہلِ سنت والجماعت پابند صوم وصلوۃ سے ہے؟ اور کیا فتوی ہے ان اصحاب کیلئے جو اس برائی کے مدد ومعاون ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی نمائندگی کے لئے ایسے شخص کو رائے دینی چاہیے جو اہلِ اسلام کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی صحیح ترجمانی اور نمائندگی کر سکے اور جو شخص اس کے خلاف کسی ایسے شخص کو رائے دے جس سے یہ توقع نہ ہو بلکہ اس میں مضرت کا اندیشہ ہو وہ غلطی پر ہے اور اس اعانت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا (۲)۔

جو شخص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گالیاں دے، حدیث شریف میں اس پر لعنت آئی ہے (۳)۔ ایسے شخص سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ الآية (النساء: ۵۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و من يكتمها فإنه آثم قلبه﴾. (البقرة، آيت : ۲۸۳)

قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "المستشار مؤتمن". (جامع الترمذي، باب ما جاء أن المستشار مؤتمن، أبواب الآداب: ۱۹۰/۲، سعيد)

(۲) (قدتقدم تخريجه تحت عنوان ''ووٹ کس کو دیا جائے؟'')

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم". (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب المناقب، باب من سب أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۲۲۵/۲، سعيد)

(وفيض القدير : ۵۸۳۵/۱۱، رقم الحديث : ۸۷۳۴، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

پارلیمنٹ کے ووٹ کی بنیاد

سوال: ہندوستان میں میونسپل بورڈ یا اسمبلی کے انتخابات ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو اس میں کسی ہندو کو ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں جو الیکشن ہوتا ہے وہ شریعتِ محمدیہ میں ناجائز ہے، اس لئے کہ جب ایک ہندو کو منتخب کیا تو وہ ظاہر ہے کہ فسق وفجور کرے گا، فاسق وفاجر کو منتخب کرنے کا گناہ منتخب کرنے والوں کو ہوگا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ فاسق وفاجر تھا، جب ایک مسلمان فاسق وفاجر کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتخب نہیں کیا تو ایک ہندو کو منتخب کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے متعلق ظنِ غالب ہو کہ وہ خیر خواہی اور ہمدردی کرے گا اس کو ووٹ دینا درست ہے، جس کے متعلق ظن غالب ہو کہ وہ ایسا نہیں کرے گا، اس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ میونسپلٹی یا اسمبلی میں مسائل جو پیش ہو تے ہیں وہ دینی نقطۂ نظر سے پیش نہیں ہوتے، نہ اس لئے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے، نہ یہاں اس کا کوئی سوال ہے بلکہ معاشی ومعاشرتی مفاد کے پیشِ نظر مسائل پیش کئے جاتے ہیں جس کی طبیعت میں خیر خواہی وہمدردی ہے وہ بہتر رائے دے گا، یہ ضروری نہیں کہ ہر معاشی ومعاشرتی مسائل جو وہاں پیش ہوں وہ سب خلافِ شریعت ہی ہوں (۱)، تاہم اگر کوئی بالکل ہی ووٹ نہ دے اور کسی کو بھی اپنا نمائندہ نہ بنائے تو اس کو اختیار ہے (۲)، بہر حال جو چیزیں وہاں طے ہو جائیں گی ان کو ماننا اس کے لئے بھی قانونی حیثیت سے لازم ہو جائے گا (۳)۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ اختیار کر کے جامِ شہادت نوش کرنے کا ولولہ ہو تو اللہ پاک مبارک کرے، ہمت واخلاص دے۔ آمین! فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ الآية (النساء: ۵۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و من يكتمها فإنه آثم قلبه﴾. (البقرة، آیت: ۲۸۳)

قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المستشار مؤتمن". (جامع الترمذي، باب ما جاء أن المستشار مؤتمن، أبواب الآداب: ۲/۱۰۹، سعيد)

تفصیل کے لئے: (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص: ۴۴۶، ادارۃ المعارف کراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل إذا اهتديتم﴾ (المائدة: ۱۰۵)

(۳) "طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (رد المحتار، كتاب القضاء: ۵/۴۲۲، سعيد)

4

دارالاسلام، دارالحرب اوردارالہجرۃ کا بیان

دارالحرب

سوال[۱۷۲۰]: دارالحرب کی کیا تعریف ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جومقام ایسا ہو کہ وہاں اہلِ شرک کے احکام جاری ہوں اوراس کے آس پاس متصل مقامات کا حال بھی ایسا ہی ہواور وہاں کوئی مسلمان اپنے اسلام کی بناء پر مامون نہ ہووہ دارالحرب ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دارالحرب ودارالاسلام

سوال[۱۷۲۱]: ۱......قبیل رمضان المبارک دارالاسلام اوردارالحرب کی تعریف میں چندالفاظ میں احقر کوشبہ ہوا تھا، جناب کے ذریعہ سے بندہ نے انہی الفاظ کوحل کیا تھالیکن بندے نے غلطی سے نظر "والحكم من البعض برسم التتار" کےعلاوہ بنی قریظہ بالیہود یہ پرنمبرنہیں دیا تھا،اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا،لہٰذا ثانیاً حضور کوتکلیف دیتاہوں امید ہے کہ حضوراس تکلیف کوگوارہ فرمائیں۔

۲......دیگر یہ کہ احقر کا زعم تھا کہ تحقیقاتِ الفاظ سے ملکِ ہندوستان دارالاسلام ہے یادارالحرب،حل ہوجائے لیکن چونکہ حضوروالا نے معنی اجرائے احکام کفرکی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ کافراپنی مملکت میں مستقل طور سے حکم جاری کرے۔یعنی:

---

(۱) "لا تصير دار الإسلام دار حرب إلا بأمور ثلاثة: بإجراء أحكام أهل الشرك، و باتصالها بدار الحرب، وبأن لا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب : ۱۷۴/۴،سعيد)

(وكذا في قوعد الفقه، ص: ۹۶،الصدف پبلشرز)

(والفتاوىٰ البزازية ، كتاب السير، الباب الرابع في المرتد : ۳۱۲/۶،رشيديه)

"مراد اجرائے اَحکامِ کفر ایں کہ در مقدمۂ ملک داری، و بندوبستِ رعایا، وحدِخراج و باج، و عشرِ اموالِ تجارت، وسیاست، و قطع الطریق، و سراق و فصل خصومات، سزائے جنایات کفار خود بطور حاکم باشند".

سو ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ بندہ کو اس میں شبہ پیدا ہو گیا کیونکہ ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ اہلِ اسلام اور ہندوؤں کو لے کر حکم کرتا ہے پس ان احکامِ مذکورہ کا اجراء انگریز بطور خود نہیں کرتے ہیں۔

۳..... حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک رسالہ میں بندہ نے دیکھا ہے، حضرت موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"جو اراضی عشری ہے اس سے عشر ادا کرنا واجب ہے اور جو خراجی ہے اس سے خراج ادا کرنا واجب ہے، لیکن ہندوستان میں سرکار کو خراج دیا جاتا ہے اور چونکہ یہ خراج اپنے مصرف میں خرچ ہوتا نہیں سو جس مقدار روپے سرکار کو دئے جاتے ہیں اسی مقدار روپے یا اسی مقدار غلہ کسی دینی مدرسہ میں یا فقراء کو دے دیں ورنہ گنہگار رہوں گے"۔

اب اس میں یہ شبہ ہے کہ جو خراج سرکار میں ادا کیا جاتا ہے یہ بعوضِ حفظِ جان و مال کے ہے، جبکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین الامت کا تسلط جس وقت اہلِ شام پر ہوا تھا اس اثناء میں جب آپ مع لشکر دوسرے شہر میں محاصرہ کے قصد سے گئے ہوئے تھے تو شام کے بعضِ شہر کی حفاظت نہیں ہو سکی، اس بنا پر آپ نے اس شہر والوں کے خراج کو جو ان لوگوں نے ادا کیا تھا، واپس کر دیا تھا۔ پس جو خراج انگریز کو دیا جاتا ہے یہ حفظِ جان و مال کے لئے ہے، پھر فقراء کو دینا ضروری کیوں ہے، البتہ عشری اراضی کا عشر فقراء کو دینا واجب ہے کیونکہ یہ حق فقراء کا ہے اور خراج کے مستحق لشکر ہیں پس خراج کا حقدار مدرسہ یا فقراء ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۴..... فتح میں مرقوم ہے کہ وصولِ مصرفیٔ زمانہ اجرت ہے یعنی کرایہ ہے، عشر یا خراج نہیں۔

اب دریافت اس بات کی ہے کہ مصر کی اراضی جس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس پر عشر واجب ہوگا یا سوائے کرایہ کے کچھ دینا ضروری نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ اصل عبارت فتاوی بزازیہ کی ہے مگر مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اختصار کے ساتھ نقل کی ہے اور کہیں کہیں کچھ کتابت کی غلطی بھی ہے، چنانچہ عبارت مسئولہ میں منشاءِ عدمِ فہم یہی کتابت کی غلطی ہے۔ عبارت اس طرح ہے:

"إعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بنى قريظة بالتهور وطلب الحكم من الطاغوت فى مقابلة محمد عليه السلام فى عهده بالمدينة ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلا ريب الخ" بزازيه، ص: ۳۱٤(۱)،هنديه (۲)۔

جن بلاد پر اس زمانہ میں کفار کا تسلط ہوگیا تھا مگر تدریس، افتاء، جمعہ، عیدین، وغیرہ حکومت نے جبراً نہیں روکا تھا ان کا حکم بیان کررہے ہیں کہ وہ دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے کیونکہ اسلام کے آثار واحکام ہنوز کچھ باقی ہیں۔ اس پر اشکال وارد ہوتا تھا کہ خلافِ اسلام بھی تو بہت سی اشیاء علی الاعلان کی جاتی ہیں جیسے بیع الخمور وغیرہ، نیز بعض لوگ کفار کے طریقہ پر حکم کرتے ہیں اسلام کے طریقہ پر نہیں کرتے پھر ان بلاد کے دارالاسلام ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب دیا ہے کہ:

''یہ اعلان بیع الخمور'' وغیرہ اور "حكم من البعض برسم الكفار"۔

یہ لفظ ''من بعض'' ہے ''من البعض'' نہیں، ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنوقریظہ اپنے یہودی ہونے کا اعلان کرتے تھے اخفاء نہیں کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم طلب کرکے اس کی پیروی کرتے تھے اور پھر بھی اس کو دارالحرب نہیں کہا گیا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا۔

۲...... مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو دارالاسلام مانا ہے اور عباراتِ بزازیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے (۳) ۔۔۔۔۔ لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کو دارالحرب

---

(۱) (الفتاوى البزازية، كتاب السير، الثالث فى الحظر والإباحة : ۳۱۲/۶، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۲۳۲/۲، كتاب السير، الباب الخامس فى استيلاء الكفار، مطلب فيما تصير به دار الحرب و دار الإسلام، و عكسه، رشيديه)

(۳) (مجموعة الفتاى (اردو)، كتاب الصلوة : ۲۳۷/۱، سعيد)

فرماتے ہیں(۱)اوراجرائے احکام کی تفصیل وہی بیان فرماتے ہیں جواس سے قبل نقل کی گئی تھی اور آپ نے بھی اب اس کوسوال میں نقل کیا ہے،حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پرآپ کا یہ اشکال کہ:

''ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کوساتھ لے کرحکم کرتا ہے''۔

حکم کے معنی نہ سمجھنے کی بناپر ہے اس لئے کہ جو ہندو یا مسلمان کسی جگہ ڈپٹی وغیرہ حکام انگریز کی طرف سے مقرر ہے وہ قطعاً حکم انگریز کے تابع ہے، ذرابھی خلاف نہیں کرسکتے تو درحقیقت یہ اجرائے حکم انگریز کا اثر اور ذریعہ ہے، مستقل طور پرحکم صرف انگریز کا ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں، اپنے قوانین ان لوگوں کے حوالے کر دیئے کہ ان کے ماتحت حکم کرتے رہو، ان کے خلاف یہ لوگ ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک ہے اور مولانا عبدالحیؒ چونکہ دارالاسلام مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بعض احکامِ اسلام کا بقا کافی ہے جیسا کہ عبارتِ بزازیہ سے ظاہر ہوتا ہے، غرض کہ ہندوستان کا دارالاسلام اور دارالحرب ہونا ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

۳.....حضرت حکیم الامت مدّ ت فیوضہم کی وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی لہذا اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کرسکتا، البتہ یہ مسئلہ فتاوی رشیدیہ،حصہ سوم،ص:۵۵، میں مذکور ہے دیکھ لیجئے (۲)۔

۴.....فتح سے کیا مراد ہے فتح القدیر یا فتح الباری یا فتح المبین یا فتح الملہم یا فتح المنان وغیرہ، اصل عبارت سے حوالہ کتاب وجلد و باب وصفحہ نقل کیجئے تا کہ اس پرغور کیا جائے،صرف اتنا لکھ دینا کہ ''فتح میں مرقوم ہے'' کافی نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۸/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ مفتی مدرسہ ہذا۔

کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

سوال[۱۷۲۲]: کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

---

(۱) (فتاوی عزیزی، (فارسی) : ۱/۳۰،سعید)

(۲)فتاوی رشیدیہ،ص:۱۵۱،عشروخراج کے احکام کابیان،سعید)

الجواب حامداً ومصلياً:

دارالحرب کی تعریف وشروط میں ائمہ کے اقوال وعلماء کے فتاوی مختلف ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دور میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے جیسا کہ فتاوی عزیزی (۱) اور صراط مستقیم (۲) میں مذکور ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) اور نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالاسلام مانا ہے، جیسا کہ ان کے فتاوی میں ہے (۴)۔

جن اسباب کی بنا پر دارالحرب قرار دیا گیا تھا، وہ اس وقت پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ موجود ہیں جن اسباب کی وجہ سے دارالاسلام مانا گیا تھا وہ بھی مفقود نہیں ہوئے (ہاں بعض خطے ضرور ایسے ہوگئے ہیں کہ دارالاسلام ہونے کے اسباب وہاں قطعاً مفقود ہیں لیکن مجموعی طور پر ہند کی یہ حالت نہیں)۔ درمختار میں ہے:

"لا تصير دارالإسلام دار حرب إلا بأمور ثلثة: بإجراء أحكام أهل الشرك، وبا تصالها بدار الحرب، وبأن لا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول على نفسه اهـ و قالا: بشرط

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی) : ۱/ ۳۰، سعید)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب السير، الباب الرابع في المرتد: ۶/ ۳۱۲، رشيديه)

(۲) "ہندوستان کے اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ کے حال کو کہ اس کا اکثر حصہ دار حرب بن چکا ہے"۔ (صراط مستقیم، ص: ۱۸۸، اسلامی اکیڈمی)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۹۶، الصدف پبلشرز)

(۳) (مجموعة الفتاوى : ۱/ ۲۳۷، سعيد)

(۴) "وعندي أن هذه المسئلة من المشتبهات التي لم يظهر حكمها على وجه يحصل منه ثلج الصدر، و يذهب به عطش الفؤاد، و لذا تراني حررتها في "هداية السائل إلى أدلة المسائل" مقيداً بالمذهب الحنفي الدال على أن بلاد الهند ديار الإسلام، و كتبتها في موضع آخر على طريقة أهل الحديث الدالة على أنها ديار الكفر، و جمعت هنا بين الضب والنون و لم أقطع بشيء من ذلك، و يمكن أن يقال: أن في المسئلة قولين، و هما قولان متساويان، و إن كان كونها دار كفر أظهر نظراً إلى ظاهر الأدلة و واضح التقوى". (العبرة مما جاء في الغزو والشهادة والهجرة لصديق بن حسن القنوجي، ص: ۲۳۸، دار الحرب تنمه دار الكتب العلميه بيروت)

واحد لا غير، وهو إظهار حكم الكفر وهو القياس اهـ"۔ رد المحتار: ۳/۲۵۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

دارالحرب، دارالاسلام، انگریزی حکومت، کانگریسی حکومت، جمعہ، عیدین، ہجرت

سوال[۱۷۲۳]: ۱...... ہندوستان موجودہ زمانہ میں جبکہ کانگریس کی حکومت ہے دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

۲...... دارالاسلام کن شرائط سے دارالحرب بن جاتا ہے۔ الفتاوی العالمکیریۃ: ۲/۳۳۰، مطبوعہ ہگلی میں ہے:

"اعلم أن دارالحرب تصير دار الإسلام عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ بشرائط ثلاث الخ" (۲).

اس عبارت میں امام صاحب کے نزدیک تین شرطیں اور صاحبین کے نزدیک ایک شرط ہے، یہ پائی جارہی ہیں یا نہیں؟

۳...... اجرائے احکامِ کفر سے کیا مراد ہے، ردالمحتار، ج: ۳ مجتبائی میں ہے:

"وظاهره أنه لو أجريت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لا تكون دار حرب" (۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر احکامِ کفر اور احکامِ اسلام دونوں وہاں جاری ہوں تو وہ دارالحرب نہ ہوگا، لیکن فتاوی عزیزیہ ۱/۱۶، پر یہ ہے:

"مراد از اجرائے احکامِ کفر این است کہ در مقدمۂ ملک داری، و بندوبستِ رعایا، واخذِ خراج و باج وعشورِ اموالِ تجارت، و سیاستِ قطاع طریق و سراق، و فصلِ خصومات، و سزائے جنایاتِ کفار بطورِ خود حاکم باشند آرے، اگر بعضے احکامِ اسلام

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المستامن: ۴/۱۷۴، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲/۲۳۲، رشيديه)

(۳) (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المستأمن: ۴/۱۷۵، سعيد)

را مثلِ جمعه و عیدین و اذان و ذبحِ بقره تعرض نه کنند، نکرده باشند" الخ (۱).

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقدمات وخراج وغیرہ شرعی طریقہ پر نہیں تو وہ دارالحرب سمجھا جائے گا اس میں صحیح قول کیا ہے؟

۴......فصول عمادی قلمی، ص: ۱۸۰، پر ملتقط سے یہ نقل کیا ہے:

"إن البلاد التي في أيدي الكفار لا شك أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب؛ لأنها غير متصلة ببلاد الحرب، و لأنهم لم يظهروا فيها أحكام الكفر، بل القضاة مسلمون، والملوك التي يطيعونه عن ضرورة مسلمون" (۲)۔

اس عبارت کا کیا مطلب ہے اس سے مراد ہمارے شہر ہیں یا اسلامی ریاستیں مثلاً بھوپال وغیرہ؟

۵......وُلاۃ اور قضاۃ سے کیا مراد ہے؟

۶......جمہوری حکومت کا کیا حکم ہے؟

۷......انگریز کے زمانہ میں ہندوستان آپ حضرات کے نزدیک دارالحرب تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کیا شرائط پائی گئیں اور اس حکومت میں اور انگریز میں کوئی فرق ہے؟

۸......کیا پاکستان کو دارالاسلام کہہ سکتے ہیں؟

السوال: ۲...... اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو یہاں جمعہ اور عیدین کے انعقاد کی کیا صورت ہوگی؟ فتاوی عزیزیہ ا/۳۴ (۳)، پر یہ ہے کہ:

---

(۱) (فتاوی عزیزی (اردو)، ص: ۴۲۱،سعید)

قال العثماني رحمه الله تعالىٰ: "ثم اعلم أن بلاد الهند و نحوها لا ريب في كونها دار الحرب عند المحققين، وقد أفتى به العلامة المحدث الدهلوي مولانا عبد العزيز، والعلامة المولى مولانا رشيد احمد الجنجوهي". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، تحقيق كون الهند دار الحرب أودار الاسلام: ۳۶۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (الملتقط في الفتاوى الحنفية، كتاب السير، ص: ۲۵۴،حقانيه كوئٹه)

(۳) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۴۲،سعید)

''دارالحرب میں اگر کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہوتو اس کی اجازت سے جمعہ وعیدین جائز ہو سکتے ہیں، اگر حاکم مسلمان نہ ہوتو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کرلیں، اس کی اجازت سے جمعہ جائز ہوسکتا ہے ورنہ لوگ احتیاطاً ظہر پڑھیں ردالمحتار، جز اول، ص:۷۵۴، مصری پر امام کو مقرر کرنے کو واجب قرار دیا ہے:'' و یجب علیھم أن یلتمسوا والیاً مسلماً''(۱)۔

اور ایسے ہی فتاوی عالمگیری باب الجمعہ میں اس کو واجب لکھا ہے (۲) تو اس امام سے کیا مراد ہے اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ چند سال ہوئے جمعیۃ العلماء نے جو امام کی تحریک پیش کی تھی اس میں اور اس مذکورہ امام میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

طحطاوی، ص:۲۷۷ پر ہے کہ اگر بنائے مسجد کے وقت مسلمان حاکم نے جمعہ کی اجازت دی ہے تو یہ ہمیشہ کیلئے کافی ہے، ہر خطیب کیلئے اذنِ جدید کی ضرورت نہیں (۳) لیکن ردالمحتار میں اس کے خلاف ہے، اس میں صحیح قول کیا ہے؟ اس امامت کے مسئلہ پر اگر کہیں مفصلاً کلام کیا گیا ہوتو اس کے حوالہ سے بھی مطلع فرمائیں۔

السوال: ۳...... کیا دارالحرب سے ہجرت کرنا ضروری ہے، تفسیر احمدی، ص:۲۰۲، پر یہ ہے:

''وفی ھذاالزمان إن لم یتمکن من إقامة دینه بسبب أیدی الظَّلَمة أوالکَفَرة، یفرض علیھم الھجرة و ھو الحق''(٤)۔

تو کیا اگر ہم شعائرِ اسلام اور احکام اسلام کے کرنے پر قادر نہ ہوں تو ہم پر ہجرت ضروری ہوگی، ہجرت کی بحث فقہاء کے کلام میں کس جگہ ہے؟

السائل: افتخار الحسن، محلّہ مولویان از کاندھلہ، ۱۵/محرم/ ۶۷ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعید)

(وکذا فی الملتقط، کتاب السیر، ص:۲۵۵، حقانیه کوئٹه)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۲/۱۴۶، رشیدیه)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص:۵۰۷، قدیمی)

(۴) (تفسیر احمدی، ص:۳۰۵، کریمی بمبئی)

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... جن اسباب کی بنا پر پہلے اختلاف تھا وہ اب بھی موجود ہے لہذا کوئی حکم نہیں بدلا، الا فی بعض الامصار والقریٰ یعنی جن حضرات کے نزدیک یہ دارالحرب تھا جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (۱) اور شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید (۲) حضرت گنگوہی (۳) حضرت نانوتوی (۴) وغیرہم، ان کی تحریرات اور دلائل کے مطابق اب بھی دارالحرب ہے اور جن حضرات کے نزدیک پہلے دارالاسلام تھا جیسے حضرت مولانا عبدالحی (۵) نواب صدیق حسن صاحب (۶) وغیرہما، ان کی تحریرات اور دلائل کے موافق اب بھی دارالاسلام ہے، البتہ بعض بلاد اور دیہات جن میں اسلامی احکام پر عمل کرنے والے موجود نہیں رہے یا مرتد ہوگئے (العیاذ باللہ) ممکن ہے کہ ان کا حکم متغیر ہو مگر کل ہندوستان کا حکم مجموعی حیثیت سے متغیر نہیں ہوا۔

۲...... جو ملک کسی وقت میں دارالاسلام بن گیا ہو پھر اس پر کفار کا غلبہ ہو جائے تو اس کے دارالحرب ہونے میں اختلاف ہے، بعض علماء قائل ہیں کہ وہ ملک ہمیشہ دارالاسلام ہی رہتا ہے کبھی دارالحرب نہیں بنتا، اکثر کا یہ مذہب ہے کہ وہ دارالحرب بھی بن جاتا ہے جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے یہی راجح اور اقویٰ ہے۔ جو عبارت عالمگیری (۷) سے نقل کی گئی ہے وہ شامی (۸) طحطاوی (۹) حصکفی (۱۰) وغیرہ کتب میں بھی موجود ہے

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی) ۱/۳۰، سعید)

(۲) دیکھئے: (صراط مستقیم، ص: ۱۸۸، اسلامی اکیڈمی)

(۳) "بہر حال تسلطِ کفار برہنہ بداں درجہ ہست کہ در ہیچ وقت کفار را دار حرب زیادہ ازیں نبود، و ادائے مراسم اسلام از مسلمان محض باجازت ایشان نیست و از مسلمانان عاجز ترین رعایا کسے نیست الخ (فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام، از تالیفاتِ رشیدیہ ص: ۶۶۸)

(۴) لم أجده

(۵) (مجموعة الفتاوى (اردو) : ۱/۲۳۷، سعيد)

(۶) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟")

(۷) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ في الزيادات : إنما تصير دار الإسلام دار الحرب عند أبي حنيفةؒ بشروط ثلاثة .... و قال أبو يوسف و محمدؒ: بشرط واحد لا غير، و هو إظهار أحكام الكفر و هو القياس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار : ۲/۲۳۲، رشيديه)

(۸) (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المستأمن : ۴/۱۷۵، سعيد)

(۹) "لا تصير دار الإسلام دار حرب: أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا أو ارتد أهل مصر الخ". (حاشية طحطاوى على الدر المختار، كتاب الجهاد، فصل في استيمان الكافر : ۲/۴۶۰، دار المعرفة بيروت)

(۱۰) "لا تصير دار الإسلام دار حرب الخ". (رد المحتار ، كتاب الجهاد، باب المستأمن : ۴/۱۷۵، سعيد)

ان شروط کا وجود وفقدان حسی چیز ہے شرعی اور فتوی کی چیز نہیں خود دیکھ لیجئے۔

۳......فتاوی عزیزیہ:۱/۱۱۵:

"و آنچہ مرقوم شد کہ معمولۂ انگریز و اشباہِ ایشان دار الحرب است یا نہ؟ پس بدانند آنچہ می گویند کہ دار الاسلام گاہے دار الحرب نمی شود ایں قول مرجوح است، واصح آنست کہ دار الاسلام دار الحرب می شود آرے، دریں اختلاف کہ کے می شود، طائفہ می گویند کہ اگر یک چیز از شعائرِ اسلام ممنوع باشد مثل اذان و ختان، دار الحرب می گردد، و طائفہ گفتہ مدارِ صیرورۃِ دار الاسلام دار الحرب بر محوِ شعائرِ اسلام نیست بلکہ ہر گاہ شعائرِ کفر بے دغدغہ باعلان رواج می گیرد دار الحرب می شود، گو شعائرِ اسلام ہم بر قرار باشند، و فرقہ سوم ازیں ہم ترقی کردہ اند کہ حدِ دار الحرب آنست کہ:

"أن لا یبقیٰ فیہ مسلم و لا ذمی آمناً بالأمان السابق سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، و سواء أعلن شعائر الکفر أولا" ہمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح دادہ اند، و بریں تقدیر معمولۂ انگریز و اشباہِ ایشاں بلا شبہ دار الحرب است . واللہ تعالیٰ اعلم اھـ" (۱).

حضرت شاہ صاحب نے تصریح فرمائی کہ قولِ ثالث راجح ہے عند المحققین۔

۴......یہ تعریف ہمارے شہروں پر صادق نہیں آتی، ہاں بعض مسلم ریاستوں پر صادق آسکتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز (۲) اور حضرت گنگوہی (۳) کے فتاوی میں بھی ان ریاستوں سے اسی نہج پر تعرض کیا گیا ہے۔

۵......وُلاۃ کا اطلاق عامۂ حکام وملوک پر آتا ہے اور قضاۃ خصوصی محکموں کے فیصلہ کرنے والے حکام کو کہتے ہیں (۴)۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (فارسی) : ۱/۱۱۱، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۴۴۱، سعید)

(۳) (فیصلۃ الأعلام فی دار الحرب و دار الإسلام، از تالیفاتِ رشیدیہ، ص: ۲۶۸)

(۴) دیکھئے: (القاموس الفقهي، ص: ۳۰۵، ۳۸۸، إدارۃ القرآن)

۶.....شرعاً یہ اسلامی حکومت نہیں: "کما صرح به مولانا الشاه ولی اللّٰہ فی ازالة الخفاء(۱)۔

۷..... ہمارے نزدیک دار الحرب تھا ان وجوہ کی بناء پر جن کو حضرت گنگوہیؒ (۲) اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحریر فرمایا ہے(۳) اور ابھی تک ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہوا، یعنی جمہوری حکومت کی وجہ سے دارالاسلام نہیں بنا۔

۸.....علمائے پاکستان سے اس کی تحقیق کی جائے وہ وہاں کے حالات اور طرزِ حکومت واظہارِ شعائر وغیرہ سے زیادہ واقف ہیں۔

الجواب: ۲...... دارالحرب ہے اور حسبِ تحریر فتاویٰ عزیزیہ یہاں جمعہ وعیدین کا انعقاد درست ہے، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں۔ جمعہ کے لئے جس امیر، رئیس، قاضی کی ضرورت ہے اس کے متعلق خود فتاویٰ عزیزی میں مذکور ہے کہ "بے آنکه در امورِ ملکی تصرف کند و مداخلت نماید اھ"(۴)۔

امیر وقاضی میں دو وصف ہیں، ایک انتظام امور مسلمین جیسے اقامت جمعہ واعیاد اور یہ وصف مسلمانوں کی رضامندی سے حاصل ہوجاتا ہے اور اس کے لئے کوئی خاص قوت وغلبہ ضروری نہیں: "ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" (۵)۔ جو عالمگیری وغیرہ میں منقول ہے اس کا محمل یہی ہے بلکہ اگر اس شخص کو قاضی نہ کہا جائے اور ویسے ہی اس کو امام بنالیا جائے تب بھی جمعہ درست ہوجائے گا:

---

(۱) "هی الرياسة العامة فی التصدی لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية، وإقامة أركان الإسلام، والقيام بالجهاد و ما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة وإعطائهم من الفیء، والقيام بالقضاء وإقامة الحدود، و رفع المظالم، والأمر بالمعروف والنهی عن المنكر نيابةً عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم". (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ، فصل اول در خلافت عامه، مسئله درتعريف خلافت،، ص: ۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (فيصلة الأعلام فی دار الحرب و دار الإسلام،تاليفات رشيديه، ص:۶۶۸)

(۳) (فتاوی عزيزی (فارسی) : ۱/۳۰، سعيد)

(۴) (فتاوی عزيزی (فارسی) : ۱۴۱ ،سعيد)

(۵) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس فی استيلاء الكفار: ۲/۱۴۶، رشيديه)

"ولو تعذر الاستيذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل، فصلى بهم جاز، كذا في السراجية اهـ". الفتاوى العالمكيرية، مصرى: ١/١٤٦(١)۔

اور ایسے امام قاضی متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔

دوسرا وصف ہے: "تنفيذ الحكم بالغلبة والقهر" اس کے لئے قدرت قاہرہ شرط ہے، محض مبایعت کافی نہیں:

"السلطان يصير سلطاناً بأمرين: بالمبايعة معه من الأشراف والأعيان، و بأن ينفذ حكمه على رعيته خوفاً من قهره، فإن بويع ولم ينفذ فيهم حكمه لعجزه عن قهرهم، لا يصير سلطاناً اهـ". شامى: ٤/٤٢٣ (٢)۔

باب الجمعہ میں والی وقاضی کے وجوب سے مراد اول وصف والا قاضی ہے کہ بغیر اس کے جمعہ ہی درست نہیں اور ایسے قاضی کا ملنا بھی دشوار نہیں اور جمعیۃ العلماء کے ناظم صاحب نے جس نوع کے امیر کی تجویز کی تھی اس میں مقصودِ اہم وصفِ ثانی تھا جس کو سلطان کہنا بھی درست ہے اور وہ بھی مسئلہ اجماعی ہے، مگر ایسے امام کے لئے جن شرائط کی ضرورت ہے وہ مفقود ہونے کی وجہ سے وہ تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔

"ومنها مسئلة نصب الإمام فقد أجمعوا على وجوب نصب الإمام، وإنما الخلاف في أنه يجب على الله تعالىٰ أو على الخلق بدليل سمعي أوعقلي لمذهب أهل السنة و عامة المعتزلة أنه يجب على الخلق سمعاً لقوله عليه السلام على ما أخرجه مسلم من حديث ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما بلفظ: "من مات بغير إمام مات ميتةً جاهليةً"، ولأن الصحابة جعلوا أهم المهمات نصب الإمام حتى قدموه على دفنه عليه الصلوة والسلام، و لأن المسلمين لا بدلهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم، و إقامة حدودهم وسدّ ثغورهم، و تجهيز

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ٢/١٣٦، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٣٨، سعيد)

(٢) (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: السلطان يصير سلطاناً بأمرين: ٥/٣٦٢، سعيد)

جیوشهم، و أخذ صدقاتهم، و قهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق الخ". شرح فقه اکبر،ص: ۱۷۹ (۱)۔

والمسئلة مذکورة فی شرح العقائد (۲) و شرح المقاصد (۳) و شرح المواقف(٤) و إزالة الخفاء (٥) و منصب امامت (٦) والمسایرة (۷) و تمهید أبی الشکور(۸) وحجة الله البالغة(۹) والبسط فی منهاج السنة(۱۰)۔

طحطاوی،ص:۲۷٦،اورشامی دونوں کی عبارتیں نقل کیجئے جن میں تعارض ہے۔

---

(۱) (شرح الفقه الأکبر لملا علی القاریؒ : نصب الإمام واجب، ص:۱۳٦،قدیمی)

(الصحیح لمسلم ،کتاب الإمارة ، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین بلفظ : من مات و لیس فی عنقه بیعة، مات میتةً جاهلیةً : ۱۲۸/۲،قدیمی)

(۲) (شرح العقائد النسفیه، ص:۱۰۲،سعید کراچی)

(۳) "نصب الإمام علی الخلق سمعاً الخ". (شرح المقاصد المقصد السادس، الفصل الرابع فی الإمامة: ۲۳۲/٥،۲۳٥،منشورات الشریف ایران)

(٤) "نصب الإمام عندنا واجب علینا". (شرح المواقف، الموقف الخامس فی الإلهیات، المرصد الرابع فی الإمامة : ۳٤٥/۸،منشورات الشریف ایران)

(٥) "واجب بالکفایة است بر مسلمین الی یوم القیامة نصب خلیفه مستجمع شروط الخ"۔(ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء،ص:۳،سہیل اکیڈمی لاہور)

(٦) دیکھئے:("رسالہ منصب امامت" مصنفہ شاہ اسماعیل شہیدؒ،لاہور)

(۷) (المسامرة شرح المسایرة فی العقائد النجیة فی الآخرة، دارالکتب، بیروت)

(۸) "الخلافة ثابتة والإمارة قائمة مشروعة واجبة علی الناس الخ". (تمهید أبی الشکور، الباب الحادی عشر فی الخلافة، ص:۱۷۲)

(۹) قال الشاه ولی الله الدهلویؒ : "اعلم أنه یجب أن یکون فی جماعة المسلمین خلیفة لمصالح لا تتم الا بوجوده الخ". (حجة الله البالغة ، أبواب سیاسة المدن : ۳۹٤/۲،قدیمی)

(۱۰) (منهاج السنة : ۳٥/۱،مکتبة الریاض)

الجواب :۳...... ہر دار الحرب سے ہر شخص پر ہجرت فرض نہیں بلکہ اس وقت ضروری ہے کہ دار الحرب میں اقامتِ دین پر کما یجب قدرت نہ ہو اور کسی دوسری جگہ اقامتِ دین پر کما یجب قدرت ہو، نیز راستہ مامون ہو، چنانچہ تفسیر احمدی میں اسی صفحہ پر تین چار سطر پہلے ہے:

"ذکروا أن الآیة تدل علی أن من لم یتمکن من إقامة دینه فی بلده کما یجب، وعلم أنه یتمکن من إقامته فی غیره، حقت علیه الهجرة اهـ"(۱)۔

اس میں یہ بھی قید نہیں کہ دار الحرب سے ہجرت کرکے دار الاسلام جائے بلکہ خود دار الحرب کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں اگر یہ بات میسر ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے، اسی طرح اگر دار الاسلام میں قدرت نہ ہو اور دار الحرب میں قدرت ہو تو وہاں سے ہجرت کرکے دار الحرب کو اختیار کرنا بھی اس سے مفہوم ہوتا ہے۔ جو ہجرت ابتدائے اسلام میں واجب تھی وہ منسوخ ہے: "کما صرح به السرخسی فی المبسوط :۱/۱۰٦(۲) والجصاص الرازی فی احکام القرآن :۲/۲٦۲، و ۲/۲۹٤، و ۲/۳۰۵ (۳)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ عزیزیہ :۱/۵۲، میں تحریر فرماتے ہیں:

"مراد از دار الحرب که ازان هجرتِ ما فرض باشد آں دار الحرب است که حربیاں از اظهارِ دینِ خود صوم و صلاة جمعه و جماعات و اذان و ختان سکانِ آنجا را ممانعت نمایند، و اگرچنیں نباشد بلکه مسلمانان آنجا اظهارِ دینِ خود بے دغدغه می کنند و جمعه و جماعات را قائم میدارند و بیانِ احکامِ دینِ خود بے تکلف می کنند، پس ازاں دار الحرب هجرت فرض نیست، وعلی تقدیر الوجوب فی الفور واجب نمی شود بلکه عند وجدان الملجاء والمفر.

"لأن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أقام ثلثة عشر بمکة مع أن کفار مکة کانوا

---

(۱) (تفسیر احمدی، ص :۳۰۵، کریمی بمبئی)

(۲) (کتاب المبسوط للسرخسی : ۱۰/۸، غفاریه کوئٹه)

(۳) قال الجصاص : "وهذا یدل علی الخروج من أرض الشرک إلی أیّ أرض کانت من أرض الإسلام" (أحکام القرآن للجصاص : ۲/۳۵۳، قدیمی)

يمنعون من إظهار الدعوة، و يضربون و يشتمون من آمن، و يمنعون من الصلوات في المسجد الحرام"۔

پس حق تعالیٰ ہر گاہ انصار را بعد از سیزدہ سال ناصر و معینِ آنجناب گردانید و محل و مسکن در بلدہ طیبہ بہم رسید ہجرت فرمودند اھ". فتاویٰ عزیزی، ص:۵۰۲(۱).

کتبِ فقہ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث نظر سے نہیں گزری۔ تحریک خلافت کے وقت ۱۳۳۸ھ میں مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند مضامین تحریر کئے جو مختلف اخبارات میں شائع ہوئے، پھر ان کا مجموعہ ایک رسالہ کی صورت میں بھی شائع ہوا اس کے ساتھ فضائلِ ہجرت کی چہل حدیث بھی ہے مگر فقہاء کی عبارات کی طرف اس میں بھی کوئی خاص التفات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی (اردو)، ص: ۵۰۱، سعید)

ترجمۂ عربی عبارات:

۱- جان لے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب تین شرطوں کے ساتھ دارالاسلام بن جاتا ہے۔

۲- اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اہل اسلام اور اہل شرک (دونوں) کے احکام جاری ہوں تو وہ دارالحرب نہیں بنے گا۔

۳- احکامِ کفر کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ مقدمۂ ملک داری، رعایا کے بندوبست، اموال تجارت سے خراج وعشر وغیرہ لینے، ڈاکوؤں، چوروں کو سزا دینے میں کفار بطورِ خود حاکم ہوں، ہاں! اگر بعض احکام اسلام: مثل جمعہ وعیدین واذان وذبح گاؤ سے تعارض نہ کرتے ہوں نہ کیا کریں (اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا)۔

۴- بلاشبہ وہ شہر جو کفار کے قبضہ میں ہیں بے شک وہ بلادِ اسلام ہے، بلادِ حرب نہیں، اس لئے کہ وہ بلادِ حرب سے متصل نہیں اور نہ انہوں نے ان میں احکام کفر کو ظاہر کیا بلکہ قضاۃ (فیصلے کرنے والے) مسلمان ہیں اور وہ بادشاہ بھی جن کی وہ بضرورت اطاعت کرتے ہیں، مسلمان ہیں۔

۵- اور ان پر کسی والی مسلم کی تلاش کرنا واجب ہے۔

۶- اور اس زمانہ میں ظالموں، کافروں کے غلبہ کی وجہ سے اگر اپنے دین قائم کرنے کی قدرت ہو تو ان پر ہجرت فرض =

....

= ہے، یہی حق ہے۔

۷- اور وہ جو مرقوم ہوا، کہ انگریزوں کی علمداری کے شہر اور ان کے مثل دار الحرب ہے یا نہیں؟ پس جاننا چاہیے کہ یہ جو بیان کرتے ہیں کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہیں بنتا، یہ قول مرجوح ہے اور اصح یہ ہے کہ دار الاسلام ہی دار الحرب ہو جاتا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کب ہوتا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ اگر شعائرِ اسلام میں سے کوئی ایک چیز بھی ممنوع ہو جائے جیسے اذان وختنہ کرنا، دار الحرب ہو جاتا ہے، اور ایک جماعت کہتی ہے کہ دار الاسلام کے دار الحرب ہونے کا مدار شعائرِ اسلام کے محو ہونے پر نہیں، بلکہ جب شعائرِ کفر بھی کھلے باعلان رواج پکڑ جائے، دار الحرب ہو جاتا ہے، گو شعائرِ اسلام بھی برقرار ہوں اور تیسری جماعت نے اس سے بھی ترقی کر کے کہا ہے کہ دار الحرب ہونے کی تعریف یہ ہے کہ اس میں کوئی مسلمان اور ذمّی امانِ سابق کے ساتھ باامن نہ رہے، خواہ بعض شعائرِ اسلام متروک ہوئے ہوں یا نہ اور چاہے شعائرِ کفر علی الاعلان ہوتے ہوں یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸- جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے "ازالة الخفاء" میں اس کی تصریح کی ہے۔

۹- اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی بن جاتا ہے۔

۱۰- اور اگر امام سے اجازت لینا دشوار ہو اور لوگ کسی ایک شخص پر مجتمع ہو جائیں اور وہ ان کو نماز پڑھادے، جائز ہے، سراجیہ میں اسی طرح ہے۔

۱۱- غلبہ وقدرت کے ساتھ حکم نافذ کرنا۔

۱۲- سلطان دو چیزوں سے سلطان بنتا ہے: ایک تو اس سے کہ اشراف داعیان (بڑے لوگ ذمے دار حضرات) اس سے بیعت کرلیں۔ اور دوسرے اس سے کہ اُس کا حکم اس کی رعایا پر اس کے غلبہ کے خوف کی وجہ سے نافذ ہو۔ پس اگر اس سے بیعت تو کرلی جائے مگر اس کا حکم ان میں نافذ نہیں چونکہ وہ ان کو مغلوب کرنے سے عاجز ہے، وہ سلطان نہیں بنے گا۔

۱۳- اور ان میں سے امام کو قائم کرنے کا مسئلہ بھی ہے۔ پس امام مقرر کرنے کے وجوب پر اجماع کیا ہے اور بس اختلاف تو اس میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے یا مخلوق پر؟ اور دلیل نقلی سے اس کا ثبوت ہے یا دلیلِ عقلی سے؟ البتہ اہلِ سنت اور عام معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مخلوق پر واجب ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے جس کی مسلم نے تخریج کی ہے، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بایں الفاظ کہ: جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے امام مقرر کرنے کو تمام مہمات سے اہم قرار دیا، حتی کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر مقدم کر دیا اور اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے کسی امام کا ہونا ضروری ہے جو ان کے احکام کو نافذ کرے اور =

4 دارالحرب، ہجرت، حفاظتِ اہل وعیال

سوال[۱۷۲۴]: ہندستان کی آزادی ویومِ استقلال کے بعد جو جانکاہ اور روح فرسا واقعات رونما ہوئے ہیں وہ کسی فردِ بشر پر مخفی نہیں ہیں، دہلی اور بہار اور الور و پنجاب کے دلسوز اور ولولہ انگیز حالات بھی محتاج بیان نہیں ہیں، فی الحال بھی قومی تعصب اور ذہنیت پورے شباب پر ہے، گجرات میں گودھرا جیسے شاندار شہر کی تباہی وبربادی میں عملۂ سرکار کی بربریت اور بہیمیت پوری قوت سے کارفرما تھی جس کی بنا پر تمام شہر برباد وخاکستر ہوکر وہاں کے مسلمان باشندے بدوچشم ویک بینی حیران وپریشان ہوکر اطراف وجوانب میں فرار ہوگئے ہیں۔

آج سے آٹھ دن قبل جو لکھ پتی تھے وہ آج نان جویں کے محتاج ہیں، اس منظر کو دیکھ کر گجرات کی تمام اقلیتوں پر خوف وہراس طاری ہوگیا ہے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مصداق بنے ہوئے ہیں، کیونکہ

= حدود قائم کرے، قلعوں کی حفاظت کرے، لشکروں کی تیاری کرے، صدقات وصول کرے، باغیوں، چوروں، ڈاکوؤں کو مغلوب وزیر کرسکے الخ۔ (شرح فقہ اکبر، ص:۱۷۹) اور یہ مسئلہ شرح عقائد، شرح مقاصد، شرح مواقف، ازالۃ الخفاء، مسایرۃ، تمہیدِ ابی شکور، حجۃ اللہ البالغہ میں مذکور ہے اور منہاج السنہ میں تفصیل ہے۔

۱۴- انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آیت، ولالت کرتی ہے جو اپنے دین کو اپنے شہر میں قائم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اسے یقین ہے کہ دوسرے شہر میں قائم کرنے کی قدرت ہے، اس پر ہجرت واجب ہے۔

۱۵- جیسا کہ سرخسی نے مبسوط: ۱/۶، میں اس کی تصریح کی ہے اور جصاص الرازی نے احکام القرآن: ۲/۲۶۲، و۲/۲۹۴، و۲/۳۰۵، میں اس کی تصریح کی ہے۔ فقط۔

۱۶- اس دارالحرب سے مراد جس سے ہجرت فرض ہے، وہ دارالحرب ہے کہ حربی لوگ وہاں کے باشندوں کو اپنے دین کے اظہار اور نماز روزہ، جمعہ وجماعت اور اذان وختنہ سے منع کرتے ہوں اور اگر ایسی حالت نہ ہو بلکہ مسلمان بے کھٹکے اپنے دین کا اظہار کرتے ہوں اور جمعہ وجماعت قائم کرتے ہوں، اپنے دین کے احکام بلا تکلف بیان کرتے ہوں پس اُس دارالحرب سے ہجرت فرض نہیں اور وجوب کی تقدیر پر (جہاں سے ہجرت فرض ہے) فی الفور ہجرت فرض نہیں بلکہ کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ میسر آنے کے وقت (فرض) ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تیرا سال قیام فرمایا، باوجودیکہ کفار دعوت (دین وتوحید) کے اظہار سے روکتے تھے اور ایمان لانے والوں کو مارتے پیٹتے اور گالی گلوچ کرتے تھے اور مسجدِ حرام میں نماز ادا کرنے سے بھی روکتے تھے، پس جب تیرہ سال بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے انصار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معین ومددگار بنادیا اور مدینہ طیبہ میں محل ومسکن میسر آگیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔

فسطائیت وسماجیت کا بھوت اکثریت کے سروں پر سوار ہے، چند دیہات میں سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا ہے اور دھمکیاں دی جارہی ہیں۔

مزارات ومقاماتِ مقدسہ کی تخریب وتوہین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا، اکثریت اقلیت کی آبروریزی کے درپے ہے، جس کی وجہ سے ہر خداترس وعاقبت اندیش مسلمان کے دل میں قدرتی طور پر حسبِ ذیل سوالات پیدا ہوئے ہیں، لہذا علماء کرام ومفتیان عظام سے عاجزانہ التماس ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مدلل ومبرہن پیرائے میں تحریر فرما کرارسال فرمائیں تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد کرنے کی کوشش کی جائے؟

(الف) مذکورہ حالت کے پیشِ نظر ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟

(ب) دارالحرب ہونے کی صورت میں پاکستان، افغانستان، عربستان وغیرہ میں سے کس ملک کی طرف ہجرت کرنا بہتر ہے اور ہجرت وجوب وجواز واستحباب میں سے کس درجہ میں بہتر ہے؟

(ج) دارالحرب قرار نہ دینے کی صورت میں قومی فسادات کے موقع پر اپنی جان ومال کی صیانت وحفاظت میں جان کی بازی لگانے سے درجۂ شہادت کی سعادت نصیب ہوگی یا نہیں اور حملہ آوروں سے گریز وروگردانی موجبِ گناہ وعقاب ہے یا نہیں؟

(د) موجودہ فضا کی صورت میں مستورات واطفال وعیال کو خطرۂ جان یا خوفِ ارتداد کی وجہ سے کسی محفوظ مقام پر خواہ ہند میں ہوں یا بیرونِ ہند پہنچانا کیسا ہے؟

(ہ) موجودہ فضا کے لحاظ سے اگر کوئی تاجر کافی مالِ تجارت کے ہوتے ہوئے بہ سلسلہ تجارت مقروض ہے اور گاہک پر ان کا بھی قرض ہے مگر نقد پاس نہیں ہے، اس صورت میں اگر مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر کچھ معمولی رقم بطور دوراندیشی بجائے ادائیگی قرض محض اس غرض سے اپنے پاس رکھے کہ خدانخواستہ اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو موجبِ نقل وحرکت یا بربادیٔ کار ہو تو ذریعۂ قوت لایموت وحفظِ عزت وعصمت بن سکے جائز ہے یا نہیں؟ یا ہر حالت میں ادائیگی قرض مقدم ہے؟ شرح ومفصل جواب تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) ہندوستان کے متعلق قدیم سے اختلاف ہے، اکثر حضرات نے اس کو دارالحرب قرار دیا ہے

جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (۱) اور شاہ محمد اسماعیل شہید (۲) وغیرہما نے اپنی تحریرات میں تصریح فرمائی ہے حالانکہ ان کے وقت میں مسلمان بادشاہ دہلی میں موجود تھے مگر دارالحرب کی تعریف ان کے نزدیک اس وقت ہندوستان پر صادق آتی تھی اور وہ تعریف اب بھی صادق آتی ہے (۳)۔

بعض حضرات نے اس کو دارالاسلام مانا ہے جیسا کہ حضرت مولانا عبدالحئی لکنویؒ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے (۴) حالانکہ ان کا زمانہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے کافی بعد کا ہے جبکہ پورا تسلط انگریز کا ہو چکا تھا مگر دارالحرب کی تعریف: ''التی لم یبق فیھا مسلم'' (۵) مجموع من حیث المجموع ہندوستان کا حکم ان ہنگامی حالات سے نہیں بدلا۔

(ب) مسئلۂ ہجرت اہم مسائل میں سے ہے جس مقام پر کوئی شخص اپنے دین، نفس، عزت، عیال، مال کی حفاظت پر قادر نہ ہو اور شعائرِ اسلام پر کماحقہ عمل نہ کر سکتا ہو اور کسی دوسری جگہ پر جا کر قدرت حاصل ہو سکتی ہو اور راستہ بھی مامون ہو تو اس کے ذمہ ہجرت واجب ہوتی ہے (۶) اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ اول مقام

---

(۱) '' بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں و اشباہِ ایشاں بلاشبہ دار الحرب است الخ''. (فتاوی عزیزی، ربا گرفتن و دار الحرب : ۱/۱۱۱، سعید)

(۲) (صراط مستقیم، ص: ۱۸۸، اسلامی اکیڈمی)

(۳) ''لا تصير دار الإسلام دار حرب إلا بأمور ثلاثة : بإجراء أحكام أهل الشرك، و باتصالها بدارالحرب، و بأن لا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمناً بالأمان الأول''. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المستامن : ۴/۱۷۴، سعيد)

(۴) (مجموعة الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۳۷، سعيد)

(۵) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب ما تصير به دار الإسلام دارالحرب : ۴/۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب السير، الباب الرابع في المرتد : ۶/۳۱۲، رشيديه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۹۶، الصدف پبلشرز)

(۶) ''من لم يتمكن من إقامة دينه في بلد كما يجب، و علم أنه يتمكن من إقامته في غيره، حقّت عليه الهجرة''. (تفسير المدارك : ۱/۲۷۶، قديمي) .... =

دارالحرب اور دوسری جگہ دارالاسلام ہی ہو، بلکہ اگر دارالاسلام میں کسی وقت یہ دشواری پیش آئے اور دارالحرب میں نہ ہو تو ایسے دارالاسلام سے ہجرت کر کے دارالحرب میں آنا ضروری ہوگا۔

اسی طرح اگر دارالحرب کے کسی مقام پر دشواری ہو اور دارالحرب ہی کے دوسرے مقام پر دشواری نہ ہو تو وہاں چلا جائے، اب ہر شخص اپنی جائے قیام، حالات اور قرب وجوار کے حالات نیز پاکستان، عربستان اور افغانستان وغیرہ کے حالات اور اپنی قدرت راستہ وغیرہ کے امن پر غور کرے اور پوری تحقیق کرے اس کے بعد رائے قائم کرے، بلا تحقیق اور بغیر غور وخوض کے محض ہنگامی حالات سے متاثر ہو کر جلدی رائے قائم کرنے سے بسا اوقات پشیمانی ہوتی ہے اور مصائب میں بجائے کمی کے اضافہ ہو جاتا ہے اور آجکل روئے زمین پر علی منہاج النبوۃ کسی جگہ بھی حکومت موجود نہیں اور جو لوگ جلد ہی بغیر تحقیق وغور کے چلے گئے تھے کثیر تعداد میں پریشان ہو کر واپس آرہے ہیں۔

(ج) اپنی حفاظت کا انتظام کرنا اور دشمن کے حملہ وتیاری سے باخبر رہنا ہر شخص کے ذمہ لازم ہے، اگر مفسدین کی جماعت حملہ آور ہو تو پوری تدبیر اور قوت کے ساتھ ہوشیاری سے حفاظت ومدافعت کی جائے اور جو شخص جان ومال وعیال، دین، عزت، کی حفاظت کی خاطر مارا جائے گا اس کو شہادت کی سعادت حاصل ہو گی (۱)، مدافعت ومقابلہ کی طاقت ہوتے ہوئے فرار اختیار کرنا گناہ ہے (۲)۔

(د) ان کی حفاظت از حد ضروری ہے مگر ایسا نہ ہو کہ ان سب کو کسی ایک مقام پر جمع کر دیا جائے اور دشمن جمع شدہ پر جا کر قبضہ کرلے اور جمع کرنے کی زحمت سے بھی بچ جائے جیسا کہ ان اطراف کے بعض مقامات میں

= (وكذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۰۵، كريمي بمبئي)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قُتل دون دينه فهو شهيد، و من قتل دون دمه فهو شهيد، و من قتل دون ماله فهو شهيد، و من قتل دون أهله فهو شهيد". (مشكوة المصابيح، باب ما لا يضمن من الجنايات، ص: ۳۰۶، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: " اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: يا رسول الله و ما هن ؟ قال: "الشرك بالله .... و التولي يوم الزحف". (فيض القدير: ۲۸۹/۱، رقم الحديث: ۱۷۱، نزاد مصطفىٰ الباز)

(وكذا في روح المعاني: ۱۸۲/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت قديمي)

ہوا، نیز اپنے سے ان کو علیحدہ کسی دور دراز مقام پر بھیج دینا بھی قرینِ دانش مندی نہیں کہ وہ علیحدہ پریشان رہیں اور پھر ملاقات بھی دشوار ہو جائے۔

"ذكروا أن الآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب، وعلم أنه يتمكن من إقامته في غيره، حقّت عليه المهاجرة (إلى قوله) و في هذا الزمان إن لم يتمكن من إقامة دينه بسبب أيدي الظلمة أو الكفرة، يفرض عليه الهجرة هو الحق اهـ". تفسير أحمدى، ص:۲۰۲(۱)۔

"مراد از دار الحرب كه ازان هجرتِ ما فرض باشد آن دار الحرب است كه حربيان از اظهارِ دينِ خود صوم و صلاة، جمعه و جماعات واذان و ختان سكانِ آنجارا ممانعت نمايند، و اگرچنيں نباشد بلكه مسلمانان آنجا اظهارِ دينِ خود بے دغدغه مى كنند و جمعه و جماعات را قائم ميدارند و بيانِ احكامِ دينِ خود بے تكلف مى كنند، پس ازان دار الحرب هجرت فرض نيست، وعلى تقدير الوجوب في الفور واجب نمى شود، بلكه عند وجدانِ الملجاء والمفر؛

لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أقام ثلثة عشر بمكة مع أن كفار مكة كانوا يمنعون من إظهار الدعوة، و يضربون و يشتمون من آمن، و يمنعون من الصلوات فى المسجد الحرام"۔

پس حق تعالىٰ هر گاه انصار را بعد از سيزده سال ناصر و معينِ آنجناب گردانيد، و محل و مسكن در بلده طيبه بهم رسيد هجرت فرمودند اهـ". فتاوىٰ عزيزى، ص:۵۰۲(۲).

عقیدہ اور کامل بھروسہ ذات باری پاک پر رکھنا چاہیے کہ ناصر و محافظ حقیقی وہی ہے، اگر ان کی طرف سے نصرت شامل حال ہو تو پھر کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اگر ان کیطرف سے نصرت نہ ہو تو دنیوی انتظامات کچھ بھی

---

(۱)(التفسیرات الأحمدیه، ص:۳۰۵،کریمی بمبئی)

(۲) (فتاوی عزیزی (اردو)، ص:۵۰۱،سعید)

کارآمد نہیں ہوسکتے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، و إن یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون﴾ (۱)۔

اور جب اور جس طرح مقدر میں مرنا لکھا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، مقدر پر شاکر رہنا چاہیے مقدر کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں، بڑے بڑے قلعے بھی موت سے حفاظت نہیں کرسکتے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أینما تکونوا یدرککم الموت و لو کنتم فی بروج مشیدۃ﴾(۲) الآیۃ۔

جب مدار ناصر حقیقی کی نصرت پر رہا تو اس کی نصرت کے اسباب کو حاصل کرنا چاہیے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ یاأیھا الذین امنوا إن تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت أقدامکم﴾ (۳) الآیۃ

یعنی خدا کے دین کی مدد کی جائے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کیا جائے، معاصی کو بند کیا جائے اور گذشتہ گناہوں سے توبہ کی جائے، ضعفاء پر رحم کیا جائے:

"ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء "(٤)۔ "ارحموا ترحموا" (٥) "من لا یرحم لا یرحم "(٦) وغیرہ بکثرت روایات میں اسکی تلقین ہے۔

دوست اور دشمن سب کے دل خدا کے قبضہ وقدرت میں ہیں جس کے دل میں چاہے رحم پیدا فرما دے، جس کے دل سے چاہے رحم نکال دے، جب انسان کے اخلاق وسیع ہوں بے غرض احسان ومروت کرتا ہو، خدا

(۱) (آل عمران: ۱۲۰)

(۲) (النساء: ۷۸)

(۳) (سورۃ محمد: ۷)

(۴) (مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص: ۴۲۳، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی رحمۃ الناس: ۲/۱۴، سعید)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الآداب، باب الرحمۃ: ۲/۶۷۵، دار الحدیث ملتان)

(۵) (مسند أحمد بن حنبل، من أحادیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۲/۱۶۵، رقم الحدیث: ۶۵۰۵، بیروت)

(٦) (کنز العمال، رقم الحدیث: ۵۹۷۱، ۳/۱۶۵، مکتب التراث الاسلامی)

سے ڈرتا ہو، دوسرے کی جان مال آبرو کے درپے نہ ہو بلکہ اپنی جان مال آبرو کی طرح اس کی بھی حفاظت کرتا ہو، خدا سے ڈرتا ہو، چھوٹوں پر شفقت بڑوں کا احترام کرتا ہو، زبان کا سچا ہو اور وعدہ وفا ہو، رشتہ داروں، دوستوں، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتا ہو تو دنیا میں بھی ایسے شخص کی مخالفت کم کی جاتی ہے اور اس کی دشمنی شاذ و نادر ہی کوئی کرتا ہے اور آخرت میں تو ایسا شخص بہر صورت نفع ہی نفع میں ہے اس لئے اس کا قلب مطمئن رہتا ہے۔

(ہ) خطرہ مذکورہ سے زیادہ قابلِ اہتمام ادائے قرض ہے کہ اگر ان حوادث میں اپنا بھی خاتمہ ہو گیا تو مواخذہ اخروی باقی رہے گا (۱) اور اگر محافظِ حقیقی نے نصرت فرما کر جان بچالی ہے تو وہ رزّاق بھی ہے، اپنے وعدۂ رزق کو ضرور پورا فرمائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ جمادی الثانیہ/ ۶۷ھ۔

ہجرت

سوال [۱۷۲۵]: پانچویں پارے کے نصف کے بعد والے رکوع میں جو آیا ہے کہ "فرشتے ایسے لوگوں کی جانیں تکلیف سے نکالیں گے جو کسی جگہ مغلوب ہوں اور وہیں رہتے رہیں، باوجودیکہ اللہ کی زمین کشادہ ہے سوائے ان عورتوں، بچوں اور بڈھوں کے جن کو دوسری جگہ جانے کا راستہ معلوم نہ ہو" (۲)۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ صورت کن موقعوں پر لاگو ہوتی ہے اور نزول کا پسِ منظر کیا ہے؟ نیز ہندوستان سے آج کل کے دور میں کسی اسلامی ملک چلا جانا شرعاً ہجرت کہلائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدّين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الافلاس والانظار، ص: ۲۵۲، قديمي)

قال القاري: "إلا الدين"، أراد حقوق الآدميين من الأموال والدماء والأعراض، فإنها لاتعفى بالشهادة". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع: ۶/ ۱۲۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين توفّهم الملئكة ظالمي أنفسهم، قالوا فيم كنتم، قالوا كنا مستضعفين في الأرض، قالوا ألم تكن أرض الله واسعةً فتهاجروا فيها، فأولئك مأوٰهم جهنّم، وساء ت مصيراً. إلا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان لايستطيعون حيلةً ولا يستطيعون سبيلاً﴾ (النساء: ۹۷، ۹۸، پاره: ۵، ركوع: ۱۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد اسلام قبول ہونے کے لئے ہجرت کرنا لازم تھا پھر جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو ہجرت کا یہ حکم بھی ختم ہوگیا، امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے(۱)۔ اگر کوئی شخص کسی مقام پر رہتا ہے، مگر وہاں احکامِ اسلام کا اظہار واعلان پوری طرح کرنے پر قادر نہیں اور دوسرے مقام پر اس کو جاکر احکامِ اسلام کے اظہار واعلان کی قدرت ہے تو آج بھی اس کو ہجرت کرنا لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

مسئلہ ہجرت

[۱۷۲۶]: **استفسار واستکشاف:** از مفتیان عظام از جانب مہاجرین بخارا وترکستان در امور مندرجہ ذیل:

۱......در فرضیتِ هجرت چند شروط مرتب است، و کدام وقت هجرت فرض خواهد شد، و بکدام جائے هجرت باید کرد؟

---

(۱) قال البغوی فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿أولئک بعضهم أولیاء بعض﴾ قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه: فی المیراث، وکانوا یتوارثون بالهجرة، فکان المهاجرون والأنصار یتوارثون دون ذوی الأرحام، وکان من اٰمن و لم یهاجر لا یرث من قریبه المهاجر، حتی کان فتح مکة انقطعت الهجرة وتوارثوا حیث ما کانوا". (تفسیر البغوی المسمی بمعالم التنزیل، سورة الأنفال: ۲/۲۲۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی التفسیرات الأحمدیه، ص: ۳۰۴، حقانیه پشاور)

(۲) قال النسفی فی المدارک: "والأیة تدل علی أن من لم یتمکن من إقامة دینه فی بلد کمایجب، و علم أنه یتمکن من إقامته فی غیره، حقّت علیه الهجرة" (تفسیر المدارک: ۱/۲۷۶، قدیمی)

قال القرطبی: "الهجرة و هی الخروج من دار الحرب إلی دار الإسلام، و کانت فرضاً فی أیام النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، و هذه الهجرة باقیة مفروضة إلی یوم القیامة" (أحکام القرآن للقرطبی: ۵/۲۲۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۲/۲۰۷، حافظ کتب خانه کوئٹه)

۲......و بعد لزومِ هجرت مردمانِ آن دیار را چه باید کرد؟

۳......آن مهاجرین که ازاں ملک هجرت نموده اند بر ذمۂ ایشان حقِ مستضعفینِ وطن تا بچه حد است، یعنی مردمانِ باقیمانده که در زیرِ ظلم واسارتِ کفار اند بر مهاجرین بدرجۂ حق دارند یا نه؟ کوشش نمودنِ مهاجرین برائے خلاصئ آنها ضرور است یا نه؟ شرح مع حوالۂ کتب تحریر فرمایند.

مستفسر: شعبہ اتحادیہ بمبئی،شاخ انجمن اتحادیہ مہاجرین بخارا وترکستان ودہلی، ۱۵/ جمادی الثانی ۵۵ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱ ...... چون کسے به اقامتِ دینِ خود در بلده قادر نبود، و بیقین یا بظنِ غالب می داند که در بلدۂ دیگر قادر خواهد بود، پس بر آنکس هجرت واجب است، در آنجا رفته حدودِ دین را استوار و مستحکم کند، قال النسفی فی المدارك تحت قوله تبارك و تعالیٰ: ﴿ألم تكن أرض الله واسعةً فتهاجروا فيها﴾ (الآية) (۱) "و الآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلد كما يجب، و علم أنه يتمكن من إقامته في غيره، حقّت عليه المهاجرة وفي الحديث: "من فر بدينه من أرض إلى أرض وإن كان شهراً من الأرض، استوجبت له الجنة، وكان رفيق إبراهيم و نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(۲)۔

درین عبارت دو امر ذکر شده است:

اول: "من لم يتمكن من إقامة دينه في بلد كمايجب" و آن علت وجوب هجرت است، پس اگر کسے بر اقامتِ دین قادر بود، بر او هجرت واجب نه خواهد بود. امر دوئم: "أنه يتمكن من إقامة دينه في غيره" و آن شرطِ وجوبِ هجرت است، پس اگر کسے در بلدِ خود بر اقامتِ دینِ خود قادر نبود وبلدۂ دیگر که هم در آن بر إقامتِ دین

---

(۱) (النساء: ۹۷)

(۲) (تفسیر المدارک: ۱/۲۷۶، قدیمی)

قادر بود هم در نظرش نباشد، یابلدۂ چناں در نظرش باشد و لیکن در اں بلده رفتن نتواند بر آنکس هم هجرت واجب نیست، قال فی التفسیر الأحمدی: "ان فی بدء الإسلام كانت الهجرة ألبتة واجبةً سواء قدر على إقامة دينه أولا، و لا شك فی نسخه، وفی هذا الزمان إن لم يتمكن من إقامة دينه بسبب أيدى الظلمة أو الكفرة، يفرض عليه الهجرة وهوالحق".(۱)۔

۲...... **جوابش از جوابِ سابق واضح گشت.**

۳...... **حسبِ وسعت سعی و تدبیر در تخلیصِ مظلومان آن دیار واجب است** :"لو أغار أهل الحرب الذين فيهم المسلمون مستأمنون على طائفة من المسلمين فأسروا ذراريهم على أولئك المستأمنين، و جب عليهم أن يقاتلوهم، و يخلصوا المؤمنين من أيديهم؛ لأنهم لا يملكون رقابهم، فتقريرهم فی أيديهم تقريرٌ على الظلم، و لم يضمنوا ذلك بخلاف الأموال؛ لأنهم ملكوها بالإحراز عند أبی حنيفةؒ، و قد ضمنوا لهم أن لايتعرضوا أموالهم". تفسیر مظهری(۲)۔

ازین عبارت معلوم شد که اگر در آن دیار مسلمانان بر طریقِ امن می باشد بر آنها نیز تخلیصِ مظلومان واجب است، واگر قدرت باشد برائے تخلیص قتال هم ضروری است، و هم چنین بر هر کس حسبِ وسعتِ خود اعانتِ مظلومانِ آن دیار واجب است، وهرتدبیر و حیله که در امکان باشد بکار باید آورد. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۰۵، كريمی بمبئی)

(و كذا فی التفسير النسفی : ۱/۲۷۶، قديمی)

(واحكام القرآن للقرطبی : ۵/۲۲۴، بيروت)

(۲) (التفسير المظهری : ۴/۱۲۳، حافظ كتب خانه كوئٹه)

ترجمۂ سوال:

مندرجہ ذیل امور میں مفتیان عظام سے استفسار واستکشاف مہاجرین بخارا وترکستان کی طرف سے ....=

ظلم کی حالت میں ہجرت

سوال[۱۷۲۷]: ایسے خوف کے وقت میں اپنی بستی چھوڑ کر امن کی جگہ میں چلا جانا جائز ہے یا نہیں

= ۱......ہجرت کی فرضیت میں کتنی شرطیں مرتب ہیں اور کونسے وقت ہجرت فرض ہوتی ہے اور کونسی جگہ ہجرت کرنی چاہیے؟

۲......ہجرت لازم ہونیکے بعد اس دیار کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

۳......وہ مہاجرین جنہوں نے اس ملک سے ہجرت کی ہے ان کے ذمہ وطن کے مستضعفین کا کس درجہ حق ہے؟ یعنی جو لوگ کفار کے ظلم اور قید میں باقی رہ گئے ہیں مہاجرین پر کسی درجہ حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ مہاجرین کا ان کے چھٹکارے کے لئے کوشش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ حوالہ کتب کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

ترجمۂ جواب

۱......جب کوئی شخص کسی شہر میں اپنے دین کو قائم کرنے پر قادر نہ ہو اور یقین یا ظن غالب سے جانتا ہے کہ دوسرے شہر میں قادر ہو جائے گا، پس اس شخص پر ہجرت واجب ہے، وہاں جا کر دین کے حدود کو استوار و مستحکم کرے، **قال النسفي في المدارک الخ** اس عبارت میں دو امر ذکر کئے گئے ہیں:

اول: وہ شخص جو اپنے شہر میں اپنے دین کو جیسا چاہتا ہے قائم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور یہ ہجرت کے وجوب کی علت ہے۔

دوم: دوسرے شہر میں اپنے دین کو قائم کرنے قدرت رکھتا ہے اور یہ وجوب ہجرت کی شرط ہے، پس اگر کوئی شخص اپنے شہر میں اپنے دین کو قائم کرنے پر قادر نہیں اور کوئی دوسرا شہر بھی کہ جس میں دین کے قائم کرنے پر قادر ہو اس کی نظر میں نہیں یا ایسا کوئی شہر اس کی نظر میں ہے لیکن اس شہر میں جا نہیں سکتا تو اس شخص پر بھی ہجرت واجب نہیں، تفسیر احمدی میں کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت البتہ واجب تھی خواہ وہ اپنے دین کے قائم کرنے پر قادر ہو یا قادر نہ ہو اور اس کے منسوخ ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس زمانہ میں اگر اپنے دین کو قائم کرنے پر ظالم اور کافروں کے غلبہ اور ظلم کے وقت سے قادر نہیں تو اس پر ہجرت فرض ہے، حق یہی ہے۔

۲......اس کا جواب جواب سابق سے واضح ہو گیا۔

۳......حسب وسعت اس دیار کے مظلوموں میں کی رہائی میں سعی و تدبیر واجب ہے "**لو أغار الخ**" اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ اگر اس دیار میں مسلمان امن کے طریقہ پر رہتے ہوں ان پر بھی مظلوموں کی رہائی واجب ہے اور اگر قدرت ہو تو رہائی کے لئے قتال بھی ضروری ہے، اسی طرح سے ہر شخص پر حسب وسعت اس دیار کے مظلوموں کی اعانت واجب ہے اور ہر تدبیر اور حیلہ جو امکان میں ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

؟ جبکہ کہ دو چار کے چلے جانے سے مسلمان پریشان ہوں اور ان میں کمزوری ہو جائے اور ایک سلسلہ خالی کرنے کا لگ جاتا ہے، اس طرح مسلمان کم ہو جاتے ہیں تو کافر بے دھڑک لوٹ مار کر ڈالتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو ہے لیکن بہت بے مروّتی ہے اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جانے کا سبب ہے، اس سے دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی خوف وہراس پیدا ہوتا ہے جس سے وہ مغلوب ہو جاتے ہیں، یا سب یکجا ہو کر مقابلہ کریں یا ضعفاء اور کمزوروں کی حفاظت کا انتظام کر کے سب منتقل ہوں، جب موت کا آنا یقینی ہے اور اسپر ایمان ہے:

﴿أينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة﴾ (۱)۔

تو اس طرح ایک ایک دو دو کر کے بھاگنے سے کیا ہوگا ﴿لن ينفعكم الفرار إن فررتم من الموت أو القتل﴾ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/ شوال/ ۶۶ھ۔

ہندوستان سے ہجرت

سوال[۱۷۲۸]: اگر کثرتِ ہنود اپنی حکومت کے زعم میں اقلیتِ مسلم کو یہ کہے کہ اگر تم کو اپنے دین اسلام کے اصول کے پابند رہنے کی خواہش ہے تو اپنے پاکستان چلے جایئے، اگر یہیں رہنا چاہو تو مذہب ہندو اختیار کیجئے اور اگر دونوں باتیں قبول نہیں ہیں تو تمہاری جان خطرہ میں ہے۔ ایسے وقت میں بیچارے مسلمان کیا کریں، آیا مسجدیں، مدارس نیز بزرگانِ دین کے مزارات چھوڑ کر چلے جائیں یا ہندو بن جائیں، یا مر کر جان دیدیں؟ فرمایئے ایسی ذلت وخواری سے قتل ہو کر مرجانا باعثِ شہادت بھی ہے یا نہیں؟ ہماری حرام موت تو نہیں ہوگی؟ جواب جلد مرحمت ہو، دیر کا وقت نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب تبدیل کرنا یعنی اسلام ترک کر کے (معاذ اللہ) کفر کو اختیار کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۳)، جان

---

(۱) (النساء: ۷۸)

(۲) (الأحزاب: ۱۶)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن يتبدل الكفر بالإيمان، فقد ضل سواء السبيل﴾. (سورة البقرة: ۱۰۸) =

اللہ تعالیٰ نے اسلام کواختیار کرنے، اس پر باقی رہنے اوراس کی اشاعت کرنے کے لئے دی ہے، پس اگر اسلام پر قائم رہنے اور حفاظت کرنے کی خاطر جان کام آجائے تو عینِ سعادت اور شہادت ہے(۱)، یہ حرام موت ہرگز نہیں، اس سے نہیں گھبرانا چاہیے۔

تاہم اگر کسی دوسری جگہ پاکستان وغیرہ جانے پر قدرت ہواور راستہ بھی مامون ہواور یہ اطمینان ہو کہ وہاں پر ارکانِ اسلام کوآزادی سے ادا کرسکیں گے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی تو ایسے لوگوں کے لئے جو یہاں رہ کر اپنے اسلام کی حفاظت نہیں کرسکتے اور سختی کو برداشت نہیں کرسکتے، یہاں سے چلا جانا بھی درست ہے۔ لیکن ان کے جانے کے بعد بقیہ ضعیف مسلمان جو جانے پر قادر نہیں ان کو اَور زیادہ مشکلات کا سامنا ہوگا جیسا کہ مسلم افسروں اور ملازموں کے چلے جانے سے عام مسلم رعایا کو تکالیف زیادہ پہونچ رہی ہیں، اگر وہ سب لوگ یہیں موجود رہ کر آئینی اور دفاعی تدابیر اختیار کرتے تو اغلب یہ ہے کہ اس قدر مشکلات نہ ہوتیں۔ ومسئلة الهجرة مذكورة في الفتاوىٰ العزيزة: ۱/۵۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= قال الحافظ ابن كثير: "أي ومن يشترى الكفر بالإيمان "فقد ضل سواء السبيل): أي فقد خرج عن الطريق المستقيم إلى الجهل والضلال اهـ". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۱۲، دارالفيحاء)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة، يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويُقتلون، وعداً عليه حقاً في التوراة والإنجيل والقرآن، ومن أوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذى بايعتم به، وذلك هو الفوز العظيم﴾. (سورة التوبة: ۱۱۱)

(۲) لم أقف عليه في الفتاوىٰ العزيزة (والمسئلة مذكورة في كفاية المفتي، كتاب الجهاد، الباب الأول، حكم الهجرة من الهند والجهاد فيها: ۲/۱۸۳، ۱۸۵، دارالاشاعت)

وقال الحافظ العينيّ تحت قول الرسول صلى الله عليه وسلم: "يوشك أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر، يفر بدينه من الفتن": فيه فضل العزلة في أيام الفتن، إلا أن يكون الإنسان ممن له قدرة على إزالة الفتنة، فإنه يجب عليه السعي في إزالتها، إما فرض عين وإما فرض كفاية بحسب الحال والإمكان، وأما في غير أيام الفتنة فاختلف العلماء في العزلة والاختلاط أيهما أفضل؟ =

ہندوستان کے کافرحربی ہیں یا ذمی؟ جاں بلب حربی کے منہ میں پانی ٹپکانا

سوال[۱۷۲۹]: ہند کے کافر مستامن ہیں یا ذمی ہیں یا حربی؟ کسی حربی کافر بھکاری کو بھیک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ کہ جاں بلب حربی کافر کے منہ میں چند قطرے پانی ٹپکانا، یہ سوچ کر کہ ایسے آڑے وقت کام آنا انسانی اخلاقی فرض ہے، عندالشرع کیسا ہے؟ اور کوئی مسلمان کافر حربی کو ووٹ دے سکتا ہے یا نہیں؟ جس کے ذریعہ کسی حربی کو تائید واقتدار حاصل ہو، جیسے کہ پارلیمنٹ کے امیدواروں کو کہ ان میں سے وزیراعظم وغیرہ بنتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستامن وہ ہے جو دوسری حکومت کا باشندہ ہو اور امن لے کر دارالاسلام کو جائے (۱)، ذمی وہ ہے جو مسلم حکومت میں رعیت بن کر رہے (۲)۔ ہندوستان کے کافروں کو ان دونوں قسموں میں داخل نہ ہونا

= قال النووی: مذهب الشافعي والأكثرين إلى تفضيل الخلطة لما فيها من اكتساب الفوائد، وشهود شعائر الإسلام، وتكثير سواد المسلمين، وإيصال الخير إليهم ولو بعيادة المرضى وتشييع الجنائز وإفشاء السلام والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والتعاون على البر والتقوىٰ وإعانة المحتاج وحضور جماعاتهم وغير ذلك مما يقدر عليه كل آخر.......... وذهب آخرون إلى تفضيل العزلة لما فيها من السلامة المحققة، لكن بشرط أن يكون عارفاً بوظائف العبادة التي تلزمه.......... والمختار تفضيل الخلطة لمن لا يغلب على ظنه الوقوع في المعاصي اهـ". (عمدة القاری، کتاب الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن: ۱/۲۶۳، ۲۶۴، دار الكتب العلمية)

(وكذا في فتح البارى، كتاب الفتن، باب التعربّ في الفتنة: ۱۳/۵۳، قديمى)

(۱) "المستأمن: أى الطالب للأمان (هو من يدخل دارغيره بأمان)". (الدرا لمختار، كتاب الجهاد، باب المستأمن: ۴/۱۶۶، سعيد)

(۲) "فالذمة هى الأمان، ولهذا سمى المعاهد ذميًّا؛ لأنه أعطى الأمان على ذمة الجزية التي تؤخذ منه". (لسان العرب، حرف الميم، فصل الذال المعجمة: ۱۲/۲۲۱، ۲۲۲، نشر أدب الحوزة)

"ذمی بالكسر وتشديد ميم، أهل کتاب کہ زنہارے باشد منسوب بعہد وپیمان یعنی کافر مطیع الاسلام وجزیہ گزار"۔(غیاث اللغات، فصل: ذال معجمه مع میم: ۲۲۵، سعید)

ظاہر ہے(۱)۔حربی وہ ہے جو برسرپیکار ہو(۲) یہاں کے ہر کافر کا یہ بھی حال نہیں، پس یہاں کے ہر کافر پر حربی کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم، إن الله یحب المقسطین﴾ الآیة (۳)۔

اس آیت شریفہ سے بھیک دینے اور جاں بلب کے منہ میں پانی کے قطرات ٹپکانے کا حکم بھی نکل سکتا ہے(۴)۔

اگر اسلام و مسلمین کو نقصان پہونچانے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو موجودہ حالات میں ووٹ بھی دیا جاسکتا ہے، مسلم کو ووٹ دینے کا حکم بھی اسی طرح ہے(۵)، ووٹ خیر خواہ کو دیا جاتا ہے بدخواہ کو نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) ہندوستان نہ تو دارالاسلام ہے اور نہ وہاں کی حکومت مسلم حکومت ہے جس کی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کو مستأمن یا ذمی کہا جاسکے۔

(۲) "والحربی: هو الذی بیننا وبین بلاده عداوة وحرب فعلیة أو حکمیة". (الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب البیوع، المطلب الرابع: مایترتب علی الاختلاف فی علة الربا: ۵/۳۷۴۰، رشیدیه)

(۳) (سورة الممتحنة: ۸)

(۴) "وقوله تعالیٰ: ﴿لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم﴾: أی لاینهاکم عن إلی الکفرة الذین لا یقاتلونکم فی الدین کالنساء والضعفة منهم ﴿أن تبروهم﴾: أی تحسنوا إلیهم اهـ". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴۸، سورة الممتحنة: ۸، دارالفیحاء)

(۵) یعنی اگر دیانتدار اور امین ہو، نیز مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کی بھلائی چاہتا ہو تو اسے ووٹ دے کر منتخب کیا جانا چاہیے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾.

وقال الحافظ ابن کثیر: "یخبر الله أنه یأمر بأداء الأمانات إلی أهلها، وفی حدیث الحسن عن سمرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "أدّالأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک" ....وهذا یعم جمیع الأمانات الواجبة علی الإنسان من حقوق الله عزوجل علی عباده من الصلوات والزکوات والصیام، والکفارات والنذور وغیر ذلک مما هومؤ متمن علیه، ولا یطلع علیه العباد". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۶۸۵، (سورة النساء: ۵۸)، دارالفیحاء)

"وقال رسول صلی الله علیه وسلم: "المستشار مؤتمن". (جامع الترمذی، کتاب الاستئذان والأدب عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء أن المستشار مؤتمن: ۲/۱۰۹، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (جواہر الفقہ: ۲۹۶، ۳۰۰)

متفرقات

یورپی تہذیب اور اسلام کی ترقی

سوال[۱۷۳۰]: میرے گھر کے سب ہی لوگوں کو اسلام سے کچھ بھی دلچسپی و ہمدردی نہیں ہے وہ لوگ یورپ کی تہذیب کو اپنانا چاہتے ہیں، میں اپنے سے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو پڑھاتا ہوں، انھیں بالکل اسلامی طریقہ سے پڑھانے کی کوشش کرتا ہوں، میرے بڑے بھائی کا خیال ہے کہ یورپ کی تہذیب کو اپنائے بغیر اسلام ترقی نہیں کرسکتا، اس لئے وہ بچوں کو ناچنے گانے وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں، اور ہر چیز غیر اسلامی کرنے کو کہتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ بچے پریشان ہوجاتے ہیں اور وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اس کے برخلاف بڑے بھائی کرنے کو کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ وہ غلط کہتے ہیں، ان کی بات نہ مانا کرو، کیونکہ میرے خیال کے مطابق انسانیت کی ترقی صرف اسلامی اصول سے ہی ہوسکتی ہے جب تک کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کو قرآن وحدیث کے مطابق نہ ڈھالے اس وقت تک اس دنیا میں مسلمان بھی ترقی نہیں کرسکتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ میں جو جواب اپنے بھائی صاحب کے حق میں بچوں کو دیتا ہوں وہ درست ہے یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ فرمائیں، نیز مطلع فرمائیں کہ میرا سلوک اپنے بھائی صاحب اور گھر کے لوگوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ خیال رہے کہ میرے بڑے بھائی مجھ سے نوسال بڑے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کی ترقی اسکے اسلام کی ترقی سے ہے جس کا مدار قرآن کریم اور حدیث شریف کے اتباع پر ہے(۱)۔ اگر یورپین طریقوں کو اختیار کیا جائے گا تو یہ نہ اسلام کی ترقی اور نہ مسلمان کی ترقی ہوگی، بلکہ مسلمان

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وعد الله الذين اٰمنوا منكم وعملوا الصّٰلحٰت ليستخلفنهم في الارض﴾ (النور: ۵۵)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ: "قيل: للدلالة علی أن الأصل في ثبوت الاستخلاف الإيمان" (روح المعاني: ۲۰۲/۱۸ دار إحياء التراث العربي، بيروت)

4

کے ذریعہ سے یورپین طریقہ کی ترقی ہوگی (۱) اور مسلمان کی حیثیت ایسی ہوگی کہ گویا وہ عیسائیوں کا ایجنٹ ہے اور اس کو نہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے تعلق ہے نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے تعلق ہے، بلکہ اس نے اپنی زندگی کا مقصد یہی قرار دے لیا ہے کہ وہ خدا اور رسول کے باغیوں کی صورت شکل بنائے، ان کا طریقہ اختیار کرے، ان کی صف میں آکر بڑے عہدے حاصل کرے، اور نام اپنا پھر بھی رکھے مسلمان، اس میں اس نے اپنے لئے عزت کا تصور کر رکھا ہے، قرآن پاک میں ہے ﴿ ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا﴾ الآیۃ۔ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔ حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۹ھ۔

کیا برما کی لڑائی جہاد ہے؟

سوال [۱۷۳۱] :۱...... ۱۹۴۲ھ کو برما کی تکھن پارٹی بیرونی ممالک کی وساطت سے جدید اسلحہ جات سے مسلح ہو کر عموماً برما کے مسلمان اور خصوصاً ارکان کے مسلمانوں کو قتل عام کیا تھا جس میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے اور بہتیرے مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا تھا، اور اندازاً دس ہزار مسلمانوں کی عورتوں کا اغوا کر لیا تھا۔

۲...... اس کے بعد تکھن پارٹی اور شمالی ارکان کے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی جس میں چائینا بھی شریک تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا کی۔

۳...... مورخہ ۴ جنوری ۱۹۴۸ کو جب برمیوں کو برمی ہند کی طرف سے آزادی ملی تو برمی اور ارکان بدہسٹ ۱۹۴۲ کی طرح پھر منظم اور مسلح ہو کر عموماً برما کے مسلمان، خصوصاً ارکان کے مسلمانوں کو پھر جلاوطن اور قتل عام کرنا شروع کر دیا، اس کے جواب میں شمالی ارکان کے تقریباً نو لاکھ مسلمان مسلح اور منظم ہو کر مرقومہ بالا فرعون کو دندان شکن جواب دیتے چلے آرہے ہیں تاکہ ارکان دارالحرب سے دارالاسلام میں تبدیل ہو جائے،

فی الحال ان وجوہات کے پیش نظر عموماً بنگلہ دیش تمام عوام اور خصوصاً بنگلہ دیش کے سربراہوں کی خدمت میں ارکانی مسلمانوں کی طرف سے پرزور گزارش کرتا ہوں کہ ارکان کے مسلمان جو برمی حکومت کے

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا ندوی رحمہ اللہ کی کتاب (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" ط: مجلس نشریات اسلام)

(۲) سورۃ النساء، پ: ۵، آیت: ۱۳۹)

مقبوضہ میں موت وحیات کی کشمکش میں بتلا ہیں تو دینی ودنیاوی دونوں قانون کے لحاظ سے ان کے بنیادی حقوق وحقِ خودارادیت اور مذہبی آزادی کی حمایت کی جائے۔

۴......مرقومہ بالاصورتِ حال کے پیشِ نظر عموماً بنگلہ دیش کے برادرانِ اسلام اور خصوصاً برمی وارکانی مسلمانوں پر شرعاً کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟

مولانا نذر احمد صاحب ،سکٹری انجمن اشاعتِ اسلام، کتاب منزل ۹۶، چندن پوری چاٹگام بنگال، بنگلہ دیش۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاد کے احکام وشرائط تفصیل سے کتبِ فقہ میں مرقوم ہیں، جوکہ علماء پر بخوبی روشن ہیں، وہاں کے مقامی علماء جن کی تعداد کم نہیں ان سب حالات کو دیکھ کر کیا رائے قائم کرتے ہیں، ان سے ہی دریافت کرنے کی ضرورت ہے، کوئی شخصی مسئلہ ہو تو اس خاص شخص کا اپنے حالات دریافت کر لینا اور اس کا جواب دینا آسان ہے، لیکن جو مسئلہ اتنا اہم ہو اور سب ہی مسلمانوں سے اس کا تعلق ہو اس کو تو مقامی علماء ہی سے حل کیا جائے، ان کا جواب معائنہ اور مشاہدہ کی وجہ سے علی وجہ البصیرت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۹۲ھ۔

جہاد کے جھنڈے کا رنگ

سوال[۱۷۳۲]: رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے مبارک اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں اسلامی جھنڈے کا کیا نشان اور رنگ تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قال یونس بن عبید –یعنی محمد بن القاسم–: عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، یسألہ عن رایة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کانت: أی یسأل عن لونھا و کیفیتھا، و من أیّ ثوب کانت؟ فقال البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: کانت رایتہ سوداء:

أی ما غالب لونه سواد مربعةٌ من نمرة" -بفتح و كسر-، و هی بردة من صوف يلبسها الأعراب، فيها تخطيط من سواد وبياض، و لذلك سميت نمرة تشبيهاً بالنمر"۔

"عن جابر رضی الله تعالىٰ عنه يرفعه إلى النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم أنه: أی النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم كان لوائه يوم دخل مكة: -أی زمن الفتح- أبيض .... عن سماك عن رجل من قومه عن آخر منهم -و لم أقف على تسميتهما، و لم أجده فی غير هذا الكتاب-، قال: رأيت راية رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم صفراء، و لعل هذا الراوی رأی راية رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم فی بعض مغازيه صفراء، و لم أقف على تعيين تلك الغزوة اهـ". بذل المجهود" ۳/ ۲۳۰ كتاب الجهاد (۱)۔

یہ تین روایتیں ہیں، ان میں سے ایک روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے کا کپڑا صوف کا بنا ہوا چوگوشہ تھا جس میں سیاہی غالب تھی، سفید اور سیاہ اس میں خطوط تھے، چیتے کی کھال کی طرح۔ دوسری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کا لواء (جھنڈا) فتح مکہ کے روز سفید تھا۔ تیسری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کا رایہ (جھنڈا) زرد تھا، لیکن پہلی دو روایتوں کے اعتبار سے تیسری روایت کچھ کمزور ہے۔

لواء بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں، رایہ چھوٹے جھنڈے کو، اور بعض علماء نے اس کا عکس فرمایا ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ رایہ اور لواء دونوں ایک معنی میں ہیں (۲)۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رایہ کا نام

---

(۱) (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، كتاب الجهاد، باب فی الرايات والألوية : ۳/ ۴۳۸، معهد الخليل الاسلامی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (عون المعبود، كتاب الجهاد، باب فی الرايات والألوية : ۷/ ۲۵۴، دار الفكر) (والدر المنضود على سنن أبی داؤد، كتاب الجهاد، باب فی الرأيات والألوية : ۴/ ۳۵۲، مكتبة الشيخ) (و كذا فی مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد قبيل الفصل الثالث : ۷/ ۴۴۲، رشيديه)

(۲) "فی النهاية : الراية العَلَم الضخم ..... وفی المغرب : اللواء عَلَم الجيش و هو دون الراية .... و فی شرح صحيح مسلم : الراية العَلَم الصغير، واللواء العَلَم الكبير". (مرقاة المفاتيح ، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، قبيل الفصل الثالث : ۷/ ۴۴۲، رشيديه) .... =

عقاب تھا(۱)۔

ابن عدی کی روایت سے حافظ ابن حجر نے شرح بخاری:۲/۳۶۰، میں نقل کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے میں لکھا ہوا تھا "لا إله إلا الله محمد رسول الله"(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۳/ رجب/ ۵۸ھ۔

صدرِ جمہوریہ کا استقبال

سوال[۱۷۳۳]: کئی سال کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں صدرِ جمہوریہ کی آمد پر پولیس کی طرف سے دو چیزیں پیش کی گئی تھیں: ایک بینڈ باجہ بجوایا جائے، دوسرے راشٹریہ گیت ''جن من گن'' پڑھوائی جائے، لیکن بینڈ باجہ کی پابندی کو علماء نے قبول نہیں کیا، البتہ راشٹریہ گیت کے ابتدائی اشعار پڑھوائے گئے۔صدر جمہوریہ کے ساتھ علماء اور دارالعلوم کے لڑکے کھڑے ہوں گے۔کونسی دلیل کی بنا پر ایسا کیا گیا؟ کیونکہ ہم کو بھی ایسے مواقع پیش آتے ہیں، اس وقت ہم کیا کریں، کیا راشٹریہ گیت میں کفر کے الفاظ نہیں ہیں اور اس میں کراہت کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں؟

=مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(عون المعبود، كتاب الجهاد، باب في الرايات والألوية : ۷/ ۲۵۴، دار الفكر بيروت)

(وتاج العروس، فصل الراء، من باب الواو والياء : ۱۰/ ۱۶۰)

(وفتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في لواء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۶/ ۱۵۶، قديمي)

(۱) "وقيل: كانت له راية تسمى العقاب". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في لواء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۶/ ۱۵۶، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد : ۷/ ۴۴۰، رشيديه)

(۲) "ولأبي الشيخ من حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: "كان مكتوباً على رايته : لا إله إلا الله محمد رسول الله". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في لواء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۶/ ۱۵۶، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی کی خاطر کفر کے شعار کو اختیار کرنا جائز نہیں (۱)، حرام چیز کرنا جائز نہیں (۲)۔ مہمان کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق معاملہ کرنا پسندیدہ ہے (۳) جب تک کسی خلافِ شرع چیز کا ارتکاب نہ ہو (۴)۔ مجھے نہ ان اشعار کا علم ہے، نہ اس وقت کے کوائف کی تفصیل کا علم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) بغرضِ صحتِ سوال بغرض اعانت وتشبہ ایسا نہیں کیا ہوگا: "یکفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح، إلا لضرورة رفع الحرّ والبرد، و شد الزنار في وسطه، إلا إذا فعل ذلك خديعةً في الحرب وطليعةً للمسلمين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر: ۲/۲۷۶، رشيديه)

وقال الملا علي القاريّ: " (من تشبه بقوم، فهو منهم): أي في الإثم الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، رقم الحديث: ۴۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب السير، كتاب الفاظ الكفر، الفصل السادس في التشبيه: ۶/۳۲۰، رشيديه)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة، ص: ۳۲۱، قديمي)

(و بمعناه في صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة: ۲/۱۰۵۷، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، باب الضيافة، ص: ۳۶۸، قديمي)

(وكذا في سنن ابن ماجه، أبواب الأدب، باب حق الضيف، ص: ۲۶۱، قديمي)

"قال القاري رحمه الله: "قالوا: و إكرام الضيف بطلاقة الوجه، و طيب الكلام و الإطعام ثلاثة أيام في الأول بمقدوره و ميسوره، والباقي بما حضره من غير تكلف". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأطعمة، باب الضيافة: ۸/۶۹، رشيديه)

(۴) (أنظر الحاشية، رقم: ۲)

کتاب تعبیر الرؤیا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد: ''میرے ساتھ کھانا کھانا''

سوال[۱۷۳۴]: ہمارے یہاں ایک صاحب مبلغ ہیں جو تبلیغی جماعت میں جاتے رہتے ہیں اور تقریر وغیرہ فرماتے ہیں، ان صاحب نے تقریر کے دوران بیان فرمایا کہ میوات کے ایک میواتی صاحب جماعت میں گئے ہوئے تھے، اتفاق سے وہ صاحب بیمار ہوگئے اور اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ دوپہر کا کھانا مت پکانا، میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تو فکر مت کر کل دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔ تو کیا ایسی بات ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ چیزیں ناممکن نہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر کسی کو اپنے ساتھ کھلائیں یا کوئی چیز عطا فرمائیں جس سے اس کا پیٹ بھر جائے تو ایسا بھی ہوسکتا ہے(۱)۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں اور ان سے پہلے بھی ایسی صورتیں پیش آئی ہیں اور یہ عامۃً خواب میں ہوتا ہے اور اس کے اثرات بیداری میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۲۱ھ۔

---

(۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا یہ حقیقت پر مبنی ہے، کیونکہ شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم مثل نہیں ہوسکتا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:

" وعن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول: "من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتخيل بي". الحديث. (صحيح البخاري: ۱۰۳۲/۲، كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم في المنام. قديمي)

خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبلیغی جماعت کے ساتھ دیکھنا

سوال[۱۷۳۵]: دو تین سال قبل ایک خواب دیکھا کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہوں اور جماعت میں حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہیں، جماعت تامل ناڈو بستی میں پہونچی، ایک مسجد کے دروازے پر دعاء کے حلقہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے، پھر بعد میں جماعت کے حلقہ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما رہے۔ امیر جماعت نے تقریر کی، میں نے امیر جماعت سے پوچھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ امیر جماعت نے کہا مدراس کا معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیلولہ کرتے بھی دیکھا اس کے بعد نیند سے ہوشیار ہو گیا۔ چند دن بعد ایک جماعت رائے چوٹی آئی اس میں میرا لڑکا نور اللہ بھی آیا ہوا تھا، جماعت نے کہا تو بھی چل، پھر جماعت وانمباڑی گئی، یہ وہی مقام تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ جماعت وانمباڑی سے مدراس گئی، میں جماعت کے ساتھ مدراس گیا۔ دیگر عرض یہ ہے کہ میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں آپ سے دعاء کی درخواست ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خواب ماشاء اللہ مبارک ہے، اشارہ ہے کہ یہ دینی کام اور تبلیغی جماعت مقبول ہے، اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرپرستی حاصل ہے(۱) اور آپ کے بیٹے نور اللہ سلمہ کو اس میں کام کرنے کی توفیق ہوگی، آپ کے لئے اگر مدینہ طیبہ کا قیام خیر ہو تو حق تعالیٰ آسان فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر زخم دیکھنا

سوال[۱۷۳۶]: ایک آدمی اپنی تقریر میں یہ کہتا ہے کہ ایک بزرگ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا یہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم مثل نہیں ہو سکتا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا: "و عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من رآنی فی المنام فقد رآنی، فإن الشیطان لا یتخیل بی". الحدیث (صحیح البخاری: ۲/۱۰۳۲، کتاب التعبیر، باب من رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام، قدیمی)

وسلم کوخواب میں دیکھا تو جسم پر زخم تھے اور بسترہ لیکر ہندوستان کو اور راجستھان کو آ رہے تھے، دریافت کیا تو فرمایا کہ امت کی فکر ہے ہندوستان میں اور راجستھان میں زیادہ بگاڑ ہو رہا ہے زخم جو ہیں امت کے غم ہیں۔ کیا یہ باتیں قرآن وحدیث سے لگاؤ کھاتی ہیں؟ راقم کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر میں نامۂ اعمال ہفتہ وار پیش ہوتے ہیں، ان کے بارے میں اس کے متعلق جواب عنایت فرمائیں۔ ایسی تقریر پر خاموشی برتنا یا تنبیہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب میں اس قسم کی چیز دیکھنے میں کیا اشکال ہے (۱) امت کا غم اور بداعمالیوں سے قلق بدن پر زخم کی صورت میں نظر آنا کچھ بعید نہیں (۲) یہ صورتِ مثالیہ ہے نہ کہ عینیہ (۳)۔ امت کے اعمال کا پیش ہونا روایت میں موجود ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "حضرت کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کم ہوا دیکھے تو یہ دلیل ہے کہ اس جگہ کے لوگ شریعت میں سست ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کا نقصان اس شخص کے دین کا نقصان ہے الخ"۔ (تعبیر الرؤیا، ص:۶۳، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) "قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ : و منهم من قال: إن الشيطان لا يتصور على صورته أصلاً، فمن رآه في صورة حسنة فذالك حسن في دين الرائي، و إن كان في جارحة من جوارحه شين أو نقص ، فذالك خلل في الرائي من جهة الدين، و هذا هو الحق ، و قد جرّب ذلك فوُجد على هذا الأسلوب الخ". (كتاب المنامات، ص: ۱۲۰ ، الباب الثالث في روية النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المنام ، دار المعرفة)

(۳) "وقال الشيخ أبو حامد الغزالي رحمه الله تعالىٰ : ليس معناه أنه رأى جسمي و بدني بل رأى مثلاً صار ذلك، والمثال آلة يتأدى بها المعنى الذي في نفسي إليه الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : ۸/ ۳۷۹، رشيديه)

(۴) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"يعرض أعمال الناس في كل جمعة مرتين: يوم الاثنين و يوم الخميس، فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبداً بينه و بين أخيه شحناء فيقال: اتركوا هذين حتى يفيا". رواه مسلم". (مشكاة المصابيح ،ص: ۴۲۸، كتاب الآداب، =

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹی کی زیارت

سوال[۱۷۳۷]: خواب میں جمعہ کے روز دیکھتا ہوں کہ میں کہیں جارہا ہوں ایک جنگل پار کرنے کے بعد ریگستان میں پہونچا، چاروں طرف ریت ہی ریت ہے، یوں ہی چلا جارہا تھا کہ اچانک ایک جگہ مجھے کچھ لوگ ملے وہ سبھی عربی لباس یعنی حاجیوں کے لباس میں تھے، ان لوگوں نے مجھے اصلی نام سے پکارا اور کہا کہ ذرا مٹی دے کر جاؤ، میں رک گیا کہ سر پر رکھنے کے لئے ٹوپی ہی نہیں ہے۔ ایک شخص نے اپنا رومال دیا اور سب کے ساتھ میں بھی مٹی میں شریک ہوگیا اور بعد میں ان لوگوں سے دریافت کیا کہ کس کی مٹی دی گئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹی تھی، اس کے بعد میں آگے کو بڑھا، کچھ دور چل کر پھر اسی قسم کا لباس پہنے ہوئے لوگوں سے ملاقات ہوئی تو ان لوگوں نے بھی مٹی میں شریک ہونے کو کہا اور ان کے ساتھ بھی مٹی دے کر دریافت کیا کہ یہ کس کی مٹی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹی تھی۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی اور کانوں میں صبح کی اذان کی آواز سنائی دی، سنیچر کی شب تھی اس کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خواب ماشاء اللہ بہت مبارک ہے۔ تعبیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر جو غلط کام کئے جاتے ہیں تعزیہ وغیرہ، ان سب کو ختم کردینا چاہئے۔ خدائے پاک سنت کا اتباع نصیب فرمائے (۱)۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

خواب میں مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ختم بخاری شریف کرانا

سوال[۱۷۳۸]: میں نے خواب میں دیکھا کہ مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری

= باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع و إتباع العورات. قديمي)

(وكذا في المدخل لابن أمير الحاج، فصل: و أما في زيارة سيد المرسلين: ۱/۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي)

(۱) ''شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی مردے کی قبر کو کھود رہا ہے تو صاحبِ خواب مردے کے طریقے کی تلاش میں ہے اور اس کی چھوڑی ہوئی چیزوں کے درپے ہے، اگر وہ عالم ہے تو اس کے علم سے اس کو حصہ ملے گا''۔ (خواب اور تعبیر، ص: ۱۸۷، ادارہ اسلامیات کراچی)

شریف ختم کرارہے ہیں، میں کمرہ سے وہاں سے بھاگا ہوا آرہا تھا کہ نوٹ بک گرگئی، میں نے تین روپے اور کاپی اٹھالی، میں وہیں تھا کہ بخاری شریف ختم کراکر مولانا چلے گئے۔اس کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی روح بخاری شریف کی طرف متوجہ ہے۔آپ ان سے فیض حاصل نہیں کر سکے، دنیا کے مال میں سے اقل قلیل پر قناعت کرنی چاہئے، یہ تین چیزیں اس خواب سے ظاہر ہوتی ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۵/۹۴ھ۔

باپ دادا کو خواب میں دیکھنا

سوال[۱۷۳۹] : اکثر اصحاب اپنے باپ دادا کو خواب میں دیکھتے ہیں اس کی کیفیت کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب کی مختلف صورتیں ہیں اور تعبیر کا تعلق زیادہ تر وجدان اور کشف سے ہے تاہم ایسے موقعہ پر ایصال ثواب کردیا جائے۔اگر باپ دادا وغیرہ جن کو خواب میں دیکھا ہے زندہ ہوں تو ان کے حقوق کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خواب میں داڑھی صاف کرادینا

سوال[۱۷۴۰] : ایک شخص نے اعتکاف کی حالت میں خواب دیکھا کہ ایک شخص جوان کے مکان میں کرایہ پر رہتا ہے ان دونوں میں حجت اور تکرار ہورہی تھی، اسی اثناء میں ایک مولوی صاحب فارغ دیوبند اس کرایہ دار کی شکل میں آئے، میری ان سے گالی گلوچ ہوئی۔تھوڑی دیر کے بعد میں وضو کرنے کے لئے بیٹھا تو مجھ سے اور مولوی صاحب سے وہی گالی گلوچ ہوئی۔اس کے بعد مولوی صاحب نے اپنی داڑھی بالکل صاف کردی۔داڑھی کا منڈانا کس بات سے کنایہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب میں داڑھی صاف کرادینا اشارہ ہے بے وقار ہوجانے۔ سے(۱) گالی گلوچ کی بات کرنے سے بھی وقار نہیں رہتا ہے جس کو اس حال میں دیکھا بے وقار سمجھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۲۹ھ۔

خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی کو دونوں ہاتھوں سے درست کرنا

سوال[۱۷۴۱]: میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کررہا ہوں، اسی دوران بیدار ہوا اور زبان پر درود شریف جاری تھا تعبیر عطا فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب اچھا ہے، انشاء اللہ آپ سے دین کی خدمت ہوگی (۲)، جو چیزیں سنت کے خلاف ہیں آپ ان کی درستی کریں گے، اپنے اعمال میں بھی اور حتی الوسع دوسرے کے اعمال میں بھی۔ خدائے پاک اخلاص و استقامت کے ساتھ بہتر طریقہ پر توفیق دے اور نصرت فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خواب میں وضو کرتے کرتے امام نے سلام پھیر دیا

سوال[۱۷۴۲]: عید کی نماز ہورہی ہے نئے کپڑے پہنے ہوئے ہوں لیکن میرے پہونچتے

---

(۱) علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''اگر دیکھے کہ اس کی داڑھی کٹی ہوئی ہے، دلیل ہے کہ اس کے مال اور مراد اور مرتبے کا نقصان ہوگا''۔ (تعبیر الرؤیا، ص: ۳۰۳، ادارہ اسلامیات لاہور)

''شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے داڑھی مونڈھی ہوئی دیکھی تو وہ فقیر ہوجائے گا اور اس کا اقبال جاتا رہے گا''۔ (خواب اور تعبیر، ص: ۸۰۴، ادارہ اسلامیات کراچی)

(۲) ''شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی مردے کی قبر کھود رہا ہے تو صاحبِ خواب مردے کے طریقے کی تلاش میں ہے اور اس کی چھوڑی ہوئی چیزوں کے درپے ہیں، اگر مردہ عالم ہے تو اس کے علم سے اس کو حصہ ملے گا''۔ (خواب اور تعبیر، ص: ۷۱۸، ادارہ اسلامیات لاہور کراچی)

پہونچتے امام نے سلام پھیر دیا میں پاؤں دھورہا تھا وضو کے لئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس کی تعبیر یہ ہے کہ باوضو رہنے کی عادت ڈالیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۷/۹۰ھ۔

ایضاً

سوال[۱۷۴۳]: مسجد میں بہت سے آدمی ہیں مگر میں وضوء کر رہا ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

تکبیر اولیٰ سے نماز کا اہتمام کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۷/۹۰ھ۔

خواب میں اذان پڑھنا

سوال[۱۷۴۴]: ایک صاحب آپ سے ایک خواب کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں،خواب یہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اذان خواب میں پڑھتے ہیں،اس سے قبل کبھی کبھی اس سال بار بار حتیٰ کہ بعض راتوں میں مکرر سہ کرر اس کی نوبت آجاتی ہے اور زیادہ صبح صادق کے اوقات میں یہ خواب پیش آتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب میں اذان کہنا اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین

---

(۱) "قال ابن حجر رحمه الله تعالى: و أما وضوها فيعبر بنظافتها حساً، و معنى و طهارتها جسماً وحكماً". (كتاب المنامات ، لشيخ عبد السلام محمد علوش، ص: ۱۷۳ ، باب فيمن رأى نفسه في طاعة من الطاعات كالوضؤ أو الصلاة أو الطواف و نحو ذلك ، دار المعرفة بيروت)

"شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ صاف پانی سے وضوء پر وضوء کیا تو نور علیٰ نور ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ "الوضوء على الوضوء نور على نور". (خواب اور تعبیر، ص: ۹۱۵، ادارہ اسلامیات کراچی)

کودوسروں تک پہونچانااور نماز کی زیادہ ترغیب دینا ہے(۱) آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کریں۔حق تعالیٰ اخلاص واستقامت دے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۱۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

"ھذا من فضل ربی" خواب کی تعبیر

سوال[۱۷۷۵]: میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک رشتہ دار کے گھر گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ لکھ کر لگادو،اول الفاظ یاد نہیں رہے دوسرے الفاظ یہ ہیں "ھذا من فضل ربی" مکان دومنزلہ ہے اس پر لگانے کو کہا۔جس آدمی نے کہا وہ ابھی باحیات ہیں۔اس کے بعد فوراً گھر آیا، دیکھا کہ میری والدہ صاحبہ لیٹی ہوئی ہیں،وہ مجھے قریب بلا کر کہنے لگیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کیسے پسند آگئی تھی؟ میں نے جواب دیا کہ جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔پھر انہوں نے کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو میری قبر پر تختے جلد لگانا، اگر میں نہ مانوں پھر بھی لگانا۔یہ خواب میں نے چار بجے دیکھا ہے۔جواب عنایت فرمائیں۔

محمد بشیر جامع العلوم کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس خواب میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے:ایک یہ کہ اس دنیا میں جو چیز بھی ہے اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ محض خدائے پاک کے فضل سے ملی ہے(۲)، میری حیثیت ایسی نہیں تھی کہ میں اس کا مستحق ہوتا نہ میری محنت کو اس میں دخل ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ بھی عمر یہاں دی گئی ہے اس کا مقصد آخرت کی فکر

---

(۱) محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "اگر دیکھے کہ نماز کے لئے اذان کسی مسجد یا مینار سے دیتا ہے تو دلیل ہے کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلائے گا" (تعبیر الرؤیا،ص:۱۲۹، بانگ،نماز،ادارہ اسلامیات)

"شیخ عبد الغنی بن اسماعیل نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اذان خواب میں دینا خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے"۔(خواب وتعبیر،ص:۶۷،ادارہ اسلامیات کراچی)

(۲) قال ابن کثیر تحت قول اللہ عزوجل: ﴿ھذا من فضل ربی﴾ :أی ھذا من نِعَم اللہ عليَّ" .(تفسیر ابن کثیر، (سورۃ النمل: ۴۰): ۳/۴۸۴، مکتبہ دار السلام الریاض)

اور تیاری ہے(۱) اس مقصد کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے، کبھی ذہن اس سے خالی نہ رہے اللہ پاک مجھے بھی توفیق دے اور آپ کو بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

بدعات کے لئے خواب سے استدلال

سوال[۱۷۴۶]: ہمارے یہاں بدعتی قبروں پر چراغ جلاتے ہیں اور قیام مروجہ بھی کرتے ہیں جب کہ ان سے منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے چندروز سے چراغ جلانا اور قیام کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن خواب میں ہم نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو ڈانٹ رہے ہیں کہ تم نے چراغ جلانا اور قیام کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ حدیث میں مذکور ہے کہ شیطان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں نہیں آسکتا۔ لہذا خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جلوہ افروز ہوئے، تو اس استدلال سے چراغ جلانا اور قیام کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو ان کے استدلال کی مخالفت کی کیا دلیل ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جس کام کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحالتِ بیداری منع فرمادیا ہو(۲) اور وہ ممانعت حدیث شریف میں موجود ہو اور محدثین اس کو سند کے ساتھ روایت کرتے ہوں اور مجتہدین اس سے استدلال کرتے ہوں وہ اصالۃً حجت ہے۔

اس کے بالمقابل اگر خواب میں اس کی اجازت دی گئی ہو تو وہ حجت شرعیہ نہیں(۳)۔ خواب کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿بل تؤثرون الحيوة الدنيا والأخرة خير و ابقیٰ﴾ (سورة الأعلى: ۱۶، ۱۷)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و ما آتاكم الرسول فخذوه، وما نهكم عنه فانتهوا، و اتقوا الله إن الله شديد العقاب﴾ (سورة الحشر: ۷)

(۳) قال صاحب شرح العقائد: "والإلهام المفسر بإلقاء معنىً في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق الخ". (شرح العقائد، ص: ۵۵، ۵۶، سعيد)

وقال صاحب نور الأنوار: "اعلم أن أصول الشرع ثلثة .... الكتاب والسنة والإجماع .... والأصل الرابع القياس". (ص: ۴، ۵، سعيد)

وقال الشيخ عبدالحيء اللكهنوی: "كثير من المشايخ الذاكرين قد كان يتشرف برؤية النبي =

ذریعہ کسی حرام ومعصیت کو حلال وقربت قرار نہیں دیا جاسکتا خواب کی توجیہ کرکے اس کے لئے محمل حسن تجویز کیا جائے گا۔

یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں متمثل ہوسکے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ خواب میں جو کچھ سمجھا وہی مقصود بھی ہے، مثلاً صورتِ مسئولہ میں یہ مطلب ہو کہ فلاں ناجائز کام کیوں چھوڑ دیا، اچھی طرح سیر ہوکر کیوں نہیں کیا تاکہ پوری سزا ملتی؟ اس سے اس کام کی اجازت کوئی تھوڑی سی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ شرح مشکوۃ شریف اور شرح بخاری شریف میں اس کو اچھی طرح تفصیل سے حل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۳۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۳۰ھ۔

چرن سنگھ کو خواب میں اسلام کی دعوت

سوال[۱۷۴۷]: میں نے خواب میں اندرا گاندھی اور چرن سنگھ کو دیکھا، میں نے چرن سنگھ سے کہا کہ تم اسلام لے آؤ تو ہندوستان کے اندر اسلامی حدود قائم ہوجائیں، آج کل ہندوستان میں بہت چور ہیں، یہ سب اللہ کے حکم سے کم ہوجائیں گے، اس پر اندرا گاندھی نے تائید کی۔ اس کی کیا تعبیر ہے؟

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مناماً و یقظة .... أو الهموا بذلك إلهاماً، فقلت : احتمال هذه الأمور لا يكفي، ومجرد ذكرهم تلك الروايات لا يدل عليه". الرسالة". (الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة : ۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(۱) قال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ تحت قوله: "(في المنام فقد رآني): أي فكأنه رآني في عالم الشهود والنظام، لكن لا يبتني عليه الأحكام ليصير به من الصحابة، و ليعمل بما سمع به في تلك الحالة، كما هو مقرر في محله الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الرؤيا : ۳۴۷/۸، رشيديه)

"قال ابن السمعاني رحمه الله تعالیٰ : و يؤخذ من هذا ما تقدم التنبيه عليه أن النائم لو رأى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يأمره بشيء هل يجب عليه امتثاله و لا بد، أو لا بد أن يعرضه على الشرع الظاهر، فالثاني هو المعتمد كما تقدم". (فتح الباري، ۳۸۱/۱۲، كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في المنام، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً :

آپ کا جذبہ مبارک ہے، مقصد یہ ہے کہ کوئی مضبوط قسم کا آدمی برسر اقتدار آنا چاہئے جو کہ لالچ اور ڈرنے سے بے پرواہ ہو کر حق کی خدمت اور اشاعت حق کی خاطر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۸ھ۔

خواب میں بارانِ رحمت

سوال[۱۷۴۸] : خواب میں بڑے زور کی بارش ہوتے دیکھا، اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اللہ پاک اس کو رحمت کی بارش بنائے (۱) اور اس کے نقصانات سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۵/۲۰ھ۔

خواب میں انگور دیکھنا

سوال[۱۷۴۹] : ایک خواب کی تعبیر پوچھنا چاہتا ہوں جو مندرجہ ذیل ہے:

ایک درخت ہے جس پرسے میں ایک گوچھا انگور کا توڑ کر چکھ رہا ہوں، ایک دوسرا شخص بھی مانگ رہا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو نعمتیں دی ہیں ان کو تنہا استعمال نہ کریں بلکہ دوسروں کو بھی شریک کرلیا کریں۔ اس سے برکت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۷/۴ھ۔

خواب میں درخت کا گرنا دیکھنا

سوال[۱۷۵۰] : میرے سامنے کا درخت گر گیا ہے۔

---

(۱) ''حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بارش خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر رحمت اور برکت ہے جب عام بارش ہو اور سب جگہ پہنچے۔ فرمان حق تعالیٰ ہے: ﴿وهو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر رحمته، وهو الولی الحمید﴾ الآیة : (الشوریٰ : ۲۸) (تعبیر الرؤیا، ص: ۱۱۹، ادارہ اسلامیات لاهور)

4

الجواب حامداً و مصلیاً :

اس کا حاصل یہ ہے کہ جماعت کا اہتمام کریں، آپ کے کاموں میں کوئی رکاوٹ ہو اس کے دور ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

کئی چاند خواب میں دیکھنا

سوال [۱۷۵۱]: میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے چاروں طرف چاند ہیں اور ایک چاند بیچ میں ہے۔ ان سب خوابوں کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں، خدائے پاک ان سے ملنے کی توفیق دے۔ آمین (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

خواب میں دودھ دیکھنا

سوال [۱۷۵۲]: میرے گھر میں انتقال ہوئے تقریباً دو سال کا عرصہ گزر گیا ہے، میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟

دودھ ابل رہا ہے ڈھکنا ڈھکا ہوا ہے، اسکو اٹھادیا مگر دودھ پھر نکل گیا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

دودھ والے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ دوسری شادی کرلیں۔

خواب میں گوشت دیکھنا

سوال [۱۷۵۳]: میرے گھر میں سے کہہ رہی ہیں کہ گوشت زیادہ آ گیا ہے تھوڑا اچھا کو دیکر آجاؤ۔

---

(۱) "قال المعبّر أبو أسعد أحمد بن محمد: و ربما دل القمر على العالم والفقيه و كل ما يهتدى به من الأدلة، لأنه يهدى في الظلمات و يضيء في الحناوس". (كتاب المنامات، لشيخ عبد السلام محمد علوش، ص: ۲۵۳، مكتبه دار المعرفة بيروت)

جب میں گیا تو چچا کے مکان کی چھت گری پڑی ہے اور اس گوشت کو دیکر چلا آیا ہوں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

گوشت والے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ زبان کی حفاظت کیا کریں، کسی کا تذکرہ کبھی بھی برائی کے ساتھ نہ آئے (۱) اللہ پاک آپ کو بھی توفیق دے اور مجھے بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

خواب میں گائے کا گوشت دیکھنا

سوال[۱۷۵۴]: خاکسار کو خواب میں والد صاحب دکھائی دیئے، انہوں نے کہا بیٹا دھڑی بھر گوشت اور دے گائے کا، آگے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تجھے بہت دے گا۔ مجھے اسی وقت سے بہت احساس ہے اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

والد صاحب مرحوم کو ثواب پہنچائیں، قرآن کریم کی تلاوت کر کے، نماز تسبیح پڑھ کر، صدقہ دے کر (۲) غرض جو بھی نیک کام ہو گوشت کی کوئی تخصیص نہیں (۳) البتہ اسلامی شعار کو جہاں تک ہو سکے پختگی سے مضبوط پکڑیں کسی کے تعلق کی وجہ سے اس میں کوتاہی نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) ''حضرت جابر مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر دیکھے کہ تازہ گوشت سے کسی کو مارا ہے، دلیل ہے کہ اس کی زبان سے رنجیدہ کرے گا یا اس کی غیبت کرے گا''۔ (تعبیر الرؤیا، ص:۵۰۵، ادارۃ اسلامیات لاہور)

''حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خواب میں کسی انسان کا گوشت کھانا بیداری میں اس کی غیبت کرنے پر دلیل ہے''۔ (خواب اور تعبیر، ص:۷۹۸، ادارہ اسلامیات کراچی)

(۲) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوةً كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت و ينفعه".
(مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(۳) ''حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر خواب میں گائے کے گوشت کا ٹکڑا کھایا ہے تو دلیل ہے کہ کھانے کے مطابق اس کے لئے اس سال میں نعمت کی فراخی ہوگی''۔ (تعبیر الرؤیا، ص:۱۳۳، ادارۃ اسلامیات لاہور)

خواب میں ایک اونٹ کھول کر لے چلنا

سوال[۱۷۵۵]: میں رات کو سونے سے پہلے اپنی زبان سے یہ الفاظ کہہ رہا تھا کہ اللہ اب تُو تو میری مٹی کو سمیٹ لے تو تقریباً ڈیڑھ بجے رات جانے پر میں سوگیا تو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں نے کسی حاکم کے پاس درخواست کی زمین وغیرہ کے بارے میں دی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ یہ حاکم اس درخواست پر اپنی نشانی کردے لیکن اس نے کئی بار انکار کردیا۔ پیچھا نہ چھوڑنے پر اس نے نشانی کردی تو میں وہاں سے چل دیتا ہوں، راستہ میں چار اونٹ بندھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک اونٹ میں نے کھول لیا اور لیکر چل دیا گھر کے ارادہ سے لیکن راستہ ہی میں تھا کہ آنکھ کھل گئی تو اس خواب کو دیکھ کر مجھے بڑی بے چینی ہوئی۔ اس لئے میں علمائے دین سے اس کی تعبیر حاصل کرنا چاہتا کہ یہ کیا منظر تھا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

خواب کی تعبیر یہ ہے کہ موت اپنے قبضہ میں نہیں، نہ اس کی خبر دی جائے گی کہ موت کب کو آئے گی؟ اس کے لئے جلدی مچانا بیکار ہے(۱) اونٹ اپنی رفتار پر چلتا ہے اس کو کھول کر ساتھ چلانے سے بھی اس کی رفتار میں تغیر نہیں آئے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۹۳ھ۔

خواب میں جوتی گم ہونے کی تعبیر

سوال[۱۷۵۶]: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ کبھی ایک جوتی گم ہوجاتی ہے کبھی دونوں گم ہوجاتی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث و يعلم ما في الأرحام ، و ما تدری نفس ما ذا تكسب غداً و ما تدری نفس بأیّ أرضٍ تموت، إن الله عليم خبير﴾. (سورہ لقمان: ۳۴)

"ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "مفاتيح الغيب خمس، ثم قرأ: ﴿إن الله عنده علم الساعة﴾. الآية. (رواه البخاری: ۷۰۴/۲، سورة لقمان، باب قوله: (إن الله عنده علم الساعة)، كتاب التفسير)

"قال عبد الله: أوتی نبيكم صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مفاتيح كل شیء غير خمس ﴿إن الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث﴾ الآية. (مسند احمد ۶۳۸/۱، رقم الحديث: ۳۶۵۱، دار احياء التراث العربی)

ہیں، پھر میں بہت پریشان ہوکر اس کو تلاش کرتا ہوں اور کبھی پھٹ جاتی ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بظاہر اسباب سفر کے ہیں (١) کہ سفر کی ضرورت ہے مگر اس پر رکاوٹ ہے (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۸/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۸/۱/۹۱ھ۔

خواب میں حالتِ موت میں اپنا منہ کھلا دیکھنا

سوال [۱۷۵۷]: میں نے ایک روز ایک عجیب خواب دیکھا ہے کہ میں اس دار فانی سے کوچ کر چکا ہوں اور کفن وغیرہ مجھے پہنا چکے ہیں، جنازہ بالکل تیار ہے اور میرا منہ بالکل کھلا ہوا ہے اور میں خود اپنے اردگرد موجود لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ میرا منہ ڈھانک دو اور مجھے لے چلو۔ تو لوگوں نے کہا کہ اگر منہ ڈھک دیں گے تو نہ تم سن سکوگے نہ کچھ بول سکوگے اور پہونچتے ہی عذاب شروع ہو جائے گا تو میں یہ باتیں سنکر گھبرا گیا، پھر آنکھ کھل گئی تو فجر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں مسجد میں آیا بہت توبہ واستغفار کی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب میں تنبیہ ہے کہ موت کی تیاری کی جائے (٣) جن امور کی وجہ سے عذابِ قبر ہوتا ہے ان سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۸/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۱۸/ ۷/ ۹۰ھ۔

---

(١) ''حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خواب میں جوتے کا دیکھنا تین وجہ سے ہے ایک ''سفر'' ہے''۔ (تعبیر الرؤیا ص: ۵۷۲، ادارہ اسلامیات لاہور)

(٢) ''علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دیکھے کہ اس کے جوتے میں سوراخ ہے دلیل ہے کہ کسی وجہ سے سفر سے رکے گا''۔ (ص: ۵۷۱، تعبیر الرؤیا، ادارہ اسلامیات لاہور)

(٣) ''حضرت جابر مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھے کہ وہ مرا ہے اور کسی نے اس کو غسل دیا ہے دلیل ہے کہ توبہ کرے گا''۔ (تعبیر الرؤیا، ص: ۵۲۹، ادارہ اسلامیات) .... =

خواب اور اس کی تعبیر

سوال[۱۷۵۸]: زید نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس کے والد عمر کا انتقال ہوگیا ہے، زید نے انتہائی غم والم کی وجہ سے مثل بے ہوش کے ہوگیا ہے، نہ تو اپنے والد کے غسل میں شریک ہوتا ہے اور نہ کفن دفن میں، پھر اس کے دوسرے تیسرے روز زید کے والد عمر زندہ ہوکر واپس گھر آجاتے ہیں، ان سے زید معلوم کرتا ہے کہ آپ واپس کیسے آگئے؟ تو وہ کہنے لگے کہ چند ایام کی رخصت لے کر آگیا ہوں۔ پھر زید نے معلوم کیا کہ قبر میں کیسی گزری؟ تو وہ جواب دینے لگے کہ ٹھیک ٹھیک مگر دوسرے پاس میں لوگوں کو شدید ترین عذاب میں پایا، اس کی تعبیر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قسم کے خواب سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ آدمی موت اور قبر سے غافل نہ رہے بلکہ فکر اور تیاری میں لگا رہے۔ نیز جو جاچکے ہیں ان کے لئے ایصال ثواب بھی کرتا رہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۸ھ۔

خواب میں مینار دیکھنا

سوال[۱۷۵۹]: مجھے خواب میں نظر آیا کہ وضو کر رہا ہوں، جب مینار کی طرف دیکھا تو مینار زمین سے آسمان تک ہل رہا ہے۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ اسلامی شعائر بلند ہونگے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۶/۲۴ھ۔

= ''شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی نے خواب دیکھا گویا اس کا انتقال ہوا اور مرنے کے بعد زندگی گزار رہا ہے تو تعبیر ہے گناہوں سے تائب ہوگا''۔ (خواب اور تعبیر، ص: ۸۶۷، ادارہ اسلامیات کراچی)

(۱) ''حضرت شیخ عبدالغنی بن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دیکھا کہ مرنے کے بعد زندگی گزار رہا ہے تو تعبیر ہے کہ مرنے سے مستغنی ہوگیا، یا دلیل ہے گناہوں سے تائب ہوگا''۔ (خواب اور تعبیر، ص: ۸۶۷، ادارہ اسلامیات)

خواب میں سانپ کو مارنا

سوال[١٧٦٠]: میں نے خواب دیکھا کہ ایک سوراخ سے ایک سانپ نکلا اس کو میں نے مارڈالا اور پھر دوسرا سانپ اسی سوراخ سے نکلنے لگا، میں نے سوچا کہ جب پورا سانپ نکل جائے گا تب ماروں گا۔ پھر آنکھ کھل گئی تو اس کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب مبارک ہے، اللہ تعالیٰ دشمن پر غلبہ عطا فرمائے گا(١) اور دشمن کے شر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ١٨/٤/٩٣ھ۔

خواب میں خنزیر دیکھنا

سوال[١٧٦١]: میں رمضان المبارک میں سحری کے بعد سوگیا، کیا دیکھتا ہوں کہ باوضو ہوں اور مسجد کی فرش کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں اور جمعہ کا روز ہے اور سب نمازی فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں، میرا منہ قبلہ کی طرف ہے اور قبلہ کی طرف ایک خنزیر جانور کو مار رہے ہیں اور جو خنزیر جانور کو مار رہے تھے وہ بھی ایک داڑھی والا عمر رسیدہ شخص تھا، جانور چت لیٹا ہوا تھا اور گوشت کھال الگ تھی مگر وہ تڑپ رہا تھا، تڑپتے وقت اس کو پیشاب کی حاجت ہوئی، اس نے جو پیشاب کیا تو اس کی چھینٹیں میرے کپڑوں پر اور مسجد کے فرش پر آئیں اس کو مسجد سے قریباً بیس قدم کا فاصلہ تھا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ یہ میرا خواب ہے میں حضرت سے اس کی تعبیر لینا چاہتا ہوں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

آپ کے خواب میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ کبھی کبھی آپ کی آمدنی میں کچھ حصہ ناجائز

---

(١) علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اگر دیکھے کہ اس نے سانپ کو مارا ہے۔ دلیل ہے کہ دشمن پر غالب ہوگا"۔ (تعبیر الرؤیا ص:٥٢٠، ادارہ اسلامیات لاہور)

قال الشيخ عبد السلام محمد علوش : "وأما الحيّة في المنام غير يوم القيامة فعدو الخ".
(كتاب المنامات ، ذكر الحديث الثاني والعشرين في لسع الحيات، ص: ٣٨١، دار المعرفة بيروت)

آجاتا ہے(۱) اس سے احتیاط کریں، دوسرا اشارہ زبان کی حفاظت کی طرف ہے کہ گفتگو میں کسی دوسرے کا ذکر برائی سے نہ آنے پائے، اللہ پاک آپ کو بھی بچائے اور مجھے بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

خواب میں مُردوں کو دیکھنا

سوال[۱۷۶۲]: احقر خوابوں میں اکثر و بیشتر مردے دیکھتا ہے۔ ایک روز خود اپنے کو دیکھا کہ میں مرگیا ہوں اور رو رہا ہوں۔ ایک دفعہ اور دیکھا کہ اپنی قبر کھود رہا ہوں اور بعض دفعہ سادھوؤں کو دیکھتا ہوں، جو شکلیں نظر آتی ہیں وہ بہت ڈراؤنی ہوتی ہیں۔ اس کی تعبیر سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

آدمی کو اپنی موت سے غافل نہیں رہنا چاہئے، بلکہ کثرت سے یاد کرتے رہنا چاہئے۔ حدیث پاک میں اس کی تاکید بھی آئی ہے اور فضیلت بھی آئی ہے(۲)۔ مردے خواب میں دیکھنا بھی یاددہانی ہے کہ یہاں کی ہر چیز ناپائیدار ہے، جو بھی یہاں آیا ہے اس کو جانا ضروری ہے، یہاں کے قیام کا وقت مقرر اور محدود ہے، جس کی تعیین کا علم قطعی حاصل نہیں، خدا جانے کب وقت آجائے؟(۳) یہاں کی زندگی عیش و عشرت کے لئے نہیں بلکہ

---

(۱) علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اگر دیکھیں کہ سؤر کا گوشت اس کے پاس ہے یا کسی نے اس کو دیا ہے، دلیل یہ کہ مال حرام پائے گا"۔ (تعبیر الرؤیا ص: ۲۵۱، ۲۵۲، ادارۃ اسلامیات لاہور)

"شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کبھی خنزیر کی دلالت شر، تکلیف اور اس کو حرام سمجھنے والے کے لئے مال حرام پر ہوتی ہے"۔ (خواب اور تعبیر ص: ۳۰۵، ادارہ اسلامیات کراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أكثروا ذكر هاذم اللذات الموت". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۴۰، كتاب الجنائز، باب تمني الموت وذكره، قديمي)

(وسنن النسائي: ۱/۲۵۸، كتاب الجنائز، باب كثرة ذكر الموت، قديمي)

(و جامع الترمذي: ۲/۵۷، أبواب الزهد، باب ما جاء في ذكر الموت، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث و يعلم ما في الأرحام، و ما تدري نفس ما ذا تكسب غداً و ما تدري نفس بأيّ أرضٍ تموت، إن الله عليم خبير﴾ (سورة لقمان: ۳۴)

"حدثنا يحيىٰ بن سليمان قال: حدثني ابن وهب .... أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما =

آخرت کی درستگی کا سامان مہیا کرنے کے لئے ہے(۱) مسلمان کو بھی مرنا ہے، غیر مسلم کو بھی، کافر کو بھی مرنا ہے، سادھوؤں کو بھی (۲)۔ اللہ پاک انجام بخیر کرے آپ کا بھی اور میرا بھی، اور وہاں فضل وکرم کا معاملہ فرمائے، آمین! ہم لوگوں کے اعمال کے موافق معاملہ نہ فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۴/۹۰ھ۔

مرحومین کی کوئی بات خواب میں معلوم ہونے پر یقین

سوال[۱۷۶۳]: خواب کے ذریعہ مرحومین کی طرف سے کوئی بات معلوم ہو جائے تو کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ یہ بات ان کے دل کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے معلوم کرائی ہے؟

= قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مفاتيح الغيب خمس، ثم قرأ ﴿إن الله عنده علم الساعة﴾". الآية (رواه البخاری : ۲/۷۰۴، سورة لقمان، باب قوله: (إن الله عنده علم الساعة)، كتاب التفسير، قديمی)

"حدثنا عبدالله حدثني أبي ثنا يحيىٰ قال عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه: أوتي نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مفاتيح كل شيء غير خمس: ﴿إن الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث﴾ الآية. (رواه أحمد: ۱/۴۳۸، رقم الحديث: ۳۶۵۱، دار إحياء التراث العربی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ (سورة الذاريات: ۵۶)

و قال ابن كثير تحت قوله تعالىٰ: "(إنما خلقتهم لآمرهم بعبادتي لا لاحتياجي إليهم) : و قال علي ابن أبي طلحة عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما (إلا ليعبدون) أى إلا ليقروا بعبادتي طوعاً أو كرهاً". (تفسير ابن كثير ۴/۲۳۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنک ميت و إنهم ميتون﴾. (سورة الزمر: ۳۰)

وقال ابن كثير: "و معنى هذه الآية: أنكم ستنقلون من هذه الدار لا محالة، و ستجمعون عند الله تعالىٰ في الدار الآخرة، وتختصمون فيما أنكم فيه في الدنيا من التوحيد والشرك الخ". (تفسير ابن كثير : ۴/۵۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً :

خواب حجتِ قطعیہ نہیں، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے بعض دفعہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۲ھ۔

موت کے لئے خواب میں ایک جگہ کو دیکھنا

سوال[۱۷۶۴]: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک دیندار شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تمہاری موت

---

(۱) "ان أباقتادة الأنصاى –رضی اللہ تعالیٰ عنه – و کان من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وفرسانه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب الحلم من الشیطان: ۲/۱۰۳۷، قدیمی)

"الصحیح ماعلیه أهل السنة أن اللہ یخلق فی قلب النائم اعتقادات کما یخلقها فی قلب یقظان، فإذا خلقها فکأنه جعلها عَلَماً علی أمور أخری یخلقها فی ثانی الحال، و مهما وقع منها علی خلاف المعتقد، فهو کما یقع للیقظان، ونظیره أن اللہ خلق الغیم علامةً علی المطر و قد یتخلف، وتلک الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملک فیقع بعدها ما یسر أو بحضرة الشیطان فیقع بعدها ما یضر، والعلم عند اللہ تعالیٰ". (کتاب المنامات للشیخ عبد السلام، الفصل الثالث فی حقیقة الرؤیا، ص: ۵۹، دار المعرفة)

"ان اللہ سبحانه یخلق فی قلب النائم اعتقادات کما یخلقها فی قلب الیقظان و هو سبحانه یخلق ما یشاء لا یمنعه نوم و لا یقظه، و قد جعل سبحانه تلک الاعتقادات عَلَماً علی أمور یخلقها فی ثانی الحال، ثم إما ما یکون عَلَماً علی ما یسر یخلقه بغیر حضرة الشیطان، و ما یکون عَلَماً علی ما یضر یخلقه بحضرته الخ". (روح المعانی، (سورة یوسف، پ: ۱۳، آیت: ۵): ۱۲/۱۸۱، دار إحیاء التراث العربی)

مزید تفصیل کے لئے: (فتح الباری، کتاب التعبیر، باب أول ما بدیء به رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الخ، رقم الباب ۱۰۹، ۱۲/۴۳۷، قدیمی)

اکتوبر میں دیوبند میں ہوگی۔ اس کی تعبیر بتلادیں کیا وہاں جانا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خواب کی آپ پر کیا ذمہ داری ہے، جہاں موت مقدر ہے وہاں آپ کی تقدیر پہونچا کر رہے گی (۱)، اس لئے آپ شرعاً مکلف نہیں کہ وہاں تشریف لے جائیں۔ مہینہ تو اکتوبر کا بتلادیا مگر یہ نہیں بتلایا کہ اسی سال یا کب؟ یہ ضرور ہے کہ آدمی موت سے غافل نہ رہے، اس طرح زندگی گزارے کہ جب بھی بلاوا آجائے، فوراً لبیک کہہ کر حاضر ہوجائے (۲)، یہ فکر نہ کرے کہ اوہو! فلاں فلاں کے میرے ذمہ قرض باقی ہیں جن کو ادا نہیں کرسکا۔ فقط واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

خواب میں مُردہ کو برہنہ دیکھنا

سوال[۱۷۶۵]: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبرستان ہے، اس میں ایک مُردے کے جسم پر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ وما كان لنفس أن تموت إلا بإذن الله كتاباً مؤجلاً﴾ (سورة آل عمران: ۱۴۵)

وقال العلامة الألوسيّ: "مؤجلاً": أي مؤقتاً بوقت معلوم لا يتقدم ولا يتأخر، وقيل: حكماً لازماً مبرماً". (روح المعاني: ۴/۷۶، (سورة آل عمران: ۱۴۵)، دارالكتب)

وقال الحافظ ابن كثير: " أي لايموت أحد إلا بقدر الله، وحتى يستوفي المدة التي ضربها الله له". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۴۴، دارالفيحاء)

وقال العلامة الألوسي تحت قول الله تعالىٰ: ﴿ وما تعلم نفس بأيّ أرضٍ تموت ﴾: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أراد الله تعالىٰ قبض عبد بأرضٍ جعل له إليها حاجة اهـ". (روح المعاني: ۲۱/۱۱۳، سورة لقمان: ۳۴، دارالكتب العلمية)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ فلا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾: أي محافظوا على الإسلام لله، ولا تفارقوه برهةً واحدةً، فربما تأتيكم منايا كم وأنتم على غير الدين الذي اصطفاه لكم ربكم، وفي هذا النهي إيماء إلى أن من كان منحرفاً عن الجادة لاييأس، بل عليه أن يبادر بالرجوع إلى الله، ويعتصم بحبل الدين خيفة أن يموت وهو على غير هدى، فالمرء مهدد في كل آن بالموت". (تفسير المراغي: ۱/۲۲۰، ۲۲۱، (سورة البقرة: ۱۳۲)، مصطفى البابي الحلبي)

کالے بال ہیں، کوئی مُردہ آدھا ننگا ہے، کسی کا پاؤں ننگا ہے، ایک مُردہ کا منہ پورب کی جانب پھرا ہوا ہے، کوئی خون آلود ہے۔ بہر حال اس قسم کا واقعہ نظر آیا، پھر میری آنکھ کھل گئی، یہ کیا راز ہیں، اس کی تعبیر مرحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقویٰ کو شریعت نے لباس قرار دیا ہے (۱)، جس کے پاس جیسا تقویٰ ہے ویسا ہی اس کا لباس دکھایا گیا ہے، جس قدر جو شخص تقویٰ سے خالی ہے اسی قدر وہ لباس سے برہنہ ہے۔ جو آدمی زندگی خلاف سنت گزارتا ہے اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں رہتا، جو شخص غیبت کرتا ہے وہ مُردار کا گوشت کھاتا ہے (۲)، غرض یہاں کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولباس التقویٰ ذلک خیر﴾ بیّن أن التقویٰ خیر لباس کما قال: ـ

إذا المرء لم یلبس ثیاباً من التقیٰ
تقلب عریاناً وإن کان کاسیا

وخیر لباس المرء طاعة ربه
ولا خیر فیمن کان عاصیا

وروی قاسم بن مالک عن عوف معبد الجحنی قال: " لباس التقویٰ الحیاء " وقال ابن عباسؓ: "لباس التقویٰ العمل الصالح". ....وقال عروة بن الزبیر: " هو الخشیة لله" وقیل : "هو استشعار تقویٰ الله فیما أمربه ونهی عنه .... والمعنی: ولباس التقویٰ المشار إلیه الذی علمتوه خیر لکم من لباس الثیاب التی تواری سوآتکم ....اهـ". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱۱۹/۷، (سورة الأعراف: ۲۶)، دارالکتب العلمیة)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ ولا یغتب بعضکم بعضاً، أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتاً فکرهتموه﴾ وروی أبو هریرة رضی الله عنه أن الأسلمی ماعزاً جاء إلی النبی صلی الله علیه وسلم، فشهد علی نفسه بالزنی ، فرجمه رسول الله صلی الله علیه وسلم ، فسمع نبی الله صلی الله علیه وسلم رجلین من أصحابه یقول أحدهما للآخر: انظر إلی هذا الذی ستر الله علیه، فلم تدعه نفسه حتی رُجم رجم الکلب، فسکت عنهما، ثم سارساعةً حتی مرّ بجیفة حمار شائل برجله، فقال : "أین فلان وفلان"؟ فقالا: نحن ذا یارسول الله! قال: "اِنزلا فکلا من جیفة هذا الحمار"، فقالا: یا نبی الله! ومن یأکل من هذا؟ قال: "فما نلتما من عِرض أخیکما أشد من الأکل منه". =

اعمال کے مطابق قبر کے حالات ہوتے ہیں۔آپ سب کے لئے دعائے مغفرت کریں،حق تعالیٰ آپ کی بھی حفاظت فرمائے اور میری بھی اور سب مسلمانوں کی بھی۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹/۵/۹۱ھ۔

=...... وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : "ماصام من ضل یأکل لحوم الناس".(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۲۱۹/۱۶، (سورۃ الحجرت: ۱۲)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

"وعن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : " لما عُرج بی مررت بقومٍ لهم أضفارٌ من نحاس یخمشون وجوههم وصدورهم ، فقلت: من هولاء یاجبریل ؟ قال: هولاء الذین یأکلون لحوم الناس، یقعون فی أعراضهم". (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الغیبة: ۲/۳۲۱، امدادیہ، ملتان)

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الطهارة	
	باب الوضوء	
	الفصل الأول فی فرائض الوضوء	
	(فرائضِ وضو کا بیان)	
۱	مقطوع الیدین کیسے وضو کرے؟	۴۰
۲	پالش ناخن پر لگی رہ جائے تو وضو کا حکم	۴۱
۳	وضو میں داڑھی، مونچھ اور بھووں کے نیچے کھال کا دھونا	۴۲
۴	وضو میں داڑھی کا دھونا اور خلال کرنا	۴۲
۵	کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم	۴۳
۶	وضو میں مسح بھول جائے تو کیا کرے؟	۴۴

۷	مسح کے لئے ماءِ جدید کا لینا	۴۴
۸	پیر پر مسح کی صورت	۴۵

الفصل الثانی فی سنن الوضوء

(سننِ وضو کا بیان)

۹	مسواک کا حکم	۴۷
۱۰	مسواک کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟	۴۷
۱۱	مسواک کتنی موٹی ہونی چاہیے؟	۴۸
۱۲	بانس کی تیلی سے مسواک کا حکم	۴۸
۱۳	عورتوں کے لئے مسواک	۴۹
۱۴	کھڑے ہوکر مسواک کرنا	۴۹
۱۵	ڈاڑھی میں خلال کا طریقہ	۵۰
۱۶	وضو کرتے وقت انگلیوں میں خلال کب کرے؟	۵۰
۱۷	پورے سر اور کانوں کا مسح سنتِ موکدہ ہے	۵۰
۱۸	مسحِ راس کے وقت چھوٹی انگلی کان میں ڈالنا	۵۱
۱۹	پیروں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ	۵۲
۲۰	کیا وضو کی سنت چھوٹنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے؟	۵۲
۲۱	پاؤں دھونے کا مسنون طریقہ	۵۳

الفصل الثالث فی مستحبات الوضوء وآدابه

(مستحباتِ وضو وآداب کا بیان)

۲۲	وضو کے لئے کتنا پانی چاہیے؟	۵۴
۲۳	وضو کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعا مانگنا	۵۵

۲۴	وضوعلی الوضوکونورٌعلی نورکب کہا جائے گا؟........	۵۵
۲۵	وضوکا بچا ہوا پانی........	۵۶
۲۶	وضوکے پانی کوکپڑوں سے پونچھنا........	۵۷
۲۷	وضوکے بعد منہ پونچھنا........	۵۸
۲۸	لوٹے میں ہاتھ ڈال کراس سے وضوکرنا........	۵۸

الفصل الرابع فی مکروھات الوضوء

(مکروہاتِ وضوکابیان)

۲۹	وضوکرتے ہوئے سلام کاجواب........	۵۹
۳۰	وضوکرتے وقت سلام یابات کرنا........	۵۹

الفصل الخامس فی نواقض الوضوء

(نواقضِ وضوکابیان)

۳۱	وضوکرتے ہوئے حدث ہوجائے........	۶۰
۳۲	درمیان وضوناقضِ وضوکاتحقق ہونے سے وضوکاحکم........	۶۰
۳۳	کھجلی کے دانوں کے پانی کاحکم........	۶۱
۳۴	خروجِ ریح ناقضِ وضوکیوں ہے؟........	۶۲
۳۵	ریح کااخراج بہیئتِ سجدہ........	۶۳
۳۶	کس کس سہارے سونے سے وضوٹوٹتا ہے؟........	۶۳
۳۷	ناک کی ریزش سے وضو........	۶۵
۳۸	کان سے نکلا ہواگندا پانی ناقضِ وضوہے........	۶۵
۳۹	کیاشراب ناقضِ وضوہے؟........	۶۶
۴۰	گالی دیناناقضِ وضونہیں........	۶۸

۴۱	تاش ناقضِ وضو نہیں	۶۸
۴۲	محض سوزش ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟	۶۹
۴۳	انجکشن سے خون لینا کیا ناقضِ وضو ہے؟	۶۹
۴۴	پنڈلی، سینہ وغیرہ سے خون نکلنا	۷۰
۴۵	سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقضِ وضو ہے	۷۱
۴۶	جو پانی ناپاک نکلے، وہ ناقضِ وضو ہے	۷۱
۴۷	عورت کی فرج سے رطوبت نکلے اور وہاں کپڑا رکھ لیا جائے	۷۲
۴۸	نزلہ، زکام کے قطرات نجس نہیں	۷۳
۴۹	نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے	۷۳
۵۰	بچہ کا پاخانہ صاف کرنا ناقضِ وضو نہیں	۷۴

الفصل السادس في متفرقات الوضوء

۵۱	وضو کرتے وقت اور بیت الخلاء میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم	۷۵
۵۲	وضو میں پیر کھڑے ہو کر دھونا	۷۶
۵۳	پیر کی انگلی اور انگوٹھے سے مسواک پکڑنا	۷۶
۵۴	وضو کے بعد لوٹا سیدھا رکھا جائے، یا اوندھا؟	۷۷

باب الغسل

الفصل الأول في فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

۵۵	غسل میں غرارہ کا حکم	۷۸
۵۶	کیا غسل میں ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے؟	۷۹

۵۷	غسل میں سر پر پانی ڈالنا نقصان دے تو مسح کرنا درست ہے یا نہیں؟	۷۹
۵۸	ناخن پر سرخی جم جائے، تو کیا حکم ہے؟	۸۰
۵۹	ڈاڑھ میں چاندی بھرنا مانعِ غسل ہے یا نہیں؟	۸۰
۶۰	ایضاً	۸۱
۶۱	دانت پر خول اور غسل کا حکم	۸۱
۶۲	ایضاً	۸۲
۶۳	ڈاڑھ میں مسالہ بھرا ہوا ہو تو غسل کا حکم	۸۳
۶۴	ڈلی دانت میں رہتے ہوئے غسل کا حکم	۸۳
۶۵	غسلِ جنابت میں مصنوعی دانتوں کا حکم	۸۴

الفصل الثانی فی مستحبات الغسل

(مستحباتِ غسل کا بیان)

۶۶	غسل کے لئے پانی کی مقدار	۸۵
۶۷	غسل کے لئے کتنا پانی چاہیے؟	۸۶
۶۸	غسل میں عورتوں کا چوٹی کھولنا	۸۷
۶۹	غسلِ جنابت سے پہلے وضو کرنا ضروری نہیں	۸۸

الفصل الثالث فی آداب الغسل

(آدابِ غسل کا بیان)

۷۰	غسل خانہ میں برہنہ شخص دعائیں پڑھے یا نہیں؟	۸۹
۷۱	غسل کے وقت دعاء پڑھنا	۸۹
۷۲	غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا	۹۰
۷۳	غسل خانہ میں ننگے ہو کر غسل کرنا	۹۱

۷۴	برہنہ ہوکر غسل کرنا	۹۱
۷۵	غسل خانہ میں برہنہ ہوکر غسل کرنا	۹۲
۷۶	لنگی کے ساتھ غسل کرنا احوط ہے	۹۲
۷۷	برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنا	۹۳
۷۸	برہنہ غسل پھر وہیں وضو	۹۳
۷۹	غسل میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا	۹۴
۸۰	غسل خانہ میں پیشاب کرنا	۹۵

الفصل الرابع فی موجبات الغسل

(موجباتِ غسل کا بیان)

۸۱	سوکر اٹھنے والا لیس دار مادہ دیکھے، تو کیا غسل واجب ہے؟	۹۶
۸۲	منی کے کود کر نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۹۶
۸۳	عورت کی منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۹۷
۸۴	دھات اور منی نکلنے سے غسل کا حکم	۹۸
۸۵	بدن دبوانے سے خروجِ مادہ اور وجوبِ غسل	۹۹
۸۶	غسلِ جنابت کے بعد فرجِ عورت سے منی نکلے، تو کیا دوبارہ غسل واجب ہوگا؟	۹۹
۸۷	عضو پر تری کا وجود موجبِ غسل ہے یا نہیں؟	۱۰۰
۸۸	احتلام کے بعد بغیر پیشاب کے غسل کرنا	۱۰۲
۸۹	ران پر ذکر کو رگڑنے سے غسل واجب نہیں ہوتا	۱۰۲
۹۰	ریزش اور خزش بغیر لذت کے موجبِ غسل نہیں	۱۰۳
۹۱	بلا ارادہ انزال ہوجانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۱۰۴
۹۲	بغیر شہوت کے خروجِ منی سے غسل کا حکم	۱۰۴
۹۳	جلق موجبِ غسل اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟	۱۰۶

۹۴	آب دست سے غسل واجب نہیں ہوتا........	۱۰۶
۹۵	منی نکلنے کے کچھ دیر بعد دوبارہ منی نکلے تو غسل واجب ہوگا یانہیں؟........	۱۰۶
۹۶	زنا کے بعد غسل کتنی مرتبہ واجب ہے؟........	۱۰۸
۹۷	دھوبن کی لڑکی سے صحبت کر کے کیا کبھی پاک نہیں ہوگا؟........	۱۰۸
۹۸	کیا چند بار جماع کر کے ایک غسل کافی ہے؟........	۱۰۹
۹۹	شوہر یا بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا........	۱۱۰
۱۰۰	حیض کے ایام میں بیوی سے وطی کرنے کے بعد کیا دو غسل ضروری ہیں، یا ایک ہی کافی ہے؟	۱۱۰
۱۰۱	سفر میں غسلِ جنابت........	۱۱۲

الفصل الخامس فی أحکام الجنابة

(جنابت کے احکام کا بیان)

۱۰۲	حالتِ جنابت کا پسینہ........	۱۱۳
۱۰۳	بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا........	۱۱۳
۱۰۴	غسلِ جنابت میں تاخیر کرنا اور کھانا پینا........	۱۱۴
۱۰۵	جنبی کا جھوٹا کھانا پینا........	۱۱۵
۱۰۶	بحالتِ جنابت ناخن اور بال ترشوانا........	۱۱۵
۱۰۷	بلا غسلِ عضو دوبارہ جماع کرنا........	۱۱۶

باب المیاه

الفصل الأول فی الماء الطاهر والنجس

(پاک اور ناپاک پانی کا بیان)

۱۰۸	مائے مستعمل........	۱۲۰
۱۰۹	مائے مستعمل کسے کہتے ہیں؟........	۱۲۲

۱۱۰	مائے مستعمل کے قطروں کا جسم یا کپڑوں پر گرنا............................	۱۲۵
۱۱۱	مائے مستعمل کا حکم............................	۱۲۶
۱۱۲	جنبی اور حائضہ کے استعمال شدہ پانی کا حکم............................	۱۲۶
۱۱۳	عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا............................	۱۲۷
۱۱۴	ریل گاڑی کے بیت الخلاء کے پانی کا حکم............................	۱۲۸
۱۱۵	بارش کا پانی پرنالہ میں روک کراس سے وضو کرنا............................	۱۲۸
۱۱۶	دوا سے رنگ اور مزہ تبدیل ہونے والے پانی کا حکم............................	۱۲۹
۱۱۷	جس پانی کے اوصاف بدل گئے ہوں اس سے وضو............................	۱۲۹
۱۱۸	دودھ، چھاچھ، شوربہ سے وضو............................	۱۳۱
۱۱۹	اعضائے وضو پرتری کے ساتھ مصلیٰ پر جانا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غسالہ............................	۱۳۲
۱۲۰	برکت کے لئے آبِ زمزم سے بدن اور کپڑے دھونا............................	۱۳۳
۱۲۱	دریائے جہلم کے پانی کا حکم............................	۱۳۴
۱۲۲	گنگا، جمنا کا پانی............................	۱۳۴
۱۲۳	ٹیوب ویل کا پانی مائے جاری ہے............................	۱۳۴
۱۲۴	نل کا پانی کیا مائے جاری ہے؟............................	۱۳۵
۱۲۵	جس جگہ سے بال اکھڑے ہوں، اس کا حکم اوران بالوں کا حکم............................	۱۳۶

الفصل الثانی فی البیر وغیرھا

(کنویں کے احکام)

۱۲۶	کنویں کا پانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں پاک ہے............................	۱۳۸
۱۲۷	ناپاک گنوں کے ٹکڑے کنویں میں ڈالنے سے کنویں کا پانی پاک رہتا ہے یانہیں؟............................	۱۳۸
۱۲۸	ناپاک کنویں میں ڈول ڈالنے سے ڈول ناپاک ہوجائے گا............................	۱۳۹
۱۲۹	ناپاک کنواں غیر مسلموں کے پانی نکالنے سے پاک ہوگا یانہیں؟............................	۱۴۱

۱۳۰	بالٹی میں ناپاک کپڑے دھوکر بغیر پاک کیے کنویں میں بالٹی ڈال دی....................	۱۴۱
۱۳۱	گوبر لیپے ہوئے حصۂ زمین پر مٹکا پانی کا رکھا، پھراس کو کنویں میں ڈال دیا....................	۱۴۲
۱۳۲	چشمہ دار کنویں کو کس طرح پاک کیا جائے؟....................	۱۴۳
۱۳۳	غیر مسلم کے کنویں میں کوئی گر کر مر گیا، اس کے پاک کرنے کی صورت....................	۱۴۵
۱۳۴	بچہ کنویں میں گر گیا اور اس پر ناپاکی نہیں تھی....................	۱۴۶
۱۳۵	کیا کنویں میں غیر مسلم کے اترنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے....................	۱۴۶
۱۳۶	کنویں میں جنبی شخص کے اترنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟....................	۱۴۷
۱۳۷	سور (خنزیر) کنویں میں گرا، اس کے پانی کا حکم....................	۱۴۹
۱۳۸	دو یا تین مرغ کنویں میں گر گئے، کتنے ڈول پانی نکالا جائے؟....................	۱۵۰
۱۳۹	چوہا کنویں میں پھول گیا، اس سے کھانا پکایا گیا....................	۱۵۰
۱۴۰	چھپکلی کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟....................	۱۵۱
۱۴۱	گرگٹ اور چھپکلی گر جائے، تو کیا حکم ہے؟....................	۱۵۱
۱۴۲	چھچھوندر کے گرنے، مرنے اور کھال کے پھٹنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے....................	۱۵۴
۱۴۳	چوہا حمام میں سے ملا....................	۱۵۴
۱۴۴	کنویں میں کسی جانور کے مر کر سڑ جانے سے پانی کے پاک کرنے کا طریقہ....................	۱۵۵
۱۴۵	گوریا (چڑیا) کی بیٹ پانی میں گر جائے....................	۱۵۶
۱۴۶	کنویں میں گوبر ڈالا، پھر روزانہ اس کا پانی استعمال ہوتا رہا، کیا وہ پاک ہوگا؟....................	۱۵۷
۱۴۷	گیلا گوبر کنویں میں ڈالا گیا، اس کا حکم....................	۱۵۷
۱۴۸	کنویں میں چپل، جوتا، یا گیند گر جائے، اس کے پانی کا حکم....................	۱۵۹
۱۴۹	جوتا کنویں میں گر گیا....................	۱۵۹
۱۵۰	جس کنویں سے جوتا نکلا، اس کے پانی کا حکم....................	۱۶۰
۱۵۱	گہرے کنویں میں غسل کرنے سے کنواں پاک ہے یا نہیں؟....................	۱۶۱
۱۵۲	غسلِ جنابت کرتے وقت قطرہ کنویں میں گر گیا....................	۱۶۲

۱۵۳	جس کنویں میں مستعمل پانی اندر جائے، اس سے وضو وغیرہ کا حکم	۱۶۲
۱۵۴	کنویں کے قریب نجاست ہو، اس کا اثر کتنی دور تک ہوتا ہے؟	۱۶۳
۱۵۵	شک سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا	۱۶۴
۱۵۶	چاول وغیرہ پرستش کردہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا	۱۶۵
۱۵۷	دیوبند کے ایک فتوے کا حوالہ	۱۶۶
۱۵۸	کنویں کا پانی زیادہ ہونے کی ترکیب	۱۶۶
۱۵۹	زیرِ زمین ٹنکی کا حکم	۱۶۶

الفصل الثالث فی الحوض

(حوض کے احکام کا بیان)

۱۶۰	حوض کی گہرائی اور چوڑائی	۱۶۸
۱۶۱	حوض کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی	۱۶۸
۱۶۲	ایضاً	۱۶۹
۱۶۳	دہ در دہ اور مقدارِ ذراع	۱۷۰
۱۶۴	حوض کی پیمائش	۱۷۱
۱۶۵	دس بیگہ تالاب میں غسل وغیرہ	۱۷۲
۱۶۶	ہندوستانی مسجد کے حوض سے وضو	۱۷۲
۱۶۷	حوض میں کلی، مسواک، پیر دھونا	۱۷۳
۱۶۸	حوض میں پیر ڈال کر دھونا	۱۷۴
۱۶۹	کتا حوض میں گر گیا تو کیا حوض ناپاک ہوگیا	۱۷۴
۱۷۰	حوض کا پانی بذریعۂ نل بیت الخلاء کے لئے	۱۷۵
۱۷۱	کیا استنجا کئے بغیر گڈھے میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہوگا؟	۱۷۵
۱۷۲	جوہڑ کے پانی کا حکم	۱۷۶

باب التیمم

(تیمّم کے احکام کا بیان)

۱۷۳	مرض کی وجہ سے تیمم	۱۷۷
۱۷۴	غسل پر قدرت نہ ہوتو تیمم کرلے	۱۷۸
۱۷۵	بیماری کے وہم کی بناء پر تیمم	۱۷۸
۱۷۶	غسل مضر ہو، وضو مضر نہ ہوتو تیمم کا حکم	۱۸۰
۱۷۷	سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنا	۱۸۰
۱۷۸	سخت سردی میں بجائے غسل کے تیمم کا حکم	۱۸۱
۱۷۹	تیمّم اس حالت میں کہ پانی ٹھنڈا یا گرم نقصان دے	۱۸۲
۱۸۰	مسجد سے نکلنے کے لئے تیمم	۱۸۲
۱۸۱	تنگی وقت کی وجہ سے کیا تیمم درست ہے؟	۱۸۳
۱۸۲	تنگی وقت کی وجہ سے غسل کا تیمم	۱۸۴
۱۸۳	تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا	۱۸۴
۱۸۴	ایضاً	۱۸۵
۱۸۵	کیا تیمم میں استیعاب فرض ہے؟	۱۸۶
۱۸۶	تیمم میں ہاتھوں پر مسح کرنے کا طریقہ	۱۸۷
۱۸۷	پانی کتنا دور ہوتو تیمم درست ہوگا؟	۱۸۷
۱۸۸	پانی نہ ہو، یا نا کافی ہوتو جنب کیا کرے؟	۱۸۸
۱۸۹	تہجد کے وقت بجائے تیمم کے گرم پانی سے وضو کر کے نمازِ فرض ادا کرے	۱۸۹
۱۹۰	کیا تیمم کے لئے بھی کپڑے سے نجاست دور کرنا ضروری ہے؟	۱۸۹
۱۹۱	تیمم سے بدن پر لگی ہوئی نجاست پاک نہیں ہوتی	۱۹۰

۱۹۲	پانی مضر ہونے کی صورت میں اجازت جماع اور تیمم کا حکم	۱۹۰
۱۹۳	زیادتی مرض کی وجہ سے اور مسجد کی دیوار سے تیمم	۱۹۱
۱۹۴	مسجد کی دیوار سے تیمم	۱۹۲
۱۹۵	ڈھیلے کا اثر ہاتھ پر نہ آئے تب بھی تیمم درست ہے	۱۹۲

باب المسح على الخفين والجوربين

(موزے اور جرابوں پر مسح کا بیان)

۱۹۶	اونی، سوتی اور منعل جرابوں پر مسح	۱۹۳
۱۹۷	موزوں پر مسح کرنا	۱۹۴
۱۹۸	نائلون کے موزے پر مسح کا حکم	۱۹۵
۱۹۹	ایضاً	۱۹۵
۲۰۰	کس طرح کے موزے پر مسح درست ہے؟	۱۹۶

باب الحيض والنفاس وأحكام المعذور

الفصل الأول في الحيض والنفاس والاستحاضة

(حیض ونفاس اور استحاضہ کا بیان)

۲۰۱	حیض کی اقل مدت	۱۹۸
۲۰۲	طہرِ متخلل	۱۹۹
۲۰۳	اسقاط کے بعد خون حیض ہے یا نہیں؟	۱۹۹
۲۰۴	عورت کے حق میں دن ۲۴/ گھنٹے کا ہے	۲۰۰
۲۰۵	عورت آئسہ کب ہوتی ہے؟	۲۰۱
۲۰۶	حالتِ حیض میں غلط فہمی سے صحبت کی سزا	۲۰۲

۲۰۷	حائضہ سے انتفاع کی صورت	۲۰۳
۲۰۸	حائضہ کے ساتھ مضاجعت	۲۰۳
۲۰۹	بوقتِ ضرورت مباشرتِ حائضہ اور غلبۂ شہوت سے استمناء	۲۰۴
۲۱۰	مباشرتِ حائضہ	۲۰۵
۲۱۱	حالتِ حیض میں وطی	۲۰۶
۲۱۲	حالتِ حمل میں وطی	۲۰۷
۲۱۳	حالتِ حیض میں استمتاع	۲۰۷
۲۱۴	حائضہ عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کیسا ہے؟	۲۰۸
۲۱۵	حائضہ ونفساء کا بستر سے الگ رہنا اور رکوع کی حالت میں پائخانہ، پیشاب کرنا	۲۰۸
۲۱۶	ایامِ حیض میں مناجاتِ مقبول کا پڑھنا	۲۰۹
۲۱۷	بچہ کی ولادت پر نفاس نہیں آیا، کیا پھر بھی غسل واجب ہے؟	۲۱۰
۲۱۸	استحاضہ میں مہینہ کے کن دنوں کو حیض شمار کرے اور کن کو طہر؟	۲۱۰
۲۱۹	حیض کا بے وقت آنا	۲۱۲

الفصل الثانی فی أحکام المعذورین

(معذور کے احکام کا بیان)

۲۲۰	معذور کی تعریف اور اس کا حکم	۲۱۳
۲۲۱	معذور کا غسل اور اس کی امامت	۲۱۴
۲۲۲	سلسل البول کا حکم	۲۱۵
۲۲۳	پیشاب کے بعد جس کو قطرہ آتا رہتا ہو، وہ کب معذور ہے؟	۲۱۶
۲۲۴	جس کی منی برابر نکلتی رہتی ہو، اس کا حکم	۲۱۷
۲۲۵	پیشاب کے بعد قطرہ کا آنا	۲۱۷
۲۲۶	پیشاب کے بعد قطرہ آنے سے وضو کا حکم	۲۱۸

۲۲۷	تقاطرِ بول کا حکم..	۲۱۹
۲۲۸	قطرہ خارج ہونے کا شبہ ہوتو وضو برقرار رہے گا یا نہیں؟..	۲۲۰
۲۲۹	کبھی قطرے آجائیں اور کبھی نہیں تو کیا کیا جائے؟..	۲۲۱
۲۳۰	اگر قطرہ کا احتمال ہوتو کیا کرے؟..	۲۲۱
۲۳۱	قطرہ آنے کے بعد کیا عضو دھونا لازم ہے؟..	۲۲۲
۲۳۲	جس عورت کو سیلان الرحم ہو، اس کے وضو کی صورت..	۲۲۳
۲۳۳	سیلان الرحم کا حکم..	۲۲۴
۲۳۴	کیا کثیر الاحتلام معذور ہے؟..	۲۲۵

باب الأنجاس

الفصل الأول فی الأنجاس وتطهیرها

(نجاست اوراس سے پاکی کا بیان)

۲۳۵	دودھ پینے والے بچوں کا پیشاب..	۲۲۷
۲۳۶	دودھ پیتے بچہ کی قے کا حکم..	۲۲۷
۲۳۷	دودھ میں چوہا گر کر تیرنے لگا..	۲۲۸
۲۳۸	چوہے کی مینگنی پکے ہوئے چاول میں ملی، اس کا حکم..	۲۲۹
۲۳۹	چوہے کی مینگنی کھانے میں..	۲۲۹
۲۴۰	تیل، دودھ، دہی میں مینگنی کا حکم..	۲۳۰
۲۴۱	چمار کا دوہا ہوا دودھ پاک ہے یا ناپاک؟..	۲۳۰
۲۴۲	شیرہ سے کتے نے چاٹ لیا تو اس کا حکم..	۲۳۱
۲۴۳	ناپاک شیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ..	۲۳۲
۲۴۴	سوکھا کتا پاک ہے یا ناپاک؟..	۲۳۳

۲۴۵	کیا گاہتے وقت بیل کا غلہ پر پیشاب کرنے سے غلہ ناپاک ہو جائے گا؟........................	۲۳۳
۲۴۶	نجس پانی سے پکی ہوئی روٹی یا دال کا حکم........................	۲۳۴
۲۴۷	چوہا کنویں میں پھول گیا، اس سے کھانا پکایا گیا........................	۲۳۴
۲۴۸	کنویں کے ناپاک پانی آنے سے حمام کو پاک کرنے کا طریقہ........................	۲۳۵
۲۴۹	اُپلوں سے روٹی پکانا........................	۲۳۶
۲۵۰	راستوں کے کیچڑ کا حکم........................	۲۳۷
۲۵۱	کافر کا جھوٹا پانی پینا........................	۲۳۷
۲۵۲	استنجا کی چھینٹ کا حکم........................	۲۳۸
۲۵۳	منی وغیرہ کو ڈھیلے سے پاک کرنا........................	۲۳۸
۲۵۴	ناپاک انگلی کو چاٹنے سے پاکی کا حکم........................	۲۳۹
۲۵۵	ناپاک شہد کے پاک کرنے کا طریقہ........................	۲۴۰
۲۵۶	کیا چرم دباغت کے بعد بھیگ جانے سے دوبارہ نجس ہوگی؟........................	۲۴۱
۲۵۷	صابن کو شبہ کی وجہ سے ناپاک نہیں کہا جائے گا........................	۲۴۱
۲۵۸	معدہ سے نکلنے والی چیز نجس ہے........................	۲۴۲
۲۵۹	سونف وغیرہ پاک کرنے کا طریقہ........................	۲۴۳
۲۶۰	مائے مستعمل سے ازالۂ نجاست........................	۲۴۳
۲۶۱	اشکال برجوابِ مذکورہ........................	۲۴۴
۲۶۲	مٹی کا تیل، پٹرول پاک ہے یا نہیں؟........................	۲۴۵
۲۶۳	پٹرول کا حکم........................	۲۴۶
۲۶۴	پٹرول سے کپڑا پاک کرنا........................	۲۴۶
۲۶۵	جو کپڑا پٹرول سے دھویا، اس کا حکم........................	۲۴۷
۲۶۶	کپڑا، پٹرول سے دھلوانا........................	۲۴۸

الفصل الثانی فی تطہیر الثوب

(کپڑا پاک کرنے کا بیان)

۲۶۷	کپڑے پر ہولی کا رنگ لگ جائے، وہ پاک ہے یا نہیں؟	۲۴۹
۲۶۸	کپڑا دھونے کے بعد اگر رنگ نکلے تو کیا کیا جائے؟	۲۵۰
۲۶۹	قبل الغسل، بعد الغسل ناپاک چھینٹ جسم پر پڑ جائے، اس کا دھونا ضروری ہے	۲۵۰
۲۷۰	زمین پر بیٹھ کر وضو کرنے سے جو چھینٹیں کپڑے پر پڑیں، تو وہ کپڑا پاک ہے	۲۵۱
۲۷۱	ناپاک کپڑے کی چھینٹ	۲۵۱
۲۷۲	کپڑے پر ناپاک چھینٹیں پڑ گئیں	۲۵۲
۲۷۳	وضو کی چھینٹ کا حکم	۲۵۳
۲۷۴	ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۵۳
۲۷۵	پاک اور ناپاک کپڑے مخلوط کر کے دھونے کا حکم	۲۵۴
۲۷۶	خشک ناپاک کپڑا پہننے سے جسم ناپاک نہیں	۲۵۴
۲۷۷	نجس جگہ کو تحری سے پاک کیا جائے	۲۵۶
۲۷۸	کپڑے پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہیں	۲۵۶
۲۷۹	ناپاک کپڑا تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟	۲۵۷
۲۸۰	ناپاک کپڑا نل کے نیچے ڈالنے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟	۲۵۷
۲۸۱	شک سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا	۲۵۸
۲۸۲	ناپاک کپڑا صابن سے دھونے سے پاک ہو جائے گا	۲۵۸
۲۸۳	ناپاک کپڑا، پاک کپڑے پر گر گیا، وہ پاک ہے یا ناپاک؟	۲۵۹
۲۸۴	ناپاک کنویں کو پاک کرنے والے کے بدن اور کپڑوں کا حکم	۲۶۰
۲۸۵	اگر کپڑے کو نچوڑنے کی وجہ سے پھٹ جانے اور اس کی خوبی پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہو تو نچوڑنے کا حکم	۲۶۰

۲۸۶ ناپاک کپڑے کو نچوڑنے کی حد ۲۶۱

۲۸۷ بغیر نچوڑے کپڑے پاک ہونے کی صورت ۲۶۱

۲۸۸ جس کپڑے میں نجاست سرایت کرچکی، اس کو ایک دفعہ دھوکر نچوڑنا کافی نہیں ۲۶۲

۲۸۹ کیا ناپاک خشک بستر پر لیٹنے اور پسینہ کی بو کپڑوں میں آنے سے ناپاک ہوجائیں گے؟ ۲۶۲

۲۹۰ بھیگا ہوا ہاتھ ناپاک، خشک کپڑے کو لگانے سے اس کپڑے کا کیا حکم ہے؟ ۲۶۳

۲۹۱ خنزیر کا خشک بال ہاتھ یا کپڑے کو لگ جائے ۲۶۴

۲۹۲ سوکھا کپڑا سور کو لگ جائے تو ناپاک نہیں ۲۶۴

۲۹۳ لنگی اور بدن کو پاک کرنے کا طریقہ ۲۶۵

۲۹۴ بدن اور کپڑوں کی پاکی، ناپاکی سے متعلق چند سوالات ۲۶۶

۲۹۵ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟ ۲۷۱

۲۹۶ ہندو دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کا حکم ۲۷۱

۲۹۷ بے علم دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا ۲۷۲

۲۹۸ غیر مسلم سے مٹھائی لینا اور کپڑے دھلوانا ۲۷۳

۲۹۹ چھوٹے بچے کے پیشاب کا حکم اور اس سے بچنے کا طریقہ ۲۷۳

۳۰۰ جس جگہ پیشاب یا خون کا دھبہ آیا، اس کا دھولینا کافی ہے ۲۷۴

۳۰۱ کتے کا کپڑوں سے رگڑ جانا ۲۷۵

۳۰۲ ناپاک کپڑے پہن کر سونا ۲۷۵

الفصل الثالث فی نجاسة الأوانی وتطهیرها

(برتنوں کو پاک کرنے کا بیان)

۳۰۳ چمار کا استعمال کیا ہوا برتن کس طرح پاک ہوگا؟ ۲۷۶

۳۰۴ چینی وغیرہ کے برتن کو پاک کرنے کا حکم ۲۷۶

۳۰۵ اسٹیل کے برتنوں کو پاک کرنے کا حکم ۲۷۷

۳۰۶	لوہے کی چیز پاک کرنے کا طریقہ	۲۷۸
۳۰۷	المونیم پلاسٹک کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۷۸
۳۰۸	جن چیزوں میں پانی جذب نہیں ہوتا، ان کے پاک کرنے کا حکم	۲۷۹
۳۰۹	حوض اور ڈرم پاک کرنے کا طریقہ	۲۸۰
۳۱۰	بالٹی، گلاس وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۸۰
۳۱۱	جس استرہ سے کافر کی حجامت بنائی گئی کیا وہ ناپاک ہو گیا؟	۲۸۱
۳۱۲	ناپاک کنویں کو پاک کرنے پر ڈول، رسی وغیرہ کا حکم	۲۸۲
۳۱۳	کیا لوٹا قدمچہ پر رکھنے سے ناپاک ہو جاتا ہے؟	۲۸۲
۳۱۴	بیت الخلاء کا لوٹا، ڈرم میں ڈال کر پانی لینا	۲۸۳

الفصل الرابع فی تطهیر الأرض

(زمین پاک ہونے کا بیان)

۳۱۵	کیا ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے؟	۲۸۴
۳۱۶	نجس زمین پر خشک ہونے کے بعد پانی گرنے سے کیا وہ ناپاک ہو جائے گی	۲۸۴
۳۱۷	ظاہرِ زمین پر نجاست نہ ہو، تو بھیگا پیر رکھنے سے پیر نجس نہیں ہوگا	۲۸۵
۳۱۸	مٹی کے مکانوں کو پیشاب سے پاک کرنے کا طریقہ	۲۸۵
۳۱۹	گوبر سے لیپی ہوئی زمین کا حکم	۲۸۶
۳۲۰	بارش سے تر ہو کر زمین ناپاک نہیں ہوتی	۲۸۷

باب الاستنجاء

(استنجا کا بیان)

۳۲۱	بیت الخلاء میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم	۲۸۸
۳۲۲	بیت الخلاء میں جاتے وقت دعا کس وقت پڑھے؟	۲۸۹

۳۲۳	وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟	۲۸۹
۳۲۴	ڈھیلے سے استنجا کرنا	۲۸۹
۳۲۵	ایضاً	۲۹۰
۳۲۶	ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال	۲۹۱
۳۲۷	ڈھیلے سے استنجا کے بعد پانی سے دھونا	۲۹۲
۳۲۸	عورتوں کے لئے ڈھیلے سے استنجا	۲۹۳
۳۲۹	ایک ڈھیلہ دو دفعہ استعمال کرنا	۲۹۳
۳۳۰	ایضاً	۲۹۳
۳۳۱	بغیر پانی کے استنجا کی ہوئی نماز کا حکم	۲۹۵
۳۳۲	چھوٹے ڈھیلوں سے استنجا	۲۹۶
۳۳۳	کاغذ اور کپڑے سے استنجا	۲۹۶
۳۳۴	استنجا کرنے کا حکم	۲۹۷
۳۳۵	استنجے کے بعد ہاتھ کہاں تک دھوئے جائیں؟	۲۹۷
۳۳۶	پیشاب کے بعد استنجا کرنا	۲۹۸
۳۳۷	دوسرے سے استنجا کرانا	۲۹۹
۳۳۸	استنجا پاک کرنے میں بہت دیر لگ جائے تو کیا کیا جائے؟	۲۹۹
۳۳۹	پیشاب خانہ مشرق رخ بن گیا ہے، اس کو کیا کیا جائے؟	۳۰۰
۳۴۰	قبلہ رخ پر بیت الخلاء کا حکم	۳۰۱
۳۴۱	قبلہ رخ پیشاب اور تھوک	۳۰۲

کتاب الصلوۃ

۳۴۲	نماز پنجگانہ کی ابتداء	۳۰۳
۳۴۳	نماز کی ہیئت ترکیبیہ کیوں ہے؟	۳۰۴

۳۴۴	نماز اور جہاد میں افضل کون سا عمل ہے؟	۳۰۵
۳۴۵	ترکِ نماز کا دوسرں پر اثر	۳۰۶
۳۴۶	تارکِ نماز کا حکم	۳۰۷
۳۴۷	ایضاً	۳۰۹
۳۴۸	ترکِ نماز کی سزا	۳۱۰
۳۴۹	اسکول کی تعلیم کی وجہ سے ظہر کی نماز چھوڑنا	۳۱۰
۳۵۰	کیا قرآن پاک سے صرف تین وقت کی نماز ثابت ہے؟	۳۱۱
۳۵۱	کیا قبل از معراج پچاس نمازیں اور دن میں سات مرتبہ غسل فرض تھا؟	۳۱۲
۳۵۲	کیا مجذوب مکلف ہے؟	۳۱۳
۳۵۳	نماز پڑھنا کسی کے کہنے پر موقوف ہے یا نہیں؟	۳۱۳
۳۵۴	نماز اور جنازہ کی تعلیم بصورتِ مکالمہ	۳۱۴
۳۵۵	نماز کے لئے زبردستی کرنا	۳۱۵
۳۵۶	ایضاً	۳۱۷

باب المواقیت

الفصل الأول فی أوقات الصلوۃ

(اوقاتِ نماز کا بیان)

۳۵۷	اوقاتِ صلوۃ	۳۲۰
۳۵۸	ایضاً	۳۲۳
۳۵۹	رمضان میں نمازِ فجر اولِ وقت میں پڑھنا	۳۲۵
۳۶۰	رمضان میں فجر کی نماز ابتدائے وقت میں ادا کرنا	۳۲۹
۳۶۱	رمضان میں نمازِ فجر غلس میں	۳۳۰

۳۶۲	چاند کی روشنی کا ختم ہونا وقتِ فجر کے ختم ہونے کی علامت نہیں	۳۳۱
۳۶۳	فجر کی نماز کب پڑھی جائے؟	۳۳۲
۳۶۴	وقتِ فجر کا اختتام کب ہوتا ہے؟	۳۳۳
۳۶۵	سورج طلوع ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے اور وقتِ اشراق؟	۳۳۴
۳۶۶	دھوپ سے عصر کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ	۳۳۴
۳۶۷	عصر کا وقت	۳۳۵
۳۶۸	ایک مثل پر عصر کی نماز	۳۳۶
۳۶۹	مثلِ اول پر عصر کی نماز	۳۳۸
۳۷۰	مثلِ اول پر عصر پڑھنے کی تفصیل	۳۳۹
۳۷۱	مثلین سے پہلے عصر کی نماز	۳۴۰
۳۷۲	عصر اور مغرب کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟	۳۴۱
۳۷۳	عصر کی نماز کی ابتداء کامل وقت میں اور اختتام ناقص وقت میں	۳۴۲
۳۷۴	اذانِ مغرب کے بعد نماز کتنی تاخیر سے ہونی چاہیے؟	۳۴۳
۳۷۵	کیا مغرب اور فجر کا وقت برابر ہے؟	۳۴۴
۳۷۶	وقتِ مغرب کی توضیح	۳۴۴
۳۷۷	مغرب کا کل وقت کتنا ہے؟	۳۴۵
۳۷۸	وقتِ عشاء اور تراویح	۳۴۶
۳۷۹	عشاء کی نماز رات تین بجے	۳۴۸
۳۸۰	بارہ بجے کے بعد نمازِ عشاء	۳۴۹
۳۸۱	عشاء، سحری، تہجد وغیرہ کے اوقات	۳۴۹
۳۸۲	تہجد اور وتر کا آخری وقت	۳۵۰
۳۸۳	تہجد کا وقت	۳۵۱
۳۸۴	جمعہ کی نماز اولِ وقت میں	۳۵۲

۳۸۵	نمازِ عید کا وقت	۳۵۳
۳۸۶	قطبِ جنوبی وشمالی میں روزہ، نماز کس طرح ادا کریں؟	۳۵۳
۳۸۷	چھ مہینے دن، چھ مہینے رات والے مقام پر نماز کی کیفیت	۳۵۴
۳۸۸	حالتِ سفر میں جمع بین الصلوتین	۳۵۷
۳۸۹	حنفی کو غیر حنفی کے پیچھے جمع بین الصلوتین کرنا	۳۵۷
۳۹۰	اذان سے قبل نماز پڑھنے کا حکم	۳۵۸
۳۹۱	جنتریوں سے اوقاتِ نماز کی تعیین	۳۵۹
۳۹۲	پاکستان سے شائع شدہ جنتریوں کا حال	۳۶۱

الفصل الثانی فی الأوقات المکروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

۳۹۳	اوقاتِ مکروہہ	۳۶۲
۳۹۴	کیا دن کی طرح آدھی رات کو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے؟	۳۶۵
۳۹۵	وقتِ استواء	۳۶۶
۳۹۶	سایۂ اصلی کا خیال نہ رکھنے والوں کی نماز	۳۶۷
۳۹۷	نماز پڑھنا کس وقت مکروہ ہے؟	۳۶۷
۳۹۸	اوقاتِ مکروہہ میں نماز کا حکم	۳۶۹
۳۹۹	طلوعِ شمس کے وقت نماز	۳۷۱
۴۰۰	غروب کے وقت سجودِ شمس	۳۷۲
۴۰۱	طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کی مخالفت کی وجہ	۳۷۳
۴۰۲	صلوۃِ جنازہ بوقتِ استواء	۳۷۴
۴۰۳	اوقاتِ مکروہہ میں صلوۃِ جنازہ	۳۷۷
۴۰۴	نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟	۳۷۷

۴۰۵	بوقتِ غروب سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ............	۳۷۸
۴۰۶	وقتِ مکروہ میں سجدۂ دعا اور سجدۂ شکر............	۳۷۹
۴۰۷	اوقاتِ منہیہ میں تلاوت کا حکم............	۳۸۰
۴۰۸	اوقاتِ مکروہہ میں قضاء نماز کا حکم............	۳۸۱
۴۰۹	عصر کے بعد قضاء نماز............	۳۸۲
۴۱۰	صبح صادق کے بعد نفل نماز مکروہ ہے............	۳۸۲
۴۱۱	صبح صادق کے بعد دو رکعت نفل............	۳۸۳
۴۱۲	زوال سے اِدھر اُدھر کتنا وقت مکروہ ہے؟............	۳۸۳

باب الأذان

الفصل الأول فی الأذان

(اذان کا بیان)

۴۱۳	مکبر الصوت سے مسجد میں اذان دینا............	۳۸۵
۴۱۴	کیا اذان کے لئے کوئی سمت متعین ہے؟............	۳۸۶
۴۱۵	اذان بائیں جانب اور اقامت دائیں جانب کا التزام............	۳۸۷
۴۱۶	اذان بائیں جانب............	۳۸۸
۴۱۷	اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا............	۳۸۸
۴۱۸	مسجد میں اذان............	۳۸۹
۴۱۹	برآمدۂ مسجد میں اذان............	۳۹۰
۴۲۰	مدرسہ میں اذان وجماعت............	۳۹۲
۴۲۱	اذان کے بعد مسجد سے نکلنا............	۳۹۳
۴۲۲	گھر پر نماز کے لئے اذان واقامت............	۳۹۴

۴۲۳	اگر اذان سے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟	۳۹۴
۴۲۴	متعدد آدمیوں کا اذان دینا	۳۹۶
۴۲۵	غیر مسلموں کی بستیوں میں اذان کا حکم	۳۹۶
۴۲۶	اذان کے بعد جماعت کے واسطے انتظار	۳۹۷
۴۲۷	قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا	۳۹۹
۴۲۸	ایک مسجد کی اذان دوسری متصل مسجد میں کافی نہیں	۳۹۹
۴۲۹	ایک مسجد میں اذان کے بعد دوسری مسجد میں مائیک پر اذان	۴۰۰
۴۳۰	نمازِ جمعہ کے لئے مدرسہ کے اسپیکر سے اذان دینا	۴۰۱
۴۳۱	اذان مائیک سے ایک جگہ پر، جماعت دوسری جگہ پر	۴۰۱
۴۳۲	ضعیف آواز کے باوجود شوقِ اذان ہو، تو کیا صورت ہوگی؟	۴۰۲
۴۳۳	پست آواز سے اذان	۴۰۳
۴۳۴	امام اور مؤذن نہ ہونے کی صورت میں اذان واقامت کا حکم	۴۰۵
۴۳۵	آندھی کے دن اذان	۴۰۶
۴۳۶	رفعِ وبا کے لئے اذان	۴۰۶
۴۳۷	ایضاً	۴۰۷
۴۳۸	مؤذن کے ساتھ ظلم وزیادتی	۴۰۷

الفصل الثانی فی مایتعلق بکلمات الأذان

(کلماتِ اذان کا بیان)

۴۳۹	کلمہ میں "محمدٌ" اور اذان میں "محمداً" کیوں ہے؟	۴۰۸
۴۴۰	اذان میں "اللّٰہ أکبر" کی بجائے "اللّٰہ أکبار" کہنا	۴۰۸
۴۴۱	اذان میں "اللّٰہ أکبر، اللّٰہ أکبر" پڑھنے کا طریقہ	۴۰۹
۴۴۲	اذان واقامت میں "أکبر" کی "را" کو "اللّٰہ" کے "لام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا	۴۱۰

۴۴۳	اذان میں کلمات کو کھینچنا............	۴۱۱
۴۴۴	اذان میں لفظ "اللہ" کے "لام" کو کھینچنا............	۴۱۴
۴۴۵	اذان ترنم کے ساتھ............	۴۱۵
۴۴۶	اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟............	۴۱۶
۴۴۷	کلماتِ اذان میں فصل وصل............	۴۱۷
۴۴۸	ایضاً............	۴۱۸
۴۴۹	"حی علی الصلوۃ" چار مرتبہ کہنا............	۴۱۹
۴۵۰	"الصلوۃ خیر من النوم" کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا............	۴۱۹

الفصل الثالث فی إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

۴۵۱	کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے؟............	۴۲۱
۴۵۲	اذان کا جواب دینا واجب ہے............	۴۲۲
۴۵۳	وضو کے دوران اذان کا جواب دے یا دعائے وضو پڑھے؟............	۴۲۳
۴۵۴	متوضی وضو کی دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے؟............	۴۲۴
۴۵۵	وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب............	۴۲۴
۴۵۶	تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب............	۴۲۵
۴۵۷	بوقتِ اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے؟............	۴۲۷
۴۵۸	وعظ کے دوران اذان شروع ہوجائے............	۴۲۷
۴۵۹	حیعلتین کا جواب............	۴۲۸
۴۶۰	باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب............	۴۲۹
۴۶۱	اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا............	۴۳۰

الفصل الرابع فی الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعاء کا بیان)

۴۶۲	اذان کے بعد دعا کا حکم	۴۳۱
۴۶۳	اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا	۴۳۱
۴۶۴	اذان کے بعد کی دعا میں رفعِ یدین	۴۳۲
۴۶۵	اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۴۳۳
۴۶۶	اذان کے ختم پر "محمد رسول اللہ" کہنا	۴۳۳

الفصل الخامس فیما یکره فی الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

۴۶۷	بلا وضو اذان	۴۳۴
۴۶۸	کیا بغیر وضو اذان دینے سے نحوست برستی ہے؟	۴۳۵
۴۶۹	بلا وضو اذان کی وعید	۴۳۵
۴۷۰	اذان کے درمیان اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟	۴۳۶
۴۷۱	اذان کے بعد مسجد سے نکلنا	۴۳۷
۴۷۲	داڑھی منڈوانے والے کا اذان دینا	۴۳۸
۴۷۳	داڑھی منڈے کی اذان	۴۳۸
۴۷۴	شطرنج کھیلنے والے کی اذان	۴۴۰
۴۷۵	نشے کے عادی کو مؤذن مقرر کرنا	۴۴۲
۴۷۶	اذان سن کر کتے کا رونا	۴۴۲
۴۷۷	اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا	۴۴۳
۴۷۸	اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت	۴۴۴

الفصل السادس فی إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

۴۷۹	اذان قبل الوقت	۴۴۵
۴۸۰	اول وقت میں اذان کہہ دی، کیا اعادہ کرے؟	۴۴۶
۴۸۱	اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ	۴۴۷
۴۸۲	درمیانِ اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ	۴۴۸
۴۸۳	بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان	۴۴۹
۴۸۴	نابالغ کی اذان کیا واجب الاعادہ ہے؟	۴۵۰

الفصل السابع فی الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

۴۸۵	قضاء نماز کے لئے اذان	۴۵۱
۴۸۶	نماز کا اعادہ جب کئی روز بعد ہو تو کیا اس میں بھی اذان واقامت دوبارہ کہی جائے؟	۴۵۲
۴۸۷	قضاء نماز کے لئے اذان واقامت کا حکم	۴۵۳

الفصل الثامن فی الأذان فی أُذن المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

۴۸۸	بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ	۴۵۴
۴۸۹	بچہ کے کان میں اذان اور تکبیر	۴۵۵
۴۹۰	زچہ خانہ میں بچی یا عورت کا کان میں اذان دینا	۴۵۵
۴۹۱	بچہ کے کان میں کئی روز بعد اذان	۴۵۶
۴۹۲	بچہ کے کان میں اذان اس کو غسل دے کر کہی جائے	۴۵۷

باب الإقامة والتثويب

الفصل الأول في الإقامة

(اقامت کا بیان)

۴۹۳	مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت	۴۵۹
۴۹۴	مؤذن کی اجازت سے تکبیر کہنا بہتر ہے	۴۶۰
۴۹۵	غیر مؤذن کا تکبیر کہنا	۴۶۰
۴۹۶	جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت	۴۶۱
۴۹۷	اقامت میں عجلت	۴۶۲
۴۹۸	بیوی کی اقامت	۴۶۳
۴۹۹	مخنث کا اقامت کہنا	۴۶۴
۵۰۰	کیا اقامت کہنے والے کا امام کے دائیں طرف ہونا ضروری ہے؟	۴۶۴
۵۰۱	اقامت کہنے والا دوسری، تیسری صف میں ہو	۴۶۵
۵۰۲	اقامت میں تحویلِ وجہ	۴۶۵
۵۰۳	اقامت میں التفات ہے یا نہیں؟	۴۶۶
۵۰۴	تکبیر کہتے وقت دائیں بائیں چہرہ پھیرنا	۴۶۷
۵۰۵	ضعف کی وجہ سے اقامت کے وقت بیٹھنا	۴۶۸
۵۰۶	"قد قامت الصلوة" کی "ت" پر کیا حرکت پڑھیں؟	۴۶۸
۵۰۷	قضاء نماز میں اقامت	۴۶۹
۵۰۸	تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہوجائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے؟	۴۷۰
۵۰۹	شروع اقامت کے وقت کھڑا ہونا	۴۷۰
۵۱۰	بوقتِ اقامت نماز کے لئے مقتدی کب کھڑے ہوں؟	۴۷۱
۵۱۱	ایضاً	۴۷۲

۵۱۲	ایضاً	۴۷۴
۵۱۳	مقتدیوں کا "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑا ہونا	۴۷۵
۵۱۴	"حی علی الصلوٰۃ" کے وقت کھڑا ہونا	۴۷۶
۵۱۵	"حی علی الصلوٰۃ" پر قیام	۴۷۸
۵۱۶	ایضاً	۴۷۹
۵۱۷	امام ومقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟	۴۸۵
۵۱۸	"قد قامت الصلوٰۃ" پر سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا	۴۹۵
۵۱۹	جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الصلوٰۃ" پر کھڑا ہونا	۴۹۷

الفصل الثانی فی التثویب

(تثویب کا بیان)

۵۲۰	صبح صادق سے پہلے "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" پکارنا	۴۹۹
۵۲۱	اذان کے بعد یہ اعلان کہ "پندرہ منٹ باقی ہیں"	۴۹۹
۵۲۲	اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا اعلان	۵۰۰
۵۲۳	گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع	۵۰۱
۵۲۴	گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں	۵۰۲
۵۲۵	اذان کے بعد نقارہ	۵۰۳

باب صفة الصلوٰة

الفصل الأول فی شروط الصلوة

(شروطِ صلوٰۃ کا بیان)

۵۲۶	نماز میں نیت	۵۰۴
۵۲۷	نماز کی نیت کا طریقہ	۵۰۵

۵۲۸	ایضاً	۵۰۵
۵۲۹	نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعدادِ رکعات میں غلطی کی	۵۰۶
۵۳۰	امام ومقتدی کی نیت میں فرق	۵۰۷
۵۳۱	زبان سے نیت	۵۰۸
۵۳۲	کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی؟	۵۱۰
۵۳۳	نماز بحالتِ جنابت	۵۱۱
۵۳۴	تنگیٔ وقت کی وجہ سے بلا غسل نماز پڑھنا	۵۱۱
۵۳۵	بلا وضو وطہارت کے نمازِ استسقاء	۵۱۲
۵۳۶	دورانِ نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا	۵۱۳
۵۳۷	نمازِ جنازہ کے وضو سے فرض نماز	۵۱۴
۵۳۸	لوپ (دوا لگانے) کی حالت میں نماز	۵۱۴
۵۳۹	فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی	۵۱۵
۵۴۰	رنگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھنا	۵۱۵
۵۴۱	جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم	۵۱۶
۵۴۲	نجاست پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھنا	۵۱۶
۵۴۳	گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز	۵۱۷
۵۴۴	پختہ فرش اگر ناپاک ہوجائے تو اس پر نماز کا حکم	۵۱۸
۵۴۵	تنہائی میں برہنہ ہوکر نماز پڑھنا	۵۱۹
۵۴۶	ساڑھی میں نماز	۵۲۰
۵۴۷	باریک دوپٹہ میں نماز	۵۲۱
۵۴۸	عورتوں کو نماز میں بالوں کو چھپانا	۵۲۱
۵۴۹	صرف بنڈی پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۳
۵۵۰	دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا	۵۲۳

۵۵۱	ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۳
۵۵۲	گاڑی میں سوار ہو تو استقبالِ قبلہ کا حکم	۵۲۴
۵۵۳	چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعے قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ	۵۲۵
۵۵۴	قبلہ رخ معلوم نہ ہو تو تحرّی کا حکم	۵۲۶
۵۵۵	بغیر تحرّی، خلافِ قبلہ پڑھی ہوئی نماز دہرانی ہوگی	۵۲۷
۵۵۶	چاند پر سمتِ قبلہ	۵۲۸
۵۵۷	ایضاً	۵۲۹
۵۵۸	غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا	۵۲۹
۵۵۹	سمتِ قبلہ میں اٹھارہ ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۳۲
۵۶۰	پینتیس ۳۵/ درجہ شمال منحرف مسجد کا حکم	۵۳۵
۵۶۱	تعیینِ قبلہ میں معمولی فرق	۵۳۵
۵۶۲	قبلہ سے معمولی انحراف	۵۳۶
۵۶۳	سمتِ قبلہ	۵۳۶
۵۶۴	جدید مسجد کی سمتِ قبلہ میں تردّد	۵۳۸
۵۶۵	قدیم مسجد کا رخ مکمل صحیح نہیں ہے تو کیا کیا جائے؟	۵۴۰
۵۶۶	پرانی مسجد کا رخ اگر صحیح نہ ہو تو اس میں نماز ہوگی یا نہیں؟	۵۴۱
۵۶۷	قبلہ کی طرف پیر پھیلانا	۵۴۲

الفصل الثانی فی أرکان الصلوۃ

(ارکانِ نماز کا بیان)

۵۶۸	جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہونا	۵۴۳
۵۶۹	فرض نماز کے لئے بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا	۵۴۴

۵۷۰	عورتوں کے لئے نماز میں قیام کا حکم	۵۴۴
۵۷۱	فرض نماز میں عورتوں کے لئے بھی قیام فرض ہے	۵۴۵
۵۷۲	کیا سنت میں قیام فرض ہے؟	۵۴۶
۵۷۳	نماز میں کتنا قیام فرض ہے؟	۵۴۷
۵۷۴	قیام، قراءت، رکوع، سجود کی فرض مقدار	۵۴۸
۵۷۵	سجدہ کے لئے بجائے زمین کے پانی ہوتو سجدہ اشارہ سے کرنے کا حکم	۵۵۲
۵۷۶	گونگے کی نماز	۵۵۳
۵۷۷	بہرے مقتدی کی نماز	۵۵۴
۵۷۸	ریل گاڑی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا	۵۵۵
۵۷۹	سجدہ میں پاؤں کی انگلی ٹیکنا	۵۵۵
۵۸۰	سجدہ میں پیر زمین پر ٹیکنا	۵۶۰
۵۸۱	ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں کے درمیان سجدہ میں فرق	۵۶۱
۵۸۲	کیا ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں؟	۵۶۷

الفصل الثالث فی واجبات الصلوة

(واجباتِ نماز کا بیان)

۵۸۳	تعدیلِ ارکان کی مقدار	۵۷۰
۵۸۴	واجباتِ نماز	۵۷۱
۵۸۵	واجباتِ نماز کتنے ہیں؟	۵۷۲
۵۸۶	سنن میں قعدۂ اُولیٰ فرض ہے یا واجب؟	۵۷۳
۵۸۷	امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے قبل کھڑا ہوجائے	۵۷۴

الفصل الرّابع فی سنن الصلوۃ

(نماز کی سنتوں کا بیان)

۵۸۸	حالتِ قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت	۵۷۶
۵۸۹	قدمین کے درمیان فاصلہ	۵۷۶
۵۹۰	ابتدائے نماز میں "انی وجہت" پڑھنا	۵۷۷
۵۹۱	تکبیرِ اُولیٰ کے لئے دوسری مسجد میں جانا	۵۷۸
۵۹۲	تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے؟	۵۷۹
۵۹۳	تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک ہے؟	۵۸۰
۵۹۴	تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے؟	۵۸۱
۵۹۵	تکبیر تحریمہ کے وقت کان کی لو کو چھونا	۵۸۲
۵۹۶	بوقتِ تحریمہ مسِ اُذنین	۵۸۲
۵۹۷	نماز میں عورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنا	۵۸۳
۵۹۸	ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا	۵۸۵
۵۹۹	نماز میں ارسالِ یدین	۵۸۶
۶۰۰	زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کو غلط کہنے والے کا جواب	۵۸۷
۶۰۱	ہاتھ سینہ پر باندھنا	۵۸۸
۶۰۲	نماز شروع کرتے وقت "بسم اللہ"	۵۸۸
۶۰۳	ثناء کی حیثیت	۵۸۹
۶۰۴	ثناء پڑھنے کا وقت	۵۹۰
۶۰۵	سرّی نماز میں ثناء کا حکم	۵۹۱
۶۰۶	مقتدی کے لئے ثناء کا پڑھنا	۵۹۱
۶۰۷	نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی آیا، وہ ثناء کب پڑھے؟	۵۹۲

۶۰۸	ثناء کے اخیر میں "ك" پر زیر ہے یا جزم؟	۵۹۲
۶۰۹	فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ"	۵۹۳
۶۱۰	سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ کا حکم	۵۹۳
۶۱۱	"أعوذ باللہ اھ" اور "بسم اللہ اھ"	۵۹۵
۶۱۲	آمین بالجہر	۵۹۵
۶۱۳	ایضاً	۵۹۶
۶۱۴	آمین بالجہر، رفع یدین میں اختلاف اولویت کا ہے	۵۹۷
۶۱۵	مقتدیوں کی اطلاع کے لئے کسی کو آمین بالجہر کے لئے متعین کرنا	۵۹۹
۶۱۶	آمین بالجہر سے دوسروں کی نماز پر اثر	۶۰۰
۶۱۷	رفعِ یدین	۶۰۱
۶۱۸	ایضاً	۶۰۱
۶۱۹	عورت کے ذمہ نمازِ عید اور رفعِ یدین وغیرہ	۶۰۲
۶۲۰	رفعِ یدین کی حکمت	۶۰۴
۶۲۱	رفعِ یدین، آمین بالجہر اور قراءتِ فاتحہ	۶۰۵
۶۲۲	رکوع میں "سبحان ربی الکریم" پڑھنا	۶۰۷
۶۲۳	رکوع، سجدے کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے؟	۶۰۸
۶۲۴	رکوع، سجدہ کتنا طویل ہو؟	۶۰۹
۶۲۵	تسمیع وتحمید	۶۰۹
۶۲۶	قومہ کی دعا	۶۱۰
۶۲۷	قومہ اور جلسہ کی دعائیں فرائض میں کیوں نہیں؟	۶۱۲
۶۲۸	سجدہ میں قرآنی دعائیں پڑھنا	۶۱۳
۶۲۹	دونوں سجدوں کے درمیان دعا کی تفصیل	۶۱۵
۶۳۰	نماز میں غیر ماثور دعا	۶۱۷

۶۳۱	سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا	۶۱۷
۶۳۲	سجدہ میں جاتے وقت مقتدی کو تکبیر کہنا	۶۱۸
۶۳۳	سجدۂ مسنون	۶۱۸
۶۳۴	عورت کے لئے سجدہ اور جلسہ کی ہیئت	۶۱۹
۶۳۵	سوال متعلقہ استفتاء بالا	۶۲۱
۶۳۶	رکوع میں اِلصاقِ کعبین	۶۲۵
۶۳۷	ایضاً	۶۲۶
۶۳۸	ایضاً	۶۲۹
۶۳۹	سجدہ میں الصاقِ کعبین	۶۳۰
۶۴۰	سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا	۶۳۱
۶۴۱	الفاظِ تشہد میں اضافہ	۶۳۲
۶۴۲	تشہد میں "السلام علیک" پر کیا نیت کرے؟	۶۳۳
۶۴۳	تشہد میں "والطیبات" کو "السلام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا	۶۳۴
۶۴۴	تشہد میں اشارۂ سبابہ	۶۳۵
۶۴۵	رفعِ سبابہ	۶۳۶
۶۴۶	تشہد میں وُسطیٰ وابہامہ کا حلقہ کب تک رکھا جائے؟	۶۳۷
۶۴۷	عندالاحناف رفعِ سبابہ مسنون ہے	۶۳۸
۶۴۸	ایک سانس میں دونوں سلام	۶۴۱
۶۴۹	دعاء کے بغیر سلام پھیر دیا	۶۴۱
۶۵۰	ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا	۶۴۱
۶۵۱	عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا	۶۴۲
۶۵۲	سنت سے متعلق عبارت پر اعراب	۶۴۳
۶۵۳	افضل درود شریف	۶۴۴
۶۵۴	نماز کے درود کے بعد دعا	۶۴۵

الفصل الخامس فی آداب الصلوة

(نماز کے آداب کا بیان)

۶۵۵ مسنون لباس میں نماز ۶۴۷

۶۵۶ کرتا گھٹنے سے اوپر تک ہوتو نماز کا حکم ۶۴۷

۶۵۷ بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھے؟ ۶۴۸

۶۵۸ فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا ۶۴۸

۶۵۹ نماز کے ختم پر دائیں بائیں منہ پھیرنا ۶۴۹

۶۶۰ نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا ۶۴۹

۶۶۱ نماز کے بعد کس طرف رخ کرے؟ ۶۵۱

۶۶۲ ایضاً ۶۵۲

۶۶۳ جمائی روکنے کا طریقہ ۶۵۳

۶۶۴ داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں سے؟ ۶۵۴

۶۶۵ نماز میں متعدد امور کی کوتاہی ۶۵۵

۶۶۶ بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا ۶۵۷

باب الذکر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول فی الذکر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

۶۶۷ نماز کے بعد ذکر جہری ۶۵۸

۶۶۸ ہر نماز کے بعد ذکر بالجہر کا التزام ۶۵۹

۶۶۹ ہر فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ جہراً پڑھنا ۶۶۰

۶۷۰	فجر کی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا جہراً تسبیحات پڑھنا	۶۶۱
۶۷۱	ہر نماز کے بعد درود شریف جہراً پڑھنا	۶۶۲
۶۷۲	فرض اور سنن کے درمیان وظیفہ	۶۶۳
۶۷۳	تسبیحات فرائض کے بعد ہیں یا سنن کے بعد	۶۶۴
۶۷۴	بعد فجر و عصر تسبیحات اور دعا میں ترتیب	۶۶۵
۶۷۵	نماز کے بعد کی تسبیح صف سے ہٹ کر پڑھنا	۶۶۶
۶۷۶	تسبیحاتِ فاطمی نہ پڑھنے کا حکم	۶۶۶
۶۷۷	بعد فجر تا اشراق بیٹھنے کا ثواب اٹھنے سے نہیں ملتا	۶۶۷
۶۷۸	فجر کے بعد اشراق تک ذکر میں مشغول رہنا	۶۶۸
۶۷۹	فجر کے بعد ہوا خوری افضل ہے یا اَوراد و وظائف	۶۶۹
۶۸۰	فجر کے بعد یٰسین شریف کا ختم	۶۷۰
۶۸۱	نماز کے بعد "استغفر اللہ" پڑھنا	۶۷۱
۶۸۲	توبہ اور استغفار میں فرق	۶۷۲
۶۸۳	استغفار کے ایک صیغہ کا ثبوت	۶۷۳
۶۸۴	مناجاتِ مقبول اور حزب اعظم	۶۷۴
۶۸۵	حزب البحر پڑھنے کی اجازت	۶۷۴
۶۸۶	درود "تنجینا" میں لفظِ "تنجینا" کی تحقیق	۶۷۵

الفصل الثانی فی الدعاء بعد الصلوۃ

(نماز کے بعد دعاء کا بیان)

۶۸۷	نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۶۷۶
۶۸۸	جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرح منہ کر کے بیٹھے	۶۷۸
۶۸۹	امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانبِ شمال رخ کر کے بیٹھنا	۶۷۹

۶۹۰	کیا نماز کے بعد فوراً دعا ہے یا وقفہ کے ساتھ؟	۶۸۰
۶۹۱	نماز کے بعد دعا "الحمد" سے شروع کرنا	۶۸۱
۶۹۲	فرض نمازوں کے بعد دعا	۶۸۲
۶۹۳	فرض نماز کے بعد دعاء اور آمین	۶۸۳
۶۹۴	نماز کے بعد دعائیں	۶۸۵
۶۹۵	ہر نماز کے بعد دعاء کا اہتمام	۶۸۶
۶۹۶	ہر نماز کے بعد دعائے جہری کا التزام	۶۸۷
۶۹۷	ہر نماز کے بعد دعاء	۶۸۸
۶۹۸	ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد کی دعاء	۶۸۹
۶۹۹	نماز کے بعد جہراً دعاء کرنا	۶۹۰
۷۰۰	نماز کے بعد دعاء کا پہلا اور آخری لفظ جہراً کہنا	۶۹۲
۷۰۱	دعاء زور سے مانگنا	۶۹۲
۷۰۲	نماز کے بعد اسی ہیئت پر دعاء کرنا	۶۹۳
۷۰۳	نماز پنجگانہ کے بعد دو دفعہ دعاء کا التزام	۶۹۴
۷۰۴	دعائے ثانیہ سے دوسروں کی نماز میں خلل ہونے کا حکم	۶۹۸
۷۰۵	نمازِ جمعہ کے بعد دعائے ثانیہ	۶۹۹
۷۰۶	﴿إن اللّٰه وملٰئكته يصلون على النبى﴾ پڑھ کر دعا ختم کرنا	۷۰۰
۷۰۷	نماز کے بعد دعائے ثانیہ	۷۰۵
۷۰۸	دعائے ثانیہ وثالثہ	۷۰۶
۷۰۹	سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء	۷۰۷
۷۱۰	وتر کے بعد دعاء	۷۰۸
۷۱۱	نمازِ پنجگانہ کے بعد مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کا خاص طریقہ	۷۰۹
۷۱۲	امام کی دعاء پر "آمین" کہے یا اپنی دعاء مانگے؟	۷۰۹

۷۱۳	وقتِ دعاء دونوں ہاتھوں میں فصل........................	۷۱۰
۷۱۴	دعاء میں ہاتھ زیادہ اٹھانا........................	۷۱۱
۷۱۵	دعاء کس نیت سے مانگی جائے؟........................	۷۱۱
۷۱۶	دعا قبول ہونے کا مطلب........................	۷۱۲
۷۱۷	دعاء کا ایک مخصوص طریقہ........................	۷۱۴
۷۱۸	دعاء مانگنے کی حد کیا ہے؟........................	۷۱۵
۷۱۹	ناجائز دعاء کرنا منع ہے، دعا کی حد کیا ہے؟........................	۷۱۵
۷۲۰	درازیٔ عمر کی دعاء........................	۷۱۷
۷۲۱	تریسٹھ سال عمر ہونے کی دعاء........................	۷۱۷
۷۲۲	ننگا ہونے کی حالت میں دعاء اور درود........................	۷۱۸
۷۲۳	کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی جماع کرتا ہے؟........................	۷۱۹
۷۲۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کے لئے بددعاء کی تھی؟........................	۷۱۹
۷۲۵	ظالم کے لئے بددعاء کرنا........................	۷۲۱
۷۲۶	فاسق وفاجر کے لئے دعائے مغفرت........................	۷۲۱
۶۲۷	فاسق وفاجر کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کا کہنا........................	۷۲۲
۷۲۸	"اهدنا الصراط المستقيم" کی دعاء کا اثر........................	۷۲۳
۷۲۹	دعائے ماثور میں واحد متکلم کی جگہ جمع کا صیغہ........................	۷۲۴
۷۳۰	دعائے سریانی........................	۷۲۵

☆......☆......☆

کتاب الطهارة

باب الوضوء

الفصل الأول فی فرائض الوضوء

(فرائض وضو کا بیان)

مقطوع الیدین کیسے وضو کرے؟

سوال [۱۷۶۲]: ایک شخص جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کٹے ہوئے ہیں، تو وہ پیشاب، پاخانہ کرکے کس طرح پاکی حاصل کرے گا، کیا دوسرے کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے مخرج کو اپنے ہاتھ سے پاک کرے، اگر نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے تو وہ اس صورت میں کیا کرے گا؟ نیز اس کے وضو کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ پانی استعمال نہیں کرسکتا تو جوازِ نماز کے لئے دوسرے سے مخرج دھلوانے پر شرعاً مجبور و مکلّف نہیں، بغیر پانی استعمال کئے ہوئے اس کی نماز درست ہوگئی، ایسی مجبوری کی حالت میں وضو کی جگہ صرف چہرہ کی جگہ دیوار وغیرہ پر کسی طرح مسح کرے کہ چہرہ کا تیمّم ہوجائے، اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ویسے ہی نماز پڑھ لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۵ھ۔

---

(۱) "و لو قطعت يده أو رجله فلم يبق من المرافق و الكعب شيء، سقط الغسل، ولو بقي وجب".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵، الفصل الأول فی فرائض الوضوء، رشیدیه)

"من قطعت يداه ورجلاه وبوجهه جراحة، يصلي بلا وضوء ولاتيمم ولا يعيد". (الدر المختار) =

جواب صحیح ہے: ہاں اس کی منکوحہ یہ خدمت کرنا چاہے تو کر سکتی ہے(۱) اور اس کو اس پر ثواب بھی ملے گا، اس کو ایسا کرنا افضل بھی ہے۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

پالش ناخن پر لگی رہ جائے تو وضو کا حکم

سوال [۱۷۶۷]: جوتوں پر پالش کرنے کے بعد اگر پالش ناخن وغیرہ میں لگی رہے، اچھی طرح صاف نہ کیا جائے تو وضو وغیرہ میں کوئی حرج تو نہیں کہ اس میں موم کی آمیزش ہوتی ہے، موم پانی کو جذب نہیں کرتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر محض رنگ اور کسی قدر چکناہٹ باقی ہے تو اس سے وضو میں خلل نہیں آتا جیسے کہ اگر تیل لگا ہوا ہو اور اس پر پانی بہادیا جائے، اگر صرف رنگ اور چکناہٹ ہی نہیں بلکہ موم بھی باقی ہے جس سے پانی نہیں پہنچ سکتا تو نہ وضو درست ہے، نہ غسل (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۷ھ۔

= "(قوله: وبوجهه جراحة) قيد به؛ لأنه لو كان سليماً، مسحه على الجدار لقصد التيمم".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۴۱، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۱) "(قوله: أصلاً سقط كمريض) في التاتارخانية: الرجل المريض إذا لم تكن له امرأة و لا أمة و له ابن وأخ و هو لا يقدر على الوضوء، قال: يوضّئه ابنه أو أخوه غير الاستنجاء، فإنه لا يَمسّ فرجه و يسقط عنه، والمرأة المريضة .... و لا يخفىٰ أن هذا التفصيل يجري فيمن شلّت يداه؛ لأنه في حكم المريض". (رد المحتار: ۱/۳۴۱، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۰۴، كتاب الطهارة، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "و يجب: أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرجٍ مرةً كأذن إلى أخره، ولا يمنع الطهارة ونيمٌ: أي خرء ذباب و برغوث لم يصل الماء تحته، وحناء و لو جرمه -به يفتي- ودرن ووسخ، وكذا دهن ودسومة إلى أخره، و لا يمنع ما على ظفر صباغ و لا طعام بين أسنانه أو في سنه المجوف، به يفتي، وقيل: إن صلباً، منع، و هو الأصح". (الدر المختار: ۱/۱۵۲، ۱۵۴، مطلب: أبحاث الغسل، سعيد) =

وضو میں بھویں، داڑھی اور مونچھ کے نیچے کھال کا دھونا

سوال [۱۷۶۸]: بھنویں یا داڑھی یا مونچھ اگر اس قدر گھنی ہیں کہ کھال نظر نہ آئے تو اس کھال کا دھونا جو اس سے چھپی ہے فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض نہیں، شامی: ۱/۶۶(۱)۔

وضو میں داڑھی کا دھونا اور خلال کرنا

سوال [۱۷۶۹]: حد الوجہ فی الوضوء کی تحدید میں جو فقہاء نے "من قصاص الشعر إلى أسفل الذقن" لکھا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ غایت داخلِ مغیا ہے یا نہیں، یعنی اسفلِ ذقن کا دھونا ضروری ہے یا نہیں اور داڑھی ہونے کی صورت میں کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ تخلیلِ لحیہ کے بارے میں مفتیٰ بہ قول کیا ہے؟

اگر اسفلِ ذقن داخل فی الغسل نہیں ہے تو تخلیلِ لحیہ کیوں مشروع ہے جب کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سنت "إکمال الفرض" کو کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وهو مشتق من المواجهة من مبدأ سطح جبهته إلى أسفل ذقنه: أي منبت أسنانه السفلى تفسير الذقن بالتحريك: أي إلى أسفل العظم الذي عليه الأسنان السفلى، وهو ما تحت العنفقة اهـ". در مختار، شامی: ۱/۸۹ (۲)۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح ۱/۶۳، فصل في تمام أحكام الوضوء، قديمي)

(۱) "لا غسل باطن العينين والأنف والفم وأصول شعر الحاجبين واللحية والشارب". (الدر المختار).

"يحمل هذا على ما إذا كانا كثيفين، أمّا إذا بدت البشرة فيجب، كما يأتي له قريباً عن البرهان، وكذا يقال في اللحية والشارب". (ردالمحتار: ۱/۹۷، أركان الوضوء أربعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۱/۸۹، الوضوء، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۹۶، ۹۷، أركان الوضوء أربعة، سعيد)

اسفلِ ذقن کو وضو میں دھویا جائے گا، اسی وجہ سے جب اس پر لحیہ ہو اور وہ خفیفہ ہو تو اس کا غسل ساقط نہیں ہوتا، البتہ اگر لحیہ کثیر ہو تو حصۂ ذقن مستور کا غسل ساقط ہو جاتا ہے:

"و غَسلُ جميع اللحية فرضٌ يعني عملياً أيضاً على المذهب الصحيح المفتىٰ به المرجوع إليه، و ما عدا هذه الرواية مرجوع عنه كما في البدائع. ثم لا خلاف أن المسترسل لا يجب غسله و لا مسحه بل يسن، وأن الخفيفة التي ترىٰ بشرتها يجب غسل ما تحتها اهـ". درمختار۔ "قوله: (بل يسن): أي المسح اهـ". شامی(۱)۔

"و تحليل اللحية هو تفريق شعرها من أسفل إلى فوق، بحر. و هو سنة عند أبي يوسف. وأبو حنيفة و محمد يفضلانه، و رجّح في المبسوط قول أبي يوسف، كما في البرهان، شرنبلالية. و في شرح المنية: والأدلة ترجحه، و هوالصحيح اهـ. قال في الحلية: والظاهر أن هذا كله في الكثة، وأما الخفيفة، فيجب إيصال الماء إلى ما تحتها". شامی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ سہانپور، ۱۴/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم

سوال [۱۷۷۰]: جو حصہ کان اور رخسار کے درمیان ہے، اس کا وضو میں دھونا فرض ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۱۰۰، ۱۰۱، سعید)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۱۱۷، سعید)

قال ابن العلاء: "وفي السراجية: حدّ الوجه من قصاص الشعر إلى أسفل الذقن طولاً، و من شحمة الأذن اهـ. وفي شرح الطحاوي: وإن لم يكن له لحية فغسلُ الذقن فرضٌ، وإيصال الماء إلى داخل العينين ساقط الخ". (التاتارخانية، كتاب الطهارة: ۱/۸۷، إدارة القرآن، كراچی)

"في الهداية: وتخليل اللحية سنةٌ. وفي فتاوى الحجّة: و هو الأصح. وقيل: هو سنة عند أبي يوسف، جائز عند أبي حنيفة و محمد رحمهم الله". (التاتارخانية: ۱/۱۰۹، كتاب الطهارة، الوضوء، إدارة القرآن، كراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

فرض ہے،شامی :۱/٦٦(۱)۔

وضومیں مسح بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال [۱۷۷۱]: اگروضوکرتے وقت مسح بھول جائے تو پوراوضوکرنے کے بعدصرف مسح کرے یا وضوپھرسے دہرائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسح کرلینا کافی ہے، پوراوضولوٹانے کی ضرورت نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۷/۸۹ھ۔

مسح کے لئے مائے جدیدکالینا

سوال [۱۷۷۲]: اگرکوئی متوضی ہاتھ منہ دھونے کے بعدتری ہاتھ سے بغیرمائے جدیدکے سرکامسح

(۱) قال العلامة الحصكفي: "فيجب غسل المياقي و ما بين العذار و الأذن لدخوله في الحد، وبه يفتى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله:ما بين العذار و الأذن): أي ما بينهما من البياض (وقوله: وبه يفتى) و هو ظاهر المذهب، و هو الصحيح، و عليه أكثر المشايخ". (ردالمحتار: ۱/۹۷، أركان الوضوأربعة، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية : ۱/۸۹، الطهارة، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۴، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح : ۱/۵۸، فصل في أحكام الوضوء، قديمی)

(۲) "(ومن ترك فرضاً) من وضوئه أو غسله غير النية أو لمعة يقيناً أو ظناً أو شكاً وكان غير مستنكح، وصلى بوضوئه أو غسله الناقص فرضاً، ثم تذكره (أتى به): أي الفرض المتروك فوراً وجوباً بنية تكميل وضوئه أوغسله". (جواهر الإكليل: ۱/۱٦، دارالمعرفة، بيروت)

"ولو توضأ ونسي مسح خفيه، ثم خاض الماء فأصابه ظاهر خفيه وباطنهما يجزيه من المسح، ولو مشى في الحشيش فابتل ظاهر الخف بالماء أو بالمطر يجوز". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الطهارة، مسائل مسح الخفين: ۱/۲۸، امجد اكيڈمی، لاهور)

کرے، اس وضو سے نماز وغیرہ بھی پڑھ لے تو اس وضو سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے سے وضو اور نماز میں کچھ خرابی نہیں ہوتی:

"و مسح ربع الرأس واللحية، المسح إصابة اليد المبتلة العضو إما بللاً يأخذه من الإناء، أو بللاً باقياً في اليد بعد غسل عضو من المغسولات اهـ". شرح الوقاية، ص: ۱۵۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پیر پر مسح کی صورت

سوال [۱۷۷۳]: میرے پیر کے اوپری حصہ پر آدھے سے زائد جگہ پر "ایکزما" ہوگیا، کھجلی ہوتی ہے اور پانی پڑنے سے مواد بھی ہوجاتا ہے، ڈاکٹر پانی کو مضر بتاتے ہیں۔ وضو کرنے میں پہلے بقیہ حصہ کو جب دھوتا ہوں تو چونکہ وہ درمیان میں ہے اس لئے پانی سے بچت نہیں ہو پاتی۔ اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ کیا پیر کو نہ دھوؤں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسح کرلو تو مسح کی ترکیب نہیں معلوم ہے، اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصۂ قدم پر پانی مضر ہے اس پر مسح کرلیا جائے یعنی تر ہاتھ پھیر لیا جائے اور بقیہ کو دھولیا جائے اس

---

(۱) (شرح الوقاية: ۱/۵۵، فرائض الوضوء، سعيد)

"ومسح ربع الرأس مرةً فوق الأذنين ولو بإصابة مطر أو بلل باق بعد غسل على المشهور، لا بعد مسح إلا أن يتقاطر". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أو بلل باق الخ) هذا إذا لم يأخذه من عضو آخر، مقدسي. فلو أخذه من عضو آخر، لم يجز مطلقاً، بحر: أي سواء كان ذلك العضو مغسولاً أو ممسوحاً، درر". (رد المحتار: ۱/۹۹، أركان الوضوء أربعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۶، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

طرح کہ وہاں پانی نہ پہونچے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، غفر لہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۳۰/۶/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "فی أعضائه شقاق، غسله إن قدر، و إلا مسحه، و إلا تركه. و لو بيده و لا يقدر على الماء، تيمم، ولو قطع من المرفق، غسل محل القطع". (الدر المختار: ۱۰۲/۱، بيان فرائض الوضوء، سعيد)

"وذكر شمس الأئمة الحلواني: إذا كان في أعضائه شقاق و قد عجز عن غسله، سقط عنه فرض الغسل، ويلزم إمرار الماء عليه، فإن عجز عن إمرار الماء يكفيه المسح، فإن عجز عن المسح سقط عنه المسح أيضاً، فيغسل ما حوله و يترك ذلك الموضع، كذا في الذخيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۱، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

الفصل الثانی فی سنن الوضوء

(سننِ وضوکا بیان)

مسواک کا حکم

سوال [۱۷۷۴]: مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسواک کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟

سوال [۱۷۷۵]: مسواک اگر ایک بالشت سے زائد ہو تو حرج تو نہیں؟ ایک فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بالشت سے زائد ہو تو شیطان بیٹھتا ہے اور اگر ایک بالشت سے کم ہو تاکہ جیب میں رکھ سکے۔ تو کیا یہ درست ہے؟ اور اس وقت تک استعمال کرے جب تک ممکن ہو، خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسواک ایک بالشت سے زائد نہ رکھی جائے، ابتداءً ایک بالشت ہو تو بہتر ہے، کم میں بھی مضائقہ نہیں، پھر جس قدر چھوٹی ہو کر استعمال کے قابل رہے استعمال کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "السواک سنة مؤکدة عند المضمضة، وقیل: قبلها، وهو للوضوء عندنا، إلا إذا نسیه، فیندب للصلاة". (الدر المختار: ۱۱۳/۱، سنن الوضوء، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۴۵۴/۱، المبحث الثانی، السواک، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۴۲/۱، الفصل الأول فی الوضوء، غفاریه کوئٹه)

(۲) "و ندب إمساکه بِیُمناه، و کونه لیناً، مستویاً، بلا عقد فی غلظ الخنصر و طول شبر". (الدرالمختار) =

مسواک کتنی موٹی ہونی چاہیے؟

سوال [۱۷۷۶]: کیا مسواک کی موٹائی چھنگلیاں کی موٹائی کے برابر ہونا بہتر ہے یا اس کی موٹائی اس سے کم نہ ہو؟ زیادتی کی مقدار کا تعین کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب اسی کو لکھا ہے، کسی قدر اور موٹی ہو جائے تب بھی اس کو ناجائز یا مکروہ نہیں کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بانس کی تیچی سے مسواک کا حکم

سوال [۱۷۷۷]: بانس کی تیچی سے مسواک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر تو مضر ہے کہ زبان اور مسوڑھوں کو نقصان دے گی اور زخمی کردے گی، مسواک کی بڑی منفعت فوت ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

="الظاهر أنه في ابتداء استعماله، فلا يضرّ نقصه بعد ذلك بالقطع منه لتسويته، تأمل . وهل المراد شبر المستعمل أو المعتاد؟ الظاهر: الثاني؛لأنه محمل الإطلاق غالباً". (ردالمحتار: ۱/۱۱۴، بيان سنن الوضوء، سعيد)

(و كذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۳۳، بيان فضيلة السواك، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية: ۱/۱۰۷، الوضوء، إدارة القرآن، كراچي)

"و يصح بكل عود إلا الرمان والقصب لمضرتهما، وأن يكون طول شبر مستعمله ؛لأن الزائد يركب عليه الشيطان". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷، قديمي)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مسواک کی مقدار کتنی ہونی چاہیے")

(۲) اس لئے بانس کی تیچی سے مسواک نہ کی جائے: "و يصح بكل عود إلا الرمان والقصب لمضرتهما الخ".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷، قديمي)

(و كذا في رد المحتار: ۱/۱۱۵، بيان سنن الوضوء، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير ،ص: ۳۳، بيان فضيلة السواك، سهيل اكيڈمي، لاهور)

عورتوں کے لئے مسواک

سوال [۱۷۷۸]: عورتوں کے لئے مسواک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے اگر مسوڑھے برداشت کرلیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھڑے ہوکر مسواک کرنا

سوال [۱۷۷۹]: چلتے پھرتے یا کھڑے ہونے کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسواک کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت ذہن میں نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وروى ابن ماجة عن أبي أمامة: "إنّي لأستاك حتى لقد خشيت أن أُحفي مقادم فمي". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۴۵۲، المبحث الثاني: السواك، رشيديه)

"أن العلك للمرأة يقوم مقام السواك؛ لأنها تخاف من السواك سقوط سنّها؛ لأن سنها أضعف من سن الرجل وهو مما ينقي الأسنان". (حاشية الشلبي تبيين الحقائق على للزيلعي: ۱/۳۵، سنن الوضوء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۱/۱۱۵، مطلب في منافع السواك، سعيد)

(وكذا في الإمداد، ص: ۷۵، مطلب في السواك واستعماله، حقانيه)

(۲) صراحت کے ساتھ کوئی ثبوت تو نہ مل سکا، البتہ مسواک کے لئے کوئی وقت خاص نہیں، بلکہ ہر وقت کر سکتے ہیں: "قال عليه السلام: "السواك مطهرةٌ للفمّ، ومرضاةٌ للرب".

"وهو يدل على مطلق شرعيته دون تخصيصٍ بوقتٍ معينٍ، ولا بحالةٍ مخصوصة، فهو مسنون في كل وقت". (الفقة الإسلامي وأدلته، المبحث الثاني: السواك: ۱/۴۵۴، رشيديه)

داڑھی میں خلال کا طریقہ

سوال [۱۷۸۰]: ڈاڑھی میں خلال کس طرح کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داہنے ہاتھ کو سیدھا کر کے ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی میں داخل کر دیا جائے، اسی طرح داہنی اور بائیں سمت میں اندر سے داخل کر کے باہر کی طرف کو ہاتھ لایا جاوے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وضو کرتے ہوئے انگلیوں میں خلال کب کرے؟

سوال [۱۷۸۱]: وضو میں ہاتھ دھونے کے بعد مسح سے قبل انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے یا جیسا کہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ سر وکان کے مسح کے بعد خلال کرتے ہیں وہ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ہاتھ دھوئے جب ہی انگلیوں کا بھی خلال کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

پورے سر اور کانوں کا مسح سنتِ مؤکدہ ہے

سوال [۱۷۸۲]: ایک مسجد کے حافظ صاحب صرف ۱/۲ (آدھے سر کے) حصہ سر کا مسح کرتے ہیں اور کانوں کے چاروں طرف انگلی نہیں پھراتے، کہتے ہیں کہ یہ تو سنت مؤکدہ ہے، اس پر بہت سے لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کر دی ہے، جب ان سے کہا گیا تو نہیں مانے اور نماز انہوں نے نہیں دہرائی۔ تو ان کے

---

(۱) "(تخليل اللحية) هو تفريق شعرها من أسفل إلى فوق، وهو سنة عند أبي يوسف". (ردالمحتار: ۱/۱۱۷، سنن الوضوء، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۵، سنن الوضوء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۷، الفصل الثاني في سنن الوضوء، رشيديه)

(۲) "و تخليل أصابع اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصر يده اليسرى، و فيه عن الظهيرية: أن التخليل إنما يكون بعد التثليث؛ لأنه سنة التثليث". (رد المحتار: ۱/۱۱۷، سنن الوضوء، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۳، رشيديه)

لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا طہارت ونماز کے مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہونا ضروری ہے، سنتِ موکدہ کے ترک ہوجانے سے فرض نماز ادا ہوجاتی ہے اس کا دہرانا واجب نہیں ہوتا، لیکن مستقلاً سنتِ مؤکدہ کوترک کرنا بھی کوئی ہلکی اور معمولی چیز نہیں (۱)۔آئندہ ہمیشہ اس کا خیال رکھیں، گذشتہ نمازوں کے دہرانے کی ضرورت نہیں، پورے سر کا اور کانوں کا بھی مسح کیا کریں، اس کوترک نہ کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/ ۵/ ۸۸ھ۔

مسحِ رأس کے وقت چھوٹی انگلی کا کان میں ڈالنا

سوال [۱۷۸۳]: وضو میں سر کا مسح کرنے سے پیشتر چھنگلیاں کا کان میں ڈالنا تعلیم الاسلام میں مستحب لکھا ہے۔کیا ایسا ہی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانوں کا مسح کرتے وقت چھوٹی انگلی کو کان میں داخل کرنا مستحب ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲/ ۱/ ۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن عفی عنہ، ۳/ ۱/ ۸۶ھ۔

---

(۱) "(وسننه الخ) و مسح كل رأسه مرةً مستوعبةً، فلو تركه و داوم عليه أثم". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "(قوله: مستوعبةً) هذا سنة أيضاً، كما جزم به في الفتح. ثم نقل عن القنية أنه إذا داوم على ترك الاستيعاب بلا عذر يأثم. قال: و كأنه لظهور رغبته عن السنة". (ردالمحتار: ۱/ ۱۲۱، سنن الوضوء، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۷، الفصل الثاني في سنن الوضوء، رشيديه)

(۲) "و من الأدب دلک أعضائه و إدخال خنصره صماخيْ أذنيه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۹، الفصل الثالث في المستحبات، رشيديه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۲، سنن الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في الدر المختار: ۱/ ۱۲۵، بيان آداب الوضوء، سعيد)

پیروں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ

سوال [۱۷۸۴]: پیروں کی انگلیوں کے خلال کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو داہنے پیر کی چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی کے درمیان اس طرح داخل کریں کہ صرف دو انگلیوں کے درمیانی حصہ پر ہی نہ پہونچے بلکہ انگلیوں کے نیچے کے حصہ پر بھی پہونچ جائے، پھر اس کے برابر والی دو انگلیوں میں خلال کریں اس طرح پوری انگلیوں کا خلال کریں، بائیں پیر کے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی سے شروع کریں گے، چھوٹی تک خلال کریں گے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا وضو کی سنت چھوٹنے سے نماز بھی مکروہ ہو جاتی ہے؟

سوال [۱۷۸۵]: جیسے وضو کرنے میں مسواک کا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور سنت کے چھوٹ جانے سے عملِ وضو ناقص ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ وضو کرنے میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے تو یہ ناقص اور مکروہ صرف اس عمل کی حد تک رہتا ہے، یا اس کا ناقص اور مکروہ ہونا نماز میں شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک صاحب نے بیان میں یوں کہا کہ جس کا وضو مکروہ اس کی نماز مکروہ۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو کی سنتیں ترک ہونے سے نماز تو مکروہ نہیں، البتہ ثواب میں کمی ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وتخليل أصابع اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصر يده اليسرى بادئًا بخنصر رجله اليمنىٰ، وهذا بعد دخول الماء خلالها، فلو منضمّةً فرض". (الدر المختار: ۱/۱۱۸، الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۷، الفصل الثاني في سنن الوضوء، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳، سنن الوضوء، امداديه)

(۲) "وحكمها ما يؤجر على فعله ويلام على تركه (ويلام): أي يعاتب -بالتاء- لا يعاقب".

(الدر المختار: ۱/۱۰۴، مطلب في السنة وتعريفها، سعيد) .... =

پاؤں دھونے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۸۶]: وضو میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے تو اس میں پیروں کو تین مرتبہ دھونے کا کیا طریقہ ہے، اگر حوض پر ہے تو کیا ہاتھ سے تین مرتبہ پانی ڈالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہاتھ سے پانی لیکر پیر دھورہا ہے تو تین مرتبہ پانی لیکر پیر پر بہادے، اگر حوض میں پیر ڈبو کر پیر دھورہا ہے تو تین مرتبہ ڈبودے، کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے، سنت ادا ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق: ۱/۳٦، سنن الوضوء، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۲۵، سنن الوضوء، امداديه)

(۱) "منها تكرار الغسل ثلاثاً .... تفسير السبوغ أن يَصِل الماء إلى العضو، ويسيل ويتقاطر منه قطرات، وينبغي أن يغسل الأعضاء كل مرة غسلاً يصل الماء إلى جميع ما يجب غسله في الوضوء الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۷، الفصل الثاني في سنن الوضوء، رشيديه)

الفصل الثالث فی مستحبات الوضوء وآدابه
(مستحباتِ وضو اور آداب کا بیان)

وضو کے لئے کتنا پانی چاہئے؟

سوال [۱۷۸۷]: وضو اور غسل میں شرعاً کتنے سیر پانی استعمال کرنا چاہئے؟ اور اس سے زائد خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو میں ڈیڑھ سیر غسل میں چار سیر، فتاوی رشیدیہ، ص: ٦/(١) ۔ اس سے زائد بلاضرورت اسراف ہے (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۸/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۸/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(١) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۴۵، إدارہ اسلامیات، لاهور)

(٢) "ثم يفيض الماء على كل بدنه ثلاثاً مستوعباً من الماء المعهود في الشرع للوضوء والغسل، و هو ثمانية أرطال، و قيل المقصود عدم الإسراف". (الدر المختار). "الأصوب حذف "قيل" لِمَا في الحلية: أنه نقل غير واحد إجماع المسلمين على أن ما يجزى في الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار. و ما في ظاهر الرواية من أن أدنى ما يكفي في الغسل صاعٌ وفي الوضوء مدّ، للحديث المتفق عليه: "كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتوضأ بمد و يغتسل بالصاع إلى خمسة أمداد". ليس بتقدير لازم، بل هو بيان أدنى القدر المسنون اهـ". (ردالمحتار ١/١٥٨، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/١٦، مما يتصل بذلك مسائل، رشيديه) .... =

وضو کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال [۱۷۸۸]: دعاء مانگتے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کیسا ہے؟ وضو کے بعد نگاہ اٹھا کر دعاء مانگیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھائے (۱)، البتہ وضو کے بعد شہادت وغیرہ پڑھتے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وضوعلی الوضوکونورٌعلی نور کب کہا جائے گا؟

سوال [۱۷۸۹]: باوضواذان دی پھر وضو کرنے سے وضو پر وضو کرنے کی فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وضو کرنے سے فضیلت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح بغیر نماز پڑھے

= "ومكروهه لطم الوجه بالماء و الإسراف، و منه الزيادة على الثلاث فيه". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله:والإسراف) بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية لما أخرج ابن ماجة وغيره عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله مرّ بسعد و هو يتوضأ فقال:"ما هذا السرف"؟ فقال:أفي الوضو إسراف؟ فقال: "نعم! و إن كنت على نهر جار"، حلية". (رد المحتار : ۱/۱۳۱، مكروهات الوضوء، سعيد)

(۱)"و يكره أن يرفع بصره إلى السماء لما فيه من ترك الأدب". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص: ۳۱۶، فصل في صفة الأذكار، قديمي)

"عن عقبة بن عامر الجهني -رضي الله تعالىٰ عنه- عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نحوه .... قال عند قوله: "فأحسن الوضوء، ثم رفع نظره إلى السماء". (سنن أبي داؤد ، كتاب الطهارة، باب مايقول الرجل إذا توضأ، ۱/۲۶، امداديه)

(وكذا في الحصن الحصين ، ص: ۱۵۹ مير محمد كتب خانه كراتشي)

(۲) "وزاد في المنية أيضاً: وأن يقول بعد فراغه: سبحانک اللهم و بحمدک أشهد أن لا إله إلا أنت استغفرک وأتوب إليک، وأشهد أن محمداً عبدک و رسولک ناظراً إلى السماء". (رد المحتار، مطلب في بيان ارتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن: ۱/۱۲۸، سعيد)

اذان کے بعد دوبارہ وضو کرنے سے فضیلت وثواب حاصل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی مرتبہ وضو کرنے کے بعد دوبارہ وضو کرنے سے نورٌ علی نور کا ثوابِ تو حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ ایک وضو سے ایسی عبادت ادا کرلی جائے جس کے لئے وضو شرط ہے اور بغیر وضو ادا نہیں ہوتی ہے جیسے نماز پڑھنا، سجدۂ تلاوت کرنا، قرآن شریف ہاتھ میں لے کر پڑھنا۔ اگر ایک وضو سے ایسی عبادت ادا نہیں کی گئی خواہ بالکل کوئی عبادت بھی ادا نہ کی گئی ہو اور دوبارہ وضو کرلیا جائے یا ایسی عبادت ادا کی گئی ہو جس کے لئے وضو شرط نہیں ہے، بلکہ محض بہتر ہے، بلا وضو بھی ادا ہوسکتی ہے جیسے اذان یا حفظ سے قرآن پاک کی تلاوت یا تسبیح وذکر، تو دوبارہ وضو کرنا نورٌ علی نور کے درجہ میں نہیں آئے گا بلکہ فضول واسراف ہونے کی وجہ سے ممنوع ومکروہ قرار دیا جائے گا۔

"والوضوء عبادة غير مقصودة لذاتها، فإذا لم يؤذبه عملاً مما هو المقصودة من شرعيته كالصلوٰة و سجدة التلاوة و مس المصحف، ينبغي أن لايشرع تكراره قربةً لكونه غير مقصود لذاته، فيكون إسرافاً محضاً". رد المحتار: ۱/۸۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

وضو کا بچا ہوا پانی

سوال [۱۷۹۰]: وضو کرنے کے لئے ایک لوٹا پانی جو درمیانِ وضو کے ختم ہوگیا، پھر دوبارہ پانی لیکر وضو تمام کیا تو اس بچے ہوئے پانی کو کھڑا ہو کر پینا بھی مستحب ہوگا یا نہیں؟ صرف وہی پانی پینا مستحب ہے جو ابتدائے وضو کے لئے لیا گیا ہو اور اسی میں سے بچ رہا ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وضو کا بچا ہوا پانی وہ ہے جو وضو کے تمام ہونے کے بعد بچے، لہذا پہلی مرتبہ کے لئے ہوئے پانی سے پینا (جب کہ وضو نا تمام رہے اور دوسری مرتبہ پانی لینے کی نوبت آئے) مستحب نہیں اور وضو کا بچا ہوا پانی پینا مطلقاً

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۱۱۹، مطلب: الوضوء على الوضوء، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۶، في سنن الوضوء، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۸۳، أوصاف الوضوء، قديمي)

مستحب ہے خواہ کھڑا ہو کر پئے یا بیٹھ کر، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وأن يشرب بعده من فضل وضوء ه –كماء زمزم– مستقبل القبلة قائماً أو قاعداً، أفاد أنه مخير في هذين الموضعين، وأنه لا كراهة فيهما في الشرب قائماً بخلاف غيرهما، وأن المندوب هنا هو الشرب من فضل الوضوء لا بقيد كونه قائماً اهـ". رد المحتار: ۱/۱۳۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم۔

وضو کے پانی کو کپڑوں سے پونچھنا

سوال [۱۷۹۱]: وضو کے بعد پانی کا خشک نہ کرنا، بلکہ اسی طرح مسجد میں داخل ہونا، وضو کے پانی کا داڑھی اور ہاتھ وغیرہ سے ٹپکتے رہنا، یہاں تک کہ دورانِ نماز چند رکعات میں اعضاء سے وضو کا پانی ٹپکتا رہتا ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ پونچھنا بھی ثابت ہے(۲)، البتہ اس کا خیال چاہئے کہ قطرات سے دوسروں کو اذیت نہ ہو اگرچہ قطرات نجس نہیں، کیونکہ ہر ایک کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی، جس چیز کو قطرات لگیں گے وہ چیز بھی نجس نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۱/۱۲۹، آداب الوضوء، سعید)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۱۲، آداب الوضوء، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۳۶، مطلب: نهي عن الشرب قائماً، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "(قوله: والتمسح بمنديل) ذكره صاحب المنية في الغسل، و قال في الحلية: و لم أرَ من ذكره غيره، و إنما وقع الخلاف في الكراهة، ففي الخانية: و لا بأس به للمتوضيء والمغتسل، روى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يفعله، و منهم من كره ذلك، و منهم من كرهه للمتوضي دون المغتسل، والصحيح ما قلنا، إلا أنه ينبغي أن لا يبالغ و لا يستقصي فيبقى أثر الوضوء على أعضائه اهـ". (ردالمحتار: ۱/۱۳۱، مطلب في التمسح بمنديل، سعيد)

(و كذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۵، فصل في الماء المستعمل، رشيديه)

(۳) "(وهو طاهر) ولو من جنب، وهو الظاهر (ليس بطهور)". (الدر المختار، قبيل مطلب مسئلة البئر: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

وضو کے بعد منہ پونچھنا

سوال [۱۷۹۲]: وضو کرنے کے بعد کسی رومال سے یا کپڑے سے منہ، ہاتھ، پیر کا پونچھنا افضل ہے یا نہ پونچھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پونچھنے کے لئے کپڑا پیش کیا گیا آپ نے انکار فرمادیا، اور خود پونچھنا بھی ثابت ہے، اس لئے دونوں باتوں کا اختیار ہے، موسم ومزاج کے اعتبار سے دونوں باتیں درست ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لوٹے میں ہاتھ ڈال کر اس سے وضو کرنا

سوال [۱۷۹۳]: لوٹے میں ہاتھ ڈال کر وضو کرنا کیسا ہے جب کہ اس میں مستعمل پانی گرتا ہے، ایسے لوٹے جو نیچے اوپر سے برابر ہوتے ہیں جو آج کل مسجدوں میں پائے جاتے ہیں؟ وضاحت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ ڈال کر وضو کرنا خلافِ احتیاط ہے (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''وضو کے پانی کو کپڑوں سے پونچھنا'')

(۲) ''وسنن الطهارة غسل اليدين قبل إدخالهما الإناء إذا استيقظ المتوضئ من نومه وفي العناية: (إذا استيقظ المتوضئ) نقل عن شمس الأئمة الكردري أنه شرط حتى إذا لم يستيقظ لايسن غسلهما، وقيل: هو شرط اتفاقي. خص المصنف غسلهما بالمستيقظ تبركاً بلفظ الحديث، والسنة تشمل المستيقظ وغيره، وعليه الأكثرون؛ لأن مالم يتم الواجب إلا به فهو واجب، لكن تركنا الوجوب إلى السنة في الغسل؛ لأنه صلى الله عليه وسلم علل بتوهم النجاسة، وتوهمها لايوجب التنجس الموجب للغسل، فكان دليلاً على التورع والاحتياط''. (فتح القدير مع العنايه: ۲۱/۱، كتاب الطهارات، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸/۱، سنن الوضوء، رشيديه)

(وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶، فصل في سنن الوضوء، قديمي)

الفصل الرابع فی مکروهات الوضوء

(مکروہاتِ وضو کا بیان)

وضو کرتے ہوئے سلام کا جواب

سوال [۱۷۹۴]: وضو کرتے ہوئے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وضوء کی دعاؤں میں مشغول ہو تو بہتر یہ ہے کہ نہ سلام کرے نہ جواب دے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وضو کرتے وقت سلام یا بات کرنا

سوال [۱۷۹۵]: اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ وضو کرتے وقت سلام یا بات چیت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو کرتے وقت نہ دنیا کی باتیں کریں، نہ سلام کریں بلکہ وضو کی دعاء پڑھا کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "التکلم بکلام الناس، والکراهة تنزيهية؛ لأنه يشغله عن الأدعية". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۱/۳۱۱، المطلب السادس، مكروهات الوضوء، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۱/۱۲۶، آداب الوضوء، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۸، الفصل الثالث فی المستحبات، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۱/۵۸، الطهارة، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

الفصل الخامس فی نواقض الوضوء

(نواقضِ وضوکا بیان)

وضوکرتے ہوئے حدث ہوجائے

سوال [۱۷۹۶]: اگر اثنائے وضومیں حدث لاحق ہوتوما توضأ کا اعادہ ضروری ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ضروری ہے: "حدث قد تحقق، فبطل ما غسل قبله" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

درمیانِ وضونواقضِ وضوکاتحقق ہونے سے وضوکاحکم

سوال [۱۷۹۷]: ایک شخص وضوکے دوران مثلاً چہرہ اور ہاتھ دھوچکا تھا، اس کے بعد خروج ریح، یا خروجِ دم پیش آگیا، ایسی صورت میں وہ شخص ازسرنو وضوکرے یا بغیر اعادہ کے وضومکمل کرے؟ ایک فریق کہتا ہے کہ وضومکمل نہیں ہوگا تو ٹوٹنے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا، لہٰذا بغیرِ اعادہ کے وضومکمل کرکے نماز پڑھ لے، نماز

---

(۱) "سئلت عمن أحدث اثناء وضوئه هل يكفيه إتمامه لذلك الوضوء أويلزمه الاستيناف؟ فالجواب أنه يلزمه الاستيناف كما أفتى به شيخ الإسلام عليّ أفندى، والله أعلم". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۰، الطهارة، مكتبه حقانيه)

"لو ضرب يديه فقبل أن يمسح أحدث، لا يجوز المسح بتلك الضربة، كما لو أحدث فى الوضوء بعد غسل بعض أعضاء، و به قال السيد أبو شجاع". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى دار العلوم ديوبند: ۱/۱۳۰، امداديه ملتان)

(و كذا فى غنية المستملى (الحلبى الكبير)، ص: ۱۵، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(و كذا فى الأشباه والنظائر: ۲/۶، إدارة القرآن، كراچى)

(و كذا فى مراقى الفلاح، ص: ۱۲۱، كتاب الطهارة، قديمى)

5

درست ہوجائے گی۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب نواقضِ وضو کامل وضو کو توڑ سکتا ہے تو دو تین رکن کو بطریقِ اولیٰ توڑ سکتا ہے، نیز اگر عمل مکمل ہونے کے بعد ہی باطل و فاسد ہونے کا حکم صادر کیا جائے تو پھر درمیانِ صلوٰۃ وضو میں کوئی فساد کی صورت پیش آئے تو فاسد و باطل نہ ہونا چاہئے۔ نیز تیمّم میں صرف چہرہ کا تیمّم کیا ہے اور نواقضِ تیمّم میں سے کوئی چیز پیش آ گئی اس کا حکم کیا ہوگا؟

ہر دو فریق قیاس سے کام لے رہے ہیں جواب باحوالہ عنایت فرمائیں تو احسان ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وضو مکمل کرنے سے پہلے اگر ناقضِ وضو پیش آ جائے تو جن اجزائے وضو کو پہلے ادا کر چکا ہے ان کا بھی نقض ہوگیا، از سرِ نو وضو کرنا ضروری ہے۔ یہ مسئلہ صریحہ جزئیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، شامی، الاشباہ والنظائر وغیرہ میں موجود ہے (۱)۔ قیاس کرنے کی ضرورت ہی نہیں تتبع کی ضرورت ہے، ماشاء اللہ کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں، تلاش کرلیں۔ یہی حکم تیمّم کا ہے، تیمّم کی الشرط السادس کے ذیل میں مراقی الفلاح میں جزئیہ دیکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱/۵/۱۴۰۶ھ۔

کھجلی کے دانوں کے پانی کا حکم

سوال [۱۷۹۸]: کھجلی کے دانوں سے بعض اوقات مسلسل پانی بہتا ہے وہ نجس ہے یا پاک؟ اور جس کپڑے پر وہ لگے وہ ناپاک قرار پائے گا یا نہ؟ اور اس پانی کے نکلنے سے جو پتلا پتلا نکلا کرتا ہے ناقضِ وضو ہے یا نہ؟

---

(۱) (راجع، ص: ۶۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "حتى لو أحدث بعد الضرب أو إصابة التراب فمسحه .... على مااختاره شمس الأئمة، لايجوز لجعله الضرب ركناً، كما لو أحدث بعد غسل عضو (على مااختاره شمس الأئمة الحلواني) وهو قول السيد أبي شجاع، وصححه صاحب الخلاصة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۲۱، كتاب الطهارة، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ پانی اپنی جگہ سے بہہ جائے تو ناقض وضو بھی ہے(۱) اور جس کپڑے پر لگ جائے وہ بھی نجس ہوجائے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

خروجِ ریح ناقض وضو کیوں ہے؟

سوال [۱۷۹۹]: مسئلہ یہ ہے کہ اگر وضو بوجہ ہَوا خارج ہونے کے ٹوٹ جائے تو استنجا کے سوا وضو کرے، اس کی کیا وجہ ہے، جہاں سے گندی ہوا خارج ہو اس کو تو دھویا نہ جائے اس کے علاوہ اَور وضو کرلیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی وجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی، صرف وضو کا حکم دیا ہے(۳)، کس کی

---

(۱) "بخلاف نحو الدم والقيح، ولذا أطلقوا في الخارج من غير السبيلين كالدم والقيح والصديد أنه ينقض الوضوء، ولم يشترطوا سوى التجاوز إلى موضع يلحقه حكم التطهير". (ردالمحتار: ۱/۱۴۸، كتاب الطهاره، مطلب في ندب مراعاة الخلاف اذا لم يرتكب مكروه مذهبه، سعيد)

"والمعاني الناقضة للوضوء كل ما خرج من السبيلين والدم والقيح والصديد إذا خرج من بدن فتجاوز إلى موضع يلحقه حكم التطهير". (القدوری، ص: ۶، نواقض الوضوء، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۱/۵۹، مكتبه رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۲۷، نواقض الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "كل مايخرج من بدن الإنسان مايوجب خروجه الوضوء أو الغسل، فهو مغلّظ .... فإذا أصاب الثوب أكثر من قدر الدرهم، يمنع جواز الصلوٰة، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۶، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، رشيديه)

(۳) "عن علي بن طلق -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا فسا أحدكم، فليتوضأ". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۰، باب مايوجب الوضوء، الفصل الثاني، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۲۷، باب فيمن يحدث في الصلوٰة، سعيد)

جرأت ہے جو اس کی وجہ دریافت کرے، یہ امر تعبدی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، سعید احمد غفرلہ، یکم/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

ریح کا اخراج بہ ہیئتِ سجدہ

سوال [۱۸۰۰]: ایک شخص کو ریاح کا مرض ہے، اکثر سجدہ میں اس کا زور ہوتا ہے، بعض اوقات کھڑے، بیٹھے یا دوسری حالت میں ریح نہیں خارج ہوتی جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے، خصوصاً نماز میں بے چینی کہ جب سجدہ میں جاتا ہے زور ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس حالت میں خارجِ نماز سجدہ کی ہیئت بنا کر ریح خارج کرسکتا ہے اور اگر قریب میں دوسری جگہ نہ ہو کہ وہاں جا کر ایسا کرے تو مسجد میں کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیا شکل اختیار کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس ہیئت سے ریح کا اخراج ہو کر اس کو سہولت حاصل ہوسکتی ہو شرعاً اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۲ھ۔

کس کس سہارے سونے سے وضو ٹوٹتا ہے؟

سوال [۱۸۰۱]: ۱...... دو زانو بیٹھا ہوا ہے اور کہنیوں کا سہارا زانو پر دے کر سو رہا ہے وضو کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "لأن غسل غير موضع الإصابة أمر تعبدي، فيقتصر على مورد الشرع". (الهداية: ۱/ ۲۳، نواقض الوضوء، شركة علمية)

(۲) البتہ مسجد میں ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ شدید مجبوری میں معذور سمجھا جائے گا: "(ولا البول) و كذا لا يخرج فيه (في المسجد) الريح من الدبر كما في الأشباه، واختلف فيه السلف؛ فقيل: لا بأس، وقيل: يخرج إذا احتاج إليه، و هو الأصح، حموی عن شرح الجامع الصغير للتمرتاشي". (رد المحتار: ۱/ ۶۵۶، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

۲......دوزانو بیٹھ کر دونوں پیر ایک طرف نکال دیئے ہیں ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر سہارا لے کر سو گیا ہے، کیا حکم ہے وضو کا؟

۳...... چہارزانو بیٹھ کر دونوں کہنیوں کو زانو پر رکھ کر ان کے سہارے سے سو رہا ہے، وضو رہا یا نہیں؟

۴...... چہارزانو بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر ان سے سہارا لے کر سو گیا ہے، وضو کا کیا حکم ہے؟

۵......دونوں گھٹنے کھڑے کر کے دونوں بازو سے گھٹنوں کو حلقہ میں لیکر سو گیا ہے وضو ٹوٹا یا نہیں؟

۶......سہارے سے کیا مراد ہے بدن، عضو، ہاتھوں یا کہنیوں کا سہارا یا کسی دوسری چیز کا سہارا؟

۷......کس سہارے سے وضو ٹوٹے گا کس سہارے سے نہیں ٹوٹے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"وينقضه حكماً نومٌ يزيل مسكة: أى قوة الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم على أحد جنبيه أو وركيه أو قفاه أو وجهه، وإلا يزول مسكة، لا ينقض وإن تعمده فى الصلوة أو غيرها على المختار، كالنوم قاعداً، ولو مستنداً إلى ما لو أزيل لسقط على المذهب، وساجداً أو محتبياً ورأسه على ركبتيه أو شبه المنكب الخ". در مختار: ۱/۹۵(۱)۔

۱...... یہ صورت ناقضِ وضو نہیں۔

۲...... یہ صورت بھی ناقضِ وضو نہیں۔

۳......اس سے وضو نہیں ٹوٹا۔

۴......اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹا۔

۵......اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹا۔

۶......سہارا کس عبارت میں ہے جس کا مطلب دریافت کرنا ہے وہ عبارت لکھئے۔

---

(۱)(الدر المختار: ۱/۱۴۱، مطلب فى نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۱/۵۲، نواقض الوضوء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا مجمع الأنهر: ۱/۳۵، نواقض الوضوء، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

۷...... پانچ صورتوں کا حکم تو معلوم ہوگیا ان کے علاوہ جو کچھ دریافت کرنا ہو اس کی صورت تحریر کریں۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ناک کی ریزش سے وضو

سوال [۱۸۰۲] : ناک کی ریزش میں کوئی چیز منجمد آتی ہے جو پیپ کا سا رنگ رکھتی ہے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریزش میں انجماد ہوگیا اور سڑ گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض ریزش منجمد ہوگئی تو وہ ناقض وضو نہیں (۱) اگر پیپ ہے تو وہ ناقضِ وضو ہے، کسی طبیب حاذق سے تحقیق کر لی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۶۴/۲/۲۶ھ۔

کان سے نکلا ہوا گندہ پانی ناقضِ وضو ہے

سوال [۱۸۰۳] : زید کو تقریباً دس سال کے عرصہ سے اب تک- جب کہ عمر بیس سال کی ہو چکی ہے- کان سے گندا پانی نکلتا ہے اور کبھی کبھی سال میں درد بھی ایک دو روز کے لئے ہو جاتا ہے لیکن پانی ہمیشہ نکلتا رہتا ہے تو اس سے اس کا وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اسے معذور قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ کیونکہ وہ پنج وقتہ امامت بھی کرتا ہے تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ وضو کرتے وقت کان کو اچھی طرح سے صاف کر لیتا ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد روئی اگر کان میں نہیں رکھتا ہے تو کان سے گندا پانی نکل آتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "الرجل إذا استنثر فخرج من أنفه علق قدر العدسة، لا ينقض الوضوء، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۱۱، نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية : ۱/۱۲۷، نواقض الوضوء، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "نعم إذا علم أنه صديد أو قيح من طريق غلبة الظن بإخبار الأطباء أو علامة تغلب على ظن المبتلىٰ يجب". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۸۸، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گندہ پانی کان سے نکلتا ہے اور درد بھی کان میں کبھی کبھی ہوتا ہے وہ ناقضِ وضو ہے، اگر وہ شرعاً معذور ہے تو اس کی امامت درست نہیں، اگر غیر معذور ہے یعنی اس کو اتنا وقت ملتا ہے کہ باوضو نماز شروع کرے اور بغیر پانی نکلے نماز ادا کرے تو نماز امام اور مقتدیون کی سب کی درست ہوگی۔ کبیری (۱)، شامی (۲) اور عالمگیری (۳) میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۳ھ۔

کیا شراب ناقضِ وضو ہے؟

سوال [۱۸۰۴]: ۱...... ایک شخص کا وضو ہے، وضو کی حالت میں اس نے شراب پی لی تو کیا شراب پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

۲...... اگر ایک شخص نے اتنی شراب پی کہ نشہ نہ ہوا اور وہ بے ہوش نہ ہوا تو کیا وہ ایسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

خواجہ عامر حسین عفی عنہ، محلہ شاہ ولایت سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... محض شراب پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک نشہ نہ ہو (۴)، البتہ منہ ناپاک ہو جاتا ہے کہ شراب

---

(۱) "كل مايخرج من علة من أىّ موضع كان كالأذن والثدى والسرة ونحوها، فإنه ناقض على الأصح؛ لأنه صديد". (الحلبی الكبير، ص: ۱۳۳، فصل فی نواقض الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "لا ينقض لو خرج من أذنه و نحوها كعينه و ثديه قيحٌ ونحوه كصديد و ماء سرة وعين لا بوجع، وإن خرج به: أى بوجع نقض؛ لأنه دليل الجرح الخ". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب فی ندب مراعاة الخلاف اهـ: ۱/۱۴۷، سعيد)

(۳) "الدم والقيح والصديد وماء الجرح والنفطة والعسرة والثدى والعين والأذن لعلّة سواء على الأصح، كذا فى الزاهدى. ولو صب دهناً فى أذنه، فمكث فى دماغه، ثم سال من أذنه ومن أنفه، لا ينقض الوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۰، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، رشيديه)

(۴) "(و ينقضه إغماء الخ) (و سكر) هو حالة تعرض للإنسان من امتلاء دماغه من الأبخرة المتصاعدة=

نجس ہے اور اس کا پینا حرام ہے(۱)۔

۲.....اگر ایسی حالت میں نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

تنبیہ: حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص شراب پئے اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوگی، پھر اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی، پھر شراب پئے تو پھر چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوگی حتی کہ اگر چوتھی مرتبہ پئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اہلِ دوزخ کی پیپ پلائیں گے(۲)۔

نیز شراب پینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے(۳) اور بھی مختلف وعیدیں آئی ہیں۔اس

= من الخمر ونحوه، فيتعطل معه العقل المميّز بين الأمور الحسنة والقبيحة الخ". (رد المحتار: ١/١٤٤، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/١٢، نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ١/٧٦، نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ١٤٠، نواقض الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر الأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه﴾ الآية (المائده: ٩٠، پ:٧)

(٢) "عن عبدالله بن عمر –رضي الله تعالىٰ عنهما– قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من شرب الخمر، لم يقبل الله له صلوةً أربعين صباحاً، فإن تاب تاب الله عليه، فإن عاد لم يقبل الله له صلوةً أربعين صباحاً، فإن تاب تاب الله عليه، فإن عاد في الرابعة لم يقبل الله له صلوةً أربعين صباحاً، فإن تاب لم يتب الله عليه وسقاه من نهر الخبال". رواه الترمذي ورواه النسائي وابن ماجة والدارمي عن عبدالله بن عمر". (مشكوٰة المصابيح: ٢/٣١٧، كتاب الحدود، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام، ومن شرب الخمر في الدنيا فمات وهو يُدمِنُها، لم يتب، لم يشربها في الآخرة". رواه مسلم. "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قدم من اليمن فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عن شراب يشربونه بأرضهم من الذّرة، يقال له: المزر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "أومسكر هو"؟ قال: نعم قال: "كل مسكر حرام، إن على الله عهداً لمن يشرب المسكر أن يسقيه من طينة الخبال". قالوا: يارسول الله! وماطينة الخبال؟ قال: "عرق أهل النار أو عصارة أهل النار". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ٢/٣١٧، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، قديمي)

(٣) "عن عبدالله بن عبدالله بن عمر، عن ابيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لعن الله الخمر، ولعن شاربها وساقيها، وعاصرها ومعتصرها، وبائعها ومبتاعها، وحاملها والمحمولة إليه وآكل ثمنها"...... =

لئے شراب سے حد درجہ دور رہنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

گالی دینا ناقض وضو نہیں

سوال [۱۸۰۵]: وضو کرنے کے بعد اگر کوئی شخص گالیاں وغیرہ دیدیے تو پھر اس کے لئے وضو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی اس کا سابقہ وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالیاں دینے کا گناہ ہوگا مگر یہ ناقضِ وضو نہیں، البتہ وضو کر لینا مستحب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

تاش ناقضِ وضو نہیں

سوال [۱۸۰۶]: ایک شخص خوب تاش کھیلتا ہے، اذان ہونے پر نماز میں شریک ہو جاتا ہے، وضو نہیں کرتا، کہتا ہے کہ میرا وضو قائم ہے۔ کیا تاش کھیلتے رہنے سے وضو رہ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاش کھیلنا منع ہے مگر یہ ناقضِ وضو نہیں جیسے کہ اَور بہت سے گناہ ہیں، گناہ ہونے کی وجہ سے اس کا ترک کرنا ضروری ہے اگرچہ نماز ادا ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۱/ ۹۰ھ۔

= (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/ ۲۲۹، مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی الله عنهما، دار إحياء التراث العربی)

(۱) "والقسم الثالث: وضوء مندوب .... بعد كلام غيبة و كذب و نميمة و بعد كل خطيئة وإنشاد شعر الخ". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۸۴، الوضوء علی ثلاثة أقسام، قديمی)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۹، مستحبات الوضوء، رشيديه)

(۲) لیکن وضو کرنا مستحب ہے: (كما تقدم تخريجه فی الحاشية المتقدمة)

محض سوزش ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۰۷]: احمد نامی ایک شخص کے تمام اعضاء کمزور ہیں اور مرضِ احتلام وجریان کا عرصہ سے شکار ہے، اکثر خیالاتِ فاسدہ آتے رہتے ہیں اور کسی بھی چیز کے دیکھنے پر شہوانی خیالات ابھر جاتے ہیں، جس کی وجہ سے عضوِ مخصوص میں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے، بغیر پیشاب کے حاجت معلوم ہوتی ہے یا عضو میں سوزش ہوتی ہے۔ کیا اس سے وضوٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض سوزش یا پیشاب کی حاجت محسوس ہونے سے وضو ساقط نہیں ہوگا جب تک کسی چیز کا خروج نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

انجکشن سے خون لینا کیا ناقضِ وضو ہے؟

سوال [۱۸۰۸]: ناچیز نمازِ عصر کے بعد باوضو تھا، اسی دوران ہسپتال میں ایک جاں بلب بیمار کو خون کی ضرورت پڑی، ناچیز نے اسے اپنا خون دیا، ہسپتال سے سیدھا واپس آکر نمازِ مغرب تیار تھی، باوضو ہونے کے خیال سے نماز میں امامت کے بعد میں نے ایک مولوی صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، جب کہ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ خون ایک رگ سے بذریعہ سوئی اور نالی بوتل میں بھرا اور اسی صورت میں دوسرے بیمار کی رگ کے ذریعہ اس کے جسم میں منتقل کیا گیا ہے، ایک قطرہ بھی گرا نہیں، اس لئے خون بہنے کا مسئلہ نہیں رہا، لہٰذا نماز ہوگئی۔

---

(۱) "في الخلاصة: و لو نزل البول إلى قصبة الذكر لا ينقض؛ لأنه من الباطن". (التاتارخانية: ۱/۱۲۳، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۹، الفصل الخامس نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۵۱، نواقض الوضوء، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۱۶، الفصل الثالث في الوضوء، امجد اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون اگرچہ زمین پر نہیں گرا، لیکن اگر نالی اور بوتل نہ ہوتی جس میں خون لیا گیا ہے بلکہ بذریعہ سوئی ایسے ہی نکالا جاتا تو ضرور بہہ کر زمین پر گر جاتا جیسے جونک لگا دی جائے اور وہ خون چوس لے جو اس کے پیٹ میں چلا جائے، زمین پر ایک قطرہ بھی نہ گرے تو وہ فقہاء کے نزدیک ناقضِ وضو ہے، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی ناقض وضو ہے، اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ مراقی الفلاح، ص:۵۲ میں ہے:

"وينقض الوضوء نجاسة سائلة من غيرهما: أي السبيلين لقوله عليه الصلوة والسلام: "الوضوء من كل دم سائل"۔

علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:"والمراد أن تتجاوز ولو بالعصر، وما شأنه أن يتجاوز لولا المانع، كما لو مصت علقةً فامتلأت بحيث لو شقّت لسال من الدم، كذا في حلبي"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پنڈلی، سینہ وغیرہ سے خون نکلنا

سوال [۱۸۰۹]: اعضائے وضو کے علاوہ بدن کے دیگر اعضاء مثلاً: پنڈلی، سینہ وغیرہ سے اگر خون یا پیپ نکل کر بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعضائے وضو کے علاوہ سینہ پنڈلی وغیرہ سے خون یا پیپ نکل کر بہہ جائے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۸۷، فصل نواقض الوضوء، قديمي)

"وكذا ينقضه علقة مصّت عضواً وامتلأت من الدم". (الدرالمختار). "وقال: لأنها لو شقت يخرج منها دم سائل". (ردالمحتار: ۱۳۹/۱، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۱/۱، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، رشيديه)

(۲) "بخلاف نحو الدم والقيح، ولذا أطلقوا في الخارج من غير السبيلين كالدم والقيح والصديد أنه ينقض الوضوء، ولم يشترطوا سوى التجاوز إلى موضع يلحقه حكم التطهير". (ردالمحتار: ۱۴۸/۱، =

سجدہ میں کونسی ہیئتِ نوم ناقض وضو ہے؟

سوال [۱۸۱۰]: سجدہ کی حالت میں کہنی زمین پر ہو یا گھٹنے پر ہو اور نیند آ جائے تو وضو رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کہنی زمین پر ٹیک کر اور پیٹ کو رانوں سے لگا کر سونے سے وضو باقی نہیں رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۸ھ۔

جو پانی ناپاک نکلے وہ ناقضِ وضو ہے

سوال [۱۸۱۱]: ہندہ کے آگے کی راہ سے رینٹ کی طرح پانی آتا ہے تو آیا وہ پانی پاک ہے یا ناپاک، اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

= كتاب الطهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذا لم يرتكب مكروه مذهبه، سعيد)

"والمعاني الناقضة للوضوء كل ما خرج من السبلين والدم والقيح والصديد إذا خرج من بدن، فتجاوز إلى موضع يلحقه حكم التطهير". (القدوری، ص: ۶، نواقض الوضوء، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۱/۵۹، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۲۷، نواقض الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "والهيئة المسنونة بأن يكون رافعاً بطنه عن فخذيه مجافياً عضديه عن جنبه، كما في البحر. قال ط: والهيئة المسنونة في حق الرجل لاالمرأة .... النقض في مسئلة الذخيرة لارتفاع المقعدة وزوال التمكن، وإذا نقض في التربع مع أنه أشد تمكناً، فالوجه الصحيح النقض ههنا، ثم أيده بما في الكفاية عن المبسوطين من أنه لونام قاعداً ووضع إليته على عقبيه، وصار شبه المنكب على وجهه، قال أبو يوسف: عليه الوضوء". (رد المحتار: ۱/۱۴۱، ۱۴۲، نواقض الوضو، سعيد)

"فإنه يشترط أن يكون على الهيئة المسنونة له بأن يكون رافعاً بطنه عن فخذيه مجافياً عضديه عن جنبيه .... وإن سجد على غير هذه الهيئة، انتقض وضوءه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲، الفصل الخامس، ومنها النوم، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پانی ناپاک ہے، ناقضِ وضو ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عورت کی فرج سے رطوبت نکلے اور وہاں کپڑا رکھ لیا جائے

سوال [۱۸۱۲]: عورت کی پیشاب گاہ سے وقتاً فوقتاً ناپاک رطوبت نکلتی رہتی ہے، بعض اوقات اتنی بھی مہلت نہیں ملتی کہ پوری نماز ادا کی جائے۔ایسی صورت میں کپڑا اندر رکھ لیا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا اندر رکھنے سے اگر نجاست وہیں رک گئی باہر نہیں نکلی تو وضو باقی ہے اور ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کرنا درست ہے۔اگر اندرونی حصہ (فرجِ داخل) میں وضو کی حالت میں کپڑا رکھ کر بالکل غائب کر دیا تو وضو ٹوٹ جائے گا(۲) اور کچھ اندر رہا اور کچھ باہر رہا بالکل غائب نہیں ہوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا جب کہ رطوبت باہر کے حصہ تک نہ پہونچی ہو(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وينقضه خروج كل خارج نجس منه: أي من المتوضئ الحي معتاداً أولا، من السبيلين أولا، إلى مايطهر". (الدر المختار: ۱/ ۱۳۴، مطلب: نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۹، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۱/ ۳۷، فصل في نواقض الوضوء، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) "فإن غيبها أو أدخلها عند الاستنجاء، بطل الوضوء وصومه". (الدرالمختار) . قال الشامي: "(قوله: فإن غيبها) قال في شرح المنية: وكل شئ غيبه ثم خرج، ينقض وإن لم يكن عليه بلّة؛ لأنه التحق بما في البطن، ولذا يفسد الصوم، بخلاف ماإذا كان طرفه خارجاً. وفي شرح الشيخ إسماعيل عن الينابيع :وكل شئ غيبه في دبره، ثم أخرجه أو خرج بنفسه، ينقض الوضوء والصوم، وكل شئ أدخل بعضه وطرفه خارج لاينقضها، انتهى". (ردالمحتار: ۱/ ۱۴۹، كتاب الطهارة، مطلب في ندب مراعاة إذا لم يرتكب مكروه مذهبه، سعيد)

(۳) قال ابن النجيم: "و في البدائع :و لو احتشت في الفرج الداخل، و نفذت البلّة إلى الجانب الآخر، فإن كانت القطنة عاليةً أم محاذيةً لحرف الفرج، كان حدثاً لوجود الخروج، وإن كانت القطنة متسفلةً عنه لا ينقض لعدم الخروج الخ". (البحر الرائق : ۱/ ۶۰، نواقض الوضوء، رشيديه) .... =

نزلہ، زکام کے قطرات نجس نہیں

سوال [۱۸۱۳]: نزلہ کی شکایت مجھے عموماً رہتی ہے دورانِ مرض نماز میں خصوصاً رکوع وسجدہ کے دوران، عموماً ناک سے اور کبھی آنکھوں سے بھی کپڑوں اور مسجد میں نزلہ، زکام کا پانی گرتا رہتا ہے، اس بارے میں فتویٰ دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی حالت میں رومال یا تولیہ سامنے رکھ لیا جائے، تاکہ ناک سے جو نزلہ کے قطرات گریں وہ فرشِ مسجد پر نہ گریں اگرچہ نزلہ کے قطرات گرنے سے وضو یا نماز میں نقصان نہیں آتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۲ھ۔

قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

سوال [۱۸۱۴]: رکوع، سجدہ والی نماز میں بالغ مرد کے قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ نماز میں ہنسی کا واقعہ عملاً شاید ظہور پذیر ہوتا ہو، میرے علم میں تو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا ہے۔ پھر یہ کہ اس صورت میں کسی چیز کا جسم سے اخراج بھی نہیں ہوتا ہے کہ وضو ٹوٹ جائے، اس طرح یہ ایک غیر عقلی بات ہے، اس لئے لامحالہ اس کے لئے کوئی نص ہونی چاہئے جب ہی یہ امر لائق اتباع ہوسکتا ہے۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/١٠، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار: ١/١٤٨، نواقض الوضوء، سعيد)

(١) "فأما الإنسان فإن ما يخرج منه على ثلاثة أقسام: قسم منه طاهر و بخروجه لا ينتقض الوضوء، وإن أصاب شيئاً لا ينجسه، و هو عشرة أشياء: وسخ الأذن و دموع العين و المخاط و البزاق الخ". (النتف في الفتاوى، ص: ٢٦، ما يخرج من الإنسان، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ١٢٣، قديمي)

(و كذا في البدائع: ١/٣٦٢، مطلب: نجاسة مني، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ١/١٧٤، كتاب الطهارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ سے متعلق متعدد صحابہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث نقل کی ہیں، امام زیلعی نے نصب الرایہ ج:۱،ص: ۴۷ سے،ص: ۵۰ تک ان کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے(۱)، مراسیل ان کے علاوہ ہیں جو،ص:۵۴ تک ہیں۔ جن صحابہ کرام نے مرفوعاً احادیث نقل کی ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عمران بن الحصین، حضرت ابوالملیح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

نیز اس مسئلہ پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام السهسهة فی نقض الوضوء بالقهقهة (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/۱۱/۹۵ھ۔

بچہ کا پائخانہ صاف کرنا ناقضِ وضو نہیں

سوال [۱۸۱۵]: ایک عورت وضو کر کے نماز کے لئے کھڑی ہونے والی تھی کہ اس کے بچہ نے پاخانہ کر دیا، اس کو صاف کرنے کے بعد اس نے چاہا کہ نماز پڑھ لوں، مگر ایک مولوی جی نے کہا کہ تمہارا وضو ختم ہو گیا۔ تو کیا اسی صورت میں وضو ختم ہو گیا یا باقی رہا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ کا پائخانہ صاف کرنا ناقض وضو نہیں اسی وضو سے بلا تکلف نماز درست ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "ومن جملة مارواه "روى أن أعمى تردّى في بئر .... والنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي بأصحابه، فضحك بعض من كان يصلي معه -عليه الصلوة والسلام- فأمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان ضحك منهم أن يعيد الوضوء، ويعيد الصلوة". (نصب الراية، فصل في نواقض الوضوء: ۱/۹۵، ۹۲، مكتبه حقانيه، پشاور)

(و كذا في بدائع الصنائع : ۱/۲۵۵، فصل: وأما بيان ما ينقض الوضوء الخ، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في غنية المستملي ، ص: ۱۴۱، فصل في نواقض الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲)(مجموعة رسائل اللكنوی :۳/۵، السهسهة في نقض الوضوء بالقهقهة، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) گندگی کا اٹھا کر گرانا وغیرہ ناقض وضو نہیں بلکہ خروج ناقض وضو ہے۔

الفصل السادس فی متفرقات الوضوء

وضو کرتے وقت اور بیت الخلا میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم

سوال [۱۸۱۲]: تجوید مبتدی میں لکھا ہے کہ تعوذ قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے شروع کرنے سے پہلے پڑھنا مکروہ ومنع ہے اور علامہ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سائل کو جواب دیتے ہوئے وضو کرتے وقت تعوذ اور بسم اللہ کو جمع کر کے پڑھنے کو افضل لکھا ہے۔ تو کیا وضو کرتے وقت بسم اللہ کے ساتھ تعوذ کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟ علامہ تھانویؒ کا جواب تجوید مبتدی کی عبارت کے خلاف پڑتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن پاک کے علاوہ کسی اور کتاب کو شروع کرتے وقت "اعوذ" نہ پڑھا جائے (۱) (قرآن پاک) پڑھنے کے علاوہ دوسرے بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے شروع میں اعوذ پڑھا جاتا ہے جیسے وضو کرتے وقت (۲) اور بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے: "اللھم إني أعوذبك من الخبث والخبائث" الدر المختار (۳) وغیرہ۔ دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ولا يتعوّذ التلميذ إذا قرأ على أستاذه، ذخيرة: أي لايسن". (الدر المختار). "و كذا إذا تكلم بغير ماهو من القرآن فلا يسن بالأولى". (ردالمحتار، آداب الصلوة: ۱/۴۸۹، سعيد)

(۲) "وقيل: الأفضل "بسم الله الرحمن الرحيم" بعد التعوذ (أي عند الاستنجاء والوضوء) و في المجتبىٰ: يجمع بينهما اهـ. و في شرح الهداية للعيني: المروى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "باسم الله والحمد لله"، رواه الطبراني في الصغير عن أبي هريرة بإسناد حسن". (ردالمحتار: ۱/۱۰۹، سنن الوضوء، سعيد)

(و كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷، سنن الوضوء، قديمي)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۱، سنن الوضوء، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل الخلاء يقول: "اللهم إني أعوذ بک من الخبث والخبائث". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲، باب آداب الخلاء، قديمي)

(۴) "فكلام الذخيرة في التعوذ قبل الكلام، لافي غيره من الأفعال، فلا ينافي استنانه قبل الخلاء". =

وضو میں پیر کھڑے ہوکر دھونا

سوال [۱۸۱۷]: بیٹھے ہوئے وضو کرکے اور کھڑے ہوکر پیر دھونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیٹھ کر پاؤں دھونے میں دقت ہو یا کھڑا ہوکر مائے مستعمل سے حفاظت ہوتی ہو تو کھڑے ہوکر پاؤں دھونے میں مضائقہ نہیں، بلکہ مائے مستعمل سے تحفظ کے لئے کھڑے ہوکر پاؤں دھونا بہتر ہے:

آداب الوضو: "الجلوس فی مکان مرتفع تحرزاً عن الغسالة، المراد حفظ الثیاب عن الماء المستعمل، کما ذکره الکمال: لا یقیّد الجلوس فی مکان مرتفع اھ" . ص: ٤٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پیر کی انگلی اور انگوٹھے سے مسواک پکڑنا

سوال [۱۸۱۸]: وضو کے وقت مسواک کرنے کے بعد مسواک کو پیر کے انگوٹھے اور اس کے بعد کی انگلی کے درمیان دبا لینے کو مسنون کہتے ہیں۔ اس کی سند ہے یا نہیں، اگر ہے تو کہاں ہے؟

محمد عبدالقدوس رومی، مدرسہ قرآنیہ حسن منزل، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے اس کا مسنون ہونا کہیں نہیں دیکھا جو لوگ مسنون کہتے ہیں ان سے ہی سند دریافت کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۵/صفر المظفر /۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/صفر المظفر /۱۷ھ۔

= (ردالمحتار، فصل: ۱/ ۴۸۹، سعید)

(١) "والجلوس فی مکان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل. وعبارة الکمال: و حفظ ثیابه من التقاطر=

وضو کے بعد لوٹا سیدھا رکھا جائے یا اوندھا؟

سوال [۱۸۲۹]: وضو کرنے کے بعد لوٹا پلٹ کر رکھنے کا طریقہ انسب ہے یا سیدھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرد وغبار گرنے، یا کسی جانور کے بیٹ کرنے، یا کسی کتے وغیرہ کے منہ ڈال کر ناپاک کرنے کا اندیشہ ہو تو الٹ کر رکھ دینا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= و هيَ أشمل". (الدر المختار: ۱/۱۲۷، آداب الوضوء، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۹، الفصل الثالث في المستحبات، رشيديه)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أغلق بابك واذكر اسم الله، و خمّر إناءك و لو بعود و تعرضه عليه، واذكر اسم الله وأوْكِ سقاءك واذكر اسم الله". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۲۸، في إيكاء الآنية، امدادية)

باب الغسل

الفصل الأول فی فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

غسل میں غرارہ کا حکم

سوال [۱۸۲۰]: اگر کسی شخص کو نہانے کی حاجت ہو جاوے اور وہ وضو اور غسل کر کے نماز پڑھے لیکن غرارہ نہ کرے تو کیا اس کی نماز اور غسل صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غرارہ کرنا غسل میں معتمد قول پر واجب نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں فرض غسل ادا ہو گیا اگرچہ سنت ادا نہیں ہوئی اور نماز اس غسل سے صحیح ہے: "قوله: غسل الفم والأنف: أي بدون مبالغة فيهما، فإنها سنة فيه (أي في الغسل) على المعتمد". طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم، ۲۴/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۰۲، فرائض الغسل، قديمي)

قال العلامة الحصكفي: "و فرض الغسل .... كذا في البحر .... غسل كل فمه، ويكفي الشرب عباً؛ لأن المج ليس بشرط في الأصح". (الدر المختار: ۱/۱۵۱، في أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۰، فرائض الغسل، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في البحر الرائق: ۱/۸۶، ۹۰، فرائض الغسل، رشيديه)

کیا غسل میں ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے؟

سوال [۱۸۲۱]: کسی کو غسلِ جنابت کی ضرورت پیش آئی تو اس نے پہلے پیشاب کیا، پھر اس کے بعد نجاست پاک کی، پھر اس کے بعد اس نے دونوں ہاتھ دھوئے پھر کلی کی، پھر تمام بدن پر پانی بہایا اس کے بعد اس نے نمازِ صبح وظہر وعصر ومغرب وعشاء پڑھی۔ تو کیا یہ نماز اس کی ہوگئی؟ نیز کیا غیر غسلِ جنابت کے ہر غسل میں کلی کرنا، ناک میں پانی دینا فرض واجب ہے یا سنت؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناک میں پانی دینا غسلِ جنابت میں فرض ہے، بغیر اس کے غسل نہیں ہوگا اور بغیر غسل کے نماز نہیں ہوگی (۱)۔ غسلِ جنابت کے علاوہ اور کسی غسل میں پانی دینا فرض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۳ھ۔

غسل میں سر پر پانی ڈالنا نقصان دے تو مسح کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۲۲]: اگر کسی عورت کو غسل کرتے وقت سر پر پانی ڈالنے سے سر میں شدید درد ہوجاتا ہو تو ایسی حالت میں وہ مسح کرسکتی ہے یا نہیں، جب کہ علاج کے لئے پیسہ نہیں ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غسل میں سر کا دھونا فرض ہے، اگر ٹھنڈا پانی نقصان دیتا ہے تو گرم پانی سر پر ڈال لیں، تمام بالوں کا دھونا ضروری نہیں بلکہ بالوں کی جڑوں کو تر کرلینا کافی ہے۔ اگر مسلم ماہر طبیب نے سر پر پانی ڈالنے کو منع کیا ہو، یا بار بار کا تجربہ ہو کہ سر پر پانی ڈالنے سے نقصان ہوگا اور دردِ سر کا مرض پیدا ہوجاتا ہے تو ایسی حالت میں سر پر پانی ڈالنا ضروری نہیں ہے اس کی بھی گنجائش ہے کہ مسح کرلے:

---

(۱) "و فرض الغسل غسل .... كل فمه و يكفي الشرب عباً؛ لأن المجّ ليس بشرط في الأصح، وأنفه حتى ماتحت الدرن". (الدر المختار: ۱/۱۵۱، أبحاث الغسل، سعيد)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۱۴، الفصل الثاني في الغسل، امجد اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۰۲، فرائض الغسل، قديمی)

"ولوضرها غسل رأسها تركته، و قيل: تمسحه الخ". در مختار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۱/۸۵ھ۔

ناخن پر سرخی جم جائے تو کیا حکم ہے

سوال [۱۸۲۳]: عورتیں ناخنوں پر زینت کے لئے غلیظ سرخی لگاتی ہیں تو بغیر اس کو الگ کئے وضو اور غسل اس پر درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ناخنوں پر جو سرخی عورتیں تزئین کے لئے لگاتی ہیں اور وہ ایسی جم جاتی ہے کہ وضو اور غسل کا پانی ناخنوں تک نہیں پہونچتا تو ایسی حالت میں نہ وضو صحیح ہوتا ہے نہ غسل صحیح ہوتا ہے جب تک اس سرخی کو علیحدہ نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

داڑھ میں چاندی بھرنا مانع غسل ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۲۴]: بعض مرتبہ داڑھ میں کیڑا لگ جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کے کھوکھلا ہونے کی وجہ سے چاندی بھر دیتے ہیں تو غسل میں کوئی کمی تو نہیں واقع ہوگی؟

---

(۱) (الدر المختار: ۱/۱۵۳، أبحاث الغسل، سعيد)

"ولو ضرها غسل رأسها تركته الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۱۰۳، فرائض الغسل، قديمى)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵، فرائض الوضوء، رشيديه)

(۲) "ويجب: أى يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة .... ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه أو فى سنه المجوّف، به يفتى. وقيل: إن صلبا منع، وهو الأصح". (الدر المختار: ۱/۱۵۲، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۳، الباب الثانى فى الغسل، الفصل الأول فى فرائضه، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، ص: ۱۰۲، فصل فى بيان فرائض الغسل، قديمى)

الجواب حامداً و مصلیاً:

کمی واقع نہیں ہوگی، غسل صحیح ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

ڈاڑھ میں چاندی بھرنا

سوال [۱۸۲۵]: ڈاڑھ میں کیڑا لگنے پر ڈاڑھ کھوکھلی ہوتی ہے اس میں چاندی بھر دیتے ہیں، اگر کھوکھلی رہنے دی جائے تو ڈاکٹروں کے قول کے مطابق تکلیف ہوتی ہے۔ ڈاڑھ میں چاندی بھروانے سے غسل میں کمی تو واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمی واقع نہیں ہوتی، غسل صحیح ہو جائے گا(۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دانت پر خول اور غسل کا حکم

سوال [۱۸۲۶]: منہ میں سامنے کے دانتوں میں سے ایک کسی وجہ سے ڈاکٹر نے نکال دیا اور اس

(۱) "الأصل وجوب الغسل إلا أنه سقط لحرج". (ردالمحتار: ۱/۱۵۳، أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۳، فرائض الغسل، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة: ۱/۱۵۲، باب الغسل، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا في الحلبي الکبیر، ص: ۴۹، باب الغسل، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، ص: ۶۲، تمام أحکام الوضو، قدیمی)

(۲) "ولا یمنع الطهارة ونیم: أي خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمه، به یفتی". (الدرالمختار). "قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وبه یفتی) صرح به في المنیة عن الذخیرة في مسئلة الحناء والطین والدرن معللاً بالضرورة .... فالأظهر التعلیل بالضرورة". (ردالمحتار: ۱/۱۵۴، أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا في الحلبي الکبیر، ص: ۴۹، باب الغسل، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا في الطحطاوي علی مراقي الفلاح، ص: ۶۳، فصل في تمام أحکام الوضوء، قدیمی)

کے بدلے میں نقلی دانت لگوانے کا ارادہ ہے۔ یہ دانت دوقسم کے ہوتے ہیں: ان میں ایک ایسا ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت نکالا اور لگایا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر غسل کرتے وقت نکال کر غرارہ کرلیا جائے۔ اور دوسری قسم ایسی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ساتھ والے دانت پر سونے یا دوسری دھات کا خول چڑھا دیا جاتا ہے اور اسی خول کے سہارے دوسرا نقلی دانت سیٹ کردیا جاتا ہے، اس کے ساتھ چھوٹے مصالحہ کا پلاسٹک وغیرہ کا دانت چسپاں رہتا ہے، بوقتِ ضرورت یہ نقلی دانت اور سونے وغیرہ کا خول جو حقیقی دانت پر چڑھا ہوتا ہے باہر نکالا نہیں جاسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر غسل کیا جائے تو کیا غسل ہوجائے گا جب کہ ڈاکٹر مؤخر الذکر دانت کی قسم لگوانے کو بہتر بتاتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس کو نکالا نہیں جاسکتا تو اس مجبوری کی حالت میں غسل درست ہوجائے گا (۱)۔ اگر خول سونے کا نہ ہو تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۱۸۲۷]: زید اور عابد کے درمیان اس بات پر گفتگو ناگوار حد تک پہونچی ہوئی ہے، زید کا کہنا ہے: آدمی اپنے دانت پر خول چڑھائے، چاہے سونا ہو یا چاندی یا اسٹیل ہر صورت میں حرام ہے، اس کی نماز اور غسلِ جنابت کچھ بھی ادا نہیں ہوتا، اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور عابد کا کہنا ہے کہ ٹوٹا ہوا دانت، چاہے پلاسٹک پر خول چڑھا کر دانت کو جمائے، کوئی حرج نہیں ہے، سونے کا ہو یا چاندی کا یا اسٹیل کا، ہر صورت میں جائز ہے غسل اور وضو میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر خول چڑھائے دانت کا قائم رہنا دشوار ہو تو چاندی کا چڑھا لینا درست ہے، غسل کے وقت اس کو اتارنے سے معذوری ہو تو بغیر اتارے بھی غسل درست ہوجائے گا، نماز بھی درست ہوجائے گی (۲)۔ سونے

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''ڈاڑھ میں چاندی بھرنا''۔)

(۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''ڈاڑھ میں چاندی بھرنا''۔)

کے خول میں اختلاف ہے، احتیاط یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۶ھ۔

ڈاڑھ میں مسالہ بھرا ہو غسل کا حکم

سوال [۱۸۲۸]: ایک شخص ہے اس کی ڈاڑھ کھوکھلی ہے، ڈاکٹر مسالہ بھرنے کو کہتا ہے جس کے نیچے ظاہر ہے غسل کے وقت پانی نہیں پہونچ سکتا جب کہ کلی فرض ہے، ڈاڑھ کا کھوکھلا پن بڑھتا جا رہا ہے، تب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسالہ بھرنا ضروری ہے اور پھر اس کے نیچے پانی نہیں پہونچ سکتا تو بھی کلی کافی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ڈلی دانت میں رہتے ہوئے غسل کا حکم

سوال [۱۸۲۹]: ڈلی کا ٹکڑا اگر دانتوں میں اٹک جائے تو غسلِ جنابت ہوگا یا نہیں؟ اور وضو اس صورت میں مکروہ تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس ریزہ کے باوجود پانی پہونچ جاتا ہے تو غسلِ جنابت درست ہوجاتا ہے اور وضو میں بھی کراہت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (یعنی یحل شد السن المتحرک بالفضة، ولایحل بالذهب". (البحر الرائق: ۸/۳۵۰، کتاب الكراهية، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "(ولد يشد سنه) المتحرك (بذهب بل الفضة)".

(الدر المختار: ۶/۳۶۱-۳۶۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: ''داڑھ میں چاندی کا بھرنا''

(۳) "بخلاف نحو عجين، ولايمنع ما علىٰ ظفر صبّاغ، و لا طعام بين أسنانه أو في سنه المجوف، به يفتي. وقيل: إن صلبا، منع، وهو الأصح". (الدر المختار) .... =

غسل جنابت میں مصنوعی دانتوں کا حکم

سوال [۱۸۳۰]: زید نے اپنے جبڑے کے دانت بنوائے، ان مصنوعی دانتوں کے چڑھے سے غسل وغیرہ کے کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ یعنی غسل کرنے سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مفصل جواب سے مستفید فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مصنوعی دانتوں کو اتار کر غسلِ جنابت کے لئے کلی وغیرہ کی جائے، ہاں! اگر اس طرح چڑھے ہوئے ہوں کہ ان کا اتارنا دشوار ہو تو بغیر اتارے بھی کافی ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "(قوله: نحو عجين): أى كعلك و شمع و قشر سمك و خبز ممضوغ متلبد، جوهرة ..... نعم! ذكر الخلاف في شرح المنية في العجين و استظهر المنع؛ لأن فيه لُزُوجة و صلابة تمنع نفوذ الماء الخ". (ردالمحتار: ۱/۱۵۴، أبحاث الغسل، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۴۹، فرائض الغسل، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيريه: ۱/۱۳، الباب الثاني في الغسل، رشيديه)

(۱) "و لو كان سِنّه مجوفاً، فبقي فيه أو بين أسنانه طعام أو درن رطب في أنفه، تم غسله على الأصح، كذا في الزاهدي. والاحتياط أن يخرج الطعام عن تجويفه، و يجري الماء عليه، كذا في فتح القدير".

(الفتاوى العالمكيريه: ۱/۱۳۵، الباب الثاني في الغسل، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار: ۱/۱۵۴، أبحاث الغسل، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۴۹، فرائض الغسل، سهيل اكيڈمي، لاهور)

الفصل الثانی فی مستحبات الغسل
(مستحباتِ غسل کا بیان)

غسل کے لئے پانی کی مقدار

سوال [۱۸۳۱]: غسلِ فرض کے لئے کتنا پانی ہونا ضروری ہے؟ نیز استنجا کے لئے کتنا پانی ہونا ضروری ہے؟ اگر صرف تین ڈھیلوں سے استنجا کرلیا تو بغیر پانی سے دھوئے نماز پڑھ لے تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آدمی چھوٹا، بڑا، موٹا، دبلا ہوگا، اس کے اندازہ سے پانی کی ضرورت ہوگی، سب کے لئے ایک مقدار کی لازمی تحدید نہیں (۱)۔ اگر نجاست محلِ مخرج کے آس پاس ایک درہم کی مقدار نہ لگی ہو اور صرف ڈھیلے پر کفایت کی ہو تب بھی نماز درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۴ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۴ ۹۱ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "من الماء المعهود في الشرع للوضوء والغسل و هو ثمانية أرطال، و قيل: المقصود عدم الإسراف". (الدر المختار).

"الأصوب، حذف، قيل: كما في الحلية أنه نقل غير واحد إجماع المسلمين على أن ما يجزىء في الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار، و ما في ظاهر الرواية من أدنى ما يكفي في الغسل صاعٌ الخ". (ردالمحتار: ۱۵۸/۱، سنن الغسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۶/۱، مما يتصل بذلك المسائل، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۷/۱، سنن الغسل، رشيديه)

(۲) "وإن كان ما جاوز موضع الشرج أقل من قدر الدرهم، إلا أنه إذا ضم إليه موضع الشرج كان أكثر من قدر الدرهم، فأزالها بالحجر و لم يغسلها بالماء، يجوز عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، =

غسل کے لئے کتنا پانی چاہیے؟

سوال [۱۸۳۲]: وضو، غسل میں شرعاً کتنے سیر پانی استعمال کرنا چاہیے اور اس سے زائد خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو میں ڈیڑھ سیر، غسل میں چار سیر، فتاوی رشیدیہ، ص: ۸۶ (۱)، اس سے زائد بلاضرورت اسراف ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۸/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۸/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

= ولا يكره، كذا في الذخيرة، و هو الصحيح، كذا في الزاد". (الفتاوى العالمكيرية: ١/٤٨، في الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٤٤، فصل في الاستنجاء، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ٢٩، في آداب الوضوء، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(١) قال الحصكفي: "ثم يفيض الماء على كل بدنه ثلاثاً مستوعباً من الماء المعهود في الشرع للوضوء والغسل و هو ثمانية أرطال، و قيل: المقصود عدم الإسراف". (الدر المختار: ١/١٥٨، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/١٦، مما يتصل بذلك، رشيديه)

(٢) قال الحصكفي: "و مكروهه لطم الوجه بالماء والإسراف، و منه الزيادة على الثلاث فيه". (الدر المختار)

"(قوله: الإسراف) بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية لما أخرج ابن ماجة و غيره عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرّ بسعد و هو يتوضأ، فقال: "ما هذا السرف"؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ فقال: "نعم! وإن كنت على نهر جار". (ردالمحتار: ١/١٣١، مكروهات الوضو، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٨١، فصل في المكروهات، قديمي)

(و كذا في بدائع الصنائع: ١/٢٧٠، آداب الغسل، دار الكتب العلمية، بيروت)

غسل میں عورتوں کا چوٹی کھولنا

سوال [۱۸۳۳]: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ: ''غسلِ پاکیزگی کے لئے عورتوں کی چوٹی اگر گندھی ہوئی ہوتو اس کا کھولنا ضروری نہیں، البتہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے''۔ پانی کا جڑوں میں پہنچنا چوٹی کھلے بغیر ممکن نہیں، صحیح صورتِ حال یعنی مسئلہ کی توضیح کے سلسلے میں جناب کی توجہ چاہتا ہوں۔ جُوڑا بالوں کا بندھا ہوتو کیا نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوٹی گندھی ہوئی ہونے کی حالت میں بغیر کھولے بھی بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جانا ممکن بلکہ واقع ہے جیسا کہ بہت سی مستورات کا مشاہدہ اور تجربہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے(۱)، تاہم اگر کسی کی ایسی کیفیت ہو جیسی کہ آپ نے لکھی ہے تو اس کو کھولنا ضروری ہے، کذا فی مراقی الفلاح(۲)۔ جُوڑا بالوں کا بندھا ہوتو نماز میں کراہت ہوگی(۳)۔

نظام: جولائی/۱۹۶۴ء۔

---

(۱) ''عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قلتُ یا رسول اللہ! إني امرأة أشد ضفر رأسی، أفأنقضه لغُسل الجنابة؟ قال: ''لا، إنما یکفیک أن تحثي علی رأسک ثلاث حثیات، ثم تفیضین علیک الماء، فتطهرین'' (الصحیح لمسلم: ۱/۱۵۰، باب حکم ضفائر المغتسلة، قدیمی)

(۲) ''وأما إن کان شعرها ملبداً أو غزیراً، فلا بد من نقضه''. ''(قوله: وأما إن کا ن شعرها الخ) بحیث یمنع إیصال الماء إلی الأصول الخ''. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۰۳، فرائض الغسل، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۵۳، أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۳، الباب الثانی فی فرائض الغسل، رشیدیه)

(۳) ''(وعقص شعره) للنهی عن کفه ولو بجمعه أو إدخال أطرافه فی أصوله اهـ''. (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الخشوع: ۱/۶۴۲، سعید)

''جُوڑا: سر کے بالوں کی وہ گانٹھ جو عورتیں اور سادھو وغیرہ گدی پر دے لیتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۸۳، فیروز سنز لاہور)

غسلِ جنابت سے پہلے وضو کرنا ضروری نہیں

سوال [۱۸۳۴]: ۱...... غسلِ جنابت کی حالت میں غسل کرتے وقت وضو سے پہلے بھی غسل کیا جاسکتا ہے اور پھر غسل سے فراغت پانے کے بعد وضو کیا جاتا ہے یا کہ ہر حالت میں غسل کرنے سے پہلے ہی وضو کرلینا لازم ہے؟ اگر زید نے وضو کرنے کے بعد غسل کرنا شروع کیا اور غسل سے فراغت سے پہلے ہی بوجہ اخراجِ ریح اس کا وضو ٹوٹ گیا، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے دوبارہ وضو کرے اور اس کے بعد از سرِ نو غسل کرے، یا وہ پہلے پورا غسل کرے اور اس کے بعد دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کرسکتا ہے؟

۲...... زید علی الصباح غسل کرنے کی نیت سے اپنے مکان کے ساتھ ملحق غسلخانہ میں داخل ہوا، غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ بحالتِ عریانی اپنے کمرے میں داخل ہوا اور پھر وہاں پر کپڑے پہن کر نماز ادا کی، کیا اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹا، جب کہ مکان کے کسی افراد کی نظر اس پر نہ پڑی ہو؟ کیونکہ وہ سب اس وقت اپنے اپنے کمروں میں نیند کی حالت میں تھے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کرے پھر غسل کرے، وضو کے بعد اگر خروجِ ریح ہو جائے، پھر غسل میں اعضائے وضو پر پانی بہا دیا جائے تب بھی کافی ہے، جداگانہ وضو کی ضرورت نہیں (۱)۔

۲...... اس کا وضو نہیں ٹوٹا، اتفاقاً اگر کسی کی نظر پڑ بھی جاتی...... تب بھی وضو نہ ٹوٹتا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "سننه البداءة بغسل يديه وفرجه وخبث بدنه إن كان، ثم يتوضأ، ثم يفيض الماء على كل بدنه ثلاثاً مستوعباً من الماء المعهود في الشرع للوضوء والغسل الخ". (الدرالمختار: ۱/۱۵۷، سنن الغسل، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۷۲، سنن الغسل، مكتبه امداديه، ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۶۹، سنن الغسل، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) برہنہ ہونا ناقضِ وضو نہیں۔

الفصل الثالث فی آداب الغسل

(آدابِ غسل کا بیان)

غسل خانہ میں برہنہ شخص دعائیں پڑھے یانہیں؟

سوال [۱۸۳۵]: غسل خانہ میں وضو کرتے وقت دعاؤں کا پڑھنا صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برہنگی کی حالت میں نہ پڑھے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غسل کے وقت دعاء پڑھنا

سوال [۱۸۳۶]: ہمبستری کے بعد غسل کرتے وقت ناپاکی دور کرنے کے لئے کیا پڑھنا چاہئے، کلمۂ دین پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ وغیرہ کچھ نہ پڑھا جائے، چپ چاپ غسل کیا جائے: "ویستحب أن لا یتکلم بکلامہ معه

---

(۱) "وآدابه کآدابه سوی استقبال القبلة الخ". (الدر المختار).

قال ابن عابدین: "ویستحب أن لایتکلم بکلام مطلقاً، أما کلام الناس فلکراهته حال الکشف، وأما الدعاء، فلأنه فی مصب الماء المستعمل ومحل الأقذار والأوحال". (ردالمحتار: ۱/۱۵۶، مطلب سنن الغسل، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱/۵۳۵، المطلب الخامس، مکروهات الغسل، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۱۰۶، فصل آداب الاغتسال، قدیمی)

ولودعاء؛ لأنه في مصب الأقذار اهـ". مراقي الفلاح(۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۲/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا

سوال [۱۸۳۷]: غسل خانہ میں یا ایسی پوشیدہ جگہ پر جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے ننگے بدن نہانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ یہاں پر ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ غسل خانہ میں بھی ننگے ہوکر نہانا مکروہ تحریمی ہے۔ ان کا یہ کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم بوضاحت بحوالہ کتبِ معتبرہ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی پردہ کی جگہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے، برہنہ ہوکر بھی غسل کرنا درست ہے، مکروہ تحریمی نہیں:

"آداب الاغتسال هي آداب الوضوء إلا أنه لا يستقبل القبلة حال اغتساله؛ لأنه تكون غالباً مع كشف العورة، ويستحب أن يغتسل بمكان لا يراه فيه أحد لا يحل له النظر لعورته، لا فيما ظهورها في حال الغسل أو لبس الثوب اهـ". مراقي الفلاح (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (مراقي الفلاح، ص: ۱۰۶، آداب الاغتسال، قديمی)

"ويستحب أن لا يتكلم بكلام قط من كلام الناس أو غيره، أما كلام الناس .... وأما غيره من الذكر والدعاء، فلأنه في مصب الماء المستعمل، و محل الأوضار: أي الأوساخ والأقذار".

(الحلبي الكبير، ص: ۵۱، سنة الغسل، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۴/۱، آداب و سنن الغسل، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۰۶، آداب الاغتسال، قديمی)

"(قوله: إلا لغرض صحيح) كتغوّط والاستنجاء، و حكى في القنية أقوالاً، إلا في تجرده للاغتسال منفرداً: منها أنه يكره، و منها أنه يعذر إن شاء الله، و منها لا بأس به، و منها يجوز في المدة اليسيرة، و منها: يجوز في بيت الحمام الصغير". (رد المحتار: ۴۰۴/۱، شروط الصلوٰة في ستر العورة، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۱، سنة الغسل، سهيل اكيڈمی، لاهور)

غسل خانے میں ننگے ہوکر غسل کرنا

سوال[۱۸۳۸] : الف: غسل خانے میں بالکل ننگے ہوکر غسل کرنا کیسا ہے؟

ب: اگر وہ مُصر ہوتو پھر اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟

مولوی عبدالشکور، دربھنگہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

الف: درست ہے(۱)۔

ب: کس بات پر مُصر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

برہنہ ہوکر غسل کرنا

سوال [۱۸۳۹] : حنفی مسلک کے لوگ ہمارے یہاں ننگے ہوکر غسل کرتے ہیں اور شیعہ لوگ آ کر کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں کہیں نہیں لکھا کہ غسل ننگے ہوکر کرو، اور غسل کرنے کے بعد ننگے ہونے کی حالت میں وضو کرنے سے وضو نہیں ہوتا اور نہ نماز ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تنہائی کی جگہ میں ننگے ہوکر نہانا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ حدیث شریف بخاری ومسلم شریف میں ہے(۲)۔ غسل کے بعد مستقل وضو کی ضرورت نہیں:

---

(۱) "ولا خلافه أن التستر أفضل كما قاله، وبجواز الغسل عرياناً في الخلوة قال مالك والشافعي وجمهور العلماء". (عمدة القاري، كتاب الغسل، باب من اغتسل عرياناً وحده في الخلوة اهـ: ۳۳۸/۳، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في فتح الباري، باب من اغتسل عرياناً وحده اهـ : ۵۰۸/۱، قديمي)

(۲) قال الإمام البخاري: "حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبد الله .... عن ميمونه قالت: سترت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو يغتسل من الجنابة، فغسل يديه، ثم صبّ بيمينه على شماله، فغسل فرجه=

"كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يتوضأ بعد الغسل". رواه الترمذي و أبوداؤد والنسائي وابن ماجة" مشكوة شريف، ص:٧٨(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۶/۹۰ھ۔

غسل خانہ میں برہنہ ہو کر غسل کرنا

سوال[۱۸۴۰]: غسل خانہ میں مرد یا عورت برہنہ ہو کر غسل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہاں پردہ ہے، کوئی دیکھتا نہیں ہے تو برہنہ غسل سب کے لئے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۲/۸۹ھ۔

لنگی کے ساتھ غسل کرنا احوط ہے

سوال[۱۸۴۱]: آج کل جب کہ غسلخانوں میں پردہ کا انتظام رہا کرتا ہے، لنگی پہن کر غسل کرنا اَولیٰ ہے یا لنگی نکال کر اور وہ غسل خانہ جس میں چھت نہ ہو اس میں ننگے ہو کر غسل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غسلخانہ پر چھت ہو یا نہ ہو جب کسی آدمی کی نظر اندر نہیں پہونچتی تو وہاں بغیر لنگی کے بھی غسل کرنا درست ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۳)، لنگی پہنے ہوئے غسل کرنا احوط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= و ما أصابه، ثمّ مسح بيده على الحائط أو الأرض، ثم توضأ وضوء ه للصلوة غير رجليه الخ".

(صحيح البخاري: ١/٤٢، باب من اغتسل عرياناً وحده الخ، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ١/١٥٣، باب تستر المغتسل، قديمي)

(١) (مشكوة المصابيح، باب الغسل: ١/٤٨، قديمي)

(وسنن النسائي: ١/٤٩، باب ترك الوضوء بعد الغسل، قديمي)

(٢) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(٣) "وسننه كسنن الوضوء سوى الترتيب، وآدابه كآدابه سوى استقبال القبلة؛ لأنه يكون غالباً مع كشف=

برہنہ غسل کرنیوالے کا اسی غسل سے نماز پڑھنا

سوال [۱۸۴۲]: ایک شخص برہنہ یا نیکر پہن کر چوراہے پر غسل کرتا ہے اور پھر اسی غسل والے وضو سے نماز ادا کرتا ہے تو کیا اس شخص کا وضو غسل ونماز درست ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح سب کے سامنے نیکر پہن کر یا برہنہ ہوکر غسل کرنا گناہ ہے(۱)، مگر فریضۂ غسل ادا ہوجائے گا اور اس وضو غسل سے نماز، درست ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

برہنہ غسل پھر وہیں وضو

سوال [۱۸۴۳]: (الف) زید غسل خانہ میں برہنہ غسل کیا کرتا ہے اور برہنہ حالت میں غسل کرکے کپڑا بدل کر غسل کا وضو کرتا ہے، درست ہے کہ نہیں؟

(ب) جب کپڑے کیساتھ غسل کرتا ہے تو کپڑے کی ناپاکی صاف کرکے غسل کا وضو کیا کرتا ہے، غسل درست ہوگا کہ نہیں؟

= عورة فلو كان متزراً، فلا بأس به". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۵۶، مطلب: سنن الغسل، سعيد)

(وكذا في شرح المنية، ص: ۵۱، سنن الغسل، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وقد تقدم أيضاً تحت عنوان: ''غسل خانہ میں برہنہ ہوکر غسل کرنا'')

(۱) "إن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلاً يغتسل بالبراز، فصعد المنبر، فحمد الله، وأثنى عليه، ثم قال: "إن الله حييٌّ ستّيرٌ يحب الحياء والتستر، فإذا اغتسل أحدكم فليستتر". .... وفي رواية: قال: " إن الله ستير، فإذا أراد أحدكم أن يغتسل فَلْيَتَوارَ بشئي".

قال القارى: "(بشئي)" من الثوب أو الجدار أوالحجر أو الشجر. قال ابن حجر: وحاصل حكم من اغتسل عارياً أنه إذا كان بمحلٍ خالٍ لايراه أحد ممن يحرم عليه نظر عورته، حل له ذلك، لكن الأفضل التستر حياءً من الله تعالىٰ، وإن كان بحيث يراه أحدٌ يحرم عليه نظر عورته، وجب عليه التستر منه إجماعاً". (مرقاة المفاتيح: ۱۴۹/۲، كتاب الطهارة، باب الغسل، رقم الحديث: ۴۴۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا درست ہے(۱) اور اسی وقت وضو بھی کرلیا جائے، پھر کپڑے بدل کر وضو کی ضرورت نہیں (۲)۔

(ب) کپڑے پہنا پاکی لگی ہو تو اول اس کو پاک کرلے، پھر چاہے تو اس کو باندھ کر وضو اور غسل کرلے، شبہ کی ضرورت نہیں اور چاہے تو کپڑے کو علیحدہ کرکے پاک کرلے اور پردہ کی جگہ برہنہ وضو وغسل کرکے پھر کپڑے پہن لے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

غسل میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا

سوال [۱۸۴۴]: کیا غسل کے اندر آنکھ کے اندرونی حصہ میں بھی پانی آنکھیں کھول کر پہونچانا ضروری ہے، یا آنکھ بند کر کے بھی چہرہ دھویا جائے تو کافی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی پہونچانا ضروری نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "آداب الاغتسال هي آداب الوضوء، إلا أنه لا يستقبل القبلة حال اغتساله؛ لأنه تكون غالباً مع كشف العورة، ويستحب أن يغتسل بمكان لا يراه فيه أحدٌ لا يحل له النظر لعورته، لا فيما ظهورها في حال الغسل أو لبس الثوب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۰۵، آداب الاغتسال، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۴۰۴، شروط الصلوٰة، في سترة العورة، سعيد)

(۲) "لو توضأ أولاً، لايأتي به ثانياً؛ لأنه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقاً، أما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا، أو فصل بينهما بصلوٰة كقول الشافعية، فيستحب". (الدر المختار: ۱/۱۵۸، سنن الغسل، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۹۴، سنن الغسل، رشيديه)

(۳) "لايجب غسل مافيه حرج كعين وإن اكتحل بكحل نجس". (الدر المختار) ....=

غسل خانہ میں پیشاب کرنا

سوال [۱۸۴۵]: ایک بڑی مسجد ہے اس میں بیت الخلاء اور پیشاب خانہ بنا ہوا نہیں ہے، غسلخانہ پختہ ہے، نالیوں سے نالی ملی ہوئی ہے، کبھی کبھی تبلیغی جماعت کا آنا ہوتا ہے، مسافر بھی آتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ ان میں پیشاب کریں اور پانی بہادیں تو کیا یہ صورت جائز ہے، کیا اس غسل خانہ میں پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکره في محل الوضوء؛ لأنه یورث الوسوسة". مراقی الفلاح۔ "لقوله علیه السلام: "لایبولنّ أحدکم في حمام، ثم یغتسل فیه أو یتوضأ، فإن عامة الوسواس منه". قال ابن ملك: لأن ذلك الموضع یصیر نجساً، فیقع في قلبه وسوسة بأنه بال أصابه عنه شاش، أو کان فیه منفذ بحیث لا یثبت فیه شئ من البول، ثم لایکره البول فیه". طحطاوی، ص ۳۰(۱)۔

وضو اور غسل کی جگہ پیشاب کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر غسل خانہ میں پانی نکلنے کی نالی ہے اور پیشاب کے بعد فوراً پانی بہادیا جائے اور پیشاب کا اثر باقی نہ رہے تو مکروہ نہیں، تاہم وہاں پیشاب کرنے سے احتیاط بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "(قوله: کعین)؛ لأن في غسلها من الحرج ما لایخفی؛ لأنها شحم لا تقبل الماء، وقد کف بصر من تکلف له من الصحابة الخ". (ردالمحتار: ۱/۱۵۲، مطلب: أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۵۲۳، المطلب الثالث: فرائض الغسل، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۳، الباب الثاني في الغسل، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار: ۱/۹۷، أرکان الوضوء أربعة، سعید)

(۱) (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، ص: ۵۴، فصل في الاستنجاء، قدیمی)

"وکذا یکره ...... وأن یبول قائماً أو مضطجعاً أو مجرداً ...... أو یبول في موضع یتوضأ هو أو یغتسل فیه لحدیث: "لا یبولن أحدکم في مستحمه، فإن عامة الوسواس منه". (الدر المختار: ۱/۳۴۴، فصل في الاستنجاء، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۱۰۱، باب الأنجاس، دار الکتب العلمیة، بیروت)

الفصل الرابع فی موجبات الغسل
(موجباتِ غسل کا بیان)

سوکر اٹھنے والا لیس دار مادہ دیکھے تو کیا غسل واجب ہے؟

سوال [۱۸۴۶]: ایک اردو کی کتاب میں ہے کہ "سوکر اٹھنے پر اگر پیشاب کے مقام پر لیس دار مادہ معلوم ہو تو غسل واجب ہے"۔ اور دوسری کتاب میں ہے کہ "شہوت کے خیال سے پیشاب کے شروع میں یا آخر میں لیس دار مادہ نکلنے سے غسل واجب ہے"۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوکر اٹھنے پر جب ایسا لیس دار مادہ دیکھے تو غسل کرلے (۱) محض شہوت کے خیال بلا جوش اور دفق کے اگر کوئی مادہ پیشاب سے پہلے یا بعد میں نکلے تو غسل واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

منی کے کود کر نکلنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۴۷]: ایک شخص ہے جب کبھی بیوی کے پاس جاتا ہے تو منی نکل جاتی ہے، کیا اس سے

---

(۱) "و أما إذا لم يتذكر الاحتلام و تيقن أنه مني، أوشك: هل هو مني أو مذي، فكذلك يجب عليه الغسل في هاتين الحالتين أيضاً إجماعاً للاحتياط الخ". (الحلبي الكبير، الطهارة الكبرى، ص: ۴۲، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۵، المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۱۳، الفصل الثاني في الغسل، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: تقييد قولهم): أي فيقال: إن عدم وجوب الغسل بخروجه بعد البول اتفاقاً إذا لم يكن ذَكَرُه منتشراً". (رد المحتار: ۱/ ۱۶۱، فرائض الغسل، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۹۲، ما يوجب الاغتسال، قديمي)

غسل واجب ہے؟ ایک عورت ہے اس کو بھی دھات کی بیماری ہے(۱)، بغیر کسی مطلب کے اس کی بھی منی نکل جاتی ہے، کبھی زیادہ نکلتی ہے کبھی کم۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

منی شہوت کے ساتھ پھدک کر نکلتی ہے تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں (۲)،عورت کو دھات آتی ہے اس سے غسل واجب نہیں ہوگا (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱ھ۔

عورت کی منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۴۸]: کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے اور اخراجِ منی ہوتی ہے؟ نیز اگر عورت مرد سے لپٹی چمٹی ہے پھر جوش چڑھتا ہے، بغیر دخولِ ذکر کے طبیعت بھر جاتی ہے اور خواہش جاتی رہتی ہے، لیکن منی نہیں نکلتی نظر آتی۔ تو ایسی حالت میں غسل فرض ہوگا یا نہیں اور عورت کی منی کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو احتلام بھی ہوتا ہے، منی بھی خارج ہوتی ہے(۴)، اس کی منی کا رنگ زردی مائل

---

(۱) ''دھات آنا: پیشاب کے ساتھ منی نکلنا''۔(فیروز اللغات، ص:۶۶۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "منها الجنابة، وهي تثبت بسببين: أحدهما خروج المني على وجه الدفق والشهوة من غير إيلاج باللمس أو النظر أو الاحتلام أو الاستمناء -كذا في محيط السرخسي-، من الرجل والمرأة في النوم واليقظة، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۴، المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۹۲، ما يوجب الاغتسال، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۹۹، الطهارة، رشيديه)

(۳) "(لا عند مذي): أي لا يفرض الغسل عند خروج مذي...... وهو في النساء......، قيل: هو منهن يسمى القذى أو ودي، بل الوضوء منه و من البول جميعاً على الظاهر". (رد المحتار: ۱/۱۶۵، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۱۰۰، فصل: عشرة أشياء لا يغتسل، قديمي)

(۴) "عن أم سلمة -رضي الله تعالىٰ عنها- قالت: جاء ت أم سليم -رضي الله تعالىٰ عنها- إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إن الله لا يستحي من الحق، فهل على المرأة من غسل =

ہوتا ہے(۱)۔اگر لپٹنے کے بعد اس کی خواہش ختم ہوجائے ،نہ اس کی منی نکلے، نہ دخول والتقائے ختانین کی نوبت آئے تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دھات اور منی نکلنے سے غسل کا حکم

سوال[۱۸۴۹]: ایک شخص ہے جب کبھی وہ بیوی کے پاس جاتا ہے تو منی نکل جاتی ہے، رات میں ساتھ لیٹنے سے یا دن میں، ستھ میں بولنے چالنے سے یا ہاتھ لگانے سے بھی منی نکل جاتی ہے۔کیا اس کے بولنے سے نہانا واجب ہوجاتا ہے؟ ایک عورت ہے اس کو بھی دھات کا مرض ہے، بغیر کسی مطلب کے اس کی منی نکل جاتی ہے،کبھی زیادہ،کبھی کم نکلتی ہے۔اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی شہوت سے کود کر منی نکلتی ہے تو غسل واجب ہوگا(۳)، دھات کے آنے سے غسل واجب نہیں ہوگا(۴)۔فقط واللہ اعلم۔

= إذا احتلمت؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نعم! إذا رأت الماء". فقالت أم سلمة: يا رسول الله! أوتحتلم المرأة؟ فقال": تربت يداك! فبم يشبهها ولدها". (الصحيح لمسلم: ١/١٤٦،قديمی)

(١) "ومنيها أصفر الخ". (الدر المختار: ١/١٥٩، فرائض الغسل، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير،ص: ٤٥،سهيل اكيڈمی، لاهور)

(٢) "إذا جومعت المرأة فيما دون الفرج، و وصل المنى إلى رحمها، وهي بكر أو ثيب، لا غسل عليها لفقد السبب، و هو الإنزال اهـ". (الفتاوى العالمكيرية: ١/١٥، المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ١/١٠٢، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط: ١/٦٧، باب الوضوء والغسل، مكتبه حبيبه، كوئٹه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ٤٥، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(٣) "(فرض)الغسل (عند) خروج (مني) من العضو .... (منفصل عن مقعره .... بشهوة): أي لذة ولو حكماً". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الطهارة: ١/١٥٩، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث: ١/١٤، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الغسل: ١/٢٨٣، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارات: ١/٣١، شركت علميه، ملتان)

(٤) "إلا إذا علم أنه مذي أو شك أنه مذي أو ودي .... فلا غسل عليه اتفاقاً كالودي". .... =

بدن دبوانے سے خروجِ مادہ اور وجوبِ غسل

سوال [۱۸۵۰]: زید اپنی زوجہ سے بدن دبواتا ہے، اس حالت میں عضوِ تناسل منتشر ہوجاتا ہے اور پھر سفید گاڑھا پانی نکل آتا ہے، یا پیشاب کو چلا جائے تو اس وقت پیشاب سے پہلے نکلتا ہے تو کیا اس سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شہوت وانتشار ہوکر منی نکل آتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس میں دفق ہوتا ہے اور اس کے بعد عضو منکسر اور شہوت ختم ہوجاتی ہے اور وہ بدبودار ہوتی ہے تو اس کے خروج سے غسل لازم ہوتا ہے، اگر منی نہیں نکلتی تو غسل نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۳/۲ھ۔

غسلِ جنابت کے بعد فرجِ عورت سے منی نکلے تو کیا دوبارہ غسل واجب ہوگا؟

سوال [۱۸۵۱]: اگر مرد نے عورت سے خلوت کی، پھر عورت نے غسل کیا اور غسل کرنے کے بعد

= (الدرالمختار، كتاب الطهارة: ١٦٢/١، ١٦٣، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث: ١٥/١، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيريه، كتاب الطهارة، فصل فيما يوجب الغسل: ٤٣/١، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في أحكام الغسل: ٢٧٨/١، دارالكتب العلمية، بيروت)

(١) "وفرض الغسل عند خروج مني من العضو ...... منفصل عن مقره هو صلب الرجل وترائب المرأة .... بشهوة: أي لذة ولو حكماً كمحتلم. ولم يذكر الدفق ليشمل مني المرأة؛ لأن الدفق فيه غير ظاهر". (الدر المختار: ١٥٩/١، ١٦٠، باب الغسل، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ٩٢، فصل: موجبات الغسل، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦٥/١، موجبات الغسل، دار الكتب العلمية، بيروت)

عورت کی فرج سے مرد کی منی نکلی، تو عورت کا غسل ہوا یا نہیں؟ اور فرج کو غسل میں کتنا دھونا فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت نے شوہر سے ہمبستری کے بعد جب غسل کرلیا پھر مرد کی منی اس کی فرج سے نکلی تو اس سے دوبارہ غسل واجب نہیں ہوگا: "اغتسلت، ثم خرج منها منی الزوج، لاتلزمها إعادة الغسل". کبیری(۱)۔

غسل میں فرج خارج کا دھونا ضروری ہے:"ویجب غسل فرج خارج لا داخل". الدرالمختار مختصراً(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۸ھ۔

عضو پر تری کا وجود موجبِ غسل ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۵۲]: زید نیند سے بیدار ہوا، ذکر پر تری دیکھی، نہ معلوم منی ہے یا مذی یا ودی، نہ خواب یاد ہے۔ تو کیا غسل واجب ہے؟ اگر واجب ہے، درصورتِ عدمِ انتشار قبل النوم کی حالت میں جیسا کہ عالمگیری نے ۱/۱۰ میں نقل کیا ہے تو زید کا اس پر یہ اشکال ہے کہ ایک تو یہ معلوم نہیں کہ منی ہی ہے یا نہیں؟

دوسرے اگر فرض کرلیا جائے کہ منی ہی ہے تو بھی دفق بالکل نہیں، کیونکہ اگر دفق ہوتا تو دوسرے محل پر کچھ نہ کچھ ضرور لگتی اور پھر یہ کہ بعض اوقات کسی شخص کے محض انتشار سے حالتِ یقظہ میں بلا دفق کے تری ذکر پر

---

(۱) (الحلبی الکبیر، ص: ۴۲، الطهارة الکبریٰ، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"فلو اغتسلت فخرج منها منیٌ، إن منیها، أعادت الغسل لا الصلاة، وإلا لا". (الدر المختار).

قال ابن عابدین: "(قوله: وإلا لا): أی وإن لم یکن منیها بل منی الرجل، لا تعید شیئاً، و علیها الوضوء، الخ". (رد المحتار: ۱/ ۱۶۰، أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۱/ ۱۵۲، أسباب الغسل، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (الدرالمختار: ۱/ ۱۵۲. فرائض الغسل، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۱۰۳، فرائض الغسل، قدیمی)

آجاتی ہے۔ تو کیا غالب ظن سے یہ حکم نہیں لگ سکتا کہ یہ بھی موجبِ غسل نہیں؟ ویسے بھی زید کہتا ہے کہ دفق کی شرط ظاہر الروایت کی ہے اور یہ مسئلہ نوادر کا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ومنها: وجود ماء رقيق بعد النوم و لم يتذكر احتلاماً اهـ" . مراقی الفلاح۔ "حاصل مسئلة النوم اثناعشر وجهاً كمافي البحر ؛ لأنه إما أن يتيقن أنه مني أو مذى أو ودى، أو يشك في الأول مع الثاني، أو في الأول مع الثالث، أو في الثاني مع الثالث، فهذه ستة، وفي كل منها إما أن يتذكر احتلاماً أولا، فتمت الإثنا عشر۔

فيجب الغسل اتفاقاً فيما إذا تيقن أنه مني تذكر احتلاماً أولا، و كذا فيما إذا تيقن أنه مذى و تذكر الاحتلام، أو شك أنه مني أو مذى، أو شك أنه مني أو ودى، أو شك أنه مذى أو ودى، و تذكر الاحتلام في الكل. و لا يجب الغسل اتفاقاً فيما إذا تيقن أنه ودى مطلقاً تذكر الاحتلام أو لا، أو شك أنه مذى أو ودى ولم يتذكر، أوتيقن أنه مذى و لم يتذكر۔

و يجب الغسل عندهما لا عند أبي يوسف فيما إذاشك أنه مني أو مذى أو شك أنه مني أو ودى و لم يتذكر احتلاماً فيهما. والمراد بالتيقن هنا غلبةالظن؛ لأن حقيقة التيقن متعذرة مع النوم اهـ". طحطاوی:ص:٥٤(١)۔

صورتِ مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں، طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے۔

طرفین کی دلیل:

"و لهما ما روى أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل عن الرجل يجد البلل، و لم يذكر احتلاماً قال: "يغتسل" و لأن النوم راحة تهيج الشهوة، و قد يرقّ المني لعارض، والاحتياط لازم في باب العبادات . و هذا إذا لم يكن ذَكرُه منتشراً قبل النوم؛ لأن الانتشار سبب للمذى، فيحال

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٩٩، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق : ١/٤٠١، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ٤٢، سهيل اكيڈمي، لاهور)

علیہ اھـ". مراقی الفلاح۔ "(قولہ: قد برق) بطول المدة، فتصیر صورتہ کصورة المذی اھـ". طحطاوی (۱)۔

منی فرض کرنے کی صورت میں یہ اشکال کہ "دفق نہیں ہے" بے محل ہے، اس لئے کہ حالتِ نوم میں دفق کی حقیقۃً اطلاع نہیں ہوتی، خاص کر جب کہ احتلام یاد نہ ہو اور جب منی قلیل ہو اور دفق خفیف ہو تو اس کا کسی دوسری جگہ لگنا ضروری نہیں۔ اگر حالتِ بیداری میں بغیرِ دفق کے کسی مرض کی وجہ سے جیسے بوجھ اٹھانے سے خروجِ منی ہو جائے تو وہ موجبِ غسل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۲۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف: مدرسہ مظاہر علوم، ۶۴/۳/۲۴ھ۔

احتلام کے بعد بغیر پیشاب کے غسل کرنا

سوال [۱۸۵۳]: احتلام وانزال کے بعد اگر کوئی شخص پیشاب نہ کرے اور صرف غسل کرے، پھر بعد غسل پیشاب کرے تو کیا دوبارہ غسل واجب ہوگا جب کہ پیشاب میں منی معلوم نہ ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۳۰ھ۔

ران پر ذکر کو رگڑنے سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال [۱۸۵۴]: اگر کوئی شخص اپنے زانوؤں سے ذکر کو رگڑ کر شہوت کو زائل کرتا ہے لیکن اس کی

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۹۹، قدیمی)

(۲) قال ابن عابدین: "وكذا لو خرج منه بقية المنی بعد الغسل قبل النوم أو البول أو المشی الكثير، نهر: أی لا بعده؛ لأن النوم والبول والمشی يقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة، فيكون الثانی زائلاً عن مكانه بلاشهوة، فلا يجب الغسل اتفاقاً". (ردالمحتار: ۱/۱۶۰، مایوجب الغسل، سعید)

(وكذا فی الحلبی الكبير، ص: ۴۵، الطهارة الكبریٰ، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا فی التاتارخانية: ۱/۱۵۶، باب الغسل، إدارة القرآن، كراچی)

صورت یہ ہے کہ منی کا خروج نہیں کرتا، اس قدر زور سے دباتا ہے تو کیا اس پر احناف کے نزدیک غسل واجب ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

بلا انزال کے اس صورت میں غسل واجب نہ ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۶ھ۔

ریزش اور خیزش بغیر لذت کے موجب غسل نہیں

سوال[۱۸۵۵]: بیماری کی وجہ سے اگر کسی شخص کو پیشاب کے بعد یا پہلے منی کا قطرہ آتا ہو اور عضو مخصوص میں ایستادگی ہوتی ہو، لیکن لذت اور مزہ نہ محسوس ہو تو ایسی صورت میں اس شخص پر غسل فرض ہوگا یا نہیں، ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ غسل فرض ہوگا کیونکہ ایستادگی اور لذت ایک ہی چیز ہے، عالمگیری میں ایسا ہی لکھا ہے، دوسرے مفتی صاحب کہتے ہیں کہ غسل بغیر لذت اور دفق کے فرض نہیں ہوگا، ہدایہ اور شامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیزش اور ریزش موجب غسل نہیں جب کہ اس کے ساتھ لذت اور دفق نہ ہو(۲) محض ایستادگی کی

---

(۱) "(قوله: بخلاف البهيمة و ما دون الفرج) و بخلاف ما دون الفرج، و هو التفخيذ والتبطين، فإنه لا يجب فيه الغسل أيضاً لنقصان السببية إذا لم ينزل اهـ". (فتح القدير: ۶۴/۱، المعاني الموجبة للغسل، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في التاتارخانية: ۱۵۴/۱، بيان أسباب الغسل، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۰۶/۱، كتاب الطهارة، رشيديه)

(۲) "وفرض الغسل عند خروج مني .... بشهوة: أي لذة ولو حكماً كمحتلم .... وفي الخانية: خرج مني بعد البول وذكره منتشر، لزمه الغسل. قال في البحر: ومحمله إن وجد شهوةً، وهو تقييد قولهم بعدم الغسل بخروجه بعد البول". (الدر المختار).

"(قوله: محمله): أي مافي الخانيه. قال في البحر: ويدل عليه تعليله في التجنيس بأن في =

لذت اور شہوت کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ وہ اتنے چھوٹے بچوں کو بھی ہوتی ہے جو کہ بالکل شہوت کے قابل نہیں، ایسے چھوٹے بچے اگر جماع کرلیں تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی: "لو جامع ابن أربع سنين زوجة أبيه لاتثبت الحرمة الخ" شامی(۱)۔ اور اگر لذت وایستادگی ایک چیز ہوتی تو ایسے چھوٹے بچے کے جماع سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بلا ارادہ انزال ہو جانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۵۶]: اگر کسی شخص کو بغیر کسی ارادہ کے چلتے پھرتے یا بیٹھے ہوئے خود بخود انزال ہو جائے تو غسل کرنا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شہوت سے انزال ہوگا تو غسل واجب ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر شہوت کے خروجِ منی سے غسل کا حکم

سوال[۱۸۵۷]: بیماری کی وجہ سے اگر کسی شخص کو پیشاب کے بعد یا پہلے منی کا قطرہ آتا ہو اور عضوِ

= حالة الانتشار وجد الخروج والانفصال جميعاً على وجه الدفق والشهوة". (الدر المختار، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۰، ۱۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الثالث: ۱/۱۴، ۱۵، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۵، سعيد)

(۲) "وفرض الغسل عند خروج المني منفصل عن مقره بشهوة وإن لم يخرج بها". (الدر المختار).
وقال ابن عابدين: "(قوله: بشهوة) متعلق بقوله: منفصل، احترز به عما لو انفصل بضرب أوحمل ثقيل على ظهره، فلاغسل عندنا الخ". (ردالمحتار: ۱/۱۵۹، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۴، الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۹۹، الطهارة، رشيديه)

مخصوص میں ایستادگی ہوتی ہو، لیکن لذت اور مزہ محسوس نہ ہو تو ایسی صورت میں اس شخص پر غسل فرض ہوگا یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ غسل فرض ہوگا، کیونکہ ایستادگی اور لذت ایک ہی چیز ہے، عالمگیری میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دوسرے مفتی صاحب کہتے ہیں کہ غسل بغیر لذت اور دفق کے فرض نہیں ہوگا، ہدایہ اور شامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیزش اور ریزش موجبِ غسل نہیں جب کہ اس کے ساتھ لذت اور دفق نہ ہو(۱)۔ محض ایستادگی کو لذت وشہوت کہنا صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ تو اتنے چھوٹے بچوں کو بھی ہوتی ہے جو کہ بالکل شہوت کے قابل نہیں، ایسے چھوٹے بچے اگر جماع کرلیں تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی: "لو جامع ابن أربع سنين زوجة أبيه، لا تثبت الحرمة الخ". شامي نعمانيه(۲)۔

اگر لذت اور ایستادگی ایک ہی چیز ہوتی تو ایسے چھوٹے بچے کے جماع سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "خرج مني بعد البول و ذَكَره، منتشرٌ، لزمه الغسل. قال في البحر: و محمله إن وجد الشهوة، و هو تقييد قولهم بعدم الغسل بخروجه بعد البول". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ومحمله) قال في البحر: و يدل عليه تعليله في التجنيس بأن في حالة الانتشار وُجد الخروج والانفصال جميعاً على وجه الدفق والشهوة .... لأن ذلك دلالة بخروجه عن الشهوة الخ".

(ردالمحتار: ۱/۱۶۱، موجبات الغسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۴، المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۵۵، باب الغسل، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۵، ما يوجب الغسل، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۵، سعيد)

جلق موجبِ غسل اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۵۸]: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں نہیں لگی تو اس صورت میں صرف اعضائے تناسل دھولینا کافی ہے یا غسل واجب ہے؟ اور مفسد صوم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جلق سے اگر منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا۔ اگر مذی نکلی ہے تو عضو کا دھولینا اور وضو کرلینا کافی ہے، غسل واجب نہیں، نہ روزہ فاسد ہوا۔ اگر منی نکلی ہے تو روزہ بھی فاسد ہوگیا اور غسل بھی واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

آبدست سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال [۱۸۵۹]: حاجتِ ضروریہ سے فراغت کے بعد اسی مقام پر آب دست کرنے سے کیا غسل واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجتِ ضروریہ سے فراغت کے بعد آبدست لینے سے غسل واجب نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

منی نکلنے کے کچھ دیر بعد دوبارہ منی نکلے تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۸۶۰]: کوئی شخص خدانخواستہ منی گراتا ہو تو جب گرنے لگے تو اس کو چاٹ لے تو کیا غسل

---

(۱) "إذا استمتع بالكفّ، فلمّا انفصل المني عن مكانه عن شهوة، أخذ إحليله حتى سكنت شهوته، ثمّ خرج المني، فعلى قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وجب عليه الغسل، خلافاً لأبي يوسف". (التاتارخانية: ۱/۱۵۶، باب الغسل، إدارة القرآن، كراچي)

"(كذا استمناء بالكف): أي في كونه لا يفسد لكن هذا إذا لم ينزل، أمّا إذا أنزل، فعليه القضاء، كما سيصرح به، و هو المختار الخ". (رد المحتار: ۲/۳۹۹، في حكم استمناء بالكف، سعيد)

(۲) "آب دست: استنجاء، طہارت، پاکیزگی جو پانی سے کی جائے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳، فیروز سنز، لاہور)

واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر غسل واجب ہونے کے بعد وہ آدمی غسل کر کے فارغ ہوگیا پھر تھوڑی دیر بعد بغیر شہوت کے منی گر گئی ہے تو کیا پھر غسل واجب ہوگا، یا یہ کہ کسی نے کسی عورت کے ساتھ جماع کیا پھر جب منی گرنے کا وقت آیا تو نکال کر خوب زور سے چاٹ لیا، تو کیا اس طرح کرنے کے بعد بھی غسل واجب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس پر بھی غسل واجب ہوگا اگر چہ شہوت کے ختم ہونے کے بعد منی خارج ہوئی ہو(۱)۔ عورت سے جماع کیا تو محض دخول سے غسل واجب ہوگیا، منی اندر یا باہر خارج ہوئی ہو یا خارج نہ ہوئی ہو(۲)۔ خروجِ منی کے بعد غسل کر لیا پھر بعد میں منی خارج ہو تو دوبارہ غسل واجب ہوگا(۳)۔ منی کا چاٹنا کسی حال میں بھی درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وفرض الغسل عند خروج منی من العضو .... منفصل عن مقره هو صلب الرجل وترائب المرأة .... بشهوة: أی لذة ولو حكماً كمحتلم، ولم يذكر الدفق ليشمل منى المرأة؛ لأن الدفق فيه غير ظاهر". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۵۹، ۱۶۰، باب الغسل، سعيد)

(وكذا فی مراقی الفلاح: ص: ۹۲، فصل: موجبات الغسل، قديمی)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۱/۶۵، موجبات الغسل، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) لِمَا أخرج الإمام أبو عيسى الترمذی: "عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت: إذا جاوز الختان الختان، وجب الغسل، فَعَلتُه أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا". (جامع الترمذی: ۱/۳۰، باب ما جاء: إذا التقى الختان وجب الغسل، سعيد)

(وكذا فی الدر المختار: ۱/۱۶۱، ۱۶۲، سنن الغسل، سعيد)

(وكذا فی الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة، رشيديه)

(۳) "لو اغتسل من الجنابة قبل أن يبول أو ينام وصلى، ثم خرج بقية المنی، فعليه أن يغتسل عندهما، خلافاً لأبی يوسف، ولكن لا يعيد تلك الصلوة فی قولهم جميعاً، كذا فی الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۴، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۱/۱۶۰، موجبات الغسل، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱/۱۵۲، الغسل، إدارة القرآن، كراچی)

زنا کے بعد غسل کتنی مرتبہ واجب ہے؟

سوال [۱۸۶۱]: زید نے ہندہ سے زنا کیا ہے، کیا جنابتِ ظاہری ایک مرتبہ غسل کرنے سے دور ہوجائے گی یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چالیس مرتبہ غسل کرنا ہوگا۔ صحیح مسئلہ کیا ہے؟

جمیل احمد، عبدالرحمٰن اسٹریٹ، بمبئی نمبر ۳۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرتبہ غسل کرنے سے ہر قسم کی جنابت ختم ہوکر شرعی طہارت حاصل ہوجاتی ہے خواہ احتلام سے جنابت ہوئی ہو، خواہ وطیِ حلال سے خواہ وطیِ حرام سے یا کسی اَور طرح سے، یہ غلط ہے کہ زنا کے بعد چالیس مرتبہ غسل کرنے سے قبل طہارت حاصل نہیں ہوتی اور جنابت زائل نہیں ہوتی۔ اگرچہ زنا کا گناہ، گناہِ کبیرہ ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک صدقِ دل سے توبہ کرکے گناہ معاف نہ کرالے اس کو طہارت ہی حاصل نہ ہو، لیکن ظاہرِ شریعت نے اس کی پابندی نہیں کی، بلکہ ایک دفعہ غسل کرنے سے طہارت کا حکم دیدیا، کما ھو فی کتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

دھوبن کی لڑکی سے صحبت کرکے کیا کبھی پاک نہیں ہوسکتا؟

سوال [۱۸۶۲]: میں نے ایک مسلم دھوبن کی لڑکی سے صحبت کرلی، اب شرمندہ ہوں۔ سنا ہے کہ دھوبن کی لڑکی سے صحبت کرنے والا کبھی پاک نہیں ہوتا، نہ نماز روزہ کے قابل رہتا ہے۔ کیا لوگوں کی بات درست ہے، آدمی پاک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور پاکی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) "و فرض الغسل عند خروج منی من العضو .... و عند إیلاج حشفة آدمی أو إیلاج قدرها من مقطوعها، و لو لم یبق منه قدرهافی أحد سبیلی آدمی حیّ یجامع مثله علیهما: أی الفاعل والمفعول لو کانا مکلفین، و لو أحدهما مکلفاً، فعلیه فقط دون المراهق الخ". (الدر المختار: ۱/۱۶۱، موجبات الغسل، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۵، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۹، کتاب الطهارة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

5

الجواب حامداً ومصلیاً:

دھوبن کی لڑکی ہو یا کسی اور کی جب تک شریعت کے موافق اس سے نکاح نہ ہو جائے اس سے صحبت کرنا حرام ہے اور زنا کاری ہے، کبیرہ گناہ ہے(۱)، سچے دل سے نادم ہو کر توبہ کرنا ضروری ہے۔ غسل کرنے سے آدمی پاک ہو جاتا ہے خواہ کہیں بھی اس نے برا کام کیا ہو، یہ کہنا کہ دھوبن کی لڑکی سے صحبت کرنے کی وجہ سے آدمی زندگی بھر پاک نہیں ہوتا اور نماز روزہ کے قابل نہیں رہتا بالکل غلط ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا چند بار جماع کر کے ایک غسل کافی ہے؟

سوال [۱۸۶۳]: غسلِ جنابت ایک بار جماع کرنے سے ایک بار ہی کرنا چاہئے یا چند بار جماع کر کے ایک ہی غسل کافی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ ہر جماع کے بعد مستقلاً غسل کیا جاوے، اگر چند مرتبہ جماع کے بعد ایک ہی غسل پر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ "وقال ابن أبي الدنيا .... عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " مامن ذنب بعد الشرك أعظم عندالله من نطفةٍ وضعها رجل في رحمٍ لايحل له". (تفسير ابن كثير، (سورة الإسراء: ۳۲): ۳/۵۵، دارالفيحاء)

(۲) کسی بھی گناہِ کبیرہ سے پاک ہونے کے لئے گناہ پر ندامت کے ساتھ اس سے توبہ کرنے کو لازم قرار دیا ہے، جب کہ حالتِ جنابت سے پاک ہونے کے لئے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔ "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "إن المؤمن إذا أذنب كانت نكتة سوداء في قلبه، فإن تاب واستغفر صقل قلبه، وإن زاد زادت حتى تعلو قلبه .... اهـ". قال القارى تحته: "(صقل قلبه): أى نظف وصفى مرآة قلبه لتجليات ربّه ؛ لأن التوبة بمنزلة المصقلة تمحو وسخ القلب وسواده حقيقياً أو تمثيلياً .... اهـ". (مرقاة المفاتيح: ۵/۱۷۳، رقم الحديث: ۲۳۴۲، باب التوبة والاستغفار، الفصل الثاني، رشيديه)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإن كنتم جنباً فاطهروا﴾ قال الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: "قال الكرماني رحمه الله تعالىٰ: غرضه بيان أن وجوب الغسل على الجنب مستفادٌ من القرآن". (فتح الباري، كتاب الغسل، وقوله تعالىٰ: ﴿وإن كنتم جنباً......﴾ الخ (المائدة: ٦)، ۱/۴۷۳، قديمي)

کفایت کرے تب بھی درست ہے(۱)، لیکن اپنے عضو کو پاک کرلے، ناپاک عضو سے جماع نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شوہر یا بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال [۱۸۶۴]: بیوی کے سامنے برہنہ غسل کرے اس طرح پر کہ بیوی پہننے کے لئے کپڑے دے اور شوہر کی شرمگاہ کو بھی دیکھ لے اور کوئی شہوت وغیرہ بالکل نہ ہو، صرف کپڑے دیتے ہوئے بیوی کی نگاہ اس طرف چلی گئی، یا بیوی اس طرح غسل کرے اور نگاہ اس طرح پڑگئی، اس غسل سے نماز ادا کرے۔ کیا یہ جائز اور صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وضو یا غسل کے بعد اگر بیوی نے شوہر کی شرمگاہ کو دیکھ لیا، یا شوہر نے بیوی کی شرمگاہ کو دیکھ لیا تو اس کی وجہ سے اس وضو و غسل میں خلل نہیں آتا(۳)، اس سے نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حیض کے ایام میں بیوی سے وطی کرنے کے بعد کیا دو غسل ضروری ہیں یا ایک ہی کافی ہے؟

سوال [۱۸۶۵]: ۱...... جب مجھے مہینہ ہوا تو تین چار دن گذر گئے مگر غسل نہ کر پائی تھی کہ میرا شوہر

(۱) "عن أنس أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یطوف علی نسائه بغسل واحد". (الصحیح لمسلم: ۱۴۴/۱، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد: ۳۲/۱، کتاب الطهارة، امدادیه)

(۲) "ولا بأس للجنب أن ینام ویُعاوِد أهله قبل أن یتوضأ، وإن توضأ فحَسَن". (الفتاوی العالمکیریة: ۱۶/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر ص: ۵۶. مطلب: الغسل فی أربعةِ سنةٌ، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"ولا معاودة أهله قبل اغتساله، إلا إذا احتلم لم یأت أهله. قال الحلبی: ظاهر الأحادیث إنّما یفید الندب، لانفی الجواز المفاد من کلامه الخ". (الدر المختار: ۱۷۲/۱، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲۸۳/۱، أحکام الجنابة، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(۳) شرمگاہ دیکھنا موجباتِ غسل میں سے نہیں ہے۔

آیا اور باوجود منع کرنے کے نہ مانا اور خواہش پوری کرلی تو اب دو غسل کرنے پڑیں گے؟ ایک ہفتہ کی ناپاکی، دوسرے شوہر کے آنے کی۔ اجتماع والی عورتوں نے کہا: ۱۱/ ڈھیلے ہونے چاہئیں، سر دھوکر ڈھیلے سے استنجا پاک کرکے ناف کے نیچے تک بدن کو دھوؤ، پھر وضو کرکے نہاؤ، پھر دوبارہ ناف سے نیچے تک باقاعدہ وضو کرو، تب نہاؤ تب پاک ہوسکتی ہو، لہذا آپ شرع شریف سے مطلع فرمائیں۔

۲...... میرا شوہر رات کو میرے پاس آیا، صبح کو غسل کرنے کی کسی کو مہلت نہ مل سکی، اس طرح تین رات گذر گئیں تو غسل تین روز کرے یا ایک ہی دفعہ سے پاک ہوجائیں گی؟ اجتماع کرنے والی عوتوں نے تین دفعہ بتلایا ہے، لہٰذا عورتوں کے غسل کا طریقہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ان دونوں باتوں کی وجہ سے دو غسل واجب نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی غسل کافی ہے (۱)، ایک غسل میں جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے بس وہی کافی ہے۔ ۱۱/ ڈھیلے سے استنجا بھی غلط ہے (۲)۔ بہشتی زیور میں غسل کا طریقہ لکھا ہے اس کے موافق غسل کرلیا جائے (۳)۔

۲...... تین رات غسل نہ کرنا اور نمازیں قضا کرنا کبیرہ گناہ ہے، سخت وبال کی چیز ہے، مگر شوہر کے تین

---

(۱) "ویکفی غسل واحد لعیدٍ وجمعة اجتمعا مع جنابة کما لِفرضَیْ جنابة وحیض". (الدر المختار: ۱/ ۱۶۹، أبحاث الغسل، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۱۶، أما أنواع الغسل، رشیدیه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱/ ۵۴۱، المطلب السابع: الاغتسال المسنون، رشیدیه)

(۲) حدیث میں صرف تین ڈھیلوں سے استنجا کا ذکر ہے لیکن وہ بھی ایک استحبابی عمل ہے: "قال العلامة الحصکفی: "ولیس العدد ثلاثاً.......... بل مستحب". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدین: "(بل مستحب) أشار إلی أن المراد نفی السنة المؤکدة لا أصلها، لماورد من الأمر بالاستنجاء بثلاثة أحجارٍ، ولم نقل: إن الأمر للوجوب .... لأن قوله علیه الصلوة والسلام: "من استجمر فلیوتر، فمن فعل فحسن، ومن لافلا حرج" دلیلٌ علی عدم الوجوب". (ردالمحتار: ۱/ ۳۳۷، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء، سعید)

(۳) (بہشتی زیور، حصہ اول، غسل کا بیان، ص: ۷۰، ۷۲، دارالاشاعت، کراچی)

روز صحبت کرنے سے تین غسل واجب نہیں ہوں گے، ایک ہی غسل کافی ہوگا، جس نے دو یا تین دفعہ غسل کرنا بتایا ہے اس نے غلط بتایا۔ فقط۔

سفر میں غسلِ جنابت

سوال [۱۸۶۶]: بکر ریل میں سفر کر رہا ہے اور اسے منزلِ مقصود پر پہونچنے کے لئے دو یا تین دن لگتے ہیں، اگر اس دورانِ سفر غسل کی حاجت ہو جائے تو وہ کس طرح پاکی حاصل کر کے نماز پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریل میں پانی بھی ہوتا ہے اور غسل کی بھی جگہ ہوتی ہے، وہاں غسل کرلے، غسل خانہ نہ ہو تو پہلے بیت الخلاء میں پانی بہادے، پھر غسل کرلے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وسننه كسنن الوضوء سوى الترتيب، وآدابه كآدابه". (الدر المختار: ۱/۱۵۶، مطلب سنن الغسل، سعيد)

"ومن آدابه .... والجلوس في مكان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل، لوقوع الخلاف في نجاسته، ولأنه مستقذر". (الدر المختار: ۱/۱۲۷، آداب الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۹، الفصل الثالث في المستحبات، رشيديه)

(وكذا في إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح، ص: ۸۲، فصل في آداب الوضو، حقانيه)

الفصل الخامس فی أحکام الجنابة

(جنابت کے احکام کا بیان)

حالتِ جنابت کا پسینہ

سوال [۱۸۲۷]: حالتِ جنابت کا پسینہ اگر کپڑوں کو لگ جائے تو ان سے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر نجاستِ حقیقیہ کے ساتھ مخلوط نہ ہو تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نظام: کانپور، جولائی/ ۶۵ء۔

بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا

سوال [۱۸۲۸]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے حالتِ جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز تھا تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی یا سب کے واسطے برابر حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان کا دروازہ مسجد میں تھا، لہٰذا بحالتِ جنابت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرور کی اجازت تھی (۲)، ہر ایک کو ہر مسجد میں بحالتِ جنابت داخل ہونا اس وقت بھی جائز نہ

---

(۱) "فسور آدمی مطلقاً و لو جنباً أو کافراً أو امرأۃ الخ، و مأکول اللحم طاهر الفم طاهر .... وحکم عرق کسورہ الخ". (ردالمحتار: ۱/ ۲۲۲، ۲۲۸، مطلب فی السور، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۳، مسائل الآبار، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱/ ۲۲۱، رشیدیه)

(۲) "عن أبی بکرة أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دخل فی صلوة الفجر، فأومأ بیده أن مکانکم، ثم جاء ورأسه یقطر، فصلیٰ بهم". "وعن یزید بن هارون قال: أخبرنا حماد بن سلمة بأسناده ومعناه، وقال=

تھا اور اب بھی کسی کے لئے جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف: مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

غسلِ جنابت میں تاخیر کرنا اور کھانا پینا

سوال [۱۸۶۹]: ا..... ہمارے یہاں کے امام صاحب نے فجر کے وقت غسلِ جنابت نہیں کیا اور فجر کی نماز قضا کی اور ظہر میں غسل کرکے نماز پڑھی، اس درمیان میں حقہ اور روٹی وغیرہ کھاتے پیتے رہے تو صحیح

= فی أوله: فكبر، وقال فی آخره: فلما قضى الصلاة قال: "إنما أنا بشر، و إني كنت جنباً". (سنن أبی داؤد: ۱/ ۳۵، باب الجنب يصلي بالقوم وهو ناس، امداديه، ملتان)

قال العلامة السهارنفوری تحت هذه الأحاديث: "أخرج الترمذی فی سننه بسنده عن أبی سعيد قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعليّ: "يا علي! لايحل لأحدٍ أن يجنب فی هذا المسجد غيري وغيرك .... فلما كان يحل لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استطراق المسجد جنباً لايستدل به لغيره، ولو لم يكن له حلالاً، لم يكن الله ليدعه أن يدخل المسجد فی حالة الجنابة وهو عليه حرام". (بذل المجهود فی حل ابی داؤد: ۱/ ۱۴۱، باب فی الجنب يصلي بالقوم وهو ناس، مكتبه امداديه، ملتان)

(وكذا فی قوت المغتذی على هامش الترمذی: ۲/ ۲۱۴، أبواب المناقب، مناقب علی بن أبی طالب رضی الله تعالىٰ عنه، سعيد)

"جسرة بنت دجاجة، قالت: سمعت عائشة -رضی الله تعالىٰ عنها- تقول: جاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و وجوه بيوت أصحابه شارعة فی المسجد، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وجّهوا هذه البيوت عن المسجد". ثم دخل النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لم يصنع القوم شيئاً رجاء أن تنزل فيهم رخصة، فخرج إليهم فقال: "وجّهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لاأحل المسجد لحائض ولاجنب". (سنن أبی داؤد: ۱/ ۳۴، باب فی الجنب يدخل المسجد، امداديه)

(۱) "ويحرم دخول المسجد بالحدث الأكبر لا مصلى عيد و جنازة الخ". (الدر المختار: ۱/ ۱۷۱، باب الغسل، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۱/ ۲۸۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

ہے یا غلط، جبکہ ان کو اس حرکت پر ٹوکا گیا؟

جنبی کا جھوٹا کھانا پینا

سوال[۱۸۷۰]: ۲.....ان کا جھوٹا حقہ پینے والوں پر غسل واجب ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....نماز فجر کا قضا کر دینا اور ظہر تک بلا عذر شرعی کے مؤخر کر دینا کبیرہ گناہ ہے، لیکن بلا غسل کے جو کچھ کھایا پیا وہ حرام نہیں (۱)۔

۲.....جن لوگوں نے ان کے ساتھ یا ان کا بچا ہوا کھایا پیا، ان پر غسل واجب نہیں ہوا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بحالتِ جنابت ناخن اور بال ترشوانا

سوال [۱۸۷۱]: غسل واجب ہو، غسل سے پہلے ناخن اور بال تراشنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بحالتِ جنابت ناخن اور بال ترشوانا مکروہ ہے (۳)، پاکی کے بعد ترشوائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لاقرأة قنوت (أى لاتكره)، و لا أكله و شربه بعد غسل يد وفم، ولا معاودة أهله قبل اغتساله".

(الدر المختار: ۱/۱۲۹، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۶، الفصل الثاني في المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۶، الغسل في أربعة سنة، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "سور الآدمي طاهر بالاتفاق سواء كان مسلماً أو كافراً أو جنباً أو حائضاً أو محدثاً الخ". (الحلبي الكبير، ص: ۱۲۶، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۳۷۲، مطلب: سور الكلب والخنزير، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "حلق الشعر حالة الجنابة مكروه، وكذا قص الأظافير، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية: =

بلاغسلِ عضودوبارہ جماع کرنا

سوال [۱۸۷۲]: هل يجوزالوطى مرةً بعد أخرىٰ بلا غَسل ذكر أحدهما أو كليهما، وإنماقال الشامي: "و عندنا كذلك، يشعر منه أنه حرام عندنا كمذهب الشافعيؒ. ويحرم من غيره يكره، ما الفتوىٰ فى هذا؟ و ما قال مشايخنا فى هذا؟ بينوا بياناً شافياً و توجروا أجراً جميلاً۔ فقط۔

شفيق الرحمن۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لم يظهر ما أراد السائل بهذا السوال، إن أراد أن المرأ إذا جامع امرأته فهل يجوز له الجماع بعده من غير غسله ذكرَه و غسلها فرجَها أم لا يجوز؟ فأين قال الشامى رحمه الله تعالىٰ: إنه حرام عند الشافعى رحمه الله تعالىٰ و عندنا كذلك؟ وأين قال غيره: إنه مكروه؟ فليحرر عبارات الشامى رحمه الله وغيره بتسمية الكتاب و بتعيين الباب والصفحة والمطبع بألفاظها.

إن كان المراد بقول الشامى عبارته التى ذكرها فى رد المحتار فى كتاب الطهارة تحت "مطلب فى حكم وطء المستحاضة و من بذكره نجاسة" بعنوان [تنبيه]: "أفتى بعض الشافعية بحرمة جماع من تنجس ذكرُه قبل غسله، إلا إذاكان به سلس، فيحل كوطى المستحاضة مع الجريان، و يظهر أنه عندنا كذلك"(۱)۔ فالظاهر أن المراد بتنجس الذكر تنجسه بغيرالمنى، والمنى عند الشافعية طاهر۔

وإن كان مراد الشامى رحمه الله تعالىٰ تنجسه بالمنى علىٰ سبيل التنزل و لو كان بعيداً جداً، فهو رأيه واجتهاده، و هو ليس بمحرم، بل المحرم يكون بالنص القطعى و ما فى معناه. وإن كان المراد بقول الشامى رحمه الله عبارة أخرىٰ فليحرر.

= ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر فى الختان والخصاء، وغيره، رشيديه)

(وكذا فى امدادالفتاوى: ۲۸/۱، باب الغسل، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۱) (ردالمحتار، باب الحيض، مطلب فى حكم وطء المستحاضة اهـ: ۲۹۸/۱، سعيد)

و قالت الفقهاء: إن أراد الجنب معاودة أهله فالمستحب أن يتوضأ، فلا بأس به، فالظاهر أن هذا: أى غسل الذكر أيضاً مستحب . قال فى الفتاوى العالمكيرية فى اخر الباب الثانى من الطهارة: "ولا بأس للجنب أن ينام و يعاود أهله قبل أن يتوضأ، وإن توضأ فحسن، كذا فى القنية". ص:٥٤(١)۔ وكذا فى الخلاصة، ص:٤٧(٢)۔

وقال فى الأوجز: "قلت: لكن مقتضى عباراتهم أن الوضوء للنائم آكد من وضوء الآكل، بل كلام بعضهم كالباجى والطحاوى وغيرهم –رحمهم الله تعالىٰ– يشير إلى عدم الاستحباب فى الأكل، فالظاهر أن تؤكده فى النوم أشد منه فى الأكل"(٣)۔

بوب الشيخ ابن تيميه –رحمه الله تعالىٰ– فى ملتقى الأخبار "استحباب الوضوء لمن أراد النوم" ثم ذكر بعده: "باب تأكيد ذلك للجنب، واستحباب الوضوء لأجل الوضوء والشرب و المعاودة" و هذا نص فى أن الوضوء للنوم اكد منه لهؤلاء الثلث.

و قال فى البدائع: ١/٢٨: "و لا بأس للجنب أن ينام و معاودة أهله لما روى عن عمر رضى الله عنه أنه قال: يارسول الله! أينام أحدنا و هو جنب؟ قال: "نعم! و يتوضأ وضوئه للصلوة"(٤)۔

و له أن ينام قبل أن يتوضأ و ضوئه للصلوة لما روى "عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها قالت: كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينام و هو جنب غير أن يمس ماء الخ". فعلم من لفظ: "من غير أن يمس ماء" أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نام بغير مس الماء لا مسه للوضوء ولا لغيره.

فى أوجز المسالك، ص:١٢٣ : "قال يحيىٰ: سئل مالك عن رجل له نسوة: زوجات وجوار –جمع جارية: أى اماء– هل يطأهن جميعاً قبل أن يغتسل؟ فقال: لا بأس: أى يجوز

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية: ١٦/٢، الباب الثانى فى الغسل، رشيديه)

(٢) (خلاصة الفتاوىٰ: ١٤/١، الفصل الثانى فى الغسل، امجد اكيڈمى، لاهور)

(٣)(أوجز المسالک: ١٠٩/١، وضوء الجنب إذا أراد أن ينام الخ، مكتبه اليحيويه)

(٤) (بدائع الصنائع: ٢٨٣/١، أحكام الجنابة، دار الكتب العلمية، بيروت)

بالاتفاق بأن يصيب الرجل جاريته أو جواريه قبل أن يغتسل، إلا أنه يستحب الوضوء، وأقله غسل الفرج للمعاودة مع أنه أنشط، كما ورد، انتهى"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (أوجز المسالک: ۱/۱۲۳، المکتبة اليحيويه سهارنفور، يوپی الهند)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۷۵، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۶، مطلب: الغسل في أربعة سنة، سهيل اكيڈمی لاهور)

ترجمۂ سوال و جواب:

سوال [۰۰۰۰]: کیا ایک یا دونوں کی شرمگاہ دھوئے بغیر دوبارہ وطی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ علامہ شامی نے کہا ہے "و عندنا کذالک" ہمارے نزدیک بھی اسی طرح ہے، اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک بھی حرام ہے جس طرح کہ مذہب شافعی میں ہے، جب کہ دیگر حضرات کے ہاں یہ مکروہ ہے۔ اس میں فتویٰ کیا ہے اور ہمارے مشائخ نے اس میں کیا فرمایا ہے؟

جواب: اس سوال سے سائل کا مقصد واضح نہیں، اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے......... کہ مرد جب اپنی عورت سے جماع کرلے تو کیا اس کے لئے اس کے بعد مرد کے ذکر کو دھوئے بغیر اور عورت کے اپنی شرمگاہ کو دھوئے بغیر دوبارہ جماع کرنا جائز ہے یا جائز نہیں؟ پس شامی نے کہاں کہا ہے کہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے اور ہمارے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور ان کے غیر نے کہاں کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ شامی وغیرہ کی عبارات، کتاب کے نام باب، صفحہ مطبع کی تعیین کے ساتھ بالفاظہا تحریر کی جائیں۔

اگر شامی کے قول سے مراد ان کی وہ عبارت ہے جس کو انہوں نے ردالمحتار میں کتاب الطهارة میں "مطلب في حكم وطي المستحاضة و من بذكره نجاسة" کے تحت "تنبیہ" کے عنوان سے ذکر کیا ہے کہ:

> "بعض شافعیہ نے اس شخص کے جماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے جس کا ذکر نجس ہو اس کے دھونے سے قبل مگر جبکہ اس کو سلسل بول ہو مثل وطی مستحاضہ کے جریان (دم استحاضہ) کے ساتھ اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اسی طرح ہے"۔

پس ظاہر یہ ہے کہ ذکر کے نجس ہونے سے مراد غیر منی کے ساتھ نجس ہونا مراد ہے، اس لئے کہ منی شافعیہ کے نزدیک طاہر ہے۔ اور اگر شامی کی مراد علی سبیل التنزل منی سے نجس ہونا ہو- اگرچہ یہ بہت بعید ہے- تو یہ ان کی رائے اور ان کا اجتہاد ہے، جو محرم نہیں۔ محرم تو نص قطعی ہوتی ہے یا وہ جو اس کے ہم معنی ہو۔ اور اگر شامی کے قول سے مراد کوئی دوسری عبارت ہے تو اس کو تحریر کیا جائے۔=

....

= اور فقہاء نے فرمایا ہے:

''اگر جنبی اپنی بیوی سے دوبارہ ملاقات کا ارادہ کرے تو مستحب یہ ہے کہ وضو کرلے پھر کوئی حرج نہیں''۔

پس ظاہر یہ ہے کہ ذکر کا دھونا بھی مستحب ہے۔

ہندیہ میں طہارۃ کے باب ثانی کے آخر میں فرمایا ہے کہ ''جنبی کے لئے وضو کرنے سے قبل سونے اور دوبارہ ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وضو کرلے تو بہتر ہے''۔

قنیہ، ص:۵۴ میں اسی طرح اور خلاصہ ص:۴۷ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور اوجز میں فرمایا ہے:

''میں کہتا ہوں کہ ان کی (فقہاء کی) عبارات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نائم کے لئے وضو آکل کی وضو سے زیادہ مؤکد ہے، بلکہ ان میں سے بعض مثل باجی وطحاوی وغیرہم کا کلام اکل میں عدم استحباب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اکل کے بالمقابل نوم میں زیادہ تاکید ہے۔

الشیخ ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں ''استحباب الوضو لمن أراد النوم'' باب قائم کیا ہے پھر اس کے بعد ''باب تاکید ذلک للجنب واستحباب الوضوء لأجل الوضوء والشرب والمعاودة'' قائم کیا ہے اور یہ اس میں نص ہے کہ نوم کیلئے وضو ان تینوں کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے''۔

اور بدائع میں فرمایا ہے:

''جنبی کے لئے سونے اور بیوی سے دوبارہ ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی بناء پر کہ ''انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی جنبی ہونے کی حالت میں سوسکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ''ہاں اور نماز کے وضو جیسا وضو کرلے''۔

اور اس کو وضو سے قبل بھی سونا جائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ''انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں پانی چھوئے بغیر سو جاتے تھے الخ''۔

''پانی کو چھوئے بغیر'' کے لفظ سے معلوم ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو گئے پانی چھوئے بغیر، نہ وضو کے لئے چھوا، نہ اس کے غیر کے لئے۔

اوجز المسالک، ص:۱۲۳ میں ہے:

''یحییٰ رحمہ اللہ نے بیان کیا، امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جس کے لئے کئی بیویاں اور باندیاں ہیں، آیا وہ سب سے وطی کرسکتا ہے غسل کرنے سے قبل؟ فرمایا کچھ حرج نہیں، یعنی بالاتفاق جائز ہے کہ کوئی شخص اپنی باندی یا باندیوں سے ملاقات کرے غسل کرنے سے قبل مگر وضو کرلینا مستحب ہے اور اس کا اقل درجہ شرمگاہ کا دھولینا ہے دوبارہ ملاقات کرنے کے لئے باوجودیکہ یہ زیادتی نشاط کا بھی باعث ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے''۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

باب المیاہ

الفصل الأول فی الماء الطاهر والنجس

(پاک اورناپاک پانی کا بیان)

مائے مستعمل

سوال [۱۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں:

زید کہتا ہے کہ اگر لوٹے میں وضو کے لئے پانی رکھا گیا اور متوضی کی انگلی یا کسی اور شخص کی جو کہ بے وضو ہو انگلی پڑگئی تو وہ پانی مائے مستعمل ہوجاتا ہے اور پھر اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ مائے مستعمل کب ہوتا ہے اور کتنے عضو کے پانی میں پڑنے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے؟

"كذا إذا وقع الكوز في الجُبّ، فأدخل يده فيه إلى المرفق لإخراج الكوز، لا يصير مستعملاً، بخلاف ما إذا أدخل يده في الإناء أو رجله للتبرد، فإنه يصير مستعملاً لعدم الضرورة، هكذا في الخلاصة. و يشترط إدخال عضوٍ تامٍ لصيرورة الماء مستعملاً في الرواية المعروفة عن أبي يوسف، كذا في المحيط. و بإدخال الإصبع والإصبعين لا يصير مستعملاً، كذا في الظهيرية". فتاویٰ عالمگیریہ: ۱/۱۲۔ جواب مکمل ومدلل فرمائیں۔

نیز خط کشیدہ عبارت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس کا مطلب بھی سمجھا دیجئے کہ یہ قول معتبر ہے یا نہیں، اور نیز معترض یہ بھی وجہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ حصۂ انگلی، یا انگلی ڈوب جانے سے اس حصہ کی نجاست حکمیہ زائل ہوگئی، لہذا وہ پانی مستعمل ہوگیا۔ کنویں سے گھڑا ابھرا جاتا ہے اور اس کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے جس سے اس میں اکثر انگلیاں ڈوب جاتی ہیں، لہٰذا زید کے کہنے کے مطابق اس سے وضو جائز نہیں اور ہم لوگوں کے یہاں یہی طریقہ پانی لانے میں ہے، لہذا ایسی صورت میں اس پانی سے وضو کی ہوئی نمازیں بھی

باطل ہوں گی۔کیا یہ شبہ صحیح ہے؟

حافظ عبدالرحمٰن، قصبہ بھنگہ، ضلع بہرائچ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مائے مستعمل سے وضو جائز نہیں، لیکن اگر مائے مستعمل اور غیر مستعمل مخلوط ہوں اور غیر مستعمل زیادہ ہوتو وضو جائز ہے کیونکہ مفتیٰ بہ اور مختار قول کے مطابق مائے مستعمل طاہر غیر مطہر ہے۔ جب لوٹے میں ایک انگلی، یا گھڑے میں چند انگلیاں ڈوب جائیں تو اس سے وہ تمام یا اکثر مستعمل نہیں ہوتا بلکہ جس قدر حصۂ ماء سے انگلی ملاقی ہوگی، اسی قدر حصہ مستعمل ہوگا اور وہ بہت ہی قلیل مقدار ہے:

"والغلبة في المائع الذي لا وصف له كالماء المستعمل تكون بالوزن، و هذا الاعتبار يجري في ماء ألقي الماء المستعمل في المطلق أو انغمس الرجل فيه على ما هو الحق . وأما ما في كثير من الكتب من أن الجنب إذا أدخل يده أو رجله في الماء، فسد الماء، فمبنيٌ على رواية نجاسة الماء المستعمل، و هي رواية شاذة، وأما على المختار للفتوىٰ، فلا۔

قال في البحر: فإذا عرفت هذا فلا تتأخر عن الحكم بصحة الوضوء: أي والغسل من الفساقي الصغار الكائنة في المدارس والبيوت؛ إذ لا فرق بين استعمال الماء خارجاً ثم صبه في الماء المطلق و بين ماء إذا انغمس فيه، فإنه لا يستعمل منه إلا ما تساقط عن الأعضاء أولاقىٰ الجسد فقط، و هو بالنسبة لباقي الماء قليل، و يتعين عليك حمل كلام من يقول بعدم الجواز على القول الضعيف لاالصحيح. فالحاصل :أنه يجوز الوضوء والغسل من الفساقي الصغار ما لم يغلب علىٰ ظنه أن الماء المستعمل أكثر أو مساوٍ، و لم يغلب علىٰ ظنه وقوع نجاسة فيه. وتمامه فيه"(۱)۔

"واعلم أن صفة الماء المستعمل حكى بعضهم فيهاخلافاً على ثلاث روايات، وقال مشايخ العراق: لم يثبت في ذلك اختلاف أصلاً، بل هو طاهرٌ غير طهور عند أصحابنا جميعاً. قال شيخ الإسلام في شرح الجامع الصغير: و هو المختار عندنا، و هو المذكور في عامة كتب

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶، كتاب الطهارة، قديمي)

محمد عن أصحابنا، و اختاره المحققون من مشايخ ما وراء النهر. وقال في المجتبىٰ: و قد صحت الروايات عن الكل أنه طاهر غير طهور، إلا الحسن و روايته شاذة غير مأخوذ بها، كما في مجمع الأنهر الخ". طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، ص: ١٤، ١٦ (١)۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر میں اور شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

خط کشیدہ عبارت کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ظرف میں اگر پورا ہاتھ دیا جائے اور وہ ظرف زیادہ بڑا نہ ہوتو اس پانی کا اکثر حصہ ہاتھ سے ملاقی ہوکر مستعمل ہو جائے گا۔ اگر صرف ایک دو انگلی اس میں داخل کرے تو اس سے وہ تمام پانی مستعمل نہ ہوگا، چونکہ اس طرح اکثر حصہ انگلی سے ملاقی نہ ہوگا بلکہ اقل ملاقی ہوگا اور غلبہ غیر مستعمل کو حاصل رہے گا۔ پس تمام پانی سے وضو کے جواز کا حکم دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

مائے مستعمل کسے کہتے ہیں؟

سوال [۱۸۷۴]: زید و عمرو بکر کا باہم تنازع مائے مستعمل میں ہے۔ زید کا بیان ہے کہ مائے مستعمل وہ پانی کہلاتا ہے کہ غسل یا وضو کرتے ہوئے اعضاء سے جدا ہوکر زمین پر گرے، اسی مائے مستعمل کا یہ حکم بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خود پاک ہے، لیکن دوسری شی کو پاک نہیں کر سکتا، گو اعضاء پر ناپاکی نہیں لگی ہوئی ہوتی، مگر چونکہ اس کو بھی علی وجہ القربۃ استعمال کیا جاتا ہے اور معنیً اس سے حدث کا ازالہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا یہ حکم رکھا گیا ہے۔ بدیں وجہ زید مائے مستعمل کی تعریف کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وضو کرتے ہوئے جو پانی مساجد کی نالیوں میں گرتا ہے وہ مائے مستعمل ہے، خود پاک ہوتا ہے لیکن دوسری شی کو پاک نہیں کر سکتا اور وہ پانی جو کہ وضو

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، ص: ٢٣، قديمي)

(و كذا في رد المحتار: ١٩٨/١، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ١٦٤/١، مبحث الماء المستعمل، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ٣٠/١، المياه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

کے بعد لوٹے میں بچ جاتا ہے وہ طاہر وطہور دونوں ہے اور اس پانی کا استعمال ہر جگہ ہوسکتا ہے یعنی کپڑا و بدن وغیرہ پاک کرسکتے ہیں اور وضو کے کام بھی لاسکتے ہیں چوں کہ لوٹے کا پانی مستعمل نہیں ہوتا، اس لئے اس پانی سے وضو کرنے میں کیا شبہ اور کیا خلل؟

بیانِ مذکورہ پر بکر یہ کہتا ہے کہ نہیں، وضو کے بعد جو پانی لوٹے میں رہتا ہے وہ مائے مستعمل ہے اور اس سے وضو کرنا ناجائز ہے اور دلیل اور وجہ معقول اپنے نزدیک یہ بیان کرتا ہے کہ چوں کہ وضو کرتے ہوئے پانی کے قطرے لوٹے میں ضرور گرجاتے ہیں، لہذا وہ مستعمل ہوجاتا ہے، وضو کے کام میں لانا درست نہیں۔

زید نے اس کا معارضہ یہ پیش کیا ہے کہ اگر چند قطروں کی وجہ سے وہ مستعمل ہوگیا تو چاہئے کہ ہر ایک عضو کے واسطے جدا برتن ہو چوں کہ قطرہ ہاتھوں کا ضرور لوٹے میں بکر کے قول کے موافق گرجائے گا اور وہ پانی مستعمل ہوجائے گا۔ اس وجہ معقول کا جواب بکر صرف ان الفاظ میں دے کر پھر ایک معارضہ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لوٹوں کو بھی بغیر پاک کئے ہوئے وضو نہ کریں، چونکہ مائے مستعمل لپٹا ہوا ہے بلکہ گھونٹ دوگھونٹ باقی رہ جاتا ہے، اس پر بکر یہ کہتا ہے کہ اس قدر کا کچھ حرج نہیں۔ پھر زید نے کہا کہ جب گھونٹ دوگھونٹ کا کچھ نقصان نہیں تو وضو کرتے ہوئے کونسے سودوسو گھونٹ لوٹے میں گرجاتے ہیں۔

امید کہ برائے کرم مفصل جواب تحریر فرمادیں کہ لوٹے کا بچا ہوا پانی مستعمل ہوتا ہے، یا وہ پانی جو وضو کرتے ہوئے نالیوں میں گرتا ہے اور جس طرح کہ وضو کا بچا ہوا پانی پینا جائز ہے، اس پانی کو دوسری شی کے پاک کرنے میں یا وضو کرنے میں کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

دیگر جس مقام پر عربی داں عالم موجود ہوں، اس مقام پر کسی شخص اردو داں کو یعنی استاد سے مسئلہ نہ سیکھا ہو اور متعدد مرتبہ بلکہ سب مسائل عقل پر زور دے کر اپنی ظاہری عزت کی وجہ سے غلط سلط بتلادیتا ہو، شریعتِ مقدسہ میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

ازطرف: تحسین احمد، محلہ شیرازان سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مائے مستعمل وہ ہے کہ جس سے حدث کو زائل کیا گیا ہو، یا علی وجہ القربۃ بدن میں استعمال کیا گیا ہو اور عضو سے علیحدہ ہوتے ہی اس کو مستعمل کا حکم دے دیا جائے گا، اس سے پہلے اس کو مستعمل نہیں کہا جائے گا، خواہ

بدن پر لگا ہوا ہو یا لوٹے وغیرہ میں بعد وضو موجود رہے:

"الماء المستعمل ما أزيل به حدث أو استعمل في البدن على وجه القربة، و متى يصير الماء مستعملاً؟ الصحيح أنه كمازال عن العضو صار مستعملاً". هدايه: ۱/۲۲ (۱)۔

لہٰذا جو پانی وضو اور غسل کے بعد برتن، لوٹے وغیرہ میں بچ رہتا ہے وہ مستعمل نہیں، اس کو پینا اور رفعِ حدث وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے۔

البتہ جو قطرات وضو کرتے ہوئے بدن سے جدا ہو کر لوٹے میں گرتے ہیں وہ مستعمل ہیں اور مائے مستعمل خود تو طاہر ہوتا ہے مگر اس کو رفعِ حدث یعنی وضو اور غسل کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، ہاں کپڑا وغیرہ اس سے پاک کیا جا سکتا ہے: "وهو (أي الماء المستعمل) طاهر و ليس بطهور لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد". قال الشامي: "(قوله: على الراجح) مرتبط بقوله: بل لخبث: أي نجاسة حقيقية، فإنه يجوز إزالتها بغير الماء المطلق من المائعات خلافاً لمحمد". شامی: ۱/۲۰۷(۲)۔

لیکن وہ قطرات قلیل ہیں، جب خالص پانی ان سے زیادہ ہے تو اب اس کو وضو کے کام میں لانے میں بھی کوئی خرابی نہیں:

"الثالث أنهم و قد صرحوا بأن الماء المستعمل على القول بطهارته إذا اختلط بالماء الطهور، لا يخرجه عن الطهورية، إلا إذا غلبه أو ساواه، أما إذا كان مغلوباً فلا يخرجه عن الطهورية، فيجوز الوضوء بالكل". بحر: ۱/۷۰(۳)۔

دیگر غیر عالم کو بغیر واقفیت کے مسئلہ اپنی عقل کے زور سے بتانا سخت گناہ ہے، خصوصاً جب کہ وہاں عالم بھی موجود ہو، اور اگر اس نے غلط بتلایا اور کسی نے اس پر عمل کیا تو عمل کرنے والے کا گناہ بھی بتلانے والے کے ذمہ ہوگا:

---

(۱) (الهداية: ۱/۳۹، الماء المستعمل، مكتبه شركة علميه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۰۱، مطلب: الماء المستعمل، سعيد)

(۳) (البحر الرائق: ۱/۱۲۹، المياه، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰، المياه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(و كذا في رد المحتار: ۱/۱۹۸، بحث الماء المستعمل، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من أفتى بغير علم، فإثمه على من أفتاه". رواه أبو داؤد". مشكوة شريف: ص:۳۵(۱)۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا''۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: سعید احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مائے مستعمل کے قطروں کا جسم یا کپڑوں پر گرنا

سوال [۱۸۷۵]: وضو کرنے کی حالت میں یا وضو کرنے کے بعد اگر وضو کا پانی جسم پر یا جسم کے کسی کپڑے پر گر جائے تو اس صورت میں کپڑا یا وہ حصہ جسم کا جس پر مائے مستعمل گر گیا ہے تو کیا وہ جگہ نجس ہو گیا یا وہ کپڑا ناپاک ہو گیا؟ برائے مہربانی مفصل مدلل مع ثبوت احادیث مستندہ وکتب فقہ تحریر فرمائیے گا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اس پانی سے مفتی بہ قول کے موافق نہ جسم ناپاک ہوتا ہے نہ کپڑا:

"والماء المستعمل لقربة أو رفع حدث إذا استقر في مكان طاهرٌ لا مطهرٌ". بحر: ۱/ ۹۰ (۲)۔ "وأما ما مسح بالمنديل أوتقاطر على الثوب فهو مستعمل، إلا أنه لا يمنع جواز الصلوٰة؛ لأن الماء المستعمل طاهر عند محمد، وهو المختار الخ". بحر: ۱/ ۹۸ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۵/ ۶۶ھ۔

صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح عبداللطیف۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، قبيل الفصل الثالث، ص: ۳۵، قديمي)

(۲) (البحر الرائق: ۱/ ۱۶۴، مبحث الماء المستعمل، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق: ۱/ ۱۶۹، مبحث الماء المستعمل، رشيديه)

مائے مستعمل کا حکم

سوال [۱۸۷۶]: ۱......وضو کا مستعمل پانی جو نالی میں گرتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر وضو کرتے وقت جلدی میں ٹوپی نالی میں گرگئی اور بغیر دھوئے ہوئے پہن کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

۲......ایسے ہی غسل خانہ میں کوئی نجاست نظر نہیں آتی، ایک شخص نے دیوار پر کپڑے رکھے، وہ ہوا سے غسل خانہ میں گرگئے اور اس نے بلادھوئے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مائے مستعمل مفتیٰ بہ قول پر پاک ہے، اگر وضو کی نالی میں کوئی نجاست نہیں تھی تو ایسی ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔

۲......ان کپڑوں کا حکم بھی یہی ہے، تاہم ایسی ٹوپی کپڑوں کا دھولینا احوط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۰ھ۔

جنبی اور حائضہ کے استعمال شدہ پانی کا حکم

سوال [۱۸۷۷]: جنبی اور حائضہ کا مائے مستعمل پاک ہے یا ناپاک؟ یعنی جنبی اور حائضہ کا مائے مستعمل، مائے قلیل یا کنویں وغیرہ میں گرجائے تو وہ پاک رہے گا یا ناپاک؟ اسی طرح اگر کپڑے وغیرہ میں ایک

= "اتفق أصحابنا رحمهم الله أن الماء المستعمل ليس بطهور حتى لا يجوز التوضؤ به، واختلفوا في طهارته، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: هو طاهر، و هو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، و عليه الفتوىٰ، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۲، كتاب الطهارة، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰، المياه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "في النوازل: روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن الماء المستعمل .... وهذا إذا اجتمع في موضع، ثمّ أصاب الثوب، أما إذا تقاطر من أعضائه وأصاب الثوب، فإنه لا يغسل في قولهم جميعاً".

(التاتارخانية: ۱/۲۱۳، الماء المستعمل، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۱، الماء المستعمل، سهيل اكيڈمی، لاهور)

درہم سے زیادہ لگ جائے تو اس کپڑے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اگر مائے مستعمل اس کا ناپاک ہے تو پھر حائضہ عورتوں کا کھانا وغیرہ بنانا دیگر امور میں اشتباہ پیدا ہوجائے گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنب، حائض، نفساء کے ہاتھ وغیرہ سے لگا ہوا پانی نجس نہیں، جب کہ اس ہاتھ پر نجاست حقیقیہ نہ لگی ہو(۱) ایسا پانی اگر کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک نہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا

سوال [۱۸۷۸]: ایک لوٹے میں پانی لیکر عورت نے وضو کیا، کیا حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس لوٹے کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا جائز ہے؟

نظام، مارچ ۱۹۶۵ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مجھے ان کے مذہب کی تحقیق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و فی فتاوی قاضی خان: المحدث أو الجنب إذا أدخل یده فی الإناء للاغتراف، و لیس علیه نجاسة، لا یفسد الماء یعنی لاینجس، و لا یصیر مستعملاً الخ". (الحلبی الکبیر، ص: ۱۵۲، الماء المستعمل، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی فتح القدیر: ۱/۸۷، الماء السمتعمل، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی التاتارخانیه: ۱/۲۱۳، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "وإن انتضح من غسالة الجنب فی الإناء لا یفسد الماء، أمّا إن سال فیه سیلاناً، فإنه یفسده، و علیٰ هذا حوض الحمام، و علی قول محمد –وهو المختار– لا یفسده مالم یغلب علیه علی ما تقدم الخ" (الحلبی الکبیر، ص: ۱۵۳، الماء المستعمل، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱/۴۶، باب الوضؤ والغسل، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

(۳) "و لا یجوز للرجل أن یتوضأ و یغتسل بفضل المرأة اهـ، ومفاده أنه یکره تحریماً، وعند الإمام أحمد إذا اختلت امرأة مکلفة بماء قلیل کخلوة نکاح، و تطهرت به فی خلوتها طهارةً کاملةً عن حدث،=

ریل گاڑی کے بیت الخلاء کے پانی کا حکم

سوال [۱۸۷۹]: ریل گاڑی کے پاخانوں (بیت الخلاء) میں جو پانی ہوتا ہے وہ پاک سمجھا جائے گا، یا ناپاک؟ اس میں پانی ہوتے ہوئے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس پانی سے وضو کرتے ہوئے طبیعت کو کراہت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ پانی پاک ہے، طبعی کراہت کی وجہ سے شبہ نہ کیا جائے (۱)۔ ایسی حالت میں تیمم درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ماہنامہ کانپور، اکتوبر/ ۵۹ء۔

بارش کا پانی پرنالہ میں روک کر اس سے وضو کرنا

سوال [۱۸۸۰]: کافی دنوں کے بعد جب بارش ہو تو دس پندرہ منٹ کے بعد پرنالہ کا پانی کسی برتن وغیرہ میں روک کر اس پانی کو استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے جب کہ اس میں کوئی نجاست نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= لایصح للرجل أو خنثی أن یرفع به حدثه، كما هو مسطور فی متون مذهبه الخ". (رد المحتار: ۱/ ۱۳۳، مطلب الإسراف فی الوضوء، سعید)

(وکذا فی الجامع للترمذی: ۱/ ۱۹، باب كراهية طهور المرأة، سعید)

(۱) "عند أبی یوسف: لا بأس بالوضوء إذا لم یتغیر أحد أوصافه، كذا فی شرح الوقایة. وفی النصاب: و علیه الفتوی، كذا فی المضمرات". (الفتاوی العالمكیریة: ۱/ ۱۷، الباب الثالث فی المیاه، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۱/ ۳۳، الماء الذی یجوز به التوضوء، شركة علمیه، ملتان)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۱/ ۱۶۳، المیاه، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر مالم یستیقن، وكذا الآبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات، ویستقی منها الصغار والكبار، والمسلمون والكفار". =

دوا سے رنگ اور مزہ تبدیل ہونے والے پانی کا حکم

سوال [۱۸۸۱]: سرکار کی طرف سے دفعِ ہیضہ وغیرہ امراض کے لئے کنویں میں جو دوا ڈالی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے رنگ اور بو بدل جاتی ہے تو اس پانی کا حکم کیا ہے اور رنگ اور بو نہیں بدلتی تو کیا حکم ہے؟ امید ہے جواب شافی اور کافی سے مطلع فرما کر شاکر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کسی پاک جامد چیز کے ملنے سے پانی کے تمام اوصاف بغیر پکائے متغیر ہو جائیں لیکن پانی اپنی رقت اور سیلان پر باقی رہے اور اس کا نام بدل کر نیا نام پیدا ہو تو ایسے پانی سے وضو درست ہے:

"والغلبة تحصل في مخالطة الماء لشيء من الجامدات الطاهرات بإخراج الماء عن رقته، فلاينعصر عن الثوب، وإخراجه عن سيلانه فلا يسيل على الأعضاء سيلان الماء. وأما إذا بقي على رقته و سيلانه، فإنه لا يضر: أي لا يمنع جواز الوضوء به تغير أوصافه كلها بجامد خالطه بدون طبخ كزعفران و فاكهة و ورق شجرة اهـ". مراقي الفلاح۔ "قوله: الطاهرة أما النجسة فتنجس القليل منه مطلقاً والكثير إن ظهر أحد أوصافها اهـ". طحطاوي، ص: ۱۶، ۱۷ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

جس پانی کے اوصاف بدل گئے ہوں اس سے وضو

سوال [۱۸۸۲]: ایک گاؤں میں ایک بہت بڑا گڑھا ہے اور اس میں پانی بھی بہت ہے، مگر بوجہ آمد و رفت چوپایوں کے اس کے تین اوصاف میں سے ایک وصف بدل جاتا ہے اور صاحبِ قریٰ کو بغیر اس کے

= (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۱۵۱، مطلب في نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه: ۱/ ۱۴۲، نوع آخر في مسائل الشك، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۵، كتاب الطهارة، قديمی)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۹۰، باب المياه، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وضو کرنے کے لئے اَور پانی نہیں ملتا، سوا اس کے کہ دوسرے گاؤں میں سے لائیں۔ باقی وہ اپنے پینے کے لئے تو لا سکتے ہیں مگر اس سے زیادہ نہیں لا سکتے اور کنویں سے بھی غربت کی وجہ سے نہیں نکال سکتے۔ تو اب کیا کریں، آیا صرف وضو کرلیں، یا وضو مع التیمم کریں، یا باہر سے لا کر وضو کریں اگرچہ ان کا نقصان ہو؟

۱۳/محرم/۱۳۵۶ھ۔

تنقیح

۱- وہ گڑھا کتنا بڑا ہے یعنی اس کا طول وعرض، عمق کس قدر ہے، وہ دہ دردہ ہے یا اس سے کم ہے، یا زیادہ ہے؟

۲- اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے یا کسی نہر وغیرہ سے آتا ہے؟

۳- گرمی اور خشکی کے زمانہ میں اس میں پانی باقی رہتا ہے یا خشک ہو جاتا ہے؟

۴- دوسرا گاؤں جس میں پانی ہے وہ کتنی دور ہے؟

۵- کیا اس گاؤں میں اس گڑھے کے علاوہ اَور کہیں پانی نہیں؟

۶- دوسرے کنویں سے غربت کی وجہ سے پانی نہیں نکال سکتے، کیا وہاں پانی قیمۃً ملتا ہے؟

۷- تمام گاؤں کے غسل کے لئے اور کپڑے اور برتن دھونے کے لئے پانی کہاں سے آتا ہے؟

ان امور کے جواب پر اصل سوال کا جواب موقوف ہے۔ از مدرسہ مظاہر علوم۔

جواب تنقیح:

۱- وہ دردہ سے بھی زیادہ ہے۔

۲- پانی اس میں بارش کا جمع ہوتا ہے۔

۳- ہاں! بالکل خشک ہو جاتا ہے جب کہ بارش ۶/ ماہ، یا ۷/ ماہ نہ ہو۔

۴- وہ گاؤں تقریباً ایک کوس ہے یعنی ڈیڑھ میل۔

۵- نہیں ہے۔

۶- ہاں! اس میں پانی نکالنے کے ایسے اسباب ہیں کہ جن پر قیمت خرچ آتی ہے۔

۷- اسی گڑھے سے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے پانی سے وضواور غسل جائز ہے، جب کہ وہ دہ دردہ سے بھی زیادہ ہے تو وہ مائے جاری کے حکم میں ہے، کسی وصف کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، پس اس پانی کے موجود ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں، البتہ اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوجائے مثلاً تمام پانی میں نجاست کا مزہ آجائے یا اس کا رنگ غالب ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں:

"أما إذا كان عشراً في عشر بحوض مربع، أو ستة و ثلاثين في مدوّر، و عمقه أن يكون بحال لا تنكشف أرضه بالغرف منه على الصحيح، وقيل: يقدر عمقه بذراع أو شبر، فلا ينجس إلا بظهور وصف النجاسة فيه حتى موضع الوقوع، وبه أخذ مشايخ بلخ توسعةً على الناس. والتقدير بعشر في عشر هو المفتى به اهـ". مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی، ص: ١٧(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/۱۳۵۶ھ۔

دودھ، چھاچھ، شوربہ سے وضو

سوال [۱۸۸۳]: دودھ، چھاچھ، تیل وغیرہ سے وضو درست ہے یا نہیں؟ یا جس پانی میں دودھ یا چھاچھ غالب ہوا از روئے رنگ درآنحالیکہ صفتِ سیلان باقی ہے؟ اسی طریقے سے ہلدی پانی کے اندر ڈال کر غسل کرتے ہیں۔ فقہائے کرام یہ جو لکھتے ہیں کہ جب پاک شی پانی کے اندر مل جائے جیسے صابون وغیرہ تو جب تک صفتِ سیلان باقی ہو اس سے وضو غسل درست ہے تو وہ شوربا جس کے اوپر روغن کا نام ونشان نہ ہو اس سے وضو کرنا کیسا ہے، یا اس کے مثل سے؟

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٢٧، كتاب الطهارة، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٨، باب المياه، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ٩٧، في أحكام الحياض، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو چیز پانی میں ملائی جائے اوراس کو ملانے سے پانی کا سیلان ورقّت میں فرق نہ آئے اور وہ چیز جامد ہو تو ایسے پانی سے وضواور غسل درست ہے۔ اگر مائع ملایا جائے تو اگر اس میں تین اوصاف تھے تو دو وصف ظاہر ہونے پر، اگر دو وصف تھے تو ایک وصف ظاہر ہونے پر، اگر کوئی نہیں تھا تو اس کے نصف یا نصف سے زائد ہوجانے پر اس پانی سے وضواور غسل درست نہیں:

"و لا يجوز الوضوء بما زال طبعه بالطبخ أو بغلبة غيره عليه،و الغلبة في مخالطة الجامدات بإخراج الماء عن رقته و سيلانه، و لا يضرّ تغير أوصافه كلها بجامد كزعفران و فاكهة و ورق الشجر. والغلبة في مخالطة المائعات بظهور وصف واحد من مائع له و صفان فقط كاللبن له اللون والطعم و لا رائحة له. والغلبة توجد بظهور وصفين من مائع له أوصاف ثلاثة كالخل له لون و طعم و ريح. والغلبة في المائع الذي لا وصف له كالماء المستعمل تكون بالوزن". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

اعضائے وضو پر تری کے ساتھ مصلی پر جانا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غسالہ

سوال [۱۸۸۴]: وضو کرنے کے بعد جو پانی اعضائے وضو پر باقی رہتا ہے اس کے ساتھ مصلی پر جانا کیسا ہے؟ درآنحالیکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرمارہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پانی کو لے کر اپنے چہروں پر مل رہے تھے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعضائے وضو پر جو پانی کا اثر باقی رہتا ہے وہ مائے مستعمل یا نجس نہیں ہے، اس کے ساتھ مصلی پر جانا

---

(۱) (مراقي الفلاح، ص: ۲۴، كتاب الطهارة، قديمي)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۸۸، فصل في أحكام المياه، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، رشيديه)

بلاشبہ درست ہے: ’’فما دام علی العضو لا یصیر مستعملاً اھ". بحر: ۱/۹۳(۱)۔

تنبیہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسالہ شریف پر دوسروں کے غسالہ کو قیاس نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۱ھ۔

برکت کے لئے زمزم سے بدن اور کپڑے دھونا

سوال [۱۸۸۵]: خانہ کعبہ میں جو لوگ آبِ زمزم سے نہاتے ہیں اور کپڑے دھوتے ہیں ان کے لئے نہانا اور کپڑے دھونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

برکت کے لئے بدن پر اور کپڑوں پر ڈالنا درست ہے، نجاست اس سے زائل نہ کی جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۱/۱۶۸، الماء المستعمل، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۳، کتاب الطهارة، قدیمی)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۱، الماء المستعمل، دار إحیاء التراث، بیروت)

(۲) "و قد صحّ أنّ أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بادروا إلی وَضوئه، فمسحوا به وجوههم، فلو کان نجساً لمنعهم کما منع أباطیبة الحجام عن شربه دمه". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۱/۸۷، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۳) "یجوز الاغتسال و التوضوء بماء زمزم إن کان علیٰ طهارة للتبرک، فلا ینبغی أن یغتسل به جنب و لا محدث و لا فی مکان نجس و لا یستنجی به و لا یزال به نجاسة حقیقتة. وعن بعض العلماء تحریم ذلک، و قیل: إن بعض الناس استنجی به، فحصل له بأسور". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۲، الطهارة، قدیمی)

(وکذا فی رد المحتار: ۲/۶۲۵، کتاب الحج، مطلب فی کراهیة الاستنجاء بماء زمزم، سعید)

دریائے جہلم کے پانی کا حکم

سوال [۱۸۸۶]: دریائے جہلم ہمیشہ جاری رہتا ہے، اس دریا کے اندر تمام شہر کی نجاست ڈالی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کا رنگ، بو، مزہ سب کچھ متغیر ہے۔ اس کا پانی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس پانی میں نجاست کا طعم، لون، ریح موجود ہے وہ نجس ہے اگر چہ وہ کثیر اور جاری ہو، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۶/۱۴۰۱ھ۔

گنگا جمنا کا پانی

سوال [۱۸۸۷]: گنگا جمنا کے پانی کو دیگر پانیوں سے کچھ امتیاز حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان دونوں کے متعلق مجھے علم نہیں کہ کسی حدیث میں کوئی فضیلت آئی ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

ٹیوب ویل کا پانی مائے جاری ہے

سوال [۱۸۸۸]: آج کل جنگلوں میں ٹیوب ویل جاری ہیں، دوفٹ چوڑی نالیوں سے پانی گذر کر میلوں تک کھیتوں کھیتوں میں حکومت کی طرف سے جاری کیا گیا ہے تو مائے جاری ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(وبتغير أحد أو صافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جارياً إجماعاً". (الدرالمختار: ۱/۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۹۲، المياه، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۰۴، فصل في بيان المقدار الذي الخ، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ہندوؤں کا ان پانیوں کے متعلق عقیدہ ہے کہ یہ متبرک ہیں اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، چنانچہ فیروز اللغات میں ہندوؤں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ہے: "گنگا جمنا، ہندوؤں کے دو مقدس دریاؤں کے نام"۔ (ص: ۱۰۹۰، فیروز سنز)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ توحقیقۃً ماءِ جاری ہے، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۵ھ۔

نل کا پانی کیا ماءِ جاری ہے؟

سوال [۱۸۸۹]: نل (ہینڈ پمپ) کے پانی کا حکم ماءِ جاری کے مثل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نل سے نکل کر بہنے والے پانی پر ماءِ یذہب صادق آتا ہے یا نہیں؟ بس اس کو دیکھ لیا جائے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "والجاري هو ما يعد جارياً عرفاً، وقيل مايذهب بتبنة، والأول أصح، والثاني أشهر وإن لم يكن جريانه بعدد في الأصح". (الدرالمختار). "(قوله: والثاني أشهر) لو قوعه في كثير من الكتب حتى المتون .... والعرف الآن أنه متىٰ كان الماء داخلا من جانب وخارجاً من جانب آخر يسمىٰ جارياً .... اهـ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۱۸۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه: ۱/۱۶، ۱۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به: ۱/۳۴، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۲) "ويجوز بجارٍ وقعت فيه نجاسة .... مايذهب بتبنة، والأول أظهر والثاني أشهر لوقوعه في كثير من الكتب حتى المتون". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۸۷، باب المياه، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۵۲، الطهارة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۷۵، الطهارة، امداديه)

جس جگہ سے بال اکھڑے ہوں اس کا حکم اوران بالوں کا حکم

سوال [۱۸۹۰]: ۱...... آدمی کے بال اگر اکھاڑے جاویں توان بالوں کا سرنا پاک ہے بوجہ اس چکنائی کے جواس میں لگی ہوتی ہے (شامی)۔ تواب پوچھنا یہ ہے کہ جو بال کنگھی کرتے وقت اکھڑتے ہیں اور اس کے ساتھ جو چکنائی ہوتی ہے ان بالوں کا سرنا پاک ہے یا نہیں؟

۲...... داڑھی کو برابر کرتے وقت جو بال اکھڑ جاتے ہیں اوران کے ساتھ جو چکنائی ہوتی ہے وہ ناپاک ہے یا نہیں؟

۳...... ایسے چکنائی والے بال اگر وضو کے بعد کوئی اکھاڑے یا اکھڑ جائے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

۴...... اگر یہ چکنائی والے بال کسی پانی وغیرہ کے برتن میں گریں تو وہ پانی پاک ہوگا یا ناپاک؟

۵...... اگر منہ دھوتے ہوئے بال اکھڑیں تو ہاتھ ناپاک ہوگا یا نہیں؟

۶...... جس جگہ سے وہ بال اکھڑیں وہ جگہ پاک ہوگی یا نہیں؟

۷...... اگر وضو کے بعد وہ بال اکھڑیں یا اکھاڑے جائیں تو وہ جگہ دوبارہ دھونی پڑے گی یا نہیں؟

۸...... تر کپڑے یا تر ہاتھ پر وہ بال گریں تو ناپاک ہوں گے یا نہیں؟

مولوی اسماعیل احمد بھائی، یوسف خان پور، ضلع بھڑوچ گجرات۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... ناپاک ہے۔

۲...... ناپاک ہے(۱)۔

۳...... اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

---

(۱) "(قوله: شعر الإنسان غير المنتوف) أما المنتوف فنجس، والمراد رؤرسه التي فيها الدسومة".

(ردالمحتار: ۱/۲۰۷، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۹۱، الطهارة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۸۳، كتاب الطهارة، فرع، مكتبه امداديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۴، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء، رشيديه)

۴......مقدارِ ظفر ہوتو پانی ناپاک ہوجائے گا۔

۵......ہاتھ پر چکنائی لگے تو ناپاک ہوگا ورنہ نہیں (۱)۔

۶......نہیں۔

۷......نہیں۔

۸......چکنائی لگ جائے تو ناپاک ہے ورنہ نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۴/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱)" أقول: و عليه فما يبقى بين أسنان المشط ينجس الماء القليل إذا بل فيه وقت التسريح، لكن يؤخذ من المسألة الآتية كما قال: إن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لا يفسد الماء تأمل". (رد المحتار: ۱/۲۰۷، مطلب: أحكام الدباغة، سعيد)

الفصل الثاني في أحكام البير وغيرها

(کنویں کے احکام کا بیان)

کنویں کا پانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پاک ہے

سوال [۱۸۹۱]: اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کنویں کا پانی پینا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کنویں کا پانی پینا درست ہے، اگر وہ ناپاک ہوجائے تو پاک کرنے سے پاک بھی ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناپاک گنوں کے ٹکڑے کنویں میں ڈالنے سے کنویں کا پانی پاک رہتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۸۹۲]: جامع مسجد کے کونہ میں ایک کنواں ہے اس کنویں میں ہندو مسلمان جب ضرورت ہوتی ہے پانی بھرتے ہیں اور کنویں کی منڈیر سطحِ زمین سے ایک گز اونچی ہے، کنویں کے پاس سے ہندو اور مسلمانوں کے بچے گزرتے ہیں، سڑک میں سے ناپاک گنوں کے ٹکڑے جو کہ نالی میں سے بھنگی صاف کرکے

---

(۱) "إذا وقعت في البئر نجاسة نزحت، و كان نزح ما فيها من الماء طهارة لها بإجماع السلف. و مسائل البير مبنية على اتباع الآثار دون القياس الخ .... أن آبار الفلوات ليست لها رؤس حاجزة، والمواشي .... فجعل القليل عفواً للضرورة في الكثير، وهو ما يستكثره الناظر إليه، وهو المروي عن أبي حنيفة رحمه الله، وعليه الاعتماد". (الهداية: ۱/۱ ۲، فصل في البئر، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹، الثالث ماء الآبار، رشيديه)

ایک طرف ڈالتا ہے وہ اسی کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ مسجد کے نمازیوں کے لئے پانی اسی کنویں سے استعمال ہوتا ہے، مسجد کے نمازی نہ تو کنویں کی منڈیر اونچی کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر جالی ڈالتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کنواں پاک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کنویں میں کسی ناپاک چیز کا گرنا ثابت ہوجائے تو کنواں ناپاک ہوجائے گا (۱)، منڈیر اونچی کرا کر یا جس طرح مناسب ہو حفاظت کا انتظام کیا جائے اور محض شبہ کی وجہ سے کنویں کو ناپاک نہیں کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۰ھ۔

ناپاک کنویں میں ڈول ڈالنے سے ڈول ناپاک ہوجائے گا

سوال [۱۸۹۳]: ۱...... ایک کنویں میں بندر نے پائخانہ کیا، اس کے پاک کرنے سے پہلے ایک شخص نے ضرورت کی بنا پر پانی نکالا، پھر اس کا تمام پانی اس ڈول رسی کے علاوہ دوسرے سے نکال دیا۔ اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ اس ڈول رسی کو جو کہ سورج سے خشک ہوچکی اس کو بغیر دھوئے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں اور یہ حکم دونوں نجاستوں کا ہے یا فقط غلیظہ کا؟

۲...... اور یہ بھی واضح فرمادیں کہ نجاستِ غلیظہ یا خفیفہ کے گرنے کے بعد نجاست غلیظہ ہوتی ہے یا خفیفہ؟ مع حوالہ کتب اور عبارت نقل فرما کر مشکور فرمادیں۔

---

(۱) "إذا وقعت نجاسة ليست بحيوان و لو مخففةً أو قطرة بول أو دم أو ذنب فارة لم يشمّع في البئر دون القدر الكثير، أو مات فيها حيوان .... ينزح كل مائها بعد إخراجه". (الدر المختار: ۱/۲۱۲، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹، الثالث ماء الآبار، رشيديه)

(۲) "في التاتارخانية: من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أولا، فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات الخ". (رد المحتار: ۱/۱۵۱، نواقض الوضو، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۱۹، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

۳.....بغیر پاک کئے اس ڈول، رسی کا استعمال درست نہیں، ناپاک پانی نے اس کو ناپاک کردیا اب اس کو پاک کرنے کے لئے پانی سے دھونا ضروری ہے خشک ہونا کافی نہیں۔نجاستِ خفیفہ اور غلیظہ ہر دونوں کا حکم پانی کے حق میں ایک ہے، خفت کا فرق کپڑے اور بدن پر ظاہر ہوتا ہے، پانی پر نہیں، پانی بہر صورت نجاستِ غلیظہ ہوجاتا ہے، پھر جس شی کو یہ پانی لگے گا اس پر بھی نجاستِ غلیظہ کا حکم جاری ہوجائے گا:

"إذا وقعت نجاسة ولو مخففةً في بير ينزح كل مائها اهـ". كذا في الدر۔ "(قوله: و لو مخففةً)؛ لأن أثر التخفيف و هو العفو عما دون الربع لا يظهر في الماء، وأفاد أنه لو أصاب هذا الماء ثوباً، فالظاهر أنه تعتبر هذه النجاسة بالمخففة اهـ". شامي(۱)۔

"الغليظ والخفيف في المياه سواء اهـ". طحطاوی: ص:۲۱(۲)۔"وخفة النجاسة تظهر في الثياب لا في الماء، والبدن كالثياب اهـ". بحر:۲۲۱/۱(۳)۔

زمین اور وہ شی جو زمین کے ساتھ متصل باتصالِ قرار ہو، خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، ڈول، رسی کی یہ شان نہیں:

"و تطهر أرض بيبسها و ذهاب أثرها، بخلاف نحوبساط و حصير و ثوب و بدن مما لبس أرضاً، و لا متصلاً بها اتصال قرار اهـ". درمختار و شامي بتغير يسير:ص:۲۸٦(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ٦٦ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۱۱/۱، فصل في البئر، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۳٦، في مسائل الآبار، قديمي)

(۳) (البحر الرائق: ۳۹۸/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۱/۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۳/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

ناپاک کنواں غیر مسلموں کے پانی نکالنے سے پاک ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۸۹۴]: ۱...... دو مرغ لڑکر کنویں میں گر گئے ایک زندہ نکال لیا گیا، دوسرا مر گیا اور اسے دوسرے دن نکالا گیا، پانی نکالنا معلوم تھا، لیکن ایک غیر مسلم کے مکان میں آگ لگنے کی وجہ سے اس سے پانی پورا نہیں نکالا گیا، دوسرے ہندو لوگ مرغ نکالنے پر فوراً پانی بھرنا شروع کرچکا تھا، آیا غیر مسلم کے پانی نکالنے پر کنواں پاک ہوگا یا نہیں؟

۲...... کیا پانی نکالنے کے لئے نیت ضروری ہے؟ پانی نکالنا جبکہ واجب ہے، اگر غیر مسلم پانی نکال کر استعمال میں لے آئیں جتنا واجب تھا کنواں پاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... کنواں ناپاک ہونے پر جس قدر پانی نکالنا واجب ہے (کل یا جز) اتنا پانی مسلم یا غیر مسلم جس نیت سے بھی نکال دے کنواں پاک ہوجائے گا(۱) اور پھر مسلمان کے لئے استعمال کرنا درست ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بالٹی میں ناپاک کپڑا دھوکر بغیر پاک کئے کنویں میں بالٹی ڈال دی

سوال [۱۸۹۵]: میں نے ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کی غرض سے کنویں سے بالٹی میں پانی نکال کر کپڑے کو اٹھایا کہ اتفاقاً دو چار قطرے پانی اس ناپاک کپڑے سے ٹپک کر بالٹی میں پڑ گیا، پانی تو میں نے اس بالٹی کا پھینک دیا مگر بے خیالی میں اس بالٹی کو تین مرتبہ دھوئے بغیر میں نے کنویں میں ڈال دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں کنواں پاک رہا یا ناپاک ہوگا؟ یہ کنواں مسجد کا ہے اس کی ایک الگنی (کپڑے لٹکانے کی رسی یا ڈوری) ہے جس پر پاک و ناپاک ہر قسم کے کپڑے سکھائے جاتے ہیں، اس الگنی کا کیا حکم ہے؟ کیا ہم ایسے پاک کپڑے اس الگنی پر سوکھنے کے لئے ڈال سکتے ہیں؟

---

(۱) کتب فقہ میں پانی نکالنے اور کنواں پاک ہونے میں مسلم، غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں بتایا گیا ہے لہٰذا جو بھی مقدار واجب پانی نکال دے تو کنواں پاک ہوجائے گا اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ناپاک کپڑا بالٹی میں ڈال کر دھوکر نکالا اور بغیر پاک کئے بالٹی کنویں میں ڈال دی تو کنواں ناپاک ہوگیا، سب پانی نکالنا ضروری ہے(۱) اس سے پہلے اس کے پانی سے وضو کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ کیا جائے (۲) اور جس کپڑے یا بدن کو ایسا پانی لگا ہے اس کو بھی پاک کیا جائے، مسجد کے فرش پر بھیگا پیر رکھا ہو پھر وہ فرش خشک ہوگیا تو اس کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں (۳)۔

اس کی الگنی پر کپڑا سکھانے کی اجازت ہے، اگر اس پر ناپاک کپڑا ڈالا گیا تھا اور اس ناپاکی کا اثر الگنی پر نہیں تھا، نہ اس پاک کپڑے پر آیا جو سکھانے کے لئے ڈالا گیا تو یہ ناپاک نہیں ہوا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

گوبر لیپے ہوئے حصۂ زمین پر پانی کا مٹکا رکھا پھر اس کو کنویں میں ڈالا

سوال [۱۸۹۶]: گوبر کا لیپا ہوا زمین پر پانی سے بھرا ہوا مٹکا یا بالٹی وغیرہ رکھتے ہیں اور پھر وہ زمین بھیگ کر گیلی ہوجاتی ہے اور گوبر آلودہ پانی مٹکے کے نیچے ٹپکتا رہتا ہے پھر اس کو کنویں میں ڈالتے ہیں۔ کیا کنواں ناپاک ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر بالٹی میں گوبر لگا ہوا نہیں ہے، صرف پانی کی تری اس میں موجود ہے تو اس سے کنواں ناپاک نہ

---

(۱) "و لو وقعت في البئر خشبة نجسة أو قطعة ثوب نجس .... وجب منها نزح عشرين دلواً الخ" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰، الثالث: ماء الآبار، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/۱۸۷، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "وإن علم وقت وقوعها، يعيدون الوضو والصلاة من ذلك الوقت بالإجماع" (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰ الثالث: ماء البئر، رشيديه)

(۳) "الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۴ باب الأنجاس، رشيديه)

(۴) "ويشارك الأرض في حكمها كل ما كان ثابتاً فيها كالحيطان والأشجار والكلأ والقصب ما دام قائماً عليها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۴، باب الأنجاس، رشيديه)

ہوگا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

چشمہ دار کنویں کو کس طرح پاک کیا جائے؟

سوال [۱۸۹۷]: بخدمتِ اقدس استاذی المکرّم حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مسجد سے متعلق ایک بڑا کنواں ہے جس سے محلّہ کے لوگ بھی پانی بھرتے ہیں، دہ دردہ کنواں کے نام سے مشہور ہے، لیکن قطر اس کا ساڑھے دس ہاتھ ہے، پانی اس میں اتنا ہے کہ سب پانی نکالنے میں کم وبیش سو روپیہ مصارف پڑتے ہیں جس کے لئے نہ تو اس زمانہ میں چندہ آسان اور نہ بیل وغیرہ ملنے میں آسانی۔ بایں وجوہ جب ناپاک ہوجاتا ہے تو سالوں ناپاک پڑا رہتا ہے۔ چنانچہ اس بار بھی تقریباً تین چار سال سے ناپاک پڑا ہوا ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے مواقع میں شریعت کا آسان ترین حکم کیا ہے؟

ایک بات اَور عرض کردوں کہ پانی اطراف میں نادر بھی ہے، کام بہرحال چل ہی رہا ہے، لیکن بدقت، گویا ایسی مجبوری بھی نہیں ہے کہ اس کے بغیر کام رُکا پڑا ہو ورنہ چار سال کیسے گزرتے۔ ہاں! محلّہ والوں کو عمدہ شیریں پانی سے محرومی ضرور ہے اور مسجد والوں کو وضو وغسل وغیرہ میں دقت ہے۔

ایسی صورت میں:

۱......کیا اس کی پاکی کی صرف یہی شکل ہے کہ موجودہ پانی جس طرح ہوسکے مصارفِ کثیرہ خرچ کرکے نکالا جائے اَور کوئی صورت نہیں؟

۲......امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول تین سوڈول والے کی علمائے فتاویٰ کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟

---

(۱) "ولا ینجس ثوب رطب بنشره علی أرض نجسة ببول أو سرقین، لکنها یابسة، فتندّت الأرض من الثوب الرطب ولم یظهر أثرها فیه". (مراقی الفلاح، ص: ۱۵۹، باب الأنجاس، قدیمی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۲۴/۱، فصل فی النجاسة التی تصیب الثوب، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۴۲/۱، الفصل الثامن فی النجاسة، امجد اکیڈمی، لاهور)

۳......اگر معتبر ہے تو کیا اس جیسی صورتیں اس میں داخل ہیں؟

۴......یاد پڑتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی فتویٰ میں اس کے ضعف کو تسلیم کرنے کے باوجود اس پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

۵......اگر امام کا قول مقید بقید و مشروط بشرائط ہیں تو وہ قیود و شرائط کیا ہیں، جن کے ہونے پر تین سو کا قول مفتیٰ بہ ہو سکتا ہے؟

چونکہ جناب والا جیسے وسیع النظر کے سامنے اس کی پوری بحث ہوگی، اس لئے امید کرتا ہوں کہ وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کی تقریر فرما کر ممنون فرمادیں گے۔ خدا معلوم! کیوں جی چاہا کرتا ہے کہ پانی کے معاملہ میں نرم سے نرم قول اختیار کیا جائے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس خیال کا مؤید ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جناب والا سے مفصل تقریر معلوم کر کے اس تردد کو ہمیشہ کے واسطے ختم کر دوں گا۔

عبدالرحمٰن جامی، مدرسہ اسلامیہ فتحپوری، ۱۵/محرم/۷۰ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اصل تو یہی ہے، لیکن رفعِ حرج کے لئے تیسیر اً دوسری صورت بھی ہے، کما سیجیٔ۔

۲......بعض نے اس کو مفتیٰ بہ کہا ہے، بعض نے تضعیف کی ہے۔

۳......داخل ہے، لاشتراك العلة و هي اليسر۔

۴......صحیح ہے، ایسے موقعہ پر ایسے فتویٰ کی گنجائش ہے۔

۵......" وإن تعذر نزحُ كلها لكونها معيناً، فيقدر ما فيها وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي. يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بَصارةٌ بالماء، به يفتي. و قيل: يفتي بمأتين إلى ثلثمائة، و هذا أيسر، و ذلك أحوط اهـ". "(قوله: وإن تعذر) كذاعبر في الهداية وغيرها. و قال في شرح المنية: أي بحيث لا يمكن إلا بحرج عظيم اهـ. فالمراد به التعسر، و به عبر في الدرر. (قوله: وقيل الخ) جزم به الكنز والملتقى) و هو مروي عن محمد، وعليه الفتوى، خلاصة و تاتر خانية عن النصاب، و هو المختار......... معراج عن العتابية.

وجعله في العناية روايةً عن الإمام، و هو المختار والأيسر كما في الاختيار. و أفاد في

النهر أن المأتين و اجبتان والمائة الثالثة مندوبة. فقد اختلف التصحيح والفتوىٰ. و ضعف هذا القول في الحلية، وتبعه في البحر بأنه إذا كان الحكم الشرعي نزح الجميع، فالاقتصار على عدد مخصوص يتوقف على دليل سمعي يفيده، وأين ذلك؟ .... : قال في النهر: و كأن المشايخ إنما اختاروا ما عن محمد لانضباطه كالعشر تيسيراً، كما مرّ اهـ". شامی (۱)۔

"فقد ظهر بما ذُكر أن الأخذ بقول محمد، والعمل به في مواضع الحاجة جائز، والحاجة دفع العسر و تحصيل اليسر و هو الشرط"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/محرم/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/محرم/۷۰ھ۔

غیر مسلم کے کنویں میں کوئی گر کر مر گیا، اس کے پاک کرنے کی صورت

سوال [۱۸۹۸]: کنویں میں کسی نے خودکشی کر لی، یا اس میں سے مردہ لاش ملی، مسئلہ کے مطابق اس کا تمام پانی خارج کیا جانا چاہئے، مگر غیر مسلم کا ہونے کے باعث ایسا نہیں کیا جا سکا، غیر مسلم اس کا پانی لیتے رہے، مسلمانوں کے لئے اس کا پانی کب قابلِ استعمال ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کنواں ناپاک ہوتے وقت اس میں جس قدر پانی موجود تھا (مثلاً تین سوڈول) جب اتنا پانی اس میں سے نکل جائے گا تو کنواں پاک ہو جائے گا، خواہ کسی طرح نکلے، اسی کا اندازہ کر کے عمل کیا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۱۴، فصل في البئر، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹، الثالث: ماء الآبار، رشيديه)

(۲) "وإذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير، أو مات فيها، أمّا الكافر، فينجسها مطلقاً كسقط، ينزح كل مائها الخ". (الدر المختار: ۱/۲۱۱، فصل في البئر، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/۱۸۶، المياه، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۷، فصل في البئر، سهيل اكيڈمی، لاهور)

بچہ کنویں میں گر گیا اور اس پر ناپاکی نہیں تھی

سوال [۱۸۹۹]: کنویں میں ایک نابالغ سمجھدار بچہ گر گیا اور زندہ نکل آیا، اس کے بدن پر کپڑے تھے، وہ نمازی نہیں اور نہ استنجا پاک کرتا ہے۔ کنویں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نابالغ مگر سمجھدار لڑکا کنویں میں گر کر زندہ نکل آیا اور اس کے کپڑوں اور بدن پر ناپاکی نہیں تھی تو کنواں ناپاک نہیں (۱)، تاہم احتیاطاً چالیس، پچاس ڈول پانی نکال دیا جائے تاکہ لوگوں کو وہم نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۵ھ۔

کیا کنویں میں غیر مسلم کے اترنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے؟

سوال [۱۹۰۰]: ایک ہندو آدمی کنوئیں میں دو چار غوطے لگائے تو کتنے ڈول پانی کنوئیں میں سے نکال دیئے جائیں تاکہ کنوئیں کا پانی پاک ہونے پر استعمال کرنے لگ جائیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خوب غسل کر کے کنوئیں میں داخل ہوا ہے تب تو پانی نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر غسل کر کے اور پاک ہو کر داخل نہیں ہوا ہے اور اس کے بدن پر کسی نجاست کا ہونا متعین نہیں تو احتیاطاً کنویں کا تمام پانی نکالا جائے اور اگر اس کے بدن پر نجاست تھی تو تمام پانی کا نکالنا واجب ہے: "عن أبي حنيفة أنه قال في الكافر: إذا وقع حتى لو تيقن بطهارته بأن اغتسل، ثم وقع في البئر ساعةً، لا ينزح منها شيء إلخ". بدائع: ۱/۷٤(۲)۔

قال الشامي: "أقول: ولعل نزحها للاحتياط الخ"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ أعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الاولی/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "قيد بالموت؛ لأنه لو أخرج حياً و ليس بنجس العين و لا به حدثٌ أو جنب، لم يُنزح شيء، إلا أن يدخل فمه الماء، فيعتبر بسؤره الخ". (الدر المختار: ۱/۲۱۳، فصل البئر، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۹، فصل في البئر، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "وروي عن أبي حنيفة أنه قال في الكافر إذا وقع في البئر: ينزح ماء البئر كله؛ لأن بدنه لا يخلو عن نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو تيقن بطهارته بأن اغتسل، ثم وقع في البئر من ساعته، لا ينزح منها شيء". (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۲، مطلب في البئر، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) (رد المحتار: ۱/۲۱۴، فصل في البئر، سعيد)

کنویں میں جنبی شخص کے اترنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے یانہیں؟

سوال [۱۹۰۱]: ایک شخص کو احتلام ہوا، جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو بغیر استنجا پاک کئے غسل کرنے کے لئے کنویں میں اترا، یہ کنواں دہ دردہ نہیں تھا۔ اس صورت میں کیا وہ شخص طاہر ہوگیا یانہیں؟ نیز کنویں کا پانی طاہر ومطہر رہے گا یانہیں؟ نیز اگر وہ شخص استنجا اور بدن سے نجاست دور کرنے کے بعد غسلِ جنابت کے لئے کنویں میں اترے تو اس صورت میں کنویں اور شخصِ مذکور کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مفصل ومدلل جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر پانی سے استنجا نہیں کیا بلکہ بدن پر نجاست حقیقیہ موجود تھی تو وہ طاہر نہیں ہوا اور تمام پانی نجس ہوگیا، اس پانی کی وجہ سے تمام بدن بھی نجاست میں ملوث ہوگیا۔ اگر پانی سے استنجا کر کے نجاستِ حقیقیہ کو زائل کر چکا تھا تو اصح یہ ہے کہ وہ آدمی طاہر ہوگیا اور پانی مستعمل ہوگیا، لیکن صرف اس قدر پانی مستعمل ہوا جو کہ اس کے اعضاء کے ساتھ متصل ہو کر منفصل ہوا ہے، تمام پانی مستعمل نہیں ہوا۔ اور مستعمل پانی طاہر ہوتا ہے اگر چہ مطہر نہیں ہوتا اور اختلاط کے وقت غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے:

"اختلف في محدث انغمس في بئر لدلو، وتبرد مستنجياً بالماء، ولا نجس عليه، ولم ينو ولم يدلك، والأصح أنه طاهر والماء مستعمل لاشتراط الانفصال للاستعمال، والمراد أن ما اتصل بأعضائه وانفصل عنها مستعملٌ لا كل الماء إلخ". در مختار۔

"(قوله: في محدث): أي حدثاً أصغر أو أكبر. (قوله: في بئر): أي دون عشر: أي وليست جارية. (قوله: لدلو): أي لاستخراجه، وقيد به؛ لأنه لو كان لاغتسال صار مستعملاً اتفاقاً. (قوله: مستنجياً بالماء) قيد به؛ لأنه لو كان بالأحجار تنجس كل الماء. (قوله: ولا نجس عليه) عطف عام على الخاص، فلو كان على بدنه أو ثوبه نجاسة تنجس الماء اتفاقاً. (قوله: والأصح)، قال في البحر: وعن أبي حنيفة: إن الرجل طاهر؛ لأن الماء لا يعطى له حكم الاستعمال قبل الانفصال من العضو۔

قال الزيلعي والهندي وغيرهما تبعاً لصاحب الهداية: وهذه الرواية أوفق الروايات: أي

للقياس . في فتح القدير وشرح المجمع: أنها الرواية المصححة، ثم قال في البحر: فعلم أن المذهب المختار في هذه المسألة أن الرجل طاهر والماء طاهر غير طهور، أما كون الرجل طاهراً فقد علمت تصحيحه، أما كون الماء المستعمل كذلك على الصحيح، فقد علمته أيضاً مما قدمناه إلخ". رد المحتار: ۱/۲۰۷(۱)۔

"والغلبة في مخالطة الماء الذي لا وصف له كالماء المستعمل وماء الورد المنقطع الرائحة تكون بالوزن، فإن اختلط رطلان مثلاً من الماء المستعمل برطل من الماء المطلق، لا يجوز به الوضوء، وبعكسه جاز إلخ. مراقي الفلاح۔

"(قوله: تكون الغلبة بالوزن) وهذا الاعتبار يجري فيما لو أبقى الماء المستعمل في المطلق، أو انغمس الرجل فيه على ما هو الحق، أما ما في كثير من الكتب من أن الجنب إذا أدخل يده أو رجله في الماء، فمبنيٌّ على رواية نجاسة الماء المستعمل، وهي رواية شاذة، وأما على المختار للفتوى فلا۔

قال في البحر: فإذا عرفت هذا فلا تتأخر عن الحكم بصحة الوضوء: أي الغسل من الفساقي الصغار الكائنة في المدارس والبيوت؛ إذ لا فرق بين استعمال الماء خارجاً، ثم صبه في الماء المطلق وبين ما إذا انغمس فيه، فإنه لا يستعمل منه إلا ما تساقط من الأعضاء أولاقیٰ الجسد فقط، وهو بالنسبة لباقي الماء قليل. ويتعين عليك حمل كلام من يقول بعدم الجواز على القول الضعيف لا الصحيح۔

فالحاصل أنه يجوز الوضوء والغسل من الفساقي الصغار ما لم يغلب على ظنه أن الماء المستعمل أكثر أو مساوٍ، ولم يغلب على ظنه وقوع نجاسة فيه، وتمامه فيه. (قوله: جاز) ظاهره أنه يجوز بالكل، ويجعل المستعمل مستهلكاً لقلته الخ". طحطاوي، ص:۱٦(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۰۱، ۲۰۲، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوی مع مراقي الفلاح، ص: ۲٦، الطهارة، قديمي)

سور (خنزیر) کنویں میں گرا، اس کے پانی کا حکم

سوال [۱۹۰۲]: زید کے کنویں کے اندر سور گرا، گرنے کے بعد تقریباً آٹھ گھنٹے کنویں کے اندر رہا، سور کے منہ میں چوٹ لگی اور خون نکل رہا تھا جو سب پانی میں ملتا جا رہا تھا۔ سور کی گردن میں رسی پھنسا کر زندہ نکال لیا گیا۔ کنویں کا پانی نکالنے کی مزدوری میں سور کو طے کیا گیا، جو پانی نکالے گا اس کو یہ سور دیا جائے گا۔ ایک شخص تیار ہو گیا اور وہ سور لے گیا اور پھر اندازے سے آدھے کنویں کا پانی نکالا گیا اور بس پھر پانی نہیں نکالا گیا جبکہ پورا پانی نکالا جا سکتا تھا، لیکن زید نے نہیں نکلوایا اور استعمال شروع کر دیا۔ کوئی اس پر اعتراض کرتا ہے تو زید کہتا ہے کہ میرے لئے جائز ہے۔ عرض یہ ہے کہ زید کو اس پانی کا استعمال کرنا از روئے قرآن وحدیث جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں تمام پانی نکالنا ضروری تھا اگر تمام پانی نکالا جا سکتا ہے، ایسا نہیں کہ پانی ہر وقت پیدا ہوتا رہے اور ختم ہی نہ ہو، اور پھر بھی آدھا پانی نکالا گیا تو کنواں پاک نہیں ہوا ناپاک ہی رہا (۱)۔ اس پانی سے وضو اور غسل بھی ناجائز ہے، کپڑے اور برتن کا دھونا بھی ناجائز ہے، کھانے پینے میں بھی اس کا استعمال ناجائز ہے (۲)۔ مزدوری میں سور دینا بھی ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فأما إذا خرج حيًّا، فقد اختلفوا فيه، فالصحيح أنه إن لم يكن نجس العين ولم يكن في بدنه نجاسة ولم يدخل فاه في الماء، لم يتنجس الماء. وإن أدخل فاه في الماء، فمعتبر بسؤره، فإن كان طاهراً فالماء طاهر .... وإن كان نجس العين كالخنزير، فإنه ينجس الماء وإن لم يدخل فاه". (تبيين الحقائق: ۱/۱۰۱، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۶، فصل في مسائل الآبار، قديمي)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۱۰، جنس آخر في مسائل الآبار، امجد اكيڈمي، لاهور)

(۲) "ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم الخ، وما عجن به فيطعم للكلاب إلخ". (الدر المختار).

وقال العلامة الشامي: "لأن ما تنجس باختلاط النجاسة به والنجاسة مغلوبة، لا يباح أكله الخ".

(رد المحتار: ۱/۲۱۸، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۱، فصل في مسائل الآبار، قديمي)

دو یا تین مرغ کنویں میں گر گئے، کتنے ڈول پانی نکالا جائے؟

سوال [۱۹۰۳]: دو یا تین مرغ کنویں میں گر گئے اور زندہ نکل آئے، کتنا پانی نکالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیس یا تیس ڈول نکالدیئے جائیں: "وإن كان سوره مكروهاً، يستحب أن ينزح منها عشرة دلاء ونحوها اه". كبيري، ص: ۱۵۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ رمضان/ ۶۷ھ۔

چوہا کنویں میں پھول گیا اس سے کھانا پکایا گیا

سوال [۱۹۰۴]: ایک چوہا کنویں میں مرگیا اور پھول گیا، اس کے بعد اس پانی سے کھانا پکایا گیا، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ چوہے کا مرنا سب کے علم میں تھا، پھر کھانا پکایا گیا۔

قطب الدین، سیتاپوری متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معلوم ہے کہ اس کنویں میں چوہا گر کر مرگیا اور پھول گیا، تو پھر بھی اس کنویں سے پانی لے کر کھانا پکایا گیا تو وہ کھانا نجس ہے، اس کا کھانا جائز نہیں: "ويحكم بنجاستها مغلظةً من وقت الوقوع إن علم". در مختار قال الشامي: "(قوله: مغلظةً لصفة) النجاسة، وقد مر من أن التخفيف لا يظهر أثره في الماء". شامي: ۱/ ۱۷۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۹۲ھ۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، ص: ۱۵۹، فصل في البئر، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/ ۲۱۳، فصل في البئر، سعيد) (وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۱۰، فصل البئر، امجد اكيڈمي) (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۸۷، فصل في الآبار، مكتبه امداديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۱۸، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۹۱، فصل في الآبار، مكتبه امداديه)

(وكذا في البدائع: ۱/ ۲۲۶، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

چھپکلی کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۹۰۵]: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ بڑی چھپکلی اگر کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، بحوالہ ہدایہ(۱)۔ اور "تعلیم الاسلام" میں لکھا ہے کہ وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے جیسے مکھی، مچھر، بھڑ، چھپکلی، چیونٹی ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا (۲)۔ خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹی اور بڑی کی پہچان کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑی چھپکلی شہر میں نہیں ہوتی، وہ جنگل میں ہوتی ہے وہ بھی بعض علاقوں میں، اس میں خون ہوتا ہے اس سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے (۳)۔ جو چھپکلی عامۃً ہمارے دیار میں چھت پر ہوتی ہے وہ چھوٹی ہی ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۸۹ھ۔

گرگٹ اور چھپکلی پانی میں گر جائے، تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۹۰۶]: کنویں میں چھپکلی کے مرنے یا پھولنے پھٹنے یا سڑنے گلنے کے متعلق علمائے کرام کا تحقیقی فتویٰ کیا ہے؟ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپکلی دَمَوی حیوان ہے اس لئے کنواں ناپاک ہے، بعض

---

(۱) (بہشتی زیور، حصہ اول، ص: ۷۷، دارالاشاعت)

(۲) (تعلیم الاسلام، حصہ دوم، پانی کا بیان، ص: ۲۹، مکتبۃ الشیخ بہادرآباد)

(۳) "وكذا الوزغة إذا كانت كبيرةً: أي بحيث يكون لها دم، فإنها تفسد الماء، لما تقدم في الضفدع". (الحلبي الكبير: ۱۶۲، فصل في البئر، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الهداية: ۱/۴۲، فصل في البئر، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وفتح القدير: ۱/۱۰۲، فصل فى البئر، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۴) "أما الذي ليس له دم سائل، فالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها، وأنه ليس بنجس عندنا الخ". (بدائع الصنائع: ۱/۳۶۸، فصل: أما الطهارة الحقيقية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، ص: ۴۰، فصل في مسائل الآبار، قديمى)

کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ چھپکلی غیر دموی ہے، لہٰذا کنواں پاک ہے۔

بعض علماء نے چھپکلی کی دو قسمیں قرار دی ہیں: دم سائل والی اور غیر دموی اور دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ ''شرح وقایہ'' وغیرہ میں کوئی صراحت نہیں ملی، ملتقی الابحر اور ہدایہ میں ''سام ابرص'' کا لفظ ملتا ہے، منیۃ المصلی اور ردالمحتار میں ''وزغۃ'' کا لفظ مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کیا ہر چھپکلی میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے؟

۲...... کیا کسی چھپکلی میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا؟

۳...... کیا چھپکلی کی دو قسمیں ہیں: دموی اور غیر دموی اور دونوں کے احکام جداگانہ ہیں؟ اگر ایسا ہے تو شناخت کیا ہے، نیز کنویں سے گلی ہوئی نکلنے پر جب کہ اس کی ہیئت بدل جاتی ہے کیونکر پہچانی جائے کہ یہ دمِ سائل والی ہے یا غیر؟

۴...... سام ابرص اور وزغۃ کی کیا تشریح ہے؟

۵...... عربی زبان میں چھپکلی کے لئے کون سا لفظ مستعمل ہے اور اس کا ذکر حدیث یا فقہ کی کسی معتبر کتاب میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ نہیں؟ امیدوار ہوں کہ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ہر ایک میں نہیں ہوتا۔

۲...... کسی میں تو ہوتا ہے۔

۳...... جی ہاں! دو قسمیں ہیں: دموی بڑی ہوتی ہے جو عامۃً جنگل میں رہتی ہے، غیر دموی چھوٹی ہوتی ہے جو آبادی میں مکانوں میں دیوار، چھت وغیرہ میں رہتی ہے۔ جب گلی ہوئی نکلی جس کی ہیئت بدل چکی ہے، جثہ کے اعتبار سے پہچانی جاسکتی ہے کہ چھوٹی ہے یا بڑی۔

۴...... ''منتہی الأرب'' (۱) اور ''غیاث اللغات'' (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نوع کے

---

(۱) ''وزغۃ: محرکہ کریسہ یا جانورے است شبیہ کریسہ سُمیت بھا لخفتھا وسرعۃ حرکتھا''۔ (منتھی الأرب، باب الواو، فصل الزاء: ۴/۳۰۴، ادارہ اسلامیات، لاهور)

(۲) ''وزغہ: بفتحتین وغین معجمہ: حربا از منتخب درامداد، وجہانگیری ورشیدی بمعنی غوک نوشتہ اند، ودر برھان نوشتہ کہ نوعی از چلپاسہ ست، ودر صراح نوشتہ کہ جانوریست چون کریسہ''۔ (غیاث اللغات، فصل واو مع زای معجمہ: ۵۴۲، سعید)

جانور ہیں، چنانچہ دونوں کے ترجمہ میں اہلِ لغت نے چھپکلی لکھ دیا ہے۔

اطلاقاتِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سام ابرص'' وہ ہے جس کو گرگٹ آفتاب پرست کہتے ہیں جس کی دُم دراز ہوتی ہے اور رنگ بدلتا رہتا ہے اور ''وزغہ'' چھپکلی کو کہتے ہیں۔ اول میں خون ہوتا ہے، ثانی کی ایک قسم میں خون ہوتا ہے جو بڑی ہوتی ہے، دوسری قسم میں نہیں ہوتا جو چھوٹی ہوتی ہے۔ اسی لئے سام ابرص کی موت سے نجاستِ بیر کا حکم دے کر مقدارِ نزح کو بیان کرتے ہیں، جیسا کہ متون ''قدوری''(۱) وغیرہ میں ہے اور وزغہ سے نجاست کا حکم اس قید کے ساتھ دیتے ہیں:

''وکذا الوزغة إذا کانت کبیرةً: أی بحیث یکون لها دم، فإنها تفسد الماء اھ''. کبیری، ص: ۱٦٤ (۲)۔

۴.....حضرت ابرہیم علیہ السلام کو جس وقت نمرود نے آگ میں ڈالا اور تمام جانوروں نے اس کو بجھانا چاہا، مگر ایک جانور نے اس کو بھڑکانا چاہا، اس جانور کے مارنے کی ترغیب احادیث شریف میں آئی ہے، صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ایک تیلی سے مارا کرتی تھیں، اس کی شروح میں دیکھئے (۳)۔

---

(۱) ''فإن ماتت فيها فارة، أو عصفورة، أو صعوة، أو سوادنية، أو سام أبرص الخ''. (مختصر القدوری، کتاب الطهارة، ص: ۹، میر محمد کتب خانه)

(۲)(الحلبي الکبیر، ص: ۱٦٦، فصل في البئر، سهیل اکیڈمي)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۱۰، فصل فیما یقع في البئر، رشیدیه)

(۳) ''وقد جاء عن عائشة رضي الله عنها، من وجه آخر عند أحمد: أنه کان فی بیتها رمح موضوع، فسئلت فقالت: نقتل به الوزغ؛ فإن النبی صلی الله علیه وسلم أخبر أن إبراهیم – علیهم الصلاة والسلام – لما أُلقِیَ فی النار، ولم یکن فی الأرض دابة إلاأطفأت عنه النار إلا الوزغ، فإنها کانت تنفخ علیه النار، فأمر النبی صلی الله علیه وسلم بقتلها''. (عمدة القاری، کتاب بدء الخلق: ۱۵/۲٦۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

''عن عروة یحدث عن عائشة أن النبی صلی الله علیه وسلم قال للوزغ: ''الفویسق''. ولم أسمعه أمر بقتله، وزعم سعد بن وقاص أن النبی صلی الله علیه وسلم أمر بقتله''.

''عن سعید بن المسیب أن أم شریک أخبرته أن النبی صلی الله علیه وسلم أمر بقتل الأوزاغ''.

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق: ۱/۴٦۲، قدیمی)

شراح نے تفصیل لکھی ہے، چھپکلی اور گرگٹ میں فرق بھی بیان کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان/ ۰۷ھ۔

چھچھوندر کے گرنے، مرنے اور کھال کے پھٹنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے

سوال [۱۹۰۷]: مسجد کے کنویں میں چھچھوندر گرگئی مگر آنتیں باہر نہیں نکلیں، اس صورت میں کنواں ناپاک ہے یا پاک؟ اگر ناپاک ہے تو پانی کم سے کم کتنا نکالنا چاہیے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

چھچھوندر کنویں میں گر کر مرگئی اور کھال پھٹ گئی تو کنواں ناپاک ہوگیا، اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، تب وہ پاک ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۹۲ھ۔

حمام میں سے چوہا ملا

سوال [۱۹۰۸]: ا......ایک حمام کے اندر ایک چوہا گرا تھا جس کے گرنے کا وقت معلوم نہیں اور

---

(۱) "قال الكرماني: الوزغ دابةٌ لها قوائم، تعدو في أصول الحشيش، قيل: إنها تأخذ ضرع الناقة وتشرب من لبنها، وقيل: كانت تنفخ في نار إبراهيم عليه الصلاة والسلام لتلتهب.

وقال الجوهري: الوزغة دويبة. وقال ابن الأثير: وهي التي يقال: سام أبرص. قلت: هذا هو الصحيح، وهي التي تكون على الجدران والسقوف، ولها صوت تصيح به .... وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها كانت تقتل الوزغ في بيت الله تعالى". (عمدة القاري، كتاب جزاء الصيد، باب مايقتل المحرم من الدواب: ۱۰/۲۶۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وإرشاد الساري، كتاب الحج، باب مايقتل المحرم من الدواب: ۲/۳۶۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وفتح الباري، كتاب بدء الخلق: ۶/۳۵۴، دارالفكر، بيروت)

(۲) "إذا وقعت نجاسة في البئر دون القدر الكبير أو مات فيها حيوان دموي أو انتفخ أو تمعط أو تفسخ، ينزح كل مائها إلخ". (الدر المختار: ۱/۲۱۱، فصل في البئر، سعيد) (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹، الثالث: ماء الآبار، رشيديه) (وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۱۶، الطهارة، دار الكتب)

"چھچھوندر: ایک قسم کا چوہا جس کے جسم سے بو آتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۵۲، فیروز سنز، لاہور)

اس حمام کا پانی معمولی گرم بھی تھا اور چوہا منتفخ ملا۔ اس پانی سے جس نے وضو یا غسل کیا ہوگا، کیا یہ وضو اور غسل صحیح ہیں، اگر صحیح نہیں تو صحیح مذہب پر کتنے دن کی نماز وغسل کا اعادہ کیا جائے گا؟

۲......وہ فارہ منتفخ پانی سے وضو کیا ہوا امام کی اقتداء کی کسی ایسے مقتدی نے جس نے اَور کسی پانی سے وضو کیا تھا تو کیا اس مقتدی کی نماز میں فتور آیا یا نہیں؟ اگر ہوا ہے تو کتنے اوقات کا؟

۳......سوالِ اول کا جواب اگر اعادۂ صلوۃ کا ہو تو یہ اگر چند اشخاص ہوں تو یہ اپنی نماز باجماعت پڑھیں گے یا انفرادی طریقہ سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......احتیاط یہ ہے کہ تین دن تین رات کی نماز کا اعادہ کیا جائے اور گنجائش اس کی بھی ہے کہ جس وقت سے معلوم ہوا ہے اس وقت سے اس کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے (۱)۔

۲......اس کا بھی اعادہ ضروری ہے۔

۳......جماعت بھی کرا سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۹ھ۔

کنویں میں کسی جانور کے مرکر سڑ جانے سے پانی کے پاکی کا طریقہ

سوال [۱۹۰۹]: کنویں کے اندر کسی جانور کے مرکر سڑ جانے سے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق تین سو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے شہر کے کنووں میں آٹھ سو ڈول کے قریب پانی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں تین سو ڈول پانی نکالنا کافی ہو سکتا ہے، یا تمام پانی کا نکالنا ضروری ہے؟ جب کہ قوم میں سستی

---

(۱) "ومذ ثلاثة أيام بلياليها إن انتفخ أو تفسخ استحساناً، قالا: من وقت العلم، فلا يلزمهم شيء قبله".

(الدرالمختار: ۲۱۹/۱، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰/۱، الثالث مسائل الآبار، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۲/۱، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۴/۱، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

بھی پیدا ہو چکی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ تمام پانی نکالنا ضروری ہے، اگر پانی ختم نہیں ہوتا بلکہ پیدا ہوتا رہتا ہے تو دو عادل تجربہ کار لوگوں کی رائے معلوم کر لی جائے، وہ اس کنویں میں جتنا پانی بتائیں اتنی مقدار نکال دی جائے، اس ضابطہ کے ماتحت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہاں عامۃً اسی قدر پانی ہوتا تھا، یہ بات نہیں کہ دوسو ڈول کو بہر صورت متعین فرمایا گیا ہے(۱)۔ اگر پانی زیادہ ہو تو زیادہ نکالا جائے یہاں تک کہ نکالنے سے عاجز ہو جائیں، بااین ہمہ ضعف وکم ہمتی کی بنا پر اگر دوسو ڈول پر قناعت کر لی گئی تب بھی کسی درجہ میں گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گوریا (چڑیا) کی بیٹ پانی میں گر جائے

سوال [۱۹۱۰]: اگر پانی کی بالٹی میں چند گوریا کی بیٹ پڑ جائے تو کیا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا اور استنجے کے لائق بھی نہیں ہوتا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا (۲)۔

نظام، اپریل/۱۹۶۵ء۔

---

(۱) "قلت: لكن مرّ ويأتي أن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار على أنهم قالوا: إن محمداً أفتى بما شاهد في آبار بغداد، فإنها كثيرة الماء، وكذا ما روي عن الإمام من نزح مائة في مثل آبار الكوفة لقلة مائها، فيرجع إلى القول الأول؛ لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء في تلك النواحي، لا يكون ذلك لازماً في آبار كل جهة. والله أعلم". (رد المحتار: ۱/۲۱۵، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۶۴، فصل في البئر، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۷، فصل في مسائل الآبار، قديمی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۰۱، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "لا ببعرتي إبل وغنم وخرء حمام وعصفور: أى لا يجب النزح بوقوع هذه الأشياء فيها.........وأما خرء الحمام والعصفور، فليس بنجس لعدم الاستحالة إلى الفساد ولإجماع المسلمين على اقتناء =

5

کنویں میں گوبر ڈالا، پھر روزانہ اس کا پانی استعمال ہوتا رہا، کیا وہ پاک ہوگیا؟

سوال [۱۹۱۱]: بازار جاتے ہوئے ایک کنواں راستے میں پڑتا ہے اور پیاسے لوگ پانی پیتے ہیں، پھر اندازہ ہے کہ ہفتہ میں دو دن جب بازار لگتا ہے تو اس کنویں سے ساٹھ ستر ڈول اور باقی دنوں میں پندرہ بیس ڈول پانی پینے میں خرچ ہو جاتا ہے۔ کچھ چرواہے لڑکوں نے کنویں کے اندر گوبر ڈال دیا اور گوبر ڈالے ہوئے دو ماہ کا عرصہ ہوگیا، جس کو معلوم تھا اس نے پانی پینا چھوڑ دیا، مگر پھر بھی پانی پینے میں استعمال ہوتا رہا، جنگل کی وجہ سے پانی نکالا بھی نہیں جا سکتا۔ ایسی صورت میں کنویں کا پانی پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اتنی مدت میں کنواں پاک ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس مدت میں وہ کنواں پاک ہوگیا (۱) اب کوئی شبہ نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

گیلا گوبر کنویں میں ڈالا گیا اس کا حکم

سوال [۱۹۱۲]: ۱.....ایک کنویں میں ایک لڑکے نے گیلا گوبر پھینکا تو کتنا پانی نکالیں گے؟ چونکہ کنویں کا پانی اتنا گہرا ہے کہ پانی پینے کے لئے نکالنا دشوار ہے، دوسرے اگر نکال کر پھینکیں تو پانی ختم ہو جانے کا احتمال ہے کیونکہ اکثر گرمیوں میں سوکھ جاتا ہے، مگر امسال نہیں سوکھا اور پانی چودہ ہاتھ ہے اور اس کے علاوہ

= الحمامات في المساجد". (تبيين الحقائق: ۱/۹۵، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۳۶۲، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۲۰، فصل في البئر، سعيد)

(۱) "وينزح كل مائها الذي كان فيها وقت الوقوع بعد إخراجه إلا إذا تعذر كخشبة أو خرقة متنجسة".

(الدر المختار: ۱/۲۱۲ كتاب الطهارة، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹، الثالث: ماء الآبار، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۵۴، فصل تنزح البئر، دار الكتب العلمية، بيروت)

بددینی کا اتنا زور ہے کہ کوئی پانی نہیں نکالتا ہے اور نہ نکالنے کو تیار ہوتا ہے، بلکہ اسی طرح برابر پیتے ہیں، تب اس حالت میں آدمی کیا کرسکتا ہے؟

۲......اگر پردیسی ہو اور مکتب میں تعلیم کا کام کرتا ہو، نجس کنویں کے علاوہ دوسرے کنویں سے صرف سترہ دن پانی پیا اور وضو کیا اور کھانا نجس کنویں کے پانی سے پک کر آتا رہا، مجبوراً کھانا پڑا، ایسا کھانا کیسا ہے؟

۳......گاؤں کے لوگوں کے سترہ دن پانی پینے سے پانی پاک ہوا یا نہیں؟ جبکہ ڈیڑھ دوسو بالٹی پانی روز نکلتا رہا؟

۴......دوسرے کنویں میں ایک چڑیا کا بچہ مردہ نکلا جو کہ دُم کی طرف سے پھٹا تھا، اب پانی کتنا نکالنا چاہیے، مجبوراً پچاسی بالٹی پانی نکال کر وضو کیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جب چودہ ہاتھ پانی اس سے نکل جائے گا تو پانی پاک ہو جائے گا، یہ ضروری نہیں کہ ایک دم ہی نکلے، مثلاً کنواں پاک کرنے کے لئے تو نہیں نکالتے، البتہ اپنی ضروریات کے لئے ہمیشہ نکالتے رہتے ہیں تب بھی جب مقدارِ مذکورہ نکل جائے گی تو کنواں پاک ہو جائے گا (۱)۔

۲......سترہ دن تک کھالینے کے بعد اب دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۳......اگر اس مدت میں اندازاً چودہ ہاتھ پانی نکل گیا تو کنواں پاک ہو گیا (۲)۔

۴......تمام پانی نکالنا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) "(وإن تعذر) نزح كلها لكونها معيناً (فبقدر مافيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي. (يؤخذ ذالك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتي". (الدر المختار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/۲۱۴، سعيد)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "إذا وقعت نجاسة .... أومات فيها حيوان دَمَوِيّ، وانتفخ أو تفسخ، ينزح كل مائها": أي الذي كان فيها وقت الوقوع، ذكره ابن بطال (بعد إخراجه)". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/۲۱۳، سعيد)

کنویں میں چپل، جوتا یا گیند گر جانے سے اس کے پانی کا حکم

سوال [۱۹۱۳]: کنویں میں اگر کوئی چپل یا جوتا یا ربڑ کی گیند گر جائے جس کی ناپاکی کا یقین نہ ہو تو اس سے کنواں ناپاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں کنویں کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا (۱)، احتیاطاً کچھ ڈول پانی نکال دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جوتا کنویں میں گر گیا

سوال [۱۹۱۴]: کنویں میں پلاسٹک کا جوتا گر گیا اور تلاش بھی کرالیا ہے، غوطہ بھی لگایا مگر نہ نکل سکا۔ اب کنویں کا پانی پورا نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پلاسٹک کا جوتا کنویں میں گر گیا اور تلاش کرنے پر بھی وہ وہاں نہیں ملا، اگر اس جوتے کا ناپاک ہونا معلوم نہیں تو کنویں کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، احتیاطاً کچھ پانی نکالا جائے (۲)۔ اگر اس کا ناپاک ہونا معلوم ہو تو

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: ولو شک الخ) من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أولا، فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات الخ".

(ردالمحتار: ۱/۱۵۱، نواقض الوضو، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۴۶، نوع آخر في مسائل الشک، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(قوله: ولو شک الخ) في التاتارخانية: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات الخ". (رد المحتار: ۱/۱۵۱، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۱۹، فصل في البئر، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۰۳، فصل في أحكام الحياض، سهيل اكيڈمي، لاهور)

پورا پانی نکالا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۱۳ھ۔

جس کنویں سے جوتا نکلا اس کے پانی کا حکم؟

سوال [۱۹۱۵]: ایک مسجد میں ایک کنواں ہے اس کا کیچڑ چھ سات سال میں نکالا، جو امسال بالکل خشک ہوگیا، لیکن اس کے درمیان میں گاہ بگاہ جب کبھی ناپاک ہوجاتا تھا اس کا پانی توڑ دیتے تھے، اس میں سے ایک جوتا بالکل بوسیدہ ۲/۳ ٹکڑے نکلے۔ اب شرع شریف سے جو نمازیں پڑھی ہیں تو کسی قسم کا نقص تو نہیں آیا، یا مسجد کی کوئی ناپاکی وغیرہ کا حکم تو نہیں ہے؟ اگر ہو تو تحریر فرماویں تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔

از: بیاور ضلع اجمیر، احقر عبدالوہاب، ۱۰/محرم/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتا اگر ناپاک تھا تو اس سے کنواں بھی ناپاک ہوگیا اور جس وقت جوتا کنویں میں دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنویں کو ناپاک کہا جائے گا، اس کے پہلے کی نماز، وضو اور غسل کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مسجد لوٹا وغیرہ بھی کچھ ناپاک نہیں۔ اور اگر ناپاک جوتہ گرنے کا وقت معلوم ہے تو اس وقت سے کنویں کو ناپاک سمجھنا چاہیئے اور اس ناپاک پانی کو وضو، غسل برتن وغیرہ میں استعمال کیا ہو تو برتن وغیرہ کو پاک کرنا چاہیئے۔

اس سے وضو کر کے جس قدر نمازیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ کرنا چاہیئے، غرض جس جس شئی کو وہ ناپاک پانی لگا ہے وہ تمام ناپاک ہے:

"ووجود حیوان میت فیها: أي البئر ینجسها الخ". مراقي الفلاح۔ قال الطحطاوی: "(قوله: وجود حیوان الخ) قید بالحیوان؛ لأن غیره من النجاسات لایتأتی فیه التفصیل ولا الخلاف، بل ینجسها من وقت الوجدان فقط". طحطاوی، ص: ۲۵ (۲)۔

---

(۱) "بخلاف ما إذا كان على الحيوان خبث: أي نجاسة، وعلم بها، فإنه ينجس مطلقاً". (ردالمحتار: ۱/۲۱۳، فصل في البئر، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي، ص: ۴۱، فصل في مسائل الآبار، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير: ۱۶۰، فصل في البئر، سهيل اكيڈمي) .... =

لیکن اگر جوتا کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہوتو محض شک کی بناء پر کنویں کو ناپاک نہیں کہا جائے گا: "شك في وجود النجس، والأصل بقاء الطهارة الخ". أشباه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

گہرے کنویں میں غسل کرنے سے کنواں پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۱۹۱۶]: ہمارے گاؤں میں گرام پنچائت نے ایک کنواں تیار کیا ہے کہ دس فٹ چوڑا ہے اور بیس تا ۲۵/ فٹ گہرا ہے، اس میں لوگ اتر کر نہاتے ہیں جس میں مسلمان بھی ہوتے ہیں اور ہندو بھی اور عیسائی بھی کیونکہ یہ مشترکہ کنواں ہے۔ یہاں کے چند مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اس میں غسل کرنے والے کا غسل نہیں ہوتا اور اس کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ پاک ہوسکتا ہے، کیونکہ کنویں کے اندر نہانے والے ہوسکتا ہے پیشاب پاخانہ کرتے ہوں یا اپنی نجاست کی لنگی پاک کرتے ہیں۔ کیا واقعی اتنے بڑے کنویں میں غسل کرنے سے مسلمان پاک نہیں ہوسکتا؟

اگر ڈول سے باہر پانی نکال کر باہر نہایا جائے تو غسل ہوگا یا پانی کو گھر پر لے جانے اور گرم کرنے کے بعد اس سے غسل کیا گیا تو غسل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دس فٹ چوڑا کنواں یا تالاب مائے جاری کے حکم میں نہیں آئے گا، اس میں ناپاک لنگی پہن کر آدمی اترے گا، یا اس کے بدن پر نجاست لگی ہوگی تو کنواں ناپاک ہوجائے گا(۲)، نہ غسل صحیح ہوگا نہ اس کا پانی استعمال

= (وكذا في رد المحتار: ۲۱۸/۱، باب في البئر، سعيد)

(۱) (الأشباه والنظائر: ۱۸۸/۱، القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك، إدارة القرآن، كراچى)

قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: ولو شك الخ) من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أولا، فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة الخ". (ردالمحتار: ۱۵۱/۱، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۱۷۹/۱، المياه، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "إذا كان الجنب قد استنجى بالماء، أما إذا لم يتنجس البير ونزح جميع الماء". (الخلاصة: ۸/۱، الطهارة، امجد اكيڈمى) =

کرنا درست ہوگا، ہاں! اگر اس کو ناپاک نہ کیا گیا تو ڈول کے ذریعہ پانی نکال کر غسل کرنا اور دوسرے کام میں لانا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

غسلِ جنابت کرتے وقت قطرہ کنویں میں گر گیا

سوال [۱۹۱۷]: کسی جنبی نے سر پر پانی ڈالا پھر ڈول کھینچا، ایک دو قطرہ کنویں میں گر گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قطرے کے ساتھ اگر نجاست حقیقیہ نہیں ہے تو راجح قول کی بنا پر اس سے کنواں ناپاک نہیں ہوا:

"وهو أي الماء المستعمل طاهر ولو من جنب الخ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

جس کنویں میں مستعمل پانی اندر جائے اس سے وضوء وغیرہ کا حکم

سوال [۱۹۱۸]: دیہات میں اکثر لوگ کنویں پر غسلِ جنابت وغیرہ کرتے ہیں اور مستعمل پانی کنویں میں گرتا ہے، نیز عورتیں بھی بہت بے احتیاطی سے غسل کرتی ہیں، مستعمل پانی کنویں میں گرتا ہے، مگر تمام ضروریات اس کنویں سے پوری ہوتی ہیں، لہذا اس کا استعمال وضوء غسل میں کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اس کو پاک سمجھا جائے یا ناپاک؟

= (وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۹، فصل فيما يقع في البئر، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۱۰، الفصل الرابع في المياه، غفاريه كوئته)

(۱) (الدر المختار: ۱/۲۰۰، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

"جنبٌ اغتسل فانتضح من غسله شيء في إنائه، لم يفسد عليه الماء، أما إذا كان يسيل فيه سيلاناً أفسده، وكذا حوض الحمام على هذا". (البحر الرائق: ۱/۱۳۰، باب المياه، رشيديه)

"الماء المستعمل إذا وقع في البئر لا يفسده إلا إذا غلب، وهو الصحيح، هكذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۳، باب المياه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۱۸۲، باب المياه، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ نجاست (پیشاب، پاخانہ اور منی وغیرہ) اس پانی بھرنے اور نہانے کی وجہ سے کنویں میں گر رہی ہے اس سے کنویں کو نجس نہیں کہا جائے گا۔ جو لوگ غسلِ جنابت وہاں کرتے ہیں ان کو بتادیا جائے کہ وہ نجاستِ حقیقیہ پہلے علیحدہ پاک کرلیا کریں اور غسل ایسی طرح کریں کہ پانی کنویں میں نہ جائے، جب تک کنویں میں نہ جائے جب تک کنویں کو نجس قرار نہیں دیا جائے۔ اس کا پانی وضو وغیرہ میں استعمال کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کنویں کے قریب نجاست ہو تو اس کا اثر کتنی دور تک ہوتا ہے؟

سوال [۱۹۱۹]: مردار جانور (ایک کنویں کے قریب) پڑے ہوئے ہیں، اس کنویں یا گڑھے کے قریب دوسرا کنواں یا نل لگا ہوا ہے تو کیا اس کنویں یا نل کا پانی ناپاک ہے، اگر ناپاک ہے تو کتنے ہاتھ کے فاصلہ تک ناپاک سمجھا جائے گا اور کتنے پر پاک قرار دیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نل، کنویں، گڈھے کی گہرائی اور زمین کی نرمی سختی کا اس میں زیادہ دخل ہے، اس لئے اہلِ تجربہ واہلِ بصیرت سے دریافت کرلینا بہتر ہے، فقہاء کی لکھی ہوئی تحدید ہر جگہ یکساں طور پر چسپاں نہیں، انہوں نے بھی اہل تجربہ واہلِ بصیرت کے قول پر اعتماد کیا ہے۔ نیز نل اگر زیادہ گہرا اتار دیا جائے اور اس کے قریب کوئی معمولی گڈھا ہو جو زیادہ گہرا نہ ہو تو وہاں بھی اس کا اثر نہیں پہونچے گا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "جنب اغتسل فانتضح من غسله شئ في إنائه، لم يفسد عليه الماء ...... وكذا حوض الحمام ...... والماء المستعمل إذا وقع في البئر، لا يفسده، إلا إذا غلب، وهو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۳، الفصل الثاني فيما لا يجوز به، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۲۱، الفصل الرابع في المياه الخ، غفاريه كوئته)

(۲) "(قوله :البعد) اختلف في مقدار البُعد المانع في وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية: =

شک سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا

سوال [۱۹۲۰]: موضع دمری والا، ضلع دہرہ دون میں ایک قدیمی کنواں ہے، اس کنویں سے ہندو مسلمان پانی پیتے رہے، عرصہ پندرہ بیس یوم سے ہندوؤں نے چماروں سے بھی اس کنویں سے پانی کھنچوانے کا ارادہ کرلیا ہے، حاکم ضلع نے بھی اس کی اجازت دے دی ہے، مسلمانوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر ناکام رہے۔

کنواں ہندوؤں کی ملکیت ہے، مسلمان محض بحیثیت کاشتکار ہیں، کنویں کے علاوہ اور کوئی انتظام پانی پینے کا نہیں۔ موضع کی آب وہوا خراب ہے، خصوصاً برسات میں بہت بدتر ہوجاتی ہے، دیہات میں جو پانی گول وغیرہ میں پہنچتا ہے وہ بے حد گندہ ہے۔ ہندوؤں کی دیگر اقوام مثلاً: سقہ، بنجارہ، لودہا، وغیرہ بھی مردارخور ہیں۔
اگر چمار کنویں سے پانی بھرنے لگیں تو مسلمانوں کو اس کنویں سے پانی پینا چاہیے یا نجس چھوڑ دینا چاہیے؟
المرسل: حافظ عبدالعزیز، ۱۹/اگست/۱۹۳۳ء، پارچہ فروش، بازار دھامانوالہ، ضلع دہرہ دون۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک یقین نہ ہوجائے یا ظنِ غالب سے کنویں میں نجاست گرنا معلوم نہ ہوجائے اس وقت تک کنویں کا پانی شرعاً پاک ہی رہے گا، محض شک کی وجہ سے ناپاک نہ ہوگا (۱)، لہٰذا اس کا پینا اور دیگر ضروریات میں

= خمسة أذرع، وفي رواية: سبعة. وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز، وإلا لا .... والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه".
(ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۲۲۱، كتاب الطهارة، مطلب في الفرق بين الروث.........، اهـ سعيد)

(۱) "لو شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات، ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار الخ". (التاتار خانية: ۱/۱۷۹، المياه، إدارة القرآن، كراچي)
(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۵۱، نواقض الوضوء، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۱۹، فصل في البئر، رشيديه)

استعمال کرنا جائز ہوگا، البتہ جب یقین یا ظنِ غالب سے کنویں میں نجاست کا گرنا معلوم ہو جائے تو اس کا استعمال کرنا جب تک کنواں پاک نہ ہو جائے جائز نہ ہوگا: "شك في وجود النجس؛ فالأصل بقاء الطهارة". الاشباہ(۱)۔ "إذا وقعت في البئر نجاسة نزحت". ھدایہ(۲)۔

اگر بلاشک کے پاک پانی ملے تو اس کا استعمال کرنا بہتر ہے: "دع ما يريبك إلى ما لايريبك"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/۱۳۵۲ھ۔

چاول وغیرہ پرستش کردہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا

سوال [۱۹۲۱]: کنویں میں سے غیر مسلم کے پانچ سات گھر اپنی ضرورت کے لئے پانی لے جاتے ہیں اور اپنی خوشی کے موقع پر چراغ جلاتے ہیں اور کنویں میں ڈالتے ہیں، چاول، ناریل ڈالتے ہیں، اس کی اچھی طرح پرستش کرتے ہیں آیا۔ اس کا پانی مسلمانوں کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کام غلط ہے، اس کے باوجود ان چیزوں کی وجہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوا، اس کا پانی استعمال کرنا درست ہے(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۱/۱۸۸، القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (الهداية: ۱/۴۱، فصل في البئر، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۳) (المقاصد الحسنة: ۲۱۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(ومشكوة المصابيح، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، ص: ۲۴۲، قديمی)

(۴) قال العلامة الكاساني رحمه الله: ولو غير الماء المطلق بالطين أو بالتراب أو بالجص أو بالنورة وبو قوع الأوراق أو الثمار فيه أو بطول المكث، يجوز التوضؤبه .... اهـ". (بدائع الصنائع: ۱/۱۶۵، كتاب الطهارة، فصل: وأما شرائط أوكان الوضوء، دار الكتب العلميه، بيروت)

دیوبند کے ایک فتویٰ کا حوالہ

سوال [۱۹۲۲]: موجودہ زمانہ میں کھیتوں کی آب پاشی کے لئے ٹیوب ویل استعمال کرتے ہیں جس میں انجنوں کے ذریعہ سے زمین سے یا کنویں وغیرہ سے پانی نکالا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس پانی سے جنابت وغیرہ کا غسل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مجھ سے ایک شخص نے مسئلہ دریافت کیا تھا تو میں نے ظاہری صورت کے پیش نظر جواز کا فیصلہ کر دیا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ دیوبند سے عدمِ جواز کا فتویٰ نکلا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دیوبند کا وہ فتوی بھیجئے، اس کو دیکھ کر جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کنویں کا پانی زیادہ ہونے کی ترکیب

سوال [۱۹۲۳]: کنویں کا پانی کبھی کم ہو جاتا ہے جس کی بنا پر لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، دعاء کریں اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو دور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق تعالیٰ کنویں میں عمدہ پانی عطاء فرمائے جس سے سب کی ضروریات آسانی سے پوری ہو جائے۔ آپ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورہ فاتحہ مع بسم اللہ ۴۱/ بار، اول وآخر درود شریف گیارہ بار پابندی سے روازنہ پڑھا کریں، اللہ تعالیٰ روزی میں برکت دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زیرِ زمین ٹنکی کا حکم

سوال [۱۹۲۴]: راجستھان کے اکثر مقامات پر پانی جمع کرنے کے لئے لوگ زمین میں پانی کا ظرف بناتے ہیں، زمین کے اندر چار پانچ ہاتھ گڑھا کھودتے ہیں، پھر اس میں سیمنٹ سے پلاستر کر دیتے ہیں اور اوپر سے پتھر کی پٹیاں ڈال کر بند کر دیتے ہیں۔ یہ ظرف عموماً دہ دردہ سے کم ہوتا ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ اگر اس ظرف میں نجاست گر جائے اور بارش کے پانی یا دوسرے ذرائع سے

اس کو بھر دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی ظرف کے اوپر سے ہوکر گزر گیا، اب یہ ظرف پاک ہوگیا یا نہیں؟ اگر نہیں تو پورا پانی نکال دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

البحر الرائق، ص:۱/۷۸ کی عبارت یہ ہے: "لو تنجس الحوض الصغير ثم دخل فيه ماء آخر، وخرج حال دخوله، طهر وإن قل. وقيل: لا، حتى يخرج قدر ما فيه. وقيل: حتى يخرج ثلاثة أمثاله، و صحح الأول في المحيط وغيره. وقال السراج الهندي: وكذا البئر.

واعلم أن عبارة كثير منهم في هذه المسئلة تفيد أن الحكم بطهارة الحوض إنما هو إذا كان الخروج حالة الدخول، وهو كذلك فيما يظهر؛ لأنه حينئذ يكون في المعنى جارياً، لكن إياك و ظن أنه لو كان الحوض غير ملآ ن فلم يخرج منه شيء في أول الأمر، ثم لما امتلأ خرج منه بعضه لاتصال الماء الجاري به أنه لا يكون طاهراً حينئذٍ؛ إذ غايته أنه عند امتلائه قبل خروج الماء منه نجسٌ، فيطهر بخروج القدر المتعلق به الطهارة إذا اتصل به الماء الجاري الطهور، كما لو كان ممتلأً ابتداءً ماءً نجساً، ثم خرج منه ذلك القدر لاتصال الماء الجاري به. ثم كلامهم يشير إلى أن الخارج منه نجسٌ قبل الحكم على الحوض بالطهارة، وهو كذلك كما هو ظاهر كذا في شرح منية المصلي"(۱)۔

اب اس عبارت پر اپنے مسئلہ کو منطبق کر کے دیکھ لیجئے (۲)۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (البحر الرائق: ۱/۱۴۲، في المياه، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۹۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷، الباب الثالث في المياه، رشيديه)

(۲) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اگر مذکورہ گڑھا بھرا ہوا نجس ہوجائے تو بارش وغیرہ کے داخل ہوتے ہوئے واپس نکل جانے سے (مائے جاری ہوکر) پاک ہوجائے گا۔ اور اگر پہلے سے بھرا ہوا نہ ہو بلکہ کم ہو تو جب تک موجودہ پانی کے بقدر بہہ جائے تو پاک ہوجائے گا، اگر اتنی مقدار میں بہہ نہ جائے تو پاک نہ ہوگا۔

الفصل الثالث فی الحوض

(حوض کے احکام کا بیان)

حوض کی گہرائی وچوڑائی

سوال[۱۹۲۵]: مسجد میں عام طور پر جو حوض ہوتے ہیں ان کا گہرا ہونا کتنا ضروری ہے، مثلاً لمبائی اور چوڑائی تو کم از کم دہ دردہ ہو اور گہرا کتنا ہو؟ مثلاً ایک حوض دو یا تین گز گہرا ہے، اتفاقاً پانی آنا اس میں بند ہوگیا اور وہ پانی کم ہوتے ہوئے صرف ایک فٹ یا اس سے کم رہ گیا ہے تو کیا اس حوض کے پانی سے وضو درست ہے؟ حوض کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ انگل گہرا بھی کافی ہے، کذا فی ردالمحتار: ۱/۱۳۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۶/۹ھ۔

حوض کی گہرائی اور چوڑائی

سوال [۱۹۲۶]: وہ حوض جس کی لمبائی کافی ہے اور چوڑائی صرف دو ہاتھ ہے، گہرائی بھی دو ہاتھ

---

(۱) "وحینئذٍ فعمق خمس أصابع تقریباً ثلاثة الآف وثلثمائة واثنا عشر مناً من الماء الصافی".

(الدرالمختار: ۱/۱۹۷، مطلب فی مقدار الزراع وتعیینه، سعید)

گہرائی کی کوئی مقدار امقرر نہیں وعلیہ الفتویٰ۔

"واختلفوا فی قدر عمقه، قال بعضهم: إن کان بحال لو رفع الماء بکفه لا ینحسر ماتحته من الأرض فهو عمیق. رواه أبویوسف عن أبی حنیفة الخ". (فتاوی قاضی خان: ۱/۵، الطهارة، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۱/۸۱، باب الماء الذی یجوز به الوضوء الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ہے کیا یہ دہ دردہ کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ اور گہرائی کے اعتبار سے کنویں میں بھی کافی گہرائی ہوتی ہے اور چوڑائی بھی ہوتی ہے تو کیا اس کا حکم اس میں لگے گا؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گہرائی کی زیادتی طول وعرض کی کمی کا بدل نہیں ہوسکتی (۱)، البتہ اگر عرض کم ہو اور طول زیادہ ہو اور زیادتی محسوس کر کے دہ دردہ ہوسکے تو وہ بہتر ہے:"وله طول لا عرض، لكنه يبلغ عشراً في عشر، جاز تيسيراً". درمختار: ۱۹۲/۱ (۲)۔

حوضِ مدوّر کا حساب بھی معتبر ہوگا، جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درمختار کی شرح کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کیا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حوض کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی

سوال [۱۹۲۷]: شرعی حوض کم سے کم کتنا لمبا اور کتنا چوڑا ہونا چاہئے؟ ہماری مسجد کا حوض ۲۵/ فٹ لمبا اور ۱۲/ فٹ چوڑا ہے اور ساڑھے ۵/ گہرا ہے، ہم حوض کی گہرائی ایک فٹ کم کرنا چاہتے ہیں، اس میں

---

(۱)"الحوض إذا كان أقل من عشرة في عشرة لكنه عميق، فوقعت فيه النجاسة، ثم انبسط وصار عشراً في عشر، فهو نجس". (خلاصة الفتاوى: ۴/۱، الأول في الحياض والجباب، امجد اكيڈمى، لاهور)

(۲) "(قوله: لكنه يبلغ الخ) كأن يكون طوله خمسين وعرضه ذراعين مثلاً، فإنه لو رُبّع، صار عشراً في عشر. (قوله جاز تيسيراً): أي جاز الوضوء منه بناءً على نجاسة الماء المستعمل، أو المراد: جاز وإن وقعت فيه نجاسة، وهذا أحد قولين. وهو المختار، كما في الدرر". (ردالمحتار: ۱۹۳/۱، فصل في المياه، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۷۵/۱، الطهارة، امداديه)

(وكذا في فتح القدير: ۸۱/۱، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۱/۱، الطهارة، رشيديه)

(۳) "(قوله: وفي المدوّر بستة وثلاثين): أي بأن يكون دوره ستة وثلاثين ذراعاً، وقطره أحد عشر ذراعاً وخمس ذراعاً". (ردالمحتار: ۱۹۳/۱، باب المياه، سعيد)

کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی حوض کم ازکم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہونا چاہیے (۱)، اگر چوڑائی میں کچھ کمی ہو تو لمبائی میں زیادتی کردی جائے جس سے نسبت دہ دردہ کی حاصل ہو جائے، گہرائی ساڑھے چار فٹ بھی کافی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دہ دردہ اور مقدار ذراع

سوال [۱۹۲۸]: پانی کا حوض دہ دردہ گز کا حکم رکھتا ہے، شرعی گز کتنے انگل کا ہوتا ہے جس کے مطابق حوض بنایا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چوبیس انگل کا ایک شرعی گز ہوتا ہے جبکہ اس کو چھ قبضہ کا مانا جائے اور اگر سات قبضہ کا مانا جائے تو اٹھائیس انگل کا ہوگا۔ درمختار میں اسی کو مختار کہا ہے:

"والمختار ذراع الكرباس وهو سبع قبضات فقط: أي بلا أصبع قائمة، وهذا في الولوالجية. وفي البحر: أن في كثير من الكتب أنه ست قبضات ليس فوق كل قبضة أصبع قائم،

---

(۱) "وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط ولا سيما في حق من لا رأى له من العوام، فلذا أفتى به المتأخرون الأعلام: أى في المربع بأربعين، وفي المدور بستة وثلاثين الخ". (الدرالمختار: ۱/۱۹۳، فصل في المياه، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۲۷۸، النوع الثالث: الماء النجس، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۰۰، الفصل الرابع في المياه، غفاريه)

(۲) "الحوض إذا كان أقل من عشر في عشر لكنه عميق، فوقعت فيه النجاسة حتى تنجس، ثم انبسط وصار عشراً في عشر، فهو نجس؛ لأن النجس لايطهر بالانبساط والتفرق". (المحيط البرهاني: ۱/۱۰۵، الفصل الرابع في المياه التي يجوز التوضؤ بها، غفاريه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۴، الأقل في الحياض، امجد اكيڈمى، لاهور)

فهو أربع وعشرون أصبعاً بعدد حروف: "لا إله إلا الله، محمد رسول الله" صلى الله تعالیٰ عليه وسلم"، والمراد بالأصبع القائمة ارتفاع الإبهام، كما في غاية البيان الخ. والمراد بالقبضة أربع أصابع مضمومة الخ". شامي: ۱/۲۰۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۵۹ھ۔

حوض کی پیمائش

سوال [۱۹۲۹]: مسجدوں میں جو حوض بنائے جاتے ہیں اس حوض کی گہرائی ولمبائی وچوڑائی شرعی گز اور مروجہ میٹر کے حساب سے کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس گز لمبائی، دس گز چوڑائی کافی ہے اور یہاں شرعی گز مراد ہے جس کو عربی میں ذراع کہتے ہیں (۲)۔ سرکاری ایک گز عربی دو ذراع کا ہوتا ہے، یعنی سرکاری پانچ گز لمبائی اور اتنی ہی چوڑائی ہوگی، گہرائی کی کوئی خاص مقدار نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۱۹۲ مطلب في مقدار الذراع وتعيينه، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۴۰، المياه، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۱/۷۹، فصل في المياه، المصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا بماء راكدٍ وقع فيه نجس، إلا إذا كان عشرة أذرع، ولا ينحسر أرضه بالغرف، فحكمه حكم الجاري الخ، وإنما قدر به بناءً على قوله عليه السلام: "من حفر بئراً، فله حولها أربعون ذراعاً". فيكون لها حريمها من كل جانب عشرة الخ". (شرح الوقاية: ۱/۸۰، كتاب الطهارة، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۱۹۲، باب المياه، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۷۴، المياه، مكتبه إمداديه)

دس بیگہ کے تالاب میں غسل وغیرہ

سوال[۱۹۳۰]: ہمارے یہاں ہر ایک تالاب دس بیگہ کے قریب ہے(۱)، پانی کی گہرائی دس ہاتھ ہے۔ مگر ۴۷ء سے پہلے تو صرف ایک دو ہندو اور باقی سب مسلمان کپڑا دھوتے تھے اور غسل کرتے تھے۔ مگر اب سب ہندو غسل کرتے ہیں اور کپڑا دھوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے اندر غسل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور کپڑے پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تالاب میں غسل کرنا، کپڑے دھونا درست ہے(۲)۔ کوئی شبہ نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ہندوستانی مسجد کے حوض سے وضو

سوال [۱۹۳۱]: ہندوستانی مسجد بھیونڈی کا حوض جو کہ دہ دردہ ہے، اس کے اندرونی حصہ میں دو فٹ کے فاصلے سے جالی لگی ہوئی ہے، جالی کے اوپر ایک فٹ چوڑی پھولوں کی کیاری ہے، اس کی سطح پانی کے اندر چار انچ ڈوبی ہوئی ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ پانی ہلتا نہیں اس لئے اس میں وضو نہیں کرنا چاہیئے۔ قائل کا قول صحیح ہے یا غلط؟

کیاری کی سطح جو ڈوبی ہوئی ہے اس سے تڑوا دیں یا باقی رکھیں؟ آپ اور دیگر علمائے دیوبند مناظرہ کے وقت دیکھ چکے ہیں۔ لہذا مفصل جواب سے نوازیں۔

---

(۱) ''بیگہ: زمین کی ایک مقدار، چار کنال یا ۸۰ مرلے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۶، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''والغدير العظيم الذي لايتحرك أحد طرفيه بتحريك الطرف الآخر إذا وقعت نجاسة في أحد طرفيه، جاز الوضوء من الجناب الآخر اهـ''. (الهداية، كتاب الطهارات: ۱/۳۶، إمداديه، ملتان)

''يجوز التوضئ والاغتسال في الحوض الكبير .... وعامة المشايخ قالوا: إن كان عشراً في عشر فهو كبير اهـ''. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارات، فصل في الماء الراكد: ۱/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیاری کی سطح جو ڈوبی ہوئی ہے اس کو توڑنے کی ضرورت نہیں، موجودہ صورت میں بھی وضو بلا تکلف درست ہے، پانی کے ہلنے نہ ہلنے کا شبہ نہ کریں (۱)۔ کسی اور مصلحت سے کیاری کی ڈوبی ہوئی سطح کو توڑنا چاہیں تو اختیار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۲ھ۔

حوض میں کلی، مسواک اور پیر کو دھونا

سوال [۱۹۳۲]: مسجد کے اندر حوض پر وضو کرتے وقت دانتوں کو مسواک کی لکڑی سے صاف کرنے کے بعد اسی مسواک کی لکڑی کو پانی کے اندر ہی حوض میں ڈبو کر دھونا، کلی کرتے وقت بجائے نالی کے حوض کے پانی میں ہی کلی کرنا، پیر دھوتے وقت دونوں پاؤں کو حوض کے اندر ہی پانی میں ڈبو کر دھونا، یہ تینوں باتیں کہاں تک درست ہیں، پانی میں خرابی ہوگی یا پاک رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ حوض جو دہ دردہ ہے وہ ان چیزوں سے ناپاک نہیں ہوگا، لیکن ادب اور سلیقہ یہ ہے کہ کلی حوض میں نہ کی جائے بلکہ نالی میں کی جائے، مسواک کی لکڑی بھی نالی میں دھوئی جائے حوض میں نہ ڈبوئی جائے، پیر بھی اس طرح دھوئے جائیں کہ پانی نالی میں گرے اور حوض میں ان کا پانی نہ گرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۵ھ۔

---

(۱) جب مقدار حوض دہ دردہ ہے تو مائے کثیر کے حکم میں ہے، لہٰذا پانی کے ہلنے یا نہ ہلنے سے پانی کی طہارت پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

(۲) "و من منهياته......... إلقاء النخامة والامتخاط في الماء". (الدر المختار: ۱/۱۳۳، مطلب في الإسراف في الوضوء، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱/۵۲، مكتبه حبيبيه، كوئٹه)

(وكذا في الحلبي الكبير: ۳۹، سهيل اكيڈمي، لاهور)

حوض میں پیر ڈال کر دھونا

سوال [۱۹۳۳]: ایک شاہی جامع مسجد کے امام صاحب جب حوض میں وضو کرتے ہیں تو پاؤں حوض میں ڈال کر دھوتے ہیں، جھوٹا پانی اس میں ڈال دیتے ہیں۔ کیا اس طرح حوض کے پانی کو نقص یا خرابی پیدا نہیں ہوتی؟ کیا یہ پانی پاک ہی رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حوض بڑا (دہ دردہ) ہے تو پانی ناپاک نہیں ہوا، اگرچہ نظافت کی بات یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتا حوض میں گر گیا تو کیا حوض ناپاک ہو گیا؟

سوال [۱۹۳۴]: مسجد کے حوض میں اگر کتا گر جائے اور گرتے ہی فوراً زندہ نکل آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اس حوض کے پانی پینے کا کیا حکم ہے؟ عوام کو سمجھانے کے بعد بھی استفتاء لکھنے پر مجبور کرتے ہیں، چنانچہ روشنی ڈالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حوض کی لمبائی دس گز شرعی گز کے مطابق ہو اس میں اگر کتا گر جائے تو اس پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن عوام میں چہ میگوئیاں ہوتی ہی ہیں اس لئے حوض کو خالی کر کے صاف کر دیا جائے تو پھر سکون ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

---

(۱) "فإن أدخل الجنب يده أو رجله في البير، لم يفسده، كذا روى عن أبي يوسف رحمه الله، بخلاف الإناء، فإنه لو أدخل رجله في الإناء، يفسده". (خلاصة الفتاوى: ۱/۷، وما يتصل بهذا الجباب والأواني، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۲۰۰، المياه، سعيد)

(۲) "قيد بالموت؛ لأنه لو أخرج حياً وليس بنجس العين ولا به حدث و خبث، لم ينزح شيء إلا أن يدخل فمه الماء، فيعتبر بسوره الخ". (الدر المختار: ۱/۲۱۳، فصل في البئر، سعيد) .... =

حوض کا پانی بذریعۂ نل بیت الخلاء کے لئے

سوال [۱۹۳۵]: ہمارے مدرسہ میں فلش سسٹم سنڈاس بنے ہوئے ہیں(۱)، ان کے لئے پانی پہلے کی ٹنکی سے آتا ہے، اس کا تعلق مسجد کے حوض سے ہوگیا ہے اور حوض کا پانی اس میں استعمال ہوتا ہے، اس کے استعمال سے طبیعت پر ایک قسم کا تکدر محسوس ہوتا ہے، بظاہر اس کے استعمال میں شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی، اگر حضرت والا کی نظر میں کوئی فقہی جزئیہ ہو تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تکدر ہے، طبعی مائے کثیر کے استعمال میں کیا اشکال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

کیا استنجا کئے بغیر گڑھے میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہوگا؟

سوال [۱۹۳۶]: اگر کوئی سنسان میدان میں قضائے حاجت کے بعد بغیر ڈھیلے سے استنجا کئے کسی ایسے گڑھے میں گھس کر پانی لے لے جو یقیناً دہ دردہ نہیں ہے تو اس عمل کے بعد وہ پانی پاک رہے گا یا ناپاک ہوجائے گا؟ اور وہ دہ دردہ مقدار سے کم گڈھے میں کتنی مقدار نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا؟ اور نجاستِ غلیظہ وخفیفہ، اسی طرح نجاستِ مرئیہ ان تمام قسموں کی نجاست میں اس گڑھے کے پانی کو ناپاک کرنے کی مقدار بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گڑھا چھوٹا ہو (دہ دردہ سے کم ہو) ہر قسم کی نجاست سے نجس ہوجائے گا، خواہ کتنی ہی مقدارِ نجاست

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۸۷، فصل في الآبار، مكتبه إمداديه، ملتان)

(وكذا في إمداد الفتاح شرح نور الإيضاح، ص: ۱۵۱، فصل في حكم الآبار وطرق تطهيرها .... اهـ، مكتبه حقانيه، پشاور)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۱۱، الفصل الرابع في المياه الخ، غفاريه كوئته)

(۱) ''سنڈاس: پاخانہ، بیت الخلاء، وہ پاخانہ جس کے صاف کرنے کا منہ گھر کے باہر دیوار میں ہو''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲، ۷۔ فیروز سنز لاہور)

اس میں گرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوہڑ کے پانی کا حکم

سوال [۱۹۳۷]: ایک جوہڑ ہے(۲)، اس میں بدبودار پانی ہے اور اس جوہڑ کے پاس ایک نل ہے، اس نل کے پانی میں جوہڑ کی وجہ سے معمولی بدبو آتی ہے وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پانی میں برسات یا گرمی کی وجہ سے بدبو پیدا ہوگئی اور وہی اثر نل میں آگیا تو وہ پانی ناپاک نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففةً أو قطرة بول أو دم أو ذنب فأرة، لم يشمّع، في بئر دون القدر الكثير على ما مرّ". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدينؒ: "أى من المعتبر فيه أكبر رأى المبتلىٰ به، أو ما كان عشراً في عشر".

(ردالمحتار: ۱/۲۱۱، باب المياه، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۷۴، الطهارة، إمداديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۰۸، نوع آخر في ماء الآبار، غفاريه)

(۲) "جوہڑ: بارانی تالاب، کچا تالاب، جھیل"۔ (فیروز اللغات، ص:۴۸۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) "فإن تغيرت أوصافه الثلاثة بوقوع أوراق الأشجار فيه وقت الخريف، فإنه يجوز به الوضوء ...... ولو تغير الماء المطلق بالطين أو بالتراب أو بالجص أو بالنورة أو بطول المكث، يجوز التوضوء به، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۱۶۵، فصل: وأما شرائط أركان الوضوء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۷۵، المياه، دار الكتب العلمية، بيروت)

باب التیمّم

(تیمّم کے احکام)

مرض کی وجہ سے تیمّم

سوال [۱۹۳۸] : ایک طبیب مسلمان بعض مخصوص مرض کے متعلق اپنے آپ کو حاذق کہتا ہے اور بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرض کی دوا اس کے پاس بنسبت دوسروں کے اچھی ہے۔ وہ دوا کے استعمال کے بعد اغتسال کے بجائے تیمّم کا حکم لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر غسل فرض ہو تب بھی تیمّم کرو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاذق دیندار طبیب یہ کہتا ہے کہ غسل کرنے سے مرض میں ترقی ہو جاوے گی، یا دیر میں اچھا ہوگا تو تیمّم درست ہے:

"تیمم لبُعده میلاً عن ماء أو لمرض". کنز (۱)۔

قال الزیلعي: "وأما المرض، فمنصوص علیه، سواء خاف ازدیاد المرض أو طوله باستعمال الماء الخ"(۲)۔

وقال العلامة الحصکفی : "أو لمرض یشتد أو یمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم". (الدرالمختار) . قال الشامي: "أي إخبار طبیب حاذق مسلم غیرِ ظاهر الفسق، وقیل: عدالته شرط"(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)(کنز الدقائق: ۱/۹، باب التیمم، کتب خانه رشیدیه، دهلي)

(۲) (تبیین الحقائق: ۱۱۸/۱، کتاب الطهارة، باب التیمم، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۳)(الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۲۳۳، باب التیمم، سعید)

(کذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۸، باب التیمم، رشیدیه)

(وکذا في التاتار خانیة: ۱/۲۴۳، باب التیمم، إدارة القرآن، کراچی)

غسل پر قدرت نہ ہوتو تیمّم کرلے

سوال [۱۹۳۹]: زید اس قدر بیمار ہے کہ وہ وضو کرنے کی قدرت رکھتا ہے، لیکن غسل کرنے پر قادر نہیں ہے، ایسی حالت میں اسے غسل کرنے کی حاجت ہوگئی تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں وہ تیمّم کرلے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیماری کے وہم کی بناء پر تیمّم

سوال [۱۹۴۰]: اگر تیمّم کرنے میں بار بار کا تجربہ نہیں ہے مگر جب بھی غسل کرتا ہے کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے تب کیا کیا جائے؟ بعض دفعہ ضعفِ قلب اور ضعفِ طبعیت کی بناء پر وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ غسل ووضو سے شاید طبعیت خراب ہوجائے، اس بناء پر تیمّم کرلیا جائے، یا طبعیت ست ہوئی اور تیمّم کرلیا کہ کہیں خراب نہ ہوجائے، یا نزلہ وزکام ہوجانے کے اندیشہ سے تیمّم کیا جائے، یا ٹھنڈے پانی سے وضو وغسل کرنے سے ڈر معلوم ہوا، طبیعت کے نہ برداشت کرنے کی وجہ سے یا طبعیت کے کسل یا ضعفِ طبیعت کی بنا پر جیسا کہ مشہور ہے کہ ’’گرم پانی سے وضو وغسل کرنے سے ٹھنڈ زیادہ محسوس ہوتی ہے‘‘ اس وجہ سے نہ ٹھنڈے سے کیا نہ گرم سے کہ گرم سے زیادہ ٹھنڈ محسوس ہوگی، یا گرم پانی سے اس لئے وضو وغسل نہیں کیا کہ ٹھنڈے پانی کا عادی ہے اور ٹھنڈ زیادہ پڑرہی ہے۔

گرم پانی سے کرتا ہے تو جلد پھٹ جائے گی یا خشکی جلد پر پیدا ہوجائے گی جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ پریشانی ہوگی، اور ٹھنڈے پانی کی برداشت نہیں، اس لئے تیمّم کرلیا تب کیا حکم ہے؟ اور ٹھنڈے سے کرنے کی

---

(۱) "ولو كان مريضاً لايضره استعمال الماء، لكنه عاجز عن الاستعمال بنفسه، وليس له خادم ولا مال يستأجر به أجيراً فيُعينه على الوضوء، أجزأه التيمم، سواء كان في المفازة أو في المصر، وهو ظاهر المذهب". (بدائع الصنائع: ۱/۳۲۰، فصل في بيان شرائط الركن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۲۳۳، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۴۵، باب التيمم، رشيديه)

ہمت نہیں، گو بعض اوقات طبیعت بھی خراب ہوجاتی ہے مگر وجوہات وہی ہیں جو اوپر گزریں۔

اور جن اوقات میں وضو اور غسل کرنے سے طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہے، یا کسل و کم ہمتی، یا پانی زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے تو ان اوقات کے علاوہ جن میں یہ وجوہات رفع ہوجائیں اور ان میں بھی وضو و غسل نہ کیا جائے اور پھر وہی اوقات آجائیں جن میں یہ باتیں پیدا ہوجائیں جو اوپر مذکور ہوئی اور پھر بیچ میں کوئی نماز نہیں آئی، یا آئی لیکن کوئی عذر پیدا ہوگیا، مثلاً کھانا کھالیا اور اب دو گھنٹہ کے بعد نہانا چاہئے اور نماز پڑھ لی، یا پڑھادی اور دو گھنٹے کے بعد پھر وہی اوقات آگئے جن میں مذکورہ بالا وجوہات پیدا ہوگئیں تو ان صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں؟

دو معذوریوں کے درمیان میں جو وضو و غسل نہیں کیا ہے جس میں کوئی عذر نہیں تھا اس کا کیا ہوگا؟ نیز ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

محمد انس، تلی تال، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محض کم ہمتی، سستی، وہم کوئی چیز نہیں ہے، ہاں اگر بار بار کا تجربہ ہو کہ غسل یا وضو کرنے سے بیماری ہوجاتی ہے، یا بیماری میں اضافہ ہوجاتا ہے تو تیمم کی اجازت ہے، پھر جب یہ عذر باقی نہیں رہا تو غسل کر لینا لازم ہے تاکہ دوسری نماز باغسل ادا ہو، لیکن اگر عذر ایسے وقت ختم ہوا کہ کسی نماز کا وقت نہیں مگر غسل نہیں کیا، پھر جب دوسری نماز کا وقت آیا تو وہی عذر غسل سے مانع پھر پیش آگیا، تو اب پھر تیمم کر کے نماز ادا کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۰ھ۔

---

(۱) "الثاني العذر المبيح للتيمم......... ومن العذر حصول مرض يخاف منه اشتداد المرض أو بطء البرء أو تحركه كالمحموم والمبطون، ومن الأعذار بردٌ يخاف منه بغلبة الظن التلف لبعض الأعضاء أو لمرض إذا كان خارج المصر يعني العمران ولو القرى التي يوجد بها الماء المسخن إلخ". (مراقي الفلاح، ص: ۱۱۴، باب التيمم، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۴۶، باب التيمم، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۶۵، فصل في التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

غسل مضر ہو، وضو مضر نہ ہو تو تیمم کا حکم

سوال [۱۹۴۱]: آیا اس صورت کہ ''مرض کی وجہ سے تیمم کے لئے کوئی طبیب حاذق مرض کے اشتداد یا دیر سے اچھا ہونے کا کہتا ہے، تو اس میں غسل کے بجائے تیمم کرے یا نہیں؟ نیز وضو کے متعلق کہتا ہے کہ کرلیا کرو تو غسل کا ہی تیمم کافی ہے یا وضو کرنا چاہیے؟ آپ فرمائیں کہ صورت مذکورہ میں قولِ طبیب معتبر ہے یا نہیں اور احتیاطاً ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمود احمد، افضل گڑھی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر رفعِ جنابت کے لئے تیمم کیا ہے تو یہ کافی ہے، اس کے بعد وضو کی ضرورت نہیں، ہاں! اگر بعد میں کوئی شیٔ ناقضِ وضو پیش آجائے تو اس کے لئے وضو کرنا چاہیے:

"إذا تيمم عن جنابة ثم بال مثلاً، فهذا ناقض للوضوء، لا ينتقض به تيمم الغسل، بل ينتقض طهارة الوضوء". شامی(۱)۔

ایسی حالت میں جتنی نمازیں پڑھی ہیں اُن کا اعادہ فرض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۲/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنا

سوال [۱۹۴۲]: زید کہتا ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں بہت کمزور ہوں اور میں اپنی بیوی کے پاس گیا، سردی کا موسم ہے، نہانے سے بیمار ہوجانے کا ڈر ہے اور فجر کی نماز کا وقت تنگ ہے، اگر

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۲۵۴، باب التيمم، سعيد)

"فلو تيمم للجنابة ثم أحدث، صار محدثاً لا جنباً، فيتوضأ الخ". (الدر المختار: ۱/۲۵۵، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹، الفصل الثاني فيما ينتقض التيمم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۰۷، باب التيمم، مكتبه امداديه، ملتان)

پانی گرم کر کے نہاتا ہوں تو فجر کی نماز قضا ہو جائے گی۔ایسی حالت میں تیمّم کر کے نماز ادا کر سکتا ہوں یا قضا نماز پڑھوں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پانی گرم کرنے کا اگر انتظام موجود ہے تو سویرے سے پانی گرم کر لیا جائے۔ایسی حالت میں تیمّم نہ کرے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۴/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۴/۱۱/۹۰ھ۔

سخت سردی میں بجائے غسل کے تیمّم کا حکم

سوال [۱۹۴۳]: جہاں پر میں ہوں وہاں پر برف پڑتی ہے،پانی کئی کئی فٹ برف کے نیچے ملتا ہے،شدید سردی پڑتی ہے،اگر رمضان کے مہینہ میں کسی کو احتلام ہو جائے اور سردی کی شدت کی وجہ سے وہ غسل نہ کر سکے تو اس کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہیں اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اس وقت تیمّم کر لے اور نماز پڑھ لے،پھر پانی گرم کر کے غسل کرے گا،اس سے روزہ میں بھی

---

(۱) "وكذا إذا خاف الوقت لو توضأ، لم يتيمم ويتوضأ ويقضي ما فاته؛ لأن الفوات إلى الخلف، وهو القضاء". (الهداية: ۱/۵۵، باب التيمم، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۲۴۶، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۸۳، باب التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"الثاني: العذر المبيح للتيمم......... ومن الأعذار برد يخاف منه بغلبة الظن التلف لبعض الأعضاء، أو لمرض إذا كان خارج المصر يعني العمران، ولو القرى التي يوجد بها الماء المسخن أو ما يسخن به، سواء كان جنباً أو محدثاً، وإذا عدم الماء المسخن أو ما يسخن به في المصر كالبرية ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾". (مراقي الفلاح، ص: ۱۱۴-۱۱۶، باب التيمم، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۶۶، باب التيمم، سهيل اكيڈمي)

خلل نہیں آئے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: اور اگر گرم پانی بھی نقصان کرتا ہو، یا نقصان کرنے کا تجربہ یا قوی اندیشہ ہو تو گرم پانی سے بھی جب تک نقصان نہ کرنے کا گمان نہ ہو جائے، غسل کرنا ضروری نہیں ہوگا، تیمّم بھی کافی رہے گا۔

تیمّم ایسی حالت میں کہ پانی ٹھنڈا یا گرم نقصان دے

سوال [۱۹۴۴]: جو شخص ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کا عادی ہو اور اس کو یہ اندازہ اور تجربہ ہو کہ فلاں فلاں وقت مائے بارد سے غسل کرنے میں طبیعت خراب ہو جاتی ہے، یا طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور ہو بھی جاتی ہے، اور گرم پانی سے جلد طبیعت خراب ہوگی، کیوں کہ وہ مائے بارد کا عادی ہے۔ تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر بار بار کا تجربہ ہے کہ غسل کرنے سے تکلیف ہو جاتی ہے تو ایسے وقت میں تیمّم مشروع ہے، مائے بارد سے اگر تکلیف ہو تو گرم پانی سے کرے، گرم سے تکلیف ہو تو بارد سے غسل کرے، دونوں قسم کے پانی سے تکلیف ہو تو تیمّم کرے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے نکلنے کے لئے تیمّم

سوال [۱۹۴۵]: زید مسجد میں سو رہا تھا، اس کو احتلام ہو گیا، نکلتے وقت اس کو تیمّم کرنا ضروری

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمّم کرنا''۔)

(۲) "من عجز استعمال الماء لبُعده میلاً أو لمرض یشتد أو یمتد بغلبة الظن أو قول حاذق مسلم أو بتحرك .... تیمم لهذه الأعذار کلها". (الدر المختار: ۱/۲۳۳، باب التیمم، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۱/۳۲۰، فصل فی بیان شرائط الرکن، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱/۲۴۵، باب التیمم، رشیدیه)

ہے یا نہیں؟

عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نامہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے نکلنے کے لئے تیمّم ضروری نہیں، البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے اس وقت نکلنا دشوار ہو تو تیمّم ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

تنگیٔ وقت کی وجہ سے کیا تیمّم درست ہے؟

سوال [۱۹۴۶]: اگر غسل کی حالت ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو تو کیا تیمّم کرکے نماز ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، بلکہ غسل کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو احتلم فيه (المسجد) إن خرج مسرعاً، تيمم ندباً، وإن مكث لخوف فوجوباً، ولا يصلي ولا يقرأ". (الدر المختار: ۱/۱۷۲، سنن الغسل، سعيد)

"أقول: والظاهر أن هذا في الخروج، أما في الدخول، فيجب كما يفيده ما نقلناه آنفاً عن العناية، ويحمل عليه الخ.......... ولو أصابته جنابة في المسجد، قيل: لا يباح له الخروج من غير تيمم اعتباراً بالدخول، وقيل: يباح الخ.......... فجعل الخلاف في الخروج دون الدخول، ولا وجه فيه ظاهر لا يخفى على الماهر الخ". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، سنن الغسل، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶، الفصل الأول مالا بد منها للتيمم، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۵۸، الغسل، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "ولا يتيمم لفوت جمعة ووقت ولو وتراً لفواتها إلى بدل الخ". (الدر المختار: ۱/۲۴۶، باب التيمم، سعيد)

"الأصل أن كل موضع يفوت فيه الأداء لا إلى الخلف، فإنه يجوز له التيمم، وما يفوت إلى =

تنگیٔ وقت کی وجہ سے غسل کا تیمّم

سوال [۱۹۴۷]: اگر کبھی ایسا اتفاق ہوجائے کہ ہم پر غسل فرض ہوگیا اور صبح کو ایسے وقت آنکھ کھلی کہ سورج نکلنے میں دس یا پانچ منٹ باقی ہیں اور گھر میں پانی موجود نہیں ہے، باہر سے پانی لاکر غسل کرنے میں نماز قضا ہوجائے گی۔ ایسی حالت میں غسل کا تیمّم کرکے ادا نماز پڑھنی چاہئے یا غسل کرکے قضا نماز پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں تیمم کی اجازت نہیں، غسل کرکے نماز پڑھیں (۱)، وقت باقی نہ رہے تو قضا پڑھیں، لیکن جب سویرے اٹھنے کا اہتمام کریں گے تو قضا نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۹/۸۹ھ۔

تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کرنا

سوال [۱۹۴۸]: اسٹیشن پر تاخیر کی صورت میں نماز تیمّم سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی موجود نہ ہو اور اسٹیشن تک پہنچنے تک وقت ختم ہوجانے کا مظنہ ہو تو تیمّم سے نماز پڑھ لی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

= خلف، لا يجوز له التيمم كالجمعة، كذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوىٰ العالمكبرية: ۱/۳۱، الفصل الثالث في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۵۵، باب التيمم، شركة علميه ملتان)

(كذا في الحلبي الكبير، ص: ۸۳، باب التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۱۱، باب التيمم، إمداديه ملتان)

(۱) "التقدير بالميل هو المختار في حق المسافر، قال الفقيه أبو جعفر: أجمع أصحابنا على أنه يجوز للمسافر أن يتيمم إذا كان بينه وبين الماء ميل، وإن كان أقل من ذلك، لايجوز وإن خاف خروج الوقت". (الحلبي الكبير، ص: ۶۷، فصل في التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "الأصل أن كل موضع يفوت فيه الأداء لا إلى الخلف، فإنه يجوز له التيمم، وما يفوت إلى خلف، =

تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کرنا

سوال [۱۹۴۹]: ۱...... زید صحت مند ہے مگر وقت تنگ ہے کہ بعد غسل نماز کا وقت نہیں رہتا تو ایسی حالت میں تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟

۲...... تنگیٔ وقت کی بنا پر جو نماز تیمّم کر کے پڑھی گئی بعد غسل احتیاطاً اعادہ ضروری ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... تنگیٔ وقت کی وجہ سے غسل کی جگہ تیمّم کرنا جائز نہیں (۱)۔

۲...... وہ نماز صحیح نہیں ہوئی، اس کا دوبارہ پڑھنا فرض ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۸۷/۶/۱۸ھ۔

= لا يجوز له التيمم كالجمعة، كذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۱، الفصل الثالث في المتفرقات، رشيديه)

"التقدير بالميل هو المختار في حق المسافر، قال الفقيه أبو جعفر: أجمع أصحابنا على أنه يجوز للمسافر أن يتيمم إذا كان بينه وبين الماء ميل، وإن كان أقل من ذلك، لا يجوز وإن خاف خروج الوقت". (الحلبي الكبير، ص: ۶۷، فصل في التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في التاتار خانية: ۱/۲۳۸، باب التيمم، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "ولو خاف خروج الوقت لو اشتغل بالوضوء في سائر الصلوة ما عدا صلوة الجنازة والعيد، لا يتيمم عندنا، بل يتؤضأ ويقضي الصلوة وإن خرج الوقت". (الحلبي الكبير، ص: ۸۳، فصل في التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(كذا في الدر المختار: ۱/۲۴۶، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۱، الفصل الثالث في المتفرقات، رشيديه)

(۲) "قال في شرح الطحاوي: لايجوز التيمم في المصر إلا لخوف فوت جنازة أو صلاة عيد .... وبما قررناه علم أن المعتبر المسافة دون خوف فوت الوقت". (البحر الرائق، باب التيمم: ۱/۲۴۴، رشيديه) =

کیا تیمّم میں استیعاب فرض ہے؟

سوال [۱۹۵۰]: تیمّم میں استیعاب فرض ہے یا کہ نہیں، اگر شقِ اول ہے تو اکمالِ فرض مُحال ہے، کیونکہ اول تو دوضرب رکھا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ ظاہرِ کف اور انگلیوں کے درمیان میں مسح نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ ہاتھ پھیرنے سے ہر ہر گوشہ تک ہاتھ پہونچانا ناقص خیال میں محال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

استیعاب ضروری ہے: قال حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله تعالیٰ: "الرابع من الشروط: استیعاب المحل، وهو الوجه والیدان إلی المرفقین بالمسح في ظاهر الروایة، وهو الصحیح المفتی به، فینزع الخاتم ویخلل الأصابع ویمسح جمیع بَشرة الوجه والشعر علی الصحیح، وما بین العذار والأذن إلحاقاً له بأصله". مراقي الفلاح(۱)۔

محال کو ضروری قرار دینا خلافِ نص ہے: ﴿لا یكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (الآیة) (۲) اور

= "(ولو خاف خروج الوقت) لو اشتغل بالوضوء (في سائر الصلوات) ماعدا صلاة الجنازة والعید، لایتیمم عندنا، بل (یتوضأ، ویقضي) الصلاة إن خرج الوقت". (الحلبي الکبیر، ص: ۸۳، فصل في التیمم، سهیل اکیڈمي، لاهور)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، باب التیمم، ص: ۱۱۸، قدیمي)

"وکذا إذا خاف فوت الوقت أو توضأ، لم یتیمم، ویتوضأ ویقضي مافاته؛ لأن الفوات إلی خلف، وهو القضاء". (الهدایة، باب التیمم: ۱/۵۵، مکتبه شرکة علمیة، ملتان)

(۱) (مراقي الفلاح، ص: ۱۲۰، باب التیمم، قدیمي)

"فأما في ظاهر الروایة: الاستیعاب في التیمم فرض کما في الوضوء". (المبسوط للسرخسي: ۱/۲۴۳، باب التیمم، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۶، الفصل الأول: لا بد منها للتیمم، رشیدیه)

(وکذا في خلاصة الفتاوی: ۱/۳۵، جنس آخر في کیفیة التیمم، امجد اکیڈمي، لاهور)

(وکذا في الحلبي الکبیر، ص: ۶۳، فصل في التیمم، سهیل اکیڈمي، لاهور)

(۲) (البقرة: ۲۸۶)

ضروری کومحال سمجھنا خیالِ ناقص ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تیمّم میں ہاتھوں پرمسح کرنے کا طریقہ

سوال [۱۹۵۱]: تیمم میں بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں یا چار انگلیوں کو داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے نیچے رکھ کر پھیرنا چاہئے، ایک صاحب تین انگلیوں سے بتاتے ہیں اور تعلیم الاسلام میں چاروں انگلیوں سے لکھا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیم الاسلام میں صحیح لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پانی کتنا دور ہوتب تیمّم درست ہوگا؟

سوال [۱۹۵۲]: ایک شخص راجستھان میں وہاں کے باشندوں سے کہتا ہے کہ ایک سودس قدم دور پانی ہوتو وہاں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔اور حال وہاں کا یہ ہے کہ وہ جنگل میں گھر بنا کر رہتے ہیں اور ساتھ میں کافی مویشی رکھتے ہیں اور ان مویشیوں کو پانی دور دور سے لاکر پلاتے ہیں اور خود اس پانی سے نہاتے اور کپڑے دھوتے ہیں اور بعض لوگوں کے گھر ٹنکی بنی ہوئی ہے جس میں تیس سے چالیس مٹکے پانی آتا ہے اور گھروں میں بھی کسی کسی کے گھر تیس تیس مٹکے پانی موجود ہوتا ہے اور مسجد میں پانچ دس مٹکے پانی موجود ہوتا ہے، پھر بھی تیمم کرتے ہیں۔

جانوروں کو پلانے کے لئے پانی لاتے ہیں اور پلاتے ہیں اور نہانے دھونے کے لئے پانی استعمال کرتے ہیں اور نماز تیمّم سے پڑھتے ہیں اور بعض لوگ تو اپنی بستی سے ایک سودس قدم دور چلے جاتے ہیں (جنگل

---

(۱)"ویشترط المسح بجمیع الید أو بأكثرها حتى لو مسح باصبع واحدة أو اصبعين، لا يجوز". (البحر الرائق: ۲۵۲/۱، باب التيمم، رشيدية)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۳۰/۱، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۳۵/۱، باب التيمم، امجد اكيڈمی لاهور)

میں) اور وہاں پانی کا یہی حال ہوتا ہے، پھر بھی وہ تیمم سے نماز ادا کرتے ہیں۔ تو کیا اس طرح تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان حالات میں تیمم کی اجازت نہیں، لقوله الله تعالى: ﴿ولم تجدوا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً﴾ الآية (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۵ھ۔

پانی نہ ہو یا ناکافی ہو تو جنب کیا کرے؟

سوال [۱۹۵۳]: ایک آدمی جنبی ہے اور غسل کے لئے پانی کافی نہیں اور وضو کے لئے پانی کافی ہے تو وضو کر کے تیمم کرے یا وضو کی ضرورت نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس حالت میں اس کے ذمہ وضو واجب نہیں، تیمم کافی ہے، كذا في الدر المختار (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۱۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف: مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

---

(١) (سورة المائدة: ٦)

"ومن عجز عن استعمال الماء لبُعده –ولو مقيماً في المصر– ميلاً، أربعة آلاف ذراع، وهو أربع وعشرون أصبعاً الخ". (الدر المختار: ١/٢٣٢، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١/٦٠، باب التيمم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٩٧، باب التيمم، رشيديه)

(٢) "و في القهستاني: إذا كان للجنب ما يكفي لبعض أعضائه أو للوضوء، تيمم، ولم يجب عليه صرفه إليه". (رد المحتار: ١/٢٣٢، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٠، الفصل الثالث في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ٧٤، باب التيمم، سهيل اكيڈمي، لاهور)

تہجد کے وقت بجائے تیمّم کے گرم پانی سے وضو کرکے نماز فرض ادا کرے

سوال [۱۹۵۴]: ضعف اور ٹھنڈک کی وجہ سے اگر تہجد کے وقت تیمم سے نماز پڑھی جائے اور صرف فجر کی فرض نماز کے لئے گرم پانی سے وضو کیا جائے تو نماز درست ہوئی یا نہیں، ایسی شکل میں تہجد چھوڑ دینا اولی ہے یا تیمم سے نماز تہجد پڑھنا اولی ہے، ایک ہی تیمم سے نماز تہجد اور فجر دونوں پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی گرم کرنے کا انتظام ہے اور فجر کے وقت گرم کرکے اس سے وضو کرکے نماز فجر ادا کی جاتی ہے اور اتنی وقت میں گنجائش بھی ہے کہ تہجد کے وقت تیمم کرکے اس سے فجر پڑھ سکتے ہیں تو تہجد ہی کے وقت پانی گرم کرلیا جائے، اسی سے وضو کرکے تہجد بھی پڑھیں اور اسی سے نماز فجر بھی ادا کریں۔ جس طرح فرض نماز کے لئے وضو کا حکم ہے اسی طرح نماز نفل کے لئے بھی حکم ہے، جس حالت میں فرض کے لئے تیمم جائز نہیں، نفل کے لئے بھی جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا تیمّم کے لئے بھی کپڑے سے نجاست دور کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۹۵۵]: زید کے پاس ایک ہی کپڑا پاک تھا، وہ بھی ناپاک سے مل کرنا پاک ہوگیا۔ تو کیا تیمّم کے باوجود اس ناپاک کپڑے کو جس قدر نجاست لگی ہے، دھوکر پہن کر نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاک کپڑے کو جس قدر نجاست لگی ہو اس کا دھونا ضروری ہے، چاہے غسل سے نماز پڑھی جائے یا تیمّم سے، تیمّم کی وجہ سے اس کے حکم میں فرق نہیں آیا (۲)۔

---

(۱) "أو برد يهلك الجنب أو يمرضه ولو في المصر إذا لم تكن له أجرة حمام ولا ما يدفئه، وما قيل: إنه في زماننا يتحيل بالعدة فمما لم يأذن به الشرع، نعم! إن كان له مال غائب، يلزمه الشراء نسيئة، وإلا لا".

(الدر المختار: ۱/۲۳۴، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۱۵، الطهارات، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۳۲۰، فصل في بيان شرائط الركن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "تطهير النجاسة واجب من بدن المصلي وثوبه .... ويجوز تطهيرها بالماء وبكل مائع طاهر". =

تیمّم سے بدن پر لگی نجاست پاک نہیں ہوتی

سوال [۱۹۵۶]: اگر غسل کرنے سے معذوری ہوتو کیا وقت کی تنگی یا بغیر تنگی کے بدن پر جہاں نجاست لگی ہو دھونا ضروری ہے، یا تیمّم سے یہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر عذرِ شرعی کی بنا پر تیمّم کیا ہے تو اس سے جو نجاست بدن پر لگی ہوئی ہے وہ پاک نہیں ہوئی، اس کو مستقلاً پاک کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۱۸/ ۶/ ۸۷ھ۔

پانی کے مضر ہونے کی صورت میں اجازتِ جماع اور تیمّم کا حکم

سوال [۱۹۵۷]: إذا كان أحد الزوجين مريضاً بحيث يضره الماء بارداً كان أو حاراً، هل يجوز له أن يجامع أم لا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نعم يجوز له الجماع بزوجته وإن كان يضره الماء، وإذا لم يقدر على الغسل، فعليه أن يتيمم، كذا في شرح المنية(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/ ۸/ ۸۷ھ۔

= (الهداية: ۱/ ۷۱، باب الانجاس وتطهيرها، شركة علميه)

(وكذا في خلاصه الفتاوى: ۱/ ۴۶، الفصل الثامن في النجاسة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۱۴۲، باب الأنجاس، رشيديه)

(۱) "تطهير النجاسة واجب من بدن المصلي .... ويجوز تطهيرها بالماء وبكل مائع طاهر". (الهداية: ۱/ ۷۱ باب الأنجاس، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۷۷، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "(وكذا في شرطه عجزه عن استعمال الماء .... والدليل على كون العجز شرطاً عبارة الآية =

زیادتی مرض کی وجہ سے اور مسجد کی دیوار سے تیمّم

سوال [۱۹۵۸]: ایک آدمی جس کی عمر ۶۵/ سال ہے، عرصہ ۷/ سال سے مرضِ درد (گھٹیا) ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے پر مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے، اکثر اسی وجہ سے تیمّم کرتا ہے، لیکن بعض احباب معترض ہیں کہ ہمیشہ تیمّم نہ کیا جائے۔

کاروباری آدمی ہے، گرم پانی کا ہر وقت انتظام نہیں کرسکتا، ہمارے یہاں کی مساجد میں گرم پانی کا نظم نہیں رہتا ہے۔ اور تیمّم کیلئے مٹی بارش کی وجہ سے نرم رہتی ہے، اس لئے مسجد کے اندر تیمّم کر لیتا ہے، اس پر بھی بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مسجد کے اندر تیمّم نہیں کرنا چاہئے، براہ کرم حکم شرعی سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وضو کرنے سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے تو تیمّم آپ کے لئے درست ہے(۱)۔ تیمّم کے لئے ایک بڑا ڈھیلا یا اینٹ مستقل علیحدہ محفوظ رکھ لیں، بارش کا اثر نہ پہونچے، پختہ دیوار اور پتھر سے بھی تیمّم درست ہے(۲)،

= ودلالتها، فإن قوله تعالىٰ: ﴿وإن كنتم مرضى﴾ يدل بعبارته على أن المرض شرط، وبدلالته على بقية الأعذار، فإنها إما مثله أو فوقه في الحرج المدفوع على سبيل التاكد بقوله تعالىٰ: ﴿مايريد الله ليجعل عليكم من حرج﴾، (حتى إن المريض إذا خاف زيادة المرض) بسبب الوضوء أو بالتحرك أو باستعمال الماء (أو) خاف (إبطاء البرء) من المرض بسبب ذلك (جازله التيمم)، ويعرف ذلك إما بغلبة الظن عن أمارة تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق". (الحلبي الكبير، ص: ۲۵، كتاب الطهارة، فصل في التيمم، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "من عجز عن استعمال الماء لبُعده ميلاً أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة الظن أو قول حاذق مسلم ولو بتحرك .... تيمم لهذه الأعذار كلها". (الدر المختار: ۱/۲۳۳، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۹۸، باب التيمم، إمداديه)

(۲) " (تيمم) لهذه الأعذار كلها .... (بمطهر من جنس الأرض وإن لم يكن عليه نقع): أى غبار". (الدر المختار: ۱/۲۳۶–۲۳۹، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۵۷، الفصل الخامس في التيمم، غفاريه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۳۵، جنس آخر فيما يجوز به التيمم، امجد اكيڈمی، لاهور)

مسجد کی دیوار سے تیمّم نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی دیوار سے تیمّم

سوال [۱۹۵۹]: مسجد کی دیوار پر تیمّم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی دیوار کو تیمّم کے لئے استعمال نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۹۳ھ۔

ڈھیلے کا اثر ہاتھ پر نہ آئے تب بھی تیمّم درست

سوال [۱۹۶۰]: آیا تیمّم کا ڈھیلا ایسا ہونا چاہئے جس کے ریزے جھڑ کر چہرے اور ہاتھ کو مٹی سے آلودہ کردیں، اگر مٹی کا اثر چہرہ اور ہاتھ میں نہ پہونچے تو وضو کا بدل تیمّم ہوجاوے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کے ڈھیلے کا ہاتھ پر کوئی ریزہ نہ آئے تب بھی تیمّم درست ہوجائے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ویکره مسح الرجل من طين الردغة بأسطوانة المسجد أو بحائطه". (فتاوی قاضی خان: ۱/۶۵، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "(تيمم) .... (بمطهر من جنس الأرض وإن لم يكن عليه نقع): أي غبار". (الدر المختار: ۱/۲۳۶-۲۳۹، باب التيمم، سعيد)

"وبالحجر عليه غبار، أو لم يكن بأن كان مغسولاً، أو أملس مدقوقاً، أو غير مدقوق الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۷، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۱، فصل فيما يجوز به التيمم، رشيديه)

باب المسح علی الخفین والجوربین

(موزے اور جرابوں پر مسح کا بیان)

اونی، سوتی، منعل جرابوں پر مسح

سوال [۱۹۶۱]: اونی، سوتی، جرابوں کو منعلین کرلیا جائے تو اس پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز ہے، کذا فی ردالمحتار: ۱/۲۷۸(۱) مگر "شرح منیہ" میں سوتی جرابوں پر جو باجود منعل ہونے کے منع لکھا ہے(۲) اس لئے اس کے خلاف سے بچنا احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "أما المسح على جوارب، فلا يخلو: إما أن يكون الجورب رقيقاً........ وإما إن كان ثخيناً منعلاً، ففي هذا الوجه يجوز المسح بلا خلاف إلخ". (التاتار خانية: ۱/۲۶۷، المسح على الخفين، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا في الحلبي الكبير: ۱۲۱، المسح على الخفين، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۲۷۰، المسح على الخفين، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱، المسح على الخفين، شركة علميه)

(۲) "ثم بين المشايخ اختلافٌ في مقدار النعل الذى يكفى بجواز المسح، قال بعضهم: إذا كان فى باطن الكف أديم، وهو مايلى باطن كف القدم، جاز المسح. وقال بعضهم: لايجوز المسح حتى يكون الأديم إلى الساق؛ ليكون ظاهر قدميه وكَعباه مَستُورَين. فلا يخفى أن هذا القول الأخير مخالف لسائر الكتب المعتمدة فى تفسير المنعل، ومخالف لجميع الروايات فى اشتراطه". (شرح المنية للحلبى الكبير، كتاب الطهارة، آخر فصل فى المسح على الخفين، ص: ۱۲۳، سهيل اكيڈمى، لاهور)

موزوں پر مسح کرنا

سوال [۱۹۶۲]: ایک شخص نے وضو کرکے چمڑے کے موزے پہن لئے، اس کا وضو خفین پہننے کے بعد مثلاً قبل عشاء ٹوٹ گیا، اس کو یہ یاد نہیں رہا کہ آٹھ بجے وضو ٹوٹا تھا یا ساڑھے سات بجے، اب اس کی مدت دوسرے دن اس وقت جا کر ختم ہوتی ہے۔ دوسرے دن اسی نے عشاء کا وضو کیا تو خفین پر مسح کرلیا اور عشاء کی نماز سے قبل وضو ٹوٹ گیا تھا۔ یہ مسح چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد نہ کیا ہو صحیح یا د نہیں آیا کہ کس وقت وضو ٹوٹا تھا، غالب گمان ہے کہ ساڑھے سات بجے وضو ٹوٹا ہوگا، دوسرے دن ساڑھے سات بجے کے بعد وضو کیا اور مسح کیا تو اس طرح ۲۴/ گھنٹے سے کچھ زیادہ گذرنے پر یہ مسح صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور اس طرح مسح کرکے جو نماز پڑھی وہ ادا ہوگی یا اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۴/ گھنٹے پورے ہونے پر مدتِ مسح ختم ہوگئی، ضروری ہے کہ خفین اتار کر پیر دھوئے، اگر اس وقت وضو نہ ہو تو وضو کرکے خفین پہن کر از سرنو مدت کا اعتبار ہوگا(۱)، لہٰذا اس نماز کا اعادہ لازمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۲ھ۔

---

(۱) "(وهو [أي المسح] جائز بسنة مشهورة) .... (لمحدث) .... (على ظاهر خفيه) .... (أو جوربيه) .... (الثخينين) .... (ملبوسين على طهرٍ تام) .... (عند الحدث) .... ثم أحدث، جاز أن يمسح (يوماً وليلةً لمقيم)". (الدر المختار مع تنوير الأبصار).

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: ومعذور فإنه الخ) .... وفي الثلاثة الباقية يمسح في الوقت فقط، فإذا خرج [الوقت] نزع و غسل، كما في البحر .... اهـ". (رد المحتار: ۱/۲۷۱، باب المسح على الخفين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۹۵، باب المسح على الخفين، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۷۲، المسح على الخفين، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۲۱، باب المسح على الخفين، رشيديه)

نائلون کے موزے پر مسح کا حکم

سوال [۱۹۶۳]: ہمارے یہاں کشمیر میں بہت زیادہ سردی ہوتی ہے، رات میں درجۂ حرارت زیرو ڈگری ہوجاتا ہے، کیا ایسی حالت میں نائلون کے موزے پر مسح جائز ہے؟ ''تعلیم الاسلام'' میں صرف موٹے اونی، سوتی موزے کا ذکر ہے جن کو پہن کر تین میل چلا جاسکتا ہو۔ نائلون کا موزہ اس شرط کو پورا کرتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو موزہ چمڑے کا نہ ہو لیکن ایسا دبیز ہو کہ اس میں پانی نہ چھنتا ہو اور اس کو پہن کر میل بھر پیدل چلنا بھی دشوار نہ ہو تو ایسے موزے پر بھی مقیم کو ایک دن ایک رات اور مسافر کو تین دن تین رات مسح کرنے کی شرعاً اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۲۵ھ۔

نائلون کے موزوں پر مسح کا حکم

سوال [۱۹۶۴]: موجودہ دور میں نائلون کے موزے ہر فرد پہنتا ہے، کیا یہ خفین کا درجہ رکھتے ہیں؟ ایک ان میں اعلیٰ قسم کا ہے جن میں قطرۂ ماء تو جذب ہوجاتا ہے مگر تری اندر نہیں جاتی۔ بہرحال اس پر مسح کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "أو (جوربيه) ولو من غزل أو شعر (الثخينين) بحيث يمشي فرسخاً، ويثبت على الساق بنفسه، ولا يرى ما تحته ولا يشف إلا أن ينفذ إلى الخف قدر الغرض". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: ولو من غزل أو شعر) قال: خرج عنه ما كان من كرباس: وهو الثوب من القطن الأبيض، ويلحق بالكرباس كل ما كان من نوع الخيط كالكتان والإبريسم ونحوهما.........أقول: الظاهر أنه إذا وُجدت فيه الشروط يجوز، وأنهم أخرجوه لعدم تأتي الشروط فيه غالباً الخ". (رد المحتار: ۲۶۹/۱، باب المسح على الخفين، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير: ۱۲۱، باب المسح على الخفين، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتاوى حقانية: ۲/۵/۲، نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم، دار العلوم حقانيه اكوڑه خٹک)

(وكذا في كفاية المفتي: ۲/۳۲۱، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگران میں کوئی پیر کی کھال نظر نہیں آتی اور پانی نہیں چھنتا اوران کو پہن کر بغیر جوتے وغیرہ پہنے کم ازکم ایک فرسخ چلنا ہوسکتا ہےتوان پرمسح درست ہے ورنہ نہیں:

"(أو جوربيه) ولو من غزل أو شعر (الثخنين) بحيث يمشي فرسخاً ويثبت على الساق بنفسه، ولا يُرى ماتحته، ولا يشف"۔

"(قوله: ولو من غزل أو شعر) خرج عنه ماكان من كرباس -بالكسر، وهو الثوب من القطن الأبيض- ويلحق بالكرباس كل ماكان من نوع الخيط كالكتان والإبريسم ونحوهما. وتوقف في وجه عدم جواز المسح عليه إذا وجد فيه الشروط الأربعة التي ذكرها الشارح۔

وأقول: الظاهر أنه إذا وُجدت فيه الشروط يجوز، وأنهم أخرجوه لعدم تأتي الشروط فيه غالباً، يدل عليه مافي الكافي للنسفي حيث علل عدم جواز المسح على الجورب من كرباس بأنه لايمكن تتابع المشي عليه، فإنه يفيد أنه لو أمكن، جاز. ويدل عليه أيضاً مافي ط عن الخانيه أن كل ماكان في معنى الخف في إدمان المشي عليه وقطع السفر به، ولو من لبدٍ رومي، يجوز المسح عليه". شامی: ۱/۱۷۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کس طرح کے موزے پر مسح درست ہے؟

سوال [۱۹۶۵]: جوموزے اونی دبیز موٹے مضبوط اتنے کہ چارمیل بغیر جوتہ پہنے چلنے میں نہ پھٹیں ان پر دائمی بیمار جن کو سردی میں پانی سے وضوکرنا سخت دشوار ہوتا ہے اس کے لئے مسح کرنا درست ہے؟ کیا چمڑے کے موزے کا حاصل کرنا ضروری ہی ہے؟ مسائل صحیح سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوموزے اتنے مضبوط اور دبیز ہوں کہ ان میں پانی نہ چھنتا ہو اوران کو پہن کر بغیر جوتہ پہنے آپ کی تحریر

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۲۶۹، باب المسح على الخفين، سعيد)

کے مطابق چار میل چلنے میں نہ پھٹیں، ان پر مسح کی اجازت ہے(۱)، مقیم کے لئے ایک دن ایک رات، مسافر کے لئے تین دن تین رات (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أما المسح على الجوارب، فلا يخلو: إما أن يكون الجورب رقيقاً.......... وإما إن كان ثخيناً منعلاً، ففي هذا الوجه يجوز المسح بلا خلاف الخ". (الفتاویٰ التاتار خانية: ۱/۲۶۷، المسح على الخفين، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۲۱، المسح على الخفين، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "فلو تخفف المحدث، ثم خاض الماء فابتل قدماه، ثم تمّم وضوءه، ثم أحدث، جاز أن يمسح يومًا وليلةً لمقيم، وثلاثة أيام ولياليها لمسافر". (الدر المختار: ۱/۲۷۱، باب المسح على الخفين، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۳، الباب الخامس في المسح على الخفين، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۹۸، باب المسح على الخفين، رشيديه)

باب الحيض والنفاس وأحكام المعذور

الفصل الأول في الحيض والنفاس والاستحاضة

(حیض ونفاس اوراستحاضہ کا بیان)

حیض کی اقلِ مدت

سوال[۱۹۶۶]: حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اس سے کم حیض نہیں آتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کو مہینہ میں صرف ایک دن اور نصف، ڈیڑھ، یا دو دن آتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، وہ حیض شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

وہ حیض نہیں استحاضہ ہے ایسی عورت ممتدۃ الطہر ہے:

"أقل الحيض ثلاثة أيام و لياليها، و ما نقص من ذلك فهو استحاضة اهـ". هدايه(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۱/۶۲، باب الحيض والاستحاضة، مكتبه شركت علميه)

"وأقله ثلاثة أيام وأكثره عشرة، فما نقص أو زاد استحاضة". (النهر الفائق: ۱/۱۲۹، باب الحيض، امداديه ملتان)

(كذا في الدر المختار: ۱/۲۸۴، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۷۷، باب الحيض، دار الكتب العلميه بيروت)

طہر متخلل

سوال[۱۹۶۷]: صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ ایک عورت کے پہلی بار پیدائش ہوئی اور بیس روز تک نفاس کا خون آتا رہا، بعدازاں انیس روز تک پاک رہی، پھر بیسویں روز خون آیا۔ وہ خون کیسا ہے؟ اور حیض کی عادت تک آتا رہا، حیض یا نفاس؟ نیز درمیان میں جو انیس روز پاکی رہی، اس مدت میں نماز روزہ جماع وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نماز نہیں پڑھ سکتی ہے تو اس کے اوپر قضاء واجب ہوگی یا نہیں، اور اگر پڑھ لی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ نیز اس مدت میں جماع کرے تو کیا حکم ہے؟ اگر یہ صورت رمضان شریف میں پیش آجائے تو اس طہر والی مدت میں روزہ رکھا تو روزہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بیس روز کے بعد جو انیس روز تک طہر رہا تو یہ طہر متخلل ہے جو کہ کالدم المتوالی ہے(۱)، اس میں نماز روزہ، جماع درست نہیں، اگر اس مدت میں رمضان شریف کا روزہ رکھا ہے تو دوبارہ رکھے، اگر نماز نہیں پڑھی تو اس کی قضا لازم نہیں۔ اگر جماع کرلیا ہے تو استغفار کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

اسقاط کے بعد خون حیض ہے یا نہیں؟

سوال[۱۹۶۸]: ایک عورت کو اسقاط ہوا، حکیموں اور دایہ کی یہ رائے ہے کہ کچھ اسقاط ہوا اور کچھ باقی ہے اور اب تک حکیم اس کو حاملہ بتلاتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں اگر عورت کو خون آئے تو یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اس کو حمل ہے تو جو خون حالتِ حمل میں آئے وہ حیض نہیں، اگر اسقاط ہوگیا اور اب حمل نہیں اور سقط

---

(۱) "فإن انقطع على أكثرهما أو قبله فالكل نفاس". (الدر المختار) وقال ابن عابدينؒ: "(قوله: أو قبله): أي وقبل الأكثر، و زاد على العادة". (رد المحتار: ۱/۳۰۰، باب الحيض، سعيد)

"الطهر المتخلل في الأربعين بين الدمين نفاس عند أبي حنيفةؒ وإن كان خمسة عشر يوماً فصاعداً، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷، الفصل الثاني في النفاس، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۹۰، باب النفاس، إدارة القرآن كراچي)

کی خلقت ظاہر نہیں ہوئی اور (سقط کے ساتھ) کم از کم تین یوم خون آیا اور اس سے قبل طہر تام تھا تو اس خون کو حیض کہا جائے گا ورنہ استحاضہ:

"فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء، والمرئي حيض إن دام ثلاثاً و تقدمه طهر تام وإلا استحاضة اهـ". در مختار۔ "(قوله: والمرئي): أي الدم المرئي مع السقط الذي لم يظهر من خلقه شيء اهـ" شامی: ۱/۲۷۹ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عورت کے حق میں ایک دن چوبیس گھنٹے کا ہے

سوال [۱۹۲۹]: کسی عورت کو کبھی دو دن، کبھی تین دن لگاتار حیض آتا ہے اور پھر بالکل ختم ہو جاتا ہے، ایک دو دن کے بعد پھر آتا ہے، کبھی دو تین دفعہ ہو کر، کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ رہ کر رک جاتا ہے، پھر ایک دو دن کے بعد ایک آدھ مرتبہ آکر بند ہو جاتا ہے، یہ مجموعہ سات دن کا ہوا۔ اسی طرح ہمیشہ ہوتا ہے اور کم از کم چار دن اور زیادہ سے زیادہ سات دن رہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے، اللہ و رسول کا حکم کیا ہے؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھ دن پورا کر کے غسل کر کے نماز پڑھتی ہے پھر خون آجاتا ہے، اس کیفیت سے سات دن پورے ہوتے ہیں۔ نیز ایک مکمل دن سے کتنے مراد ہے، کیا ۲۴/ گھنٹے مراد ہیں؟ مثلاً کسی عورت کو جمعہ ۱۱/ بجے سے حیض شروع ہوئے تو دوشنبہ کو جب گیارہ بجے تک آئے گا تب پورے تین دن ہوں گے، اگر گیارہ بجے تک آئے تو پورے تین دن سمجھے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ عورت سات روز تک حائضہ شمار ہوگی، اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے گی۔ ۲۴/ گھنٹہ کا ایک دن

---

(۱) (الدر المختار ۱/۳۰۲، باب الحيض، مطلب في أحوال السقط وأحكامه، سعيد)

"وان لم يظهر شيء من خلقه فلا نفاس لها، فإن أمكن جعل المرئي حيضاً يجعل حيضاً، وإلا فهو استحاضة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷، الفصل الثاني في النفاس، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۹۴، باب النفاس، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۴۱، باب الحيض، مكتبه امداديه ملتان)

ایک رات ہے۔ ۱۲/ بجے سے آئندہ دن کے بارہ بجے تک دن رات کو مکمل کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۴ھ۔

عورت آئسہ کب ہوتی ہے؟

سوال[۱۹۷۰]: ایک حیض والی عورت کا حیض بند ہوگیا، اب کتنی مدت حیض بند رہنے سے بیماری میں آئسہ کا حکم کیا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک پچپن سال کی عورت آئسہ ہوتی ہے، اتنی مدت کے اندر حیض آنے کی امید رہتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "أقله ثلاثة أيام بلياليها الثلاث، فالإضافة لبيان العدد المقدر بالساعات الفلكية لا للاختصاص الخ". (الدر المختار). وقال ابن عابدين: "(قوله: فالإضافة): أي أن إضافة الليالي إلى ضمير الأيام الثلاث لبيان أن المراد مجرد كونها ثلاثاً لا كونها ليالي تلك الأيام، فلو رأته في أول النهار يكمل كل يوم بالليلة المستقبلة، و لذا صرح الشارح بلفظ الثلاث". (ردالمحتار: ۱/۲۸۴، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۶، باب الحيض والنفاس، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۲۴، الحيض، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "لا يحد إياس بمدة الخ، و قيل: يحد بخمسين سنةً، و عليه المعمول، والفتوى في زماننا الخ......... و حده في العدة بخمس و خمسين، قال في الضياء: و عليه الاعتماد". (الدرالمختار: ۱/۳۰۴، مطلب في أحكام الآئسة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۹، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲/۱۱۷، الفصل الثامن في العدة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۲۷، الحيض في الحامل الخ، إدارة القرآن كراچى)

حالتِ حیض میں غلط فہمی سے صحبت کی سزا

سوال[۱۹۷۱]: ایک عورت کی حیض کی عادت چار یوم کی تھی، حسبِ معمول چوتھے روز دن کے پانچ بجے حیض بند ہوگیا اور اس روز اس نے غسل بھی کرلیا، اس رات کو تقریباً رات کے ۱۲/ بجے اس کے خاوند نے اس سے ہمبستری کی، صبح معلوم ہوا کہ خون جاری ہے، رات کو تقریباً ہمبستری کرنے کے بعد سے علی ہذا صبح خون پھر بند ہوگیا اور کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر یہ سمجھتے ہوئے کہ اب گو خون بند ہوگیا ہے، دن کے تقریباً بارہ بجے کے بعد زن وشوہر ہمبستر ہوئے، حالانکہ خون جاری تھا جس کا بعد میں اندازہ ہوا (دونوں کو) اور وہ خون دوسرے روز صبح بند ہوگیا۔ اس صورت میں ان پر کیا سزا شرعی طور پر واجب ہوتی ہے؟ دونوں غریب ہیں اور غلط فہمی اور عدم معلومات کی بنا پر یہ فعل ان سے سرزد ہوا، خصوصاً عورت کے اس قول پر کہ خون بند ہوگیا ہے جس کی علامت اس کا غسل کرنا اور باندھی ہوئی پٹی کھول ڈالنا بھی تھا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں عندالحنفیہ شرعاً کوئی کفارہ، صدقہ وغیرہ واجب نہیں، غلط فہمی کی بنا پر جو کچھ ہوگیا توبہ واستغفار کرلیں:

"اختلف العلماء فی وجوب الکفارة، فقال الشافعی رحمه الله فی أصح قولیه وهو الجدید ومالك وأبوحنیفة رحمهما الله وأحمد رحمه الله فی إحدی الروایتین وجماهیر السلف: إنه لا کفارة علیه، وعلیه أن یستغفر ویتوب اهـ". بذل المجهود: ۱/۱۵۸، باب إتیان الحائض بحالة علم و عمد(۱)۔

ایک دینار یا نصف دینار تصدق کرنا مستحب ہے تاکہ آئندہ پوری احتیاط سے کام لیا جائے: "ثم هو أی وطء الحائض کبیرة لو عامداً مختاراً عالماً بالحرمة، لا جاهلاً أو مکرهاً أو ناسیاً، فتلزمه التوبة، و یندب تصدقه بدینار أو نصفه اهـ". در مختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (بذل المجهود: ۱/۱۵۸، باب إتیان الحائض، امدادیه ملتان)

(۲) (الدر المختار: ۱/۲۹۷، باب الحیض، سعید) .... =

حائضہ سے انتفاع کی صورت

سوال[۱۹۷۲]: اگر مرد اپنی حائضہ بیوی کے مابین السرۃ إلی رکبتیه کو جبکہ اس پر کپڑا ہو، اپنے عضو سے کپڑا لپیٹ کر مس کرے فرجِ داخل چھوڑ کر اور اس کو انزال ہو جائے تو یہ فعل عندالشرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کپڑا درمیان میں حائل ہے تو یہ صورت ممنوع نہیں: "فیجوز الاستمتاع بالسرة و ما فوقها والركبة و ما تحتها و لو بلا حائل، وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطي و لو تلطخ دماً".

شامی: ۱/۱۹٤ (۱) ۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حائضہ کے ساتھ مضاجعت

سوال[۱۹۷۳]: حیض ونفاس کی حالت میں مرد اپنی عورت کے پاس سوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوسکتا ہے: قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "يجوز مباشرة الحائض فوق الإزار وإن لزم منه التلطخ بالدم اهـ". شامی: ۱/۲۰۷ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۱۴۵، باب الحيض والنفاس، قديمي)

(۱) (رد المحتار: ۱/۲۹۲، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض، الباب السادس، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي ص: ۱۴۵، باب الحيض والنفاس، قديمي)

(۲) (رد المحتار: ۱/۲۹۲، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض، الباب السادس، رشيديه)

(وتبيين الحقائق: ۱/۱۶۴، باب الحيض، دار الكتب العلميه، بيروت)

بوقتِ ضرورت مباشرتِ حائضہ اور غلبۂ شہوت میں استمناء

سوال[۱۹۷۴]: ۱...... جماع کی سخت ضرورت ہو اور منکوحہ حیض میں ہو تو سُرین یا مقامِ دبر کے اوپر رگڑ کر منی اخراج کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ اپنے اوپر مکمل اعتماد ہو کہ مقامِ خاص میں داخل نہ کریں گے، یا کوئی اَور صورت ہو؟

۲...... اگر بیوی پاس میں نہ ہو، زید کہیں باہر رہتا ہے یا نکاح نہیں ہوا ہے اور شہوت سے عورتوں پر نظریں پڑتی ہیں، ذہن ودماغ پریشان رہتا ہے، نماز وغیرہ میں بھی خیال منتشر ہوتا ہے۔ اس عمل (استمناء) کو معمول نہ بنائے بلکہ گاہے گاہے زیادہ پریشان ہو تو سکون حاصل کرنے کے لئے ایسا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... یہ صورت ناجائز ہے، البتہ پنڈلی یا پیٹ یا ہاتھ وغیرہ پر رکھ کر انزال کرنے سے تسکین ہوجائے، معصیت سے بچ جائے تو درست ہے(۱)۔

۲...... اگر بغیر اس کے زنا میں مبتلا ہوجانے کا ظنِ غالب ہو تو زنا سے تحفظ کے لئے ایسا کر لینے سے امید ہے کہ عذاب نہ ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: يعني مابين السرة والركبة) فيجوز الاستمتاع بالسرة و ما فوقها والركبة و ما تحتها و لو بلاحائل، وكذا بما بينهما بحائل بغيرالوطى و لو تلطخ دماً". (رد المحتار: ۱/۲۹۲، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۹، الفصل الرابع في أحكام الحيض الباب السادس، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص:۱۴۵، باب الحيض والنفاس، قديمي)

(۲) "وكذا الاستمناء بالكف وإن كره تحريماً لحديث "ناكح اليد ملعون" و لو خاف الزنىٰ يرجى أن لا وبال عليه". (الدرالمختار). قال ابن عابدينؒ: "(قوله: و لو خاف الزنى) الظاهر أنه غير قيد لو تعين الخلاص من الزنىٰ به، وجب؛ لأنه أخف. و عبارة الفتح: فإن غلبته الشهوة ففعل إرادة تسكينها به، فالرجاء أن لا يعاقب اهـ". (ردالمحتار: ۱/۳۹۹، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، سعيد)

(وكذا في خلاصةالفتاوى: ۱/۲۶۰، جنس آخر في المجامعة و ما في معناها، كتاب الصوم، امجد اكيڈمی)

(وكذا في الدر المنتقى: ۱/۳۶۲، باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت)

5

مباشرتِ حائضہ

سوال[۱۹۷۵]: جماع اور مباشرت میں کیا فرق ہے؟ ''بخاری'' کے باب مباشرة الحائض، ص: ۲۰۷ میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں انھیں دیکھ کر بعض مرشدین نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جو انسان اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتا وہ حائضہ کی شرمگاہ پر کپڑا رکھ کر خواہش پوری کر سکتا ہے، لیکن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بہشتی زیور'' میں بحوالہ ''درمختار: ۱/۱۹۴'' لکھا ہے کہ ''حیض کے زمانہ میں مرد کے پاس رہنا یعنی صحبت کرنا درست نہیں اور صحبت کے سوا اَور سب باتیں درست ہیں یعنی ساتھ کھانا پینا لیٹنا درست ہے''(۱)۔

علامہ شرنبلالی نے نور الإیضاح، "باب الحیض والنفاس والاستحاضة" میں لکھا ہے کہ:

''حالتِ حیض میں عورت کی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کسی حصہ سے تمتع حاصل کرنا یعنی لذت لینا حرام ہے''۔

لہٰذا مباشرت اور جماع کے معنی کی تشریح فرمائیں اور مسئلہ کی وضاحت بھی فرمائیے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جماع کو تو سب ہی جانتے ہیں اس میں تو کوئی خفا نہیں، مباشرت کے معنی ہیں: ''کھال سے کھال ملانا'' اور کبھی اس سے مراد لیتے ہیں: ''مرد کے عضو خاص کا عورت کے عضو مخصوص سے بحالتِ شہوت بغیر کسی حائل کے ملانا'' جس کو ''مباشرتِ فاحشہ'' بھی کہتے ہیں جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے(۲)۔

حائضہ سے مباشرت کی تین صورتیں ہیں: ایک حرام ہے وہ یہ کہ اس سے جماع یعنی ادخال کیا جائے۔ دوسری صورت جائز ہے وہ یہ کہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کے حصہ جسم سے استمتاع کیا جائے۔ تیسری صورت میں اختلاف ہے وہ یہ کہ جماع تو نہ کیا جائے لیکن ناف سے گھٹنوں تک کے حصہ جسم سے استمتاع

---

(۱) (بہشتی زیور، باب بیست وششم، حیض کے اَحکام کا بیان، مسئلہ: ۴، ص: ۱۶۸، دار الاشاعت)

(۲) "مباشرة فاحشة و هي مس فرج أو دبر بذكر منتصب بلا حائل يمنع حرارة الجسد". (مراقي الفلاح، ص: ۹۲، نواقض الوضوء، قديمي)

(كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۱۵، الفصل الثالث في الوضوء، امجد اكيڈمی، لاهور)

کیا جائے۔بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے،بعض نے منع کیا ہے،امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔اوراوجزالمسالك شرح موطا امام مالك :۱/ ۱۳۶ پر تفصیل مذکور ہے(۱)۔

بعض مرشدین کا قول آپ نے نقل کیا ہے آپ خود دیکھ لیں کہ''بخاری شریف'' کی کس حدیث سے ثابت ہوتا ہے،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد اس باب میں مذکور ہے:"وأيكم يملك إربه كما كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يملك إربه" (۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش پر جیسے قابو یافتہ تھے تم میں سے کون ایسا قابو یافتہ ہے یعنی حالتِ حیض میں ناف سے گھٹنوں تک حصہ جسم کو کپڑے سے مستور کرا دیتے تھے پھر ساتھ لیٹتے تھے اور پھر بھی پورے طور سے قابو یافتہ رہتے اور خواہش پوری نہیں کیا کرتے تھے،تم میں کس کو یہ قوتِ ضبط حاصل ہے کہ ایسی حالت میں خواہش پوری نہ کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

حالتِ حیض میں وطی

سوال[۱۹۷۶]: اگر کسی آدمی نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے وطی کی اور مرد کو کچھ علم نہیں کہ حیض میں ہے یا طہر میں اور اس کی بیوی نے بھی اس بات کا شوہر کو نہیں بتایا، وطی سے فارغ ہونے کے بعد عورت نے پھر اپنے شوہر کو پوری بات بتادی کہ میں حالت حیض میں تھی۔تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرد گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر عورت حالتِ حیض میں بوجہ غلبۂ شہوت کے اپنے شوہر کو وطی کرنے پر اصرار کرے تو مرد کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ نیز عورت کی جانب سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر اصرار کو پورا نہ کیا جائے تو کوئی برا فعل

---

(۱) "اعلم أن مباشرة الحائض على ثلثة أنواع: أحدها: المباشرة في الفرج بالوطي، وهو حرام بالنص والإجماع، و مستحله يكفر على الاختلاف فيما بينهم في وجوب الكفارة على من أتاها.......... والثاني: المباشرة بما فوق السرة و دون الركبة باليد أو الذكر وغيره و هو مباح بالإجماع.......... والثالث: الاستمتاع بما بينهما خلا الفرج والدبر، فمختلف فيما بين الأئمة، قال: أحمد و محمد الخ".

(أوجز المسالک: ۱/ ۱۳۶، ما يحل للرجل من امرأته و هي حائض، المكتبة اليحيويه سهارنفور ، يوپی هند)

(۲)(الصحيح للبخاری: ۱/ ۴۴، باب مباشرة الحائض ، قديمی)

نہ کر بیٹھے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر حالتِ حیض میں مرد نے عدمِ علم کی بنا پر جماع کیا اور عورت کو معلوم ہے تو عورت گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوگی، نیز اگر عورت حالتِ حیض میں بوجہ غلبۂ شہوت کے مرد کو وطی پر مجبور کرے تو مرد کو وطی کرنا ایسی حالت میں بالکل درست نہیں ہے:

"و وطؤها في الفرج عالماً بالحرمة عامداً مختاراً كبيرةٌ لا جاهلاً و لا ناسياً و لا مكرهاً". كذا في البحر الرائق: ۱۹۸/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حالتِ حمل میں وطی

سوال[۱۹۷۷]: حاملہ بیوی سے وطی کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو وضعِ حمل سے کتنے دن پہلے چھوڑ دینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو حاملہ سے وطی کرنا درست ہے، علاوہ ان ایام کے جبکہ وطی بچہ کو مضر ہو اور اس سلسلے میں حکیم حاذق سے معلوم کرلیا جاوے کہ کب وطی بچہ کو مضر ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حالتِ حیض میں استمتاع

سوال[۱۹۷۸]: زید کی بیوی ایامِ حیض کے اندر ہے، زید قوتِ شہوت کی بنا پر حرام کاری کا قصد

---

(۱) (البحر الرائق: ۳۴۲/۱، باب الحیض، رشیدیہ)

(و كذا في رد المحتار: ۲۹۷/۱، باب الحيض، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۹/۱، الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ، رشيديه)

(۲) حکیم الامت مجدد الملت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "(حاملہ عورت) میاں کے پاس نہ جائیں خاص کر چوتھے مہینے سے پہلے اور ساتویں کے بعد زیادہ نقصان ہے"۔ (بہشتی زیور، حصہ نہم، حمل کی تدبیروں اور احتیاطوں کا بیان، ص: ۲۲۰، دارالإشاعت، کراچی)

کرنے پر مجبور ہے، ایسی صورت میں زید اپنی بیوی سے ایام حیض میں مباشرت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ اگر کوئی اور صورت ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ حیض میں بیوی سے صحبت کرنا حرام ہے، حرام کاری تو حرام ہے ہی اس کا کیا پوچھنا۔ ناف سے گھٹنے تک کے علاوہ بقیہ جسم سے استمتاع کی گنجائش ہے(۱)۔ زید کو چاہیئے کہ ایامِ حیض میں صبر کرے، یا روزے رکھے، یا پھر دوسری شادی بھی کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

حائضہ عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کیسا ہے؟

سوال[۱۹۷۹]: حائضہ عورت کے ہاتھ کا پکایا ہو کھانا کھانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حائضہ عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا شرعاً درست ہے(۲) جب کہ وہ پاکی کا اہتمام کرتی ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

حائضہ ونفساء کا بستر سے الگ رہنا اور رکوع کی حالت میں پاخانہ پیشاب کرنا

سوال[۱۹۸۰]: رکوع کی حالت بنا کر عورتوں کا پائخانہ پیشاب کرنا اور حائضہ عورت کا ناپاکی کی

---

(۱) "فيجوز الاستمتاع بسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل، وكذا بما بينهما بحائلٍ بغير الوطئ ولو تلطخ دماً". (ردالمحتار: ۱/ ۲۹۲، باب الخيض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/ ۱۶۴، باب الحيض، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وله أن يقبلها ويضاجعها، ولا يكره طبخها و لا استعمال ما مسته من عجين أو ماء أو غيرهما، إلا إذا توضأت بقصد القربة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۴۵، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۱/ ۲۹۲، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۱۴۹، باب الحيض، دارالمعرفة، بيروت)

حالت میں بستر سے علیحدہ رہنا، بےغسل کھانا نہ پکانا، چھوت کے خیال سے جو چھوئے اس پر بھی غسل ضروری ہونا، ناپاکی کی حالت میں کپڑے برتن وغیرہ دھونا ضروری کہنا، بےدھوئے بڑا گناہ کہنا کیسا ہے؟ اس طرح نفساء کو بھی بلکہ اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا حرام پاک ہونے تک سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

رکوع کی حالت بنا کر پیشاب پائخانہ کرنا تو انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کا طریقہ ہے، انسان کا طریقہ نہیں۔ حائضہ اور نفساء سے اتنا پرہیز کرنا اور اس کے پکائے ہوئے کھانے اور چھوئے ہوئے کپڑے برتن وغیرہ سے احتراز کرنا اور اس کا بستر علیحدہ کرنا یہ یہود کا طریقہ ہے، اسلام نے اس سے منع کیا ہے، البتہ صحبت وغیرہ جو امور نا جائز ہیں ان سے بچنا ضروری ہے:

”و يمنع الحيضُ قربانَ زوجها ما تحت إزارها يعني ما بين سرة و ركبة، فيجوز الاستمتاع بالسرة و ما فوقها، والركبة و ما تحتها و لو بلا حائل، وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطىء و لو تلطخ. و لا يكره طبخها و لا استعمال ما مسته من عجين أو ماء أو نحوهما، إلا إذا توضأت بقصد القربة كما هو المستحب، فإنه يصير مستعملاً. و في الولوالجية: و لا ينبغي أن يعزل عن فراشها؛ لأن ذلك يشبه فعل اليهود اهـ“. در مختار: ۱/۳۰۱(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

ایامِ حیض میں مناجاتِ مقبول کا پڑھنا

سوال[۱۹۸۱]: مستورات ایام حیض میں ”مناجاتِ مقبول“ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مناجاتِ مقبول میں عربی والی دعاء میں قرآن کی آیت بھی ہوتی ہے، لہٰذا اردو والی منظوم دعائیں

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۲۹۲، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۴۵، باب الحيض، قديمي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۱۴۹، باب الحيض، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۳۱۱، باب الحيض، رشيديه)

الگ مجلد کرواکر پڑھنی چاہیے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کپڑے رومال وغیرہ سے پکڑ کر اردو کی دعائیں پڑھنا درست ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بچہ کی ولادت پر نفاس نہیں آیا، کیا پھر بھی غسل واجب ہے؟

سوال[۱۹۸۲]: عورت کے بچہ پیدا ہونے کے بعد نفاس نہیں آیا تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قول مختار یہ ہے کہ غسل واجب ہے، کذافی رد المحتار: ۱/۱۱۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

استحاضہ میں مہینہ کے کن دنوں کو حیض شمار کرے اور کن کو طہر؟

سوال[۱۹۸۳]: ۱..... ایک عورت استحاضہ کے مرض میں عرصہ سے مبتلا ہے، خون برابر جاری

---

(۱) "مناجات مقبول کی عربی دعاؤں میں موجود آیاتِ قرآنیہ دعاء کی نیت سے پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ تلاوت کی نیت سے جائز نہیں: "(قوله: قرأة القرآن بقصده)، فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء أو شيئاً من الآيات التي فيها معنى الدعاء و لم ترد القرأة، لا بأس به". (رد المحتار: ۱/۲۹۳، باب الحيض، سعيد)

(كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۱۵۰، باب الحيض، دار المعرفة، بيروت)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۵۷، مطلب: الغسل في أربعة سنة، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "و لو ولدت ولم ترَدماً، لا يجب الغسل عند أبي يوسف .... لكن يجب عليها الوضوء .... و عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يجب الغسل، و أكثر المشايخ أخذوا بقوله، و به كان يفتي الصدر الشهيد، هكذا في المحيط. وقال أبو علي الدقاق: و به نأخذ الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷، الفصل الثاني في النفاس، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار: ۱/۲۹۹، باب الحيض، سعيد)

(و كذا في الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر: ۱/۸۲، باب الحيض، دار الكتب العلميه بيروت)

رہتا ہے، مہینہ میں کبھی کبھی دو تین دن کا وقفہ ہوتا، کبھی وہ بھی نہیں ہوتا اور اپنی قدیم عادت بھی اسے یاد نہیں ہے۔

۲......مہینہ کی کن تاریخوں کو وہ طہر شمار کرے اور کن تاریخوں کو حیض سمجھے؟

۳......کن دنوں میں نماز، روزہ، تلاوت کی پابندی کرے اور کن دنوں میں نہ کرے؟

۴......جن دنوں میں اس پر نماز، روزہ فرض ہے اس کی تعیین فرمائیں۔

۵......جن دنوں میں وہ نماز پڑھ سکتی ہے ان دنوں میں وہ وضو کر کے قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہے اور قرآن کو چھو سکتی ہے یا نہیں؟

۶......طہر اور حیض کے دنوں کی تشریح فرمائیں اور قرآن پاک کی تلاوت کے حکم کو بھی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایسی عورت تحری کرے یعنی اگر اس کو اپنی عادتِ قدیمہ یاد نہیں اور لون سے بھی نہیں پہچانتی تو دل پر بہت زور ڈال کر غور کرے اور خوب سوچے اور اللہ سے دعاء بھی کرے۔ پھر جن ایام کے متعلق اس کا دل گواہی دے کہ یہ حیض کے ایام ہیں، ان کو حیض کا زمانہ تصور کرے، ان میں نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، نہ تلاوت کرے، نہ قرآن پاک کو ہاتھ لگائے۔ ان ایام کے علاوہ بقیہ ایام میں یہ سب کام کرے گی، البتہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرے گی اور اس وضو سے نماز فرض، سنت، نفل سب کچھ پڑھے گی اور تلاوت بھی کرے گی، قرآن پاک کو ہاتھ بھی لگائے گی (۱)۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور پریشانی دور کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "من نسيت عادتها تسمى المحيرة والمضلة" .... وحاصله أنه تتحرى متى ترددت بين حيض ودخول فيه وطهر؟ تتوضأ لكل صلوة .... اهـ". (الدر المختار: ۱/ ۲۸۷، باب الحيض، سعيد)

"المعتادة إذا استمرّ دمها، واشتبه عليها كل من عدد أيام الحيض والمكان والدور، تتحرى، ومضت على ما استقر رأيها عليه، وإن لم يكن لها رأى، لا يحكم الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۰، الفصل الرابع فى أحكام الحيض والنفاس، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق: ۱/ ۱۳۷، باب الحيض، امداديه ملتان)

حیض کا بے وقت آنا

سوال[۱۹۸۴]: اگر کسی خاتون کو ایامِ حیض اس طرح شروع ہوں کہ اول خون کے چند قطرات نمودار ہوں اور پھر اس کے بعد دس دن تک خون بالکل نظر نہ آئے، لیکن دس دن کے بعد پھر حیض کی آمد کثرت سے شروع ہو اور یہ سلسلہ تقریباً پانچ چھ دن تک جاری رہے تو ایامِ حیض، پاکی اور نماز وغیرہ کے لئے کب سے شمار کئے جائیں گے، مثلاً اگر ۲۱/ جولائی سے قطراتِ حیض برائے نام نمودار ہوں اور پھر ۳۱/ جولائی سے سیلان بکثرت ہو اور ۴/ اگست تک جاری رہے تو ایامِ حیض کس تاریخ سے کس تاریخ تک شمار کئے جائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اول قطرات نمودار ہوئے پھر دس دن تک کوئی اثر معلوم نہیں ہوا تو یہ چند قطرات حیض میں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ یہ دس روز مسلسل پاکی کے شمار ہوں گے، اس کے بعد جب بکثرت سیلان ہو اور مسلسل پانچ روز تک رہا تو ان پانچ دن کو ایامِ حیض میں شمار کریں گے۔ صورتِ مسئولہ میں ۲۱/ جولائی سے ۳۰/ جولائی تک حیض نہیں، ۳۱/ جولائی سے ۴/ اگست تک ایامِ حیض ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "هو دمٌ من رحم لا لولادة، وأقله ثلاثة أيام بلياليها الثلاث، وأكثره عشرة بعشرة ليال، والناقص عن أقله والزائد على أكثره الخ". (الدر المختار: ۲۸۴/۱، باب الحيض، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱۲۹/۱، باب الحيض، إمداديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۶۱۵/۱، المطلب الثاني، مدة الحيض والطهر، رشيديه)

الفصل الثانی فی أحکام المعذورین

(معذور کے احکام کا بیان)

معذور کی تعریف اوراس کا حکم

سوال[۱۹۸۵]: زید کو عارضہ ریح کا ہے یعنی اس کی ریح جلدی جلدی خارج ہوتی رہتی ہے، وضو اس کا قرار نہیں پکڑتا، بعض وقت یا بعض دن ایسا ہوتا ہے کہ وضو ایک گھنٹہ تک قائم رہتا ہے اور بعض روز کئی کئی روز ایسے گزرتے ہیں کہ وضو دس منٹ بلکہ اس سے بھی پہلے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس اخراج ریح کی صورت میں وہ شخص فرض قضاء نمازوں کو کس طرح ادا کرے؟ آیا ایک دفعہ تازہ وضو کر کے تمام دن اسی ایک وضو سے پڑھتا رہے خواہ بیچ میں ریح خارج ہورہی ہو یعنی وضو نہ رہا ہو؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گزر جائے کہ اخراجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کر کے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اور اس وضو سے فرض نفل، ادا، قضاء جو دل چاہے پڑھتا رہے، خروجِ ریاح ناقض نہیں ہوگا، وقت خارج ہونا اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے، ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے۔

اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گزر جائے، یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گذر جائے گا تو یہ شخص معذور نہ رہے گا۔ اور اگر کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گزرا کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کر سکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے، خروجِ ریاح اس کے

حق میں ناقض وضو ہے، هكذا في حاشية الطحطاوي، ص:٧٦(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/۱۱/۵۶ھ۔

معذور کا غسل اور اس کی امامت

سوال[۱۹۸۲]: ایک شخص پر غسلِ جنابت واجب ہے، نماز فجر کے پہلے غسل کرنے میں جب کہ سردی بھی شدید ہے بیمار ہونے کا یقین ہے، کیا وہ غسل کا تیمّم کرنے کے بعد وضوء کر کے مکان میں نماز فجر ادا کرے، یا مسجد میں جاکر نماز فجر ادا کرسکتا ہے، جب کہ وہ اس مسجد کا امام بھی ہے اور اس سے زیادہ لائق شخص موجود بھی نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر پانی گرم کرنے کا انتظام ہے تو پانی گرم کرلیا جائے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھیں قضاء نہ کریں۔ غسل کے لئے جو تیمّم کیا جائے وہ وضو کے لئے کافی ہوگا۔ اگر وضو مضر نہ ہو تو تیمّم سے پہلے وضو کرلیں۔ تیمّم سے جو نماز ادا کی جائے اس کے لئے ضروری نہیں کہ مکان پر ہی پڑھیں بلکہ مسجد میں جاکر جماعت سے پڑھیں، جماعت ترک نہ کریں، باجازتِ شرع جو شخص تیمّم کرے وہ امامت بھی کرسکتا ہے:

"أو برد يهلك الجنب أو يمرضه ولو في المصر إذا لم تكن له أجرة حمام ولا مايدفئه".

---

(١)" المستحاضة و من به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ، يتوضؤن لوقت كل صلاة، و يصلون به في الوقت ما شاء وا من فرض ونفل، و يبطل بخروجه فقط .... والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والذي ابتلي به يوجد فيه". (ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر: ١/٨٤، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ١/٣٠٥، مطلب في أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٤٠، مما يتصل بذلك أحكام المعذور، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص:١٤٩، باب الحيض والنفاس، قديمي)

درمختار "قال في البحر: فصار الأصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه، لايباح له التيمم إجماعاً الخ". رد المحتار، ص:١٥٦(١)-

"وترجع المذهب بفعل عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه حين صلى بقومه بالتيمم لخوف البرد من غسل الجنابة وهم متوضئون، ولم يأمرهم عليه الصلوة والسلام بالإعادة حين علم الخ".١/٣٦٣(٢)-

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ غسلِ جنابت کا جس نے بحکمِ شرع تیمم کیا ہو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سلسلِ البول کا حکم

سوال[۱۹۸۷]: ایک شخص جس کا پیشاب پر قابو نہیں، ہر وقت نکلتا رہتا ہے، کسی بھی وقت پاک نہیں رہتا، ہر وقت پیشاب سے کپڑے ناپاک رہتے ہیں، میرے پاس کوئی انتظام بھی نہیں کہ میں ہر وقت کپڑے بدلتا رہوں، کیونکہ نہ تو میرے پاس اتنے کپڑے ہیں اور نہ ہی وسائل، ایسی صورت میں کیا کروں؟ کیا میں ایسی مجبوری میں نماز ادا کرسکتا ہوں؟ اگر آپ اجازت دیں تو کسی صورت میں مسجد میں جا کر یا گھر پر ہی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں آپ شرعاً معذور ہیں، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز ادا کرلیا کریں، پیشاب کی

---

(١)(الدر المختار مع ردالمحتار: ١/٢٣٢، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ١/٢٤٥، نوع آخر في بيان من يجوز له التيمم، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٩٩، باب التيمم، إمداديه)

(٢)(البحر الرائق: ١/٦٣٦، كتاب الصلاة، باب الإمامة، رشيديه)

وجہ سے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، نہ کپڑے بدلنا لازم ہے (۲)۔ مسجد میں پیشاب نکلنے کا اندیشہ ہو تو مسجد میں نہ جائیں، مکان پر ہی ادا کرلیا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

پیشاب کے بعد جس کو قطرہ آتا رہتا ہو وہ کب معذور ہوگا؟

سوال [۱۹۸۸]: بعض اوقات روئی نہیں رکھ پاتا ہوں تو کیا میں معذور نہیں ہوں جبکہ تیس چالیس منٹ تک بلا مبالغہ پیشاب میں لگتے ہیں۔ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، چل کر ہر طرح قطرہ پیشاب نکالتا ہوں اور بعض دفعہ پینتالیس منٹ بھی لگ جاتے ہیں، ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ۱۵، ۲۰/ منٹ میں فرصت مل جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض اتنی سی بات سے آپ معذور نہیں، البتہ اگر کسی نماز کا پورا وقت اس حالت میں گزر جائے کہ برابر قطرہ آتا رہے اور اتنی مہلت نہ مل سکے کہ آپ وضو کرکے نماز پڑھ لیں تو آپ معذور ہو جائیں گے، لیکن جب ایسا نہیں بلکہ تیس چالیس منٹ کے بعد آپ مطمئن ہو جاتے ہیں اور قطرہ نہیں آتا تو آپ معذور نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "صاحب عذر مَن به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة .... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة ولو حكماً .... وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً، فإذا خرج الوقت بطل". (الدر المختار: ۱/۳۰۵، مطلب: أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي: ۱۴۸، باب الحيض والنفاس والاستحاضه، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۴۴۲، المطلب الثامن: وضوء المعذور، رشيديه)

(۲) "وإن سال على ثوبه فوق الدرهم، جاز له أن لا يغسله إن كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها: أي الصلاة". (الدر المختار: ۱/۳۰۶، مطلب: أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۱۲، الفصل الثالث في الوضوء، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۵۵، مسائل الأصل الثالث، غفاريه)

(۳) "(إن استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة) بأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ و يصلي فيه =

جس کی منی برابر نکلتی رہتی ہو اس کا حکم

سوال[۱۹۸۹]: زید کو ہر وقت منی آتی رہتی ہے، شروع شروع میں تمام نمازں کے اوقات میں نہیں آتی تھی، لیکن اب تقریباً تمام نمازوں کے اوقات میں آتی رہتی ہے، لیکن نماز کے پورے وقت میں نہیں آتی بلکہ وقت کے کسی حصہ میں آگئی اور کسی حصہ میں رک گئی اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دو وقت خالی بھی چلا جاتا ہے، لیکن وہ وقت بھی مشتبہ رہتا ہے، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک دو وقت خالی گذرے۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کو معذور شرعی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسا شخص اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے، کئی کئی مرتبہ وضو کرنا پڑتا ہے؟ جو صورت ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں یہ شخص شرعاً معذور نہیں، ہر مرتبہ خروجِ منی اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے، بدن کو پاک صاف کر کے روئی اندر رکھ لے، اس طرح نماز پڑھ لے، جب روئی پر تری ظاہر ہوگئی تب وضو ٹوٹے گا اور حکم لگایا جائے گا ناقضِ وضو ہونے کا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پیشاب کے بعد قطرہ کا آنا

سوال[۱۹۹۰]: ایک شخص ہیں جنہیں پیشاب کی بیماری ہے کہ استنجا کرنے کے بعد کچھ دیر تک

= خالیاً عن الحدث". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۰۵، مطلب فی أحکام المعذور، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریہ: ۱/۴۰، مما یتصل بذلک أحکام المعذور، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنہر: ۱/۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۱۴۹، باب الحیض والنفاس، قدیمی)

(۱) "ینقض لو حشا إحلیله بقطنة وابتل الطرف الظاهر، هذا لو القطنةُ عالیةً أو محاذیةً، وإن متسفلةً عنه لا ینقض". (الدر المختار: ۱/۱۴۹، نواقض الوضوء، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱/۵۶، مسائل الأصل الثالث، غفاریہ)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۱۷، الفصل الثالث، امجد اکیڈمی، لاہور)

قطرے آتے رہتے ہیں، ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ نماز سے آدھ گھنٹہ پہلے استنجا کرلیا کیجیے، پھر لنگی کو بدل کر دوسری لنگی پہن کر نماز پڑھ لیا کیجیے۔ اگر یہ مسئلہ مولوی صاحب کا صحیح ہے تو اب جو قطرے آئے اس کی وجہ سے عضو کو دوبارہ دھوئے یا نہیں یا صرف لنگی بدل کر نماز پڑھ لے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ شخص شرعاً معذور ہے تو اس کو دوبارہ عضو دھونے کی ضرورت نہیں اور یہ لنگی بدلنا بھی واجب نہیں، بلکہ محض تقلیلِ نجاست کے لئے ہے، اگر وہ شرعاً معذور نہیں تو اس کو عضو دھونا بھی ضروری ہے اور وضو کا اعادہ بھی لازم ہے، محض لنگی بدلنا کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

''نظام'' جون/۱۹۶۴ء۔

پیشاب کے بعد قطرہ آنے سے وضو کا حکم

سوال[۱۹۹۱]: مجھے دو سال سے پیشاب کے بارے میں خلل ہوتا آرہا ہے، وہ یہ کہ جب پیشاب کرتا ہوں اور پانی سے صاف کرنے کے بعد دو تین بار، کبھی زیادہ قطرے پیشاب کے نکلتے ہیں لیکن وہ قطرے نکلنے کے بعد پھر دوبارہ پیشاب کو جانے تک نکلتے نہیں، کبھی کبھی پانی کے بغیر کپڑے سے صاف کرے تو قطرے نہیں نکلتے، یہ سلس البول کی طرح نکلتے نہیں بلکہ جب پیشاب کو جاتا ہوں اس کے بعد نکلتا ہے، ایک دن میں دس مرتبہ پیشاب کرنے گیا تو پھر دس مرتبہ ہی وہ قطرے نکلتے ہیں، اس کے لئے کئی علاجوں سے ناکام ہوگیا اور اس وجہ سے اطمینان سے عبادت نہیں کرسکتا ہوں۔

اب جو بات ہے کہ پیشاب کے بعد وضو کرتا ہوں، اس وقت یا وضو سے فارغ ہونے کے بعد نکلتا ہے تو یہ وضو فی المذہب شافعی ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک وضو سے کئی فرض کی نماز پڑھ سکتا ہوں اور وقت آنے سے پہلے نماز کے لئے اس حالت میں وضو کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سلس البول نہیں جس کی وجہ سے آدمی شرعی معذور ہوجاتا ہے، اس لئے وضو کے بعد جب پیشاب کا

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''معذور کی تعریف اور اس کا حکم''۔)

قطرہ نکل آئے گا تو وضو باقی نہیں رہے گا دوبارہ وضو کی ضرورت پیش آئے گی، وضو کے بعد جب قطرے نہ آئیں تو اس وضو سے متعدد نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ وقت سے پہلے بھی وضو کر سکتے ہیں، قطرے سے تحفظ کے لئے ڈھیلا یا کپڑا بھی استعمال کر سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۶ھ۔

تقاطرِ بول کا حکم

سوال[۱۹۹۲]: بندہ کو مسلسل چھ سال سے تقاطر بول کی شکایت ہے، اکثر تو پیشاب کرنے کے فوراً بعد، یا کچھ دیر بعد، یا کبھی نماز کے اندر، یا وضو کرنے کے وقت پیشاب کے قطرے نکل آتے ہیں، اب جب نماز میں یہ حالت پیش آتی ہے تو بندہ وضو کے لئے جائے گا تو ادھر جماعت ختم ہو جاتی ہے تو اس صورت میں بندہ کیا کرے؟ کبھی پیشاب کی تعداد اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ درہم کی تعداد سے زیادہ ہے۔ بندہ کو کبھی عین درس کی حالت میں یہ بیماری پیش آتی ہے اور درس کے وقت میں وضو کا ہونا ضروری ہے، اگر بندہ وضو کے لئے جائے گا تو سبق فوت ہو جائے گا۔ بندہ اس صورت میں کیا کرے؟

بندہ فی الحال ایک کپڑا استعمال کرتا ہے اور ہر نماز سے پہلے کپڑے کو دھولیتا ہے، پیشاب کر کے وضو کرتا ہوں پیشاب کے قطرے نکلے یا نہیں۔ تو کیا میری نماز صحیح ہوئی یا نہیں، یا بندہ سب کی قضا کرے، کیا بندہ صاحبِ عذر نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ صاحب عذر (شرعی معذور) نہیں ہیں تو جو نمازیں قطرے آنے کی حالت میں یا قطرے

---

(۱) "شرط ثبوت العذر ابتداءً أن يستوعب استمراره وقت الصلاة كاملاً، وهو الأظهر، كالانقطاع لايثبت مالم يستوعب الوقت كله حتى لو سال دمها في بعض وقت صلاة، فتوضأت وصلت ثم خرج الوقت ودخل وقت صلاة أخرى وانقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلاة لعدم الاستيعاب ...... وشرط بقائه أن لا يمضي عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلي به يوجد فيه الخ ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱، الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۳۰۵، أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاح، ص: ۱۵۳، ما يبطل به وضوء المعذور، حقانيه)

آنے کے بعد بغیر وضو کئے ناپاک کپڑے سے (جبکہ مقدارِ عفو سے زائد ہو) پڑھی ہوں، ان سب کا اعادہ ضروری ہے(۱)۔ قطرہ آنا آپ کے حق میں ناقضِ وضو ہے، قطرہ کے لئے مستقل کپڑا رکھیں، نماز کے وقت اس کو الگ کر دیا کرے یا نماز کے لئے مستقل لنگی رکھیں، اگر اتفاقاً وہ ناپاک ہو جائے تو پاک کرلیں۔

سبق کے لئے پاک رہنا ضروری نہیں، قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ نہ لگائیں اور ضرورت پیش آئے تو رومال سے پکڑلیں، کتاب میں گنجائش ہے، احتیاط کرنا چاہیں تو کتاب کو بھی رومال سے پکڑ لیا کریں، وضو میں سبق کے وقت زحمت ہو اور بغیر وضو کتاب سمجھ میں نہ آئے تو تیمم کی گنجائش ہے، زیادہ تشویش میں نہ پڑیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

قطرہ خارج ہونے کا شبہ ہو تو وضو برقرار رہے گا یا نہیں؟

سوال[۱۹۹۳]: اگر کسی کو نماز کے اندر یا نماز سے پہلے پیشاب کے قطرہ آجانیکا شبہ ہوا ہو تو ہر دو صورت میں کیا عمل کرنا چاہیے، آیا وضو ہی رہے گا یا تازہ کرنا پڑھے گا؟ قطرہ کا آنا یقینی معلوم نہیں ہوا کہ آیا یا نہیں، اور اس وقت دیکھ بھی نہیں سکتا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ شخص شرعاً معذور نہیں تو قطرہ آنے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جائیں گے، جب قطرہ آئے فوراً نیت توڑ دے اور یہ اس وقت ہے کہ قطرہ کا آنا یقین سے معلوم ہو جائے اور محض شبہ سے کچھ نہیں ہوتا، نہ نماز ٹوٹتی ہے نہ وضو۔ اور شبہ کا علاج یہ ہے کہ وضو کے بعد رومالی پر پانی کا چھینٹا دے لیا کرے، لیکن اتنا خیال رہے کہ اگر قطرہ آیا تو نماز اور وضو ٹوٹنے کے علاوہ رومالی بھی ناپاک ہو جائے گی۔

شرعاً معذور وہ شخص ہے جس کو کوئی ایسا عذر لاحق ہو کہ جس سے وہ باوضو نہ رہ سکتا ہو، اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت ایسا گزر گیا کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہوا بلکہ مسلسل پورے وقت میں اس کو یہ عذر

---

(۱) "ولو صلی مع هذا الثوب صلوات ثم ظهر أن النجاسة في الطرف الآخر، يجب عليه إعادة الصلوات التي صلى مع هذا الثوب الخ". (خلاصة الفتاوى: ۱/۴۰، الفصل السادس في غسل الثوب والدهن ونحوه، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۴۲، باب الأنجاس، إمداديه)

5

لاحق رہا تو وہ شرعاً معذور ہے، اس کے بعد ہر نماز کے وقت میں ایک دو مرتبہ اس کا پایا جانا ضروری ہے، اگر پورے وقت میں ایک دو مرتبہ بھی یہ عذر نہیں پایا گیا تو وہ معذور نہیں۔ اور معذور کا حکم یہ ہے کہ اس کو ہر وقت کے لئے مستقل وضو کرنا چاہیئے، ایک وضو سے دو وقت کی نماز جائز نہیں اور اس عذر سے وضو میں نقصان نہیں آئے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

کبھی قطرے آجائیں اور کبھی نہیں تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۹۹۴]: مجھے عارضہ قطرہ کا ہے، کبھی دو دو ماہ برابر آتا رہتا ہے، کبھی دو دو تین تین ماہ نہیں آتا، بعض اوقات اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھتا ہوں، قطرہ کا گمان بھی نہیں ہوتا، لیکن نماز پڑھتے ہوئے قطرہ نکل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا صورت اختیار کرنی چاہیے، آیا نیت توڑ کر وضو کر کے جماعت میں شامل ہوں یا ویسے ہی پڑھتا رہوں اور بعد نماز کپڑے پاک کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آپ شرعاً معذور نہیں تو قطرہ آنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، فوراً نیت توڑ کر وضو کرنا چاہیے، اور کپڑا بھی پاک کرنا چاہیے، اگر شرعاً معذور ہیں تو نماز نہیں ٹوٹی (۲)۔ ''بہشتی زیور'' حصہ اول میں معذور کی تعریف اور احکام دیکھیے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

اگر قطرہ آنے کا احتمال ہو تو کیا کرے

سوال [۱۹۹۵]: ایک شخص کو نماز میں کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ ذکر سے پیشاب کا قطرہ نکل رہا

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''معذور کی تعریف اور اس کا حکم''۔)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''معذور کی تعریف اور اس کا حکم''۔)

(۳) (بهشتی زیور، ص: ۷۴، کتاب الطهارة، معذور کے احکام، مکتبه مدنیه، لاهور)

ہے، مگر یقین حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ نماز کی حالت میں معائنہ کی کوئی شکل نہیں ہے تو کیا یہ شخص محض اس خیال کی وجہ سے نماز کو چھوڑ کر دوبارہ وضو کرلے اور اگر نماز کو جاری رکھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تجربہ ہے کہ یہ صرف متخیل ہے، واقعتاً قطرہ نہیں تو نماز کو توڑنے کی ضرورت نہیں، اگر تجربہ ہے کہ واقعۃً قطرہ ہے تو نماز کو توڑ کر دوبارہ وضو کرکے نماز پڑھے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۱۴۰۰ھ۔

قطرہ آنے کے بعد کیا عضو کا دھونا لازم ہے؟

سوال [۱۹۹۲]: ۱...... پیشاب اور استنجا سے فارغ ہونے کے بعد اگر پیشاب کا قطرہ نکلا تو اس کے ایک دو قطرے کی وجہ سے بھی ذکر کا دھونا ضروری ہے، یا بعینہٖ وضو کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... ایک شخص کو پیشاب کے قطرے نکلنے کی ایسی شکایت ہے کہ استنجاء بالماء کے بعد وہ احتیاطاً اپنے إحلیل (ذکر) میں روئی کا ٹکڑا رکھ دیتا ہے، آدھے گھنٹہ کے بعد پیشاب کا قطرہ آنا بند ہوجاتا ہے، مگر اس روئی پر کچھ قطرہ نظر آتا ہے، اب اس کا حال یہ ہے کہ روئی نکالنے کے بعد جب ذکر دھوتا ہے تو اس سے تری لگنے کی وجہ سے پھر قطرہ آنا شروع ہوجاتا ہے۔ تو کیا ایسے آدمی کے لئے اس کی اجازت ہے کہ روئی پر قطرہ نظر آنے کے

---

(۱) "(وینقضه خروج) کل خارج نجس (منه) من المتوضی الحی معتاداً أولا، من السبیلین أولا (إلی ما یطهر) ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهور". (الدرالمختار).

قال ابن عابدینؒ: "(قوله: مجرد الظهور): أی الظهور المجرده عن السیلان، فلو نزل البول إلی قصبة الذکر لاینقض لعدم ظهوره". (ردالمحتار: ۱/۱۳۴، ۱۳۵، نواقض الوضوء، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۵۱، نواقض الوضوء، إمدادیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱/۴۵، نواقض الوضوء، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"ولو أیقن بالطهارة وشک بالحدث أو بالعکس، أخذ بالیقین". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۵۰، نواقض الوضوء، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۳، نواقض الوضوء، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۱۸، الفصل الثالث فی الوضوء، امجد اکیڈمی، لاهور)

باوجود ذکر کو دھو کر......وضو کر کے نماز پڑھ لے؟ کیونکہ جب دھوتا ہے تو پھر قطرہ آنے لگتا ہے اور اگر نہیں دھوتا ہے تو قطرہ نہیں نکلتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......پانی سے پاک کرنا اعلیٰ بات ہے جب کہ وہ قطرہ اس (کے) بدن پر نہ لگا ہو، اگر لگ گیا ہو تو پانی سے پاک کرنے کی تاکید ہے(۱)۔

۲......ایسا آدمی اب پانی سے نہ دھوئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس عورت کو سیلان الرحم ہو اس کے وضو کی صورت

سوال[۱۹۹۷]: اگر کسی عورت کو لیکوریا کی بیماری ہو، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سفید لیس دار پانی نکلتا رہتا ہو تو کیا اس صورت میں اس کا وضو باقی رہے گا اور کیا وہ اس سے نماز یا قرآن شریف کی تلاوت کر سکتی ہے اور یہ کہ نماز میں مادہ نکل آئے تو کیا اس کو دوبارہ لوٹانا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی عورت ایک دفعہ اندازہ کرلے کہ اگر ایک نماز کا پورا وقت اس کو اس مادہ کے جاری ہونے کی حالت میں گذر جائے اور نماز ادا کرنے کی فراغت نہ ملے تو وہ شرعاً معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے، پھر اس وضو سے فرض، سنت، نفل سب کچھ وقت کے اندر پڑھ سکتی ہے، اس مادہ کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، جب وقت ختم ہو کر دوسرا وقت شروع ہو جائے تو دوبارہ وضو کرے:

"تتوضأ المستحاضة ومن به عذر كسلسل البول أو استطلاق بطن وانفلات ريح ورعاف وجرح لا يرقأ لوقت كل فرض، ويصلون به ماشاؤا من الفرائض والنوافل. ويبطل وضوء

---

(۱) "يطهر بدن المصلي وثوبه من النجس الحقيقي بالماء وبكل مائع طاهر مزيل الخ". (مجمع الأنهر: ۸۶/۱، باب الأنجاس، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۷۱/۱، باب الأنجاس وتطهيرها، مكتبه شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۴۰/۱، المبحث الثاني، شروط وجوب الطهارة، رشيديه)

المعذورين بخروج الوقت الخ". كذا في مراقي الفلاح(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سیلان الرحم کا حکم

سوال[۱۹۹۸]: اگر کسی عورت کو براہِ فرج سفیدی آتی رہتی ہے، اکثر و بیشتر چلتے پھرتے جب چاہے نکل آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور کپڑا ناپاک ہوتا ہے یا نہیں؟ جبکہ نماز کا وقت باقی نہ رہتا ہو اور بار بار یہ صورت ہوتی ہو تو ادائیگی نماز کس طرح ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ سفیدی ناپاک ہے اس سے وضو بھی دوبارہ کرنا ہوگا اور کپڑا بھی نجس ہو جائے گا، اس لئے کپڑا اندر رکھ لیا جائے، ہاں! اگر اس کی اتنی کثرت ہو کہ ایک نماز کا پورا وقت اس طرح گذر جائے کہ اس کو وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہ ملے، مسلسل سفیدی آتی رہے، مثلاً مغرب کا پورا وقت ڈیڑھ گھنٹا ہے اتنے وقت میں اس کو چند منٹ بھی سفیدی سے فراغت نہیں ملی کہ وہ وضو کر کے تین رکعت پڑھ سکے تو وہ ایسی حالت میں شرعاً معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو وضو کر لے، اسی وضو سے وقت کے اندر فرض، سنت، نفل سب کچھ پڑھ لے، سفیدی آنے سے نہ تجدیدِ وضو کی ضرورت ہوگی نہ کپڑے پر ناپاکی کا حکم لگے گا۔ پھر جب دوسری نماز کا وقت آئے تو دوبارہ وضو کر لے، پھر جب کسی ایک نماز کا پورا وقت بغیر سفیدی کے گزر جائے گا تو معذوری کا حکم بھی ختم ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مراقي الفلاح، ص: ۱۴۸، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، قديمي)

"صاحب عذر من به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة .... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة ولو حكماً .... وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يُصَلّي به فيه فرضاً ونفلاً، فإذا خرج الوقت بطل". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۰۵، مطلب في أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۴۴۲، المطلب الثامن: وضوء المعذور، رشيديه)

(۲) "ويتوضأ من به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ لوقت =

کیا کثیر الاحتلام معذور ہے؟

سوال[۱۹۹۹]: زید احتلامِ شدید کے مرض میں مبتلا ہے، تقریباً ہر روز ہی احتلام ہوتا ہے، بدن کے اعتبار سے کمزور اور لاغر ہے، ہر روز سردی کے موسم میں غسل کرنا بہت دشوار ہے، اگر غسل نہ کرے اور نماز پڑھے تو طبعی کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں شرعی معذور کا حکم ہوگا یا نہیں؟

"کشف الحاجہ ترجمہ مالا بدمنہ" میں ہے کہ:

"اگر کسی نمازی کا سارا بدن اور کپڑا ناپاک ہے اور وہ بے چارہ پانی کے استعمال پر قدرت نہیں رکھتا تو اس کو اس ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنی جائز ہے بشرطیکہ ستر ڈھانکنے کے بقدر کپڑا میسر نہ ہو"۔

ص: ۱۹ (مالا بدمنه، ص: ۲۸، کتاب الطهارة، فصل در تیمم، میر محمد کتب خانه، کراچی)

"مسئله: اگر بدنِ مصلی یا پارچهٔ او نجس باشد وبر استعمالِ آب قادر نباشد، او رانماز بانجاست جائز ست، اگر مبر پارچهٔ پاک یصلی بقدر مستر عورت قادر نباشد"۔

اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مالا بدمنہ کے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص بیمار ہے، مثلاً دستوں کا عارضہ ہے، یا اس کو کوئی زخم ہے جس سے ہر وقت رطوبت جاری رہتی ہے، وہ نہ خود اپنے کپڑوں کو پاک کر سکتا ہے نہ وضو کر سکتا ہے، صاحبِ فراش ہے تو وہ ایسی ہی حالت میں نماز ادا کرے(۱)، یا ایک لنگی مستقلاً نماز کے لئے تجویز کر لیں کہ جب ضرورت

= كل فرض، ويصلون به فرضاً و نفلاً، و يبطل بخروجه فقط، و هذا إذا لم يمض عليهم وقت فرض إلا و ذلك الحدث يوجد فيه الخ". (البحر الرائق: ۱/۳۷۴، باب الحيض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۳۰۵، مطلب في أحكام المعذور، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۰، مما يتصل بذلك أحكام المعذور، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۱۴۹، باب الحيض، قديمي)

(۱) "ثم قال: مريض مجروح تحته ثياب نجسة، إن كان بحال لايبسط تحته شيئ إلا تنجس من ساعته، له أن يصلي على حاله، وكذا لولم يتنجس الثاني إلا أن يزداد مرضه، له أن يصلي فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۲۰۲، رشيديه)

ہواور سب کپڑے ناپاک ہوں تو اس کو استعمال کرلیا کریں، بغیر نماز کے اس کو استعمال نہ کریں، مبادا وہ ناپاک ہوجائے، پھر احتلام سے جو نجاست بدن پر لگے اس کو پاک کرلیں (۱)۔ اگر غسل سے مرض پیدا ہوجائے یا مرض میں شدت ہوجائے تو تیمّم کرکے نماز ادا کرلیا کریں (۲) طبعی کراہت کا خیال نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "یجب تطهير ما أصابته النجاسة من بدن أو ثوب أو مكان لقوله تعالى: ﴿وثيابك فطهر﴾ الخ".

(الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۲۴۰، المبحث الثاني، شروط وجوب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۲۲۰، تطهير النجاسات، غفاريه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۰۵، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "من عجز عن استعمال الماء لبُعده أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة الظن أو قول حاذق مسلم ولو بتحرك، أولم يجد من توضئه .... أو برد .... أو خوف عدوٍ .... أو عطش .... تيمم لهذه الأعذار كلها". (الدر المختار: ۱/۲۳۲، باب التيمم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۵۷۳، المرض وبطء البئر، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۹۸، باب التيمم، إمداديه)

باب الأنجاس

الفصل الأول فی الأنجاس وتطهیرها

(نجاست اوراس سے پاکی کا بیان)

دودھ پینے والے بچوں کا پیشاب

سوال[۲۰۰۰]: دودھ پینے والے بچوں کا پیشاب پاک مانا گیا ہے یا ناپاک یعنی ایسے بچوں کا پیشاب لگے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناپاک ہے، بغیر پاک کئے نماز درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دودھ پیتے بچے کی قے کا حکم

سوال[۲۰۰۱]: دودھ پیتا بچہ دودھ پینے کے بعد قے کرتا رہتا ہے، اس کی قے منہ بھر کر قے کی تعریف میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر قے جسم یا کپڑے پر لگ جائے تو نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وبول غیر مأکول و لو من صغیرٍ لم یطعم .... اهـ". (الدرالمختار). (قوله:لم یطعم) -بفتح الیاء-: أی لا یأکل، فلا بد من غسله الخ". (ردالمحتار: ۳۱۸/۱، باب الأنجاس، سعید)

"فالغلیظة کخمر .... بول ما لا یؤکل لحمه کالآدمی ولو رضیعاً". (مراقی الفلاح). قال الطحطاوی: "(قوله:و لو رضیعاً) لم یطعم، سواء کان ذکراً أو أنثی". (حاشیة الطحطاوی، ص:۱۵۴، باب الأنجاس ، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریه: ۴۶/۱، الفصل الثانی فی الأعیان النجسة ، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چھوٹا بچہ جب قے کرے تو اس کے منہ کا اعتبار ہوگا، اگر منہ بھر کر کرے تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بڑے آدمی کی منہ بھر کرتے کا ہے، جسم یا کپڑے پر لگ جائے تو وہ ناپاک ہے اس کا پاک کرنا ضروری ہے، اگر وہ مقدارِ درہم ہو تو نماز سے پہلے اس کو پاک کرنا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دودھ میں چوہا گر کر تیرنے لگا

سوال[۲۰۰۲]: اگر پانچ کلو دودھ کے بھرے برتن میں ایک چوہا گر جائے اور تیر گیا ہو اور اس کو زندہ نکال کر پھینک دیا جائے تو وہ دودھ پاک ہوگا یا ناپاک؟ اور ایسا دودھ اگر کوئی مسلم دوکاندار مسلمانوں کو چائے میں استعمال کروادے تو اس کے لئے شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے وہ دودھ نجس نہیں ہوا، اس کا استعمال کرنا اور فروخت کرنا سب درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "و ینقضہ قئٌ مَلأ فاہ بأن یضبط بتکلف من مِرّة أو علق أو طعام أو ماء إذا وصل إلی معدتہ وإن لم یستقر، وھو نجس مغلظ ولو من صبی ساعة ارتضاعہ، ھو الصحیح لمخالطة النجاسة". (الدرالمختار: ۱/۱۳۷، نواقض الوضوء، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۱۲۹، نواقض الوضوء، سھیل اکیڈمی، لاھور)

(۲) "إذا وقعت فی البیر .... إن کان الواقع فارة أو نحوھا کالعصفور ونحوه، لا یخلو: إما إن أخرج حیاً أو میتاً، و بعد الموت تفسخ أو لا، إن أخرج حیاً لا یتنجس الماء أیّ حیوان وقع، إلا الکلب والخنزیر الخ". (خلاصة الفتاوی: ۱/۱۰، جنس آخر فی مسائل البیر، امجد اکیڈمی، لاھور)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۱۹، الثالث: ماء الآبار، رشیدیه)

"فارة وقعت فی البئر، أو عصفورة أو دجاجة أو شاة أو سنور، و أخرجت منھا حیةً، لا ینجس الماء و لا یجب نزح شیء منھا استحساناً. الخ". (النھرالفائق: ۱/۸۷، فصل فی الآبار، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۱/۱۸۳، نوع آخر فی ماء الآبار، إدارة القرآن کراچی)

چوہے کی مینگنی پکے ہوئے چاول میں ملی تو اس کا حکم

سوال[۲۰۰۳]: چوہے کی مینگنی پکے ہوئے چاول میں نکل آئے تو چاول کھایا جائے یا پھینک دیا جائے، چوہے کی مینگنی پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مینگنی سالم ہے تو اس کے پاس والے چاول (دو چار دانے) کے علاوہ سب کھانا درست ہے، احتیاطًا پاس والے چاول الگ کردئے جائیں، کذا فی رسم المفتی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوہے کی مینگنی کھانے میں

سوال[۲۰۰۴]: چوہے کی مینگنی کھانے کے ساتھ پکی ہوئے پائی جائے تو اس سالن کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مینگنی موجود ہے، اس کو نکال کر پھینک دیں اور کھانا وغیرہ کھالیں جب کہ وہ سخت ہو، اگر نرم ہو کر گھل گئی ہو تو نہ کھائیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال العلامہ الحلبی: "لو وقع بعر الفارة فی الحنطة، فطحنت، حیث لا ینجس مالم یظهر أثره فی الدقیق؛ إذ الضرورة هناک أشد، حتی إن کثیراً ما یفرخ فیها، والاحتراز عنه متعذر ...... والاحتراز عنه ممکن فی الماء، غیر ممکن فی الطعام والثیاب، فیعفی عنه فیهما الخ". (الحلبی الکبیر، ص: ۱۵۰، فصل فی الأنجاس، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱/۳۱۹، مبحث فی بول الفارة وبعرها، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱/۲۱۱، الفصل السابع فی النجاسات وأحکامها، غفاریه کوئٹه)

(۲) "خبز وُجد فی خلاله خرء فارة، فإن کان الخرء صلباً، رمی به وأکل الخبز". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین: "(قوله: إن کان الخرء صلباً): أی یابساً. زاد فی مختارات النوازل: وإن کان متفتتاً مالم یتغیر طعمه یؤکل أیضاً" (ردالمحتار، کتاب الخنثی: ۶/۷۳۲، سعید) .... =

تیل، دودھ اور دہی میں مینگنی کا حکم

سوال[۲۰۰۵]: تیل، دودھ، دہی، میں اگر چوہے کی مینگنی پائی جائے تو کیا تیل ناپاک ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کا رنگ یا ذائقہ اس دودھ وغیرہ میں ظاہر نہ ہو تو پاک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چمار کا دوہا ہوا دودھ پاک ہے یا ناپاک؟

سوال[۲۰۰۶]: ایک شخص چمار جو کہ کاشت کار ہے اس کے یہاں دو بھینسیں ہیں، اس کا لڑکا ہاتھ دھوکر مسلمان کے برتن میں دودھ نکالتا ہے اور ایک شخص ہندو ہاتھ دھوکر تمام گاؤں کا دودھ لیتا ہے اور باڑتا (وزن کرتا) ہے۔ چند مسلمان اور ہندو اعتراض کرتے ہیں کہ چمار کے یہاں کا دودھ لینا ٹھیک نہیں اور ہندو کے ہاتھ کا دودھ جائز ہے۔ لہٰذا تشریح کردیجئے تاکہ اہلِ دیہہ کو فتویٰ دکھا کر تسلی کردی جائے۔

= "وكذا بعر الفارة إذا وقع في الدهن: لا يفسده إذا كان قليلاً بحيث لا يظهر طعمه و لا ريحه فيه لعموم البلوى .... مالو وقع بعر الفارة في الحنطة، فطحنت حيث لا ينجس ما لم يظهر أثره في الدقيق؛ إذ الضرورة هناك أشد، حتى أن كثيراً ما يفرح فيها، والاحتراز عنه متعذر. الخ". (الحلبي الكبير، ص: ۱۵۰، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۲۸۹، الفصل السابع في النجاسات الخ، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۸، باب الأنجاس، رشيديه)

(۱) "ولا يفسد خرء الفارة الدهن والماء والحنطة للضرورة، إلا إذا ظهر طعمه أو لونه في الدهن ونحوه، لفحشه وإمكان التحرز عنه حينئذٍ". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "وفي القهستاني عن المحيط: خرء الفارة لايفسد الدهن والحنطة المطحونة مالم يتغير طعمها. قال أبوالليث: وبه نأخذ".

(ردالمحتار، كتاب الخنثى: ۶/۷۳۲، سعيد)

(وكذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۵۰، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۲۸۹، الفصل السابع في النجاسات الخ، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸، باب الأنجاس، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اپنے سامنے کسی غیر مسلم کے ہاتھ پاک کرادے تو وہ پاک ہوں گے۔ مسلمان کا برتن بھی پاک، اس کے ہاتھ بھی پاک تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اگر اس کے ہاتھ پاک نہ کرائے تو چونکہ چمار اکثر نجاست میں ملوث رہتے ہیں، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس کے ہاتھ بھی نجس ہوں گے، اس سے احتیاط بہتر ہے، اگر چہ قطعی حکم ناپاکی کا اس وقت بھی نہیں لگایا جاسکتا جب تک کسی معتبر طریقہ سے خواہ دیکھ کر، یا کسی معتبر شخص کے بتانے سے پختہ علم نہ ہوجائے (۱)۔ تاہم اگر مسلمان نکالنے والا ملے تو اس کو ہندو چمار وغیرہ سب پر ترجیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور م ۱۲/۳/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

شیرہ سے کتے نے چاٹ لیا اس کا حکم

سوال [۲۰۰۷]: ایک برتن میں گڑ تھا جس کے اوپر شیرہ تھا، ایک کتے نے اس کے اندر منہ ڈال کر اس میں سے کچھ شیرہ کھالیا۔ پس اس گڑ کا کیا حکم ہے، اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ شیرہ منجمد ہے تو اوپر سے جس جگہ سے کتے نے کھایا ہے تھوڑا پھینک دیا جاوے باقی سب پاک ہے اور اگر شیرہ منجمد نہیں بلکہ سائل ہے تو وہ سب ناپاک ہوگیا اور اس کے اتصال کی وجہ سے گڑ بھی ناپاک ہوگیا۔ اس کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کے برابر اس میں پانی ڈالا جاوے اور خوب ہلا کر جوش دے لیا جاوے حتی کہ پانی اور گڑ دونوں ممتاز ہوجائیں، پھر اس پانی کو پھینک کر اتنا ہی پانی ڈال دیا جائے، غرض اسی طرح تین

---

(۱) "من شک فی إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر ما لم یستیقن، و کذا الآبار والحیاض التی یستقی منها الصغار و الکبار والمسلمون و الکفار، وکذالک السمن والجبن الأطعمة التی یتخذها أهل الشرک والبطالة الخ". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱/۱۴۲، نوع فی مسائل الشک، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی رد المحتار: ۱/۱۵۱ نواقض الوضو، سعید)

مرتبہ جوش دینے سے پاک ہوجاوے گا، کذا في نفع المفتي والسائل، ص: ٤٦ (١)، و ردالمحتار: ٣٤٥/١ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۵/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۶/محرم/۵۴ھ۔

ناپاک شیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۰۸]: ایک مکان کے اندر شیرہ رکھا ہوا تھا، اس میں چوہا گر کر مر گیا تھا تو شیرہ نجس ہو گیا، اس کی طہارت کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شیرہ اتنا پتلا (رقیق) ہے کہ چوہا مرنے سے اس کے نجس اجزا اس میں شامل ہوگئے ہیں تو وہ نجس ہوگیا، اس کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ شیرہ کے برابر پانی ملا کر پکایا جائے تا کہ پانی جل جائے، شیرہ باقی رہ جائے، پھر اسی طرح پانی ملا کر پکایا جائے، تین دفعہ کے بعد وہ پاک ہو جائے گا۔

اگر شیرہ اتنا پتلا نہیں تھا بلکہ گاڑھا (غلیظ) تھا کہ نجس اجزا اس میں نہیں تھے تو جس جگہ گر کر مرا ہے وہاں سے کچھ شیرہ نکال کر جدا کر دیا جائے، باقی پاک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۹ھ۔

---

(١) (نفع المفتي والسائل ص: ١٤٥، كتاب الأنجاس ومايتعلق بها، المطهر الحادي عشر، دار ابن حزم، بيروت)

(٢) "و يطهر لبن و عسل و دهن و دبس يغلي ثلاثاً". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "لو تنجس العسل، فتطهيره أن يصب فيه ماء بقدره، فيغلي حتى يعود إلى مكانه، هكذا ثلاث مرات". (ردالمحتار: ٣٣٤/١، مطلب في تطهير الدهن والعسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤٢/١، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٩١/١، باب الأنجاس، دارالكتب العلميه، بيروت)

(٣) قال العلامة الحصكفيؒ: "و يطهر لبن و عسل و دهن و دبس يغلي ثلاثاً". (الدرالمختار).

قال ابن عابدينؒ: "لو تنجس العسل، فتطهيره أن يصب فيه ماء بقدره، فيغلي حتى يعود إلى =

سوکھا کتا پاک ہے یا ناپاک؟

سوال[۲۰۰۹]: سُوکھا کتا پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوکھا کتا اگر کپڑے یا بدن سے لگ جائے تو ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا گاہتے وقت بیل کا غلہ پر پیشاب کرنے سے غلہ ناپاک ہوجائے گا؟

سوال[۲۰۱۰]: غلہ گاہنے کے وقت یعنی جب اس پر بیلوں کو چلاتے ہیں، اگر بیل غلہ پر پیشاب کردے تو غلہ ناپاک ہوجائے گا یا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناپاک ہوجائے گا، لیکن اگر اس کو شرکاء آپس میں تقسیم کرلیں، یا اس میں سے کچھ صدقہ کردیں، یا کچھ پاک کرلیں، یا کچھ فروخت کردیں تو بقیہ پاک سمجھا جائے گا، شامی: ۲۱۸/۱ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= مكانه، هكذا ثلاث مرات". (ردالمحتار: ۳۳۴/۱، مطلب فى تطهير الدهن والعسل، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲/۱، باب الأنجاس، الفصل الاول فى تطهير الأنجاس، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۹۱/۱، باب الأنجاس، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۱) "الكلب إذا أخذ عضواً إنسان أو ثيابه إن أخذ فى حالة الغضب، لا يجب غسله .... لا يتنجس ما لم ير البلل سواء كان الكلب راضياً أو غضبان". (التاتارخانية: ۲۹۶/۱، معرفة النجاسات، إدارة القرآن)

(وكذا فى الحلبى الكبير، ص: ۱۹۳، فصل فى الآسار، سهيل اكيڈمى، لاهور)

"إذا نام الكلب على حصير المسجد إن كان يابساً، لا يتنجس". (فتاوىٰ قاضى خان: ۲۱/۱، فصل فى النجاسة التى تصيب الثوب الخ" رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲۹۶/۱، الطهارة، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "كما لو بال حُمرٌ على حنطةٍ تدوسها، قسّم أوغسل بعضه أو ذهب بهبة أو أكل أو بيع، حيث يطهر الباقى، وكذا الذاهب، لاحتمال وقوع النجس فى كل طرف كمسألة الثوب". (رد المحتار: ۳۲۸/۱، باب الأنجاس، سعيد) =

نجس پانی سے پکی ہوئی روٹی یا دال کا حکم

سوال[۲۰۱۱]: اگر نجس پانی میں روٹی یا دال پکائی تو کیا وہ پاک ہوسکتی ہے اور کس طرح ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چوہا کنویں میں پھول گیا اس سے کھانا پکایا گیا

سوال[۲۰۱۲]: ایک چوہا کنویں میں مرگیا اور پھول گیا، اس کے بعد اس پانی سے کھانا پکایا گیا۔اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ چوہے کا مرنا سب کے علم میں تھا، پھر کھانا پکایا گیا۔

قطب الدین سیتاپوری، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب معلوم ہے کہ اس کنویں میں چوہا گر کر مرگیا اور پھول گیا، تو پھر بھی اس کنویں سے پانی لے کر کھانا پکایا گیا تو وہ کھانا نجس ہے اس کا کھانا جائز نہیں:

"ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم". (در مختار)۔

"(قوله: مغلظة) لصفة النجاسة، وقد مرّ من أن التخفيف لا يظهر أثره في الماء".

شامي: ۱۷۵/۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۹ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۹۲/۱، باب الأنجاس، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۰۵، فروع الأنجاس، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "وفي التجنيس: حنطة طبخت في خمر، لاتطهر أبداً". (ردالمحتار: ۲۱۲/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في البير، ص: ۱۶۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۸، مسائل الآبار، قديمي)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۱۸/۱، فصل في البئر، سعيد) .... =

کنویں کے ناپاک پانی آنے سے حمام کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۱۳]: (الف) کنواں نجس ہوگیا، اس کا پانی حمام میں گیا، لوٹوں سے بھی وضو کیا گیا، مسجد کے بوریوں پر بھی پہونچا اور وہ پانی یقیناً نجاست کے وقت کا ہے تو یہ سب اشیاء ناپاک ہوگئیں یا نہیں؟

(ب) اور کس طرح پاک ہوں، خصوصاً تطہیرِ حمام کا طریقہ ضرور تحریر کیا جائے؟

(ج) اگر کچھ روز تک پانی حمام میں ٹھہرا رہے اور برتن کے ذریعہ سے پانی نکالتے رہیں، لیکن ایسا کہیں نہیں ہوا کہ سارا پانی نکال کر خشک کیا گیا، بلکہ دو چار چلّو پانی ہمیشہ باقی رہ جاتا ہے تو لوٹے اور حمام اور نکالنے کا برتن پاک ہوگیا یا نہیں؟

(د) نیز حمام کی اینٹوں اور گڑی ہوئی دیگ کی تطہیر میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

(الف، ب) اگر نجاستِ بیر کے علم ہونے کے بعد نجس پانی بھرا اور استعمال کیا گیا تو یہ سب چیزیں ناپاک ہوگئیں، ہر شی پر تین دفعہ پانی بہادیا جائے، بس پاک ہوجائیں گی۔ جو شی نچوڑی جاسکے نچوڑ دی جائے، ورنہ خشک کردی جائے (۱)۔

حمام کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس میں پانی بھر کر نکال دیا جائے جو ایک دو چلو باقی رہے اس کو کسی کپڑے سے صاف کردیا جائے، اگر حمام میں صاف کرنے کا راستہ نہ ہو تو اتنا توقف کیا جائے کہ وہ خشک

= (و كذا في النهر الفائق: ۱/۹۱، فصل في الآبار، مكتبه امداديه)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۲۶، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "فإن دخل الماء من جانب (حوض صغير كان قد يتنجس ماءه) و خرج من جانب، قال أبو بكر الأعمش: لا يطهر ما لم يخرج مثل ما كان فيه ثلث مرات (فيكون ذلك غسلاً له) كالقصعة حيث تغسل إذا تنجست ثلث مرات. و قال غيره: لا يطهر ما لم يخرج مثل ما كان فيه مرةً واحدةً الخ".

(الحلبي الكبير، ص: ۱۰۱، فصل في الحياض، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في البحر الرائق: ۱/۱۴۳، الطهارة، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار: ۱/۱۹۵، مطلب: يطهر الحوض بمجرد الجريان، سعيد)

ہوجائے، اسی طرح تین مرتبہ کرنے سے حمام پاک ہوجائے گا، اگر اتنا توقف کرنے میں دشواری ہوتو اس قدر پانی بھرا جائے جس سے پہلا پانی بالیقین نکل جائے، جب تین مرتبہ پانی بالکل نکل جانے کا یقین ہوجائے اور یہ چار مرتبہ پانی بھرنے سے ہوگا تو حمام پاک ہوجائے گا۔

(ج) پہلی مرتبہ کا پانی دوسری مرتبہ بھر کر نکالنے سے نکل جاتا ہے اور دوسری مرتبہ کا رہا ہوا تیسری مرتبہ نکل جاتا ہے اور تیسری مرتبہ کا چوتھی مرتبہ، اس کے بعد بالکل پاک ہوجاتا ہے (۱)۔ اس سے قبل جن لوٹوں اور برتنوں سے پانی نکالا ہے ان کو پاک کرلیا جائے، یہی احوط ہے۔

(د) دونوں کا حکم ایک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اُپلوں سے روٹی پکانا

سوال [۲۰۱۴]: دیہاتوں میں اپلوں سے روٹی پکتی ہے، روٹی اپلوں سے مس بھی ہوتی ہے، تو کیا روٹی ناپاک ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روٹی سینکتے وقت اپلے سے لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگی، اپلہ خشک ہے (۲)، اس کا اثر روٹی پر نہیں آیا، روٹی کی تری نے اس کی نجاست کو جذب نہیں کیا، آگ کی گرمی مانع رہی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) "يطهر الكل تبعاً". (الدر المختار). "(قوله: يطهر الكل): أي من الدلو والرشاء والبكرة ويد المستقي تبعاً؛ لأن نجاسة هذه الأشياء بنجاسة البئر، فتطهر بطهارتها للحرج". (رد المحتار: ۱/۲۲۴، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۱۵، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(۲) "اپلہ: گوبر، ایندھن کے لئے گوبر کے سکھاتے ہوئے لڑے۔ تھاپی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "وإذا سعرت المرأة التنور، ثم سبحته بخرقة مبتلة نجسة، ثم خبزت فيه، فإن كانت حرارة النار أكلت بلّة الماء قبل إلصاق الخبز بالتنور، لايتنجس الخبز". (التاتارخانية: ۱/۳۱۶، تطهير النجاسات، إدارة القرآن) =

راستوں کی کیچڑ کا حکم

سوال[۲۰۱۵]: راستوں کی کیچڑ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ کیچڑ بارش کے پانی سے پیدا ہوا اور اس میں نجاست غلاظت محسوس نہ ہو تو یہ پاک ہے، شامی: ۱/۲۱۶(۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر کا جھوٹا پانی پینا

سوال[۲۰۱۶]: کیا کافر شخص کا جھوٹا پانی پینا -کراہیت یا بلا کراہیت کے ساتھ- جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کے منہ میں شراب یا حرام گوشت وغیرہ کی نجاست نہ ہو تو اس کا جھوٹا پانی پاک ہے، ناپاک نہیں، مگر ایسے لوگوں کے ساتھ بلا ضرورت کھانا پینا اور میل ملاپ رکھنا مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

=(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۲۳۱، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۴، الفصل السابع في النجاسة، رشيديه)

(۱) "(قوله: و طين شارع) و في الفيض: طين الشوارع عفو وإن ملأ الشرب، للضرورة، و لو مختلطاً بالعزرات، و تجوز الصلاة معه .... والعفو مقيد بما إذا لم يظهر فيه أثر النجاسة الخ". (ردالمحتار: ۱/۳۲۴، مطلب في العفو عن طين الشارع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۳ الباب السابع في النجاسة وأحكامها، رشيديه)

(۲) "فسور الآدمي مطلقاً –ولو كان جنباً أو كافراً– طاهرِ الفم طاهرٌ طهورٌ بلا كراهة". (رد المحتار: ۱/۲۲۲، مطلب في السؤر، سعيد)

(وكذا في غنية المستملي شرح منية المصلي لإبراهيم الحلبي الكبير، ص: ۱۶۲، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۳، مما يتصل بذلك، رشيديه)

استنجے کی چھینٹ کا حکم

سوال[۲۰۱۷]: بدن کا کوئی عضو پاک کرنے میں کسی دوسرے عضو کی طرف پانی کی چھینٹیں چلے جانے سے کیا دوسرا عضو بھی پاک کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر نجاست سے مخلوط ہوکر چھینٹیں دوسرے عضو پر جائیں تو اس کو بھی پاک کرنا ہوگا، ورنہ نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی۔

منی وغیرہ کو ڈھیلے سے پاک کرنا

سوال[۲۰۱۸]: پیشاب میں دھات یا بعد پیشاب کے منی کے قطرہ کا خروج ہونا بسبب قبض کی بیماری کے، اس حالت میں بھی کیا استنجا مٹی کے ڈھیلے سے کافی ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نجاست کا اثر نہیں رہا تو جس طرح پیشاب پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجا کا حکم ہے، اسی طرح اس کا بھی ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "قال محمد: و هو طاهر، فإن أصاب ذلک الماء ثوباً، إن كان ماء الاستنجاء و أصابه أكثر من قدر الدرهم، لا تجوز فيه الصلوة". (فتاویٰ قاضي خان: ۱/۱۵، فصل في الاستنجاء، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/۱۷۱، المياه، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) قال ابن عابدينؒ: "(قوله: و نجس خارج الخ) و لو غير معتاد كدم أو قيح خرج من أحد السبيلين، فيطهر بالحجارة على الصحيح، زيلعي". (رد المحتار: ۱/۳۳۶، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

ناپاک انگلی کو چاٹنے سے پاکی کا حکم

سوال[۲۰۱۹]: ایک مسئلہ جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں مسائل کے بیان میں فرمایا ہے کہ: ''اگر انگلی میں کوئی نجاست لگ جائے تو اسے تین مرتبہ چاٹ لینے سے وہ پاک ہوجاتی ہے، لیکن چاٹنا منع ہے''۔

اس مسئلہ میں ایک رضاخانی صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ نجاست میں سے تو پیشاب پاخانہ بھی ہے تو اگر یہ بھی انگلی میں لگ جائے تو چاٹ لینے سے پاک ہوجائے گا، تو اس میں دو خرابی پائی گئی: اولاً یہ کہ انگلی پاک کرنے کے لئے منھ کو ناپاک کیا گیا اور ثانیاً یہ کہ پاخانہ وغیرہ کو کھانے کی ترکیب بتائی جارہی ہے یعنی اس میں پاخانہ کا کھانا پایا گیا اور ان کا کہنا یہ ہے کہ مناسب ترکیب تو یہ تھی کہ لعاب کو انگلی پر گرا کر کسی چیز سے انگلی کو صاف (پونچھ) کر دیا جائے تو کیا ان کا یہ اعتراض بجا ہے؟ اگر بجا ہے تو پھر صحیح تر مسئلہ کیا ہے؟

اگر ''بہشتی زیور'' میں تحریر کردہ مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح ہے تو پھر ان معترضین کا جواب کیا دیں جب کہ معترض صاحب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آپ حدیث وقرآن وفقہ میں سے کسی کے اندر یہ مسئلہ نہیں دکھا سکتے، اگر کسی کتاب میں ہو تو اس کا حوالہ بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''بہشتی زیور'' میں جب صاف لفظوں میں موجود ہے ''لیکن ایسا کرنا منع ہے'' تو پھر معترض کا یہ کہنا کہ ''پاخانہ وغیرہ کھانے کی ترکیب بتائی گئی ہے'' یہ اس کی کج دماغی اور غوایت ہے کہ منع کرنے کو بھی ''ترکیب بتانا'' کہہ رہا ہے ایسے دماغ کو دراصل مسئلہ سمجھنے میں غلطی نہیں ہوتی بلکہ ان کو صحیح بات کا بھی مطلب بتلا کر گمراہ کیا کرتا ہے، اس مسئلہ کی دلیل کتب فقہ میں موجود ہے: "إذا أصاب الخمر يده، فلمسه ثلاث مرات تطهره بريقه كما يطهر فمه بريقه الخ". منيه، ص: ٦٢(١)۔ "والصبي إذا بال على ثدي الأم ثم، مص الثدي

(۱) "إذا أصابت النجاسة بعض أعضائه ولحسها بلسانه، حتى ذهب أثرها، يطهر، وكذا السكين إذا تنجس، فلحسه بلسانه أو مسحه بريقه، ولو لحس الثوب بلسانه حتى ذهب الأثر، فقد طهر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۵، مما يتصل بذلك مسائل، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲، فصل في النجاسة الخ، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۲۳۰، الفصل السابع في النجاسات، غفاريه)

مراراً، یطهر، کذا فی فتاویٰ قاضی خان الخ". فتاویٰ عالمگیری، ص: ۲۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناپاک شہد کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۲۰]: شہد کو پاک کرنے کا طریقہ بہشتی زیور میں یہ لکھا ہے کہ "شہد میں برابر کا پانی ڈال کر اس قدر پکایا جائے کہ پانی جوڈالا گیا ہے وہ جل جائے، تین مرتبہ ایسا ہی کیا جائے"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شہد پانی میں ملانے اور پکانے کے بعد شہد نہیں رہتا بلکہ دوا بن جاتا ہے، اس لئے عرض یہ ہے کہ شہد کو شہد باقی رکھتے ہوئے کس طرح پاک کیا جائے کہ اس کی ماہیت تبدیل نہ ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شہد سیال ہے منجمد نہیں تو اس میں اس کے برابر پانی ملا کر خوب ہلایا جائے، پھر جب شہد پانی سے ممتاز ہو جائے تو پانی گرادیا جائے، تین دفعہ اس طرح کرنے سے بھی ناپاک شہد پاک ہو جائے گا(۲)۔ اگر شہد منجمد ہو تو پہلے اسے سیال بنالیا جائے، پھر طریقہ مذکورہ پر پاک کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۵، الباب السابع فی النجاسة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۳، فصل فی النجاسة الخ، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱/۳۰۹، باب الأنجاس، سعید)

(۲) قال العلامة ابن عابدینؒ: "(قوله: و یطهر لبن و عسل الخ"): لو تنجس العسل، فتطهیره أن یصب فیه ماء بقدره، فیغلی حتی یعود إلی مکانه .... هکذا ثلاث مرات الخ". (رد المحتار: ۱/۳۳۴، مطلب فی تطهیر الدهن والعسل، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریه: ۱/۴۲، الباب السابع فی النجاسة، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۱۷۳، فصل فی الآسار، سهیل اکیڈمی، لاهور)

کیا چرم دباغت کے بعد بھیگ جانے سے دوبارہ نجس ہوگی؟

سوال[۲۰۲۱]: وہ چرم جس کی دباغت شمس کے ذریعہ سے ہو حلال ہے اور بھیگ جانے پر نجاست عود کر آتی ہے، ایسی چرم کا مسلمان کے۔لئے بیع وشراء کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصح قول یہ ہے کہ بھیگ جانے سے نجاست عود نہیں کرتی:

"لا فرق بين نوعي الدباغة في سائر الأحكام، قال في البحر: حكم واحد، وهو أنه لو أصابه الماء بعد الدباغ الحقيقي، لا يعود نجساً باتفاق الروايات، و بعد الحكمي فيه روايتان، والأصح عدم العود". شامي:١/١٣٦(١)۔

لہٰذا اس کی بیع وشراء ممنوع نہیں، اگر دباغت حکمی یعنی (تشمیس) کے بعد پانی سے پاک کرلیں تو بالاتفاق نجاست عود نہیں کریگی، كذا في رد المحتار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۷ھ۔

صابن کو شبہ کی وجہ سے ناپاک نہیں کہا جائے گا

سوال[۲۰۲۲]: خوشبودار نہانے اور کپڑے دھونے کے لئے صابن جو کمپنیوں میں تیار کئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں سنا ہے کہ خنزیر کی چربی سے ترکیب دی جاتی ہے اور کیمیاوی ردعمل سے نمکیات میں تبدیل کرکے صابن میں ملایا جاتا ہے تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مردار کی چربی نجس ہے اور خنزیر نجس العین ہے، جب تک قلب ماہیت ہو کر حقیقت اور خواص کی تبدیلی

---

(١) (رد المحتار: ١/٢٠٣، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ١/١٧٩، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٥، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء، رشيديه)

نہ ہو جائے، استعمال جائز نہیں (۱) بلا تحقیق محض شبہ کی بناء پر صابن کو نجس کہنے کا بھی حق نہیں (۲)۔ اگر نجس صابن کپڑے یا بدن میں استعمال کر کے دھوڈالا اور پاک کرلیا تو نماز درست ہو جائے گی، بدن اور کپڑے کو پاک کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

معدہ سے نکلنے والی چیز نجس ہے

سوال[۲۰۲۳]: زینب کے معدہ میں فمِ معدہ کے پاس غدود ایسا ہو گیا تھا کہ غذا معدہ میں بالکل نہیں پہونچتی تھی، ڈاکٹروں نے آپریشن کر کے معدہ کے اندر ایک مصنوعی ربڑ کی نلکی لگا کر اوپر کو نکال دی۔ اس نلکی سے دودھ، دوائیاں اور دیگر سیال غذائیں معدہ میں پہونچائی جاتی ہیں۔

چندروز سے نلکی بالکل ڈھیلی ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے نلکی سے ڈالی ہوئی غذائیں نلکی کے شگاف میں سے ویسی کی ویسی ہی اسی وقت باہر نکل آتی ہے۔ دودھ نلکی سے معدہ میں پہونچتا ہے، پھر اسی وقت ویسے کا ویسے ہی زخم کے شگاف میں سے جسم کے باہر نکل آتا ہے۔ یہ باہر نکل آیا ہوا دودھ اور دوسری غذائیں پاک ہیں یا قے جیسی ناپاک؟ اگر یہ کپڑے پر لگ جائیں تو دھونا پڑے گا یا نہیں؟ اور اس کے نکل آنے پر وضو بھی ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معدہ میں پہونچ کر نلکی کے شگاف سے ہو کر بہہ جانے والی اشیاء نجس ہیں، ناقضِ وضو ہیں، بدن یا

---

(۱) قال ابن عابدین رحمه الله: "جعل الدهن النجس في صابون، يفتي بطهارته؛ لأنه تغير، و التغير يطهر عند محمد، و يفتي به للبلوى اهـ". (رد المحتار: ۱/۳۱۶، باب الأنجاس، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۶۵، باب الأنجاس، قديمي)

(۲) "من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهرٌ ما لم يستيقن، و كذا الآبار و الحياض التي يستقي منها الصغار و الكبار و المسلمون و الكفار، و كذالك السمن و الجبن، و الأطعمة التي يتخذ ها أهل الشرك و البطالة الخ". (التاتارخانية: ۱/۱۴۶، نوع في مسائل الشك، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في رد المحتار: ۱/۱۵۱ نواقض الوضوء، سعيد)

کپڑے پر لگ جانے سے اس کا دھونا ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۷/۹۵ھ۔

سونف وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۲۰۲۴]: نجاست کو جذب کرنے والی اشیاء جیسے زیرہ، کلونجی، سونف وغیرہ اگر ناپاک ہوجائیں تو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کو پانی میں بھگو دیا جائے، کچھ دیر بعد جب خشک ہوجائے تو دوسرے پانی میں بھگو دیا جائے، پھر کچھ دیر بعد خشک کرکے تیسرے پانی میں بھگو دیا جائے، اس طرح تین مرتبہ کرنے سے ایسی چیزیں بھی پاک ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۷ھ۔

مائے مستعمل سے ازالۂ نجاست

سوال [۲۰۲۵]: بعض کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ مائے مستعمل کے ذریعہ نجاستِ حقیقیہ کا ازالہ جائز ہے، یہ کیونکر؟ جب کہ قولِ مفتی بہ کی بنا پر مائے مستعمل طاہر غیر مطہر ہے، پھر تخصیص نجاستِ حقیقیہ کے ساتھ کون

---

(۱) "و ينقضه قيء ملأ فاه .... أو طعام أو ماء إذا وصل إلى معدته وإن لم يستقر، وهو نجس مغلظ".

(الدر المختار: ۱/۱۳۷، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۶۷، نواقض الوضوء، رشيديه)

(۲) "وإذا تنجس ما لاينعصر بالعصر كما إذا تشربت .... وانتفخت من الخمر عند أبي يوسف .... والحنطة تنقع في الماء حتى تشرب الماء كما تشرّبت الخمر، ثم تجفف، يفعل كذلك ثلاث مرات، و يحكم بطهارتها. وإن لم تنتفخ تطهر بالغسل ثلاثاً والتجفيف في كل مرة، و يشترط أن لا يوجد طعم الخمر ولا ريحها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۳۳۲، باب الأنجاس، سعيد)

سی دلیل سے کی گئی ہے؟ کیا نجاستِ حقیقیہ کی دونوں قسمیں مرئیہ وغیر مرئیہ، نیز نجاستِ حکمیہ کی تطہیر مائے مستعمل سے نہیں ہوسکتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وحكمه أنه ليس بطهور لا لحدث، بل لخبث على الراجح المعتمد الخ". درمختار۔

"(قوله: ليس بطهور): أى ليس بمطهر (قوله: على الراجح) مرتبطٌ بقوله: بل لخبث: أى نجاسة حقيقية، فإنه يجوز إزالتها بغير الماء المطلق من المائعات خلافاً لمحمد، الخ". ردالمحتار: ١/١٣٤ (١)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ قولِ راجح معتمد پر مائے مستعمل سے ازالۂ نجاستِ حقیقیہ وحکمیہ باقسامہا درست نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اشکال بر جوابِ مذکورہ

سوال[٢٠٢٦]: درمختار کی عبارت سے بظاہر جو سمجھ میں آرہا ہے اس وضاحت کا عکس معلوم ہورہا ہے جو جواب میں آنجناب نے تحریر فرمایا ہے، اس لئے احقر نے بھی بعضِ اہلِ علم کی طرف رجوع کیا تھا، نیز غاية الأوطار، ص: ٩٧ میں بھی اس کا ترجمہ دیکھا گیا، اس میں قولِ راجح کی بناء پر مائے مستعمل کے ذریعہ ازالۂ نجاستِ حقیقیہ کا جواز مصرح ہے۔ اس لئے آنجناب سے دوبارہ تکلیف دہی کی درخواست ہے کہ براہِ کرم دوبارہ اس پر نشاندہی فرمادیں کہ آنجناب نے جو لکھا ہے وہی صحیح ہے اور جو غاية الاوطار میں ہے اس میں تسامح ہے، یا اور.........کوئی بات ہو تو از راہِ شفقت مصرح فرمادیں؟

---

(١)(الدر المختار مع ردالمحتار: ١/٢٠١، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

"أما غسالة النجاسة الحكمية: وهي الماء المستعمل، فهو في ظاهر الرواية طاهرٌ غير مطهر: أي لا يجوز التوضؤ به، لكن في الراجح يجوز إزالة النجاسة الحقيقية به". (الفقه الإسلامي وأدلته: ١/٣٤١، المبحث الرابع، وحكم الغسالة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢٢، الفصل الثاني فيما لايجوز التوضوء به، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مراجعت سے معلوم ہوا کہ جواب کی اصل عبارت اس طرح ہے، عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ قولِ راجح معتمد پر مائے مستعمل سے ازالۂ نجاستِ حقیقیہ باقسامہا (مرئیہ غیر مرئیہ) درست ہے، اس میں لفظ "حکمیہ" کا اضافہ اور "بأقسامها" میں ضمیر ثلثہ بجائے ضمیر واحد کے (..........) اسی طرح آخری لفظ نفی بجائے اثبات کے زلتِ حکم ہے، ازالۂ نجاستِ حکمیہ کا سوال ہی نہیں تھا، صرف حقیقیہ کا سوال تھا اس کی دوقسموں کا تذکرہ تھا۔

امید ہے کہ آپ کا اشکال رفع ہوجائے گا، آپ نے بہت اچھا کیا کہ مکرر بھیج کر تصحیح کرالی۔ جزاک اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۱۴۰۱ھ۔

مٹی کا تیل، پیٹرول پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۲۰۲۷]: پیٹرول، مٹی کا تیل، اسپریٹ، جو کہ عموماً جلانے کے لئے مشینوں میں استعمال ہوتا ہے، وائٹ آئل جو کہ مٹی کا تیل صاف کیا ہوا ہے جس میں بو نہیں ہوتی اور صاف کی ہوئی اسپریٹ جس میں بو نہیں جو کہ خوشبوؤں اور سر میں لگانے کے تیلوں میں استعمال ہوتی ہے پاک ہے یا ناپاک؟ ایسی خوشبوؤں کا استعمال جس میں وائٹ آئل اور اسپریٹ ہو کیسا ہے؟ حکم شرعی سے مطلع فرمادیں۔

احقر الناس: محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کا تیل پاک ہے، بدبو دور ہونے کے بعد اس کا ہر جگہ جلانا اور دیگر استعمال میں لانا (جب کہ مضر نہ ہو) درست ہے۔ اسپرٹ، پیٹرول، وائٹ آئل کے بھی اگر مٹی کے تیل کی طرح زمین سے چشمے نکلتے ہیں تو یہ بھی پاک ہیں اور ان کا استعمال جائز ہے اور اگر شراب حرام سے بنتے ہیں اور کسی طریق سے بدبو دور کی جاتی ہے تو ناپاک ہیں اور بلا مجبوری کے استعمال ناجائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

---

(۱) " و حكم سائر المائعات كالماء في الأصح ، حتى لو وقع بول في عصير عشر في عشر ، لم يفسد".

(الدر المختار) .... =

پیٹرول کا حکم

سوال[۲۰۲۸]: زید گھڑی سازی کا کام کرتا ہے، پرزوں کی صفائی میں مٹی کا تیل اور پٹرول کا استعمال ہوتا ہے، صفائی کے وقت برش سے چھینٹیں کپڑوں پر آتی ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو یہ تیل پاک ہے یا نہیں، اگر اس سے نماز نہیں ہوتی ہے تو پھر پاکی کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کا تیل اور پٹرول ناپاک نہیں، کپڑے پر لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا(۱)، زیادہ مقدار میں لگ کر بدبو پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں نماز کیلئے دوسرا کپڑا تجویز کرلیں جس کو پہن کر نماز ادا کرلیا کریں، یا گھڑی سازی کے لئے کپڑا تجویز کرلیں اس کو پہن کر گھڑی سازی کیا کریں تاکہ بدبو اس کپڑے میں ہی رہے، نماز کے وقت صاف ستھرے کپڑے پہننا نماز ومسجد کے احترام کا تقاضہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پیٹرول سے کپڑا پاک کرنا

سوال[۲۰۲۹]: اگر پیٹرول سے کپڑا پاک ہوسکتا ہے تو پہلے ایک مرتبہ کپڑا پٹرول سے دھویا اور

= وقال ابن عابدینؒ: "(قوله: حكم سائر المائعات) فكل ما لا يفسد غير الماء، و هو الأصح، محيط و تحفه .... و سائر المائعات كالماء في القلة والكثرة، يعني كل مقدار لو كان ماء يتنجس الخ". (ردالمحتار: ۱/۱۸۵، مطلب: حكم سائر المائعات كالماء، سعيد)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پٹرول پاک ہے یا ناپاک"۔)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا بني أدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

"فأنزل الله تعالىٰ هذه الآية، وحمل بعضهم الزينة على لباس التجمل؛ لأنه المتبادر منه ....

وروى عن الحسن السبط رضي الله عنه أنه كان إذا قام إلى الصلاة لبس أجود ثيابه، فقيل له: يا ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم لِمَ تلبس أجود ثيابك؟ فقال: "إن الله تعالىٰ جميل يحب الجمال، فأتجمل لربي وهو يقول: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾، فأحب أن ألبس أجمل ثيابي". ولا يخفى أن الأمر حينئذ لا يحمل على الوجوب لظهور أن هذا التزين مسنونٌ لا واجب". (روح المعاني: ۸/۱۰۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان)

خشک کرلیا، اسی طرح دومرتبہ عمل کیا تو کپڑا پاک ہوجائے گا یا نہ؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر نچوڑنے سے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس طرح تین مرتبہ عمل کرنے سے پاک ہوجائے گا (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جو کپڑا پٹرول سے دھویا گیا اس کا حکم

سوال [۲۰۳۰]: ٹیری لین، ٹیری کوٹن، ٹیری ویل، گرم اونی کپڑوں کی شیروانی (جن میں روئی کی گدی رکھی جاتی ہے) کو پانی سے دھونے کی بنا پر خراب ہوجانے کی وجہ سے پٹرول میں دھویا جاتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں کپڑے دھونے کی لانڈریوں (۲) میں کونڈیاں ہوتی ہیں جن میں ایک مرتبہ پٹرول بھر کر پچیس پچاس کپڑے جتنے بھی اس میں سماسکتے ہوں بیک وقت ان کو ڈال کر انہیں مشین کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے، دو تین مرتبہ کے بعد جب وہ پٹرول بالکل خراب اور گدلا ہوجاتا ہے تب اسے پھینک کر دوسرا پٹرول لیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... پاک ناپاک ہر قسم کے کپڑے کونڈی میں ڈالے جانے کا امکان ہے اس بناء پر کوئی پاک کپڑا اس طرح دھلایا گیا تو کیا وہ ناپاک قرار دیا جائے گا؟

۲...... جو کپڑا یقیناً ناپاک تھا اس کو اس طرح دھلانے سے وہ پاک ہوجائے گا یا اسے پاک کرنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہوگا؟

---

(۱) " فكل نجاسة تصيب النفس أو الثوب، فإزالتها تجوز بثلاثة أشياء: بالماء المطلق ، وبالماء المقيد ، وبالمائعات من الطعام والشراب مثل اللبن والخل والدب والدهن و أشباهها، إلا أنها مكروهة لما فيها من الإسراف، و هو قول أبي حنيفة و محمد وأبي عبد الله". (النتف في الفتاوى، ص: ۲۵، أنواع من الطهارات ، سعيد)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۲/۹۵، باب الأنجاس ، سعيد)

(۲) "لانڈری: کپڑے دھونے کا کارخانہ، دھوبی کی دکان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......وہ ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا، الا یہ کہ اس میں ناپاکی کا اثر ظاہر ہوجائے (۱)۔

۲......ناپاکی کا اثر اس میں باقی نہیں رہا تو اس کو پاک کہا جائے گا کیونکہ پٹرول زیادہ قاطع (نجاست) ہے پانی سے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کپڑا پٹرول سے دھلوانا

سوال[۲۰۳۱]: ایک شخص نے پانچ سو روپے کا سوٹ بنوایا، روزہ نماز کا پابند ہے، راستہ میں آفس سے واپس ہوتے وقت ایک گائے نے راستہ میں اپنی دم سے پیشاب کی چھینٹ ماردی، یا کسی بچہ نے اس پر پیشاب کردیا۔ اب اس سوٹ کی کس طرح پر تطہیر ہوگی؟ اگر پانی سے دھلواتا ہے تو پانچ سو روپیہ کا سوٹ بیکار ہوجاتا ہے، کیونکہ اونی کپڑا ہے اور اگر ڈرائی کلینگ کرالیا ہے تو ازالۂ نجاست نہیں ہوتا کیونکہ ڈرائی کلینگ میں استعمال ہونے والی اشیاء سے ازالۂ نجاست نہیں ہوتا مثلاً پٹرول وغیرہ۔

براہ کرم کوئی ترکیب بتائیں جس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو، تاکہ بندہ اس تنگی سے نکل سکے۔ نیز ڈرائی کلینگ کے سلسلہ میں اپنی رائے اور شرعی مسئلہ سے مطلع فرمائیں تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چھینٹیں نجس اس پر گرگئی ہیں وہ پٹرول سے بھی زائل ہوسکتی ہیں، پٹرول سے دھلوالیں، پاک ہوجائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) "لف طاهر في نجس مبتل بماء، إن بحيث لو عُصِرَ قَطَر، تنجّس، وإلا لا . ولو لف في مبتل بنحو بول، إن ظهر نداوته أو أثره، تنجس، وإلا لا". (الدر المختار: ۱/۳۴۷، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۱/۱۹۳، باب الأنجاس وتطهيرها، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۰۳، باب الأنجاس، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پٹرول سے پاک کرنا")

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پٹرول سے کپڑا پاک کرنا")

الفصل الثانی فی تطهیر الثوب

(کپڑا پاک کرنے کا بیان)

کپڑے پر ہولی کا رنگ لگ جائے وہ پاک ہے یا نہیں؟

سوال[۲۰۳۲]: اہلِ ہنود جو ہولی میں رنگپاشی کرتے ہیں، اگر کسی مسلمان کے اوپر پڑ جائے اور وہ کپڑا شرائط کے ساتھ پاک کرلے، لیکن رنگ کا دھبہ نہ جائے تو کپڑا پاک ہوجائے گا اور اس سے نماز جائز ہوگی؟ عوام میں مشہور ہے کہ رنگ پڑا کپڑا پاک ہی نہیں ہوتا تو کیا اس سے نماز ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس رنگ میں کسی نجس چیز کا ہونا معلوم نہ ہو، ناپاک نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کا دھولینا بہرحال بہتر ہے(۱)۔ رنگ کا نشان دھونے کے بعد ختم نہ ہو تو مضائقہ نہیں، نماز درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(لف ثوب نجس رطب فی ثوب طاهر یابس فظهرت رطوبته علی ثوب طاهر) كذا النسخ، وعبارة الكنز علی الثوب الطاهر (لكن لايسيل، لوعصر لايتنجس) .... (كما لو نشر الثوب المبلول علی حبل نجس يابس)". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: لف ثوب نجس رطب): أی ابتل بماء ولم يظهر فی الثوب الطاهر أثر النجاسة، بخلاف المبلول بنحو البول؛ لأن النداوة حينئذ عين النجاسة، وبخلاف ما إذا كان فی الثوب الطاهر أثر النجاسة من لون أو طعم أو ريح، فإنه يتنجس كما حققه شارح المنية وجری عليه الشارح أول الكتاب". (ردالمحتار: ۷۳۳/۶، مسائل شتی، سعيد)

(وكذا فی أحسن الفتاویٰ: ۹۹/۱، سعيد)

کپڑا دھونے کے بعد بھی اگر رنگ نکلے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۲۰۳۳]: ایسا کچا ناپاک رنگ کا کپڑا ہو کہ کئی مرتبہ دھونے کے بعد بھی رنگ نکلتا ہی رہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب رنگ کچا ہے تو خوب پیٹ کر تین دفعہ دھویا جائے پھر بھی اس کا کچھ اثر باقی رہے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبل الغسل یا بعد الغسل ناپاک چھینٹ جسم پر پڑ جائے، کیا اس کا دھونا ضروری ہے؟

سوال[۲۰۳۴]: غسل کرنے سے قبل یا بعد کپڑے پہننے کے غسل خانہ کے اندر جسم کے کسی حصے پر ناپاک پانی کی چھینٹیں پڑ جائیں تو اس حصہ کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس جگہ ناپاک چھینٹ پڑے اس کو دھونا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۶/۴/۲۰ھ۔

---

(۱) "ولا يضر بقاء الأثر كلون وريح لازم، فلا يكلف في إزالته إلى ماءٍ حارٍ أو صابون ونحوه، بل يطهر ما صبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً، والأولى غسله إلى أن يصفو الماء". (الدر المختار: ۳۲۹/۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۰/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۰۵/۱، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "مشى في حمام ونحوه، لا ينجس مالم يعلم أنه غسالة نجس". (الدر المختار: ۳۵۰/۱، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۹۵/۱، الفصل السابع في معرفة النجاسات، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲۱۵/۱، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، غفارية)

زمین پر بیٹھ کر وضو کرنے سے جو چھینٹیں کپڑے پر پڑیں تو وہ کپڑا پاک ہے

سوال [۲۰۳۵]: عموماً لوگ زمین پر نیچے بیٹھ کر وضو کرتے ہیں مسجد کے علاوہ، ایسی حالت میں زمین کی تمام چھینٹیں کپڑوں پر پڑتی ہیں اور انہیں کپڑوں سے نماز ادا کرتے ہیں۔ ان کے کپڑے ایسی حالت میں ناپاک ہوتے ہیں یا پاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان چھینٹوں کی وجہ سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے (۱)، نماز درست ہوجاتی ہے مگر ایسا کرنا خلافِ نظافت واحتیاط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ناپاک کپڑے کی چھینٹ

سوال [۲۰۳۶]: کوئی شخص ناپاک کپڑے دھو رہا ہے بدن یا کپڑے پر چھینٹ پڑے، بدن، کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟ مبارک علی سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاک کپڑے کی چھینٹ بھی ناپاک ہے، جس جگہ کپڑے یا بدن وغیرہ پر پڑے گی، اس کو ناپاک کردے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "أما غسالة النجاسة الحكمية: وهي الماء المستعمل، فهو في ظاهر الرواية طاهر غير مطهر: أي لا يجوز التوضؤ به، لكن في الراجح يجوز إزالة النجاسة الحقيقة به". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۱/۳۴۱، المبحث الرابع: حكم الغسالة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۲۰۱، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۲، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضوء، رشيديه)

(۲) "إذا انتضح من البول شيء يُرى أثره، لا بد من غَسله، و لو لم يغسل وصلى كذالک، وكان إذا =

کپڑے پر ناپاک چھینٹیں پڑ گئیں

سوال[۲۰۳۷]: ایک شخص اپنے کام میں مشغول ہے اور نماز کا وقت آ گیا، اب وہ شخص نماز کے لئے چلا کہ اس کو ایسا موقعہ ہوا کہ ایک نجس شئی کے چھینٹے پڑے اور بدن پر پڑ گئے، اب اس کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ کپڑوں کو دھو کر پاک کرے۔ تحریر فرماویں اب وہ کیا کرے، کیونکر نماز ادا کرے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ان چھینٹوں کا مجموعہ ایک ہتھیلی کے گہراؤ سے زیادہ ہے (اور وہ شئے نجاستِ غلیظہ ہے) تو اس کو دھونا ضروری ہے، اگر دوسرا کپڑا موجود ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھے، اگر دوسرا پاک کپڑا اتنا بھی موجود نہیں کہ جس سے ستر یعنی ناف سے گھٹنوں تک چھپا سکے تو پھر اس ناپاک کپڑے کو دھوئے، ناپاک کپڑے سے نماز نہ پڑھے۔

اگر وہ نجاستِ خفیفہ ہے تو کپڑے کا چوتھائی حصہ یا اس سے کم اگر نجاست سے بھرا ہو تو تنگیٔ وقت کی حالت میں اس سے نماز پڑھے۔ اگر اس سے زیادہ بھرا ہو تو اس سے نماز نہ پڑھے، بلکہ اس کو دھو کر نماز پڑھے اگر چہ وقت تنگ ہو۔ اگر چھینٹیں سوئی کے ناکے کے برابر چھوٹی ہیں تو وہ معاف ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۶/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= جمع كان أكثر من قدر الدرهم، أعاد الصلاة". (التاتارخانية: ۱/ ۳۹۵، الفصل السابع في النجاسات، إدارة القرآن، كراچی)

"وماءٌ ورد: أي جرى على نجس نجسٌ". (الدر المختار: ۱/ ۳۲۵، باب الأنجاس ، سعيد)

(۱) قدر درہم سے کم معاف ہے، البتہ احتیاطاً دھولینا چاہئے: قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "عفي دون ربع ثوب من مخففة كبول ماكول الخ. وبول انتضح كرؤوس إبر، و كذا جانبها الآخر، وإن كثر بإصابة الماء للضرورة". (الدرالمختار: ۱/ ۳۲۱، باب الأنجاس ، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۵، الفصل الثاني في الأعيان النجسة ، رشيديه)

قال العلامة الحصكفيؒ: "عفي دون ربع ثوب من مخففة كبول ماكول وخرء .... وبول انتضح كرؤوس إبر الخ". (الدرالمختار: ۱/ ۳۲۱، باب الأنجاس ، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۵، الفصل الثاني في الأعيان النجسة ، رشيديه) .... =

وضو کی چھینٹ کا حکم

سوال[۲۰۳۸]: وضو کرتے وقت جو چھینٹیں پانی کی کپڑوں پر گرتی ہیں، ان سے کپڑا نجس ہوجاتا ہےاوراس کپڑے سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، یاوضو کا جمع کیا ہو پانی نجس ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعضائے وضو سے جو پانی کی چھینٹیں کپڑوں پر گریں ان سے کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۳۹]: کپڑے میں نجاستِ مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ، کپڑے کو ایسی جگہ یا پتھر پر رکھیں کہ پانی نکلتا جائے داہنے ہاتھ میں لوٹا وغیرہ لے کر کپڑے پر پانی ڈالتے جائیں اور بائیں ہاتھ سے ملتے جائیں، جب نجاست زائل ہونے کا گمانِ غالب یا یقین ہوجائے، کپڑے کو اٹھا کر ایک دفعہ نچوڑ دیں، تین دفعہ نہ نچوڑیں تو کپڑا پاک ہوا یا نہیں؟ دونوں ہاتھ پاک ہوگئے یا نہیں، بلکہ ہاتھ کو پھر الگ سے دھونا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی برابر ڈالتے اور ایک ہاتھ سے ملتے رہے حتی کہ نجاست زائل ہوجانے کا ظنِ غالب ہوگیا،

= (وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۹۵، الفصل السابع في النجاسات، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۰۵، باب الأنجاس، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "وانتضاح غسالة لا تظهر مواقع قطرها في الإناء عفوٌ" (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله: "وماترشش على الغاسل من غسالة الميت مما لا يمكنه الامتناع عنه مادام في علاجه، لاينجسه لعموم البلوى". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۲۵، سعيد)

"وردّ بأن مايصيب منديل المتوضيء و ثيابه عفوٌ اتفاقاً وإن كثر". (الدر المختار: ۱/۲۰۰، مبحث الماء المستعمل، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۶، فصل في الماء المستعمل، رشيديه)

پھر پانی ڈال کر نچوڑ دیا تب بھی کپڑا پاک ہوگیا(۱)، ہاتھ بھی پاک ہوگیا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پاک اور ناپاک کپڑے مخلوط کرکے دھونے کا حکم

سوال[۲۰۴۰]: عام طور پر دھوبی ایک ٹب میں پٹرول ڈال کر پاک اور نجس کپڑے ملا دیتے ہیں پھر اس کو خشک کرکے لاتے ہیں، ایسی صورت میں یہ کپڑے بھی نجس کپڑوں کے حکم میں شامل ہوں گے یا نہ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر پاک کپڑوں میں نجاست کا اثر ظاہر ہوجائے تو وہ بھی نجس کپڑوں کے حکم میں ہوں گے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

خشک ناپاک کپڑا پہننے سے جسم ناپاک نہیں ہوتا

سوال[۲۰۴۱]: ۱.....اگر کسی شخص کا جسم پاک ہے، اگر کسی وجہ سے وہ شخص ناپاک کپڑے جو بالکل

---

(۱) "وهذا كله إذا غسل في إجانة، أما لو غسل في غدير أو صب عليه ماء كثير أو أجرى عليه الماء، طهر بلا شرط العصر وتجفيف وتكرار غمس، هو المختار". (الدر المختار: ۱/۳۳۳، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۱۲، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۳۷، الصب أو إيراد الماء على النجاسة، رشيديه)

(۲) "(يطهر الكل تبعاً): أي من الدلو والرشاء والبكرة ويد المستقي تبعاً؛ لأن نجاسة هذه الأشياء بنجاسة البئر، فتطهر بطهارتها للحرج". (الدرالمختار: ۱/۲۱۲، فصل في البئر، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۱۲، مسائل الآبار، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۹۹، مسائل الآبار، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "إذا لم يظهر في الثوب الطاهر أثر النجاسة من لون أو ريح، حتى لو كان المبلول متلوّناً بلون أو متكيّفاً بريح، فظهر ذلك في الطاهر، يجب أن يكون نجساً الخ". (الحلبي الكبير، ص: ۱۷۴، فصل في الآبار، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۱۵۹، باب الأنجاس، قديمي)

سوکھے اور دیکھنے میں صاف ہیں لیکن ناپاک ہیں، اگر کوئی اس کپڑے کو پہن لیتا ہے تو کیا اس شخص کا وہ کپڑا جو پاک تھا پہن لینے کے بعد ناپاک ہوگیا، اور غسل کرنے سے قبل اس کا جسم پاک نہیں ہے اور اسی دوران بغیر غسل نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اگر کوئی شخص جو کہ پاک ہے اور اپنی بیگم کے ساتھ ایک ہی بستر پر سوتے ہیں اور اس دوران کسی قسم کی نفسی خواہش کو پورا نہیں کیا جاتا ہے، لیکن ان کے پائجامہ میں کچھ جگہ چھوٹے چھوٹے داغ جو کہ نفسی جذبات کی بنا پر پڑ گئے، ان داغوں کو دیکھ کر دوسرے کپڑے پاک پہن کر اگر نماز پڑھ لیتے ہیں تو کیا ان لوگوں کی یہ نماز ٹھیک ہے اور کیا اس سے ان کے جسم کو غسل کرنے کی ضرورت نہیں؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جسم پاک ہے خشک ہے، کپڑا ناپاک ہے خشک ہے، اس کی وجہ سے جسم ناپاک نہیں ہوا، پھر بغیر جسم کو پاک کیے دوسرا کپڑا پہن لیا تو وہ کپڑا نجس نہیں ہوا، اس سے نماز درست ہوجائیگی، نہ جسم دھونے کی ضرورت ہے نہ کپڑے کو، دونوں پہلے سے پاک ہیں (۱)۔

۲......اگر وہ منی کے داغ نہیں بلکہ مذی کے داغ ہیں تو غسل واجب نہیں، البتہ جس طرح پیشاب کے بعد بدن کو پاک کیا جاتا ہے اسی طرح مذی کے بعد بھی پاک کیا جائے، پھر وضو کر کے نماز پڑھی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لف طاهر في نجس مبتل بماء، إن بحيث لو عُصِر قَطَر، تَنَجّس، وإلا لا، ولو لف في مبتل بنحو بول، إن ظهر نداوته أو أثره، تنجس، وإلا لا". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۴۷، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷، الفصل السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۰۳، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۳۱، فصل في النجاسة التي تصيب الخ، رشيديه)

(۲) "وليس في المذي والودي غسل، وفيهما الوضوء، وغسل الذكر، لقوله عليه السلام: "كل فحل يمذي، فيه الوضوء". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۵۱۷، الفصل الخامس في الغسل، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۱۶۵، أبحاث الغسل، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۱۴، الطهارة، الغسل، رشيديه)

نجس جگہ کو تحری سے پاک کیا جائے

سوال [۲۰۴۲]: جب نجاست کا مقام یاد نہ رہے تو گمان غالب کرکے غور و خوض کرکے ایک جگہ دھو ڈالنا کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کافی ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کپڑے پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہیں

سوال [۲۰۴۳]: کپڑے پر نجاست دیکھی، مگر کپڑے پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہیں تو کپڑا کب سے نجس سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ نجاست منی ہے تو جس وقت سو کر بیدار ہوا اس وقت سے کپڑا نجس سمجھا جائے گا، اگر وہ اس کا پاخانہ پیشاب ہے تو پاخانہ کرنے کے وقت سے نجس ہوگا، اگر کوئی اور نجاست ہے تو دیکھنے کے وقت سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۹/۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "إذا تنجس طرف من أطراف الثوب ونسيه، فغسل طرفاً من أطراف الثوب من غير تحرٍ، حُكم بطهارة الثوب، هو المختار". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۴۰، الفصل السادس في غسل الثوب والدهن، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۳۲۷، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۴۲، باب الأنجاس، امداديه)

(۲) "وقالا: من وقت العلم، فلا يلزمهم شيء قبله، و به يفتى. (فرع) وجد في ثوبه منياً أو بولاً أو دماً أعاد من آخر احتلام و بول و رعاف". (الدر المختار: ۱/۲۱۹، فصل في البئر، سعيد) .... =

ناپاک کپڑا تین دفعہ دھونے سے پاک ہوگا یا نہیں؟

سوال[۲۰۴۴]: ناپاک کپڑا دھوکر بغیر نچوڑے دھوپ میں ڈال دیا پھر وہ سوکھ گیا تو اس طرح تین مرتبہ کیا تو کپڑا پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ نیز کپڑا کتنا نچوڑا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اسی طرح تین مرتبہ کرنے سے بھی کپڑا پاک ہوجائے گا اور نچوڑنے میں اپنی طاقت کا اعتبار ہے، اس سے زیادہ کا آدمی مکلف نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۵ھ۔

ناپاک کپڑا نل کے نیچے ڈالنے سے پاک ہوجائے گا یا نہیں؟

سوال[۲۰۴۵]: کسی شخص کا کوئی کپڑا نجاستِ غیر مرئیہ کی وجہ سے نجس ہے، اس نے اس پر چار پانچ لوٹے پانی ڈالا، یا نل کے نیچے کچھ منٹ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ زوالِ نجاست کا یقین ہوگیا، پھر معمولی طریقہ سے نچوڑ لیا تو پاک ہوا یا نہیں؟

= "الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته، منها ما قدمناه فيما لو رآى في ثوبه نجاسةً، و قد صلى فيه، و لا يدرى متى أصابته، يعيد ها من اخر حدث أحدثه، والمنى من اخر رقدةٍ الخ". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۰۳، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى البحر الرائق: ۱/۲۲۰، الطهارة، رشيديه)

(۱) "و يطهر محل النجاسة غير المرئية بغسلها ثلاثاً وجوباً، والعصر كل مرة تقديراً لغلبة الظن فى استخراجها فى ظاهر الرواية". (مراقى الفلاح).

وقال العلامة الطحطاوى: "(تقديراً لغلبة الظن): أى بالغسل ثلاثاً، والعصر كذلک، لكنه ليس بتقدير لازم عندنا". (حاشية الطحطاوى، ص: ۱۶۱، باب الأنجاس، قديمى)

(كذا فى الحلبى الكبير، ص: ۱۸۳، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(و كذا فى البحر الرائق: ۱/۴۱۱، باب الأنجاس، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہوگیا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شک سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا

سوال[۲۰۴۶]: کسی شخص نے اپنے کپڑے پر کوئی چیز دیکھی، اس کی طہارت اور نجاست میں شک ہے تو کپڑے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے کپڑا نجس نہیں ہوگا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ناپاک کپڑا صابن سے دھونے سے پاک ہوجائے گا

سوال[۲۰۴۷]: ناپاک کپڑے کو تین مرتبہ نچوڑنے کے بعد اس میں صابن کا پانی نکلتا رہے تو وہ کپڑا پاک ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأما حكم الصب، فإنه إذا صب الماء على الثوب النجس، إن أكثر الصب بحيث يخرج ما أصاب الثوب من الماء و خلفه غير ثلاثاً، فقد طهر؛ لأن الجريان بمنزلة التكرار والعصر، والمعتبر غلبة الظن، هو الصحيح". (البحر الرائق: ۱/۲۱۲، باب الأنجاس، رشيديه)

(كذا في التاتارخانية: ۱/۳۰۶، الفصل الثامن في تطهير النجاسة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۸۴، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۶۱، باب الأنجاس، قديمی)

(۲) "إن اليقين لا يزول بالشك". (الأشباه والنظائر: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن كراچی)

"ومن شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أولا، فهو طاهرٌ ما لم يستيقن". (رد المحتار: ۱/۱۵۱، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۴۶، نوع آخر في مسائل الشك، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاک کپڑے کو تین دفعہ دھوکر خوب نچوڑ دیا اور نجاست کا اثر ختم ہوگیا تو کپڑا پاک ہوگیا(۱) اگرچہ صابن کا پانی اس میں سے نکلتا ہو، یعنی پھر پانی ڈالنے سے جب نچوڑا جائے تو صابن کا اثر محسوس ہوتا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ناپاک کپڑا پاک پر گر گیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟

سوال[۲۰۴۸]: رات کو کئی مرتبہ پیشاب کے لئے اٹھنا پڑتا ہے، بعض مرتبہ پیشاب اوپر ہی نکل جاتا ہے معلوم تک نہیں ہوتا۔ پیشاب کا بھیگا کپڑا سوکھ گیا اور بھیگا ہوا صاف کپڑا اس پیشاب کے سوکھے کپڑے میں گر گیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پاک صاف بھیگا ہوا کپڑا اگر ایسا نہیں کہ نچوڑنے سے قطرات ٹپکتے ہوں تو ناپاک سوکھے ہوئے کپڑے پر اس کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۵ھ۔

---

(۱) "ولا يضر بقاء أثر كلون وريح لازم، فلا يكلف في إزالته إلى ماء حارّ أو صابون ونحوه، بل يطهر ماصبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً، والأولى غسله إلى أن يصفو الماء ...... اهـ". (الدر المختار: ۱/ ۳۲۹، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۴۱۰، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/ ۲۰۵، باب الأنجاس، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "لف طاهر في نجس مبتل بماء، إن بحيث لو عُصِر قَطَر، يتنجّس، وإلا لا". (الدر المختار: ۱/ ۴۰۳، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۷۴، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(البحر الرائق: ۱/ ۴۰۳، باب الأنجاس، رشيديه)

ناپاک کنویں کو پاک کرنے والے کے بدن اور کپڑوں کا حکم

سوال[۲۰۴۹]: ناپاک کنویں کو پاک کرتے وقت جو لوگ پانی کھینچتے ہیں، ان کے ساتھ اور کنویں سے جن ڈولوں سے پانی نکالا جاتا ہے وہ ڈول اور ڈولوں کی رسیاں تو ساتھ ساتھ پاک ہو جاتی ہیں مگر پانی کھینچنے والے آدمیوں کے کپڑے اور بدن کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن ہاتھوں، ڈولوں، رسی سے پانی نکالا گیا ہے، بار بار پانی نکالنے کی وجہ سے کنویں کے تابع قرار دے کر سب کو پاک کہا جائے گا(۱)، لیکن کپڑے اور بدن کے جس حصہ پر ناپاک پانی کے قطرے پڑے ہیں، اس کپڑے اور بدن کے اس حصہ کو پاک کہنے کی کوئی وجہ نہیں، وہ کنویں کے تابع نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۳/۱۵ھ۔

اگر کپڑے کو نچوڑنے کی وجہ سے پھٹ جانے یا اس کی کسی خوبی پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہو

سوال[۲۰۵۰]: نجاستِ غیر مرئیہ اگر کپڑے پر لگی ہو تو اس کے دھونے کے بعد بجائے نچوڑنے کے ہر مرتبہ اس کو خشک کرلے تو کپڑا پاک ہو جائے گا یا نہ؟ اس لئے کہ بعض کپڑے اگرچہ ان کا نچوڑ ناممکن ہوتا ہے، مگر نچوڑنے سے بوجہ کمزوری پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بعض کپڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پھٹنے کا اندیشہ تو نہیں ہوتا مگر اس کی خوبی پر اثر پڑتا ہے۔ اس خیال سے اگر بجائے تین مرتبہ نچوڑنے کے تین مرتبہ دھو کر تین مرتبہ خشک کرلے تو کپڑا پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تب تو تین مرتبہ خشک کرلینا بھی کافی ہے(۲)، خوبی پر اثر پڑنے کی وجہ سے نہ نچوڑنے کا مسئلہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(قوله: يطهر الكل). أي من الدلو والرشاء والبكرة ويد المستقي تبعاً؛ لأن نجاسة هذه الأشياء بنجاسة البئر، فتطهر بطهارتها .... الخ". (ردالمحتار: ۲۱۲/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "ولو لم يبالغ لرقته هل يطهر؟ الأظهر نعم، للضرورة". (الدرالمختار: ۳۳۲/۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۳/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

ناپاک کپڑے کو نچوڑنے کی حد

سوال[۲۰۵۱]: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ: ''ناپاک کپڑے کو تیسری مرتبہ اس قدر مبالغہ کے ساتھ نچوڑو، پوری طاقت سے نچوڑو کہ پھر ایک دفعہ نچوڑنے سے پانی کے قطرے نہ ٹپکیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ تھوڑی طاقت زائد کر کے نچوڑا تو پانی کے قطرے ٹپکیں گے، مکرر سہ کرر طاقت بڑھاتے جائیں، پانی کے قطرے ٹپکتے جائیں گے، اگر باریک کپڑا یا پرانا ہے تو پھٹ بھی جائے گا اور دو چار دس کپڑے دھونے کی باری آئے تو ہاتھ میں درد بھی ہو جائے گا، دشوار معلوم ہوتا ہے۔ نچوڑنے کی کیا حد ہوگی؟ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اتنے زور سے نچوڑ دیا کہ قطرات کا نکلنا بند ہو گیا تو بس کافی ہے(۱)، پھر نہ کپڑا پھاڑیں نہ ہاتھ میں درد کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بغیر نچوڑے کپڑا پاک ہونے کی صورت

سوال[۲۰۵۲]: کپڑے کو تین مرتبہ نچوڑا نہیں بلکہ سکھا دیا، یا اخیر میں سکھا دیا، یا طاقت کے موافق نہیں نچوڑا تو پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہو جائے گا اگر صرف اخیر میں نچوڑا، اور ہر دفعہ دھونے میں اتنا توقف کیا کہ تقاطر بند ہو گیا اور نجاست

---

(۱)"وعصر ثلاثاً فيما ينعصر مبالغاً بحيث لا يقطر، ولو كان لو عصره غيره، قَطر، طهر بالنسبة إليه دون ذلک الغير، ولو لم يبالغ لرقته هل يطهر؟ الأظهر نعم، للضرورة". (الدر المختار: ۱/۳۳۱، ۳۳۲، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۶۱، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ تھی اور وہ زائل ہوگئی تب بھی کپڑا پاک ہو جائے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

جس کپڑے میں نجاست سرایت کر چکی اس کو ایک دفعہ دھو کر نچوڑنا کافی نہیں

سوال[۲۰۵۳]: کپڑے کی عینِ نجاستِ مرئیہ یا غیر مرئیہ مستعمل پانی- ایسا ناپاک پانی جس میں نجاست کا اثر بظاہر نہ ہو- عین نجاست زائل کردیں، اس کے بعد کسی برتن میں پاک پانی لیکر کپڑا ڈال کر ایک دفعہ اٹھا کر نچوڑ ڈالیں تو پاک ہوا یا نہیں؟ زوالِ نجاست کا غلبۂ ظن بھی حاصل ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کپڑے میں ناپاک پانی پوری طرح داخل ہو چکا ہے، اب ایک دفعہ اس کو نچوڑ دینا کافی نہیں، تین دفعہ دھو کر نچوڑیں تب پاک ہوگا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا ناپاک خشک بستر پر لیٹنے اور پسینہ کی بو کپڑوں میں آنے سے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

سوال[۲۰۵۴]: پیشاب کا بستر جو کہ خشک ہو، اگر اس پر لیٹ جائے تو کیا اس لیٹ جانے سے پہنے

---

(۱) "ويطهر متنجس بنجاسة مرئية بزوال عينها و لو بمرة على الصحيح، ولا يشترط التكرار؛ لأن النجاسة فيه باعتبار عينها، فتنزول بزوالها". (مراقي الفلاح، ص: ۱۵۹، باب الأنجاس، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۰۶، الفصل الثامن في تطهير النجاسة، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۱۳، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۸۴، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "وفي حال ورود النجس على الماء خلاف .... إذا غسل الثوب النجس في إجانة ماء وعصر، ثم غسل في إجانة أخرى وعصر، ثم غسل في إجانة أخرى وعصر، فقد طهر الثوب، والمياه كلها نجسة". (المحيط البرهاني: ۱/۲۲۳، الفصل السابع في النجاسات، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۴۷، فصل في طريق التطهير، باب الغسل، دار الكتب العلمية، بيروت)

ہوئے کپڑے ناپاک ہوجائیں گے؟ اور اگر ایسی حالت میں پسینہ آجائے اور اس پیشاب کی بو کپڑوں میں آنے لگے تو کیا اس سے بھی کپڑے ناپاک ہوجائیں گے، یا اگر بو نہ آئے پسینہ خوب آتا ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بستر اگر خشک ہے اور بدن کو پسینہ بھی نہیں آیا تو نہ بدن ناپاک ہوگا نہ کپڑے ناپاک ہوں گے، اگر بستر صاف ہے اور پیشاب بدن پر یا کپڑے پر لگ گیا، یا بستر تو خشک ہے لیکن پسینہ آکر تر ہوا اور پیشاب کا اثر کپڑوں میں یا بدن میں آگیا تو اس کی وجہ سے ناپاکی کا حکم ہوگا، کذا فی ردالمحتار: ۲۳۱/۱(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

بھیگا ہوا ہاتھ ناپاک خشک کپڑے کو لگانے سے اس کپڑے کا کیا حکم ہے؟

سوال[۲۰۵۵]: ایک شخص نے بھیگا ہوا ہاتھ بالکل تر جس سے پانی ٹپک رہا ہے اپنے ناپاک کپڑے کو لگایا، پھر وہی ہاتھ نل کی پتی کو لگایا، اب پتی بالکل خشک ہوگئی تو ایک دوسرے شخص نے بھیگا ہوا ہاتھ اس نل کی پتی پر لگایا اور پھر بالٹی کو لگایا اور اس بالٹی سے حمام میں پانی بھرا اور اس پانی سے سب نمازیوں نے وضو کیا۔ تو نماز ان کی درست ہے یا اعادہ کرنے کی ضرورت ہے؟ اس پانی سے وضو یا غسل درست ہے یا نہیں اور اس طرح بھیگا ہوا ہاتھ لگانے سے پتی نل کی پاک ہوگئی یا نہیں؟

---

(۱) "نام أو مشى على نجاسة، إن ظهر عينها، تنجس، وإلا لا". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: نام) : أى فعرق .... (قوله : على نجاسة) : أى يابسة لما فى متن الملتقى : لو وضع ثوباً رطباً على ما طُيّن بطين نجس جاف، لاينجس .... بخلاف ما إذا كان الطين رطباً اهـ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۴۶/۱، سعيد)

وقال العلامة الحلبى:"(و) كذا (إن نام على فراشٍ نجسٍ، فعرق وابتل الفراش من عرقه، فإنه إن لم يصب بل الفراش) بعد ابتلاله بالعرق (جسده لا يتنجس) جسده". (الحلبى الكبير، ص: ۱۷۴، فصل فى الآسار، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۱۵۸، باب الأنجاس ، قديمى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيريه: ۴۷/۱، الفصل الثانى فى الأعيان النجسة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھیگا ہوا ہاتھ خشک ناپاک کپڑے کو لگانے سے اگر ہاتھ پر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہوا تو ہاتھ ناپاک نہیں ہوا(۱)، نل، بالٹی، حمام، پانی کوئی چیز بھی اس کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوئی، نہ کسی کی نماز خراب ہوئی، کسی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس پانی سے وضوو غسل سب درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خنزیر کا خشک بال ہاتھ یا کپڑے کو لگ جائے

سوال[۲۰۵۶]: کپڑے یا جوتے وغیرہ پر اس قسم کا خشک یا تر برش لگ جائے تو کپڑا وغیرہ اس کے لگنے سے کیا نجس ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خشک سے نجس نہیں ہوگا، تر لگ جائے تو پھر دھولینا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۵ھ۔

سوکھا کپڑا سور کو لگ جائے تو ناپاک نہیں

سوال[۲۰۵۷]: سور اگر بدن سے لگ جائے تو صرف کپڑا دھونا پڑے گا یا غسل؟ یا خشک وتر خنزیر کی کوئی تفصیل ہے؟ کتا چونکہ عندالاحناف نجس العین نہیں، نیز کتے کا تھوک جب کہ وہ غصہ میں ہو کاٹ لے تو ناپاک نہیں ہے:

---

(۱) "لو لف في مبتل بنحو بول، إن ظهر نداوته أو أثره تنجس، وإلا لا". (الدر المختار: ۱/۳۴۷، باب الأنجاس، سعيد)

(۲) "أما النجاسة الغليظة .... كالعذرة .... و لحم الخنزير و سائر أجزائه، هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين ضرورةً لا خلاف فيه، إلاشعر الخنزير لما أبيح الانتفاع به للخرز ضرورةً". (غنية المستملي (للحلبي الكبير)، ص: ۱۴۲، فصل في الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۵۱، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۱/۳۷۱، شعر الخنزير ،الطهارة، دار الكتب العلميه، بيروت)

"ولو عض كلبٌ عضو شخص ملاعباً تنجّس، والغضبان ليس يؤثر". دیباچہ نور الایضاح، ص: ۱۱۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مابہ الامتیاز کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خشک خنزیر کپڑے یا بدن سے لگ جائے جس کا کوئی اثر نہ آئے تو اس سے کپڑا یا بدن ناپاک نہیں ہوتا، جیسا کہ خشک نجس العین کا حکم ہے، البتہ تر ہو تو جس مقام پر تری لگی ہو اس کا دھونا ضروری ہے (۱)، غسل واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

کتا اگر کسی کا بدن یا کپڑا دانت سے پکڑ لے اور اس پر تری نہ لگے تو وہ نجس نہیں ہوگا، تری لگنے سے نجس ہو جائے گا، چاہے غضبان ہو چاہے راضی ہو، ایک ہی حکم ہے، یہی قول مختار ہے:

"الكلب إذا أخذ عضو إنسان أو ثوبه، لا يتنجس ما لم يظهر فيه أثر البلل راضياً كان أو غضبان، كذا في منية المصلي. قال في الصيرفية: هو المختار، كذا في شرحها لإبراهيم الحلبي الكبير اهـ". عالمگیری: ۱/۲٤ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

لنگی اور بدن کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۲۰۵۸]: ایسی ناپاک لنگی یا کپڑا یا تہبند پہن کر غسل کرے جس میں متفرق طور پر نجاست لگی ہو، کچھ منی، کچھ پیشاب کے قطرے وغیرہ اور اس ناپاک کپڑے پہنے ہوئے پر پاک پانی ڈالتا جائے اور ملتا جائے، جب زوالِ نجاست کا یقین ہو جائے تو لنگی کو اس طرح ایک دفعہ نچوڑ ڈالا جائے کہ پہلے آگے کے حصہ کو بعد اس کے پیچھے کے حصہ کو آگے کر کے ساتھ نچوڑ دیا جائے تو غسل اور پہنا ہوا کپڑا پاک ہوا یا نہیں، یا تین دفعہ

---

(۱) "أما النجاسة الغليظة .... كالعذرة .... ولحم الخنزير وسائر أجزائه، هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين ضرورةً لا خلاف فيها، إلا شعر الخنزير لما أبيح الانتفاع به للخرز ضرورةً". (الحلبي الكبير، ص: ۱۴۶، فصل في الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۲۹۶، معرفة النجاسة وأحكامها، إدارة القرآن كراچی)

نچوڑنے کا عمل کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح غسل کرنے سے سارا بدن بھی نجس ہوگیا، پھر اگر نجاست کی جگہ کو مَل مَل کر نجاست دور کردی اور پانی بہادیا گیا حتی کہ ظنِ غالب حاصل ہوگیا کہ اب نجاست باقی نہیں رہی (۱)، پھر ایک دم تمام بدن اور لنگی پر پانی ڈال کر بہادیا اور نچوڑ دیا تو بدن بھی پاک ہوگیا اور لنگی بھی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بدن اور کپڑوں کی پاکی وناپاکی سے متعلق چند سوالات

سوال[۲۰۵۹]: ۱......میں ناپاکی کی حالت میں ناپاک کپڑے پہنے ہوئے دوسری ناپاک چیز اور کپڑوں وغیرہ کو دھو کر پاک کرسکتا ہوں یا نہیں؟

۲......مجھے ہمیشہ اپنی چیزوں یا اپنے کپڑوں وغیرہ کو دھونے کے درمیان یا دھونے کے بعد شک ہوا کرتا ہے کہ شاید تین بار نہیں دھویا، یا اچھی طرح کپڑوں کو نہیں نچوڑا، یا اس طرح کا کچھ اَور شک ہوتا ہے، یا پھر شک ہوجاتا ہے کہ دھونا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور دھونے کے بعد شکر اللہ نہیں کہا، میں ان حالات میں کیا کروں؟

۳......سارا جسم پاک ہے، کپڑا بدلتے وقت یا کسی وجہ سے اعضائے تناسل میں ہاتھ لگ جائے تو کیا

---

(۱)"ویطهر محل نجاسة مرئية بعد جفاف كدم بقلعها: أى بزوال عينها وأثرها ولو بمرة أو بمافوق ثلاث في الأصح، ولم يقل: بغسلها، ليعم نحو دلك وفرك ...... ويطهر محل غيرها: أى غير مرئية بغلبة ظن غاسل لومكلفاً، وإلا فمستعمل طهارة محلها بلا عدد، به يفتي". (الدر المختار: ۱/۳۳۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۰۵، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۹۰، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

"إن الجنب إذا اتّزَرَ في الحمام، وصب الماء على جسده من جَنب الظهر والبطن حتى خرج عن الجنابة، ثم صب الماء على الإزار، يحكم بطهارة الإزار، وإن لم يعصر الخ". (المحيط البرهاني: ۱/۲۲۲، تطهير النجاسات، غفاريه)

اس کے بعد ہاتھ دھونا ضروری ہے؟

۴......بستر پر جو چادر بچھی ہے وہ پیشاب یا منی گرنے سے ناپاک ہے تو کیا اس پر پاک بدن میں پاک کپڑے پہنے ہوئے سونے یا لیٹنے سے بدن یا کپڑے ناپاک ہو جائیں گے اور اگر پسینہ نکلے تو کیا بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

۵......کیا مکھی مچھر کا خون ناپاک ہے؟

۶......گوریا، چمگادڑ، چھپکلی یا چوہیا بستر یا جانماز یا کتاب وغیرہ پر پیشاب کردے یا غلاظت کردے تو کیا یہ چیزیں ایسی حالت میں ناپاک ہو جائیں گی؟ اگر پیشاب سوکھ گیا ہو اور غلاظت بھی سوکھ گئی ہو تو صرف غلاظت کو جھاڑ دینے سے بستر وغیرہ پاک رہے گا یا نہیں؟

۷......میں پاک ہوں، لیکن میں ناپاک لنگی یا ناپاک پتلون یا ناپاک پائجامہ پہن لیتا ہوں تو کیا میں ناپاک ہو جاؤں گا؟

۸......میں پاک ہوں، لیکن میں نے ناپاک کپڑے پہن لئے اور پھر پانی سے استنجا کیا تو کیا میں اب ناپاک ہو جاؤں گا۔

۹......میں ناپاک ہوں، لیکن میں نے پاک کپڑے پہن لئے تو کیا وہ کپڑے اب ناپاک ہو جائیں گے؟

۱۰......میں ناپاک ہوں، لیکن پاک کپڑے پہن کر پھر پانی سے استنجا بھی کر لیا تو کیا اب وہ پاک کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

۱۱......میں پاک ہوں، لیکن ناپاک چادر یا لحاف یا ناپاک کمبل وغیرہ اوڑھتا ہوں تو کیا میں ناپاک ہو جاؤں گا؟

۱۲......میں ناپاک ہوں، لیکن پاک چادر یا لحاف یا کمبل وغیرہ اوڑھتا ہوں تو کیا یہ چیزیں ناپاک ہو جائیں گی؟

۱۳......میں نے جو چاروں قسمیں کھائیں یہ شریعت کی رو سے جائز ہیں یا ناجائز؟

۱۴......(الف) میں ہر دم اپنی چاروں قسموں کی خلاف ورزی کر کے اپنے گناہوں میں برابر اضافہ کرتا جا رہا ہوں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کونسا راستہ اختیار کروں؟

(ب) اگر قسموں پر قائم رہنے کا حکم ہو تو اس کا طریقہ بتائیں کہ میں کس طرح اپنی قسموں پر آخری سانس تک قائم رہوں، آیا چاروں قسموں کو توڑ ڈالنے کا حکم ہو تو یہ بتائیں کہ ان کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور کس طرح ادا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......پاک کر سکتے ہیں اور طریقہ شرعیہ پر پاک کرنے سے وہ چیزیں پاک ہو جائیں گی، یہ بات نہیں کہ آپ کے ناپاک ہونے سے وہ چیزیں دھونے اور پاک کرنے سے بھی پاک نہ ہوں (۱)۔

۲......جس چیز کو پاک کرنے کے لئے تین مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے، اس کو دھونے کے درمیان اگرچہ شک ہو جائے کہ شاید دو ہی دفعہ نچوڑا ہے تیسری دفعہ نہیں نچوڑا تو ایک دفعہ اور نچوڑیں اور دھونے کے بعد شک ہو تو اس کا اعتبار نہیں (۲) اس پر کوئی توجہ نہ کریں۔ شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بعد میں شکر اللہ اگر نہ کہا جائے تب بھی کپڑا وغیرہ پاک ہو جاتا ہے، اس میں ذرہ برابر تردد نہ کریں۔

۳......بالکل ضروری نہیں، آخر وہ حصہ بھی تو پاک ہی ہے، اگر ناپاک ہوتا تو اس کے ساتھ نماز کیسے درست ہوتی اور کپڑے کیسے پاک رہتے (۳)۔

۴......نہ بدن ناپاک ہوگا نہ کپڑے ناپاک ہوں گے، اگر پسینہ نکل کر چادر پر گرا اور اس سے منی کا اثر

---

(۱) "يجوز رفع نجاسة حقيقية عن محلها ولو إناء أو مأكولاً، علم محلها أولا، بماء ولو مستعملاً، وبكل مائع طاهر قالع للنجاسة ينعصر بالعصر". (الدر المختار: ۱/۳۰۹، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۸۶، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۲۴۰، شروط وجوب الطهارة، رشيديه)

(۲) "ولو أيقن بالطهارة وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين، ولو تيقنهما وشك في السابق، فهو متطهر". (الدر المختار: ۱/۱۵۰، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۷۸، نوع آخر في الفصل الثاني في بيان مايوجب الوضوء، غفاريه)

(۳) "لاينقضه مس ذكر لكن يغسل يده ندباً". (الدر المختار: ۱/۱۴۷، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۳، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۴۷، فصل وأما بيان ما ينقض الوضوء، دار الكتب العلمية، بيروت)

5

بدن یا کپڑے پر پہونچ گیا تو جتنے بدن یا کپڑے پر وہ اثر ظاہر ہوا ہے اتنا ناپاک ہوگا (۱)، اتنا حصہ پاک کرلیا جائے، نہ پورا بدن ناپاک ہوگا نہ پورا کپڑا اور نہ اس سے تمام کو دھونے کی ضرورت ہے۔

۵......ان کا خون بدن یا کپڑے پر گر جائے تو اس سے نماز میں خلل نہیں آئے گا (۲)۔

۶......گوریا کی بیٹ اور پیشاب سے کپڑا وغیرہ دھونا ضروری نہیں، یہی حال چمگادڑ کا ہے (۳)، چوہیا نے اگر پیشاب کر دیا تو اس کو پاک کرلیا جائے، مینگنی اس کی خشک ہوتی ہے اس سے کپڑا دھونے کی ضرورت نہیں (۴)، چھپکلی کی غلاظت اگر تر ہو تو اس سے بھی کپڑا دھو لیا جائے۔

---

(۱) "إذا نام الرجل على فراش، فأصابه مني ويبس، فعرق الرجل وابتل الفراش من عرقه، إن لم يظهر أثر البلل في بدنه لا يتنجس، وإن كان العرق كثيراً حتى ابتل الفراش ثم أصاب بلل الفراش جسده، فظهر أثره في جسده، يتنجس بدنه". (الفتاویٰ العالمكيريه، ۱/۴۷، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۶، فصل في النجاسة التي تصيب البدن، رشيديه)

(۲) "ولا ينجس البئر بموت حيوانٍ لادم له سائل كذُباب وصرصور وخنفساء وزنبور وبق وعقرب، أو بموت حيوان الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۲۸۹، حالة موت الإنسان أو حيوان في البئر، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۱۸۳، باب المياه، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۴، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضؤ، رشيديه)

(۳) "وخرء كل طير لا يذرق ...... أما مايذرق فيه، فإن مأكولاً كحمام وعصفور فطاهر، وإلا فمخفف". (الدر المختار: ۱/۳۲۰، باب الأنجاس، سعيد)

"وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم إلا بول الخفاش وخرأه". (الدر المختار). قال ابن عابدينؒ: "بول الخفافيش وخرءها ليس بنجس لتعذر صيانة الثوب والأواني عنها الخ". (رد المحتار: ۱/۳۱۹، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۶، والثاني المخففة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۶۷، فصل وأما الطهارة الحقيقية، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "اعلم أن بول الهرة والفأرة وخرأهما نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب، ولو طحن بَعر الفأرة مع الحنطة ولم يظهر أثره، يعفى عنه للضرورة ...... قال الفقيه أبو جعفر: ينجس الإناء دون الثوب ...... والمشائخ على أنه نجس لخفةٍ للضرورة، بخلاف خرئها فإن فيه ضرورة في الحنطة". (رد المحتار: ۱/۳۱۹، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۳۶۷، فصل أما الطهارة الحقيقية، دار الكتب العلميه، بيروت)

۷......اس سے آپ ناپاک نہیں ہوں گے، الّا یہ کہ ناپاک کپڑوں کی ناپاکی تر ہو اور وہ جسم کو لگ جائے تو وہ حصۂ جسم ناپاک ہوگا (۱) تمام جسم پھر بھی ناپاک نہیں ہوگا۔

۸......مثل نمبر: ۷، اگر پانی سے استنجا کرنے سے کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے تو اتنا حصہ ناپاک ہوجائے گا اس سے آپ ناپاک نہیں ہوں گے۔

۹......وہ کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے اور یہ کہ آپ کے بدن پر ناپاکی تر ہو اور کپڑوں پر لگ جائے تو وہ حصہ ناپاک ہوجائے گا تمام کپڑا پھر بھی ناپاک نہیں ہوگا (۲)۔

۱۰......مثل نمبر: ۹۔

۱۱......مثل نمبر: ۴۔

۱۲......مثل نمبر: ۹۔

۱۳......یہ قسمیں شرعاً منعقد ہوگئیں، ان کی پابندی لازم ہے (۳)۔

۱۴......(الف) انہیں قسموں کے مطابق عمل کیا جائے (۴)۔

(ب) اگر پوری نہ کرسکیں اور قسم ٹوٹ جائے تو کفارہ لازم ہے، کفارہ یہ ہے کہ دس غریبوں کو شکم سیر دو وقت کھانا کھلائیں یا کپڑا دیا جائے ایک ایک جوڑا، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے جائیں، ایک مرتبہ ایسا کرنے سے اس قسم کی ذمہ داری عمر بھر کے لئے ختم ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولو لف في مبتل بنحو بول، إن ظهر نداوته أو أثره تنجس، وإلا لا". (الدرالمختار: ۱/۳۴۷، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في الخلاصة: ۱/۴۶، الفصل الثامن في النجاسة، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، رشيديه)

(۲) (دیکھئے حاشیہ نمبر: ۱)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان .... واحفظوا أيمانكم﴾. (سورة المائدة: ۸۹)

(۴) سوال میں چار قسموں کا تذکرہ ہے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا ہے، لیکن سوال میں اصل نسخہ کے مطابق ان قسموں کی کوئی وضاحت نہیں، ہوسکتا ہے مستفتی نے زبانی پوچھی ہوں یا کسی اور باب میں ذکر کی گئی ہوں۔ =

دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟

سوال[۲۰۶۰]: دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہوتے ہیں یا ناپاک؟ کیونکہ دھوبی کپڑے کو تین بار نہیں دھوتے، دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے پر اگر کوئی دھبہ بڑا، یا چھوٹا موجود ہو تو اس کو پاک کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دھوبی (اگر) بڑے تالاب یا نہر یا دریا میں کپڑے دھوتے ہیں تو وہ کپڑے پاک ہیں، بہتے پانی یا کثیر پانی میں کپڑے کا پڑا رہنا بھی تین بار دھونے کے حکم میں ہے(۱)۔ پکا نشان (دھبہ) باقی رہ جائے اور نجاست کا جسم دھل جائے تب بھی کپڑا پاک ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہندو دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال[۲۰۶۱]: جو ہندو دھوبی کپڑے دھوتے ہیں وہ پاک ہیں یا ناپاک؟

= قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة،فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم﴾. (سورة المائدة: ۸۹)

(وكذا في الدر المختار على ردالمحتار: ۶۰/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وهذا كله إذا غسل في إجانة، أما لو غسل في غدير أو صب عليه ماء كثير، أو جرى عليه الماء طهر بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس، هو المختار". (الدر المختار: ۳۳۳/۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۲/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳۳۷/۱، الصب أو إيراد الماء على النجاسة، رشيديه)

(۲) "لايضرّبقاء أثر كلَون وريح لازم، فلا يكلف بازالته إلى ماء جار أو صابون ونحوه، بل يطهر ماصبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً، والأولى غسله إلى أن يصفو الماء". (الدر المختار: ۳۲۹/۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۰/۱، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۰۵/۱، باب الأنجاس، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناپاک کپڑا ہندو کے پاک کرنے سے بھی پاک ہوجاتا ہے، پس جب تک کسی نجاست کا علم نہ ہو، ہندو دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا پاک ہے، البتہ مسلمان دھوبی سے دھلانا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۶/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

بے علم دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا

سوال[۲۰۶۲]: دھوبی جو کپڑے دھوتے ہیں، عموماً طہارت ونجاست سے واقف نہیں ہوتے ہیں، نیز بعض شہر کے اندر نالیوں کے پانی سے یا مائے راکد متعفن سے دھوتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ پانی کثیر ہے اور محض مکث کی وجہ سے متعفن ہوگیا، یا وہ پانی جاری ہے اور اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں تو اس میں کپڑوں کا دھونا درست ہے(۲)۔ کپڑوں پر اگر پہلے سے نجاست نہیں تھی تب تو ان کی پاکی میں کوئی اشکال نہیں، اگر نجاست تھی اور وہ مرئیہ تھی تو اس کے زوال اور بقاء کو خود دیکھ لیا جائے، اگر غیر مرئیہ تھی تب بھی چونکہ ہر دھوبی کم از کم تین مرتبہ تو ضرور ہی ہر کپڑے کو دھوتا ہے اور نچوڑتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اس لئے وہ کپڑا پاک ہوجاتا ہے اگرچہ وہ باقاعدہ مسائلِ شرعیہ سے واقف نہیں۔ اگر وہ دھوبی قلیل پانی میں جو کہ نجس ہے

---

(۱) "وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزالة عينها وأثرها إن كانت شيئاً يزول أثره .... وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۰۹، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۸۲، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "إذا تغير لون الماء أو طعمه أو ريحه بل لو تغير الأوصاف الثلثة بطول المكث أو بوقوع الأوراق فيه، يجوز الوضوء به .... و كذا إذا ألقي في الماء الجاري شيء نجس كالجيفة والخمر لا يتنجس الماء مالم يتغير لونه أو ريحه أو طعمه". (الحلبي الكبير، ص: ۹۱، باب المياه، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار: ۱/۱۸۶، باب المياه، سعيد)

کپڑے دھوتے ہیں یا نالیوں کے گندے پانی میں جس پر نجاست کا اثر ظاہر ہے کپڑے دھوئے تو وہ پاک نہیں ہوتے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،۱۷/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف۔

غیر مسلم سے مٹھائی لینا اور کپڑے دھلوانا

سوال[۲۰۶۳]: ہندو دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑوں سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور ہندو کے یہاں کی مٹھائی وغیرہ کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کسی جگہ نجاست کا یقین یا ظنِ غالب نہ ہو تو مٹھائی اور کپڑا پاک ہے(۲) اور نماز درست ہو جائے گی،تاہم مسلمان سے کپڑے دھلانا اور مٹھائی لینا بہتر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/ربیع الثانی/۵۵ھ۔

چھوٹے بچے کے پیشاب کا حکم اور اس سے بچنے کا طریقہ

سوال[۲۰۶۴]: چھوٹے چھوٹے بچے ماؤوں کی گود میں پیشاب کر دیتے ہیں جس سے بار بار

---

(۱) "وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزالة عينها وأثرها إن كانت شيئاً يزول أثره .... وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱، الفصل الأول في تطهير الأنجاس ، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي شرح منية المصلي (الحلبي الكبير)، ص: ۱۸۲، فصل في الآسار ، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۰۹، باب الأنجاس ، رشيديه)

(۲) "من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر ما لم يستيقن ، و كذا الآبار والحياض التي يستقى منها الصغار و الكبار والمسلمون و الكفار، و كذالك السمن والجبن والأطعمة التي يتخذ ها أهل الشرك والبطالة، وكذالك الثياب التي ينسجها أهل الشرك والجهلة من أهل الإسلام الخ". (التاتارخانية: ۱/۱۴۶، نوع في مسائل الشك ، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۱۵۱ نواقض الوضوء، سعيد)

دھونے کی پریشانی کی بات ہے، اس میں کچھ آسان اور سہل طریقہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیشاب تو بہر حال ناپاک ہے، کپڑے پر لگے گا تو کپڑا ناپاک ہوگا، بدن پر لگے گا تو بدن ناپاک ہوگا اور بغیر پاک کئے نماز درست نہ ہوگی (۱)۔ بچہ کو ایسا کپڑا پہنایا جائے کہ پیشاب اسی کے اندر رہے، ماں کے کپڑے و بدن کو نہ لگے، آج کل اس کا رواج بھی ہوگیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جس جگہ پر پیشاب یا خون کا دھبہ آیا ہے اس کا دھولینا کافی ہے

سوال[۲۰۶۵]: ۱...... اگر پیشاب پاخانہ یا بواسیر کے خون کے دھبے کپڑے پر آجائیں تو کیا ایسی صورت میں ان دھبوں پر پانی چھڑک کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا دھونا ضروری ہے یا نہانا ضروری ہے؟

۲...... نماز کی حالت میں بعض اوقات ذرا سی ہوا خارج ہوجاتی ہے...... تو اس کے لئے تیمم کس وقت کرنا چاہئے، کیونکہ وضو بار بار نہیں کرسکتی، میں ستر برس کی ضعیفہ ہوں، علاوہ ازیں اگر نماز میں وضو یا تیمم ٹوٹ جائے تو کیا پوری نماز ادا کرنی چاہئے یا جہاں سے ٹوٹی ہو وہاں سے اس کو پورا کرلینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جتنے حصے پر ناپاکی لگی ہو اس کو دھولینا چاہئے، نہانا ضروری نہیں (۲)۔

---

(۱) "إذا انتضح من البول بشئ یری أثره، لابد من غسله، ولو لم یغسل، وصلی کذلک، فکان إذا جمع کان أکثر من قدر الدرهم أعاد الصلاة". (المحیط البرهانی: ۱/۲۱۶، الفصل السابع فی النجاسات وأحکامها، غفاریه)

(وکذا فی التاتارخانیه: ۱/۲۹۵، معرفة النجاسات وأحکامها، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "یجب تطهیر ما أصابته النجاسة من بدن أو ثوب أو مکان لقوله تعالیٰ: ﴿وثیابک فطهر﴾ الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۱/۲۴۰، المبحث الثانی: شروط وجوب الطهارة، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱/۲۲۰، فی تطهیر النجاسات، غفاریه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۱/۳۰۵، الفصل الثامن فی تطهیر النجاسات، إدارة القرآن، کراچی)

۲..... جب ہوا خارج ہو فوراً نماز ختم کر کے طہارت حاصل کرے (وضو یا تیمّم) پھر از سرِ نو نماز پڑھنا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کتے کا کپڑوں سے رگڑ جانا

سوال[۲۰۶۶]: کتا کپڑوں سے رگڑتا ہوا چلا جائے تو غسل کرنے اور کپڑا تبدیل کرنے کی حاجت ہے یا نہیں؟

فتح میر کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کتے کا لعاب نجس ہے(۲)، اگر لعاب نہیں لگا، بلکہ خشک جسم کپڑے کو لگا ہے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا(۳)۔ نماز کے لئے اس کپڑے کو تبدیل کرنا یا دھونا یا خود غسل کرنا ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک کپڑے پہن کر سونا

سوال[۲۰۶۷]: رات کو ناپاک کپڑے پہن کر سونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رات کو ناپاک کپڑے پہن کر سونا درست ہے، مگر بلا ضرورت مناسب نہیں، اس میں ایک قسم کی کراہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "واستئنافه أفضل: أی بأن يعمل عملاً يقطع الصلاة، ثم يشرع بعد الوضوء .... اهـ".

(ردالمحتار: ۱/۶۰۳، باب الاستخلاف، سعيد)

(۲) "الكلب إذا أخذ عضوا إنسان أو ثيابه إن أخذ في حالة الغضب، لا يجب غسله .... لا يتنجس ما لم ير البلل سواء كان الكلب راضياً أو غضبان". (التاتارخانية: ۱/۲۹۶، معرفة النجاسات ، إدارة القرآن)

(وكذا في الحلبي الكبير ، ص:۱۹۳، فصل في الآسار ، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۳) "إذا نام الكلب على حصير المسجد إن كان يابساً، لا يتنجس". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۱، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب الخ، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۲۹۶، الطهارة ، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الثالث فی نجاسة الأوانی وتطهیرها
(برتنوں کو پاک کرنے کا بیان)

چمار کا استعمال کیا ہوا برتن کس طرح پاک ہوگا؟

سوال[۲۰۶۸]: کھانا پکانے کی دیگ گاؤں کی شاملات کی ہے، اس کو چماروں کو دیدی گئی، ان چماروں نے اس میں کھانا پکایا، استعمال کیا۔ اب اس کے متعلق کیا حکم ہے، آیا اس پر قلعی کرا کر استعمال کیا جائے یا ویسے ہی اس کو آگ پر رکھ کر دھوکر، مانجھ کر استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دوبارہ قلعی کرانیکی ضرورت نہیں، ویسے ہی دھو، مانجھ کر پاک کر لینا کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مظاہر علوم۔

چینی وغیرہ کے برتن کو پاک کرنے کا حکم

سوال[۲۰۶۹]: کپڑا، جسم، تانبے، پیتل، المونیم کے برتن پلاسٹک کے برتن، چینی کے برتن وغیرہ پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالى: و يكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، و مع هذا لو أكل و شرب فيها قبل الغسل، جاز الخ". (الفتاوى العالمكيرى: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر چیز کو تین دفعہ دھولیں، کپڑے کو ہر دفعہ نچوڑ دیں، اس طرح کرنے سے پاک ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اسٹیل کے برتنوں کو پاک کرنے کا حکم

سوال [۲۰۷۰]: آج کل اسٹیل کے برتن استعمال ہوتے ہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسٹیل ناپاک ہو جائے تو پاک بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسٹیل اگر دھات ہے تو ناپاک نہیں اور اگر ناپاک بھی ہو تو پاک کرنے سے پاک ہو جاتی ہے (۲)، لہٰذا اس کے برتن استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ جس طرح اہلِ ہنود پیتل کے برتن استعمال کرتے ہیں ایسے نہ ہوں تاکہ تشبہ نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن المتنجس إما أن يتشرب فيه أجزاء النجاسة أصلاً كالأواني المتخذه من الحجر والنحاس والخزف والعتيق، أو يتشرب فيه قليلاً كالبدن والخف والنعل، أويتشرب فيه كثيراً، ففي الأول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية أو بالعدد، وفي الثاني كذلك؛ لأن الماء يستخرج ذلك القليل، فيحكم بطهارته، وأما في الثالث، فإن كان مما يمكن عصره كالثياب فطهارته بالغسل والعصر إلى زوال المرئية، في غيرها بتثليثها .... إن علم أنه لم يتشرب فيه، بل أصاب ظاهره، يطهر بإزالة العين أو بالغسل ثلاثاً بلا عصر". (ردالمحتار: ۱/۳۳۲، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۵۱، فصل فيما يقع به التطهير، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وكذا يطهر محل نجاسة مرئية بقلعها ولا يضرّ بقاء أثر لازم وغيرها بغلبة ظن غاسل لو مكلف طهارة محلها". "الأواني ثلاثة أنواع: خزف وخشب وحديد ونحوها، وتطهيرها على أربعة أوجه: حرق ونحت ومسح وغسل، فإن كان الإناء من خزف أو حجر و كان جديداً، ودخلت النجاسة في أجزائه يحرق، وإن كان عتيقاً يغسل، وإن كان من خشب جديد ينحت، ومن قديم يغسل، وإن من حديد أو =

لوہے کی چیز پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۷۱]: لوہے کی چیزیں خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لوہے کی چیز اگرناپاک ہوجائے تو اس کادھوکر یامٹی وغیرہ سے رگڑ کر پاک کرناضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

المونیم پلاسٹک کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۷۲]: جسم اوروہ چیزیں جس میں پانی وغیرہ جذب نہیں ہوتا ہے المونیم پلاسٹک وغیرہ جب نجس ہوں خواہ مرئیہ یاغیرہ مرئیہ، اوپر سے پانی ایک ہی دفعہ مسلسل اس قدر چھوڑیں اور ملتے جائیں کہ طہارت کایقین حاصل ہوجائے پاک ہوایانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح پاک ہوجائے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= صفر أو رصاص أو زجاج وكان صقيلاً، يمسح، وإن كان خشناً يغسل". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۱۶۳، باب الأنجاس، دار المعرفة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۱۲، باب الأنجاس، رشيديه)

(۱) "ويطهر محل نجاسة، أما عينها فلا تقبل الطهارة مرئية بعد جفاف كدم بقلعها: أي بزوال عينها وأثرها ولو بمرة، أو بما فوق ثلاث في الأصح، ولم يقل بغسلها، ليعم نحو دلك وفرك". (الدر المختار: ۱/۳۲۸، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۹۰، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۳، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، رشيديه)

(۲) "أجرى عليه الماء، طهر مطلقاً بلا شرط عصر وتجفيف وتكرار غمس، هو المختار". .... =

جن چیزوں میں پانی جذب نہیں ہوتا، ان کے پاک کرنے کا حکم

سوال[۲۰۷۳]: آج کل پلاسٹک کا جوتہ چپل پالش کیا ہوا-چمڑے کا، یا باٹا کا- دکانوں میں ملتے ہیں، اگر نجاستِ غیر مرئیہ سے ناپاک ہوجائیں، تین دفعہ دھوڈالیں، یا ایک دفعہ اوپر سے پانی ڈال کر اس قدر دھوڈالیں کہ نجاست زائل ہونے کا یقین ہوجائے تو پاک ہوا یا نہیں؟ پانی ٹپکانا ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح لکڑی کا کھڑاواں جو کہ پالش کیا ہوا ہے پاک ہوگا یا نہیں؟ جو عمل طریقہ اوپر لکھا ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس میں پانی جذب نہیں ہوتا اس پر تین دفعہ مسلسل پانی ڈالنے سے بھی پاک ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (الدرلمختار: ۱/۳۳۳، باب الأنجاس، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۱۲، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۲۲۵، الفصل السابع في النجاسات، غفاريه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۳۷، الصب أو إيراد الماء على النجاسة، رشيديه)

(۱) "أن المتنجس إما أن لا يتشرب فيه أجزاء النجاسة أصلاً كالأواني المتخذة من الحجر والنحاس والخزف العتيق، أو يتشرب فيه قليلاً كالبدن والخف والنعل، أو يتشرب كثيراً، ففي الأول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية أو بالعدد، وفي الثاني كذلك؛ لأن الماء يستخرج ذلك القليل، فيحكم بطهارته، وأما في الثالث، فإن كان مما يمكن عصره كالثياب، فطهارته بالغسل والعصر إلى زوال المرئية، وفي غيرها بتثليثها .... إن علم أنه لم يتشرب فيه بل أصاب ظاهره، يطهر بإزالة العين أو بالغسل ثلاثاً بلا عصر". (ردالمحتار: ۱/۳۳۲، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۵۱، فصل فيما يقع به التطهير، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۳۵، العصر فيما يمكن عصره، رشيديه)

حوض اور ڈرم پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۷۴]: حوض یا بڑے ڈرم کا پانی نجس ہو جائے تو ناپاک پانی بہادینے کے بعد پاک ہو گیا یا نہیں؟ یا دھونا پڑے گا، اگر دھونے کا حکم ہو تو کتنی دفعہ دھونا ہوگا؟ حوض اگر خشک ہو کر زوالِ نجاست ہو جائے تو بغیر دھوئے حوض میں پانی ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ڈرم کو دھویا جائے، ناپاک پانی گرادینے پر کفایت نہ کی جائے (۱)۔ حوض کو اتنا بھرا جائے کہ سب طرف سے پانی ابل کر جاری ہو جائے (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بالٹی گلاس وغیرہ پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۲۰۷۵]: بالٹی، گلاس لوٹا وغیرہ نجس ہوں اور اندر باہر دونوں طرف نجس ہوں تو پانی لوٹا بالٹی وغیرہ لیکر تین دفعہ دھوئیں یعنی جو برتن ناپاک ہے اس میں تھوڑا پانی پاک لے لیں اور اس پانی سے جو برتن کے اندر دھویا ہے برتن کے باہر بھی ہاتھ لیکر دھو ڈالیں، تمام طرف سے دھو کر پانی پہلا پھینک دیں پھر دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ اسی طرح عمل کریں تو بالٹی، لوٹا، برتن وغیرہ پاک ہوا یا نہیں؟ اور ہر دفعہ پانی کو ٹپکانا ہوگا یا نہیں؟

---

(۱)"وقُدِّر بتثليث جفاف: أي انقطاع تقاطر في غيره: أي غير منعصر مما يتشرب النجاسة". (الدر المختار).

(قوله: أي غير منعصر): أي بأن تعذر عصره كالخزف". (ردالمحتار: ۱/۳۳۲، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۲۵۱، فصل شرائط التطهير بالماء، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۰۶، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲)"حوضٌ صغيرٌ تنجس ماؤه، فدخل الماء فيه من جانب، وسال ماء الحوض من جانب آخر، كان الفقيه أبو جعفر رحمه الله يقول: كما سال ماء الحوض من جانب الآخر يحكم بطهارة الحوض، وهو اختيار الصدر الشهيد رحمه الله". (المحيط البرهاني: ۱/۱۰۶، الفصل الرابع في المياه، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱/۱۹۵، باب في المياه، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷، الباب الثالث في المياه، رشيديه)

مسلسل دھونے سے پاک ہوجائے گا یا نہیں جب کہ جذب ہونے کی چیز نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پاک ہوجائے گا، جس میں پانی جذب نہیں ہوتا، اس پر تین دفعہ مسلسل پانی ڈالنے سے بھی پاک ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جس استرہ سے کافر کی حجامت بنائی گئی کیا وہ ناپاک ہوگیا؟

سوال[۲۰۷۶]: ایک حجام جس کی دوکان میں مسلم غیر مسلم سبھی حجامت بنواتے ہیں، ایک ہی استرا مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو مسلمان اگر وہاں حجامت اور خط بنوائے تو کیا اس کو اپنا سر اور چہرہ وغیرہ ناپاک تصور کر کے تین مرتبہ دھونا ضروری ہوگا یا بہتر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اتنی بات سے تو سر اور چہرہ ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اگر استرہ پر خون لگا ہوا ہے اور وہ چہرہ یا سر پر لگ جائے تو ضرور ناپاک ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "فيما لاينعصر يطهر بالغسل ثلاث مرات والتجفيف في كل مرة؛ لأن للتجفيف أثراً في استخراج النجاسة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱/۳۳۲، ۳۳۳، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۰۶، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وقال أبو يوسف في المحتجم: لايجزئه أن يمسح الدم عن موضع الحجامة حتى يغسله". "قال الحاكم: رأيت عن أبي حفص عن محمد بن الحسن رحمهم الله أنه إذا مسحه بثلاث خرق رطاب نظاف، أجزأه". (المحيط البرهاني: ۱/۲۳۲، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۳، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۳۱۸، تطهير النجاسات، إدارة القرآن، كراچى)

ناپاک کنویں کے پاک کرلینے پر ڈول رسی وغیرہ کا حکم

سوال[۲۰۷۷]: بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اہلِ محلّہ پانی بھرلیں تو کنواں پاک ہوجاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ لوگ کنویں کی مَن (۱) پر کھڑے ہوکر پانی بھرتے ہیں اور گذشتہ پانی جو گھرلے گئے ہیں، اسی کے ہاتھوں سے پھرا کر بھرتے ہیں تو کیا یہ عفو ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فی الحال گھڑا، ڈول ہاتھ وغیرہ وغیرہ سب ناپاک اور مقدار واجب النزح نکلنے کے بعد طہارت کا حکم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا لوٹا قدمچہ پر رکھنے سے ناپاک ہوجاتا ہے؟

سوال[۲۰۷۸]: کیا روزانہ استعمال میں لایا جانے والا لوٹا جس کی تلی قدمچہ پر بھی رکھی جاتی ہے غسل میں مستعمل کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کرسکتے ہیں جب کہ اس میں کوئی ناپاکی نہ ہو، اگر ناپاکی ہو تو اس کو پاک کرلیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "مَن: کنویں کی مینڈھ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۸۷، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "يطهر الكل تبعاً (الدرالمختار). "(قوله: يطهر الكل): أى من الدلو والرشاد والبكرة و يد المستقى تبعاً؛ لأن نجاسة هذه الأشياء بنجاسة البئر، فتطهر بطهارتها للحرج كدن الخمر يطهر تبعاً إذا صار خلاً، و كيد المستنجي يطهر بطهارة المحل، و كعروة الإبريق إذا كان في يد المستنجي الخ". (ردالمحتار: ۱/ ۲۲۱، باب الأنجاس، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۱/ ۲۱۵، باب الأنجاس، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲، الباب السابع في النجاسة، رشيديه)

(۳) "و يطهر متنجس سواء كان بدناً أو ثوباً أو آنيةً بنجاسة و لو غليظةً مرئيةً كدم بزوال عينها، و لو كان=

بیت الخلاء کا لوٹا ڈرم میں ڈال کر پانی لینا

سوال[۲۰۷۹]: جامع مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے ایک ڈرم رکھا ہوا ہے، اکثر لوگ اس میں غسل خانہ اور بیت الخلاء کا مستعمل لوٹا ڈالتے ہیں، تو ڈرم کا پانی ناپاک ہوتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ لوٹے پر بظاہر کوئی نجاست نہیں لگی ہوئی ہے، لیکن یہ لوٹا غسل خانہ اور بیت الخلاء میں رکھا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل خانہ یا بیت الخلاء کا مستعمل لوٹا ناپاک نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی زمین پر رکھنے سے ناپاک ہوتا ہے(۱)، البتہ اگر غسل خانہ کا پانی غسل خانہ میں جمع ہوتا ہے کسی جگہ، اور پانی جمع ہونے پر لوٹا رکھا جاتا ہے تو لوٹے کی تلی ناپاک ہوجائے گی۔ عموماً بیت الخلاء میں لوٹا رکھنے کی جگہ طاقچہ وغیرہ بنا ہوتا ہے اس جگہ پر لوٹا رکھا جاتا ہے، لیکن اگر بیت الخلاء میں لوٹا رکھنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ لوٹا نیچے وہاں رکھا جاتا ہے جہاں استنجے کا پانی وغیرہ پڑتا ہے، یا بھنگی نے بیت الخلاء دھویا یا وہاں بھیگی ہوئی جگہ پر لوٹا رکھا جاتا ہے، ان دونوں صورتوں میں بھی لوٹے کی تلی ناپاک ہوجاتی ہے۔

لوٹے پر نجاست لگی ہوئی نظر آئے یا نہ آئے، ناپاک پانی یا ناپاک مٹی لگنے سے بھی تلی نجس ہوجاتی ہے، اس لئے ایسے لوٹے کو ڈرم کے اندر ڈالنے سے احتیاط کرنا چاہئے، شبہ ہو تو نہ ڈالنا چاہئے جب تک کہ پاک نہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= بمرة: أي غسلة واحدة على الصحيح، ولا يشترط التكرار الخ" (مراقي الفلاح، ص: ۱۵۹، قديمي)

(۱) "مشى في حمام ونحوه، لا ينجس مالم يعلم أنه غسالة نجس". (الدر المختار: ۱/۳۵۰، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۲۱۵، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، غفاريه)

الفصل الرابع في تطهير الأرض

(زمین پاک ہونے کا بیان)

کیا ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے؟

سوال[۲۰۸۰]: ایک ایسی زمین پر جو چونے سے بنائی گئی ہو اور بچے اس پر پیشاب پاخانہ بھی کردیتے ہیں اور اسے صاف بھی کردیا جاتا ہے، لیکن پاک نہیں کیا جاتا، کیا ایسی زمین سوکھ جانے کے بعد پاک ہوجاتی ہے؟ اور اگر اس پر شہد گر جائے تو وہ شہد پاک ہوگا یا ناپاک ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو زمین پختہ ہو، چونے سے بنائی گئی ہو، اس پر بچہ نے پیشاب کردیا ہو وہ ناپاک ہوگئی، پھر جب اس کو صاف کردیا گیا اور وہ خشک ہوگئی، پیشاب پاخانہ کا اس پر اثر موجود نہیں رہا تو وہ پاک ہوگئی (۱) اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ اس پر جو شہد گر گیا اور اس میں کوئی اثر نجاست کا ظاہر نہیں ہوا تو وہ بھی پاک ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

نجس زمین پر خشک ہونے کے بعد پانی گرنے سے کیا وہ پھر ناپاک ہوجائے گی؟

سوال[۲۰۸۱]: زمین نجس دھوپ سے پاک ہوگئی، مگر اس پر پانی پڑا تو نجاست عود کر آئے گی یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفيّ: "و تطهر أرض بيبسها: أي جفافها و لو بريح و ذهاب أثرها كلَون و ريح لأجل صلاة عليها الخ". (الدر المختار: ۱/۳۱۱، باب الأنجاس، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۳، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/۳۰۹، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض و قد جفت و لو بغير الشمس على الصحيح، طهرت و جازت الصلاة عليها، لقوله عليه السلام: "أيما أرض جفت فقد زكت الخ". (مراقي الفلاح، ص: ۱۶۴، باب الأنجاس، قديمي)

کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ زمین سوکھ جائے گی اس پر نماز پڑھنا درست ہوجائے گا (۱)، اس پر بوریہ بچھا کر نماز پڑھ لیا جائے تو شبہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گوبر سے لیپی ہوئی زمین کا حکم

سوال [۲۰۸۴]: مکانوں میں گوبری لیپتے ہیں اوراس میں گوبر ملاتے ہیں تو اس غیر خشک زمین پر مصلی یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ایسی گوبری کی ہوئی زمین خشک وتر کا حکم ایک ہے یا الگ الگ؟ گوبری شدہ خشک زمین پر بغیر کچھ بچھائے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خشک زمین میں کپڑا یا مصلی بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے، اگر چہ وہ ناپاک چیز سے لیپی گئی ہو، گوبر یا لید اگر تر ہے اور کپڑے یا مصلی پر اس کا اثر دوسری جانب نہ آئے تب بھی نماز درست ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۳ھ۔

---

(۱) "وتطهر الأرض بخلاف نحو بساط بيبسها: أي جفافها ولو بريح وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها، لالتيمم بها". (الدر المختار: ۱/۳۱۱، باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۴۴، باب الأنجاس، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۹۸، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۱/۱۹۸، باب الأنجاس، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا ينجس ثوب رطب بنشره على أرض نجسة ببول أو سرقين، لكنها يابسة، فتندّت الأرض من الثوب الرطب، ولم يظهر أثرها فيه". (مراقي الفلاح، ص: ۱۶۴، باب الأنجاس، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۴، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب .... والأرض، رشيديه) .... =

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

زمین پر نجاست نہ ہو تو بھیگا پیر رکھنے سے پیر نجس نہیں ہوگا

سوال [۲۰۸۲]: وضو کرنے کے بعد گیلے پیر سے جہاں پر جوتے رکھے ہوئے ہوں، سوکھی جگہ کو جانا کیسا ہے؟ پھر پیر دھونا ضروری ہے کہ نہیں، پیر ناپاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہاں نجاست ظاہراً موجود نہ ہو تو پھر پیر ناپاک نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مٹی کے مکانوں کو پیشاب سے پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۲۰۸۳]: بچے مٹی کے گھر میں بار بار پیشاب کرتے ہیں، اس مکان کو پاک کرنے کا

---

(۱) "وكذا الأرض إذا أصابها نجس، و جفت، وحكم بطهارتها، ثم أصابها الماء، في رواية: تعود نجسةً، و في رواية: لا، و المختار الثاني لما قلنا. و كذا قال قاضي خان: الصحيح أنها لا تعود نجسةً".

(الحلبي الكبير، ص: ۱۵۶، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۴، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۴، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب .... والأرض، رشيديه)

(۲) "إذا وضع رجله على أرض نجسة، أو على لبد نجس، إن كانت الرجل رطبةً والأرض أو اللبد يابساً، وهو لم يقف عليه بل مشى، لا تتنجس رجله، ولو كانت الرجل يابسةً والأرض رطبةً وظهرت الرطوبة في الرجل، تتنجس رجله. وفي بعض المواضع: لايشترط ظهور الرطوبة في الرجل؛ لأنه يظهر أثر الرطوبة في الرجل لامحالة". (المحيط البرهاني: ۱/۲۱۳، الفصل السابع في النجاسة، غفاريه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۰۶، باب الأنجاس، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۶، فصل: النجاسة، رشيديه)

بارش سے تر ہوکر زمین ناپاک نہیں ہوتی

سوال[۲۰۸۵]: کسی جنگل کی زمین بارش کی وجہ سے تر ہوگئی، لہٰذا وہ جگہ پاک رہی یا ناپاک؟ ہم اس جگہ بغیر کپڑا بچھائے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب وہاں کوئی نجاست نہیں ہے تو محض بارش سے تر ہوجانے سے اس کو نجس نہیں کہا جائے گا، بغیر کپڑا بچھائے بھی وہاں نماز درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في خلاصة الفتاوى: ١/٤٦، الفصل الثامن في النجاسة ،امجد اكيڈمی، لاهور)

(١)" الأرض أو الشجر إذا أصابته النجاسة، فأصابه المطر ولم يبق لها أثر، يصير طاهراً .... فأصابه المطر، كان ذلك بمنزلة الغسل". (الفتاوى العالمكيرية: ١/٤٣، كتاب الطهارة، الفصل الأول في تطهير النجاسة ، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ١/٢٣، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب .... والأرض ، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ١/٣١١، باب الأنجاس ، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ١/٣٠٩، الفصل الثامن في تطهير النجاسات ، إدارة القرآن كراچي)

باب الاستنجاء

(استنجا کا بیان)

بیت الخلاء میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم

سوال[۲۰۸۶]: ''تجوید مبتدی'' میں لکھا ہے کہ: ''تعوذ قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے شروع کرنے سے پہلے پڑھنا مکروہ ومنع ہے''۔ اور علامہ تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کسی سائل کو جواب دیتے ہوئے وضو کرتے وقت تعوذ اور بسم اللہ کو جمع کر کے پڑھنے کو افضل لکھا ہے۔ تو کیا وضو کرتے وقت ''بسم اللہ'' کے ساتھ تعوذ کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟ علامہ تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا جواب تجوید مبتدی کی عبارت کے خلاف پڑتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

قرآن پاک کے علاوہ کسی اَور کتاب کو شروع کرتے وقت "أعوذ" نہ پڑھا جائے، پڑھنے کے علاوہ دوسرے بعض کام ایسے ہیں کہ ان کے شروع میں "أعوذ" پڑھا جاتا ہے جیسے وضو کرتے وقت اور بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے: "أللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث" وغیرہ(۱)۔ دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و يدخل الخلاء .... و يستعيذ بالله من الشيطان الرجيم قبل دخوله، و قبل كشف عورته، ويقدم تسمية الله تعالىٰ على الاستعاذة الخ". (مراقي الفلاح، ص: ۵۱، فصل فيما لا يجوز به الاستنجاء، قديمي)
(وكذا في رد المحتار: ۱/۳۴۵، فصل في الاستنجاء، سعيد)

"وقيل: الأفضل "بسم الله الخ" بعد التعوذ. و في المجتبى: يجمع بينهما اهـ، عن الفتح. و في شرح الهداية للعيني: المروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بسم الله والحمد لله". رواه الطبراني في الصغير عن أبي هريرة رضي الله عنه، بإسناد حسن اهـ". (رد المحتار: ۱/۱۰۹، سنن الوضوء، سعيد)

بیت الخلاء جاتے وقت دعاء کس وقت پڑھی جائے؟

سوال[۲۰۸۷]: پائخانہ جاتے وقت جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ کس وقت پڑھنی چاہیے، پائخانہ کے اندر جاکر، یا بایاں پاؤں پائخانہ میں رکھ کر یا پائخانہ کے باہر ہی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پائخانہ کے اندر پیر رکھنے سے پہلے پڑھی جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟

سوال[۲۰۸۸]: وضو کے پانی سے استنجا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پانی جو وضو کے بعد لوٹے میں بچ گیا ہے ناپاک نہیں، اس کو ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، اس سے وضو یا استنجا سب درست ہے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ڈھیلے سے استنجا کرنا

سوال[۲۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو بکر وغیرہ

---

(۱) "ویستحب له عند الدخول في الخلاء أن يقول: اللهم إني أعوذبك من الخبث والخبائث، و يقدم رجله اليسرى". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۰، الفصل الثاني في الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في معارف السنن: ۱/۶۷، باب ما يقول إذا دخل الخلاء، سعيد)

(وكذا في رد المحتار: ۱/۳۴۵، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(۲) ﴿وينزل عليكم من السماء ماء﴾ المياه المطلقة مثله مطهرة مالم يعرض لها عارض يزيل ذلك الحكم عنها". (الحلبي الكبير، ص: ۸۸، فصل في بيان أحكام المياه، سهيل)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند ۱/۱۷۱، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، امداديه ملتان)

بیت الخلاء میں بلا ڈھیلے کے پانی سے استنجا کرتے ہیں، آیا ان کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز اور اس میں کسی شخص کی تخصیص ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ صاف صاف تحریر فرمائیں گے۔ فقط۔ والسلام۔

محمد احمد سہارنپوری، ۷/ رجب/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے سے استنجا کیا جائے، اس کے بعد پانی سے، لیکن اگر کوئی شخص بڑا استنجا ڈھیلے سے نہ کرے بلکہ پانی ہی سے کرے اور صفائی کامل ہو جائے، یہ بھی جائز ہے(۱)۔

آج کل اہلِ تجربہ کی رائے ہے کہ پیشاب کے بعد قطرہ اکثر آدمیوں کو آتا ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس سے مستثنیٰ ہوگا، اس لئے چھوٹا استنجا پانی سے کرنے سے پہلے ڈھیلے سے کرنے کی تاکید کرتے ہیں، کیونکہ اگر بعد میں قطرہ آیا تو اس سے کپڑا ابھی ناپاک ہوگا اور پہلا استنجا بھی بیکار ہو جائے گا اور جو وضو کے بعد آیا تو ناقض ہوگا، اس لئے پہلے ڈھیلے سے اطمینان کر لینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۷/ ۵۷ھ۔

ڈھیلے سے استنجا کرنا

سوال[۲۰۹۰]: ایک کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ: ”استنجا چھوٹا ہو یا بڑا ہر مرد و عورت کو کرنا چاہئے، پہلے مٹی یا دوسری چیز سے اس کے بعد کچھ پانی سے“۔ لہٰذا آپ تشریح کے ساتھ حکم شرع سے مطلع فرمادیں، کیا عورتوں کو بھی پہلے مٹی وغیرہ استعمال کرنا چاہئے؟ کتاب والا لکھتا ہے کہ: ”مٹی کے بغیر خالی پانی سے پاک صاف

---

(۱) ”الأفضل في كل زمان الجمع بين استعمال الماء والحجر مرتباً، فيمسح الخارج، ثم يغسل المخرج؛ لأن الله –تبارك وتعالىٰ– أثنى على أهل القباء باتباعهم الأحجار الماء، فكان الجمع سنةً على الإطلاق في كل زمان، و هو الصحيح، و عليه الفتوى، و يجوز: أي يصح أن يقتصر على الماء فقط .... أو المائع الخ“. (مراقي الفلاح، ص: ۴۵، فصل في الاستنجاء، قديمي)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/ ۹۹، الاستنجاء، باب الوضوء، إدارة القرآن، كراچی)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۰، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

نہیں ہوگا"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ڈھیلے سے مردوں عورتوں سب کو استنجا کرنا چاہئے اس کے بعد پانی سے استنجا کریں، یہی سنت طریقہ ہے(۱)، لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ اگر ڈھیلے سے استنجا وغیرہ نہ کیا تو صرف پانی سے پاکی حاصل نہیں ہوگی، البتہ اگر اولاً مٹی اور ڈھیلے سے صفائی کرلی جائے اس کے بعد پانی سے پاک کیا جائے تو صفائی خوب حاصل ہوجاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۸۵ھ۔

ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال

سوال[۲۰۹۱]: استنجا ڈھیلے سے کرنے کے بعد پانی سے کرے تب ہوتا ہے یا محض پانی سے چھوٹا بڑا استنجا کرلے تو ہوجاتا ہے یا نہیں یا دونوں طرح کرے تب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اول ڈھیلے سے کرے پھر پانی سے، کیونکہ قطرہ کا مرض اس زمانہ میں عام ہے اگرچہ بعض صورت میں

---

(۱) "قلت: بل صرح في الغزنوية: بأنها تفعل كما يفعل الرجل، إلا في الاستبراء، فإنها لااستبراء عليها، بل كما فرغتْ من البول والغائط تصبر ساعةً لطيفةً، ثم تمسح قُبلها ودبرها بالأحجار، ثم تستنجي بالماء". (الدرالمختار: ۱/۳۳۷، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۳۰، فصل في الاستنجاء، في آداب الوضوء، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۴۵، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(۲) "والأفضل الجمع بين الجامد والماء، فيقدم الورق ونحوه، ثم يتبعه بالماء؛ لأن عين النجاسة تزول بالورق والحجر، والأثر يزول بالماء". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۴۸، مسائل الاستنجاء وصفاته وكيفيته، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۱/۴۸، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۱۰، باب الأنجاس، دار الكتب العلميه، بيروت)

صرف ڈھیلے سے یا صرف پانی سے بھی کافی ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

ڈھیلے سے استنجا کے بعد پانی سے دھونا

سوال[۲۰۹۲]: اگر کوئی امام ڈھیلے سے استنجا کرتا ہو، پانی ہوتے ہوئے بھی پانی استعمال نہیں کرتا، باوجود کہنے کے نہیں مانتا تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر کے پھیل کر مقدار درہم تک پہونچ جائے تو بدن کو پانی سے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے(۲)، ایسی حالت میں جو امام پانی سے استنجانہ کرے اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اگر اس سے کم نجاست ہو تو بھی پانی سے استنجا کرنا چاہئے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "الأفضل في كل زمان الجمع بين استعمال الماء والحجر مرتباً، فيمسح الخارج، ثم يغسل المخرج؛ لأن الله -تبارك وتعالىٰ- أثنى على أهل القباء باتباعهم الأحجار الماء، فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، و هو الصحيح، و عليه الفتوى، ويجوز: أى يصح أن يقتصر على الماء فقط .... أو المائع الخ". (مراقي الفلاح، ص: ۴۵، فصل في الاستنجاء، قديمي)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۸، ۲۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في التاتارخانية: ۱/ ۹۹، الاستنجاء، باب الوضوء، إدارة القرآن، كراچي)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۰، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۹۷، الطهارة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "يخرج من السبيلين مالم يتجاوز المخرج، وإن تجاوز المخرج وكان المتجاوز قدر الدرهم، وجب إزالته بالماء أو المائع، فلا يكفي الحجر بمسحه. وإن زاد المتجاوز على قدر الدرهم، افترض غسله بالماء أو المائع ..... وإن كان مافي المخرج قليلاً، يسن أن يستنجي بحجر منق بأن لا يكون خشناً ونحوه من كل طاهر مزيل بلا ضرر. والغسل بالماء أحب والأفضل في كل زمان، والجمع بين =

عورتوں کے لئے ڈھیلے سے استنجا

سوال[۲۰۹۳]: بوقتِ استنجا کلوخ استعمال کردن برائے زنان ضروری است یانے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بعد بول برائے استبراء زنان محتاجِ استعمالِ کلوخ مثلِ مرداں نیستند: "ولا تحتاج المرأة إلى ذلك: أي الاستبراء المذكور في الرجل". مراقي الفلاح: ، ص: ٢٦(١)۔

و دیگر احکامِ استنجا میانِ مرد ان و زنان مشترک است: "المرأة كالرجل إلا في الاستبراء، فإنه لا استبراء عليها الخ". شامي، فصل استنجاء: ١/٣٥٦(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

ایک ڈھیلہ دو دفعہ استعمال کرنا

سوال[۲۰۹۴]: ایک ڈھیلہ کو دوبارہ استعمال کرنا کیسا ہے؟

= استعمال الماء والحجر مرتباً، فيمسح الخارج ثم يغسل المخرج الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳-۴۵، فصل في الاستنجاء، قديمي)

وكذا في الدر المختار: ١/٣٣٦، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ١/٢١٠، ٢١١، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلميه، بيروت)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳، فصل في الاستنجاء، قديمي)

(ترجمۂ سوال و جواب)

سوال[۰۰۰۰]: استنجے کے وقت ڈھیلے استعمال کرنا عورتوں کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: پیشاب کے بعد استنجا کے لئے عورتوں کو مردوں کے مثل ڈھیلے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، استنجا کے دوسرے احکام مرد و عورت کے درمیان مشترک ہیں۔ فقط

(٢) (رد المحتار: ١/٣٣٧، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/۴٨، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس ڈھیلے سے ایک مرتبہ استنجا کرلیا ہے وہ ناپاک ہوگیا، اس کو دوبارہ استعمال کرنا منع ہے، البتہ اگراس کی دوسری جانب استعمال نہ کی ہوتو اس کو استعمال کرنا درست ہے، اسی طرح اس کو گھس کر کہ نجس حصہ گھس دیا جائے استعمال کرنا درست ہے:

"و کرہ تحریماً بعظم و طعام و روث یابس کعذرۃ یابسۃ و حجر استنجی بہ إلا بحرف اخر". در مختار۔ قال ابن عابدینؒ: "(قولہ: إلا بحرف أخر): أی لم تصبہ النجاسۃ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

استنجا کے لئے ڈھیلہ کو دو مرتبہ استعمال کرنا

سوال[۲۰۹۵]: ایک استنجے کا ڈھیلہ کتنے دن کام دے سکتا ہے، پتھر کے ڈھیلے سے استنجا کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

استنجا ڈھیلے سے کرنے کے بعد اس کا وہ حصہ گرادیا جائے جس پرنجاست لگی تھی تا کہ وہ مٹی گرجائے، اس طرح کرنے کے بعد دوبارہ استعمال کرنا درست ہوگا، نجس ڈھیلا استعمال نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۴۰، فصل فی الاستنجاء، سعید)

"و کذا لا یستنجی بحجر استنجی بہ مرۃً ہو أو غیرہ، إلا إذا کان حجراً لہ أحرف، لہ أن یستنجی کل مرۃ بطرفٍ لم یستنج بہ، فیجوز من غیر کراھۃ. کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۵۰، الفصل الثالث فی الاستنجاء، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۴، باب الاستنجاء، امجد اکیڈمی، لاھور)

(وکذا فی فتح القدیر: ۱/۲۱۶، فصل فی الاستنجاء، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) "وکرہ تحریماً بعظم وطعام وروث یابس کعذرۃ یابسۃ وحجر استنجی بہ، إلا بحرف آخر: أی لم تصبہ النجاسۃ". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۳۹، فصل فی الاستنجاء، سعید) .... =

بغیر پانی کے استنجا کئے نماز کا حکم

سوال[۲۰۹۶]: ۱......اگر جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہو اور استنجا چھوٹا یا بڑا نہ کیا ہو تو آیا بغیر استنجا کے نماز میں شریک ہو جائے یا نہیں؟

۲......اگر بڑا استنجا کرنے کے لئے پردہ کی جگہ نہ ہو تو استنجا کئے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اگر ڈھیلے سے استنجا کر چکا ہے اور بقدرِ درہم یا اس سے زائد اس کے بدن پر نجاست نہیں لگی تو ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے، ورنہ استنجا کر کے نماز پڑھے، کذا فی الطحطاوی، ص: ۹۰(۱)۔

۲......اگر استنجا کرنے کے لئے پردہ کی جگہ موجود نہیں اور بلا کشفِ عورت استنجا نہیں کر سکتا تو بلا استنجا کئے نماز پڑھ سکتا ہے: "من لا یجد سترةً، ترکه: یعنی الاستنجاء و لو علی شطّ نهرٍ". کبیری، ص: ۳۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

= (و كذا في النهر الفائق: ۱/۱۵۴، باب الأنجاس، إمداديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴، الاستنجاء، امجد اكيڈمي، لاهور)

(۱) "وإن تجاوز المخرج و كان المتجاوز قدر درهم، وجب إزالته بالماء أو المائع؛ لأنه من باب إزالة النجاسة، فلا يكفي الحجر بمسح، وإن زاد المتجاوز على قدر درهم المثقالي، افترض غسله". (مراقي الفلاح، ص: ۴۴، فصل في الاستنجاء، قديمي)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(و كذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۹، في آداب الوضو، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (غنية المصلي لإبراهيم الحلبي الكبير، ص: ۳۹. مطلب استقبال القبلة، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(و كذا في الدر المختار: ۱/۳۳۸، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل فيما يجوز به الاستنجاء، ص: ۴۹، قديمي)

چھوٹے ڈھیلوں سے استنجا

سوال[۲۰۹۷]: ایک شخص جو کہ استنجا کی پاکی پانی سے حاصل کرنے سے معذور ہے اور وہ مٹی کے ڈھیلوں سے کرتا ہے، بعض اوقات ڈھیلے چھوٹے ہوتے ہیں یعنی ہر طرف تو خشک ہو جاتا ہے، لیکن کنارے پر نمی رہ جاتی ہے اور دوسرا ڈھیلا چھوٹا ہوتا ہے تو وہ اس چھوٹے ڈھیلے سے کنارے کی نمی کو خشک کر لیتا ہے، آیا یہ درست ہے، یعنی دو چھوٹے ڈھیلوں سے ایک استنجا کی پاکی حاصل کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر عضو پر جو نمی ہے وہ ایک ڈھیلے سے پوری خشک نہ ہو بلکہ کنارے پر کچھ باقی رہے اور دوسرے ڈھیلے سے اس باقی کو خشک کر لیا جائے تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

کاغذ اور کپڑے سے استنجا

سوال[۲۰۹۸]: اگر ڈھیلا ایک ہے تو کیا پہلے کاغذ یا کپڑے سے خشک کر کے پھر ڈھیلے سے خشک کر لیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بھی درست ہے، مگر کاغذ پر کچھ لکھا ہوا نہ ہو اور سادہ کاغذ بھی نہ ہو، بلکہ وہ کاغذ ایسا ہو جو مخصوص طور پر استنجا کرنے کے ہی کام آتا ہے، لکھنے کے کام میں نہیں آتا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "لأن الإنقاء هو المقصود من الاستنجاء كما في الهداية، و ليس العدد ثلاثاً بمسنون فيه، بل مستحب". (رد المحتار: ۱/۳۳۷، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۰۹، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في الاستنجاء، ص: ۴۵، قديمي)

(۲) "و كذا ورق الكتابة لصقالته و تقوّمه، و له احترام أيضاً، لكونه آلة لكتابة العلم، و لذا علّله في التاتارخانية: بأن تعظيمه من آداب الدين. و مفاده الحرمة بالمكتوب مطلقاً. وإذا كانت العلة في =

استنجا کرنے کا حکم

سوال[۲۰۹۹]: اگر جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہو اور چھوٹا، بڑا استنجا نہ کیا ہو تو کیا بغیر استنجا کے نماز میں شریک ہو جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ڈھیلے سے استنجا کر چکا تھا اور بقدر درہم اس سے زائد نجاست بدن پر موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہو جائے، ورنہ استنجا کر کے نماز پڑھے، طحطاوی، ص: ۹۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

استنجے کے بعد ہاتھ کہاں تک دھوئے جائیں؟

سوال[۲۱۰۰]: استنجا کرنے کے بعد کہاں تک ہاتھ دھونا سنت ہے نیز چھوٹے بڑے استنجا کا ایک حکم ہے یا الگ الگ؟ مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء کے بعد مٹی سے ہاتھ صاف کیا کرتے تھے(۲) کیا پیشاب کے بعد بھی یہی معمول تھا یا صرف پانی پر اکتفاء فرماتے تھے؟

= الأبيض كونه آلةً للكتابة كما ذكرنا، و يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعاً للنجاسة غير متقوم كما قدمناه". (رد المحتار، فصل في الاستنجاء: ۱/۳۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۱/۵۰، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۱۰۳، باب الوضوء، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وإن كان درهماً دونه، لا يفترض غسلها بالماء في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، فإن لم يغسل النجاسة وصلى، جاز". (التاتارخانية: ۱/۹۹، العضو، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۲۸، في آداب الوضو، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، فصل في الاستنجاء، ص: ۴۴، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا أتى الخلاء أتيته بماء في تور أو ركوة، فاستنجىٰ، ثم مسح يده على الأرض، ثم أتيته بإناء اخر، فتوضأ". رواه ابو داؤد وروى الدارمي والنسائي معناه". (ومشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الثاني: ۱/۴۳، قديمي)

(وأبو داؤد، كتاب الطهارة، باب الرجل يدلك يده بالأرض إذا استنجى: ۱/۸، إمداديه، ملتان)

(ومرقاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الثاني: ۲/۷۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

استنجا کرکے چھوٹا ہو یا بڑا گٹوں تک ہاتھ دھوئیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پیشاب کے بعد استنجا کرنا

سوال[۲۱۰۱]: پیشاب کے بعد اگر کوئی شخص استنجا پاک نہیں کرتا اور نماز پڑھنے کو کہو تو یہ عذر کرتا ہے کہ میں ناپاک ہوں، کیا یہ ناپاکی ہے؟ پیشاب کرکے استنجا کرنا بھول گیا تو کیا ایسے شخص کو اگر نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے کہ تم اسی حالت میں نماز پڑھو درست ہے اور بغیر استنجا کے وہ روز پیشاب کرے اور اس کو روز نماز پڑھنے کو کہا جائے اور پڑھائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص نجس (جنب) نہیں، نماز کے وقت وضوء سے پہلے استنجا پاک کرلے، بس کافی ہے۔ البتہ اگر کپڑا ناپاک ہو تو نماز کے لئے دوسرا کپڑا پہن لے، یا اسی کو پاک کرکے، جس قدر ناپاک ہو اسی کو پاک کرلینا کافی ہے، تمام کا دھونا ضروری نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ماہنامہ نظام کانپور، بابت ماہ: مارچ/ ۱۹۶۵ھ۔

---

(۱)"وسننه ...... البداية بغسل اليدين الطاهرتين ثلاثاً قبل الاستنجاء وبعده الخ". (الدر المختار: ۱/ ۱۱۰، سنن الوضوء، سعید)

(وكذا في الدر المختار: ۱/ ۳۴۵، فصل في الاستنجاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۹، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في البدائع: ۱/ ۲۰۶، سنن الوضوء، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/ ۳۵۴، مندوبات الاستنجاء، رشيديه)

(۲)"ومن آدابه أن يغسل مخرج النجاسة بعد الأحجار إذا لم يتجاوز النجاسة مخرجها، أما إذا جاوزت مخرجها والحال أنها لم تكن قدر الدرهم، فغسله سنة. وإن كان قدر الدرهم، فغسله واجب". (الحلبي الكبير، ص۲۸، آداب الوضو، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في رد المحتار: ۱/ ۳۳۹، فصل في الاستنجاء، سعيد) ....=

دوسرے سے استنجا کرانا

سوال[۲۱۰۲]: اگر کوئی بیمار ایسا لاغر ہو جاوے کہ اپنے ہاتھ سے استنجا، وضو وغیرہ نہیں کر سکتا تو نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کسی دوسرے ذریعہ سے طہارت حاصل کر سکتا ہے تو طہارت یعنی استنجا و وضو سے نماز پڑھے، ورنہ ویسے ہی پڑھے، لیکن استنجا بیوی کے علاوہ کوئی اور کرائے تو اس (موضع استنجا) کو ہاتھ لگانا اور دیکھنا درست نہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

استنجا پاک کرنے میں بہت دیر لگے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۲۱۰۳]: دماغی ڈاکٹر نے مجھ کو کہا کہ میں دماغی مریض ہوں، پانی سے استنجا کرنے میں دوسروں کے مقابلے میں وقت بہت زیادہ لگتا ہے تو ایسا آدمی کیا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک کپڑا موٹا سا رکھ لیا جائے تاکہ پیشاب کے قطرات اگر آئیں تو اس میں ہی رہیں، پھر نماز کے وقت

=(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۱/۵۰، رشيديه)

(۱) "لو شلّت يده اليسرى فلا يقدر أن يستنجي بها، إن لم يجد من يصبّ عليه الماء، لا يستنجي بالماء، إلا أن يقدر على الماء الجاري. وإن شلّت كلتا اليدين، يمسح ذراعيه على الأرض و وجهه على الحائط، و لا يدع الصلوة. و كذا المريض إذا كان له ابن أو أخ، و ليس له امرأة أو جارية و عجز عن الوضوء، يوضّئه الابن أو الأخ، إلا أنه لا يمسّ فرجه إلا مَن يحل له وطئها، و يسقط عنه الاستنجاء الخ". (الحلبي الكبير، ص: ۴۰، مطلب: الطهارة الكبرى، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۹، الفصل الثالث في الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۳۳، في صفة الوضوء، رشيديه)

اس کو الگ کردیا جائے(۱)۔خدائے پاک آپ کو شفادے اور آپ کی حفاظت فرمائے۔آمین!فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱/۹۴ھ۔

پیشاب خانہ مشرق رُخ بن گیا ہے اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۲۱۰۴]: ایک مسجد میں پیشاب خانے مشرق رویہ بن گئے ہیں، پیشاب اور استنجا کرتے ہوئے مغرب کو پشت ہوتی ہے، انجینئر وغیرہ ایک اَور مسجد کی نظیر دیتے ہیں کہ وہاں جاننے والے نہیں تھے، ایک عالم صاحب نے اس طرح بول وبراز کو حدیث وفقہ کی رو سے مکروہ تحریمی بتلایا۔کیا یہ صحیح ہے؟اور دوسری مسجد کی نظیر کے پیشِ نظر کیا وہ پیشاب خانے باقی رکھے جائیں یا توڑ کر جنوباً وشمالاً بنایا جائے؟فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیثِ پاک میں قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرکے بول وبراز کی ممانعت آئی ہے، پھر کسی مسجد میں اگر غلط طریقہ ناواقفیت یا بے توجہی کی بنا پر اختیار کرلیا گیا تو اس کو نظیر میں پیش کرنا غلط ہے اور اس کو بھی حدیث پاک کے تحت کیا جائے اس غلط صورت کی وجہ سے حکم شرعی کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے توڑ کر شمالاً وجنوباً رخ بنایا جائے:"لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها". الحديث(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وإذا كان الرجل يخاف خروج بقية البول بعد الوضوء، و يبطيء عنه انقطاع البلة، ينبغي إذا فرغ من الاستنجاء أن يربط على ذكره خرقةً طاهرةً في حالة يكون ذكره ساكناً فاتراً، فإن فعل ذلك لا يخرج منه شيء، و يكون وضوءه كاملاً، و هذا خير من أن يحشو إحليله بقطنة؛ لأن القطنة ربما سقطت الخ". (التاتارخانية، باب الوضوء: ۱/۱۰۲، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الدر المختار، نواقض الوضوء: ۱/۱۵۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ۱/۱۰، رشيديه)

(۲) الحديث بتمامه: "عن أبي أيوب الأنصاري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا" متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۱/۴۲، باب آداب الخلاء، قديمی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۵۷، الاستنجاء، رشيديه) ....=

بیت الخلاء قبلہ کے رخ پر

سوال[۲۱۰۵]: ایک صاحبِ خیر نے اپنی مشترکہ آمدنی سے امامِ مسجد کے لئے بیت الخلاء تعمیر کرایا جس کا استعمال ہر ایک شخص کرے گا، وہ بھی صرف رات میں، ورنہ ہمہ وقت مقفل رہے گا۔ عمارت کی مناسبت سے طہارت وصفائی کے لحاظ سے جس رُخ پر قدمچے بن گئے ہیں، اب خیال ہوا کہ ان پر ارتکابِ استقبالِ قبلہ (جو بین الائمہ مختلف فیہ ہے) ہوگا۔ کیا اس سے بچنے کے لئے قدرے انحرافِ صدر کافی ہوسکتا ہے؟ بصورتِ دیگر اگر قدمچے توڑ دیئے جائیں تو اضاعتِ مالِ مسلم نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف انحرافِ صدر تو حنفیہ کے نزدیک کافی نہیں، اگر بیٹھنے کی ہیئت ایسی ہوجائے کہ شمال یا جنوب کا رخ ہوجائے اور استقبال نہ رہے تو درست ہے(۱)، مگر اس بیت الخلاء کی یہ تخصیص وتقیید ہمیشہ تو رہے گی نہیں، بلکہ ختم ہوکر دوسرے لوگ بھی کسی وقت استعمال کریں گے اور موجودہ حال میں بھی کسی اُور وقتی مہمان وغیرہ کا

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۱۰۰، باب الأنجاس، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۱)"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولكن شرقوا أو غربوا" متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۴۲، باب آداب الخلاء، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۳۵۷، الاستنجاء، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۱۰۰، باب الأنجاس، دارالكتب العلميه، بيروت)

قال ابن عابدينؒ: "(قوله: استقبال القبلة بالفرج) يعم قبل الرجل والمرأة، والظاهر أن المراد بالقبلة جهتها كما في الصلاة، وهو ظاهر الحديث المارّ، وأن التقييد بالفرج يقيد ما صرح به الشافعية أنه لو استقبلها بصدره وحوّل ذَكره عنها، لم يكره، بخلاف عكسه، كما قدمناه في باب الاستنجاء ...... وإن أمكنه الانحراف ينحرف، فإنه عَدّ ذلك من موجبات الرحمة، فإن لم يفعل فلا بأس، وكأنه سقط الوجوب عند الإمكان لسقوطه ابتداء بالنسيان ولخشية التلوث". (ردالمحتار: ۱/۶۵۵، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۴۲۲، باب الأنجاس، رشيديه)

استعمال کرنا بھی بعید نہیں۔ اس کی موجودہ ہیئت کے غیر مشروع ہونے کا سب کو علم ہونا ضروری نہیں، بلکہ بنانے والوں کے واقف • سائل ہونے کی بناء پر موجودہ بناوٹ کو مشروع تجویز کر کے بغیر انحراف کے ہی استعمال کیا جائے گا، لہذا اسکی بناوٹ میں ہی تغیر کردی جائے تاکہ اس کا رخ صحیح ہوجائے۔ غلطی کی اصلاح کے لئے خرچ کرنا اضاعت نہیں، ہاں! غلط کام کے لئے خرچ کرنا اضاعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۲/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

قبلہ رخ پیشاب اور تھوک

سوال[۲۱۰۶]: کعبۃ اللہ کی سمت رخ کر کے یا مسجد کے زیر سایہ پیشاب کرنا اور تھوکنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبلہ رخ تھوکنا نہیں چاہیے(۱) اور پیشاب کرنا تو زیادہ مکروہ ہے(۲) اس سے بچ کر مسجد کے زیر سایہ اس طرح کہ بدبو مسجد میں نہ آئے گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای نحامةً فی القبلة، فشق ذلک علیہ، حتی رُئی فی وجھہ، فقام، فحکّہ بیدہ، فقال: "إن أحدکم إذا أقام فی صلاتہ، فإنہ یناجی ربہ" أو "إن ربہ بینہ وبین القبلة، فلایبزقن أحدکم قِبَل القبلة، ولکن عن یسارہ أو تحت قدمہ".

(صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب حکّ البزاق بالید من المسجد: ۱/۵۸، قدیمی)

قال الحافظ: "وھذ التعلیل یدل علی أن البزاق فی القبلة حرام، سواء کان فی المسجد أم لا".

(فتح الباری: ۲/۶۲۹، قدیمی)

(۲) "کرہ تحریماً استقبال قبلة واستدبارھا لبول أوغائط". (الدر المختار، کتاب الطھارة، فصل فی الاستنجاء: ۱/۳۴۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، قبیل کتاب الصلاة: ۱/۴۲۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ السراجیہ، کتاب الصلاة، فصل فی الاستنجاء، ص: ۶، سعید)

کتاب الصلوۃ

نمازِ پنجگانہ کی ابتداء

سوال[۲۱۰۷]: کونسی نماز کس پیغمبر پر فرض تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أول کتاب الصلاۃ: "أخرج الطحاوی عن عبید اللّٰہ بن محمد عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا أن ادم علیہ السلام لما تِیب [مجھولُ تَابَ] علیہ عند الفجر صلی رکعتین، فصارت صلوۃ الصبح. وفدی إسحق علیہ السلام عند الظھر فصلی أربع رکعات، فصارت الظھر. و بُعث عزیر علیہ السلام فقیل لہ: کم لبثت؟ قال: لبثت یوماً، فرای الشمس فقال: أو بعض یوم، فقیل لہ: إنك لبثت مائۃ عام میتاً، ثم بعثتَ، فصلی أربع رکعات، فصارت العصر. و غفر لداؤد علیہ السلام عند المغرب، فقام فصلی أربع رکعات، فجھد فی الثالثۃ: أی تعب فیھا عن الإتیان بالرابعۃ لشدۃ ما حصل لہ من البکاء، واقترفہ مما ھو خلافُ الأولیٰ، فصارت المغرب ثلاثاً. وأول من صلی العشاء الأخیرۃ نبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم"(۱)۔

قال فی شرح المشکوۃ:" و معناہ أن نبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسم أول من صلی العشاء مع أمتہ، فلا ینافی أن الأنبیاء علیھم الصلوۃ والسلام صلوھا دون أممھم، و یؤیدہ قول جبریل علیہ السلام فی حدیث الإمامۃ: ھذا وقت الأنبیاء من قبلك اھ". (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۶۸ھ۔

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، ص: ۱۷۱، قدیمی)

(وأخرجہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الوسطی، ص: ۱۲۰، سعید)

(۲) (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب المواقیت، الفصل الثانی: ۲/۲۸۹، ۲۹۰، رشیدیہ)

نماز کی ہیئتِ ترکیبیہ کیوں ہے؟

سوال[۲۱۰۸]: جس وقت نماز ادا کی جاتی ہے تو نماز کا یہی طریقہ کیوں لیا ہے کہ رکوع میں جاؤ، سجدہ میں جاؤ۔ اگر عبادت ہی کرنی ہے تو ایک جگہ بیٹھ کر کیوں نہیں کر سکتے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھو اسی طرح نماز پڑھا کرو''(۱)۔ نماز کے ارکان، قیام، رکوع، سجود، قرأت سب ہی قرآن پاک میں مذکور ہیں اور ان کا تفصیلی طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمل کر کے سکھا دیا ہے(۲)۔ قرآن پاک پر ایمان لے آنے اور اطاعتِ

---

(۱) ''حدثنا مالک قال: أتينا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: "إرجعوا إلى أهليكم، فأقيموا فيهم، و علّموهم ...... وصلو كما رأيتمونی أصلی الخ". (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة: ۱/۸۸، قديمی)

(۲) ''عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، أن النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم دخل المسجد، فدخل رجل فصلی، ثم جاء فسلم على النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم، فرد عليه النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم، فقال: "إرجع، فصل فإنک لم تصل" .... فقال: والذی بعثک بالحق ما أحسِنُ غيره، فعلّمنی فقال: "إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معک من القرآن، ثم اركع حتی تطمئنّ راكعاً، ثم ارفع حتی تعدل قائماً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتی تطمئن جالساً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً، ثم افعل ذلک فی صلاتک كلها". (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب أمر النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم الذی لا يتم ركوعه بالإعادة: ۱/۱۰۹، قديمی)

(وسنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی وصف الصلاة: ۱/۶۲، سعيد)

"عن أبی حميد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال- فی عشرة من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم- : أنا أعلمكم بصلوة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم. قالوا: فاعرض، قال: كان النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم إذا قام إلى الصلوة، رفع يديه حتی يحاذی بهما منكبيه، ثم يكبر، ثم يقرء، ثم يكبر و يرفع يديه حتی يحاذی بهما منكبيه، ثم يركع و يضع راحتيه على ركبتيه، ثم يعتدل فلا يصبی رأسه و لا يقنع، ثم يرفع رأسه فيقول: "سمع اللہ لمن حمده"، ثم يرفع يديه حتی يحاذی بهما منكبيه معتدلاً، ثم يقول: "اللہ أكبر" ثم يهوی إلى الأرض ساجداً، فيجافی يديه عن جنبيه و يفتح أصابع رجليه، =

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبول کرلینے کے بعد ''کیوں'' کا سوال ہی ختم ہوجاتا ہے۔ ویسے ہر ہر چیز میں حکمتیں بہت ہیں مگر ایمان کو قوی کرنے کے لئے ہیں، تعمیلِ ارشاد اُن پر موقوف نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

نماز و جہاد میں افضل کون ہے؟

سوال[۲۱۰۹]: جہاد افضل ہے یا دو رکعت نمازِ فجر باجماعت؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جہاد مستقلاً مقصود نہیں بلکہ یہ اعلائے دین کا ذریعہ ہے جیسا کہ قرآن پاک کی آیت ﴿الذين إن مكنّاهم في الأرض أقاموا الصلوٰة﴾ الخ (۲) سے مستفاد ہوتا ہے کہ ''اگر ہم اقتدار اور تسلط اپنے بندوں کو عطا فرمائیں تو اس تسلط کے نتیجے میں (کیا کام کریں گے) اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ادا کریں گے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقامتِ صلوۃ تو اصل مقصود ہے اور قتدار و تسلط اس کیلئے ذریعہ ہے (۳)۔ جو شخص اصل مقصود کو ترک

= ثم يرفع رأسه و يثني رجله اليسرى فيقعد عليها، ثم يعتدل حتى يرجع كل عظم في موضعه معتدلاً، ثم يسجد ثم يقول: "الله أكبر". و يرفع و يثني رجله اليسرى فيقعد عليها، ثم يعتدل حتى يرجع كل عظم إلى موضعه، ثم ينهض، ثم يضع في الركعة الثانية مثل ذلك .... اهـ". (مشكوة المصابيح، ص: ۷۶، باب صفة الصلوة، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾ (سورة الأحزاب: ۳۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يستحيي أن يضرب مثلاً ما بعوضةً، فمافوقها، فأما الذين امنوا، فيعلمون أنه الحق من ربهم﴾ الاية (سورة البقرة: ۲۶)

"ونحن نعلم أن الشيء قد لا يكون مراداً و يؤمر به، و قد يكون مراداً و ينهى عنه لحِكم ومصالح يحيط بهاعلمُ الله تعالىٰ، أو لأنه لا يُسئل عما يفعل". (شرح العقائد، ص: ۶۴، دهلي)

(۲) (سورة الحج: ۴۱)

(۳) "ان المواظبة على أداء فرائض الصلاة في أوقاتها أفضل من الجهاد؛ لأنها فرض عين وتتكرر؛ ولأن الجهاد =

کرتا ہے اور آلات میں مشغول ہوتا ہے وہ قلبِ موضوع کرتا ہے۔ یہ بھی سوچئے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے کہ کچھ لوگ اس میں شرکت کریں کچھ شرکت نہ کریں اور مقصود حاصل ہوجائے تو یہ کافی ہے (۱) اور اقامتِ صلوٰۃ فرض عین ہے جو ہر مکلّف کو کرنا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

ترکِ نماز کا دوسروں پر اثر

سوال[۲۱۱۰]: کیا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ جس محلّہ میں ایک شخص بے نمازی ہو اس محلّہ پر ستر مرتبہ خدا کی لعنت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لعنت کا تو علم نہیں، البتہ اگر محلّہ والوں کو اس کو نماز پڑھوانے کی قدرت ہو اور وہ نہ پڑھوائیں گے تو سب وبال میں گرفتار ہوں گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= ليس إلا للإيمان وإقامة الصلاة، فكان حَسَناً لغيره، والصلاة حَسَنَةٌ لعينها، وهي المقصود منه اهـ". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، مطلب فيه فضل الجهاد: ۱۲۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب السير: ۱۸۸/۵، رشيديه)

"ان المواظبة على أداء فرائض الصلاة، وأخذ النفس بها في أوقاتها على ما هو المراد من قوله: "الصلاة على ميقاتها أفضل من الجهاد". ولأن هذه فرض عين و تتكرر، والجهاد ليس كذلك، ولأن افتراض الجهاد ليس إلا للإيمان وإقامة الصلاة، فكان مقصودًا وحسنًا لغيره، بخلاف الصلاة حسنة لعينها، وهي المقصود منه ......الخ". (فتح القدير، كتاب السير: ۱۸۸/۵، رشيديه)

(۱) "هو فرض كفاية ابتداءً، إن قام به البعض سقط عن الكل، وإلا أثموا بتركه". (الدرالمختار، كتاب الجهاد: ۱۲۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب السير: ۱۸۹/۵، رشيديه)

(۲) "هي فرض عين على كل مكلف". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۳۵۱/۱، سعيد)

(۳) "عن جرير قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي، يقدرون على أن يغيّروا عليه، و لا يغيرون، إلا أصابهم الله منهم بعقاب قبل أن يموتوا". =

تارکِ نماز کا حکم

سوال[۲۱۱۱]: جو بلا عذرِ شرعی نماز کو ترک کرے شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور اس کے ساتھ اختلاط اور ساتھ کھانا پینا اور بولنا کیسا ہے؟ اور اگر زوجین میں ایک ایسا ہو تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور صحبت حرام ہوگی یا حلال اور اولاد کیسی ہوگی اور اگر بعد مرنے اس شخص کے زجراً اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض عین ہے، ہر مکلّف کو اس کا ادا کرنا ضروری ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے مگر بلا عذرِ شرعی سستی وغیرہ کی وجہ سے اس کو ترک کرتا ہے، ساتھ ہی اس کو عقاب کا خوف بھی ہے وہ شخص شرعاً فاسق ہے، کافر نہیں ہے(۱)۔ اول اس کو سمجھایا جائے اور نماز کی اس کو تاکید کی جائے، اگر مان جائے بہتر، ورنہ اس سے تعلقات ترک کر دیے جائیں حتی کہ تنگ آ کر ترکِ نماز سے توبہ کر لے اور آئندہ مداومت کے ساتھ نماز پڑھے۔

اگر وہ نماز کو فرض نہیں سمجھتا بلکہ وہ فرضیت کا منکر ہے اور استخفافاً اس کو ترک کرتا ہے اور آئندہ قضاء کی نیت نہیں رکھتا، نہ اس کو خوفِ عقاب ہے تو ایسا شخص شرعاً کافر ہے(۲)، ایسے شخص کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، زوجہ کو

= (سنن أبي داود، كتاب الخاتم، باب الأمر والنهي: ۵۹۶/۲، دار الحديث، ملتان)

"عن عبيد الله بن جرير عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي هم أعز منهم وأمنع، لا يغيّرون، إلا عمّهم الله بعقاب". (سنن ابن ماجة، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۲۹۸، مير محمد كتب خانه، كراچي)

(وجمع الفوائد، كتاب الآداب، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والنصح والمشورة، (رقم الحديث: ۷۹۰۰) :۳۶۹/۳، إدارة القرآن كراچي)

"عن حذيفة بن اليمان رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " والذي نفسي بيده! لتأمرن بالمعروف و لتنهون عن المنكر، أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذاباً منه عقاباً، فتدعونه فلا يستجيب لكم". (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ما جاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر : ۴۰/۲، سعيد)

(۱) "هي فرض عين على كل مكلف ...... و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسقٌ". (الدر المختار ، كتاب الصلوة : ۳۵۱/۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "هي فرض عين على كل مكلف ...... و يكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق، يحبس حتى يصلي؛ لأنه لِحقّ العبد فحق الحق أحق". (الدر المختار ، كتاب الصلوة: ۳۵۱/۱، ۳۵۲، سعيد)

اس سے علیحدہ رہنا ضروری ہے، جب تک تجدید نکاح وتجدید ایمان نہ کرے، صحبت حرام ہوگی (۱) اور اس کے جنازہ کی نماز ناجائز ہے (۲)۔

"و یکفر بترک الصلوة متعمداً غیر ناوٍ للقضاء، وغیر خائف من العقاب"۔ بحر: ۱۲۲/۵ (۳)۔

اور نماز کو فرض سمجھتے ہوئے نہ پڑھنے والے شخص کے جنازہ پر صلوۃ جنازہ پڑھی جائے گی (۴)، اگر کوئی بڑا شخص دوسروں کی تنبیہ اور زجر وعبرت کے لئے اس پر نماز نہ پڑھے تو مضائقہ نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۴ھ۔

---

(۱) "و فی شرح الوهبانية للشرنبلالی : ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنكاح، و أولاده أولاد زنا، و ما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة و تجديد النكاح". (الدر المختار).

قال ابن عابدين: "(قوله: و أولاده أولاد زنا) كذا فی فصول العمادی، لكن ذكر فی نور العين: ويجدد بينهما النكاح إن رضيت زوجته بالعود إليه، و إلا فلا تجبر". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۴۶/۴، ۲۴۷، سعيد)

(۲) "(و هی فرض علی کل مسلم مات خلا) أربعة: (بغاة) اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲۱۰/۲، سعيد)

"و شرطها: إسلام الميت و طهارته اهـ .... و يصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوة علی الميت: ۱۶۲/۱، ۱۶۳، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۶/۵، رشيديه)

(۴) "و هی فرض علی کل مسلم مات خلا أربعة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲۱۰/۲، سعيد)

(۵) "ورجح الكمال قول الثانی بما فی مسلم: "أنه عليه السلام أتِیَ برجل قتل نفسه، فلم يصل عليه".

"أقول: لا دلالة فی الحديث على ذلك؛ لأنه ليس فيه سوى أنه عليه السلام لم يصل عليه، فالظاهر أنه امتنع زجراً لغيره عن مثل هذا الفعل، كما امتنع عن الصلاة على المديون، و لا يلزم من ذلك عدم صلاة أحد عليه من الصحابة، إذ لا مساواة بين صلاته و صلاة غيره. قال تعالىٰ: ﴿إن صلاتك سكن لهم﴾ ثم رأيت فی شرح المنية بحثاً كذلك". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲۱۱/۲، سعيد)

ایضاً

سوال[۲۱۱۲]: جو مسلمان نماز نہ پڑھتا ہو وہ حدیث: "من ترك الصلوة متعمداً، فقد کفر"(۱) کے ماتحت مسلمان کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا دوستی رکھنا یا میل جول پیدا کرنا اور اس کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہے، یا نماز کو استخفاف واہانت کی نیت سے ترک کرتا ہے، یا بلا عذر نماز ترک کرتا ہے اور قضا کی نیت نہیں رکھتا اور خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتا وہ شخص شرعاً کافر ہے۔ اور جو شخص خدا کے عذاب سے ڈرتا ہے، قضا کی نیت رکھتا ہے، فرضیت کا منکر نہیں بلکہ معتقد ہے، نماز کی تحقیر واہانت نہیں کرتا، البتہ سستی یا غفلت کی وجہ سے کبھی وقت سے ٹلا دیتا ہے تو ایسا شخص شرعاً کافر نہیں اگرچہ وقت پر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے:

"هي فرض عين على كل مكلف .... و يكفر جاحدها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسقاً"۔ در مختار(۲) "ويكفر بترك الصلوة متعمداً غير ناوٍ للقضاء و غير خائف من العقاب، اهـ"۔ بحر: ۵/۱۲۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) والحديث بتمامه: "من ترك الصلوة متعمداً، فقد كفر جهاراً". طبراني في الأوسط". (فيض القدير: (رقم الحديث: ۸۵۸۷): ۱۱/۵۷۳۸، نزار مصطفى الباز رياض)

قال الإمام أحمد برواية أم أيمن بهذه الألفاظ: "عن أم أيمن رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تتركي الصلوة متعمداً، فإنه من ترك الصلوة متعمداً، فقد برئت منه ذمة الله و رسوله". (مسند الإمام أحمد: ۷/۵۷۲، (رقم الحديث: ۲۶۸۱۸)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه مع تغيير الألفاظ كما في سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب الصبر على البلاء، ص: ۲۹۲، قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۳) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيديه)

ترکِ نماز کی سزا

سوال[۲۱۱۳]: نماز ہر مرد وعورت، عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہے، جو حضرات نماز نہیں پڑھتے ہیں ایسے مسلمانوں کے لئے دینِ محمدی نے کیا سزا تجویز فرمائی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہایت خطرناک حالت ہے، ایسے لوگوں کی سزا تو بہت سخت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (۱)، مگر یہاں سزا دینے کا حق ہر ایک کو نہیں (۲)، اس کو نرمی اور شفقت سے سمجھا دیا جائے (۳)، کتاب فضائل نماز ان کو سنائی جائے، پنچایت بنا کر سب کو نماز کی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۹ھ۔

اسکول کی تعلیم کی وجہ سے ظہر کی نماز کا چھوٹنا

سوال[۲۱۱۴]: جدید تعلیم کے حصول میں ظہر کی نماز تو اکثر چھوٹتی ہے، اس تعلیم کا حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور اپنے کسی عزیز کی ایسی تعلیم دلانے میں پیسے سے اعانت کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "وعن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "العهد الذي بيننا و بينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر". رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجه".

"وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً فقال: "من حافظ عليها، كانت له نوراً و برهاناً و نجاةً يوم القيامة، و من لم يحافظ عليها، لم تكن له نوراً و لا برهاناً و لا نجاةً، و كان يوم القيمة مع قارون و فرعون و هامان و أبيّ بن خلف". رواه أحمد والدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة: ۱/۵۸، ۵۹، قديمي)

(۲) "و لا يحدّه سيدُه بغير إذن الإمام، و لو فعله هل يكفي؟ الظاهر لا، لقولهم: ركنه إقامة الإمام، نهر".
(الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۱۳، سعيد)

(۳) تقدم تخريجه تحت عنوان: "نماز کے لئے زبردستی کرنا"

الجواب حامداً و مصلیاً:

ظہر کی جماعت میں اگر مسجد میں جا کر شرکت نہیں کر سکتے تو طلباء خود اپنی جماعت کر سکتے ہیں، اگر اس کی اجازت نہیں اور چند ماہ ظہر کی نماز ہی کو قضا کرنا ضروری ہوتا ہے، تو ایسی تعلیم کی شرعاً اجازت نہیں، جس میں اسلام کا اتنا بڑا رکن قضا کرنا پڑے(۱)۔ پھر اس تعلیم کے ثمرات اکثر و بیشتر تو اسلام کے خلاف ہی مشاہدہ کرنے میں آئے ہیں، مثلاً: قرآن کے کلامِ الٰہی اور وحی ہونے میں تردد، ملائکہ کے نزول میں تردد، نبوت میں تردد، سوال و جوابِ قبر میں تردد، حشر اور وزنِ اعمال میں تردد، جنت دوزخ میں تردد، پل صراط میں تردد غرض عامۂ عقائد متزلزل ہو جاتے ہیں حتی کہ خدا کے وجود ہی میں تردد پیدا ہو جاتا ہے، پھر اسلامی اعمال و اخلاق کی کیا توقع ہو سکتی ہے، الا ماشاء اللہ بہت کم ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جو بسلامت رہ جائیں، ایسی تعلیم کی تحصیل اور اس کی اعانت کا حال ظاہر ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

کیا قرآن پاک سے صرف تین وقت کی نماز ثابت ہے؟

سوال[۲۱۱۵]: میرے ایک عزیز دوست آج کل کچھ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں، وہ کہتے ہیں

---

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما أحب، و کره ما لم یؤمر بمعصیة، فإذا أمر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة". (صحیح البخاري، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تکن معصیةً: ۱۰۵۷/۲، قدیمي)

"وعن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة في معصیة، إنما الطاعة في المعروف". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء: ۳۱۹/۲، قدیمي)

(۲) و قوله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا علی البر و التقوی، و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"یأمر الله تعالیٰ عباده المؤمنین بالمعاونة علی فعل الخیرات و هو البر، و ترک المنکرات، وهو التقوی، وینهاهم عن التناصر علی الباطل والتعاون علی المأثم والمحارم". (تفسیر ابن کثیر: ۶/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و کل ما أدی إلی ما یجوز، لا یجوز، و تمامه في شرح الوهبانیة". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۰/۶، سعید)

کہ قرآن کریم سے پانچ وقت کی نماز ثابت نہیں ہے، صرف تین وقت کی نماز ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث وہی معتبر ہے جو قرآن حکیم سے مطابقت رکھتی ہو۔ نیز یہ بھی خیال ہے کہ خطۂ ارض پر دن رات چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، کہیں دن میں بس ۴/، ۵/ گھنٹے سورج چمکتا ہے اور ۱۹/ ۲۰/ گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ ان صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز کی فرضیت منجانب اللہ نہیں ہے، صرف سنتِ مؤکدہ ہے۔ معراج شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ ان کو ضعیف اور ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔ امید ہے کہ آنجناب ہمارے دوست کی راہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم میں ہے: ﴿و ما اتاکم الرسول فخذوه﴾ الخ(۱)، نیز ارشاد ہے: ﴿و ما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾ الخ (۲)، نیز فرمایا ہے: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ الخ(۳) ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث واجب القبول ہے۔ اپنے ان دوست سے معلوم کیجئے کہ کس کس وقت کی نماز قرآن کریم سے ثابت ہے، نیز کتنی رکعتیں ثابت ہیں، نیز ان کے پڑھنے کا طریقہ کیا ہے اور ان کا انتہائی وقت اور ابتدائی وقت کیا ہے؟ یہ سب قرآن کریم ہی سے ثابت کریں۔ جس بات سے قرآن کریم ساکت ہو اور حدیث پاک میں وہ موجود ہو اس کو وہ قرآن کے موافق قرار دیں گے یا خلاف، یا حدیث کا ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہونا کس بنا پر ہے، قوی اور قابلِ اعتبار ہونا کس بنا پر ہے، اس میں سند کو کچھ دخل ہے کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں ان کے اصول معلوم ہوں تو بات آگے چلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/ ۹۵ھ۔

کیا قبل از معراج پچاس نمازیں اور دن میں سات مرتبہ غسل فرض تھا؟

سوال [۲۱۱۶]: کیا قبل از معراج شریف ۵۰/ نمازیں اور دن میں سات مرتبہ غسل فرض کیا گیا تھا، جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے؟

---

(۱) (سورة الحشر: ۷)

(۲) (سورة النساء: ۶۴)

(۳) (سورة النساء: ۸۰)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابوداؤد شریف کی وہ عبارت نقل کیجئے جس سے آپ نے یہ سمجھا ہے کہ قبل ازمعراج پچاس نمازیں اور سات مرتبہ دن میں غسل فرض کیا گیا تھا، یہ بھی لکھئے کہ یہ کس باب میں ہے؟ تب اس کے متعلق جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

کیا مجذوب مکلّف ہے؟

سوال[۲۱۱۷]: زید کہتا ہے کہ مجذوب پر نماز روزہ معاف ہے اور عمر کہتا ہے کہ نہیں، کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ روزہ، نماز کی فرضیت کو سمجھتا ہے اور اس کے ادا کرنے کا ہوش رکھتا ہے تو اس سے معاف نہیں، اور اگر نہ فرضیت کو سمجھتا ہے اور نہ ہوش رکھتا ہے تو وہ مکلف نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۰ھ۔

نماز پڑھنا کسی کے کہنے پر موقوف ہے یا نہیں؟

سوال[۲۱۱۸]: کسی عالم صاحب نے کہا کہ تم کو نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ہوگا، اس پر اس نے جواب دیا کہ میرا جی چاہے تو کرلوں گا، تمہاری بات پر کیوں کرنا ہوگا۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

---

(۱) "هي فرض عين علی كل مكلف". (الدرالمختار). "ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو أنثی أو عبداً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة : ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وفي أصول البستي: أنه لا يكلف بأدائها كالصبي العاقل، إلا أنه إن زال العته، توجه عليه الخطاب بالأداء حالاً، وبقضاء مامضی بلا حرج، فقد حرج بأن يقضي القليل دون الكثير وإن لم يكن مخاطباً فيما قبل كالنائم والمغمی عليه دون الصبي إذا بلغ، وهو أقرب إلی التحقيق، كذا في شرح المغني للهندي إسمٰعيل ملخصاً". (رد المحتار، كتاب الزكوة : ۲/۲۵۸، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، ص: ۱۷۳، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدا کا حکم سب کو ماننا لازم ہے، کسی کے جی چاہنے پر موقوف نہیں ہے، ایسا جواب نہیں دینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۹/۲۱ھ۔

نماز اور جنازہ کی تعلیم بصورتِ مکالمہ

سوال[۲۱۱۹]: ۱......لوگوں کے سدھار کے لئے مکالمے پیش کر کے اسے عملی شکل دی جائے تا کہ ذہنوں پر زیادہ اثر انداز ہو، تو کیا یہ جائز ہے۔ ایک مکالمہ میں نماز میں امامت کو پیش کیا، ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا، نماز شروع کی، وہ تحریمہ چھوڑ گیا، پچھلے نے کہا چل کیا نماز پڑھاتا ہے میں پڑھاتا ہوں۔ پھر دوسرا صاحب بھی قرأت میں صریح غلطی کر گیا جس کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔ تیسرے نے اس کو پیچھے کھینچ کر کہا کہ تمہارے باپ نے بھی نماز پڑھائی ہے۔ یہ امام صاحب سجدہ میں اتنی دیر پڑے رہے کہ لوگ سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ایک نے دھکے دے کر کہا ارے! اُٹھ، تُو ہمیں سکھلائے گا، پھر تنہا تنہا پڑھ کر چلے گئے۔ اس میں زیادتی یہ کی گئی کہ چوتھے امام نے آ کر نماز درست پڑھائی پھر لوگوں نے پوچھا کہ تم نے کہاں تعلیم پائی۔ اس نے بتایا پھر اس نے تعلیم دی اور اسے سب نے قبول کیا۔ اسی طرح مسجد چلانے کا مکالمہ یا جنازہ کی نماز کے لئے سوائے چند حضرات کے بقیہ لوگوں کے بُت کی طرح کھڑے رہنے پر۔

۲......بے پردگی کی انتہائی اس بناء پر ذمہ دار حضرات نے اس کے مکالمے پر توجہ دلائی، کیونکہ عورتیں بالترتیب آگے پیچھے بس، ٹرک، بیل گاڑی وغیرہ چلنے والی سڑک پر ایک دوسرے کے جوں (کپڑے، سروں میں ہوتی ہیں) نکالتی رہتی ہیں۔ اس حالت میں کبھی چھاتی کبھی ران بے حیائی کی نذر ہو جاتی ہے۔ یہ مسلم قوم کی مفلسی ہے کہ ایک جنگلی اور ان میں فرق نہیں، حالانکہ غیر قوم کی عورتیں بازاروں میں جس طرح ہوں مگر گھروں پر ان کی طرح اپنی تہذیب کے خلاف سمجھتی ہیں۔ تو کیا ان کی حالت پر ان کے سامنے عملی طور پر ان کی بُرائی مکالمے کے طور پر لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح بوڑھے سے لے کر بچوں تک کو گالیاں بکنے پر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس طرح مکالمہ اور عملی طور پر اختیار کرنا نماز کی توہین، استخفاف ہے اس کی اجازت نہیں۔ صحیح صحیح مسائل جیسے تعلیم الاسلام میں چھپے ہوئے ہیں ان کا مکالمہ بصورتِ سوال وجواب کرایا جائے جس سے مسائل پختہ ہوجائیں تو درست ہے۔

۲......اس کی بھی عملی نقل نہ کی جائے کہ یہ تماشا بن جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹۱ھ۔

نماز کے لئے زبردستی کرنا

سوال[۲۱۲۰]: کسی کا زبردستی ہاتھ پکڑتا ہے اور کہتا ہے نماز کا وقت ہوگیا ہے نماز پڑھو، وہ جواب دیتا ہے کہ میں مسلمان ہوں میں نمازی ہوں، لیکن اس وقت مجھے سخت ضروری کام ہے اس لئے کہ میں نوکر ہوں، دوسری مسجد میں پڑھ لوں گا۔ یہ کہتے ہی اس کو مارتے ہیں وہ بھی اس کو مارنے لگتا ہے، اپنی جان بچانے کے واسطے آخر باہم تنازع ہوا، اس تنازع کے بعد بھی نماز نہیں پڑھی۔ کیا اس طرح جبراً نماز پڑھانا اور کوشش کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امر بالمعروف اور نماز وغیرہ احکامِ شرعیہ کی تبلیغ بہت اچھی چیز ہے، لیکن جہاں تک ہوسکے نرمی اور شفقت سے تبلیغ کرنی چاہئے۔ ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ کہے جس سے سننے والے کو طیش آئے اور اشتعال ہوکر سخت کلامی یا لڑائی تک نوبت پہونچے، کیونکہ اس سے بسا اوقات دوسرا آدمی نماز سے یا اس کی فرضیت سے بالکل انکار کردیتا ہے اور کبھی مقدمہ بازی بھی ہوجاتی ہے۔ یہ چیز آدابِ تبلیغ کے خلاف ہے، بلکہ سوچ سمجھ کر اس طرح کہنا چاہئے کہ اس کا دل نرم ہوجائے اور انکار کرنے اور بہانہ کرنے کا بھی اس کو موقعہ نہ ملے (۱) اور سختی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن، إن ربك هو أعلم بمن ضل عن سبيله، و هو أعلم بالمهتدين﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

"يقول الله تعالىٰ آمراً رسوله محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أى أن يدعو الخلق إلى الله =

کرنے اور طریق مذکور اختیار کرنے سے لوگوں کو وحشت اور نفرت ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿و لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك﴾ الایۃ (۱)۔

اور پھر جب ایک شخص کے متعلق علم ہو کہ وہ نمازی ہے، نیز وہ خود اقرار کرتا ہے کہ مجھے عجلت ہے، میں نمازی ہوں اور دوسری مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس پر جبراً تشدد کرنا کہ مار پیٹ اور تنازع ہو ہرگز نہیں چاہئے۔ البتہ اپنی اولاد وغیرہ جس پر ان کا کچھ اثر ہو تو اس کو مناسب طریقہ سے سمجھانے اور سعی کرنے کے بعد شریعت نے کسی قدر سختی کرنے اور مار کر نماز پڑھانے کو بھی کہا ہے (۲) بشرطیکہ وہ سختی اور مار بھی تحمل سے زیادہ نہ ہو نیز اس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو (۳)۔

= بالحكمة .... قال ابن جرير: هو ما أنزله عليه من الكتاب والسنة والموعظة الحسنة: أى بما فيه من الزواجر و الوقائع بالناس ذكّرهم بها ليحذروا بأس الله تعالىٰ.

قوله: ﴿وجادلهم بالتى هى أحسن﴾: أى من احتاج منهم إلى مناظرة و جدال، فليكن بالوجه الحسن برفق و لين و حسن خطاب كقوله تعالىٰ: ﴿ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتى هى أحسن، إلا الذين ظلموا منهم﴾ الآية، فأمره تعالىٰ بلين الجانب كما أمره به موسى و هارون عليهما السلام حين بعثهما إلى فرعون فى قوله: ﴿فقولا له قولاً ليناً لعله يتذكر أو يخشى﴾ و قوله: ﴿إن ربک هو أعلم بمن ضل عن سبيله﴾ الآية: أى قدم علم الشقى منهم والسعيد وكتب ذلک عنده و فرغ منه، فادعهم إلى الله، ولا تذهب نفسک على من ضل منهم حسرات، فإنه ليس عليک هداهم، إنما أنت نذير، عليک البلاغ، وعلينا الحساب: ﴿إنک لاتهدى من أحببت﴾، ﴿ليس عليک هداهم، ولكن الله يهديهم من يشاء﴾ (تفسير ابن كثير: ۲/ ۵۹۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۱) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مروا أولادكم و هم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها و هم أبناء عشر، و فرّقوا بينهم فى المضاجع". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة: ۱/ ۷۱، دار الحديث ملتان)

(۳) "(قوله: ضرباً فاحشاً) قيد به؛ لأنه ليس له أن يضربها فى التأديب ضرباً فاحشاً: و هو الذى يكسر العظم أو يخرق الجلد أو يسوده، كما فى التاتارخانية". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/ ۷۹، سعيد)

"هي فرض عين على كل مكلف، وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيدلا بخشبة اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۴/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

ایضاً

سوال [۲۱۲۱]: دورِ حاضر میں جب مسلمانوں نے فرائضِ مذہبی کو قطعی پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور ان کو فرائضِ مذہبی کو انجام دینے کی تنبیہ کی جاوے تو بُرا مانتے ہیں، اگر کسی محلہ میں سمجھوتہ ہو جائے اور اتفاق ہو جائے کہ جو شخص نماز روزہ ادا نہیں کرے گا اس کو اول تو سمجھانے کی کوشش کی جاوے، اس پر بھی نہ مانے تو زد و کوب کر کے ادا کرایا جائے اور زبردستی نماز پڑھائی جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زبردستی نماز پڑھوانے والوں پر شرعاً گناہ تو صادر نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نماز فرض عین ہے، اس کا منکر کافر ہے اور تارک فاسق ہے (۲)، یہی حکم روزہ کا ہے (۳)۔ اور احکامِ شرعیہ کی تبلیغ بھی ضروری ہے (۴)، پس بے نمازی کو اولاً مسئلہ بتا کر نرمی سے سمجھانا ضروری ہے، اگر وہ مان

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۲، سعيد)

(۲) "هي فرض عين على كل مكلف .... و يكفر جاحدها بدليل قطعي، و تاركها عمداً مجانة: أي تكاسلاً فاسق". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"الصلاة فريضة محكمة، لا يسع تركها، و يكفر جاحدها، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۵۰، رشيديه)

(۳) "اعلم أن صوم رمضان فريضة، لقوله تعالىٰ: ﴿كتب عليكم الصيام﴾ و على فرضيته انعقد الإجماع" (الهدايه، كتاب الصوم: ۱/۲۱۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۴) قال أبو بكر: "أكد الله تعالىٰ فرض الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر في مواضع من كتابه، و بينه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أخباره متواترة عنه فيه، و أجمع السلف و فقهاء الأمصار على وجوبه، و إن كان قد تعرض أحوال من التقية يسع معها السكوت، فمما ذكره الله تعالىٰ حاكياً =

جائے اور نماز پڑھنے لگے تو اس پر سختی کی حاجت ہی نہیں اور جو شخص نہ مانے اور اس پر اپنا اثر اور قدرت بھی ہو تو حسبِ استطاعت شریعت نے اس پر سختی کا بھی حکم فرمایا ہے بشرطیکہ کوئی فتنہ نہ ہو، اگر کوئی اور فتنہ ہو مثلاً وہ نماز کی فرضیت کا انکار کردے اور اہلِ محلہ کو اتنی قدرت نہ ہو کہ زبردستی نماز پڑھا سکیں، یا اس سختی کی بنا پر وہ مقدمہ کرے اور اس میں ناقابلِ برداشت مضرت پہونچے جس سے آئندہ تبلیغ کا سلسلہ ہی بند ہوجائے، یا اس کشاکش کو دیکھ کر دوسرے لوگ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں اور آپس میں منافرت وکشیدگی پیدا ہوجائے کہ ایک دوسرے سے حسد کرے اور درپئے آزار ہوجائے تو پھر سختی نہیں چاہئے، نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے کام کرنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾ الآية (۱)۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اولاد کو جب وہ دس برس کی ہوجائے اور نماز نہ پڑھے تو مار کر نماز پڑھاؤ"۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ "تم میں سے جب کوئی معصیت کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے روک دے، اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت نہ ہو تو مجبوراً دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔

= عن لقمان: ﴿يا بُنيّ اقم الصلوة، وأمُرْ بالمعروف، و انهَ عن المنكر، و اصبر على ما أصابک، إن ذلک من عزم الأمور﴾......... و إنما حكى الله تعالىٰ لنا ذلک عن عبده لنقتدي به و ننتهي إليه،و قال تعالىٰ فيما مدح به سلف الصالحين من الصحابة: ﴿التائبون العابدون﴾ إلى قوله: ﴿الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر والحافظون لحدود الله﴾ و قال تعالىٰ: ﴿كانوا لا يتناهون عن منكرٍ فعلوه، لبئس ماكانوا يفعلون﴾.

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكراً فاستطاع أن يغيره بيده، فليغيره، بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذاک أضعف الإيمان".

"عن جرير رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ما من رجل في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون على أن يغيروا عليه، فلا يغيروا، إلا أصابهم الله بعذاب من قبل أن يموتوا". فاحكم الله تعالىٰ فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر في كتابه و على لسان رسوله". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۸۲، ۲۸۳، قديمي)

(۱) (آل عمران: ۱۵۹)

"قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم :"مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبنا عشر سنين، و فرّقوا بينهم في المضاجع". رواہ ابوداؤد(۱)۔

"عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال:" من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (سنن أبي داؤد، کتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة : ۱/۱ ۷، دارالحديث ملتان)

"عن عبد الملك بن الربيع بن سبرة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "علّموا الصبي الصلاة ابن سبع سنين، و اضربوه عليها ابن عشرة". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء متى يؤمر الصبي بالصلوة: ۱/۹۳، سعيد)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان : ۱/۵۱، قديمي)

باب المواقیت

الفصل الأول فی أوقات الصلوة

(اوقاتِ نماز کا بیان)

اوقاتِ صلوٰۃ

سوال[۲۱۲۲]: نماز پنجگانہ کی ابتداء اور انتہاء ظاہر فرما کر اس کے اندر یہ بھی ظاہر فرما دیجئے کہ مکروہ وقت محض ادائے فرض نماز کے لئے کب سے شروع ہوتا ہے اور پھر حرام وقت کی کب سے نوبت آ جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقتِ فجر صبح صادق سے شروع ہو کر طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے تک رہتا ہے، جب کنارہ طلوع ہو گیا وقتِ فجر ختم ہو گیا، یہ تمام وقت کامل ہے(۱)۔ وقت ظہر زوالِ آفتاب سے شروع ہو کر مثلین تک رہتا ہے یعنی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أقم الصلوة طرفی النهار و زلفاً من اللیل﴾ (سورة هود: ۱۱۴)

"روی عمرو عن الحسن فی قوله تعالیٰ: طرفی النهار قال: صلاة الفجر، والعشاء". "ر روی لیث عن الحکم عن أبی عیاض قال: قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: جمعتْ هذه الأیة مواقیت الصلوة: ﴿فسبحان الله حین تمسون﴾ المغرب والعشاء ﴿وحین تصبحون﴾ الفجر ﴿وعشیاً﴾ العصر ﴿وحین تظهرون﴾ الظهر، و عن الحسن مثله". (أحکام القرآن للجصاص: ۳۷۵/۲، ۳۷۶، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن للصلوة أولاً و آخراً .... وإن أول وقت الفجر حین یطلع الفجر، وإن آخر وقتها حین تطلع الشمس".

(جامع الترمذی: ۳۹/۱، أبواب الصلوة، سعید)

(ورواه الطحاوی فی معانی الآثار: ۱۰۸/۱، باب مواقیت الصلوة، سعید) .... =

استواء کے وقت جو سایہ ہوتا ہے اس کے علاوہ ہر شی کا سایہ اس کے دومثل ہوجائے، یہی تمام وقت کامل ہے(۱)۔ اس کے بعد سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور غروب تک باقی رہتا ہے، لیکن آفتاب کے زرد ہونے

= "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال .... "ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس". (الصحیح لمسلم: ۱/۲۲۳، کتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، قدیمی)

"وقت صلاة الفجر .... من أول طلوع الفجر الثانی، و هو البیاض المنتشر المستطیر المستطیل إلی قبیل طلوع ذُکاء -بالضم، غیر منصرف، اسم الشمس- اهـ". (الدر المختار: ۱/۳۵۷، ۳۵۹، کتاب الصلوة، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۱/۵۵۸، کتاب الصلوة، فصل فی بیان شرائط الأرکان، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة: ۱/۴۲۴، رشیدیه)

(و کذا فی الهدایه، کتاب الصلوة، باب مواقیت الصلوة: ۱/۸۰، شرکة علمیه ملتان)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و عشیاً و حین تظهرون﴾ (سورة الروم: ۱۸)

و قال الله تعالیٰ: ﴿أقم الصلوة لدلوک الشمس﴾ (سورة الإسراء: ۷۸)

"و قد بیّنا أن دلوک الشمس تحتمل الزوال والغروب جمیعاً، و هو علیهما، فتنتظم الآیة الأمر بصلاة الظهر والمغرب و بیان أول وقتیهما". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۷۸، قدیمی)

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن للصلوة أولاً و آخراً، وإن أول وقت صلوة الظهر حین تزول الشمس، وآخر وقتها حین یدخل وقت العصر". (جامع الترمذی، أبواب الصلوة: ۱/۳۹، سعید)

"ووقت الظهر من زواله: أی میل ذکاء عن کبد السماء إلی بلوغ الظل مثلیه و عنه مثله .... سوی فیء الزوال". (الدر المختار، کتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان شرائط الأرکان: ۱/۵۲۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة: ۱/۴۲۵، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الأول فی المواقیت و ما یتصل بها: ۱/۵۱، رشیدیه)

سے پہلے وقت مستحب ہے اوراس کے بعد مکروہ ہوجاتا ہے، غروب ہونے تک (۱)۔ غروب ہوجانے پر مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے، تاروں کے خوب پھیلنے سے پہلے پہلے وقت مباح رہتا ہے، جب تارے خوب پھیل جاویں تو وقت مکروہ ہوجاتا ہے (۲) اور شفقِ ابیض کے غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے، صبح صادق طلوع ہونے پر ختم ہوجاتا ہے اور اس میں

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن للصلوة أولاً وآخراً .... وإن أول وقت العصر حين يدخل وقتها، وإن آخر وقتها حين تصفر الشمس". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة: ۱/۳۹، ۴۰، سعيد)

"و وقت العصر من صيرورة الظل غير فيء الزوال إلى غروب الشمس، هكذا في شرح المجمع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في أوقات الصلوة: ۱/۵۱، رشيديه)

"و يستحب تأخير العصر في كل زمان ما لم تتغير الشمس والعبرة لتغير القرص لا لتغير الضوء، فمتى صار القرص بحيث لا تحار فيه العين، فقد تغيرت، و إلا لا، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و زلفاً من الليل﴾ (سورة هود: ۱۱۴) "و هو ما قرب منه من النهار، و هو أول أوقاته والله اعلم".

و قال الله تعالى: ﴿فسبحان الله حين تمسون﴾. (سورة الروم: ۱۷) "قيل فيه: إنه وقت مغرب". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۸۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن للصلوة أولاً وآخراً .... وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة: ۱/۳۹، سعيد)

"والمغرب: أي و ندب تعجيلها لحديث الصحيحين: "كان يصلي المغرب إذا غربت الشمس و توارت بالحجاب. و يكره تأخيرها إلى اشتباك النجوم لرواية أحمد: "لا تزال أمتي بخير ما لم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۱، رشيديه)

سے ایک ثلث رات تک وقت مستحب رہتا ہے اور نصفِ رات تک مباح اور اس کے بعد مکروہ ہوجاتا ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

اوقاتِ صلوۃ

سوال[۲۱۲۳]: نمازِ پنجگانہ کے لئے جماعت کا وقت مقرر کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ مثلاً بنگال میں ظہر کا وقت ۱۲/ بجے سے پہلے شروع ہوجاتا ہے اور ۴/ بجے کے بعد تک رہتا ہے، مگر جماعت کسی مسجد میں ساڑھے بارہ بجے، کسی مسجد میں ایک بجے، کسی مسجد میں ڈیڑھ بجے ہوتی ہے، مگر وقت مقرر ہر جماعت کا ہونا واجب کی طرح ضروری سمجھتے ہیں، اگر امام وقت مقررہ کی پابندی نہ کرے تو ہٹادیا جاتا ہے۔

زید کہتا ہے ساڑھے ۱۲/ بجے یا ایک ڈیڑھ بجے کی قید لگانا، اس کو ضروری سمجھنا ناجائز وحرام ہے اور ایسی قید والی جماعت میں شریک ہونا بھی ناجائز وحرام ہے۔ جب ۱۲/ بجے سے لے کر ۴/ بجے تک وقت رہتا ہے تو اس درمیان میں جس وقت بھی جماعت کریں ہوسکتی ہے۔ یہ قید لگانے کا حکم کب نازل ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو اس پورے وقت میں جب بھی کوئی پڑھے گا ادا ہوجائے گی مگر سب نمازیوں کی جماعت کی

(۱) "ووقت العشاء والوتر منه إلى الصبح". (الدر المختار: ۱/۳۶۱، کتاب الصلوة، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۷، رشيديه)

"و أول وقت العشاء إذا غاب الشفق، و آخر وقتها ما لم يطلع الفجر الثاني، لقوله عليه الصلاة والسلام: "و آخر وقت العشاء حين يطلع الفجر". (الهداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت: ۱/۸۲، شركت علمية ملتان)

"فالمستحب فيها التأخير إلى ثلث الليل في الشتاء، و يجوز التأخير إلى نصف الليل، و يكره التأخير عن النصف، و أما في الصيف، فالتعجيل أفضل". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۰، رشيديه)

سہولت کے لئے وقت مقرر کرلینا حرام نہیں ہے، بعض آدمی شروع وقت میں آ جائیں گے ان کو دیر تک انتظار کرنا پڑے گا، بعض آدمی اخیرِ وقت میں آویں گے، کبھی ایسا ہوگا کہ ان کو جماعت نہیں ملے گی۔ یہی حالت شروع میں تھی تب اذان کا حکم ہوا کہ اس کو سن کر سب آ جائیں اور کوئی جماعت سے نہ رہ جائے، اس وقت گھڑی نہیں تھی، اذان کی آواز سن کر آ جاتے تھے، یہی حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ "اذان اور جماعت میں اتنا فصل رکھا جاوے کہ آدمی استنجا طہارت وغیرہ سہولت سے کرلے تاکہ جماعت فوت نہ ہو" (۱)۔

اس طرح تخمینی طور پر اوقات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں بھی مقرر تھے، بعض نمازوں کو اول وقت میں پڑھنا افضل قرار دیا گیا ہے، بعض میں کچھ تاخیر کی ترغیب ہے، موسم کی بھی رعایت کی گئی ہے، لہذا اوقاتِ نماز کی ایسی تعیین کو بے اصل کہنا بے اصل اور غلط ہے۔ جماعت کے انتظام واہتمام کی خاطر یہ تعیین کی جاتی ہے، یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس تعیین کے خلاف کرنے سے نماز نہیں ہوتی (۲)، امام کو وقت کی پابندی کرنا

---

(۱) "عن جابر رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: لبلال: "یا بلال! إذا أذنت فترسل فی اذانک، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بین أذانک و إقامتک قدر ما یفرغ الآکل من أکله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، و لا تقوموا حتی ترَوْنی". (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی الترسل فی الأذان: ۱/۴۸، سعید)

"و یجلس بینهما بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب إلا فی المغرب". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعید)

"ینبغی أن یؤذن فی أول الوقت و یقیم فی وسطه حتی یفرغ المتوضیء من وضوئه، والمصلی من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشیدیه)

(۲) "عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال: أذن مؤذن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الظهر فقال: "أبرِدْ أبرد". أو قال: "انتظر انتظر" وقال: "شدة الحر من فیح جهنم، فإذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلوة" حتی رأینا فیء التلول". (صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلوة، باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر: ۱/۷۶، قدیمی)

بھی اس انتظام کی سہولت کے لئے ہے، اگر اتفاقیہ کبھی کچھ تاخیر ہو جائے تو چشم پوشی کی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۹ھ۔

رمضان میں نمازِ فجر اولِ وقت میں پڑھنا

سوال[۲۱۲۴]: ۱...... کیا صرف رمضان المبارک میں بعد اذان فوری جماعت بہتر ہے یا بعد اذان گیارہ ماہ کی طرح، وقتِ حنفی پر جماعت کے درمیان وقت کے انتظار میں حسبِ عادت ذکر اللہ کرنا بہتر ہے جب کہ بارہ ماہ ظہر عشاء فجر کی اذان اور جماعت میں نصف گھنٹہ اور ایک گھنٹہ تک درمیانی وقت ہوتا ہے؟

۲...... کیا حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستقل تمام ماہِ رمضان المبارک میں یہی معمول رہا کہ اذان کے فوری بعد نماز باجماعت ادا کی ہو، یا کیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ ایسا کرلیا جائے؟

۳...... جو متولی جماعت کا پابند نہ ہو، بارہ ماہ نمازِ ظہر، عشاء ومغرب گھر پر پڑھتا ہو اور عشاء اور فجر صرف مسجد میں، یا کوئی متولی مسجد میں بالکل کسی وقت نہ جائے، اس کو متولی ہونے کی حیثیت سے یہ حکم صادر کرنا کہ جماعتِ فجر رمضان میں فوری بعد اذانِ فجر کی جائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴...... جس مسجد میں اکثریت ۲۵/ یا ۳۰/ نمازیوں کی ماہِ رمضان میں حسبِ معمول گیارہ ماہ کی طرح جماعت کے لئے رضامند ہوں اور ۸/ یا ۱۰/ آدمی متولی مسجد کے حکم سے بعد اذان فجر فوراً جماعت کریں، دوسری

= "عن هشام عن أبيه أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي العصر والشمس لم تخرج من حجرتها". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت العصر: ۱/۷۷، قديمي)

"وعن سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنا نصلي مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المغرب إذا توارت الحجاب". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت المغرب: ۱/۷۹، قديمي)

(۱) "و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الأذان، الباب الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

جماعت پھر اکثریت کی تعداد کے ساتھ کی جائے تو اس میں کونسی جماعت کے افراد حق پر ہیں؟

۵......متولی امام کو مسجد وقف سے بارہ روپے ماہانہ دیتا ہے، نیز روپیہ محلّہ کے نمازی بصورتِ چندہ دیتے ہیں، ایسی صورت میں متولی امام کو حکم دے کہ تم کو ہماری جماعت کی نماز پڑھانی ہے۔ کیا یہ حکم متولی کا دینا اور امام کے لئے اس کی تعمیل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......حدیث پاک میں فجر کو اندھیرے میں پڑھنے کے بجائے روشنی پھیل جانے پر پڑھنے کا حکم ہے: "أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر" الحديث(۱)۔ فقہائے احناف نے بھی ایسا ہی لکھا ہے(۲)، گو صبح

---

(۱)(جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء في الإسفار بالفجر: ۱/۴۰، سعيد)

(وسنن ابن ماجه، كتاب الصلوة، باب وقت صلوة الفجر، ص: ۴۹ قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت الصبح: ۱/۶۱، دار الحديث، ملتان)

(وسنن النسائی ،كتاب المواقيت، باب الإسفار : ۱/۹۴، قديمی)

(۲) "يستحب تأخير الفجر، و لا يؤخرها بحيث يقع الشک فی طلوع الشمس، بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته، يمكنه أن يعيد ها في الوقت بقرأة مستحبة، كذا في التبيين ، و هذا في الأزمنة كلها، إلا صبيحة يوم النحر للحاج بالمزدلفة، فإن هناک التغليس أفضل، هكذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثانی فی بيان فضيلة الأوقات : ۱/۵۲، ۵۳، رشيديه)

(و كذا فی المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۱۴۲، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(و كذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فی بيان شرائط الأركان: ۱/۵۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا فی الدر المختار، كتاب الصلوة : ۱/۳۶۶، سعيد)

"عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "أمّني جبريل و صلى بی الفجر حين حرم الطعام و الشراب على الصائم". (سنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة : ۱/۶۲، امداديه ملتان)

"عن قتادة عن أنس رضی الله تعالىٰ عنه أن زيد بن ثابت رضی الله تعالىٰ عنه حدثه أنهم تسحروا مع النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم قاموا إلى الصلوة. قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين =

صادق ہوتے ہی پڑھ لینے سے بھی نماز بلا کراہت ادا ہوجائے گی (۱)، مگر عامۂ نمازی اس وقت پر حاضر نہیں ہو پاتے، جماعت کی شرکت سے محروم ہوجاتے ہیں (۲)۔ ویسے ہی اذان وجماعت میں اتنے فصل کا حکم ہے کہ نمازی تیاری کر سکے (مغرب میں یہ بات نہیں) (۳)۔

= أو ستين يعني آية". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر: ۱/۸۱، قديمی)

"قال الشعراني في الميزان: و في رواية أخرى لأحمد رحمه الله تعالىٰ: "الاعتبار بحال المصلين، فإن شق عليهم التغليس كان الإسفار أفضل، وإن اجتمعوا كان التغليس أفضل. وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في رد المحتار: نعم! ذكر شراح الهداية وغيرهم في باب التيمم أن أداء الصلوة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة". (فتح الملهم، كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها و هو التغليس و بيان قدر القرأة فيها: ۲/۲۱۲، المكتبه الرشيديه، كراچی)

(۱) "ولأن في الإسفار تكثير الجماعة، و في التغليس تقليلها، ومايؤدي إلى تكثير الجماعة، فهو أفضل". (المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۵، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(۲) "ينبغي أن يؤذن في أول الوقت، و يقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضي من وضوئه، والمصلي من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(۳) "والذي يظهر أن العمل في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع أن الزمان إذ ذاك كان زمان الشدة في العمل، والناس كانوا يتقيّدون بصلاة الليل، فلم تكن الجماعة تختل بالتغليس، ثم إذا نشأ الإسلام و كثر المسلمون و علم أن فيهم ضعفاً، عمل بالإسفار في زمن الصحابة رضي الله عنهم لئلا يفضي إلى تقليل الجماعة. و قد علمتَ فيما سبق أن بطأ الناس و تعجيلهم مما قد راعاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أيضاً، فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً، في التغليس لقلنا به أيضاً كما في مبسوط السرخسي، في باب التيمم: أنه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس .... ثم قال رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر .... و لعل هذا التغليس في رمضان خاصةً، و هكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس، وعليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهدالأكابر". (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر: ۲/۱۳۵، ۱۳۶، خضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

فیض الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کے بعد عامۃً لوگ سو جاتے ہیں، دیر میں اٹھتے ہیں، نماز قضاء ہو جاتی ہے اس لئے صبح صادق کے بعد اولِ وقت میں فجر کی نماز پڑھ لی جائے تو سب کو جماعت مل جاتی ہے، نمازیوں کے جمع ہونے کی سہولت کی خاطر اوران کی نماز کو فوت ہونے سے بچانے کے لئے اس پر عمل کر لیا جائے، لیکن اگر نمازی گیارہ ماہ کے وقت پر حاضر ہو کر شرکتِ جماعت کریں اور اسی کو پسند کریں تو یہ بھی درست ہے بلکہ اصل مذہب ہے۔ اب نمازیوں کو ایک دوسرے پر طعن کرنا اور جائز و ناجائز کی بحث کرنا اس مسئلہ میں ٹھیک نہیں (۱)۔

جب نماز دونوں طرح بلا کراہت ادا ہو جاتی ہے تو نزاع ختم کیا جائے پابند نمازیوں کی اکثریت کو ترجیح دی جائے (۲)۔ امام اگر چہ تنخواہ دار ہو مگر اس کے ساتھ معاملہ ماتحت نوکر اور خادم جیسا نہ کیا جائے اس کا منصب قابلِ احترام ہے۔ تنخواہ دینے والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خادم ہیں امام مخدوم (۳)، امام کو بھی مقتدیوں کی

---

(۱) "عن علي بن الحسين رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن من حسن إسلام المرء ترکه ما لا یعنیه". (جامع الترمذي، أبواب الزهد، باب : ۵۸/۲، سعید)

(۲) "أوالخیار إلی القوم، فإن اختلفوا، اعتبر أکثرهم". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۵۸/۱، سعید)

"وإن اختار بعض القوم لهذا والبعض لهذا، فالعبرة لاجتماع الأکثر". (فتاویٰ قاضي خان، باب افتتاح الصلوة، فصل فیمن یصح الاقتداء به و فیمن لا یصح : ۵۲/۱، رشیدیه)

(۳) و قوله تعالیٰ : ﴿إني جاعلک للناس إماماً﴾ (سورة البقره : ۱۲۴)

" فإن الإمام من یؤتم به فی أمور الدین من طریق النبوة، و کذالک سائر الأنبیاء أئمة –علیهم السلام– لما ألزم الله تعالیٰ الناس من اتباعهم والائتمام بهم فی أمور دینهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا فی المحل الذی یلزم الناس اتباعهم و قبول قولهم و أحکامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أیضاً، و لهذا المعنی الذی یصلي بالناس یسمی إماماً؛ لأن من دخل فی صلاته لزمه الاتباع له و الائتمام به".

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة یتناول ما ذکر، فالأنبیاء علیهم السلام في أعلی رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون من بعد ذلک، ثم العلماء والقضاة العدول و من ألزم الله تعالیٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة فی الصلوة و نحوها". (أحکام القرآن للجصاص : ۹۷/۱، ۹۸، قدیمی)

رعایت لازم ہے(۱)۔ احکامِ شرع کی رعایت رکھتے ہوئے مقتدیوں کا لحاظ کیا جائے، متولی کو بھی سب نمازیوں کا لحاظ لازم ہے، ضد سے سب کو باز آنا چاہیے(۲)۔ فقط واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۹/۸۸ھ۔

رمضان میں فجر کی نماز ابتدائے وقت میں ادا کرنا

سوال[۲۱۲۵]: رمضان المبارک میں کثرت سے یہ معمول ہوگیا ہے کہ وقتِ سحر ختم ہوتے ہی فوراً اذان کہی جاتی ہے اور دوسنتیں پڑھ کر فوراً نمازِ فجر ادا کرلی جاتی ہے، مغرب کے علاوہ دیگر نمازوں میں نماز اور اذان میں کس قدر وقفہ ہونا چاہیے؟ "أسفروا بالفجر". والی حدیث سے رمضان مستثنیٰ ہے؟ معمولِ مذکور غلط ہے یا صحیح؟ غلس میں نماز پڑھنا بہتر ہے یا اسفار میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کا اصل مسلک تو یہی ہے "أسفروا بالفجر" (۳) لیکن اس کی وجہ تکثیرِ جماعت ہے(۴)،

---

(۱) "ینبغي أن یؤذن في أول الوقت و یقیم في وسطه حتی یفرغ المتوضي من وضوئه، والمصلي من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل في بیان کلمات الأذان والإقامة : ۱/۵۷، رشیدیه)

(۲) "وإن اختار بعض القوم لهذا و البعض لهذا، فالعبرة لاجتماع الأکثر". (فتاویٰ قاضي خان، باب افتتاح الصلوة، فصل فیمن یصح الاقتداء و فیمن لا یصح : ۱/۵۲، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، باب الإمامة : ۱/۵۵۸، سعید)

(۳) "أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر". (جامع الترمذي، باب ما جاء في الإسفار بالفجر : ۱/۴۰، سعید)

(وسنن أبي داؤد، کتاب الصلوة، باب وقت الصبح : ۱/۶۱، دار الحدیث ملتان)

(وسنن النسائي، کتاب المواقیت، باب الإسفار : ۱/۹۴، قدیمي)

"یستحب تأخیر الفجر و لا یؤخر ها بحیث یقع الشک في طلوع الشمس، بل یسفر بها بحیث لو ظهر فساد صلاته، یمکنه أن یعید ها في الوقت بقرأة مستحبة، کذا في التبیین. و هذا في الأزمنة کلها إلا صبیحة یوم النحر للحاج بالمزدلفة، فإن هناک التغلیس أفضل، هکذا في المحیط". (وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في بیان فضیلة الأوقات : ۱/۵۲، ۵۳، رشیدیه)

(وکذا في المبسوط، باب مواقیت الصلوة : ۱/۲۹۴، المکتبة الغفاریة کوئٹه)

(۴) "و لأن في الإسفار تکثیر الجماعة و في التغلیس تقلیلها، و ما یؤدي إلی تکثیر الجماعة، فهو أفضل". (المبسوط، باب مواقیت الصلوة : ۱/۲۹۵، المکتبة الغفاریة کوئٹه)

رمضان المبارک میں اگر غلس میں جماعت میں حاضرین حاضر ہوں تو اسفار میں تقلیل ہوجائے ، لوگ سوجائیں، باجماعت نماز فوت ہوجائے تو پھر غلس کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ فیض الباری میں بحوالۂ مبسوط نقل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

رمضان میں نمازِ فجر غلس میں

سوال[۲۱۲۶]: رمضان شریف کے دنوں میں سحری کھانے کے بعد اگر احتمال ہو کہ فجر کے وقت آنکھ نہ کھلے گی تو اولِ وقت نماز پڑھ لینا کیسا ہے اور اسی وقت اذان کہہ کر جماعت کر لینا، اس وجہ سے کہ لوگوں کی اکثر و بیشتر نماز چھوٹ جاتی ہے اور بسا اوقات نماز قضا ہوجاتی ہے بہتر ہے، یا ہر حال میں مسنون وقت میں نماز پڑھی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک میں سحری کے بعد اولِ وقت فجر کی نماز کے لئے اگر نمازی جمع ہوجائیں اور روزانہ کے وقت معمول تک تاخیر ہونے سے جماعت چھوٹنے یا قضا ہوجانے کا اندیشہ ہے تو اول وقت جماعت کر لینا بہتر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً في التغليس لقلنا به أيضاً، كما في مبسوط السرخسي في باب التيمم: أنه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس. قال رحمه الله تعالىٰ بعد أسطرٍ ...... ولعل هذا التغليس في رمضان خاصةً، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس، و عليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الأكابر". (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر: ۲/۱۳۵، ۱۳۶ خضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

(۲) "عن قتادة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه حدثه أنهم تسحروا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم قاموا إلى الصلوة. قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين أو ستين يعني آيةً". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر: ۱/۸۱، قديمي)

"قال الشعراني في الميزان: و في رواية أخرى لأحمد رحمه الله تعالىٰ: "الاعتبار بحال ...... =

چاند کی روشنی کا ختم ہونا وقتِ فجر کے ختم ہونے کی علامت نہیں

سوال[۲۱۲۷]: چاند کی روشنی کا ختم ہوجانا فجر کا وقت ختم ہوجانے کی علامت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقتِ فجر ختم ہونے کی علامت نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۱/۲/۲۲ھ۔

= المصلين، فإن شق عليهم التغليس كان الإسفار أفضل، وإن اجتمعوا كان التغليس أفضل". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في رد المحتار: نعم ذكر شراح الهداية وغيرهم في باب التيمم أن أداء الصلوة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلةً لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة". (فتح الملهم، كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها و هو التغليس و بيان قدر القرأة فيها: ۲۱۲/۲، المكتبه الرشيديه المنزل القاری محله باكستان كراچی)

" فلو اجتمع الناس اليوم أيضاً في التغليس لقلنا به أيضاً، كما في مبسوط السرخسي في باب التيمم: أنه يستحب التغليس في الفجر والتعجيل في الظهر إذا اجتمع الناس. قال رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر .... ولعل هذا التغليس في رمضان خاصةً، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس، وعليه العمل في دار العلوم بديوبند من عهد الأكابر". (فيض الباری علی صحيح البخاری، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر :۱۳۵/۲، ۱۳۶، خصر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن للصلوة أولاً و آخراً .... وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر. وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس". (جامع الترمذي: ۳۹/۱، أبواب الصلوة، سعيد)

(والطحاوي في معاني الآثار: ۱۰۸/۱، باب مواقيت الصلوة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۵۸/۱، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۳۵۷/۱، ۳۵۹، كتاب الصلوة، سعيد)

"والدليل على أن آخر الوقت حين تطلع الشمس قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أدرک =

فجر کی نماز کب پڑھی جائے

سوال[۲۱۲۸]: ۱......فجر کا وقت ختم ہونے سے کتنی دیر پہلے نماز جماعت ہو جانا چاہئے؟

۲......نماز فجر کے لئے اس وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟ جب کہ ایک رکعت کے بعد یا سلام پھیرنے سے پہلے وقت قضا ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اتنی دیر پہلے کہ اگر نماز ختم ہو جانے پر معلوم ہو کہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہے کسی وجہ سے نماز خراب ہوگئی ہے تو سنت کے موافق دوبارہ سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جا سکے(۱)۔

۲......اس سے نماز فاسد ہو جائے گی(۲) اتنی دیر تک مؤخر کرنا جائز نہیں گناہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= ركعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد أدرك"، و في حديث جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنكم سترون ربكم يوم القيامة كما ترون القمر ليلة البدر، لا تضامّون في رؤيته، فإن استطعتم أن لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها، فافعلوا، ثم تلا قوله تعالىٰ: ﴿فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل الغروب﴾ [سورة ق: ۳۹].

(المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۸۹، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(۱)"يستحب تأخير الفجر، و لا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس، بل يُسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته، يمكنه أن يعيد ها في الوقت بقراءة مستحبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت ومايتصل بها: ۱/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۶، سعيد)

(۲)" بخلاف الفجر الخ: أي فإنه لا يؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل فوجبت كاملةً، فتبطل بطروّ الطلوع الذي هو وقت الفساد". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۳، سعيد)

"و لو طلعت الشمس و هو في خلال الفجر، فسدت صلاته عندنا". (المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۳۰۴، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(۳)"و قال عطاء بن دينار: الحمد لله الذي قال: ﴿عن صلاتهم ساهون﴾ ولم يقل: في صلاتهم ساهون، =

وقتِ فجر کا اختتام کب ہوتا ہے

سوال[۲۱۲۹]: چاند کی روشنی ختم ہوجانے کے بعد سورج نکلنے تک جو وقت تقریباً ۱۰، ۱۵/ منٹ کا رہ جاتا ہے، کیا وہ وقت بھی فجر کا وقت شمار کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورج کا کنارہ ظاہر ہونے پر وقتِ فجر ختم ہوتا ہے اس سے پہلے باقی رہتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= إما عن وقتها الأول فيؤخرونها إلى آخره دائماً أو غالباً .... و من اتصف بجميع ذلک فقد تم له نصيبه منها، وكمل له النفاق العملي، كما ثبت في الصحيحين: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "تلک صلوة المنافق، تلک صلوة المنافق، تلک صلوة المنافق، يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني الشيطان، قام فنقر أربعاً لا يذكر الله فيها إلا قليلاً". (تفسير ابن كثير: ۴/۸۱۸، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

قال الله تعالىٰ: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾ ...... و قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما وجماعة تأخيرها عن وقتها". (روح المعاني: ۳۰/۲۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن عبد الله بن عمر، رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال ...... "ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۲۳، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، قديمى)

"وقت صلاة الفجر .... من أول طلوع الفجر الثاني، و هو البياض المنتشر المستطير لاالمستطيل، إلى قبيل طلوع ذكاء -بالضم، غير منصرف، اسم الشمس- اهـ". (الدر المختار: ۱/۳۵۷، ۳۵۹، كتاب الصلوة، سعيد)

(وكذا في مبسوط السرخسي، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۸۸، المكتبة الغفاريه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۵۵۸، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان، دار الكتب العلمية بيروت)

سورج طلوع ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے اور وقتِ اشراق

سوال[۲۱۳۰]: جب سورج نکلنا شروع ہوتا ہے تو کتنے منٹ میں پورا نکل آتا ہے اور اشراق کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورج جب نکلنا شروع ہوتا ہے تو دو منٹ چوبیس سکنڈ میں پورا نکل آتا ہے، پھر جب اس کی طرف نظر نہ کی جاسکے اور بالکل سفید ہوجائے تب اشراق کا وقت شروع ہوجاتا ہے، عامۃً بیس منٹ کے بعد بالکل سفید ہوجاتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

دھوپ سے عصر کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ

سوال[۲۱۳۱]: ہمارے یہاں راجستھان میں آج کل طلوع وغروب کے اوقات میں اور یہاں کے اوقات میں بارہ منٹ کا فرق ہے، حسینی دوامی جنتری میں یہاں کا طلوع آفتاب کا وقت ۶:۳۳ اور نصف النہار کا وقت ۱۲:۳۰، اور غروبِ آفتاب کا وقت ۶:۳۹ لکھا ہے اور ہمارے یہاں ۱۲/ منٹ بعد یہ اوقات ہوتے ہیں، یعنی ۶:۴۵ پر طلوع آفتاب اور ۱۲:۴۲، پر نصف النہار اور ۶:۵۱، پر غروب آفتاب، اس لحاظ سے ہمارے یہاں اگر عصر کی نماز ساڑھے چار بجے ہو تو کیا صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت سورج بالکل سر پر ہو، کسی سیدھی چیز مثلاً لکڑی زمین میں گاڑ کر

---

(۱)" وكره تحريماً مع شروق". "قوله: مع شروق، و ما دامت العين لا تحار فيها، فهي في حكم الشروق، كما تقدم في الغروب أن الأصح كما في البحر:

أقول: ينبغي تصحيح ما نقلوه عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح، فهي في حكم الطلوع؛ لأن أصحاب المتون مشوا عليه في صلاة العيد حيث جعلوا أول وقتها من الارتفاع، و لذا جزم به هنا في الفيض و نور الإيضاح". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۱، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصلوة: ۱/۷۴، ۷۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، بحث فروع في شرح الطحاوي: ۲۴۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، اس کو سایۂ اصلی کہتے ہیں، پھر جب اس لکڑی کا سایہ دومثل ہوجائے سایۂ اصلی کے علاوہ تب عصر کا وقت شمار کیا جائے گا، مثلاً لکڑی ایک گز کی ہے اور سورج سر پر ہونے کے وقت اس کا سایہ ایک بالشت ہے تو جب اس کا سایہ دوگز اور ایک بالشت ہوجائے گا تو سمجھئے کہ عصر کا وقت ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

عصر کا وقت

سوال[۲۱۳۲]: حنفیہ کے نزدیک نمازِ عصر کا ابتدائی وقت انگریزی مہینوں کے حساب سے یعنی جنوری میں جو وقت ہے کب تک رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقت بلکہ کوئی وقت ایسا نہیں جو گھڑی کے اعتبار سے یکساں ہو بلکہ طلوع، غروب کے اعتبار سے مختلف شہروں کا وقت متفاوت ہے(۲)، اس لئے آپ اپنے شہر کے طلوع غروب کا سالانہ نقشہ کسی کتب خانہ سے لے کر رکھ لیں، عامۃً تاجر لوگ دیگر کتب کی طرح یہ نقشہ بھی برائے فروخت رکھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه سوى فيء الزوال، و وقت العصر منه إلى الغروب. ولو لم يجد ما يغرز أشار إلى أنه إن وجد خشبةً، يغرزها في الأرض قبل الزوال ، و ينتظر الظل مادام متراجعاً إلى الخشبة، فإذا أخذ في الزيادة حفظ الظل الذى قبلها، فهو ظل الزوال". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۵۹، ۳۶۰، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۸۰، امداديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت : ۱/ ۵۱، رشيديه)

(۲) "[تنبيه] قال فى الفيض: و من كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر مالم تغرب الشمس عنده، و لأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله، و كذا العبرة فى الطلوع فى حق صلاة الفجر أو السحور". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده : ۲/ ۴۲۰، سعيد)

ایک مثل پر عصر کی نماز

سوال[۲۱۳۳] : زید نے سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھی، زید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقلد ہے، اس کی نماز ہوگئی یا اعادہ واجب ہے؟ اگر نماز ہوگئی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ عصر کا وقت ہے اور ظہر کا وقت نکل گیا، اب اگر عمر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر میں آج کی ظہر کی ادا پڑھوں تو تین طلاق ہے، اور ایک مثل کے بعد دو مثل پورے ہونے سے پہلے ظہر پڑھی تو عمر کی بیوی کا کیا حکم ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کو صاحبین کے قول کے موافق اس نماز کا اعادہ لازم نہیں، نماز صحیح ہوگئی، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے : "و بقولهما نأخذ"(۱)۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کا وقت سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہونے تک رہتا ہے، اس لحاظ سے شخصِ مذکور کی ظہر کی نماز ادا ہوئی (۲)۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مثل تک رہتا ہے اس اعتبار سے اس کی یہ ظہر کی نماز قضا ہوئی (۳)۔ دونوں قولوں کو مختلف حضرات فقہاء نے اختیار کیا ہے (۴)۔

---

(۱) قال العلامة الطحطاوی :" وقول الطحاوی: و بقولهما نأخذ، يدل على أنه المذهب". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، ص: ۱۷۶، قديمی)

(و كذا فی الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(۲) "ووقت الظهر من زواله: أی ميل ذُكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه و عنه مثله .... سوى فیء الزوال". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(و كذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة : ۱/۵۱ ، رشيديه)

(۳) "وروى الحسن عن أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن آخر وقتها إذا صار ظل كل شیء مثله سوى فیء الزوال، و هو قول أبی يوسف ، و محمد ، و زفر ،والحسن ، والشافعی". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فی بيان شرائط الأركان: ۱/۵۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا فی الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(۴) "ووقت الظهر من زواله: أی ميل ذُكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، و عنه مثله ، و هو قولهما و زفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوی: و به نأخذ، و فی غرر الأذكار : و هو المأخوذ به، =

عمر کو ملکِ بضع بذریعۂ نکاح متعین طریق پر حاصل ہے اس کے خروج کے لئے بھی غیر مشکوک متعین درجہ درکار ہے: "إذا لقاء منة الأثار لا ينقض الوقت بالشك" بحر (۱)۔ وقت کے اندر پڑھنا ادا ہے۔ یہاں تعارضِ آثار کی وجہ سے وقت کے منقضی ہوجانے میں شک ہے اور شک سے وقت پر خارج ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲)، اسی شک پر طلاق کے وقوع کا بھی حکم نہیں ہوگا: "علم أنه حلف و لم يدر الطلاق أو غيره، لغا كما لوشك أطلّق أم لا". درمختار (۳)۔

طلاق أبغض المباحات بھی ہے اس لئے اس سے بھی ممکن اجتناب چاہئے (۴)۔ وقت مذکور میں عصر کو غیر صحیح قرار دینے سے فریضہ ذمہ میں باقی رہتا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو گناہ سے بچانے کے لئے اس کی

= و في البرهان: و هو الأظهر، لبيان جبريل ، و هو نص في الباب. وفي الفيض: و عليه عمل الناس اليوم، و به يفتى". (الدرالمختار).

قال ابن عابدينؒ: " (قوله: إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية ، وهو الصحيح، بدائع، و محيط ، و ينابيع. و هو المختار، غياثيه. واختاره الإمام المحبوبي .... و في رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر، ولا يدخل وقت العصر إلا بالمثلين، ذكرها الزيلعي وغيره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة : ۱/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۵، رشيديه)

(۱) "إذا تعارضت الآثار لا ينقض الوقت بالشک". (البحر الرائق، كتاب الصلوة : ۱/۴۲۵ ، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان : ۱/۵۲۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة : ۱/۲۹۰، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(۲) (راجع رقمها الحاشية : ۱)

(۳) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح : ۱/۲۸۳ ، سعيد)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزو جل الطلاق". (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في كراهية الطلاق : ۱/۲۹۶ ، دار الحديث ملتان)

نماز کو صحیح کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۳ھ۔

مثلِ اول پر عصر کی نماز

سوال [۲۱۳۴]: زید مسجد اہلِ حدیث میں امام ہے حالانکہ زید حنفی ہے، مگر مسجدِ اہل حدیث میں امام ہونے کی وجہ سے نمازِ عصر وقتِ عصر شافعی میں پڑھاتا ہے جو وقتِ حنفی سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اب اگر زید نماز پڑھا دینے کے بعد وہ وقت حنفی میں نمازِ عصر کا پھر تنہا اعادہ کرے تو زید کی نماز اور اہلِ حدیث حضرات کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ زید نماز کا اعادہ کرے یا نہیں؟ دیگر اوقات گو کہ اولِ وقت میں پڑھاتا ہے مگر یہ اوقات حنفیہ کے نزدیک بھی مسلَّم ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قولِ مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے (۲)، مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثلِ واحد کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ صحیح نہیں کہ اہلِ حدیث کو نماز پڑھادے اور پھر اپنی نماز کا اعادہ کرلیا کرے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو نماز ان کو پڑھائی ہے وہ زید کے نزدیک صحیح نہیں ہوئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "فعندهما إذا صار ظل كل شيء مثله، خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، و هو رواية محمد عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر". (المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۰، المتكبة الغفاريه كوئٹه)

(۲) "(قوله: إلى بلوغ الظل مثليه)، هذا ظاهر الرواية عن الإمام، نهاية. وهو الصحيح بدائع، ومحيط، وينابيع. و هو المختار غياثيه، واختاره الإمام المحبوبي". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(۳) "ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه و عنه مثله، و هو قولهما و زفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: و به نأخذ". (الدرالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

مثلِ اول پر عصر پڑھنے کی تفصیل

سوال[۲۱۳۵]: اس ادارہ میں کوکن کے اور کچھ دوسرے علاقہ کے حنفی طلباء بھی تعلیم پاتے ہیں اور چند مدرسین بھی حنفی المسلک ہیں۔ سوال درپیش یہ ہے کہ چونکہ ہم شوافع کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے بعد ہوتا ہے اور احناف کا مسلک دو مثل کا ہے۔ لہٰذا یہ طلباء و مدرسین شوافع کے ساتھ عصر کی نماز ادا کریں تو درست ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں چند امور ضرور ملحوظ خاطر رہیں:

۱: صاحبین ایک مثل کے قائل ہیں۔ ۲: علاقہ شافعی ہے۔

لہٰذا یہاں ایک مثل پر نماز ہوتی ہے، اگر دو مثل پر پڑھیں تو انتشار بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہے، یہ معاملہ گاہے گاہے کا نہ ہوگا، بلکہ روزانہ کا ہوگا۔ اگر ایک مثل پر روزانہ نماز ادا کرنا درست نہ ہو تو کیا حنفی المسلک طلباء و اساتذہ کے لئے دوبارہ اذان دینا ہوگی، یا ایک مثل کی اذان کافی ہوگی؟ نیز یہ دوسری جماعت مسجد میں قائم کی جاسکتی ہے، یا جماعتِ ثانیہ میں شمار ہو کر مسجد کے علاوہ کہیں قائم کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً ہمیشہ مثلِ واحد پر نماز عصر ادا کرنا گویا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترک کرنا ہے(۱) اس لئے ایسا نہ کیا جائے، کبھی اتفاقیہ ایسی نوبت آجائے تو اَمرِ آخر ہے، اگر مثلین پر نماز ادا کی جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ و امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کے نزدیک بالاتفاق نماز ہوجائے گی (۲)۔ اگر

---

(۱) "إعلم أن الروايات عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ اختلفت في آخر وقت الظهر، روى محمد عنه: إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر، وهو الذي عليه أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، باب المواقيت: ۲۱۹/۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة: ۳۵۹/۱، سعيد)

(۲) "والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين في وقتهما بالإجماع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۳۵۹/۱، سعيد)

مصالح سمجھ کر یہ صورت اختیار کرلی جائے کہ مثلین پر سب آمادہ ہوجائیں تو اعلیٰ بات ہے(۱) لیکن اس کی خاطر مجبور نہ کیا جائے نہ خلفشار۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو حنفی حضرات دوسری مسجد میں جاکر مثلین پر جماعت کرلیا کریں، یہ بھی نہ ہوسکے تو مدرسہ کے ایک کمرہ میں مثلین پر جماعت کرلیا کریں، اذان زیادہ بلند آواز سے کہنے کی ضرورت نہیں اتنی آواز کافی ہے کہ مدرسہ کے مدرسین وطلباء سن لیں جن کو نماز مثلین پر پڑھنی ہے۔

جہاں تک ہوسکے خلفشار اور فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے۔ حق تعالیٰ مدرسہ کو ترقی دے اور علم وعمل کی صحیح اشاعت کا ذریعہ بنائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

مثلین سے پہلے عصر کی نماز

سوال [۲۱۳۶]: ۱..... آج کل ہمارے یہاں ساڑھے چھ بجے غروب آفتاب ہے، اب اگر مسجد میں ساڑھے چار بجے اذانِ عصر اور جماعت پونے پانچ بجے ہو تو فقۂ حنفی کی رو سے یہ اذان اور جماعت عصر دونوں قبل از وقت سمجھی جائیں گی اور دونوں واجب الاعادہ ہوں گی، یا صرف اذان قبل از وقت سمجھی جائیں گی؟

(۱) "قال المشايخ: ينبغي أن لا يصلى العصر حتى يبلغ المثلين، و لا يؤخر الظهر إلى أن يبلغ المثل ليخرج من الخلاف فيها". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، بحث: فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۲۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "والفقير أقول مثل قوله فيما يتعلق باقتداء الحنفي بالشافعي، الفقيه المصنف يسلم ذلک:

و أنا رملي فقه الحنفي لامرا بعد اتفاق العالمين ملخصاً

أى لاجدال بعد اتفاق عالمي المذهبين: وهما رملي الحنفية يعني به نفسه و رملي الشافعية رحمهما الله تعالى، فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل.......... اهـ.

والذى يميل إليه القلب عدمُ كراهة الاقتداء بالمخالف ما لم يكن غير مراع في الفرائض؛ لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمةً مجتهدين و هم يصلون خلف إمام واحد تباين مذاهبهم. وإنه لو انتظر إمامَ مذهبه بعيداً عن الصفوف، لم يكن إعراضاً عن الجماعة للعلم بأنه يريد جماعةً أكمل من هذه الجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۳، ۵۶۴، سعيد)

اور عصر کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

عصر اور مغرب کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟

سوال[۲۱۳۷]: ۲.....سایہ اصلی چھوڑ کر ابتدائے مثلین سے غروبِ آفتاب تک دو گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے یا پونے دو گھنٹہ کا، اور کس موسم میں یہ فاصلہ دو گھنٹہ کا ہوتا ہے؟

۳.....ابتدائے مثلین سے غروبِ آفتاب تک کا درمیانی فاصلہ گرمی سردی وغیرہ اختلافِ موسم کی بناء پر بدلتا رہتا ہے یا ہمیشہ یکساں ہی رہتا ہے؟ اگر درمیانی فاصلہ بدلتا ہے تو کس موسم میں کس جگہ، تقریباً کتنے منٹ کا فرق رہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر مثلین پر جماعتِ عصر ہوئی تو بالاتفاق اس کا اعادہ نہیں (۱)، اذان کچھ پہلے ہوئی ہو تو اس کی وجہ سے جماعت کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ مثلین سے کچھ پہلے مثلِ واحد کے بعد جو جماعت ہو جائے اس کا بھی ایک قول پر اعادہ نہیں (۲)۔ علمائے احناف حرمین شریفین میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کرتے جو کہ بالیقین مثلین سے پہلے ہوتی ہے (۳)۔

---

(۱) "اعلم أن الروایات عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ اختلفت فی آخر وقت الظهر، روی محمد عنه: إذا صار ظل کل شیء مثلیه سوی فیء الزوال، خرج وقت الظهر و دخل وقت العصر، وهو الذی علیه أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر، باب المواقیت: ۲۱۹/۱، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ: ۳۵۹/۱، سعید)

(۲) "و روی الحسن عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أن آخر وقتها إذ صار ظل کل شیء مثله سوی فیء الزوال، و هو قول أبی یوسف، و محمد، و زفر، والحسن، والشافعی". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان شرائط الأرکان: ۵۲۱/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ: ۳۵۹/۱، سعید)

(۳) "وانظر هل إذا لزم من تأخیره العصر إلی المثلین فوتُ الجماعة یکون الأولیٰ التأخیر أم لا؟ والظاهر الأول، بل یلزم لمن اعتقد رجحان قول الإمام، تأمل". (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ: ۳۵۹/۱، سعید)

۲...... یہ سب جگہ اور ہمیشہ یکساں نہیں (۱)۔

۳...... بدلتا رہتا ہے، سردی میں کم ہوتا ہے، مقامات کے لحاظ سے تفاوت بھی مختلف ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۵ھ۔

عصر کی نماز کی ابتداء کامل وقت میں اور اختتام ناقص وقت میں

سوال [۲۱۳۸]: سببِ وجوبِ نماز جزء متصل الاداہوتا ہے، اس بنا پر علمائے احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عصر کی نماز وقتِ مکروہ میں شروع کرے اور پھر اثنائے صلوۃ میں آفتاب غروب ہوگیا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی، کیونکہ "أداہ کما وجب" پایا گیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عصر کی نماز وقتِ کامل میں شروع کرے اور نیت باندھنے کے بعد وقتِ ناقص شروع ہوگیا، لیکن ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا ہے تو اس کی یہ نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ شبہ کی وجہ یہ پیش آئی کہ "أداہ کما وجب" نہیں پایا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی یہ نماز صحیح ہوگی، آپ کا شبہ اور اس کا جواب شرح منیۃ المصلی ص: ۲۴۷ میں مذکور ہے: "فقد

---

(۱) "و یختلف باختلاف الزمان والمکان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدینؒ: "(قوله: و یختلف باختلاف الزمان): والمکان أی طولاً و قصراً أو انعداماً بالکلیة، کما أو ضحه ح". (ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۰، سعید)

(وکذا المبسوط، باب مواقیت الصلوة: ۱/ ۲۸۹، المکتبة الغفاریه کوئٹه)

(وکذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوة: ۱/ ۶۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "ولکنا نستدل بقول الله تعالیٰ: ﴿لدلوک الشمس﴾ [سورة الإسراء: ۷۸]: أی لزوالها والمراد من الفیء مثل الشراک الفیء الأصلی الذي یکون للأشیاء وقت الزوال، و ذلک یختلف باختلاف الأمکنة والأوقات، فاتفق ذلک القدر فی ذلک الوقت". (المبسوط، کتاب الصلاة، باب مواقیت الصلوة: ۱/ ۲۸۹، المتکبة الغفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۰، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوة: ۱/ ۶۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

يقال: فينبغي أنه لو شرع فيها أول الوقت قبل الاصفرار، ثم اصفرت، و هو في خلالها أن تفسد لعروض النقصان على ما وجب بالسبب الكامل، والجواب أن الشرع لما جعل للمكلف شغل كل الوقت بالعبادة، و هو العزيمة، فقد اغتفر في حقه مالا يمكن ذلك إلا به لكونه من جملة أجزاء الوقت به"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۳ھ۔

اذانِ مغرب کے بعد نماز کتنی تاخیر سے ہونی چاہیے؟

سوال[۲۱۳۹]: مغرب کی اذان کے بعد نماز میں کس قدر تاخیر مناسب ہے؟ بعض جگہ بہت ہی جلدی کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اتنا وقفہ کر لینا چاہئے کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو کر صف میں پہنچ جائے اور اذان کے بعد دعاء بھی پوری ہو جائے (۲) جب مؤذن موجود ہو تو بہتر ہے کہ وہی تکبیر کہے یا دوسرے کو اجازت دیدے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، بحث: فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۴۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۰، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲، رشيديه)

(۲) "و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب، إلا في المغرب فيسكت قائماً ثلاث آيات قصار، و يكره الوصل إجماعاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۱/۵۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۴، رشيديه)

(۳) "و منها: أن من أذن فهو الذي يقيم، و إن أقام غيره فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۲۴۸، دارالكتب العلميه بيروت) .... =

کیا مغرب اور فجر کا وقت برابر ہے؟

سوال[۲۱۴۰]: نقشہ دائمی (جو سید طاہر حسین صاحب کا تیار کردہ اور مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب، مولوی حاجی کرامت اللہ صاحب، مفتی نورالدین صاحب کا تصدیق شدہ ہے) میں تحریر ہے کہ مغرب کا وقت بھی فجر کے برابر ہے، یعنی ایک گھنٹہ بیس منٹ ہے، مگر ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت تارے چمکنے پر ختم ہوجاتا ہے، صرف آدھ گھنٹہ ہے۔ کون سا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کا وقت اور مغرب کا وقت تقریباً برابر ہیں، محض تارے چمکنے پر مفتی بہ قول کے موافق ختم نہیں ہوتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۰ھ۔

وقتِ مغرب کی توضیح

سوال[۲۱۴۱]: مغرب کی نماز کا وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد فوراً شروع ہوجاتا ہے یا کچھ دیر بعد شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ غفلت کر کے نماز کے وقت کو باطل کر دیا تو اب نماز ادا ہوگی یا قضاء؟

= (وكذا في الفتاوى العالمكيريه، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته واحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، رشيديه)

(۱) "وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم يغب الشفق .... ثم الشفق هو البياض الذى في الافق بعد الحمرة عند أبي حنيفة، وعندهما هو الحمرة". (الهدايه، كتاب الصلوة، باب المواقيت: ۱/۸۱، ۸۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۶، ۴۲۷، رشيديه)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۲، ۲۹۳، مكتبه الغفاريه كوئٹه)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، جوابِ سوال نمبر: ۴۱، ۴۲، سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغرب اور فجر کے وقت برابر ہیں۔ (۲/۴۷، امدادیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورج غروب ہوتے ہی فوراً مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے، جب بادل ہو تو کسی قدر احتیاط کرلی جائے تاکہ غروب کا یقین ہوجائے (۱)۔غروب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک آسمان پر سرخی رہتی ہے، پھر کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے، مغرب کی نماز کا وقت سفیدی ختم ہونے پر ختم ہوجاتا ہے، احتیاط یہ ہے کہ سرخی ختم ہونے سے پہلے ہی نماز مغرب سے فراغت کرلی جائے (۲)، دیر کرنے سے نماز مکروہ ہوگی قضاء ہوجانے کا بھی اندیشہ ہے (۳)، نماز کو قضاء کرنا وقت پر ادانہ کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس پر سخت وعید آئی ہے، کذا فی الزواجر عن اقتراف الکبائر (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مغروب کا کل وقت کتنا ہے؟

سوال[۲۱۴۲]: مغرب کا وقت اذان مغرب کے بعد کتنے گھنٹے رہتا ہے؟

---

(۱) "و في يوم الغيم المستحب تأخير الفجر والظهر والمغرب و يؤخر المغرب لكيلا يقع قبل غروب الشمس". (المبسوط ،باب مواقيت الصلوة : ۱/۳۰۰ ، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(۲) "ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق و هو الحمرة عندهما، و به يفتى، هكذا في شرح الوقاية. وعند أبي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة، هكذا في القدوري. و قولهما أوسع للناس، و قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أحوط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في أوقات الصلوة: ۱/۵۱، رشيديه)

(۳) "و يكره تأخيرها إلى اشتباك النجوم لرواية أحمد: "لا تزال أمتي بخير مالم يؤخّروا المغرب حتى تشتبك النجوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة : ۱/۴۳۱ ، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فخلف من بعدهم خلفٌ أضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات، فسوف يلقون غيًّا، إلا من تاب﴾ قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه :ليس معنى "أضاعوها" تركوها بالكلية ، و لكن أخروها من أوقاتها.

[تنبيهات] منها : عدما ذكر من أن كلاً من ترك الصلوة و تقديمها على وقتها و تأخيرها عنه بلا عذر كبيرة". (الزوجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر المكي الهيثمي : ۱/۱۳۳، ۱۳۴. بحث الكبيرة السابعة و السبعون: تعمد تأخير الصلوة عن وقتها، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً :

مغرب کا وقت عامۃً ہمارے اطراف میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم رہتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، کیم/ رجب/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند،۲/ ۷/ ۸۸ھ۔

وقتِ عشاء اور تراویح

سوال[۲۱۴۳]: ۱.....شبینۂ متعارفہ جو ایک رات میں ہوتا ہے عندالشرع اس کا کیا حکم ہے؟اس میں اکثر کوتاہیاں قارئین وسامعین سے واقع ہوتی ہیں۔

۲.....نقشۂ سحر وافطار کے حساب سے ۲۰/ رمضان المبارک کو افطار ریواڑی کا ۶/ بجکر ۲۹/ منٹ پر تھا، شبینہ کی وجہ سے عشاء کی اذان ۷/ بجکر ۳۰/ منٹ پر دی گئی اور ۵/ منٹ بعد یعنی ۳۵/ پر جماعت کردی گئی۔لہٰذا اذان وجماعت ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو فرض ادا ہوا یا نہیں اور تراویح ہوئیں یا نہیں اور اس میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ممنوع ہے(مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے):"و یجتنب المنکرات هذرمة القرأة وترك تعوذ وتسمية وطمانينة و تسبيح واستراحة". درمختار مع رد المحتار ۱/ ۴۷۵(۲)۔

۲.....عشاء کا وقت مغرب کے وقت کے بعد شروع ہوتا ہے اور مغرب کا وقت غروبِ شفق تک رہتا ہے۔شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد حُمرت ہے،اسی کو مراقی الفلاح،ص:۵۹، میں مفتی بہ کہا

---

(۱) "وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس، و آخر وقتها مالم يَغِبِ الشفق .... ثم الشفق هو البياض الذى فى الأفق بعد الحمرة عند أبى حنيفة، و عندهما هو الحمرة". (الهداية، كتاب الصلوة: ۱/ ۸۱، ۸۲، باب المواقيت ، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الصلوة : ۱/ ۴۲۶، ۴۲۷، رشيديه)

(وكذا فى المبسوط، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱/ ۲۹۲، ۲۹۳، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(وكذا فى فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الصلوة، الباب الأول فى المواقيت : ۲/ ۴۷، امداديه ملتان)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل : ۲/ ۴۷ ، سعيد)

گیا ہے، یہی صاحبین کا قول ہے(۱)۔

دوم یہ کہ اس سے مراد بیاض ہے جو کہ حمرت کے بعد ہوتی ہے اور یہ امام صاحب کا قول ہے اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقویت کی ہے، بحر میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے(۲)۔ لہٰذا اگر اس روز ۷/ بجکر ۳۰/ منٹ پر شفقِ احمر غائب ہو چکی تھی مگر شفقِ ابیض غائب نہیں ہوئی تھی تو قولِ اول پر نماز و اذان درست ہوگی اور قولِ ثانی پر نہیں درست ہوئی، احتیاطاً فرضِ عشاء کا اعادہ کر لیا جائے اور بس(۳)۔

اور اگر شفقِ ابیض بھی غائب ہو چکی تھی تو دونوں قول پر نماز صحیح ہوگئی۔ اگر شفقِ احمر بھی غائب نہیں ہوئی تھی تو کسی کے قول پر بھی صحیح نہیں ہوئی، فرض نماز کا اعادہ ضروری ہے(۴)، سنن وتراویح کا اعادہ نہیں، نماز وتر تو

---

(۱) "وأول وقت المغرب منه: أى غروب الشمس إلى قبيل غروب الشفق الأحمر على المفتى به، و هو رواية عن الإمام، و عليها الفتوى، و بها قالا، لقول ابن عمر: "الشفق الحمرة". و هو مروى عن أكابر الصحابة، وعليه إطباق أهل اللسان، ونُقِل رجوع الإمام إليه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة: ۱۷۷، ۱۷۸، قديمى)

(۲) "(قوله: و هو البياض): أى الشفق هو البياض عند الإمام و هو مذهب أبى بكر الصديق، وعمر و معاذ وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم .... وقال في آخره: فثبت أن قول الإمام هو الأصح الخ، و بهذا ظهر أنه لا يفتى و يعمل إلا بقول الإمام الأعظم". (البحرالرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الصلوة، باب المواقيت: ۱/۲۲۲، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) "وأول وقت العشاء حين يغيب الشفق. واختلفوا فى تفسير الشفق: فعند أبى حنيفة: هو البياض، وهو قول أبى بكر الصديق، وعمر و معاذ وعائشة –رضى الله تعالىٰ عنهم– وعند أبى يوسف و محمد وزفر و الشافعى رحمهم الله تعالىٰ: هو الحمرة، و هو قول عبد الله بن عباس و عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم". (بدائع الصنائع، فصل فى بيان شرائط الأركان: ۱/۵۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳) أى: فرضاً مؤقتاً، حتى لا يجوز أداء الفرض قبل وقته إلا صلاة العصر يوم عرفة على ما يذكر". (بدائع الصنائع، فصل فى بيان شرائط الأركان: ۱/۵۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومن الشروط الوقت للفرائض الخمس بالكتاب والسنة والإجماع على اشتراط فى عدة من المعتمدات ...... و يشترط اعتقاد دخوله لتكون عبادةً بينةً جازمةً؛ لأن الشك ليس بجازم، حتى لو صلى و عنده أن الوقت لم يدخل فظهر أنه كان قد دخل، لا تجزيه؛ لأنه لما حكم بفساد صلاته بناه على دليل شرعى و هو تحرّيه لا ينقلب جائزاً إذا ظهر خلافه، و يخاف عليه فى دينه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۲۱۵، قديمى)

بعد تراویح جب پڑھی تب تو وقت میں کوئی تردد نہیں رہا ہوگا(۱) اس کا بھی اعادہ نہیں (۲)۔

تنبیہ: غروبِ شفق کا وقت اختلافاتِ زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عشاء کی نماز رات تین بجے

سوال[۲۱۴۴]: عشاء کی نماز اگر ایک یا دو یا تین بجے رات میں پڑھی جائے تو یہ ادا ہوگی یا قضاء؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت پڑھنے سے بھی نماز ادا ہی ہوگی قضاء نہیں ہوگی، مگر اتنی دیر تک مؤخر نہ کریں، جماعت کے ساتھ وقت مقررہ پر ادا کریں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۳ھ۔

---

(۱) "ووقت العشاء والوتر منه إلى الصبح، و لكن لايصح أن يقدم عليها الوتر إلا ناسياً لوجوب الترتيب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۱، سعيد)

(۲) "وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة -لف ونشر مرتب- اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۶۶، سعيد)

(۳) "[تنبيه] قال في الفيض: و من كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر مالم تغرب الشمس عنده، و لأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله، و كذا العبرة في الطلوع في حق صلاة الفجر أو السحور". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده: ۲/۴۲۰، سعيد)

(۴) "وتأخير عشاء إلى ثُلث الليل، قيده في الخانية بالشتاء، أما الصيف فيندب تعجيلها، فإن أخرها إلى مازاد على النصف، كره لتقليل الجماعة، أما إليه فمباح". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۰، رشيديه)

بارہ بجے کے بعد نمازِ عشاء

سوال[۲۱۴۵]: کیا بارہ بجے کے بعد عشاء کی نماز مکروہ ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نصفِ شب کے بعد تک نمازِ عشاء کو مؤخر کرنا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عشاء، سحری، تہجد وغیرہ کے اوقات

سوال[۲۱۴۶]: کیا نمازِ عشاء اور نمازِ تہجد اور سحری کھانے کے وقت کی انتہا ایک ہے، یعنی صبح صادق کے اندر تک ان تینوں کی انتہا ہے؟ اور تہجد کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور اس کی انتہا کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان سب کا انتہائی وقت ایک ہے۔ طلوعِ صبحِ صادق سے کچھ دیر پہلے سحری کھانا افضل ہے، سحری میں دیر چاہئے، مگر نہ اس قدر کہ صبح صادق ہوجانے کا شک ہوجائے بلکہ اس سے پہلے پہلے ختم ہونی چاہئے(۲)۔ اور تہجد

---

(۱) "(فإن أخرها إلى ما زاد على النصف)، كره لتقليل الجماعة، أما إليه فمباح". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۸، سعيد)

(وكذا بدائع الصنائع، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۷، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(۲) "وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق على القولين، وآخره ما لم يطلع الشمس: أى الجزء الذى قبيل طلوع الفجر من الزمان". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، بحث: فروع في شرح الطحاوى، ص: ۲۲۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

"التسحر مستحب، و وقته آخر الليل. قال الفقيه أبو الليث: و هو السدس الأخير، هكذا في السراج الوهاج. ثم تأخير السحور مستحب، كذا في النهاية. و يكره تأخير السحور إلى وقت يقع فيه الشك، هكذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره: ۱/۲۰۰، رشيديه)

کا وقت بھی عشاء کے بعد تمام رات ہے، لیکن سو کر اٹھ کر پڑھنا زیادہ موجب ثواب ہے اور سب سے آخر میں پڑھنا افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

تہجد اور وتر کا آخری وقت

سوال[۲۱۴۷]: غلبۂ نیند کی وجہ سے نماز تہجد کی پابندی نہیں ہوتی، سو تہجد اور وتر کی نمازوں کا آخری وقت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق پر تہجد اور وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اگر ابھی آخر شب میں اٹھنے کی عادت پختہ نہیں تو وتر

---

(۱) "وصلاة الليل واقلها –على ما في الجوهرة– ثمان، و لو جعله أثلاثاً، فالأوسط أفضل، و لو أنصافاً فالأخير أفضل". (الدر المختار) . "وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في الاصطلاح التطوع بعد النوم، وأيد بما في معجم الطبراني من حديث الحجاج بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال : "يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد: المرء يصلي الصلاة بعد رقدة". غير أنه في سنده ابن لهيعة، وفيه مقال .... أقول : الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيان لكون وقته بعد صلوة العشاء، حتى لو نام، ثم تطوع قبلها، لا يحصل السنة، فيكون حديث الطبراني الثاني مفسراً للأول، وهو أولى من إثبات التعارض والترجيح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲۴/۲، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، باب النوافل والسنن :۴۹/۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

"ولو أراد أن يقوم نصفه و ينام نصفه، فقيام نصفه الأخير أفضل لقلة المعاصي فيه غالباً، وللحديث الصحيح: "ينزل ربنا إلى السماء الدنيا في كل ليلة حين يبقى ثلث الليل الأخير، فيقول : "من يدعوني فأستجيب له؟ و من يسألني فأعطيه؟ من يستغفرني فأغفر له)". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل : ۲۵/۲، سعيد)

سونے سے پہلے ہی پڑھ لیا کریں (۱) قضاء کرنا گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۷ھ۔

تہجد کا وقت

سوال [۲۱۴۸]: تہجد کی نماز کب لاگو ہوتی ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کوئی انسان رات بھر نہ سوئے اس پر تہجد کی نماز لاگو نہیں ہوتی، وہ کہتا ہے کہ ایک نیند نکالنے کے بعد ہی نماز تہجد لاگو ہوتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۃً بعد عشاء لوگ سو جاتے ہیں پھر اٹھ کر نماز پڑھی جاتی ہے تو وہ تہجد کہلاتی ہے (۳)، لیکن اس کا

---

(۱) "والوتر إلى آخر الليل لمن يثق بالانتباه: أي ندب تأخير الوتر إلى آخر الليل إذا كان يثق من نفسه أنه ينتبه ليصلي، ليكون الوتر حتماً لقيام الليل كله، لقوله عليه السلام: "اجعلوا آخر صلاتكم من الليل وتراً". رواه البخاري و مسلم وغيرهما. فإن لم يثق بالانتباه، أوتر قبل النوم لحديث جابر رضي الله تعالىٰ عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال: "أيكم خاف أن لا يقوم من آخر الليل، فليوتر ثم ليرقد، و من وثق بقيام من آخر الليل فليوتر من آخره، فإن قرأة آخر الليل محضورة و ذلك أفضل". رواه مسلم وغيره".

(تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۲۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾ و قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما و جماعة: تأخير هاعن وقتها". (روح المعاني: ۳۰/۲۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴/۷۱۸، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

(۳) "وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في الاصطلاح التطوع بعد النوم، وأيّد بما في معجم الطبراني من حديث الحجاج بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: "يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد إنما التهجد، المرء يصلي الصلاة بعد رقدة". غير أنه في سنده ابن لهيعة، وفيه مقال .... أقول: الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيانٌ لكون وقته بعد صلوة العشاء، حتى لو نام ثم تطوع قبلها، لا يحصل السنة، فيكون حديث الطبراني الثاني مفسراً للأول، و هوأولى من إثبات التعارض والترجيح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، الوتر والنوافل: ۲/۲۴، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، باب النوافل والسنن: ۷/۴۹، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

مطلب یہ نہیں کہ جو شخص تمام رات بیداری اور نماز میں مشغول رہے تو اس کا اجر عام تہجد سے کم ہے بلکہ اجر زیادہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کی نماز اول وقت میں

سوال[۲۱۴۹]: تقریباً چالیس برس سے ہماری مسجد میں اذان جمعہ کا وقت ایک بجے اور خطبہ پونے دو بجے ہے، یہ مسجد شہر کے وسط میں ہے، حنفیہ مذہب کی مرکزی جامع مسجد تصور ہوتی ہے، کیونکہ پرانی جامع مسجد اہلِ حدیث حضرات کے انتظام میں ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ پونے دو بجے ہو، دو فریق بن گئے ہیں۔ وقت کی تبدیلی ہمیشہ سے امام صاحب کے ذمہ تھی، اب وہ کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کا افضل وقت کیا ہے؟ تاخیر مناسب ہے یا عجلت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، نمازیوں کی سہولت کے لئے اگر کچھ تاخیر ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

---

(۱) (راجع أحسن الفتاوی: ۴۹۳/۳، سعید)

(۲) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس: ۱۲۳/۱، قدیمی)

(وإعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب أن وقت الجمعة بعد الزوال: ۴۵/۸، إدارة القرآن کراچی)

"و جمعة کظهر أصلاً واستحباباً فی الزمانین؛ لأنها خلفه". (الدر المختار). وقال ابن عابدینؒ: "(واستحباباً فی الزمانین): أی الشتاء والصیف، لکن جزم فی الأشباہ من فن الأحکام أنه لایسن لها الإبراد.......... وقال الجمهور: لیس بمشروع؛ لأنها تقام بجمع عظیم، فتأخیر ها مفض إلی الحرج و لا کذلک الظهر، موافقة الخلف لأصله من وجه لیس بشرط". (ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۳۶۷/۱، سعید)

نمازِ عید کا وقت

سوال[۲۱۵۰]: ۱.....نماز عید الفطر، عید الاضحیٰ میں اگر صبح سے بارش شروع ہوگئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہی، سرِ دست شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہو سکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے، جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہو سکے۔ تو کیا بعد دو بجے دن کے نماز عید الفطر یا نماز عید الاضحیٰ پڑھی جا سکتی ہے؟

۲.....اگر نہیں پڑھی جا سکتی تو کیا کیا کرنا چاہئے، کیسے نماز ادا ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....زوالِ آفتاب کے بعد نمازِ عیدین درست نہیں، مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہو سکے تو تیسرے دن پڑھی جائے:

"وابتداء وقت صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبل زوالها، وتؤخر صلوة عيد الفطر لعذر كالمطر ونحوه إلى الغد فقط، وتؤخر صلوة عيدالأضحى لعذر إلى ثلاثة أيام، اه". طحطاوی ومراقی الفلاح (۱)۔

۲.....نمبر ایک میں جواب آ گیا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شوال/ ۶۷ھ۔

قطبِ جنوبی وشمالی میں نماز روزہ کس طرح ہے؟

سوال[۲۱۵۱]: قطبِ شمالی وقطبِ جنوبی کے مسلمان جہاں چھ مہینہ رات اور چھ مہینہ دن رہتا ہے، وہاں کے لوگ روزہ نماز کس طرح پورا کرتے ہیں؟ گھڑی گھنٹہ کے اعتبار سے یا دن رات کے اعتبار سے؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۳۲، ۵۳۸، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۱، ۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۷۸، ۲۸۴، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريج المسئلة تحت عنوان: ''جمعہ کی نماز اول وقت میں''۔)

الجواب حامداً و مصلیاً :

قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی میں کیا ہوتا ہے، وہ لوگ کس طرح روزہ نماز ادا کرتے ہیں، اس کا جواب ان سے ہی حاصل کیجئے، پھر میرے پاس بھی بھیج دیجئے، اس کے بعد دیکھ لیا جائے گا کہ ان کا عمل موافق شرع ہے یا نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

چھ مہینہ دن، چھ مہینہ رات والے مقام پر نماز کی کیفیت

سوال [۲۱۵۲] : ا...... جس ملک میں چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن رہتا ہے وہاں دن والی نمازیں اور

---

(۱) ایسے مقامات میں نمازیں اندازہ سے ادا کی جائیں گی: ''روی مسلم عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الدجال ولُبثه فی الأرض أربعین یوماً، یومٌ کسنة ، و یومٌ کشهر ، و یومٌ کجمعة، و سائر أیامه کأیامکم، قلنا: فذلک الیوم الذی کسنة یکفینا فیه صلاة یوم؟ قال: ''لا، قدِّروا له قدره اهـ''. قال الأسنوی : و یقاس علیه الیومان التالیان ،والشهر الکمال وجوب القضاء استدلالاً بحدیث الدجال ، و تبعه ابن الشحنة فصحح فی ألغازه ، و ذکر فی المنح أنه المذهب ،ولاینوی القضاء لفقد وقت الأداء'' (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، ص: ۱۷۸، قدیمی)

''و فاقد وقتهما کبلغار ، فإن فیها بهما، فیقدر لهما، و لا ینوی القضاء لفقد وقت الأداء''.

(الدرالمختار، کتاب الصلاة: ۱/ ۳۶۲، سعید)

''وهو ما تواطأت علیه أخبار الإسراء من فرض اللہ تعالیٰ الصلوات خمساً بعد ما أمر أولاً بخمسین ، ثم استقر الأمر علی الخمس شرعاً عاماً لأهل الآفاق، لا تفصیل بین قطر و قطر''.

(ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۳، سعید)

''قال الرملی فی شرح المنهاج : و یجری ذلک فیما لو مکث الشمس عند قوم مدةً اهـ. قال فی إمداد الفتاح: قلت: وکذلک یقدّر لجمیع الآجال کالصوم والزکاة والحج والعدة وآجال البیع والسلم والإجارة ، و ینظر ابتداء الیوم، فیقدّر کل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما یکون کل یوم من الزیادة والنقص، کذا فی کتب الشافعیة، و نحن نقول بمثله؛ إذ أصل التقدیر معقول به إجماعاً فی الصلوات اهـ''.(رد المحتار، کتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة: ۱/ ۴۲۸، رشیدیه)

رات والی نمازیں دن میں ادا کرسکیں گے یا نہیں؟ اور اگر ادا کریں گے تو کس طرح ادا کرینگے، آیا گھنٹوں کے اعتبار سے یا کسی اَور اعتبار سے؟ جواب مدلل اور واضح تحریر فرمائیں۔

۲......نیز جس جگہ ادھر سورج غروب ہوا اور ادھر طلوع ہوا، اس کا کیا حکم ہے اور ہر دو ملک کس جگہ واقع ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱......گھنٹوں کے اعتبار سے ادا کریں گے، مگر محققینِ فنِ جغرافیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ مقامات غیر آباد ہیں، کسی حیوان کی زندگی وہاں دشوار ہے، ایسے مقامات کو ارضِ تسعین کہتے ہیں، منتہائے آبادی جزیرۂ لَولیٰ ہے، جس کا عرض خطِ استواء سے تریسٹھ درجہ ہے اور بعض ساڑھے چونسٹھ درجہ تک آبادی کے قائل ہیں۔ ''ناظورۃ الحق'' وغیرہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ازمنۂ متاخرۃ میں عرض ۶۶/ درجہ تک آبادی کے نشانات موجود تھے۔ گھنٹوں کی تعیین وتفصیل آفتاب کی گردش کے ماتحت ہوگی۔ پوری وضاحت مطلوب ہو تو مسٹر فریجر کے سوالات کے جوابات تحریر فرمودہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی دیکھئے، مجموعۃ الفتاویٰ میں بھی اس کا ذکر ہے(۱)۔

۲......اس مقام کا نام بلغار ہے، یہاں بعض ایام میں عشاء کا وقت نہیں ملتا، بلکہ غروب کے بعد جلد ہی آفتاب طلوع ہوجاتا ہے۔ مورخ مغربی ابن بطوطہ نے بھی ''تحفة النظار في غرائب الأمصار'' میں اپنا اس مقام پر پہونچنا درج کیا ہے(۲)۔ اس مقام والوں کے لئے نماز عشاء کے متعلق کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ فرض

(۱، ۲) ''مخفی نماند نصوصِ احکام مثلِ صوم و صلوة وغیرہ عامہ اند جمیع مکلفین جمیع بلاد در جمیع ازمان، بآنہا مکلف اند باختلافِ اقالیم و طولِ نہار وغیرہ در فرضیتِ صومِ رمضان تخللے نخواھد شد. وآنچہ بخیال میگزرد کہ درآن بود کہ طولِ نہار بغایت رسیدہ صومِ رمضان بر در ھمچو ایام موجبِ ھلاک است؟ دفعش اینکہ مدبرِ دو جہان و خلاقِ کون و مکان ھمچنانکہ احکامِ خود را عام کردہ ھمچنان بلاد را کہ درآن ادائے صوم خارج از طاقتِ بشریہ معلوم می شود، ومسکنِ بنی آدم نہ گردانید.

محققانِ فنِ جغرافیہ تصریح کردہ اند کہ آخر عمارت جزیرۂ لَولیٰ است کہ عرضش از خطِ استواء شصت وسہ درجہ [۶۳] است، و بعضی در عرض شصت و چھارو نیم درجہ ھم قائل وجودِ عمارت شدہ اند. و در ازمنۂ متأخرہ چنانکہ در ناظورۃ الحق وغیرہ مصرح است تا عرض شصت وشش نشان عمارت یافتہ شد. .... =

ہی نہیں (۱) اسی پر علامہ شامی نے فتویٰ دیا ہے (۲) اور اسی کے موافقت حلوانی اور مرغینانی نے کی ہے، اسی کو شرنبلالی اور حلبی نے راجح کہا ہے (۳)۔

تنویر الابصار میں لکھا ہے کہ فرض ہے، اندازہ سے پڑھیں، قضاء کی نیت نہ کریں ''برہان کبیر'' نے اسی

= علاوہ ازیں تحملِ مشاق باختلافِ تاثیراتِ آب و ہوائے اقالیم و بلاد اختلافِ قوی و امزجۂ انسانیہ مختلف می شودہ نمی بینی کہ بلغار کہ در اقلیمِ سابع واقع است، و در وسطِ آن اقلیم نہار طول شانزدہ ساعت میشود، و در بلغار در ایامِ صیف شب آنقدر قصیر میشود کہ در بعضِ او وارد شمسیہ ہمیں کہ شفق غروب معیار و صبح صادق طلوع میشود۔

در آنجا اہلِ اسلام بماہِ رمضان –خواہ در صیف واقع شود خواہ درشتا– روزہ میدارند، وآفاقیان کہ در آنجا وارد میشوند ہم روزہ دار میشوند، وکسی ہلاک نمی رسد۔

مؤرخ مغربی ابن بطوطہ کہ از رجالِ مأۃ ثامنہ است در رحلتِ خود کہ مسمی بہ ''تحفة الأنظار في غرائب الأمصار'' است می نویسید:

''وكنت سمعت بمدينة بلغار فأردت التوجه إليه لأرى ما ذُكر عنها من انتهار قصر الليلة، فرحلتُها فى رمضان، فلما صلينا المغرب أفطرنا وأُذِن بالعشاء في أثناء إفطارنا، فصلينا ها وصلينا التراويح والشفع والوتر، و طلع الفجر إثر ذلك ـ والله أعلم''۔ (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى ، كتاب الصلوة : ۱/ ۵۲، ۵۳، رشيديه)

(۱) ''و من لم يجد وقتيهما، لم يجبا''. (كنز الدقائق ، كتاب الصلوة: ۱/ ۱۷، رشيديه)

(۲) حضرت مفتی صاحبؒ نے علامہ شامی کی طرف عدمِ وجوبِ صلاۃ کی نسبت ہے، حالانکہ علامہ شامی کی عبارات سے وجوبِ صلوۃ مترشح ہوتی ہے، چنانچہ علامہ شامی کی عبارت یہ ہے:

''بقي الكلام فى معنى التقدير، والذى يظهر من عبارة الفيض أن المراد أنه يجب قضاء العشاء، بأن يقدر أن الوقت أعني سبب الوجوب قد وُجد .... كما يقدر وجوده فى أيام الدجال .... و يحتمل أن المراد بالتقدير المذكور هو ما قاله الشافعية من أنه يكون وقت العشاء فى حقهم بقدر ما يغيب فيه الشفق فى أقرب البلاد إليهم ، والمعنى الأول أظهر''. (ردالمحتار، كتاب الصلوة : ۱/ ۳۶۲، سعيد) وغير ذلک مما ذکره.

(۳) ''ووافقه الحلواني والمرغيناني ، و رجحه الشرنبلالي والحلبي''. (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۳، سعيد)

پرفتوی دیا ہے، کمال نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ابن شحنہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے(۱)۔ زیادہ بسط وتفصیل درکار ہوتو ردالمحتار اور بحر کا مطالعہ کیجئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۷/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

حالتِ سفر میں جمع بین الصلاتین

سوال[۲۱۵۳]: جمع بین الصلوتین بحالتِ سفر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلوتین سفر میں بھی جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

حنفی کا غیر حنفی کے پیچھے جمع بین الصلاتین کرنا

سوال[۲۱۵۴]: یومِ عرفہ نویں ذی الحجہ کو مسجدِ نمرہ میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں جماعت سے

---

(۱) "و فاقد وقتهما كبلغار ، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينة الشتاء مكلف بهما، فيقدر لهما، و لا ينوى القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير، واختاره الكمال ، و تبعه ابن الشحنة في ألغازه، فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۲،سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۲، سعيد).

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة : ۱/۴۲۸، رشيديه)

(۳)" ولا جمع بين فرضين في وقتٍ بعذر سفر و مطر خلافاً للشافعي، و ما رواه محمولٌ على الجمع فعلاً لا وقتاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة : ۱/۳۸۱ ، سعيد)

"ولا يجمع بين الصلاتين في وقتٍ واحدٍ، لا في السفر ولا في الحضر بعذرٍ مّا، ما عدا عرفة والمزدلفة، كذا في المحيط". (الفتاى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲ ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة : ۱/۴۳۸ ، رشيديه)

ایک ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، اس مسجد میں حنبلی امام نے اگر امامت کی تو ایسی حالت میں حنفی فقہ کی رو سے مصلی کو کیا قصر کرنا درست ہے جب کہ امام یہ دونوں نمازیں قصر ہی ادا کرتا ہے؟ حنبلی فقہ کی رو سے کیا چار پانچ میل پر قصر واجب ہو جاتا ہے، اس حالت میں حنفی مصلی جماعت سے عصر کی نماز ادا کرے یا الگ نماز پڑھ لے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں حنفی اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے، دونوں نمازیں الگ الگ اپنے وقت میں پڑھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۷ھ۔

اذان سے قبل نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۱۵۵]: اگر ہم صبح صادق یا اذانِ فجر سے پہلے فجر کی دو رکعت پڑھ لیں تو کیا ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق کے بعد اذانِ فجر سے پہلے اگر دو سنت پڑھیں تو ادا ہو جائیں گی (۲)، اگر صبح سے پہلے

---

(۱) "واطلق الإمام فشمل المقيم والمسافر، لكن لو كان مقيماً كإمام مكة، صلى بهم صلاة المقيمين، و لا يجوز له القصر و لا للحجاج الاقتداء به: أى فى حال قصره، (أما إذا صلى صلاة المقيمين فيقتدون به). قال الإمام الحلوانى: كان الإمام النسفى يقول: العجب من أهل الموقف يتابعون إمام مكة فى القصر، فأنىٰ يستجاب لهم أو يرجى لهم الخير و صلاتهم غير جائزة؟

قال شمس الأئمة: كنت مع أهل الموقف، فاعتزلت و صليت كل صلاة في وقتها و أوصيت بذلك أصحابى". (رد المحتار، كتاب الحج، فصل فى الإحرام: ۲/۵۰۵، سعيد)

(وكذا فى منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، فصل فى الإحرام: ۲/۵۹۱، رشيديه)

(۲) "عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن حفصة أم المؤمنين رضى الله عنهما أخبرته أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كان إذا سكت المؤذن من الأذان لصلوة الصبح و بدأ الصبح، ركع ركعتين خفيفتين قبل أن تقام الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب =

پڑھی تو ادا نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنتریوں سے اوقاتِ نماز کی تعیین

سوال[۲۱۵۶]: ہر شہر میں مقامی ریلوے وقت، پوسٹ کا وقت نماز کے لئے مقامی وقت میں آدھا گھنٹہ سے زیادہ فرق پڑ جاتا ہے، اس لئے شریعت کے مسئلہ سے واقف کرائیں تا کہ مقامی لوگوں کو وقتِ نماز صحیح معلوم ہو جائے، چند لوگوں نے ریڈیو کے وقت پر زور دیا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے دو تین سیکنڈ اور زیادہ بھی فرق پڑ جاتا ہے، گو ایک ہی میل کے اندر ہی واقع ہوتے ہیں۔ بجلی سے چلائی جانے والی ریڈیو رسدگاہ مدارس سے ہم تک ۱۰۰/کلومیٹر سے زائد ہے، چار پانچ منٹ کا فرق ہو جاتا ہے۔

اکثر مسجدوں میں صحیح وقت بتانے والی گھڑی مستعمل ہے جو بہت ہی قیمتی ہے، اس کے پُرزے گرمی اور جاڑے میں صحیح وقت بتاتے ہیں، ایسی گھڑی کا استعمال کرنا لازم ہے، یا اندازہ سے نماز ادا کر لینی چاہئے؟ مقامی وقت (جس مسجد میں) دریافت کر لینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اوقات الصلوۃ کے مطابق غروبِ آفتاب میں دس منٹ زیادہ کر لیتے ہیں۔ ایک مقام پر طلوع اور غروب میں کتنے منٹ کا اضافہ کر لینا چاہئے؟ شہر میں کئی مسجدیں ہوں ایک ساتھ اذان دینا ناممکن ہے۔ اگر آگے پیچھے ہو جائیں تو کیا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اوقاتِ نماز کی تعیین اصالۃً علاماتِ سماویہ سے کی جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور

= ركعتي سنة الفجر اهـ : ۱/۲۵۰، قديمي)

"ووقت صلاة الفجر من أول طلوع الفجر الثاني: أي قبيل طلوع ذُكاء". (الدرالمختار).

"(قوله: هو البياض الخ) فالمعتبر الفجر الصادق و هو الفجر المستطير في الأفق الذي ينتشر ضوءه في أطراف السماء، لا الكاذب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(۱) "و لا يجوز أداؤهما قبل طلوع الفجر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے (١)، انہیں علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ان علامات سے واقفیت نہ ہو، ابر وباراں وغیرہ کی وجہ سے علامات کا ظہور نہ ہو تو واقفینِ فن کی بنائی جنتریوں پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے، جس جنتری اور جس گھڑی پر صحت کا ظنِ غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو، اس کے مطابق عمل کر لینا براءتِ ذمہ کے لئے انشاء اللہ کافی ہے (٢)۔ طلوع، غروب، زوال، صبح صادق کا وقت ہر علاقہ میں

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ١٠٣)

"معناه أنه مفروض في أوقات معلومة معينة، فأجمل ذكر الأوقات في هذه الآية و بيّنها في مواضع أخرى من الكتاب من غير ذكر تحديد أوائلها و أواخرها، وبيّن على لسان الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تحديدها و مقاديرها". (أحكام القرآن للجصاص: ٢/٣٧٤، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن للصلوة أولاً و آخراً، وإن أول وقت صلوة الظهر حين تزول الشمس، وآخر وقتها حين يدخل وقت العصر. وإن أول وقت العصر حين يدخل وقتها، وإن آخر وقتها حين تصفر الشمس. وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق. وإن أول وقت العشاء الآخرة حين يغيب الأفق، وإن آخر وقتها حين ينتصف الليل. وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس". (جامع الترمذي: ١/٣٩، أبواب الصلوة، سعيد)

(ورواه الطحاوي في معاني الآثار، باب مواقيت الصلوة: ١/١٠٨، سعيد)

"و وقت الفجر من طلوع الفجر الثاني إلى طلوع ذُكاء، و وقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه سوى فيء الزوال، و وقت العصر منه إلى قبيل الغروب، ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق وهو الحمرة، و وقت العشاء والوتر منه إلى الصبح". (الدر المختار: ١/٣٥٧، ٣٦١، سعيد)

(٢) "فينبغي الاعتماد في أوقات الصلوة و في القبلة، على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها وإن لم تُفدِ اليقين، تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ١/٤٣١، سعيد)

"فإن لم يكن لوجود غيم أو لعدم معرفته بها، فبالسوال من العالم بها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ١/٤٣١، سعيد)

"أقول: و ينبغي أن يكون طبل المسحّر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، =

یکساں نہیں اس لئے اوقاتِ نماز میں بھی تفاوت ہوجاتا ہے۔ایک ہی شہر کی متعدد مساجد میں اگر اذانیں قدرے تفاوت سے ہوں تب بھی درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۴ھ۔

پاکستان سے شائع شدہ جنتریوں کا حال

سوال[۲۱۵۷]: پاکستان سے ایک تحقیق بسلسلۂ وقتِ فجر وعشاء شائع ہوئی ہے کہ صبح صادق کا وقت جو کہ جنتریوں میں چھپتا ہے وہ صحیح نہیں ہے، رمضان شریف میں اس وقت کے لحاظ سے نمازِ فجر قبل طلوع صبح صادق ہوجاتی ہے جب کہ متصل ختم وقت سحر پڑھی جاوے۔دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تحقیق آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نماز فجر متصل وقتِ سحر پڑھے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے فلکیات میں درک نہیں ہے، ایک دفعہ مدرسہ کی جانب سے افطار وسحر سے متعلق جنتری کا مرتب کرنا میرے سپرد کردیا گیا تھا، اس لئے صبح صادق، طلوع یا زوال، مثلین یا غروبِ شمس، غروبِ شفق کی تحقیق وتفتیش کے لئے متعدد جنتریوں کو سامنے رکھا، دوربین سے دیکھا، دھوپ گھڑی سے کام لیا، قطب نما وقبلہ نما سے مدد لی، ایک ہی مقام سے متعلق ایک سے لے کر ۱۸/ منٹ تک فرق نکلا۔تقریباً دو ہفتے تک کوشش کرکے معذرت کردی تھی کہ یہ کام میری بس کا نہیں۔

ایک ضلع کے ایک قصبہ میں ایک وقت سحری کھائی جارہی ہے اور اسی وقت دوسرے قصبہ میں نمازِ فجر ادا کی جارہی ہے، اب یا تو ایک قصبہ والوں کے روزے غلط یا دوسرے قصبہ والوں کی نماز فجر غلط، جنتری اور نقشہ دونوں کے پاس موجود، گھڑی دونوں تار سے ملاتے ہیں اور بعض نصف النہار سے بھی ملاتے ہیں اور جنتری کو

= تأمل". (رد المحتار، کتاب الحظر و الإباحة: ۶/۳۵۰، سعید)

(۱) "[تنبیه]: قال فی الفیض: و من کان علی مکان مرتفع کمنارة إسکندریة، لا یفطر مالم تغرب الشمس عنده، و لأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله، و کذا العبرة فی الطلوع فی حق صلاة الفجر أو السحور". (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسده: ۲/۴۲۰، سعید)

"سوی فيء الزوال و یختلف باختلاف الزمان و المکان". (الدر المختار). "(قوله: و یختلف باختلاف الزمان و المکان): أی طولاً و قصراً و انعداماً بالکلیة کما أوضحه اهـ". (ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/۳۶۰، سعید)

تصدیقِ علماء کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر سحری صبح کے وقتِ مشتہر سے قبل ختم کردی جائے (۱) اور نمازِ فجر اسفار میں ادا کی جائے جو کہ اصل مذہب ہے تو کوئی خدشہ نہ رہے (۲)، یا اسفار میں نہ ہو تو کم از کم اتنا تو لحاظ کر لیا جائے کہ یہ خدشہ دفع ہو کر نماز بالتعیین صحیح وقت پر ادا ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "التسحر مستحب، و وقته آخر الليل. قال الفقيه أبو الليث: و هو السدس الأخير" (هكذا في السراج الوهاج)......... "ثم تأخير السحور مستحب، كذا في النهاية. ويكره تأخير السحور إلى وقت يقع فيه الشك، هكذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره: ۱/۲۰۰، رشيديه)

(۲)"أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر". (جامع الترمذی، باب ما جاء في الإسفار بالفجر: ۱/۴۰، سعيد)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت الصبح: ۱/۶۱، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائی، كتاب المواقيت، باب الإسفار: ۱/۹۴، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، باب وقت صلوة الفجر، ص: ۴۹، قديمی)

"يستحب تأخير الفجر، و لا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس، بل يُسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته، يمكنه أن يعيدها في الوقت بقرأة مستحبة". (الفتاوی العالمكيريه، كتاب الصلوة، الفصل الثانی في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۲، ۵۳، رشيديه)

(وكذا في المبسوط، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۴، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(۳)"عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن للصلوة أولاً و آخراً .... وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس". (جامع الترمذی: ۱/۳۹، أبواب الصلوة، سعيد)

(ورواه الطحاوی في معانی الآثار: ۱/۱۰۸، باب مواقيت الصلوة، سعيد)

"عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال ..... "ووقت الفجر ما لم تطلع الشمس". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۲۳، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، قديمی)

"وقت صلاة الفجر .... من أول طلوع الفجر الثانی، و هو البياض المنتشر المستطير، لاالمستطيل إلى قبيل طلوع ذُكاء -بالضم غير منصرف، اسم الشمس- اهـ". (الدرالمختار: ۱/۳۵۷، ۳۵۹، كتاب الصلوة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۵۵۸، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثانی فی الأوقات المکروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

اوقاتِ مکروہہ

سوال[۲۱۵۸]: ۱..... نکلتے ہوئے سورج اور ڈوبتے ہوئے سورج اور ٹھیک دوپہر کے وقت کوئی نماز جائز نہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں وقت نماز پڑھنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے؟

۲..... تینوں اوقات مندرجہ بالا کی ابتدا اور انتہا وقت (کسی پہچان اور علامت کے ذریعہ) سے آگاہی بخشی جائے، ان تینوں وقتوں میں مکروہ وقت کب سے کب تک رہتا ہے اور پھر حرام کا درجہ کب سے شروع ہوتا ہے، مثلاً صبح کو سورج پورا نکل آیا اور ابھی روشنی ذرا بھی نہیں آئی اور بے تکلف دکھائی دیتا ہے، یا شام کو عصر کے وقت دھوپ میں زردی آگئی اور روشنی پھیکی پڑ گئی۔ تو کیا یہ اوقات بھی نکلتے ہوئے اور ڈوبتے ہوئے سورج کے حکم میں ہیں، یا یہ وقت مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہیں یعنی دونوں کا ایک حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مکروہ تحریمی ہے(۱)۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، و حين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها: ۱/۲۰۰، سعید)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس و غروبها: ۲/۴۵۴، دار الحديث ملتان)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الأوقات التي لايصلى فيها على الميت و لايدفن، ص: ۱۰۹، قدیمی) .... =

۲......جس وقت سے آفتاب کا کنارہ طلوع ہوا یک نیزہ بلند ہونے تک اور جس وقت سے آفتاب سرخ ہوجائے غروب ہونے تک نماز کروہ تحریمی ہے(۱)،صبح کی نماز میں اگر آفتاب طلوع ہوجائے تو نماز بالکل فاسد ہوجاتی ہے(۲) اوراسی روز کی عصر کی نماز میں اگرآفتاب غروب ہوجائے تو نماز ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے(۳)۔استواء کے وقت نماز مکروہ تحریمی ہے،اس وقت کی مقدار اس قدر نہیں ہوتی کہ اس میں نماز ادا کی جاسکے بلکہ بہت قلیل ہوتی ہے،گھڑی رائج الوقت کے اعتبار سے ایک منٹ بھی نہیں ہوتی اور وقت،موسم اور بلاد

= "وكره تحريماً صلاة و لو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً......... مع شروق واستواء، و غروب إلا عصر يومه". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ١/٣٧٠، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ١/٢٢٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) "و كره تحريماً صلاة مع شروق واستواء وغروب، إلا عصر يومه". (الدرالمختار).

"(قوله: مع شروق) أقول: ينبغي ما نقلوه عن الأصل للإمام محمد من أنه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح، فهي في حكم الطلوع". (قوله : و غروب) أراد به التغير كما صرح به في الخانية حيث قال: عند إحمرار الشمس إلى أن تغيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة : ١/٣٧٠، ٣٧٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة : ١/٤٣٣، رشيديه)

(٢) "(قوله: بخلاف الفجر): أي فإنه لا يؤدى يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملةً، فتبطل بطروّ الطلوع الذى هو وقت فساد". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ١/٣٧٣، سعيد)

"و كذا لا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا، حتى لو طلعت الشمس و هو في خلال الصلاة، تفسد صلاته عندنا". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ١/٥٨٣، مطبع دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "لكن يجوز أداؤها مع الكراهة حتى يسقط الفرض عن ذمته". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ١/٥٨٣، دارالكتب العلمية)

"و كره تحريماً صلاة .... مع غروب، إلا عصر يومه، فلا يكره فعله لأدائه كما وجب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ١/٣٧٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها : ١/٥٢، رشيديه)

کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

صحیح:عبداللطیف، جوابات صحیح ہیں:سعید احمد غفرلہ۔

کیا دن کی طرح آدھی رات کو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال[۲۱۵۹]: نصف النہار یعنی زوال کے وقت نماز منع ہے، کیا ایسا رات کو بھی ہے کہ ٹھیک آدھی رات کو زوال کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت بھی نماز منع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین وقت ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنا منع ہے:اول جب سورج نکلتا ہے، دوسرے جب سورج بالکل سر پر ہو، تیسرے جب سورج غروب ہوتا ہے۔رات کے کسی بھی حصہ میں نماز ممنوع نہیں، بارہ بجے ہوں یا کم وبیش(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "و كره تحريماً صلاة مع شروق واستواء و غروب". (الدر المختار). "(قوله: واستواء) و لا يخفى أن زوال الشمس إنما يعقب انتصاف النهار بلا فصل، و في هذا القدر من الزمان لايمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي: و هو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهارقبل الزوال بزمان يُعتدّ به".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۱، سعيد)

(۲) "عن عقبه بن عامر الجهني رضى الله تعالىٰ عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، و حين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها: ۱/۲۰۰، سعيد)

(و سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس و غروبها: ۲/۴۵۴، دارالحديث ملتان)

"وكره تحريماً صلاة و لو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً .... مع شروق واستواء، و غروب إلا عصر يومه". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، سعيد) .... =

وقتِ استواء

سوال[۲۱۲۰]: زوال کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟ شروع اور آخر کی مقدار گھڑی رائج کے وقت سے کیا ہے، یعنی موسم گرما میں کب سے کب تک وقت زوال کا انتظار کر کے کوئی نفل نماز مثل تحیۃ المسجد وغیرہ شروع کی جاوے اور موسمِ سرما میں موسمِ گرما سے کس قدر اور کتنا فرق رکھا جاوے؟ سورج کے قائم ہونے سے زوال تک صحیح وقت اور احتیاط کا درجہ دونوں کی مقدار کی وقت کی ابتداء اور انتہاء سے الگ الگ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نصف النہار یعنی استوائے شمس کے وقت نماز مکروہ تحریمی ہے(۱)، اور اس وقت کی مقدار اس قدر نہیں ہوتی کہ اس میں نماز ادا کی جاسکے بلکہ بہت قلیل ہوتی ہے، گھڑی رائج الوقت کے اعتبار سے ایک منٹ بھی نہیں ہوتی اور وقت موسم اور بلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے، ہمارے اطراف میں ایک زمانہ میں ۱۲/ بجکر آٹھ منٹ پر ہوتا ہے اور ایک زمانہ میں ۱۲/ بجکر اڑتیس منٹ پر ہوتا ہے۔ بس اسی کے درمیان درمیان رہتا ہے جیسا کہ اسلامی جنتری میں ہے جس زمانہ میں جس وقت استواء ہو، اس وقت سے کچھ منٹ پہلے اور کچھ منٹ بعد نماز نہ پڑھنا احتیاط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۱/ ۲۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وكره تحريماً صلاة و لو على جنازة و سجدة تلاوة و سهو مع شروق واستواء و غروب إلا عصر يومه". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/ ۳۷۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/ ۴۳۲، رشيديه)

(۲) "و لا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، و في هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلوة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي و هو من اول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، و على هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتدبه اهـ. إسماعيل و نوح و حموي". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۳۷۱، سعيد)

"و وقت الظهر من زواله: أي ميل ذكاء عن كبد السماء. (قوله: عن كبد السماء): أي وسطها بحسب ما يظهر لنا، ط". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۳۵۹، سعيد)

سایۂ اصلی کا خیال نہ رکھنے والوں کی نماز

سوال[۲۱۶۱]: لکڑی کا سایہ دوگنا ہونے پر اہلِ حدیث لوگ عصر کی نماز پڑھتے ہیں، وہ سایۂ اصلی کا خیال نہیں رکھتے ہیں، ان کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ حدیث کے نزدیک ایک مثل سایہ پر سوائے سایۂ اصلی کے عصر کا وقت ہوجاتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب ہر شئی کا سایہ دومثل ہوجائے سوائے سایۂ اصلی کے تب عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ حنفی کو اہلِ حدیث کے پیچھے ایسی نماز ان کے مذہب کے مطابق نہیں پڑھنی چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز پڑھنا کس وقت میں مکروہ ہے؟

سوال[۲۱۶۲]: ہم یہاں ہیں، اکثر طبقہ مزدور کی حیثیت رکھتے ہیں، چونکہ برطانوی وقت کے مطابق دو بجے دن میں کام شروع کرتا ہوں، یہاں صبح وشام دوشفت ہیں، لہٰذا جو حضرات صبح کام کرتے ہیں وہ نمازِ جمعہ اطمینان سے پڑھتے ہیں، کیونکہ یہاں پر دو مسجد ہیں، دوسری مسجد میں تین بجے جمعہ ہوتا ہے، ایک مسجد

---

(۱) "وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي، فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلوة على اعتقاد المقتدى، عليه الإجماع .... ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف، وإلافلا .... فتحصل أن الاقتداء بالمخالف المراعي في الفرائض أفضل من الانفراد إذا لم يجد غيره، وإلا فالاقتداء بالموافق أفضل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟: ۱/۵۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، رشيديه)

"ولاخصوصية للشافعية، بل الصلاة خلف كل مخالف للمذهب كذلك لايصح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۳، رشيديه)

میں ایک دو بجے ہوتی ہے نماز جمعہ، کیونکہ یہاں پر گرمی اور سردی میں گھڑی کے وقت میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے، مثلاً برطانوی وقت جیسے گرینچ میں ٹائم (جو بین الاقوامی وقت ہے یہی ہے) کہتے ہیں، بھارت میں ساڑھے پانچ گھنٹہ سردی اور گرمی ساڑھے چار گھنٹہ کا فرق رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں زوال ایک بجکر ۱۵ منٹ پر یا اٹھارہ منٹ پر ہوتا ہے، پہلی اذان ہر حالت میں ایک بجکر تیس منٹ پر ہوتی ہے، جماعت یا تو ڈیڑھ بجکر ۳۵/ منٹ پر ہوتی ہے، لیکن اصل حضرات تقریباً دوسو یا تین سو ہو جاتے ہیں جو اکثر و بیشتر زوال کے وقت نوافل یا قضائے فائتہ پڑھتے ہیں۔ تو کیا یہ استواء کے وقت نوافل یا قضائے فائتہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ یہ وقت مکروہ ہے، لیکن اس وقت میرے سامنے دو فتاویٰ ہیں، دونوں کو تحریر کرتا ہوں، پہلے فتاویٰ دار العلوم جلد پنج، مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، ص:۱۱۲ سوال نمبر ۲۲۵۹۔

الجواب:

”صحیح یہ ہے کہ زوال کے وقت کوئی نماز درست نہیں ہے، الی آخرہ“ و کرہ تحریماً الخ (۱)۔

ملاحظہ ہو۔

اب یہاں پر فتاویٰ اشرفیہ موجود ہے، جو گجراتی زبان میں جس کا ترجمہ ہے سوال و جواب تحریر کرتا ہوں:

کتاب الصلوۃ أوقات صلوۃ، ص: ٤٢۔

”**سوال**: جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں قضاء نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ان میں قضا نماز بلا حرج پڑھ سکتے ہیں، جس قدر ممکن ہو قضاء نماز جلد از جلد پڑھ لے“۔ باب الجمعہ، ص: ۵۷، سوال نمبر: ۲۶۴ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

”**سوال**: جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے، زوال کے وقت نہیں پڑھنا چاہئے، حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے، حدیث دال ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت دوزخ شروع کی جاتی ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ منع کرتے ہیں لیکن فتویٰ امام

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، فصلِ ثانی اوقات مکروہہ: ۲/۲۸، امدادیہ ملتان)

(۲) لم أظفر علیه

ابو یوسف کے قول پر ہے۔ جمعہ کے علاوہ دیگر دنوں میں زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔

دونوں مسئلوں میں حوالہ جات کا اندراج نہیں ہے۔فتویٰ دارالعلوم اور قرآن میں تطبیق کی کیا شکل ہے، یہاں پر بعض حضرات منع بھی کرتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں لہٰذا یہ چند سطریں تحریر ہیں امید ہے کہ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دونوں قول کتب فقہ ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو امدادالفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو فتاویٰ دارالعلوم میں لیا گیا ہے۔ امدادالفتاویٰ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوسع ہے اور فتاویٰ دارالعلوم کا قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے۔ جواب صحیح ہے اور مزید تفصیل وتطبیق یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو اور پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے، اور دوسرے یہ کہ جمعہ کے دن زوالِ شمس کے وقت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں اور کراہت کے تین وقتوں کے علاوہ عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد غروبِ شمس سے پہلے اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے یہ دو وقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضاء تو پڑھ سکتے ہیں، مگر نفل وغیرہ واجب نہیں پڑھ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اوقاتِ مکروہہ میں نماز کا حکم

سوال[۲۱۶۳]: قضاء نماز اور سجدہ تلاوت کے لئے بجز ان اوقاتِ مذکورہ کے اَور کوئی وقت دوسرا مکروہ تحریمی تو نہیں ہے یعنی ان تمام اوقات مذکورہ کے علاوہ ہر وقت قضاء نمازیں پڑھ سکتا ہے، مثلاً صبح صادق اور فجر کی سنت کے درمیان یا سنت فجر اور فجر کے فرض کے درمیان یا فرض کے بعد سے سورج نکلنے کے وقت تک یا عصر کی نماز کے بعد سے دھوپ کی زردی سے قبل تک قضاء نمازیں بلا کراہت ادا کر سکتے ہیں اور ان تین اوقات مذکورہ میں قضاء نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اوقاتِ ثلثہ: طلوع، استواء، غروب میں قضاء نماز اور سجدۂ تلاوت اور ادا نماز کا ایک ہی حکم ہے(۱) البتہ آفتاب سرخ ہونے سے غروب ہونے تک اسی روز کی عصر کی نماز مکروہ نہیں (۲)، کوئی دوسری قضاء اس وقت بھی مکروہ تحریمی ہے(۳)۔ اوقاتِ ثلثہ کے علاوہ کسی دوسرے وقت قضاء نماز منع نہیں بلکہ درست ہے، اسی طرح سجدہ تلاوت بھی درست ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وكره تحريماً ...... صلاة مطلقاً و لو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً أو جنازةً وسجدة تلاوة و سهو .... مع شروق واستواء، و غروب إلا عصر يومه". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"ثلاثة ساعات لا تجوز فيها المكتوبة، ولا صلاة الجنازة، و لا سجدة التلاوة: إذا طلعت الشمس حتى ترتفع، وعند الانتصاف إلى أن تزول، و عند احمرارها إلى أن تغيب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "و لا يجوز فيها قضاء الفرائض والواجبات الفائتة عن أوقاتها كالوتر، هكذا في المستصفى والكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، سعيد)

(۴) "و جميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاثة المنهية كما مر". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲، سعيد)

"وكره تحريماً .... صلوة ولو على جنازة، وسجدة تلاوة وسهوٍ مع شروق واستواء وغروب إلا عصر يومه". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، سعيد) .... =

طلوعِ شمس کے وقت نماز

سوال[۲۱۶۴]: اکثر اوقات مکروہ میں جماعت اولیٰ ہوتی ہے، مثلاً: ۵/بجکر ۱۵/منٹ پر فجر کی نماز ۵/بجکر ۱۰/منٹ پر آفتاب ہی طلوع ہوتا ہے، ایسی صورت میں نماز ادا ہوجائے گی یا قضاء پڑھی جائے گی، یا ایسے وقت میں نمازی اپنی تنہا نماز پڑھ لے جب کہ دیر ہورہی ہو اور آفتاب طلوع ہونے کا خیال ہو یا جماعت کا انتظار کرے؟

الجواب حامداًومصلياً:

طلوعِ آفتاب کے وقت نماز ناجائز ہے(۱)، اگر عینِ نماز میں آفتاب طلوع ہوجائے تو اس کو وہیں ختم کردیں اور آفتاب طلوع ہونے پر قضاء پڑھیں اور جب وقت تنگ ہوجائے تو اپنی تنہا نماز پڑھے جماعت کا انتظار نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

= "و يجوز قضاء الفوائت في اىّ وقت شاء إلا في ثلاث ساعات، لا يجوز التطوع و لا تجوز المكتوبة". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصلوة، باب الاذان: ۱/۷۴، رشيديه)

(۱) "عن عقبه بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع الخ". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها: ۱/۲۰۰، سعيد)

"و كره تحريماً صلاة.......... مع شروق واستواء وغروب ، إلا عصر يومه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن الصامت عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنهما قال : قال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "يا أبا ذر! كيف أنت إذا كانت عليك أمَرَآء يميتون الصلوة" أو قال: "يؤخرون الصلوة"؟ قلت: يا رسول الله! فما تأمرني؟ قال: "صلِّ الصلوة لوقتها، فإن أدركتها معهم فصله، فإنها لك نافلة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب إذا أخر الإمام الصلوة عن الوقت: ۱/۶۲، دار الحديث ملتان)

"يستحب تاخير الفجر و لا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۱، رشيديه) .... =

غروب کے وقت سجودِ شمس

سوال[۲۱۶۵]: اختلافِ مطالع کی بنیاد پر سورج طلوع وغروب ہوتا رہتا ہے اور عندالطلوع نکلنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور عندالغروب زیرِ عرش سجدہ بھی کرتا ہے، تفسیر معارف القرآن میں سجدہ بمعنیٰ اطاعت کے تحریر فرمایا ہے(۱)۔ اطاعت تو ہر وقت ہی کرتا رہتا ہے، اس اطاعت کی بناء پر مسافت کرتا ہے تو احادیث میں عندالغروب سجدہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ عندالغروب کی قید کس وجہ سے ہے؟ دل میں خلجان آتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر مخلوق ہر آن طاعتِ خالق میں قہراً یا اختیاراً مشغول ہے تکوینا ہو یا تشریعاً، آفتاب غروب ہوتے وقت اس کی ماہیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کر رہا ہے اسی کو سجدۂ تحت العرش فرمایا، یہ ذکر کردہ روایت کے اعتبار سے ہے(۲) اور ہر آن کسی نہ کسی جگہ وہ سجدہ میں ہے، وہاں کے دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ رات طویل ہوگی اور سورج کو مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ مغرب سے طلوع ہوگا جس کو دیکھ کر دنیا چلا اٹھے گی اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، پھر کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا، چونکہ عدمِ اجازت بھی حدیث پاک میں مذکور ہے اس لئے اس ہیئت کو "سجدہ" اور اجازت کو "طلوع" سے بیان کیا گیا جو کہ اقرب الی الفہوم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "لكن لا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس". (البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۴۲۹/۱، رشيديه)

(۱) (معارف القرآن، (سورة الحج: ۸) : ۲۴۷/۶، إدارة المعارف كراچى)

(۲) "عن أبى ذر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتدرى اين تذهب هذه الشمس"؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: "فإنها تذهب فتسجد تحت العرش، ثم تستأمر فيوشك أن يقال لها: ارجعى من حيث جئت". (تفسير ابن كثير، (الحج: ۱۸) : ۲۸۴/۳، دارالفيحاء، دمشق)

طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کی مخالفت کی وجہ

سوال[۲۱۶۶]: حدیث شریف میں طلوعِ شمس اور غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اور ممانعت کی وجہ: "طلوع شمس بين قرني الشيطان"(۱) ہے جس کی وجہ سے شیطان کی عبادت کا شبہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ حکم عام کیوں ہے؟ اس وجہ سے کہ جو لوگ خانہ کعبہ سے مشرق کی جانب رہتے ہیں تو ان کے لئے غروب آفتاب کے وقت ممانعت سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ سورج مصلی کے سامنے ہوتا ہے، مگر طلوع کے وقت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جو کہ سورج وقرنِ شیطان اور شیطان مصلی کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس صورت میں بجائے شیطان کی تعظیم کے توہین وتذلیل ہوتی ہے۔

جس طرح اگر تصویر مصلی کے سامنے ہو تو نماز پڑھنے کے لئے ممانعت آئی ہے اس لئے کہ تصویر کی تعظیم ہوتی ہے اور عبادت کا بھی شبہ ہوتا ہے مگر جب تصویر مصلی کے پیچھے یا قدموں کے نیچے ہو تو یہ شبہ جاتا رہتا ہے اور بجائے تعظیم کے تذلیل ہوتی ہے تو اس صورت میں نماز کی اجازت ہے۔ پھر ایک حدیث ہے: "إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة و لا تستدبروها، و لكن شرقوا أو غربوا". أو كما قال عليه السلام"(۲)۔ جس طرح حدیث مذکورہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے ارشاد فرمائی

---

(۱) والحديث بتمامه: "عن عبد الله الصنابحي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الشمس تطلع و معها قرن الشيطان، فإذا ارتفعت فارقها، فإذا استوت قارنها، فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها، فإذا غربت فارقها". و نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلوة في تلك الساعات". (سنن النسائي، كتاب المواقيت، الساعات التي نهى عن الصلوة فيها: ۱/۹۵، قديمي)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أتيتم الغائط، فلا تستقبلوا القبلة بغائط و لا بول، و لا تستدبروها، و لكن شرقوا أو غربوا". قال: أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض قد بُنيت مستقبل القبلة، فننحرف عنها، و نستغفر الله". (جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول: ۱/۸، سعيد)

(وكذا أخرجه البخاري مع تغيير الألفاظ في كتاب الوضوء، باب لا تستقبل القبلة لغائط أو بول إلا عند البناء جدار أو نحوه: ۱/۲۶، قديمي)

(وكذا في مؤطا الإمام مالك، كتاب القبلة، النهي عن استقبال القبلة والإنسان يريد حاجته، ص: ۱۸۰ مير محمد كتب خانه)

اور جولوگ خانہ کعبہ سے مشرق یا مغرب کی جانب رہتے ہیں ان کے لئے "شرقوا أو غربوا" کا حکم نہیں ہے، اسی طرح اوپر کا مسئلہ ہونا چاہئے تھا کہ جولوگ خانہ کعبہ سے مشرق کی جانب رہتے ہیں ان کے لئے غروب آفتاب کے وقت ممانعت ہونی چاہئے تھی، اور جولوگ خانہ کعبہ سے مغرب کی جانب رہتے ہیں تو ان کے لئے غروب کے بجائے طلوع کے وقت ممانعت ہونی چاہئے تھی پھر اس حکم کو عموم پر محمول کرنے کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلوع، استوا، غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ اوقات عَبَدۃُ الشمس کے عبادت کے اوقات ہیں، تشبہ فی الوقت کی بنا پر منع کیا گیا ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ سورج کو سجدہ کرنا لازم آتا ہے یا سورج کے قریب شیطان یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ مجھے سجدہ کیا جارہا ہے، ورنہ جو اشکال آپ نے مشرق اور مغرب کے رہنے والوں پر ایک ایک شق لیکر تقسیم کردیا ہے (شمال وجنوب والوں کو اشکال سے حصہ نہیں ملا) وہ اشکال استواء کے وقت کسی جگہ رہنے والوں پر بھی نہیں ہوئے۔

پس اس کا محمل کسی خطۂ ارض کے باشندے بھی نہیں ہوں گے، حالانکہ نہی کے مخاطب ضرور ہیں ورنہ بلا مخاطب کے نہی لازم آئے گی۔ لہٰذا مناطِ حکم صرف تشبہ فی الوقت ہے نہ کہ جہتِ متعینہ، تاکہ دوسری جہات کو خارج کرنے کا واہمہ پیدا ہو۔ بعض وقت نفسِ وقت میں کراہت ہوتی ہے جس کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے، جیسے تسجیر جہنم کا وقت (۱) بعض دفعہ وقت میں کسی مجاور کی وجہ سے کراہت آجاتی ہے (۲)۔ غرض اسبابِ کراہت

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه و نافع مولىٰ عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن عبد الله بن عمر أنهما حدّثاه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "إذا اشتد الحر، فأبردوا بالصلوة، فإنّ شدة الحرّ من فيح جهنم". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر: ۱/۷۶، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب المواقيت، الإبراد بالظهر إذا اشتد الحر: ۱/۸۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت صلوة الظهر: ۱/۵۸، دار الحديث ملتان)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر الخ: ۱/۲۲۴، قديمي)

(۲) "والبيع وقت النداء، مثالٌ لما قبح لغيره مجاوراً، فإن البيع في ذاته أمر مشروع مفيد للملك، =

مختلف ہوتے ہیں۔

"منع عن الصلوة، وسجدة التلاوة، و صلوة الجنازة عند طلوع الشمس و الاستواء والغروب إلا عصر يومه اهـ" (کنز)۔

"لما روى الجماعة إلا البخاری من حديث عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: ثلث ساعات كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلی فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب"۔

"والمراد بقوله: "وأن نقبر" صلوة الجنازة .... عن عقبة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: "نهانا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم أن نصلی على موتانا". أطلق الصلوة فشمل فرضها و نفلها؛ لأن الكل ممنوع، فإن كانت الصلوة فرضاً أو واجبةً فهی غير صحيحة؛ لأنها نقصان فی الوقت بسبب الأداء فيه تشبيهاً بعبادة الكفار المستفاد من قوله صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "إن الشمس تطلع بين قرنی الشيطان، إذا ارتفعت فارقها، ثم استوت قارنها، فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها، و إذا غربت فارقها". و نهى عن الصلوة فی تلك الساعات".

= وإنما يحرم وقت النداء؛ لأن فيه ترك السعی إلى الجمعة الواجب بقوله تعالى: ﴿ فاسعوا إلىٰ ذكر الله و ذروا البيع ﴾ و هذا المعنى مما يجاور البيع فی بعض الأحيان فيما إذا باع و ترك السعی، و ينفك عنه فی بعض الأحيان فيما إذا سعى إلى الجمعة، و باع فی الطريق بأن يكون البائع والمشتری راكبين فی سفينة تذهب إلى الجامع". (نور الأنوار، مبحث النهی، بحث كون القبيح لعينيه نوعين، ص: ۶۲، سعيد)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ فاسعوا إلىٰ ذكر الله و ذروا البيع ﴾ (سورة الجمعة، ص: ۹)

"و أيضا لما لم يتعلق النهی بمعنی في نفس العقد وإنما تعلق بمعنیً فی غيره و هو الاشتغال عن الصلاة، وجب أن لا يمنع وقوعه و صحته، كالبيع في آخر وقت صلاة يخاف فوتها إن اشتغل به، و هو منهیٌ عنه، و لا يمنع ذلک صحته؛ لأن النهي تعلق باشتغاله عن الصلاة". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۶۷۰، قديمی)

رواہ مالك فی المؤطا اھ"۔ البحر الرائق: ۱/۲۴۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۴/۹۰ھ۔

صلوٰۃِ جنازہ بوقتِ استواء

سوال[۲۱۶۷]: اگر ظہر کے وقت جنازہ حاضر کیا جائے تو اسی وقت صلوٰۃ جنازہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عینِ استواء کے وقت اگر جنازہ حاضر ہو تو اسی وقت صلوٰۃ جنازہ مکروہ نہیں، لیکن اگر استواء سے قبل حاضر ہو تو عینِ استواء کے وقت مکروہ تحریمی ہے:

"و کرہ تحریماً صلوۃٌ و لو علیٰ جنازۃ و سجدۃ تلاوۃ و سھو مع شروق واستواء وغروب إلا عصر یومہ، و ینعقد نفل بشروع فیھا بکراھۃ التحریم لا الفرض، وسجدۃ تلاوۃ و صلاۃ جنازۃ تلیت الآیة فی کامل، و حضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملاً، فلایتأدی ناقصاً، فلو وجبتا فیھا، لم یکرہ فعلھما، اھ". در مختار مختصراً۔ قال الشامی: "(قولہ: و جبتا فیھا) بأن تلیت الآیة فی تلك الأوقات أوحضرت فیھا الجنازۃ، اھ". رد المحتار، ص: ۳۸۸(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (البحر الرائق، شرح کنز الدقائق، کتاب الصلوۃ: ۱/۴۳۳، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱/۲۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فروع: فی شرح الطحاوی، ص: ۲۳۶، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ: ۱/۳۷۰، ۳۷۴، سعید)

"الأوقات التی یکرہ فیھا الصلاۃ خمسة، ثلاثة یکرہ فیھا التطوع والفرض: و ذلک عند طلوع الشمس ووقت الزوال و عند غروب الشمس، إلا عصر یومہ، فإنھا لا یکرہ عند غروب الشمس.......... و فی التحفة: أن الأفضل فی صلاۃ الجنازۃ فی ھذہ الأوقات أن یؤدیھا و لا یؤخرھا، و کذا سجدۃ التلاوۃ، فإنہ إنما یکرہ فی ھذہ الأوقات فیما إذا کانت التلاوۃ فی غیر ھذہ =

اوقاتِ مکروہہ میں صلوٰۃ جنازہ

سوال[۲۱۲۸]: زید کہتا ہے کہ جن وقتوں میں نفل نماز مکروہ ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ ہے اور بکر کہتا ہے کہ ان وقتوں میں جنازہ کی نماز مکروہ نہیں۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن وقتوں میں مطلقاً نماز ممنوع ہے ان وقتوں میں نماز جنازہ بھی ممنوع ہے (نفل کی قید صحیح نہیں) اوقاتِ ممانعت تین ہیں: طلوع، استواء، غروب، جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو، اگر ان اوقات میں آئے تو ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟

سوال[۲۱۲۹]: نمازِ جنازہ کے لئے بھی کیا کوئی وقت حرام یا مکروہ تحریمی کا ہے؟ اگر ہے تو اس کے

= الأوقات، أما لو تلا في وقت مكروه و سجد ها فيه، جاز من غير كراهة".

"و لا يجوز في هذه الأوقات صلاة الجنازة، و لا سجدة التلاوة، و لا سجدة السهو، و لا قضاء فرض .... و في الينابيع: و لو صلى التطوع في هذه الأوقات الثلاثة، يجوز و يكره، و الأولى أن يقطعها و يقضيها في وقت مباح". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع آخر في بيان الأوقات التي يكره فيها الصلوة: ۱/۴۰۷، ۴۰۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلوة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "صلوٰۃ جنازہ بوقتِ استواء"۔)

(و أيضا راجع الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع آخر في بيان الأوقات التي يكره فيها الصلوة: ۱/۴۰۷، ۴۰۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(و أيضا الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلوة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(والدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، ۳۷۳، سعيد)

درجہ سے آگاہی بخشیں۔اس کے علاوہ کیا دن رات میں ہر وقت نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ سنت مؤکدہ وغیرہ، مکروہ تحریمی، تنزیہی مستحب ہر ایک کا درجہ کیا ہے؟ اردو کی کتابوں میں ممنوع، ناجائز لکھا رہتا ہے جس سے کوئی درجہ ظاہر نہیں ہوتا۔فقط۔

حضرت والا کا خادم مہجور حقیر ناچیز عبدالصبور، ۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقاتِ ثلاثہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ تحریمی ہے، باقی سب اوقات میں درست ہے(۱)۔

چونکہ عوام مؤکد وغیر مؤکد، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض وواجب وغیرہ کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ درجات نص، ظاہر، مفسر، محکم، قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت، ظنی الدلالۃ غیر دلائل پر متفرع ہیں اور عوام کی فہم سے یہ اصطلاحات بالاتر ہیں، اس لئے اردو کی کتابوں میں ہر جگہ ان سب کی تصریحات نہیں کرتے بلکہ ممنوع اور ناجائز وغیرہ الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اہلِ علم درجات کو سمجھتے ہیں وہ کتب عربیہ سے ان درجات کو معلوم کرتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ۔

بوقتِ غروب سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ

سوال[۲۱۷۰]: جنازہ کی نماز یا سجدہ کی آیت اگر عصر کے بعد وقتِ ناقص میں ادا کی جائے اور ادا

---

(۱)"و کرہ تحریماً صلاۃ و لو علی جنازۃ و سجدۃ تلاوۃ و سھو مع شروق واستواء و غروب، إلا عصر یومہ". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ: ۱/۳۷۰، سعید)

(و کذا فی الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الصلوۃ، نوع آخر فی بیان الأوقات التی یکرہ فیھا الصلوۃ: ۱/۴۰۷، ۴۰۸، إدارۃ القرآن و العلوم الإسلامیۃ کراچی)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلوۃ، الفصل الثالث فی بیان الأوقات التی لا تجوز فیھا الصلوۃ و تکرہ فیھا: ۱/۵۲، رشیدیہ)

کرتے وقت سورج غروب ہوجائے تو وہ بھی عصر یوم کی طرح ناقص ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آیت سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کرلیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ناقص ادا ہوگیا اور اگر وقت کامل میں آیت پڑھی اور سجدہ وقتِ غروب کیا تو یہ عصر یومہ کی طرح نہیں بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ہے، اگر وقتِ کامل میں آیا تو نماز جنازہ وقت ناقص میں ادا ہی نہیں ہوئی:

"و منع عن الصلوة، و سجدة التلاوة المتلوة في غير هذه الأوقات، و صلوة الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ما وجب كاملاً لا يتأدى بالناقص، وأما المتلوة أوالحاضرة فيها لا يكره: أي تحريماً؛ لأنها وجبت ناقصةً، أديت فيها كما وجبت اهـ". سكب الأنهر: ۱/۷۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقتِ مکروہ میں سجدۂ دعاء اور سجدۂ شکر

سوال[۲۱۷۱]: بعد نماز عصر و بعد نماز فجر سجدہ دعاء یا سجدۂ شکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(صلاح الدین شملہ)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ۱/۱۰۰، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلوة ۱/۳۷۰، ۳۷۴، سعيد)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع آخر في بيان الأوقات التي يكره فيها الصلوة: ۱/۴۰۷، ۴۰۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلوة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(۲) "و في النهر: إن سجدة الشكر لنعمة سابقة ينبغي أن تصح أخذاً من قولهم؛ لأنها وجبت كاملةً =

اوقاتِ منہیہ میں تلاوت کا حکم

سوال[۲۱۷۲]: طلوع وغروب اور زوال میں تلاوت کی سخت ممانعت ہے یا معمولی؟

الجواب حامداً مصلیاً:

"ثلثة أوقات لا يصح فيها شيء من الفرائض والواجبات الذي لزمت في الذمة قبل دخولها: أوّلها: عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض قدر رمح أو رمحين، والثاني: عند استوائها في بطن السماء إلى أن تزول: أي تميل إلى المغرب، والثالث: عند اصفرارها إلى أن تغرب، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۱۰۰(۱)۔

ان اوقات میں نماز پڑھنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور ہے (۲)۔ خارجِ نماز تلاوت قرآن پاک ان اوقات میں منع نہیں، البتہ ان اوقات میں ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اولیٰ ہے:

"الصلوة فيها على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أفضل من قرأة القران اهـ: أي في الأوقات الثلثة، وكان الصلوة الدعاء والتسبيح، الخ". ۱/۳۴۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= وهذه لم تجب اهـ. فحصل من كلام النهر مع كلام القنية أنها تصح مع الكراهة: أي لأنها مع حكم النافلة". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۱، سعيد)

"وفي المحيط: و لهذا لو أطلق المصنف السجدة واستثنى سجدة الشكر لكان أحسن".

(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة: ۱/۷۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة: ۱/۱۶۵، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في الأوقات المكروهة، ص:۱۸۵، قديمي)

(۲) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، و حين تضيف للغروب حتى تغرب". (الصحيح لمسلم، كتاب فضائل القرآن و ما يتعلق به، باب الأوقات التي نهي عن الصلوة فيها: ۱/۲۷۶، قديمي)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۴، سعيد) .... =

اوقاتِ مکروہہ میں قضاء نماز کا حکم

سوال[۲۱۷۳]: کیا قضائے عمری نمازیں فجر کی نماز سے پہلے یا بعد میں یا عصر کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاء نماز ان اوقات میں بھی پڑھی جاسکتی ہے(۱)، مگر قضاء نمازیں تنہائی میں پڑھنی چاہئے، کسی کو علم نہ ہو کہ یہ قضاء نماز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "ذكر الله من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس أولى من قرأة القرآن". (الدرالمختار).

"واقتصر عليه في القنية حيث قال: الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والدعاء والتسبيح أفضل من قرأة القرآن في الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۳/۶، سعيد)

(۱) "قال رضى الله تعالىٰ عنه: وعن التنفل بعد صلوة الفجر والعصر، لا عن قضاء فائتة و سجدة تلاوة وصلاة جنازة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۲۳۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة: ۳۷۵/۱، سعيد)

"و لا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت، و يسجد للتلاوة، و يصلي على الجنازة".

(الهداية: ۲۳۸/۱، كتاب الصلوة، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة، ۸۲/۱، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۲) "و يكره قضاؤها فيه؛ لأن التأخير معصية فلايظهرها". (الدر المختار).

"و يظهر من التعليل أن المكروه قضاؤها مع الاطلاع عليها و لو في غير المسجد، كما أفاد في المنح في باب قضاء الفوائت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۹۱/۱، سعيد)

"و لايقضي الفوائت في المسجد وإنما يقضيها في بيته، كذا في الوجيز للكردري". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۱۲۰/۲، رشيديه)

عصر کے بعد قضاء نماز

سوال[۲۱۷۴]: عصر کی نماز کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے جب تک آفتاب غروب کے قریب نہ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صبح صادق کے بعد نفل نماز مکروہ ہے

سوال[۲۱۷۵]: صبح صادق کے وقت جو وضو کیا جائے فجر کی نماز کے لئے، اس وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد سنت فجر سے قبل پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو افضل کیا ہے، پڑھنا یا نہ پڑھنا؟

محمد عبدالمنان، بہار شریف، خریدار نمبر:۱۲۹۲۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت سنت فجر پڑھیں، اس سے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا بھی ثواب مل جائے گا، مستقلاً تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد یا کوئی اَور نفل نماز اس وقت پڑھنا مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و بعد صلاة فجر و صلاة عصر .... لا يكره قضاء فائتة و لو وتراً أو سجدة تلاوة أو صلاة جنازة". (الدر المختار). "(قوله: بعد صلاة فجر و عصر) .... و لذا قال الزيلعي هنا: المراد بما بعد العصر قبل تغير الشمس، و أما بعد، فلا يجوز فيه القضاء أيضاً، وإن كان قبل أن يصلي العصر".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۷ رشيديه)

(۲)"ويكره التنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من سنته قبل أداء الفرض اهـ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في الأوقات المكروهة، ص:۱۸۸، قديمى)

"قال رضى الله تعالىٰ عنه: و بعد طلوع الفجر بأكثر من سنة الفجر: أى يكره أن يتطوع بعد ما طلع =

صبح صادق کے بعد دو رکعت نفل

سوال[۲۱۷۶]. صبح کی اذان کے بعد سنت سے قبل تحیۃ الوضوادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہجد سے قبل تحیۃ الوضو پڑھنا کتابوں سے ثابت ہے کہ وتر پڑھ کر راحت فرمایا کرتے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سونا ناقضِ وضونہیں تھا، اس لئے اسی وضو سے ادا فرماتے تھے، اسی طرح صبح کی اذان کے بعد اگر کوئی بعد الوضو تحیۃ الوضوء ادا کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد نفل یا دیگر سنت یا قضا ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء کی اجازت نہیں سنت فجر سے تحیۃ الوضوء کا بھی اجرمل جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ

زوال سے اِدھر اُدھر کتنا مکروہ وقت ہے؟

سوال[۲۱۷۷]: دوپہر کو کتنی دیر نصف النہار سے ادہر ادہر مکروہ وقت ہے؟

= الفجر قبل الفرض بأكثر من سنة الفجر لقوله عليه الصلوة والسلام : "ليبلغ شاهدكم غائبكم، ألا! لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين". (رواه أحمد وأبو داؤد). وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" إذا اطلع الفجر، لا صلوة إلا ركعتين". (رواه الطبراني)". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة : ۱/۲۳۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة : ۱/۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة : ۱/۳۰۱، المكتبه الغفاريه كوئٹه)

(۱) "قوله: و هي ركعتان، في القهستاني: و ركعتان أو أربع ، و هي أفضل لتحية المسجد إلا إذا دخل فيه بعد الفجر أو العصر ، فإنه يسبح و يهلل و يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فإنه حينئذ يؤدي حق المسجد ، كما إذ دخل للمكتوبة، فإنه غير مأمور بها حينئذ، كما في التمرتاشي، اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۸، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

نصف النہار سے ادھر ادھر کتنی دیر بھی مکروہ نہیں لیکن عینِ نصف النہار کا صحیح علم بھی کچھ آسان نہیں، اس لئے نصف النہار کا اندازہ کرنے میں جس قدر غلطی کا احتمال ہو تو اس قدر مقدم ومؤخر وقت میں نماز پڑھنے سے احتیاط کرے، اگر کہیں دس منٹ کا احتمال ہو تو دس منٹ، پندرہ منٹ کا احتمال ہو تو پندرہ منٹ، پانچ منٹ کا احتمال ہو تو پانچ منٹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وكره تحريماً صلاة مع شروق واستواء وغروب، إلا عصر يومه". (الدر المختار).

"ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلافصل، و في هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي: و هو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۷۱، سعيد)

"ووقت الظهر من زوال: أي ميل ذُكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه سواء فيء الزوال، ويختلف باختلاف الزمان والمكان". (الدر المختار).

"(قوله: عن كبد السماء) أي: وسطها بحسب ما يظهر لنا". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

باب الأذان

الفصل الأول فی الأذان

(اذان کا بیان)

مکبر الصوت سے مسجد میں اذان دینا

سوال [۲۱۷۸]: ایک مقامی مسجد میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) مسجد کے اندر صفِ اول داہنی جانب الماری میں نصب کردیا گیا ہے اور اس کے متعلقہ برقی تار پن وغیرہ دیوار میں مستقل طور پر لگادی گئی ہیں اور یہ محض اس کی حفاظت کے پیشِ نظر مسجد کے اندر رکھا گیا ہے، دوسری جگہ مسجد کے باہر کے حصہ میں رکھتے ہیں۔ چوری ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے موجودہ صورت میں اذان مسجد کے اندر پہلی صف کی جگہ پر کھڑے ہو کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اس پر بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ براہ کرم تحریر فرمائیں کہ موجودہ حالت کے پیشِ نظر بصورت مذکورہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا از روئے فقہ حنفی کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سے آواز دور تک نہیں پہنچتی جس سے اذان کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا، اس لئے بلند جگہ پر اذان دینا مستحب ہے تاکہ دور تک آواز پہنچے۔ فی نفسہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جو کہ احترام مسجد کے خلاف ہو(۱)۔ صورتِ مسئولہ میں اذان کی آواز مکبر الصوت سے

---

(۱) "و ینبغی أن یؤذن علی المِئذَنة أو خارج المسجد، و لا یؤذن فی المسجد". (الفتاوی العالمکیریه، کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة و کیفیتهما : ۱/۵۵، رشیدیه)

"منها: أن یجهر بالأذان، فیرفع به صوته؛ لأن المقصود و هو الإعلام یحصل به. ألا تری أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال لعبد الله بن زید رضی الله تعالیٰ عنه: "علّمه بلالاً، فإنه أندیٰ و أمدّ صوتاً" =

دورتک پہنچے گی اور مقصد پوری طرح حاصل ہوجائے گا، البتہ مکبر الصوت کبھی خراب ہوکراس کی آواز بند ہوجاتی ہے یا خراب آواز وحشت ناک نکلتی ہے۔اس لئے اس کا انتظام باہر ہی رہے تو اچھا ہے، قفل وغیرہ سے حفاظت کی جائے مسجد کے علاوہ حجرہ وغیرہ ہواس میں رکھا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا اذان کے لئے کوئی سمت متعین ہے؟

سوال[۲۱۷۹]: کیا اذان دینے کی کوئی سمت متعین ہے یا کوئی سمت افضل ہے؟ اگر مسجد کی چھت سے اذان دی جائے تو کیسا ہے، کیا بے حرمتی نہیں ہوگی؟ تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے لئے اتنا خیال رکھا جائے کہ قبلہ رُو ہو(۱) اور بلند جگہ پر ہوتا کہ دور تک آواز پہنچ سکے(۲)،

= منک". و لهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة و نحوها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الأذان، نوع آخر في بيان ما يفعل فيه: ۱/۵۱۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۴، رشيديه)

(۱) "و يستقبل القبلة بهما، و يكره تركه تنزيهاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۹، رشيديه)

(و كذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۲، المكتبة الغفاريه)

(۲) "و هو سنة للرجال في مكان عال". (الدر المختار).

"(قوله: في مكان عال)، في القنية: و يسن الأذان في موضع عال والإقامة على الأرض. و في السراج: و ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، و يرفع صوته، و لا يجهد نفسه؛ لأنه يتضرر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد) .... =

منار پر ہو یا مسجد کی دیوار پر ہو، سب درست ہے، خواہ داہنے مینار ہو یا بائیں پر، غرض اذان کا معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ بچہ کے دائیں کان میں اذان ہوتی ہے اور بائیں میں تکبیر (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

اذان بائیں جانب، اقامت دائیں جانب کا التزام

سوال[۲۱۸۰]: صلوٰۃ خمسہ کے لئے اذان بائیں جانب سے کہنا اور اقامت دائیں جانب سے کہنا کیسا ہے؟ اس کی سنیت کا خیال کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اس کا التزام کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس التزام کا کہیں ثبوت نہیں، بالکل بے اصل ہے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، رشيديه)

(۱) "فمنها عند ولادة المولود، فإنهم صرحوا بسنية الأذان، فالأذان في أذن الولد اليمنى والإقامة في الأذن اليسرى". (السعاية: ۲/۴۴، باب الأذان، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه، كذا في البحر الرائق ...... ويقيم على الأرض، هكذا في القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، ۵۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان: ۲/۸۸، مكتبه امداديه، ملتان)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، باب الأذان والإقامة: ۲/۲۸۲، سعيد)

اذان بائیں جانب

سوال[۲۱۸۱]: کیا مسجد میں اذان کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہے جیسا کہ بعض لوگ بائیں جانب ہی کھڑے ہوکر اذان کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اغلاط العوام میں سے ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رمضان/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان/ ۶۷ھ۔

اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا

سوال[۲۱۸۲]: اذان میں اگر "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" پر مؤذن قصداً یا بھول سے گردن نہیں گھماتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نے خلافِ سنت کیا، اذان ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (راجع فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، الباب الثانی فی الأذان: ۸۸/۲، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

(وکذا أحسن الفتاویٰ، کتاب الصلوۃ، باب الأذان والإقامۃ: ۲۸۲/۲، سعید)

(۲) "ویلتفت فیہ (أی فی الأذان) وکذا فیھا (أی فی الإقامۃ) یمیناً ویساراً فقط .... ؛ لأنہ سنۃ الأذان مطلقاً". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان: ۳۸۷/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الأذان: ۴۴۹/۱، رشیدیہ)

(وکذ فی الحلبی الکبیر، فصل فی السنن، ص: ۳۷۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۹۱/۱، ۹۲، امدادیہ، ملتان)

مسجد میں اذان

سوال[۲۱۸۳]: نماز کے لئے اذان خارجِ مسجد پڑھنا درست ہے یا مسجد کے کسی حصہ میں کھڑے ہوکر پڑھ سکتے ہیں؟ مثلاً مسجد کی چھت پر پڑھنا یا باہر کے دالان میں داخل مسجد پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان پنجگانہ بلند جگہ (منار چھت وغیرہ) پر کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے جہاں سے آواز دور تک پہونچ سکے، کبھی ایسی جگہ پر اذان پڑھنے سے اذان کا مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا جہاں سے آواز دور تک نہ جاتی ہو(۱)۔

تنبیہ: جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر پڑھی جاتی ہے کیونکہ اس کا مقصود حاضرینِ مسجد کو مطلع کرنا ہے کہ وہ نوافل وتلاوت وغیرہ سے فارغ ہوکر خطبہ سننے کے لئے متوجہ ہوجائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "و هو سنة للرجال في مكان عال". (الدر المختار).

"(قوله: في مكان عال)، في القنية: و يسن الأذان في موضع عال و الإقامة على الأرض. و في السراج: و ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، و يرفع صوته، و لا يجهد نفسه؛ لأنه يتضرر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

"منها: أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته؛ لأن المقصود و هو الإعلام يحصل به. ألا ترى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لعبد الله بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه: "علّمه بلالاً، فإنه أندیٰ و أمدّ صوتاً منک". و لهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة، و نحوها".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، رشيديه)

"قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنهما: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بَنَى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعدُ على ظهر المسجد، و قد رفع له شيء فوق ظهره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۷. سعيد)

(۲) "و يؤذن ثانياً بين يديه: أي الخطيب". (الدر المختار). .... =

برآمدۂ مسجد میں اذان

سوال[۲۱۸۴] : مسجد کے برآمدہ میں اذان دینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں، جب کہ آواز پہنچنے میں کوئی کمی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان بلند آواز سے بلند جگہ پر کہی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ دور تک آواز پہنچ جائے، کیوں کہ جہاں تک آواز جائے گی وہاں تک کے حجر و مدر سب گواہی دیں گے(۱)۔ اذان کا مقصود اعلام غائبین ہے(۲) اس

= "(قوله: و يؤذن ثانياً بين يديه): أي على سبيل السنية كما يظهره من كلامهم رملي". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرا لرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

"أىّ أذانٍ لايستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذى يكون بين يدى الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية: ۲/۳۸، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، سهيل اكيڈمى ،لاهور)

(۱) "عن عبد الرحمن بن أبى صعصعة الأنصارى ثم المازنى عن أبيه أنه أخبره أن أبا سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال له: إنى أراك تحبّ الغنم والبادية، فإذا كنتَ في غنمك أو باديتك، فأذّنتَ للصلوة، فارفع صوتك بالنداء، فإنه لا يسمع مُدىٰ صوت المؤذن جن و لا إنس و لا شيء، إلا شهد له يوم القيامة". قال أبو سعيد: سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۱/۸۵، قديمى)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الأذان والسنة فيها، باب فضل الأذان و ثواب المؤذن، ص:۵۳، مير محمد كتب خانه)

(۲) "الأذان هو لغةً الإعلام، وشرعاً إعلام مخصوص". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۳، سعيد)

"منها: أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته؛ لأن المقصود و هو الإعلام يحصل به". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن المؤذن: ۱/۶۴۲، دارالكتب العلمية)

"والأذان إعلام الغائبين". (السعاية: ۲/۳۳، باب الأذان، سهيل اكيڈمى، لاهور)

لئے اس میں ایسی طرح اذان کہنا جس سے آواز وہیں گھٹ کر رہ جائے دور تک نہ پہنچ سکے، مکروہ ہے(۱)، اذان کوئی ایسا کام نہیں جو شانِ مسجد کے خلاف ہو اگر برآمدہ میں اذان کہنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جائے تو وہاں بھی اذان درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وكره أذان .... القاعد". (كنز الدقائق).

"وأما القاعد .... أطلقه، وهو مقيد بما إذا لم يؤذن لنفسه، فإن أذن لنفسه قاعداً، فإنه لايكره لعدم الحاجة إلى الإعلام، ويفهم منه كراهته مضطجعاً بالأولى". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول: ۱/۵۴، رشيديه)

(وفتاوىٰ قاضي خان: ۱/۷۷، مسائل الأذان، رشيديه)

(۲) "و هو سنة للرجال في مكان عال". (الدر المختار).

و في رد المحتار: و في السراج: و ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، الخ". (كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

"قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال رضي الله تعالىٰ عنه يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعدُ على ظهر المسجد، و قد رفع له شيء فوق ظهره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۷. سعيد)

(والحديث رواه أبو داؤد في سننه في كتاب الصلوة، باب الأذان فوق المنارة: ۱/۷۷، دار الحديث ملتان)

"ويكره أن يؤذن في المسجد كما في القهستاني عن النظم، فإن لم يكن ثمة مكان مرتفع للأذان، يؤذن في فناء المسجد، كما في الفتح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۷، قديمي)

مدرسہ میں اذان وجماعت

سوال[۲۱۸۵]: ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا نام سراج العلوم ہے، کگرولی میں اہل سنت و الجماعت کی تین مساجد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ میں اذان و جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، طلبا ومدرس نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں کہ مساجد شہر سے کچھ فاصلے پر ہیں۔ آپ سے استفتاء یہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ میں اذان وجماعت ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟ یہاں آ کر اہل محلہ بھی نماز ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اذان وجماعت کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، مسجد کے علاوہ جنگل میں، مکان میں، اسٹیشن میں، مدرسہ میں سب جگہ میں درست ہے (۱)، لیکن مسجد کی فضیلت مسجد ہی میں پڑھنے سے حاصل ہوگی (۲)، مسجدوں کو

---

(۱) "عن عبد الرحمن بن أبي صعصعة الأنصاري ثم المازني عن أبيه أنه أخبره أن أبا سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال له: إني أراک تُحبّ الغنم والبادية، فإذا كنتَ في غنمک أو باديتک فأذنتَ للصلوة، فارفع صوتک بالنداء، فإنه لا يسمع مُدیٰ صوت المؤذن جن و لا إنس و لا شيء، إلا شهد له يوم القيامة. قال أبو سعيد: سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۱/۸۵، قديمي)

"ويسن أن يؤذن ويقيم لفائتة رافعاً صوته لو بجماعة أوصحراء، لا بيته منفرداً". (الدرالمختار). "(قوله: و لو بجماعة الخ): أي في غير المسجد بقرينة ما يذكره قريباً من أنه لا يؤذن فيه للفائتة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۰، سعيد)

"والضابطة عندنا: أن كل فرض أداءً كان أو قضاءً يؤذن له و يقام سواء أداه منفرداً أو بجماعة إلاالظهر يوم الجمعة في المصر، فإن أداءه بأذان و إقامة مكروه، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، رشيديه)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أحب البلاد إلى الله مساجدها، وأبغض البلاد إلى الله أسواقها". رواه مسلم".

"وعن أنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، و صلوته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلوة، و صلوته في =

بالکلیہ چھوڑ کر مستقلاً مدرسہ میں اذان وجماعت کرنا درست نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ آدمی مسجد میں چلے جائیں، کچھ مدرسہ میں پڑھیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا

سوال[۲۱۸۶]: اگر کسی شخص کے مسجد میں ہوتے ہوئے اذان پڑھی جائے، اب اگر اذان کے بعد وہ شخص دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنا چاہے شرعاً کیا حکم ہے؟ اذان کے بعد بلاضرورت دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص پر دوسری مسجد کی جماعت کا توقف ہے کہ اگر یہ نہ جائے تو وہاں جماعت نہ ہو تب اس کو دوسری جگہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں، وہیں جاکر نماز پڑھے، اگر اس پر توقف نہیں تو ایسی حالت میں مسجد سے نکلنا بلا ضرورت مکروہ ہے:

"کره خروجه من مسجدٍ أذن فيه أو في غيره حتى يصلي لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق، أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع، إلا إذا كان مقيم جماعة أخرى كإمام و مؤذن لمسجد اخر". لأنه تكميل معنى". مراقي الفلاح۔

= المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلوة، وصلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلوة، وصلوته في مسجد ى بخمسين ألف صلوة، و صلوته في المسجد الحرام بمائة ألف صلوة " رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح ،كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة : ۱/۷۲، قديمى)

(۱) "قال رحمه الله تعالىٰ : الجماعة سنة مؤكدة .... تشبه الواجب في القوة حتى استدل بملازمتها على وجود الإيمان .... ثم منهم من يقول: إنها فرض كفاية .... واستدل بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في جماعة تزيد على صلاته في بيته، و صلاته في سوقه بسبع و عشرين درجةً". وهذا يفيد الجواز، و لو كانت فرض عين، لَمَا جازت صلاته". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۳۴۰، ۳۴۱، دارالكتب العلميه بيروت)

قال الطحطاوی: "(کإمام) قیده فی الکبیر و شرح السیر وغیرهما بإمام تتفرق الناس بغیبته، فیفید أنه لو لم یکن بهذا المثابة لایخرج، والظاهر أن المؤذن إذا کان من یقوم مقامه عند غیبته، یکره له الخروج أیضاً". طحطاوی، ص: ٢٦٥ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گھر پر نماز کے لئے اذان واقامت

سوال[۲۱۸۷]: ۱......ایک ایسی بستی کے محلے میں زید رہتا ہے اس محلہ میں کوئی مسجد نہیں، دوسرا محلہ اتنی دور ہے کہ کبھی اذان کی آواز آتی ہے کبھی نہیں، یہ شخص اگر گھر پر تنہا نماز پڑھے تو اذان واقامت ضروری ہے یا نہیں؟

اگر اذان سے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟

۲......ایک شخص ایسے محلہ میں ہے کہ وہاں آوازِ اذان آتی ہی نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اگر اذان دینے سے اہلِ ہنود سے نزاع کا اندیشہ ہو (لکثرتهم و غلبتهم) تو ایسا شخص کیا کرے؟

۳......ہر دو صورِ بالا میں اگر چند اشخاص بوقت نماز جمع ہو گئے تو اس وقت اذان کا کیا حکم ہے؟ اگر فتنہ وفساد کے خیال سے آہستہ اذان دی جائے کہ اہلِ خانہ سن لیں (کیونکہ آس پاس گھر مسلمانوں کے نہیں) تو سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمایا جائے۔

ابرار الحق۔

---

(١) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب إدراک الفریضة، ص: ٤٥٧، قدیمی)

"وکره تحریماً للنهی خروج من لم یصل من مسجدٍ أذن فیه إلا لمن ینتظم به أمر جماعة أخری، أو کان الخروج لمسجدحیة ولم یصلوا فیه، أو لأستاذه لدرسه، أو لسماع الوعظ أو لحاجة و من عزمه أن یعود، نهر". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب إدراک الفریضة: ٢/٥٤. سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب إدراک الفریضة: ١/٤٥١، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب إدراک الفریضه: ١/٣٠٩، مکتبه امدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... "و کره ترکهما للمسافر لا لمصل فی بیته فی المصر، و ندبا لهما، اهـ". کنز علی هامش البحر: ۱/۲٦۵(۱)۔

"(قوله: فی بیته): أی فیما یتعلق بالبلد من الدار والکرم وغیرهما، قهستانی. فی التفاریق وإن کان فی کرم أو ضیعة یکتفی بأذان القریة أو البلدة إن کان قریباً، وإلافلا، وحد القرب أن یبلغ الأذان إلیه منها اهـ، إسماعیل، والظاهر أنه لا یشترط سماعه بالفعل، تأمل، اهـ". ردالمحتار: ۱/۴۰۹(۲)۔

ضروری بمعنی "فرض" کا تو احتمال ہی نہیں، البتہ صورتِ مسئولہ میں اذان و اقامت مستحب ہے، کمافی الکنز، سنتِ موکدہ نہیں۔

۲......ایسے شخص کو خود اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھنا چاہئے کیونکہ اذان کی آواز آتی ہی نہیں تو وہ اس کے حق میں بمنزلۂ عدم کے ہے، کذافی العبارة المذکورة من ردالمحتار (۳)، جب نزاع کا ظنِ غالب ہے اور اس کا نتیجہ اس کے حق میں نقصان اور مغلوبیت ہے تو اذان زیادہ بلند آواز سے نہ کہے بلکہ معمولی طریقہ سے کہہ دے (۴)۔

---

(۱) (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴٦۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۵۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۱۸۰، مکتبه إمدادیه ملتان)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریه، کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفة وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشیدیه)

(۳) (راجع الحاشیة رقمها: ۲)

(۴) "والمؤذن فی بیته یرفع دون ذلک فوق ما یسمع نفسه، وعلیه یحمل مافی القهستانی، فلیتأمل". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۰، سعید)

"درء المفاسد أولی من جلب المصالح". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر یزال: ۱/۲۲۴، إدارة القرآن والعلوم الاسلامیه)

۳......ہو جائیگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۲۶/۱۱/۵۸ھ۔

متعدد آدمیوں کا اذان دینا

سوال [۲۱۸۸]: تین آدمی ایک ساتھ ہو کر رمضان المبارک میں مغرب اور عشاء کی اذان دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بہت سے روزہ دار افطار کے وقت اذان کے منتظر رہتے ہیں، اس لئے تین آدمی مل کر ایک ساتھ اذان دیتے ہیں۔ اس پر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ضرورت کے وقت چند آدمیوں کا ایک ساتھ ایک مسجد میں اذان دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

غیر مسلموں کی بستی میں اذان کا حکم

سوال [۲۱۸۹]: جس گاؤں میں مسجد نہ ہو اور اذان کی آواز نہ آتی ہو، نیز ہندوؤں کی زیادتی ہو تو کیا اذان کہے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز وہاں رہنا کیسا ہے؟

---

(۱) (راجع، ص: ۳۹۶، رقم الحاشية رقمها: ۴)

(۲) "(قوله: وإذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع) ذكر المؤذنين بلفظ الجمع إخراجاً للكلام مخرج العادة، فإن المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ أصواتهم إلى أطراف المصر الجامع اهـ، ففيه دليل على أنه غير مكروه؛ لأن المتوارث لايكون مكروهاً، وكذلك نقول في الأذان بين يدي الخطيب، فيكون بدعةً حسنةً؛ إذ مارآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن اهـ، ملخصاً.

أقول: وقد ذكر سيدي عبدالغني المسألة كذلك أخذاً من كلام النهاية المذكور، ثم قال: ولا خصوصية للجمعة؛ إذ الفروض الخمسة تحتاج للإعلام". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ۱/۳۹۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زیادہ بلند آواز سے اذان پر قدرت نہ ہو تو پست آواز سے اذان کہے (۱)، اذان سنت ہے، نماز بغیر اذان بھی درست ہو جاتی ہے، البتہ سنت ترک ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ رجب/ ۶۷ھ۔

اذان کے بعد جماعت کے واسطے انتظار، مقتدی کا امام پر حکم کرنا

سوال [۲۱۹۰]: ۱...... اذان کے بعد جماعت کے واسطے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی دیر انتظار کرنا چاہئے؟

۲...... امام پر مقتدی کو حکم کرنا اور ذلیل سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اتنی دیر کہ وقت مکروہ داخل نہ ہو اور جماعت کے پابند لوگ آجائیں نیز جو شروع میں آچکے ہیں ان کو گرانی نہ ہو (۳)۔

---

(۱) "والمؤذن في بيته يرفع دون ذلك فوق ما يسمع نفسه، وعليه يحمل مافي القهستاني، فليتأمل". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان ۱/ ۳۹۰، سعيد)

"ما أبيح للضرورية يتقدر بقدرها". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/ ۲۵۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلاميه)

(۲) "وهو سنة مؤكدة (هي كالواجب في لحوق الإثم) للفرائض الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۴، سعيد)

"قوله: سن للفرائض: أى سن الأذان للصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب، حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب .... و في غاية البيان والمحيط ..... لأن السنة المؤكدة في معنى الواجب في حق لحوق الإثم لتاركهما". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۴۴۴، ۴۴۵، رشيديه)

(۳) "و يجلس ما بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب". (الدر المختار، كتاب لصلوة، =

۲......امام پر حکومت کرنا اوران کو ذلیل سمجھنا ناجائز ہے(۱)، اگر امام میں کوئی بات خلافِ شرع ہو تو اس کو تنہائی میں نرمی سے سمجھا دیا جائے تاکہ امام اپنی اصلاح کرلے اور امام کے ذمہ بھی ضروری ہے کہ حد شرع میں رہتے ہوئے مقتدیوں کی رعایت کرے اور جو بات اس میں خلاف شرع ہو اس سے تائب ہو جائے اور اپنی بات پر بلاوجہ ضد اور اصرار نہ کرے اور کسی کو وہ خود بھی ذلیل نہ سمجھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۶/۵۸ھ۔

جوابات صحیح ہیں: عبد الرحمٰن غفرلہ، ۲۹/۶/۵۸ھ۔

= باب الأذان : ۱/ ۳۸۹، سعید)

"ينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضيء من وضوئه والمصلي من صلاته والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان والإقامة، : ۱/ ۵۷، رشيديه)

"و في فتاوى الحجة: و لو أخر المؤذن الإقامة ليحضر أهل المسجد جاز، فالحاصل أن التأخير القليل لإعانة أهل الخير غير مكروه، فلا بأس بأن ينتظر الإمام انتظاراً أوسطاً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الأذان، في أذان المحدث والجنب وبيان مايكره أذانه ومن لايكره: ۱/ ۵۲۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۱) و قوله تعالیٰ: ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

"فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة، و كذلك سائر الأنبياء أئمة –عليهم السلام– لما ألزم الله تعالیٰ الناس من اتباعهم والائتمام بهم في أمور دينهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا في المحل الذي يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً، و لهذا المعنى الذي يصلي بالناس يسمى إماماً؛ لأن من دخل في صلاته لزمه الإتباع له والائتمام به ....اهـ".

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول، و من ألزم الله تعالیٰ الإقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة و نحوها". (أحكام القرآن للجصاص : ۱/ ۶۸، ۶۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا

سوال[۲۱۹۱]: دو مسجدیں قریب قریب ہیں، ایک مسجد کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گناہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفا کرنا خلافِ سنت ہے، جو لوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مسجد کی اذان دوسری متصل مسجد کے لئے کافی نہیں

سوال[۲۱۹۲]: سوال یہ ہے کہ دو مسجدیں بالکل متصل ہیں ایک چھوٹی ہے ایک بڑی، دونوں میں

---

(۱) ""الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، كذا في فتاوى قاضي خان. و قيل: إنه واجب، والصحيح أنه سنة مؤكدة، كذا في الكافي، و عليه عامة المشايخ، هكذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۳، رشيديه)

" الأذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواهما". (الهداية). (قوله : الأذان سنة) هو قول عامة الفقهاء، و كذا الإقامة. وقال بعض مشايخنا: واجب لقول محمد". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۲۴۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"و يؤذن له ..... الصلوات المكتوبة التي تؤدى بجماعة مستحبة في حال الإقامة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان : ۱/۶۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۱۷۸، مكتبه امداديه ملتان)

"وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحدٌ، لابأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، باب مايفسد الصلوة: ۲/۲۲، رشيديه)

(وكذا في المبسوط، باب الأذان، قبيل باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۸۷، غفاريه، كوئته)

الگ الگ جماعتیں ہوتی ہیں، تو کیا ایک مسجد کی اذان کافی نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دو مسجدیں مستقل ہیں اور دونوں میں جداگانہ جماعت ہوتی ہے ہر مسجد میں اذان بھی جماعت کے لئے مستقل کہی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

ایک مسجد میں اذان کے بعد دوسری مسجد میں مائک پر اذان

سوال [۲۱۹۳]: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ ''ایک مسجد کے امام کا دوسری مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے''۔ کیا ایسا ہی ہے؟ وجہِ استفسار یہ ہے کہ عمر ایک مسجد میں مستقل امام ہے، دوسری مسجد میں چونکہ مائک ہے، عمر کی آواز بھی اچھی ہے تو اپنی مسجد کے علاوہ دوسری مسجد میں مائک سے اذان پڑھ کر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتا ہے۔ تو کیا بلا کراہت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس میں اذان دے اس مسجد کا حق ہو جاتا ہے کہ نماز بھی وہیں پڑھے، بلکہ جو شخص اذان دے حدیث میں ہے کہ وہی اقامت کہے: ''من أذن فهو يقيم'' (۲)۔ اس لئے صورتِ مسئولہ غلط ہے، اس کی اصلاح کی جائے کہ مؤذن کوئی دوسرا مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: ''قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا''۔)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر: ۱/۸۳، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء من أذن فهو يقيم: ۱/۵۰، سعيد)

"يكره له أن يؤذن في مسجدين". (الدر المختار) "لأنه إذا صلى في المسجد الأول، يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع، ولأن الأذان للمكتوبة، وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة، فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة، وهو لايساعدهم فيها اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعيد) ....

نمازِ جمعہ کے لئے مدرسہ کے اسپیکر سے اذان دینا

سوال[۲۱۹۴]: ہمارے یہاں مدرسہ میں اسپیکر ہے، اس میں پنج وقتہ اذانیں دی جاتی ہیں اور اذانِ جمعہ بھی مدرسہ میں اسپیکر میں دی جاتی ہے اور مسجد میں بغیر اسپیکر کے اذان دی جاتی ہے، مدرسہ کے اسپیکر کی آواز سن کر لوگ اپنے کھیتوں سے نمازِ جمعہ صحیح وقت پر ادا کر لیتے ہیں۔ مدرسہ میں نمازِ جمعہ نہیں ہوتی، مدرسہ گاؤں کے کنارہ پر ہے، مسجد اور مدرسہ کا فاصلہ تقریباً ایک فرلانگ ہے۔ براہِ کرم فرمائیں کہ مدرسہ میں اذان جمعہ دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مدرسہ میں جمعہ کی نماز ادا نہیں کی جاتی تو وہاں اذانِ جمعہ کی ضرورت نہیں، مسجد کے آس پاس ہی اسپیکر سے اذان دی جائے تو مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اذان مائک سے ایک جگہ پر، جماعت دوسری جگہ پر

سوال[۲۱۹۵]: مدرسہ میں لاؤڈ اسپیکر ہے اور جامع مسجد میں نہیں ہے، اعلان کے لئے جمعہ کی اذان پہلے مدرسہ میں لاؤڈ اسپیکر سے دے دی جاتی ہے اور پھر جامع مسجد میں بھی اذان بغیر اسپیکر کے ہوتی ہے، لیکن نمازِ جمعہ پابندی سے جامع مسجد میں ہوتی ہے، مدرسہ میں جماعتِ جمعہ نہیں ہوتی، تو یہ بات درست ہے کہ نہیں؟

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۶۴۸، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۱) "وقال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد، وقد رُفع له شئ فوق ظهره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی اذان اگر لاؤڈ اسپیکر سے مدرسہ میں دی جائے اور نماز جامع مسجد میں ہو اور جامع مسجد میں بھی جمعہ کی اذان بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کسی منارہ وغیرہ پر ہو تو بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ضعیف آواز کے باوجود شوقِ اذان ہو تو کیا صورت ہوگی؟

سوال[۲۱۹۶]: ایک بوڑھا شخص ہے وہ مسجد میں پہلے چلا آتا ہے اور وہ اپنے گھر سے بے فکر ہے، اذان پڑھنے کا شوق ہے، لیکن اس کی آواز جاتی رہی، اگر کوئی اور اذان پڑھتا ہے تو اس کو بُرا محسوس کرتا ہے اور منع کرتا ہے کہ تم اذان مت پڑھو، میں اس کی خدمت کرتا ہوں، میں ہی اذان پڑھونگا، لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس کو اس حالت میں اذان، تکبیر کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اذان کا ثواب تو اس کو بھی ملتا ہے(۲) اگر اس کی آواز اہلِ محلّہ تک نہیں پہونچتی تو دوسرے آدمی کا بھی انتظام کیا جاسکتا ہے(۳)، اس ضعیف آدمی کو اذان سے منع نہیں کیا جاسکتا اور منع کرنے سے باز نہیں آتا تو اس

---

(۱) "ويعاد أذان جنب ندباً، وقيل: وجوباً، لا إقامته لمشروعية تكراره في الجمعة دون تكرارها". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۹۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتار خانيه، كتاب الصلوة، باب الأذان، نوع آخر في أذان المحدث والجنب، وبيان من يكره أذانه ومن لايكره: ۱/۵۱۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن ابي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يُسمع مدىٰ صوت المؤذن جن و لا إنس ولا شيء إلا شهد له يوم القيامة". رواه البخاري".

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أذّن سبع سنين محتسباً، كتب له براءة من النار". رواه الترمذي وأبو داؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان و إجابة المؤذن: ۱/۶۴، ۶۵، قديمي)

(۳) "عن عبد الله بن زيد بن عبد ربه رضي الله تعالىٰ عنه .... فقال: "إنها لرؤيا حق إن شاء الله =

کی اذان کے بعد دوسرا شخص پڑھ دیا کرے، اس سے آواز بھی باہر تک پہنچ جائے گی اور اس ضعیف کا شوق بھی پورا ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اذان پست آواز سے کہنا

سوال[۲۱۹۷]: جو شخص کسی مخالفت کی وجہ سے پروپیگنڈہ بناتا ہے، خود بھی دوسروں کو بھی تبلیغ کرے کہ اذان آہستہ دینی چاہئے جہاں سے بعض نہ سن سکیں اور ایسا کرتا بھی ہے مثلاً اذان کی جگہ مسجد کے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد کے پیچھے دینی چاہئے تاکہ دوسرے نہ سنیں اور ہم پہلے ہی نماز پڑھ لیں، وہ یوں ہی علیحدہ ہوکر پڑھیں گے۔ مقصدِ سوال یہ ہے کہ شرعاً ایسے شخص کا کیا درجہ ہے؟ کیا ایسا شخص بھی امامت کا مستحق ہے اور

= فقم مع بلال، فألق عليه ما رأيت فليؤذن به، فإنه أندى صوتاً منك".

قال الملا علي القاري: "و قال الإمام النووي: من هذا الحديث يؤخذ استحباب كون المؤذن رفيع الصوت". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۳۴۲، ۳۴۳، (رقم الحديث): ۶۵۰، رشيديه)

"منها أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به، ألا ترىٰ أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لعبد الله بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه: "وعلّمه بلالاً، فإنه أندى وأمدّ صوتاً منك". و لهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمِئذنة، و نحوها".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "(قوله: و إذا أذن المؤذنون الأذان الأول ترك الناس البيع) ذكر المؤذنين بلفظ الجمع إخراجاً للكلام مخرج العادة، فإن المتوارث فيه اجتماعهم لتبليغ أصواتهم إلى أطراف المصر الجامع اهـ، ففيه دليل على أنه غير مكروه؛ لأن المتوارث لا يكون مكروهاً، و كذلك نقول في الأذان بين يدي الخطيب، فيكون بدعةً حسنةً؛ إذ ما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن اهـ ملخصاً. أقول: و قد ذكر سيدي عبد الغني المسألة كذلك أخذاً من كلام النهاية المذكور، ثم قال: و لا خصوصية للجمعة؛ إذ الفروض الخمسة تحتاج للإعلام". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ۱/۳۹۰، سعيد)

مقتدیوں کو ایسے شخص کی اقتدا کرنا چاہئے؟ نیز ایسے شخص کو اذان دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اذان بلند آواز سے بلند جگہ پر دی جائے کہ زیادہ دور تک آواز پہونچے، جہاں تک مؤذن کی آواز پہونچے گی وہاں تک کی ہر چیز مؤذن کے حق میں گواہی دے گی، اذان آہستہ کہنا تاکہ دوسروں تک آواز نہ پہونچے مقصد اذان کو فوت کرنا ہے اور ایسا کرنا مکروہ ہے، پھر اس نیت سے آہستہ اذان کہنا کہ کچھ لوگ جماعت سے محروم رہ جائیں نہایت غلط اور پست قسم کا قابلِ ملامت جذبہ ہے جو روحِ اذان اور اخوتِ اسلام کے خلاف ہے، جس میں یہ جذبہ ہو اس کو اپنی اصلاح لازم ہے(۱)، امام کے صفات واخلاق بہت اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں، نہ کہ ایسے گرے ہوئے، اگرچہ فریضۂ نماز اس کے پیچھے بھی ادا ہو جائے گا:"صلّوا خلف كل برّ وفاجر". رواه أبو داؤد(۲)۔ ردالمحتار میں امامت کے شرائط وصفات درج ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن أبا سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال له: إني أراك تُحبّ الغنم والبادية، فإذا كنتَ في غنمك أو باديتك، فأذّنتَ للصلوة، فارفع صوتك بالنداء، فإنه لا يسمع مُدىٰ صوت المؤذن جن و لا إنس و لا شيء إلاشهد له يوم القيامة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۱/۸۵، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالأذان: ۱۰۲/۱، قديمي)

(و موطا الإمام مالك، كتاب الصلوة، باب ما جاء في النداء للصلوة، ص: ۵۴ مير محمد كراچي)

"أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته ؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به، ألا ترىٰ أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لعبد الله بن بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه : "وعلّمه بلالاً، فإنه أندى وأمدّ صوتاً منك". و لهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمِئذنة ونحوها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۹۰/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشيديه)

(۲) (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۳، سعيد)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه لفواحش الظاهرة، ثم =

امام اور مؤذن نہ ہونے کی صورت میں اذان واقامت کا حکم

سوال[۲۱۹۸]: اگر گھر سے مسجد تقریباً دو فرلانگ ہو اور وہاں کی نماز کا کوئی وقت امام مؤذن کچھ نہ ہو، ایسی حالت میں اگر گھر میں اذان کہے اور گھر میں جماعت کرے جس میں بیوی ماں بچے ہوں تو ظاہر ہے کہ اقامت ماں بیوی کہیں گی کیا یہ مکروہ ہے، جماعت افضل ہوگی یا انفراد؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں مسجد جا کر اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھنا افضل ہے اگرچہ وہاں تنہا ہی نماز پڑھنے کا موقع ملے کہ اس میں مسجد کی آبادی ہے، مکان پر تنہا یا جماعت سے پڑھنے میں وہ فضیلت نہیں ہوگی (۱)، مکان پر جماعت کرتے وقت مرد جبکہ امام بنتا ہے تو خود ہی اقامت بھی کہہ لے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الأحسن تلاوةً و تجويداً لقرا ة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه و يؤذن فيه و يصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدى حق مؤذن مسجد لا يحضر مسجده أحد، قالوا: هو يؤذن و يقيم ويصلي وحده، و ذاک أحب من أن يصلي في مسجد آخر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(۲) "والضابط عندنا: أن كل فرض كان أداء أو قضاءً يؤذن له ويقام، سواء أداه منفرداً أو بجماعة إلا الظهر يوم الجمعة، فإن أداء ه بأذان وإقامة مكروه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۱۷۸، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشيديه)

آندھی کے دن اذان

سوال [۲۱۹۹]: آندھی کے دن اذان پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

علامہ شامیؒ نے مواقعِ اذان میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے(۱)۔فقط۔

رفع وباء کے لئے اذان

سوال[۲۲۰۰]: وبائے بیماری اور وبائے بارش کے موقعوں پر گاؤں کے چاروں طرف صحیح اذان کہنے والے دس پانچ آدمی مل کر اگر ایک مرتبہ اذان دیں تو اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو سنن میں سے ہے یا بدعتِ حسنہ میں سے ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ کوئی شرعی چیز نہیں ، لہذا ایسے وقت اذان کہنا سنت نہیں (۲) اور غیر سنت کو سنت سمجھنا ناجائز ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و لا یسن لغیرها: أی من الصلوات، وإلا فیندب للمولود. و فی حاشیة البحر للخیر الرملی : رأیت فی کتب الشافعیة : أنه قد یسن الأذان لغیر الصلوة کما فی أذُن المولود والمهموم ،والمصروع، والغضبان ، و من ساء خلقه من إنسان أو بهیمة ، و عند مزدهم الجیش، و عند الحریق. و قیل: عند إنزال المیت القبر قیاساً علی أول خروجه للدنیا، لکن رده ابن الحجر فی شرح العباب الخ".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۳۸۵، سعید)

(و کذا فی منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشیدیه)

(۲) "و لا یسن لغیرها: أی من الصلوات الخ". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵،سعید)

(و کذا فی منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشیدیه)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردٌّ". (مشکوة المصابیح ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة : ۱/۲۷، قدیمی)

دفع وبا و بلا کے لئے اذان

سوال[۲۲۰۱]: ۱...... یہاں پر بخار، ملیریا وغیرہ کی عام شکایت ہے، مسجد یا غیر مسجد میں کسی بَلا یا، بیماری کے دفع کرنے کے لئے چند آدمی مل کر یا علیحدہ علیحدہ اذانیں دیں تو شرعاً جائز ہے؟

۲......اس قسم کی اذان کیا وقت نماز یا غیر وقت میں کہی جائے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱،۲...... بَلا کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے(۱) اور بخار کے دفعیہ کے لئے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لئے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذانِ نماز کا اشتباہ نہ ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۶۱/۱۰/۲۵ھ۔

مؤذن کے ساتھ ظلم وزیادتی

سوال[۲۲۰۲]: اگر کوئی مؤذن کسی وقت کی اذان مقررہ وقت گذر جانے اور نماز کا وقت قریب آجانے پر بے وضو...... کہہ دے اور باز پرس پر یہ جواب دے کہ آج کی فلاں اذان وقت کی تنگی کی وجہ سے بے وضو دیا ہوں جب کہ میری عادت بلا وضو کہنے کی نہیں ہے، بلکہ وضو کر کے ہی اذان دیتا ہوں۔اس جواب پر مسجد کے منتظم حضرات سخت کلامی اور سخت گفتگو کرتے ہوئے گریبان کشی اور ہاتھا پائی کا سلوک مؤذن کے ساتھ کریں تو کیا ان لوگوں کا یہ فعل از روئے شرع جائز ہے، اگر جائز نہیں ہے تو ایسے شخص کا خدا کے یہاں کیا حشر ہوگا جس نے بہانہ بنا کر مؤذن کو مارا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ مؤذن کے ساتھ زیادتی اور ظلم ہے اس سے معافی مانگ کر اس کو راضی کیا جائے، ورنہ آخرت کا وبال سر پر رہے گا، دنیا میں بھی بدلہ ملنے کا اندیشہ ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دیوبند، ۹۶/۲/۲۹ھ۔

---

(۱)"قد یسن الأذان لغیر الصلاة .... قالوا : یسن للمهموم أن یأمر غیره أن یؤذن في إذنه ؛ فإنه یزیل الهمّ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۳۸۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشیدیه)

الفصل الثانی فی مایتعلق بکلمات الأذان

(کلماتِ اذان کا بیان)

کلمہ میں "محمدٌ" اوراذان میں "محمداً" کیوں ہے؟

سوال[۲۲۰۳]: کلمہ میں "محمدٌ رسول اللّٰہ" اوراذان میں "محمداًرسول اللّٰہ" یہ کیوں؟ اوراگراذان میں پیش کہےاورکلمہ میں زبر کہےتوغلط ہے، کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عربی زبان کےقواعد کا تقاضا یہی ہےاس کےخلاف پڑھنا غلط ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان میں "اللّٰہ اکبر" کہنے کی بجائے "اللّٰہ أکبار" کہنا

سوال[۲۲۰۴]: اذان میں مؤذن "اللّٰہ أکبر" کےبجائے "اللّٰہ أکبار" کہتاہے،اذان اداہو گئی یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنا غلط ہےمگراذان اداہوگئی(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

---

(۱) الأسماء المنصوبة اثنا عشر قسماً المفعول المطلق .... اسم إن وأخواتها (هداية النحو، المقصد الثاني في المنصوبات، ص: ۳۱، سعيد)

"الأسماء المرفوعات ثمانية أقسام، الفاعل .... والمبتدأ والخبر". (هداية النحو، المقصد الأول في المرفوعات، ص: ۱۸، سعيد)

(۲) "وفي النهاية لوأدخل المدّ بين الباء والراء في لفظ "أكبر" عند افتتاح الصلوة، لايصير شارعاً في الصلوة، بخلاف ما لوفعل المؤذن في أذانه حيث لاتجب الإعادة وإن كان خطاء ؛لأن أمر الأذان أوسع، =

اذان میں "اللہ أکبر اللہ أکبر" پڑھنے کا طریقہ

سوال[۲۲۰۵]: اذان دیتے وقت "اللہ أکبرُ اللہ أکبر" یعنی پہلی 'راء' پر پیش لگا کر لام سے ملا کر اذان دیتا ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے "اللہ أکبرْ اللہ أکبرْ" یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے، اگر پہلی راء پر حرکت پڑھتا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح "اللہ أکبرَ اللہ اکبر" پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار: ۲۵۹/۱ (۱) میں خلاف سنت لکھا ہے۔ دوسرے "اکبر" کی "راء" کو بہرحال ساکن پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

= کذا فی الجامع الصغیر للإمام المحبوبی، انتهی". (السعایة فی کشف مافی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱۵۱/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وإن قال: "الله أکبار" بإدخال ألفٍ بین الباء والراء، لایصیر شارعاً، وإن قال ذلک فی خلال الصلوة تفسد صلوته، قیل: لأنه اسم من أسماء الشیطان، وقیل: لأنه جمع کبر بالتحریک، و هو الطبل، وقیل: یصیر شارعاً ولاتفسد صلاته؛ لأنه إشباع، والأول أصح". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، الأول: تکبیر الافتتاح، ص: ۲۵۹، سهیل اکیڈمی لاهور)

" و لا لحن فیه: أی تغنی بغیر کلماته، فإنه لا یحل فعله وسماعه". (الدر المختار).

قال ابن عابدینؒ: "(قوله: بغیر کلماته): أی بزیادة حرکة أو حرف أو مدّ أو غیرها فی الأوائل والأواخر. قهستانی". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، سعید)

(۱) "وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من" الله أکبر" الأول أو یَصِلها "بالله أکبر" الثانیة ، فإن سکنها کفی، و إن وَصَلها نوی السکون، فحرک الراء بالفتحة ، فإن ضمّها خالَف السنة؛ لأن طلب الوقف علی "أکبر" الأول صیّره کالساکن إصالةً، فحرک بالفتح". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۸۶/۱، سعید)

"وقد صنف الشیخ النابلسی فی هذه المسألة رسالةً سماها: " تصدیق من أخبر بفتح راءِ الله أکبر"، =

اذان اور اقامت میں "أکبر" کی "را" کو "اللّٰہ" کے "لام" کے ساتھ ملاکر پڑھنا

سوال[۲۲۰۶]: "اللّٰہ" کا ہمزہ اصلی ہے، اذان میں "اکبر" کی "ر" کو "ل" کے ساتھ ملاکر ہمزہ وصلی کو گراکر پڑھنا یعنی "اللّٰہ أکبرَ اللّٰہ أکبرُ" پڑھنا اور اس طریقہ پر تکبیر میں پڑھنا پہلے "اللّٰہ أکبر" کے "لام" کے ساتھ ملادیا جائے اور ہمزہ اصلی کو گرادیا جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح تکبیر "حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح" کا پڑھنا الخ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اعلیٰ بات یہ ہے کہ "اللّٰہ أکبر" کی "را" کو ساکن پڑھا جائے اور اس پر سکتہ کیا جائے، اگر ملایا جائے اس طرح کہ دوسرے "اللّٰہ أکبر" کے "الف وہمزہ" کو ساقط کیا جائے اور "الف" کا فتحہ "را" پر لے آیا جائے، اگر "را" پر بجائے فتحہ کے ضمہ پڑھا جائے جو کہ ضمہ اعراب ہے تو بعض حضرات نے اس کی بھی اجازت دی ہے، بعض نے اس کو خلافِ سنت فرمایا ہے، اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "تصدیق من أخبر لفتح راء اللّٰہ أکبر" ....شامی میں لکھا ہے:

"حاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أو يَصِلها بالله أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون، فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمّها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيّره كالساكن إصالةً، فحرك بالفتح". رد المحتار: ۱/۲۵۹(۱)۔ اذان واقامت دونوں کا حکم یہی ہے۔

=خلاصةُ ماذكره فيها أن السنة أن يسكن الراء و يَصِلَها، فإن سكنها كفي ذلك، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فلتراجع". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۱۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث: "الأذان جزم": ۱/۳۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة و كيفيتهما: ۱/۵۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۱، امداديه ملتان)

اقامت میں "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" اور "قد قامت الصلوۃ" پر سکتہ انسب ہے، اگر مجرور پر جر اور مرفوع پر رفع پڑھیں تب بھی اقامت درست ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

اذان میں کلمات کو کھینچنا

سوال [۲۲۰۷]: اگر کوئی مؤذن اذان کو کھینچ کر پڑھتا ہے اور آواز کو بناتا ہے اور الفاظ اذان صحیح ہیں تو کیا اذان ہو جاوے گی؟ اور اگر صحیح نہیں پڑھتا ہے صرف آواز اچھی ہے، اس وجہ سے عوام اس کو چاہتے ہیں تو کیا اس مؤذن کی اذان اور اقامت ہو جائے گی؟ آیا نماز ہوگی کہ نہیں اور اگر اذان صحیح طریقہ سے پڑھتا ہے اور تکبیر میں غلطی ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے موقع کھینچنا جس سے الفاظ مسخ ہو جائیں درست نہیں (۲)، ایسی اذان کا اعادہ کیا

---

(۱) "و یسکن کلمات الأذان والإقامة، لکن فی الأذان ینوی الحقیقة، و فی الإقامة ینوی الوقف".

"روی عن ابراھیم النخعی أنه قال: شیئان یجزمان کانوا لا یعربونهما: الأذان والإقامة، یعنی علی الوقف". (البحر الرائق مع المنحة، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۱، امدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة و کیفیتهما: ۱/۵۶، رشیدیه)

(۲) "و منها ترک التلحین فی الأذان؛ لما روی أن رجلاً جاء إلی ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال: إني أحبک فی الله تعالیٰ: فقال ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: إنی أبغضک فی الله تعالیٰ. فقال: لِمَ؟ قال: لأنه بلغني أنک تغنی فی أذانک، یعنی التلحین". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سنن الأذان: ۱/۳۴۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

"سنّ للفرائض بلاترجیع و لحن". (الکنز). وقال ابن نجیم: (قوله: "و لحن) .... و لهذا فسره بن الملک بالتغنی بحیث یؤدي إلی تغییر کلماته، و قد صرحوا بأنه لا یحل فیه، وتحسین الصوت لا بأس به من غیر تغن، کذا فی الخلاصة". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۲، ۴۴۶، رشیدیه) =

جاوے (۱) تکبیر میں بھی اگر ایسا ہی حال ہو وہ بھی درست نہیں ہے اس سے سنت ادا نہیں ہوگی (۲)۔ صحیح پڑھنے

= "قال رحمه الله تعالىٰ: بلاترجيع و لحن". (تبيين الحقائق). قال الشيخ الشلبي :"(قوله : و لحن) قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله: بلاترجيع ولحن: فيقال: لحن في القراة طرب وترنم، مأخوذ من إلحان الأغاني، فلاينقص شيئاً من حروف و لا يزيد في أثنائه حرفاً، و كذا لا يزيد و لا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغير ذلك لتحسين الصوت، فأما مجرد تحسين الصوت بلاتغيير، فإنه حسن اهـ". (حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/ ٢٤١، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/ ١٣٣، سعيد)

"والمجتبى شد: يكره التلحين عندنا، وبه قال مالك والشافعي لقول ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما لمؤذن: والله! إني لأبغضك في الله؛ لأنك تغني في الأذان، انتهى". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ٢/ ١٣، سهيل اكيڈمی لاهور)

(١) "و كذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها". (الدر المختار).

قال ابن عابدينؒ: "أقول: و قد ذكرنا في الإمداد بحثاً أن كون الإعادة بترك الواجب واجبة لا يمنع أن تكون الإعادة مندوبةً بترك سنة اهـ، و نحوه في القهستاني، بل قال في فتح القدير: والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريمٍ فتجب الإعادة، أو تنزيه، فتستحب اهـ". (كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/ ٤٥٧، سعيد)

(٢) "وإذا أراد الشروع في الصلاة كبّر...... بالحذف إذ مدّ الهمزتين مفسد، و تعمده كفر، وكذا الباء في الأصح". (الدر المختار كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ١/ ٤٧٩، ٤٨٠، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: وكبر بلامدّ لمارويناه، ولما روى عن عبد الله بن الزبير رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: صليت خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فكان لايتم التكبير: أي لا يمدّ. و كان إبراهيم النخعي يقول: التكبير جزم، ويروى خذم بالخاء والذال: أى سريع". (تبيين الحقائق).

و في حاشية الشيخ الشلبي: "قوله: و كبر بلا مد لما روينا أى من أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يكبر عند كل خفض و رفع". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/ ٢٩٦، دارالكتب العلميه بيروت)

والے کو مؤذن ومکبر مقرر کیا جاوے(۱)۔

"ولالحن فيه: أی تغنی بغير كلماته، فإنه لايحل فعله وسماعه، اهـ". درمختار۔

"(قوله: بغير كلماته): أی بزيادة حركة، أو حرف، أومد، أو غيرها فی الأوائل و الأواخر، اهـ". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً -مجمع الأنهر- الأعلم بأحكام الصلوة ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة". (الدر المختار).

و فی رد المحتار: "(قوله: ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً) أفاد بذلك أن معنى قولهم: أقرأ: أی أجود، لاأكثرهم حفظاً وإن جعله فی البحر متبادراً، و معنى الحُسن فی التلاوة أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف و ما يتعلق بها، قهستانی". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

"عن أبی مسعود الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرءهم لكتاب الله، فإن كانوا فی القرأة سواءً، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا فی السنة سواءً، فأقدمهم هجرةً، فإن كانوا فی الهجرة سواء، فأقدمهم سَلَماً. و لايؤمّنّ الرجلُ الرجلَ فی سلطانه، و لا يقعد فی بيته على تكرمته إلا بإذنه". قال الأشج: فی روايته مكان سَلَماً سِناً". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمی)

(وجامع الترمذی، كتاب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۹۳، مكتبه امداديه ملتان)

"و منها: أی من صفات المؤذن: أن يكون عالماً بالسنة لقوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "يؤمكم أقرأكم، و يؤذن لكم خياركم، وخيار الناس العلماء". و لأن مراعاة سنن الأذان لا يأتی إلا من العالم بها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيمايرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۲۴۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

"وينبغی أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة، كذا فی النهاية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۳، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

اذان میں لفظ "اللہ" کے "لام" کو کھینچنا

سوال[۲۲۰۸]: جولوگ اذان کے دوسرے "اللہ اکبر" کے "لام" کو کھینچتے ہیں اور "الصلوۃ خیر من النوم" میں "لام" کو خوب کھینچ کر پڑھتے ہیں، اذان میں خوب چڑھاؤ اُتار کیا جاتا ہے، آج کل اکثر مسجدوں میں ایسی ہی اذانیں پڑھی جاتی ہیں۔ شرعی طور پر لفظ "اللہ اکبر" کے "لام" کو کتنا کھینچا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ "اللہ اکبر" کے "لام" پر مدِ تعظیمی کرنے کو بعض قراء نے درست لکھا ہے اور اذان میں مدِ صوت مقصود بھی ہے تاکہ دور تک آواز پہونچے، فقہاء نے بھی اطالتِ کلمات کی تصریح کی ہے(۱)، مگر موسیقی کے طور پر اتار چڑھاؤ کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و یجوز إجراء وجه مدّ "لا إله إلا الله" عند من أجرى المدّ للتعظيم كما قدمنا في باب المدّ، بل كان بعض من أخذنا عنه من شيوخنا المحققين يأخذون بالمدّ فيه مطلقاً مع كونهم لم يأخذوا بالمدّ للتعظيم في القرآن .... وهو المد للتعظيم في الذكر". (النشر في القرآء ت العشر، حكم الإتيان بالتكبير و سببه : ۲/۴۳۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "و فسر الترسل في الفوائد بإطالة كلمات الأذان والحدر قصرها و إيجازها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۴۲۸، رشيديه)

"و قيل بتطويل الكلمات .... وكل ذلك مطلوب في الأذان، فيطول الكلمات بدون تغن و تطريب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۶، قديمي)

"سن للفرائض بلا ترجيع و لحن : أي ليس فيه لحن: أي تلحين وهو كما في المغرب التطريب والترنم يقال: لحن في قراء ته تلحيناً طرب فيها و ترنم .... ولهذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدي إلى تغيير كلماته ، و قد صرحوا بأنه لا يحل فيه، و تحسين الصوت لا بأس به من غير تغنٍ، .... فظهر من هذا أن التلحين هو إخراج الحرف عما يجوز له في الأداء من نقص من الحروف أو من كيفياتها، و هي الحركات والسكنات أو زيادة شيء فيها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۴۲۵، ۴۲۶، رشيديه) .... =

اذان ترنم کے ساتھ

سوال[۲۲۰۹]: آج کل ہمارے یہاں نوجوانوں کواذان دینے کا شوق اس قدر ہوگیا ہے کہ ایک وقت کی بھی بانگی صاحب کے حصے میں آتی نہیں ہے لیکن یہ نوجوان اذان کے ہر کلمہ کے یعنی جملہ کے اخیر میں اس قدر"آ آ آ آ آ آ آ آ" اوراس الفاظ میں اتار چڑھاؤ کا موسیقی ترنم لگاتے ہیں کہ ہر جملہ سے تین چار گنا وقت کھینچ کر سامعین کو پریشان کرتے ہیں، گھڑی کا شمار چھ سے سات منٹ سے بڑھ جاتی ہے۔لہٰذا اس ترنم والی موسیقی اذان دینے میں ازروئے شریعت کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بعدہٗ اذان کے اختتام پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان موسیقی ترنم کے ساتھ دینا جس سے اصلی حروف میں زیادہ کھینچ تان ہوجائے منع ہے، خلاف سنت ہے(۱)، ایسی اذان کا جواب بھی لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۱، امداديه ملتان)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة و كيفيتهما: ۱/۵۶، رشيديه)

(۱)"و لا لحن فيه: أي تغنّي بغير كلماته، فإنه لا يحل فعله وسماعه". (الدر المختار).

"(قوله: بغير كلماته): أي بزيادة حركة أو حرف أو مدّ أو غيرها في الأوائل والأواخر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

"و منها ترك التلحين في الأذان ؛ لماروى أن رجلاً جاء إلى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: إني أحبك في الله تعالىٰ: فقال ابن عمر: إني أبغضك في الله تعالىٰ: فقال: لِمَ ؟ قال: لأنه بلغني أنك تغنّي في أذانك، يعني التلحين". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۳۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"سن للفرائض بلاترجيع و لحن". (الكنز). "(قوله: و لحن) .... و لهذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدي إلى تغيير كلماته، و قد صرحوا بأنه لا يحل فيه، وتحسين الصوت لا بأس به من غير تغنٍ، كذا في الخلاصة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۲، ۴۴۶، رشيديه)

(۲)"و يجيب من سمع الأذان بأن يقول كمقالته إن سمع المسنون منه، و هو ما كان عربياً لا لحن فيه". =

اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال[۲۲۱۰]: جس مؤذن کا سانس اتنا کم ہو کہ وہ جب اذان دے تو سانس ختم ہونے کی وجہ سے کلمہ کا آخری حرف ختم ہو جاتا ہے اور دانت ٹوٹنے کی وجہ سے سامعین کو ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف معلوم ہوتا ہو تو کیا ایسے شخص کی اذان ہو جاتی ہے؟ اور ایسے شخص کا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اذان دینے کے لئے ملازم ہے تو صحیح حرف ادا کرے، کوئی حرف کم نہ کرے ورنہ دوسرا شخص جو اہل ہو وہ اذان دیا کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۸ھ۔

= (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، سعيد)

(وكذا في السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

سوال میں ایک جز اذان کے اختتام پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بھی ہے، جس کا جواب حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے فتویٰ میں نہیں، جواب اور تفصیل کے لئے دیکھئے: الفصل الرابع في الدعاء بعد الأذان.

(۱) "قال رحمه الله تعالىٰ: بلاترجيع و لحن". (تبيين الحقائق). قال الشيخ الشلبي: "(قوله: و لحن) قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله: (بلاترجيح ولحن): يقال: لحن في القرأة طرب ورنم مأخوذ من ألحان الأغاني، فلاينقص شيئاً من حروف و لا يزيد في أثنائه حرفاً و كذا لا يزيد و لا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغير ذلك لتحسين الصوت، فأما مجرد تحسين الصوت بلاتغيير، فإنه حَسَنٌ اهـ". (تبيين الحقائق مع الشلبي، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۱، دارالكتب العلميه بيروت)

"و منها: أى من صفات المؤذن: أن يكون عالماً بالسنة لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمكم أقرأكم، و يؤذن لكم خياركم، وخيارالناس العلماء". و لأن مراعاة سنن الأذان لا يأتي إلا من العالم بها". =

کلماتِ اذان میں فصل وصل

سوال[۲۲۱۱]: ہمارے یہاں اذان سننے کے بارے میں سخت اختلاف ہو چکا ہے یعنی ایک شخص نے اذان کہتے وقت "اللہ أکبر" کے کلمہ کو ایک سانس میں دو مرتبہ نہ کہا بلکہ ہر کلمہ کو چار مرتبہ علیحدہ علیحدہ کہہ دیا تو اس پر بعضوں نے کہا کہ اس کی اذان درست ہے بعض نے کہا کہ درست نہیں ہے، اس پر سخت جھگڑا ہو گیا۔ حقیقتاً یہ اذان درست ہوئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شروعِ اذان میں جب مؤذن چار مرتبہ "اللہ أکبر" کہتا ہے تو اس کو چار آواز سے علیحدہ علیحدہ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ دو آواز سے کہنا چاہئے یعنی ایک آواز میں دو مرتبہ "اللہ أکبر" کہے، هكذا في الطحطاوي (۱)، تاہم اگر سانس کم ہو اور ایک سانس میں دو مرتبہ نہ کہہ سکے تو ایسی طرح کہے کہ جس سے دو مرتبہ "اللہ أکبر" میں اتنا فصل نہ ہو جتنا چار مرتبہ میں ہوتا ہے، اس طرح اذان درست ہو جائے گی اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ کوئی بڑے سانس والا اذان کہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۲/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۳/صفر/ ۵۷ھ۔

= (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۲۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۳، رشيديه)

(۱) "و يتمهل يترسل في الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين، و يسرع: أي يحدر في الإقامة للأمر بهما في السنة". (مراقي الفلاح). وقال الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بين كل كلمتين): أي جملتين إلا في التكبير الأول، فإن السكتة تكون بعد تكبيرتين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۶، قديمي)

(۲) "قوله: (و يترسل فيه و يحدر فيها): أي يتمهل في الأذان و يسرع في الإقامة، وحدّه أن ينفصل بين كلمتي الأذان بسكتة بخلاف الإقامة للتوارث، و لحديث الترمذي أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال =

ایضاً

سوال[۲۲۱۲]: شروعِ اذان میں "اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر" چار مرتبہ ہے، ان کو بغیر سکتہ کے ایک آواز میں دوبار پڑھے یا سکتہ کے ساتھ ایک آواز میں ایک بار، علیٰ ہذا القیاس شہادتین وغیرہ؟ پوری ترکیب مع اقوالِ فقہاء تحریر فرمادیں۔

والسلام شریف احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک سانس میں دومرتبہ لفظ "اللّٰہ أکبر" کو اس طرح پڑھنا چاہیے کہ "اکبر" کی "را" ساکن ہو اور بغیر سکتہ کے دوبار پڑھا جائے، دومرتبہ پڑھ کر سکتہ کرکے پھر دوسرے سانس میں اسی طرح دوبار پڑھنا چاہیے۔ کلمہ شہادتین ایک سانس میں ایک مرتبہ پڑھ کر سکتہ کرکے دوسری سانس میں دوسری مرتبہ پڑھا جائے، غرض جس طرح لفظ "اللّٰہ أکبر" دومرتبہ ایک سانس میں پڑھ کر سکتہ کیا جاتا ہے اسی طرح کلمہ شہادت ایک سانس میں ایک مرتبہ کہہ کر کرنا چاہیے۔ یہی حکم تہلیل کا ہے:

"ویترسل فیه، ویحدر فیها: أی یتمهل فی الأذان و یسرع فی الإقامة، و حدّه أن یفصل بین کلمتی الأذان بسکتة بخلاف الإقامة (إلی أن قال): و یسکن کلمات الأذان و الإقامة". بحر: ۱/۲۵۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

لبلال: "إذا أذنت فترسل فی أذانک، و إذا أقمت فاحدر"، فکان سنةً فیکره ترکه". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سنن الأذان: ۱/۲۴۲، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریه، کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة و کیفیتهما: ۱/۵۶، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، ۴۴۸، رشیدیه)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سنن الأذن: ۱/۲۴۲، دارالکتب العلمیة، بیروت)=

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

"حی علی الصلوۃ" چار مرتبہ کہنا

سوال[۲۲۱۳]: تکبیر کہتے وقت "حی علی الصلوۃ" چار مرتبہ پڑھنے سے تکبیر ہو جاتی ہے یا کچھ کمی رہتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"حی علی الصلوۃ" چار مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ ہے، چار مرتبہ غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

"الصلوۃ خیر من النوم" کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا

سوال[۲۲۱۴]: ہمارے محلہ میں ایک حافظ صاحب صبح کی اذان پڑھتا ہے تو وہ "الصلوۃ" پڑھ کر قصداً سانس توڑ دیتا ہے اور پھر "خیر من النوم" پڑھتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ یہ سانس توڑنا سنتِ رسول ہے اور بڑا ثواب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس مؤذن کا یہ طریقہ غلط ہے اور اس کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا بڑی غلطی ہے: "الصلوۃ خیر

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان والإقامة: ۱/ ۵۶، رشیدیه)

(۱) "عن أبي محذورة قال: ألقی عليّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم التأذين هو بنفسه، فقال: "قل: الله أکبر الله أکبر الله أکبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمداً رسول الله، أشهد أن محمداً رسول الله .... حي علی الصلوة حي علی الصلوة، حي علی الفلاح، حي علی الفلاح، الله أکبر، الله أکبر". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الأول: ۱/ ۶۳، قدیمي)

(وسنن أبي داؤد، کتاب الصلوة، باب کیف الأذان: ۱/ ۷۲، سعید)

من النوم " کے دوٹکڑے نہ کئے جائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و يترسل في الأذان، و يحدر في الإقامة، و هذا بيان الاستحباب. والترسل أن يقول: "الله أكبر الله أكبر" و يقف ثم يقول مرةً أخرى مثله، وكذلك يقف بين كل كلمتين إلى أخر الأذان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة و كيفيتهما: ۱/۵۶، رشيديه)

"و يترسل فيه بسكتة بين كل كلمتين" (الدر المختار). "و هذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۱، امداديه)

"(قوله: لحن) فلا ينقص شيئاً من حروفه، و لا يزيد في أثنائه حرفاً، و كذا لا يزيد و لا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات و غير ذلك لتحسين الصوت". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۹۰، امداديه)

"و يتمهل: يترسل في الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين: أي جملتين إلا في التكبير الأول، فإن السكتة تكون بعد تكبيرتين". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۶، قديمي)

"و يزيد في أذان الفجر بعد الفلاح "الصلاة خير من النوم" مرتين لما روى ابن ماجة عن سعيد بن المسيب عن بلال أنه أتى النبي ﷺ يؤذنه بصلوة الفجر، فقيل: هو نائم، فقال: الصلوة خير من النوم مرتين، فأقرت في أذان الفجر". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في السنن، ص: ۳۷۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، مسائل الأذان: ۱/۷۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۳۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث فی إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے؟

سوال[۲۲۱۵]: ۱......اذان کے جواب میں وہی الفاظ کہیں یا دوسرے؟

۲......مسجد میں ہو تو اذان کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

۳......اگر تعلیم و تقریر ہو رہی ہو تو اس کو بند کر کے جواب دینا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسجد میں یا باہر سب جگہ وہی الفاظ کہیں البتہ "حی علی الصلوۃ" و "حی علی الفلاح" پر "لاحول ولا قوة إلا باللّٰہ" کہیں(۱)۔

---

(۱) "و يجب من سمع الأذان بأن يقول كمقالته، إلا في الحيعلتين، فيحوقل". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، سعید)

"يجب على السامعين عند الأذان الإجابة: و هي أن يقول مثل ما قال المؤذن، إلا في قوله: "حي على الصلاة"، حي على الفلاح، فإنه يقول مكان "حي على الصلاة"، لاحول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم، ومكان قوله: "حي على الفلاح": ما شاء الله كان و مالم يشأ لم يكن، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، و مما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشيديه)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل مايقول المؤذن".

"حدثنا إسحق قال: حدثنا وهب بن جرير قال: حدثنا هشام عن يحيىٰ نحوه، قال: يحيىٰ وحدثني بعض إخواننا أنه قال: لمّا قال: حي على الصلوة، قال: لاحول و لا قوة إلا بالله، وقال: هكذا =

۲...... مسجد میں رہتے ہوئے جب اذان ہو تب بھی جواب دینا چاہئے (۱)۔

۳...... تقریر و تعلیم بند کر کے جواب دینا افضل ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کا جواب دینا واجب ہے

سوال[۲۲۱۶]: اذان کا جواب دینا کیسا ہے، جو شخص مسجد میں موجود ہو تو کیا اس کے لئے جواب دینا واجب ہے اور مسجد کے باہر ہو تو اس کے لئے مستحب ہے؟ مولانا مشتاق صاحب انبیٹھوی نے اپنا ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ ''اذان کا جواب دینا واجب ہے اس شخص کے واسطے جو مسجد میں موجود ہے اور جو مسجد کے باہر ہے تو اس کے واسطے مستحب ہے، جو موذن کہے سننے والا بھی وہی جواب میں کہے''۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے، کذا فی ردالمحتار: ۱/ ۲۷۹ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وضو کے دوران اذان کا جواب دے یا دعائے وضو پڑھے؟

سوال[۲۲۱۷]: اگر کوئی وضو کر رہا ہے مسجد میں اور اذان بھی ہو رہی ہے تو وضو کی دعاء پڑھے یا

= سمعنا نبيكم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول". (الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادى: ١/ ٨٦، قديمي)

(١) "فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله، ويجيب لو أذان مسجده كما يأتي، و لو بمسجدٍ، لا؛ لأنه أجاب بالحضور، و هذا متفرع على قول الحلواني، و أما عندنا فيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا: مثل مايقول". (الدر المختار)

"(قوله: و لو بمسجدٍ، لا): أى لايجب قطعها بالمعنى الذى ذكرناه آنفاً، فلاينافي ماقدمه من أن إجابة اللسان مندوبة عند الحلواني، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/ ٣٩٨، ٣٩٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/ ٤٥١، رشيديه)

(٢) (راجع الحاشية المتقدمة)

(٣) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے؟'')

اذان کے الفاظ دہرائے جائیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جواب اذان کی حدیث بہ نسبت دعائے وضو کی حدیث کے قوی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "والدعاء بالوارد عنده: أی عند كل عضو، و قد رواه ابن حبان وغيره عنه عليه الصلوة والسلام من طرق، قال محقق الشافعية الرملي : فيعمل به في فضائل الأعمال و إن أنكره النووی". (الدرالمختار).

"(قوله: و إن أنكره النووی) حمل الرملي كما في الشرنبلالية إنكاره له من جهة الصحة ، قال: أما باعتبار وروده من الطرق المتقدمة، فلعله لم يثبت عنده ذلک، أو لم يستحضره حينئذ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار ، كتاب الطهارة : ۱/۱۲۷، ۱۲۸، سعيد)

"قوله: أی المنقول عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم والصحابة، والتابعين، قال ابن أمير حاج : سئل شيخنا حافظ عصره شهاب الدين بن حجر العسقلاني عن الأحاديث التي ذكرت في مقدمة أبي الليث في أدعية الأعضاء ، فأجاب بأنها ضعيفة، والعلماء يتساهلون في ذكر الحديث الضعيف، والعمل به في الفضائل، و لم يثبت منها شيء عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لا من قوله، و لا من فعله اهـ. و طرقها كلها لا تخلوا عن متهم بوضع . ونسبة هذه الأدعية إلى السلف الصالح أولیٰ من نسبتها إلى رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم حذراً من الوقوع في مصداق: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" . و عن هذا قالوا: كما في التقريب و شرحه : إذا أردت رواية حديث ضعيف بغير إسناد ، فلا تقل: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ، و ما أشبه ذلک من صيغ الجزم، بل قل: روي عنه كذا ، أو بلغنا ، أو ورد ، أو جاء، أو نقل ، و ما أشبهه من صيغ التمريض، و كذا فيما في صحته وضعفه. أما الصحيح فاذكره بصيغة الجزم. قال الهندی وغيره : و لم يثبت منه إلا الشهادتان بعد الفراغ، قاله السيد عن النهر". (حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء أربعة، ص: ۷۵، قديمی)

"الثامن: أن الأدعية المذكورة في كتب الفقه قال النووی: لا أصل لها، والذی يثبت الشهادة بعد الفراغ من الوضوء، و أقره عليه السراج الهندی في التوشيح". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۵۸، رشيديه)

=

متوضی وضو کی دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے؟

سوال[۲۲۱۸]: زید نے وضو شروع کیا اور مؤذن نے اذان شروع کردی تو اس متوضی کے لئے وضو کی دعا پڑھنا افضل ہے یا اذان کا جواب دینا افضل ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

اذان کا جواب دینا بہتر ہے کہ اس کے لئے صیغۂ امر ہے: "قولوا مثل ما يقول المؤذن" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب

سوال[۲۲۱۹]: ایک آدمی مسجد میں وضو کر رہا ہے، یا قرآن پڑھ رہا ہے یا حدیث وفقہ پڑھ رہا ہے

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الطهارة: ۱/۵۰، امداديه ملتان)

"وأن يدعوا عند غسل كل عضو بما جاء في الآثار عن السلف الصالحين". (الحلبي الكبير: آداب الوضوء، ص: ۳۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع النداء: ۱/۸۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۱/۱۶۶، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب ما يقول إذا سمع المؤذن: ۱/۷۷، دار الحديث ملتان)

(وجامع سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۱/۵۱، سعيد)

(۱) الحديث بتمامه: "عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع النداء: ۱/۸۶، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب ما يقول إذا سمع المؤذن: ۱/۷۷، دار الحديث ملتان)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن: ۱/۵۱، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۱/۱۶۶، قديمي)

یا وعظ وتقریر کررہا ہے اور ادھر مؤذن نے اذان شروع کردی تو کیا یہ اپنا عمل روک کر اذان کا جواب دے یا اپنا عمل جاری رکھے؟ مفصل تحریر فرمائیں کہ کن صورتوں میں کیا کیا احکام ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وضو کرتا رہے، بقیہ امور میں افضل یہ ہے کہ ان کو بند کرکے اذان کا جواب دے، لیکن اگر ان کو جاری رکھا تب بھی گناہ نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب

سوال [۲۲۲۰]: اذان کے وقت قضا نمازیں، نوافل، یا تلاوت قرآن پاک جائز ہے یا نہیں؟ تلاوت جاری رکھے یا اذان کا جواب دے؟ اسی طرح وضو کرتے وقت اذان سنائی دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نماز قضاء یا نفل نماز پہلے شروع کردی ہے اور درمیان میں اذان ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ اول اذان

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع النداء: ۱/۸۶، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۱/۱۶۶، قدیمی)

"و یجب وجوباً، و قال الحلوانی: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان بأن یقول کمقالته إلا فی الحیعلتین، و فی الصلوۃ خیر من النوم .... فیقطع قراءۃ القرآن لو کان یقرأ بمنزله ویجیب، و لو بمسجد، لا؛ لأنه أجاب بالحضور، و هذا متفرع علی قول الحلوانی، و أما عندنا فیقطع و یجیب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فی حدیث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۹، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوۃ، الباب الثانی فی الأذان، ومما یتصل بذلک إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشیدیه)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فیما یجب علی السامعین: ۱/۲۶۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

کا جواب دے پھر دعائے وسیلہ پڑھے پھر نماز شروع کرے(۱)۔ اگر حالتِ تلاوت میں اذان ہوجائے تو یہ بہتر ہے کہ تلاوت روک کر اذان کا جواب دے پھر دعا پڑھے پھر اعوذ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔ وضو کی حالت میں اذان کا جواب بھی دیتا رہے وضو بھی کرتا رہے، شامی: ۲۶۷/۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(ويجيب) .... (من سمع الأذان) .... لا حائضاً ونفساء [أى لا يجيب إذا كان السامع حائضاً مابعده] وسامع خطبة وفى صلاة جنازة وجاع، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف القرآن". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله بخلاف قرآن) ؛ لأنه لايفوت، جوهرة. ولعله؛ لأن تكرار القراءة إنما هو للأجر، فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلىٰ هذا لو يقرأ تعليماً أو تعلماً، لا يقطع، سائحاتى". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد: ۳۹۶/۱، سعيد)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ چونکہ اِجابتِ اذان کی قضاء یا کوئی جبیرہ نہیں اور قضاء یا نفل نماز کا جبیرہ قضاء ہے، لہٰذا اگر اذان کے لئے ان اشیاء میں تأخیر کی جائے تو بظاہر انسب ہے۔

(۲) "و يجب من سمع الأذان بأن يقول بلسانه كمقالته، إلا فى الحيعلتين: فيحوقل، و فى : الصلوة خير من النوم .... و يدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فيقطع قرأة القرآن لو كان يقرأبمنزله، و يجيب لو أذان مسجده كماياتى، ولو بمسجدٍ، لا؛ لأنه أجاب بالحضور، و هذا متفرع على قول الحلوانى، و أما عندنافيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر فى حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۹۸/۱، ۳۹۹، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۴۵۱/۱، رشيديه)

"و لا يشتغل بقراءة القرآن و لا بشىء من الأعمال سوى الإجابة، و لو كان فى القرأة ينبغى أن يقطع و يشتغل بالاستماع والإجابة، كذا فى البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثانى فى الأذان ، و مما يتصل بذلك إجابة المؤذن : ۵۷/۱، رشيديه)

بوقتِ اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے؟

سوال[۲۲۲۱]: جس وقت کوئی شخص اذان سنے اس وقت تلاوت موقوف کردے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مسجد میں تلاوت کر رہا تھا تب تو تلاوت کو جاری رکھے، اگر خارجِ مسجد یا اپنے مکان وغیرہ میں تھا تو تلاوت کو موقوف کر کے اذان کا جواب دے، تنویر الأبصار: ۱/۴۱۴(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

وعظ کے دوران اذان شروع ہو جائے

سوال [۲۲۲۲]: ایک شخص چند آدمیوں کو لے کر مسجد میں یا بیرونِ مسجد درس کی صورت میں کوئی دینی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے، یا زبانی وعظ کر رہا ہے، اسی دوران کسی نماز کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے اور اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، اب کتاب سنانے والے کو کتاب پڑھنا بند کر دینا چاہئے یا کہ جاری رکھنا چاہیے؟ نیز اس صورت میں کتاب پڑھنے والے یا وعظ کہنے والے کو اور سننے والے اصحاب کو اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ جب اذان شروع ہو جائے تو کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے پھر دعائے اذان پڑھ کر کتاب، تلاوت، وعظ، تقریر حسبِ موقع شروع کریں، ردالمحتار وغیرہ کتبِ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔ حدیث شریف میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "تلاوت اور وضوء کے درمیان اذان کا جواب")

(۲) "و يجب من سمع الأذان بأن يقول بلسانه كمقالته، إلا في الحيعلتين: فيحوقل، و في: الصلوة خير من النوم .... و يدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله، و يجيب لو أذان مسجده كما يأتي، ولو بمسجد، لا؛ لأنه أجاب بالحضور، و هذا متفرع على قول الحلواني، و أما عندنا فيقطع و يجيب بلسانه مطلقاً، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۸، ۳۹۹، سعيد) .... =

"فقولو مثل ما يقول المؤذن"(۱)، فتح القدیر میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

حیعلتین کا جواب

سوال[۲۲۲۳]: بہشتی زیور جلد نمبر:۱۱، باب اجابت المؤذن کے ایک مسئلہ سے شبہ واقع ہوتا ہے مہربانی کرکے اس کا ازالہ فرمائیں حضرت مولانا یہ بیان فرماتے ہیں:

"جو لفظ مؤذن کی زبان سے سنے وہی کہے مگر "حي على الصلوة حي على الفلاح" کے جواب میں "لاحول ولا قوة إلا بالله" بھی کہے"(۳)۔بظاہر اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حي على الصلوة وحي على الفلاح" کے جواب میں اس لفظ کو بھی دہرائے اور ساتھ ہی "لاحول ولا قوة إلا بالله" بھی کہے، لیکن اس مسئلے کے حوالہ میں جو عبارت مراقی الفلاح کی پیش کی گئی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "لاحول ولا قوة إلا بالله" بھی کہے اس کے ساتھ حیعلتین بھی کہے، پوری عبارت مراقی الفلاح کی ملاحظہ فرمائیں:

"حيعلتين هما: حي على الصلوة وحي على الفلاح كما ورد؛ لأنه لوقال مثلهما

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۱، رشيديه)

"و لا يشتغل بقراءة القرآن و لا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، و لو كان في القرأة ينبغي أن يقطع و يشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، و مما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷،رشيديه)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب مايقول إذا سمع المنادى: ۱/۸۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۱/۱۶۶، قديمي)

(۲) "لكن ظاهر الأمر في قوله صلى الله عليه وسلم: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول" الوجوب؛ إذ لا تظهر قرينة تصرفه عنه بل ربما يظهر استنكار تركه؛ لأنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه. وفي التحفة: ينبغي أن لا يتكلم ولا يشتغل بشئي حال الأذان أو الإقامة". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۸، ۲۴۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (بہشتی زیور حصہ یازدہم، اذان واقامت کے احکام، ص:۷۴۵، دارالاشاعت کراچی)

کالمستهزئ؛ لأنه من حكى لفظ الآخر بشئ كان مستهزئًا بخلاف باقي الكلمات؛ لأنه ثناء، والدعاء مستحاب بعد إجابته بمثل ماقال". باب الأذان: ۱/۳٤(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی،ص:۱۱۰، میں ہے:"واختار المحقق في الفتح الجمع بين الحيعلة و الحوقلة عملاً بالأحاديث الواردة و جمعاً بينها"(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب

سوال[۲۲۲۴]: ''بوقتِ اذان جو شخص باتیں کررہا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا''۔ یہ لکھا ہے بہار شریعت میں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اذان کا جواب دینا چاہیے، باتیں بند کردینا چاہئے، یہ طریقہ ناپسند ہے کہ باتیں ہوتی رہیں اور اذان کا جواب نہ دیا جائے(۳)، مگر یہ غلط ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۹/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۰۳، ۲۰۴، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص:۲۰۳، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشيديه)

(۳) "و يجب وجوباً، وقال الحلواني ندباً، والواجب الإجابة بالقدم، من سمع الأذان بأن يقول بلسان كمقالته، إلا في الحيعلتين فيحوقل". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، سعيد)

(والفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، و مما يتصل بذلك إجابة المؤذن: ۱/۵۷، رشيديه)

اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا

سوال[۲۲۲۵]: دوحدیثوں کا مفہوم ہے کہ اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے اور مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ۴۰/ برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں یا نماز کے لئے آتے وقت یا بوقتِ اذان لین دین یا باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے تو شدید تکلیف ہوگی۔ ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے، اگر نماز کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے تو یہ اس حکم میں نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "فإذا كان يتكلم في الفقه والأصول يجب عليه الإجابة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٢٠٢، قديمي)

(١) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المسجد، وعن البيع والاشتراء فيه، وأن يتحلق الناس يوم الجمعة قبل الصلوة في المسجد". رواه أبو داود والترمذي".

"وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة". رواه البيهقي في شعب الإيمان.". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة: ١/٧٠، قديمي)

"والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله". (الدرالمختار).

"(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. و في صلاة الجلابي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولىٰ أن يشتغل بذكر الله تعالى" . (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٦٦٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف اهـ. ٥/٣٢١، رشيديه)

الفصل الرابع فی الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعاء کا بیان)

اذان کے بعد دعاء کا حکم

سوال[۲۲۲۶]: اذان کے بعد مناجات کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے بعد دعائے وسیلہ مستحب ہے:

"ویندب قیام عند سماع الأذان، ویدعو عند فراغه بالوسیلة لرسول صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". درمختار: ۱/۴۱۳(۱)"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/۱۰/۵۹ھ، صحیح: عبداللطیف، ۹/۱۰/۵۹ھ۔

اذان کے بعد دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا

سوال[۲۲۲۷]: اذان کی جو دعاء پڑھی جاتی ہے اس کے لئے ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۷، ۳۹۸، سعید)

"عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "من قال حین یسمع النداء: اللّٰھم رب ھذه الدعوة والصلاة القائمة آتِ محمداً الوسیلة والفضیلةوابعثه مقاماًمحموداً الذی وعدته، حلّت له شفاعتی یوم القیامة". ...... رواه البخاری".

"دلالة أحادیث الباب علی الباب ظاھرة، والأمر محمول علی الاستحباب". (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، باب الدعاء للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بعد الأذان والصلاة علیه: ۲/۱۱۰، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی)

(وکذا فی ملتقی الأبحر، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۷۸،دارإحیاء التراث العربی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتبِ حدیث وفقہ میں اس دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ کہیں نہیں دیکھا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اذان کے بعد کی دعاء میں رفع یدین

سوال[۲۲۲۸]: بوقتِ دعائے اذان دست برداشتن چه حکم دارد؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

درین مقام خصوصاً رفعِ یدین و عدمِ رفع هیچ در روایتے از نظر نگذشته، و لیکن چونکه برائے دعاء مطلقاً رفعِ یدین مستحب است، پس درین موضع نیز اگر کسے برین استحباب عمل نماید گنجایش دارد، واگر ترکِ رفع کند نیز لا باس به است. و چون خصوصاً درین مقام رفع نیز ثابت نیست چنانکه عدمِ رفع ثابت نیست، پس فوت ثواب استحباب از ترکِ رفع نیز لازم نه آید، هکذا فی امداد الفتاوی(۲) و مجموعة الفتاویٰ(۳) وغیرهما. و از بعض عبارت معلوم میشود که عدمِ رفع افضل است، لعدم النقل الصریح (۴). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "والمسنون في هذه الدعاء ألا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رفعها، والتشبث فيه بالعمومات بعد ما ورد فيه خصوص فعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لغو، فإنه لو لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لنفعنا التمسك بها، وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدار الآخرة". (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۲/۱٦۷. خضر راه بكڈپو ديوبند الهند)

(۲) (امداد الفتاوی، کتاب الصلوة، باب الأذان والإقامة، حکم رفع ید در دعائے اذان: ۱/۱۰۵، دارالعلوم)

(۳) (مجموعة الفتاوی (اردو)، کتاب الصلوة: ۱/۳۰۰. و ایضاً فی کتاب الحظر والإباحة: ۲/۲۲۷، سعید)

(۴) "والمسنون في هذه الدعاء أن لا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال[۲۲۲۹]: بعد اذان ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا چاہئے یا بلا ہاتھ اٹھائے ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے ختم پر "محمد رسول اللّٰہ" کہنا

سوال[۲۲۳۰]: جوابِ اذان میں اخیر کلمہ "لا إلـه إلا الله" کے بعد اگر کوئی شخص "محمد رسول الله" پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جگہ ثابت نہیں، ویسے جس طرح "لا إلـه إلاالله" پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح "محمد رسول الله" پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۳۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= رفعها، والتشبث فيه بالعمومات بعد ما ورد فيه خصوص فعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لغوٌ، فإنه لو لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لنفعنا التمسک بها، و أما إذا نقل إلينا خصوص الفعل، فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرجو الله والدار الآخرة". (فيض البارى، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۲/۱۶۷، حضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "اذان کے بعد دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا")

الفصل الخامس فيما يكره في الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

بلا وضو اذان

سوال[۲۲۳۱]: بلا وضو اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وضو بھی اذان ہو جاتی ہے مگر ایسا کرنا بہتر نہیں، وضو کر کے اذان کہنا مستحب ہے:

"يستحب أن يكون المؤذن صالحاً وأن يكون علىٰ وضوء، و يكره إقامة المحدث وأذانه لما روينا من قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يؤذن إلا متوضى". واتبعت هذه الرواية لموافقتها لفن الحديث وإن صحح عدم كراهة أذان المحدث، و هو ظاهر الرواية والمذهب، كمافي الدر. اهـ". مراقی الفلاح و طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۶/۵۸ھ۔

جوابات صحیح ہیں: عبد الرحمٰن غفرلہ، ۲۹/۶/۹۸ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۹۷، ۱۹۹، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي)

"عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "لا يؤذن إلا متوضيء". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء: ۱/۵۰، سعيد)

"و لا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية، هكذا في الكافي، و هو الصحيح، كذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

کیا بغیر وضو اذان دینے سے نحوست برستی ہے؟

سوال[۲۲۳۲]: ایک شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بے وضو اذان پڑھی جائے تو جہاں تک اذان کی آواز پہونچتی ہے وہاں تک نحوست برستی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بلا وضو اذان کہنا شرعاً ناپسند ہے، کما فی کتب الفقه (۱)، مگر نحوست والی بات کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸/۱/۸۸ھ۔

بلا وضو اذان کی وعید

سوال[۲۲۳۳]: ایک مؤذن روزانہ پانچوں وقت کی اذان بغیر وضو کے دیتا ہے، جب اس کا جی چاہے تو کبھی وضو بھی کر لیتا ہے لیکن اکثر بغیر وضو کے اذان دیتا ہے۔ تو کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی اجازت ہے کہ بغیر وضو کے اذان پر دوام کیا جائے اور کیا شخصِ مذکور کو فاسق کہہ سکتے ہیں؟ امید ہے کہ جواب باحوالہ عنایت فرمایا جائے۔

نوٹ: اور مؤذن کا یہ عمل عمداً اور معمولاً بلا وضو اذان دینے کا ہے، لوگوں کے سمجھانے کے بعد بھی وہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : "لايؤذن إلا متوضىء".
(سنن الترمذي، أبواب الصلاة ، باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء : ۱/۵۰، سعيد)

"ويكره أذان جنب و إقامته، وإقامة محدث، لا أذانه على المذهب" (الدر المختار ، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۳۹۲، سعيد)

"و يستحب أن يكون المؤذن صالحاً وأن يكون على وضوء لقوله صلى الله عليه وسلم : "لايؤذن إلا متوضىء". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص:۱۹۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن : ۱/۵۴، رشيديه)

اس فعل سے باز نہیں آتا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"ويكره إقامة المحدث وأذانه لما روينا". مراقي الفلاح .... "وإن صح عدم كراهية المحدث، وهو ظاهر الرواية و المذهب۔ "(قوله: و أذانه لما روينا)من قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايؤذن إلا متوضئ". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۱۸(۱)۔

موذن کا بلاوضواذان دینے پر دوام کرنا اس حدیث کے خلاف ہے، اس کو ڈرنا چاہیے اور اس فعل سے بچنا چاہیے، تاہم اس کو فاسق کہنے سے بھی احتیاط کی جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۸۸ھ۔

اذان کے درمیان اگر وضوٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۲۳۴]: اذان دیتے وقت وضو ساقط ہوجائے تو اذان پوری کرنا چاہیے یا نہیں؟ اعادہ کی ضرورت تو نہیں؟

---

(۱)(مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قديمي)

"و ينبغي أن يؤذن ويقيم على طهر، فإن أذن على غير وضوء، جاز".

"ليكون متهيئاً لإجابة ما يدعو إليه". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۷۵، قديمي)

"عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه قال: حق وسنة أن لا يؤذن إلا و هو طاهر، ولا يؤذن إلا وهو قائم". رواه البيهقي والدار قطني في الأفراد وأبوالشيخ في الأذان". [كذا في تلخيص الحبير: ۱/۷۶، وقال فيه: إسناد حسن إلاأن فيه انقطاعاً اهـ].

قال المؤلف: "دلالته على تأكد الطهارة للأذان ظاهرة". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب استحباب الوضوء للأذان: ۲/۱۲۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

(۲) "تركه لا يوجب إساءةً ولا عتاباً، كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل". (الدر المختار، كتاب الصلوة، سنن الصلوة: ۱/۴۷۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان پوری کرلینا ہی درست ہے، اعادہ لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا

سوال[۲۲۳۵]: اگر کسی شخص کے مسجد میں ہوتے ہوئے اذان پڑھی جائے، اب اگر اذان کے بعد وہ شخص دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنا چاہے شرعاً کیا حکم ہے؟ اذان کے بعد بلا ضرورت دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص پر دوسری مسجد کی جماعت کا توقف ہے کہ اگر یہ نہ جائے تو وہاں جماعت نہ ہو تب اس کو دوسری جگہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں، وہیں جاکر نماز پڑھے، اگر اس پر توقف نہیں تو ایسی حالت میں مسجد سے نکلنا بلا ضرورت مکروہ ہے:

''کرہ خروجه من مسجد أذن فیه أو فی غیره حتی یصلی لقوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه

---

(۱)"وینبغي أن یؤذن ویقیم علی طهر، فإن أذن علی غیر وضوء جاز؛ لأنه ذِکرٌ ولیس بصلوٰة، فکان الوضوء فیه استحباباً، کما فی القراء ة". (الهدایة، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۹۰ مکتبه شرکة علمیه ملتان)

" و لا ملقن و ذهابه للوضوء لسبق حدث خلاصة". (الدرالمختار).

"(قوله: وذهابه للوضوء) لکن الأولی أن یتممهما ثم یتوضاء؛ لأن ابتداء هما مع الحدث جائز، فالبناء أولی، بدائع". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۳۹۳، سعید)

"و لو سبقه الحدث فی أحدهمافذهب لیتوضأ یستقبل .... غیره أو هو إذا رجع، هکذا فی فتاوی قاضیخان. قال مشایخنا رحمهم الله: الأولی أن یتم الأذان إن أحدث فیه، وأتم الإقامة إن أحدث فیها، ثم یذهب و یتوضا کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریه، کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفته وأحوال المؤذن : ۱/۵۵، رشیدیه)

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، باب الأذان، فصل فی بیان سنن الأذان : ۱/۶۴۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

وسلم:" لا يخرج من المسجد بعد النداء إلا منافق، أو رجل يخرج لحاجة يريد الرجوع". إلا إذا كان مقيم جماعة أخرى كإمام و مؤذن لمسجد اخر؛ لأنه تكميل معنى". مراقی الفلاح۔

قال الطحطاوی: "(كإمام) قيده في الكبير و شرح السير وغيرهما بإمام يتفرق الناس بغيبته، فيفيد أنه لو لم يكن بهذا المثابة لايخرج، والظاهر أن المؤذن إذا كان من يقوم مقامه عند غيبته يكره له الخروج أيضاً". طحطاوی،ص: ۲٦٥ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ڈاڑھی منڈانے والے کا اذان دینا

سوال[۲۲۳٦]: ڈاڑھی منڈانے والا اذان دے سکتا ہے یا تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

داڑھی منڈے کی اذان

سوال[۲۲۳۷]: جس طرح سے جناب نے شرح عقود کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے، قرآن خوانی

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، ص: ۴۵۷، قدیمی)

"وكره تحريماً -للنهي- خروجُ مَن لم يصل من مسجد أذّن فيه، إلا لمن ينتظم به أمر جماعة أخرى، أو كان الخروج لمسجدحيّه ولم يصلوا فيه، أو لأستاذه لدرسه، أو لسماع الوعظ أو لحاجة و من عزمه أن يعود، نهر". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۳۰۹، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲)"ويكره أذان جنب و إقامته، وإقامة محدث لا أذانه ....و امرأة وفاسق". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، ۴۵۸، رشيديه)

کے مسئلہ کے تحت کہ اب جو لوگ معترض تھے ان کی بولتی بند ہے، اسی طریقہ سے جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا خلافِ سنت رکھتا ہے اس کی اذان مکروہ ہے، اس کا اعادہ ضروری ہے، اگر اس کا حوالہ تحریر فرمادیں تو کم علم معترض کے لئے سکوت کا باعث ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"يحرم على الرجل قطع لحيته الخ". درمختار(۱)۔ "وأما الأخذ منها -وهى دون ذالك (أى دون القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال- فلم يبحه أحد الخ، وأخذ كلها كما يفعل يهود الهند ومجوس الأعاجم قبيح" درمختار(۲)۔

"ويكره أذان فاسق؛ لأن خبره لايقبل فى الديانات". مراقى الفلاح(۳)۔"(قوله: أذان فاسق) هو الخارج عن أمر شرع بارتكاب كبيرة، كذا فى الحموى، (قوله: لأن خبره لاتقبل الخ) فلم يوجد الإعلام المقصود الكامل". طحطاوى(٤)۔

"ويعاد أذان جنب الخ، زاد القهستانى: الفاجر والراكب والقاعد والماشى والمنحرف عن القبلة، وعلل الوجوب فى الكل بأنه غير معتدٍبه والندب بأنه معتدٍبه إلا أنه ناقص، قال: وهو الأصح، كما فى التمرتاشى". الشامى(٥)۔

"وينبغى أن لايصح أذان الفاسق بالنسبة إلى قبول خبره، والاعتماد عليه: أى لأنه

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ٦/٤٠٧، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ۴۱۸/۲، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفاره: ۳۴۸/۲، مصطفىٰ البابى الحلبى، بمصر)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ۴۹۰/۲، رشيديه)

(۳) (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۲۰۰، قديمى)

(۴) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قديمى)

(۵) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۹۳/۱، سعيد)

لایقبل قوله فی الأمور الدینیة، فلم یوجد الإعلام". صرح فی البحر ومنحة الخالق". شامی: ۱/۳۶۳، نعمانیه(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۴ھ۔

شطرنج کھیلنے والے کی اذان

سوال[۲۲۳۸]: مؤذن شطرنج کھیلتا ہے تو اسکی اذان میں شرعاً کچھ خرابی تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤذن متبع سنت ہونا چاہئے (۲)۔ اذان بہت بڑی امانت ہے (۳)، شطرنج ممنوع ہے (۴) اس

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۳، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۵۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "ثم اعلم أنه ذكر فى الحاوى القدسى: من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً صالحاً، عالماً بالسنن والأوقات". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۳، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۷، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى السعاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) "ولأن المؤذن مؤتمن قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين". (المبسوط للسرخسى، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۸، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(۴) "وكره تحريماً اللعب بالنرد، و كذا الشطرنج .... لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل لهو حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله و تأديبه لفرسه و مناضلته بقوسه". (الدر المختار).

و فى رد المحتار: " (قوله: والشطرنج) وإنما كره؛ لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوى، و جاء ه العناء الأخروى، فهو حرام و كبيرة عندنا، و فى إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين، كما فى الكافى والقهستانى". (كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۳۹۵، سعيد)

سے امانت میں فرق آتا ہے(۱) علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گناہ کبیرہ لکھا ہے:

"أخرج أبو بكر الأجرمي بسنده عن أبي هريزة رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا مررتم بهؤلاء الذين يلعبون بهذه الأزلام النرد والشطرنج وما كان من اللهو، فلاتسلّموا عليهم، فإنهم إذا اجتمعوا وأكبّوا عليها، جاء هم الشيطان بجنوده فأحدق بهم، كلما ذهب واحد منهم يصرف بصره عنها، ركزه الشيطان بجنوده، فما يزالون يلعبون حتى يتفرقوا كالكلاب اجتمعت علىٰ جيفة، فأكلت منها حتى ملأت بطونها، ثم تفرقت"۔

و في فتاوىٰ النووي: الشطرنج حرام عند أكثر العلماء، و كذا عندنا إن فوت صلوٰة عن وقتها، أو لعب بها على عوض، فإن انتفىٰ ذلك كره عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ، وحرام عند غيره اهـ". الزواجر عن اقتراف الكبائر(۲)۔

اس عبارت سے امام شافعی کا مذہب معلوم ہوگیا، ہر شخص کو اس سے بچنا لازم ہے، مؤذن کو اور بھی پرہیز ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "أما الشطرنج فلشبهة الاختلاف شرط واحد من ست، فلذا قال: أو يقامر بشطرنج أو يترك به الصلاة الخ". (الدر المختار).

" والحاصل أن العدالة إنما تسقط بالشطرنج إذا وُجد واحدٌ من خمسة: القمار، و فوت الصلوة بسببه، و إكثار الحلف عليه، واللعب به على الطريق كما في فتح القدير، أو يذكر عليه فسقاً، كما في شرح الوهبانية، بحر، كذا في الهامش". (ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه: ۴۸۲/۵، ۴۸۳،سعيد)

(۲) (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الشهادات، الكبيرة الخامسة والأربعون بعد الأربع مائة: اللعب بالشطرنج عند من قال بتحريمه: ۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، دارالفكر بيروت)

نشے کے عادی شخص کو مؤذن مقرر کرنا

سوال[۲۲۳۹]: مؤذن نشہ کرتا ہے اور منع کرنے سے کہتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، پورے محلّہ کو علم ہے، اس کی مؤذنی کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے آدمی کو مؤذن مقرر کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)، جب تک وہ نشہ سے سچی پکی توبہ نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اذان سن کر کتے کا رونا

سوال[۲۲۴۰]: یہاں سے قریب ایک بستی ہے موضع سپناوت، وہاں ایک مسجد ہے، ایک صاحب عرصہ سے وہاں اذان دیتے ہیں، تقریباً پندرہ بیس دن سے جب اذان ہوتی ہے تو گاؤں کے کتے روتے ہیں اور گیدڑ بھی بولتے ہیں اس کی وجہ سے نمازی لوگ بہت متحیر ہیں اور اس کو خرابی پر محمول کرتے ہیں اور آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ میں نے ان کو سمجھایا مگر وہ مطمئن نہیں ہوئے۔

محمد یوسف مؤذن مسجد سپناوت میرٹھ۔

---

(۱) "والسکران والمجنون والصبی غیر العاقل إذا أذنوا، یجب أن یعاد لعدم حصول المقصود لعدم الاعتماد علی خبرهم". (الحلبی الکبیر، سنن الصلاة، ص: ۳۷۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الأول فی صفة الأذان: ۱/۵۴، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق ومنحة الخالق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۹، ۴۶۰، رشیدیه)

(۲) قال الله سبحانه وتعالیٰ: ﴿وإنی لغفار لمن تاب﴾ (سوره طٰهٰ: ۸۲)

"عن عائشه رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "إن العبد إذا اعترف، ثم تاب، تاب الله علیه". (مشکوة المصابیح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان سن کر ایک کتا ہمارے مدرسہ کے سامنے ہمیشہ روتا ہے اور چلاتا ہے، اَور جگہ بھی ایسا ہوتا ہے، یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے(۱)، بعض دفعہ بعض جانوروں کو بھی وہ نظر آتا ہے، اس سے گھبرا کر روتے اور آواز کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۴/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۳ھ۔

اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا

سوال [۱۲۲۴]: عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد لائٹ روشن کردی جاتی ہے اور اس کے بعد جماعت ہوتی ہے کیونکہ کچھ اندھیرا ہو جاتا ہے، ایک صاحب کو اس پر اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آتش پرستی کے مشابہ ہے، اتفاق سے بجلی کا بلب امام کے کھڑے ہونے کی جگہ لگا ہوا ہے اس لئے انھیں خلجان رہتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد بلب روشن کیا جانا چاہئے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے، کیا ان کا یہ خلجان صحیح ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

فیض احمد باندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خلجان لغو اور بے اصل ہے، آتش پرستی سے اسکو کوئی مشابہت نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الشيطان إذا سمع النداء بالصلوة، أحال، له ضراطٌ حتى لا يسمع صوته، فإذا سكت رجع فوسوس، فإذا سمع الإقامة ذهب حتى لا يسمع صوته، فإذا سكت رجع فوسوس".

"عن أبي سفيان عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الشيطان إذا سمع النداء بالصلوة، ذهب حتى يكون مكان الروحاء". قال سليمن: فسألته عن الروحاء، فقال: هي من المدينة ستة و ثلثون ميلاً". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه: ۱/۱۶۷، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الأذان، فضل التأذين: ۱/۱۰۸، قديمي)

(۲) "ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شيء، فإنا نأكل و نشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو =

اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت

سوال[۲۲۴۲]: ہمارے یہاں کئی سال سے جمعہ کے روز مسجد میں اذان کے بعد صلوۃ پکاری جاتی ہے، پھر سب لوگ سنت نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، بعد میں مؤذن عصا لے کر انَّ اللّٰہ، یا لقد جاء کم یا اردو میں کچھ نصیحت کر کے وہ عصا امام صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر ہے تو کسی معتبر کتابِ حدیث سے معلوم کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں، نہ خلفائے راشدین کے حالات میں، نہ دیگر صحابہ کرام کے واقعات میں، نہ ائمۂ مجتہدین کے فقہ میں، لہٰذا ایسی چیز اگرچہ صورۃً اچھی معلوم ہوتی ہو مگر درحقیقت وہ نہ خدا کا حکم ہے اور نہ رسول کا حکم ہے، نہ مسئلہ فقہ ہے بلکہ وہ دین کے نام پر نئی چیز ہے جس کو دین سمجھا جارہا ہے۔ اس لئے اس کا ترک کرنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆

= التشبه فيما كان مذموماً، وفيما يُقصد به التشبه، كذا ذكره قاضي خان في شرح الجامع الصغير، فعلى هذا لو لم يقصد التشبيه لا يكره عندهما". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۸/۴، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۶۲۴/۱، سعيد)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۷۷/۲، قديمى)

قال الإمام النووى تحته: "وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام، وهو من جوامع كلمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات". (شرح النووى على مسلم: ۷۷/۲)

وقال في الاعتصام: "والثاني: أن يطلب تركه وينهى عنه، لكونه مخالفة لظاهر التشريع من جهة ضرب الحدود، وتعيين الكيفيات، والتزام الهيئات المعينة، أو الأزمنه المعينة مع الدوام ونحو ذلك. وهذ هو الابتداع والبدعة، ويسمى فاعله مبتدعاً". (باب في تعريف البدع وبيان معناها الخ، ص: ۲۴، دارالمعرفة، بيروت)

الفصل السادس في إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

اذان قبل الوقت

سوال[۲۲۴۳]: ہمارے یہاں تھوڑی بات پر جھگڑا ہو رہا ہے وہ یہ کہ مورخہ ۲۵/جنوری/۷۴ء بروز جمعہ پیش امام صاحب ۱۲:۳۸ کو اذان کے صدر مجلس کو اعتراض ہے کہ ۱۲:۳۰ کو اذان دی جائے، کیونکہ ۱۲:۲۸ کو وقت شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا قبل از وقت اذان صحیح نہیں؟ صدر صاحب کہتے ہیں کہ کریم نگر حیدرآباد جیسے مقام پر ۱۲:۳۰ ہی کو اذان دی جاتی ہے، امام صاحب کا کہنا ہے کہ موسم کے لحاظ سے زوال کے وقت میں تبدیلی آتی ہے۔ لہذا آپ صحیح مسئلہ سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جمعہ کی اذان بھی وقت سے پہلے صحیح نہیں، جب زوالِ آفتاب ہوجائے اس وقت اذان کہی جائے، زوالِ آفتاب ہر مقام پر اور ہر موسم میں ایک ہی وقت نہیں ہوتا بلکہ مختلف اور متغیر ہوتا رہتا ہے:

"فيعاد أذانٌ وقع بعضه قبل الوقت كالإقامة الخ". درمختار۔"(قوله: وقع) و كذا كله بالأولى (قوله: كالإقامة أي): في أنها تعاد إذا وقعت قبل الوقت الخ". رد المحتار: ۱/۲۵۸(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

"وقت الأذان والإقامة، فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، و يعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/۲۵۸، دار الكتب العلمية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في السنن، ص:۳۷۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

اولِ وقت میں اذان کہہ دی کیا اعادہ کرے؟

سوال[۲۲۴۴]: آج کل عصر کا وقت چار بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہوتا ہے، دوامی جنتری کے حساب سے اتفاق سے زید نے چار بجے عصر کی اذان پڑھ دی۔ اب اس اذان کا اعادہ ضروری ہے یا صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے کافی سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

احوط یہ ہے کہ اذان دوبارہ کہی جائے (۱) تکرارِ اذان مشروع ہے (۲)، اگر اذان دوبارہ نہ کہی گئی تب بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ جماعت بلا اذان ہوئی، کیونکہ صاحبین کے نزدیک وقت ہو گیا تھا، کیونکہ صاحبین کے نزدیک ظہر

---

(۱) "و وقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه سوى فيء الزوال، و وقت العصر منه إلى قُبيل الغروب". (الدرالمختار).

"والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، و أن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤدياً للصلاتين في وقتهما بالإجماع". (رد المحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

"حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، و يعيده إذا دخل الوقت في الصلوات في قول أبي حنيفة ومحمد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/۶۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا أذن قبل الوقت يكره الأذان والإقامة، و لا يؤذن لصلاة قبل الوقت". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الأذان، نوع آخر في بيان الصلوات التي لها أذان والتي لا أذان لها: ۱/۵۲۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "والأشبه أن يعاد الأذان دون الإقامة؛ لأن تكرار الأذان مشروع في الجملة كما في الجمعة دون الإقامة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، في أذان المحدث والجنب و بيان من يكره أذانه و من لا يكره: ۱/۵۱۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، باب الأذان: ۲/۳۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

کاوقت ایک مثل تک رہتا ہےاورایک مثل کے بعد عصر کاوقت شروع ہوجاتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۱/۱/۹۳ھ۔

اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ

سوال[۲۲۴۵]: (الف)اذان میں "أشهد أن محمداً رسول الله" میں مؤذن نے "أشهد أنّ محمدٌ الرسول الله" پڑھا تواذان فاسد ہوتی ہے یانہیں؟

(ب)ایسی اذان کا اعادہ کرنا چاہیے یانہیں؟

(ج)ایسی غلط اذان پر مؤذن گنہ گار ہوگا یانہیں؟ جب کہ وہ معنی نہیں سمجھتا اور محض نادانی اور جہل کے باعث غلط پڑھتا ہے۔

(د)پہلی مرتبہ غلط پڑھنے پر یعنی "أنّ" کی جگہ "أنـا" پڑھنا موذن کودوبارہ "أشهد أن محمداً رسول الله" نہ پڑھنے دینااوراذان ایسے ہی روک دینااورخود یادوسرے سے جوصحیح پڑھ سکےاسی سے اذان پڑھوانا شروع کردیناٹھیک ہے یانہیں؟

محمد احمد عفی عنہ،۲۱/۲/۵۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اذان میں پڑھنا ناجائز اور غلط ہے،مؤذن کو چاہیے کہ اذان کے کلمہ کوصحیح کرے،اگر وہ بالقصد اس طرح پڑھتا ہےتو گنہ گار ہے(۲)،اگر وہ صحیح طریقہ سے اذان کے کلمات کوادانہیں کرسکتا ہےتواس کو

---

(۱)"ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه و عنه مثله ، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي : و به نأخذ .... سوى فيء الزوال، ووقت العصر منه إلى قُبيل الغروب". (الدر المختار ، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

"فعندهما: إذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر، ودخل وقت العصر، وهو رواية محمد عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ، وإن لم يذكره في الكتاب نصاً في خروج وقت الظهر".

(المبسوط، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱/۲۹۰، غفاريه كوئٹه)

(۲)"الأذان هو إعلام مخصوص على وجه مخصوص بألفاظ كذلك .... و لا لحن فيه: أى تغني بغير كلماته، فإنه لا يحل فعله و سماعه". (الدر المختار). .... =

چاہیے کہ اذان کے کہنے سے احتراز کرے۔ اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے اور غلط اذان کہنے سے باز نہ آئے اور دوسرا شخص صحیح اذان کہنے والا موجود ہو تو پھر اس دوسرے شخص کو اذان کے لئے متعین کردیا جائے (۱)، تاہم جو اذانیں وہ اس غلط طریق پر پڑھ چکا ہے ان کا اعادہ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ ربیع الاول/ ۵۹ھ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

درمیانِ اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ

سوال[۲۲۴۶]: لاؤڈ اسپیکر کی مشین بالکل ملحق ایک کمرہ میں رکھی ہوئی ہے، اسی میں کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی ہے، کبھی کبھی درمیانِ اذان لائٹ غائب ہوجاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر بقیہ اذان پوری کی جائے یا کمرہ میں، اور پھر کمرہ سے باہر آکر پوری اذان کا اعادہ کیا جائے؟ از روئے شرع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی صورت میں کمرہ سے باہر آکر پوری اذان مستقل کہی جائے تاکہ سب لوگ اس کو پورے طور پر سن

= "(قوله: بغير كلماته): أى بزيادة حركة أو حرف أو مد أو غيرها في الأوائل والأواخر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۳، ۳۸۷، سعيد)

"لأن اللحن حرام بلا خلاف". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح و قرأة القرآن والذكر الخ: ۵/۳۱۷، رشيديه)

(۱) "و لا غير الألثغ به: أى بالألثغ على الأصح، كما في البحر عن المجتبى، و حرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمي، فلا يؤمّ إلا مثله، و لا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۱. سعيد)

(۲) "و سببه بقاء دخول الوقت و هو سنة مؤكدة للفرائض في وقتها و لو قضاءً؛ لأنه سنة للصلوة حتى يبرد به لا للوقت، لا يسن لغيرها كعيد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۴. سعيد)

لیں اور کوئی اشتباہ نہ رہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۱۲ھ۔

بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان

سوال[۲۲۴۷]: مسجد میں اذان مائک سے شروع ہوتے ہی بجلی چلی گئی، مگر مؤذن نے اذان بلا مائک ہی پڑھ دی، ایک صاحب نے کہا کہ محلّہ کی عورتیں اذانِ مسجد کے انتظار میں ہوں گی لہٰذا اذان دوبارہ مسجد کے باہر پڑھ دی جائے، کیونکہ پہلی اذان حجرہ میں ہوئی ہے، مسجد کے دروازہ تک نہیں پہونچی ہے، کچھ لوگوں نے دوسری اذان کو منع کیا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

اگر اس اذان کی خبر سب کو ہوگئی اور بجلی کے بھاگ جانے سے پوری اذان کی آواز نہیں پہونچ سکی تو یہ بھی کافی ہے، دوسری اذان کی ضرورت نہیں، تاہم اگر دوسری اذان بھی پڑھ دی جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لأن تكراره مشروع كما في أذان الجمعة؛ لأنه أعلام الغائبين، فتكريره مفيدٌ لاحتمال عدم سماع البعض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

"و لأن ما يخفض به صوته لا يحصل به فائدة الأذان، وهو إعلام فلا يعتبر". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۹۰، امداديه)

"لأن المقصود منه الإعلام، و لا يحصل بالإخفاء، فصار كسائر كلماته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۵، رشيديه)

"إذا حضر المؤذن في خلال الأذان .... وعجز عن الإتمام يستقبل غيره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في صفة الأذان: ۱/۵۵، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۳، سعيد)

(۲) "و يجب استقبالهما لموت مؤذن و غشية و خرسه و حصره". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۳، سعيد) .... =

نابالغ کی اذان کیا واجب الاعادۃ ہے؟

سوال[۲۲۴۸]: نابالغ لڑکے کی اذان کا کیا حکم ہے؟ بلوغ کی حد شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا سمجھدار ہے تو اس کی اذان صحیح ہے، لیکن بالغ کی افضل ہے، اگر نا سمجھ ہے اور اس نے اذان دی ہے تو وہ صحیح نہیں دوبارہ اذان دی جائے، شامی : ۱/۲۶۳(۱)۔

جب لڑکے کو احتلام وانزال ہونے لگے تو سمجھو کہ وہ بالغ ہوگیا ورنہ پندرہ سال کی عمر ہوجانے پر شرعاً بالغ قرار دیا جائے گا، شامی : ۵/۹۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في صفة الأذان : ١/٥٥، رشيديه)

(وأيضاً عنوان: ''درمیانِ اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ'')

(١) "ويجوز بلاكراهة أذان صبي مراهق......... ويكره اذان جنب وإقامته .... وسكران ولو بمباح كمعتوه وحبي لا يعقل .... وكذا يعاد أذان امرأة ومجنون ومعتوه وسكران وصبي لايعقل".

"(قوله: صبي مراهق) المراد به العاقل وإن لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٣٩١، سعيد)

"والذي يظهر لي في التوفيق: هو أن المقصود الأصلي من الأذان في الشرع الإعلام بدخول أوقات ثم صار من شعائر الإسلام في كل بلدة أو ناحية من البلاد الواسعة على مامر، فمن حيث الإعلام بدخول الوقت وقبول قوله لابد من الاسلام والعقل والبلوغ والعدالة، وقدمنا قبل هذا الباب عن معين الحكام مالضه: المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغاًعاقلاً عالماً بالأوقات مسلماً ذكراً، ويعتمد على قوله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان : ١/٣٨٣، سعيد)

"أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهته في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ افضل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة وأحوال المؤذن: ١/٥٣، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ١/٦٤٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(٢) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتي". (الدرالمختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ١/١٥٣، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد بلوغ: ٥/٦١، رشيديه)

الفصل السابع فی الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

قضاء نماز کے لئے اذان

سوال[۲۲۴۹]: ایک شخص کی سالوں کی نماز قضاء ہوئی ہے اور اب وہ مستحبات بھی چھوڑنا نہیں چاہتا، وہ مسجد میں ظہر ادا نماز پڑھنے کے بعد یا پہلے قضاء نماز پڑھے تو اذان کہے جب کہ وہاں اذان ہو چکی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں اذان نہ کہے، بلکہ وہاں نماز قضاء بھی کسی کے سامنے نہ پڑھے، قضاء نماز مخفی طور پر پڑھ لے جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ویسنّ ذلک (أی الأذان) .... و لا فیما یقضی من الفوائت فی مسجد.......... لأن فیه تشویشاً و تغلیطاً، و یکره قضاؤها فیه؛ لأن التاخیر معصیة فلا یظهرها، بزازیة". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۱، سعید)

"و فی المجتبی معزیاً إلی الحلواني: إنه سنة القضاء فی البیوت دون المساجد فإن فیه تشویشاً و تغلیطاً اهـ، وإذا کانوا قد صرحوا بأن الفائتة لا تقضی فی المسجد لما فیه من إظهار التکاسل في إخراج الصلوة عن وقتها، فالواجب الإخفاء، فالأذان للفائتة فی المسجد أولی بالمنع". (البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۱۷۸، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۱۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

نماز کا اعادہ جب کئی روز بعد ہو، کیا اس میں اذان واقامت دوبارہ کہی جائے؟

سوال[۲۲۵۰]: اگر چند دنوں کے بعد نماز باجماعت نہ ہونے کی تحقیق ہو تو ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مذکورہ میں اذان اور اقامت کے ساتھ باجماعت نماز ادا کریں:

"وفی المجتبی قومٌ ذکروا فساد صلوة صلوها فی المسجد فی الوقت، قضوها بجماعة فیه، ولا یُعیدون الأذان والإقامة. وإن قضوها بعد الوقت، قضوها فی غیر ذلك المسجد بأذان وإقامة". شامی: ۱/۳۶۳(۱)۔"وفی الإمداد: أنه إذا کان التفویت لأمر عام، فالأذان فی المسجد لایکره لانتفاء العلة". کذا فی الشامی: ۱/۳۶۳(۲)۔

مگر مسجد کے علاوہ دوسری جگہ پڑھیں اور اذان اتنی بلند نہ ہو کہ دوسرے لوگ اشتباہ میں پڑھ جائیں(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۱، سعید)

"وفی جامع الهارونی: قوم ذکروا فساد صلاة صلوها فی غیر وقت تلك الصلوة، قضوها بأذان وإقامة فی غیر المسجد الذی صلو فیه تلك الصلوة مرةً. فإن ذکروها فی وقتها، صلوها فی ذلك المسجد ولا یعیدون الأذان والإقامة. فإن صلوها فائتة فی ذلك المسجد صلوها وحداناً".

(الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوة، نوع آخر فیمن یقضی الفوائت یقضیها بأذان وإقامة أوبغیرهما؟: ۱/۵۲۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۶، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۱، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۲۰۱، قدیمی)

(۳) "قلت: الحق هو التفصیل بأن القضاء لوکان لأمر أعم یؤذَّن فیه، وإن کان فی المسجد لیحضر من =

قضاء نماز کیلئے اذان واقامت کا حکم

سوال[۲۲۵۱]: بہشتی گوہر کا ایک حصہ آپ سے سمجھنے کے لئے لکھ رہا ہوں: "اگر کئی نمازیں قضا ہوئی ہوں اور سب ایک ہی وقت پڑھی جائیں تو صرف پہلی نماز کی اذان دینا سنت ہے اور باقی نمازوں کیلئے صرف اقامت، ہاں یہ مستحب ہے کہ ہر ایک نماز کے واسطے اذان بھی علیحدہ دیجائے"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غزوۂ خندق میں مشغولی کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازیں قضا ہوگئی تھیں، جب ان کو عشاء کے وقت آپ نے پڑھا تو جماعت کے ساتھ پڑھا، پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کہی گئی بقیہ کے لئے اقامت پر اکتفا کیا گیا، یہی مسئلہ بہشتی گوہر میں بیان کیا گیا ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فاته الصلوة لكن لا يجهر كثير في المسجد، لئلا يشوش فيه على غيرهم من الناس، وأما إذا لم يكن كذلك فلا يؤذن له في المسجد لخوف التشويش. وأحب أن يؤذن لنفسه بحيث لا يسمعه من سواه".

(السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "عن أبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال عبد الله: إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: عن أربع صلوات يوم الخندق، حتى ذهب من الليل ما شاء الله، فأمر بلالاً، فأذن ثم أقام، فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ۱/۴۳، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: و كذا لأولىٰ الفوائت: يعني و كذا إذا فاتته صلوات يؤذن للأولى منها، ويقيم لمارويتا". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۶، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلوة،باب الأذان: ۱/۳۹۰، سعيد)

الفصل الثامن فی الأذان فی أُذن المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

بچہ کے کان میں اذان کا طریقہ

سوال[۲۲۵۲]: بچہ پیدا ہونے کے وقت اذان وتکبیر بچے کے کان میں پڑھے تو قبلہ کی طرف منہ کرکے کان میں انگلیاں لگا کر کھڑے ہوکر- جس طرح نماز کے لئے اذان وتکبیر پڑھی جاتی ہے- پڑھے یا اذان وتکبیر کے الفاظ کہنا کافی ہے؟

ریاض الحق کلیانوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان وتکبیر کے الفاظ کافی ہیں، کانوں میں انگلیاں دینے کی ضرورت نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/۳/۵۳ھ۔

---

(۱)"و یجعل ندباً إصبعیه فی صماخ اذنیه، فأذانه بدونه [أی بدون وضع الإصبع] حَسَن، و به أحسن". (الدر المختار).

و فی رد المحتار: "(قوله: و یجعل إصبعیه الخ) لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لبلال رضی اللہ تعالیٰ عنه "اجعل أصبعیک فی أذنیک، فإنه أرفع لصوتک" وإن جعل یدیه علی أذنیه فحسن، لأن أبا محذورة رضی اللہ تعالیٰ عنه ضم أصابعه الأربعة و وضعها علی أذنیه، وکذا إحدی یدیه علی ما روی عن الإمام، امدادیه وقهستانی عن التحفة".

"(قوله: فأذانه الخ) تفریع علی قوله ندباً. قال فی البحر: والأمر: أی فی الحدیث المذکور للندب بقرینة التعلیل، فلذا لو لم یفعل کان حسناً. فإن قیل: ترک السنة کیف یکون حسناً؟ قلنا: إن =

بچہ کے کان میں اذان اور تکبیر

سوال[۲۲۵۳]: بچہ کے کان میں اذان اور تکبیر کا رواج کب سے ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سنت طریقہ ہے، کذا فی ردالمحتار: ۱/۳۵۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

زچہ خانہ میں بچی یا عورت کا کان میں اذان دینا

سوال[۲۲۵۴]: زچہ خانہ میں تولد کے وقت اگر مرد نہ ہو تو عورتیں بچے کی اذان کہہ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا نابالغ لڑکا یا لڑکی کہے تو کیا حکم ہے؟ حالتِ جنابت میں بچے کی اذان کہی جائے تو ہو جائے گی یا نہیں؟ یا وضو ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زچہ خانہ میں تولد کے وقت اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت کو یہ اذان واقامت کہنا درست ہے(۲)

= الأذان معه أحسن، فإذا تركه بقي الأذان حسناً، كذا في الكافي اهـ، فافهم". (كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

عباراتِ مذکورہ نیز حدیثِ مذکور سے واضح ہوا کہ اذان کے دوران کانوں میں انگلیاں رکھنا آواز کو بلند کرنے کے لئے ہے اور بلندیٔ آواز سے لوگوں کو خبر دینا ہوتا ہے اور یہ بات بچہ کے کان میں اذان دینے سے مقصود نہیں، لہٰذا بچہ کے کان میں اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب وغیرہ نہیں۔

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۸، سعيد)

(۲) "وكرها: أي الأذان والإقامة للنساء لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما من كراهتهما لهن". (مرقى الفلاح) و قال الطحطاوي: "(قوله: من كراهتهما لهن)؛ لأن مبنى حالهن على الستر و رفع صوتهن حرام". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۹۵، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي) ...... =

نابالغ سمجھدار بچہ بھی کہہ سکتا ہے(۱)، اگر کوئی نہ ہو تو بچہ کی ماں بھی کہہ سکتی ہے اگر وہ حالتِ نفاس میں نہ ہو(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۸ھ۔

بچہ کے کان میں کئی روز بعد اذان دینا

سوال[۲۲۵۵]: بعض ملکوں میں قانون ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد ایک کانچ کے صندوق میں رکھ دیتے ہیں، ہفتہ عشرہ کے بعد بچہ کو دیتے ہیں، ان ایام میں ماں بھی ہسپتال میں رہتی ہے بچہ کو دیکھ تو سکتی ہے مگر چھو نہیں سکتی ہے۔ تو اس حالت میں ہفتہ عشرہ کے بعد اذان کہیں تو مضائقہ تو نہیں؟ اذان و اقامت کس کان میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجبوری کے وقت اس کو مکان پر لا کر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۸ھ۔

= اس تعلیل کا مقتضی یہ ہے کہ نومولود کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے کیونکہ اس میں نہ رفع صوت ہے اور نہ ہی یہ خلاف ستر ہے۔ (خير الفتاوى ما يتعلق بالأذان والإقامة: ۲/۲۲۷، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) "و يجوز بلا كراهة أذان صبي مراهق". (الدر المختار).

" المراد به العاقل وإن لم يراهق". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۱، سعيد)

"أذان الصبي العاقل صحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني، الفصل الأول في صفته واحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۳۶۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "ويكره أذان الجنب وإقامته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: صرح في الخانية بأنه تجب الطهارة فيه عن اغلظ الحدثين وظاهر أن الكراهة تحريمية". (ردالمحتار: ۱/۳۹۲، كتاب الصلوة، باب الأذان، سعيد)

(۳) "وعن أبي رافع رضي الله تعالىٰ عنه، قال رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فأذّن في أُذن =

بچہ کے کان میں اذان اس کوغسل دیکر کہی جائے

سوال[۲۲۵۶]: بچہ کوغسل دیئے بغیر اذان کہے یا پاک صاف کرکے اذان کہے؟ اگر کوئی لفظ بھول جائے تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ کوغسل دیکر پاک صاف کرکے دائیں کان میں پوری اذان اور بائیں کان میں پوری اقامت کہی جائے(۱)۔

= الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، –حین ولدتہ فاطمة– بالصلاة".

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ:"حین ولدتہ فاطمة" یحتمل السابع وقبلہ. وفی شرح السنة: روی أن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یؤذن فی الیمنی و یقیم فی الیسری إذا وُلد الصبی. قلت: قد جاء فی مسند أبی یعلی الموصلی عن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا: "من وُلدلہ ولد، فأذن فی أذنہ الیمنی وأقام فی أذنہ الیسری، لم تضرہ أم الصبیان". کذا فی الجامع الصغیر للسیوطی".(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقة: ۷/۷۵، رشیدیہ)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: "قال السندی رحمہ اللہ تعالیٰ: فیرفع المولود عند الولادة علی یدیہ مستقبل القبلة، و یؤذن فی أذنہ الیمنی، و یقیم فی الیسری، و یلتفت فیھما بالصلاة لجھة الیمین وبالفلاح لجھة الیسار، وفائدة الأذان فی أذنہ أنہ یدفع أمّ الصبیان عنہ". (تقریرات الرافعی علی ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۴۵، سعید)

(۱) "وأمر أن یماط عن رؤسھما الأذی" ولکن لا یتعین ذلک فی حلق الرأس، فقد وقع فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما عند الطبرانی "ویماط عنہ الأذی و یحلق رأسہ" فعطفہ علیہ. فالأولی حمل الأذی علی ما ھو أعم من حلق الراس، و یؤید ذلک أن فی بعض طرق حدیث عمرو بن شعیب ، ویماط عنہ أقذارہ". رواہ أبوالشیخ".

(فتح الباری، کتاب العقیقة، باب إماطة الأذی عن الصبی فی العقیقة (رقم الحدیث: ۵۴۷۲): ۹/۵۹۳، دارالمعرفة بیروت)

اگر بھولے سے کوئی لفظ رہ جائے تو اس کو کہہ کر اذان واقامت مکمل کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) " و يترسل فيه بسكتة بين كل كلمتين ، ويكره تركه، و تندب إعادته .... ثم قال: و لو قدم فيهما مؤخراً، أعاد ما قدم فقط، ولا يتكلم فيهما أصلاً ولو رد السلام، فإن تكلم استأنفه". (الدر المختار).

"(أعاد ما قدم فقط)كما لو قدم الفلاح على الصلاة، يعيده: أي و لا يستأنف الأذان من أوله. (قوله: استأنفه) إلا إذا كان الكلام يسيراً، خانيه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، ۳۸۹،سعيد)

"و إذا قدم في أذانه أوفي إقامته بعض الكلمات على بعض نحوأن يقول: أشهد أن محمداً رسول الله قبل أشهد أن لاإله إلا الله، فالأفضل في هذا أن ما سبق على أوانه لا يعتد به حتى يعيده في أوانه و موضعه، وإن مضى على ذلك جازت صلاته ، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في بيان كلمات الأذان و الإقامة : ۱/۵۶، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانيه ،كتاب الصلوة، نوع آخر في تدارك الخلل الواقع فيه : ۱/۵۲۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی)

باب الإقامة والتثویب

الفصل الأول فی الإقامة

(اقامت کا بیان)

مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت

سوال [۲۲۵۷]: جس شخص نے اذان کہی بغیر اس شخص کی اجازت کے جب کہ وہ صف میں موجود ہے کوئی دوسرا اقامت کہے، درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اقامت درست تو ہو جائی گی مگر ایسا کرنا مناسب نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "أقام غير من أذن بغيبته: أی المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضوره، كره إن لحقه و حشة، كما كره مشيه في إقامته". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۵ سعيد)

"وفی الفتاوی الظهيرية: والأفضل أن يكون المقيم هو المؤذن و لو أقام غيره جاز".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، رشيديه)

"قال: ولا بأس بأن يؤذن واحد و يقيم آخر لما روي أن عبد الله بن زيد رضی الله تعالیٰ عنه سأل رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أن يكون له في الأذان نصيبٌ، فأمر بأن يؤذن بلال و يقيم هو"، و لأن كل واحد منهما ذكر مقصود فلا بأس بأن يأتي بكل واحد منهما رجل آخر. والذی روی أن الحارث الصدائی أذن في بعض الأسفار و بلال كان غائباً، فلما رجع بلال و أراد أن يقيم، قال صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن أخا صداء أذن، و من أذن فهو يقيم". إنما قاله على وجه تعليم حسن العشرة لا أن خلاف ذلک لا يجزیء". (المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفارية كوئٹه)

"ومنها: أن من أذن فهو الذی يقيم وإن أقام غيره، فإن كان يتأذی بذلک يكره؛ لأن اكتساب=

مؤذن کی اجازت سے تکبیر کہنا بہتر ہے

سوال[۲۲۵۸]: اذان دینے والے کی بلا اجازت تکبیر کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تکبیر تو ہو جائے گی مگر بہتر یہ ہے کہ اس کی مرضی سے کہے، وہ موجود نہ ہو یا کوئی عذر ہو تو اور بات ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مؤذن کا تکبیر کہنا

سوال[۲۲۵۹]: حقِ تکبیر موذن کو ہے یا عام ہے؟ اگر حقِ تکبیر مؤذن ہی کے لئے ہے تو اس کی اجازت سے ہر شخص کا تکبیر پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے، اگر اجازت نہ ہو تو بلا اجازت پڑھنا غصب حقِ تکبیر ہے یا نہیں؟ اور غاصب کا کیا حکم ہے، تکبیر امام کے مصلے پر آنے سے پہلے پڑھنی چاہئے یا بعد میں؟

محمد یعقوب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر جماعت کا وقت آ گیا اور مؤذن موجود نہیں تو جس کا دل چاہے تکبیر کہہ لے، اگر موذن موجود ہے تو بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرے شخص تکبیر نہ کہے، کیونکہ تکبیر موذن ہی کا حق ہے، لحدیث: "من أذن فهو يقيم، الخ". مشكوة شريف، ص: ٦٤(۲)۔

اگر بغیر اس کی رضا یا اجازت کے دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مکروہ ہے: "أقام غير من أذن بغيبته: أی

= أذى المسلم مكروه، و إن كان لا يتأذى به، لا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۶۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت")

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثاني: ۱/۶۴، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، أبواب الأذان والسنة فيها، باب السنة في الأذان، ص: ۵۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(و سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم: ۱/۵۰، سعيد)

المؤذن، لايكره مطلقاً، وإن بحضور كره إن لحقه وحشة". در۔ قال الشامي: "أي بأن لم يرض به". شامی، ص: ۳۶۷(۱)۔

امام کے مصلے پر آنے سے پہلے تکبیر جائز ہے بشرطیکہ مصلے کے قریب ہوتا کہ فصل مزید لازم نہ آئے مگر بہتر یہ ہے کہ آنے کے بعد ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۷/۸/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/ شعبان/۱۳۵۲ھ۔

جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت

سوال [۲۲۲۰]: اگر جماعتِ ثانیہ مسجد سے باہر ہو تو تکبیر کہی جائے گی کہ نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار: ۱/۳۹۵، کتاب الصلوة، باب الأذان، سعید)

"وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول، جاز من غير كراهة، وإن كان حاضراً و يلحقه الوحشة بإقامة غيره، يكره، وإن رضي به لا يكره". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

"ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، و إن أقام غيره فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به، لا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۳۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن أبي قتادة رضي الله تعالىٰ عنه عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني".

قال ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: "و فيه جواز الإقامة والإمام في منزله إذا كان يسمعها، و تقدم إذنه في ذلك". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۲/۱۵۲، ۱۵۳، قديمي)

"والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: حي على الفلاح، إن كان الإمام بقرب المحراب، و إلافيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

حصہ مسجد سے خارج وضوخانہ وغیرہ میں جب جماعت کی جائے تب بھی تکبیر کہی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۸ھ۔

اقامت میں عجلت

سوال [۲۲۲۱]: اقامت جلدی جلدی کہنا چاہئے یا ٹھہر ٹھہر کر، یا ان دونوں کے درمیان؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"ویترسل فیہ، و یحدر فیہا" (۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان سے اقامت جلدی جلدی کہی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) "مسجد لیس لہ مؤذن وإمام معلوم، یصلی فیہ الناس فوجاً فوجاً بجماعة، فالأفضل أن یصلی کل فریق بأذان وإقامة علی حدة، کذا فی فتاوی قاضیخان". (الفتاوی العالمکیریہ، کتاب الصلوة، باب الأذان الفصل الأول فی صفتہ وأحوال المؤذن: ۱/۵۵، رشیدیہ)

"وإن کان المسجد علی الطریق فلا بأس أن یؤذنوا فیہ و یقیموا اھ". (البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۶۲، رشیدیہ)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "یا بلال! إذا أذنت فترسل فی أذانک، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بین أذانک وإقامتک قدر ما یفرغ الآکل من أکلہ، والشارب من شربہ، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجتہ، و لا تقوموا حتی ترونی".

(سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی الترسل فی الأذان: ۱/۴۸، سعید)

"ومنها: أن یترسل فی الأذان، و یحدر فی الإقامة؛ لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم =

بیوی کی اقامت

سوال[۲۲۶۲]: میاں بیوی دونوں باجماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عورت تکبیر کہہ سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے کہنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کا اذان دینا بھی مکروہ ہے اور تکبیر کہنا بھی مکروہ ہے، کذافی نور الإيضاح(۱)، لیکن فقہاء نے دو علتیں کراہت کی لکھی ہیں: ایک یہ کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے مگر اس کی تضعیف کی گئی ہے، دوسری علت خوفِ فتنہ ہے وہ اس صورت میں مفقود ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= لبلال -رضي الله تعالىٰ عنه-: "إذا إذنت فترسل، و إذاأقمت فاحدر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۶۴۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"(قوله : ويترسل فيه ويحدر فيها): أى يتمهل في الأذان، و يسرع في الإقامة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا النهر الفائق ،كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۱۷۳، مكتبه امداديه ملتان)

"و يحدر بضم الدال : أى يسرع فيها، فلوترسل لم يعد ها في الأصح". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان : ۱/۳۸۹، سعيد)

(۱) "و يكره التلحين وإقامة المحدث، و أذانه وأذان الجنب و صبي لا يعقل و مجنون وسكران و امرأة". (نور الإيضاح متن مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قديمى)

"منها : أن يكون رجلاً، فيكره أذان المرأة باتفاق الروايات؛ لأنها إن رفعت صوتها، فقد ارتكبت معصيةً، وإن خفضت، فقد تركت سنة الجهر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في مايرجع إلى صفات المؤذن: ۱/۶۴۵، دارالكتب العلميه بيروت)

"قال في الأصل : و ليس على النساء أذان و لا إقامة". (التاتار خانيه: ۱/۵۲۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

"والإقامة كالأذان فيما مر". (الدر المختار كتاب الصلوة باب الأذان : ۱/۳۸۸، سعيد)

(۲) "وأذان امرأة؛ لأنها إن .... خفضت صوتها أخلت بالإعلام، وإن رفعته ارتكبت معصيةً؛ لأنه عورة". (مراقي الفلاح) "(قوله: لأنه عورة)ضعيف والمعتمد أنه فتنة فلا تفسد برفع صوتها صلاتها". =

مخنث کا اقامت کہنا

سوال[۲۲۶۳]: مخنث اور وہ شخص جس نے اپنے آلۂ تناسل کو کٹوادیا ہو وہ تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر اگر یہ کہے تب بھی کافی ہو جائے گی، مگر تکبیر کہنا معزز اور ثقہ آدمی کا حق ہے، اس لئے مخنث وغیرہ کو اس سے روک دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند۔

کیا اقامت کہنے والے کا امام کے دائیں طرف ہونا ضروری ہے؟

سوال [۲۲۶۴]: اقامت کا کہنے والا کیا ضروری ہے کہ امام کے داہنے ہی طرف ہو اور امام کے بائیں طرف والا آدمی کہہ دے تو کیا کوئی سقم ہے؟

= (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قديمي)

"قال: كأذان المرأة علّله قاضي خان و صاحب المحيط بأن صوتها عورة، لكن الأرجح هو أنها ليست بعورة، كما صرح به في شرح المنية. فالأولى أن يعلل كراهة أذانها بأن فيه احتمال وقوع الفتنة برفع الصوت كما علله به في البحر، ولهذا مُنِعن من التسبيح و تعلم القرآن من الأعمى و غير ذلك". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۳۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

"و أما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

(۱) "و في الحاوي القدسي: من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنة والأوقات مواظباً عليه محتسباً ثقةً متطهراً مستقبلاً". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وفي الكافي: والأولى أن يتولى العلماء أمر الأذان". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة في أذان المحدث والجنب و بيان من يكره و من لا يكره: ۱/۵۱۹، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۲، رشيديه)

الجواب حامداً مصلیاً:

اقامت کو (صرف) داہنی طرف سمجھنا غلط ہے بائیں طرف بھی درست ہے، کیونکہ شریعت میں اقامت کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں کی گئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اقامت کہنے والا دوسری تیسری صف میں ہو

سوال[۲۲۶۵]: اقامت کہنے والا اگر دوسری یا تیسری صف میں ہوتو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تب بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اقامت میں تحویلِ وجہ

سوال[۲۲۶۶]: اقامت میں "حی علی الصلوة" و "حی علی الفلاح" کے وقت مثل اذان دونوں طرف منہ پھیرنا کیا سنتِ زوائد یا سنتِ مؤکدہ ہے؟ دیوبند میں اس کا رواج کیوں نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اقامت کے وقت تحویلِ وجہ حیعلتین کے وقت سنت مؤکدہ نہیں، اس لئے یہاں اس کا اہتمام نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "و یقیم علی الأرض، هكذا فی القنیة، و فی المسجد، هكذا فی البحر الرائق". (الفتاوی العالمكیریه، كتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی بیان كلمات الأذان والإقامة و كیفیتهما: ۱/۵۶، رشیدیه)

"ویسن الأذان فی موضع عال والإقامة علی الأرض". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۳، رشیدیه)

(۲) (راجع للتخریج عنوان: "کیا اقامت کہنے والے کا امام کے دائیں طرف ہونا ضروری ہے؟")

(۳) "وأطلق فی الالتفات و لم یقید بالأذان، و قدمنا عن القنیة أنه یحول فی الإقامة أیضاً، و فی السراج =

اقامت میں التفات ہے یا نہیں؟

سوال[۲۲۶۷]: موذن اذان کہتے وقت "حی علی الفلاح، حی علی الصلوۃ" میں جس طرح منہ دائیں بائیں پھیر لیتا ہے، کیا اس طرح اقامت میں بھی "حی علی الصلوۃ" و "حی علی الفلاح" پر منہ دائیں بائیں پھیر لے؟ مولانا عبدالشکور صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھنوی نے علم الفقہ :۲/۱۰، میں صرف اذان میں "حی علی الصلوۃ" و "حی علی الفلاح" پر منہ دائیں بائیں پھیرنے کو مسنون لکھا ہے(۱)، لیکن صاحب درمختار دونوں کو مسنون کہتے ہیں، ان کی عبارت یہ ہے: "و یلتفت فیه، و كذا فيها مطلقاً". (کتاب الصلوة، باب الأذان)(۲)۔ صحیح مسئلہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں دونوں قول ہیں، بعض نے کہا ہے کہ اگر جگہ بڑی ہو تو دونوں طرف پھرالے ورنہ نہیں:

"وأطلق في الالتفات، ولم يقيده بالأذان، وقدمنا عن القنية أنه يحول في الإقامة أيضاً، وفي السراج الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضع متسعاً، الخ". بحر: ۱/۲۵۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

= الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبين، وقيل: يحوّل إذا كان الموضع متسعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۱۷۴، مكتبه امداديه ملتان)

"فرعٌ: هل يحول وجهه في الإقامة أيضاً؟ فيه ثلاثة أقوال: الأول: أنه لا يحول؛ لأنه لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه يكون للغائبين، والثاني: أنه يحول فيها لو المحل متسعاً وإلا فلا، والثالث: أنه يحول فيها مطلقاً متسعاً كان أولا، وهو الذى اختاره الحصفكي. قلت: والحق الصريح هو القول الأول". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۱۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (علم الفقہ حصہ دوم، اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ، ص:۱۵۵، دارالاشاعت اردو بازار کراچی)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، رشيديه) .... =

تکبیر کہتے وقت دائیں بائیں چہرہ پھیرنا

سوال[۲۲۶۸]: امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ تکبیر میں بھی:"حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح" کہتے وقت مکبر کو دائیں بائیں چہرہ پھیرنے کا حکم ہے،اس کے متعلق بھی درمختار کا حوالہ دیتے ہیں۔کیا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض فقہاء نے اذان کی طرح یہاں بھی دائیں بائیں چہرہ پھیرنے کو مستحب لکھا ہے، کذا فی الجوهرة(۱) مگر اس پر اصرار اور تشدد کی ضرورت نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۱۴۷، مكتبه امداديه ملتان)

"فرعٌ: هل يحول وجهه في الإقامة أيضاً؟ فيه ثلاثة أقوال: الأول: أنه لا يحول؛ لأنه لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان فإنه يكون للغائبين، والثاني: أنه يحول فيها لو المحل متسعاً، وإلا فلا، والثالث: أنه يحول فيها مطلقاً متسعاً كان أولا، وهو الذي اختاره الحصفكي. قلت: والحق الصريح هو القول الأول". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۲/۱۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "وهل يحوّل في الإقامة؟ قيل: لا؛ لأنها إعلام للحاضرين، بخلاف الأذان فإنه إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضع متسعاً". (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۵۸، ميرمحمد كتب خانه)

"ويحول في الإقامة إذا كان المكان متسعاً، وهو أعدل الأقوال". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۷، قديمي)

(۲) "(وفي السراج الوهاج: لايحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان؛ فإنه إعلام للغائبين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، رشيديه)

"لأن التحويل صارسنة الأذان". (ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۱۶، غفارية)

"لايحول في الإقامة إلا لأناس ينتظرون". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۹۲، امداديه، ملتان)

ضعف کی وجہ سے اقامت کے وقت بیٹھنا

سوال[۲۲۶۹]: کیا ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسبب کمزوری اقامت کے وقت بیٹھتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے یہ محفوظ نہیں کہ ضعف کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت بیٹھتے تھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۲ھ۔

"قد قامت الصلوة" کی تاء پر کیا حرکت پڑھیں؟

سوال[۲۲۷۰]: ایک شخص کہتا ہے کہ "قد قامت الصلوةُ، قد قامت الصلوةُ" ("ة" پر ضمہ کے ساتھ) پڑھا جائے گا، اس کے خلاف نہیں، ورنہ اقامت ادا نہ ہوگی۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ "قد قامت الصلوةِ" پڑھا جائے گا یعنی "ةِ" کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا، ایک فریق دوسرے فریق کو کہتا ہے کہ تمہارے طریقے کے مطابق اقامت ادا نہ ہوگی۔ تو اب کس فریق کا اعتبار کیا جائے اور صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آخر والی "تاء" وقف اور سکتہ کی حالت میں "ھا" ہو جائے گی، لہٰذا اس پر نہ پیش پڑھا جائے گا نہ زیر، اصل کے اعتبار سے اس پر پیش تھا جب کہ اس پر وقف و سکتہ نہ ہو، سکتہ کے بعد وہ ساکن ہے(۲) زیر غلط ہے،

(۱) ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں ملی۔

(۲) "و في الإمداد: و يجزم الراء: أي يسكنها في التكبير. قال الزيلعي: يعني على الوقف، لكن في الأذان حقيقةً و في الإقامة ينوي الوقف اهـ: أي للحدر، و روى ذلك عن النخعي موقوفاً عليه و مرفوعاً إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "الأذان جزم، و الإقامة جزم، و التكبير جزم" اهـ.

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث "الأذان جزم": ۱/۳۸۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الاذان: ۱/۴۴۸، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في كلمات الأذان و الإقامة و كيفيتهما: ۱/۵۶، رشيديه) .... =

ترکیب نحوی کے اعتبار سے "الصلوۃ"، "قد قامت" کا فاعل ہے، جس پر پیش آئے گا، زیر غلط ہے، غلط سے پورا اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

قضا نماز میں اقامت

سوال [۲۲۷۱]: فرض نماز قضاء پڑھنے کی حالت میں اقامت کہہ کر نماز پڑھے یا بغیر اقامت بھی نماز ہوسکتی ہے، اگر بلا اقامت نماز پڑھی ہوں تو ان کا اعادہ کرے یا کہ درست ہوگئیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا اقامت بھی درست ہے لہٰذا جو پڑھی گئی اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں (۱)، اگر جماعت کے ساتھ قضاء کی جائے تو اقامت مسنون ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۲۴۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "و هو سنة مؤكدة: هي كالواجب في لحوق الإثم .... والإقامة كالأذان". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۴، ۳۸۸ سعيد)

"ترك السنة لا يوجب فساداً و لا سهواً، بل إساءةً لو عامداً .... اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۷۳، سعيد)

(۲) "و يسن أن يؤذن و يقيم لفائتة رافعاً صوته لو بجماعة أو صحراء، لا بيته منفرداً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۳۹۰، سعيد)

"و يؤذن للفائتة و يقيم؛ لأن الأذان سنة للصلوات لا للوقت، فإذا فاتته صلاة تُقضى بأذان وإقامة لحديث أبي داؤد وغيره، أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بلالاً بالأذان والإقامة حين ناموا عن الصبح، و صلوها بعد ارتفاع الشمس، وهو الصحيح في مذهب الشافعي، كما ذكره النووي في شرح المهذب". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۲۴۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/ ۱۷۷، مكتبه امداديه ملتان)

تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہوجائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے؟

سوال[۲۲۷۲]: تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہوجائے تو شروع سے پڑھے یا جہاں سے غلطی ہو وہاں سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر پڑھتے ہوئے اگر کچھ چھوٹ جائے تو جس جگہ سے غلطی ہوئی ہے اسی جگہ سے صحیح پڑھے، شروع سے لوٹانے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شروع اقامت کے وقت کھڑا ہونا

سوال[۲۲۷۳]: حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلوۃ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ بعض لوگ "حي علی الصلوة" پر کھڑے ہوتے ہیں اور بعض شروع اقامت سے، تو یہ کیسا ہے؟ اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لا حرج" دونوں سوالوں پر: "لا حرج" فرمایا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عبارت کس کتاب کی ہے؟ اس کتاب کا کیا نام ہے؟ جس کتاب کی کتاب الصلوۃ میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، ایک فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الصلوۃ میں ہے، ایسا فرمایا مگر اصل کتاب کا نام نہیں ملتا۔ براہ کرم کتاب کا نام تحریر فرمادیں۔

---

(۱) "وإذا قدم في أذانه أو في إقامة بعض الكلمات على بعض نحو: أن يقول: أشهد أن محمداً رسول الله قبل قوله: أشهد أن لا إله إلا الله، فالأفضل في هذا أن ماسبق على أوانه لايعتد به حتى يعيده في أوانه وموضعه، وإن مضى على ذلك جازت صلاته، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۴۹، رشيديه)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتار خانيه، كتاب الصلوة، باب الأذان، نوع آخر في تدارك الخلل الواقع فيه: ۱/۵۲۳، إدارة القرآن والعلوم الاسلاميه، كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتاب کا نام ہی ''کتاب الصلوۃ'' ہے، اس میں نماز ہی کے مسائل ہیں اور ہر مسئلہ اسی طرح کا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا انہوں نے جواب دیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۶ھ۔

بوقتِ اقامت نماز کے لئے مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۲۲۷۴]: بوقت اقامت کھڑے ہو کر صف درست کریں یا کہ مقتدی وامام بیٹھے رہیں اور ''حی علی الصلوۃ'' پر کھڑے ہوں۔ صحیح مسئلہ کیا ہے؟ جواب بحوالہ کتب تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تسویۂ صفوف کی تاکید کی گئی ہے (۲)، اگر سب بیٹھے رہیں اور ''حی علی الصلوۃ'' پر کھڑے ہوں تو پھر تسویہ صفوف نہیں ہو سکے گا، خاص کر ''قد قامت الصلوۃ'' پر امام صاحب نماز شروع کردیں جیسا کہ اس کو بھی آدابِ صلوۃ میں شمار کیا گیا ہے۔

طحطاوی میں ہے کہ ''حی علی الصلوۃ'' یا ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے اور شروع اقامت پر کھڑا ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں۔ اگر امام سامنے حجرہ

---

(۱) امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''کتاب الصلوۃ'' مخطوطہ کی شکل میں مطبوع حیدرآباد دکن میں کسی زمانہ میں موجود تھی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے، دیکھئے: (ص: ۴۹۶، جواب نمبر: ۱)

(۲) ''عن عمرو بن مرة قال: سمعت سالم بن أبي الجعد قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لتسوُّنّ صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم''. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة و بعدها: ۱/۱۰۰، قديمي)

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۹۷، دار الحديث ملتان)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف و إقامتها و فضل الأول فالأول: ۱/۱۸۲، قديمي)

وغیرہ سے آئے تو جیسے ہی اس پر نظر پڑے سب کھڑے ہوجائیں، اگر صفوف کی پشت کی طرف وضوخانہ وغیرہ سے آئے تو جس صف پر پہونچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے، حتی کہ جب امام مصلی پر پہونچے تو سب کھڑے ہوچکے ہوں:

"والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: حيّ على الفلاح، خلافاً لزفر، فعنده :عند "حي على الصلوة" إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر، وإن دخل من قدام، قالوا:(حين يقع بصرهم عليه) و شروع الإمام (في الصلوة) قد قيل : قد قامت الصلوة، اهـ". در مختار: ۱/۳۲۲ (۱) "والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم، حتى لو قام أول الإقامة لا بأس، اهـ". طحطاوی، ص: ۳۲۲ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۲۲۷۵]: تکبیر یعنی اقامت کے وقت مقتدیوں کو نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، شروع تکبیر کے وقت یا کہ حی علی الفلاح کے وقت؟

عبدالحمید بمبئی نمبر ۵۰۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اقامت کے وقت امام نمازیوں کی پشت کی طرف سے مثلاً حوض یا وضوخانہ سے آتا ہے تو جس صف تک امام پہونچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے، یہاں تک کہ جب مصلی پر پہونچے تو تمام صفوف کھڑی ہوچکی ہوں، اگر سامنے سے آتا ہو مثلاً حجرۂ امام اندرونِ مسجد ہو وہاں سے آئے تو جب امام پر نظر پڑے فوراً تمام نمازی

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۰۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۱۵، دار المعرفة بيروت)

کھڑے ہوجائیں(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسے ہی قدم مبارک حجرہ مبارک سے نکالتے فوراً سب نمازی کھڑے ہوجایا کرتے تھے، یہ طریقہ نہیں تھا کہ پہلے مصلی پر آکر تشریف رکھتے اور اقامت میں جب مؤذن "حي على الفلاح" پر پہونچتا، اس وقت کھڑے ہوتے۔ ابوداؤد شریف اور اس کی شرح بذل المجہود میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول مذکور ہے(۲)۔

درمختار وغیرہ میں جولکھا ہے کہ "حي على الصلوة" یا "حي على الفلاح" پر کھڑا ہونا مستحب ہے، تو طحطاوی نے اس کی شرح میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھے، لہٰذا اگر شروع اقامت کے وقت کھڑا ہوجائے تو مضائقہ نہیں اور اس کی ممانعت نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: حيّ على الفلاح (خلافاً لزفر، فعنده :عند حي على الصلوة) إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر. وإن دخل من قُدامٍ قالوا: (حين يقع بصرهم عليه) و شروع الإمام (في الصلوة) قد قيل: قد قامت الصلوة اهـ".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم : قال: إذا أقيمت الصلوة، فلا تقوموا حتى تروني".

و في بذل المجهود : بأن بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه كان يراقب خروج النبي صلى الله عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يره غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مكانه حتى تعتدل صفوفهم، قلت: و يشهد له مارواه عبد الرزاق عن ابن جريج عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن مقامه حتى تعتدل الصفوف". (أبو داؤد مع بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/۳۰۷، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة :۲/۱۵۲، ۱۵۳، قديمي)

(۳) "والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى قام أول الإقامة لا بأس". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۱۵، دار المعرفة بيروت)

ایضاً

سوال[۲۲۷۶]: امام کا عین نماز جماعت کے وقت آکر مصلی پر بیٹھنا پھر مکبر کا اقامت کہنا اور حی علی الصلوۃ پر امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین یا تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے ثابت ہے؟ بحوالہ کتاب مع عبارت کے جواب مرحمت فرماویں، اگر ثابت نہیں تو یہ عمل خلاف سنت ہے یا نہیں؟

ازابوالخیر غازی پوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایسا عمل کسی حدیث شریف میں میری نظر سے نہیں گزرا بلکہ اس کے خلاف صراحت کے ساتھ معمول منقول ہے، وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسے ہی حجرہ شریفہ سے قدم مبارک باہر نکالتے، فوراً تکبیر شروع ہوجاتی اور تمام نمازی کھڑے ہوجاتے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصلے پر جس وقت پہونچتے تو سب نمازی کھڑے ہوچکے ہوتے، یہ معمول نہیں تھا کہ پہلے سے مصلے پر آکر بیٹھ جائیں پھر تکبیر شروع ہو اور جب مکبر "حي الصلوة" پر پہونچے تو اس وقت کھڑے ہوں، لہٰذا اس معمول کے خلاف سنت ہونا ظاہر ہے:

"إن بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه كان يرقب خروج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالبُ الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مكانه حتى تعتدل صفوفهم. قلت: و يشهد له ما رواه عبد الرزاق عن ابن جريج عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر يقومون إلى الصلوة فلا يأتي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف اهـ". بذل المجهود شرح أبي داؤد (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (بذل المجهود شرح أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/۳۰۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۲/۱۵۳، قديمي)=

مقتدیوں کا "حی علی الصلوۃ" پر کھڑا ہونا

سوال [۲۲۷۷]: اقامت جب کہی جائے تو امام اور مقتدیوں کو کب کھڑے ہوجانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام پہلے سے مصلے کے قریب ہے تو جب مکبر "حی علی الصلوۃ" کہے امام اور مقتدی سب کھڑے ہوجائیں، اگر صفوف کی طرف سے آئے تو جس صف پر پہونچتا جائے اس صف کے نمازی کھڑے ہوتے جائیں یہاں تک کہ جب مصلے پر پہونچے تو سب کھڑے ہوچکے ہوں، اگر سامنے سے آئے تو جیسے ہی امام پر نظر پڑے سب نمازی کھڑے ہوجائیں، مصلے تک پہونچنے کا بھی انتظار نہ کریں (۱)۔ پہلی صورت میں "حی علی الصلوۃ" پر کھڑے ہونے کو جو لکھا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد نہ بیٹھا رہے (مثلاً کوئی شخص تسبیح پڑھ رہا ہے اور ختم ہونے سے پہلے تکبیر شروع ہوگئی تو وہ مکبر کے "حی علی الصلوۃ" پر پہونچنے تک اگر پوری کرسکے پوری کرلے اس کے بعد نہ بیٹھا رہے) پس اگر شروع اقامت ہی کے وقت کھڑا ہوجائے تب بھی مضائقہ نہیں، طحطاوی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

= "والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: حي على الفلاح، خلافاً لزفر، فعنده عند: حي على الصلوة إن كان الإمام بقرب المحراب، و إلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر .... و إن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه .... و شروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية)

(۱) "والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: "حي على الفلاح" خلافاً لزفر، فعنده عند "حي على الصلوة" إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر. وإن دخل من قُدامٍ قالوا: حين يقع بصرهم عليه، و شروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۳، مكتبه إمداديه)

(۲) "والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم، حتى لو قام أول الإقامة لا بأس". (حاشية الطحطاوى =

"حی علی الصلوۃ" کے وقت کھڑا ہونا

سوال[۲۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

کہ کٹھیار کے اکثر مقامات پر اقامت صلوۃ کی یہ صورت رائج ہے کہ مؤذن تنہا کھڑا رہ کر اقامت صلوۃ شروع کرتا ہے اور تمام مصلی بیٹھے رہتے ہیں "حی علی الصلوۃ" پر امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں اور "قد قامت الصلوۃ" پر امام نیت باندھتا ہے اس طریقہ پر بعض جگہ اس قدر اشند اد برتا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص "حی علی الصلوۃ" سے پہلے کھڑا ہو جائے تو اسے بالجبر بٹھا دیا جاتا ہے۔ پس کیا اس طریقہ کو مسنون اور مطابق فقہ حنفی کہا جائے گا؟ اور کیا درجہ وجوب میں ہے کہ خلاف اس کا موجب گناہ ہو؟

فقط احقر حکیم محمد ابراہیم خان۔

الجواب حامداًومصلياً:

"ومن الأدب القيام: أى قيام القوم والإمام إن كان حاضراً بقرب المحراب حين قيل: أى وقت قول المقيم: "حى على الفلاح"؛ لأنه أمر به فيجاب. وإن لم يكن حاضراً يقوم كل صفٍ حين ينتهى إليه الإمام فى الأظهر. ومن الأدب شروع الإمام: أى إحرامه مذ قيل: أى عند قول المقيم: "قد قامت الصلوة" عندهما، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يشرع إذا فرغ من الإقامة، فلو أخر حتى يفرغ من الإقامة لا بأس به". مراقى الفلاح، ص: ٦١ (١)۔

"وأيضاً والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: "حى على الفلاح" خلافاً لزفر رحمه الله تعالىٰ فعنده عند: "حى على الصلوة". ابن كمال. إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهى إليه الإمام .... ظهيرية. وإن دخل من قُدام قاموا حين يقع بصرهم عليه، إلا إذا قام الإمام بنفسه فى مسجد فلا يقفوا حتى يتم إقامته، وإن خارجه قام كل صف ينتهى إليه الإمام، بحر. وشروع الإمام فى الصلوة مذ قيل: "قد قامت الصلوة"، ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، و هو قول الثانى والثلاثة، وهو أعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه به،

= على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٢١٥، دار المعرفة بيروت)

(١) (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل من آدابها، ص: ٢٧٧، ٢٧٨، قديمى)

وفي القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح". درمختار (۱)۔

قال الطحطاوي: "(قوله: والقيام لإمام و مؤتم الخ، مسارعة لامتثال أمره، والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس. وحرر (قوله: أنه الأصح): أي فالأخذ به أولىٰ؛ لأنه لا يقع اشتباه على المصلين". طحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۱۵(۲)۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ "حي على الفلاح" یا "حي على الصلوة" کے وقت قوم اور امام کا کھڑا ہونا صرف آداب میں ہے واجبات میں نہیں کہ اس کے ترک پر گناہ ہو(۳) کہ امام مصلے پر یا اس کے قریب پہلے سے موجود ہو، اگر امام وہاں موجود نہ ہو بلکہ کسی دوسری جگہ سے سامنے آئے۔ تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت سب کو کھڑا ہوجانا چاہئے، اگر مصلے کے سامنے نہیں ہے بلکہ مقتدیوں میں سے ہوکر دوسری جانب سے یعنی پیچھے سے آئے تو جس صف میں پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے حتی کہ مصلی پر پہنچنے کے وقت سب صفیں کھڑی ہوجائیں۔ نیز "حي على الصلوة" یا "حي على الفلاح" کے وقت کی تعیین اس لئے ہے کہ اس کے بعد تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا منع ہے۔

امام کو "قد قامت الصلوة" کے وقت نماز شروع کردینا بھی واجب نہیں، پس اگر تکبیر ختم ہونے کا انتظار

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۳، مكتبه إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۱۵، دار المعرفة بيروت)

(۳) "و لها آداب تركه لا يوجب إساءةً و لا عتاباً كترك سنة الزوائد، لكن فعله أفضل". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۷، سعيد)

"وإن فهم منه الثواب على الفعل، وانتفى العقاب على الترك سمي ندباً". (بداية المجتهد و نهاية المقتصد، المعاني المتداولة المتأدية من تلك الطرق: ۱/۳۲۹، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

کیا اور ختم ہونے پر امام نے نماز شروع کی تو بالاتفاق اس میں کوئی گناہ نہیں، بلکہ بہت سے فقہاء نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، پس ان چیزوں پر اتنا تشدد کرنا مسائل سے ناواقفیت کی دلیل ہے(۱)، اس تشدد سے رکنا واجب ہے، نہ مقتدی کو ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا گناہ ہے کہ اس کو جبراً اٹھایا جائے، نہ امام کو "قد قامت الصلوة" کے وقت نماز شروع کرنا واجب ہے کہ ختم کے انتظار کو گناہ کہا جائے۔ جو شی بالاتفاق مستحب ہو اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے، ہر شی ءکو اس کی حد پر رکھنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/شوال/۵۷ھ۔

"حی علی الصلوة" پر قیام

سوال[۲۲۷۹]: جو بدعتی اس مسجد میں فجر کی نماز میں آتے ہیں وہ کبھی عصر کی نماز میں بھی آتے ہیں تو وہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں اور "حی علی الصلوة" پر کھڑے ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اس مسجد میں ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھوں اور ان کا یہ فعل بھی کروں؟ ورنہ اگر نہ کروں گا تو ہوسکتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے سے

---

(۱) "وشروع الإمام مذ قيل: قد قامت الصلوة، و لو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثاني والثالثة، و هو أعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه، و في القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح". (الدر المختار).

و في رد المحتار: "(قوله: لا بأس به إجماعاً): أي لأن الخلاف في الأفضلية، فنفي البأس: أي الشدة ثابت في كلا القولين و إن كان الفعل أولىٰ في أحدهما. (قوله: أنه الأصح): لأن فيه محافظة على فضيلة متابعة المؤذن و إعانة له على الشروع مع الإمام". (كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۳، ۲۸۴، دار الكتب العلمية)

(۲) "قال الطيبي في حاشية المشكوة: فيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، منها استحباب الانصراف عن أحد الجانبين: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

روک دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری مسجد نہیں تو اسی مسجد میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لیا کریں (۱)۔"حی علی الصلوٰۃ" یا"حی علی الفلاح" پر کھڑے ہونے یا نہ ہونے پر کوئی جھگڑا نہ کریں، کبھی پہلے سے کھڑے ہو جایا کریں، یہ مسئلہ جھگڑے کا نہیں، نماز عصر کے بعد اگر تسبیح وتلاوت میں جلدی ہی مشغول ہو جائیں اور ان کو ذکر میں مشغولی کے وقت مصافحہ نہیں کرنا چاہئے (۲) تو امید ہے کہ وہ آپ کو معذور قرار دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

"حی علی الصلوٰۃ" پر قیام

سوال[۲۲۸۰]: جگدل ضلع چوبیس پرگنہ میں کی چند مسجد اس میں فرض نماز اور جمعہ کے لئے لوگ آتے ہیں اور کیف ما اتفق بیٹھ جاتے ہیں جب موذن"حی علی الصلوٰۃ" پر پہونچتا ہے کھڑے ہو جاتے ہیں، تسویہ صفوف کا انتظام بالکل نہیں کرتے ہیں، تاکید کرنے سے بھی صفیں سیدھی نہیں ہوتیں کیونکہ وقت بہت تنگ ہوتا ہے، صفوف کا سیدھا کرنا واجب ہے، کیونکہ حدیث صحیحہ میں تاکید آئی ہے۔ آیا بغیر تسویہ صفوف کسی امر مندوب یا جائز پر عمل کرنا درست ہے، واجب کے ترک سے امر مندوب یا جائز میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں

---

(۱)"ویکره تقديم المبتدع أيضاً؛ لأنه فاسق من حيث الاعتقاد، و هو أشد من الفسق من حيث العمل؛ لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق و يخاف و يستغفر بخلاف المبتدع، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئًا على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة، وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة، أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً". (الحلبي الكبير، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲)" فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأى وجه كان رحمتي ".(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره : ۶۱۶/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۳۹۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

آئے گی؟ موطا إمام محمد، ص:٨٦ باب تسوية الصف میں:"حتى ينبغي للقوم إذا نال المؤذن حي على الفلاح أن يقوم إلى الصلوة، فيصفوا و يسوّوا الصفوف يحاذوا بين المناكب الخ" (١) سے ثابت ہوتا کہ تسویۂ صف کا وقت "حي على الفلاح" پر اٹھنے کے بعد ہے۔

یہ احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: "سووا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلوة"(٢). اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسویۃ الصفوف کا وقت قبل اقامت ہے۔ اور بدائع الصنائع میں:١/١٠٠، میں حي على الفلاح کے قبل اٹھنا ممنوع لکھا ہے(٣)۔ عالمگیری وغیرہ میں اس کے خلاف مسئلہ لکھا گیا ہے(٤) جو باعث خلجان ہے۔

---

(١) والعبارة بتمامها: "قال محمد: ينبغي للقوم إذا قال المؤذن: "حي على الفلاح" أن يقوموا، فيصفّوا ويسوّوا الصفوف، ويحاذوا بين المناكب، فإذا أقام المؤذن الصلوة، كبّر الإمام، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (المؤطا للإمام محمدؒ، باب تسوية الصفوف، ص: ٨٦، ٨٧، مير محمد كتب خانه)

(٢) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " سوّوا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلوة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلوة: ١/١٠٠، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف اهـ: ١/١٨٢، قديمي)

(٣) "فكان ينبغي أن يقوموا عند قوله: "حيّ على الصلوة"، لما ذكرنا، غير أنا نمنعهم عن القيام كيلا يلغو قوله: حيّ على الفلاح؛ لأن من وجدت منه المبادرة إلى شئي فدعاءه إليه بعد تحصيله إياه لغوٌ من الكلام". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سنن الصلوة: ٢/٢٥، دارالكتب العلميه، بيروت)

(٤) "إن كان المؤذن غير الإمام، وكان القوم مع الإمام في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: "حيّ على الفلاح" عند علمائنا الثلاثة، وهو الصحيح، فأما إذا كان الإمام خارج المسجد، فإن دخل المسجد من قبل الصفوف، فكلّما جاوز صفاً، قام ذلك الصف، وإليه مال شمس الأئمة الحلواني، والسرخسي، وشيخ الإسلام خواهر زاده. وإن كان الإمام دخل المسجد من قُدامهم يقومون كمارأوا الإمام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان اهـ: ١/٥٧، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٤٧٩، سيعد)

(وكذا في النهر الفائق، باب صفة الصلوة: ١/٢٠٣، مكتبه امداديه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلوة: ١/٢٨٣، دارالكتب العلميه، بيروت)

اب سوال یہ ہے کہ احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ فقہاء میں کیا تطبیق ہے؟ مؤطا امام محمدؒ اور بدائع الصنائع کے اقوال پر عمل کرنا دیگر کتب فقہ کے اقوال کو چھوڑ کر کیسے ممکن ہے؟ عملِ واجب مقدم ہے یا مستحب؟ استحباب ثابت کرنے کے لئے "ینبغی" کا لفظ جیسا کہ مؤطا امام محمدؒ میں منقول ہے کافی ہے؟

"حی علی الفلاح" کے وقت کھڑے ہونے کا التزام عملاً مثلِ واجب کرنا واجب کو چھوڑتے ہوئے جائز یا درست ہے یا ممنوع ہے؟ اس عمل میں واجب پہچاننے کے لئے کیا معیار ہے؟ لہٰذا اس مسئلہ میں آج کل جگہ دل میں جو طریق مروج ہے اس پر اس قسم کے اشکالات ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مسئلہ کا حکم اس سے قبل عبارتِ فقہ سے استشہاد کے ساتھ آپ کے پاس ارسال کیا جاچکا ہے، اب بحث اس کے ماخذ اور حدیث وفقہ میں تعارض وتطابق سے باقی رہ گئی، فقہاء کے کلام میں عبارتیں بہت مختلف ہیں، بلکہ ایک ہی مصنف نے ایک جگہ کچھ لکھا دوسری جگہ اس کے خلاف لکھا ہے، اسی طرح اقوالِ صحابہ وتابعین کا حال ہے، اس لئے جس جگہ اختلافِ مذاہب کی تصریح ہو تو اختلاف مذاہب پر حمل کرلیا جائے اور جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں تقیید کے ذریعہ سے محل علیحدہ علیحدہ متعین کرلیا جائے اور تقیید کی صورت وہی ہے جو اس سے پہلے مذکور ہوئی یعنی اگر امام محراب کے قریب مصلی پر ہو اور سب مقتدی اپنی اپنی جگہ پر ہوں تو "حی علی الفلاح" کے وقت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور "قد قامت الصلوة" کے وقت (علی النقل الصحیح) زفر وحسن رحمہما اللہ کے نزدیک کھڑے ہوں۔

اگر امام مصلی پر موجود نہ ہو بلکہ صفوف کی طرف سے داخل ہو، جن صفوں تک پہنچتا جائے مقتدی کھڑے ہوتے جائیں، اگر سامنے کی جانب سے آئے تو جس وقت امام پر نظر پڑے اسی وقت فوراً کھڑے ہوجائیں۔ یہ تفصیل درمختار: ۱/ ۴۵۹، سے نقل کی گئی ہے (۱)۔

---

(۱) "والقيام لإمام ومؤتم حين قيل: "حي على الفلاح"، خلافاً لزفر، فعنده عند: "حي على الصلوة" إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر، وإن دخل من قدام قالوا: حين يقع بصرهم عليه .... وشروع الإمام في الصلوة مذقيل: قد قامت الصلوة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۷۹، سعيد)

"بأن عند زفر يقومون حين قيل: "قد قامت الصلوة" الأولى، و يُحرمون عندالثانية". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

بدائع:۱/۲۰(۱) عالمگیری:۱/۵۷،(۲) وغیرہ میں بھی یہ تفصیل موجود ہے، لہٰذا اگر کسی جگہ "حی علی الصلوة" یا "حی علی الفلاح" یا "قد قامت الصلوة" سے پہلے کھڑے ہونے کی کراہت یا ممانعت مذکور ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ امام محراب کے قریب مصلیٰ پر موجود نہ ہو، یا کراہت تنزیہی مراد لی جائے جس کو "جائز"، "خلاف اولیٰ"، "لا بأس" سے تعبیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا قیام سے مراد قیام بحقیقۃ الصلوۃ یعنی تکبیر ہو مگر یہ احتمال حدیث میں ہوسکتا ہے، یا تاخیر سے احتراز ہو، تقدم سے نہ ہو:

"عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني قد خرجت". رواه الجماعة إلا ابن ماجة، و لم يذكر البخاري فيه "قد خرجت" (٣) كذا في نيل الأوطار (٤)۔

"عن أنس رضي الله تعالى عنه أنه كان يقوم إذا قال المؤذن: قد قامت الصلوة". رواه ابن المنذر وغيره"(٥)۔

---

(۱) "ولأن القيام لأجل الصلوة لايمكن أداؤها بدون الإمام، فلم يكن القيام مفيداً، ثم دخل الإمام من قدام الصفوف، فكلما رأوه قاموا؛ لأنه كمادخل المسجد قام مقام الإمامة، وإن دخل من وراء الصفوف، فالصحيح أنه كلما جاوز صفاً قام ذلك الصف". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سنن الصلوة: ۲/۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع، ص: ۴۸۰، رقم الحاشية: ۴)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱/۸۸، قديمي)
(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة: ۱/۲۲۰، قديمي)
(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام: ۱/۸۰، دار الحديث ملتان)
(وسنن النسائي، كتاب الأذان، باب إقامة المؤذن عند خروج الإمام: ۱/۱۱، قديمي)
(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة: ۱/۵۰، سعيد)

(۴) (نيل الأوطار، أبواب الأذان، المحافظة على الأذان عند دخول وقت الظهر بدون تقديم و لا تأخير، و لا يقيم المؤذن حتى يرى الإمام والدليل على ذلك: ۲/۳۱، دارالباز للنشر والتوزيع عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۵) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عندالإقامة: ۲/۱۵۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقامه". رواه مسلم"(١). "وأخرج عن جابر ابن سمرة رضى الله تعالىٰ عنه أن بلالاً لا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإذا خرج أقام الصلوة حين يراه". إلى آخر قوله: "عن أبي قتادة رضى الله تعالىٰ عنه الخ"۔

قلت: فيه دلالة على أن لا يقوم الناس في الصف و لو شرع المؤذن في الإقامة، بل و لو كان أتمها حتى يرووا الإمام خارجاً من حجرته أو من باب المسجد متوجهاً إلى الصلوة، هذا إذا كان الإمام غائباً عن المسجد وقت الإقامة عازباً عن القوم، و أما إذا كان فيه أو بقربه بمرأى منهم فسيأتي حكمه"۔

"قال الحافظ في الفتح: ١/ ١٠ (٢): قال القرطبي: ظاهر الحديث أن الصلوة كانت تقام قبل أن يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من بيته، وهو معارض لحديث جابر ابن سمرة رضى الله تعالى عنه "أن بلالاً كان لا يقوم حتى يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أخرجه مسلم". و يجمع بينهما بأن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مقامه حتى تعتدل صفوفهم۔

قلت: و يشهد له ما رواه عبد الرزاق عن بن جريج عن ابن شهاب "أن الناس كانوا ساعةً يقول المؤذن: الله أكبر، يقومون إلى الصلوة فلا يأتي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

---

(١) (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة: ١/ ٢٢١، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام: ١/ ٨٠، دار الحديث ملتان)

(٢) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عندالإقامة: ٢/ ١٥٣، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب في الصلوة و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ١/ ٣٠٧، امدادیہ ملتان)

مقامه حتى تعتدل الصفوف". قال المؤلف: و يمكن حمل حديث جابر رضى الله تعالىٰ عنه على مابعد النبى أيضاً، أما حديث أبى هريرة الذى أخرجه البخارى بلفظ: "أقيمت الصلوة فيسوى الناس صفوفهم، فخرج النبى صلى الله تعالى عليه وسلم"، و لفظه فى مستخرج أبى نعيم: "فصف الناس صفوفهم، ثم خرج علينا"، و لفظه عند مسلم: "أقيمت الصلوة، فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا النبى صلى الله تعالى عليه وسلم" فيجمع بينه و بين حديث أبى قتادة رضى الله تعالى عنه بأن ذلك ربما وقع لبيان الجواز، و بأن صنيعهم فى حديث أبى هريرة كان سبب النهى عن ذلك فى حديث أبى قتادة رضى الله تعالى عنه، وأنهم كانوا يقومون ساعةً تقام الصلوة، و لو لم يخرج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فنهاهم عن ذلك الاحتمال أن يقع له شغل يبطى فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره الخ۔

و بالجملة إذا لم يكن الإمام مع القوم فالجمهور على أنهم لا يقومون حتى يروه بمقتضى حديث المتن، كمافى العمدة للعينى: ۲/۲۷٦(۱)، "وهو قولنامعشر الحنفية. أثر أنس فى الظاهر دليل لزفر، و فى المعنى دليل للطرفين إذا أريد بالقيام القيام بحقيقة الصلوة، وهو التكبير، وأما القيام من الجلوس، فلا بد أن يتقدمه، والأمر فى كل ذلك واسع ، والله تعالىٰ أعلم"۔ و قال العلامة الطحطاوى: والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقدم، حتى لو قام أول الإقامة لابأس، و حرّر الخ". (۲)، إعلاء السنن، ص: ۳۵٦، ۳۵۷، ۳۵۸ (۳)۔

---

(۱) قال البدر العينى: "وإذا لم يكن الإمام فى المسجد فذهب الجمهور إلى أنهم لايقومون حتى يروه". (عمدة القارى: ۲۲۵/۵، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲۱۵/۱، دار المعرفة بيروت)

(۳) (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وقت قيام الإمام والمأمومين للصلاة: ۳۲۵/۴-۳۲۸، إدارة القرآن كراچى)

مؤطا امام محمدؒ کے حاشیہ پر طویل بحث کے بعد لکھا ہے: "والأمر في هذا الباب واسعٌ ليس له حدٌّ مضيق في الشرع، واختلاف العلماء في ذلك لاختيار الأفضل بحسب مالاح لهم، الخ" (۱)۔

مندوبات پر اصرار کرنا اور ان کو وجوب کا درجہ دینا جائز نہیں بلکہ اس سے کراہت آجاتی ہے (۲) اور جس مندوب سے ترکِ واجب ہوتا ہو اس کا ترک واجب ہوتا ہے، لہٰذا جب کہ تسویۂ صفوف میں خلل پڑتا ہو تو اولِ اقامت سے قیام کر کے تسویۂ صفوف کرلیا جائے، ایسی حالت میں کوئی کراہت کسی قول کے مطابق نہیں۔ واجب پہچاننے کا معیار دلیل ہے، جس درجہ کی دلیل اسی درجہ کا حکم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۷/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام ومقتدی نماز کیلئے کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال[۲۲۸۱]: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "جب اقامت شروع ہوتی تھی تو ہم لوگ کھڑے ہوجاتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرے سے نکلنے سے پہلے صفوں کی درستگی کرلیتے تھے"۔ یہ حدیث مسلم شریف میں ص:۲۲۰ پر ہے (۳)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "حی علی

---

(۱) (التعليق الممجد على مؤطا محمد، باب تسوية الصفوف، ص:۸۷، حاشية :۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) "قال الطيبي في حاشية المشكوة: فيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، و منها استحباب الانصراف عن أحد الجانبين، قبيل فصل في القرآءة: ۲/ ۲۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، رشيديه)

(۳) "عن ابن شهاب أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف، وقال لنا": مكانكم الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة: ۱/ ۲۲۰، قديمي)

الفلاح" کے وقت کھڑے ہونے پر صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی جس کی احادیث میں تاکید آئی ہے، مذکورہ بالا حدیث کی بناء پر ابتدائے اقامت ہی پر کھڑا ہوجانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح صف بندی کی خاطر خلافِ سنت فعلِ مکروہ نہ کرنا چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور اسی طرح بعض اَور روایتیں ایسی ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں: کہ ہم " سرکار کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے درصفوں میں اپنی جگہ لے لیتے، نیز صفوں کی درستگی کر لیتے" (۱) لیکن اس سے ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کا استدلال کس طرح کیا جاسکتا ہے جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسی طرز عمل پر نکیر فرمائی:

"إذا أقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني قد خرجت". بخاری ومسلم وترمذی ومشکوۃ (۲)

یعنی "اے صحابہ! جب اقامت کہی جائے نماز کے لئے تو تم لوگ اس وقت تک نہ کھڑے ہوا کرو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کہ (حجرۂ اقدس سے) نکل گیا ہوں"، لہٰذا صحابہ کے اس عمل کے لئے: "لا تقوموا حتى تروني" والی حدیث ناسخ ہوگی اور صحابہ کا عمل ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا اس حدیث سے منسوخ ہوگا۔

---

(۱) "عن ابن جريج عن ابن شهاب: "إن الناس كانوا ساعةً يقول المؤذن: الله أكبر، يقومون الصلوة، فلا يأتي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف".

"و في صحيح مسلم و سنن أبي داود ومستخرج أبي عوانة: "إنهم كانوا يعدلون الصفوف قبل خروجه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (نيل الأوطار، أبواب الأذان، المحافظة على الأذان عند دخول وقت الظهر: ۲/ ۳۱، دار الباز، عباس الباز مكة المكرمة)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة: ۱/ ۲۲۰، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة: ۱/ ۸۸، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة: ۱/ ۵۰، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب فيه فصلان ۱/ ۶۷، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام اهـ: ۱/ ۸۰، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب الأذان، باب إقامة المؤذن عند خروج الإمام: ۱/ ۱۱۱، قديمي)

دینی مدارس کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عمل حدیثِ ناسخ پر ہوتا ہے منسوخ پر نہیں، فتح الباری شرح بخاری، جلد دوم، ص:۱۰۰، پر ہے: "حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كان بسبب النهي عن ذلك في حديث أبي قتادة"(۱)۔

علامہ نووی شرح مسلم میں ص:۲۲۱، میں فرماتے ہیں: "ولعل قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فلا تقوموا حتى تروني" كان بعد ذلك"(۲) یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو، صحابہ کے اس عمل کے بعد ہے، چنانچہ یہی علامہ نووی صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل شرح مسلم:۱/۲۲۱، میں نقل فرماتے ہیں: "وكان أنس رضي الله تعالىٰ عنه يقوم إذا قال المؤذن: قد قامت الصلوة"(۳) یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ جب مکبر "قد قامت الصلوة" کہتا اس وقت قیام فرماتے۔

پھر یہی علامہ نووی شارح مسلم اقامت کے متعلق روایاتِ مختلفہ کی توضیح وتشریح کے بعد ائمۂ کرام کے اقوال نقل کرتے ہوئے امام المشارق والمغارب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بیان فرماتے ہیں: "قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ والكوفيون يقومون في الصف إذا قال: حي على الصلوة" شرح مسلم:۱/۲۲۱(۴)، نیز فتح الباری شرح بخاری:۲/۱۰۰، میں ہے: "وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يقومون إذا قال: حي الفلاح" (۵) یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لوگ "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہوں۔

شلبی حاشیہ زیلعی کے ص:۱۰۸، میں ہے: "قال في الوجيز: والسنة أن يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حي على الفلاح"(٦) یعنی وجیز میں فرمایا کہ جب مکبر "حي على الفلاح" کہے اس وقت

(۱) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عندالإقامة: ۲/۱۵۳، قديمي)

(۲) (النووي على الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة: ۱/۲۲۱، قديمي)

(۳) (النووي على الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۴) (النووي على الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۵) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عندالإقامة: ۲/۱۵۳، قديمي)

(٦) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

امام ومقتدی کا کھڑا ہونا سنت ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ:۱/۱۵۵، پر ہے (یہ کتاب ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے یعنی بریلوی مسلک کے مدرسہ میں بھی اور دیوبندی مسلک کے مدرسہ میں بھی): "ویقوم الإمام والقوم عند: حي على الصلوة"(۱)۔ کذا في نور الإیضاح، ص: ۲۴(۲)۔

درمختار، ص:۲۹۳، پر ہے: "والمؤذن یقیم قعد"(۳) ردالمحتار کے اسی صفحہ پر ہے: "(قوله: قعد) ویکره له الانتظار قائماً و لکن یقعد، ثم یقوم إذا بلغ المؤذن: حي على الفلاح"(۴)۔

فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۹ پر ہے: "إذا دخل الرجل عند الإقامة، یکره له الانتظار قائماً، و لکن یقعد، ثم یقوم إذا بلغ المؤذن قوله: "حي على الفلاح"(۵)۔

درمختار، ص:۳۵۲،۳۵۳ پر ہے: "والقیام لإمام ومؤتم حین قیل: حيّ على الفلاح"(۶)۔

طحطاوی مطبوعہ قسطنطنیہ، ص:۱۵۱، پر ہے: "وإذا أخذ المؤذن في الإقامة، ودخل رجل في المسجد، فإنه یقعد و لا ینتظر قائماً، فإنه مکروه، کذا في المضمرات، قهستاني. و یفهم منه کراهة القیام ابتداءً والناس عنه غافلون"(۷)۔

یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر

---

(۱) (شرح الوقایة، کتاب الصلوة، بیان حکم ترک الأذان والإقامة: ۱/۱۳۶، سعید)

(۲) "والقیام حین قیل. حي الفلاح" (نور الإیضاح متن مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل من آدابها ص:۲۷۷، قدیمي)

(۳) والعبارة بتمامها: "دخل المسجد والمؤذن یقیم، قعد إلی قیام الإمام في مصلاه". (الدر المختار، کتاب الصلوة باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعید)

(۴) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعید)

(۵) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بیان کلمات الأذان والاقامة: ۱/۵۷، رشیدیه)

(۶) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعید)

(۷) (حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل من آدابها، ص:۲۷۸، قدیمي)

انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا ہونا مکروہ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے (قہستانی) اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے : "قال أبوحنيفة و محمد: يقومون في الصف إذا قال: حي على الصلوة" (۱) یعنی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ صف میں لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر "حي على الصلوة" کہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہوگیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان واجب الاذعان مدلل بحدیث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تو یہ حکم امام اعظم و دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ٹھہرا، لہٰذا اس کے خلاف عمل کرنا یعنی ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ جو لوگ صفوں کی درستگی کا بہانہ بنا کر شروعِ اقامت سے کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ اپنی کم علمی اور مسائلِ شرعیہ سے عدمِ واقفیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا علمائے متقدمین ومتاخرین یہاں تک کہ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابویوسف اور محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو امام ومقتدی کو "حي على الفلاح" پر کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں ان لوگوں کے سامنے صفوں کی درستگی کا مسئلہ نہیں تھا اور یقیناً تھا، جتنا ان لوگوں نے احادیث کریمہ کے مفہوم کو سمجھا ہے مخالفین سمجھنے سے قاصر ہیں، خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "إذا صح الحديث فهو مذهبي" (۲)۔

حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے، حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیرِ تحریمہ کہتے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو" حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں : "خرج يوماً فقام حتى كاد أن

---

(۱) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأو الامام عندالإقامة: ۱۵۴/۵، إدارة الطباعة المنيرية، الناشر محمد أمين دمج بيروت)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي، ص:۶۷، مير محمد كتب خانه كراچي)

یکبر، فرأی رجلاً بادیاً صدره من الصف فقال: عباد الله! أقیموا صفوفکم"(۱)۔ یقیناً صفوں کی درستگی کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے لیکن تاکید کے معنی ہرگز نہیں کہ صفوں کی درستگی اس کے مقررہ وقت سے پہلے کی جائے۔ کیا نمازوں کی تاکید قرآن وحدیث میں نہیں آئی ہے؟ آئی ہے اور یقیناً آئی ہے تو کیا اس کو وقت سے پہلے ادا کریں گے، بلکہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں گے۔

نماز باجماعت کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قولِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عملِ صحابہ اور مذہبِ حنفیہ سے ثابت ہے، اسی وقت پر کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کریں، جیسا کہ محررِ مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنی کتاب موطا امام محمد میں فرماتے ہیں: "ینبغی للقوم إذا قال المؤذن: حی علی الفلاح أن یقیموا إلی الصلوة، فیصفوا و یسووا الصفوف"(۲) یعنی مقتدیوں کو چاہئے کہ جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تب نماز کے لئے کھڑے ہوں پھر صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھی کریں۔ خود مخالفین کے علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ جب مکبر "حی علی الفلاح" کہے تب امام ومقتدی کو کھڑا ہونا چاہئے۔

چنانچہ نواب قطب الدین خان مشکوۃ شریف کا اردو ترجمہ ''مظاہر حق'' جدید مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند قسط ہشتم، ص:۳۴ پر لکھتے ہیں: ''فقہاء نے لکھا ہے کہ تکبیر کہنے والا جب "حی علی الصلوۃ" کہے تو مقتدیوں کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے'' (۳)۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالابد منہ، ص:۲۴ میں فرماتے ہیں: "نزد حی علی الصلوۃ إمام بر خیزد" یعنی "حی علی الصلوۃ" کے وقت امام اٹھے (۴)۔ اس عبارت

---

(۱) "عن سماک بن حرب قال: سمعت النعمان بن بشیر رضی الله تعالیٰ عنه یقول: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یسوی صفوفنا حتی کأنما یسوی بها القداح حتی رأی أنّا قد عقلنا عنه، ثم خرج یوماً، فقام حتی کاد یکبر فرأی رجلاً بادیاً صدره من الصف: فقال: "عباد الله! لتسوّنّ صفوفکم أو لیخالفنّ الله بین وجوهکم". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلوۃ، باب تسویة الصفوف و إقامتها: ۱۸۲/۱، قدیمی)

(وسنن الترمذی، أبواب الصلوۃ، باب ما جاء فی إقامة الصفوف: ۵۳/۱، سعید)

(۲) (المؤطا للإمام محمد، باب تسویة الصفوف، ص:۸۶، ۸۷، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۳) (مظاهر حق، کتاب نماز کی، باب بعض احکام اذان: ۲۴۴/۱، إداره إسلامیات لاهور)

(۴) (مالابد منه، فصل طریقِ خواندن نماز بر وجهٔ سنت، ص:۳۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

کی شرح میں مفتی سعد اللہ صاحب لکھتے ہیں: "امام بر خیزد و مقتدیان نیز، زیرا که حی علی الصلوة امر است بجا آورده شود". امام اٹھے اور مقتدی بھی، اس لئے کہ "حی علی الصلوة" میں حکم ہے جس کی بجاآوری کی جائے۔

"صراط مستقیم" مصدقہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی مطبوعہ مینار بکڈپو چارکمان حیدرآباد ص:۱۸۲ میں ہے "ائمہ احناف نے کہا ہے کہ امام ومقتدی سب "حی علی الصلوة" کے وقت کھڑے ہوجائیں"۔

فتاوی عالمگیری اردو جدید جز:۲ میں ہے (جس کے مترجم ومحشی مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاط عثمانی فاضل دیوبند ہیں): "نمازی امام سمیت مسجد میں ہے اس صورت میں جب موذن اقامت کہتے ہوئے حی علی الفلاح پر پہونچے تو ہمارے تینوں ائمہ کرام: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام اور نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہئے درست یہی ہے"۔ (فتاوی عالمگیری اردو جدید، ص:۲۴ جز نمبر:۲، ناشر: وسیم بکڈپو، دیوبند، ضلع سہارنپور)۔

مذکورہ بالا حدیث اور فقہ حنفی کی کتابوں سے اچھی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ امام اور مقتدی کا "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا سنت ہے، جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں یا دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے ہیں وہ اس سنت کو مٹانا چاہتے ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے "حی علی الفلاح" پر کھڑے ہوں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد" (۱) جس شخص نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما یعنی اس پر عمل کیا تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

هذا هو الحق والحق بالاتباع أحق، حدیث نعمان بن بشیر اور امام محمد کے بیان سے واضح ہوگیا کہ صفوں کی درستگی حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے بعد کرنا چاہئے، صف بندی کا بہانہ کرکے شروع اقامت پر کھڑا ہونا خلافِ سنت اور مکروہ وجہالت ہے۔ سید مظہر ربانی غفرلہ مہتمم اعلیٰ دارالعلوم ربانیہ باندہ۔

سید غازی ربانی غفرلہ ناظم اعلیٰ دارالعلوم ربانیہ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۰، قديمي)

میں اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔ سید محمد احسن ربانی غفرلہ امیر شعبۂ تبلیغ۔

فقیر بھی اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ سعید محمود القادری غفرلہ (نائب صدر دارالعلوم ربانیہ)

هذا هو الحق والصواب مولانا قاری سرتاج مسعودی غفرلہ فاضل دارالعلوم ربانیہ۔

إذ قول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وعمل الصحابة ومذهب علماء الحنفية شاهدٌ على ماقاله المرتب فهو الصواب و من يوفق عليه فهو يصاب۔

حدیث پاک: "أحب الأعمال أدومها" کے تحت مسلسل "حي على الفلاح" پر نماز باجماعت کے لئے سنت اور مستحب جانتے ہوئے کھڑا ہونا عند اللہ محبوب ہے، جو لوگ اس کو مکروہ تحریمی یعنی حرام کے قریب کہتے ہیں شریعت پر افتراء کر رہے ہیں۔ محمد حبیب الدین قاری غفرلہ خادم دارالعلوم ربانیہ (مفتی دارالافتاء وشیخ الحدیث دارالعلوم)۔

قول المرتب صحیح مولانا قاری سید منظر ربانی مدرس دارالعلوم ربانیہ۔

ہذا القول صحیح: مولانا قاری سید خوشتر ربانی مدرس دارالعلوم ربانیہ۔

شائع کردہ: ناظم نشر واشاعت دارالعلوم ربانیہ علی گنج باندہ، یوپی۔

نوٹ: از ناقل: ایک اشتہار ہے جسے کسی نے استفتاء کے طور پر بھیجا ہے، وہ مطبوعہ اشتہار رجسٹر نقول فتاویٰ دارالعلوم ربانیہ باندہ میں لگا ہوا ہے، اس سے بعینہ یہ نقل ہے، بغیر کسی ایک لفظ کے ترک کے، الا یہ کہ سہواً ترک ہو گیا ہو، یہ تو کسی کو بھی دعویٰ کرنے کا حق نہیں کہ سہواً بھی کچھ نہیں ہوا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ نہ فرائض میں سے ہے، نہ واجبات میں سے، نہ سننِ مؤکدہ میں سے بلکہ مستحبات میں سے ہے(۱) اور کسی مستحب چیز پر ایسا اصرار کرنا جیسا کہ واجب پر کیا جاتا ہے درست نہیں، بلکہ اس سے اس کا استحباب

---

(۱) "قال العلامة العيني في العمدة: و قد اختلف السلف متى يقوم الناس إلى الصلوة ، فذهب مالك و جمهور العلماء إلى أنه ليس لقيامهم حدٌّ، و لكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وقت قيام الإمام والمأمومين للصلوة : ۴/۳۲۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود ، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/۳۰۷، إمداديه ملتان)

ختم ہوکر اس میں کراہیت آجاتی ہے: "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة" سباحة الفکر (۱)۔ اور مسئلہ میں بھی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر امام پہلے ہی سے مصلیٰ کے قریب موجود ہو، مثلاً عصر کی نماز پڑھی اور وہیں مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے وعظ کہنا یا کتاب سنانا شروع کیا، یہاں تک کہ مغرب کا وقت آگیا، اذان ہوئی اور اقامت ہوئی ایسی حالت میں کہ جب امام اور مقتدی اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں تو جس وقت اقامت کہنے والا "حی علی الصلوٰة" یا "حی علی الفلاح" پر پہونچے تو امام اور مقتدی سب کے سب کھڑے ہوجائیں تاکہ "حی علی الصلوٰة" کے خطاب پر عمل ہوجائے۔ اگر امام سامنے سے آئے مثلاً جدارِ قبلہ میں اس کا کمرہ ہے یا آنے کا دروازہ ہے تو جیسے ہی اس پر نظر پڑے، سب کے سب کھڑے ہوجائیں اور اگر امام مصلیوں کی پشت کی جانب سے مثلاً حوض یا وضو خانہ سے آئے تو جس جس صف پر پہونچتا رہے وہ صف کھڑی ہوتی جائے یہاں تک کہ امام جب مصلیٰ پر پہونچے تو سب کھڑے ہو چکے ہوں:

"و لها آدابٌ ترکه لا یوجب إساءةً و لا عتاباً کترك السنن الزوائد، لکن فعله أفضل (إلی أن قال): والقیام للإمام و مؤتم حین قال: حی علی الفلاح، خلافاً لزفر رحمه الله تعالیٰ فعنده عند حی علی الصلوٰة إن کان الإمام بقرب المحراب، وإلا فیقوم کل صفٍ ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر، وإن دخل من قُدام قاموا حین یقع بصرهم علیه اهـ". درمختار علی هامش رد المحتار۔ "(قوله: و إلا): أی وإن لم یکن الإمام بقرب المحراب بأن کان فی موضع آخر من المسجد أو خارجه ودخل من خلفٍ اهـ". شامی: ۱/۳۲۲ (۲)۔

---

(۱) سباحۃ الفکر میں نہیں ملا، البتہ انہی الفاظ کے ساتھ سعایہ میں دیکھئے: (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوٰة، قبیل فصل فی القرأة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

"فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم، والتخصیص من غیر مخصص مکروهاً". (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللکنوی. ۳/۴۹۰، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۷۷، ۴۷۹، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۱۰۳، امدادیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۵۳۱، رشیدیه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۲۸۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

نیز طحطاوی علی ردالمحتار میں ہے کہ "حي على الصلوة" یا "حي على الفلاح" کے وقت کھڑے ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد تک نہ بیٹھا رہے، پس اگر کوئی شخص شروعِ اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے تو بھی کوئی جرم نہیں (۱) مثلاً ایک شخص وظیفہ پڑھ رہا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ چاہتا ہے کہ اپنا وظیفہ پورا کرے تو اس کو گنجائش ہے کہ "حي على الصلوة" سے پہلے پہلے جلدی جلدی جس قدر پڑھ سکے پڑھ لے، اس کے بعد نہ بیٹھا رہے بلکہ کھڑا ہو جائے۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور اقامت شروع ہوگئی اور وہ "حي على الصلوة" پر کھڑا ہو گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا کہ "لا حرج" پھر پوچھا کہ ایک شخص شروعِ اقامت کے وقت کھڑا ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو جواب دیا کہ "لا حرج"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم بنالیا ہے اور اس کو ایک شعار قرار دے لیا گیا۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت سے ایک فریق نے استدلال کیا کہ "حي على الصلوة" سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے (۲) ایسے ہی قریب قریب عالمگیری کی عبارت ہے (۳)۔ اور اس پر اتنا زور باندھا کہ مستقل نزاعات شروع ہو گئے حالانکہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اول اول یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام کھڑے ہو جاتے اور انتظار کرتے تھے حالانکہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں ہی تشریف فرما ہوتے تھے، اس پر ارشاد فرمایا کہ: "تم لوگ کھڑے مت ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو کہ میں حجرہ سے باہر آ گیا" اور پھر یہ معمول ہو گیا کہ صف بنا کر صحابہ کرام بیٹھے رہتے اور مؤذن کی نظر حجرہ مبارکہ کی طرف ہوتی جیسے

---

(۱) "والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة، لا بأس اهـ". (طحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۱۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) "دخل رجل المسجد فإنه يقعد، و لا ينتظر قائماً، فإنه مكروه كما في المضمرات قهستاني، و يفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون". (حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل من آدابها، ص: ۲۷۸، قديمی)

(۳) "إذا دخل الرجل عند الإقامة يكره له الانتظار قائماً، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن قوله: حي على الفلاح، كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في بيان كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

ہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر مؤذن کی نظر جاتی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو فوراً کھڑے ہوکر اقامت شروع کردیتے اور سب نمازی کھڑے ہوجاتے ، یہاں تک کہ جب مصلیٰ مبارک پر پہونچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے اور نماز شروع فرمادیتے۔

یہ تفصیل بذل المجہود شرح ابی داود: ۱/ ۳۰۷ میں ہے(۱)۔ اور اس میں زہری، مالک، سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ رحمہم اللہ اکابر کے اقوال بھی موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ میں بڑی وسعت ہے(۲)، لہٰذا ایک جہت پر اصرار کرنا اور اس کے خلاف کو معصیت سمجھنا درست نہیں۔ ترکِ افضل بہر حال ترکِ افضل ہی ہے، معصیت نہیں ہے، دونوں جانب کو ملحوظ رکھنا چاہئے، نہ بیٹھنے والوں پر ایسی نکیر کی جائے جیسے گناہ کرنے والوں پر ہوتی ہے، نہ کھڑے ہونے والوں پر ایسی نکیر کی جائے اور اس مسئلہ کو لیکر نزاع پیدا کرنا اور مسجد کو اکھاڑا بنانا ہرگز ہرگز جائز نہیں، قرآن پاک میں صریح حکم ہے: ﴿و لا تنازعوا﴾۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۱/ ۱۴۰۶ھ۔

"قد قامت الصلوٰة" پر سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا

سوال[۲۲۸۲]: ۱..... حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلوۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے

(۱) "عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه أبي قتادة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا أقيمت الصلوة" : أي نودي بألفاظ الإقامة للصلوة "فلا تقوموا منتظرين للصلوة حتى تروني": أي تبصروني "خرجتُ". قال الحافظ في الفتح: قال القرطبي: ظاهر الحديث أن الصلوة تقام قبل أن يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من بيته .... بأن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مكانه حتى تعتدل صفوفهم". (بذل المجهود ،كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/ ۳۰۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "فذهب مالك و جمهور العلماء إلى أنه ليس لقيامهم حدٌّ، و لكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة، وكان أنس رضي الله عنه يقوم إذا قال المؤذن: قد قامت الصلوة و كبر الإمام. وعن سعيد بن المسيب و عمر بن عبد العزيز إذا قال المؤذن، الله وجب القيام، و إذا قال: حي على الصلوة واعتدلت الصفوف، و إذا قال: لا إله إلا الله، كبر الإمام اهـ". (بذل المجهود شرح أبي داؤد، كتاب الصلوة ، باب في الصلوة و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/ ۳۰۷، إمداديه ملتان)

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ایک شخص اقامت کے وقت بیٹھا رہتا ہے اور "حي على الصلوة" پر کھڑا ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: "لا حرج"، پھر پوچھا ایک شخص شروع اقامت سے کھڑا ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا: "لا حرج"۔

حضرت سے دریافت طلب ہے کہ آیا یہ روایت صحیح ہے اور ''کتاب الصلوۃ'' سے کونسی کتاب مراد ہے؟ اس کتاب کا کیا نام ہے جس کتاب الصلوۃ میں آپ نے فرمایا، یعنی باب الصلوۃ اور کتاب الصلوۃ سے مطلب نہیں ہے، مطلب کونسی کتاب ہے جس میں آپ نے کتاب الصلوۃ میں یہ فرمایا؟

۲......اور اس عبارت کا کیا مطلب ہے: "عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعةً يقول المؤذن: الله أكبر، يقومون إلى الصلوة، فلا يأتي النبي عليه السلام مقامه حتى تعتدل الصفوف". فتح الباری(۱)۔بينوا و توجروا۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......"كتاب الصلوة" کا قلمی نسخہ حیدرآباد دکن میں موجود تھا، جس میں مسئلہ کا عنوان یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ ایک آدمی شروع اقامت کے وقت کھڑا ہوجاتا ہے، آپ نے فرمایا: "لا حرج" میں نے پوچھا کہ ایک آدمی "حي على الفلاح" پر کھڑا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: "لا حرج"۔

۲......پہلے ایسا ہوتا تھا کہ تشریف آوری سے قبل ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صف بستہ کھڑے ہوجاتے، ارشاد ہوا کہ ''جب تک مجھے نہ دیکھ لو کہ میں آگیا ہوں کھڑے مت ہوا کرو''۔ اس ارشاد پر معمول یہ ہوگیا کہ سب بیٹھے رہتے، جب حجرۂ مبارک سے پردہ اٹھتا اور روئے انور پر مؤذن کی نظر پڑتی وہ فوراً کھڑے ہوکر تکبیر شروع کردیتے، جب ہی سب کھڑے ہوجاتے حتی کہ مصلیٰ مبارک پر جب پہونچتے تو سب کھڑے ہوئے ملتے، نماز شروع ہوجاتی۔

"عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا أقيمت الصلوة": أي نودي بألفاظ الإقامة "فلا تقوموا منتظرين للصلوة حتى تروني" أي تبصروني خرجت"۔

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ : ۱۵۳/۲ ، قديمي)

"قال الحافظ في الفتح: قال القرطبي: ظاهر الحديث أن الصلوة كانت تقام قبل أن يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من بيته وهو معارض لحديث جابر ابن سعدة أن بلالاً كان لا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". أخرجه مسلم. و يجمع بينهما بأن بلالاً كان يراقب خروج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا، فلا يقوم في مكانه حتى تعتدل صفوفهم .... فيجمع بينه و بين حديث أبي قتادة رضي الله تعالىٰ عنه بأن ذلك ربّما وقع لبيان الجواز و بأن صنيعهم في حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كان سبب النهي عن ذلك في حديث أبي قتادة، وأنهم كانوا يقومون ساعةً تقام الصلوة و لو لم يخرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فنهاهم عن ذلك". بذل المجهود شرح أبي داؤد(۱)۔ فقط۔

جمعہ کی نماز کے لئے "حي على الفلاح" پر کھڑا ہونا

سوال[۲۲۸۳]: مقتدیوں کو نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہوجانا چاہئے یا امام کے مصلّیٰ پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، طریقہ مسنون کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حي على الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے (۲)، لیکن

---

(۱) (بذل المجهود شرح أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في الصلوة تقام و لم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً: ۱/۳۰۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ : ۲/۱۵۳، قديمي، كراچي)

(۲) "والقيام لإمام و مؤتم حين قيل: حي على الفلاح، خلافاً لزفر رحمه الله تعالىٰ فعنده عند: حي على الصلوة، إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر اهـ".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۷۸، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۸۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے اور عام طور پر لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں، اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلی جائیں تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی کا شور نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۵/ربیع الاول/۵۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي الزاهرية عن كثير بن مرة، عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال قتيبة: عن أبي الزاهرية عن أبي شجرة -لم يذكر ابن عمر- أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أقيموا الصفوف و حاذوا بين المناكب و سدوا الخلل و لينوا بأيدي إخوانكم". -لم يقل عيسى: "بأيدي إخوانكم"- "ولا تذروا فرجات للشيطان، و من وصل صفاً وصله الله، و من قطع صفاً قطعه الله". قال أبوداؤد: أبو شجرة كثير بن مرة". (سنن أبي داؤد، باب تسوية الصفوف: ۱/۹۷، دار الحديث ملتان)

"عمرو بن مرة قال: سمعت سالم بن أبي الجعد قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لَتُسونّ صفوفكم، أو لَيخالفنّ الله بين وجوهكم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف الخ: ۱/۱۸۲، قديمي)

الفصل الثانی فی التثویب

(تثویب کا بیان)

صبح صادق سے پہلے "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" پکارنا

سوال[۲۲۸۴]: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں سحری میں صبح صادق سے پہلے مؤذن منارہ پر چڑھ کر صلوٰۃ صلوٰۃ چلاتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیز ثابت نہیں، اس کو بند کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان کے بعد یہ اعلان کہ "پندرہ منٹ باقی ہیں"

سوال[۲۲۸۵]: دارالعلوم میں اذان لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے اور لڑکے یہ بھی کہنے لگیں کہ پندرہ منٹ پہلے یہ اعلان بھی کر دیا جایا کرے کہ نماز تیار ہے یا نماز کا وقت ہو گیا ہے اور اس کو منظور کر لیا جاوے تو کوئی نقص یا کراہت تو نہیں آتی، یا بدعت کے اندر داخل تو نہیں؟ جو بھی ہو، اس کو مع حوالہ ذکر کریں۔

---

(۱) "ولا تثویب إلا فی صلوة الفجر، لماروی أن علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأی مؤذناً یثوب فی العشاء، فقال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المکتبة الغفاریه، کوئٹه)

"وأما التثویب المحدث فمحلّه: صلوة الفجر أیضاً .... ووقته: مابین الأذان والإقامة".

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی کیفیته الأذان: ۱/۳۴۱، دارالکتب العلمیه، بیروت)

"والأصح أنه بعد الأذان؛ لأنه مأخوذ من الرجوع والعود إلی الإعلام، وذلک إنما بعد الفراغ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۵، دارالکتب العلمیه، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈاسپیکر پراذان ہوتی ہے، گھڑی عامۃً ہاتھ پر یا جیب میں موجود رہتی ہے، اذان ونماز کا فصل متعین ہے، وقت کی تبدیلی کا اعلان باقاعدہ ہوتا ہے، ماشاء اللہ سبھی نماز وجماعت کا اہتمام رکھنے والے ہیں، اتفاقیہ کسی ایک کو غفلت ہوجائے تو دوسرے ساتھی تنبیہ کردیتے ہیں۔

ان حالات میں پندرہ منٹ پہلے نماز تیار ہے کا اعلان کرنا گویا کہ اذان کو غیر معتبر قرار دینا ہے۔ جن عوارض کے تحت تثویب کی گنجائش دی گئی ہے وہ یہاں موجود نہیں:

"قالوا: لابأس بالتثويب المحدث في سائر الصدور لفرط غلبة الغفلة على الناس في زماننا وشدة ركونهم إلى الدنيا وتبادرهم بأمور الدنيا، اهـ". بدائع الصنائع : ١٤٨/١ (١) - فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۸ھ۔

اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈاسپیکر سے نماز کا اعلان

سوال[۲۲۸۶]: اگر فجر کی اذان سے پانچ منٹ پہلے آدمیوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی نیت سے مسجد کے لاؤڈاسپیکر پر "صلوٰۃ" کہا جائے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان تو اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہے، قبل اذان مستقلاً لاؤڈاسپیکر پر "الصلوٰۃ" کی پابندی کرنے سے

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في كيفية الأذان : ٦٤١/١، دارالكتب العلميه، بيروت)

"والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية، ولهذا أطلقه في الكتاب". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ٢٤٥/١، دارالكتب العلمية، بيروت)

"وأما المتأخرون فاستحسنوا التثويب في جميع الصلوات؛ لأن الناس قد ازدادبهم الغفلة، وقلما يقومون عند سماع الأذان، فيستحسن التثويب للمبالغة في الإعلام، ومثل هذا يختلف باختلاف أحوال الناس". (المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ٢٧٤/١، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٤٥٣/١، رشيديه)

نفسِ اذان کا خاص فائدہ نہیں رہے گا اور لوگ اس کو اذان کی طرح مستقل شرعی حکم سمجھ لیں گے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع

سوال[۲۲۸۷]: جہاں اہلِ محلہ کو اذان کی آواز نہ آتی ہو، کیا وہاں گھنٹہ سے- جیسے دربان آپ کے یہاں اسباق کے لئے بجاتا ہے- تھویب کرنا کیسا ہے، یعنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے: "وإن خالف ذلك"(۲) کا کیا مطلب ہے، اور جائز ہے تو تشبہ بالکفار ہے؟ مع حوالہ کتب مفصل تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اور صورت غیر مخدوش تھویب کی نہ ہو تو پھر اس طرح بھی درست ہے اور کیفیتِ دق کو ممتاز کر دیا جائے تا کہ تشبہ نہ رہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۴ھ۔

---

(۱) "ولا تثويب إلا في صلوة الفجر لماروى أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء، فقال: أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(۲) "ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلك جاز، نهر عن المجتبى". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(۳) "ويثوب بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه كتنحنح، أو قامت قامت، أو الصلوة الصلوة، ولو أحدثوا إعلاماً مخالفاً لذلك، جاز . نهر عن المجتبى". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

"وأطلق في التثويب، فأفاد أنه ليس لفظ يَخصّه، بل تثويب كل بلد على ما تعارفوه، إما بالتنحنح أو بقوله: الصلوة الصلوة، أو قامت قامت؛ لأنه للمبالغة في الإعلام، وإنما يحصل بما تعارفوه، =

گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں

سوال[۲۲۸۸]: اگر کسی گاؤں میں مسجد ایک کنارے پر ہے اور اذان پورے گاؤں میں نہ پہونچتی ہو، نمازی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہوں تو اذان پڑھ کر اگر خبر کرنے کے لئے گھنٹی بجادی جائے تو ٹھیک ہے یا نہیں، اگر ٹھیک ہے تو کس طرح؟ پوری تفصیل سے تحریر فرمائیں، کیونکہ کچھ حضرات کا قول ہے کہ گھنٹی بجانا جائز نہیں جب کہ ہمارے مذہب نے خبر دینے کے لئے اذان مقرر کی ہے، اس لئے صحیح جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کو ترک کرکے اس کی جگہ گھنٹی بجانے کی کسی طرح اجازت نہیں، اذان کے بعد بھی گھنٹی نہ بجائی جائے، خاص کر جب کہ لوگوں کے پاس آج کل گھڑی کا بھی دستور ہے، ہر شخص کا نماز کی طرف دھیان لگا رہنا چاہیے، بےفکر نہیں رہنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= فعلى هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لماذكر، جاز". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۳، رشيديه)

"ثم التثويب في كل بلد على مايتعارفونه .... إما بالتنحنح، أو بقوله: الصلوة الصلوة، أو قامت قامت، أو بايک بايک، كما يفعل أهل بخارى؛ لأنه الإعلام، والإعلام إنما يحصل بما يتعارفونه".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في كيفية الأذان: ۱/۲۴۱، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

(۱) شریعتِ مقدسہ نے نمازوں کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائرِ اسلامیہ میں سے ہے:

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحيّنون الصلوات، وليس ينادي بها أحدٌ. تكلموا يوماً في ذلک، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود، قال: فقال عمر: أوَلا تبعثون رجلاً ينادي بالصلوة؟ قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يابلال! قم فنادِ بالصلوة". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء في بدء الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

"لِمَا روى أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء، فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، المكتبة الغفاريه، كوئٹه)

اذان کے بعد نقارہ

سوال[۲۲۸۹]: ضربِ نقارہ قبل یا بعد اذان بغرضِ ہوشیاری وبیداریٔ غافلین ومتساہلین واطلاع دور دور مسجد سے رہنے والے مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علاقہ مدراس میں اکثر شہروں میں رواج ہے۔ بینوا توجروا۔

محمد صالح، مدراسی، ۱۷/اپریل/۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کو تثویب کہتے ہیں، متاخرین نے علی الاطلاق اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے:

في المراقي، ص: ١٤٤: "ويثوب بعد الأذان في جميع الأوقات لظهور التواني في الأمور الدينية في الأصح، وتثويب كل بلد بحسب ماتعارفه أهلها". قال الطحطاي: "قوله في جميع الأوقات استحسنه المتأخرون، الخ"(١)۔

قال الشامي: ٥/٢٤٧: "أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل"(٢)۔

مسلمانوں کو خود شرم وحیاء کا موقعہ ہے کہ فریضۂ مذہبی ادا کرنے کے لئے اذان کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ نقارہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/محرم الحرام/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الأذان، ص: ١٩٨، قديمي)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٥٠، سعيد)

"وأطلق في التثويب، فأفاد أنه ليس لفظ يخصه، بل تثويب كل بلد على ماتعارفوه، إما بالتنحنح أو بقوله: الصلوة الصلوة، أو: قامت قامت؛ لأنه للمبالغة في الإعلام، وإنما يحصل بما تعارفوه، فعلى هذا إذا أحدث الناس إعلاماً مخالفاً لماذكر، جاز". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٤٥٣، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في كيفية الأذان: ١/٣٤١، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٢٧٤، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

باب صفة الصلوة

الفصل الأول فی شروط الصلوة

(شروط صلاۃ کا بیان)

نماز میں نیت

سوال[۲۲۹۰]: نماز میں نیت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں نیت ضروری ہے یعنی دل میں یہ بات پکی کرلے کہ فلاں وقت کی فرض یا سنت نماز پڑھتا ہوں، اگر امام کے پیچھے پڑھے تو اقتدا کی نیت بھی کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

(۱) "ولا بد من التعيين عند النية لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد ركعاته، وينوى المقتدى المتابعة". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۸، ۴۲۰، سعيد)

"والنية بلا فاصل، والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلى، ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح، وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً، والمقتدى ينوى المتابعة أيضاً". (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۷۸، ۴۸۵، رشيديه)

"والشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلى، أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلك لاجتماع عزيمة، ثم إن كانت الصلاة نفلاً يكفيه مطلق النية، وكذا إن كانت سنةً فى الصحيح، وإن كانت فرضاً، فلا بد من تعيين الفرض كالظهر مثلاً لاختلاف الفروض. وإن كان مقتدياً بغيره ينوى الصلاة ومتابعته". (الهداية: ۱/۹۷، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة التى تتقدمها، مكتبه شركة علمية، ملتان)

نماز کی نیت کا طریقہ

سوال[۲۲۹۱]: اقتداء کے لئے یہ نیت کافی ہوجائے گی کہ جو نیت امام کی وہ میری؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے وقت اس طرح نیت کی جائے کہ فلاں وقت کی نماز امام کے پیچھے پڑھتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نماز کی نیت کا طریقہ

سوال[۲۲۹۲]: ہم لوگوں کے یہاں نیت کے بارے میں کچھ اختلاف چل رہا ہے وہ یہ کہ لوگ اس طرح نیت کرتے ہیں کہ: ''نیت کرتا ہوں واسطے نماز فرض، فرض پڑھتا ہوں واسطے اللہ کے چار رکعت اللہ اکبر''، اور سنت کی بھی اسی طرح کرتے ہیں اور ''منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر''، میں نے ان سے اس طرح کہہ دیا کہ نیت صرف اس طرح کیا کرو کہ ''نیت کرتا ہوں اس نماز کی واسطے اللہ کے چار رکعت نماز فرض، جو وقت ہو اس کا نام بھی لیوے'' تو اس پر سوال یہ ہوا کہ سنت رسول کو اس بات پر بھول ہوا کہ ہم رسول کا نام چھوڑ رہے ہیں اور اس بارے میں اب حدیث مانگتے ہیں۔ حاصل یہ کہ سنت رسول کہنا ضروری ہے یا نہیں، طریقہ رسول کہنا ضروری ہے؟ اگر دونوں نہ کہیں تو نماز ہوجائے گی، سنت میں سنتِ رسول کہتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے اور چاروں اماموں کے نزدیک کوئی اختلاف ہے یا نہیں؟ اس کا جواب حدیث سے چاہتے ہیں، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کبھی عالم نہیں تھے اب نئے طریقے نکل رہے ہیں۔

---

(۱) "ولا بد من التعيين عند النية لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد ركعاته، وينوى المقتدى المتابعة". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۸، ۴۲۰، سعيد)

"والنية بلا فاصل والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلى، ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح، وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً، والمقتدى ينوى المتابعة أيضاً". (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۷۸، ۴۸۵، رشيديه)

(والهداية: ۱/۹۷، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، مكتبه شركة علمية، ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح وہ لوگ نیت کرتے ہیں اس طرح بھی درست ہے اور جس طرح آپ نے نیت بتائی ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ ناواقف لوگوں سے اس قسم کے مسائل میں نہیں الجھنا چاہئے، اتنا خیال رہے کہ جو جماعت کے ساتھ نماز ہو تو مقتدی کو یہ بھی نیت کرنی چاہئے کہ پیچھے اس امام کے، اور نیت اصل میں دل سے ہوتی ہے اگر زبان سے کچھ بھی نہ کہا اور صرف دل میں ارادہ کر کے اللہ اکبر کہہ دیا تب بھی درست ہے (۱)۔ سنت نام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کا ہے، جب سنت کہا تو گویا طریقہ بھی کہہ دیا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعدادِ رکعت میں غلطی کی

سوال [۲۲۹۳]: اگر ظہر کی فرض نماز شروع کرتے وقت دل میں تو نیت فرضِ ظہر ہی کی تھی مگر زبان سے بجائے ظہر کے عصر کہہ دیا، یا بجائے فرض کے نفل کہہ دیا، یا بجائے چار رکعت کے تین رکعت کہہ دیا تو ان صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "النية وهي الإرادة لا مطلق العلم، والمعتبر فيها عمل القلب للإرادة، وهو أن يعلم بداهةً أىّ صلاة يصلي، والتلفظ بها مستحب ...... وكفى مطلق نية الصلوة لنفل وسنة وتراويح على المعتمد؛ إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط ...... وينوى المقتدى المتابعة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۴، ۴۲۰، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۲۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التي تتقدمها: ۱/۹۶، ۹۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "الطريقه المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة، وهي المؤكدة إن كان النبي صلى الله عليه وسلم تركها أحياناً". (مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۲۴، قديمي)

"السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته". (نور الأنوار، باب اقسام السنة، ص: ۱۷۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان سب صورتوں میں نماز درست ہوگئی، رد المحتار : ۱/۲۷۸، ۲۸۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام ومقتدی کی نیت میں فرق

سوال[۲۲۹۴]: جو شخص امام ہو اس کے لئے کیا نیت ہونی چاہیے، نیتِ مقتدی سے کیا فرق ہے؟

محمد بشیر رنگونی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے اور امامت کی نیت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی البتہ تحصیلِ ثواب جماعت کے لئے امامت کی نیت بھی ضروری ہے اور صورتِ استخلاف میں بلانیتِ امامت، امامت درست نہیں اور مقتدی کو صحت اقتداء کے لئے متابعت بھی ضروری ہے:

"لايصح الاقتداء إلا بنية، وتصح الإمامة بدون نيتها، والإمام ينوى صلوته فقط، ولا يشترط لصحة الاقتداء نية إمامة المقتدى بل لنيل الثواب، لكن يستثنى من كانت إمامته بطريق

---

(۱) "والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛ لأنه كلام لا نية". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رضى الله تعالىٰ عنه: "(قوله: إن خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهواً، أجزأه كما فى الزاهدى، قهستانى". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۵، ۴۲۰، سعيد)

"ولا يشترط نية عدد الركعات، هكذا فى شرح الوقاية .... عزم على الظهر وجرى على لسانه العصر، يجزيه، كذا في شرح مقدمة أبي الليث، وهكذا فى القنية.

رجل افتتح لمكتوبة فظن أنها تطوع فصلى على نية التطوع حتى فرغ، فالصلاة هى المكتوبة، ولو كان الأمر بالعكس، فالجواب بالعكس، هكذا فى فتاوى قاضيخان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع فى النية: ۱/۶۶، رشيديه)

الاستخلاف، فإنه لا يصير إماماً مالم ينو الإمامة بالاتفاق" درمختار وشامی : ۱/۴۴۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زبان سے نیت

سوال[۲۲۹۵]: کیا نماز کی نیت زبان سے ادا کرنا بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو جس نے زبان سے نیت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بدعت فرماتے ہیں، صحیح مسلک کیا ہے؟ اگر حنفی مذہب میں بدعت ہے تو فقہ کی دوسری کتابوں میں زبان سے نیت کرنا کیوں سکھلایا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں اور بدعتِ ممنوعہ بھی نہیں، ادا کرلے گا تو گنہگار نہیں ہوگا، نہیں ادا کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، نیت تو مرادِ قلبی کا نام ہے وہ ادائے نماز کے لئے کافی ہے۔ لوگوں کے قلوب پر عامۂ افکار کا ہجوم رہتا ہے اور وہ پوری یکسوئی کے ساتھ قلب کو حاضر نہیں کر پاتے، اس لئے زبان سے بھی الفاظ ادا کرائے جاتے ہیں، تاکہ حضورِ قلب میں جس قدر کمی ہے وہ الفاظ کے ذریعہ سے پوری ہوجائے، اگر کوئی شخص احضارِ قلب پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے الفاظ کا ادا کرلینا بھی کافی ہے:

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۲۴، سعيد)

"(قوله: ناوياً الإمامة) قيد به لما في الدراية: اتفقت الروايات على أن الخليفة لايكون إماماً مالم ينو الإمامة، ومقتضاه أن لايكفي قيامه مقام الأول بدون النية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف : ۱/۶۰۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة : ۱/۲۵۸، مكتبة امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة : ۱/۳۳۳، المكتبة الغفارية)

"وقيد بالمقتدي؛ لأن الإمام لا يشترط في صحة اقتداء الرجال نية الإمامة؛ لأنه منفرد في حق نفسه". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۹۱، ۴۹۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۱۸۸، امداديه ملتان)

"وتشترط: أی النية وهی الإرادة الجازمة لتميّز العبادة عن العادة، ويتحقق الإخلاص فيها لله سبحانه وتعالیٰ". مراقی الفلاح۔ قال الطحطاوی: "(قوله: هی الإرادة الجازمة): أی لغةً؛ لأنها فسرت لغة بالعزم، والعزم هی الإرادة الجازمة القاطعة. وفی الشرع: قصد الطاعة والتقرب إلی الله تعالیٰ فی إيجاد فعل، كما فی التلويح، وهو يعم فعل الجوارح وفعل القلب سواء كان إيجادًا أو كفاً"(١)۔

فقہاء کے کلام میں تلفظ باللسان کے متعلق سنت، مستحب، مکروہ، بدعت، مباح سب الفاظ موجود ہیں، صاحب بحر نے ان سب کو نقل کر کے لکھا ہے:

"لم ينقل عن الأئمة الأربعة أيضاً، فتحرز من هذا أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة، وقد استفاض ظهور العمل بذلك فی كثير من الأعصار فی عامة الأمصار"۔ البحر الرائق: ١/٢٧٨(٢)۔

متن تنویر میں ہے: "والتلفظ بها مستحب، وقيل: سنة"(٣) درمختار میں قول مستحب کے متعلق لکھا ہے: "هو المختار"(٤)۔

تیسرا قول: "قيل: بدعة" کا ہے، اس پر شامی نے حلیہ سے نقل کیا ہے:

---

(١) (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها: ٢١٥/١، قديمی)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ٤١٤/١، سعيد)

"فالنية هی الإرادة، فنية الصلاة هی إرادة الصلاة لله تعالیٰ علی الخلوص، والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فی بيان شرائط الأركان: ٥٨٧/١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الحلبی الكبير، الشرط السادس، ص: ٢٤٧، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ٤٨٣/١، رشيديه)

(٣) (تنوير الأبصار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ٤١٥/١، سعيد)

(٤) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ٤١٥/١، سعيد)

"لعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة؛ لأن الإنسان قد تغلب عليه تفرّق خاطره". شامی: ۱/۳۸٦(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/٦/۸۹ھ۔

کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی؟

سوال[۲۲۹٦]: سنتِ تراویح کی نیت سہواً کر کے وتر پڑھنے سے وتر ادا ہو جائے گا، بموجب درمختار: ۱/۳۸۷، ۳۸۸(۲)۔ میں اکثر وتر کی نیت کر لیتا ہوں یہ سمجھ کر کہ امام بیس رکعت سنت تراویح پڑھا کر اب وتر پڑھا رہے ہیں، جب امام قراءت شروع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام تراویح پڑھا رہے ہیں۔ میری نماز فاسد نہیں ہوتی ہے کیا؟ چاہئے یہ تھا کہ نیت توڑ کر سنتِ تراویح کی نیت کرتے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اعلیٰ کے تابع ہو کر ادنیٰ کا ادا ہو جانا مصرّح ہے، آپ کی تراویح اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے، لیکن آپ کو اس قدر بے خبر نہ رہنا چاہئے کہ تراویح اور وتر کا پتہ نہ چلے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۸۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۱۸۸، إمداديه ملتان)

(۲) اس طرح کا جزئیہ درمختار میں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔

(۳) "ولو علم ولم يميز الفرض من غيره، إن نوى الفرض في الكل، جاز". الدر المختار).

"(قوله: ولو علم): أي علم فرضية الخمس، لكنه لا يميز الفرض من السنة والواجب".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها وسننها: ۱/۴۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

نماز بحالتِ جنابت

سوال[۲۲۹۷]: زید نے ناپاکی کی حالت میں بھول کر صبح کی نماز پڑھ لی، بعد میں اس کو خیال آیا کہ میرے اوپر غسل واجب تھا اب نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور بے غسل پڑھنے سے زید پر شریعت کی طرف سے کچھ گرفت ہوگی؟

احمد عباس، پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعادہ لازم ہے(۱)۔اس بھول پر گرفت نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

تنگیٔ وقت کی وجہ سے بلاغسل نماز پڑھنا

سوال[۲۲۹۸]: ۱......اگر کسی کو احتلام ہوجائے اگر وہ غسل کرتا ہے تو نماز قضا ہوجاتی ہے، کیا وہ استنجاء پاک کر کے نماز ادا کرلے اور بعد میں غسل کرلے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

۲......اگر رات کو ہمبستری سے فارغ ہوکر اپنے جسم کی نجاست شدہ حصہ کو پانی سے دھولے اور صبح کو استنجا کر کے نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے نماز ادا کرلے اور پھر غسل کرلے تو کیا نماز ہوجائے گی؟

---

(۱) "فمنها الطهارة عن الحدث والجنابة، فلقوله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة، فاغسلوا وجوهكم﴾ إلى قوله: ﴿وليطهركم﴾ [سورة المائدة]. وقول النبي صلى الله عليه وسلم: "مفتاح الصلوة الطهور، وقوله تعالیٰ: ﴿وإن كنتم جنباً فاطهروا﴾، وقوله عليه الصلاة والسلام: "تحت كل شعرة جنابة، ألا! فبلّو الشعر وأنقوا البشرة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۵۳۶/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۲۵۱/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۶۳/۱، رشيديه)

(۲) "رفع عن أمتي الخطاء والنسيان، وما استكرهوا عليه". طبراني عن ثوبان". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۴۴۶۱، ۳۴۰۳/۷، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

۳......اور احتلام کی صورت میں صبح کو غسل کا خیال نہ رہا، نمازِ صبح ادا کرلی، پھر خیال آیا کہ غسل کرنا تھا، پھر غسل کیا تو نماز دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

احمد علی مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......غسل ضروری ہے، وقت تنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کر کے استنجا پر کفایت کرنا جائز نہیں، اس سے نماز نہیں ہوگی (۱)۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱ میں آگیا (۲)۔

۳......اس کی نماز نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۹۷ھ۔

بلا وضو وطہارت کے نماز استسقاء

سوال [۲۲۹۹]: ۱......استسقاء کی نماز پڑھنے گئے تھے وہاں زید نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھو، جو لوگ بغیر طہارت اور بغیر وضو کے تھے ان لوگوں نے انکار کیا، اس پر زید نے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے بندو! اللہ دل کا حال جانتا ہے اس کے بعد اس کے کہنے پر بغیر طہارت و وضو کے نماز پڑھی۔

---

(۱) "لایتیمم لفوت جمعة ووقت ولو وتراً لفواتها إلى بدل". (الدر المختار، کتاب الطهارة، باب التيمم : ۱/ ۲۴۶، سعید)

(وکذا فی الهدایه، کتاب الطهارة، باب التيمم : ۱/ ۵۴، ۵۵، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان رکن التیمم، فصل فی بیان شرائط الرکن : ۱/ ۳۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (راجع الحاشية السابقة آنفاً)

(۳) "وإذ ظهر حدث إمامه بطلت، فيلزم إعادتها كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/ ۵۹۱، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/ ۳۶۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

۲.....صلوۃ استسقاء کے لئے جب کہ پانی ایک فرلانگ پر موجود ہو تو تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳.....ایک امام نامرد ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....بغیر وضو وطہارت کے نماز استسقاء بھی جائز نہیں گناہ ہے(۱)۔

۲.....اگر یہ اندیشہ ہو کہ وضو کر کے آنے پر نماز نہیں ملے گی تو تیمم جائز ہے(۲)۔

۳.....درست ہے، لیکن مرد افضل ہے(۳)۔

دورانِ نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا

سوال[۲۳۰۰]: ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے قریب ایک کپڑا پڑا ہوا ہے جو ناپاک ہے، جب رکوع یا سجدہ میں جاتا ہے تو وہ کپڑا اس کے جسم کے کسی حصے سے چھو جاتا ہے، ایسی صورت میں اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) چونکہ صلوۃ استسقاء بھی دوسری نمازوں کی طرح مستقل نماز ہے تو جس طرح دوسری تمام نمازوں کے لئے طہارت شرط ہے اسی طرح نماز استسقاء کے لئے بھی طہارت شرط ہے اور بغیر طہارت کے ادا کرنا گناہ ہے۔

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: أقبل علینا رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم من الغائط، فلقیه رجل عند بیر جمل، فسلم علیه فلم یرد علیه رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم حتی أقبل علی الحائط، فوضع یده علی الحائط ثم مسح وجهه و یدیه، ثم ردّ رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم علی الرجل السلام". (سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب التیمم فی الحضر: ۱/۵۳، امدادیه)

"قال العینی: استدل به الطحاوی علی جواز التیمم للجنازة عند خوف فواتها". (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۰۰، امدادیه)

"فإن عندنا ما یفوت لا إلی خلف، یجوز التیمم له مع وجود الماء کصلاة الجنازة". (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی السعایة، کتاب الطهارة، أحکام التیمم، جواز التیمم مع وجود الماء بغیر عذر: ۱/۵۳۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) نامردی کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے امامت متاثر ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگرایک رکن کی مقدارتک اس کے بدن سے متصل نہیں رہتا بلکہ چھوکر فوراً جدا ہوجاتا ہے تو نماز درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نماز جنازہ کے وضو سے فرض نماز

سوال[۲۳۰۱]: نماز جنازہ پڑھ کراس کے وضو سے نمازِ ظہر یا عصر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث سے تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جنازہ کیلئے وضوکر کے اس سے ظہر وعصر پڑھنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لوپ (دوالگانے) کی حالت میں نماز

سوال[۲۳۰۲]: لوپ لگوانے سے عورتوں کی نماز، قرآن شریف کی تلاوت میں تو کسی قسم کی خرابی نہیں آتی؟ اگر چہ لوپ بعض دفعہ بطور علاج بھی لگایا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لوپ اگر پاک ہے اور علاج کے لئے لگا رکھا ہے تو ایسی حالت میں نماز، تلاوت وغیرہ کچھ بھی ممنوع نہیں، سب درست ہے(۳) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۳ھ۔

---

(۱) "ويفسد أداء ركن حقيقة اتفاقاً، أو تمكنه منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف عورة أو نجاسة مانعة أو وقوع لزحمة في صف نساء أو أمام إمام". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۲۵، سعيد)

(۲) "قلت: و تقدم في الوضوء أنه تكفي نية الوضوء، فما الفرق بينه و بين نية التيمم .... بخلاف الوضوء، فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: إن كل وضوء تستباح به الصلاة بخلاف التيمم، فإن منه ما لا تستباح به الخ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۷، سعيد)

(۳) اسلئے کہ یہ پاک ہوتا ہے اوراس میں نجاست کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ہاں البتہ تحقیق کے ساتھ اس کا نجس ہونا معلوم ہوتو نماز وغیرہ درست نہیں۔

فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی

سوال[۲۳۰۳]: اگر کسی کو رات میں احتلام ہو جائے اور اسے صبح کو یاد نہیں رہا کہ اس کو رات میں احتلام ہوا ہے اور اس نے فجر کی نماز ادا کی پھر دو پہر کو اس نے نجاست دیکھی، آیا اس کی نماز ادا ہوئی یا نہیں، اگر نہیں تو اعادۂ نماز کر کے کوئی گناہ اس پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر فجر کے بعد نہیں سویا تو نماز فجر کا اعادہ لازم ہے، كذا في الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رنگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھنا

سوال[۲۳۰۴]: آج کل کے اس ولایتی کچے رنگوں پر اگر کوئی کپڑا رنگوایا جائے تو اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنے سے صحیح ہو سکتی ہے یا کہ نہیں؟ نیز اگر اس رنگ کو خوب جوش دے کر کپڑے کو دھویا جائے اور پھر اس کپڑے کے سوکھنے کے بعد دھویا جائے تو ایسے کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ: ''ولایتی رنگ میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے، اس لئے یہ رنگ ناپاک

= ''ثم الشرط، ما يتوقف عليه الشئ ولا يدخل فيه، هي ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث''.
(تنوير الأبصار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۲، سعيد)
(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التي تتقدمها: ۱/۹۲، شركة علمية ملتان)

(۱) ''وجد في ثوبه منيًا أو بولاً أو دماً أعاد من آخر احتلام وبول ورعاف''. ''(قوله: أعاد من آخر احتلام الخ) -لف ونشر مرتب- وفي بعض النسخ من آخر نوم وهو المراد بالاحتلام؛ لأن النوم سببه كما نقله في البحر''. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/۲۱۹، سعيد)

''الأصل إضافة الحادث إلى أقرب أوقاته، منها ما قدمناه فيما لو رأى في ثوبه نجاسة وقد صلى فيه، ولا يدرى متى أصابته، يعيدها من آخر حدث أحدثه، والمنى من آخر رقدة''. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: ۱/۲۰۳، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۲۱۹، رشيديه)

ہے۔ ناپاک رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر رنگ پختہ ہے تو کپڑے کو رنگنے کے بعد پاک کرلیا جائے، پھر اس سے نماز درست ہوجائے گی اور جب تک رنگ کٹتا رہے گا یعنی دھونے سے پانی صاف نہ آئے اس وقت تک اس سے نماز درست نہ ہوگی" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/محرم/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/محرم/ ۵۹ھ۔

جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال [۲۳۰۵]: احتلام ہونے کے بعد یا صحبت کرنے کے بعد نجاست صاف کرکے جانگھیا پہن لیا جائے اور اس پر کپڑے پہن لئے جائیں، بعد میں غسل کرکے وہی کپڑے پہن لئے جائیں تو ایسی حالت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ان کپڑوں پر نجاست نہیں لگی تو ان کپڑوں سے نماز درست ہے (۲)۔

نجاست پر کپڑا اچھا کر نماز

سوال [۲۳۰۶]: خشک پاخانہ کیسا ہے، خشک پاخانہ پر کپڑا اچھا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۵۰، إدارہ اسلامیات، لاہور)

"من شک فی إنائہ أو ثوبہ أو بدنہ أصابتہ نجاسة أو لافهو طاهر مالم یستیقن .... وکذا مایتخذه أهل الشرک أو الجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والأطعمة والثیاب اهـ". (ردالمحتار، کتاب الطهارة: ۱/۱۵۱، قبیل ابحاث الغسل، سعید)

"الیقین لایزول بالشک". (الأشباه والنظائر: ۱/۱۸۳، القاعدة الثالثة، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة)

(۲) احتلام یا صحبت کی وجہ سے کپڑوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہی حصہ ناپاک ہوتا ہے جس میں ناپاکی لگتی ہے:

"ثم الشرط ..... ما یتوقف علیه الشيء ولا یدخل فیه، هي ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة: ۱/۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۲۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

جب کہ نماز کی شرطوں میں ایک شرط جائے پاک بھی ہے، جو فرض عین ہے۔

ممتاز الاسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پاخانہ خشک ہوکر بھی ناپاک ہی رہتا ہے، جب تک اس کی ماہیت نہ بدل جائے (۱) اس پر پاک کپڑا یا بوریہ بچھا کر نماز درست ہے اور اس وقت نماز کی جگہ کپڑا یا بوریا ہے جو پاک ہے، پاخانہ نہیں، لہٰذا نماز کی شرط مفقود نہیں (۲)۔

محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۳/۲/۲۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ربیع ۵۳/۲ھ۔

گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز

سوال [۲۲۰۷]: اگر کسی مکان میں گوبر مع مٹی کے لیپا گیا ہو، اول گوبر بعد میں مٹی، یا بالعکس یا صرف گوبر، ان صورتوں میں سے کسی صورت میں نماز اس پر ہوسکتی ہے یا نہیں؟

عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اول گوبر سے زمین کو لیپا گیا ہے اور بعد میں مٹی سے اس طرح پر کہ گوبر بالکل چھپ گیا اور اس کی بُو

---

(۱) "السرقين إذا أحرق حتى صارر ماداً، فعند محمد يحكم بطهارته، وعليه الفتوى، هكذا في الخلاصة، وكذا العذرة، هكذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول في تطهير الأنجاس: ۱/۴۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶، سعيد)

(۲) "بخلاف غير مضروب ومبسوط على نجس إن لم يظهر لون أو ريح". (الدرالمختار).

"وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقاً يشفّ ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا يجوز الصلوة عليه، وإن كان غليظاً بحيث لا يكون كذلك، جازت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۲۶، سعيد)

وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہوتی تو اس پر نماز جائز ہے:

"هكذا يفهم من الخانية حيث قال فيها: أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة، فكنسها بالتراب، نظر إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة، لايجوز، وإلا فيجوز، انتهى". نفع المفتي، ص: ٦٩ (١) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

پختہ فرش اگر ناپاک ہو جائے تو اس پر نماز کا حکم

سوال [۲۳۰۸]: عیدگاہ کا پختہ فرش بنانا جائز ہے یا نہیں جب کہ عیدگاہ کے صحن میں ایسا درخت موجود ہے جو پورے صحن کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمام سال جانور بیٹ کرتے رہتے ہیں۔ جب فرش ہو جائے گا تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ پختہ اینٹ نجاستِ رقیقہ کو جذب کرتی ہے یا نہیں؟ جو ثواب مسجد کے پختہ فرش کا ہے وہی ثواب عیدگاہ کے فرش کا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پختہ فرش بنانا بھی جائز، متولی اور نمازیوں کی جیسی رائے ہو عمل کرلیا جائے۔ جن پرند، جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی بیٹ کی وجہ سے فرش نجس نہیں ہوتا (۲)۔ پختہ فرش پر رقیق نجاست گر کر جب خشک

---

(١) (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي، نوع منها طهارة المكان، ص: ٨٠، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

"قال في المنية: وإذا أصابت الأرض بنجاسة، ففرشها بطين أو جصّ فصلى عليها، جاز، ولو فرشها بالتراب ولم يطيّن، إن كان التراب قليلاً بحيث لو استشمّه، يجد رائحة النجاسة، لا تجوز، وإلا تجوز". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ١/٦٢٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الخانية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب أو الخف أو البدن أو الأرض: ١/٢٣، رشيديه)

(٢) "(وخرء) كل طير لا يذرق في الهواء كبطّ أهلي (ودجاج) وأما مايذرق فيه، فإن مأكولاً فطاهر الخ".

"(قوله: فإن مأكولاً) كحمام وعصفو (قوله: فطاهر) وقيل: معفوٌّ عنه لو قليلاً لعموم البلوى، والأول أشبه، وهو ظاهر البدائع والخانيه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣٢٠، سعيد)

ہوجائے اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو وہ فرش نماز کے لئے پاک ہوجائے گا(۱)، نجاست خشک ہونے کی وجہ سے فرش کو ناپاک نہیں کہا جائے گا۔ اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو خواہ رقیق یا کثیف تو بغیر پاک کئے وہاں نماز درست نہیں ہوگی(۲)۔ مسجد کے پختہ فرش پر جس طرح نماز کا ثواب ہے اسی طرح عیدگاہ کے پختہ فرش پر بھی ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سیّد احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تنہائی میں برہنہ ہوکر نماز پڑھنا

سوال[۲۳۰۹]: وقت (اتنا) تنگ ہے کہ فرض ادا کرسکتا ہے، ایسی صورت میں کپڑا پاک کرنا ضروری ہے، اگر تنہائی کی جگہ میسر ہو تو ننگا پڑھ لے یا نہیں، اور اگر تنہائی میسر نہ ہو تو انہی کپڑوں سے نماز ادا کرے تو نماز ہوجائے گی یا قضاء کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنگیٔ وقت کی وجہ سے ناپاک کپڑے سے نماز درست نہیں اس کو پاک کرنا ضروری ہے(۳)، تنہائی میں

(۱) "ومنها: الجفاف وزوال الأثر. الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلاة .... اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في النجاسة وأحكامه: ۱/۴۴، رشيديه)

(۲) "وإزالتها إن كانت مرئيةً بإزلة عينها، وأثرها إن كانت شيئاً يزول أثره .... اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ۱/۴۱، رشيديه)

(۳) "(ثم الشرط الخ) وشرعاً ما يتوقف عليه الشئ ولا يدخل فيه، هي ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ۱/۵۸، رشيديه)

"وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالىٰ: (وثيابك فطهر) [المدثر] (كنز الدقائق).

"فإن الأظهر أن المراد ثيابك الملبوسة وأن معناه: طهّرها من النجاسة، وقد قيل في الآية غير هذا، لكن الأرجح ما ذكرناه، وهو قول الفقهاء، وهو الصحيح، كما ذكره النووي في شرح المهذب".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۶۴، رشيديه)

بھی برہنہ نماز جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۱۸/ ۶/ ۸۷ھ۔

ساڑھی میں نماز

سوال [۲۳۱۰]: یہاں پر خواتین میں کرتہ اور پائجامہ پہننے کا رواج نہیں ہے اور وہ لہنگا پر ساڑھی باندھ لیتی ہیں، اور کسی قسم کا کپڑا اندر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ تو کیا اس صورت میں ان کی نماز ادا ہو جائے گی یا پھر ان کو ساڑھی کے اندر پاجامہ یا اس قسم کا کپڑا پہننا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر لہنگا اور ساڑھی اس طرح ہے کہ جسم نظر نہیں آتا تو ان کی نماز ادا ہو جائے گی اس کے اندر پائجامہ ہو یا نہ ہو، ورنہ انکشاف کی حالت میں نماز نہیں ہوگی، کیونکہ سترِ عورت فرض ہے اور عورت کو چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں قدم کے سوا تمام بدن کو چھپانا نماز میں فرض ہے:

"والرابع ستر العورة، وهى للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين اهـ".

در مختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وأما لو صلّى فى الخلوة عرياناً ولو فى بيت مظلم وله ثوب طاهر، لايجوز إجماعاً، كما فى البحر".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۰۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث فى شروط الصلوة: ۱/ ۵۸، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۰۴، ۴۰۵، سعيد)

"و بدن الحرة عورة إلا وجهها و كفيها، لقوله تعالىٰ: ﴿و لا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ [النور: ۳۱]. قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: وجهها و كفيها". (البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۶۹، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث فى شروط الصلاة: ۱/ ۵۸، رشيديه)

باریک دوپٹہ میں نماز

سوال[۲۳۱۱]: آج کل بہت باریک دوپٹے چلے ہیں جس میں سر کے بال صاف نظر آتے ہیں، اس قسم کا دوپٹہ اوڑھ کر نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت اگر ایسا باریک دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے گی تو نماز درست نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عورتوں کا نماز میں بالوں کو چھپانا

سوال[۲۳۱۲]: عورتوں کا افرادِ خانہ کے سامنے باریک دوپٹہ یا رومال کی قسم کا چھوٹا کپڑا جس سے بال نہیں چھپتے، اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سر کے بال نہیں چھپتے تو نماز نہیں ہوتی (۲)، اگرچہ وہاں کوئی نامحرم نہ ہو، بلکہ سب محرم ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۲ھ۔

---

(۱) "(وعادم ساتر) لايصف ماتحته (قوله: لايصف ماتحته) بأن لايرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقيق ونحو لازجاج". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۰، سعيد)

"وحد الستر أن لا يُرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب دقيق يَصِف ما تحته، لا يجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۶۷، رشيديه)

"والثوب الرقيق الذى يَصِف ماتحته، لاتجوز الصلاة فيه؛ لأنه مكشوف العورة معنىً". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۲۵۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(والرابع: ستر العورة) و وجوبه عام و لو فى الخلوة على الصحيح، إلا لغرض صحيح .... و(للحرة جميع بدنها) حتى شعرها النازل فى الأصح (خلا الوجه والكفين والقدمين)". (الدر المختار، =

صرف بنڈی پہن کرنماز پڑھنا

سوال[۲۳۱۴]: کیا صرف واسکٹ جس کو بنڈی(۱) کہتے ہیں پہن کرنماز پڑھ سکتے ہیں جبکہ پائجامہ باندھنے کی جگہ سے ناف تک کا حصہ کھلا ہوا ہو جس کا ستر ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدن کے جس حصہ کو چھپانا فرض ہے، اگر وہ چھپا رہے تب بھی ایسا لباس پہن کرنماز پڑھنا جس کو پہن کرآدمی معزز مجلس میں نہ جاسکتا ہو وہ مکروہ ہے(۲)، چہ جائیکہ فرض ستر ہی ادا نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز ہی نہ ہوگی(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

= باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۲۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱)''بنڈی: بغیر آستین والا چھوٹا کوٹ، ایک قسم کی صدری''۔(نوراللغات: ۱/۶۵۵، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "وصلاته في ثياب البذلة يلبسها في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۴۰، سعيد)

"وتكره الصلوة في ثياب البذلة، كذا في معراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة وما لا يكره: ۱/۱۰۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي أن يفعل في صلوته وما لايكره: ۱/۵۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والرابع ستر عورته". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، سعيد)

"ومنها ستر العورة لقوله تعالىٰ: ﴿يابني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾، قيل في التأويل: الزينة مايواري العورة، والمسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة في الصلاة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۴۳، دارالكتب العلمية بيروت)

دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا

سوال[۲۳۱۴]: بعض لوگ دھوتی باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد وہ لوگ ٹانگ اٹھا کر اور دھوتی کمر میں باندھ کر چلے جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دھوتی اس طرح باندھی جائے کہ گھٹنے اور اوپر کا حصہ (رانیں) نہ کھلیں، اگر اس طرح نماز پڑھی جائے کہ گھٹنے یا رانیں کھلی رہیں تو نماز نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۴ھ۔

ساڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال[۲۳۱۵]: بہت سی عورتیں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں تو وہ سب کہتی ہے کہ ساڑی پہن کر کھڑے ہو کر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ عورتیں ساڑیاں ٹخنوں سے اوپر پہنتی ہیں اور ان کے رکوع کرنے پر پنڈلیاں زیادہ کھل جاتی ہیں، تو کیا نماز صحیح ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی ساڑی پہن کر نماز ہرگز نہ پڑھیں جس سے پنڈلیاں کھلتی ہوں اور قیام صحیح ادا نہ ہو (۲)، فریضۂ

---

(۱) "والرابع ستر عورته، ووجوبه عام ولو في الخلوة على الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ۱/۴۰۴، سعيد)

"ومنها ستر العورة لقوله تعالىٰ: ﴿يابني آدم خذو زينتكم عند كل مسجد﴾، قيل في التأويل: الزينة مايواري العورة، والمسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة في الصلاة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان : ۱/۵۴۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها : ۱/۴۱۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی)

(۲) قال ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "و كشف ربع ساقها يمنع و كذا الشعر .... لأن قليل الانكشاف عفو عندنا للضرورة .... و الكثير مفسد لعدمها، فاعتبر الربع، وأقيم مقام الكل احتياطاً؛ لأن للربع =

قیام ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گاڑی میں سوار ہو تو استقبالِ قبلہ کا حکم

سوال[۲۳۱۶]: ریل گاڑی یا اور کسی قسم کی سواری پر اگر چہ صحیح قبلہ رخ ہو کر نمازی نے نماز کی نیت باندھی ہو اور پھر سواری کا رخ بدلنے سے نمازی نے بھی اپنا رخ ٹھیک کر لیا ہو، یا اس کو نماز میں سواری کے گھومنے کا پتہ نہ لگا اور نہ رخ سیدھا کیا تو کیا سواری سے اتر کر اس نماز کا یا ان تمام نمازوں کا اعادہ کرنا لازمی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں گاڑی کا رخ بدلنے سے جب اپنا رخ بھی صحیح کر لیا (قبلہ رخ) تو نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اور جب اپنا رخ صحیح قبلہ کی طرف قدرت کے باوجود نہیں کیا تو نماز نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= شبهاً بالكل كما في حلق ربع الرأس، فإنه يجب به الدم كما لو حلق كله". (البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۸، سعيد)

(وكذا في غنية المستملي شرح منية المصلي لإبراهيم الحلبي، ص: ۲۱۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "(من فرائضها) التي لاتصح بدونها (التحريمة و هي شرط، و منها القيام في فرض لقادر عليه) (الدر المختار). "(قوله: و سنة فجر في الأصح) أقول: لكن في الحلية عند الكلام على صلاة التراويح: لو صلى قاعداً بلا عذر، قيل: لا يجوز قياساً على سنة الفجر، فإن كلا منهما سنة مؤكدة، و سنة الفجر لا تجوز قاعداً من غير عذر بإجماعهم". (رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۵۰۹، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي شرح منية المصلي لإبراهيم الحلبي فرائض الصلاة، الثاني القيام، ص: ۲۶۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت". (الدر المختار كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۲، سعيد) .... =

چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعے قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ

سوال[۲۳۱۷]: چلتی گاڑی میں نماز شروع کرنے سے پہلے قطب نما سے سمتِ قبلہ دیکھ لیا اور پھر سمت شمال یا جنوب کو ہوگئی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ یا قطب نما کھول کر رکھ لیں اور جدھر قبلہ ہو گھومتے جائیں، اس صورت میں توجہ قطب نما کی طرف ہوگی، تو کیا نماز میں نقص ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ابتداءً قطب نما دیکھ کر صحیح رخ پر نماز پڑھ لی تو نماز ہوگئی جب تک درمیان میں رخ بدل جانے کا ظن غالب نہ ہو(۱)، اگر قطب نما کھول کر سامنے رکھ لیا جائے اور وقتاً فوقتاً اس پر بھی نظر پڑتی رہے تب بھی نماز ہو جائے گی،

= "وقيد بترك القيام؛ لأنه لو ترك استقبال وجهه إلى القبلة وهو قادر عليه، لا يجزئه في قولهم جيعاً، فعليهم أن يستقبلوا بوجههم القبلة كلما دارت السفينة يحول وجهه إليها، كذا في الإسبيجابي". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة المريض: ۲/۲۰۷، رشيديه)

"وترك القيام؛ لأن ترك الاستقبال لا يسقط اتفاقاً". (النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱/۳۳۷، مكتبة امداديه ملتان)

"من أراد أن يصلي في سفينة تطوعاً أو فريضةً فعليه أن يستقبل القبلة، ولا يجوز له أن يصلي حيثما كان وجهه، كذا في الخلاصة. حتى لو دارت السفينة وهو يصلي، توجه إلى القبلة حيث دارت، كذا في شرح منية المصلي لابن أمير الحاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيديه)

(۱) "من أراد أن يصلي في سفينة تطوعاً أو فريضةً، فعليه أن يستقبل القبلة، ولا يجوز له أن يصلي حيثما كان وجهه، كذا في الخلاصة، حتى لو دارت السفينة وهو يصلي، توجه إلى القبلة حيث دارت، كذا في شرح منية المصلي لابن أمير الحاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۲۰۷، رشيديه)

اس پر گاہے گاہے نظر پڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)، ہاں توجہ میں کچھ فرق آئے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو تحری کا حکم

سوال [۲۳۱۸]: قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا تحری کر کے نماز پڑھی گئی، خالد صاحب بعد میں آئے، انھوں نے دیکھتے ہی کہا کہ رخ غلط ہے، ان کے پاس قطب نما تھا، قطب نما سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ٹھیک مابین شمال و مغرب نماز پڑھی گئی تھی۔ آیا اس نماز کو دہرانے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ کیوں کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ قبلہ کا رخ یہاں سے مابین گوشۂ شمال و مغرب و گوشۂ جنوب و مغرب ہے، ان کے درمیان کس رخ پر نماز پڑھیں؟ بعض علماء کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب قبلہ کا رخ معلوم نہیں تھا اور کوئی بتانے والا بھی نہ تھا تحری کر کے نماز پڑھ لی تو وہ نماز درست ہوگئی اگر چہ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط رخ پر پڑھی گئی، اس کا دہرانا لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولا يفسدها نظره إلى مكتوب وفهمه ولو مستفهماً وإن كره". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وإن كره): أى لاشتغاله بما ليس من أعمال الصلوة".

(رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوة ومايكره : ۱/۶۳۴، سعيد)

(۲) "وكذا كل ما يشغل باله من أفعالها ويخل بخشوعها". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة : ۱/۳۷۸، سعيد)

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهى المصلى". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: " (قوله: لأنه يلهى المصلى): أى فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها : ۱/۶۵۸، سعيد)

"وبهذا علم أن ترك الخشوع لايخل بالصحة بل بالكمال، ولذا قال فى الخلاصة والخانية: إذا تفكر فى صلاته فتذكر شعراً أو خطبةً فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه لا تفسد صلوته". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها : ۲/۲۵، رشيديه)

(۳) "ويتحرى: هو بذل المجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة بما مر، فإن ظهر خطأ، لم يعد لما مر". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لما مر) متعلق بمعرفة، والذى .....=

بغیر تحری خلافِ قبلہ پڑھی ہوئی نماز دہرانا ہوگی

سوال[۲۳۱۹]: کسی شخص نے شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی اور اس کو اس بات کا یقین تھا کہ پچھم (۱) ادھر ہی ہے اس لئے تحری نہیں کی، کیونکہ تحری کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ قبلہ کے مشتبہ ہونے کا علم ہو اور فارغ ہونے کے بعد اسے اپنی خطا کا علم ہوگیا تو اب اس پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی نماز کا لوٹانا ضروری ہے جیسے اگر کوئی شخص پانی کو پاک سمجھتے ہوئے وضو کرلے یا کپڑے پاک سمجھتے ہوئے اس سے نماز پڑھ لے، پھر معلوم ہو کہ وہ پانی یا کپڑا ناپاک تھا، ایسی نماز کا اعادہ لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۳/۳/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۳/۳/۴ھ۔

= مرهو الاستدلال بالمحاريب والنجوم والسؤال من العالم بها، فأفاد أنه لا يتحرى مع القدرة على أحد هذه". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۹، رشيديه)

"وإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها، اجتهد وصلى، كذا في الهداية، فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلى، لا يعيدها". (كتاب الصلوة الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۴، رشيديه)

(۱) "پچھم: مغرب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وإن شرع بلا تحرٍّ لم يجز، وإن أصاب) لتركه فرض التحري، إلا إذا علم إصابته بعد فراغه فلا يعيد اتفاقاً، بخلاف مخالف جهة تحريه، فإنه يستأنف مطلقاً كمصل على أنه محدث أو ثوبه نجس أو الوقت لم يدخل فبان بخلافه لم يجز". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۳۵، سعيد)

"وقيد بالتحري؛ لأن من صلى ممن اشتبهت عليه بلا تحرٍّ فعليه الإعادة، إلا أن علم بعد الفراغ أنه أصاب؛ لأن ما افترض لغيره يشترط حصوله لا تحصيله، وإن علم في الصلاة أنه أصاب يستقبل، خلافاً لأبي يوسف لما ذكرنا ...... من توضأ بماء أوصلى في ثوب على ظن أنه طاهر ثم تبين أنه نجس، حيث يعيد الصلاة؛ لأنه ترك ما أمر به، وهو الصلاة في ثوب طاهر وعلى طهارة". (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۰۱، ۵۰۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۴، رشيديه)

چاند پر سمتِ قبلہ

سوال[۲۳۲۰]: ابھی امریکی خلاباز جو چاند پر سیر و تفریح کر کے آئے اور وہاں سے مٹی وغیرہ بھی لائے، اس سے ایک مسئلہ یہ پیدا ہوگیا کہ اگر وہاں نماز پڑھنے کی حاجت ہو تو تعینِ سمتِ قبلہ کس طرح کیا جائے؟ جب چاند پر جانا متیقن ہو چکا ہے تو اس کا بھی امکان ہے کہ مسلمان بھی چاند پر جائیں اور ان کا وہاں نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہاں جا کر رہنا دشوار نہیں، تو سمت قبلہ معلوم کرنا کیا دشوار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل في الأمصار والقرى المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم، فإن لم تكن فالسؤال من أهل ذلك الموضع، وأما في البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيديه)

"ولا يخفى أن أقوى الأدلة النجوم، والظاهر أن الخلاف في عدم اعتبارها إنما هو عند وجود المحاريب القديمة؛ إذ لا يجوز التحري معها كما قدمناه، لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجماهير المسلمين، بخلاف ما إذا كان في المفازة، فينبغي وجوب اعتبار النجوم ونحوها في المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامةً معتبرةً، فينبغي الاعتماد في أوقات الصلوة وفي القبلة، على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تفد اليقين تُفيد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۱، سعيد)

"ولو دخل بلدةً وعاين المحاريب المنصوبة يصلي إليها ولا يتحرى، وكذا لو كان في المفازة والسماء مصحية وله علم باستدلال النجوم على القبلة، لا يتحرى، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/۶۴، رشيديه)

چاند پر سمت قبلہ

سوال[۲۳۲۱]: اگر کوئی مسلمان چاند پر پہونچے اور نماز پڑھنا چاہے تو اس کا قبلہ کونسی سمت ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین پر رہتے ہوئے جس سمت نماز پڑھی جاتی ہے اس سمت پر اس جگہ نماز کا حکم ہے: ﴿وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ﴾ الآیۃ (۱) ۔ فقط واللہ اعلم۔

غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا

سوال[۲۳۲۲]: ۱...... ایک پرانی مسجد کی جدید تعمیر کے سلسلے میں قطب نما سے دیکھا جاتا ہے تو آٹھ فٹ کا فرق قبلہ میں آرہا ہے، کیا ایسی صورت میں سابقہ بنیاد پر جدید تعمیر کرلی جائے یا قطب نما سے قبلہ درست کرنا ضروری ہے؟

۲...... کتنے فٹ کے فرق سے انحراف سمجھا جائے گا اور نماز درست نہیں ہوگی؟ فٹ کی تعیین فرمائیں۔

۳...... فتویٰ کے نہ ماننے والے یا پسِ پشت ڈالنے پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سورۃ البقرۃ، ۱۵۰، الآیۃ)

"والسادس استقبال القبلة حقيقةً أو حكماً .... ولغير معاينها إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها. ثم اعلم أنه ذكر في المعراج عن شيخه أن جهة الكعبة وهى الجانب الذى إذا توجه إليه الإنسان يكون مسامتاً للكعبة أو هوائها تحقيقاً أو تقريباً، .... والمعتبر فى القبلة العرصة لا البناء: أى ليس المراد بالقبلة الكعبة التى هى البناء المرتفع على الأرض، ولذا لو نقل البناء إلى موضع آخر وصلى إليه لم يجز، بل تجب الصلاة إلى أرضها، فهى من الأرض السابعة إلى العرش". (التنوير مع الدر المختار ورد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۲۷-۴۳۲، سعيد)

"والمعتبر التوجه إلى مكان البيت دون البناء، وفى فتاوى الحجة: الصلاة فى الآبار العميقة والجبال والتلال الشامخة وعلى ظهر الكعبة جائزة؛ لأن القبلة من الأرض السابعة إلى السماء السابعة بحذاء الكعبة إلى العرش اهـ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ۱/ ۶۳، رشيديه)

۴......فتویٰ کی موجودگی میں فتویٰ کے خلاف فیصلہ کرنا کیسا ہے،اور اس فیصلے کو نہ ماننا کیسا ہے؟

۵......مسجد کی جدید تعمیر میں دو فریق کا اختلاف ہے، تیسرا آدمی اس کے علاوہ اس مسجد کو بنواسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسی فریق میں سے کچھ آدمی بنواسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......دیدہ ودانستہ انحراف کے ساتھ تعمیر ہرگز نہ کی جائے، ہوسکتا ہے کہ ابتداءً سابقہ مسجد بنانے کے وقت پورا لحاظ قبلہ کا نہ ہوسکا ہو، کوئی ذریعہ صحیح علم کا نہ ہو، اب جبکہ صحیح علم کا ذریعہ موجود ہے، دیگر مساجد کو بھی دیکھ لیا جائے، قطب نما سے بھی اندازہ کرلیا جائے تب تعمیر کی جائے (۱)۔

۲......قصداً بالکل انحراف نہ کیا جائے، صحیح علم نہ ہونے کی صورت میں شمال اور جنوب کی قوس بنا کر نصف قوس تک انحراف ہوگیا تو بھی نماز کو درست کہا جائے گا (۲) مسجد بڑی اور چھوٹی ہونے سے اس انحراف میں بھی فرق ہوسکتا ہے، فٹ کی تعیین دشوار ہے۔

---

(۱) "والسادس: استقبال القبلة .... فللمكي إصابة عينها، ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها، (إلى قوله) وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۷، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها: ۱/۴۲۳، ۴۲۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(۲) "والسادس استقبال القبلة، فللمكي إصابة عينها، ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها".

"فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية، جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۷، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۳...... یہ تو اس بات پر موقوف ہے کہ فتویٰ کا صحیح حال معلوم ہو کہ واقعۃً وہ حکم شرعی کے موافق ہے یا نہیں؟ اور فتویٰ کو نہ ماننے والے کا علم ہو کہ وہ فقہ فتویٰ میں کس قدر تجربہ و بصیرت رکھتا ہے اور یہ بات بھی سامنے آئے کہ فتویٰ کو نہ ماننے اور پسِ پشت ڈالنے کی وجہ کیا ہے تب اس کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ یہ فتویٰ عینِ شریعت کے مطابق ہے پھر اس کو نفسانی تقاضہ کے تحت نہ ماننا اور پسِ پشت ڈالنا خطرناک ہے (۱)، جب تک ایسا شخص اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر باقاعدہ شرعی توبہ نہ کرے وہ امامت کا مستحق نہیں (۲) اگر شرعی دلائل کی روشنی میں وہ فتویٰ غلط ہے تو وہ اس قابل ہے کہ دلائل کے ساتھ اس کی تردید کردی جائے۔

۴...... اس کا جواب نمبر: ۳ سے واضح ہے۔

۵...... یا تو فریقین آپس میں اتفاق کرلیں یا کسی کو اپنا ثالث وحَکم بنالیں تاکہ نزاع ختم ہو جائے اگر کسی دوسرے شخص نے مسجد کو بنایا اور جس فریق کے خلاف وہ تعمیر ہوئی اس نے اس کو غلط قرار دیکر منہدم کیا تو اَور فتنہ بڑھے گا، یا اس نے نماز ہی ترک کردی، یہ بھی مستقل موجبِ انتشار ہے (۳)۔

---

(۱) "إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا نعمل بهذا، كان عليه التعزير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار).

"(قوله: وفاسق) وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾. (سورة الأنفال: ۴۷)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب=

اگرچہ کوئی فریق یا غیر فریق مسجد کو شرعی طریقہ پر تعمیر کردے گا تب بھی وہ مسجد ہوجائے گی اور اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا(۱)، بہرحال فتنہ وانتشار سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

سمت قبلہ میں ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کِیا جائے؟

سوال[۲۳۲۳]: ہم انگلینڈ کے وسالا لیٹر شہر کے- جولندن سے ۱۰۰/میل کے فاصلہ پر ہے- باشندے ہیں، وہیں سے یہ مسئلہ پوچھ رہے ہیں، یہ قبلہ کے سلسلہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے نقشہ کے ساتھ درج ذیل خلاصہ پیش کرکے جواب کے لئے گذارش کرتے ہیں امید ہے کہ منسلک نقشہ کے مطابق جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

شکل اول: اس صورت میں جب ہم (ہوکالینگ) آلۂ رصدیہ سے دیکھتے ہیں تو ۱۸/ ڈگری تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔

شکل دوم: دوسری شکل نقشہ کے مطابق نماز پڑھیں تو قبلہ کا رخ (آلہ مذکور سے) تو صحیح ہوجاتا ہے مگر صفوں کو ٹیڑھی کرنا پڑتا ہے جس سے نمازیوں کے لئے بھی تنگی ہوجاتی ہے۔

شکل سوم: اس میں صفیں بھی سیدھی ہوجاتی ہیں اور نمازیوں کے لئے سہولت بھی ہوجاتی ہے مگر

= الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية والناصية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند الإمام أحمد ابن حنبل رحمه الله تعالىٰ (رقم الحديث: ٢١٥٢٢): ٦/٣٠٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد: ٥/٨٣٩، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به: ٢/٤٥٥، رشيديه)

(رہی پہلی خرابی کہ)۱۸/ڈگری تفاوت قبلہ سے نقشہ کے مطابق عمل کریں گے۔

نقشہ نمبر:۱

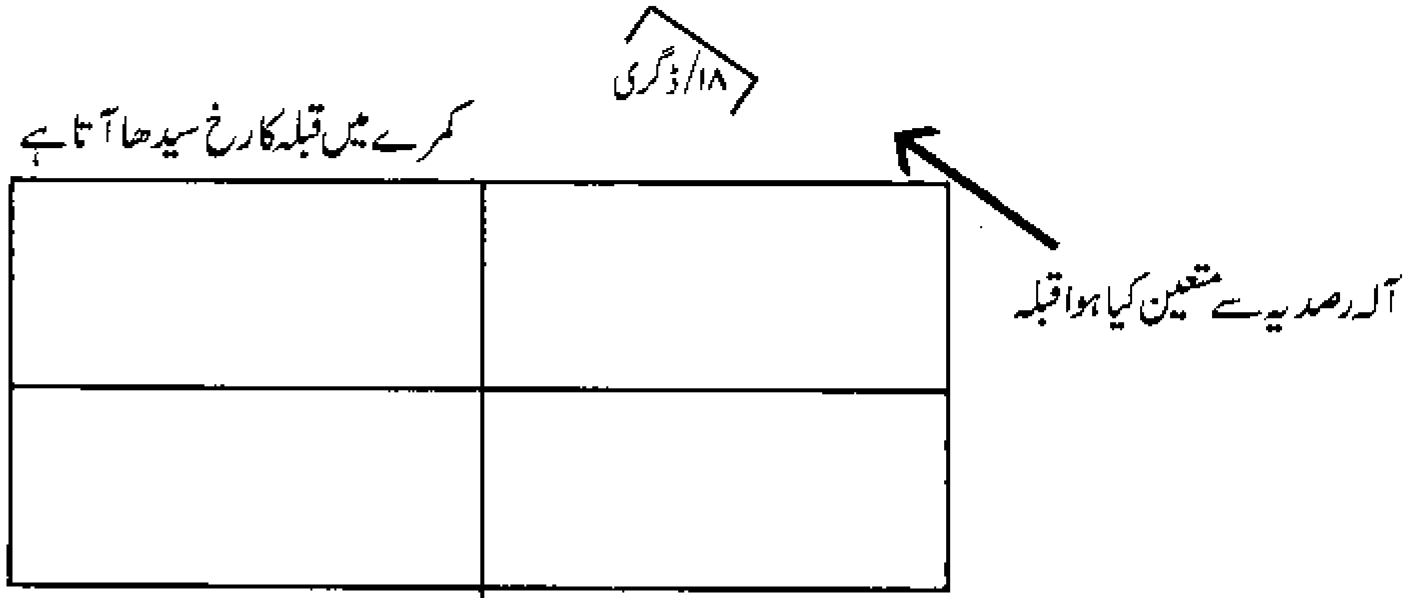

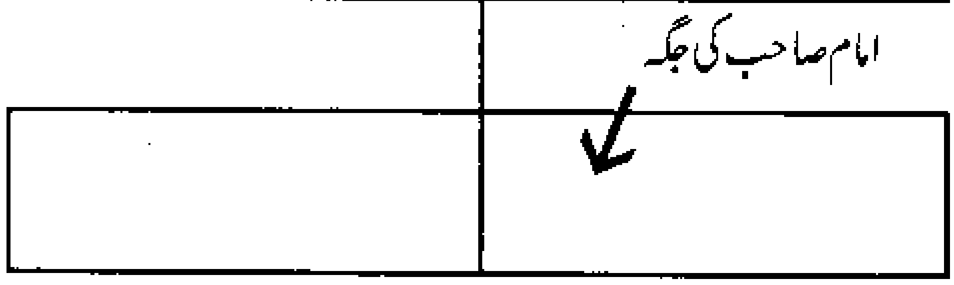

نقشہ نمبر:۲

اسی طرح ایک ہی صف پوری اور سیدھی آتی ہے اور باقی دوسری صف ادھوری رہتی ہے۔

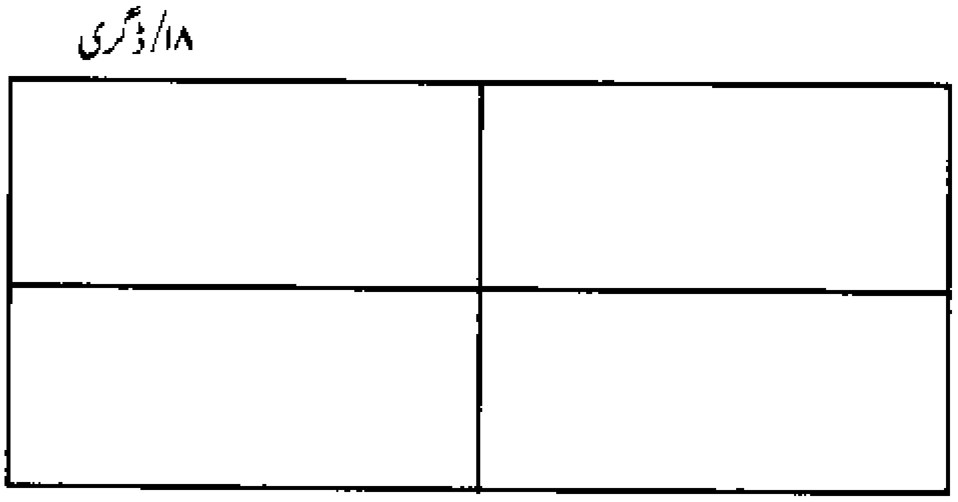

نقشہ نمبر:۳

۱۸/ڈگری کے تفاوت کرنے کی وجہ سے سیدھی صف رکھنے سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام پر زمانہ قدیم کی مساجد نہ ہوں اور قواعدِ شرعیہ کے موافق قبلہ کا رخ معین کرنے والے مسلمان بھی نہ ہوں، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھ کر بھی واقف کار مسلمان رخ متعین کر سکتے ہوں اور آلاتِ

رصدیہ کے ذریعہ قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے تو اسی طرح رخ متعین کرکے اس کے موافق نماز ادا کرتے رہیں(۱)۔

آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے نقشہ نمبر:۲ کے موافق نماز ادا کرنا بلا شبہ درست ہے، اگرچہ صفیں ٹیڑھی ہی ہونگی مگر رخ صحیح ہوگا، اس لئے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں (۲)۔ نقشہ نمبر:۱ اور نمبر:۳ کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں اگرچہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے۔ لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے اس سے بھی بچنا چاہئے۔ رد المحتار ج:۱، میں اس کی تفصیل مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وتعرف بالدليل: وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب، وإلا فمن الأهل العالم بها". (الدرالمختار).

"فينبغي الاعتماد في أوقات الصلوة وفي القبلة، على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب، فإنها إن لم تُفِدِ اليقين تُفيد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۳۰، ۴۳۱، سعيد)

(۲) "والسادس: استقبال القبلة، فللمكي إصابة عينها ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۲۷، ۴۲۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(۳) "فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية، جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر، تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة .... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أو شئ من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أو لهوائها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۲۸، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۳۵/ درجہ شمال منحرف مسجد کا حکم

سوال[۲۳۲۴]: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جو خطِ استواء سے ۳۵/ درجہ شمال کی جانب منحرف ہے۔ معارف مدنیہ میں لکھا ہے کہ ''کعبہ سے ۴۴/ درجہ انحراف تک بلاکراہت نماز درست ہوتی ہے'' لہٰذا میرے خیال میں اس مسجد میں نماز بلاکراہت درست ہوگی۔ اور ہمارے یہاں ایک دوسرے صاحب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسجد ۳۴/ درجہ منحرف شمار کی جائے گی اور اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ تو حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ مسجد کو ۳۴/ درجہ منحرف شمار کی جائے گی یا ۱۴ درجہ (یہاں کے عرض البلد ۲۴)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تو یہی ہے کہ اس مسجد میں نماز مکروہ نہیں (۱) تاہم قدرے انحراف کر کے رخ بالکل سیدھا کر لیں تو خلفشار نہ رہے اور سب کو سکون حاصل ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۱۳۹۹ھ۔

تعیینِ قبلہ میں معمولی فرق

سوال[۲۳۲۵]: گاؤں کے علاقہ میں مسجد بناتے وقت عامۃً تعیینِ قبلہ میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوتی ہے، کیونکہ ان کے پاس قطب نما نہیں ہوتا تو کیا اس سے کچھ خرابی لازم آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معمولی فرق سے نماز میں خرابی نہیں آتی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''سمتِ قبلہ ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے؟'')

(۲) "فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً، لاتزول منه المقابلة بالكلية، جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر، تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة ...... فعلم أن الإنحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شئ من جوانبه مسامتا الكعبة أو لهوائها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۸، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قبلہ سے معمولی انحراف

سوال[۲۳۲۶]: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جس کی لمبائی ساڑھے نو گز ہے، چوڑائی پونے چار گز ہے، جس میں یہ مسجد قبلہ کے رخ سے تین ہاتھ ہٹی ہے، اُتر (۱) کی طرف دیوار کو جب پچھم (۲) تین ہاتھ لی جائے تب اس کا رخ صحیح ہوگا اور جہت میں سے دکھن (۳) قبلہ سے رخ زیادہ ہٹائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معمولی فرق سے نماز خراب نہیں ہوگی البتہ اگر بجائے مغرب کے شمال یا جنوب کا رخ ہو جائے تو نماز نہیں ہوگی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۵/۱۵ھ۔

سمتِ قبلہ

سوال[۲۳۲۷]: ایک مسجد جامع ہے جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی، مسجد ہذا کو بغرض توسیع وتعمیرِ جدید منہدم کرایا گیا، کہ پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اترا کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب (۵) ہٹایا گیا، مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا۔ کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا۔ ایسی صورت میں مسجد ہذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے، قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہاء

---

(۱) ''اُتر'': شمال''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳، فیروزسنز لاهور)

(۲) ''پچھم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز لاهور)

(۳) ''دکھن: جنوب کی سمت''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۲، فیروز سنز لاہور)

(۴) "لا يجوز لأحد أداء فريضة ولا نافله .... إلا متوجهاً إلى القبلة .... ومن كان خارجاً عن مكة، فقبلته جهة الكعبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيديه)

(۵) ''پورب: مشرق، سورج نکلنے کی جگہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

نے بین الفرقدین والجدی لکھا ہے(۱) اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا(۲) تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگادیئے جائیں اوران کے موافق رخ صحیح کرلیا جائے، پھر مسجد کو گراکر از سرِنو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہاء نے لکھی ہیں، قطب بھی ایک دلیل ہے بلکہ اقوی الأدلہ ہے، اہلِ ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے(۳)۔ پس اگر سردی وگرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوجائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہتِ کعبہ ہے، یہی مطلب ہے ''بین الفرقدین والجدی'' کا:

"وتعرف بالدليل وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابه والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب" درمختار. قال الشامي: "هو أقوى الأدلة، وهو نجمٌ صغيرٌ في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدي، إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلاً القبلة إن كان بناحية للكوفة، وبغداد، وهمدان، الخ". رد المحتار(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وتعرف بالدليل، وهو الذي في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب".

"هو أقوى الأدلة، وهو نجم صغير في بنات نعش الصغرىٰ بين الفرقدين والجدي".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۰، سعيد)

(۲)(قد مضى تخريجه تحت عنوان: ''تعیینِ قبلہ میں معمولی انحراف''۔)

(۳) "فقبلة أهل المشرق إلى المغرب عندنا". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها: ۱/۴۲۳، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها: ۱/۴۲۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۶، رشيديه)

جدید مسجد کی سمتِ قبلہ میں تردد

سوال[۲۳۲۸]: حاجی عبدالرشید، مستری عبدالعزیز، حاجی رفیق احمد، ماسٹر شاہد حسین، منشی اختر حسین نے ایک مشورہ ۱۹۶۹ء میں مسجد بنانے کے لئے کیا، اور کمیٹی کی تشکیل کر کے ۲۰۰۰/ مربع گز زمین خرید کر مسجد بنانی شروع کردی جو تھوڑے ہی دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہونچی، جس مسجد کا نام مسجد نبی کریم رکھا گیا، جو ۱۹۷۰ء میں چالو ہوگئی یعنی نماز پڑھنی شروع کردی گئی۔

محلّہ کا ایک شخص جس کا نام عبدالشکور ہے اس نے ایک شبہ ڈالا کہ مسجد کا رخ صحیح نہیں ہے جس پر مدرسہ محمودیہ سروٹ سے عالموں کو دعوت دی گئی، جس میں :۱: مولانا نثار احمد مہتمم مدرسہ محمودیہ سروٹ ۔۲: مفتی شکیل احمد صاحب۔۳: مولانا نصیب الدین صاحب۔۴: مولانا مہربان صاحب۔ ۵: مولانا ظریف احمد صاحب۔ ۶: قاری عابد صاحب۔ ۷: قاری محمد مصطفیٰ صاحب۔ ۸: حافظ محمد عمر صاحب۔ ۹: حافظ سلیم الدین صاحب۔ ۱۰: حاجی صغیر احمد صاحب انصاری وائس چیئر مین میونسپل بورڈ اور بہت سے لوگ شامل تھے، کمیٹی ہذا کی موجودگی میں محلّہ کی سب مسجد چیک کی پھر مسجد نبی کریم بھی چیک کی جس میں تین قطب نما تھے۔

علمائے دین نے چیک کرنے کے بعد فیصلہ دیا کہ مسجد کا رخ ٹھیک ہے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ضلع مظفر نگر کی مسجد قطب نما کے پوائنٹ ۹ سے ۱۰ تک آتی ہیں سب ٹھیک ہیں اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ مسجد کا رخ غلط ہے۔ اس کے باوجود مستری عبدالشکور ماننے کے لئے تیار نہیں ہے جبکہ موقع پر مفتی شکیل احمد اور مفتی مرادآباد موجود تھے جنھوں نے فتویٰ دیا کہ ٹھیک ہے لیکن وہ اپنی ضد پر ہے۔ کیا ۹/ پوائنٹ سے دس پوائنٹ تک مسجد کا رخ ٹھیک مانا جاتا ہے یا نہیں؟

۲......جبکہ مندرجہ بالا مسجد کا مندرجہ بالا عالموں نے فیصلہ دیا تو مستری عبدالشکور صاحب کا نہ ماننا اور افواہیں پھیلانے کا فعل کیسا ہے اور کس حد تک پہونچتا ہے۔

۳......مندرجہ بالا عالموں کی رائے کے مطابق مستری عبدالشکور کی پیروی کرنے والا شخص شرعاً سزا کا مستحق ہے یا نہیں؟

۴......عالموں کی رائے کے خلاف بولنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متدین اہلِ علم اور اہل تجربہ نے معائنہ کیا، قطب نما سے دیکھا، دیگر مساجد سے بھی رخ کو ملایا اور اس مسجد کے رخ کو صحیح بتاکر نماز کو اس میں صحیح قرار دیا تو اس کو تسلیم کرلینا چاہئے، بلا دلیل شرعی کے انکار کا حق نہیں (۱)، اگر معمولی فرق بھی ہو تب بھی مسجد کو نہ گرایا جائے، سمتِ قبلہ میں توسع ہے (۲)، موسم سردی اور موسم گرمی میں جہاں جہاں سورج غروب ہوتا ہے ان دونوں جگہوں کے درمیان نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا ہوجاتی ہے (۳) اب تفرقہ پیدا نہ کیا جائے (۴) اور جن حضرات نے دیکھ کر رخ کو صحیح بتایا ہے ان پر اعتماد کیا جائے، صحت نماز کی ذمہ داری انھوں نے لی ہے وہ خود جواب دہ ہوں گے (۵)۔

جو شخص شرعی صحیح فتوے کو تسلیم نہ کرے اس کو سزا دینے کی آج قوت نہیں ہے، اس کو نرمی اور شفقت سے فہمائش کی جائے، وہ نہ مانے تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے (۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "فينبغي الاعتماد في أوقات الصلوة وفي القبلة على ما ذكره العلماء الثقات في كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب؛ فإنها إن لم تُفد اليقين تُفيد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية في ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۱، سعيد)

(۲) "فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى الوجه أو شئ من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أو لهوائها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "الأول أن ينظر في مغرب الصيف في أطول أيامه ومغرب الشتاء في أقصر أيامه، فليدع الثلثين في الجانب الأيمن والثلث في الأيسر والقبلة عند ذلك، ولو لم يفعل هكذا وصلى فيما بين المغربين يجوز". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها : ۱/۴۲۵، إدارة القرآن كراچي)

(۴) قال تعالىٰ: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۵) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه". إلى آخر الحديث. رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني : ۱/۳۵، قديمي)

(۶) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان=

قدیم مسجد کا رخ مکمل صحیح نہیں ہے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۲۳۲۹]: ہمارے محلہ کی ایک قدیم مسجد ہے جس پر آج تک لکڑی کی چھت تھی، اب اس پر لینٹر ڈلوانے کا پروگرام ہے، مسجد کو جب ناپا گیا تو اس کے اندر تقریباً چھ فٹ کا فرق نکلا، بالکل قبلہ رخ نہیں تھی، یہ فرق بائیں جانب ہے۔ اب اس صورت میں مسجد کو قبلہ رخ بنانے کے لئے مسجد شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرائی جائے یا اس صورت پر باقی رکھ کر لینٹر ڈلوایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو اتنے فرق سے بھی ادا ہو جاتی ہے(۱) تاہم اس فرق کو نکالنے اور صفوف کا رخ صحیح کرنے کے لئے صفوف کے نشانات کو صحیح کر دینا بھی کافی ہے تا کہ ان نشانات پر نماز ادا کی جائے، تمام مسجد کو گرانے اور شہید کرنے کی ضرورت نہیں(۲) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۴ھ۔

= الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (المرقاة شرح المشكوٰة، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر: ۱۳۷/۲۲، مطبع خيريه بيروت)

(۱) "فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى الوجه أو شئ من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة، أو لهوائها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۳۰/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۹۵/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۸۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "والسادس استقبال القبلة، فللمكي إصابة عينها، ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۲۷/۱، ۴۲۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۹۵/۱، ۴۹۶، رشيديه)

پرانی مسجد کا رخ اگر صحیح نہ ہو تو اس میں نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال[۲۳۳۰]: ہم لوگ ساکنان نکماشاہ قصبہ شیرکوٹ ایک مدت دراز سے اپنی مسجد میں نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، مسجد بہت پرانی اور ہماری یاد سے پہلے کی ہے، فی الحال یہ بات چلی کہ مسجد کا رخ غلط ہے، بذریعۂ قطب نما اس کی جانچ کی گئی تو اصل میں مسجد قطب نما کی رو سے ۲/فٹ کا فرق ہے، مطلب یہ کہ مسجد کا شمالی سرا ۲/فٹ ۶/انچ پچھم کی طرف ہونا چاہئے یا پھر دکھنی سرا ۲فٹ مشرق کی طرف ہونا چاہئے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز ہوگی یا کہ نہیں، اور جو نمازیں اس میں پڑھی گئی ہیں ان کا حل کیا ہے؟ بہت چھوٹی مسجد ہے جس میں صرف اندر ایک جماعت ہوسکتی ہے، آٹھ ہاتھ لمبی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب حامداً ومصلياً:

اب قطب نما کے ذریعہ وہاں صفوں کے نشان صحیح رخ پر لگادیئے جائیں اور ان نشانوں کے موافق جماعت کھڑی ہوکر نماز پڑھا کرے(۱) تمام مسجد کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور وسعت بھی نہیں ہے، جو نمازیں اب تک پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "السادس: استقبال القبلة، فللمكي إصابة عينها ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها". .... وتعرف بالدليل، وهو في القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين، وفي المفاوز والبحار النجوم كالقطب اهـ". (الدرالمختار).

"هو أقوى الأدلة وهو نجمٌ صغيرٌ في بنات نعش الصغرى بين الفرقدين والجدي، إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنىٰ كان مستقبلاً القبلة إن كان بناحية للكوفة وبغداد وهمدان". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۷، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها: ۱/۴۲۳، ۴۲۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، ۴۹۶، رشيديه)

(۲) کیونکہ موجودہ انحراف اتنا نہیں ہے کہ سمت قبلہ کی حد معین سے باہر ہو: "فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى الوجه أو شئ من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أو لهوائها". (ردالمحتار، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قبلہ کی طرف پیر پھیلانا

سوال[۲۳۳۱]: کیا قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لیٹنے میں بے ادبی ہے؟ گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے ادبی، مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۳ھ۔

☆......☆......☆......☆.....☆

---

(۱) "ویکره تحريماً استقبال القبلة بالفرج كماكره مدُّرجليه في نوم أوغيره إليها: أي عمداً؛ لأنه إساءة أدب". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أي عمداً): أي من غير عذر، أمابالعذر أوالسهو فلا، (وقوله: إساءة أدب) أفاد أن الكراهة تنزيهية .لكن قدمنا عن الرحمتي في باب الاستنجاء أنه سيأتي أنه بمد الرجل إليها ترد شهادته، قال :ويقتضي التحريم، فليحرر اهـ". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مكروهات الصلاة، مطلب في أحكام المساجد: ۱/۶۵۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

الفصل الثانی فی أرکان الصلوۃ

(ارکانِ صلوۃ کا بیان)

جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہونا

سوال[۲۳۳۲]: امام رکوع میں تھا، ایک شخص بعد میں آیا اور جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر شریک ہوگیا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر نہیں کہی بلکہ اس طرح جھکتے ہوئے کہی ہے کہ رکوع میں تکبیر پوری ہوئی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، شامی: ۱/۳۰۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) فلو قال: "الله" مع الإمام "وأکبر" قبله، أو أدرک الإمام راکعاً فقال: "الله" قائماً و"أکبر" راکعاً لم یصح فی الأصح، کما لو فرغ من "الله" قبل الإمام .... ویشترط کونه قائماً، فلو وجد الإمام راکعاً فکبر منحنیاً، إن إلی القیام أقرب یصح ولغت نیة تکبیر الرکوع". (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان تألیف الصلوۃ إلی انتهائها: ۱/۴۸۰، سعید)

"ولا یصیر شارعاً بالتکبیر إلا فی حالة القیام أو فیما هو أقرب إلیه من الرکوع، هکذا فی الزاهدی".

"وکذا لو أدرک الإمام فی الرکوع، فقال: الله أکبر، إلا أن قوله: "الله" کان فی قیامه، وقوله: "أکبر" وقع فی رکوعه، لا یکون شارعاً فی الصلوۃ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فی صفة الصلوۃ: ۱/۶۸، ۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوۃ، باب صفة الصلوۃ: ۱/۲۰۴، مکتبه امدادیه ملتان)

"ولو جاء إلی الإمام وهو راکع منحنی ظهره، ثم کبر، إن کان إلی القیام أقرب، یصح، وإن کان إلی الرکوع أقرب لا یصح". (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صفة الصلوۃ: ۱/۵۰۸، رشیدیه)

فرض نماز کیلئے بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا

سوال[۲۲۳۳]: اگر کوئی شخص فرض نماز کی تکبیر تحریمہ بغیر عذر بیٹھ کر کہے اور فوراً کھڑا ہو جائے، آیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"لو قال المصنف: فرضها التحريمة قائماً، لكان أولىٰ؛ لأن الافتتاح لا يصح إلا في حالة القيام، حتى لو كبّر قاعداً ثم قام، لا يصير شارعاً؛ لأن القيام فرض حالة الافتتاح، الخ". بحر: ۱/۲۹۱(۱) ۔ عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ اس طرح شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

عورتوں کے لئے نماز میں قیام کا حکم

سوال[۲۲۳۴]: کیا عورتوں کی نماز میں قیام فرض نہیں ہے؟ مرد کی طرح اگر کوئی عورت بیٹھ کر پڑھے بے عذر، تو اس کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرضیتِ قیام سے عورتیں مستثنیٰ نہیں بلکہ مرد وعورت کا حکم یکساں ہے(۲)، جن مسائل میں فرق ہے ان

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۰۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۶۸/۱ رشيديه)

(۲) "ومن فرائضها التي لاتصح بدونها .... ومنها: القيام في فرض وملحق به كنذر وسنة فجر في الأصح لقادر عليه." (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۴۴۲/۱، ۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۶۹/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۰۹/۱، رشيديه)

کوطحطاوی میں بیان کیا گیا ہے ملان میں قیام نہیں ہے(۱)۔ ترکِ فرض سے جس طرح مرد کی نماز فاسد ہوجاتی ہے عورت کی بھی فاسد ہوجاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

فرض نماز میں عورتوں کے لئے بھی قیام فرض ہے

سوال[۲۳۳۵]: ۱...... ہمارے علاقہ میں اکثر عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، باوجود سمجھانے کے اور باجود کتابوں کے بتلانے کے عورتیں یقین نہیں کرتیں اور فتویٰ کی خواہاں ہوتی ہیں۔

۲...... آج تک جن عورتوں نے جانتے بوجھتے بھی بیٹھ کر نمازیں ادا کی ہیں، وہ ادا ہوئیں یا نہیں؟ آیا اس کی قضاء کرنی پڑے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... فرض نماز میں قیام فرض ہے، بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے فرض نماز ادا نہیں ہوگی(۳)۔

---

(۱) "(قوله: في خمسة وعشرين) انها ترفع يديها إلى منكبيها، وتضع يديها تحت ثدييها، ولا تجافي بطنها عن فخذيها، وتضع يديها على فخذيها بحيث تبلغ الأصابع ركبتيها، وهذا بناء على ما نقل عن الطحاوي أن الرجل يأخذ الركبة ويفرق أصابعه كما في الركوع، والمعتمد خلافه، ولا تفتح إبطيها في السجود، وتجلس متوركةً في التشهد، ولا تفرج أصابعها في الركوع، إلى آخره". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل الشروع في الصلوة: ۱/۲۲۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۴، سعيد)

(۲) "وترك ركن بلا قضاء وشرط بلاعذر". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(وقوله: وترك ركن بلا قضاء) كما لو ترك سجدة من ركعة وسلم قبل الإتيان بها، وإطلاق القضاء على ذلك مجاز". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۲۹، سعيد)

(۳) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کے لئے نماز میں قیام کا حکم"۔)

۲..... وہ نمازیں ادا نہیں ہوئیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

کیا سنت میں قیام فرض ہے؟

سوال[۲۲۳۲]: آپ نے میرے استفتاء میں قیام کی فرضیت کے بارے میں بتایا ہے کہ قیام فرض ہے اور جو فرض نہ ہو بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو جیسے واجب اور سنت فجر میں بھی قیام فرض ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ مسئلہ فرض اور واجب اور سنت فجر کے ساتھ مخصوص ہے یا اس میں سنتِ مؤکدہ بھی شامل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سنتِ مؤکدہ میں قیام فرض ہے، سنتِ فجر کے علاوہ دیگر سننِ مؤکدہ میں قیام فرض نہیں:

" (ومنها القيام في فرض) وملحقٍ به كنذر وسنة فجر في الأصح (لقادر عليه)" درمختار۔ "(قوله: وسنة فجر في الأصح) أما على القول بوجوبها فظاهر، وأما على القول سنيتها فمراعاة القول بالوجوب. ونقل في مراقي الفلاح أن الأصح جوازها من قعود، أقول: لكن في الحلية عند الكلام على صلوة التراويح: لو صلى التراويح قاعداً بلا عذر، قيل: لا تجوز قياساً على سنة الفجر، فإن كلا منهما سنة مؤكدة، وسنة الفجر لا تجوز قاعداً من غير عذر بإجماعهم، كما هو رواية الحسن عن أبي حنيفة، كما صرح به في الخلاصه". شامی: ۱/ ۳۹۹ نعمانیہ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۱۲/ ۹۱ھ۔

---

(۱) (قد مضى تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کے لئے نماز میں قیام کا حکم"۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۴۵، سعيد)

"ولا يجوز أن يصليها قاعداً مع القدرة على القيام، ولهذا قيل: إنها قريبة من الواجب، كذا في التاتار خانيه ناقلاً عن النافع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/ ۱۱۲، رشيديه) .... =

نماز میں قیام کی کتنی مقدار فرض ہے؟

سوال[۷۳۳۲]: ۱.....کیا قیام فرض واجب اور سنت سب نمازوں میں فرض ہے یا کچھ قید ہے؟

۲.....فرض پچھلی دو رکعتوں میں قیام کی فرض مقدار اور واجب کی کتنی مقدار ہے؟ بہشتی زیور میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک چپ کھڑا رہنے پر نماز کا درست ہونا بتایا گیا ہے(۱) جب کہ آپ نے قرأتِ مفروضہ کی مقدارِ قیام کو فرض بتلایا ہے، بحوالہ درمختار (۲)۔

فرض کی ادائیگی سے نماز ناقص ہوتی ہے اور دوبارہ پڑھنا واجب ہے جب تک کہ واجبات کی ادائیگی نہ کرے۔ اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا صرف قرأتِ مفروضہ کی ادائیگی ہوئی اور واجب ترک ہوگیا۔ اس مسئلہ کو صاف کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(ومنها القيام) في فرض وملحق به كنذر أوسنة فجر في الأصح اه". درمختار (۳)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قیامِ نماز فرض ہے اور جو نماز فرض نہ ہو بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو جیسے

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، ص: ۳۸۳، سهيل اكيڈيمي لاهور)

(وكذا في مراقي الفلاح مع نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۸۸، قديمي)

"يجوز النفل قاعداً مع القدرة، وقد حكى فيه إجماع العلماء، وعلى غير المعتمد يقال: إلا سنة الفجر لما قيل بوجوبها وقوة تأكدها". (مراقي الفلاح مع نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في صلاة النفل جالساً وفي الصلاة على الدابة وصلاة الماشي، ص: ۴۰۲ قديمي)

"وصح النفل قاعداً مع القدرة على القيام". (ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۱۳۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (بهشتي زيور، حصه دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان، ص: ۲۰، امداديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، بحث القيام: ۱/۴۴۴، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، بحث القيام: ۱/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۱/۶۹، رشيديه)

واجب اور سنتِ فجر اس میں بھی فرض ہے۔

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہیں بلکہ قرأۃِ فاتحہ اور تین بار سبحان اللہ اور اتنی دیر سکوت کا اختیار ہے۔ جو صورت بھی اختیار کرے گا نماز ہو جائے گی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، ہاں! سنت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ پس سورۂ فاتحہ کی مقدار قیام سنت ہے اور تین تسبیح کی مقدار قیام بھی کافی ہے۔ اگر قراءت فرض ہوتی ہے تو اس کے قیام کو فرض کہا جاتا اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس موقع پر واجب ہوتا تو اتنی مقدار قیام کو واجب کہا جاتا جس کے سہواً ترک سے سجدۂ سہو واجب ہوتا اور عمداً ترک سے اعادہ واجب ہوتا:

"ومفروضه وواجبه ومسنونه ومندوبه بقدر القراءة فيه". درمختار (۱)۔ "(واكتفى فيما بعد الأوليين بالفاتحة) فإنها سنة (وهو مخير بين قراءة) الفاتحة (وتسبيح ثلاثاً) وسكوت قدرها (على المذهب)". درمختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

قیام، قراءت، رکوع، سجود کی فرض مقدار

سوال [۲۲۳۸]: ارکان نماز میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کم سے کم قیام تکبیر تحریمہ تک فرض ہے، اسی طرح کم سے کم قراءت ایک آیت تک فرض ہے، اسی طرح کم سے کم رکوع ایک تسبیح پڑھنے تک اور کم سے کم سجدہ بھی ایک تسبیح ادا کرنے تک فرض ہے، لیکن توضیح طلب امر یہ ہے کہ زیادہ کی کیا حد ہے؟ اگر کوئی مصلی قیام میں دس آیت تک قراءۃ کرے تو وہ قیام اور قراءۃ پورے کے پورے فرض ہوں گے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی رکوع وسجدہ میں دس دس بار تسبیح کہنے تک ٹھہرے تو وہ رکوع وسجدہ پورے کے پورے فرض ہوں گے یا نہیں؟ یا کچھ فرض کچھ واجب اور کچھ سنت ہوں گے؟

درمختار میں ارکان نماز کے ایک دوسرے کے فضائل میں بتایا ہے کہ: تمام ارکان نماز میں قیام افضل ہے کیونکہ اس میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اور جتنا قرآن کریم پڑھا جائے گا وہ پورا کا پورا فرض ہوگا چاہے، پورا قرآن کریم پڑھے (۳)۔ فتاویٰ عالمگیری اور درمختار میں قربانی کے بیان میں بتایا گیا ہے: ایک صاحب نصاب پر

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، بحث القيام: ۱/۴۴۴، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۵۱۱، سعيد)

(۳) "لو قرأ القرآن كله في الصلوة وقع فرضاً، ولو أطال الركوع والسجود فيها، وقع فرضاً اهـ، =

بیل یا اونٹ کا ساتواں حصہ فرض ہے، لیکن اگر وہ پورا بیل قربانی کی نیت سے خریدے تو قربانی کے پورے حصے اس کے لئے فرض ہوجائیں گے، جس طرح قرآن کریم کی قراءت کے متعلق کے مصلی جتنا قرآن کریم پڑھے گا سب فرض ہوگا اگرچہ پورا قرآن کریم پڑھ لے(۱)۔

اسی طرح درمختار میں ہے: امام محمد نے فتویٰ دیا ہے کہ سجدہ سے جب تک سر نہ اٹھایا جائے سجدہ کی تکمیل نہ ہوگی، چاہے وہ کتنی ہی دیر سجدہ میں رہے، جب وہ سجدہ سے سر اٹھائے گا اس وقت سجدہ پورا ہوگا۔ اسی طرح رکوع بھی جب تک سر نہ اٹھایا جائے مکمل نہیں ہوگا، امام محمدؒ کے یہاں سر جھکانا رکوع میں اور ٹیکنا سجدہ میں یہ رکوع اور سجدہ کی شرطیں ہیں، اسی طرح سر کا اٹھانا بھی شرط ہے۔ درمختار میں اس قول کے تحت یہ بھی بتایا کہ اگر کسی رکن میں حدث ہوجائے اور بے وضو ہوجائے تو اب وضو کرکے اگر وہ اس نماز کو پوری کرنا چاہے تو اسی رکن سے بنا کرے، اگر سجدہ میں حدث ہوئے تو سجدہ ہی سے بنا کرے کیونکہ اس نے بے وضو سجدہ سے سر اٹھایا تھا اس لئے سجدہ مکمل نہیں ہوا، چاہے وہ کتنی ہی دیر سجدہ میں رہا ہو، ایسے ہی معلوم ہوا کہ ارکان میں کم کی حد تو ہے لیکن زیادہ کی حد مصلی کا اپنے ارادے سے رکن ختم کرنا ہے(۲)۔

= ومقتضاه أنه لو أطال القيام يقع فرضاً أيضاً، فيُنافي هذا التقدير، وقد يجاب بأن هذا قبل إيقاعه، أما بعده فالكل فرض، كما أن القراءة قبل إيقاعها نوعت إلى فرض وواجب وسنة وبعد يكون الكل فرضاً". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

(۱) "وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لأضحية: أي نوى وقت الشراء الاشتراك، صح استحساناً، وإلّا لا". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أقول: وقدمنا في باب الهدى عن فتح القدير معزواً إلى الأصل والمبسوط: إذا اشترى بدنةً لمتعة مثلاً، ثم اشترك فيها ستةً بعد ما أوجبها لنفسه خاصةً، لايسعه؛ لأنه لما أوجبها صار الكل واجباً بعضها بإيجاب أشرع وبعضها بإيجابه، فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

"وكذا لو اشترك فيها ستةً بعد ما أوجبها لنفسه، لم يسعه؛ لأنه أوجبها كلها لله تعالىٰ، وإن أشرك جاز، ويضمن ستة اسباعها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(۲) "ثم يرفع رأسه مكبراً، ويكفي فيه أدنى مايطلق عليه اسم الرفع، كما صححه في المحيط، لتعلق الركنية بالأدنى كسائر الأركان .... ثم السجدة الصلاتية تتمّ بالرفع عند محمد، وعليه الفتوىٰ =

ایسے شرائط کے ساتھ اگر مان ہی لیا جائے کہ قیام ایک آیت تک ہی فرض ہے اور تین آیت کی حد تک واجب، باقی قراءت اور قیام سنت ہے تو ایک شخص نے پچیس آیت پڑھنے کا قصد کیا اور دس آیت کھڑے رہ کر پڑھنے کے بعد باقی پندرہ آیت بیٹھ کر پڑھی پھر اٹھ کر رکوع کیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر سنت قرار دیا جائے تو نماز ہو جائے گی جس میں سجدہ بھی ہیں۔ اس طرح ایک شخص کی نیت بیس آیت پڑھنے کی تھی اور وہ دس آیت پڑھنے کے بعد باقی آیت بھول گیا اور اس کے یاد آنے تک اتنی دیر تک توقف کیا کہ تاخیر رکن کی وجہ سے سجدہ عائد ہو جائے اس تاخیر کی وجہ سے اس کو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ اور یہ تاخیر کون سی وجہ سے ہوگی یا کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیام، قراءت، اور رکوع سجود فرض ہیں، ان کی جتنی مقدار بھی ادا کی جائے گی ادا ہو چکنے بعد سب کو فرض ہی کہا جائے گا، یہ تقسیم نہ ہوگی کہ ایک تسبیح یا تین تسبیح کے برابر رکنِ فرض ادا ہو، باقی واجب یا سنت یا نفل ہو(۱)۔ جس نماز میں قیام فرض ہے، اگر ادنیٰ مقدار فرض قیام کرنے کے بعد بقیہ طویل قراءت بحالتِ قعود کرے پھر کھڑے ہو کر رکوع کرے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح مقدارِ فرض ادا کرنے کے بعد اگر بھول جائے اور تین تسبیح کی مقدار خاموش کھڑا رہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ مقدارِ فرض قراءت ادا کر لی تھی اب سہو تو غیر رکن میں ہوا(۲)۔

= كالتلاوية اتفاقاً مجمع". (الدر المختار).

وفي رد المحتار: "(قوله: تتم بالرفع عند محمد) وعند أبي يوسف بالوضع، وثمرة الخلاف فيما لو أحدث وهو ساجد فذهب وتوضاء، يعيد السجدة عند محمد، لا عند أبي يوسف .... ثم ظهر أن الرفع المذكور فرض مستقل عنده لا متمم للسجدة". (كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۵، سعيد)

(۱) "كما أن القراءة قبل إيقاعها نوعت إلى فرض وواجب وسنة، وبعده يكون الكل فرضاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۵، سعيد)

(۲) "وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن. وقيه: بحرف (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وتأخير قيام) أشار إلى أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بل لترك الواجب، وهو تعقيب التشهد للقيام بلا فصل ..... ۹ اهـ". =

"القراءة وإن انقسمت إلىٰ فرض وواجب وسنة، إلا أنه مهما أطال، يقع فرضاً، وكذا إذا أطال الركوع والسجود على ما هو قول الأكثر والأصح؛ لأن قوله تعالىٰ: ﴿فاقرأوا ما تيسر من القرآن﴾ لوجوب أحد الأمرين فما فوقها مطلقاً لصدق ما تيسر على كل فرض، فمهما قرأ يكون الفرض ومعنى الأقسام المذكورة أن جَعْلَ الفرض مقدار كذا واجب، وجعْلَه دون ذلك مكروه، وجعْلَه فوق ذلك إلى حد كذا سنة؛ لأنا إن اعتبرنا الواجب ما بعد الاية الأولىٰ منضماً إليها انقلب الفرض واجباً، وإن اعتبرناه منفرداً كان الواجب بعض الفاتحة. وقالوا: الفاتحة واجب، وكذا الكلام فيما بعد الواجب إلى حد السنة۔ فليتأمل اهـ، كذا في شرح المنية من باب سجود السهو، ونحوه في الفتح وهو تحقيق دقيق، فاغتنم". رد المحتار: ۱/ ۵۰۰ (۱)۔

اگر ابتداء میں بیس آیات قراءت کرنے کا ارادہ تھا تو محض اس ارادے سے ان بیس آیات کا پڑھنا فرض نہیں ہوگیا، جتنی مقدار پڑھی اتنی مقدار فرض ہوئی، اب اگر دس آیت کی مقدار پڑھ کر بھول گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ رکنِ قراءت ناتمام رہا بلکہ وہ تو پورا ہوگیا (۲)، اب بھول کر خاموش کھڑے رہنے سے رکوع میں

= (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۱، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۱/ ۱۴۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲۶، رشيديه)

"وأداء ركن أو تمكنه منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبيحات". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/ ۶۲۵، ۶۲۶، سعيد)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في القراءة: ۱/ ۵۳۶، سعيد)

(الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۱ سهيل اكيديمي لاهور)

(۲) "كما أن القراءة قبل إيقاعها نوعت إلى فرض وواجب وسنة، وبعده يكون الكل فرضاً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۴۵، سعيد)

"وقرأ المصلي لو إماماً أو منفرداً الفاتحةَ وقرأ بعدها وجوباً سورةً أو ثلاث آيات ولو كانت الاية، أو الآيتان تعدل ثلاث آيات قصار، انتفت كراهة التحريم، ذكره الحلبي. ولا تنتفي التنزيهية إلا بالمسنون". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/ ۴۹۱، ۴۹۲، سعيد) =

تاخیر ہوگی جو کہ موجب سہو ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۲۳ھ۔

سجدہ کے لئے بجائے زمین کے پانی ہوتو سجدہ اشارہ سے کرنے کا حکم

سوال[۲۳۳۹]: ہمارے علاقہ میں زمین برسات کے زمانہ میں ڈوب جاتی ہے اور کاشتکار آدمی جب کام پر جاتا ہے تو صرف پانی ہی پانی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب خشک زمین نہ ملے، پانی ہی پانی ہو سجدہ نہ کرسکے تو اشارہ سے نماز پڑھ لے یعنی سجدہ کے لئے پانی کے کچھ قریب تک سر جھکا کر اشارہ کرلے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۸ھ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثاني في واجبات الصلوة: ۱/۷۱، رشيديه)

"ومنها القراءة، وفرضها عند أبي حنيفة رحمه الله يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرةً، كذا في المحيط. وفي الخلاصة: وهو الأصح، كذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۱/۶۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۶، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۵۵۰، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "(لايصح على الدابة صلاة الفرائض .... الا لضرورة، كخوف لص على نفسه .... (و) وجود مطر و (طين) في (المكان) يغيب فيه الوجه أو يلطخه ويتلف مايبسط عليه أما مجرد ندوة فلا يبيح ذلك، والذي لا دابة له يصلي قائماً في الطين بالإيماء". (مراقي الفلاح على هامش حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الفرض والواجب على الدابة، ص: ۴۰۸، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في الصلاة على الدابة: ۲/۴۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۴، رشيديه)

گونگے کی نماز

سوال [۲۳۴۰]: مادرزاد گونگا بہرہ آدمی جس نے کبھی نہ کوئی بات کان سے سنی، نہ زبان سے بولی وہ نماز کس طرح پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا شخص جب کہ قراءت پر قادر نہیں تو قراءۃ اس پر فرض نہیں، باقی جن ارکان: قیام وقعود وغیرہ پر قادر ہے، ان کو سب لوگوں کی طرح ادا کرتا رہے، اگر اس کو اتنی سمجھ ہے کہ نماز فرض ہے اور پھر نماز کو بقدرِ طاقت ادا نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا:

"من فرائضها التحريمة، وهي شرط في غير جنازة على القادر". قال الشامي: "أما الأمي والأخرس لو افتتحا بالنية، جاز؛ لأنهما أتيا بأقصى مافي وسعهما". شامي: ۱/ ٤٦٠(۱)۔

"ولايلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه، وكذا في القراءة هو الصحيح". در، ص: ۵۰۲(۲)۔

"هي فرض عين على كل مكلف". (تنوير)۔ "ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۲، سعيد)

"وفي المحيط: الأخرس والأمي افتتحا بالنية أجزأهما؛ لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۰۸، رشيديه)

"وقالوا: يكتفى من الأخرس والأمي بالنية، ولايلزمهما تحريك اللسان هو الصحيح؛ لأن الواجب حركة بلفظ مخصوص، فإذا تعذر نفس الواجب، لا يحكم بوجوب غيره إلا بدليل". (النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۱۹۵، مكتبة امداديه ملتان)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۸۱، سعيد)

"وفي شرح منية المصلي: ولا يجب عليهما تحريك اللسان عندنا، وهو الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۱۹۵، مكتبة امداديه ملتان)

انثی أو عبداً". شامی، ص: ٣٦٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سعید احمد غفرلہ، ۶/ شعبان/ ۵۴ھ۔

بہرے مقتدی کی نماز

سوال [۲۳۴۱]: ایک شخص بہرا ہے اور بینائی بھی کم ہے، جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کبھی امام کی آواز سنائی نہ دینے کی وجہ سے سجدہ چھوٹ جاتا ہے تو آیا ان کو ایسی حالت میں امام کے ساتھ نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے یا تنہا؟ اور اگر رکوع یا سجدہ چھوٹ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر رکوع یا سجدہ بالکل چھوٹ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی (٢)، اگر امام کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد ادا کرلیا تو نماز ہوگئی (٣)، پاس والے کے رکوع سجدہ سے احساس کرکے رکوع سجدہ کرلیا کرے۔ جماعت کی فضیلت ایسی معذوری کی حالت میں بھی وہ حاصل کرتا ہے تو بڑے اجر کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۱۱/ ۹۲ھ۔

---

(١) (ردالمحتار مع تنویر الأبصار، کتاب الصلوة: ١/ ٣٥١، ٣٥٢، سعید)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل فيما يوجب قطع الصلوة وما يجيزه وغيره ذلك، ص: ١٧٣، قديمي)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة: ١/ ٤٠١، إدارة القرآن كراچي)

(٢) "وترك ركن بلا قضاء، وشرط بلا عذر". (الدرالمختار). "(قوله: وترك بلا قضاء) كما لو ترك سجدةً من ركعة وسلّم قبل الإتيان بها. وإطلاق القضاء على ذلك مجازاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ١/ ٦٢٩، سعيد)

(٣) "واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائها بعذر كغفلة وزحمة وسبق حدث وصلوة خوف ومقيم ائتمّ بمسافر، وكذا بلاعذر، بأن سبق إمامه في ركوع وسجود، فإنه يقضي ركعةً، وحكمه كمؤتم فلا يأتي بقراءة ولا سهو، ولا يتغير فرضه بنية إقامة، ويبدأ بقضاء مافاته عكس =

ریل گاڑی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۲۳۴۲]: ریل گاڑی میں اگر بھیڑ ہو تو بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے تاکہ قضا نہ ہو پھر جگہ ملنے پر کھڑے ہو کر اعادہ کرلے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سجدہ میں پاؤں کی انگلی کا ٹیکنا

سوال[۲۳۴۳]: سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو زمین سے لگانے نہ لگانے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ کس مقدار تک لگانے میں فرض ادا ہوتا ہے اور کتنے میں واجب اور کس قدر لگانا سنت ہے؟ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ صرف اگر ایک انگلی زمین سے لگ گئی تو نماز ہو جائے گی، دوسرے مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ صرف فرض کی ادائیگی سے نماز نہیں ہوتی بلکہ واجبات کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اگر ترکِ واجب عمداً ہے تو نماز فاسد ہوگئی اور سہواً ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے اور عدم ادائیگی سجدۂ سہو پر اعادۂ نماز واجب ہے۔ اپنے ثبوت میں حسبِ ذیل کتابوں کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کسی ایک انگلی کا زمین

= المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه إدراكه، وإلا تابعه، ثم صلى ما نام فيه بلا قراءة، ثم ما سبق به بها إن كان مسبوقاً أيضاً، ولو عكس، صح وأثم لترك الترتيب". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۵۹۴، ۵۹۶، سعيد)

(۱) "وفي الخلاصة وفتاوى قاضيخان وغيرهما: الأسير في يد العدوّ إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة، يتيمم، ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج ...... كالمحبوس لأن طهار التيمم لم تظهر في منع وجوب الإعادة ...... فعلم منه أن العذر إن كان من قِبَل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الطهارة، باب التيمم، في بيان من يجوز له التيمم ومن لا يجوز له: ۱/۲۴۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچي)

سے لگانا سجدہ میں فرض ہے، عامۂ کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔ درمختار، ص:۴۱٦، میں ہے:

" ومنها السجود بجبهته وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط"(١)۔

نیز اس کے، ص:۴٦٦، میں ہے:

"وفيه: أى في شرح الملتقى: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً". (٢)۔

غنية شرح منيه، ص: ٢٨٠ میں ہے:"سجد ولم يضع قدميه أو إحدهما على الأرض، لا يجوز سجوده، ولو وضع إحدهما، جاز كما لو قام على قدم واحدة"(٣)۔

رہا ہر قدم کی تمام انگلیوں یا ہر قدم کی تین تین انگلیوں کا زمین سے لگانا تو مقتضائے دلیل اس کا وجوب ہے۔ احادیث کثیرہ اس باب میں وارد ہیں کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مامور بہ ہے: پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم، بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس میں جس کسی کو اس نے نہیں رکھا تو اس نے بیشک ناقص کردیا۔ بخاری، ص:۱۱۲(۴)، مسلم، ص:۱۹۳(۵)، ترمذی، ص:۳۷(٦)، ابوداؤد، ص:۱۳٦(۷)، نسائی، ص:۱۲۴(۸)، طحاوی، ص:۱۵۰(۹)۔

---

(١) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٤٤٧، سعيد)

(٢) (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ١/٤٩٩، سعيد)

(٣) (الحلبي الكبير، الخامس: السجدة، ص: ٢٨٤، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٤) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة وأشار بيده على أنفه، واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولانكف الثياب والشعر". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف: ١/١١٢، قديمي)

(٥) (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلوة: ١/١٩٣، قديمي)

(٦) (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء في السجود على سبعة أعضاء: ١/٦٢، سعيد)

(٧) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب أعضاء السجود: ١/١٢٩، دار الحديث، ملتان)

(٨) (سنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب السجود على الأنف: ١/١٦٥، قديمي)

(٩) (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلوة، باب ما يبدأ بوضعه في السجود اليدين أو الركبتين: ١/١٧٥، سعيد)

5

علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ امام ابن الہمام صاحبِ فتح القدیر نے حلیہ شرح منیہ میں اسی بناء پر دونوں قدم رکھنے کی بابت فرمایا کہ ''اوجہ وجوب ہے''(۱)۔ علامہ شامیؒ نے حلیہ کے کلام کونقل کر کے فرمایا کہ ''اسے بحر وشرنبلالیہ نے اختیار فرمایا ہے''(۲)۔ بلکہ بعض ائمہ سے دونوں قدم رکھنے کی فرضیت مروی ہے، مثلاً قدوری(۳) اور کافی میں دونوں قدم رکھنے کوفرض فرمایا، علامہ شامیؒ نے اسے واجب پرمحمول کیا(۴)۔ نیز یہ کہ ایک پاؤں پر سجدہ کرنے سے فقہائے کرام کا حکمِ کراہیت فرمانا بھی ہمارے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ دونوں قدم کا رکھنا واجب ہے کہ کراہتِ مطلقہ سے کراہتِ تحریمہ مراد ہوتی ہے اور یہ وجوب کومقتضی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض کتبِ فقہ میں سجدہ میں دونوں پیرکوزمین پر رکھے رہنا فرض لکھا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر پیر اٹھ جائے تو ترکِ فرض کی وجہ سے نماز ہی باطل ہوجائے(۵)، لیکن بحر میں اس قول کوضعیف قرار دیا ہے:''وذکر

---

(۱) (راجع للتخريج في الحاشية الآية)

(۲) "هذا، وقال في الحلية: والأوجه على منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث اهـ: أى على منوال ما حققه شيخه من الاستدلال على وجوب وضع اليدين والركبتين، وتقدم أنه أعدل الأقوال، فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلك، واختاره أيضا في البحر والشرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۳) "في الهداية: وأما وضع القدمين فقد ذكر القدوري أنه فرض في السجود" (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة الى إنتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۱۰۹، مكتبة شركه علمية ملتان)

(۴) "قلت: ويمكن حمل كل من الروايتين السابقتين عليه بحمل ما ذكره الكرخي وغيره من عدم الجواز برفعهما على عدم الحل لا عدم الصحة، وكذا نفي التمرتاشي وشيخ الإسلام فرضية وضعهما لاينافي الوجوب. وتصريح القدوري بالفرضية يمكن تأويله، فإن الفرض قد يطلق على الواجب تأمل". (رد المحتار كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة الى إنتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۵) "من المفسدات .... وترك ركن بلا قضاء وشرط بلا عذر". (الدر المختار).

"(قوله: وترك ركن بلا قضاء) كما لو ترك سجدة من ركعة وسلم قبل الإتيان بها".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۲۹، سعيد)

القدوری أن وضعهما فرض، وهو ضعیف". بحر: ۱/۱۲۸(۱)۔

اگر پیروں کی کوئی انگلی بھی نہ ٹھہری رہے بلکہ دونوں پیر کلیۃً اٹھ جائیں تو جائز نہیں، نماز فاسد ہو جائے گی(۲)۔"وإذا وضع قدماً ورفع آخراً، جاز مع الکراهة من غیر عذر، کما أفاده قاضی خان". بحر: ۱/۳۱۸(۳)۔

شیخ الاسلام کا قول یہ ہے کہ دونوں پیروں کا رکھا رہنا سنت ہے، لہٰذا ایک پیر کے اٹھ جانے سے کراہتِ تنزیہی ہوگی:"وذهب شیخ الإسلام إلی أن وضعهما سنة، فتکون الکراهة تنزیهیةً".(٤) لیکن ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر میں کراہت کا تحریمی ہونا اَوجہ قرار دیا ہے:"والأوجه علی منوال ما سبق هو

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، فصل فی بیان ترکیب أفعال الصلوة: ۱/۵۵۶، رشیدیه)

(۲) "(قوله: ومنها السجود) .... وأما إذا رفع قدمیه فی السجود، فإنه مع رفع القدمین بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم والإجلال...... (قوله: وقدمیه) .... وأفاد أنه لو لم یضع شیئاً من القدمین لم یصح السجود". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۷، سعید)

"ولو سجد ولم یضع قدمیه علی الأرض، لا یجوز اهـ".(الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الفصل الأول فی فرائض الصلوة: ۱/۷۰، رشیدیه)

"وفی مختصر الکرخی: سجد ورفع أصابع رجلیه عن الأرض، لا تجوز اهـ".(الحلبی الکبیر، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸۵، سهیل اکیڈیمی لاهور)

قال المحقق ابن الهمام: "أما افتراض وضع القدم فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم والإجلال. ویکفیه وضع إصبع واحدة. وفی الوجیز: وضعُ القدمین فرضٌ، فإن وضع إحداهما دون الأخری، جاز ویکره اهـ". (فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

"ومن شرط جواز أن لایرفع قدمیه، فإن رفعهما فی حال سجوده، لاتجزیه السجدة". (الجوهرة النیرة علی مختصر القدوری، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۳، امدادیه ملتان)

(۳) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۶، رشیدیه)

(۴) (البحر الرائق، المصدر السابق)

الوجوب، فتكون الكراهة تحريمةً". بحر: ۱/۳۱۸(۱)۔

وجیز میں وضع القدمین کو فرض قرار دینے کے باوجود ایک کے وضع پر کفایت کرنے کو جائز مع الکراہۃ لکھا ہے:"وفی الوجیز: وضعُ القدمین فرض، فإن وضع إحدهما دون الأخریٰ، جاز ویکره". فتح القدیر: ۱/۲۱٤(۲)۔

وضع القدمین کے وجوب کو اوجہ واعدل کہنا شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً منقول نہیں بلکہ ان کے اصول کا تقاضا ہے:"وقد روى أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ نفسه هذا الحديث بطُرق وألفاظ منها بسنده إلىٰ أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الإنسان يسجد على سبعة أعظم: جبهته، ويديه، وركبتيه، وصدور قدميه". فالحق أن مقتضاه ومقتضى المواظبة المذكورة الوجوب، ولا يبعد أن يقول به أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ". فتح القدير: ۱/۲۱۳(۳)۔

واضح رہے کہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بحث وضعِ انف وجبہ کے ذیل میں کی ہے۔

تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدمِ فرضیتِ وضعِ قدمین کو حق کہا ہے:"وذكر الإمام التمرتاشي أن اليدين والقدمين سواء في عدم الفرضية، وهو الذي يدل عليه كلام شيخ الإسلام في مبسوطه وهو الحق". عناية: ۱/۲۱٤(٤)۔

علامہ حلبی نے تمرتاشی کی اس عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے:"فبعيد من الحق وبضده أحق". كبيری، ص: ۲۸۰ (۵)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵٦، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰٤، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٤) (شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸٤، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۵) (الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

علامہ حصکفی نے شرح ملتقی میں ایک جگہ ایک ہی بات پر مجملاً قناعت کی ہے:"فوضع إصبع واحد من القدمين شرط". سكب الأنهر :١ /٨٧(١)۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:"ووضع القدم بوضع أصابعه، وإن وضع إصبعاً واحدة". فتاوی عالمگیری:١ /٣٦(٢)۔

کامل سجدہ تو جب ہی ادا ہوگا کہ دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں، لیکن اگر ایک انگلی بھی متوجہ رہے تب بھی نفسِ سجدہ ادا ہو جائے گا اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، نہ اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا:

"وتمام السجدة بإتيانه بالواجب فيه، ويتحقق بوضع جميع اليدين والركبتين والقدمين والجبهة والأنف، كما ذكره الكمال وغيره اه". الطحطاوی علی هامش مراقی الفلاح(٣)۔

"ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع إصبع واحدة يعني شرط اه". در مختار۔

"(وقوله: قدميه) يجب إسقاطه؛ لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفي، كما ذكره بعده". ردالمحتار: ١/ ٣٠٠(٤) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

سجدہ میں پیر زمین پر ٹیکنا

سوال[۲۳۴۴]: سجدہ کی حالت میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سجدہ کی حالت میں پیروں کو زمین پر رکھنے کے متعلق تین روایتیں ہیں: اول یہ کہ دونوں پیر زمین پر

---

(۱) (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب صفة الصلوة : ۱/۸۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة : ۱/۷۰، رشيديه)

(۳) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۲۳۱، قديمي)

(۴) (الدر المختار ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۴۷، سعيد)

رکھنا فرض ہے، دوم یہ کہ ایک کا رکھنا فرض ہے ان دونوں روایتوں کی بناء پر صورتِ مسئولہ میں سجدہ ادا نہ ہوگا لہٰذا نماز صحیح نہ ہوگی، سوم یہ کہ سنت ہے تو اس روایت کی بناء پر نماز مکروہ ہوگی:

"يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة، وإلالم تجز، والناس عنها غافلون".

درمختار۔ قال الشامي: ۱/۵۲۱، بعد نقل العبارات: "فصار في المسئلة ثلث روايات: الأولى فرضية وضعهما، الثانية فرضية إحدهما، والثالث عدم الفرضية، وظاهر أنه سنة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں کے درمیان سجدہ میں فرق

سوال[۲۳۴۵]: حضرت مفتی صاحب زید مجدہٗ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب کا فتویٰ نمبر:۶۲ جس کا سوال میرے عزیز القدر برادر ثانی نصیر احمد متعلم مدرسہ ہذا نے پیش کیا تھا، بالکل بحیثیت فتویٰ درست ہے، البتہ میرے دل میں جو تردد ہے اس کو عزیز المذکور نے سوال میں پیش نہیں کیا، یہاں بوجہ عدم سامان کتب معذور ہوں، اس واسطے مکرر عرض ہے کہ مطابق روایتِ مسلم شریف کہ وہ: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم"(۲) الحديث ہے، یہ حدیث مقتضی فرضیتِ سبعۃ اعظم ہے، پس وضع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان إتيان الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، ۵۰۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة -وأشار بيده على أنفه- واليدين والرجلين وأطراف القدمين ولا نكف الثياب ولا الشعر". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلوة: ۱/۱۹۳، قديمي)

(وصحيح البخاري في كتاب الأذان، باب سجود على الأنف: ۱/۱۱۲، نور محمد أصح المطابع كراچی)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء: ۱/۶۲، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب السجود على الأنف: ۱/۱۶۵، قديمي) .... =

قدمین کو سجدہ میں فرض کہنا اور وضع یدین اور رکبتین کو فرض نہ کہنا کیسا ہے، اور "ما لا یتوصل إلی الفرض إلا به، فهو فرض" (۱) کو دلیلِ فرضیت وضع قدمین میں بیان کرنا خلافِ منصوص ہے۔

نص میں سبحۃ اعظم میں کوئی فرق نہیں اور کف الثیاب والشعر کو قرینۂ عدمِ فرضیتِ وضعِ رکبتین اور وضعِ یدین قرار دینا اور وضعِ قدمین کو فرض ہی رکھنا، حالانکہ وضعِ قدمین ان کا معطوف علیہ ہے، اور معطوف حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے، ایسے ہی امر کو مشترک بین الواجب والندب سے تفریق درست نہیں، اور رفع رکبتین بھی اَشبہ بالتلاعب ہے لیکن نفسِ جواز فی الصلوٰۃ میں مخل نہیں- پس دلیلِ حضرت ابن ہمام بھی دل میں پوری نہیں بیٹھتی- ادھر امام الائمہؒ کے نزدیک صلوٰۃِ وتر فرض عملی ہے اور اس کی فرضیت بھی ایسی خبر کے ساتھ ہے "إن الله أمركم" الحديث (۲)۔ بس "أمرت" سے وضع قدمین کو فرض اور وضع رکبتین اور یدین کو سنت کہنا سمجھ میں نہیں آتا اور یہ امر ضروری ہے، کسی فقیہ نے اس کی ضرور تنقیح کی ہوگی، مگر بوجہ عدمِ سامان کے معذور ہوں۔

محمد فاضل قاضی عفا اللہ عنہ، از: مقام و ڈاکخانہ کوال، ضلع راولپنڈی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نمبر ۶۲/ میں شبہ مذکورہ تحریر نہیں تھا بلکہ صرف وضع قدمین ورفع قدمین فی السجود کا سوال تھا۔ شبہ مذکورہ کا منشاء بظاہر یہ ہے کہ آپ وضع قدمین فی السجود کی فرضیت کو حدیث "أمرت أن أسجد" سے ثابت سمجھ رہے ہیں، اسی پر وضع یدین اور رکبتین اور معطوف ومعطوف علیہ کی بحث متفرع ہے، حالانکہ یہ خبر واحد ہے جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس حدیث سے تو کسی چیز کی بھی فرضیت ثابت نہیں، سجود کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے جس کی

= (وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب أعضاء السجود: ۱/ ۱۲۹، دار الحديث، ملتان)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/ ۴۹۹، سعيد)

(الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸۴ سهيل اكيڈيمی لاهور)

(۲) "عن خارجة بن خرافة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "إن الله أمركم بصلوة هي خير لكم من حُمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء إلى أن يطلع الفجر". (سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الوتر: ۱/ ۱۰۳، سعيد)

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب استحباب الوتر: ۱/ ۲۰۱، دار الحديث ملتان)

حقیقت وضع الجبہۃ علی الارض ''پیشانی کی فرضیت'' تو یوں ہوئی (۱) اور چونکہ وضع الجبہۃ کے لئے وضع قدمین یا رکبتین یا یدین ضروری ہے، اس لئے ان میں سے ایک کی فرضیت ضروری ہے (۲) اور شروع سے قدمین زمین پر موجود ہیں اور نیز ہر رکن کی ادائیگی کے وقت قدمین کا زمین پر ہونا ضروری اور ظاہر ہے، اس لئے قدمین کی فرضیت وضع پر اکتفا کیا گیا (۳)۔ اور اب یدین والرکبتین کا ثبوت خبر واحد سے ہے، لہٰذا ان کا وضع مسنون ہوگا (۴)۔

---

(۱) "(قوله: وسجد بأنفه وجبهته) .... وفي الشريعة: وضع بعض الوجه مما لاسُخرية فيه، فخرج الخد والذقن والصدغ الخ.

وأما في الصحيحين مرفوعا: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة –وأشار بيده إلى أنفه– واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولا يكف الثياب والشعر". فلا يفيد الافتراض؛ لأنه ظني الثبوت قطعاً، وظني الدلالة على خلافٍ فيه بناءً على أن لفظ: "أمرت" مستعمل في الوجوب والندب الذي هو الأعم بمعنى طلب مني ذلك، أو في الندب، أو في الوجوب، فقولهما بالافتراض مشكل؛ لأنه يلزمهما الزيادة على الكتاب بخبر الواحد، وهما يمنعانه في الأصول لأبي حنيفة، فلذا قال المحقق ابن الهمام: فجعل بعض المتأخرين الفتوىٰ على الرواية الأخرى الموافقة لقولهما لم يوافقه دراية ولا القوىٰ من الرواية، هذا لو حمل قولهما، لا يجوز الاقتصار إلا من عذر على وجوب الجمع كان أحسن؛ إذ يرتفع الخلاف بناءً على ما حملنا الكراهة منه عليه من كراهة التحريم ولم يخرجا عن الأصول". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۴، ۵۵۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۳، ۳۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۲) "وحيث تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة، ولم ترد رواية بأنه فرض، تعين وضع القدمين أو إحداهما للفريضة ضرورة التوصل إلى وضع الجبهة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۳) "وفيه: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة، وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۴) "ويؤيده مافي شرح المجمع لمصنفه حيث استدل على أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه القدمين على الأرض الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۴، مصطفى البابي مصر)

فقہاء کے کلام میں روایات مختلف ہیں، قدوری، کرخی، جصاص نے وضعِ قدمین کو فرض کہا ہے، تمرتاشی، شیخ الاسلام، صاحبِ نہایہ نے قدمین اور یدین کو عدمِ فرضیت میں مساوی قرار دیا ہے، نہایہ: ۱/۱۴(۱)۔ اس میں اسی روایت کو لکھا ہے: "وهـو الحق"(۲)۔ پھر اسی میں دو صورتیں ہیں: ایک وجوب دوسری سنت، (۳) اور بوجہ "أن السجود لايتوقف تحققه على وضع القدمين، فيكون افتراض وضعهما زيادة الكتاب، اهـ". شامی: ۱/۵۲۱(٤)۔

لیکن حصکفی نے شرح ملتقی، ص: ۹۸، میں لکھا ہے: "وما نقله في الدرر عن العناية من أن عدم الفرضية هو الحق، فبعيدٌ عن الحق، وبضده أحق"(٥)۔

حلبی نے شرح منیہ، ص: ۲۸۰، میں اس کی وجہ لکھی ہے: "إذ لا رواية تساعده، والدراية تنفيه على مامر من أن مالا يتوصل إلى الفرض إلا به، فهو فرض، وحيث تواطأت الروايات وتظافرت عن ائمتنا أن وضع الركبتين سنة، ولم تُروَ رواية قط بأنه فرض، وكذا وضع اليدين تعين وضع

---

(۱) "وكذا في الهداية، وأما وضع القدمين فقد ذكر القدوري أنه فرض في السجود اهـ، فإذا سجد ورفع أصابع رجليه، لايجوز، كذا ذكره الكرخي والجصاص. ولو وضع إحداهما جاز، قال قاضيخان: ويكره. ذكر الإمام التمرتاشي أن اليدين والقدمين سواء في عدم الفرضية، وهو الذي يدل عليه كلام شيخ الإسلام في مبسوطه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۵، مصطفى البابي بمصر)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۳) "فصار في المسألة ثلاث روايات: فريضة وضعهما، الثانية: فريضة إحداهما، الثالثة: عدم الفرضية. وظاهره أنه سنة، قال في البحر: وذهب شيخ الاسلام إلى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهيةً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

(۵) (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب صفة الصلوة: ۱/۹۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

القدمين أو إحداهما للفرضية ضرورة، ولم يُروَ عنهم رواية، فكيف والروايات فيه متوافرة أيضاً على مالا يخفى على المتتبع، والله الموفق"(۱)۔

رفع رکبتین اشبہ بالتلاعب ہونے کا اشکال شامی نے بھی نقل کیا ہے(۲) لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ علت کے درجہ میں نہیں بلکہ حکمت کے درجہ میں ہے لہٰذا طرد وعکس ضروری نہیں۔ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ علامہ حلبی نے یدین اور رکبتین اور قدمین کی فرضیت کی کوئی روایت ائمۂ مذاہب سے ثابت نہیں، اس لئے لامحالہ قدمین کی فرضیت توسل الی الفرض کی حیثیت سے مانی جائے گی(۳)۔

صاحبِ بحر نے قدوری کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے(۴) لیکن شرح المجمع، کفایہ، شرح فیض وغیرہ میں قدوری کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے(۵)، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ نقل کرنے

---

(۱) (الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض السجدة، ص: ۲۸۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "وأما إذا رفع قدميه في السجود، فإنه مع رفع القدمين بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال اهـ".
(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۴۴۷/۱، سعيد)
(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۳۰۵/۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) "إذ لا رواية تساعده، والدراية تنفيه على مامرّ من أن مالا يتوصل إلى الفرض إلا به فهو فرض، وحيث تواطأتِ الروايات وتظافرت عن أئمتنا أن وضع الركبتين سنة ولم ترد رواية قط بأنه فرض، وكذا وضع اليدين، تعين وضع القدمين أو إحداهما للفرضية ضرورة. ولم يُروَ عنهم رواية، فكيف والروايات فيه متوافرة أيضاً على مالايخفى على المتتبع، والله الموفق". (الحلبي الكبير الخامس من الفرائض السجدة، ص: ۲۸۵، سهيل اكيڈيمي لاهور)

(۴) "وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۵۶/۱، رشيديه)

(۵) "ويؤيده ما في شرح المجمع ...... لمصنفه حيث استدل على أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمين على الأرض الخ.
وكذا ما في الكفاية عن الزاهدي من أن ظاهر الرواية ما ذكر في مختصر الكرخي وبه جزم في السراج فقال: لو رفعهما في حال سجوده لا يجزيه، ولو رفع إحداهما جاز، وقال في الفيض: وبه يفتى".
(رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد)

کے بعد لکھا ہے:

"والحاصل أن المشهور فی کتب مذهبه اعتماد الفرضیة، والأرجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیة، و لذا قال فی العنایة والدر: إنه الحق، ثم الأوجه حمل عدم الفرضیة علی الوجوب، والله أعلم". شامی: ۱/۲۲۲(۱)۔

یہ سب کچھ کلام قدمین کے متعلق ہے، یدین اور رکبتین میں بھی فقہاء کی تین روایتیں ہیں: فرض، وجوب، سنت، عامۃ الفقہاء قولِ ثالث کو ترجیح دیتے ہیں (۲)، لیکن شیخ ابن ہمام نے وجوب کو اختیار کیا ہے اور فقیہ ابواللیث سمرقندی نے فرض کو ترجیح دی ہے (۳)۔ علامہ شامیؒ کی رائے یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام کا قول راجح ہے کیونکہ خبر واحد سے جس میں امر کا صیغہ ہو وجوب ثابت ہوتا ہے، فرضِ عملی وجوب کو کہتے ہیں چنانچہ اخبار احاد سے وجوب ثابت ہوجاتا ہے (۴)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۵۰۰، سعید)

(۲) "وأما الیدان والرکبتان فظاهر الروایة عدم افتراض وضعهما، قال فی التجنیس والخلاصة: وعلیه فتوی مشایخنا، وفی منیة المصلی: لیس بواجب عندنا، واختار الفقیه أبو اللیث الافتراض وصححه فی العیون ولا دلیل علیه؛ لأن القطعی إنما أفاد وضع بعض الوجه علی الأرض دون الیدین والرکبتین، والظنی المتقدم لایفید، لکن مقتضاه ومقتضی المواظبة الوجوب، وقد اختاره المحقق فی فتح القدیر، وهو إن شاء الله أعدل الأقوال لموافقة الأصول وإن صرح کثیرٌ من مشایخنا بالسنیة، ومنهم صاحب الهدایة". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۴، ۳۰۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(۳) "ومختار الفقیه أبی اللیث علی ما أسلفناه عنه فی أوائل باب الأنجاس من أن المصلی إذا لم یضع رکبتیه علی الأرض، لا یجزئه، وأنه رد روایة عدم وجوب طهارة مکان الرکبتین فی الصلوة، فهو یشیر إلی الافتراض، وما اخترته من الوجوب ولزوم الإثم بالترک مع الإجزاء کترک الفاتحة أعدل إن شاء الله تعالیٰ". (فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۲، رشیدیه)

(۴) "وقال فی الحلیة. والأوجه علی سوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحدیث اهـ. أی علی سوال ما حققه شیخه من الاستدلال علی وجوب وضع الیدین والرکبتین، وتقدم أنه أعدل الأقوال، فکذا =

امام اعظم سے وتر کے متعلق تین روایتیں ہیں: فرض، واجب، سنت (۱) ان میں تمرتاشی نے تطبیق دی ہے: "وهو فرضٌ عملاً، واجبٌ اعتقاداً، وسنة ثبوتاً، بهذا وفّق بين الروايات الخ" (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

کیا ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں؟

سوال [۲۳۴۶]: کیا دوسرا سجدہ واجب ہے؟ اگر امام کا ایک سجدہ چھوٹا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، نیز مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹا یعنی امام سجدہ سے کھڑے ہوکر مثلاً امام سورۃ پڑھنے لگا یا مقتدی کا رکوع چھوٹا جب تک امام سجدۂ ثانیہ میں پہونچا تو اب مقتدی کیا کرے؟

= هنا، فيكون وضع القدمين كذلك، واختاره أيضاً في البحر والشرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة الى انتهائها : ۱/۴۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۵۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي حنيفة رضي الله عنه في الوتر ثلاث روايات: في رواية فريضة، وفي رواية سنة مؤكدة، وفي رواية واجب، وهي آخر أقواله، وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن في صلوة الوتر: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل : ۱/۲۹۰، امداديه ملتان)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر : ۲/۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل : ۱/۴۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل : ۱/۱۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں، ایک بھی ترک ہو جائے گا تو نماز صحیح نہیں ہوگی (۱)، سجدۂ سہو کافی نہیں ہوگا (۲)۔ جس مقتدی سے شرکت کے بعد رکوع چھوٹ گیا تو وہ رکوع کرنے کے بعد سجدہ میں امام کے ساتھ

---

(۱) "السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة، كذا في الزاهدي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۱/۷۰، رشيديه)

"والمراد من السجود السجدتان فأصله ثابت بالكتاب والسنة والإجماع، وكونه مثنى في كل ركعة بالسنة والإجماع، وهو أمرٌ تعبدىّ لم يعقل له معنى على قول أكثر مشايخنا تحقيقاً للابتلاء". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۱۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۷، سعيد)

"من المفسدات ...... ترك ركن بلا قضاء وشرط بلا عذر". (الدرالمختار).

"(قوله: وترك ركن بلا قضاء) كما لو ترك سجدة من ركعة وسلم قبل الإتيان بها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۲۹، سعيد)

(۲) "وفي الولو الجية: الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع: فرض، وسنة، وواجب، ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي، وإلا فسدت صلاته، وفي الثاني لا تفسد؛ لأن قيامها بأركانها وقد وُجدت، ولا يجبر بسجدتي السهو، وفي الثالث إن ترك ساهياً يجبر بسجدتي السهو، وإن ترك عامداً، لا، كذا في التتارخانية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، في بيان ما يجب به سجود السهو ومالا يجب: ۱/۷۱۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

"(قوله. بترك واجب) .... احترز بالواجب عن السنة كالثناء والتعوذ ونحوهما عن الفرض". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۰، سعيد)

جا ملے، جس سجدہ میں بھی شریک ہوجائے گا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "إذا جئتم إلى الصلوة ونحن سجود، فاسجدوا ولا تعدّوه شيئاً، ومن أدرك ركعةً فقد أدرك الصلوة". رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق: ۱/۱۰۲، قديمي)

"بخلاف ما لو أدركه في القيام ولم يركع معه يصير مدركاً، فيكون لاحقاً، فيأتي بما قبل الفراغ". (الدرالمختار).

"(قوله: فيأتي بما قبل الفراغ) المراد أنه يأتي بما قبل متابعة الإمام فيما بعدها، حتى لوتابع الإمام، ثم أتى بعد فراغ إمامه بما فاته، صحّ، وأثم لترك واجب الترتيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۲/۶۰، ۶۱، سعيد)

"وأما اللاحق فالواجب عليه الترتيب بعكس المسبوق، وعند زفر الترتيب فرض عليه، فإذا أدرك بعض صلاة الإمام فنام، فعليه أن يصلي أولاً مانام فيه بلا قراءة، ثم يتابع الإمام، فلو تابعه أولاً، ثم صلى مانام فيه بعد سلام الإمام، جاز عندنا، وأثم لتركه الواجب، وعند زفر: لا تصح صلاته". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۲۰، رشيديه)

الفصل الثالث فی واجبات الصلوة

(واجباتِ نماز کا بیان)

تعدیلِ ارکان کی مقدار

سوال[۲۳۴۷]: ہمارے امام صاحب رکوع سے قومہ میں پہونچتے پہونچتے "سمع الله لمن حمده" کہہ لیتے ہیں اور پھر فوراً "الله أكبر" کہہ کر سجدے میں چلے جاتے ہیں، تعدیل ارکان واجب ہے، کیا اس سے تعدیل ارکان ادا ہوتا ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی ہے؟ مقتدیوں کو تحمید اس وقت کہنا چاہئے جب امام پورا "سمع الله لمن حمده" کہہ چکے اور امام صاحب قومہ میں مقتدیوں کو تحمید کا ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ تمام اعضاء معتدل ہو جائیں تو قومہ ادا ہو جاتا ہے اس سے فسادِ نماز کا حکم نہ ہوگا، کچھ قدرِ قلیل وقفہ کر لیا کریں جس میں مقتدی "ربنا لك الحمد" پڑھ لیں تو بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "و تعديل الأركان: أى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود، وكذا فى الرفع منهما على مااختاره الكمال". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۶۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۵۲۲، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۲۷۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلوة، الفصل الثانى فى واجبات الصلوة: ۱/ ۷۱، رشيديه)

واجباتِ نماز

سوال[۲۳۴۸]: (الف) نماز کے واجبات کیا کیا ہیں؟

(ب) تکبیرِ قنوت یعنی "اللّٰہ أکبــر" کہہ کر ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا دعائے قنوت پڑھنے کے واسطے کیا یہ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف،ب) "ولها واجبات و هى: قرأة فاتحة الكتاب، و ضمّ سورة، و تعيين القرأة فى الأوليين، وتقديم الفاتحة على السورة، و رعاية الترتيب فيما يتكرر، وتعديل الأركان، والقعود الأول، وتشهد ان، و لفظ السلام وقنوت الوتر، وكذا تكبير قنوته، اهـ". در مختار (۱) ۔

اس عبارت میں واجبات کی بھی کافی تعداد آ گئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وتر میں قنوت کے لئے تکبیر کہنا بھی واجب ہے لیکن رفع یدین واجب نہیں صرف سنت ہے: "و لا يسن رفع يديه إلا فى تكبيرة افتتاح وقنوت و عيد، الخ". درمختار (۲) ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

---

(۱)(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۵۶، ۴۶۹ سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، فصل فى بيان الوجبات الأصلية فى الصلوة : ۱/۲۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۷۴، ۲۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۱۰، ۵۲۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل فى بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۵۰۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلوة، الفصل الثالث فى سنن الصلوة وآدابها و كيفيتها: ۱/۷۳، رشيديه)

"وفى الكافى: و لا يرفع يديه فى شىء من تكبيرات الصلوة سوى تكبيرة الافتتاح. وفى المبسوط: و لنا أن الآثار لما اختلفت فى فعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :يتحاكم .... وهو الحديث المشهور أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا ترفع الأيدى إلا فى سبع مواطن: عند افتتاح الصلوة، و فى العيدين، والقنوت فى الوتر". و ذكر أربعة فى كتاب المناسك". (المبسوط، كتاب الصلوة، باب كيفية الدخول فى الصلوة: ۱/۸۱، ۹۳، غفاريه كوئٹه)

واجباتِ نماز کتنے ہیں؟

سوال[۲۳۴۹]: نماز کے واجبات کتنے ہیں اور سجدہ میں پیر کی تین انگلیاں لگانا واجب ہے یا نہیں؟ "ووجه أصابعه نحو القبلة" (۱) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

علامہ أبوالإخلاص حسن الوفائی الشرنبلالی نے واجبات نماز کی تعداد اٹھارہ تحریر کی ہے؛ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "فصل فی واجبات الصلوة، وهو ثمانية عشر شيأً: قراءة الفاتحة، وضم سورة أوثلاث آيات فی ركعتين غير متعين من الفرض وفی جميع ركعات الوتر والنفل، وتعيين القراءة فی الأوليين. وتقديم الفاتحة على السورة، وضم الأنف للجبهة فی السجود، والإتيان بالسجدة الثانية فی كل ركعة قبل الانتقال لغيرها، والاطمينان فی الأركان، والقعود الأول، وقراءة التشهد فيه فی الصحيح، وقراءته فی الجلوس الأخير، والقيام إلى الثالثة من غير تراخ بعد التشهد، ولفظ السلام دون عليكم، وقنوت الوتر، وتكبيرات العيدين، وتعين التكبير لافتتاح كل صلوة لا العيدين خاصة، وتكبيرة الركوع فی ثانية العيدين وجهر الإمام بقراءة الفجر وأُولَى العشائين ولو قضاءً أو الجمعة والعيدين والتراويح والوتر فی رمضان، والإسرار فی الظهر والعصر وفيما بعد أولى العشائين ونفل النهار، والمنفرد مخيّرٌ فيما يجهر كمتنفل بالليل، اهـ". (متن نور الإيضاح على هامش الطحطاوی، ص: ۱۵۱ (۲)۔

(۱) "ويكون موجها أصابع رجليه نحو لقبلة". (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل فی كيفية الترتيب، ص: ۲۸۳، قديمی)

(۲) (نور الإيضاح متن مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فی بيان واجبات الصلاة، ص: ۲۴۶، ۲۵۴، قديمی)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۵۶، ۴۶۹، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۱۰، ۵۲۶، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۷۴، ۲۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

عبارتِ مسئولہ کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ یہ بات درجۂ وجوب میں نہیں کہ پیروں کی سب انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں، ایک انگلی بھی زمین پر رہے گی تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا، جیسا کہ اس متن کی شرح کرتے ہوئے علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:

"و لا بد من وضع إحدى القدمين، ووضع القدم بوضع أصابعه، و يكفي وضع إصبع واحدة كذا في السيد، اهـ". طحطاوی: ص: ۱۶۹ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۵ھ۔

سنن میں قعدۂ اُولیٰ فرض ہے یا واجب؟

سوال[۲۳۵۰]: ۱......سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ ونوافل کی چار رکعت میں درمیان کا قعدہ فرض ہے یا نہیں؟

۲......اگر چار رکعت سنتِ ظہر یا سنت جمعہ کی نیت کرے اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو بعد میں دو رکعت پڑھے یا چار رکعت؟ نیز دو یا چار کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

۳......اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ابتداءً دو رکعت واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اس میں فقہاء کے دو قول ہیں، بعض فرضیت کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو قعدۂ فرض واجب ہو گیا (۲)۔

---

(۱) (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في كيفية الترتيب، ص: ۲۸۳، قديمي)

"وفيه يفترض وضع أصابع القدم و لو واحدةً نحو القبلة، و إلا لم تجز". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد كراچی)

"ويكفيه وضع أصبع واحدة، فلو لم يضع الأصابع أصلاً و وضع ظهر القدم منه، لا يجوز؛ لأن وضع القدم بوضع الأصبع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۲، رشيديه)

(۲)" والقعود الأول ولو في النفل في الأصح، وكذا ترك الزيادة فيه على التشهد و أراد بالأول غير الأخير". (الدر المختار). و في رد المحتار: "(قوله: و لو في النفل)؛ لأنه و إن كان كل شفع منه صلاة على حدة حتى افترضت القرأة في جميعه، لكن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلوة، فإذا قام إلى الثالثة تبين أن ما قبلها لم يكن أوان الخروج من الصلوة فلم تبق فريضة. .... =

۲..... چار پڑھے اور ان کا پڑھنا سنت ہے واجب نہیں (۱)۔

۳..... نہیں (۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم،		صحیح: عبد اللطیف، مفتی مظاہر علوم، ۲۲/۲۱/۵۹ھ۔

امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے

سوال [۲۳۵۱]: ایک شخص ہیں جو بہت دھیرے (آہستہ) پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ

= (قوله: على الأصح) خلافاً لمحمد في افتراضه عن قعدة كل شفع نفل، (قوله: و أراد بالأول غير الأخير) ليشمل ما إذا صلى ألف ركعة من النفل بتسليمة واحدة، فإن ما عدا القعود الأخير واجب، و مفهومه فريضة كل قعود أخير في أيّ صلاة كانت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۶۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۴، رشيديه)

(۱) "و سن مؤكداً أربع قبل الظهر و أربع قبل الجمعة و أربع بعد ها بتسليمة، فلو بتسليمتين لم تنب عن السنة، و لذا لو نذرها لا يخرج بتسلمتين، و بعكسه يخرج". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، ۱۳، سعيد)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً". رواه مسلم. والأربع بتسليمة واحدة عندنا حتى لو صلاها بتسليمتين لايعتد عن السنة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۸۹، قديمي)

(۲) "(قوله: أو بقيام الثالثة): أي و قد أدى الشفع الأول صحيحاً، فإذا أفسد الثاني لزمه قضاؤه فقط، و لا يسري إلى الأول؛ لأن كل شفع صلاة على حدة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۲۹، سعيد)

"و من ثمة صرحوا بأنه لو نوى أربعاً، لايجب عليه بتحريمتها سوى الركعتين في المشهور عن أصحابنا، وأن القيام إلى الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة حتى إن فساد الشفع الثاني لا يوجب فساد الشفع الأول". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۵۹، سعيد)

"التحیات" بھی نہیں پڑھنے پاتے کہ امام کھڑے ہوجاتے ہیں اوران کواکثر ایسا ہی ہوتا ہے تواب وہ کیا کریں امام کے ساتھ کھڑے ہوجائیں یاالتحیات کو پورا کریں؟

(بدرالدین بنارس)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ "التحیات" پوری کرکے امام کو تیسری رکعت کے قیام میں پاسکتے ہیں تو "التحیات" پوری کرلیں ورنہ بغیر پوری کئے کھڑے ہوکر امام کے ساتھ قیام میں شریک ہوجائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد، فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه. ثم رأيت .... المختار عندي أنه يتم التشهد، وإن لم يفعل أجزأه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۴۹۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي بعدفراغ امامه، ص: ۳۱۰، قديمي)

الفصل الرابع فی سنن الصلوۃ

(نماز کی سنتوں کا بیان)

حالتِ قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت

سوال[۲۳۵۲]: نمازی کو حالتِ قیام میں سیدھا کھڑا ہونا چاہئے، یا آگے کی طرف سر جھکا کر کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر سر جھکانے کا حکم ہے تو کتنی مقدار جھکائے؟ ایک عالم صاحب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حالتِ قیام میں آگے کی طرف سر اتنا جھکانا چاہئے کہ سر قدم کے محاذاۃ سے آٹھ انگلیوں کی مقدار آگے بڑھ جائے، کمر سے جھکانا شروع کرتے ہیں اور سر آٹھ انگلیوں کی مقدار قدم سے بڑھاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا حوالہ دیا جائے کہ مولانا گنگوہیؒ نے کس کتاب میں لکھا ہے، ان کی عبارت نقل کی جائے تب اس میں غور کیا جاسکے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۰ھ۔

قدمین کے درمیان فاصلہ

سوال[۲۳۵۳]: حالت نماز میں پہلی رکعت میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ چھ انگل تھا اور دوسری رکعت میں وہ فاصلہ چار انگل رہ گیا، تو اس صورت میں نماز میں تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی خرابی نہیں مگر چار انگل کا فصل مستحب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۹۰ھ

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "وینبغي أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید؛ لأنه أقرب إلی الخشوع". (رد المحتار، کتاب الصلوة، =

ابتدائے نماز میں "إني وجهت" پڑھنا

سوال[۲۳۵۴]: ابتداءِ نماز میں: (إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً و ما أنا من المشركين) کو مطلقاً پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا فرض وسنت ونوافل کی کوئی تخصیص ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تکبیر تحریمہ کے بعد صرف "سبحانك اللهم الخ" پڑھے، "إني وجهت الخ" نہ پڑھے، نہ فرض میں نہ سنت ونفل میں۔ نیت سے پہلے مضائقہ نہیں، نیت کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے بھی نہ پڑھے ھکذا يستفاد من البحر الرائق، ص: ۳۶۰ (۱)، والزيلعي: ۱/۱۱۱ (۲)، و شرح المنية الكبيرى، ص: ۲۹٦ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= باب صفة الصلوة : ۱/۴۴۴، سعيد)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۲/۱۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة و آدابها وكيفيتها: ۱/۷۳، رشيديه)

(۱) "وأشار المصنف إلى أنه لا يزيد على الاستفتاح فلا يأتي بدعاء التوجه و هو "وجهت وجهي" لا قبل الشروع و لا بعده، هو الصحيح المعتمد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۴۱، رشيديه)

(۲) "(وقوله :مستفتحاً) هو حال من الواضع: أي يضع قائلاً: سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا إله غيرك، و لا يزيد عليه في الفرض .... و لنا ماروى عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا افتتح الصلوة قال: "سبحانك اللهم". .... رواه الجماعة. وهو مذهب أبي بكر الصديق و عمرو ابن مسعود وجمهور التابعين رضي الله تعالىٰ عنهم فيكون حجةً عليهما". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۹، ۲۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "(وعندهما) يقول لتوجه إن شاء (قبل الافتتاح يعنى قبل النية ولايقول بعد النية) قبل التكبير =

تکبیرِ اُولیٰ کے لئے دوسری مسجد میں جانا

سوال[۲۳۵۵]: زید ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے، مدرسہ کی مسجد میں اس نے وضو کیا، جماعت کھڑی ہوچکی تھی اور کچھ نماز ہوچکی تھی کہ وہ وضو سے فارغ ہوکر کسی قریب کی مسجد میں اس لئے جاتا ہے کہ وہاں تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب بھی مل جائے گا، یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں، کیا حکم ہے؟"خروج عن المسجد قبل أن يصلي" مکروہ تحریمی ہے اور علت یا حکمت ہے تہمت یا مخالفتِ امام۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تہمت حکمت ہے (کہ جس کے ساتھ حکم وجوداً یا عدماً دائر نہیں ہوتا) یا یہ علت ہے؟ (کہ جس کے ساتھ حکم وجوداً یا عدماً دائر ہوتا ہے) زید کہتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو کوئی تہمت نہیں لگائے گا بلکہ سب جانتے ہیں کہ یہ فلاں مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاویٰ رشیدیہ جلد ایک، ص:۲۸ میں ہے:''جماعت کو چھوڑ کے دوسری مسجد میں کہ پوری نماز امام کے ساتھ ملے ہرگز نہ جاوے کہ اعراض جماعتِ مسلمین سے ظاہر ہے اور دوسری جگہ نماز کا ملنا محتمل ہے اور اس مسجد کا حق تلف ہوتا ہے اور صورتِ تہمت واعراض ہے، یہ علت حقیقیہ نہیں کہ طرد وعکس لازم ہو بلکہ یہ امارات ہیں، نیز جب کہ "خروج عن المسجد بعد النداء" کی مخالفت پر نص موجود ہے''(۱)۔

"ثم قال أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كنتم في المسجد فنودي بالصلوة، فلا يخرج أحدكم حتى يصلي اهـ". أوجز: ۱۳۳/۲(۲)۔

= (بالإجماع) وهو الصحيح لئلا يكون فاصلاً بين النية والتكبير إذ الأولى فيها اقترانها به". (الحلبي الكبير، صفة الصلوة، ص: ۳۰۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۸۸/۱، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲۰۸/۱، امداديه ملتان)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، امامت اور جماعت کا بیان، امام کو قعدہ میں پاکر دوسری مسجد میں نماز کے لئے جانا، ص:۲۹۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲)(أوجز المسالك شرح مؤطا مالك، القنوت في الصبح، لا يخرج أحد من المسجد و لا يريد الرجوع الخ: ۱۳۳/۲، المكتبة اليحيوية سهارنفور (الهند) .... =

پھر زید کا تکمیل کو علت قرار دے کر خروج کرنا تعلیل فی مقابلۃ النص ہے، ایسی تعلیل جس سے بطلانِ نص لازم آئے درست نہیں (۱) اور جن کو فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے ان کے استثناء پر دلائل موجود ہیں حتیٰ کہ اگر امامِ مسجدِ آخر ہو اور اس کی غیبوبت سے تفرقِ ناس نہ ہو تو اس کو بھی خروج سے منع کیا گیا ہے:

"قال الشرنبلالي: و كره خروجه من مسجد أذن فيه حتى يصلي إلا إذا كان يقيم جماعة أخرى كإمام و مؤذن لمسجد آخر اهـ. "(قوله: كإمام) قيده في الكبير و شرح السير وغيرهما بإمام تتفرق الناس بغيبته أنه لو لم يكن بهذه المَثابة لايخرج، والظاهر أن المؤذن إذا كان من يقوم مقامه عند غيبته يكره له الخروج أيضاً اهـ". طحطاوی، ص:۲۴۹ (۲). وقد بقي الخبايا في الزوايا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

تکبیرِ اولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے؟

سوال[۲۳۵۶]: کسے اگر در رکوعِ رکعتِ اولی بجماعت شریک باشد، اورا ثوابِ تکبیرِ اُولی حاصل شود یا نہ؟ وثوابِ تکبیر اُولی تا کدام وقت از رکعتِ اولی باقی ماند؟

= (وسنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی کراهية الخروج من السجد بعد الأذان: ۱/۵۰، سعید)

"وعن أبي الشعثاء قال: كنا مع أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه في المسجد فخرج رجل حين أذن المؤذن، فقال أبوهريرة: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الخروج عن المسجد بعد الأذان: ۱/۷۹، دارالحديث ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب الأذان، باب التشديد في الخروج من المسجد بعد الأذان: ۱/۱۱۱، قديمي)

(۱) "والقياس بمقابلة المنقول مردود". (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، بحث قهقهة مصل بالغ: ۱/۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۵۷، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۳۰۹، ۳۱۰، امداديه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۷۴، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بر قولِ صحیح حاصل شود هر که رکعتِ اُولی نه یا فت، ثوابِ تکبیرِ تحریمه نه یافت، ودر یں مسئله اقوالِ دیگر نیز ذکر کرده شده، قولِ صحیح همیں است که تحریر نمودیم (۱) کذا فی الطحطا وی علی المرا قی الفلا ح ۱۴۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک ہے؟

سوال [۲۳۵۷]: تکبیرِ تحریمہ میں شامل ہونے کی حد کیا ہے؟ پہلی رکعت کے رکوع سے پہلے پہلے آکر شامل ہوجائے تو تکبیرِ تحریمہ کی فضیلت ملے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ مسئلہ درمختار میں ہے۔ تکبیرِ اُولیٰ میں شامل ہونے کی حد میں اختلاف ہے، مگر صحیح قول یہی ہے کہ جس نے پہلی رکعت پالی اس کو تکبیرِ اولیٰ کی بھی فضیلت حاصل ہوگئی:

"أما فضيلة تكبيرة الافتتاح، فتكلموا في وقت إدراكها، والصحيح: من أدرك الركعة

---

(۱) **ترجمہ:** سوال: کوئی شخص اگر پہلی رکعت کے رکوع میں جماعت میں شریک ہوا، اس کو تکبیرِ اولیٰ کا ثواب حاصل ہوگا یا نہیں؟ اور تکبیرِ اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت کے کس وقت تک باقی رہتا ہے؟

جواب: صحیح قول کے مطابق حاصل ہوجائے گا جسے پہلی رکعت نہیں ملی اس کو تکبیرِ تحریمہ کا ثواب بھی نہیں ملا اس مسئلے میں دوسرے اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں، مگر قولِ صحیح یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) "وقيل: إلى الركعة الأولى، وهو الصحيح كما في المضمرات". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۵۸، قديمي)

"وقيل: بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع، وهو الصحيح اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۲۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفته الصلوة، الفصل الأول في فرائض الصلوة: ۱/۶۹، رشيديه)

الأولیٰ، فقد أدرك فضیلة تكبیرة الأولیٰ، كذا فی الحصر فی باب أبی یوسف". عالمگیری مطبوعہ کانپور: ۱/۳۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے؟

سوال[۲۳۵۸]: نیت باندھنے کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ دینا مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ سنت ہے حرام نہیں، ظاہر روایت میں تو یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہی فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نوادر کی ایک روایت میں ہے کہ ثناء تک چھوڑے رکھے، ثناء سے فارغ ہو کر ہاتھ باندھ لے:

"ووضع یمینه علی یساره كما فرغ من التكبیر بلا إرسال فی الأصح اهـ". در مختار(۲)۔ "وهو ظاهر الروایة، و روی عن محمد فی النوادر أنه یرسلهما حالة الثناء، فإذا فرغ منه یضع اهـ". ردالمحتار: ۱/۵۰۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/۱/۵۷ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمكیریة، كتاب الصلوة، الباب الرابع فی صفة الصلوة، الفصل الأول فی فرائض الصلوة: ۱/۶۹، رشیدیه)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۲۶، سعید)

(وكذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۵۸، قدیمی)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۸۶، سعید)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۸۷، سعید)

(وكذا فی العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۷، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وكذا فی السعایة فی كشف مافی شرح الوقایة، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة بیان أن وضع الیدین=

تکبیرِ تحریمہ کے وقت کان کی لَو کو چھونا

سوال[۲۳۵۹]: ایک صاحب نے مجھ سے اعتراض کیا کہ کان کی لَو مس کر کے نیت نہیں باندھے، نماز نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نیت باندھنے میں ہاتھ کی ہتھیلی کا کان تک یا کان کی لو تک اٹھانا فرض ہے یا سنت یا واجب، کیا ہے؟ اگر کسی نے سینے تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی تو نماز ہوگئی یا نہیں یا مکروہ ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر افتتاح کے وقت کانوں کی لو مس کرنا نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ حرام ہے، مس کرنے سے اور مس نہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس سے معلوم ہوگیا کہ مس کی کیا حیثیت ہے کرے تب بھی مضائقہ نہیں نہ کرے تب بھی حرج نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بوقتِ تحریمہ مسِ اُذنین

سوال[۲۳۶۰]: شرح وقایہ میں حاشیہ کے اوپر مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:"وھو لیس

= تحت السرة : ۱۵۶/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۲۸۹/۱،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في حاشية لإمام الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۲۸۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإذا أراد الشروع في الصلاة كبر .... ورفع يديه ماساً بإبهاميه شحمتي أذنيه، هو المراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتيقن إلا بذلك. واعتمد ابن الهمام التوفيق بأنه عند محاذاة اليدين للمنكبين من الرسغ تحصل المحاذاة للأذنين بالإبهامين، وهو صريح رواية أبي داؤد ، وقال في شرح مسلم: إنه المشهور من مذهب الجماهير". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع : ۴۷۹/۱، ۴۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الثالث في سنن الصلاة : ۷۲/۱، ۷۳، ماجديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الدخول : ۱۰۹/۱، إمداديه ملتان)

بسنة مستقلة، فإنه لا دليل عليه في رواية" (۱)۔لہٰذا اگر کسی شخص نے رفع یدین کے وقت میں مس اذنین کیا تو خلافِ سنت ہوگا؟ اور بغیر مس کے سنت ہے۔اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز مس اذنین کے وقت اکثر لوگوں کی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوتی تو یہ خلافِ سنت ہوگا یا نہیں اور بغیر مس کے بھی ہتھیلی قبلہ رخ نہ ہوئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عبارتِ منقولہ فی السوال کے متصلاً بعد یہ عبارت بھی ہے:" ولعل من استحبه إنما استحبه للمحاذاة دفعاً للوسوسة" (۲)۔حاصل یہ ہے کہ اصل سنت (رفع یدین) کی مقدار وتحدید کی تحقیق کے لئے مس ہے، پس یہ سنت کی ادائیگی میں معین ہے معارض نہیں۔ہتھیلی کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم

نماز میں عورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنا

سوال[۲۳۶۱]: عورتوں کے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کیا حدیث اور کس کتاب میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نیل:۲/ ۷۸میں ہے:"عن وائل بن حُجر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره". شرح ترمذی أبي طيب، ص:۱۷۷(٤)۔"عن وائل بن حجر رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وضع يمينه على شماله تحت سرة". إعلاء السنن:۲/ ۱٤۸(٥)۔

(۱) (عمدة الرعاية في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۱۴۳، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية السابقة)

(۳)"و رفع يديه ماساً بإبهاميه شحمتي أذنيه هو المراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتيقن إلا بذلك و يستقبل بكفيه القبلة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/ ۴۸۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، بيان صفة الصلوة، ص: ۳۰۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) (نيل الأوطار من أحاديث سيد الأخيار شرح منتقى الأخبار، أبواب الصلوة، باب ما جاء في وضع اليمين على الشمال: ۲/ ۲۰۳، توزيع دار الباز عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۵) (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب وضع اليدين تحت السرة و كيفية الوضع: ۲/ ۱۷۰، إدارة القرآن كراچی)

سینے پر ہاتھ رکھنے کی بھی حدیث ہے اور ناف کے نیچے رکھنے کی بھی حدیث ہے، حنفیہ نے اول کو عورتوں کے لئے اور ثانی کو مردوں کے لے مانا ہے کیونکہ دوسری حدیث کے لئے حدیث قولی بھی موجود ہے، نیز آثار سے بھی مؤید ہیں (۱)۔ پہلے حدیث کے عورتوں کے لئے ہونے کی وجہ بھی بیان کی ہے:" لأنه أستر لها"(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بندہ عبدالرحمٰن، یکم/صفر/۵۲ھ۔

---

(۱) "حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة" . رواه ابن شيبة. "عن أبي جحيفة أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه قال: السنة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة" . رواه أبو داؤد".

"عن سيار أبي الحكم عن أبي وائل قال: قال أبوهريرة رضى الله تعالىٰ عنه :" أخذ الأكف على الأكف في الصلوة تحت السر ة" . رواه أبو داؤد". (إعلاء السنن ، كتاب الصلوة، باب وضع اليدين تحت السرة و كيفية الوضع : ۲/۱۶۶ ، ۱۶۷ ، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في سنن أبي داؤد مع بذل المجهود ، كتاب الصلوة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلوة: ۲/۲۳ ، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "وعندالشافعي محله ما فوق السرة تحت الصدر، واستدل له النووى بمافى صحيح ابن خزيمة عن وائل بن حجر رضى الله تعالىٰ عنه قال: صليت مع رسول الله فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره . و لا يخفى أنه لا يطابق المدعى. .... و يمكن أن يقال في توجيه المذهب: إن الثابت من السنة وضع اليمين على الشمال و لم يثبت حديثٌ يُوجب تعيين المحل الذى يكون فيه الوضع من البدن إلاحديث وائل المذكور، وهو مع كونه واقعة حال لا عموم لها يحتمل أن يكون لبيان الجواز، فيحال في ذلك كماقاله في فتح القدير على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم في القيام ، والمعهود في الشاهد منه أن يكون ذلك تحت السرة، فقلنا به في هذه الحالة في حق الرجال بخلاف المرأ ة، فإنها تضع على صدرها؛ لأنه أسترلها، فيكون في حقها أولى". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب صفةالصلوة : ۱/۵۲۸، ۵۲۹، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وضع اليدين تحت السرة و كيفية الوضع : ۲/۱۷۲ ، إدارة القرآن كراچی) =

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا

سوال[۲۳۶۲]: ہمارے گاؤں میں شیعہ طبقہ کے لوگ بھی رہتے ہیں اور وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور ہم لوگ مسلکِ حنفی کے ہیں اور وہ لوگ ہم لوگوں کو شیعہ مذہب کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ نیت باندھ کر نماز پڑھو، نہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا، لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم میں صاف صاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم ہے: ﴿وما آتاکم الرسول فخذوه﴾ الخ (۱)۔

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی حالتِ قیام میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے:

"عن قبيصة بن وهب عن ربيعة رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يَؤُمّنا فيأخذ شماله بيمينه". رواه الترمذى وابن ماجه"(۲)۔

"عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان الناس يُؤمَرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلوة". رواه البخارى"(۳)۔

= "ووضع يمينه على يساره تحت سرته، و تضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، فصل فى بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۸۶، ۴۸۷، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما آتاكم الرسول فخذوه و ما نهٰكم عنه فانتهوا﴾. (سورة الحشر: ۷)

"أى مهما أمركم به فافعلوه، و مهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير، و إنما ينهى عن شر". (ابن كثير: ۴/۴۳۱، مكتبه دارالفيحاء، دمشق)

(۲) (سنن الترمذى، أبواب الصلوة، باب ما جاء فى وضع اليمين على الشمال فى الصلوة: ۱/۵۹، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب وضع اليمين على الشمال فى الصلوة، ص: ۵۹، مير محمد كتب خانه.)

(۳) (صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب وضع اليمنىٰ على اليسرى فى الصلوة: ۱/۱۰۲، قديمى)

یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ شریف، ص:۷۵و۷۶ پر موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۶/۹۰ھ۔

نماز میں ارسالِ یدین

سوال[۲۳۶۳]: مسلک مالکی میں کیا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، یہ کس حدیث پر عمل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری، باب وضع الیمین علی الیسری فی الصلوة: ۱۸۶/۲ میں امام مالک کی تین روایتیں نقل کی ہیں: اول جمہور کے موافق ہے یعنی وہی ترجمة الباب ہے (۲)، ثانی ارسال ہے، ثالث فرض اور نفل میں تفصیل ہے یعنی نفل میں وضع اور فرض میں ارسال ہے جیسا کہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک: ۲۱۷/۱ میں مذکور ہے (۳)۔

"قال ابن عبد البر: لم يأت عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه خلاف، وهو قول الجمهور من الصحابة والتابعين، وهو الذي ذكره مالك في المؤطا، و لم يحك ابن المنذر وغيره عن مالك، و روى ابن القاسم عن مالك الإرسال، و صار إليه أكثر أصحابه، و عنه التفرقة بين الفريضة والنافلة، و منهم من كره الإرسال، و نقل ابن حاجب أن ذلك حيث

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۷۵/۱، ۷۶، قديمی)

"ووضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته آخذاً رُسغها بخنصره و إبهامه، هو المختار. وتضع المراة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، فصل فی بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۸۶/۱، سعيد)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع فی صفة الصلوة، الفصل الثالث فی سنن الصلوة و آدابها: ۷۳/۱، رشيديه)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۳۸/۱، رشيديه)

(۲) (باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلاة: ۲۸۵/۲، قديمی)

(۳) "والثانی يضع فی النافلة دون الفريضة، وهو رواية عنه". (أوجز المسالک شرح المؤطا، وضع اليدين: ۲۱۷/۱، مكتبه يحيويه سهارنفور)

يمسك معتمداً لقصد الراحة اهـ". فتح (١)۔

اس عبارت سے حسبِ تصریح ابن عبدالبر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ترجمۃ الباب کے خلاف منقول نہیں، لیکن سعایہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

"من حديث معاذ رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا دخل في الصلوة، رفع يديه حيال أذنيه، فإذا كبر أرسلهما، اهـ"(٢)۔

اور ایک حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر یعنی عمل نقل کیا ہے پھر ان دونوں کا جواب دیکر لکھا ہے:

"ومن ههنا قال بعض المحققين: إن الإرسال لا يثبت من طريق: لا صحيح و لاضعيف، و لمولانا على القارى المكى رسالة حقق فيها ثبوت الوضع و زيف الإرسال، اهـ".

سعاية: ٢/١٥٦ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/۶/۹۵ھ

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

زیرناف ہاتھ باندھنے کو غلط کہنے والے کا جواب

سوال [۲۳۶۴]: حالتِ نماز میں زیرناف ہاتھ باندھنا غلط ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے زیرناف ہاتھ باندھنے کو غلط بتایا ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے تو یہ حکم لگایا نہیں ہوگا، کہیں سے اجتہاد تو کیا نہیں ہوگا، دین کے مسئلہ میں رائے کو دخل دیا نہیں ہوگا، ضرور آپ کے پاس اس بات کی حدیث ہوگی اور وہ قوی ہوگی، ضعیف پر تو عمل کرتے نہ ہوں گے۔ اب اس مسئلے سے متعلق پوری حدیث سند اور حوالہ کے ساتھ تحریر فرمادیں کیونکہ بغیر دلیل اور بغیر حدیث کے اس قسم کی باتیں کرنا کوئی اچھا

---

(١) (فتح البارى، كتاب الأذان، باب وضع اليمنى على اليسرىٰ في الصلاة: ٢/٢٨٥، قديمى)

(٢) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢/١٥٥، سهيل اكيڈمى لاهور)

(٣) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٢/١٥٦، سهيل اكيڈمى لاهور)

کام نہیں ہے بلکہ گمراہی پھیلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم کو سب کو گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے سے بچائے اور ہادیٔ عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کے اتباع کی توفیق دے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین! فقط۔ والسلام۔

أملاه العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

ہاتھ سینہ پر باندھنا

سوال[۲۳۶۵]: سینہ پر ہاتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے اور عورت کو سینہ پر، اگر مرد نے سینہ پر، ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی تب بھی نماز ہو جائے گی، مگر تارکِ سنت ہوا(۱)۔

"ووضع يمينه على يساره تحت سرته مستفتحاً لما روينا، وهو سنة القيام". زيلعي، ص: ۱۱۱ (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

نماز شروع کرتے وقت "بسم اللہ"

سوال[۲۳۶۶]: جب کوئی مصلی پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم ہے یا

(۱) "ترك السنة لا يوجب فساداً و لا سهواً، بل إساءةً لو عامداً غير مستخف، و قالوا: الإساءة أدون من الكراهة". (الدر المختار).

و في رد المحتار: "(قوله: عامداً غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضاً، بل تندب إعادة الصلوة". (كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۷۴، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۰، امداديه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۷، رشيديه)

(۲) (تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا تقدم تخريجه تحت عنوان: "نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا"۔)

نہیں اور اگر حکم ہے تو کتبِ نماز میں درج کیوں نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھڑے ہونے کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ الحمد شریف شروع کرنے کے وقت حکم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ثناء کی حیثیت

سوال[۲۳۶۷]: ثناء ہر نماز میں ایک حیثیت رکھتی ہے یا سنت ونفل میں دوسری اور فرض نماز میں کوئی اور؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض، سنت، وتر، نفل، غرض ہر نماز میں پہلی رکعت میں ثناء پڑھی جائے گی، سب میں حیثیت ایک ہی ہے: "و ثنی کل مصل الخ". نور الإیضاح(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) "وفي ذكر تسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها، فلو سمى قبل التعوذ أعادها بعده لعدم وقوعها في محلها، ولو نسيها حتى فرغ من الفاتحة، لايسمي لأجل فوات محلها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۹۰، سعيد)

(۲) (نور الإيضاح متن مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في كيفية ترتيب، ص: ۲۸۱، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا استفتح الصلوة قال: "سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و لا إله غيرك". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك: ۱/۱۱۳، دارالحديث ملتان)

"وقد تقدم أنه سنة لرواية الجماعة أنه كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول إذا افتتح الصلوة، أطلقه فأفاد أنه يأتي به كل مصل إماماً كان أو مأموماً أو منفرداً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة و آدابها و كيفيتها: ۱/۷۳، رشيديه)

ثناء پڑھنے کا وقت

سوال[۲۳۶۸]: زید امامت کے لئے کھڑا ہوا اور "قد قامت الصلوة" پر نیت باندھ لی، مقتدی اور مکبر حضرات نے بعد تمام اقامت فوراً نیت باندھی، لیکن امام کے سورۃ فاتحہ شروع کرنے کی وجہ سے ثناء نہیں پڑھ سکے، یہ زید کی عادت ہے کہ ثناء پڑھنے کی مہلت نہیں دیتا۔ بعد نماز عمر نے اعتراض کیا کہ اے زید امام! ہم تمام مقتدی مکبر کب ثناء پڑھیں؟ زید جواب دیتا ہے کہ ثناء نہ پڑھی جائے تو کوئی بات نہیں، اگر ثناء پڑھنا ہو تو "قد قامت الصلوة" پر فوراً میرے ہمراہ نیت باندھو اور ثناء پڑھو، اور ثناء کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے۔ عمر سوال کرتا ہے زید سے کہ مقتدیوں کو اقامت کا جواب بھی دینا ہوتا ہے، زید کہتا ہے کہ اقامت کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ عمر زید سے کہتا ہے کہ اگر ہم لوگ قد "قامت الصلوة" پر نیت باندھ لیں اور لیکن بکر کب نیت باندھے اور کب ثناء پڑھے؟ تو زید کہتا ہے کہ زیادہ بولو نہیں ورنہ پٹک کر چڑھ بیٹھوں گا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"و شروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة، و لو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثاني والثلاثة، وهوأعدل المذاهب، كما في شرح المجمع لمصنفه. و في القهستاني معزياً للخلاصة: أنه الأصح اهـ". درمختار۔ "(قوله:وهو) التأخر المفهوم من قوله: أخر (قوله: انه الأصح)؛ لأن فيه محافظةً على فضيلة متابعة المؤذن و إعانةً له على الشروع مع الإمام اهـ". ردالمحتار: ۱/۳۳۲ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر نماز شروع کرے تاکہ مکبر امام کی متابعت بروقت کر لے۔ امام کو جواب کا وہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے جو سوال میں مذکور ہے، ثناء پڑھنا سنت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۳، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "ثناء کی حیثیت"۔)

سری نماز میں ثناء کا حکم

سوال[۲۳۶۹]: سرّی نماز میں مقتدی کو پہلی رکعت میں رکوع سے تھوڑی دیر پہلے آکر ملنے تک ثناء پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مقتدی کے لئے ثناء کا پڑھنا

سوال[۲۳۷۰]: امام قرأت کررہا ہے تو مقتدی کو ثناء پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح سرّی نماز میں جب یہ یقین ہو کہ امام قرأت کررہا ہے تو مقتدی کا ثناء پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہری نماز میں امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد مقتدی ثناء نہ پڑھے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "أدرک الإمام في القيام، يثني ما لم يبدأ بالقراءة، و قيل: في المخافتة يثني، و لو أدركه راكعاً أو ساجداً، إن أكبر رأيه أنه يدركه، أتى به". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۸۸، ۴۸۹، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۸، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في حاشية العلامة الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وقرأ سبحانک اللّهم تاركاً مقتصراً عليه إلا إذا شرع الإمام في القراءة سواء كان مسبوقاً أو مدركاً، و سواء كان إمامه يجهر بالقراءة أو لا، فإنه لا يأتي به". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية العلامة الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۰۸، مكتبه إمداديه ملتان)

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی آیا وہ ثناء کب پڑھے؟

سوال[۲۳۷۱]: امام نے جہری نماز میں قرأت شروع کردی اس کے بعد زید نماز میں آکر ملا تو وہ اب ثناء کب پڑھے؟

غلام رسول حاجی اسماعیل، ترکیسر ضلع سورت۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سورت شروع کردی ہے تو زید ثناء نہ پڑھے(۱)، اگر فاتحہ شروع کی ہے اور امام کے سکتات اور آیات کے وقف کے وقت پڑھ سکتا ہے تو پڑھے ورنہ نہ پڑھے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۴/۳/۶۴ھ۔

ثناء کے آخر میں "ک" پر زبر ہے یا جزم؟

سوال[۲۳۷۲]: نماز میں جو ثناء پڑھتے ہیں ثناء کے آخر میں "و لا إلـه غيرك" پڑھنا چاہئے یا "غيرُكْ" پڑھا جائے؟ کتاب اور سنت کی روشنی میں مطلع فرماویں۔

---

(۱) "ثم اعلم أن الثناء يأتي به كل مصل، فالمقتدى يأتي به مالم يشرع الإمام في القراءة مطلقاً الخ".
(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۵۹، قديمي)
(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۴۸۸، ۴۸۹، سعيد)
(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۰، رشيديه)
(وكذا في حاشية الإمام الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و قال بعضهم: يأتي بالثناء عند سكتات الإمام كلمةً كلمةً، و عن الفقيه أبي جعفر الهندواني: إذا أدرك الإمام في الفاتحة يثني بالاتفاق". (الحلبي الكبير، صفة الصلوة، ص: ۳۰۴، سهيل اكيڈمي لاهور)
(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في كيفية ترتيب، ص: ۲۸۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثناء کے بعد اگر "أعوذ" پڑھنا ہوتو "غیرك" کاف کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر "کاف" پر سانس ختم کرنا ہوتو "کاف" کو ساکن کردیں۔ اگر ثناء کے بعد "أعوذ" نہ پڑھنا ہو جیسا کہ مقتدی کا حال ہوتا ہے تو "کاف" کو ساکن کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۸ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۹ھ۔

فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ"

سوال [۲۳۷۳]: کیا جب بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی اس سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں جب بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اس سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا سنت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۲/۲۳ھ۔

سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ کا حکم

سوال [۲۳۷۴]: سورہ فاتحہ کے بعد درمیانی سورۃ کے تسمیہ پڑھنا کیسا ہے اگر پڑھ لیا جائے تو حنفیہ

---

(۱) "كما تعوذ سمى .... سراً في أول كل ركعة و لو جهرية". (الدرالمختار).

"و ذكر في المحيط : المختار قول محمد ، و هو أن يسمى قبل الفاتحة و قبل كل سورة في كل ركعة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۰، سعيد)

"(و قوله : في كل ركعة): أي في ابتداء كل ركعة، فلا تسن التسمية بين الفاتحة والسورة مطلقاً عندهما ، و قال محمد: تسن إذا خافت، لا إن جهر". (البحر الرائق، كتاب الصلوة ، باب صفة الصلوة: ۱/۵۴۵، رشيديه)

"(قوله: و سمى سراً) حالٌ من الضمير في سمى مسارراً في ابتداء كل ركعة سريةً كانت أو جهريةً". (النهر الفائق ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۱۰، إمداديه ملتان)

کے نزدیک کیا ہوگا؟ جہراًوسراً بھی تشریح کردیں گے اس کے متعلق صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"لاتسن بين الفاتحة والسورة مطلقاً و لو سرية و لا تكره اتفاقاً". باب صفة الصلوة(١)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ردالمحتار:١/٤٥٧ (٢) اورشرح مراقی الفلاح میں تصحیح اورفتوی مذکور ہے (٣) نیز بحر میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (الدرالمختار، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ١/٤٩٠، سعيد)

(٢) (قوله: لا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ثم إن هذا قولهما و صححه في البدائع وقال محمد: تسن إن خافت لا إن جهر ....اهـ". (الدرالمختار). " (قوله: و لا تكره) ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً أو جهراً كان حسناً عند أبي حنيفة، و رجحه المحقق ابن الهمام و تلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آيةً من كل سورة. (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ١/٤٩٠،سعيد)

(٣) "ثم اعلم أنه لا فرق في الاتيان بالبسملة بين الصلاة السرية والجهرية، و في حاشية المؤلف على الدرر: و اتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة، بل هو حسن سواء كانت الصلوة سرية، أو جهرية، و ينافيه ما في القهستاني أنه لا يسمى بين الفاتحة والسورة في قولهما و في رواية عن محمد قال في المضمرات: والفتوى على قولهما، و عن محمد أنها تسن في السرية دون الجهرية لئلا يلزم الإخفاء بين جهرين، و هو شنيع و اختاره في العناية، و المحيط، و قال في شرح الضياء: لفظ الفتوى آكد من المختار، و ما في الحاشية تبع فيه الكمال و تلميذه ابن أمير حاج حيث رجحا ان الخلاف في السنية، فلا خلاف أنه لوسمى لكان حسناً لشبهة الخلاف في كونها آية كل سورة". (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ٢٦٠، ٢٦١، قديمى)

(٤) "(قوله: في كل ركعة) أي في ابتدا كل ركعة فلا تسن التسميةبين الفاتحة والسورة مطلقاً عندهما. و قال محمد: تسن إذا خافت لا إن جهر و صحح في البدائع قولهما والخلاف في الاستنان أما عدم الكراهة فمتفق عليه و لهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة كان حسناً عند أبي حنيفة، سواء كانت تلك السورة مقروءةً سراً أو جهراً و رجحه المحقق ابن الهمام و تلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آيةً من كل سورة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٥٤٥، رشيديه) .... =

"أعوذ باللّٰہ" اور "بسم اللّٰہ"

سوال[۲۳۷۵]: نماز (میں ثناء) کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اور رکعت کے شروع میں بھی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص ثناء کے بعد "الحمد" پڑھے گا، جیسے امام اور منفرد وہ "اعوذ بالله" و "بسم الله" بھی پڑھے گا۔ (اور جو شخص ثناء کے بعد الحمد نہیں پڑھے گا) جیسے مقتدی وہ اعوذ باللہ و بسم اللہ نہیں پڑھے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

آمین بالجہر

سوال[۲۳۷۶]: امام کے پیچھے آمین بلند آواز سے کہنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے پیچھے مقتدیوں کو اور خود امام کو آمین آہستہ کہنا چاہیئے:

"عن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال: "آمين" وأخفى بها صوته". رواه الإمام أحمد

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۱۰، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۹۲، ۲۹۳، المصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) "وكما استفتح تعوّذ بلفظ أعوذ على المذهب سراً لقراءة .... وكما تعوّذ سمى غير المؤتم بلفظ البسملة". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۴۸۹، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "ثم يقول: سبحانك اللهم ...... إماماً كان أو مقتدياً أو منفرداً، ثم يتعوذ .... ثم التعوذ تبع للقراءة دون الثناء عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله .... ثم يأتي بالتسمية". (كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة و آدابها: ۱/۷۳، ۷۴، رشيديه)

(وكذا في التبيين، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة: ۱/۱۱۱، ۱۱۲، امداديه ملتان)

والترمذی". آثار السنن: ۱/ ۹٦(۱)۔

آمین بالجہر

سوال[۲۳۷۷]: آمین حدیث شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق حدیثیں دونوں قسم کی ہیں، بعض میں بالجہر ہے بعض میں بالسر(۲)، امام ابوحنیفہ رحمہ

---

(۱) (آثار السنن، باب ترک الجهر بالتأمين، ص:۱۲۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل :۵/۴۱۳، رقم الحديث :۱۸۳۷۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في التأمين : ۱/۵۸، سعيد)

"وأمّن الإمام سراً كمأموم و منفرد و لوفي السرية ولو من مثله في نحو جمعة و عيد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة : ۱/۴۹۲، سعيد)

"إذا فرغ من الفاتحة قال: آمين والسنة فيه الإخفاء، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع، الفصل الثاني في بيان سنن الصلوة وآدابها وكيفيتها: ۱/۷۴، رشيديه)

(۲)" عن وائل بن حجر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما قرأ غير المغضوب عليهم و لا الضالين قال: "امين" وأخفى بها صوته". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/۴۱۳، رقم الحديث :۱۸۳۷۵، دار إحياء التراث العربي)

(وآثار السنن، باب ترك الجهر بالتأمين، ص:۱۲۴، مكتبه إمداديه ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :قال:" إذا أمّن الإمام فأمّنوا، فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة، غفرله ماتقدم من ذنبه". قال ابن شهاب: و كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "آمين". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين: ۱/۱۰۸، قديمي)

"عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قرأ ولا الضالين فقال : "امين" يمدّ بها صوتها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل :۵/۴۱۲، رقم الحديث : ۱۸۳٦۳، دار إحياء لمالتراث العربي بيروت)

اللہ تعالیٰ، امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آمین بالسر کہا جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آمین بالجہر کہی جائے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں: قول قدیم امام احمد کے موافق ہے، قول جدید امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے موافق ہے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۴/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔ سعید احمد غفرلہ۔

آمین بالجہر، رفع یدین میں اختلاف اَوْلَوِیّت کا ہے

سوال [۲۳۷۸]: آج تک بعض علمائے دین سے قرأت خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ مختلف فیہ مسائل کے بارے میں ہم لوگ یہ سنتے تھے کہ اس میں قرأت خلف الامام کے علاوہ باقی تمام مسائل میں اختلاف اولویت وغیر اولویت میں ہے، لیکن شامی میں بحوالہ مکحول امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے،

---

(۱) "قال سراً، هذا هو قول مالک فی روایة عنه، والشافعی فی قوله الجدید: إن المنفرد والإمام والمأموم کل منهم یسر بآمین جهریةً کانت الصلوة أو سریةً اهـ، .... فی صفحة مائة و خمسة و سبعین".

"وذهب الشافعی فی المشهور عنه المختار عند جمهور أصحابه وأحمد وعطاء وغیرهم إلی أن الجهر للإمام فی الجهریة مسنون الخ". (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، صفة التأمین: ۲/۱۷۳، ۱۷۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وقال مالک: یؤمّن المقتدی فقط سراً، و هکذا مروی عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فی مؤطأ محمد، و الروایة الثانیة عن أبی حنیفة و هو مختار صاحبیه أن یأتی به الإمام والمقتدی سراً. والقول القدیم للشافعی رحمه الله تعالیٰ أن یجهر الإمام و یسرّ القوم، و فی الجدید جهر هما به، و به قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ. و لم أجد تصریح الجهر عن الموالک بل صرح فی المدونة بالإخفاء". (فتح الملهم شرح الصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب التسمیع والتحمید والتأمین: ۲/۴۹، المکتبة الرشیدیه، کراتشی)

(وکذا فی عمدة القاری، کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمین: ۶/۵۰، إدارة الطباعة المنیریة بیروت)

نیز اسی جگہ تحریر ہے کہ مکروہ ہے (۱)، لفظ ''مکروہ'' مطلقاً ہے جس سے ذہن میں تبادر مکروہِ تحریمی کی طرف ہوتا ہے۔ صحیح نوعیت بیان فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام جصاص رازی (۲) وسرخسی رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو اختلافِ اولویت ہی قرار دیا ہے، مفسدِ صلوٰۃ قرار نہیں دیا، یہی روایت امام صاحب کی روایتِ مشہورہ متواترہ ہے، روایت مکحول اس کے مقابلہ میں قابل احتجاج نہیں۔ علامہ شامی نے روایتِ مرفوعہ نقل کی ہے اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے (۳)، مگر ملا علی قاری (۴) اور علامہ پٹنی نے اس کو موضوع لکھا ہے (۵)، اس لئے نہ یہ روایت سندِ صحیح سے ثابت ہے، نہ امام اعظم کی طرف اس کی نسبت سندِ صحیح سے ثابت ہے۔ مکروہ کے متعلق تحقیق یہ ہے:

---

(۱) "(قوله: إلا في سبع) إشارة إلى أنه لا يرفع عند تكبيرات الانتقالات خلافاً للشافعي وأحمد، فيكره عندنا، ولا يفسد الصلوة إلا في رواية مكحول عن الإمام". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۵۰۶، سعيد)

(۲) "وأما ماليس بفرض فهم يخيرون في أن يفعلوا ماشاؤا منه، وإنما الخلاف بين الفقهاء فيه في الأفضل منه". (أحكام القرآن للجصاص تحت آية: ﴿يأيها الذين امنوا كتب عليكم الصيام﴾. البقرة: ۱۸۳، الآية. باب كيفية شهر والشهر: ۱/۲۰۴، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في مرقات شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة (تحت رقم هذا الحديث: ۷۹۲): ۲/۵۰۲، رشيديه)

(۳) "(قوله: إلا في سبع) أشار إلى أنه لايرفع عند تكبيرات الانتقال، خلافاً للشافعي وأحمد فيكره عندنا ولايفسد الصلو ة، إلا في رواية مكحول عن الإمام". (ردالمحتار: ۱/۵۰۶، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، سعيد)

(۴) "ومن ذلك أحاديث المنع من رفع اليدين في الصلوة عندالركوع والرفع منه، كلها باطلة، لايصح منها شئ". (الموضوعات الكبرىٰ للعلامه ملا على القارى، ص: ۳۵۴، قديمى)

(۵) (تذكرة الموضوعات، باب الصلاة وإثم تاركها، والخشوع فيها، وتحقيقها، والصف الأول، والتنوير في الفجر، ورفع اليدين والبتيراء والسرقة فيها ونحو ذلك، ص: ۳۹، الإدارة المنيرية، مصر)

"وإذا ذكروا مكروهاً فلا بدّ من النظر في دليله". شامی (۱) اس لئے مکروہ تحریمی قرار دینا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۷ھ۔

مقتدیوں کی اطلاع کے لئے کسی کو آمین بالجہر کے لئے متعین کرنا

سوال [۲۳۷۹]: امام صاحب بکر کو حکم دیتے ہیں کہ میری آواز دور تک نہیں جاتی لہٰذا تم آمین زور سے (بالجہر) کہہ دیا کرو تاکہ دوسرے لوگ اس کی آمین سن کر آمین کہیں جو حنفی مسلک کے خلاف ہے، امام صاحب ضعیف آدمی ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے بوجہ کثرتِ جماعت بکر کو کہا کہ تم آمین بالجہر کہنا تاکہ باقی مقتدیوں کو پتہ چل جائے، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، امام صاحب نے جواب دیا کہ بکر بھی مقتدی ہے اس کو آمین جہراً کہنا جائز ہے، تمام ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں اختلاف افضلیت میں ہے، احناف کے نزدیک سراً افضل ہے اور شوافع کے نزدیک جہراً افضل ہے، جیسا کہ اطلاع امام کے لئے سبحان اللہ کہنا شارع علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اس پر عوام الناس نے شور مچایا ہے، امام صاحب غیر مقلد ہیں، حالانکہ امام صاحب نے آمین بالجہر کو نہ سنت مؤکدہ کہا ہے، نہ اس کے تارک کو مجرمِ اسلام کہا ہے، بلکہ ایک دفعہ واقعہ ہوا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اطلاع کے لئے آمین بالجہر کہنے کی کیا ضرورت ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک آمین آہستہ کہنا سنت ہے بالجہر سنت نہیں (۲) تو پھر بالجہر کہہ کر یا کسی مقتدی سے کہلوا کر شور وشغب کا دروازہ کھولنا قرینِ

---

(۱) والعبارة بأسرها: "فحينئذٍ إذا ذكروا مكروهاً، فلا بدمن النظر في دليله، فإن كان نهياً ظنياً يحكم بكراهة التحريم إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل فيها بل كان مفيداً للترك الغير الجازم، فهي تنزيهية". (ردالمحتار: ۱/۱۳۲، كتاب الطهارة، مطلب في تعريف المكروه وأنه قد يطلق على الحرام والمكروه تحريماً وتنزيها، سعيد)

(۲) " ويخفونها: أي يخفي الإمام والمقتدون آمين، لقول ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: أربع يخفيهن الإمام: التعوذ والتسمية وآمين وربنا لك الحمد اهـ". (الحلبي الكبير، ص: ۳۰۹، سهيل اكيڈمي لاهور) =

دانشمندی نہیں اور محض ایک مرتبہ آمین بالجہر کہنے سے مقتدیوں کا امام کو غیر مقلد کہنا بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ شعبان/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

آمین بالجہر سے دوسروں کی نماز پر اثر

سوال [۲۳۸۰]: ہم حنفیوں کی جماعت میں اہلِ حدیث مسلک کے لوگ شریکِ نماز ہو کر الحمد کے بعد آمین بالجہر اپنے طریقہ کے مطابق بلند آواز سے کہتے ہیں، کیا بلند آواز سے کہنے سے ہماری نماز میں تو کوئی خرابی نہیں آئی اور ان کو مسجد میں آنے سے روکنے کا حق ہم لوگوں کو ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے زور سے آمین کہنے کی وجہ سے حنفیوں کی نماز خراب نہیں ہوگی، اگر وہ کوئی فتنہ وفساد نہیں کرتے، مسجد میں آکر صرف اپنے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکیں نہ ان سے بحث کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

جواب صحیح ہے، لیکن اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک بھی بالجہر آمین کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف اتنی آواز سے کہنا کافی ہے کہ پاس کا آدمی سن سکے، اس لئے بلا وجہ زور سے چیخنے کے بجائے جہرِ ادنیٰ پر کفایت کرنی چاہئے اور حنفیوں کی رعایت کرنی چاہئے، کیونکہ اس چیخنے سے یقیناً حنفیوں کی توجہ نماز سے ہٹ کر اس آواز پر جائے گی، لہٰذا یہ طریقہ مذموم ومعیوب ہوگا۔ فقط۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۸۷ھ۔

= "أن الإسرار بها سنة أخرى". (ردالمحتار: ۱/ ۴۷۶، كتاب الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۵۴۲، ۵۴۶، ۵۴۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، رشيديه)

رفع یدین

سوال[۲۳۸۱]: رفع یدین کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: بندہ ابوذر گور یہاری، مظفرپوری، بہاری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رفع یدین سات جگہ سنت مؤکدہ ہے: تکبیر تحریمہ کے وقت، دعائے قنوت، تکبیراتِ عیدین، استلامِ حجر، صفاومروہ، عرفات، جمرات:

"ولا يسن مؤكداً مع رفع يديه إلا في سبع مواطن كما ورد: تكبيرة افتتاح وقنوت و عيد واستلام والصفا والمروة وعرفات والجمرات". درمختار: ۱/۵٤۸ (۱)۔

ان مواضع کے علاوہ سنتِ موکدہ نہیں اور عام نمازوں میں بجز تکبیر تحریمہ اَور کسی جگہ سنت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اَعلم وعلمہ اُتم واَحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ، سعید احمد غفرلہ۔

رفعِ یدین

سوال[۲۳۸۲]: رفع یدین کرنا چاہئے یا نہیں، اگر نہیں کرنا چاہئے تو اس کی دلیل لکھئے کہ کہیں منع ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة: ۱/۵۰٦، سعيد)

"عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: ألا أصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصلى، فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب رفع اليدين عند الركوع: ۱/۵۹، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع: ۱/۱۰۹، دار الحديث ملتان)

(إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب ترك رفع اليدين في غير الافتتاح: ۳/۴۵، إدارة القرآن كراچي)

"عن الأسود قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود". رواه الطحاوي وقال: هو حديث صحيح اهـ. وفي الدراية: رجاله ثقات". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب ترك رفع اليدين في غير الافتتاح: ۳/۴۸، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً و مصلياً:

تکبیر افتتاح کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہیں ہے:

"عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: ألا أصلی بكم صلوة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فصلی فلم یرفع یدیه إلا فی أول مرة". رواه الثلاثة وهو حدیث صحیح". آثار السنن: ۱/۹۶(۱)۔

عورت کے ذمہ نماز عید اور رفع یدین وغیرہ

سوال[۲۳۸۳]: میں نے سنا ہے کہ عورت نماز عید نہ گھر اور نہ عیدگاہ میں پڑھے، گویا عورت پر واجب نہیں۔ اس کے متعلق جلد آگاہ کریں۔ عورت اگر نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھے تو کیسا ہے؟ جو جماعت اہلِ حدیث کہلاتی ہے وہ قرآن میں آیتیں نکال نکال کر دکھاتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے، یہ نہیں کہ تمام نماز کو بیان کر کے یعنی اتنی رکعت فرض یا سنت واسطے اللہ پاک کے میرا منہ کعبہ شریف کے اور اللہ اکبر، یہ غلط ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رفع یدین کو قصداً کیا ہے اور ہمیشہ کے لئے کیا ہے۔ آپ ہم کو بتلائیں قرآن پاک میں کس جگہ انکار ہے؟

---

(۱) (آثار السنن، باب ترک رفع الیدین فی غیر الإفتتاح، ص: ۱۳۲، إمدادیه ملتان)

(وسنن أبی داود، کتاب الصلوة، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع: ۱/۱۰۹، دار الحدیث ملتان)

(وسنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب رفع الیدین عند الرکوع: ۱/۵۹، سعید)

"و لا یسن رفع یدیه إلا فی سبع مواطن". (الدر المختار).

"(قوله: إلا فی سبع) إشارة إلی أنه لا یرفع عند تکبیرات الانتقالات، خلافاً للشافعی و أحمد، فیکره عندنا، و لا یفسد الصلوة إلا فی روایة مکحول عن الإمام". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۵۰۹، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الصلوة، باب ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح: ۳/۴۵، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت پر نماز عیدین نہیں (۱) نہ اس کے ذمہ عیدگاہ میں جانا ہے (۲) نہ گھر پر نماز عید لازم ہے (۳)، عورت پر جمعہ بھی نہیں، اس کو چاہئے کہ اپنے گھر پر ظہر کی نماز ادا کرے، جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جائے (۴)، اگر دل کے ارادہ کو زبان سے بھی کہے تو منع نہیں (۵)۔

---

(۱) "تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱/۵۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وشرط لافتراضها): أقول: فيه نظر بل يقتضي عدم خروجها إلى مجامع الرجال، و لذا لا تجب على المرأة، فافهم". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۳، ۱۵۴، سعيد)

"والذي لا جمعة عليه هو المريض والمسافر والمرأة والعبد والمختفي من السلطان الظالم اهـ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و يكره حضور هن الجماعة ولو لجمعة و عيد و وعظ مطلقاً و لو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(۳) "تجب صلاتها على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱/۵۳۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "ومن لاتجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة، والمسافرون إذا حضروا يوم الجمعة في مصر يصلون فُرادىٰ، وكذلك أهل المصر إذا فاتتهم الجمعة وأهل السجن والمرض ويكره لهم الجماعة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۵) "(والنية وهي الإرادة .... لاالعلم .... والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) .... وهو أن يعلم بداهة) .... أيّ صلاة يصلي) .... (والتلفظ بها مستحب) هو المختار".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۴، ۴۱۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۸۳، رشيديه)

قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اللہ أکبر کہہ کر نماز پڑھنے کو کہا ہے، کسی حدیث شریف میں یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین ہمیشہ کرنے کو فرمایا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے اور بس۔ پھر کسی دوسرے موقع پر رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے(۱)، زیلعی میں اس کی سند مذکور ہے(۲)، قرآن پاک میں تو رفع یدین کا حکم کہیں بھی مذکور نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

رفعِ یدین کی حکمت

سوال[۲۳۸۴]: شیعہ مجتہد نے بیان کیا کہ حدیثِ اہل سنت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ آستین میں بت لیکر نماز پڑھتے تھے، حکم ہوا کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھو۔ کیا یہ مضمون کسی حدیث کا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ تھا کہ وہ اشتہار بھیج دیا جاتا تاکہ اس کا منشاء معلوم ہو جاتا کہ ان روایات کو غیر معتبر اور موضوع

---

(۱) "عن علقمه قال: قال عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: ألا أصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصلى، فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب رفع اليدين عند الركوع: ۱/۵۹، سعيد)

(وأبوداؤد، كتاب الصلوة، باب من لم يذكر الرفع عندالركوع: ۱/۱۰۹، دارالحديث، ملتان)

(وإعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب ترك رفع اليدين في غير الافتتاح: ۳/۴۵، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "عن وكيع عن سفيان الثوري عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمة، قال: قال عبدالله بن مسعود: ألأصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فصلى، فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". وفي لفظ: "فكان يرفع يديه أول مرة، ثم لايعود. قال الترمذي: حديث حسن، انتهى، اهـ".

(نصب الراية، كتاب الصلوة: ۱/۳۹۴، مؤسسة الريان، المكتبة المكية)

قرار دینا ہے.......... کتب سے بدظن کرنا مقصود ہے، یا اپنے مسائل کتب مذکورہ سے ثابت کرنا ہے، یا یہ بتانا ہے، کہ ان لوگوں کا عمل اپنی کتب پر نہیں، یا کچھ اور مقصود ہے تاکہ اس کے مطابق جواب تحریر کیا جاتا۔ تاہم مختصراً عرض ہے کہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ: ۱/۲۰۲ میں رفع یدین کی متعدد حکمتیں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و زاد ابن رسلان: قيل: إن كفار قريش و غيرهم كانوا يصلون مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: وأصنامهم تحت آباطهم، فأمروا بالرفع ليسقطوا"(۱)۔ مجتہد شیعہ نے اس کا حوالہ نہیں دیا کہ کس کتاب میں ہے اور اعتراض مقصود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رفع یدین، آمین بالجہر، قرأت فاتحہ، تراویح

سوال [۲۳۸۵]: ۱...... زید امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اور عمر نہیں پڑھتا اور دونوں اپنے کو محمدی کہتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق کس کی نماز صحیح ہوگی اور کس کی نہیں؟

۲...... بکر آمین بالجہر کا قائل ہے اور زید آمین بالجہر کا قائل نہیں، کس کا عمل اور قول صحیح ہے؟

۳...... رفع یدین کرنا شریعتِ محمدیہ کے مطابق ہے یا نہیں؟

۴...... زید صلوٰۃ عیدین میں بارہ تکبیر کہتا ہے اور عمر چھ تکبیروں کا قائل ہے۔ آخر صحیح حدیث کیا ہے؟

۵...... بیس رکعات تراویح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... سوال واضح نہیں، زید اور عمر میں جو اختلاف ہے وہ سری نماز میں ہے یا جہری نماز میں۔ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ محمدی کا کیا مصداق ہے، آیا یہ نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے یا کسی اور امام کی طرف، جیسے امام محمد بن حسن یا امام محمد بن ادریس وغیرہما؟ یہ لفظ کتب حدیث میں تو کہیں نہیں ملتا۔ آپ کے سوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ محاکمہ چاہتے ہیں تو وہ موقوف ہے ہر دو کے دلائل کے معلوم ہونے پر، آپ نے کسی کی دلیل بھی نہیں لکھی۔

۲...... یہاں بھی دونوں کی دلیل لکھئے تب محاکمہ سوال کیجئے۔

---

(۱) (أوجز المسالک شرح مؤطا مالک، افتتاح الصلوٰة، رفع اليدين عند الركوع وغيره: ۱/۲۰۲، المكتبة اليحيوية بسهارنفور يوبى الهند)

۳......افتتاحِ صلوۃ کے وقت رفع یدین احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے(۱) اس کے علاوہ بعض مواقع میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں (۲)۔

۴......یہاں بھی دونوں کی دلیلیں لکھیے، نیز صحیح حدیث کی تعریف کیجئے، مگر یہ تعریف کتاب وسنت سے کیجئے۔

۵......کیا کسی صحیح حدیث میں تراویح کا لفظ آیا ہے؟ نیز مرفوع حدیث کی تعریف کیا ہے۔ جو بات لکھیں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح فرمان سے لکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن سالم بن عبد الله عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرفع يديه حَذو منكبيه إذا افتتح الصلوة، و إذا كبّر للركوع، و إذا رفع رأسه من الركوع، رفعهما كذلك أيضاً، وقال: "سمع الله لمن حمده ربنا و لك الحمد" وكان لا يفعل ذلك في السجود". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع اليدين في التكبيرة الأولى مع الافتتاح سواءً: ۱/۱۰۲، قديمي)

"و عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنهٗ عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان إذا قام إلى الصلوة المكتوبة، كبّر، و رفع يديه حذو منكبيه". إلى آخر الحديث. رواه الخمسة و صححه أحمد والترمذي".

"وعن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا قام إلى الصلوة رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه". الحديث. أخرجه الخمسة إلا النسائي، و صححه الترمذي وغير ذلك من الأحاديث". (آثار السنن، باب رفع اليدين عند تكبيرة الإحرام و بيان مواضعه، ص: ۸۱، إمداديه ملتان)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرفع يديه حَذو منكبيه إذا افتتح الصلوة، و إذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما، كذلك أيضاً، و قال: "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد" وكان لا يفعل ذلك في السجود". رواه الشيخان" قال النيموي: و في الباب عن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه و مالك بن الحويرث و وائل بن حجر و علي وغيرهم -رضي الله تعالىٰ عنهم- من اصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (آثار السنن، باب رفع اليدين عند الركوع و عند رفع الرأس من الركوع ص: ۱۲۹، امداديه ملتان) ...... =

رکوع میں "سبحان ربی الکریم" پڑھنا

سوال[۲۳۸۲]: نماز کے اندر رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کے بجائے "سبحان ربی الکریم" پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص "العظیم" کے بجائے "أجیم" پڑھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام میں رہتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا ایمان کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں "سبحان ربی العظیم" ہے، "سبحان ربی الکریم" پڑھنا حدیث شریف کے خلاف ہے(۱)۔ جو شخص عین وظا ادا نہیں کرتا وہ "أجیم" پڑھتا ہوگا، اس طرح پڑھنا غلط ہے(۲) لیکن اس سے

= "عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: ألا أصلی بکم صلوة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ فصلی، فلم یرفع یدیه إلا فی أول مرة". رواه الثلاثة، وهو حدیث صحیح".

"عن الأسود قال: رأیت عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه یرفع یدیه فی أول تکبیرة ثم لا یعود". رواه الطحاوی وأبو بکر بن أبی شیبة، وهو أثر صحیح". (آثار السنن، باب ترک رفع الیدین فی غیر الإفتتاح، ص: ۱۳۲، ۱۳۶، امدادیه ملتان)

(۱) "عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا رکع أحدکم، فقال فی رکوعه: سبحان ربی العظیم ثلاث مراتٍ، فقد تمّ رکوعه، و ذلک أدناه، وإذا سجد فقال فی سجوده: سبحان ربی الأعلی ثلاث مرات، فقد تم سجوده، و ذلک أدناه". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/۶۰، سعید)

(وسنن أبی داؤد: ۱/۱۲۹، کتاب الصلوة، باب مقدار الرکوع والسجود، دارالحدیث ملتان)

"[تنبیه]: السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم". (رد المحتار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۴۹۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۰، رشیدیه)

(۲) "ومنها زلة القاری، فلو فی إعراب .... ولو زاد کلمةً أو نقص .... أو بدّله بآخر نحو .... "انفرجت" بدل: "انفجرت"، "إیاب بدل: "أواب"، لم تفسد مالم یتغیر المعنی، إلاما یشقّ تمییزه کالضاد والظاء، فأکثرهم لم یفسدها". (الدرالمختار: ۱/۶۳۰-۶۳۳). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحته: "إن الخطاء إما فی الإعراب .... أو فی الحروف بوضع حرف مکان حرف". =

کافر نہیں ہوتا کیونکہ جو شخص عین وظا ادا نہیں کر پاتا وہ مجبور ہے، اس کو صحیح ادا کرنے کی کوشش لازم ہے(۱)، جب تک صحیح ادا نہ کر سکے اس کو "سبحان ربی الکریم" پڑھنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

رکوع، سجدہ کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے؟

سوال[۲۳۸۷]: مقتدی نے رکوع وسجود میں تین تسبیح نہیں کہی کہ امام نے تکبیر کہہ دی، ایسی صورتوں میں شرکت ہوگی اور ایسی صورتوں میں امام کی متابعت ضروری ہے، یا تسبیح کی مقدار پوری کرے؟ حنفیہ کا اصح قول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام اتنا تیز رفتار ہے کہ مقتدی تین دفعہ تسبیح رکوع پڑھے تو قومہ نہ پاسکے اور تسبیح سجدہ پڑھے تو دوسرے سجدہ میں پکڑنا مشکل ہو جائے تو ایک تسبیح پر قناعت کرلے اور امام کی متابعت کرتا رہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مسائل زلة القارى: ۶۳۰/۱، سعيد)

(۱) "وكذا من لايقدر على التلفظ بحرف من الحروف، أولا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار". (الدر المختار).

"فكل ذلك حكمه مامرّمن بذل الجهد دائماً، وإلا فلا تصح الصلوة به". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۸۲/۱، سعيد)

(۲) "السنة في تسبيح الركوع سبحان ربي العظيم، إلا إن كان لا يحسن الظاء فيبدل به الكريم؟ لئلا يجرى على لسانه العزيم، فتفسد به الصلوة". (ردالمحتار، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۴۹۴/۱، سعيد)

(۳) "ولو رفع الإمام رأسه من الركوع أو السجود و قبل أن يتم المأموم التسبيحات الثلاث، وجب متابعته اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۹۵/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۵۲/۱، رشيديه) .... =

رکوع وسجدہ کتنا طویل ہو؟

سوال[۲۳۸۸]: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکوع وسجدہ دیر تک کرنا ثابت ہے؟ کیا آج کل امام صاحب اس کا اتباع کر سکتے ہیں یا صرف منفرد کو جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقتدیوں میں تحمل نہ ہو تو امام کو تین یا پانچ بار تسبیح پر قناعت کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸۳/۲۵ھ۔

تسمیع وتحمید

سوال[۲۳۸۹]: بہشتی زیور حصہ دوئم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے کھڑے ہو جاوے (۲) اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ منفرد دونوں پڑھے یعنی "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنالك الحمد"۔ سوال دریافت طلب یہ ہے کہ مرد اور عورت کو دونوں پڑھنا چاہیے یا عورت کو صرف "سمع اللہ لمن حمدہ" اور مرد کو دونوں یا صرف "سمع اللہ لمن حمدہ" مرد کے لئے سنت ہے یا دونوں سنت ہیں؟ بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ رکوع سے کھڑے ہو کر منفرد "سمع

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲۱۴/۱، امداديه ملتان)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: ۱۸۴/۲، كتاب الصلوة، تسبيح الركوع وتثليثه، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "فالأدنى فيهما ثلاث مرات، والأوسط خمس مرات، والأكمل سبع مرات، كذا في الزاد. وإن كان إماماً، لا يزيد على وجه يملّ القوم، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة وآدابها وكيفيتها: ۷۵/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۵۱/۱، رشيديه)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: ۱۸۳/۲، كتاب الصلوة تسبيح الركوع وتثليثه، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (بهشتی زیور، حصه دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان، ص: ۱۷، امداديه ملتان)

اللّٰہ لمن حمدہ" کہے اور کوئی شخص نہ معلوم ہونے کی وجہ سے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" پڑھ دیا بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں پڑھنا چاہیے اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد اور عورت دونوں کو جب کہ وہ منفرد ہوں "سمع اللّٰہ لمن حمدہ، ربنا لك الحمد" پورا پڑھنا چاہیے اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی نے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ "کہا" ربنا لك الحمد" نہیں کہا تو اس کے ذمہ گناہ نہیں، نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

قومہ کی دعاء

سوال[۲۳۹۰]: یاأیها المفتی! ما تقول فی هذه المسئلة: رجل حنفی یتبع مذهب أبی حنیفة فی جمیع الأفعال لکن فی الصلوة بعد الرکوع یقرأ "ربنا لك الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه" لا من حیث أنه یخالف مذهب أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالی بل یفهم ذلك من "ربنا لك الحمد" فقط۔ فما تقول فی هذه المسئلة صلوته صحیحة أم لا ؟ إن کان صحیحة فبکراهة أو بلا کراهة؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"ثم یرفع رأسه من رکوعه مسمّعاً، ویکتفی به الإمام. وقالا: یضم التحمید سراً،

---

(۱) "وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلاخلاف، وإن کان منفرداً الأصح أنه یأتی بهما، کذا فی المحیط، وعلیه الاعتماد، وکذا فی التاتار خانیه، وهو الأصح، هکذا فی الهدایة".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلوة: ۱/۷۴، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی کیفیة ترتیب ،ص: ۲۸۲، ۲۸۳، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوة، فصل: ۱/۴۹۷، سعید)

ویکتفی بالتحمید المؤتم. وأفضله: أللهم ربنا ولك الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف أللهم فقط. ویجمع بینهما لو منفرداً علی المعتمد یُسمّع رافعاً ویحمّد مستویاً اه". الدرالمختار۔

"(قوله: وقالا: یضم التحمید) هو روایة عن الإمام أیضاً، وإلیه مال الفضلی والطحاوی وجماعة من المتأخرین، معراج عن الظهیریة. واختاره فی الحاوی القدسی، ومشی علیه فی نور الإیضاح، لکنّ المتون علی قول الإمام. (قوله: ثم حذف أللهم): أی مع إثبات الواو، وبقی رابعة: وهی حذفهما. والأربعة فی الأفضلیة علی هذا الترتیب کما أفاده بالعطف بثُمّ. (قوله: علی المعتمد): أی من أقوال ثلاثة مصححة، قال فی الخزائن: وهو الأصح، کما فی الهدایة، والمجمع، والملتقی. وصحح فی المبسوط أنه کالمؤتم، وصحح فی السراج معزیاً لشیخ الإسلام أنه کالإمام. قال الباقانی: والمعتمد الأول اه". رد المحتار ص:۱/۵۱۹(۱)۔

"قال مولانا بحر العلوم: اعلم أنه قد جاء فی أدعیة القومة زائدا علی ما ذکرنا عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا رفع رأسه من الرکوع قال:"أللهم ربنا لك الحمد ملأ السموات وملأ الأرض وملأ ماشئت من شئ بعد أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد، وکلّنا لك عبد، أللهم لا مانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت، ولا ینفع ذالجد منك الجد". رواه مسلم(۲)۔

"وقید فی البذل الدعاء الطویل بانفراده صلی الله علیه وسلم، کذا فی باب ما جاء فی مایقول إذا رفع رأسه من الرکوع(۳)۔ فقد ظهر من العبارات المنقولة جواب المسئلة۔

---

(۱)(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفه الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۴۹۷، سعید)

(۲)(رواه مسلم فی صحیحه فی کتاب الصلاة، باب ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع: ۱/۱۹۰، قدیمی)

(وأبوداؤد فی سننه، فی کتاب الصلاة، باب ما جاء فی ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع: ۱/۱۳۰، إمدادیه)

(۳)"والحدیث الذی استدل به محمولٌ علی حالة الانفراد فی صلوٰة التطوع". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع: ۲/۶۸، مکتبه إمدادیه)

وبسط الأدعية في "الحرز الثمين" ص: ٢٦٢(١)۔ "إذا قام من الركوع، قال: "ربنا ولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه". خ، د، س، اھ". حصن، ص: ٤٠(٢)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

قومہ اور جلسہ کی دعا فرائض میں کیوں نہیں؟

سوال[۲۳۹۱]: قومہ اور جلسہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے، کیا فرض اور واجب نمازوں کے قومہ اور جلسہ میں بھی پڑھی جاتی ہے، اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بعض دعائیں ذرا طویل بھی وارد ہوئی ہیں (۳) وہ عامۃً نوافل میں ثابت ہیں، فرائض میں نہیں، اس

---

(١) (الحرز الثمين للحصن والحصين لعلي ابن سلطان محمد الهروي المعروف بالقاري نزيل مكة المكرمة)

(٢) (حصن حصين للجزري رحمه الله تعالیٰ، وإذا قام من الركوع، ص: ١٩٠، دار الإشاعت)

(ورواه البخاري في صحيحه، في كتاب الأذان، باب بلا ترجمة بعد باب فضل اللهم ربنا ولك الحمد: ١/١١٠، قديمي)

(٣) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان إذا رفع رأسه من الركوع قال: "اللهم ربنا لك الحمد ملء السموات والأرض وملء ما شئت من شيء بعد أهل الثنا والمجد أحق ما قال العبد، وكلّنا لك عبد، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع: ١/١٩٠، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا رفع رأسه من الركوع: ١/١٣٠، إمداديه)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: قال كان النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول بين السجدتين: "اللهم اغفرلي وارحمني وعافني واهدني وارزقني". (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب بين السجدتين: ١/١٣٠، امداديه) .... =

لئے فرائض کے قومہ جلسہ میں وہ نہیں پڑھی جاتیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۰ھ۔

سجدہ میں قرآنی دعائیں پڑھنا

سوال [۲۳۹۲]: نماز میں رکوع سجدہ کی تسبیحات کے بجائے قرآنی دعائیں انفرادی طور پر فرض یا نفل نماز میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن کے اندر جو دعائیں مختلف جگہوں پر ہیں ان کو جمع کر کے فرض و نفل نماز میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں رکوع سجدہ میں تسبیحات پر ہی کفایت مناسب ہے، قرآن کریم کی تلاوت سے احتراز کیا

= مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (کتاب الأذكار للنووی رحمه الله تعالىٰ، باب ما يقول في رفع رأسه من الركوع في اعتداله، ص: ۷۹، و باب ما يقول في رفعه رأسه من السجود و في الجلوس بين السجدتين، ص: ۸۴، مكتبه دار البيان)

(۱) "(قوله: وما ورد الخ) وبين السجدتين: "اللهم اغفرلي وارحمني وعافني واهدني وارزقني". .... (وقوله: محمول على النفل): أى تهجد أو غيره، ثم الحمل المذكور صرح به المشايخ في الوارد في الركوع والسجود، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة. وقال: على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الانفراد أوالجماعة، والمأمومون محصورون لايتثقلون بذلك". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أرا الشروع: ۱/۵۰۵، سعيد)

"ولم يذكر المصنف بين السجدتين ذكراً مسنوناً، وهو المذهب عندنا، وكذا بعد الرفع من الركوع وما ورد فيهما من الدعاء فمحمولٌ على التهجد ...... وكذلك بين السجدتين، فقد أحسن حيث لم ينهه عن الاستغفار صريحاً من قوة احترازه". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۵۶۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۳۰۷، سعيد)

جائے (١) اگرچہ قرآنی دعاء پڑھنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی (٢)، بعض دعائیں حدیث شریف میں آئی ہیں، نوافل میں ان کے پڑھنے میں مضائقہ نہیں (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٢/٢/٩٤ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١٢/٢/٩٤ھ۔

---

(١) قال العلامه الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح (على المذهب)، وما ورد محمول على النفل". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل إذا أراد الشروع: ١/٥٠٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/٥٥٢، ٥٦١، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/٣٠٧، سعيد)

(٢) تاہم کراہت سے خالی نہیں: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال نهاني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن أقرأ راكعاً وساجداً".

"فيه النهي عن قرأة القرآن في الركوع والسجود، وإنما وظيفة الركوع التسبيح ووظيفة السجود التسبيح والدعاء، فلو قرأ في ركوع أو سجود .... كره ولم يبطل صلوته". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب النهي عن قرأة القرآن في الركوع والسجود: ١/١٩١، قديمي)

"وتكره قرآة القرآن في الركوع والسجود والتشهد بإجماع الأئمة الأربعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين: ١/٥٢٣، سعيد)

(٣) "إن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بأته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول في ركوعه وسجوده: "سبّوح قدّوس رب الملئكة والروح". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود: ١/١٩٢، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكثر أن يقول في ركوعه وسجوده: "سبحنك أللهم ربنا وبحمدك أللهم اغفرلي". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التسبيح والدعاء في السجود: ١/١١١، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے: (كتاب الأذكار للنووي رحمه الله تعالىٰ، باب أذكار السجود، ص: ٨١، ٨٢، مكتبه دار البيان) ملاحظہ فرمائیں۔

دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کی تفصیل

سوال[۲۳۹۳] : ۱......کیا دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کوئی دعاء پڑھنی چاہئے؟

۲......کیا دعاء کا پڑھنا فرض ہے واجب ہے، سنت ہے مستحب ہے وغیرہ وغیرہ؟

۳......جلسہ میں اگر کوئی دعاء نہ پڑھی جائے تو نماز میں کوئی قصور تو نہیں آتا؟

۴......امام کے لئے جلسہ میں دعاء کا پڑھنا کیسا ہے؟ اگر امام یہ دعاء نہ پڑھے تو کیا جماعت میں کوئی قصور تو نہیں آتا؟

۵......مسجد میں میری نظر سے دفتی (۱) پر لگے ہوئے چند مسائل گذرے جس میں جلسہ کے درمیان یہ دعا پڑھنے کے لئے لکھا ہے:" اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی واجبرنی " (۲) اور یہ بھی لکھا تھا کہ "جلسہ میں دعاء کا پڑھنا سنت ہے اور اگر سنت ترک ہو جائے تو گنہگار ہوتا ہے"۔

۶......لیکن امام کے پیچھے اتنی طویل دعاء کا پڑھنا بھی ذرا مشکل ہے اور اگر خود امام پڑھے تو نمازی مقتدیوں کو ایک بار (بوجھ) معلوم ہوتا ہے، ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے؟

۷......یا اگر کوئی اور مختصر دعا جو وقت کے لحاظ سے پڑھی جاسکے، تحریر فرمادیجئے۔

جملہ امور کی تحقیقات کر کے مطلع فرمائیے، واجباً عرض ہے۔ فقط والسلام۔

نعمت اللہ جلال آبادی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

" ویجلس بین السجدتین مطمئناً، ولیس بینھما ذکرٌ مسنونٌ علی المذھب، وما ورد محمولٌ علی النفل، اھ". درمختار۔ "(قوله: ومار ورد الخ) وبین السجدتین: أللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی". رواہ أبوداؤد"(۳)۔

"(وقوله: محمول علی النفل): أی تھجدا أو غیرہ، ثم الحمل المذکور صرح به

(۱)"دفتی: جلد کے پٹھے، کاغذ رکھنے کے پٹھے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (رواہ الترمذی فی سننه فی أبواب الصلاة، باب ما یقول بین السجدتین: ۱/ ۶۳، سعید)

(۳) (رواہ أبو داؤد فی سننه فی کتاب الصلاة، الدعاء بین السجدتین : ۱/ ۱۳۰، امدادیه)

المشايخ فی الوارد فی الركوع والسجود، وصرح به فی الحلية فی الوارد فی القومة والجلسة. وقال: علىٰ أنه إن ثبت فی المكتوبة، فليكن فی حالة الانفراد أو الجماعة والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلك، اه". شامی ۱/۵۲۸(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں سجدوں کے درمیان مطلقاً دعاء کا پڑھنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، البتہ جب آدمی نوافل پڑھتا ہو، یا فرض تنہا پڑھتا ہو تو دعاء کا پڑھنا مستحب ہوگا، اور امام کے لئے اس شرط کیساتھ مستحب ہے کہ مقتدیوں کو گرانی نہ ہو، اگر امام پڑھتا ہے اور مقتدیوں کو بھی وقت مل جاتا ہے تب تو مقتدی بھی پڑھے ورنہ امام کا اتباع کرے۔ اگر امام پڑھے اور مقتدی نہ پڑھے یا دونوں نہ پڑھیں تب بھی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، اس دعاء کے چھوڑنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی۔

اگر کسی جگہ اس دعاء کو سنت لکھا ہے تو اس سے مراد سنتِ غیر مؤکدہ ہے جس کو مستحب بھی کہتے ہیں، اس کے چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوتا بلکہ سنتِ مؤکدہ کے چھوڑنے سے گناہ ہوتا ہے اور یہ سنتِ غیر مؤکدہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ نوافل میں ہے یا منفرد کے لئے، اور امام کے لئے اس شرط کے ساتھ ہے جس کا ذکر پہلے آچکا: جب مقتدیوں پر گرانی ہو تب امام کے لئے مستحب نہیں اور ایسی حالت میں مقتدیوں کے لئے بھی مستحب نہیں، اگر کوئی مختصر دعاء پڑھے تو وہ یہ ہے: "رب اغفرلی" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۵۰۵، سعيد)

"ولم يذكر المصنف بين السجدتين ذكراً مسنوناً وهو المذهب عندنا، وكذا بعد الرفع من الركوع، وما ورد فيهما من الدعاء فمحمول على التهجد، (قال يعقوب: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن الرجل يرفع رأسه من الركوع فی الفريضة، أيقول: أللهم اغفرلي؟ قال: يقول: ربنا لك الحمد وسكت) وكذلك بين السجدتين فقد أحسن حيث لم ينهه عن الاستغفار صريحاً من قوة احترازه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵٦۱، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۷، سعيد)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۴) .... =

نماز میں غیر ماثور دعائیں

سوال[۲۳۹۴]: جوالفاظ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان کے علاوہ دوسرے الفاظ سے دعاء مانگنا نماز کے اندر درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ "تکلم بکلام الناس" نہ ہوتو درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۱۴۰۱ھ۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا

سوال[۲۳۹۵]: قومہ سے جاتے ہوئے ہاتھوں کو کس ہیئت پر رکھا جائے گا، آیا "وضع الیدین علی الرکبتین" پر عمل کیا جائے گا یا ارسال یدین پر عمل کیا جائے گا؟ نیز بہشتی زیور کی عبارت کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سجدہ میں جائے (۲)، اس پر نہ کوئی حاشیہ اور نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نیز فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں کیا، کسی فقہی کتاب سے یہ مسئلہ ثابت نہیں۔ پھر علمائے ہند حالت مذکور میں وضع کو مستحب اور علمائے پاکستان ارسال کو افضل کیوں بتاتے ہیں؟ جیسے کہ احسن الفتاویٰ کی عبارت سے ظاہر و باہر ہے(۳)۔ پس وضع یا ارسال اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو، تحریر فرمائیں، نیز افضل و مفضول کو بھی تحریر

= "عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه أنه انتهى إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقام إلى جنبه ...... وكان يقول بين السجدتين: "رب اغفرلي، رب اغفرلي". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين: ۱/۱۷۲، قديمي)

(۱) "(ودعا) .... بالأدعية المذكورة في القرآن والسنة، لا بما يشبه كلام الناس". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ۱/۵۷۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة، : ۱/۳۲۰، ۳۲۱، سعيد)

(۲)(بہشتی زیور، حصہ یازدہم، فرض نماز کے بعض مسائل، ص:۵۲۷، دارالاشاعت کراچی)

(۳) (احسن الفتاوى، باب صفة الصلوة و ما يتعلق بها : ۳/۵۰، سعيد)

فرمائیں۔ نیز دونوں شقوں میں سے کونسی شق پر عمل کرنا زیادہ اولیٰ وانسب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صراحةً یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا، معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کورانوں اور گھٹنوں پر رکھ یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں:

"ويمكن أن يشم راحة الاستدلال من حديث: "استعينوا بالركب اهـ". الجامع الصغير (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۶ھ۔

سجدہ میں جاتے ہوئے مقتدی کو تکبیر کہنا

سوال[۲۳۹۶]: امام جب تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کریں یا بلا تکبیر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی بھی تکبیر کہے گا جیسا کہ شامی میں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۵ھ۔

سجدۂ مسنون

سوال[۲۳۹۷]: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: اشتكى أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مشقة السجود عليهم إذا تفرجوا، فقال: "استعينوا بالركب". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في الاعتماد في السجود: ۱/۶۴، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الرخصة في ذلك: ۱/۱۳۰، دار الحديث ملتان)

(۲) "وثمانية تفعل مطلقاً: الرفع لتحريمة، والثناء و تكبير انتقال اهـ". (الدر المختار).

"(قوله: و تكبير انتقال): أي إلى ركوع أو سجود أو رفع منه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، شروط المحاذاة، ص: ۵۲۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

سجدہ میں دیر تک رہتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تنہا نماز پڑھتے تو سجدہ میں دیر تک رہتے تھے اور سجدہ ایسا کشادہ کرتے تھے کہ بکری کا بچہ آپ کے نیچے کو نکلنا چاہے تو نکل جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورت کے لئے سجدہ اور جلسہ کی ہیئت

سوال[۲۳۹۸]: عورت کی نماز میں بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ ''سجدہ کے وقت ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے مگر پاؤں کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی طرف نکالدے انتہیٰ''۔ ایضاً: جب دوسرا سجدہ کرے تو بائیں چوتڑ پر بیٹھے، انتہیٰ'' (۲)۔ پہلے مسئلہ میں بحر کا حوالہ ہے ''إنها لا تنصب أصابع القدمين'' (۳)۔

مجھ کو یہ علم تھا کہ پہلے سجدہ میں بائیں پیر پر بیٹھے اور دایاں پاؤں مثل مرد کے کھڑا رکھے اور خوب سمٹ کر

---

(۱) ''عن ميمونة رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كان إذا سجد، جافىٰ بين يديه، حتى لو أن بهمةً أرادت أن تمر تحت يديه، مرت''. (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب صفة السجود: ۱/۱۳۰، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب التجافي في السجود: ۱/۱۶۶، ۱۶۷، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في التجا في في السجود: ۱/۶۳، سعيد)

''(قوله: و جافى بطنه عن فخذيه): أي باعده لحديث مسلم: ''كان إذا سجد جافى بين يديه حتى لو أن بهمةً أرادت أن تمر بين يديه مرت''. و لحديث أبي داؤد في صفة صلوته عليه السلام: ''إذا سجد فرج بين فخذيه غير حامل بطنه على شيء من فخذيه''. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۱۷، إمداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، دار الاشاعت کراچی)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۶۱، رشيديه كوئٹه)

اور دب کر سجدہ کرے، اگر بقول مولانا پاؤں دائیں طرف نکال دیگی تو تورّک کی صورت ہوگی جو تشہد کے سوا نہ چاہئے کہ بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا نہ کرے، بلکہ داہنے طرف نکالدے یا کھڑا رکھے۔ بہر حال تفصیل ہونی چاہئے، مع حوالہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحر والی عبارت طحطاوی، شامی، سعایہ میں بھی موجود ہے (۱)، اس کے خلاف فقہ حنفیہ میں کہیں نہیں دیکھا اگرچہ پاؤں داہنی طرف نکالنے کی کوشش کہیں نہیں ملی (۲)، لیکن پاؤں کھڑے نہ کرنے کی تصریح بہت سی کتابوں میں ہے:

"والمرأة مستثناة من أمر النصب لما أن الأحب في حقها ما هوا أسترلها، كما يفهم من الروايات الأخيرة، كما رواه أبو داؤد مرسلاً، اهـ". الكوكب الدري: ۱/۱۳۶ (۳)۔

جو کیفیت عورت کے سجدہ کی فقہاء نے بیان کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پیر داہنی طرف نکال لے ورنہ اس کو دقت ہوگی: "والمرأة تنخفض فلا تبدی عضديها و تلصق بطنها بفخذيها؛ لأنه أستر اهـ" طحطاوی: ۱/۲۲۳ (۴) پیر کھڑے رکھنے سے الصاق بطن دشوار ہوتا ہے۔

---

(۱) "انها لا تنصب أصابع القدمين". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل: الشروع في الصلوة: ۱/۲۲۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۴، سعيد)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۰۶، ۲۰۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "وإن كانت امرأة، جلست على إليتها اليسرى، و أخرجت رجليها من الجانب الأيمن، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة و آدابها: ۱/۷۵، رشيديه)

(۳) (الكوكب الدري، أبواب الصلوة، باب ما جاء في وضع اليدين و نصب القدمين: ۲/۱۳۶، المكتبة اليحيوية سهارنفور، (الهند)

(۴) یہ عبارت درمختار کی ہے، دیکھئے: (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۴، سعيد) .... =

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جلسہ بین السجدتین کی کیفیت قعود تشہد کی طرح ہے اور قعود تشہد میں پیروں کا داہنی طرف نکالنا عورت کے حق میں سب جگہ مصرح ہے:

"و یرفع رأسه مكبراً، و يجلس، ولم يذكر كيفيته، و فسره القهستاني بقوله: أي يوقع الجلوس المعهود من الرجل والمرأة انتهى، فأشار إلى أن كيفية هذا الجلوس هو كيفية جلوس التشهد عندنا. و قال العلامة قاسم ابن قطلوبغا في رسالته الأسوس في كيفية الجلوس: بعض إخواني سألني عن كيفية الجلوس بين السجدتين عند علمائنا، فأجبت بأنها كجلسة التشهد اهـ". سعايه : ۲/۲۰۷(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

سوال متعلقہ استفتاء بالا

حضرت مولانا مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور عمت افاداتہ! سلام مسنون

میرے استفسارات: ۱۷/ ۴۲۸ کا جواب موصول ہوا۔

سوال[۲۳۹۹]: میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ "سجدہ کے وقت ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے مگر پاؤں کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی طرف نکالدے انتہی"۔ ایضاً "جب دوسرا سجدہ کر چکے تو بائیں چوتڑ پر بیٹھے، انتہی" (۲)۔ پہلے مسئلہ میں بحر کا حوالہ ہے: "إنها

= البتہ قدرے تغیر کے ساتھ مراقی الفلاح میں بھی موجود ہے:

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ، كتاب الصلوة، باب في كيفية ترتيب، ص: ۲۸۳، قديمي)

(و كذا في المبسوط ، كتاب الصلوة، كيفية الدخول في الصلوة : ۱/۱۱۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۲/۲۰۶، ۲۰۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۷۷، سعيد)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، دار الاشاعت کراچی)

لا تنصب أصابع القدمين"(۱)۔

آپ نے جواب ارسال فرمایا ہے: ''بحر والی عبارت طحطاوی (۲) سعایہ (۳) وغیرہ میں بھی موجود ہے، اس کے خلاف فقہ حنفیہ میں کبھی کوئی جزئیہ نہیں دیکھا، مگر پاؤں داہنی طرف نکالنے کی تصریح بھی نہیں مل سکی، لیکن پاؤں نہ کھڑے کرنے کی تصریح بہت سی کتابوں میں ہے : "والمرأة مستثناة من أمر النصب بما أن الأحب في حقها هو أسترلها كما يفهم من الروايات الأخر كما رواه أبو داود مرسلاً". الكوكب الدرى : ١/١٣٦(٤).

جو کیفیت عورت کے سجدہ کی فقہاء نے بیان کی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ پیر داہنی طرف نکال لے ورنہ اس کو دقت ہوگی: "والمرأة تنخفض، فلا تبدى عضديها، وتلصق بطنها بفخذيها؛ لأنه أسترلها". طحطاوی: ۱/۲۲۳(۵) کھڑے رکھنے سے الصاق بطن دشوار ہوتا ہے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جلسہ بین السجدتین کی کیفیت قعود وتشہد کی طرح ہے اور قعود وتشہد میں پیروں کا داہنی نکالنا عورت کے حق میں سب جگہ مصرح ہے :

---

(۱) (البحر الرائق ، كتاب الصلوة ، باب صفة الصلوة : ۱/۵٦۱، رشيديه كوئٹه)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار ، كتاب الصلوة، فصل الشروع فى الصلوة : ۱/۲۲۳، دارالمعرفة بيروت)

(۳) (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۲/۲۰٦، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) (الكوكب الدرى، أبواب الصلوة، باب ما جاء فى وضع اليدين و نصب القدمين : ۲/۱۳٦، المكتبة اليحيوية سهارنفور الهند)

(۵) یہ عبارت درمختار کی ہے، دیکھئے: (الدر المختار ، كتاب الصلوة، فصل فى بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۴، سعيد)

البتہ قدرے تغیر کے ساتھ مراقی الفلاح میں بھی موجود ہے:

(مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح ، كتاب الصلوة، باب فى كيفية ترتيب، ص: ۲۸۳، قديمى)

"و یرفع رأسه مکبراً، و یجلس، و لم یذکر کیفیته، و فسره القهستانی بقوله: أی یرفع لا بجلوس المعهود من الرجل والمرأة انتهیٰ. فأشار إلی أن کیفیة هذا الجلوس کیفیة جلوس التشهد عندنا، فقال العلامة القاسم بن قطلوبغا فی رسالته الأسوس فی کیفیة الجلوس: بعض إخوانی سألنی عن کیفیة الجلوس بین سجدتین عند علمائنا، فأجبته بأنها کجلسة التشهد". سعایة: ۲/۳۰۷(۱).

اب آپ کا ارشاد ختم ہوا، مجھے جناب کے اس ارشاد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جلوس بین السجدتین میں عورت تَوَرُّک کرے حالانکہ بہشتی زیور میں تشہد میں تَوَرُّک کی تصریح کی ہے، یہاں بھی تورک ہوتا تو تَوَرُّک لکھ دیتے، لہٰذا اگر دونوں جگہ تَوَرُّک ہو تو ضرور تورک کرنا چاہئے، بائیں پیر پر بیٹھنا جائز نہ ہوگا، یعنی جلوس بین السجدتین۔

اب ارشاد فرمایئے کہ میں نے عبارات کا مطلب صحیح سمجھا یا نہیں؟ حالانکہ بائیں پیر پر بیٹھنے میں الصاقِ بطن بخوبی ہوتا ہے اور جلوس بین السجدتین وجلسہ تشہد میں فرق ہے، دونوں جگہ تورک نہیں ہے۔ قاسم بن قطلوبغا کون ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جلسہ بین السجدتین کی کیفیت حنفیہ کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسی جلوسِ تشہد کی ہے یعنی مرد کے حق میں داہنا پیر کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھنا اور عورت کے حق میں تورک کرنا (۲)۔ بہشتی زیور میں اس کی کیفیت ذکر نہیں

(۱) (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۰۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "وافتراش رجله الیسری فی تشهد الرجال".

"(قوله: وافتراش رجله الیسری): أی مع نصب الیمنیٰ سواء کان فی القعدة الأولی أو الأخری؛ لأنه علیه الصلاة والسلام فعله کذلک .... (قوله: فی تشهد الرجال): أی هو سنة فیه، بخلاف المرأة، فإنها تتورّک. والجلسة بین السجدتین، و وضع یدیه فیها علی فخذیه کالتشهد للتوارث.......... لأن هذه الجلسة مثل جلسة التشهد، و لو کان فیها مخالفة لها، بینوا ذلک کما بینوا أن الجلسة الأخیرة تخالف الأول فی التورک، فلما أطلقوها علم أنها مثلها، و لهذا قال القهستانی هنا:=

کی، صرف اس قدر لکھا ہے کہ ’’پھر ’’اللہ اکبر‘‘ کہتی ہوئی اٹھے اور خوب اچھی طرح بیٹھ جاوے تب دوسرا سجدہ ’’اللہ اکبر‘‘ کہہ کر کرے‘‘(۱)۔ لیکن سعایہ کی عبارتِ منقولہ میں اس کی تصریح موجود ہے، لہٰذا عورت جلسہ بین السجدتین اور قعدۂ تشہد دونوں میں تورک ہی کرے اور بہشتی زیور کی کوئی عبارت اس کے خلاف بھی نہیں، صرف اتنا ہے کہ قعدۂ تشہد کی کیفیت صراحت فرما کر ذکر کر دی ہے اور جلسہ بین السجدتین کی کیفیت ذکر نہیں کی ہے۔

الصاقِ بطن کا مسئلہ جلسہ کے متعلق نہیں بلکہ سجدہ کے متعلق ہے یعنی سجدہ میں پیر کھڑے کرنے سے الصاقِ بطن نہیں ہوتا، بلکہ داہنی طرف نکالنے سے ہوتا ہے، پس سجدہ میں عورت کو چاہئے کہ پیر کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی طرف نکال لے تاکہ الصاقِ بطن ہو جائے (۲)۔ نیز آپ نے فرمایا کہ بائیں پیر پر بیٹھنے سے الصاق بطن بخوبی ہو جاتا ہے بے محل ہے۔

قاسم ابن (ق ط ل و ب غ ا) ۸۰۲ھ میں پیدا ہوئے، شیخ ابن حجر شارحِ بخاری اور شیخ ابن ہمام حنفی شارحِ ہدایہ وغیرہ وغیرہ کے شاگرد ہیں، بہت بڑے درجہ کے محدث اور فقیہ ہیں، ۸۷۹ھ میں وفات پائی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= ویجلس: أی الجلوس المعهود". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۷، سعید)

(وکذا فی السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۰۶، ۲۰۷، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "وإن کانت امرأة، جلست علی إلیتها الیسری، وأخرجت رجلیها من الجانب الأیمن، کذافی الهدایة". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع فی صفة الصلوة، الفصل الثالث فی سنن الصلوة وآدابها: ۱/۷۵، رشیدیه)

"والمرأة تنخفض، فلا تبدی عضدیها، و تلصق بطنها بفخذیها؛ لأنه أستر". (الدر المختار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۵۰۴، سعید)

"انها لا تنصب أصابع القدمین". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوة: ۱/۵۰۴، سعید)

رکوع میں الصاق کعبین

سوال[۲۴۰۰]: صورتِ الصاق کعبین (بوقت رکوع) و حکمش چیست؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"وسننها تكبير الركوع والرفع منه بحيث يستوى قائماً والتسبيح فيه ثلاثاً وإلصاق كعبيه اهـ" در مختار۔ قال الطحطاوى: "(قوله: وإلصاق كعبيه) حالة الركوع، هذا إن تيسر له، وإلا فكيف يتيسر له على الظاهر اهـ" (ص: ۲۱۳)(۱) ازیں عبارت واضح شد کہ اگر آسان شود بحالتِ رکوع الصاقِ کعبین مسنون است، و لیکن بعض محققین انکار سنیتش نموده اند(۲). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳/۳/۵۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۱۳، دار المعرفة بيروت)

"قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذاة، و ذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لآخر، فلا يتقدم أحدهما على الأخر. و ظاهر لفظ الشارح يقتضي اللصوق و نفى التفريج، و لذا قال السيد أحمد هذا: أى إلصاق كعبيه إن تيسر له". (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الصلوة، تتمة من السنن التى تسن فى الركوع: ۲/۱۸۰، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) "قلت: لقد دارت هذه المسئلة فى سنة أربع و ثمانين بعد الألف والمأتين بين علماء عصرنا، فأجاب أكثرهم بأن إلصاق الكعبين فى الركوع و السجود ليس بمسنون و لا أثر له فى الكتب المعتبرة، والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزق المصلى أحد كعبيه بالأخر و لا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما، و سبق إليه فهم المفتى أبى السعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح. .... وإن كان المراد به محاذاة أحد الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندى، فهو أمر حق ولا بُعد فى حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فى القرب". (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ۲/۱۸۰، ۱۸۱، كتاب الصلوة، تتمة من السنن التى تسن فى الركوع. سهيل اكيدمى)

ایضاً

سوال[۲۴۰۱]: "إلصاق الكعبين فى الركوع والسجود سنة أم لا"؟ شامی کی روایت پر اکتفا کر کے عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی کسی نے اس قسم کا سوال کیا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کہا ''شامی کی روایت پر عمل کرنا درست ہے، ہاں! اگر کوئی شخص نہ مانے تو اس پر ملامت نہیں کی جائیگی'' (۱)۔ لیکن مفتی صاحب کے عمل اور عدمِ عمل کی جانب میں سے کسی کو ترجیح نہ دینے کی وجہ سے اس مسئلہ نے معرکۃ الاراء صورت اختیار کرلی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مدت میں آپ کی تحقیق میں کوئی نئی بات آئی ہے یا نہیں؟ سعایہ میں ہے کہ الصاق الكعبين فى الركوع والسجود مناسب ہے (۲)، کیا شامی معتبر کتابوں میں سے نہیں ہے؟ صاحبِ سعایہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز کتبِ فقہیہ میں سعایہ کا درجہ کیا ہے؟

مولانا عبدالحق صاحب، دارالعلوم بانسکنڈی، کچھاڑ آسام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے پہلے بھی اس مسئلہ پر آپ کے اطراف میں بہت بحث ہوچکی ہے، اہلِ علم حضرات نے زورِ قلم صرف کیا ہے، احقر کے خیال میں یہ اتنا اہم نہیں کہ اس طرح اس پر مناظرہ ومجادلہ کیا جائے۔

الصاق کعبین کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں: محاذاۃ، والزاق (۳)، اول تو قیام، رکوع وسجود سب ہی

---

(۱)(فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الصلوة، الباب الرابع فى صفة الصلوة، فصلِ ثالث سنن وکیفیت نماز: ۲/۲۰۰، امداديه ملتان)

(۲) (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ۲/۱۸۰، ۱۸۱، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) "والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بالصاق الكعبين أن يلزق المصلي أحد كعبيه بالآخر و لا يفرج بينهما، كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتي أبي السعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح .... وإن كان المراد به محاذاة احدى =

جگہ ہے، ثانی کو بعض نے رکوع کی سنت قرار دیا ہے، بعض نے سجود میں بھی مانا ہے اور قیام میں چار انگل کا فصل مسنون ہے جو کہ معنی ثانی کے منافی ہے:

"وتفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع اهـ". نور الإيضاح(۱)۔ "ويسن أن يلصق كعبيه و ينصب ساقيه اهـ". در مختار (۲)۔ "قال السيد أبو السعود: وكذا في السجود أيضاً. وسبق في السنن أيضاً، والذي هو سبق هو قوله: وإلصاق كعبيه في السجود سنة"۔ درمختار ۔ "ولا يخفى أن هذا سبق نظرٍ، فإن شارحنا لم يذكر لا في الدر المختار و لا في الدر المنتقى، ولم أره لغيره أيضاً فافهم. نعم ربما يفهم ذلك من أنه إذا كان السنة في الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاء هما ملصقين في حالة السجود أيضاً تأمل، اهـ" . شامی (۳)۔

سعایہ میں اس کا التزام نہیں کہ قولِ راجح ہی کو نقل کیا جائے، اس کا بھی اہتمام نہیں کہ اقوالِ مختلفہ کو نقل کر کے قولِ راجح کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ وہ فتوے کی کتاب نہیں۔ شرح وقایہ کی شرح شروع کی تھی مگر اس میں بسط بہت کیا گیا ،قدرِ قلیل کی شرح ہو سکی، تمام نہیں ہوئی، یہ بھی ممکن ہے کہ نظر چوک گئی ہو۔

صاحب سعایہ میں بعض جگہ شانِ اجتہاد بھی معلوم ہوتی ہے حتی کہ فقہ کے متونِ مسلّمہ کے خلاف بھی اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھ جاتے ہیں، چنانچہ ان کا ایک رسالہ ہے جس میں جماعة النساء کے لئے ثبوت فراہم کیا

= الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندي فهو أمرٌ حقٌ، و لا بُعد في حمل إلصاق على المحاذاة، فإنه جاء استعماله في القرب، اهـ".(السعاية في كشف ما في شرح الوقاية ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱۸۱/۲ ،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) (نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلوة في بيان سننها، ص: ۲۶۲ ، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۴۴۴/۱، سعيد)

(۲) (الدر المختار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۴۹۳/۱، سعيد)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار، المصدر السابق)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱۸۱/۲ ،سهيل اكيڈمی لاهور)

ہے، جو کہ مسلکِ امام اعظم کے خلاف ہے(۱)۔ نصابِ زکوۃ وصدقۃ الفطر کے متعلق بھی ان کی رائے دیگر اکابر کے خلاف ہے جس کی تغلیط کی گئی ہے(۲)۔ حواشی لامع الدراری وغیرہ شروحِ حدیث میں کسی قول کا نقل کرنا فتوے کے لئے نہیں ہوتا، کبھی غرابت کے لئے بھی نقل کیا جاتا ہے، اَور بھی وجوہ نقل ہوئی ہیں۔ اسلم طریقہ احقر کے خیال میں وہ ہے جو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "رسالة مستقلة مسماة "تحفة النبلاء في جماعة النساء" من مجموعة رسائل اللكنوي، ج: ۵، إدارة القرآن)

(۲) "إعلم أن الوزن المعروف في بلادنا ما هجة و تولجة هو الذي يقال له: توله إثنا عشرة ماهجة، و هو الذي يقال له: ماشة والماهجة يكون لثمانية أجزاء، كل جزء منها يسمي بالفارسية سرخ، و يقال بالهندية: رتي، و نسميه بالأحمر، و هذا الجزء يكون بقدر أربع شعيرات، فيكون المثقال الذي هو مائة شعيرة خمسة و عشرين جزء الأحمر، وهو ثلث ماهجة وأحمر واحد. فيكون نصاب الذهب وهو عشرون مثقالاً مقدار خمس تولجة واثنتين و نصف ماهجة، كما يعلم من ضرب ثلث ماهجة و أحمر في عشرين، هذا في الذهب. و أما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، و كل درهم أربعة عشر قيراطاً يعني سبعين شعيرةً، فتحصل في درهم سبعة عشر و نصف احمر وهو ماهجتان و واحد و نصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتي درهم ستاً و ثلثين تولجة و نصف ماهجة". (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، كتاب الزكوة، باب زكوة الأموال: ۱/۲۲۹، سعيد)

صدقۃ الفطر کے متعلق حضرت کی رائے: "(قوله: بثمانيه أرطال من الحنطة اهـ) الرطل عشرون أستاراً، والأستار كما سيذكره الشارح أربعة مثاقيل ونصف مثقال، والمثقال درهم وثلثة أسباع درهم، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيرط خمس شعيرات، فيكون الدرهم سبعين شعيراً، ويكون المثقال مائة شعير أي عشرين قيراطاً، ويكون الأستار ستة دراهم وثلثة أسباع درهم: أي أربع مائة وخمسين شعيراً، ويكون الرطل تسعين مثقالاً: أي مائة وثمانية وعشرين درهم ونصف درهم ونصف سبع درهم. ويكون المن وهو رطلان مائة وثمانين مثقالاً: أي مائتين وسبعة وخمسين درهما وسبع درهم ويكون الصاع سبعمائة وعشرين مثقالاً أي: ألفاوثمانية وعشرين درهماً ونصف درهم ونصف سبع درهم، هذا على مااختاره الشارح وذكر صاحب مجمع البحرين في شرحه أن الصاع أربعة امناء والمن رطلان والرطل عشرون أستارا و الاستار ستة دراهم ونصف درهم والدرهم أربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات، فيكون الصاع بوزن الرطل ثمانية أرطال، وبوزن الأستار مائة وستين أستاراً، وبوزن الدراهم ألفا =

ایضاً

سوال[۲۴۰۲]: الصاقِ کعبین حالتِ رکوع میں سنت ہے یا نہیں؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔ سعایہ ص:۱۸۰، میں عدمِ سنت کی دلیل نقل کی گئی ہے(۱)۔ اس کے رد میں اگر دلائل ہوں تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ رکوع میں الصاقِ کعبین کا مسئلہ فقہ کے متونِ متقدمہ میں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر الروایہ کا مسئلہ نہیں، اس لئے کہ جو متون ظاہر الروایۃ سے لئے گئے ہیں، وہ بھی اس سے خالی ہیں، بعض شروح میں البتہ اس کو سنتِ رکوع قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں الصاقِ حقیقی مراد نہیں بلکہ حکمی مراد ہے، جیسے: "مررت بزید: أي بمكان يقرب منه زيد" غالباً اس لئے لفظ "یضم" نہیں فرمایا گیا ہے، جیسے حالتِ سجود میں انگلیوں کے متعلق کہا گیا ہے "ویضمها كل الضم"۔ نیز اگر الصاقِ کعبین حقیقۃً کو سنت کہا جائے تو تمام قدم کا قدم سے الصاق ہونا چاہیے اور دوسرے کی مائلِ جنوب، حالانکہ فقہاء انگلیوں کو قبلہ رو رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں حتی کہ حالتِ سجود اور حالتِ قعود میں بھی تاکید ہے اگرچہ اس میں دشواری ہوتی ہے، اگر قبلہ رُو کیا گیا الصاق کے ساتھ ہی تو محض کعبین کا الصاق نہیں ہوگا، بلکہ قدمین کا الصاق ہوگا، پھر الصاقِ کعبین سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ نیز رکوع میں نماز کا نصفِ اول بحکمِ قیام رکھتا ہے اور حالتِ قیام میں قدمین کے درمیان اربع اصابع کا فاصلہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اور الصاقِ کعبین اس کے منافی ہے، کیونکہ اس قیام میں قدمین کا لفظ کعبین پر بھی مشتمل ہے۔ بعض روایاتِ حدیث میں الصاقِ کعبین کا تذکرہ ہے تو وہ درحقیقت تسویۂ صفوف کے لئے ہے اور اس کی تائید میں "حاذوا المناكب" اور "سوّوا" وغیرہ الفاظ مذکورہ ہیں(۲) یعنی صفیں سیدھی رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ کعبین محاذی رہیں اور ایک کا منکب

= و أربعين درهماً. وهذا هو الذي اختاره في الدر المختار وغيره". (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر: ۱/۲۳۹، سعيد)

(۱) (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۱۸۰، ۱۸۱، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله وملائكته يصلون على الصف الأول .... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سووا صفوفكم وحذو بين مناكبكم ولينوا في أيدي إخوانكم وسدو الخلل الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصف، الفصل الثاني: ۱/۹۸، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۴، إمداديه)

دوسرے کے منکب سے مل جائے۔ کتبِ فقہ: فتح القدیر، بدائع، البحر، زیلعی، طحاوی، شامی، عالمگیری، خانیہ وغیرہ اورشروحِ احادیث بذل المجہود، منہل، معالم السنن وغیرہ سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال وإلیه الرجوع فی المبداء والمال۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ شعبان/ ۸۷ھ۔

سجدہ میں الصاق کعبین

سوال[۲۴۰۳]: العرف الشذی، ص: ۱۳۴، "باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے: "الرص بین العقبین فی السجدة ای ضمها الخ" (۲)، اس "الرص بمعنی الضم" سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایڑیاں صرف سجدہ میں ملائی جائیں اور پنجے الگ رہیں، اس ملانے کی حیثیت صرف مستحب کی ہوگی یا سنت کی، ورنہ اگر کوئی نہ ملائے جیسا کہ عام معمول ہے تو نماز پر کیا اثر ہوگا، خلاف اولیٰ یا کراہت؟ فقہ کی جو کتابیں عموماً پڑھائی جاتی ہیں اس کا ان میں تذکرہ نہیں ملتا، وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ حالتِ سجود میں بھی الصاق کعبین کا حکم ہے: "إذا کان السنة فی الرکوع إلصاق الکعبین

---

(۱) "وینبغی للقوم إذا قاموا إلی الصلوة أن یترصوا ویسد والخلل ویسووا بین مناکبهم فی الصفوف".
(تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة والحدث فی الصلوة: ۱/ ۳۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۵۹، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۸، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان مقام الإمام والمأموم: ۱/ ۲۷۹، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب الصلوة، باب تسویة الصفوف: ۱/ ۳۶۰، إمدادیه)

(۲) (العرف الشذی علی جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/ ۶۹، سعید)

ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاءهما ملصقين في حالة السجود أيضاً".

الشامی: ۱/۲۳۲ (۱)۔اور إلصاقِ کعبین ضمِ عقبین کو مستلزم ہے اس لئے اس کے بغیر الصاق کعبین کما حقہ نہیں ہوگا اور جو چیز سنت کے لئے معین بنے وہ کم از کم استحباب کے درجہ میں ہوگی (۲) خصوصاً جب کہ روایتِ مذکورہ فی السوال میں اس کی تائید ہوتی ہے، تاہم پنجوں میں کچھ فصل ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۸ھ۔

سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا

سوال[۲۴۰۴]: علم الفقہ (مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) میں نماز کی سنتوں کے بیان میں ہے کہ ''سجدہ کی حالت میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر (جوڑ کر) رکھیں'' (۳)۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا واقعی مسنون ہے؟ آج تک میں نے کسی کتاب میں بھی نہیں دیکھا اور نہ کسی عالم سے سنا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوڑ کر یا ملا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ رکھے، یہ نہ کرے کہ ایک گھٹنا مثلاً داہنا پہلے رکھے اور دوسرا (بایاں) بعد میں رکھے اور یہ کتب فقہ میں موجود ہے کہ دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے جائیں، اس کو لفظ ''ملا کر'' سے تعبیر کیا ہے :"لا تيامن في وضع الركبتين". شامی (۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) (رد المحتار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۴۹۳، سعيد)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية ، كتاب الصلوة، تتمة السنن التي تسن في الركوع: ۲/۱۸۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "لأن مالا يتوصل إلى الفرض إلا به، فهو فرض". (رد المحتار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۴۹۹، سعيد)

(۳) (علم الفقه، حصہ دوم، متفرق مسائل، نماز کی سنتیں، ص: ۲۲۰، دارالإشاعت، كراچی)

(۴) (رد المحتار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۴۹۸، سعيد)

(السعايه في كشف ما في شرح الوقاية ، كتاب الصلوة، تتمة السنن التي تسن في الركوع: ۲/۱۹۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفاظِ تشہد میں اضافہ

سوال[۲۲۰۵]: التحیات میں "أشهد أن لا إله إلا الله" کے بعد "وحده لا شريك له" پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ یہ سنت ہے یا نہیں؟

(حافظ علی احمد گودھنا)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جگہ "وحده لا شريك له" پڑھنا بعض روایات میں آیا ہے(۱) لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نہیں (۲)، اسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار فرمایا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبي بشر سمعت مجاهداً يحدّث عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في التشهد التحيات لله الصلوات الطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته. قال: قال ابن عمر: زدت فيها وبركاته السلام علينا وعلى عبادالله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله. قال ابن عمر: زدت فيها وحده لاشريك له وأشهد ان محمداً عبدهٗ ورسوله". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة بعد التشهد ١/١٤٢، مكتبة إمداديه)

(وسنن النسائي، كتاب الصلاة، كتاب الإفتتاح، باب الإشارة بالأصبع في التشهد الأول: ١/١٧٥، قديمي)

(۲) "عن شقيق بن سلمة قال: قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا إذاصلينا خلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: السلام على جبرئيل و ميكائيل، السلام على فلان و فلان، فالتفت إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "إن الله هو السلام، فإذا صلى أحدكم فليقل: التحيات لله و الصلوات و الطيبات السلام عليك أيها النبي و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين، فإنكم إذا قلتموها أصابت كل عبدٍ لله صالحٍ في السماء والأرض أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده و رسوله". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ١/١١٥، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوات، باب التشهد: ١/١٣٩، دار الحديث ملتان)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوات، باب ما جاء في التشهد: ١/٦٥، سعيد)

(۳) "ويقرأ تشهد ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه وجوباً كما بحثه في البحر، لكن كلام غيره يفيد ندبه، وجزم شيخ الإسلام الجد بأن الخلاف في الأفضلية، ونحوه في مجمع الأنهر". (الدر المختار، كتاب =

تشہد میں "السلام علیك" پر کیا نیت کرے؟

سوال[۲۴۰۶]: جوهره نیره میں ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ تشہد میں "السلام علیك" کہتے وقت حکایتِ صلوۃ کا خیال ہونا چاہئے جو معراج میں ہوئی تھی (۱)۔ شامی میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ انشائے صلوۃ مدِ نظر رہنا چاہئے، اِخبار اور حکایت نہیں (۲)۔ ان دونوں قولوں میں کون صحیح ہے؟ دوسرے یہ کہ انشائے صلوۃ کی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب بالواسطہ ہوگا یا بلا واسطہ، اگر بالواسطہ ہوگا تو اس کی تصریح کہاں ہے اور اگر بلا واسطہ ہے تو کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں؟ صاحب جوہرہ کون ہیں، ان کے ہمنوا اس مسئلہ میں کون کون ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شامی کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے۔ خطاب حاضر وناظر جان کر نہیں بلکہ اس اعتقاد کے ماتحت ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے پیش کیا جائے، جیسا کہ خط میں کسی کو خطاب کیا جاتا ہے اور یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ مکتوب الیہ حاضر ہے بلکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ڈاک کے ذریعہ سے یہ خط مکتوب الیہ کے پاس پہونچ جائے گا، حدیث شریف میں موجود ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقرر فرما رکھے ہیں جو درود وسلام پہونچاتے ہیں" البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو درود وسلام پڑھا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود سنتے ہیں (۳)۔

= الصلوة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۱۰، سعيد)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، كيفية الدخول في الصلوة: ۱/۱۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۶۵، رشيديه)

(۱) "(قوله: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله و بركاته): أي ذلك السلام الذي سلمه الله عليك ليلة المعراج، فهذا حكاية عن ذلك السلام لا ابتداء السلام، و معنى السلام: أي السلامة من الآفات".

(الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۶۵، حقانيه ملتان)

(۲) "ويقصد بألفاظ التشهد معانيها مرادةً له على وجه الإنشاء كأنه يحي الله تعالىٰ ويسلم على نبيه وعلى نفسه وأوليائه، لا الإخبار". (الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۱۰، سعيد)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ=

"(ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) رفعه: إن للّٰه ملائكةً سياحين فی الأرض يبلغونی من أمتی السلام" للنسائی"(۱)۔

"(عمار بن ياسر) إن اللّٰه وكل بقبری ملكاً أعطاه أسماع الخلائق، فلا يصلی علیّ أحدٌ إلی يوم القيامة إلا أبلغنی باسمه واسم أبيه هذا فلان بن فلان قد صلی عليك". للبزار بضعف"۔

"(عبد اللّٰه بن دينار) رأيت ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما يقف علی قبر النبی صلی اللّٰه تعالی عليه وسلم، فيصلی علی النبی صلی اللّٰه تعالی عليه وسلم وأبی بكر و عمر". لمالك، اهـ". جمع الفوائد: ۲/۲۷۲، ۲۷۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

تشہد میں "والطيبات" کو "السلام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا

سوال[۲۲۰۷]: تشہد میں لفظ "والطيبات" کو لفظ "السلام عليك" سے ملانا افضل ہے یا جدا پڑھنا افضل ہے اور دوسرے لفظ "و بركاته" کو "السلام عليك" سے ملانا افضل ہے یا جدا پڑھنا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جدا کرکے پڑھنا افضل ہے، یہ مقولہ الگ الگ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

= عند قبری سمعته، و من صلی علی نائياً أبلغته". رواه البيهقی فی شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و فضلها: ۱/۸۷، قديمی)

(۱) (سنن النسائی، كتاب السهو، باب التسليم علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۱/۱۸۹، قديمی)

(۲) (جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، كتاب الأذكار والأدعية، الاستغفار والتسبيح والتهليل والتكبير والتحميد والحوقلة والصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۲/۴۷۵، المكتبة الإسلامية سمندری فيصل آباد، پاكستان)

(۳) "عن شقيق بن سلمة قال: قال عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه: كنا إذا صلينا خلف النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قلنا: السلام علی جبرئيل و ميكائيل، السلام علی فلان و فلان، فالتفت إلينا رسول الله صلی =

تشہد میں اشارۂ سبابہ

سوال[۲۴۰۸]: قعدہ میں "التحیات" پڑھتے ہیں، بہت سے لوگ مٹھی باندھ کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں اور آخیر تک رہنے دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، یا تمام انگلیاں پھیلی رہنے دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"التحیات" میں "أشهد أن لا إله إلا الله" پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے، اس طرح کہ دو انگلیاں ہتھیلی سے ملی رہیں، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنالیا جائے، پھر "إلا الله" پر انگلی کے اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کو رخ کر دیا جائے اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے، سب انگلیاں کھول کر نہ پھیلائی جائیں (۱) اس

= الله تعالیٰ عليه وسلم فقال: "إن الله هو السلام، فإذا صلى أحدكم فليقل: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، فإنكم إذا قلتموها أصابت كل عبدٍ لله صالحٍ في السماء والأرض أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ۱/۱۱۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوات، باب التشهد: ۱/۱۳۹، دار الحديث ملتان)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوات، باب ما جاء في التشهد: ۱/۶۵، سعيد)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلثةً وخمسين، وأشار بالسبابة اهـ". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب التشهد، الفصل الأول: ۱/۸۴، قديمي)

"وصحح في شرح الهداية أنه يشير، وكذا في الملتقط وغيره، وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطىٰ، ويقبض البنصر والخنصر، ويُشير بالمسبحة، أو يعقد ثلاثةً وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه على حرف مفصل الوسطى الأوسط، ويرفع الأصبع عند النفي ويضعها عند الإثبات اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۰۸، ۵۰۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۱۲، ۳۱۴، دار الكتب العلمية بيروت)

مسئلہ پر بعض علماء نے مستقل رسالے لکھے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۲/۸۹ھ۔

رفع سبابہ

سوال[۲۴۰۹]: جس مصلی کو تشہد میں انگشت اٹھانے کی ترکیب معلوم نہیں کیا اس کے لئے ترک رفع سبابہ ہی اولیٰ ہے یا جس طرح دانستہ آدمی انگشت اٹھاتے ہیں اسی طرح وہ بھی اٹھاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نادانستہ آدمی کو دانستہ آدمی کی طرح انگشت اٹھانا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ذی الحجہ/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ذی الحجہ/۶۷ھ۔

= (وكذا في فتح القدير مع العناية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۳۱۲، ۳۱۴، المصطفى البابي الحلبي بمصر)

"و قال الملا على القارى فى رسالة له ألفها فى إثبات سنية الإشارة: والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع كفيه على فخذيه، ثم بوصوله إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى والإبهام، و يشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي واضعاً لها عند الإثبات، ثم يستمرّ على ذلك؛ لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلاخلاف، ولم يوجد أمر بتغييره، والأصل بقاء الشيء على ما عليه واستصحابه إلى آخر الأمر". (تقريرات الرافعي على رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلوة: ۱/۶۳، سعيد)

(وكذا في رفع التردد في عقد الأصابع عند التشهد لابن عابدين في رسائل ابن عابدين: ۱/۱۲۷، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) "كتاب المسبحة لمحمد بن الحسن الشيباني (رحمة واسعة) رفع التردد في عقد الأصابع عند التشهد مع ذيلها. لمحمد أمين آفندي الشهير بابن عابدين، من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۲۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا قعد في =

5

تشہد میں وسطیٰ وابہام کا حلقہ کب تک رکھا جائے؟

سوال[۲۴۱۰]: التحیات جس کو تشہد کہتے ہیں ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے وہ"أشهد أن لا إله إلا الله" کے وقت کلمہ کی انگلی کے بازو کی انگلی سے حلقہ بنا کر جو کلمہ کی انگلی اٹھائی جاتی ہے، وہ حلقہ تاختمِ نماز رکھا جائے یا "إلا الله" پر انگلی اٹھا کر حلقہ کھولدیا جائے؟ حقیقت نماز کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلقہ اخیر تک رکھا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ

= التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلثةً وخمسين، وأشار بالسبابة اهـ". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب التشهد، الفصل الأول: ۸۴/۱، قديمى)

"إنما اختار صاحب البرهان بسط الأصابع والإشارة بالمسبحة فقط تحصيلاً للمسنون من الإشارة، وعملاً بقوله عليه السلام:" اسكنوا في الصلوة". وحديث أبي حميد الساعدي خالٍ عن ذكر القبض، ولفظه عند الترمذي: "فافترش رجله اليسرى، وأقبل بصدر اليمنىٰ على قبلته، ووضع كفه اليمنى على ركبته اليمنى، وكفه اليسرى على ركبته اليسرى، وأشار بأصبعه، وحدث بذلك بين عشرة من الصحابة فصدّقوه".

"وقال الملا على القاري في رسالة ألّفها في إثبات سنية الإشارة: والصحيح المختار عندجمهور أصحابنا أنه يضع كفيه على فخذيه، ثم بوُصوله إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالمسبحة رافعاً لها عندالنفي واضعاً لها عندالإثبات، ثم يستمرّ ذلك؛ لأنه ثبت العقد عندالإشارة بلا خلاف، ولم يوجد أمر بتغييره، والأصل بقاء الشئ على ما عليه واستصحابه إلى آخر الأمر، اهـ". والحاصل أنه اختلف التصحيح في الكيفية، والكل وارد عنه عليه السلام اهـ". (تقريرات الرافعي على رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان صفة الصلوة: ۶۳/۱، سعيد)

(۱) (راجع للتخريج عنوان: "رفعِ سبابہ"۔)

عند الاحناف رفعِ سبابہ مسنون ہے

سوال[۲۲۱۱]: اشارۃ فی التشہد بالسبابہ متقدمین کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر شق اول ہے تو متقدمین کی عبارت مع حوالۂ کتب وصفحہ وغیرہ تحریر فرمائیں، مبسوط میں کوئی ایسی عبارت ہے کہ جس میں مذہب متقدمین کی تصریح موجود ہے، امام محمد صاحب، مبسوط میں کیا فرماتے ہیں تحریر فرمائیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ائمۂ احناف کے نزدیک رفع سبابہ عند التشہد مسنون ہے اور امام صاحب کے اصحاب میں کوئی اس کا مخالف نہیں، سب متفق ہیں (۱)، البتہ مشائخِ ماوراء النہر میں مبسوط کی ایک عبارت کی وجہ سے اختلاف واضطراب

---

(۱) " عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: إذا قعد فی التشهد، و وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى و وضع يده اليمنى على ركبته اليمنى و عقد ثلاثةً وخمسين، و أشار بالسبابة اهـ" رواه مسلم ".

"عن نافع كان عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنه إذا جلس فی الصلوة، و وضع يديه على ركبتيه، وأشار بأصبعه، و أتبعها بصره، ثم قال: قال رسو ل الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لَهِيَ أشد على الشيطان من الحديد". يعنی السبابة". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب التشهد، الفصل الأول : ۱/۸۴، ۸۵، قديمی)

"قال نجم الدين الزاهدی: لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعاً فی كونها سنةً، وكذا عن الكوفيين والمدنيين، و كثرت الآثار والأخبار، كان العمل بها أولیٰ". (رفع التردد فی عقد الأصابع عند التشهد من مجموعة رسائل ابن عابدين : ۱/۱۲۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وحاصله أن ظاهر الرواية عدم الإشارة أصلاً، وهو المتبادر من عبارات المتون . و روی عن أئمتنا الثلاثة: أبی حنيفة و أبی يوسف و محمد أنه يشير عند التشهد، و أنه يعقد أصابعه على ما مر من اختلاف الكيفية. وظاهر كلامهم أنه لا ينشرها بعد العقد بل يبقيها كذلك؛ لأن المذكور فی هذه الرواية العقد، و لم يذكروا النشر بعده. و رجح المتأخرون هذه الرواية لتأييدها بالمروی عن النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ، و معلوم أن مدار سعی المجتهد على العمل بما صح عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم .

و لذا نقل العلماء عن إمامنا الأعظم و عن باقی الأئمة أن كل واحد منهم قال: إذا صح =

پیدا ہوگیا اور وہ یہ سمجھے کہ اس میں دو روایتیں ہیں اسی بنا پر خلاصہ کیدانی (۱)، سراجیہ (۲) بزازیہ (۳)، منیہ (۴) وغیرہ میں ممنوع لکھا ہے۔ علماء نے اس کا ثبوت وسنیت میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں، ملا علی قاری، علی متقی، علامہ شامی رحمہم اللہ وغیرہ نے اپنے اپنے رسائل میں حدیث وفقہ کے بکثرت دلائل پیش کئے ہیں۔ سعایہ شرح وقایہ میں اس کی نہایت مفصل بحث ہے (۵)۔

"أما رفع السبابة على وجه المذكور، فمنقول عن أئمتنا فإن الإمام محمد روى أولاً

= الحديث فهو مذهبي. كما نقله الحافظ ابن عبد البر وغيره فحيث صح ذلك عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، كان العمل به أولى، ولذا قال الإمام محمد: فنصنع كما صنع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، وهو قولي و قول أبي حنيفة، فجعله قوله و قول شيخه الإمام الأعظم لما صحت روايته، وهو أخبر بقول أبي حنيفة، فترجح تلك الرواية الموافقة للمنقول عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعن سائر الأئمة المجتهدين، فلا جرم إن صرح الشراح بترجيحها واعتمادها وإن رجح غيرهم خلافها". (رفع التردد في عقد الأصابع عند التشهد من مجموعة رسائل ابن عابدين : ۱/۱۲۷، ۱۲۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "والإشارة بالسبابة كأهل الحديث". (خلاصة الكيداني، الباب الخامس في المحرمات، ص:۱۳، مطبع مجتبائي واقع دهلي)

(۲) "ويكره أن يشير بالسبابه في الصلاة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله المختار، الخ". (الفتاوىٰ السراجية الملحقة بفتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصلوة، باب مايكره في الصلاة، ص: ۱۱، مطبع العالي الواقع في اللكنوي)

(۳) "و لا يشير عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله في المختار" .(الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، الثاني في مقدمتها و صفتها : ۴/۲۶، رشيديه)

(۴) "ويشير بالسبابة إذا انتهى إلى الشهادتين، و قال في الواقعات: لا يشير فإن أشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى بالإبهام" . (منية المصلي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، ص:۱۳۴، ۱۳۵، كتب خانه مجديه ملتان)

(۵) (السعايه في كشف ما في شرح الوقاية ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، الكلام في الإشارة بالسبابة : ۲/۲۱۵، ۲۲۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

فی الموطأ بروایة مالك: "أن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما افترش رجله الیسریٰ و جلس علیها، و نصب رجله الیمنیٰ، وقبض الخنصر والبنصر، و حلق بین الوسطی والإبهام، وأشار بالسبابة، وقال: هكذا یصنع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". ثم قال الإمام محمد رحمه الله تعالیٰ: و بصنیع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نأخذ، و هو قول أبی حنیفة و عامة أصحابه"(۱)۔

"ونقل الشیخ ابن الهمام فی الفتح: ۲۲۱/۱(۲):"عن أبی یوسف فی أمالیه مثله، فقد ثبت بهذا أن الإشارة ثابتة عن أئمتنا، و لم یخالف فیه من أصحاب الإمام أبی حنیفة أحدٌ. والمتأخرون من مشایخ ماوراء النهر اضطربوا لمّا رأوا فی عبارة المبسوط: و بسط أصابعه وأن البسط ینافی القبض والتحلیق، فزعم البعض منهم أن فی المسئلة روایتین: فی روایةٍ الإشارة مع القبض والتحلیق، و فی روایةٍ البسط. و زعموا أن منافی البسط مکروه، فقالوافی روایة: یکره الإشارة، و فی روایةٍ: لا یکره، بل یندب. واختار صاحب الهدایة القول بعدم الکراهة، وکذا شمس الأئمة، و بعضهم مشروعاً، و أفتوابالکراهة بل بالحرمة لجهلهم عما فی الموطأ۔

و المحققون عن المشایخ قالوا: لیس هناك روایتان، والإشارة ثابتة عن أئمتنا قطعاً، ولیس فی المبسوط أن یبسط الأصابع فی تمام التشهد، بل فیه بسط الأصابع، ولذا عند التلفظ بالشهادة یحلق و یشیر. هذا هو الحق المختار، ویدل علیه روایة المسلم التی ذکرناها. والإشارة والتحلیق سنتان، ترکهما یوجب الإساءة، و هو مذهب أئمتنا بلا خلاف، اهـ". رسائل الأرکان، ص: ۸۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الموطا للإمام محمد ، کتاب الصلوة، باب العبث بالحصی فی الصلوة و ما یکره من تسویته، ص: ۱۰۶، میر محمد کراچی)

(۲) (فتح القدیر ، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۳۱۳/۱، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(۳)(رسائل الأرکان ، کتاب الصلوة، فصل فی صفة الصلوة، بیان رفع السبابة فی التشهد، ص: ۸۱، ۸۲، مطبع یوسفی لمحمد یوسف الأنصاری اللکنوی)

ایک سانس میں دونوں سلام

سوال[۲۴۱۲]: نماز کے ختم پر دائیں جانب سلام پھیرنے پر کتنے وقفے کے ساتھ بائیں جانب سلام پھیرنا چاہئے؟ ایک ہی سانس میں دونوں جانب سلام پھیر دیوے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں دیکھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دعاء کے بغیر سلام پھیر دیا

سوال[۲۴۱۳]: التحیات کے بعد سلام پھیر دیا گیا، یا درود بھی پڑھ لیا مگر دعاء نہیں پڑھی اور سلام پھیر دیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا

سوال[۲۴۱۴]: ہر رکن میں دھیان نہیں رہتا کہ اب رکوع میں ہوں یا قومہ میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

---

(۱) "(وسننها) .... ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً، بل إساءةً لو عامداً غير مستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة، ثم هي على ماذكره ثلاثة وعشرون: (رفع اليدين للتحريمة .... والصلاة على النبي، والدعاء)". (الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۳، ۴۷۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر في بيان مايجب به سجود السهو ومالايجب: ۱/۷۱۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گی، مگر کوشش کرتا رہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا

سوال [۲۲۱۵]: عورت اگر مسافر ہو تو وہ قصر کرے گی، لیکن اگر کہیں سیر و تفریح کے لئے گئی جہاں قصر کی نماز اس کے لئے لاگو نہیں مگر نماز کا وقت ہوگیا۔ کیا وہ کھلی جگہ نماز ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی سفر میں تو بہر حال وہ قصر کرے گی (۲)، اگر سیر و تفریح کے لئے گئی ہے اور نماز کھلی جگہ میں پڑھے

---

(۱) "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمی)

"فلو اشتغل قلبه بتفكر مسألة مثلاً في أثناء الأركان، فلا تستحب الإعادة. و قال البقالي: لم ينقص أجره إلا إذاقصر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۷، سعيد)

"و لو تفكر في صلاته فتذكر حديثاً أو شعراً أو خطبةً أو مسئلةً، يكره و لا تفسد صلوته، هكذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها: ۱/۱۰۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا ضربتم في الأرض، فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلوة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا﴾. (سورة النساء: ۱۰۱)

"يقول تعالىٰ: ﴿إذا ضربتم في الأرض﴾: أي سافرتم في البلاد، كما قال تعالىٰ: ﴿علم أن سيكون منكم مرضى و آخرون يضربون في الأرض يبتغون من فضل الله﴾ الآية. و قوله: ﴿فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلوة﴾: أي تخففوا فيها إما من كميتها بأن تجعل الرباعية ثنائيةً كما فهمه الجمهور من هذه الآية واستدلوا بها على قصر الصلوة في السفر". (ابن كثير: ۱/۷۲۳، دار الفيحاء دمشق)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: صليت الظهر مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالمدينة أربعاً والعصر بذي الحليفة ركعتين". .... =

گی تب بھی اس کو پڑھنا درست ہے(۱)، تمام بدن کوڈھانک کر اس طرح کہ صرف ہاتھ اور قدم اور چہرہ کھلا رہے گا اس کی نماز درست ہے(۲)، اگر پیروں میں موزے ہوں اور ہاتھوں میں دستانے تب بھی نماز درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

= ”و خرج علیّ بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه ، فقصر و هويری البيوت، فلما رجع قيل له: هذه الكوفة، قال: لا، حتى ندخلها“. (صحيح البخاری، أبواب تقصير الصلوة، باب: يقصر إذا خرج من موضعه : ۱/۱۴۸، قديمی)

”من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعی ركعتين ولو عاصياً بسفره حتى يدخل موضع مقامه اهـ“.

(تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۲/۱۲۰، ۱۲۴، سعيد)

(و كذا فی الهداية ، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۱/۱۶۵ ، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) ”عن جابر بن عبد الله الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ”أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ قبلی: كان كل نبی يبعث إلی قومه خاصةً، و بعثتُ إلی كل أحمر واسود، و أحلّت لی الغنائم و لم تحل لأحد قبلی، و جعلت لی الأرض طيبةً طهوراً ومسجداً، فأيما رجل أدركته الصلوة، صلی حيث كان، ونُصرتُ بالرعب بين يدی مسيرة شهر، وأعطيت الشفاعة“. (الصحيح لمسلم ، كتاب المساجد و مواضع الصلوة : ۱/۱۹۹، قديمی)

”عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم جعلت لی الأرض طهوراً ومسجداً“

”عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم –و قال موسی فی حديثه فيما يحسب عمرو أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم – قال: ”الأرض كلها مسجد إلا الحمام والمقبرة“: (سنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب فی المواضع التی لا تجوز فيها الصلوة: ۱/۷۰، دارالحديث ملتان)

(۲) ”والرابع ستر عورته .... و للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين “. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۰۴، ۴۰۵، سعيد)

(و كذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث فی شروط الصلوة، الفصل الأول فی الطهارة: ۱/۵۸، رشيديه)

سنت سے متعلق عبارت پر اعراب

سوال[۲۴۱۶]: آپ نے ترکِ سنت کے مسئلہ کے جواب میں دو حدیثیں تحریر فرمائی ہیں، مگر ہم لوگ ناخواندہ ہیں، براہ کرم ان پر اعراب اور ترجمہ تحریر فرما دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت ہے جس میں سنت کی تعریف کی گئی ہے:

"تَرْكُ السُّنَّةِ لَا يُوْجِبُ فَسَاداً وَّ لَا سَهْواً، بَلْ إِسَاءَةً لَوْ عَامِداً غَيْرَ مُسْتَخِفٍ ....

حُكْمُ السُّنَّةِ أَنَّهُ يُنْدَبُ إِلَى تَحْصِيْلِهَا وَ يُلَامُ عَلَى تَرْكِهَا مَعَ لُحُوْقِ إِثْمٍ يَسِيْرٍ"(۱)۔

مطلب یہ ہے کہ سنت کا جان بوجھ کر چھوڑنا برا ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، مگر اس کو بھی ہلکا نہیں سمجھنا چاہئے، سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اور جو ترک کرے وہ قابلِ ملامت ہے اور اس کا گناہ ہوگا، لیکن ترکِ فرض سے کم ہوگا۔ "کما فرغ من التكبير للإحرام بلا إرسال" (۲) یعنی جیسے ہی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو تو بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے ہاتھ باندھ لے، بعض آدمی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ پہلے لٹکا دیتے ہیں پھر باندھتے ہیں ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۷ھ۔

افضل درود شریف

سوال[۲۴۱۷]: نماز کے باہر کونسا درود شریف پڑھنا چاہئے؟ وہ درود شریف تحریر کیجئے جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہو۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۵۶، قديمي)

(۲) العبارة بأسرها "و يسن وضع الرَّجُل يده اليمنى كما فرغ من التكبير للإحرام بلا إرسال، و يضع في كل قيام من الصلوة، الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان سننها، ص: ۲۵۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب سے افضل درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نماز میں درود کے بعد کی دعاء

سوال[۲۲۱۸]: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں التحیات کی جگہ کون سی دعاء پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور قعدہ میں درود ابراہیمی کی جگہ کونسی دعاء پڑھی ہے یا درود پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور فرض نماز میں کیا پڑھا ہے؟ وہ لکھئے۔

---

(۱) "وأفضل العبارات على ما قال المرزوقي :" اللهم صل على محمد و على آل محمد اهـ". (ردالمحتار، خطبة الكتاب ،مطلب: أفضل صيغ الصلوة : ۱/۱۳، سعيد)

"حدثنا شعبة عن الحكم، قال: سمعت ابن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة رضى الله تعالىٰ عنه فقال: ألا أهدى لك هديةً؟ خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلنا: قد عرفنا كيف نسلم عليك، فكيف نصلي عليك؟ قال: "قولوا: اللهم صل على محمدو على آل محمد كما صليت على إبراهيم، إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم إنك حميد مجيد". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد التشهد : ۱/۱۷۵، قديمي)

"قال : سئل محمد عن الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: يقول :" اللهم صلي على محمدو على آل محمد كما صليت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد، وبارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد"، و هي الموافقة لما في الصحيحين وغيرهما". (رد المحتار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۵۱۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلوة : ۱/۳۱۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۷۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہر دو رکعت پر قعدہ میں التحیات پڑھا کرتے تھے اور جب سلام پھیرنا ہوتا تو التحیات کے بعد درود ابراہیمی پڑھا کرتے تھے اور درود کے بعد دعاء بھی پڑھتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے:

"اللهم إني أعوذبك من عذاب جهنم"(١) و أعوذبك من عذاب القبر، و أعوذبك من فتنة المسيح الدجال، وأعوذ بك من فتنة المحيا والممات، اللهم إني أعوذ بك من المأثم و المغرم"(٢) اور بھی دعائیں منقول ہیں (٣)۔

رسالہ "تعلیم الاسلام" میں پوری طرح نماز کی ترکیب شروع سے اخیر تک درج ہے، یہ رسالہ عام طور پر اردو کتب فروشوں کی دوکانوں میں مل جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" إذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع يقول:" اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم، و من عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، و من شر فتنة المسيح الدجال". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر: ١/٢١٧، قديمي)

(٢) "وقدروى مسلم هذا الدعاء بسنده: "عن عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أخبرته أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يدعو في الصلوة: "اللهم أعوذبك من عذاب القبر". إلى آخر الحديث. (الصحيح لمسلم كتاب الصلوة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر و عذاب جهنم: ١/٢١٧، قديمي)

(٣) "عن حنظلة بن علي أن محجن الأدرع رضي الله تعالىٰ عنه حدثه، قال: دخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المسجد، فإذا هو برجل قد قضى صلاته و هو يتشهد وهو يقول: اللهم إني أسئلك –يا الله الأحد الصمد لم يلد و لم يولد و لم يكن له كفواً أحدا– أن تغفرلي ذنوبي، إنك أنت الغفور الرحيم، قال: فقال:" قد غفر له قد غفر له ثلاثاً". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب ما يقول بعد التشهد: ١/١٤١، ١٤٢، سعيد)

والتفصيل في (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الثالث في سنن الصلوة و آدابها: ١/٧٦، رشيديه)

"ويتشهد و صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و دعا بما يشبه ألفاظ القرآن والأدعية المأثورة اهـ". (الهداية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/١١٢، ١١٣، مكتبه شركة علمية ملتان)

(و كذا في كنز الدقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٢٦، رشيديه)

الفصل الخامس فی آداب الصلوة

(نماز کے آداب کا بیان)

مسنون لباس میں نماز

سوال[۲۴۱۹]: یہاں افریقہ میں مکان سے باہر بازار وغیرہ میں بغیر کوٹ پتلون پہنے ہوئے نکلنے کا رواج نہیں ہے، یہاں کا یونیفارم ہی کوٹ پتلون ہے تو جو شخص اپنے مکان میں یا مسجد میں کوٹ یا پتلون نکال کر پائجامہ پہن کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بغیر کراہت ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لباس مسنون ہے اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں، بلکہ افضل ہے اگر چہ وہاں کا یونیفارم اس کے خلاف ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرتا گھٹنے سے اوپر تک ہو تو نماز کا حکم

سوال[۲۴۲۰]: گھٹنے کے اوپر کرتا پہن کر امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) وقال الله تعالىٰ: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

"يدل على أنه مندوب فی حضور المسجد إلى أخذ ثوب نظيف مما يتزين به، و قد روی عن النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ندب إلى ذلک فی الجمع والأعياد"، كما أمر بالاغتسال للعيدين والجمعة و أن يمس من طيب أهله". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۱، قديمی)

"ولهذه الآية و ما ورد فی معناها من السنة يستحب التجمل عندالصلوة". (تفسير ابن كثير: ۲/ ۲۸۱، مكتبه دار الفيحاء دمشق)

(وكذا فی روح المعانی: ۸/ ۱۰۹، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

الجواب حامداًومصلياً:

جوکرتا گھٹنوں تک نہیں پہونچتا بلکہ کچھ کم ہے تو اس سے بھی نماز وامامت درست ہوجاتی ہے، اگرچہ اعلیٰ بات یہ ہے کہ کرتا اس سے بڑا ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۲ھ۔

بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھیں؟

سوال[۲۴۲۱]: نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں تلاوت کے وقت نگاہ سجدہ کی جگہ بہتر ہے یا گود میں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

گود میں مناسب ہے(۲)۔ فقط۔

فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا

سوال[۲۴۲۲]: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو

---

(۱) "اعلم أن الكسوة منها فرض: و هو يستر العورة و يدفع الحر والبرد، والأولىٰ كونه من القطن أو الكتان أو الصوف على وفاق السنة بأن يكون ذيله لنصف ساقه، و كمه لرؤس أصابعه، و فمه قدر شبر –كما في النتف– بين النفيس والخسيس؛ إذ خير الأمور أوساطها". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس : ۶/۳۵۱، سعيد)

(و كذا في سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس : ۲/۵۳۱، ۵۳۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس : ۴/۱۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وإلى حجره حال قعوده". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۷۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۰۳، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۰۳، مكتبه إمداديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۸۳، دارالكتب العلمية)

بوجہ کمزوری لیٹ جاتا ہوں۔ مسجد میں اعتکاف کی نیت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کی انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے۔ مگر اس طرح ہو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز کے ختم پر دائیں بائیں منہ پھرانا

سوال[۲۴۲۳]: نماز میں سلام دائیں اور بائیں پھیرنا چاہئے لیکن کہیں منہ قبلہ کی طرف ہی کر کے پھیر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سلام ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داہنے بائیں منہ پھرانا سنت ہے: "و یسن الالتفات یمیناً ثم یساراً بالتسلیمتین". مراقی الفلاح، ص: ١٦٣ (١) اس کے خلاف کرنے سے سنت ترک ہوگی نماز ادا ہوگئی (٢)۔

نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا

سوال[۲۴۲۴]: ایک مقامی مسجد جس میں دس سال سے تبلیغی مرکز ہے اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے

---

(١) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۷۴، قدیمی)

"ثم یسلم عن یمینه و یساره حتی یری بیاض خده، و لو عکس سلم عن یمینه فقط".

(الدر المختار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۵۲۴/۱، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الرابع فی صفة الصلوة، الفصل الثالث فی سنن الصلوة وأدابها: ۷۳/۱، رشیدیه)

(٢) "ترک السنة لا یوجب فساداً و لا سهواً بل إساءة لو عامداً غیر مستخف". (الدر المختار)

"(قوله: عامداً غیر مستحق) فلو غیر عامد فلا إساءة أیضاً". (ردالمحتار: کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۴۷۴/۱، سعید)

اجتماع کے ایک روز جمعہ کی نماز میں مقرر امام کے نہ آنے کی وجہ سے ایک اجنبی شخص نے امامت کی، بعد سلام تسبیح اور دعاء کے لئے بجائے داہنی طرف مڑنے کے یہ خیال کرتے ہوئے کہ بائیں طرف مڑنا سنت ہے اور عام طور پر امامت کرتے بھی نہیں ہیں، بائیں جانب مڑ کر تسبیح پڑھی اور دعاء کے بعد فراغ عوام میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ یہ نیا طریقہ اس نے کہاں سے نکالا، چند روز بعد بعض مخلص سمجھدار معاونین وکارکنانِ جماعت نے اس دن فجر کے وقت امام صاحب کو اپنی مخلصانہ رائے پیش کی کہ یہاں کی فضا میں عوام کو ابھی تک تبلیغی کام سے مناسبت نہیں ہوئی ہے اور آپ سے بھی ابھی تک عوام کا ربط نہیں ہوا ہے۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

داہنی طرف رخ کرنے سے اصل امام یا کوئی بھی اس کا نائب گناہ گار نہیں، جب دونوں ہی سنت ہیں داہنی طرف رخ کرنا بھی بائیں طرف رخ کرنا بھی، تو کسی ایک طریقہ پر عمل کرنے سے ترکِ سنت نہیں ہوگا، اس کے شواہد شریعت میں بے بنیاد ہیں، لیکن کسی ایک طریقہ کو لازم قرار دینا جس سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ دوسرا سنت سے ثابت شدہ طریقہ غلط اور خلافِ شرع ہے جائز نہیں، مشکوۃ شریف، ص:۸۷ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے..........داہنی طرف رخ فرمانا بھی ثابت ہے اور بائیں طرف رخ کرنا یہ بھی ثابت ہے(۱)۔

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینصرف عن یمینه". رواہ مسلم".

"عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:" لا یجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلوته یری أن حقاً علیه أن لا ینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کثیراً ینصرف عن یساره". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد : ۱/۸۷، قدیمی)

"وإن کا ن لا یتنفل بعدها یقعد مکانه، و إن شاء انحرف یمیناً أو شمالاً، و إن شاء استقبلهم بوجهه، إلا أن یکون بحذائه مصلٍ، سواء کان فی الصف الأول أو فی الأخیر". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۸۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها : ۱/۵۳۱، ۵۳۲، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوة، فصل: الشروع فی الصلوة : ۱/۲۳۳، دار المعرفة بیروت)

بہتر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کوئی عالم نمازیوں کے سنایا کرے تاکہ ان کے سامنے ہر چیز کا سنت طریقہ آئے اور جن غلط فہمیوں میں وہ گرفتار ہیں وہ دور ہوں فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے اور ایسا عمل اختیار نہ کیا جائے جس سے غلط عقیدہ کی تائید ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

نماز کے بعد کس طرف رخ کیا جائے؟

سوال[۲۴۲۵]: نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہر چہار جانب دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین جانب بیٹھنے کا ثبوت ملتا ہے، قبلہ رو اور شمال وجنوب (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم، أحببنا أن نكون عن يمينه، فيقبل علينا بوجهه صلى الله عليه وسلم".

"وقد ورد الروايات المختلفة في الانصراف عن الصلوة، فروى البخاري من حديث سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى صلوة أقبل علينا بوجهه".

"و أخرج مسلم من حديث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه".

و أخرجا عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه .... لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره".

"و قال بعضهم هو مخير إن شاء انحرف يمنةً و إن شاء يُسرة وهو الصحيح؛ لأن ما هو المقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه يحصل بالأمرين جميعاً". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الإمام ينحرف بعد التسليم: ۱/۳۴۴، امدادیه)

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنه "قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يؤمنّا فينصرف على جانبيه جميعاً: على يمينه و على شماله". والعمل عليه عند أهل العلم أنه ينصرف على أيّ جانبيه شاء، إن شاء عن يمينه، و إن شاء عن يساره. وقد صح الأمران عن رسول الله =

ایضاً

سوال[۲۴۲۶]: وضو کند بر همان نماز بنا کند، اگر منفرد باشد اورا از سر نو نماز خواندن افضل است، واگر امام باشد خلیفه گیرد، وضو کند و داخلِ مقتدیان شود، ومقتدی وضو کرده باز آید بمکان که آنجا بود.

ا.....سوال یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے امام مقتدی اور منفرد تین قسم کے لوگ ہیں پہلے ایک حکم ہے در نماز حدث لاحق شود وضو کند، پھر امام اور منفرد ومقتدی کے لئے الگ الگ حالتیں بیان کی گئیں اس عبارت کا صحیح محمل کیا ہے؟

۲.....دو آدمی برابر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ایک امام تھا دوسرا مقتدی تیسرے شخص نے امام کو آگے بڑھا کر امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور خود اسی ایک مقتدی کے ساتھ صف میں کھڑا ہو گیا، اب بعد سلام کے امام اپنی جگہ علی حالہ بیٹھا رہے یا داہنے طرف مڑ کر بیٹھے پھر دعا کرے۔ یہ عصر کی نماز تھی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ا.....منفرد کے لئے اس صورت میں استیناف افضل ہے اس کا اپنا تنہا کا معاملہ ہے امام کے لئے خلیفہ بنا دینا افضل ہے اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں ان سب کی نماز بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے اس کو خلیفہ بنا دینا افضل ہے تا کہ وقت حدث تک جتنی نماز پڑھ چکے ہیں وہ خراب اور بیکار نہ ہو ان کو استیناف (از سر نو ع پڑھنا اور پڑھی ہوئی کو بیکار قرار دینا) شاق ہوگا بنا میں یہ بات نہ ہوگی (۱)۔

= صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، و یروی عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: إن كانت حاجته عن یساره أخذ عن یساره". (جامع الترمذی، کتاب الصلوة، باب ما جاء فی الانصراف عن یمینه و عن یساره: ۱/۶۶، سعید)

"و خیّره فی المنیة بین تحویله یمیناً أو شمالاً و أماماً و خلفاً". (الدرالمختار، کتاب الصلوة فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۵۳۱، سعید)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، باب صفة الصلوة، ص: ۳۴۰، ۳۴۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "أن الاستیناف أفضل تحرزاً عن الخلاف". (الدر المختار)

"قلت: هذا ظاهر فی المنفرد ، لأن ما نواه هو عین صلاته من کل وجه ، بخلاف الإمام أو المقتدی تأمل". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الاستخلاف : ۱/۶۰۳، سعید) =

۲......دائیں یا بائیں اس طرح مڑ کر بیٹھ سکتا ہے کہ مسبوق کی طرف اس کا رخ نہ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمائی روکنے کا طریقہ

سوال[۲۴۲۷]: بحالتِ نماز اگر جمائی آئے تو اس کو کیسے روکیں؟ خاص کر رکوع وسجود میں۔

الجواب حامداًومصلياً:

داہنے ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لی جائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة : ۱/۲۵۷، مكتبه امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة والحدث في الصلوة : ۱/۳۶۹، دارالكتب العلمية)

(۱) "عن السدي عن أنس أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه عن عبد الله قال:"لا يجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزأ لا يرى إلا أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه أكثر ما رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن شماله". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب جواز الانصراف من الصلوة عن اليمين والشمال : ۱/۲۴۷، قديمي)

"وإن كان لا يتنفل بعد ها يقعد مكانه و إن شاء انحرف يميناً أو شمالاً. و إن شاء استقبلهم بوجهه إلا أن يكون بحذائه مصل، سواء كان في الصف الأول أو في الأخير، والاستقبال إلى المصلي مكروه هذا ما صححه في البدائع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۵۸۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۵۳۱، ۵۳۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل الشروع في الصلوة : ۱/۲۳۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "العطاس من الله و التثاؤب من الشيطان، فإذا تثاؤب أحدكم، فليضع يده على فيه اهـ". (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، باب ما جاء أن الله يحب العطاس و يكره التثاؤب: ۲/۱۰۳، سعيد)............ =

داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں ہاتھ سے؟

سوال[۲۴۲۸]: نماز میں قیام کی حالت میں اگر کسی جگہ بدن پر خارش آئے اور کسی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھجایا تو نماز ٹوٹ گئی یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے یہاں امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی، داہنے ہاتھ سے کھجایا جائے۔فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر خارش کو ضبط نہیں کرسکتا تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ سے کھجائے، لیکن اگر بائیں ہاتھ سے بھی کھجایا تو محض بایاں ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۷ھ۔

= "وإمساك فمه عند التثاؤب، فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى، وقيل: باليمنى لو قائماً، وإلا فيسراه، اهـ. مجتبى". (الدر المختار). "وعبارة الشارح في الخزائن: أي بظهر يده اليمنى الخ، فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۸، سعيد)

وقال العلامة الرافعيّ: "(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى)، الذى رأيته فى عدة نسخ من الشرح بظهر يده اليمنى". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۹، سعيد)

(۱) "وعبثه به: أي بثوبه و بجسده للنهي، إلا لحاجة، لا بأس به". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا لحاجة) كحك بدنه لشيء أكله و آضره، وسلت عرق يولمه ويشغل قلبه، و هذا لو بدون عمل كثير، قال في الفيض: الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلوة إن رفع يده في كل مرة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۰، سعيد)

"وإمساك فمه عند التثاؤب، فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى، وقيل: باليمنى لو قائماً وإلا فيسراه اهـ، مجتبى". (الدر المختار).

وفي رد المحتار: "و عبارة الشارح في الخزائن: أي بظهر يده اليمنى الخ، فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى". (كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۸، سعيد)

"(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى)، الذى رأيته فى عدة نسخ من الشرح بظهر يده اليمنى". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۹، سعيد)

نماز میں متعدد امور کی کوتاہی

سوال[۲۴۲۹]: وہ ارکان جن کی ادائیگی دانستہ طور پر اس طرح کی جاتی ہے اور اب ایک رواج کی صورت تک پہونچ چکی ہے:

(الف) قومہ صحیح ادانہ کرنا، رکوع سے حسب سابق سیدھا کھڑا نہ ہونا اور سجدہ میں چلے جانا۔

(ب) جلسہ صحیح ادانہ کرنا، پہلے سجدہ کے بعد حسب سابق سیدھا نہ بیٹھنا اور فوراً دوسرے سجدہ میں چلے جانا۔

(ج) دوران نماز خصوصاً قیام میں بار بار کھانسنا، بار بار ہاتھ اٹھا کر کسی جگہ کھجلانا، کپڑے سمٹنا۔

(د) التحیات میں بیٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے قمیص کے دامن کو کھینچ کر درست کرنا۔

(ہ) دورانِ رکوع اپنے ہاتھ گھٹنے سے ہٹا کر پنڈلی اور ران وغیرہ کو کھجلانا۔

(و) دورانِ سجدہ ایک ہاتھ اٹھا کر کانوں، منہ وغیرہ کو کھجلانا، اسی طرح پاؤں کو دوران سجدہ اٹھالینا۔

(ز) دورانِ نماز آستین چڑھا کر رکھنا، جب کہ قمیص بھی پوری آستین والی ہے۔

ان تمام امور سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر فاسد نہیں ہوتی تو مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جملہ امور میں احکام شرعی کی رعایت لازم ہے، بعض کے ارتکاب میں کراہت ہلکی ہے، بعض میں شدید ہے، بعض میں فساد نماز کا بھی مظنہ ہے۔ نماز امّ العبادات ہے، تھوڑی سی بے توجہی اور غفلت سے اس کو ناقص اور فاسد کردینا بڑا خسارہ ہے، اپنے عمدہ لباس پر معمولی دھبہ برداشت نہیں کیا جاتا، جو فریضہ اور تحفہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی میں پیش کیا جائے، اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ہر قسم کے دھبہ سے صاف رکھ کر پیش کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً دخل المسجد و رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم جالس فی ناحية المسجد، فصلی ثم جاء فسلم عليه، فقال له رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "وعليک السلام، ارجع فصل فإنک لم تصل". فرجع فصلی، ثم جاء فسلم فقال: "و عليک السلام،=

....

= إرجع فصل فإنک لم تصل" فقال: في الثالثة أو في التي بعدها: علّمني يا رسول الله! فقال: "إذا قمت إلى الصلوة فاسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبّر، ثم اقرأ بما تيسر معک من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تستوي قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً". وفي رواية: "ثم ارفع حتى تستوي قائماً، ثم افعل ذلک في صلواتک كلها". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۷۵، قديمي)

"و من الواجبات تعديل الأركان عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله. وفي المغرب: والمراد بتعديل أركان الصلوة: تسكين الجوارح في الركوع والسجود والقومة بينهما والقعدة بين السجدتين". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجباتها و سننها وآدابها: ۱/۵۱۰، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی).

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۶۳، سعيد)

"و من المفسدات .... والتنحنح .... بلا عذر، أما به بأن نشأ من طبعه فلا، أو بلا غرض صحيح، فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلوة، فلا فساد على الصحيح". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره: ۱/۶۱۸، ۶۱۹، سعيد)

"و كره عبثه به: أي بثوبه و بجسده للنهي إلا لحاجة، و لا بأس به خارج صلاة". "(قوله: إلا لحاجة) بدنه لشيء أكله و أضره، وسلت عرق يؤلمه و يشغل قلبه، و هذا لو بدون عمل كثير، قال في الفيض: الحک بيد واحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلوة إن رفع يده في كل مرة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره: ۱/۶۴۰، سعيد)

"و يفسد كل عمل كثير ليس من أعمالها و لا لإصلاحها، و فيه أقوال خمسة أصحها ما لا يشک بسببه الناظر من بعيد في فاعله أنه ليس فيها، وإن شک أنه فيها أم لا فقليل اهـ. "و فيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة و إلا لم يجز، والناس عنه غافلون". "قلت: ويمكن حمل كلٍ من الروايتين السابقين عليه بحمل ما ذكره الكرخي وغيره من عدم الجواز برفعهما على عدم الحل لا عدم الصحة، و كذا نفي التمرتاشي و شيخ الإسلام فرضية وضعهما لا ينافي الوجوب، و تصريح القدوري بالفرضية يمكن تأويله، فإن الفرض قد يطلق على الواجب تأمل الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة الى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد)

"و كره كفه: أي رفعه و لو لتراب كمشمّر كمٍّ أو ذيل اهـ". "(قوله: كمشمّر كم أو ذيل): أي كما دخل في الصلوة و هو مشمر كمّه أو ذيله، و أشار بذلک إلى أن الكراهة لا تختص بالكف و هو في الصلوة .... و اختلف فيمن صلى، و قد شمّر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلوة أو هيئته ذلک اهـ، و مثله ما لو شمر للوضوء ثم عجل لإدراک الركعة مع الإمام، و إذا دخل في الصلوة كذلک، وقلنا بالكراهة......... وهذا لو شمّرهما خارج الصلوة ثم شرع فيها كذلک، أما لو شمّر وهو فيها، تفسد؛ لأنه =

بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا

سوال[۲۴۳۰]: ہمارے امام صاحب نماز پڑھاتے وقت گردن اور سر کو جہاں بھی "ع" یا "ح" ہو اس طرح کرتے ہیں جیسے مرغا اذان پڑھتا ہے اور اپنی گردن کو اوپر نیچے کرتا ہے، کبھی ایک ٹانگ کے اوپر کھڑے ہوجاتے ہیں یعنی ایک ہی ٹانگ پر سارا زور دیکر کھڑے ہوتے ہیں۔ تو ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیامِ طویل ہو تو کبھی ایک ٹانگ پر بوجھ دینا، کبھی تھک جائے تو دوسری پر بوجھ دینا درست ہے، اس سے نماز خراب نہیں ہوتی (۱) البتہ "ع" اور "ح" ادا کرتے وقت سر کو جھکانے کی ضرورت نہیں، یہ بلاضرورت ہے، اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۹ھ۔

= عمل كثير". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره: ۱/۶۴۰، سعيد)

(۱) "وللمتطوع الاتكاء على شيء كعصا وجدار مع الإعياء: أى التعب بلا كراهة، و بدونه يكره". (الدر المختار). "(قوله: و للمتطوع) لعل وجهه أن التطوع قد يكثر كالتهجد فيؤدى إلى التعب، فلم يكره له الاتكاء، بخلاف الفرض فإنه زمنه يسير، وإلا فالمفترض إن عجز فقد مرّ حكمه، وإن تعب فالظاهر أنه لا يكره له الاتكاء، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۱، سعيد)

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالىٰ: "فالظاهر أنه لا يكره له الاتكاء لكن مقتضى تقييدهم بالمتطوع أن المفترض يكره له الاتكاء و لو مع الإعياء، وكأنه لأنه زمنه يسير، فلم يكن الإعياء فيه نافياً للكراهة". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۴، سعيد)

"ويكره القيام على أحد القدمين فى الصلوة بلا عذر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۴، سعيد)

"(قوله: و للمتطوع) قيد به؛ لأن المفترض إذا لم يقدر على القيام إلا به، لزمه اهـ". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة المريض: ۱/۳۲۰، دار المعرفة بيروت)

"قوله: و بدونه يكره؛ لأنه إسائة أدب فالكراهة تنزيهية". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱/۳۲۰، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۱، سعيد)

باب الذکر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول فی الذکر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

نماز کے بعد ذکر جہری

سوال[۲۲۳۱]: پنجگانہ نماز کے بعد جہراً ذکر مثلاً آیۃ الکرسی یا اس کے مثل اور دعا بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں اس نماز کا سلام پھیر کر مختصر سی دعاء (۱) پڑھ کر وہاں سے ہٹ کر حجرہ شریف میں جا کر سنتیں پڑھنے کا معمول تھا (۲) اس جگہ جماعت کے ساتھ جہراً اذکار وتلاوت کرنے کا معمول نہیں تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا سلم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهم! أنت السلام و منك السلام، تباركت يا ذا الجلال والإكرام" .... و قد روی عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كان يقول بعد التسليم: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، و له الحمد، يحيى و يميت و هو على كل شيء قدير، اللّٰهم! لا مانع لما أعطيت و لا معطي لما منعت، و لا ينفع ذا الجد منك الجد". (جامع الترمذی، كتاب الصلوة، باب ما يقول إذا سلم: ۱/ ۶۶، سعید)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنه قال: صليت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ركعتين بعد المغرب في بيته". (جامع الترمذی، كتاب الصلوة باب ما جاء أنه يصليهما في بيته: ۱/ ۹۸، سعید) =

ہر نماز کے بعد ذکر بالجہر کا التزام

سوال[۲۴۳۲]: بعد نماز فرض تمام جماعت کامل کرآواز ایک کرکے تین مرتبہ "لاإله إلا الله" بلند آواز کرکے کہنا پھر "رسول الله" کہنا باوجود اس کے کہ مسبوق اور دوسرے نمازی نماز پڑھ رہے ہوں، ان کی نماز میں حرج ہورہا ہو، اس کو ضروری سمجھنا اور جو کوئی نہ پڑھے اس کو بہت بُرا جاننا اور اس کو قابلِ ملامت جاننا یہاں کا رواج ہے۔ یہ کیسا ہے، کیا اس کو ضروری کرنا چاہیئے، یا نمازی نماز پڑھ رہے ہوں تو ترک کردیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ شریف کا ذکر بہت مبارک چیز ہے لیکن اس طرح کرنا چاہیے کہ جس سے کسی نمازی کی نماز میں تشویش نہ ہو، ورنہ پھر بلند آواز سے کرنا ممنوع ہوگا، کذافی سباحة الفكر فی الجهر بالذكر (۱)، نیز بعد نماز اس پر مداومت کرنا اور تارک پر ملامت کرنا جو کہ اصرار کی حد میں داخل ہے ناجائز ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهته، اهـ". سعایہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

= اور سنتوں کا گھر میں پڑھنے کی ترغیب وفضیلت بھی بیان کی گئی ہے:

"عن زيد بن ثابت عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة المرء في بيته أفضل من صلوته في مسجدي هذا إلا المكتوبة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب صلوة الرجل التطوع في بيته: ۱/۱۵۲، إمداديه ملتان)

(۱) "و هناك أحاديث اقتضت طلب الإسرار والجمع بينهما: بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، كماجمع بين الأحاديث الطالبة للجهر والطالبة للإسرار بقرآءة القرآن، و لا يعارض ذلك حديث: "خير الذكر الخفي" لأنه حيث خيف الرياء، أو تأذى المصلين أو النيام.

وذكر بعض أهل العلم أن الجهر أفضل حيث كلاهماذكر؛ لأنه أكثر عملاً لتعدى فائدته إلى السامعين، و يوقظ قلب الذاكر". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في الجهر بالذكر، ص:۱۳، من مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ: ۳/۴۶۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمى)

ہر فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ جہراً پڑھنا

سوال[۲۴۳۳]: فرضوں کے بعد اکثر لوگ "لا إلــه إلا الله" زور سے پڑھتے ہیں تین بار، اس کا پڑھنا کیسا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر لوگ منع کرتے ہیں۔ فقط۔

محمد صدیق خورجوی، ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذکر اللہ خاص کر ذکر "لا إلــه إلا الله" کی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے(۱)۔ ذکر بلاشبہ آہستہ اور زور سے ہر طرح پڑھنا جائز اور موجب ثواب ہے(۲)، مگر فرضوں کے بعد خصوصیت سے التزام کرنا یعنی اس کو واجب اور ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے پر ملامت کرنا شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا نفسِ ذکر جائز اور التزام منع ہے(۳)۔ بسا اوقات مسجد میں بعض لوگ مسبوق ہوتے ہیں، یا اپنی تنہا نماز میں مشغول ہوتے ہیں اور زور زور سے ذکر کرنے سے ان کو تشویش لاحق ہوتی ہے(۴) اس لئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ آہستہ ذکر کیا جائے تا کہ ثواب کا ثواب حاصل ہو اور کسی کو تشویش واذیت بھی نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/ ۵/ ۵۸ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "جابر بن عبد الله يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "أفضل الذكر لا إله إلا الله، وأفضل الدعآء الحمد لله". (جامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة: ۱۷۶/۲، سعيد)

(۲) "إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر و أحاديث طلبت الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الريآء أو تأذى المصلين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(۳) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی)

(۴) (راجع ردالمحتار، المصدر السابق)

فجر کی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا جہراً تسبیحات پڑھنا

سوال[۲۴۴۴]: ہمارے محلّہ کے آدمی چونکہ کاروبار میں رہتے ہیں، محلّہ کی جامع مسجد میں ہروقت پابندی سے نماز جماعت میں شریک نہیں ہو پاتے، صرف نماز فجر میں سب شریک ہوتے ہیں اس لئے جماعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب مع مقتدیوں کے جہراً تسبیح درود شریف "سبحان اللہ و بحمدہ، صلی اللہ علی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، استغفر اللہ" بلاناغہ ہمیشہ فجر کی نماز کے بعد پڑھتے ہیں۔ امام صاحب سے پوچھا گیا تو موصوف نے جواب دیا کہ ہم ہمیشہ حصولِ ثواب وبرکت کے لئے پڑھتے ہیں اگرچہ ایسا پڑھنا فرض وواجب میں سے نہیں ہے، نیز درود وغیرہ پڑھنے کے وقت ہم ہمیشہ پیچھے آنے والے مصلیوں کا خیال رکھتے ہیں یعنی اگر مصلی حالتِ نماز میں ہیں تو ہم آہستہ پڑھتے ہیں ورنہ جہراً۔ اب ایسا فجر کے بعد پڑھنا جائز ہے یا منع ہے، نیز ایسا پڑھنے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فجر کے بعد درود شریف، ذکر، تسبیح، استغفار سب کچھ درست ہے، اگر دوسروں کو تشویش نہ ہو تو جہراً بھی درست ہے(۱) مگر اس میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے، امام صاحب کا جب تک دل چاہے پڑھتے رہیں، مقتدی جس کا دل چاہے بیٹھ کر جب تک چاہے پڑھتا رہے اور جس کو کوئی کام کرنا ہو اس کو اختیار ہے کہ اپنا کام کرے، مجبور کسی کو نہ کیا جائے، اگر کوئی چلا جائے تو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

دعاء میں اصل اخفاء ہے: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾ (۲) تعلیم مقصود ہو یا کوئی اور دینی

---

(۱) "إن هنا أحاديث اقتضت طلب الجهر، و أحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء، أو تأذى المسلمين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذُكر؛ لأنه أكثر عملاً، و لتعدى فائدته إلى السامعين اهـ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(وكذا في سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، ص: ۱۳، من مجموعة رسائل اللكنوى رحمة الله عليه: ۴۶۹/۳، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) (الأعراف: ۵۵)

مصلحت ہوتو جہراً بھی درست ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسبِ مصالح دونوں طرح دعا ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ واعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہر نماز کے بعد درود شریف جہراً پڑھنا

سوال[۲۴۳۵]: کشمیر میں نمازِ فجر اور عصر کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں، وہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو پڑھنا فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء ہر نماز کے بعد بلکہ ہر وقت رات دن میں درست ہے(۲)، لیکن جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھیں جس سے کسی کی نماز

---

(۱) "وعن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول في دبر كل صلوة مكتوبة: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك و له الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم! لا مانع لماأعطيت، و لا معطي لما منعت، و لا ينفع ذا الجد منك الجد". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الذكر بعد الصلوة الفصل الأول، ص: ٨٨، قديمى)

(۲) قال الله عزوجل: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي، ياأيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾. (پ ۲۲، سورة الأحزاب: ٥٦)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من صلى عليّ واحدةً صلى الله عليه عشراً". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد: ١/١٧٥، قديمى)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أولىٰ الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ الصلوٰة". (جامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم: ١/١١٠، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (كتاب الأذكار للنووي، كتاب الصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: ١٥٣، دارالبيان).

میں خلل نہ آئے، ورنہ ہلکی آواز سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور کسی کو مجبور نہ کریں، ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

فرائض اور سنن کے درمیان وظیفہ

سوال[۲۴۳۶]: یہاں کے امام صاحب بعد ظہر ومغرب وعشا تھوڑا وظیفہ پڑھ کر دعاء مانگا کرتے ہیں کبھی طویل مانگتے ہیں اس کے بعد دیر تک وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مقتدی دو تین رکعت نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد امام صاحب سنت پڑھتے ہیں، ان کو سمجھایا گیا کہ جن نمازوں کے بعد سنت ہیں مختصر دعا مانگ کر جلد سنت پڑھنا چاہئے، مگر وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتے۔ ایسے امام کی اقتداء میں کچھ خرابی تو نہیں؟ فقط۔

حاجی سید عبدالماجد، ۱۳/ دسمبر/۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل طریقہ تو یہی ہے کہ فرض نماز کے بعد متصلاً سنتیں پڑھی جائیں لیکن اگر امام صاحب نہیں مانتے تو اصرار وتشدد کی ضرورت نہیں کیونکہ سنتوں سے پہلے وظیفہ پڑھنا بھی کچھ گناہ نہیں:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويكره تأخير السنة إلا بقدر" أللهم أنت السلام" الخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكراهةِ التنزيهةَ، ارتفع الخلاف؛ لأنه إذا كانت الزيادة مكروهةً تنزيهاً كانت خلاف الأولىٰ الذي هو معنى: لا بأس، قلت: وفي حفظي حمله على القليلة .... فالكراهة علىٰ الزيادة

---

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

"قال الطيبي: وفيه: من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

تنزيهة لما علمت من عدم دليل التحريمية اه". در مختار وشامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

تسبیحات فرائض کے بعد ہیں یا سنن کے بعد؟

سوال[۲۲۴۷]: تسبیح فاطمہ، معوذتین، آیۃ الکرسی وغیرہ وظیفہ پڑھنے کے لئے فرائض کے بعد متصلاً پڑھنا افضل ہے یا سنن ونوافل سے فارغ ہوکر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنن ونوافل کے بعد افضل ہے، اور جس فرض نماز کے بعد سنن ونوافل نہیں، جیسے فجر وعصر، تو بعد فرض متصلاً افضل ہے(۲)۔ فقط۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/ ۵۳۰، سعيد)

"عن ورّاد مولى المغيرة بن شعبة قال: كتب مغيرة بن شعبة إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم قال: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، اللهم! لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/ ۲۱۸، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ("نفائس مرغوبه" تصنیف حضرت مولانا مفتی کفایت صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللهم! أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذاالجلال والإكرام". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/ ۲۱۸، قديمي)

"ويكره تأخير السنة إلا بقدر" اللهم أنت السلام" الخ، قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية، ارتفع الخلاف. قلت: وفي حفظي حمله على القليل". (الدر المختار). .... =

بعد فجر وعصر تسبیحات ودعاء میں ترتیب

سوال[۲۴۳۸]: فجر اور عصر کے فرض کے بعد دعاء مانگنے سے قبل تکبیر، تحمید، تسبیح وغیرہ ایک سو مرتبہ پڑھنا مستحب ہے یا دعا مانگنے کے بعد؟

الجواب حامداً و مصلياً:

تسبیح، تحمید، تکبیر کے بعد دعاء کرنا مستحب ہے:

"ويسبّحون الله تعالىٰ ثلاثاً وثلاثين، ويحمّدونه كذلك، ويكبرونه كذلك .... : ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين بالأدعية المأثورة الجامعة رافعي أيديهم، ثم يمسحون بها: أي بأيديهم وجوههم في آخره، اه". مراقي الفلاح مختصراً، ص: ۱۸۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/۵۷ھ۔

= "(قوله: ارتفع الخلاف)؛ لأنه إذا كانت الزيادة مكروهةً تنزيهاً، كانت خلاف الأولى الذي هو معنى: لا بأس .... لا بأس بالفصل بالأوراد: أي القليلة التي بقدر: أللهم أنت السلام الخ".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان ما يستحب للإمام: ۱/۳۹۳، ۳۹۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، وأما بيان صفة الصلاة، ص: ۳۴۱، ۳۴۲، سهيل اكيڈمی)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأذكار، ص: ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، قديمي)

"ويستحب أن يستغفر ثلاثاً، ويقرأ آية الكرسي والمعوذات، ويسبح ويحمد ويكبر ثلاثاً وثلاثين، ويهلل تمام المائة، ويدعو ويختم بسبحان ربك". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۰، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكيفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/۱۵۲، إدارة القرآن، كراچی)

نماز کے بعد کی تسبیح صف سے ہٹ کر پڑھنا

سوال[۲۴۳۹]: نماز فجر اور نماز عصر کے بعد جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، کوئی شخص اگر تسبیح جماعت سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ کر پڑھے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سنا ہے کہ اس طرح سے بیٹھ کر پیچھے ہٹ کر صف سے پڑھنا افضل ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص محلِ اعتراض نہیں، اگر صف میں بیٹھ کر تسبیح پڑھنے سے دیکھنے والوں کو احتمال ہو کہ ابھی جماعت ہو رہی ہے، ابھی ختم نہیں ہوئی تو صف سے پیچھے ہٹ کر پڑھنا اس احتمال کو دفع کرنے کے لئے افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۴ھ۔

تسبیحاتِ فاطمی نہ پڑھنا

سوال[۲۴۴۰]: ایک شخص فجر اور عصر کی نماز کے بعد والی تسبیح مسنونہ صحیح طور پر نہیں پڑھتا بلکہ بہت جلد منہ بند کر کے انگلیوں کو حرکت دے کر امام اور مقتدیوں کی تسبیح ختم ہونے سے پہلے دعاء مانگ کر چلا جاتا ہے، ان کا یہ فعل مقتدیوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے، یہ عادت غلط ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تسبیحات سنن مؤکدہ نہیں کہ ان کے تارک پر عتاب کیا جائے، بلکہ یہ مستحب ہے، جو شخص ان کو مستحب طریقہ پر پڑھے گا اجر وخیر حاصل کرے گا، نہیں پڑھے گا تو محروم رہے گا، تاہم گنہگار نہیں ہوگا (۲) نمازی اس

---

(۱) "ویستحب کسر الصفوف". (الدر المختار). "(قوله: یستحب کسر الصفوف) لیزول الاشتباه عن الداخل المعاین للکل فی الصلاة". (ردالمحتار، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/ ۵۳۱، سعید)

(۲) "عن کعب بن عجرة رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول صلی الله علیه وسلم قال: "معقبات لا یخیب قائلهن أو فاعلهن دبر کل صلوة مکتوبة: ثلاثاً وثلثین تسبیحةً، وثلاثاً وثلثین تحمیدةً، وأربعاً وثلثین تکبیرةً". (الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة، وبیان صفته: ۱/ ۲۱۹، قدیمی) ....=

سے نفرت نہ کریں، برا نہ کہیں، محبت وہمدردی سے سمجھائیں، ترغیب دیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بعد فجر اشراق تک ایک جگہ بیٹھنے کا ثواب

سوال [۲۴۴۱]: صبح کی نماز کے بعد اپنی جگہ بیٹھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے، بہشتی زیور میں لکھا ہے اس وقت تک کہ اشراق کا وقت ہو، اگر خاموشی کے ساتھ اپنے گھر آئے اور تلاوتِ قرآن کرتا رہے، نماز اشراق پڑھ کر اٹھے، آیا اس کو بھی وہی ثواب ملے گا یا نہیں؟

فقط محمد الیاس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے لئے یہ ثواب نہیں کیونکہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے جیسا کہ خود بہشتی زیور (۲) میں بھی

= "ويستحب أن يستغفر ثلاثاً، ويقرأ آية الكرسي والمعوذات، ويسبح ويحمده ويكبر ثلاثاً وثلاثين، ويهلل تمام المائة، ويدعو، ويختم بسبحان ربك". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۰، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الصلوٰة، باب الانحراف بعد السلام وكيفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلوٰة: ۳/۱۵۲، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، قديمى)

(۱) "عن تميم الدارى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلت: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم". قال النووى: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عداوُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره وأمن على نفسه المكروه، فإن خشى أذى فهو في سعة. والله أعلم".

(الصحيح لمسلم مع شرحه للنووى، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمى)

(۲) لم أجده

موجود ہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ذکر وغیرہ میں مشغول رہے اور اس جگہ سے اٹھ کر گھر آ کر ذکر میں مشغول رہنے سے اس قدر ثواب نہیں ملتا، بلکہ اس میں کمی آ جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۶/۱۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی الحجہ ۵۶ھ۔

فجر کے بعد اشراق تک ذکر میں مشغول رہنا

سوال[۲۴۴۲]: فجر کی فرض کے بعد بعض لوگ مصلح پر بیٹھے رہتے ہیں، طلوعِ آفتاب کے بعد نیتِ اشراق دوگانہ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے، اس روایت کی کیا اصل ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق فرض کے بعد مصلے پر بیٹھے رہنا تو ثابت ہے لیکن دوگانہ نماز پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا، مسئلہ کی پوری تحقیق فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى الفجر في جماعة، ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين، كانت له كأجر حجة وعمرة". قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تامة تامة". رواه الترمذي". (۲)، مشكوة

---

(۱) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى صلاة الغداة في جماعة، ثم جلس يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم قام، فصلى ركعتين، انقلب بأجر حجّة وعمرة". رواه الطبراني وإسناده جيد". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الأذكار، باب ما يقول بعد صلوٰة الصبح والمغرب والعصر: ۱۰/۱۰۴، دار الفكر، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب فضل الذكر بعد صلاة الفجر، ص: ۱۲۶، ۱۲۷، مكتبة الشيخ)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد الصلوة الصبح حتى تطلع الشمس، سعيد)

5

شریف: ۱/ ۸۹، باب الذکر بعد الصلوات (۱)۔

حدیثِ بالا اس مسئلہ کی اصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

فجر کے بعد ہواخوری افضل ہے یا اوراد ووظائف؟

سوال [۲۴۴۳]: فجر میں دعاء کے بعد اگر فجر کا وقت باقی ہے تو اس وقت اوراد ووظائف، حمد ونعت، صلوٰۃ وسلام یا تلاوت کلام پاک میں لگ جانا افضل ہے، یا ہواخوری کے لئے نکل جانا افضل وضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہواخوری کی ضرورت صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ہے تو اس سے بھی منع نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کی رعایت بھی قابلِ اہتمام ہے، ذکر وتلاوت وغیرہ کے افضل ہونے کے متعلق تو مستقل دلائل موجود ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۲/ ۹۱ھ۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الذکر بعد الصلوۃ: ۱/ ۸۹، قدیمی)

"عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی صلاة الغداة فی جماعة، ثم جلس یذکر اللہ حتی تطلع الشمس، قام، فصلی رکعتین، إنقلب بأجر حجة وعمرة". رواه الطبرانی وإسناده جید". (مجمع الزوائد للهیثمی، کتاب الأذکار، باب مایقول بعد صلوة الصبح والمغرب: ۱۰/ ۱۰۴، دارالفکر)

راجع للتفصیل: (کتاب الأذکار للنووی رحمه اللہ تعالیٰ، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ بعد صلوة الصبح، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، داربیان)

(۲) فجر کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر اذکار میں مشغول رہنے کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں، لہٰذا فجر کے بعد اشراق تک ذکر اذکار میں مشغول رہے، نماز اشراق پڑھنے کے بعد ہواخوری کرے، نیز عصر کا وقت بھی ہواخوری کے لئے مفید ہے:

"عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی =

فجر کے بعد یٰسین شریف کا ختم

سوال[۲۴۴۴]: ایک امام صاحب روزانہ بعد فجر کے سلام کے بعد بغیر مناجات زبردستی مقتدیوں کو سورۂ یٰسین پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ختم قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے، کیوں ذرا سے وقت کے لئے آپ اس سے محروم ہوں؟ اس کے بعد دعاء کرتے ہیں (مناجات کرتے ہیں)۔ کیا امام صاحب کا یہ عمل ازروئے شرع صحیح ہے یا ناجائز ہے؟ احکام شرعی بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ملتا ہے(۱)، حدیث شریف میں موجود ہے، اس

= صلاة الغداة في جماعة، ثم جلس يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم قام، فصلى ركعتين، انقلب بأجر حجة وعمرة". رواه الطبراني وإسناده جيد". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الأذكار، باب ما يفعل بعد صلاة الصبح والمغرب والعصر: ۱۰۴/۱۰، دارالفكر، بيروت)

"عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال دبر كل صلاة الغداة: لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد، يحي ويميت، بيده الخير، وهو على كل شئ قدير مائة مرة قبل أن يثني رجليه، كان يومئذٍ من أفضل أهل الأرض عملاً، إلا من قال مثل ما قال، أو زاد على ما قال". رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورجال الأوسط ثقات". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الأذكار، باب ما يقول بعد صلاة الصبح والمغرب، ج: ۱۰/۱۰۷، ۱۰۸، دار الفكر، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب فضل الذكر بعد صلوٰة الفجر ص ۱۲۶، ۱۲۷ مكتبة الشيخ)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن لكل شئ قلباً، وقلب القرآن يٰس، ومن قرأ يٰس، كتب الله له بقرأتها قراءة القرآن عشر مرات". (تفسير ابن كثير: ۵۶۳/۴، سورة يٰس، سهيل اكيڈمی)

(ورواه الترمذي، في سننه في أبواب فضائل القرآن عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ما جاء في يٰس: ۱۱۶/۲، سعيد)

سے مشکلات میں آسانی ہوتی ہے(۱)، اپنے زیر تربیت لوگوں کو زور دیکر بھی عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن سب کو مجبور نہ کیا جائے، جس کا دل چاہے دعاء کے بعد چلا جائے یا تسبیح، نوافل، تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوجائے، جس کا دل چاہے تلاوت یٰسین کرے(۲)۔ ترغیب کو جبر کہنا بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نماز کے بعد "استغفر اللّٰہ" پڑھنا

سوال[۲۲۴۵]: نماز فرض کے سلام کے فوراً بعد دعا کے متعلق زید "أستغفر اللّٰہ الذی لا إلٰہ إلا ھو الحی القیوم" پڑھتا ہے، بکر کہتا ہے بیشک یہ بہت بڑا استغفار ہے، لیکن سلام کے بعد تو "اللّٰہ اکبر" اور تین مرتبہ "استغفر اللّٰہ" پڑھنا منقول ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشہور تو یہی ہے کہ اس مقام پر "استغفر اللّٰہ" منقول ہے، بعد کے صفات منقول نہیں مگر عمل الیوم واللیلۃ، ص:۳۵، میں ہے:

"عن معاذ -رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ- قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول:" من قال بعد الفجر ثلاث مرات وبعد العصر ثلاث مرات: أستغفر اللّٰہ الذی لا إلٰہ إلا

---

(۱) "عن عطاء بن أبی رباح، قال: بلغنی أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:"من قرأ یٰسٓ فی صدر النہار، قضیت حوائجہ". قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما: من قرأ یٰسٓ حین یصبح، أعطی یُسر یومہ حتی یمسی، ومن قرأھا فی صدر لیلۃ، أعطی یسر لیلۃ حتی یصبح". (سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل یٰسٓ، (رقم الحدیث: ۳۴۱۸، ۳۴۱۹): ۲/۵۴۹، قدیمی)

(وکذا فی مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن الفصل الثالث، ص: ۱۸۹، قدیمی)

(۲) "الإصرار علی المندوب یبلغہ إلی حد الکراھۃ". (السعایۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ، ۲/۲۶۵، سہیل اکیڈمی)

"قال الطیبی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: من أصر علی أمر مندوب، وجعلہ عزماً، ولم یعمل بالرخصۃ، فقد أصاب منہ الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعۃ أو منکر". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الدعاء فی التشہد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیہ)

هو الحی القیوم وأتوب إلیه، کفرت عنه ذنوبه وإن کانت مثل زبد البحر"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۸ھ۔

توبہ اور استغفار میں فرق

سوال[۲۴۴۶]: توبہ واستغفار میں کیا فرق ہے؟ اگر زانی اور زانیہ نے صرف توبہ واستغفار کیا تو ان سے ہر قسم کی تعظیم وتکریم، سلام، حسن سلوک کرنا چاہئے یا برائے تنبیہ ترکِ موالات ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ میں گذشتہ پر ندامت کے ساتھ آئندہ پرہیز کا پہلو غالب ہے(۲) اور استغفار میں جرم کی معافی کا

(۱) (أخرجه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة، باب مایقول فی دبر صلوة الصبح، رقم الحدیث: ۱۲۶، ص: ۱۱۲، مکتبة الشیخ کراچی)

"عن ثوبان قال: وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا انصرف من صلوته، استغفر ثلاثاً وقال: "اللهم! أنت السلام ومنک السلام، تبارکت ذا الجلال والإکرام". قال الولید: فقلت للأوزاعی: کیف الاستغفار؟ قال: یقول: "أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة وبیان صفته: ۲۱۸/۱، قدیمی)

"ویستحب أن یستغفر الله ثلاثاً، ویقرأ اٰیة الکرسی والمعوذات، ویسبح، ویحمد، ویکبر ثلاثاً وثلثین، وهلل تمام المائة، ویدعو، ویختم بسبحان ربک". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل: إذا أراد الشروع: ۵۳۰/۱، سعید)

(۲) "قالت عائشة رضی الله عنها: قال لی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن کنت ألممت بذنب، فاستغفری الله وتوبی إلیه؛ فإن التوبة من الذنب الندم والاستغفار". (إحیاء علوم الدین للإمام الغزالی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الأذکار والدعوات، فضیلة الاستغفار: ۳۹۸/۱، مکتبه حقانیه)

"أصل التوبة فی اللغة الرجوع، یقال: تاب وثاب -بالمثلثة- وأناب وآب بمعنی رجع، والمراد بالتوبة ههنا الرجوع عن الذنب ..... أن لها ثلثة أرکان: الإقلاع، والندم علی فعل تلک المعصیة، والعزم علی أن لا یعود إلیها أبدًا". (شرح مسلم للنواوی رحمه الله تعالیٰ، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی)

والبسط فی: (روح المعانی (سورة التحریم: ۸): ۱۵۷/۲۸ - ۱۶۰، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

پہلو غالب ہے(۱) جبکہ بذریعۂ توبہ واستغفار اصلاح کے آثار ظاہر ہوجائیں تو پھر ترکِ موالات نہیں چاہیئے، ہاں اگر ترکِ تعلق اصلاح کا ذریعہ بن سکے تو ترکِ تعلق ٹھیک ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۴۰۱ھ۔

استغفار کے ایک صیغہ کا ثبوت

سوال[۲۴۴۷]: کیا صیغۂ استغفار: ’’استغفر اللّٰہ (الی) وأتوب الیہ‘‘ حدیث مرفوع میں ہے؟ اور اس کا اپنے معمول کے مطابق پڑھنا صحیح ہے اور کیا یہ استغفار کے تمام صیغوں کا خلاصہ ہے اور کیا طلبِ مغفرت میں یہ سب برابر ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جی ہاں! حدیثِ مرفوع میں موجود ہے، صیغے مختلف آئے ہیں، ہر ایک اپنی ایک شان رکھتا ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱/۸۵ھ۔

---

(۱)"واستغفر الله ذنبه على حذف الحرف طلب منه غفره". (لسان العرب، (ر) فصل غين المعجمة، تحت لفظ غفر: ۲۶/۵، دار صادر، بيروت)

والتفصيل في: (روح المعاني، پ: ۴، آية: ۱۳۵، ۶۱/۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲)"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۸۹۷/۲، قديمي)

"قوله: "(ولا يحل لمسلم إلى آخره) فيه التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام، وهذا فيمن لم يجن على الدين جناية، فأما من جنى عليه وعصى ربه، فجاءت الرخصة في عقوبته بالهجران كالثلاثة المتخلفين عن غزوة تبوك، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسين ليلةً حتى نزلت توبتهم". (عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعة منيريه بيروت)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: (مرقاة المفاتيح للملا على القاري رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأدب، باب من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(۳)"قال أبو هريرة رضي الله عنه: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "والله! إني لأستغفر الله=

مناجاتِ مقبول اور حزبِ اعظم

سوال[۲۴۴۸]: زید پابند شریعت ہے اور اکثر باوضو تمام ماثورہ دعائیں پڑھتا رہتا ہے تو کیا اس کے لئے یہی کافی ہے یا مناجاتِ مقبول بھی پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص شریعت کی بتائی ہوئی دعائیں ان کے اوقات میں پڑھنے کا اہتمام رکھتا ہے اس کے لئے وہی کافی ہے، جو شخص اہتمام نہیں رکھتا وہ "مناجاتِ مقبول" یا "الحزب الاعظم" کی دعائیں پڑھ لیا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۸ھ۔

حزب البحر پڑھنے کی اجازت

سوال[۲۴۴۹]: دعائے حزب البحر کے پڑھنے کی اجازت اور طریقۂ عمل بتلائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض ثواب کے لئے پڑھنا ہو تو روزانہ ایک دفعہ کسی وقت پڑھ لیا کریں، نہ کسی طریقۂ خاص کی ضرورت ہے نہ کسی کی اجازت کی (۱)، اگر کسی خاص عمل کے لئے پڑھنا ہو تو کسی عامل سے اجازت لیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

= وأتوب إليه في اليوم أكثر من سبعين مرةً". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب استغفار النبي صلى الله عليه وسلم في اليوم والليلة: ۹۳۳/۲ قديمي)

"عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "سيد الاستغفار أن يقول العبد: ألّلهم! أنت ربي، لا إله إلا أنت خلقتني وأنا عبدك، وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت، أعوذ بك من شرما صنعت، أبوء لك بنعمتك عليّ، وأبوء لك بذنبي، فاغفرلي، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت". قال: "ومن قالها من النهار موقناً بها فمات من يومه قبل أن يمسي، فهو من أهل الجنة، ومن قالها من الليل وهو موقن بها فمات قبل أن يصبح فهو من أهل الجنة". (صحيح البخاري، باب الاستغفار، ص: ۴۹۶-۵۰۰، قديمي)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يذكر الله عزوجل على كل أحيانه". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الرجل يذكر الله تعالىٰ على غير طهور: ۴/۱، امداديه) =

درود"تنجینا" میں لفظ"تنجینا" کی تحقیق

سوال[۲۴۵۰]: درودتنجینا کااعراب کسی کتاب میں اس طرح ہے:"اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد صلوۃ تُنَجِّینَا بہا من جمیع الأھوال والآفات" اورکسی کتاب میں اس طرح ہے"تُنۡجِیۡنَا"۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ تُنَجِّینَا صحیح ہے یا"تُنۡجِیۡنَا" صحیح ہے؟اورکیادونوں کے الگ الگ معنیٰ ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"تُنۡجِیۡنَا"اور"تُنَجِّینَا"دونوں طرح یہ لفظ صحیح ہے،دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں کچھ فرق نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۲/۴/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= قال اللہ تعالیٰ:﴿فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم﴾.(الآیة)."أی فداوموا علی ذکرہ سبحانہ فی جمیع الأحوال الخ".(روح المعانی: ۱۳۷/۵، پ:۵، سورۃ النساء: ۱۰۳)

(۱) "النجاء: الخلاص من الشیٔ، نجا ینجوا نجواً "ونجاءً" -ممدود- "ونجاۃً" -مقصور- ونجی واستنجی کنجا ...... ونجوت من کذا والصدق منجاۃ، وأنجیت غیری ونجّیتہ، وقریٔ بھما قولہ تعالیٰ:﴿فالیوم ننجّیک ببدنک﴾ الخ".(لسان العرب، فصل النون تحت لفظ نجا: ۱۵/۳۰۴، دار صادر، بیروت)

الفصل الثانی فی الدعاء بعد الصلوات

(نماز کے بعد دعاء کا بیان)

نماز کے بعد دعاء کا ثبوت

سوال[۲۴۵۱]: بعد صلوٰۃِ خمسہ جو امام اور مقتدی دونوں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے ہیں، یہ کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ شافی جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ دعا کا حکم قرآن شریف میں متعدد جگہ آیا ہے(۱) اور ترکِ دعاء پر وعید بھی ہے، نماز کے بعد مطلقاً متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ثابت ہے، چنانچہ چند روایات حافظ ابوبکر اندلسی کی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" سے نقل کی جاتی ہیں:

۱-"عن أم سلمة -رضی اللّٰه تعالیٰ عنها- كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا صلی الصبح قال: "اللّٰهم إني أسئلك علماً نافعاً، وعملاً متقبلاً، ورزقاً طيباً"(۲)۔

۲-"عن زيد بن أرقم-رضی اللّٰه تعالیٰ عنه- قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یدعو دبر الصلوة يقول: "اللّٰهم ربنا ورب كل شئ! أنا أشهد أنك أنت الرب وحدك لا

---

(۱)قال الله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية، إنه لا يحب المعتدين﴾ (سورة الأعراف: ۵۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون﴾ (سورة المؤمن: ۱۴)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإذا سألک عبادی عنی فإنی قریب، أجيب دعوة الداع إذا دعان، فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون﴾. (سورة البقرة: ۱۸۶)

(۲) (عمل اليوم والليلة لابن السنی رحمه الله تعالیٰ، باب ما يقول فی دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۰)، ص: ۱۰۰، مكتبة الشيخ، كراچی)

شريك لك، أللهم ربنا ورب كل شئ! أنا أشهد أن محمداً عبدك ورسولك، أللهم ربنا ورب كل شئ! اجعلني مخلصاً لك في كل ساعة وأهلي في الدنيا والآخرة يا ذالجلال والإكرام!، أللهم! اسمع واستجب، الله الأكبر الله الأكبر، نور السموٰت والأرض الله الأكبر، الله الأكبر حسبي الله ونعم الوكيل الله الأكبر الله الأكبر(۱)۔

۳-"عن أبي أمامة -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: ما دنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلوٰة مكتوبة ولا تطوع إلا سمعته يقول: "اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها، أللهم! انعشني واجبرني وأهدني لصالح الأعمال والأخلاق، إنه لا يهدى لصالحها ولا يصرف سيئها إلا أنت"(۲)۔

٤ -"عن معاذ بن جبل -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: لقيت النبي صلى الله عليه وسلم فقال لي: "يا معاذ! إني أحبك فلا تَدَعْ أن تقول في دبر كل صلوٰة: أللهم! أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك"(۳)۔

۵-"عن أنس بن مالك -رضي الله تعالىٰ عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوٰة ثم يقول: أللهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل وميكائيل وإسرافيل! -عليهم السلام- أسألك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطرّ، وتعصمني في ديني فإني مبتلى، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين، اهـ". (٤)۔ *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۳/۲/۶۴ھ۔

---

(۱) (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۴، ص: ۱۰۲، مكتبه الشيخ)

(۲) (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۲، ص: ۱۰۵، مكتبة الشيخ)

(۳) (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۸ مكتبة الشيخ)

(۴) (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۳۸، ص: ۱۲۱، مكتبة الشيخ)

نمازفرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ثابت ہے، مگر یہ صرف مستحب کے درجہ میں ہے، اس کا واجب کے برابر اہتمام والتزام ثابت نہیں ہے جیسا کہ بعض جگہ کیا جاتا ہے(۱)، اور اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو بدعت کہا ہے، ورنہ نفسِ دعاء احادیثِ معتبرہ سے ہاتھ اٹھا کر اور بلا ہاتھ اٹھائے دونوں طرح ثابت ہے(۲)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شرعاً ثابت ہے اور مستحب ہے(۳) لیکن اگر اتفاقیہ طور پر کوئی شخص کبھی ترک کر دے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے(۴)۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/۳/۶۴ھ۔

جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرف منہ کر کے بیٹھے؟

سوال[۲۴۵۲]: جن نمازوں کے بعد سنتِ مؤکدہ نہیں ہیں ان نمازوں میں امام کس طرف متوجہ ہو دا ہنی طرف یا بائیں طرف، یا مقتدیوں کی طرف؟ زید کہتا ہے کہ داہنی طرف متوجہ ہو، عمر کہتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو۔ ان میں سے کونسا قول صحیح ہے اور کس قول پر فتویٰ ہے؟

---

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

"قال الطيبي وفيه من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶) : ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "وقال أبو موسى رضي الله تعالىٰ عنه: دعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم رفع يديه، ورأيت بياض إبطيه". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب رفع الأيدي في الدعا: ۲/۹۳۸، قديمي)

"قال: سمعت أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها تقول: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا صلى الصبح قال: "اللهم إني أسئلك علماً نافعاً، وعملاً متقبلاً ورزقاً". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۰)، ص: ۱۰۰، مكتبة الشيخ)

(۳) (راجع الحاشية السابقة آنفاً)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

تینوں طرح درست ہے، کسی ایک کا التزام درست نہیں، داہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہوجائے اولیٰ ہے:

"وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل الناس إن شاء، إن لم يكن في مقابلته مصلي كما في الصحيحين: "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى أقبل علينا بوجهه". وإن شاء الإمام انصرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهذا أولىٰ لما في مسلم: "كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه". وإن شاء ذهب لحوائجه، قال تعالىٰ: ﴿فإذا قضيت الصلوٰة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله﴾ والأمر للإباحة اهـ". مراقي الفلاح، ص: ۲۷۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

امام کا مقتدیوں کی جانب یا بجانبِ شمال رخ کرکے بیٹھنا

سوال[۲۴۵۳]: ہر نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانبِ شمال رخ کرکے بیٹھنا سنت ہے یا کسی خاص وقت کی نماز کے بعد؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس نماز کے بعد سنتیں نہیں اس کے بعد شمال، جنوب یا مقتدیوں کی طرف رخ کرلینا ثابت ہے اور

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۴، قديمي)

"عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه". قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وجه الجمع بينهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يفعل تارةً هذا، وتارةً هذا، فأخبر كل واحد بما اعتقد أنه الأكثر فيما يعلمه، فدل على جوازهما، ولا كراهية في واحد منهما .... لكن يستحب أن ينصرف في جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله. فإن استوى الجهتان في الحاجة وعدمها، فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرّحه بفضل اليمين في باب المكارم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب المساجد، باب جواز الانصراف من الصلوٰة عن اليمين والشمال: ۱/۲۴۷، قديمي)

جس نماز کے بعد سنتیں ہیں اس کے بعد ثابت نہیں بلکہ مختصر دعاء کر کے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جانا چاہئے طحطاوی، ص: ۱۷۱ (۱) بدائع (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا نماز کے فوراً بعد دعاء ہے یا وقفہ کے ساتھ؟

سوال [۲۴۵۴]: زید کہتا ہے کہ فرض نماز کے سلام اور دعاء کے درمیان تھوڑا وقفہ دے کر دعا مانگنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں نماز کے بعد دعاء کا حکم ہے، وقفہ کا ذکر حدیث شریف میں نہیں، ''بعد'' سے بظاہر متصلاً ہی مراد ہے، تاہم اگر معمولی وقفہ ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الاولی/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "(الأذكار الواردة بعد) صلاة (الفرض) .... (القيام إلى) أداء (السنة) التي تلي الفرض (متصلاً بالفرض مسنونٌ) غير أنه يستحب الفصل بينهما كما كان عليه السلام إذا سلم يمكث قدر ما يقول: "اللهم أنت السلام ومنك السلام الخ" ثم يقوم إلى السنة ...... ويستحب (أن يستقبل بعده): أي بعد التطوع وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار: ۳۱۱، ۳۱۴، قديمي)

(۲) "وأما بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة فنقول: إذا فرغ الإمام من الصلاة فلا يخلو إما إن كانت صلاةً لا تصلي بعدها سنة أو كانت صلاةً تصلي بعدها سنة. فإن كانت صلاة لا تصلي بعدها سنة كالفجر والعصر، فإن شاء الإمام قام وإن شاء قعد في مكانه يشتغل بالدعاء .... لما روى: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاة الفجر، استقبل بوجهه أصحابه" .... ثم اختلف المشايخ في كيفية الانحراف ...... وقال بعضهم: هو مخير إن شاء انحرف يمنةً، وإن شاء يسرةً، وهو الصحيح ...... وإن كانت صلاة بعدها سنة، يكره له المكث قاعداً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل وأما بيان ما يستحب للإمام الخ: ۳۹۳/۱، ۳۹۴، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار مايقول: "اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ذاالجلال والإكرام". (الصحيح لمسلم، =

جن فرض کے بعد سنت بھی ہے اس کے بعد وقفہ نہیں چاہئے، جیسے مغرب، عشاء ظہر اور جن کے بعد سنت نہیں ہیں انکے بعد وقفہ دے کر دعاء ہے(۱)۔

عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔ سعید احمد غفرلہ۔

نماز کے بعد دعاء "الحمد" سے شروع کرنا

سوال[۲۴۵۵]: فرض نماز کے بعد "الحمد للّٰہ رب العالمین" سے دعاء شروع کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء سے پہلے حمد، وثنا آدابِ دعا میں سے ہے، الحمد للّٰہ اس کا اعلیٰ مصداق ہے جس کی تعلیم خداوند تعالیٰ نے دعاء ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ الخ سے پہلے دی، اس کو بدعت کہنا ناواقفیت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

=كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/۲۱۸، قديمى)

"ويكره تأخير السنة إلا بقدر اللهم أنت السلام الخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكراهةِ التنزيهية، ارتفع الخلاف، قلت: وفي حفظي حمله على القليل". (الدرالمختار).

"(قوله: ارتفع الخلاف)؛ لأنه إذا كانت الزيادة مكروهةً تنزيهاً، كانت خلاف الأولى الذى هو معنى: لا بأس .... لا بأس بالفصل بالأوراد: أى القليلة التى بمقدار: "اللهم أنت السلام الخ".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۱، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان ما يستحب للإمام: ۱/۳۹۳، ۳۹۴، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، وأما بيان صفة الصلاة: ۳۴۱، ۳۴۲، سهيل اكيڈمى)

(۱) راجع رقم الحاشية السابقة

(۲) "عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعدا إذ دخل =

فرض نمازوں کے بعد دعاء

سوال[۲۴۵۶]: فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یا صحابہ-رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کا طریقہ بیان کرنا لازمی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن أنس بن مالك رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفیه فی دبر كل صلوٰة ثم یقول: اللهم إلهی وإله إبراهیم وإسحاق ویعقوب، وإله جبرئیل ومیكائیل وإسرافیل –علیهم السلام– أسئلك أن تستجیب دعوتی فإنی مضطر، وتعصمنی فی دینی فإنی مبتلی، وتنالنی برحمتك فإنی مذنب، وتنفی عنی الفقر فإنی متمسكن، إلا كان حقاً علی الله أن لا یرد یدیه خائبتین". عمل الیوم واللیلة، ص:۳۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= رجل، فصلی فقال: اللهم اغفرلی وارحمنی، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "عجلت أیها المصلی! إذا صلیت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل علیّ، ثم ادعه". قال: ثم صلی رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله، وصلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال له النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أیها المصلی! أدع تُجب". هذا حدیث حسن". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمه: ۱۸۵/۲، سعید)

"واستقبل الداعی القبلة، وكان علی طهارة، ورفع یدیه إلی الله تعالیٰ، بدأ بحمد الله، الثناء علیه، ثم بالصلاة علی محمد عبده ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (الجواب الكافی فیمن سئل عن الدواء الشافی، المعروف بالداء والدواء لابن قیم الجوزیة، فصل: أوقات الإجابة، ص:۱۰۶، مكتبه حقانیه)

(۱) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی رحمه الله تعالیٰ، باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح، (رقم الحدیث: ۱۳۸)، ص: ۱۲۱، مكتبة الشیخ)

"عن أبی أمامة رضی الله عنه: قال: قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الأخر ودبر الصلوات المكتوبات". قال الترمذی رحمه الله: "هذا حدیث حسن". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات: ۱۸۷/۲، سعید) .... =

فرض نماز کے بعد دعاء اور آمین

سوال[۲۴۵۷]: فرض نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اجتماعی دعاء پڑھ کر مقتدیوں سے آمین کہلوانا درست ہے یا نہیں؟ یا امام ومقتدی کو انفرادی دعاء کرنا لازم ہے یا بغیر دعاء کے سنت پڑھ سکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فرض نمازوں کے بعد دعاء مقبول ہوتی ہے، اس وقت دعاء کرنا حدیث (۱) وفقہ سے ثابت ہے (۲)، جہراً دعاء کرنا اور مقتدیوں سے آمین کہلوانا اس کی پابندی ثابت نہیں (۳)۔ جس فرض نماز کے بعد سنت نماز بھی

= "عن وراد مولی المغیرة بن شعبة قال: کتب المغیرة إلیٰ معاویة ابن أبی سفیان: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول فی دبر صلوته إذا سلّم: "لا إله إلا الله وحده لاشریک له، له الملک، وله الحمد، وهو علی کل شئ قدیر، اللهم! لا مانع لما أعطیت، ولا معطی لما منعت، ولا ینفع ذا الجد منک الجد". (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة: ۹۳۷/۲، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الصلوٰة، باب ما یقول إذا سلم: ۶۲/۱، سعید)

(۱) "عن أبی أمامة رضی الله عنه قال: قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات". وقال الترمذی: هذا حدیث حسن". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمه: ۱۸۷/۲، سعید)

"وإذا جمع مع الدعاء حضور القلب وجمعیته بکلیته علی المطلوب، وصادف وقتاً من أوقات الإجابة الستة، وهو: الثلث الأخیر من اللیل، وعند الأذان، وبین الأذان والإقامة، وإدبار الصلوات المکتوبات، وعند صعود الإمام یوم الجمعة علی المنبر حتی تقضی الصلاة من ذلک الیوم، • آخر ساعة بعد العصر، وصادف خشوعاً فی القلب". (الجواب الکافی فیمن سئل عن الدواء الشافی، المعروف بالداء والدواء لابن قیم الجوزیة، فصل: أوقات الإجابة، ص: ۱۶، مکتبة روضة القرآن)

"أحوال الإجابة .... ودبر الصلوات المکتوبات". (الحصن الحصین للإمام محمد الجزری، ص: ۲۳، دارالاشاعت)

(۲) (راجع للتخریج، ص: ۶۸۵، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة". (السعایة، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی) .... =

ہے جیسے ظہر، مغرب، عشاء، اس کے بعد مختصر دعاء کر کے سنت میں مشغول ہو جائے (۱) اور جس کے بعد سنت نہیں جیسے فجر وعصر، ان کے بعد تسبیحات واذکار متعدد حدیثوں میں وارد ہیں، عمل الیوم واللیلۃ، ص: ۳۰-۴۰، یعنی دس صفحات میں روایات مذکور ہیں:

”عن صهيب -رضي الله تعالى عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحرك شفتيه بعد صلوة الفجر بشيء، فقلت: يا رسول الله! إنك تحرك شفتيك بشيء ما كنت تفعل بهذا، ماالذى تقول؟ قال: "أقول: اللهم! بك أحاول، وبك أصاول، وبك أقاتل"(۲)۔

”عن أنس -رضي الله تعالى عنه- قال: ما صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوةً مكتوبةً إلا أقبل بوجهه علينا، فقال: "اللهم! إنى أعوذبك من كل عمل يخزيني، وأعوذبك من كل صاحب يؤذيني، وأعوذبك من كل أمل يلهيني، وأعوذ بك من كل فقر ينسيني، وأعوذ بك من كل غنى يطغيني". حوالہ بالا، ص: ۳۱، ۳۲(۳)۔

”القيام إلى السنه التى تلى الفرض متصلاً بالفروض مسنونٌ غير أنه يستحب الفصل

= ”قال الطيبي: وفيه من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱ رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۶۸۵، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب: ما يقول: في دبر صلاة الصبح، ص: ۱۰۵، رقم الحديث: ۱۱۷، مكتبة الشيخ)

(۳) (عمل اليوم والليلة، ص: ۱۰۷، رقم الحديث: ۱۲۰)

”عن ورّاد مولى المغيرة بن شعبة قال: كتب المغيرة إلىٰ معاوية ابن أبي سفيان: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول فى دبر صلوته إذا سلم: "لا إله إلا الله وحده لاشريک له، له الملک، وله الحمد، وهو على كل شئ قدير، اللهم! لا مانع لما أعطيت، ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منک الجد". (صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة: ۲/۹۳۷، قديمى)

(وجامع الترمذى، فى أبواب الصلوة، باب ما يقول إذا سلم: ۱/۶۶، سعيد)

بینهما كما قال عليه السلام: إذا سلم يمكث قدر ما يقول: "اللهم أنت السلام ومنك السلام وإليك يعود السلام تبارك يا ذا الجلال والإكرام" ثم يقوم إلى السنة". مراقی الفلاح، ص: ۱۷۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

نماز کے بعد دعائیں

سوال[۲۴۵۸]: دعائے ماثورہ جو بعد العصر والفجر احادیث میں وارد ہیں اور جو مطلق فرض کے بعد ہیں وہ کیا کیا ہیں؟

محمد شیر زنگونی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عن أم سلمة –رضي الله تعالى عنها– تقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى الصبح قال: "اللهم! إني أسئلك علماً نافعاً، وعملاً متقبلاً، ورزقاً طيباً"(۲)۔

"وعن أنس –رضي الله تعالى عنه– قال: ما صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوةً مكتوبةً إلا أقبل علينا بوجهه فقال: "اللهم! إني أعوذبك من كل عمل يخزيني، وأعوذبك من كل صاحب يؤذيني، وأعوذ بك من كل أمل يلهيني، وأعوذ بك من كل فقر

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۱، قديمي)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: "أللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام". (جامع الترمذي، أبواب الصلوٰة، باب ما يقول إذا سلم، ۶۶/۱، سعيد)

"ويكره تأخير السنة إلا بقدر "أللهم أنت السلام الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، فصل: إذا أراد الشروع: ۵۳۰/۱، سعيد)

(۲) (عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: ۱۰۰، رقم الحديث: ۱۱۰، مكتبة الشيخ)

ینسینی، وأعوذبك من كل غنی یطغینی"(١)۔ (از ص:٣٨ تا: ٥١، عمل الیوم واللیلة) میں کچھ اوپر تیس دعائیں اَور بھی منقول ہیں۔

"عن معاذ –رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ– قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: "من قال بعد الفجر ثلاث مرات وبعد العصر ثلاث مرات: أستغفر اللّٰہ الذی لا إلٰه إلا هو الحی القیوم وأتوب إلیه، کفرت عنه ذنوبه وإن كانت مثل زبد البحر". رواه ابن السنی(٢)۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللّٰہ عنہ، ٥٣/٢/٨ھ۔

ہر نماز کے بعد دعاء کا اہتمام

سوال[٢٢٥٩]: نماز کے بعد دعاء مانگنے کے سلسلہ میں "عمل الیوم واللیلة" والی روایت ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کی دلیل میں حضرت نے جواب میں لکھوایا تھا۔ کیا کوئی حدیث ایسی بھی ہے جس میں دونوں بات دواماً حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے یکجا طور پر ثابت ہوں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو طریقہ دعا کے اہتمام کا آپ چاہتے ہیں اس کا دوامی ثبوت عملی حدیث سے دشوار ہے، نفسِ ثبوت وہ کافی ہے جو عرض کیا تھا، یعنی عمل الیوم واللیلة کی قوی حدیث، الکوکب الدری میں اس سے تعرض کیا ہے، غالباً کتاب الدعوات میں ہے، وہاں دیکھئے(٣)۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ٨٩/٦/٢٧ھ۔

---

(١) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی، ص: ١٠٧، رقم الحدیث: ١٢٠، مکتبة الشیخ)

(٢) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی، ص: ١١٢، رقم الحدیث: ١٢٦، مکتبة الشیخ)

"عن وراد مولی المغیرة بن شعبة قال: کتب المغیرة إلیٰ معاویة ابن أبی سفیان: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقول فی دبر صلوته إذا سلّم: "لا إلٰه إلا اللّٰہ وحده لاشریک له، له الملک، وله الحمد، وهو علی کل شئ قدیر، أللّٰهم! لا مانع لما أعطیت، ولا معطی لما منعت، ولا ینفع ذا الجد منک الجد". (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة: ٩٣٧/٢، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الصلوٰة، باب ما یقول إذا سلم: ٦٦/١، سعید)

(٣) "ویختتم الدعاء بعد المکتوبة وقبل السنة علی ماروی عن البقالی من أنه قال: الأفضل أن یشتغل بالدعاء ثم بالسنة .... وهو المشهور المعمول به فی زماننا کمالا یخفیٰ فإنه مستجاب بالحدیث، =

ہر نماز کے بعد دعائے جہری کا التزام

سوال[۲۴۶۰]: ایک امام صاحب نے مسجد میں روزانہ بعد نماز فجر یہ معمول بنالیا کہ سورت حشر کی آخری تین آیتیں، کلمہ طیبہ، درود شریف اور مخصوص دعاء بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور مقتدیوں سے بھی پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ یہ معمول بلا ناغہ بنالینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیم دینا تو بہت اچھی اور مفید بات ہے، مگر نماز کے بعد اس طرح بلند آواز سے سب کا پابندی کے ساتھ بلا ناغہ التزاماً پڑھنا ٹھیک نہیں (۱)، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ بھی نماز کا آخری جز یا تتمہ ہے، اس لئے اس طریقہ کو بند کیا جائے، پھر نماز کی ہیئت کو ختم کر کے کچھ دیر کے لئے اسی طرح بیٹھ جایا کریں جس سے کسی اور کی نماز میں خلل نہ آئے اور پوری نماز سب کی سن کر اصلاح کر دیا کریں، جو یاد نہ ہو وہ صحیح یاد کرادیں، جو یاد ہو اس کا مطلب سمجھا دیں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ مختصر سا مدرسہ ہو جائے گا اور سب کی نمازیں بھی درست ہو جائیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

=وقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی حدیث رواه ابن عباس: "من لم یفعل ذالک فهو خداج": أی من لم یدع بعد الصلوة رافعاً یدیه إلی ربه مستقبلاً ببطونها إلی وجهه ولم یطلب حاجاته قائلاً یارب یارب، فما فعله من الصلوة ناقصه عندالحق سبحانه .... الخ". (الکوکب الدری، ابواب الدعوات، (قال ربکم أدعونی) ،ص: ۲۹۱، المکتبة الیحیویه، سهارنپور)

(۱) "(البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان و جعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (رد المحتار ، باب الامامة : ۱/۵۶۰، سعید)

"الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة". (السعایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوٰة: قبیل فصل فی القرآءة : ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی)

"قال الطیبی: وفیه: من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب=

ہر نماز کے بعد دعاء

سوال [۲۲۶۱]: پنج وقتہ نماز کے بعد جو دعائیں مانگی جاتی ہیں، یہ اجتماعی دعاء کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد دعاء مانگی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتبِ فقہ مراقی الفلاح (۱)، درمختار (۲) وغیرہ میں اجتماعی دعاء کی ترغیب وتائید مذکور ہے، جس فرض نماز کے بعد سنتیں ہیں، اس فرض کے بعد تو مختصر دعائیہ کلمات پڑھ کر سنتوں میں مشغول ہو جانا چاہئے (۳) اور جس فرض کے بعد سنتیں نہیں ہیں (فجر، عصر) اس میں تسبیحاتِ فاطمہ اور طویل دعاء بھی لکھی ہے (۴)، کتاب

= منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

(۱) "إذا انصرف من صلوته، استغفر الله تعالىٰ؟ وقال: اللهم أنت السلام .... ثم يدعون لأنفسهم و للمؤمنين بالأدعية المأثورة لقول أبي أمامة .... رافعي أيديهم حذاء الصدر ...... ثم يختمون بقوله تعالىٰ: ﴿سبحان ربك رب العزة عما يصفون﴾ الخ ...... ثم يمسحون بها: أي بأيديهم وجوههم في آخره". (مراقي الفلاح حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل فيما يفعله المقتدي، ص: ۳۱۵، ۳۱۸، قديمي)

(۲) "و يهلل تمام المأة، ويدعوا، ويختم بسبحان ربك". (الدر المختار، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۰، سعيد)

(۳) "وقال الكمال: عن شمس الأئمة الحلواني أنه قال: لا بأس بقرأة الأوراد بين الفريضة والسنة، فالأولى تأخير الأوراد عن السنة، فهذا ينفي الكراهة، ويخالفه ماقال في الاختيار: كل صلوة بعدها سنة يكره القعود بعدها و الدعاء، بل يشتغل بالسنة كي لا يفصل بين السنة والمكتوبة، وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يقعد مقدار ما يقول: "اللّٰهم أنت السلام الخ" كماتقدم، فلا يزيد عليه و لا على قدره". (مراقي الفلاح، حاشية الطحطاوي، فصل فيما يفعله المقتدي، ص: ۳۱۲، ۳۱۳، قديمي)

(۴) (راجع للتخريج، ص: ۲۵۸)

''عمل الیوم واللیلہ'' میں ایک حدیث مذکور ہے جس میں ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ترغیب ہے(۱) اور دعاء کے قبول ہونے کی امید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد کی دعاء

سوال[۲۴۶۲]: نماز ظہر، مغرب وعشاء کے بعد کتنی مختصر اور کون سی دعا کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ نیز نمازِ جمعہ بھی اس میں شامل ہے یا نہیں؟ دعاء میں کمی زیادتی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''اللهم أنت السلام'' الخ ''أستغفر الله، أستغفر الله، أستغفر الله'' مختلف کلمات ذکر منقول ہیں(۲) مگر مختصر معمولی زیادتی ہوجائے تو بھی ممنوع نہیں گنجائش ہے، جمعہ بھی بظاہر ظہر کی طرح ہے، لاشتراك السبب، وهو أداء السنن بعد الفريضة(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالی علیه وسلم أنه قال: ''ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة، ثم يقول: اللّهم إلهي، و إله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، و إله جبريل و ميكائيل وإسرافيل! (عليهم السلام) أسألك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطرّ، و تعصمني في ديني فإني مبتلى، و تنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقاً على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين''. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلوة الصبح، ص: ۱۲۱، رقم الحديث: ۱۳۸، مكتبة الشيخ، كراچی)

(۲) ''عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم إذا سلّم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: ''اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ياذاالجلال والإكرام''. (جامع الترمذی، أبواب الصلوٰة، باب ما يقول إذا سلم: ۶۶/۱ سعيد)

(ورواه مسلم في صحيحه في كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلوٰة وبيان صفته: ۲۱۸/۱، قديمی)

(۳) ''عن ثوبان قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم إذا انصرف من صلوته، استغفر ثلاثاً، وقال: =

نماز کے بعد جہراً دعاء

سوال[۲۴۶۳]: ۱......فرض نماز باجماعت ختم ہونے کے بعد کیا کوئی آیت پڑھنا چاہیے، یا دعاء بعد نماز فرض مانگنا فرض ہے یا کہ نہیں؟

۲......بغیر آیت درود شریف پڑھے، کیا درود شریف "اللهم صل على محمد" صحیح نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۲،۱......دعاء کی ترغیب بھی ہے فضیلت بھی ہے، اس کو عبادت کا مغز فرمایا گیا ہے(۱) اور نماز کے بعد دعاء قبول ہونے کی بشارت بھی ہے اور درود شریف کی تاکید اور اس کی فضیلت مستقل ہونے کے علاوہ اس کو دعا قبول ہونے میں بڑا دخل ہے(۲)، بغیر درود شریف کے دعاء معلق رہتی ہے درجۂ قبول کو نہیں

= "اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام". قال الوليد. فقلت للأوزاعي: كيف الاستغفار؟ قال: يقول: "أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلوة وبيان صفته: ۲۱۸/۱، قديمي)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدعا مخ العبادة". هذا حديث غريب من هذا الوجه، لانعرفه إلا من حديث ابن لهيعة". (جامع الترمذى أبواب الدعوات، باب ما جاء في فضل الدعآء: ۱۷۵/۲، سعيد)

(و رواه الديلمى في مسند الفردوس: ۲۹۱۰/۲)

"عن النعمان بن بشير عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الدعا هو العبادة" ثم قرأ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم، إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين﴾. (المؤمن: ۲۰) هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى: ۱۷۵/۲، أبواب الدعوات، سعيد)

(۲) "فضالة بن عبيد يقول: سمع رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- رجلاً يدعو في الصلوة لم يحمد الله، و لم يصل على النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فقال رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: "عجلت أيها المصلي"! ثم علمهم رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فسمع رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- رجلاً يصلي، فحمد الله و حمده، و صلى على النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فقال رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: "أدع تجب، وسل تعط". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب التمجيد والصلوة على النبي في الصلوة: ۱۸۹/۱، قديمي)

پہنچتی ہے(۱) مگر دعاء میں اِخفا افضل ہے اور درود شریف بھی دعاء ہے اس کو بھی آہستہ پڑھنا افضل ہے(۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً و خفيةً﴾ الاية (۳) اس لئے افضل طریقہ یہ ہے کہ امام ومقتدی سب آہستہ پڑھیں درود شریف بھی دعاء بھی جس کو بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ہے وہ ضرور درود شریف پڑھے گا اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت کا تعلق مسلمان کا ایمان ہے(۴)۔

یہ طریقہ کہ امام بلند آواز سے آہستہ درود شریف پڑھے پھر سب مقتدی بلند آواز سے پڑھیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں، نہ قرآن میں ہے نہ حدیث شریف میں اور نہ فقہ میں، اس لئے اس طریقہ کو ختم کر کے سنت کے مطابق عمل کیا جاوے، کیونکہ اتباعِ سنت میں خیر ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: إن الدعاء موقوف بين السماء والأرض لا يصعد فيه شيء حتى تصلّي على نبيك -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-". (جامع الترمذي، أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الصلوة على النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت الآية الآتية متناً: "وجاء من حديث أبي موسى الأشعري أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قال لقوم يجهرون: "أيها الناس! اربعوا على أنفسكم، إنكم لا تدعون أصمّ و لا غائباً، إنكم تدعون سميعاً بصيراً، و هو معكم، و هو أقرب إلى أحدكم من عنق راحلته" والمعنى: ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح في الدعآء". (روح المعاني: ۱۳۹/۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳)(الأعراف: ۵۵)

(۴) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده و ولده والناس أجمعين". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم من الإيمان: ۱/۷، قديمي)

(۵) "وعنه (أي عن العرباض بن سارية) في حديث طويل .... فقال: "أوصيكم بتقوى الله و السمع والطاعة ...... فعليكم بسنتي و سنة الخلفآء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، =

نماز کے بعد دعاء کا پہلا اور اخیر لفظ جہراً کہنا

سوال[۲۴۶۴]: دہلی میں رواج ہے کہ کثرتِ مقتدین کی وجہ سے جب امام دعاء شروع کرتا ہے تو ایک شخص: ''الحمد لله رب العالمين'' اور ختمِ دعاء کے وقت برحمتك الخ بالجہر کہہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے مگر اہتمام کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

دعاء زور سے مانگنا

سوال[۲۴۶۵]: امام کو دعاء آہستہ مانگنا افضل ہے یا بآوازِ بلند، دعاء نماز کا جز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دعاء آہستہ مانگنا افضل ہے، اگر دعاء کی تعلیم مقصود ہو تو بلند آواز سے بھی مضائقہ نہیں، مگر اس بلند آواز

=وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة". رواه أحمد وأبو داود وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمى)

"قال الغزالي: قيل لإبراهيم بن أدهم: ما بالنا ندعوا فلا يستجاب لنا، وقد قال تعالى: ﴿أدعوني أستجب لكم﴾؟ قال: لأن قلوبكم ميتة، قيل: وما الذي أماتها؟ قال: ثمان خصال: عرفتم حق الله فلم تقوموا به، وقرأتم القرآن فلم تعملوا بحدوده، وقلتم: نحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وتركتم سنته .... الخ". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱/۳۲۷۶، مكتبه نزار الباز، رياض)

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمى)

"قال الطيبي: وفيه: من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو۔ نماز سلام پر ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد دعاء نماز کا جزنہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے بعد اسی ہیئت پر دعاء کرنا

سوال [۲۴۶۶]: کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھ کر بعد سلام کے اس جگہ سے الگ ہوکر بیٹھ جاوے تو اس میں کیا نقصان ہے، حدیثوں میں کیا حکم ہے؟ آیا اسی جگہ پر بیٹھا رہنا ثواب ہے یا اس جگہ سے الگ ہونے میں کوئی نقصان ہے؟

سائل: عبدالرحمٰن گھڑی ساز، معرفت عارف الرحمٰن نور کہالی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جگہ سے علیحدہ ہوجانے میں کچھ نقصان نہیں بلکہ جائز ہے، کذا فی الکبیری، ص: ۳۰۱ وغیرہ (۲)، البتہ فجر کی نماز کے بعد بعض روایات میں اسی ہیئت پر بیٹھ کر کچھ دعاء پڑھنے کا ذکر آیا ہے، لہٰذا اگر اسی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً وخفيةً، إنه لا يحب المعتدين﴾. (سورة الأعراف: ۵۵)

"عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "خير الدعاء الخفي"........... "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "دعوة في السر تعدل سبعين دعوةً في العلانية". (إعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ: ۹۳/۲، إدارة القرآن، كراچی)

"وأما الأدعية والأذكار فبالخفية أولى، قلت: ويجتهد في الدعاء والسنة أن يخفي صوته لقوله تعالیٰ: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾. (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة: ۵۰۷/۲، سعيد)

"إذا دعا بالدعاء المأثور جهراً ومعه القوم أيضاً ليتعلموا الدعاء، لا بأس به". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء الخ: ۳۱۸/۵، رشيديه)

(۲) "فإذا تمت صلوٰة الإمام، فهو مخيّر إن شاء انحرف عن يساره، وجعل القبلة عن يمينه، وإن شاء انحرف عن يمينه، وجعل القبلة عن يساره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۳۴۰، سهيل اكيڈمی)

"عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه". =

دعاء کے پڑھنے کی خواہش ہوتو اسی جگہ اسی ہیئت پر بیٹھ کر اس دعاء کا پڑھنا افضل اور موجب ثواب ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۵/۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ جمادی الاولیٰ/۵۲ھ۔

پنجگانہ نماز میں دودفعہ دعاء کا التزام

سوال[۲۴۶۷]: عرض خدمت یہ کہ حسب ذیل مسائل کا حل از کتب احادیث بر طریقۂ حنفیہ مع دلائل وبراہین صراحۃً تحریر فرما کر عند اللہ ماجور فرما کر عند الناس مشکور فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

= (الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب جواز الانصراف من الصلوٰة عن الیمین والشمال: ۱/۲۴۷، قدیمی)

"یستحب للإمام التحول یمین القبلة یعنی یسار المصلی لتنفل أو ورد". (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب صفة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۱، سعید)

(۱) "عن عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "من قال قبل أن ینصرف ویثنی رجلیه من صلاة المغرب والصبح: لا إله إلا اللہ وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، یحیی ویمیت، وهو علی کل شئ قدیر عشر مرات، کتب له بکل واحدة عشر حسنات، ومحی عنه عشر سیئات، ورفع له عشر درجات، و کانت حرزاً من کل مکروه وحرزاً من الشیطان الرجیم، ولم یحل لذنب أن یدرکه إلا الشرک، وکان من أفضل الناس عملاً إلا رجل یفضله بقول أفضل مما قال".

"وعن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من قال دبر کل صلاة الغداة: لا إله إلا اللہ وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، یحی ویمیت، بیده الخیر، وهو علی کل شئ قدیر مائة مرة قبل أن یثنی رجلیه، کان یومئذٍ من أفضل أهل الأرض عملاً إلا من قال مثل ما قال أو زاد علی ما قال". رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط، ورجال الأوسط ثقات". (مجمع الزوائد للهیثمی، کتاب الأذکار، باب ما یقول بعد صلاة الصبح والمغرب: ۱۰/۱۰۷، ۱۰۸، دار الفکر، بیروت)

امام بلا ناغہ نمازِ پنجگانہ میں دو وقت دعاء مانگتا ہے: اول بعد ادائے فریضہ، دوم بعد اتمامِ سنت، ہر نماز میں بعد ادائے سنت جو دعاء مانگی جاتی ہے اس میں فاتحہ کا پڑھنا لازمی سمجھا جاتا ہے، بعض مقتدیوں کو اس سے اختلاف ہے، لہٰذا یہ تحریر فرمایئے گا کہ دعائے اول وثانی کا حق امام کو ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی دلیل کیا ہے اور امام کا ہر نماز کے بعد دعاء میں فاتحہ کہنا اور مقتدیوں کا تعمیل کرنا حنفی مذہب میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ دعاء مطلقاً مامور بہ ہے(۱) اور بعد صلوٰۃ خصوصیت سے مقرون بالاجابۃ ہوتی ہے، احادیث میں کثرت سے اس کی فضیلت وارد ہے(۲) لیکن دو مرتبہ- جیسا کہ سائل نے بیان کیا- دعاء مانگنا قرونِ مشہودلہا بالخیر سے ثابت نہیں، کتبِ معتبرہ حدیث وفقہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ طریق محدث ہے اس پر التزام کرنا اور بھی شنیع ہے(۳)۔ بعض نواح میں فرض جیسا معاملہ اس دعاء کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ فرض سے بڑھ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية، إنه لا يحب المعتدين﴾. (الأعراف:۵۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون﴾. (المؤمن:۱۴)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإذا سألك عبادى فإنى قريب، أجيب دعوة الداع إذا دعان، فليستجيبوا لي، وليؤمنوا بي، لعلهم يرشدون﴾ (البقرة:۱۸۶)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله عنه: "قال: قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل ودبر الصلوات المكتوبات". قال الترمذي: "هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات. باب (بلاترجمة): ۱۸۷/۲، سعيد)

"وإذا جمع مع الدعاء حضور القلب، وجمعيته بكليته على المطلوب، وصادف وقتاً عن أوقات الإجابة الستة، وهو: الثلث الأخير عن الليل، وعند الأذان، وبين الأذان والإقامة، وإدبار الصلوات المكتوبات، وعند صعود الإمام يوم الجمعة على المنبر حتى تقضى الصلوٰة من ذلك اليوم، وآخر ساعة بعد العصر، وصادف خشوعاً في القلب". (الجواب الكافي فيمن سئل عن الدواء الشافي، المعروف بالداء والدواء لابن قيم الجوزية، فصل أوقات الإجابة، ص:۱۰۶، مكتبة روضة القرآن)

"أحوال الإجابة" .... "ودبر الصلوات المكتوبات". (حصن حصين، ص: ۲۳، دار الإشاعت، كراچی)

(۳) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس=

کر، مثلاً اگر کوئی تارکِ صلوٰۃ ہو جو کہ بالاتفاق فرضِ عین اور قطعی الثبوت ہے اس پر طعن وتشنیع نہیں کی جاتی، لیکن اگر کوئی دعائے ثانیہ کو چھوڑ آوے جو کہ مستحدث وبے اصل ہے اس پر سب وشتم، لعن وطعن کیا جاتا ہے، بسا اوقات فساد کی نوبت آتی ہے ایسے شخص کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے آدمی ایسے شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، لہٰذا اس طریقہ کو ترک کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی جگہ امرِ مندوب پر اصرار کیا جائے اور اس کو واجب کا درجہ دیدیا جائے تو وہ امر مندوب مکروہ ہو کر واجب الترک ہو جاتا ہے:

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة"(۱)........."من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكرٍ، وجاء في حديث ابن مسعود-رضي الله تعالى عنه-: إن الله يحب أن تؤتى رُخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه. انتهى". عن الطيبي شرح مشكوٰة (۲)۔ سعایہ: ٤/٢٦٥، ٢٦٦ (۳)۔ بدعت پر عمل ہی جائز نہیں، اصرار کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔

= منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

"وتعريف الشمني لها (أي البدعة) بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵٦۰، ۵٦۱، سعيد)

(۱) (السعايه، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۴۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴٦): ۳/۳۱، رشيديه)

(۳) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲٦۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"ورحم الله طائفةً من المبتدعة في بعض أقطار الهند حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قرائتهم: "أللهم أنت السلام ومنك السلام الخ". ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرةً ثانيةً، والمقتدون يؤمّنون على ذلك، وقد جرىٰ العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن =

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ عامہ یہ تھی کہ فرض نماز مسجد میں با جماعت ادا فرماتے تھے اور سنن ونوافل مکان پر، اگر چہ اس کے خلاف بھی ثابت ہے مگر قلت کے ساتھ، لہٰذا اصل مسنون طریقہ سنن ونوافل میں یہ ہے کہ مکان پر ادا کی جائیں، ایسی حالت میں دعائے ثانیہ بحیثیتِ اجتماعیہ کی کوئی صورت نہیں، نیز ہر فرض نماز کے بعد تو سنتیں ثابت بھی نہیں۔ امام کا دعاء میں فاتحہ کہنا اور مقتدیوں کا اتباع کرنا بے اصل اور بدعت ہے جو لوگ اس کے ثبوت کے قائل ہیں ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے:

''عن زيد بن ثابت -رضي الله تعالىٰ عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" صلوة المرأ في بيته أفضل من صلوة في مسجدي هذا إلا المكتوبة". رواه أبوداؤد وسكت عنه (۱) والمنذري اه". إعلاء السنن :۳۷/۷ (۲)-

"عن عبد الله بن شقيق قال: سألت عن عائشة -رضي الله تعالىٰ عنها- عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تطوعه، فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعاً، ثم يخرج فيصلي بالناس، ثم يدخل فيصلي ركعتين، وكان يصلي بالناس المغرب، ثم يدخل فيصلي ركعتين، ثم بالناس العشاء، ويدخل بيتي فيصلي ركعتين، وكان يصلي من الليل تسع ركعات فيهن الوتر. وكان يصلي ليلاً طويلاً قائماً، وليلاً طويلاً قاعداً. وإذا قرأ وهو قائم ركع وسجد وهو قائم، وكان إذا قرأ قاعداً ركع وسجد وهو قاعد. وكان إذا طلع الفجر، صلى

= والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروريّ واجب ...... ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلّون خلف من لا يصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله! إن هذا أمرٌ محدث في الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۱۶۷/۳، إدارة القرآن، كراچي)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (زبدة الكلمات في حكم الدعاء بعد الصلوات، أحسن الفتاوىٰ: ۶۰/۳، سعيد)

(۱) (رواه أبو داؤد في سننه في كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الرجل التطوع في بيته: ۱۵۶/۱، امداديه)

(۲) (رواه الشيخ ظفر أحمد العثماني في إعلاء السنن في أبواب النوافل، باب أفضلية التطوع في البيت ومع جوازه في المسجد: ۵۷/۷، إدارة القرآن، كراچي)

رکعتین". رواه مسلم (۱) وزاد أبوداؤد: "ثم يخرج فيصلي بالناس صلوٰة الفجر"(۲). مشکوٰۃ شریف، ص: ۱۰۴ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۴/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۴/۶۰ھ۔

دعائے ثانیہ سے دوسروں کی نماز میں خلل ہونے کا حکم

سوال[۲۴۶۸]: ہم نماز مسجد میں ادا کر رہے ہیں اور امام صاحب اور مؤذن نے دعائے ثانی شروع کردی تو اس سے ہماری نماز میں خلل ہوتا ہے یا نہیں، یا نماز کا اعادہ کرایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح دعائے ثانیہ کرنا جس سے دوسروں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے (۴) اس کو ترک کرنا

---

(۱) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب صلوٰة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن وبيان عددهن: ۲۵۲/۱، قديمي)

(۲) (رواه أبو داؤد في سننه في كتاب الصلوٰة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة: ۱۸۵/۱، إمداديه، ملتان)

(۳) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب السنن وفضلها: ۱۰۴/۱، قديمي)

(۴) "هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم". (الدرالمختار). "(قوله قيل: نعم) يشعر بضعفه مع أنه مشى عليه في المختار والملتقى، فقال: وعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والذكر الخ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

"نعم! الجهر المفرط ممنوع شرعاً، وكذا الجهر الغير المفرط إذا كان فيه إيذاء لأحد من نائم أو مصل أو حصلت فيه شبهة رياء أو لوحظت في خصوصيات غير مشروعة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، سباحه الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳۴/۳، إدارة القرآن)

چاہئے، اوراس طرح پردعائے ثانیہ کا ثبوت بھی حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے۔ دعائے ثانیہ کی وجہ سے اگر کوئی فرض یا واجب ترک نہ ہوتو دہرانے کی ضرورت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۷/۸۹ھ۔

نماز جمعہ کے بعد دعائے ثانیہ

سوال[۲۴۲۹]: جمعہ کی نماز جماعت سے ہونے کے بعد ثانی دعاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر ہر شخص اپنی نماز سے فارغ ہوکر دعاء کرلیا کرے یہ بہتر اور مستحب ہے لیکن سنتوں سے فارغ ہوکر سب کا منتظر رہنا اور امام صاحب اور مقتدیوں کا پھرمل کر دعاء کرنا جیسا کہ بعض علاقوں میں بعض فرقوں کا شعار بن چکا ہے اوراس پر اتنا اصرار ہوتا ہے کہ سب وشتم اور لعن طعن کی نوبت آتی ہے، یہ ثابت نہیں بلکہ غلط طریقہ ہے اس کو ترک کرنا چاہئے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱)"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"قال الطيبي وفيه: من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "ورحم الله طائفةً من المبتدعة في بعض أقطار الهند حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قرائتهم: "اللهم أنت السلام ومنك السلام الخ". ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يُدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرةً ثانيةً والمقتدون يؤمّنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام، حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروريّ واجب ...... ومن لم يرض بذلك، يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لا يصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله! إن هذا أمر محدث في الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/۱۶۷، إدارة القرآن، كراچي)

"ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی" پڑھ کردعاء ختم کرنا

سوال[۲۴۷۰]: فی زماننا بعد صلوٰۃ العصر وبعد الفجر دعائے معمولہ پڑھنے کے بعد لفظ "الفاتحہ" کہہ کر اس آیت مبارکہ: ﴿إن اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی﴾ الخ(۱) کو پڑھا جاتا ہے، بعدہٗ جمیع مقتدی وپیش امام درود شریف پڑھ کر دعاء ختم کرتے ہیں۔

۱......زمانۂ سلف میں اس امر مذکور الصدر کا وجود یا ائمہ کا عمل کسی کتب فقہ سے پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟

۲......آیت مبارکہ کی تلاوت وجوبِ درود شریف پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟

۳......اگر یہ امر یا معمول بطور دعا ہو، نہ بطریقِ ایصال تو کیا اس کے کرنے میں کوئی سقم شریعت مطہرہ کے اصول میں واقع ہوسکتا ہے یا کوئی شائبہ ممکن ہے؟

۴......بعض جہلاء اس طریق پر اختتام دعاء کو مکروہ تحریمی یا الالتزام مالایلزم، مکروہ تنزیہی کا موجب خیال کرتے ہیں، اور جب آیت مبارکہ سنتے ہیں تو ففروا إلی البیت ہوجاتے ہیں، وہ لوگ جن کا ادعاء اہل سنت والجماعت ہے، اس امر مستحسن بلکہ احسن پر طعن کرکے اہل حق کی تذلیل پر کمربستہ ہیں، حالانکہ فقہاء کی عبارت سے ثبوت موجود ہیں، عبارات حسب ذیل ہیں:

(الف): "قال أستاذنا: لکنها مستحسنة للعادة والأثار". عالمگیری، ص: ۴۱۲۔

(ب): "أیضاً قراءة الفاتحة بعد المکتوبة لأجل المهمات مخافتةً أو جهراً مع الجمع مکروهة". (أیضاً)

(ج): "واختار القاضی بدیع الدین أنه لا تکره".

(د): "واختار القاضی الإمام جلال الدین إن کانت الصلوة بعدها سنة تکره، وإلا فلا کذا فی التاتارخانیه".

(ہ) "قوم یجتمعون ویقرؤن الفاتحة جهراً دعاء، لا یمنعون عادة، والأولی المخافة"۔

(و) "وفی الخجندی: إمام یعتاد کل غداة مع الجماعة قراءة آیة الکرسی وآخر البقرة

---

(۱) (سورة الأحزاب: ۵۶)

5

وشهد الله ونحوها جهراً، لا بأس به، كذا في القنية"(۱)۔

عباراتِ مذکورہ سے جواز بالشرع موجود ہے، لیکن چونکہ بالشریعت ہے نیز بمجوائے آیت مبارکہ ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ الخ(۲) اہل ذکر ہی سے ہوسکتا ہے، لہٰذا بغرضِ استصواب باعثِ تصدیق ہوا۔ براہ کرم مفصلاً جواب بحوالہ کتب معتبرہ عنایت فرما کر براہ ذرہ نوازی جواب سے جلد مطلع فرمادیں۔

احقر العبد مقیم الدین پیش امام فتح پور، شیخاوٹی، ضلع جے پور۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱...... میں نے قرونِ مشہود لھا بالخیر یا ائمۂ مجتہدین کے وقت میں اس مخصوص دعاء کا ثبوت کتب فقہ میں نہیں دیکھا(۳)۔

۲......اس آیت کی وجہ سے عمر بھر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، وقوله: ﴿يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه﴾ قد تضمن الأمر بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، وظاهره يقتضي الوجوب وهو فرض عندنا، الخ". أحكام: ۳/۴۵٦(٤)۔ باقی دیگر حالات کے اعتبار سے واجب، سنت، مستحب، مکروہ، حرام کے احکام بھی اس پر جاری ہوتے ہیں، جن کی تفصیل طحطاوی، حاشیہ مراقی الفلاح، ص:۱٤۷ (٥) میں موجود ہے۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح، وقراءة القرآن والذكر والدعاء الخ :۳۱۷/۵، رشيديه)

(۲)(سورة النحل: ۴۳)

(۳) (راجع، ص: ۲۰۲، رقم الحاشية : ۱)

(۴)(أحكام القرآن للجصاص، (سورة الأحزاب: ٥٦): ۵۴۴/۳، قديمی)

(۵) "وهي فرض في العمر مرةً واحدةً، وتقوم مقامها الصلاة الواقعة في مكتوبة أو غيرها بعد البلوغ، وتجب كلما ذُكر على أحد قولين، وتسن في كل تشهد أخير من الفرض، وفي كل تشهد نفل إلا في سنة الظهر القبلية، والجمعة القبلية والبعدية، وتندب في أوقات الإمكان، وتحرم على الحرام، وتكره عند فتح التاجر متاعه، ولا يكره إفرادها عن السلام على الأصح عندنا. وهذا الخلاف في حق نبينا صلى الله عليه وسلم، =

۳......جس چیز کا شرعی ثبوت نہ ہو اس کو شرعی چیز سمجھنا درست نہیں: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه، فهو رد". متفق علیه"(۱)۔

۴......جب وہ لوگ ثبوت سے بے خبر ہیں اور اس طریقۂ مروجہ کو محدث تصور کر کے اس میں موافقت نہیں کرتے بلکہ حدیث: "من احدث" الخ پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں تو ان کا یہ عمل شریعت کے بالکل موافق ہے، اور وہ اپنے ادّعائے اہل سنت والجماعت میں حق بجانب ہیں، ان کو جہلاء کہہ کر حقیر و ذلیل سمجھنا جائز نہیں، بلکہ بڑی معصیت ہے۔ اگر ان کا یہ عمل آپ کے نزدیک طریق اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے تو "ما أنا علیه أصحابی" کی روشنی میں ان کو مطمئن کر دیجئے، ان لوگوں کو بھی بلا تحقیق کسی امام پر طعن کرنا صحیح نہیں ہے۔

جو فعل امام سے ان کے نزدیک خلاف شرع واقع ہوا اولاً اس کو امام سے دریافت کریں، اگر وہاں تشفی نہ ہو تو دیگر اہلِ حق علماء سے حل کریں، نیز اگر کسی اہلِ حق امام یا غیر امام سے کوئی فعل خلاف شرع سرزد ہو جائے تو اس فعل کی تردید حسبِ حیثیت لازم ہے، لیکن اس کی وجہ سے اہلِ حق کی تذلیل جائز نہیں ہے، اس سے ہمیشہ اجتناب ضروری ہے، مسلم کا اکرام و اعزاز اور اس کا حق بہت بڑا ہے۔

جو عبارات عالمگیری سے پیش کی ہیں ان میں سے کسی میں الفاتحہ اور "إن الله وملائكته" الخ کا ذکر نہیں، پھر ان سے اس طریقہ مروجہ پر استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے کسی جواب کی ضرورت نہیں، تاہم شرعاً ان کے متعلق بھی مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے،

(الف): اس عبارت میں "لکنها" کی ضمیر خدا جانے کس طرف راجع ہے، اور یہ کس سے استدراک

= أما فی حق غیره من الأنبیاء، فلا خلاف فی عدم کراهة الإفراد لأحد من العلماء. ذکره الحموی محشی الأشباه". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، خطبة الکتاب، ص: ۱۲، قدیمی)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوٰة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۱۸، سعید)

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی) .

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً اهـ. فافهم".

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعید)

ہے؟

(ب):اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب کراہت ہے۔

(ج): یہ اصل مذہب اور قول جمہور کے خلاف ایک شخص کی رائے ہے اس زیادہ کچھ حیثیت نہیں۔

(د):انھوں نے تشقیق کر کے ایک شق میں جمہور کی موافقت کی، دوسری میں مخالفت۔

(ر):اس سے معلوم ہوا کہ عدم منع کی وجہ عادت ہے نہ کہ امرِ شرعی، اورامر شرعی وہ ہے جو کہ (ب) میں مذکور ہے۔

(و):اس میں فقط "لا بأس" ہے جو کہ بالاصالہ خلافِ اولیٰ میں مستعمل ہے، جس کا مفاد غالبِ احوال میں کراہت تنزیہی ہوتا ہے۔اسی عالمگیری کے اسی صفحہ پر (د) اور (ہ) کے درمیان ایک اَور بھی عبارت ہے جو کہ سہواً یا مصلحۃً سوال میں نہیں لکھی گئی وہ یہ ہے: "قراءة الكافرون إلى الاخر مع الجمع مكروهة؛ لأنها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعين، كذا في المحيط اهـ". چند سطر بعد ہے:"يكره للقوم أن يقرأ القران جملةً لتضمنها ترك الاستماع والإنصات المأمور بهما، كذا في القنية"(۱)، یہ علت فاتحہ غیر فاتحہ سب میں مشترک ہے۔

جو لوگ اس پر انکار کرتے ہیں ان کا استناد امور ذیل سے ہے:

۱- اس طریقۂ مروجہ کا قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ سے ثبوت نہیں، لہٰذا یہ مضمون (بوجہ) حدیث: "من أحدث الخ" قابلِ رد ہے(۲)۔

۲- فاتحہ یا آیت:"إن الله"الخ پڑھ کر بلند آواز سے درود شریف پڑھا جاتا ہے، حالانکہ بعض لوگ مثلاً مسبوق یا منفرد نماز میں مشغول ہوتے ہیں، اس بلند آواز سے ان کو تشویش ہوتی ہے، ایسے جہر کی ممانعت شامی وغیرہ کتب فقہ میں صراحت مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح، وقراءة القرآن الخ: ۵/۳۱۷، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور اهـ: ۱/۳۷۰، قديمي)

(۳) "هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم". (الدر المختار). "(قوله: قيل: نعم) يشعر =

۳-اس ہیئت کے اجتماع کو فقہائے کرام نے بدعت لکھا ہے: "قد صح عن ابن مسعود -رضی الله تعالى عنه- أنه سمع قوماً اجتمعوا في مسجد، الخ". فتاوی بزازیہ، ص: ۳۷۸(۱)۔

۴-اس پر اصرار کیا جاتا ہے حالانکہ اصرار سے امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهية". سعایہ(۲)۔ بلکہ طیبی شرح مشکوۃ میں رخصت کو عزیمت قرار دینے کو ضلالت لکھا ہے(۳)، جب امر مندوب مکروہ ہو جاتا ہے تو مباح بطریق اولیٰ ہو جاتا ہے:

"الجهر المفرط ممنوع شرعاً، وكذا الجهر الغير المفرط إذا كان فيه إيذاء لأحد من نائم أو مصل، أو حصلت فيه الخ، كما صرح به على القاري في شرح مشكوة والحصكفي في الدر المختار وغيرها، اه". سباحة الفكر، ص: ۷۲(٤)۔

۵-جو شخص اس میں شریک نہ ہو اس پر لعن طعن سب وشتم کیا جاتا ہے، حالانکہ حدیث شریف میں

=بضعفه مع أنه مشى عليه في المختار والملتقى، فقال: وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والذكر ... لما صح عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه أخرج جماعةً من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جهراً، وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(۱) العبارة بتمامها "وقد صح عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع قوماً اجتمعوا في مسجد يهللون ويصلون عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جهراً، فراح إليهم، فقال: ما عهدنا ذلك على عهده عليه السلام، وما أراكم إلا مبتدعين". (الفتاوى البزازيه على هامش الهندية، كتاب الاستحسان، نوع: ۳۷۸/۶، رشيديه، كوئٹه)

(۲) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۳) "قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

(۴) (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳۴/۳، إدارة القرآن، كراچى)

ہے: "سباب المسلم فسوق اھ"(۱)۔وإلی غیر ذلک من المفاسد۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۹/۶۲ھ۔

جوابات صحیح ہیں: اس مسئلہ پر ایک رسالہ "الدلیل الخیرات فی ترک المنکرات" شائع ہو چکا ہے، جس میں مشاہیر علمائے ہند کا فتویٰ درج ہے، مزید تحقیق کے لئے اس کا مطالعہ کیا جائے۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۹/۶۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شعبان/۶۲ھ۔

نماز کے بعد دعائے ثانیہ

سوال[۲۴۷۱]: بمبئی میں ہر نماز کے بعد "الفاتحہ" کہا جاتا ہے اور ایک آیت کا وقت بھی نہیں لگتا، نہ معلوم کیا پڑھتے ہیں، لہٰذا اس کا صحیح طریقہ اور بمبئی کے فاتحہ کا درست طریقہ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کے بعد دعاء ثابت ہے اور قبول ہوتی ہے، جس کا جو دل چاہے دعاء کرے، اس میں امام کو بھی حق ہے اور مقتدیوں کو بھی حق ہے(۲) لیکن سنتوں کے بعد کا سب کا اجتماعی طور پر دعاء کرنا اور اس میں الفاتحہ پڑھنا اور اس کو اس طرح لازم سمجھنا کہ جو شخص اس میں شریک نہ ہو اس کو ملامت کی جائے، یہ غلط ہے، نہ قرآن پاک سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، جو لوگ اس طریقہ کو لازم سمجھتے ہیں ان سے حوالہ طلب

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله وهو لا یشعر: ۱۲/۱، قدیمی)

(۲) "عن أبی أمامة رضی اللہ عنه: قال: قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الأخر ودبر الصلوات المکتوبات". قال الترمذی: "هذا حدیث حسن". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب (بلاترجمة): ۱۸۷/۲، سعید)

"وإذا جمع مع الدعاء حضور القلب، وجمعیته بکلیته علی المطلوب، وصادف وقتاً عن أوقات الإجابة الستة، وهو: الثلث الأخیر من اللیل، وعند الأذان، وبین الأذان والإقامة، وإدبار الصلوات المکتوبات، وعند صعود الإمام یوم الجمعة علی المنبر حتی تقضی الصلوٰة من ذلک الیوم، وآخر ساعةٍ بعد العصر، وصادف خشوعاً فی القلب". (الجواب الکافی فیمن سئل عن الدواء الشافی المعروف بالداء والدواء لابن قیم الجوزیة، فصل أوقات الإجابة، ص: ۱۶، مکتبة روضة القرآن)

کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

دعائے ثانیہ وثالثہ

سوال [۲۴۷۲]: احادیث سے الفاظِ دعا کو تین یا پانچ یا سات بار مانگنے کا حکم ثابت ہے، لیکن بعد فراغت نماز فرض تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو جزوِ دین قرار دے اور تارک پر ملامت کرے تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک نماز کے بعد متعدد مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ثابت نہیں (۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۸/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ شعبان/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد" (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا على صلح فهو مردود: ۱/۳۷۰ قديمي)

وفي رد المحتار: "بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً اهـ، فافهم". (كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

"ورحم الله طائفةً من المبتدعة في بعض أقطار الهند حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قرائتهم: "اللهم أنت السلام ومنك السلام الخ"، ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرةً ثانيةً، والمقتدون يؤمّنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام، حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروريّ واجب ...... ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لا يصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله! إن هذا أمر محدث في الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكفيته سنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/۱۶۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي) =

سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

سوال [۲۴۷۳]: رواتب یا وقتی سنتوں کے بعد امام کا اجتماعی دعاء پڑھ کر مقتدیوں سے آمین کہلوانا ضروری ہے، یا مقتدی بعد سنت انفرادی طور پر دعاء پڑھ کر جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی طرح سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء کا اہتمام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔سے ثابت نہیں، بلکہ عامۃً سنتیں اپنے اپنے مکان پر جا کر ادا کیا کرتے تھے، مسجد میں اس کی نوبت کم ہی آتی تھی (۱)۔

فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے کہ سنتوں کو مکان میں پڑھنا افضل ہے: "والأفضل في السنة أداؤها في المنزل إلا التراويح". بحر: ۲/ ۵۰ (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/ ۸۸ھ۔

= "بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً اهـ، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

(۱) "ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: صليت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سجدتين قبل الظهر، وسجدتين بعد الظهر، وسجدتين بعد المغرب، وسجدتين بعد العشاء، وسجدتين بعد الجمعة، فأما المغرب والعشاء، ففي بيته". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب التطوع بعد المكتوبة: ۱/ ۱۵۶، قديمي)

قال العيني رحمه الله تعالى: "قوله: "فأما المغرب": أي فأما ستة المغرب، وكلمة "أما" للتفصيل، وقسيمها محذوف يدل عليه السابق: أي وأما الباقية ففي المسجد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب التطوع بعد المكتوبة: ۷/ ۳۳۸، (رقم الحديث: ۱۱۷۲)، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۸۷، رشيديه) .... =

وتر کے بعد دعاء

سوال[۲۴۷۴]: تراویح میں وتر کے بعد امام کا بلند آواز سے اجتماعی دعاء کرنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہاں بھی آہستہ مستحب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

= "عن زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوٰة المرء فى بيته أفضل من صلوته فى مسجدى هذا إلا المكتوبة". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب صلوٰة الرجل التطوع فى بيته: ۱/۱۵۶، امداديه)

"ورحم الله طائفةً من المبتدعة فى بعض أقطار الهند حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قرائتهم: "أللهم أنت السلام ومنك السلام الخ"، ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل، يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرةً ثانيةً والمقتدون يؤمنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام، حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضرورىٌ واجب ...... ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لا يصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله! إن هذا أمر محدث فى الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/۱۶۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً وخفيةً، إنه لايحب المعتدين﴾. (سورة الأعراف: ۵۵)

"عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "خير الدعاء الخفى". "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "دعوة فى السر تعدل سبعين دعوةً فى العلانية". (إعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت فى الوتر: ۶/۹۳، إدارة القرآن، كراچى)

"وأما الأدعية والأذكار فبالخفية أولى، قلت: ويجتهد فى الدعاء، والسنة أن يخفى صوته، لقوله تعالى: ﴿أدعوا ربكم تضرعاً وخفيةً﴾. (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فى شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة: ۲/۵۰۷، سعيد)

نمازِ پنجگانہ کے بعد مُردوں کے لیے دعائے مغفرت کا خاص طریقہ

سوال[۲۴۷۵]: نمازِ پنجگانہ، جمعہ، وعیدین سے فارغ ہوکر مسجد و مصلی میں قیاماً اجتماعی شکل "السلام علیکم یا أهل القبور" یا "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" پڑھ کر دعائے مغفرت کرنا کیسا ہے، حالانکہ بعض جگہ مقبرہ مسجد سے ایک فرلانگ پر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ثابت نہیں اس کو ترک کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام کی دعاء پر "آمین" کہے یا اپنی دعاء مانگے؟

سوال[۲۴۷۶]: امام کی دعا میں فقط آمین کہنا چاہیے یا مقتدی اپنی بھی دعا مانگ سکتا ہے: کون اولیٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی دعاء مانگے یا آمین کہتا رہے، دونوں درست ہے، دعاء میں اخفاء افضل ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارن پور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فهورد" متفق علیه. (مشكوة المصابیح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۲۷، قدیمی)

قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: ومن أصرّ علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصته، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فكیف من أمر علی بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتیح، كتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶) :۳/ ۳۱، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفیةً، إنه لا یحب المعتدین﴾ (الأعراف: ۵۵) ....=

وقتِ دعاء دونوں ہاتھوں میں فصل

سوال[۲۴۷۷]: دعاء نماز کے بعد اور علاوہ نماز کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر مانگنا چاہئے یا دونوں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھ فاصلہ رکھنا افضل ہے: ''والأفضل فی الدعاء أن یبسط کفیه، ویکون بینهما فرج وإن قلّت، اھ''۔ عالمگیری: ۵/۳۱۸(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارن پور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= ''عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: ''خیر الدعاء الخفی''. ''عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه مرفوعاً: ''دعوة فی السر تعدل سبعین دعوةً فی العلانیة''. (إعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت فی الوتر: ۶/۹۳، إدارة القرآن، کراچی)

''وأما الأدعیة والأذکار، فبالخفیة أولی، قلت: ویجتهد فی الدعاء، والسنة أن یخفی صوته، لقوله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً﴾. (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی شروط الجمع بین الصلوتین بعرفة: ۲/۵۰۷، سعید)

''لایجتمع مَلأ، فیدعو بعضهم ویؤمّن بعضهم، إلا أجابهم اللہ''. (کنز العمال، الباب الثامن فی الدعاء، الإکمال فی إجابة الدعاء باعتبار الذوات والأوقات الذوات، (رقم الحدیث: ۳۳۶۷): ۲/۱۰۷، مکتبة التراث الاسلامی)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح وقراءة القران والذکر والدعاء الخ: ۵/۳۱۸، رشیدیه)

''(والرفع بحذاء أذنیه) کالتحریمة ..... (فیبسط یدیه) حذاء صدره (نحو السماء)؛ لأنها قبلة الدعاء، ویکون بینهما فرجة''. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۰۷، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذکار، ص: ۳۱۷، قدیمی)

دعاء میں ہاتھ زیادہ اٹھانا

سوال[۲۴۷۸]: کیا دعاء کے وقت منہ آسمان کی طرف کر کے اور کندھوں سے اوپر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صلوٰۃِ استسقاء کے بعد اسی طرح دعاء کی جاتی ہے اس کو ابتہال کہتے ہیں، دوسرے اوقات میں یہ طریقہ مسنون نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/۶۸ھ۔

دعاء کس نیت سے مانگی جائے؟

سوال[۲۴۷۹]: سب کچھ من جانب اللہ ہے تو محض اس نیت سے دعاء کی جائے کہ ہوگا تو وہی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، لیکن ہم کو مانگنے کا حکم ہے لہٰذا مانگیں، عطا ان کا فضل ہے نہ ملے تو اس میں عین خوشی اور مل

---

(۱)"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يرفع يديه في شئ من دعائه إلا في الاستسقاء وأنه يرفع حتى يرى بياض إبطيه". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء: ۱/۱۴۰، قديمي)

"ظاهره نفي الرفع في كل دعاء غير الاستسقاء، وهو معارض بالأحاديث الثابتة بالرفع في غير الاستسقاء، وقد تقدم أنها كثيرة ...... وذهب آخرون إلى تأويل حديث أنس المذكور لأجل الجمع بأن يحمل النفي على صفة مخصوصة، أما الرفع البليغ فيدل عليه قوله: "حتى يرى بياض إبطيه" ويؤيده أن غالب الأحاديث التي وردت في رفع اليدين في الدعاء إنما المراد به مَدّ اليدين، وبسطهما عند الدعاء، وكأنه عند الاستسقاء مع ذلك زاد رفعهما إلى جهة وجهه حتى حاذتاه به، حينئذ يرى بياض إبطيه". (فتح الباري، أبواب الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء: ۲/۶۵۸، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "هذا الإخلاص يشير بإصبعه التي تلي الإبهام، وهذا الدعاء فرفع يديه حذو منكبيه، وهذا الابتهال، فرفع يديه مداً". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب في بعض آداب الدعاء: ۳/۱۷۱، إدارة القرآن، كراچی)

جائے تو شکر کریں، ایسا خیال کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گو یہ خیال فی نفسہ صحیح ہے، لیکن اس میں ایک قسم کا استغناء ہے، اس لئے دعاء اس طرح مانگنا چاہئے کہ بہت ہی حاجت ہے، مالک تُو ہی حاجت پوری فرما اور دل میں یہ بھی رکھے کہ اگر نہ دینے میں مصلحت ہو تو اس میں بھی راضی ہوں اور اللہ پاک میرے دل کو اسی پر اطمینان ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

دعاء کے قبول ہونے کا مطلب

سوال [۲۴۸۰]: ہمیں دعاء کرنے کا حکم ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ واقعی دعاء سے کچھ ہوتا ہے؟ طویل مدت سے اپنی اہلیہ کی صحت کی بھیک مانگ رہا ہوں مگر ہنوز ناکامی ہے، ہر ڈھنگ سے جیسا مجھے علم تھا، آخری رات میں اور دوسرے جو طریقے معلوم ہو سکے اس طرح دعاء مانگی مگر کچھ نہیں بنا۔ ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“۔ معلوم ہوتا ہے کہ دعاء سے کچھ نہیں ہوتا، جو ہونا ہوتا ہے ہو جاتا ہے اور جو کچھ نہیں ہونا ہوتا ہے نہیں ہوتا، محض طفل تسلی ہے، ہمیں پردہ میں رکھا جاتا ہے۔

---

(۱) ”عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”إذا دعا أحدكم فليعزم المسئلة، ولا يقولن أحدكم: أللهم إن شئت فأعطني، فإنه لا مستكره له“. (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب: ليعزم المسئلة، فإنه لا مكره له: ۲/۹۳۸، قديمي)

”والمراد أن الذي يحتاج إلى التعليق بالمشيئة ما إذا كان المطلوب منه يأتي إكرهه على الشيء، فيخفف الأمر عليه، ويعلم أنه لا يطلب منه ذلك الشيء إلا برضاه، وأما الله سبحانه فهو منزّه عن ذلك فليس للتعليق فائدة، وقيل: المعنى أن فيه صورة الاستغناء عن المطلوب والمطلوب منه. قال ابن عبد البر: لا يجوز لأحد أن يقول: أللهم أعطني إن شئت وغير ذلك من أمور الدين والدنيا؛ لأنه كلام مستحيل لا وجه له؛ لأنه لا يفعل إلا ماشاءه“. (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب ليعزم المسئلة، فإنه لامكره له: ۱۱/۱۶۸، ۱۶۹، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (إحياء علوم الدين للغزالي رحمه الله تعالیٰ: كتاب الأذكار والدعوات، آداب الدعاء وهي عشرة، ص: ۳۸۹-۳۹۳، مكتبه حقانيه پشاور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء کا حکم ہے(۱) اور قبول فرمانے کا وعدہ ہے(۲)، جن دعاؤں پر اس دنیا میں بظاہر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا وہ بھی بیکار نہیں (۳)، قیامت میں ایسی دعاؤں کو دکھلا کر فرمایا جائے گا کہ ان کا معاوضہ یہ جنت کے درجات ونعمتیں ہیں جن کو دیکھ کر بندہ کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ دنیا میں میری کسی دعاء کا کوئی صلہ وغیرہ مجھے نہ ملتا (اس لئے کہ دنیا میں مانگنے کا جو صلہ بھی ملے کم ہے، آخرت کے مقابلہ میں بہت حقیر اور معمولی چیز مانگی جاتی ہے اور جو کچھ یہاں اس مانگنے پر ملتا ہے وہ بھی معمولی ہے) بلکہ سب دعاؤں کو ذخیرہ بنا کر رکھ دیا جاتا اور سب کا معاوضہ آخرت میں ملتا، پس دعاء یقیناً نافع ہے، اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں۔ حق تعالیٰ محترمہ کو صحت بخشے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أدعونی استجب لکم﴾. (سورة الغافر: ۶۰)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا سالک عبادی عنی، فإنی قریب، أجیب دعوة الداع إذا دعان﴾. (سورة البقرة: ۱۸۶)

"والله تعالیٰ یجیب الدعوات ویقضی الحاجات لقوله تعالیٰ: ﴿أدعونی استجبلکم﴾ ولقوله علیه السلام: "یستجاب الدعاء للعبد مالم یدع بإثم أو قطعیة رحم مالم یستجل" ولقوله علیه السلام: "إن ربکم حیٌّ کریم یستحیی من عبده إذا رفع یدیه إلیه أن یردهما صفراً". (شرح العقائد النسفیة للتفتازانی، ص: ۱۷۳، قدیمی)

(۳) "عن جبیر بن نفیر أن عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه حدثهم أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ما علی الأرض مسلمٌ یدعو الله تعالیٰ بدعوة إلا أتاه الله إیاها، وصرف عنه من السوء مثلها ما لم یدع بمأثم أو قطیعة رحم". فقال رجل من القوم: إذاً نکثر، قال: "الله أکثر". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب فی انتظار الفرج: ۱۹۸/۲، سعید)

"ورواه الحاکم فی المستدرک علی الصحیحین من روایة أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه وزاد فیه: "أو یدخر من الأجر مثلها". (کتاب الأذکار للنواوی رحمه الله تعالیٰ، باب الدلیل علی أن دعاء المسلم یجاب بمطلوبه أو غیره وانه لا یستعجل بالإجابة، ص: ۴۹۴، ۴۹۵، دار البیان، بیروت)

"ولا ینبغی للعبد أن یمل من الدعا؛ لأنه عبادة وتأخیر الإجابة أما؛ لأنه لم یأت وقته؛ لأن لکل شئ وقتاً مقدراً فی الأذل، أو لأنه لم یقدر فی الأذل قبول دعائه فی الدنیا فیعطی فی الأخرة من الثواب عوضه أو یؤخر دعاءه لیلح ویبالغ فی الدعاء فان الله یحب الملحین فی الدعاء ولعل عدم قبول دعائه بالمطلوب المخصوص خیرله من تحصیله والله یعلم وانتم لاتعلمون". (المرقاة، کتاب الدعوات: ۱۰/۵، رشیدیه)

دعاء کا ایک مخصوص طریقہ

سوال[۲۴۸۱]: میں مندرجہ ذیل تسبیح پڑھ کر دعاء کرلیا کرتا ہوں، لیکن اس پر کوئی پابندی نہیں کرتا، کبھی چھوڑ بھی دیتا ہوں، میرا یہ فعل کسی قسم کی بدعت میں تو داخل نہیں؟

لاحول ولا قوه إلا بالله العلي العظيم(۱)حسبنا الله ونعم الوكيل (۲) لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين(۳)۔

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أكثر من قول: لاحول ولا قوة إلا بالله، فإنها من كنز الجنة". قال مكحول: فمن قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ولا منجأ من الله إلا إليه، كشف عنه سبعون باباً من الضرّأدناهن الفقرُ". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمه: ۲/۲۰۰ قديمي)

(وروا البخاري بمعناه في كتاب الدعوات، باب قول: لاحول ولا قوة إلا بالله: ۲/۹۴۸، قديمي)

"وقد جاء في الحديث: "إذا قال العبد: لا حول ولا قوة إلا بالله، قال الله: "(أسلم عبدى واستسلم)". قلت: أخرجه الحاكم من حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه بسند قوي. وفي رواية له: قال لي: "يا أبا هريرة! ألا أدلك على كنز من كنوز الجنة"؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: "تقول: لا حول ولا قوة إلا بالله، فيقول الله: "(أسلم عبدى واستسلم)". وزاد في رواية له: "ولا منجأ ولا ملجأ من الله إلا إليه". (فتح الباري، كتاب القدر، باب لا حول ولا قوة إلا بالله: ۱۱/۶۱۲، قديمي)

(۲)"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "كان آخر قول إبراهيم حين ألقي في النار، حسبي الله ونعم الوكيل". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب: ﴿إن الناس قد جمعوا لكم﴾ الآية: ۲/۶۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا وقعتم في الأمر العظيم فقولوا: (حسبنا الله ونعم الوكيل)". (تفسير ابن كثير، (سورة آل عمران: ۱۷۳): ۱/۴۳۰، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) (سورة الأنبياء: ۸۷)

"وفي جامع الترمذي وصحيح الحاكم من حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "دعوة ذي النون إذ دعا وهو في بطن الحوت: أن لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظلمين، إنه لم يدع بها مسلم في شئ قط إلا استجاب الله له". قال الترمذي: حديث صحيح". (الجواب الكافي فيمن سئل عن الدواء الشافي، المعروف بالداء والدواء لابن قيم الجوزية،=

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں یہ طریقہ بدعت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۴ھ۔

دعاء مانگنے کی حد کیا ہے؟

سوال [۲۴۸۲]: دعاء کی حد کیا ہے؟ خطباتِ موعظہ ماہ ربیع الاول کے پہلے خطبہ میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء سے منع فرمایا ہے اور اس کی حد ہونا چاہیے کرکے لکھا ہے۔ اس کی کیا حد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کا آدمی کو حق نہ ہو اس کی دعاء مانگنا حد سے بڑھنا ہے، ناجائز کی دعاء مانگنا منع ہے (۲)، یہ مطلب نہیں کہ زیادہ دیر دعاء مانگنا منع ہے بلکہ جب تک دل لگے دعاء کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور دل کو متوجہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، شب و روز کی زندگی کے مختلف احوال میں بہت دعائیں ثابت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز دعا کرنا منع ہے، دعا کی حد کیا ہے؟

سوال [۲۴۸۳]: دعاء کی حد کیا ہے، خطباتِ موعظہ ماہ ربیع الاول کے پہلے خطبہ میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء سے منع فرمایا ہے، اور اس کی حد ہونا چاہئے، کرکے لکھا ہے۔ اس کی کیا حد ہے؟

= فصل أوقات الإجابة، أدعية مأثورة، ص: ۱۹، روضة القرآن پشاور)

(أخرجه الترمذي في أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۸/۲، سعيد)

(۱) (كما تقدم في الحواشي الثلاثة في ،ص: ۷۱۴)

(۲) "ويحرم سؤال العافية مدى الدهر، أو خير الدارين ودفع شرهما، أو المستحيلات العادية كنزول المائدة، قيل: والشرعية، والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". (الدر المختار، مطلب في الدعاء: ۵۲۲/۱، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

جس چیز کا آدمی کو حق نہ ہو اس کی دعاء مانگنا حد سے بڑھنا ہے، ناجائز کی دعاء مانگنا منع ہے(۱)، یہ مطلب نہیں کہ زیادہ دیر دعاء مانگنا منع ہے بلکہ جب تک دل لگے دعاء کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اور دل کو متوجہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے(۲) شب وروز کی زندگی کے مختلف احوال میں بہت دعائیں ثابت ہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله عزوجل: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية، إنه لا يحب المعتدين﴾. (سورة الأعراف: ۵۵)

"عن أبي نعامة أن عبد الله بن مُغَفَّل سمع ابنه يقول: أللهم إني أسألك القصر الأبيض عن يمين الجنة إذا دخلتُها. قال: أي بُنيّ! سل الله الجنة وتعوذ به من النار، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إنه في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الإسراف في الوضوء: ۱/۱۴، إمداديه ملتان)

"ويحرم سؤال العافية مُدى الدهر، أوخير الدارين ودفع شرهما، أو المستحيلات العادية كنزول المائدة، قيل: والشرعية". (الدرالمختار). "(قوله: ويحرم سؤال العافية الخ) فقال الثاني: من المحرم أن يسأل المستحيلات العادية، وليس نبياً ولاولياً في الحال، كسؤال الاستغناء عن التنفس في الهواء ليأمن الاختناق، أو العافية من المرض أبدالدهر لينفع بقواه وحواسه أبداً؛ إذ دلت العادة على استحالة ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۲، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ادعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاءً من قلبٍ غافل لاهي". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمه بعد باب ما جاء في جامع الدعوات: ۲/۱۸۶، سعيد)

"إعلم أن مقصود الدعاء هو حضور القلب كما سبق بيانه، والدلائل عليه أكثر من أن تحصر، والعلم به أوضح من أن يذكر". (كتاب الأذكار للنواوي رحمه الله تعالىٰ، باب الحث على حضور القلب في الدعاء، ص: ۴۹۲، دارالبيان، بيروت)

(وكذا في الجواب الكافي فيمن سئل عن الدواء الشافي المعروف بالداء والدواء لابن قيم الجوزية، فصل: أوقات الإجابة، ص: ۱۶، مكتبة روضه القرآن پشاور)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأذكار والدعوات، آداب الدعاء وهي عشرة: ۱/۳۸۹، مكتبة حقانيه پشاور)

(۳) تفصیل کیلئے دیکھئے: (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، وكتاب الأذكار للنووي رحمه الله تعالىٰ، وأبواب الدعوات للترمذي رحمه الله من جامعه، كتاب الدعوات للبخاري من صحيحه)

5

درازیٔ عمر کی دعاء

سوال[۲۴۸۴]: کسی بزرگ نے مجھے دعا دی کہ "اللہ پاک تیری عمر دراز کرے" تو کیا اللہ پاک میری عمر کو بڑھادے گا، کیونکہ سنا ہے کہ اللہ نے ہر انسان کی عمر لکھ دی ہے، اس کے اندر کمی بیشی نہیں کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقۃً اگر چہ عمر میں درازی نہ ہو، لیکن عمر میں دین کا کام زیادہ کرلینا یہ بھی برکت ہے جو کہ ایک قسم کی درازیٔ عمر ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

تریسٹھ سال عمر ہونے کی دعاء کرنا

سوال[۲۴۸۵]: اگر کوئی شخص اتباعِ سنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریفہ کی دعاء کرے کہ مجھے بھی ۶۳/ سال کی عمر ملے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی شخص میں اتباعِ سنت کا داعیہ یوں ہے کہ اخلاق، اعمال، اقوال، وضع قطع، معاشرت، رہائش، عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، جہاد وغیرہ غرض جملہ امور میں اتباع کامل کرتا ہے اور کوئی چیز خلافِ سنت

---

(۱) "وذلک فیما رواه ابن سعد بإسناد صحیح عنه عن أنس رضی الله عنه قال: "اللهم أکثر ماله وولده، وأطل عمره، واغفر ذنبه". (فتح الباری، کتاب الصوم، باب من زار قوماً فلم یفطر عندهم: ۲۸۶/۴، قدیمی)

"عن أنس رضی الله عنه قال: قالت أم سلیم –وهی أم أنس–: خویدمک ألا تدعوله؟ فقال: "اللهم أکثر ماله وولده، وأطل حیاته، واغفرله". (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب دعوة النبی صلی الله علیه وسلم لخادمه بطول العمر وبکثرة ماله: ۱۷۴/۱۱، قدیمی)

"(قوله: أطال الله بقاءه): أی وجوده، والمراد الدعاء بالبرکة فی عمره؛ لأن الأجل محتوم، وذکَرَ عن الشرعة وشرحها ما یفید کراهة الدعاء بذلک، أقول: یرد علیه أنه علیه الصلوٰة والسلام دعا لخادمه أنس رضی الله عنه بدعوات منها: "وأطل عمره"، ومذهب أهل السنة أن الدعاء ینفع وإن کان کل شئ بقدر". (رد المحتار، مقدمة المؤلف: ۳۲/۱، سعید)

اختیار نہیں کرتا اور جذبۂ اتباع کے ماتحت یہ دعاء بھی کرتا ہے تو شرعاً مذموم نہیں بلکہ انشاء اللہ وہ اجر کا مستحق ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۳/۱/۸۶ھ۔

ننگا ہونے کی حالت میں دعاء اور درود

سوال[۲۴۸۶]: ننگا ہونے کی حالت میں درود شریف یا اس وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ننگا ہونے کی حالت میں درود شریف یا دعائیں ماثورہ وغیرہ زبان سے پڑھنا خلافِ ادب اور مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۸ھ۔

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من تمسک بسنتي عند فساد أمتي، فله أجر مائة شهيد". (مشكوٰة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

"وذلک فيما رواه ابن سعد بإسناد صحيح عنه عن أنس رضي الله عنه قال: "اللهم أكثر ماله وولده، وأطل عمره، واغفر ذنبه". (فتح الباري، كتاب الصوم، باب من زار قوماً فلم يفطر عندهم: ۲۸۲/۴، قديمي)

"عن أنس رضي الله عنه قال: قالت أم سليم –وهي أم أنس–: خويدمک ألا تدعوله؟ فقال: "اللهم أكثر ماله وولده، وأطل حياته، واغفرله". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب دعوة النبي صلى الله عليه وسلم لخادمه بطول العمر وبكثرة ماله: ۱۷۴/۱۱، قديمي)

"(قوله: أطال الله بقاءه): أي وجوده، والمراد الدعاء بالبركة في عمره؛ لأن الأجل محتوم، وذكر عن الشرعة وشرحها ما يفيد كراهة الدعاء بذلک، أقول: يرد عليه أنه عليه الصلوٰة والسلام دعا لخادمه أنس رضي الله عنه بدعوات منها: "وأطل عمره"، ومذهب أهل السنة: أن الدعاء ينفع وإن كان كل شئ بقدر". (رد المحتار، مقدمة المؤلف: ۳۲/۱، سعيد)

(۲)"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يذكر الله عزوجل =

کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے؟

سوال[۲۴۸۷]: بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر دعاء کے مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۲۱ھ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے لئے بددعاء کی؟

سوال[۲۴۸۸]: کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں قبل یا بعد نبوت کسی مشرک

=على كل أحيانه". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الرجل يذكر الله تعالىٰ على غير طهور: ۱/۴، إمداديه، ملتان)

"(قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يذكر الله عزوجل على كل أحيانه) المراد من عموم الأحيان حالة الطهور الحدث .... وكذلك حالة كشف العورة كالجماع وقضاء الحاجة من البول والغائط، فإنه حينئذ لا يذكر الله تعالىٰ في تلك الأحوال، بل لا يتكلم فيها مطلقاً إلا لبيان الجواز في حالة كشف العورة". (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب في الرجل يذكر الله عزوجل على غير طهر: ۱/۱۳، امدادية)

"تكره الصلاة عليه -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- في سبعة مواضع: الجماع وحاجة الإنسان الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في المواضع التي تكره فيها الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۵۱۸، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أما لو أن أحدكم يقول حين يأتي أهله بسم الله أللهم جنبي الشيطان، وجنب الشيطان ما رزقتنا، ثم قدر بينهما في ذلك أو قضى ولد لم يضره الشيطن أبداً". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايقول الرجل إذا أتى اهله: ۲/۷۷۶، قديمي)

قال الحافظ: "(وقيل: لم يضره) بمشاركة أبيه من جماع أمه كما جاء عن مجاهد: إن الذي يجامع ولا يسمّي، يلتفت الشيطن على إحليله، فيجامع معه، ولعل هذا أقرب الأجوبة" (فتح الباري: كتاب النكاح، باب ما يقول الرجل إذا أتى أهله: ۹/۲۲۸، ۲۲۹ دارالمعرفة، بيروت)

وکفار کا نام لے کر بددعاء کی تھی اور کس موقعہ پر کی تھی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

متعدد مرتبہ کچھ آدمیوں کے لئے کی ہے، عتیبہ بن ابی لہب کے لئے کی ہے(۱)، قنوتِ نازلہ میں محض قبائل کے نام لے کر بددعاء کی ہے(۲)، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، حارث ابن ہشام پر بھی بددعاء کی ہے، کما فی البخاری۔ پھر آیت: ﴿لیس لك من الأمر شیئ﴾ الخ (۳) نازل ہوئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳۶۱/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "أن عتيبة (المصغر) كان قد أراد الخروج إلى الشام مع أبيه فقال: لآتينّ محمداً عليه الصلوة والسلام وأوذينّه، فأتاه فقال: يامحمد! إني كافر بالنجم إذا هوىٰ، وبالذي دنافتدلىٰ، ثم تفل تجاه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولم يصبه عليه الصلوة والسلام شئ، وطلق ابنته أمّ كلثوم، فأغضبه عليه الصلوة والسلام بما قال وفعل، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اللّٰهم سلّط عليه كلباً من كلابک". وكان أبوطالب حاضراً فكره ذلک، وقال له: ما أغناک يا ابن أخي عن هذه الدعوة؟ فرجع إلىٰ أبيه ثم خرجوا إلى الشام، فنزلوا منزلاً، فأشرف عليهم راهب من دير وقال لهم: إن هذه أرض مسبعة، فقال أبو لهب: أغيثوني يا معشر قريش في هذه الليلة، فإني أخاف على ابني دعوة محمد -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فجمعوا جُمالهم وأناخوها حولهم خوفاً من الأسد، فجاء أسد يتشمّم وجوههم حتى أتى عُتيبة فقتله". (تفسير روح المعاني: (سورة تبت، جزء: ۳۰) : ۲۲۲/۱۵، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "عن أنس رضي الله عنه قال: قنت النبي صلى الله عليه وسلم بعد الركوع شهراً يدعو على رعل وذكوان، ويقول: "عصية عصت الله ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان وبئر معونة: ۵۸۷/۲، قديمي)

(۳) "وقال ابن عمر رضي الله عنهما دعا النبي صلى الله عليه وسلم في الصلوٰة: "اللّٰهم العن فلاناً وفلاناً حتى أنزل الله ﴿ليس لک من الأمر شيء﴾. (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين: ۹۴۶/۲، قديمي)

"عن حنظلة بن أبي سفيان سمعت سالم بن عبد الله رضي الله عنه يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو على صفوان بن أمية وسهيل بن عمرو والحارث بن هشام، فنزلت: ﴿ليس لک من الأمر شيء -إلى قوله- فإنهم ظالمون﴾. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب ليس لک من الأمر شيء: ۵۸۲/۲، قديمي)

ظالم کے لئے بددعاء کرنا

سوال[۲۴۸۹]: ایک شخص بے نمازی ہے، نماز پڑھنے والوں کو برا کہتا ہے، شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، علمائے کرام کی توہین کرتا ہے، ہر معزز آدمی کو ناحق مقدمات کے چکر میں پھنسانے کی رات دن کوشش کرتا رہتا ہے، لہٰذا ایسے آدمی کے واسطے بددعاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپنی بددعاء میں اتنی قوت کا یقین ہے کہ وہ ہلاک ہوجائے گا تو اس کے حق میں دعائے خیر کے ذریعہ اس کی اصلاح کا یقین کیوں نہیں، اس سے اس کو بھی نفع ہوگا اور سب کو بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۵/۸۹ھ۔

فاسق وفاجر کے لئے دعائے مغفرت

سوال[۲۴۹۰]: مسلمان فاجر وفاسق کے لئے دعائے مغفرت کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ مسلمان فاجر وفاسق کے لئے ہرگز دعائے مغفرت نہیں کرنا چاہئے اگرچہ حرام نہیں ہے دعائے مغفرت کرنا، مگر ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ اور خالد کہتا ہے مسلمان فاسق وفاجر کے لئے بھی اس کے مرنے کے بعد بھی دعائے مغفرت کرنا چاہئے اور دعائے مغفرت نہ کرنے سے دعائے مغفرت ایسے مسلمان فاجر وفاسق کے لئے بھی بہتر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "صلوا على كل بر وفاجر". الحديث. أبوداؤد شريف(۲)

خالد کا قول صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قدم الطفيل بن عمرو على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن دوساً قد عصت وأبت، فادع الله عليها، فظن الناس أنه يدعو عليهم، فقال: "اللهم اهد دوساً وأتِ بهم". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء للمشركين: ۹۴۶/۲، قديمي)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ في أبي داؤد بل ذكره بلفظ: "عن أبي هريرة رضي اله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... =

فاسق وفاجر کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ کہنا

سوال[۲۴۹۱]: اگر ایک فاسق وفاجر شخص کو ہم رضی اللہ عنہ کہیں تو گناہ ہے، نور اللہ مرقدہ کہیں تو حرج ہے، اگر ایسا ہے تو پھر کیا فاسق وفاجر کے لئے دعائے مغفرت نہ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے مغفرت اگر فاسق وفاجر کے لئے جائز نہ ہوتی تو نماز جنازہ اس کی میت پر نہ پڑھی جاتی (۱)۔ عرفاً ”رضی اللہ عنہ“ صحابہ کرام کے لئے یا بہت سے بہت ان کے قریب تر حضرات کے لئے ہے، اس وجہ سے کسی فاسق وفاجر کے لئے ایسے کلمات کہنے سے ان کے صحابہ ہونے یا ان سے قریب تر بلند مرتبہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

وذكره الهندي بهذا اللفظ في: (كنز العمال في كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثالث في أحكام الإمارة وآدابها، الفرع الثاني: في إطاعة الأمير والترهيب: (رقم الحديث: ۱۴۸۱۵): ۶/۵۴، مكتبة التراث الإسلامي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها وولدها". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله: ۳/۴۱، دار الفكر، بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، إمداديه، ملتان)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها وولدها". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلوة على أهل لا إله إلا الله: ۳/۴۱، دار الفكر، بيروت)

(۲) "يستحب الترضي والترحم على الصحابة والتابعين فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، =

"اهدنا الصراط المستقیم" کی دعاء کا اثر

سوال[۲۴۹۲]: ایک شخص صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے اور ہر نماز میں "اهدنا الصراط المستقیم" کی دعا بڑے خلوص سے مانگتا ہے مگر اس کے عقیدے درست نہیں ہوتے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھتا ہے، قبور پر سجدہ ریز ہوتا ہے، عرس، میلے، قوالی اور دیگر خرافات نذر ونیاز اولیاء کا قائل ہے تو اس کے لئے "اهدنا الصراط المستقیم" کب قبول ہوگی، یا پھر وہ جو کچھ کرتا ہے وہی صراط مستقیم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبولِ دعاء کے کچھ شرائط بھی ہیں: کھانا حلال، پینا حلال، لباس حلال۔ کسب حلال نہ ہو تو دعاء قبول نہیں ہوتی۔ ہدایت کے بھی درجات ہیں: نماز کی پابندی نصیب ہونا، یہ بھی صراط مستقیم کی ہدایت ہے اور قبولِ دعاء کا اثر ہے، کسی غیر مطلوب چیز کا ملنا یا مضر چیز کا دفع ہونا بھی دعاء کے قبول کا اثر ہوتا ہے، کبھی دیر بعد مطلوب کا ملنا بھی اثر ہوتا ہے۔ الغرض! کسی غلط چیز پر قائم رہنا صراطِ مستقیم کی ہدایت یا قبولِ دعاء کا اثر نہیں ہے ورنہ جس قدر معاصی اور فحش کاری میں مبتلا رہنے والے ہیں وہ سب بھی اپنی اختیار کردہ زندگی ہی کو صراط مستقیم قرار دیں گے(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

=فيقال: رضي الله عنه، أو رحمه الله ونحو ذلك". (كتاب الأذكار للنووي، فصل يستحب الترضي والترحم على الصحابة والتابعين، ص: ۱۶۰، مكتبه دار البيان)

"(ويستحب الترضي للصحابة "رضي الله تعالىٰ عنهم" وكذا من اختلف في نبوته كذي القرنين ولقمان". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: ويستحب الترضي للصحابة)؛ لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضا من الله تعالىٰ، ويجتهدون في فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضا، فهؤلاء أحق بالرضا، وغيرهم لايلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً". (مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

(۱) "عن جابر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما من أحد يدعو بدعاء إلا أتاه الله ماسأل أو كف عنه من السوء مثله مالم يدع بإثم أو قطيعة رحم". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة: ۲/۷۵، سعيد) .... =

دعائے ماثور میں واحد کی جگہ جمع کا صیغہ

سوال[۲۴۹۳]: احادیث میں بعض دعاؤں میں واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ اجتماعی دعاؤں میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں، مثلاً: اِھْدِنِیْ کی جگہ اِھْدِنَا۔

= "قال: ومن شرائط الدعاء أن يكون مطعمه حلالاً. وكان يحيىٰ بن معاذ الرازي رضي الله عنه يقول: كيف أدعوك وأنا عاص، وكيف لا أدعوك وأنت كريم؟ وقال الإمام أبوحامد الغزالي في الإحياء: آداب الدعاء عشرة: الأول: أن يترصد الأزمان الشريفة كيوم عرفة، وشهر رمضان، ويوم الجمعة، والثُلُث الأخير من الليل، ووقت الأسحار. الثاني: أن يغتنم الأحوال الشريفة كحالة السجود، والتقاء الجيوش، ونزول الغيث، وإقامة الصلوة وبعدها. قلت: وحالة رقة القلب. الثالث: استقبال القبلة. ورفع اليدين، ويمسح بهما وجهه في آخره. الرابع: خفض الصوت بين المخافة والجهر.

الخامس: ألا يتكلف السجع، وقد فسربه الاعتداء في الدعاء، والأولى أن يقتصر على الدعوات المأثورة، فما كل أحد يحسن الدعاء. فيخاف عليه الاعتداء، السادس: التضرع والخشوع والرهبة. السابع: أن يجزم بالطلب ويوقن بالإجابة ويصدق رجاه فيها دلائلة كثيرة مشهورة. الثامن: أن يلحّ في الدعاء ويكرره ثلاثاً، ولا يستبطئ الإجابه. التاسع: أن يفتتح الدعاء بذكر الله. العاشر: وهو أهمّها والأصل في الإجابة، وهو التوبة، وردّ المظالم، والإقبال على الله تعالىٰ.

فصلٌ: قال: الغزالي: فإن قيل: فما فائدة الدعاء مع أن القضاء لامَردّ له؟ فاعلم أن من جملة القضاء ردّ البلاء بالدعاء، فالدعاء سببٌ لرد البلاء ووجود الرحمة، كما أن الترس سبب لدفع السلاح، والماء سبب لخروج النبات من الأرض، فكما أن الترس يدفع السهم فيتدافعان، فكذلك الدعاء والبلاء، وليس من شرط الاعتراف بالقضاء ألا يُحمَل السلاح، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿وليأخذوا حذرهم وأسلحتهم﴾. (النساء: ۱۰۲) فقدر الله تعالىٰ الأمر وقدر سببه.

وفيه من الفوائد ما ذكرناه وهو حضور القلب والافتقار، وهما نهاية العبادة والمعرفة، والله عزوجل أعلم". (كتاب الأذكار للنووي، كتاب جامع الدعوات، باب في آداب الدعاء، ص: ۳۸۹، ۳۹۰، دارالبيان)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (إحياء علوم الدين للغزالي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأذكار والدعوات آداب الدعاء وهي عشرة، ص: ۳۸۹-۳۹۳)

5

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۱۴۰۱ھ۔

دعائے سریانی

سوال[۲۴۹۴]: دعائے سریانی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی صحیح حدیث یا غیر صحیح حدیث میں دعائے سریانی نظر سے نہیں گزری، اردو کی بعض کتابوں میں دیکھی ہے جن میں کوئی حوالہ نہیں، نہ مصنف کا کچھ حال معلوم، اس لئے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

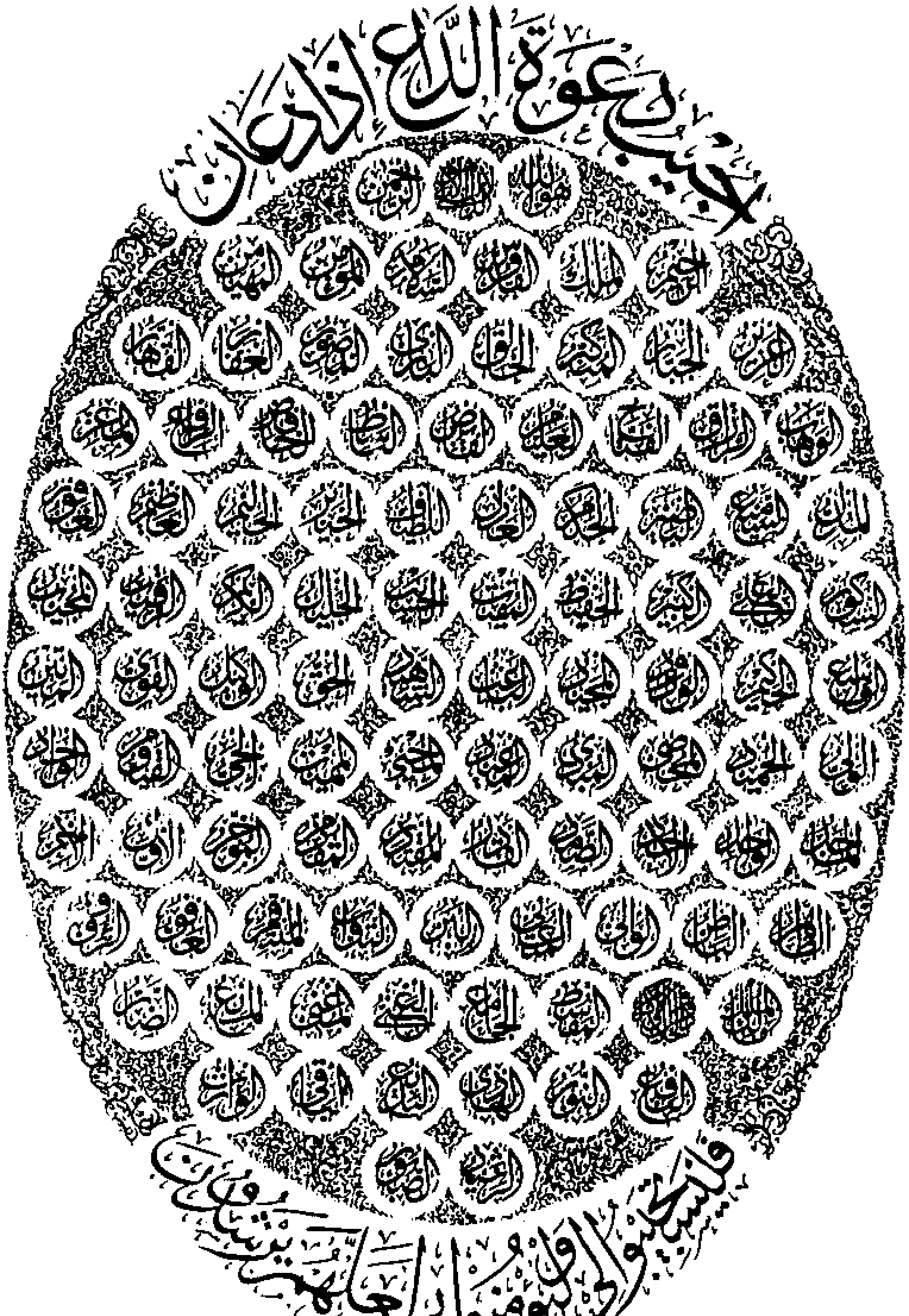
أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

باب الإمامة

الفصل الأول فی أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

۱	امام کے اوصاف	۳۳
۲	اوصافِ امامت	۳۴
۳	امام کس کو بنائیں؟	۳۵
۴	امامت کی شرائط	۳۶
۵	دیوبندی عالم کی امامت	۳۷
۶	مقیم کی امامت اولیٰ ہے یا مسافر کی؟	۳۸
۷	امامت کی تمنا	۳۹

۸	صحیح گواہی دینے والے کی امامت	۴۰
۹	غیر حافظ کی امامت	۴۰
۱۰	عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا	۴۱
۱۱	امام کے لئے عمامہ	۴۲
۱۲	ایضاً	۴۳
۱۳	عمامہ کی مقدار	۴۳
۱۴	بلا عمامہ امامت	۴۵
۱۵	بلا ٹوپی وعمامہ امامت	۴۶
۱۶	ٹوپی اور عمامہ سے نماز	۴۷
۱۷	صرف ٹوپی سے امامت	۵۲
۱۸	شلوار قمیص پہن کر نماز پڑھانا	۵۳
۱۹	کرتے کا بٹن کھول کر نماز پڑھانا	۵۳
۲۰	وقتِ جماعت سے پہلے امام کی آمد	۵۶
۲۱	جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے، اس کو امامت جمعہ کے لئے تجویز کرنا	۵۷
۲۲	کیا امام کو پابندی ضروری ہے؟	۵۸
۲۳	غیر پابندِ وقت کی امامت	۵۹
۲۴	وقت کی پابندی نہ کرنے والے کی امامت	۶۱
۲۵	امام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے مقتدیوں کا دوسری مسجد میں جانا	۶۱
۲۶	جو امام نماز میں تاخیر کرے اس کی امامت	۶۲
۲۷	ایک شخص کا دو مسجدوں میں امامت کرنا	۶۲
۲۸	امامت کے ساتھ دوسرا کام کرنا	۶۴
۲۹	وقتِ ملازمت میں امامت کرنا	۶۴
۳۰	جو امام صاحب وقار نہ ہو اس کی امامت	۶۵

۳۱	امام صاحب کا گھر گھر جانا	۶۵
۳۲	امام کا مقرر شدہ کھانا لانے کے لئے گھر گھر جانا	۶۶
۳۳	دوسرے کے گھر پان لگا کر کھانے والے کی امامت	۶۷
۳۴	امام صاحب کا کھانا	۶۸
۳۵	غیر شادی شدہ کی امامت	۶۹
۳۶	بے شادی شدہ کی امامت	۶۹
۳۷	جس کی بیوی نہ ہو، اس کی امامت	۷۰
۳۸	جس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں اس کی امامت	۷۱
۳۹	امامت کے وقت اپنی عاجزی کا اعتراف	۷۱
۴۰	عربی لہجہ میں اذان دینے والے کی امامت	۷۲
۴۱	سری قراءت میں تیز اور جہری میں ٹھہر کر پڑھنے والے کی امامت	۷۳
۴۲	رکوع سجدہ میں جلدی کرنے والے کی امامت	۷۴
۴۳	جو امام دینی وعظ کی اجازت نہ دے، سیاسی تقریروں کی اجازت دے، اس کی امامت	۷۴
۴۴	فتویٰ صحیح سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنے والے کی امامت	۷۵
۴۵	صدقۃ الفطر اور چرمِ قربانی لینے والے کی امامت	۷۶
۴۶	مسجد میں چماروں کو تعویذ دینے والے کی امامت	۷۸
۴۷	جو امام مقتدی سے صلح نہ کرے اس کی امامت	۷۹
۴۸	جو امام مسجد کے دروازے پر دکان لگائے اس کی امامت	۸۱
۴۹	جو امام مسجد کی دکان بیچ دے اس کی امامت	۸۱
۵۰	امام صاحب کا اعلان کہ ''جس سے میں ناراض، اس سے خدا ناراض''	۸۲
۵۱	تمباکو پینے والے کی امامت	۸۳
۵۲	تمباکو نوش اور سنیما بین شخص کی امامت	۸۴
۵۳	حقہ نوش کی امامت	۸۴

۵۴	تمباکو کا منجن استعمال کرنے والے کی امامت	۸۵
۵۵	قرآن سے فال نکالنے والے اور سگریٹ نوش کی امامت	۸۶
۵۶	کمیونسٹ کو ووٹ دینے والے کی امامت	۸۷
۵۷	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی صحابی کی اقتداء کی ہے؟	۸۹
۵۸	تنخواہ دار امام کی امامت	۹۰
۵۹	تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز	۹۱
۶۰	جو امام تنخواہ لینے کے باوجود نماز نہ پڑھائے، اس کا حکم	۹۱
۶۱	مسجد کا روپیہ اپنی تنخواہ میں وصول کرنے والے کی امامت	۹۳
۶۲	اجرت پر قرآن شریف پڑھنے والے کی امامت	۹۴

الفصل الثانی فی إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت کا بیان)

۶۳	فاسق کی امامت	۹۵
۶۴	ایضاً	۹۵
۶۵	ایضاً	۹۶
۶۶	حافظ فاسق کی امامت	۹۷
۶۷	مرتکب کبائر کی امامت	۹۸
۶۸	معاصی متعددہ کے مرتکب کی امامت	۱۰۱
۶۹	مرتکب مکروہ کی امامت	۱۰۴
۷۰	زانی کی امامت	۱۰۵
۷۱	ایضاً	۱۰۶
۷۲	زانی کی توبہ کے بعد کی امامت	۱۰۷
۷۳	توبہ کے بعد دوبارہ امامت	۱۰۷

۷۴	فیملی پلاننگ سے توبہ کرنے والے کی امامت........................	۱۰۸
۷۵	جاہل چور کی امامت........................	۱۱۰
۷۶	چوری سے توبہ کے بعد چور کی امامت........................	۱۱۱
۷۷	لڑکے کا بوسہ لینے والے کی امامت........................	۱۱۲
۷۸	جو امام لڑکے کا بوسہ لے اس کی امامت........................	۱۱۲
۷۹	کم سن بچوں سے تنہائی میں خدمت لینے والے اور فجر کے بعد سونے والے کی امامت.......	۱۱۳
۸۰	سالی سے مذاق کرنے والے کی امامت........................	۱۱۵
۸۱	غیر محرم عورتوں سے بدن دبوانے والے کی امامت........................	۱۱۷
۸۲	نوجوان بیوہ سے پاؤں دبوانے والے کی امامت........................	۱۱۸
۸۳	اغلام باز اور اغلام بازی کا الزام لگانے والے کی امامت........................	۱۱۹
۸۴	محلوق اللحیہ کی امامت........................	۱۲۱
۸۵	ایضاً........................	۱۲۱
۸۶	داڑھی کٹے کی امامت تراویح میں........................	۱۲۲
۸۷	سود خور اور محلوق اللحیہ کی امامت........................	۱۲۴
۸۸	جو امام داڑھی رکھنے سے منع کرے، اس کی امامت........................	۱۲۵
۸۹	تعلیم یافتہ بے داڑھی والے کی امامت........................	۱۲۵
۹۰	امام کس کو بنائیں، کم داڑھی والے کو یا دوسرے متبعِ سنت کو؟........................	۱۲۶
۹۱	داڑھی منڈے اور انگریزی بال والے کی امامت........................	۱۲۸
۹۲	ٹھوڑی کے بال کٹوانے والے کی امامت........................	۱۲۸
۹۳	انگریزی بال والے کی امامت........................	۱۲۹
۹۴	داڑھی منڈے کی عید کا خطبہ........................	۱۳۰
۹۵	بڑی مونچھ والے کی امامت........................	۱۳۱
۹۶	رشوت خور کی امامت........................	۱۳۲

۹۷	سودخور کی امامت	۱۳۲
۹۸	امام کو سود کھلانا اور اس کے پیچھے نماز	۱۳۵
۹۹	غاصب کی امامت	۱۳۶
۱۰۰	قرض ادا نہ کرنے والے کی امامت	۱۳۷
۱۰۱	خائن کی امامت	۱۳۸
۱۰۲	مسجد و مدرسہ کی رقم میں خیانت کرنے والے کی امامت	۱۳۹
۱۰۳	رہن کی آمدنی کھانے والے کی امامت	۱۴۱
۱۰۴	مکان کا کرایہ نہ دینے والے کی امامت	۱۴۳
۱۰۵	امام صاحب کے لئے کسی عامل کی منی پینا	۱۴۳
۱۰۶	ناجائز رقم سے پنکھا خریدنے والے کی امامت	۱۴۵
۱۰۷	بغیر دباغت کے چمڑہ کا کاروبار کرنے والے کی امامت	۱۴۶
۱۰۸	حج میں افیون کی اسمگلنگ کرنے والے کی امامت	۱۴۷
۱۰۹	غلط مسئلہ بتانے والے کی امامت	۱۴۸
۱۱۰	کاروبار کی وجہ سے تارکِ جماعت کی امامت	۱۴۹
۱۱۱	تارکِ جماعت کی امامت	۱۴۹
۱۱۲	تارکِ نماز کی امامت	۱۵۰
۱۱۳	غیر پابندِ نماز کی امامت	۱۵۱
۱۱۴	جو امام نماز کی پابندی نہ کرے، اس کا حکم	۱۵۳
۱۱۵	ایضاً	۱۵۴
۱۱۶	جو شخص نماز کا عادی نہ ہو اس کو امام مقرر کرنا	۱۵۵
۱۱۷	مستقلاً سنت چھوڑنے والے کی امامت	۱۵۶
۱۱۸	جو امام سنت نہ پڑھے، اس کی امامت	۱۵۷
۱۱۹	تراویح نہ پڑھنے والے کی امامت	۱۵۸

۱۲۰	نماز قضاء ہونے پر امام کا یہ جواب کہ ’’نماز تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوئی تھی‘‘..	۱۵۹
۱۲۱	امامتِ جب	۱۶۰
۱۲۲	گالی دینے والے کی امامت	۱۶۱
۱۲۳	گالی کے عادی کی امامت	۱۶۲
۱۲۴	مسجد میں گالی گلوچ کرنے والے کی امامت	۱۶۲
۱۲۵	باپ کو گالی دینے والے کی امامت	۱۶۳
۱۲۶	باپ کو گالی دینے اور ستانے والے کی امامت	۱۶۴
۱۲۷	جھگڑالو اور فسادی کی امامت	۱۶۵
۱۲۸	استاذ کی شان میں بے ادبی کرنے والے کی امامت	۱۶۵
۱۲۹	استاذ کے نافرمان شاگرد کی امامت	۱۶۷
۱۳۰	امامت پر لعنت بھیجنے والے کی امامت	۱۶۷
۱۳۱	’’جھوٹ کہوں تو ابوجہل سے زیادہ بُرا میرا حشر ہو‘‘ کہنے والے کی امامت	۱۶۸
۱۳۲	’’اگر کوئی میرا گلا گھونٹ کر مار دے‘‘ کہنے والے کی امامت	۱۷۰
۱۳۳	مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرنے والے کی امامت	۱۷۰
۱۳۴	جھوٹے کو امام ومؤذن بنانا	۱۷۱
۱۳۵	جھوٹ بولنے والے اور غیبت کرنے والے کی امامت	۱۷۲
۱۳۶	اندھے جھوٹے کی امامت	۱۷۳
۱۳۷	چغلخور کی امامت	۱۷۵
۱۳۸	حاسد کی امامت	۱۷۵
۱۳۹	وعدہ خلاف کی امامت	۱۷۶
۱۴۰	جعلسازی کرنے والے کی امامت	۱۷۹
۱۴۱	جعلسازی اور فریب دہی جیسی نازیبا حرکات کرنے والے کی امامت	۱۸۰
۱۴۲	حلال کو حرام سمجھنے والے کی امامت	۱۸۲

۱۴۳	حدیث شریف کی توہین کرنے والے کی امامت	۱۸۳
۱۴۴	جو شخص علمائے حق کی تکفیر کر چکا ہو، اس کی امامت	۱۸۴
۱۴۵	منکرینِ قرآن وحدیث اور فاسق کے مرید کی امامت	۱۸۵
۱۴۶	مشرک کے جنازہ کی نماز پڑھانے والے کی امامت	۱۸۶
۱۴۷	غیر مسلم سے سارق کا نام معلوم کرنے والے کی امامت	۱۸۶
۱۴۸	غلط اوصاف والے شخص کی امامت	۱۸۷
۱۴۹	ایک امام صاحب کی خرابیاں	۱۹۰
۱۵۰	امام کی خرابیاں	۱۹۲
۱۵۱	امام کے متعلق چند خرابیاں	۱۹۳
۱۵۲	ایک امام صاحب کے خراب حالات، داڑھی کی حد	۱۹۴
۱۵۳	ایک امام صاحب کی کوتاہیاں	۱۹۶
۱۵۴	ایضاً	۱۹۸
۱۵۵	ترش رو اور جھوٹ بولنے والے کی امامت	۲۰۱
۱۵۶	جھوٹ بولنے، درست طور پر طہارت حاصل نہ کرنے والے بہرے امام کی امامت	۲۰۳
۱۵۷	امام صاحب اگر غلط مذاق کرے تو کیا حکم ہے؟	۲۰۹
۱۵۸	بیوی کا نفقہ نہ دینے والے کی امامت	۲۰۹
۱۵۹	سینما دیکھنے والے اور قوالی سننے والے کی امامت	۲۱۱
۱۶۰	قوالی سننے والے کی امامت	۲۱۱
۱۶۱	ایضاً	۲۱۲
۱۶۲	ساز پر گانے والے کی امامت	۲۱۴
۱۶۳	ناچ گانے میں شرکت کرنے والے کی امامت	۲۱۴
۱۶۴	غلط محفل میں شریک ہونے والے کی امامت	۲۱۶
۱۶۵	گانے بجانے کی مجلس میں نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۱۶

۱۶۶	گانے بجانے کی فحش مجلس اور اس کو روکنے والے امام کا حکم	۲۱۷
۱۶۷	عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۰
۱۶۸	غیر مطلقہ کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۱
۱۶۹	مطلقہ مغلظہ کو بلا حلالہ کے رکھنے والے کی امامت	۲۲۲
۱۷۰	تین طلاق کے بعد رکھنے والے کے احکام: امامت، جنازہ، معاشرہ وغیرہ	۲۲۳
۱۷۱	محض ضد میں طلاق دینے والے کی امامت	۲۲۷
۱۷۲	زبردستی طلاق کی وجہ سے امامت درست ہوگی یا نہیں؟	۲۲۸
۱۷۳	خالہ اور بھانجی کا ایک شخص سے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۹
۱۷۴	سوتیلی نانی سے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۳۱
۱۷۵	زبردستی نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۳۳
۱۷۶	حمل ساقط کرنے والے کی امامت	۲۳۴
۱۷۷	زانیہ کے شوہر کی امامت	۲۳۵
۱۷۸	زوج مزنیہ کی امامت	۲۳۷
۱۷۹	جس امام کی بیوی کا تعلق کسی غیر سے ہو، اس کی امامت	۲۳۸
۱۸۰	فاجرہ کے شوہر کی امامت	۲۳۹
۱۸۱	ایسے شخص کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو	۲۴۰
۱۸۲	کبوتر باز کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو	۲۴۰
۱۸۳	جو شخص ستر کا اہتمام نہ کرے، اس کی امامت	۲۴۲
۱۸۴	ایضاً	۲۴۲
۱۸۵	بے پردہ بیوی کے ساتھ بازار میں گھومنے والے کی امامت	۲۴۲
۱۸۶	جس کی بیوی قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ کرے، اس کی امامت	۲۴۳
۱۸۷	گانے بجانے والی عورت کے شوہر کی امامت	۲۴۵
۱۸۸	جس کی بیوی گھاس کاٹتی ہو، اس کی امامت	۲۴۷

۱۸۹	جس کی اہلیہ استانی ہو، اس کی امامت	۲۴۸
۱۹۰	جس امام کی لڑکیاں بے پردہ ہوں، اس کی امامت	۲۴۸
۱۹۱	جو امام اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کرائے، اس کی امامت	۲۴۹
۱۹۲	جس امام کے بیٹے گناہگار ہوں، اس کی امامت	۲۵۰
۱۹۳	جس کا بیٹا چوری کرتا ہو، اس کی امامت	۲۵۱
۱۹۴	جس کا والد ناجائز کاروبار کرے، اس کی امامت	۲۵۱
۱۹۵	جس جس کی امامت مکروہ ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟	۲۵۲

الفصل الثالث فی امامۃ المبتدع

(بدعتی کی امامت کا بیان)

۱۹۶	مبتدع کی امامت	۲۵۴
۱۹۷	بدعتی کی امامت	۲۵۸
۱۹۸	ایضاً	۲۵۹
۱۹۹	ایضاً	۲۵۹
۲۰۰	بریلوی کی امامت	۲۶۰
۲۰۱	ایضاً	۲۶۰
۲۰۲	نمازِ عید بدعتی کے پیچھے پڑھنے کا حکم	۲۶۱
۲۰۳	مزار کی مٹی کھانے والے اور اس پر سجدہ کرنے والے کی امامت	۲۶۲
۲۰۴	چڑھاوا اور دیگ چڑھانے والے کی امامت	۲۶۳
۲۰۵	مرشد کے نام جھنڈا لگانے والے کی امامت	۲۶۳
۲۰۶	ہندوؤں کا بکرا ذبح کرنے والے کی امامت	۲۶۴
۲۰۷	میلاد اور دسویں میں شریک ہونے والے کی امامت	۲۶۶
۲۰۸	تیجہ، چالیسواں کرانے والے کی امامت	۲۶۷

الفصل الرابع فی إمامة المحترف والمتّهم

(حقیر پیشے والے اور متّہم کی امامت کا بیان)

۲۰۹	میراثی کی امامت	۲۶۸
۲۱۰	نائی کی امامت	۲۶۹
۲۱۱	نداف (روئی صاف کرنے والے) کی امامت	۲۷۰
۲۱۲	غسالِ میت کی امامت	۲۷۰
۲۱۳	غاسلِ میت کی امامت	۲۷۲
۲۱۴	جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہو، اس کی امامت	۲۷۳
۲۱۵	ایضاً	۲۷۵
۲۱۶	نکاحِ محرمہ سے پیدا شدہ لڑکے کی امامت	۲۷۶
۲۱۷	امامتِ عنین	۲۷۷
۲۱۸	غیر مختون کی امامت	۲۷۸
۲۱۹	لاولد کی امامت	۲۷۹
۲۲۰	برہمن بچہ کو پال کر امام بنانا	۲۷۹
۲۲۱	غیرِ سید کے پیچھے سید کی نماز	۲۸۱
۲۲۲	کیا چار قوموں کے علاوہ کے پیچھے نماز درست نہیں؟	۲۸۱

الفصل الخامس فی إمامة المعذور

(معذور کی امامت کا بیان)

۲۲۳	معذور کی تعریف اور اس کی امامت	۲۸۳
۲۲۴	امامتِ معذور	۲۸۴
۲۲۵	معذور کی نماز اور امامت	۲۸۵

۲۲۶	جریان کے مریض کی امامت..	۲۸۷
۲۲۷	جریان والے کی امامت..	۲۸۸
۲۲۸	صاحب جریان کی نماز وامامت..	۲۸۸
۲۲۹	نابینا کی امامت..	۲۹۱
۲۳۰	ایضاً..	۲۹۱
۲۳۱	معذور نابینا کی امامت..	۲۹۳
۲۳۲	نابینا امام کے کچھ اَور اوصاف..	۲۹۳
۲۳۳	بینا ونابینا میں امام کون ہو؟..	۲۹۸
۲۳۴	جس کو ایک آنکھ سے نظر آتا ہو، اس کی امامت..	۲۹۹
۲۳۵	ایک آنکھ اور ایک ہاتھ والے کی امامت..	۳۰۰
۲۳۶	اندھے جھوٹے کی امامت..	۳۰۱
۲۳۷	مقطوع الید کی امامت..	۳۰۳
۲۳۸	ایک ہاتھ سے معذور کی امامت..	۳۰۴
۲۳۹	لنگڑے کی امامت..	۳۰۴
۲۴۰	امامتِ مرتعش..	۳۰۵
۲۴۱	مفلوج کی امامت..	۳۰۶
۲۴۲	ابرص اور جذامی کی امامت..	۳۰۶
۲۴۳	اُمّی وابرص کی امامت..	۳۰۶
۲۴۴	بہرہ کی امامت..	۳۰۷
۲۴۵	مصنوعی دانت والے کی امامت..	۳۰۹
۲۴۶	مصنوعی دانت والے امام کے پیچھے نماز..	۳۱۰

6

الفصل السادس فی إمامة الصبی

(نابالغ کی امامت کا بیان)

۲۴۷	امامتِ صبی	۳۱۱
۲۴۸	بالغ کی نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم	۳۱۱
۲۴۹	نابالغ کی امامت ،صرف نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرنا	۳۱۲
۲۵۰	امامتِ امرد	۳۱۴

الفصل السابع فی عزل الإمام وتحقیره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

۲۵۱	امام باصلاحیت ہوتو اس کو امامت سے ہٹانا	۳۱۶
۲۵۲	بلا وجہ شرعیہ دوسرا امام بنانا	۳۱۷
۲۵۳	ضد کی وجہ سے امام تبدیل کرنا	۳۱۷
۲۵۴	ایک شخص کے ناخوش ہونے پر امام کی علیحدگی	۳۱۸
۲۵۵	بلا وجہ امام کی مخالفت	۳۱۹
۲۵۶	امام کو بُرا بھلا کہہ کر نکال دینا	۳۱۲
۲۵۷	جو شخص اپنی امامت پر مصر ہو اور مقتدی نہ چاہتے ہوں، اس کی امامت	۳۲۳
۲۵۸	مقتدیوں میں امام کے بارے میں اختلاف ہو تو کیا کیا جائے؟	۳۲۵
۲۵۹	امام پر مقتدی کا حکم اور اس کو ذلیل سمجھنا	۳۲۵
۲۶۰	امام کو ذلیل سمجھنا	۳۲۶
۲۶۱	امامت کو حقیر اور ذلیل سمجھنا	۳۲۷
۲۶۲	امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا	۳۲۸
۲۶۳	ذاتی عداوت کی وجہ سے امام کو گالی دینا	۳۲۹

۲۶۴	کیا امام، متولی جماعت یا مسجد کا نوکر ہوتا ہے؟	۳۳۰
۲۶۵	متولی کا امام کو نوکر سمجھنا اور امام کا برسرِ عام اپنی تکالیف بیان کرنا	۳۳۲
۲۶۶	امام کو ملازم کہنا	۳۳۲
۲۶۷	جس کے دل میں امام سے نفرت ہو، اس کی نماز	۳۳۳
۲۶۸	جس کو امام کے گناہ کا علم ہو، اس کا امام کے پیچھے اقتداء کرنا	۳۳۴
۲۶۹	امام پر غلط الزام لگانا	۳۳۵
۲۷۰	امام سے مسائل میں بحث	۳۳۷
۲۷۱	جو شخص امام کی بات نہ مانے، اس کی نماز کا حکم	۳۳۸
۲۷۲	متولی اور امام میں ترکِ سلام وکلام بڑی محرومی ہے	۳۳۹
۲۷۳	امام بنانے کا حق کس کو ہے؟	۳۴۰
۲۷۴	زبردستی امام مقرر کرنا	۳۴۱

الفصل الثامن فی النیابة عن الإمام

(نیابتِ امام کا بیان)

۲۷۵	بوقتِ ضرورت بلا اجازت کسی کو امام بنانا	۳۴۲
۲۷۶	امامت میں کسی کو اپنا نائب بنا کر رخصت پر جانا	۳۴۲
۲۷۷	امام کا بضرورت کسی کو اپنا قائم مقام بنانا	۳۴۳
۲۷۸	امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کا حق	۳۴۵
۲۷۹	مقررہ امام کی موجودگی میں بلا اجازت کسی عالم کا امامت وخطابت کرنا	۳۴۶
۲۸۰	متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا	۳۴۷
۲۸۱	نائب امام کی موجودگی میں کسی اور کی امامت	۳۴۸
۲۸۲	خادمِ مسجد اور مؤذن کی امامت	۳۴۹
۲۸۳	استاذ کی موجودگی میں امامت	۳۴۹

الفصل التاسع فی إمامة اللّحّان

(غلط خواں کی امامت کا بیان)

۲۸۴	غلط خواں کی امامت	۳۵۱
۲۸۵	ایضاً	۳۵۱
۲۸۶	ایضاً	۳۵۲
۲۸۷	ایضاً	۳۵۳
۲۸۸	ایضاً	۳۵۵
۲۸۹	بے علم، غلط پڑھنے والے کی امامت اور مسجد میں پیشۂ خیاطت	۳۵۶
۲۹۰	الفاظ کو درست نہ پڑھنے والے کی امامت	۳۵۸
۲۹۱	غیر پابندِ شرع غلط خواں اور سزا یافتہ کی امامت	۳۶۰
۲۹۲	لحنِ خفی کرنے والے کی امامت	۳۶۲
۲۹۳	جو شخص "ق" اور "ک" صحیح ادا نہ کرے، اس کی امامت	۳۶۴
۲۹۴	امام کی قراءت اگر سمجھ میں نہ آئے، اس کی امامت	۳۶۵
۲۹۵	غیر مجوِّد کی امامت	۳۶۶
۲۹۶	امام کے لئے قواعدِ تجوید کی رعایت	۳۶۷
۲۹۷	سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنے والے کی امامت	۳۶۸

الفصل العاشر فی اقتداء الحنفی بالشافعی وغیرہ

(غیر حنفی کی اقتداء کا بیان)

۲۹۸	احناف کی نمازِ عیدین شوافع کے پیچھے	۳۶۹
۲۹۹	نماز میں شافعی امام کا مسائلِ اختلافیہ میں اتباع	۳۷۰
۳۰۰	حنفی کے پیچھے شافعی کی نماز	۳۷۲

۳۰۱	حنفی کے لئے شیعہ، مرزائی کی امامت	۳۷۴
۳۰۲	حنفی کی نماز، غیر مقلد کے پیچھے	۳۷۵
۳۰۳	اہلِ حدیث کی امامت	۳۷۶
۳۰۴	غیر مقلد کی امامت	۳۷۷
۳۰۵	غیر مقلد کی اقتداء	۳۸۰
۳۰۶	ایضاً	۳۸۱
۳۰۷	دیوبندی کی بریلوی مسجد میں امامت	۳۸۲
۳۰۸	بریلوی کی نماز دیوبندی کے پیچھے	۳۸۳

الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

۳۰۹	کیا حقِ امامت اور نکاح خوانی وراثت میں منتقل ہوتا ہے؟	۳۸۴
۳۱۰	احتیاط الظہر پڑھنے والے کی امامت	۳۸۵
۳۱۱	جو امام تبلیغی نصاب پڑھنے کو روک دے، اس کی امامت	۳۸۷
۳۱۲	جو شخص درسِ قرآن کو لازم نہ سمجھیں، اس کی امامت	۳۸۷
۳۱۳	جو امام مقتدی سے صلح نہ کرے، اس کی امامت	۳۸۸
۳۱۴	امامت نہ کرنے کا عہد کر کے پھر امامت کرنا	۳۸۹
۳۱۵	امام صاحب کے دروازے پر جا کر اس کو نیند سے جگانا	۳۹۰
۳۱۶	امام صاحب سو رہے ہوں، تو اس کو جگانا	۳۹۰
۳۱۷	امام کے بجائے ٹیپ ریکارڈ سے نماز پڑھانا	۳۹۱
۳۱۸	مسجد میں جھاڑو دینا اور حمام میں پانی بھرنا کیا امام کی ذمہ داری ہے؟	۳۹۲
۳۱۹	امام کی خدمات	۳۹۲
۳۲۰	امام کا مقتدی کو کتا کہنا	۳۹۴

باب الجماعة

الفصل الأول فی اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

۳۲۱	جماعت کا اہتمام	۳۹۶
۳۲۲	امام تنہا اذان واقامت کے بعد نماز پڑھے تو جماعت کا ثواب ملے گا	۳۹۷
۳۲۳	اپنی نماز کے بعد جماعت کی شرکت میں فرض کی نیت ہو یا نفل کی؟	۳۹۷
۳۲۴	شوہر بیوی کی جماعت کا طریقہ	۳۹۸
۳۲۵	دھوپ یا بارش کی وجہ سے برآمدہ میں جماعت	۳۹۹
۳۲۶	صحنِ مسجد میں جماعت کرانا	۳۹۹
۳۲۷	بلند مقام سے کمزور آدمی کو ضعف کی وجہ سے وہیں نماز پڑھنے سے حرم شریف کا ثواب	۴۰۰
۳۲۸	ضعف اور بیماری کی وجہ سے پنکھے سے کچھ دور نماز پڑھنا یا جماعت چھوڑ جانا	۴۰۰
۳۲۹	معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا	۴۰۲
۳۳۰	مشق کے لئے بچوں کی جماعت کرانا	۴۰۲
۳۳۱	کوڑھی کا مسجد میں جانا	۴۰۳
۳۳۲	جس شخص کے منہ میں تعفن ہو، اس سے جماعت ساقط ہے	۴۰۵
۳۳۳	جس شخص نے فعل بد کیا ہو، اس کو مسجد میں آنے سے روکنا	۴۰۵
۳۳۴	مسجد بیت میں جماعت کی حیثیت	۴۰۶

الفصل الثانی فی ترک الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

۳۳۵	ترکِ جماعت کا حکم	۴۰۷
۳۳۶	ترکِ جماعت	۴۰۸

۳۳۷	ایضاً	۴۰۸
۳۳۸	تارکِ جماعت کا حکم	۴۰۹
۳۳۹	مجاہدہ کے لئے ترکِ جماعت	۴۱۰
۳۴۰	مسجد میں امام سے قبل تنہا نماز پڑھنا	۴۱۱
۳۴۱	امام صاحب نہ آئیں تو کیا نماز الگ الگ پڑھیں؟	۴۱۳
۳۴۲	ملازمت کی وجہ سے ترکِ جماعت	۴۱۴
۳۴۳	مسجد کی نماز میں شریک نہ ہونا، اپنی نماز تنہا پڑھنا	۴۱۵
۳۴۴	مسجد میں جماعت سے پہلے اپنی نماز پڑھنا	۴۱۶
۳۴۵	جھگڑے سے بچنے کے لئے گھر پر نماز پڑھنا	۴۱۶
۳۴۶	گھر میں جماعت کرنا	۴۱۷
۳۴۷	گھر یا حجرہ میں جماعت کرنا	۴۱۸
۳۴۸	گھر میں اذان واقامت سے تنہا نماز پڑھنا	۴۱۹
۳۴۹	ذاتی رنجش کی بناء پر جماعت سے گریز	۴۲۱
۳۵۰	تعصب کی بناء پر امام کے پیچھے عید نہ پڑھنا	۴۲۲
۳۵۱	مسجد میں جماعت ہو چکی تو کیا گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب ملے گا؟	۴۲۳
۳۵۲	ایک مسجد کی جماعت چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا	۴۲۴
۳۵۳	امام کی خرابی کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا	۴۲۵
۳۵۴	امام کی غلط کاریوں کی وجہ سے گھر میں جماعت	۴۲۶
۳۵۵	تیمارداری کی وجہ سے ترکِ جماعت	۴۲۷
۳۵۶	دو شریکِ تجارت کا یکے بعد دیگرے مسجد میں جا کر نمازِ مغرب ادا کرنا	۴۲۸
۳۵۷	جماعتِ فجر سے پہلے تجارتی دھندوں میں لگ جانا	۴۲۹
۳۵۸	جماعت ہو چکی ہو تو جماعت کہاں پڑھے؟	۴۳۱
۳۵۹	جماعت چھوٹنے پر طلباء پر طعن کرنا	۴۳۱

۳۶۰ تنہا اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنا ۴۳۱

الفصل الثالث فی الجماعة الثانية

(جماعتِ ثانیہ کا بیان)

۳۶۱ جماعتِ ثانیہ ۴۳۳
۳۶۲ ایضاً ۴۳۴
۳۶۳ ایضاً ۴۳۵
۳۶۴ ایضاً ۴۳۶
۳۶۵ وضوخانہ میں نماز کے بعد جماعت ثانیہ ۴۳۷
۳۶۶ بریلوی امام ہونے کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کرنا ۴۳۷
۳۶۷ دومسجدیں برابر برابر، نئی مسجد میں جماعتِ ثانیہ ۴۳۸
۳۶۸ ظہر وعشاء پڑھ کر پھراسی جماعت میں شرکت ۴۳۹
۳۶۹ باہمی نزاع کی وجہ سے تکرار جماعت ۴۴۰
۳۷۰ جماعت ثانیہ میں نئے آدمی کی شرکت ۴۴۲
۳۷۱ اِعادہ والی نماز میں شرکت ۴۴۳
۳۷۲ ایضاً ۴۴۴
۳۷۳ اعادہ والی نماز میں نئے آدمی کی شرکت ۴۴۵
۳۷۴ ترکِ واجب کی بناء پر اعادہ والی نماز میں نو وارد شخص کی شرکت کا مفصل حکم ۴۴۶

الفصل الرابع فی تعيين الوقت للجماعة

(جماعت کے لئے وقت مقرر کرنے کا بیان)

۳۷۵ نماز کے اوقات کی تعیین ۴۵۲
۳۷۶ متولی کا بغیر اجازت امام اوقاتِ نماز تبدیل کرنا ۴۵۲

۳۷۷	جماعت کا وقت کون متعین کرے؟	۴۵۳
۳۷۸	نماز کے اوقات امام مقرر کرے یا مقتدی؟	۴۵۴
۳۷۹	تبدیلی اوقات کا اختیار کس کو ہے؟	۴۵۴
۳۸۰	ایضاً	۴۵۴
۳۸۱	وقتِ مقررہ کے بعد نمازیوں کا انتظار	۴۵۵
۳۸۲	نماز مغرب میں امام کا انتظار	۴۵۶
۳۸۳	نماز شروع کرنے میں امام متولی کا پابند نہیں	۴۵۷
۳۸۴	انتظار صلوۃ	۴۵۹
۳۸۵	جماعت کے لئے نمازیوں کا انتظار	۴۶۰
۳۸۶	ایضاً	۴۶۰
۳۸۷	وقتِ مقررہ سے کچھ پہلے نماز	۴۶۱
۳۸۸	کسی مصلحت سے نماز میں ۵/منٹ تاخیر کرنا	۴۶۲
۳۸۹	کسی کے انتظار میں وقتِ مقررہ سے کچھ تاخیر کرنا	۴۶۳
۳۹۰	نماز کے وقتِ مقررہ سے ایک دومنٹ آگے پیچھے ہوجائے تو کیا حکم ہے؟	۴۶۴
۳۹۱	نماز میں معین آدمی کا انتظار	۴۶۵
۳۹۲	کسی معین شخص کا نماز کے لئے انتظار کرنا	۴۶۶

الفصل الخامس فی جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

۳۹۳	عورتوں کی جماعت	۴۶۷
۳۹۴	عورتوں کی نماز جماعت سے	۴۶۹
۳۹۵	جماعة النساء	۴۷۲
۳۹۶	عورتوں کا مسجد میں جانا	۴۷۳

۳۹۷	ایضاً	۴۷۵
۳۹۸	نامحرم عورتوں کے ساتھ جماعت	۴۷۶
۳۹۹	عورتوں کی انفراداً نماز صف کی طرح	۴۷۷
۴۰۰	عورتوں کا نماز کے لئے مسجد آنا	۴۷۷
۴۰۱	عورتوں کے لئے پردہ ہونے کی صورت میں مسجد جانا	۴۷۸

باب تسویة الصفوف وترتیبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

۴۰۲	تسویۃ الصفوف کا مطلب	۴۸۰
۴۰۳	تسویۃ الصفوف	۴۸۳
۴۰۴	صف سیدھی کرنے میں پاؤں کی انگلیوں کا لحاظ رکھا جائے یا ایڑھیوں کا؟	۴۸۴
۴۰۵	ایضاً	۴۸۵
۴۰۶	مردوں کی صفوں کے درمیان بچوں کی صف	۴۸۵
۴۰۷	کیا صفِ اول میں جگہ ہونے کے باوجود بچوں کی صف پیچھے بنائی جائے؟	۴۸۶
۴۰۸	نابالغ کی جگہ صف میں	۴۸۶
۴۰۹	نابالغ کے کھڑے ہونے کی جگہ	۴۸۸
۴۱۰	نابالغ لڑکا ایک ہو تو کہاں کھڑا ہو؟	۴۸۹
۴۱۱	بچوں کی صف سے بڑھ کر بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا	۴۹۰
۴۱۲	نابالغ کا صفِ اول میں کھڑا ہونا	۴۹۱
۴۱۳	اٹھارہ سالہ بے داڑھی مونچھ لڑکے کا صف میں کھڑا ہونا	۴۹۲
۴۱۴	مسجد میں جگہ تنگ ہو تو امام کے دائیں بائیں کھڑا ہونا	۴۹۲
۴۱۵	جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے کچھ آگے بڑھنا، کچھ پیچھے ہٹنا	۴۹۳
۴۱۶	جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے جماعت کی کیفیت	۴۹۴

۴۱۷	جماعت میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا	۴۹۵
۴۱۸	بعد میں آنے والا شخص کسی مقتدی کو پیچھے کھینچ لے	۴۹۶
۴۱۹	ایک مقتدی کے بعد دوسرا مقتدی آگیا تو کس طرف شرکت کرے؟	۴۹۸
۴۲۰	ایک مقتدی کے بعد دوسرا آگیا تو کہاں کھڑا ہو؟	۴۹۸
۴۲۱	ایک مقتدی ہوتو کہاں کھڑا ہو؟	۴۹۹
۴۲۲	اگر بعد میں ایک مقتدی رہ جائے تو مقتدی کیا کرے؟	۵۰۰
۴۲۳	صف کے پیچھے تنہا ایک آدمی کا کھڑا ہونا	۵۰۰
۴۲۴	ایضاً	۵۰۱
۴۲۵	منفرد کے پیچھے اقتداء	۵۰۲
۴۲۶	اگر مقتدی ایک نابالغ لڑکا اور ایک بالغ ہو تو کس طرح کھڑے ہوں؟	۵۰۲
۴۲۷	مسجد میں ایک جانب اضافہ ہوگیا تو امام کہاں کھڑا ہو؟	۵۰۳
۴۲۸	مقامِ امام وسطِ مسجد ہے؟	۵۰۳
۴۲۹	امام کا محراب میں کھڑا ہونا	۵۰۴
۴۳۰	ایضاً	۵۰۵
۴۳۱	ایضاً	۵۰۷
۴۳۲	امام کا مسجد کے وسط میں کھڑا ہونا	۵۰۷
۴۳۳	جگہ تنگ ہو تو امام کا بیچ میں کھڑا ہونا	۵۰۹
۴۳۴	تنگی کی وجہ سے امام کا مقتدی سے دو چار انچ آگے ہونا	۵۰۹
۴۳۵	امام اور منبر کے درمیان آدمی کھڑا ہونا	۵۱۰
۴۳۶	دوستونوں کے درمیان صف بنانا	۵۱۱
۴۳۷	امام کے کسی جانب نمازیوں کا زیادہ ہونا	۵۱۲
۴۳۸	صف ٹیڑھی ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۱۳
۴۳۹	امام کا پہلی صف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا	۵۱۴

۴۴۰	امام کے پیچھے والی صف چھوٹی، بعد والی بڑی........................	۵۱۵
۴۴۱	بڑی چوڑی مسجد کی صفوں کو نماز میں دائیں بائیں سے کم کرنا........................	۵۱۶
۴۴۲	جہتِ قبلہ کی رعایت کی وجہ سے صفوں کا چھوٹا بڑا ہونا........................	۵۱۸
۴۴۳	کسی خاص شخص کے لئے کسی عامی کو اس کی جگہ سے ہٹانا........................	۵۱۹
۴۴۴	صف میں رومال یا مصلّٰی رکھ دینا........................	۵۲۰
۴۴۵	سلامِ امام کے بعد صف سے ہٹ کر بیٹھنا........................	۵۲۱
۴۴۶	نماز کے بعد کسی چھوٹے کا بڑے سے کچھ پیچھے ہٹ جانا........................	۵۲۲
۴۴۷	صف میں نابالغ بچوں کے سامنے سے گزرنا........................	۵۲۲
۴۴۸	مسجد کے قریبی حصہ سے گزرنا........................	۵۲۳
۴۴۹	ایضاً........................	۵۲۴

فصلٌ فی الفصل بین الإمام والمقتدی والاتصال بین الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

۴۵۰	بند کواڑ یا پردہ کے باہر سے اقتداء........................	۵۲۶
۴۵۱	امام نیچے کی منزل پر اور مقتدی اوپر........................	۵۲۷
۴۵۲	امام کی اقتداء نیچے کی منزل سے کرنا........................	۵۲۸
۴۵۳	امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ صحت سے مانع ہے؟........................	۵۲۸
۴۵۴	امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیے؟........................	۵۲۹
۴۵۵	امام اور مقتدی کے درمیان منبر کا فاصلہ........................	۵۳۰
۴۵۶	امام اور مقتدی کے درمیان پردہ حائل ہو........................	۵۳۱
۴۵۷	صحن کا شمالی وجنوبی حصہ مسقف بنا کر اس میں نمازیوں کا کھڑا ہونا........................	۵۳۱
۴۵۸	صحنِ مسجد میں نماز........................	۵۳۲
۴۵۹	امام مسجد کا اقتداء خارجِ مسجد اور مدرسہ سے........................	۵۳۳

۴۶۰	جوتے اتارنے کی جگہ سے اقتداء	۵۳۴
۴۶۱	مسجد کے دروں میں صف بنانا	۵۳۵
۴۶۲	مسجد کے دَروں میں کھڑا ہونا	۵۳۶
۴۶۳	اتصالِ صفوف برائے اقتداء	۵۳۷
۴۶۴	مسجد اور متصل حجرہ میں جماعت کی صف بنانا	۵۳۹
۴۶۵	مسجد کے وضوخانہ اور استنجاء خانہ کی چھت کا حکم	۵۴۰

باب المسبوق واللاحق

(مسبوق اور لاحق کا بیان)

۴۶۶	مسبوق کی تعریف	۵۴۲
۴۶۷	مسبوق کی نماز کا طریقہ	۵۴۳
۴۶۸	مسبوق کا حکم	۵۴۳
۴۶۹	مسبوق امام کے سجدۂ سہو کے بعد شریک ہوا	۵۴۴
۴۷۰،۴۷۱	سجدۂ سہو کے بعد اقتداء کا حکم	۵۴۴
۴۷۲	ایضاً	۵۴۵
۴۷۳	ایضاً	۵۴۶
۴۷۴	اقتداء بعد لفظِ ''السلام''	۵۴۷
۴۷۵	دائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد امام کی اقتداء	۵۴۸
۴۷۶	مسبوق نے تکبیرِ تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیر دیا	۵۴۸
۴۷۷	اگر مسبوق قصداً امام کے ساتھ سلام پھیر دے	۵۴۹
۴۷۸	اگر مسبوق نے بھول کر ایک طرف سلام پھیر دیا	۵۵۰
۴۷۹	مسبوق کا بھول کر دونوں جانب سلام پھیر دینا	۵۵۱

۴۸۰	مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرنا	۵۵۲
۴۸۱	مسبوق نے سجدۂ سہو میں امام کے ساتھ سلام پھیر دیا	۵۵۳
۴۸۲	سلامِ مسبوق کے سلسلے میں دار العلوم کے فتویٰ اور تعلیم الاسلام کی عبارت میں تطبیق	۵۵۳
۴۸۳	مسبوق نے سجدۂ سہو کے سلام میں قصداً سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟	۵۵۵
۴۸۴	مسبوق کا سہواً امام کے ساتھ سلام پھیرنا	۵۵۵
۴۸۵	مسبوق سجدۂ سہو کرے، سلام نہ پھیرے	۵۵۶
۴۸۶	مسبوق نے امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہیں کیا تو آخر میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہے	۵۵۷
۴۸۷	مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھے یا نہیں؟	۵۵۸
۴۸۸	تشہد میں شریک ہونے والا کیا کرے؟	۵۵۹
۴۸۹	مسبوق تشہد سے فارغ نہیں ہوا کہ امام نے سلام پھیر دیا	۵۶۰
۴۹۰	کیا مسبوق پر تشہد واجب ہے؟	۵۶۱
۴۹۱	مسبوق کی نماز میں قراءت	۵۶۲
۴۹۲	مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کب کھڑا ہو؟	۵۶۴
۴۹۳	مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پوری کرنا	۵۶۴
۴۹۴	تین رکعت کا مسبوق بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟	۵۶۵
۴۹۵	مسبوق کی بقیہ نماز میں سجدۂ سہو کا حکم	۵۶۶
۴۹۶	مسبوق ولاحق سے متعلق	۵۶۶
۴۹۷	مسبوق ولاحق کس طرح سجدۂ سہو کرے؟	۵۷۰
۴۹۸	لاحق کی قراءت کا حکم	۵۷۱
۴۹۹	لاحق تسمیع کہے یا تحمید؟	۵۷۱
۵۰۰	امام کی پانچویں رکعت میں اقتداء	۵۷۲
۵۰۱	فجر کی نماز کے بعد روزانہ کتاب سنانا جب کہ نماز میں مسبوق بھی ہوں	۵۷۳

باب الحدث فی الصلوۃ

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

۵۰۲	لحوقِ حدث سے بناء کا حکم	۵۷۵
۵۰۳	حدث لاحق ہونے کی صورت میں امام، منفرد اور مقتدی کو کیا کرنا چاہیے؟	۵۷۷
۵۰۴	پہلی صف میں نمازی کا وضوٹوٹ گیا، کیا کرے؟	۵۷۹
۵۰۵	مقتدی کا وضوٹوٹ جائے تو کیا کرے؟	۵۷۹
۵۰۶	وضوٹوٹ گیا، باہر جانے کو کوئی جگہ نہیں تو کیا کرے؟	۵۸۰
۵۰۷	نماز میں حدث ہوجائے، پانی دور ہو تو کیا کرے؟	۵۸۱
۵۰۸	ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ حدث لاحق ہوگیا	۵۸۱
۵۰۹	قعدہ اخیرہ میں بعد التشہد حدث کا حکم	۵۸۲
۵۱۰	گمانِ حدث پر رکوع سجدہ کرتا رہا	۵۸۳

باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا

الفصل الأول فیما یفسد الصلوۃ

(مفسداتِ نماز کا بیان)

۵۱۱	نماز میں چڑیا کا خون لگ گیا تو کیا نماز فاسد ہوگئی؟	۵۸۴
۵۱۲	مذی و ودی والے کپڑے میں نماز کا حکم	۵۸۵
۵۱۳	نماز میں یاد آگیا کہ بڑا استنجاء نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟	۵۸۵
۵۱۴	نماز کے بعد دانتوں میں خون دیکھنا	۵۸۷
۵۱۵	بے وضو نماز پڑھادی تو نمازیوں کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے	۵۸۷
۵۱۶	بلغم منہ میں لئے ہوئے نماز پڑھنا	۵۸۸

۵۱۷	ناپاک کپڑے و بدن والے شخص کے لقمہ دینے سے فسادِ نماز کا حکم	۵۸۹
۵۱۸	ناپاک مشکوک تہبند سے نماز	۵۹۱
۵۱۹	خارج آدمی کے کہنے سے تکبیر کہنے پر نماز فاسد ہوگئی	۵۹۲
۵۲۰	نمازی کا غیر نمازی کے کہنے پر عمل کرنا	۵۹۳
۵۲۱	کیا لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟	۵۹۴
۵۲۲	لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی	۵۹۴
۵۲۳	ٹوپی پیشانی پر رکھ کر سجدہ کرنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟	۵۹۵
۵۲۴	ترکی ٹوپی سے نماز اور حرام خور کی نماز	۵۹۶
۵۲۵	حرم شریف میں عورت کا مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۵۹۷
۵۲۶	عورت کا مسجد میں آ کر مردوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۵۸
۵۲۷	میاں بیوی کا ایک مصلے پر کھڑے ہو کر الگ الگ نماز پڑھنا	۵۹۹
۵۲۸	نماز میں چلنے سے نماز کا حکم	۶۰۰
۵۲۹	عملِ کثیر کا حکم	۶۰۲
۵۳۰	ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے کیا نماز کو توڑنا لازم ہے؟	۶۰۲
۵۳۱	تین دفعہ کھجلانا عملِ کثیر ہے؟	۶۰۳
۵۳۲	بائیں ہاتھ سے کھجانا کیا مفسدِ صلوۃ ہے؟	۶۰۴
۵۳۳	پکی گھموری (گرمی دانہ) کا کھجلانا	۶۰۴
۵۳۴	کیا نماز میں گھڑی دیکھنا مفسد ہے؟	۶۰۶
۵۳۵	نماز میں جوؤں کو مارنا	۶۰۶
۵۳۶	کیا ایک سے زائد ضرب سے سانپ کو مارنا مفسد ہے؟	۶۰۷
۵۳۷	کپڑے میں الجھ کر دونوں پیر اکھڑ جائیں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	۶۰۸
۵۳۸	کیا نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہٹ جانا مفسدِ نماز ہے؟	۶۰۹
۵۳۹	نمازی کے سامنے والا شخص اپنی جگہ سے ہٹ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟	۶۰۹

۵۴۰	نماز پڑھتے ہوئے بارش آجائے تو کیا کیا کرے؟	۶۱۰
۵۴۱	معمولی ہنسی سے نماز فاسد ہوگئی، وضوء نہیں ٹوٹا	۶۱۱
۵۴۲	کیا نماز میں ہلکی آواز نکلنے سے نماز فاسد ہوجائے گی؟	۶۱۲
۵۴۳	امام کی تکبیرات اور سلام سے پہلے مقتدی کا تکبیر اور سلام کہنا	۶۱۳
۵۴۴	امام سے پہلے سانس توڑنا	۶۱۴
۵۴۵	امام کے ساتھ چوتھی رکعت کا قیام کیے بغیر سلام پھیر دینا	۶۱۶
۵۴۶	امام نماز میں سوجائے تو مقتدی کیا کریں اور نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	۶۱۷
۵۴۷	امام کا سجدہ میں انتقال کر جانا	۶۱۷
۵۴۸	نماز میں مقتدی کا انتقال ہوجانا	۶۱۸
۵۴۹	گمانِ فساد پر نماز کا اعادہ	۶۱۹
۵۵۰	تین سجدے کرنے سے نماز کا اعادہ	۶۲۰
۵۵۱	ترکِ اقامت کی وجہ سے نماز کا اعادہ	۶۲۰
۵۵۲	عین نماز میں طلوعِ شمس	۶۲۲
۵۵۳	"لا صلوة إلا بحضور القلب" کا مطلب	۶۲۲
۵۵۴	کیا بغیر حضورِ قلب کے نماز نہیں ہوتی؟	۶۲۴
۵۵۵	خیالات آنے کی وجہ سے نماز میں خرابی نہیں آتی	۶۲۴
۵۵۶	نماز میں حوروں کا تصور	۶۲۵
۵۵۷	نماز میں غیر عربی میں دعا مانگنا	۶۲۶
۵۵۸	نماز اور غیر نماز میں عربی اور غیر عربی میں دعا میں فرق	۶۲۷
۵۵۹	کتنے نقصان پر نماز توڑنے کی اجازت ہے؟	۶۲۸
۵۶۰	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجائے تو نماز کا حکم	۶۲۹
۵۶۱	"التحیات" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور	۶۲۹
۵۶۲	امام کے سورۃ الفاتحہ کے ختم پر مقتدی کا کلمہ طیبہ پڑھنا	۶۳۰

۵۶۳	نماز میں نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنے کا حکم	۶۳۱
۵۶۴	کیا سجدہ میں دونوں پیروں کے اٹھ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟	۶۳۲
۵۶۵	سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا	۶۳۳
۵۶۶	سجدہ میں دونوں پیروں کا اٹھالینا	۶۳۴
۵۶۷	رفع قدمین	۶۳۴
۵۶۸	سجدہ میں پیشانی اور ناک رکھنے کی جگہ کا موضع قدمین سے بلند ہونا	۶۳۵
۵۶۹	عورت کا نماز میں جہراً قراءت کرنا کیا مفسد ہے؟	۶۳۵
۵۷۰	نماز میں تفسیر کے ساتھ قراءت کرنا	۶۳۶
۵۷۱	"سمع اللہ لمن حمدہ" کے بجائے "سمع اللہ من حمدہ" کہنا	۶۳۷
۵۷۲	لفظ "اللہ" کے شروع میں مد	۶۳۷
۵۷۳	قصداً ترکِ رکوع اور ترکِ قعدہ اولیٰ کا حکم	۶۳۸
۵۷۴	امام سے پہلے رکوع یا سجدہ	۶۳۹
۵۷۵	سلام قبل الامام سے متعلق "تذکرۃ الرشید" اور "تذکرۃ الخلیل" کی عبارتوں میں تعارض	۶۴۰
۵۷۶	قعدۂ اخیرہ کے بعد ضرورۃً امام سے پہلے سلام پھیرنا	۶۴۱
۵۷۷	سلام قبل الامام	۶۴۲
۵۷۸	امام کی تبعیت کا ایک مسئلہ	۶۴۲
۵۷۹	مقتدی سے فرض کہہ کر سنت پڑھنا	۶۴۴
۵۸۰	جماعت شروع ہونے پر مسجد کے اندر سونے والا کیا کرے؟	۶۴۵

الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

۵۸۱	کیا نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے؟	۶۴۶
۵۸۲	"کل صلوۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا"	۶۴۶

۵۸۳	کیا طاعاتِ مکروہہ کا بھی ثواب ہے؟	۶۴۸
۵۸۴	نماز میں کہنی سے آستین اتارنا	۶۵۱
۵۸۵	کہنی تک آستین چڑھا کر نماز	۶۵۱
۵۸۶	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۶۵۲
۵۸۷	بٹن کھلے رہنے سے نماز کا حکم	۶۵۲
۵۸۸	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۶۵۲
۵۸۹	نیم آستین کپڑے پہن کر نماز پڑھنا	۶۵۳
۵۹۰	نیم آستین، کرتہ، ٹخنوں سے نیچا پائجامہ سے نماز	۶۵۴
۵۹۱	نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا	۶۵۴
۵۹۲	نماز میں گریبان کھلا رکھنا	۶۵۴
۵۹۳	کھلے گریبان سے نماز	۶۵۵
۵۹۴	بٹن کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا	۶۵۶
۵۹۵	عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہنے سے نماز کا حکم	۶۵۶
۵۹۶	نماز میں ٹوپی عمامہ سے کھلی رہنے کا حکم	۶۵۷
۵۹۷	مقتدی کا امام سے پہلے تکبیراتِ انتقال کہنا	۶۵۸
۵۹۸	امام کا رکوع میں جانے اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تکبیر کہنا	۶۵۹
۵۹۹	نماز میں ٹوپی گر جائے تو اس کو اوڑھنا	۶۶۱
۶۰۰	جالی دار ٹوپی سے نماز	۶۶۲
۶۰۱	استعمالی رومال کو سر پر باندھ کر نماز پڑھنا	۶۶۳
۶۰۲	چوری کے کپڑے میں نماز کا حکم	۶۶۳
۶۰۳	سرخ کپڑے میں نماز	۶۶۴
۶۰۴	منہ ڈھانک کر نماز پڑھنا	۶۶۴
۶۰۵	پتلون پہن کر نماز	۶۶۵

۶۰۶	کوٹ پتلون کے ساتھ نماز	۶۶۶
۶۰۷	نماز میں لنگی یا پائجامہ درست کرنا	۶۶۶
۶۰۸	جوتے پہن کر نماز کا حکم	۶۶۷
۶۰۹	کمبل سے ہاتھ نکالے بغیر نماز ادا کرنا	۶۶۸
۶۱۰	گھڑی کی چین کے ساتھ نماز	۶۶۹
۶۱۱	تصویر پر سجدہ	۶۶۹
۶۱۲	مصلّٰی پر تصویر	۶۷۰
۶۱۳	خانۂ کعبہ کی تصویر والے مصلّے پر نماز	۶۷۱
۶۱۴	منقش مصلّے پر نماز	۶۷۳
۶۱۵	ایضاً	۶۷۴
۶۱۶	جس مصلّے پر بیت اللہ کی تصویر ہو، اس پر نماز پڑھنا	۶۷۴
۶۱۷	روپیہ پیسے کے ساتھ نماز کا حکم	۶۷۴
۶۱۸	تصویر یا بیڑی، سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا	۶۷۵
۶۱۹	ہاتھ پر تصویر گدی ہوئی ہونے کی حالت میں نماز	۶۷۶
۶۲۰	آئینہ دار مسجد میں نماز	۶۷۷
۶۲۱	آئینہ سامنے ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟	۶۷۷
۶۲۲	دیوارِ قبلہ پر نظر پڑنا	۶۷۸
۶۲۳	غیر مسلم کے معبد یا زمین میں نمازِ عید وغیرہ	۶۷۹
۶۲۴	مسجد کے لئے بنیاد کھودتے ہوئے میت کی کچھ ہڈیاں ظاہر ہوئیں، وہاں نماز کا حکم	۶۸۰
۶۲۵	قرآن مجید سجدے کے سامنے ہو	۶۸۱
۶۲۶	نمازی کے سامنے چراغ جلنا	۶۸۲
۶۲۷	چراغ سامنے رکھ کر نماز پڑھنا	۶۸۲
۶۲۸	نماز اندھیرے میں ہو یا روشنی میں؟	۶۸۳

۶۲۹	اندھیرے میں نماز پڑھنا	۲۸۶
۶۳۰	اگر امام کا چہرہ شمال یا جنوب کی طرف گھوم جائے	۲۸۵
۶۳۱	امام کا مصلی پر مقتدی کا فرش پر ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟	۲۸۵
۶۳۲	مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے	۲۸۶
۶۳۳	ایضاً	۲۸۷
۶۳۴	مسجد کے اندر کنویں پر نماز	۲۸۷
۶۳۵	کیا نماز کم عرض دری پر مکروہ ہے؟	۲۸۸
۶۳۶	نجاست بقدرِ عفو کے ساتھ نماز	۲۸۸
۶۳۷	تقاضۂ ریح کے وقت نماز	۲۸۹
۶۳۸	طبعی کراہت کی وجہ سے نماز میں کراہت	۲۹۰
۶۳۹	منفرد کے لئے تکبیر کا جہر	۲۹۰
۶۴۰	منفرد کو تکبیرات بالجہر کہنا	۲۹۱

باب السترة

(سترہ کا بیان)

۶۴۱	راستہ میں بغیر سترہ کے نماز	۲۹۳
۶۴۲	کیا جنگلہ سترہ کے حکم میں ہے؟	۲۹۳
۶۴۳	اونچائی پر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا	۲۹۵

☆......☆......☆

باب الإمامة

الفصل الأول فی أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

امام کے اوصاف

سوال[۲۴۹۵]: نماز پڑھانے والے میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟ اگر نماز پڑھانے والے سے بہتر اوصاف والا بھی کوئی مقتدی موجود ہو تو کیا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ از خود جا کر مصلے پر کھڑا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام، اَعلم اور اَقرأ، اَورع ہونا چاہئے یعنی شرعی مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو اور قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور متبعِ شریعت اور پابندِ سنت ہو(۱) ایسے شخص کو جب امام مقرر کر دیا جائے۔ اور مقتدیوں میں کوئی ان اوصاف

---

(۱)"عن إسماعیل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج یقول: سمعت أبا مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول لنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یؤمّ القوم أقرأهم لکتاب اللہ وأقدمهم قراءةً، فإن کانت قرائتهم سواء فلیؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن کانوا فی الهجرة سواء فلیؤمهم أکبرهم سناً .... ولا تؤمّنّ الرجل فی أهله ولا فی سلطانه، ولا تجلس علی تکرمته فی بیته إلا أن یأذن لک أو بإذنه". (الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب الإمامة والجماعة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۶، قدیمی)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقًا، ثم الأحسن وجهًا، ثم الأشرف نسبًا، ثم الأنظف ثوبًا". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

میں اس سے افضل ہو تو اس کو خود مصلے پر پہونچ کر امامت کرانا بغیر اجازت امام ممنوع ہے:

"و لا يُؤَمّ (بصيغة المجهول) الرجل في بيته و لا في سلطانه: أي محل ولايته أو في محلٍ يكون في حكمه، و لذلك كان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يصلي خلف الحجاج. وتحريره أن الجماعة شرعت لاجتماع المؤمنين على الطاعة و تألفهم و تَوادهم، فإذا أَمّ الرجل الرجل في سلطانه أفضى ذلك إلى توهين أمر السلطنة و خلع ربقة الطاعة، و كذا إذا أمه في قومه وأهله، أدى ذلك إلى التباعد والتقاطع، فلايتقدم رجل على ذي السلطنة، لا سيما في الأعياد والجُمُعات، و لا على إمام الحي و رب البيت إلا بالإذن، نقله القاري من الطيبي اهـ". بذل المجهود (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امامت کے اوصاف

سوال[۲۴۹۶]: ایک خصی آدمی کو امامت سے ہٹا کر غیر خصی کو امام بنایا گیا مگر یہ غیر خصی فجر کی نماز میں حاضر نہیں ہوتا بلکہ وہ (سابق امام) خصی و دیگر خصی مقتدی (بعض مقتدی غیر خصی بھی) موجود ہوتے ہیں تو کیا عارضی طور پر فجر کی نماز یہ خصی سابق امام پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آدمی سب نمازیوں میں زیادہ لائق ہو، طہارت و نماز کے مسائل سے زیادہ واقف ہو، متبع شریعت

(۱) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۳۲۶، مكتبه امداديه ملتان)

"واعلم أن صاحب البيت و مثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، إلا أن يكون معه سلطان أو قاض فيقدم عليه لعموم ولايتهما". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۷۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، مكتبه امداديه ملتان)

ہو، قرآن کریم صحیح پڑھتا ہو اس کو امام بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۵ھ۔

امام کس کو بنائیں؟

سوال [۲۴۹۷]: محلّہ کی مسجد امامت سے بالکل خالی ہے لیکن دو حضرات ہیں جن سے یہ خدمت لی جاتی ہے: ایک صاحب ہیں جو بظاہر وضع قطع شرعی رکھتے ہیں لیکن کچھ عیوب ہیں مثلاً چوری، غیبت، حسد، گالی گلوچ، دوسرے صاحب جو ڈاڑھی نہیں رکھتے ہیں اور پائجامہ بھی غیر شرعی ہے، ہر دو حضرات میں امامت کے لئے کون افضل ومناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کے علاوہ کسی تیسرے صالح شخص کو امام بنالیا جائے (۲)۔ بہت ہی بدقسمتی ہے کہ مسجد میں امام نہیں، سب جمع ہو کر باہمی مشورہ سے اس کا انتظام کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "امام کے اوصاف"۔)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنا به الفواحش الظاهرة ...... ثم الأورع: أي الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى اتقاء المحرمات". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ۱/۲۴۰، امداديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۸، رشيديه)

(۳) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: .... "فعليك بالجماعة". الحديث. "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لقد هممت أن آمر بالصلوة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرّق عليهم بيوتهم بالنار". فهذا وعيد على ترك الصلوة بالجماعة من غير عذر لاعلى ترك الصلوة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۳۰۱، امداديه)

امامت کی شرائط

سوال[۲۴۹۸]: ایک مسلمان بغیر دباغت چمڑہ کا بیوپار کرتا ہے اور بازار کا بیٹھنے والا ہے، وہ شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صحیح العقیدہ، قرآن پاک صحیح پڑھنے والا، مسائلِ نماز وطہارت سے واقف، متبع سنت ہونا چاہیے(۱)۔ مردار کی کھال بغیر دباغت بیچنا اور خریدنا جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے(۲)، ایسے کاروبار کرنے والے کو

= (والحديث أخرجه الإمام مسلم في صحيحه في كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها ....: ۱/۲۳۲، قديمي)

"الباني للمسجد أولى بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عين القوم أصلح ممن عينه الباني". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۰،سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد،ص: ۶۱۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف، باب في أحكام المساجد: ۵/۴۱۸،رشيديه)

"وكذا الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها من غير عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه .... قوله عليه الصلوة السلام: "صلوة الرجل في الجماعة تفضل على صلوته في بيته أوسوقه سبعاً وعشرين ضعفاً والله الهادي". (الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) الأولى بالإمامة أعلم بأحكام الصلاة........ هذا إذا علم من القراءة قدر ماتقوم به سنة القرأة .... ولم يطعن في دينه .... ويجتنب الفواحش........اهـ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۰۸، رشيديه)

(۲) "(وجلد ميتة قبل الدبغ) لو بعوض، ولو بالثمن، فباطل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)، دباغت کے بعد بیع وشراء درست ہے(۲)، دباغت کے لئے کھال کو باقاعدہ پکانا بھی ضروری نہیں بلکہ دھوپ میں یا نمک وغیرہ مسالہ لگا کر ایسا بنالینا بھی کافی ہے کہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہ سکے اور خون کی رطوبت ختم ہوجائے (۳)۔ جو جانور شرعی طور پر ذبح کیا جائے اس کی کھال بغیر دباغت ہی پاک ہے(۴)۔ خنزیر کی کھال کسی طرح پاک نہیں ہوتی وہ نجس العین ہے(۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دیوبندی عالم کی امامت

سوال[۲۴۹۹]: ایک شخص عالم دین ہے، فارغ دیوبند پابند شرع ہے امام مسجد ہے، کیا ایسا شخص امام بننے کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دارالعلوم دیوبند کا مسلک قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، فقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) "ویکره إمامة عبد و أعرابي وفاسق......اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(۲) "(وبعده): أى بعد الدبغ (يباع)". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

(۳) "(قوله: دبغ) الدباغ ما يمنع النتن والفساد، والذى يمنع على نوعين: حقيقي كالقرظ والشب والعفص ونحوه، وحكمي: كالتتريب والتشميس والإلقاء في الريح...... اهـ". (الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۴) "الحاصل أن زكاة الحيوان مطهرة لجلده، ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة: ۱/۲۰۵، سعيد)

(۵) "(خلا) جلد (خنزير) فلا يطهر". (الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة: ۱/۲۰۴، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارات، قبيل فصل في البير: ۱/۴۰، ۴۱، شركة علمية، ملتان)

مطابق ہے، علم کلام میں اہلِ حق کے عقائد یہاں تعلیم دیئے جاتے ہیں، تصوف میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ اجمعین کے طریقہ تربیت کو اختیار کیا جاتا ہے، یہاں کا سلسلۂ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مربوط ہے۔ اس مسلک کے آدمی کو امام بنانا اور اس کے پیچھے فریضۂ نماز کو ادا کرنا شرعاً درست اور عینِ سعادت ہے، متقی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق ہدایہ میں روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ بہت بلند ہیں: "والأعلم أحق بالإمامة ثم الأقرأ ثم الأورع، و قدم أبو يوسف الأقرأ" (۱).

یہ حدیث صحیحین میں ہے: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله تعالىٰ، فإن كانوا في القرأة سواء فأعلمهم بالسنة" بحر (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقیم کی امامت اولیٰ ہے یا مسافر کی؟

سوال [۲۵۰۰]: امامت مقیم کی اولیٰ ہے یا مسافر کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقیم کی امامت اولیٰ ہے: "الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة .... ثم المقيم على

(۱) (الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۳، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وايضا في صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إمامة العبد والمولىٰ: ۱/۹۶، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۹۳، امداديه ملتان)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

المسافر" الدر المختار(۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

امامت کی تمنا

سوال[۲۵۰۱]: امامت کی خود حرص وتمنا کرنا اور کسی مسجد یا مجمع کی امامت کا خود کو مستحق قرار دینا، کیا کسی شخص کیلئے جائز ہے؟ خواہ وہ مولوی یا حافظ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امامت کی ذمہ داری بہت اہم ہے جس کے سر پڑ جائے وہ بھی ڈرتا اور خدا سے دعا کرتا رہے کہ یا اللہ صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق دے۔ اس کی تمنا اور حرص ہرگز نہ کی جائے، سب نمازیوں کا بوجھ اٹھانا معمولی بات نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷،۵۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۱، امداديه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۹، مصطفى الحلبي بمصر)

(۲) "وعن أبي ذر رضي الله تعالى عنه، قال: قلت: يارسول الله! ألا تستعملني؟ قال: فضرب بيده على منكبي، ثم قال: "ياأباذر! إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها، وأدى الذي عليه فيها". رواه مسلم".

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "قال النووي رحمه الله تعالى هذا الحديث أصل عظيم في اجتناب الولاية، لاسيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائفها، والخزي والندامة في حق من لم يكن أهلاً لها، أو كان أهلاً ولم يعدل، فيخزيه الله يوم القيامة ويفضحه ويندم على مافرط". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۶۸۲): ۷/۲۶۲، رشيديه)

صحیح گواہی دینے والے کی امامت

سوال[۲۵۰۲]: زید اپنے محلے کی مسجد میں امام ہے، اپنی چچی ماں کے انتقال کے بعدان کے وارثوں کے اندر کسی بات کا جھگڑا بابت جائیداد ہوا، تب زید جو محلّہ کی مسجد میں امام ہے، اس سے کسی نے کہا کہ تم بھی رشتہ دار ہو، کورٹ میں گواہی دینا ہوگی، تو زید نے کہا ٹھیک جہاں چاہو وہاں، گواہی لو مگر مجھے جو صحیح معلوم ہے گواہی دوں گا، تو بہر حال زید نے کورٹ میں جا کر یہ گواہی دی کہ مجھے اتنا ہی معلوم ہے کہ میری چچی اپنی زندگی تک اس جائیداد کو اپنے دخل کرتی رہیں اور زندگی میں کسی کو فروخت کیا یا نہیں مجھے معلوم نہیں۔

کیا امام کو کسی قسم کی گواہی کورٹ میں دینے کی اجازت شریعت میں نہیں؟ گواہی دیتے ہی اس کے پیچھے نماز درست نہیں؟ زید صرف مذکورہ بالا گواہی دینے کے بعد وہ امامت کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس قدر واقعہ معلوم ہے اس کی صحیح گواہی کورٹ میں دینے کیوجہ سے امام کی امامت میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے، بلاشبہ اسکی امامت بدستور صحیح و درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

غیر حافظ کی امامت

سوال[۲۵۰۳]: ہم نے نماز پڑھانے کے لئے ایک امام رکھا تھا اور ان سے یہ وعدہ تھا کہ ہم حافظ

---

(۱) صحیح گواہی دینا کوئی ایسا جرم نہیں ہے جس کی وجہ سے امام کی امامت متاثر ہو، بلکہ صحیح گواہی دینا ہر ایک پر لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تکتموا الشهادة، ومن یکتمها فإنه آثم قلبه﴾ (سورة البقرة: ۲۸۳)

"فهو عموم في سائر الشهادات التي یلزم الشاهد إقامتها وأداء ها، وهو نظیر قوله تعالیٰ: ﴿أقیموا الشهادة لله﴾ (سورة الطلاق: ۲)

"وقوله: ﴿یا أیها الذین آمنوا کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولو علی أنفسکم﴾ (سورة النساء: ۱۳۵) فنهی الله تعالیٰ الشاهد بهذه الآیات عن کتمان الشهادة إلی ترکها یؤدي إلی تضییع الحقوق الخ". (ابن کثیر: ۱/۴۲۹، دار الفیحاء دمشق)

قرآن رکھتے ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ میں حافظ ہوں، وہ حافظ ہیں نہیں، یہ کہتے رہے کہ میں حافظ ہوں اور جب ان سے کہا کہ سناؤ گے یا نہیں، انہوں نے کہا میں حافظ نہیں۔ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر انہوں نے اتفاقیہ غلط بیانی کی کہ حافظ نہ ہونے کے باوجود کہہ دیا کہ میں حافظ ہوں، اور پھر ظاہر کر کے کہا کہ میں نے غلط کہا تھا اور توبہ کرلی کہ آئندہ جھوٹ نہیں بولوں گا، تو ان کے پیچھے نماز درست ہوگی (۱)، ہوسکتا ہے کہ حفظ کیا ہو مگر کچا یاد ہو کہ سنانے پر قابو نہ ہو۔ اب اگر اہلِ مسجد حافظ کو رکھنا چاہتے ہیں جو تراویح میں سنا سکے تو ان کو پورا اختیار ہے کہ وہ دوسرے امام حافظ کو تجویز کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۹۳ھ۔

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا

سوال [۲۵۰۴]: مسجد کے امام صاحب صرف نماز پڑھاتے وقت عمامہ باندھتے ہیں، کیا اس سے عمامہ کی سنت حاصل ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز بلا عمامہ کے بھی ثابت اور درست ہے، عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے اور پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإني لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ﴾ (سورة طه: ۸۲)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۶/۱، قديمي)

(۲) "أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۸/۱، ۵۵۹، سعيد)

(۳)" وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة و لا يكره الاكتفاء بالقلنسوة ولاعبرة=

امام کے لئے عمامہ

سوال[۲۵۰۵]: کیا امامت کے وقت عمامہ کا سر پر لپیٹنا لازم ہے اور اگر کوئی شخص بوقت امامت عمامہ نہ لپیٹے تو آیا اس کی نماز پڑھانا درست ہوگا یا نہیں اور عمامہ کا لپیٹنا سنت ہے یا کیا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے لیکن بلا عمامہ کے بھی بلا کراہت درست ہے(۱) البتہ جس جگہ عمامہ کا اتنا رواج ہو کہ بغیر عمامہ کسی معزز مجلس میں نہ جاتے ہوں بلکہ اپنے گھر سے بھی نہ نکلتے ہوں تو ایسی جگہ بلا عمامہ نماز پڑھانا اور پڑھنا مکروہ ہے، کذا فی نفع المفتی والسائل(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

= لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، و كذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتماً بعمامة و الإمام مكتفياً على قلنسوة يكره". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها : ١٦٩/١، سعيد)

"والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب قميص و إزار و عمامة وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به، تجوز صلاته من غير كراهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ٥٩/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ٤٦٨/١، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس في ستر العورة : ٧٣/١، امجد اكيڈمی لاهور)

(١) "والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص و إزار و عمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به تجوز صلاته من غير كراهة". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ٥٩/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ٤٦٨/١، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس في ستر العورة : ٧٣/١، امجد اكيڈمی لاهور)

(٢) "وأفاد الوالد العلّام في بعض تحريراته أنه تكره الصلوة بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بدون العمامة، بل و لا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، و أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلك فلا، و قد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم، والمقتدون متعممين، =

امام کے لئے عمامہ

سوال[۲۵۰۶]: کسی مسجد کا مقررہ امام عمامہ کے ہوتے ہوئے پنج وقتہ نماز یا جمعہ ٹوپی سے پڑھاتا ہے حالانکہ جماعت میں اکثر لوگ عمامہ باندھے ہوئے ہوتے ہیں اور جماعت بھی بضد ہے کہ امام عمامہ باندھ کر نماز پڑھائے مگر امام یہ کہہ کر کہ ٹوپی پہن کر بھی نماز ہوجاتی ہے کوئی حرج نہیں ہے ٹال دیتا ہے۔ ایسی حالت میں امام اور مقتدیوں کی نماز میں کراہت پیدا ہوگی یا نماز صحیح بلا کراہت سب کی ہوجائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا افضل ہے، بلا عمامہ صرف ٹوپی سے بھی بلا کراہت جائز ہے:

"والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص وإزار و عمامة، أما لوصلى في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كإزار الميت، تجوز صلوته من غير كراهة". كبيرى، ص: ۱۹۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ، صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

عمامہ کی مقدار

سوال[۲۵۰۷]: نماز کے وقت اکثر پیش امام ٹوپی پر کوئی کپڑا یا رومال لپیٹ لیا کرتے ہیں اور ایسا نہ کرنے والے کے ساتھ طعن وتشنیع سے پیش آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں پیش امام کو عمامہ باندھنا چاہیے۔

= فصلاتهم مكروهة، و هذا أيضاً زخرف من القول لا دليل عليه، فاحفظ". (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوى، ذكر المكروهات المتفرقة: ۴/۱۱۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) (الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، فروع في الستر، ص: ۲۱۶، سهيل اكيڈمى لاهور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ۱/۵۹، رشيديه)

(و كذا في نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوى، ذكر المكروهات المتفرقة: ۴/۱۱۲، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۸، رشيديه)

یہ فعل ان کا کیسا ہے؟ اگر کپڑا ٹوپی پر لپیٹے تو کتنا لمبا ہونا چاہئے، کیا اس کے لئے کوئی قید ہے؟ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مقتدی نصف سے زائد جماعت میں ہوں جو عمامہ باندھے ہوئے ہوں اور پیش امام ٹوپی پہنا ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔

ملا امیر علی معلم امام باڑہ، گاؤں قصابان کھنڈہ، محلہ املی پورہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز بغیر عمامہ کے بلا کراہت درست ہے(۱) تو پھر طعن و تشنیع کرنا بُرا ہے بلکہ اگر فعلِ مستحب کے ساتھ وجوب کا معاملہ کیا جائے تو اس کا ترک کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں بغیر عمامہ کے کبھی کبھی نماز پڑھانا ضروری ہے(۲) اور اگر تمام مقتدی بھی عمامہ باندھے ہوئے ہوں اور امام ٹوپی پہنے ہوئے ہو تب بھی نماز میں کراہت نہیں آتی۔

"وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين، فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضاً زخرف القول لادليل عليه". نفع المفتي والسائل، ص: ۳۷، ۳۸(۳)۔

---

(۱) "وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة و لا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، و كذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان متعمماً بعمامة والإمام مكتفياً على قلنسوة، يكره". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۱۹۹، سعيد)

"والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص و إزار و عمامة وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به، تجوز صلاته من غير كراهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلوة: ۱/۵۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۸، رشيديه)

(۲) "قال الطيبي في حاشية المشكوة: أن من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة هل يجهر بالذكر أم لا: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوى، ذكر المكروهات المتفرقة: ۴/۱۱۳، إدارة القرآن كراچي) =

اورٹوپی پررومال وغیرہ باندھنے سے عمامہ کی فضیلت حاصل نہ ہوگی جب تک سنت کے موافق عمامہ نہ ہو، اس کی مقدار سات ہاتھ ہے اور بعض اوقات بارہ ہاتھ عمامہ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

”كان له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عمامة قصيرة و عمامة طويلة، وإن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة كانت اثنى عشرة ذراعاً، انتهى. و ظاهر كلام المدخل أن عمامته كانت سبعة أذرع مطلقاً من غير تقييد بالقصير والطويل. والله أعلم“. جمع الوسائل شرح الشمائل: ۱/۲۰۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ، ۲۰/ جمادی الثانی/ ۵۲ھ، صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ۔

بلا عمامہ امامت

سوال[۲۵۰۸]: امام مسجد ہر نماز میں رومال باندھ کر نماز پڑھاوے مقتدی صافہ باندھے ہوں۔ یہ عمل ہر وقت پر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

رومال باندھ کر عمامہ باندھ کر ٹوپی اوڑھ کر ہر طرح نماز پڑھانا درست ہے چاہے مقتدی نے عمامہ باندھا ہو یا رومال باندھا ہو یا ٹوپی اوڑھی ہو کوئی صورت ناجائز نہیں، البتہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے میں زیادہ

= (وكذا في عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۱۶۹، سعيد)

(۱) (جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۰۷، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في مرقات المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني تحت حديث ركانة: ۸/۱۴۷، ۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذى، أبواب الصلوة، باب ما جاء في العمامة السوداء: ۱/۳۰۴، سعيد)

ثواب ہے، اسی طرح خود پڑھنے میں بھی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،　　صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بلاٹوپی وعمامہ امامت

سوال[۲۵۰۹]: ایک امام جب امامت کرنے لگا تو اس کے سر پر نہ پگڑی تھی اور نہ ٹوپی صرف ایک چادر تھی جو تمام بدن پر اوڑھی ہوئی تھی، ایک مقتدی نے امام سے کہا کہ اس طرح سے نماز مکروہ ہے، اس پر امام صاحب نے جواب دیا کہ میں اسی طرح پڑھاؤں گا جس کی مرضی ہو پڑھو اور جس صاحب کی مرضی نہ ہو، نہ پڑھو۔اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ننگے سر نماز پڑھنا اور پڑھانا جب کہ عمامہ اور ٹوپی موجود ہو مکروہ ہے، معزز لباس پہن کر نماز پڑھنا اور پڑھانا چاہئے، تاہم فریضہ صورتِ مذکورہ سے ادا ہو جاتا ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۳/۱۵ھ۔

صحیح :عبد اللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وقد سُئلتُ غیر مرة عن الصلوة بغیر عمامة هل تکره، کما هو المشهور بین العوام، فتجسّست فی کتب الفقه، فلم أجد سوی قولهم : والمستحب أن یصلی فی ثلاثة أثواب: إزار وقمیص و عمامة. وهو لا یدل علی کراهة الصحة بدونها، کما حرره بعض علماء عصرنا ظاناً أن ترک المستحب مکروه،وذلک لأنه قد صرح فی البحر الرائق وغیره أن ترک المستحب لاتلزم منه الکراهة ما لم یقم دلیل خارجی علیه". (نفع المفتی والسائل من مجموعة رسائل اللکنوی، ذکر المکروهات المتفرقة: ۱۱۲/۴، إدارة القرآن کراچی)

(الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثالث فی شروط الصلوة : ۵۹/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ۴۶۸/۱، رشیدیه)

(۲) "و صلاته حاسراً: أی کاشفاً رأسه للتکاسل، ولا بأس به للتذلل، و أما للإهانة بها، فکفر". (الدر المختار، کتاب الصلوة مکروهات الصلوة : ۶۴۱/۱، سعید) .... =

ٹوپی اور عمامہ سے نماز

سوال[۱۰ ۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل کے درمیان:

ٹوپی سے نماز پڑھانا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں (حوالہ کی سخت ضرورت ہے) اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی سے نماز پڑھانی مکروہ ہے اس کی کیا اصل ہے، اس میں اس قدر غلو کرنا کہ فساد پر آمادہ ہو جائیں کیا حکم رکھتا ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ٹوپی سے نماز پڑھنے کا ثبوت ہے تو مہربانی فرما کر حوالہ ضرور دیجئے کہ فلاں کتاب میں درج ہے۔ اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام: العارض: خلیل الرحمٰن مظاہری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں دو امر غور طلب ہیں:

اول: صرف ٹوپی کا بغیر عمامہ کے استعمال کرنا۔ **دوم:** صرف ٹوپی سے نماز پڑھانا یا امامت کے لئے عمامہ کا ضروری ہونا۔

سوامر اول کے متعلق عرض ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ: "فرق مابيننا و بين المشركين العمائم على القلانس" (۱)۔ گو اس حدیث پر ترمذی اور بخاری نے کلام کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے: "هذا

=(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۱۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وتكره الصلوة حاسراً رأسه إذا كان يجد العمامة، وقد فعل ذلك تكاسلاً و تهاوناً بالصلوة، و لا بأس به إذا فعله تذللاً و خشوعاً بل هو حسنٌ كذافي الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة و ما لا يكره : ۱/۱۰۶، رشيديه)

(۱) و تمام الحديث : "عن أبي جعفر بن محمد بن علي بن ركانة عن أبيه أن ركانة صارع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فصرعه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قال ركانة: وسمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "فرق ما بيننا و بين المشركين العمائم على القلانس". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في العمائم : ۲/۲۰۹، امداديه ملتان)

حدیث غریب وإسناده لیس بقائم"(۱) بخاری نے کہا: "ھو واہٍ" (۲) تاہم بذل: ۵۲/۵ میں لکھا ہے:

"مراد الحديث أن المشركين كانوا يعتمون على رؤوسهم من غير أن يكون تحت العمامة قلنسوة، و نحن نعمم على القلنسوة، ولأبي الشيخ عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: كان لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاث قلانس". الحديث (۳)۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شمائل میں نقل کیا ہے:

"قال: و روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم و يلبس العمائم بغير القلانس. قال الجزري رحمه الله تعالى: قال بعض العلماء: السنة أن يلبس القلنسوة والعمامة، فأما لبس القلنسوة بلا عمامة فهو زيّ المشركين"(٤)۔

اور صاحب فتح الودود نے شرح ابوداؤد میں اس طرح شرح کی ہے:

"أي أنهم يكتفون بالقلانس، وبه صرح القاضي أبو بكر في شرح الترمذي، ويحتمل عكسه"(٥)۔

---

(۱) و تمام العبارة: "هذا حديث غريب إسناده ليس بالقائم، ولا نعرف أبا الحسن العسقلاني و لا ابن ركانة". (جامع الترمذي، أبواب اللباس، باب: ۳۰۸/۱، سعيد)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳۱۸۹/۸، رقم الحديث ۵۸۴۹، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة رياض)

(۲) (لم أظفر به فيما بين يديّ من المصادر)

(۳) (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في العمائم: ۵۲/۵، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۴) (جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۰۷/۱، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، تحت حديث ركانة: ۱۴۷/۸، رشيديه)

(۵) (عون المعبود، كتاب اللباس، باب في العمائم: ۱۰۲/۱۱، رقم الحديث: ۴۰۷۴، دارالفكر، بيروت)

زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مواہب میں تحریر کیا ہے:

"قال ابن العربی: أی أن المسلمین یلبسون القلنسوة و فوقها العمامة، أما لبس القلنسوة فزیّ المشرکین"(۱)۔

اس کی تائید میں زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر نقل کیا ہے۔

"إن العمامة حاجز: أی ممیّز بین المسلمین؛ لأنهم یتعممون والمشرکین؛ لأنهم لا عمائم لهم"(۲)۔

کوکب میں ہے:

"إنا نعتم علی القلانس، و هم یکتفون بالعمائم، طیبی. و یحتمل عکس ذلك، بل رجحه القاری فی المرقاة، والأول الشیخ عبد الحق، اهـ" (۳)۔

امردوم کے متعلق بھی بہت کچھ وضاحت ہوگئی، مزید توضیح کے لئے چند عبارات اور نقل کرتا ہوں:

"کانت عمامته علیه السلام فی أکثر الأحیان ثلثة أذرع شرعیة، و فی الصلوات الخمس سبعة أذرع، وفی الجُمَع و الأعیاد اثنا عشر ذراعاً". العرف الشذی(٤)۔

"عن عمرو بن حریث عن أبیه عمرو حریث رضی اللّٰه تعالی عنه قال. "رأیت النبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم علی المنبر یخطب وعلیه عمامة سوداء". فیه الاستحباب لمن أراد

---

(۱) (شرح العلامة الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، النوع الثانی فی لباسه و فراشه: ۲۷۸/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، النوع الثانی فی لباسه و فراشه: ۲/ ۲۷۵، ۲۷۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) (الکوکب الدری، أبواب اللباس، فرق ما بیننا وبین المسلمین: ۱/ ۴۳۶، المکتبة الیحیویة، سهارنفور، الهند)

(۴) (العرف الشذی علی هامش جامع الترمذی، أبواب اللباس، باب ماجاء فی العمامة السوداء: ۱/ ۳۰۴، سعید)

الجمعة أن يعتمّ ويرتدى، والإمام آكد". بذل المجهود(۱)۔

"عن محمد بن المنكدر قال: رأيت جابر بن عبد الله يصلى فى ثوب واحد، و قال: رأيت النبى صلى الله تعالى عيه وسلم يصلى فى ثوب واحدٍ". بخارى شريف (۲)۔

"كان الخلاف فى منع جواز الصلوة فى الثوب الواحد قديماً، ثم استقر الأمر على الجواز". فتح البارى مختصراً (۳)۔

"والغرض بيان جواز الصلوة فى الثوب الواحد، و لو كانت الصلوة فى الثوبين أفضل". فتح(٤)۔

"والمستحب أن يصلى الرجل فى ثلثة أثواب: قميص وإزار و عمامة، أما لو صلى فى ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كإزار الميت، تجوز صلوته من غير كراهة". كبيرى (۵)۔

"سُئلت مرةً عن الصلوة بغير عمامة هل تكره، كما هوالمشهور بين العوام؟ فتجسّسته فى كتب الفقه، فلم أجد سوى قولهم: والمستحب أن يصلى الرّجل فى ثلاثة أثواب: قميص و إزار وعمامة، وهو لا يدل على كراهة الصحة بدونها، كما حرره بعض علماء عصرنا ظاناً أن ترك المستحب مكروه،وذلك لأنه قد صرح فى البحرالرائق وغيره أن ترك المستحب لاتلزم منه الكراهة ما لم يقم دليل خارجى عليه. و قد يستدل على الكراهة فيما نحن فيه بأن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم واظب على الصلوة مع العمامة.

---

(۱) وفى بذل المجهود برواية جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه عمرو بن ايضاً حديث آخر آه". (كتاب اللباس، باب فى العمائم: ۵/ ۵۱، معهد الخليل الاسلامى كراچى)

(۲) (صحيح البخارى، كتاب الصلوة، باب عقد الإزار على القفا فى الصلوة: ۱/ ۵۱، قديمى

"و ليس فى المتن لفظ: "واحد" من آخر لفظ الحديث بل هومن ألفاظ هامش البخارى)

(۳) (فتح البارى، كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا فى الصلوة: ۱/ ۲۱۷، قديمى)

(٤) (فتح البارى، كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا فى الصلوة: ۱/ ۲۱٦، قديمى)

(۵) (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فروع فى الستر، ص: ۲۱٦، سهيل اكيڈمى لاهور)

فإنه يعلم من الأخبار أنه كان يضع العمامة على رأسه دائماً لا سيما في الصلوة، نعم! كان يضعها بين يديه في بيته، والمواظبة دليل السنية، وخلاف السنة مكروه. و فيه أن المواظبة النبوية التي هي دليل السنية إنما هي المواظبة في باب العبادات دون العادات، كما في شرح الوقاية وغيره. و مواظبته على العمامة من قبيل الثاني، فلا يكون تركه مكروهاً، نعم! يكون الأولى الاقتداء به. وأفاد الوالد العلّام في بعض تحريراته: أنه تكره الصلوة بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكُبَراء بدون العمامة". نفع المفتي والسائل للعلامة اللكنوى، ص: ۷۰(۱)۔

"ومن أصر على مندوب و جعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان عن الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، وجاء في حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: "إن الله يحب أن تؤتى رُخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه، اهـ". سعاية (۲)۔

"الاصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة". سباحة الفكر (۳)۔

عبارات مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے:

۱-عمامہ مستحب ہے۔

---

(۱) (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوى، ذكر المكروهات المتفرقة: ۱۱۲،۱۱۳/۴، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة هل يجهر بالذكر أم لا: ۲۶۳/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) هذه القاعدة لم أجدها في سباحة الفكر بلفظها، بل المذكور هناك هكذا: "أو التزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام، من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر في مجموعة رسائل اللكنوى: ۳۴/۳، إدارة القرآن كراچى)

"قال الطيبي...... من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطن من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (السعاية ما في كشف الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲۶۳/۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

۲-یہ امر من حیث العادۃ ہے، من حیث العبادۃ نہیں۔

۳-عمامہ باندھ کرنماز پڑھانا اولیٰ اور مستحب ہے۔

۴-بلاعمامہ بھی نماز مکروہ نہیں۔

۵-حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بلاعمامہ نماز ثابت ہے۔

۶-امرواجب کا معاملہ امر مستحب کے ساتھ کرنا ناجائز ہے۔

۷-جن شہروں میں بلاعمامہ کے معزز مجالس میں جانا عار کی بات ہو وہاں نماز بھی بلاعمامہ مکروہ ہے۔

۸-کبھی کبھی مستحب کے مقابل رخصت یعنی محض مباح پر بھی عمل کرنا چاہئے، خاص کرایسی جگہ جہاں مستحب پر اصرار کیا جاتا ہو کہ اس سے مندوب حدِ کراہت تک پہنچ جاتا ہے، اس کی وجہ سے آمادۂ فساد ہونا تو بڑی جہالت اور گناہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۱۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

صرف ٹوپی سے امامت

سوال[۲۵۱۱]: امام صرف ٹوپی پہن کرنماز پڑھائے تو فقط امام ہی اس فضیلت سے محروم رہے گا جوصافہ باندھ کرنماز پڑھنے میں ہے یا مقتدیوں کو بھی امام کی ٹوپی کے سبب ثواب کم ملے گا، مقتدی خواہ صافہ باندھے یا ٹوپی پہنے ہوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب یہ فضیلت امام ہی کو حاصل نہیں ہوئی تو مقتدیوں کو کہاں سے حاصل ہوگی؟ ہاں! اگر مقتدی نے خود عمامہ باندھ کرنماز پڑھی ہے تو اپنے عمامہ کی افضلیت اس کو حاصل ہوگی، اگر امام عمامہ باندھے گا تو اس کی افضلیت بھی حاصل ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما تجزون ما كنتم تعملون﴾ (سورة الطور: ۱۶)

"أی ولایظلم اللہ أحداً بل یجازي كلاً بعمله". (تفسیر ابن کثیر: ۳۰۸/۴، دار الفیحاء دمشق)

شلوار قمیص پہن کر امامت

سوال[۲۵۱۲]: امام کو شلوار جوکہ ۲۴/۱ گز یا اس سے زائد کپڑے کی ہوتی ہے اور قمیص جیسا کہ آج کل عموماً رواج ہے پہننا منع ہے یا نہیں؟

محمد ادریس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں اکثر اوقات ٹخنے یا پیر ڈھک جاتے ہیں، مرد کو اتنی لمبی شلوار پہننا کہ جس سے ٹخنے یا پیر ڈھک جائیں ناجائز ہے اور نماز اس سے مکروہ ہوجاتی ہے۔ نماز میں پیر یا ٹخنے نہ ڈھکے، قمیص پہننا جائز ہے، لیکن کرتہ افضل ہے، ہر جگہ جو صلحاء کا لباس ہے وہ اختیار کرنا چاہئے، خصوصاً نماز وامامت کے وقت: "ولو ستر قدميه في السجدة، يكره". هندية، ص: ۱۱٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ۔

کرتہ کا بٹن کھول کر نماز پڑھانا

سوال[۲۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے کرتہ کا اوپر کا بٹن ہمیشہ کھلا رکھتا ہے اور اس طرح کھلے بٹن سے نماز مکروہ ہوتی ہے، جب لوگ اس سے کہتے ہیں کہ تم بٹن کیوں نہیں لگاتے؟ اس طرح کھلے بٹن سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟ تو جواب دیتا ہے کہ اوپر کا بٹن کھلا رکھنا مسنون ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص کی اوپر کی گھنڈی کا تکمہ لگا کر کبھی گلے کو بند نہیں فرمایا اور نہ ہی یہ عمل نماز میں کراہت پیدا ہونے کا باعث ہے۔ نماز میں سدل کو مکروہ کہا گیا ہے اور کرتہ کا گریبان بٹن نہ دے کر کھلا رکھنا سدل میں

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة ومالا يكره: ۱/۱۰۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۱، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: "ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ماأسفل من الكعبين ففي النار: ۲/۸۶۱، قديمي)

داخل نہیں، سدل میں چادر لمبا اچکن کی صورتیں آتی ہیں لیکن کرتہ کی یہ صورت سدل میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس کے مکروہ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ مزید براں ہے کہ اوپر کے بٹن سے کرتہ کا گلا کھلا رکھنا مسنون بھی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کے بٹن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کے گریبان کی اوپر کی گھنڈی کا تکمہ لگا کر بند نہیں فرمایا۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کی سند سے حوالہ کتاب وصفحہ بیان فرمائیے۔ اور آیا گریبان کرتہ کا اسی طریقہ پر کھلا رکھنا مسنون ہے یا نہیں؟ آیا نماز میں کرتہ کے اوپر کا بٹن کھلا رکھنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ آیا کرتہ کا گریبان کھلا رکھنا سدل میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید حسن ازامولہ، ضلع بریلی، معرفت ابوالخیر متعلم مدرسہ مظاہر العلوم، حجرہ نمبر: ۵ سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گریبان کی گھنڈی کا تکمہ نہ لگانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، معاویہ ابن قرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

"قال: أتیت رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم فی رهط من مزینة،فبایعناه وإن قمیصه لمطلق الأزرار: أی مفتوحها یعنی کان جیب قمیصه غیر مشدود. وکانت عادة العرب أن تکون جیوبهم واسعةً، فربمایشدونها، وربمایترکونهامفتوحة"(۱)۔

لیکن یہ آپ کی دائمی عادت نہیں، پس زید کا یہ کہنا کہ جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص کا اوپر کی گھنڈی کا تکمہ لگا کر کبھی گلے کو بند نہیں فرمایا محتاج دلیل ہے۔ البتہ اس حالت کو دیکھ کر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے بیٹے نے گھنڈی کھلی رکھنے کی عادت کرلی تھی:

"قال عروة فما رأیت معاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ولاابنه قط إلامطلقی أزرارهماقط فی شتاء ولاحر، ولایزرّان أزرارهما"(۲).

(۱) (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی حل الأزرار: ۵۲/۵، معهد الخلیل الإسلامی بهادر آباد کراچی)

(ومرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۳۶):۱۴۲/۸، ۱۴۳، رشیدیه)

(۲) (بذل المجهود، المصدر السابق)

نماز میں ایسا کرنا خلافِ اَولیٰ ہے، گوسدل میں داخل نہیں، سدل میں وہی چیزیں داخل ہیں جن کو زید نے بیان کیا ہے، فقہاء کرام نے کرتہ کی گھنڈی کا تکمہ نہ لگانے کو سدل میں ذکر نہیں کیا:

"(قوله: فمارأيت معاوية -رضي الله تعالىٰ عنه- إلى آخره) ولهذا وإن كان اختيار ماهوخلاف الأولى خصوصاً في الصلوة، لكنهما أحبا أن يكون على مارأياالنبي صلى الله عليه وسلم وإن كان إطلاق أزراره إذذاك لعارض، ولم يكن هذامن عامة أحواله صلى الله عليه وسلم، وذلك لمافيه من قلة المبالاة بأمرالصلاة إلا أن الكراهة لعلهالاتبقى في حق معاوية -رضي الله تعالى عنه- وابنه، لكون الباعث لهماحب النبي صلى الله عليه وسلم واتباعه فيمارأياه من الكيفية". بذل المجهود شرح أبي داؤد شريف: ٥٢/٥ (١).

قبا کی جوصورت سدل ہے وہ یہ ہے کہ:

"عن الفقية أبي جعفر الهندواني أنه كان يقول: إذاصلى مع القباء وهوغيرمشدودالوسط فهومسيئ، يعني ولوأدخل يديه في كميه، وينبغي أن يقيد بما إذالم يزر أزراره؛ لا يشبه السدل حينئذ، أماإذا زرّالأزرار، فقد التحق بغيره من الثياب في اللبس، فلاسدل فيه، فلايكره. وأما الأقبية الرومية التي يجعل لأكمامهما خروق عند أعلى العضد إذا أخرج المصلي يده من الخرق وأرسل الكمّ، فإنه يكره أيضاً لصدق السدل عليه". كبيري، ص: ٣٣٦(٢). فقط والله أعلم.

"وقد أخرج البيهقي في شعبه هذا الحديث .... من طريق آخرى: فرأيته مطلق القميص. وهذا يؤيد أن يكون رواية الأزرار بِرَائَيْنِ، لايلزم أن يكون له زراً".

"وعروة، بل المراد أن جيب قميصه صلى الله عليه وسلم كان مفتوحاً، بحيث يمكن أن يدخل فيه اليد من غير كلفة، ويؤيد هذاماذكره ابن الجوزي في الوفاء عن ابن عمر -رضي الله تعالىٰ عنهما- أنه قال: مااتخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم قميصاًله زراً،

---

(١) (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في حل الأزرار: ٥٢/٥، ٥٣، معهد الخليل الإسلامي بهادر آباد كراچي)

(٢) (الحلبي الكبير ،كراهية الصلوة، ص: ٣٤٨،سهيل اكيڈمي لاهور)

انتهى. قال ابن حجر -رحمه الله تعالى- تبعاً للعصام فيه حل لبس القميص وحل الزر فيه وحل إطلاقه". جمع الوسائل شرح شمائل ترمذي قلمي، ص: ۸۰(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک میں گھنڈی تھی ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ آپ نماز بھی اسی کرتے سے پڑھتے تھے، پس گریبان کھلا رکھنا بھی مسنون ہونا ثابت ہو گیا اور ایسی حالت میں نماز خلافِ اَولیٰ بھی نہیں، اور بذل المجہود میں اس روایت سے استدلال نہیں کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

وقت جماعت سے پہلے امام کی آمد

سوال[۲۵۱۴]: ہماری مسجد میں امام دانستہ اذان سن کر وقتِ مقررہ جماعت کے وقت آتا ہے، وقتِ جماعت سے دس پانچ منٹ قبل بھی اور عینِ وقت پر بھی، ایسی صورت میں کچھ لوگ خوش ہیں اور کچھ ناراض، ایسے امام کے پیچھے نماز کیسی ہے؟ یہ سوال لکھ کر مفتی صاحب کے پاس بھیجا، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ نماز ایسے امام کے پیچھے مکروہ ہے۔ ایک مولوی صاحب سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ امام کا اذان سنتے ہی مسجد میں آنا ضروری ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بخاری شریف "باب الأذان" میں حدیثِ نبوی ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے وقت بلانے مکان پر جاتے تھے(۲)۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

---

(۱) (جمع الوسائل في شرح الشمائل للملا علي القاري، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۱۳۶، إدارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "عن الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سكت المؤذن بالأولى من صلوة الفجر، قام فركع ركعتين خفيفتين قبل صلوة الفجر بعد أن يستبين الفجر، ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للإقامة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة: ۱/۸۷، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام ٹھیک وقت پر تیار ہوکر نماز کے لئے مسجد میں پہونچے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، وقت سے پہلے مسجد میں نہ آنے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی، البتہ اذان سن کر فوری تیاری شروع کردینا چاہیئے تاکہ عین وقت پر مقتدیوں کو انتظام کرنا پڑے(۱)۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کیلئے آنا بخاری شریف "باب من انتظر الإقامة"، ص: ۷۷، میں مذکور ہے(۲)۔ اور جس فتویٰ پر نماز کو مکروہ لکھا ہے بغیر اس کو دیکھے اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارن پور، ۳/۸/۵۳ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۴/ شعبان/۵۳ھ۔

جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے اس کو امامت جمعہ کے لئے تجویز کرنا

سوال[۲۵۱۵]: دو مسجدوں کے اماموں میں ایک امام روزانہ چار وقت نماز پڑھتا ہے، صبح کی نماز نہیں پڑھتا قضا پڑھتا ہے، دوسرا امام باقاعدہ پنجگانہ نماز کا پابند ہے۔ اب دونوں اماموں میں نماز جمعہ کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے، کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص پانچوں نمازوں کو وقت پر ادا کرتا ہے، اور اس میں امامت کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں اس

---

(۱) "ولو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الإجابة، ولو كان خارجه أجاب بالمشي إليه بالقدم، ولو أجاب باللسان، لابه (أي لابالقدم)، لايكون مجيباً، وهذابناء على أن الإجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه، كما هو قول الحلواني وعليه". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أجاب بالمشي إليه): أي لئلا تفوته الجماعة، فيأثم كماقررناه انفاً، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۱، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۵۶، رقم الحاشية: ۲)

کوہی امام جمعہ تجویز کیا جائے اور جو نماز قضا کرنے کا عادی ہے اگر چہ ایک ہی وقت کی قضا کرتا ہو، اس کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

کیا امام صاحب کو پابندی ضروری ہے؟

سوال[۲۵۱۲]: شہر کی دینی ضروریات اور جامع مسجد کی امامت کے لئے ایک مولوی صاحب کا تقرر کیا گیا جن کی تنخواہ کا نصف سے زائد حصہ اوقاف کی آمدنی سے دیا جاتا ہے، نیز جامع مسجد کے وقف کی آمدنی سے پچاس روپیہ ماہوار اور اسی حیثیت کے کرایہ کے مکان جو کہ جامع مسجد کے لیے وقف ہے، مولوی صاحب موصوف کو بغرض رہائش دیا گیا ہے، لیکن مولوی صاحب موصوف نہ تو نماز کے اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ قرآن پاک کا ترجمہ وغیرہ نہ امامت، طبیعت چاہی تو نماز پڑھادی ورنہ جہاں چاہا نماز پڑھ لی۔ نیز دوسرے تیسرے مہینہ، ہفتہ عشرہ کی چھٹی منالی اور پھر گھر آ گئے، خورجہ رہتے ہوئے بھی طبیعت چاہی تو قرآن پاک کا ترجمہ کر دیا ورنہ نہیں، ہر معاملہ میں گویا آزاد ہیں۔ آیا ایسی صورت میں مولوی صاحب کو وقف کی آمدنی سے تنخواہ لینا یا مسجد کے مکان میں رہنا جائز ہے؟ جبکہ مولوی صاحب کے اس عمل سے مسجد کے نمازی صاحبان کو تکلیف ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت اور ترجمہ کا جو کچھ مولوی صاحب سے معاہدہ ومعاملہ کیا گیا ہے، اس کی پابندی لازم ہے (۲)

---

(۱) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، شركت علمية، ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (النساء: ۱)

اتفاقیہ کبھی کوئی سخت ضرورت پیش آجائے اوراس کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکیں یا ترجمہ نہ کریں تو قابلِ مسامحت ہے، اس پر زیادہ داروگیر نہ کی جائے، لیکن آزادی کی عادت بنالینا اور اپنی ذمہ داری کومحسوس نہ کرتے ہوئے طبیعت چاہنے پر کام کرنا شرعاً درست نہیں، اس سے ان کی تنخواہ خالص حلال کی نہیں رہے گی (۱) اور متولی صاحب کوبھی پوری دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

غیر پابندِ وقت کی امامت

سوال[۲۵۱۷]: زید پیش امام ہے وہ اپنی گذر اوقات کیلئے تجارت بھی کرتا ہے، لیکن اس کا معاملہ اچھا نہیں، اکثر اشخاص ان سے شاکی ہیں، اکثر اوقات اپنی مصروفیت کی بناء پر جماعت بھی دیر سے ہوتی ہے اور نمازیوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید کے پیچھے نماز مکروہ ہے، بہتر ہے کہ غیر محلّہ میں نماز ادا کی جائے۔ بکر کا یہ کہنا ازروئے شرع کہاں تک صحیح اور درست ہے ایسے امام کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی تو جو نمازیں آج تک پڑھی ہیں ان کو لوٹایا جائے؟ اگر مکروہ ہوتی ہیں تو تحریمی یا تنزیہی؟ احکامِ شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔

احقر الناس محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلّماً:

معاملہ کیا اچھا نہیں، اکثر لوگ کس بات کے شاکی ہیں، اگر وہ کوئی گناہ کی بات اور خلاف شرع کام ہے

---

(۱) "لكن ليس له أن يمتنع عن العمل وإذا امتنع، لا يستحق الأجرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، (رقم المادة: ۴۲۵): ۱/۲۳۹)

(۲) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ماعمل". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۷۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة: ۱/۲۳۷، رقم المادة: ۴۴۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

تو زید کو اس سے توبہ ضروری ہے(۱) اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو امام بنانا منع ہے بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا شخص موجود ہو(۲)۔ اگر وہ گناہ کی بات نہیں اور نہ خلافِ شرع کام ہے تو اس سے امامت میں نقصان نہیں آتا۔ اپنی مسجد کو چھوڑنا اور دوسری مسجد میں جانا گویا اپنی مسجد کو ویران کرنا ہے، اس لئے جب تک اپنی مسجد میں نماز صحیح ہو سکتی ہے مستقلاً اس کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا ناجائز ہے(۳)۔

اور گذشتہ نمازوں میں سے اگر کسی نماز کے فساد کا علم ہو تو اس کا اعادہ ضروری ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) قال تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحریم: ۸)

"عن الأغرّ المزنی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "﴿یأیها الذین امنوا توبوا إلی الله﴾ فإنی أتوب إلیه فی یوم مأة مرةً". رواه مسلم".

"وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله علیه". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۳، قدیمی)

(۲) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدرالمختار).

"فإن أمکن الصلوة خلف غیرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولیٰ من الانفراد. (قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة؛ ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی واٰکل الربوا ونحو ذلک. آه". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۴، امدادیه ملتان)

(۳) "قلت: لکن فی الخانیة: وإن لم یکن لمسجد منزله مؤذن، فإنه یذهب إلیه ویؤذن فیه ویصلی وإن کان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً علیه، فیؤدی. حقه مؤذن مسجد لایحضر مسجده أحد، قالوا: هو یؤذن ویقیم ویصلی وحده، وذلک أحب من أن یصلی فی مسجد آخر. آه". ثم ذکر مامر عن الفتح: ولعل مامر فیما إذ صلی فیه الناس فیخیر، بخلاف مالذا لم یصل فیه أحد؛ لأن الحق تعین علیه". (ردالمحتار،=

وقت کی پابندی نہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۱۸]: ایک پیش امام نماز کے ٹائم کی پابندی نہیں کرتا۔ان سے ایک دو دفعہ کہا بھی گیا ہے،انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ان کے پیچھے نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام صاحب کو چاہئے کہ وقت مقررہ کی پابندی کیا کریں۔مقتدیوں کو پریشانی نہ ہونے دیں۔جب وقتِ جائز میں نماز پڑھا دیتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۸۹/۹/۴ھ۔

امام کے پابندی نہ کرنے کی وجہ سے مقتدیوں کا دوسری مسجد میں جانا

سوال[۲۵۱۹]: مسئلہ ہے کہ محلّہ کے قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔اگر امام وقت کا تعین نہ کرتا ہو تو کیسا ہے؟ دوسرے محلّہ کی مسجد میں جماعت کی غرض سے مقتدی پہنچا،عینِ جماعت کے وقت معلوم ہوا کہ امام صاحب نہیں ہیں بغیر اطلاع گئے ہیں اور اکثر ایسا ہو جاتا ہے اور دوسرا کوئی نماز پڑھانے والا نہیں،نہ مقتدیوں میں اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی کو چن لیں،اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ پابند جماعت مقتدی کی جماعت جاتی رہتی ہے،کیونکہ دوسری مسجد کا بھی وقت نکل جاتا ہے۔ایسی حالت میں مقتدی پیشتر ہی سے دوسری مسجد کی راہ اختیار کرے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر وقت کی پابندی نہ کرنے سے امام کے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

امام صاحب کا بغیر اطلاع کے اور بغیر جماعت کا انتظام کئے اکثر چلا جانا جس کی وجہ سے مسجد میں جماعت ہی نہ ہو بہت بُرا ہے،امام صاحب کو خود بھی اس کا خیال رکھنا لازم ہے اور سب نمازی اس کا انتظام کریں

= كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثامن في الحث على الجماعة: ۱/۲۲۸، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراچی)

ورنہ جماعت کی پابندی کی خاطر نمازیوں کے دوسری مساجد میں چلے جانے سے مسجد کے ویران وغیر آباد ہونے کا اندیشہ ہے، سب نمازیوں کا اس طرح محلّہ کی مسجد کو غیر آباد کر کے دوسری مسجد میں جانا بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو امام نماز میں تاخیر کرے اسکی امامت

سوال[۲۵۲۰]: رمضان کے مہینے میں امام عصر کے وقت کپڑا فروخت کر رہے تھے جس کی وجہ سے پندرہ منٹ تاخیر ہونے پر ایک نمازی کے توجہ دلانے پر ماں کی گالی دیتے ہوئے کہا کہ کیا نماز پڑھنے کو دوسری مسجد نہیں ہے جو یہاں آئے ہو، دیر ہوگئی تو ہو جانے دو۔ کیا ایسا امام امامت کے لائق ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

امام کی یہ روش غلط ہے، اگر وہ اصلاح نہ کرے تو امامت سے علیحدہ کیے جانے کے لائق ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شخص کا دو مسجدوں میں امامت کرنا

سوال[۲۵۲۱]: ایک شخص یا ایک امامِ مسجد دو مسجدوں میں ایک وقت کیسے امامت واقامت کرا سکتا

---

(۱) "قلت: لكن في الخانية: وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاًعليه، فيؤ دى حقه. مؤذن لايحضر مسجده أحد، قالوا: هو يؤذن ويقيم ويصلي وحده، وذاک أحب من أن يصلي في مسجد آخر الخ .... ثم ذكره مامر عن الفتح، ولعل ما مر فيما إذا صلى فيه الناس فيخير، بخلاف ما إذالم يصل فيه أحد؛ لأن الحق تعين عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(۲) "ويعزل به إلا لفتنة". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله ويعزل به): أى بالفسق لوطرأعليه، والمراد أنه يستحق العزل كما علمت آنفاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۴۹، سعيد)

ہے؟ کسی امام کو ایک ایسی مسجد ملی ہوتی ہے کہ جس کی آمدنی کے لئے پچاس چالیس بیگہ زمین صحرائی ملک ہے اور اس میں ایک باغ اور تکیہ جس کی آمدنی امام مذکور اپنے خرچ میں لاتے ہوں اور اس تکیہ و باغ میں ایک مزار بھی ہے جس کا چڑھاوا وغیرہ بھی امام صاحب لیتے ہوں۔ اس باغ کی مسجد کی امامت واقامت امام صاحب مذکور پر فرض ہے یا نہیں اور پھر یہ امام صاحب اپنی طمع نفسی کی وجہ سے بستی کی مسجد کے امام بھی رہتے ہیں، ایسے شخص کے ساتھ یا پیچھے نماز درست یا جائز ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ایک شخص کو معاوضہ مقرر کر کے ایک مسجد کی امامت کے لئے رکھا ہو تو اس مسجد کی امامت اس کے ذمہ ضروری ہے، اس مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسری مسجد میں امامت کے لئے جانا ناجائز ہے، اگر اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر امامت کرائے گا تو وہ اس معاوضہ مقررہ کا مستحق نہ ہوگا (۱)۔ اگر امام مذکور ایک ہی نماز دو مرتبہ دو مسجدوں میں پڑھاتا ہے تو دوسری نماز درست نہیں ہوتی، فرض نماز مقتدیوں کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ بدستور ذمہ میں باقی رہتی ہے۔ مزار کا چڑھاوا لینا ناجائز ہے اور اس پر چڑھانا بھی ناجائز ہے (۲). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ کاملپوری۔

---

(۱) "و ليس للخاص أن يعمل لغيره، و لو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير : ۶/۷۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة : ۴/۴۱۶، ۴۱۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير : ۶/۱۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام، و قد ابتلى الناس بذلك". (الدر المختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم : ۲/۴۳۹، سعيد)

چونکہ امام کی اول مرتبہ فرض ادا ہوگئی ہے، دوسری مرتبہ امام کی نماز نفل ہوگی، اور مقتدیوں کی فرض اور یہ جائز نہیں "و لا مفترض بمتنفل اھ" درمختار: ۱/۳۸۶(۱)۔

امامت کے ساتھ دوسرا کام کرنا

سوال[۲۵۲۲]: میں ایک بستی میں امامت کا کام کرتا ہوں پچاس روپیہ ماہوار پر مگر عزت نہیں ہے، نیز خواہشِ نفسانی بڑھ جاتی ہے، جب گھر پر ہوتا ہوں نفس بھی تابع رہتا ہے اور دل چاہتا ہے کوئی فری کام کروں۔ اب بتلایئے کہ میں کیا کروں؟ جب کہ امامت ۱۲/ سال سے کرتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت کو محض پیٹ پالنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ دینی خدمات، مسجد کی آبادی، جماعت کی پابندی، خدا کی رضامندی کی نیت ہونی چاہئے، اگر تنخواہ میں گذارہ نہیں ہوتا تو کوئی دوسرا بہتر کام کر سکتے ہیں، اپنی مصالح کو خود ہی سمجھ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقتِ ملازمت میں امامت کرنا

سوال[۲۵۲۳]: ایک شخص زید سرکاری ملازم ہے ملازمت کے ساتھ ساتھ امامت بھی کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وقت ملازمت میں امامت کرنا یا اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بلا اجازت سرکار وقت ملازمت میں کار ملازمت کا حرج کر کے اذان و امامت کے فرائض انجام

=(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

دیتا ہے تو اجازت نہیں، اگر حرج نہیں کرتا تو اجازت ہے(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٣/٢/٩٥ھ۔

جو امام صاحبِ وقار نہ ہو اس کی امامت

سوال[٢٥٢٤]: وہ امام جس کا وقار جماعت میں نہ ہو کیسا ہے، نیز مسائل کے بتانے کے بعد بھی نہ مانے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ پابندِ شریعت اور متبعِ سنت ہے تو ٹھیک ہے(٢) اور پھر جو لوگ وقار نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں، ان کو اپنی اصلاح ضروری ہے، اگر امام پابند نہیں تو اس کو اپنی اصلاح لازم ہے، صحیح مسائل کو تسلیم نہ کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام صاحب کا گھر گھر کھانا

سوال [٢٥٢٥]: ہمارے یہاں امام مسجد تمام گھروں میں فرداً فرداً کھانا کھاتے ہیں اور کوئی شخص مصلی کی دعوت کرتا ہے یعنی فقیروں کی، تو کیا امام صاحب کی بھی دعوت کرسکتا ہے؟ امام صاحب کے لیے ایسی

---

(١) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوى النوازل".

(الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ٦/٧٠، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الكتاب الثاني في الإجارة، (رقم المادة: ٤٢٢): ١/٢٣٧، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب ضما ن الأجير: ٣/٣٠٨، إمداديه، ملتان)

(٢) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً و تجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٥٧، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/١٢١، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ١/١٠٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

دعوت میں کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کے کھانے کا انتظام مشترکہ طور پر گاؤں والے اس طرح کریں کہ دن مقرر کرلیں کہ فلاں روز فلاں شخص کے مکان پر کھانا ہے، فلاں شخص کے مکان پر ہے تو یہ درست ہے پھر چاہے تو امام صاحب کو مکان پر بلا کر معزز مہمان کی طرح کھانا کھلا دیا کرے، چاہے امام کے مکان پر یا حجرہ میں جہاں وہ ہوں بھیج دیا کریں، جس طرح رضامندی سے طے ہوجائے، کسی کو ثواب پہونچانے کیلئے اگر غریبوں کو کھانا کھلانا ہو تو امام صاحب کو وہ کھانا نہ کھلایا جائے جو امامت کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام صاحب کا مقرر شدہ کھانا لانے کیلئے گھر گھر جانا

سوال [۲۵۲۶]: ہمارے محلے کی مسجد میں جو امام نماز پڑھاتے ہیں منجانب محلہ کھانے کا انتظام ہے جس کو اب تک خود امام صاحب محلے کے گھروں پر جاکر لاتے ہیں، بسا اوقات ایک وقت کے کھانے کے لئے ان کو بار بار دروازہ یا زنجیر کھٹکھٹانا پڑتا ہے اور ایسا بھی کثرت سے ہوتا ہے کہ اہل خانہ کی طرف سے بے جا کلمات تک سننا پڑتا ہے۔ تو کیا امام صاحب کے لئے مناسب ہوگا کہ مسجد کے متولی صاحب سے کھانیکا معقول نظم کرائے؟ کیونکہ مسجد کی اپنی جائیداد اور معقول آمدنی بھی ہے، اسی طرح مؤذن صاحب کو علاوہ کھانے کے دس روپیہ ماہوار مسجد کے سرمایہ سے دیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت یقیناً امام صاحب کے منصب کے خلاف ہے، متولی صاحب ان کا انتظام کریں اور کھانا امام صاحب کے پاس پہونچا دیا کریں، امام صاحب کو خود در بدر نہ پڑے، اور جب کہ مسجد کی آمدنی میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دے رکھی ہے تو امام صاحب کے لئے تنخواہ کا انتظام بھی کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي القنية: يجوز صرف شيئٍ من وجوه مصالح المسجد إلى الإمام إذا كان يتعطل، لولم يصرف إليه يجوز صرف الفاضل عن المصالح إلى الإمام الفقير بإذن القاضي. لابأس بأن يعين شيئاً من =

دوسرے کے گھر پان لگا کر کھانے والے کی امامت

سوال[۲۵۲۷]: ہمارے گاؤں میں ایک عالم بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور امام صاحب بھی ہیں، کبھی کبھی ظہر وعصر مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور کبھی مسجد میں، اسی لئے ان کا انتظار نہیں کیا جاتا ہے۔ایک دن کا ذکر ہے عصر کی نماز پڑھ کر ایک آدمی کا دروازہ بند تھا، مولوی صاحب دروازہ کھول کر پان کھا کر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ چچا جب بھی ہمارے گھر میں ہوتا ہے تب پان لگا کر کھا لیتے ہیں، اتنا مہنگا پان ہے۔جس کو کھانا ہو وہ اپنے پاس رکھے، اور ابھی کوئی دیکھے گا تو ہمارے اوپر الزام لگائے گا، یہ آواز جب ہم نے سنی تو ناظم سے کہا، اور چار چھ آدمیوں سے کہا کہ ان کو پچاس روپے تنخواہ ملتی ہے اور تین روپے پان کو ملتا ہے تو ان کا خیال منتشر ہو گیا۔ہم سب کو اکھٹا کیا سب کی رائے ہوئی کہ ان صاحب کو بلایا جائے وہ پنچائت میں پہنچ گئے، ہم نے کہا کہ مولوی صاحب کا گھر پانچ کوس پر ہے، ان کے گھر میں پان لگا کر کیوں کھالیا ہے، تب انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب کو نہیں نکالیں گے، تب انہوں نے ہم پر جوتا اٹھایا اور گالی دی کہ اس کا جواب دیجئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بے تکلفی کی بناء پر اگر پان وہاں سے کھالیا اور یہ ناگوار ہے تو امام صاحب کو کہد یا جائے کہ آپ کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں، آئندہ ایسا نہ کریں (۱)، ان امام صاحب کو بھی چاہیے کہ ایسی روش اختیار نہ کریں، جس سے ان کے وقار کو نقصان پہنچے، بہر حال اتنی بات کو سمجھا کر ختم کیا جا سکتا ہے، یہ ایسی چیز نہیں جس سے امام صاحب کو بدل کر دوسرا امام بلانا ضروری ہو، آپس کا اختلاف نہایت خراب نتائج پیدا کرتا ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

= مسبلات المصالح للإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۱۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿أو صديقكم﴾ (سورة النور: ۶۱) أى: بيوت أصدقائكم وأصحابكم ﴿فلاجناح عليكم﴾ في الأكل منها ﴿إذا علمتم﴾ أن ذلك لا يشق عليهم ولا يكرهون ذلك". (تفسير ابن كثير: ۳/ ۴۰۷، دار الفحياء دمشق)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾. (سورة الأنفال: ۴۶)

امام صاحب کا کھانا

سوال[۲۵۲۸]: ہمارے یہاں ایک مدرس ہیں جو اپنے آپ کو عالم کہلاتے ہیں، لیکن ان کے کارنامے ایسے ہیں کہ اکثریت اس کے خلاف ہے، صرف چار پانچ آدمی کو جو کارکن بنے ہوئے ہیں انہوں نے زبردستی روک رکھا ہے اور جھگڑا ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ کھانے میں انکی کچھ ایسی شرطیں ہیں جو غریب عوام برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کی عمر ۳۵/ سال ہے، شادی ابھی تک نہیں کی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جہاں پر اتنے لوگ ناخوش ہوں امام صاحب کو خود ہی استعفیٰ دینا نہیں چاہیے۔ وضاحت کے ساتھ لکھیں تا کہ عوام وامام خود سمجھ لیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے متعلق آپ نے اتنا ہی لکھا ہے کہ ان کی کھانے کی شرائط ایسی ہیں جن کو غریب عوام برداشت نہیں کر سکتے تو یہ کچھ لڑائی اور اختلاف کی بات نہیں، اگر وہاں کے لوگ ان کی شرائط کے موافق کھانا نہیں دے سکتے، وہ عذر کر دیں (۱)، جو لوگ دے سکتے ہیں وہ اپنے ذمہ کھانا متعین کر لیں، غرض جھگڑے سے بچنا لازم ہے(۲)۔ اگر امام میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو جس سے امامت میں نقصان آتا ہو تو جو لوگ انکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ قصوروار ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۸/۱/۹۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

(۲) قال تعالىٰ: ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة: من تقدم قوماً وهم له كارهون". "قال الشوكاني في النيل: وأحاديث الباب يقوى بعضها بعضاً فينتهض للاستدلال بها على تحريم أن يكون الرجل إماماً لقوم يكرهونه .... وقد قيد بعض اهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعى فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة، بها .... قال فى الدر المختار ولوأمّ قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أولأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذالک تحريماً".

(بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم قوما وهم له كارهون: ۱/۳۳۴، إمداديه، ملتان)

غیر شادی شدہ کی امامت

سوال[۲۵۲۹]: ایک شخص رنڈوہ ہے اور ذی علم عاقل بالغ جوان عمر مرد ہے، نامرد بھی نہیں ہے، ایسے شخص کو ہمیشگی کے لئے پیش امام بنانا کیسا ہے؟ شادی کا نام بھی نہیں لیتا ہے، کیا نماز شادی شدہ شخص کے پیچھے پڑھنے جیسی فضیلت وشان رکھتی ہے یا کچھ فرق ہے، عند الشرع الشریف؟ جواب از حوالہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو شہوت کا غلبہ نہیں تو اس کے ذمہ شادی ضروری نہیں (۱) اور اس سے اس کی امامت میں خلل نہیں آتا، البتہ اگر اس کو شہوت کا غلبہ ہے اور خیالات پراگندہ رہتے ہیں تو بہ نسبت اس کے ایسے شخص کو امام بنانا افضل ہے جس کے بیوی موجود ہے اور خیالات پراگندہ نہیں رہتے بلکہ اس کو اطمینان حاصل ہے اور امامت کی اہلیت بھی رکھتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رجب/ ۵۶ھ۔

بے شادی شدہ کی امامت

سوال[۲۵۳۰]: ہماری مسجد کے پیش امام نماز روزہ کے پابند، فقہ حنفی سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں، اس وقت ان کی عمر ۵۰/، یا ۵۵/ برس کے درمیان ہوگی، لیکن وہ ابھی تک شادی نہیں کیے، ان کی امامت کے متعلق یہاں کے لوگوں میں شکوک پائے جاتے ہیں۔ از روئے فقہ حنفی ایسے امام کی امامت درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ویکون (أی النکاح) سنةً حال الاعتدال". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۱/۳۱۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وفی الأشباه قبیل ثمن المثل: ثم الأحسن زوجةً، ثم الأکثر مالاً، ثم الأکثر جاهاً". (الدر المختار)

"(قوله: ثم الأحسن زوجةً)؛ لأنه غالباً یکون أحب لها وأعف لعدم تعلقه بغیرها". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، سعید)

تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس امام کی عمر ۵۰/ یا ۵۵/ برس کی ہے اور اس نے شادی نہیں کی اس کو شادی کی ضرورت بھی نہیں، اور اس میں امامت کی اہلیت ہے تو اس کو شادی نہ کرنے کی وجہ سے اس کی امامت میں خرابی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/ ۹۶ھ۔

جس کی بیوی نہ ہو اس کی امامت

سوال[۲۵۳۱]: زید اور اس کے بھائی دونوں ادھیڑ عمر میں ہیں لیکن نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں۔ زید کا عذر یہ ہے کہ ماں کی خدمت نہ بیوی کر سکتی ہے، نہ اس کے مزاج کو سمجھ سکتی ہے، نہ نباہ سکتی ہے، اس لئے میں شادی نہیں کرتا۔ لہذا ایسی صورت میں ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور زید کی شادی ہوئی تھی، مدت ہوئی بیوی کو مرے۔ ایسی حالت میں کیا امامت کر سکتا ہے؟ اور اگر زید کی شادی ہوئی ہی نہیں تو اس کا ایسی حالت میں امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اخلاق وعادات واعمال مطابقِ سنت ہیں تو ان کی امامت میں یہ چیز مانع نہیں، ان کے پیچھے نماز درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) غیر شادی شدہ ہونا کوئی عیب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے امامت ناجائز ہو، تاہم شادی شدہ شخص کو امام بنانا بہتر ہے:

"ثم الأحسن زوجة". (الدر المختار). وفي رد المحتار:" (قوله: ثم الأحسن زوجة)؛ لأنه غالباً يكون أحب لها وأعفّ لعدم تعلقه بغيرها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/ ۵۵۸، سعيد)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خُلقاً، ثم الأحسن وجهاً، ثم الأشرف نسباً، ثم الأنظف ثوباً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، =

جس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں اس کی امامت

سوال[۲۵۳۲]: ایک شخص کی موقوف علیہ تک تعلیم ہے اور عمر اٹھارہ سال سے متجاوز ہے، نیز ٹھوڑی کے اوپر اور نیچے کچھ بال نکل رہے ہیں، باقی جگہ پر بال نکلنے کا امکان کم ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟ اور اگر باقی جگہ پر بال نکلنے کا امکان ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وہ شخص جس کی عمر اٹھارہ سال سے متجاوز ہو چکی ہے اور ٹھوڑی کے اوپر نیچے کچھ بال نکلے ہوں اور باقی حصہ چہرہ میں بال نکلنے کا امکان کم ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گول داڑھی اس کی نہیں ہوگی اور وہ نماز کے مسائل سے بھی اچھی طرح واقف ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت نہیں:

"قد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن؛ لأنه ليس من مستديري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا؟ فأجاب السيد العلامة أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن مثل هذه المسئلة، فأجاب بالجواز من غير كراهة".

شامی: ۱/۵۸۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۸۸ھ۔

امامت کے وقت اپنی عاجزی کا اعتراف

سوال[۲۵۳۳]: جب کبھی اتفاق سے امامت کا موقع ملتا ہے تو میں مصلی پر کھڑے ہو کر نیت

= باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس الكلام في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۰، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

باندھنے سے پہلے اپنے دل میں خیال کرلیتا ہوں کہ ”یا اللہ! میں اپنی ناقص توحید وایمان اور طہارت کے ساتھ تیرے ان بندوں کے بیچ میں واسطہ بن کر کھڑا ہوتا ہوں، اسے معاف فرما اور میری نماز میں خشوع وخضوع عطاء فرما“ اس کے بعد نیت باندھتا ہوں۔ اس کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز شروع کرنے سے پہلے اس طرح اپنی عاجزی اور کمزوری کے اعتراف کا اظہار مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۱۲/۸۱ھ۔

عربی لہجہ میں اذان دینے والے کی امامت

سوال[۲۵۳۴]: زید خالی از ریاء اور بغیر دنیاوی غرض کے شائقینِ عربی لہجہ کے اصرار پر خود ثواب کی نیت رکھتے ہوئے عربی لہجہ سے جانکاری کے مطابق لہجہ مذکورہ میں بآوازِ بلند لاؤڈ اسپیکر سے اذان پڑھتا ہے۔ آیا زید کا یہ عمل شرعی نقطۂ نگاہ سے حرام ہے یا ناجائز یا مکروہ ہے یا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے جو کہ ایک جائز امر کو ناجائز یا مکروہ قرار دے کر عوام کو نیک کام سے برگشتہ کرے یا فتنہ پیدا کرنے کے حالات پیدا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان شریعت کا بہت شاندار حکم ہے، اس لئے بلند جگہ بلند آواز سے مستحب اور مستحسن ہے، جہاں ضرورت ہو وہاں لاؤڈ اسپیکر پر اس کی اجازت ہے تاکہ دور تک آواز پہونچ سکے (۲)۔ عربی لہجہ بھی مندوب

---

(۱) چونکہ نماز میں اصل خشوع وخضوع ہے اور خشوع وخضوع ایسے توجہات سے حاصل ہوتی ہے، اسلئے اپنے آپ کو متوجہ کرنے کے لئے اس طرح کیا جاوے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے: قال اللہ سبحانہ تعالیٰ: ﴿قد أفلح المؤمنون الذین هم في صلاتهم خاشعون﴾. (سورة المومنون: ۱، ۲)

(۲) ”(قوله: في مكان عالٍ)، في القنية: ويسن الأذان في موضع عالٍ .... وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۵/۴۴۳، ۴۴۴، رشيديه)

ہے، اس کو منع کرنا غلط ہے۔ جو شخص اس کو ناجائز کہتا ہے اس سے ناجائز ہونے کی دلیل طلب کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۰ھ۔

سری قرأت میں تیز اور جہری میں ٹھہر کر پڑھنے والے کی امامت

سوال [۲۵۳۵]: جو امام جماعت کی نماز سکون کے ساتھ پڑھتا ہو اور تنہا بہت جلد جلد پڑھتا ہو اس کی امامت کا کیا حکم ہے، کیوں کہ بظاہر اس کا ظاہر و باطن ایک نہیں، ایسے ہی اکثر امام قرأت والی دو رکعتوں میں تو قرآن شریف ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے دیر تک پڑھتے ہیں اور باقی ایک یا دو رکعت بہت جلد پڑھتے ہیں، بعض بعض تو اتنی جلدی پڑھتے ہیں کہ آدھی الحمد بھی کوئی مشکل سے پڑھ سکے۔ کیا ایسے کی امامت بلا کراہت جائز ہے کیوں کہ وہ عوام کی نماز خدا کے ہاں پیش کرنے کا وکیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آہستہ پڑھتے وقت جلد پڑھنا اور زور سے پڑھتے وقت ٹھہر کر پڑھنا ایسا فعل نہیں جس کی وجہ سے امامت ناجائز ہو، اگر چہ امام کو چاہئے دونوں طرح پڑھتے وقت قواعد و آداب قرآن شریف کی رعایت رکھے(۱)۔ بحالتِ امامت سکون کے ساتھ پڑھنے اور بحالتِ انفراد جلد پڑھنے سے بھی امامت میں خرابی نہیں

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة صحةً وفساداً بشرط اجتنابه عن الفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع". (الدرالمختار).

"(قوله: ثم الأحسن تلاوة وتجويداً) .... ومعنى الحسن فى التلاوة أن يكون عالمًا بكيفية الحروف والوقف وما يتعلق به". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۷، ۶۰۸، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۷، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

آتی (۱) اور اس وجہ سے اس کی نیت پر حملہ کرنا کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں یہ بھی ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۵/ ۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ ۵/ ۱۳۵۸ھ۔

رکوع سجدہ میں جلدی کرنے والے کی امامت

سوال [۲۵۳۶]: جو نماز میں اس قدر جلدی کرے کہ مقتدی تین تسبیح بھی پوری نہ کر سکے تو ایسے امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی جلدی کرنا مکروہ ہے، امام کو مقتدیوں کی رعایت اس قدر کرنا چاہئے کہ جس سے وہ لوگ بھی کم از کم تین تین مرتبہ رکوع، سجدہ میں تسبیح کہہ لیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ۱۱/ ۵۵ھ۔

صحیح: بندہ عبد اللطیف، ۹/ ذی قعدہ/ ۱۳۵۵ھ، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جو امام دینی وعظ کی اجازت نہ دے، سیاسی تقریروں کی اجازت دے اس کی امامت

سوال [۲۵۳۷]: جو امام ملت سے غداری کرے جو مسجد میں دینی وعظ خدا اور رسول کے ذکر کی

---

(۱) (راجع، ص: ۷۳، رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والله عليم بذات الصدور﴾ (سورة آل عمران: ۱۵۴)

(۳) "وفي المنية: ويكره للإمام أن يعجّلهم عن إكمال السنة، ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك وإسحق وإبراهيم الثوري أنه يستحب للإمام أن يسبّح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث الخ".
(رد المحتار: كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/ ۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۵۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۱۴، امداديه ملتان)

اجازت نہ دے، دینی وعظ اور جلسوں سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، بے شرع لوگوں کو سیاسی جلسوں کی اجازت دے اوران کی ہرطرح مدد کرے جو بڑے متکبر اور مغرور ہو، غریب اور کمزور کو دھونس دیں، کیا ان کی باتیں ٹھیک ہیں اوران کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ تو اتنا صاف ہے کہ ہر شخص جانتا ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی مسلمان خاص کر امام ان امور کا کیسے مرتکب ہوسکتا ہے، کہ دینی وعظ خدا اور رسول کے ذکر کی اجازت نہ دے اوراس کو اس سے تکلیف ہوتی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

فتویٰ صحیح سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۳۸]: میں اپنی آنکھیں بنوانے کے سلسلہ میں تیار ہی تھا کہ اتنے میں رجعت نامہ مل گیا، مرتکبین جرم کو سنایا گیا، لیکن ان پر جہل اس قدر غالب ہے کہ کسی مفتی کے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے اور صاف انکار کر دیا کہ ہم توبہ نہیں کریں گے، ہندوستان کے مفتیوں کے خلاف ہیں۔ ایسی صورت میں ان پر شرعاً معصیت عائد ہوتی ہے جو فسق پر دلالت کرتی ہے، مسلمانوں کی کوئی حکومت نہیں ہے اور نہ پنچایت ہی قائم رہی، کوئی کسی کی نہیں سنتا اور سخن پروری مسلط ہوچکی ہے۔ اب ان کی امامت کا کیا حکم ہے اور ایسے لوگوں سے معاملات رکھنے چاہئیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتوے کو صحیح سمجھنے کے باوجود اس کو تسلیم نہ کرنا بڑا جرم ہے جس کی سخت سزا ہے (۲)، امامت کا منصب تو

---

(۱)"وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" یأتي علی الناس زمان یکون حدیثهم في مساجدهم في أمر دنیاهم، فلاتجالسوهم فلیس لله فیهم حاجة". رواه البیهقي في شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة: ۱/ ۷۱، قدیمي)

(۲)"إذا جاء أحد الخصمین إلی صاحبه بفتوی الأئمة، فقال صاحبه: لیس کما أفتو، أو قال: لا نعمل =

جلیل القدر منصب ہے ایسا آدمی اس کا اہل نہیں (۱)، البتہ کسی اہل علم کے نزدیک اس کے علم وبصیرت کی روشنی میں فتویٰ ہی صحیح نہ ہو، یا اس کے نزدیک سوال ہی غلط قائم کیا گیا ہو تو اس کا حکم یہ نہیں، توبہ واستغفار بہر حال امر خیر ہے جس کا حکم نصِ قطعی میں موجود ہے (۲) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت منقول ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۵/۴/۲۴ھ۔

صدقۃ الفطر اور چرم قربانی لینے والے کی امامت

سوال[۲۵۳۹]: ایک شخص قوم سید متمول صاحب ایک مسجد میں امام ہیں اور اس مسجد میں دوطرح کی آمدنی ہے: ایک آمدنی شب قدر رمضان میں ۴۰/۵۰ روپیہ ہے اور دوسری آمدنی فطرہ اور صدقہ اور کھالیں قربانی کی ہیں تو ان دونوں آمدنیوں میں سے امام کے لئے کونسی جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے؟ باوجود اس کے کہ امام کو صدقات اور قربانی کی کھالیں لینا ناجائز ہونے کا علم ہے اور پھر وہ منت اور خوشامد سے لیتا ہے اور دینے والوں کو بھی معلوم ہے کہ یہ امام متمول سید ہے، مگر چوں کہ سید منت خوشامد کرتا ہے اس کی منت خوشامد کی وجہ سے ان کو دیتے ہیں۔ پس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے کہ جو دانستہ کھلم کھلا ناجائز آمدنی لے رہا ہے؟ اور اہلِ قربانی جو علم کے باوجود کھالیں ان کو دیتے ہیں ان کی قربانیوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

= بهذا، كان عليه التعزير، كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، و منها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إني جاعلك للناس إماما﴾. (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول و من ألزم الله تعالىٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والله إني لأستغفر الله وأتوب إليه في اليوم أكثر من سبعين مرةً". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار، ص: ۲۰۳، قديمي)

6

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالدار صاحبِ نصاب آدمی کو صدقۂ فطر لینا ناجائز ہے اور ایسے شخص کو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا، نیز امامت وغیرہ کی اجرت میں دینا بھی جائز نہیں۔ قربانی کی کھال خود استعمال کرنا، امیر وغریب سب کو دینا جائز ہے، لیکن امامت وغیرہ کی اجرت میں اس کا دینا بھی درست نہیں، اگر کھال فروخت کردی ہے تو اس کی قیمت کو کسی غریب مستحق کو صدقہ کرنا واجب ہے، کسی مالدار کو دینا یا کسی اجرت میں یا خود رکھنا ہرگز جائز نہیں، تاہم قربانی میں اس سے خرابی نہیں آتی قربانی ادا ہو جاتی ہے، صرف کھال یا اس کی قیمت کو بے محل صرف کرنے کا گناہ ہوتا ہے جس کی مکافات لازم ہے، اگر امام اس کا مستحق نہیں اور پھر لیتا ہے اور اس کو مسئلہ بھی معلوم ہے تو اس کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے بشرطیکہ اس سے بہتر امام موجود ہو(۱)۔

"صدقة الفطر كالزكوة في المصارف اهـ"(۲)۔

"ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال، فإن بيع تصدق بثمنه اهـ". در مختار (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

---

(۱) "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۳۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۴، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، ۳۲۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۵۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مسجد میں چماروں کو تعویذ دینے والے کی امامت

سوال[۲۵۴۰]: ہماری مسجد میں ایک امام صاحب نے ایک شخص کو جس کی دو بیویاں تھیں تعویذ دے کر ایک بیوی کو طلاق دلادی، نیز چماروں کو مسجد میں تعویذ دیتے ہیں، جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ امام کے والد اور چند لوگ انہیں وجوہات کے بناء پر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر شرعی ثبوت کے یہ کہنا کہ فلاں شخص نے تعویذ کے ذریعہ طلاق دے دی ناجائز اور گناہ ہے(۱)، جس طرح کہ شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرادینا اور بلا وجہ شرعی طلاق دلوادینا گناہ ہے(۲)، پس اگر مقتدیوں نے امام پر بہتان لگایا ہے تو وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں، آئندہ احتیاط رکھیں (۳) مسجد میں ایسے شخص

---

(۱)قال تعالی: ﴿یا یهاالذین آمنوا اجتنبو کثیراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾. (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۲/۴۲۷،قديمي)

(۲) قال تعالى: ﴿فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء و زوجه﴾. (البقرة:۱۰۲)

"وعن جابر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الشيطان ليضع عرشه على الماء، ثم يبعث سراياه في الناس، فأقربهم منزلةً أعظمهم عنده فتنةً. ويجئ أحدهم فيقول: مازلت بفلان حتى تركته وهو يقول كذا وكذا، فيقول إبليس: لا والله! ما صنعت شيئاً. ويجئ أحدهم فيقول: ما تركته حتى فرّقت بينه وبين أهله، قال: فيقربه ويد نيه ويلتزمه، ويقول: نعم! أنت". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۰۲،دارالفيحاء دمشق)

(۳) "ان لها (أي التوبة) ثلاثة أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم أن لا يعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴،قديمي)

کو نہ آنے دیں جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہو(۱)،تعویذ کسی اَورجگہ بیٹھ کر دیں (۲)۔لوگوں میں لڑائی کرا دینا بھی گناہ ہے(۳)، اگرامام صاحب کا گناہ ثابت ہو جائے اوروہ توبہ نہ کریں تو وہ علیحدگی کے مستحق ہیں(۴)،تاہم مقتدی ترکِ جماعت نہ کریں(۵)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

جوامام مقتدی سے صلح نہ کرے اس کی امامت

سوال[۲۵۴۱]: ایک امام اور مقتدی میں کچھ جھگڑا ہوا، بروز جمعہ یہ معاملہ پیش ہوکر یہ بات طے ہوئی کہ خطا کسی کی نہیں بلکہ دونوں صاحب کی بھول ہے، اس لئے صلح کرلو کیونکہ مرتبہ میں تو امام صاحب بڑے اور عمر میں مقتدی صاحب بڑے ہیں، لہٰذا دونوں مصافحہ ملالو، مگر سارے گاؤں کے کہنے پر بھی پیش امام صاحب نے مصافحہ نہیں کیا۔اس مقتدی کی نماز اس پیش امام کے پیچھے ہورہی ہے یا نہیں؟ اس طرح سے بہت سے

---

(۱) "ولا يحفر في المسجد بئر ماء؛ لأنه لو حفر، يدخل فيه النسوان والصبيان فيذهب حرمة المسجد". (فتاوى قاضي خان، كتاب الطهارة، فصل في المسجد: ۱/۶۵، رشيديه)

(۲)"رجل يبيع التعويذ في المسجد الجامع، ويكتب في التعويذ التوراة والإنجيل والفرقان، ويأخذ عليه المال، ويقول: ادفع إلىّ الهدية، لا يحل ذلك، كذا في الكبرى، ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳)قال الله تعالى: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولاتفرقوا﴾. (سورة ال عمران: ۱۰۳)

وقال تعالىٰ ﴿و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم﴾ (سورة الانفال: ۴۷)

(۴)"إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه، مثل أن يوجد منه اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين، كما كان لهم نصبه و إقامته لا نتظامها و إعلائها، و إن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين". (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴،سعيد)

(۵)"ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين: "فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم، فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰،سعيد)

مقتدیوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے جو اپنے مقتدیوں سے بغض وکینہ رکھے اور صلح پر رضامند نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز تو اس مقتدی کی بلکہ سب مقتدیوں کی ان کے پیچھے بھی درست ہوگئی (۱)، لیکن امام صاحب کے لیے یہ طریقہ اچھا نہیں بہت غلط اور سخت ناپسند ہے، جو شخص مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہو اور صلح کرنا چاہتا ہے اور بستی کے لوگ بھی سب خواہش مند ہیں تو امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہئے وہ مصافحہ نہ کریں اور دل میں کینہ رکھیں، ان کی بھی اپنی اصلاح ضروری ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۱/۲/۹۲ھ۔

---

(۱)"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم:" الجهاد واجب عليكم مع كل أمير: براً كان أوفاجراً، وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم برًّا كان أوفاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة علی مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۰۰، قديمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس، والله يحب المحسنين﴾. (سورة آل عمران: ۱۳۴)

فقوله تعالیٰ: "﴿والكاظمين الغيظ﴾: أی لا يعملون غضبهم فی الناس بل يكفون عنهم شرهم، ويحتسبون ذلك عند الله عزوجل، ثم قال تعالیٰ: ﴿والعافين عن الناس﴾: أی مع كف الشرّيعفُون عمن ظلمهم فی أنفسهم، فلا يبقی فی أنفسهم موجدة علی أحد، وهذا أكمل الأحوال". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۳۹، دار الفيحاء دمشق)

"وعن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "يفتح أبواب الجنة يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفرلكل عبد لا يشرك بالله شيئاً إلا رجل كانت بينه وبين أخيه شحناء، فيقال: انظروا هذين حتی يصطلحا". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۲/۴۲۷، قديمی)

جو امام مسجد کے دروازے پر دوکان لگائے اس کی امامت

سوال[۲۵۴۲] : ایک امام مسجد نے مسجد کے دروازے پر الماری کھڑی کر کے دوکان لگائی جس کی بنا پر راستہ مسجد کا نمازیوں کی آمد ورفت کے لئے تنگ ہوگیا۔ کیا ایسے امام لائق امامت ہیں؟

الجواب حامداًو مصلياً:

امام کو ایسے تصرف کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جو امام مسجد کی دوکان بیچ دے اس کی امامت

سوال[۲۵۴۳] : مسجد کے دروازہ میں ایک دوکان تھی امام مسجد نے اس دوکان کو فروخت کر دیا، جب لوگوں نے شور مچایا تو رقم واپس کی۔ کیا ایسے امام کے لئے امامت کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًو مصلياً:

اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ایسا کر لیا تھا، پھر توبہ کر لی تو وہ درگزر کے قابل ہے (۲) ورنہ اس کی

---

(۱) "أما لو تمّت المسجدية ثم أراد البناء، مُنع .... فإذا كان هذا في الواقف، فكيف بغيره؟ فيجب هدمه و لو على جدار المسجد .... ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً و لا سكنى".

"قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره، فإنه لا يحل .... والمراد بالمستغل أن يؤجر منه شيء لأجر عمارته". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

"لا يجوز للقيم أن يضيق فناء المسجد للمارّة والجماعة ببناء الحانوت فيه". (الفتاوىٰ البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲۷۲، رشيديه)

"حائط المسجد من داخله و خارجه له حكم في وجوب صيانته و تعظيم حرماته وكذا سطحه". (الفقه الإسلامي في أحكام المساجد: ۱/۵۵۳، رشيديه)

(۲) قال سبحانه تعالىٰ: ﴿و إني لغفار لمن تاب﴾ سوره طه: ۸۲)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول: ۲۰۳، قديمي)=

امامت مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام صاحب کا اعلان کہ جس سے میں ناراض اس سے خدا ناراض

سوال[۲۵۶۴]: دو شخصوں میں کوئی رنجش تھی، ان میں سے ایک نے بعد نماز جمعہ اعلان کیا کہ جس سے میں ناراض ہو جاؤں گا اس سے خدا ناراض ہو جائیگا اور ان دونوں میں سے ایک امام ہے اور ایک مقتدی، اعلان کرنیوالا امام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ناراضگی کی وجہ کچھ ایسی ہی ہے جس سے خدائے پاک بھی ناراض ہو تو اس اعلان کیوجہ سے اس امام کے پیچھے نماز کو ناجائز نہیں کہا جائیگا، البتہ اعلان کا یہ طریقہ غلط ہے، کیونکہ اس میں اپنی ناراضگی کو اصل قرار دیا گیا ہے، اگر اس طرح بات کہی جائے کہ جس سے خدا ناراض ہے اس سے میں ناراض ہوں تو فی نفسہ بات صحیح ہے(۲)، لیکن بجائے اعلان کے اس کو تفہیم کرنا، امید ہے کہ نافع ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۵ھ۔

= "وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار، الفصل الثالث: ۲۰۶، قديمي)

(۱) "ويكره إمامة عبد و فاسق .... هذا إن وجد غيرهم و إلا فلا كراهة.......... اهـ". (قوله: فاسق: ولعل المراد به من يرتكب الكبائر .... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۴، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله إذا أحب عبداً دعا جبرائيل فقال: إني أحب فلاناً فأحبه، قال: فيحبه جبريل، ثم ينادي في السماء، فيقول: إن الله =

تمبا کو پینے والے کی امامت

سوال[۲۵۴۵]: جوامام تمبا کونوشی کرتا ہے اس کی امامت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جوامام تمبا کو پیتا ہے اس کے پیچھے بھی نماز درست ہے(۱)، لیکن بدبودار منہ لے کر مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے وضواور مسواک سے منہ خوب صاف کر کے مسجد میں آئے ورنہ فرشتوں کو بھی اذیت ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

=يحب فلاناً فأحبوه، فيحبه أهل السماء، ثم يوضع له القبول في الأرض. و إذا أبغض عبداً دعا جبرئيل فيقول: إني أبغض فلاناً فأبغضه قال: فيبغضه جبرئيل، ثم ينادى في أهل السماء: أن الله تعالى يبغض فلاناً فأبغضوه، قال: فيبغضونه، ثم يوضع البغضاء في الأرض". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله ومن الله: ۴۲۵/۲، قديمى)

(۱) "وإن تقدموا، جاز لقوله عليه السلام: "صلوا خلف كل برّ و فاجر". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۳۴۶/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۶۶۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة: ۶۸/۱، قديمى)

"وأكل نحو ثوم، و يمنع منه، وكذا كلّ مؤذٍ و لو بلسانه". (الدر المختار). وقال ابن عابدين: "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۶۶۱/۱، سعيد)

تمباکونوش اور سینما بین شخص کی امامت

سوال[۲۵۴۶]: ایک امام مسجد ہے وہ سینما وغیرہ دیکھتا ہے، حالانکہ وہ عالم بھی ہے، بیڑی، سگریٹ کثرت سے پیتا ہے اور پان میں تمباکو چونا وغیرہ ملا کر کھاتا ہے، مسجد کے تمام مقتدی اس کے اس فعل سے سخت ناراض ہیں، کئی بار سمجھایا گیا مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے بلکہ حجت سے کام لیتے ہیں اور ہم ناخواندہ کو مکروہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں، ہماری ان کی گفتگو ناگفتہ بہ ہو چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمباکو اور اس کے استعمال کرنے والے کے لئے کتاب وسنت وفقہ کے اعتبار سے کیا حکم ہے اور اس کی امامت کیسی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدبودار تمباکو کھانا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے، البتہ مسجد میں جانے سے پہلے مسواک وغیرہ کے ذریعہ منہ صاف کر لینا چاہئے۔ اگر تمباکو خوشبودار ہو تو وہ مکروہ بھی نہیں، البتہ اگر تمباکو نشہ آور ہو جس سے عقل جاتے رہے تو اس کا کھانا پینا حرام ہے(۱)۔ سینما دیکھنے سے ان کو منع کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ اگر آئندہ یہ ثابت ہو گیا کہ آپ سینما تشریف لے گئے ہیں تو آپ کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

حقہ نوش کی امامت

سوال[۲۵۴۷]: حقہ پینے والے امام کا کیا حکم ہے، کیا حقہ نوش امام کی نماز ہو جائے گی؟

---

(۱)" قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه. وقد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولى فتدبر". (الدر المختار).

"(قوله: وقد كرهه شيخنا العمادي في هديته) أقول: ظاهر كلام العمادي أنه مكروه تحريماً ويفسق متعاطيه، فإنه قال في فصل الجماعة: ويكره الاقتداء بالمعروف بأكل الربا أو شيء من المحرمات، أو يداوم الإصرار على شيء من البدع المكروهات كالدخان المبتدع في هذا الزمان، ولا سيما بعد صدور منع السلطان ...... وقال: ويؤخذ منه كراهة التحريم في المسجد للنهي الوارد في الثوم والبصل، وهو ملحق بهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأشربة: ۶/ ۴۶۰، ۴۶۱، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقہ پینے سے منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ حقہ بالکل نہ پیا جائے، اگر معدہ کی اصلاح وغیرہ کے مقصد کے لئے بقدرِ ضرورت پیا جائے تو اس کا پینا حرام نہیں(۲)، البتہ مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرلیا جائے، پھر مسجد میں جائے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ امام کی اور نہ مقتدی کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تمباکو کا منجن استعمال کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۴۸]: ہماری مسجد میں ایک امام صاحب ہیں وہ توحید کے قائل اور شرک وبدعت کے خلاف ہیں، بہت سے بدعتی کام مسجد میں ہوتے تھے وہ بند ہوگئے ہیں، کسی قسم کا فساد وغیرہ کچھ نہیں ہوا، مگر اب چند لوگ محرم والے، جنگ نامہ والے گیارھویں کرنے والے ان کے خلاف کچھ بھی الزام لگا کر ان کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اللہ کے فضل سے امام صاحب اپنی باتوں پر اٹل ہیں، وہی لوگ عوام میں کچھ نہ کچھ باتیں امام صاحب کے خلاف پھیلا رہے ہیں، وہ یہ کہ امام صاحب تمباکو کا منجن دانتوں پر لگاتے ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ایسا کہتے ہیں تو یہ بتایئے کہ جو امام تمباکو کو جلا کر دانتوں پر ملتے ہیں اور نماز سے پہلے مسواک لگا کر وضو

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة: ۱/۶۸، قديمي)

(۲) (قد سبق تخريجه تحت عنوان: "تمباکو نوش اور سینما بین کی امامت"۔)

وأيضاً قال الشامي في التنقيح: "وبالجملة إن ثبت في هذا الدخان إضرار صرف خال عن المنافع، فيجوز الإفتاء بتحريمه، وإن لم يثبت انتفاعه فالأصل حلّه، مع أن في الإفتاء بحله دفع الحرج عن المسلمين فإن أكثرهم مبتلون بتناوله مع أن تحليله أيسر من تحريمه .... نعم لو أضر ببعض الطبائع فهو عليه حرام، ولو نفع ببعض و قصد به التداوي فهو مرغوب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: مسائل و فوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك: ۲/۳۶۶، قندهار افغانستان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأشربة: ۴/۲۲۷، دار المعرفة بيروت)

کرتے اور نماز پڑھاتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص تمباکو کا منجن دانتوں میں استعمال کرے اور پھر مسواک وغیرہ سے اچھی طرح منہ صاف کر لے تو اس منجن کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان نہیں بلا کراہت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۶ھ۔

قرآن سے فال نکالنے والے اور سگریٹ نوش کی امامت

سوال[۲۵۴۹]: قرآن شریف کے ذریعہ سے فال کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے عامل کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے ذرائع سے فال کھولنا کیسا ہے؟ اور سگریٹ نوشی کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف یا کسی اور کتاب سے فال کھول کر اس کو حجتِ شرعیہ سمجھنا اور اس پر حق و باطل کا فیصلہ رکھنا صحیح نہیں، غلط ہے(۲)، حق اور باطل کے فیصلے کے لئے شرعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض رجحانِ قلبی کے لئے اگر فال لی جائے تو مضائقہ نہیں(۳)، ایسے شخص پر کوئی سخت حکم نہیں لگے گا اور نہ اس کی امامت میں کوئی

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً للقرآن، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خُلقاً، ثم الأحسن وجها، ثم الأشرف نسباً، ثم الأنظف ثوباً". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۱، امداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۲۹۹، ۳۰۱، قديمي)

(۲) "وقد صرح ابن العجمي في منسكه كما قال: ولا يؤخذ الفال من المصحف، فإن العلماء اختلفوا في ذالك، فكرهه بعضهم.......... ونص المالكية على تحريمه .... ومن حرمه اعتبر حروف المبني، فإنه في معنى الاستقسام بالأزلام". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۴۹، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ الحديثية، مطلب في أنه يكره أخذ الفال من المصحف، ص: ۳۰۷، قديمي)

(۳) "ومنه حديث: "كان صلى الله عليه وسلم يتفاءل ولا يتطير" .... ووجهه أن الفال أمل ورجاء=

خرابی آئے گی۔ جو شخص پیٹ کی خرابی کی وجہ سے بطور دوا سگریٹ پیتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر مسواک وغیرہ سے منہ صاف کر کے مسجد میں آئے، اس کی امامت بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

کمیونسٹ کو ووٹ دینے والے کی امامت

سوال[۲۵۵۰]: ۱...... کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بننا اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے ووٹ دینا جائز ہے کہ نہیں اور ووٹ دینے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۲...... زید کمیونسٹ ٹکٹ سے ٹاؤن ایریا کا ممبر ہے اور اس کا حمایتی بھی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۳...... بکر حافظ قرآن اور کمیونسٹ امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے ووٹ بھی دیا ہے، اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا کیسا ہے؟ (خریدار نمبر: ۱۰۷۷)

الجواب حامداً ومصلياً:

کمیونسٹ اپنی اصل کے اعتبار سے مذہب اسلام کے مخالف ہیں(۲) اور ان کی اس اصل کی پابندی کرتے ہوئے ان کی پارٹی کا ممبر بننا مذہب اسلام کی مخالفت کرنا ہے، ان کو ووٹ دینا ایک مذہب اسلام کے مخالف کو ووٹ دینا ہے(۳)، اس بات کو سمجھتے اور اعتقاد کرتے ہوئے ممبر بننے والے اور اس کو ووٹ دینے

= للخير من الله تعالىٰ عن كل سبب ضعيف أو قوي". (ردالمحتار، باب العيدين، كتاب الصلوة، مطلب في الفال والطيرة: ۲/۱۷۲، سعيد)

(۱) "وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا...... اهـ". (مشكاة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، ص: ۶۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، باب نهي من أكل ثوماً أو بصلاً...... الخ: ۱/۲۰۹، قديمي)

(۲) "إن المنافق غير معترف بنبوة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والدهريّ كذلك مع إنكاره إسناد الحوادث إلى الصانع المختار سبحانه وتعالىٰ" (رد المحتار، كتاب الحدود، باب المرتد: ۴/۲۴۱، سعيد)

(۳) "وقوله تعالىٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوىٰ﴾ يقتضي ظاهره إيجاب التعاون على كل ما كان طاعة الله تعالىٰ؛ لأن البرّ هو طاعات الله".

"وقوله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ نهي عن معاونة غيرنا على معاصي الله =

والے کوامام بنانا درست نہیں (۱)۔

بعض آدمی مذہب اسلام کے معتقد اور پابند ہوکر بھی بعض سیاسی اور وقتی مصالح کی بنا پر کمیونسٹ یا کسی اور مخالف اسلام پارٹی کے ٹکٹ پر ممبر بنتے ہیں اوران کی اس مصلحت کے پیش نظر سچے پکے مسلمان ان کو ووٹ دیتے ہیں ان کا یہ حکم نہیں، لیکن ان کی اس روش سے ایک مخالف اسلام پارٹی کوفروغ ہوکر اقتدار حاصل ہوتا ہے جس سے بہت سے لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوگی اور کمیونسٹ پارٹی کو اسلام کے خلاف نہیں بلکہ موافق سمجھیں گے۔ اور جب ایسے لوگ ممبر بن جائیں گے تو وہ کمیونسٹ جنہوں نے ان کو واقعۃً کمیونسٹ سمجھ کر ووٹ دیا ہے ان سے اپنے ایسے مطالبات منظور کرائیں گے جو کہ اسلام کے مخالف ہوں گے، اگر یہ اس میں کوشش نہیں کریں گے، تو ووٹ دینے والے ان کو غدار اور مکار قرار دیں گے اور یہ غداری ومکاری سب اسلام کے سر رکھی جائے گی اور آئندہ نہ ایسے ممبر پر کبھی اعتماد ہوگا اور نہ ایسے ووٹ دینے والوں پر جو کمیونسٹ پارٹی کا سہارا لے کر ایک مسلمان کو ممبر بنائیں۔

نیز یہ عمل ایک شریف سچا آدمی کبھی اختیار نہیں کرسکتا کہ خود مسلمان ہو اور دنیا کو دھوکہ دے کر اپنے آپ کو کمیونسٹ ظاہر کرے اور ووٹ حاصل کرے، ایسے شخص پر اس کا ضمیر انتہائی ملامت کرے گا، اسلام میں ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے جو لوگ ضمیر کے خلاف کہتے اور عمل کرتے تھے ان کی سخت مذمت قرآن پاک وحدیث شریف میں آئی ہے، ایسے لوگوں پر نہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعتماد تھا نہ خود ان کی پارٹی کو۔ ان لوگوں کا حال یہ تھا: ﴿مذبذبين بين ذلك، لا إلى هؤلاء، و لا إلى هؤلاء﴾ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

= تعالى". (أحكام القرآن للجصاص : ۲/۴۲۹، قديمي)

(۱) (راجع ص: ۹۶، رقم الحاشية : ۱)

(۲) (سورة النساء : ۱۴۳)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (جواہر الفقہ ، انتخابات میں ووٹ اور ووٹر اور امیدوار کی حیثیت :۲/۲۹۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کا اقتدا کیا؟

سوال[۱۵۵۱]: مسلم شریف میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء کی (۱)، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور صحابی کی بھی اقتدا کی، خصوصاً ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چاہے کسی عارض کی وجہ سے ہو؟ ایک صاحب اس کی نفی کر رہے ہیں۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام تجویز فرمایا اور خود بھی ان کی اقتدا کے لئے تشریف لائے مگر وہ نماز نہیں پڑھا سکے، بالکل بے اختیار ہوکر رک گئے، اس نماز کی تکمیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کیم/رجب/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲/رجب/۸۸ھ۔

---

(۱) "قال أخبرنا جريج قال حدثني بن شهاب عن حديث عباد بن زياد أن عروة ابن المغيرة بن شعبة أخبره أن المغيرة بن شعبة أخبره أنه غزا مع رسو ل الله صلى الله عليه وسلم تبوك، قال المغيرة: فتبرّز رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قبل الغائط ،فحملتُ معه إداوةً قبل صلوة الفجر ،فلما رجع رسو ل الله صلى الله عليه وسلم إليّ أخذتُ أهريق على يديه من الإداوة......... وغسل يد يه ثلا ث مرات ثم غسل وجهه، ثم ذهب يخرج جبته عن ذراعيه فضاق كمّا جبّته، فأدخل يد يه في الجبة حتى أخرج ذراعيه من أسفل الجبة، وغسل ذراعيه إلى المرفقين ثم تو ضأ على خفيه ثم أقبل. قال المغيرة: فأقبلت معه حتى يجد الناس قد قدموا عبد الرحمٰن بن عوف فصلى لهم، فأدرک رسو ل صلى الله عليه وسلم إحدى الركعتين فصلى مع الناس الركعة الأخرى، فلما سلم عبد الرحمن بن عوف قام رسو ل الله صلى الله عليه وسلم يتم صلوته، فأفزع ذلک المسلمين ،فأكثروا التسبيح، فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم صلوته أقبل عليهم ثم قال: "أحسنتم" أو قال: "قد أصبتم". (أخرجه مسلم في كتاب الصلاة ، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام و لم يخافوا مفسدةً بالتقدم : ۱/۱۸۰، قديمي)

(۲) "عن عائشه رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبا بكر رضي الله تعالىٰ عنه أن يصلي بالناس في مرضه فكان يصلي بهم، قال عروة: فوجد رسو ل الله صلى الله عليه وسلم من =

تنخواہ دار امام کی امامت

سوال[۲۵۵۲]: کسی مسجد کے پیش امام صاحب ایک دینی مدرسہ میں مدرس بھی ہیں، اکثر اوقات پابندیٔ وقت سے مسجد میں تشریف نہیں لاتے، مزدور پیشہ لوگ پریشان ہوتے ہیں، ایک روز بوقتِ عصر نمازیوں نے ان کوٹوکا تو انہوں نے برجستہ انگلیوں کی طرف روپیہ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مدرسہ میں سو (روپیہ) ملتا ہے، اور یہاں مسجد میں کیا، حالانکہ ۲۵/ روپیہ ملتا ہے، دوسال سے وہ خدمت کرر ہے ہیں۔ کیا اس قسم کا جواب ان کی شان کے لائق ہے؟ اسی وجہ سے ان کے پیچھے نماز ادا کرنے سے نمازیوں کو کراہت ہوتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا جواب امام صاحب کی شان کے لائق نہیں، مقتدیوں کو بھی امام صاحب کے تاخیر سے آنے پر اس طرح نہیں ٹوکنا چاہئے جوان کی شان کے خلاف ہو، ان کو اپنا تنخواہ دار ملازم نہ سمجھیں۔ نماز پڑھانے کا معاوضہ اس دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا، ۲۵/ روپیہ ماہوار جو دیا جاتا ہے وہ ہرگز معاوضۂ امامت نہیں بلکہ بہت معمولی خدمت ہے، اتنی سی بات سے غصہ ہو کر امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا نہ چھوڑیں، امام صاحب کو بھی مقتدیوں کی رعایت رکھنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= نفسه خفةً، فخرج، فإذا أبو بكر يؤمّ الناس، فلما رآه أبوبكر استاخر، فأشار إليه أن كما أنت، فجلس رسو ل الله صلى الله عليه وسلم حذاء أبي بكر إلى جنبه، فكان أبو بكر يصلي بصلاة رسو ل الله صلى الله عليه وسلم والناس يصلون بصلاة أبي بكر". (صحيح البخاري في كتاب الآذان، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة: ۱/۹۴، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذاعرض له عذر من مرض وسفر وغيرهما من يصلي بالناس: ۱/۱۷۹، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾. (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرناه ،فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة ، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم ،ثم الإمامة في الصلاة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمي)

تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز

سوال[۲۵۵۳]: زید قوم کا ایک فرد ہے، وہ اس لائق ہے کہ امامت کر سکے مگر وہ مجبوراً صدقاتِ واجبہ کی رقم لے کر کھاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ چیزیں امامت کے عوض میں نہیں لیتا تو اس کی امامت درست ہے، امامت یا کسی دوسرے کام کے عوض میں فطرہ و چرمِ قربانی کی قیمت لینا اور دینا درست نہیں۔ اگر زبان سے معاوضہ کا تذکرہ نہ کیا جائے، لیکن حال یہ ہو کہ اس کو یہ چیزیں نہ دیں تو وہ ناراض ہو اور اپنا حق سمجھ کر مطالبہ کرتا ہو، نہ دینے کی صورت میں امامت ترک کرنے پر آمادہ ہو تو یہ بھی معاوضہ کی صورت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جو امام تنخواہ لینے کے باوجود نماز نہ پڑھائے اس کا حکم

سوال[۲۵۵۴]: ایک جامع مسجد کے امام سے مقتدی اس لئے ناراض ہیں کہ وہ کبھی وقت پر نماز نہیں پڑھاتے اور جب مقتدی عرض کرتے ہیں کہ آپ جماعت میں پابندی سے تشریف لاکر نماز پڑھائیں تو فرماتے ہیں کہ میں مدرسہ سے تنخواہ پاتا ہوں، اسلئے مسجد کی امامت کا پابند نہیں، حالانکہ ہر سال ان کو رمضان

---

(۱) "وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف إلافي جواز الدفع إلى الذمي، المراد في أحوال الدفع إلى المصارف من اشتراط النية واشتراط التمليك". (التنوير مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۳۶۹/۲، سعيد)

"ولو دفعها (أي الزكاة) المعلم لخليفته، إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه، صح، وإلالا: أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۳۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۹۰/۱، رشيديه)

"ويتصدق بجلدها .... ولايعطي أجرة الجزار منها شيئاً ؛ لأنه يأخذه بمقابلة عمله فصار معاوضةً كالبيع". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۷/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى لعالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۱/۵، رشيديه)

المبارک میں بڑی رقم پیش کی جاتی ہے۔ مزید ان کو دوسو روپے پیش کئے گئے تاکہ وہ نماز پڑھانے کی پابندی کریں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ روپیہ حرام ہے مگر تھوڑی دیر میں کوئی تاویل کر کے اسوقت ہم سے لے لیا اور فرمایا کہ اس جامع مسجد میں چار خاندان کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، فی خاندان سو روپے لونگا، چنانچہ ہم چار خاندان والے سو سو روپے پیش کرتے رہتے ہیں مگر پھر بھی نماز نہیں پڑھاتے۔

امام صاحب کے گھر میں ایک نوجوان لڑکا رہتا ہے جس کے سارے مصارف امام صاحب ہی برداشت کرتے ہیں اور اپنی بیوی کا بھی ان سے پردہ نہیں کرواتے، غرض خلافِ شرع کام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں بہت بڑا عالم ہوں۔ ابھی اسی بقرہ عید پر امام صاحب نے نماز عید پڑھائی ہے اتنی جلدی کہ سینکڑوں نمازی رہ گئے اور عیدگاہ کے علاوہ مسجدوں میں دو نمازیں ہوئیں، دیہات کے جو مسلمان آئے ہیں وہ بغیر نماز پڑھے چلے گئے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو امام تنخواہ لینے کے باوجود پابندی نہ کرے اور نماز پڑھانے سے انکار کردے اور کہہ دے کہ میں مدرسہ سے تنخواہ پاتا ہوں امامت کا پابند نہیں، تو وہ امامت کی تنخواہ کا حقدار نہیں (۱)، نمازیوں کو چاہئے کہ اپنے امام کا مستقل انتظام کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۸/۱/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۸/۱/۲۷ھ۔

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إمابشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها، كذا في شرح الطحاوی". (الفتاویٰ العالمکریه، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة. اهـ: ۴۱۳/۴،رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة :۱۰/۶،سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة، الباب الثالث في المسائل التی تتعلق بالأجرة، الفصل الثانی فی المسائل التی المتعلقة بلزوم الأجرة وكيفية استحقاقها لمؤجر، (رقم المادة: ۴۶۹) : ۲۶۲/۱،رشيديه، ۲۶۱/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

6

مسجد کا روپیہ اپنی تنخواہ میں وصول کرنیوالے کی امامت

سوال[۲۵۵۵]: جس امام کو مسجد کا حساب سپرد کیا ہو وہ امام صاحب جبکہ اس کی تنخواہ بتائی گئی ہو کہ جو مسجد کی دکانوں کا کرایہ ہے وہ اپنی تنخواہ میں لے لیا کرو، وہ امام جو روپے شادی میں لوگ دے گئے، کیا اس امانت کو بغیر محلّہ والوں کے یا بغیر ان لوگوں کے وہ اس روپے کو جو کہ امانت ہے اٹھا سکتا ہے؟ یہ اگر اٹھائے تو کیا امانت میں خیانت کرنے سے اس امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو روپے مسجد کے لئے دیا گیا ہو، امام کو اس کے رکھنے کا حق نہیں (۱)، وہ اپنی تنخواہ وصول کر سکتا ہے (۲)، اس کے علاوہ مسجد کی امانت میں خیانت کرے گا تو اس کی امامت مکروہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱۰ھ۔

---

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"ولو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه في حاجته ثم رد بدله في نفقة المسجد، لايسعه أن يفعل ذلک" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۰/۵، رشديه)

"وإذا رأى حشيش المسجد .... فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه .... وكذا الجنائز العتق أو الحصر المقطعة والمنابر والقناديل المكسرة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(۲) "ولو أذن قيّم مؤذناً ليخدم مسجداً وقطع له الأجر وجعل ذلک أجرة المنزل وهو أجر المثل، جاز .... المتولي إذا أمر المؤذن أن يخدم المسجد وسمى له أجراً معلوماً لكل سنة .... فإذا نقد الأجر من مال المسجد حل للمؤذن أخذه الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۵/۵، رشيديه)

(۳) "(ويكره إمامة .... فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱۳۴/۱، امداديه)

اجرت پر قرآن شریف پڑھنے والے کی امامت

سوال[۲۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت ہوجائے اس کی قبر پر جو آدمی قرآن شریف پڑھے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجرت لیکر قبر پر قرآن شریف پڑھنا ناجائز ہے (۱)، اگر وہ امام ایسا کرتا ہے اور باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے توبہ نہیں کرتا تو اس کو امام بنانا مکروہ ہے، بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا موجود ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة، لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولولا الأجرة ماقرأ أحدٌ لأحد في هذالزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا -إنالله وإنا إليه راجعون- اهـ". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى ومبتدع لايكفربها، وإن كفربها فلايصح الاقتداء به أصلاً، وولدالزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلافلاكراهة". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: وفاسق) وهوالخروج عن الاستقامة: أي ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الرباونحوذلك، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

الفصل الثانی فی إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت کا بیان)

فاسق کی امامت

سوال[۲۵۵۷]: زید ایک جگہ امامت کرتا ہے وہ افعالِ قبیحہ میں بھی شرکت کرتا ہے، مثلاً ناچ دیکھنا، سینما دیکھنا، گندے اور فحش مذاق کرنا، دین کا مذاق اڑانا وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے شخص کو امام بنانا اوراس کی اقتداء کرنا جائز ہے؟

رضا محمد ہمیر پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں (۱)۔ فقط۔

ایضاً

سوال[۲۵۵۸]: جو شخص خائن فاسق وفاجر ہو اس کی امامت ﴿وإن الفجار لفی جحیم﴾ (۱) کے ماتحت کیسی ہے اور نیز فاسق وفاجر کی کھلی علامتیں کیا کیا ہیں؟

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی و آکل الربا و نحو ذلک". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوة، فصل الجماعة سنة مؤکدة: ۱/۱۰۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) (سورة الانفطار: ۱۴)

الجواب حامداًومصلیاً:

فاسق وفاجر کی امامت مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا صالح شخص موجود ہو(۱)۔فاسق وہ شخص ہے جوکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف، ۱۳/ جمادی الاُولیٰ/۵۹ھ۔

ایضاً

سوال[۲۵۵۹]: جو شخص خائن فاسق وفاجر ہو اس کی امامت ﴿وإن الفجار لفی جحیم﴾(۳) کے ماتحت کیسی ہے اور نیز فاسق وفاجر کی کھلی علامتیں کیا کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فاسق وفاجر کی امامت مکروہ تحریمی ہے(۴) بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا صالح شخص

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدرالمختار). "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الإمامة الأولى بالإمامة، ص:۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة ص:۳۰۳، قديمی)

(۲) " (قوله: وفاسق) من الفسق : وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزانی و آكل الربا و نحو ذلك ".(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، سعيد)

(۳) (سورة الانفطار : ۱۴)

(۴) "ويكره إمامة عبدٍ وأعرابی وفاسق وأعمیٰ .... اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة : ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

موجود ہو(۱)۔ فاسق وہ شخص ہے جو کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۸ھ۔

حافظ فاسق کی امامت

سوال[۲۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

ایک شخص حافظ قرآن ہے لیکن وہ شریعت کی رو سے فاسق ہے اور یہ حافظ صاحب رمضان المبارک میں قرآن شریف بھی سناتا ہے اور جس مسجد میں یہ حافظ صاحب قرآن شریف سناتے ہیں، اس میں حافظ صاحب معین ہیں جو کہ تمام سال اس مسجد میں امامت کراتے ہیں یہ امام صاحب اس کے پیچھے تراویح کی نماز اور عشاء کے فرض وغیرہ بھی پڑھتے ہیں اور اہل محلّہ میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور اس کے فاسق ہونے کی وجہ سے ہماری تو نماز نہیں ہوتی اس لئے ہم تو نہیں پڑھتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس حافظ صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب مکمل اور مدلل عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام۔

محمد الیاس، مدرس مدرسہ بدر العلوم قصبہ جسپور، ضلع نینی تال، ۱۹/ جمادی الأولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سائل نے ان حافظ صاحب کے فسق کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی بلکہ مجمل سوال کیا، لہٰذا جواب بھی مطلق فاسق کی امامت کا دیا جاتا ہے، اب اس کی تحقیق خود سائل کے ذمہ ہے کہ صورت مسئولہ میں فاسق کی

---

(۱) "فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(۲) "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة .... والمراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر و الزاني وآكل الرباء ونحو ذالك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه)

تعریف صادق آتی ہے یا نہیں۔

فاسق کو امام بنانا مطلقاً نماز میں خواہ نماز فرض ہو یا تراویح وغیرہ ہو مکروہ تحریمی ہے، جب کہ اس سے بہتر متبع سنت مسائلِ نماز سے واقف امامت کے لائق دوسرا شخص موجود ہو۔

"لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه، و تساهله في الإتيان بلوازمه، فلا يبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلوة، وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه، اهـ". كبيرى، ص: ۴۷۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مرتکب کبائر کی امامت

سوال [۲۵۶۱]: ایک شخص کسی مسجد میں امام ہے، اکثر اوقات محلہ کے لوگوں کے ساتھ غیبت کیا کرتے ہیں، بہت باتوں میں جھوٹ کہنا بھی ثابت ہوا، عفیفہ عورت پر زنا کی تہمت لگائی، ''کسبی'' وغیرہ ناشائستہ الفاظ کہے۔ چنانچہ ایسی بے گناہ پر تہمتِ زنا لگانے کی وجہ سے ایک دفعہ سرکاری عدالت میں مقدمہ دائر ہو کر ماخوذ ہو کر قانوناً جرم ثابت ہونے کے بعد تمیں روپیہ جرمانہ بھی دیا ہے، اور بھی بعض بعض باتیں مثلاً بیگانہ عورتوں کے سینہ پر ہاتھ پھیرنا، چوتڑ پر تھپڑ مارنا، کپڑا پکڑ کر کھینچنا وغیرہ افواہ ان کی بابت کی جارہی ہے۔

اب شرعاً ایسے آدمی کو فاسق کہا جائے گا یا نہیں؟ اگر شرعاً یہ فاسق ٹھہرا تو اس کے پیچھے جمعہ جماعت مکروہ ہے یا بلا کراہت جائز ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کیا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ واضح رہے کہ محلہ کے اکثر مصلیوں کو ان کے عیوب پر واقفیت ہونے کی وجہ سے رغبت اٹھ گئی ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے راضی بھی نہیں ہیں۔

اگر وہ شخص مذکورہ بزور امام رہے تو جمعہ جماعت میں انتشار پیدا ہو کر سوائے چندان کے قریبی رشتہ

---

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

داروں کے سارے مصلیاں دوسری مسجد میں منتقل ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔اب کیا اس شخص کو شرعاً امام رکھنا ضروری ہوگا یا ان کو معزول کر کے کسی نیک چلن آدمی کو مقرر کرنا بہتر ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیبت کرنا، کسی پاکدامن پر تہمت لگانا وغیرہ گناہِ کبیرہ ہے(۱) اور ایسے امور کا مرتکب فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر کوئی بہتر امامت کا اہل آدمی موجود ہو تو امورِ مذکورہ کے مرتکب کو امام نہ بنانا چاہیے بلکہ دوسرے شخص کو امام بنانا چاہیے۔

اگر یہ شخص صدقِ دل سے توبہ کرلے اور اپنی ایسی حرکتوں سے باز آجائے تو پھر اس کی امامت بھی مکروہ نہ ہوگی۔بہتر یہ ہے کہ شخص مذکورہ کو مسئلہ سمجھا کر اور فتنہ کا اندیشہ ظاہر کر کے توبہ کرادی جائے، اگر وہ نہ مانے اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو امامت سے علیحدہ کر کے کسی دوسرے بہتر شخص کو امام مقرر کردیا جائے، اگر اس کی علیحدگی میں فتنہ اور دشواری ہو تو کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لی جائے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر شخص مذکورہ کے پیچھے بھی نماز

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا يغتب بعضكم بعضاً﴾. (سورة الحجرات ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعِرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم".

"عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أسمع العواتق في بيوتها. أو قال في خدورها. فقال: "يامعشر من آمن بلسانه! لاتغتابوا المسلمين، ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من يتبع عورة أخيه، يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عورته، يفضحه في جوف بيته". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۷۳، دارالفيحاء، دمشق)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن﴾ (سورة الممتحنة: ۱۲)

"وأخرج أحمد: "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، وقتل النفس بغير حق، وبهت مؤمن، والفرار من الزحف، ويمين صابرة يقتطع بهامالاً بغير حق".

"وأخرج الطبراني: "من ذكر امرأ بشئ ليس فيه ليعيبه به حبسه الله في نارجهنم حتى يأتي بنفاذ ماقال فيه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المأتين البهت: ۲/۴۱، دارالفكر، بيروت)

مکروہ نہ ہوگی (۱)۔

"اعلم أن الغيبة حرام بنص الكتاب العزيز وشبه المغتاب بأكل لحم أخيه ميتاً، إذهو أقبح من الأجنبي ومن الحي". شامي : ٥/ ٢٦٠ (٢)۔

"هو (أي القذف) من الكبائر بإجماع الأمة، فتح"(٣)۔

"ويكره إمامة عبدوأعرابي وفاسق" تنوير۔ "(قوله: فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المرادبه من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وأكل الربوا، ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل. وفي المعراج: قال أصحابنا: لاينبغي أن يقتدى بالفاسق إلا في الجمعة؛ لأنه في غيرها يجد إماماً غيره، اهـ. قال في الفتح: وعليه فيكره في الجمعة إذا توارث إقامتها في المصر على قول محمد المفتي به؛ لأنه لايسيل إلى التحول، اهـ". ردالمحتار ،ص: ٥٨٤ (٤)۔

"لو قدموا فاسقاًيأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه". كبيري ،ص: ٤٧٩ (٥) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۹/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

---

(١) "وفي المواقف وشرحه: إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه، مثل أن يوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلائها، وإن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ٤/٢٦٤، سعيد)

"ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وقال الشامي: فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم، فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٩، سعيد)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٠٨، ٤٠٩، سعيد)

(٣) (فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ٥/٣١٦، مصطفى البابي الحلبي، بمصر)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، باب حد القذف : ٤/٤٣، سعيد)

(٤) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٥٩، ٥٦٠، سعيد)

(٥) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ص: ٥١٣، سهيل اكيڈمي، لاهور)

معاصی متعددہ کے مرتکب کی امامت

سوال[۲۵۶۲]: ۱......جو شخص ہمیشہ اپنی نماز پنجگانہ ادا نہ کرتا ہو بلکہ دیکھا دیکھی کبھی کبھی نماز پڑھتا ہو، یا اگر کہیں مسجد میں کبھی کسی نے امام بنایا ہو تو نماز ادا کر لی ورنہ نہیں۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنایا جاوے یا نہیں؟ جو شخص نماز پنجگانہ ہمیشہ ادا کرتے ہیں ان کی نماز ایسے شخص کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

۲......اور اس شخص کو ایک مرتبہ بستی والوں نے مسجد سے بنظرِ حقارت علیحدہ کر دیا ہو اور یہ پھر دوبارہ آنے کی کوشش کر رہا ہو اور اس کی کوشش میں اگر کوئی دوسرا آدمی بستی والے اپنی مسجد میں امام بنانے کو لا رہے ہوں تو یہ امام اپنی طمع نفسی کی وجہ سے ایسے شخص کی برائی کرے اور لوگوں کو اس آدمی کی ناجائز اور جھوٹی برائی کرے جو ہمیشہ ہمیشہ علاوہ نماز پنجگانہ ادا کرنے کے نفل اور نماز اشراق بھی ادا کرتا ہے۔

۳......یہ کہ جس وقت یہ شخص (جس کے لئے دریافت کیا جا رہا ہے) دوبارہ بستی مذکورہ میں اپنے امام ہونے کی خواہش میں آیا ہے، اس کو بستی مذکورہ کے باشندے اس کے سامنے یہ لفظ کہیں کہ میاں جی صاحب! ہم تم کو دوبارہ امام رکھ لیتے لیکن تمہارے اندر چار عیب سخت ہیں، اس نے دریافت کیا کہ کیا ہیں؟ بستی والے بیان کرتے ہیں کہ وہ یہ ہیں:

۱- ہم سب لوگ صبح کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور تم سوتے رہتے ہو۔

۲- اگر تمہارے ہم عمر تم کو سونے سے کبھی آکر جگا دیویں تو تم اذان بے وضو مسجد میں جا کر پڑھ دیتے ہو۔

۳- جب کہ تم نوجوان ہو اور تمہاری بیوی نوجوان ہے اور تم اپنے بسترِ راحت پر لیٹے ہوئے ہو، ہمیں کیا معلوم کہ تم غسل کئے ہوئے ہو یا تم کو غسل کی حاجت ہے، ہمارے اٹھانے پر اور جگانے پر تم اٹھ کر مسجد میں فوراً مصلے پر آکر جماعت کرا دیتے ہو۔

۴- تم اکثر مویشی رکھتے ہو، جس کے واسطے گھاس وغیرہ کو تم گھسیارے کی شکل ہو کر ہمارے کھیت وغیرہ میں کام کرتے ہو، ہم لوگ دور سے کیا شناخت کر سکتے ہیں کہ ہمارے امام مسجد ہیں، اگر ہم کوئی لفظ گستاخانہ گھسیارہ سمجھ کر کہتے ہیں تو بے ادبی ہے۔

اس لئے یہ دریافت طلب ہے کہ ایسی حالت جس شخص کی ہے اس کو امام مسجد بنایا جاوے یا نہیں اور

جوشخص نماز پنجگانہ کا نمازی ہے اس کی نماز ایسے شخص کے ساتھ ہو جائے گی یا نہیں؟ فقط۔

زیادہ حداوب: احقر محمد صدیق ساکن وتولی ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے جانوروں کے لئے گھاس کھود کر جائز طریقہ سے لانا اور محنت مزدوری کرنا شرعاً کوئی عیب کی چیز نہیں، اس سے امامت میں نقصان نہیں آتا(۱) اور ''گھسیارہ'' یا کوئی اور لفظ تحقیر وتذلیل کی نیت سے کہنا کسی کو بھی جائز نہیں (۲)۔

اذان بلا وضو بھی ہو جاتی ہے، لیکن افضل اور مستحب یہ ہے کہ وضو سے کہی جائے (۳)، جو شخص اپنے

---

(۱) "عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: قيل: يارسول الله! أیّ الكسب أطيب؟ قال: "عمل الرجل بيده، وكل بيع مبرور". رواه أحمد".

قال الملا علي القاري: "قال: (عمل الرجل بيده): أی من زراعة أو تجارة أو كتابة أو صناعة".
(مرقاة، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۶/۳۰، رشيديه)

"عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۱/۲۴۲، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب﴾ (سورة الحجرات: ۱۱)

"وهذا يدل على أن اللقب المكروه هو ما يكرهه صاحبه، ويفيد ذماً الموصوف به: لأنه بمنزلة السباب والشتيمة، فأما الأسماء والأوصاف الجارية غير هذا المجرى فغير مكروهة، لم يتنا ولها النهی؛ لأنها بمنزلة أسماء الأشخاص والأسماء المشتقة من أفعال .... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي: "ياأبا تراب" لِما عليه من التراب .... وقال سهل بن سعد: ماكان اسم أحبَّ إلى علي رضي الله عنه أن يُدعى به من أبي تراب. فمثل هذا لايكره؛ إذ ليس فيه ذمٌ، ولايكرهه صاحبه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۰۳، قديمی)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لايؤذّن إلامتوضئ". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ماجاء في كراهية الأذان بغير وضوء: ۱/۵۰، سعيد) .... =

مکان سے اپنی بیوی کے پاس سے آیا ہے، اس کے متعلق یہ گمان کرنا کہ یہ بے غسل ہے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، یہ گمان لغو اور ممنوع ہے(۱)۔ البتہ اگر تحقیق سے معلوم ہو کہ فلاں شخص کو غسل کی حاجت ہے تو جب تک وہ پاک نہ ہو جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے(۲)۔

غیبت کرنا حرام ہے(۳)۔ پنجگانہ نماز فرض عین ہے، اس کا تارک فاسق ہے(۴)۔ پس شخص مذکورہ

= "ويكره أذان جنب وإقامة محدث لاأذانه على المذهب". (الدر المختار).

"ثم اعلم أنه ذكر في الحاوي القدسي من سنن الأذان: كونه رجلاً عاقلاً، صالحاً، عالماً بالسنن والأوقات، مواظباً عليه، محتسباً، ثقةً متطهراً مستقبلاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، ۳۹۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾. (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". فهذا الظن المحظور، وهو ظنه بالمسلم سوأ من غير سبب يوجبه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۰۴، ۴۰۵، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه: "لاتقبل صلوة من أحدث حتى يتوضأ" متفق عليه".

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتقبل صلوة بغير طهور، ولا صدقة من غلول". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء: ۱/۴۰، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا يغتب بعضكم بعضاً﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۷۳، دار الفيحاء دمشق)

(۴) "هي فرض عين على كل مكلف .... ويكفر جاحدها .... وتاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق". (الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

کوامام بنانا مکروہ تحریمی ہے، خصوصاً جب کہ دوسرا نیک آدمی امامت کے لائق تہجد گزار موجود ہے، ایسے غیر پابندِ نماز اور غیبت کرنے والے کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے (۱)۔ تاہم اگر وہ توبہ کرے اور جس کی غیبت کرتا ہے اس سے بھی معاف کرالے اور نماز و جماعت کا پابند ہوجائے تو پھر اس کے پیچھے نماز درست ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

مرتکب مکروہ کی امامت

سوال[۲۵۶۳]: مکروہات وسنت ومستحبات کی پابندی نہ رکھنے والے کے پیچھے نماز کیسے ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکروہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ویکرہ إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدالمختار).

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "فإن أمکن الصلاة خلف غیرھم، فھو أفضل، وإلافالاقتداء أولیٰ من الانفراد. وإن کراھة تقدیمہ کراھة تحریم". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰،سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، الأولیٰ بالإمامة، ص: ۵۱۳، سھیل اکیڈمی، لاھور)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابہ لفواحش الظاھرة".

(الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(۳) " وکرہ إمامة الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین ،فتجب إھانتہ شرعاً، فلا یعظم بتقدیمہ للإمامة" (مراقی الفلاح). وقال الطحطاوی فی حواشیہ : "قال القھستانی : أی أو إصرار علی صغیرة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳ ،قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹ ، ۵۶۰، سعید) ....=

زانی کی امامت

سوال[۲۵۶۴]: ایک حافظ صاحب کوزنا کرتے ہوئے دیکھا اوراس کوسمجھایا مگر وہ اپنی اس حرکتِ بدکونہیں چھوڑتا، میں نے ان سے کتنی ہی مرتبہ یہ بھی کہا کہ تم نماز مت پڑھایا کرو، تمہارے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے حضور سے اس مسئلہ کا فتویٰ تحریراً دریافت ہے تاکہ میں حافظ صاحب کودکھادوں اور چار آدمی اس کے شاہد ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زنا کا ثبوت زانی کے اقرار یا چار عینی ثقہ شاہدوں کی شہادت سے ہوتا ہے، بغیر اس کے ثبوت نہیں ہوتا(۱)، اگر شرعی ثبوت ہے اورامام نے توبہ نہیں کی تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے جب کہ اس سے بہتر امامت کے لائق موجود ہو، اگر شرعی ثبوت نہیں تو محض بدگمانی کی بناء پر اس کوزانی کہنا جائز نہیں، البتہ امام کواپنا چال چلن ایسا رکھنا ضروری ہے جس سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع نہ ملے(۲)۔

=(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة ص:۵۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱)" ويثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد .... بلفظ الزنا لا الوطء والجماع .... و عدلوا سراً و علناً .... و يثبت أيضاً بإقراره أربعاً في مجالسة: أي المقر الأربعة اهـ".

(الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۷،۸،۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/۵۰۷، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲)" اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتهم". و رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومن من أساء الظن به". و روى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيدالمسيب قال: وضع عمر بن الخطاب: ثماني عشرة كلمة .... "و من عرض نفسه للتهمة، فلا يلومن من أساء به الظن". (كشف الخفاء: ۱/۴۵، مؤسسة الرسالة بيروت)

"ويكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق. وكراهة تقديمه: أي الفاسق كراهة تحريم الخ"

در مختار و شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۲۵۶۵]: ایک شخص کی سالی سے دوسرا شخص زنا کرتا ہے، کیا پہلا شخص دیوث ہوگا یا نہیں اور اسے امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص دیوث نہیں (۲)، البتہ اگر باوجود قدرت کے زنا سے نہیں روکتا تو گنہگار ہے (۳)۔

اور اگر سالی اس کی پرورش میں ہے پھر نہیں روکتا تو انتہائی بے غیرتی ہے اور ایسے شخص کی امامت ناجائز ہے۔ زانی کی امامت کا ناجائز ہونا بالکل ظاہر ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "ديوث من لا يغار على امرأته، أو محرمه". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/ ۷۰، سعيد)

(۳) "عن طارق بن شهاب: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، و إن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان اهـ: ۱/ ۵۱، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الخاتم، باب الأمر و النهي: ۲/ ۲۴۰، سعيد)

(۴) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار).

وفي رد المحتار: "(قوله: وفاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من=

زانی کی توبہ کے بعد امامت

سوال[۲۵۲۶]: اگر زانی ایک مرتبہ زنا کر لے تو اس کے پیچھے کتنے روز تک نماز مکروہ تحریمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زانی کی توبہ پر جب وثوق ہو جائے اور وہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے اور اعمالِ سیئہ سے اجتناب کرنے لگے تو اس کی امامت درست ہوگی (۱)۔ فقط۔

توبہ کے بعد دوبارہ امامت

سوال[۲۵۲۷]: ہماری مسجد کے امام صاحب جو کہ بتیس سال سے امامت کرتے ہیں، ان سے غلطی ہوئی کہ مسجد کے باہر کچھ خشت پختہ ایک ہندو ٹھیکدار کی پڑی ہوئی تھی، اس میں سے کچھ اٹھا کر حجرہ میں رکھ لی اور ایک دو یوم کے بعد اسی جگہ پر جوں کی توں بغیر تصرف اور بغیر کسی کمی بیشی کے واپس رکھ دی۔ مہتمم صاحب اور مقتدیوں کو یہ حرکت ناگوار خاطر ہوئی، امام ملازمت سے برطرف ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کیا اور مقتدیوں سے معذرت چاہی، ان سب حضرات نے معاف کیا اور سب خوش ہو گئے۔ مہتمم صاحب اور مقتدیوں کی یہ خواہش ہے کہ امام عیالدار ہیں اور بتقاضائے بشری غلطی ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالے ہیں، ہم سب نے بھی معاف کیا، حسب سابق ان کو امام رکھا جائے۔ اس کے پیچھے ہماری نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آدمی سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توبہ کو قبول فرما کر معاف فرما دیتے ہیں، قرآن کریم

=یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی و آکل الربا و نحو ذلک". (کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۱) "قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإنی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدی﴾ (سورة طه: ۸۲)

"عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:" التائب من الذنب کمن لاذنب له". رواه ابن ماجه". (مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۶، قدیمی)

میں ہے:﴿إني لغفارٌ لمن تاب﴾ (۱) لہٰذا صورتِ مذکورہ میں ان امام صاحب کے پیچھے مقتدیوں کی نماز درست ہوگی (۲)۔ ان کا توبہ واستغفار کرنا اور اپنی غلطی کی معافی چاہنا قابلِ قدر ہے، حق تعالیٰ استقامت بخشے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

فیملی پلاننگ سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۲۸]: ۱...... یہ تو معلوم ہے کہ فیملی پلاننگ ناجائز ہے، اور ﴿خشية إملاق﴾ قلتِ رزق کی وجہ سے آپریشن یا مانعِ حمل ادویہ استعمال کرنا یا عزل یہ سب چیزیں ممنوع ہیں۔

البتہ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی نیم تعلیم یافتہ آپریشن کرائے اور بعد میں جب پوچھ تاچھ شروع ہو تو وہ مولوی صاحب مجمعِ عام میں جامع مسجد کے ایک مفتی صاحب کے سامنے اعلانیہ توبہ کریں اور مفتی صاحب اس کو توبہ کرانے کے بعد اس کے پیچھے نماز جائز قرار دے تو آیا اس کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے اس لئے مفصل ومدلل جواب جلد از جلد عنایت فرماکر

---

(۱) (سورة طه: ۸۲)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه". متفق عليه".

"وعن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الشيطان، قال: وعزتک یارب! لأبرح أُغوي عبادک مادامت أرواحهم في أجسادهم. فقال الرب عزوجل: "(وعزتي وجلالي وارتفاع مكاني! لا أزال أغفرلهم ما استغفروني)". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار و التوبة: ۱/۲۰۳، ۲۰۴، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار، والتوبة: ۱/۲۰۶، قديمي)

مشکور فرمائیں۔

۲......صورتِ ثانیہ اس مولوی صاحب سے جب مفتیوں نے دریافت کیا کہ آپنے یہ آپریشن کیوں کرایا؟ تو مولوی صاحب حلفیہ بیان دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری صحت ہمیشہ کمزور رہتی تھی اور اہلیہ کی بھی، تو میں نے چند اشخاص کے کہنے پر یہ آپریشن کرالیا، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ علماء لوگ اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے تو میں اب آپ مفتی حضرات کے سامنے اور تمام مقتدیوں کے سامنے جامع مسجد میں توبہ کرتا ہوں اور اپنے کیئے کی معافی مانگتا ہوں اور اپنے فعل پر خود نادم اور پشیمان ہوں۔

لہٰذا خدارا! میری توبہ قبول ہونے کا فتوی صادر فرما کر ممنون فرمائیں، مفتی صاحب نے جو کہ دارالعلوم کے فاضل ہیں عام لوگوں کے سامنے اس مولوی صاحب سے اعلانیہ توبہ کرائی اور اس کے بعد اس کے پیچھے نماز جائز ہونے کا حکم فرمایا۔ ان صورتوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح فرما کر مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ جب سچے دل سے ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ توبہ قبول ہوگئی، اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ کسی کو کہنے کا حق نہیں کہ فلاں کی توبہ قبول نہیں (۱)، البتہ اگر کوئی شخص اس لئے توبہ کا اعلان کرے کہ اس کو امامت سے الگ کر دیا گیا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور اب وہ گویا کہ بے روزگار ہے یا اس کا اقتداء جاتا رہے تو ظاہر ہے کہ یہ تو حقیقی توبہ نہیں، نمازی اس کو تسلیم کرنے کے مکلف بھی نہیں، مگر دل کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإني لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدى﴾ (سورة طه: ۸۲)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". رواه ابن ماجه". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۶، قديمي)

(۲) "وقوله صلى الله عليه وسلم: "أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا"؟ .... ومعناه: إنك إنما كلفت بالعمل بالظاهر وما ينطق به اللسان، وأما القلب فليس لك طريق إلى معرفة ما فيه، فأنكر =

جاہل چور کی امامت

سوال[۲۵۲۹]: زید امام ہے اور بے علم ہے، فقط قرآن شریف پڑھا ہوا ہے وہ بھی غلط پڑھتا ہے اور معلوم نہیں کہ کس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور کس طرح نہیں اور اگر موقع ملے تو چوری بھی کر لیتا ہے اور غسالی اس کا پیشہ ہے، نکاح سابقہ پر دیگر نکاح کرا دیتا ہے، مسجد میں آکر نماز پڑھ لی اگر کسی دوسری جگہ ہو تو نماز قضاء کر دیتا ہے، قوم کو اس سے نفرت ہے، زید کی وجہ سے جامع مسجد میں صرف بیس پچیس آدمی موجود رہتے ہیں حالانکہ آبادی گاؤں کی ہزار تک ہے۔ اب ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر واقعی یہ امور اس میں موجود ہیں اور اس سے بہتر امامت کا اہل آدمی موجود ہے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، بہتر شخص کو امام بنانا چاہئے (۱)۔ اگر یہ شخص ان امور سے توبہ کر لے اور آئندہ ایسی ممنوعات نہ کرے، نیز قرآن شریف صحیح پڑھے تو اس کی امامت منع نہیں ہے (۲)۔ اگر گاؤں کی آبادی صرف ایک ہزار ہے تو اس میں جمعہ جائز نہیں جواز جمعہ کے لئے کم از کم تین چار ہزار آدمی اور بازار میں ضروریات کا وہاں پایا جانا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۸/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

= عليه امتناعه من العمل بما ظهر باللسان، وقال: أفلا شققت عن قلبه لتنظر هل قالها القلب و اعتقدها وكانت فيه أم لم تكن، بل جرت على اللسان فحسب الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله: ۱/ ۶۸، ۶۹، قديمي)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد .... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوة للقرأة، ثم الأورع اهـ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(۳) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعةَ و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، =

چوری سے توبہ کے بعد چور کی امامت

سوال[۲۵۷۰]: ایک شخص کو چوری کے معاملہ میں کئی مرتبہ سزا ہو چکی ہے، اب بھی اس کا اندیشہ ہے، مگر وہ شخص توبہ کر چکا ہے، نماز کا پابند ہے، یہ شخص لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اپنی گزشتہ زندگی پر نادم ہو کر اس نے سچی توبہ کر لی اور جن کا مال چوری کیا تھا ان سے معاف کرا لیا، یا اس کے واپس کرنے کی فکر میں لگ گیا تو امید قوی ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرمادیں اور اس حالت میں اس کی امامت بھی درست ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى : ۱/۸، إدارة القرآن كراچي)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي و منبر و خطيب، كما في المضمرات. و الظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۱۳۸/۲، سعيد)

"قال رحمه الله: وهو: أي المصر كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، و هذا رواية عن أبي يوسف، و هو اختيار الكرخي. وعنه أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لا يسعهم، وهو اختيار البلخي. وعنه هو كل موضع يكون فيه كل محترف ويوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وفيه فقيه مفت و قاضي يقيم الحدود الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة : ۵۲۳/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال سبحانه تعالىٰ: ﴿و إني لغفار لمن تاب﴾ (سوره طٰه: ۸۲)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم، تاب، تاب الله عليه". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول: ۲۰۳، قديمي)

"ثم هذا إن كانت التوبة فيما بينه و بين الله .... و إن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال و الاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث". (شرح الفقه الأكبر، بحث التوبة: ۱۵۸، قديمي)

لڑکے کا بوسہ لینے والے کی امامت

سوال [۲۵۷۱]: اگر کوئی شخص کسی لڑکے کا بوسہ لے لے اور اس کو انزال ہو جائے تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شہوت پوری کرنے کے لئے لڑکے کا بوسہ لینا ناجائز ہے (۱)، جو شخص ایسا کرتا ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو امام لڑکے کا بوسہ لے اس کی امامت

سوال [۲۵۷۲]: ایک شخص دو سال سے امام ہے اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے، ایک بچہ جو نہایت

---

(۱) "قال في الهندية: والغلام إذا بلغ مبلغ الرجال و لم يكن صبيحاً فحكمه حكم الرجال، وإن كان صبيحاً فحكمه حكم النساء، و هو عورة من قرنه إلى قدمه، لا يحل النظر إليه عن شهوة، و أما الخلوة والنظر إليه لاعن شهوة فلا بأس به، و لذا لم يؤمر بالنقاب، كذا في الملتقط .... وفوق ذلك الميل إلى التقبيل، أو المعانقة، أو المباشرة، أو المضاجعة، ولو بلا تحرك آلة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ٦/٣٦٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل النظر إليه و ما لا يحل له اهـ: ٥/٣٣٠، رشيديه)

(۲) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار).

"(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٦٠، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ١/١٠٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ٣٠٢، ٣٠٣، قديمي)

خوبصورت ہے اس کو کمرہ میں لے جاتے تھے اور بوسہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اس بچے نے شکایت کی کہ امام صاحب نے میرا بوسہ لیا ہے، امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! میں اس کو بیٹا سمجھ کر بوسہ لیتا ہوں اور مصری لوگ بھی بوسہ لیتے ہیں، میں کیوں جھوٹ بولوں، اس پر مسجد میں ہنگامہ ہوا دو پارٹیاں بن گئیں، بعدۂ اس کو مسجد سے الگ کردیا گیا، اب وہ پھر آنا چاہتے ہیں، حالانکہ بہت سے نمازی ان کو لانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ایسے امام کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب سے بہتر صحیح العقیدہ، مسائلِ نماز اور طہارت سے واقف صحیح پڑھنے والا، متبعِ سنت دوسرا امام مل جائے تو سابق امام کو دوبارہ لانے اور امام بنانے پر ہرگز اصرار نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ۔

کم سن بچوں سے تنہائی میں خدمت لینے والے اور فجر کے بعد سونے والے کی امامت

سوال [۲۵۷۳]: زید ایک مسجد کا امام ہے، ساتھ ہی بچوں کی تعلیم کا بھی کام ان کے ذمہ ہے، امام موصوف بسا اوقات فجر کی نماز مقتدیوں کے بار بار بلانے پر بھی نہیں پڑھاتے، عاجز آکر دوسرے آدمی کو پڑھانا پڑتا ہے اور امام صاحب سوئے رہتے ہیں۔ کچھ کم سن بچے ایسے بھی ہیں جن کی عمر بارہ چودہ برس کی ہوگی، اپنے

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفسادًا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقًا. آهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

کمرہ میں بند کر لینے کے بعد اب بچوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، وہ اللہ جانے، لیکن بار بار ایسا دیکھنے کے بعد جب ان سے اس کی شکایت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ کمرہ بند کر کے ان سے کچھ خدمت کرا لیتے ہیں۔ جس پر سائل نے ان سے کہا کہ خدمت کرانے کیلئے کمرہ بند کرنے کی ضرورت نہیں، مگر اس پر قطعاً ان کا دھیان نہیں۔ ایسی شکل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں کہ امام موصوف کا یہ عمل ان کیلئے اچھا ہے؟ اگر نہیں تو امامت کے منافی تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیند کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے بیدار نہیں ہو پاتے تب تو ان کو علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، البتہ اس کا انتظام ضروری ہے کہ وقت پر بیدار ہو جایا کریں، رات کو بعد عشاء جلد سو جائیں، گھڑی الارم کا انتظام کیا جائے، ایسی جگہ اور اس طرح سوئیں کہ ان کو بیدار کرنا سہل ہو، مؤذن یا کوئی اور شخص بیدار کر دیا کریں (۲)۔ اگر امام صاحب اس کی فکر اور انتظام نہ کریں بلکہ لاپرواہی سے رہیں، جب چاہیں پڑھائیں یا نہ پڑھائیں، وقت پر اٹھیں یا سوتے رہ جائیں، نماز ادا ہو یا قضاء ہو جائے، ان کو پرواہ بھی نہ ہو تو پھر وہ علیحدہ کئے جانے کے قابل ہوں گے (۳)۔

ایسے بچوں کو بند کمرہ میں ساتھ رہنے سے پرہیز کریں جن سے تہمت کا اندیشہ ہو، اور دوسروں کو بھی

---

(۱) "وعن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رفع القلم عن ثلثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يبلغ، وعن المعتوه حتى يعقل". رواه الترمذي وأبوداؤد و الدارمي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الخلع والطلاق: ۲/ ۲۸۴، قديمي)

(۲) "ويثوب بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۵۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۱۷۷، مكتبه امداديه، ملتان)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). "وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

تہمت لگانے سے بچنا ضروری ہے، یہ سخت معصیت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۳ھ۔

سالی سے مذاق کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۷۴]: زید وعمر آپس میں ہم زلف ہیں(۲) اور زید مذکور اپنی سالی کے ساتھ ناشائستہ مذاق کرتا ہے، اور دواعیٔ جماع کا ظاہراً ارتکاب کرتا ہے، اسی بناء پر عمر نے زید کے ساتھ اپنے تعلقات کو ختم کردیا۔ لہٰذا زید کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور عمر کا اس طرح زید سے تعلق ختم کردینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ دونوں حضرات امام ہیں، لہٰذا ان دونوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، یا ظالم ومظلوم میں کچھ رعایت ہے؟ اور یہ تحریر کریں کہ کن کن لوگوں سے شرعی پردہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ خلافِ شرع ہے اور ناجائز ہے، سالی کو پردہ کرنا لازم ہے، تنہائی اس کے ساتھ حرام ہے(۳)۔ اگر زید فہمائش کے بعد بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آیا اور اس کے فتنہ سے حفاظت کے لئے عمر نے اس سے قطع تعلق کردیا اور اپنی بیوی کی اس طرح اس سے حفاظت کرلی تو بہت اچھا کیا، اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے، ایسا کرنے

---

(۱) "اتقوا مواضع التهم". ذكره في الإحياء: وقال العراقي في تخريج أحاديثه لم: أجد له أصلاً لكنه بمعنى قول عمر رضي الله عنه: "من سلك مسالك الظن اتّهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعًا بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلايلومن من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب رحمه الله تعالىٰ قال: وضع عمر بن الخطاب رضي الله عنه ثماني عشرة كلمة .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلايلومن من أساء به الظن". (كشف الخفاء: ۱/ ۴۵، مؤسسة الرسالة، بيروت)

(۲) "ہم زلف: ساڑھو، سالی کا خاوند"۔ (فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور)

(۳) قال الله تعالىٰ ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبنائهن أو أبناء بعولتهن، أو إخوانهن، أو بني إخوانهن، أو بني أخواتهن، أو نسائهن، أو ماملكت أيمانهن، أو التابعين غير أولي الإربة من الرجال أو الطفل﴾. (سورة النور: ۳۱)

"والخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

سے عمر کی امامت میں کوئی خلل نہیں (۱)، زید البتہ خطاوار ہے اس کو توبہ واحتیاط لازم ہے (۲) ورنہ وہ منصب امامت سے علیحدہ کرنے کے قابل ہوگا (۳)۔ جن لوگوں سے کسی وقت بھی نکاح جائز ہے ان سے پردہ کرنا لازم ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولا یجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران في حق من حقوق الله تعالی، فیجوز ذلک .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات، مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الأداب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، ۷۵۹، رشیدیه)

(وکذا في عمدة القاری، کتاب الأداب، باب ما ینهی عنه من التحاسد والتدابر: ۲۲/۱۳۷، مطبعه خیریه بیروت)

(۲) "عن أبي هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: " لله أشد فرحاً بتوبة أحدکم بضالته إذا وجد". قال النووی: واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة وإنها واجبة علی الفور، لا یجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً الخ". (الصحیح لمسلم مع شرحه الکامل للنووی، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا في روح المعانی، تحت آیة ﴿یأیها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾ ۲۷/۱۵۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب یُوجبه، مثل أن یوجد منه ما یوجب اختلال أحوال المسلمین وانتکاس أمور الدین کما کان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلائها، وإن أدی خلعه إلی فتنة احتمل أدنی المضرتین". (کتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

(۴) "ومن محرمه هي من لایحل له نکاحها أبداً بنسب أو سبب ولو بزنا". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۵، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الکراهیة، فصل في النظر واللمس: ۸/۳۵۵، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في النظر واللمس: ۷/۴۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

غیر محرم عورتوں سے بدن دبوانے والے کی امامت

سوال[۲۵۷۵]: زید ایک مسجد میں امام ہے اور قرآن مجید کا حافظ ہے اور پانی پتی لہجہ میں پڑھتا ہے، مگر اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے بعض بعض باتیں خلافِ شرع معلوم ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے بعض نے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی ہی چھوڑ دی ہے اور بعض بادلِ ناخواستہ پڑھتے ہیں اور خلافِ شرع یہ باتیں ہیں:

کہ ایک دفعہ حافظ صاحب مرضِ نمونیہ میں مبتلا ہوگئے تو حالتِ مرض میں غیر محرم مستورات سے بدن دبواتے رہے جو کہ حافظ کی دور کی رشتہ دار ہیں، مثلاً: ایک چچی ہے جس میں بہت دور کا واسطہ ہے اور اسی طرح سے ایک دور کے چچازاد بھائی کی عورت ہے جس کو حافظ صاحب بھاوج کہہ کر پکارا کرتے ہیں اور ایک دو عورتیں ایسی اَور بھی ہیں جن کے ساتھ دور کا رشتہ ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو نفرت ہوگئی ہے۔

اور ایسے ہی ایک شکایت اَور ہے کہ ایک دفعہ حافظ جی صاحب اسی مذکورہ بھاوج کے ساتھ بازار میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ اور ایسے ہی ایک دفعہ اسی بھاوج کے ساتھ ہنسی اور دل لگی کرتے دیکھا گیا ہے جس کے باعث لوگ بہت متنفر ہیں اور بعض نے ان کے پیچھے نماز بھی ترک کردی ہے۔ لہذا ارشاد فرماویں کہ آیا ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ باحوالہ تحریر فرماویں۔ بینوا بالبرہان وتوجروا عند الرحمٰن۔

مقام سرسہ محلہ کھٹیکان، ضلع حصار، مدرسہ عربیہ خیر العلوم، محمد الدین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی باتوں سے بدگمان ہوکر ان کے پیچھے نماز چھوڑ دینا اور ان سے نفرت کرنا مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ نرمی اور مناسب طریقہ سے ان کو سمجھا دیا جائے کہ آپ کی ان باتوں سے لوگوں کو بدگمانی اور نفرت پیدا ہوتی ہے(۱) لہٰذا آپ احتیاط کریں، خصوصاً جب کہ آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تو اَور زیادہ بدگمانی کا موقعہ ہے، ویسے بھی شرعاً اجنبی عورت کے ساتھ یعنی نامحرم (جس سے پردہ فرض ہو) خلوت ممنوع ہے(۲)۔ ذرا ذرا سی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتی هی أحسن﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم ویحفظوا فروجهم﴾ (سورة النور: ۳۰)

"سمعت أبا أمامة رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: =

بات پر امام کو علیحدہ کرنا تو آسان ہوتا ہے لیکن پھر صالح اور صحیح پڑھنے والے امام کا ملنا مشکل ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/۲/۱۳۵۸ھ۔

نوجوان بیوہ سے پاؤں دبوانے والے کی امامت

سوال[۲۵۷۶]: ایک امام مسجد کچھ دنوں سے بیمار تھے، نوجوان ہیں اور غیر شادی شدہ بھی، انہوں نے بھتیجے کی بیوی کو جو بیوہ ہے اور نوجوان بھی ہے، اپنی خدمت کیلئے رکھ لیا ہے، اس سے پیر بھی دبواتے ہیں۔ جب نمازیوں نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ ہسپتال والوں میں نرسیں بھی تو رہتی ہیں۔ اب نمازیوں میں دو گروپ ہوگئے: ایک کہتا ہے کہ وہ بیٹی سمجھ کر پیر دبواتے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ یہ عورت بیوہ غیر محرم ہے، اس سے ایسی خدمت کیوں لی گئی؟ اب ان امام کے متعلق علمائے دین کا کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام صاحب کو چاہئے کہ اس بیوہ سے نکاح کرلیں، پھر اس طرح کی خدمت لیں (۱)، نامحرم سے اس

= " اكفلوا لي ستاً أكفل لكم بالجنة: إذا حدث أحدكم فلايكذب، وإذا أوتمن فلايخن، وإذا وعد فلايخلف، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم، واحفظوا فروجكم."

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن النظرة سهمٌ من سهام إبليس مسمومٌ، من تركها مخافتي، أبدلته إيماناً يجد حلاوته في قلبه".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل عين باكية يوم القيامة إلا عيناً غضت عن محارم الله، وعيناً سهرت في سبيل الله، وعيناً يخرج منها مثل رأس الذباب من خشية الله عزوجل". (تفسير ابن كثير: ۳/۳۷۶، ۳۷۷، دار الفيحاء دمشق)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأنكحوا الأيامى منكم﴾ (سورة النور: ۳۲)

"الأيامى جمع أيم، ويقال ذلك للمرأة التي لازوج لها وللرجل الذي لازوجة له، سواء كان قد تزوج ثم فارق أولم يتزوج واحد منها" (ابن كثير: ۳/۳۸۳، دار الفيحاء، دمشق)

طرح خلط ملط نہ رکھیں (۱)۔ اگر امام نہ مانیں تو ان کو امامت سے الگ کر کے کسی پابندِ شریعت اور متبع سنت کو امام تجویز کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

اغلام باز اور اغلام بازی کا الزام لگانے والے کی امامت

سوال [۲۵۷۷]: ۱......ایک امام صاحب جب کہ پانچ وقت کی نماز پڑھاتا ہے، دینی مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دیتا ہے، لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا ہے اور بُری باتوں سے منع کرتا ہے، ایک دوسرے امام صاحب پر ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ اغلام بازی کا الزام رکھتا ہے، امام مسجد خدا کی قسم کھاتا ہے کہ ہم نے کوئی بدفعلی نہیں کی۔ تو اب لڑکے کی بات پر اعتبار کرنا چاہیے جو کہتا ہے کہ ہم سے تین چار بار بدتمیزی کی، یا امام کی قسم کا اعتبار کرنا چاہیے، اور امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۲......امام نے دوسرے امام کے اوپر اغلام بازی کا الزام لگایا ہے ان کے متعلق یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ امام پنج وقتہ نماز اور جمعہ پڑھاتا ہے اور ان کا معاملہ یہ ہے کہ جب یہ باہر جاتے ہیں تو کسی وقت کی نماز نہیں پڑھتے، جب ملازمت پر رہتے ہیں تو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ یہ اکثر جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ ان دونوں میں کون سے امام افضل ہیں، کس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......امام صاحب کو محض اس نابالغ لڑکے کے بیان پر مجرم قرار دے کر شرعی سزا کا مستحق نہیں

---

(۱) "الخلوة بالأجنبية حرام، إلا لملازمة مديونة هربت ودخلت خربة، أو كانت عجوزاً شوهاء، أوبحائل". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، شركة علميه ملتان)

ٹھہرایا جائے گا، امام صاحب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (۱)۔ بغیر ثبوتِ شرعی کے کسی کے متعلق الزام لگانا کبیرہ گناہ ہے (۲)، امام صاحب کو بھی احتیاط سے رہنا چاہیے تا کہ بدگمانی کا موقع کسی کو نہ ملے (۳)۔

۲.....الزام لگانا، فرض نماز ترک کرنا، جھوٹی قسمیں کھانا تینوں سخت قسم کے گناہ ہیں (۴)، اگر واقعۃً

---

(۱)"عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "لویعطی الناس بدعواهم، لادعی ناس دماء رجال وأموالهم، ولکن الیمین علی المدعی علیه". رواه مسلم، وفی شرحه للنووی: "إنه قال: وجاء فی روایة البیهقی بإسنادحسن أو صحیح زیادة عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً لکن البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر". (مشکوة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضیة والشهادات: ۲/۳۲۶، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولایأتین ببهتان یفترینه بین أیدیهن وأرجلهن﴾. (سورة الممتحنة،۱۲)

"وأخرج أحمد: "خمس لیس لهن کفارة:الشرک بالله وقتل النفس بغیر حق،وبهت مؤمن، والفرار من الزحف، ویمین صابرة یقتطع بهامالاً بغیر حق.

والطبرانی: من ذکر امرأً بشیء لیس فیه لیعیبه به حبسه الله فی نار جهنم حتی یأتی بنفاذ ما قال فیه". (الزواجر عن اقتراف الکبائر ، کتاب النکاح، الکبیر الرابعة والخمسون بعد المائتین : البهت: ۲/۴۱، دار الفکر بیروت)

(۳) "اتقوا مواضع التهم". ذکره فی الإحیاء : و قال العراقی فی تخریج أحادیثه: لم أجد له أصلا، لکنه بمعنی قول عمر: "من سلک مسالک الظن اتهم"، و رواه الخرائطی فی مکارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا یلومنّ من أساء الظن به". و روی الخطیب فی المتفق والمفترق عن سعید بن المسیب قال: و ضع عمر بن الخطاب ثمانی عشرة کلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا یلومن من أساء به الظن". (کشف الخفاء: ۱/۴۵، مؤسسة الرسالة بیروت)

(۴) "وأخرج أحمد : خمس لیس لهن کفارة: الشرک بالله ، و قتل النفس بغیر الحق، وبهت مؤمن". إلی آخر الحدیث". (الزواجر عن اقتراف الکبائر ، کتاب النکاح، الکبیرة، الرابعة والخمسون بعد المائتین : البهت: ۲/۴۱، دار الفکر بیروت)

"عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه قال: أوصانی خلیلی: "أن لا تشرک بالله شیئاً وإن قطعت وحرقت، و لا تترک صلوة مکتوبةً متعمداً، فمن ترکها متعمداً فقد برئت منه الذمة، و لا تشرب الخمر فإنها مفتاح کل شر". رواه ابن ماجة". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، الفصل الثالث: ۱/۵۹، قدیمی) =

ان میں یہ چیزیں موجود ہیں تو ان کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جب تک وہ ان سب چیزوں سے پختہ توبہ نہ کرلیں، ہرگز ان کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۷ھ۔

محلوق اللحیۃ کی امامت

سوال[۲۵۷۸]: یہاں ایک مسجد میں کسی نماز میں پیش امام صاحب کسی کام کی وجہ سے جماعت کے وقت نہ پہونچ پائے تو ان کی جگہ ایک دوسرا شخص جو پڑھا لکھا ہے مگر داڑھی ترشواتا ہے نماز پڑھاتا ہے، اس کے پیچھے جو مقتدی داڑھی صاف کراتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور پھر بعد میں اپنی نماز دہراتے ہیں۔ ان کو ایسا کرنا کیسا ہے؟

نثار احمد، خریدار نمبر: ۱۷۸۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام متبعِ سنت ہونا چاہئے، لیکن ایسے مقتدیوں کو ایسے امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا دہرانا لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

ایضاً

سوال[۲۵۷۹]: جو داڑھی کا بالکل صفایا کراتا ہو اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز ہوتی

= "عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الكبائر: الإشراك بالله و عقوق الوالدين و قتل النفس واليمين الغموس". (الصحيح للبخارى، كتاب الأيمان والنذر، باب اليمين الغموس: ۲/۹۸۷، قديمى)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمى". (الدرالمختار).

"(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزانى، وآكل الرباء ونحو ذلك .... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۹، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "فاسق کی امامت"۔)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کو امام بنانا مکروہ ہے البتہ اگر وہ خود امام بن کر نماز پڑھاوے تو نماز ہوجائے گی، گو وہ ثواب نہ ملے گا جو متقی امام کے پیچھے پڑھنے سے ملتا:

"وإذا صلی الرجل خلف فاسق أو مبتدع، یکون محرزاً ثواب الجماعة لما روینا من الحدیث: "صلوا خلف کل بر و فاجر". لکن لا ینال ثواب خلف عالم تقي، قال علیه السلام: "من صلی خلف عالم تقي، فکأنما صلی خلف نبي من الأنبیاء". قاضي خان: ۱/۱۱۳ (۱)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، بندہ عبدالرحمٰن، یکم/صفر/۵۲ھ۔

داڑھی کٹے کی امامت تراویح میں

سوال[۲۵۸۰]: داڑھی کترواکر ایک مشت سے کم رکھنے والے کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ نیز شرعی داڑھی کی مقدار کیا ہے؟ حدیث کے حوالہ کے ساتھ رقم فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اصولِ فقہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ جس اصل سے بھی جو مسئلہ ثابت ہو اور ثبوت بھی عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص جس طرح بھی ہو وہ قابلِ تسلیم ہے، کسی ایک دلیل میں منحصر

---

(۱) (فتاویٰ قاضي خان، کتاب الصلوة، فصل فیمن یصح الاقتداء به و فیمن لا یصح: ۱/۹۲، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الشیخ الشلبي علی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوة، في بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، إدارة القرآن کراچی)

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعید)

قرار دیکر اس دلیل کا مطالبہ منصبِ مقلد کے خلاف ہے اور مجیب اس کا مکلّف بھی نہیں، اس بنیادی تمہید کے بعد عرض ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے(۱)، صحابہ کرام کا بھی عامۃً معمول یہی تھا۔ تو گویا یہ چیزیں اجماعی ہیں، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے لکھا ہے:"و یحرم علی الرجل قطع لحیته" (۲)۔

ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹانا، یا چھوٹی چھوٹی رکھنا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں:"وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال، فلم يبحه أحد". شامی:۲/۱۱۳(۳)۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أنه كان يقبض على لحيته ثم يقصّ ماتحت القبضة. قال محمد: و به نأخذ، وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، كتاب الحظر والإباحة، باب حف الشعر من الوجه، يقال: حفت المرأة وجهها: أي أخذت عنه الشعر، ص:۱۹۸، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في البحر الرائق: ۳/۱۹، كتاب الحج، باب الجنايات، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسد : ۲/۱۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء و قلم الأظفار و قص الشارب و حلق الرأس الخ :۵/۳۵۸، رشيديه)

(و كذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد : ۲/۱۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: "خالفوا المشركين أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحى". "وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "جزوا الشوارب، و ارخوا اللحى، خالفوا المجوس". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

(۲)(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع : ۶/۴۰۷، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسد : ۲/۴۱۸، سعيد)

(و كذا في بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة : ۱/۳۳، مكتبه امداديه) .... =

جو شخص ایسا کرتا ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لأنه فاسق و كراهة تقديمه كراهة تحريم كما في الغنية و رد المحتار وغيرهما(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

سودخور اور محلوق اللحیۃ کی امامت

سوال[۲۵۸۱]: سودخور اور داڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور ان کو امام بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، درمختار، شامی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

= (وكذا في مرقاة المفاتيح ، كتاب الطهارة، باب السواك : ۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في حجة الله البالغة، خصال الفطرة و مايتصل بها : ۵۱۷/۱، قديمي)

(وأيضاً فيه، باب إطالة اللحى وإحفاء الشوارب : ۵۱۶/۲، قديمي)

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۲۰/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(۲) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار).

"(قوله: وفاسق) من الفسق : وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۲۰/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱۲۲/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل الجماعة سنة مؤكدة : ۱۰۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، فصل فيمن يصح الاقتداء و فيمن لا يصح : ۹۱/۱، رشيديه)

جوامام داڑھی رکھنے سے منع کرے اس کی امامت

سوال[۲۵۸۲]: جوامام لڑکوں کوداڑھی رکھنے سے منع کرتا ہو کہ ابھی تمہاری عمرداڑھی رکھنے کی نہیں ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

داڑھی رکھنے سے منع کرنا حدیث پاک کا مقابلہ کرنا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۷ھ۔

تعلیم یافتہ بےداڑھی والے کی امامت

سوال[۲۵۸۳]: ایک موضع میں مسجد ہے جس میں زیدامامت کرتا ہے، زیدداڑھی نہیں رکھتا، موضع میں صرف زیدہی ایسا ہے جوامامت کے قابل تعلیم یافتہ ہے، دیگراشخاص صرف نماز پڑھنے کی قابلیت رکھتے ہیں خطبہ وغیرہ نہیں پڑھ سکتے۔ ایسی صورت میں امامت کے متعلق زید کا کیا حکم ہے؟ حالانکہ جولوگ خطبہ پڑھنے کی قابلیت نہیں رکھتے ان میں سے چندداڑھی بھی رکھتے ہیں، کبھی کبھی ایسے شخص آجاتے ہیں جو کافی علم داں ہوتے ہیں اورداڑھی بھی رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی موجودگی میں امام مذکوربالا کیاامامت نہیں کرسکتے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زیدکوچاہئے کہ داڑھی شریعت کے موافق رکھے پھرامامت کرے، جوشخص نماز پڑھاسکتا ہے، خطبہ نہیں جانتا، اس کوچاہئے کہ الحمدشریف اوردرودشریف، سوم کلمہ، استغفار پڑھ دے، بس خطبہ اداہوجائے گا، یہ ضروری

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أحفوا الشوارب واعفوا اللحی".

"وعن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: " خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحی".

"عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "جزوا الشوارب وأرخوا اللحی خالفوا المجوس". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمی)

نہیں کہ جو خطبہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہی پڑھے(۱) اور جب مسائل سے واقف متبعِ سنت شخص موجود ہو تو داڑھی نہ رکھنے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رمضان/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان/ ۶۷ھ۔

امام کس کو بنایا جائے کم داڑھی والے کو یا دوسرے متبعِ سنت کو؟

سوال[۲۵۸۴]: ۱......ایک موضع میں ایک صاحب ہیں جن کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے، لیکن قرآن کریم تجوید سے پڑھتے ہیں، مسائل میں خاص جانکاری رکھتے ہیں، باعلم باشعور ہیں، حلال وحرام کی حدود قائم رکھتے ہیں، دوسرے لوگوں میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو تجوید سے قرآن پڑھتا ہو یا مسائلِ نماز و دیگر مسائل ضروریہ سے واقف ہو، مگر داڑھی ایک مشت والے ہیں۔ایسی صورت میں کس کو امام بنایا جائے؟

۲......اگر کوئی شخص لمبی داڑھی والا یہ کہہ کر جماعت میں نہ شریک ہو کہ داڑھی چھوٹی ہے، اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ ساتھ ہی چھوٹی داڑھی والے کو یہ کہنا کہ تم اپنی نماز گھر پر ادا کرو امامت نہ کرو، یہ کیسا ہے؟ حالانکہ بغیر تجوید والے کے پیچھے تجوید سے پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی ہے، تو یہ چھوٹی داڑھی والے صاحب دوسرے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

---

(۱) "وكفت تحميدة أو تحليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة، و قالا: لا بد من ذكرٍ طويلٍ، و أقله قدر التشهد الواجب، اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۳۵۹/۱، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۵۳۰/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا، و لذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك، و روايةً عن أحمد". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، ۵۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......جوشخص ضروری مسائلِ طہارت ونماز سے واقف ہواورقرآن پاک اتنا صحیح پڑھ لیتا ہوجس سے نماز درست ہوجائے اگرچہ باقاعدہ جوید سے واقف نہ ہواورعمومی زندگی میں متبع سنت ہواس کوامام بنالیا جائے (۱)۔اور جوشخص مسائلِ کثیرہ سے واقف ہواوراس کا مطالعہ بھی وسیع ہومگرعملی زندگی اس کی سنت کے مطابق نہ ہو،علی الاعلان سنت وشعار کی مخالفت کرتا ہوکہ داڑھی کوایک مشت نہ بڑھنے دیتا ہو،اس سے پہلے ہی کتا کرکم کرادیتا ہواس کوامام نہ بنایا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۳/ ۹/ ۸۸...

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/ ۹/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض ..... ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا للقراء ة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هوأحق بالإمامة: ۱/ ۲۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى اهـ". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: وفاسق من الفسق): أي الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الرباء ونحو ذلك ..... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

داڑھی منڈے اور انگریزی بال والے کی امامت

سوال[۲۵۸۵]: انگریزی بال جس کے ہوں اس کے پیچھے نماز یا تراویح اور بوجہ داڑھی مونڈنے کے نماز یا تراویح جائز ہے یا نہیں؟

محمد ادریس۔

الجواب حامداًومصلياً:

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس سے بہتر نماز پڑھانے والا موجود ہو: " وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق". بحر: ۱/۳۴۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۵۷ھ۔

ٹھوڑی کے بال کٹوانے والے کی امامت

سوال[۲۵۸۶]: اگر کسی شخص کے ٹھوڑی کے بال کٹے ہوئے ہوں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز داڑھی کی طول میں کتنی مقدار ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو بال داڑھی کا جزو ہیں ان کو ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹوانا اور منڈوانا جائز نہیں (۲)، جو امام

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۷، ۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) " عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خالفوا المشركين، أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى".

"عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم: قال: "أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/ ۱۲۹، قديمي)

"والسنة فيها القبضة: ....ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته". (الدر المختار). "(قوله: =

ایسا کرتا ہے اس کی امامت مکروہ ہے(۱)، داڑھی ایک مٹھی رکھی جائے، جب تک ایک مٹھی نہ ہوجائے کٹوانا درست نہیں، جو مقدار ایک مٹھی سے زائد ہے اس کو کٹوانا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

انگریزی بال والے کی امامت

سوال[۲۵۸۷]: ایک شخص جس کے سر پر انگریزی بال، داڑھی خشخشی ہو، لباس بھی صالحین کا نہ ہو تو ایسے شخص کو بغیر بڑھائے امامت کے مصلے پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نائب امام کے ہوتے ہوئے دوسرے شخص کو خود امامت کے لئے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، جس شخص کے سر کے بال داڑھی، لباس، خلاف شرع ہو اس کو نہ دوسرے لوگ امام بنائیں نہ وہ خود امامت کے لئے مصلے پر جائے، چونکہ ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کو مستقل امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

= والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته، فمازاد منها على قبضة، قطعه، كذا ذكره محمد رحمه الله تعالىٰ في كتاب الآثار عن الإمام، قال: وبه أخذ، محيط. اهـ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب التاسع في الختان والخصاء وقلم الأظفار وقص الشارب: ۵/۳۵۸، رشيديه)

(۱) "ويكره إمامة عبدو أعرابي وفاسق وأعمىٰ.........اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: وفاسق من الفسق): أي الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (راجع رقم الحاشية ۲)

(۳) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد) =

داڑھی منڈے کا عید کا خطبہ

سوال[۲۵۸۸]: ہمارے یہاں عیدین کا خطبہ وکیل صاحب پڑھتے ہیں جن کی داڑھی مونچھ صاف ہے، نماز دوسرے حافظ صاحب پڑھاتے ہیں، دعا تیسرے وکیل صاحب کراتے ہیں۔ تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ وکیل صاحب داڑھی کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ خطبہ کے لئے داڑھی کی کوئی قید نہیں ہے، اگر رکھنی ہی ہوگی تو ہم موسمی داڑھی رکھ لیں گے، یعنی خطبہ کے ایک ہفتہ پہلے رکھ لیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اچھی بات تو یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں کام ایک ہی شخص انجام دے اگرچہ دونوں کام دو آدمیوں کے کرنے سے بھی ادا ہو جائیں گے(۱)۔ وکیل صاحب حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم مان کر شرعی داڑھی رکھ لیں تو بہت بڑے اجر کے مستحق ہوں گے، موسمی داڑھی کی کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ یہ تو شریعت کے ساتھ فریب کاری ہے کہ خطبہ پڑھنے کی خاطر رکھی گئی ہے تا کہ لوگ اعتراض نہ کریں، کام وہ مقبول ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے ہو(۲)۔

= "بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا، قال: ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالک، و رواية عن أحمد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ، جاز، هو المختار". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۵۸، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "قال الله تعالىٰ: ﴿لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوىٰ منكم﴾ (سورة الحج: ۳۷)

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو امرأة يتزوجها، فهجرته إلى ماهاجر إليه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۱، قديمی)

دعاء کے لئے تو کسی خاص شخص کی ضرورت ہی نہیں ہے، ہر شخص اپنی اپنی دعاء جس طرح پنجگانہ نماز کے بعد مانگتا ہے اسی طرح عید کی نماز کے بعد مانگ لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۵ھ۔

بڑی مونچھ والے کی امامت

سوال[۲۵۸۹]: اگر امام حافظ ہو اور وہ بڑی بڑی مونچھیں رکھتا ہو جن سے ہونٹ ڈھکے ہوئے ہوں اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ داڑھی میں مونچھ رکھتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اتنی بڑی مونچھ رکھنا جس سے ہونٹ بالکل ڈھک جائے، حدیث شریف کے خلاف اور مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۷ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "أحفوا الشوارب وأعفوا اللحی".

"وعن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: " خالفوا المشركين، أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحی".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "جزوا الشوارب، وأرخوا اللحی وخالفوا المجوس". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

"وأما روايات "أحفوا الشوارب" فمعناها: أحفوا ما طال علی الشفتين". (شرح النووي علی صحيح مسلم كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

"و تفسير القص أن ينقص حتی ينتقص عن الإطار، وهو بكسر الهمزة، ملتقی الجلدة واللحم من الشفة". (رد المحتار كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۰، سعيد)

"قال القاري: قال ابن حجر: فيسن إحفاء ه حتی تبدو حمرة الشفة العليا". (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة: ۱/۳۳، مكتبه امداديه ملتان)

رشوت خور کی امامت

سوال[۲۵۹۰]: رشوت خور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک حافظ صاحب پر شبہ ہے کہ وہ رشوت کا مال بھی کھاتا ہے اور زمین بھی لیتا ہے تو آیا اس صورت میں اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس سے بہتر امام موجود ہو تو رشوت خور کو امام بنانا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سود خور کی امامت

سوال[۲۵۹۱]: زید سود کھاتا ہے اور لوگوں کا سامان رہن پہ سود رکھتا ہے اور فال وغیرہ دیکھتا ہے اور لوگوں کی قسمت کا حال بیان کرتا ہے اور کان سے بہرا ہے، قرآن مجید غلط پڑھتا ہے، تعویذات قیمۃً فروخت کرتا ہے، زید مذکور بستی کا امام اور قاضی ہے اور معمولی مدرس، مذکورہ صفات کا حامل ہو کر زید امامت اور قضاۃ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن کریم اور احادیث مقطوع وفقہ ائمہ مجتہدین اہل السنۃ والجماعت کی رو سے عنایت فرماویں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کھانا حرام ہے(۲) اسی طرح سود پر سامان رکھنا حرام ہے(۳)، فال دیکھنا بھی منع ہے اور قسمت کا حال خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں: ﴿و ماتدری نفس ما ذا تکسب غداً﴾ الایة، لہٰذا قسمت کا حال بیان کرنا غیب کا دعویٰ کرنا ہے یہ سخت خطرناک کبیرہ گناہ بلکہ شرک ہے(۴)۔

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "(قوله وفاسق): من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني و آكل الربا و نحو ذلک". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، بالإمامة: ۱/۱۲۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿الذين يأكلون الربا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس، =

....

= ذلك بأنهم قالوا إنّما البيع مثل الربا، وأحل الله البيع وحرم الربا﴾. (سورة البقرة: ٢٧٥)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات": أي المهلكات، قالوا: يا رسول الله! و ماهن؟ قال: "الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، و أكل مال اليتيم، والتولّي يوم الزحف، و قذف المحصنات الغافلات المؤمنات". أخرجه الشيخان وأبو داود والنسائي".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الربا سبعون حوباً أيسرها أن ينكح الرجل أمه". أخرجه ابن ماجه و البيهقي".

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تشترى الثمرة حتى تعظم". وقال: "إذا ظهر الزنا والربا في قرية، أحلّوا بأنفسهم عذاب الله". (الحاكم و صححه)". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب البيع، الكبيرة التاسعة والسبعون والحادية والثمانون، والثانية والثالثة والرابعة والثمانون بعد المائة: أكل الربا و إطعامه و كتابته الخ: ١/٣٧٨، دار الفكر بيروت)

(٣)" لا انتفاع به مطلقاً، لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس و لا إجارة ولا إعارة، سواء كان من مرتهن أو راهن إلا بإذن كل للآخر، و قيل: لا يحل للمرتهن؛ لأنه ربا، وقيل: إن شرطه كان ربا، و إلا لا".

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: و قيل: لا يحل للمرتهن) و عن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي –وكان من كبار علماء سمرقند– أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، و هذاأمر عظيم........ و يؤيده قول الشارح الآتي في آخر الرهن: إن التعليل بأنه ربا يفيد أن الكراهة تحريمية، فتأمل........ قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، و لولاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعيّن المنع". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الرهن: ٦/٤٨٢، سعيد)

(٤) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة، و ينزل الغيث، ويعلم مافي الأرحام، وما تدرى نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدرى نفس بأىّ أرض تموت، إن الله عليم خبير﴾ (سورة لقمان: ٣٤)

"هذه مفاتيح الغيب التي استأثر الله تعالى بعلمها، فلا يعلمها أحد إلا بعد إعلامه تعالىٰ بها..... =

بہرہ ہونے میں اس کے اختیار کو کچھ دخل نہیں اس میں وہ معذور ہے اور نہ اس سے امامت وغیرہ ناجائز ہوسکتی ہے، قرآن مجید غلط پڑھنے سے بسا اوقات ایسی غلطی ہوتی ہے کہ اس سے معنی بگڑ کر نماز فاسد ہوجاتی ہے، جائز تعویذ پر معاوضہ لینا یا اس کو فروخت کرنا بھی منافی امامت نہیں (۱)۔

یہ جملہ امور زید کو اولاً نرمی سے سمجھا دیئے جاویں اگر وہ ناجائز امور سے توبہ کرلے تب تو خیر ورنہ اس کو امام بنانا ناجائز ہے، اس کو امامت سے علیحدہ کرکے کسی دوسرے صالح اور لائق شخص کو امام بنایا جائے، زید اگر توبہ کرکے امام رہے یا امامت سے علیحدہ کردیا جائے، ہرصورت میں اس کو قرآن مجید صحیح کرنا ضروری ہے، غلط پڑھنے سے خود اس کی نماز خراب ہوگی اور مقتدیوں کی بھی، کم ازکم دوتین سورتیں ضرور صحیح کرلے بقیہ قرآن مجید صحیح ہونے تک صحیح سورتوں کو نماز میں پڑھا کرے (۲)۔

= وكذا لا تدري نفس ما ذا تكسب غداً في دنياها و أخراها.......... وأيضاً قال: ﴿ما تدري نفس ماذا تكسب غداً﴾ أخيرٌ أم شرٌ، و لا تدري -يابن آدم!- متى تموت لعلك الميت غداً، لعلك المصاب غداً". (تفسير ابن كثير: ۵۹۹/۳، ۶۰۱، دار الفيحاء دمشق)

"قلت: و حاصله أن دعوى علم الغيب معارضة لنص القرآن فيكفر بها، إلا إذ أسند ذلك صريحاً أو دلالةً إلى سبب الله تعالىٰ كوحي أو إلهام، و كذا لو أسند إلى أمارة عادية بجعل الله تعالىٰ .... و لو لم يعتقده بقضاء الله تعالىٰ أو ادّعىٰ علم الغيب بنفسه، يكفر". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب المرتد: ۲۴۳/۴، سعيد)

(۱) "جوّزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي". (رد المحتار كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

(وكذا في العرف الشذي على هامش جامع الترمذي، أبواب الطب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ما جاء في أخذ الأجر على التعويذ: ۲۶/۲، ۲۷، سعيد)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل: واجب، وقيل: سنة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع: أي الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوى: اتقاء المحرمات". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعيد)

"ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق، اهـ". تنویر (۱)۔"لو قدموا فاسقاً، یأثمون بناءً علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم، اهـ". کبیری (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/صفر،　　عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/صفر/۵۹ھ۔

امام کو سود کھلانا اور اس کے پیچھے نماز

سوال[۲۵۹۲]: زید کی مسجد میں ایک امام صاحب ہیں جو بہت متقی و پرہیزگار ہیں اور محلّہ میں سود دینے والوں کے یہاں کھانا کھاتے ہیں۔ تو ان کا یہ کھانا کھانا جائز ہوگا یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محلّہ والوں کی ذمہ داری ہے کہ امام صاحب کو حلال کمائی سے کھانا کھلائیں، یا حلال کمائی سے اتنی تنخواہ دیں کہ وہ اپنے کھانے کا خود انتظام کرلیں، سود لینا حرام اور سود سے بچنا فرض ہے (۳)، خود بھی وہ توبہ کریں (۴) اور امام صاحب کو بھی سود نہ کھلائیں۔ اگر امام صاحب کو معلوم ہو کہ یہ سودی مال سے نہیں کھلاتے بلکہ حلال کی کمائی سے کھلاتے ہیں، مثلاً سود کے علاوہ بھی کوئی ذریعہ آمدنی ہے، یا قرض لے کر کھلاتے ہیں تو وہ مال حرام نہیں، اس کا کھانا درست ہے (۵)۔ حرام کھانے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی (۶)، جو سود

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(۲) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، الأولی بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین امنوا لا تأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفة﴾. (سورة آل عمران: ۱۳۰)

(۴) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة وإنها واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها سواء کانت صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(۵) "أهدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن یعلم بأنه حرام، فإن کان الغالب هو الحرام ینبغی أن لا یقبل الهدیة، و لا یأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلالٌ و رثته أو استقرضته من رجل، کذا فی الینابیع". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، الرابع فی الهدیة: ۶/۳۶۰، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی الکسب: ۲/۵۲۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۶) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو =

دیتا ہے وہ گنہگار ہے مگر اس کا مال حرام نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

غاصب کی امامت

سوال [۲۵۹۳]: ایک امام جو مدت سے مسجد میں رہتا تھا اس نے پانچ ملزموں پر دعویٰ کیا کہ ان لوگوں نے زمین مسجد معافی خدمت بوئی ہے یا جبراً گاؤں والوں نے بوائی ہے اور میرے ہل چھڑا دیئے اور یہ کہتا ہے کہ یہ زمین ملک مسجد معافی خدمت نہیں ہے اور زمین دار اہل ہنود سے ہے، جس نے زمین مسجد کے نام کی ہے وہ کہتا ہے کہ ملک مسجد معافی خدمت ہے اور امام کہتا ہے کہ میری ہے اس میں مسجد کا کوئی حق نہیں۔ تو اس شخص کے پیچھے یا اس کے بھائی، اولاد وغیرہ کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مسجد کی ملک کو اپنی ملک بتائے اور دعویٰ اپنی ملک کا کرے اور زمینِ مسجد دبانا چاہے وہ شخص شرعاً فاسق ہے، للہٰذا اس سے بہتر اگر امامت کا اہل کوئی دوسرا شخص مل جاوے تو اس کو امام بنانا چاہئے۔ اس کو امام بنانا مکروہ ہے جب تک وہ پختہ توبہ نہ کرے، اسی طرح اس کا بھائی یا اولاد اس کے فعل پر راضی اور اس کے مددگار ہوں تو ان کو بھی امام نہ بنانا چاہئے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں (۲)، لیکن اگر وہ نماز پڑھادے تو ادا

= الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا وموكله و كاتبه و شاهديه، و قال:" هم سواء". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا: ۱/۲۴۴، قديمي)

(۲) (راجع عنوان "امام کو نیوتہ کھلانا")

ہوجائے گی(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۴/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۶/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

قرض ادا نہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۹۴]: کوئی آدمی تاجر تھا اس کا کام فیل ہوگیا،لوگوں کا پیسہ اس کے پاس موجود ہے اور دوسرے لوگوں کے پاس اس کا روپیہ موجود ہے، جب وہ دائن اپنا قرض طلب کرتے ہیں تو کہتے ہیں دوسرے لوگوں نے ہمارا روپیہ مارلیا ہم تمہارا پیسہ نہیں دینگے۔کیا حق العباد تلف کرنے والے کے پیچھے نماز درست ہے جبکہ وہ معاف بھی نہ کرایا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص دوسروں کا روپیہ مارلے اور استطاعت کے باوجود واپس نہ دے اور مطالبہ کرنے پر یہ کہدے میرا روپیہ غیروں کے پاس مارا گیا، اسلئے میں تمہارا روپیہ نہیں دیتا، وہ شخص بہت گنہگار ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "وإن تقدموا جاز، لقوله عليه السلام: "صلوا خلف كل بر و فاجر". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

"هذا إن وجد غيرهم، و إلا فلا كراهة اهـ .... صلى خلف فاسق أو مبتدع، نال فضل الجماعة". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/ ۲۶۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني، وآكل الرباء ونحو ذلك".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد) .... =

خائن کی امامت

سوال[۲۵۹۵]: امام صاحب حج کو گئے، مسجد کا گھنٹہ لانے کے لئے پیسے دیئے گئے، انہوں نے بمبئی میں لاکر بیچ دیا اور کم روپے کا بمبئی سے خرید کر مسجد میں دیدیا۔ ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گھنٹہ مسجد کے روپے سے خریدا، اس کو فروخت کر کے خود نفع کمانا جائز نہیں، یہ خیانت ہے(۱) پھر جو پرانا گھنٹہ خرید کر دیا ہے اگر وہ مسجد کے لئے مناسب ہو تو اس کو رکھ لیا جائے، اور جو نفع پہلے گھنٹہ کو فروخت کرنے سے ملا ہے وہ بھی مسجد کے واسطے لے لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول و تخونوا أماناتكم وأنتم تعلمون﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

"قلت: والصحيح أن الآية عامة، وإن صح أنها وردت على سبب خاص، فالأخذ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب عند الجماهير من العلماء. والخيانة تعمّ الذنوب الصغار والكبار اللازمة والمتعدية". (تفسير ابن كثير: ۲/۳۹۸، دار الفيحاء بيروت)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، و من كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

(۲) "وأهله أن الغاصب والمودع إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح، لا يطيب له الربح عندهما =

مسجد ومدرسہ کی رقم میں خیانت کرنے والے کی امامت

سوال[۲۵۹۲]: ۱......اگر کسی مسجد کے پیش امام نے مسجد یا مدرسہ کے حساب وکتاب میں جوکہ منتظمین کمیٹی نے اس کے ذمہ کردیا ہو اور اس نے کوئی خیانت کی ہو، اور منتظمہ کمیٹی کو اس کا مکمل ثبوت بھی مل گیا، ایسی حالت میں مذکورہ کمیٹی پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ امام موصوف سے امامت کراتے رہیں یا منصب امامت سے انہیں علیحدہ کردیں؟ ایسی حالت میں نمازیوں کی نماز کے بگڑنے کے ذمہ دار صرف امام صاحب ہونگے یا کہ مذکورہ کمیٹی پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور اللہ کے یہاں مذکورہ کمیٹی بھی ذمہ دار ٹھہرائی جائے گی؟

۲......پیش امام کی سپردگی میں ایک دینی مدرسہ ہے، مسجد کی منتظمہ کمیٹی امام صاحب کو مدرسہ کے چندہ وغیرہ صدقۃ الفطر، زکوۃ، عطیات و خیرات و چرم قربانی کی رقومات جمع کر کے باقاعدہ حساب رکھتے ہوئے.........مناسب خرچ کرنے کا ذمہ دار بنا دیتی ہے، جب ان سے حساب مانگا گیا اور انہوں نے حساب پیش کیا اس میں کچھ رسیدات واخراجات پیش نہیں کئے گئے اور تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حساب اخراجات سے بے شمار زیادہ ہے جس سے بددیانتی ثابت ہوتی ہے۔ کیا ازروئے شریعت ایسا حساب جائز ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا یا اس سے نماز پڑھوانا کیسا ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ایسے امام کی کیا سزا مقرر ہے؟

۳......امام موصوف نے چار طلباء کو کپڑے بنا کر دینا حساب میں لکھا ہے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ نہ کپڑے بنوائے گئے اور نہ طلباء کو دیئے گئے اور بددیانتی سے وہ رقم حساب میں لکھ دی گئی، اس پیسہ کی خیانت ہوئی اور جھوٹا حساب منتظم کمیٹی کو دیا گیا۔ کیا امام صاحب کا یہ عمل ازروئے شرع جائز ہے؟

۴......امام صاحب کے حساب پیش کرنے کے بعد جو رقم تحویل باقی نکالی جوکہ اخراجات کے علاوہ ان کے پاس باقی رہی تھی انہوں نے اس میں سے کچھ رقم جمع کر کے لکھ دیا۔

= خلافاً لأبي يوسف .... و قال مشايخنا: لا يطيب له قبل أن يضمن و كذا بعد الضمان بكل حال، و هو المختار، لإطلاق الجواب في الجامعين والمبسوط". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، مكتبه امداديه ملتان)

و الجامع الصغير مع شرحه النافع الكبير، كتاب الغصب ص: ۴۲۶، ۴۲۷، ادارة القرآن كراچى)

۵.....امام موصوف سے جب ایک دوسرے مد کا حساب لیا گیا تو انہوں نے بہت کم رقم تحویل باقی میں بتلائی اور جب ان کے حساب کے مطابق پانچ کمیٹی کے معزز اہلِ شرع حضرات نے جانچ کی تو وہ رقم تحویل باقی جو امام صاحب نے پیش کی تھی اس سے چار گنا زیادہ نکلی، تحویل کی یہ رقم موصوف نے خود خرچ کر ڈالی، مطلوبہ رقم مانگنے پر تنخواہ میں سے کاٹنے کو کہہ دیا، حالانکہ یہ رقم موصوف کے پاس ہمیشہ امانت رکھی جاتی تھی۔

۶.....امام موصوف کو جب یہ پتہ چلا کہ میرے دیئے ہوئے حساب کے لئے کمیٹی مقرر کردی گئی ہے اور میری خیانتیں اب منظرِ عام پر منتظمہ کمیٹی کے اور عوام کے سامنے آجائیں گی تو امام صاحب نے سیدھے سادے مسلمانوں کو منتظمہ کمیٹی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور اپنے بچاؤ کے لئے ایک گٹ بنایا اور پارٹی بندی کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کی بھرپور کوشش کی اور قوم کے اندر تفرقہ پیدا کردیا۔ اس امام کا یہ عمل کیسا ہے اور ایسے امام کی کیا سزا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا یا پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱-۶.....جھوٹ، خیانت، غبن، اپنے قصور کو چھپانے کے لئے تفرقہ وانتشار پھیلانا یہ امور ایسے ہیں جن کا حکم کسی مسلمان پر بھی مخفی نہیں (۱)، سب ہی جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ناجائز اور گناہ ہے اور منصبِ امامت

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلاً من نتن ما جاء به". (مشكوة المصابيح، باب حفظ اللسان: ۴۱۳/۲، قديمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، و إذا وعد أخلف، و إذا اؤتمن خان". (مشكوة المصابيح، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: .... "ولا تناجشوا و لا تحاسدوا و لا تباغضوا و لاتدابروا، و كونوا عباد الله إخواناً". (مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم و سوء ذات البين، فإنها الحالقة". (مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

بلند منصب ہے، امام کو سب مقتدیوں سے زیادہ متبعِ سنت اور بلند کردار ہونا چاہئے (۱)، یہ بدقسمتی ہے کہ مقتدیوں کو ایسے امام ملتے ہیں، تاہم اگر امام صاحب امانت کی چیزیں اور ان کا حساب صحیح صحیح سے دیں اور پختہ توبہ کرلیں اور یہ توبہ امامت کی خاطر نہ ہو بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہو اور ان کے حالات سے اطمینان ہوجائے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کو معاف کردیا جائے (۲) ورنہ دوسرے دیانت دار لائق امام کو تجویز کرلیا جائے۔ اولاً کچھ روز کے لئے عارضی طور پر امانت کا انتظام کسی اور دیانت دار کے سپرد کردیا جائے، تو بہتر ہے تاکہ امام موصوف اس الجھن سے علیحدہ رہیں اور صرف نماز پڑھانا ان کے ذمہ رہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۴۰۱ھ۔

رہن کی آمدنی کھانے والے کی امامت

سوال [۲۵۹۷]: ۱...... ایک شخص امام مسجد ہے اور قوم سے راعی ہے اور وہ زمین رہن رکھتا ہے اور بٹائی کے لئے دیتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جماعت جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اور اس امام سے جو دریافت کیا کہ آپ کے پاس زمین رہن ہے تو امام صاحب نے قرآن شریف کی قسم کھائی کہ میرے پاس زمین رہن نہیں، اس کے پیچھے پٹواری صاحب حلقہ کے جو کاغذات رجسٹری

---

(۱) فإن استووا في العلم فأورعهم .... : قال النبي صلى الله عليه وسلم : "من صلى خلف عالم تقي، فكأنما صلى خلف نبيّ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۷۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(۲) "وقد منا أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولايخرجه إلا بخيانة الظاهرة ببيّنة .... ثم تاب وأناب أعاده". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۳) "إذا ظهرت خيانته فإن القاضي يعزله وينصب أميناً .... فرأى الحاكم أن يدخله معه آخر أو يخرجه من يده ويصيره إلى غيره .... لاينبغي للقاضي أن يأمن الخائن بل سبيله أن يعزله .... أو يضم إليه ثقةً الخ. وقد يقال: إن المراد من عزله إزالة ضرره عن الوقف، وذلك حاصل بضم ثقة". (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۱، ۳۹۲، رشيديه)

انتقال دیکھا تو کئی رہن امام صاحب کے نام نکلے۔اب عندالشرع اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا......رہن کی آمدنی مرتہن کوکھانا جائز نہیں (۱) امام اگر اس سے باز نہ آئے تو اس کی امامت ناجائز ہے(۲) جبکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا اورامام موجود ہو،البتہ اگر اس آمدنی کو زرِرہن میں منہا کردے تو درست ہے۔

---

(۱) "قال في المنح: وعن عبدالله محمد بن أسلم السمرقندي –وكان من كبار علماء سمرقند– أنه لايحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم .... قلت: هذا مخالف لعامة المعتبرات من أنه يحل بالإذان .... ثم رأيت في جواهر الفتاوىٰ: إذا كان مشروطاً، صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا .... قلت: والغالب من الناس انهم يريدون عند الرفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط". (ردالمحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع سكب الأنهر، كتاب الرهن: ۵۸۸/۲، داراحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "لكونه فاسقاً، لوقدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳،سهيل اكيڈمي لاهور)

" ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى ومبتدع لايكفربها، وإن كفربها، فلايصح الاقتداء به أصلاً، وولدالزنا. هذا إن وُجد غيرهم، وإلافلاكراهة". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: وفاسق) وهوالخروج عن الاستقامة: أي ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني واكل الرباونحوذلك .... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ۵۵۹/۱، ۵۶۰،سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱۰۸/۱ ،داراحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳،قديمي)

۲......اگر واقعۃً امام نے جھوٹی قسم کھائی ہے اور وہ رہن کی آمدنی لیتا ہے تو جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو امام بنانا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۱۳/شعبان/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ھذا۔

مکان کا کرایہ نہ دینے والے کی امامت

سوال[۲۵۹۸]: جو شخص نہ مکان خالی کرے اور نہ ہی کرایہ ادا کرے اور مالکِ مکان کو پریشان کرے تو ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان خالی نہ کرنا، نہ کرایہ ادا کرنا یہ ظلم وغصب ہے، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے جب تک وہ توبہ کرکے اصلاح نہ کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام صاحب کیلئے کسی عامل کی منی پینا

سوال[۲۵۹۹]: یہاں پر پیش امام حافظ ہے، اخلاق اچھے ہیں، شریعت کے پابند ہیں، پوری جماعت ان سے خوش ہے، مگر ایک بار ایسی غلطی سرزد ہوگئی کہ امام نے ایک عامل متقی پرہیزگار کی منی پی لی (پیالہ

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۲، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "(ويكره إمامة فاسق وأعمى)". (الدر المختار). وقال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني، وآكل الربا ونحوها .... وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: ۱/۱۶۳، غفاريه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه)

میں لے کر) اور کہا مجھے یہ بشارت ہوئی تھی کہ ان کی منی پینے سے دلی مراد حاصل ہوگی۔

مگر اب امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ شیطان کا غلبہ تھا جس کی بناء پر یہ عظیم غلطی سرزد ہوئی، معافی کا خواستگار ہوں، وہ بیچارے خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاتے ہیں، اپنی جہالت کے قائل ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے اور شرعاً کیا سزا ہوگی؟ وہ شریعت کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

منی خواہ کسی عامل متقی کی ہو یا کسی فاسق وفاجر کی ہو نجس اور حرام ہے، اس کا پینا نجس اور حرام چیز کا پینا ہے، جس کو ایسی بشارت ہو کہ منی پینے سے مراد پوری ہوگی اس کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، ایسی بشارت شیطان کی طرف سے ہے (۱)۔ اف! امام صاحب سے سخت غلطی ہوگئی، اگر وہ سچے دل سے نادم ہوکر توبہ کریں اور اطمینان ہوکہ ان عامل صاحب یا کسی بھی عامل صاحب کے ساتھ ایسا نہیں کرینگے تو ان کی امامت درست ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم نجاسة المني عندنا مغلظة ...... وفي المسعودي :مني الإنسان نجس، وكذا مني كل حيوان" (البحر الرائق ، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۳۹۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۳۱۲، سعيد)

"قال عليه الصلاة والسلام: "إن الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۲۱۰، سعيد)

(۲) قال سبحانه وتعالى: ﴿وإني لغفار لمن تاب﴾ الآية (سورة طه: ۸۲)

" وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف، ثم تاب، تاب الله عليه". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قديمي)

"وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

ناجائز رقم سے پنکھا خریدنے والے کی امامت

سوال[۲۶۰۰]: زید مسجد کا امام ہے مگر زید کے حجرے میں جو بجلی کا پنکھا لگا ہے وہ چندہ سے لایا گیا ہے جس میں ایسے لوگوں کا پیسہ ہے جن کا شراب کا مکمل دھندہ ہے اور سینما کا بھی پیسہ ہے اور زید ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا جو امام ایسے روپے سے لائے ہوئے پنکھے سے ہوا استعمال کرتا ہے تو کیا شریعت کے نزدیک ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کو ناجائز پیسوں سے پنکھا خریدنا درست نہیں تھا(۱)، اگر جائز وناجائز دونوں قسم کا پیسہ پنکھے کی قیمت میں لگایا تو اس میں گنجائش ہے، تاہم شراب کی قیمت اور سینما کی آمدنی سے امام صاحب کو پیسہ لینا نہیں چاہیے، اگر سینما وشراب والوں کے پاس جائز پیسہ بھی ہوتو وہ پیسہ لینا درست ہے(۲)، امامت ان امام صاحب کی درست ہے، ایسے پنکھے کی حجرہ میں ہوا لگنے کی وجہ سے ان کی نماز اور انکے پیچھے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اگر امام صاحب ناجائز پیسے سے خریدے ہوئے پنکھے کو وہاں سے ہٹا کر جائز پیسے سے خریدا ہوا پنکھا استعمال کریں تو معترض کا یہ اعتراض بالکل ختم ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "اكتسب حراماً واشترى به أو بالدراهم المغصوبة شيئاً، قال الكرخي رحمه الله تعالىٰ: إن نقد قبل البيع، تصدق بالربح، وإلا لا، وهذا قياس. وقال أبوبكر: كلاهما سواء، ولا يطيب له". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۲۳۵/۵، سعید)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجلٍ، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيريه، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب: ۵۲۹/۲، داراحياء التراث العربي بيروت)

بغیر دباغت چمڑے کا کاروبار کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۰۱]: ایک مسلمان بغیر دباغت چمڑہ کا بیوپار کرتا ہے اور بازار کا بیٹھنے والا ہے، وہ شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام صحیح العقیدہ، قرآن پاک صحیح پڑھنے والا، مسائلِ نماز وطہارت سے واقف، متبع سنت ہونا چاہیے (۱)۔ مردار کی کھال بغیر دباغت بیچنا اور خریدنا جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے (۲)، ایسے کاروبار کرنے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے (۳)۔ دباغت کے بعد بیع وشرا درست ہے (۴)، دباغت کے لئے کھال کو باقاعدہ

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خُلقاً، ثم الأحسن وجهاً، ثم الأشرف نسباً، ثم الأنظف ثوباً". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن عُكيم رضي الله تعالى عنه قال: أتانا كتاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أن لا تنتفعوا من الميتة بإهاب و لا عصب". (جامع الترمذي، أبواب اللباس، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت: ۱/۳۰۳، سعيد)

"وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض، و لو بالثمن، فباطل. ولم يفصله ههنا اعتماداً على ما سبق، قاله الداني كما لا يخفى". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى، إلا أن يكون أعلم القوم". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أيما إهاب دبغ، فقد طهر". (جامع الترمذي، أبواب اللباس، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت: ۱/۳۰۳، سعيد)

"وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض، ولو بالثمن فباطل .... و بعده: أي الدبغ يباع، إلا جلد إنسان وخنزير و حيّة". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

پکانا بھی ضروری نہیں بلکہ دھوپ میں یا نمک وغیرہ مسالہ لگا کر ایسا بنالینا بھی کافی ہے کہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہ سکے اور خون کی رطوبت ختم ہوجائے (۱)، جو جانور شرعی طور پر ذبح کیا جائے اس کی کھال بغیر دباغت ہی پاک ہے (۲)۔ خنزیر کی کھال کسی طرح پاک نہیں ہوتی، وہ نجس العین ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج میں افیون کی سمگلنگ کرنے والے کی امامت

سوال [۲۶۰۲] : ایک امام مسجد حج کے بہانہ افیون لیکر عرب جاتے ہیں اور وہاں سے سونا لاتے ہیں اور رشوت دے کر نکل آتے ہیں، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس سے اکثر مقتدی ناراض ہیں۔ فقط۔

منور حسین، محلہ دیپا سرائے سنبھل، مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شخص مذکور کو اس کا اعتراف ہے یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے

---

(۱) "والدباغ على ضربين: حقيقي و حكمي، فالحقيقي هو أن يدبغ بشيء له قيمة كالشب والقرظ والعفص وقشور الرمان و لُحي الشجر و الملح و ما أشبه ذلك، والحكمي أن يدبغ بالتشميس والتتريب والإلقاء في الريح، لا بمجرد التجفيف". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء: ۱/۲۵، رشيديه)

(۲) "وما: أي إهاب طهر به بدباغ، طهر بذكاة على المذهب". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۲۰۴، ۲۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضوء: ۱/۲۵، رشيديه)

(۳) "(قوله: إلا جلد الخنزير والآدمي) يعني كل إهاب دُبغ، جاز استعماله شرعاً، إلا جلد الخنزير لنجاسة عينه". (البحرالرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۲۰۴، ۲۰۵، سعيد)

جب تک وہ توبہ نہ کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

غلط مسئلہ بتانے والے کی امامت

سوال[۲۲۰۳]: جو شخص اکثر مسئلہ غلط بتاتا ہو اور اپنے اندر عالم ہونے کا فخر رکھتا ہو تو اہلِ محلّہ کو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نماز صحیح پڑھادی تو نماز ادا ہو ہی جائے گی، اگر غلط پڑھائی تو غلط ہوگی، اکثر مسئلہ غلط بتانے میں ہر نماز کے متعلق احتمال رہے گا، جب صحیح مسائل جاننے اور بتانے والا موجود ہو تو غلط مسئلہ بتانے والے کو امام نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) "ویکرہ إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل:- الجماعة سنة مؤكدة : ۱۰۸/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۲۲/۱، شركة علمية ملتان)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً، ثم الأشرف نسباً، ثم الأنظف ثوباً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۵۷/۱، ۵۵۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة : ۲۲۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۲۳۹/۱، مكتبه امداديه ملتان)

کاروبار کی وجہ سے تارکِ جماعت کی امامت

سوال[۲۲۰۴]: زید کاروباری مصروفیات کی بناء پر جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، ایسی حالت میں اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہو جائے گی مگر اس کو امام بنانا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تارکِ جماعت کی امامت

سوال[۲۲۰۵]: تارکِ جماعت کی امامت جمعہ وعیدین میں شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بلا عذر ترک جماعت کا عادی ہو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، بحالتِ مجبوری اس کے پیچھے جو

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدی: أرادوا بالتأكيد الوجوب". (الدر المختار).

"وقال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلاعذر يعزر وتُرد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۲/۱، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن في الحث على الجماعة: ۶۲۷/۱، إدارالقرآن، كراچی)

"ويكره إمامة فاسق". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله وفاسق) من الفسق: و هو الخروج عن الاستقامة". (رد المحتار، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة: ۱۶۳/۱، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۳۴/۱، امداديه)

"وأما بيان من يصلح للإمامة في الجملة، فهو كل عاقل مسلم .... كابن عمر وغيره والتابعون اقتدوا بالحجاج في صلوة الجمعة وغيرها، مع أنه كان أفسق أهل زمانه .... و لأن جواز الصلاة متعلق بأداء الأركان، و هؤلاء قادرون عليها، إلا أن غيرهم أولى". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۶۶۶/۱، ۶۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

نماز ادا کی جائے گی اسکا اعادہ لازم نہیں ہوگا:

"قال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلاعذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وقد يوفق بأن ذلك مقيد بالمداومة على الترك، كما هو ظاهر قوله صلى الله عليه وسلم: "لايشهدون الصلوة، اهـ". ردالمحتار: ۱/۳۷۱(۱)۔

"كراهة تقديمه كراهة تحريم". شامی: ۱/۳۷٦(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تارکِ نماز کی امامت

سوال[۲۰۲٦]: ہمارے گاؤں میں فلاں نامی ایک آدمی جس کا کام ذبح وکفن ودفن کا ہے اور اس نے کبھی ہر روز کی نماز اور عیدین کی نماز وخطبہ نہیں پڑھی اور نہ پڑھائی، اس پر بھی وہ کہتا ہے کہ عیدین کی نماز پڑھانے والا میں ہوں اور یہ میرا ہی حق ہے، اس میں جماعت کا کوئی حق نہیں، میرا ہی رائٹ ہے، کلکٹر کو فریب دے کر اپنا رائٹ لے کر آیا ہے، اس لئے ہم جماعت والے کورٹ میں مقدمہ چلانے والے ہیں کہ پیش امام مسجد کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے یا کہ ملان کی طرف سے؟ اس باب میں مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص ہر روز کی نماز پابندی سے نہ پڑھتا ہو وہ فاسق ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے: "وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعًا، فلا يعظَّم بتقديمه للإمامة، آهـ".

---

(۱)(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۰۳،رشيديه)

(۲)(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵٦۰،سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲،قديمی)

مراقی الفلاح۔ "كون الكراهة في الفاسق تحريمية، اهـ". طحطاوی، ص: ۱٦٥(۱)۔

امام مقرر کرنے کا حق بانی مسجد کو ہے، پھر اس کے خاندان والوں کو اولاد وغیرہ کو، پھر اہلِ محلّہ کو، لیکن امام میں اہلیت ہونا شرط ہے:

" الباني أولى بنصب الإمام والمؤذن، وولد الباني وعشيرته أولى من غيرهم. بنى مسجدًا في محلة.......... المؤذن فنازعه بعض أهل المحلة..... إن كان ما اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني، فما اختاره أهل المحلة أولى، وإن كانا سواء، فمنصوب الباني أولى، اهـ". أشباه، ص: ۱٤۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر پابندِ نماز کی امامت

سوال[۲۲۰۷]: کسی بستی میں ایک مسجد ہے، مگر ایک ایسا مسلم شخص موجود ہے جو نماز کا پابند تو نہیں ہے مگر نماز پڑھاتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جو لوگ پابندِ صلوۃ ہیں وہ نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتے اور جو صرف جمعہ کے نمازی ہیں وہ درست سمجھتے ہیں۔

---

(۱)(حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳ سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۲) ("الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، رقم القاعدة: ۴۲، ۴۳، ۴۴: ۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، الموضع الثالث في الناظر المولى من القاضي فينصبه القاضي في مواضع: ۵/ ۳۸۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/ ۴۳۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز تو اس کے پیچھے بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن اوصافِ امامت کا جامع شخص موجود رہتے ہوئے غیر پابند کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)، اگر اس کو علیحدہ کرنے میں فتنہ ہے اور اہلِ حق اقلیت میں ہیں اور مجبور ہیں تو اس شخص سے کہا جائے کہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرے (۲) کہ بلا عذر ترک جماعت منافق کی علامت ہے اور اس کی عادت کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، جس کی گواہی بھی شرعاً قبول نہیں (۳)، اور ایسے طریقہ سے نہ کہا جائے کہ وہ طنز اور طعنہ سمجھ کر ضد میں آ جائے بلکہ حسن اسلوب سے کہا جائے (۴) اور اللہ پاک سے دعا بھی کی جائے کہ وہ مقلب القلوب ہے، وہ حق بات کو دل میں ڈالتا ہے اور عمل کی توفیق دیتا ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ.........هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة". "(قوله: اى غير الفاسق).........على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة : ۱/۱۰۸، دار احياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأمر أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها﴾. (سورة طه: ۱۳۲)

(۳) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، فتسن أوتجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوٰة بالجماعة من غير حرج".

"و لذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تركها استخفافاً و مجانةً، إما سهواً أو بتأويل ككون الإمام من أهل الهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي، فتقبل". (الدر المختار مع رد المحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق ، باب الإمامة : ۱/ ۲۳۸، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة : ۱/ ۶۰۳، رشيديه)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيتنا و مايتخلف عن الصلوٰة إلا منافق ، و قد علم نفاقه". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، باب الجماعة و فضلها: ۱/ ۹۶، قديمي)

(۴) قال الله تعالى : ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾. (سورة النحل. ۱۲۵)

جو امام نماز کی پابندی نہ کرے اس کا حکم

سوال: [۲۶۰۸] : زید بکر کی مسجد کا امام ہے، زید کو مسجد کی طرف سے تنخواہ، اور نمازیوں کی طرف سے کھانا پابندی سے ملتا ہے، زید زیادہ تر سوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ نماز کا مقررہ وقت نکل جاتا ہے، اور بعض اوقات اپنے ذاتی کاروبار یعنی تجارت کی غرض سے دن دن بھر غائب رہتا ہے، اور لوگ فرداً فرداً نماز پڑھ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے حالات میں نماز پڑھنے والوں کو بوجہ مجبوری امام کے جماعت کا ثواب ملے گا یا اپنی تنہا نماز کا، اور اس کا مواخذہ امام سے قیامت میں ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب امام تنخواہ لے کر امامت کرتا ہے تو اس کو پابندی لازم ہے، عموماً اوقاتِ نماز میں مسجد میں حاضر ہو اور تجارت وغیرہ میں مشغول رہنا اوقاتِ نماز میں اور لوگوں کے واسطے بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ تنخواہ دار امام کیلئے، ایسا شخص حق اللہ اور حق العباد ہر دو کو ضائع کرتا ہے، ایسی صورت میں مسجد میں جماعت نہ ہونے کی ذمہ داری امام کے سر ہے (۱)، مقتدیوں کو چاہئے کہ امام سے پابندی وقت کا مطالبہ کریں، اگر امام پابندی نہ کرے تو اس کی تنخواہ وضع کرلے (۲) اور اس کی عدمِ حاضری کی صورت میں کسی دوسرے شخص کو امام بنا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، تنہا تنہا نہ پڑھیں (۳)، اگر امام پھر بھی پابندی نہ کرے تو اس کو علیحدہ کر کے کسی دوسرے لائق اور پابند کو امام بنائیں (۴)۔ اگر کبھی اتفاقیہ طور پر امام کو ضرورت کی وجہ سے کہیں جانا ہو تو مقتدیوں کو اطلاع کر کے یا اپنا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

(۲) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل، نقص من أجرته بقدر ما عمل. فتاویٰ النوازل. وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وليس للخاص أن يعمل لغيره) بل ولا أن يصلي النافلة، قال في التاتارخانية: وفي فتاویٰ الفضلي: وإذا استأجر رجلاً يوماً يعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۷۰، سعيد)

(۳) (راجع كفاية المفتي، كتاب الصلوة، تيسرا باب امامت وجماعت تحت عنوان: "امام وقت پر نہ پہنچے تو دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے": ۳/۸۷، دار الإشاعت کراچی)

(۴) "لو حدث عذر مانع لإجراء موجب العقد، تفسخ الإجارة". "والأصل أن كل عذر لا يمكن معه =

نائب مقرر کر کے جانا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۶/۱۳۶۱ھ۔

ایضاً

سوال [۲۶۰۹]: ایک پیش امام نماز کے ٹائم کی پابندی نہیں کرتا، ان سے ایک دفعہ کہا بھی گیا ہے، انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام صاحب کو چاہیے کہ وقت مقررہ کی پابندی کیا کرے، مقتدیوں کو پریشان نہ ہونے دے، جب وہ وقت جائز میں نماز پڑھا دیتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= استيفاء المعقود عليه إلا بضرر يلحقه في نفسه أو ماله، يثبت له حق الفسخ. بيرى على الأشباه". (شرح المجلة لرستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الفصل الأول في مسائل ركن الإجارة، المادة: ۴۴۳، : ۱/ ۲۴۹، حنفيه كوئته)

(۱) "عن عبيد الله بن عبد الله قال: "دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقلت: ألاتحدثني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بلى! ثقل النبي صلى الله عليه وسلم ..... فقال: "أصلّى الناس"؟ قلنا: لا، هم ينتظرونک يا رسول الله!..... فأرسل النبي صلى الله عليه وسلم إلى أبي بكر بأن يصلي بالناس، فأتاه الرسول، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرک أن تصلي بالناس آه".
(مشكوة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق: ۱/ ۱۰۲، قديمى)

"وإذا علمت جواز الاستخلاف للخطبة والصلوٰة مطلقًا بعذر وبغير عذر حال الحضرة والغيبة وجواز الاستخلاف للصلوة دون الخطبة وعكسه، فاعلم أنه إذا استناب لمرض ونحوه، فالنائب يخطب ويصلي بهم والأمر فيه ظاهر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۴۰، سعيد)

(۲) "ثم الأداء فعل الواجب في وقته". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۳۸، رشيديه)

جو شخص نماز کا عادی نہ ہو اس کو امام مقرر کرنا

سوال[۲۶۱۰]: زید کو نماز پڑھنے کی عادت نہیں مگر وہ امامت کرانے کی لیاقت رکھتا ہے تو اگر اہلِ محلہ اس کے واسطے کچھ ٹھہرا کر اس کو امام بنالیں اور وہ اس لالچ کی وجہ سے امام بن جائے اور نماز کا عادی ہو جائے تو آیا اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو وہ مکروہ ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو وہ تحریمی ہوگی یا تنزیہی؟ اگر بغیر کچھ ٹھہرائے اس خیال سے امام بن جائے کہ لوگ میری عزت کریں گے اور نماز کا عادی ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک زید نماز کا عادی نہیں تو فاسق تھا تو اس کی امامت مکروہ تحریمی تھی (۱)، جب توبہ کر کے نماز کا عادی ہو گیا تو اس کی امامت جائز ہوگی، کچھ ٹھہرا کر امامت کرائے یا بلا ٹھہرائے دونوں حالتوں میں اس کی امامت صحیح ہے (۲)۔ رہا نیت کا حال، سو وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، محض قیاس سے اس کی نیت کو فاسد کہہ کر اس کی امامت

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". "(قوله وفاسق): من الفسق: أي الخروج عن الإستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك.......... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۳۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۲، ۳۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مستقلاً سنت چھوڑنے والے کی امامت

سوال [۲۶۱۱]: زید ایک مسجد میں امام ہے اور حفظ کے بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے جس کی وجہ سے دو تنخواہیں الگ الگ ملتی ہے۔ مذکورہ امام تمام وقت کی سنتیں نہیں پڑھتا، خواہ وہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ، کہے جانے پر کہتے ہیں کہ غیر مؤکدہ نہ پڑھنے پر کوئی بات نہیں ہے، یہ تو سب جانتے ہیں لیکن ہر وقت قصداً نہ پڑھنا کیسا ہے؟ ان کے اس فعل سے جاہل طبقہ پر بھی اثر پڑتا ہے اور ان کے شاگرد ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایک نمازی صاحب نے اس کے اس فعل پر ان سے کہا بھی، جس کا انہوں نے مذکورہ جواب دیا، مسجد زیادہ تر جاہل محلے والوں کی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

سنت مؤکدہ کا مستقلاً ترک کرنا اور ترک کی عادت ڈالنا بدنصیبی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی کا سبب ہے (۲)، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے (۳)، سنتوں کا اہتمام کرنا چاہئے، سنتِ غیر

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والله عليم بذات الصدور﴾ (سورة آل عمران: ۱۵۴)

"عن أسامة بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه -وهذا حديث ابن أبي شيبة- قال: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سرية .... قال: "أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا اهـ".

قال الإمام النووي في شرحه: "و معناه إنك إنما كلفت بالعمل بالظاهر و ما ينطق به اللسان، وأما القلب، فليس لك طريق إلى معرفة ما فيه، فأنكر عليه امتناعه من العمل بما ظهر باللسان. وقال: "أفلا شققت عن قلبه" لتنظر هل قالها القلب و اعتقد و كانت فيه أم لم تكن فيه؟ بل جرت على اللسان فحسب يعني وأنت لست بقادر على هذا، فاقتصرُ على اللسان و لا تطلب غيره". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله: ۱/۶۸، قديمي)

(۲) "قال عليه السلام: "من ترك الأربع قبل الظهر، لم تنله شفاعتي". قلت: غريب جداً". (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، (رقم الحديث: ۲۵۶۴): ۲/۱۶۲، مؤسسة الريان بيروت)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله وفاسق): من =

مؤکدہ کا پڑھنا بھی فضیلت کی چیز ہے اور حسنات میں ترقی کا ذریعہ ہے (۱) لیکن اگر کوئی شخص ترک کرے تو اس پر مواخذہ نہیں (۲) مگر غیر مؤکدہ کو بھی حقیر اور خفیف سمجھنا درست نہیں (۳)۔ تحفۃ الأخیار میں سنت سے متعلق نہایت اعلیٰ مضامین و مسائل مذکور ہیں، استدلال میں حدیث بھی نقل کی گئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو امام سنت نہ پڑھے اس کی امامت

سوال[۲۶۱۲]: ہم لوگ گاؤں کے رہنے والے ہیں، ہمارے یہاں پر ایک آدمی نماز پڑھاتا ہے اور عشاء کی سنت نہیں پڑھتا ہے، اگر اس کو کہتے ہیں تو یہ جواب دیتا ہے کہ میں کہنے سے نہیں پڑھتا، اور اذان بھی نہیں دیتا، کہتا ہے کہ میرے اوپر واجب نہیں ہے۔ دریافت یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

= الفسق: أی الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربا ونحو ذلک، .... فقد علّلوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه، وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً......... علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم". (کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤکدة: ۱/۱۰۸، داراحیار التراث العربی بیروت)

(۱) "عن أم حبیبة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعةً، بُنی له بیت فی الجنة: أربعاً قبل الظهر، ورکعتین بعدها، ورکعتین بعد المغرب، ورکعتین بعد العشاء، ورکعتین قبل صلاة الفجر". (رواه الترمذی) وفی روایة مسلم: "مامن عبد یصلی لله ثنتی عشرة رکعةً تطوعاً غیر فریضةٍ، إلابنی الله له بیتاً فی الجنة". أو "إلابُنی له بیت فی الجنة".

(مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب السنن وفضائلها: ۱/۱۰۳، قدیمی)

(۲) "ترک السنة لا یوجب فساداً ولا سهواً بل إساءةً لو عامداً غیر مستخف". (الدرالمختار).

"(قوله: عامداً غیر مستخف) فلو غیر عامد، فلا إساءة أیضاً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۳، ۴۷۴، سعید)

(۳) (تحفة الأخیار فی إحیاء سنة سید الأبرار مع حاشیة "نخبة الأنظار" من رسائل مجموعة اللکنوی، ج: ۴، إدارة القرآن، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراس کے ذمہ اذان نہیں ہے اس لئے وہ اذان نہیں دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے دوسرا آدمی اذان دیا کرے، اگر وہ سنتیں وہاں نہیں پڑھتا ہے، اپنے مکان پر یا کسی اَور جگہ پڑھتا ہے یا لوگوں کے کہنے سے نہیں پڑھتا ہے بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پڑھتا ہے تو کوئی حرج نہیں، اس سے اس کی امامت میں نقصان نہیں آتا ہے۔ اگر وہ سنتیں بالکل نہیں پڑھتا ہے اور نمازیوں کے کہنے سے ضد ہوگئی ہے تو اس کو سمجھ دیا جاوے کہ یہ ضد ٹھیک نہیں ہے، اس کا انجام خراب ہے اور اگر پھر بھی نہ مانے بلکہ سنتوں کو مستقل ترک کردے تو اس سے بہتر متبع سنت کو امام تجویز کرلیا جائے، تارکِ سنت کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود غفرلہ۔

تراویح نہ پڑھنے والے کی امامت

سوال [۲۶۱۳]: ایک حافظ ہیں قرآن کریم پورا یاد نہیں، کبھی تراویح نہیں پڑھتے، کانوں سے بہرے ہیں مگر جمعہ وعیدین کی امامت ضرور کرتے ہیں۔ تو ایسے امام کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صحیح طریقہ سے نماز پڑھا دیتے ہیں تو نماز ان کے پیچھے بھی ادا ہوجاتی ہے (۲) لیکن ان کو چاہیئے

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ...... ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(والهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۱، ۱۲۲، شركة علمية، ملتان)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم بر أكان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/ ۳۵۰، امداديه ملتان) ......

کہ وہ خود ہی امامت سے دست بردار ہوجائیں، تراویح مستقل ترک کرنا ایک سنت کو ترک کرنا ہے جس کا انجام عتاب الٰہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۴ھ۔

نماز قضاء ہونے پر امام کا یہ جواب کہ ”نماز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز قضاء ہوئی تھی“

سوال[۲۶۱۴]: ایک مولوی صاحب کی فجر کی نماز قضاء ہوگئی جب لوگوں نے ان سے کہا کہ جب تم نے نماز قضاء کردی تو ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا، تو برجستہ انہوں نے کہا کہ نماز حضور کی بھی قضاء ہوئی ہے۔ اس جملے سے لوگوں پر غلط اثر پڑا۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے علماء کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک جہاد سے واپس تشریف لاتے ہوئے ایک مقام پر پورے انتظام کے باوجود فجر کی نماز قضاء ہوگئی تھی (۲)، نیز ایک جہاد کی مشغولی میں نماز کی مہلت ملی نہیں، اس وقت نماز قضاء ہوئی جس کا حضور اکرم صلی اللہ

= "وإن تقدموا، جاز لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "صلوا خلف كل بر وفاجر". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۳۴۶/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۶۶۲/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وحكمها ما يؤجر على فعله و يلام على تركه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: يلام): أي يعاتب بالتاء و لا يعاقب، كما أفاده في البحر والنهر، لكن في التلويح: ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة. لقوله عليه الصلوة والسلام: "من ترك سنتي، لم ينل شفاعتي اهـ". وفي التحرير: أن تاركها يستوجب التضليل و اللوم اهـ. والمراد الترك بلا عذر على سبيل الإصرار". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱۰۴/۱، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطهارة: ۳۵/۱، امداديه ملتان)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الطهارة: ۲۰/۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) "عن عبد الله بن قتادة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: سرنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة فقال =

علیہ وسلم کو بے حد افسوس ہوا اور قلق ہوا، حتی کہ آپ نے بددعا بھی فرمائی کہ ”اللہ تبارک وتعالی ان دشمنوں کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہم کو نماز بھی نہ پڑھنے دی“(۱)۔

لیکن آج اگر کسی کی نماز قضاء ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ اس قضاء ہوئی نماز پر افسوس کرے، پشیمان ہو کر خدا سے معافی مانگیں، نہ یہ کہ جسارت سے کہدے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز قضاء ہوئی ہے۔ ایسا کہنے والے کو پورا اجتناب لازم ہے ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ جس قصور میں یہ شخص مبتلا ہے، نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں مبتلا ہوئے، یا یہ مطلب ہوگا کہ نماز کا قضاء کردینا دنیا میں سنت ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قضاء ہوجانے میں بھی شرعی حکم اور تعلیمات ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

امامتِ جنب

سوال[۲۶۱۵]: اگر کوئی شخص حالتِ جنابت میں امامت کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور سب نمازیوں کی نماز کو بھی غارت کرتا ہے، اگر اس طرح نماز پڑھنے

= بعض القوم: لو عرّست بنا يا رسول الله! قال: "أخاف أن تناموا عن الصلاة" قال بلال رضي الله تعالىٰ عنه: أنا أوقظكم فاضطجعوا وأسند بلال رضي الله تعالىٰ عنه ظهره إلى راحلته، فغلبته عيناه فنام، فاستيقظ النبي صلى الله عليه وسلم وقد طلع حاجب الشمس، فقال: "يابلال! -رضي الله تعالىٰ عنه- أين ماقلت"؟ قال: ماألقيت عليّ نومة مثلها قط. قال: "إن الله قبض أرواحكم حين شاء، وردها عليكم حين شاء، يا بلال! -رضي الله تعالىٰ عنه- فأذن بالناس بالصلاة". فتوضأ فلما ارتفعت الشمس ابيضت، قام فصلى". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة ،باب الأذان بعد ذهاب الوقت: ۱/۸۳،قديمي)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم :أنه قال يوم الخندق: "ملأ الله عليهم بيوتهم و قبورهم ناراً كما شغلونا عن الصلاة الوسطى حتى غابت الشمس". (صحيح البخاري: ۲/۵۹۰، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق و هي الأحزاب ، قديمي)

سے نماز کا استخفاف مقصود ہے تو یہ کفر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

گالی دینے والے کی امامت

سوال[۲۲۱۶]: ایک مسجد کے امام صاحب اگر کسی مولانا صاحب کو "حرام زادہ" یا "حرام خور" اور "گدھے کی طرح چلاتا ہے" وغیرہ کہہ کر گالی دیں تو اس سے امام صاحب کو کس قسم کا گناہ ہوسکتا ہے، اور یہ گالی بکنے کے بعد جتنے روز نماز پڑھائی ہے تو اس نماز کی حالت کیا ہوگی اور امامت میں کوئی نقص پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معمولی مسلمان کو گالی دینا بھی فسق ہے: "سباب المسلم فسوق" (۲)۔ عالمِ دین کو بلا وجہ گالی دے تو ایمان کا خطرہ ہے (۳)۔ امام صاحب کو اس کا تدارک ضروری ہے، معافی مانگے، توبہ کرے (۴) ورنہ وہ

(۱) "و إنما اختلفوا إذا صلى لا على وجه الاستخفاف بالدين، فإن كان على وجه الاستخفاف ينبغي أن يكون كفراً عند الكل". (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۸۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد، ثم أن الفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالإيمان والإسلام: ۲/۲۶۹، رشيديه)

(۲) "حدثني عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله: ۱/۱۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سباب المسلم فسوق اهـ: ۱/۵۸، قديمي)

(۳) "و يخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۰، رشيديه)

(۴) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". =

امامت سے علیحدہ کئے جانے کے مستحق ہوں گے اوران کوامام بنانا ناجائز ہوگا(۱)۔ جونمازیں پڑھی جاچکی ہیں ان کااعادہ لازم نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۲ھ۔

گالی کے عادی کی امامت

سوال[۲۶۱۷]: جس آدمی کی عادت ہوکہ وہ بات کرنے میں گالی دیتا ہواورمقتدیوں کوگالی دیتا ہو منافق کہتا ہوتو کیا وہ شخص امامت کے قابل ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

یہ وصف ہرگز امام کے لئے زیبانہیں، اس کا منصب جلیل ہے، شانِ امامت کے خلاف ہے، اس کو اصلاح کرنی چاہئے ورنہ تووہ امامت سے الگ کئے جانے کے قابل ہوگا(۳)۔

تنبیه: مقتدیوں کے لئے سخت ابتلا ہوتا ہے جب ان کوایسے امام ملتے ہیں، حق تعالیٰ کی رحمت ہوتو مقتدی بھی اچھے ہوں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں گالی گلوچ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۱۸]: جوامام مسجد میں گالی گلوچ کرے اورمسجد کااحترام نہ کرے.........ایسے امام کی

= (شرح مسلم للنووی، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانی و آكل الربا و نحو ذلک". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(و كذا فی مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۲) نماز میں کسی ایسے فعل کاارتکاب نہیں کیا ہے کہ جس سے نماز کااعادہ لازم ہو۔

(۳) "ويعزل به إلا لفتنة". (الدر المختار). وفی رد المحتار: "(قوله: يعزل به): أی بالفسق لو طرأ عليه، والمراد أنه يستحق العزل". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۴۹، سعيد)

(و كذا فی رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی حرکت سے تو ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے(۱) امام کا منصب تو بلند ہے، اگر امام باز نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باپ کو گالی دینے والے کی امامت

سوال[۲۶۱۹]: جو شخص باپ کو "حرامی، تیرے جنم میں نطفہ کا فرق ہے" بول کر گالی دے، اس کے اوپر از روئے شرع کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا شخص فاسق اور نہایت کمینہ ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۶ھ۔

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، و قتاله كفر". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان و الغيبة و الشتم: ۲/۴۱۱، قديمي)

" فالحاصل أن المساجد بُنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها و تلويثها فيما ينبغي التنظيف منه، ولم تُبن لأعمال الدنيا ولو لم يكن فيه توهم تلويث و إهانة". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "(ويكره إمامة عبد و أعرابي وفاسق وأعمى) قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر و الزاني و آكل الربا و نحو ذلک". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه ملتان)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "استاد کے نافرمان شاگرد کی امامت"۔)

باپ کو گالی دینے اور ستانے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۰]: ایک شخص اپنے بوڑھے باپ کو بہت ستاتا ہے، اس پر کبھی کبھی فاقہ ڈالتا ہے، جھگڑتا ہے، کبھی والد کو دھوکا بھی دیا، والد بے نمازی ہے۔ ایسے شخص کو امام مقرر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب باپ غریب اور ضعیف ہو کھانے کمانے کے قابل نہ ہو تو اس کا نفقہ بیٹے کے ذمہ ہوتا ہے(۱)۔ باپ اگر چہ بے نمازی اور گنہگار ہو تب بھی باپ کا احترام واجب اور لازم ہے، اس کو گالی دینا اور ستانا حرام ہے(۲)۔ جو شخص باپ کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو سوال میں درج ہے وہ فاسق اور بہت بڑا گنہگار و ظالم ہے، اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔

---

(۱) "قال: و يجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين، مسلمين كانا أو ذميين، قدرا على الكسب أو لم يقدرا، بخلاف الحربيين. و لا يشارك الولد الموسر أحدا فى نفقة أبويه المعسرين، كذا فى العتابية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع عشر فى النفقات، الفصل الخامس فى نفقة ذوى الأرحام: ۱/۵۶۴، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح، باب النفقة، فصل: وعلى الرجل أن ينفق على أبويه اهـ: ۲/۴۴۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و قضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه و بالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما، فلا تقل لهما أفٍ و لا تنهرهما، و قل لهما قولاً كريماً﴾. (سورة الإسراء: ۲۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و صاحبهما فى الدنيا معروفاً﴾. (سورة لقمان: ۱۵)

"ثم بيّن صفة الإحسان إليهما بالقول و الفعل و المخاطبة الجميلة على وجه التذلل و الخضوع، و نهى عن التبرم و التضجر بهما بقوله ﴿فلا تقل لهما أف﴾. و نهى عن الإغلاظ و الزجر لهما بقوله: ﴿ولا تنهرهما﴾ فأمر بلين القول و الاستجابة ما يأمرانه أنه به مالم يكن معصيةً". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۲۹۱، قديمى)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(وقوله: وفاسق)، =

جھگڑالو اور فسادی کی امامت

سوال[۲۶۲۱]: گزارش ہے کہ اس سے قبل خط روانہ کرچکا ہوں، اس میں آپ نے پانی کے متعلق تو تحریر کردیا لیکن حافظ جی کے متعلق کچھ نہیں تحریر کیا۔ جو حافظ جھگڑے فساد گالی وغیرہ سے پیش آتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے وجہ جھگڑا فساد کرنا اور گالی دینا بہت بُرا ہے(۱) امام اور مقتدی سب کو اس سے باز آنا چاہئے، توبہ کرنا چاہئے (۲)۔ جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ادا ہوگئیں ہیں، آئندہ ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

استاد کی شان میں بے ادبی کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۲]: ا..... عالم خالد نے عباس کو عرصہ دراز تک دینی تعلیم پڑھا لکھا کر دینِ اسلام سے آشنا

= من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا الخ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علميه، ملتان)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والشتم: ۲/۴۱۱، قديمي)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، سواء كان المعصية كبيرةً أو صغيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

کیا،علمِ فقہ سے مفصل واقف کار کرایا، بعد ازیں اگر عباس مذکور اپنے پدر بزرگوار یا برادر کے کہنے پر مولوی خالد کو کسی مجلس سے برخواست کردے، زدوکوب کی دھمکی دے اور خود پیشوا بنے۔ کیا ایسا بے ادب شاگرد امام بن سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... جب تک عباس توبہ و استغفار نہ کرے یا اپنی خطا کی اپنے استاد سے معافی نہ مانگے، کیا اس کے پیچھے نمازِ جنازہ، نمازِ عید وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس استاد نے دینِ اسلام کی تعلیم دی اور علم فقہ سے مفصل واقف بنایا وہ بہت بڑا محسن ہے(۱)، اس کا حق باپ بھائی سے زیادہ ہے، باپ بھائی یا کسی اَور کے کہنے پر استاذ کو زدوکوب کی دھمکی دینا نہایت کمینہ حرکت ہے(۲)، ایسا شخص امامت کا مستحق نہیں، جب تک نالائق حرکت پر نادم ہوکر توبہ نہ کرے اور استاذ سے معافی نہ مانگ لے اس کو امام نہ بنایا جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "وعن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من لم يشكر الناس لم يشكر الله". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الرجوع فی الهبة الفصل الثانی: ۲۶۱/۱، قديمی)

(۲) "اعلم أن طالب العلم لاينال العلم ولا ينتفع به إلا بتعظيم العلم وأهله وتعظيم الأستاذ وتوقيره، فقد قيل: ماوصل من وصل إلابالحرمة، وما سقط من سقط إلا بترك الحرمة، وقيل: الحرمة خيرٌ من الطاعة، ألاترى أن الإنسان لايكفر بالمعصية وإنما يكفر باستخفافها وبترك الحرمة. ومن تعظيم العلم تعظيم المعلّم. قال عليّ كرم الله وجهه: "أنا عبد من علّمنی حرفاً واحداً، إن شاء باع وإن شاء أعتق، وإن شاء استرق". .... فإن مَن علّمك حرفاً مما تحتاج إليه فی الدين فهو أبوك فی الدين. .... وفی الجملة يطلب رضاه، ويجتنب سخطه، ويمتثل أمره فی غير معصية الله تعالیٰ". (تعليم المتعلم تأليف الإمام برهان الإسلام تلميذ صاحب الهداية، ص: ۲۱، قديمی)

"حق العالم علی الجاهل وحق الأستاذ علی التلميذ واحدٌ علی السواء، وهو أن لايفتح الكلام قبله، ولا يجلس مكانه. الخ". (ردالمحتار، مسائل شتی: ۷۵۲/۶، سعيد)

(۳) "قد نصّوا علی أن أركان التوبة ثلاثة: الندامة علی الماضی، والإقلاع فی الحال، والعزم علی عدم=

استاد کے نافرمان شاگرد کی امامت

سوال[۲۶۲۳]: ایک استاد مثلاً (زید) نے اپنے شاگرد مثلاً (عمر) کو کسی ناراضگی کی بناپر عاق کردیا، کیا عاق کرنا شرعاً کوئی حکم رکھتا ہے؟ بصورت دوم کیا حکم ہے اور اس شخص کو امام مسجد بنانا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ: استاذ کی ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ شاگرد اپنے استاد کی زوجہ سے ناجائز تعلق رکھتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عاق کہتے ہیں نافرمان کو، شاگرد صورتِ مسئولہ میں یقیناً ایسی حرکت کا مرتکب ہے کہ جو استاد کی ناخوشی کا موجب ہے، شاگرد کو ایسی حرکت سے توبہ کرنا اور استاذ کو راضی کرنا ضروری ہے، جب تک وہ توبہ نہ کرے تب تک اس کو امام نہ بنانا چاہئے (۱) بعد توبہ اس کی امامت درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ شعبان/ ۵۸ھ۔

امامت پر لعنت بھیجنے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۴]: ہماری مسجد میں ایک امام ہیں اور ان کی عادت یہ ہے کہ وہ پانچ منٹ دیر سے

= العود في الاستقبال. .... وإن كانت عما يتعلق بالعباد .... وأما إن كانت المظالم في الأعراض .... فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار).

"(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً للقرأة، ثم الأورع اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷ سعيد)

آتے ہیں، نماز پڑھاتے ہیں، لہذا ابھی چند دن ہوئے ہیں کہ ظہر کی نماز میں امام آئے نہیں، تو امام کے چھوٹے بھائی نے نماز پڑھائی، لیکن بعد میں امام صاحب بھی تشریف لے آئے تو وہ مؤذن پر بہت ناراض ہوئے اور یوں کہا کہ تمہاری آنکھیں نہیں تھیں دیکھنے کے لئے جو تم نے مجھے دیکھا نہیں میں حوض پر وضو کر رہا تھا، بہر حال میں نے مؤذن کی حمایت کی اور کہا کہ جب آپ نہیں تھے تو آپ کے بھائی نے نماز پڑھادی، آپ مؤذن پر بے کار گرم ہو رہے ہیں، لہذا انہوں نے نماز پڑھانی چھوڑ دی۔

اس کے بعد نمازیوں نے ان سے کہا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھاتے؟ تو انہوں نے کہا ''لعنت ہے ایسی امامت پر'' اور کئی مرتبہ کہا۔ تو آپ بتائیں کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے جب کہ وہ تین سال سے امامت کر رہے ہیں اور کئی دفعہ ایسا ہی ہو چکا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن امام صاحب کے متعلق آپ کو تشویش ہے اور ان کی خرابی لکھ کر فتویٰ دریافت کیا ہے تو پھر آپ کو موقع مل گیا ہے کہ ان امام صاحب نے خود ہی نماز پڑھانا چھوڑ دیا ہے، غنیمت جانے ان سے امامت کے لئے دوبارہ عرض کر دیا گیا انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ایسی امامت پر لعنت کی۔ اب بہتر ہے کہ کوئی دوسرا امام جو عقائد کے اعتبار سے صحیح ہو اور مسائل طہارت وصلوۃ سے واقف ہو، قرآن پاک صحیح پڑھتا ہو، متبعِ سنت ہو تجویز کرلیا جائے، موجودہ امام صاحب کو لعنت سے بچایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

''جھوٹ کہوں تو ابوجہل سے زیادہ بُرا میرا حشر ہو'' کہنے والے کی امامت

سوال [۲۶۲۵]: ایک صاحب جو فاضلِ عربی یعنی مولوی ہیں اور پیش امام بھی، نیز ایک دینی ادارہ میں تعلیم بھی دیتے ہیں، ایک دوسرے معلم کے بارے میں جو کافی دنوں سے امامِ شہر بھی تھے، ان پر اغلام بازی اور مشت زنی کے واقعہ کا چرچا ہوا، اس سے پہلے بھی چند بار ہو چکا تھا، جب معاملہ کی تحقیق وتفتیش کا موقع آیا تو مذکورہ فاضل عربی

---

(۱) (راجع عنوان المتقدم: ''استاد کے نافرمان شاگرد کی امامت''۔)

امام نے کہا کہ میں نے دیکھا نہیں البتہ جو باتیں میں نے سنی ہیں ان الفاظ کو دھراتے ہوئے واقعہ کی سچائی اور ثبوت میں ان الفاظ سے قسم کھائی کہ "جو میں کہہ رہا ہوں اس میں جھوٹ کہوں تو ابوجہل سے زیادہ بُرا میرا حشر ہو"۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ موصوف نے جو قسم کھائی ہے، کچھ صاحبان کو شبہ ہے کہ ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کو مجرم قرار دینے کے لئے اس کا اقرار ضروری ہے، یا شرعی ثبوت (چشم دید گواہوں کا بیان) ضروری ہے، جب تک ان میں سے کوئی بات نہ ہو اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا (۱)۔ پھر ایسی صورت میں یہ کہنا کہ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں جھوٹ کہوں تو ابوجہل سے زیادہ برا میرا حشر ہو" نہایت خطرناک ہے۔ امام صاحب فاضل عربی موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نہیں محض سنی ہوئی بات پر بغیر خود دیکھے اور بغیر گواہی کے ایسی سخت بات کہنا اپنے ایمان کو تباہ کرنے کے ہم معنی ہے (۲)، ان کو لازم ہے کہ فوراً اپنی اس غلطی پر نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کریں اور جن کے سامنے ایسا کہا ان کے سامنے بھی اپنی توبہ کا اظہار کریں (۳)، ورنہ امامت سے علیحدہ کئے جانے کے مستحق ہوں گے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۶ھ۔

---

(۱) "ومن نظائره: لو إدعى على رجلين عمداً فأقرّ أحدهما بالخطاء والآخر بالعمد فالدية عليهما". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب الخامس في الشهادة في القتل والإقرار: ۱۹/٦، رشيديه)

"وإذا شهد شاهدان على رجل أنه ضرب رجلاً بالسيف، فلم يزل صاحب فراش حتى مات، فعليه القصاص". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب الخامس في الشهادة في القتل .... الخ: ٦/١٢، رشيديه)

(۲) "إذا كان المقذوف رجلاً، يكون القذف أيضاً من الكبائر، ويجب الحد أيضاً". (مرقاة المفاتيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۳۵، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (التحريم: ۸)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه". (مشكاة المصابيح، باب التوبة والاستغفار، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قديمي)

(۴) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵٦۰، سعيد)

''اگر کوئی میرا گلا گھونٹ کر مار دے'' کہنے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۶]: جس امام کو یہ کہا گیا کہ دو حجرے ہیں ایک میں جو سامان مسجد کا ہے اس کو رکھ لو، وہ یہ جواب دے دے کہ ''جو کوئی آ کر مجھ کو گلا گھونٹ کر مار گئے تو اس کا ذمہ دار کون ہے'' اس نے اللہ کی ذمہ داری ختم کر دی اور انسان کی ذمہ داری طلب کرے وہ شخص کون ہوتا ہے خواہ امام ہو یا عام مسلمان، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ انتظام اور تدبیر کی بات ہے، اللہ کی ذمہ داری ختم کرنا نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱۲ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۷]: کیا کسی امام کا دوسروں کو سخت سست کہنا مقتدیوں میں نشانہ بناتے ہوئے عزت ریزی کے الفاظ استعمال کرنا اور احاطہ مسجد میں چند لوگوں کے ہمراہ بیٹھ پیچھے برائیاں بیان کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ کسی کو سخت سست کہنے کا حق نہیں کسی بھی مسلمان کی عزت ریزی نہ کی جائے، کسی خاص آدمی کی طرف اشارہ نہ کیا جائے(۲)۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحرس، وكان يرسل معه أبو طالب كل يوم رجال من بني هاشم يحرسونه حتى نزلت: ﴿والله يعصمك من الناس﴾ (تفسير روح المعاني: ۱۹۹/۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۷۸/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

وقال الجصاص الرازيّ: "ولم يدفع أحد من علماء الأمة وفقهائها سلفهم وخلفهم وجواب ذلك (أي الدفاع) إلا قوم من الحشو وجهال أصحاب الحديث الخ". (أحكام القرآن: ۵۰/۲، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا يغتب بعضكم بعضاً﴾ الآية (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر، فنادى =

مقتدیوں کی نرمی اور حکمت کیساتھ اصلاح کی جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھوٹے کو امام ومؤذن بنانا

سوال[۲۶۲۸]: زید کی کذب بیانی پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی ہے، دھوکے باز ہے جھوٹے کیس علماء و اہل اللہ پر ڈالے تو کیا اس کو مؤذن رکھا جاسکتا ہے اور امام بنایا جاسکتا ہے، اس کی مؤذنی اور امامت دائمی طور پر درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

ایسے شخص کو امام بنانا بھی مکروہ تحریمی ہے(۲) اور مؤذن بنانا بھی مکروہ ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

= بصوت رفيع فقال: "يامعشر من أسلم بلسانه، ولم يفض الإيمان إلى قلبه! لاتؤذوا المسلمين، ولا تعيّروهم، ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من يتبع عورة أخيه المسلم يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عورته، ليفضحه ولو في جوف رحله". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح ،كتاب الأداب،باب ماينهى عنه من التهاجرو التقاطع اهـ: ۴۲۹/۲،قديمى)

"قد يتوهم من حدهم السابق للغيبة أنهاتخص باللسان وليس كذلك .... وهذاموجو د حيث أفهمت الغير مايكرهه المغتاب ولو بالتعريض أوالفعل أوالإشارة أوالإيماء أوالغمز أوالرمز، أوالكتابة". (الزواجرعن اقتراف الكبائر، كتاب النكاح ،الكبيرة الثامنة والتاسعة والأربعون بعد المائتين: الغيبة والسكوت عليها رضاوتقرير: ۲/۲۷، دارالفكر بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

(۲) "(ويكره إمامة فاسق)" قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر .... و أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً .... كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۳۴/۱، امداديه)

(۳) "و ينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة .... ويكره أذان الفاسق". =

جھوٹ بولنے والے اور غیبت کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۲۹]: زید نے جھوٹ غیبت بکر کی کی تو کیا زید قابلِ امامت ہے؟ بینواوتوجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جھوٹ (۱) اورغیبت (۲) ناجائز ہے لہذا زید کو اس سے توبہ ضروری ہے، اگر زید توبہ نہ کرے بلکہ جھوٹ اور غیبت پر اصرار کرے تو اس کو امام نہ بنایا جائے بشرطیکہ دوسرا شخص اس سے بہتر امامت کے

=(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، ۵۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۹۴، امداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فنجعل لّعنة الله على الكٰذبين﴾. (سورة ال عمران: ۶۱)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عليكم بالصدق، فإن الصدق يهدى إلى البر، والبر يهدى إلى الجنة، و ما يزال الرجل يصدق و يتحرى الصدق حتى يُكتب عند الله صديقاً. و إياكم والكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، و ما يزال العبد يكذب و يتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذاباً". رواه أبو داود والترمذى و صححه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الأربعون بعد الأربع مائة الكذب الذى فيه حد أو ضرر: ۲/۳۲۲، دار الفكر بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولايغتب بعضكم بعضاً، أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه﴾. (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في خطبة الوداع: "إن دماء كم و أعراضكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا، الا هل بلّغت". رواه الشيخان".

"كل المسلم على المسلم حرام: دمه و عرضه وماله". رواه مسلم". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب النكاح، الكبيرة الثامنة والتاسعة والأربعون بعد المائتين: الغيبة والسكوت عليها رضا و تقرير: ۲/۱۲، دار الفكر بيروت)

لائق ہو(۱) اور زید کو امامت سے علیحدہ کرنے میں فتنہ وفساد یا مسجد کی ویرانی کا خوف نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/صفر/۵۹ھ۔

اندھے جھوٹے کی امامت

سوال [۲۶۳۰]: کوئی شخص اندھا ہو اور امامت کرتا ہو، یا قرأت غلط پڑھتا ہو، ہدایت کرنے پر عمل نہ کرتا ہو اور جھوٹ بولتا ہو، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر بوجہ ثواب جماعت کی نماز پڑھے اور نماز اپنی دہرا لے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک کوئی ایسی چیز معلوم نہ ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو نماز ادا ہو جائے گی (۳)، ہاں! اگر

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم، فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(۲)" إن للأمة خلع الإمام وعزله بسببٍ يوجبه، مثل أن يُوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه و إقامته لانتظامها و إعلائها، و إن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين اهـ". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب البغاة: ۴/۲۶۳، سعيد)

(۳)"صلى خلف فاسق أو مبتدع، نال فضل الجماعة". (الدر المختار). "أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

"وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى، وإن تقدموا، جاز لقوله عليه السلام: "صلوا خلف كل بر وفاجر". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه، ملتان)

"ينبغي أن يكون محل الكراهة عند وجود غيرهم لاما إذا لم يوجد غيرهم". (النهر الفائق، =

کوئی چیز ایسی معلوم ہو مثلاً قراءۃ میں ایسی غلطی کی جس سے معنی بگڑ گئے، یا اس کے جسم یا کپڑے پر نجاستِ مانعہ موجود تھی تو نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے(۱)، جب کہ دوسرا شخص صحیح پڑھنے والا طہارت ونماز کے مسائل سے واقف متبعِ سنت امامت کیلئے موجود ہوتو جھوٹ بولنے والے غلط قراءۃ کرنے والے نابینا کو امام بنانا مکروہ ہے(۲)، جب تک بہتر امام کا انتظام نہ ہوتو ایسی موجودہ صورت میں امام مذکور کے پیچھے نماز ادا کرلی جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۴، امداديه، ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(۱) "ولا يصح الاقتداء غير الألثغ بالألثغ على الأصح .... ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أوترك جهده. .... وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/۵۸۱، سعيد)

"و إذا ظهر حدث إمامه، و كذا كل مفسد في رأى مقتدٍ، بطلت، فيلزم إعادتها لتضمنها صلاة المؤتم صحةً و فساداً، كما يلزم الإمامَ إخبارُ القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن". (الدرالمختار). "فلو قال المصنف كما في النهر: ولو ظهر أن بإمامه ما يمنع صحة الصلاة، لكان أولى، ليشمل ما لو أخل بشرط أو ركن .... لو علم من إمامه ما يعتقد أنه مانع و الإمام خلافه، أعاد".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۴۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۵، امداديه، ملتان)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ .... هذا إن وجد غيرهم، وإلا فلاكراهة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنةٌ مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه، ملتان)

(۳) "فإن أمكن الصلوٰة خلف غير هم، فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولىٰ من الانفراد، وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم، و إلا فلا كراهة كما لا يخفى". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۴، امداديه، ملتان)

چغل خور کی امامت

سوال[۲۶۳۱]: جوآدمی چغل خوری کرتا ہو اس کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چغل خوری کبیرہ گناہ ہے(۱) اگر امام اس سے توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۸۸ھ۔

حاسد کی امامت

سوال[۲۶۳۲]: حاسدوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿همّازٍ مشّاءٍ بنميم﴾ (سورة القلم: ۱۱)

"يعني الذي يمشي بين الناس، و يحرش بينهم، و ينقل الحديث لفساد ذات البين وهي الحالقة، و قد ثبت في الصحيحين من حديث مجاهد عن طاووس عن ابن عباس قال: مرّ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بقبرين فقال: "إنهما ليعذبان، وما يعذبان في كبيرٍ، أما أحدهما فكان لا يستتر من البول، و أما الآخر فكان يمشي بالنميمة".

"عن حذيفة قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "لا يدخل الجنة قتات". يعني نماماً". (تفسير ابن كثير : ۵۱۸/۴، ۵۱۹، دارالفيحاء دمشق)

"خيار عباد الله الذين إذا رُؤوا، ذُكر الله، و شرار عباد الله المشاءون بالنميمة، المفرقون بين الأحبة، الباغون للبراء العيب". رواه احمد.

"ويروى عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال :"هي الحالقة، لا أقول: تحلق الشعر، و لكن تحلق الدين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثانية والخمسون بعد المائتين :النميمة: ۳۶/۲،دار الفكر بيروت)

(۲)" وكذا تكره خلف أمرد وسفيه .... وشارب الخمر و آكل الرباء و نمام". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۶۲/۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل الجماعة سنة مؤكدة : ۱۰۸/۱، داراحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

حسد کرنا گناہ ہے(۱) امامت مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

وعدہ خلاف کی امامت

سوال[۲۶۳۳]: زید تجارت کرتا ہے مگر قرض وقت پر ادانہیں کرتا بلکہ وعدہ پر وعدہ کرتا رہتا ہے، اکثر اشخاص کو تجارت میں شرکت کی دعوت دے کر روپیہ وصول کرلیا جاتا ہے اور ادائیگی میں حیلہ بہانہ کرتا رہتا ہے۔ بکر سے زیور مستعار لیا جاتا ہے کہ ان کی اہلیہ کسی شادی میں شریک ہوں گی اور تین چار یوم کا وعدہ کیا جاتا ہے، مگر وقت پر واپس نہیں کیا جاتا، متعدد تقاضوں پر مختلف بہانوں سے جواب ملتا ہے، بالاخر اقرار کیا جاتا ہے کہ زیور رہن رکھا ہے اور اہلیہ کہیں نہیں گئی۔ اگر کوئی بات مسئلہ کی اسے کہی جاتی ہے تو تیوری پر شکن ڈال لیتے ہیں اور ترش روئی سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ زید امامت کے قابل ہے یا نہیں، زید کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن شر حاسد اذا حسد﴾ (سورة الفلق: ۵)

"لأن الله عزوجل لم يخصص من قوله:﴿ و من شر حاسد إذا حسد﴾ حاسداً دون حاسد، بل عمّ بأمره إياه بالاستعاذة من شر كل حاسد، فدل على عمومه". (جامع البيان في تفسير القرآن للطبري: ۲۲۸/۳۰، دار المعرفة بيروت)

"و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، و لا تجسسوا، و لا تناجشوا، و لا تحاسدوا، و لا تباغضوا، و لا تدابروا، و كونوا عباد الله إخواناً". و في رواية: "و لا تنافسوا". متفق عليه".

"عن الزبير قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "دبّ إليكم داء الأمم قبلكم: الحسد والبغضاء، هي الحالقة. لا أقول: تحلق الشعر، ولكن تحلق الدين". رواه أحمد والترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۴۲۷/۲، ۴۲۸، قديمي)

(۲) (قد مضى تخريجه تحت عنوان: "جھوٹ بولنے والے اور غیبت کرنے والے کی امامت"۔)

نمازیں پڑھی ہیں ان کا کیا ہوگا؟ عمر زید کی ان حرکات کی بنا پر زید کے پیچھے نماز ترک کر دیتا ہے مگر کلام ترک نہیں کرتا، تاکہ شر پیدا نہ ہو، زید عمر کو منافق کہتا ہے۔ زید کا یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ شرعی وعدہ خلافی کرنا ناجائز اور گناہ ہے(۱)، اگر وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی لیکن بعد میں کسی مجبوری سے پورا نہیں کرسکا تو اس میں مضائقہ نہیں (۲)۔ مسئلہ بتانے پر چیں بجبیں ہونا بھی برا ہے۔ اگر زید کی وعدہ خلافی اور بدمعاملگی کی عادت ہوگئی ہے جس سے دوسروں کو بھی اذیت ہوتی ہے تو اولاً زید کو نرمی سے سمجھانا چاہئے کہ یہ عادت خلافِ شرع اور ناجائز ہے(۳)۔ اسی طرح مسئلہ شرعیہ پر ترش رو ہونا اور سخت کلام ہونا بھی منع ہے(۴)، اس سے توبہ لازم ہے۔ اسی طرح کسی مسلم کو بلا وجہ شرعی منافق کہنا سخت گناہ ہے اس سے

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأوفو بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الاسراء: ۳۴)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

"و قد اشتمل قوله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا أوفوا بالعقود﴾ على إلزام الوفاء بالعهود والذمم التي نعقدها لأهل الحرب وأهل الذمة والخوارج وغيرهم من سائر الناس". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۱۸/۲، قديمي)

"عن عبد الله بن عمرو أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن، كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، و إذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي)

(۲) "عن زيد بن أرقم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه و من نيته أن يفي له فلم يف و لم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبو داؤد والترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۴۱۶/۲، قديمي)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن﴾ (سورة النحل: ۱۲۵)

(۴) "إذا كان المستفتي بعيد الفهم فليرفق به، و يصبر على تفهم سواله و تفهيم جوابه، فإن ثوابه جزيل". (آداب المفتي للنووي). قال المحشي: (قوله: فإنه ثواب جزيل) "قال العلامة الآلوسيّ=

بھی توبہ ضروری ہے(۱)۔

اگر زید توبہ کرلے اور آئندہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تب تو خیر (۲) ورنہ زید کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے بشرطیکہ زید سے بہتر امامت کے لائق دوسرا موجود ہو (۳)۔عمر حرکاتِ مذکورہ کی بناء پر زید کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے منافق نہیں ہوا (۴)، زید کا اس کو منافق کہنا جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے، ایسے کلام سے زبان کو روکنا

= في تفسير قوله تعالىٰ: ﴿فاحكم بيننا بالحق﴾ ما لخصه أنه ينبغي للمفتي، و كذا للحاكم أو مَن له نوع رجوع إليه من أهل الحاجة والخصومة أن يتحمل على شطاطة الخصم وأغلاطه، و يقتدى في مثل ذلك بالنبي داؤد الأواب عليه السلام في قوله تعالىٰ: ﴿فاحكم بيننا بالحق و لا تشطط﴾ فإنه لم يغضب و لم يُوَبّخهم على فعلهم تسور المحراب اهـ". (آداب المفتي للإمام النووي مع حاشيته، ص:۴۷، الرشيد كراچی)

(۱) "حدثني عبد الله أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق، و قتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله وهو لا يشعر اهـ: ۱۲/۱، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجد".

وقال الإمام النووي: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً اهـ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۶/۱، قديمي)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى .... و ولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، و إلا فلا كراهة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۲۲/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۴) "عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل منهم صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون". قال الشوكاني في النيل: وأحاديث الباب يقوى بعضها بعضاً فينتهض =

نہایت ضروری ہے(۱)۔ جو نمازیں پڑھیں ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

جعلسازی کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۳۴]: زید ایک اسلامی ادارہ میں تنخواہ دار امام ہے، زید نے ادارہ کو اپنے حجرہ مسکونہ کی مرمت کرانے کی اطلاع دی اور مبلغ چالیس روپے مطالبہ کیا، ادارہ نے اس سے ادائیگی مبلغ چالیس روپے کی رسید طلب کی تو امام مذکور نے ایک رسید اپنی ادائیگی کی تصدیق کر کے ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ ادارہ کے افسر اعلیٰ نے اس مرمت کی جانچ کے لئے ایک شخص کو متعین کر دیا جس پر اس نے رپورٹ دی کہ حجرہ کی مرمت ایک صاحبِ خیر نے اپنی جانب سے کرادی ہے اور امام مذکور کا مطالبہ غلط ہے اور رسید جعلی ہے۔ امام مذکور نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ کیا اس صورت میں امام قابلِ امامت ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام نے جعلسازی کر کے غلط طریقہ پر ناحق روپیہ وصول کرنا چاہا مگر اللہ پاک نے ناکام کر کے اس کو بچادیا، وہ ناحق روپیہ وصول نہیں کر سکا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی اور کرم کر کے ناجائز روپیہ اس تک نہیں پہونچنے دیا تو اب اگر وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر توبہ کر لے تو مقتدی کو بھی چاہئے کہ اس کو معاف کر دیں۔ "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". الحديث (۲) امید ہے کہ اس سے امام کی اصلاح ہوگی اور وہ

= للاستدلال بها على تحريم ان يكون الرجل إماماً لقوم يكرهونه، ويدل على التحريم نفي قبول الصلوة، وأنها لا تجاوز اذان المصلين ولعن الفاعل لذالک ...... قال في الدر المختار: ولو أمّ قوماً وهم له كارهون إنّ الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم قوماً وهم له كارهون: ۱/ ۳۳۱، امداديه، ملتان)

(۱) (راجع، ص: ۱۷۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) والحديث بتمامه: "عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (رواه ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۲۳، مير محمد كتب خانه كراچي)=

آئندہ ایسا اقدام نہیں کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۷ھ۔

جعلسازی اور فریب دہی جیسی نازیبا حرکات والے کی امامت

سوال[۲۶۳۵]: ایک شخص مسمیٰ محی الدین جس پر ہم لوگوں کے بہت احسان ہیں، چچا مرحوم نے انہیں نہایت پریشانی اور خستہ حالی کے وقت ایک کمرہ کرایہ پر دلایا، کھانے وغیرہ کا انتظام کیا اور ایک مسجد میں کمیٹی والوں سے بڑی سفارش کرکے ان کو مسجد کی امامت دلوائی وغیرہ وغیرہ، مگر وہ شخص نہایت جعل ساز، فریبی اور جھوٹا ثابت ہوا، کرایہ کا مکان بھی جعل کرکے غصب کرلیا اور مسجد میں تفرقہ، فتنہ وفساد پیدا کردیا جس کی وجہ سے کافی خلفشار ہے اور متولیان وممبرانِ مسجد نے آنا چھوڑ دیا اور اس کی نازیبا حرکتوں کی وجہ سے الگ جماعت اسی مسجد کے بالائی حصہ میں کرتے ہیں جنکی تعداد بیس، چالیس آدمی ہیں۔ تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ جو اپنے مفاد کی خاطر غلط بیانی اور کذب بیانی سے مسجد کے اندر شر وفساد برپا کئے ہوئے ہیں اور بہت خلفشار پھیلادیا؟ امید ہے جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ بولنا اور دھوکہ دیکر جعلی بیع نامہ بنانا، اور دوسرے کے مکان پر غاصبانہ قبضہ کرنا شرعاً ناجائز ہے اور سخت گناہ ہے(۱)۔ اگر یہ تحریر کردہ واقعات اسی طرح ہیں، ان میں جھوٹ نہیں تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ

= "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل بني آدم خطاء، و خير الخطائين التوّابون". (ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۲۳، مير محمد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/ ۲۰۲، قديمي)

(۱) قال تعالىٰ: ﴿ألا لعنة الله على الظالمين﴾ (سورة هود: ۱۸)

"آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا عاهد غدر". زاد مسلم في رواية: "وإن صام وصلى، وزعم أنه مسلم". رواه الشيخان".

"ويل للذي يحدث بالحديث ليضحك به القوم فيكذب، ويل له ويل له." (رواه أبو داود=

تحریمی ہے تاوقتیکہ امام توبہ کرکے اپنی اصلاح نہ کرے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ادا ہوگی (۱)۔ دوسری جماعت اسی مسجد میں کرنا بھی مکروہ ہے، اس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مستقل خلفشار پیدا ہوجاتا ہے، اس کی اجازت نہیں (۲)۔ مناسب یہ ہے کہ چند معزز دیندار آدمی سر جوڑ کر تعصب سے علیحدہ ہوکر اصل واقعہ کی تحقیق وتفتیش

= والترمذی وحسنه والنسائی والبیهقی". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الشهادات، الكبيرة الأربعون بعد الأربعمائة: الكذب الذی فيه حد أوضرر: ۲/۳۲۳،۳۲۵،دار الفكر بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيهاالذين آمنوا أو فوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

"وأخرج الشيخان أنه صلى الله عليه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كان فيه خصلة منهن كان فيه خصلة من النفاق حتى يدعها :إذا حدث كذب، وإذا اؤتمن خان، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر".

"وفی مسلم وغيره: "إذا جمع الله الأولين والآخرين يوم القيامة، يُرفع لكل غادر لواء يعرف به يقال: هذه غدرة فلان بن فلان". (الزواجر عن اقتراف الكبائر ، كتاب الجهاد، الكبيرة الثانية والثالثة والرابعة بعد الأربع مائة: قتل أو غدر أو ظلم اهـ :۲/۲۹۴، دار الفكر بيروت)

"أخرجه الشيخان عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ظلم قيد شبر من أرض" : أی قدره، "طوّقه من سبع أرضين"......... و مسلم: "لا يأخذ أحداً شبراً من الأرض بغير حقه، طوّقه إلى سبع أرضين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر ، باب الغصب ، وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً : ۱/۴۳۴، دار الفكر بيروت)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفاسق)هو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر و الزانی و أكل الربا و نحو ذلك". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹،۵۶۰،سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنةمؤكدة : ۱/۱۰۸،دار احياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة،فصل فی بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲،۳۰۳،قديمی)

(۲) "أقول وبالله التوفيق : ما قاله الإمام الحلوانی مبنیٌّ على ما كان فی زمن السلف من صلاة الجماعة مرةً واحدةً و عدم تكرارها، كما هو فی زمنه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و زمن الخلفاء بعده، و قد =

کرکے خلفشار کو ختم کردیں یا امام کو الگ کردیں یا جماعت ثانیہ کو ختم کردیں۔ جس کی غلطی ہو وہ اپنی غلطی تسلیم کرے اور سب اتفاق کے ساتھ رہیں(۱)۔

تنبیه: اس کا بھی لحاظ ضروری ہے کہ امام اور مقتدی ہر ایک کے منصب کی رعایت رکھتے ہوئے بیان لیا جائے اور معاملہ نمٹا دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۴ھ۔

حلال کو حرام سمجھنے والے کی امامت

سوال[۲۶۳۶]: ایک امام صاحب حلال کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو بھی حلال کہتے ہیں، تو اس کی اقتداء ٹھیک ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شئی حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہو اس کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے، اسی طرح اس کے عکس کا حکم ہے۔ اگر اس شئی کی حرمت لعینہ نہیں یا قطعی الثبوت نہیں یا قطعی الدلالت نہیں تو اس کو حلال سمجھنا کفر نہیں بلکہ فسق ہے۔ بہر دوصورت جس امام کی یہ حالت ہو وہ امامت کے لائق نہیں، اس کو امامت سے علیحدہ کرکے کسی دوسرے پابندِ شرع اور اہلِ حق کو امام مقرر کرنا چاہئے (۲)۔

= علمت أن تكرارها مكروه في ظاهر الرواية، إلا في رواية عن الإمام و رواية أبي يوسف كما قدمنا".

(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، سعيد)

(وكذا أيضاً في باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ (سورة الحجرات: ۱۰)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن. اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من اعتقد الحلال حرامًا أو على القلب، يكفر إذا كان حراماً لعينه، وثبتت حرمته بدليل قطعي، أما إذا كان حراماً لغيره بدليل قطعي أوحرامًا لعينه بخبر الآحاد، لايكفر إذا اعتقده حلالاً، آهـ". طحطاوی، ص:۷٤(۱)۔ "من اعتقد الحرام حلالاً أو على القلب يكفر، أما لو قال لحرام: هذا حلال، لترويج السلعة أوبحكم الجهل، لايكون كفرًا، وفي الاعتقاد: هذا إذا كان حرامًا لعينه وهو يعتقده حلالاً حتى يكون كفرًا، أما إذا كان حرامًا لغيره، فلا فيما إذا كان حرامًا لعينه إنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتة بدليل مقطوع به، أما إذا كانت بأخبار الآحاد فلا يكفر، كذا في الخلاصة، آهـ". فتاوی عالمگیریہ، ص:۲۷۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۷/۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۸/۱۳۶۱ھ۔

حدیث شریف کی توہین کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۳۷]: ایک شخص مسجد سے نکل کر جارہا تھا اور دنیا کے مال واسباب کی تعریف کررہا تھا، دوسرا شخص مسجد میں تھا، مسجد والے شخص نے باہر جانے والے سے کہا کہ اس کے منہ سے دنیائے فانی کی تعریف کرنے کے وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جس نے دنیا کے مال کو مال کہا اس کا آگے مال نہیں اور دنیا کے گھر کو گھر کہا اس کا آگے گھر نہیں، تو باہر جانے والے نے لوٹ کر جواب دیا۔نعوذ باللہ۔: "حدیث گئی ایسی تیسی میں"۔ایسا کہنے والے کے متعلق کیا حکم ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱)(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص:۱۳۸، قديمي)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالحلال والحرام و كلام الفسقة والفجار وغير ذلك:۲/۲۷۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين:۵/۲۰۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالحلال والحرام:۵/۵۰۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس نے بہت سخت بات کہی، جب تک وہ نادم ہوکر سچی پکی توبہ نہ کرے اس کو امام نہ بنایا جائے، بحر، عالمگیری وغیرہ میں اس کا حکم سخت لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۳ھ۔

جو شخص علمائے حق کی تکفیر کر چکا ہو اس کی امامت

سوال[۲۲۳۸]: کیا کسی ایسے حافظ یا قاری کو جامع مسجد کا امام بنانا شرعاً جائز ہے جو زمانہ سابق میں علمائے حق اور اکابرِ دین کو اپنے قلم سے کافر لکھ چکا ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر صدقِ دل سے توبہ کرے اور اعلان کردے کہ میں نے غلط فہمی اور نفسانیت کی وجہ سے علمائے حق کو کافر لکھا تھا، میں اب توبہ کرتا ہوں اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ کافر نہیں، کیونکہ جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے اور واقعتاً وہ کافر نہیں تو یہ کلمہ خود اس کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے اور اس پر اس کا وبال پڑتا ہے(۲)۔ پھر قوم کو

---

(۱) "ویکفر .... برده حدیثاً مرویاً إن کان متواتراً، أو قال علی وجه الاستخفاف: سمعناه کثیراً".
(البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/ ۲۰۴، رشیدیه)

"و من أنکر المتواتر فقد کفر، ومن أنکر المشهور، یکفر عندالبعض. وقال عیسی بن أبان: یضلل و لایکفر، و هو الصحیح. و من أنکر خبر الواحد، لایکفر، غیر أنه یأثم بترک القبول". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین و منها ما یتعلق بالأنبیاء علیهم السلام: ۲/ ۲۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر للملاعلی القاری، مطلب فی إیراد الألفاظ المکفرة التی جمعها العلامة بدرالرشید من أئمة الحنفیة، ص: ۱۶۶، قدیمی)

(۲) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "أیما امرئ قال لأخیه: کافر، فقد باء بها أحدهما، إن کان کما قال، و إلا رجعت علیه".

"وقال علیه السلام: "من دعا رجلاً بالکفر، أو قال: عدوّ الله، و لیس کذلک إلا حار علیه". الحدیث. (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیه المسلم یا کافر: ۱/ ۵۷، قدیمی)

اطمینان ہوجائے کہ اس کا یہ اعلان واقرار خطیب بننے کے لئے نہیں بلکہ اصلاحِ نفس اور اپنے گناہ سے ندامت کی بنا پر ہے تو اس قاری حافظ کو امام وخطیب بنانا درست ہے جب کہ اس میں امامت کی دوسری شرائط بھی موجود ہوں: قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿وإني لغفار لمن تاب﴾ الآیة(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

منکرینِ قرآن وحدیث اور فاسق کے مرید کی امامت

سوال[۲۶۳۹]: ایک امام ہے وہ ایک بے نمازی داڑھی منڈے ہوئے فاسق کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا اور اس کو دو عالموں نے سمجھایا اور کہا کہ جب تک شریعت ساتھ نہ ہوگی طریقت حاصل نہیں ہوسکتی ہے، کلامِ پاک وحدیث سے ثابت ہے۔ تو وہ غصہ ہوگیا اور کہا کہ میں کلام پاک وحدیث کو نہیں مانتا، اس معاملہ میں شریعت کا کیا حکم ہے، کیا کرنا چاہئے۔ اب اس نے بیعت کو فسخ کردیا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب امام صاحب نے کہا کہ ''میں کلام پاک وحدیث شریف کو نہیں مانتا'' تو اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے (۲)، جب تک کہ وہ اپنی غلطیوں کا اقرار کرکے توبہ واستغفار وتجدید ایمان وتجدید نکاح نہ کرے (۳)۔ شریعت کو ترک کرکے طریقت حاصل نہیں کی جاسکتی، بے نمازی داڑھی منڈے فاسق کے ہاتھ پر بیعت ہونے

---

(۱) (سورة طٰه، پ: ۱۶، الآیة: ۸۲)

''عن عبد اللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''التائب من الذنب كمن لا ذنب له''. (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۲) ''ويكفر إذا أنكر آيةً من القرآن، أو تسخر بآية منه''. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۵، رشيديه)

(۳) ''ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بالتوبة الرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه وبين امرأته''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر: ۲/۲۸۳، رشيديه)

سے خدائے پاک کی خوشنودی حاصل نہ ہوگی، بلکہ شیطان کی خوشنودی حاصل ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مشرک کے جنازہ کی نماز پڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۶۴۰]: جو شخص مشرک انسان کی نماز جنازہ پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا خاتمہ شرک پر ہوا ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا قطعاً جائز نہیں، ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾(۲) الآیہ جو آدمی علم کے باوجود ایسا کرے اس کو امام بنانا جائز نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

غیر مسلم سے سارق کا نام معلوم کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۴۱]: کسی مسلم یا غیر مسلم سے سارق کا نام اور شی مسروقہ کے پتہ پوچھنے والے اور یہ ظاہر کرنے والے کہ ہر ایسی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا عقیدہ اور عمل غلط ہے، خلافِ شرع ہے (۴) جب تک اس سے توبہ نہ کرلے، ہرگز امام نہ

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني، يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم، والله غفور رحيم. قل أطيعو الله والرسول، فإن تولوا، فإن الله لا يحب الكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۳۱، ۳۲)

(۲) (سورة التوبة: ۱۱۳)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله وفاسق) ويكره إمامة .... فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر الخ .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه)

(۴) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أتى كاهناً =

بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غلط اوصاف والے شخص کی امامت

سوال [۲۶۴۲]: ایک شخص جو کہ مندرجہ ذیل اخلاق اور عادات کا حامل ہے، امامت کا اہل ہوسکتا ہے یا نہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کسی جگہ ایک مسجد ہے اور اس میں مندرجہ ذیل صفتوں والا امام ہو تو مقتدی کو اس کے پیچھے مجبوراً نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں:

۱- خیانت کا ارتکاب کرچکا ہے۔

۲- اپنی بیوی کو بغرضِ سیر وتفریح باہر لیجاتا ہے جو کہ اکثر اوقات بلا پردہ ہوتی ہے۔

= فصدّقه بما يقول .... فقد برئی مما أنزل علی محمد".

"الفرق بين الكاهن والعرّاف أن الكاهن: إنما يتعاطى الخبر عن الغيب فی مستقبل الزمان، و يدّعي معرفة الأسرار، والعرّاف: هو الذی يتعاطى معرفة الشیء المسروق و مكان الضالة ونحوهما من الأمور".

"و فی رواية لأحمد والحاكم عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه بلفظ: "من أتی عرّافاً أو كاهناً، فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل علی محمد". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوة، كتاب الطب والرقی، باب الكهانة: ۸/۳۶۶، رشيديه)

"ومنها: أن تصديق الكاهن بما يخبره من الغيب كفرٌ، لقوله تعالیٰ: ﴿قل لايعلم من فی السمٰوات والأرض الغيب إلا الله﴾ و لقوله عليه السلام: "من أتی كاهناً فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل علی محمد". (شرح الفقه الأكبر، حكم تصديق الكاهن، ص: ۱۴۹، قديمی)

و قال سبحانه تعالیٰ: ﴿وإنی لغفار لمن تاب﴾ الآية: ۸۲، سورة طٰهٰ

(۱) "و يكره إمامة عبد و فاسق .... و لعل المراد به من يرتكب الكبائر .... و أما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، و بأن فی تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(و كذا فی تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه ملتان)

(و كذا فی البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

۳-اکثر جھوٹ بولنے کا بھی عادی ہے۔

۴-ریاکار ہے۔

۵-مسلمانوں میں تفرقہ بازی کرانا چاہتا ہے۔

۶-نماز کے اوقات کا پابند نہیں، بمشکل آوازیں دینے پر جماعت کرتا ہے۔

۷-گورنمنٹ کے مال کی چوری بتلاتا ہے۔آیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

خیانت کرنا گناہ ہے(۱) جس سے توبہ اور صاحبِ حق سے معافی طلب کرنا اور اس کو راضی کرنا ضروری ہے(۲)۔عورت کو نامحرم کے سامنے بے پردہ کرنا منع ہے، اگر کسی ضرورت سے شرعی پردہ کے ساتھ باہر لیجاوے تو جائز ہے(۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین امنوا لاتخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

﴿وتخونوا أماناتکم﴾ عطف علی المجزوم أولاً، والمراد النهی عن خیانة الله تعالیٰ والرسول وخیانة بعضهم بعضاً، والکلام عند بعض علی حذف مضاف: أی أصحاب أماناتکم". (تفسیر روح المعانی: ۹/۱۹۲، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

"عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "اٰیة المنافق ثلث إذا حدّث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أو تمن خان". (الصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

(۲) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امریٔ إلابطیب نفس منه". رواه البیهقی فی شعب الإیمان والدار قطنی فی المجتبی".

"و عن سمرة -رضی الله تعالیٰ عنه- عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "علی الید ما أخذ حتی یؤدی". رواه أحمد، وأبوداؤد، والنسائی". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة: ۱/۲۵۵، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ : ﴿و قرن فی بیوتکن﴾: أی ألزمن، فلا تخرجن لغیر حاجة، و من الحوائج الشرعیة =

ریاکاری بھی سخت گناہ ہے(۱)، مسلمانوں میں بلا وجہ تفریق ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے(۲)۔ نمازی کا اپنے وقت پر پابند رہنا از خود ہر ایک کے لئے ضروری ہے، کسی عذر کی وجہ سے اگر کبھی تاخیر ہو جائے اور دوسرا شخص مطلع کردے تو مضائقہ نہیں۔ گورنمنٹ کی چوری علاوہ حکم شرعی کے جان، مال عزت خطرہ میں ڈالنا ہے جن کی حفاظت لازم ہے(۳)۔

= الصلاة في المسجد بشرطه كما قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، و ليخرجن وهن تفلات". وقوله تعالىٰ: ﴿و لا تبرّجن تبرج الجاهلية الأولىٰ﴾ قال مجاهد: كانت المرأة تخرج تمشي بين يدى الرجال، فذلك تبرّج الجاهلية .... و قال مقاتل بن حيان ...... والتبرج أنها تلقي الخمار على رأسها و لا تشده، فيوارى قلائدها و قرطها و عنقها، و يبدو ذلك كله منها". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب): ۳/۲۳۶، ۲۳۷، دار الفيحاء دمشق)

(۱) "وعن جندب قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع سمع الله به، و من يرائي يرائي الله به". متفق عليه".

"عن محمود بن لبيد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن أخوف ما أخاف عليكم الشرک الأصغر". قالوا: يا رسول الله! و ما الشرک الأصغر؟ قال: "الرياء". رواه أحمد، و زاد البيهقي في شعب الإيمان: "يقول الله لهم يوم يجازى العباد بأعمالهم: "اذهبوا إلى الذين كنتم تراؤون في الدنيا، فانظروا هل تجدون عندهم جزاءً وخيراً)". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۴۵۴، ۴۵۶، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تفرقوا﴾ أمرهم بالجماعة و نهاهم عن التفرقة، و قد وردت الأحاديث المتعددة بالنهي عن التفرق، والأمر بالاجتماع والائتلاف، كما في صحيح مسلم من حديث سهيل بن أبي صالح، عن أبيه عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله يرضى لكم ثلاثاً، ويسخط لكن ثلاثاً: يرضى لكم أن تعبدون و لا تشركوا به شيئاً، وأن تعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا، و أن تناصحوا من ولّاه الله أمركم. ويسخط لكم ثلاثاً: قيل وقال، وكثرة السوال، وإضاعة المال". (تفسير ابن كثير، (سورة آل عمران): ۱/۵۱۶، دارالفيحاء دمشق)

(۳) "عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه في حديث طويل: "فإن دمآءِ كم و أموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهر كم هذا، في بلدكم هذا، ليبلغ الشاهد الغائب اهـ". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رُبَّ مبلغ أوعىٰ من سامع: ۱/۱۶، قديمي) ...... =

کسی ذی اثر عالم کے ذریعہ سمجھا دیئے جائیں، اگر وہ مان جائیں اور ناجائز امور سے توبہ کرکے اپنی حالت شریعت کے مطابق کرلیں تو بہتر ہے، ورنہ اگر ان سے بہتر امامت کے لائق متبع سنت آدمی موجود ہو تو اس کو امام بنالیا جائے (۱) اور موجودہ امام کو الگ کردیا جائے بشرطیکہ اس کے علیحدہ کرنے میں فتنہ پیدا نہ ہو اور مسجد کے ویران ہونے کا خوف نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۷/ ۶۴ھ۔

ایک امام صاحب کی خرابیاں

سوال [۲۶۴۳]: ۱..... زید وعمرو، بکر پر دیوث اور اس کی بیوی ہندہ پر زانیہ اور اس کے دیور پر زانی کا الزام لگاتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس باہمی ناجائز تعلق کی خبر ہم لوگوں کو سالوں سے ہے، مگر ذکر اس کا اب کرتے ہیں اور ثبوت میں بکر ہی کو جو ہندہ کا شوہر ہے پیش کرتے ہیں کہ ہم لوگوں سے بکر ہی نے کہا تھا کہ ہماری بیوی سے ہمارے بھائی کا ناجائز تعلق ہے، حالانکہ بکر اب اس بات کا انکار کرتا ہے، کیا زید وغیرہ کتمانِ شہادت کی وجہ سے مجرم ہوکر امامت کرسکتے ہیں؟

۲..... لواطت پر بلا عینی وشرعی ثبوت پیش کئے کسی پر الزام لگا دینے والا امامت کرسکتا ہے؟

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المسلم أخو المسلم، لا يخونه و لا يكذبه و لا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام: عرضه و ماله و دمه، التقوى ههنا. اهـ". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم: ۲/ ۱۴، سعيد)

(۱) "قال رحمه الله تعالىٰ: (ثم الأورع) لقوله عليه السلام: "اجعلوا أئمتكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم و بين ربكم". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و في المواقف وشرحه: إن للأمة خلع الإمام و عزله بسبب يُوجبه، مثل أن يُوجد منه ما يوجب اختلال أحوال المسلمين و انتكاس أمور الدين، كما كان لهم نصبه و إقامته لانتظامها و إعلائها، وإن أدّى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين". (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۴، سعيد)

۳.....امانت کے طور پر بوعدۂ واپسی ایک کاغذ زید نے لیا اور باوجود واپس نہ کرنے کے بھی امامت کرتا ہے، کیا یہ امامت صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل پورا واقعہ ہمارے علم میں نہیں، باہمی مخالفت کی بناء پر جن امور کو سوال میں لکھا ہے ان کا جواب خود بھی واضح ہے، تاہم نمبروار تحریر ہے:

۱.....بغیر ثبوتِ شرعی کے ایسا کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اگر شرعی حکومت ہوتو ایسے لوگوں کو سخت سزا دی جائے، جب بکر حلفیہ انکار کرتا ہے تو اس کو ثبوت میں کیسے پیش کیا جا سکتا ہے، جو لوگ ایسے اتہامات لگانے میں ملوث ہیں ان کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جب تک وہ توبہ کرکے اصلاح نہ کرلیں (۱)۔

۲.....اس کا حکم بھی نمبر: ا کی طرح ہے (۲)۔

۳.....جس کی امانت واپسی کے وعدہ پر لی تھی اس کو واپس کرنا ضروری ہے، واپس نہ کرنا خیانت ہے،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أتدرون ما الغيبة"؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: "ذكرك أخاك بما يكره". قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "إن كان فيه ما تقول اغتبته، وإن لم يكن فيه فقد بهته". قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وإذا لم تبلغه) يكفيه الندم، قوله: وإلا شرط بيان كل ما اغتابه به مع الاستغفار والتوبة، والمراد أن يبين له ويعتذر إليه ليسمح عنه بأن يبالغ في الثناء عليه والتودد إليه، ويلازم ذلك حتى يطيب قلبه الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، باب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۹، ۴۱۰، سعيد)

"(ويكره إمامة فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر ...... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً ...... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة: ۱/۱۶۳، غفارية)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

جو شخص ایسا کرے وہ بھی مستحق امامت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام کی خرابیاں

سوال[۲۶۴۴]: ایک شخص عالم ہے لیکن بہرہ ہے، چیخ وپکار کے ذریعہ ہی سن سکتا ہے، نماز میں مقتدی آواز سے اشارہ کرتے ہیں تو بعض وقت درستی کر لیتا ہے اور بعض وقت نہیں، منبر پر ایسے شخص کی تعریف کرتا ہے جس سے ذاتی مفاد ہو اور جس سے رنجیدگی ہوتی ہے اس کی مذمت وعیب جوئی کرتا ہے۔ جھوٹے مقدمہ پر اپنے احباب واقارب کی اعانت کرتا ہے اور خاص دلچسپی رکھتا ہے، سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اس کا کافی دخل ہے۔ کیا ان سب نقائص کے پیشِ نظر ایسے امام کی امامت ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر حالات یہی ہیں تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے جبکہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو(۲)، غیبت، عیب جوئی، غلط تعریف، جھوٹے مقدمہ بازی میں اعانت واستعانت، ان میں ہر وجہ مستقل نقص ہے، سیاسی پارٹی سے تعلق صحیح نقص نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان". (مشكوة المصابيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

(والصحيح لمسلم، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(وأيضاً راجع، ص: ۱۹۱، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى .... هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في التبيين، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه)

(۳) "وعن أبي سعيد وجابر رضي الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الغيبة أشد من الزنا". =

امام کے متعلق چند خرابیاں

سوال[۲۶۴۵]: جس امام کے اندر مندرجہ ذیل کمزوریاں ہوں تو اس امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

۱...... جو اپنے مقتدیوں میں سے کسی ایک سے ترک موالات کرے۔

۲...... جو بڑے دنوں پر گھر گھر جا کر چاول یا آٹا جمع کرے۔

۳...... جو نماز پڑھانے کی اجرت طلب کرتا ہو۔

= (إلى آخر الحديث). (مشكوة المصابيح، باب حفظ اللسان، الفصل الثالث، ص: ۴۱۵، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولاتحسسوا ولاتجسسوا" الخ. (مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: .... "ومن ستر مسلماً، ستره الله يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ص: ۴۲۲، قديمي)

"وعن أبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "أثنى رجل على رجل عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "ويلك! قطعت عنق أخيك" -ثلثاً- من كان منكم مادحاً لا محالة فليقل: أحسب فلاناً والله حسيبه إن كان يرى أنه كذلك" الخ. (مشكوة المصابيح، باب حفظ اللسان، الفصل الأول، ص: ۴۱۲، قديمي)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم لا يظلمه و لا يسلمه، و من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، و من فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة". الخ. (مشكوة المصابيح، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ص: ۴۲۲، قديمي)

"فالسياسة استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجي في الدنيا والآخرة، فهي من الأنبياء على الخاصة والعامة في ظاهرهم و باطنهم .... ومن علماء ورثة الأنبياء على الخاصة في باطنهم لا غير". (ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في الكلام على السياسة: ۴/۱۵، سعيد)

۴.....جس کے متعلق یہ شبہ ہو کہ زانی ہے اگرچہ شرعاً اس پر زنا ثابت نہ ہو۔

۵.....جو شخص کسی پر جان بوجھ کر قرض جتائے، اس نے لیا ہی نہ ہو، صرف اپنے آپ کو کسی جرم سے بچانے کی خاطر۔

۶.....جو بستی کے چند لٹھو، پنچوں کی کٹھ پتلی بن گیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ترکِ موالات کی وجہ معلوم ہونی چاہئے شرعی ہے یا غیر شرعی؟

۲.....یہ جمع کرنا کس نظم اور کس مقصد کے تحت ہے؟

۳.....کیا تنخواہ ماہانہ یا ششماہی یا سالانہ طلب کرتا ہے، یا ایک نماز پڑھانے کی اجرت طلب کرتا ہے؟

۴.....شبہ کرنے والے مجرم ہیں، جب کہ بلا ثبوت شرعی شبہ کرتے ہیں(۱)۔

۵.....اگر یہ قرض جتانا جھوٹ ہے تو وہ شخص کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں نے قرض نہیں لیا، نیز کوئی جرم اس پر ثابت ہے جس سے بچنے کی خاطر یہ قرض جتایا ہے، یا یہ بھی نمبر ۴ کی طرح ہے، غرض بات مجمل ہے۔

۶.....اس کی بھی تفصیل سامنے آنی ضروری ہے۔ کسی کی امامت کو مجروح کرنے کیلئے غلط قسم کی کوشش کرنا قبیح و مذموم ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک امام کے خراب حالات، داڑھی کی حد

سوال[۲۲۴۶]: ہمارے محلے کی مسجد میں جو پیش امام ہے اس محلّہ سے کچھ دوری پر ایک جامع مسجد آباد ہے، جس میں چند اشخاص زیادہ تر نماز ادا کرتے ہیں، صرف فجر کی نماز ایسی ہے کہ جس میں کم وقت رہتا ہے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، إن بعض الظن إثم، ولاتجسسوا﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". آه. متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۱/۴۲۷، قديمي)

اور جامع مسجد پہنچنے میں نماز نکل جانے کا حدشہ رہتا ہے ایسی صورت میں یہ لوگ اس محلّہ کی مسجد میں مقیم پیش امام کے پیچھے اپنی نماز ادا کرتے ہیں کہ کیا یہ درست ہے اور امام صاحب کے عقائد یہ ہیں، بزرگوں کی نیاز وغیرہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور قبروں کو سجدہ کرنا جائز کہتے ہیں، اور عوام جتنے بھی افعال آج کل بزرگوں کی قبروں پر کرتے ہیں اس کو اچھا سمجھتے ہیں، انبیاء کرام حضرات اولیاء کو حاضر ناظر سمجھتے ہیں اور بوقت مصیبت بزرگوں سے استمداد واستعانت کو جائز کہتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو رب العزت کی ذات میں حلول سمجھتے ہیں...... کسی نے سمجھا ہی نہیں اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کامل جب ہوتا ہے تو وہ ہر وقت ذکر میں رہتا ہے نماز میں الٹا سیدھا ہونا ضروری نہیں، علماء کو گالیاں دیتے ہیں اور لوگوں میں علماء کے خلاف بدظنی پیدا کرتے ہیں داڑھی فرنچ کٹ رکھتے ہیں، انگریزی بال سر پر رکھتے ہیں اگر ان سے کہو تو کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا کچھ ضروری نہیں، لمبی داڑھی تو سکھوں کی ہوتی ہے، تعزیہ وغیرہ کو شوکت اسلام کہتے ہیں، داڑھی رکھنا کیسا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر یہ امام اپنے عقائد فاسدہ اقوال کاسدہ اعمال قبیحہ سے تائب ہو کر اپنی اصلاح نہ کرے اور متبع سنت نہ بن جائے (۱) تو اس کو امامت سے جدا کرنا واجب ہے (۲) جدا کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے دوسری مسجد میں جا کر جہاں

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی ومبتدع لایکفربها، وإن كفر بها، فلایصح الاقتداء به أصلاً". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه مثل أن يوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه واقامته لانتظامها وإعلائها، وإن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

کا امام صحیح العقیدہ اور متبع سنت ہو نماز پڑھا کریں (۱) ورنہ اپنی نماز کو تو یہ امام تباہ کرتا ہی ہے مقتدیوں کی نماز بھی اس کے پیچھے تباہ و برباد ہوگی (۲) داڑھی کی حد ایک مشت ہے اس سے پہلے کٹانا جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

ایک امام صاحب کی کوتاہیاں

سوال [۲۹۴۷]: ا..... آج سے ایک ماہ قبل ایک صاحب اپنے پیسے کاغذ کے ٹھونگے میں رکھ کر مسجد کے برآمدہ میں بھول کر چلے گئے تھے، نماز عشاء میں ایک گھنٹہ بعد جب ان کو یاد آیا تو وہ دوبارہ مسجد آئے جبکہ مسجد کھلی تھی اور امام صاحب موجود نہیں تھے، قریب ہی ایک دعوت میں شریک تھے۔ اس شخص نے متولی مسجد سے رجوع کیا جو کہ مسجد ہی میں موجود تھے، متولی نے امام صاحب کے لڑکے کو امام صاحب سے معلوم کرنے کیلئے بھیجا، امام صاحب نے کھانے کے درمیان اس واقعہ سے انکار کر دیا مگر دوسرے ہی دن صبح کو خود جا کر مذکور رقم اس شخص کے گھر پہنچا دی، دریافت کرنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ محض تنبیہ کی غرض سے رات کو نہیں بتلایا۔

اس واقعہ کا بیان امام صاحب نے ہر موقعہ پر مختلف دیا جس کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی پھیل گئی اور

---

(۱) "قال الإمام: إذا كان إمامه لحاناً، لا بأس بأن يترك مسجده و يطوف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه كوئته)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، تراويح ص: ۴۰۷، ۴۰۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين كذّبوا بايتنا و لقاء الآخرة حبطت أعمالهم﴾ (سورة الأعراف: ۱۴۷)

وقال تعالى: ﴿أولئك حبطت أعمالهم و في النار هم خالدون﴾ (سورة التوبة: ۱۷)

(۳) "عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: قال أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى".

"ومنهم من حد و بما زاد على القبضة فيزال". (النووي على صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

و أخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة ..... و لذا يحرم على الرجل قطع لحيته".

(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

لوگ ان کو بدنیت تصور کرنے لگے، اس واقعہ سے ان چند حضرات نے نماز جماعت ومسجد دونوں ترک کردی ہے اوراپنے گھروں پر پنج وقتی نمازیں ادا کرتے ہیں، اورنماز جمعہ دوسری مسجد میں ادا کرتے ہیں۔اس وجہ سے بظاہر دو جماعتیں بن گئی ہیں، اکثریت امام کی ہمدرد ہےاورسختی سے ان کی بحالی اور مشاہرہ میں اضافہ کی متمنی ہے جبکہ ان چندافراد کا مطالبہ ہے کہ امام صاحب کوفوراً برطرف کردیا جائے۔

۲......ایک بیمار نے نظر مانی تھی کہ صحت مند ہونے پر ایک گائے قصائی سے خرید کرصدقہ کردونگا، امام صاحب قصائی سے پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ گائے کی جوبھی قیمت ہومیں تم سے مبلغ سوروپے لےلونگا، جونہی وہ شخص قصائی کو گائے کی قیمت دے کر گیا، امام نے قصائی سے طے شدہ رقم وصول کرلی، اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام صاحب صدقہ لینے سے بھی پرہیزنہیں کرتے ہیں۔

۳......زید نے مسجد کی موم بتیاں کئی مرتبہ فروخت کی ہیں اورکمیٹی کی میٹنگ میں دریافت کرنے پر بتایا کہ سب جلادی گئی ہیں، اس پرممبرکمیٹی نے بیان دیا کہ فلاں شخص نے موم بتیاں فروخت کی ہیں، جس کا میں ثبوت دے سکتاہوں، تب زید نے اقرارکیا کہ ہاں! میں نے کچھ موم بتیاں فروخت بھی کی ہیں۔اس واقعہ سے غلط بیانی کا ثبوت ملتا ہے۔

۴......زید کے بارے میں یہ بھی شکایت ہے کہ پنج وقت کی نمازیں وقت مقرر پرنہیں پڑھاتے ہیں اور خصوصاً فجر میں بڑی کوتاہی کرتے ہیں، اکثراوقات میں وقت مقررہ پر مسجد کھلتی بھی نہیں ہے۔

۵......زید مسائل سے بھی ناواقف ہے۔

مندرجہ بالاعیوب کی بناء پرکیاان کی امامت ازروئے شریعت جائز ہے یانہیں؟ جولوگ فی الحال ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں ان کی نمازیں ہوگی یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام صاحب اپنی ان غلطیوں کا اعتراف کرکے آیندہ کو احتیاط رکھیں، سب لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں خلفشار وتفریق پیدا نہ کریں، جمعہ وجماعت ترک نہ کریں، مسجد کو نہ چھوڑیں، البتہ اگرامام صاحب مسائلِ نماز وطہارت سے واقف نہیں تو پھر دوسرا مسائلِ طہارت ونماز سے واقف پابندِ شریعت امام تجویز

کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

ایضاً

سوال [۲۶۴۸]: ایک شخص اجنبی ہے، اس کا گھر ہمارے گھر سے تقریباً دوسو میل پر ہے اور یہاں نہ تو اس کا کوئی رشتہ ناطہ ہے، کسی زمانے میں یہاں اس کی کبھی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، نہ ہی ہمارے کفو برادری کا ہے، نہ کوئی مستقل پیشہ ہے، جی حضوری میں مالداروں کی رہتا ہے۔ ایسا شخص ہماری جماعت، عیدین میں ان خود غرض پیشہ والے زیر سایہ اپنی بناوٹی مجبوری دکھا کر جماعت عید الفطر کے روپے کبھی آدھا کبھی آدھے سے کم رقم لیتا رہا، امام ومقتدی بن کر خود غرض لوگ اپنے علاقہ کے غرباء ومساکین کی حق تلفی کر کے دیتے رہے۔

اب حال یہ ہے، اس جماعت میں سے چند پڑھے لکھے ایسے ہیں کہ اللہ کا فضل ہر اعتبار سے بہتر ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کی نماز اس شخص مذکور کے پیچھے جائز ہے؟ خود غرضوں کا یہ حال ہے کہ اپنی طبیعت سے ہر ایک سال دوسال پر جس کو چاہے امام بنائیں، جس جماعت کا وہ اجنبی شخص عیدگاہ کی تخمیناً دو ایکڑ زمین میں سے ڈیڑھ ایکڑ زمین اہلِ ہنود میں سے ہریجن لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر اور اپنے کو وہ انصاری بتا کر حکومت سے چپ چاپ

---

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرؤهم لكتاب الله، وأقدمهم قراءةً، فإن كانت قراءتهم سواء، فليؤمهم أقدمهم هجرةً. اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوٰة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل: واجب، وقيل: سنة، ثم الأحسن تلاوة و تجويدًا للقراءة". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

بے خبری میں بندوبست کر کے اور غیر قوم اس مذکورہ عیدگاہ کی زمین کچھ پیسہ لے کر دینے کیلئے تیار ہو جائے اور وہ اجنبی تا ہنوز اس جماعت سے مستفیض ہوتا رہا ہو، وہ اس صورت مذکورہ بالا پر بھی زمین کو واپس دینے کیلئے تیار نہ ہو، لطف یہ ہے کہ وہ تیار شدہ لوگوں کو بھی بہکا کر ناکام کردے۔ اسی صورت حال پر اگر مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں اور سابق جگہ سے آدھ میل یا پاؤ میل دوری پر یا اس کے قریب دوسری زمین پر جماعت نماز عیدین ادا کرے، اس حال میں نماز عیدین دوسرے گروہ کی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جماعت عید الفطر کا روپیہ اگر نماز پڑھانے کی اجرت میں دیا جائے تو یہ درست نہیں، اگر یہ صدقۂ فطر ہے تو وہ بھی اجرت میں دینا درست نہیں بلکہ وہ غریبوں کا حق ہے (۱)۔ جو شخص جس کو ضرورت مند سمجھے اس کو دے (۲)۔ نماز کیلئے ایسے آدمی کو امام بنایا جائے جو صحیح طور پر نماز پڑھائے اور متبع شریعت ہو (۳) اگر چہ نماز شخصِ مسؤل عنہ کے پیچھے بھی ادا ہوگئی۔ عیدگاہ کی وقف زمین کو فروخت کرنا ہرگز جائز نہیں، جو شخص ایسا کرے وہ سخت گنہگار ہے (۴)، اس کی امامت برقرار رکھنا جائز نہیں، اس کو امامت سے برطرف کیا جائے، اور کسی دیندار

---

(۱) "ومصرف هذه الصدقه ماهو مصرف الزكاة، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الزكاة، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۴، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۳۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۴۴۲، رشيديه)

(۲) "وجاز دفع كل شخص فطرته إلى مسكين على المذهب، كما جاز دفع صدقة جماعة إلى مسكين واحد بلاخلاف". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۱/۳۶۷، سعيد)

(۳) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرؤهم لكتاب الله، وأقدمهم قراءةً، فإن كانت قراءتهم سواء، فليؤمهم فاقدمهم هجرةً. آه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

(وأيضاً تقدم تخريجه تحت عنوان: "ایک امام صاحب کی کوتاہیاں"۔)

(۴) "وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ، فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على =

وپابندِ سنت کو امام بنایا جائے (۱)۔ اگرچہ نمازِ عید دوسری جگہ بھی درست ہے (۲)، مگر سب ایک جگہ متفق ہو کر نیک ودیندار امام کے پیچھے پڑھا کریں، اس میں خیر وبرکت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

= وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، و لا يباع و لا يوهب ولايورث، و اللفظ ينتظمهما، والترجيح بالدليل، لهما قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعمر حين أراد أن يتصدق بأرض له تدعى "ثمغ": تصدق باصلها لا يباع و لا يورث و لا يوهب". (الهداية ، كتاب الوقف: ۲/ ۶۳۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فى تعريفه و ركنه اهـ: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). وفى ردالمحتار: "(قوله: وفاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى وآكل الرباء ونحوذلك ...... وكراهة تقديمه كراهة تحريم". (كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰،سعيد)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلوٰة، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۳، ۵۱۴، سهيل اكيڈمى،لاهور)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲،قديمى)

(۲) "عن أبى سعيد رضى الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الأرض كلها مسجد إلاالمقبرة والحمام". رواه أبوداود والترمذى والدارمى". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة: ۱/ ۷۰،قديمى)

"عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فُضِّلنا على الناس بثلث: جُعلت صفوفنا كصفوف الملائكة، وجُعلت لنا الأرض كلها مسجداً، وجُعلت تربتها لنا طهوراً إذا لم نجد الماء". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب التيمم : ۱/ ۵۴، قديمى)

(۳) "قال رحمه الله تعالىٰ : (ثم الأورع) لقوله عليه السلام: 'اجعلوا أئمتكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم و بين ربكم". و لأنه عليه السلام قدم أقدمهم هجرةً، و لا هجرة اليوم، فأقمنا الورع مقامها".

(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة ، باب الإمامة : ۱/ ۳۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

ترش رو اور جھوٹ بولنے والے کی امامت

سوال[۲۶۴۹]: ۱......امام مسجد کا عام رویہ مقتدیانِ مسجد کے ساتھ ترش روئی کا رہتا ہے اور مقتدی ان سے ہمیشہ ناراض رہتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

۲......جب جی میں آیا اذان دیتے ہیں اور جب جی میں آیا جماعت کرتے ہیں جس سے مقتدیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، ان سے بارہا کہا گیا کہ اذان اور جماعت کا وقت مقرر فرما دیجئے، آج تک امام صاحب مذکور نے وقتِ اذان و جماعتِ پنجگانہ مقرر نہیں کیا، اس بابت پر اصرار کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ میں بورڈ کا ملازم ہوں، میرا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۳......امام صاحب مذکور کھلا جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں۔ کیا ایسے امام کے پیچھے شرعی طور پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴......امام موصوف پنجاب ہریانہ مسلم وقف بورڈ سے فرائضِ امامت کی تنخواہ پاتے ہیں، ان سے کہا گیا کہ مسجد میں جو تیل سرسوں آتا ہے اس کو اپنی ذات پر استعمال نہ کریں، قبل ازیں ان سے اس بات پر جھگڑا ہوا اور فتویٰ منگایا گیا جس میں مسجد کا تیل ان کیلئے ناجائز قرار دیا گیا۔ امام صاحب نے تیل اپنی ذات پر استعمال نہ کرنے کا وعدہ کیا اور تیل مقتدیوں کے حوالہ کرتے رہے جس کو فروخت کر کے چھوٹے چھوٹے مصارف کی تکمیل کی جانے لگی، اب پھر امام مذکور نے یہ تیل اپنی ذات پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ کیا یہ تیل امام صاحب کے لئے جائز ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......امام صاحب کی ان کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود جو نمازیں ان کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں وہ ادا ہوگئیں، ان کے لوٹانے کی ضرورت نہیں، جبکہ دوسری مسجد نماز کیلئے وہاں کھلی ہوئی نہیں ہے تو مجبوراً امام موصوف کے پیچھے نماز ادا کرتے رہیں، جماعتِ مسجد ترک نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھی ہے، جماعت ترک نہیں کی (۱)،

(۱) "وكان ابن عمر و أنس رضي الله عنهما يصليان الجمعة خلف الحجاج". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۷، دار الكتب العلمية، بيروت) .... =

حدیث پاک میں ارشاد ہے: "صلوا خلف کل بر وفاجر" ابوداؤد(۱) جس میں ہر فاجر اور نیک کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے فرمایا گیا ہے۔ ذاتی رنجش سے متاثر ہوکر جماعت ترک کرکے گھر پر نماز پڑھنا غلط اور شرعاً مذموم ہے(۲)۔

امام صاحب سے جو شکایات ہیں ان کی اطلاع باقاعدہ وقف بورڈ کو کی جائے وہاں فہمائش ہوگی، تو امید ہے کہ شکایات دور ہوجائیں گی، ورنہ وقف بورڈ کی طرف سے شکایات دور کرنے کا انتظام کردیا جائے گا، مثلاً: جنتری سامنے رکھ کر اوقاتِ نماز کیلئے سال بھر کا نقشہ بنا کر مسجد میں لٹکا دیا جائے گا جس سے سب کو سہولت ہوجائے گی، جو بچے امام صاحب کے سپرد ہیں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ کوتاہی ہوگی تو تنبیہ کی جائے گی۔ وقت

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ١/٢٢٦،دارالكتب العلمية،بيروت)

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجرًا، والصلوٰة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجرًا وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ١/٣٥٠،امداديه ملتان)

"وإن تقدموا، جاز لقوله عليه السلام: "صلوا خلف كل بر وفاجر". (تبيين الحقائق. كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ١/٣٤٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ١/٢٢٦،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولىٰ بالإمامة، ص:٥١٤، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٢) "الجماعة ... فتسن أو تجب -ثمرته تظهر في الإثم بتركه- على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج". (الدرالمختار).

ولذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تركه استخفافاً و مجانةً، إما سهواً أو بتأويل ككون الإمام من أهل الأهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي، فتقبل اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٢٠٣، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٢٣٨، امداديه ملتان)

پر غیر حاضری ہوگی تو اس کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ جب امام صاحب سے آپ لوگوں نے خود معاملہ نہیں کیا تو آپ بازپرس قوت سے نہیں کرسکتے، وقف بورڈ نے معاملہ کیا ہے وہاں سے بازپرس خوب ہوسکتی ہے، اس کا اثر بھی امام صاحب پر ہوگا۔

(**تنبیہ:**) آپس کے اختلافات کو ختم کیجئے، اس اختلاف کی وجہ سے مسجد کو ویران نہ کیجئے، ایسا نہ ہو کہ اس مخالفت کی نحوست سے یہ مسجد بھی دیگر مساجد کی طرح بند ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۱۱ھ۔

جھوٹ بولنے، درست طور پر طہارت حاصل نہ کرنے والے بہرے امام کی امامت

سوال [۲۶۵۰]: امورِ ذیل دریافت وضاحت طلب ہیں:

۱...... مسمّٰی حاجی محمد شفیع صاحب نقشبندی جامع مسجد عثمانیہ رسالہ بازار بلدرم کے پیش امام ہیں جن کے تعلق سے آپ کی رائے درکار ہے، جو بوقتِ امامت زبان سے صحیح طور پر الفاظ ادا کرنے کے بجائے عربی الفاظ کی ترتیب بدل دیتے ہیں۔

۲...... جھوٹ بولتے ہیں۔

۳...... طہارت صحیح طور پر ادا نہیں کرتے۔

۴...... بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے ہیں حالانکہ مسجدِ جماعت سے پیش امام صاحب کو تنخواہ بھی ملتی ہے جن کے زیرِ پرورش کوئی نہیں ہے جو مسجد ہذا میں رہتے ہیں۔

۵...... مسجد کے قرآن شریف کی حفاظت کی الماری میں اپنا بستر اور استعمال شدہ کپڑے وغیرہ رکھتے ہیں اور کلام پاک کو باہر رکھ کر بے حرمتی کرتے ہیں۔

۶...... پیش امام صاحب کان سے بہرے ہیں۔

۷...... آنکھ کی بینائی بھی برابر نہیں ہے۔

۸...... پیش امام صاحب مسجد ہذا ہی کے اندر رہتے ہیں، خورد ونوش کرتے ہیں، جہاں ہم مسلمان وضو کرتے ہیں پیش امام صاحب اس جگہ غسل وغیرہ کرتے ہیں، اور جب ضرورت پڑتی ہے تو اپنے کپڑے وغیرہ وہیں دھوتے ہیں۔

۹......اکثر نماز کے بعد ڈراؤنی آواز میں روتے ہیں۔

۱۰......نماز میں عربی الفاظ کو جھٹکے دیکر ادا کرتے ہیں۔

۱۱......نماز کے وقت پیش امام صاحب سورت میں اکثر غلطی کر دیتے ہیں تو لقمہ دینے کے باوجود توجہ نہیں کرتے اس لئے کہ بہرے ہیں، اگر کوئی پیش امام صاحب سے دریافت کرے تو موصوف جہالت کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو پیش امام ہوں، جن کا اکثر یہ کہتے رہنا ہے کہ میں پیش امام ہوں اور اکثر یہ بھی ادا کرتے ہیں کہ میں اپنی نماز ادا کرتا ہوں، اگر کوئی میرے ساتھ نماز پڑھے تو ان کی مرضی۔ اس کے علاوہ بلاوجہ کسی مسلم پر جھوٹ کا الزام عائد کر دیتے ہیں تو موصوف کسی شرعی مسائل سے واقف نہیں اور نہ کوئی عربی ترجمہ سے واقف ہیں، غرض کہ کوئی بات نہیں سنتے۔

لہٰذا عرض ہے کہ اگر مندرجہ بالاعنوان پیش امام کی عادت میں داخل ہیں تو برائے کرم فرمایا جائے کہ اس خصوص میں کیا فتوہ جات عائد ہوتے ہیں، معلوم فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ترتیب کس طرح بدل دیتے ہیں کیا ''اب'' کو ''برادر''، ''من'' کو ''تم'' اور ''ما'' کو ''ام'' پڑھتے ہیں یا کیا صورت ہے؟

۲......صریح جھوٹ بولتے ہیں یا (۱) توریہ وتعریض سے کام لیتے ہیں؟ اول تو عین الکذب کو درمختار میں حرام لکھا ہے، توریہ وتعریض کی گنجائش بھی دی ہے (۲)، پھر اتفاقاً گناہ کا سرزد ہوجانا جس پر ندامت وتوبہ بھی

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عليكم بالصدق، فإن الصدق يهدي إلى البر، و إن البر يهدي إلى الجنّة، و ما زال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يُكتب عند الله صديقاً. و إياكم والكذب فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، و ما زال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذاباً". رواه صحاح سته . (تنبيه الغافلين ، باب الزجر عن الكذب، ص: ۸۲، حقانيه بشاور)

(۲) "والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، و في الصلح بين اثنين، و في رضاء الأهل، و في دفع الظالم عن الظلم، و المراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام، قال في المجتبى: وهو الحق ، والمراد به التعريض؛ لأن عين الكذب حرام إلا لحاجة". (مجمع الأنهر ، كتاب الكراهية، في المتفرقات: =

ہواَور بات ہے اور گناہ کا عادی ہونا جس پر عموماً امت بھی نہیں ہوتی ہے یہ اَور بات ہے جو کہ پہلی بات سے بہت سخت ہے(۱) (اللہ محفوظ رکھے)۔

۳......وضو وغسل صحیح طور پر ادانہیں کرتے، یا حقیقی نجاست کو صحیح طور پر دور نہیں کرتے، وضو وغسل صحیح طور پر ادا نہیں کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آیا فرض ترک کرتے ہیں اس طرح کہ اعضاء خشک رہ جاتے ہیں یا نہیں؟ یا تین دفعہ دھوکر پورے سنن ومستحبات کو ادانہیں کرتے، اسی طرح نجاستِ حقیقی بدن یا کپڑے پر لگی رہ جاتی ہے یا تین تین دفعہ نہیں دھوتے؟ حکم سب کا یکساں نہیں اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے۔

۴......جتنی تنخواہ ملتی ہے کیا وہ سب ضروریات کیلئے کافی ہوتی ہے اور بلا ضرورت محض لالچ کی وجہ سے بھیک مانگتے ہیں تو شرعاً وعرفاً بہت قبیح اور مذموم ہے، ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے (۲)۔ کسی بے تکلف دوست سے

= ۵۵۲/۲، دار إحياء التراث العربي)

"الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام، قال: وهو الحق، قال تعالىٰ ﴿قتل الخراصون﴾ (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۷/۶، سعيد)

(۱) "عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أصرّ من استغفر وإن عاد في اليوم سبعين مرةً". رواه الترمذي و أبو داود".

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوّابون". رواه الترمذي وابن ماجة و الدارمي".

"و عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله يحب العبد المؤمن المفتن التوّاب".

"و عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان". وقال: تفرد به النهراني وهو مجهول، وفي شرح السنة: روى عنه موقوفاً، قال: "الندم توبة، والتائب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۴/۱، ۲۰۶، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿لا يسألون الناس إلحافاً﴾ (سورة البقرة: ۲۷۳)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:=

کسی وقت یہ کہہ دینا کہ فلاں چیز کھلاؤ مثلاً چائے پلاؤ بھیک میں داخل نہیں ہے، کیونکہ بے تکلف دوستوں میں کھانے اور کھلانے کا سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے، ایک دوسرے کو کھلاتے پلاتے رہتے ہیں (۱)۔

۵......اگر ان کے پاس رہنے اور سامان رکھنے کیلئے جگہ موجود ہے تو پھر ان کو مسجد کی الماری کو جو کہ قرآن پاک رکھنے کیلئے ہے اپنے کام میں نہیں لانا چاہئے (۲)، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ قرآن شریف اگر بجائے الماری کے طاق میں رکھ دیا جائے تو اس میں بے حرمتی کیا کی؟

۶......یہ بے اختیاری چیز ہے (۳) لیکن اگر کبھی ان کو غلطی ہوجائے تو بہرے پن کی وجہ سے لقمہ میں دشواری پیش آئے گی۔

= "من سأل وله ما يغنيه، جاء ت مسألته يوم القيامة خدوشاً" أو "كدوحاً في وجهه". قالوا: يارسول الله! و ما غناه؟ قال: "خمسون درهماً أو حسابها من الذهب". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۳۵، دار الفيحاء دمشق)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أو صديقكم﴾ [سورة النور: ۶۱] "أي بيوت أصدقائكم و أصحابكم، فلا جناح عليكم في الأكل منها إذا علمتم أن ذلك لا يشق عليهم، ولا يكرهون ذلك". (تفسير ابن كثير: ۳/۴۰۷، دار الفيحاء دمشق)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سرية ......قال: "وما علمت أنها رقية، اقبضوا الغنم واضربوا لي معكم بسهم". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الطب عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ما جاء في أخذ الأجر على التعويذ: ۲/۲۶، سعيد)

(۲) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الأول في الوقف على المسجد و تصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه كوئته)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿قل أرأيتم إن أخذ الله سمعكم و أبصاركم و ختم على قلوبكم مَن إله غير الله يأتيكم به﴾ (سورة الأنعام: ۴۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل من يرزقكم من السماء والأرض أمن يملك السمع والأبصار﴾ (سورة يونس: ۳۱)

۷...... یہ بھی معذوری ہے(۱) لیکن اگر اس کی وجہ سے طہارت میں کمی رہے ان کو پتہ ہی نہ چلے کہ کپڑے پر ناپاک چھینٹ پڑگئی تو اشکال ہوگا (۲)۔

۸...... مسجد میں مستقلاً رہنا نہیں چاہئے (۳)، ان کیلئے کمرہ کا انتظام کردیا جائے، وضو کی جگہ خارجِ مسجد ہوتو وہاں غسل کرنا، کپڑے دھونا بھی درست ہے (۴)۔

۹...... خدا کے ڈر سے رونا تو عیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، بہت خوش قسمت ہے وہ شخص

---

(۱) (راجع ،ص: ۲۰۶، رقم الحاشية : ۲)

(۲) "قال رحمه الله تعالىٰ : (والأعمى)؛ لأنه لا يتوقى النجاسة، ولا يهتدي إلى القبلة بنفسه، و لا يقدر على استيعاب الوضوء غالباً. وفي البدائع: إذا كان لا يوازيه غيره في الفضيلة في مسجده فهو أولى، و مثله في المحيط. و قد استخلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابن أمّ مكتوم و عتبان بن مالك على المدينة، وكانا أعميين". (تبيين الحقائق ، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/۶۲۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف الخ. ولا بأس للغريب و لصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام، كذا في خزانة الفتاوى". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الكراهية ، الباب الخامس في آداب المسجد اهـ :۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار ، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و مايكره: ۱/۶۶۱ ، سعيد)

(۴) "و من منتهياته التوضؤ .... في المسجد إلا في إناء أوفي موضع أعدّلذلك". (الدرالمختار، كتاب الطهارة ، أركان الوضوء أربعة : ۱/۱۳۳ ، سعيد)

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، مُنع، و لو قال: عنيت ذلك، لم يصدق، تاترخانية". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد:۵/۴۲۱، رشيديه)

جس کو یہ دولت نصیب ہو، اور وہ مقتدی بھی خوش قسمت ہیں جن کو خوفِ خدا سے رونے والا امام مل جائے (۱)۔

۱۰..... عربی کے بعض حروف جھٹکے سے ادا ہوتے ہیں، اسی طرح وہ بھی ادا کرتے ہوں گے، اگر ملاقات ہو اور زبانی ادا کرکے آپ بتلاتے تو اچھی طرح پتہ چل جائے کہ یہ صورت ہے تب اس کا حکم معلوم ہوتا۔

۱۱..... وہ لقمہ دینے پر توجہ تو جب کریں جب وہ لقموں کو سنیں، بہرے پن کی وجہ سے نہ وہ لقمہ سنیں نہ وہ توجہ دیں۔ جہالت سے پیش آنا جہالت ہے جبکہ ان کے ساتھ کوئی جہالت نہ کرے تو وہ کیوں جہالت کریں، اگر کسی مقتدی کو واقعۃً کوئی اشکال پیش آئے تو اس کو چاہئے کہ اپنے امام کا احترام ملحوظ رکھ کر ادب سے ان کی خدمت میں عرض کریں اور ان کو چاہئے کہ وہ نرمی اور شفقت سے اس کا جواب دیں، نہ مقتدی امام صاحب کے احترام کے خلاف کوئی بات کہے، نہ امام صاحب کسی کو حقیر و ذلیل کریں، اسی میں خیر ہے (۲)۔

نماز وطہارت کے مسائل سے واقف ہونا تو بہت ضروری ہے ورنہ بسا اوقات نماز خراب ہوجائیگی اور پتہ بھی نہیں چلے گا، مقتدی کی نماز کا وبال بھی امام کے ذمہ رہے گا، جو شخص نماز وطہارت کے مسائل سے واقف نہ ہو اس کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ جھوٹا الزام عائد کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے (۴)۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سبعة يظلّهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله .... و رجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوة و فضل المساجد: ۱/ ۹۱، قديمي)

(۲) قال تعالىٰ: ﴿ يأيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيراً منهم و لا نساءٌ من نساء عسى أن يكن خيراً منهن﴾. (سورة الحجرات: ۱۱)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا للقراءة، ثم الأورع آه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۲، ۳۴۴، دار الكتب بيروت)

(۴) "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، و قتل النفس بغير حق، و بهت مؤمن، والفرار من =

جوشخص صحیح پڑھتا ہو، اگر عربی ترجمہ نہ جانتا ہو نماز اس کی بھی صحیح ہوجائیگی، امام ہو یا مقتدی سب کا یہی حکم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۷ھ۔

امام صاحب اگر غلط مذاق کریں تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۶۵۱]: امام صاحب وضو کی جگہ بیٹھ کر گندا گندا مذاق کرتے ہیں، اور بھی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جس سے جماعت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے اور مسجد کی صفائی بھی بند ہوسکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ یہ چیز آپ کے منصب کے خلاف ہے اس سے احتیاط فرمائیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۶/۴ھ۔

بیوی کا نفقہ نہ دینے والے کی امامت

سوال[۲۶۵۲]: زید نے اپنی لڑکی کی شادی کی، جب داماد سے خرچہ نہ چلا تو باپ نے عدالت سے نکاح فسخ کرالیا، جس سے نکاح ہوا تھا، وہ طلاق نہیں دیتا اور امامت کرتا ہے۔ اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

= الزحف، و يمين صابرة يقتطع بها مالاً بغير حق". أخرجه أحمد".

"من ذكر امرأ بشيء ليس فيه ليعيبه به، حبسه الله في نار جهنم حتى يأتي بنفاذ ما قال فيه". رواه الطبراني". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب النكاح، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المائتين: البهت: ۲/۴۱، دار الفكر بيروت)

(۱) (راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذيّ". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم: ۲/۴۱۳، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

محض یک طرفہ درخواست پرنکاح ثانی کی عدالت کی طرف سے اجازت مل جانے پر پہلا نکاح فسخ نہیں ہوا دوسرے نکاح کی ابھی اجازت نہیں (۱)۔ جو امام بیوی کو نہ آباد کرتا ہے نہ طلاق دیکر آزاد کرتا ہے وہ گنہگار ہے، اسکو برادری اور پنچایت کے ذریعے سے روکا جائے کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرے یا اسکو طلاق دے کر آزاد کردے تا کہ بعد عدت وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کی حقدار ہوجائے (۲)، ورنہ امامت سے الگ کردیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "جاء رجل وامرأة إلى علي بن أبي طالب –رضي الله تعالى عنه– ومع كل واحد قيام من الناس، فأمرهم علي رضي الله تعالى عنه ،فبعثوا حَكَماً من أهله وحَكَماً من أهلها، ثم قال للحكمين: "ماعليكما؟عليكما إن رأيتما أن تجمعا، تجمعا، وإن رائيتما أن تفرقا ، تفرقاً. فقالت المرأة: رضيت بكتاب الله ماعليّ فيه ومالي. وقال الرجل: أما الفرقة، فلا، فقال علي رضي الله تعالى عنه: "كذبت –والله!– حتى تقر (بمثل الذى أقرت به)". دليل على أن رضاه شرط للفرقة ،فمالم يوكله للطلاق، ويفوض أمره إليه لا ينفذ طلاقه". (أحكام القرآن، للعلامة ظفر أحمد العثماني : ۲/ ۲۶۰، إدارة القرآن)

(۲) "قال سبحانه تعالى: ﴿وإن تحسنوا﴾ في العشرة مع النساء وتتقوا النشوز والإعراض وإن تظافرت الأسباب الداعية إليهما ﴿وتصبروا﴾ على ذلك ولم تضطروهن على فوت شئ من حقوقهن أو بذل مايعز عليهن فإن الله كان بماتعملون من الإحسان والتقوى خبيراً فيجازيكم ويثيبكم على ذلك. ولن تستطيعوا أن تعدلوا بين النساء لاتقدروا ألبتة على العدل بينهن بحيث لايقع ميل ما إلى جانب في شان من الشؤن كالقسمة والنفقة والتعهد والنظر والإقبال والممالحة والمفاكهة والموانسة الخ ﴿ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة﴾ وهي كما قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: التي ليست مطلقة ولاذات بعل ﴿وإن تصلحوا وتتقوا فإن الله كان غفوراً رحيماً، وإن يتفرقا﴾ المرأة وبعلها: أي إن لم يصطلحا ولم يقع وفاق بوجه مّامن الصلح وغيره، ووقعت بينهما الفرقة بطلاق. ﴿يغن الله كلاً من سعته وكان الله واسعاً حكيماً﴾" (روح المعاني، سورة النساء :۵/ ۱۶۲، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

وقال سبحانه تعالى :﴿ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

(۳) "ويعزل به إلالفتنة" (الدرالمختار). "(يعزل به): أي بالفسق لو طرأ عليه، والمراد أنه يستحق العزل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/ ۵۶۹، سعيد)

سینما دیکھنے اور قوالی سننے والے کی امامت

سوال[۲۶۵۳] : ایک پیش امام صاحب جو ہمیشہ سینما دیکھتے ہیں اور قوالی بھی سننے جاتے ہیں اور ان کے لڑکے کی تجارت بھی سینما کی ہے اور خود امامت کرتے ہیں اور مصلی پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ ہم میں کیا ہے؟ اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سینما دیکھنا اور قوالی سننا مستقل عیب ہے اس کے باوجود اپنے کو بے عیب سمجھنا بہت بڑا عیب ہے، قوالی کی حرمت "سکب الأنهر" (۱) اورفتاوی بزازیه (۲) و تنقیح الفتاوی الحامدیه (۳) میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قوالی سننے والے کی امامت

سوال[۲۶۵۴] : جیسا کہ آج کل عرسوں میں قوالی ہوتی ہے ان میں کسی امام مسجد کا شریک ہوکر سننا یا اس کو اچھا کہنا کیسا ہے؟ آیا اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے؟

---

(۱) "واستماع الملاهي حرام لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر: أي بالنعمة كما بسطه البزازي، أو لتغليظ الذنب كما في الاختيار، أو للاستحلال كمافي النهاية". (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۵۵۴/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الفتاوى البزازية، كتاب الكراهية، الثالث فيما يتعلق بالمناهي: ۳۵۹/۶، رشيديه)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل و فوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك و مطالبه في سماع الآلات المطربة: ۳۵۵/۲، تاجران ارگ بازار قندهار افغانستان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثامن عشر في الغناء واللهو، و سائر المعاصي، والأمر بالمعروف: ۱۱۲/۶، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک دوسرا آدمی موجود ہو تو قوالی سننے والے عرس میں شریک ہونے والے کو امام نہیں بنانا چاہئے (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [٢٦٥٥]: زید پیرزادہ ہے، موجودہ دور کی قوالی مع مزامیر سنتا ہے، رسم گاگر کرتا ہے (٢)، چادر مرغا جو لوگ قبر پر چڑھاتے ہیں اس کو بھی منع نہیں کرتا حتی کہ طواف قبر وسجدہ سے مانع نہیں ہوتا، ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس نماز کا کیا حکم ہے جو ایسے شخص کی امامت میں ادا کی گئی ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"من ذهب إلى الغزو و فاتته صلوة، فقد ارتكب سبع مائة كبيرةً". كذا عن الشيخ الرازي فما ظنك فيمن فاتته صلوة لمثل هذا الحضور .... و غرضه استماع الدف والمزمار واللعب بالرقص الذي أحدثه أولاً السامري حين أخرج لهم عجلاً جسداً له خوار، و قد نقل صاحب الهداية فيها: أن المغنّي للناس إنما لا تقبل شهادته؛ لأنه يجمعهم على كبيرة، والقرطبي على أن هذا الغنى وضرب القضيب والرقص حرامٌ بالإجماع عند مالك وأبي حنيفة

---

(١) "وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعاً، فلا يعظم بتقديمه للإمامة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ٣٠٢، ٣٠٣، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/ ٥٥٩، ٥٦٠، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ١/ ١٠٨، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ٥١٣ سهيل اكيدمي لاهور)

(٢) "گاگر: مٹی کا وہ برتن جس میں شربت بھر کر منہ پر سرخ کپڑا اور پھولوں کے ہار ڈال کر مزاروں پر چڑھاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ١٠٧٨، فیروز سنز لاہور)

والشافعي وأحمد رحمه الله تعالى في مواضع في كتابه، اهـ". الفتاوى البزازية: ٣٤٩/٣، على هامش الهندية (١)۔ وبسط الكلام في تنقيح الفتاوى الحامدية: ٣٥٥/٢(٢)۔

"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطلٌ وحرام ما لم يقصدوها صرفها لفقراء الأنام، اهـ". الدر المختار على هامش رد المحتار: ١٢٨/٢(٣)۔

"لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف واتخاذ السرج والمساجد عليها، و من الاجتماع بعد الحول كالأعياد، و يسمونه عرساً، اهـ". التفسير المظهري(٤)۔

جو شخص امورِ مذکورہ کا ارتکاب کرتا ہے، یا قدرت کے باوجود ان امور کو منع نہیں کرتا بلکہ بلا تکلف دیکھتا رہتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان امور سے ناخوش نہیں ہے، ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/۱/۹۴ھ۔

---

(١) (الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً في المتفرقات: ٣٤٩/٦، رشيديه)

(٢)(تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل و فوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك و مطالبه، في سماع الآلات المطربة: ٣٥٥/٢، تاجران كتب ارگ بازار قندهار افغانستان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ٣٤٩/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ٣٤٦/٨، رشيديه)

(٣) الدر المختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ٤٣٩/٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ٥٢٠/٢، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ٦٩٣، قديمى)

(٤) (التفسير المظهري: ٦٥/٢، سورة آل عمران: ٦٤، حافظ كتب خانه، كوئٹه)

(٥)" ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً .... =

ساز پر گانے والے کی امامت

سوال[۲۶۵۶]: ایک شخص نائی ہے اور ساز پر گاتا ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نائی کا پیشہ درست ہے بشرطیکہ داڑھی نہ مونڈتا ہو، ساز پر گانا ناجائز ہے، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

ناچ گانے میں شرکت کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۵۷]: امام نماز پڑھا کر گھر چلا گیا، محلّہ میں ناچ گانا یا بھیڑ ہو رہی تھی، محلّہ کے کافی مسلمان اس میں شرکت فرماتے تھے، اس مجلس میں روشنی کی ضرورت تھی، ایک شخص نے کہا گیس جلالو، حاضرین میں جتنے لوگ تھے گیس جلانا نہیں جانتے تھے، لوگوں نے کہا کہ امام صاحب کو بلا دو وہ جلا دینگے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر امام صاحب واپس اپنے گھر چلے گئے۔ اب محلّہ کے ایک سودخور حاجی صاحب کہتے ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، علیحدہ نماز پڑھتا ہے، باقی سب محلّہ کے لوگ امام صاحب کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں سب کی نماز درست ہوجاتی ہے یا نہیں؟

= علی أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵٦٠، سعيد)

وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(۱) قال الحصكفي رحمه الله تعالى: "(يكره إمامة .... فاسق)". "(قوله: فاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا و نحو ذلك". .... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵٦٠، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: ۱/۱٦۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناچ گانا غلط کام کرنا اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے، جو لوگ اس میں شریک تھے سب ہی گنہگار ہونگے (۱)، پھر گیس جلانے کے لئے امام صاحب کو بلانا اور بھی غلطی ہے، ان کے بلانے پر امام صاحب نے گیس جلا دیا، اگر نہ آتے تو اس کے سب مخالف ہو جاتے، ابھی تو ایک ہی آدمی مخالفت کرتا ہے پھر سب مخالفت کرتے، اس ڈر کے مارے اگر امام نے آکر گیس جلا دی تو اس کو ایسی سزا دینا کہ ایک حاجی صاحب اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کو ناجائز بتلاتے ہیں تو یہ زیادتی ہے۔ امام صاحب بھی استغفار کریں (۲) اور حاجی صاحب بھی ان کے پیچھے نماز پڑھا کریں۔ سود کا لینا دینا حرام ہے اور موجبِ لعنت ہے (۳) اس سے بھی حاجی صاحب باز آئیں اور توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و من الناس من يشتري لهو الحديث﴾ (سورة لقمان: ۶)

"(لهو الحديث) على ما روى عن الحسن: كل ما شغلك عن عبادة الله تعالىٰ و ذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء و نحوها ..... و ذكر بعض تلامذة البغوي في كتابه الذي سماه "التغريب": أن الغناء حرام فعله و سماعه ..... و قال ابن الصلاح في فتاواه بعد كلام طويل: فإذن هذا السماع حرام بإجماع أهل الحل والعقد من المسلمين". (روح المعاني: ۲۱/۶۷، ۶۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۲/۴۱۱، قديمي)

(۲) قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه، و قال: "هم سواء". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا: ۱/۲۴۴، قديمي)

غلط محفل میں شریک ہونے والے کی امامت

سوال [۲۶۵۸]: ایک شخص ہنسی گول کی جگہ اور گانے بجانے کی جگہ شوق سے بیٹھتا ہے اس کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی مجالس میں شرکت ناجائز ہے اگر اس شخص سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو تو اس شخص کی امامت مکروہ ہے دوسرے کو امام بنانا چاہئے تاوقتیکہ یہ شخص توبہ نہ کرے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

گانے بجانے کی مجلس میں نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال [۲۶۵۹]: جو شخص ایسی مجلس میں نکاح پڑھائے جس میں باجے بجتے ہوں، تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شادی میں خلافِ شرع امور: گانا بجانا وغیرہ ہوں اور پہلے سے معلوم بھی ہو تو اس میں شرکت منع ہے (۲) امام کو بھی اور مقتدی کو بھی، اگر امام نے ایسی جگہ نکاح پڑھا دیا اور شرکت کر لی ہے تو اس کو توبہ واستغفار

---

(۱) "ويكره إمامة عبد و أعرابي وفاسق وأعمى و مبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلافلا كراهة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في البحرا الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "دُعي إلى وليمة و ثمة لعب أو غناء، قعد وأكل، فإن قدر على المنع فعل، وإلا صبر إن لم يكن ممن يُقتدى به، فإن كان (أى فإن كان هو المقتدى) و لم يقدر على المنع، خرج و لم يقعد، وإن علم أولاً، لا=

کرنا چاہئے اور آئندہ کو پرہیز کرنا چاہئے (۱)، اگر امام باز نہ آئے تو اس کی امامت مکروہ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گانے بجانے کی فحش مجلس اور اس کے روکنے والے امام کا حکم

سوال[۲۶۶۰]: ایک قریہ کے لوگوں نے بوقتِ نماز عشاء بالمقابل مسجد ایک مکان پر باجہ گراموفون لگا کر عوام الناس مذکر ومؤنث کو ہر قسم کے اور ہر عمر کے جمع کر کے تمام رات ایسی بے حیائی میں گزاری، قریہ مذکورہ کے امام نے بایں الفاظ منع کیا کہ ''او بے حیاؤ، بے شرموں اور بے سلیقہ کنجرو، دیوثو! تمہیں

= يحضر أصلاً". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۷، ۳۴۸، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع شرحه الدر المنتقى، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲/۵۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب، فأولئك يتوب الله عليهم، وكان الله عليماً حكيماً﴾ (سورة النساء: ۱۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸) "وقال الثوري: عن السماك عن النعمان عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: التوبة النصوح أن يتوب من الذنب ثم لايعود فيه أو لا يريد أن يعود فيه. ولهذا قال العلماء: التوبة النصوح هو أن يقلع عن الذنب في الحاضر، ويندم على ما سلف منه في الماضي، ويعزم على أن لا يفعل في المستقبل، ثم إن كان الحق لآدمي رده إليه بطريقه". (تفسير ابن كثير: ۴/۵۰۳، دار الفيحاء دمشق)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك .... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

شرم نہیں آتی کہ بچوں کو جمع کر کے عورتوں کو بھی شامل کرتے ہو، یہ اغو ہو جائیں گے، ایسی بے حیائی کی تعلیم دے رہے ہو"۔ آخر قوم نے یوں ہی رات بے ہودہ گوئی میں گزاری جیسے مثال کے طور پر ایک مصرع نقل کرتا ہوں۔ جس کے معنی یہ ہیں:

یعنی میری تماک میں تُو مکان کی چھت پر چارپائی نہ بچھا کیونکہ اب تو میں تمام کی تمام تیری ہی ہو چکی ہوں، جہاں میں کیوں شہرت کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

قوم کا یہ ہی شعار بن گیا ہے، اس سے قبل بھی چند مرتبہ ان کو منع کر دیا گیا تھا، مگر قوم باز نہ آئی تو امام نے اس قوم کی امامت چھوڑ دی، تعلیم قرآن چھوڑ دی، اب قوم اپنے استاد (جو کہ ان کی چند پشتوں کا امام رہ چکا ہے) کے خلاف طرح طرح کے منصوبے، غیبت و ناجائز حملے کر رہی ہے اور اپنا دوسرا امام تلاش کر رہی ہے اور قوم کہتی ہے کہ باجے ہمارے پیر صاحب سنتے اور بجاتے آئے ہیں، منع کہاں، اگر یہ بے حیائی ہوتی تو پیر صاحب کہاں سنتے وغیرہ وغیرہ۔ اور امام کہتا ہے کہ اگر اسلام میں ایسے کھیل کود تماشے کے کام جائز ہیں تو میں ایسے اسلام و ایمان سے بیزار ہوں جو سکھوں کی طرح ہر حال میں یعنی شادی میں ساز وغیرہ کے ساتھ شادی منائی جاوے اور موت کے وقت میں وہی ڈھولک مولک سے ماتم کی رسم ادا کی جاوے۔

علاوہ اس کے چند یوم کے بعد وہی باجہ بجانے والے دوسرے گاؤں سے ایک عورت بال بچے اور شوہر والی عورت اغوا کر کے رائے پور لے گئے اور مغویہ کو مسیحی مذہب میں داخل کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے تاکہ مرتدہ کر کے نکاح اول تو گر جائے، یہ ہے اس وقت کے مسلمانوں کا ایمان۔ اب یہ قوم حق پرست ہے یا امام قوم؟ اب قوم حقِ استادی فراموش کر سکتی ہے یا نہیں؟ ایسی قوم کا صوم وصلوٰۃ درست ہے یا نہیں؟ امام عند اللہ مجرم ہے یا نہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور امام کے واسطے کیا حکم ہے؟ جواب صاف صاف تحریر فرمائیں۔ بحوالہ کتب مع دلائل شرعیہ کے۔ بینوا وتوجروا۔

عام باغ، فقیر یہ ڈاکخانہ ہندہ، ضلع راولپنڈی، محمد شفیع، ۱۵/ شعبان/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قوم کے یہ افعالِ شنیعہ ناجائز اور کبیرہ گناہ ہیں(۱) خاص کر غیر کی عورت کو اغوا کر کے مرتد بنانا کفر

(۱) "وفي السراج: ودلّت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر. =

ہے(۱)، اگر وہ خدانخواستہ مرتد ہوکر مسیحی مذہب میں داخل ہوگئی تب بھی مفتیٰ بہ قول کے موافق پہلا نکاح فسخ نہ ہوگا(۲) اور اس کو مرتد بنانے والا، یا اس کے لئے مشورہ دینے والا کافر ہوجائے گا، اس عورت کو اس کے پہلے شوہر کے پاس واپس کرنا فرض ہے(۳)۔

اسی طرح گانے بجانے وغیرہ حرکات سے بھی توبہ لازم ہے(۴) اور جس طرح ہوسکے اپنے ناشائستہ

= قال أبو سعود: صوت اللهو و الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات.

قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي .... حرام لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر". (الدرالمختار، كتاب الحظر و الإباحة: ۳۴۸/۶، ۳۴۹، سعيد)

"وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام.......... اهـ". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۱) "وفي المحيط والفتاوى الصغرى أيضاً: من لقّن غيره كلمة الكفر ليتكلم بها، كفر الملقن وإن كان على وجه اللعب والضحك. ومن أمر امرأة بأن ترتد .... كفر الآمر.......... وفي المحيط: من أمر أحداً أن يكفر، كفر الآمر". (شرح فقه الأكبر، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، فصل في تعليم الكفر و تلقينه والأمر بالارتداد: ۵۲۶/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۷۵/۲، رشيديه)

(۲) "(ولو ارتدت) .... وأفتى مشايخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً وتيسيراً لا سيما التي تقع في الكفر". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۴/۳، سعيد)

"(قوله: زجراً لها) عبارة البحر: حسماً لباب المعصية: الحيلة للخلاص منه .... الخ". (ردالمحتار)

(۳) "أن مَن أمر امرأة حتى ترتد عن الإسلام لتَبِين من زوجها، فهو كافر.......... وفي المضمرات: وتجبر المرأة على الإسلام، وتضرب خمسة وسبعين سوطاً، وليس لها أن تتزوج إلا بزوجها الأول". (التاتار خانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في تعليم الكفر وتلقينه .... اهـ: ۵۲۶/۵، إدارة القرآن كراچي)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (التحريم: ۸) ....=

افعال سے توبہ کرکے امام صاحب کوراضی کریں اورامام صاحب کوبھی چاہیے کہ ان لوگوں کونرمی اورشفقت کے ساتھ نصیحت کریں کہ اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اورسخت الفاظ استعمال نہ کریں اوران کے لئے دعا بھی کریں۔اور امام صاحب کو(یہ) بھی چاہیے دوسری جگہ نہ جائیں، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے قوم کی اصلاح فرمادیں۔البتہ اگرقوم سخت مخالف ہوجاوے اورامام صاحب کا رہنا دشوارکردے اوران کے وہاں رہنے سے اصلاح کی توقع نہ ہو بلکہ فتنہ پیدا ہوتوامام صاحب کوچاہیے کہ کسی دوسری جگہ اپنا انتظام کرلیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۱۷/۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف، ۱۷/شعبان/ ۵۷ھ۔

عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۶۶۱]: ایک شخص نے عدت کے دنوں میں نکاح کردیاہے،اس کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر باوجودعلم کے ایسا نکاح کیاہے تو نکاح پڑھانے والااوراس نکاح میں شریک ہونے والے اور باوجود قدرت کے اس نکاح کونہ روکنے والے سب گنہ گار ہوئے، سب کے ذمہ توبہ علی الاعلان لازم ہے(۱)۔اگراس شخص سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجودہوتواس شخص کی امامت مکروہ ہے، دوسرے کو

= "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم–: "يا أيها الناس! توبوا إلى الله، فإني أتوب إليه في اليوم مائة مرةً". (مشكوة المصابيح، باب التوبة والاستغفار، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قديمي)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه". (المشكوة، المصدر السابق)

(۱)قال الله تعالى: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا وبينوا﴾ (سورة البقرة: ۱۶۰)

"يدل على أن التوبة من الكتمان إنمايكون بإظهار البيان. وأنه لايكتفى في صحة التوبة بالندم على الكتمان فيما سلف دون البيان فيما استقبل". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۴۳، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من راى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمي)

امام بنانا چاہیے تاوقتیکہ یہ شخص توبہ نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

غیر مطلقہ کا نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۶۶۲]: ایک امام نے ایک شخص کے گھر میں اس کی سگی ہمشیرہ کا نکاح بغیر طلاق کردیا اگرچہ لوگوں نے منع بھی کیا اور اس نے بعد میں اقرار کرکے توبہ کرلی ہے تو اب اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

رحمت خان، راجپوت ڈاکخانہ شاہ آباد، ضلع کرنال، پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں وہ نکاح صحیح نہیں ہوا، کیونکہ جب تک پہلا شوہر زندہ ہے اور اس نے طلاق وغیرہ بھی نہیں دی تو اس کی عورت کا نکاح کسی جگہ شرعاً درست نہیں اور امام نے جو باوجودِ علم کے وہ نکاح پڑھایا تو امام گنہگار ہوا اور لوگوں کے سمجھانے سے نہ ماننے کی وجہ سے اَور سخت گناہ ہوا(۲)، لہٰذا ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے جب کہ کوئی دوسرا شخص اہل امام موجود ہو: "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق". درمختار: ۱/۵۲۳(۳)۔ لیکن جب سب کے سامنے توبہ کرلی اور اپنی غلطی کا اقرار کرکے نادم ہوا تو اب اس کی امامت

---

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى ومبتدع لا يكفربها، وإن كفربها فلايصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۱۰، ۲۱۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والمحصنات من النساء إلا ماملكت أيمانكم﴾ [سورة النساء: ۲۴] "أي وحرم عليكم من الأجنبيات المحصنات، وهن المزوجات". (تفسير ابن كثير، ۱/۲۲۹، دار الفيحاء، دمشق)

(۳)(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد) .... =

جائز ہے، لقوله عليه السلام :"التائب من الذنب كمن لاذنب له"(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۶/۸/۵۲ھ۔

صحیح:عبد اللطیف، ۶/شعبان/۵۲ھ۔

مطلقہ مغلظہ کو بلا حلالہ کے رکھنے والے کی امامت

سوال[۲۲۶۳] : ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، اس پر حکم شرعی معلوم کیا گیا تو علمائے کرام نے طلاق مغلظہ ثابت کرتے ہوئے حلالہ کا حکم دیا، لیکن یہ شخص مذکور حلالہ کو عار خیال کرتا ہے اور تعلق زوجین قائم رکھتے ہوئے اپنے پاس زوجہ کو رکھے ہوئے ہے، یہ شخص پنج وقت نماز کا امام ہے، جمعہ وعیدین وغیرہ کا امام کبھی برابر ہوتا ہے۔صورتِ بالا کے ہوتے ہوئے یہ امامت کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں گی وہ صحیح ہونگیں یا نہیں؟ اکثر لوگ اس واقعہ کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ایسی صورت میں اس کو امامت کرنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت کو طلاقِ مغلظہ واقع ہو چکی ہے اس کو بلا حلالہ کے رکھنا حرام ہے، اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعدُ حتى تنكح زوجاً غيره﴾(۲) پھر جب تک شخصِ مذکور (اس) عورت کو جدا کر کے حرام کاری سے توبہ نہ کریں، اس وقت تک اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث بيروت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۶، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رفاعة القرظي رضي الله تعالىٰ عنه تزوج امرأة، ثم طلقها فتزوجت آخر، فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرته أنه لا يأتيها، وأنه ليس معه إلامثل هدبة. فقال: "لا، حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب إذا طلقها ثلاثاً، تزوجت بعد العدة زوجاً غيره فلم يمسها : ۲/۸۰۱، قديمي)

پیچھے نماز پڑھنے سے فرض ادا ہو جائیگا مگر اس کو امام بنانے سے کراہت تحریمی کا گناہ ہوگا۔

"لو قدموا فاسقاً، یأثمون بناءً علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بأمور دینه، وتساهله فی الإتیان بلوازمه، فلا یبعد منه الإخلال لبعض شروط الصلاة وفعل ما ینافیها، بل هو الغالب بالنظر إلی فسقه، ولذالم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك وروایةً عن أحمد، إلا أنا جوزناها مع الکراهة لقوله علیه الصلاة والسلام: "صلوا خلف کل بر وفاجر.........". رواه الدار قطني. .... : لکن قال أصحابنا: لاینبغي أن یقتدی به إلافی الجمعة للضرورة فیها، بخلاف سائر الصلوة لتمکن من التحول إلی مسجد آخر فیما سوی الجمعة، وعلیه یحمل عمل الصحابة والتابعین فی الاقتداء بالحجاج، وعلی هذافینبغي أن تکره الجمعة أیضاً إذاتعددت الجوامع کمافی زماننا لإمکان التحول؛ إذ الفتوی علی جواز التعدد". کبیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/۷/۶۱ھ۔

تین طلاق کے بعد رکھنے والے کے احکام: امامت، جنازہ، معاشرہ وغیرہ

سوال [۲۶۶۴]: ۱...... زید نے بقائمی ہوش وحواس معززینِ شہر کے سامنے بجبر واکراہ تین طلاق دیدی، آیا دوبارہ اس مطلقہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ نکاح کرسکتا ہے اگر کرسکتا ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟

۲...... اگر زید مذکور تین طلاق کے بعد تجدید نکاح کرے اور دلیل میں یہ کہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، اس لئے میں نے ایسا کیا۔ کیا یہ قول اس کا معتبر ہے؟

(الف) کیا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی اور امام کا یہ مسلک ہے کہ تین طلاق کے بعد تجدید نکاح

---

(۱) (الحلبي الکبیر، کتاب الصلوة، الأولی بالإمامة: ۵۱۳، ۵۱۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الد رالمختارمع الردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وکذافی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشیدیه)

(وکذافی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الا مامة: ۱/۳۴۶، ۳۴۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

کر کے مطلقہ کو رکھے؟

(ب) مقلد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہو کر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) ایسے شخص کیساتھ معاشرت خورد ونوش مصاحبت وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

(د) اگر یہ شخص مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(ہ) ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟

(ز) اگر وہ لوگوں کے بتلانے کے بعد اس بیوی کو مثلِ منکوحہ سمجھے تو عام مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے؟

(و) کیا اس کا کوئی کفارہ ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگی، اب اس سے نکاح حرام ہے: ﴿حتی تنکح زوجاً غیرہ﴾ الآیة (۱)۔

۲......اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاق دے مثلاً کہے: "أنت طالق ثلاثاً". تو یہ طلاق مغلظہ باتفاقِ ائمہ اربعہ واقع ہو جاتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف نہیں، ان کے نزدیک بھی تجدید نکاح بغیر حلالہ کافی نہیں، لہٰذا زید کا قول غلط ہے، ایسا شخص ائمہ اربعہؒ اور اجماع اور نصِ قطعی کے خلاف کرتا ہے، جب تک کہ شخص مذکور عورت مذکورہ سے قطع تعلق نہ کرے اور اپنی اس حرکت سے سچی توبہ نہ کرے اس سے معاشرت ومجالست ترک کردی جائے تاکہ وہ تنگ آکر اپنی حالت شریعت کے مطابق بنائے (۲)۔

---

(۱) (سورة البقرة : ۲۳۰)

"وعن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رفاعة القرظي تزوج امرأةً، ثم طلقها، فتزوجت آخر، فأتت النبي صلی الله علیه وسلم، فذكرته أنه لا يأتيها، وأنه ليس معه إلا مثل هدبة، فقال: "لا، حتی تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب إذا طلقها ثلاثاً، ثم تزوجت بعد العدة زوجاً غيره، فلم يمسها : ۲/ ۸۰۱، قديمي)

(۲) قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالیٰ تحت هذا الحديث: "(لا يحل لرجل أن يهجر أخاه الخ) قال=

اس کی جنازہ کی نماز ضروری پڑھی جائے (۱)، البتہ اگر کوئی مقتدا شخص اس غرض سے اس کے جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو کہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ ایسے کام نہ کریں تو گنجائش ہے (۲)۔ زید مذکور کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے (۳)، پس کفارہ یہی ہے کہ عورت مذکورہ کو علیحدہ کردے اور خدا پاک کے سامنے سچی توبہ کرے، اس

= الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح للملا على القاري، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الآداب، باب ماينهى من التحاسد الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعه خيريه بيروت)

(۱) "وهي فرض على كل مسلم مات خلا بغاة وقطاع طريق إذ قتلوا في الحرب وكذا مكابر في مصر ليلاً بسلاح وخناق". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي: ۲۱۰/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۲/۱، رشيديه)

(۲) "وعن مالك وغيره، أن أهل الفضل لايصلون على الفساق زجراً لهم". (الشرح الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، باب ترك الصلاة على القاتل نفسه: ۳۱۴/۲، قديمي)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). "(قوله: وفاسق): من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، باب الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، ۵۱۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

نکاح کے دوام پر اصرار سخت خطرناک ہے۔

اس مسئلہ پر مستقل رسائل: "الأعلام المرفوعة فی حکم الطلقات المجموعة" اور "الأزهار المربوعة" وغیرہ بھی تصنیف ہوئے ہیں، جن میں استدلال بالحدیث کی حیثیت سے کافی بحث کی گئی ہے۔

"وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعد هم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث، قال في الفتح بعد سوق الأحاديث الدالة عليه: وهذايعارض ماتقدم، وأما إمضاء عُمَر الثلاث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بأنها كانت واحدةً، فلايمكن إلا وقد اطلعوا في الزمان المتأخر على وجود ناسخ أولعلمهم بانتهاء الحكم لذلك لعلمهم بإناطته بمعان علموا انتفاء ها في الزمن المتأخر. وقول بعض الحنابلة: تُوفّي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مائة ألف عين رأته فهل صح نكم عنهم أو عن عشر عشر عشرهم القول بوقوع الثلاث باطل؟ أما أولاً فإجماعهم ظاهر؛ لأنه لم ينقل عن أحدمنهم أنه خالف عمر رضي الله تعالى عنه حين أمضى الثلاث، ولا يلزم في نقل الحكم الإجماعي عن مائة ألف تسمية كل في مجلد كبير لحكم واحد على أنه إجماع سكوتي، وأما ثانياً فالعبرة في نقل الإجماع نقل ما عن المجتهدين.

والمائة ألف لايبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وأنس وأبي هريرة رضي الله تعالى عنهم أجمعين، والباقون يرجعون إليهم ويستفتون منهم. وقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحاً بإيقاع الثلاث، ولم يظهرلهم مخالف -فماذابعدالحق إلاالضلال- وعن هذاقلنا: لو حكم حاكم بأنها واحدة لم ينفذ حكمه؛ لأنه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف". شامی: ۲/ ۵۷٦(۱)۔

إعلاء السنن جلد ۱۱، کے اخیر میں اس مسئلہ پر نہایت مبسوط ومدلل کلام کیا ہے، من شاء البسط

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۳/ ۲۳۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ۳/ ۳٦۹، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

فلیراجع إلیه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارن پور، یوپی، ۱۹/شوال/۶۶ھ۔

محض ضد میں طلاق دینے والے کی امامت

سوال[۲۶۶۵]: ایک شخص نے مولوی عالم ہوکر اپنی عورت کو محض اس وجہ سے طلاق دی کہ میرے بہنوئی نے میری بہن کو طلاق دی ہے یعنی ایک کی بہن دوسرے کو بیاہی تھی، جب پہلے اس نے مولوی صاحب کی بہن کو طلاق دے دی ہے تو مولوی صاحب نے بھی ضداً اس کی بہن کو طلاق دیدی، پھر علاوہ ازیں مہر خرچ وغیرہ نہیں دیتا۔ تو کیا ایسے ظالم کے پیچھے نماز پڑھنا اور سلام، طعام کا معاملہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ اس ظلم یا اس سے بڑے ظلم (حق اللہ یا حق العباد کو تلف کرنے میں) ملوث نہ ہوں ان کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو اپنی نماز کے لئے امام نہ تجویز کریں(۲)، سلام، طعام کے ترک کرنے سے بہتر یہی ہے کہ ان کو اصلاح پر آمادہ کیا جائے، ورنہ آج کل سلام طعام کے ترک کرنے سے صلاح نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے، خاص کر اہلِ علم حضرات جن کا کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اصلاحی تعلق نہ ہو اور وہ خود فکر اصلاح سے خارج ہوں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (اعلاء السنن، کتاب الرقة هل وقوع الطلاق البدعي مسألة خلافية بين الصحابة والتابعين: ۱۱/۲/۷۵۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، کراچی)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وفي رد المحتار "(قوله: وفاسق): من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، باب الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) اگر قطع تعلق سے اصلاح کی امید ہو تو اس سے قطع تعلق کرنے کی گنجائش ہے: .... =

زبردستی طلاق کی وجہ سے امامت درست ہوگی یانہیں؟

سوال[۲۶۶۲]: زید کو بہکا کر سسرال والوں نے اپنے گھر بلالیا اور کورے کاغذ پر انگوٹھے کا نشان لگوالیا، اس کے بعد زید گھر آگیا، مگر چند لوگ امام مسجد کے ساتھ ہیں اور خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ کوئی دھوکہ والی بات نہیں، زید اپنی بیوی کے پاس گیا، امام ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یقین کرلیا اور لڑکا یعنی زید اس کے ساتھ کردیا، لڑکی والے نے گھر لیجا کر اس کو مارا پیٹا اور زبردستی طلاق لے لی، لڑکی بے پردہ رہتی ہے۔ وہ امامت کا مستحق ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر امام صاحب نے بلاوجہ شرعی محض دھوکہ دے کر دیدہ دانستہ اس طرح جبراً طلاق دلوانے میں مدد کی ہے تو وہ بھی گنہگار ہوئے کہ انہوں نے ظالم کی مدد کی ہے، اگر وہ توبہ نہ کریں اور اپنی غلطی کا اقرار نہ کریں تو ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا(۱)۔ اگر حالات دوسرے ہوں تو حکم بھی دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالى تحت حديث: "لايحل لرجل أن يهجر أخاه الخ": "قال الخطابي: رُخّص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذاكان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلک ...... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرالأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح للملا علي القاري، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، واتباع العورات، الفصل الاول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري شرح البخاري، كتاب الآداب، باب ماينهي من التحاسد والتدابر الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعه خيريه بيروت)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار) وفي رد المحتار: "(قوله: وفاسق): من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحوذلک، فقد عللو كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ۵۵۹/۱، ۵۶۰، سعيد)

=

خالہ اور بھانجی کا ایک شخص سے نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۶۶۷]: ایک پیش امام مسجد ناظرہ حافظ ہے، صحیح ظن سے قرآن قرات میں پڑھ سکتا ہے، نماز جمعہ بھی وہی پڑھاتے ہیں جو کہ خطبہ میں پڑھتے ہیں، ہر روز پنجگانہ اذان بلاوضو کے دیتے ہیں، چند اشخاص اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ بلاوضو اذان دینا ٹھیک نہیں ہے، لیکن امام صاحب اس پر اصرار کرتے ہیں کہ بلاوضو اذان دینا جائز ہے اور صحیح ہوجاتی ہے۔ اور وہ پیش امام عقائد نکاح سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے ہیں، ایک نکاح امام صاحب موصوف نے ناجائز پڑھادیا ہے، نکاح بحیثیتِ دستور طریقہ سے پڑھایا، ایک شخص کے گھر میں خالہ موجود ہے اس کی بھانجی سے اس کا نکاح جائز قرار دے دیا، آیا یہ مسئلہ جائز ہے یا نہیں؟ خالہ اور بھانجی ایک مرد کے عقد میں رہ سکتی ہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے لکھا ہے کہ "ایک پیش امام مسجد ناظرہ حافظ ہے"، اس کا مطلب میں نے نہیں سمجھا "ناظرہ حافظ" کسے کہتے ہیں؟ قراتِ قرآن شریف میں کیا غلطی کرتے ہیں؟ اس کو لکھئے کیونکہ غلطی معمولی ہوتی ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور بعض غلطی سخت ہوتی ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، خطبہ کے متعلق کیا لکھا ہے سمجھ میں نہیں آیا، صاف صاف لکھئے۔

اذان کے لئے افضل یہ ہے کہ باوضو کہے لیکن اگر بے وضو کہدے تب بھی ناجائز نہیں، بلکہ درست ہے: "ویکره أذان جنب، وإقامة محدث لا أذانه علی المذهب الخ". درمختار: ۱/۴۰۷(۱)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة، ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان الأحق بالإمامة: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۷۵، مكتبة غفارية، كوئته)

امام صاحب کو اگر معلوم تھا کہ اس شخص کے گھر میں ایک عورت پہلے سے موجود ہے اور اب دوسری سے نکاح کرتا ہے اور وہ دوسری بھانجی ہے پہلی خالہ ہے اور یہ نا جائز ہے تو وہ شخص اور وہ عورت اور امام صاحب جس قدر لوگ نکاح میں شریک ہوئے سب پر توبہ لازم ہے، اور جس کو علم نہیں تھا وہ گنہگار نہیں ہوگا (۱)۔

اب لازم ہے کہ اس مرد اور عورت میں تفریق کرادیں (۲) اور امام صاحب اور سب شریک ہونے والے توبہ کریں اور امام صاحب توبہ نہ کریں تو ان کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے بشرطیکہ دوسرا آدمی امامت کے لائق ان سے بہتر موجود ہو (۳)۔ وہ مرد وعورت اگر مفارقت نہ کریں اور باوجود فہمائش کے نہ مانیں تو سب مل کر ان سے قطع تعلق کرلیں تاکہ وہ دونوں تنگ آکر توبہ کریں (۴)، اگر وہ شخص دوسری عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو پہلی

---

(۱) "ومن استحل حراماً وقد عُلم تحريمه في الدين: أى ضرورة كنكاح المحارم أو شرب الخمر .... وعن محمد رحمه الله بدون الاستحلال ممن ارتكب كفر: أى في رواية شاذة عنه "والفتوى على التشديد إن استعمل مستحلاً كفر، وإلالا، فإن ارتكب من غير استحلال فسق". (شرح الملاعلى القارى على الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۸، قديمى)

(۲) "ولايجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها أو ابنة أخيها أو ابنة أختها لقوله عليه السلام: "لاتنكح المرأة على خالتها، ولا على عمتها، ولا على ابنة أخيها، ولاعلى ابنة أختها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۰۸/۲، ۳۰۹، شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الرابع في المحرمات بالجمع: ۲۷۷/۱، رشيديه)

(۳) "ويكره إمامة عبد و أعرابى وفاسق وأعمى ومبتدع لايكفر بها، وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً، وولد زنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلافلا كراهة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، ۶۱۱، رشيديه)

(۴) "رُخّص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوزفوقها، إلا إذاكان الهجران في حق =

الحال دونوں کو الگ کردے اور پہلی کو طلاق دیدے جب اس کی عدت ختم ہو جائے تب دوسری سے نکاح کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا۔

سوتیلی نانی سے نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۲۶۸]: ۱......ایک شخص نے اپنی ماں کی ماں سے یعنی سوتیلی نانی سے نکاح کرلیا ہے، آیا یہ نکاح کیسا ہوا ہے، اور سوتیلی نانی محرمات میں سے ہے یا نہیں؟

۲......اگر محرمات میں ہے تو جس شخص نے اس کا نکاح پڑھایا اور جو لوگ اس میں شامل ہوں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

۳......اگر نکاح پڑھانے والا امام ہو اور لوگوں کو نماز پڑھاتا ہو تو اس کے لئے امامت درست ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سوتیلی نانی محرمات میں سے ہے تو نکاح فسخ کردیا جائے یا نہیں؟ اور امام صاحب جتنے دن تک لوگوں کو نماز پڑھائے ہیں وہ نماز لوٹانا پڑے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

= من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر الخ: ۷۵۸/۸، رشيديه)

راجع للتفصيل: (فيض القدير، (رقم الحديث ۹۹۶۲) : ۱۲/۶۵۲۱، نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "وإن أراد أن يتزوج إحداهما بعد التفريق، فله ذلك إن كان التفريق قبل الدخول، وإن كان بعد الدخول، فليس له ذلك حتى تنقضي عدتها، وإن انقضت عدة إحداهما دون الأخرى، فله أن يتزوج المعتدة دون الأخرى مالم تنقض عدتها، وإن دخل بإحداهما، فله أن يتزوج دون الأخرى مالم تنقض عدتها، وإن إنقضت عدتها، جازله أن يتزوج بأيتهما شاء، كذافي التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۲۷۸/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في المحرمات: ۴۱/۳، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....سوتیلی نانی سے کیا مراد ہے، اگر یہ مراد ہے کہ حقیقی ماں کی سوتیلی ماں یعنی حقیقی نانا کی بیوی، پھر تو اس سے نکاح ناجائز ہے: "حرم أصله وفرعه، وزوجة أصله وفرعه مطلقاً ولوبعيداً اه". درمختار(۱)۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ سوتیلی ماں کی حقیقی ماں یعنی کسی عورت سے اس کی باپ نے دوسرا نکاح کرلیا اس عورت کی حقیقی ماں یا سوتیلی ماں سے اس نے نکاح کرلیا ہے تو یہ نکاح جائز ہے:

" قال الخير الرملي: ولاتحرم بنت زوج الأم ولا أمه ولا أم زوجة الإبن ولابنتها ولازوجة الربيب ولا زوجة الراب الخ". درمختار(۲)۔

۲.....جائز نکاح پڑھنا اوراس میں شامل ہونا تو جائز ہے اور ناجائز نکاح پڑھنا اوراس میں شامل ہونا جائز نہیں، جوازعدم جواز سے نمبر:"۱" سے معلوم ہوسکتا ہے۔

۳.....اگر جائز سے پڑھایا ہے پھر تو اس کی امامت میں کوئی اشکال نہیں، اگر ناجائز نکاح پڑھایا ہے اور مسئلہ سے واقف ہوتے ہوئے ایسا کیا ہے تو نکاح پڑھانے والا اور مرداورعورت نیز شرکاء سب کو گناہ ہوا سب کو توبہ لازم ہے(۳)۔اور مردوعورت میں تفریق ضروری ہے(۴)، اگر امام توبہ نہ کرے تو اس کو امام نہ

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۸/۳، ۳۱، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهٰتكم﴾ (النساء: ۲۳)

"عموم في جميع مايتناوله الاسم حقيقةً، ولا خلاف أن الجدات وإن بَعُدن محرمات، واكتفى بذكر الأمهات؛ لأن اسم الأمهات يشملهن كما أن اسم الأباء يناول الأجداد وإن بَعُدوا". (أحكام القرآن للجصاص: ۱۷۶/۲، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۲۳/۱، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۱/۳، سعيد)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۴)"يجب على القاضي التفريق بينهما".(الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)=

بنایا جائے (۱)۔

اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کیا ہے تو گناہ نہیں ہوا (۲)، البتہ تفریق پھر بھی ضروری ہے۔ جو نمازیں ایسے امام کے پیچھے لوگ پڑھ چکے ہیں اس نکاح پڑھانے کی وجہ سے ان کا اعادہ کسی حال میں لازم نہیں، خواہ نکاح جائز پڑھایا ہو خواہ ناجائز، جواز عدم جواز کا حال نمبر: ا میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹ھ۔

زبردستی نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال [۲۶۶۹]: ہندہ سے بکر زبردستی زیادہ مہر پر نکاح کروایا گیا، اس نکاح کے متعلق مسجد کا مستقل امام بخوبی واقف ہے۔ جب کمیٹی اور بکر کے درمیان نکاح ومہر کے متعلق جدوجہد ہوئی اس وقت پر وہ بھی حاضر تھے اور جان گئے کہ نکاح بالکل جبراً ہو رہا ہے، مگر کمیٹی کو کوئی شرعی رائے دیے بغیر کمیٹی کا حکم پاتے ہی نکاح پڑھ دیا گیا۔ ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے؟ اس نکاح کے بعد وہ جو نکاح پڑھائے گا تو وہ شریعت کی بنیاد سے درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الرابع في المحرمات: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علميه ملتان)

(۲) "رُفع عن أمتي الخطاء والنسيان". الحديث: أي إثمه لاحكمه........ وقال ابن الهمام: قوله رفع الخطاء من باب المقتضى ولاعموم له؛ لأنه ضروري فوجب تقديره على وجه يصح والإجماع على أن رفع الإثم مراد، فلا يراد غيره الخ". (فيض القدير: ۷/۳۴۰۳، ۳۴۰۴، (رقم الحديث: ۴۴۶۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب نے بھی اس ظلم میں حصہ لیا ہے تو وہ گناہ میں شریک ہیں(۱)، تاہم اس کے بعد جو نکاح پڑھیں گے وہ صحیح ہو جائیں گے، نکاح خواں سفیر محض ہوتا ہے، کذا فی بحر الرائق۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

حمل ساقط کرانے والے کی امامت

سوال[۲۲۷۰]: ایک شخص نے کنواری لڑکی سے نکاح کیا، بعد دو ماہ کے پتہ چلا، تشخیص کرائی تو معلوم ہوا کہ منکوحہ کو پانچ چھ ماہ کا حمل حرام سے ہے، تب اس حمل کو ایک ناگوار سمجھ کر قصداً ساقط کرا کر پھر دوبارہ الشا کر نکاح کیا۔ اب اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

حافظ عظمت اللہ، مقام مصطفیٰ آباد، محلہ قاضیان، ضلع انبالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہو چکا تھا، حمل ساقط کرا کے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہ تھی، البتہ وضع حمل سے پہلے صحبت کرنا درست نہ تھا(۲)، قصداً حمل کو ساقط کرنا ایسی صورت میں سخت گناہ ہے(۳)۔ اگر باوجود علم کے ایسا کیا ہے تو توبہ کرنا لازم ہے(۴)، اگر توبہ نہ کرے تو اس کو امام نہ بنایا جائے، بشرطیکہ دوسرا شخص امامت کا اہل

---

(۱) کسی بھی معصیت میں اعانت کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے: قال اللہ تعالیٰ ﴿ولا تعاونوا علی الإثم﴾ الآیة.

(۲) "وصح نکاح حبلی من زنی، لا حبلی من غیره وإن حرم وطؤها و دواعیه، حتی تضع -متصلٌ بالمسألة الأولی- لئلا یسقی ماؤه زرع غیره". (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳۱۲/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا الموء ودة سُئلت بأیّ ذنب قُتلت﴾ (سورة التکویر: ۸، ۹، الایة)

"إسقاط الحمل حرام بإجماع المسلمین، وهو من الوأد الذی قال تعالیٰ فیه وإذا الموء ودة سئلت بأیّ ذنب قتلت) (فتاوی ابن تیمیة: ۲۱۷/۴، بحواله جدید فقهی مسائل، مصنفه مولانا سیف اللہ رحمانی)

(۴) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة علی الفور سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". =

ہو اور یہ جب صدق دل سے توبہ کرلے تو اس کو امام بنانے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۲/ ۸/ ۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۳/ شعبان/ ۵۳ھ۔

زانیہ کے شوہر کی امامت

سوال [۲۶۷۱]: زید کی شادی ایک عورت سے ہوئی جس کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی، لڑکی جب دو سال کی ہوئی تو عورت مذکور دیگر شخص سے ناجائز تعلقات پیدا کر کے اس کے ہمراہ چلی گئی زید کی عدم موجودگی میں، زید اور اس کے اعزہ واقارب ایک برس تک تلاش کرنے میں نہایت پریشان رہے، عدالتی کاروائی بھی چھ ماہ تک رہی لیکن ناکامیاب رہے۔ بعد عرصہ ایک برس تقریباً اتفاقاً ایک جگہ سے ہمراہ زانی کے وہ پکڑی گئی جب کہ وہ حاملہ تھی بدکاری سے اس وقت قطعاً زید کے ساتھ رہنے کو پسند نہ کرتی تھی لیکن زبردستی زید نے پکڑ کر اس کے والدین کے سپرد کردی۔

کچھ روز بعد اس کے بطن سے زنا کا لڑکا تولد ہوا، اس کے تولد ہونے کی خبر اس کے والدین نے زید کو بھی دی، اس وقت زید کی رضامندی بھی اس کو اپنے گھر میں آباد کرنے کی نہ تھی، لیکن بعد از ایک برس اس کے والدین نے منت سماجت کی کہ ہماری عزت اسی میں ہے کہ آپ ہماری لڑکی کو مع لڑکے مذکور کے گھر میں آباد کرلیں، زید نے اس خیال سے کہ اس کے والدین نہایت دیندار اور مخلص ہیں اور لڑکی نے بقول اس کے والدین توبہ بھی کرلی ہے اس کو اپنے گھر آباد کرلیا، ہمراہ لڑکا بھی آیا جس پر لوگوں کا خیال ہے بہت برا ہوا، کیونکہ زید بذاتِ خود بہت دیندار حافظ

= (شرح مسلم للنووی، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمی". (الدر المختار). "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولی من الانفراد........ (قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

قرآن اور متقی ہے، نیز امام مسجد اور پیری مریدی بھی کرتا ہے، کیونکہ امام کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا جب زنا سے پیدا ہوا لڑکا بھی زید کے گھر میں ہے اور وہ عورت مذکور بھی، اس صورت میں شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک امامت کرانے میں کوئی قباحت تو نہیں، اگر ہے تو شریعتِ اسلامیہ کا ایسے متقی امام کے لئے کیا حکم ہے؟ اس معاملہ کی بناپر انگشت نمائی بہت ہوتی ہے اس لئے فتویٰ کی ضرورت ہوئی تاکہ جواب ہوسکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنی بیوی کی اس حرکت سے خوش نہیں بلکہ ناخوش ہے اور اب جب کہ زوجہ نے توبہ کرلی ہے تو پھر کیا اشکال ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف سے سچی توبہ کا مقبول ہونا ثابت ہے(۱)۔ اگر بالفرض زید کی زوجہ اب بھی حرام کاری میں مبتلا ہے اور زید اس حرام کاری سے ناخوش ہے اور زوجہ کو روکتا ہے مگر وہ باز نہیں آتی تو ایسی صورت میں بھی زید کے ذمہ واجب نہیں کہ اس زوجہ کو طلاق دے: "و لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة اهـ". در مختار (۲)۔ زید کی امامت درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۶۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفّر عنكم سيئاتكم و يدخلكم جنت تجرى من تحتها الأنهار﴾ (سورة التحريم: ۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ قل يعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذى نفسى بيده! لو لم تذنبوا، لذهب الله بكم و لجاء بقوم يذنبون، فيستغفرون الله فيغفر لهم". رواه مسلم".

"عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". رواه ابن ماجة والبيهقى فى شعب الإيمان، وقال: تفرد به النهرانى وهو مجهول. وفى شرح السنة: روى عنه موقوفاً. قال: "الندم توبة، والتائب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/۲۰۳، ۲۰۶، قديمى)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، الباب الثلاثون فى المتفرقات: ۵/۳۷۲، رشيديه)

زوجِ مزنیہ کی امامت

سوال[۲۶۷۲]: زید کی شادی ایک عورت سے ہوئی جس کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی، لڑکی جب دو سال کی ہوئی تو عورت مذکور نے دیگر شخص سے ناجائز تعلقات پیدا کرکے اس کے ہمراہ چلی گئی زید کی عدم موجودگی میں۔ زید اور اس کے اعزہ واقارب ایک برس تک تلاش کرنے میں نہایت پریشان رہے، عدالتی کارروائی بھی چھ ماہ تک رہی لیکن ناکامیاب رہے۔

بعد عرصہ ایک برس تقریباً اتفاقاً ایک جگہ سے ہمراہ زانی کے وہ پکڑی گئی، جب وہ حاملہ تھی بدکاری سے، اس وقت قطعاً زید کے ساتھ رہنے کو پسند نہ کرتی تھی، لیکن زبردستی زید نے پکڑ کر اس کے والدین کے سپرد کردی۔ کچھ روز بعد اس کے بطن سے زنا کا لڑکا تولد ہوا، اس کے تولد ہونے کی خبر اس کے والدین نے زید کو بھی دی، اس وقت زید کی رضامندی بھی اس کو اپنے گھر میں آباد کرنے کی نہ تھی لیکن بعد از ایک برس اس کے والدین نے منت سماجت کی کہ ہماری عزت اس میں ہے کہ آپ ہماری لڑکی کو مع لڑکے مذکور کے اپنے گھر میں آباد کرلیں۔ زید نے-اس خیال سے کہ اس کے والدین نہایت دین دار اور مخلص ہیں اور لڑکی نے بقول اس کے والدین کے توبہ بھی کرلی ہے-اس کو اپنے گھر میں آباد کرلیا ہے، ہمراہ لڑکا بھی آیا، جس پر لوگوں کا خیال ہے کہ بہت برا ہوا کیونکہ زید بذاتِ خود بہت دین دار حافظ قرآن اور متقی ہے، نیز امام مسجد اور پیری مریدی بھی کرتا ہے کیونکہ امام کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ آیا جب زنا سے پیدا ہوا لڑکا بھی زید کے گھر میں موجود ہے اور وہ عورت مذکور بھی۔ اس صورت میں شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے امامت کرانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو شریعتِ اسلامیہ کا ایسے متقی امام کے لئے کیا حکم ہے؟ اس معاملہ کی بناء پر انگشت نمائی بہت ہوتی ہے، اس لئے فتویٰ کی ضرورت ہوئی تاکہ جواب ہوسکے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنی بیوی کی اس حرکت سے خوش نہیں بلکہ ناخوش ہے اور اب جب کہ زوجہ نے توبہ بھی کرلی ہے تو

پھر کیا اشکال ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف سے سچی توبہ کا مقبول ہونا ثابت ہے(۱)۔ اگر بالفرض زید کی زوجہ اب بھی حرام کاری میں مبتلا ہے اور زید اس حرام کاری سے ناخوش ہے اور زوجہ کو روکتا ہے مگر وہ باز نہیں آتی تو اس صورت میں بھی زید کے ذمہ واجب نہیں کہ اس زوجہ کو طلاق دے: "ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة، اھ". درمختار: ۳۰۳/۵(۲)، لہٰذا زید کی امامت درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جس امام کی بیوی کا تعلق کسی غیر سے ہو اس کی امامت

سوال[۲۶۷۳]: ایک حافظ صاحب ایک محلّہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اس محلّہ کا ایک لڑکا امام صاحب کے گھر آتا جاتا تھا، بتلایا گیا کہ امام صاحب کی بیوی سے اس لڑکے کا ناجائز تعلق ہے، اتفاق سے ایک روز وہ لڑکا پکڑا گیا اس حالت میں کہ عورت مکان کے باہر صحن میں تھی اور لڑکا مکان کے اندر دروازہ بند کئے ہوئے تھا، اس پر کچھ تنبیہ کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب نے مسجد سے امامت چھوڑ دی اور اپنے گھر رہے اور کوئی بات آج تک نہیں ہوئی۔ امام صاحب بذاتِ خود نیک اور شریف ہیں، دوسرے محلّہ کے لوگ ان کو اپنی مسجد میں امام رکھنا چاہتے ہیں، آیا ان کو امام رکھنا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شخص مذکور کی امامت جبکہ وہ نیک ہیں، شریف ہیں قطعاً جائز ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۲۷ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن العبد إذا اعترف وتاب، تاب الله علیه". (مشکاة المصابیح، باب التوبة والاستغفار، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قدیمی)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له". (مشکوة المصابیح، باب التوبة والاستغفار، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قدیمی)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل کتاب إحیاء الأموات: ۴۳۱/۶، سعید)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجویداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعید) =

فاجرہ کے شوہر کی امامت

سوال[۲۶۷۴]: ایک شخص کی بیوی دوسرے آدمی کے ساتھ چلی گئی اور کافی عرصہ اس کے پاس رہی، اس عرصہ میں اس عورت سے ایک بچہ اغواء کنندہ کا پیدا ہوا ہے، بعدہ اس کا خاوند عورت مذکورہ کو لایا اور اپنے گھر عورت مذکورہ کو آباد کرلیا، کیا اس عورت کا خاوند امام بن سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کا خاوند یہ بھی کہتا ہے کہ عورت تائب ہوگئی ہے۔ بالدلیل بیان فرمایا جائے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عورت فاجرہ ہو اور شوہر اس کے فجور سے رضامند نہ ہو بلکہ اس کو منع کرتا ہو اور عورت باز نہ آتی ہو تو اس کا گناہ شوہر پر کچھ نہیں اور شوہر کے ذمہ ایسی عورت کو طلاق دینا واجب نہیں: "له امرأة فاسقة لاتنزجر بالزجر، لايجب تطليقها، كذا في القنية،اهـ". عالمگیری: ۵/۳۷۲(۱)۔

"لايجب على الزوج تطليق الفاجرة. اهـ". درمختار۔ "ولاعليها تسريح الفاجرة إلا إذا خافا أن لايقيما حدود الله، فلابأس أن يتفرقا اهـ. مجتبى. والفجور يعم الزنا وغيره، وقد قال صلى الله عليه وسلم لمن زوجته لاترد يد لامس، وقد قال: إني أحبها: "استمتع بها". اهـ". درمختار: ۵/۳۰۳(۲)۔

اور پھر جبکہ زوجہ نے توبہ کرلی ہے تو شوہر کی امامت میں کوئی مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۱/۶۲ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۵/ ۳۷۲، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(وأيضاً كتاب النكاح، فصل المحرمات: ۳/۵۰، سعيد)

(۳) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "التائب من =

ایسے شخص کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو

سوال [۲۶۷۵]: ایک حافظ اور اس کی بیوی بے پردہ ہوکر بازار میں دوکان لگا کر مال کی خرید وفروخت کرتے ہیں، اس حافظ کے پیچھے نماز فرض یا تراویح درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو کن شرائط کے ساتھ؟

ملا امیر علی، معلم امام باڑہ، گاؤں قصابان کھنڈوہ محلہ، املی پورہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس حافظ کی بیوی شرعی طور پر پردہ نہیں کرتی اور وہ بے پردگی سے نہیں روکتا بلکہ اس کے اس فعل سے خوش ہے اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص موجود ہے تو ایسے حالات میں اس حافظ کو امام بنانا مکروہ ہے، کیونکہ ایسا شخص شرعاً فاسق ہوتا ہے۔ اگر وہ بے پردگی سے روکتا ہے اور بیوی نہیں مانتی تو امامت مکروہ نہیں: "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق". تنویر: ۱/ ۵۸٤ (۱) ۔ واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمأب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۲ھ۔

کبوتر باز امام کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو

سوال [۲۶۷۶]: جو امام کبوتر بازی کھلی کرتا ہو وہ نہ مانے تو شریعت میں نماز کیلئے کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ شریعت میں امام کی بیوی کیلئے پردہ کی کیا شرائط ہیں؟ وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے شوقیہ کبوتر پال رکھے ہیں جن کو اڑاتے بھی ہیں تب تو محض نامناسب کام کیا ہے جس کی وجہ

= الذنب كمن لاذنب له". رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان وقال: تفرد به النهراني وهو مجهول. وفي شرح السنة: روى عنه موقوفاً قال: الندم توبة، والتائب من الذنب كمن لاذنب له".

(مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۱/ ۲۰۶، قديمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

سے امامت میں خلل نہیں، اگر ہار جیت میں اڑاتے ہیں تو پھران کی امامت مکروہ ہے جب تک کہ توبہ کرکے اپنی اصلاح نہ کرلیں (۱)۔ ہر ایسے آدمی سے پردہ لازم ہے جس سے نکاح جائز ہو(۲)، اگر گھر سے باہر کا بھی عورت کو کچھ کام کرنا پڑتا ہے تو میلے کپڑے پہن کرسب بدن ڈھانپ کر باہر جائے اور ضرورت پوری کرکے واپس آجائے، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر نکلنے کی اجازت نہیں (۳)۔ اگر کوئی امام اپنی بیوی کو پردہ میں رکھنا چاہتا ہے اور اس پر زور بھی دیتا ہے مگر بیوی نہیں مانتی، گھر سے نکلتی ہے، امام اس سے ناخوش ہے تو اس کی وجہ سے اس کی امامت میں خلل نہیں آئے گا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)"ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولايبدين زينتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبناء هن أو أبناء بعولتهن أو إخوانهن أو بني إخوانهن أو بني أخواتهن﴾ الآية (سورة النور: ۳۱)

"ومن لايحل له نكاحها أبداً بنسب أو سبب ولو بزناً". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۷، سعيد)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وقرن في بيوتكن ولاتبرّجن تبرّج الجاهلية الأولىٰ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

"ولايكن خراجات ولاجات طوافات في الطُرُق والأسواق وبيوت الناس، وهذا لاينافي خروجهن للحج أولمافيه مصلحة دينية مع التستر وعدم الابتذال". (روح المعاني: ۲۲/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي موسىٰ رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا استعطرت المرأة، فمرت على القوم يجدوا ريحها، فهي كذا وكذا". قال قولاً شديدًا. وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيما امرأة أصابت بخوراً، فلا تشهدنّ معنا العشاء". قال ابن نفيل: الآخرة".

(سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في طيب المرأة للخروج: ۲/۲۱۹، سعيد)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ (سورة الفاطر: ۱۸)

جو شخص ستر کا اہتمام نہ کرے اس کی امامت

سوال[۲۶۷۷]: اگر کوئی شخص بسا اوقات کاشف العورۃ رہے یعنی بکارِ دنیوی مشغول ہو کر مانندِ لنگوٹ کے کپڑا پہنے رہے تو اس عالم باصفت مذکورہ کے پیچھے عند الشرع نماز جائز ہے یا نہیں؟(۱)۔

ایضاً

سوال [۲۶۷۸]: اگر کوئی عالم ننگا ہو کر نہر یا چشمہ پار ہو جاوے، دریں حالت کہ اس کے آس پاس آدمی بھی موجود ہوں تو اس شخص پر منجانب شرع کیا حکم ہے؟(۲)۔

بے پردہ بیوی کے ساتھ بازار میں گھومنے والے کی امامت

سوال[۲۶۷۹]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب اپنا لباس پینٹ شرٹ وغیرہ بھی پہنتے ہیں اور دوسرے ان کے گھر کے اندر بالکل بے پردگی ہے، میاں بیوی دونوں کو بازار اور تمام جگہوں پر گھومتے دیکھا گیا ہے۔ امام صاحب سے جب کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ احمد آباد اور مہاراشٹر کیلئے پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ اور دوسرے یہ بھی روزانہ کا معمول ہے کہ دونوں میاں بیوی دروازے اور کھڑکی وغیرہ کھلی رکھتی ہیں، مستی کرتے رہتے ہیں، کیا یہ ٹھیک ہے؟ اور ان سے کہنے پر انہوں نے کہا ہے کہ جو میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے وہ مشرک ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام بیوی کو ساتھ لیکر اس کی بے پردگی کی حالت میں بازار میں گھومتا پھرتا ہے اور شوقیانہ زندگی بسر کرتا ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۲ھ۔

(۲،۱) ان دونوں سوالوں کا جواب کتاب میں مذکور نہیں۔

(۳) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(وفاسق) من الفسق: "وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك ..... فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً ..... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركت علميه ملتان)

جس کی بیوی قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ کرے اس کی امامت

سوال[۲۶۸۰]: زید کی بیوی اپنے ماموں اور چچا کے لڑکے سے پردہ نہیں کرتی، بلکہ سامنے آتی ہے اور زید اس کو منع بھی کرتا ہے مگر صرف زبان سے منع کرتا ہے اور کوئی تشدد نہیں کرتا تو زید پر بیوی کے پردہ نہ کرنے کا گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا مکروہ؟ اور زید کو کس قدر تشدد کرنا چاہئے؟ اگر تشدد کرنے سے فساد کا اندیشہ ہو پھر بھی تشدد کرے یا نہیں؟ اگر زید کی بیوی اور زید کا بھائی عَمر و ایک ہی گھر میں رہتے ہوں دوسرے گھر میں رہنے کی گنجائش نہ ہو، ایسی صورت میں پردہ کی کیا صورت ہوگی؟ اگر زید کی بیوی عمرو سے پردہ نہ کرے تو اس کا گناہ عمرو کو بھی ہوگا یا نہیں؟ اگر اندیشۂ فساد کا نہ ہو تو پھر بھی پردہ نہ کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر زید او پر جو مذکور ہے مسائل خوب جانتا ہو تو جاہل کے مقابلہ میں امامت کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چچا اور ماموں کے لڑکے سے شرعاً پردہ ضروری ہے، اگر زید کی بیوی ان سے پردہ نہیں کرتی تو وہ گناہ گار ہے(۱) اور زید کو منع کرنا ضروری ہے، اگر منع نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا(۲)، زید کو تشدد کرنا اور اپنی زوجہ کو پردہ نہ کرنے پر شرعاً مارنا بھی درست ہے۔ اگر ناقابلِ برداشت فساد کا خیال ہوا اور اس وجہ سے زید اپنی بیوی پر تشدد نہ کرے اور بلا تشدد کے نہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن، ويحفظن فروجهن، ولايبدين زينتهن إلاماظهر منها، وليضربن بخمرهن على جيوبهن، ولايبدين زينتهن إلالبعولتهن أو آبآئهن أو آباء بعولتهن أو أبنآئهن أو أبنآء بعولتهن أو إخوانهن أو بنى إخوانهن أو بنى أخواتهن أو نسائهن أوماملكت أيمانهن أو التابعين غير أولى الإربة من الرجال أو الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء﴾ (سورة النور: ۳۱)

وقال الله تعالى: ﴿يأيها النبى قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

(۲) "إن سالماً حدثه أن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته، الإمام راعٍ ومسئول عن رعيته، والرجل راعٍ فى أهله وهو مسئول عن رعيته، والمرأة راعية فى بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها، والخادم راعٍ فى مال سيده ومسئول عن رعيته". (صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الجمعة فى القرىٰ والمدن: ۱/۱۲۲، قديمى)

مانے تو شرعاً زید پر گناہ نہیں۔ اول صورت میں زید کی امامت مکروہ ہے جبکہ اس سے بہتر امامت کا اہل موجود ہو(۱) ثانی صورت میں زید کی امامت مکروہ نہیں۔

"یجوز له: أی الزوج أن یضربها فی أربعة الأمور ومافی معناها .... ومنه إذا کشفت وجهها لغیر محرم، ومنه ماإذا أسمعت صوتها للأجنبی". کذا فی الخیریة، ص: ۱۱۸(۲)۔

پردہ کرنا ہر حال میں ضروری ہے خواہ اندیشۂ فساد ہو یا نہ ہو(۳) مگر شریعت نے جن مواقع کو مستثنیٰ کردیا ہے وہ مستثنیٰ ہیں(۴)، اگر وسعت ہے تو زید کے ذمہ اپنی عورت کیلئے مستقل مکان یعنی کوٹھا دینا ضروری ہے جس میں اس کا

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمیٰ ومبتدع لایکفر بها، وإن کفر بها فلایصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غیرهم، وإلافلاکراهة. بحر بحثاً".

"وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه، وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، بیروت)

(۲)(البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۸۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۷۷، سعید)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"عن نبهان مولی أم سلمة رضی الله عنها أنه حدث أن أم سلمة رضی الله عنها حدثته أنها کانت عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ومیمونة قالت: فبینما نحن عنده أقبل ابن أم مکتوم، فدخل علیه –وذلک بعد ماأمرنا بالحجاب– فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: یا رسول الله! ألیس هو أعمیٰ، لایبصرنا ولایعرفنا؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أوَ عمیا وان أنتما؟ ألستما تُبصرانه؟". (ابن کثیر، سورة النور: ۳/۳۷۸، دار الفیحاء دمشق)

(۴) "فإن خاف الشهوة أو شک، امتنع نظره إلی وجهها .... إلالحاجة کقاض وشاهد یحکم ویشهد علیها، –لف ونشر مرتب–، لالتحمل الشهادة فی الأصح، وکذا مرید نکاحها .... وشرائها ومداواتها، وینظر الطبیب=

بھائی وغیرہ کوئی نہ رہتا ہو(۱)۔ اگر وہ پردہ کرنے کو کہتا ہے اور زید کی بیوی باوجود کوشش اور فہمائش کے پردہ نہیں کرتی تو اس کا گناہ زید کے ذمہ نہیں ہوگا(۲)، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گانے بجانے والی کے شوہر کی امامت

سوال[۲۶۸۱]: ۱.....وہ حفاظ جو مختلف مساجد میں امامت کراتے ہوں اور ان کے مکانات مسکونہ کسی ایک مسجد سے بہت ملحق ہوں مگر ان کی عورتیں ان کی موجودگی ہی میں اپنے ناچ گانے اور بے ہودہ نغمات سے نمازیوں کے خیالات منتشر کرتی ہوں، حالانکہ مسلمان غیر مسلموں سے فوراً دست و گریباں ہوجاتے ہیں، اگر وہ کسی مسجد کے پاس سے باجا بجاتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

۲.....اگر ان کے ان شوہروں کو کہ وہ امام ہیں روکنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ حجت کرتے ہیں اور دین سے بے خبر لوگوں کی عورتوں کو اپنی عورتوں کے لئے مثال بناتے ہیں، لہٰذا:

الف: ان کا یہ فعل دین میں کس قسم کا ہے؟

ب: ان لوگوں کی امامت جائز ہے یا نہیں اور ان کی سزا کیا ہے، نیز وہ عورتیں جن کے شوہر امام ہیں اور وہ یہ ہی اگر تقاریب میں اپنے اس بے ہودہ گانے کی آواز سے طوفانِ بدتمیزی اٹھائیں اور اسے جائز سمجھیں تو ان کے لئے کیا حکم

= إلى موضع مرضها بقدر الضرورة؛ إذ الضرورات تتقدر بقدرها، وكذا نظر قابلة وختان". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۷۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في بيان أحكام النظر ونحوه: ۲/۵۴۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "وكذا تجب لها السكنى في بيت خالٍ عن أهله وأهلها بقدر حالهما كفاها. وفي البحر عن الخانية: يشترط أن لايكون في الدار أحدٌ من أحماء الزوج يؤذيها". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: من أحماء الزوج) صوابه من أحماء المرأة كما عبر به في الفتاوىٰ الهندية عن الظهيرية؛ لأن أقارب الزوج أحماء المرأة وأقاربها أحماء ه. اهـ".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۹۹، ۶۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۲۶، ۳۲۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ (سورة الفاطر: ۱۸)

ہے؟ اس قسم کے گھروں کا مسلمان اگر مقاطعہ کردیں تو ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ فقط۔

والسلام: احقر العباد بوعلی سنساری پوری، ۱۱/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

اگر وہ امام اپنی عورتوں کے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے تو وہ لوگ گنہ گار ہیں، ان کے ذمہ واجب ہے کہ عورتوں کو ناشائستہ اور ناجائز افعال سے منع کریں(۱)۔ اگر وہ روکنے پر قادر نہیں، یا روکتے ہیں لیکن نہیں مانتے پھر ان اماموں پر عورتوں کے ان افعال کا گناہ نہیں اور اس صورت میں ان کی امامت میں بھی اس سے نقصان نہیں آتا(۲)۔ البتہ اگر باوجود قدرت کے نہیں روکتے بلکہ عورتوں کے افعالِ مذکورہ کو اچھا سمجھتے ہیں تو ان کی امامت منع ہے بشرطیکہ دوسرا شخص امامت کے لائق ان سے بہتر موجود ہو(۳)۔ اگر مقاطعہ کرنے سے ان کی اصلاح کی توقع ہو تو مقاطعہ کرنا مناسب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۱/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري -رضي الله تعالىٰ عنه-: عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم".

"وعن العرس بن عميرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا عملت الخطيئة في الأرض من شهدها فكرهها، كان كمن غاب عنها. و من غاب عنها فرضيها، كان كمن شهدها". رواه أبوداود". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۶، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ (سورة فاطر: ۱۸)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى و مبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة". (التنوير مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "وعن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان فيعرض هذا و يعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، =

جس کی بیوی گھاس کاٹتی ہو اس کی امامت

سوال [۲۶۸۲]: جس امام کی بیوی گھاس کاٹتی ہو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تنگ دستی اور عسرت کی وجہ سے مجبوراً باہر جا کر گھاس کاٹتی ہے کہ بغیر اس طرح کے کام کے گزارہ نہیں ہوتا اور اپنی خاصیت کے موافق میلے کچیلے کپڑوں میں جاتی ہے اور چہرہ نامحرم کے سامنے نہیں کھولتی تو اس میں مضائقہ نہیں، اس سے اس کے شوہر کی امامت میں فرق نہیں آتا(۱)۔ اگر کوئی اور صورت ہے تو اس کو لکھ کر دریافت کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

= كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۶۹۷، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رُخّص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، و لا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح لملا علي القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشيديه)

"(قوله: و لا يحل لمسلم) إلى آخر نية التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام، و هذا فيمن لم يجن على الدين جناية، فأما من جنى عليه و عصى ربه، فجاء ت الرخصة في عقوبته بالهجران كالثلاثة المتخلفين عن غزوة تبوك، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسين ليلةً حتى نزلت توبتهم الخ". (عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد الخ: ۲۲/۱۳۷، مطبعة خيريه بيروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ﴾ (سورة الاحزاب: ۳۳)

قال العلامة الآلوسي تحتها "ومايجوز من الخروج كالخروج للحج وزيارة الوالدين، وعيادة المرضیٰ، وتعزية الأموات من الأقارب ونحو ذلك، فإنما يجوز بشروط مذكورة في محلها .... فعلم أن المراد الأمر بالاستقرار الذي يحصل به وقارهن وامتيازهن على سائر النساء بأن يُلازمن البيوت في أغلب أوقاتهن، ولايكن خراجات ولاجات طوافات في الطرق والأسواق وبيوت الناس، وهذا لا ينافي خروجهن للحج أو لما فيه مصلحةٌ دينيةٌ مع التستر، وعدم الابتذال". (روح المعاني: ۲۲/۶، ۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

جس کی اہلیہ استانی ہو اس کی امامت

سوال[۲۶۸۳]: ہماری مسجد کے ایک امام مدرسہ کے استاد ہیں اور ان کی اہلیہ بھی ایک مدرسۂ بنات کی استانی ہے، بعض لوگ اسے کراہت وعدم جواز امامت کا حکم دیتے ہیں، کیونکہ ان کی اہلیہ استانی ہیں۔ ایسے امام صاحب کی امامت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ اگر احکامِ شرع کی پابندی کے ساتھ تعلیم دیں تو اس کی وجہ سے امامت میں نقصان نہیں آئے گا، بلاشبہ ان کے پیچھے نماز درست ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۸ھ۔

جس امام کی لڑکیاں بے پردہ ہوں اس کی امامت

سوال[۲۶۸۴]: جس شخص کے والدین اس سے ناراض ہوں اور جس نے اپنی جوان لڑکیوں کو نامحرم اشخاص کے یہاں رکھ رکھی ہوں اور اس کو سمجھایا جاتا ہے تو گمراہی کے چند الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے۔ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سوال میں والدین کے ناراض ہونے کی وجہ ذکر نہیں کی گئی، لہٰذا اس کے متعلق بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نامحرم اشخاص سے پردہ فرض ہے اور نامحرم کے ساتھ خلوت حرام ہے(۱)، پس اگر شخصِ مذکور اپنی جوان لڑکیوں کو نامحرم سے پردہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الأحزاب: ۵۹)

"إن سالماً حدثه أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته الإمام راعٍ ومسئول عن رعيته، والرجل راعٍ في أهله وهو مسئول عن رعيته. آه". (أخرجه البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۱/۱۲۲، قديمي)

"وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام، إلا لملازمة مديونه هربت ودخلت خربة، أو كانت عجوزاً شوهاء أو بحائل". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

کرانے پر قادر ہے اور پھر پردہ نہیں کراتا تو گنہ گار ہے، اس کو اپنے فعل سے بچنا ضروری ہے، اگر وہ باز نہ آئے اور اس سے بہتر امامت کا اہل موجود ہو تو شخصِ مذکور کو امام نہ بنایا جائے، ایسی حالت میں اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، دوسرے اہل شخص کو امام بنانا چاہئے اور خاص کر جب کہ سمجھانے پر گمراہی کے الفاظ بھی زبان سے نکالتا ہو، ایسی حالت میں اس کی امامت سے زیادہ احتراز چاہئے (۱) گو ان الفاظ پر جب تک اس کا علم نہ ہو کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الاول/ ۱۳۵۵ھ۔

جو امام اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کرائے اس کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۲۶۸۵]: ایک صاحب امام مسجد ہیں ان کے دو لڑکیاں ہیں، ایک کی عمر ۳۰/ سال اور ایک کی ۲۵/ سال ہے۔ جب ان کو شادی کے لئے کہا جاتا ہے تو عذر کر دیتے ہیں، شادی کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اس لئے اکثر مقتدیاں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہیت کرتے ہیں۔ اب اس میں کیا حکم ہے شرع شریف کا؟ مطلع فرمایا جاوے۔

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمیٰ ومبتدع لایکفر بها، وإن کفر بها لایصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غیرهم، وإلافلا، بحر بحثاً".

"وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه، وبأن في تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً .... علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، ۶۱۱، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوٰة، فصل: الجماعة سنة مؤکدة: ۱/ ۱۰۸، دارإحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) "وفي جامع الفصولین: روی الطحاوي عن أصحابنا: لایُخرج الرجلَ من الإیمان إلاجحودُ ما أدخله فیه، ثم ماتیقن أنه ردة یحکم به، ومایشک أنه ردة لایحکم بها؛ إذ الإسلام الثابت لایزول بشکٍ مع أن الإسلام یعلو". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/ ۲۱۰، رشدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا عذر کردیتے ہیں وہ معلوم ہونا چاہئے تاکہ اس پر غور کیا جاسکے کہ وہ معقول ہے یا غیر معقول، تاہم نماز اگر شریعت کے مطابق پڑھاتے ہیں تو نماز ان کے پیچھے صحیح ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۵/۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/۱۳۶۶ھ۔

جس امام کے بیٹے گنہگار ہوں اس کی امامت

سوال[۲۲۸۶]: ہمارے علاقہ میں ایک حافظ صاحب ہیں ان کی تین اولاد ہیں، بڑا بیٹا بلیک مارکٹنگ کرتا ہے، منجھلا بیٹا ڈاکو کے نام پر اپنے اطراف میں مشہور ہے، مذکورہ حافظ صاحب اپنے ان دونوں بیٹوں سے برابر مل جل کر رہتے ہیں۔اب وہ ایک محلہ اور علاقہ کے امام ہیں، ان کی زبان بہت ہی کڑوی ہے، دنیوی مال ومتاع کے بہت حریص بھی ہیں، ادنیٰ شئی کیلئے وہ لوگوں کے دل دکھانے کو گناہ نہیں سمجھتے ہیں، ان کے مال اور شخصی قوت کے بہت زوردار ہونے کی وجہ سے طوعاً وکرہاً لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں۔بہر حال اب ایسے امام کے پیچھے مقتدی کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ایسے شخص کو تجویز کیا جائے جو اوروں سے زیادہ علم دین رکھتا ہو، صحیح قرآن شریف پڑھتا ہو، متبع سنت ہو، گناہوں سے بچتا ہو (۱)، اگر نمازیوں میں تو یہ اوصاف موجود ہوں، لیکن امام ان سے خالی ہو، یعنی نہ علم دین زیادہ رکھتا ہو، نہ قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو، نہ متبع سنت ہو، نہ گناہوں سے بچتا ہو تو پھر ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ بیٹوں کے گناہوں کا وبال والد پر اس وقت ہے کہ وہ ان کے گناہوں سے ناخوش نہ ہو (۲)۔

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن. آهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "العبارة بأسرها: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار).

"أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب =

"بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا". شامى: ۱/۳۷٦،
نعمانيه) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس کا بیٹا چوری کرتا ہو اس کی امامت

سوال [۲٦۸۷]: ایک شخص مسجد میں امام ہے اور اس کا بیٹا چوری کا ارتکاب کر چکا ہے تو کیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے اپنے بیٹے کو چوری کیلئے خود ترغیب نہ دی ہو اور اس کی حرکت سے خوش نہیں تو اس کی وجہ سے امام کی امامت میں خلل نہیں آئے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس کا والد ناجائز کاروبار کرے اس کی امامت

سوال [۲٦۸۸]: ایک لڑکا عالم فارغ دارالعلوم ہے اور اس کا والد نکاح پر نکاح کا کاروبار کرے تو لڑکے کی امامت درست ہے یا نہیں؟

= عليهم إهانته شرعاً بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا".

(ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵٦۰، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/٦۱۰، رشيديه)

(۱) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذالك أضعف الإيمان". رواه مسلم".

"وعن العرس بن عمير رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "إذا عملت الخطيئة فى الأرض فمن شهدها فكرهها، كان كمن غاب عنها. ومن غاب عنها فرضيها، كان كمن شهدها". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۶، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ (سورة الفاطر: ۱۸)

الجواب حامداً و مصلیاً :

والد کے اس ناجائز کاروبار سے لڑکے کی امامت میں کوئی خرابی نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس جس کی امامت مکروہ ہے اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟

سوال[۲۶۸۹]: عبارت: "والأولى بالإمامة الأعلم بالسنة، ثم الأقرأ، ثم الأورع، ثم الأسن، فإن أم عبدٌ أو أعرابي أوفاسق أو أعمى أو مبتدع أو ولدالزنا، كره"۔

اس عبارت میں جن افراد کا ذکر ہے ان میں سے ہر ایک کی وجۂ کراہت حدیث کی روشنی میں مدلل بیان فرمائیں، مذکورہ اشخاص میں سے اگر حافظ اور سبعہ عشرہ کے قاری اور عالم ہوں تو کیا کراہت سے نکل کر "أقرأ، ثم الأقرأ" میں شامل ہوسکتے ہیں، اگر ہوسکتے ہیں تو کون کون؟ تشریح فرمائیں۔

ضروری دریافت طلب امر یہ ہے کہ بالخصوص "اعمیٰ" کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالئے گا کہ اگر وہ حافظ اور سبعہ عشرہ کا قاری اور عالم ہو تو کیا کراہت باقی رہے گی؟ اور ایسی مثال کوئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیر القرون میں ملتی ہے کہ اعمیٰ ہونے کی باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت کے لئے منتخب فرمایا ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ "اعمیٰ" اگر مسائلِ طہارت میں محتاط ہو اور افضل ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سفر کے وقت مدینہ طیبہ میں امام تجویز فرمایا۔ فاسق اور مبتدع اگر عالم اور قاری ہو تو اس کی امامت پھر بھی مکروہ ہوگی۔عبد، اعرابی، ولدالزنا کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول میں کراہت ختم ہوجائے گی، دوسرے قول میں باقی رہے گی، پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ علتِ کراہت غلبۂ جہل اور تنفیرِ جماعت ہے جو علم وتقویٰ کی وجہ سے ختم ہوجائے گی:

"ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق وأعمى، إلا أن يكون: أي غير الفاسق أعلم القوم الخ". الدرالمختار. "(قوله: أي غير الفاسق) تبع في ذلك صاحب البحر حيث قيد كراهة إمامة

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولاتزروازرة وزرأخرى﴾ (سورة الفاطر: ۱۸)

الأعمى و في غيره بأن لايكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولى الخ. ثم ذكر أنه ينبغي جريان هذا القيد في العبد والأعرابي و ولد الزنا. و نازعه في النهر وفي الهداية بأنه علل الكراهة بغلبة الجهل فيهم، و بأن في تقديمهم تنفير الجماعة، و مقتضى الثانية ثبوت الكراهة مع انتفاء الجهل، لكن ورد في الأعمى نصّ خاص هو استخلافه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لابن أم مكتوم و عتبان على المدينة، وكانا أعميين؛ لأنه لم يبق من الرجال من هو أصلح منهما، وهذا هو المناسب لإطلاقهم واقتصارهم على استثناء الأعمى الخ۔

وحاصله أن قوله: (إلا أن يكون أعلم القوم) خاصّ بالأعمى، أما غيره فلا تنتفي الكراهة بعلمه، لكن ما بحثه في البحر صرح به في الاختيار حيث قال: و لوعدمت: أي علة الكراهة بأن كان الأعرابي أفضل من الحضري، والعبد من الحر، وولد الزنا من ولد الرشد، والأعمى من البصير، فالحكم بالضد الخ، ونحوه في شرح الملتقى للبهنسي، و شرح درر البحار. ولعل وجهه أن تنفير الجماعة بتقديمه يزول إذا كان أفضل من غيره، بل التنفير يكون في تقديم غيره. وأما الفاسق فقد عللوا كراهية تقديمه بأنه لايهتم لأمردينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره أتزول العلة؟ فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا، ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك، و روايةً عن أحمد، الخ". رد المحتار: ۱/ ۳۷۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: ۱/ ۱۶۳، مكتبه غفاريه)

الفصل الثالث فی إمامة المبتدع

(بدعتی کی امامت کا بیان)

مبتدع کی امامت

سوال[۲۶۹۰]: ایک چھوٹی اسٹیٹ میں صرف ایک مسجد ہے جس میں نماز ہوتی ہے، مسجد کی امامت شہر قاضی صاحب (جو شافعی مذہب کے ہونے کے علاوہ رسوماتِ محرم الحرام کے حامی، عربی علوم میں بھی کماحقہ عبور نہیں) کے نائب جو حنفی ہیں اور ملازم سرکار، مغرب میں صرف آکر نماز پڑھاتے ہیں اور گاہ بگاہ عشاء بھی اور نماز جمعہ ہمیشہ، بقیہ اوقات میں جماعت نہ ہونے کے باعث مقتدیان نے دوسرے پیش امام کا تقرر کیا جو حالاتِ حاضرہ کے مطابق خطبہ دیتے ہیں اور قرآن شریف تجوید کے ساتھ پڑھتے ہیں، بخلاف سابق امام کے کہ اکثر مقامات پر کچھ غلطیاں بھی ہوجایا کرتی ہیں اب کثرت مقتدیان کی امام ثانی کے پیچھے نماز پڑھنے کی ہے چنانچہ ثانی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں۔

اگر سابق امام صاحب جن کو مقتدی اپنا امام مقرر کرنا نہیں چاہتے نماز جمعہ چند اشخاص کو لیکر- جن کی تعداد غالباً چھ سات یا اور کچھ زائد ہو- اول ادا کرلیں بنا بر شر وفساد کے (امام اول امام ثانی کی اقتداء کرتے چلے آرہے ہیں) تو دوسری جماعت جمعہ کی- جس میں ساٹھ ستر کے قریب اشخاص ہیں- ادا کریں یا ظہر یا فرداً نماز ظہر پڑھیں؟ امام صاحب کے صاحبزادے کی شادی قادیانیوں میں ہوئی اور ان کے ان سے تعلقات ہیں، قاضی صاحب کسی نماز میں بھی نہیں آتے ہیں بجز عیدین کے۔

عین الحق معرفت مولوی عبدالستار پشاوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال میں چند امور غور طلب ہیں: اول یہ کہ ”امام شافعی المذہب ہے“ اس کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر شافعی المذہب امام کے متعلق معلوم ہو کہ وہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کرتا ہے تب تو اس کا اقتداء صحیح ہے، اگر معلوم ہو کہ وہ رعایت نہیں کرتا تو اقتداء صحیح نہیں، اگر رعایت وعدم رعایت کا کچھ علم نہ ہو تو اس کی اقتداء مکروہ ہے، اگر بعد میں امام

کے متعلق کسی ایسی چیز کا علم ہو کہ وہ مقتدی کے مذہب کے اعتبار سے مفسد صلوۃ ہے تو مقتدی کو اعادہ نماز ضروری ہے:

"الحاصل أنه إن علم الاحتياط منه في مذهبنا، فلا كراهة في الاقتداء به، وإن علم عدمه فلا صحة، وإن لم يعلم شيئاً، كره". شامی، ص:۶۹۸ (۱)۔

دوم: یہ کہ "امام رسومات محرم کا حامی ہے" پس اگر ایسی رسوم کرتا ہے جو شرک نہیں فقط گناہ ہیں تو وہ فاسق ہے، فاسق کا اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر ایسی رسوم کرتا ہے جو شرک تک پہونچ جاتی ہیں تو اس کی اقتداء کسی حال میں درست نہیں (۲) جب تک توبہ کر کے تجدید ایمان نہ کرے (۳)۔

سوم: یہ کہ "عربی علوم میں بھی اس کو کما حقہ عبور نہیں" پس اگر روزمرہ کے مسائل ضروریہ سے واقف ہے تو عبور نہ ہونا مفسد صلوۃ نہیں۔ اور مسائل ضروریہ فساد صلوۃ وصحت صلوۃ وغیرہ سے بھی واقف نہیں تو اس کی امامت ناجائز ہے کیونکہ صحت وفساد صلوۃ کا اس کو علم ہی نہ ہوگا (۴)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۱، ۸۲، رشيديه)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى، إلا أن يكون أعلم القوم، ومبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدر المختار). "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد .... (قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، ۵۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(۳) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، و منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد الخ، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۴) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ". (الدر المختار) "(قوله: بأحكام الصلوة فقط): أي وإن كان غير متبحّر في بقية العلوم، و هو أولى من المتبحر، كذا في زاد الفقير عن شرح الإرشاد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد) .... =

چہارم: یہ کہ "اکثر مقامات پر غلطیاں بھی ہوجایا کرتی ہیں" پس اگر وہ غلطیاں مفسدِ صلوۃ ہیں تو نماز کا اعادہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔

پنجم: یہ کہ "مقتدی ان کو امام بنانا نہیں چاہتے" اور بظاہر افعالِ مذکورہ کی وجہ سے امام بنانا نہیں چاہتے ہوں گے تو اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔

ششم: یہ کہ "اس کی قادیانیوں سے رشتہ داری وغیرہ کے تعلقات ہیں" سو یہ بھی بہت مخدوش اور خطرناک حالت ہے، اگر اس کے عقائد بھی قادیانیوں کے ہی ہیں تو وہ مرتد کے حکم میں ہے(۲)۔

ہفتم: یہ کہ "وہ بجز عیدین کے کسی نماز میں نہیں آتا" تو تارکِ جماعت ہے(۳)۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى باب الإمامة، ص:۵۱۳، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۰۷/۱، رشيديه)

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوةً: من تقدم قوماً و هم له كارهون، و رجل أتى الصلوة دباراً —والدبار أن يأتيها بعد أن تفوته— و رجل اعتبد محرره". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم القوم و هم له كارهون: ۹۵/۱، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾. (سورة الأنعام: ۶۸)

"يعني بعد ما تذكر نهى الله تعالى لا تقعد مع الظالمين. و ذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك و أهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعاً. و ذلك إذا كان في تقية من تغييره بيده أو بلسانه بعد قيام الحجة على الظالمين بقبح ما هم عليه، فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترك النكير سواء كانوا مظهرين في تلك الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهي عام عن مجالسة الظالمين؛ لأن في مجالستهم مختاراً مع ترك النكير دلالة على الرضا بفعلهم، وَ نظيره قوله تعالى: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل﴾ (سورة المائدة، ص:۷۸) وقال الله تعالى: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾ (سورة هود: ۱۱۳) (أحكام القرآن للجصاص: ۵/۳، قديمي)

"المرتد في الشرع: الراجع عن دين الإسلام، و ركنها إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان".

(الدر المختار، كتاب الحدود، باب المرتد: ۲۲۱/۴، سعيد)

(۳) "وهو أن صلاة الجماعة واجبة على الراجح في المذهب، أو سنة مؤكدة في حكم الواجب، كما في البحر، =

غرض امورِ مذکور کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جاوے، ثانی امام میں اگر منکرات یا دوسرے اس قسم کے منکرات جو امام کے مخالف ہوں موجود نہ ہوں تو ان کو مستقل امام بنالیا جاوے(۱)۔ اور نماز جمعہ کی صورت مسئولہ میں مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ آبادی میں یا آبادی کے بالکل متصل عیدگاہ وغیرہ میں پڑھ لی جائے(۲) اور اگر وہ جگہ اتنی چھوٹی ہے کہ جہاں جمعہ جائز نہیں تو پھر سب کو ظہر پڑھنی چاہئے(۳) اور جواز جمعہ کے متعلق وہاں کی آبادی اور بازار وغیرہ کی حالت لکھ کر دریافت کرلیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ محرم الحرام/۵۴ھ۔

= وصرحوا بفسق تاركها و تعزيره، و أنه يأثم". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۴۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۰۲،۶۰۳ رشيديه)

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة : ۱/۶۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية : لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله، يصلون وُحداناً، وهو ظاهر الرواية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة : ۱/۸۳، رشيديه)

(۳) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق .... ألا ترى أن في الجواهر : لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۱۳۸، سعيد)

"ومن لم تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي، لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان و إقامة". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشيديه)

بدعتی کی امامت

سوال[۲۶۹۱]: اگر امام بدعتی ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے: "أبی الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتی يدع بدعته". ابن ماجة(۱)، اسی طرح برے گمراہ فرقوں کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بدعتی امام ایسی بدعت میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے کفر عائد ہو جاتا ہے تو اس کی امامت جائز نہیں اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی (۲) اگر اس کی بدعت ایسی بدعت نہیں اور نماز کے فرائض وواجبات کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی: "صلوا خلف كل بر و فاجر". أبوداؤد (۳)۔ اور ایسی حالت میں اس کی نماز قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ پاک اس سے راضی نہیں، اور اس کو قرب خداوندی حاصل نہ ہوگا لیکن ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے: "كراهة تقديم الفاسق كراهة تحريم". غنية(۴)، اس عبارت سے ہر فرقہ کی امامت کا حکم معلوم ہو گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أبی الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتی يدعَ بدعته". (سنن ابن ماجة، باب اجتناب البدع والجدل، ص:۶، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی و مبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا فی الحلبی الكبير، كتاب الصلوة، الأولی بالإمامة، ص:۵۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، ۶۱۲، رشيديه)

(۳) رواه أبو داود بلفظ: "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة علی كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (أبو داؤد، كتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۳، مكتبه امداديه ملتان)

(۴) (الحلبی الكبير، كتاب الصلوة، الأولی بالإمامة، ص:۵۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا فی رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰ سعيد)

ایضاً

سوال[۲۶۹۲]: زید ایک عالم ہونے کی حیثیت رکھتا ہے مگر بدعتیوں کا ساتھ دیتا ہے، ان کی دعوتیں وغیرہ کھاتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جو لاعلمی میں نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ ہوئیں یا نہیں؟ براہِ نوازش احکام شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔ والسلام۔

احقر الناس: بندہ محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا زید خود بھی بدعت کرتا ہے پھر وہ بدعت کیسی ہے، اگر شرک کی حد تک پہونچتی ہے، جیسے قبر کو سجدہ کرنا تو اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ اگر معمولی بدعت ہے جو گناہ صغیرہ کے درجہ میں ہے تو نماز جائز ہے، اگر گناہ کبیرہ کے درجہ میں ہے تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے جب کہ اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا شخص موجود ہو(۱)، تاوقتیکہ بدعت کی تعیین نہ کی جائے کہ وہ کیا بدعت کرتا ہے کوئی قطعی حکم نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۲۶۹۳]: جو شخص علمِ غیب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتلاتا ہو اور عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی اقتداء کرنی درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى، إلا أن يكون أعلم القوم، ومبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدر المختار). "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد .... (قوله: وفاسق) وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم" (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، ۵۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کا امام بنانا اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى، إلا أن يكون أعلم القوم، ومبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً". تنوير الأبصار: ۱/۳۹۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بریلوی کی امامت

سوال [۲۲۹۴]: بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بریلوی عقیدہ کیا ہے، تحقیق کرکے بھیجئے، تب غور کیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۲۲۹۵]: ایک شخص بریلوی خیال کا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور آپ مختار کل ہیں، نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور یہ شخص ایک مسجد میں امامت بھی کرتا ہے۔ آیا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ یہ بھی واضح رہے کہ مسجد اس موضع میں ایک ہی ہے، بعض لوگ اسی مسجد میں اپنی نماز الگ جماعت کرکے پڑھتے ہیں یعنی ایک جماعت ہوجاتی ہے تو پھر دوسری جماعت کرکے نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں میں کافی انتشار پیدا ہوجاتا ہے اذان ایک ہی ہوتی ہے اور جماعتیں دو ہوتی ہیں۔

رحیم بخش ہردوئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس صفت کو ماننا بے دلیل ہے

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۲، مكتبه امداديه ملتان)

بلکہ خلافِ نص ہے(۱) اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا درست نہیں (۲)، تمام نمازیوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹا کر دوسرے صحیح العقیدہ مسائلِ طہارت ونماز سے واقف، متبعِ سنت آدمی کو امام تجویز کریں ورنہ سب گنہگار ہوں گے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ عید بدعتی کے پیچھے پڑھنے کا حکم

سوال[۲۶۹۲]: ایک امام نے کئی نکاح حمل والی عورتوں کے پڑھائے ہیں، سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیتا ہے،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله، ولا أعلم الغيب، و لا أقول لكم إني ملك﴾ (سورة الأنعام: ۵۰)

"عن عائشة رضى الله تعالیٰ عنها قالت: "من زعم أنه يعلم -يعنى صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- ما يكون فى غد، فقد أعظم على الله الفرية؛ لأن الله تعالیٰ يقول: ﴿قل لا يعلم من فى السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ (سورة النمل: ۶۵) (تفسير ابن كثير: ۳/۳۷۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

قال الله تعالیٰ: ﴿و ما تكون فى شأن و ماتتلوا منه من قران و لا تعلمون من عمل إلا كنا عليكم شهوداً إذ تفيضون فيه﴾. (سورة يونس: ۶۱)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالیٰ عنه قال: قام فينا رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم خطيباً بعد العصر فلم يدع شيئاً .... "إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها فناظرٌ كيف تعملون". إلى آخر الحديث، رواه الترمذى". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۲/۴۳۷، قديمى)

(۲) و تمام العبارة: "ومبتدع: أى صاحب بدعة، وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة، وكل من كان من قبلتنا لا يكفر بها .... وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً للقراءة .... و لو قدموا غير الأولى، أساء وا بلا إثم". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۹، سعيد)

(وكذا فى حاشية الشيخ الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

بدعتیوں کا حامی ہے اور مفتی بھی ہے تو عیدگاہ میں ادائے واجب (نماز عید) کے لئے جانا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عید کی نماز کسی جگہ دوسری بھی ہوتی ہو اور وہاں کا امام متبعِ سنت ہو، تو صورتِ مسئولہ میں عیدگاہ نہ جائے بلکہ دوسری جگہ پڑھ لے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مزار کی مٹی کھانے والے اور اس پر سجدہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۶۹۷]: جو شخص مزار کی مٹی کھاتا ہے اور مزار پر سجدہ کرتا ہے، اگر وہ شخص مرغی یا خصی یا مٹھائی خادم کو دے تو کیا وہ سب چیزیں حرام ہیں؟ اور اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ چیزیں بزرگ کے نام پر چڑھاوے کی ہیں تو ان کا لینا حرام ہے(۲) ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى إلا أن يكون أعلم القوم، ومبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها لا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدر المختار).

"(قوله: وفاسق) .... قال في الفتح: و عليه فيكره في الجمعة، إذا تعددت إقامتها في المصر على قول محمد المفتي به؛ لأنه بسبيل إلى التحول". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۳۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام، وقد ابتلي الناس بذلك".

(الدرالمختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر : ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۹ھ۔

چڑھاوا، اور دیگ چڑھانے والے کی امامت

سوال[۲۶۹۸]: ہم لوگ جماعت دیوبندیہ کے ساتھ ہیں اور ہماری مسجد کے امام صاحب قبروں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور پیروں کے نام کی دیگیں بھی کرتے ہیں اور دیوبندی علماء کو برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے، میں نے سب پر ہاتھ پھیر رکھا ہے، وہ تبلیغ کو غلط بات کہتے ہیں، وہ سنت کو ایک ایک رکعت کرکے پڑھتے ہیں۔ کیا ہماری نماز ایسے امام کے پیچھے ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ان کا رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر چڑھاوا چڑھانا، پیروں کے نام کی دیگیں کرنا(۲) علمائے حق کو برا کہنا، سنتیں مستقل ترک کرنا، یہ ایسی خرابیاں ہیں کہ جب تک ان سے توبہ نہ کرے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

مرشد کے نام کا جھنڈا لگانے والے کی امامت

سوال[۲۶۹۹]: ایک مسجد کے پیش امام اپنے مرشد کے نام کا جھنڈا لگاتے ہیں اور نیاز وغیرہ کرکے کھالیتے ہیں اور مزار کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و آكل الربا و نحو ذلك .... وإن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مزار کی مٹی کھانے والے اور اس پر سجدہ کرنے والے کی امامت"۔)

(۳) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر خدا کے نام پر غریبوں کو دے کر اپنے مرشد کو ثواب پہونچادیں تو درست ہے، اگر مرشد ہی کے نام پر نیاز کرتے ہیں اور خود کھالیتے ہیں تو یہ طریقہ غلط ہے(۱)، پیر کے نام کا جھنڈا لگانا بھی غلط ہے(۲)، مزار کی پرستش (سجدہ کرکے) تو مشرکانہ طریقہ ہے(۳)۔ ایسا شخص امام بنانے کے قابل نہیں جب تک توبہ کرکے اصلاح نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوؤں کا بکرا ذبح کرنے والے کی امامت

سوال[۲۷۰۰]: ۱...... اہلِ ہنود کافر، زید کے مکان پر آئے اور کہا چلو صاحب ہمارے دو بکرے ذبح کردو، یہ مسلمان اس کے ساتھ دریا پر بلا روک ٹوک چلا گیا، ذبح کرنے سے پہلے اس مسلمان نے ان آدمیوں (کفاروں) سے دریافت کیا کہ بکروں کو کس کے واسطے ذبح کرتے ہو، کہا کہ ہمیں خواجہ کی بھینٹ دینی منظور ہے۔ ان اہل ہنود کے ساتھ سوائے بکروں کے ڈلیا بھی بھینٹ کے لئے موجود تھا جو مسلمانوں کی نظروں نے بھی دیکھا ہے۔ اب پوچھنا اس امر کا ضروری ہے کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی کیسی ہے؟

۲...... اب اس مسلمان آدمی سے دو چار گاؤں کے آدمیوں نے جو اس گاؤں میں رہتے ہیں جہاں یہ پڑھا لکھا مسلمان رہتا ہے پوچھا کہ تم نے ان اہلِ ہنود کے وہ بکرے کیوں ذبح کئے یا ایسا امر کیوں کیا؟ تو اب وہ مسلمان پوچھنے والے کو جواب دیتا ہے کہ میں نے ان سے یہ کہا ہے کہ تم اس کو رب کے واسطے ذبح کرو اور ثواب اس کا خواجہ کو پہونچاؤ۔ یہ

---

(۱) (راجع عنوان: "مزار کی مٹی کھانے والے اور اس پر سجدہ کرنے والے کی امامت"۔)

(۲) "[تنبيه]: كره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۳) قال الإمام الشاه ولي الله: "فمنها أنهم كانوا يسجدون للأصنام والنجوم، فجاء النهي عن سجدة غير الله قال الله تعالى: ﴿لا تسجدوا للشمس و لا للقمر، واسجدوا لله الذي خلقهن﴾ [سورة فصلت: ۳۷]. (حجة الله البالغة، المبحث الخامس مبحث البر والإثم، السجود لغير الله: ۱۸۴/۱، قديمي)

مسلمان آدمی شاید ان پوچھنے والوں کے رعب داب سے یہ بات کہتا ہے یا شریعت کے ڈر سے ہمیں کافی ثبوت نہیں کہ اس نے ان سے ایسا کہا یا نہیں کہا، کیوں کہ دوسرا سوائے اہلِ ہنود اور اس ذبح کرنے والے کے اور مسلمان وہاں نہیں تھا، باقی وہ اپنی زبان سے اس بات کو ضرور کہتا ہے۔ اس آدمی کو ان کو ایسا جواب دینا کیسا ہے؟

۳...... یہ مسلمان ہر ایک پوچھنے والے کو جواب دیتا ہے کہ مسئلہ صحیح ہے، اس مسئلے کو وہ مسلمان صحیح اس واسطے کہتا ہے کہ اگر وہ ان بکروں کو گنڈا (۱) سے مارتے تو ان کی جان بری طرح سے نکلتی، چلو شریعت کی تکبیر سے حلال ہی کرو۔ اس خیال سے حلال کرنا کیسا ہے اور اس مسلمان کی سب باتیں شریعت کی رو سے تحریر کرنی ضروری ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان مسلمان نے ان کفار سے یہ کہا ہے کہ ان بکروں کو خدا کے نام پر ذبح کرو اور ثواب خواجہ کو پہونچاؤ تب تو اس کے ذبح کرنے میں کوئی نقصان نہیں (۲)، اس سے اس کی امامت میں کوئی خرابی نہیں آئی اور جب کہ کوئی اور شخص وہاں موجود نہیں تھا اور وہ مسلمان کہتا ہے کہ میں نے ایسا کہا تو پھر اس کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا، تردید کی وجہ کیا ہے، اس کا اعتبار کرنا چاہئے محض اس وجہ سے کہ یہ شاید پوچھنے والوں کے رعب سے یا شریعت کے مسئلہ سے ڈر کر اب بات بناتا ہے اور اس وقت اس نے نہیں کہا ہوگا اس کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا سمجھنا جائز نہیں، جب کوئی پکی دلیل نہ ہو مسلمان کے قول

---

(۱) ''گنڈاسا: چارا کاٹنے کا ہتھیار، لاٹھی میں لگا ہوا لوہے کا تیز ہتھیار''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۹۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فكلوا مما ذكر اسم الله عليه إن كنتم بآياته مؤمنين﴾ (سورة الأنعام: ۱۱۸)

"هذا إباحة من الله، لعباده المؤمنين، أن يأكلوا من الذبائح ما ذُكر عليه اسمه، و مفهومه أنه لا يباح مالم يذكر اسم الله عليه كما كان يستبيحه كفار قريش من أكل الميتات، و أكل ما ذبح على النصب وغيرها". (ابن كثير: ۲/۲۲۶، مكتبة الفيحاء دمشق)

"للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية، بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، اهـ. هو مذهب أهل السنة والجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۴۳ سعيد)

(وكذا في كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

کا اعتبار کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

میلاد اور دسویں میں شریک ہونے والے کی امامت

سوال [۲۷۰۱]: جو شخص صرف اس وجہ سے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا کہ امام صاحب دسویں اور میلاد شریف میں شرکت نہیں کرتے، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ایسے امام کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟

ظہور احمد، جامع مسجد کوکرو، ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میلادِ مروجہ، دسویں، وغیرہ ثابت نہیں بدعت ہے (۲) ان چیزوں میں اگر امام شرکت نہ کرے تو امامت میں

---

(۱) "عن أبي ظبيان عن أسامة بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه و هذا حديث ابن أبي شيبة، قال: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سرية فصبّحنا الحرقات من جهينة فأدركت رجلاً، فقال: لا إله إلا الله، فطعنته فوقع في نفسي من ذلك، فذكرته للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أقال لا إله إلا الله، وقتلته"؟ قال: قلت: يا رسول الله! إنما قالها خوفاً من السلاح قال: "أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا، اهـ". الحديث. (الصحيح المسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله: ۱/ ۶۸، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "و معناه أنك إنما كُلّفتَ بالعمل بالظاهر و ما ينطق به اللسان، وأما القلب فليس لك طريقٌ إلى معرفة ما فيه، فأنكر على امتناعه من العمل بما ظهر باللسان، وقال: "أفلا شققت عن قلبه" لتنظر هل قالها القلب واعتقدها وكانت فيه أم لم تكن فيه، بل جرت على اللسان فحسبُ". يعني وأنت لست بقادر على هذا فاقتصر على اللسان و لا تطلب غيره". (الكامل للنووي على صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله: ۱/ ۶۸، قديمي)

(۲) "ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وإظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع و محرمات جُمّة، فمن ذلك استعمالهم المغانّي ومعهم آلات الطرب من الطار المصرصر و الشبابة، و غير ذلك مما جعلوه آلةً للسماع، و مضوا في ذلك على العوائد الذميمة، في كونهم يشتغلون في أكثر الأزمنة التي فضلها الله تعالىٰ و عظمها ببدع و محرمات". (المدخل، فصل في المولد: ۲/ ۳، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر) ....

خلل نہیں آتا، جو شخص ان باتوں میں شریک نہ ہونے والے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا وہ غلطی پر ہے، تارک سنت ہے(۱)، جماعت کے ثواب سے محروم ہے، اس کو باز آنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

تیجہ چالیسواں کرانے والے کی امامت

سوال[۲۷۰۲]: ایک امام تیجہ، دسواں، چالیسواں بھی حدیث سے ثابت فرماتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان امام صاحب سے وہ حدیث پورے مع حوالہ کے لکھوائیے تب اس کے متعلق کچھ لکھا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= قال الله تعالىٰ: ﴿لقد كان لكم في رسول الله صلى الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

"عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً، ولا صلوة، ولا صدقة، و لا حجاً، و لا عمرة، و لا جهاداً، و لا صرفاً، و لا عدلاً، يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين". (سنن ابن ماجة، باب اجتناب البدع والجدل، ص: ٦، مير محمد كتب خانه كراچى)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (الصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة ………… و أطال في ذلك في المعراج، و قال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز الخ على هامش الهندية: ۴/۸۱، رشيديه)

(۱) "والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه العامة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، ۵۵۴، سعيد)

الفصل الرابع فی إمامة المحترف والمتهم

(حقیر پیشے والے اور متّہم کی امامت کا بیان)

میراثی کی امامت

سوال[۲۷۰۳]: ہماری مسجد میں جو امام ہیں، قوم کے میراثی ہیں، گانا، بجانا تو کچھ نہیں کرتے، ان کے یہاں پردہ بھی ہوتا ہے، مگر اس کے پاس چار بیگہ زمین خدمتی دی ہوئی ہے، پہلے اس کے باپ کے پاس رہا کرتی تھی اس کا انتقال ہوگیا ہے، اس کا حق اس کے پاس آ گیا، وہ ہماری خدمت کرتا تھا، ویسے حافظ بھی ہے۔ اس کو مسجد میں امام رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ فقط۔

وزیر احمد بقلم خود، عبدل بقلم خود۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص سب میں افضل ہو علم، قرأت، تقویٰ، نسب وغیرہ کے اعتبار سے، اس کو امام بنانا افضل ہے:

"الأعلم أحق بالإمامة، ثم الأقرأ، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً، ثم الأشرف نسباً". مراقی الفلاح، ص: ۱۷٤ (۱)۔

البتہ اگر کسی جگہ ان صفات کا آدمی نہ ہو تو ایسے حافظ کو امام بنانے میں بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ سوال

---

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۰، قدیمی)

(وکذا فی تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

میں مذکور ہے بشرطیکہ کوئی اور شرعی قباحت موجود نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۵۲ھ۔

نائی کی امامت

سوال[۲۷۰۴]: ایک لڑکا حجام کا ہے جو حافظ قرآن ہے جس کی عمر ۱۵،۱۶/ سال کے قریب ہے۔کیا وہ تراویح میں قرآن پاک سنا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز فرض پڑھی ہوئی جائز ہوسکتی ہے یا نہیں، حال یہ ہے کہ اس کا والد حجامت بنانے پر مامور ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجامت (سر مونڈنے کا پیشہ) ناجائز نہیں (۲)، اس کی وجہ سے اس کی امامت میں خرابی نہیں آئے گی، اگر وہ مسائلِ طہارت ونماز سے واقف اور امامت کا اہل ہے تو قرآن کریم اس کے پیچھے تراویح میں سننا بھی درست ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد، و ينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم، وإلا فلا كراهة كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(۲) "عن المقدام بن معديكرب رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما أكل أحدٌ طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل يديه، وأن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يديه". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۱/۲۴۱، قديمي)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقرأة، ثم الأورع. اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، شركت علميه ملتان) .... =

نداف (روئی صاف کرنے والے) کی امامت

سوال[۲۷۰۵]: زید نداف ذات سے تعلق رکھتا ہے البتہ اس میں امامت کی صلاحیت بہ نسبت وہاں کے اَور لوگوں کے زیادہ ہے، وہ بعض اوقات امامت بھی کرتا ہے لیکن لوگ اسے کم درجہ کا مسلمان تصور کرکے اقتداء سے گریز کرتے ہیں۔ تو کیا گریز کرنا درست ہے، کیا اسلام ذات پات کو کوئی حیثیت دیتا ہے؟ ندافی یا اس قسم کا کوئی پیشہ اختیار کرنے سے مسلمان کی ذات میں اونچائی نیچائی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ندافی کا پیشہ دیانت داری کیساتھ ہوتو ناجائز نہیں ہے، اس کو حقیر وذلیل سمجھنا غلط اور خلافِ شرع ہے(۱)، جس میں امامت کے اوصاف موجود ہوں گے اس کے پیشہ کی وجہ سے ہرگز درست نہیں کہ اس کی اقتداء سے گریز کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غسالِ میت کی امامت

سوال[۲۷۰۶]: غسال امامتِ نمازِ فریضہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کیا انہی کپڑوں

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن المقدام بن معديكرب رضي الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماأكل أحد طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل يديه، وأن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يديه". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ۱/ ۲۴۱، قديمي)

(۲) "ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد: "لايقبل الله صلاة من تقدم وهم له كارهون". وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، أماالكلام في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراتشي)

سے امامت کرسکتا ہے جن کو پہنے ہوئے میت کوغسل دیا تھا، جواب بسند ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کوغسل دینا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے:

"والصلوة عليه فرض كفاية كدفنه وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية، اه". درمختار (۱)۔

جس طرح نماز جنازہ پڑھنے والے کی امامت میں اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی سے کوئی خرابی نہیں آتی، اسی طرح میت کے غسل دینے والے کی امامت میں اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی کی وجہ سے کچھ نقصان نہیں آتا، یہی حال تجہیز وتکفین، دفن میں سب شریک ہونے والوں کا ہے کہ سب نے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے، ان سے امامت کرانا بلاتردد درست ہے۔ یہ عوام کی خام خیالی اور جہالت ہے کہ میت کوغسل دینا عیب سمجھتے ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ غسل دینے والے غسالۂ میت سے احتیاط کریں کہ وہ نجس ہے، اگر وہ کپڑوں پر گرے گا تو کپڑے نجس ہوجائیں گے، اور میت کوغسل دینے کے بعد خود غسل کرنا بھی مستحب ہے:

"ويندب الاغتسال لمن أسلم طاهراً، وعند الفراغ من حجامة وغسل ميت، اه". مراقی الفلاح، ص: ٦٢ (۲)۔ "(قوله: قبل نجاسة خبث)؛ لأن الآدمي حيوان، فينجس بالموت

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في سكب الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل في الصلوة على الميت: ۱/۱۸۲، دارإحيار التراث بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذاالفصل في الصلاة على الجنازة: ۲/۳۰۶، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل، ص: ۵۸۰، قديمي)

(۲) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الطهارة، فصل سنن الاغتسال أربعة أشياء، ص: ۱۰۸، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، سنن الغسل: ۱/۱۷۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۲۱، رشيديه)

کسائر الحیوانات، وهو قول عامة المشایخ، وهو الأظهر، بدائع، وصححه فی الکافی. قلت: و یؤیده إطلاق محمد نجاسة غسالته، وکذاقولهم: لو وقع فی بیر قبل غسله نجسها، وکذالوحمل میتاً قبل غسله وصلی به، لم تصح صلاته، وعلیه فإنما یطهر بالغسل کرامةً للمسلم، وکذالوکان کافراً، نجس البئر ولو بعد غسله. اهـ". رد المحتار: ۱/۸۹۴(۱)۔

کوئی وجہ اشکال کی ہو تو اس کو بیان کرکے دریافت کیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۶/۵۹ھ۔

غاسلِ میت کی امامت

سوال[۲۷۰۷]: آج کل ائمۂ مساجد میں عموماً غسل مُردوں کا ان کے ذمہ ہوتا ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ غاسلِ میت کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں، اگر جائز نہیں تو دیہاتی امام محض اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ اگر غسل میت کو نہ دیں تو ان کو امامت سے علیحدہ کردیا جاتا ہے۔ مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

غسل وکفن ونماز جنازہ، دفنِ میت سب کا حکم یکساں ہے، کذافی الدر المختار(۲)، لہٰذا چاہئے کہ ان میں سے کسی ایک کام کرنے والے کے پیچھے بھی نماز جائز نہ ہو اور مردے بلا غسل، کفن، نماز، دفن ہی پڑے رہا کریں، چونکہ جو یہ کام کرے گا اس کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی، پھر اس غسل دینے والے نے کیا قصور کیا

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۱۹۴، سعید)

(۲) "والصلوة علیه فرض کفایة کدفنه وغسله وتجهیزه، فإنها فرض کفایة". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعید)

(وکذا فی سکب الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوة، فصل فی الصلوة علی المیت: ۱/۱۸۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، کتاب الصلوة، الفصل الثانی الثلاثون فی الجنازة، نوع آخر من هذاالفصل فی الصلوة علی الجنازة: ۲/۳۰۶، المکتبة الغفاریة کوئٹه)

ہے،اس سے پوچھیں کہ عدم جواز کی وجہ کیا ہے؟البتہ اس خدمت کوامام کے حقیر سمجھتے ہوئے سپرد کردینا بُرا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہو اس کی امامت

سوال[۲۷۰۸]: زید حافظ قرآن ہے اور محلّہ رسول پور ضلع کٹک کی مسجد میں امام ہے، وہ اس محلّہ کے ایک شخص بکر کے یہاں فاضل وقت میں ان کی لڑکی زیتون کو پڑھاتے بھی تھے، لڑکی کی عمر ۱۱/سال ہوگی، نابالغہ ہے۔ایک دن ایسا ہوا کہ زیتون پڑھائی کے کمرہ سے روتی ہوئی نکلی اور اس کا اندامِ نہانی سے خون بہہ رہا تھا،گھر والے دوڑے ہوئے آئے اور امام صاحب سے دریافت کیا کہ کیا ہوا، انہوں نے کہا کہ مارنے کی چھڑی سے جو کہ بانس کی تھی کونچہ لگایا، غصہ میں وہ غلطی سے اندام نہانی میں لگ گئی اور خون نکلنے لگا، بہر حال بچی کو فوراً ہسپتال پہونچایا گیا، وہاں ایک ہندو ڈاکٹرنی اور ایک مسلمان ڈاکٹر علاج کی طرف متوجہ ہوئے، دونوں نے ان کے رشتہ داروں سے کہا کہ خاص جگہ کچھ پھٹ گیا ہے اس کو سی دیا گیا، اب کوئی خطرہ نہیں۔اور ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی کا کہنا ہے کہ زنا سے ہی ایسا زخم ہوسکتا ہے، چھڑی کا یہ زخم نہیں ہے۔لڑکی نے بھی ڈاکٹروں کے سامنے زنا کا اقرار کیا کہ امام صاحب نے مجھ سے زنا کیا ہے۔

اب اس بات پر محلّہ میں دوفریق ہوگئے ہیں: ایک فریق کا کہنا ہے کہ امام صاحب زنا میں مبتلا ہوئے ہیں، اس لئے ان کی امامت اب صحیح نہیں ہوگی، دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ شریعت کی رو سے عدمِ شہادت کی وجہ سے زنا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے امامت کرسکتے ہیں، بلکہ امامت کر بھی رہے ہیں۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ امام صاحب زنا کے مجرم ہوئے یا نہیں اور اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ امام صاحب اس فعل کی نفی کرتے ہیں اور

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إني جاعلک للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذاثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلک، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمى)

قسم کھانے کو تیار ہیں۔

سید حاتم مدرسہ محمودیہ کٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مذکورہ میں امام صاحب مذکور کو زانی قرار دینا اور ان پر زانی کے احکام جاری کرنا تو درست نہیں، جو ثبوتِ زنا کے لئے شرعاً ضروری ہے وہ موجود نہیں (۱) لیکن بچی کو بانس کی چھڑی سے مارنے کا بھی حق نہیں، ردالمحتار میں اس کی ممانعت موجود ہے (۲)۔ امام صاحب کو اپنے اس جرم کا اقرار ہے، وہ مجرم اور گنہگار ہیں (۳)، جو صورت پیش آئی ہے وہ ان سے بدگمانی کا سبب بن سکتی ہے، لڑکی اور اس کے گھر والے اور دوسرے لوگ اگر ان سے ناراض ہوں تو ان کی ناراضی درست ہے۔ اگر امام صاحب اپنے جرم سے توبہ کر کے اپنی

---

(۱) "ویثبت (أی الزنا) بشهادة أربعة رجال فی مجلس واحد .... بلفظ الزنا، لا الوطء والجماع .... ویثبت أیضاً بإقراره أربعاً فی مجالسه الأربعة اهـ" (الدر المختار، کتاب الحدود : ۴/۷،۸، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب الثانی فی الزنا : ۲/۱۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الحدود : ۲/۵۰۷، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(۲) "(قوله :بید): أی لا یجاوز الثلاث، وکذلک المعلم لیس له أن یجاوزها، قال علیه السلام لمرداس المعلم: "إیاک أن تضرب فوق الثلاث، فإنک إذا ضربت فوق الثلاث، اقتص الله منک اهـ". إسماعیل عن أحکام الصغار للأستروشنی. و ظاهره أنه لا یضرب بالعصا فی غیر الصلاة أیضاً". (رد المحتار، کتاب الصلوة، : ۱/۳۵۲، سعید)

(۳) قال الله تعالیٰ :﴿و لا تقربوا الزنی، إنه کان فاحشةً وسآء سبیلاً﴾ (سورة الإسراء : ۳۲)

"ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ولا یزکیهم و لا ینظر إلیهم ولهم عذاب ألیم : شیخ زانٍ، و کملک کذاب، و عائل: أی فقیر مستکبر". رواه مسلم وأحمد والنسائی".

"ثلاثة لایدخلون الجنة : الشیخ الزانی، والإمام الکذاب، والعائل المزهوّ". رواه البزار بإسناد جید". (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرة الثامنة والخمسون بعد ثلاث مائة: الزنا –أعاذنا الله منه و من غیره بمنه و کرمه– اهـ : ۲/۲۱۹، دار الفکر بیروت)

اصلاح نہ کریں تو وہ امامت سے علیحدگی کے قابل ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۹۴ھ۔

ایضاً

سوال [۲۷۰۹]: لوگ زید پر الزام لگاتے ہیں اور اتہام باندھتے ہیں کہ زید خالدہ سے بدکاری کراتا ہے اور اس کو دھمکاتے ہیں کہ تیرا وارنٹ نکلوادیں گے، اور زید کو دیوث بتاتے ہیں۔ شرعاً یہ لوگ گنہگار ہیں یا نہیں؟ اور زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

سائل میانجی، عبدالرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا دلیل کسی پر بہتان لگانا کبیرہ گناہ ہے، جو لوگ بلا شہادتِ شرعیہ زید پر الزام لگاتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں (۲)، اور جب تک شرعی شہادت سے ثابت نہ ہو اس سے زید کی امامت میں نقصان نہ آئیگا، بلکہ نماز پنجگانہ

---

(۱) " ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). وفي رد المحتار: " (قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و آكل الربا و نحو ذلك". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، ۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيد هن وأرجلهن﴾ (سور الممتحنة: ۱۲)

"قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: لا يلحقن بأزاوجهن غير أولادهن. وقيل: إنه قد دخل فيه قذف أهل الإحصان، والكذب على الناس، وقذفهم بالباطل، ومالیس فيهم، وسائر ضروب الكذب، وظاهره الآية يقتضي جميع ذلك". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۲۵۹، قديمي)

"وأخرج أحمد: "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، وقتل النفس بغير حق، وبُهت مؤمن، والفرار من الزحف، ويمين صابرة يقتطع بها مالاً بغير حق". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب النكاح، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المائتين: ۲/ ۴۱، دارالفكر، بيروت)

(وكذا في فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، باب الإمامة: ۳/ ۱۷۹، امداديه)

وجمعہ وعیدین سب کچھ زید کے پیچھے حسب سابق درست ہے(۱)، البتہ زید کو بھی چاہئے کہ اپنا طرز عمل بلاوجہ ایسا نہ رکھے جس سے تہمت کا موقع ہاتھ آئے (۲)۔ خالدہ کا انتظام اگر ممکن ہو کرادے اور ایسی مجبوری کی حالت میں لڑکی کی امداد ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/صفر/ ۵۷ھ۔

نکاح محرمہ سے پیدا شدہ لڑکے کی امامت

سوال[۲۷۱۰]: محارم کا آپس میں نکاح ہوجائے، اس کے بعد ان کا ایک لڑکا پیدا ہوجائے تو اگر وہ لڑکا بالغ عالم ہونے کے بعد امامت کرے تو اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ ہر سوال کے جواب کو ادلہ سے زیور پہنا کر تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں امامت کی اہلیت ہے تو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۴/ ۶۴ھ، صحیح: عبد اللطیف ۲۷/۴/ ۱۳۶۴ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

(۲) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتُّهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومنَّ من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنَّ من أساء الظن به". (كشف الخفاء: ۱/ ۴۴، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى ومبتدع لايكفر بها، وإن كفر بها فلايصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة".

"قوله: إن وجد غيرهم: أي من هو أحق بالإمامة منهم". (رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب =

امامتِ عنّین

سوال[۲۷۱۱]: ا......کسی وجہ سے کوئی شخص اگر نامرد ہو جائے تو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

۲......شروع پیدائش ہی سے کوئی شخص اگر نامرد ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......اور کوئی مانع نہ ہو تو جائز ہے(۱)۔

۲......جائز ہے بشرطیکہ خنثیٰ نہ ہو(۲) اور خنثیٰ کی امامت عورت کیلئے جائز ہے، مرد کے لئے ناجائز ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۳/۱۳۵۵ھ۔

= الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

"وولدالزنا إن كان أفضل القوم، فلاكراهة إذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم العلة للكراهة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۳، دار المعرفة بيروت)

(۱) "عنّین ہونے سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ کوئی ظاہری اور نمایاں عیب نہیں ہے جو باعث کراہت ہو"۔ (فتاوی دار العلوم ديوبند: ۳/۱۵۶، مكتبه إمداديه، ملتان)

(وكذا في كفاية المفتي: ۳/۱۰۱، دار الاشاعت)

(۲) "لايصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۱۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "والخنثیٰ البالغ تصح إمامته للأنثیٰ مطلقًا فقط، لالرجل ولا لمثله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، =

غیرمختون کی امامت

سوال[۲۷۱۲]: بغیر ختنہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ختنہ سنت ہے، جو شخص بلاعذر اس کو چھوڑ دے وہ تارکِ سنت ہے(۱)، اگر باوجود قدرت ووسعت کے بدن کو غسل واستنجاء میں پاک نہیں رکھتا ہے تب اس کو امام ہرگز نہ بنایا جائے، اگر پاک رکھتا ہے تو اس کی امامت درست ہے، نماز اس کے پیچھے ہوجائے گی (۲)، اگرچہ اس تارکِ سنت کے مقابلہ میں عاملِ سنت کی امامت مقدم ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= باب الإمامة: ۱/۵۷۷، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۵۱، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

(۱) "عن أبي أيوب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربع من سنن المرسلين: الحياء" ويروى: "الختان والتعطر، والسواك، والنكاح". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الطهارات، باب السواك: ۱/۴۴، قديمي)

"والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر، وهو من شعائر الإسلام وخصائصه، فلو اجتمع أهل بلدة على تركه، حاربهم الإمام، فلايترك إلا لعذر". (الدر المختار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۶/۷۵۱، سعيد)

(۲) (راجع كفاية المفتي: ۳/۸۴، دار الإشاعت كراچي)

(وفتاوىٰ دار العلوم ديوبند: ۳/۱۹۶، مكتبه امداديه، ملتان)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد) .... =

لاولد کی امامت

سوال[۲۷۱۳]: ایک مولانا مدرسہ کے مدرسِ اعلیٰ ہیں مگروہ لاولد ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی اولاد پیدا نہ ہوئی وہ شرعی مجرم اور گنہگار نہیں، اس کی وجہ سے اس کی امامت میں نقصان نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

برہمن بچہ کو پال کر امام بنانا

سوال[۲۷۱۴]: زید مسلمان ہے اور اس نے بے اولاد ہونے کے سبب ایک ہندو برہمن بچے کو پال پوس کر ایک خاندان کی لڑکی سے شادی کی، اس برہمن کی طرف سے دو اولاد ہوئی وہ بھی تعلیم یافتہ رہی تقریباً ۲۲/سال کی ہوئی، وہ مسجد کے امام ہونے اور نماز پڑھانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو ایسے شخص کا امام ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس برہمن بچے کو پرورش کیا، اگر وہ مسلمان ہوگیا تھا پھر مسلمان لڑکی سے اس کی شادی کی، تب تو کوئی اشکال ہی نہیں (۲)، اس سے پیدا شدہ اولاد میں جب اوصافِ امامت موجود ہوں تو ان کی امامت

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ١/ ٢٦٩، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنةٌ مؤكدة: ١/ ١٠٧، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿يهب لمن يشاء إناثاً ويهب لمن يشاء الذكور، أو يزوّجهم ذُكراناً وإناثاً، ويجعل من يشاء عقيمًا﴾ (سورة الشورىٰ: ٥٠)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبدٌ مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾ (سورة البقرة: ٢٢١) .... =

درست ہے(۱)۔ اگر وہ برہمن بچہ - خدانخواستہ - مسلمان نہیں ہوا تھا، اس حالت میں اس کی شادی مسلمان لڑکی سے کردی گئی تو یہ شادی سخت معصیت ہوئی، یہ شرعی نکاح نہیں بلکہ زنا ہے(۲)، اس سے پیدا شدہ اولاد نے اگر اسلام قبول کرلیا ہے اور لوگوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے نفرت ہے تو ان کو امامت نہیں کرنا چاہیے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

= "أي لا تزوّجوا الرجال المشركين النساء المؤمنات، كما قال تعالى: ﴿لا هنّ حلٌّ لهم، ولا هم يحلون لهن﴾. (تفسير ابن كثير: ۱/ ۳۴۸، دار الفكر بيروت)

"وينعقد بإيجاب وقبول وضعا للمضي كزوجت وتزوجت، وبما وضع أحدهما له والآخر للاستقبال، كزوجني". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، ۱۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علميه)

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن. اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/ ۲۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنةٌ مؤكدة: ۱/ ۱۰۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾، ولأن في إنكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/ ۴۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/ ۲۸۲، رشيديه)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ ومبتدع لا يكفر بها، وإن كفر بها فلا يصح الاقتداء به أصلاً، وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أو لنفرة الناس عنه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، رشيديه)

غیر سید کے پیچھے سید کی نماز

سوال[۵ا۲۷]: اگرکوئی سید گھرانے کا عالم مگر قاری نہیں ہے، قرآن کچھ حسنِ صوت سے اٹک اٹک کر پڑھے اور قاری کسی نیچے خاندان کا ہے تو سید کا اس قاری کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

الجواب حامداًو مصلياً:

اقتداء درست ہوجائے گی، یہ بات نہیں ہے کہ سید کی نماز غیر سید کے پیچھے اس کی اہلیت کے باوجود درست نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا چار قوموں کے علاوہ کے پیچھے نماز درست نہیں؟

سوال[۶ا۲۷]: مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو کسی وقت فتویٰ دیا تھا کہ چار قوموں کے علاوہ کسی اور قوم کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، وہ فتویٰ ایک شخص کے پاس ہے۔ کیا واقعی نماز نہیں ہوتی؟ اگر نہیں ہوتی تو تفصیل سے بیان فرمائیں، اور وہی شخص کہتا ہے کہ امامت کے بجائے بھنگی کا پیشہ کرے تو امامت سے اچھا ہے۔ کیا یہ فاسق ہے، تو کس درجہ کا ہوگا؟ تفصیل سے بیان کریں۔ نیز وہی شخص نماز ہوتے وقت آگے یا پیچھے نماز پڑھ کر چلا جاتا ہے، جماعت کا کوئی احترام نہیں کرتا، تو وہ کس درجہ کا فاسق ہوگا؟

الجواب حامداًو مصلياً:

جس شخص میں امامت کی صفات موجود ہوں اس کی امامت درست ہے، خواہ وہ کسی قوم سے ہو(۲)۔

---

(۱) "من هو أحق بالإمامة .... أعلمهم بالسنة، وأفضلهم ورعاً، وأقرئهم لكتاب الله تعالىٰ: .... فأعلمهم بالسنة أولىٰ، إذا كان يحسن من القرأة ماتجوز به الصلاة .... عن النبي صلى الله عليه وسلم: إنه قال: "ليؤمّ القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا سواء، فأعلمهم بالسنة". (إلى آخر الحديث) والأصح أن الأعلم بالسنة إذا كان يحسن من القرأة ماتجوز به الصلاة، فهو أولى": (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۲۲۹، دار الكتب العلمية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۶، مصطفى البابي الحلبي)

(۲) "عن أبي مسعود البدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤمّ القوم =

حضرت تھانویؒ کا کوئی فتوی ایسا نہیں ہے کہ چار قوموں کے علاوہ کسی اَور کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ امامت کی صفات ہوتے ہوئے محض قومیت کی وجہ سے جماعت کو ترک کرنا بہت بڑی محرومی ہے، جو آدمی ہمیشہ ایسا کرتا ہو اس کی شہادت قبول نہیں ہے گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے، جماعت ترک نہ کرے(۱)، بعض احادیث میں ترک جماعت کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قراءةً، فإن كانوا في القراءة سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن كانوا في الهجرة سواء، فليؤمهم أكبرهم سناً، ولا يؤم الرجل في بيته ولا في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۹۳، إمداديه ملتان)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً، ثم الأحسن قراءةً، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۲۵۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه العامة. فتسن أو تجب، تظهر ثمرته في الإثم بتركها مرةً على الرجال العقلاء البالغين الأحرار الخ".

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ولذا قال في الأجناس: لاتقبل شهادته إذا تركها استخفافاً ومجانةً .... (قوله: بتركها مرة) بلاعذر وهذا عند العراقيين، وعند الخراسانيين إنما يأثم إذا اعتاده، كما في القنية". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب الإمامة: ۱/۲۳۸، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۰۲، ۲۰۳، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلامنافق قدعُلم نفاقه، أو مريض، إن كان المريض ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة. وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه اهـ". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول: ۱/۹۶، قديمي)

الفصل الخامس فی إمامة المعذور

(معذور کی امامت کا بیان)

معذور کی تعریف اور اس کی امامت

سوال[۲۷۱۷]: ۱......إذا أمّ حافظ معذور (مَن به انفلات الريح أومثله) بقوم غير حافظين في التراويح عند إمامٍ من الأئمة هل تصح صلوتهم؟ وقال بعض الناس: تصح إن نوينا مسلك زفر أومالك. هل هذ القول صحيح؟

۲......هل الفرق في جواز إمامة المعذور أو في عدمه بين الفرائض والنوافل؟

۳......ما حدّ العذر في الشريعة؟

الجواب حامداًومصلياً:

۱...... من كان به عذرٌ شرعيٌّ لاتبقى معه طهارته، لاتجوز خلفه صلوةُ مَن ليس كذلك سواء كانت فرضاً أوغيره(۱). والمعذور من مضى عليه وقت صلوة واحدة لايقدر فيه على أن يصلي مع الطهارة، هذا حدّ المعذور. ثم لابدّ في كل وقت صلوة تحقق العذر مرةً أو مرتين، حتى إذا خلا وقت صلوة واحدة من العذر لم يبق معذوراً. قال في شرح المنية، ص:۱۳۳:

"هومن لايمضي عليه وقت صلوة كامل إلا والحدث الذي ابتلي به يُوجد منه فيه، وهذا الذي ذكره تعريف صاحب العذر في البقاء يعني بعد تقرر كونه صاحبَ عذر، فما دام لايمضي

---

(۱)"ولايصح اقتداء طاهر بمعذور إن قارن الوضوء الحدث أوطرأ عليه بعده، وصح لوتوضأ على الانقطاع وصلى كذالك". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰،رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۵۱، امداديه، ملتان)

علیه وقت صلوة إلا وعذره یوجد فیه، فهو باق علی کونه صاحب عذر، لکن تقرره ابتداء إنما یکون بما إذا مضی علیه وقت صلوة، ولم یمکن أن یتوضأ ویصلی خالیًا من ذالك الحدث فیه، فیشترط فی الثبوت استیعاب الوقت بالحدث علی هذه الصفة، کما یشترط فی الزوال استیعاب الوقت بالطهارة منه بأن یمضی الوقت ولا یُوجد ذلك الحدث فیه، وفیما بین ذالك یکفی للبقاء وجود الحدث فی کل وقت مرةً الخ". (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

امامتِ معذور

سوال [۲۷۱۸]: معذور کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ "ریح، سلس البول وغیرہ جس میں ہوں اس کی اقتداء جائز نہیں، جب کہ مقتدیوں میں طاہر ہو اور اگر کوئی طاہر نہ ہو تو اس کی اقتداء جائز ہے" (۲)۔ نیز جس شخص کو ایسا مرض ہے کہ جس وقت ان کو محسوس ہوتا ہے تو وہ اعلان کرتے ہیں اور نماز کا اعادہ ہوجاتا ہے اور اگر کسی وقت ان کو محسوس نہ ہو اور حدث ہوجاوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معذور کا اقتداء طاہر کو کسی طرح جائز نہیں، ہاں! طاہر کا اقتداء معذور کو جائز ہے (۳)، اور ایک معذور کا اقتداء دوسرے معذور کو جائز ہے، بشرطیکہ دونوں ایک ہی عذر میں مبتلا ہوں، اگر دونوں کا عذر علیحدہ علیحدہ ہے تو

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في نواقض الوضوء، ص: ۱۳۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۰۵، سعيد)

(۲) (بہشتی گوہر، حصہ گیارہواں، جماعت صحیح ہونے کی شرطیں، ص: ۹۰۴، ۹۰۵، دار الاشاعت، کراچی)

(۳) "ولا طاهر بمعذور: أي وفسد اقتداء طاهر لصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالاً من المعذور، والشئ لايتضمن مافوقه. آهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، رشيديه)

جائز نہیں (۱)۔ بہشتی گوہر کی عبارت یہ ہے:

''طاہر کی اقتداء معذور کے پیچھے مثل اس شخص کے جس کو سلسل بول وغیرہ کی شکایت ہو درست نہیں اھ'' (۲)۔ ''جب کہ مقتدیوں میں طاہر ہو'' بہشتی گوہر میں نہیں۔

اگر امام شرعی طور پر معذور نہیں ہے بلکہ اتفاقیہ طور پر کبھی ہوجایا کرتا ہے ان کی امامت درست ہے اور جب اس کو وضوٹوٹنے کا علم اور احساس نہیں ہوا تو نماز بھی نہیں ہوئی۔ اگر کسی مقتدی کو اس کا علم ہوجائے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے امام کو اطلاع کردے اور نماز لوٹائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۱۳۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۳/۱۳۵۵ھ۔

معذور کی نماز اور امامت

سوال [۲۷۱۹]: (الف) میں ایک مرض میں عرصہ دراز سے مبتلا ہوں اور وہ ہے کثرت ریاح کا

---

(۱) "ويجوز اقتداء المعذور بالمعذور إن اتحد عذرهما، وإن اختلف فلا يجوز، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۱۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (بہشتی گوہر حصہ یازدہم بعنوان'' جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں'' ص: ۱۷۷، طبع جدید مدلل، دار الاشاعت، کراچی)

(۳) "وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كل مفسد في رأي مقتد بطلت، فيلزم إعادتها لتضمنها صلوة المؤتم صحةً وفساداً، كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن بالقدر الممكن بلسانه أو بكتاب أو رسول على الأصح". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، ۵۹۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۶۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۴۰، رشيديه)

خروج، ہر دو تین منٹ پر خروج ریاح ہوتا رہتا ہے، تو کیا میں فجر کے وضو سے نمازِ اشراق اور تلاوتِ قرآن پاک کرسکتا ہوں، یعنی ہوا کو روک کر رکھوں اور باوضو رہوں؟

(ب) جس گاؤں میں رہتا ہوں اس میں معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں، اکثر قراءت نماز میں غلط پڑھتے ہیں، اعضائے وضو خشک رہ جاتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے پیچھے میری نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پنج گانہ نماز کی امامت کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یعنی جب تک امامت کروں، ہوا کو زبردستی روکے رکھوں۔ اگر نہیں کرسکتا تو گھر میں نماز ادا کروں؟ نیز اس حالت میں نماز تراویح کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

(الف) جو شخص شرعاً معذور ہے اس کو ہر وقت کے نماز کیلئے وضو ضروری ہے، پھر وقت ختم ہونے سے اس کا وضو باقی نہیں رہے گا فجر کا وضو سورج نکلنے سے ختم ہو جائے گا، اشراق کیلئے علیحدہ وضو کی ضرورت ہوگی، پھر اس وضو سے نوافل اور تلاوت کی اجازت ہوگی، حتی کہ ظہر کیلئے بھی جدید وضو کی ضرورت نہیں ہوگی الا یہ کہ اس عذر کے علاوہ کوئی اور حدث پیش آجائے (۱)۔

(ب) اگر امام کی طہارت کامل نہ ہو اعضائے وضو خشک رہ جائیں یا نماز میں قراءت کی غلطی سے فساد آجائے، اور امام اصلاح نہ کرے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں (۲) اور صاحبِ عذر بھی امامت نہیں

---

(۱) "وحكمه الوضوء لاغسل ثوبه ونحوه لكل فرض -اللام للوقت كما في: ﴿لدلوك الشمس﴾- ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً، فدخل الواجب بالأولىٰ، فإذا خرج الوقت، بطل: أي ظهر حدثه السابق، حتى لوتوضأ على الانقطاع ودام إلى خروجه، لم يبطل بالخروج مالم يطرأ حدث آخر أو يسيل كمسألة مسح خفه.......... وأفاد أنه لوتوضأ بعد الطلوع ولو لعيد الأضحىٰ لم يبطل إلا بخروج وقت الظهر".

(الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور: ۱/ ۳۰۵، ۳۰۶،سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ومما يتصل بذلك أحكام المعذور: ۱/ ۴۱،رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارة، فصل في الاستحاضة: ۱/ ۶۷، ۶۸، شركة علمية ملتان)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن. آهـ". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷،سعيد) =

کرسکتا، لہٰذا تنہا نماز پڑھنے میں وہ شرعاً معذور ہے، پھر ترکِ جماعت کی وعید میں وہ نہیں آئے گا ایسی طرح نماز تراویح بھی درست نہیں ہوئی، ایسی حالت میں تراویح بھی تنہا پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

جریان کے مریض کی امامت

سوال[۲۷۲۰]: جس آدمی کو جریان کا مرض ہو یعنی منی کے خارج ہونے کے بعد کچھ دیر تک مذی نکلتی رہتی ہے تو اس کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو اتنا وقت مل جائے کہ وضو کرکے نماز پڑھ لے اور وضو برقرار رہے تو اس کی امامت درست ہے، ورنہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۲۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱)"ولا طاهر بمعذور: أي وفسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالاً من المعذور، والشيئ لايتضمن ماهو فوقه". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۱۲۶، شركت علميه، ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۱۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲)"وفسد اقتداء طاهر صاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوىٰ حالاً من المعذور .... إذا توضأ على الانقطاع و صلى كذلك، فإنه يصح الاقتداء به؛ لأنه في حكم الطاهر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۱، إمداديه)

جریان والے کی امامت

سوال[۲۷۲۱]: ایک شخص جس کو جریان کا عارضہ ہو، پیشاب کے بعد مسلسل قطرات آتے رہتے ہوں، بغیر پیشاب کے بھی قطرات پائجامہ میں نکل جاتے ہیں تو کیا وہ جماعت کرا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ شرعی معذور ہے تو اس کی امامت درست نہیں، ورنہ درست ہے(۱) بشرطیکہ کپڑے بھی پاک ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۸ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ رجب/ ۶۸ ۱۳ھ۔

صاحبِ جریان کی نماز وامامت

سوال[۲۷۲۲]: احقر مدت سے مرضِ جریان میں مبتلا ہے اکثر اوقات بدون دفق وشہوت کے مذی کی قسم کی کوئی چیز نکل کر، کبھی مخرج کے منہ پر رہتی ہے اور کبھی مخرج سے تعدی کر کے کچھ پھیل جاتا ہے، مگر چمڑے سے الگ ہو کر ساقط نہیں ہوتی، کبھی کپڑے پر بھی لگ جاتی ہے اور اکثر اوقات نماز میں بھی مذکورہ حالت ہو جاتی ہے بعض وقت دو تین دفعہ نماز دہرانے تک یہی حالت رہتی ہے اور بعض وقت نہیں رہتی۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز دہراؤں یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کبھی مجبوراً امام بننا پڑتا ہے کہ جماعت میں عوام ہوتے ہیں جن کی قرأت صحیح نہیں

---

(۱) "ولا طاهر بمعذور". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/ ۸۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے اور بعض کی قرأت صحیح ہے، مگر مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں اور بعض کے طہارت وغیرہ کے مسائل پر عمل نہیں ہے، چال چلن لباس وغیرہ شریعت کے موافق نہیں ہے، اور اگر کبھی جاننے والا آدمی موجود بھی ہے تو وہ امام نہیں ہوتا تو حالتِ مذکورہ میں احقر کو امام بننا درست ہوگا یا نہیں، بر تقدیر ثانی کیا کروں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس چیز کے ناقض وضو ہونے میں شک نہیں (۱) لیکن اس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ شرعاً آپ کو معذور کہا جا سکے تو اس وقت آپ کیلئے حکم یہ ہوگا کہ ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرنا آپ کو ضروری ہوگا اور اس وضو سے فرض، نفل سب پڑھ سکتے ہیں، پھر جب نماز کا وقت خارج ہوگا تو یہ خروجِ وقت آپ کے حق میں ناقض وضو ہوگا، عذر ناقض نہ ہوگا (۲)۔ شرعاً معذور وہ شخص ہے کہ جس پر نماز کا ایک مکمل وقت اسی حالت میں گذر جائے کہ اس میں وہ عذر برابر ملحق رہے اور اتنی دیر کیلئے بھی بند نہ ہو کہ جس میں وہ وضو کر کے اس وقت کی فرض نماز ادا کر سکے، جب ایک نماز کا مکمل وقت اسی حالت میں گذر گیا تو یہ شخص شرعاً معذور ہوگا، اس کے بعد ہر نماز کے مکمل وقت میں اس عذر کا متحقق ہونا ضروری نہیں بلکہ مکمل وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس عذر کا پایا جانا کافی ہے، پھر اگر کسی نماز کا

---

(۱) "منها مايخرج من السبيلين من البول والغائط والريح الخارجة من الدبر و الودى والمذى والمنى والدودة والحصاة". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في نواقض الوضوء: ۱/۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، فصل في الغسل: ۱/۳۳، مكتبه شركة علمية، ملتان)

(۲) "وحكمه الوضوء لكل فرض -اللام للوقت كما في ﴿لدلوك الشمس﴾- ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً، فدخل الواجب بالأول، فإذا خرج الوقت بطل: أي ظهر حدثه السابق". (الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۳۰۵، ۳۰۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ومما يتصل بذلك أحكام المعذور: ۱/۴۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارة، فصل في المستحاضة: ۱/۶۷، ۶۸، مكتبه شركة علميه، ملتان)

مکمل وقت اسی حالت میں گذر گیا کہ ایک مرتبہ بھی عذر نہ پایا گیا تو یہ شخص شرعاً معذور نہیں رہے گا(۱) اب آپ اپنی حالت کو خود ملاحظہ کرلیں آپ شرعاً معذور ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہ خروجِ مذی آپ کے حق میں ناقض نہیں، لہذا اس کی وجہ سے نماز کا اعادہ بھی درست نہیں (۲)، اگر آپ معذور نہیں تو یہ خروج مذی ناقض وضو ہے، اگر نماز میں خروج ہوجائے تو وضو اور نماز ہر دو کا اعادہ لازم ہے۔

معذور کی امامت درست نہیں جب آپ معذور ہوں تو آپ ہرگز امام نہ بنیں، جو امام احسن حالاً ہو، اس کا اقتداء کرلیں اور جب معذور نہ ہو تو پھر امام بننے میں کچھ مضائقہ نہیں، لیکن اگر اسی حالت میں خروجِ مذی ہوگیا تو نماز کا اعادہ لازم ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "شرط ثبوت العذر ابتداءً أن يستوعب استمراره وقت الصلوٰة كاملاً، وهو الأظهر كالانقطاع لايثبت مالم يستوعب الوقت كله حتى لوسال دمها فى بعض وقت صلاة فتوضأت وصلت، ثم خرج الوقت ودخل وقت صلاة أخرى وانقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلوة لعدم الاستيعاب، وإن لم ينقطع فى وقت الصلوة الثانية حتى خرج، لاتعيد لوجود استيعاب الوقت. وشرط بقائه أن لايمضى عليه وقت فرض إلاوالحدث الذى ابتلى به يوجد فيه، كذا فى التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع فى أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة. و ممايتصل بذلك أحكام المعذور: ۱/۴۰، ۴۱، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب فى أحكام المعذور: ۱/۳۰۵، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الحيض: ۱/۱۸۳، ۱۸۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "ولاطاهر بمعذور: أى وفسد اقتداء طاهر صاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالاً من المعذور، والشيء لايتضمن ماهو فوقه. اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰، رشيديه)

(وكذا فى تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۲۸۹، رقم الحاشية: ۱)

نابینا کی امامت

سوال[۲۷۲۳]: نابینا اور کانا شخص جو اپنے بدن اور کپڑے کو محفوظ رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، حدیث وقرآن کا حوالہ دیکر تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے بشرطیکہ عالم محتاط ہو، اور بھی کوئی بات اس میں منصب امامت کے خلاف نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۱۳۵۸ھ۔

ایضاً

سوال[۲۷۲۴]: ایک حافظ جو کہ قاری بھی ہیں، ایک مسجد میں بحیثیت امام مسجد تقرر کیا گیا، یہ صاحب مسائلِ نماز اور دیگر امور دینی سے واقف ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی دینی تعلیم دیتے ہیں۔ حافظ موصوف نابینا شادی شدہ ہیں اور ان کے والد اور چھوٹے بھائی ان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں، ان کو اپنی طہارت وپاکی کا بہت خیال ہے، نیز خطباتِ جمعہ کافی تعداد میں ان کو یاد ہیں جس کی تصدیق امتحان لے کر دو مستند علماء نے کی ہے، اس کے برعکس اور دو تین اصحاب مسجد کی امامت کیلئے کوشاں ہیں اور وہ مسائلِ نماز اور مسائلِ دین سے ناواقف ہیں اور زبانِ عربی سے تو بالکل بے بہرہ ہیں، قرآن بھی اچھا نہیں پڑھتے، یہ ہر سہ اصحاب کہتے ہیں کہ ہر نابینا کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ ادھر حافظ صاحب نابینا اپنی امامت کے جواز میں اس واقعہ

---

(۱) "وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والأعمىٰ؛ لأنه لايتوقى النجاسة، ولايهتدي إلى القبلة بنفسه، ولايقدر على استيعاب الوضوء غالبًا. وفي البدائع: إذا كان لايوازيه غيره في الفضيلةفي مسجده فهو أولىٰ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۲۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، داراحياء التراث العربي، بيروت)

سے استناد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جو نابینا تھے امام مقرر فرمایا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ صاحبِ طہارت نابینا کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمایا جائے کہ موجودصورت میں ان نابینا صاحب کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اوران کو اپنے تمام اوصاف کے لحاظ سے ان اشخاص پر فوقیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

"كره إمامة العبد والأعرابي والمبتدع والأعمى؛ لأنه لايتوقى النجاسة ولايهتدى إلى القبلة بنفسه ولا يقدر على استيعاب الوضوء غالباً. وفي البدائع: إذا كان لايوازيه غيره في الفضيلة في مسجده فهو أولى، وكذا في المحيط. وقد استخلف النبي صلى الله عليه وسلم ابن أم مكتوم وعتبان بن مالك على المدينة وكانا أعميين، اهـ". زيلعي، ص: ١٢٤ (١)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہے کہ وہ نجاست سے نہ بچ سکتا ہو، استقبالِ قبلہ پر بنفسہ قادر نہ ہو، وضووغیرہ طہارت کے استیعاب سے قاصر ہو اور جب یہ امور اس میں نہ ہوں تو اس کی امامت مکروہ نہیں، نیز جب کہ دیگر نمازیانِ مسجد سے اپنے اوصافِ معتبرہ میں افضل ہو تو اس کی امامت دوسروں سے اولیٰ وافضل ہوگی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کا حکم فرمایا حالانکہ یہ دونوں صحابی نابینا تھے، کیونکہ اس وقت اس جگہ ان سے افضل کوئی شخص موجود نہ تھا: "لأنه لم يبق من الرجال من هو أصلح منهما". اهـ". ردالمحتار: ١/٥٨٥ (٢).

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٣٤٥، ٣٤٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٦١٠، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/١٠٨، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ١/٢٢٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٦٠، سعيد) .... =

پس صورتِ مسئولہ میں حسبِ بیانِ مسائل حافظ کی امامت افضل ہوگی ان دوتین آدمیوں کی امامت سے، اگر کوئی شخص ان نابینا سے افضل ہو تو اس کی امامت افضل ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۱۳۵۹ھ۔

معذور نابینا کی امامت

سوال[۲۷۲۵]: زید جس کو خروجِ ریح کا مرض ہے جس کا وضو نہیں ٹھہرتا، ایک مسجد میں امامت کررہا ہے اور قرآن کا حافظ ہے، البتہ آنکھوں سے نابینا ہے، امامت کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں اس نے اس مرض کا علاج بھی کرایا مگر افاقہ نہیں ہوا، اس کی امامت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شخص معذور ہے تو اس کی امامت ناجائز ہے، اگر معذور نہیں تو امامت جائز ہے بشرطیکہ پاکی کا اہتمام کرتا ہو اور نجاست سے بچتا ہو اور اس سے بہتر امامت کے لائق کوئی آدمی موجود نہ ہو اور نہ اس کی امامت مکروہ ہے:

"وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمىٰ؛ لأنه لايتوقى النجاسة، ولايهتدى إلى القبله بنفسه، ولايقدر على استيعاب الوضوء غالبًا. وفي البدائع: إذا كان لايوازيه غيره في الفضيلة في مسجده، فهو أولىٰ". زيلعي: ۱/۱۳۴ (۲)۔

=(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۲۴۳، مكتبه امداديه، ملتان)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ. اهـ". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلافالاقتداء أولىٰ من الانفراد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي)

اگر وہ امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کی امداد دوسری طرح کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نابینا امام کے کچھ اور اوصاف

سوال [۲۷۲۶]: اس شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اول: تو نابینا ہے۔ دوسرے: ڈرے کے حرف بتلاتا ہے، اب تو یہ ذرا شاہ آباد سے جاتا ہی رہا پہلے سنا بتلاتا تھا۔ تیسرے: مسجد کی جماعت کو چھوڑ کر حجرہ ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ چوتھے: اکثر لوگوں نے دیکھا ہے کہ ایک غیر محرم عورت، غیر وقت رات کے گیارہ بجے تک آتی ہے اور گھنٹوں باتیں کرتے رہتے ہیں، یہ عورت چال چلن کی خراب ہے، کچھ لوگ امام صاحب سے بدظن ہوگئے اور اپنی جماعت اسی مسجد میں علیحدہ پڑھتے ہیں، اور جماعتِ ثانیہ کیلئے تکبیر جائز ہے یا نہیں؟ اور امام صاحب بے وضو اذان کہہ دیتے ہیں، حقہ کثرت سے پیتے ہیں۔

اکرام احمد وفخر الدین از شاہ آباد ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال میں امام مذکور کے متعلق چند امور قابلِ اعتراض ذکر کیے گئے ہیں:

اول: نابینا ہونا۔ **دوم**: ڈرے کے حرف بتلانا۔ **سوم**: جماعت کی پابندی نہ کرنا۔ **چہارم**: غیر عورت سے باتیں کرنا۔ **پنجم**: بلا وضو اذان کہنا۔ **ششم**: حقہ پینا۔

امر اول کے متعلق یہ ہے کہ اگر نابینا پاکی اور طہارت کا اچھی طرح خیال رکھتا ہو تو اس کی امامت بالکراہت درست ہے، اگر گلی کوچوں میں پھرتا ہو، پاکی اور طہارت کا خیال نہ کرتا ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے(۱)۔

---

(۱) "وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى؛ لأنه لايتوقى النجاسة، ولايهتدي إلى القبلة بنفسه، ولايقدر على استيعاب الوضوء غالبًا. وفي البدائع: إذا كان لايوازيه غيره في الفضيلة في مسجده فهو أولى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۵، ۳۴۶، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/ ۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

امر دوم خود ہی سوال میں لکھ دیا گیا ہے، کہ یہ موجود نہیں۔

امر سوم سے متعلق یہ ہے کہ اگر نابینا مسجد میں جماعت کے وقت بسہولت جا سکتا ہو تب تو اس کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور اگر اس کو دقت ہو مثلاً کوئی لے جانے والا موجود نہ ہو اور وہ خود نہ آ سکتا ہو تو اس سے جماعت ساقط ہے (۱) اور صورت مسئولہ میں جبکہ امام مسجد کے حجروں میں موجود ہو تو اسکو بظاہر کوئی دقت نہیں اس لئے اس سے جماعت ساقط نہیں، جماعت کی پابندی نہ کرنے سے اسی حالت میں گنہگار رہو گا (۲)۔

امر چہارم کے متعلق یہ ہے کہ نامحرم عورت کے ساتھ خلوت کرنا ناجائز ہے، اسلئے امام کو اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو اس عورت سے بواسطہ یا کسی اور کی موجودگی میں گفتگو کی جائے (۳)

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال ....فتسن أو تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج، فلايجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف ومفلوج وشيخ كبير عاجز و أعمى) و إن وجد قائداً". (الدر المختار ،كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲-۵۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۵،۶۰۶،رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۲، بيروت)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذرٌ". -قالوا: و ما العذر؟ قال: "خوف أو مرض-، لم تقبل منه الصلوة التى صلى". رواه أبو داؤد والدارقطني". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة و فضلها، الفصل الثاني : ۱/ ۹۶، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "والذى نفسي بيده! لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب، ثم آمر بالصلوة فيؤذن لها، ثم آمر رجلاً فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال" وفي رواية: "لا يشهدون الصلوة فأحرّق عليهم بيوتهم. والذى نفسي بيده! لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقاً سميناً أو مرماتين حسنتين شهد العشاء". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة و فضلها: ۱/ ۹۵، قديمي)

(۳) "الخلوة بالأجنبية حرام، إلا لملازمة مديونة هربت ودخلت خربة، أو كانت عجوزاً شوهاء، أو بحائل". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/ ۳۶۸،سعيد) ...... =

اور اگر وہ واقعی بدچلن ہے تو اس سے نہایت اجتناب ضروری ہے، کیونکہ موضعِ تہمت سے بچنا بھی واجب ہے(۱) اور پردہ نابینا سے بھی کرنا چاہئے (۲)۔

امر پنجم کے متعلق یہ ہے کہ اذان بلاوضو بھی ہوجاتی ہے، گو وضو سے کہنا بہتر ہے (۳)۔

=(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس: ۸/۳۵۲،رشيديه)

"ولايكلم الأجنبية إلا عجوزاً عطست أو سلّمت، فيشمتها ويرد السلام عليها، وإلا لا، انتهى، وبه بان أن لفظة "لا" في نقل القهستاني، ويكلمها بمالا يحتاج إليه زائدة،فتنبه".

"(قوله: زائدة) يبعده قوله في القنية رامزاً: ويجوز الكلام المباح مع امرأة أجنبية اهـ. و في المجتبى رامزاً: وفي الحديث دليل على أنه لابأس بأن يتكلم مع النساء بمالايحتاج إليه، وليس هذا من الخوض فيما لايعنيه إنما ذلك في كلام فيه إثم. آهـ". فالظاهر أنه قول آخر أو محمول على العجوز تأمل، و تقدم في شروط الصلوة أن صوت المرأة عورة على الراجح، و مر الكلام فيه فراجعه". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۹،سعيد)

(۱) "اتقوا مواضع التهم". ذكره في الإحياء. و قال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتهم"، و رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم فلا يلومنّ مَن أساء الظن به". و روى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب: قال: "وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمة ...... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ مَن أساء به الظن". (كشف الخفاء: ۱/۴۴، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن و يحفظن فروجهن و لا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾. (سورة النور: ۳۱)

"عن نبهان مولى أم سلمة أنه حدث أن أم سلمة –رضي الله تعالىٰ عنها– حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ميمونة –رضي الله تعالى عنها–قالت: فبينما نحن عنده أقبل ابن أم مكتوم رضي الله تعالىٰ عنه، فدخل عليه، –وذلك بعد ما أمرنا بالحجاب– فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا و لا يعرفنا؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أو عمياوان أنتما؟ ألستما تبصرانه"؟ ثم قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح". (تفسير ابن كثير: ۳/۳۷۸، دار الفيحاء دمشق)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :قال لا يؤذن إلا متوضيء". =

امر ششم کے متعلق یہ ہے کہ بضرورتِ مرض حقہ پینا درست ہے اور تازہ کر کے پیا جائے اور دوا کے طور پر ضرورت کے موافق لیا جائے تو بلا ضرورت یا ضرورت سے زائد نہیں پینا چاہیئے، نیز مسجد میں منہ، مسواک وغیرہ سے صاف کر کے آنا چاہیے، بلا منہ صاف کئے بدبودار منہ سے مسجد میں آنا جائز نہیں (۱)۔

محلہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ منع ہے (۲)، اگر اس امام سے بہتر امامت کا اہل موجود ہو تو اس کو امام

= (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی کراهية الأذان بغير الوضوء: ۱/۵۰، سعيد)

"ولايكره أذان المحدث في ظاهر الرواية، هكذا في الكافي. وهو الصحيح، كذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن: ۱/۵۴، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱۹۷، ۱۹۹، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعيد)

(۱) "وفي الأشباه في قاعدة: الأصل الإباحة أو التوقف .... قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن، فتنبه، وقد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقًا له بالثوم والبصل بالأولى، فتدبر". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "قال أبو السعود: فتكون الكراهة تنزيهيةً، والمكروه تنزيهًا يجامع الإباحة. اهـ. وقال: ويؤخذ منه كراهة التحريم في المسجد للنهي الوارد في الثوم والبصل، وهو ملحق بهما، والظاهر كراهة تعاطيه حال القرأة لما فيه من الإخلال لتعظيم كتاب الله تعالى. اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۶/۴۶۰، ۴۶۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأشربة: ۴/۲۲۷، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لافي مسجد الطريق أو مسجد لاإمام له ولامؤذن". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد محلة ولوبدون أذان، ويؤيده مافي الظهيرية: لودخل جماعة المسجد بعد ماصلى فيه يصلون وُحداناً، وهو ظاهر الرواية اهـ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

بنالیا جائے (۱)، آپس میں تفریق کرکے دو جماعتیں نہیں کرنی چاہئیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۱۳۵۵ھ۔

بینا ونابینا میں امام کون ہو؟

سوال[۲۷۲۷]: ۱...... زید نابینا غیر متقی، عمر بینا متقی کی موجودگی میں نماز پڑھاتا ہے، یہ صورت بہتر ہے یا نہیں؟

۲...... نابینا اور بینا دونوں ایک درجہ رکھتے ہیں، نماز پڑھنا کس کے پیچھے افضل ہے؟

۳...... اقتداء مطلقاً نابینا اور بینا میں کیا فرق ہے؟

دوست محمد، پرانی منڈی سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... نابینا اگر گلی کوچے میں پھرتا ہے اور ناپاکی سے احتیاط نہیں کرتا تو اس کی امامت مکروہ ہے، بینا میں اگر وہ خرابی موجود نہیں جو نابینا میں ہے نہ اس کے مثل، نہ اس سے بڑی کوئی خرابی موجود ہے تو ایسی حالت میں نابینا کو امام بنانا ممنوع ہے چاہیے کہ ایسی حالت میں بینا ہی کو امام بنایا جائے۔ البتہ اگر نابینا سب نمازیوں سے افضل ہو علم وعمل وتقوی کی حیثیت سے، ناپاکی وغیرہ سے احتیاط کرتا ہو تو پھر ایسے نابینا کی امامت مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے:

" ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى، إلا أن یکون: أی غیر الفاسق أعلم القوم

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه عن الفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۲۲۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يدالله على الجماعة". (جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب في لزوم الجماعة: ۲/۳۹، سعید)

فهو أولىٰ، قيد كراهية إمامة الأعمىٰ في المحيط وغيره: بأن لايكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولى". درمختار وشامی: ۱/۵۸۲(۱)۔

اور بصورتِ کراہت اگر نابینا کی علیحدگی میں فتنہ ہوتو مجبوری تا انتظام ثانی نابینا ہی کو امام بنالیا جائے (۲)۔

۲.....تمام اوصاف میں بالکل مساوی ہوں کسی قسم کا کوئی فرق کی زیادتی کا ادنیٰ سا بھی نہ ہو (اگر چہ یہ دشوار ہے) تو بینا کی امامت افضل ہے (۳)۔

۳.....اوپر کے دونوں جوابوں سے فرق واضح ہوگیا، مستقل فرق کی علیحدہ ضرورت نہیں رہی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۸ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۱۳۵۸ھ۔

جس کو ایک آنکھ سے نظر آتا ہو اس کی امامت

سوال [۲۷۲۸]: ہماری بستی میں مسجد کے امام صاحب کی ایک آنکھ میں کسی وجہ سے نقص ہوگیا اس لئے اس کو آپریشن کی ضرورت ہوئی اور اسی حالت میں امام صاحب کی آنکھ بے کار ہوگئی، لیکن دوسری آنکھ بالکل

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/۶۶۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه، مثل أن يُوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلائها، وإن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۴۸، ۵۴۹، سعید)

(۳) "قال في شرح المقاصد: ينحل عقد الإمامة بمايزول به مقصود الإمامة.........كالعمىٰ والصمم والخرس. اهـ". (رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعید)

صحیح سالم ہے، کتاب وغیرہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے تو اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اتنی سی بات کی وجہ سے اس کی امامت ناجائز نہیں کہی جائے گی کہ اس نے آنکھ میں آپریشن کرایا ہے اور ایک ہی آنکھ سے اس کو نظر آتا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک آنکھ اور ایک ہاتھ والے کی امامت

سوال [۲۷۲۹]: جو ایک ہاتھ اور ایک آنکھ سے معذور ہے، معلوم نہیں کہ استنجا ٹھیک سے کرتا ہے یا نہیں، وضو کا معلوم ہے کہ ایک فریضہ ترک ہو جاتا ہے، یعنی چوتھائی سر کا مسح اور ہاتھ کہنیوں تک نہیں دھلتے بعض مرتبہ ٹخنوں تک پیر بھی نہیں دھلتے، ایسی حالت میں ان کے پیچھے نماز پڑھنا کہ ان سے بہتر نماز پڑھانے والا کوئی نہ ہو تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ مسح نہ کرنے کی وجہ سے وضو کامل نہیں کر سکتے تو ان کو امام بنانا جائز نہیں (۲)، خواہ دوسرا آدمی

---

(۱) چونکہ دونوں آنکھوں سے اندھا شخص اگر شرائط امامت سے متصف ہو تو اس کو امامت کے لئے بڑھانے دوسروں کی بنسبت افضل ہے، لہٰذا جس شخص کی صرف ایک آنکھ کی بینائی نہ ہو اور متصف ہو شرائط امامت کے ساتھ تو وہ بطریق اولیٰ احق بالامامت ہے: "ویکرہ إمامة عبد ...... وأعمی". قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "قيّد كراهة إمامة الأعمیٰ فی المحيط وغيره: بأن لايكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولی". (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

"والأعمی: لأنه لايتوقی النجاسة، ولايهتدی إلی القبلة بنفسه، ولايقدر علی استيعاب الوضوء غالبًا." (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امداديه، ملتان)

(وكذا فی الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركت علميه)

"وتجوز إمامة الأعرابی والأعمیٰ ... كذا فی الخلاصة". (الفتاوی العالمكيرية، الفصل الثالث فی بيان من يصلح إماما لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(۲) "وعن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لاتقبل صلوة بغير طهور، =

ان سے بہتر امامت کے لائق موجود ہو یا نہ ہو، اگر دوسرا آدمی موجود نہیں تو اس کا انتظام کیا جائے، انتظام نہ کرنے کی وجہ سے سب ہی محلّہ کے لوگ قصوروار ہیں۔ معذورِ شرعی کی امامت کا ناجائز ہونا کتبِ فقہ شامی وغیرہ میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۱۳۹۲ھ۔

اندھے جھوٹے کی امامت

سوال [۲۷۳۰]: کوئی شخص اندھا ہو اور امامت کرتا ہو، یا قراءت غلط پڑھتا ہو، ہدایت کرنے پر عمل نہ کرتا ہو اور جھوٹ بولتا ہو، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر بوجہ ثواب جماعت کی نماز پڑھے اور نماز اپنی دہرا لے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک کوئی ایسی چیز معلوم نہ ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو نماز ادا ہو جائے گی (۲)، ہاں! اگر

= ولا صدقة من غلول". (مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء، الفصل الأول: ۱/۴۰، قديمي)

"فرض الوضوء غسل الوجه واليدين مع المرفقين، ومسح الرأس، وغسل القدمين مع الكعبين". (التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول: ۱/۸۷، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطهارة: ۱/۹۵، سعيد)

(۱) "وكذا لايصح الاقتداء بمجنون ...... ولا طاهر بمعذور". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۴۰، امداديه)

(۲) "صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى عليه: "أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لاينال كما ينال خلف تقيّ ورع". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

"وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى ...... وإن تقدموا جاز، لقوله عليه السلام: =

کوئی چیز ایسی معلوم ہو مثلاً قرأۃ میں ایسی غلطی کی جس سے معنی بگڑ گئے یا اس کے جسم یا کپڑے پر نجاست مانعہ موجود تھی تو نماز نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھنا ضروری ہے(۱)۔ جب کہ دوسرا شخص صحیح پڑھنے والا طہارت ونماز کے مسائل سے واقف، متبع سنت امامت کیلئے موجود ہو تو جھوٹ بولنے والے غلط قرأت کرنے والے نابینا کو امام بنانا مکروہ ہے(۲)۔ جب تک بہتر امام کا انتظام نہ ہو تو ایسی موجودہ صورت میں امام مذکور کے پیچھے نماز ادا کرلی

= صلوا خلف کل بر وفاجر". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امدادیه، ملتان)

"ینبغی أن یکون محل الکراهة عند وجود غیرهم، لاما إذا لم یوجد غیرهم". (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۴، امدادیه، ملتان)

وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشیدیه)

(۱) "ولا یصح الاقتداء غیر الألثغ به: أی بالألثغ علی الأصح .... ولا تصح صلاته إذا أمکنه الاقتداء بمن یحسنه أو ترک جهده. .... وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف أو لا یقدر علی إخراج الفاء إلا بتکرار". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/۵۸۱، سعید)

"و إذا ظهر حدث إمامه و کذا کل مفسد فی رأی مقتدٍ، بطلت، فیلزم إعادتها لتضمنها صلاة المؤتم صحةً و فساداً، کما یلزم الإمام إخبار القوم إذا أمّهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو رکن". (الدر المختار).

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی علیه: "فلو قال المصنف کما فی النهر: ولو ظهر أن بإمامه ما یمنع صحة الصلاة، لکان أولی، لیشمل ما لو أخل بشرط أو رکن. وإلی أن العبرة برأی المقتدی حتی لو علم من إمامه ما یعتقد أنه مانع و الإمام خلافه، أعاد". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۴۰، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۵، امدادیه، ملتان)

(۲) "ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی .... هذا إن وُجد غیرهم، وإلا فلا کراهة". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنّةٌ مؤکدة: ۱/۱۰۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۳۴، امدادیه، ملتان)

جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مقطوع الید کی امامت

سوال[۲۷۳۱]: ۱......مقطوع الید کی امامت کا کیا حکم ہے؟

۲......اگر عرصۂ دراز تک اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، بعد میں کچھ خود غرض کسی وجہ سے مقطوع الید ہونے کا الزام دے کر خود بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں دوسروں کو بھی روکتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ اکثر سر برآوردہ علماء کے دستخط ثبت ہوں۔

نیاز مند خادم: نور محمد سہارنپوری، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر وہ شخص طہارت اور پاکی ٹھیک طور پر کر لیتا ہے اور اس کا اہتمام رکھتا ہے تو اس کی امامت شرعاً درست ہے ورنہ مکروہ ہے صحیح اور سالم کی امامت بہر حال اولیٰ ہے:

"وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص". وفي رد المحتار: "فالاقتداء بغيره أولى، تاتارخانية. وكذا أجزم ومجبوب وحاقن ومن له يد واحدة، فتاوى الصوفية عن التحفة. والظاهر أن العلة النفرة، ولذا قيد الأبرص بالشيوع، ليكون ظاهراً ولعدم إمكان إكمال الطهارة أيضًا في المفلوج والأقطع، اهـ" ردالمحتار: ۱/۵۸۷(۲)۔

---

(۱) "فإن أمكن الصلوة خلف غيرهم، فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. ...... وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم، وإلا فلا كراهة كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۴، امداديه، ملتان)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الباب العاشر، أنواع الصلوة، المبحث الثاني: الإمامة، مكروهات الصلوة في المذاهب: ۲/۱۲۱۰، ۱۲۱۱، رشيديه)

۲.....اختلاف سے بچنا چاہیئے، اگر اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے کوئی شرعی عذر مانع ہو تو اتفاق کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو امام مقرر کرلیا جائے (۱) محض خودغرضی کی بناء پر اختلاف پیدا کرنا گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲۱/ ۱۳۵۵ھ۔

ایک ہاتھ سے معذور کی امامت

سوال [۲۷۳۲]: ایک شخص صالح پابندِ شرع ہے، حافظ قرآن ہے، مجبوری یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے معذور ہے، صرف بائیں ہاتھ سے سب کام کرتا ہے، کم گو اور صفائی پسند ہے۔ تو ایسے حافظ کی امامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام داہنے ہاتھ سے معذور ہو، اور طہارت وصفائی پوری طرح کرلیتا ہو اور اس میں امامت کی صلاحیت ہو اس کی امامت شرعاً درست ہے اگرچہ ایسے شخص کی امامت اولیٰ ہے جو معذور نہ ہو، حق تعالیٰ آپ کے امام صاحب کو صحت وتندرستی دے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لنگڑے کی امامت

سوال [۲۷۳۳]: زید امام مسجد کے پاؤں میں کچھ کجی واقع ہے جس کی وجہ سے تو چلنے میں سالم پاؤں

---

(۱) (راجع، ص: ۳۰۳، رقم الحاشية: ۲)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولاتفرقوا﴾ ... العلامة القرطبي: "قوله: (ولا تفرقوا) متابعين للهوى والأغراض المختلفة اهـ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۰۲/۴، سورة آل عمران، بيروت)

(۳) "والأعلم أحق بالإمامة، ثم الأقرأ، ثم الأورع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۰۷/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في النهر، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲۳۹/۱، امداديه)

زمین پر نہیں رکھ سکتا ہے مگر نماز پڑھاتے وقت سالم پاؤں زمین پر رکھتا ہے۔ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کراہت کے ساتھ یا بلا کراہت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن اگر سالم پاؤں زمین پر وقت سے رکھا جاتا ہے تو اس کے علاوہ دوسرے شخص کو امام بنانا اولیٰ ہے: "ولو كان بقدم الإمام عِوَج، فقام على بعضها، يجوز، وغيره أولى، اهـ". زيلعي: ۱/ ۱٤٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۶/ ۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۶/ ۱۳۵۷ھ۔

امامتِ مرتعش

سوال [۲۷۳۴]: اگر کسی کے ہاتھ میں رعشہ ہو یا پاؤں کے اکثر حصہ میں تو امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معمولی ہلتا ہو کہ ارکانِ نماز میں دشواری نہ ہوتی ہو تو امامت منع نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۶۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الباب العاشر، أنواع الصلوة، المبحث الثاني: الإمامة، مكروهات الصلوة في المذاهب: ۲/ ۱۲۱۱، طبع جديد رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/ ۸۵، رشيديه)

(۲) "الجواب: جس کے ہاتھ پیروں میں رعشہ ہو، اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔ فقط"۔ (فتاوی دار العلوم ديوبند: ۳/ ۱۰۴، مكتبه امداديه ملتان)

مفلوج کی امامت

سوال[۲۷۳۵]: مندرجہ ذیل مذکورین میں کس کی امامت درست ہے اور کس کی نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

۱-جس کے کسی ہاتھ پیر پر فالج ہو۔ ۲-یا قدرتی طور پر ہاتھ خشک ہوگیا ہو۔

۳-جس کے پیر پر فالج ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱-اگر وہ ہاتھ کام نہ دیتا ہو تو اس شخص کی امامت مکروہ ہے۔

۲-اس کی امامت مکروہ ہے۔

۳-اگر پیر کارآمد نہیں یعنی بدن کا وزن برداشت نہیں کرتا تو اس شخص کی امامت مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۳/۹/۹۱ھ۔

ابرص اور جذامی کی امامت

سوال[۲۷۳۶]: مبروص اور جذامی کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ یعنی (مبروص اور جذامی) کو امام بنانا کیسا ہے؟ جواب کتاب کے حوالہ سے ہو۔

راقم: عبدالقدوس از بکین گنج۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کو برص ہو اور برص بھی معمولی نہ ہو بلکہ بدن میں شائع ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اس

---

(۱) "وكذا تكره خلف مفلوج وأبرص شاع برصه، وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولى ولعدم امكان إكمال الطهارة أيضاً في المفلوج والأقطع ... الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۲، إدارة القرآن)

کوامام بنانا مکروہ ہے، کذا فی ردالمحتار: ۱/۳۷۸(۱)۔ جذامی کا درجہ تو اس معاملہ میں ابرص سے بڑھا ہوا ہے کہ جذام اگر شائع ہو اور ہر وقت ٹپکتا ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں آنا منع ہے، اس سے جماعت بھی ساقط ہے، وہ امام بھی نہیں بنایا جاسکتا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اعمیٰ وابرص کی امامت

سوال[۲۷۴۷]: وہ فہرست جن کو امامت کرنا مکروہ ہے، اس میں اعرج، ابرص داخل ہیں کہ نہیں، اگر داخل ہیں تو کیا تفصیل ہے؟ نیز یہ کراہت اس کے مقابل میں اگر کوئی اعلم بالسنۃ موجود ہو تب ہے یا علی الاطلاق؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درمختار میں ابرص بھی مذکور ہے، شامی میں ہے: "قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهراً". (۳)،

---

(۱)(الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، المبحث الثاني: الإمامة، مكروهات الإمامة في المذاهب: ۲/۱۲۱۰، ۱۲۱۱، رشيديه)

(۲)"وكذا تكره خلف أمرد وسفيه، ومفلوج، وأبرص شاع برصه. آهـ". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: ومفلوج وأبرص شاع برصه)........ وكذا أجذم، بيرجندي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

"وكذالك القصاب والسماك، والمجذوم، والأبرص أولىٰ بالإلحاق". .... "(أي بأكل الثوم ونحوه) وقال سحنون: لأرى الجمعة عليهما". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الفصل العاشر: ۲/۱۲۱۱، رشيديه)

(۳) "وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: =

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اعرج کی امامت خلافِ اولیٰ ہے(۱)، اعمیٰ واعرج عامل بالسنۃ ہوں تو ان کی امامت عالم بالسنۃ غیر عامل بالسنۃ کے مقابلہ میں راجح ہے۔ ابن ام مکتوم اور عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی امامت دلیلِ ترجیح ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

بہرہ کی امامت

سوال[۲۷۳۸]: ایک عالم بالکل بہرہ ہے وہ امامت کرتا ہے، تکبیر ہوتے وقت نیت باندھ لیتا ہے،

= "ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهراً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الباب العاشر: أنواع الصلوة، المبحث الثاني: الإمامة، مكروهات الصلاة في المذاهب: ۲/۱۲۱۰، ۱۲۱۱، رشيديه)

(۱) "وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه، فالاقتداء بغيره أولىٰ، تاتارخانية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(۲) "وكره إمامة العبد والأعرابي والمبتدع والأعمى؛ لأنه لا يتوقى النجاسة، و لا يهتدى إلى القبلة بنفسه، و لا يقدر على استيعاب الوضوء غالباً. وفي البدائع: إذا كان لا يوازيه غيره في الفضيلة في مسجده فهو أولىٰ. وكذا في المحيط. و قد استخلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابن أمّ مكتوم و عتبان بن مالك -رضي الله تعالىٰ عنهما- على المدينة و كانا أعميين". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنّة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بعض اوقات تکبیر ختم ہوگئی اور وہ کھڑا ہے، جب لوگ اشارہ کرتے ہیں تو نیت باندھ لیتا ہے۔تو کیا اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی اور اسے امام رکھنا مناسب ہوگا جبکہ شہر میں اَور بھی عالم ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بہرہ آدمی نماز پڑھادے تب بھی درست ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کبھی اس کو لقمہ دینے کی ضرورت پیش آئے اور وہ نہ سنے (۱)، اس لئے افضل یہ ہے کہ جو شخص بہرہ نہ ہو اور امام کی صفات اس میں موجود ہوں اس کو امام بنایا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۴ھ۔

مصنوعی دانت والے کی امامت

سوال [۲۷۳۹]: اگر امام چوکڑہ لگانے والا ہو اور مقتدی دانت رکھنے والے ہوں تو کیا ایسی صورت میں امام معذور کی تعریف میں داخل ہوگا، ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا امام معذور نہیں۔اس کی امامت درست ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) (راجع فتاویٰ دار العلوم دیوبند، باب الإمامة: ۱۸۲/۳، مکتبه امدادیه، ملتان)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۲۶۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) قال المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ: "الجواب: درست ہے، فقط، اس لئے کہ دانت لگوانا فقہاء نے درست لکھا ہے، خواہ وہ چاندی کا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ امام محمد سونے کا دانت لگوانا بھی درست کہتے ہیں: إذا جدع انفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سناً اخر، فعند الإمام يتخذ ذالک من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضاً. [ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۱۸/۵، ظفير]". (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، باب الإمامة: ۲۰۶/۳، مكتبه إمدادیه، ملتان)

مصنوعی دانت والے امام کے پیچھے نماز

سوال[۲۷۴۰]: زید ایک مسجد کا امام ہے اس کے دانتوں میں درد شدید رہتا ہے، ڈاکٹر کے مشورہ سے تمام دانت نکلوا کر مصنوعی دانت پتھر کے لگالئے، دانت لگانے کی وجہ سے حروف صحیح نہیں نکلتے۔ آگاہ فرمایا جائے کہ مصنوعی دانت لگانے سے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، جب کہ یہ امام بتیس چونتیس سال سے امامت کررہا ہے؟ کیا مصنوعی دانت لگانے کی وجہ سے اس امام کا عزل جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پتھر کے مصنوعی دانت لگوانے کی وجہ سے امامت میں خرابی نہیں ہوتی (۱)، اس بناء پر اس کا عزل صحیح نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عبد الرحمن بن طرفة أن جده عرفجة بن السعد قطع أنفه يوم الكلاب، فاتخذ أنفاً من ورق فأنتن عليه، فأمره النبي صلى الله عليه وسلم، فاتخذ أنفاً من ذهب". (سنن أبي داؤد، أول كتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب: ۲/ ۲۳۰، امدادیہ، ملتان)

"إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سناً آخر، فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمد رحمة الله عليه من الذهب أيضاً، آه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۲، سعید)

(۲) "واستفيد من عدم عزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة و عدم أهلية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلاجنحة وعدم أهلية: ۴/ ۳۸۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۸۰، رشیدیہ)

الفصل السادس فی إمامة الصبی

(نابالغ کی امامت کا بیان)

امامت صبی

سوال[۲۷۴۱]: رمضان شریف میں نابالغ بچوں کے پیچھے بعض لوگ قرآن پاک سننے کے لئے نفل کی نیت کر لیتے ہیں، کیا ان لوگوں کی نمازیں ہو جاتی ہیں جبکہ بچہ امامت کا اہل نہیں اگر نہیں ہوتی ہے تو کیا پھر اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحیح قول یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغ کو نفل میں بھی اقتدا کرنا صحیح نہیں (۱)، اگر ایسا کر لیا گیا ہے تو نفل کا اعادہ احتیاطاً کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بالغ کی نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم

سوال[۲۷۴۲]: نابالغ کی اپنی فرض نماز فرض قرار دی جائے گی یا نفل وسنت؟ اگر نفل وسنت ہے تو نابالغ کا امام بننا اور بالغ کا اس کا اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولا يصح اقتداء البالغ غير البالغ في الفرض وغيره وهو الصحيح؛ لأن صلاة البالغ أقوى للزومها". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۷، ۵۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

(۲) (انظر رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ پر نماز فرض نہیں، لہذا بالغ کو نابالغ کی اقتدا کرنا درست نہیں: "فلا يصح اقتداء بالغ بصبي مطلقاً سواء كان في فرض؛ لأن صلوة الصبي ولو نوى الفرض نفلٌ أو في نفل؛ لأن نفله لا يلزمه". طحطاوی، ص: ۱۵۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کی امامت صرف نماز جمعہ مسجد میں ادا کرنا

سوال [۲۷۴۳]: ایک محلہ میں قدیم زمانہ سے محلّہ کے باہر ایک مسجد بنی ہوئی ہے مگر مسجد میں پنجگانہ نماز پابندی سے نہیں پڑھی جاتی، بلکہ صرف جمعہ کے روز کچھ مخلوقِ خدا جمع ہو جاتی ہے اور نماز جمعہ ادا کر لیتی ہے، مگر ہمیشہ جھگڑا برپا ہوتا رہتا تھا، چونکہ امام صاحب کے بلوغ میں شبہ تھا اور قرأت صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے اور مسائلِ صلوۃ سے بھی ناواقف تھے۔ بناءً علیہ ایک روز نمازیوں نے متولی سے شکایت کی کہ اس امام موصوف بصفات کذائیہ کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی، لہذا ہمارے لئے کوئی دوسرا امام تجویز فرمائیں تو ان کے جواب میں متولی کی طرف سے ایک معتمد علیہ شخص بول اٹھے تھے کہ مسجد تمہارے لئے نہیں بنائی گئی، اگر مرضی ہو تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، ورنہ تمہاری مرضی کے مطابق دوسرا امام ہرگز نہیں دیا جائیگا، ان کی اس ترش روئی پر متولی بھی خاموش رہ گئے تھے۔

اس اثناء میں اکثر لوگ مسجد مذکور سے انحراف کر گئے تھے اور دوسری مساجد میں نماز جمعہ پڑھنے لگے تھے مگر اپنے مشاغلِ ذاتیہ اور دیگر اغراض کی وجہ سے اتنے فاصلہ میں جا کر نماز پڑھنے سے ازحد تکلیف ہوتی تھی اور ادھر متولی صاحب بھی بُرے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے اور پھر حضور مسجد مذکور پر عار دلایا کرتے تھے۔ الغرض مختلف تکالیف جھیلنے کے بعد علمائے کرام کے مشورہ پر محض لوجہ اللہ ایک مسجدِ جدید تعمیر کرائی گئی، چنانچہ

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۸، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ۱/۶۲۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۱، امداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۴، شركة علميه ملتان)

بانیانِ مسجد جدید محض لوجہ اللہ تعمیر کرنے پر اور بغض وعداوت نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں اور حلف اٹھاتے ہیں اور امام ومؤذن بھی بدستور متعین ہیں اور پنجگانہ نماز باجماعت پابندی سے ہوتی ہے، نیز مدرسہ اسلامیہ سے ملی ہوئی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں مساجد کا شرعاً کیا فیصلہ ہے؟ ہر ایک کا حکم الگ الگ مفصلاً مع حوالہ وتعینِ صفحات بیان فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

محمد ابراہیم عفا اللہ عنہ، برما۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں صرف نماز جمعہ پڑھنا اور پنجگانہ نماز اس میں نہ پڑھنا درحقیقت ہفتہ بھر میں ایک روز بلکہ ایک وقت آباد رکھنا اور باقی ایام واوقات میں اس کو ویران وغیر آباد رکھنا ہے جو کہ سخت مذموم وممنوع ہے(۱)، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ پنجگانہ نماز بھی اس میں پڑھ کر آباد رکھیں۔ اور نابالغ امام کے پیچھے نماز ناجائز ہے(۲)، اگر درحقیقت وہ امام نابالغ ہے تو اس کو تبدیل کرنا اور دوسرا بالغ وصالح امام مقرر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح پر جو شخص قرأت صحیح نہیں کرتا اس کو بھی امام نہیں بنانا چاہیئے، کیوں کہ بسا اوقات قرأت میں غلطی سے نماز

---

(۱)قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴، الآية)

"﴿وسعى في خرابها﴾: أى هدمها وتعطيلها. وقال الواحدى: إنه عطف تفسير؛ لأن عمارتها بالعبادة". (روح المعاني للعلامة الآلوسي: ۱/۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وليس المراد مِنْ عمارتها زُخرفتها وإقامة صورتها فقط. إنما عمارتها بذكر الله فيها، وإقامة شرعه فيها، ورفعها عن الدنس والشرك". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۱۷، دار الفيحاء دمشق)

(۲)"فلا يصح اقتداء بالغ بالصبي مطلقاً سواء كان في فرض؛ لأن صلوة الصبي ولو نوى الفرض نفلٌ أوفي نفل؛ لأن نفله لا يلزمه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۸۸، قديمى)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۶،۵۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

فاسد ہو جاتی ہے اور غلط پڑھنا گنہ ہر حال میں ہے۔ نیز امام کا مسائل نماز سے بھی بقدرِ ضرورت واقف ہونا لازم ہے، اگر فی الواقع امام مذکور ایسا ہی ہے تو اس کو بدل کر دوسرا امام بنانا اور اس کا مطالبہ کرنا بالکل صحیح اور حق ہے، اس پر ترش رو ہونا اور ایسا سخت جواب دینا شریعت اور انسانیت کے خلاف ہے(۱)۔

جب دوسری مسجد با قاعدہ مسجد بن گئی اور وقف ہوگئی تو وہاں کے مسلمانوں کے ذمہ دونوں کو آباد رکھنا لازم ہے، اور جہاں تک ہو سکے سب کو اتحاد و اتفاق سے رہنا اور متحدہ طریقہ سے احکامِ خداوندی کا عمل کرنا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۷/۱۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

امامتِ امرد

سوال[۲۷۴۴]: لڑکا اگر چہ بالغ ہوگیا مگر امرد ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط إجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دارإحياء التراث بيروت)

(۲) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية والناحية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۶/۳۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وانظر أيضاً، ص: ۳۱۳، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے، مگر غیر امرد اس سے مقدم ہے، خاص کر جبکہ وہ امرد صبیح وملیح ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ علیه: "(قوله: وكذا تكره خلف أمرد) الظاهر أنها تنزيهيته أيضاً. والظاهر أيضاً كما قال الرحمتي أن المرادبه الصبيح الوجه؛ لأنه محل الفتنة". (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۳۰۳، قديمى)

الفصل السابع فی عزل الإمام وتحقیره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

امام باصلاحیت ہو تو اسے امامت سے ہٹانا

سوال[۲۷۴۵]: مسجد کے امام صاحب باصلاحیت دیوبندی عقائد کے ہیں، چند آدمی ان سے ناراض ہیں، اکثر آدمی امام صاحب سے خوش ہیں، ان کی تنخواہ بھی روک لی ہے۔ کہتے ہیں کہ امام نے نماز فی سبیل اللہ پڑھائی ہے، امام کئی ماہ صبر وتحمل سے گذار چکا ہے۔ کیا ان کی تنخواہ بلا عذر روکی جاسکتی ہے اور ان کو منصبِ امامت سے ہٹایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب امام میں کوئی شرعی نقص نہیں اور اس سے اصلاح بھی ہورہی ہے، نیز اکثر مقتدی خوش ہیں تو امام کو ہرگز الگ نہ کیا جائے (۱)، اس کی ضروریات پوری ہونے کیلئے تنخواہ بھی دی جائے (۲)۔ ایک آدمی کو یہ حق نہیں کہ امام کو الگ کردے بلکہ بلاقصور کسی کو بھی حق نہیں۔ امام میں کوئی قصور اور کمی ہو تو اس کو لکھ کر دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "استفید من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحةٍ عدمُها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم أهلیة".
(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایصح عزل صاحب وظیفة بلاجنحة، أوعدم أهلیة: ۳۸۲/۴،سعید)
(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۸۰/۵،رشیدیه)

(۲) "ثم ماهو أقرب إلی العمارة و أعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلی قدر کفایتهم .... وظاهر تقدیم الإمام والمدرس علی جمیع المستحقین بلا شرط". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

"وکذا ینبغی أن تؤخذ الوظیفة أیضاً، لاسیما إذاکان مدرساً، إذ المقصود یقوم به". (البحر الرائق، کتاب الوقف، ۳۸۰/۵، رشیدیه)

بلا وجہ شرعیہ دوسرا امام بنانا

سوال[۲۷۴۶]: ۱..... سابقہ امام مسجد متولی کے بجائے اپنے برادر کو امام مسجد بنانا چاہتا ہے حالانکہ سابق امام سے کم علم رکھتا ہے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

ضد کی وجہ سے امام تبدیل کرنا

سوال[۲۷۴۷]: ۲..... کیا سابق امام اور سابق امام کے والد جس کو عرصہ ۶۵/ سال اور سابق کے پسر جس کو عرصہ ۲۲/ سال سے زائد امامت کراتے ہوئے گذرا ہو اور ان کا کوئی حقِ امامت اس مسجد میں نہیں رہا کیونکہ اس وقت مسجد کے تعمیر کنندہ کا خیال ہے کہ میں نے مسجد کی تعمیر صرف اس خیال پر کی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص امامت نہ کرائے آیا۔ ایسی مسجد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱..... جب زیادہ علم والا امامت کا اہل موجود ہو تو اس کو امام بنانا افضل اور اَولیٰ ہے بہ نسبت کم علم کے، گو نماز دونوں کے پیچھے درست ہے بشرطیکہ کوئی اور مانع شرعی موجود نہ ہو(۱)۔

۲..... بلا وجہ شرعی امام سابق کو علیحدہ نہیں کرنا چاہئے (۲) اور نیت مذکورہ سے مسجد بنانا ثواب کا کام نہیں

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، شركة علميه، ملتان)

(۲) "(تنبيه) قال في البحر: استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، أو عدم أهلية: ۴/۳۸۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۰، رشيديه)

بلکہ ضد ہے جو کہ گناہ ہے(۱)، تاہم اگر وہ باقاعدہ وقف اور مسجد ہے تو اس میں نماز درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/صفر/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

ایک شخص کے ناخوش ہونے پر امام کی علیحدگی

سوال[۲۷۴۸]: کسی مسجد کے امام صاحب کو بلا کسی ظاہری سبب کے ایک آدھ آدمی کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کیا امام کو امامت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ شخص وجہ خلاف ہی نہ بتلاتا ہو اور امام عالم بھی ہو، گاہ بگاہ مسائل ضروری و وعظ و نصائح سے قوم کو آگاہ کرتا ہو؟ باطن کا حال اللہ کو معلوم ہے امام صاحب شکل وصورت اور لباس وغیرہ میں پابندِ شرع بھی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا وجہ شرعی کسی متبع سنت، صحیح العقیدہ، صحیح پڑھنے والے امام کے پیچھے اگر کوئی شخص طبعی کراہت وناگواری کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کی وجہ سے ایسے امام کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ مقتدی کو تفہیم کی جائے گی(۳)،

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "(ويزول ملكه عن المسجد والمصلى) بالفعل و (بقوله: جعلته مسجداً) عند الثاني (وشرط محمد) والإمام (الصلاة فيه) بجماعة". (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب في أحكام المسجد، ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الوقف، فصل: إذا بني مسجداً لا يزول ملكه: ۷۴۷/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۱۴/۵، رشيديه)

(۳) "استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمُها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، أو عدم أهلية: ۳۸۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۰/۵، رشيديه)

وہ نہ مانے تو اس سے لڑنے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بلا وجہ امام کی مخالفت

سوال [۲۷۴۹]: ایک شخص کسی موضع میں بہت مدت سے عید کی نماز پڑھاتا ہوا آرہا ہے، اب امسال بروز عید نماز کے عین وقت پر ایک شخص باہر آکر مخالفت ظاہر کرے، یا امام صاحب کو حقیر سمجھ کر چند اشخاص قلیل الافراد کو ساتھ لے کر دوسری جگہ میں منجانب مالک وقف-معروف بالوقف نہیں بلکہ وقف ہی نہیں-نماز پڑھاتا ہے۔ آیا مطابق مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوازِ جمعہ کے لئے مسجد یا وقف معروف بالوقف شرط نہیں، جس بستی میں جمعہ جائز ہے وہاں بغیر مسجد کے بھی جائز ہوگا، پس اگر وہ بستی بڑی ہے جس کو مصر یا قصبہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی آبادی تین چار ہزار ہے اور اس میں بازار بھی ہے اور دیگر ضروریات، فصلِ خصومات وغیرہ کا بھی بندوبست ہے تو وہاں مسجد کے علاوہ بھی کسی دوسری جگہ مالک کی اجازت سے جمعہ درست ہے:

"وفي الفتاوى الغياثية: لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع -والقرية كبيرة لها قرى وفيها وال وحاكم- جازت الجمعة بنوا المسجد أولم يبنوا، وهو قول أبي قاسم الصغار، وهذا أقرب الأقاويل إلى الصواب انتهى، وهو ليس ببعيد مما قبله والمسجد الجامع ليس بشرط، ولهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى في فناء المصر وهو ما اتصل بالمصر معه المصالحة من ركض الخيل وجمع العساكر والمناضلة ودفن الموتى وصلوة الجنازة ونحو

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾ (سورة الفرقان: ۶۳)

ذلك؛ لأن له حكم باعتبار حاجة أهله إليه، وقدره محمد رحمه الله تعالى عنه بالغلوة، اه".

کبیری، ص: ۵۰۰ (۱)۔

اور جس بستی میں ایک جگہ جائز ہے وہاں ایک جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے: "وتؤدي: أي الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوى، اه". درمختار (۲)۔

اور عیدین کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں، پس اگر کسی بستی میں جمعہ جائز ہے تو عیدین بھی جائز ہے اور عید کے لئے وقف معروف بالوقف شرط نہیں، کسی اور جگہ بھی مالک کی اجازت سے درست ہے اور ایک بستی میں دو جگہ بھی درست ہے۔

"فتجب صلوتهما (أي العيدين) في الأصح على من تجب الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلوة العيد في القرى تكره تحريماً؛ لأنه اشتغال بمالا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة، اه". درمختار، ص: ۸۶۵ (۳)۔

"السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره يصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، اه". شامی، ص: ۸۶۷ (۴)۔

لیکن بلا وجہ شرعی کسی کو حقیر سمجھنا بڑا گناہ ہے (۵) اور بلا ضرورت جماعت میں تفریق ڈال کر دو جگہ عید

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۴۴، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۶، سعيد)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۹، سعيد)

(۵) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا لايسخر قوم من قوم عسىٰ أن يكونوا خيراً منهم﴾ (الحجرات: ۱۱)

"ينهى تعالىٰ عن السخرية بالناس، وهو احتقارهم والاستهزاء بهم كماثبت في الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنه قال: "الكبر بطر الحق، وغمص الناس". ويروى: "غمط الناس". والمراد من ذلك احتقارهم واستصغارهم، وهذا حرام". (تفسير ابن كثير: ۴/ ۲۷۰، مكتبة دار الفيحاء، بيروت)

کی نماز پڑھنا بھی برا ہے، اس سے احتراز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/صفر/۵۶ھ۔

امام کو برا کہہ کر نکال دینا

سوال[۲۷۵۰]: یہاں پر ایک چھوٹی سی بستی ہے، کل ۲۴/ گھر ہیں جس میں سے سات گھر بہت خلاف ہیں، یہاں پر ایک چھوٹی بستی کے حساب ایک پرانے وقتوں کی مسجد ہے جس کے پندرہ گھر تو خوب دل وجان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جو بھی پیش امام لاکر رکھتے ہیں، دوسرے لوگ اس کو برا بھلا کہہ کر نکال دیتے ہیں، یہ سات گھر نہ تو امام رہنے دیتے ہیں، نہ اس کی تنخواہ دیتے ہیں۔ اب اس وقت امام کی تنخواہ تین ماہ کی چڑھ رہی ہے اور ملا ان سے کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز تو کم از کم پڑھ لیا کرو تو کہتے ہیں کہ کوئی پابندی ہم پر نہیں، ایسا لکھا نہیں کہ نماز پڑھو، ہماری مرضی ہے پڑھیں یا نہ پڑھیں، اور شرک وکفر تو ان کے لئے بہت اچھا لگتا ہے۔

ھجن جانا، دیوی ماتا کو پوجنا، ہولی پر ڈھب بجانا، میلے میں جانا، ایسی باتوں کو ملا روکتا ہے تو ملا کی تنخواہ میں رکاوٹ کر کے آپس میں پھوٹ ڈال کر بہکا کر کے ملا کو پیسے نہیں ملیں گے تو بھاگ جائے گا۔ اس طرح یہاں سے چار پانچ ملا چلے گئے، ہم پندرہ گھر ہی ان کو پیسے دیکر رکھا کرتے ہیں تاکہ رمضان شریف میں تراویح اور عید کی نماز ہو جائے، ہم نے دو، چار لوگوں سے ان کے بارے میں بات چیت کی۔ ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے ہم سے کہا کہ ان لوگوں کا حوالہ اور نام لکھوا کر دیوبند بھیجو، ان کے نام فتویٰ بھیج دیں گے شریعت کے مطابق، ہم ان کو سنا دیں گے تو شاید ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور خدا کو پہچانیں اور ایمان لے آویں تو اچھا ہے ورنہ ان لوگوں کا حقہ پانی بند کر دیں گے۔

نہ ان کے یہاں درود و فاتحہ ہوتی ہے، سب کام ہندوؤں کے کرتے ہیں، دو آدمی سب سے زیادہ خراب ہیں: ایک فہد، ایک سفیرا۔ یہ دو آدمی ایسے ہیں کہ انہوں نے ۹/ ملا بھگا دیئے، یہ دو آدمی پانچ گھر تیلی کے

---

(۱) "وقال الله تعالیٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

"قوله: ﴿ولا تفرقوا﴾ أمرهم بالجماعة ونهاهم عن التفرقة، وقد وردت الأحاديث المتعددة بالنهي عن التفرق والأمر بالاجتماع والائتلاف". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۱۲، دار الفيحاء بيروت)

ہیں، ان کو بہکا کر اپنی طرف مائل کر کے ملا کی تنخواہ رُکوا کر پھوٹ کرتے ہیں، مسجد کو ویران کردیتے ہیں، ہم دس آدمیوں کی بس کی بات نہیں جو ملا کو رکھ سکیں، چھوٹی سی بستی ہے۔ ہمارے لئے ایسے آدمیوں کیلئے موافق شرع فتویٰ دیدیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، ہماری مسجد میں چراغ بتی عید وتراویح رمضان ہوجاوے گی، یہ اسلام کی بات ہے، آپ کی تعریف سُن کر آپ کا سہارا لیا ہے۔

ہم جاہلوں کو راستہ بتانا آدھا کام، عمل کرنا ہمارا کام ہے، یہ سات گھر کے آدمی ہیں: فہد، سفیرا، جھوٹیا، مداری، سبحان، بنور پیا، کڑوے آدمی ہیں، ۵/گھر تیلیوں کے ہیں، ایک لوہار کا، ایک شیخ کا۔ ہم ان پانچوں آدمیوں کے لئے آپ سے فتویٰ چاہتے ہیں، انکی آنکھیں کھولدیں، آپ کے لئے ہم اللہ سے دعاء مانگتے رہیں گے، ہماری مسجد آباد رہے گی تو خدا ہم کو بھی آباد رکھے گا، یہاں پر عید کی نماز ہوجائے گی، یہ سات گھر بہت جاہل ہیں ایک کتاب دیدیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ امام کو برا کہتے ہیں تاکہ وہ تنگ آکر چلا جائے اور مسجد ویران ہوجائے وہ بڑے ظالم گنہگار ہیں ان کو توبہ کرنا امام سے معافی مانگنا ضروری ہے (۱)۔ اور دیوؤں ماتا کے پوجنے سے تو ایمان ہی جاتا رہتا ہے (۲) ان کو کلمہ پڑھ کر نئے سرے سے مسلمان کیا جائے اور ان کے نکاح بھی دوبارہ پڑھائے جائیں (۳) ورنہ یہاں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه .... فقال له أصحابه: یارسول الله! هذه بهیمة لا تعقل تسجد لک، ونحن نعقل، فنحن أحق أن نسجد لک، فقال: "لایصلح لبشر أن یسجد بشر، ولو صلح بشر أن یسجد بشر الأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه علیها". (الحدیث) (مسند أحمد، (رقم الحدیث: ۱۲۲۰۳): ۳/۱۳۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"فمنها أنهم کانوا یسجدون للأصنام والنجوم، فجاء النهی عن السجدة لغیر الله، قال الله تعالیٰ: ﴿لا تسجدوا للشمس ولا للقمر. واسجدوا لله الذی خلقهن﴾ (سورة فصلت: ۳۷)

(۳) "یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک وبتجدید النکاح بینه وبین امرأته کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، منها ما یتعلق بتلقین الکفر قبیل الباب العاشر: بالارتداد: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

بھی وبال ہے اوران کے لئے آخرت میں بھی جہنم ہے (۱)۔ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم دین کے ذریعہ سے ان کو سمجھایا جائے، اگر نہ مانیں اور اپنی ضد پر قائم رہیں تو ان سے ترکِ تعلق کردیا جائے، بول چال بند کردی جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۷/ ۹۰ھ۔

جو شخص اپنی امامت پر مصر ہو اور مقتدی نہ چاہتے ہوں اس کی امامت

سوال [۱۷۵۱]: بہت سے مسلمان ایک شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے لیکن وہ شخص نماز پڑھانے پر مصر ہے، خون خرابہ کی نوبت ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ حکومت کو دفعہ ۱۴۴/ نافذ کرکے عیدگاہ میں نماز ادا کرنے سے روکنا پڑتا ہے، اور اس شخص کی ضد پر قوم دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے، عید کی نماز دو جگہ ادا کی جاتی ہے۔ شریعت کی رو سے امام کا یہ عمل کیسا ہے؟ شرعی نقطہ سے ایسے مواقع پر امام کا کیا فرض ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص میں شرعی خرابی ہو جس کی وجہ سے نماز اس کے پیچھے ادا نہ ہوتی ہو، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے (۳)، اس بناء پر اس کے پیچھے مسلمان نماز نہ پڑھنا چاہتے ہوں پھر بھی وہ نماز پڑھانے کے لئے ضد کرے تو

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من يشرك بالله، فقد حرم الله عليه الجنة، ومأوٰه النار، وما للظلمين من أنصار﴾ (سورة المائدة: ۷۲)

(۲) "قال الخطابي: رُخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقهما، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح للملا على القاری، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب باب ماينهى عنه من التهاجر: ۱۳۷/۲۲، مطبعه خيريه، بيروت)

(۳) "(ويكره إمامة فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر الخ .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲۴۲/۱، امداديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه)

شرعاً اس کی اجازت نہیں، حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے اور اس کی وجہ سے جو تفرقہ پیدا ہو، اس کی ذمہ داری اس شخص پر ہے، اس کو لازم ہے کہ فوراً امامت کو ترک کردے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرے(۱)۔ اگر اس کے اندر شرعی خرابی نہیں لیکن غلط اغراض کی وجہ سے لوگ اس کو امامت سے علیحدہ کرنا اور کسی غلط آدمی کو امام بنانا چاہتے ہوں تو وہ لوگ گنہگار اور سخت مجرم ہیں، ان کو توبہ واستغفار لازم ہے(۲)، وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة: من تقدم قوماً وهم له كارهون الخ". قال الشوكاني في "النيل": وأحاديث الباب يقوى بعضها بعضاً، فينتهض للاستدلال بها على تحريم أن يكون الرجل إماماً لقوم يكرهونه، ويدل على التحريم نفي قبول الصلاة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون: ۱/۳۳۱، امداديه)

"ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره ذلك تحريماً، لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/۲۴۲، إمداديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، إدارة القرآن)

(۲) "وقد سبق في كتاب الإيمان أن لها (أي التوبة) ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق .... واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً الخ". (الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

"ولو أمّ قوماً وهم له كارهون .... وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۲، امداديه)

"وقد قيد ذلك (أي الكراهة) جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي، فأما الكراهة لغير الدين، فلا عبرة بها. وقيدوه أيضاً بأن يكون الكارهون أكثر المأمومين، ولا اعتبار بكراهة الواحد و لاالاثنين والثلاثة إذا كان المؤتمون جمعاً كثيراً الخ". (بذل المجهود، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون: ۱/۳۳۱، امداديه)

اورامام سے معافی مانگیں فتنہ وتفرقہ برپا نہ کریں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱/۹۱ھ۔

مقتدیوں میں امام کے بارے میں اختلاف ہوتو کیا کیا جائے؟

سوال[۲۷۵۲]: کسی جگہ ایک مسجد ہے اورایک امام ہے،لوگ کسی وجہ سے اٹھانوے فیصدی اس کے خلاف ہیں اوردو فیصدی اس کے موافق ،دونوں پارٹیوں میں امام کی وجہ سے زبردست فساد ہونیکا اندیشہ ہے۔ایسے نازک دور میں امام کا اپنا کیا فرض ہے؟اس کواس مسجد میں رہنا چاہیئے یانہیں اوراس فساد کو جو کہ خود اس کی وجہ سے ہونا چاہتا ہے،کس طرح روک سکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اٹھانوے فیصدی کس وجہ سے اس کے خلاف ہیں،اگراس میں شرعی قباحت ہے تواس کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے،ایسی حالت میں اس کولازم ہے کہ امامت سے علیحدہ ہوجائے،یااس شرعی قباحت کودورکرے۔اگر اغراضِ نفسانیہ اورذاتی کاوشوں کیوجہ سے خلاف ہیں،یاوہ اہلِ باطل ہیں اورامام اہلِ حق میں سے ہے تو خودوہ لوگ گنہگار رہیں،ان کولازم ہے کہ ان حرکات سے بازآئیں اورامام کوراضی کریں۔بہرحال جس شخص کی غلطی ہوا س کوتائب ہونااورفتنہ وفساد سے اجتناب کرنا ازحد ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف غفرلہ، الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ،مظاہرعلوم سہارنپور،۲۴/۷/۶۴ھ

امام پرمقتدی کاحکم اوراس کوذلیل سمجھنا

سوال[۲۷۵۳]: امام پرمقتدی کوحکم کرنااورذلیل سمجھنا جائز ہے یانہیں؟

---

(۱) "ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد: "لايقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون". وإن هو أحقّ، لا، والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس، أما الكلام في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام پر حکومت کرنا اوران کو ذلیل سمجھنا ناجائز ہے(۱)، اگر امام میں کوئی بات خلاف شرع ہوتو اس کو تنہائی میں نرمی سے سمجھا دیا جائے تاکہ امام اپنی اصلاح کرلے اور امام کے ذمہ بھی ضروری ہے کہ حد شرع میں رہتے ہوئے مقتدیوں کی رعایت کرے اور جو بات اس میں خلاف شرع ہو اس سے تائب ہو جائے اور اپنی بات پر بلا وجہ ضد اور اصرار نہ کرے اور کسی کو وہ خود بھی ذلیل نہ سمجھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: عبد الرحمٰن غفرلہ، ۲۹/ ۶/ ۵۸ھ۔

امام کو ذلیل سمجھنا

سوال[۲۷۵۴]: امام مسجد فصلانہ پر نماز پڑھاتے ہیں، مگر بعض لوگ امام کو ذلیل غلام سمجھتے ہیں اور فقیر کہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کی تنخواہ یا فصلانہ دینے کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ وہ ہمارا غلام ہو گیا ہے، ہم نے اس کو خرید لیا ہے، غلط ہے، یہ خیال تکبر سے پیدا ہوتا ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ: ''جس کے دل میں ذرّہ برابر تکبر ہوگا جب تک اسکو دوزخ میں جلا کر نکال نہیں دیا جائیگا، وہ جنت میں نہیں جا سکتا'' (۲)۔ امام صاحب کا احترام واکرام لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (سیأتی تخریجه فی المسئلة الآتیة عنوان: ''امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا'')

(۲) ''عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لا یدخل النار أحدٌ فی قلبه مثقال حبة من خردل من إیمان، ولا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر". رواه مسلم''. (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الغضب، والکبر: ۲/ ۴۳۳، قدیمی)

(وکذا فی سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی الکبر: ۱/ ۲۰، سعید)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنی جاعلک للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴) .... =

امامت کو حقیر وذلیل سمجھنا

سوال[۲۷۵۵]: امامت کو ذلیل نظر سے دیکھنے اور ذلیل سمجھنے اور اس کی کمائی کو حرام قرار دینے والے لوگوں کی نماز عند اللہ مقبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی چھوٹے سے چھوٹے مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شرعاً درست نہیں (۱)، یہ تکبر ہے جو کہ حرام ہے، حدیث پاک میں ہے کہ ''دوزخ میں جب تک جلا کر تکبر کو نہ نکال دیا جائے گا، متکبر آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا'' (۲) اور پھر امام کو حقیر سمجھنا اور ذلت کی نظر سے دیکھنا کیسے جائز ہوگا جبکہ وہ واجب الاحترام ہے (۳) اس کے پیچھے نماز کا حکم نمبر ۱ میں آچکا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱ھ۔

= ''وإذاثبت أن اسم الإمام يتناول ماذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون، بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة ونحوها''. (أحكام القرآن للجصاص: ۹۷/۱، ۹۸، قديمى)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا'')

(۲) قال الله تعالى: ﴿كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار﴾ (سورة المؤمن: ۳۵)

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''ثلثة لايكلمهم الله يوم القيامة ولايزكيهم'' وفي رواية: ''ولا ينظر إليهم ولهم عذاب أليم: شيخ زان، وملك كذاب، وعائل مستكبر''. رواه مسلم''. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر: ۴۳۳/۲، قديمى)

''عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''لا يدخل النار أحدٌ في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان، ولايدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر''. رواه مسلم''. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر: ۴۳۳/۲، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ : ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

''وإذاثبت أن اسم الإمام يتناول ماذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون، بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة ونحوها''. (أحكام القرآن للجصاص: ۹۷/۱، ۹۸، قديمى)

(۴) تاہم نماز انکی بھی ہوجاتی ہے: ''ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أولأنهم أحق بالإمامة منه، =

امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا

سوال[۲۷۵۶]: مقتدی پیش امام کو ہروقت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور تھوڑی سی بات پر تکرار کرنے بیٹھتے ہیں، باوجودیکہ کچھ مسئلہ سے بھی واقف نہ ہوں اور اپنی طرف سے فتوی نکالتے ہیں اور مسجد میں آکر بغیر شروفساد کے کچھ مطلب نہیں۔ تو ایسے مقتدی کا کیا حکم ہے اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کس درجہ کی؟

المستفتی: محمد عمر، پٹھان پورہ، سہارن پور، ۷/ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان سب باتوں سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا (۱) اور بغیر واقفیت کے اپنی طرف سے فتوی دینا (۲) اور مسجد میں آکر شروفساد کرنا کبیرہ گناہ ہے (۳)، ایسے شخص کو توبہ لازم

= كره له ذلك تحريماً حديث أبي داود: "لايقبل الله صلاة من تقدم وهم له كارهون". وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا لايسخر قومٌ من قوم عسى أن يكونوا خيراً منهم﴾. الآية.

"ينهى سبحانه تعالى عن السخرية بالناس، وهو احتقارهم والاستهزاء بهم، كما ثبت في الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "الكبر بطر الحق وغمص الناس". ويروى: "وغمط الناس". المراد من ذلك احتقارهم واستصغارهم، وهذا حرام، فإنه قد يكون المحتقر أعظم قدراً عند الله تعالى، وأحب إليه من الساخر منه المحتقر له". (تفسير ابن كثير: ۴/ ۲۷۰، (الحجرات: ۱۱)، دار الفيحاء بيروت)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أفتى بغير علم، كان إثمه على من أفتاه، ومن أشار على أخيه بأمر يعلم أن الرشد في غيره، فقد خانه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/ ۳۵، قديمي)

(۳) "وعن الحسن مرسلاً، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد مواضع الصلاة، الفصل الثالث، ص: ۷۱، قديمي)

ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

ذاتی عداوت کی وجہ سے امام کو گالیاں دینا

سوال[۲۷۵۷]: کسی امام کے اتفاقی مکروہ الفاظ سے اہلِ جماعت ناراض ہوگئے، اپنی غلطی کا اقرار اور توبہ الی اللہ کرتے ہوئے خواستگار معافی ہونے سے جماعت کی ناراضگی جاتی رہی، مگر ان میں سے ۳/۱، لوگوں نے امام صاحب کو معزول کر دیا تو باقی ۳/۲، لوگ اور خود امام صاحب اس عزل پر معترض نہ ہوئے تاکہ نامناسب فساد نہ اٹھے، مگر ادائیگی تنخواہ کی غرض سے ایک ماہ سات دن رُکنا اور رکھنا طے پایا۔ مدتِ معینہ کے لئے دو شخصوں نے جن کی عادت شرکت جماعت الخمس کی پہلے سے نہ تھی امام مذکور کی اقتداء کو مکروہ سمجھ کر نمازِ جمعہ چھوڑ دی۔

مہلتِ مذکور جب ختم ہو رہی تھی تو آخری جمعہ کے روز قبل الجمعہ امامِ مذکور نے اہلِ جماعت سے کہا کہ میرے اور آپ لوگوں کے مابین جو طے شدہ ایام میں سے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، لہٰذا میں آپ صاحبان کو خبردار کرتا ہوں کہ آخری دن تک میری تنخواہ ادا ہو جائے اور میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس خبرداری پر کسی نے کچھ نہ کہا بلکہ خاموشی کے ساتھ سب نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ دوسرے دن بعد نمازِ مغرب یہاں ناشتہ خوری میں مشغول تھے کہ عابد علی نامی ایک شخص ایس، اے، ایس، آئی کو چند پولیس اور چند نوجوانوں کے ساتھ حاضر ہوا اور شارعِ عام پر کھڑے ہو کر شور مچایا کہ ہمارا امام کہاں ہے؟ کسی عورت کے پیٹی کوٹ کے نیچے چھپ گیا ہوگا، نکل آ کتا کہیں کا، پولیس کا فیصلہ بعد میں ہوگا، پہلے ہم نمٹ لیں گے، امام نہ آسکے۔

مذکورہ بالا عابد علی کے اسلام اور نکاح کی نسبت شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

---

(۱) "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر...... واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور". (روح المعاني: ۲۸/۱۵۹، التحريم: ۸، مبحث في ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب امام صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کر کے معافی مانگ لی تو پھر ان سے ناراض رہنا بے محل ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دینا غلط ہے(۱) اور جس نے امام صاحب کو گالیاں دے کر شارع عام پر شور مچایا اور سخت الفاظ کہے وہ سخت گنہگار ہے(۲)، معمولی مسلم کو بھی گالی دینا فسق ہے چہ جائیکہ امام کو(۳)، اس پر توبہ کرنا اور امام صاحب سے معافی مانگنا واجب ہے۔

یہ گالیاں دینا ذاتی عداوت کی وجہ سے ہے، اسلام یا منصب امامت کو ذلیل کرنے کے لئے نہیں، اس لئے اس کو ارتداد اور فسخِ نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا، البتہ فسق اور کبیرہ گناہ کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۲ھ۔

کیا امام متولی، جماعت یا مسجد کا نوکر ہوتا ہے؟

سوال[۲۷۵۸]: پیش امام یا خطیب مسجد، متولی مسجد کا کیا ملازم ہوتا ہے اور اگر متولی مسجد کا نہیں تو جماعت کا نوکر یا تابعدار کہلایا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ کا میں نے یہ جواب دیا کہ پیش امام نہ تو متولی کا نہ تو جماعت

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإني لغفار لمن تاب﴾ (سورة طٰه: ۸۲)

"وعن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه".

قال القاري تحته: "أي أقرّ بكونه مذنبا وعرف ذنبه (ثم تاب) أتى بأركان التوبة من الندم والخلع والعزم والتدارك ....اهـ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۱۶۲/۵، ۱۶۳، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، رشيديه)

(۲) "ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۷۰/۲، رشيديه)

(۳) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (مشكوة المصابيح، باب حفظ اللسان، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمي)

کا، نہ تو مسجد کا ملازم ہوتا ہے، بلکہ امام ایک ذمہ دار یا حاکم وقت کے قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہے اور جو بھی پیش امام کو نوکر یا ملازم سمجھے گا اس کی نماز امام کے پیچھے نہ ہوگی لیکن افسوس متولی مسجد ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اور بتلائیں کہ ایسی حالت میں کیا امام اپنی یونین بنا سکتے ہیں؟ ازراہ کرم اس کا جواب مدلل اور تشریح کے ساتھ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

منصبِ امامت ایک جلیل القدر منصب ہے جو گویا کہ نیابتِ رسالت ہے۔ امام کا اکرام واحترام لازم ہے، اس کو نوکر سمجھنا بہت غلط اور اس کی حق تلفی ہے، متولی حضرات اگر امام کو اپنا ملازم اور خدمتگار تصور کرتے ہیں تو ان کو اپنی اصلاح ضروری ہے اور ہرگز ایسا نہ کرے، متولی اگر بے علم ہے اور امامت کا رتبہ نہیں جانتے تو اس کو بتایا جائے (۱)۔ امام کو بھی لازم ہے کہ وہ امامت کو روٹی کھانے کا ذریعہ نہ بنائے اور اخلاقِ فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ رہے ورنہ اس کی قدر وقیمت کچھ نہیں ہوگی، اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

اماموں کا یونین بنانا جیسے مل مزدوروں کی ہوتی ہے وہ نہایت غلط ہے، اگر ایسا کیا گیا تو انہوں نے اپنا موقف خود ہی تجویز کرلیا۔ امام تنخواہ کی پرواہ نہ کرے، نمازیوں اور تمام مخلوق سے دینی ہمدردی رکھے یعنی اخلاق سے مقتدیوں کے اصلاحِ اخلاق کی کوشش کرتا رہے، اگر کوئی شخص نامناسب الفاظ کہدے اس سے متاثر نہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ مخلوق کے قلوب میں بھی ان کی وقعت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی بلند درجہ ملے گا مگر مخلوق

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إني جاعلک للناس إماماً﴾. (سورة البقرة: ۱۲۴)

"فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة، و كذالک سائر الأنبياء أئمة -عليهم السلام- لما ألزم الله تعالیٰ الناس من اتباعهم، والائتمام بهم في أمور دينهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا في المحل الذی يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم و أحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً، ولهذا المعنی الذی يصلي بالناس يسمی إماماً؛ لأن من دخل في صلاته لزمه الاتباع له والائتمام به".

وقال المصنفؒ بعد أسطر: "وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلی رتبه الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلک، ثم العلماء والقضاة العدول و من ألزم الله تعالیٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمی)

سے کسی وقعت وعزت کا خواہش مند نہ رہے۔ واللہ الموفق۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۲ھ۔

متولی کا امام کو نوکر سمجھنا اور امام کا برسرِ عام اپنی تکالیف بیان کرنا

سوال[۲۷۵۹]: جدید متولی صاحب، امام صاحب پر اپنی فوقیت جتاتے ہوئے تکلیفیں دے رہے ہیں، ان پر ظلم کر رہے ہیں۔ جدید متولی صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب ہمارے نوکر ہیں، ہم ان پر افسر ہیں، ہماری بات کو ماننا چاہیے۔ امام صاحب نے مجبور ہو کر جمعہ کی نماز کے بعد متولی صاحب نے جو تکلیفیں دی ہیں وہ بیان کیں۔ متولی صاحب، امام صاحب پر غصہ ہوئے کہ تم کو کس نے اجازت دی تھی، بغیر اجازت کے تم نے یہ باتیں کیوں بیان کیں؟ ہم تم پر قانونی کارروائی کریں گے۔ متولی صاحب جو کہتے ہیں کیا وہ حق بات ہے، یا جو امام صاحب نے کہا وہ حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کا منصب بہت بلند ہے، متولی صاحب کا امام صاحب کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلت آمیز معاملہ کرنا غلط ہے، ناجائز ہے(۱)، امام صاحب کو بھی اس طرح جمعہ کی نماز کے بعد مجمع میں متولی کی زیادتیوں کو بیان نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خود متولی صاحب سے دو چار باثر آدمی کی موجودگی میں افہام وتفہیم کے طور پر اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کر لیتے کہ یہ یہ پریشانی ہے، اس کو حل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

امام کو ملازم کہنا

سوال[۲۷۶۰]: پیش امام کو ملازم کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرنا، فا لأنبياء عليهم السلام فى أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله الاقتداء بهم، ثم الإمامة فى الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للإمام الجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، (سورة البقرة: ۱۲۴)، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازم کہہ کر اس کی تحقیر وتوہین مقصود ہے تو یہ ناجائز ہے(۱)، امام کا احترام لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

جس کے دل میں امام سے نفرت ہو اس کی نماز

سوال[۲۷۶۱]: اگر کسی امام کی مونچھیں بڑی ہوں اور داڑھی رکھنے سے منع کرتا ہو اور ان باتوں کی وجہ سے کسی مقتدی کو نفرت ہو تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقتدی کی نماز ہو جائے گی(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۷/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یایها الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیراً منهم﴾ الآیة (الحجرات: ۱۱)

"وقال القرطبی: "السخریة الاستحقار والاستهانة والتنبیه علی العیوب والنقائص بوجه یُضحک منه، وقد تکون بالمحاکاة بالفعل والقول أو الإشارة أو الإیماء أو الضحک علی کلام المسحور منه .... وجوز أن یکون المعنی: لا یحتقر بعض بعضاً، عسی أن یصیر المحتقر (بصیغة المجهول) عزیزاً ویصیر المحتقر ذلیلاً فینتقم منه". (روح المعانی: ۱۵۲/۲۶، (سورة الحجرات: ۱۱)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۲۷۰/۴، (سورة الحجرات: ۱۱)، دارالفیحاء دمشق)

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان: "متولی کا امام کو نوکر سمجھنا اور امام کا برسرِ عام اپنی تکالیف کا بیان کرنا"۔)

(۳) "وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أوفاجراً، والصلاة واجبة علیکم خلف کل مسلم براً کان أوفاجراً وإن عمل الکبائر، والصلاة واجبة علی کل مسلم براً کان أوفاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع ائمة الجور: ۳۵۰/۱، امدادیه ملتان) .... =

جس کو امام کے گناہ کا علم ہو اس کا امام کے پیچھے اقتداء کرنا

سوال[۲۷۶۲]: نعوذ باللہ زید زانی ہے، اس کا علم سوائے عمر کے کسی کو نہیں ہے، زید امام ہے عمر چاہتا ہے کہ اس کی برائی ظاہر نہ ہو اور عمر اگر اس کے اس فعل کے بعد اقتداء نہ کرے تو اس کی برائی ظاہر ہو جائے گی۔ اس بناء پر یہ اقتداء کرتا ہے تو کیا ان کا یہ ارادہ درست ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو یوم القیامۃ میں مستحقِ شر ہوگا یا خیر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو نرمی اور شفقت سے سمجھائے(۱)، نیز یہ کہ منصبِ امامت جلیل منصب ہے، اس کا بھی لحاظ ضروری ہے(۲)، اگر علم ہو گیا تو مقتدیوں کو بھی نفرت ہو جائے گی، خدائے تعالیٰ کا عذاب مستقل ہے۔ اگر امام توبہ کرلے تو بس کافی ہے(۳) بات آگے نہ بڑھائیں، ورنہ عمر خود نماز دوسری جگہ پڑھ لیا کرے(۴) اور

= "وإن تقدموا جاز؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: "صلوا خلف كل بر وفاجر الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٣٤٦، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ١/٦٦٢ دار الكتب العلمية بيروت)

(١) قال الله تعالى: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ (سورة النحل: ١٢٥)

(٢) قال الله تعالى: ﴿قال إني جاعلك للناس إماماً، قال ومن ذريتي، قال لا ينال عهدي الظّلمين﴾. (سورة البقرة: ١٢٤)

(٣) وقال تعالى: ﴿والذين لايدعون مع الله إلها آخر، ولا يقتلون النفس التي حرّم الله إلابالحق، ولا يزنون، ومن يفعل ذلك يلق أثاماً، يضاعف له العذاب يوم القيمة ويخلد فيه مهاناً. إلامن تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً، فأولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات، وكان الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة الفرقان: ٦٨، ٧٠)

(٤) "قال الإمام: إذاكان إمامه لحاناً، لابأس بأن يترك مسجده ويطوف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١/١١٦، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار التراويح: ١/٢٣٩، رشيديه)

دوسرے لوگوں پر امام کی بات ظاہر نہ کرے(۱)، یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ زید کے متعلق عمر کو صحیح علم ہو ورنہ محض بدگمانی کا اعتبار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۴ھ۔

امام پر غلط الزام لگانا

سوال[۲۷۶۳]: ۱..... خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ہماری مسجد کے امام صاحب ایک متقی عالم ہیں، ایک بدمعاش نے ان سے گھڑی چھین لی، جب معاملہ بڑھا تو یہ الزام لگایا کہ انہوں نے مجھ سے بدفعلی کی اس لئے میں نے گھڑی چھین لی ہے، مگر امام صاحب نے حلفیہ بیان دیا کہ یہ قطعاً جھوٹ ہے، میں اس الزام سے بری ہوں۔ اور لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص مختلف بہانے کر کے لوگوں کو لوٹتا رہتا ہے۔ پھر پنچایت ہوئی مگر پنچایت نے بھی مولوی صاحب کو بری رکھا، اس مردود نے کپڑے پر پانی ڈال لیا اور کہتا تھا کہ دیکھو بدفعلی کی نشانی ہے، لوگوں نے کپڑے پر ہاتھ نہیں لگایا، صرف پانی معلوم ہوتا تھا، نہ کہ مادہ منی۔ اس کے متعلق شرعی طور پر مولانا اس الزام سے بری ہیں یا نہیں؟

۲..... عبدالغفار نامی ایک شخص نے حضرت مولانا کو بلا تحقیق فجر کی نماز میں مصلیٰ سے ہٹا دیا۔ یہ فعل کیسا ہے اور ان کا اذان دینا کیسا ہے؟

۳..... مولانا سے بغیر معافی مانگے عبدالغفار حق اللہ اور حق العباد سے سبکدوش ہوگا یا نہیں؟

۴..... عالم کی توہین کرنا شرعاً فسق ہے یا کفر؟ اور اس گناہ کی تلافی کے لئے توبہ ضروری ہے یا نہیں؟

۵..... عالم کی موجودگی میں غیر عالم کو امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۶..... اس واقعہ پر عبدالغفار کے متعلق یہ فتویٰ آیا کہ ان کا اذان دینا مکروہ ہے، اور ان پر توبہ واستغفار

---

(۱) "وعن ابن شهاب أن سالم بن عبد الله أخبره أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لا يظلمه ولا يسلمه، من كان في حاجة أخيه كان الله عزوجل في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عزوجل عنه بها كربة من كرب يوم القيمة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة". (مسند أحمد بن حنبل، (رقم الحديث: ۵۲۱۰): ۲۱۸/۲، ۲۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فرض ہے اور انہیں مولانا موصوف سے معافی مانگنا چاہیے۔ اوراب پھر واقعہ مذکورہ کوایک ماہ بعداز سرنو ابھارنا قابلِ سماعت ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اتنا بڑا جرم ثابت کرنے کے لئے اس بے شرم نے یہ بیان دیا، اوراس طرح ہرگز کافی نہیں، کپڑے کا بھیگا ہونا شرعی دلیل نہیں ہے، پھر جب اس حیاسوز بے دلیل دعوی کی تردید کیلئے حلفیہ بیان موجود ہے توکوئی وجہ نہیں کہ اس گندے الزام کوان پر عائد کیا جائے۔

۲......مذکورہ بنیاد پر مصلی سے ہٹانے کا ہرگز حق نہیں، ان (امام صاحب) کی اذان وامامت درست ہے(۱)، ان کوجس نے ہٹایا ہے وہ مجرم ہے اسکوتوبہ کرنا چاہیے ورنہ اسکی اذان مکروہ ہوگی (۲)۔

۳......معافی مانگنا اوراپنی غلطی کا اقرار کرنا سب کے سامنے ضروری ہے ورنہ یہ بارگردن پر رہے گا(۳)۔

۴......عالمِ دین کی جوتوہین اس کے علمِ دین کی وجہ سے کی جائے تووہ کفرتک پہونچادیتی ہے(۴)۔ یہاں اس کی وجہ علمِ دین نہیں بلکہ بلاثبوتِ شرعی ایک غلط فہمی کی وجہ سے کی گئی اوران کوشرعی مجرم سمجھتے ہوئے کی گئی،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يايها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم: ۲/ ۴۱۱، قديمی)

"عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده". إلى آخر الحديث. (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/ ۶، قديمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا وبيّنوا﴾ (سورة البقرة: ۱۶۰)

(۴) "في النصاب: من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر، خيف عليه الكفر، كذافي الخلاصة، ويخاف عليه الكفر إذاشتم عالماً أوفقيهاً من غير سبب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، منها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/ ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۷، رشيديه)

اس لئے کفر نہیں کہا جائے گا، لیکن بلا ثبوتِ شرعی اتنے بڑے جرم سے مجرم سمجھا ہے، یہ سخت غلطی کی ہے اور اس پر خارجی اقدام بھی کیا ہے، اس لئے یہ فسق ہے جس سے توبہ لازم ہے(۱)۔

۵...... جب عالم متبعِ سنت، صحیح العقیدہ موجود ہو تو اسی کو امام تجویز کیا جائے، غیر عالم کو امام نہ تجویز کیا جائے، اگرچہ نماز اس کے پیچھے بھی ادا ہو جائیگی (۲)۔

۶...... فیصلہ کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرنا اور پھر از سرِ نو بات کو ابھارنا ضد اور ہٹ دھرمی ہے، ہرگز ایسا نہ کیا جائے، اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بات کو وہیں ختم کر دینا چاہیے، قیامت کا بار سر پر رکھنا عاقبت اندیشی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۸ھ۔

امام سے مسائل میں بحث

سوال[۲۷۶۴]: ۱...... مقتدی کا یہ کہنا ہے کہ امام اسی طرح نماز پڑھائے جس طرح ہم کہتے ہیں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یایها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحریم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لله أشد فرحة بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجدها". قال النووي تحت هذا الحدیث: "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصي واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً اهـ".

(الصحیح لمسلم مع شرحه الکامل للنووي: ۲/ ۳۵۴، کتاب التوبة، قدیمي)

(وکذا في روح المعاني: ۲۷/ ۱۵۹، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(۲) "والأحق بالإمة الأعلم بأحکام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجویداً للقراة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً، اهـ".

(الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بیان من هو الأحق بالإمامة: ۱/ ۶۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۲، شرکة علمیه ملتان)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتفسدوا في الأرض بعد إصلاحها﴾ (سورة الأعراف: ۵۶)

تو کیا امام کے لئے ضروری ہے کہ مقتدی کے قول پر عمل کرے اور اگر امام نے مقتدی کے قول پر عمل کرلیا اور اسی طرح نماز پڑھائی تو کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲..... اگر کوئی شخص امام کو ذلیل کرنے کے لئے سب کے سامنے اعتراضات کرے اور عقلی دلائل پیش کرے تو ایسا کرنا کیسا ہے اور امام اس کے اعتراض کا جواب دے یا نہ دے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... ایسی باتیں امام کے وقار اور منصب امامت کے منافی ہیں اس سے سب کو پرہیز کرنا چاہیئے (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جو شخص امام کی بات نہ مانے اس کی نماز کا حکم

سوال [۲۷۱۵]: امام صاحب تبلیغی جماعت کے اجتماع میں لوگوں کو ٹھہرنے کے لئے کہتے ہیں، بعض آدمی نہیں ٹھہرتے چلے جاتے ہیں، امام صاحب کا کہنا ہے کہ جو امام کا کہنا نہیں مانتا اس کی نماز ان امام کے پیچھے نہیں ہوتی۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کی بناء پر چلا جاوے، وہاں نہ ٹھہرے تو وہاں کے فوائد کو نہیں حاصل کر سکے گا، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں، اس امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی، وہاں نہ ٹھہرنے سے اس کی نماز میں خلل نہیں آئے گا، امام صاحب کو ایسا نہیں کہنا چاہیے ان کا کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إني جاعلك للناس إماما﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن إسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك. ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة ونحوها" (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۸،۹۷، قديمي)

متولی وامام میں ترکِ سلام وکلام بڑی محرومی ہے

سوال[۲۷۶۶]: دو سال سے متولی صاحب اور پیشِ امام میں دعا وسلام بالکل بند ہے، لیکن امام صاحب کے پیچھے برابر نماز ادا کرتے ہیں۔ پیش امام کی غیبت کرنے میں، بہتان لگانے میں اور امامت سے علیحدہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ متولی صاحب کو ایسی حرکات کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے غضب کی بات ہے کہ دعا، سلام بالکل بند ہے(۱) فوراً دعا سلام شروع کردی جائے۔ دوسرے لوگ دونوں کو ایک جگہ بٹھا کر کوشش کرکے دعا سلام شروع کرادیں(۲)، جو شخص ابتداء کرے گا وہ قابلِ مبارکباد ہوگا(۳)۔ امام صاحب اگر ابتداء کریں تو یہ ان کی بزرگی کے زیادہ لائق ہے، متولی صاحب اگر ابتداء کریں تو یہ ان کے لئے عین سعادت ہے۔ امام کے پیچھے نماز ادا کرکے اپنے اللہ کا حق ادا کرتے ہیں اور اپنی آخرت کو درست کرتے ہیں، اس سے ناراض رہنا، سلام نہ کرنا اور اس کو ذلیل کرنا بہت بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے(۴)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) "عن أبي أيوب الأنصاري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لايحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليالٍ، فيلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما المؤمنون إخوة، فأصلحوا بين أخويكم﴾. (سورة الحجرات: ۱۰)

(۳) (راجع الحاشية، رقم: ۱)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لايسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيراً منهم﴾ الآية. (الحجرات: ۱۱)

قال الحافظ ابن كثير تحت هذه الآية: "ينهى تعالى عن السخرية بالناس وهو احتقارهم والاستهزاء بهم .... والمراد من ذلك احتقارهم واستصغارهم، وهذا حرام، فإنه قد يكون المحتقر أعظم قدراً عندالله تعالىٰ، وأحب إليه من الساخر منه المحتقر له". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۷۰، (سورة الحجرات: ۱۱)، دارالفيحاء دمشق)

(وكذا في روح المعاني: ۲۶/۱۵۲، (سورة الحجرات: ۱۱)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

امام بنانے کا حق کس کو ہے؟

سوال[۲۷۶۷]: ہمارے گاؤں میں ملان نامی ایک آدمی ہے جس کا کام ذبح، کفن ودفن کا ہے اور وہ کبھی ہر روز کی نماز اور عیدین کی نماز اور خطبہ نہیں پڑھی اور نہ پڑھائی، ایسا رہنے پر بھی وہ کہتا ہے کہ عیدین کی نماز میں پڑھانے کا حق میرا ہی ہے اور اس میں جماعت کا کوئی حق نہیں، میرا ہی واٹ ہے کر کے کلکٹر کی طرف سے فریب دیکر اپنا ہی واٹ لے کر آیا ہے، اس لئے ہم جماعت والے کورٹ میں کام چلانے والے ہیں کہ پیش امام جماعت کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے یا کہ ملان کی طرف سے۔ اس بات میں حدیث اور دلیلوں سے خلاصہ ثابت کر کے ان کتابوں کے نام اور صفحہ درج کر کے آپ کے دستخط مع مہر کے ذیل میں تحریر کر کے بذریعہ ڈاک ارسال فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو ہر روز کی نماز پابندی سے نہ پڑھتا ہو وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے:

"وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعاً، فلايعظّم بتقديمه للإمامة، اهـ". مراقي الفلاح۔ "كون الكراهة في الفاسق تحريمية، اهـ". طحطاوي، ص:١٦٥(١)۔

امام مقرر کرنے کا حق بانی مسجد کو ہے، پھر اس کے خاندان والوں اولاد وغیرہ کو، پھر اہل محلہ کو، لیکن امام میں اہلیت ہونا شرط ہے:

"الباني أولى بنصب الإمام والمؤذن، وولد الباني وعشيرته أولى من غيرهم. بنى مسجداً في محلة ونصب الإمام والمؤذن، فنازعه بعض أهل المحلة في العمارة، فالباني أولى مطلقاً. وإن تنازعوا في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة إن كان ما اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني، فما اختاره أهل المحلة أولى، وإن كانا سواءً فمنصوب الباني أولى

---

(١) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة، ص: ٣٠٢، ٣٠٤، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٥٩، ٥٦٠، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ٥١٣، سهيل اكيڈمي، لاهور)

اھـ". (أشباه، ص: ۱٤۱)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۰/۱۳۶۲ھ۔

زبردستی امام مقرر کرنا

سوال[۲۷۶۸]: ایک شخص دوسرے کو زبردستی سے امام مقرر کرتا ہے، کیا شرعاً درست ہے اور اگر زبردستی سے امام بنایا گیا تو کیا اس کی امامت درست ہوگی اور اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

السائل: محمد یار، عالم گڈھ، ضلع فیروز پور۔

۱۸/شعبان/۵۸ھ۔ مطابق ۳/اکتوبر/۱۹۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبردستی امام بنانا درست نہیں، تاہم اگر امام کو کوئی شرعی عذر نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارپور، ۱۸/۸/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/شعبان/۵۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف (قاعده: ۴۴): ۲/۲۳۳، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراچى)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، الموضع الثالث في الناظر المولى من القاضي ينصه القاضي في مواضع: ۵/۳۸۹، رشيديه)

(۲) "ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون". وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل السادس في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

الفصل الثامن فی النیابة عن الإمام

(نیابتِ امام کا بیان)

بوقتِ ضرورت بلا اجازت کسی کو امام بنانا

سوال[۲۷۶۹]: صبح یا عصر کی نماز کا وقت قریب الختم ہے اور پیش امام موجود نہیں، مکان میں آواز دینے پر بھی نہیں آئے (نہ معلوم ضرورت کی بناء پر یا سستی کی وجہ سے)۔ تو کسی پڑھے لکھے کو مقتدیوں کے آگے کرنے پر بلا اجازتِ امام امامت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امامت میں کسی کو اپنا نائب بنا کر رخصت پر جانا

سوال[۲۷۷۰]: امام صاحب بعض مرتبہ ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور امامت کے لئے دوسرا آدمی مقرر کر جاتے ہیں، تنخواہ رخصت لینا پسند نہیں کرتے۔ کیا امام صاحب اس طرح بغیر اجازت کے جا سکتے ہیں اور کیا ان کے پیچھے نماز درست ہوگی، کیا یہ فریب تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اپنا نائب ایسے شخص کو بنا دیتے ہیں جو امامت کے اوصاف رکھتا ہوں تو امام صاحب کو پوری تنخواہ

---

(۱) (راجع فتاوی دار العلوم دیوبند، باب الإمامة، ۳: ۲۹۹، مکتبه امدادیه ملتان)

(و کفایة المفتی، باب الإمامة، ۳/۸۷، دار الإشاعت کراچی)

لینا درست ہے، یہ فریب نہیں، کذا فی البحر الرائق (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام کا بضرورت کسی کو اپنا قائم مقام بنادینا

سوال[۲۷۷۱]: کوئی شخص کسی مسجد میں امامت کرتا ہو اور ایک ماہ کے لئے کسی وجہ سے گھر جاتا ہو اور اپنی جگہ ایک شخص کو عارضی طور پر رکھ دیا اور باہم یہ معاہدہ ہوا تھا کہ تم جب تک گھر سے نہیں آؤ گے میں تمہاری جگہ پر کام کرونگا، اس شخص کو اپنی جگہ رکھ کر چلا گیا اور کسی اہم معاملہ کے پیش نظر گھر سے تین چار روز کے بعد آئے اور گھر سے سابق امام نے عارضی کو اطلاع کردیا کہ ''میں سخت پریشان ہوں، انشاء اللہ بہت جلد آرہا ہوں''۔ جواب میں عارضی امام لکھے کہ ''کوئی نہیں تم اپنی پریشانی کو دیکھتے ہوئے جلد آنے کی کوشش مت کرو، میں آپ کی جگہ پر کام کررہا ہوں''۔ تین چار روز کی تاخیر کرکے سابق امام آجائے۔

اس کے بعد وہ عارضی امام اپنے قول سے پھر جائے اور ہٹ دھرمی پر اتر جائے کہ میں آپ کی مسجد اس حالت میں چھوڑ سکتا ہوں جب کہ ہمارے لئے کہیں مسجد کا انتظام کرو، اس کے قول کے مطابق مسجد کا انتظام بھی کردے اس کے باوجود بھی سابق امام کی جگہ کو جبری طور پر قبضہ کرلے اور ایک دو شخص کسی وجہ سے عارضی امام کی حمایت کرے اور قبضہ جمائے رکھے اور تین چار شخصوں میں ایک دوسرے کا کافی ہمدرد وغمگسار رہو اور عارضی امام ان لوگوں میں دشمنی وانتشار پیدا کردے حتی کہ اتنا تفرقہ ڈال دے کہ ایک دوسرے کی برائی کرنے پر اتر آئیں۔ اور جو وعدہ کرکے وعدہ خلافی کرے اور طرح طرح کی بُرائیاں کرکے اتنا انتشار پیدا کردے کہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ کس کی علامت ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے اور جو عارضی امام کی حمایت کرے ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص انگریزی بال رکھتا ہو وہ شخص وقت

---

(۱) ''استخلف الإمام خليفةً في المسجد ليؤمّ فيه زمان غيبته، لايستحق الخليفة من أوقاف الإمامة شيئاً إن كان الإمام أمّ أكثر السنة. وحاصله أن النائب لايستحق من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقرير، ولم يوجد، ويستحق الأصل الكل إن عمل أكثر السنة''. (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۵، رشيديه)
(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة ومالايستحق. ۴/۴۲۰، سعيد)

ضرورت نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ہم لوگ مجبوراً اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور امام وقت پر نہ آتا ہو، جب اس شخص سے وقت پر آنے کے لئے کہا جائے تو مندرجہ بالا اشخاص اس کی حمایت میں کہتے ہیں کہ کسی وقت بھی وقت پر نہ آئے تو ان کو کوئی نکال نہیں سکتا اور یہ لوگوں پر زور ڈالتا کہ سینما بین کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے امام خود مجبور کرتا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب قدیم امام آگیا تو عارضی امام کو مسجد چھوڑنا یعنی امامت سے علیحدہ ہونا لازم ہے، زبردستی قبضہ جمانا، چھوڑنے کے لئے کوئی بھی شرط لگانا جائز نہیں، اس کی حمایت کرنا بھی جائز نہیں (۱)۔

غلط حمایت کرکے تفرقہ ڈالنا تو بہت بڑا جرم ہے (۲)، کسی کی بدگوئی بھی گناہ ہے (۳)۔ امام صاحب کو لازم ہے کہ وقت کی پابندی کرے، اگر اتفاقیہ طور پر دیر ہو جائے تو مقتدی لوگ کسی متبعِ سنت کو امام بنا کر اس کے پیچھے نماز ادا کرلیں (۴)، یا امام صاحب بھی کسی اہل شخص کو اپنا نائب تجویز کردیں، نا اہل کو امام

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول: "ثلاثة لایقبل الله منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له کارهون الخ". (سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون: ۱/۹۵، امدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالی: ﴿واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولاتفرقوا﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۳)

وقال الله تعالی: ﴿ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا﴾ (سورة الانفال: ۴۶)

(۳) "عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی". رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الإیمان. وفی أخری له: "ولا الفاحش البذی". وقال الترمذی هذا حدیث غریب". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، ۲/۴۱۳، قدیمی)

(۴) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة، ثم الأحسن تلاوةً وتجویداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۵۵۷، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤکدة: ۱/۱۰۷، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الهدایه، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، شرکة علمیه ملتان)

بنانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۱ھ۔

امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کا حق

سوال [۲۷۷۲]: امام جو مسجد میں مقرر ہوئے ہیں، کیا ان کو شرعاً پورا حق ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بھی مصلے پر کھڑے ہونے کی اجازت دیں یا نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو امام مقرر ہو اس کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو مصلے پر پہنچ کر نماز پڑھانے کی اجازت نہیں، پس اگر کوئی آدمی کسی ایسی مسجد میں جا پہنچے جہاں روزانہ کا امام ہو اس کو چاہئے کہ روزانہ کے امام کے پیچھے ہی نماز پڑھے، ہاں! اگر امام خود ہی اس سے امامت کی درخواست کرے تو پڑھادے:

"ولا يؤم الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه". رواه مسلم". مشکوۃ شریف، ص: ۱۰۰ (۲)۔ "واعلم أن صاحب البيت وكذا إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً: أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه". کذا في الدر المختار، ص: ۳۷۵ (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) "وأما إذا استخلف للصلوة فقط لسبق حدث، فإما أن يكون بعد شروعه فيها أو قبله، فإن كان بعده فكل من صلح للاقتداء به، يصح استخلافه، وأما إذا كان قبله بعد الخطبة فيشترط كون الخليفة قد شهد الخطبة أو بعضها مع أهليته (قوله : للاقتداء به الخ) .... الاستخلاف جائز مطلقاً: أي سواء كان لضرورة أولا كما يعلم من عبارة مجمع الأنهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۰، ۱۴۲، سعيد)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۰۰، قديمي)

(۳) (كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، مكتبه امداديه ملتان)

مقررہ خطیب امام کی موجودگی میں بلا اجازت کسی عالم کا امامت وخطابت کرنا

سوال[۲۷۷۳]: احقر حضرت مولانا انوار الحسن ہاشمی کا شاگرد اور حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے مجاز بیعت بھی ہے، ایک عرصہ سے جامع مسجد کیوڑائی پر خدمتِ امامت انجام دے رہا ہے، احقر کی عین تمنا ہے کہ خدماتِ شرعیہ: امامت وخطابت ودرسیات تا بحدِ معلومات انجام دوں، حالانکہ احقر ملازم سرکاری دواخانہ ہے۔تمیں سالہ ملازمت میں......... اللہ کے فضل وکرم سے حضرت اقدس پیر ومرشد حکیم الاسلام اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے جہاں جہاں رہنا ہوا، مساجد تعمیر کروائی،۱۲/ مدارس قائم کئے،اور متفرق طور پر بھی دینی خدمات کرتا رہا ہوں۔اوائلِ عمر سے احقر حافظ ہی نہیں بلکہ اپنے دونوں بچوں کو بھی اپنے پاس تکمیلِ حفظ کرایا، دیگر دس بچوں کو شعبۂ حفظ میں شریک کر کے چھ کی تکمیل کرائی اور باقی کی تکمیل کے لئے کوشش جاری ہے۔

احقر گورنمنٹ میں اپنی رضا سے وظیفہ پر سبکدوشی کی دراخوست دے کر متفقہ رخصت پر مستقر پر کام کرتا رہا، لیکن انہی عالم صاحب کی مخالفت اور ان کے حاشیہ بردار حضرات کی مخالفت کی بنا پر کہ تم یہاں سے چلے جاؤ کہ تم تبلیغی جماعت کے خلاف ہو، حالانکہ احقر پھر بھی کام چلاتا رہا، اور چلا رہا ہے، لیکن خدا کی مصلحت کہ پھر رخصت پر جانا ہوگیا، خادم زادہ عبد الغنی کے کام امامت اور مدرسہ کا سپرد کر کے جائے ملازمت پر چلا گیا۔ ہفتہ دو ہفتہ میں ایامِ تعطیلات میں مستقر پر آ کر مدرسہ کی نگرانی کرتا ہوں، شعبۂ حفظ بھی چل رہا ہے، پرائمری شعبہ بھی چل رہا ہے۔

جب مستقر پر آتا ہوں، امامت بھی کرلیتا ہوں، لیکن یہ عالم صاحب جمعہ کے دن .... احقر کی اجازت اور خادم زادہ کی اجازت کے بغیر خطابت وامامت کررہے ہیں دعوی عالم ہونے کا ہے، یہ خطابت وامامت عالم صاحب کی کیسی ہے؟ محض نزاعِ امت کے تحت صبر کررہا ہوں، تحدیث بالنعمۃ کے تحت عرض ہے کہ احقر ہی ادارہ اصلاح المسلمین کا فارغ ہے، نظام حیدرآباد کے زمانہ کا امارت اور قضاۃ کا مستند ہے، نہ تو مجلس ومدرسہ نے مجھے معزول کیا، نہ استحقاقِ امامت کے تحت کچھ خامی ہے۔ایسی صورت میں احقر اور خادم زادہ مستحق ہیں یا نہیں؟ یہ عالم صاحب خادم زادہ کی موجودگی میں کسی دوسرے کو امامت کی اجازت دے کر امامت کرواتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو خطیب وامام مقرر کردیا جائے بغیر وجہ شرعی کے اس کو الگ کرنا غلط ہے (۱) اور اس کی موجودگی میں بغیر اس کی اجازت کے کسی عالم کا خود بخود امامت وخطابت پر قبضہ کرنا درست نہیں، غلط طریقہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کیلئے کسی اور کو آگے بڑھانا

سوال [۲۷۷۴]: بموجودگی مستقل امام صاحب جن میں تمام خوبیاں موجود ہیں حافظ، قاری، عالم، حاجی وغیرہ ایک خوش الحان آٹھ پاروں کا طالبعلم، سولہ سالہ متولی مسجد کی رائے سے امام صاحب کو رسمی اطلاع دی گئی کہ آج فرزندِ متولی صاحب یعنی خوش الحان آٹھ پاروں کا حافظ نماز پڑھائے گا۔ نماز پڑھائی گئی، امام صاحب نے اجازت نہیں دی اور ان کا یہی کہنا ہے کہ کیا نمازِ جمعہ ادا ہوگئی کہ نہیں اور اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) "واستفید من عدم صحة عزل الناظر بلاجنحة عدمُها لصاحب وظيفة في وقف بغير صحة وعدم أهلية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلاجنحة أوعدم أهلية: ۳۸۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۰/۵، رشيديه)

(۲) "عن ابن مسعود الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .... "ولا يؤمّ الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۲۳۶/۱، قديمی)

(وسنن أبي داؤد، باب من أحق بالإمامة: ۹۳/۱، امداديه ملتان)

(وسنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۵۵/۱، سعيد)

"واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، إلا أن يكون معه سلطان أوقاضی فيقدم عليه الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۰۷/۱، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسانہیں کرنا چاہئے تھا، امام صاحب خود پیش کش کرتے تو دوسری بات تھی، امامت اس حالت میں مستقل امام مذکور ہی کی مقدم تھی، تاہم اقتداء صحیح ہوکر صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہوگئی، اب اس قضیے کوختم کیا جائے، آئندہ احتیاط کی جائے بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے، ورنہ اس سے خلفشار پیدا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۷ھ۔

نائب امام کی موجودگی میں کسی اَور کی امامت

سوال[۲۷۷۵]: محلہ کے امام صاحب موجود نہیں لیکن وہ اپنا نائب کسی مقتدی کو بنا گئے، اس نائب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو امامت کرانی کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نائب امام کے ہوتے ہوئے دوسرے شخص کو خود امامت کیلئے آگے نہیں بڑھنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، إلاأن يكون معه سلطان أوقاض، فيقدم عليه لعموم ولايتهما". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: مطلقاً): أى وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه، وفي التاتارخانية: جماعة أضياف في دار زيد أن يتقدم أحدهم ينبغي أن يتقدم المالك، فإن قدم واحد منهم لعلمه وكبره فهو أفضل، وإذا تقدم أحدهم جاز؛ لأن الظاهر أن المالك يأذن لضيفه إكراماً له". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اَور کو آگے بڑھانا'')

خادم مسجد اور مؤذن کی امامت

سوال[۲۷۷۶]: ایک پیش امام مستقل ہیں، وہ ہی صفائی کی خدمت اور مؤذن کی خدمت بھی انجام دیتا ہے، مسجد کی صفائی غسل خانہ وغیرہ کی صفائی کی اجرت الگ لیتے ہیں تو کیا ایسے امام کے پیچھے جو مؤذن بھی ہو نماز درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے: "الأفضل کون الإمام هو المؤذن، الخ". درمختار: ۱/ ۲٦۸(۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

استاد کی موجودگی میں امامت

سوال[۲۷۷۷]: ایک شخص امام، حافظ، قاری، مشروع وضع قطع میں نہایت نیک صالح، استاذ و والد وجملہ نمازی بہت خوش، ایک دن باصرار امام صاحب نے اپنے استاذ بزرگ بعمر ۷۰/ سال سے نماز مغرب پڑھوادی، دوتین مقتدیوں نے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی (بسبب باطنی)، کہیں اور جاکر مغرب کی نماز ادا کی، بعد میں امام صاحب سے کہا کہ اپنے استاذ سے نماز نہ پڑھوایا کریں، اس کے بعد امام صاحب نے استعفاء دے دیا اور کہا کہ میری غیرت تقاضہ نہیں کرتی کہ استاذ محترم شہر کی کسی بھی مسجد میں ہوتے ہیں، ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ نماز یہی پڑھائیں، تمام شہر عزت کرتا ہے اور میں ان سے نماز کے لئے نہ کہوں، میں برابر کہوں گا، اگر یہ شرط منظور ہو تو نماز پڑھاؤں گا ورنہ نہیں۔

امام صاحب نہیں چاہتے تھے کہ بغیر میری شرط منظور کئے نماز پڑھاؤں، برادری کے لوگوں نے امام کے

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۰۱، سعید)

"إن الأفضل کون الإمام هو المؤذن، وهذا مذهبنا، وعلیه کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ علیه". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۴۳، رشیدیه)

(وکذا في الحلبي الکبیر، فصل في السنن، ص: ۳۸۱، سهیل اکیڈمي لاهور)

والد پر دباؤ ڈالا اور والد نے اپنی برادری کی لاج رکھتے ہوئے نہ بیٹے کی شرط کی پرواہ کی، نہ استاذ کی بے عزتی کی، اور بیٹے کو مسجد میں لے جاکر خود مصلی پر کھڑا کرکے نماز پڑھوادی اور بعد میں والد نے نمازیوں سے معافی مانگی کہ بھائیو! امام صاحب سے جو کچھ غلطی ہوئی ہے اس کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، امام صاحب والد کے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ ایسی حالت میں جب کہ استاد کی بے عزتی کی گئی اور والد نے بھی برداشت کرلی تو ایسی حالت میں امام کو والد کی اطاعت واجب ہے یا استاذ کی بے عزتی گوارہ کرے اور استاذ کا ادب واحترام ختم کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تصور ہی غلط ہے کہ استاذ کی موجودگی میں شاگرد نماز پڑھاوے تو استاد کی بے عزتی ہوگئی، خاص کر جب کہ شاگرد کی درخواست پر بھی استاذ امام ہونا پسند نہ کرے، البتہ بلاوجۂ شرعی دل میں رنجش رکھنا بہت بُرا ہے(۱) امام صاحب اگر فتنہ کو ختم کرنے کے لئے والد صاحب کا کہنا مانیں اور نماز پڑھادیا کریں تو اس میں نہ استاذ کی بے عزتی ہے اور نہ اَور کوئی گناہ ہے، جو لوگ استاد سے رنجش رکھتے ہیں ان کو دل صاف کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لايحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلث، فمن هجر فوق ثلث فمات دخل النار". رواه أحمد وأبو داؤد".

"عن أبي خراش السلمي رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من هجر أخاه سنةً، فهو كسفك دمه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۲/۴۲۷، قديمي)

الفصل التاسع فی إمامة اللحّان

(غلط خواں کی امامت کا بیان)

غلط خواں کی امامت

سوال[۲۷۷۸]: اگر کوئی پیش امام قرآن شریف غلط پڑھے تو اس کے پیچھے انجان لوگوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالم کہے یہ شخص قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتا، اب وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نماز تو ہوجاتی ہے تو ان لوگوں کو پتہ لگ گیا، اب ان لوگوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

اگر قرآن شریف ایسا غلط پڑھتا ہے کہ جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں تو اس کے پیچھے بالکل ان پڑھ لوگوں کی جن کو تین آیتیں بھی صحیح یاد نہیں نماز درست ہے اور جس کو تین آیتیں صحیح یاد ہیں اس کی نماز درست نہیں، کسی صحیح پڑھنے والے کو امام بنانا چاہیئے کہ جس سے سب کی نماز درست ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۱۳۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۲۷۷۹]: ایک امام ہے وہ کبھی تو حروف کو صحیح ادا کرتا ہے اور کبھی غلطی کرتا ہے تو جہری نماز

(۱) "ولایجوز إمامة الألثغ الذی لایقدر علی التکلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف، فأما إذا کان فی القوم من یقدر علی التکلم بها، فسدت صلاته وصلاة القوم". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغیره: ۱/۸۶، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۱، ۵۸۲، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، ص: ۲۸۹، قدیمی)

میں تو پتہ لگ جاتا ہے، لہٰذا غلطی کے موقعہ پر مقتدی اعادہ کرلیتا ہے مگر سرّی نماز میں پتہ نہیں لگتا تو اس کی اقتداء کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو اس طرح غلط پڑھنے کی عادت ہے تو اس کے علاوہ دوسرے کو امام بنایا جائے جو بالیقین صحیح پڑھنے کا عادی ہو(۱) اور اس کے پیچھے جو نماز سرّی یا جہری پڑھی ہو تو جب تک اس میں ایسی غلطی کا علم نہ ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس کی نماز کو صحیح کہا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/۹/۶۴ ۱۳ھ۔

ایضاً

سوال [۲۷۸۰]: ہمارے یہاں ایک لڑکا پندرہ سال کا حافظ ہو گیا ہے، لیکن دینیات ومسائل سے بالکل واقفیت نہیں، نہ تو قرآن صحیح پڑھنے کی کسی مولوی حافظ قاری نے اس کی تصدیق کی ہے، ایسے لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع الخ".

(تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

"عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضى الله تعالىٰ عنه يقول قال: لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قراءةً، فإن كانت قرائتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن كانوا فى الهجرة سواء فليؤمهم أكبرهم سناً، ولاتؤمّنّ الرجلَ فى أهله ولا فى سلطانه، ولاتجلس على تكرمته فى بيته، إلا أن يأذن لک" أو "بإذنه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمى)

(وسنن الترمذى، أبواب الصلوٰة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی وقت کافی ہے، طہارت ونماز کے ضروری مسائل تعلیم الاسلام وغیرہ معتبر کتابوں کے ذریعہ اس کو پڑھادیئے جائیں اور کسی حافظ صاحب سے دریافت کرلیں کہ وہ صحیح پڑھتا ہے، یا پھر اس کے پیچھے تراویح میں قرآن کریم سن لیا جائے، صحیح نہ پڑھتا ہو تو اس کو امام نہ بنایا جائے اور ایسے شخص کے پیچھے تراویح پڑھیں جو صحیح پڑھتا ہو:

"قال الإمام: إذا كان إمامه لحاناً، لابأس بأن يترك مسجده ويطوف، لاينبغي للقوم أن يقدموا في التراويح الخوشخوَانْ، ولكن يقدموا الدّرُسْتْ خوان". فتاوىٰ عالمگیری، ص: ٦٠(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۹۲ھ۔

ایضاً

سوال [۱۷۸۱]: نماز کے اندر امام سے اگر قرأت کی اس قسم کی غلطیاں واقع ہوں کہ بجائے زیر کے زبر پڑھ جائے، یا جہاں الف ہے الف کو نہ پڑھے، یا بیچ میں لفظ کے سانس توڑ دے کہ لفظ کٹ جائے جیسے میت کی "یاء" کے زیر کو زبر پڑھے، یا "فی دین اللہ" میں الف نہ پڑھے، "آبآئنا" میں الف نہ پڑھے بلکہ "ابائن" پڑھے۔ اس قسم کی غلطیاں ہونے سے نماز صحیح ہوجائیگی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگی تو بلا کراہت یا با کراہت، اس شخص کو امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مواقع میں یہ غلطیاں کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ کراہت آگئی، لیکن ہر جگہ کی غلطی کا یہ حکم

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوٰة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ١١٦/١، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوٰة، بحث التراويح، ص: ٤٠٧، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثالث عشر في التراويح، في بيان القرأة في التراويح: ٦٦٠/١، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

نہیں بلکہ بعض جگہ ایسی غلطی سے نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ فسادِ نماز کا مدار معنی کی خرابی پر ہے(۱)۔ اگر صحیح طور پر قرأت کرنے والا امام متبع شریعت اور مسائل سے واقف میسر آجائے تو اس کو امام بنالیا جائے (۲) یا کم از کم اتنی مدت کیلئے دوسرا امام رکھ لیا جائے کہ موجودہ امام قرأت کی مشق کر کے صحیح پڑھنے لگے اور قواعد قرأت سے واقفیت حاصل کر لے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۲/۶۴ھ۔

---

(۱) "فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقًا ولو اعتقاده كفراً؛ لأن أكثر الناس لايميزون بين وجوه الإعراب ...... قال الحصكفي رحمة الله عليه: "ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفًا، أو قدمه أو بدله بآخر ... لم تفسد مالم يتغير المعنى، إلا ما يشق تمييزه. الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۱، ۶۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الخامس في زلة القارى: ۱/۷۹، ۸۱، رشيديه)

(۲) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قرأةً، فإن كانت قرأتهم سواء، فليؤمهم أقدمهم هجرةً، اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمى)

(وسنن الترمذى، أبواب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع. آهـ".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بذل جهده دائماً حتماً كالأمي". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: حتماً الخ): أى بذلاً حتماً فهو مفروض عليه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۲، سعيد)

ایضاً

سوال[۲۷۸۲]: ایک مسجد میں ایسا امام ہے جو قرآن کو صحیح نہیں پڑھ سکتا ہے حتی کہ تلفظ میں غلطی کرتا ہے، تجوید تو درکنار ہے، ایسے امام کے پیچھے ایک تجوید جاننے والے اور صحیح تلفظ ادا کرنے والے کی نماز جائز ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو شخص "مایجوز به الصلوٰة" قرأة پر قادر نہ ہو، اس کے پیچھے اس کی نماز درست نہیں (۱)، جو "مایجوز به الصلوٰة" پر قادر ہو اس امام کو چاہئے کہ سورۃ الحمد اور کم از کم ایک سورۃ کو اتنا صحیح طور پر مشق کرلے کہ تلفظ صحیح ہو جائے جس سے نماز درست ہو سکے، جب تک ایسی مشق نہ کرے امامت نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولاحافظ آية من القرآن بغير حافظ لها وهو الأمي". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: بغير حافظ لها)شمل من يحفظها أو أكثرمنها، لكن بلحن مفسدللمعنى لما في البحر: الأمي عندنا: مَن لايحسن القرأة المفروضة، وعند الشافعي: مَن لايحسن الفاتحة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح اماماً لغيره: ۱/۸۶،رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۳۵۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۰، ۶۳۱، رشيديه)

(۲)"(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجبٌ على كل مسلم)، ويكره نقص شيئي من الواجب". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان تأليف الصلوٰة إلى انتهائه. ۱/۵۳۸، سعيد)

وقال العلامةالرافعي: "(قول الشارح: ويكره نقص شيئي من الواجب): أي من حفظه أو في الصلاة". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، فصل في بيان تأليف الصلوٰة إلى انتهائها: ۱/۶۲، سعيد)=

بے علم غلط پڑھنے والے کی امامت اور مسجد میں پیشۂ خیاطت

سوال[۲۷۸۳]: ہمارے گاؤں کے امام صاحب عیدالفطر کی نماز پڑھا کر بخوشی اپنے گھر چلے گئے، ان کے جانے بعد امام کی ضرورت ہوئی، گاؤں میں ایک شخص کے یہاں ایک ملا عرصہ تین ماہ سے مقیم تھا جو درزی کا پیشہ کرتا ہے، نام کا ملا ہے، قرآن شریف وعربی غلط پڑھتا ہے یعنی کم علم ہے، اس شخص کے اور قریبی رشتہ دار ہیں جنہوں نے آپس میں اتفاق کرکے بغیر گاؤں والوں کے مشورہ کے اس ملا کو کہا کہ تم مسجد میں بیٹھ جاؤ اور وہیں کپڑے سیا کرو۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم ایسے ناعلم آدمی کو نہیں رکھتے کسی عالم کو رکھنا چاہیئے تاکہ دین کی تلقین کرے، ایسے آدمی کو نہیں رکھنا چاہیئے کہ جو خود بھی واقفیت نہ رکھتا ہو۔

دوسرے جمعہ کی نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی جو قرآن شریف پڑھے ہوئے ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، انہوں نے کہا کہ ایسے آدمی کو نہیں رکھتے کہ جو خود غلط پڑھتا ہے ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، دوسرے آدمی کا انتظام رکھنا چاہیئے، مگر جن لوگوں نے ان کو رکھا تھا اس بات کو برا سمجھا اور اس ضد پر کھڑے ہوگئے ہیں کہ ہم اسی آدمی کو امام رکھیں گے، چاہے تم ان کے پیچھے نماز پڑھو یا نہ پڑھو۔ اس بات سے گاؤں میں بہت زیادہ مخالفت ہوگئی ہے، مگر ملا نے آج تک کسی سے نہیں کہا کہ تم سلوک کرکے رکھتے ہو تو رکھو ورنہ میں نہیں رہتا، متواتر رہ رہا ہے۔ گاؤں میں آدھے سے زیادہ آدمی مخالف ہیں مگر یہ لوگ کمزور ہیں غریب ہیں اور جن آدمیوں نے رکھ رکھا ہے اچھی حالت میں ہیں اور پوری ضد پر تلے ہوئے ہیں، دوسرے یہ آدمی ایک ذات کے ہیں اس واسطے انہیں زعم ہے۔

مخالفوں نے کہا اگر ہم ملا کے ساتھ ضد کرتے ہیں تو تم کسی عالم کو بلاکر امتحان کرلو، اگر وہ یہ کہے کہ یہ صحیح پڑھتا ہے تو رکھنا ورنہ نکالدینا، صحیح پڑھنے والے کے پیچھے ہم بخوشی نماز پڑھیں گے مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو نہیں بدتے اور تمہارے لئے غلط پڑھتا ہوگا ہمارے واسطے تو یہی قاری ہے، کیونکہ وہ سب آدمی جاہل علم دین سے بالکل ناواقف ہیں، کوئی بچہ آج تک بھی واقف نہیں ہے۔ دوسرے فریق میں چند آدمی دین کی باتوں سے کچھ واقف ہیں اور نمازی بھی زیادہ ہیں دوسرے فریق کے مقابلہ میں۔ شریعت ایسے امام کو مسجد میں رہنے کی اجازت دیتی ہے یا

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۹۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۳۱، امداديه ملتان)

نہیں؟ اگر امام صاحب الگ ہو جائیں تو گاؤں کی مخالفت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، صرف انہیں کا یہ مبارک اثر ہو رہا ہے۔

المرقوم نور محمد، عبدالغنی مقام، ڈاکخانہ سہنسپور، ضلع دہرہ دون۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص قرآن غلط پڑھتا ہے جس سے معنی خراب ہو جاتے ہیں اور صحیح نہیں پڑھ سکتا اس کی امامت ناجائز ہے، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ملا مذکور کو امامت سے علیحدہ کر کے دوسرے صحیح پڑھنے والے امامت کے اہل کو امام مقرر کرنا ضروری ہے(۱)، جو لوگ غلط پڑھنے والے کی امامت پر باوجودِ مسئلہ معلوم ہونے کے اصرار کرتے ہیں اور صحیح پڑھنے والے امامت کے اہل کے موجود ہوتے ہوئے اس کو امام نہیں بناتے وہ گنہگار رہیں، ان کو اپنے اصرار سے رکنا اور توبہ کرنا ضروری ہے(۲)۔ اگر ملا مذکور کو علیحدہ کرنا دشوار ہو اور اس میں فتنہ اور تفرقہ ہوتا ہو تو ان لوگوں کو چاہیئے کہ اس ملا کو چند سورتیں صحیح یاد کرا دیں اور ضروری روزمرہ کے پیش آنے والے نماز کی صحت و فساد کے مسائل بھی سکھا دیں(۳) اور آپس میں جھگڑا اور تفرقہ نہ ڈالیں کہ یہ بہت خرابی کی چیز ہے(۴)۔

---

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قراءة، فإن كانت قرائتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً. اهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، آهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو قدموا غير الأولىٰ أساؤا بلا إثم". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(۳) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسببٍ يوجبه مثل أن يوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلائها، وإن أدى خلعه إلى فتنة، احتمل أدنى المضرتين". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۶۳/۴، سعيد)

"عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۴، قديمي)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعًا ولاتفرقوا﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۳) .... =

اگر ملا بھی اس بات کو سمجھتا ہے کہ میں واقعی قرآن شریف غلط پڑھتا ہوں جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو اس کو امامت کرانا سخت گناہ ہے(۱)، تمام نمازیوں کا بار اس کے ذمہ رہے گا، اس لئے خود چاہیئے کہ امام نہ بنے۔ اگر دوسرے لوگ جبراً وقہراً امام بنائیں اور اسے انکار ممکن نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ سب مقتدیوں سے کہہ دے کہ میں قرآن شریف غلط پڑھتا ہوں جس سے سب کی نماز فاسد ہوجاتی ہے تم سب بھی گناہ گار ہوتے ہو اور میں بھی گنہگار ہوتا ہوں، یا تو مجھے بالکل امام مت بناؤ، یا میں پہلے چند سورتیں صحیح کرلوں تاکہ نماز صحیح ہوسکے اس کے بعد امام بنانا۔

مسجد میں بیٹھ کر اجرت پر سینا بھی ناجائز ہے، مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ بیٹھ کر سینا چاہیئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر اس کے غلط پڑھنے کی چند مثالیں بیان کردی جائیں تو اچھی طرح اندازہ ہوجائے کہ ایسی غلطی سے نماز صحیح ہوتی ہے یا فاسد۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ذی الحجہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الفاظ کو درست نہ پڑھنے والے کی امامت

سوال[۲۷۸۴]: جو شخص قرأت صاف صحت کے ساتھ نہ پڑھا سکے یعنی ''اَ'' اور ''ع''، ''ت'' اور ''ط''، ''ث''، ''س'' اور ''ح'' اور ''ہ'' اور ''ض''، ''ذ''، ''ز''، ''ظ'' میں فرق نہ کرے تو ایسے امام کی اقتدا کرنی درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بعض لوگ بستی والے ایسے امام کو رکھیں تو ان کا گناہ امام پر یا بستی والوں پر ہوگا؟

الجواب حامداومصلیاً:

اگر اس سے بہتر مسائل سے واقف، قرآن صحیح پڑھنے والا، متبع سنت ہے تو اس کو امام بنانا چاہیئے اور

= وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتنازعو فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۱) "ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه".

(الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۲، سعید)

امام مذکور کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے (۱) بشرطیکہ اس میں فتنہ نہ ہو (۲)۔ اگر اس سے بہتر امامت کے لائق دوسرا شخص موجود نہ ہو بلکہ سب اسی طرح پڑھنے والے ہیں تو پھر اس کی امامت میں بھی مضائقہ نہیں (۳) لیکن تصحیح حروف کی کوشش بہر حال لازم ہے، جس کا تارک گنہگار رہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضى الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأ هم لكتاب الله وأقدمهم قراءةً، فإن كانت قراءتهم سواء، فليؤمهم أقدمهم هجرةً الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/ ۲۳۶، قديمى)

(وسنن الترمذى، أبواب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/ ۵۵، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسببٍ يُوجبه، مثل أن يوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلانها، وإن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين. اهـ". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۴، سعيد)

(۳) "هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۱، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۲۴۴، امداديه ملتان)

(۴) "وحرر الحلبى وابن الشحنة أنه بذل جهده دائماً حتماً كالأمى". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: حتماً الخ): أى بذلاً حتماً فهو مفروض عليه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۲، سعيد)

غیر پابندِ شرع، غلط خواں اور سزا یافتہ کی امامت

سوال[۲۷۸۵]: ہماری مسجد کے امام صاحب قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتے ہیں جبکہ قاری قرآن کیلئے قواعدِ تجوید سے واقفیت ضروری ہے، وہ بالکل خلاف تجوید پڑھتے ہیں، اکثر مجہول پڑھتے ہیں اور تلفظ بھی صحیح نہیں ہے، حرف بدل دیتے ہیں جیسے ﴿عين اليقين﴾ کی جگہ "اين اليقين"۔ کیا ایسے حروف کے بدلنے سے نماز ہو جاتی ہے؟ چند حضرات ان کے پیچھے اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے ہیں جو کہ فتنہ بازی و پارٹی قائم ہونے کا سبب ہے۔ امام صاحب میں پابندیٔ شرع نہیں ہے، وہ جب امامت سے الگ ہوتے ہیں تو پابندیٔ جماعت تو بڑی چیز ہے پابندیٔ نماز بھی نہیں کرتے، گھر میں پردہ نہیں ہے، بیوی رفع حاجت کے لئے جنگل جاتی ہیں۔ امام صاحب ناظرہ خواں ہے، مسائل نماز سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ جو شخص قانون کی خلاف ورزی کر کے ایک مدت جیل میں رہا ہو اس کی امامت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر اس شخص کے مقابلہ میں کوئی فنِ تجوید سے واقف ہو، دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور سے سند یافتہ ہو اور حافظ بھی ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہیے جو صحیح العقیدہ ہو، قرآن کریم صحیح پڑھتا ہو، مسائلِ طہارت اور نماز سے واقف ہو، پابندِ شریعت ومتبع سنت ہو، اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہو(۱)۔ موجودہ امام کی جو غلطیاں سوال میں لکھی ہیں ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، جیسے سورۃ القارعہ میں ﴿ثقلت موازينه﴾ پر

---

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضي الله عنه يقول لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قرأةً، فإن كانت قراءتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً، آهـ". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمی)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوٰة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

﴿فأمه هاويه﴾ کا مرتب کرنا(۱)۔فنِ تجوید اور قواعدِ عربیہ سے متعلق جو غلطیاں لکھی ہیں عموماً فقہاء ان کی وجہ سے نماز فاسد قرار نہیں دیتے (۲)، لیکن جب دوسرا آدمی اوصافِ امامت سے متعلق موجود ہو تو اس کو ہی امامت کیلئے کیوں نہ تجویز کرلیا جائے (۳)، مگر اس کا خیال رہے جو کچھ کیا جائے للّٰہیت سے کیا جائے، کسی دوسرے جذبہ سے نہ ہو اور باہمی مشورہ سے کیا جائے تاکہ فتنہ برپا نہ ہو(۴)۔

---

(۱) "أما إذا غيّر المعنیٰ بأن قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولٰئک هم شر البرية، إن الذين كفروا من أهل الكتاب .... خالدين فيها اولٰئک هم خير البرية" تفسد عند عامة علمائنا، وهو الصحيح، وكذا في الخلاصة". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الخامس في زلة القاری، و منها ذكر آية مكان اية : ۱/ ۸۰، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوی التاتارخانية ، كتاب الصلوة ، الفصل الثانی في فرائض الصلوة و واجباتهاهـ، الفصل الرابع في ذكر آية مكان آية : ۱/۴۸۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهانی في الفقه النعمانی ، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في كيفيتها، فرع في ذكر آية مكان آية : ۱/۳۷۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) "فاتفقوا علی أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقاً ولو اعتقاده كفراً؛ لأن أكثر الناس لايُميّزون بين وجوه الإعراب". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مسائل زلة القاری : ۱ /۶۳۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع في صفة الصلوة، الفصل الخامس في زلة القاری، و منها ذكر آية مكان آية : ۱/ ۸۱، رشيديه)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن. آه".

قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ عليه: "ومعنی الحسن في التلاوة أن يكون عالمًا بكيفية الحروف والوقف ومايتعلق به، قهستانی". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿وأمرهم شوریٰ بينهم﴾ (سورة الشوریٰ: ۳۸) "عن أبی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرج علينا رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "أتدرون أیّ الأعمال أحب إلی الله تعالیٰ"؟ قال قائل: الصلوٰة والزكوٰة، وقال قائل: الجهاد . قال النبی صلی الله عليه وسلم: "إن أحب الأعمال إلی الله الحُبّ في الله والبغض في الله". رواه أحمد. وروی أبو داود الفصل الأخير". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله ومن الله: ۲/۴۲۷، قديمی)

قلوب کا حال اللہ پاک کو خوب معلوم ہے(۱)، مجرم اگر سزا پاکر اپنی اصلاح کرلے تو اس کو ہمیشہ کیلئے مجرم قرار دینا اور اس کے ساتھ مجرم جیسا معاملہ کرنا اور اس کو عار دلانا درست نہیں، اس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے وہ یہ کہ ''جو شخص ایسے آدمی کو عار دلائے گا مرنے سے پہلے خود اس کو بھی اس جرم میں مبتلا ہونا پڑے گا''(۲)۔ نستغفر اللہ۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ امام صاحب سے درخواست کی جائے کہ آپ کا یہ منصبِ امامت (جلیل القدر) منصب ہے، آپ قرآن کریم صحیح کرلیں تاکہ دوسروں کی نماز خراب نہ ہو، سارے مقتدیوں کا بوجھ امام کے سر ہوتا ہے اور جو بھی باتیں قابلِ اصلاح ہوں ان کی بھی اصلاح کریں، اس مقصد کیلئے آپ چھٹی لے لیں، پھر بعدِ اصلاح اپنی جگہ واپس آجائیں، اگر امام صاحب تسلیم کرلیں تو بہتر ہے ورنہ آداب واحترام کے ساتھ ان کو سبک دوش کرکے دوسرے آدمی کو جس میں اوصافِ امامت موجود ہوں امام تجویز کرلیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۱۸ھ۔

لحنِ خفی کرنے والے کی امامت

سوال[۲۷۸۶]: زید جامع مسجد شریف میں امام اور خطیب ہے نیز طرہ باز ہے، صافہ کے بالائی طرہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والله عليم بذات الصدور﴾. (سورة آل عمران: ۱۵۴)

(۲) "وعن ابن عمر رضي الله عنهما.......... فقال: "يامعشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه! لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من يتبع عورة أخيه المسلم، يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عورته فافضحه ولو في جوف رحله". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب: ۷۷۵/۸، رشيديه)

(۳) "لو حدث عذر مانع لإجراء موجب العقد تنفسخ الإجارة". ...... "والأصل أن كل عذر لايمكن معه استيفاء المعقود عليه إلا بضرر يلحقه في نفسه أو ماله، يثبت له حق الفسخ". (شرح المجلة للشيخ سليم رستم الباز، الكتاب الثاني في الإجارة، الفصل الأول في مسائل ركن الإجارة، (المادة: ۴۴۳): ۲۴۹/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کو نکال کر رکھتا ہے(۱) قرأت میں بعض آیات کو غیر معمولی طور پر بہت طول دیکر پڑھتا ہے اور اس کو وہ اپنی خوش الحانی پر محمول کرتا ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں ﴿إياك نعبد وإياك نستعين﴾ کے الف کو بہت لمبا کرتا ہے الگ کی صورت میں لے جاتا ہے اور ﴿أنعمت عليهم﴾ کے "عليه" کو بہت لمبا کرتا ہے اور ﴿ولا الضالين﴾ امین کو مختصر کردیتا ہے۔ غرض قرأت میں اکثر حروف کو بلاضرورت طول دیکر راگ کی صورت میں کرتا ہے ایسی صورت میں امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے؟ اگر علمائے کرام اس کی کراہت کا فتویٰ صادر فرمائیں تو کراہت کی تشریح ضرور فرمائی جائے۔ جواب سے جلد سرفراز فرمایا جائے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

امام تمام نمازیوں میں ایسا ہونا چاہیے کہ جو سب سے زیادہ مسائلِ نماز سے واقف، قرآن کریم صحیح پڑھنے والا ہو، متبعِ سنت ہو(۲)، اگر مسائلِ نماز سے واقف نہ ہو، قرآن کریم غلط پڑھتا ہو، پابندِ سنت وشریعت نہ ہوتو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۳)۔

صورت مسئولہ میں امام کی جو غلطیاں تحریر کی ہیں وہ لحن خفی کے درجہ میں ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خفیف کراہت پیدا ہوتی ہے، بہتر یہ ہے کہ امام صاحب کسی صحیح پڑھنے والے قاری صاحب سے کچھ مشق کرلیں۔ قرآن کریم کو گاکر راگ کے ساتھ گانے کے قواعد کے موافق پڑھنا جائز نہیں، خوش الحانی کے ساتھ تمام حروف کو مخارج سے ادا کرنا اور اخفاء، اظہار، ادغام، مد وغیرہ کی رعایت کرتے ہوئے قواعدِ تجوید کے موافق

---

(۱) "طُرّہ: زلف کاکل، سر کے بالوں کی لٹ ...... پگڑی کے اوپر کا سرا جو اُٹھا رہتا ہے ...... طرہ باز: اکڑنے والا، وہ شخص جو پگڑی پر طُرّہ لگائے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۷، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً للقراءة، ثم الأورع ...... ثم الأسن الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷)

(وايضاً سيأتي تخريجه تحت عنوان: "جوق اور ک صحیح ادا نہ کرے اس کی امامت"۔)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق ...... ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربوا الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وسيأتي بعض تخريجه تحت عنوان: "غیر مجود کی امامت")

پڑھنا مطلوب وثواب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر معمولی اِشباع ہوتا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے اور اگر الف یا واؤ میں إیاك کے علاوہ بھی اشباع کرتے ہیں جیسے نعبد، الحمد وغیرہ میں تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے(۲)۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۹/صفر/۱۳۶۶ھ۔

جو شخص ''ق'' اور ''ک'' صحیح ادا نہ کرے اس کی امامت

سوال[۲۷۸۷]: اگر ایک شخص حافظ ہے مگر وہ مخارج اچھی طرح ادا نہیں کر سکتا مثلاً: "ق"، کی جگہ، "ك"، اور "ك"، کی جگہ "ق"، پڑھ جاتا ہے اور بعض جگہ "ق"، کی جگہ "قــــی"، بھی پڑھ دیتا ہے اور وہ اپنے مخارج درست کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیا اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟ جب کہ وہ "مقابر" کی جگہ "مکابر" اور "یقدر اللیل" کی جگہ "یکدر اللیل" پڑھ جاتا ہے، "مستقیم" کی جگہ "مستکیم"، علیٰ ہذا القیاس جن سے معنی بدلنے کا خوف ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس سے بہتر شخص امامت کے لائق، قرآن کریم کو صحیح پڑھنے والا موجود ہو تو اس غلط پڑھنے والے کو

---

(۱) (راجع الحاشية الآتية)

(۲) "وإن كان الإلحان لا يغير الكلمة عن وضعها، و لا يؤدي التغني بهاإلى تطويل الحروف التي حصل التغني بها، حتى لا يصير الحرف حرفين، و ذلک مستحب عندنا في الصلوة و خارج الصلوة، و إن كان يغير الكلمة عن وضعها، يوجب فساد الصلوة؛ لأن ذلک منهي عنه، و إنما يجوز إدخال المدّ في حروف المد واللين، وهي الهوائية والمعتلة نحو الألف والواو والياء......... و في الخانية : والإلحان في حروف المد واللين لا يغير إلا إذا فحش". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثالث في فرائض الصلوة اهـ، الفصل السادس عشر في التغني بالقرآن والالحان : ۱/ ۵۰۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلوة، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ۱/ ۳۸۵، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

امام بنانا درست نہیں، اس کو علیحدہ کر کے دوسرے کو امام بنایا جائے (۱) کہ مخارج صحیح نہ ہونے کی بناء پر معنی بگڑ کر نماز فاسد ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اس کے ذمہ واجب ہے کہ مخارج کی تصحیح میں کوشش کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام کی قرأت اگر سمجھ میں نہ آئے، اس کی امامت

سوال [۲۷۸۸]: جس شخص کا قرآن پاک مقتدیوں کی سمجھ میں نہ آتا ہو کہ امام صاحب کیا پڑھ رہے ہیں، نیز آیا صحیح پڑھ رہے ہیں یا غلط؟ تو کیا ایسا شخص بھی اس بارِ عظیم کے اٹھانے کا مستحق سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی کم فہم ہیں یا امام نااہل ہے، پہلی صورت میں نماز ٹھیک ادا ہو جائے گی (۳) دوسری صورت میں

---

(۱) "عن إسمعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضی الله تعالیٰ عنه يقول لنا رسول الله صلی الله عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قرأةً، فإن كانت قراء تهم سواء، فليؤمهم أقدمهم هجرةً، آه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمی)

(وسنن الترمذی، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، ايچ، ايم، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا للقراءة، ثم الأورع، اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وحرر الحلبی وابن الشحنة أنه بذل جهده دائماً حتماً كالأمی". وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: حتمًا): أی بذل حتماً، فهو مفروض عليه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۲، سعيد)

(۳) اسلئے کہ امام میں امامت کی اہلیت موجود ہے۔

کراہت کے ساتھ ہوگی، بشرطیکہ کوئی مفسد صلوٰۃ پیش نہ آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

غیر مجوِّد کی امامت

سوال [۲۷۸۹]: تجوید کے ساتھ نماز نہ پڑھانے والے اور ڈاڑھی کتروانے والے کے پیچھے باشرع اور مکمل ومعمولی تجوید کے ساتھ قرآن ادا کرنے والے کا نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے (۲)، لیکن نماز اس کے پیچھے بھی ہوجائے گی جب تک اس سے کوئی چیز مفسدِ صلوٰۃ صادر نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً......... الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع".

"(قوله ثم: الأحسن تلاوةً وتجويداً) أفاد بذلك أن معنى قولهم: أقرأ: أى أجود لا أكثرهم حفظاً وإن جعله في البحر متبادرًا، ومعنى الحُسن فى التلاوة أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف ومايتعلق بها، قهستانى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۷، ۲۰۸، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة". ...... اهـ". (مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمى)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) "وإن تقدموا، جاز لقوله صلى الله عليه وسلم: "صلوا خلف كل بر وفاجر". (تبيين الحقائق، كتاب =

امام کے لئے قواعدِ تجوید کی رعایت

سوال[۲۷۹۰]: اگر کسی کی ادائیگی مع جمیع صفات کے نہیں ہوتی حالانکہ وہ حتی الامکان کوشش کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہے اور یقین بھی ہے کہ باقواعد تجوید ادا کررہے ہیں مگر مقتدیوں کو ٹھیک سمجھ میں نہیں آتی ہے، اس صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس سے بہتر امامت کے لائق قواعدِ تجوید کی رعایت کرنے والا دوسرا شخص موجود ہوتو اس کی امامت اولیٰ ہے اور نماز شخصِ مذکور کے پیچھے بھی درست ہے جب تک نماز میں کوئی مفسدِ صلوٰۃ غلطی نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۱۳۵۶ھ۔

= الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۳۴۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/۶۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قرأةً، فإن كانت قرائتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن كانوا في الهجرة سواء، فليؤمهم أكبرهم سناً، ولا تؤمّنّ الرجل في أهله ولا في سلطانه، ولاتجلس على تكرمته في بيته إلا أن يأذن لك" أو "بإذنه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوٰة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنے والے کی امامت

سوال[۲۷۹۱]: ایک شخص صف اول میں بیٹھنے کے باوجود تکبیر اولیٰ کی پرواہ نہیں کرتا، تسبیحات میں لگا رہتا ہے اور سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرتا ہے، نیز امام قاعدۂ اخیرہ کتنا ہی طویل کرے امام کے بائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد دائیں جانب سلام پھیرتا ہے۔ ایسے شخص کو امامت کیلئے متعین کرنا جائز ہے یا نہیں، با کراہت جائز ہے یا بلا کراہت؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ امام بنے گا تو کیا پھر بھی تکبیرِ اولیٰ کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس کی صورت کیا ہوگی، سورۂ فاتحہ میں سکتہ ثابت نہیں، ہاں! سات جگہ آیت ہے(۱)، سلام میں بھی امام کا اتباع کیا جائے (۲)۔ تاہم یہ امور ایسے نہیں کہ ان کی وجہ سے امامت مکروہ ہو اور جب امام بنے گا تو کیا پھر بھی سلام میں اتنی تاخیر کرے گا اور اس کی صورت کیا ہوگی یعنی پہلا اور تیسرا حال اس کا خود بخود ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیو بند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولقد اٰتينك سبعًا من المثاني والقرآن العظيم﴾ (سورة الحجر: ۸۷)

"والقول الثاني: إنها الفاتحة، وهي سبع آيات: وروي ذلك عن علي وعمر وابن مسعود وابن عباس رضي الله عنهم". (تفسير ابن كثير ۲/۵۷۳، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۱۴/۷۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ولو سلّم والمؤتم في أدعية التشهد تابعه؛ لأنها سنة، والناس عنه غافلون". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان تأليف الصلوٰة: ۱/۴۹۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لايتابعه: ۱/۹۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

الفصل العاشر فی اقتداء الحنفی بالشافعی وغیرہ

(غیر حنفی کی اقتداء کا بیان)

احناف کی نماز عیدین شوافع کے پیچھے

سوال[۲۷۹۲]: در نماز عیدین اگر امام شافعی المذهب باشد، مقتدیان احناف که فردایشان نمازِ عیدین واجب است ونزدِ شافعی سنت است، نمازِ عیدینِ احناف درست ورَوَا باشدیانه؟اگر اقتدائے احناف به شافعی درست وروا باشد، پس برائے درست وروا شدن چه صورت دارد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مذهب احناف را رعایت می دارد، یعنی فرائض وواجبات را روامی نماید فرو نمی گذارد، پس نمازِ احناف دراقتدائے چنین امام بلا تردّد ادا شود(۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن تيقن المراعاة لم يكره، أوعدمها لم يصح، وإن شك كره".

" والذی يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم يكن غير مراع في الفرائض؛ لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم"

(ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۶۳، ۵۶۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۹، ۸۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۹۳، ۲۹۶، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۷، دارالكتب العلمية بيروت)

شافعی امام کا مسائلِ اختلافیہ میں اتباع

سوال [۲۷۹۳]: ۱...... امام شافعی المذہب کے پیچھے حنفی مقتدی کو سورۂ حج کے سجدۂ ثانیہ کے وقت سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے یا نہیں؟ نیز سورۂ صٓ میں شافعی امام تو سجدہ نہ کرے گا، مقتدی اس وقت کرے یا بعد میں یا ساقط ہوگیا؟

۲...... نیز حنفی امام کے ساتھ فجر میں قنوت پڑھے یا نہیں، اگر پڑھ لیا تو نماز فاسد تو نہ ہوگی؟

۳...... نیز عید میں تکبیراتِ زائدہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھ ہیں یا بوجہ متابعت نو، اگر نو پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

۴...... اگر عصر کا وقت عند الحنفیہ نہ ہوا ہو اور شافعی ابتدائے وقت میں عصر پڑھے تو حنفی اقتداء کرسکتا ہے، اگر کرلی تو اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟

محمد شعیب، بارہ بنکوی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... امام کی متابعت میں سورۂ حج کا سجدہ ثانیہ مقتدی کو کرلینا چاہیے: "وظاهره أنه (أي المؤتم) يتبعه (أي الإمام) فيها (أي في ثانية الحج) ولو كان في الصلوة لكونه تابعًا تحقيقًا". أفاده الشامي: ۱/۸۰۱ (۱)۔ اور سورۂ صٓ کا سجدہ اگر امام نہ کرے تو مقتدی کو بھی نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ سجدۂ صٓ مختلف فیہ ہے (۲) اور وجوبِ اتباعِ امام متفق علیہ، كذا في الشامي: ۱/۴۹۰ (۳)، اور جب نماز میں سجدہ نہیں کیا تو

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب سجود التلاوة: ۱/۳۲۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "منها أولى الحج وصٓ خلافًا للشافعي وأحمد رحمة الله عليه". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود التلاوة: ۱/۴۹۸، ۴۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب سجود التلاوة: ۲/۲۱۲، رشيديه)

(۳) "ومتابعة الإمام يعني في المجتهد فيه لا في المقطوع بنسخه أو بعدم سنيته كقنوت فجر اهـ". =

بعد میں بھی نہ کرے گا(۱)۔

۲.....مقتدی کو ایسی حالت میں خاموش کھڑا رہنا چاہیے: "ویأتی المأموم بقنوت الوتر ولو بشافعي، ویقنت بعد الرکوع؛ لأنه مجتهد فیه، لاالفجر؛ لأنه منسوخ، بل یقف ساکتًا علی الأظهر مرسلاً یدیه". درمختار: ۱/۷۰۰ (۲) اگر قنوت پڑھے گا تو مکروہ کا مرتکب ہوگا۔

۳.....نوتکبیریں امام کی متابعت میں کہنے سے نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی:

"قال الشیخ ابن عابدین رحمة الله علیه تحت قول الحصکفي رحمة الله علیه: "(متابعة الإمام في المجتهد فیه لافي المقطوع بنسخه أوبعدم سنّیته، کقنوت فجر) ومثال ماتجب فیه المتابعة مما یسوغ فیه الاجتهاد وما ذکره القهستاني في شرح الکیدانیة عن الجلابي بقوله: کتکبیرات العید وسجدتي السهو قبل السلام والقنوت بعد الرکوع في الوتراهـ. والمراد بتکبیرات العید مازاد علی الثلاث في کل رکعةٍ مما لم یخرج عن أقوال الصحابة، کمالو اقتدی بمن یراها خمسًا مثلاً کشافعي. ومثّل لما لایسوغ الاجتهاد فیه في شرح

= (الدرالمختار، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۷۲، سعید)

(۱) "ولوتلاها في الصلوة، سجدها فیها لاخارجها لما مر، وفي البدائع: وإذا لم یسجد، أثم فتلزمه التوبة .... قال في شرح المنیة: وکل سجدة وجبت في الصلوة، لم تؤدفیها، سقطت: أی لم یبق السجود لهامشروعًا لفوات محله". (ردالمحتار، کتاب الصلوٰة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، سعید)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۸، مصطفی البابي الحلبي بمصر)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۱/۵۰۳، دارالکتب العلمیةبیروت).

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹، ۱۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۸، ۷۹، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۶، ۴۲۷، دارالکتب العلمیة،بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۱/۱۲۹، دارإحیاء التراث العربي بیروت)

6

الكيدانية عن الجلابي أيضًا بقوله: كالقنوت في الفجر، الخ". ۱/۴۹۲(۱)۔

۴.....بہتر اور احوط یہ ہے کہ عصر کی نماز مثلین سے قبل نہ پڑھی جائے، تاہم اگر کسی نے پڑھی تو صحیح ہوجائے گی، "قال المشايخ: ينبغي أن لايصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ولايؤخر الظهر إلى أن يبلغ المثل ليخرج من الخلاف فيها". کبیری، ص: ۲۲۵(۲)۔

امام شافعی المذہب کے متعلق اگر وثوق ہے کہ وہ حنفیہ کے مذہب کی رعایت کرتا ہے تو حنفی کو اس کا اقتداء جائز ہے، اگر وثوق سے معلوم ہے کہ وہ حنفیہ کے مذہب کی رعایت نہیں کرتا تو اس کا اقتداء درست نہیں اور اگر رعایت وعدم رعایت کچھ معلوم نہیں تو اقتداء مکروہ ہے اور ہر حال میں اگر معلوم ہوجائے کہ مقتدی کے مذہب کے موافق امام کی نماز درست نہیں ہوئی، مقتدی کو اپنی نماز کا اعادہ ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۳/۱۲/۳ھ۔

حنفی کے پیچھے شافعی کی نماز

سوال [۲۷۹۴]: یہاں پر مساجد میں مصلیانِ شوافع امام حنفی کے پیچھے اکثر جگہ نماز پڑھتے ہیں، تو جب فجر کی نماز مصلیانِ شوافع امام حنفی کے پیچھے پڑھتے ہیں تو جن کو پوری نماز امام کے ساتھ مل جاتی ہے تو جب امام حنفی دائیں طرف پہلا سلام پھیرتا ہے تو مصلیانِ شوافع جن کو پوری نماز ملی ہے وہ بھی امام کے ساتھ دائیں

(۱) (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۰، ۴۷۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸، ۹، سعيد)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، بحث فروع في شرح الطحاوي، ص: ۲۲۷، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۵، ۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۱۷۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) "الحاصل أنه إن علم الاحتياط منه في مذهبنا فلاكراهة في الاقتداء به، وإن علم عدمه فلاصحة، وإن لم يعلم شيئًا، كره" (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۱، ۸۲، رشيديه)

طرف سلام پھیرتے ہیں اور جب امام بائیں طرف سلام پھیرتا ہے تو مصلیانِ شوافع بجائے بائیں طرف سلام پھیرنے کے امام کے سلام کے ساتھ دوسجدے کرتے ہیں اور دوسجدے کر کے فوراً اٹھتے ہی پھر دونوں طرف سلام پھیر دیتے ہیں اور یہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی قنوتِ نازلہ چھوٹ جاتی ہے، بظاہر امام کی مخالفت لازم آتی ہے، آیا اس صورت میں حضراتِ شوافع مصلّیان کی نماز پوری ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضراتِ شوافع اپنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبع ہیں، ان پر اعتراض کی ضرورت نہیں، ان کو جو کچھ تحقیق کرنا ہو وہ شافعی مفتی سے تحقیق کریں گے(۱)۔ احناف کے نزدیک نماز فجر میں قنوتِ نازلہ واجب نہیں کہ اس کے ترک سے سجدۂ سہو واجب ہو، نیز عمداً ترکِ واجب سے حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو لازم نہیں آتا(۲)، کما فی کتب الفقه من الدر المختار (۳)، والبحر الرائق(٤)، وفتح القدير(٥)، وغیرھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "على أن الواجب على المقلد العمل بقول المجتهد وإن لم يظهر دليله، كما أفاده في رسم المفتي". (الدر المختار، كتاب النكاح باب الرضاع: ۳/ ۲۱۰، سعيد)

(۲) "يجب .... سجدتان .... بعد سلام واحد عن يمينه فقط .... بترک واجب سهواً فلاسجود في العمد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب سجود السهو: ۲/ ۷۷-۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب سجود السهو: ۲/ ۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة باب سجود السهو ص: ۴۶۱، قديمي)

(۳) "ويأتي المأموم بقنوت الوتر لا الفجر؛ لأنه منسوخ، بل يقف ساكتاً على الأظهر مرسلاً يديه." (الدر المختار كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۸، ۹، سعيد)

(۴) "(قوله: لايقنت في غيره): أي في غير الوتر لما رواه الإمام أبو حنيفة عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقنت في الفجر قط إلا شهراً واحداً، ولم ير قبل ذلک ولابعده .... (قوله: لا الفجر): أي لايتبع المؤتم الإمام القانت في صلاة الفجر، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، وقال أبو يوسف رحمة الله عليه: يتابعه؛ لأنه تبع للإمام، والقنوت مجتهد فيه. ولهما أنه منسوخ، فصار كما لو كبر خمساً في الجنازة حيث لايتابعه في الخامسة". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۷۸، ۷۹، رشيديه)

(۵) "وبما قدمناه إلى هنا انقطع بأن القنوت لم يكن سنةً راتبةً، إذ لو كان راتبةً يفعله صلى الله عليه وسلم=

حنفی کیلئے شیعہ مرزائی کی امامت

سوال[۲۷۹۵]: ایک گاؤں میں تین مذاہب کے لوگ آباد ہیں: شیعہ، مرزائی، اہلِ سنت والجماعت، مگر امام حنفی عقیدہ رکھتا ہے یعنی اہلِ سنت والجماعت ہے۔ کیا وہ امام ہر سہ مذہب کے لوگوں کی امامت کرسکتا ہے اوران کی شادی، غمی ودیگر مواقع پر شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جواب بسند ہو۔ مرزائی وشیعہ کا ذبح کیا ہوا جانور کھانے میں استعمال کرنا امام کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شیعہ اور مرزائی اپنے مذہب والوں سے خود دریافت کریں گے کہ حنفی امام کے پیچھے ان کی نماز درست ہے یا نہیں، آپ کو ان کی کیا فکر پڑی۔ اور وہ آپ کے مذہبی مسائل کو تسلیم ہی کب کریں گے۔ علمائے اہلِ سنت والجماعت کے فتویٰ کے مطابق مرزائی عقیدہ والے کافر ہیں، ان کی شادی غمی میں شرکت ان کی میت پر نماز جنازہ ان کے امام کا اقتداء کرنا وغیرہ جملہ امور ناجائز وممنوع ہیں (۱)۔ ان کا ذبیحہ بھی ناجائز ہے۔ شیعہ کا جو فرقہ نصوصِ قطعیہ کا منکر ہے اس کا بھی یہی حکم ہے اور جو فرقہ نصوصِ قطعیہ کا منکر نہیں وہ کافر نہیں، اس کا ذبیحہ درست ہے لیکن حتی الوسع اختلاط اس سے بھی نہیں چاہیئے کہ فسادِ عقائد کا قوی اندیشہ ہے:

"نعم لاشك فی تكفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله عنها، أو أنكر صحبة الصدیق رضی الله عنه، أو اعتقد الألوهیة فی علی رضی الله عنه، أو أن جبریل علیه السلام

= كل صبح يجهر به ويؤمن من خلفه أويسرّبه". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صلوة الوتر: ۱/ ۳۳۴، مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر)

(وكذا فی تبیین الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۴۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۲۹۳، مكتبه امداديه، ملتان)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (سورة الأحزاب: ۴۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فلاتقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (سورة الأنعام: ۶۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتصل علىٰ أحدمنهم مات أبداً ولا تقم علىٰ قبره، إنهم كفروابالله ورسوله﴾ (سورة التوبة: ۸۴)

غلط في الوحي، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن، اهـ". شامي: ۳/۴۵۳(۱)۔
"ومنها: -أي من شرائط- الذكوة أن يكون مسلماً أو كتابيًا، فلاتؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد، اهـ". هندية: ۵/۲۸۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۴/۶/۱۳۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۱۳۵۹ھ۔

حنفی کی نماز غیر مقلد کے پیچھے

سوال[۲۷۹۶]: غیر مقلدین اہل حدیث کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو کس اصول کی بناء پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص تقلیدِ ائمۂ مجتہدین کو شرک نہیں کہتا اور ان ائمہ کرام (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) کو بُرا نہیں کہتا، مسائلِ طہارت وصلوٰۃ میں حنفی مذہب کی رعایت کر کے نماز پڑھتا ہے، وہ اگر چہ کسی متعین امام کی تقلید نہیں کرتا، اور حدیث شریف میں جو کچھ ثابت ہے، دیانت داری سے اس پر عمل کرتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے حنفی کی نماز درست ہے:

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب المرتد: ۴/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها مايتعلق بالأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۴، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۵/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، ۲۹۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۸/۳۰۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن علم أنه راعى في الفروض والواجبات والسنن، فلا كراهة وإن علم تركها في الثلاثة، لم يصح، وإن لم يدر شيئًا كره؛ لأن بعض مايجب تركه عندنا يسن فعله عنده، فالظاهر أنه يفعله، وإن علم تركها في الأخيرين فقط، ينبغي أن يكره؛ لأنه إذا كره عند احتمال ترك الواجب فعندتحققه بالأولى، وإن علم تركها في الثالث فقط، ينبغي أن يقتدى به؛ لأن الجماعة واجبة فتقدم على ترك كراهة التنزيه" الخ". شامی: ۳۷۸/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اہلِ حدیث کی امامت

سوال [۲۷۹۷]: اہلِ حدیث کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور یہ اہلِ سنت والجماعت میں شامل ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ حدیث اگر ائمۂ مجتہدین پر سب وشتم نہ کریں اور فرائض وواجبات میں حنفی مسلک کی رعایت کرکے نماز پڑھائیں تو ان کے پیچھے نماز درست ہوجائیگی (۲)، ایسے اہلِ حدیث بھی اہلِ سنت والجماعت سے الگ نہیں جو کہ دیانت داری سے حدیث پر عمل کرتے ہیں اور فقہاء سے بغض نہیں رکھتے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟: ۵۶۳/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: /۶۱۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالإمامة: ۶۰۲/۱، إدارة القرآن)

(۲) "والذي يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم يكن غير مراع في الفرائض؛ لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين، وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۴/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۳/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۴۲۷/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

غیر مقلد کی امامت

سوال[۲۷۹۸]: زید حافظِ قرآن ہے، غیر مقلد ہے، علماء، بزرگان وغیرہ کو بھی نہیں مانتا، اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ اس نے ایک خواب دیکھا ہے وہ یہ ہے (خواب) زید کہتا ہے کہ عرصہ ہوا میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بڑے میدان میں جانب پورب غیر مسلم (۱)، جانب مغرب عام مسلمان اور جانب اتر (۲) کچھ لوگ عمامہ وغیرہ باندھے ہوئے موٹی موٹی کتابیں ہاتھ میں تھیں، کھڑے ہیں اور باقی جمع بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسا مجمع ہے؟ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آنے والی ہے، میں جانب پورب اُتر کونے میں کھڑا ہوگیا، دیر کے بعد معلوم ہوا کہ جانبِ مغرب آکر کھڑا ہوگیا اور عام مسلمان ملنے لگے اور وہ کتابیں والے آدمی یعنی علماء ویسے ہی کھڑے رہے، ان کی طرف اشارہ کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو بھگاؤ، یہ مجھے بدنام کرنے والے ہیں۔

آج مزید زید نے بتایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ چاک کے بٹن کھلے تھے اور ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں آکر کچھ کہا اور عالموں کی طرف اشارہ کیا کہ ان کو بھگاؤ کہ جب مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے تو مجھے کسی امام وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ زید برابر گلا کھلا رکھتا ہے، جمعہ کے دن بٹن وغیرہ لگائے بغیر نماز جمعہ پڑھاتا ہے، زید کا کچھ طریقہ اہلِ سنت کا بھی ہے، رفع یدین نہیں کرتا۔ زید نے بوجہ بارش کم ہونے کے نماز فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنا شروع کیا ہے، یہاں پر ہم لوگ سب مقلد ہیں، یہ غیر مقلد اپنی تبلیغ کرکے سب کو غیر مقلد بنانے کی فکر میں ہے، اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ حافظِ قرآن کی موجودگی میں کوئی دوسرا نماز نہیں پڑھا سکتا تو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جملہ سوالات اور خواب زید دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید مبتدع بدعتی ہے اور امامتِ مبتدع مکروہ تحریمی ہے، زید کا خواب میں دیکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علماء کو بھگا رہے ہیں اس سے مراد علمائے سوء ہیں، اس لئے کہ جو علماء اہلِ حق ہیں ان کے تو فضائل بحالتِ بیداری بیان فرماتے ہیں ان کو کیسے بھگاتے:

---

(۱) ''پورب: مشرق''۔ (فیروز اللغات، ص:۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''اُتر: شمال''۔ (فیروز اللغات، ص:۶۳، فیروز سنز، لاہور)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "بلغوا عني ولو آيةً". الحديث رواه البخاري". (۱)، مشكوة شريف، كتاب العلم، ص: ۳۲(۲)۔

"وعن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان: أحدهما عابد والآخر عالم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم". ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله وملئكته وأهل السموات والأرض حتى النملة في جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس خيراً". رواه الترمذي"(۳)،مشكوة المصابيح، كتاب العلم، ص: ۳٤(٤)۔

زید کی بدعت پر کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے استسقاء پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے(۵) وقنوت نازلہ پڑھتا ہے، زید کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کو اس کا نفس چاہے، یہ اہل ہویٰ کا طریقہ ہے: "ويكره إمامة العبد، الخ ......والفاسق الخ ......والمبتدع الخ". ردالمحتار باب الإمامة: ۱/۵۲۳(٦)۔

---

(۱)"والحديث بأسره: "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "بلغوعني ولو آيةً، و حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج، ومن كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". (أخرجه البخاري في كتاب الأنبياء، باب ماذُكر عن بني اسرائيل: ۱/۴۹۱، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۳۲، قديمي)

(۳) (سنن الترمذي، أبواب العلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء فضل الفقه على العبادة: ۲/۹۸، سعيد)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۴، قديمي)

(۵) "عن عباد بن تميم عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم استسقىٰ. فصلى ركعتين. وقلب رداءه". (صحيح البخاري، كتاب أبواب الاستسقاء، باب صلوة الاستسقاء ركعتين: ۱/۱۴۰، قديمي)

(۶) (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركت علميه،ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوٰة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، داراحياء التراث العربي بيروت)

حافظ قرآن کریم کی موجودگی میں کوئی دوسرا امامت نہیں کرسکتا، یہ لغو ہے، البتہ اگر حافظ قرآن کریم، قرآن کریم صحیح پڑھتا ہے اور نماز کے مسائل سے بھی واقف ہے کہ کس فعل سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کیا کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے تو بہ نسبت دوسرے لوگوں کے جو غیر حافظ اور غیر عالم ہیں حافظ کا امام بنانا افضل ہے، لیکن عالم متبع شریعت ہر صورت میں حافظ سے افضل ہے(۱)۔ پھر یہ کہ فلاں کی امامت افضل ہے فلاں سے، یہ امام مقرر کرتے وقت دیکھا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شرعاً امامت کا اہل تھا، اس کو امام مقرر کر دیا گیا پھر وقتی طور پر کوئی بڑا عالم آ گیا اس مسجد میں جہاں امام مقرر ہو گیا ہے تو اس وقت امامت اس امام کی افضل ہے، جو مقرر ہو چکا ہے۔ مگر یہ سعادت کی بات ہے کہ اصل امام بڑے عالم سے یہ عرض کرے کہ آپ پڑھا دیں (۲)۔ ائمۂ اربعہ

---

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبامسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله وأقدمهم قرأةً، فإن كانت قرأتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن كانوا في الهجرة سواء فليؤمهم أكبرهم سناً، ولاتؤمّنّ الرجلَ في أهله، ولافي سلطانه، ولا تجلس على تكرمته في بيته إلا أن يأذن لك أوبإذنه". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الإمامة والجماعة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۱۲۶، قديمي)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً للقرأة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقًا، ثم الأحسن وجهًا، ثم الأشرف نسبًا، ثم الأنظف ثوبًا". (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع الحاشية السابقة)

وأيضاً قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "واعلم أن صاحب البيت وكذا إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقًا إلا أن يكون معه سلطان أو قاض فيقدم عليه". (الدر المختار)

"(قوله: مطلقًا): أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. وفي التاتار خانية: جماعة أضياف في دار يريد أن يتقدم أحدهم ينبغي أن يتقدم المالك، فإن قدم واحدمنهم لعلمه وكبره =

میں سے کسی کی تقلید کے بغیر اس دور میں چارہ کار نہیں، ان سب سے اپنے کو بے نیاز سمجھ کر تقلید سے آزاد ہونا گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۸۸ھ۔

غیر مقلد کی اقتداء

سوال[۲۷۹۹]: غیر مقلد کے پیچھے نماز فرض ہوگی یا نہیں، نیز غیر مقلد کا عقیدہ کیسا ہے؟ جوابات مع اقوالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سند ونصِ صریح، عبارات پوری معہ زبروزیر علمی عنایت فرماویں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: بندہ ابوذر گوریہاری، مظفر پوری بہاری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض غیر مقلدین منصف مزاج ہوتے ہیں جن میں تشدد وتعصب نہیں ہوتا، اگر وہ امامت کے اہل ہوں اور حنفی مذہب کی رعایت کر کے نماز پڑھاتے ہوں تو ان کے پیچھے حنفی کی نماز درست ہے، اگر وہ حنفی مذہب کی رعایت نہ کریں تو درست نہیں، اگر ان کے متعلق رعایت وعدم رعایت کا حال کچھ معلوم نہ ہو تو مکروہ ہے:

"الحاصل أنه إن علم الاحتياط منه في مذهبنا، فلا كراهية في الاقتداء به، وإن علم عدمه فلاصحة، وإن لم يعلم شيئًا كره". درمختار، ص:۶۹۸(۲)۔

= فهو أفضل. وإذا تقدم أحدهم جاز؛ لأن الظاهر أن المالک يأذن لضيفه إكرامًا له، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ (سورة النحل: ۴۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وقالوا لوكنا نسمع أو نعقل ماكنا في أصحٰب السعير﴾ (سورة الملک: ۱۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولوردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم، لعلمه الذين يستنبطونه منهم﴾ (سورة النساء: ۸۳)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۱، ۸۲، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۲، ۸۳، رشيديه) =

اور بعض غیر مقلد متعصب ومتشدد ہوتے ہیں، جو امام اعظم ودیگر ائمہ ومقلدین اکابر اہل اللہ کو لعن وطعن سب وشتم کرتے ہیں، تقلید کو شرک کہتے ہیں (۱) ان کو امام بنانا حرام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۲/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۴ھ، سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۲۸۰۰]: اہلحدیث کے پیچھے حنفیہ مسلک کی تقلید کرنے والے حضرات کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ثابت کرنے والوں کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو اہلِ حدیث تقلید کو شرک نہیں کہتا اور ائمۂ مجتہدین وسلف صالحین کو سب وشتم نہیں کرتا اور حنفیہ کے مذہب کی رعایت کر کے نماز پڑھاتا ہے اس کے پیچھے حنفیہ کی نماز درست ہے، جو حنفیہ کے مذہب کی رعایت نہیں کرتا اس کے پیچھے درست نہیں، جس کے متعلق رعایت وعدم رعایت کا علم نہیں اس کے پیچھے مکروہ ہے مگر نماز درست ہو جائے گی جب تک امام کے متعلق کسی وصف مفسد صلوۃ کا علم نہ ہو، اگر علم ہو جائے مثلاً امام کے

=(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۲۸۱، دار المعرفة بيروت)

(۱) "حدثنا شعبة عن زبير قال: سألت أبا وائل عن المرجئة فقال: حدثني عبد الله رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله وهو لا يشعر: ۱/ ۱۲، قديمي)

"ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمي". قال ابن عابدين رحمه الله تعالى عليه: "قوله وفاسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك ..... وكراهية تقديمه كراهة تحريم. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيدمي، لاهور)

بدن سے خون نکلا جو اس کے مذہب کے موافق ناقض وضو نہیں اور حنفی مذہب کے موافق ناقض وضو ہے تو نماز نہیں ہوئی، حنفی کو اپنی نماز کا اعادہ لازم ہے۔ اور جو اہل حدیث تقلید کو شرک کہتا ہے اور ائمہ مجتہدین وسلف صالحین پر سب وشتم کرتا ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں اس کو امام بنانا ہی جائز نہیں، اس میں نفی واثبات دونوں پہلو ہیں:

"والرابع عشر من شروط صحة الاقتداء أن لايعلم المقتدي من حال إمامه المخالف لمذهبه مفسداً في زعم المأموم يعني في مذهب المأموم كخروج دم سائل أو قيء يملأ الفم، وتيقن أنه لم يعد بعده وضوء ه حتى لو غاب بعد ماشاهد منه ذلك بقدر مايعيدالوضوء ولم يعلم حاله، فالصحيح جواز الاقتداء مع الكراهة كمالوجهل حاله بالمرأة أما إذا علم منه أنه لايحتاط في مواضع الخلاف، فلايصح الاقتداء به سواء علم حاله في خصوص ما يقتدي به فيه أولا. وإن علم أنه يحتاط في مواضع الخلاف، يصح الاقتداء به على الأصح، ويكره كما في المجتبى. وقال الديري في شرحه: لايكره إذا علم منه الاحتياط في مذهب الحنفي، اهـ". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱/۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۱۳۶۸ھ۔

دیوبندی کی بریلوی مسجد میں امامت

سوال[۲۱۰۱]: میں دیوبندی عقائد کا حامل ہو کر بریلوی عقیدہ والوں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۲، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۱، ۸۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۸۱، دار المعرفة، بيروت)

الجواب حامداًومصلياً:

اگران کی خاطر غلط کام نہیں کرتے تو جائز ہے، لیکن یہ یادر ہے کہ اپنے کو چھپانا خطرناک ہے، جب مقتدیوں کو معلوم ہوگا کہ یہ دیوبندی عقیدہ کا آدمی ہے جس کے پیچھے ہم نے نماز پڑھی تو پھر کیا حال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۵ھ۔

بریلوی کی نماز دیوبندی کے پیچھے

سوال[۲۸۰۲]: جب چاروں امام درست ہیں تو دیوبندی کے پیچھے بریلوی کی نماز کیوں نہیں ہوتی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جیسا شافعیہ حنفیہ کا اختلاف ہوتا ہے بلکہ بریلوی لوگ حضرات علمائے دیوبند کو بلکہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''جوان کو کافر نہ سمجھے وہ خود کافر ہے'' پھر وہ کسی کے پیچھے کیوں نماز پڑھیں گے، اس وجہ سے وہ علمائے حرمین کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے، اگر کوئی شخص پڑھ لیتا ہے تو اس سے اس کی جماعت باز پرس اور مطالبہ کرتی ہے۔ اس سال مولانا حبیب الرحمن کشی (بریلوی) نے مدینہ طیبہ میں اپنی جماعت الگ کی اور امام مسجد نبوی کو مسلمان نہیں قرار دیا جس کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور انکو بغیر حج کئے واپس ہندوستان بھیج دیا گیا، یہاں پہونچ کر انہوں نے بہت پوسٹر شائع کئے اور حکومت سعودیہ کے خلاف احتجاج کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

کیا حقِ امامت اور نکاح خوانی وراثت میں منتقل ہوتا ہے؟

سوال[۲۸۰۳]: ہمارے یہاں ایک شخص ہے جو کہ صوم وصلوۃ کا پابند نہیں، اس شخص کے دادا مرحوم صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور گورنمنٹ سے منظور شدہ قاضی تھے، اپنے یہاں وہی عیدین کی نماز اور نکاح خوانی کے فرائض انجام دیتے تھے، ان کے اندر ان کاموں کو انجام دینے کی لیاقت تھی۔ اب قاضی صاحب تو مرحوم ہو چکے بہت مدت ہوئی، بلکہ ان کے لڑکے کا بھی انتقال ہو چکا ہے، اب ان مرحوم کے پوتے دعوی کرتے ہیں کہ عیدین وغیرہ کی نماز پڑھانا یہ ہمارا خاندانی کام ہے، لہٰذا کسی کو اس کا حق نہیں کہ وہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں اور نکاح میری غیر موجودگی میں پڑھائے، یہ دعوی انہوں نے کورٹ کے اندر کیا ہے۔ چونکہ ہمارے یہاں اس قابل نہیں کہ یہ سب کام انجام دے، اس لئے گاؤں کے لوگوں نے ملکر ایک حافظ عالم کو بلالیا، لہٰذا لوگوں نے انہیں سے یہ کام بھی لینا چاہا تو اس پر قاضی صاحب کے پوتے نے دعوی کردیا، حالانکہ وہ صلوۃ وصوم کا پابند نہیں۔ تو کیا امامت اور اس جیسی چیزوں میں بھی وراثت چلتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت کا مستحق وہ ہے جو طہارت اور نماز کے مسائل سے واقف ہو، صحیح العقیدہ ہو، قرآن کریم صحیح پڑھتا ہو، متبع سنت پابند شریعت ہو، اگر مرحوم امام صاحب کے پوتے میں یہ چیزیں موجود ہیں تو بہتر ہے ان کو ہی امام رکھا جائے، ایسے شخص کے پیچھے عالم حافظ سب کی نماز درست ہوجاتی ہے، کوئی نزاع نہ کیا جائے۔ اگر یہ صفات موجود نہ ہوں تو محض سابق امام کے پوتے ہونے کی وجہ سے اپنا حق قائم نہ کیا جائے، کیونکہ امامت وراثت میں نہیں ملا کرتی بلکہ اہلیت سے ملتی ہے(۱)، ایسی حالت میں ان کے لئے زیبا ہے کہ وہ مصلی چھوڑ کر

---

(۱) "عن أبی مسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یؤم القوم أقرأهم لکتاب اللہ وأقدمهم قراءةً، فإن کانوا فی القراءة سواء فلیؤمهم أقدمهم هجرةً، فإن کانوا فی =

دوسرے اہل شخص کی امامت کیلئے تجویز پیش کریں۔نزاع اورمقدمہ بازی قبیح چیز ہے، آپس میں اتحاد واتفاق سے رہنا چاہئے (۱)۔

نکاح مردعورت خودبھی کر سکتے ہیں، کسی اَور سے بھی پڑھوا سکتے ہیں، کسی متعین قاضی کا ہونا ضروری نہیں (۲) لیکن جو شخص گورنمنٹ کی طرف سے منظور شدہ قاضی ہو، اس کے پاس رجسٹر ہو جس میں وہ اندراج کرتا ہو اور وقتِ ضرورت عدالت میں جاکر گواہی دیتا ہو، اس کو بلا وجہ معزول نہ کیا جائے۔ مفاہمت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ نکاح تو جس سے دل چاہے پڑھوالیا جائے اور قاضی صاحب رجسٹر میں درج کرنے کی فیس مقرر کرلیں کہ جو شخص قانونی تحفظ وپیش بندی کے لئے درج کرانا چاہے وہ اتنی فیس قاضی صاحب کو دیدے، اس سے ان کا حق بھی قائم رہے گا اور سب کو سہولت بھی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

احتیاط الظہر پڑھنے والے کی امامت

سوال[۲۸۰۴]: ماقولكم أيها العلماء في هذه المسئلة، کہ جو امام احتیاط الظہر کا قائل ہے

= الهجرة سواء، فليؤمهم أكبر هم سناً، ولا يُؤمّ الرجل في بيته، ولا في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۹۳، امداديه ملتان)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ثم الأحسن تلاوةً وتجويدا للقراءة ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) قال الله تعالى: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾. (سورة آل عمران: ۱۰۳)

(۲) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر، اهـ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركت علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

اور علانیہ طور پر کہتا ہے کہ ہمارا جمعہ نہیں ہوتا، لہذا احتیاط الظہر کا بعد جمعہ پڑھنا واجب ہے اور مسجد بھی شہر یا قصبہ میں واقع ہو تو ایسے امام کے پیچھے ایسے شخص کو جو احتیاط الظہر کا قائل نہ ہو کیا کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے پیچھے نماز ادا کرنے میں جمعہ تو ادا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ امام خود قائل نہیں ہے، ہمیشہ کے لئے جمعہ کا ترک کرنا شرعاً نامناسب ہے جیسا کہ اکثر روایات سے ظاہر اور یقین طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر نماز کا اعادہ کرلے گا تو پھر بھی جمعہ کا ترک لازم آئیگا۔ برائے کرم تفصیل سے تحریر فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کا کہنا قول مفتی بہ کے خلاف ہے، تاہم اس کے پیچھے ایسے شخص کا جمعہ پڑھنا درست ہے جو وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ شروط متحقق ہونے پر جمعہ درست ہو جاتا ہے اور احتیاط الظہر واجب نہیں، اس میں اعتقاد مقتدی کا اعتبار ہے، جیسے کہ جو شخص وتر کو واجب اعتقاد کرتا ہے اور جیسے کہ ایک شخص کے اعتقاد میں ایک چیز ناقض وضو یا مبطل صلوۃ ہے وہ امام ہے اور مقتدی کے حق میں وہ چیز ناقض وضو اور مبطل صلوۃ نہیں تو ایسے مقتدی کی نماز اصح قول کی بناء پر صحیح و درست ہو جاتی ہے، اسی طرح صورت مسئولہ میں بھی شخص مذکور کے پیچھے جمعہ درست ہے۔

"وأما إذا علم المقتدي من الإمام ما يفسد الصلوة على زعم الإمام دون المقتدي كمس المرأة أو الذكر أو حمل نجاسة قدر الدرهم والإمام لا يدري بذلك، فإنه يجوز اقتدائه به على قول الأكثر، وقال بعضهم: لايجوز، منهم الهندواني؛ لأن الإمام يرى بطلان هذه الصلوة، فتبطل صلوة المقتدي تبعاً له، وجه الأول وهو الأصح أن المقتدي يرى جواز صلوة إمامه والمعتبر في حقه رأي نفسه، فوجب القول بجوازها ما في التبيين وفتح القدير، اه". طحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۱٦۱ (۱)۔ "لو اقتدى من يرى وجوب الوتر بمن يرى سنيته، فإن ذالك صحيح

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۳، ۲۹۵، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۲۵۵، امداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/ ۸٦، رشيديه)

للاتحاد، ولا يختلف باختلاف الاعتقاد". طحطاوی، ص: ۱۵۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جو امام تبلیغی نصاب پڑھنے کو روک دے اس کی امامت

سوال[۲۸۰۵]: مسجد میں بعد نماز فجر تبلیغی نصاب کی تعلیم ہوا کرتی تھی، اس کو اس امام نے روک دیا، کیا ایسا امام امامت کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیوں روک دیا، کیا اس میں کوئی خلاف شرع بات تھی؟ دین کی اشاعت کی تو امام پر بھی بڑی ذمہ داری ہے (۲)۔ جو امام نہ خود دین حق کی اشاعت کرے اور نہ دوسروں کو اشاعت کرنے دے وہ امام بنانے کے لائق کہاں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو لوگ درس قرآن کو لازمی نہ سمجھے اس کی امامت

سوال[۲۸۰۶]: ایک امام مسجد نے ایک گروہ کے سامنے یہ الفاظ طنزیہ انداز میں کہے جب کہ ان سے درس قرآن پڑھنے کے لئے کہا گیا کہ درس قرآن پڑھنا کوئی سنت فرض ہے، از روئے شریعت ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے؟ نیز امام صاحب پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۱، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۴۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۲۵۵، امداديه ملتان)

(۲) "لابدّ للإمام من عشرة أشياء......العاشر: إذا رأى من أهل مسجده منكرا يغير عليهم بنيهه ولا يرخي عنهم، ويأمرهم بالمعروف". (السباعيات في الفقه الحنفي، باب ما سعي للامد، ص ۱۴۷، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اس کہنے کی وجہ سے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ جائز ہے، رسالہ "تفسیر درس قرآن" مفید مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن اس کا مخصوص طور پر پڑھنا فرض یا سنت نہیں، ضروری مضامین دیگر کتب ورسائل میں بھی موجود ہیں جس کو جس کتاب سے مناسبت ہو وہ کتاب پڑھ سکتا ہے، بس اتنی بات ضروری ہے کہ وہ صحیح ہو، غلط نہ ہو(۱) اور فہم سے اونچی نہ ہو(۲)۔ نیز ایسی طرح نہ پڑھیں کہ نمازیوں کی نماز میں خلل آئے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو امام مقتدی سے صلح نہ کرے اس کی امامت

سوال[۲۸۰۷]: ایک امام اور مقتدی میں کچھ جھگڑا ہوا بروز جمعہ، یہ معاملہ پیش ہو کر یہ بات طے ہوئی کہ خطا کسی کی نہیں بلکہ دونوں صاحب کی بھول ہے، اس لئے صلح کرلو کیونکہ مرتبہ میں تو امام صاحب بڑے اور عمر میں مقتدی صاحب بڑے ہیں، لہٰذا دونوں مصافحہ ملالو، مگر سارے گاؤں کے کہنے پر بھی پیش امام صاحب نے مصافحہ نہیں کیا۔ اس مقتدی کی نماز اس پیش امام کے پیچھے ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس طرح سے بہت سے مقتدیوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے جو اپنے مقتدیوں سے بغض وکینہ رکھے اور صلح

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أفتيَ بغير علم، كان إثمه على من أفتاه الخ" (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۵، قديمي)

(۲) "وقال صلى الله عليه وسلم: "كلموا الناس بما يعرفون، ودَعُوا ما ينكرون، أتريدون أن يكذب على الله ورسوله" وهذافيما يفهمه صاحبه ولا يبلغهٔ عقل المستمع، فكيف فيمالا يفهمه قائله، فإن كان يفهمه القائل دون المستمع فلايحل ذكره". (إحياء علوم الدين، كتاب العلم، الباب الثالث فيما يعده العامة من العلوم المحمودة وليس منها: ۱/۵۹، المكتبة الحقانية بشاور)

(۳) "وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها، إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أوقارئ الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

پر رضامند نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز تو اس مقتدی کی بلکہ سب مقتدیوں کی ان کے پیچھے بھی درست ہوگئی (۱)۔لیکن امام صاحب کے لیے یہ طریقہ اچھا نہیں بہت غلط اور سخت ناپسند ہے، جو شخص مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہو اور صلح کرنا چاہتا ہے اور بستی کے لوگ بھی سب خواہش مند ہیں تو امام صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ مصافحہ نہ کریں اور دل میں کینہ رکھیں، ان کی بھی اپنی اصلاح ضروری ہے (۲)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح:العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۲/۱ھ۔

امامت نہ کرنے کا عہد کر کے پھر امامت کرنا

سوال[۲۸۰۸]: ایک شخص نے منبر پر وعدہ کیا (خطبہ ہاتھ میں لیکر) کہ اب میں امامت نہیں کروں گا

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" الجهاد واجب عليكم مع كل امير براً كان أوفاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أوفاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". رواه أبوداود". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۰۰، قديمي)

(۲)قال الله تعالى .﴿والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس، والله يحب المحسنين﴾ (سورة آل عمران:۱۳۴)

"فقوله تعالى: ﴿والكاظمين الغيظ﴾: أى لا يعملون غضبهم في الناس بل يكفون عنهم شرهم ويحتسبون ذلك عند الله عزوجل، ثم قال تعالى: ﴿والعافين عن الناس﴾: أى مع كف الشرّ، يعفون عمن ظلمهم في أنفسهم، فلا يبقى في أنفسهم موجدة على أحد، وهذا أكمل الأحوال". (تفسير ابن كثير: ۱/۵۳۹،دارالفيحاء دمشق)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: "يفتح أبواب الجنة يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفرلكل عبد لا يشرك بالله شيئاً إلا رجل كانت بينه وبين أخيه شحناء، فيقال: انظروا هذين حتى يصطلحا". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۲/۴۲۷،قديمي)

لیکن اب کچھ لوگ پھر اس کو امام مقرر کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ وعدہ کے بعد اس کا امامت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے منبر پر خطبہ ہاتھ میں لیکر وعدہ کیا کہ میں امامت نہیں کروں گا اس کو چاہیئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے، امامت نہ کرے(۱) لیکن اگر لوگ اس کو امام بنادیں تو اس کی اور سب کی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۰ھ۔

امام کے دروازہ پر جاکر اس کو نیند سے جگانا

سوال[۲۸۰۹]: ۱..... امام صاحب کا گھر بالکل مسجد سے متصل ہے اور امام صاحب گھر پر سو رہے ہوں تو امام صاحب کو مقتدی پکار کر یا گھر جاکر بلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بلا سکتے ہیں تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

امام صاحب سو رہے ہوں تو ان کو جگانا

سوال[۲۸۱۰]: ۲..... اگر امام صاحب مسجد کے وقت سے پہلے ہی بیٹھے بیٹھے سو رہے ہوں تو ان کو مقتدی جگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں جگا سکتے تو کیوں؟ جگا سکتے ہوں تو اس میں کوئی ممانعت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر اتفاقیہ ایسی نوبت آجائے تو دروازے سے جاکر جگا دیا جائے، اس کی عادت نہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنو أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

"وقد اشتمل قوله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ على إلزام الوفاء بالعهود وإلزامهم التي نعقدها لأهل الحرب وأهل الذمة وغيرهم من سائر الناس، وعلى إلزام الوفاء بالنذور والأيمان".

(أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۴۱۸، قديمي)

ڈالی جائے (۱)۔

۲..... جماعت سے اتنے پہلے جگادیں کہ اگر وضو کی ضرورت ہوتو وضو کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶۱/۷/۹۵ھ۔

امام کے بجائے ٹیپ ریکارڈ سے نماز پڑھانا

سوال[۲۸۱۱]: جرمنی میں تمام مسلمہ ممالک کے سفارتخانوں کے مسلمان عملے میں کوئی بھی عید کی نماز پڑھانے کے قابل نہ نکلا، آخر میں مصر کے سفارتخانے نے عید کی نماز کے لئے سب کو بلایا اور نماز اس طرح پڑھائی گئی کہ وہ ٹیپ کی ہوئی، اور امام کی جگہ پر ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا تھا، کیا اس طرح نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ٹیپ ریکارڈ مصلے پر رکھ دیا جائے اور اس کو امام کا قائم مقام قرار دیکر اس کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوئی، مسلمانوں کے لئے نہایت افسوس ناک بات ہے کہ سارے عملہ میں کوئی بھی نماز پڑھانے کا اہل نہ ہو(۳)۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "ویثوب بین الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى عليه: "في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ماتعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع البقاء الأول يعنى الأصل وهو تثويب الفجر، ومارأه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۵، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "(فرع) لا يجب انتباه النائم في أول الوقت، ويجب إذا ضاق الوقت، نقله البيري في شرح الأشباه عن البدائع من كتب الأصول، وقال: ولم نره في كتب الفروع، فاغتنمه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، ۱/۳۵۸، سعيد)

(۳) "وشروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام والبلوغ والعقل والذكورة والسلامة من الأعذار كالرعاف وانفلات الريح والفأفأة والتمتمة واللثغ، ومن فقد شرط كطهارة وستر عورة". =

مسجد میں جھاڑو دینا اور حمام میں پانی بھرنا کیا امام کے ذمہ ضروری ہے؟

سوال[۲۸۱۲]: مقتدیوں کا اس بارے میں اصرار کہ جھاڑو لگاؤ یا حمام میں پانی بھرو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر امام مقرر کرتے وقت سب نے امام کے ذمہ جھاڑو دینا اور حمام میں پانی بھرنے کی شرط قرار دی ہے تو امامت کی طرح یہ بھی امام کے ذمہ ضروری ہوگا، اگر تقرر صرف امامت پر ہوا ہے، تو یہ امام کے ذمہ ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

امام کی خدمات

سوال[۲۸۱۳]: ۱...... ایک شخص پیش امام مسجد ہے اور وہی روٹیاں بھی محلہ میں سے لاتا ہے، مسجد کا پانی بھی گرم کرتا ہے، اگر کوئی مرجائے تو تجہیز وتکفین غسل وغیرہ کرتا ہے، کیا ایسے شخص کو امام بنانا اور نماز پڑھنا اس کے پیچھے درست ہے؟

۲...... اگر شخص مذکور کی جگہ کوئی دیگر شخص جبراً نماز پڑھانے لگ جائے اور قدیم پیش امام کو روکدیا جائے، آدھا محلہ اِدھر اور آدھا محلہ اُدھر اور پہلا پیش امام بھی ناراض ہے کہ مجھ کو کس واسطے ہٹا دیا گیا ہے دونوں

= (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷-۲۸۹، قديمي)

(وكذا في منحة الخالق، باب الإمامة: ۱/۲۰۲، رشيديه)

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جها لتهما تفضي إلى المنازعة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الكتاب في الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، (رقم المادة: ۴۵۲) ۱/۲۵۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها الخ: ۴/۴۱۱، رشيديه)

میں سے کس کے پیچھے نماز افضل ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر امامت اور پانی گرم کرنے پر وہ ملازم ہے اور اس کی اجرت میں محلّہ سے روٹیاں لاتا بھی ہے تو اس نے اس کی امامت میں نقصان لازم نہیں آتا، اگر محلّہ سے روٹیاں لانا اجرت میں نہیں بلکہ ویسے ہی ازخود مانگ کر لاتا ہے اور باوجود کسی مشروع طریق پر کمانے کی قدرت کے اس مانگنے کو پیشہ بنا رکھا ہے تو یہ پیشہ ناجائز ہے(۱)، ایسے شخص کو پیش امام بنانا مکروہ تحریمی ہے جب کہ کوئی دوسرا آدمی امامت کا اہل موجود ہو(۲)۔

۲......مردہ کو غسل دینے اور تجہیز وتکفین کرنے سے امامت میں خرابی نہیں آتی لیکن اہل محلّہ کے لئے نہایت بُری اور شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے امام سے ایسے کام لیتے ہیں جن کو خود کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ ذلت کا

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" من سأل وله ما یُغنیه، جاءت مسألته یوم القیامة خدوشاً أو كدوحاً فی وجهه". قالوا: یارسول الله! وما غناه؟ قال: خمسون درهماً أوحسابها من الذهب". (تفسیر ابن کثیر تحت هذه الأیة المبارکة: (لا یسألون الناس إلحافاً): ۱/۴۳۵، دارالفیحاء دمشق)

"عن عروة بن الزبیر وسعید بن المسیب أن حکیم بن حزام رضی الله تعالیٰ عنه قال: سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فأعطانی، ثم سألته فأعطانی، ثم سألته فأعطانی، ثم قال: "یاحکیم! إن هذاالمال خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فمن أخذه بسخاوة نفسٍ بُورِکَ له فیه، ومن أخذه بإشراف نفس لم یبارک له فیه، وکان کالذی یأکل ولا یشبع، الید العلیا خیر من الید السفلی". إلی آخر الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب الاستعفاف عن المسئلة: ۱/۱۹۹، قدیمی)

(۲) "ویکره إمامة عبد و أعرابی وفاسق وأعمیٰ ومبتدع لایکفر بها، وإن کفربها فلا یصح الاقتداء به، وولد الزنا، هذا إن وُجد غیرهم، وإلافلا کراهة". (تنویر الأبصار، کتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۲، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤکدة: ۱/۱۰۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شرکة علمیه ملتان)

کام سمجھتے ہیں، ان کو چاہئے کہ امام کو روٹیاں خود لاکر دیا کریں (۱)۔ اسی طرح غسل میت وغیرہ میں خود بھی حصہ لیں، اگر نہ جانتے ہوں تو امام سے سیکھ لیں اور اس کو ذلت کا کام نہ سمجھیں، کیونکہ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اور ثواب کا کام ہے (۲)۔ پہلے امام کو کیوں علیحدہ کیا گیا ہے، اگر اس کا کچھ قصور ہے تو اس کو ظاہر کیا جاوے اور امور مذکورہ کی بناء پر علیحدہ کیا گیا ہے اس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۷/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رجب/۵۶ھ۔

امام کا مقتدی کو کتا کہنا

سوال [۲۸۱۴]: کیا امام کے لئے جائز ہے کہ مقتدی کو کتا کہے اور یہ بھی کہے کہ دفع ہو جا، اور کہیں جاکر نماز پڑھو اور یوں کہے کہ اگر مجھے ہٹا دیا گیا، میرا قائم مقام لایا گیا تو مسجد میں خون کی ندیاں بہادوں گا اور میں اپنے مخالف کو ہلاک کردونگا، میرے پاس ایسے بہت لوگ ہیں جو یہ کام کرسکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب سے ہرگز توقع نہیں کہ وہ اپنے مقتدی کو بلا وجہ کتا کہیں اور مسجد سے نکالیں امام صاحب کے لئے تو لازم ہے کہ وہ مقتدیوں کے لئے بھی دعائے خیر کیا کریں اور مسجد کو اور زیادہ آباد کرنے کی کوشش کریں

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إني جاعلک للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الرشدون بعد ذلک، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمی)

(۲) "والصلوة عليه فرض كفاية، كدفنه وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في سكب الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل في الصلوة على الميت: ۱/۱۸۲، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في الصلوة على الجنازة: ۲/۳۰۶، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

اور اگر مقتدی نے کچھ نالائقی کی ہو اور اس پر ڈانٹ دیا ہو تو یہ ممکن ہے۔ تاہم مقتدیوں کے ذمہ امام کا ادب و احترام واجب ہے(۱) اور امام صاحب کو بھی چاہئے کہ سب سے اخلاق ومروت کا معاملہ کریں، سخت الفاظ خصوصاً خلافِ شرع الفاظ بولنے سے پوری احتیاط برتیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴) "وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول و من ألزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمي)

"وتعظيم أولي الأمر واجب، كذا في الفتح". (رد المحتار، باب الإمامة: ۲/۲۲۰، سعيد)

(۲) "وفي رواية له قال لعائشة رضي الله تعالى عنها: "عليك بالرفق، و إياك والعنف والفحش، إن الرفق لايكون في شيء إلا زانه، و لا ينزع من شيء إلاشانه"....... "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن من أحبكم إليّ أحسنكم أخلاقاً". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرفق والحياء و حسن الخلق: ۲/۴۳۱، قديمي)

باب الجماعة

الفصل الأول فی اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

جماعت کا اہتمام

سوال[۲۸۱۵]: اگر مسجد میں کوئی امام نہ ہو تو ہر آدمی اکیلے اکیلے تکبیر پڑھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھ سکتا ہے، لیکن ہمیشہ کے لئے امام بنانا اور جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے(۱) اس لئے کوشش کرے کہ کوئی اچھا امام مقرر کرے، اگر اچھا امام نہ ملے تو سب نمازیوں میں سے جو بھی اچھا ہو، اسے امام بنالیا جائے، اگر سب یکساں ہی سے ہوں تو جو امام بن جائے گا، نماز ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/رجب/۵۶ھ۔

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، و قيل: واجبة، و عليه العامة، فتسن أو تجب –ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرةً –على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة". (الدر المختار).

"(قوله :بتركها مرةً): أي بلا عذر، و هذا عند العراقيين، و عند الخراسانيين. إنما يأثم إذا اعتاد، كما في القنية". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

(و كذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۰۲، ۶۰۳، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۲۳۸، امداديه ملتان)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ...... ثم الأحسن تلاوةً و تجويداً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً .... اهـ" =

امام تنہا اذان واقامت کے بعد نماز پڑھے تو جماعت کا ثواب ملے گا

سوال[۲۸۱۶]: اذان کے بعد مسجد میں کوئی دوسرا نمازی نہ ہوتو امام تنہا ہی جماعت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں امام صاحب تنہا ہی تکبیر کہہ کر نماز ادا کرلیں، اس سے جماعت کا ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ (۱) اور محلہ میں تبلیغ کرکے لوگوں میں نماز کا شوق واہتمام پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۹ھ۔

اپنی نماز کے بعد جماعت کی شرکت میں فرض کی نیت ہو یا نفل کی؟

سوال[۲۸۱۷]: جس شخص نے اپنی نماز ظہر یا عشاء پڑھ لی ہو، پھر جماعت میں شرکت کس نیت

= (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۶۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۱) "عن أبي عثمان عن سلمان قال: لا يكون رجل بأرض قيٍّ فيتوضأ، فإن لم يجد الماء يتيمم، ثم ينادي بالصلوة، ثم يقيمها إلا أمّ من جنود الله ما لا يُرى طرفاه". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأذان والإقامة، في الرجل يكون وحده فيؤذن أو يقيم: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

"قلت: لكن في الخانية: و إن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه و يؤذن فيه ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه فيؤدي حقه. مؤذن مسجد لا يحضر مسجده أحد، قالوا: هو يؤذن ويقيم و يصلي وحده، وذاك أحب من أن يصلي في مسجد آخر اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵. سعيد)

(وكذا في الفتاوى الخانية كتاب الطهارة: فصل في المسجد: ۱/۶۷، رشيديه)

سے کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفل کی نیت سے: ''ثم اقتدی متنفلاً الخ''. در مختار علی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

شوہر بیوی کی جماعت کا طریقہ

سوال [۲۸۱۸]: کیا خاوند اپنی بیگم کو نماز پڑھوا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھوا سکتا ہے لیکن اگر جماعت کریں تو بیگم پیچھے کھڑی ہو، برابر میں شوہر سے مل کر نہ کھڑی ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۲۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۱۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱/۳۰۹، امداديه ملتان)

(۲) "قال: المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت، إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج، لا تجوز صلاتهما بالجماعة، و إن كان قدمها خلف قدم الزوج، إلا أنها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج، جازت صلاتهما؛ لأن العبرة للقدم". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السابع في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۶۲۲، ادارة القرآن كراچي)

دھوپ یا بارش کی وجہ سے برآمدہ میں جماعت

سوال[۲۸۱۹]: دھوپ یا بارش کی وجہ سے مسجد کے برآمدہ میں جو خارج مسجد ہے ایک دوصف بنالیں تو کیا ان کی اقتداء صحیح ہوجائے گی؟ اوران کی نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خارجِ مسجد میں اتنا فاصلہ نہیں جس میں ایک اونٹ گاڑی گزر سکے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صحن مسجد میں جماعت کرنا

سوال[۲۸۲۰]: صحن مسجد میں جماعت کرنا خصوصاً گرمی کے ایام میں اطمینان کے لئے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحن مسجد یعنی مسجد کے حصہ غیر مسقف میں نماز وجماعت بلاتردد صحیح ودرست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۷ھ۔

---

(۱) "ويمنع من الاقتداء طريق تجرى فيه عجلة، أو نهر تجرى فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين فأكثر، إلا إذا اتصلت الصفوف، فيصح مطلقاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، ۶۳۵ رشيديه)

(۲) "وفي المجتبى: وفناء المسجد له حكم المسجد، يجوز الاقتداء فيه وإن لم تكن الصفوف متصلة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۵ رشيديه) .... =

بلند مقام سے کمزور آدمی کو ضعف کی وجہ سے وہیں نماز پڑھنے سے حرم شریف کا ثواب

سوال[۲۸۲۱]: مکہ شریف میں بعض مکان بہت اونچائی پر ہیں، کمزور آدمی کو اترنا اور چڑھنا مشکل ہوتا ہے، اس کا دل حرم شریف میں نماز ادا کرنے کے لئے بے چین ہے مگر کمزوری مانع ہے، لہٰذا اگر مجبوری وہ مکان میں نماز ادا کرلیتا ہے تو کیا اس کو حرم شریف میں نماز ادا کرنے کا ثواب مل جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بے چینی اور کمزوری کے تحت کیا بعید ہے کہ اس کو حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۹۵ھ۔

ضُعف اور بیماری کی وجہ سے پنکھے سے کچھ دور نماز پڑھنا یا جماعت چھوڑ جانا

سوال[۲۸۲۲]: میری عمر تقریباً سینتالیس سال ہے، ضعفِ دماغ کافی بڑھ گیا، چند سال پیشتر مالیخولیا ہوگیا تھا، اکثر سردی وزکام کی شکایت رہتی ہے، اس حالت میں مسجد میں جماعت کے وقت بجلی کے پنکھے کے پیچھے کھڑے ہونے سے زکام وغیرہ کی اور بھی شکایت ہوجاتی ہے جس کے باعث ضعفِ دماغ میں اور بھی

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، فصل كره غلق باب المسجد: ١/ ١٠٩، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، مسائل متفرقة، ص: ٦١٤، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/ ٥٨٤، ٥٨٦، رشيديه)

(١) "إنما الأعمال بالنيات". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب كيف بدء الوحي اهـ: ١/ ٢، قديمي)

"لكن في نور الإيضاح: وإذا انقطع من الجماعة لعذر من أعذارها و كانت نيته حضورها لو لا العذر، يحصل له ثوابها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/ ٥٥٢، ٥٥٤، رشيديه)

(وكذا في نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل: يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئاً، ص: ٢٩٩، قديمي)

اضافہ ہوجاتا ہے اور سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ ہمارے محلے کے اطراف میں مساجد کے اندر کافی بجلی کے پنکھے لگے ہوئے ہیں، بعض مسجدوں میں تو ہلکی ہلکی سردی کے دنوں میں بھی پنکھے چلتے رہتے ہیں، ان حالات کے پیشِ نظر میں کبھی کبھی صف سے الگ ہوکر، یا ایک صف درمیان میں چھوڑ کر بجلی کے پنکھے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوکر نماز ادا کرتا ہوں، جس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں تو مجبوراً اسی حالت میں جماعت چھوڑ کر گھر پر تنہا نماز ادا کرنی پڑتی ہے۔ براہ کرم تحریر فرمائیں کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے میرے لئے کونسی صورت بہتر ہے؟ اور معترض حضرات حق بجانب ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی وجہ سے پنکھے بند نہیں کئے جاسکتے کیونکہ سب نمازیوں کو تکلیف ہوگی اور پنکھے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے لہذا آپ معذور ہیں (۱)، اپنے مکان پر ایک دو آدمی کو لیکر جماعت کر سکتے ہیں (۲)۔ ایک دو آدمی آپ کے ساتھ ہوں تو پنکھے سے دور بھی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، ...... وقيل: واجبة، وعليه العامة ...... على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج، .... فلا تجب على مريض و مقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف ومفلوج و شيخ كبير عاجز و أعمى". (رد المحتار على الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲-۵۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/ ۸۲، ۸۳، رشيديه)

(۲) "عن مالك بن الحويرث رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا حضرت الصلوة فأذّنا و أقيما، ثم ليؤمكما أكبركما". (الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب اثنان فما فوقهما جماعة: ۱/ ۹۰، قديمي)

"ولنا أنه عليه الصلاة والسلام كان خرج ليصلح بين قوم، فعاد إلى المسجد وقد صلى أهل المسجد، فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۳، سعيد)

(۳) "ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام في المحراب، فإنه يجوز، كذا في شرح الطحاوي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما=

معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا

سوال [۲۸۲۳]: میں اپنے مکان پر قرآن شریف سنا رہا ہوں اور عشاء کی فرض نماز با جماعت مکان پر پڑھتا ہوں، بوجہ سو سالہ ضعیفی کے کہ رات کے وقت سب کے ساتھ مسجد میں فرض نماز ادا نہیں کر سکتا اس لئے ہم اپنے مکان پر ہی جماعت سے عشاء کی نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس میں کوئی اشکال تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

معذوری کی وجہ سے آپ مسجد نہیں جا سکتے اور مکان پر ایک دو آدمی کو ساتھ لے کر جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں تو آپ کے لئے اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۹/۹۱ھ۔

مشق کے لئے بچوں کی جماعت کرانا

سوال [۲۸۲۴]: اگر بچوں کو نماز کی مشق کرائی جائے تو تکبیر پڑھیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچوں کو اگر بطور تعلیم نماز کی مشق کرائی جائے اور وہ جماعت کر ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ہیں تو ان کی جماعت مصلی سے علیحدہ کرائی جائے اور وہ تکبیر بھی کہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۹ھ۔

= يمنع صحة الإقتداء وما لا يمنع: ۱/۸۸ رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۸۵، سعيد)

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال ... وقيل: واجبة، وعليه العامة .... على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج، ... فلا تجب على مريض و مقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف ومفلوج و شيخ كبير عاجز و أعمى". (رد المحتار على الدر المختار، باب الامامة: ۱/۵۵۲-۵۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۲، ۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه قال. قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:=

کوڑھی کا مسجد میں جانا

سوال[۲۸۲۵]: زید کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے، دیکھنے میں تندرست معلوم ہوتا ہے مگر زیر علاج ہے، بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں کجی آ گئی، ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس وقت تمہارے خون میں کوئی خرابی نہیں، ایسی حالت میں زید مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مرض متعدی ہوتا ہے، لہٰذا زید کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوڑھ کا اثر خون میں نہیں، بدن سے رطوبت نہیں نکلتی، بدبو نہیں آتی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور جماعت میں شریک ہونا درست ہے، محض دو انگلیوں میں کجی آ جانے کی وجہ سے مسجد کی جماعت سے اس شخص کو محروم نہ کیا جائے (۱)۔ مرض متعدی کے عقیدہ کو شریعت نے غلط قرار دیا ہے، کوئی بھی مرض ذاتی طور پر متعدی

= "مُرُوا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع سنين، و اضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين، و فرقوا بينهم في المضاجع". رواه أبو داؤد، وكذا رواه في شرح السنة عنه". قال الملا علي القاري قوله: "(وهم أبناء سبع سنين) : ليعتادوا ويستأنسوا بها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني: ۲/۲۷۵، رشيديه)

وقال العلامة الكشميري : "يؤمر الصبي بالصلوة قبل البلوغ للاعتياد كما هو نص حديث الباب، إلا أنها غير واجبة عليه". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء متى يؤمر الصبي بالصلوة : ۱/۹۵، سعيد)

(۱) "و أكل نحو ثوم، و يمنع منه، و كذا كل مؤذ و لو بلسان". (الدر المختار). و في رد المحتار: "وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب، والسماك، والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق، و قال سحنون: لا أرى الجمعة عليهما ، و احتج بالحديث ، وألحق بالحديث كل من أذى الناس بلسانه ، و به أفتى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، وهو أصل في نفي كل من يتأذى به". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها ، مطلب في الغرس في المسجد : ۱/۶۶۱، سعيد)

نہیں ہوتا ہے(۱)۔ ہاں! اگر نمازیوں میں وحشت پیدا ہو اور اس کی وجہ سے لوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہو، یا اس کے جانے کی وجہ سے نزاع کا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو خود ہی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مکان پر نماز ادا کرلینی چاہئے۔

مشکوۃ المصابیح شریف میں کوڑھی سے الگ رہنے کی بھی تاکید ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی تصریح ہے(۲)، دونوں کا محمل یہی ہے کہ ذاتی طور پر ہر مرض کو متعدی سمجھنا غلط ہے اور احتیاط کے درجہ میں پرہیز کرنا درست ہے، مگر جب معالج کے قول کے ماتحت مرض موجود نہیں پھر اس سے یہ پرہیز بھی نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "فرّ من المجذوم فرارک من الأسد".

و قال: "لا يوردنّ ذو عاهة على مصح" و إنما أراد بذلك نفي ما كان يعتقد أصحاب الطبيعة، فإنهم كانوا يرون العلل المعدية مؤثرةً لا محالة، فأعلمهم بقوله هذا أن ليس الأمر على ما يتوهمون ، بل هو متعلق بالمشيئة إن شاء كان، وإن لم يشأ لم يكن ، و يشير إلى هذا المعنى قوله: "فمن أعدى الأول": أي إن كنتم ترون أن السبب في ذلك العدوى لا غير ، فمن أعدى الأول؟ و بيّن بقوله: "فر من المجذوم" وبقوله : "لا يوردن ذو عاهة على مصح" أن مداناة ذلك بسبب العلة ،فيلتقه اتقاء ه من الجدار المائل والسفينة المعيوبة". (مرقاة المفاتيح، للملا على القارى ، كتاب الطب والرقى ، باب الفأل والطيرة ، الفصل الأول ، (رقم الحديث :۴۵۷۷): ۳۴۳/۸، رشيديه)

"و عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا عدوى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر . وفرّ من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخارى".

(۲) "وعن جابر رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد مجذوم فوضعها معه فى القصعة، وقال: "كُلْ ثقةً بالله وتوكلاً عليه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفأل والطيرة، ص: ۳۹۱، ۳۹۲، قديمى)

(۳) (راجع رقم الحاشية : ۱)

جس شخص کے منہ میں تعفن ہواس سے جماعت ساقط ہے

سوال[۲۸۲۶]: زید کے منہ سے اس قدر تعفن نکل رہا ہے کہ اس کے پاس کھڑا ہونا مشکل ہے تو ایسا شخص مسجد میں جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا تو گھر پر اس کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درمختار میں لکھا ہے کہ جس شخص کے منہ سے ایسا تعفن ہو کہ دوسروں کو اذیت ہوتی ہے اور نمازی پاس کھڑے ہونے سے پریشان ہوتے ہیں تو ایسے شخص سے جماعت ساقط ہے، اس کو چاہئے کہ مسجد میں نہ جائے مکان پر نماز پڑھے(۱)۔ چونکہ وہ شرعی حکم کی بنا پر مسجد جانے سے روک دیا گیا اس لئے وہ اجر سے محروم نہیں رہے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس نے فعلِ بد کیا ہو اس کو مسجد میں آنے سے روکنا

سوال[۲۸۲۷]: ایک شخص خوب تہجد گزار تھا اور مسجد میں روزانہ نماز میں ۱۵/منٹ پہلے آتا اور آدھے گھنٹہ بعد مسجد سے جاتا تھا، ایک دن اس کو ایک لڑکے کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا، اس نے معافی

---

(۱) "وأكل ثوم، و يمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه". (الدر المختار). "و كذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره: مطلب في أحكام المساجد: ۱/۶۶۱، ۶۶۲، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، رشيديه)

(۲) "لكن في نور الإيضاح: و إذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها، وكانت نيته حضورها لو لا العذر، يحصل له ثوابها، اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۴، رشيديه)

(وكذا في نور الإيضاح مع شرحه مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل: يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئاً، ص: ۲۹۹، قديمي)

مانگی، اس کو چھوڑ دیا گیا، اس کے باوجود پھر اس نے وہی حرکت کی اور اس کو پکڑ لیا گیا اس نے خود بھی اقرار کرلیا، لیکن معافی نہیں مانگی۔ زنا مسجد کے قریب کمرہ میں کیا گیا، لوگوں نے اس کو مسجد میں آنے سے روک دیا، اب وہ مسجد میں نہیں آتا ہے، گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ لوگوں نے اس کو مسجد میں آنے سے روکا، شریعت کی حیثیت سے اچھا کیا یا برا، کیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں آنے سے اور نماز پڑھنے سے اس کو نہ روکا جائے، البتہ اس کا انتظام کیا جائے کہ پھر وہ یہ خبیث حرکت نہ کرنے پاوے، وہ صرف فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لیا کرے اس لئے عینِ جماعت کے وقت آوے اور فرض پڑھ کر فوراً چلا جائے، سنن ونوافل مکان پر جا کر پڑھا کرے۔ خدا تعالیٰ ہدایت دے کہ وہ اس فعل سے باز آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد بیت میں جماعت کی حیثیت

سوال[۲۸۲۸]: کیا گھر مذکورہ بالا کی مسجد میں (جبکہ اتفاقیہ) جماعت نماز کی ضرورت پڑ جائے، مکان کی طرح اتصالِ امام اور اتصالِ صفوف اقتداء کے لئے شرط ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز مسجد میں مانعِ اقتداء ہے وہ مکان پر بھی مانع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ويمنع من الاقتداء طريق تجرى فيه عجلة أو نهر تجرى فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين فاكثر، والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه، ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت في الأصح، قنية". (الدرالمختار) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: كمسجد وبيت)........ وكذا البيت حكمه حكم المسجد في ذلك، لاحكم الصحراء". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/ ٥٨٤، ٥٨٦، سعيد)

الفصل الثانی فی ترک الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

ترکِ جماعت کا حکم

سوال[۲۸۲۹]: ایک گھر کے چند آدمی بلا جماعت گھر میں ہی ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں، فرداً فرداً نماز ادا کرتے ہیں، ترک جماعت کی وجہ سے ان کی فرض ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے، بلا عذر ترک اس کا جائز نہیں اور تارک پر شرعاً تعزیر ہے: "والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدی: أرادوا بالتاكيد الوجوب، و قيل: واجبة و عليه العامة" (۱)۔ "قال فی شرح المنية: و الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر و ترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه، اهـ". شامی: ۱/ ۵۷۶ (۲)۔

لیکن صلوٰۃ خمسہ کے لئے شرط نہیں، پس فرائض کی ادائیگی بلا جماعت بھی ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۴، رشيديه)

(و كذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة: ۱/ ۸۲، رشيديه)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۲، رشيديه)

(و كذا فی الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثامن فی الحث على الجماعة: ۱/ ۶۲۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، رشيديه) .... =

ترکِ جماعت

سوال[۲۸۳۰]: پڑوس کی مسجد میں نماز نہ پڑھ کر گھر پر ہی پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا عذرِ شرعی مسجد کی نماز چھوڑ کر گھر پر ہی پڑھنا بہت بڑی محرومی ہے اور اسلام کے بڑے شعار کو ترک کرنا ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید ہے(۱)، ایک حدیث میں اس کی نماز کو نا قابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۲۸۳۱]: ہمارے یہاں زیادہ تر دیہاتی کسان لوگ ہیں جو کہ کاشتکاری کا کام کرتے ہیں، ان کی سہولت کے لئے صبح کی نماز اول وقت میں بہت تڑکے(۳) پڑھی جاتی ہے، پھر بھی بعض لوگ ایسے ہیں کہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لقد هممت أن آمر بالصلوة، فتقام، ثم آمر رجلاً، فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلوة، فأحرّق عليهم بيوتهم بالنار". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في التشديدفي ترك الجماعة: ۱/۸۸، امداديه ملتان)

(وأخرجه مسلم في كتاب المساجد، باب فضل صلوة الجماعة ...... اهـ: ۱/۲۳۲، قديمی)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع المنادي، فلم يمنعه من اتباعه عذرٌ". -قالوا: و ما العذر؟ قال: "خوف أو مرض-، لم تقبل منه الصلوة التي صلى". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۸۸، امداديه ملتان)

(۳) "تڑکا: صبح، فجر، سویرا"۔ (فیروز اللغات، ص:۳۵۸، فیروز سنز، لاہور)

جماعت سے نماز نہیں پڑھتے اور جماعت ترک کر کے کھیت چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ تارک جماعت ہیں، کیا ان پر کفارہ لازم ہے؟

شمشاد علی، باندرہ بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص جماعت سے نماز نہ پڑھے وہ تارک جماعت ہے، لیکن سخت ضرورت کی وجہ سے اگر کسی کی جماعت فوت ہو جائے اس پر کوئی گرفت نہیں، محض معمولی سہولت کے لئے ترکِ جماعت کی عادت ڈالنا سخت مذموم ہے(۱) توبہ واستغفار کر کے آئندہ پابندی کر لینا بھی کفارہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تارکِ جماعت کا حکم

سوال[۲۸۳۲]: زید ایک مالدار آدمی ہیں اور حاجی بھی ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن محلہ کی مسجد میں صرف ایک مہینہ رمضان شریف میں آتے ہیں، بقیہ گیارہ مہینے مسجد میں نہیں آتے، ایسے شخص کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص بلا عذر اس طرح جماعت کو دائماً ترک کرتا ہے وہ گنہگار ہے اس کی شہادت قبول نہیں: "قال في شرح المنية: و الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، و ترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه، اهـ". شامی: ۱/۳۷۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، و قيل: واجبة، و عليه العامة. فتسن أو تجب -ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرةً- على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۲، رشيديه)

(وأيضاً راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيڈمى لاهور)

مجاہدہ کے لئے ترکِ جماعت

سوال[۲۸۳۳]: کسی ذی ہوش تندرست بزرگ فقیر اوروں کا رمضان المبارک میں مسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھنا اور قرآن پاک تراویح میں نہ سننا بلکہ جنگل میں گوشہ نشینی اختیار کرنا یعنی چلہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے(۱)، بلا عذر شرعی ترک جماعت کا عادی شخص فاسق اور مردود الشہادۃ ہے حتی کہ ایسا شخص منافقین کے مشابہ ہے(۲)۔ خدائے پاک کی بارگاہ میں موجب قرب صرف

---

(۱) "عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما من ثلثة فی قریة ولا بدو لا تقام فیهم الصلوة إلا قد استحوذ علیهم الشیطان، فعلیک بالجماعة، فإنما یأکل الذئب القاصیة". رواه أحمد و ابو داؤد والنسائی".

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر". -قالوا: "وما العذر قال خوف أومرض- لم تقبل منه الصلوة التی صلی". رواه أبو داود والدارقطنی". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الجماعة و فضلها: ۱/۹۶، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لقد هممت أن آمر بالصلوة فتقام، ثم آمر رجلاً فیصلی بالناس، ثم أنطلق معی برجال معهم حزم من حطب إلی قوم لا یشهدون الصلوة، فأحرق علیهم بیوتهم بالنار". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب فی التشدید فی ترک الجماعة: ۱/۸۸، امدادیه ملتان)

(۲) "عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: لقد رأیتنا و ما یتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، أو مریض، إن کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوة. وقال: إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علّمنا سنن الهدی، وإن من سنن الهدی الصلوة فی المسجد الذی یؤذن فیه......

اهـ". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب الجماعة و فضلها: ۱/۹۶، قدیمی)

"ولذا قال فی الأجناس: لا تقبل شهادته إذا ترکها استخفافاً و مجانةً، أما سهواً أو بتأویل ککون الإمام من أهل الهواء أو لا یراعی مذهب المقتدی، فتقبل، اهـ". (رد المحتار، کتاب الصلوة، =

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع ہے، اس کے علاوہ جو مجاہدات ہیں وہ موجبِ قرب نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۹۱ھ۔

مسجد میں امام سے قبل تنہا نماز پڑھنا

سوال[۲۸۳۴]: میں نے ایک روز فجر کی نماز میں امام صاحب کا انتظار کرتے ہوئے تنہا نماز پڑھ لی، اس سے پہلے بھی کبھی کبھی تنہا نماز پڑھ لیتا تھا، کیوں کہ فرض نماز کے بعد کچھ وظیفہ وغیرہ پڑھتا ہوں، مجھے امام صاحب برابر معاف کرتے رہے، مگر اس دن معاف نہیں کیا، دل میں شک ہوا، اس دن عصر کی نماز بھی تنہا پڑھی کہ امام صاحب کچھ کہتے ہیں یا نہیں، مگر کچھ نہیں کہا۔ ایک مقتدی نے امام صاحب سے میرے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے تنہا نماز کیوں پڑھی؟ تو امام صاحب نے کہا کہ ان کی نماز تو من چاہی ہے، کبھی پڑھتے ہیں کبھی نہیں پڑھتے۔ میں نے ان کے پیچھے اور بھی نماز نہیں پڑھی تھی، کیونکہ امام صاحب شرع سے کم داڑھی رکھتے ہیں، جن کے بارے میں آپ صاحبان سے مسئلہ معلوم کر کے علیحدہ نماز پڑھتا تھا۔

کیا ایسی حالت میں اور مقتدیوں کی نماز ہو رہی ہے یا نہیں، کیونکہ امام صاحب تکبر و گھمنڈ والے آدمی ہیں؟ کیا امام کا میری نماز کے متعلق ایسا کہنا صحیح ہے؟ نیز امام صاحب حافظ کہلاتے ہیں، مگر چند سورتیں ہیں جن کو وہ روزانہ پڑھتے ہیں، اگر امام صاحب سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ جیسے مجھے آتی ہے ویسے ہی پڑھاتا ہوں،

= باب الإمامة: ۱/۵۵۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۳، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۳۸، امدادیه ملتان)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله، و يغفر لكم ذنوبكم، والله غفور رحيم﴾.

وقال الله تعالىٰ ﴿قل أطيعوا الله والرسول، فإن تولوا، فإن الله لا يحب الكافرين﴾. (سورة آل عمران: ۳۱، ۳۲)

جب کہ ان کے مقابلہ میں ایک ناظرہ خواں بھی اچھی طرح سے نماز پڑھا لیتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا وظیفہ پڑھنے کی خاطر جماعت سے پہلے ہی تنہا نماز پڑھ لینا بڑی غلطی اور محرومی ہے(۱) نیز بلا عذر کے محض اس وجہ سے تنہا پڑھنا کہ امام صاحب پوچھیں گے یا نہیں، یہ بھی غلطی ہے، ایسا ہرگز نہ کرے، اپنے عمل سے آپ نے ظاہر کر ہی دیا کہ جب آپ کا دل چاہا آپ نے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھ لی، نہیں دل چاہا تو نہیں پڑھی، یہی بات امام صاحب نے بھی کہہ دی تو آپ کیوں ناخوش ہیں؟ اگر یہ وجہ ہے کہ ان کی داڑھی شریعت کے مطابق نہیں بلکہ کتا کر کم کرا لیتے ہیں تو یہ وجہ سب نمازوں میں مشترک ہے، پھر کسی روز ان کے پیچھے نماز پڑھنا کسی روز نہ پڑھنا کس لئے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۱ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلوة الجماعة تفضل علی صلوة الرجل وحده بسبع و عشرین درجةً". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في فضل الجماعة: ۱/۵۲، سعيد)

"عن أبي هريرة -رضي الله تعالیٰ عنه- قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلوة الرجل في جماعة تزيد علی صلوته في بيته و صلوته في سوقه بضعاً و عشرين درجةً". (الصحيح للإمام مسلم، كتاب المساجد، باب فضل الصلوة المكتوبة في جماعة اهـ: ۱/۲۳۴، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر". -قالوا: "و ما العذر؟ قال: "خوف و مرض-، لم تقبل منه الصلوة التي صلی". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۸۸، امداديه ملتان)

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، و قيل: واجبة، وعليه العامة، فتسن أو تجب، - ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرةً- علی الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين علی الصلوة بالجماعة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۸، سهيل اكيدمي لاهور)

امام صاحب نہ آئیں تو کیا نماز الگ الگ پڑھیں؟

سوال[۲۸۳۵]: وقتی نماز کیلئے ہم تقریباً پچاس مسلمان مسجد شریف میں ہوتے ہیں، اگر بدقسمتی سے امام صاحب حاضر نہیں ہوتے تو ہم سب علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس جماعت میں پڑھے لکھے بھی ہوتے ہیں، مگر یہاں کے مسلمان ایک دوسرے پر الزامات سچ کا جھوٹ کا لگاتے ہیں اور ان پڑھے لکھے مسلمانوں کو قابلِ امامت نہیں سمجھتے۔ کیا یہ مسلمان کا طریقہ جائز ہے اور ہم ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب امام صاحب کو کوئی ضرورت پیش آ جائے جس کی وجہ سے وہ جماعت کے وقت مسجد تشریف نہ لاسکیں تو ان کو چاہئے کہ کسی مناسب آدمی کو ہدایت کردیں کہ وہ نماز پڑھادے(۱)، سب کا بلا جماعت نماز پڑھنا بڑی کوتاہی ہے(۲)، اگر امام صاحب کسی کو تجویز نہ کریں تو نمازی خود ہی اپنے میں سے جو زیادہ اہل ہو اس کو امام

---

(۱) "عن عبيدالله بن عبدالله قال: دخلت على عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فقلت: ألاتحدثيني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بلى! ثقل النبى صلى الله عليه وسلم .... فقال: "أصلّى الناس؟ قلنا: لا، هم ينتظرونک يا رسول الله! والناس عكوف فى المسجد ينتظرون النبى صلى الله عليه وسلم لصلاة العشاء الآخرة، فأرسل النبى صلى الله عليه وسلم إلى أبى بكر بأن يصلى بالناس. فأتاه الرسول، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرک أن تصلى بالناس الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب ماعلى المأموم من المتابعة وحكم المسبوق: ۱۰۲/۱، قديمى)

"الاستخلاف جائز مطلقاً: أى سواء كان لضرورة أولا. كما يعلم من عبارة مجمع الأنهر".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۲/۲، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۹/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذى نفسى بيده! لقد هممت أن امر بحطب فيحطب، ثم امر بالصلوة فيؤذن لها، ثم امر رجلاً فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال"، وفى رواية: "لايشهدون الصلوة، فأحرق عليهم بيوتهم. والذى نفسى بيده! لويعلم أحدهم أنه يجد عرقاً سميناً أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء". رواه البخارى ولمسلم نحوه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها: ۹۵/۱، قديمى)

بنا کر جماعت سے پڑھا کردیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۹/ ۹۵ھ۔

ملازمت کی وجہ سے ترکِ جماعت

سوال[۲۸۳۶]: زید جماعت سے قبل نماز پڑھنا چاہتا ہے، اگر جماعت سے قبل نماز نہ پڑھے تو زید ملازم پیشہ ہے، ملازمت چھوٹنے کا خطرہ ہے اوراس کے گھر میں کوئی جگہ اس قابل نہیں جہاں وہ نماز ادا کر سکے اس حالت میں وہ مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا مسجد کے کسی ایسے حصہ میں جو مسجد کی حدود سے خارج ہو؟

بندہ محمد نبیہ اللہ لکھنوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو ایسی ملازمت کرنا جس میں کبھی ترکِ جماعت بغیر کام نہ چلے منع ہے، اس کو چاہئے کہ کوئی دوسری ملازمت یا گزران کی دوسری صورت اختیار کرے جو ادائے فرض وسنن میں حارج نہ ہو اور جب مل جائے تو ملازمت موجودہ کو ترک کردے (۲)، بحالتِ مجبوری مسجد میں بھی تنہا نماز درست ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ رجب/ ۵۸ھ۔

= "فإذا تركها الكل مرةً بلا عذر، أثموا، فتأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، سعيد)

(۱) "والأحق بالامامة تقديماً بل نصباً –مجمع الأنهر– الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ...... ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة .... اهـ".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/ ۲۲۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، و قيل: واجبة، و عليه العامة. فتسن أو تجب –ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرةً– على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: =

مسجد کی جماعت میں شریک نہ ہونا اپنی نماز تنہا پڑھنا

سوال[۲۸۳۷]: نماز پڑھنے کے لئے جماعت کھڑی ہوگئی، کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز کرتا ہے اور جماعت سے الگ وہ شخص اپنی نماز فرض ادا کرنے کے لئے علیحدہ کھڑا ہوگیا اور اس کو منع کیا گیا کہ آپ جماعت سے بعد میں یا پہلے اپنی فرض نماز ادا کریں تو اس نے جواب دیا کہ میری نماز میں کوئی فرق یا کمی نہیں آئی اور مسئلہ یہ کہتا ہے کہ کوئی فرق میری نماز میں نہیں آتا اور دوسرے نمازی، امام صاحب سے لڑتے ہیں۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب فرض نماز جماعت سے صحیح طریقہ پر ہورہی ہو تو اپنی نماز علیحدہ پڑھنا شرعاً نہایت ممنوع اور ناپسند ہے، جماعت کی مخالفت کی اجازت نہیں، کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اس شخص کو اپنے اس فعل سے باز آنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= ۱/۲۹۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم القاعدة: ۳۲): ۱/۳۳، رشيديه)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من ثلثة في قرية ولا بَدْوٍ لا تقام فيهم الصلوة، إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليك بالجماعة، فإنما يأكل الذئب القاصية". قال السائب: يعني بالجماعة الجماعةَ في الصلاة".

"قلت: دلالته على وجوب الجماعة ظاهرة .... و مثل هذا الوعيد لا يكون إلا لترك الواجب". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وجوب إتيان الجماعة في المسجد عند عدم العلة: ۴/۱٦۷، إدارة القرآن كراچی)

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب. قال في شرح المنية: و الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، و ترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه".

(تنوير الأبصار والدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/٦۰۲، رشيديه) .... =

مسجد میں جماعت سے پہلے اپنی نماز پڑھنا

سوال[۲۸۳۸]: ایک شخص اذان ہونے کے بعد مسجد میں جماعت ہونے سے پہلے انفرداً نماز پڑھ کر نکل جاتے ہیں، وہ عالم ہونے کے باوجود امام سے حسد، کینہ رکھتا ہے، بغیر جماعت کے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام میں شرعی خرابی نہیں بلکہ ذاتی عداوت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو یہ بہت مذموم طریقہ ہے، اس سے باز آنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھگڑے سے بچنے کے لئے گھر پر نماز پڑھنا

سوال[۲۸۳۹]: زید کے مسجد میں جانے اور جماعت سے نماز ادا کرنے سے جھگڑے کا اندیشہ ہے، ایسی حالت میں زید کی نماز گھر پر بغیر جماعت کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ جھگڑے کا منشاء اور سبب کیا ہے، کیا زید خود جھگڑا کرتا ہے یا کسی خاص طرز پر نماز پڑھتا ہے جس سے لوگ جھگڑا کرتے ہیں، یا زید کو اپنی زبان پر قابو نہیں اور جھگڑے سے بچنے کی کوئی صورت نہیں

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۸۲/۱، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و لا تنازعوا، فتفشلوا و تذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾ (الانفال: ۴۷)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم يأخذ الشاة القاصية والناحية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۳۰۷/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور دوسری مسجد بھی نہیں، یا وہاں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہے تو جھگڑے سے بچنے کے لئے اپنے مکان پر نماز ادا کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

گھر میں جماعت کرنا

سوال [۲۸۴۰]: مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کسی تصنیف میں جو کہ یاد نہیں ہے اور ایضاح البخاری کے کسی جز میں مولانا سید فخر الدین صاحب مدظلہ، صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے کہیں تحریر فرمایا ہے کہ ''بغیر عذر کے فرض نماز غیر مسجد میں پڑھنا جائز نہیں'' اور یہ حکم حنفیوں کے لئے تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''اگر گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ جماعت کرے تو جائز ہے، وہ بھی جب کہ مسجد میں جماعت ہو گئی ہو''۔ تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مسجد قریب موجود ہو اور پھر وہاں کی جماعت بلا عذر ترک کر کے مکان پر کوئی شخص اپنی نماز پڑھ لے تو اگر چہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے مگر یہ بہت بڑی محرومی ہے، حدیث پاک میں ہے: "لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد" (۱)۔

اگر مسجد میں جا کر معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے تو اپنے مکان پر اہل وعیال کو لے کر جماعت کر لی جائے، مسجد کی جماعت کا مستقلاً ترک کرنا گناہ ہے:

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة وعليه العامة". تنوير (۲)۔ "قال شارح

---

(۱) و الرواية بتمامها: "و روى عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد". و هذا الخبر عند أهل العلم أنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولم يرو عنه مسنداً ولا صحيحاً ولا فاسداً، و إنما هو موقوف على عليّ ابن أبي طالب رضي الله تعالى عنه". (الحاوي الكبير، كتاب الصلاة، باب فضل الجماعة والعذر بتركها: ۲/ ۳۷۹، ۳۸۰، دار الفكر)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/ ۸۲، رشيديه) ...... =

المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، و ترد شهادته". شامی، ص: ۲۷۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

گھر یا حجرہ میں جماعت کرنا

سوال [۲۸۴۱]: حجرہ یا گھر میں ۲۰،۲۰/ طالب علم وقتی نماز ادا کرتے ہیں، قریب آس پاس میں جامع مسجد بھی موجود ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جمعہ کی نماز ہوگی تو آس پاس کے محلہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں پارٹی بازی یا جھگڑا ہو سکتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر نماز کو مسجد میں ادا کیا جائے، مسجد کو چھوڑ کر بلا عذر شرعی گھر میں نماز کا اہتمام کرنا مسجد کے حق کو تلف کرنا ہے، خاص کر نماز جمعہ، اس کے لئے جامع مسجد کا اہتمام کیا جائے، اپنے ذاتی گھر میں ہرگز جمعہ نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۴، ۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير: فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴). "أي هدمها و تعطيلها، وقال الواحدي: إنه عطف تفسير؛ لأن عمارتها بالعبادة فيها".

(روح المعاني: ۱/ ۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الشيطان =

گھر میں اذان واقامت سے تنہا نماز پڑھنا

سوال[۲۸۴۲]: ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے اور نیت جماعت کی کرلیتا ہے اور جہری نماز میں قرأت بالجہر وتکبیراتِ انتقالات بالجہر کرتا ہے۔ تو کیا اس شخص کو جماعت کا ثواب ہوجائے گا؟ یا جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر نماز شروع کرے اور آغاز میں تکبیر تحریمہ بھی بالجہر کہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کو چھوڑ کر بلا عذر گھر میں یا جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر قرأت وتکبیراتِ انتقالات بالجہر کرکے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب نہیں ہوگا(۱)، البتہ جو شخص جماعت کا عادی ہو اور کسی مجبوری کی وجہ سے

= ذئب الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية، والناصية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند أحمد (رقم الحديث: ٢٢٥٢٤): ٦/٣٠٧، دار احياء التراث العربي بيروت)

"عن طارق بن شهاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا على أربعة: عبد مملوك، أو امرأة، أوصبي، أو مريض". رواه أبوداؤد.

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لقوم يتخلفون عن الجمعة: "لقد هممت أن آمر رجلاً يصلي بالناس، ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم". رواه مسلم".

"وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ترك الجمعة من غير ضرورة، كُتب منافقاً في كتاب لا يُمحى ولا يُبدل". و في بعض الروايات: "ثلثا". رواه الشافعي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب وجوبها، الفصل الأول والثاني: ١/١٢١، قديمى)

(١) "ولو أذن وأقام في الصحراء وهو منفرد، فحكمه حكم المنفرد في أنه يجمع بين التسميع والتحميد، وكذا في الجهر والمخافة". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الأذان، نوع آخر في المتفرقات من هذا الفصل: ١/٥٢٥، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٣٩٤، سعيد) .... =

جماعت میں شریک نہ ہو سکے، تو اس کو اپنی نماز بصورتِ جماعت ادا کرنا افضل ہے(۱)۔

"تدویر الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك" میں حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے تو جنات اور ملائکہ اس کی اقتداء کرتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۲۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۲۴ھ۔

= "عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، وصلوته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلوةً، وصلوته في المسجد الذي يجمع فيه بخمسمائة صلوة، وصلوة في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلوة، وصلوة في مسجدي بخمسين ألف صلوة، وصلوته في المسجد الحرام بمائة ألف صلوة"......... رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة: ۱/۷۲، قديمي)

(۱) "عن أبي عثمان عن سلمان، قال: لايكون رجل بأرض قيٍّ فيتوضأ، فإن لم يجد الماء يتيمم، ثم ينادي بالصلوة، ثم يقيمها إلا أمّ من جنود الله مالايُرى طرفاه". (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار لابن أبي شيبة، كتاب الأذان والإقامة في الرجل يكون وحده فيؤذن أو يقيم: ۱/۱۹۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "وأخرج سعيد بن منصور وابن أبي شيبة في "المصنف" والبيهقي في سننه، عن سلمان الفارسي رضي الله تعالى عنه، قال: إذا كان الرجل في أرض، فأقام الصلوة صلى خلفه ملكان، فإذا أذّن وأقام، صلى خلفه من الملائكة مالايرى طرفاه يركعون بركوعه، ويسجدون بسجوده، ويؤمّنون على دعائه".

"وأخرج عبدالرزاق وسعيد بن منصور عن سعيد بن المسيب قال: إذا أقام الرجل الصلوة وهو في فلاة من الأرض، صلى خلفه ملكان، فإذا أذن وأقام، صلى خلفه من الملائكة أمثال الجبال". (تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك من مجموعة رسائل اللكنوی، الفصل الثاني في حصول الجماعة بالملائكة، ص: ۱۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

ذاتی رنجش کی بناپر جماعت سے گریز

سوال[۲۸۴۳]: بعض لوگ ذاتی رنجش کی بناپر اپنے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور دوسرے مصلیان کو بھی بہکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارا دل صاف نہیں تو ہماری نماز نہیں ہوتی، کیاان کا یہ فعل درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلط ہے(۱) امام سے دل صاف نہ رکھنا اگر چہ بُرا ہے، لیکن نماز پھر بھی ہوجاتی ہے فاسد نہیں ہوتی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "وأخرج البزار عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى منكم بالليل، فليجهر بقرأته، فإن الملائكة يصلون بصلاته، وإن مؤمني الجنى الذين يكونون في الهوى وجيرانه معه في مسكنه يصلون بصلاته، ويستمعون بقرأته، وإنه ليطرد بقراء ته عن داره وعن الدور التي حوله فُسّاق الجن ومَردة الشياطين". (تدوير الفلک في حصول الجماعة بالجن والملک من مجموعة رسائل اللكنوي، الفصل الأول في حصول الجماعة بالجن، ص: ۵، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب، و قيل: واجبة، و عليه العامة. قال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، و ترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۳، رشيديه)

(۲) "و لو أمّ قوماً و هم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد. "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". و إن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۲۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراچى)

تعصب کی بنیاد پر امام کے پیچھے عید نہ پڑھنا

سوال [۲۸۴۴]: عید الاضحیٰ کی نماز کے موقع پر جب امام مصلی پر چڑھا تو آدھے آدمیوں نے کہا ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، دوسرے آدھے آدمیوں نے کہا کہ ہم تمہارے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، غرضیکہ دو جماعت ہوگئیں اور دو جگہ نماز ہوئی تو بتلایئے اس طرح سے نماز ہوگی یا نہیں، یا ایسے موقع پر کون سی صورت اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو دونوں قسم کے آدمیوں کی ہوگئی (۱) لیکن ایسا طریقہ اختیار کرنا بلا وجہ شرعی محض تعصب کی بنا پر کسی شخص کی امامت پر اعتراض کرکے علیحدہ علیحدہ جماعت کرنا شرعاً واخلاقاً ہر طرح مذموم اور قابلِ نفرت حرکت ہے اس سے پورا پرہیز ضروری ہے، مسلمانوں کو لازم ہے کہ آپس کے ذاتی اختلافات کو ختم کرکے ایک ایسے شخص کو امام تجویز کرلیں جو صحیح العقیدہ، مسائلِ امامت ونماز سے واقف، متبعِ سنت، قرآن کریم صحیح پڑھنے والا ہو اور سب متفق ہوکر اس کے پیچھے نماز پڑھا کریں تاکہ شیرازہ منتشر نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "و لو أمّ قوماً و هم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". و إن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس في بيان من هو الأحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا﴾. (سوره آل عمران: ۱۰۳)

وقال تعالى: ﴿و لا تنازعوا، فتفشلوا و تذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾. (سورة الأنفال: ۴۷)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية والناصية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة =

مسجد میں جماعت ہوچکی تو کیا گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب ملے گا؟

سوال[۲۸۴۵]: زید سو رہا تھا یا کوئی کام کر رہا تھا اور مسجد میں جماعت ہوگئی، اب اگر وہ کسی کمرہ میں با جماعت نماز پڑھتا ہے تو اسے کتنا ثواب ملے گا اور اس جماعت کو جماعتِ ثانیہ سے موسوم کریں گے یا نہیں، جب کہ مسجد کی جماعت اولیٰ فوت ہوچکی ہے؟ بکر جماعتِ اُولیٰ ہونے کا داعی ہے۔ حضرت سے ابھی قریب ہی جماعت ثانیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا کہ مسجد کے علاوہ جو لوگ جماعت کرتے ہیں تو انہیں ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو بندہ کے ذہن میں یہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس شخص کے بارے میں کہ جس کی جماعتِ اولیٰ فوت ہوگئی ہے، علماء کے تین قول ہیں:

۱-مسجد میں تنہا نماز پڑھے۔ ۲-کسی دوسری مسجد میں تلاش کرے۔

۳-گھر میں مع اہل کے جماعت سے نماز پڑھے۔

تو یہ تینوں قول زجراً وتنبیہاً ہیں، سزا کے طور پر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تو پھر ان کو جماعت کا بھی ثواب نہیں ملے گا تو حضرت نے فرمایا کہ سزا میں جزا نہیں ہوا کرتی۔ امر طلب یہ ہے کہ اس بات میں کتب فقہ کی عبارتوں سے ٹکراؤ پیدا ہو رہا ہے، کتابوں میں ہے کہ فضیلت جماعت اس کو حاصل ہوگی اگر چہ مسجد کی نہیں۔ تطبیق کی کیا صورت ہے؟ نیز سو جانا عذر ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھر میں جماعت کرنے سے فضیلت جماعت تو حاصل ہوجائے گی مگر مسجد کی فضیلت اس سے زیادہ ہے وہ حاصل نہیں ہوگی: "ولو صلى في بيته بزوجته أو جاريته أو ولده، فقد أتى بفضيلة الجماعة، ولكن فضيلة المسجد أتم". طحطاوی علی مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= والعامة والمسجد". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۶/۳۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

"وإن صلى بجماعة في البيت اختلف فيه المشايخ، والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة، وللجماعة في المسجد فضيلة أخرى، فإذا صلى في البيت بجماعة، فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة =

ایک مسجد کی جماعت چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا

سوال[۲۸۴۲]: کسی مسجد میں زید وضو کر رہا تھا کہ ادہر جماعت کی رکعتیں ہوگئیں، یا صرف قعدہ اخیرہ ہی ملنے کی امید ہے، تو زید نے سمجھا کہ اچھا ہے چلو کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لیں جہاں پوری جماعت ملنے کی امید ہے تو ایسی صورت میں ایک مسجد سے دوسری مسجد کی طرف انتقال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اس مسجد کا حق قائم ہوگیا وہیں جماعت میں شریک ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۹ھ۔

= وترک الفضيلة الأخرى، وكذا قاله القاضي الإمام أبو علي النسفي، والصحيح أن أداءها بالجماعة في المسجد افضل، وكذلك في المكتوبات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "عن أبي الشعثاء رحمه الله تعالىٰ قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصر، فقال أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان: ۵۰/۱، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الخروج عن المسجد بعد الأذان: ۷۹/۱، سعيد)

"وكره تحريماً لنهي خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه جرى على الغالب والمراد دخول الوقت أذن فيه أو لا". (الدر المختار). "(قوله: من مسجد أذن فيه) أطلقه، فشمل ما إذا أذن وهو فيه أو دخل بعد الأذان، كما في البحر والنهر". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۵۴/۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۳۰۹/۱، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۱۲۷/۲، ۱۲۸، رشيديه)

امام کی خرابی کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا

سوال[۲۸۴۷]: ایک شخص دیکھتا ہے کہ مسجد کی عمارت میں روپیہ سود کھانے والوں کا لگا ہے اور چندہ وغیرہ کا روپیہ بھی زیادہ لگا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ شخص امام کی حالت باطنی کو دیکھتا ہے تو اس کو حالت خراب معلوم ہوتی ہے تو اس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہے۔ کیا وہ بوجہ ایں اعذار نماز گھر میں پڑھ سکتا ہے یا اس کے لئے ضروری ہے کہ مسجد میں جاوے اور باجماعت نماز پڑھے؟ اور یہی حالت اس کی اردگرد والی مسجدوں کی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ کسی دوسری مسجد میں جانے سے معذوری ہے اور اس مسجد میں زیادہ روپیہ چندہ کا ہے (جو کہ بظاہر جائز ہے) تو ایسی حالت میں نماز مسجد میں پڑھنی چاہئے گھر میں نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ جماعت کی بہت تاکید کی گئی ہے، تارکِ جماعت (یعنی جو کہ ترک جماعت کا عادی ہو) کو فاسق لکھا ہے(۱) اور جماعت کا ثواب بھی تنہا سے زیادہ ہے(۲)۔ امام میں اگر کوئی ایسی خرابی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ فاسق ہوجاتا ہے تب تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس سے بہتر موجود ہو(۳) اور اگر امام مذکور توبہ کرلے تو پھر اس کو امام بنانا بھی مکروہ تحریمی نہیں(۴)۔

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، و قيل: واجبة، و عليه العامة. فتسن أو تجب -ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرةً- على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة". (الدر المختار).

"قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تركها استخفافاً و مجانةً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۲، ۶۰۳، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۳۸، امداديه ملتان)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في الجماعة تضعف على صلوته في بيته و في سوقه خمساً و عشرين ضعفاً". إلى آخر الحديث.

(مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة: ۱/۶۸، قديمي)

(۳) (راجع، ص: ۴۲۶، رقم الحاشية: ۴)

(۴) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "التائب=

اور اگر امام مذکور میں کوئی باطنی خرابی ایسی ہے کہ جس سے اس کو فاسق نہیں کہا جا سکتا یعنی محرمات شرعیہ کا وہ مرتکب نہیں تو اس کی امامت مکروہ نہیں: "الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب". درمختار(۱)۔ "ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

امام کی غلط کاریوں کی وجہ سے گھر میں جماعت

سوال[۲۸۴۸]: اگر محلہ کے اکثر نمازی امام کے خلاف ہوں اور وہ امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں اور فتنہ کیوجہ سے مسجد میں نہ جا کر کسی گھر میں جماعت کر لیتے ہوں تو کیا انکی نماز باجماعت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز انکی بھی ہو جائیگی لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا(۳)۔ جہاں تک ہو سکے اختلاف کو ختم کیا جائے،

= من الذنب كمن لا ذنب له". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة: ۲۰۶/۱، قديمي)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۲/۱، ۵۵۴، سعيد)

(۲) والعبارة بتمامها: " و يكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق و أعمى و مبتدع .... هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة". (الدرالمختار).

"(قوله: و فاسق) وهو الخروج عن الاستقامة: أى لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزنا وآكل الربا و نحو ذلك .... بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱۰۸/۱، دار إحياء التراث العربى)

(وكذا فى الحلبى الكبير، فصل فى الإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) "وإن صلى أحدٌ فى بيته بالجماعة، لم ينالوا فضل الجماعة التى تكون فى المسجد لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام، وهكذافى المكتوبات: أى الفرائض لو صلى جماعة=

صبر وسکون سے مسجد کو آباد کیا جائے (۱)، امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ ان امور کی اصلاح کرلیں غلط طریقہ چھوڑ دیں، وہ اگر نہ مانیں تو وہ امامت سے علیحدہ کئے جانے کے مستحق ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۷ھ۔

تیمارداری کی وجہ سے ترکِ جماعت

سوال [۲۸۴۹]: مریض کے دائمی تیمارداری کے لئے جماعت کی رخصت ہے کیا؟ اگر ایسا ہے تو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا کیسا ہے؟ مثلاً ظہر وعصر اکٹھا پڑھنا اور مغرب وعشاء اکٹھا پڑھنا، خصوصاً ہسپتال وغیرہ میں کہ جہاں اسباب بآسانی مہیا نہ ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مریض کے پاس رہنا ضروری ہو، اور کوئی دوسرا تیماردار نہ ہو تو ترکِ جماعت کی گنجائش ہے (۳)۔

= فی البیت علی هیئة الجماعة فی المسجد نالوا فضیلة الجماعة وهی المضاعفة بسبع وعشرین درجةً، لکن لم ینالوا فضیلة الجماعة الکائنة فی المسجد. فالحاصل أن کل ماشرع فیه الجماعة فالمسجد فیه أفضل لما اشتمل علیه من شرف المکان وإظهار الشعائر وتکثیر سواد المسلمین وائتلاف قلوبهم". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، تراویح، ص: ۴۰۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۶، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی التارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فی التراویح، نوع آخر فی أن الجماعة هل هی سنة التراویح: ۱/۶۵۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیه کراچی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولاتفرقوا﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۳)

(۲) "إن للأمة خلع الإمام وعزله بسببٍ یوجبه، مثل أن یُوجد منه مایوجب اختلال أحوال المسلمین وانتکاس أمور الدین کما کان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلانها، وإن أدی خلعه إلی فتنة احتمل أدنی المضرتین الخ". (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴ سعید)

(۳) "الجماعة سنة مؤکدة للرجال، و قیل: واجبة، وعلیه العامة .... علی الرجال العقلاء البالغین=

اس کی بھی اجازت ہے کہ ظہر آخر وقت میں پڑھے اور عصر اول وقت میں مغرب آخر وقت میں پڑھے اور عشاء اول وقت میں، لیکن ہر نماز کو اس کے ہی وقت میں پڑھے، نہ فوت کر کے قضاء کرے نہ وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

دو شریکِ تجارت کا یکے بعد دیگرے مسجد میں جا کر نمازِ مغرب ادا کرنا

سوال[۲۸۵۰]: دو شخص شریکِ تجارت ہیں جب مغرب کا وقت ہوتا ہے تو ایک شریک نماز پڑھنے مسجد میں چلا جاتا ہے اور دوسرا شریک دوکان پر رہتا ہے، جب پہلا شریک جماعت سے نماز پڑھ کر آتا ہے اور دوکان پر رہتا ہے، تو دوسرا شریک نماز پڑھنے جاتا ہے، اس کو نماز پڑھتے وقت نماز کا آخری وقت ہو جاتا ہے، ہر روز عادۃً ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ اس کی نماز کا کیا حال ہے؟ اس کی نماز درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر نماز باجماعت مسجد میں جا کر تکبیرِ اولیٰ سے شریک ہو کر ادا کی جائے (۲)، مغرب

= الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج، فلا تجب على مريض و مقعد و زمن ومقطوع يد ورجل من خلاف و مفلوج و شيخ كبير عاجز و أعمى". (الدر المختار). "(قوله: من غير حرج) قيد لكونها سنة مؤكدة أو واجبة، فبالحرج يرتفع الإثم، و يرخص في تركها، و لكنه يفوته الأفضل".
(ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۵، سعيد)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۲، ۸۳، رشيديه)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشيديه)

(۱) "و لا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر و مطر خلافاً للشافعي، و ما رواه محمول على الجمع فعلاً، لا وقتاً". (الدرالمختار). "(قوله: محمول الخ): أي ماروا‌ه مما يدل على التأخير محمول على الجمع فعلاً لا وقتاً: أي فعل الأولى في آخر وقتها والثانية في أول وقتها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۸۱، ۳۸۲، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۴۴۱، رشيديه)
(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة: ۱/۲۳۵، ۲۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة =

کی نماز اتنی تاخیر سے مسجد میں جاکر پڑھنا کہ ستاروں کا ہجوم ہوکر آخر وقت ہو جائے اس سے بہتر ہے کہ کسی کو ساتھ ملا کر دوکان پر وقت مستحب میں ہی جماعت کر لی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۹۴ھ۔

جماعت فجر سے پہلے تجارتی دھندوں میں لگ جانا

سوال [۲۸۵۱]: الحمد للہ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نماز جماعت سے پڑھتا ہوں، لیکن میں پھیری کرتا ہوں (۲) اور میرا معمول یہ ہے کہ میں جہاں پھیری کرتا ہوں وہ یونانی سے پانچ میل باہر ہے، وہاں صبح صادق سے پہلے پہنچ جاتا ہوں اور اذان کے بعد جماعت سے پہلے سنت، فرض پڑھ کر اپنی پھیری کو چلاتا ہوں کیونکہ اگر میں جماعت کا انتظار کروں تو جو میرے ڈیوٹی والے گاہک ہیں وہ چلے جاتے ہیں اور دوسرے پھیری والے میرے سے پہلے دھندا شروع کر دیتے ہیں۔ تو کیا میں اس وعید میں داخل ہوں کہ کہ جو اذان سنکر مسجد سے نکل جائے کیا میرے لئے یہ بہتر ہے کہ وقت ہونے کے بعد اذان سے پہلے نماز پڑھ کر نکل جاؤں تو میرے لئے

= الجماعة تفضل على صلوة الرجل وحده بسبع و عشرين درجةً". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في فضل الجماعة: ۱/ ۵۲، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوة الرجل في جماعة تزيد على صلوته في بيته وصلوته في سوقه بضعاً و عشرين درجة". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب فضل الصلوة المكتوبة في جماعة الخ: ۱/ ۲۳۲، قديمي)

(۱) "والمستحب ..... تعجيل مغرب، مطلقاً و تأخيره قدر ركعتين يكره تنزيهاً". (الدر المختار).

"(قوله: يكره تنزيهاً) أفاد أن المراد بالتعجيل أن لا يفصل بين الأذان والإقامة بغير جلسة أو سكتة على الخلاف، و أن ما في القنية من استثناء التأخير القليل محمول على ما دون الركعتين، و أن الزائد على القليل إلى اشتباك النجوم مكروه تنزيهاً، وما بعده تحريماً" (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۳۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/ ۴۳۱، سعيد)

(۲) "پھیری: گشت، چکر ..... خردہ فروش کا گشت، پھیری والا: وہ شخص جو گلی کوچوں میں پھر کر سودا بیچے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۱، فیروز سنز، لاہور)

کیا حکم ہے؟ اور کیا میں اس وعید میں داخل ہوں کہ جو صبح بازار کی طرف جائے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے، کیونکہ میں چار بجے رات سے ہی اپنی پھیری کے مقام کو چل دیتا ہوں لیکن میں پہلے مسجد ہی میں پہنچ جاتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق سے پہلے اپنی بیوپار کی جگہ پہنچ جانے میں حرج نہیں، پھر اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ مسجد میں فجر کی نماز باجماعت ادا کریں ۔ جس کا حق آپ مسجد میں ادا کریں گے وہ آپ کے بیوپار کو اس کی وجہ سے فیل نہیں ہونے دے گا، جس قدر آمدنی آپ کو اس بیوپار سے ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ نماز باجماعت کا اجر ہے(۱)، جو پیسہ آپ کے مقدر کا ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا، انتظار جماعت کی وجہ سے وہ ہرگز ضائع نہیں ہوگا، آپ کے گاہک ڈیوٹی پر جائیں یا نہ جائیں مقدر کو کوئی بدل نہیں سکتا(۲)، تاہم اگر اتنی گنجائش نہیں تو مسجد سے علیحدہ کسی اور کو ساتھ لے کر جماعت کر لیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل وکرم کا معاملہ فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱)"وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة ... الخ: ۱/ ۸۹، قديمي)

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه عامة ... على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة: ۱/ ۸۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة والحدث في الصلاة: ۱/ ۳۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲)"حدثنا عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم -وهو الصادق المصدوق-: "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذالك، ثم يبعث الله إليه ملكا بأربع كلمات: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقي أو سعيد الخ". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته: ۱/ ۴۶۹، قديمي)

جماعت ہوچکی تو نماز کہاں پڑھے؟

سوال[۲۸۵۲]: مسجد جاتے ہوئے راستے میں معلوم ہوا جماعت ہوگئی اور مسجد اور مکان کی مسافت برابر ہے تو گھر میں جا کر نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تنہا ہی پڑھنا ہے تو مسجد میں افضل ہے اگر چہ مسافت مسجد کی زیادہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جماعت چھوٹنے پر طلباء پر طعن کرنا

سوال[۲۸۵۳]: مدرسہ میں مدرسین وطلباء اور کچھ چھوٹے بچے جو اب بالغ بھی نہیں ہوئے، اگر کسی بھی وجہ سے نماز جماعت سے رہ جائیں تو ان کی جماعت چھوٹ جانے پر ان کو طعن کرنا ان الفاظ کے ساتھ کہ یہ ''نائب رسول ہیں، یہ مہمان رسول ہیں، یہی مہمانِ رسول ہیں''۔ ایسے جملے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

طعن وطنز نہ کیا جائے نہ مدرسین پر، نہ طلباء پر، نہ کسی اور پر، یہ بہت بُری بات ہے اس کا ثمرہ بھگتنا پڑتا ہے، البتہ نصیحت وخیر خواہی کے طور پر ترغیب دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

تنہا اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال[۲۸۵۴]: ایک شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے اور نیت جماعت کی کر لیتا ہے اور جہری

---

(۱) "(قوله: ولو فاتته، ندب طلبها الخ) ...... وإن صلى في مسجد حية منفرداً، فحسن".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة: ۱/۳۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً، فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً فقد فضحه وشانه". (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۳، تحت رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

نماز میں قرأت بالجہر وتکبیراتِ انتقالات بالجہر کرتا ہے تو کیا اس شخص کو جماعت کا ثواب ہوجائے گا، یا جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر نماز شروع کرے اور آغاز میں تکبیرِ تحریمہ بھی بالجہر کہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کو چھوڑ کر بلا عذر گھر میں یا جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر قرأت وتکبیراتِ انتقالات بالجہر کرکے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب نہیں ہوگا، البتہ جو شخص جماعت کا عادی ہو اور کسی مجبوری کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے، تو اس کو اپنی نماز بصورتِ جماعت ادا کرنا افضل ہے۔"تدویر الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك" میں حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں تنہا اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے تو جنات اور ملائکہ اس کی اقتداء کرتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۲۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۲/۲۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وأخرج سعيد بن منصور وابن أبي شيبة في "المصنف" والبيهقي في "سننه" عن سلمان الفارسي، قال: "إذا كان الرجل في أرض فقام الصلاة، صلى خلفه ملكان، فإذا أذن وأقام، صلى خلفه من الملائكة مالايرى طرفاه، يركعون بركعة ويسجدون بسجوده، ويؤمنون على دعائه". وأخرجه البيهقي بطريق آخر عن سلمان مرفوعاً الخ". (رسائل اللكنوي، تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك: ۳۷۸/۱، إدارة القرآن)

الفصل الثالث فی الجماعة الثانیة

(جماعتِ ثانیہ کا بیان)

جماعتِ ثانیہ

سوال [۲۸۵۵]: ۱..... جس مسجد میں اذان وجماعت ہوچکی ہو، پھر اس مسجد میں دوبارہ اذان وجماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اذان وجماعت کرلے تو پھر امام دوبارہ اذان وجماعت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر ہر روز کے مقررہ امام اور مقتدیوں نے اذان وجماعت وقت مقررہ پر کی ہے تو اب اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے (۱)۔

۲..... اگر دوسرے محلّہ کے لوگوں نے کی ہے تو اس محلّہ والوں کو دوبارہ جماعت کرنا درست ہے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ شعبان المعظم/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "ویکره تکرار الجماعة بأذان و إقامة فی مسجد محلة، لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له و لا مؤذن". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة: ۱/ ۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلوة، تاسعاً: تکرار الجماعة فی المسجد: ۲/ ۱۱۸۳، رشیدیه)

(۲) "فإن صلی فیه قوم من الغرباء بالجماعة، فلأهل المسجد أن یصلوا بعدهم بجماعة بأذان و إقامة" =

ایضاً

سوال[۲۸۵۶]: جماعتِ ثانیہ کرنی ایسی مسجد میں جہاں پنج وقتی نمازیں ہوتی ہوں، نیز جمعہ بھی منعقد ہوتا ہو کیسا ہے؟ جہاں امام ومؤذن بھی مقرر ہوں، کبھی کبھی لوگوں کی کسل وسستی کی بناپر جماعت واذان نہ دی جاتی ہو؟ یا لوگ اپنی سستی کی بناپر جماعتِ اولیٰ میں شریک نہ ہوں اور باتیں کرتے رہیں اور بعد میں جاکر جماعت کریں۔ دیہات کی وجہ سے اوقاتِ مقررہ میں تغیر ضرور ہوجاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجدِ محلّہ میں جب کہ امام ومؤذن پنجوقتہ نمازی مقرر ہوں ہیئتِ اولیٰ کے مطابق تکرارِ جماعت مکروہ ہے لیکن غیر اہلِ محلّہ نے آکر جماعت کرلی ہے تو پھر اہلِ محلّہ کو جماعتِ ثانیہ اپنے وقتِ معمول پر کرلینا درست ہے:

"ويكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجدٍ لا إمام له و لا مؤذن". در مختار(۱)۔ "إلا إذا صلى بهما فيه أولاً غير أهله أو أهله لكن بمخافة الأذان، اهـ". شامی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶/۹/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= لأن إقامة الجماعة في هذا المسجد حقهم اهـ". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر، أنواع الصلوة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ۱۱۸۲/۲، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلوة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ۱۱۸۲/۲، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد) .... =

ایضاً

سوال[۲۸۵۷]: جماعتِ ثانیہ اگر ہیئتِ اولیٰ پر نہ ہو تو مسجد میں جائز ہوگی یا نہیں؟

عبدالرحمن، پیش امام محلہ بیوپاریان، قصبہ اول، ضلع متھرا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک روایت میں مکروہ نہ ہوگی (۱) مگر ظاہر الروایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے، البتہ تبدیلِ ہیئت اور بلا تبدیلِ ہیئت میں تنزیہی وتحریمی کا فرق ہو جائے گا (۲)۔

"ولو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله، يصلون وحداناً، وهو ظاهر الرواية. والبسط في شرح شمس الأئمة". شامی: ۱/ ۲۷۱، نعمانیہ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/صفر/۵۳ھ۔

= (وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلوة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ۲/ ۱۱۸۲، رشيديه)

(۱) "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: لا بأس به مطلقاً إذا صلى في غير مقام الإمام". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى، لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، انتهى. وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، الخامس عشر في الإمامة والاقتداء. نوع فيما يكره وما لا يكره: ۴/ ۵۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، مسائل متفرقة، ص: ۵۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۳، سعيد)

((وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلوة. باب الإمامة: ۱/ ۶۰۵، رشيديه)

ایضاً

سوال[۲۸۵۸]: مسجدِ محلہ میں امام اور مؤذن متعین ہیں نماز کے وقت پر دو چار آدمی کی جماعت کرلی، بعد میں ۱۰، ۲۰/ آدمی آگئے، اب وہ کیا کریں؟ دوبارہ جماعت مسجد میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا سب الگ الگ پڑھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محلہ کے روزانہ کے نمازی جب وقتِ معین پر جماعت کرلیں تو بعد میں آنے والوں کو ایسی مسجد میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے(۱) اس مسئلہ میں مستقل رسالہ "القطوف الدانية" ہے، اس میں دلائل مذکور ہیں (۲)۔ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ جماعت ہوچکی ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں جماعتِ ثانیہ نہیں کی بلکہ مکان پر تشریف لاکر جماعت کی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "ويكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له و لا مؤذن". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلوة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ۲/۱۱۸۲، رشيديه)

(۲) (القطوف الدانية في تحقيق الجماعة الثانية من تاليفات رشيديه لمولانا رشيد احمد الگنگوهي رحمه الله تعالى، إدارة اسلاميات لاهور)

(۳) "و لنا أنه عليه السلام كان خرج ليصلح بين قوم، فعاد إلى المسجد، و قد صلى أهل المسجد، فرجع إلى منزله فجمع اهله و صلى". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وأخرجه الهيثمي في مجمع الزوائد، باب فيمن جاء الى المسجد فوجد الناس قد صلوا: ۲/۴۵، دار الفكر)

وضوخانے میں نماز کے بعد جماعتِ ثانیہ

سوال[۲۸۵۹]: جس مسجد میں نماز ہوچکی اسی مسجد کے وضوخانہ میں کچھ لوگ دوبارہ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ مسجد کے فرش پر بھی آجاتے ہیں تو ان کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتفاقیہ اگر ایسی نوبت آجائے تو مضائقہ نہیں مگر اس کی عادت نہ ڈالی جائے، ایسی جماعت میں جو نمازی فرشِ مسجد پر ہوں گے ان کے حق میں کراہت ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۸۸ھ۔

بریلوی امام ہونے کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کرنا

سوال[۲۸۶۰]: ہمارے یہاں دو عقیدے کے لوگ ہیں: (دیوبند، بریلوی)۔ بریلوی والے جہلاء لوگ ہیں اور مسجد پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں، امامت کرتے ہیں، دیوبندی علماء کو کافر اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، علاوہ ازیں دیوبندی علماء تنازع اور تصادم کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں۔ اس حالت میں ہم چند عوام جو جماعت سے محروم رہ جاتے ہیں، حالانکہ دیوبندی علماء بھی موجود ہیں، اس لئے ہم جماعتِ اولیٰ ترک کرکے جماعتِ ثانیہ سے نماز ادا کرتے ہیں، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بریلوی لوگوں کے اس تشدد کے باوجود یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے کہ وہ لوگ وہاں جماعت سے نماز پڑھیں اور آپ لوگ بیٹھے رہیں، پھر ان کے بعد اپنے امام کے پیچھے جماعتِ ثانیہ کریں، یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے (۲)۔ یا تو ان کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا دوسری مسجد میں پڑھیں (۳) اور اعلیٰ بات یہ ہے کہ ان کے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت العنوان السابق آنفاً)

(۲) " لأنه لا يخلو الحنفي حالة صلاة الشافعي، إما أن يشتغل بالرواتب لينتظر الحنفي، و ذلك منهي عنه، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلوة فلا صلاة إلا المكتوبة". و إما أن يجلس، وهو مكروه أيضاً لإعراضه عن الجماعة من غير كراهة في جماعتهم على المختار". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۴، سعيد)

(۳) "ويكره إمامة عبد و أعرابي و فاسق وأعمىٰ و مبتدع اهـ". (الدر المختار). "فإن أمكن الصلوة =

امام کی اصلاح کریں کہ وہ فتنہ کی بات نہ کہے اور عقیدہ صحیح کرے اور اس کو جو غلط فہمی ہو اس کو اہلِ علم سے حل کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو مسجدیں برابر برابر، نئی مسجد میں جماعتِ ثانیہ

سوال [۲۸۲۰]: قدیم مسجد میں عذر سے تنگی کے باعث بازو میں مسجدِ ثانی موسوم کر کے جدید مسجد تعمیر کی ہے، یہ تعمیر قدیم ہی مسجد کی ہے، چونکہ بعض لوگوں کی جماعت چوک جاتی ہے تو اس لئے اس نئی مسجد میں لوگ جماعت ثانیہ کر لیتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جدید وقدیم دونوں مسجدوں میں مستقل اذان، نماز، جماعت کا اہتمام ہوتا ہے اور پابندی سے ہوتی ہے تو دوسری جماعت کسی میں نہ کی جائے، اگر دونوں کا امام ومؤذن ایک ہی ہے اور ایک ہی جماعت ہوتی ہے تو محض بعد کے اضافہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسری مسجد مستقل مسجد نہیں ہے بلکہ دونوں مل کر ایک ہی مسجد ہے وہاں جماعتِ ثانیہ نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۸ھ

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

= خلف غيرهم فهو أفضل، و إلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۲۱۰، ۲۱۱ رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(۱) "ويكره تكرار الجماعة بأذان و إقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له و لا مؤذن". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/ ۸۳، رشيديه)

(والفقه الإسلامي، الفصل العاشر أنواع الصلوة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ۲/ ۱۱۸۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، في مسائل متفرقة، ص: ۶۱۴، سهيل اكيدمي لاهور)

ظہر وعشاء پڑھ کر پھر اسی جماعت میں شرکت

سوال[۲۸۶۲]: ایک بار ظہر یا عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لینے کے بعد دوبارہ اسی نماز کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ شریک ہوسکتا ہے جماعت کے ساتھ پڑھی یا تنہا اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

"كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا صلى بالناس ودخل شخص بعد ما صلى الناس يقول: "من يتصدق على هذا"؟ فيصلي معه فيقوم الناس يصلي جماعةً ثانية"(۱)۔

عمرو کہتا ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھی تو شریک نہیں ہوسکتا، اگر تنہا پڑھی تو شرکت دوبارہ روا ہے اور یہ حدیث بیان کرتا ہے:

"و جاء ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يوماً لمسجد، فصلى الناس و لم يصل معهم، فقال رجل: ما منعك أن تصلي مع الناس؟ فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا تصلوا صلوة في يوم مرتين"(۲)۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب و بيده أزمة الحق و الصواب حامداً و مصلياً:

اگر بہ نیتِ فرض شریک ہوتا ہے تو دونوں کا قول غلط ہے: "لا يصلي بعد صلوة مثلها" (۳) اگر بہ نیتِ نفل شریک ہوتا ہے تو زید کا قول صحیح ہے، عمرو کی بیان کردہ تفصیل غلط ہے:

---

(۱) (مجمع الزوائد للهيثمي: باب فيمن تحصل بهم فضيلة الجماعة: ۲/۴۵، دار الفكر)

(وكذا في سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في الجمع في المسجد مرتين: ۱/۹۲، امداديه ملتان)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب إذا صلى في جماعة ثم أدرك جماعة يعيد: ۱/۹۳، امداديه ملتان)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۰۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۳۰۳، امداديه ملتان)

"رجل دخل مسجداً قد أذن فيه، كره له أن يخرج حتى يصلي، فإن كان قد صلى وكانت الظهر والعشاء، فلا بأس بأن يخرج ما لم يأخذ في الإقامة، فإن أخذ فيها لم يخرج حتى يصليهما تطوعاً، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

باہمی نزاع کی وجہ سے تکرارِ جماعت

سوال [۳۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

زید اور عمرو بکر کے مابین ایک عرصہ سے معاملاتی نزاع چل رہی ہے جس کی بنا پر عمرو بکر وغیرہ بجائے ایک جمعہ وجماعت کے علیحدہ طور پر ایک ہی مسجد میں دو جمعہ وجماعت زید مذکورہ بالا امام سے علیحدہ قائم کریں کہ جس پر ایک غیر مسلم شخص نے دونوں فریقوں کو بلا کر یہ کہا کہ تم لوگ آپس میں جھگڑا نہ کرو، ایک ہی مسجد میں علیحدہ علیحدہ طور پر نماز پڑھ لیا کرو تو اس کے جواب میں زید مذکورہ امام نے یہ کہا کہ ہمارے مذہب میں اللہ ورسول کی طرف سے قرآن وحدیث مسئلہ ومسائل سے ایک ہی مسجد میں دو جمعہ وجماعت جائز نہیں ہے۔ اب اس کے جواب میں فریقِ ثانی عمرو بکر وغیرہ نے زید مذکورہ بالا امام سے یہ کہا ہے ہم لوگوں کو اللہ ورسول قرآن وحدیث مسئلہ ومسائل اور نماز کا درست ونادرست سے کوئی سروکار نہیں۔

مستفتی: حکیم مولوی محمد سلیمان صاحب، رام گڑھ، ڈاک خانہ محموان، ضلع گیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مسجد جماعت میں تکرارِ جماعت حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۲۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في ادراك الفريضة: ۱/۱۵۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۴، ۵۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب ادراك الفريضة: ۱/۱۴۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و یکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة". در مختار۔ قال الشامی:

"(قوله: ویکره): أی تحریماً لقول الکافی: لا یجوز، والمجمع: لا یباح، و شرح الجامع الصغیر: إنه بدعة کما فی رسالة السندی. .... والمراد بمسجد المحلة: ماله إمام وجماعة معلومون کما فی الدر و غیرها، و مثله فی البدائع وغیره. و مقتضی هذا الاستدلال کراهة التکرار فی مسجد المحلة و لو بدون أذان، و یؤیده ما فی الظهیرة: لودخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه أهله، یصلون وحداناً، وهو ظاهر الروایة، اهـ". شامی: ۱/۵۷۷(۱)۔

عمرو بکر وغیرہ کے کہے ہوئے جو الفاظ سوال میں نقل کئے گئے ہیں وہ بہت سخت ہیں، اگر واقعی انہوں نے یہ الفاظ کہے ہیں تو ان کو فوراً توبہ کرنی چاہئے اور احتیاطاً تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کر لینا چاہئے (۲)۔ فقط

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة: ۱/۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۵۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لله أشد فرحةً بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجد".

قال الإمام النووی تحت هذا الحدیث: "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة علی الفور، لا یجوز تأخیرها سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً، اهـ". (الصحیح لمسلم مع شرحه الکامل للنووی، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی: ۲۷/۱۵۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"ما کان فی کونه کفراً اختلاف فإن قائله .... ویؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک و بتجدید النکاح بینه و بین إمرأته کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب درست ہے: بعض ذاتی نزاع کی بنا پر جمعہ وجماعت میں تفریق کرنا اور دو جماعتیں کرنا بہت برا فعل ہے اس سے بچنا چاہئے (۱)۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۴ھ۔

جماعتِ ثانیہ میں نئے آدمی کی شرکت

سوال [۲۸۶۴]: فرض نماز جماعت سے ہورہی تھی، کوئی واجب چھوٹ گیا اور سجدہ سہو بھی رہ گیا، نماز فاسد ہوگئی جیسا کہ اردو کی تمام کتابوں میں مذکور ہے، نماز دہرائی گئی، دہراتے وقت اسی امام نے امامت کی جس نے پہلے پڑھائی تھی لیکن اس بار کچھ اور لوگ بھی آکر شریک ہوگئے۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد میں شریک ہونے والوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بعد میں شریک ہونے والوں کے لئے جو بھی ہو وہ صرف سہواً ترکِ واجب اور ترکِ سجدۂ سہو سے فاسد ہونے والی نماز کا ہے یا جملہ فاسد نمازوں کا، جیسے سہواً ترکِ فرض یا قصداً ترکِ واجب یا قصداً ترکِ سجدۂ سہو وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بعد کی نماز نفل ہے لہٰذا جو لوگ صرف بعد والی نماز میں شریک ہوئے ہیں ان کی نماز صحیح نہ ہوئی:

"والمختار أن المعادة لترك الواجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولى؛ لأن الفرض لا

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا﴾. (آل عمران: ۱۰۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و لا تنازعوا، فتفشلوا و تذهب ريحكم، و اصبروا، إن الله مع الصابرين﴾. (سورة الأنفال: ۴۶)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم، يأخذ الشاة القاصية، والناحية، فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۲۱۵۲۴): ۳۰۷/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

یتکرر کما فی الدر وغیرہ، اھ". الطحطاوی علی مراقی الفلاح(۱) ترکِ فرض سے نماز ہوئی ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اعادہ والی نماز میں شرکت

سوال [۲۸۶۵]: اگر امام کو نماز میں سہو ہوا مگر سجدہ نہیں کیا، جب نماز دوہرانے لگا تو مسبوقین نے نماز توڑ دی اور جماعت ثانیہ میں شامل ہوگئے، ایک مسبوق نے اپنی نماز پوری کرکے شرکت کی مگر سجدہ سہو نہیں کیا جو کہ امام پر واجب تھا، ایک مسبوق نے نماز بعد سجدہ سہو ادا کی پھر جماعت ثانیہ میں شریک ہوا تو ان مسبوقین کی نمازیں صحیح ہوئیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان کو کیا کرنا چاہیے۔

محمد داؤد شادی سرائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر امام کو نماز میں ایسا سہو ہوا جس کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور پھر امام نے سجدہ سہو نہ کیا بلکہ اعادہ کیا تو ان مسبوقین کی نماز صحیح ہوگئی جو اپنی نماز پوری کرکے بلا سجدہ سہو کئے ہوئے امام کے ساتھ شریک ہوگئے اور ان کی نماز مع الکراہت صحیح ہوئی جنہوں نے نماز پوری کی اور سجدہ سہو کیا پھر امام کے ساتھ شریک ہوگئے، کیونکہ اگر امام سجدہ سہو نہ کرے تو مقتدی کو بھی نہ کرنا چاہیے: "فإن لم یسجد الإمام لم یسجد المؤتم" (۲)۔ اور جن مسبوقین نے نماز توڑ کر امام کے ساتھ شرکت کی سب ان کی نماز صحیح نہیں ہوئی، ان

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان واجبات الصلوة، ص: ۲۰۸، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: کل صلوة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۳، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۱/۱۵۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو، فصل: سهو الإمام یوجب علیه و علی من خلفه السجود: ۱/۱۲۸، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۱۷۴، رشیدیه)

کونماز لوٹانی چاہئے، کیونکہ امام کے ذمہ سے فرض پہلی نماز کی وجہ سے ساقط ہوگیا اوراعادہ جبرِ نقصان کی وجہ سے واجب ہے لہذا ابتداءً فرض پڑھنے والے کواس کا اقتداء صحیح نہیں۔

"في المراقي، ص:۲٦٨: "و وجب عليه إعادة الصلوة بجبر نقصها، فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولى"(۱)۔ اگرامام سے ایسا سہو ہوا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو پہلی نماز کسی کی صحیح نہیں ہوئی، دوسری سب کی صحیح ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

ایضاً

سوال[۲۸٦٦]: اگر جماعت میں شبہ ہوجائے اوراس شبہ کی وجہ سے پھراعادہ کیا جاوے تو جونمازی پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے ابھی آتے ہوں تو وہ اس نماز میں شریک ہوسکتے ہیں یانہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں کہ کس صورت میں شرکت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگرفرض ترک ہونے کی بناپر اعادہ ہوا ہے تو اس میں شریک ہونا نئے آدمی کا درست ہے، کیونکہ پہلی نماز باطل ہوگئی اوراگر ترکِ واجب کی وجہ سے اعادہ ہوا ہے تو نئے آدمی کی شرکت درست نہیں، کیونکہ فرض پہلی نماز سے ادا ہو چکا ہے اور یہ صرف تکمیل ہے: "المعادة لترك واجب نفلٌ، والفرض سقط بالأولى اهـ". طحطاوی، ص: ۱۳٤(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ٦۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴٦۲، قديمي)

(وهكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/ ۴۵۷، سعيد)

(وهكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۵۲۳، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان واجبات الصلوة، ص: ۲۴۸، قديمي) =

اعادہ والی نماز میں نئے آدمی کی شرکت

سوال[۲۸۶۷]: امام صاحب سے کوئی واجب ترک ہوگیا جس کی وجہ سے دوبارہ نماز لوٹائی گئی جس کے اندر کوئی نیا نمازی آکر شامل ہوگیا تو اس شخص کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب بقید صفحہ وجلد ومطبع کے مع عربی عبارت کے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"ولها واجبات لا تفسد بتركها، وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد، وإن لم يعد يكون فاسقاً آثماً، وكذا كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، والمختار أنه جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر، اهـ". درمختار "قوله: والمختار أنه: أي الفصل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو، والأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، اهـ". شامي مكتبه نعمانيه ديوبند(١)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں فریضہ تو پہلی نماز سے ساقط ہوگیا اور اعادہ والی نماز جابر ہے اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں تصریح ہے کہ یہ دوسری نماز نفل ہے(۲)، اس کا تقاضا یہ ہے کہ

= (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

(۲) "والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولى؛ لأن الفرض لا يتكرر كما في الدر وغيره، ويندب إعادتها لترك السنة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان واجبات الصلوة، ص: ۲۴۸، قديمي)

نئے آدمی کو اس میں شرکت کرنے کی اجازت نہ ہو، شیخ ابن ہمام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترک واجب کی بناپر اعادہ والی نماز میں نو وارد شخص کی شرکت کا مفصل حکم

سوال[۲۸۶۸]: ترکِ واجب کی بناپر نماز کا اعادہ کیا گیا، نو وارد شخص اس دوسری جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فتاویٰ مختلف ہیں۔ تفصیل کے ساتھ مسئلہ کی تحقیق فرمائیں۔

مولوی محمد عرفان صاحب، امام مسجد عمر خان والی، کھالہ پار، مظفرنگر (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجتہدین کے کلام میں باوجودِ تتبع کے نو وارد کی شرکت یا عدم شرکت کی تصریح تو نہیں ملی، غالباً اس پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ معادہ بالفعل الثانی نفل ہے یا فرض، اس کا فیصلہ حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بایں الفاظ فرمایا:

"یؤخذ من لفظ الإعادة و من تعریفها بما مر أنه ینوی بالثانیة الفرض؛ لأن ما فعل أولاً هو الفرض فإعادته فعله ثانیاً، أما علی القول بأن الفرض یسقط بالثانیة، فظاهر. وأما علی القول الآخر، فلأن المقصود من تکریرها ثانیاً جبر نقصان الأولی. فالأولی فرض ناقص، والثانیة فرض کامل مثل الأولی ذاتاً مع زیادة وصف الکمال. ولو کانت الثانیة نفلاً، لزم أن یجب القراءة فی

---

(۱) "و لا إشکال فی وجوب الإعادة؛ إذ هو الحکم فی کل صلوة أدیت مع کراهة التحریم، و یکون جابراً للأول؛ لأن الفرض لا یتکرر". (فتح القدیر، باب صفة الصلوة: ۱/۳۰۱، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۳، رشیدیه)

(و کذا فی حاشیة الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۸۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

رکعاتها الأربع". رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ١/٤٨٧(١)۔

فقہاء کی تعبیر میں ضرور اختلاف ہے، بعض نے: "ان الفرض یسقط بالأولی" اور بعض نے "ان الفرض یسقط الثانیة" کے ساتھ تعبیر فرمایا، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف تعبیرات کا ہے، حقیقی نہیں، کیونکہ سقوط الفرض بالثانیة کا یہ مطلب نہیں کہ اُولیٰ سے سقوطِ فرض بالکل نہیں ہوا اور ثانیہ پر اس طرح موقوف ہے کہ اگر بالفرض ثانیاً اس فعل کو نہ کیا جائے تو مصلی خارج عن العہدہ نہیں ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ سقوطِ فرض موقوف ہے عدمِ اعادہ پر (نظائر مندرجہ بالا عبارت کے بعد شامی میں مذکور ہے)(۲) اور جب اعادہ ہوگیا تو یہ فرض متحول الی النفل ہوگئے جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر صلوۃ جمعہ میں شریک ہو جائے تو فرضیت کا بطلان ہو کر عندالامام وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت باقی رہ جاتی ہے۔

چنانچہ اگر صلوۃ جمعہ میں اس سے ترک رکن ہو جائے تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا (۳)۔ اور سقوط الفرض بالاولیٰ والثانی جابر للاول کا قول بھی ثانیہ کے فرض ہونے کو مستلزم نہیں، کیونکہ اس کے معنی بحسب تحقیق علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ فرض کا سقوطِ ثانیہ کے شروع کرنے پر موقوف نہیں، بلکہ سقوطِ فرض ہو چکا، اب اس

---

(١) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ٢/٦٥، سعيد)

(٢) "وأن لا تشرع الجماعة فيها و لم يذكروه، و لايلزم من كونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالأولى؛ لأن المراد أنها تكون فرضاً بعد الوقوع، أما قبله فالفرض هو الأولى. وحاصله توقف الحكم بفرضية الأولى على عدم الإعادة، و له نظائر: كسلام من عليه سجود السهو يخرجه خروجاً موقوفاً، و كفساد الوقتية مع تذكر الفائتة. كما سيأتي .... و بهذا ظهر التوفيق بين القولين، و أن الخلاف بينهما لفظي؛ لأن القائل أيضاً بأن الفرض هو الثانية أراد به بعد الوقوع، وإلالزم الحكم ببطلان الأولى بترك ماليس بركن و لا شرط، كما مر عن الفتح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ٢/٦٥، سعيد)

(٣) "فإن فعل ثم ندم و سعى إليها بأن انفصل عن داره، بطل ظهره، لا أصل الصلاة. و لا ظهر من اقتدى به، و لم يسع أدركها أولا". (الدرالمختار). "(قوله: بطل ظهره): أي وصف الفرضية، و صار نفلاً بناءً على أن بطلان الوصف لا يوجب بطلان الأصل عندهما، خلافاً لمحمد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢/١٥٥، ١٥٦، سعيد)

نقصان کو پورا کرنے کی خاطر ذات اول کا کمال کے ساتھ اعادہ کیا جارہا ہے جس طریقے سے قعدہ اخیرہ پر ارکان پورے ہوجاتے ہیں، سقوط فرض اور کسی چیز پر موقوف نہیں، مگر سلام بسجدتی السہو کے بعد سے آخر تک جو حصہ ہے فرض ہی واقع ہوتا ہے، چنانچہ اس حالت میں جو اقتداء کرے گا اس کی اقتداء صحیح ہوجائے گی بالاتفاق، تو یہ ثانیہ مثل سجود سہو ہے، کما فی ردالمحتار: "جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو" (۱)۔

چونکہ سجودِ سہو کی صورت میں منافیٔ صلوٰۃ کوئی عمل نہیں ہوا، اس لئے شارع علیہ السلام اس سجود سہو کی زیادتی کو مربوط بمحل السہو قرار دیکر لجبر النقصان کا بھی اعتبار کیا اور اعادہ کی صورت میں منافیٔ صلوٰۃ عمل ہوچکا، لہذا اس زیادتی کی بنا اصل صلوٰۃ پر ممکن نہیں رہی اس لئے جدید تحریم کے ساتھ مستقل نماز کو جابر قبول کیا، چار رکعت والی نماز کے لئے چار رکعت اور تین والی کے لئے تین رکعت کو جابر قرار دینا دلیل ہے کہ معادہ بالفعل الاول و بالفعل الثانی میں اتحادِ ذات ہے، محض صورۃً تغایر و تعدد ہے، اگر محض لجبر النقصان محض زیادتی مقصود ہوتی تو نماز کی دو رکعت مشروع ہے، ہر نماز کے لئے دو رکعت جابر ہوسکتی تھی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ محض زیادتی مطلوب نہیں بلکہ زیادتی مع آحادِ ذات درمجبور منہ و جابر مطلوب ہے اور جب اتحاد فی الذات بھی مطلوب ہے تو مثلاً ذاتِ صلوٰۃ ظہر کا وجود چار رکعت سے ہوتا ہے لہٰذا لجبر النقصان چار رکعت مطلوب ہوئی، علیٰ ہذا القیاس مُعادہ صلوٰۃ بالفعل الثانی متروک واجب کے قائم مقام ہے اور واجبات سب نمازوں کے مساوی ہوں اس لئے ایک ہی مقدار لجبر النقصان قرین قیاس تھی۔

الغرض معادہ بالفعل الثانی کا مماثل بالفعل الاول فی سائر الاجزاء مطلوب ہونا دلیل ہے کہ ثانیہ مثلِ اولیٰ کے عقب الوقوع فرض ہے۔ ذات کی ذاتیات و اوصافِ ذاتیہ میں سے اگر کوئی معدوم ہوجائے تو ذات ہی باقی نہیں رہتی اور اگر اوصافِ عارضیہ میں خلل واقع ہوجائے تو ذات باقی رہتی ہے مگر اس وقوع خلل فی الاوصاف کا نقص ذات ہی کی طرف راجع ہوتا، پھر اگر اس نقصان کو پورا کیا جائے تو یہ جبر نقصان بلا واسطۂ ذات ممکن نہیں، یہ بھی تصریح سامنے نہیں کہ ثانیہ سے نفل کی نیت کافی ہوجائے گی۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوة، مطلب: کل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں نفل جابر للاول مذکور ہے(۱) اس کے معنی بصورتِ تطبیق یہ ہے کہ جب ارکان وشروطِ صلوۃ مکمل ہو چکے تو اب ثانیاً شروع فی الفعل فرض نہیں بلکہ غیر فرض ہے۔ چونکہ اعادہ عند البعض واجب ہے اور عند البعض مستحب ہے اور بعض نے فی الوقت اور بعد الوقت کی تفصیل فرمائی اس لئے لفظ ''نفل'' ذکر فرمادیا جو دونوں کو شامل ہے، اول کے نقصان کو پورا کرنا ہے، لہذا یہ ابتداءِ فعل کے معاقب فرض واقع ہونے کی منافی نہیں۔ مسافر پر صلوۃ جمعہ فرض نہیں، مگر جب پڑھے گا تو واقع فرض ہوگی، چنانچہ مسافر کی اقتداء صلوۃ جمعہ میں بالاتفاق صحیح ہے۔

الحاصل: بعض نے قبل الاعادہ کے اعتبار سے اُولیٰ کو اور بعض نے بعد الاعادہ کے اعتبار سے ثانیہ کو "مسقطہ الفریضہ" سے تعبیر فرمایا، مآل سب کا واحد ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "و بھذا ظھر التوفیق بین القولین وأن الخلاف بینھما لفظي" (۲)۔ اس وضاحت کے بعد نو وارد کی عدمِ شرکت کے قول کو مختار تسلیم کرنے میں تأمل ہے، بندہ سے یہ جرأت ممکن نہیں کہ عدمِ شرکت کے قول کو غلط کہہ دے، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ عدمِ شرکت پر ہے (۳) اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کا فتویٰ شرکت پر ہے (۴)۔ اور یہ ممکن ہے بلکہ ظن ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے سامنے عدمِ شرکت کی بہت زیادہ قوی دلیل ہو جس کے سامنے خاکسار کی یہ تحریر ہیچ کس ہو، دونوں حضرات ہمارے مقتدیٰ ہیں، مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب کی دلیل مستور ہے اور حضرت حکیم الامت کے فتوے کی دلیل اور مآخذ ظاہر ہے اس لئے قولِ شرکت کو مختار تسلیم کرنا قریب الفہم ہے اور یہ ایسر ہے۔ جو کچھ

---

(۱) "وكذا الحكم في كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، والمختار أن المعادة لترك واجب نفلٌ جابرٌ، والفرض سقط بالأولى؛ لأن الفرض لا يتكرر، كما في الدر وغيره". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان واجبات الصلوة، ص: ۲۴۸، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۶۵، سعيد)

(۳) "اگر پہلی دفعہ نماز بالکل نہیں ہوئی تھی مثلاً باطل ہوئی تھی تو نئے نمازیوں کی نماز بوقتِ اعادہ کرنے نماز کے ادا ہوگی اور اگر کسی واجب کے ترک ہونے سے اعادہ نماز کا واجب تھا تو نئے نمازیوں کی نماز نہ ہوگی، فقط" (فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، الباب الخامس فی الامامۃ، فصل اول، [illegible]: ۳/ ۵۰، ۵۱، امدادیہ ملتان)

(۴) "لم أجده بعد تتبع في امداد الفتاوی ولا في بهشتی زیور"

فہم ناقص میں آیا عرض کردیا، تاہم اعتماد کے لئے حضرت مفتی صاحب بالخصوص دارالعلوم دیوبند کی توثیق ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عرفان عفا اللہ عنہ، مسجد عمر خان والی کھالا پار مظفر نگر (یوپی)

الجواب: منجانب دارالعلوم دیوبند

الجواب حامداً ومصلياً:

ماشاء اللہ! بہت کنج وکاؤ اور محنت سے جواب مرتب کیا گیا ہے، لیکن اخیر میں اس اختلاف کو اختلاف لفظی قرار دیکر معاملہ بالکل ہلکا کردیا گیا۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کے فتوے کو اختیار فرماتے ہیں، یہ ناکارہ احتیاطاً حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے فتوے کا اتباع کرتا ہے اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب بھی دستخط فرمادیتے ہیں، اپنی رائے پر ان کو اصرار نہیں۔

اختلافی اقوال میں نظائر سے کام اس وقت لیا جائے جب کسی قول کی ترجیح منقول نہ ہو، جب قولِ مختار صراحۃً موجود ہو تو پھر نظائر پر نظر کرنے کی کیا ضرورت ہے:

"والمختار أن المعادة لترك واجب نفلٌ جابر، والفرض سقط بالأولى؛ لأن الفرض لا يتكرر كما في الدر المختار وغيره". طحطاوی، ص: ۱۳۴ (۱)۔ "وأن لايكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كافتراضه و تنفل الإمام، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۱۵۸ (۲)۔

علامہ شامی نے " والمختار أنه جابرٌ للأول " کے تحت اس کا اصح ہونا نقل کیا ہے۔ شیخ المحققین ابن الہمام کا مختار بھی اس کو لکھا ہے: "(قوله: والمختار أنه): أي الفعل الثاني جابرٌ للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو، و بالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا في شرح الأكمل على أصول البزدوي. و مقابله ما نقلوه عن أبي اليسر من أن الفرض هو الثاني،

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلوة، ص: ۲۴۸، قديمي)

(۲) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۰، ۲۹۱، قديمي)

وأختار ابن الهمام الأول قال: لأن الفرض لا يتكرر، اهـ". شامی: ۱/۳۰۷(۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتوے کا ماخذ یہ منقولہ عبارات ہوسکتی ہیں، اس کے مقابل قول کے لئے بھی اگر مختار یا اصح وغیرہ کوئی لفظ مل جاتا تو زیادہ موجب تشفی ہوتا اور تحریر کردہ نظائر سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۳، رشيديه كوئته)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الرابع فی تعیین الوقت للجماعة

(جماعت کے لئے وقت مقرر کرنے کا بیان)

نماز کے اوقات کی تعیین

سوال[۲۸۱۹]: پابندیٔ وقت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمازوں کے لئے جو اوقات مقرر کئے جاتے ہیں اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو جماعت مل جائے کسی کو شکایت کا موقع نہ ہو، تاہم ضرورتِ عذر کی وجہ سے کچھ تقدیم وتاخیر کردی جائے تو مضائقہ نہیں جب تک کہ حدِ کراہت میں نہ آئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

متولی کا بغیر اجازتِ امام اوقاتِ نماز تبدیل کرنا

سوال[۲۸۲۰]: متولی صاحب کو نماز کے اوقات کما حقہ معلوم نہیں، پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ میری بغیر اجازت کے امام صاحب نماز کے اوقات نہیں بدل سکتے ہیں۔ کیا متولی صاحب کا کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بات کو طول دینے اور بگاڑنے کے بجائے اگر اس طرح کرلیا جائے تو بہتر ہے کہ امام صاحب اوقات

---

(۱) "ولا یفرط فی التأخیر حتی لا تقع صلاة فی وقت مکروہ". (رد المحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۴۹، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۱۰۸، امدادیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، نوع آخر فی بیان وقت التیمم: ۱/۲۳۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

کی رعایت کرتے ہوئے جب وقت تبدیل کریں تو متولی صاحب کو اطلاع کردیا کریں کہ آپ فلاں وقت کو اس طرح تبدیل کردیں اور اس کا اعلان کردیں تاکہ متولی بھی خوش رہیں اور کام میں رکاوٹ بھی پیدا نہ ہو، نماز بھی صحیح اوقات پر ہوجایا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

جماعت کا وقت کون متعین کرے؟

سوال[۲۸۷۱]: نماز کے اوقات متعین کرنا، آیا مصلی کرے یا مؤذن یا گھڑی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی، امام، مؤذن، مقتدی سب کے مصالح کی رعایت چاہئے، سب لوگ امام کے سپرد کردیں کہ وہ مصالح کی رعایت کرتے ہوئے جماعت کا وقت مقرر کردیں، جس سے نماز وقتِ مستحب پر ادا ہو اور سب کو شریک ہونے میں سہولت رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال یا بلال!: "إذا أذنت فترسل فی أذانک، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بین أذانک وإقامتک قدر مایفرغ الآکل من أکله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتی ترونی". (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان : ۱/۴۸، سعید)

"ویجلس بینهما بقدر مایحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب إلا فی المغرب".

(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۳۸۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان ،الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة الخ : ۱/۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۴، ۴۵۵، رشیدیه)

نماز کے اوقات امام مقرر کرے یا مقتدی؟

سوال[۲۸۷۲]: امام مقتدیوں کے تابع ہے یا مقتدی امام کے، یعنی نماز کے لئے خود وقت دیکھ کر کھڑا ہوجائے یا مقتدی کے حکم کے مطابق؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ امام مقتدی سب کی متفقہ رائے سے شریعت کے مطابق وقت مقرر کیا جائے، اگر مقتدی ناواقف ہوں اور شرعی وقت کی شناخت نہ رکھتے ہوں تو امام مقرر کر کے اعلان کردے اسکی پابندی سب کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

تبدیلی اوقات کا اختیار کس کو ہے؟

سوال[۲۸۷۳]: اوقاتِ نماز وجماعت کا تعین کرنے کا مُجاز متولی مسجد ہے یا نہیں؟ قدیم روایت کے مطابق امام صاحب ہی وقت کا تعین کرتے آئے ہیں۔

ایضاً

سوال[۲۸۷۴]: اگر متولی مسجد ہی کو تبدیلی اوقات کا اختیار ہے تو وہ کس کس سے مشورہ کرے؟ اہل

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: "لبلال إذا أذنت فترسل فی أذانک، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بین أذانک وإقامتک قدر مایفرغ الآکل من أکله، والشارب من شربه، والمعتصر إذادخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتی ترونی". (سنن الترمذی، أبو اب الصلوة، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان: ۱/۴۸، سعید)

"ویجلس بینهما بقدر مایحضر الملازمون مراعیاً لو قت الندب إلا فی المغرب".

(الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان، ۱/ ۳۸۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة الخ، ۱/ ۵۷، رشیدیه)

محلّہ سے یا نمازیوں سے یا متولیانِ مسجد سے جہاں کہ جمعہ ہوتا ہے، یا مصلیان جمعہ سے یا امام وخطیب سے؟ بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمانوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی پارٹی بندی ہوگئی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......امام صاحب ہی کو حق ہے مگر وہ بھی نمازیوں کا خیال رکھیں (۱)۔

۲......نمبر:ا کے بعد اسکے جواب کی حاجت نہیں، اپنی اپنی ذاتی مصالح کے پیش نظر یا محض مخالفت کی خاطر نزاع وخلفشار بہت ہی منحوس چیز ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے، جو طرز مدت سے چلا آرہا ہے جس پر رضامندر رہتے ہیں اس میں اب کیا اشکال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

وقت مقررہ کے بعد نمازیوں کا انتظار

سوال[۲۸۷۵]: مسجد میں اوقاتِ اذان وجماعت مقرر کردیئے گئے ہیں اور مابین اذان وجماعت نصف گھنٹہ کا وقت فاصل متعین ہے تاکہ لوگ آسانی سے حاضر ہوکر شرکت کرسکیں، مگر باوجود اس کے بعض حضرات تاخیر سے تشریف لاتے ہیں اور اقامتِ جماعت کے وقت وضو ہی کرتے رہتے ہیں تو اس حالت میں کیا امام پر فرض ہے کہ ان لوگوں کا منتظر ہو؟

نبی احمد، رسول پور، ضلع سہارنپور، ۲۹/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

---

(۱) "عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: "يا بلال! إذا أذنت، فترسل في أذانك، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدر مايفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني". (سنن الترمذي، أبواب الصلوة ،باب ماجاء في الترسل في الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

"ويجلس بينهما بقدر مايحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب إلا في مغرب". (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب الأذان : ۱/۳۸۹،سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان ،الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷،رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وقتِ مقررہ پر اکثر نمازی آ گئے اور ایک دو شخص ہی نہیں آئے تو امام کو انتظار فرض نہیں بلکہ مکروہ ہے، لیکن اگر وہ شریر اور فتنہ پرور ہوں تو دفعِ فتنہ کے واسطے انتظار کرنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وقت میں بھی گنجائش ہو:

"رئیس المحلة لا ینتظر مالم یکن شریراً والوقت متسع". باب الأذان (۱). "فلو انتظر قبل الصلوة، ففی أذان البزازیة: لو انتظر الإقامة لیدرك الناس الجماعة یجوز، و لو أحد بعد الاجتماع، لا، إلا إذاکان داعراً شریراً". شامی: ۱/۵۱۶ (۲)۔

نیز اگر وقت میں تنگی ہو اور قوم پر گراں نہ گزرے تب بھی انتظار جائز ہے (اگرچہ خوفِ فتنہ نہ ہو): "أما الانتظار قبل الشروع فی غیر ما یکرہ تأخیرہ کمغرب، و عند ضیق وقت، فالظاهر عدم الکراهة و لو لمعین، إلا إذا ثقل علی القوم". طحطاوی: ۱/۲۲۰ (۳)۔ فقط۔

محمود حسن گنگوہی، یکم/ رجب/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ۵۲ھ۔

نمازِ مغرب میں امام کا انتظار

سوال [۲۸۷۶]: کیا مغرب کی نماز کے وقت اذان ہوتے ہی نماز جماعت پڑھ لیجاوے

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۴۹۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة، کتاب الصلوة، الفصل الأول فی الأذان: ۴/۲۵، رشیدیه)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوة، فصل: الشروع فی الصلوة: ۱/۲۲۰، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلوة: نوع آخر فی فصل بین الأذان والإقامة: ۱/۵۲۱، ادارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۲۴۵، ۲۴۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

اور اتنا انتظار نہ کیا جاوے کہ امام مقرر شدہ وضو کر سکے اور اس کا وضو بغیر کئے دوسرے شخص کو نماز کے لئے کھڑا کر دیا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آفتاب غروب ہونے کے بعد ہی مغرب کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس میں بلا وجہ دیر کرنا کہ دو رکعت پڑھی جا سکے مکروہ ہے، اس سے کم دیر کرنا مکروہ نہیں، پس اگر امام وضو کر رہا ہے تو اس کے انتظار میں مضائقہ نہیں بلکہ مناسب ہے کہ اس کا انتظار کر لیا جائے:

"قال في النهر: وفي الأذان من الفتح قوله: بكراهته الركعتين قبل المغرب يشير إلى أن تأخير المغرب قدرهما مكروه، و قدمنا عن القنية استثناء القليل، فيجب حمله على ما هو أقل من قدرهما مكروه توسط فيهما ليتفق كلام الأصحاب، وهذا هو الحق، اهـ". منحة الخالق: ١/٢٤٨ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نماز شروع کرنے میں امام متولی کا پابند نہیں

سوال[۲۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا متولی فجر کی جماعت اپنے حکم سے کھڑی کرتا ہے، مثلاً جیسا اس کو جماعت کرنی منظور ہوتی ہے تو سب سے پہلے زور سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہتا ہے اس سے امامِ مسجد جو کہ مستقل ہے سمجھ جاتا ہے کہ اب میں مصلے پر چلوں، امام کو بذاتِ خود کوئی اختیار نہیں ہے کہ وقت پر خود جا کر مصلے پر کھڑا ہو جائے۔ ایسی حالت میں متولی کا یہ طریق مطابقِ شریعت ہے یا نہیں، یا خلافِ شریعت؟ امام مقتدی کا تابع ہے یا مقتدی امام کا؟ عند اللہ اس امر کا صحیح شرعی

(١) (منحة الخالق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٣٣٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة: ١/٣٦٩، سعيد)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ١/٢٢٧، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٢٦٤، امداديه ملتان)

امر صادر فرمادیں تاکہ یہ غلط فہمی دور ہوجائے۔فقط والسلام۔

بندہ عبداللہ سہارنپوری ۹/مئی/۴۱ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کے اوقات شریعت کی جانب سے مقرر ہیں مگر ان میں وسعت ہے(۱) اس لئے ایسے وقت شروع کی جائے کہ شرع کے نزدیک وہ وقت مستحب ہو اور پابند جماعت نمازی اکثر اس وقت آجاتے ہوں (۲)۔اگر متولی جماعت کے شروع کرانے میں اس کی رعایت رکھتا ہے تب تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر اس کی رعایت نہیں رکھتا بلکہ صرف اپنی آمد پر موقوف رکھتا ہے، خواہ وہ وقت مستحب ہو یا غیر مستحب، خواہ اکثر جماعت پابند نمازی آگئے ہوں خواہ نہ آئے ہوں بلکہ جب خود آگیا تو نماز فوراً شروع کرادے اور جب تک خود نہ آیا تو امام کو انتظار کا حکم دیا، اگرچہ وقتِ مستحب نکل کر وقت مکروہ میں داخل ہوگیا، یا ابھی وقتِ مستحب شروع ہی نہ ہوا تو ایسی حالت میں اس کا یہ خیال شرعاً پسندیدہ نہیں اور امام کو اس میں اس کی اتباع بھی نہیں کرنی چاہئے اور نماز شروع کرنے میں امام مستقل ہے، متولی یا اور کسی کے تابع نہیں بلکہ سب لوگ امام کے تابع ہیں (۳)، تاہم امام کو ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے تمام مقتدیوں کو تکلیف ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی /۶۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

(۲) "و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب إلا في المغرب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۴، ۴۵۵، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾ (سورة البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك ثم العلماء والقضاة العدول و من ألزم الله تعالیٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة و نحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمی)

انتظارِ صلوٰۃ

سوال[۲۸۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین اس مسئلہ میں: زید کا اعتراض ہے کہ جب یہ مسئلہ ہے کہ مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان موافق چار رکعت کے بیٹھے اور مغرب میں تھوڑی دیر، تو اکثر مسجدوں میں مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان آدھ گھنٹہ کا وقفہ دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے، کیا یہ درست ہے؟ اس آدھ گھنٹہ کی پابندی سخت کرتے ہیں اور کراتے ہیں۔ اس کو مفصل فرماویں اور کتبِ حدیث کا بھی حوالہ دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احادیث میں آدھ گھنٹہ کی تحدید نہیں بلکہ یہ حکم ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل ہونا چاہئے کہ جو شخص کھانا کھا رہا ہو وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو جائے اور جس کو ضرورت ہو وہ قضائے حاجت وغیرہ سے فارغ ہو جائے، اب اہلِ مسجد کے اتفاق رائے پر موقوف ہے، بعض جگہ آدھ گھنٹہ وقفہ مقرر کر لیتے ہیں اور بعض جگہ کم اور کسی نماز کے لئے آدھ گھنٹہ سے بھی زائد، جیسے صبح کی نماز میں، اور یہ فرق تفاوتِ احادیث سے بھی ثابت ہے:

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم قال لبلال: "اجعل مابین أذانك وإقامتك قدر ما یفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل القضاء حاجته، اهـ". مشكوة المصابيح مختصراً، ص: ٦٣ (١)۔ "وقال ابن بطال: لاحدّ لذلك غير تمكن دخول الوقت اجتماع المصلين، اهـ". فتح الباري: ٢/٨٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثاني: ١/٦٣، ٦٤، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في الترسل في الأذان: ١/٤٨، سعيد)

(٢) (فتح الباري، كتاب الأذان، باب كم بين الأذانين والإقامة، و من ينتظر الإقامة: ٢/١٣٦، قديمي) =

جماعت کے لئے نمازیوں کا انتظار

سوال[۲۸۷۹]: ۱..... کسی مسجد میں اگر کوئی مصلی ہی نہیں آیا فجر یا مغرب کی نماز میں اور توقع ہے کہ تھوڑی دیر میں کوئی آئے۔ ایسی صورت میں امام صاحب اخیر وقت تک مصلیوں کا انتظار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۲۸۸۰]: ۲..... اگر انتظار کئے بغیر امام صاحب نے مقررہ وقت پر اکیلے نماز پڑھ لی تو امام صاحب کو جماعت کی نماز کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وقت مقررہ پر امام صاحب کو پڑھ لینا چاہئے، کوئی آئے یا نہ آئے فرشتے اور جنات امام صاحب کی اقتداء کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... وقت مکروہ آنے سے پہلے تک انتظار کرے(۱)، جہاں آس پاس مسلمان موجود ہوں وہاں سب کو مل کر اس کا انتظام کرنا چاہئے کہ سب لوگ نماز کے لئے آیا کریں، اس مقصد کے لئے گشت بھی کیا جائے، اجتماع بھی کیا جائے، فضائلِ نماز وغیرہ پڑھنے اور سنانے کا بھی انتظام کیا جائے، جگہ جگہ تبلیغی جماعتیں کام کر رہی

= "ويجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب إلا في المغرب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۴، ۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

(۱) "ويجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعياً لوقت الندب إلا في المغرب" (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الأذان: نوع آخر في بيان ما يفعل فيه: ۱/۵۱۵، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

ہیں، اپنے محلہ میں بُلا کر تشکیل کر لی جائے اور ان کے ساتھ دوسرے محلوں میں بھی جا کر کام کریں۔ اس سے نماز کی اہمیت بھی دلوں میں پیدا ہوگی اور مسجد بھی آباد ہوگی۔

۲......امام صاحب اگر تنہا اذان واقامت کہہ کر امام کی طرح نماز پڑھ لیں گے تو ملائکہ اور جنات ان کا اقتداء کریں گے مگر انتظار کرنا پھر بھی مناسب ہے(۱) بلکہ مکان سے بُلا کر لائیں گے تو زیادہ اجر کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقت مقررہ سے کچھ پہلے نماز

سوال[۲۸۸۱]: امام اپنی خوشی کے مطابق نماز پڑھاوے وقت کے خلاف یہ عمل کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بالتفصیل جواب مرحمت فرمایا جائے۔

فقط والسلام المستفتی محمد عمر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نماز کا وقت ہی نہ ہوا ہو تو نماز پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے(۲) اگر وقت تو ہو گیا لیکن کسی عارض کی وجہ

---

(۱) "عن أبي عثمان عن سلمان قال: لا يكون رجل بأرض قيٍّ فيتوضأ، فإن لم يجد الماء يتيمم، ثم ينادي بالصلوة، ثم يقيمها إلا أمّ من جنود الله ما لا يرى طرفاه". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الأذان والإقامة، في الرجل يكون وحده فيؤذن أو يقيم: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۴، سعيد)

راجع تفصيل الكلام "تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك" في "مجموعة رسائل اللكنوي": ۱/۳۷۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراتشي.

(۲) قال الله تعالى: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾. (سورة النساء: ۱۰۳)

"روى عن عبد الله بن مسعود أنه قال: إن للصلوة وقتاً كوقت الحج ...... قال أبوبكر: قد انتظم ذلك إيجاب الفرض و مواقيته؛ لأن قوله تعالى: ﴿كتاباً﴾ معناه فرضاً. وقوله: ﴿موقوتاً﴾ معناه أنه =

سے وقت مقررہ سے دو چار منٹ پہلے امام نے نماز پڑھادی اور پابندِ جماعت نمازی بھی آچکے تھے تو اس میں مضائقہ نہیں اگر پابند جماعت نمازی نہیں آئے تھے تو وقت مقررہ تک ان کا انتظام کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۶/۶/۵۷ھ۔

کسی مصلحت سے نماز میں ۵/منٹ کی تاخیر کرنا

سوال [۲۸۸۲]: فرض نماز کا وقت جو مقرر ہے، امام کسی مصلحت سے پانچ یا چھ منٹ دیر کرسکتا ہے اور امام پر تقاضہ کرنا کیسا ہے؟

= مفروض في أوقات معلومة معينة . (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۳۷۴، قديمي)

"لأن الوقت كما هو سبب لوجوب الصلوة فهو شرط لأدائها قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ : أى فرضاً مؤقتاً؛ حتى لا يجوز أدا الفرض قبل وقته إلا صلاة العصر يوم عرفة على ما يذكر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۱/۳۷۰، كتاب الصلوة، سعيد)

(۱) "و ينتظر المؤذن الناس ويقيم للضعيف المستعجل و لا ينتظر رئيس المحلة و كبيرها، كذا في معراج الدراية". ينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضيء من وضوئه والمصلي من صلاته والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والاقامة الخ: ۱/۵۷، رشيديه)

"رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يكن شريراً والوقت متسع". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعيد)

"و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعيا لوقت إلا في المغرب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان و الإقامة: ۱/۳۸۹، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً :

کسی مصلحت یا ضرورت سے اتفاقی طور پر اگر امام ۵،۶/منٹ کی تاخیر کردے تو مقتدی تقاضہ نہ کریں، امام کو بھی پابندی کرنی چاہئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کے انتظار میں وقت مقررہ سے کچھ تاخیر کرنا

سوال[۲۸۸۳]: مسجد میں عموماً جماعت کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے،لیکن اگر کبھی کسی وجہ اور کسی ضرورت سے امام پانچ سات منٹ کی تاخیر کردے وقت مقررہ سے تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی معزز عالم دین اور کسی بزرگ کے انتقال پر بھی تھوڑی سی تاخیر ہوسکتی ہے، اکثر لوگ اس پر خفا ہوجاتے ہیں اور وقت مقرر پر تاخیر کو حرام اور گناہ تصور کرتے ہیں،لہذا اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمازوں کے اوقات میں موجودہ مروجہ گھڑی کے اعتبار سے سہولت پیدا ہوتی ہے کہ پابند جماعت نمازی شرکتِ جماعت سے محروم نہ رہیں، اگر اس میں قدرے تغیر ہوجائے اور شرعی طریقے پر وقت مکروہ داخل نہ ہوتب بھی نماز بالیقین درست ہوجاتی ہے (۲)، یہ عقیدہ رکھنا کہ پانچ سات منٹ تاخیر کرنے سے نماز درست

---

(۱) "و یجلس بینهما بقدر ما یحضر الملازمون مراعیا لوقت الندب إلا في المغرب". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في کلمات الأذان والإقامة اهـ: ۱/۵۷، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانية، کتاب الصلوة، باب الأذان، نوع في بیان ما یفعل فیه: ۱/۵۱۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "و لا یفرط في التأخیر حتی لا تقع صلاة في وقت مکروه". (رد المحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۴۹، سعید)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۱۰۸، امدادیه ملتان) .... =

نہیں ہوگی، یا یہ تاخیر کرنا حرام ہے غلط عقیدہ ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔ جو شخص جماعت کا پابند ہو اور اتفاقیہ طور پر کبھی اس کو تاخیر ہوجائے تو اس کی خاطر سب کو انتظار کرنے میں مضائقہ نہیں، اگر کوئی شخص شریک ہو کہ جماعت نہ ملنے کی وجہ سے فتنہ برپا ہوجائے تو اس کی خاطر بھی تاخیر کرنا درست ہے، البتہ باوجاہت کی وجہ سے خوشامدانہ انتظار نہیں ہونا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز وقتِ مقررہ سے ایک دومنٹ آگے پیچھے ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۸۸۴]: پانچوں نمازوں کا جو وقت مقرر کرلیا جاتا ہے جیسے فجر کا ۵/ بجے، ظہر کا ڈھائی بجے، عصر ساڑھے پانچ بجے وغیرہ وغیرہ، ان مقررہ وقت کو اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ ایک منٹ آگے ہو نہ پیچھے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک منٹ آگے پیچھے ہونے سے نماز ناجائز نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۳ھ۔

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، نوع آخر في بيان وقت التيمم: ۱/۲۳۸، إدارة القرآن)

(۱) "رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يكن شريراً والوقت متسعٌ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعيد)

"ينبغي للمؤذن مراعاة الجماعة، فإن رآهم اجتمعوا، أقام، و إلا انتظرهم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في كلمات الأذان: ۱/۵۷، رشيديه)

(۲) یہاں پر مفسداتِ نماز میں سے بھی کوئی مفسد نہیں پائی جاتی ہے اس لئے نماز اپنی جگہ درست اور صحیح ہے چونکہ اوقات کی مروجہ تقرری وقت مشروع کے اندر کی جاتی ہے، لہٰذا اوقات مقررہ کی پابندی کو ضروری سمجھنا کہ ضرورت کے وقت بھی ایک منٹ کی تقدیم وتاخیر کی کوئی گنجائش نہ ہو درست نہیں:

"و ينتظر المؤذن الناس، و يقيم للضعيف المستعجل، و لا ينتظر رئيس المحلة و كبيرها، كذا=

نماز میں معین آدمی کا انتظار

سوال[۲۸۸۵]: کیا ایک شخص کے باعث جماعت میں تاخیر کرنا جائز ہے؟ جبکہ مستقل امام موجود ہو، اگر وہ شخص نہیں آتا تو بجائے ایک بجے کے ڈیڑھ یا دو بجے جماعت ہوتی ہے اور اس کے بلانے کے لئے پے در پے آدمی بھیجا جاتا ہے۔ یہ فعل عندالشرع مذموم ہے یا ممدوح؟

محمد یونس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقت مقررہ پر اگر تمام نمازی آجائیں تو کسی خاص شخص کا انتظار جائز نہیں مگر جب وقت مستحب میں گنجائش ہو اور قوم پر گراں بھی نہ ہو یا وہ شخص شریر فتنہ پرداز ہو تو کسی قدر انتظار میں مضائقہ نہیں:

"رئیس المحلة لا ینتظر ما لم یکن شریراً، والوقت متسع". درمختار: ۱/۴۱۵(۱)۔

"وأما الانتظار قبل الشروع فی غیر ما یکره تأخیره کمغرب، و عند ضیق وقت، فالظاهر عدم الکراهة و لو لمعین، إلا إذا ثقل علی القوم". طحطاوی: ۱/۲۲۰(۲)۔

= فی معراج الدرایة......... ینبغی أن یؤذن فی أول الوقت، و یقیم فی وسطه حتی یفرغ المتوضیء من وضوئه والمصلی من صلاته والمعتصر من قضاء حاجته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۷، رشیدیه)

"و یجلس بینهما بقدر ما یحضر الملازمون مراعیاً لوقت الندب إلا فی المغرب".

(الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعید)

(۱) (الدر المختار، باب الأذان: ۱/۴۰۰، سعید)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، فصل الشروع فی الصلاة: ۱/۲۲۰، دار المعرفة بیروت)

"(قوله: إطالة رکوع أو قرأة) وأشار إلی أن الکلام فی المصلی،فلو انتظر قبل الصلاة، ففی أذان البزازیة: لو انتظر الإقامة لیدرک الناس الجماعة، یجوز، ولو احد بعد الاجتماع لا، إلا إذا کان داعراً شریراً". (رد المحتار، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۹۵، سعید)

اگر وہ شخص دینی امور میں مشغول رہتا ہے تو اسکو نماز کی اطلاع کرنے میں مضائقہ نہیں (۱)۔فقط۔

محمود گنگوہی، ۵۳/۴/۲۶ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/ربیع الثانی/۵۳ھ۔

کسی معین شخص کا نماز کے لئے انتظار کرنا

سوال [۲۸۸۶]: ۱..... نماز باجماعت کے لئے جو وقت مقرر کیا گیا ہے وہ وقت پورا ہو جانے کے بعد دس پانچ منٹ تک کسی خاص یا عام شخص کا انتظار کرنا کیسا ہے، جبکہ امام بھی موجود ہو اور مقتدی حضرات بھی جمع ہوں؟ کسی خاص شخص یا اپنے محبوب دوست کا انتظار کرتے کرتے وقت تنگ رہ جانے پر نماز کے لئے کھڑا ہونا کیسا ہے جبکہ دیگر مقتدی موجود ہوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... اگر مقتدیوں کو گرانی نہ ہو اور وقت کے مکروہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو کسی پابند جماعت کے لئے کچھ انتظار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر اس کی عادت نہ ڈالی جائے، نہ یہ ہو کہ باوجاہت کا انتظار کیا جائے اور غریب کا انتظار نہ کیا جائے، اگرچہ یہ زیادہ پابند ہو (۲)۔

۲..... مکروہ وممنوع ہے، تفصیل اوپر آگئی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "(قوله: ويثوب) لا ينبغي لأحد أن يقول لمن فوقه في العلم والجاه: حان وقت الصلاة، سوى المؤذن: لأنه استفضال لنفسه. بحر، قلت: و هذا خاص بالتثويب للأمير ونحوه على قول أبي يوسف، فافهم (قوله: للكل): أي كل أحد، و خصه أبو يوسف رحمه الله تعالى بمن يشتغل بمصالح العامة كالقاضي والمفتي والمدرس، واختاره قاضيخان وغيره نهر". (رد المحتار، باب الأذان: ۱/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأذان: ۱/۲۵۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في كيفية الأذان: ۱/۳۴۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نماز میں معین آدمی کا انتظار"۔)

الفصل الخامس فی جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

عورتوں کی جماعت

سوال[۲۸۸۷]: کتاب علم الفقہ حصہ دوم مقتدی اور امام کے مسائل کے ضمن میں فقرہ نمبر ۱۵: "اگر جماعت صرف عورتوں کی ہو یعنی امام بھی عورت ہو تو امام کو مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے خواہ ایک مقتدی ہو یا ایک سے زائد، صحیح یہ ہے کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں، بلکہ جائز ہے(۱)۔

حاشیہ: "ہمارے فقہاء صرف عورتوں کی جماعت کو مکروہ لکھتے ہیں مگر چونکہ احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی امامت کرتی تھیں (۲) اور ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت کی اجازت دی تھی (۳) اس لئے مکروہ تحریمی کہنا بالکل خلافِ تحقیق ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ ہم کو اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ عورت

---

(۱) "قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فان فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب المرأة تؤم النساء، كيف تجلس في الصلوة، ص: ۴۴، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "حدثنا وكيع عن ابن أبي ليلى عن عطاء عن عائشة أنها كانت تؤمّ النساء، تقوم معهن في الصف". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، المرأة تؤم النساء، (رقم الحديث: ۴۹۵۴): ۱/۴۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن الوليد بن جُميع عن عبد الرحمن بن خلاد عن أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بهذا الحديث، والأول أتم قال: وكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يزورها في بيتها، وجعل لها مؤذناً يؤذن لها، وأمرها أن تؤم أهل دارها. قال عبد الرحمن: فأنا رأيت مؤذنها شيخاً كبيراً". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب إمامة النساء: ۱/۹۴، ۹۵، امداديه ملتان)

امامت کرے"(۱)۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف عورتوں کی جماعت مستحب نہیں ہے نہ کہ مکروہ ہے۔ معلوم نہیں کہ ہمارے فقہاء نے کراہت کہاں سے ثابت کی۔ حضرت مولانا ابوالحسنات نے اس مسئلے میں ایک جامع اور محقق رسالہ تصنیف فرمایا ہے(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عنایہ شرح ہدایہ برحاشیہ فتح القدیر ۱/ ۲۵۰، میں جماعت النساء کی سنیت کو منسوخ لکھا ہے(۳)، اس کے قریب تبیین الحقائق، نصب الرایہ، طحطاوی وغیرہ میں موجود ہے(۴)۔ علتِ کراہت بحر، کبیری، بدائع میں

---

(۱) "قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة رضي الله تعالى عنها، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى" (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب المرأة تؤم النساء، كيف تجلس في الصلوة، ص: ۴۴، ادارة القرآن كراتشي)

(۲) (تحفة النبلاء في جماعة النساء من مجموعة رسائل اللكنوي. ۵/۴ ۲۱، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "و حمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام، جوابٌ عما يقال: إذا كانت إمامتهن مكروهة، فكيف فعلت عائشة رضي الله تعالى عنها؟ و وجهه أنها فعلت ذلك في ابتداء الإسلام، و كانت جائزةً سنةً، تقف الإمام و سطهن فنسخت سنيتها دون الجواز". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۵۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۴) "قال: (فإن فعلن يقف الإمام وسطهن كالعراة)؛ لأن عائشة رضي الله تعالى عنها فعلت كذالك. كان جماعتهن مستحبة، ثم نسخ الاستحباب، و لأنها ممنوعة عن البروز ولاسيما في الصلوة، ولهذا كان صلاتها في بيتها أفضل". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۴۸، ۳۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"لكن يمكن أن يقال: إنه منسوخ، فعلت ذلك حين كان النساء يحضرن الجماعات، ثم نسخت جماعتهن. انتهى". (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲/ ۳۳، مؤسسة الريان المكتبة المكية جده)

"(قوله: لفساد الزمان) و لذا قالت عائشة حين شكون إليها من عمر لنهيه لهن عن الخروج =

ذکر کی گئی ہے(۱)۔مولانا ابوالحسنات کے رسالہ کومحقق علماء نے پسند نہیں فرمایا بلکہ رد کیا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۴/۹/۸۸ھ۔

عورتوں کی نماز جماعت سے

سوال[۲۸۸۸]: بہت سی عورتیں حافظِ قرآن ہیں،رمضان المبارک میں نمازتراویح باجماعت گھر

= إلى المساجد: لو علم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ما علم عمر ما أذن لكن في الخروج، قهستاني".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۲۴۵، دار المعرفة بيروت)

(۱) "(قوله: و لا يحضرن الجماعات) لقوله تعالىٰ: ﴿و قرن في بيوتكن﴾ [سورة الأحزاب:۳۳]

"وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"صلاتها في قعر بيتها أفضل من صلاتها في صحن دارها، و صلاتها في صحن دارها أفضل من صلاتها في مسجدها، و بيوتهن خير لهن". و لأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۲۷، ۶۲۸، رشيديه)

"أما النساء ، فلأن خروجهن إلى الجماعات فتنة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيمن تجب عليه الجماعة : ۱/۶۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعةسنة مؤكدة : ۱/۱۰۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۲)ردکرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی مع حوالہ یہ ہیں:

۱-مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ: (کفایت المفتی:۳/۱۴۳،کتاب الصلوۃ،تیسرا باب امامت وجماعت، دارالاشاعت،کراچی)

۲-مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی: (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳/۳۰۱،کتاب الصلوۃ،باب امامت وجماعت،مکتبہ امدادیہ،ملتان)

۳-حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی: (امدادالاحکام:۱/۵۱۶-۵۱۸،کتاب الصلاۃ،مکتبہ دارالعلوم کراچی)

۴-حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ: (احسن الفتاویٰ:۳/۳۱۳،کتاب الصلوۃ،باب الامام والجماعۃ،سعید)

میں پڑھتی ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح مرد مسجد میں پڑھتے ہیں کہ عورت ہی امام ہوتی ہے اور اس کے پیچھے عورتیں اقتداء کرتی ہیں، البتہ صف بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ امام عورت صف سے بہت تھوڑا سا آگے ہوجاتی ہے۔ جس مکان میں جماعت ہوتی ہے اس میں مردوں کی شرکت بالکل نہیں ہوتی، عورتوں کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس طریقہ کو ترک کردیا جائے تو جن لڑکیوں نے حفظ کیا ہے اور سنانے کے شوق میں یاد کرتی اور رکھتی ہیں وہ قرآن مجید بھول جائیں گی، اور اس بہانے بہت سی عورتیں تراویح پابندی سے ادا کرتی ہیں، نیز یہ کہ طریقہ نماز کی اصلاح ہوجاتی ہے، کچھ قبل غالباً جمعہ کی نماز بھی اسی طرح ادا کی جاتی تھی، اور غالباً سابق مفتی مالیر کوٹلہ نے نماز تراویح کے سلسلہ میں کچھ سہولت کی اجازت دے دی تھی۔

مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو اپنے دار العلوم کے مسلک کے مطابق میں نے مکروہ تحریمی بتایا اور دلیل میں درمختار کی یہ عبارت بھی پیش کردی: "ویکره تحریماً جماعة النساء" مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا عبد الحئ لکھنویؒ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اور مولانا موصوف کا رجحان جواز کی طرف ہے، وہ رسالہ یہاں میرے پاس نہیں ہے۔ بہرصورت میری خواہش یہ ہے کہ تنہا عورتوں کی نفل نماز کی جماعت کے مسئلہ پر اچھے اور برے دونوں پہلو سامنے رکھ کر آنجناب کی بصیرت افروز رائے معلوم ہوجائے؟

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، دار الافتاء مالیر کوٹلہ، پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا کہ عورت ہی امام ہو اور عورت ہی مقتدی ہوں مکروہ تحریمی ہے، پنجگانہ فرض نماز ہو یا تراویح کی نماز ہو، سب کا یہی حکم ہے، یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں اور متون، شروح میں صراحۃً مذکور ہے، ملاحظہ ہو: نور الإیضاح(۱) قدوری(۲) کنز(۳) طحطاوی(٤) بحر(٥) زیلعی (٦) رمز(۷) هدایه (۸) مجمع الأنهر(۹) در مختار(۱۰) رد المحتار(۱۱) فتح القدیر(۱۲) نهایه، کفایه، عنایه (۱۳)۔

"ویکره تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح". در مختار: ۱/۲۸۰۔

مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود اگر وہ جماعت کریں تو امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے، اس حالت میں

(۱) "وکره جماعة النساء بواحدة منهن" (نور الایضاح، فصل فی بیان الأحق بالإمامة: ۳۰۴، قدیمی) =

....

= (٢) "و يكره للنساء أن يصلين و حدهن بجماعة". (مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب الجماعة: ١/٤١١، إدارة القرآن كراچی)

(٣) "وكره إمامة العبد .... و جماعة النساء" (كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ٢٨، دهلی)

(٤) "ويكره تحريماً جماعة النساء؛ لأن الإمام إن تقدمت، لزم زيادة الكشف، و إن وقفت وسط الصف، لزم ترك الإمام مقامه، وكلّ منهما مكروه". (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٢٤٥، دارالمعرفة بيروت)

(٥) "و كره إمامة عبد .... و جماعةالنساء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٦١٠، رشيديه)

(٦) "و كره جماعة النساء وحدهن". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/١٣٥، امداديه ملتان)

(٧) "وكره أيضاً جماعةالنساء؛ لأنها لا تخلو عن نوع حرام". (رمز الحقائق المعروف بعينی شرح كنز الدقائق: ١/٣٨، إدارة القرآن، كراچی)

(٨) "ويكره للنساء أن يصلين وحدهن الجماعة". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/١٢٣، مكتبه شركت علمية ملتان)

(٩) "وكذا (أی يكره) جماعة النساء وحدهن". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة: ١/١٦٣، غفاريه كوئٹه)

(١٠، ١١) "ويكره تحريماً جماعةالنساء". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٦٥، سعيد)

(١٢) "ويكره للنساء وحدهن الجماعة: لأنها لا تخلوا الخ .... صريح فی أن ترك التقدم لإمام الرجال محرم الخ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٣٥٢، مطبع مصطفى البابی الحلبی، مصر)

(١٣) "يكره للنساء .... مكروه: لأن إمامتهن إما تتقدم على القوم أو تقف وسطهن". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة باب الإمامة: ١/٣٥٢، مصطفى البابی، مصر)

ان کی نماز ہوجائے گی، ارتکابِ تحریمی سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں:

"كره جماعة النساء؛ لأنه لا يخلو عن ارتكاب محرم، و هو قيام الإمام وسط الصف، فيكره كالعراة، كذا في الهداية، وهو يدل على أنها كراهة تحريم؛ لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة عليه من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عليه، و ترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للإثم الخ". البحر الرائق(۱)۔ "و لأنه يلزمهن أحد المحظورين: إما قيام الإمام وسط الصف و هو مكروه، أو تقدم الإمام و هو أيضاً مكروه في حقهن كالعراة، فلم يشرع في حقهن الجماعة أصلاً، و لذا لم يشرع لهن الأذان، و هو دعاء إلى الجماعة، و لو لا كراهة جماعتهن شرع الخ". زيلعي(۲)۔

حفظ کو باقی رکھنے کے لئے خارج نماز حافظ سنائے، دیگر مستورات بیٹھ کر سن لیں، ہر ایک اپنی تراویح میں اوابین میں، تہجد میں، پڑھا کرے، اس طرح حفظ بھی باقی رہے گا اور کراہتِ تحریم کے ارتکاب سے بھی حفاظت رہے گی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی پر ایک زمانے میں اجتہاد کا اثر رہا ہے، یہ مسئلہ بھی اسی دور میں انہوں نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے جس کا نام ہے "تحفة النبلاء" یہ پھر ان کے تفردات میں سے ہے جس کی وجہ سے اصل مذہب کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۴ھ۔

جماعت النساء

سوال[۲۸۸۹]: عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے یعنی صرف عورتیں جماعت منعقد کر سکتی ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورتوں کو صرف جماعت کرنا خواہ فرائض کی ہو یا نوافل کی مکروہ تحریمی ہے: "(و يكره تحريماً جماعة النساء و لو في التراويح). قال ابن عابدين رحمة الله تعالى: "أفاد أن الكراهة في كل ما

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۴/۱، رشيديه)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱۳۵/۱، امدادية)

تشرع فيه جماعة الرجال فرضاً أونفلا". درمختار و شامی (۱)۔

عورتوں کومردوں کے ساتھ بھی جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے،خواہ وہ پنجوقتہ جماعت ہوخواہ جمعہ و عیدین کی: "و يكره حضورهن الجماعة ولوجمعة و عيد و وعظ مطلقاً و لو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به، اهـ". درمختار (۲)۔ جمعہ وعیدین کی جماعت بھی عورتوں کے لئے ممنوع ہے بلکہ اگر ان کومرد جمعہ وعیدین میں امام بن کر پڑھائے اورکوئی مقتدی مرد نہ ہوتب بھی ناجائز: "والسادس: الجماعة وأقلها ثلاثة رجال". درمختار۔ قال ابن عابدين رحمة الله تعالىٰ: "واحترز بالرجال عن النساء والصبيان، فإن الجمعة لا تصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال. بحر عن المحيط". شامی (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،۶/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

عورتوں کامسجدمیں جانا

سوال[۲۸۹۰]: عورتوں کاپردہ کےساتھ باجازتِ شوہرکےمسجدمیں نمازکے لئے جاناجائزہے یانہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۵/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره: ۸۵/۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۲۴۴/۱، امداديه ملتان)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۶/۱، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱۰۹/۱، داراحياء التراث العربي)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۲۶۲/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے“(۲)۔ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، و لكن ليخرجن وهن تفلات". "لكن ليخرجن إلى المساجد للصلوة والحال أنهن غير متطيبات و غير مبرجات بزينة .... والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد: ۱/۳۱۸، ۳۱۹، إمداديه ملتان)

(۲) "وعن عمرة بنت عبد الرحمن أنها أخبرته أن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قالت: "لو أدرك رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ما أحدث النساء" من التطيب والزينة للخروج إلى المسجد "لمنعهن": أي رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم صريحاً، وإلا فقد منعهن ضمناً كما في الحديث المتقدم بقوله: "(ولا يخرجن وهن تفلات)" "المسجد" خروجهن إلى المسجد "كما منعت نساء بني إسرائيل". الحديث. (بذل المجهود كتاب الصلاة باب التشديد في ذلك: ۱/۳۱۹، إمداديه ملتان)

(۳) "عن مجاهد قال: قال عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما: قال النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ائذنوا للنساء إلى المساجد بالليل، فقال ابن له: والله! لا نأذن لهن" لظهور الفتن و حدوث الفساد في الزمن "فيتخذونه" الخروج إلى المساجد "دغلاً" ذريعةً إلى الفساد". إلى آخر الحديث. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد: ۱/۳۱۹، امداديه ملتان)

"ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة و عيد و وعظ مطلقاً و لو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۵۰، امداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۹۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

ایضاً

سوال[۲۸۹۱]: عورتیں آج کل عید کی نماز مسجد میں پڑھتی ہیں لیکن اس سال بعض علماء اسے بدعت قرار دے کر عورتوں کو عیدگاہ لے گئے، عیدگاہ کے پیچھے کی طرف، چاروں طرف سے بند کر دیا اس کے اندر عورتوں نے نماز پڑھی (چند عورتیں)۔ بعض مولویوں نے و بعض علماء نے فتویٰ دیا کہ مسجد میں عورتوں کا نماز پڑھنا بدعت ہے، تو اس کا ثبوت دیجئے، تو ثبوت و دلائل پیش کرنے سے انکار، نیز وہ خطیب بھی ہے جامع مسجد کے، اب عوام بگڑی ہوئی ہے کہ وہ بدعت کا ثبوت پیش کرے ورنہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عورتوں پر عید کی نماز نہیں "مراقی الفلاح" (۱)، لہٰذا وہ نہ مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنے جائیں نہ عیدگاہ میں۔ پنجگانہ نماز کے لئے بھی ان کو مسجد میں جانے کی اجازت نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ: "عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری مسجد (نبوی) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے" (۲)۔ یہاں کی کوئی مسجد یا عیدگاہ مسجد نبوی کے برابر نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) "و لا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة والمخالفة، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، و صلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها" فالأفضل لها ما كان أسترلها، لا فرق بين الفرائض و غيرها كالتراويح". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۳۰۴، قديمي)

"ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة و عيد و وعظ مطلقاً و لو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به، لفساد الزمان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۶، سعيد)

"والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد". (بذل المجهود كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد: ۱/ ۳۱۹، امداديه ملتان)

"ووجه كون صلاتها في الإخفاء أفضل تحقق الأمن فيه من الفتنة، ويتأكد ذلك بعد وجود ما أحدث النساء من التبرج والزينة، ومن ثمّ قالت عائشة ما قالت". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم: ۲/ ۴۴۵، قديمي)

(۲) "و أبويعلى و عنه ابن حبان بلفظ: قالت: يا رسول الله! إني أحب الصلوة معك، قال: " قد علمتُ=

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اب عورتوں کے جو حالات ہوگئے ہیں، یہ حالات اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوتے تو.....عورتوں کو بالکل ہی مسجد میں جانے کی اجازت نہ ہوتی، جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو اجازت نہیں تھی'' (۱)۔

اب کا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے اس لئے عورتوں کو بالکل منع کر دیا جائے، وہ کہیں بھی عیدین یا نماز پنجگانہ کے لئے نہ جائیں نہ مسجد میں نہ عیدگاہ میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نامحرم عورتوں کے ساتھ جماعت

سوال [۲۸۹۲]: اگر کچھ نامحرم عورتیں بھی ہوں اور بچے بھی اور صف ایک ہی ہو تب جماعت کرنا چاہئے یا اکیلے نماز پڑھنا چاہئے؟ اور اگر نابالغ اقامت کہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمیان میں پردہ ڈال کر جماعت کرلی جائے اور اقامت امام خود کہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

= انک تحبین الصلوة معی، وصلوتکِ فی بیتک خیرٌ من صلاتک فی حجرتک، و صلاتکِ فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک، و صلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قومک، و صلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی" (اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، کتاب المساجد، باب التشديد فی ذلک: ۱/۱۷۳، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۱) "عن عمرة بنت عبد الرحمن أنها أخبرته أن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال:" لو أدرک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ما أحدث النساء لمنعهن من المسجد کما مُنعت نساء بنی إسرائیل". قال يحيیٰ: فقلت لعمرة: أمُنعت نساء بنی إسرائیل؟ قالت: نعم".

(أبو داؤد، کتاب الصلوة، باب ما جاء فی خروج النساء إلى المسجد: ۱/۹۱، امدادیه ملتان)

(۲) چونکہ عورت کی آواز بھی پردہ ہے اس وجہ سے جس طرح اس کی اذان اور امام کو لقمہ دینا صحیح نہیں، اسی طرح اس کا اقامت کہنا بھی صحیح نہیں: "فی الشامل للبیهقی: لا أذان ولا إقامة على النساء؛ لأنهما من سنة الجماعة، ولا جماعة عليهن، ولأن صوتهن عورة واجبة إلا خفاء، كذا فی "جامع المضمرات" وفی "مواهب الرحمن": الأذان مكروه للنساء اتفاقاً، ولا تسن الإقامة. انتهى. وفی بحث الأذان من "فتح القدير": الأصل عندنا =

6

عورتوں کی انفراداً نماز صف کی طرح

سوال[۲۸۹۳]: اگر عورتیں جگہ کی قلت کی وجہ سے صف لگا کر کھڑی ہوں اور اپنی اپنی نماز الگ الگ پڑھ رہی ہوں تو اس میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ اگر کسی تقریب میں عورتیں زیادہ ہوں اور مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا تو کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتیں جب اپنی اپنی نماز بلا جماعت پڑھیں اور آگے پیچھے عورتیں صفوں کی طرح پڑھیں تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، اس میں یہی ہوگا کہ کسی کا قیام ہے تو کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدہ میں ہے، کوئی قعدہ میں ہے، جیسے سنت اور نفلیں متعدد صفوں میں پڑھ سکتے ہیں (۱)۔ نماز مغرب کی ہو یا اور کوئی، سب کا یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۷ھ۔

عورتوں کا نماز کے لئے مسجد آنا

سوال[۲۸۹۴]: جس مسجد میں بندہ نماز پڑھتا ہے وہ شوافع کی ہے، مسجد سے متصل ایک درسگاہ ہے

= أن يؤذن لكل فرض أدى وقضى إلا الظهر يوم الجمعة في المصر، فإن أداء ه بهما مكروه، وإلاما تؤديه النساء، أو ما يقضينه بجماعتهن؛ لأن عائشة أمتهن بغير أذان ولا إقامة حين كانت جماعتهن مشروعة، وهنا يقتضي أن المنفردة أيضاً كذلك؛ لأن تركها لمّا كان هو السنة حال شرعية الجماعة كان حال الإفراد أولى". (مجموعة رسائل اللكنوي: ۵/ ۲۳۳-۲۳۴، تحفة النبلاء في جماعة النساء، ص: ۲۳-۲۴، المرصد الثالث في الفوائد المتعلقة بمسلك أصحابنا الحنفية. إدارة القرآن، كراچى)

(۱) "وهذا كله إذا كان الإمام في الصلوة، أما قبل الشروع، فيأتي بها في المسجد في أى موضع شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/ ۱۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الحادى عشر في التطوع قبل الفرض وبعده الخ: ۱/ ۶۴۵، إدارة القرآن كراچى)

جس میں شوافع مستورات نماز پڑھنے حاضر ہوتی ہیں، تو کیا ان کی نماز ہوجاتی ہے؟ آواز مائک سے جاتی رہتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا نماز کی شرکت کے لئے آنا ممنوع ہے(۱) وہ اپنے مکان پر نماز پڑھا کریں تاہم اگر مسجد اور مدرسہ میں اتنا فصل نہیں کہ ایک گاڑی گزر سکے اور وہ پڑھ لیں تو فرض ادا ہوجائے گا(۲) لیکن کوشش کی جائے کہ وہ آنا بند کردیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کے لئے پردہ ہونے کی صورت میں مسجد جانا

سوال[۲۸۹۵]: جس مسجد میں بندہ نماز پڑھتا ہے وہ شوافع کی ہے، مسجد سے متصل ایک درسگاہ

---

(۱) "عن عمرة بنت عبدالرحمن أنها سمعت عائشة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلی الله علیه وسلم رأی ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل ...... اهـ". (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۳، كتاب الصلوة، باب خروج النساء إلى المساجد، قديمی)

"ويكره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتي به لفساد الزمان". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

"أما النساء، فلأن خروجهن إلى الجماعات فتنة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيمن تجب عليه الجماعة: ۱/۲۶۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

"(قوله: ولا يحضرن الجماعات) لقوله تعالى: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ (الأحزاب: ۳۳)، وقال عليه السلام: "صلوتها في قعر بيتها أفضل من صلوتها في صحن دارها، وصلوتها في صحن دارها أفضل من صلوتها في مسجدها، وبيوتهن خير لهن". ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۷، ۶۲۸، رشيديه)

(۲) "والحاصل لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ...... اهـ". (الدرالمختار)

"الحائل بينهما بحيث يشتبه به حال الإمام يمنع، وإلا فلا، قال قاضي خان: إذا قام على الجدار الذي يكون بين داره وبين المسجد ولا يشتبه حال الإمام، يصح الاقتداء ...... اهـ". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، ۵۸۷، سعيد)

ہے جس میں شوافع مستورات نماز پڑھنے حاضر ہوتی ہیں۔ تو کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے؟ آواز مائک سے جاتی رہتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا نماز کی شرکت کے لئے آنا ممنوع ہے وہ اپنے مکان پر نماز پڑھا کریں (۱)، تاہم اگر مسجد اور مدرسہ میں اتنا فصل نہیں کہ ایک گاڑی گزر سکے اور وہ پڑھ لیں تو فرض ادا ہو جائے گا لیکن کوشش یہ کی جائے کہ وہ آنا بند کر دیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلوة المرأة في بیتها أفضل من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في مخدعها أفضل من صلوتها في بیتها". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابیح، كتاب الصلوة، باب الجماعة و فضلها: ۱/۹۶، قدیمی)

"ویكره حضور هن الجماعة و لو لجمعة و عید و وعظ مطلقاً و لو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به، لفساد الزمان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعید)

(وكذا في الفتاوی العالمكیریة، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، مكتبه شركة علمیه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۲۷، ۶۲۸، رشیدیه)

(۲) "ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیه عجلة، أو نهر تجری فیه السفن. أو خلاء في الصحراء یسع صفین". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵ سعید)

(وكذا في الفتاوی العالمكیریة، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بیان ما یمنع صحة الاقتداء و ما لا یمنع: ۱/۸۷، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، ۶۳۵، رشیدیه)

باب تسوية الصفوف وترتيبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

تسویۃ الصفوف کا مطلب

سوال[۲۸۹۶]: مقتدیوں کو صف میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم چسپاں اور ملا کر کھڑا ہونا سنت ہے یا الگ الگ چار انگل کا فاصلہ رہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے تو اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے ملاتے اور اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملائے رہتے تھے، ایسے طور پر کہ دونوں قدموں یعنی اپنے ساتھی کا قدم اور اپنا قدم دونوں ایسے ملے رہتے تھے کہ ذرا بھی فرجہ باقی نہیں رہتا ایسا تھا یا نہیں؟ یہ مسئلہ حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس کا ثبوت حدیث سے دیا جائے اور حدیثیں مع حوالہ کتب ہونی چاہئیں۔ اگر یہ مسئلہ زمانہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جاری تھا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تمام صحابہ اس پر عامل تھے تو اس وقت یہ سنت مردہ ہوگئی ہے، اس کو زندہ کرنا چاہئے تاکہ سو شہیدوں کا ثواب پانے کے مستحق ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

احادیث میں صفوف کے ہموار کرنے کا حکم وارد ہوا ہے یعنی قیام کی جگہ ایک ہو ایسا نہ ہو کہ کوئی بلندی پر کھڑا ہو، کوئی پستی پر اور اقدام برابر ہوں، یعنی ایسا نہ ہو کہ کوئی آگے کھڑا ہو کوئی پیچھے اور اتصال ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ دو شخصوں کے درمیان ایک آدمی کی جگہ خالی رہے اور پہلی صف پوری ہونے پر دوسری صف شروع کی جائے، یعنی ایسا نہ ہو کہ پہلی صف میں جگہ باقی ہو اور دوسری صف شروع کی جائے۔ تسویۃ الصفوف ان چار امور کو مشتمل ہے۔ اس مضمون کو مختلف احادیث میں مختلف الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے:

"استووا واعدلوا صفوفكم"۔ "اعتدلوا سووا صفوفكم"۔ "أتموا الصف المقدم ثم الذى

يليه، فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر"۔ "ألا تصفّون كما تصفّ الملائكة عند ربهم"؟ قلنا: وكيف تصفّ الملائكة عند ربهم؟ قال:" يتمون الصفوف المقدمة، و يتراصون في الصفوف"۔ "والله! لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم"۔ قال: فرأيت الرجل يلزم منكبه بمنكب صاحبه و ركبته بركبة صاحبه و كعبه بكعبه"۔ "كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يسوّينا في الصفوف كما يقوم القدح حتى إذا ظن أن قد أخذنا ذلك عنه وفقهنا، أقبل ذات يوم بوجهه إذا رجل منتبذ بصدره فقال: "لتسوُّنّ صفوفكم أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم"۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتخلل الصف من ناحية إلى ناحية يمسح صدورنا و مناكبنا و يقول:"لا تختلفوا فتختلف قلوبكم" ۔ "أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، و سدوا الخلل، و لينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا الفرجات للشيطان، و من وصل صفاً وصله الله، و من قطع صفاً قطعه الله"۔ "ورصّوا صفوفكم"۔ "وقاربوا بينها، وحاذوا بالأعناق، فوالذي نفسي بيده! إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف اهـ"۔

یہ کل الفاظ ابوداؤد شریف میں موجود ہیں(۱) اور بذل المجہود میں اس کی شرح کی گئی ہے(۲)۔ صحیح مسلم میں"يتراصون في الصف"وارد ہے(۳)، امام بخاری نے مختلف عنوانات سے تبویب کرکے مسائل کو ثابت فرمایا ہے: "باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف" کی شرح میں حافظ ابن حجر

---

(۱) (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۳، ۱۰۵، إمداديه ملتان)

(۲) یہ عبارات بذل المجہود میں تقدیم وتاخیر کے ساتھ مذکور ہیں نہ کہ اس ترتیب کے ساتھ، دیکھئے:(بذل المجهود شرح أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۳۶۰، ۳۶۲، مكتبه إمداديه ملتان)

(وإعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب الإمامة، باب سنية تسوية الصف اهـ: ۴/۳۱۳، ۳۲۲، إدارة القرآن)

(۳) الحديث بتمامه: "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه ..... قال: ثم خرج علينا، فقال: "ألا تصفّون كما تصف الملائكة عند ربها"؟ فقلنا: يا رسول الله! و كيف تصف الملائكة عند ربها؟ قال: يتمون الصفوف الأول، ويتراصون في الصف". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب الأمر بالسكون في الصلوة، والنهي عن الإشارة باليد ورفعها عند السلام، وإتمام الصفوف الأول والتراص فيها، اهـ: ۱/۱۸۱، قديمي)

فرماتے ہیں:

"المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف و سد خلله"(۱)۔

"قلت: وهو مراده عند الفقهاء الأربعة: أي لا يترك في البين فرجة تسع فيها ثالثاً بقي الفصل بين الرجلين، ففي شرح الوقاية أنه يفصل بينهما بقدر أربع أصابع، وهو قول عند الشافعية، وفي قول آخر قدر شبر، قلت: ولم أجد عند السلف فرقاً بين حال الجماعة والانفراد في حق الفصل بأن كانوا يفصلون بين قدميهم في الجماعة أزيد من حال الانفراد. وهذه المسئلة أوجدها غير المقلدين فقط، وليس عندهم إلا لفظ "إلزاق". وليت شعري! ما ذا يفهمون من قولهم: الباء للإلصاق، ثم يمثلونه مررت بزيد، فهل كان مروره به متصلاً بعضه ببعض أم كيف معناه؟

ثم إن الأمر لا ينفصل قط إلا بالتعامل، و في مسائل التعامل لا يؤخذ بالألفاظ كلفظ "فوق الصدر" عند ابن خزيمة، فإنه من توسع الرواة قطعاً؛ لأنه لم يعمل به أحد من الأئمة (إلى أن قال) .... و ليس الطريق أن يبنى الدين على كل لفظ جديد بدون النظر إلى التعامل، و من يفعل ذلك لا يثبت قدمه في موضع، و يخترع كل يوم مسئلة، فإن توسع الرواة معلوم واختلاف العبارات والتعبيرات غير خفي فاعلمه .... وهذا الذي عرض للمحدثين فإنهم ينظرون إلى حال الإسناد فقط، و لا يراعون التعامل، فكثيراً ما يصح الحديث على طورهم، ثم يفقدون به العمل، فيتحيرون، حتى أن الترمذي أخرج في جامعه حديثين صالحين للعمل، ثم قال: إنه لم يعمل به أحد. و ذلك لفقدان العمل لا غير، وإلا فإسنادهما صحيح. و كذلك قد يضعفون حديثاً من حيث الإسناد، و مع أنه يكون دائراً سائراً فيما بينهم ويكون معمولاً به، فيتضرر هذا من جهة أخرى، فلا بد أن يراعى مع الإسناد التعامل أيضاً، فإن الشرع يدور على التعامل والتوارث.

---

(۱) (فتح الباري كتاب الأذان، باب الزاق المنكب بالمنكب اهـ، (رقم الحديث: ۷۲۵): ۲ / ۲۶۸، قديمي)

والحاصل أنا لما نجد الصحابة والتابعين يفرقون في قيامهم بين الجماعة والانفراد، علمنا أنه لم يرد بقوله: إلزاق المنكب إلا التراص و ترك الفرجة، ثم فكر في نفسك و لا تعجل أنه هل يمكن إلزاق المنكب مع إلزاق القدم إلا بعد ممارسةٍ شاقةٍ، و لا يمكن بعده أيضاً، فهو إذن من مخترعاتهم لا أثر له في السلف، اهـ". فيض الباری (۱)۔

ایسی مخترع چیز کو جس پر صحابہ، تابعین، مجتہدین، فقہاء، محدثین کسی کا بھی عمل نہ ہو آج سنتِ مردہ قرار دیکر اس پر عمل کر کے احیائے سنت کا دعویٰ کرنا اور سو شہیدوں کے اجر کی توقع رکھنا اور جملہ سلف صالحین کو تارک سنت سمجھنا اہلِ علم وفہم ودیانت سے بعید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/۶۲ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

تسویۃ الصفوف

سوال[۲۸۹۷]: نمازیوں کی صفیں ستون کے درمیان اس طرح قائم کرنا کہ ہر ستون کے آگے ایک مصلی کھڑا ہوتا کہ صف درمیان سے منقطع نہ ہو، البتہ صف سیدھی باقی نہیں رہتی اس سے نماز میں کوئی خلل تو نہیں پڑتا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کرنا مکروہ ہے صفوف سیدھی کرنے کی بہت تاکید آئی ہے (۲)، ستون درمیان میں آجانے سے

---

(۱) (فيض الباري، كتاب الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب اهـ: ۲/۲۳۶، ۲۳۷، خضر راہ بک ڈپو دیوبند الهند)

(وإعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب سنية تسوية الصف اهـ: ۴/۳۱۹، ۳۲۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لتسوُّنّ صفوفكم، أو ليخالفنّ الله بين وجوهكم".

"قوله: "(أو ليخالفن الله بين وجوهكم)": أي إن لم تسوّوا، والمراد تسوية الصفوف اعتدال القائمين بها على سمت واحد". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة و بعدها: ۲/۲۶۳، قديمي) ......=

نماز میں خرابی نہیں آتی، کذا فی المبسوط (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صف سیدھی کرنے میں پاؤں کی انگلیوں کا لحاظ رکھا جائے یا ایڑیوں کا؟

سوال [۲۸۵۸]: کتب میں درج ہے: نماز میں صف برابر کرے۔ آیا آگے کی طرف سے برابر کرے یا پیچھے سے؟ کیوں کہ یہاں کے بعض علماء کہتے ہیں کہ آگے کی طرف سے چھوٹی انگشت برابر کرے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے ایڑیاں برابر کرے۔ تو ان میں سے کونسا قول معتبر ہے؟ بینوا وتوجروا۔

= "قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أقیموا صفوفکم، فإنی أراکم من وراء ظهری". و کان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه". قال صاحب الفتح: "المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف و سد خلله". (فتح الباری، کتاب الأذان، باب إلزاق المنکب بالمنکب اهـ (رقم الحدیث: ۷۲۵): ۲/۲۶۸، قدیمی)

وفی مراقی الفلاح. "قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أقیموا الصفوف و حاذوا بین المناکب وسدوا الخلل، و لینوا بأیدیکم إخوانکم، لا تذروا فرجاتٍ للشیطان، من وصل صفاً وصله اللہ" الحدیث".

"و یأمرهم أیضاً بأن یتراصّوا، و یسدوا الخلل، ویستووا مناکبهم و صدورهم. وفی الفتح: ومن سنن الصف التراص فیه،و المقاربة بین الصف والصف والاستواء فیه". (حاشیة الطحطاوی، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۶، قدیمی)

"و ینبغی أن یأمرهم بأن یتراصوا، و یسدوا الخلل،و یسووا مناکبهم، و یقف وسطاً".
(الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعید)

(۱) "والاصطفاف بین الأسطوانتین غیر مکروه؛ لأنه صف فی حق کل فریق و إن لم یکن طویلاً، وتخلل الأسطوانة بین الصف کتخلل متاع موضوع أو کفرجة بین الرجلین، و ذلک لایمنع صحة الاقتداء ولا یوجب الکراهة" (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۴، الجزء الثانی، غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، سعید)

(و کذا فی مراقی الفلاح، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۹۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ٹخنے اور ایڑیاں برابر کر کے کھڑے ہوں، آگے سے انگلیوں کو برابر کرنے کی ضرورت نہیں: "وإن تفاوتت الأقدام صغراً و کبراً، فالعبرة بالساق والکعب، الخ". بحر (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ ہذا۔

ایضاً

سوال[۲۸۹۹]: صفِ نماز سیدھی کرتے وقت پاؤں کی انگلیاں برابر کرنی چاہئے یا ایڑیوں کو برابر رکھنا چاہئے؟

محمد ثوبان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایڑیوں کو برابر رکھنا چاہئے، انگلیوں کی برابری کا اہتمام ضروری نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵صفر ۵۸ھ۔

مَردوں کی صفوں کے درمیان بچوں کی صف

سوال[۲۹۰۰]: اگر مَردوں کی صف کے درمیان کوئی صف بچوں کی ہو تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونا چاہئے، صورتِ مسئولہ میں بھی نماز صحیح ہوگئی اور بچوں کی صف کا

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۷، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۷، سعید)

(وکذا في الحلبي الکبیر من لا یصح الاقتداء به، ص: ۵۲۰، سهیل اکیڈمي لاهور)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "صف سیدھی کرنے میں پاؤں کی انگلیوں کا لحاظ رکھا جائے یا ایڑیوں کا؟")

مردوں کی صف کے درمیان یا ان سے آگے کرنا مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

کیا صف اول میں جگہ ہونے کے باوجود بچوں کی صف پیچھے بنائی جائے؟

سوال[۲۹۰۱]: اگر صفِ اول میں جگہ موجود ہے تو کیا پھر بھی نابالغ لڑکوں کو صف سے پیچھے اپنی مستقل صف بنانے کی ضرورت ہے یا صف اول ہی میں کھڑے ہو جائیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صف اول میں نہ کھڑے ہوں بلکہ مستقل اپنی صف پیچھے بنائیں، رد المحتار (۲)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

نابالغ بچوں کی جگہ صف میں

سوال[۲۹۰۲]: چه می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرعِ متین اندریں مسئله که اگر نابالغ تنها در جماعتِ نماز حاضر شود، آیا آن نابالغ در صفِ بالغان استاده نماز گزارد یا در پسِ صفِ بالغان؟ اگر در صف بالغان ایستد بجانب راست ایستد یا بجانبِ چپ؟ و آیا همراهِ بالغان متصلاً ایستد یا منفصل از بالغان؟ و اگر به بالغان ایستد در آن

---

(۱) "ويصف الرجال، ثم الصبيان اهـ". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۲، إمداديه ملتان)

(وكذافي ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ويصف الرجال، ثم الصبيان الخ". (الدر المختار). "وكذا لو كان المقتدى رجلاً و صبياً يصفهما خلفه لحديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه "فصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۲، إمداديه ملتان)

صورت اگر دیگر نمازیان بیایند در کدام جانب آن نابالغ استند؟ اگر بجانب راست در آن صورت اگر دیگر نمازیان بیایند، در کدام جانب آن نابالغ استند؟ اگر بجانبِ راست آن نابالغ متصل به بالغان استند پس آن نمازی مجبور شود که اورا گرفته بر طرف کند، یا اینکه آن نمازی از فعلِ خود اورا بر طرف نه کرد، بلکه آن نمازی چون درمیان آمد، آن نابالغ را خود بر طرف شدن افتد؟ و همچنیں مسلسل هر نمازی که یکے بعد دیگرے بیاید آیا چنیں فعل رواباشد یا چه؟

و اگر بجانبِ چَپ آن نابالغ ایستد آن نابالغ درمیانِ صفِ بالغان افتادن لازم آید، کدام طریقه احتیار کند، و کدام طریقه مکروه باشد؟ اگر مکروه باشد تحریمی است یا تنزیهی؟ تصریح فرموده حوالۂ کتب و عبارتش نقل باید فرمود. واگر آن نابالغ در صف بالغان نیستاد و در پسِ صفِ بالغان استاده نماز گزارد، در آن صورت مکروه شود یا نه؟ اگر مکروه باشد تحریمی باشد یا تنزیهی؟ و آیا اثرِ کراهت در نمازِ آن نابالغ واقع شود فقط یا در نمازِ بالغان نیز؟ جوابِ هر سوال مدلل و عباراتِ کتب نیز نقل باید فرمود . بینوا توجروا۔

اگر دو یا زائد از دو نابالغ حاضر شوند، پس اوشان در صفِ بالغان استند یا در پسِ صف؟ حالانکه در صفِ بالغان ایستاده نماز گزارند مکروه شود یا نه؟ اگر مکروه شود تحریمی است یا تنزیهی؟ و آیا اثرِ کراهت در نمازِ آن نابالغان واقع شود تنها یا درنمازِ جمیع بالغان هم؟ جوابِ سوال مدلل و عباراتِ کتب نقل باید فرمود. بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نابالغان متعدد باشند، امام را باید که ایشانرا مستقل صف نموده در پسِ بالغان ایستاده کند، و هر بالغے که بعد ازاں بیاید در صفِ بالغان بایستد و نابالغ در صفِ نابالغان. و اگر نابالغ یکے باشد آن در صفِ بالغان بایستد، دراں وقت آن نابالغ در حکمِ بالغان باشد. پس تعینِ جانبِ راست و چپ وبحث اتصال و انفصال بے سود است،

وبرطرف کردن آن عبث و لغو است، و همچنین اورا خود بر طرف شدن خلاف این طریق ایستادن مکروه تنزیهی است:

"ويصف: أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال، ثم الصبيان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل في الصف، اهـ". در مختار (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم/ ۶۸ھ۔

نابالغ کے کھڑے ہونے کی جگہ

سوال[۲۹۰۳]: نماز کی صف بندی کے لئے صاف ذہنیت ہونے کے باوجود بچوں کی صف پیچھے رکھی جاتی ہے درآنحالیکہ اگلی صف خالی ہوتی ہے جب کہ صف خالی نہ رکھنے کا حکم ہے جب آدمی ہوں، پھر یہ کہ بعد میں آنے والے نمازی کو بچوں کے آگے سے گزر کر اگلی صف میں جانا پڑتا ہے، بہت سے لوگ بچوں کے پیچھے کھڑے ہوجاتے ہیں، یا تو اسی بچوں کی صف میں کھڑے ہونا پڑتا ہے حالانکہ اگلی صف پُر نہیں ہوتی تو جو نقصان بچوں کو جوانوں کے ساتھ رکھنے میں ہوتا ہے وہ آخر کار ہوتا ہی ہے۔تو کیا بچوں سے گزر کر اگلی صف میں جانا درست ہے؟

اگر بچوں کو بیچ میں ایک صف چھوڑ کر رکھتے ہیں، مگران نوجوانوں سے بھی (جو ۱۵، ۲۰/ سال تک ہوتے ہیں) اسی بچوں کی سی کراہت ہوتی ہے، کیا امرد کو ابتداء ہی سے نوجوانون کی اگلی صف میں رکھا جائے کیونکہ کسی حال میں بچ نہیں سکتے؟ نابالغ کو ایک صف چھوڑ کر رکھا نہیں جاسکتا اور رکھنے میں آگے سے گزران پڑتا ہے، آخر کیا کیا جائے؟ عام حالت میں نوجوانوں (امرد) کو عام لوگوں کے ساتھ کراہت کا سبب بنے گا، کراہت کا حکم

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

عام ہے یا معلول ہے؟ کیونکہ دیہاتی سیدھے سادھے لوگ ذہن ان کا صاف ہوتا ہے، کیا اپنے امرد بیٹے کے کھڑے ہونے سے بھی نماز مکروہ ہوتی ہے؟ اسی طرح بھائی کے بارے میں سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو، بالغین کی صف میں نہ کھڑے ہوں، اگر بالغین کی صف میں جگہ باقی ہے اور کوئی بالغ آ جائے تو وہ نابالغوں کی صف میں نہ کھڑا ہو بلکہ ان سے آگے بڑھ کر بالغین کی صف میں کھڑا ہو، اس سب کے باوجود اگر کوئی امرد بالغ کے قریب کھڑا ہو جائے تو اس سے اس بالغ کی نماز خراب نہیں ہوگی، وہ عورت کے حکم میں نہیں۔ نابالغ اگر تنہا ہو تو وہ بالغین کی صف میں ہی کھڑا ہوگا، کذا فی ردالمحتار۔ "إن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال اهـ". مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ لڑکا ایک ہو تو کہاں کھڑا ہو

سوال [۲۹۰۴]: اگر نابالغ لڑکا صرف ایک ہو تو کیا وہ بھی مستقل تنہا کھڑا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے، رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: صليت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ذات ليلة، فقمت عن يساره، فأخذ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم برأسي من ورائي، فجعلني عن يمينه فصلى ورقد، فجاءه المؤذن، فقام يصلي ولم يتوضأ". (الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام و حوله الإمام اهـ: ۱/۱۰۰، قديمي)

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۸، قديمي)

(و كذافي ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، سعيد)

(و كذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(و كذافي النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، إمداديه ملتان)

(۲) "ويصف: أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال ثم الصبيان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً، =

بچوں کی صف سے بڑھ کر بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

سوال[۵۹۰۵]: ۱..... جس وقت چند صفیں نمازیوں سے پُر ہو جائیں تو اس وقت بچوں کو کون سی صف میں کھڑا کریں؟

۲..... بعض دفعہ بچے بہت ہوتے ہیں اور آنے والے نمازیوں کو آگے سے گزرنا پڑتا ہے ایسی حالت میں بچوں کو کس طرح کھڑا کریں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱..... جس وقت بڑے آدمیوں کی صفیں پُر ہو جائیں اور پیچھے جگہ موجود ہو تو بچوں کی صف ان کے پیچھے بنائی جائے (۱)۔

۲..... بچوں کی صف جب بڑی ہو اور کوئی بالغ آدمی آکر بالغین کی صف میں کھڑا ہونا چاہے تو بچوں کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ جائے، بچوں کی صف میں کھڑا نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= دخل في الصف اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، إمداديه ملتان)

(۱) "ويصف: أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال ثم الصبيان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل في الصف اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، إمداديه ملتان)

(۲) "ولو وجد فرجةً في الأول لا الثاني، له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث: "من سد فرجةً غفرله". وصح: "خياركم ألينكم مناكب في الصلوة". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "وفي القنية: قام في آخر صف، وبينه وبين الصفوف مواضع خالية، فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف؛ لأنه أسقط حرمة نفسه، فلا يأثم المار بين يديه". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، امداديه ملتان)

نابالغ کا صفِ اول میں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۰۶]: جمعہ اورعیدین کی نماز میں نابالغ صفِ اول میں کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نابالغ اگر متعدد ہوں تو مسنون یہ ہے کہ ان کی علیحدہ صف مردوں کے پیچھے کی جاوے، اگر ایک ہوتو بالغین ہی کی صف میں کھڑا ہوجاوے: "يصف الرجال ثم الصبيان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً، دخل في الصف، اهـ" درمختار(۱)۔

اس حکم میں صلوۃ خمسہ یا جمعہ یا عیدین کی کہیں تخصیص نہیں دیکھی، اسی طرح نابالغین کو تنہا ہونے کی شکل میں مردوں کی صف میں کھڑے ہونے کے متعلق صفِ اول یا ثانی کی بھی تخصیص نہیں دیکھی، بظاہر حکم عام ہے لیکن امام کے قریب "أولو الأحلام والنهى" کو کھڑے ہونے کا حکم روایات سے ثابت ہے، اس لئے اگر نابالغ صف اول میں کھڑا ہوتو ایک طرف کنارہ پر ہو(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/محرم/۵۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، امداديه ملتان)

(۲)" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى". الحديث.

(مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصف: ۱/۹۸، قديمي)

"عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليليني منكم أولوا الأحلام والنهى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". (سنن أبي داؤد، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف وكراهية التأخير: ۱/۱۰۵، إمداديه، ملتان)

و قيل: "أولو الأحلام" البالغون "والنُّهى" بضم النون جمع نهية، وهو العقل الناهي عن القبائح. وإنما أمرهم بالدنو لشرفهم و مزيد تفطنهم و ضبطهم لصلوته وإن حدث به عارض يخلفوه للإمامة. ثم "الذين يلونهم" كالمراهقين أو الذين يقربون الأولين في النهى والحلم "ثم الذين يلونهم" كالصبيان المميزين".

(بذل المجهود، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف وكراهية التأخر: ۱/۳۶۳، إمداديه ملتان)

اٹھارہ سالہ بے داڑھی مونچھ لڑکے کا صف میں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۰۷]: ۱۸/سال کی عمر کا لڑکا اور نہ ڈاڑھی نہ مونچھ ہے اور جماعت ہو رہی ہے اور دائیں طرف ایک آدمی کی جگہ خالی ہے پہلی جماعت میں اور کوئی آدمی دوسری جماعت میں نہیں ہے تو شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے دس شخص ہیں جن کے پیچھے نماز مکروہ ہے یا نہیں، یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف؟

حافظ مبارک علی موضع گھائم پور سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اٹھارہ سالہ لڑکا شرعاً بالغ ہے نابالغ نہیں، داڑھی مونچھ کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس کو بھی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر کوئی لڑکا نابالغ ہو اور وہ تنہا ہو یعنی اس کے ساتھ کوئی دوسرا نابالغ نہ ہو بلکہ اور سب بالغ ہوں تو اس کو بھی مردوں کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے، مردوں کی صف سے علیحدہ تنہا نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ البتہ اگر لڑکے نابالغ کئی ہوں تو ان کی صف مردوں کے پیچھے مستقل کردی جائے وہ مردوں کی صف میں نہ کھڑے ہوں: "یصف الرجال ثم الصبیان ظاهره تعددهم فلو واحداً دخل فی الصف، اهـ". در مختار (۱)۔

کس حدیث کے قوی یا ضعیف ہونے کو معلوم کرنا ہے اس کے الفاظ لکھئے، حوالہ دیجئے کس کتاب میں ہے، اس کا جواب دیا جائے گا، اس میں ان دس آدمیوں کا ذکر بھی ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/صفر/ ۵۸ھ۔

مسجد میں جگہ تنگ ہو تو امام کے دائیں بائیں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۰۸]: مسجد میں بوجہ تنگی کے دو صف نہیں ہوسکتی ہیں اس لئے امام کے دائیں بائیں پیچھے کو

---

(۱) (ردالمحتار: کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، امدادیه ملتان)

خالی چھوڑ کر صف کر لیتے ہیں، آیا اس طرح نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

صف اول مقتدی امام مقتدی

الجواب حامداً ومصلیاً:

صف کو بھرنے اور خالی جگہ کو پُر کرنے کی بہت تاکید آئی ہے: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، لا تزروا فراجات للشيطان، من وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله"(۱)، مراقي الفلاح(۲)۔

اس لئے درمیان میں جگہ نہیں چھوڑنی چاہیے، اگر عذر ہو اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی تو امام کو زیادہ آگے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس قدر آگے ہو جائے کہ پیر مقتدیوں کے پیروں سے آگے رہیں یعنی ایڑی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف ۱۱/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے کچھ آگے بڑھنا کچھ پیچھے ہٹنا

سوال[۲۹۰۹]: مسجد میں جو نمازی دیوار کے پاس ہوتا ہے تو جب رکوع میں جاتا ہے تو سرین

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب تسوية الصفوف، ص: ۹۸، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، باب تسوية الصفوف: ۱/۹۷، دار الحديث، ملتان)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان بالإمامة، ص: ۳۰۲، قديمي)

(۳) "ولو كانوا جماعةً، فينبغي لإمام أن يتقدم، ولو لم يتقدم إلا أنه أقام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز ويكره .... وأشار المصنف إلى أن العبرة إنما هو للقدم لا للرأس. فلو كان الإمام أقصر من المقتدى تقع رأس المقتدى قُدامَ الإمام، يجوز بعد أن يكون محاذياً بقدمه أو متأخراً قليلاً". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۱۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۷، سعيد)

دیوار سے لگتے ہیں اس لئے تھوڑا سا آگے کو بڑھنا پڑتا ہے پھر اٹھتے وقت تھوڑا سا پیچھے کو ہٹنا پڑتا ہے، ہر رکعت میں ایسا ہی ہوتا ہے تو اس حرکت سے نماز میں نقص ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جگہ کی تنگی کی وجہ سے اتنی قلیل حرکت سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۷ھ۔

جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے جماعت کی کیفیت

سوال [۲۹۱۰]: لندن میں بواسطہ ورکنگ کمیٹی مانسک بھوپال (جسے بیگم نے مسجد کے نام سے گذشتہ صدی میں بنوایا تھا اور اسلامک کلچرل سینٹر ایسٹ لندن ماسک) کیونکہ ان دونوں میں بڑے ہال میں اکثر مساجد اور مکانات ایسے ہیں جن کے کمرے بمشکل ۴/گز لمبے اور ۳/گز چوڑے ہوتے ہیں کہ دو صفیں اس حالت میں بنتی ہیں جب کہ پہلی صف امام کے دائیں بائیں صرف تین چار انگل کے فاصلہ سے بنائی جاتی ہے، جمعہ کے دن مندرجہ حالات ہیں۔ دوسری صف کے اس غیر محتاط مقتدی کا سر جو امام سے بالکل پیچھے ہوتا ہے، مسجد میں بسا اوقات امام کے پیروں سے ٹکرا جاتا ہے، کیا اس طرح نماز باجماعت بوجہ مجبوری بلا کراہت صحیح ہے؟

نوٹ: یہاں پر مکان دو منزلہ ہوتا ہے، کیا امام کے دائیں بائیں صف بنا کر کھڑے ہونے والے مقتدیوں کے لئے اسی امام کی اقتداء میں اوپر کی منزل کے کسی کمرے میں انتظام کرنا ضروری ہے؟ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "مشى مستقبل القبلة هل تفسد إن قدر الصف، ثم وقف قدر ركن، ثم مشى و وقف كذلك؟ و هكذا لا تفسد وإن كثر، مالم يختلف المكان، قيل: لا تفسد حالة العذر مالم يستدبر القبلة استحساناً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۷، سعيد)

"المشي في الصلوة إذا كان مستقبل القبلة لا يفسد إذا لم يكن متلاحقاً، ولم يخرج من المسجد، وفي الفضاء مالم يخرج من الصفوف، كذا في المنية. وإن استدبر القبلة فسدت، كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، الفصل الثاني في الأفعال المفسدة للصلوة: ۱/۱۰۲، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۲/۲۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت ہے کہ امام کے دائیں اور بائیں صفیں ہوں صرف امام کی ایڑی مقتدیوں کی ایڑی سے آگے رہے، پس چار انگل بھی اگر امام آگے رہے گا تب بھی اقتدا درست ہوگی (۱)، اوپر کی منزل میں بھی اس کا انتظام کیا جاوے کہ امام کے انتقالات (رکوع، سجدہ وغیرہ) کا مقتدیوں کو صحیح علم ہوتا رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۰ھ۔

جماعت میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا

سوال [۲۹۱۱]: جماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا چاہئے یا نہیں؟

---

(۱) "وذكر الإسبيجابي أنه لو كان معه رجلان فإمامهم بالخيار، إن شاء تقدم و إن شاء أقام فيما بينهما، ولو كانوا جماعةً فينبغي للإمام أن يتقدم، و لو لم يتقدم إلا أنه أقام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز و يكره .... و أشار المصنف إلى أن العبرة إنما هو للقدم لا للرأس، فلو كان الإمام أقصر من المقتدى تقع رأس المقتدى قُدام الإمام، يجوز بعد أن يكون محاذياً بقدمه أو متأخراً قليلاً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۷، سعيد)

(۲) "ولو قام على سطح المسجد و اقتدى بإمام في المسجد إن كان للسطح باب في المسجد و لا يشتبه عليه حال الإمام، يصح الاقتداء، وإن اشتبه عليه حال الإمام، لا يصح، كذا في فتاوى قاضي خان. وإن لم يكن له باب في المسجد لكن لا يشتبه عليه حال الإمام صح الاقتداء أيضاً اهـ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء و ما لا يمنع: ۱/۸۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، ۶۳۵ رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الإمامة في بيان ما يمنع صحة الاقتداء و مالا يمنع: ۱/۶۱۶، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

جماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنے برابر ہی کرنے چاہئیں کہ صف سیدھی رہے، شرح ابوداؤد میں یہی تشریح کی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بعد میں آنے والا شخص کسی مقتدی کو پیچھے کھینچ لے

سوال[۲۹۱۲]: ...... زید امام کے پیچھے بکر نے نماز پڑھی اس کے بعد عمر آکر شامل ہوا تو بکر پیچھے ہٹ گیا لیکن عمر کو اس مسئلہ کی واقفیت نہ تھی، وہ کھڑا رہا، اس پر بکر نے اپنے ہاتھ سے اس کو پیچھے ہٹا کر اپنے ساتھ شامل کرلیا، کیا یہ فعل بکر کا مفسدِ صلوۃ تھا یا نہ؟

۲...... کیا بکر کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا؟

۳...... اگر شامل ہونے والا مقتدی پیچھے نہ ہٹے تو پھر پہلا مقتدی اپنی پہلی جگہ کھڑا ہوجاوے یا وہیں کھڑا رہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... بہتر یہ ہے کہ بعد میں آکر شامل ہونے والا مقتدی اس پہلے سے شریک ہونے والے مقتدی کو

---

(۱) "قال": أی نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "فرأیت الرجل": أی من الصحابة المصلین بالجماعة بعد صدور ذلک القول من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "یلزق": أی یلصق منکبه بمنکب صاحبه، و رکبته برکبة صاحبه، و کعبه بکعبه". ولعل المراد بالإلزاق المحاذاة، فإن إلزاق الرکبة بالرکبة، الکعب بالکعب فی الصلوة مشکل، وأما إلزاق المنکب بالمنکب، فمحمول علی الحقیقة". (بذل المجهود شرح أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب تسویة الصفوف : ۱/۳۶۰، مکتبه إمدادیه ملتان)

(وإعلاء السنن ، أبواب الإمامة، باب سنیة تسویة الصف و رصها : ۴/۳۱۹، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح الباری، کتاب الأذان، باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف : ۲/۲۶۸، قدیمی)

(وکذافی فیض الباری، کتاب الأذان، باب إلزاق المنکب بالمنکب : ۲/۲۳۶، ۲۳۷ ، خضر راہ بکڈپو ، الهند)

کھینچ لے، اگر نہ کھینچے تو اس مقتدی کو خود پیچھے ہٹ جانے میں بھی مضائقہ نہیں، اگر وہ دوسرا پہلے کے برابر آکر کھڑا ہوگیا تو یہ بھی درست ہے کہ امام ان دونوں کو خفیف سا اشارہ کردے کہ وہ دونوں پیچھے ہٹ جائیں اور یہ بھی درست ہے کہ امام خود آگے بڑھ جائے۔ اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو پھر دوسرے مقتدی کو امام کے برابر کھڑے ہونے میں بھی مضائقہ نہیں بلکہ ایسی حالت میں کوئی کسی کو نہ کھینچے کیونکہ ناواقفیت کی وجہ سے فسادِ نماز کا اندیشہ ہے(۱)۔

بکر کے اس فعل سے نماز فاسد نہیں ہوئی (۲)۔

---

(۱) "[**تتمة**] إذا اقتدى بإمام فجاء آخر، يتقدم الإمام موضع سجوده، كذا في مختارات النوازل. وفي القهستاني عن الجلابي: أن المقتدى يتأخر عن اليمين إلى خلف إذا جاء آخر اهـ .... وفي الفتح: ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث، يجذب المقتدى بعد التكبير، ولو جذبه قبل التكبير لا يضره، وقيل: يتقدم الإمام اهـ".

"ومقتضاه أن الثالث يقتدى متأخراً و مقتضى القول بتقدم الإمام أنه يقوم بجنب المقتدى الأول، والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدى التأخر إذا جاء ثالث، فإن تأخر، وإلا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته. فإن اقتدى عن يسار الإمام، يشير إليهما بالتأخر، و هو أولى من تقدمه؛ لأنه متبوع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵٦٨، سعيد)

"وذكر الإسبيجابي أنه لو كان معه رجلان فإمامهم بالخيار، إن شاء تقدم، وإن شاء أقام فيما بينهما، ولو كانوا جماعةً فينبغي للإمام أن يتقدم، و لو لم يتقدم إلا أنه أقام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز و يكره". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/٦١٧، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵٦٧، سعيد)

(۲) "ولو كان المقتدى عن يمين الإمام فجاء ثالث و جذب المؤتم إلى نفسه بعد ما كبر، لا تفسد صلوته". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/٦١٧، رشيديه)

"لو جذبه آخر فتأخر، الأصح لا تفسد صلوته". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵٧٤، سعيد)

۲......ایسا کرنا فرض نہیں بلکہ سنت ہے کہ نہ کرنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوئی (۱)۔

۳......ناواقفیت کی صورت میں پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں، اگر ہٹ گیا اور دوسرا مقتدی پیچھے نہ ہٹا تو پہلے مقتدی کو دوبارہ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۶ھ۔

ایک مقتدی کے بعد دوسرا مقتدی آ گیا تو وہ کس طرف شرکت کرے؟

سوال [۲۹۱۳]: ایک امام اور ایک مقتدی امام کے داہنی طرف قعدہ میں بیٹھے ہیں، ایک اور مقتدی آ گیا وہ امام کے کس طرف بیٹھے، آخری قعدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بائیں طرف (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مقتدی کے بعد دوسرا مقتدی آ گیا تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال [۲۹۱۴]: امام اور ایک مقتدی اس کے داہنی طرف ہو اور دونوں حالت رکوع میں ہوں ایک نمازی اور آ گیا، اب یہ تو وہ نمازی ایک رکعت ضائع کرے یا امام کے بائیں جانب کھڑا ہو جائے، کیا حکم ہے؟ اگر امام کے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تب رکوع کے بعد امام کو بڑھنا چاہئے اگر جگہ ہو ورنہ کیا مقتدیوں کو پیچھے کھسکنا چاہئے؟

---

(۱) "ترک السنة لا يوجب فساداً و لا سهوا بل إساءة لو عامداً غير مستخف". (الدر المختار).
"(قوله: لا عامداً غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضا". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۴۷۳، ۴۷۴، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "والظاهر أيضاً أن هذا إذا لم يكن في القعدة الأولى، و إلا اقتدى الثالث عن يسار الإمام، و لا تقدم، و لا تأخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة ۱/۵۶۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے ساتھ اگر ایک مقتدی ہو اور وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوا اور پھر کوئی مقتدی آ کر شریک ہو تو یہ بھی درست ہے کہ امام آگے بڑھ جائے، یہ بھی درست ہے کہ مقتدی کو اشارہ کردے کہ وہ پیچھے ہو جائے، یہ بھی درست ہے کہ بعد میں آنے والا خود پہلے کو پیچھے کھسکا لے، اگر بعد میں آنے والا بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور امام رکوع میں ہے تو رکوع سے فارغ ہو کر امام آگے بڑھ جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال [۲۹۱۵]: اگر ایک مقتدی اور ایک امام ہے دونوں برابر میں کھڑے ہو گئے تو نماز ہو گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس طرح کھڑے ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے پیچھے رہے اور بس (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [تتمة] إذا اقتدى بإمام فجاء آخر يتقدم الإمام موضع سجوده، كذا في مختارات النوازل. وفي القهستاني عن الجلابي: أن المقتدي يتأخر عن اليمين إلى خلف إذا جاء آخر اهـ. "ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث يجذب المقتدي بعد التكبير، ولو جذبه قبل التكبير، لا يضره، وقيل: يتقدم الإمام اهـ.

"ومقتضاه أن الثالث يقتدي متأخراً، و مقتضى القول بتقدم الإمام أنه يقوم بجنب المقتدي الأول، والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدي التأخر إذا جاء ثالث، فإن تأخر، وإلا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته، فإن اقتدى عن يسار الإمام يشير إليهما بالتأخر، و هو أولى من تقدمه؛ لأنه متبوع".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۵۷، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) "ويقف الواحد و لو صبياً، أما الواحدة فتتأخر محاذياً أو مساوياً ليمين إمامه على المذهب و لا عبرة بالرأس بالقدم، فلو صغيراً فالأصح ما لم يتقدم أكثر قدم المؤتم لا تفسد". (الدر المختار). وفي رد المحتار: " و أشار المصنف إلى أن العبرة إنما هو للقدم لا للرأس، فلو كان الإمام أقصر من المقتدي يقع رأس المقتدي قدام الإمام، يجوز بعد أن يكون محاذياً بقدمه أو متأخراً قليلاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

اگر بعد میں ایک مقتدی رہ جائے تو مقتدی کیا کرے؟

سوال[۲۹۱۶]: اگر امام اور دو مقتدی نماز ادا کر رہے ہیں ایک مقتدی کا وضو ساقط ہو جاتا ہے اور وہ چلا جاتا ہے اور وہ مقتدی اپنی ہی جگہ اور امام اپنی جگہ رہ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلياً:

ہوگئی۔ فقط (۱)۔

صف کے پیچھے تنہا ایک آدمی کا کھڑا ہونا

سوال[۲۹۱۷]: ۱..... فقہاء نے لکھا ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، بہتر ہے کہ اگلی صف سے ایک آدمی پیچھے کھینچ لے تو اس آدمی کو کس طرف سے کھینچے وسط سے یا درمیان سے یا نہیں؟ اور کہاں کھڑا ہو یعنی امام کے پیچھے لاوے یا نہیں یا وہیں کھڑا ہو جائے جہاں سے آدمی کو پیچھے لاوے اور کیا جس کو پیچھے لاوے گا اس کی نماز میں کچھ نقصان نہ ہوگا؟

۲..... حضرت مولانا تھانوی صاحب مدظلہ نے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ اگر امام "ما يجوز به الصلوة" پڑھ چکا ہے صحت کے ساتھ اور پھر آگے چل کر کہیں بھول گیا یا غلط پڑھ گیا یا کوئی اور بات آگئی تو نماز ہو جائے گی، لہٰذا گزارش ہے کہ اگر سورۂ بینہ میں "خير البرية" کی جگہ "شر البرية" پڑھ دے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ فقط۔ بینوا وتوجروا۔

مولوی عبدالوہاب صاحب از بہار (بذریعہ مولوی عبدالمجید صاحب) ۹/شعبان۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۵، إمداديه ملتان)

(۱) صورتِ مسئولہ میں نماز تو ہوگئی لیکن بہتر یہ ہے کہ مقتدی آگے ہو کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے:

"(قوله: ويقف الواحد عن يمينه والإثنان خلفه) ...... ولو وقف خلفه، فيه روايتان أصحهما الكراهة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۶، رشيديه)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "ولو وقف خلفه جاز، ولم يذكر محمد الكراهية نصاً، واختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يكره هو الصحيح، هكذا في البدائع". (كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الامام والمأموم: ۱/۸۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

اگرایک صف پوری ہوچکی ہےاس کے بعدکوئی نمازی آیاہےتواس کوچاہئے کہ کچھ انتظار کرلےاوراگررکوع سے پہلے پہلے کوئی اورمقتدی آجائے تواس کے ساتھ مل کرکھڑاہوجائے اگرکوئی اورنمازی نہیں آیاتواس کوچاہئے کہ کسی شخص کوجوکہ اس مسئلہ سے واقف ہوصف سے کھینچ لےاورجس جگہ سے کھینچاہےاسی جگہ سے پچھلی صف میں دونوں کھڑےہوجائیں(تقليلاً للمشي في الصلوة)۔ اوراگرکوئی اس مسئلہ کاجاننے والانہ ہوپھرتنہاہی کھڑاہوجائے:

"و متى استوى جانباه، يقوم عن يمين الإمام إن أمكنه. وإن وجد في الصف فرجةً سدها، وإلا انتظر حتى يجيء آخر فيقفان خلفه، وإن لم يجئ حتى ركع الإمام يختار أعلم الناس بهذه المسئلة منهم به، و يقفان خلفه، وإن لم يجد عالماً يقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة، و لو وقف منفرداً بغير عذر تصح صلاته". رد المحتار: ۱/۵۹٤ (۱)۔

حضرت مولاناتھانویؒ نے یہ مضمون کس رسالہ میں تحریرفرمایاہے؟اس کی عبارت نقل فرمایئے تب جواب دیاجائےگا۔فقط۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۱۰/شعبان/۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۲۹۱۸]: اگرجماعت قعدۂ اخیرہ میں بیٹھی ہےتوپیچھےآنےوالااکیلاآدمی کیاکرے؟کیاپیچھےتنہابیٹھ جائے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب قعدۂ اخیرہ میں آکرشریک ہوااورصف پُرہوتوپیچھےتنہابیٹھ جائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،یکم/صفر/۸۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

(و كذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(و كذافي حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص:۳۰۷، قديمي)

(۲) (تقدم تخريجه تحت العنوان السابق: "صف کے پیچھے تنہاایک آدمی کاکھڑاہونا"۔)

منفرد کے پیچھے اقتداء

سوال[۲۹۱۹]: اگر منفرد عشاء کی نماز جہر سے ادا کر رہا ہے اور کوئی مقتدی شریک ہوگیا، مگر وہ منفرد امامت کی نیت نہیں کرتا اور پھر تکبیراتِ انتقال بھی زور سے نہیں کہتا، ایسی حالت میں مقتدی بغیر امام کے تکبیر کہے اس کی اتباع کرتا رہا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اگر مقتدی ایک نابالغ لڑکا اور ایک بالغ ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

سوال[۲۹۲۰]: ایک مقتدی اور ایک لڑکا نابالغ۔ ان دونوں کو امام اپنے پیچھے کھڑا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کر سکتا ہے بلکہ اسی طرح کرنا چاہیے، کذا فی الطحطاوی، ص:۱۶۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وأمانيه الإمامة، فليست بشرط إلا في حق النساء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۰، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۱/ ۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۹۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/ ۴۲۴، ۴۲۵، سعيد)

(۲) "وإن لم يكن جمع من الصبيان، يقوم الصبي بين الرجال، (قوله: يقوم الصبي اهـ) و لو كان مع رجل تقدمهما الإمام، اهـ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۸، قديمي)

"قال: وكذا لو كان المقتدي رجلاً و صبياً يصفّهما خلفه لحديث أنس رضي الله تعالى عنه: "فصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا" وهذا بخلاف المرأة الواحدة، فإنها تتأخر مطلقاً =

مسجد میں ایک جانب اضافہ ہوگیا تو امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال[۲۹۲۱]: مسجد کے اندرونی حصہ کو ضرورۃً شمال کے جانب سے بڑھا دیا گیا، اب امام کے داہنے جانب تیس نمازی اور بائیں جانب پندرہ نمازی رہتے ہیں، بحالت موجودہ کسی قسم کی کراہت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی حالت میں امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہیے تاکہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں ورنہ کراہت ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقام امام وسط مسجد ہے

سوال[۲۹۲۲]: امام بجائے درمیانی دروازے کے ایک جانب میں کھڑا ہوتا ہے جس کی وجہ سے

= كالمتعددات للحديث المذكور". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، إمداديه ملتان)

(۱) "السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، و لو قام في أحد جانبي الصف، يكره".

قال عليه السلام: "توسطوا الإمام و سدوا الخلل" .... و كذا قوله في موضع أخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب مانُصبت إلا وسط المساجد، و هي قد عُينت لمقام الإمام". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب: ۱/۵۶۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "وسّطوا الإمام وسدّوا الخلل": أي اجعلوا إمامكم بأن تصفوا خلفه بحيث يكون الإمام حذاء وسط الصف، ويكون من عن يمينه من الرجال و من عن يساره سواء". (بذل المجهود، باب مقام الإمام من الصف: ۱/۳۶۵، إمداديه ملتان)

مقتدی بعض مسجد سے خارج حصہ میں کھڑے ہوتے ہیں، اگر امام وسطِ صحن میں کھڑا ہو تو سب مقتدی مسجد میں کھڑے ہو سکتے ہیں خارج مسجد کی ضرورت نہیں، پس دونوں صورتیں مساوی ہیں یا ایک اَولیٰ دوسری غیر اولیٰ؟

بینوا توجروا۔

بندہ حافظ محمد حسن سنسار پوری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے کہ یہی سنت ہے، وسط کو چھوڑ کر کسی ایک جانب کھڑا ہونا یہ خلاف سنت ہے، مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے جو لوگ خارج مسجد کھڑے ہوں گے ان کو مسجد کا ثواب نہیں ملے گا:

"السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نُصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عُينت لمقام الإمام"۔ در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۸/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ شعبان/ ۶۱ھ۔

امام کا محراب میں کھڑا ہونا

سوال [۲۹۲۳]: تنہا امام کا مسجد کے محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، محراب سے کیا مراد ہے اور کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عامۂ وسطِ مساجد میں جدارِ قبلہ میں امام کے لئے جگہ بنی رہتی ہے، امام کے قدم باہر ہوتے ہیں اور سجدہ محراب میں کرتا ہے، علامہ شامی نے علت پر بحث کر کے حاشیہ بحر سے نقل کیا ہے: "الذي يظهر من كلامهم

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب: ۱/ ۵۶۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/ ۸۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۳۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

کراهته تنزيهية". شامی :١/ ٦٧٠ (١) یعنی کراہت تنزیہی ہے۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے، میں صرف میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ محراب ہی کے حکم میں باہر کا دروازہ بھی ہے، اس میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے(٢)۔فقط سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم۔

امام کا محراب میں کھڑا ہونا

سوال[٢٩٢٤]: ١-مسجد کے اندرونی حصہ میں دو صفوں کی جگہ ہے، محراب اتنا کشادہ ہے کہ امام بآسانی رکوع وسجود کرسکتا ہے، اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہوتا ہے تو مقتدیوں کو کوئی دقت نہیں ہوتی، لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز درست نہیں ہوتی؟

٢-اگر امام محراب سے صرف ایڑھیاں باہر رکھتا ہے تو قعدہ کی حالت میں امام کا جسم محراب کے اندر ہوجاتا ہے لہٰذا نماز درست نہ ہوگی؟

٣-اگر امام صاحب محراب سے بالکل باہر کھڑا ہوتا ہے تو مقتدیوں کے سر امام کے سرین سے ٹکراتے

---

(١) (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ١/٦٤٦، سعيد)

"قوله: (وقيام الإمام، لا سجوده في الطاق) .... فالحاصل أن مقتضى ظاهر الرواية كراهة قيامه في المحراب مطلقاً، سواء اشتبه حال الإمام أو لا، و سواء كان المحراب من المسجد أم لا، وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم في مكان الصلاة حتى تشترط طهارته رواية واحدة، بخلاف مكان السجود؛ إذ فيه روايتان". (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ٢/٤٦، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة و ما لا يكره : ١/١٠٨، رشيديه)

(٢) "الأصح ما روى عن أبي حنيفة أنه قال: أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو زاوية أو ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه بخلاف عمل الأمة". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ١/٦٤٦، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب الإمامة : ١/٣٥٦، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في النهر الفائق، باب الإمامة : ١/٢٤٥، إمداديه ملتان)

ہیں جس کی وجہ سے مقتدی کچھ کھسک جاتے ہیں اور صف ٹیڑھی ہو جاتی ہے تب سجدہ کرنا پڑتا ہے اور بعض لوگ امام کے پیچھے کھڑے ہونے سے کتراتے ہیں، لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے، شرعی اعتبار سے مطلع فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہنا غلط ہے کہ شکل نمبر ۱، ۲: میں نماز درست نہ ہوگی، ہاں شکل نمبر: ایک میں امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے (۱)، شکل نمبر: ۲ میں نہ مقتدی کو دشواری ہے نہ امام کو، تو شکل نمبر: ۲ کو اختیار کر لیا جائے (۲)۔

جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں (۳)، شکل نمبر: ۳، میں صف ٹیڑھی نہ کی جائے، نہ دوسری صف والوں کے لئے تنگی کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱، ۲، ۳) "وكره قيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه وقدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم مطلقاً، وإن لم يتشبه حال الإمام إن علل بالتشبه، وإن بالاشتباه ولا اشتباه، فلا اشتباه في نفي الكراهة .... وهذا كله عند عدم العذر .... أو في المحراب لضيق المكان لم يكره. وحكي عن أبي الليث: لايكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۵، ۶۴۶، سعيد)

"ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب، ولايكره سجوده فيه إذا كان قائماً خارج المحراب، وإذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام، فلا بأس بأن يقوم في الطاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ۱/۱۰۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱۶۵، إمداديه)

(۴) "عن سماك بن حرب قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم يسوّينا في الصفوف كما يقوم القدح،حتى إذا ظن أن قد أخذنا ذلك عنه، وفقهنا، أقبل ذات يوم بوجهه إذا رجل منتبذ بصدره فقال: "لتسوُنَّ صفوفكم أو ليخالفنَّ الله بين وجوهكم". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۴، إمداديه، ملتان)

"السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعيد)

امام کا محراب میں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۲۵]: امام صاحب کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے لیکن گرمی کے زمانہ میں لوگوں کا کہنا ہے کہ صحن میں صرف ایک ہی صف کی جگہ ہے، نمازیوں کو بیحد تنگی ہوتی ہے تو مجبوراً اگر امام صاحب محراب میں کھڑے ہو جائیں تو گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنگی اور ضرورت کی حالت میں محراب میں کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، کذا فی البحر: ۲/۲۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱ھ۔

امام کا مسجد کے وسط میں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۲۶]: ہماری مسجد کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے:

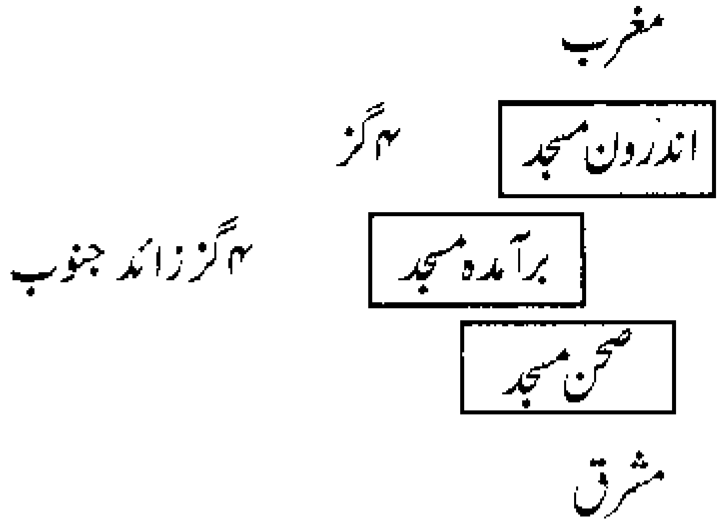

(الف) مسئلہ کی رو سے امام بیچ میں بروقت نماز ہونا چاہیے مگر برآمدہ مسجد سے جنوب کی طرف ۴/گز

---

(۱) "قال الولوالجی فی فتاواہ و صاحب التجنیس: إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام علی القوم، لا بأس بأن یقوم الإمام فی الطاق؛ لأنہ تعذر الأمر علیہ، وإن لم یضق المسجد بمن خلف الإمام، لا ینبغی لإمام أن یقوم فی الطاق؛ لأنہ یشبہ تباین المکانین". (البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا: ۲/۲۶، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار. باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا: ۱/۶۴۳، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الفصل الثانی فیما یکرہ الصلاۃ و ما لا یکرہ: ۱/۱۰۸، رشیدیہ)

بڑھا ہوا ہے، اب اگر جماعت برآمدہ میں ہو تو امام کو کہاں کھڑا ہونا چاہیے، کیونکہ برآمدہ کی مغرب والی دیوار جو مسجد اندرون کی دیوار ہے اس میں تین دروازے ہیں، اب ان میں سے امام کو کون سے دروازے پر کھڑا ہونا چاہیے۔

(ب) برآمدہ سے مسجد صحنِ مسجد بھی اس طرح سے ۴/ گز جنوب کو بڑھا ہوا ہے، اب اگر امام جماعت صحنِ مسجد میں کرے تو وہ کہاں کھڑا ہو؟ چونکہ صحن مسجد کی مغرب والی دیوار جو برآمدہ کی ہے اس میں پانچ دروازے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ امام کون سے دروازے میں کھڑا ہو، کیونکہ اگر صحن کا بیچ کرکے امام کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ برآمدہ کے چوتھے دروازے میں کھڑا ہوتا ہے جو مسجد کی جنوبی دیوار کے سامنے امام کھڑا ہوجاتا ہے۔

(ج) اگر محراب مسجد کے سامنے امام کھڑا ہوتا ہے تو جماعت جنوب کی طرف ۸/ گز بڑھ جاتی ہے، یہ پوزیشن مسجد کی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو ایسی جگہ کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کے شمال وجنوب میں حدودِ مسجد کے اندر اندر دونوں نمازی برابر ہوں (۱)، یہی حکم برآمدہ وصحنِ مسجد کا ہے (۲)۔ اگر اس مسجد کی محراب بالکل وسط میں ہے اور برآمدہ وصحن میں کسی

---

(۱) "حدثني أبوهريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "وسّطوا الإمام": أى اجعلوا إمامكم بأن تصفوا خلفه بحيث يكون الإمام حذاء وسط الصف، ويكون من عن يمينه من الرجال ومن عن يساره سواء، اهـ". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب مقام الإمام في الصف: ۱/۳۶۵، إمداديه، ملتان)

(۲) "السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحدجانبي الصف يكره، ولو كان المسجد الصيفي بجنب الشتوى وامتلأ المسجد، يقوم الإمام في جانب الحائط يستوى القوم من جانبيه، والأصح ماروى عن أبي حنيفة أنه قال: أكره أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه خلاف عمل الأمة. قال عليه الصلوٰة والسلام: "توسطوا الإمام، وسدوا الخلل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعيد) .... =

جانب اضافہ ہے تو اصل مسجد کی محراب کی سیدھ میں برآمدہ وصحن میں کھڑا ہونا ضروری نہیں، بلکہ برآمدہ وصحن میں جو جگہ وسط میں ہو وہاں کھڑا ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

جگہ تنگ ہو تو امام کا بیچ میں کھڑا ہونا

سوال [۲۹۲۷]: ایک مسجد ہے جس میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہی نہیں ہے، امام صف سے ایک قدم کے قریب آگے کھڑا ہوتا ہے، آدھی صف اس کے دائیں آدھی صف اس کے بائیں، نماز درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بیچ میں جگہ خالی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مسجد اتنی تنگ ہے تو امام کا بیچ میں کھڑا ہونا درست ہے جس طرح ایک مقتدی ہو تو داہنی طرف کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح تمام آدمی داہنی طرف اور بائیں طرف کھڑے ہو جائیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنگی کی وجہ سے امام کا مقتدیوں سے دو چار انچ آگے ہونا

سوال [۲۹۲۸]: مسجد میں محراب نہیں ہے اور امام صف پر کھڑا ہوتا ہے اور جمعہ کے روز جگہ کی تنگی رہتی ہے تو امام دو چار انچ آگے بڑھ جاتا ہے اور مقتدی بھی اسی صف پر، تو امام درمیان میں ہوگا تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو حوالۂ کتب کی اہم ضرورت ہے۔ اگر درست نہیں ہے تو کیوں؟ اور تنگی کی صورت

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

(۱) "وفناء المسجد حكم المسجد، يجوز الاقتداء فيه وإن لم تكن الصفوف متصلةً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره غلق المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة التالية)

میں یہ جماعت مانند عورتوں کے ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کو مقتدیوں سے آگے کھڑا ہونا چاہئے، لیکن اگر نمازیوں کی کثرت اور جگہ تنگ ہو اس لئے چند انچ ہی مقتدیوں سے آگے ہے تب بھی کافی ہے، یہ عذر شرعاً معتبر ہے(۱) جیسا کہ ازدحام میں پچھلی صف والے اگلی صف والوں کی کمر پر سجدہ کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۵ھ۔

امام اور منبر کے درمیان آدمی کھڑا کرنا

سوال[۲۹۲۹]: بوقت ادائے نماز جمعہ امام صاحب کے بائیں بازو ایک صف کھڑی ہے، منبر کے دائیں بازو بھی ایک صف کھڑی ہے، محراب میں امام صاحب کھڑے ہیں، امام صاحب دائیں بازو ایک شخص کھڑا کر دیتے ہیں، اس شخص کی سیدھی جانب منبر بالکل متصل ہے اور بائیں جانب پیش امام فاصلہ سے

(۱) "وذكر الإسبيجابي أنه لو كان معه رجلان، فإمامهم بالخيار إن شاء تقدم و إن شاء أقام فيما بينهما . ولو كانوا جماعةً فينبغي للإمام أن يتقدم، و لو لم يتقدم إلا أنه أقام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز و يكره .... وأشار المصنف إلى أن العبرة إنما هو للقدم لا للرأس، فلو كان الإمام أقصر من المقتدى تقع رأس المقتدى قدام الإمام، يجوز بعد أن يكون محاذياً بقدمه أو متأخراً قليلاً". (البحر الرائق ، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۶۱۷، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۶۷، سعيد)

(وكذافي خلاصة الفتاوى ، كتاب الصلوة، ما يتصل بصحة الاقتداء : ۱/۱۵۶، ۱۵۷، امجد اكيڈمى لاهور)

(۲) "وان سجد للزحام على ظهر مصل صلاته التي هو فيها، جاز للضرورة، وإن لم يصلها، بل صلى غيرها أو لم يصل أصلاً أو كان فرجة، لا يجوز". (الدر المختار ، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/۵۰۲، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة : ۱/۲۱۷، إمداديه ملتان)

آگے اور پیش امام کے بائیں جانب ایک صف کھڑی ہے۔ امام کے دائیں بازو اور منبر کے بائیں بازو ایک شخص بحیثیتِ مقتدی تنہا کھڑا کر سکتے ہیں کیا؟ اور اس شخص کی نماز ہوئی یا نہیں؟ واضح ہو کہ مقتدیوں کے لئے مسجد میں جگہ کی کمی نہیں ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

امام اور منبر کے درمیان ایک آدمی کو کھڑا کرنا ضروری نہیں، اگر وہ جگہ خالی رہے تب بھی مضائقہ نہیں۔ اگر اس کو وہاں کھڑا کر دیا گیا تو اس کی وجہ سے کسی اور کی نماز میں خلل نہیں آیا، سب کی نماز درست ہے، کوئی نزاع نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوستونوں کے درمیان صف بنانا

سوال [۲۹۳۰]: ایک مسجد ہے جس میں امام کے پیچھے ایک صف کھڑی ہو جاتی ہے اسی طرح پھر دوسری صف لگ جاتی ہے، لیکن ان دونوں صفوں کے درمیان ستون آ جاتے ہیں، ان ستونوں کے درمیان ایک صف کھڑی ہو سکتی ہے، لیکن وہ صف مسلسل نہیں ہو سکتی بلکہ ستون کی آڑ کی وجہ سے صف میں خلا ہو جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان ستونوں کے درمیان صفِ ثانی کھڑی ہو سکتی ہے یا ان ستونوں کے درمیان کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے؟

---

(۱) "و يمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل، أو طريق تجري فيه عجلة، أو نهر تجري فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين فأكثر، إلا إذا اتصلت الصفوف، فيصح مطلقاً ...... والحائل لا يمنع الاقتداء ...... و لم يختلف المكان حقيقةً كمسجد، و لا حكماً عند اتصال الصفوف". (التنوير مع الدر المختار، كتاب الصلوة باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لايمنع: ۱/۸۷، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح مع نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۱، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

مبسوط سرخسی میں موجود ہے کہ اگر ستون درمیان میں ہوتو اس سے نہ اقتدا ممنوع ہوتا ہے نہ کراہیت پیدا ہوتی ہے:

"والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلاً، و تخلّل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجةٍ بين رجلين، و ذلك لا يمنع صحة الاقتداء، و لا يوجب الكراهة، اهـ". مبسوط: ۲/۳۵(۱)۔

اگر مسجد میں وسعت ہوتو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ اصطفاف سے احتراز کیا جائے جہاں ستون بیچ میں آجائے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام کے کسی جانب نمازیوں کا زیادہ ہونا

سوال[۲۹۴۱]: اگر نماز جماعت میں دائیں یا بائیں طرف آدمی زیادہ ہوجائیں تو نماز کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کی ایک جانب مقتدیوں کا زیادہ ہونا اور دوسری جانب کم ہونا مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (المبسوط، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۵۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عبد الحميد بن محمود: "قال صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرّنا الناس، فصلينا بين الساريتين، فلما صلينا، قال أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقد كره قوم من أهل العلم أن يصف بين السواري........ و قد رخص قوم من أهل العلم في ذلك".

(سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية الصف بين السواري: ۱/۵۳، سعيد)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وسّطوا الإمام، وسدّوا الخلل": أي اجعلوا إمامكم بأن =

صف ٹیڑھی ہو تو کیا کیا جائے

سوال[۲۹۳۲]: ایک قدیم مسجد ہے جس میں صفیں کچھ ٹیڑھی بچھائی جاتی ہیں رخ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے، ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ نماز میں عین قبلہ ضروری ہے یا جہت قبلہ اور قطبین پر جو مساجد ہوں وہ صحیح اور جو اس کے تھوڑے فرق پر ہوں وہ غیر صحیح، یہ قطب تارے شرعاً حجت ہیں یا نہیں؟ اگر مسجد میں صفیں قطب تارے کے رخ پر بچھاتے ہیں، مسجد سے کافی جگہ نکل جاتی ہے اور جگہ کی تنگی ہے تو اب کیا کریں، آیا جہتِ کعبہ پر عمل کریں یا سمتِ کعبہ پر؟ نقشہ ذیل میں ہے:

مسجد میں صرف اتنا فرق ہے، اب دیوارِ مغرب قطب والے نشان پر رکھی جائے یا اخیر والے خط پر؟ مفصل بیان فرمائیے۔

نقشہ

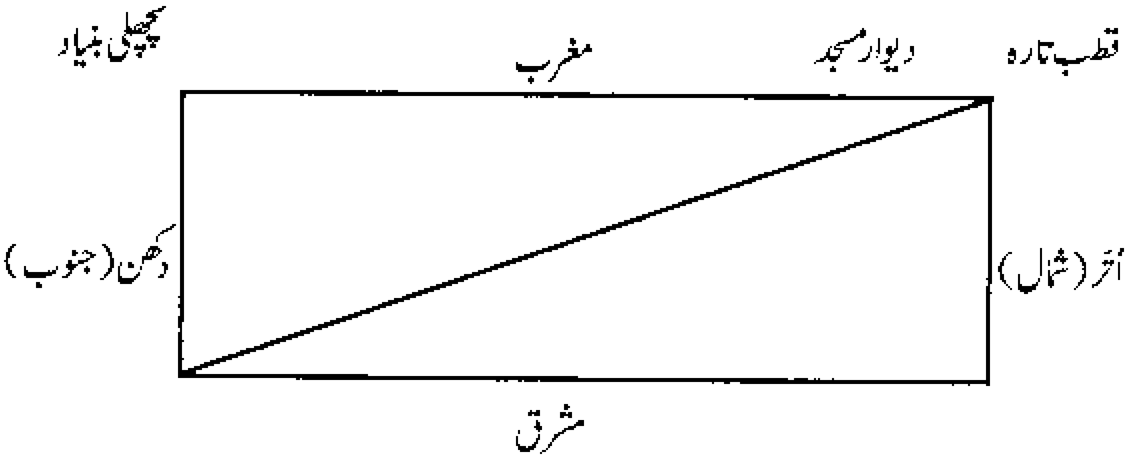

الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم تجربہ کار کو جو کہ سمتِ قبلہ معلوم کرنے میں ماہر ہو، بلا کر معائنہ کرا دیا جائے کہ اتنا

= تصفوا خلفه بحيث يكون الإمام حذاء وسط الصف، ويكون من عن يمينه من الرجال و من عن يساره سواء". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب مقام الإمام من الصف: ۱/۳۶۵، مكتبه إمداديه ملتان)

"السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعيد)

"و لو قام الإمام وسط القوم أو قاموا في ميمنته أو ميسرته، فقد أساءوا". (التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السابع في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۶۲۳، إدارة القرآن كراچي)

(و كذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

تفاوت قابلِ تسامح ہے یا نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام کا صف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا

سوال[۲۹۳۳]: ایک مسجد کے اندر کا صحن تین صفوں کا ہے اور امام کے پاس محراب تک پنکھے کی ہوا نہیں پہنچتی تو کیا امام صاحب پہلی صف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے؟ اگر پڑھا سکتا ہے تو کسی قسم کا نماز کے اندر فرق تو نہیں آتا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مقتدیوں کو تنگی نہ ہو، سب مسجد میں سما جائیں تو بجائے محراب کے صفِ اول میں محراب کے سیدھ میں کھڑا ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان ، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره. ولو كان المسجد الصيفي بجنب الشتوي وامتلأ المسجد، يقوم الإمام في جانب الحائط يستوي القوم من جانبيه. والأصح ما روي عن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه أنه قال: أكره أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه خلاف عمل الأمة. قال عليه السلام :"توسطوا الإمام، وسدوا الخلل" .... السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ، ألا ترى أن المحاريب ما نُصبت إلاوسط المساجد، و هي قد عُيّنت لمقام الإمام اهـ. والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلك،لا يكره، تأمل". (رد المحتار ، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵٦۸، سعيد)

"و لو قام الإمام وسط القوم أو قاموا في ميمنته أو ميسرته, فقد أساء وا ". (التاتارخانية ، كتاب الصلوة، الفصل السابع في بيان مقام الإمام والمأموم : ۱/۲۲۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي العالمكيرية ، كتاب الصلوة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم : ۱/۸۹، رشيديه)

امام کے پیچھے والی صف چھوٹی، بعد والی بڑی

سوال[۲۹۳۴]: ہمارے یہاں ایک عیدگاہ ہے جس کی مرمت کرائی جارہی ہے اور پیش امام کی جگہ تھوڑا آگے کردیا گیا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر پیش امام کے پیچھے جو صف بنے گی وہ چودہ آدمیوں پر مشتمل ہوگی اس کے بعد کی صف تقریباً ۱۰۰/ آدمیوں کی ہے، کیا چھوٹی صف پہلے بن سکتی ہے اور اس کے پیچھے بڑی صف بن جائے؟ شرعاً اس پر روشنی ڈالنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

نقشہ اس طرح ہے:

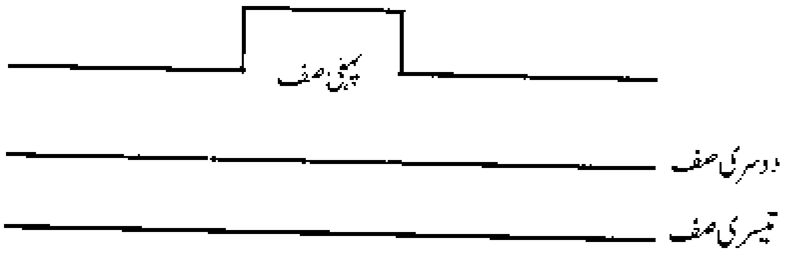

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کے پیچھے جگہ کم ہونے کی وجہ سے چودہ آدمیوں کی صف ہو اس کے پیچھے سو آدمیوں کی صف ہو تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم"؟ قلنا: وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟ قال:" يتمّون الصفوف المقدمة، و يتراصون في الصف".

"الصفوف المقدمة: أي المتقدمة، و هي إتمامها أن يكمل الصف الأول، ثم الثاني، ثم الثالث". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ۱/۳۶۰، إمداديه ملتان)

"وفي القنية: والقيام في الصف الأول أفضل من الثاني، وفي الثاني من الثالث، هكذا؛ لأنه روى في الأخبار أن الله تعالىٰ إذا أنزل الرحمة على الجماعة ينزلها أولاً على الإمام، ثم تتجاوز عنه إلى من بحذائه في الصف الأول، ثم إلى الميامن، ثم إلى المياسر، ثم إلى الصف الثاني". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۹، سعيد)

بڑی چوڑی مسجد کی صفوں کو نماز میں دائیں بائیں سے کم کرنا

سوال[۲۹۳۵]: جامع مسجد کی چوڑائی تقریباً ۴۰۰/فٹ سے زائد ہے، اس میں آج بھی پانچوں وقت جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، عموماً سردی کے زمانے میں اور دیگر وجوہات کی بنا پر جماعت میں شامل ہونے والے کبھی کم، کبھی زیادہ تعداد میں حاضر ہوتے ہیں، چونکہ صفِ اول کا پورا کرنا بنیادی طور پر لازمی ہے، مگر اس کی لمبائی اس قدر زیادہ ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو لوگ یمیناً ویساراً دوڑتے دوڑتے صفِ اول میں جا ملتے ہیں، اس طرح بسا اوقات ان کی ایک ایک رکعت بھی فوت ہوجاتی ہے اور نمازیوں میں ہر قسم کے لوگ مثلاً بوڑھے، ضعیف، جوان اور بیمار بھی ہوتے ہیں، اس لئے صفِ اول کے پورا کرنے میں بوجہ درازیٔ صف بہت پریشانی ہوتی ہے۔

نمازیوں کی رائے ہے کہ صف کو ایک خاص حد تک محدود بنایا جائے اور دونوں جانب باقی حصہ چھوڑ دیا جائے تاکہ امام صاحب کے پیچھے نمازی ایک خاص حد تک کھڑے ہوں اور اگر دوسری صف بھی لگ جائے تو اس کے مطابق اسی کے سیدھ میں قائم کیا جاسکے۔ کیا شریعتِ مطہرہ اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ جواب مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

نوٹ: جمعہ کی نماز میں لوگوں کی کثرت ہوتی ہے اور اہتمام بھی خاصا ہوتا ہے، لہٰذا جمعہ کی نماز کے بارے میں کوئی بات دریافت طلب نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصہ ایک دفعہ مسجد بنا دیا گیا ہے یمیناً ویساراً، اس کو مسجد سے خارج کرنے کی تو کسی صورت میں اجازت نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے(۱)، البتہ عذرِ مذکور فی السوال کی وجہ سے دونوں جانب کچھ خالی جگہ چھوڑ

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايُملَک ولايملّک ولايعار ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً وفي أحكامه: ۴۵۸/۲، رشيديه)

دی جائے اور امام وسط ہی میں رہے اور دوسری پھر تیسری صف بھی صفِ اول کی طرح ہو جائے تو اس کی وجہ سے دوسری، تیسری صف والے نماز میں صفِ اول کی فضیلت سے تو ضرور محروم رہیں گے، فضیلتِ جماعت بلاتردد حاصل ہو جائے گی، لیکن اس صورت میں مکروہ ہونے میں اختلاف ہے: "وفي كراهة ترك الصف الأول مع إمكان خلاف، اهـ". شامی: ۱/۳۸۳ (۱)۔

ہاں! اگر رکعت فوت ہونے کا خوف ہو، مثلاً امام رکوع میں ہو تو پھر دوسری صف میں شریک ہو جانا مکروہ نہیں بلکہ تحصیلِ رکعت کے لئے ایسا کرنا افضل ہے:

"قال في الأشباه: إذا أدرك الإمام، فشروعه لتحصيل الركعة في الصف الأخير أفضل من وصل الصف، اهـ". شامی: ۱/۳۸۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الامامة: ۱/۵۶۹، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها، وشرها أولها". "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايزال قوم يتأخرون عن الصف الأول حتى يؤخرهم الله في النار". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب صف النساء وكراهة التأخر عن الصف الأول: ۱/۱۰۶، إمداديه، ملتان)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

"حدثنا الحسن أن أبا بكرة رضي الله تعالىٰ عنه حدث أنه دخل المسجد ونبي الله صلى الله عليه وسلم راكع، قال: فركعت دون الصف، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "زادك الله حرصاً ولا تعد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الرجال يركع دون الصف: ۱/۱۰۶، إمداديه، ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب الإمامة والجماعة، باب الركوع دون الصف: ۱/۱۳۹، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۷، رشيديه)

جہتِ قبلہ کی رعایت کی وجہ سے صفوں کا چھوٹا بڑا ہونا

سوال[۲۹۳۶]: ایک مکان ہے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے مگر بوجہ مکانیت کے صفیں چھوٹی بڑی بچھائی جاتی ہیں تو اس طرح نماز باجماعت وجمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً:

نقشہ

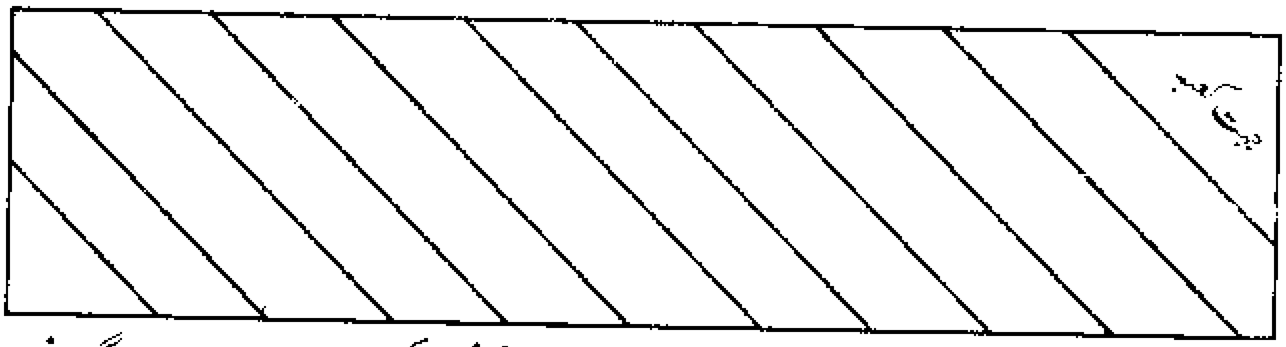

اس طرح صفیں بچھتی ہیں، ان پر نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکان کے رخ پر صفوف کا ہونا ضروری نہیں، جہتِ قبلہ پر صفوف قائم کی جائیں، اگر چہ بعض چھوٹی بعض بڑی ہوجائیں (۱)۔ پنج وقتہ نماز درست ہے، اگر وہاں ہر ایک کو شرکتِ نماز کی اجازت ہو، کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہاں جمعہ بھی درست ہے (۲)، اگر وہاں مسجد نہیں ہے تو مسجد بنانے کی کوشش کی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۴ھ۔

---

(۱) "والسادس استقبال القبلة، فللمكي إصابة عينها ولغيره إصابة جهتها بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة أو لهوائها". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۷، ۴۲۸، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۹۵، رشيديه)

(۲) "والسابع: الإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين كافي". (الدر المختار)

"(قوله: الإذن العام): أى أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه، و هذا مراد من فسّر الإذن العام بالاشتهار". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، ۱۵۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۵۳۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۳) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: أمر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببناء المسجد، فقال: =

کسی خاص شخص کے لئے کسی عامی کو اس کی جگہ سے ہٹانا

سوال[۲۹۳۷]: اگر امام کے پیچھے کوئی عوام کھڑا ہو جائے اور اسی صف میں طالب علم اور مولوی بھی کھڑا ہو، کیا طالب علم یا مولوی صاحب کو یہ حق ہے کہ اس عوام کو ہٹا کر خود کھڑا ہو جائے، یا امام کو چاہئے کہ اپنے پیچھے طالب علم اور مولوی کو کھڑا کرے تا کہ حدث واقع ہونے پر خلیفہ بنا سکے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ شخص پہلے آ کر امام کے پیچھے کھڑا ہو گیا ہے تو کسی دوسرے نمازی یا امام کو اس کا حق نہیں کہ اس کی جگہ سے اس کو ہٹا دے، ہاں! اگر وہ خود ہٹنے کے لئے رضامند ہو جائے تو مضائقہ نہیں:

"ويكره أشدّ كراهة أن يقيم الرجل أخاه، فيجلس في موضعه في الجمعة و غيرها. قال الكرماني: و ظاهر النهي الوارد فيه التحريم؛ لأن من سبق إلى مباح فهو أحق به بخلاف ما لو قام الجالس باختياره وأجلس غيره، فلا كراهة في جلوس غيره، اهـ". طحطاوي، ص: ٣٠٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم شہر میرٹھ جامع مسجد۔

= "يا بني النجار! ثامنوني بحائطكم هذا". قالوا: لا والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب إذا وقف جماعة أرضاً مشاعاً فهو جائز: ١/٣٨٨، قديمي)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ص: ٥٢٣، قديمي)

البتہ اگر امام محض استخلاف کی نیت سے کسی ذی علم شخص کو آگے صف میں لے آئے تو بظاہر مناسب ہے، "لما روي عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ليليني منكم أولوا الأحلام والنهى". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصف: ١/٩٨، رشيديه).

"(والنهى) وهو العقل الناهي عن القبائح أي: ليدن من البالغون العقلاء لشرفهم ومزيد تعطنهم وتيقظهم وضبطهم لصلاته، وإن حدث به عارض يخلفوه في الإمامة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف: ٣/١٧٢، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب من يستحب أن يلي في الصف وكراهية التاخير: ١/٣٦٣، إمداديه، ملتان)

صف میں رومال یا مصلی رکھ دینا

سوال [۲۹۳۸]: مسجد میں یا کسی حلقہ وغیرہ میں کوئی شخص جائے اور جاکر وہاں کوئی کپڑا وغیرہ اپنی نشست کے لئے رکھدے تو آیا کوئی دوسرا شخص اس جگہ آکر بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو پہلے شخص کو اس دوسرے شخص سے جھگڑا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی شخص آکر کسی جگہ بیٹھ گیا پھر کوئی فوری ضرورت پیش آئی جس کو پورا کرتے ہی لوٹ کر آئے گا مثلاً تھوکنا، ناک صاف کرنا، وضو کرنا وغیرہ اور جاتے وقت اپنی جگہ کپڑا رکھ کر چلا گیا تو اس میں مضائقہ نہیں اور دوسرے شخص کو اس کی جگہ بیٹھنا بھی نامناسب ہے اور اگر کوئی شروع ہی سے کپڑا رکھدے اور اپنے کاروبار میں مشغول رہے اور نماز کے وقت آکر اپنی جگہ پر قبضہ جمائے یہ غیر مستحسن ہے، ایسی حالت میں دوسرے شخص کو اگر تنگی کی وجہ سے جگہ میسر نہ آئے تو اس کے کپڑے کو ہٹا کر بیٹھنا درست ہے، مگر ہاتھ سے نہ ہٹائے ورنہ اس کی ضمان میں داخل ہو جائے گا، اگر تنگی نہ ہو بلکہ وسعت ہو تو دوسری جگہ بیٹھ جائے:

"ولو فرش له نحو سجادة، ففيه وجهان: فقيل: يجوز لغيره تنحيتها والجلوس في موضعها؛ لأن السبق بالأجسام لا بما يفرش، و لا يجوز الجلوس عليها بغير رضاه، نعم! لا يرفعها بيده أو غيرها؛ لئلا تدخل في ضمانه، و قيل: لا يجوز تنحيتها؛ لأنه ربما يفضي إلى الخصومة، ولأنه سبق إليه بالحجر، فصار كحجر الموات". ص:۳۰۴(۱)-

"وهذا كمن بسط بساطاً أو مصلى: أي سجادة في المسجد أو المجلس، فإن كان المكان واسعاً، لا يصلي و لا يجلس عليه غيره، وإن كان المكان ضيقاً، جاز لغيره أن يرفع البساط و يصلي في ذلك المكان أو يجلس، اهـ". مراقي الفلاح، ص:۳۵۹ (۲)- والمسئلة

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ص: ۵۲۳، ۵۲۴، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۵، قديمي)

"كمن بسط سجادةً في المسجد أو نزل في الرباط فجاء آخر، لا ينبغي أن يوحش الأول إن =

مذکورة فی شرح الهدایة و رد المحتار ایضاً(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،مظاہر علوم سہارنپور،۸/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،　　صحیح:عبد اللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

امام کے سلام کے بعد صف سے ہٹ کر بیٹھنا

سوال[۲۹۳۹]:جماعت کے اختتام پر بعض مقتدی صف سے ذرا سرک کر قبلہ رو بیٹھ جاتے ہیں بوجہ بجاوٹ(۲) یا سخت گرمی یا سردی کے اور تسبیح پوری کر کے امام کے ساتھ ہی دعاء میں شرکت کر کے فارغ ہوجاتے ہیں تو کیا یہ مقتدی منافق یا گنہ گار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے سے وہ منافق بھی نہیں،گنہگار بھی نہیں(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند،۱۴/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح:بندہ سید احمد علی سعید،نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

=کان فی المکان سعة". (البحر الرائق، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۶، رشیدیه)

(۱) "(قوله: و تخصیص مکان لنفسه)؛ لأنه یخل بالخشوع: أی لأنه إذا اعتاده ثم صلی فی غیره، یبقی باله مشغولاً بالأول ....له فی المسجد موضع معین یواظب علیه و قد شغله غیره، قال الأوزاعی: له أن یزعجه و لیس له ذلک عندنا اهـ: أی لأن المسجد لیس ملکاً لأحد. قلت: ینبغی تقییده بما إذا لم یقم عنه علی نیة العود بلا مهلة کما لو قام للوضوء مثلاً، ولا سیماً إذا وضع فیه ثوبه لتحقق سبق یده تأمل". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "بجاوٹ:موٹا تختہ جو شہتیروں پر ٹاٹ لگانے اور چھت پاٹنے کے کام آتا ہے"۔(فیروز اللغات،ص:۲۳۳،فیروز سنز،لاہور)

(۳) "وقیل: یستحب کسر الصفوف". (الدر المختار). "(قوله :وقیل یستحب کسر الصفوف) لیزول الاشتباه عن الداخل المعاین للکل فی الصلوة البعیدة عن الإمام، و ذکره فی البدائع والذخیرة عن =

نماز کے بعد کسی چھوٹے کا بڑے سے کچھ پیچھے ہٹ جانا

سوال[۲۹۴۰]: بسا اوقات بعض جگہ طلبہ واساتذہ جماعت میں شریک رہتے ہیں جب امام سلام پھیرتا ہے تو جو طالب علم اپنے استاد کے پاس ہوتا ہے پیچھے کھسک جاتا ہے یہ فعل کیسا ہے؟ اور برابر ہی بیٹھے رہنا کیسا ہے، اگر دونوں درست ہیں تو بہتر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برابر بیٹھے رہنا بھی درست ہے، پیچھے کھسک کر بیٹھنا بھی ادباً درست ہے، یہ نہ اصرار کی چیز ہے نہ انکار کی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رجب/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ رجب/ ۷۰ھ۔

صف میں نابالغ بچوں کے سامنے سے گزرنا

سوال[۲۹۴۱]: نابالغ بچے اگر نماز پڑھ رہے ہوں تو ان کے سامنے سے مرور جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ نماز کے ارکان وشرائط سے بخوبی واقف ہوں اور طفل لایعقل نہ ہوں بلکہ طفل یعقل ہوں اور مراہق ہوں تو کیا حکم ہے؟

= محمد ،و نص في المحيط على أنه السنة، كما في الحلية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها : ۱/ ۵۳۱، سعيد)

"فيه دليل لما قاله أصحابنا: أن النافلة الراتبة وغيرها يستحب أن يتحول لها عن موضع الفريضة إلى موضع آخر، وأفضله التحول إلى بيته، وإلا فموضع آخر من المسجد أوغيره ، ليكثر مواضع سجوده لتنفصل صورة النافلة عن صورة الفرضية". (النووي على صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الأمر بالتحول للنافلة من موضع الفرضية : ۱/ ۲۸۸، قديمي)

(۱) "وحق الأستاذ على التلميذ واحد على السواء، وهو لا يفتح الكلام قبله، ولا يجلس مكانه وإن غاب، ولا يرد عليه كلامه، ولا يتقدم عليه في مشيه". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى : ۶/ ۷۵۶، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

صفوفِ متقدمہ میں جاکر قیام کرنے کے لئے اس مرور کی ضرورت پیش آئے تو اجازت ہے، ورنہ بلاضرورت ان کے سامنے کو بھی مرور نہ کیا جاوے(۱)، ان کی نماز بھی شرعاً نماز ہے اگر چہ وہ سات سال کے ہوں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

مسجد کے قریبی حصہ سے گذرنا

سوال[۲۹۴۲]: ایک مسجد جس میں پنج وقتہ نماز جماعت اور عیدین اور جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، اس مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک کمرہ ہے اور کمرہ کے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ ہے جہاں سے نمازی وضو اور طہارت کے لئے مسجد کے جنوبی حصہ میں جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کا دروازہ اور کمرہ میں داخل ہونے کا دروازہ بھی اسی حصہ میں ہے۔ جماعت کے وقت مسجد کا اندرونی حصہ بھر جانے کے بعد مقتدی اس کمرہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور درمیانی حصہ جو چھ فٹ چوڑا اور شمال سے جنوب میں ۲۳/ فٹ لمبا ہے، خالی رہتا ہے، جہاں سے بعد میں آنے والے نمازی جماعت کی ادائیگی کے وقت بھی گذرتے ہیں۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ اس کمرہ میں صورتِ مذکورہ میں جماعت کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں؟ نیز

---

(۱) "ولو وجد فرجةً في الأول لا الثاني، له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث: "من سدّ فرجة غفرله". وصح: "خياركم ألينكم مناكب في الصلوة". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وفي القنية: قام في آخر صف و بينه و بين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمرّ بين يديه ليصل الصفوف؛ لأنه أسقط حرمة نفسه، فلا يأثم المارّ بين يديه".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مروا أولادكم بالصلوة و هم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها و هم أبناء عشر سنين، وفرّقوا بينهم في المضاجع". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني: ۱/۵۸، قديمي)

یہ دونوں مقامات مختلف سمجھے جائیں گے یا متحد؟ اس میں اقتداء درست ہے یا نہیں؟ دارآنحالیکہ امام اور کمرہ والے مقتدیوں کے درمیان دوسری صفیں بھی ہوتی ہیں اور صرف راستہ خالی رہتا ہے جو نمازیوں کے آنے جانے کے لئے کھلا رہتا ہے اور جماعت کے نمازیوں کا اس کمرہ والے راستہ سے گذرنا کیسا ہے، جبکہ دوسرا راستہ نہیں؟ نیز مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے اگر مذکورہ جگہ میں نماز جماعت کیساتھ پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا صحن نمازیوں سے بھر جانے کے بعد کمرہ میں بقیہ نمازی کھڑے ہو جائیں اور مذکورہ راستہ آنے والوں کے لئے چھوڑ دیں تو بھی اقتداء درست ہے، یہ فصلِ قلیل ہے جو کہ اقتداء سے مانع نہیں اور نماز ہی کی ضرورت کے لئے چھوڑا گیا ہے، شرکتِ جماعت کے لئے اس راستہ سے بھی گذرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

ایضاً

سوال[۲۹۴۳]: ہمارے محلّہ میں مدرسہ رحمانی کے نام سے ایک مدرسہ ایک بڑی عمارت میں قائم ہے، عمارت تین منزلہ ہے، پنج وقتہ نماز نیز جمعہ وعیدین کی نماز بھی ہوتی ہے، یہ ایک بڑا کمرہ ہے، اس میں منبر بھی ہے گویا مسجد ہی ہے، اس کمرہ کے مقابل ایک اَور کمرہ ہے، ان دونوں کمروں کے درمیان ایک صف سے زیادہ کی جگہ راستہ کے لئے ہے جس میں آمد ورفت رہتی ہے۔ عیدین کے موقعہ پر جب نمازی زیادہ ہوتے ہیں تو مقابل والے کمرہ میں بھی لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں اور لوگ نماز کی حالت میں بھی اس درمیان والے راستے میں آتے رہتے ہیں تو ایسی صورت میں مقابل والے کمرہ میں نماز پڑھنا درست ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں یہ درمیانی راستہ اقتداء اور صحت نماز سے مانع نہیں، پس اس دوسرے کمرہ میں جو لوگ

(۱) (راجع، ص: ۵۲۵، رقم الحاشیۃ: ۱)

شریک نماز ہونگے ان کی بھی نماز درست ہوجائے گی:

"ویمنع من الاقتداء طریقٌ تجری فیه عجلة". التنویر۔ "(قوله: أو طریق): أی نافذ، أبوالسعود عن شیخه، قلت: ویفهم ذلك من التعبیر عنه فی عدة کتب بالطریق العام، وفی التاتار خانیه: الطریق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع؛ لأنه لیس بطریق عام، اه". رد المحتار، ص: ۱/۳۹۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (تنویر الأبصار مع رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۸۴،سعید)

(وکذا فی التاتار خانیة، کتاب الصلوة، مایمنع صحة الاقتداء وما لا یمنع: ۱/۲۱۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیه کراتشی)

"وإن کان طریقاً لاتمرّ فیه العامة، وإنما یمر فیه الواحد والإثنین، لایمنع الاقتداء، وهذا إذا لم تکن الصفوف متصلةً". (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فی التعنی والألحان: ۱/۴۷۵، المکتبة الغفاریة)

فصلٌ في الفصل بين الإمام والمقتدى والاتصال بين الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

بندکواڑ یا پردہ کے پیچھے سے اقتداء

سوال[۲۹۴۴]: اندر جماعت ہورہی ہے، پردے سب چھوٹے ہوئے ہیں یا کواڑ سب بند ہیں۔ باہر والوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کے انتقالات کا صحیح علم ہوتا ہے تو بغیر کواڑ کھولے اور بغیر پردہ ہٹائے بھی باہر والوں کی نماز درست ہو جائے گی۔ اچھا یہ ہے کہ پردہ اٹھا دیا جائے یا کوئی کواڑ کھولا جائے تاکہ انتقالات کا مشاہدہ ہوتا رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) "والحائل لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية، ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح، ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت في الأصح، قنية، ولا حكماً عند اتصال الصفوف". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بسماع): أى من الإمام أو المكبر، التاتارخانية .... ينبغي أن تكون الرؤية كالسماع، لا فرق فيها بين أن يرى انتقالات الإمام أو احد المقتديين". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الرابع فى بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ۱/۸۸، رشيديه)

(وكذا فى منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، رشديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۳، إمداديه ملتان)

امام نیچے کی منزل پر اور مقتدی اوپر

سوال[۲۹۴۵]: اگر کوئی مسجد دومنزلہ تین یا اس سے زائد منزلوں کی ہو اور سب سے نیچے کے حصے میں جماعت ہورہی ہو اور چند آدمی بجائے نیچے جماعت میں کھڑے ہونے کے اوپر کے حصوں میں سے کسی بھی حصے میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کرلیں جبکہ مصلّیانِ فوق کو امام کی آواز اوپر کے حصوں میں خوب آتی ہے، مائک کے ذریعہ سے ہو یا بغیر مائک کے، اور رکوع وسجود کا بخوبی علم ہوتا ہو۔ امام کے اوپر نیچے کے حصے میں کئی صفیں بھی خالی ہیں، پورا حصہ بھرا ہوا نہیں ہے۔ تو اس صورت میں مصلیانِ فوق کی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ آیا یہ کہ وہ پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کریں گے؟

ایسے ہی اگر کوئی بیمار آدمی جو کہ نیچے نہیں جاسکتا ہے وہ اوپر کے حصے میں اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی اگر امام اوپر نماز پڑھا رہا ہو اور نیچے کے حصے میں مرمت وغیرہ کا کام جاری ہو تو کچھ مصلیان نیچے کے حصے میں کھڑے رہ کر اوپر کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتے ہیں، جبکہ اوپر جگہ بھی خالی ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی جس منزل میں امام ہے مقتدی بھی اسی منزل میں اقتداء کریں، جب وہاں جگہ نہ رہے تب اوپر کی منزل میں کھڑے ہوں، وہاں جگہ رہتے ہوئے اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا پسندیدہ نہیں اگرچہ آواز آتی ہو، تاہم بیماری کے عذر کی وجہ سے ایسا ہوجائے تو دوسری بات ہے اس کے لئے وسعت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "ولو قام على سطح المسجد، واقتدى بإمام في المسجد، إن كان للسطح باب في المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام، يصح الاقتداء، وإن اشتبه عليه حال الإمام لا يصح، كذا في فتاوى قاضيخان. وإن لم يكن له باب في المسجد، لكن لا يشتبه عليه حال الإمام، صح الاقتداء أيضاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء وما لا يمنع: ۱/ ۸۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۴، سعيد) .... =

امام کی اقتداء نیچے کی منزل سے کرنا

سوال[۲۹۴۶]: ایسا دو منزلہ مکان جس میں اوپر کی منزل پر کوئی دریچہ یا سوراخ وغیرہ نہیں جس سے نیچے کی منزل میں رہنے والوں کو دیکھا جا سکے، اگر اس مذکورہ دو منزلہ مکان میں نماز جماعت ادا کی جائے اور امام اوپر کی منزل میں ہو اور کچھ مقتدی نیچے کی منزل یا نیچے کے سائبان میں اس امام کی اقتداء کریں تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں، جبکہ امام یا مکبر کی آواز سنائی دیتی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان ایک ہی ہے، اوپر کی منزل میں امام ہو اور کچھ مقتدی نیچے کی منزل میں مسقّف یا سائبان میں ہوں اور امام کی تکبیرات کی ان کو پوری طرح خبر ہو تو یہ اقتداء درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۵ھ۔

امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ صحت سے مانع ہے؟

سوال[۲۹۴۷]: (الف) جن مقامات میں امام اور مقتدیوں کے درمیان ایک بیل گاڑی وغیرہ کا فاصلہ مفسد نماز ہوتا ہے، کیا وہاں دو صفوں کے درمیان بھی اتنا فاصلہ مفسد نماز ہوتا ہے؟

(ب) بعض مسائل میں درمیانی فاصلہ کہیں ایک رہ گذر کا اور کہیں ایک بیل گاڑی گذر جانے کا

=(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٢٥٣، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٨٧، سعيد)

(١) "والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح، ولم يختلف المكان حقيقةً كمسجد وبيت في الأصح، قنية وحكماً عند اتصال الصفوف". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بسماع): أي من الإمام أو المكبر، تاتارخانية. (قوله: أو رؤية) ينبغي أن تكون الرؤية كالسماع، لا فرق فيها بين أن يرى انتقالات الإمام أو أحد المقتدين". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ١/٥٨٦، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٦٣٤، رشيديه)

اور کہیں درمیان دو صفیں ہو سکنے کا مذکور ہے۔ان تینوں چیزوں کے فاصلوں سے ایک ہی فاصلہ مراد ہے یا الگ الگ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) خارجِ مسجد مثلاً میدان میں جماعت ہو تو وہاں اتنا فاصلہ مانع ہے(۱)۔

(ب) ایک ہی مراد ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیے؟

سوال[۲۹۴۸]: ایک لمبی چوڑی مسجد ہے جمعہ کی نماز سے پہلے تیز بارش ہونے لگی، لوگ صحنِ مسجد کو (جس میں سات آٹھ صفیں ہوتی ہیں) چھوڑ کر دو منزلہ مدرسہ میں جا کر نیچے اوپر نماز پڑھنے لگے، بیچ میں یہ جگہ

(۱) "والمانع من الاقتداء في الفلوات قدر مايسع فيه صفين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة ، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع: ۱/ ۸۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۵،سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۵،رشيديه)

(۲) مفتی صاحب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مانعِ اقتداء کے لئے اتنا ہی فاصلہ کافی ہے، یہ نہیں کہ ان سب عبارات کا ایک مفہوم ہو، بلکہ آبادی میں یعنی مساجد عیدگاہ اور گھروں میں ایک راہ گذر (طریق عام) یا ایک بیل گاڑی گذر جانے کا فاصلہ ہو، تو مانعِ اقتداء ہے، اور صحراؤں اور بیابانوں میں دو صفوں کے برابر کا فاصلہ مانعِ اقتداء ہے:

"ويمنع الاقتداء تجري فيه عجلة أو تجري فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين فأكثر، إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقا". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۴، ۵۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة ،الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالايمنع : ۱/ ۸۷،رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۴، ۶۳۵،رشيديه)

خالی رہی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کی نماز جنہوں نے مدرسہ کے اوپر نیچے پڑھی ہیں، ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو تین صف کا فاصلہ درمیان میں خالی نہیں تو نماز ہوگئی: "یجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إن لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام، الخ". فتاوی عالمگیری: ۱/۴٦ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام اور مقتدیوں کے درمیان منبر کا فصل

سوال [۲۹۴۹]: امام کے قریب منبر ہے اور منبر کے قریب دو مقتدی نماز پڑھ رہے ہیں اور دوسری جانب ۱۰،٦/ مقتدی نماز پڑھتے ہیں، گویا کہ منبر قدرے درمیان میں ہے تو اس سے صف ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر منبر صف کے درمیان آجائے کہ کچھ مقتدی صف کی ایک جانب ہوں اور کچھ دوسری جانب ہوں تو اس کی وجہ سے صف میں خلل نہیں آتا، صف درست ہو جائے گی، مبسوط سرخسی میں ایسا ہی مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالايمنع: ۱/۸۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، وأما بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ۱/٦۲۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراتشى)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۵۲، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلاً، وتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين الرجلين، وذلك لا يمنع صحة الاقتداء، =

امام اور مقتدیوں کے درمیان پردہ حائل ہو

سوال[۲۹۵۰]: اگر نماز باہر مسجد پڑھی جاتی ہے اور بیچ میں پردے لٹکے ہوئے ہیں تو باہر والوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے سجدہ ورکوع وغیرہ کی اطلاع ہوتی رہے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صحن کا شمالی وجنوبی حصہ مسقّف بنا کر اس میں نمازیوں کا کھڑا ہونا

سوال[۲۹۵۱]: ایک مسجد جس کا صحن کافی لمبا چوڑا ہے، موسم گرما و برسات میں نمازیوں کو صحن میں نماز ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب اس صحن کو نقشہ مذکورہ کے اعتبار سے برآمدہ کی شکل دینا چاہتے ہیں کہ شمالی اور مشرقی حصہ تھوڑا سا برآمدہ بنا دیا جائے اور بیچ میں صحن غیر مسقّف چھوڑ دیا جائے تاکہ موسم گرما و برسات میں لوگ دونوں برآمدوں میں نماز ادا کریں، لیکن بیچ میں صحن جو ۴۲/ فٹ ہے، وہاں مصلین کی صفیں نہ ہوا کریں گی

= ولا یوجب الکراهة". (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۴، غفاریه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء وما لایمنع: ۱/۸۷، رشیدیه)

(۱) "والحائل لایمنع الاقتداء إن لم یشتبه حال إمامه بسماع أو رؤیة". قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "ولما فی البرهان من أنه لو کان بینهما حائط کبیر لایمکن الوصول منه إلی الإمام، ولکن لایشتبه حاله علیه بسماع أو رؤیة لانتقالاته، لا یمنع صحة الاقتداء فی الصحیح". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، ۵۸۷، سعید)

(وکذا فی مبسوط للسرخسی، کتاب الصلوة، باب الحدث فی الصلوة: ۱/۳۵۰، ۳۵۱، مکتبه غفاریه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء وما لا یمنع: ۱/۸۸، رشیدیه)

بلکہ وہ خالی جگہ رہا کرے گی۔ آیا اس صورت میں شمالی اور مشرقی جانب برآمدہ بنا دیا جائے یا نہیں؟ اور اس طرح نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح برآمدہ باہمی مشورہ کرکے حسبِ ضرورت درست ہے، اندرونی مسجد کی صفوف سے برآمدہ کی صفوف کا اتصال رہے گا، سخت دھوپ اور بارش کے وقت اگر صحن خالی رہے اور اندرونی مسجد نیز برآمدہ میں نمازی کھڑے ہوں تو بھی نماز درست ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۵/ ۹۴ھ۔

صحنِ مسجد میں نماز

سوال [۲۹۵۲]: صحنِ مسجد کو اگر حکمِ مسجد میں داخل نہ مانا جائے تو کیا اس میں فرائض، تراویح باجماعت ادا کی جائے گی؟ نیز یہاں ادا کرنے میں ثواب میں تو کمی نہ ہوگی اور افضلیت کس میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور مسجد کو معطل کرنے کا وبال مستقل ہوگا، جماعت کا ادا کرنا مسجد میں بالیقین افضل ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۶/ ۶۱ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، ۹/ شوال/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ شوال/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "وفناء المسجد له حكم المسجد يجوز الاقتداء فيه وإن لم تكن الصفوف متصلةً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۳۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل كره غلق باب المسجد: ۱/ ۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۵، سعيد)

(۲) تنبیہ: "جو حصہ صحن مسجد کا غیر مسقف ہو اور موسم گرما میں اکثر اس میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے وہ داخل مسجد =

امام مسجد کا اقتداء خارجِ مسجد اور مدرسہ سے

سوال [۲۹۵۳]: مسجد اور مدرسہ کے درمیان ایک راستہ ہے، جمعہ کے روز جب نمازی زیادہ ہوجاتے ہیں تو بہت سے لوگ مدرسہ میں جمعہ ادا کرتے ہیں، جبکہ اس گلیاری میں جوتے وغیرہ پڑے رہتے ہیں، نیز مدرسہ کی چھت پر بھی لوگ نماز پڑھتے ہیں، تو ان کی شرکت نماز میں ہوگی یا نہیں، یا ناجائز ہے جبکہ راستہ چھٹا ہوا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ گلی اتنی کشادہ ہے کہ اسمیں گاڑی گذر سکتی ہے تو یہ مانع اقتداء ہے ورنہ مانع نہیں (۱)، مسجد میں جگہ

= ہوتا ہے، جملہ احکامِ مسجد اس سے متعلق ہوتے ہیں، وہ بالکل مثل مسقف کے ہے، اس میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب ملے گا، اس کا منہدم کرنا جائز نہیں، معتکف غیر مسقف صحن مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے، دیگر عبادات کرنے سے اعتکاف میں کوئی نقصان نہ آئے گا، فقہاء غیر مسقف حصہ کو مسجد صیفی اور مسقف حصہ کو مسجد شتوی کہتے ہیں"۔ (عزیز الفتاوی، ص: ۲۵۰، إدارة المعارف دار العلوم)

"وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام في فناء المسجد واقتدى بالإمام، صح اقتداؤه وإن لم تكن الصفوف متصلةً ولا لمسجد ملآن". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة وما لا يكره: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، باب فناء المسجد له حكم المسجد: ۱/۴۳۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

(۱) "ويمنع من الاقتداء طريق أو نهر فيه السُّفُن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء ومالا يمنع: ۱/۸۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس في الإمامة، أما بيان مايمنع الا قتداء ومالايمنع: ۱/۶۱۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

نہ رہنے کی وجہ سے اگر باقی ماندہ نمازی مسجد کی چھت پر کھڑے ہو جائیں تو درست ہے، کذا فی الفتاوی العالمكيرية (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند۔

جوتے اتارنے کی جگہ سے اقتدا

سوال [۲۹۵۴]: وضو کرنے کی جگہ سے ایک فٹ نیچائی پر قریب دو میٹر چوڑی جوتے اتارنے کی زمین ہے، یہاں جوتے اتارے جاتے ہیں، یہاں نل کی لائن ہے جو ایک میٹر اونچی دیوار سے ملحق ہے، یہاں بھی وضو کیا جاتا ہے۔ اس ایک میٹر اونچی دیوار کے بعد ایک جگہ جہاں موذن وغیرہ سوتے ہیں اور مسجد کا دیگر سامان رکھا رہتا ہے، یہ جگہ صحن مسجد سے قریب چار صفوں کی دوری کی مقدار پر ہے، درمیان میں جوتے اتارنے کی جگہ، دونوں جانب وضو کرنے کا مقام ہے۔ یہاں امام کی اقتداء صحیح ہوگی یا نہیں؟

نوٹ: صحنِ مسجد سے اوپر چھت پر جانے کا راستہ ہے یہ راستہ اس جگہ کے اوپر سے جہاں موذن وغیرہ سوتے ہیں مسجد کی چھت پر جاتا ہے، اس جگہ اوپر بھی چھت ہے جو کہ صحن مسجد سے ملحق ہے۔

---

(۱) "ولو قام على سطح المسجد واقتدیٰ بإمام في المسجد، إن كان للسطح بابٌ في المسجد ولايشتبه عليه حال الإمام، يصح الاقتداء، وإن اشتبه عليه حال الإمام لايصح، كذافي فتاوى قاضيخان. وإن لم يكن له باب في المسجد لكن لايشتبه عليه حال الإمام، صح الاقتداء أيضاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالايمنع: ۱/۸۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، ۶۳۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل السادس في الإمامة، أما بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ۱/۶۱۲، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جوتے اتارنے کی جگہ طریقِ عام خارجِ مسجد ہے، اس کے محض راستہ ہونے کی وجہ سے تو یہ اقتداء سے مانع نہیں، لیکن یہ جگہ مسجد نہیں، خارجِ مسجد ہے اور خارج مسجد بقدرِ چار صفوں کے جگہ کا خالی رہنا بھی اقتداء سے مانع ہے۔ پس اس کا انتظام کیا جائے کہ اس خالی جگہ میں تین چار مقتدی کھڑے ہوجایا کریں:'' ویمنع من الاقتداء طریقٌ تجری فیه عجلة''. در مختار۔ ''ویفهم ذلك من التعبیر عنه فی عدة کتب بالطریق العام، وفی التاتارخانیه: فی مسجد الرباط، الخ''. شامی، ص:۳۹۳(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۱۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

مسجد کے درّوں میں صف بنانا

الاستفتاء[۲۹۵۵]: زید اس بات پر مُصر ہے کہ جس طرح امام کا محرابِ مسجد اور درّ ہائے مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اسی طرح مقتدی کا بھی درّ ہائے مساجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، حالانکہ کتبِ فقہ: شرح وقایہ، ہدایہ، عالمگیری، درمختار، ردالمحتار(۲) وغیرہ میں صرف امام ہی کے لئے مکروہ تنزیہی تحریر ہے مقتدی کے لئے کوئی قید

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، سعید)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في الإمامة، أما بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالايمنع: ۱/۶۱۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة: ۱/۳۵۱، المكتبة الغفاريه كوئٹة)

(۲) ''وقيام الإمام في طاق المسجد''. (شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة ما يكره فيها: ۱/۱۶۸، سعيد)

''ولا بأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد و سجوده في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق''. (الهداية، كتاب الصلوة، فصل في مكروهات الصلوة: ۱/۱۴۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

''ويكره قيام الإمام وحده في الطاق: وهو المحراب، و لا يكره سجوده فيه إذا كان قائماً خارج المحراب''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة و ما يكره: ۱/۱۰۸، رشيديه)

''و قيامه في المحراب لا سجوده فيه''. (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۵، سعيد)

نہیں، لیکن زید اس امر پر مُصر ہے کہ اندر کے صحن میں دو صف پوری ہوچکیں، اب جو درہائے مساجد ہیں ان میں اگر مقتدی کھڑے ہوں گے تو صفوف کے ٹکڑے ہوجائیں گے ....اور صفوف کے ٹکڑے کرنا جائز نہیں، بلکہ درہائے مساجد میں جن کے اندر ہر در میں قریب پانچ آدمی کھڑے ہوسکتے ہیں اس جگہ کو خالی چھوڑ کر باہر کے صحن میں کھڑا ہونا چاہئے تاکہ صف نہ ٹوٹے۔

تو کیا بقولِ زید درہائے مساجد میں مقتدیوں کا کھڑا ہونا قطعِ صفوف کا مرادف ہے اور کیا اس قدر خالی جگہ بلاوجہ چھوڑ کر صفوف میں فاصلہ کرنا جائز ہے؟ زید مکروہ کی دلیل پیش نہیں کرتا بلکہ درہائے مساجد میں مقتدیوں کے کھڑے ہوکر اقتداء کرنے کا ثبوت طلب کرتا ہے۔ مفصل برائے خدا جواب بحوالۂ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں۔ خدا آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔

مقیم الدین پیش امام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو صرف اس امر کا ثبوت درکار ہے کہ بوقت ضرورت مقتدیوں کو درہائے مساجد میں کھڑا ہوکر پانچ آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی صفیں بنا کر پڑھنا درست ہے تو اس کا مبسوط سرخسی میں جزئیہ موجود ہے:

"والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صفٌ في حق كل فريق و إن لم يكن طويلاً. و تخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاعٍ موضوعٍ أو كفرجةٍ بين رجلين، و ذلك لا يمنع صحة الاقتداء و لا يوجب الكراهة، اهـ". مبسوط: ۲/۳۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

مسجد کے دروں میں کھڑا ہونا

سوال[۲۹۵۶]: اگر مسجد کے اندر جماعت ہورہی ہو اور باہر محراب میں جگہ خالی ہو اور باہر فرش پر بھی نمازی ہوں تو اس صورت میں نماز میں کچھ خلل تو نہیں آئے گا؟ نیز اگر درمیانِ محراب میں ایک آدمی یا دو چار آدمی کھڑے ہوجائیں تو کچھ حرج تو نہ ہوگا یعنی درمیانِ محراب میں خالی جگہ چھوڑنا اور تنہا آدمی اور دو چار آدمیوں

(۱) (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۵۴/۲، غفاريه كوئٹه)

کا کھڑا ہونا کیسا ہے، کونسی شکل جائز اور کونسی ناجائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں محراب کو خالی چھوڑنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا اور دوچار آدمی کا صف بنا کر کھڑا ہونا بھی درست ہے، ایک آدمی کو تنہا نہیں کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ یہ مکروہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/شوال/۵۵ھ۔

اتصالِ صفوف برائے اقتداء

سوال[۲۹۵۷]: ۱......اگر بارش ہو اور مسجد کے صحن میں مقتدی کھڑے نہ ہوسکتے ہوں اور صحن کے پاس متصل دوسرا مکان اوپر ہو یا نیچے، وہاں کھڑے ہوکر مسجد کے امام کے پیچھے اقتدا کرکے نماز پڑھے تو صحیح ہے یا نہیں، جب کہ اتصالِ صفوف بارش کی وجہ سے نہیں؟

۲......امام مسجد میں نماز پڑھا رہے ہوں اور مقتدی بالکل منتہائے مسجد میں ہے، اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

محمد بشیر رنگونی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ مسجد صغیر ہے اور اس مکان کو مسجد سے دوصفوں کی مقدار کا فصل نہیں اور امام کے انتقالات واحوال کا اشتباہ نہیں ہوتا بلکہ علم ہوتا رہتا ہے خواہ امام کی آواز سے یا مکبر کی آواز سے تو اقتداء صحیح ہے (۲) اور اگر مسجد

---

(۱) "والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صف في حق كل فريق". (المبسوط، باب الجمعة: ۲/۵۴، غفاریہ کوئٹہ)

"إذا اتصلت الصفوف، فيصح مطلقاً، كأن قام في الطريق ثلاثة، و كذا إثنان عند الثاني، لا واحد اتفاقاً؛ لأنه لكراهة صلاته، صار وجوده كعدمه في حق من خلفه". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء و ما لا يمنع: ۱/۸۷، رشيديه)

(۲) "أما في البيت مع المسجد، لم يتخلل إلا الحائط، ولم يختلف المكان، وعند اتحاد المكان، يصح =

کبیر ہے جیسے مسجدِ قدس، یا دوصفوں کی مقدار کا فصل ہے، یا امام کا حال مشتبہ رہتا ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہے، هکذا یفهم من شروط الاقتداء المذکورة فی الشامی(۱)۔

۲.....عدمِ اتصال کی صورت میں مسجد صغیر میں اقتداء صحیح ہوتا ہے(۲)، بہت بڑی میں صحیح نہیں جیسے قدس کہ بہت بڑی مسجد ہے، اس میں صحیح نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۲/۸ھ۔

=الاقتداء إذا اشتبه علیه حال الإمام اهـ".

"أقول : حاصل کلام الدر رأن اختلاف المکان مانع مطلقاً، و أما إذا اتحد، فإن حصل اشتباه منع، وإلا فلا، وما نقله عن قاضیخان صریح فی ذلک". (ردالمحتار ، کتاب الصلوة ، باب الإمامة: ۱/۵۸۷، سعید)

"و یجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو فی بیته إذا لم یکن بینه و بین المسجد طریق عام". (الفتاوی العالمکیریة ، کتاب الصلوة ، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء و ما لایمنع : ۱/۸۸، رشیدیه)

(۱) "و یمنع من الاقتداء طریق تجری فیه عجلة، أو نهر تجری فیه السفن، أو خلاء: أی فضاء فی الصحراء أو فی مسجد کبیر جداً کمسجد القدس یسع جفین .... و الحائل لایمنع الاقتداء إن لم یشتبه حال إمام .... و لم یختلف المکان".

"والمسجد وإن کبُر لا یمنع الفاصل إلا فی الجامع القدیم بخوارزم، فإن رُبعه کان علی أربعة آلاف أسطوانة، و جامع القدس الشریف أعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثة الأقصی والصخرة والبیضاء ، کذا فی البزازیة .... أقول : حاصل کلام الدرر أن اختلاف المکان مانع مطلقاً و أما إذا اتحد، فإن حصل اشتباه، منع، و إلا فلا". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة ، باب الإمامة : ۱/۵۸۴، ۵۸۷، سعید)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، شروط المحاذاة، ص:۵۲۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "والحائل لا یمنع الإقتداء إن لم یشتبه حال إمامه و لم یختلف المکان". وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: کمسجد و بیت) فإن المسجد مکان واحد، و لذا لم یعتبر فیه الفصل بالخلاء، إلا إذا کان المسجد کبیراً جداً". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة ، باب الإمامة: ۱/۵۸۲، سعید)

(۳) (راجع رقم : ۱)

مسجد اور متصل حجرہ میں جماعت کی صف بنانا

سوال[۲۹۵۸]: مسجد کے دائیں جانب میں ایک کمرہ ہے اور اس کا دروازہ مسجد میں کھلا ہوا ہے اور برآمدۂ مسجد اور کمرہ کا ایک سا ہی معلوم ہوتا ہے، اگلی صف مسجد اور کمرے میں سیدھی ہو کر ایک ہی آجاتا ہے، تو اس حالت میں جماعت ہوتے ہوئے اگلی صف کمرے اور مسجد دونوں کی ایک جماعت ہو جاوے یا کہ مسجد کی جماعت پوری کر کے پھر مسجد میں ہی دوسری صف میں کھڑا ہونا چاہئے، جب کہ نمازی اتنے ہیں کہ کمرے اور مسجد کی ایک صف پوری ہو کر شاید ہی کبھی دو چار آدمی بچے ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں صف پوری ہو جائے تو اس کے پیچھے دوسری صف بنالی جائے (۱)، کمرے اور اس کے آگے برآمدے میں اس وقت کھڑے ہوں جب مسجد میں اور اس کے برآمدہ میں اور صحن میں جگہ نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أتمّوا الصف المقدم، ثم الذی یلیه، فما کان من نقص، فلیکن فی الصف المؤخر".

وقال السهارنفوری رحمه الله تعالیٰ: "عن أنس أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أتمّوا": أی أکملوا "الصف المقدم: أی الأول "ثم الذی": أی الصف الذی "یلیه": أی یتصل الأول، وهو الثانی اهـ". (بذل المجهود، کتاب الصلوة، باب تسویة الصفوف: ۱/۳۶۲، إمدادیه ملتان)

"و خیر صفوف الرجال أوّلها فی غیر جنازة، ثم و ثم". (الدر المختار). "(قوله: ثم و ثم): أی الصف الثانی أفضل من الثالث اهـ". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۹، رشیدیه)

(۲) "ولو صلی علی رفوف المسجد إن وجد فی صحنه مکاناً، کره کقیامه فی صفٍ خلف صفٍ فیه فرجة، قلت: و بالکراهة أیضاً صرح الشافعیة". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعید)

مسجد کے وضوخانہ اور استنجا خانہ کی چھت کا حکم

سوال[۲۹۵۹]: ایک مسجد ہے جس کی باہر گیٹ ہے، سامنے اس گیٹ کے اندرونی ایک طرف استنجا خانہ ہے اور دوسری طرف وضوخانہ کے اوپر اور استنجا خانہ کے اوپر کمرے ہیں، ان سب کے اوپر پوری ایک چھت ہے اور یہ چھت مسجد کے فوقانی کا برآمدہ ہو چکا ہے۔ تو اب یہ چھت مسجد کے اندر داخل ہوگئی ہے یا نہیں، جبکہ اس کے نیچے کا حصہ مسجد میں داخل نہیں ہے؟ اس چھت کے بارے میں (حالانکہ بعد میں بنائی گئی ہے) لوگوں کو خیال ہو رہا ہے کہ یہ داخل ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خارج ہے، اسی وجہ سے جماعتِ ثانی بہت سے لوگ نہیں کرتے، اور کچھ لوگ بلا کھٹک کر لیتے ہیں۔ اور مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہے، اس کے نیچے تہ خانہ بنا کر کمرہ یا استنجا خانہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صحن کا جو حصہ نماز کے لئے تجویز کیا گیا ہے اس کے اوپر کی چھت تو مسجد ہے (۱)، لیکن وضوخانہ اور استنجا خانہ کے اوپر کی جو چھت ہے وہ شرعی مسجد نہیں، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے (۲)، اگر اتفاقیہ کبھی دو چار آدمی جماعت سے گئے، مثلاً: سفر سے ایسے وقت آئے کہ جماعت ہو چکی ہے تو ان کو وہاں جماعت کرنا ممنوع

---

(۱) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۲) "وفي فتاوى الفضلي: بيتٌ فوقه بيتٌ، و هو متصل بالمسجد، يتصل صف المسجد بصف البيت الأسفل، ويصلي في البيت الأسفل في الصيف والشتاء، اختلف أهل المسجد و أرباب البيت الذين يسكنون العلو، قال الأرباب: إن ذلك ميراث لنا، فالقول قولهم". (التاتارخانية، كتاب الوقف الدعاوى، والخصومات والشهادات: ۵/۸۲۹، إدارة القرآن كراچی)

ومکروہ نہیں (۱)، لیکن اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ جو مسجد بن چکی ہے اس کے نیچے تہ خانہ یا استنجا خانہ یا کمرہ بنانے کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وعن أبي يوسف: إذا لم تكن على الهيئة الأولى، لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح. وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل: أحكام المساجد: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "و أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع". (الدرالمختار). "وأما لو تمت المسجدية ثم اراد هدم ذلک البناء فإنه لا يمكن من ذلک". (ردالمحتار، كتاب الوقف مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"وإذا أراد الإنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلک كذا في الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

باب المسبوق واللاحق

(مسبوق اور لاحق کا بیان)

مسبوق کی تعریف

سوال[۲۹۶۰]: مسبوق کسے کہتے ہیں، اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جماعت میں شروع سے شریک نہ ہو بلکہ اس کی کوئی رکعت فوت ہوگئی اسے مسبوق کہتے ہیں(۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد فوت شدہ نماز پوری کرے اور پہلی دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورت بھی پڑھے، شامی: ۱/۴۰۰ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(والمسبوق من سبقه الإمام بها [أى بركعة] أو ببعضها و هو منفرد) حتى يثنى و يتعوذ و يقرأ .... (فيما يقضيه)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق اهـ: ۱/ ۹۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما بيان كيفية القضاء: ۱/ ۵۲۳، رشيديه)

(۲) "إن المغيرة بن شعبة رضى الله تعالىٰ عنه، قال: تخلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم –فذكر هذه القصة– قال: فأتينا الناس و عبد الرحمن بن عوف يصلى بهم الصبح، فلما راى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أراد أن يتأخر، فأومى إليه أن يمضى، قال: فصليت أنا، والنبى صلى الله تعالى عليه وسلم خلفه ركعةً، فلما سلّم، قام النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فصلى الركعة التى سُبق بها و لم يزد عليها شيئاً".

قال الشيخ ظفر أحمد العثمانى نور الله مرقده تحت هذا الحديث: "إن المغيرة رضى الله =

مسبوق کی نماز کا طریقہ

سوال[۲۹۶۱]: اگر کوئی شخص جماعت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام نے دو ایک رکعت پڑھ لی ہو، تو جب یہ شخص اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو تو ثناء، تعوذ، تسمیہ پڑھنا ہوگا یا نہیں؟

حافظ عبدالشکور زبد پورداری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شخص ثناء، تعوذ، تسمیہ تینوں چیزیں پڑھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا حکم

سوال[۲۹۶۲]: جماعت ہو رہی ہے اور امام کی ایک رکعت ہوگئی دوسری رکعت میں مقتدی آ کر ملا، جو ایک رکعت مقتدی کی رہ گئی ہے وہ خالی پڑھنی چاہئے یا بھری پڑھنی چاہئے اور امام نے پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ اور دوسری میں ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ پڑھی امام قرآن کی ترتیب ختم کر چکا تو مقتدی کو کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھری پڑھے اور ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ پڑھے(۲)۔

= تعالیٰ عنه قال: فلما سلم قام النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فصلی الرکعة التی سبق بها، و لم یقل: صلی الرکعة التی بقیت منه، فهو یدل علی أن مافاته: أی المسبوق هو أول صلاته، و ما أدرک مع الإمام هو آخر صلاته، و به نقول". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب المسبوق یقضی الخ: ۴/۳۴۳، إدارة القرآن کراچی)

"ویقضی أول صلاته فی حق قرأة، و آخرها فی حق تشهد، فمدرک رکعة من فجر یأتی برکعتین بفاتحة و سورة و تشهد بینهما، وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط، ولا یقعد قبلها". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۹۶، ۵۹۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل السابع فی المسبوق: ۱/۹۱، رشیدیه)

(۱) (راجع للتخریج، ص: ۵۴۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "إن المغیرة بن شعبة رضی الله تعالیٰ عنه، قال: تخلف رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم –فذکر =

مبسوق امام کے سجدۂ سہو کے بعد شریک ہوا

سوال[۲۹۶۳]: اگر مسبوق سجدۂ سہو کے بعد قعدہ میں شریک ہوا تو وہ اپنی نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ جب کہ امام بقدرِ تشہد بیٹھ کر قعدہ ادا کر چکا ہے تو اب سجدۂ سہو کے بعد جو قعدہ ہوگا وہ فرض ہوگا یا واجب؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسبوق امام کے سجدۂ سہو کے بعد قعدہ میں شریک ہوا اس کے ذمہ اس کی وجہ سے سجدہ سہو مستقلاً واجب نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

سجدۂ سہو کے بعد اقتداء کا حکم

سوال[۲۹۶۴]: اگر امام نے سجدہ سہو کیا اور اسکے بعد ایک شخص آ کر جماعت میں شریک ہوا تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص آیا، اسی نیت اور تحریمہ سے نماز پوری کرے یا دوبارہ مستقل نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے؟

= هذه القصة ...... والنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خلفه ركعةً، فلما سلّم، قام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فصلى الركعة التي سبق بها، ولم يزد عليها شيئاً".

"إن المغيرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: فلما سلم، قام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. فصلى الركعة التي سبق بها، ولم يقل: صلى الركعة التي بقيت منه، فهو يدل على أن مافاته: أي المسبوق هو أول صلاته، و ما أدرك مع الإمام هو آخر صلاته، و به نقول". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب المسبوق يقضي الخ: ۴/۳۴۳، إدارة القرآن، كراچی)

"ومنها أنه يقضي أول صلاته في حق القرأة وآخرها في حق التشهد حتى لو أدرك ركعةً من المغرب قضى ركعتين، و فصل بقعدة، فيكون بثلاث قعدات، وقرأ في كل فاتحةً و سورةً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل السابع في المسبوق الخ ۱/۹۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۹۶، ۵۹۷، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۵۴۵، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

اسی نیت اور تحریمہ سے نماز پوری کرے، طحطاوی، ص: ۲۵۶ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۲۹۶۵]: ایک شخص فرضوں یا وتروں یا تراویح میں امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے بعد آ کر شامل ہوا تو اس کی نماز ہو جاوے گی یا نہیں، یا اس کو نماز لوٹانا پڑے گی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سجدۂ سہو کے بعد امام کا اقتدا کرنا درست ہے اس وجہ سے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، کذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۷۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ شوال/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "(و يلزم المأموم) السجود مع الإمام (بسهو إمامه)؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سجد و سجد القوم معه، وإن اقتدى به بعد سهوه وإن لم يدرك إلا ثانيتهما لا يقضي الأولى كما لو تركهما الإمام أو اقتدى به بعدهما لا يقضيهما.

قال الطحطاوي: "قوله (ويلزم المأموم السجود) عمّ كلامه المدرك والمسبق والاحق........ (أو اقتدى به بعدهما) بأن اقتدى به في تشهد السهو". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۴، قديمي)

"والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده" (الدرالمختار)

"(قوله: سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده) بيان للإطلاق، و شمل أيضاً ما إذا سجد الإمام واحدة، ثم اقتدى به. قال في البحر: فإنه يتابعه في الأخرى و لا يقضي قضاء الأولى كما لا يقضيهما لو اقتدى بعد ما سجدهما". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة. فصل: وأما بيان من يجب عليه السهو: ۱/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "(و يلزم المأمومَ) السجودُ مع الإمام (بسهو إمامه)؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سجد و سجد=

ایضاً

سوال[۲۹۲۶]: امام پرسجدہ سہو واجب ہوا، سجدۂ سہو کے بعد اور سلام سے پہلے اگر کوئی مسبوق نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو کیا اس کی اقتداء درست ہے؟ ہمارے یہاں بعض مفتی نے فتویٰ دیا کہ اقتداء درست ہے اور بعض نے کہا کہ اقتداء درست نہیں۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حالت میں بھی اقتدا درست ہے: "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده اهـ". درمختار۔ "وشمل أيضاً ما إذا سجد الإمام واحدةً ثم اقتدى به، قال في البحر: فإنه يتابعه في الأخرى، ولا يقضي الأولى، كما لا يقضيها لو اقتدى بعد ما سجدهما، اهـ". شامی، ص: ۶۹۶(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۱/۱۴ھ۔

= القوم معه، وإن اقتدى به بعد سهوه، وإن لم يدرك إلا ثانيتهما لا يقضي الأولى كما لو تركهما الإمام أو اقتدى به بعدهما لا يقضيهما". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۴، قديمي)

"سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، كذا في المحيط، ولا يشترط أن يكون مقتدياً به وقت السهو، حتى لو أدرك الإمام بعد ماسها، يلزمه أن يسجد مع الإمام تبعاً، ولو دخل معه بعد ما سجد سجدة السهو، يتابعه في الثانية ولا يقضي الأول، وإن دخل معه بعد ما سجدهما لا يقضيهما".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۸/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۸۳/۲، سعيد)

"ولو أدرك الإمام بعد ما سلّم للسهو، فهذا لا يخلو من ثلاثة أوجه: أما إن أدركه قبل السجود أو في حال السجود أو بعد ما فرغ من السجود.........وإن أدركه بعد ما فرغ من السجود، صح اقتداءه به، وليس عليه السهو بعد فراغه من صلاة نفسه الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما بيان من يجب عليه السهو: ۴۲۳/۱، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۳/۲، سعيد) .... =

اقتدا بعد لفظ ''السلام''

سوال[۲۹۶۷]: ایک شخص ایسے وقت آیا جب امام صاحب نے سلام پھیرنا شروع کیا، ابھی امام صاحب السلام ہی کہنے پائے تھے کہ یہ شخص شامل ہو گیا۔ کیا ایسی صورت میں اقتدا صحیح ہوگئی؟

انیس الرحمٰن نیپال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اقتدا صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= ''(و یلزم المأموم) السجود مع الإمام (بسهو إمامه)؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سجد و سجد القوم معه، وإن اقتدی به بعد سهوه وإن لم یدرک إلا ثانیتهما، لا یقضی الأولی کما لو ترکهما الإمام، أو اقتدی به بعدهما لا یقضیهما''. (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص:۴۶۴، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو ۱/۱۲۸، رشیدیه)

(۱) چونکہ امام کے دائیں جانب سلام پھیرنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے تو اقتدا بھی درست نہیں ہوتی: ''(قال فی التجنیس: الإمام إذا فرغ من صلاته، فلما قال: السلام، جاء رجل واقتدیٰ به قبل أن یقول: علیکم، لا یصیر داخلاً فی صلاته الخ''. (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة ۱/۴۶۸، سعید)

''فلو اقتدی به بعد لفظ السلام الأول قبل علیکم، لا یصح عند العامة''. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان واجب الصلوة، ص: ۲۵۱، قدیمی)

''وأما حکمه فهو الخروج من الصلوة، ثم الخروج یتعلق بإحدی التسلیمتین عند عامة العلماء، وقد روی عن محمد أنه قال: التسلیمة الأولی للخروج والتحیة، والتسلیمة الثانیة للتحیة خاصةً''. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل: وأما الذی هو عند الخروج من الصلوة فلفظ السلام: ۱/۴۵۷، مکتبه رشیدیه)

''عن علی رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: ''مفتاح الصلوة الطهور و تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم''. (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، باب وجوب الخروج من الصلوة والسلام الخ :۳/۱۴۰، ادارة القرآن کراچی)

دائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد امام کی اقتدا

سوال[۲۹۶۸]: امام نے دائیں جانب سلام پھیرا تھا کہ بائیں جانب سلام پھیرنے سے قبل ایک شخص نے آکر اقتدا کرلی اقتدا صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں صحیح ہوئی: "و تنقض قدوة بالأول قبل علیکم". درمختار۔ "أی بالسلام الأول، قال فی التجنیس: الإمام إذا فرغ من صلوته، فلما قال: السلام، جاء رجل واقتدیٰ به قبل أن یقول: علیکم، لا یصیر داخلاً فی صلوته". شامی: ۱/۴۳٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیر دیا

سوال[۲۹۶۹]: مسبوق نے آکر نیت باندھی تھی، ابھی وہ کھڑا ہی تھا، بیٹھنے نہ پایا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا۔ اب یہ مسبوق کیا کرے، باندھے ہوئے تحریمہ کی نماز پوری کرے یا نئے سرے سے پھر نیت باندھے اور اکیلا نماز پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ مجھے نہیں ملا بہت جگہ تلاش کیا، ضابطہ کلیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ نماز کے کسی فعل میں شریک نہیں ہوا، صرف تکبیر کہہ کر کھڑا ہوا، جب امام قعدہ میں ہے اور اس نے سلام پھیر دیا تو اس نے امام کے ساتھ قعدہ میں شرکت نہیں کی بلکہ امام کے سلام کی وجہ سے امام نماز سے خارج ہوگیا اور اس مسبوق نے اقتداء کی

---

(۱)(رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة ۱/۴۶۸، سعید)

"فلو اقتدی به بعد لفظ السلام الأول قبل علیکم، لا یصح عند العامة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان واجب الصلوة، ص: ۲۵۱، قدیمی)

"وأما حکمه فهو الخروج من الصلوة، ثم الخروج یتعلق باحدی التسلیمتین عند عامة العلماء، وقد روی عن محمد أنه قال: التسلیمة الأولی للخروج والتحیة، والتسلیمة الثانیة للتحیة خاصةً". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل: وأما الذی هو عند الخروج من الصلوة فلفظ السلام: ۱/۴۵۷، رشیدیه)

نیت کی ہے، سلامِ امام کی وجہ سے جو مسبوق پہلے سے شریک ہو منفرد ہو جاتا ہے، نیتِ اقتدا محلِ انفراد میں مفسد ہے، اس کو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرنا چاہیے۔ مگر اس کو دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لیا جاوے، شاید کسی صاحب کے سامنے فقہی جزئیہ موجود ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اگر مسبوق قصداً امام کے ساتھ سلام پھیر دے

سوال[۲۹۷۰]: امام نے سجدۂ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرا، مسبوق نے بھی قصداً امام کے ساتھ سلام پھیر لیا، اس نے یہ سمجھا کہ سجدۂ سہو کا سلام مجھے بھی امام کے ساتھ کرنا چاہیے۔ تو ایسی صورت میں اس مسبوق کی نماز کا کیا حکم ہے؟

---

(۱)''جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کر لی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہوگیا، اس لئے کہ صحتِ اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتداء کہنا کافی ہے، اقتداء کی صحت صرف نیت اقتداء کیساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہو جاتی ہے، پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے''۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلاة، فصل فی المسبوق واللاحق تحت عنوان: ''مسبوق کے تکبیر تحریمہ کہتے ہی امام نے سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟'': ۴۳۸/۳، دار الإشاعت کراچی)

''نیة المؤتم الاقتداء''. (الدر المختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: ''أی الاقتداء بالإمام أو الاقتداء به فی صلاته أو الشروع فیهما أو الدخول فیهما .... وشرط النیة أن تکون مقارنةً للتحریمة''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة ۵۵۰/۱، سعید)

''(و شروط صحة الاقتداء أربعة عشر شیئاً) تقریباً (نیة المقتدی المتابعة مقارنة لتحریمته)، إما مقارنة حقیقة أو حکمیة کما تقدم، فینوی الصلاة والمتابعة أیضاً''. (مراقی الفلاح).

''(قوله نیة المقتدی المتابعة) کأن ینوی معه الشروع فی صلاته أو الاقتداء به فیها، ولو نوی الاقتداء به لاغیر الأصح أنه یجزیه و تنصرف إلی صلاة الإمام وإن لم یکن للمقتدی علم بها؛ لأنه جعل نفسه للإمام''. (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۰، قدیمی)

''فإذ اکبّر قائماً، ینوی الشروع فی صلوة الإمام، تنقطع الأولی فی ضمن شروعه فی صلاة الإمام''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة: ۵۲/۲، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز فاسد ہوگئی، شامی ۱/۴۹۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اگر مسبوق نے بھول کر ایک طرف سلام پھیر دیا

سوال[۲۹۷۱]: مسبوق نے بھولے سے امام کے ساتھ ایک طرف سلام پھیر لیا، دوسری طرف سلام پھیرنے سے پہلے اس کو یاد آ گیا کہ میری رکعت چھوٹی ہوئی ہے۔ اب اس کے ذمہ سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام نے جب داہنی طرف سلام پھیرا اور اس میں لفظ "السلام" کے "میم" پر پہونچا اگر اسی وقت مسبوق کو یاد آ یا اور وہ رُک گیا تب تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو نہیں، اگر اس کے بعد سلام پھیرا اور پھر یاد آیا تو اس کے ذمہ سجدہ سہو ہوگا، شامی: ۱/۴۹۹(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً". (الدرالمختار). "(والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام بل يسجد معه يتشهد، فإذا سلم الإمام، قام إلى القضاء، فإن سلم فإن كان عامداً فسدت، وإلا لا. ولا سجود عليه إن سلم سهواً قبل الإمام أو معه، وإن سلم بعده، لزم لكونه منفرداً، وأراد بالمعية المقارنة، و هو نادر الوقوع، كما في شرح المنية. وفيه: ولو سلم على ظن أنه عليه أن يسلم، فهو سلام عمد يمنع البناء". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۸۲/۲، سعيد)

"ولو سلم ساهياً. قيد به؛ لأنه لو سلم مع الإمام على ظن أن عليه السلام معه، فهو سلام عمد، فتفسد، كما في البحر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۹۹/۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل بيان من يجب عليه السهو: ۴۲۲/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۱۷۶/۲، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۵۵۱، رقم الحاشية: ۲)

مسبوق کا بھول کر دونوں جانب سلام پھیر دینا

سوال[۲۹۷۲]: مسبوق یا منفرد بھولے سے دونوں جانب سلام پھیر دے، پھر خود بخود یاد آجانے پر یا کسی کے یاددلانے پر فوراً اٹھ کر اس صورت میں کہ سینہ ہنوز قبلہ ہی کی طرف تھا اپنی بقیہ رکعت سجدۂ سہو کے ساتھ تمام کرے تو حسبِ ارشاد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند(۱) اس کی نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن یہاں بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ اگر دونوں جانب سلام پھیر دے تو نماز از سرِنو ہی پڑھنا چاہئے۔ اس صورت میں اصح قول کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا حالانکہ ابھی نماز پوری نہیں ہوئی تھی، کوئی رکعت باقی تھی، پھر جب ہی قبلہ کی طرف سے سینہ پھرانے اور کسی مفسدِ نماز کے ارتکاب سے پہلے فوراً یاد آ گیا یا کسی کے یاددلانے سے یاد آ گیا اور بقیہ نماز سجدۂ سہو کے ساتھ پوری کر لی تو نماز درست ہوگئی، یہی حکم ایک طرف سلام پھرانے کی صورت میں ہے سلام سے قطع کی نیت اس حالت میں معتبر نہیں اور ایک ہی سلام سے نماز ختم ہوجاتی ہے جب کہ وہ اپنے محل میں ہو:

”و يسجد للسهو سلامه ناوياً للقطع؛ لأن نية تغيير المشروع لغوٌ مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم، سلّم مصلي الظهر مثلاً على رأس الركعتين توهماً إتمامها أتمها أربعاً و سجد للسهو؛ لأن السلام ساهياً لا يبطل؛ لأنه دعاء من وجه“. درمختار: ۱/۵(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۵ھ۔

---

(۱) (فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوة، فصل سادس: مدرک، لاحق اور مسبوق کے احکام: ۳/۲۵۲، دارالإشاعت، کراچی)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۹۱، سعيد)

”عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى ثلثاً، ثم سلم، فقال الخرباق: إنك صليت ثلثاً، فصلى بهم الركعة الباقية، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو وهو جالس، ثم سلّم“. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وجوب سجود السهو: ۷/۱۳۲، إدارة القرآن) =

مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرنا

سوال[۲۹۷۳]: مسبوق نے بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، بعد میں یاد آیا تو کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی، ایسے شخص پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں اور اس کا کھڑا ہونا صحیح ہوا یا نہیں؟ زید کہتا ہے اگر سلام کے بعد بغیر کلام کیے ہوئے کچھ درود وغیرہ بھی پڑھ لیا تو بھی کوئی حرج نہیں پھر یاد آنے پر کھڑے ہو کر پورا کر لینے سے صحیح ہو جائے گی۔ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک کوئی قول یا فعل منافیٔ صلوٰۃ نہیں کیا تو کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لے اور سجدہ سہو کر لے، نماز صحیح ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

= "(ويسجد للسهو) وجوباً (وإن سلم عامداً) مريداً (للقطع)؛ لأن مجرد نية تغيير المشروع لا تبطله ولا تعتبر مع سلامه غير مستحق، وهو ذكر فيسجد للسهو، لبقاء حرمة الصلاة (مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم .... (توهم) .... (مصل رباعية) فريضة (أو ثلاثية) ولو وتراً (أنه أتمهما فسلم، ثم علم قبل إتيانه بمناف (أنه صلى ركعتين) .... (أتمها) بفعل ما تركه (وسجد للسهو)". (مراقي الفلاح)

وفي حاشية الطحطاوي: قوله: (وسجد للسهو) لما روى أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعل كذلك في حديث ذي اليدين المتفق عليه .... وكان سلامه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على رأس الركعتين من صلاة الظهر والعصر شك من الراوي، وما قيل: إنها العشاء وهمٌ، وما حصل في ذلك من الكلام والتحول عن القبلة منسوخ؛ لأن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه عمل في مثل هذه الحادثة بخلاف عمله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فأعاد صلاته الخ". (كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۲، ۴۷۳، قديمي)

(۱) "(مصل رباعية) فريضة (أو ثلاثية) ولو وتراً (أنه أتمها فسلم، ثم علم) قبل إتيانه بمناف (أنه صلى ركعتين) أو علم أنه ترك سجدة صلبية أو تلاوية (أتمها) بفعل ما تركه (وسجد للسهو) لبقاء =

مسبوق نے سجدۂ سہو میں امام کے ساتھ سلام پھیر دیا

سوال[۲۹۷۴]: ایک آدمی مسبوق ہے اور امام کو سجدۂ سہو لاحق ہوگیا، امام نے سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرا ہے، مسبوق کو یہ بات یاد نہ رہی کہ میں مسبوق ہوں، یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ ان سب صورتوں میں مسبوق کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ اگر بھول کر پھیرا ہو تو کس صورت میں جائز ہے اور کس میں نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسبوق نے بھول کر سلام میں امام کا اتباع کیا ہے، تو اس سے اس کی نماز میں نقصان نہیں آیا، اگر جان کر قصداً یعنی اتباع کیا ہے، تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔

(تنبیہ) یہ یاد ہوتے ہوئے کہ میں مسبوق ہوں مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سلام پھیرنا سہو میں داخل نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

سلامِ مسبوق کے سلسلہ میں دار العلوم کے فتویٰ اور تعلیم الاسلام کی عبارت میں تطبیق

سوال[۲۹۷۵]: اس سے پہلے بندہ نے ایک استفتاء روانہ کیا تھا کہ مسبوق اگر امام کے ساتھ غلطی

= حرمة الصلوة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۳، قديمي)

"والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً". (الدر المختار). "(قوله: والمسبوق يسجد مع إمامه الخ) قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد ...... ولا سجود عليه إن سلم سهواً قبل الإمام أو معه، وإن سلم بعده، لزمه لكونه منفرداً وأراد بالمعية المقارنة، وهو نادر الوقوع، كما في شرح المنية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ۸۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان من يجب عليه السهو: ۱/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۱۷۶، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۵۵۲، رقم الحاشية: ۱)

سے سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو یہ مسبوق مقتدی کب کرے، اگر ایک طرف سلام پھیر دے تب یا دونوں طرف پھیر دے تب؟

حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''مسبوق نے اگر ایک طرف بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو یہ مسبوق جب اپنی نماز کا سلام پھیرے تو سجدۂ سہو کرے'' وجہ یہ تحریر فرمائی تھی کہ ''چونکہ واجب صرف لفظ سلام تھا آگے ''علیکم ورحمة اللہ'' کلمات زائد ہیں، تو یہ مسبوق امام کی اقتداء میں لفظ سلام تک تھا، پورا سلام امام کے ہمراہ پھیرنے سے تاخیر کی وجہ سے اس کو سجدہ سہو کرنا پڑے گا''۔ یہ فتویٰ شعبۂ افتاء دارالعلوم سے حاصل کردہ ہے جو میرے پاس ہے، لیکن جب اس مسئلہ کو سنایا گیا تو کچھ آدمیوں نے تعلیم الاسلام کے حوالہ سے یہ بتایا کہ ایک طرف سلام اگر مسبوق سہواً امام کے ساتھ پھیر دے تو سجدہ سہو نہیں، مجھے اس مسئلہ میں چپ ہونا پڑا۔ تو مذکورہ مسئلہ کہ اگر ایک طرف سلام پھیر دے اور مسبوق پر سجدۂ سہو ہو تو کیا ثبوت ہے؟ اور مسئلہ کیا اسی طرح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیم الاسلام حصہ چہارم میں یہ عبارت: ''اگر امام کے سلام کے بعد اس نے سلام پھیرا تو اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرنا واجب ہے''(۱)۔ اس میں ایک دو طرف سلام کی بحث نہیں، نہ یہ کہ پورا ''السلام یعنی علیکم ورحمة اللہ'' کہے یا فقط ''السلام'' کہے۔ تعلیم الاسلام، حصہ سوم (۲) میں واجبات نماز کے بیان میں ہے: ۱۲/ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے علیحدہ ہونا، اس میں علیکم ورحمة اللہ نہیں ہے۔

الحاصل جب لفظِ سلام امام نے کہا نماز سے خارج ہوگیا اور مسبوق اقتداء سے خارج ہو کر منفرد ہوگیا اور مقتدی امام کے پیچھے ہی چلتا ہے، نہ پہلے نہ بالکل ساتھ، اس لئے جب مسبوق بھول کر امام کے لفظ ''السلام'' کے بعد سلام پھیرے گا تو اس کے ذمہ سجدہ سہو لازم ہوگا (۳) دارالعلوم کا فتویٰ تعلیم الاسلام کے خلاف نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(تعلیم الإسلام، حصہ چہارم، مدرک، مسبوق، لاحق کا بیان، ص: ۱۷۵، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

(۲)(تعلیم الإسلام، حصہ سوم، واجبات نماز کا بیان، ص: ۱۲۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

(۳)"(قوله: والمسبوق يسجد مع إمامه) ......فإن سلّم فإن كان عامدًا فسدت، وإلالا، ولاسجود عليه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه، وإن سلم بعده لزمه لكونه منفردًا حينئذٍ، بحر". (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ۸۳، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيدمي)

مسبوق نے سجدۂ سہو کے سلام میں قصداً سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۹۷۶]: ’’نظام‘‘ کے پچھلے شمارے میں یہ فتویٰ شائع ہوا تھا کہ ’’سجدہ سہو کا سلام اگر مسبوق نے قصداً امام کے ساتھ پھیر لیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی‘‘۔ اس پر عوام تو درکنار بعض اہلِ علم بھی خلجان میں پڑ گئے، لہٰذا براہ کرم عبارت محولہ تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔

حمید اللہ نعمانی، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متنِ درمختار میں ہے: ’’والمسبوق يسجد مع إمامه‘‘ اس پر رد المحتار: ۱/۴۹۹ میں لکھا ہے:

’’قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام، بل يسجد معه و يتشهد، فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء، فإن سلّم، فإن كان عامداً، فسدت، وإلا لا‘‘(۱)۔ یہ مسئلہ بحر شرح کنز: ۲/۱۰۸ (۲) اور بدائع: ۱/۱۷٦ (۳) میں بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا سہواً امام کے ساتھ سلام پھیرنا

سوال[۲۹۷۷]: زید کی نماز جماعت میں مسبوق ہے اور امام کو سجدہ سہو کرنا پڑا، زید نے بھی سہواً امام کے ساتھ دائیں طرف سلام پھیر دیا اور امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا، بعد ازاں امام نے نماز ختم کر دی زید نے کھڑے ہو کر اپنی بقیہ رکعت پوری کر لی۔ آیا زید کو دوبارہ سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت تھی یا نماز کا اعادہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا فقط۔

اصغر علی، محلہ چوہر داران، مقیم مظفر نگر، محلہ کھالہ پار، معرفت منشی ریاض الحسن صاحب۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، سعيد)

(۲) ’’ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو دون السلام .... وإن سلم فإن كان عامداً، فتفسد صلاته الخ‘‘. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل بيان من يجب عليه السهو: ۱/۴۲۲، رشيديه)

(۳) ’’ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو لا في السلام فيسجد معه ويتشهد، فإذا سلّم الإمام قام إلى القضاء، فإن سلم فإن كان عامداً فسدت، و إلا فلا‘‘. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۱۷٦، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں زید کی نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں اور ایسی حالت میں مسبوق کو امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا تو ضروری ہے لیکن سجدۂ سہو کے لئے سلام میں امام کا اتباع ناجائز ہوتا ہے، اگر قصداً امام کے ساتھ سلام پھیریگا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور سہواً پھیرنے سے فاسد نہ ہوگی اور زید نے صورتِ مسئولہ میں سہواً سلام پھیرا ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوئی اور بحالتِ اقتداء سہواً سلام پھیرا ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا، اس لئے بقیہ نماز پوری کرنے میں سجدہ سہو لازم نہیں:

"(والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجدة؛ لأنه لا يتابع في السلام بل يسجد معه ويتشهد، فإذا سلم الإمام، قام إلى القضاء، فإن سلم فإن كان عامداً فسدت، وإلا لا". درمختار ورد المحتار: ۱/۷۷۷، باب سجدة السهو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۲/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مسبوق سجدہ سہو کرے، سلام نہ پھیرے

سوال[۲۹۷۸]: "ما يقول العلماء الحنفية في مسئلة: إذا كان الإمام و عليه سجدتي السهو وخلفه مسبوق، هل يسلم مع الإمام سلام التشهد أم لا". وإن كان الثاني هل بقي اقتداءه، وإن كان الأول، فهل فرق بين تسليم العمد و النسيان، بينوا بالصواب مع صفحات الكتاب(۲)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"المسبوق يتبع إمامه في سجود السهو .... لا في السلام، وإذا سجد الإمام، سجد

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان من يجب عليه سجود السهو: ۱/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۱۷۶، رشيديه)

(۲) **خلاصۂ سوال:** جب امام کے ذمہ سجدہ سہو لازم ہو تو مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیریگا یا نہیں، اگر نہیں تو اس کی اقتداء باقی رہے گی یا نہیں؟ اور اگر سلام پھیریگا تو سلامِ عمد و سلامِ نسیان میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

معه وهو في اقتداء حتى يقطع الإمام صلوته، فإذا قطع قام وأتم ما عليه وقضى، فإن سلّم مع الإمام فإن كان عامداً فسدت صلوته وإلا لا". هكذا في رد المحتار: ۱/۵۲۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہیں کیا تو آخر میں اس پر سجدہ سہو واجب ہے؟

سوال[۲۹۷۹]: زید کو مغرب میں دو رکعت ملی، اب امام دوسرے قعدہ میں نہیں بیٹھا بلکہ کھڑا ہو گیا، یاد آنے پر پھر بیٹھ گیا، اب امام نے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کیا، زید کی بھول کی وجہ سے سجدہ سہو میں شریک نہ ہو سکا، امام کے سلام پھیرنے کے بعد زید نے رکعت پوری کی، اب اس کو یاد آیا کہ امام نے سجدہ سہو کیا تھا اس نے بھی سہو کا سجدہ کر کے اخیر رکعت میں سلام پھیر دیا۔ زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسبوق کی نماز درست ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۱۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۲/۲، سعيد)

"عن الحسن والمغيرة عن إبراهيم "أنهما قالا: في الرجل تفوته من صلاة الإمام ركعةٌ وقد سها فيها الإمام، فإنه يسجد مع الإمام سجدتي السهو، ثم يقضي الركعة بعد ذلك".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "قلت: فيه دلالة على وجوب السجود على المسبوق بسهو إمامه". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب في بقية أحكام السهو: ۱۶۸/۷، إدارة القرآن)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل بيان من يجب عليه السهو: ۴۲۲/۱، رشيديه)

خلاصۂ جواب: مسبوق سجدہ سہو میں امام کا اتباع کرے گا سلام میں نہیں، جب امام سجدہ کرے تو وہ بھی سجدہ کرے اور مسبوق امام کے نماز ختم کرنے تک اقتداء ہی میں رہے گا، جب امام نماز پوری کرلے تو مسبوق کھڑا ہو کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے اور مسبوق نے اگر امام کے ساتھ عمداً سلام پھیرا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

(۲) "(والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً) سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده (ثم يقضي ما فاته)". (الدر المختار) =

مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھے یا نہیں؟

سوال[۲۹۸۰]: مسبوق قعدہ اخیرہ میں ملا تو امام کے ساتھ تشہد پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور تشہد اخیرہ میں درود کے بعد دعا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسبوق کو بھی امام کے قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے(۱)، تشہدِ اخیر میں بعد میں درود شریف دعاء پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= "(قوله : ثم يقضي ما فاته) فلو لم يتابعه في السجود و قام إلى ما سبق به، فإنه يسجد في آخر صلاته استحساناً؛ لأن التحريمة متحدة، فجعل كأنها صلاة واحدة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ۸۳، سعيد)

"ولو قام إلى قضاء ما سبق به و لم يتابع الإمام في السهو، سجد في آخر صلاته استحساناً".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل بيان من يجب عليه السهو: ۱/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، رشيديه)

(۱) "قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم في رجل سبقه الإمام بشيء من صلاته أيتشهد كلما جلس الإمام؟ قال: نعم، قال: فيرد السلام إذا سلم الإمام؟ قال: إذا فرغ من صلاته رد السلام. قال محمد: و به نأخذ، و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب من سبق بشيء من صلاته، ص: ۵۲، إدارة القرآن كراچي)

"(وجب متابعته) .... (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة (قبل تمام المؤتم التشهد) فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه". (الدرالمختار). "(قوله: فإنه لايتابعه) .... و شمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير فحين قعد قام إمامه أو سلم، ومقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۹۶، سعيد)

(۲) "عن عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ قال: لقيني كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنه فقال: ألا أهدي لك=

تشہد میں شریک ہونے والا کیا کرے؟

سوال[۲۹۸۱]: جو شخص آخری قعدہ میں شریک ہوا ہو، اس کو بھی پوری التحیات پڑھنی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بھی التحیات پوری کرکے ہی نماز پوری کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= هدية سمعتها من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فقلت: بلى، فأهدها لي، فقال: سألنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. فقلنا: يا رسول الله! كيف الصلوة عليكم أهل البيت فإن الله قد علّمنا كيف يسلم عليك؟ قال: قولوا: "اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللّٰهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى: "(قوله: اللّٰهم صل على محمد الخ) قال العلامة الشوكاني: استدل بذلك على وجوب الصلوة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التشهد .... فالحق أن الأمر في الحديث و في سائر أحاديث الباب محمول على الندب، مواظبته صلى الله تعالى عليه وسلم عليها تفيد السنية، فهي عندنا سنة مؤكدة يكره تركها و لا تفسد بتركها". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب سنية الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الخ: ۳/۱۲۲، ۱۲۴، إدارة القرآن)

"(و) تسن (الصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الجلوس الأخير فيقول مثل ما قال محمد رحمه الله تعالى لمّا سئل عن كيفيتها، فقال: يقول: اللّٰهم صل......... و يسن (الدعاء) بعد الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، لقوله عليه السلام: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله عز و جل والثناء عليه، ثم ليصل على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم ليدع بعد ما شاء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، في بيان سننها، ص: ۲۷۱، ۲۸۲، قديمي)

(۱) "قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم في رجل سبقه الإمام بشيء من صلاته أيتشهد كلما جلس الإمام؟ قال: نعم، قال: فيرد السلام إذا سلم الإمام؟ قال: إذا فرغ من صلاته رد السلام، قال محمد: و به نأخذ، و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب من =

مسبوق تشہد سے فارغ نہیں ہوا کہ امام نے سلام پھیر دیا

سوال[۲۹۸۲]: کسے گر در جماعت داخل شده تشهد خواندن آغاز کند، و درآں وقت امام بسلام از نماز فارغ شود، آنکس تشهدِ اول خوانده قیام کند یا نه؟(۱).

الجواب حامداً ومصلیاً:

تشهدِ اول خوانده قیام کند، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= سبق بشیء من صلاته، ص: ۵۶، إدارة القرآن کراچی)

"(وجب متابعته) .... (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة (قبل تمام المؤتم التشهد) فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه". (الدرالمختار). "(قوله: فإنه لا يتابعه) .... و شمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم، ومقتضاه أنه يتم التشهد، ثم يقوم".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۴۹۶، سعيد)

(۱) **ترجمۂ سوال**: کسی شخص نے جماعت میں داخل ہو کر تشہد پڑھنا شروع کیا اور اسی وقت امام سلام کے ذریعہ نماز سے فارغ ہو جائے وہ شخص تشہد پڑھ کر کھڑا ہو یا نہیں؟

ترجمۂ جواب: تشہد پڑھ کر کھڑا ہو۔ فقط

(۲) "قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم في رجل سبقه الإمام بشيء من صلاته أيتشهد كلما جلس الإمام؟ قال: نعم، قال: فيرد السلام إذا سلم الإمام؟ قال: إذا فرغ من صلاته رد السلام، قال محمد: وبه نأخذ، و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب من سبق بشيء من صلاته، ص: ۵۶، إدارة القرآن کراچی)

"(وجب متابعته) .... (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة (قبل تمام المؤتم التشهد) فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه". (الدرالمختار) "(قوله: فإنه لا يتابعه) .... و شمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم، و مقتضاه أنه يتم التشهد، ثم يقوم".

(كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة ۱/ ۴۹۶، سعيد)

کیا مسبوق پر تشہد واجب ہے؟

سوال[۲۹۸۳]: مسبوق دوسری رکعت میں ہو،اب سوال یہ ہے کہ تشہد اس پر واجب ہے یا سنت یا مستحب ہے؟ پھر چوتھی رکعت (اس کی تیسری) میں پڑھنا کیسا ہے؟ نیز جب آخری رکعت میں مسبوق ہو تب بھی یہی سوال ہے۔ درجہ کا تعین حوالہ سے کریں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مسبوق پر امام کے تابع ہو کر تشہد واجب ہے کیونکہ وہ بھی مقتدی ہے، سلامِ امام کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پوری کرے تو ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہوگا:

"لو سلم الإمام قبل فراغ المقتدى من التشهد يتمه؛ لأنه من الواجبات، اهـ". مراقی الفلاح، ص:۱۸۵(۱)۔ "ويجب القعود الأول .... و يجب قرأة التشهد فيه فى الصحيح -متعلقٌ بكل من القعود و تشهده، -وهو احترازٌ عن القول بسنيتها أو سنية التشهد وحده. و يجب قرأة التشهد فى الجلوس الأخير أيضاً". وفى حاشية الطحطاوى:" فالمسبوق بثلاث فى الرباعية ثلاث قعدات .... (قوله: ويجب قراءة) فيسجد للسهو بترك بعضه ككله، اهـ". مراقی الفلاح والطحطاوى، ص:۱۴۹، ص:۱۵۰(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فيما يفعله المقتدى بعد فراغ إمامه الخ، ص: ۳۰۹، قديمى)

(۲) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فى واجبات الصلوة، ص: ۲۵۰، ۲۵۱، قديمى)

" قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم فى رجل سبقه الإمام بشىء من صلاته أيتشهد كلما جلس الإمام؟ قال: نعم. قال: فيرد السلام إذا سلم الإمام؟ قال: إذا فرغ من صلاته رد السلام. قال محمد: و به نأخذ، و هو قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب من سبق بشىء من صلاته، ص: ۵۶، إدارة القرآن كراچى)

مسبوق کی نماز میں قرأت

سوال [۲۹۸۴]: زید عشاء کی نماز فرض میں اول رکعت کا مسبوق ہوا، بعد سلامِ امام یہ رکعت قرأت کے لحاظ سے کونسی رکعت سمجھی جائے گی یعنی قدرِ قرأت اور سورۃ کی تقدیم و تاخیر میں کیا حکم رکھے گی اور اگر اول کا حکم رکھے گی تو کیا امام کی قرأت کردہ سورۃ کو اس میں تلاوت کرنا افضل ہے یا نہیں؟ حوالہ کتب بیان فرمادیں۔

کاتب: احقر کثیر احمد جہلمی ساکن بھوچھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رکعت اپنی قرأت کے لحاظ سے اول رکعت سمجھی جائے گی، لہذا اس پر جمیع احکام قرأت اول رکعت کے جاری ہونگے، مثلاً اس رکعت میں ثناء بھی پڑھے گا، تعوذ بھی پڑھے گا، سورہ فاتحہ بھی پڑھے گا، سورہ بھی پڑھے گا:

”و هذا من أحكام المسبوق أنه يقضي أول صلوته في حق القرأة وآخرها في حق التشهد، حتى لو أدرك ركعةً من المغرب قضى ركعتين و فصل بقعدة، فيكون بثلاث قعدات، وقرأ في كل فاتحةً و سورةً و لو ترك القرأة في أحدهما، تفسد. و لو أدرك ركعةً من الرباعية فعليه أن يقضي ركعةً يقرأ فيها الفاتحة والسورة و يتشهد و يقضي ركعةً أخرى لذلك و لا يتشهد، و في الثالثة بالخيار، والقرأة أفضل“. هكذا في الخلاصة(۱)۔

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ۱/۹۱، رشيديه)

”إن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: تخلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكر هذه القصة، قال: فأتينا الناس و عبد الرحمن بن عوف يصلي بهم الصبح، فلما رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أراد أن يتأخر فأومى إليه أن يمضي، قال: فصليت أنا، والنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خلفه ركعةً، فلماسلّم قام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فصلى الركعة التي سُبق بها، و لم يزد عليها شيئاً“. (أبو داؤد، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۲۳، إمداديه ملتان)

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني نور الله مرقده تحت هذا الحديث: ”إن المغيرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: فلما سلم، قام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصلى الركعة التي سبق بها، ولم يقل: صلى الركعة التي بقيت منه، فهو يدل على أن مافاته: أي المسبوق هو أول صلاته، و ما أدرك مع الإمام =

مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے، ان دونوں باتوں کا تقاضہ ہے کہ مسبوق قدر قرأت اور ترتیب کے اعتبار سے بھی اپنی اس رکعت کو اول رکعت سمجھے اور امام کی قرأت کردہ سورت سے پہلی اور اس کے برابر بڑی سورت کی قرأت کرے اور درمیان کے فصل کا بھی خیال رکھے۔ امام کی قرأت کردہ سورۃ کو پڑھنا سورہ واحدہ کا رکعتین میں تکرار ہوگا۔

"(و ههنا إنما مفرد وفيما يقضي، اهـ) إذا قرأ في ركعة سورة في الركعة الأخرى أو في تلك الركعة سورة في تلك السورة، يكره، لا بأس أن يقرأ سورةً و يعيدها في الثانية. أفاد أنه يكره تنزيهاً، وعليه يحمل جزم القنية بلا كراهية، و يحمل فعله -عليه الصلوة والسلام- لذلك على بيان الجواز، هذا إذا لم يضطر، فإن اضطر بأن قرأ في الأولى: ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم (نهر)؛ لأن التكرار أهون من القرأة منكوساً (بزازيه)، وأما لو ختم القرآن في ركعة فيأتي قريبا أنه يقرأ من البقرة". رد المحتار (۱)۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ گنگوہی، مظاہر علوم سہارن پور، ۵۹/۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= هو آخر صلاته، و به نقول". (إعلاء السنن، ابواب الإمامة، باب المسبوق يقضي الخ: ۳۴۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۱۶/۱، ۵۱۷، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۵۴۶/۱، سعيد)

"عن رجل من جهينة رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ في الصبح: ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ في الركعتين كليهما، قال: فلا أدري أنسي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أم قرأ ذلك عمداً". رواه أبوداود، وسكت عنه هو والمنذري، و ليس في إسناده مطعن، بل رجاله رجال الصحيح".

قلت : .... ولكن إذا دار الأمر بين أن يكون مشروعاً أو غير مشروع، فحمل فعله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المشروعية أولى، فثبت أن تكرير سورة في الركعتين جائز مع كونه خلاف العادة المستمرة له -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فيكون خلاف الأولى، فافهم. و هذا في الفرض =

مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کب کھڑا ہو؟

سوال[۲۹۸۵]: جس شخص کی نماز میں کوئی رکعت رہ گئی تو:

(الف) جب امام داہنے طرف سلام پھیرتے وقت صرف لفظ سلام نکالے اسی وقت کھڑا ہو جائے؟ یا

(ب) بائیں طرف کے لفظ سلام کے وقت کھڑا ہو؟ یا

(ج) بائیں طرف کو سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو؟

ان تینوں میں سے کونسا احسن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طریقۂ (ج) اسلم اور احسن ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پوری کرنا

سوال[۲۵۸۶]: دو شخص ایک ساتھ جماعت میں آکر شریک ہوئے اور دونوں مسبوق تھے، جب امام

= وحده، و أما في النوافل فلا كراهة مطلقاً". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب القرأة، باب كراهة الخ: ۱۲۸/۴، إدارة القرآن)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

(۱) "(و يسجد المسبوق مع إمامه) لالتزام متابعته (ثم يقوم القضاء ما سبق به) واللاحق بعد إتمامه، وينبغي أن يمكث المسبوق بقدر ما يعلم انه لا سهو عليه". (مراقي الفلاح).

و في حاشية الطحطاوي: "وذلك بتسليم الإمام الثانية على الأصح أو بعد هما بشيء قليل بناءً على ما صححه في الهداية". (كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۴، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ۱/۹۱، رشيديه)

نے نماز ختم کی تو دونوں اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے، لیکن ایک کو یاد تھا کہ میری کتنی نماز چھوٹی ہے دوسرے کو یاد نہیں رہا۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ دوسرا شخص جس کو یاد نہیں اتنی ہی رکعتیں پوری کرے کہ جتنی یاد والا کرتا ہے یعنی اس کی یاد پر اعتماد کر کے اس کو دیکھ کر اپنی نماز پوری کرے؟ اس طرح اس کی نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح اس کی نماز صحیح ہوجائے گی مگر اس کی اقتدا کی نیت نہ کرے بلکہ ویسے ہی جتنی رکعتیں وہ پڑھے وہ بھی پڑھ لے، طحطاوی، ص: ۱۵۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تین رکعت کا مسبوق بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

سوال[۲۹۸۷]: زید کی عصر کے وقت تین رکعتیں چھوٹیں تو زید امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب کھڑا ہوگا تو کتنی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائے گا اور کتنی رکعتوں میں سورت نہیں ملائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب زید کو امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی ہے تو سلامِ امام کے بعد وہ ایک رکعت ثناء، الحمد، سورت کے ساتھ پڑھے پھر قعدہ کرے پھر ایک رکعت الحمد اور سورت کے ساتھ، پھر ایک رکعت صرف الحمد کے ساتھ پڑھے، الحاصل بعد سلامِ امام دو رکعت میں سورۃ بھی پڑھے گا، ایک رکعت میں صرف الحمد پڑھے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "وأن لا يكون الإمام مصلياً فرضاً غير فرضه .... (و لا مسبوقاً) لشبهة اقتدائه الخ". وفي حاشية الطحطاوي: "(لشبهة اقتدائه): أي حال تحريمته، وإنما لزمته القرأة لشبهة الانفراد، نعم! إذا قضى المسبوقان ملاحظاً أحدهما الآخر ليعلم عدد ما عليه من فعله، فلا بأس به". (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۲۹۱، ۲۹۲، قديمي)

"(قوله: نعم لو نسي) حاصله أنه لو اقتدى إثنان معاً بإمام قد صلى بعض صلاته، فلما قاما إلى القضاء، نسي أحدهما عدد ما سبق به، فقضى ملاحظاً للآخر بلا اقتداء به، صح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع في المسبوق واللاحق: ۱/۹۲، رشيديه)

(۲) "فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة و سورة و تشهد بينهما و برابعة الرباعي بفاتحة فقط". =

مسبوق کی بقیہ نماز میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۲۹۸۸]: مسبوق کو چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ملی، اپنی بقیہ دو رکعت پڑھتے ہوئے کچھ سہو ہوا ہو تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا یا بغیر سجدۂ سہو کے نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پوری کرنے میں ایسا سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا بغیر سجدۂ سہو کے نماز ناقص رہے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸/۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸/۲/ ۸۸ھ۔

مسبوق ولاحق سے متعلق

سوال[۲۹۸۹]: ا...... مقیم مقتدی جب کہ مسبوق ہو، اس کے بقیہ نماز کے پوری کرنے کا جو طریقہ کتبِ فقہ میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعت بلا قرأت ادا کرے اور پھر ایک رکعت مع قرأت کے ادا کرے اور یہ ترتیب بنا بر واجبیت کے ہے، کما فی شرح المنیة :" و هذا علی سبیل الوجوب، ولو عکس، صح وأثم" علی الترتیب (۲)۔ اس میں تین باتیں دریافت طلب ہیں:

= (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۹۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیرية، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق : ۱/۹۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، حکم المسبوق : ۱/۵۲۷، رشیدیه)

(۱) "واللاحق لا یسجد لسهوه فیما یقضي، والمسبوق یسجد لسهوه فیما یقضی الصلوة". (الفتاوی العالمکیرية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو : ۱/۱۲۹، رشیدیه)

"(ولو سها المسبوق فیما یقضیه سجد له): أی لسهوه أیضاً، و لا یجزیه سجوده مع الإمام".

(حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۴، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الحدث فی الصلوة : ۱/۶۶۲، رشیدیه)

(۲) "لم أجد هذه العبارة بهذا اللفظ فی شرح المنیة بل ذکر بلفظ : "والأصل أن اللاحق یصلی علی =

اول :اگر عمداً برعکس کرے گا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ کسی واجب کو عمداً ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے(۱) وہ قاعدہ یہاں پر چلے گا یا نہیں؟

دوم: بھول کر اگر عکس کردے گا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

سوم: مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاوی میں اس ترتیب کو بجائے واجب کے افضل بیان کیا ہے اور علت افضلیت کی ابتلائے عام کو قرار دیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بلکہ لکھے پڑھے بھی اس مسئلے سے واقف نہیں ۔ترتیب کو واجب قرار دے کر لوگوں کو حرج میں ڈالنا ہے اور قاعدہ فقہاء کا بیان کیا ہے: "ما ضاق أمر إلا اتسع". امداد الفتاوی: ۱/۵۲۵ (۲) لیکن مولانا نے بیان کیا ہے کہ " یہ میرا قیاس ہے، دوسرے علماء سے مزید اس کی تحقیق کر لی جائے"۔اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ مفصل بیان کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

۲.....جن چیزوں میں امام کی متابعت واجب ہے اگر کوئی شخص عمداً متابعت نہ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اور دلیل میں غایۃ وغیرہ کا یہ جزئیہ پیش کرتا ہے: "إنما تفسد بمخالفته في الفروض". غاية الأوطار، ص:۲۱۷، باب صفة الصلوة (۳) اور دوسرا جزئیہ یہ پیش کرتا ہے: "حتى لم يدرك الركوع تجب المتابعة في السجدتين وإن لم تحسبا له، و لا تفسد

= ترتيب صلوة إمامه .... و هذا على سبيل الوجوب دون الافتراض الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في سجود السهو، فروع من سبق بركعة، ص: ۴۷۰، سهيل اكيڈمی)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹٦، سعيد)

(۱) واضح رہے کہ عمداً ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ واجب الاعادہ ہے، اعادہ نہ کرنے کی صورت میں گنہگار ہوگا: "(ولها واجبات) لا تفسد بتركها، و تعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(۲) (إمداد الفتاوى، كتاب الصلاة، أحكام المسبوق واللاحق: ۱/۳۴۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۳) (غاية الأوطار ترجمہ اردو در مختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلوة: ۱/۲۳۸، سعيد)

بتر کھا". غاية الأوطار: ۱/۳۳۲، باب إدراك الفريضة(۱) ۔اوراس میں جیسے کہ مسبوق کا مابقیہ کے واسطے کھڑا ہوجانا امام کے سلام سے پہلے بعد بیٹھنے بقدر تشہد کے آپ بیان فرمادیں، ہمارے ذہن میں تواب تک یہ بھی نہیں کہ ترک واجب سے عمداً نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......کتبِ فقہیہ کی اصل عبارت سے مسبوق لاحق کی باقی نماز میں ترتیب کا وجوب سمجھ میں آتا ہے(۲) لیکن ابتلائے عام اور نشر جہل کی بنا پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاوی میں استنباط فرماتے ہوئے جو استحباب کا حکم فرمایا ہے وہی اوسع اور ارفق للزمان ہے اور جب بر بنائے قولِ ثانی وجوب باقی نہ رہا تو عمداً ترک سے بھی اعادہ واجب نہ ہوگا، هو التوسع، اور اعادہ میں احتیاط ہے هو التورع۔ اسی طرح سہواً ترک ترتیب سے وجوبِ سجدہ سہو میں یہی تفصیل ہے(۳)۔

۲......متابعتِ امام جیسا کہ فرائض میں واجب ہے اسی طرح واجبات میں بھی ضروری ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ: " ولها واجبات .... وإنصات المقتدي و متابعة الإمام " کے تحت تحریر فرماتے ہیں: "والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة" آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: قال ابن عابدين: " ثم ذكر ما حاصله أنه تجب متابعة الإمام في الواجبات فعلاً كذا تركاً".

---

(۱) غاية الأوطار ترجمہ اردو در مختار كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۳۷۴، سعيد)

(۲) "واعلم أن المدرك من صلاها كاملةً مع الإمام واللاحق من فاتته) .... و مقيم ائتم بمسافر". (الدرالمختار). "(قوله: "و مقيم الخ): أي فهو لا حق بالنظرين للأخيرتين، و قد يكون مسبوقاً أيضاً كما إذا فاته أول صلاة إمامه المسافر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۴، سعيد)

"والأصل أن اللاحق يصلي على ترتيب صلوة إمامه .... وهذا على سبيل الوجوب دون الافتراض". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، فروع من سبق بركعة، ص: ۴۷۰، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) (إمداد الفتاوى، كتاب الصلاة، أحكام المسبوق واللاحق: ۱/۳۴۹، مكتبه دار العلوم، كراچى)

اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی: ۳/۳۸۲ میں "القول السافر عن حكم المسبوق خلف المسافر")

شامی: ۱/ ۴۳۹ (۱)۔ البتہ متابعت کی مختلف صورتیں ہیں: ایک مقارنت مع الإمام، ایک مقارنت لابتداء إمامہ مع المشارکۃ فی باقیہ، ان میں سے کوئی ایک متابعت اپنے اپنے موقع پر کافی ہوگی۔

"والحاصل أن المتابعة في ذاتها ثلاثة أنواع: مقارنة لفعل الإمام مثل أن يقارن إحرامه لإحرام إمامه، وركوعه، لركوعه و سلامه لسلامه، و يدخل فيها ما لو ركع قبل إمامه و دام حتى أدركه إمامه فيه ومعاقبة لابتداء فعل إمامه مع المشاركة في باقية، و متراخية عنه، فمطلق المتابعة الشامل لهذه الأنواع الثلاثة يكون فرضاً في الفرض وو اجباً في الواجب و سنةً في السنة عند عدم المعارض". شامي: ۱/ ۲۳۹، ۴۴۰ مطابق: ۳۱۷، طبع نعمانية(۲)۔

لہذا زید کا استدلال غایۃ الاوطار کی عبارت "متى لم يدرك الركوع الخ" سے درست نہیں، کیونکہ اس میں متابعت کی نوع ثالث یعنی متابعت موجود ہے کیونکہ امام کے بعد وہ ان رکوع وسجود کو ادا کرے گا۔ نیز چوں کہ اس کا یہ رکوع معتبر نہ ہوگا، اس لئے ترکِ سجدہ سے فساد لازم آئے گا:

"و لا تفسد بتركهما: أي السجدتين؛ لأن وجوب الإتيان بهما إنما هو لوجوب متابعة الإمام لئلا يكون مخالفاً له كما تجب متابعة المسبوق في القعدة وإن لم تكن على ترتيب صلوته، و إلا فهاتان السجدتان ليستا بعض الركعة التي فاتته؛ لأن السجود لا يصح الأمر تباً على ركوع الصحيح، و لذا لزمه الإتيان بركعة تامة" شامي: ۱/ ۶۷۵(۳)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۷۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۷۱ سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنما جُعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد، وإذا سجد فاسجدوا". الحديث.

"فنقول: إن قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، إنما جعل الإمام ليؤتم به يدل على وجوب مطلق المتابعة الشامل للمقارنة والمعاقبة والتراخي مع ما انضم به من النهي عن الاختلاف والمسابقة على الإمام و ما ورد من الوعيد على ذلك". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وجوب متابعة الإمام: ۴/ ۲۹۰، ۲۹۱، إدارة القرآن)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/ ۶۱، سعيد) .... =

اوراس مسبوق کے مسئلہ سے بھی استدلال صحیح نہیں: "لأن القعدة وإن كانت فرضاً، لكنه يأتي بها في آخر صلوته التي يقضيها بعد سلام إمامه، فقد وجدت المتابعة المتراخية، فلذا صحت صلوته" شامی: ۱/ ۴۴۰(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/ ۸۸ھ۔

مسبوق ولاحق کس طرح سجدۂ سہو کرے؟

سوال[۲۹۹۰]: اگر مسبوق وضوٹوٹ جانے کی بناء پر لاحق ہوجائے اوراس وقت امام سجدۂ سہو کرے اورلاحق بعد امام رکعتِ فائتہ ادا کررہا ہو تو اس کو بھی کوئی ایسا امر پیش آجائے جس سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے تو یہ شخص دوسجدہ سہو کرے یا ایک ہی سے کام چل جائے گا اس کو کفایت کرے گا؟

الجواب حامداً مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں یہ مسبوق لاحق ایک ہی دفعہ سجدۂ سہو کرے، في الدر المختار على هامش ردالمحتار: "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً .... ثم يقضي ما فاته و لو سها فيه سجد ثانياً اهـ". و في رد المحتار: ۱/ ۶۹۶: (قوله: و لو سها فيه) أي فيما يقضيه بعد فراغ الإمام يسجد ثانياً؛ لأنه منفردٌ فيه، والمنفرد يسجد لسهوه، وإن كان لم يسجد مع الإمام لسهوه، ثم سها، وهو أيضاً كفته سجدتان عن السهوين؛ لأن السجود لايتكرر، الخ" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/ ۸۹ھ۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا جئتم إلى الصلاة و نحن سجود، فاسجدوا ولا تعدوها شيئاً، و من أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب الإمامة، باب إدراك الركعة بإدراك الركوع: ۴/ ۳۰۱، إدارة القرآن)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۷۱، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۲، ۸۳، سعيد)

"و لنا حديث ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: لكل =

لاحق کی قرأت کا حکم

سوال[۲۹۹۱]: ۱......امام مسافر نے ظہر کی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا، اگر کسی نے قرأت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کیسی؟ امامت مقیم کی اولیٰ ہے یا مسافر کی؟

لاحق تسمیع کہے یا تحمید؟

سوال[۲۹۹۲]: ۲......مقتدی مقیم بعد سلامِ امام مسافر باقی رکعتیں جو اپنی پڑھے گا ان میں تسمیع پڑھے گا یا تحمید یا دونوں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......امام مسافر جب دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی اپنی دو رکعت بغیر قرأت کے پوری کرے، اگر قرأت کی تو کراہت کا ارتکاب کیا، کیونکہ وہ بحکم مقتدی ہے اور مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ ہے۔ مقیم کی امامت اولیٰ ہے:

"إذا صلی المسافر بالمقیم رکعتین، سلّم، و أتم المقیمون صلوتهم؛ لأن المقتدی ألزم الموافقة فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق، إلا أنه لا یقرأ فی الأصح؛ لأنه مقتدی تحریمة لا قولاً والفرض مؤدی". بحر: ۱۳۵/۲(۱)۔

=سهو سجدتان بعد السلام .... و لأن سجود السهو أخّر عن محل النقصان بالإجماع، وإنما كان لمعنى، ذلک المعنى يقتضي التأخير عن السلام و هو أنه لو أداه هناک ثم سها مرةً ثانيةً و ثالثةً و رابعةً، يحتاج إلى أدائه فی كل محل، و تكرار سجود السهو فی صلاة واحدة غير مشروع، فأخر إلى وقت السلام احترازاً عن التكرار، فينبغی أن يؤخر أيضاً عن السلام حتى أنه لو سها عن السهو لا يلزمه أُخرى فيؤدی إلى التكرار". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فی بيان محل السجود: ۴۱۶/۱، ۴۱۷، رشيديه)

(و كذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۳۰/۱، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲۳۸/۲، رشيديه)

"وصح اقتداء المقيم بالمسافر فی الوقت و بعده، فإذا قام المقيم (إلى الاتمام لا يقرأ) و لا يسجد للسهو (فی الأصح)؛ لأنه كاللاحق". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۱۲۹/۲، سعيد) ...... =

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة .... وثم المقيم على المسافر".

درمختار(۱)۔

۲.....صریح جزئیہ نہیں دیکھا، حکماً مقتدی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ تحمید پر کفایت کرے اور مسبوق ہونے کا تقاضہ ہے کہ جمع کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

امام کی پانچویں رکعت میں اقتداء

سوال[۲۹۹۳]: اگر امام بھول کر چار رکعت کے بعد کھڑا ہو گیا، پانچویں رکعت میں ایک شخص شریک ہو گیا تو وہ شخص کیسے اور کتنی رکعت ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ بہ نیتِ فرض شریک ہوا ہے اس کی شرکت درست نہیں، اس کو ایسے امام کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہئے، شامی: ۱/۵۰۳(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان اقتداء المقيم لمسافر: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعيد)

"واختلف في المسافر مع المقيم قيل: هما سواء، وقيل: المقيم أولى، و ينبغي ترجيحه كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(۲) "لاحق فوت شدہ نماز مع سنن وآداب ادا کرے"۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۸۴، سعید)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم. قال: "إنما جُعل الإمام ليؤتم به .... فلا تختلفوا عليه".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدّس سره: "قلت: احتج به أصحابنا على المنع من اقتداء المفترض بالمتنفل، قالوا: واختلاف النية داخل في ذلك". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب جواز النافلة خلف المفترض و عدم جواز عكسه: ۴/۲۵۷، إدارة القرآن)

"لو اقتدى به مفترض في قيام الخامسة بعد القعود و قدر التشهد، لم يصح". (ردالمحتار، =

نمازِ فجر کے بعد روزانہ کتاب سنانا جب کہ نماز میں مسبوق بھی ہوں

سوال[۲۹۹۴]: بعد نمازِ صبح دعا سے قبل یا بعد مصلّی پر بیٹھ کر روزانہ کوئی دینی کتاب نمازیوں کو سنانا یا جب کہ تلاوت کرنے والوں اور وظیفہ والوں اور مسبوق ولاحق کو پریشانی ہو، شرعاً کیسا ہے؟ یہاں دونوں خیال کے آدمی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں میں عامۃً دین سے بے رغبتی اور بے عملی ہے، اس کے دور کرنے کے لئے دینی معتبر کتاب کا سنانا بہت مفید ہے۔ اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ سب لوگ جماعت سے نماز پڑھیں (۱)، اگر کوئی شخص مسبوق یا لاحق ہوجاوے تو وہ اپنی نماز پوری کرے اس کے بعد کتاب سنائی جائے۔ جن کو قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہو وہ دوسرے وقت بھی کرسکتے ہیں، لیکن نمازیوں کا مجمع پھر بغیر نماز کے جمع نہیں ہوگا۔ اگر دوسرے وقت تلاوت نہ کرسکتا ہو تو دوسری جگہ یا ایک طرف کو آہستہ بھی تلاوت کرسکتے ہیں۔ اس طرح سب کے اتفاق کے ساتھ مشورہ سے کام ہوجائے گا اور انشاء اللہ خیر و برکت بھی ہوگی۔

اتنی بات صحیح ہے کہ پابندی کے ساتھ کتاب سنانا اور روزانہ وعظ فرمانا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو سنتِ مستمرہ تصور نہ کیا جائے، بلکہ یہ ایسا ہے جیسے مدارس میں تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے کہ وہاں روزانہ تعلیم کی جاتی ہے، یا اسپتال میں داخل شدہ آدمی کو روزانہ دوا دی جاتی ہے کہ یہ ضرورت کی

= كتاب الصلاة، باب سجود السهو : ۲/۸۸، سعيد)

"إذا قعد في الرابعة قدر التشهد، وقام إلى الخامسة ساهياً، و اقتدى به رجل، لا يصح اقتداؤه ولو عاد إلى القعدة؛ لأنه لما قام إلى الخامسة فقد شرع في النفل، فكان إقتداء المفترض بالمتنفل، و لو لم يقعد مقدار التشهد، صح اقتداؤه ؛ لأنه لم يخرج من الفرض قبل أن يقيدها بسجدة". (البحر الرائق، باب سجود السهو : ۲/۸۶، رشيديه)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : "صلوة الجماعة تفضل على صلوة الرجل وحده بسبع وعشرين درجةً". (جامع الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في فضل الجماعة : ۱/۵۲، سعيد)

بناء پر ہے، محض امرِ تعبدی نفل روزہ کی طرح نہیں، جس قدر ضرورت ہو اس کو اختیار کیا جائے (۱)۔ اگر اس طرح نمازی متفق نہ ہوں اور وہ ضد میں آکر کتاب سنانے کے وقت زور سے تلاوت شروع کردیں (گو مخلصین سے اس کی توقع نہیں) تو پھر مجبوراً مسجد کے کسی الگ کونے میں ہلکی آواز سے کتاب سنائی جاوے تاکہ دونوں آوازوں میں تصادم پیدا نہ ہو، یا اگر اس پر متفق ہوجائیں کہ ہفتہ میں ایک دن یا دو دن کتاب سنائی جایا کرے تو اسی کو اختیار کرلیں۔ غرض نزاع نہ کریں، قرآن پاک میں ہے: ﴿ولا تنازعوا﴾ الآیة (۲)۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الفجر مصلی پر تشریف فرما رہتے، کبھی لوگوں سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے کبھی اپنا خواب بیان فرماتے (۳)، کبھی مختلف قسم کی گفتگو فرماتے رہتے، یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت کا ذکر شروع ہوگیا اور کسی نے اس دور کے اشعار سنائے تو ایک مجلس میں سو سو اشعار کی نوبت آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن شقيق قال: كان عبدالله بن مسعود يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمن! لوددت أنك ذكرتنا في كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة".

قال القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن الملك: أي يعظنا يوماً دون يوم، ووقتاً دون وقت. ويروى بالحاء المهملة أيضاً: أي يتأمل أحوالنا التي ننشط فيها للموعظة فيعظنا فيها، وكذلك يفعل المشايخ و الوعاظ في تربية المريدين". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/ ۴۶۱، ۴۶۲، رشيديه)

(۲) (سورة الأنفال: ۴۶)

(۳) "عن سمرة بن جندب قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا صلى، أقبل علينا بوجهه، فقال: "من رأى منكم الليلة رؤيا"؟ قال: فإن رأى أحدٌ قصّها، فيقول: "ماشاء الله"، فسألنا يوماً فقال: "هل رأى منكم أحد رؤيا"؟ قلنا: لا، قال: "لكني رأيت الليلة رجلين". (إلى آخر الحديث) (مشكوة المصابيح، كتاب الرؤيا، الفصل الأول، ص: ۳۹۵، ۳۹۶، قديمي)

باب الحدث فی الصلوۃ

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

لحوقِ حدث سے بناء کا حکم

سوال[۲۹۹۵]: مقتدی کو نماز میں حدثِ اصغر ہو جائے تو وضو کرے یا نہیں؟ اگر وضو کرنے جائے تو کتنی دور جا سکتا ہے؟ اور اسی نیت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو فوت شدہ کو کس وقت پڑھے؟ غرضیکہ بناء کے متعلق جملہ صورتیں ارشاد فرمائی جائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر نماز میں کسی کو بلا قصد حدث اصغر غیر اختیاری لاحق ہو جائے تو شرعاً اس کو اجازت ہے؟ کہ وہ فوراً خاموش چلا جائے اور جس قدر قریب پانی ہو اس سے وضو کر کے دوبارہ اپنی جگہ آ جائے اور اسی پر بناء کرے اور جس میں حدث ہوا تھا اس کا اعادہ کرے(۱)۔ اگر یہ نمازی مقتدی تھا اور امام اتنے میں نماز سے فارغ ہو چکا تو اس کو اختیار ہے خواہ پہلی جگہ لوٹ آئے خواہ وضو کی جگہ ہی پڑھ لے اور اگر فارغ نہیں ہوا تو پہلی جگہ لوٹ آئے اور اتنی دیر میں امام نے جس قدر نماز پڑھی ہے اس کے اعتبار سے یہ مقتدی لاحق ہے۔ پس اگر یہ چھوٹی ہوئی نماز کو پڑھ کر امام کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے تب تو اس کو بلا قرأت مقتدی کی طرح پڑھ کر امام کے ساتھ شریک

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلوته، وهو في ذلک لايتكلم". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، باب ما جاء في البناء على الصلوة، ص: ۸۵، قديمي)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه قال: يجزئه، والاستيناف أحب إلي. قال محمد: و بقول إبراهيم نأخذ ذلک يجزئ، فإن تكلم واستقبل فهو أفضل، وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، كتاب الصلوة، باب الرعاف في الصلوة والحدث، ص: ۲۹، إدارة القرآن)

ہوجائے، پہلے امام کے ساتھ شریک ہوجائے اور فراغتِ امام کے بعد چھوٹی ہوئی نماز بلاقرأت پڑھ لے۔

اگر وہ شخص جس کو حدث لاحق ہوگیا امام تھا تو کسی مدرک کو اپنا خلیفہ بنادے اور رکعات کی مقدار انگلی کے اشارہ سے بتائے، رکوع کے لئے گھٹنے اور سجدہ کے لئے پیشانی اور زبان پر اور سجدہ سہو کے لئے سینہ پر ہاتھ سے اشارہ کرے اور پھر بطریق مذکور وضو کر کے جماعت میں شریک ہوجائے اور نماز پوری کرے، لیکن استیناف بہرحال افضل ہے کیوں کہ جوازِ بناء کے لئے تیرہ شرطیں ہیں جن کی حفاظت ہر شخص سے دشوار ہے، کذا فی حاشیة الطحطاوی، ص: ۱۴۹ (۱) و غنیة المستملی للحلبی الکبیر، ص: ۴۲۷ (۲)۔

---

(۱) "(ومكثه قدر أداء ركن بعد سبق الحدث مستيقظاً) بلا عذر، فلو مكث لزحام أو لينقطع رعافه أو نوم رعف متمكناً، فإنه يبني و يرفع راسه من ركوع أو سجود سبقه فيه الحدث بنية التطهير لا بنية إتمام الركن حذراً عن الإفساد به، و يضع يده على أنفه تستراً ...... كما إذا لم يعد لإمامه و قد بقي فيها، وإذا فرغ منها، فله الخيار، إن شاء أتمها في مكانه أو عاد واختلفوا في الأفضل ..... والأفضل الاستئناف خروجاً من الخلاف، و عملاً بالإجماع". (مراقي الفلاح).

وقال العلامة الطحطاوي: "(قوله: كما إذا لم يعد لإمامه) اعلم أنه إذا كان منفرداً، فالعود أفضل لتقع الصلوة في مكان واحد، و قيل: الأفضل أن لا يعود لما فيه من تقليل المشي، وكذا إذا كان مقتدياً فرغ إمامه، فإن لم يفرغ وكان بينهما ما يمنع الاقتداء، تحتم عليه العود. والإمام كالمقتدي في تحتم العود إن كان ثمة ما يمنع الاقتداء لتحول الإمامة عنه". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، قديمي)

(۲) وقال العلامة إبراهيم الحلبي الكبير رحمه الله : "من سبقه حدث سماوي من بدنه موجب للوضوء في الصلوة، انصرف من فوره، و توضأ من غير أن يشتغل بشيء غير ضروري في وضوئه، و بنى على صلاته عندنا إن لم يعرض له ما ينافيها .... و لكن الاستيناف أفضل للعبد عن شبهة الخلاف، وقيل: ذلك في المنفرد، وأما الإمام والمقتدي فالبناء أفضل في حقهما إحرازاً فضيلة الجماعة، و على هذا فلو أمكنهما الاستيناف بجماعة أخرى فهو أفضل في حقهما أيضاً. ثم المنفرد أتمها في مكان وضوئه إن أمكن أو أقرب المواضع إليه إن لم يمكن تحرزاً عن زيادة المشي، وإن شاء رجع إلى مصلاه ليؤدي صلاته في مكان واحد، والمقتدي يعود إلى مكانه البتة إن لم يفرغ إمامه . ولو أتم في غيره، لايصح إذا كان بينه و بين إمامه ما يمنع صحة الاقتداء. وإن كان إمامه قد فرغ يتخير كالمنفرد. والإمام حكمه=

ودرمختار، ص:٦٢٦(١) اورعلامہ شامی نے اس مسئلہ کی تفصیل پندرہ صفحات میں لکھی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۰/۷/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد، الجواب صحیح:عبداللطیف، ۱۲/رجب۔

حدث لاحق ہونے کی صورت میں امام، منفرد اور مقتدی کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال[۲۹۹۶]:وضو کند، بر ہمان نماز بنا کند، اگر منفرد باشد أورا از سرِ نو نماز خواندن افضل است، واگر امام باشد خلیفہ گیرد، و ضو کند و داخلِ مقتدیان شود، و مقتدی وضو کردہ باز آید بمکان کہ آنجا بود.

= حکم المقتدی: لأنه یصیر من جملة المقتدین". (الحلبی الکبیر (غنیة المستملی)، کتاب الصلوة، فصل فیما تفسد الصلوة، فروع، ص: ۴۵۲، ۴۵۳، سهیل اکیڈمی)

(١) "اعلم أن لجواز البناء ثلاثة عشر شرطاً: کون الحدث سماویاً من بدنه غیر موجب لغسل و لا نادر وجوداً .... (سبق الإمام حدث) سماوی لا اختیار للعبد فیه .... (غیر مانع للبناء) کما قدمناه (و لو بعد التشهد) لیأتی بالسلام (استخلف): أی جاز له ذلک و لو فی جنازة بإشارة أو جر لمحراب و لو لمسبوق، و یشیر بأصبع لبقاء رکعة وباصبعین لرکعتین، و یضع یده علی رکبته لترک رکوع، و علی جبهته لسجود، و علی فمه لقرأة، و علی جبهته و لسانه لسجود تلاوة، أو صدره لسهو (ما لم یجاوز الصفوف لو فی الصحراء) .... (و استینافه أفضل) تحرزاً عن الخلاف .... و إذا ساغ له البناء توضأ) فوراً بکل سنة (و بنی علی ما مضی) بلا کراهة (و یتم صلاته ثمة) و هو أولی تقلیلاً للمشی (أو یعود إلی مکانه) لیتحد مکانها (کمنفرد) فإنه مخیر. وهذا کله (إن فرغ خلیفته والإعاد إلی مکانه) لو بینهما ما یمنع الاقتداء الخ". (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب الاستخلاف: ۱/۵۹۹-۶۰۲، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاویٰ:۳/۴۳۴، کتاب الصلوۃ، باب مفسدات الصلوۃ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: الکلام فی محل البناء و کیفیته: ۱/۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، رشیدیه)

۱.... سوال یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے امام مقتدی اور منفرد تین قسم کے لوگ ہیں، پہلے ایک حکم ہے: درنماز حدث لاحق شود وضو کند، پھر امام اور منفرد و مقتدی کے لئے الگ الگ حالتیں بیان کی گئیں۔ اس عبارت کا صحیح محمل کیا ہے؟

۲.... دو آدمی برابر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ایک امام تھا دوسرا مقتدی، تیسرے شخص نے امام کو آگے بڑھا کر امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور خود اسی ایک مقتدی کے ساتھ صف میں کھڑا ہوگیا، اب بعد سلام کے امام اپنی جگہ علی حالہ بیٹھا رہے یا داہنے طرف مڑ کر بیٹھے پھر دعاء کرے یہ عصر کی نماز تھی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.... منفرد کے لئے اس صورت میں استیناف افضل ہے اس کا اپنا تنہا کا معاملہ ہے، امام کے لئے خلیفہ بنا دینا افضل ہے اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں، ان سب کی نماز بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے، اس کو خلیفہ بنا دینا افضل ہے تاکہ وقتِ حدث تک جتنی نماز پڑھ چکے ہیں وہ خراب اور بیکار نہ ہو، ان کو استیناف (از سرنو پڑھنا اور پڑھی ہوئی کو بیکار قرار دینا) شاق ہوگا، بناء میں یہ بات نہ ہوگی (۱)۔

۲.... دائیں بایاں میں اس طرح مڑ کر بیٹھ سکتا ہے کہ مسبوق کی طرف اس کا رخ نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن الاستيناف أفضل تحرزاً عن الخلاف". (الدر المختار). "قلت: هذا ظاهر في المنفرد؛ لأن ما نواه، هو عين صلاته من كل وجه، بخلاف الإمام أو المقتدي تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف: ۱/۶۰۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة: ۱/۲۵۷، مكتبه إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة والحدث في الصلوة: ۱/۳۶۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن السدي عن أنس رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه".

"عن عبد الله قال: "لا يجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزأ لا يرى إلا أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، أكثر ما رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن شماله". (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب جواز الانصراف من الصلوة عن اليمين والشمال: ۱/۲۴۷، قديمي)

پہلی صف کے نمازی کا وضوٹوٹ گیا، کیا کرے؟

سوال[۲۹۹۷]: بڑے اژدھام کے موقع پر کوئی شخص اگلی صف میں ہو اور اس کا وضوٹوٹ گیا ہو تو وہ شخص نمازیوں کے سامنے سے ہوکر گزر سکتا ہے یا صفوں کو پھاڑتے ہوئے چیرتے ہوئے نکلے؟ تو اس صورت میں ایذائے مسلم لازم آئے گی اور اژدھام کی صورت میں صفوفِ کثیرہ کو چیرتے پھاڑتے ہوئے گزرنا بڑا دشوار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر صف کے دو آدمیوں کے درمیان سے نکلنا ہوگا اس کی اجازت ہے (۱)، تاہم اگر دشوار ہو تو وہیں بیٹھ جائے نماز میں شریک نہ رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۹ھ۔

مقتدی کا وضوٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال[۲۹۹۸]: جماعت ہورہی ہے اور مسجد اندر سے بھر رہی ہے اور پہلی صف کے اندر یا تیسری

= "وإن كان لا يتنفل بعدها يقعد مكانه، و إن شاء انحرف يميناً أو شمالاً. و إن شاء استقبلهم بوجهه إلا أن يكون بحذائه مصل، سواء كان في الصف الأول أو في الأخير، والاستقبال إلى المصلي مكروه، هذا ما صححه في البدائع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۵۳۱، ۵۳۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل: الشروع في الصلوة: ۱/۲۳۳، دار المعرفة بيروت)

(۱) "نماز کی اصلاح (وضو وغیرہ) کے لئے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے لہذا جاتے وقت سامنے سے گزر جائے اور واپسی تک اگر وہ جگہ خالی ہے، تو سامنے سے گزر کر اس جگہ کو پر کرے، بلکہ سامنے سے جانے کی جگہ نہ ہو تو صف کو چیر کر بھی جا سکتا ہے"۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۹۷، سعید)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: 'إذا صلى أحدكم، فأحدث، فليمسك على أنفه، ثم لينصرف'". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب جواز البناء لمن أحدث في الصلوة الخ: ۵/۱، إدارة القرآن)

(وأيضاً سيأتي تخريجه تحت عنوان: "مقتدی کا وضوٹوٹ جائے تو کیا کرے؟")

صف کے اندر کسی کا وضوٹوٹ گیا تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نمازیوں کے درمیان کونکلتا ہے اس طرح پر کہ کسی کی نماز قبلہ کی طرف سے سینہ پھر جانے کی وجہ سے فاسد نہ کرے تو نکل آئے ورنہ وہیں بیٹھا رہے(۱)۔

وضوٹوٹ گیا باہر جانے کو جگہ نہیں تو کیا کرے؟

سوال[۲۹۹۹]: ایک شخص کا وضوٹوٹ گیا کئی صفوں کے درمیان کھڑا ہے اب باہر کس طرح نکلے جب کہ جگہ نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باہر نکلنے کی جگہ ہو تو چلا آئے ورنہ نیت ختم کر کے وہیں بیٹھ جائے (۲) پھر وضو کر کے دوبارہ پوری نماز پڑھے اگر اپنی پہلی جگہ جماعت میں شرکت کر سکتا ہے تو جا کر شریک ہو جائے ورنہ جہاں جگہ ملے وہیں پڑھ لے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۷ھ۔

---

(۱) چونکہ قبلہ سے سینہ کا انحراف مفسدِ نماز ہے، اس وجہ سے دوسرے نمازیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے وہیں بیٹھنا چاہیے: "(وتحویل صدره على القبلة". (التنوير). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "قال في البحر في شروط الصلاة: والحاصل أن المذهب أنه إذا حول صدره فسدت، كما عليه عامة الكتب". (ردالمحتار: ۱/۶۲۶، ۶۲۷، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلو ومايكره فيها، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية السابقة)

(۳) "ومنها: إذا كان مقتدياً أن يعود إلى الإمام إن لم يكن فرغ الإمام وكان بينها حائل يمنع جواز الاقتداء ولو فرغ إمامة لايعود". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۹۵، كتاب الصلوة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة: ۱/۴۹۹، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۶۴۲، كتاب الصلوة، باب الحدث في الصلوة، رشيديه)

نماز میں حدث ہوجائے، پانی دور ہوتو کیا کرے؟

سوال[۳۰۰۰]: کسی مصلی نے حالتِ صلوۃ میں جوریح نکلنے والی تھی اس کو دبالیا تو کیا اس کی نماز ہوگئی؟ نیز اگر اس نے حالتِ نماز میں ریح خارج کیا تو کیا وضو کے لئے ایک مسجد سے دوسری مسجد میں جانا پڑے گا، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ریح خارج نہیں ہوئی تو نماز ہوگئی، اگر ریح خارج ہوگئی تو وضو باقی نہیں رہا، پانی کہیں بھی ہو خواہ دوسری مسجد میں یا مکان پر وہاں جاکر وضو کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۵ھ۔

ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ حدث لاحق ہوگیا

سوال[۳۰۰۱]: سلام ایک طرف پھیرا اور فوراً حدثِ اصغر لاحق ہوگیا، نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوجائے گی: "فیحصل التحلیل بسلامٍ واحدٍ". در مختار: ۱/۴۹۰ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "و فی السراجیة: إذا سبقه حدث فی صلوته، جاز له أن یبنی .... إذا سبقه الحدث، فإنه یذهب إلی الماء وإن کان بعیداً". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الحدث فی الصلوة، ص:۱۳، سعید)

"لأن الوضوء أمرٌ لا بد للبناء منه، والمشی، والاغتراف، والاستقاء عند الحاجة من ضرورات الوضوء". .... و ما مشی کل ذلک کان محتاجاً إلیه لتحصیل التطهیر، فلایوجب فساد الصلوة".
(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل وأما شرائط جواز البناء: ۱/۵۲۰، رشیدیه)

(۲) (کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۲۵ سعید)

"عن علی رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "مفتاح الصلوة الطهور، و تحریمها التکبیر، و تحلیلها التسلیم".

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ علیه تحت هذا الحدیث: "إذا جلس مقدار التشهد، ثم =

قعدہ اخیرہ میں بعد التشہد حدث کا حکم

سوال [۳۰۰۲]: نوافل نماز میں اگر قعدۂ اخیرہ میں التحیات اور درود کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو کیا نماز ہو جائے گی یا دوبارہ وضو کرے اور التحیات اور درود پڑھ کر سلام پھیرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل یہ ہے کہ دہرائی جائے، اجازت اس کی بھی ہے کہ وضو کرکے بنا کرلی جائے یعنی وضو کرکے سلام پھیر دیا جائے، مگر اس کی شرائط سخت ہیں، عامۂ لوگ ان سے واقف نہیں اس لئے دہرانا ہی بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= أحدث، فقد تم صلاته". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب وجوب الخروج من الصلوة بالسلام: ۳/۱۴۰، ۱۴۱، إدارة القرآن)

"وأما حكمه، فهو الخروج من الصلوة، ثم الخروج يتعلق باحدى التسليمتين عند عامة العلماء. و قد روى عن محمد أنه قال: التسليمة الأولى للخروج والتحية، والتسليمة الثانية للتحية خاصةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل أما الذى هو عند الخروج من الصلوة فلفظ السلام: ۱/۴۵۷، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذى، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلوته، و هو فى ذلك لايتكلم"

"والأحاديث فى الباب مختلفة، منها: مايدل على الاستيناف، و منها ما يدل على البناء، فجمعنا بينها بأن حكمنا بجواز كليهما واستحباب الاستيناف". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب جواز البناء لمن أحدث فى الصلاة: ۵/۱، إدارة القرآن كراچى)

"(سبق الإمام حدث) .... (غير مانع البناء) كما قدمناه (ولو بعد التشهد) ليأتى بالسلام .... (واستينافه أفضل) تحرزاً عن الخلاف .... (وإذا ساغ له البناء توضأ) فوراً بكل سنة (و بنى على مامضى) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۹-۶۰۵، سعيد)

"ثم ما ذكرنا من جواز البناء لا يختلف، سيما إذا كان الحدث فى وسط الصلاة أو آخرها، حتى لو سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد الأخير، يتوضأ و يبنى عندنا؛ لأنه يحتاج إلى الخروج بلفظ السلام التى هى واجبة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: فصل: الكلام فى محل البناء و كيفيته الخ ۱/۵۲۱، رشيديه)

گمانِ حدث پر رکوع سجدہ کرتا رہا

سوال[۳۰۰۳]: لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے سمجھا کہ میرا وضوٹوٹ گیا اور ویسے ہی رکوع سجدہ کرتا رہا، سمجھا کہ نماز سے خارج ہوں، پھر یقین ہوا کہ وضو نہ ٹوٹا تھا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

عاشق غفرلہ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

وضوٹوٹنے کے گمان پر اگر نماز سے خارج ہونے کی نیت کرلی اور بغیر نیتِ نماز قیام، رکوع، سجدہ کرتا رہا تو نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ولو غلب على ظنه في الصلوة أنه أحدث أو أنه لم يمسح، تيقن بذلك لا شك له فيه، ثم تيقن أنه لم يحدث أو قد مسح، قال أبو بكر: إن كان أدّى ركناً حال التيقن بالحدث أو بعدم المسح، فإنه يستقبل الصلوة، وإلا يمضي فيها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ومما يتصل بذلك مسائل الشك: ۱/۱۳۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل في مسائل الشك الخ: ۱/۱۰۸، رشيديه)

باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا

الفصل الأول فیما یفسد الصلوۃ

(مفسداتِ نماز کا بیان)

نماز میں چڑیا کا خون لگ گیا تو کیا نماز فاسد ہوگئی؟

سوال[۴۰۰۲]: زید نماز پڑھ رہا تھا کہ پنکھے سے ٹکرا کر چڑیا گر گئی، اس کا بازو ٹوٹ گیا اور خون جاری ہوگیا اور اس کا خون زید کی ٹوپی پر گر پڑا، بعد میں معلوم ہوا۔ تو اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایک درہم سے زائد خون لگ گیا، تو نماز فاسد ہوگئی (۱)، عین نماز میں پتہ چل جائے تو اسی وقت نماز ختم کردے کپڑا پاک کرکے دوبارہ پڑھے، اگر پتہ نہ چلے تو جب معلوم ہو کپڑا پاک کرکے اعادہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۱ھ۔

---

(۱) "النجاسة إن كانت غليظةً –و هي أكثر من قدر الدرهم– فغسلها فريضة، و الصلاة بها باطلة الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار ،باب الأنجاس : ۱/۳۱۶ ، سعيد)

"أما النجاسة القليلة : فإنها لا تمنع جواز الصلاة سواء كانت خفيفةً أو غليظةً استحساناً ...... و لهذا قدرنا بالدرهم على سبيل الكناية عن موضع خروج الحدث . كذا قاله إبراهيم النخعي رحمه الله تعالىٰ: إنهم استقبحوا ذكر المقاعد في مجالسهم ، فكنوا عنه بالدرهم .... وأما النجاسة الكثيرة، فتمنع جواز الصلاة". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً : ۱/۲۲۸، ۲۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وجد في ثوبه منياً، أو بولاً، أو دماً، أعاد من آخر احتلام و بول و رعاف". (الدر المختار، فصل في البئر: ۱/۲۱۹، سعيد)

مذی و ودی والے کپڑے میں نماز کا حکم

سوال[۳۰۰۵]: مذی و ودی اگر جسم یا کپڑے میں لگی ہوئی ہو اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں، بغیر دھوئے ہوئے، پھر اگر معاف ہے تو مقدارِ عفو کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذی، ودی کو فقہاء نے نجاستِ غلیظہ لکھا ہے، ایک درہم سے کم مقدار بدن پر یا کپڑے پر لگی رہے اور نماز پڑھ لے تو نماز بالکراہت ادا ہو جائے گی، زیادہ ہو تو نماز درست ہی نہ ہوگی، ہاتھ کی ہتھیلی کے گڈھے سے رقیق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نماز میں یاد آیا کہ بڑا استنجا نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۰۰۶]: کوئی شخص بڑا استنجاء کرنا بھول گیا اور نماز میں یاد آ گیا کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک نجاست مخرجِ نجاست سے متجاوز نہ ہو استنجا سنت ہے، جب مخرج سے متجاوز ہو جائے اور مقدارِ درہم ہو تو پانی سے اس کا ازالہ واجب ہے اور جب مقدارِ درہم سے بھی متجاوز ہو جائے تو پانی سے اس کا

= و فی المبسوط: "وإن انتضح البول علی المصلي أكثر من قدر الدرهم من موضع، فانفتل فغسله، لم يبن علی صلاته". (المبسوط للسرخسي، باب الحدث في الصلاة: ۱/۳۵۳، المكتبة الغفاريه)

(۱) "(وعفا) الشارع (عن قدر درهم)، وإن كره تحريماً، فيجب غسله .... (وعرض مقعر الكف في رقيق من مغلظة كعذرة) آدمي، وكذا كل ماخرج منه موجباً لوضوء أو غسل مغلظ". (الدرالمختار).

(قوله: وإن كره تحريماً) أشار إلی أن العفو عنه بالنسبة إلی صحة الصلاة به، .... ففي المحيط: يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أو دونه من النجاسة عالماً به لاختلاف الناس فيه". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶، ۳۱۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/۲۲۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

دھونا فرض ہے(۱)، تو یہ تین صورتیں ہوئیں۔ پہلی صورت میں نماز تمام کرے اور بس (۲)، دوسری صورت میں نماز تمام کر کے اس کا اعادہ بھی استنجا کرنے کے بعد کرے (۳)، تیسری صورت میں نماز کا شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا، لہٰذا نماز توڑ کر استنجا کرے اور از سرِ نو نماز پڑھے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحلبي: "(و) من الآداب (أن يغسل مخرج النجاسة إذالم تتجاوز) النجاسة (مخرجها، أما إذا جاوزت مخرجها والحال أنها (لم تكن قدر الدرهم) وزناً في الكثيف ...... (فغسله سنة، وإن كانت قدر الدرهم فغسله واجب، وأما إن زادت) النجاسة المتجاوزة عن المخرج (على قدر الدرهم فغسله): أي النجس أوالمخرج (فرض) إجماعاً". (غنية المستملي، مطلب في آداب الوضوء، ص: ۲۹، مكتبه سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الدر المختار، باب الأنجاس: ۱/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في الاستنجاء، ص: ۴۴، قديمي)

(۲) "ولو تركه، صحت صلاته. قال في الخلاصة: بناءً على أن النجاسة القليلة عفو عندنا، و علماؤنا فصّلوا بين النجاسة التي على موضع الحدث والتي على غيره، في غير موضع الحدث إذا تركها يكره، وفي موضعه إذا تركها لا يكره". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۴۱۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/۴۲۸، مكتبه دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶، سعيد)

(۳) "كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، تجب إعادتها، والمختار أنه جابرٌ للأول". (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

"(قوله: وكذا كل صلاة، الخ) .... بل قال في فتح القدير: والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم، فتجب الإعادة، أو تنزيه فتستحب". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۷، سعيد)

(۴) "ثم الشرط ....العلامة اللازمة، و شرعاً ما يتوقف عليه الشيء و لا يدخل فيه (هي) ستة: =

نماز کے بعد دانتوں میں خون دیکھنا

سوال[۳۰۰۷]: ایک شخص نے نماز پڑھائی، نماز کے پندرہ بیس منٹ بعد دانتوں میں خون دیکھا یہ پتہ نہیں کب کا ہے تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نماز صحیح ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم۔

بے وضو نماز پڑھادی تو نمازیوں کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے

سوال[۳۰۰۸]: ایک روز میں گھر سے عصر کی نماز پڑھ کر بازار گیا اور مغرب تک وہیں رہ گیا، جب مغرب کی اذان ہوئی میں مسجد میں گیا، وہاں نماز پڑھانے والا کوئی نہ تھا، میں نے چونکہ کچھ روز تک وہاں

= (طهارة بدنه): أى جسده ...... (من حدث) بنوعيه ...... (و خبث) مانع كذلك (و ثوبه)، وكذا ما يتحرك بحركته". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

قال العلامة الكاساني: "أما شرائط أركان الصلاة، فمنها: الطهارة ...... والطهارة الحقيقية: هي طهارة الثوب، والبدن، و مكان الصلاة عن النجاسة الحقيقية. و الطهارة الحكمية: هي طهارة أعضاء الوضوء عن الحدث، و طهارة جميع الأعضاء الظاهرة عن الجنابة". (بدائع الصنائع، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۳۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وفي السراج: لو وجد في ثوبه نجاسةً مغلظةً أكثر من قدر الدرهم ولم يعلم بالإصابة، لم يعد شيئاً بالإجماع، وهو الأصح اهـ. قلت: وهذا يشمل الدم، فيقتضي أن الأصح عدم الإعادة مطلقاً، تأمل".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر مطلب مهم في تعريف الاستحسان: ۱/۲۲۰، سعيد)

"ومشايخنا قالوا .... وفي الدم في آخر مارعف .... واختار في المحيط أنه يعيد شيئاً لو رأى دماً". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۲۲۱، رشيديه)

نماز پڑھائی تھی اس لئے لوگوں نے مجھ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی۔ اس وقت مجھ کو وضو کا خیال نہیں تھا، جب تکبیر ہو چکی اور میں نے نیت باندھ لی تو خیال آیا کہ میرا وضو نہیں ہے مگر میں نے نماز پڑھا دی اور سلام پھیرنے کے بعد بہت دیر تک بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اب کیا کروں؟ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں میرے پیچھے چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اور وہ کئی جگہ کے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بھول سے بے وضو شروع کردی تھی پھر یاد آ گیا تو اسی وقت نمازیوں کو خبر کرنا لازم تھا کہ مجھے وضو نہیں، وضو کرلوں تب نماز پڑھاؤں گا، یاد آنے پر بلا وضو نماز پڑھانا سخت گناہ ہے (۱)، خدا کے سامنے توبہ واستغفار لازم ہے، نیز سب مقتدیوں کو اعلان کر کے خبر کردیں کہ فلاں روز فلاں وقت کی نماز نہیں ہوئی اس کو سب دوبارہ پڑھیں، جو مقتدی اعلان کے وقت موجود نہ ہوں ان کو دوسرے وقت اطلاع کرنا واجب ہے (۲) ورنہ ان کی نماز خراب ہونے کا وبال سر پر رہے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۴ھ۔

بلغم منہ میں لئے ہوئے نماز پڑھنا

سوال [۳۰۰۹]: بلغم منہ میں لئے مگر منہ کھول کر نماز ادا کرلے تب کیا حکم ہے اور اگر تسبیح منہ بند

---

(۱) "(ففرض الوضوء)...... و حکمه أن یستحق العقاب تارکه، و یکفر جاحده". (مجمع الأنهر، کتاب الطهارة: ۱/۹، مکتبه دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"قلت: و به ظهر أن تعمد الصلاة بلا طهر غیر مکفر کصلاة لغیر القبلة، أو مع ثوب نجس". (الدرالمختار، کتاب الطهارة: ۱/۸۱، سعید)

(۲) "(وإذا ظهر حدث إمامه .... (بطلت، فیلزم إعادتها) لتضمنها صلاة المؤتم صحةً و فساداً (کما یلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم: و هو محدث أو جنب) أو فاقد شرط أو رکن .... (بالقدر الممکن) بلسانه أو (بکتاب أو رسول علی الأصح) لو معینین، و إلا لایلزمه. بحر عن المعراج".

(تنویر الأبصار مع الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، ۵۹۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۴۰، رشیدیه)

(و کذا فی النهر الفائق، باب الإمامة و الحدث فی الصلاة: ۱/۲۵۵، مکتبه امدادیه ملتان)

6

کرکے کہہ دے تب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس سے قرأت ترک ہوجائے گی تو نماز نہیں ہوگی، بغیر زبان اورلبوں کی حرکت دیئے تسبیحات کس طرح کہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک کپڑے وبدن والے شخص کے لقمہ دینے سے فسادِ نماز کا حکم

سوال[۳۰۱۰]: ایک شخص نابینا ہے اور وہ نماز میں شریک ہوکر امام کو لقمہ بھی دیتا ہے اور اس کا بدن بھی ناپاک رہتا ہے اور کپڑے بھی ناپاک رہتے ہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ نہ وہ بدن پاک کرتا ہے نہ کپڑے پاک کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کا بدن اور کپڑا ناپاک ہے اور وہ پاک کرنے پر قادر ہو، اس کو بغیر پاک کئے نماز میں شرکت جائز نہیں (۲)، اگر وہ نماز پڑھے گا تو فریضہ ادا نہیں ہوگا اور بجائے ثواب کے ایسا شخص سخت عذاب کا مستحق ہوگا،

---

(۱) "(وأخذ درهم) ونحوه (في فيه لم يمنعه من القرآءة) فلو منعه تفسد، اهـ". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۰، ۶۴۱، سعيد)

"و لا يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا يمنعه عن القراة، وإن منعه لم تجز صلاته. .... وإن منعه عن أداء الحروف، أفسد الصلاة. وإن لم يمنعه عن عين القراة، و إنما منعه عن سنة القراة، لاتفسد صلاته. و لكن يكره له، وإن لم يمنعه شيئاً، فلا بأس به". (الفتاوى التاتار خانية، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي و ما لا يكره له: ۱/۵۲۵، إدارة القرآن)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في ما يكره فعله في الصلاة و ما لايكره، ص: ۳۵۲، مكتبه سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "ثم الشرط لغةً العلامة اللازمة، وشرعاً مايتوقف عليه الشئ و لا يدخل فيه. (هي) ستة: (طهارة بدنه): أي جسده .... (من حدث) بنوعيه .... (وخبث) مانع كذلك (وثوبه)، وكذا مايتحرك بحركته". (الدر المختار، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۱، سعيد)

"تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب، هكذا في الزاهدي=

حتی کہ ایسا کرنے سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے، وہ شخص خواہ آنکھوں والا ہو خواہ نابینا ہو، اگر ایسا شخص نماز میں شریک ہوکر امام کو لقمہ دے گا اور امام اس کا لقمہ لے گا تو امام کی اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۹/۶۷ھ۔

اگر ناپاکی کی مقدار عفو سے زیادہ ہے، تو جواب صحیح ہے، معمولی چھینٹیں یا اتنی ناپاکی جو معاف ہے اس سے نماز ہوجاتی ہے اور لقمہ دینا بھی درست ہے اور جب تک ظنِ غالب ہو، محض احتمال کی بنا پر کسی کو ناپاک کہنا اور نماز کو فاسد قرار دینا صحیح نہ ہوگا (۲)، سائل کو خود تحقیق کرنی چاہئے۔

سعید احمد غفرلہ۔

= فی باب الأنجاس". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث فی شروط الصلوة: ۱/۵۸، رشیدیه)

"(قوله: هی طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه ومکانه). أما طهارة بدنه من الحدث، فبآیة الوضوء والغسل، ومن الخبث فبقوله صلی الله علیه وسلم: "تنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه" ولحدیث فاطمة بنت أبی حبیش رضی الله تعالیٰ عنه: "اغسلی عنک الدم وصلی" .... وأما طهارة ثوبه، فلقوله تعالیٰ: ﴿وثیابک فطهر﴾ [المدثر، آیت: ۴] فإن الأظهر أن المراد ثیابک الملبوسة، وأن معناه طهرها من النجاسة. وقد قیل فی الآیة غیر هذا، لکن الأرجح ماذکرناه، وهو قول الفقهاء، وهو الصحیح کماذکره النووی فی شرح المهذب". (البحر الرائق، باب شروط الصلوة: ۱/۴۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة: ۱/۸۱، سعید)

(۱) "و فی القنیة: ارتج علی الإمام، ففتح علیه من لیس فی صلاته و تذکر، فإذا أخذ فی التلاوة، قبل تمام الفتح، لم تفسد، و إلا تفسد؛ لأن تذکره یضاف إلی الفتح .... و لو سمعه المؤتم ممن لیس فی الصلاة، ففتحه علی إمامه یجب أن تبطل صلاة الکل؛ لأن التلقین من خارج". (البحر الرائق، باب ما یفسد الصلوة و ما یکره فیها: ۲/۱۱، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فیما یفسد الصلوة و ما یکره فیها ۱/۹۹، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار، باب ما یفسد الصلوة و ما یکره فیها: ۱/۶۲۲، سعید)

(۲) "النجاسة إن کانت غلیظة، و هی أکثر من قدر الدرهم، فغسلها فریضة، و الصلاة بها باطلة. وإن کانت مقدار درهم فغسلها واجب، والصلاة معها جائزة. وإن کانت أقل من قدر درهم فغسلها سنة. وإن =

ناپاک مشکوک تہبند سے نماز

سوال[۳۰۱۱]: پاک تہبند کے نیچے ناپاک تہبند یا مشکوک (تہبند) ہو، نماز پڑھے تو ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پاک کرنا ضروری ہے بغیر الگ کئے نماز درست نہ ہوگی (۱) اور مشکوک کو بھی الگ کردیا جائے: "دع مایریبك إلی مالا یریبك" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= كانت خفيفةً، فإنها لا تمنع جواز الصلاة حتى تفحش، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶، سعيد)

"أما النجاسة القليلة، فإنها لا تمنع جواز الصلاة سواء كانت خفيفةً أو غليظةً استحساناً. .... ولهذا قدرنا بالدرهم على سبيل الكناية عن موضع خروج الحدث، كذا قاله إبراهيم النخعي رحمه الله تعالى: انهم استقبحوا ذكر المقاعد في مجالسهم، فكنوا عنه بالدرهم، تحسيناً للعبارة، وأخذ بصالح الأدب، وأما النجاسة الكثيرة، فتمنع جواز الصلاة". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/۲۲۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "هي (أي شروط الصلوة): ستة: طهارة بدنه: أي جسده .... وثوبه، وكذا مايتحرك بحركته أو يعدّ حاملاً له". (الدرالمختار)

"(قوله: وثوبه) أراد مالابس البدن، فدخل القلنسوة والخف والنعل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۳۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/۲۲۳، رقم الحديث: ۱۲۱۴۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

خارج آدمی کے کہنے سے تکبیر کہنے سے نماز فاسد ہوگئی

سوال[۲۰۱۲]: ایک مسجد میں فرض نماز باجماعت ہورہی ہے اوپر کئی منزلیں ہیں، بالائی حصہ میں بھی جماعت ملحق ہورہی ہے، سوءِ اتفاق سے آلۂ مکبر الصوت خراب ہوگیا، یا امام کی آواز اوپر نہیں پہونچی۔ ایک صاحب نے اوپر سے زینہ پر آکر آواز دیا کہ تکبیر بولو، اوپر آواز نہیں آتی، نماز میں ایک صاحب نے پست آواز سے تکبیر کہنا شروع کیا، دوبارہ آواز دینے والے نے کہا زور سے تکبیر کہو، دوسرے صاحب نے نماز ہی میں زور سے تکبیر کہنا شروع کیا۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ خارج از نماز شخص کا لقمہ نمازی نے لیا اور اس پر تکبیر کہنا شروع کیا، اس حالت میں تکبیر کہنے والے نمازی کی نماز ہوجائے گی، یا فاسد ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی نے جو کہ نماز میں شریک نہیں تھا کہا کہ تکبیر بولو، اس پر اگر کسی نمازی نے فوراً تکبیر آواز سے نہیں کہی: مثلاً امام اس وقت قراۃ میں مشغول تھا، جب وہ فارغ ہوکر رکوع میں گیا، تب کسی نمازی نے تکبیر کہدی تاکہ اوپر کے نمازیوں تک بھی پہونچ جائے، تو اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔

اسی طرح اگر خارج نماز آدمی نے پھر کہا کہ زور سے تکبیر کہو تو فوراً آواز سے تکبیر نہیں کہی، بلکہ جب امام سجدہ میں گیا، یا سجدہ سے اٹھا، اس وقت تکبیر زور سے کہی، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اگر خارج نماز آدمی کے کہنے پر فوراً تکبیر آواز سے کہدی تو نماز فاسد ہوگئی، کذا فی رد المحتار (۲) والبحر الرائق (۳) والهدایه (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: إلا إذا تذكر، الخ) .... قلت: والذي ينبغي أن يقال: إن حصل التذكر بسبب الفتح، تفسد مطلقاً: أي سواء شرع في التلاوة قبل تمام الفتح أو بعده لوجود التعلم، وإن حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۱۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: إلا إذا سمعه المؤتم الخ)، في البحر عن القنية: و لو سمعه المؤتم ممن ليس في الصلاة، =

نمازی کا غیرنمازی کے کہنے پرعمل کرنا

سوال[۳۰۱۳]: ایک آدمی مسبوق فی الصلوۃ ہے،مگراس کواپنی مسبوقیت یادنہیں ہے،جس وقت امام نے سلام پھیرا،تو ساتھ ساتھ اس نے بھی پھیرلیا،ایک دوسرا آدمی پہلو میں کھڑا تھا،سلام پھیرنے کے بعد اس نے یاددلایا کہ تمہاری ایک رکعت باقی ہے،فاتح سے فتح لیکر رکعت کو پورا کرلیا۔آیا مستفتح کی نماز ہوگی،یا نہیں؟ عبارت مع حوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اگرمحض فاتح کے فتح کی وجہ سے کھڑا ہوگیا،خودیادنہیں آیا تونماز فاسد ہوگئی:"(و فتحه على غير إمامه) إلا إذا أراد التلاوة، و كذا الأخذ، إلا إذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح، اهـ". در مختار مع ردالمحتار(۱)۔ "(قوله: وكذا الأخذ): أي أخذ المصلي غير الإمام بفتح مَن فتح عليه مفسدٌ

= ففتح به على إمامه، يجب أن تبطل صلاة الكل؛ لأن التلقين من خارج، اهـ، وأقره في النهر. ووجهه أن المؤتم لما تلقن من خارج بطلت صلاته ، فإذا فتح على إمامه و أخذ منه بطلت صلاته". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۲۲ ،سعيد)

(۳) "و في القنية : أرتج على الإمام، ففتح عليه من ليس في صلاته و تذكر، فإذا أخذ في التلاوة قبل تمام الفتح لم تفسد ، و إلا فتفسد؛ لأن تذكره يضاف إلى الفتح، و فتح المراهق كالبالغ ، و لو سمعه المؤتم ممن ليس في الصلاة ففتحه على إمامه، يجب أن تبطل صلاة الكل؛ لأن التلقين من خارج". (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۲/۱۱ ، رشيديه)

(۴) " وإن استفتح، ففتح عليه في صلاته، تفسد) و معناه أن يفتح المصلي على إمامه؛ لأنه تعليم و تعلم، فكان من كلام الناس ". (الهداية، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۱۳۶ ، مكتبه شركة علميه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹ ، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۲۲ ، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹ ، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۲/۱۱ ، رشيديه)

أيضاً كما في البحر عن الخلاصة. أو أخذ الإمام بفتح من ليس في صلاته، كما فيه من القنية،

اهـ". شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

سوال [۲۰۱۴]: امام نے بجائے لقمہ لینے کے دوسری سورۃ شروع کر دی، دریافت طلب یہ بات ہے کہ مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

مختار احمد۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اس مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال [۲۰۱۵]: اگر امام تین آیت سے زائد قرأت کر چکا ہو اور امام اگلی آیت پڑھتے ہوئے بھول جائے تو مقتدی نے لقمہ دیدیا، لیکن امام نے لقمہ نہ لے کر بعد میں سجدۂ سہو کر لیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۲، سعيد)

"ارتج على الإمام، ففتح عليه من ليس في صلاته، و تذكر، فإن أخذ في التلاوة قبل تمام الفتح، لم تفسد، و إلا تفسد؛ لأن تذكره مضاف إلى الفتح. وفتح المراهق كالبالغ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۱۱، رشيديه)

(۲) "(بخلاف فتحه على إمامه)، فإنه لا يفسد (مطلقاً) لفاتح و آخذ بكل حال". (الدرالمختار). "(قوله: بكل حال): أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح. نهر". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۱۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لقمہ دینے والے کی نماز تو فاسد نہیں ہوئی (۱) لیکن اس کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۹ھ۔

ٹوپی پیشانی پر رکھ کر سجدہ کرنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

سوال [۲۱۰۳]: ایک شخص ٹوپی پیشانی پر لگاتا ہے اور سر کا پچھلا حصہ کھلا رہتا ہے جس سے سجدہ ٹوپی کے اوپر ہوتا ہے، اس طرح سے نماز ہوگی یا نہیں؟ یہ شخص امامت بھی کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل یہ ہے کہ پیشانی سجدہ کرتے وقت زمین پر رہے اگرچہ سجدہ اس طرح بھی ادا ہوجاتا ہے کہ ٹوپی پیشانی پر ہو اور اس پر سجدہ کیا جائے، لیکن اگر پیشانی بالکل نہیں رکھی گئی، نہ بلاواسطہ زمین پر، نہ ٹوپی کے واسطہ سے زمین پر، بلکہ اٹھی رہی کہ صرف ٹوپی کا کچھ حصہ زمین پر رکھا گیا اور پیشانی علیحدہ اوپر اٹھی رہی جیسے کہ بعض دفعہ عمامہ کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس کا پیچ کچھ زمین پر رکھا گیا اور پیشانی کا کوئی تعلق اس سے نہیں ہوا، نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ تو ایسی صورت میں سجدہ درست نہیں ہوتا، نماز صحیح نہیں ہوتی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۹۴ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت العنوان السابق: "کیا لقمہ دینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟")

(۲) "كما يكره تنزيهاً بكور عمامته إلا بعذر، وإن صح عندنا بشرط كونه على جبهته كلها أو بعضها كما مر، أما إذا كان الكور على رأسه فقط وسجد عليه مقتصراً: أي ولم تصب الأرض جبهته ولا أنفه على القول به، لايصح لعدم السجود على محله". (الدرالمختار). "وهو أن صحة السجود على الكور إذا كان على الجبهة أو بعضها، أما إذا كان على الرأس فقط، وسجد عليه ولم تصب جبهته الأرض على القول بتعيينها ولا أنفه على مقابله، لا تصح، اهـ. فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۰۰، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوة، فصل: ۱/۲۱۲، امداديه، ملتان)

"وذكر البخاري في صحيحه: قال الحسن: "كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة". =

ترکی ٹوپی سے نماز اور حرام خور کی نماز

سوال[۲۰۱۷]: ترکی ٹوپی سے نماز درست ہوجاتی ہے یا نہیں؟ جس کی روزی حرام ہے اس کی عبادت اور دعاء قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

سعید احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ترکی ٹوپی ناپاک رنگ سے رنگی ہوئی ہے تو اس سے نماز درست نہیں ہے(۱)، جب تک اس قدر نہ دھولیا جائے کہ رنگ کٹنا بند ہوجائے۔ اگر ترکی ٹوپی کا سرخ رنگ ناپاک نہیں یا پختہ رنگ ہے اس کو پاک کرلیا گیا، تب بھی خالص سرخ رنگ مرد کو منع ہے اس لیے اس سے نماز مکروہ ہوگی (۲)۔ جس کی روزی حرام ہے اس کے

= فدل ذلک علی الصحة، وإنما كره لما فيه من ترک نهاية التعظيم .... وقد نبّه العلامة ابن أمير الحاج هنا تنبيهاً حسناً، وهو أن صحة السجود على الكور إذا كان الكور على الجبهة أو بعضها، أما إذا كان على الرأس فقط، وسجد عليه، ولم تصب جبهته الأرض بتعينها ولا أنفه على القول بعدم تعيينها، فإن الصلوة لاتصح، لعدم السجود على محله، وكثير من العوام يتساهل في ذلک، ويظن الجواز". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل: ۱/۵۵۷، رشيديه)

(۱) "(قوله: والأولى غسله) اعلم أنه ذكر في المنية أنه لو أدخل يده في الدهن النجس أو اختضبت المرأة بالحناء النجس أو صبغ الثوب بالصبغ النجس، ثم غسل كل ثلاثاً، طهر. ثم ذكر عن المحيط أنه يطهر إن غسل الثوب حتى يصفوا الماء و يسيل أبيض". (ردالمحتار، باب الانجاس، مطلب في حكم الصبغ والاختضاب بالصبغ والحناء النجسين: ۱/۳۲۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في النجاسة وأحكامها: ۱/۴۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة بالأنجاس: ۱/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "و قد روى عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "إياكم والحمرة، فإنها أحب الزينة إلى الشيطان". (إعلاء السنن، باب استحباب الزينة في العيدين: ۸/۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، مسائل شتى: ۶/۷۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في اللبس: ۸/۳۴۹، رشيديه)

متعلق روایات میں آتا ہے کہ اسکی نماز ودعاء قبول نہیں ہوتی، کمافی طیب الشذی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم۔

الجواب صحیح: العبد عبد اللطیف، ناظم درسہ مظاہر العلوم، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

حرم شریف میں عورت کا مرد کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۱۸]: حرمین شریفین میں حج کے موقعہ پر بھیڑ کے سبب عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر نمازِ فرض شروع کردیتی ہیں، تو ایسے موقع پر کئی صورتیں ہوتی ہیں: ۱- سامنے اگلی صف میں عورت ہے۔ ۲- بغیر فصل دائیں اور بائیں ہے۔ ۳- ایک آدمی کے فصل سے دائیں اور بائیں ہے۔ ۴- عین پیچھے ہے۔ ۵- آگے ایک دوصف بعد ہے۔ تو ان صورتوں میں سے کس کس میں نماز درست ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک عورت اگر جماعت میں شریک ہوتو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو، ایسی حالت میں عورت اگر دائیں یا بائیں ہو متصلاً، یا سامنے ہوتو اس مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی جس کے دائیں یا بائیں یا آگے ہے، اگر دائیں یا بائیں فاصلے سے ہے، یا پیچھے ہے تو اس مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ لیکن اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی ہے تو مرد کی نماز عورت کے داہنے یا بائیں یا آگے ہونے سے فاسد نہیں ہوگی، البتہ عورت کی نماز صحیح نہیں ہوگی:

"وإذا حاذته امرأة مشتهاة، ولا حائل بينهما في صلوة مطلَقة مشتركة تحريمةً و أداءً،

---

(۱) "وفي الزواجر: أخرج مسلم عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله طيّبٌ لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال تعالى ﴿يآأيها الرسل كلوا من الطيبات و اعملوا صالحاً -إلى- بما تعملون عليم﴾ وقال: ﴿يآأيها الذين امنوا كلوا من طيبات ما رزقنكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعثَ أغبرَ يمدّ يديه إلى السماء: يارب، يارب! ومطعمه حرام، و مشربه حرام، و ملبسه حرام، و غذي بالحرام، فأنّى يستجاب لذلك"

(الزواجر، باب المناهي من البيوع: ۱/ ۳۸۳، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، الجزء الثامن عشر: ۳/ ۳۲۱، دار السلام رياض)

واتحدت الجهة، فسدت صلوته إن نوى الإمام إمامتها، وإلا فسدت صلوتها". تنویر الأبصار (۱)۔

عرصہ ہوا امام حرم سے دریافت کیا گیا تھا، انہوں نے بتایا تھا کہ ہم عورت کی امامت کی نیت کرتے ہی نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۱۴۰۶ھ۔

عورت کا مسجد میں آکر مردوں کی صفوں میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۱۹]: اس عورت کی بابت کیا حکم ہے جس کی عمر تقریباً ۴۵/ یا ۵۰/ ہے، وہ ہر وقت مسجد میں باجماعت نماز کو آتی ہے، کہیں پیچھے تنہا کھڑی ہوتی ہے، کبھی مردوں کے ساتھ بائیں طرف ہاتھ دو ہاتھ فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہے۔کیا شرعاً جائز ہے یا کیا صورت کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الفتوى في زماننا على أنهن لا يخرجن وإن كنّ عجائز إلى الجماعات لا في الليل و لا في النهار لغلبة الفتنة والفساد و قرب يوم المعاد"(۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو جماعت کی شرکت کے لئے مسجد میں آنا منع ہے۔یہ حکم تو مسجد میں آنے

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۷۲ - ۵۷۵، سعيد)

"أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: إذا صلت المرأة إلى جانب الرجل و كانا في صلاة واحدة، فسدت صلاته. أخرجه محمد، و قال: به نأخذ، و هو قول أبي حنيفة". (باب فساد صلاة الرجل بمحاذاة النساء في صلاة مشتركة جماعة: ۴/ ۲۲۸، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/ ۸۹، رشيديه)

(۲) (نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بالجماعة، مجموعة رسائل اللكنوى: ۴/ ۱۱۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامى)

"(و يكره حضورهن الجماعة) و لو لجمعة و عيد و وعظ (مطلقاً) و لو عجوزاً ليلاً (على المذهب) المفتي به لفساد الزمان". (الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام و المأموم: ۱/ ۸۹، رشيديه)

کے متعلق ہے، نماز کا حکم یہ ہے کہ اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت کی نماز صحیح نہیں ہوئی، مردوں کی صحیح ہوگئی۔ اگر عورت کی امامت کی نیت کی ہے اور عورت بھی اس نماز میں ہے جس میں اس کے قریب کھڑا ہونے والا مرد ہے اور مکان بھی متحد ہے اور مکان کے درمیان کوئی حائل بھی نہیں ہے تو جس مرد کے پاس وہ عورت کھڑی ہے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر کم از کم ایک ہاتھ کے فصل سے کھڑی ہے، یا مرد نے اس کو پیچھے ہونے کا اشارہ کیا اور وہ پیچھے نہ ہوئی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوئی:

"ومحاذاة المشتهاة بساقها و كعبها في الأصح –ولو محرماً له أو زوجة اشتهت، ولو ماضياً كعجوز شوهاء– في أداء ركن عند محمد،أو قدره عند أبي يوسف في صلاة. و لو بالإيماء مطلقة فلا تبطل صلاة الجنازة؛ إذ لا سجود لها مشتركة تحريمة باقتدائها بإمام أو اقتدائها به في مكان متحد، و لو حكماً بقيامها على ما دون قامة بلا حائل قدر ذراع، أو فرجة تسع رجلاً، و لم يشر إليها لتتأخر عنه، فإن لم تتأخر بإشارته، فسدت صلاتها لا صلاته. و لا يكلف بالتقدم عنها لكراهته. و تاسع شروط المحاذاة المفسدة أن يكون الإمام قد نوى بإمامتها، فإن لم ينوها، لا تكون في الصلوة، فانتفت المحاذاة". مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ، ص: ۱۹۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/۳/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ربیع الاول/۵۵ھ۔

میاں بیوی کا ایک مصلے پر کھڑے ہوکر الگ الگ نماز پڑھنا

سوال [۳۰۲۰]: زید اور اس کی بیوی ایک مصلی پر ایک دوسرے سے مل کر نماز گزارتے ہیں اور نیت بھی ہر ایک کی علیحدہ ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۲۹، ۳۳۰، قديمي)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الإمامة : ۱/۵۷۲، ۵۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ،باب الإمامة: ۱/۶۲۰، ۶۲۱، رشيديه كوئٹه)

درست ہے۔ کس کا قول صحیح ہے اور کس امام کے قول پر فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دونوں کی نماز علیحدہ علیحدہ ہے تب تو ایسی صورت میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، مکروہ ہوتی ہے:"ومحاذاة المشتهاة بساقها و كعبها في الأصح و لو محرماً له أو زوجته اشتهيت ...... في صلاة مطلقة مشتركة تحريمة، مراقي الفلاح۔ "(قوله: مشتركة) احترز به عن محاذاة المصلية لمصل ليس هو في صلاتها حيث تكره و لا تفسد". طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/۸/۵۵ھ۔

نماز میں چلنے سے نماز کا حکم

سوال [۳۰۲۱]: امام صحنِ مسجد میں مع مقتدیوں کے نماز ادا کر رہے ہیں، اسی حالت میں بارش ہونے لگی، تو ایسی صورت میں کیا امام اور مقتدیوں کو اجازت ہے کہ نماز کے اندر اندر اس مقدار میں چلیں کہ دالانِ مسجد میں داخل ہو کر بارش سے بچ سکیں؟ جواب مفصل اور مدلل مرحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کے صحن سے دالان تین قدم کے فاصلے پر ہے اور اس طرح چل کر وہاں پہونچیں کہ درمیان میں وقفہ نہ کریں، بلکہ مسلسل چلیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگر ایک قدم چل کر ایک رکن کی مقدار ٹھہر جائیں پھر چلیں پھر ٹھہر جائیں، پھر چل کر پہونچیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اگر فاصلہ اس سے کم ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی:

"مشى مستقبل القبلة هل تفسد إن قدر صف ثم وقف قدر ركن، ثم مشى وقف

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب ما يفسد الصلاة، ص: ۳۲۹، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۲۲، رشيديه)

كذالك، و هكذا لا تفسد وإن كثر، مالم يختلف المكان". درمختار، وبسط فی الشامی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عملِ کثیر کا حکم

سوال[۳۰۲۲]: دونوں ہاتھوں سے ایک وقت میں کام کرنا نماز پڑھتے ہوئے کیسا ہے، مثلاً رکوع میں سے کھڑے ہوکر اور سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پائجامہ، یا دھوتی کو درست کرنا کیسا ہے، اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے، آیا نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جو کام عادتاً دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے، بعض فقہاء کے نزدیک ایسا کام نماز میں کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے(۲)، معمولی طریقہ سے اگر پائجامہ، یا دھوتی کو مختصر سا سہارہ دیا کہ سجدہ میں رکاوٹ نہ ہو، کشفِ

---

(۱) (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۲۷، سعيد)

"أن المشي لا يخلو: إما أن يكون بلا عذر أو بعذر، فالأول إن كان كثيراً متوالياً تفسد وإن لم يستدبر القبلة، وإن كان كثيراً غير متوال، بل تفرّق في ركعات أو كان قليلاً، فإن استدبرها، فسدت صلاته للمنافي بلا ضرورة، و إلا فلا، وكره، .... وإن كان بعذر فإن كان للطهارة عند سبق الحدث أو في صلاة الخوف، لم يفسدها ولم يكره قلّ أو كثر، استدبر أو لا. وإن كان لغير ما ذُكر، فإن استدبر معه، فسدت قلّ أو كثر، وإن لم يستدبر. فإن قلّ، لم يفسد و لم يكره، وإن كان كثيراً متلاحقاً أفسد". (رد المحتار باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۲۸، سعيد)

و في الفتاوى العالمكيرية : "و لو مشىٰ في صلاته مقدار صف واحد، لم تفسد صلاته، و لو كان مقدار صفين إن مشى دفعةً واحدةً، فسدت صلاته، وإن مشى إلى صف و وقف، ثم إلى صف لا تفسد، كذا في فتاوى قاضي خان". (الباب السابع الخ، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۲/۲۲، رشيديه)

(۲) "العمل الكثير يفسد الصلاة، والقليل لا، كذا في محيط السرخسي.......... الأول: أن ما يقام باليدين عادةً كثير، وإن فعله بيد واحدة كالتعمم و لبس القميص وشدّ السراويل والرمي عن القوس.=

عورت نہ ہو، زیادہ حرکت نہیں ہوئی تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور ہاتھوں کو ایسی حالت میں زیادہ حرکت دینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے(۱)، تاہم اس سے اجتناب کرنا بہر حال بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۷/۵۷ھ۔

ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے کیا نماز کو توڑنا لازم ہے؟

سوال[۳۰۲۳]: فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ نماز میں کوئی تین مرتبہ ایک رکن میں کھجلائے اور ہر بار حرکت دے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ تو کیا اس صورت میں نیت توڑ دینا جائز ہے؟

الجوب حامداً مصلیاً :

اگر ایک رکن میں تین بار کھجلائے تو نیت نہ توڑے، پھر بعد میں دوبارہ اس نماز کو ادا کریں تو اچھا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

= وما يقام بيد واحدة قليلٌ و إن فعله بيدين كنزع القميص و حل السراويل و لبس القلنسوة و نزعها ونزع اللجام، هكذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۵)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان حكم الاستخلاف: ۲/۱۴۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(قوله: و فيه أقوال خمسة: أصحها ما لايشك، القول الثالث: الحركات الثلاث المتوالية كثيرٌ، و إلا فقليل". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في مفسدات الصلاة، ص: ۴۴۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "إذا حكّ ثلاثاً في ركن واحد، تفسد صلاته، هذا إذا رفع يده في كل مرة، أما إذا لم يرفع في كل مرة، فلا تفسد. ولو كان الحك مرةً واحدةً، يكره، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۴، رشيديه)

تنبیہ: احسن الفتاوی: ۳/۴۱۷، میں مذکورہ مسئلہ کی تفصیل یوں ہے: "تین دفعہ کھجلانے سے مطلقاً نماز فاسد=

کیا تین دفعہ کھجلانا عمل کثیر ہے؟

سوال[۳۰۲۴]: زید امامِ مسجد ہے، خارش میں مبتلا ہے، ہر نماز میں تین بار سے زیادہ کھجاتے ہیں۔ یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو نماز پڑھانے سے احتیاط کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھائے، اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھائے، بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھجلایا، تو نماز فاسد نہ ہوگی"۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱۷، سعید)

"وقال في الفيض: الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات تفسد الصلاة إن رفع يده في كل مرة". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۰، سعيد)

(وكذا في غنية المستملي، مفسدات الصلاة، ص: ۴۴۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و من الفروع المؤسسة .... أو حكّ ثلاثاً في ركن يرفع يده كل مرة ...... تفسد، لا إن كسب .... أو حك.......... أقل مما عيناه أو غير متدارك .... لا تفسد". (فتح القدير، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره منها: ۱/۴۰۴، مكتبه مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"الثالث: الحركات الثلاث المتوالية كثيرٌ، و إلا فقليل". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۵، سعيد)

"(و) لو فعل ذلك (مراراً متواليات): أي في ركن واحد (تفسد) صلاته؛ لأنه كثيرٌ". (غنية المستملي [الحلبي الكبير]، مفسدات الصلاة، ص: ۴۴۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "والسادس السلامة من الأعذار، فإن المعذور صلاته ضرورية، فلا يصح اقتداء غيره به اهـ". (مراقي الفلاح، ص: ۲۸۸، كتاب الصلوة، باب الإمامة، قديمي)

"وفي الخلاصة: وإن حك ثلاثاً في ركن واحد، تفسد صلاته". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة، اهـ، ص: ۳۲۳، قديمي)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۲۰۲، رشيديه)

بائیں ہاتھ سے کھجانا کیا مفسدِ صلوۃ ہے؟

سوال[۳۰۲۵]: نماز میں قیام کی حالت میں اگر کسی جگہ بدن پر خارش آئے اور کسی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھجایا تو نماز ٹوٹ گئی یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے یہاں امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی، داہنے ہاتھ سے کھجایا جائے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خارش کو ضبط نہیں کرسکتا تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ سے کھجائے، لیکن اگر بائیں ہاتھ سے بھی کھجایا تو محض بایاں ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

پکی گھموری (گرمی دانہ) کا کھجلانا

سوال[۳۰۲۶]: ۱......نماز پڑھتے وقت اگر پکی گھموری کھجلادی (اندھوری) تو اس سے پانی نکل آئے گا کیا اس سے نماز فاسد ہوجائے گی؟ (اندھوری گھموری سے مراد گرمی دانہ ہے)

۲......آج کل شدید گرمی کی وجہ سے اندھوریاں بہت کثرت سے نکل آتی ہے اور بہت کھجلاہٹ ہوتی ہے، نماز کے ایک رکن میں دو بار سے زائد کھجلائیں تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی؟ بموجب فتوی حضرت والا اور بموجب حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ فتاوی دارالعلوم: ۴/ ۱۴۵ (۲)۔

---

(۱) "(وإمساک فمه عند التثاؤب، فإن لم یقدر، غطاه بظهر (یده) الیسری، وقیل: بالیمنی لو قائماً وإلا فیسراه". (الدر المختار، باب صفة الصلاة، قبیل فصل: وإذا أراد الشروع فی الصلوۃ: ۱/ ۴۷۸، سعید)

"وإن حک ثلاثاً فی رکن واحد، تفسد صلاته، هذا إذا رفع یده فی کل مرة، أما إذا لم یرفع فی کل مرة فلا تفسد؛ لأنه حک واحد". (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۲/ ۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، النوع الثانی فی الأفعال المفسدة: ۱/ ۱۰۴، رشیدیه)

(۲) (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۱۴۵ مکتبه امدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر وہ پانی بہہ جائے تو نماز بھی فاسد ہوجائے گی اور وضوئی بھی دوبارہ ضرورت ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔

۲..... وہ فتویٰ یہاں بھیجئے، پھر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتوی سے ملا کر دیکھا جائے گا، ساتھ ہی یہ خط بھی بھیجئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) "و أما الخارج من غير السبيلين، فناقض بشرط أن يصل إلى موضع يلحقه حكم التطهير". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۶۲، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ۱/۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإن قشرت نفطة و سال منها ماء أو صديد أو غيره، إن سال عن رأس الجرح نقض، وإن لم يسل لا ينقض، هذا إذا قشرها فخرج بنفسه، و أما إذا عصرها فخرج بعصره لا ينقض؛ لأنه مخرج وليس بخارج، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة: ۱/۱۱، رشيديه)

(۲) "سوال: نماز میں خارش کو کتنی مرتبہ ہاتھ سے دفع کرسکتا ہے، یا ناک سے کتنی مرتبہ چوہے نکال سکتا ہے، اور تین مرتبہ کھجانا مفسد نماز تو نہیں ہے؟"

"جواب: (۱۷۱) خارش جتنی دفع بھی ہو کھجانا درست ہے، مفسد نماز نہیں: "و يفسدها كل عمل كثير ما لا يشك بسببه الناظرين بعيد في فاعله أنه ليس فيها". (درمختار، بيان مفسدات الصلاة) (درمختار کی اس تصحیح کے پیش نظر خارش اگرچہ بدفعات ہو عمل کثیر کی تعریف سے خارج ہے)۔ ناک سے میل نکالنا برا ہے اگرچہ نماز اس سے فاسد نہیں ہوتی مگر یہ مکروہ ہے اور جس جگہ نماز کو فاسد لکھتے ہیں وہاں اعادہ لازم ہے"۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۳۵ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے مذکورہ جواب میں: "نماز کے ایک رکن میں دو سے زائد بار کھجانے میں تو اس سے نماز فاسد ہوجائے گی" عبارت نقل نہیں فرمائی جیسا کہ سوال میں حوالہ دیا گیا ہے:

قال في الفيض: الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات تفسد الصلاة إن رفع يده في كل مرة، و في الجوهرة عن الفتاوى: اختلفوا في الحك: هل الذهاب والرجوع مرةً، أو الذهاب مرةً، والرجوع أخرى". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۱/۶۴۰، سعيد)

(و كذا في فتح القدير، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۴۰۴، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(و كذا في الحلبي الكبير، مفسدات الصلاة، ص ۴۴۸، مكتبه سهيل اكيدمي لاهور) .... =

کیا نماز میں گھڑی دیکھنا مفسد ہے؟

سوال[۳۰۲۷]: نماز کی حالت میں قصداً ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھنا کیسا ہے؟ کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟ اگر بے ارادہ نظر پڑگئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ بلاضرورت یہ فعل عبث ہے جو کہ مکروہ ہے، بے ارادہ نظر پڑگئی اور وقت بھی معلوم ہوگیا تو مکروہ بھی نہیں: ’’ولا یفسدها نظرۃ إلی مکتوب وفهمه لو مستفهماً وإن کرہ‘‘. ’’(قوله: وإن کرہ): أی لا شتغاله بما لیس من أعمال الصلوۃ، وأما لو دفع علیه نظرۃ بلا قصد وفهمه، فلا یکرہ‘‘۔ شامی: ۱/۴۲۶(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز میں جوؤں کو مارنا

سوال[۳۰۲۸]: اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر، یا بدن پر جوں پھرتی نظر آئے، تو اس کا مارنا کیسا ہے، جب کہ حدیث کے اندر ’’قتل المؤذی قبل الإیذاء‘‘ آیا ہے؟ تو اس کا مارنا درست ہے یا نہیں؟

= البتہ احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے ’’بلاضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھجلانے سے نماز میں یکسوئی نہ ہو تو ایک یا دو بار کھجلانا بلا کراہت جائز ہے اور تین بار ’’سبحان ربی الاعلی‘‘ کہنے کی مقدار وقت میں تین بار بضرورت کھجلانا بھی مفسد ہے۔........ تین دفع کھجلانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفع ہاتھ اٹھائے اگر ہر دفع علیحدہ ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھجلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی........ نیز اگر ایک بار کھجلانے کے بعد بقدر رکن یعنی تین ’’سبحان ربی الأعلی‘‘ کی مقدار تک توقف کے بعد پھر کھجلائے تو اس طرح تین بار کھجلانا بھی مفسد نہیں‘‘۔(احسن الفتاوی: ۳/۴۱۶، ۴۱۷، سعید)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۳۴، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیها، مطلب إذا قرأ ’’تعالی‘‘ بدون ألف لاتفسد، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۲۴ رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۳۴۱، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قتل المؤذی قبل الإیذاء" حدیث شریف کی کس کتاب میں ہے؟ مع حوالہ و باب نقل کریں (۱) تب اصل سوال کا جواب ہو سکے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

کیا ایک سے زائد ضرب میں سانپ مارنا مفسد صلوۃ ہے؟

سوال [۳۰۲۹]: نماز میں سانپ مارنا جب کہ اس سے تکلیف کا قوی اندیشہ ہو اگرچہ خارج مسجد سے آلۂ ضرب لاکر ہو، یا مسجد میں رہتے ہوئے انحرافِ قبلہ بھی ہوجائے، یا تین ضربات سے مارا جائے، یا دو تین قدم چلنا پڑے کیسا ہے، اس سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ نور الإیضاح، فصل فیما یکرہ للمصلی کے ذیل میں مرقوم ہے: "وقتل حیۃٍ وعقرب خاف أذا هما بضربات وانحرف القبلۃ .... اھ".

---

(۱) کافی جستجو و تلاش کے بعد مذکورہ حدیث نہیں ملی، البتہ نماز میں جوں مارنے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر موجود ہے: "عن عبد الرحمن بن الأسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقتل القملۃ فی الصلاۃ حتی یظهر دمها علی یدہ". أخرجه ابن أبی شیبة فی المصنف". (کنز العمال: ۴/ ۲۳۴). "قوله: عن عبد اللہ : قلت: دلالته علی الجزء الأول والثانی من الباب ظاهرة ، .... و لعلک عرفت بذلک غایة مراعاة الحنفیة لجمع الأحادیث المختلفة فی الباب ، فجوزوا قتل القملة فی المسجد، و نهوا عن طرحها فیه، و أجازوا دفنها و قتلها فی الصلاة بعذر ، و کرهوا بدونه". (إعلاء السنن، باب جواز أخذ القملة و قتلها و دفنها فی الصلاة: ۵/ ۱۲۲، ۱۲۳، ادارة القرآن کراچی)

"(قوله: کتعرض القملة) قال فی النهر : و یکره قتل القمل عند الإمام ، وقال محمد رحمه الله تعالیٰ : القتل أحبّ إلیّ، رأی ذلک، فعل، لا بأس به، و لعل الإمام إنما اختار الدفن لما فیه من التنزه عن إصابة الدم ید القاتل أوثوبه، و إن کان معفواً عنه ، هذا إذا تعرضت القملة و نحوها بالأذی، و إلا کره الأخذ فضلاً عن غیره". (ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/ ۶۵۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۲/ ۵۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عمل ممنوع ومکروہ نہیں، لیکن عملِ کثیر سے نماز فاسد ہوجائے گی، یہی قول صحیح ہے:

"قال السرخسي: إنها لاتفسد بقتلها ولوبعمل كثير ولو بانحراف عن القبلة. وصحح الحلبي الفساد، وهو ماعليه عامة شروح الجامع الصغير، ورواية مبسوط شيخ الإسلام. قال الكمال: الحق الفساد، فيما يظهر لكن لا إثم بمباشرته في الصلوة الخ". بحر ملخصاً(۱) الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۲۲۲(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

کپڑے میں الجھ کر دونوں پیر اکھڑ جائیں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال[۳۰۳۰]: نماز پڑھاتے وقت اگر امام کا پاؤں اس کے کپڑے میں الجھ کر گر پڑنے کی شکل پیدا ہوجائے اور دونوں پاؤں اکھڑ جائیں لیکن وہ سنبھل جائے تو کیا نماز میں کوئی خلل تو واقع نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عذر کی وجہ سے ایسا ہونے سے نماز فاسد نہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/محرم/۵۹ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۳/محرم/۵۹ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۵۴، باب مايفسد الصلاة ويكره فيها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۴۱۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي، ص: ۳۷۰، كتاب الصلاة، فصل فيما لايكره للمصلي، قديمي)

"لايكره قتل حية أو عقرب مطلقاً ولو بعمل كثير على الأظهر، لكن صحّح الحلبي الفساد اهـ".

(الدر المختار): "(قوله: لكن صحح الحلبي الفساد) حيث قال تبعاً لابن الهمام: فالحق فيما يظهر هو الفساد، والأمر بالقتل لايستلزم صحة الصلاة مع وجوده كما في صلاة الخوف. بل الأمر في مثله لإباحة مباشرته وإن كان مفسداً للصلاة اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۵۱، سعيد)

(۳) "وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة، وإلا لم يجز، والناس عنه غافلون".

(الدر المختار). "(قوله: وفيه الخ) والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفريضة، والأرجح من =

کیا نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہٹ جانا مفسدِ نماز ہے؟

سوال[۳۰۳۱]: نماز میں قیام کے وقت داہنے پیر کا انگوٹھا ایک جگہ رہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داہنے پیر کا انگوٹھا اگر ہٹ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازی کے سامنے والا شخص اپنی جگہ سے ہٹ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۳۰۳۲]: اگر کوئی شخص عین کسی کے پیچھے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جائے تو اگلا شخص وہاں سے ہٹ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ بھی مرور میں شامل ہوگا یا نہیں؟ حوالہ بھی دیں۔

= حيث الدليل والقواعد الفريضة .... ثم الأوجه عدم الفريضة على الوجوب ، والله أعلم . (إلى أن قال) ولو وضع ظهر القدم دون الأصابع ، بأن كان المكان ضيقاً أو وضع إحداهما دون الآخر لضيقه جاز، كما لو قام على قدم واحد، وإن لم يكن المكان ضيقاً يكره .... وإنما الكلام في الكراهة بلا عذر". (الدر المختار مع رد المحتار فصل، في بيان تأليف الصلاة وانتهائها: ۱/ ۵۰۰ ، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الاول في فرائض الصلاة، منها السجود : ۱/ ۷۰،رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۵۲،رشيديه)

(۱) "فقد قال في الفيض: ولو وضع ظهر القدم دون الأصابع، بأن كان المكان ضيقاً، أو وضع إحداهما دون الأخرى لضيقه، جاز. كمالو قام على واحد. وإن لم يكن المكان ضيقاً، يكره اهـ. فهذا صريح في اعتبار وضع ظاهر القدم، وإنما الكلام في الكراهة بلا عذر .... إلى أن قال: بل المصرح به أن توجيهها نحو القبلة سنة يكره تركها، كما في البر جندی والقهستانی". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة: ۱/ ۵۰۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۵۵۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۷۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پیچھے کسی نے آکر اپنی نماز شروع کردی وہ اگر اپنی ضرورت کے لئے وہاں سے ہٹ جائے تو یہ فعل ممنوع نہیں (۱)، امداد الفتاویٰ میں موجود ہے (۲)۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استشہاد ہے کہ میرے پیچھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے اور میں کھسک جایا کرتی تھی، یہ روایت صحاح کی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز پڑھتے ہوئے بارش آجائے تو کیا کیا جائے؟

سوال [۳۰۲۳]: اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے نماز پوری ہونے سے پہلے بارش آگئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا نماز کو اسی جگہ پورا کیا جائے گا یا دوسری جگہ جا کر استیناف کیا جائے گا؟

---

(۱) "المرور بين يدى المصلي، فإن كان معه شيء يضعه بين يديه ثم يمر يأخذه، و لو مرّ اثنان يقوم أحدهما أمامه و يمر الآخر و يفعل الآخر، هكذا يمران، وان معه دابة فمر راكباً أثم، وإن نزل و تستر بالدابة و مرّ، لم يأثم، و لو مر رجلان متحاذيين، فالذى يلى المصلي هو الآثم، قنية". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۳۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۱/۱۰۴، رشيديه)

(۲) (امداد الفتاوى، مسائل مشوره متعلقه كتاب الصلوة: ۱/۵۷، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب من قال المرأة لاتقطع الصلوة: ۱/۱۱۰، امداديه)

"وعن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كنت بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يصلي، فإذا أردت أن أقوم كرهت أن أقوم، فأمرّ بين يديه انسللت انسلالاً". (سنن النسائى، كتاب القبلة، ذكر مايقطع الصلوة ومالا يقطع إذا لم يكن بين يدى المصلي سترة: ۱/۱۲۳، قديمى)

(۳) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: كنت أنام بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رجلاى فى قبلته، فإذا سجد غمزنى، فقبضت رجليّ، فإذا قام بسطتها. قالت: والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح". (صحيح البخارى، باب التطوع خلف المرأة: ۱/۷۳، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عینِ نماز میں بارش آجائے اور برداشت نہ ہوسکے تو استیناف کیا جائے، بناء کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۹۵ھ۔

معمولی ہنسی سے نماز فاسد ہوگئی، وضوء نہیں ٹوٹا

سوال [۳۰۴۴]: جمعۃ الوداع کے دن زید کو جمعہ کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت سنت پڑھتے وقت کچھ ایسی بات ذہن میں آگئی کہ اس کو بہت ہی ہلکی سے ہنسی آگئی کہ اس کے کانوں تک ہی آواز پہونچی، لیکن اتنی آواز ہنسی میں نہیں نکلی کہ بغل میں بیٹھا ہوا شخص سن سکے، تو کیا ایسا کرنے سے وضوٹوٹ جائے گا اور بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی؟ اور ایک شخص سے اس نے یہ بھی سنا تھا کہ جو بغیر وضو کے نماز پڑھے، وہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہوگیا؟ اور اس نے جتنے بھی پہلے نیکی کے کام کیے، وہ سب ضائع ہوگئے تو کیا اس کو پھر سے کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا چاہیے، اگر یہ سب جانتے ہوئے کہ وضوٹوٹ گیا ہنسنے سے اور پھر بھی اس خوف سے کہ وضو کرنے جائے تو اس کی جگہ چلی جائے گی تو وہ وضو کرنے نہیں گیا اور جمعہ کی جماعت سے فرض پڑھے اور پھر سنن ونوافل پڑھ کر گھر چلا گیا، تو کیا اس کو اس پوری نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور وہ سب جاننے کے لئے بہت بے قرار ہے، آپ برائے مہربانی جواب نیچے لکھ کر ارسال فرمائیں، وہ سنن ونوافل کا اعادہ تو کرسکتا ہے، لیکن وہ فرائض کا اعادہ کیسے کرے؟ جب کہ اس نے فرض نماز جماعت سے پڑھی اور جمعہ کے دو فرض ہوتے ہیں اور ظہر کے چار، تو چار دہرائے، یا دو؟

---

(۱) "وكذا إذا جنّ في الصلاة أو أغمي عليه أو نام مضطجعاً، لا يجوز له البناء؛ لأن هذه العوارض يندر وقوعها في الصلاة، فلم تكن في معنى مورد النص والإجماع". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز البناء: ۲/ ۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب الاستخلاف: ۱/ ۵۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الاستخلاف في الصلاة: ۱/ ۶۴۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نماز میں اس کو اتنی ہنسی آئی کہ خود اپنی آواز سن لی اور بغل والے آدمی نے نہیں سنی تو اس سے اس کی وہ نماز ٹوٹ گئی، مگر وضو پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑا، لہٰذا اس کے بعد نماز جمعۃ الوداع اور بعد والی سنت ونوافل سب درست ہوگئی (۱)، نہ اسلام سے خارج ہوا اور نہ اس نماز کا اعادہ لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

کیا نماز میں ہلکی آواز نکلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی؟

سوال [۵۰۳۵]: نماز میں خشوع لانے کے لئے اگر ہلکی سی آواز نکل جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خشوع کے لئے آواز نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی لفظ نکل جائے تو نماز خراب نہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: هي ما يسمع جيرانه) .... "واحترز به عن الضحك، و هو لغةً أعم من القهقهة، واصطلاحاً ماكان مسموعاً له فقط، فلا ينقض الوضوء بل يبطل الصلاة". (ردالمحتار مطلب: نوم الأنبياء غير ناقض: ۱/۱۴۵، سعيد)

"والضحك يبطل الصلاة، ولا يبطل الطهارة". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في نواقض الوضوء ۱/۱۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۸۰، رشيديه)

(۲) مذکورہ شخص سے کوئی ناقض وضو متحقق نہیں ہوا ہے، بلکہ باوضو ہو کر نماز پڑھی ہے، بنابریں نماز بھی درست ہوگئی اور وہ اسلام سے بھی خارج نہیں ہوا۔

(۳) "(والبكاء بصوت) يحصل به حروف (لوجع أو مصيبة، لا لذكر جنة أو نار، فلو أعجبه قرأة الإمام، فجعل يبكي و يقول: بلى أو نعم أو آري، لا تفسد سراجية، لدلالته على الخشوع". (الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۱۰۰، رشيديه) =

امام کی تکبیرات اور سلام سے پہلے مقتدی کا تکبیر وسلام کہنا

سوال[۳۰۳۶]: نماز پنجگانہ وغیرہ کی جماعت میں امام کی تکبیر اولیٰ اور تکبیراتِ دیگر اور سلام ختم کرنے سے پہلے اگر مقتدیوں کی تکبیرات اور سلام ختم ہوگئے تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوگی، یہ مشہور ہے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کی تکبیر اولیٰ (تحریمہ) سے پہلے اگر مقتدی نے اپنی تکبیر تحریمہ ختم کردی تو نماز کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا(۱)، امام کے لفظ "السلام" سے پہلے ہی اگر مقتدی نے اپنا سلام پورا کردیا، تو نماز درست نہیں ہوئی (۲)، بقیہ

= و فی البحر الرائق: "(قوله: "والأنين والتأوه وارتفاع بكائه من وجع أو مصيبة، لا من ذكر جنة أو نار): أي يفسدها ...... و أما ارتفاع البكاء، فهو أن يحصل به حروف .... فالحاصل أنها إن كانت من ذكر الجنة أو النار فهو دالٌّ على زيادة الخشوع". (باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۲/۶، رشيديه)

(۱) "عن حطان بن عبد الله الرقاشي .... فقال أبو موسىٰ ماتعلمون كيف تقولون في صلوتكم: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبنا فبيّن لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا؟ فقال: "إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤتم أحدكم، فإذا كبر فكبروا، وإذا قال: غير المغضوب عليهم و لا الضآلين، فقولوا: آمين، يجبكم الله، فإذا كبر و ركع، فكبروا و اركعوا، فإن الإمام يركع قبلكم و يرفع قبلكم"، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فتلك بتلك". (الصحيح لمسلم، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

"فلو قال: "الله" مع الإمام: و "أكبر" قبله، أو أدرك الإمام راكعاً فقال "الله" قائماً و "أكبر" راكعاً، لم يصح في الأصح". (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة: ۱/۶۸، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "امام سے پہلے سلام توڑنے کی بحث")

تنبیہ: فقہی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ میں جو منقول ہے کہ نماز فاسد ہوجاتی ہے، وہ احتیاط پر محمول ہے دیکھئے: (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳/۳۷۳) جب کہ "خیر الفتاویٰ ۲/۳۴۲" میں "تذکرۃ الرشید" اور "فتاوی دار العلوم دیوبند"=

تکبیرات اگر امام سے پہلے کہی ہیں، تو نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

امام سے پہلے سانس توڑنا

سوال[۳۰۲۷]: زید کہتا ہے کہ اگر امام نے دونوں سلام کے اندر سانس توڑ دیا تو کسی کی نماز نہ ہوگی، بکر کہتا ہے کہ امام قرأت سے آہستگی سے سلام پھیر لے اور اس کے قبل یعنی امام سے پہلے مقتدی سانس

= میں مذکور فساد نماز کے بارے میں یہ جواب دیا ہے: "مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی آخری قعدہ بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اگر امام سے پہلے سلام پھیر کر چلا جائے، تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی، البتہ بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، عذر کی وجہ سے ہو تو کراہت بھی نہیں"۔

"(قوله: و لو أتمه الخ) و لو أتم التشهد ، بأن أسرع فيه و فرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز: أى صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان .... و إنما كره للمؤتم ذلك، لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلو به .... فلا كراهة". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۲۵، سعيد)

اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ انقطاع قدوہ کا اس مسئلہ کے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں ہے .... امام سے پہلے "السلام عليكم" کہہ دیا، تو بھی نماز ہو جاتی ہے، البتہ تذکرۃ الرشید کے مسئلے کے بارے میں خیال یہ رہا ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے درحقیقت ابتدائے نماز کا مسئلہ بتایا ہوگا، سامع کو التباس ہوا، اس لئے انہے آخر نماز کا مسئلہ سمجھا اور اصل یہ مسئلہ تکبیر تحریمہ کے لفظ "الله" کے بارے میں ہے (اگر کسی نے امام سے پہلے لفظ "الله" ختم کر لیا اس کی نماز نہ ہوگی) "السلام عليكم و رحمة الله" کے اسم جلالہ "الله" کے بارے میں یہ مسئلہ نہیں۔

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال : "إنما جُعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا كبّر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا و لك الحمد، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا صلى جالساً فصلوا جلوساً أجمعون". (الصحيح لمسلم، باب إتمام المأموم بالإمام: ۱/ ۱۷۷، قديمي)

"و يكره للمأموم أن يسبق الإمام بالركوع و السجود و أن يرفع رأسه فيهما قبل الإمام، كذا في السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة و ما لا يكره : ۱/ ۱۰۷، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، باب صفة الصلاة : ۱/ ۴۹۶، سعيد)

توڑدے تو جن لوگوں کا سانس ٹوٹا ان کی نماز نہ ہوگی۔ کیا ان دونوں کا کہنا صحیح ہے؟

الجوب حامداً مصلیاً :

دونوں سلام کے درمیان سانس ختم ہوجانے پر دوسرا سانس لینے سے نماز میں نقص نہیں آئے گا(۱)، امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہیں کرتا، بلکہ خاموش کھڑا رہتا ہے تو اس کے سانس ٹوٹنے کی بحث بے محل ہے، البتہ سلام مقتدی بھی پھیرتا ہے، اگر امام نے ''السلام'' کہا، اس کے بعد مقتدی کا سانس ٹوٹ گیا، حالانکہ ابھی امام کا سانس باقی ہے تو مقتدی کی نماز صحیح ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۳ھ۔

---

(۱) ''عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث التشہد و قال بعد قولہ: و أشہد أن محمداً عبدہ و رسولہ قال: فإذا قضیت ہذا أو قال ، فإذا فعلت ہذا، فقد قضیت صلاتک''. (إعلاء السنن، باب افتراض القعدۃ الأخیرۃ قدر التشہد: ۱۱۶/۳، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صفۃ الصلاۃ: ۵۱۲/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان أرکان الصلاۃ: ۵۳۲/۱، دارالکتب بیروت)

(۲) قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ : ''(وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذات یوم، فلما قضی صلاتہ): أی أداہا و فرغ منہا(أقبل علینا بوجہہ فقال: ''أیہا الناس إنی إمامکم'') یعنی سُمّی الإمام إماماً لیؤتم بہ و یقتدی بہ علی المتابعۃ (''فلا تسبقونی بالرکوع ، و لا بالسجود و لا بالقیام و لا بالانصراف): أی بالتسلیم ، و حاصلہ أن المتابعۃ واجبۃ فی الأرکان الفعلیۃ''. (مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی المأموم من المتابعۃ وحکم المسبوق: ۲۱۴/۳، رشیدیہ)

''(قولہ: و لو أتمہ الخ) و لو أتم التشہد ، بأن أسرع فیہ و فرغ منہ قبل إتمام إمامہ فأتی بما یخرجہ من الصلاۃ کسلام أو کلام أو قیام، جاز: أی صحت صلاتہ لحصولہ بعد تمام الأرکان .... و إنما کرہ للمؤتم ذلک لترکہ متابعۃ الإمام بلا عذر، فلو بہ .... فلا کراہۃ''. (ردالمحتار، باب صفۃ الصلاۃ: ۵۲۵/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ: ۷۱/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی، فصل فیما یفعلہ المقتدی، ص: ۳۱۱، قدیمی)

امام کے ساتھ چوتھی رکعت کا قیام کئے بغیر سلام پھیرنا

سوال[۳۰۲۸]: ۱..... ایک مقتدی امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، تیسری رکعت کے ختم پر مقتدی یہ سمجھ کر کہ یہ چوتھی رکعت ہے قعدہ میں بیٹھ گیا، التحیات وغیرہ پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے کے قریب ہی امام صاحب چوتھی رکعت کے لئے رکوع میں جاتے ہیں تو اس وقت یہ مقتدی بھی سلام پھیرے بغیر امام کے ساتھ رکوع میں چلا گیا اور اسی طرح امام کے ساتھ پوری نماز ختم کردی۔ تو کیا اس مقتدی کی نماز ہوجائے گی؟

۲..... اسی طرح ایک اور صورت ہے کہ ایک مقتدی امام کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، چار رکعت پوری ہونے کے بعد امام صاحب التحیات کے لئے قعدہ میں بیٹھ گئے مگر یہ مقتدی یہ سمجھ کر کہ یہ چوتھی رکعت ہے تکبیر باندھ لی مگر جب امام صاحب سلام پھیرنے لگے تو یہ مقتدی سلام کی آواز سن کر تکبیر ختم کر کے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ تو کیا اس مقتدی کی نماز ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس کی نماز ہوگئی۔

۲..... اس کی بھی نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه" رواه البخارى و مسلم". (إعلاء السنن، باب وجوب متابعة الإمام، والنهى عن مسابقته: ۲۸۹/۴)

"نعم! تكون المتابعة فرضاً ، بمعنى أن يأتى بالفرض مع إمامه أو بعده ، كما لو ركع إمامه فركع معه مقارناً أو معاقباً، و شاركه فيه أو بعد ما رفع منه، فلو لم يركع أصلاً أو ركع و رفع قبل أن يركع إمامه ولم يعده، معه أو بعده بطلت صلاته".

والحاصل أن المتابعة فى ذاتها ثلاثة أنواع : مقارنة لفعل الإمام مثل أن يقارن إحرامه لإحرام إمامه ، وركوعه لركوعه، و سلامه لسلامه، و يدخل فيها ما لو ركع قبل إمامه و دام حتى أدركه إمامه فيه. ومعاقبة لابتداء فعل إمامه مع المشاركة فى باقيه و متراخية عنه". (رد المحتار ، باب صفة الصلاة، مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۴۷۱/۱، سعيد)

امام نماز میں سو جائے تو مقتدی کیا کریں اور نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال[۳۰۳۹]: اگر امام صاحب قعدۂ اولیٰ، یا قعدۂ ثانیہ میں سو جائیں تو مقتدی امام صاحب کا انتظار کرتے رہیں، یا کوئی بیدار کرنے کی شکل ہو، تو آپ مطلع فرمائیں اور قعدہ اولی میں جو فرض میں تاخیر ہو، اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ نماز فاسد ہوگی، یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"سبحان اللہ" کہہ کر جگا دیا جائے (۱)، ادائے واجب (۲)، یا ادائے فرض میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام کا سجدہ میں انتقال کر جانا

سوال[۳۰۴۰]: امام نماز پڑھا رہا ہے اور سجدہ میں انتقال ہوگیا ہے دوسری رکعت میں یا تیسری

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء". رواه الجماعة و زاد مسلم: و آخرون في الصلاة". (آثار السنن، باب التسبيح والتصفيق، ص: ۱۷۲، امداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(۲) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: صلى ثلاثاً، ثم سلّم، فقال: الخرباق: إنك صليت ثلاثاً، فصلى بهم الركعة الباقية، ثم سلم، ثم سجد سجدتي السهو، ثم سلم". رواه النسائي، و سكت عنه و روى مسلم نحوه". (إعلاء السنن، باب وجوب السهو و كونه بين السلامين: ۷/۱۳۲، إدارة القرآن، كراچی)

"ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره أو تاخير ركن أو تقديمه أو تكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان سبب الوجوب: ۱/۶۹۱، دارالكتب العلمية بيروت)

رکعت میں، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی از سرِ نو نماز پڑھیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز میں مقتدی کا انتقال ہوجانا

سوال [۳۰۴۱]: جماعت ہورہی ہے اور کسی مقتدی کا انتقال ہوگیا ہے اور جماعت کے سامنے پڑا ہے اور امام کی دو رکعت یا ایک رکعت رہ گئی تو کیا حکم ہے کیونکہ جنازہ سامنے پڑا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں کے سامنے اس طرح پڑا ہے کہ سجدہ کی جگہ بالکل نہیں رہی، سجدہ کرنا دشوار ہوگیا ہے ان کو چاہیے کہ وہ اس کو اٹھا کر سامنے سے ہٹادیں پھر نماز میں شریک ہوجائیں، باقی لوگ اپنی حالت پر نماز پوری کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/صفر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "(قوله: و موت) أقول: تظهر ثمرته في الإمام لو مات بعد قعدة الأخيرة، بطلت صلاة المقتدين به فيلزم استئنافها". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۱/ ۶۲۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/ ۲۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان حكم الاستخلاف: ۲/ ۱۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) جو نمازی میت کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھیں گے تو ان کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ میت کا اٹھانا اور چلنا عملِ کثیر ہے جو کہ مفسدِ صلاۃ ہے: "(و) يفسدها (كل عمل كثير) ليس من أعمالها ولا لإصلاحها" (الدر المختار، مطلب في التشبه بأهل الكتاب: ۱/ ۶۲۴، سعيد)

وقال العلامة ابن عابدين رحمة الله عليه: "إن المشي لايخلو إما أن يكون بلاعذر أو بعذر، فالأول إن كان كثيرًا متواليًا، تفسد وإن لم يستدبر القبلة، وإن كان كثيرًا غير متوالي، بل تفرق في ركعات أو كان قليلاً، فإن استدبر ها فسدت صلاته للمنافي بلاضرورة، وإلا فلا، وكره، لما عرف أن من أخذ كثيره كره قليلاً =

گمان فساد پر نماز کا اعادہ

سوال[۳۰۴۲]: اگر جماعت کی نماز لوٹائی جائے اس یقین کے ساتھ کہ اولاً نماز نہیں ہوئی اور بعد کو تحقیق ہوجائے کہ اولاً نماز ہوگئی تھی، لوٹانا مناسب نہ تھا تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ خصوصاً فجر اور عصر کی نماز میں اگر ایسا اتفاق ہو جبکہ اس کے بعد نفل کا وقت بھی نہیں رہتا، نیز اس صورت میں اگر کچھ لوگ جماعتِ اول میں شریک نہ تھے اور جماعتِ ثانی میں شریک ہوجائیں تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فجر کی نماز اس یقین کی بناء پر لوٹائی گئی کہ نماز درست نہیں ہوئی اور واقعۃً نماز درست ہوگئی تھی تو دوسری مرتبہ ادا کی گئی نماز نفل ہوئی اور نمازی کراہت کے مرتکب نہیں ہوئے: "وکرہ نفل قصداً". کذا فی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۱/۳۴۹(۱) اور جو لوگ اول نماز میں شریک نہیں تھے اور دوسری مرتبہ ادا کی گئی نماز میں شریک ہوئے ان کی نمازِ فجر صحیح نہیں ہوئی، ان کے ذمہ نماز کا اعادہ لازم ہے، لعدم صحة اقتداء المفترض خلف المتنفل (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۸/ ۷/ ۸۸۔

= بالضرورة. وإن كان بعذر، فإن كان للطهارة عند سبق الحدث أو في صلاة الخوف، لم يفسدها، ولم يكره قلّ أو كثر، استدبر أو لا. وإن كان لغير ماذُكر، فإن استدبر معه فسدت قلّ أو كثر و إن لم يستدبر، فإن قلّ، لم يفسد ولم يكره، وإن كان كثيراً متلاحقاً أفسد". (ردالمحتار، مطلب في المشي في الصلوة: ۱/۶۲۸)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱۰۳، ۱۰۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في مفسدات الصلاة: ۲/۱۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، ص ۱/۳۷۴، سعيد)

"قال في المنح: و احترز بقوله: (قصداً) عن الشروع ظناً، كما إذا ظن أنه لم يصل فرضاً فشرع فيه فتذكر أنه قد صلاه، صار ما شرع فيه نفلاً، لايجب إتمامه، حتى لو نقضه لا يجب القضاء" (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۰، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، باب الوتر والنوافل: ۱/۱۳۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "ولا مفترض بمتنفل و بمفترض آخر؛ لأن اتحاد الصلاتين شرط عندنا". (الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، سعيد) =

تین سجدے کرنے سے نماز کا اعادہ

سوال[۳۰۴۳]: ایک شخص نے ایک رکعت میں تین سجدے کئے اور آخر میں سجدۂ سہو نہیں کیا، تو کیا اس کی نماز درست ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز واجب الاعادہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترکِ اقامت کی وجہ سے نماز کا اعادہ

سوال[۳۰۴۴]: جمعہ کے روز امام نے خطبہ دیا، خطبہ کے بعد اقامت کہنا بھول گئے اور نمازِ جمعہ جماعت سے پڑھ لی گئی، پھر بعد سلام یاد آیا کہ اقامت نہیں کہی گئی پھر دوبارہ فرض نماز جمعہ سب لوگوں نے پڑھی۔ تو دوبارہ پڑھنا مکروہ تنزیہی ہوا یا مکروہ تحریمی ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کی طرح اقامت بھی سنت ہے، جو سنت داخلِ نماز ہو اس کے ترک سے اعادہ لازم نہیں ہوتا، جو

=(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة ۱/۶۳۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة والحدث في الصلاة: ۱/۳۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تقديمه، أو تكراره، أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت. وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

"(ولها واجبات) لاتفسد بتركها، وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له. وإن لم يسدها، يكون فاسقاً آثماً. وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، تجب إعادتها، والمختار أنه جابرٌ للأول". (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، ۴۵۷، سعيد)

"فالحاصل أن من ترك واجباً، أو إرتكب مكروهاً تحريمياً، لزمه وجوباً أن يعيد في الوقت، فإن خرج أثم، ولا يجب جبر النقصان بعده، فلو فعل أفضل". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۴، سعيد)

6

سنت خارج نماز ہو اس کے ترک سے بطریق اولیٰ اعادہ لازم نہیں، سنتِ مؤکدہ کو قصداً ترک کرنے پر وعید آئی ہے:

"وهو: سنة مؤكدة، هي كالواجب"(١)۔ "والإقامة كالأذان، الخ". در مختار(٢)۔ "(قوله: كالواجب) بل أطلق بعضهم اسم الواجب عليه، قال في المعراج وغيره :والقولان متقاربان؛ لأن المؤكدة في حكم الواجب في لحوق الإثم بالترك يعني وإن كان مقولاً بالتشكيك". شامي(٣)۔ "ترك السنة لا يوجب فساداً و لا سهواً بل إساءةً لو عامداً". درمختار۔ "فلو غير عامد، فلا إساءة أيضاً". شامي (٤)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بھول کر ترک کرنے پر وعید نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۹/۱۱/۸۸ھ۔

---

(١)(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٣٨٣-٣٨٨، سعيد)

"قوله: سن للفرائض: أي سن الأذان للصلوات الخمس والجمعة سنةً مؤكدةً قويةً قريبةً من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٤٤٣، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ١/١٧٠، مكتبه امداديه ملتان)

(٢) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٣٨٨ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٤٤٦، رشيديه)

"قال رحمه الله تعالى: سن للفرائض: أي الأذان، و هو سنة مؤكدة عند عامة المشايخ، و كذا الإقامة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٢٣٩، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ١/١٧٢، مكتبه امداديه ملتان)

(٣) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٣٨٤ سعيد)

"واستشهد على ذالك في معراج الدراية عن أبي حنيفة وأبي يوسف: صلّوا في الحضر الظهر أوا العصر بلاآذان ولا إقامة، أخطأ وأثموا ...."و لعل الإثم مقول بالتشكيك بعضه أقوى من بعض، ولهذا صرّح في الرواية بالسنية حيث قال: أخطأ السنة، و في غاية البيان والمحيط: القولان متقاربان؛ لأن السنة المؤكدة في معنى الواجب في حق لحوق الإثم لتاركهما اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان: ١/٤٤٥، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب الأذان : ١/١٧١، مكتبه امداديه ملتان)

(٤) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، سنن الصلوة: ١/٤٧٣، سعيد)

عینِ نماز میں طلوعِ شمس

سوال[۳۰۴۵]: فجر کی نماز میں نیت باندھنے کے بعد یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد آفتاب طلوع ہوگیا تو ایسی حالت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ یا قضا نماز جماعت سے ادا کی جائے یا فرداً قضا کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادا نہیں ہوگی (۱)، اگر سب کی فوت ہوگئی تو جماعت سے پڑھیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

"لاصلوۃ الا بحضور القلب" کا مطلب

سوال[۳۰۴۶]: "لاصلوۃ إلا بحضور القلب"(۳)۔ ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں

---

(۱) وقوله: "بخلاف الفجر" : أي فإنه لايؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملةً، فتبطل بطُرُوّ الطلوع الذي هو وقت الفساد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۳، سعيد)

قال في المبسوط: "و لو طلعت الشمس و هو في خلال الفجر، فسدت صلاته عندنا". (باب مواقيت الصلاة، ۱/۳۰۲، المكتبة الغفارية كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱/۵۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق: ۱/۳۹۱، سعيد)

"وإذا قضى الفوائت إن قضاها بجماعة و كان صلاةً يجهر فيها بالقراءة، يجهر فيها الإمام .... و لو فاتت من جماعة صلاة فجر أو ظهر من يوم واحد، جاز لهم قضاؤها بالجماعة". (الفتاوى التاتارخانية، الفصل العشرون في قضاء الفائتة: ۱/۷۶۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، فصل فيما يوجب السهو و ما لا يوجب السهو: ۱/۱۲۳، رشيديه)

(۳) "وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا ينظر الله إلىٰ صلاة لايحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه".

قال العلامة زين الدين أبي الفضل عبدالرحيم الحسين العراقي: حديث "لاينظر الله إلى صلاة لايحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه". لم أجده بهذا اللفظ وروى محمد بن نصر في كتاب الصلاة من رواية عثمان بن أبي وهوش مرسلاً "لايقبل الله من عبد عملاً حتى يشهد قلبه مع بدنه". ورواه أبو منصور الديلمي في مسند الفردوس من حديث أبي بن كعب وإسناده ضعيف". (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الصلاة ومهماتها، فضيلة الخشوع: ۱/۱۹۹، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

ہوتی۔ حضورِ قلب سے کیا مراد ہے؟ یہ جو دنیا کے خیالات نماز میں آتے ہیں کبھی حضورِ قلب رہتا ہے اور کبھی نہیں، تو جتنی دیر حضورِ قلب نہ ہو وہ نماز میں شمار آئے گی یا نہیں؟ اگر کسی شخص نے دو رکعت فرض کی نیت سے نماز شروع کی لیکن درمیانِ نماز میں اس نے خیال کیا کہ میں سنت پڑھ رہا ہوں پھر سلام پھیر دیا بعد میں یاد آیا کہ نہیں وہ نماز فرض کی نیت سے شروع کی تھی تو ایسی نماز فرض قرار پائے گی یا نہیں؟ کیا اس کو فرض مکرر پڑھنے ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر حضورِ قلب باقی نہ رہے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور فریضہ ذمہ میں باقی رہتا ہے اس لئے کہ ادائے فریضہ کے لئے جو شرائط وارکان فقہاء نے بیان کئے ہیں ان میں حضورِ قلب کو شمار نہیں کیا ہے، پس اگر نماز میں کچھ خیالات آئیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)، اگرچہ حضورِ قلب والی نماز کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوگا محض اس درمیانی خیال سے وہ فرض نماز سنت نہیں بنے گی جب کہ فرض کی نیت سے اس کو شروع کیا ہے اور اس کو قطع کر کے سنت کی نیت سے تحریمہ نہیں کہی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "وعن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتی ما وسوست به صدرها ما لم تعمل به أو تتكلم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب فی الوسوسة، ص: ۱۸، قديمی)

"و فی شرح مقدمة الكيدانی للعلامة القهستانی: يجب حضور القلب عند التحريمة، فلو اشتغل قلبه بتفكر مسألة مثلاً فی أثناء الأركان، فلاتستحب الإعادة، وقال البقالی: لم ينقص أجره، إلا إذا قصر، وقيل: يلزم فی كل ركن، و لا يؤخذ بالسهو؛ لأنه معفوٌ عنه، لكنه لم يستحق ثواباً كما فی المنية". (رد المحتار، مطلب فی حضور القلب والخشوع: ۱/۴۱۷، سعيد)

(۲) "رجل افتتح المكتوبة، فظن أنها تطوع، فصلی علی نية التطوع حتی فرغ فالصلاة هی المكتوبة، و لو كان الأمر بالعكس، فالجواب بالعكس، وكذا فی فتاوی قاضيخان". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الرابع فی النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۹۱ رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی، الفصل الثامن فی النية: ۱/۱۸۰، امجد اكيڈمی لاهور)

کیا بغیر حضور قلب کے نماز نہیں ہوتی؟

سوال[۳۰۴۷]: بعض پیروں کے مرید نماز کی پابندی بالکل نہیں کرتے اور بعض نماز بالکل نہیں پڑھتے، اگر نماز کے بارے میں ان لوگوں کو کہا جائے تو جواب دیتے ہیں کہ جب قلب حاضر نہ ہوگا نماز قبول نہیں ہوتی اور بعض قائل ہیں کہ نماز صرف دل سے پڑھنی کافی ہے، شرعاً یہ لوگ کیا حکم رکھتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز فرض عین ہے، اسکی فرضیت کا منکر کافر ہے اور بلا عذر شرعی اس کا تارک فاسق ہے(۱)۔نماز فقط قلب سے ہرگز ادا نہیں ہوتی (۲)، یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے، ایسے عقیدہ والوں کو فوراً توبہ کرنا فرض ہے اور احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی کرلینا چاہیے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/صفر/۵۵ھ۔

خیالات آنے سے نماز میں خرابی نہیں آتی

سوال[۳۰۴۸]: نماز میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور سجدہ میں دعائیں دل سے نکلنے لگتی

---

(۱) "(هي فرض عين على كل مكلف، و يكفر جاحدها) لثبوتها بدليل قطعي (وتاركها عمداً مجانة): أي تكاسلاً فاسق (يحبس حتى يصلي)؛ لأنه يحبس لحق العبد، فحق الحق أحق". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل فيما يوجب قطع الصلاة و ما يجيزه وغير ذلك، ص: ۳۷۳، قديمي)

(وكذا في ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الصلاة: ۱/۶۷، داراحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "(اعلم بأن الصلوة) وهي في اللغة مطلق الدعاء بالخير، و في الشريعة: عبادة ذات قرآءة و ركوع و سجود......... (فريضة ثابتة بالكتاب والسنة)". (الحلبي الكبير في المقدمة، ص: ۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، ص: ۱۷۳، قديمي)

ہیں، نماز میں کچھ حرج واقع ہونے لگتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہوتو اس کے دفعیہ کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

خواجہ عامر حسین عفی عنہ، محلہ شاہ ولایت صاحب، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض خیالات آنے یا دل سے دعاء نکلنے سے نماز میں خلل نہیں آتا(۱)، خداوندتعالیٰ کی عظمت اور جلال کا تصور کر کے نماز پڑھے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے(۲) اور ہر رکن کے آداب کی رعایت رکھی جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ نماز کا حظ حاصل ہوگا اور خیالات بھی پریشان نہیں کریں گے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نماز میں حوروں کا تصور

سوال[۳۰۴۹]: زید جب نماز پڑھتا ہے تو اسے بذریعۂ قرأتِ امام حوروں کا ذکر معلوم ہوجاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا ذہن منتشر ہوجاتا ہے، اسی طرح کبھی بیوی کا خیال بھی آجاتا ہے یہاں تک کہ پوری نماز ختم

---

(۱) "عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدرها مالم تعمل به أو تتكلم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب في الوسوسة، ص: ۱۸، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل، فقال: ماالإيمان؟ قال: "الإيمان أن تؤمن بالله وملئكته وبلقائه ورُسله وتؤمن بالبعث" .... قال: ماالإحسان؟ قال: "أن تعبدالله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك الخ". (صحيح البخاري باب سؤال جبرائيل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الإيمان الخ: ۱/۱۲، قديمي)

(۳) "(ولها آداب) تركه لا يوجب إساءةً وعتاباً كترك السنة الزوائد، لكن فعله أفضل: (نظره إلى موضع سجوده حال قيامه، وإلى ظهر قدميه حال ركوعه، وإلى أرنبةأنفه حال سجوده، وإلى حجره حال قعوده، وإلى منكبه الأيمن والأيسر عند التسليمةالأولى والثانية) لتحصيل الخشوع". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صفةالصلاة: ۱/۴۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفةالصلاة: ۱/۵۳۰، رشيديه)

ہوجاتی ہے اور یہ تصورات بغیر قصد کے ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں بے اختیار بیوی اور حوروں کا تصور ہوجائے اور انتشار پیدا ہوجانے کے بعد اگر زید اس تصور سے لذت اندوز نہیں ہوتا اور ان خیالات میں منہمک نہیں ہوتا ہے بلکہ ان خیالات کو دور کر کے نماز کی طرف متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہے تو زید گنہگار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نماز میں غیر عربی میں دعاء مانگنا

سوال [۵۰۰۳]: میں نے عصر کی نماز میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے درود شریف کے بعد کی دعاء پڑھ کر کلام پاک اور حدیث شریف کی دوسری دعاؤں کے بعد اردو میں بھی سہواً دعا مانگ لیا، غالباً یہ دعاء مانگی کہ ''اے اللہ! اپنے شایانِ شان فضل فرما''۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں غیر عربی میں دعاء مانگنا حرام ہے، مفسدِ صلوۃ نہیں۔ یہ مسئلہ یاد نہیں رہا تھا اس لئے میں نے اپنی نماز دہرائی، آیا بہتر کیا یا مجھے دہرانے کی ضرورت ہی نہ تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے ٹھیک کیا کہ نماز دہرائی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لا صلاة إلا بحضور القلب")

(۲) "(ودعا) بالعربية، وحرم بغيرها، نهر ...... (قوله: وحرم بغيرها) .... وكره الدعاء بالعجمية؛ لأن عمر -رضي الله تعالى عنه- نهى عن رطانة الأعاجم، والرطانة كما في القاموس: الكلام بالعجمية، ...... وظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الأولى، وأن الكراهة فيه تنزيهية، ...... ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلاة وتنزيهاً خارجها، فليتأمل". (الدر المختار مع ردالمحتار، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/ ۵۲۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح بيان سننها، ص: ۲۷۲، قديمي)

نماز اور غیر نماز میں عربی اور غیر عربی میں دعاء میں فرق

سوال[۳۰۵۱] : طحطاوی علی مراقی الفلاح ص: ۱۵۸ میں ہے: ''یدعوا بالعربیة، و یحرم بغیرها؛ لأنها تنافي جلال اللّٰه تعالیٰ". (۱)۔

دعاء بغیر عربی کی حرمت صرف نماز میں ہے یا خارجِ نماز بھی؟ تساویٔ علت سے شبہ ہوتا ہے کہ خارجِ نماز بھی حرام ہو، نیز ''ماہنامہ دار العلوم، دیوبند'' میں بحوالہ ''شامی'' خارجِ نماز دعاء بغیر عربی مکروہ لکھنے سے اور بھی شبہ ہوا کہ کہیں شامی کا منشاء کراہتِ تحریمی نہ ہو، بہر حال دعاء کے بارے میں باوجود استطاعت علی العربی ہونے کے دوسری زبان استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: مولوی عبدالسلام صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد سلام سے پہلے دعاء کو ''مراقی الفلاح'' میں سنت لکھا ہے(۲)، اس کے ذیل میں شرح کرتے ہوئے علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:"ویدعو بالعربیة و یحرم بغیرها؛ لأنها تنافي جلال اللّٰه تعالیٰ"(۳)۔

اس حرمت کا محل تو اندرونِ صلوٰۃ ہی ہے، چند سطر بعد لکھا ہے: "ولا یجوز أن یدعو في صلاته، بما یشبه کلام الناس". مراقی الفلاح۔ "و لذا قالوا: ینبغي له في الصلوة أن یدعوا بدعاء محفوظ لا بما یحضر، ولأنه (بما یجري علی لسانه ما یشبه کلام الناس، فتفسد صلوته. وأما في غیر

---

(۱) (حاشیة العلامة احمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل في بیان سننها، ص: ۲۷۲، قدیمي)

(۲) " ویسن الدعاء بعد الصلوة علی النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم لقوله علیه الصلاة والسلام: " إذا صلی أحدکم، فلیبدأ بتحمید اللّٰه ... ... ثم لیدْعُ بعدُ ما شآء". (مراقي الفلاح، کتاب الصلوة، فصل في بیان سننها، ص: ۲۷۲، ۲۷۳، قدیمي)

(۳) (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، المرجع السابق، ص: ۲۷۳، قدیمي)

(و کذا في الدر المختار، کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین في الدخول والخروج الخ: ۳/۷۴۱، سعید)

الصلوۃ، فبالعکس، فلا یستظهر له دعاء؛ لأن حفظ الدعاء یمنع المعرفة، اهـ. بحر"(۱)۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ دعاء کا حکم خارجِ نماز اور داخلِ نماز یکساں نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہے، علامہ شامی نے اس موقعہ پر بحث کر کے لکھا ہے: "وظاهر التعلیل أن الدعاء بغیر العربیة خلاف الأولى وأن الكراهة فیه تنزیهیة .... ولا أن یکون الدعاء بالفارسیة مکروهاً تحریماً في الصلوۃ و تنزیهاً خارجها، فلیتامل ولیراجع". ردالمحتار: ۱/ ۳۵۰ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتنے نقصان پر نماز توڑنے کی اجازت ہے؟

سوال[۳۰۵۲]: نماز پڑھتے ہوئے کتنے نقصان پر نیت توڑنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقریباً ۴ (......) کی مالیت پر بھی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

---

(۱) (حاشیة العلامة احمد بن محمد بن إسماعیل، طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان سننها، ص: ۲۷۳، قدیمی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، فصل في بیان تالیف الصلوۃ إلى انتهائها، مطلب في الدعاء بغیر العربیة: ۱/ ۵۲۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب صفة الصلوۃ: ۱/ ۵۷۸، ۵۷۹، رشیدیه)

(۳) "رجل قام إلى صلاة فسرق منه شئ قیمته درهم، له أن یقطع الصلاة، ویطلب السارق سواء كانت فریضةً أو تطوعاً؛ لأن الدرهم مالٌ". (الفتاوی العالمکیریة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة ومایکره فیها، الفصل الثاني فیما یکره الصلاة: ۱/ ۱۰۹، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/ ۶۵۴، سعید)

(وکذا في فتح القدیر، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، فصل. ویکره للمصلي: ۱/ ۴۱۸، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجائے تو نماز کا حکم

سوال[۳۰۵۳]: نماز کی حالت میں اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال دل میں آئے یا ادراک کی حالت میں آئے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خیال نماز میں آئے تو نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

التحیات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور

سوال[۳۰۵۴]: التحیات میں "السلام عليك أيها النبي" سے صوفیاء حضرات استدلال کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ضروری ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ ان الفاظ کی وجہ اور شانِ نزول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کو معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہیے (۲)، اس لئے تصور بھی آئے گا۔ معراج میں تین

---

(۱) ''اس لئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک یا فرشتوں یا بزرگوں کا خیال یا عجیب وغریب مسائل خود بخود دل میں پیدا ہو جائیں تو اس سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، البتہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ''صرفِ ہمت'' کر کے دل میں نماز کی حالت خیال لانا اور بہمہ وجوہ آپ کی طرف متوجہ ہو جانا مضر تر ہے، کیونکہ آپ کی بے پناہ عقیدت اور لازوال محبت کے پیشِ نظر اور بے حد تعظیم وتکریم کے لحاظ سے اس خیال میں منہمک ہو کر آدمی توجہ الی اللہ سے محروم رہ جائے گا جو نماز میں مطلوب تھی، اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے''۔ (عبارات اکابر، از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، حصہ اول، باب اول، چوتھا اعتراض، ص:۸۶، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

(۲) نماز میں معنی پر دھیان رکھ کر اور سمجھ کر پڑھنے سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا جو عینِ مقصودِ نماز ہے، حدیث میں ہے: "قال (جبريل) فأخبرني عن الإحسان"؟ قال: "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك". قال القاري رحمه الله تعالى: " كأنك تراه" .... أي حال كونك مشبهاً بمن ينظر إلى الله خوفاً منه وحياءً وخضوعاً وخشوعاً وأدباً وصفاءً ووفاءً .... فإن العبد إذا قام بين يدي مولاه، لم يترك شيئاً مما قدر عليه من إحسان المحل بمقتضاه .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۲۵، رقم الحديث: ۲، رشيديه)

چیزیں ہمیں "التحیات، الصلوات، الطیبات" بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے وہاں سے جواب میں تین چیزیں: سلام، رحمت، برکات عطا ہوئیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

امام کے سورۂ فاتحہ ختم کرنے پر مقتدی کا کلمہ طیبہ پڑھنا

سوال[۵۰۵۵]: میں جب امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تو امام کے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد میری زبان سے خود بخود کلمہ طیبہ جاری ہو جاتا ہے، کافی کوشش کرتا ہوں کہ روکوں مگر نہیں رکتا، ایسی صورت میں میری نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی (۲) لیکن اس کی اصلاح کیجئے، امام کے پیچھے خاموش رہنے کا

---

(۱) "فلما قال ذلک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بإلهام من اللہ سبحانه، ردّاللہ علیه وحیّاه بقوله: (ألسلام علیک أیها النبی ورحمة اللہ وبركاته)" فقال: "التحیات بالسلام الذی هو تحیة الإسلام، وقابل الصلوة بالرحمة التی هی بمعناها، وقابل الطیبات بالبركات المناسبة للمال لكونها النمو والكثرة ....اهـ". (إمداد الفتاح شرح نور الإیضاح، ص: ۳۲۶، کتاب الصلوة، مطلب فی شرح ألفاظ التشهد، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وكذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۸۴، ۲۸۵، کتاب الصلوة، فصل فی كیفیة ترتیب أفعال الصلوة، قدیمی)

(۲) "قوله: (و یُفسد الصلاةَ التكلُّمُ) لحدیث مسلم: "إن صلاتنا هذه لا یصلح فیها شیء من كلام الناس، إنما هو التسبیح والتكبیر، و قرأة القرآن". (البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یكره فیها: ۳/۲، رشیدیه)

(وكذا فی ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة و ما یكره فیها: ۶۱۵/۱، سعید)

(وكذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان حكم الاستخلاف: ۱۲۶/۲، دار الكتب العلمیة بیروت)

حکم ہے (۱)، اس حکم پر عمل کا تصور کیجئے اور کوشش بھی کیجئے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

نماز میں نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال[۳۰۵۶]: اگر امام نے نماز میں آیت ﴿ وما محمد إلا رسول ﴾ پڑھی اور کسی مقتدی نے یہ سوچ کر کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنا چاہئے، اس لئے اس نے نام مبارک سنتے ہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ دیا، تو اس سے نماز میں تو کوئی خرابی نہیں آئی؟

مولوی محمد احسن صاحب سلطان پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا یہ خیال صحیح ہے کہ نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنا چاہئے، احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، لیکن یہ حکم خارج نماز کا ہے نماز میں یہ حکم نہیں، پس اگر نماز میں اس قصد سے درود شریف پڑھا ہے تو نماز فاسد ہوگئی (۲)، جیسے کہ امام سے اللہ پاک کا نام سنکر جل جلالہ کہہ دیا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ پاک کا نام سنکر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له، وأنصتوا، لعلكم ترحمون ﴾ (سورة الأعراف: ۲۰۴)

"(والمؤتم لا يقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة في السرية اتفاقاً .... (فإن قرأ كره تحريماً، بل يستمع وينصت إذا أسرّ، لقول أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "كنا نقرأ خلف الإمام فنزل: ﴿وإذا قرئ القرآن، فاستمعوا له وأنصتوا ﴾ (الدر المختار، فصل في القرأة: ۱/۵۴۴، ۵۴۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان أركان الصلاة: ۱/۵۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "[فروع]: سمع اسم الله تعالىٰ فقال: جل جلاله، أو النبي صلى الله عليه وسلم فصلى عليه، أو قرأة الإمام فقال: صدق الله ورسوله، تفسد إن قصد جوابه". (الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۱، سعيد)

"(قوله: تفسد إن قصد جوابه) ذكر في البحر أنه لو قال مثل ما قال المؤذن، إن أراد جوابه تفسد، وكذا لو لم تكن له نية؛ لأن الظاهر أنه أراد به الإجابة، وكذلك إذا سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم فصلى عليه فهذا إجابة". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

تعظیمی لفظ کہنا چاہئے، یا امام سے کسی آیت کو سنکر کہدیا: صدق الله و رسوله، ان صورتوں میں نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ ان سب صورتوں میں قصدِ جواب ملحوظ ہے، اگر بغیر قصدِ جواب کے درود شریف پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی، کیونکہ درود شریف ایسی چیز نہیں جس کے پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے، بلکہ نماز میں اس کو مستقلاً پڑھا جاتا ہے (قعدۂ اخیرہ میں پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے)، اور اللہ پاک کے لئے تعظیمی الفاظ مستقل پڑھے جاتے ہیں (جیسے رکوع میں سبحان ربی العظیم)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا سجدہ میں دونوں پیروں کے اٹھ جانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

سوال[۳۰۵۷]: اگر سجدہ کرتے وقت دونوں پیر زمین سے اٹھ جائیں تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

محمد یاسین فاروقی اناؤ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دونوں پیروں کی انگلیاں بالکل زمین سے اٹھی رہیں تو سجدہ درست نہیں ہوگا اور سجدہ درست نہ ہونے سے نماز درست نہیں ہوگی، طحطاوی، ص: ۱۲۶ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(قوله: تفسد إن قصد جوابه) .... واستفيد أنه لو لم يقصد الجواب، بل قصد الثناء والتعظيم، لاتفسد؛ لأن نفس تعظيم الله تعالىٰ والصلاة على نبيه –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– لا ينافي الصلاة، كما في شرح المنية". (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۱، سعيد)

وفي الفتاوىٰ العالمكيرية: "و لو صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة إن لم يكن جواباً لغيره، لا تفسد صلاته". (الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۹، رشيديه)

(۲) "فخرج وضع الجبهة مع رفع القدمين؛ لأنه تلاعب وليس بتعظيم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، ص: ۲۳۰، قديمي)

(وأيضاً سيأتي تخريجه مفصلاً تحت عنوان: "سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا")

سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا

سوال[۳۰۵۸]: نماز پڑھتے وقت اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جائیں تو نماز فاسد ہوجاتی ہے کہ نہیں؟ حوالہ کتب وصفحات کا ہونا ضروری ہے اور اس مسئلہ میں کسی فقیہ کی نظر فقہی بھی ضرور درج فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے سے سجدہ صحیح نہیں ہوگا اور جب سجدہ صحیح نہ ہو، نماز صحیح نہ ہوگی:

"وفي مختصر الكرخي: سجد و رفع أصابع رجليه عن الأرض، لا تجوز اهـ". غنية، ص: ۲۸۰(۱)۔ "ومن شرط جواز السجود أن لا يرفع قدميه فيه، فإن رفعهما في حال سجوده، لاتجزيه السجدة اهـ". جوهره، ص: ۵۲(۲)۔ قال المحقق ابن الهمام: "أما افتراض وضع القدم، فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم و الإجلال، و يكفيه وضع أصبع واحدة. و في الوجيز: وضع القدمين فرض، فإن وضع إحداهما دون الأخرى، جاز و يكره، اهـ". فتح القدير (۳)۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں پیر اٹھانے کی مقدار ایک رکن کی ادائیگی تک پہونچ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۵/۱/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۵/۱/۶۱ھ۔

---

(۱) (غنية المستملي شرح منية المصلي، الخامس من الفرائض: السجدة، ص: ۲۸۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"(قوله: و منها السجود) ..... "و أما إذا رفع قدميه في السجود، فإنه مع رفع القدمين بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال ..... (قوله: و قدميه) ..... و أفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين، لم يصح السجود". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۱/۴۴۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في فرائض الصلاة، و منها السجود: ۱/۷۰، رشيديه)

سجدہ میں دونوں پیروں کا اٹھالینا

سوال[۳۰۵۹]: اگر سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو سجد ولم يضع قدميه على الأرض، لا يجوز اهـ". عالمگیری (۱)۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دونوں پیر سجدہ میں زمین سے اٹھالئے تو سجدہ جائز نہیں اور جب سجدہ جائز نہ ہوا (جو کہ نماز کا فرض ورکن ہے) تو نماز بھی جائز نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

رفعِ قدمین

سوال[۳۰۶۰]: سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں زمین پر لگانا ضروری ہے یا نہیں اور اگر پاؤں اٹھ گئے تو نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدہ میں پیر کی کسی انگلی کا زمین سے لگا رہنا ضروری ہے اگر دونوں پیر اس طرح زمین سے اٹھے رہے کہ کسی انگلی کا کوئی حصہ بھی زمین سے لگا ہوا نہیں رہا اور تین تسبیح کی مقدار یہی کیفیت رہی تو نماز درست نہیں ہوگی، سجدہ سہو بھی اس کے لئے کافی نہیں:

"ومنها السجود بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط، اهـ". درمختار۔

"وأفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين، لم يصح السجود، اهـ". رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۱/۷۰، رشيديه)

(وأيضاً تقدم تخريجه تفصيلاً تحت عنوان: ''سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا''۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۱/۴۴۷، سعيد)

(وراجع أيضاً عنوان ''سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا'')

سجدہ میں پیشانی اور ناک رکھنے کی جگہ کا موضع قدمین سے بلند ہونا

سوال[۳۰۶۱]: ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور حالتِ سجدہ میں اس کے ہاتھ اور ناک و پیشانی بلندی پر رہتے ہیں اور گھٹنے پستی میں رہتے ہیں اس صورت میں کیا قباحت ہے اور کتنی بلندی کس حکم میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پیشانی اور ناک قدم سے نصف ذراع سے کم بلندی پر ہوتو سجدہ ادا ہو جائے گا، اگر اس سے زیادہ بلندی پر ہوتو سجدہ ادا نہیں ہوگا اور سجدہ نہ ہونے کی صورت میں نماز بھی نہیں ہوگی:

"و من شروط صحة السجود عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع ليتحقق صفة الساجد، والارتفاع القليل لا يضر، وإن زاد على نصف ذراع، لم يجز السجود: أي لم يقع معتمداً به، فإن فعل غيره معتبراً صحت، وإن انصرف من صلوته و لم يعده، بطلت، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ۱۲٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کا نماز میں جہراً قرأت کرنا کیا مفسد ہے؟

سوال[۳۰۶۲]: عورت اگر بالجہر نماز پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور اس طرح جس نے نماز پڑھی ہے ان نمازوں کو قضاء کرنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض فقہاء کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے، جہر سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے

---

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب شروط الصلاة وأركانها، ص: ۲۳۲، قديمي)

"(و لو كان موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين، جاز) سجوده (وإن أكثر لا)، إلا لزحمة كما مر. والمراد لبنة بخارا: و هي رُبع ذراع عرض ستة أصابع، فمقدار ارتفاعهما نصف ذراع ثنتا عشرة أصبعاً، ذكره الحلبي". (الدر المختار، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۰۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في فرائض الصلاة، و منها السجود ۱/۷۰، رشيديه)

احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جہر سے نہ پڑھے، جونمازیں جہر سے پڑھ چکی ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/۷/۹۰ھ۔

نماز میں تفسیر کے ساتھ قرأت کرنا

سوال[۳۰۶۳]: کسی شخص نے تفسیر کے ساتھ قرأت پڑھی ہے، نماز میں آیا اسکی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالدلیل۔فقط۔

المستفتی: احقر نور محمد میمنگی، مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تفسیر قرآن نہیں، غیر قرآن کو قرآن کے ساتھ نماز میں پڑھنا مفسدِ صلوۃ ہے:"الصلوة يمنع فيها عن غير القرأة والذكر قطعاً، و ما كان قصة و لم تثبت قرانية، لم يكن قرأة و لا ذكراً، فيفسد" الخ ردالمحتار: ۱/۵۰۶(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/محرم/۵۸ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،۱۳/محرم/۵۹ھ، صحیح:عبداللطیف،۱۳/محرم/۵۸ھ۔

---

(۱) "(قوله: و صوتها) معطوف على المستثنى: يعني انه ليس بعورة (قوله : على الراجح)، عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه. و في النهر: و هو الذى ينبغي اعتماده ، و مقابله ما في :النوازل نغمة المرأة عورة. .... قال في الفتح : و على هذا لو قيل: إذا جهرت بالقرأة في الصلاة، فسدت، كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام لسهوه إلى التصفيق ".

(ردالمحتار، باب شروط الصلاة : ۱/۴۰۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب شروط الصلاة : ۱/۱۸۳ ، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، مطلب في حكم القرأة بالشاذة : ۱/۴۸۵ ، سعيد)

"و لا يجوز بالتفسير إجماعاً؛ لانه كلام الناس". (البحر الرائق ، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۶ رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة : ۱/۲۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

6

"سمع الله لمن حمده" کے بجائے "سمع الله من حمده" کہنا

سوال[۳۰۶۴]: امام بجائے "سمع الله لمن حمده" کے "سمع الله من حمده" کہتا ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن صحیح الفاظ ادا کرنے کی کوشش واہتمام لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لفظ "اللہ" کے شروع میں "مد"

سوال[۳۰۶۵]: ایک امام بجائے "الله أكبر" کے "آلله أكبر" پڑھتا ہے، اس کو کہا گیا کہ تم صحیح پڑھا کرو تو وہ کہتا ہے کہ میں اپنے نزدیک بالکل "الله أكبر" ہی پڑھتا ہوں، مگر تمہیں "آلله أكبر" معلوم ہوتا ہے، حالانکہ وہ کبھی "الله أكبـــر" صحیح کہتا ہے اور کبھی غلط۔ اب اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ میں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ رکھی ہے جیسا حکم ہو، کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مذکور "الله أكبر" میں اللہ کے شروع میں "الف" پر مد پڑھتا ہو اور اس کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا تو ایسی حالت میں اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اگر تکبیر تحریمہ میں ایسا کرتا ہے تو نماز کا شروع کرنا صحیح نہیں ہوا۔ اگر علم ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ اس سے معنی میں کیا خرابی ہے تو پھر قصداً ایسا کرنے سے کفر کا خوف ہے:

قال ابن نجيم: "لو مد ألف "الله أكبر" لا يصير شارعاً، خيف عليه الكفر إن كان

---

(۱) "ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً أو قدمه أو بدله بآخر .... لم تفسد ما لم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/ ۶۳۲، ۶۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في مسائل زلة القارى: ۱/ ۷۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني عشر في زلة القارى: ۱/ ۱۰۶، امجد اكيڈمى لاهور)

قاصداً، اهـ". بحر، ص: ٣١٤(١)۔ "اعلم أن المد إن كان في "الله"، فأما في أوله أو أوسطه أو آخره، فإن كان في أوله لم يصر به شارعاً، وأفسد الصلوة لو في أثنائها، ولا كفر إن كان كاجاهلاً؛ لأنه جازم، وإلا كفر للشك في مضمون الجملة". شامی: ١/ ٥٠٠(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

قصداً ترکِ رکوع اور ترکِ قعدۂ اُولیٰ کا حکم

سوال[۳۰۶۲]: جو شخص عمداً امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہوا اور قرأت میں مشغول رہا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ متفقہ بین الائمۃ الاربعہ ہے یا نہیں؟ فسادِ صلوۃ کی صورت میں اسی طرح اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ میں عمداً نہ بیٹھے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے پیچھے قرأت کی اجازت نہیں، پھر اس میں مشغول رہنے کی وجہ سے رکوع میں شریک نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اگر رکوع ترک کردیا، تو ترکِ فرض کی وجہ سے نماز باطل ہوگئی (۳)، قعدہ اولیٰ واجب ہے، عمداً ترکِ واجب سے فرض ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے اور اعادہ واجب ہوتا ہے:

---

(١) (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ١/ ٥٣٨، رشيديه)

(٢) (رد المحتار، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ١/ ٤٨٠، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في كيفيتها: ١/ ٧٣، رشيديه)

(٣) "وفي الولوالجية: الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع: فرض و سنة وواجب، ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي، وإلا فسدت صلاته". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة و ما لا يكره: ١/ ١٢٦، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع للكاساني، فصل في بيان المتروك سهواً: ١/ ٤٠١، دار الكتب العلمية بيروت)

"(سجدة السهو واجبة، إنه لا يجب إلا بترك الواجب) لا بترك الفرائض؛ لأن تركها لا ينجبر بسجود السهو، بل هو مفسد، إن لم يتدارك فيعاد". (غنية المستملي (الحلبي الكبير) مفسدات الصلاة، ص: ٤٥٥، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و حکم الواجب استحقاق العذاب بترکه عمداً عدم إکفار جاحده، والثواب بفعله، و لزوم سجدة السهو لنقص الصلوة بترکه سهواً، أوإعادتها بترکه عمداً، و سقوط الفرض ناقصاً إن لم یسجد و لم یعد". مراقی الفلاح"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام سے پہلے رکوع یا سجدہ

سوال[۳۰۶۷]: اگر کوئی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں چلا جائے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر اس رکوع وسجدہ میں امام بھی پہونچ گیا تو نماز درست ہوجائے گی، اگر اس مقتدی نے امام کے رکوع یا سجدہ میں پہونچنے سے پہلے سر اٹھالیا یعنی امام کے ساتھ رکوع وسجدہ میں شرکت بالکل نہیں کی تو اس کی نماز فاسد ہوگئی:

"ولو رکع قبل الإمام فلحقه إمامه فیه، صح رکوع و کره تحریماً، وإلا لا یجزیه، الخ". در مختار علی رد المحتار: ۱/۴۸۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مراقی الفلاح، فصل فی بیان واجب الصلوة، ص: ۲۴۶، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۶۱/۱، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار، باب إدراک الفریضة: ۲/۶۱، سعید)

"عن محمد بن زیاد قال: سمعت أبا هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أما یخشی أحدکم" أو "ألا یخشی أحدکم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن یجعل الله رأسه رأس حمار"، أو "یجعل الله صورته صورة حمار" أخرجه البخاری". (إعلاء السنن، باب وجوب متابعة الإمام، والنهی عن المسابقة: ۴/۲۹۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، باب إدراک الفریضة: ۲/۱۳۶، رشیدیه)

سلام قبل الامام سے متعلق تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل کی عبارتوں میں تعارض

سوال[۳۰۶۸]: اگر مقتدی امام سے پہلے کلمہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" ختم کردے تو نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگی تو اس عبارت اور حاشیہ کا کیا مطلب ہے جو کہ تذکرۃ الرشید، ص:۱۷۹، میں لکھی ہوئی ہے۔ عبارت یہ ہے:

''اس عنوان کو اس مسئلہ پر ختم کرتا ہوں جس کو حضرت امام ربانی قدس سرہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا اور کہا کہ سننے والے دوسروں کو پہونچاویں، عالم لوگ اس کی طرف سے غافل ہیں اور یہ غفلت ان کو بہت نقصان پہونچا رہی ہے، وہ یہ کہ امام کے پہلے سلام ختم ہونے سے پہلے مقتدی سلام ختم کردے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی''۔

اور حاشیہ یہ ہے:

''مطلب یہ ہے کہ امام اکثر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کو ترتیل کے ساتھ پڑھتا اور سلام پھیرتا ہے، اور مقتدی اس کلمہ کو جلد ختم کرلیتے ہیں، پس اگر امام کی زبان سے لفظ "ورحمۃ اللہ" ختم ہونے سے پہلے مقتدی نے یہ الفاظ تمام کئے تو چونکہ امام سے پہلے مقتدی نے نماز ختم کی، اس لئے مقتدی کی نماز جاتی رہی''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقتدی نے امام کے لفظ "السلام" ختم کرنے کے بعد اپنا سلام شروع کیا ہے تو اس کی نماز درست ہوگئی اگرچہ "ورحمۃ اللہ" امام سے پہلے ہی ختم کردیا ہو۔

"وتنقضی قدوة بالأول قبل "علیکم" علی المشهور عندنا، وعلیه الشافعیة". در مختار علی هامش الشامیه: ۱/۴۳۸(۱)۔

تذکرۃ الرشید میں جو مسئلہ ہے اس کا حال بھی یہی ہے، وہاں صرف سلام مذکور ہے، نہ کہ "ورحمة

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۶۸، سعید)

اللہ"۔ محشی نے تذکرۃ الخلیل میں خود اس کے خلاف کہا ہے اور تذکرۃ الرشید کا حوالہ بھی اس کے حاشیہ میں دیا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

قعدہ اخیرہ کے بعد ضرورۃً امام سے پہلے سلام پھیرنا

سوال [۳۰۶۹]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو اور قعدۂ اخیرہ التحیات کے بعد اس کو سخت عارضہ پیش آجائے، مثلاً ہوا خارج ہونے والی ہو یا قضائے حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو ایسا شخص خود سلام پھیر کر نماز پوری کر لے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) تذکرۃ الخلیل یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ اس طرح ہے: "ایک دن عصر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت حرم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شویل صاحب نے اس شامی حاجی کو کشاں کشاں لا کر حضرت کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ اس نے دوسرا سلام امام سے پہلے پھیر دیا، جب اس کو منع کیا تو اس نے کہا میں نے تو حضرت کو ایسا کرتے دیکھا ہے، کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ہاں ایسا کر سکتے ہیں"۔

حاشیہ میں ہے: "تذکرۃ الرشید، جلد اول، ص: ۹۷، میں یہ مسئلہ غلط لکھا گیا، صحیح یہ ہے کہ جو یہاں مذکور ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی (عاشق الٰہی)"۔ (تذکرۃ الخلیل، ص: ۳۰۲، مکتبۃ الشیخ، کراچی)

(۲) واضح رہے کہ بغیر عذر امام کے سلام سے پہلے مقتدی کا سلام پھیرنا مکروہ ہے لیکن عذر کے ساتھ ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ شامی میں ہے: "ولو أتمه قبل إمامه فتكلم، جاز و كره". (ردالمحتار)

"(قوله: ولو أتمه): أي لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع فيه، وفرغ منه قبل إتمام إمامه، فأتى بما يخرجه من الصلوة كسلام أو كلام أو قيام، جاز ...... وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلاعذر، فلو به (أي بعذر) كخوف حدث أو خروج وقت جمعة أو مرور مارّ بين يديه، فلا كراهة".

(ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، آداب الصلوة: ۱/۵۲۵، سعيد)

سلام قبل الامام

سوال[۳۰۷۰]: ایک مقتدی مدرک نے امام کے سلام سے قبل سلام پھیر دیا خواہ سہواً یا عمداً تو اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سہواً امام سے پہلے سلام پھیر دیا، پھر یاد آ گیا تو ٹھہرا رہے اور امام کی اتباع میں دوبارہ سلام پھیر دے بشرطیکہ کوئی اور قول یا فعل منافیٔ صلوۃ نہ کیا ہو، ورنہ اس کے ذمہ نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ اگر عمداً امام سے پہلے سلام پھیر کر نماز سے خارج ہو گیا تو دوبارہ پڑھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۰ھ۔

امام کی تبعیت کا ایک مسئلہ

سوال[۳۰۷۱]: اگر ہر دو سلام یا سلام سجدۂ سہو شروع امام کے ساتھ یا بعد میں کرے مگر ختم پہلے کرے تو نماز ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے:"وتنقضی قدوة بالأول قبل علیکم". الدر المختار علی

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذات یوم، فلما قضی الصلاة، أقبل علینا بوجهه، فقال: "أیها الناس! إنی إمامکم فلا تسبقونی بالرکوع و لا بالسجود و لا بالقیام و لا بالإنصراف، فإنی أراکم أمامی و من خلفی". الخ. (الصحیح لمسلم، باب تحریم سبق الإمام برکوع أو سجود ونحوهما: ۱/۱۸۰، قدیمی)

"(قوله: و لو أتمه): أی لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فیه و فرغ منه قبل إتمام إمامه، فأتی بما یخرجه من الصلاة کسلام أو کلام أو قیام، جاز: أی صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأرکان .... و إنما کره للمؤتم ذلک لترکه متابعة الإمام بلا عذر، فلو به ..... فلا کراهة". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع، باب صفة الصلاة: ۱/۷۱، رشیدیه)

ھامش ردالمحتار: ۱/۴۳۶(۱)، بموجب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ص:۱۴۴(۲)۔حضرت والا کا فتویٰ یہ ہے کہ داہنی طرف ختم نماز کا سلام پھیرتے وقت اگر مقتدی ''السلام'' کی ''میم'' امام کی ''میم'' سے پہلے ادا کردے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ان دونوں فتووں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس فتویٰ پر درمختار کی عبارت منقولہ کا حاصل بھی وہی ہے جو احقر نے لکھا ہے(۳)''الأول'' سے مراد پہلا سلام جو داہنی طرف ہوتا ہے''قبل علیکم'' سے مراد ''السلام علیکم'' کا ''میم''۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۱/۴۶۸، سعید)

(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، باب مکروھات نماز: ۴/۱۴۴، امدادیہ، ملتان)

(۳) (انظر عنوان: ''امام کے تکبیرات اور سلام سے پہلے مقتدی کا تکبیر وسلام کہنا''۔)

تنبیہ: فقہی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ کے فتویٰ میں جو منقول ہے کہ نماز فاسد ہوجاتی ہے وہ احتیاط پر محمول ہے دیکھئے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۷۳)۔جب کہ ''خیر الفتاوی'' اور ''تذکرۃ الرشید'' اور ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' میں مذکورہ مسئلہ میں فسادِ نماز کے بارے میں جواب دیا ہے۔

''مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی آخری قعدہ بقدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد امام سے پہلے سلام پھیر کر چلا جائے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی، البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے، عذر کی وجہ سے ہو تو کراہت بھی نہیں''۔(خیر الفتاوی: ۲/۳۴۲)

''لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع فيه، وفرغ منه قبل إتمام إمامه، فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام وكلام أوقيام جاز أى صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان .... وإنما كره المؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلوبه .... فلا كراهة''. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۵، سعيد)

اس جزئیہ سے ظاہر ہے کہ انقطاعِ قدوہ کا اس مسئلے کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں ہے خواہ یہ انقطاع پہلے سلام سے ہوجاتا ہو یا دوسرے سلام سے.........اور متابعتِ امام میں مقارنت یا تعاقب کے ساتھ بھی اس مسئلے کا تعلق نہیں، امام سے پہلے ''السلام علیکم'' کہہ دیا تو بھی نماز ہوجاتی ہے، البتہ ''تذکرۃ الرشید'' کے مسئلہ کے بارے میں ایک خیال یہ رہا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے درحقیقت ابتدائے نماز کا مسئلہ بتایا ہوگا، سامع کو التباس ہوا، اس نے اسے آخرِ نماز کا مسئلہ سمجھا''۔

مقتدی سے فرض کہہ کر سنت پڑھنا

سوال [۳۰۷۲]: زید ہمیشہ عصر سے پہلے چار رکعت سنت پڑھنے کا عادی تھا، ایک روز اس کا دوست بکر آگیا اور کہا چلو! دونوں آدمی چل کر جماعت سے فرض پڑھ لیں، آج سنت نہ پڑھو تو کیا حرج ہے۔ اس پر زید نے کہا کہ میں ہمیشہ سنت پڑھتا آیا ہوں بغیر سنت کے فرض نہ پڑھوں گا۔ اس پر دونوں بہت دیر تک بحث کرتے رہے، آخر میں زید نے بکر کے شر سے بچنے کیلئے سنت کی نیت کرکے کہا کہ اچھا چلو! میں فرض ادا کرتا ہوں، یہ کہہ کر سنت کی نیت باندھ لی اور بکر مقتدی بن گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد زید نے کہا میاں ہم نے تو سنت پڑھی ہے اب پھر سے دونوں فرض پڑھیں گے، بکر نے کہا کہ میرا سارا گناہ تمہارے سر ہے، اب میں دوبارہ نہ ادا کروں گا مجھے تم نے کیوں دھوکا دیا، تم نے سنت کی نیت کرکے فرض بتائی، میں نے فرض کی نیت باندھ لی، میری نماز ہوگئی، تم جانو تمہارا کام جانے۔ ایسی صورت میں بکر کی نماز ہوئی یا نہیں؟ جب کہ زید نے سنت کی نماز ادا کی تھی۔ زید بہت نادم ہے کہ اب عذاب الٰہی سے بچنے کا کیا ذریعہ ہے کیونکہ اس کا سارا گناہ مجھ پر ہوا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بکر کا زید کو سنت سے روکنا شرعاً مذموم ہے(۱)، پھر زید کا بکر کو دھوکہ دے کر فرض بتا کر سنت پڑھنا بھی شرعاً مذموم ہے(۲)، لیکن جب بکر کو معلوم ہو گیا کہ زید نے سنت پڑھی ہے تو بکر کو فرض پھر ادا کرنا چاہئے(۳)،

---

(۱) قال الله عزوجل: ﴿الذين يستحبون الحيوة الدنيا على الآخرة، ويصدون عن سبيل الله، ويبغونها عوجًا، أولئک في ضلال بعيد﴾. (إبراهيم:۳)

(۲) "عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(۳) "لأن الاقتداء بناء ووصف الفرضية معدوم في حق الإمام في الأولى وهو مشاركة وموافقة، فلابد من اتحاد، وهو معدوم في الثانية ...... اهـ" (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الامامة: ۱/۶۳۱، رشيديه)

"لأن اتحاد الصلوتين شرط عندنا". الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة: ۱/۳۶۲، بيروت، دار الكتب العلمية)

بکر فرض ادا نہیں کرے گا تو بکر کے ذمہ فرض باقی رہے گا اور بکر گنہگار ہوگا (۱) لیکن اگر بکر کے نزدیک زید جھوٹا ہے اور اس نے فرض پڑھ کر یہ کہا ہے کہ میں نے سنت پڑھی ہے تو بکر کے ذمہ فرض کو دوبارہ پڑھنا لازم نہیں اس کی نماز درست ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ۔

جماعت شروع ہونے پر مسجد میں اندر سونے والا کیا کرے؟

سوال [۳۰۷۳]: کوئی شخص مسجد میں سوگیا ہے اور معلوم کسی کو نہیں اور باہر جماعت ہورہی ہے اور جگہ خالی نہیں کہ کسی طرف کو نکل جائے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نمازیوں کے درمیان کو نکلتا ہے اس طرح پر کہ کسی کی نماز قبلہ کی طرف سے سینہ پھر جانے کی وجہ سے فاسد نہ کرے تو نکل آئے ورنہ وہیں بیٹھا رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أوصاني خليلي أن لاتشرك بالله شيئًا، وإن قطعت وحرقت، ولاتترك الصلاة مكتوبة متعمدًا، فمن تركها متعمدًا، فقد برئت منه الذمة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثالث، ص: ۵۷، قديمي)

(۲) "وتحويل صدره عن القبلة بغيرعذر". (الدرالمختار). "(بغير عذر) قال في البحر في باب شروط الصلاة: والحاصل أن المذهب أنه إذا حول صدره، فسدت". الخ. (ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ويكره فيها اهـ: ۱/۶۲۶، ۶۲۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة باب شروط الصلاة: ۱/۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، الفصل السابع فيمايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۱۰۳، رشيديه)

الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوة

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

کیا نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے

سوال[۴۰۷۴]: کیا نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس نماز میں واجبِ نماز ترک ہوگیا ہو وہ واجب الاعادہ ہے، مگر یہ اعادہ وقت باقی رہنے تک ہے، وقت ختم ہونے پر وجوب ساقط ہوجاتا ہے، اس وقت استغفار کے ذریعہ مکافات کی جائے (۱)۔

کل صلوة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها

سوال[۴۰۷۵]: "کل صلوة أدیت مع کراهة التحریم، وجبت إعادتها" یہ قاعدہ اپنے عموم کے اعتبار سے صحیح ہے، امداد الفتاویٰ میں اس کی عمومیت پر انکار کیا ہے اور شامی کا حوالہ دیا ہے، اس میں مکمل بیان فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! اس میں اتنی عمومیت نہیں جتنا الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے، شامی: ۱/ ۳۰۷، ۴۸۶، میں تفصیل

---

(۱) "فالحاصل أن من ترک واجباً من واجباتها أو ارتکب مکروهاً تحریمیاً لزمه وجوباً أن یعید فی الوقت، فإن خرج أثم، ولایجب جبر النقصان، فلو فعل فهو أفضل". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت ۲/ ۶۴، سعید)

"کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم، تعاد: أی وجوباً فی الوقت، و أما بعده فندباً". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۰، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت، ص: ۲/ ۱۴۲)

(وأیضاً راجع المسئلة الآتیة)

مذکور ہے، وہ ملاحظہ کرلیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) قال العلامة الشامي: "(قوله: وكذا كل صلاة أديت الخ) بقي هنا شيء، و هو أن صلاة الجماعة واجبة على الراجح، أو سنة مؤكدة في حكم الواجب، كما في البحر، و صرحوا بفسق تاركها و تعزيره، و أنه يأثم. و مقتضى هذا أنه لو صلى مفرداً يؤمر بإعادتها بالجماعة، و هو مخالف لما صرحوا به في باب إدراك الفريضة أنه لو صلى ثلاث ركعات من الظهر، ثم أقيمت الجماعة، يتمّ و يقتدى متطوعا، فإنه كالصريح في أنه ليس له إعادة الظهر بالجماعة مع أن صلاته منفرداً مكروهة تحريماً أو قريبة من التحريم، فيخالف تلك القاعدة، إلا أن يدعي تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تُعاد بتركه ما كان من ماهية الصلوة و أجزائها، فلا يشمل الجماعة؛ لأنها وصف لها خارج عن ماهيتها .... و يؤيده أيضاً أنهم قالوا: الترتيب في سُوَر القرآن واجب، فلو قرأ منكوساً، أثم لكن لا يلزمه سجود السهو؛ لأن ذلك من واجبات القرأة، لا من واجبات الصلاة، كما ذكره في البحر في باب السجود، لكن قولهم: "كل صلوة أديت مع كراهة التحريم" يشمل ترك الواجب وغيره". (رد المحتار، مطلب: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

"(قوله: أى وجوباً في الوقت الخ) .... فالحاصل أن من ترك واجباً من واجباتها أو ارتكب مكروهاً تحريماً لزمه وجوباً أن يعيد في الوقت، فإن خرج، أثم، و لا يجب جبر النقصان بعده، فلو فعل أفضل".

أقول: ما في القنية مبنيٌّ على الاختلاف في أن الإعادة واجبة، و قدمنا عن شرح أصول البزدوي التصريح بأنها إذا كانت لخلل غير الفساد، لا تكون واجبةً، و عن الميزان التصريح بوجوبها، و قال: في المعراج: و في جامع التمرتاشي: لو صلى في ثوب فيه صورة يكره و تجب الإعادة، قال أبو اليسر: هذا هو الحكم في كل صلوة أديت مع الكراهة.

و في المبسوط على الأولوية والاستحباب، فإنه ذكر أن القومة غير ركن عندهما فتركهما لا يفسد، والأولى الإعادة .... و هل تكون الإعادة واجبةً؟ فصرح غير واحد من شراح أصول فخر الإسلام بأنها ليست بواجبة الخ". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۴، سعيد)

کیا طاعاتِ مکروہہ کا بھی ثواب ہے؟

سوال[۳۰۷۶]: **حدیث:۱**...... "عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: كان رسول اللّٰہ إذا سلم، لم يقعد إلا مقدار مايقول: "اللهم أنت السلام و منك السلام تباركت يا ذالجلال والإكرام". رواه مسلم(۱)۔

حدیث:۲...... "وعن المغيرة بن شعبة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم كان يقول في كل دبر صلوة مكتوبة: "لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شريك له الخ". متفق عليه"(۲)۔

حدیث:۱، میں سلام پھیرتے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف دعاء "اللهم أنت السلام الخ" تک پڑھتے اور حدیث:۲، میں بتایا گیا ہے کہ ہر نماز کے بعد یعنی ہر فرض نماز کے بعد فلاں وظیفہ پڑھتے۔ اور حدیث:۱، بھی مطلق ہے اور حدیث:۲ بھی۔ اور دونوں مسلم شریف کی حدیثیں ہیں اور دونوں میں اختلاف ہے ایک میں وظیفہ کرنے کا اور ایک میں نہ کرنے کا علماء نے اس اختلاف کو اس طرح دور کیا ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد سنتیں پہلے ادا کرنی چاہئے، ان کے درمیان وظیفہ کرتے ہوئے بیٹھنا اور سنتوں کی تاخیر کرنا مکروہ ہے اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے فرض نمازوں کے بعد وظیفہ اورادِ مسنونہ پڑھنا مستحب ہے۔

چنانچہ درمختار میں جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان فرض نمازوں کے بعد وظیفہ کرتے ہوئے بیٹھنا اور سنتوں کی تاخیر کرنا مکروہ لکھا ہے، لیکن حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلیل وظیفہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لکھا ہے، حلبی نے ان دونوں کے اختلاف کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد لی جائے تو دونوں کا اختلاف دور ہو سکتا ہے(۳) اور جناب والا کا ارشاد ہے کہ مکروہ تنزیہی میں ثواب ہے(۴)، حالانکہ درمختار میں

---

(۱) (الصحيح للإمام مسلم، باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته: ۱/۲۱۸، قديمی)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة: ۱/۱۱۷، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلاة: ۱/۲۱۸، قديمی)

(۳) "و يكره تأخير السنة إلا بقدر" اللهم أنت السلام الخ". قال الحلوانی: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. قال الحلبی: إن أريد بالكراهة التنزيهية، ارتفع الخلاف. قلت: و في حفظی حمله على القليلة". (الدرالمختار، باب صفة الصلوة: ۱/۵۳۰، سعيد)

(۴) "و عندی أن قول الحلوانی: لا بأس، لا يعارض القولين؛ لأن المشهور في هذه العبارة كونه خلاف =

کتاب الحج والامامۃ میں لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی کے چھوڑنے میں ثواب ہے، کرنے میں ثواب نہیں اور مستحب کے کرنے میں ثواب ہے چھوڑنے میں ثواب نہیں (۱) اس ناچیز کو سمجھا دیں کہ مکروہ تنزیہی میں ثواب ہونے کی کون سی دلیل ہے تا کہ میں رجوع کرسکوں؟ کبیری شرح منیۃ المصلی، مطبوعہ مجدی کے صفحہ: ۳۳۱ میں ہے:

"فإن كان بعدها: أي المكتوبة تطوع، يقوم إلى التطوع بلا فصل إلا مقدار مايقول: أللهم أنت السلام الخ. و يكره تأخير السنة عن حال أداء الفريضة بأكثر من نحو ذالك القدر"(۲)۔

اسی صفحہ میں ہے: "وأما ماروى من الأحاديث في الأذكار عقيب الصلوة، فلا دلالة فيها على الإتيان بها عقيب الفرض قبل السنة، بل تحمل على الإتيان بها بعد السنة، و لا يخرجها تخلل السنة بينها وبين الفريضة عن كونها بعدها وعقيبها؛ لأن السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها، فلم تكن أجنبيةً منها، فما يفعل بعدها، يطلق عليه أنه فعل بعد الفريضة وعقيبها، والله أعلم بالصواب"(۳)۔

= أولیٰ، فكان معناها أن الأولى أن لا يقرأ قبل السنة، و لو فعل لا بأس ، فأفاد عدم سقوط السنة بذلك .... و لذا قالوا: لو تكلم بعد الفرض، لا تسقط، لكن ثوابها أقل، فلا أقل من كون قراءة الأوراد، لا تسقطها، و تبعه على ذلك تلميذه في الحلية ، و قال : فتحمل الكراهة في قول البقالي على التنزيهية، لعدم دليل التحريمية، حتى لو صلاها بعد الأوراد، تقع سنةً مؤداةً". (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة "فصل" : ۱/۵۳۰، سعید)

(۱) "(قوله: و يسمى مندوباً و أدباً) قال في الإمداد: و حكمه الثواب على الفعل و عدم اللوم على الترك". (ردالمحتار، مطلب: لا فرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع : ۱/۱۲۳، سعید)

"(لا يكره) تنزيهاً (إمامة عبد) و لو معتقاً". (الدرالمختار) . "قوله: و يكره تنزيهاً) و يكره الاقتداء بهم تنزيهاً، فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل ،وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (ردالمحتار، باب الإمامة : ۱/۵۵۹، سعید)

"(قوله: و مكروهة) و على المكروه تنزيهاً، و هو ما كان تركه أولى من فعله". (ردالمحتار، مطلب في تعريف المكروه الخ : ۱/۱۳۱، سعید)

(۲) (غنية المستملي في شرح منية المصلي (الحلبي الكبير): ۱ ۳۴، ۳۴۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (غنية المستملي، ص: ۳۴۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی طاعات وقربت کو اگر خارج سے کوئی کراہت لاحق ہو جائے تو اس سے وہ طاعت وقربت باطل اور لغو نہیں ہوتی، اس کا اجر وثواب ملتا ہے مثلاً دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کر دیا جائے تو اس میں ایک کراہت ہے لیکن جتنی مقدار قرأۃ طویل کی گئی ہے وہ بھی اجر وثواب سے خالی نہیں (۱) طاعت میں بے شمار مثالیں اس کی ملیں گی، تاہم اس طویل کرنے کو قابلِ ترک ہی کہا جائے گا، لہٰذا درمختار وغیرہ کا قولِ صحیح ہے کہ مکروہ کو ترک کرنے کا بھی حکم ہے اور جس طاعت وقربت کے ساتھ یہ مکروہ لاحق ہو گیا اس لحوق کی وجہ سے وہ طاعت و قربت بھی باطل نہیں ہوتی، یہ مطلب نہیں ہے کہ مکروہ کا قصداً ارتکاب کیا جائے، معارف السنن، شرح ترمذی میں بھی اس میں مبسوط بحث موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "(قوله: واعتبر الحلبي فحش الطول) .... والذي تحصل من مجموع كلامه و كلام القنية أن إطلاق كراهة إطالة الثانية بثلاث آيات مقيد بالسور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذ فيها، أما السورة الطويلة أو القصيرة المتقاربة، فلا يعتبر العدد فيها، بل يعتبر ظهور الإطالة من حيث الكلمات، وإن اتحدت آيات السورتين عدداً. هذا ما فهمته، والله تعالىٰ أعلم". (ردالمحتار، فصل في تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۴۳، سعيد)

"وفي النهر عن المحيط: "صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة". (الدرالمختار).

"(قوله: نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "قال الشيخ: والذي تحقق عندي أنه فيه تفصيلٌ: فلو صام رجل في الأيام الخمسة المنهي عنها (يومي العيد وأيام التشريق) فلا يثاب أصلاً، و لو صام صوماً ارتكب فيه كراهةَ غير كراهة التحريم أحرز شيئاً من الثواب. و كذا لو صلى صلاةً ارتكب فيها كراهةً يحرز شيئاً من الثواب، و قد دلّ كثيرٌ من مسائل الإمام أبي حنيفة على أنه يثاب شيئاً في مثله الخ". (معارف السنن، باب ما جاء في وصف الصلاة: ۳/۱۳۶، المكتبة البنورية كراچي)

نماز میں کہنی سے آستین اتارنا

سوال[۳۰۷۷]: اگر بحالتِ نماز آستین کہنی سے نیچے کردی جائے تو درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آستین کہنی سے اتار کر اطمینان سے نماز میں شرکت کی جائے، اگر آستین کہنی تک چڑھی رہے تو نماز مکروہ ہوگی، اگر اسی طرح نماز میں شرکت کرلی تو آہستہ ہلکی حرکت سے آستین اتار لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

کہنی تک آستین چڑھا کر نماز

سوال[۳۰۷۸]: کہنی کھلی ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کہنی تک آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، فتاویٰ سراجیہ، ص: ۱۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(قوله: كمشمّر كمّ أو ذيل) .... قال في القنية : واختلف فيمن صلى و قد شمّر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاة أو هيئته ذلك، اهـ ومثله ما لو شمّر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام وإذا دخل في الصلاة كذلك، و قلنا بالكراهة، فهل الأفضل إرخاء كميه فيها بعمل قليل أو تركهما؟ والأظهر الأول بدليل قوله الآتي: و لو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل، تأمل، هذا. و قيد الكراهة في الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين، و ظاهره أنه لا يكره إلى ما دونها". (ردالمحتار، مطلب في الكراهة التحريمية والتنزيهية : ۱/۶۴۰ سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۲/۲۲، رشيديه)

(و كذا في غنية المستملي في شرح منية المصلي لإبراهيم الحلبي، ص: ۳۵۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (الفتاوى السراجية، ص: ۱۱، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال : "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، و لا أكف شعراً و لاثوباً". رواه البخاري". (إعلاء السنن، باب النهي عن كف=

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۷۹]: ۱...... کیا قمیص کی آستین چڑھی ہوئی ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟ اگر کہنیاں ڈھکی ہوئی ہوں؟

بٹن کھلے رہنے سے نماز کا حکم

سوال[۳۰۸۰]: ۲...... کیا قمیص کے کفوں کے بٹن کھلے رہنے سے اور گلے کے بٹن کھلے رہنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱...... ہر وہ وضع جس کو اختیار کر کے کسی معزز مجلس میں نہ جا سکتا ہو، نماز کی حالت میں مکروہ ہے بشرطیکہ اس کا سنت سے ثبوت نہ ہو، پس چونکہ آستین چڑھا کر اکابر کے سامنے جانے سے حجاب ہوتا ہے تو نماز ایسی حالت میں مکروہ ہے۔ اور آدابِ نماز کا تقاضہ یہ ہے کہ آستین اتار کر وقار اور تہذیب کے ساتھ نماز پڑھے اور کہنی تک آستین چڑھا کر نماز پڑھنا بہر حال مکروہ ہے، کذافی قاضیخان (۱) اور گلے کے بٹن کھلے رہنے سے نماز مکروہ نہیں، کیونکہ اس کا ثبوت سنت سے ہے (۲) اور کفوں کے بٹن کا وہ حکم ہے جو کہ آستین چڑھانے کا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۸۱]: کسی شخص کی آستین لمبی ہے ان کو موڑ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

= الشعر والثوب: ۵/۹۲، إدارة القرآن کراچی)

(وأيضاً راجع للتخريج المسئلة الماضية آنفاً)

(۱) "ولو صلى رافعاً كميه إلى المرفقين. كره". (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱/۱۳۵، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۶۵۵، رقم الحاشية: ۱، ۲، ۳، ۴)

الجواب حامداً ومصلیاً:

گٹے تک موڑے تو ٹھیک ہے(۱)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نیم آستین کپڑے پہن کر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۸۲]: به نیمه آستین نماز گذاردن چه حکم دارد؟

الجواب حامداًومصلیاً:

هر لباسیکه آنرا پو شیده در جلسهٔ معززه شرعیه نتواند رفت، آنرا پو شیده نماز گزاردن مکروه است، کما صرح به في کتب الفقه: "الاستفسار: صلی رافعاً کمّیْ قمیصه إلی المرفقین هل تجوز الصلوة؟ الاستبشار: نعم! لکن یکره، کذافی فتاوی قاضی خان، الخ". نفع المفتی و السائل، ص: ۸۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ربیع الاول/۵۶ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم، ولا أكف شعراً ولا ثوباً". (إعلاء السنن، باب النهی عن كف الشعر والثوب: ۹۲/۵، إدارة القرآن)

"ولو صلی رافعاً كميه إلی المرفقين كره". (فتاوی قاضی خان، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱۳۵/۱، رشیدیه)

(وكذا فی ردالمحتار، مطلب فی الكراهية التحريمية والتنزيهية: ۶۴۰/۱، سعيد)

(۲) لم أجد هذه العبارة فی نفع المفتی والسائل فی النسخة بالعربية، ولكن قد وجدتها فی النسخة بالأردية، ص: ۲۳۱، سعید)

"ولو صلی رافعاً كميه إلی المرفقين كره". (فتاوی قاضی خان، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱۳۵/۱، رشیدیه)

(وكذا فی رد المحتار، مطلب فی الكراهية التحريمية والتنزيهية: ۶۴۰/۱، سعيد)

نیم آستین کرتہ، ٹخنوں سے نیچا پائجامہ سے نماز

سوال[۳۰۸۳]: نیم آستین کا کرتہ یا بنڈی یا ٹخنہ سے پائجامہ (جیسا فی زمانہ رواج ہوگیا ہے) پہنکر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۵/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۵۸ھ۔

نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا

سوال[۳۰۸۴]: نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نصف آستین کی قمیص پہننا منقول نہیں ہے، ایسی قمیص خلاف سنت ہے اس کو پہن کر نماز پڑھنا بھی خلاف سنت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

نماز میں گریبان کھلا رکھنا

سوال[۳۰۸۵]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا رہتا تھا یا نہیں؟ اگر کسی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار: ۸۶۱/۲، قديمي)

"ولو صلی رافعاً كميه إلى المرفقين كره". (فتاوی قاضي خان، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱۳۵/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار مطلب في الكراهية التحريمية والتنزيهية: ۶۴۰/۱، سعيد)

(۲) (مر تخريجه تحت عنوان: "کہنی تک آستین چڑھا کر نماز"۔)

کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا رہے تو اس کی وجہ سے نماز میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کبھی کھلا رکھنا بھی ثابت ہے اور بعض صحابہ نے اس کو دیکھ کر ایسا پسند کیا کہ ہمیشہ کھلا ہی رکھا: "..........

معاوية بن قرة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في رهط من مزينة لنبايعه: وإن قميصه لمطلق أو قال: زر قميصه مطلق، الخ". شمائل، ص: ۳۸(۱)۔قال عروة: فما رأيت معاوية رضي الله تعالى عنه ولا ابنه قط إلا مطلقي إزرارهما في شتاء ولاحر، ولا يزر ران إزرارهما أبداً". أبو داؤد شريف(۲)۔

"قوله: "فما رأيت معاوية الخ". وهذا وإن كان اختياراً لما هو خلاف الأولى خصوصاً في الصلوات، لكنهما أحبا أن يكون على ما رأيا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وإن كان إطلاق إزراره إذ ذاك لمعارض، ولم يكن هذا من عامة أحواله صلى الله تعالى عليه وسلم، و ذلك لما فيه من قلة المبالاة بأمر الصلوة، إلا أن الكراهة لعلها لا تبقى في حق معاوية وابنه، لكون الباعث لهما حُبَّ النبي صلى الله تعالى عليه وسلم واتباعه فيما رأياه من الكيفية، الخ". بذل المجهود: ۵/۵۲(۳)۔

اس حالت میں نماز کا حکم بھی عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوگیا(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/رجب/۷۰ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، ۲۲/رجب/۷۰ھ۔

کھلے گریبان سے نماز

سوال[۳۰۸۶]: بحالتِ نماز اگر گریبان کھلا رہے تو صحتِ نماز کے لئے کیا مانع ہے؟ کتنا کھلا رہنے

(۱) (شمائل الترمذي، باب ما جاء في لباس رسول الله، ص: ۵، سعيد)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في حل الإزرار: ۲/۵۶۴، دار الحديث ملتان)

(۳) (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في حل الإزرار: ۵/۵۲، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(۴) (راجع، ص: ۶۵۲، رقم الحاشية: ۱)

سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

بٹن کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۰۸۷]: گریبان کے بٹن بلا عذر کھول کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور آستین کے بٹن کھلے رہنے سے نماز میں کیا خرابی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گریبان کے بٹن کھلے رہ جائیں یا لگائے جائیں دونوں طرح نماز درست ہے (۲)، یہ سمجھنا غلط ہے کہ بٹن کھول کر ہی نماز پڑھی جائے۔ یہی حکم آستین کے بٹن کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۶/۹۲ھ۔

عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہنے سے نماز کا حکم

سوال [۳۰۸۸]: زید بیان کرتا ہے کہ نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہنے سے نماز مکروہ ہو جاتی

---

(۱) "أو لم يزرّ إزراره، فهو مسيئ؛ لأنه يشبه السدل". (رد المحتار، مطلب في كراهة التحريمية والتنزيهية: ۱/۶۴۰ سعيد)

"ذكر ابن الشجاع فيمن صلى محلول الإزرار، و ليس عليه إزار: أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه، لم تجز صلاته، وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته، جازت". (بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب ويكره فيها: ۲/۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن معاوية بن قرة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في رهط من مزينة لنبايعه، وإن قميصه لمطلق، أو قال: زرّ قميصه مطلق". (شمائل الترمذي، باب ما جاء في لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵ سعيد)

(وراجع أيضاً عنوان: "گریبان کھلا رکھنا"۔)

ہے علاوہ ستر کے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید سے اس کی دلیل دریافت کیجئے اور ہاتھ پیر و منہ کا چوتھائی حصہ کھلا رہنے سے بھی نماز مکروہ ہوتی ہے(۱)؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

نماز میں ٹوپی عمامہ سے کھلی رہنے کا حکم

سوال[۳۰۸۹]: امام صاحب پنج وقتہ نماز پڑھاتے ہیں اور سر پر دو پلی ٹوپی اوڑھتے ہیں اور ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں لیکن عمامہ سے ٹوپی سر پر کھلی رہتی ہے جس پر بعض نمازیوں کو اعتراض ہے اور کہتے ہیں کہ عمامہ سے ٹوپی کھلے رہنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ بعض مقتدی حضرت امام صاحب سے متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹوپی کھلی رہنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ براہ کرم اس مسئلہ کو صاف کر دیں کہ کون حق پر ہے۔

---

(۱) جن اعضاء کا ڈھانپنا فرض ہے، ان میں سے کوئی عضو نماز کے اندر چوتھائی یا زیادہ کھل گیا اور رکن کی مقدار رہا تو نماز فاسد ہوگئی، اعضائے ستر کے علاوہ یہ حکم نہیں، لہٰذا زید کا قول درست نہیں:

قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: تحت قوله تعالىٰ: ﴿و لا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾: قال الأعمش: عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ﴿و لا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ قال: وجهها و كفيها و الخاتم ...... وقال مالک عن الزهري ﴿إلا ما ظهر منها﴾ .... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها، وقال: "يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت الحيض، لم يصلح أن يرى منها إلا هذا". وأشار إلى وجهه و كفيه". (تفسير ابن كثير، (الجزء الثامن عشر، آيت: ۲٦): ۳/۳۷۸، دار السلام رياض)

"(والرابع: ستر عورته) ووجوبه عام و لو في الخلوة على الصحيح، إلا لغرض صحيح ...... (وللحرة جميع بدنها) حتى شعرها النازل في الأصح، خلا الوجه والكفين والقدمين". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴٦۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جولوگ عمامہ پرٹوپی کھلے رہنے پراعتراض کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ اعتراض کی کیا وجہ ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عمامہ سے ٹوپی کھلی رکھنا مکروہ تحریمی ہے، ان سے دریافت کیا جائے کہ کس کتاب میں مکروہ تحریمی لکھا ہے؟ نماز میں جو چیزیں مکروہ ہیں ان کو فقہ کی کتابوں میں لکھ دیا گیا ہے اور اس چیز کو اس میں شمار نہیں کیا گیا، مکروہ نہ ہونے کے لئے بس اتنی ہی بات کافی ہے کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں، البتہ مکروہ تحریمی قرار دینے کے لئے حوالہ کی ضرورت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مقتدی کا امام سے پہلے تکبیراتِ انتقال کہنا

سوال[۳۰۹۰]: اگر تکبیراتِ انتقال مقتدی پہلے ادا کرجائے تو نماز میں کیا نقصان آتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز مکروہ ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) صرف ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، تو ٹوپی وعمامہ کے ساتھ بطریقہ اولیٰ درست بلکہ افضل ہے اگرچہ عمامہ سے ٹوپی کھلی رہے کیونکہ عمامہ کی جس کیفیت میں کراہت پائی جاتی ہے کہ سر پر عمامہ باندھا جائے اور درمیانِ سر ننگا ہو، وہ یہاں نہیں ہے اس لئے کہ ٹوپی پر عمامہ باندھنے سے سر کا درمیانی حصہ ڈھکا رہتا ہے:

"فروع: یکره اشتمال الصماء والاعتجار (والتلثم والتنخم و كل عمل قليل بلا عذر)". (الدرالمختار).

"(قوله: والاعتجار) نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو شدّ الرأس أو تكوير عمامته على رأسه، و ترك وسطه مكشوفاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۲، سعيد)

(۲) "عن محمد بن زياد: قال: سمعت أبا هريرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم أو ألا يخشى أحدكم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار"؟ أخرجه البخاري". (إعلاء السنن، باب وجوب متابعة الإمام والنهي عن مسابقته: ۴/۲۹۵، إدارة القرآن كراچی)

"والحاصل أن المتابعة في ذاتها ثلاثة انواع: مقارنة لفعل الإمام مثل أن يقارن إحرامه لإحرام الإمام وركوعه لركوعه وسلامه لسلامه، ويدخل فيها مالو ركع قبل إمامه ودام حتى أدركه إمامه فيه: ومعاقبة لابتداء فعل إمامه مع المشاركة في باقية، ومتراخية عنه، فمطلق المتابعة الشامل لهذه الأنواع الثلاثة يكون فرضاً في الفرض وواجباً في الواجب، وسنة في السنة عند عدم لزوم المخالفة كما قدمناه". =

امام کا رکوع میں جانے اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تکبیر کہنا

سوال[۳۰۹۱]: ہمارے محلہ کی مسجد کے پیش امام صاحب نماز پڑھاتے وقت حسبِ ذیل عمل خلافِ سنت اور خلافِ آدابِ نماز عمل میں لاتے ہیں، کیا ان کی غلطیوں پر نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور مقتدیوں کی بھی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

۱......نماز پڑھاتے وقت جب امام صاحب مصلّٰی پر کھڑے ہوتے ہیں تو رکوع وسجود کے وقت ان کے داہنے پیر کا انگوٹھا اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں رہتا، اس حرکت سے وہ نماز ختم ہونے تک تقریباً پانچ انگل وہ مصلے سے بھی پیچھے ہٹ جاتے ہیں، اپنی اصل جگہ پر قائم نہیں رہتے۔

۲......امام صاحب قرأت ختم کے بعد رکوع میں چلے جاتے ہیں تب اللہ اکبر کہتے ہیں، جس سے مقتدی ان کے بعد یہ عمل کرتے ہیں، گویا امام کے بعد یہ عمل کرتے ہیں اس میں امام کی اتباع نہیں ہوتی۔

۳......امام صاحب رکوع سے بغیر کچھ کہے ہوئے سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں تب "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہیں، اس حالت میں بھی مقتدیوں نے امام کی اتباع نہیں کی بلکہ امام کے عمل کے بعد مقتدیوں نے عمل کیا۔

۴...... پہلے سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھے بیٹھ جاتے ہیں تب "اللّٰہ أکبر" کہتے ہیں اس وقت مقتدی سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں، اس حالت میں بھی امام کی اتباع نہیں ہوئی۔

۵......دوسرے سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں تب "اللّٰہ أکبر" کہتے ہیں تب مقتدی سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں، غرض ہر عمل مقتدی امام صاحب کے بعد کرتے ہیں، کسی عمل میں بھی امام کی اتباع نہیں ہوتی۔

= (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۱، سعيد)

"و يكره للمأموم أن يسبق الإمام بالركوع والسجود، وأن يرفع رأسه فيهما قبل الإمام كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة و ما لا يكره: ۱/۱۰۷، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۶، سعيد)

۲... امام صاحب ہر رکعت میں سجدہ میں جاتے وقت اپنے پانجامہ کے پائچوں کو دونوں ہاتھوں سے اوپر چڑھاتے ہیں جب سجدہ میں جاتے ہیں۔ ان غلطیوں کی بناء پر مقتدیوں کو یہ تشویش ہے کہ ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی، لیکن اس کی اصلاح کی جائے (۱)۔

۲......اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)۔

۳......اس کا جواب بھی یہی ہے (۳)۔

---

(۱) قال ابن نجیم: "لو حرک رجلاً لا علی الدوام لا تفسد، وإن حرک رجلیه تفسد فمشکل؛ لأن الظاهر أن تحریک الیدین فی الصلاة لا یبطلها حتی یلحق بهما تحریک الرجلین، فالأوجه قول بعضهم: إنه إن حرک رجلیه قلیلاً لا تفسد، و إن کان کثیراً، فسدت، کمافی الذخیرة". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۲/۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/۱۰۳، رشیدیه)

(وکذا فی غنیة المستملی مفسدات الصلاة، ص:۴۴۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "(ثم) کما فرغ (یکبر) مع الانحطاط (للرکوع)". (الدر المختار). وفی ردالمحتار: "(قوله: مع الانحطاط) أفاد أن السنة کون ابتداء التکبیر عن الخرور و انتهائه عند استواء الظهر، وقیل: إنه یکبّر قائماً، والأول هو الصحیح، کمافی المضمرات، و تمامه فی القهستانی". (باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة و آدابه و کیفیتها: ۱/۷۴، رشیدیه)

"(قوله: تکبیر الرکوع) روی أنه علیه السلام کان یکبر عند کل رفع وخفض". (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۹، رشیدیه)

(۳) "فإذا اطمئن راکعاً (رفع رأسه) ثم فی الروایة التی تجمع بالتسمیع حال الارتفاع، وإذا استوی قائماً قال: ربنا لک الحمد، کذا فی الزاهدی. و هو الصحیح، کذا فی القنیة". (الفتاوی العالمکیریة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة الخ: ۱/۷۴، رشیدیه)

(وکذا فی تنویر الأبصار مع الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۹، رشیدیه)

۴......اس کا حکم بھی یہی ہے(۱)۔

۵......اس کا حکم بھی یہی ہے(۲)۔

۶......اس کا حکم بھی یہی ہے، نماز ان سب صورتوں میں ہوجاتی ہے اور اقتدا واتباع میں خرابی نہیں آتی، تاہم ان امور کی امام صاحب کو اصلاح کرنی چاہئے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۹۲ھ۔

نماز میں ٹوپی گرجائے تو اس کا اوڑھنا

سوال[۳۰۹۲]: نماز پڑھتے ہوئے اگر نمازی کی ٹوپی سر سے اتر جائے تو کیا دوسرا آدمی نماز پڑھنے والے کے سر پر ٹوپی اٹھا کر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا خود نماز پڑھنے والا ہی رکھ سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنائت فرمائیں۔

---

(۱) قال في الفتاوىٰ العالمكيرية: ثم يرفع رأسه و يكبر، والسنة فيه أن يرفع رأسه حتى يستوي جالساً، و ليس في هذا الجلوس ذكر مسنون عندنا، هكذا في الجوهرة النيرة". (الفصل الثالث في سنن الصلاة و آدابها و كيفيتها: ۱/۷۵، رشيديه)

(و كذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۵، سعيد)

(۲) "(و يكبر ويسجد) ثانيةً (مطمئناً و يكبر للنهوض) على صدور قدميه (بلا اعتماد و قعود) استراحة، و لو فعل لا بأس". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثالث في سنن الصلاة الخ: ۱/۷۵، رشيديه)

(و كذا في غنية المستملي، مفسدات الصلاة، ص:۳۱۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) قال في الفتاوىٰ العالمكيرية: "يكره للمصلي أن يعبث بثوبه أو لحيته أو جسده، وأن يكف ثوبه بأن يرفع ثوبه من بين يديه أو من خلفه إذا أراد السجود. كذا في معراج الدراية". (الفصل الثاني فيما يكره الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۱۰۵، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، مطلب في مكروهات الصلاة: ۱/۶۴۰، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۲/۴۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسرا آدمی اس کے سر پر ٹوپی رکھ سکتا ہے، معمولی ہاتھ کی حرکت سے خود بھی رکھ سکتا ہے، اگر ٹوپی سر پر نہ رکھی اور بغیر ٹوپی کے نماز پڑھ لی تب بھی نماز ہو جائے گی۔

"ولو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل، إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير". درمختار علی ردالمحتار ۱/۶۴۱، نعمانیہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۱۵/۷/۱۴۰۶ھ۔

جالی دار ٹوپی سے نماز

سوال[۳۰۹۳]: جالی دار ٹوپی اوڑھ کر جس میں سارا سر نظر آتا ہے اس سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جالی دار ٹوپی سے اگر چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے سر نظر آتا ہے تو اس سے نماز میں خرابی نہیں (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ ۱۴/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۴۱، سعيد)

"الأول: أن ما يقام باليدين عادةً كثيرٌ وإن فعله بيد واحدة ...... و ما يقام بيد واحدة قليلٌ وإن فعل بيدين كنزع القميص وحلّ السراويل و لبس القلنسوة و نزعها، و نزع اللجام، هكذا في التبيين. و كل ما يقام بيد واحدة، فهو يسير ما لم يتكرر، و كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوى العالمكيرية، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۲، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

(۲) "والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص و إزار و عمامة، أما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كإزار الميت يجوز صلاته من غير كراهة". (خلاصة الفتاوى، الفصل السادس في ستر العورة: ۱/۳۱، امجد اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الحلبي الكبير، فروع: ۲۱۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۸، رشيديه)

استعمالی رومال کو سر پر باندھ کر نماز پڑھنا

سوال[۲۰۹۴]: ایک رومال جس سے وضو کا پانی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے پونچھ کر اسی رومال کو بجائے ٹوپی یا دوپٹہ کے سر پر باندھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھ سکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۵/۷ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۵/۷ھ۔

چوری کے کپڑے میں نماز کا حکم

سوال[۲۰۹۵]: اکثر درزی کپڑا اچراتے ہیں اور اس کی ٹوپی یا صدری بنا کر پہنتے ہیں اس سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ فعل حرام ہے، ایسے کپڑے سے نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "أن الخرقة التي يتمسح بها، تجوز الصلاة معها وإن كان ما أصابها من البلل كثيراً فاحشاً".

(البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث في المياه: ۱/۲۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان الطهارة الحقيقية: ۱/۳۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فروع: تكره الصلاة في الثوب المغصوب وإن لم يجد غيره، لعدم جواز الانتفاع بملك الغير قبل الإذن، أو أداء الضمان". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸، قديمي)

وأيضاً قال الطحطاوي: "(قوله: مع الكراهة): أي التحريمية، ذكره السيد. و في السراج والقستاني: تكره الصلاة في الثوب الحرير، و الثوب المغصوب، وإن صحت، والثواب إلى الله تعالى".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۱)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۷، رشيديه)

سرخ کپڑے میں نماز

سوال[۳۰۹۶]: سرخ کپڑوں میں مثلاً سرخ قمیص، کوٹ، تہبند، پہنکر نماز ادا کرنا شرعاً کیسا ہے کیا نماز مکروہ ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالص سرخ کپڑا امرد کے لئے ممنوع ہے، پس ایسا کپڑا پہن کر نماز بھی مکروہ ہوگی بشرطیکہ رنگ پاک ہو(۱)، اگر رنگ ناپاک ہو تو جب تک اس کو اس قدر نہ دھولیا جائے کہ رنگ کٹنا بند ہو جائے اس کو پہن کر نماز قطعاً درست نہ ہوگی (۲)۔

منہ ڈھانک کر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۹۷]: اگر کوئی شخص ایسے طریق سے نماز پڑھے کہ اس کا سر اور بدن کا اکثر حصہ چادر کمبل لحاف سے ڈھکا ہوا ہو جیسا کہ آج کل سردی میں لوگ لحاف وغیرہ اوڑھ کر پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدن کا اکثر حصہ اور سر ڈھکا ہونے سے نماز میں نقصان نہیں آتا، البتہ منہ اور ناک ڈھک کر نماز پڑھنا

---

(۱) "قد روی عن عمران بن حصین مرفوعاً: "إیاکم والحُمرة، فإنها أحب الزینة إلی الشیطان". (إعلاء السنن، باب استحباب الزینة في العیدین: ۹۰/۸، إدارة القرآن کراچی)

"(ویکره) أي للرجل –کما مر في باب الکراهیة– (لبس المعصفر والمزعفر) لقول ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما "نهانا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن لبس المعصفر، قال: "إیاکم والأحمر، فإنه زيّ الشیطان". (الدر المختار، مسائل شتی: ۷۵۵/۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشیدیه)

(۲) "(قوله: والأولی غسله) اعلم أنه ذکر في المنیة أنه لو أدخل یده في الدهن النجس أو اختضب المرأة بالحناء النجس أو صبغ الثوب بالصبغ النجس ثم غسل کله ثلاثاً، طهر. ثم ذکر عن المحیط أنه یطهر إن غسل الثوب حتی یصفو الماء و یسیل أبیض". (رد المحتار، باب الأنجاس: ۳۲۹/۱، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في النجاسة وأحکامها: ۴۲/۱، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب الانجاس: ۴۱۱/۱، رشیدیه)

مکروہ ہے:"فیکرہ التلثم و تغطیة الأنف و الفم فی الصلوة؛ لأنه یشبه فعل المجوس، اھ". مراقی الفلاح: ۱/ ۲۰۵(۱)......تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ باہر نکالنا چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/شوال/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہٰذا۔

پتلون پہن کر نماز پڑھنا

سوال[۳۰۹۸]: پتلون پہن کر (جو انگریزی لباس میں سے ہے) نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پتلون جس جگہ کفار کا مخصوص شعار ہے اس جگہ اس کو پہنا ناجائز ہے اور پہنکر نماز مکروہ ہوتی ہے:

"هکذا یفهم مما ذکروا أنه: "لو صلی فی ثوب حریر و ثوب مغصوب، لم تصح صلاته فی إحدی الروایتین عن أحمد بن حنبل رحمه اللّٰه تعالیٰ، و فی أخری تصح مع التحریم، و عندنا یصح و یکره، کذا فی مطالب المؤمنین عن تتمه المنظومة اهـ". نفع المفتی و السائل للعلامة اللکنوی، ص: ۹۰(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/۱۱/۵۶ھ۔

---

(۱) (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی، فصل فی المکروهات: ۳۵۰، قدیمی)

"عن عطاء عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "نهی عن السدل فی الصلاة، وأن یغطی الرجل فاه". رواه أبو داؤد". (إعلاء السنن، باب النهی عن السدل وعن تغطیة الفم فی الصلاة: ۵/۹۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یکره الصلاة وما لا یکره: ۱/۱۰۷، رشیدیه)

(۲) "(أو کمه)؛ لأن التغطیة بلا ضرورة مکروهة، (و إخراج کفیه من کمیه عند التکبیر) للرجل، إلا لضرورة کبرد". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۱/۴۷۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثالث فی السنن وآدابها: ۱/۷۳، رشیدیه)

(۳) (نفع المفتی والسائل، الثیاب التی تکره الصلاة فیها، وما یتعلق به، من مجموعة رسائل اللکنوی: =

کوٹ پتلون کے ساتھ نماز

سوال[۳۰۹۹]: کوٹ وپتلون یاصرف پتلون پہن کر جبکہ ٹخنہ سے اونچا ہو، اور رکوع وسجود میں زحمت نہ ہوتی ہو اور سر پر انگریزی بال رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تونہیں ہوتی، جس طرح کہ کہنی کھلی ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کراہت ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز میں لنگی یاپائجامہ درست کرنا

سوال[۳۱۰۰]: یہاں اکثر مولوی حضرات نماز پڑھاتے وقت دونوں ہاتھ سے سجدہ میں جاتے وقت اپنی لنگی یاپائجامہ کواوپر اٹھاتے ہوئے سجدہ میں جاتے ہیں اور قعدہ کی حالت میں دونوں ہاتھ سے اپنا کرتہ یا قمیص ٹھیک کرتے ہیں جونماز کی حالت ذراسا ادھرادھر رہتا ہے۔یہ فعل ہر رکعت میں صادر ہوتا ہے،اس حالت میں نماز ہوئی یانہیں؟ اور نماز میں ہمیشہ ادھرادھر جھانکتے رہتے ہیں،کبھی داہنے جانب کبھی بائیں جانب،کبھی اِدھر کبھی اُدھر،کبھی اوپر کی جانب،ایسے شخص کی نماز ہوتی ہے یانہیں؟

= ۱۱۴/۴، إدارة القرآن کراچی)

"(قوله: و لا يضر التصاقه): أي بالألية مثلاً، و قوله: و تشكله –من عطف المسبب على السبب– وعبارة شرح المنية: أم لو كان غليظاً لايرى منه لون البشرة، إلا أنه التصق بالعضو و تشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئياً، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلوة لحصول الستر. قال: وانظر هل يحرم النظر إلى ذلک المتشكل مطلقاً أو حيث وجدت الشهوة؟ قلت: سنتكلم على ذلک في كتاب الحظر، والذي من كلامهم هناک هو الأول". (رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۰، سعید)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۱۰، قديمي)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پتلون پہن کرنماز پڑھنا"۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز اس طرح بھی ادا ہو جائے گی، مگر یہ چیزیں وقارِ نماز کے خلاف ہیں، اصل یہ ہے جس کے قلب میں خشوع ہوتا ہے اس کے جسم پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوتے پہن کر نماز کا حکم

سوال [۳۱۰۱]: نئی جوتی پہن کر عید کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا اہلِ حدیث کے نزدیک کوئی حدیث ہے کہ جس سے صلوۃ مذکورہ کا جواز ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتی پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے (۲)، اُس وقت عامۂ راستوں کا وہ حال نہیں تھا جو کہ جگہ جگہ غلاظت کی وجہ سے اب ہو گیا ہے، نیز مسجد میں کنکر پڑی ہوئی تھی، دری، فرش وغیرہ بچھا ہوا نہیں تھا جیسا کہ اب ہے (۳)

---

(۱) "وكره كفه: أى رفعه ولو لتراب كمشمّرٍ كُمٍ أو ذيل، وعبثه به: أى بثوبه سواء كان من بين يديه أو من خلفه عند الانحطاط للسجود، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۶۴۰، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۳۴، رشيديه)

(وكذا فى التبيين: ۱/۴۱۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلى حافياً و متنعلاً". (سنن أبى داؤد، باب الصلاة فى النعل: ۱/۹۶، دارالحديث، ملتان)

(۳) "وأما المسجد النبوى، فقد كان مفروشاً بالحصى فى زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بخلافه فى زماننا، و لعل ذلك محمل مافى عمدة المفتى من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب، فتأمل. قلت: دل هذا الحديث على أن الصلاة فى النعال كانت مأمورةً لمخالفة اليهود، و أما فى زماننا فينبغى أن تكون الصلاة مأمورةً بها حافياً لمخالفة النصارى، فإنهم يصلون متنعلاً لا يخلعونها عن أرجلهم".

(بذل المجهود، باب الصلاة فى النعل: ۱/۳۵۸، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا فى رد المحتار، مطلب فى أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

اس لئے اب فقہاء نے جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونے کو مکروہ لکھا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر جوتا پاک ہو تب بھی یہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۱)۔عیدگاہ میں اگر گھاس پر نماز پڑھی جائے تو وہاں توسع ہے مگر فتنہ سے بچنا لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

کمبل سے بغیر ہاتھ نکالے نماز ادا کرنا

سوال[۳۱۰۲]: سردی کے ایام میں صرف چادر، کمبل اوڑھکر نماز ادا کرنا اس طرح کہ صرف چہرہ کھلا رہے اور دونوں ہاتھ کمبل کے اندر رہوں، کیسا ہے؟ یا دونوں ہاتھوں کا باہر کھلا رہنا ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دونوں ہاتھوں کا اس طرح رکھنا کہ رکوع سجدہ کی حالت میں بھی اندر ہی رہیں،نہیں چاہیے،سخت سردی کی حالت میں گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۴/شعبان/۶۱ھ۔

صحیح:عبداللطیف،۴/شعبان/۶۱ھ۔

گھڑی کی چین کے ساتھ نماز

سوال[۳۱۰۳]: گھڑی کی چین جو لوہے،اسٹیل یا پیتل کی ہو اس کا پہننا اور پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "و دخول المسجد متنعلاً مکروه، كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ :۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۲) "(أو كمّه)؛ لأن التغطية بلا ضرورة مكروهة، (إخراج كفيه من كميه عند التكبير) للرجل، إلا لضرورةٍ كبرد". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب شروط الصلاة : ۱/۴۷۸، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في بيان سنن الصلاة وآدابها و كيفيتها : ۱/۷۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۱/ ۵۳۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

تصویر پر سجدہ

سوال[۳۱۰۴]: ۱...... تصویر پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... مسجد کی دیواروں پر اندرونی حصہ میں پھول پتی اور چاند کی تصویر بنانا درست ہے یا نہیں؟

مصلیٰ پر تصویر

سوال [۳۱۰۵]: ۳...... جائے نماز پر پھول پتی یا چاند کی تصویر بنی ہوئی ہے، جس حصہ پر پیشانی رکھی جاتی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر مصلے پر جاندار کی تصویر ہو تو اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ایسی تصویر پر سجدہ کرنے میں شدید کراہت ہے(۲)۔

---

(۱) "ولا یکرہ فی المنطقة حلقة حدید أو نحاس وعظم .... والحاصل أن کلّ مافعل تجبراً، کرہ، ومافعل لحاجة، لا، عناية". (الدرالمختار، فصل فی اللبس: ۱/۳۵۹، ۳۶۳، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/۵۲۱، دارالکتب العلمية، بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیرية، الباب السابع فی اللبس وما یکرہ من ذلک وما لایکرہ: ۵/۳۳۲، رشیدیہ)

(۲) "عن أبی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلب ولا صورة". (الصحیح لمسلم، باب تحریم صورة الحیوان واتخاذها: ۲/۲۰۰، قدیمی)

"(کرہ عکسه عند عدم العذر، ولبس ثوب فیه تماثیل) ذی روح، وأن یکون فوق رأسه أو بین یدیه أو (بحذائه) یمنةً أو یُسرةً، أو محل سجوده (تمثال) ولو فی وسادة منصوبة، لامفروشة".

(الدرالمختار، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها: ۱/۶۴۸، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها: ۲/۴۹، رشیدیہ)

۳،۲..... پھول پتی، چاند وغیرہ کی تصویر دیوار، چھت اور مصلے وغیرہ پر درست ہے، اس کا شبہ نہ ہو کہ چاند کی پرستش کی جارہی ہے، بہتر یہ ہے کہ مصلے پر کوئی تصویر نہ ہو، بالکل سادہ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خانہ کعبہ کی تصویر والے مصلے پر نماز

سوال[۳۱۰۲]: جائے نماز پر خانہ کعبہ کی تصویر ہے ان پر نماز پڑھنا کیسا ہے آیا؟ اس تصویر کو دوسرا کپڑا چڑھا کر چھپا دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ اگر فروخت کرتے ہیں تو چوتھائی قیمت ملتی ہے اور مسجد کا نقصان ہے۔

سائل: سیٹھ حاجی قاسم، حاجی ہاشم، راج کوٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ان مصلوں پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، نہ ان پر کپڑا چڑھانے کی ضرورت ہے نہ ان کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے،في غنية المستملي: "وأما صورة غير ذي روح، فلاخلاف في عدم كراهة الصلاة عليها أو إليها"، ص: ۳۱٤(۲)۔اور اس تصویر سے خانہ کعبہ کی

---

(۱) "عن سعيد بن أبي الحسن قال: جاء رجل إلى ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: اني رجل أصوّر هذه الصور فأفتني فيها، فقال له: ادْنُ مني، فدنامنه، ثم قال: أدن مني، فدنا حتى وضع يده على رأسه، وقال: أنبئك بما سمعت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "كل مصور في النار يُجعل له بكل صورة صوّرها نفساً، فتعذبه في جهنم". وقال: إن كنتَ لابد فاعلاً فاصنع الشجر ومالانفس له فأقرّ به نضربن علي". (الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان وتحريم اتخاذما فيه صور الخ: ۲۰۲/۲، قديمي)

"(أو لغير ذي روح لا) يكره، لأنها لاتُعبد، وخبر جبريل عليه السلام مخصوص بغير المهانة كما بسطه ابن الكمال". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۹/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۴۸/۲، رشيديه)

(۲) (غنية المستملي في شرح منية المصلي (الحلبي الكبير)، فصل في كراهية الصلاة، ص: ۳۵۹، سهيل اكيدمي)

(وأيضاً تقدم تخريجه تحت عنوان: "مصلى پر تصوير")

تعظیم میں بھی کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ تصویر کا حکم عینِ شی کا حکم نہیں ہوتا، دوسرے خود خانہ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے، جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریقِ اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲/۶/ ۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/۲/ ۵۲ھ، الجواب صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

منقش مصلے پر نماز

سوال [۳۱۰۷]: مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے ایک تحقیقی مضمون سپردِ قلم کیا ہے، جس میں اٹلی کی جائے نمازوں کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ان پر نماز نہ پڑھی جائیں، اس مضمون کے بعد سے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں، ایک کا خیال ہے کہ ایسے مصلوں پر نماز بالکل نہ پڑھی جائے جس کی وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

۱- ایسے منقش جائے نمازوں پر خیال پراگندہ ہوتا ہے، خشوع میں فرق پڑتا ہے۔

۲- اٹلی کی تیار شدہ جائے نمازوں پر نقش ونگار صیہونی سازش کے ماتحت بنائے جاتے ہیں جس کا مقصود شعائرِ اسلام کی توہین ہوتی ہے۔

۳- ان حضرات کی طرف سے استدلال میں وہ حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منقش پردہ کو واپس کردینے کا واقعہ مذکور ہے۔

اس کے برخلاف دوسرے گروپ کا کہنا کہ ایسے منقش مصلوں کا استعمال پورے عالمِ اسلام میں ہے، خیال کی پراگندگی کا کوئی ادنیٰ تصور بھی نہیں ہوتا، بلکہ ایسے منقش مصلے بہت سے خوش مزاج اور نفاست پسند لوگوں کی مزید دلجمعی اور خشوع وخضوع کا باعث ہوتے ہیں، اس لئے یہ محض ذوقی اور وجدانی چیز ہے،

---

(۱) "ولو صلی فی جوف الکعبة أو علی سطحها، جاز إلی أیّ جهة توجه". (الفتاوی العالمکیریة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۱/ ۶۴، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب الصلاة فی الکعبة: ۲/ ۲۵۴، سعید)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفرائض: ۱/ ۴۲۶، ادارة القرآن، کراتشی)

لہٰذا اسے فتوے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ بات بھی سمجھنے میں نہیں آئی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خشوع وخضوع پر یہ نقش ونگار کیونکر اثر انداز ہو سکتے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تو اس سے بہت بالاتر تھی۔ لہٰذا اب آنجناب سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات تحریر فرمائیں، تاکہ باہمی فساد ونزاع کا دروازہ بند ہو۔

عبدالقدوس آزاد پارک وارانسی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مصلے پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی، اس کے نقش ونگار کی وجہ سے اگر خشوع میں فرق آئے تو تحفظ کے لئے اس پر ایک سادہ کپڑا اچھا لیا جائے (۱)۔ آج کل اٹلی کے علاوہ دیگر مقامات کے بنے ہوئے مصلے بھی عامۃً نقش ونگار سے خالی نہیں ہوتے، بسا اوقات بڑی دری میں بھی نقش ونگار ہوتے ہیں، اکثر آدمیوں کا دھیان بھی اس نقوش کی طرف نہیں جاتا، اس پر خانہ کعبہ یا مسجد کا نقش بھی عامۃً ہوتا ہے، تو یہ بھی اٹلی کے مصلے کے ساتھ خاص نہیں۔ دوسرے مسجد یا کعبہ کے نقش پر عامۃً کھڑے نہیں ہوتے بلکہ وہ نقش سجدہ گاہ کی طرف ہوتا ہے جس سے اس کو پامال کرنا لازم نہیں آتا جو احترام کے خلاف ہو۔ نیز تصویر ونقشِ کعبہ کو بعینہٖ کعبہ کا حکم دینا بھی صحیح نہیں، ورنہ اس کی طرف رخ کر کے کیا نماز کو بھی صحیح کہا جائے، اگر چہ وہ کسی بھی سمت میں ہو، اگر بغور دیکھا

---

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه)، فإنه يكره: لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة. قال الحلبي: وفي حظر المجتبى: وقيل: يكره في المحراب دون السقف والموخر انتهى. وظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ".

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لأنه يلهي المصلي): أي فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه، وقد صرح في البدائع في مستحبات الصلاة: ينبغي الخشوع فيها، ويكون منتهى بصره إلى سجوده الخ .... وكذا صرح في الأشباه: أن الخشوع في الصلاة مستحب، والظاهر من هذا أن الكرا ـة هنا تنزيهية، فافهم". (الدر المختار مع رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل: كره استقبال القبلة بالفرج: ۱/ ۴۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/ ۶۵، رشيديه)

جائے تو وہ کعبہ کا نقش ہوتا بھی نہیں، محض ایک صنعت کاری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/ ۸/ ۹۳ھ۔

ایضاً

سوال [۳۱۰۸]: کچھ روز قبل مفتی عزیز الرحمن بجنوری نے ایک فتویٰ شائع کیا تھا اور اس بات پر زور دیا تھا کہ اٹلی کا مخمل جائے نماز (مصلی) جو عام طور سے حجاج اپنے ہمراہ حجاز سے لاتے ہیں اور اس پر حرمین شریفین کی تصویر ہوتی ہے، اس کا استعمال نماز کے لئے درست نہیں اور اس پر نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے اور اس کا مقصد نماز میں دھیان بانٹنا اور مناجات کی لذت سے غافل کردینا ہے۔ ادھر کچھ دنوں سے اس مسئلہ پر بنارس میں دو گروہ ہوگئے ہیں بعض لوگ مفتی صاحب کے فتوے کی بناء پر اس قسم کے مصلے کو مساجد سے نکالنے پر مصر ہیں، اور کم لوگ عموم بلویٰ مصالح مرسلہ جیسی اصطلاحات کا استعمال کر کے اس مصلے کو کراہت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ میرے پاس بھی اس سلسلہ میں ایک استفتاء آیا ہے لیکن میرے سامنے اس سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں ہے، براہ کرم اپنی رائے سے نوازیں تاکہ یہاں کا بتایا ہوا مسئلہ مرکز کے خلاف نہ ہوجائے۔

سائل: مولانا ابوالقاسم نعمانی، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب، وارانسی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرمین شریفین سے لائے ہوئے مصلے کے متعلق یہودیوں کی سازش اور نیت کا مجھے علم نہیں، اس پر جو تصویر ہے وہ ذی روح کی نہیں اس لئے تو اس حکم میں یہ داخل نہیں جس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے جس میں "تشبہ بعبادۃ الأوثان" لازم آتا ہو(۱)۔ رہا نقش ونگار کا قصد اس میں ہی کیا منحصر ہے، وہ تو آج عام ہے، مسجد کے درودیوار، صفوف، دری، جائے نماز، لباس کی بناوٹ، کرتہ، گھڑی، لنگی، تسبیح کون سی چیز ایسی ہے جو دل بٹا کر مخل خشوع نہ ہو لیکن اس کے باوجود اکثر نفوس ایسے ہیں کہ ان کو ایسے نقوش کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔

مولانا ارشاد احمد صاحب نے بھی یہاں بیان کیا تھا کہ یہود کا مقصود یہ ہے کہ نماز میں حرمین کو مسلمانوں کے قدموں سے روندا جائے، اس لئے وہ یہ تصویر بناتے ہیں۔ مجھے ان کی اس نیت کا بھی علم نہیں اور ایسے مصلے پر

(۱) (قد مضی تخریجہ تحت عنوان: "مصلی پر تصویر"، و عنوان: "منقش مصلی پر نماز"۔)

قدم کی جگہ یہ تصویر ہوتی بھی نہیں بلکہ سجدہ کی جگہ ہوتی ہے، علاوہ ازیں تصویر، وہ بھی جعلی! جس کو اصل کے ساتھ مشابہت بھی نہیں، اصل کے حکم میں کس طرح ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۹۳ھ۔

جس مصلی پر بیت اللہ کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنا

سوال [۳۱۰۹]: جس مصلی پر بیت اللہ کی تصویر ہو اور یہ کہ اس تصویر کو یہودی اہانت کے لئے بناتے ہیں تو اس مصلی پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تصویر کا حکم اصلی کا حکم نہیں ہوتا، اس مصلی پر نماز پڑھنا ایسا نہیں جیسے بیت اللہ پر نماز پڑھنا، لہذا اس سے بیت اللہ کی اہانت نہیں ہوتی (۱)، یہودیوں کی نیت ناکام رہتی ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسے مصلے کو خریدا ہی نہ جائے تاکہ وہ بنانا ہی چھوڑ دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

روپیہ پیسہ کے ساتھ نماز کا حکم

سوال [۳۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل میں:

تصویر گھر میں رکھنے کی جو ممانعت احادیث میں ہے، اکثر لوگ اس پر حجت قائم کرتے ہیں کہ وہ ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کی ممانعت ہے فوٹو کی نہیں ہے، دوسرے یہ کہتے ہیں کہ جس پر ذی روح کی تصویر ہو جیسے روپے پیسے، اسے پاس رکھنا اور پاس ہوتے ہوئے نماز کیسی ادا ہوسکتی ہے؟ ہر دو باتوں کا جواب خوب اچھی طرح سے دیجئے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر اور فوٹو سے بنی ہوئی دونوں کا شرعاً ایک حکم ہے، پیسے روپے پر اولاً تو تصویر چھوٹی ہے جس کا کوئی اعزاز نہیں ہوتا، دوسرے جیب یا کسی اور کپڑے میں نماز کے وقت مخفی رہتی ہے، سامنے

---

(۱) (قد مر تخریجہ تحت عنوان: "تصویر دار مصلے پر نماز"۔)

نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۰/۲۵ھ۔
جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

تصویر یا بیڑی سگریٹ، جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا

سوال[۳۱۱۱]: تہبند شیر مارکہ جس پر کہ شیر کی تصویر ہوتی ہے اور جو اپنا فوٹو جیب میں ڈال کر نماز پڑھتے ہیں اور نوٹ بھی جیب میں ڈالے رہتے ہیں اس پر ''اشوک'' (درخت) کی تصویر ہوتی ہے، کیا ان سب باتوں سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور بیڑی سگریٹ جو کہ نشہ والی چیز ہوتی ہے ان کو جیب میں رکھ کر نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تہبند وغیرہ پر شیر یا کوئی اور تصویر ہو تو اس کو دھلوا کر صاف کروایا جائے تب تہبند وغیرہ کو استعمال کیا جائے، فوٹو اتروانا ہی جائز نہیں ہے (۲)، جیب میں نہ رکھا جائے۔ بیڑی سگریٹ وغیرہ بدبودار چیزیں مسجد میں

---

(۱) ''(قوله: لا المستتر بكيس أو صرة)بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار، فلا تكره لاستتارها، بحر''. (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة مايكره فيها: ۲/۴۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۲۸۴، امداديه، ملتان)

(۲) ''عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت، ونهى أن يصنع ذلك''. (سنن ترمذى، أبواب اللباس، باب ماجاء في الصورة: ۱/۳۰۵، سعيد)

''وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصَنعَتُه حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاةً لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها''. (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۴۷، سعيد)

قال ابن نجيم: ''قوله: (ولبس ثوب فيه تصاوير) ؛لأنه يشبه حامل الصنم، فيكره . وفي الخلاصة: وتكره التصاوير على الثوب صلى فيه أولم يصل''. (البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۷، رشيديه)

لانا منع ہے۔ ان سب صورتوں سے نماز میں بھی کراہت آئے گی (۱)۔ نوٹ پر جو تصویر ہے وہ قانونی مجبوری ہے اورضرورت کی بناء پر جیب میں ہوتو نماز میں کراہت نہیں آئے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند۔

ہاتھ پر تصویر گدی ہوئی ہونے کی حالت میں نماز

سوال [۳۱۱۲]: کسی شخص کے ہاتھ پر کوئی تصویر گدی ہوئی ہوتو اس کی نماز میں فرق آئے گا یا نہیں؟ اور اگر فرق آئے گا تو جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تصویر تو بغیر کھال یا گوشت کاٹے علیحدہ نہیں ہوسکتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس تصویر کو ختم کرنا دشوار ہے تو مجبوری ہے نماز درست ہوگی، ہو سکے تو کپڑے یا دستانہ سے ہاتھ ڈھانپ لیا کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. ...... ويلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أو غيره ..... وكذا ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى الغرس فى المساجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(۲) "(قوله: لا المستتر بكيس أو صرة) بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار، فلا تكره لاستتارها، بحر". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۸/۱، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴۸/۲، رشيديه)

(۳) "ظاهره عدم الكراهة ولو كانت بالوشم". (رد المحتار، مطلب: إذا تردد الحكم بين السنة والبدعة، كان ترك السنة أولى: ۶۴۸/۱، سعيد)

"وفى الفتاوى الخيرية من كتاب الصلاة: سئل فى رجل على يده وشم، هل تصح صلاته، وإمامته أم لا؟ أجاب: نعم، تصح صلاته وإمامته بلا شبهة، والله أعلم". (رد المحتار، مطلب فى حكم الوشم: ۳۳۰/۱، سعيد)

"وفى المحيط: رجل فى يده تصاوير وهو يؤم الناس، لا تكره إمامته؛ لأنها مستورة بالثياب، فصار كصورة فى نقش خاتمه، وهو غير مستبين". (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۴۸/۲، رشيديه)

آئینہ دار مسجد میں نماز

سوال[۳۱۱۳]: ایک مسجد سہارنپور میں متصل چوکی پولیس واقع ہے، مسجد کے اندر حصہ گنبد کے نیچے غربی، جنوبی اور شمالی دیواروں پر ایسے شیشے کے بیل بوٹے تیار کرائے گئے ہیں جس میں چہرہ اور عکس نظر آتا ہے جو کہ مثل شیش محل کے ہوگیا ہے۔ اس صورت میں مسجد کے اندر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

ایسی مسجد میں نماز جائز ہے، نمازی کو چاہیئے کہ نظر نیچی رکھے تا کہ خشوع حاصل ہو اور دھیان نہ بٹنے پائے ورنہ اگر اس طرف توجہ کی اور خشوع نہ رہا تو نماز مکروہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۵/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۶/ ۵/ ۵۷ھ۔

آئینہ سامنے ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال[۳۱۱۴]: مسجد میں ڈیکولم کے بنے ہوئے دروازے لگے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے نمازیوں کے اپنے عکس اس میں پڑتے ہیں جیسے سامنے آئینہ ہو تو کیا اس سے نماز میں کوئی حرج ہوتا ہے اور یہ مناسب ہے یا نہیں؟

---

(۱) "[تتمه] بقي في المكروهات أشياء أخر........ منها: الصلاة بحضرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهو ولعب......... (قوله: لأنه يلهي المصلي): أي فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه، وقد صرح في البدائع في مستحباب الصلاة: أنه ينبغي الخشوع فيها، ويكون منتهیٰ بصره إلى موضع سجوده الخ، وكذا صرح في الأشباه: أن الخشوع في الصلاة مستحب، والظاهر من هذا أن الكراهة هنا تنزيهية فافهم". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۶۵۴، ۶۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/ ۶۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل: كره استقبال القبلة بالفرج الخ: ۱/ ۴۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہایت غلط صورت حال ہے، اس سے حفاظت کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے، گذشتہ نمازوں کا اعادہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

دیوارِ قبلہ پر نظر پڑنا

سوال [۳۱۱۵]: اگر رکوع یا سجدہ سے اٹھتے بیٹھتے وقت امام یا منفرد یا مقتدی کی نگاہ دیوار پر اتفاقاً پڑ جائے تو کیا نماز مکروہ ہوگی؟ اور اگر قصداً ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سامنے کی دیوار پر نظر پڑ جانے سے نماز مکروہ نہیں ہوگی، قصداً ایسا کرنا خلافِ مستحب ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۱ھ۔

---

(۱) "بقي في المكروهات أشياء اخر .... منها الصلاة بحضرة ما يشغل البال و يخلّ بالخشوع كزينة ولهو و لعب". (ردالمحتار، مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب والمكروه الخ: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۳۶۰، قديمي)

"تنبیہ: شیشے میں دکھائی دینے والی صورتیں تصویر کا حکم نہیں رکھتیں، کیونکہ یہ عکس ہے، البتہ کراہت کی وجہ دوسری ہے، وہ عکس مخلِ خشوع اور دل کی مشغولی کا باعث ہو"۔ (خیر الفتاوی: ۲/۴۳۱) (و أحسن الفتاوى: ۳/۴۱۲)

(۲) "فلما نزل قوله تعالىٰ: ﴿قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾. [المؤمنون: ۱،۲] "رمى ببصره نحو مسجد: أي موضع سجوده .... و فسره الطحاوي في "مختصره" فقال: يرمي ببصره إلى موضع سجوده في حالة القيام، و في حالة الركوع إلى رؤس أصابع رجليه، وفي حالة السجود إلى أرنبة أنفه، و في حالة القعدة إلى حجره؛ لأن هذا كله تعظيم و خشوع". (بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب و يكره فيها: ۲/۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثالث في سنن الصلوة وآدابها: ۱/۷۲، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية، فصل في بيان آداب الصلاة: ۱/۵۲۹، إدارة القرآن كراچى)

غیر مسلم کے معبد یا زمین میں نمازِ عید وغیرہ

سوال[۳۱۱۶]: کفار کے معبد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۱......ہمارے یہاں ایک قوم ہے جن کو''برما'' کہا جاتا ہے، انہوں نے پہاڑ پر مندر بنا کر کے وہاں بت رکھے ہیں اور یہاں بھی ایک جاوی پہاڑ ہے جس کے نیچے ایک پہاڑ ہے اور اس کے نیچے ایک میدان ہے جس میں نماز پڑھنے سے جاوی نمازوں کے سامنے یعنی قبلہ کے جانب ہوگی اور میدان سمیت پہاڑ کو جاوی پہاڑ کہا جاتا ہے وایضاً میدانِ مذکور کفار کی ملک میں ہے۔ تو ایسے میدان میں نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اگر میدان کفار کی ملک میں نہ ہو، یا میدان اور جاوی کے درمیان کوئی گھر حائل ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ مدلل اور واضح کر کے ممنون فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے:"وتكره الصلاة في سائر محال الشياطين، ومنها الوادي الذي نام فيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صلاة الصبح، ومنها كل محلٍ حل به غضب كأرض ثمود وبابل وديار قوم لوط، اهـ. قلت: وبهذا يعلم كراهة الصلاة في البِيَع والكنائس لما فيها من التماثيل، فتكون مأوى الشياطين، كما أفاده العيني في شرح البخاري في بحث المساجد من كتاب الصلاة(۱)۔ "وتكره في أرض الغير بلارضاه بأن كانت لذمي مطلقاً؛ لأنه يأبى، أو لمسلم وهي مزروعة أومكروبة ولم يكن بينهما صداقة ولامودة، أو كان صاحبها سيئ الخُلق، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح:۱۹۷(۲)۔ قال ابن عابدين: "قال في البحر: والظاهر أنها

(۱) "لم أجده هذه العبارة في عمدة القاري وقد وجدت بمعناها بلفظ:"ويذكر أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه كره الصلاة بخسف بابل.....وأما الصلاة في الكنيسة والبيعة فكرهها الحسن البصري..... وفيه الدلالة على كراهة الصلاة في موضع الخسف، والعذاب، والباب معقود عليه".(عمدة القاري، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب:۴/۲۷۹، ۲۸۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

"وقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه:"إنالا ندخل كنائسكم من أجل التماثيل التي فيها الصور".
(عمدة القاري، باب الصلاة في البيعة: ۴/۲۸۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸ قديمي)

تحريمية؛ لأنها المرادة عند إطلاقهم، اهـ". شامي: ۱/۳۵۳ (۱)۔

۲..... جب کہ وہ میدان مسلمانوں کی ملک ہو اور وہ لوگ خود اپنی زمین میں نماز پڑھیں اور سامنے کوئی بت وغیرہ نہ ہو بلکہ کوئی مستقل مکان مثلاً ستون وغیرہ حائل ہو تو وہاں نماز عید مکروہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۹/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۹/شوال/۶۶ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۰/شوال/۶۶ھ۔

مسجد کے لئے بنیاد کھودتے ہوئے میت کی کچھ ہڈیاں ظاہر ہوئیں، وہاں نماز کا حکم

سوال [۳۱۱۷]: ایک قبرستان میں ایک بہت پرانی مسجد تھی، اس مسجد کو منہدم ہوئے بہت زمانہ ہوا، لیکن اس کے کچھ منہدمہ نشانات باقی تھے، انہیں نشانات کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں نے نئی مسجد کی بنیاد ڈالی ہے، لیکن بنیاد کے کھودتے وقت کچھ ہڈیاں بھی ہیں نیو کافی بلند ہو چکی ہے، گمان یہ ہے کہ قبریں بھی اس میں ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ کہ اس میں نماز عید یا اور کوئی نماز کس طرح درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہاں مدت دراز سے مُردے دفن نہیں ہوتے اور قبروں کے نشانات بھی باقی نہیں تو وہاں نماز عید یا کوئی نماز ممنوع نہیں، اگر چہ نیو کھودنے میں کچھ ہڈیاں بھی ظاہر ہوگئیں، ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بعض میت کی ہڈیاں برسہا برس کے بعد کھودتے وقت ظاہر ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے اس تمام زمین میں نماز کی ممانعت

---

(۱) (رد المحتار، مطلب: تكره الصلاة في الكنيسة: ۱/۳۸۰، سعيد)

(۲) "ولو كانت الصورة صغيرةً كالتي على الدراهم أو كانت في اليد أو مستترة أو مهانة مع أن الصلاة بذالك لا تحرم، بل ولا تكره؛ لأن علة حرمة التصوير المضاهاةُ لخلق الله تعالىٰ، وهي موجودة في كل ما ذُكر. وعلة كراهة الصلاة بها التشبه، وهي مفقودة فيما ذكر، كما يأتي، فاغتنم هذا التحرير". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۸، رشيديه)

وقال في التاتارخانية: "أما إذا كانت مستورة، فلا بأس به". (باب ما يكره للمصلي وما لايكره: ۱/۵۶۳، إدارة القرآن كراچي)

کا حکم نہیں ہوتا:

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً". شامی(۱)۔ "فی زادالفقير: وتكره الصلوة فی المقبرة، إلا أن يكون فيها موضعٌ أُعِدَّ للصلوة لانجاسة فيه ولاقذر. فيه، قال الحلبی؛ لأن الكراهة محللة بالسنة، وهومنتفی حينئذٍ". طحطاوی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۱۷ھ۔

قرآن کریم سجدہ کے سامنے ہو

سوال[۳۱۱۸]: امام صاحب ظہر کی نماز سے قبل مسجد میں پہلی صف میں قرآن مجید کی تلاوت کررہے تھے، جماعت کے کھڑے ہونے کے وقت قرآن مجید بند کرکے مصلی کے بالکل سامنے رکھ دیا گیا اور نماز میں مشغول ہوگئے، اب سجدہ ایسی جگہ ہورہا ہے کہ قرآن مجید بالکل سر کے سامنے ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا مقامِ سجدہ کے بالکل سامنے قرآن مجید رکھ کر سجدہ کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز باجماعت میں جب کلام مجید امام کے سر کے آگے نہیں ہے تو کسی اشتباہ کا بھی موقع یا اندیشہ نہیں

---

(۱) (ردالمحتار، الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فی قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فی قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمی)

"أو كان فی المقبرة موضعٌ أعِدّ للصلاة ولاقبر ولانجاسة، فلابأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

"إذا غسل موضعاً فی الحمام ليس فيه تمثال وصلى فيه، لابأس به، وكذا فی المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعِدّ لصلاة، وليس فيه قبر ولانجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۵۸، رشيديه)

ہے، یہ عمل بلاشبہ درست ہے، بلکہ سجدہ کے سامنے رکھا ہو تب بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۱ھ۔

نمازی کے سامنے چراغ جلنا

سوال[۳۱۱۹]: اگر نمازی کے آگے چراغ جلتا ہو تو نماز میں کچھ کراہت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چراغ سامنے رکھ کر نماز پڑھنا

سوال[۳۱۲۰]: ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ مسجد میں نماز پڑھتے وقت چراغ جلاتے ہیں، آگے رکھتے ہیں ایک یا آدھا ہاتھ دوری پر، اور نماز پڑھتے ہیں مگر کوئی عالم کہتے ہیں کہ اس چراغ کو آگے نہ رکھیں بلکہ دائیں یا بائیں یا پیچھے رکھ کر نماز پڑھو۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یرکز العنزة، ویصلی إلیها". رواه مسلم".

"قوله: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما الخ"، قال المؤلف: "فی البحر الرائق: أی لا یکره أن یصلی و أمامه مصحف أوسیف، سواء کان معلقاً أو بین یدیه، أما المصحف، فلأن فی تقدیمه تعظیمه، و تعظیمه عبادة، والاستخفاف به کفر، فانضمت هذه العبادة إلی عبادة أخری، فلا کراهة". (إعلاء السنن، باب عدم کراهة الصلاة إلی السیف و نحوه: ۹۷/۵، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی تنویر الأبصار مع الدر المختار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۶۵۱/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یکره الصلاة و ما لا یکره: ۱۰۸/۱، رشیدیه)

(۲) "(ولا یکره صلوة إلی ظهر قاعد) یتحدث ولا إلی مصحف أو سیف مطلقاً أو شمع أو سراج أو نار توقد؛ لأن المجوس إنما تعبد الجمرة لا النار الموقدة، قنیة". (الدر المختار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۶۵۲/۱، سعید)

(وأیضاً سیأتی تخریجه تحت عنوان: "چراغ سامنے رکھ کر نماز پڑھنا"۔)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز جماعت میں چراغ اگر سامنے ہوجیسا کہ عامۃً مساجد میں جدارِغربی میں رکھا ہوتا ہے تو اس سے نماز خراب نہیں ہوتی، اگر داہنے یا بائیں یا پیچھے رکھا ہوتو کسی کو اعتراض کا موقع بھی نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۸۵/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز اندھیرے میں ہو یا روشنی میں

سوال[۳۱۲۱]: ایک مسجد میں بجلی کی روشنی کا معقول انتظام ہے اور رات میں برابر روشنی ہوتی ہے، لیکن فرض نماز کے وقت امام صاحب روشنی بُجھا کر نماز باجماعت بلکہ نماز تراویح بھی پڑھتے ہیں، دریافت کرنے پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکثر اندھیرے میں نماز ادا فرمائی ہے۔یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیل نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں نماز ادا فرمائی ہے، نیز یہ سوال ہے کہ روشنی کی موجودگی میں روشنی بجھا کر اندھیرے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ وضاحت کے لئے عرض ہے کہ مسجد کے اگلے حصہ میں بھی روشنی کا انتظام ہے اور بلب ایسے کنارے پر لگا ہوا ہے کہ اگر وہ روشن ہوتو اس کی روشنی مسجد کے اندرونی حصہ میں نہیں پہنچ سکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ مسئلہ شرعی نہیں، بتی بجھا کر اندھیرے میں نماز پڑھنے کی کوئی تاکید نہیں، بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت روشنی کرنا ضروری اور اس میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، بلا ضرورت اور ضرورت سے زائد روشنی کرنا

---

(۱) "ولا الی مصحف او سیف مطلقا او شمع او سراج أو نار توقد؛ لأن المجوس إنما تعبد الجمر لاالنار الموقدة". (الدر المختار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۱/۶۵۲، سعید)

"و لو توجه إلی قندیل أو إلی سراج، لم یکره، کذا فی محیط السرخسی، و هو الأصح، کذا فی خزانة الفتاوی". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلاة و ما لا یکره: ۱/۱۰۸، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۲/۵۶، رشیدیه)

اسراف میں داخل اور ممنوع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اندھیرے میں نماز پڑھنا

سوال[۳۱۲۲]: اندھیرے میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر قبلہ کا رخ صحیح ہوتو اندھیرے میں نماز پڑھنا منع نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن میمونة مولاة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنها قالت: یا رسول اللہ! أفتنا فی بیت المقدس، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ائتوه فصلوا فیه وکانت البلاد إذ ذاک حرباً، فإن لم تأتوه و تصلوا فیه، فابعثوا بزیتٍ یسرج فی قنادیله". (سنن أبی داؤد، باب فی السرج فی المساجد: ۶۶/۱، دار الحدیث ملتان)

"و لو وقف علی دهن السراج للمسجد، لا یجوز وضعه جمیع اللیل، بل بقدر حاجة المصلین و یجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلاة فیه، کذا فی السراج الوهاج. ولا یجوز أن یترک فیه کل اللیل إلا فی موضع جرت العادة فیه بذلک". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به: ۴۵۹/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، فصل فی أحکام المسجد: ۴۲۰/۵، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنهاقالت: کنت أنام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: و رجلایَ فی قبلته، فإذا سجد غمزنی، فقبضت رجلیّ، فإذا قام بسطتها. قالت: والبیوت یومئذٍ لیس فیها مصابیح". (صحیح البخاری، باب التطوع خلف المرأة: ۷۳/۱، قدیمی)

قال فی الفتاوی العالمکیریة: "رجل صلی فی المسجد فی لیلة مظلمة بالتحرّی، فتبین أنه صلی إلی غیر القبلة، جازت صلاته؛ لأنه لیس علیه أن یقرع أبواب الناس للسؤال عن القبلة". (الباب الثالث فی استقبال القبلة: ۶۴/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۴۳۳/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۵۰۰/۱، رشیدیه)

اگر امام کا چہرہ شمال یا جنوب کی طرف گھوم جائے

سوال[۳۱۲۳]: اگر امام نماز میں اتنا جھومتا ہو کہ قبلہ کیطرف سے اس کا منہ پھر جائے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بالکل شمال یا جنوب کی طرف منہ ہو جاتا ہو جیسا کہ سلام پھرتے وقت تو یہ مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۷ھ۔

امام مصلے پر مقتدی فرش پر ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟

سوال[۳۱۲۴]: اکثر امام مصلے پر نماز پڑھاتے ہیں اور مقتدی فرش پر بغیر مصلے کے نماز امام کے ساتھ ادا کرتے ہیں، کیا ایسی جماعت میں مقتدیوں کی نماز میں کچھ کراہت ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، بلکہ زمین کی نماز بنسبت مصلے کے افضل ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۶۱/۱۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "يا بنيّ! إياك والالتفات في الصلاة، فإن الالتفات في الصلاة هلكة، فإن كان لا بد، ففي التطوع، لا في الفريضة".

(سنن الترمذي: ۱/ ۱۳۰، سعيد)

"(قوله: وتحويل صدره) أما تحويل وجهه كله أو بعضه، فمكروه، لا مفسدٌ على المعتمد".

(ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/ ۶۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/ ۳۷، رشيديه)

(۲) "ولكن الأفضل عندنا السجود على الأرض أو على ما تنبته كما في نور الإيضاح ومنية المصلي".

(رد المحتار، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها الخ: ۱/ ۵۰۲، سعيد) .... =

کیا مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے؟

سوال[۳۱۲۵]: بعض مسجدوں میں ظہر وعصر کی نماز مسجد کے نیچے کے درجے میں ہوتی ہے اور بوجہ گرمی کی شدت کے مغرب، عشاء، فجر کی نماز موسم گرما میں صرف مسجد کی چھت پر ادا ہوتی ہے جبکہ مسجد کی چھت پر محض چہار دیواری کھینچی ہے نہ کوئی محراب ہے نہ کوئی سائبان، ایسی حالت میں کھلی ہوئی چھت پر نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور چھت تابع، مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے، اصل مسجد چھوڑ کر چھت پر نماز پڑھنا خلافِ سنت ہے، البتہ اگر جگہ کی قلت ہو تو چھت پر کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں، اور جب گرمی ناقابلِ برداشت ہو تب بھی چھت پر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے(۱)۔ محراب کا نہ ہونا مضر نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۶/۱۱ھ۔

= "(ولا بأس بالصلوة على الطنافس واللبود وسائر الفرش إذا كان المفروش رقيقاً) بحيث يجد الساجد عليه حجم الأرض (و) لكن الصلوة (على الأرض) بلا حائل (و) على (ما أنبته الأرض) كالحصير والبوريا (أفضل)؛ لأنه أقرب إلى التواضع". (الحلبي الكبير، فروع: في الخلاصة، ص: ٣٦٠، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة، فصل فيما لايكره للمصلي، ص: ٣٧١، قديمي)

(١) "الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد ولم يجد موضعاً يصلي فيه، فلا بأس به". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره: ١/٥٦٩ إدارة القرآن كراچي)

"ولو صلى على رفوف المسجد إن وجد في صحنه مكاناً، كره، كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة". (الدر المختار، باب الإمامة: ١/٥٧٠، سعيد)

(٢) "عن يحيى بن بشير بن خلاء عن أمه أنها دخلت على محمد بن كعب القرظي فسمعته يقول: حدثني أبو هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– قال: قال رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "توسطوا =

ایضاً

سوال[۳۱۲۶]: مسجد کے اوپر جو چھت ہوتی ہے اس پر گرمیوں میں مغرب وعشاء وصبح کی نماز ٹھنڈک کی غرض سے اور جاڑوں میں دھوپ کی غرض سے نماز پڑھنا کیسا ہے زید کہتا ہے مکروہ ہے اور شامی کا حوالہ دیتا ہے زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اندر کنویں پر نماز

سوال[۳۱۲۷]: ہمارے موضع میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اس میں کنواں فرش کے درمیان آ گیا ہے، کنویں کے اوپر پتھر رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الإمام، وسدوا الخلل". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف: ۱/۹۹، دارالحديث ملتان)

"(قوله: إن علل بالتشبه الخ)........قلت: أي لأن المحراب إنما بني علامةً لمحلّ قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة.........وفي التاتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره: ۱/۵۲۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد، ويلزمه كراهة الصلاة أيضاً فوقه، فليتأمل". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وأيضاً مر تخريجه تحت عنوان: "مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے"۔)

(۲) "إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لاملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس". (البحر الرائق، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه) ....=

کیا نماز کم عرض کی دری پر مکروہ ہے؟

سوال[۳۱۲۸]: ایسی کم عرض کی دری پر جس پر پیر اور انگوٹھے تو آتے ہیں باقی ہاتھ اور سرسجدہ میں فرش پر نکلتا ہے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں نماز بلا کراہت جائز ہے کیونکہ زمین پر نماز پڑھنا بنسبت دری کے افضل ہے اور سرجو کہ اشرف ہے وہ زمین پر ہی رہنا افضل ہے: "ولا بأس بالصلوۃ على الطنافس و اللبود و سائر الفرش إذا كان المفروش رقيقاً، ولكن على الأرض و على ما أنبته الأرض أفضل". منیه و کبیری، ص: ۳۴۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شوال/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/شعبان/۵۴ھ۔

نجاست بقدرِ عفو کے ساتھ نماز کا حکم

سوال[۳۱۲۹]: اگر کسی کی لنگی میں ایک قطرہ پیشاب کا ٹپکا جو پھیلاؤ میں ایک روپیہ سے کم ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھ لیتا ہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

=(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل: ومن بنى مسجداً الخ: ۱/۲۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (الحلبي الكبير، فروع في الخلاصة، ص: ۳۶۰ سهيل اكيدمي لاهور)

"والحاصل أنه لا كراهة في السجود على شيء مما فرش على الأرض مما لا يتحرك بحركة المصلي بالإجماع الخ. ولكن الأفضل عندنا السجود على الأرض أو على ما تنبته، كما في نور الإيضاح و منية المصلي". (رد المحتار، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها الخ: ۱/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل فيما لا يكره للمصلي، ص: ۳۷۰، قديمي)

(۲) "(قوله: وإن كره تحريماً) أشار إلى أن العفو بالنسبة إلى صحة الصلاة به ..... والأقرب أن =

تقاضائے ریح کے وقت نماز

سوال[۳۱۳۰]: مرض ریح میں کیا حکم ہے، کہتے ہیں غلبۂ ریح کو روکنا نماز کی حالت میں مکروہ تحریمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت پاخانہ، پیشاب، ریح کا تقاضا ہو اور طبیعت میں تشویش ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا منع ہے، پہلے ان اشیاء سے فراغت پالے اس کے بعد اطمینان سے نماز پڑھے(۱)۔ اگر کوئی شخص معذور ہو کہ ریح کا مرض ہے اور اتنا وقت اس کو نہیں ملتا کہ وضو کر کے بلا ریح نماز پڑھ سکے تو وہ مستثنیٰ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

= غسل الدرهم و ما دونه مستحب مع العلم به والقدرة على غلسه، فتركه حينئذ خلاف الأولى، نعم! الدرهم غسله آكد مما دونه، فتركه أشد كراهةً .... ففي المحيط: يكره أن يصلي و معه قدر درهم أو دونه من النجاسة عالماً به لاختلاف الناس فيه". (رد المحتار، باب الأنجاس: ۱/ ۳۱۷، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/ ۲۲۹، دار الكتب العلمية)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب الأنجاس: ۱/ ۲۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "(قوله: وصلاته مع مدافعة الأخبثين الخ): أي البول والغائط، قال في الخزائن: سواء كان بعد شروعه أوقبله، فإن شغله، قطعها إن لم يخف فوت الوقت، وإن أتمّها أثم، لمارواه أبوداود: "لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يصلي وهو حاقن حتى يتخفف": أي مدافع البول، ومثله الحاقب: أي مدافع الغائط والحازق: أي مدافعهما. وقيل: مدافع الريح اهـ وماذكره من الإثم صرح به في شرح المنية وقال لأدائها مع الكراهة التحريمية". (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة اهـ، مطلب في الخشوع: ۱/ ۶۴۱، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/ ۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "(وصاحب عذر مَن به سلسل)بول لايمكنه إمساكه (أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أومستحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث(ولو حكماً)؛ لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۱/ ۳۰۵، سعيد) .... =

طبعی کراہت کی وجہ سے نماز میں کراہت

سوال[۳۱۲۱]: بکرامام کے مصلے پرآ کرسوتا ہے جس سے پسینہ کی بدبو پیدا ہوجاتی ہے، امام کو اس فعل سے طبعی کراہت ہے تو اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور بکر کا یہ طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

طبعی کراہت کی وجہ سے نماز تو مکروہ نہیں ہوئی (۱) لیکن بکر کا یہ عمل غلط ہے اس کو اس سے باز آنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۹ھ۔

منفرد کے لئے تکبیر کا جہر

سوال[۳۱۲۲]: منفرد مغرب، عشاء اور فجر کی فرض نمازوں میں "سمع اللہ لمن حمدہ" اور

=(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس الخ: ١/ ٤١، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الحيض: ١/ ١٨٠، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(١) "(قوله: والعرق كالسؤر، وسؤر الآدمي والفرس وما يؤكل لحمه طاهر)، أما الآدمي، فلأن لعابه متولد من لحم طاهر، وإنما لا يؤكل لكرامته، ولا فرق بين الجنب والطاهر والحائض والنفساء والصغير والكبير والمسلم والكافر والذكر والأنثى". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ١/ ٢٢٢، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطهارة: ١/ ٢٢٨، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ١/ ١٠٤، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه". هذا لفظ البخاري، ولمسلم قال: "إن رجلاً سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيّ المسلمين خيرٌ؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه ويده". (مشكوة المصابيح، ص: ١٢، قديمي)

"ويكره الإعطاء مطلقاً، وقيل: إن تخطى .... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب".

(الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١/ ٦٦١، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، باب كراهة دخول من أكل الثوم والبصل الخ: ١٣٨/٥، إدارة القرآن كراچی)

تکبیریں آہستہ کہے یا بلند آواز سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منفرد نمازوں میں ان نمازوں میں تکبیر وتسمیع آہستہ کہے: "وجهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول والانتقال، قيد بالامام، والمأموم والمنفرد ليس لهم الجهر به؛ لأن الأصل في الذكر الإخفاء، و لاحاجة له إلى الجهر". ۱/۳۰۳"(۱)۔ "وجهر الإمام بالتكبير وكذا بالتسميع والسلام، وأما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه، الخ". درمختار: ۱/۳۱۹(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۱ھ۔

منفرد کو تکبیرات بالجہر کہنا

سوال[۳۱۳۳]: کوئی شخص فرض یا نفل نمازرات کو منفرداً ادا کرتا ہے تو اس کو قرات بالجہر وبالمخافت میں اختیار دیا گیا ہے، باقی وظیفہ صلوۃ مثلاً: "سمع الله لمن حمده" اور "الله أكبر" وغیرہ اختیار ہے یا نہیں؟ جواب مع الدلیل تشریح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ويسن جهر الإمام بالتكبير والتسميع لحاجته إلى الإعلام بالشروع والانتقال، ولاحاجة للمنفرد كالمأموم، اهـ". مراقی الفلاح بر طحطاوی، ص: ۱۵۲(۳)۔ "ماعدا القرأة من الأذكار إن وجب للصلوة كتكبيرة الافتتاح، يجهر به، و كذا ما وضع للعلامة كتكبيرة

(۱) (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۸، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۵، سعید)

"والذكر إن كان وجب للصلاة، فإنه يجهر به كتكبيرة الافتتاح، و ما ليس بفرض فما وُ للعلامة، فإنه يجهر به كتكبيرات الانتقال عند كل خفض و رفع إذا كان إماماً، و أما المنفرد وال فلا يجهران به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني في واجبات الصلوة: ۱/۷۲ رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۷، رشیدیه)

(۳) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲ قدیمی)

الانتقالات للإمام، أما المنفرد والمقتدی، فلا یجهران، الخ". طحطاوی در مختار: ۱/۲۳٤(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ منفرد کو "سمع الله لمن حمده" اور "الله أكبر" آہستہ کہنا چاہیے کیونکہ جہر کی علت اعلام ہے اور یہاں مفقود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵٦/۲/٤ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ٤/صفر/۵٦ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، فصل: یجهر الإمام: ۱/۲۳٤، دار المعرفة بیروت)

"والذكر إن كان وجب للصلاة، فإنه يجهر به كتكبيرة الافتتاح. و ما ليس بفرض فما وُضع للعلامة، فإنه يجهر به كتكبيرات الانتقال عند كل خفض و رفع إذا كان إماماً، و أما المنفرد والمقتدی، فلا يجهران به". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۱/۷۳، رشيديه)

6

باب السترة

(سُترہ کابیان)

راستہ میں بغیر سُترہ کے نماز

سوال[۳۱۳۴]: عام رہ گذر پر اگر سُترہ نہ ہو سکے تو نماز قضا کر دینی چاہیے یا کیا صورت اختیار کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز قضا کر دینا جائز نہیں، اگر سترہ کا انتظام نہ ہو(۱) اور گذرگاہ سے الگ جگہ نہ ہو جیسے کہ بعض دفعہ پلیٹ فارم پر ایسی نوبت آتی ہے تو نماز پھر بھی وقت پر ہی پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۰ھ۔

کیا جنگلہ سترہ کے حکم میں ہے؟

سوال[۳۱۳۵]: مسجد میں سامنے کی بائیں طرف ایک جنگلہ باہر کی زمین سے سترہ گرہ کی اونچائی پر، چار فٹ لمبا اور اڑھائی فٹ چوڑا لگا ہوا ہے اور دوسرا جنگلہ امام کے سامنے محراب میں باہر کی زمین سے ڈیڑھ گز

---

(۱) "(ویغرز ندباً)" قوله ندباً، لحديث: "إذا صلى أحد كم، فليصل إلى سترة، ولا يدع أحداً يمرّبين يديه". رواه الحاكم وأحمد وغيرهما، وصرح في المنية بكراهة تركها، وهي تنزيهيّة. اهـ".

(ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيما: ۶۳۶/۱، سعيد)

"والمستحب لمن يصلي في الصحراء أن ينصب عوداً، أو يضع شيئاً أدناه طول ذراع". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يستحب للصلوة ومايكره: ۸۴/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۳۰/۲، رشيديه)

کی اونچائی پر، سترہ انچ لمبا، گیارہ انچ چوڑا روشنی کے واسطے لگا ہوا ہے، سامنے عام راستہ ہے جہاں جنگلہ لگا ہوا ہے، عورت مرد سامنے سے چلتے ہیں۔ ایسی حالت میں باجماعت یا منفرداً جنگلہ کے سامنے نماز پڑھنے میں نماز میں نقصان تو نہیں آتا؟ حکم شرعی سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جنگلہ کی سلاخیں مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ یعنی دو بالشت کی مقدار اونچی ہیں، نیز انگلی کے برابر موٹی ہیں تو مردوں اور عورتوں کو اس کے سامنے سے گزرنا جب کہ مسجد میں سے جنگلہ کی برابر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، خواہ تنہا ہو خواہ جماعت کے ساتھ، بلا کراہت جائز ہے، اگر سلاخیں مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ نہیں بلکہ کم اونچی ہیں تو ایسی حالت میں قریب ہو کر سامنے سے گزرنا گناہ ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو يعلم أحد كم ما له في أن يمرّ بين يدي أخيه معترضاً في الصلوة، كان لأن يقيم مائة عام خيرٌ له من الخطوة التي خطاها"(١)- وبهذا عُلم أن الكراهة تحريمية لتصريحهم بالإثم، اهـ. المستحب أن يكون مقدارها (أي السترة) ذراعاً فصاعداً، وينبغي أن تكون غلظ الإصبع". بحر، ص: ١٥، ١٦(٢)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (سنن ابن ماجة، ص: ٦٨، كتاب الصلاة، باب المرور بين يدي المصلي، مير محمد كتب خانه، كراچي)

(وصحيح البخاري: ١/٧٣، كتاب الصلاة، باب إثم المار بين يدي المصلي، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ١/١٩٧، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي .... الخ، قديمي)

(وسنن الترمذي: ١/٧٩، كتاب الصلاة، باب في كراهية المرور بين يدي المصلي، سعيد)

(وكذا في أبي داؤد: ١/٨، ١٠٩، ١، كتاب الصلاة، باب ما ينهى عنه من المرور بين يدي المصلي، امداديه)

(٢) (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٢/٢٦، ٣٠، ٣١، رشيديه)

"(ويغرز الإمام، اهـ) وكذا المنفرد .... (سترةً بقدر ذراع) طولاً (وغلظ إصبع). "(قوله: بقدر ذراع): بيانٌ لأقلها، والظاهر أن المراد به ذراع اليد كما صرح به الشافعية، وهو شبران".

(ردالمحتار: ١/٦٣٦، ٦٣٧، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، سعيد) .... =

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ۱۰/۵/۵۵ھ۔

اونچائی پر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنا

سوال[۳۱۳۶]: ایک ہاتھ کی اونچائی پر نماز ادا کی جارہی ہو تو سامنے گذرنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی نمازی کے سامنے سے گذرنا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "والمستحب لمن يصلي في الصحراء أن ينصب بين يديه عوداً، أو يضع شيئاً أدناه طول ذراع اهـ. .... ينبغي أن يكون في غلظ أصبع لقول ابن مسعود: "يجزئ من السترة السهم اهـ". (بدائع الصنائع: ۲/۸۴، كتاب الصلاة، فصل فيما يستحب ويكره فيما، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(أو) مروره (أسفل من الدكان أمام المصلي لو كان يصلي عليها: أي الدكان (بشرط محاذاة بعض أعضاء المار بعض أعضائه، وكذا سطح وسرير وكل مرتفع) دون قامة المارّ، وقيل: دون السترة، كما في غرر الأذكار (وإن أثم المار)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۳۴، ۶۳۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۱۰۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فروع: في الخلاصة، ص: ۳۶۷، سهيل اكيدمي لاهور)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب القرآءة	
	الفصل الأول فی وجوب القرآءة فی الصلوة	
	(قراءت کے واجب ہونے کا بیان)	
۱	قراءت کی فرضیت....................	۲۹
۲	نماز میں کتنی قراءت واجب ہے؟....................	۳۰
۳	نماز میں مقدارِ قراءت....................	۳۱
۴	تین آیت کی مقدار....................	۳۱
۵	محض "بسم اللہ" کی قراءت سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟....................	۳۲
۶	قراءت میں غلطی کی وجہ سے تین تسبیح کے برابر سکتہ....................	۳۴
۷	وتر کی تیسری رکعت میں قراءت کا حکم....................	۳۵
۸	واجب الاعادہ نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں ختمِ سورت کا حکم....................	۳۶

۹	لاحق کی قراءت کا حکم	۳۶
۱۰	جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہونے والے پر بعد والی دو رکعتوں میں قراءت لازم نہیں	۳۷

الفصل الثانی فی کیفیة الجهر والسرّ بالقرآءة

(جہری اور سری قراءت کے احکام کا بیان)

۱۱	تشریحِ جہر و سر	۳۹
۱۲	قراءتِ جہری و سرّی کی حکمت	۳۹
۱۳	جہری و سری میں جہر و سر کی وجہ	۴۰
۱۴	نماز کے سرّی و جہری ہونے کا سبب	۴۱
۱۵	بغیر ضرورت کے زیادہ بلند آواز نماز سے پڑھنا	۴۲
۱۶	جہر و سر کی ادنیٰ مقدار	۴۲
۱۷	سرّی قراءت میں تیز اور جہری میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا	۴۴
۱۸	ترتیل کے ساتھ قراءت	۴۵
۱۹	اپنے جی میں قراءت کرنا	۴۶
۲۰	بغیر آواز قراءت کا حکم	۴۶
۲۱	ہونٹ اور زبان کی حرکت کے بغیر نماز	۴۷
۲۲	نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۴۷
۲۳	ایضاً	۴۹
۲۴	نماز میں سرّی ہونے کا معیار	۴۹
۲۵	"ولا الضالین" میں "لین" کی آواز پست ہونے کا حکم	۴۹
۲۶	فجر کی سنتوں میں قراءت بالجہر	۵۰
۲۷	قراءت کے اخیر لفظ کو رکوع کے ساتھ ملانا	۵۰
۲۸	مقتدی کا سہواً قراءت کرنا	۵۱

الفصل الثالث فی القرآءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قراءت کرنے کا بیان)

۲۹	قراءت خلف الامام	۵۲
۳۰	امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا	۵۳
۳۱	ایضاً	۵۳
۳۲	ایضاً	۵۵
۳۳	قراءتِ فاتحہ خلف الإمام	۵۶
۳۴	ایضاً	۶۲
۳۵	﴿وإذا قرأى القرآن فاستمعوا له﴾ الایة کا شانِ نزول	۶۴
۳۶	قراءتِ فاتحہ خلف الإمام	۶۶
۳۷	قراءتِ فاتحہ خلف الامام	۶۹
۳۸	آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ الخ خاص ہے یا عام؟	۶۹
۳۹	آیت ﴿وإذا قرأ القرآن﴾ الخ سے خارجِ صلوۃ وجوبِ استماع	۷۴

الفصل الرابع فی القراءة المسنونة فی الصلوة

(قراءت کی مقدارِ سنت کا بیان)

۴۰	قراءتِ مسنونہ	۷۶
۴۱	نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم	۷۶
۴۲	مفصلات کو اہتمام سے پڑھنا	۷۷
۴۳	کیا مسنون مقدار سے زیادہ قراءت کرنا مقتدی کی رضامندی کے باوجود مکروہ ہے؟	۷۸
۴۴	مغرب کی نماز طویل، فجر اور عشاء مختصر پڑھانا	۷۹
۴۵	عشاء میں قراءت طویل کرنا	۸۱

۴۶	امام کا فرض نماز میں ختمِ قرآن	۸۲
۴۷	سورتوں میں بڑے اور چھوٹے ہونے کا معیار	۸۳
۴۸	پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرنا	۸۴
۴۹	دوسری رکعت کو پہلی سے طویل کرنا	۸۵
۵۰	دوسری رکعت میں کتنی آیتوں کی زیادتی سے کراہت آئے گی؟	۸۶
۵۱	دوسری رکعت، پہلی رکعت سے کس قدر طویل ہوسکتی ہے؟	۸۷
۵۲	سنت میں دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے طویل ہونا	۸۸
۵۳	مقتدیوں کے کہنے کے مطابق نماز میں سورتیں پڑھنا	۸۸
۵۴	غصہ اور جھنجلاہٹ کی وجہ سے قراءت طویل کرنا	۸۸

الفصل الخامس فی تکرار السورة والآیة وتعددها وترتیبها

(رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعدد اور ترتیب)

۵۵	ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا	۹۰
۵۶	ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا	۹۱
۵۷	ایک رکعت میں متعدد سورتیں درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا	۹۲
۵۸	ہر رکعت میں ایک ہی سورت کو پڑھنا	۹۲
۵۹	ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھنا	۹۳
۶۰	پہلی رکعت میں "سورة الناس" پڑھنے والا دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟	۹۴
۶۱	ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت کو مکرر پڑھنا	۹۵
۶۲	جس کو صرف دو سورتیں یاد ہوں، اس کی نماز کا حکم	۹۵
۶۳	تکرارِ آیت	۹۶
۶۴	﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ کو دوبارہ پڑھنا	۹۷
۶۵	نماز میں پوری سورت سے کچھ کم پڑھنا	۹۸

٦٦	پہلی رکعت میں سورت کا آخر اور دوسری میں سورت کا اول حصہ پڑھنا	٩٩
٦٧	ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا بہتر ہے	١٠٠
٦٨	نماز میں مختلف مقامات سے قراءت کرنا	١٠١
٦٩	ایک سورت شروع کی پھر دوسری سورت کی طرف منتقل ہوگیا	١٠٢
٧٠	دو سورتوں میں فصل	١٠٢
٧١	دو سورتوں کے درمیان فصل	١٠٣
٧٢	چھوٹی سورت کو درمیان میں چھوڑنا	١٠٣
٧٣	پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ پڑھ دی تو پھر کیا کرے؟	١٠٤
٧٤	خلاف ترتیب قراءت اور فتاویٰ دار العلوم کا ایک فتویٰ	١٠٥
٧٥	دو سورتوں کے درمیان ترتیب میں غلطی	١٠٧

بابٌ فی مسائل زَلّۃ القاری

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

٧٦	﴿أولئك هم خير البرية﴾ کے بجائے ﴿لهم جنات تجری﴾ الخ پڑھنا	١٠٩
٧٧	نماز میں معروف کو مجہول پڑھنا	١١٠
٧٨	قراءت میں صیغۂ واحد مؤنث کی جگہ صیغۂ واحد متکلم پڑھنا	١١١
٧٩	جمع متکلم کے الف کو گرانا	١١٢
٨٠	﴿قل هو الله أحد، الله الصمد﴾ کو ملا کر نون قطنی کے ساتھ پڑھنا	١١٢
٨١	بے محل وقف اور مد کرنا	١١٣
٨٢	﴿إنا أعطينا﴾ بغیر مد کے پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے	١١٤
٨٣	﴿فقد ضل﴾ میں "دال" کو "ض" میں ادغام کرکے پڑھنا	١١٥
٨٤	سانس ٹوٹنے کے بعد لوٹ کر نہ پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	١١٦

۸۵	"مذکوراً" اور "کفوراً" کی جگہ "مذکور" اور "کفور" (بغیر الف) کے پڑھنا..........	۱۱۶
۸۶	"زبر" کی جگہ "زیر" یا برعکس پڑھنے سے نماز کا حکم..........	۱۱۷
۸۷	غلط پڑھ کر دوبارہ صحیح پڑھ دینا..........	۱۱۸
۸۸	غلط پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ..........	۱۱۹
۸۹	"للیسریٰ" کی جگہ "للعسریٰ" پڑھنے کے بعد صحیح پڑھنے کا حکم..........	۱۱۹
۹۰	قراءت میں غلطی کے بعد اس کو صحیح پڑھنے سے نماز کا حکم..........	۱۲۰
۹۱	فرض نماز میں اگر غلطی فاحش کی تو اصلاح سے بھی نماز نہ ہوگی..........	۱۲۰
۹۲	غلطی فاحش سے مراد..........	۱۲۱
۹۳	خطائے فاحش سے فسادِ نماز کا حکم..........	۱۲۲
۹۴	نماز میں ایک آیت کا چھوٹنا..........	۱۲۳
۹۵	آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم..........	۱۲۴
۹۶	سورۂ "والطارق" کے کچھ اجزاء چھوٹ جانے سے نماز کا حکم..........	۱۲۵
۹۷	دو آیتوں کا چھوٹ جانا..........	۱۲۵
۹۸	﴿ق والقرآن المجید﴾ کا اعراب..........	۱۲۶
۹۹	دو آیتیں درمیان میں چھوٹ گئیں..........	۱۲۶
۱۰۰	بھول جانے سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم..........	۱۲۷
۱۰۱	ضاد کا مخرج..........	۱۲۷
۱۰۲	ضاد کو ذال وغیرہ پڑھنے کا حکم..........	۱۲۸
۱۰۳	ضاد کو بلفظِ دال پڑھنا..........	۱۲۹
۱۰۴	قواعدِ تجوید کے مطابق لفظ "اللّٰہ" کا تلفظ..........	۱۳۰
۱۰۵	"الحمد" کی جگہ "الھمد" پڑھنا..........	۱۳۰
۱۰۶	"الحمد" کے دال کے پیش کو بڑھانے سے نماز کا حکم..........	۱۳۱
۱۰۷	"نستعین" میں الف کا اضافہ..........	۱۳۱

۱۰۸	"رب العالمین" اور "یوم الدین" کی جگہ "راب العالمین" اور "یاوم الدین" اور	☆
☆	"مستقیم" کی جگہ "مستقیم" پڑھنا	۱۳۲
۱۰۹	"لا یوقنون" کی جگہ "لا یومنون" پڑھ دیا	۱۳۳
۱۱۰	"کافرون" کی جگہ "ظالمون" پڑھ دیا	۱۳۳
۱۱۱	"للیسری" کی جگہ "للعسری" پڑھ دیا	۱۳۴
۱۱۲	"ولم یجدوا" کی جگہ "ولا یجدوا" پڑھنا	۱۳۵
۱۱۳	"لربه" کی جگہ "للانسان" پڑھ دیا	۱۳۵
۱۱۴	"عمل عامل" کی جگہ "عَمَلَ عَمَلٍ" پڑھ دیا	۱۳۶
۱۱۵	"یتلون علیکم آیات ربکم" میں "آیات" کی جگہ "آیاتی" پڑھ دیا	۱۳۶
۱۱۶	"إذا جاء أجلهم" میں صرف "جاء أجلهم" یا "وکان سعیکم" میں صرف "سعیکم" پڑھنا...	۱۳۷
۱۱۷	"جزاءً وفاقاً" کی جگہ "جزاءً من ربك" پڑھ دیا	۱۳۸
۱۱۸	"وجوه یومئذ خاشعة" کے بجائے "وجوه یومئذ ناعمة" پڑھنا	۱۳۸
۱۱۹	"إنما ینهکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین" کی جگہ "لم یقاتلوکم فی الدین" پڑھنا	۱۳۸
۱۲۰	"فأدخلوا ناراً" کی جگہ "فادخلوا" اور "الذین ضل سعیهم" میں "اللّظین" پڑھ دیا....	۱۳۹
۱۲۱	"الإنسانَ" منصوب کی جگہ "الإنسانُ" مرفوع اور "فی أحسن تقویم" کو "ما أحسن	☆
☆	تقویم" پڑھنا	۱۴۱
۱۲۲	"مأکول" بغیر "ل" کے پڑھ دیا	۱۴۲
۱۲۳	"تحضُّون" کے بجائے "تحضَون" پڑھ دیا	۱۴۲
۱۲۴	"أنفسُکم" مرفوع کے بجائے "أنفسَکم" منصوب پڑھ دیا	۱۴۳
۱۲۵	"ہ" کی جگہ "ح" یا برعکس پڑھنا	۱۴۳
۱۲۶	"ولنبلونکم" کی جگہ "ولا نبلونکم" اور "ما أغنی عنه مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا.....	۱۴۴
۱۲۷	"مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا	۱۴۵
۱۲۸	سورۂ جمعہ میں "انفضوا" کی جگہ "انفض" پڑھنے کا حکم	۱۴۶

۱۲۹	"خیراً یرہ" کی جگہ "شراً یرہ" پڑھ دیا	۱۴۶
۱۳۰	"لایملکون منه خطاباً" کی جگہ "إلا خطاباً" پڑھنے کا حکم	۱۴۷
۱۳۱	"سمع اللہ لمن حمدہ" میں "ع" کو زیر کے ساتھ اور "بمصابیح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ پڑھنا	۱۴۷
۱۳۲	سورۂ فجر میں "اکرمن" کی بجائے "اھانن" پڑھنا	۱۵۰

فصل فی الفتح علی الإمام

(امام کو لقمہ دینے کا بیان)

۱۳۳	امام کے بھولنے پر لقمہ دینے کی تفصیل	۱۵۱
۱۳۴	سہو پر امام کو مطلع کرنے کے لئے "سبحان اللہ" کہا جائے یا "اللہ اکبر"؟	۱۵۲
۱۳۵	لقمہ دینا	۱۵۴
۱۳۶	قعدۂ اُولیٰ میں قعدۂ اُولیٰ کے طویل ہونے میں لقمہ دینا	۱۵۵
۱۳۷	نابالغ کا امام کو لقمہ دینا	۱۵۶
۱۳۸	غلط لقمہ دینا	۱۵۶

باب الوتر والقنوت

الفصل الأول فی الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

۱۳۹	تعدادِ رکعاتِ وتر	۱۵۸
۱۴۰	وتر میں سورتوں کی تعیین	۱۶۰
۱۴۱	رمضان کے وتر میں سورۂ قدر	۱۶۱
۱۴۲	عشاء کی نماز تنہا پڑھ کر وتر کو جماعت سے پڑھنا	۱۶۱
۱۴۳	جس نے فرضِ عشاء جماعت سے نہیں پڑھا، کیا وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے؟	۱۶۲

۱۴۴	قنوت کے لئے کانوں تک رفع یدین	۱۶۳
۱۴۵	وتر میں قنوت کے لئے رفع یدین	۱۶۳
۱۴۶	قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانا اور وتر کے بعد "سبحان الملك القدوس" کہنا	۱۶۴
۱۴۷	دعائے قنوت احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟	۱۶۵
۱۴۸	دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص	۱۶۶
۱۴۹	قنوتِ وتر میں تشہد کا پڑھنا	۱۶۷
۱۵۰	دعائے قنوت کے ترک پر لقمہ دینا	۱۶۸
۱۵۱	شافعیہ کا وتر الگ پڑھنا	۱۶۸
۱۵۲	وتر کے بعد دعا	۱۶۹
۱۵۳	وتر میں امامت امام کرائے یا حافظ صاحب؟	۱۶۹

الفصل الثانی فی قنوت النازلة

(قنوتِ نازلہ کا بیان)

۱۵۴	قنوتِ نازلہ	۱۷۱
۱۵۵	قنوتِ نازلہ	۱۷۲
۱۵۶	قنوتِ نازلہ کے متعلق	۱۷۵
۱۵۷	قنوتِ نازلہ میں "دمر دیارھم" کی جگہ دوسرا لفظ	۱۷۶
۱۵۸	قنوتِ نازلہ میں ہاتھوں کے اٹھانے اور آمین پڑھنے کا حکم	۱۷۶
۱۵۹	قنوتِ نازلہ میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے؟	۱۷۸
۱۶۰	قنوتِ نازلہ اور ختمِ یسین کب تک پڑھنی چاہیے؟	۱۷۸
۱۶۱	عام بدامنی کے موقع پر بعد نمازِ فجر آیتِ کریمہ کا ختم	۱۷۹

باب السنن والنوافل

الفصل الأول فی السنن المؤکدة

(سننِ موکدہ کا بیان)

۱۶۲	کیا فجر کی سنتوں کو پڑھے بغیر فرض نماز جائز نہیں؟	۱۸۱
۱۶۳	جماعت کھڑی ہونے پر فجر کی سنت کہاں پڑھے؟	۱۸۲
۱۶۴	جماعت شروع ہوجانے پر فجر کی سنتوں کا حکم	۱۸۳
۱۶۵	جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں	۱۹۱
۱۶۶	سنتیں پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوجائے تو کیا کرے؟	۱۹۳
۱۶۷	اقامت کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم	۱۹۴
۱۶۸	سنتِ فجر کی قضاء	۱۹۵
۱۶۹	سنتِ فجر کو جماعت کے بعد پڑھنا	۱۹۶
۱۷۰	سنت پڑھنے کے دوران خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟	۱۹۷
۱۷۱	ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر فرض کی امامت کرانا	۱۹۷
۱۷۲	ظہر سے پہلے کی چار سنت میں دو پر سلام پھیرنے کا حکم	۱۹۸
۱۷۳	ظہر کی پہلی سنتیں دو سلام سے پڑھنا	۱۹۹
۱۷۴	ظہر کی چار سنتوں کی قضا	۱۹۹
۱۷۵	ظہر میں فرض کے بعد پہلی دو رکعت سنت پڑھی جائے یا فوت شدہ چار؟	۲۰۰
۱۷۶	امام کا مصلے پر ہی سنن ونوافل پڑھنا	۲۰۱
۱۷۷	مسجد میں سنت ادا کرنا	۲۰۱

الفصل الثانی فی سننِ غیر مؤکدة

(سنن غیر موکدہ کا بیان)

۱۷۸	مغرب، عشاء، ظہر کے بعد کی نفلیں	۲۰۳

۱۷۹	ظہر، مغرب، عشاء کے بعد دو نفلیں	۲۰۴
۱۸۰	نوافلِ مغرب میں اوابین کی نیت	۲۰۶
۱۸۱	اوابین کی تعداد	۲۰۶
۱۸۲	عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں یا غیر مؤکدہ؟	۲۰۷
۱۸۳	عشاء سے قبل سنت	۲۰۸
۱۸۴	عشاء سے پہلے سنت کی رکعات کی تعداد	۲۰۸
۱۸۵	عشاء سے پہلے چار سنت	۲۰۹
۱۸۶	عشاء سے پہلے چار رکعات	۲۱۰
۱۸۷	عشاء سے قبل چار رکعت	۲۱۰
۱۸۸	عشاء سے قبل اور بعد سنت	۲۱۲
۱۸۹	عصر کے وقت سنت ونفل	۲۱۵
۱۹۰	سننِ غیرِ مؤکدہ میں چار کی نیت	۲۱۵
۱۹۱	عینِ اذان کے وقت تحیۃ الوضو	۲۱۶
۱۹۲	تحیۃ الوضو میں مختلف نفل نمازوں کی نیت	۲۱۷

الفصل الثالث فی النوافل

(نوافل کا بیان)

۱۹۳	دن میں دو دو نفل کی نیت باندھے یا چار کی؟	۲۱۸
۱۹۴	چار رکعت نفل کی نیت کرکے دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا دو رکعت کی قضاء لازم ہے؟	۲۱۹
۱۹۵	دو دو رکعت نفل کی قضا چار رکعت سے؟	۲۱۹
۱۹۶	شفعہ کسے کہتے ہیں؟	۲۲۱
۱۹۷	بلا عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنا	۲۲۱
۱۹۸	نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا	۲۲۲
۱۹۹	بعد الوتر نفل کا حکم	۲۲۳

۲۰۰	وتر کے بعد زائد نفلیں پڑھنا	۲۲۴
۲۰۱	وتر کے بعد نفل کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟	۲۲۵
۲۰۲	وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟	۲۲۸
۲۰۳	وتر کے بعد کی نفلیں بیٹھ کر پڑھنا	۲۲۹
۲۰۴	وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا	۲۳۱
۲۰۵	ایضاً	۲۳۲

الفصل الرابع فی التهجد

(تہجد کی نماز کا بیان)

۲۰۶	نوافل میں سب سے افضل نماز	۲۳۳
۲۰۷	تہجد کی رکعات	۲۳۳
۲۰۸	وتر کے بعد دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنا	۲۳۴
۲۰۹	عشاء کے بعد دو رکعت بہ نیت تہجد	۲۳۵
۲۱۰	قضائے تہجد	۲۳۵
۲۱۱	ایضاً	۲۳۶
۲۱۲	قضائے تہجد اور نفل نماز میں جہر	۲۳۶
۲۱۳	تہجد کی جماعت	۲۳۷
۲۱۴	تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا	۲۳۷
۲۱۵	ایضاً	۲۳۸
۲۱۶	تہجد کی جماعت اور تداعی کا مطلب	۲۳۸
۲۱۷	طلوعِ فجر کے بعد ادائے فرض سے پہلے نفل پڑھنا	۲۳۹
۲۱۸	شبِ عیدین میں نوافل	۲۴۰
۲۱۹	شبِ براءت میں تہجد کی نماز باجماعت	۲۴۱

7

الفصل الخامس فی صلوۃ النفل بالجماعۃ

(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

۲۲۰	نفل کی جماعت	۲۴۲
۲۲۱	نوافل میں ختمِ قرآن باجماعت	۲۴۳
۲۲۲	جماعتِ نفل علی سبیل التداعی	۲۴۳
۲۲۳	رمضان میں نوافل کی جماعت	۲۴۶
۲۲۴	نوافل میں تداعی	۲۴۸
۲۲۵	حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نوافل جماعت سے ادا کرنا	۲۴۸

الفصل السادس فی صلوۃ التسبیح

(صلوۃِ تسبیح کا بیان)

۲۲۶	صلوۃ التسبیح کا طریقہ	۲۵۰
۲۲۷	ایضاً	۲۵۱
۲۲۸	صلوۃ التسبیح میں عورتوں کی جماعت	۲۵۲
۲۲۹	جماعت کے ساتھ صلوۃ التسبیح	۲۵۲

باب التراویح

الفصل الأول فی صلوۃ التراویح

(تراویح کی نماز کا بیان)

۲۳۰	تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟	۲۵۴
۲۳۱	بیس رکعت تراویح کا ثبوت	۲۵۵
۲۳۲	بیس رکعات تراویح کا ثبوت	۲۵۷

۲۳۳	کیا بیس رکعت تراویح والی حدیث ضعیف ہے؟	۲۵۷
۲۳۴	کیا رکعاتِ تراویح آٹھ ہیں؟	۲۵۸
۲۳۵	تراویح دو دو رکعت کرکے پڑھنا سنت ہے	۲۵۸
۲۳۶	ہر ترویحہ ایک نماز ہے یا مجموعۂ تراویح ایک نماز ہے؟	۲۵۹
۲۳۷	بغیر قعدۂ اُولیٰ کے پڑھنا	۲۶۰
۲۳۸	تراویح ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا	۲۶۳
۲۳۹	فرض سے پہلے تراویح پڑھنا	۲۶۴
۲۴۰	فرض، عشاء اور تراویح گھر میں جماعت سے ادا کرنا	۲۶۵
۲۴۱	سخت گرمی کی وجہ سے خارجِ مسجد میں تراویح پڑھنا	۲۶۶
۲۴۲	مقتدیوں کو آٹھ رکعت پڑھا کر امام کا اپنی تراویح پوری کرنا	۲۶۶
۲۴۳	بیٹھ کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا	۲۶۷
۲۴۴	تراویح میں طویل قیام کی وجہ سے پیر پر سہارا لینا	۲۶۸
۲۴۵	رہی ہوئی تراویح کی نماز جماعت سے ادا کرنا	۲۶۹
۲۴۶	رہی ہوئی تراویح، وتر کے بعد	۲۷۰
۲۴۷	تراویح کو ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ پڑھانا	۲۷۰
۲۴۸	جس نے فرضِ عشاء جماعت سے نہ پڑھی تو وہ تراویح اور وتر کیسے پڑھے؟	۲۷۱
۲۴۹	ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعت، یا دو اماموں کا مل کر تراویح پڑھانا	۲۷۳
۲۵۰	مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز تراویح وغیرہ ادا کرنا	۲۷۳
۲۵۱	عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کی تراویح کی امامت	۲۷۴
۲۵۲	تراویح میں سنت طریقہ سے مقتدی ناخوش ہوں تو کیا حکم ہے؟	۲۷۵
۲۵۳	تراویح میں نابالغ کی امامت	۲۷۵
۲۵۴	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۶
۲۵۵	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۷

۲۵۶	تراویح میں نابالغ کی امامت	۲۷۸
۲۵۷	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۹
۲۵۸	تراویح اور وتر میں عورتوں کی جماعت	۲۷۹
۲۵۹	عورت کی امامت تراویح میں	۲۸۰
۲۶۰	تراویح اور اس کے ضروری مسائل	۲۸۱
۲۶۱	تراویح کا مسنون طریقہ اور تراویح کے منکرات	۲۹۷

الفصل الثانی فی القرآءۃ فی التراویح

(تراویح میں قراءت کی کیفیت کا بیان)

۲۶۲	تراویح میں "بسم اللہ" کی حیثیت	۲۹۹
۲۶۳	تراویح میں ہر سورت پر "بسم اللہ"	۳۰۰
۲۶۴	پہلی رکعت میں "سورۃ الناس" دوسری میں "سورۃ البقرۃ" کا کچھ حصہ	۳۰۳
۲۶۵	تکرارِ فاتحہ	۳۰۳
۲۶۶	ہر سورت کے شروع میں "بسم اللہ"	۳۰۳
۲۶۷	تراویح میں "الم ترکیف" سے پڑھنے کی ترکیب	۳۰۴
۲۶۸	تراویح "الم ترکیف" سے پڑھنا کب اور کیوں ایجاد ہوا؟	۳۰۵
۲۶۹	تراویح "الم ترکیف" سے	۳۰۶
۲۷۰	تراویح "الم ترکیف" سے	۳۰۸
۲۷۱	تراویح میں پارہ "عم" پڑھے یا "الم ترکیف"؟	۳۰۹
۲۷۲	تراویح میں قراءت کی مقدار	۳۱۰
۲۷۳	تراویح میں غلبۂ ظن سے پڑھنا	۳۱۱
۲۷۴	تراویح میں "قل ھو اللہ أحد" تین مرتبہ پڑھنا	۳۱۱

الفصل الثالث فی ختم القرآن فی التراویح

(تراویح میں قرآن ختم کرنے کا بیان)

۲۷۵	تراویح میں ختمِ قرآن کا طریقہ	۳۱۳
۲۷۶	ختمِ قرآن تراویح میں سنت علی الکفایہ ہے	۳۱۴
۲۷۷	امام کا دومرتبہ تراویح میں ختم کرنا	۳۱۵
۲۷۸	ختمِ قرآن کے موقع پر آیاتِ متفرقہ بلاترتیب پڑھنا	۳۱۶
۲۷۹	ختمِ قرآن سورۃ الناس پر یا سورۃ البقرہ کی آیتوں پر؟	۳۱۷
۲۸۰	تراویح میں چھوٹا ہوا قرآن پورا کرنے کی ترکیب	۳۱۸
۲۸۱	اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا	۳۱۹
۲۸۲	اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ پڑھنا	۳۲۰
۲۸۳	ختمِ تراویح کی بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھنا	۳۲۱
۲۸۴	ختمِ تراویح میں خلافِ ترتیب قراءت	۳۲۲
۲۸۵	امام کو ختمِ تراویح میں لقمہ دینا	۳۲۳
۲۸۶	امام تراویح میں غلط پڑھے اور سامع نہ ہو تو کیا کیا جائے؟	۳۲۳
۲۸۷	جس حافظ کو قرآن صحیح یاد نہ ہو اس کی امامتِ تراویح	۳۲۶
۲۸۸	شبینہ مروجہ	۳۲۶
۲۸۹	لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ	۳۳۱
۲۹۰	شبینہ	۳۳۳
۲۹۱	شبینہ وقتِ عشاء اور تراویح	۳۳۵
۲۹۲	شبینہ کا حکم	۳۳۷
۲۹۳	لیلۃ القدر میں تنہا عبادت افضل ہے یا شبینہ میں شرکت کرنا	۳۳۹
۲۹۴	ختمِ قرآن کے موقع پر پانی وغیرہ دم کرنا	۳۴۰

۲۹۵	ختمِ تراویح پر مٹھائی وغیرہ کے لئے چندہ دینا........	۳۴۱
۲۹۶	ختمِ تراویح میں چراغاں اور امام صاحب کی خدمت کے لئے چندہ دینا........	۳۴۲

الفصل الرابع فی الترویحة وتسبیحها

(ترویحہ اور اس کی تسبیح کا بیان)

۲۹۷	ہر ترویحہ کے ختم پر کیا پڑھے؟........	۳۴۳
۲۹۸	تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعا........	۳۴۴
۲۹۹	ہر ترویحہ میں دعا........	۳۴۵
۳۰۰	ایضاً........	۳۴۶
۳۰۱	ہر ترویحہ کے بعد دعا........	۳۴۶
۳۰۲	ایضاً........	۳۴۷
۳۰۳	ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا........	۳۴۸
۳۰۴	ہر دو رکعت پر تسبیح........	۳۴۹
۳۰۵	تراویح میں تسبیحات........	۳۴۹
۳۰۶	جہراً ترویحہ کی تسبیح........	۳۵۰
۳۰۷	بلند آواز سے ترویحہ کی تسبیح........	۳۵۱
۳۰۸	ترویحات میں کیا پڑھے؟........	۳۵۱
۳۰۹	دو ترویحوں کے درمیان کیا کرے؟........	۳۵۳
۳۱۰	تراویح کی دو رکعت پر درود شریف اور چار پر تسبیح........	۳۵۶
۳۱۱	ہر ترویحہ پر "صلوة بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" کہنا........	۳۵۹
۳۱۲	ہر ترویحہ میں خلفائے راشدین کے نام........	۳۶۰
۳۱۳	چار ترویحوں پر خلفاء کے نام........	۳۶۱
۳۱۴	ترویحہ میں احادیث سنانا........	۳۶۱
۳۱۵	ختمِ تراویح پر دعا........	۳۶۲

باب قضاء الفوائت

(قضا نمازوں کا بیان)

۳۱۶	قضا نمازوں کو ادا کرنے کا طریقہ	۳۶۴
۳۱۷	قضا نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ	۳۶۵
۳۱۸	وتر کی قضا کا طریقہ	۳۶۶
۳۱۹	قضا اور ادا نماز میں فرق	۳۶۶
۳۲۰	قضا بنیتِ ادا	۳۶۷
۳۲۱	ایضاً	۳۶۸
۳۲۲	جس نماز کی ادا کرتے وقت خبر نہ ہو، اس کی قضا	۳۶۸
۳۲۳	مغرب و وتر کے اعادہ کے وقت چار رکعت پڑھنا	۳۶۸
۳۲۴	کئی سالوں سے غلط پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ	۳۶۹
۳۲۵	وقت کے اندر بالغ ہوجانے کے بعد پڑھی ہوئی نماز کی قضا	۳۷۰
۳۲۶	احتلام یاد نہیں تو نماز کب سے لوٹائے؟	۳۷۱
۳۲۷	دارالعلوم کے ایک فتویٰ پر اشکال اور اس کا جواب	۳۷۲
۳۲۸	وقت کے اندر نابالغ کا بالغ ہونا اور بہشتی گوہر کی ایک عبارت	۳۷۴
۳۲۹	ایک دو وقت کی نماز قضا ہوجانے سے آدمی صاحبِ ترتیب رہ جاتا ہے یا نہیں؟	۳۷۶
۳۳۰	غیر صاحب ترتیب کا وقت معین کر کے قضا نماز پڑھنا	۳۷۷
۳۳۱	صاحبِ ترتیب نماز جمعہ پڑھے یا فوت شدہ پڑھے؟	۳۷۸
۳۳۲	فوائتِ قدیمہ اور فائتہ جدیدہ میں ترتیب	۳۷۹
۳۳۳	فائتہ یاد ہوتے ہوئے وقتی فرض پڑھنے کے متعلق مفتی بہ قول	۳۷۹
۳۳۴	جہل سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟	۳۸۱

۳۳۵	نفل نماز با جماعت قضائے عمری کے لئے	۳۸۲
۳۳۶	رمضان میں جماعت کے ساتھ قضائے عمری	۳۸۳
۳۳۷	قضائے عمری کی نیت	۳۸۴
۳۳۸	نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھنی چاہیے	۳۸۴
۳۳۹	جس کی قضا نمازیں باقی ہوں، کیا وہ نوافل نہ پڑھے؟	۳۸۵
۳۴۰	قضا نمازوں کے لئے ایک موضوع دعا	۳۸۶
۳۴۱	شکار کی وجہ سے نماز قضا کرنا	۳۸۷

فصل فی فدیة الفوائت

(قضا نمازوں کے فدیہ کا بیان)

۳۴۲	فدیہ نماز کی تفصیل	۳۸۸
۳۴۳	نماز اور روزہ کا فدیہ	۳۸۹
۳۴۴	نماز اور روزہ کے فدیہ کی ادائیگی	۳۹۰
۳۴۵	قضا نماز اور اس کا فدیہ اور حیلہ	۳۹۱
۳۴۶	مرض الموت کی نمازوں کے فدیہ کا حکم	۳۹۳
۳۴۷	صوم وصلوۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق	۳۹۴
۳۴۸	فدیہ صوم وصلوۃ	۳۹۸
۳۴۹	نماز کا فدیہ شیعہ کو دینا	۴۰۱
۳۵۰	ایک نماز نفل سے نمازوں کی قضا وکفارہ	۴۰۲

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

۳۵۱	تکبیر تحریمہ آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں	۴۰۴
۳۵۲	ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟	۴۰۵

۳۵۳	سری نماز میں سورۂ فاتحہ کو جہراً اور جہری نماز میں سراً پڑھنے کا حکم	۴۰۵
۳۵۴	یاد آنے یا لقمہ دینے کے بعد جہر کہاں سے شروع کرے اور سجدۂ سہو کا حکم	۴۰۶
۳۵۵	منفرد کا جہری نماز کی تیسری و چوتھی رکعت میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو	۴۰۶
۳۵۶	تیسری رکعت میں "الحمد" جہراً پڑھ دی	۴۰۷
۳۵۷	نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟	۴۰۸
۳۵۸	تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۰۸
۳۵۹	ایضاً	۴۰۹
۳۶۰	"الحمد" کی جگہ "التحیات" پڑھ لی	۴۱۰
۳۶۱	قراءت میں متشابہ کی وجہ سے سجدۂ سہو	۴۱۰
۳۶۲	قیام میں تشہد سے سجدۂ سہو	۴۱۱
۳۶۳	پہلی رکعت میں بیٹھ کر فوراً کھڑا ہو گیا	۴۱۱
۳۶۴	چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا	۴۱۲
۳۶۵	دو رکعتوں میں سورت بھول جانے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۱۳
۳۶۶	قراءت کی غلطی سے سجدۂ سہو	۴۱۴
۳۶۷	رکوع کے بجائے سجدہ میں جانے سے سجدۂ سہو	۴۱۴
۳۶۸	سجدۂ تلاوت مؤخر کرنے سے سجدۂ سہو	۴۱۵
۳۶۹	بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں جانا، پھر اٹھنا	۴۱۶
۳۷۰	رکوع، سجدہ کی تسبیح بدلنے سے سجدۂ سہو	۴۱۶
۳۷۱	دعائے قنوت بھول کر رکوع کرنے سے سجدۂ سہو	۴۱۷
۳۷۲	سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا	۴۱۸
۳۷۳	سجدہ میں "بسم اللہ"	۴۱۸
۳۷۴	ایک سجدہ بھول گیا تو اس کو کب ادا کرے؟	۴۱۹
۳۷۵	ایک سجدہ بھول گیا، کیا سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی؟	۴۲۰

۳۷۶	قومہ کی دعاء کے بجائے جلسہ کی دعا سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۰
۳۷۷	قعدۂ اُولیٰ بھولنے اور تیسری رکعت میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو	۴۲۱
۳۷۸	قعدۂ اُولیٰ ترک کرنے سے نماز کا حکم	۴۲۲
۳۷۹	قعدۂ اُولیٰ بھول کر کھڑا ہونا، پھر بیٹھ جانا	۴۲۲
۳۸۰	قعدۂ اُولیٰ میں تشہد کے بعد کچھ پڑھنے سے سجدۂ سہو	۴۲۳
۳۸۱	سنت و وتر میں قعدۂ اُولیٰ میں درود کا حکم	۴۲۴
۳۸۲	سنن ونوافل میں قعدۂ اُولیٰ کے ترک ہونے سے سجدۂ سہو	۴۲۴
۳۸۳	دو رکعت پر بجائے بیٹھنے کے بھول کر کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو	۴۲۶
۳۸۴	قعدۂ اُولیٰ یا اُخریٰ بھول کر کھڑے ہونے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۷
۳۸۵	قعدۂ اخیرہ میں "التحیات" کے بعد کھڑے ہونے کا حکم	۴۲۸
۳۸۶	قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونا	۴۲۹
۳۸۷	قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۹
۳۸۸	چار رکعت والی نماز میں پانچویں کے لئے کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو	۴۳۰
۳۸۹	پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو جانے سے سجدۂ سہو	۴۳۱
۳۹۰	مغرب کی تیسری رکعت میں قعدہ کے بعد چوتھی کے لئے کھڑا ہونا	۴۳۱
۳۹۱	تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو	۴۳۲
۳۹۲	چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد امام کا سجدۂ سہو کرنا	۴۳۳
۳۹۳	دعائے قنوت یا "التحیات" سے پہلے "بسم اللّٰہ" پڑھنا	۴۳۳
۳۹۴	قیام سے قعود کی طرف رجوع کرنے سے سجدۂ سہو	۴۳۴
۳۹۵	تشہد مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو	۴۳۵
۳۹۶	سجدۂ سہو کے بعد قیام کر لیا	۴۳۵
۳۹۷	سجدۂ سہو کے بعد درود بھی پڑھا جائے یا نہیں؟	۴۳۶

۳۹۸	سجدۂ سہو کے بعد والے قعدہ میں شرکت کرنے والے کی اقتداء درست ہے	۴۳۶
۳۹۹	دو رکعت کی نیت کے بعد تین یا چار پڑھنے کی مختلف صورتیں	۴۳۷
۴۰۰	نفل کو فرض کے ساتھ ملانے سے سجدۂ سہو	۴۴۱
۴۰۱	پہلی رکعت کا سجدہ بھول کر دوسری رکعت میں کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۴۵
۴۰۲	نماز میں کوئی واجب ترک ہوگیا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟	۴۴۷
۴۰۳	ترکِ واجب میں شبہ	۴۴۷
۴۰۴	واجب اور سنت کے عدمِ اہتمام سے سجدۂ سہو	۴۴۸
۴۰۵	سہو ہونے کے گمان پر سجدۂ سہو کرنا	۴۴۸
۴۰۶	گمان سے سجدۂ سہو کرنا	۴۵۱
۴۰۷	بھول کر سلام پھیرنے کے بعد تکمیلِ صلوۃ	۴۵۲
۴۰۸	بجائے "السلام" کے "اللّٰہ اکبر" کے ذریعے نماز ختم کرنے سے سجدہ سہو	۴۵۳
۴۰۹	امام کو سجدۂ سہو میں سہو ہوگیا، تو مقتدی کیا کریں؟	۴۵۳
۴۱۰	امام سے پہلے مقتدی کا سجدۂ سہو	۴۵۴
۴۱۱	سجدۂ سہو کیا، پھر معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں تھا	۴۵۴
۴۱۲	جماعتِ کثیرہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہے	۴۵۵
۴۱۳	نمازِ جمعہ میں سجدۂ سہو	۴۵۶
۴۱۴	جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو	۴۵۷
۴۱۵	سجدۂ سہو نمازِ عید میں	۴۵۸
۴۱۶	نمازِ عید میں اگر تکبیرات بھول جائیں تو کیا کیا جائے؟	۴۵۸
۴۱۷	نمازِ عیدین میں تکبیرِ زائد کہنے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۵۸
۴۱۸	تکبیراتِ عید بھول گیا	۴۵۹
۴۱۹	سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورت میں سجدہ نہ کیا جائے تو اعادۂ نماز کا حکم	۴۶۰

باب سجود التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے احکام کا بیان)

۴۲۰	آیتِ سجدہ کی تفصیل	۴۶۲
۴۲۱	بھول کر سجدۂ تلاوت کی بجائے رکوع کرنا	۴۶۳
۴۲۲	رکوع میں سجدۂ تلاوت	۴۶۴
۴۲۳	سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنا	۴۶۵
۴۲۴	ایضاً	۴۶۶
۴۲۵	آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع وسجدہ کر دیا جائے	۴۶۶
۴۲۶	سجدۂ تلاوت سجدۂ نماز سے	۴۶۷
۴۲۷	سجدۂ تلاوت میں تاخیر	۴۶۷
۴۲۸	بوقتِ غروب سجدۂ تلاوت	۴۶۸
۴۲۹	سجدۂ تلاوت کی قضا	۴۶۹
۴۳۰	آیتِ سجدہ دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم	۴۷۰
۴۳۱	سورۂ "ص" میں سجدہ کس آیت پر ہے؟	۴۷۱
۴۳۲	ریڈیو پر تلاوت سے سجدۂ تلاوت	۴۷۱
۴۳۳	ریڈیو اور ٹیپ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب	۴۷۲
۴۳۴	ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت	۴۷۳
۴۳۵	کیسٹ کے ذریعے قرآن پاک پڑھنا اور سجدۂ تلاوت	۴۷۳
۴۳۶	گراموفون میں قرآن شریف سننے سے سجدۂ تلاوت	۴۷۴
۴۳۷	سجدۂ شکر	۴۷۵

باب صلوۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

۴۳۸	سفر کی ابتداء وطن کے آخری گھر سے ہوگی	۴۷۶
۴۳۹	آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسافتِ سفر کا باقی نہ رہنا	۴۷۶
۴۴۰	مسافتِ شرعیہ	۴۷۷
۴۴۱	کیا ۴۸/میل طے کرنے کے بعد قصر کا حکم ہے یا اس سے پہلے بھی قصر جائز ہے؟	۴۷۹
۴۴۲	پندرہ دن قیام کی نیت سے چلنے والا راستہ میں قصر کرے یا نہیں؟	۴۸۰
۴۴۳	مسافتِ قصر کی مقدار	۴۸۱
۴۴۴	۴۸/میل کی مسافت میں صرف جانے کا اعتبار ہے یا آنے جانے دونوں کا؟	۴۸۲
۴۴۵	مسافتِ قصر	۴۸۳
۴۴۶	آدمی کب مسافر شمار ہوتا ہے؟	۴۸۴
۴۴۷	۴۲/میل کا سفر شرعی سفر نہیں	۴۸۵
۴۴۸	مسافر قصر کب سے کرے؟	۴۸۵
۴۴۹	مسافتِ سفر سے کم میں قصر نہیں	۴۸۷
۴۵۰	میرٹھ سے مظفر نگر تک مسافتِ سفر نہیں	۴۸۷
۴۵۱	مسافتِ سفر پہاڑ میں	۴۸۸
۴۵۲	ملاح مقیم ہیں یا مسافر؟	۴۸۹
۴۵۳	سفر غیر شرعی کے درمیان سے شرعی کی نیت کرنا	۴۹۰
۴۵۴	وطنِ اصلی کب باطل ہوتا ہے؟	۴۹۱
۴۵۵	وطنِ اصلی دو جگہ	۴۹۲
۴۵۶	وطنِ اقامت	۴۹۳
۴۵۷	وطنِ اقامت میں قصر	۴۹۴

۴۵۸	وطنِ اقامت کیسے باطل ہو جاتا ہے؟	۴۹۵
۴۵۹	داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟	۴۹۵
۴۶۰	ایضاً	۴۹۶
۴۶۱	سسرال میں قصر کی جائے یا اتمام؟	۴۹۸
۴۶۲	متبنیٰ ہونے سے وطنِ اصلی نہیں بنتا	۴۹۹
۴۶۳	داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟	۵۰۰
۴۶۴	عورت میکہ میں اتمام کرے گی یا قصر؟	۵۰۱
۴۶۵	حالتِ سفر میں حیض اور بہشتی زیور کی عبارت کی وضاحت	۵۰۱
۴۶۶	سفر میں بے وضو پڑھی گئی واجب الاعادہ نماز میں قصر کا حکم	۵۰۳
۴۶۷	سفر میں قصر واتمام کی صورتیں	۵۰۳
۴۶۸	قصر واتمام	۵۰۵
۴۶۹	مسافر کو اتمام	۵۰۷
۴۷۰	ایضاً	۵۰۸
۴۷۱	امام مسافر کا اتمام کرنا	۵۰۹
۴۷۲	امام مسافر نے اتمام کرلیا تو کیا حکم ہے؟	۵۱۱
۴۷۳	ایضاً	۵۱۲
۴۷۴	نمازِ قصر	۵۱۳
۴۷۵	مسافر اگر اُسی روز لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ قصر کرے گا؟	۵۱۴
۴۷۶	مسافر کے حق میں سننِ رواتب کا حکم	۵۱۴
۴۷۷	سفر میں سنتوں کا قصر	۵۱۵
۴۷۸	سفر میں سنتیں	۵۱۷
۴۷۹	مسافر کے لئے جمعہ، تراویح اور قصر	۵۱۷
۴۸۰	فتاویٰ دار العلوم میں نمازِ قصر سے متعلق تعارض کا رفع	۵۱۹

۴۸۱	ریلوے ملازم کے لئے قصر نماز کا حکم	۵۲۰
۴۸۲	ریل اور جہاز کے اسٹیشن میں کیا نماز میں قصر ہوگا؟	۵۲۲
۴۸۳	مقیم اور مسافر کی مسافر کے پیچھے اقتداء	۵۲۲
۴۸۴	مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز	۵۲۴
۴۸۵	مسبوق کی نماز، مسافر امام کے پیچھے	۵۲۴
۴۸۶	مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کی نماز	۵۲۵
۴۸۷	مقیم مسبوق مسافر امام کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟	۵۲۷
۴۸۸	مسافر مقتدی کا مسافر امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کر کے اقتداء کرنا	۵۲۷
۴۸۹	مقتدی مسافر کا امام مقیم کی اقتداء میں قصر کی نیت کرنا	۵۲۸
۴۹۰	مقتدی مقیم مسبوق اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟	۵۲۹
۴۹۱	ریل میں ہجوم کے وقت نماز کا حکم	۵۳۰
۴۹۲	ٹرین میں نماز پڑھنے کا طریقہ	۵۳۱
۴۹۳	ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ	۵۳۱
۴۹۴	بس میں اشارہ سے نماز پڑھنا	۵۳۲
۴۹۵	ہوائی جہاز میں نماز	۵۳۳
۴۹۶	بہلی میں نماز	۵۳۴
۴۹۷	مغرب کی نماز کے لئے سفر کر کے مخصوص مسجد میں جانا	۵۳۵
۴۹۸	کسی خاص مسجد میں کوئی نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا	۵۳۵
۴۹۹	دورانِ سفر وطنِ اقامت سے گزرنا، سفر کے پیشِ نظر تنہا نماز پڑھنا	۵۳۶
۵۰۰	سفر کے چند ضروری مسائل	۵۳۸
۵۰۱	عذر کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا	۵۳۸
۵۰۲	ریل میں بھیڑ کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا	۵۳۸
۵۰۳	ریل میں استقبال ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے	۵۳۸

۵۰۴	چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	۵۳۹
۵۰۵	پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے ہوئے ریل چل پڑے تو نماز توڑ دی جائے یا نہیں؟	۵۳۹
۵۰۶	بس میں نماز کس طرح پڑھی جائے؟	۵۳۹
۵۰۷	بس میں نماز پڑھنے کے لئے ایک امکانی صورت	۵۳۹
۵۰۸	ریل میں لوگوں کو ہٹا کر نماز پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟	۵۴۰
۵۰۹	ریل میں تیمّم کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کیا جائے؟	۵۴۰
۵۱۰	عینِ مغرب کے وقت اپنے وطن میں داخل ہونے والا عصر کی نماز دو رکعت پڑھے یا چار؟	۵۴۰
۵۱۱	بڑے شہروں میں اپنے محلہ سے نکلنے سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے یا حدودِ شہر کو پار کر کے؟	۵۴۰
۵۱۲	ریل میں احتلام ہونے کی صورت میں غسل کے لئے کیا کیا جائے؟	۵۴۰

باب صلوۃ المریض

(مریض کی نماز کا بیان)

۵۱۳	عبادات کس شخص سے معاف ہیں؟	۵۴۵
۵۱۴	معذور کی تعریف اور اس کا حکم	۵۴۶
۵۱۵	معذور کی نماز و امامت	۵۴۸
۵۱۶	صاحبِ جریان کی نماز و امامت	۵۵۰
۵۱۷	معذور تیمّم اور اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟	۵۵۳
۵۱۸	آنکھ کے آپریشن میں نماز کا حکم	۵۵۴
۵۱۹	ایضاً	۵۵۷
۵۲۰	فوطہ کے آپریشن کی وجہ سے نماز لیٹے لیٹے پڑھنا	۵۵۸
۵۲۱	آنکھ کے اشارے سے نماز	۵۵۹

۵۲۲	اعرج کی نماز کا طریقہ	۵۶۰
۵۲۳	معذور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا	۵۶۳
۵۲۴	رحم میں دوا رکھ کر نماز پڑھنا	۵۶۳
۵۲۵	قطرہ آنے کی حالت میں نماز	۵۶۴
۵۲۶	معذور کے لئے صف کے کنارہ پر ہونا ضروری نہیں	۵۶۴
۵۲۷	معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا	۵۶۵
۵۲۸	مریض زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟	۵۶۶

باب المتفرقات

۵۲۹	عشاء کی نماز سے پہلے سونا	۵۶۸
۵۳۰	سوئے ہوئے کو نماز کے لئے جگانا	۵۶۹
۵۳۱	نماز کے بعد دعا سے پہلے مسجد کے لئے روپیہ وصول کرنا	۵۶۹
۵۳۲	برہنہ غسل کے وضو سے نماز درست ہے یا نہیں؟	۵۷۰

☆......☆......☆

7

باب القرآءة

الفصل الأول فی وجوب القرآءة فی الصلوة

(قراءت کے واجب ہونے کا بیان)

قراءت کی فرضیت

سوال[۲۱۳۷]: چار رکعت فرض کی پہلی دو رکعت میں قراءت کرنا واجب ہے، مالا بدمنہ میں اس کو واجبات نماز میں شمار کیا ہے(۱)، تو کیا یہ واجبات نماز میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار رکعت فرض کی پہلی دو رکعت میں سورت ملانا واجب ہے:

فی مراقی الفلاح: "والثانی ضمّ سورة قصیرة أوثلاث آیات قصار .... فی رکعتین غیر متعینتین من الفرض غیر الثنائی، وفی جمیع الثنائی"(۲)۔ وفی الهدایة: "والقراءة فی الفرض واجبة فی الرکعتین"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۱۲ھ۔

---

(۱) ونزدِ امام اعظم رحمه الله تعالیٰ قرآت در دو رکعت از رکعاتِ فرائضِ خمسه فرض است". (مالا بدمنه، کتاب الصلوة، فصل در ارکان نماز ....، ص: ۲۹، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی واجبات الصلاة، ص: ۲۴۸، قدیمی)

(۳) (الهدایة، باب صفة الصلاة: ۱۱۱/۱، مکتبه شرکة علمیة، ملتان)

"قال رحمه الله: (وتعیین القراءة فی الأولیین) لقول علی بن أبی طالب رضی الله عنه: "القراءة فی الأولیین قراءة فی الأخریین". وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، وعائشة رضی الله تعالیٰ عنها التخیر فی الأخریین: "إن شاء قرأ، وإن شاء سبّح". (تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۲۷۵/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، مطلب: کل شفع من النفل صلاة: ۴۵۹/۱، سعید)

نماز میں کتنی قرأت واجب ہے؟

سوال[۲۱۳۸]: نماز میں سورت کا ملانا واجب ہے، سوال یہ ہے کہ کتنا ملانا واجب ہے؟ آیا تین چھوٹی آیت ملانا واجب ہے یا ایک بڑی آیت بھی کافی ہے؟ اور ایک بڑی آیت کس کو کہتے ہیں ایک بڑی آیت میں کتنے لفظ ہونا چاہیے جس سے اس کو بڑی آیت کہہ سکیں؟

محمد احمد صدیقی، ضلع پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک سورت ملائے یا تین چھوٹی آیت ملائے کہ مجموعہ تین آیات میں کم از کم تیس حروف ہوں جیسے ﴿ثم نظر، ثم عبس وبسر، ثم أدبروا استكبر﴾ یا ایک بڑی آیت ملائے، جیسے آیة الکرسی یا آیة المداینہ۔ اگر اتنی مقدار پڑھے کہ تیس حروف ہوجائیں تب بھی کفایت ہوجائے گی، هكذا في ردالمحتار: ۳۶۱/۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲/محرم/۷۰ھ۔

---

(۱) "(قوله: تعدل ثلاثاً قصاراً) أي مثل "ثم نظر" الخ، وهي ثلاثون حرفاً. فلوقرأ آيةً طويلةً قدر ثلاثين حرفاً، يكون قدأتى بقدر ثلاث آيات...... (قوله: ذكره الحلبي) ...... وإن قرأثلاث آيات قصار أوكانت الآية أوالآيتان تعدل ثلاث آيات قصار، خرج عن حدّ الكراهة المذكورة يعني كراهة التحريم.......... اهـ.

وفي التاتر خانية: لوقرأ آيةً طويلةً كآية الكرسي أوالمداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة، قيل: لايجوز؛ لأنه ماقرأ آيةً تامةً في كل ركعة. وعامتهم على أنه يجوز؛ لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أويعدلها، فلاتكون قراءته أقلّ من ثلاث آيات. وهذا يفيدان بعض الآية كالآية في أنه إذا بلغ قدر ثلاث آيات قصار يكفي". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، ولهاواجبات: ۴۵۸/۱، ۴۵۹، سعيد)

"(قوله: وضم سورة)، وعندالأئمة الثلاثة سنةٌ. ولنا رواية الترمذي مرفوعاً: "لاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة في فريضة أوغيرها". أطلق السورة وأرادبها ثلاث آيات؛ لأن أقل سورة في كتاب الله تعالىٰ ثلاث آيات قصار كسورة ﴿إنا أعطينك الكوثر﴾ .... : (وقراءة الفاتحة وسورة وثلاث آيات) .... والثلاث آيات قصار تقوم مقام السورة في الإعجاز، فكذا هنا، وكذا الآية الطويلة تقوم =

نماز میں مقدارِ قراءت

سوال[۳۱۳۹]: نماز میں کتنی مقدارِ قرأت فرض، کتنی واجب اور کتنی سنت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک آیت کی مقدار فرض ہے، الحمد اور کوئی سورت یا تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ واجب ہے۔ حضر میں مفصلات کا پڑھنا سنت ہے یعنی فجر وظہر میں سورۂ حجرات سے آخرِ بروج تک کوئی سورت اور عصر وعشاء میں اس کے بعد سے "لم یکن" تک اور مغرب میں اس کے بعد سے ختم تک، اس کے علاوہ بھی کبھی کبھی مخصوص سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، لیکن مقتدیوں کے حال اور وقت کی رعایت لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تین آیت کی مقدار

سوال[۳۱۴۰]: امام صاحب نے تراویح کی اول رکعت میں فاتحہ کے بعد ﴿خلق الإنسان من صلصال كالفخار، وخلق الجان من مارج من نار. فبأيّ آلاء ربكما تكذبان﴾ اور دوم رکعت میں فاتحہ کے بعد ﴿رب المشرقين و رب المغربين. فبأيّ آلاء ربكما تكذبان﴾ پڑھ کر نماز پوری کی۔ اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

= مقامها". (البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۱/ ۵۱۶، ۵۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/ ۷۱، رشيديه)

(۱) "(وفرض القراءة آيةٌ على المذهب) ......أقلها ستة أحرف ولو تقديراً "كلَمْ يَلِد". .... وقرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقاً؛ لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبي .... (ويسن في السفر مطلق الفاتحة) وجوباً (وأيّ سورة شاء) وفي الضرورة بقدر الحال. (و) يسن (في الحضر طوال المفصل) من الحجرات إلى آخر البروج (في الفجر والظهر، و) منها إلى آخر "لم يكن". (أوساطه في العصر والعشاء، و) باقيه (قصاره في المغرب): أي في كل ركعة سورةً مما ذُكر، ذكره الحلبي. واختار في البدائع عدم التقدير، وأنه يختلف بالوقت والقوم والإمام". (الدر المختار، فصل في القراءة : ۱/ ۵۳۷، ۵۴۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۱/ ۵۹۱، ۵۹۳، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی بلکہ درست ہوگئی:

"وضمّ أقصر سورة "كالكوثر"، أو ماقام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو: ﴿ثم نظر، ثم عبس وبسر، ثم أدبر واستكبر﴾، وكذالو كانت الآية أو آيتان تعدل ثلاثاً قصاراً، اه". درمختار۔ "(قوله: تعدل ثلاثاً قصاراً): أى مثل ﴿ثم نظر﴾ الخ، وهى ثلاثون حرفاً، فلوقرأ اٰيةً طويلةً قدر ثلاثين حرفاً، يكون قد أتى بقدر ثلاث ايات، لكن سيأتى فى فصل يجهر الإمام أن فرض القرأة اية وأن الآية عرفا طائفة من القران مترجمة أقلها ستة أحرف ولو تقديراً "كلَمْ يَلِد" إلا إذا كانت كلمةً، فالأصح عدم الصحة اهـ، و مقتضاه أنه قرأ اٰيةً طويلةً قدر ثمانية عشر حرفاً، يكون قد أتى بقدر ثلاث ايات، اه". شامی: ۱/۴۲۷(۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/محرم سنہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱/ ۶۷ھ۔

محض بسم اللہ کی قرأت سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

سوال[۳۱۴۱]: کسی شخص نے محض تسمیہ سے نماز پڑھی، تمام اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جائز نہیں ہوگی، باوجودیکہ ہمارے امام صاحب سے ایک روایت جوازِ صلوٰۃ کے بارے میں موجود ہے، کما فی شرح الجامع الصغير: "أمّا قولُهُم: بشبهةٍ فى كونها اٰيةً تامةً". اس عبارت سے عدمِ جوازِ صلوٰۃ مفید نہیں:

"لأنهم مع أنه لوقرأ اٰيةً طويلةً فى كل ركعة بعضها عامة علىٰ أنه يجوز الصلوة، و فى الكافى: وهو الأصح. ماقيل من أن الأولىٰ أن يعلل عدم الجواز بالشبهة فى القرانية، فليس بشيء؛ لأنها عند المتأخرين قران قطعاً، فكيف يعلل عدمه بالشبهة فيها عندهم؟ وأما قولهم: إنما هو لقوة شبهة فى ذٰلك".

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة : ۱/۴۵۸، سعيد)

(وأيضاً راجع، ص: ۳۰، رقم الحاشية: ۱)

علامہ تفتازانی اپنے کلام سے اس کا مفہوم شرح الشرح میں تحریر فرماتے ہیں: "إن المراد من قوة الشبهة قوتهما عند هم من يتمسك بها، وهو غير شديد؛ لأنه يلزم أن لا يكفر أحد حتى الكفار الغير المعاندين أيضاً، وقد كفر الإمام الحكماء أن لهم فيه شبهات في غاية القوة عندهم"۔

منکرِ تسمیہ کو کافر کیوں نہیں قرار دیتے؟ بدلائلِ عقلی ونقلی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"وهي اية من القران، أنزلت للفصل بين السور، فما في "النمل" بعض اياته إجماعاً، وليست من الفاتحة، ولا من كل سورة في الأصح، فتحرم على الجنب، ولم تجز الصلوة بها احتياطاً، ولم يكفر جاحدها بشبه اختلاف مالك فيها، اه". درمختار"۔ "(قوله: وهي اية): أي خلافاً لقول مالك وبعض أصحابنا: إنها ليست من القران أصلاً. قال القهستاني: ولم يوجد مافي حواشي الكشاف والتلويح أنها ليست من القران في المشهور من مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى، اه: أي بل هو قولٌ ضعيفٌ عندنا"۔

(قوله: وليست من الفاتحة)، قال في النهر: فيه ردٌّ لقول الحلواني: أكثر المشايخ علىٰ أنها من الفاتحة، ومن ثَمّ قيل بوجوبها، و جعله في الذخيرة رواية الثاني عن الإمام، وبه أخذ، وهو أحوط، اه. وما نقله عن الحلواني ذكره القهستاني عن المحيط والذخيرة والخلاصة.

(قوله: ولا من كل سورة): أي خلافاً لقول الشافعي: إنها ايةٌ من كل سورة ما عدا براءة۔

(قوله: احتياطاً) علةٌ للمسئلتين، وذلك أن مذهب الجمهور أنها من القران لتواترها في محلها، وخالف في ذلك مالك، فكان الاحتياط حرمتها على الجنب نظراً إلىٰ مذهب الجمهور، وعدم جوازِ الاقتصار عليهما في الصلوة نظراً إلى شبهة الخلاف؛ لأن فرض القراءة ثابت بيقين، فلا يسقط بما فيه شبهة۔

(قوله: ولم يكفر جاحدها) جواب عمّا قيل من الإشكال في التسمية: إنها إن كانت متواترةً، لزم تكفير منكرها، وإلا فليست قراناً؟ والجواب كما في التحرير أن القطعي إنما يكفر منكره إذا لم تثبت فيه شبهة قوية كإنكار ركن، وههنا قد، وُجدت إلى اخرها". بسطه العلامة

ابن عابدین فی ردالمحتار: ۱/ ۳۳۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۱۳۹۵ھ۔

قرأت میں غلطی کی وجہ سے تین تسبیح کے برابر سکتہ

سوال[۳۱۴۲]: زید امام ہے اور اکثر اس سے قراءت میں تشابہ یا بھول ہوتی ہے اور یہ تشابہ یا بھول کبھی مایجوز بہ الصلوۃ کے بعد اور کبھی اس سے پہلے ہوتی ہے.......... زید تشابہ لگنے پر پیچھے سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اس کوشش میں سکتہ واقع ہو جایا کرتا ہے، اس کی مقدار کبھی تین تسبیح اور کبھی اس سے کم ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

۱......اس صورت میں سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟

۲......امام کی قراءت اور اس کی تسبیح کا اعتبار کیا جائے گا یا مقتدی کی تسبیح کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر یاد نہیں آیا کہ کیا پڑھے اور تین تسبیح کی مقدار خاموش سوچتا رہا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا (۲)۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/ ۴۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/ ۵۴۵، ۵۴۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۹۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

لہٰذا شبۂ اختلاف کی وجہ سے صرف تسمیہ سے نماز جائز نہیں اور اس کے منکر کو کافر بھی اسی شبہ کی بناء پر نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "(قوله: وجب عليه سجود السهو) إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن، أو شغله عن الوضوء بعد ماسبق الحدث لشكه أن صلى ثلاثاً أو أربعاً، يجب السهو، وإلافلا، كذا في الشرح. ولم يبيّنوا قدر الركن. وعلى قياس ماتقدم أن يعتبر الركن مع سنته، وهو مقدر بثلاث تسبيحات". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۷۴، قديمي)

"(قوله: واعلم الخ) .... ثم الأصل في التفكر أنه إن منعه عن أداء ركن كقراءة آية أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود، يلزمه السهو .... وقال بعض المشايخ: إن =

۲......امام کی قرأت اور تسبیح کا اعتبار ہوگا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

وتر کی تیسری رکعت میں قراءت کا حکم

سوال[۳۱۴۳]: ایک امام نے تراویح کے بعد لوگوں کو وتر پڑھائے، سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ فلق پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ ناس میں سے: ﴿شرّ الوسواس الخناس﴾ پڑھی اور تیسری رکعت میں ﴿یوسوس فی صدور الناس﴾ الخ پڑھی۔ آیا یہ وتر صحیح ہوگئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وتر کی تیسری رکعت میں بھی قراءت یعنی "الحمد" کے بعد سورت یا تین آیات کا ملانا واجب ہے(۲)۔صورتِ مسئولہ میں تین آیات نہیں پڑھی گئی، اس لئے یہ نماز قابلِ اعادہ ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۸ھ۔

= منعه التفكر عن القراءة أو عن التسبيح، يجب عليه سجود السهو، وإلا فلا". (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۹۳/۲، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، أللهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين". (مسند أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة: ۸۳/۳، رقم الحديث: ۸۷۴۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "عن أبيّ بن كعب رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوتر ﴿بسبّح اسم ربّك الأعلى﴾ و﴿قل يا أيها الكفرون﴾ و﴿قل هو الله أحد﴾". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فيما يقرأ في الوتر، ص: ۸۳، مير محمد كتب خانه)

"(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار .... (في الأوليين من الفرض وجميع) ركعات (النفل و) كل (الوتر) احتياطاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۴۵۸/۱، ۴۵۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر و النوافل: ۴۲۴/۱، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۳) "قوله: (وقرأ الفاتحة وسورة أو ثلاث آيات) ...... فتعين القول بوجوب الإعادة عند ترك السورة، وما يقوم مقامها كترك الفاتحة .... فإذا نقص عن ثلاث قصار أو آية طويلة، فقد ارتكب كراهة التحريم لتركه الواجب". (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۵۴۶/۱، ۵۴۷، رشيديه)

واجب الاعادہ نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں ختم سورت کا حکم

سوال[۳۱۴۴]: نماز ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء باجماعت ادا کی گئی، امام نے قعدۂ اولیٰ سہواً نہیں کیا اور کسی شخص نے لقمہ بھی نہیں دیا، تیسری یا چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے نماز ختم کر دی گئی اور آخر میں ترکِ قعدۂ اولیٰ کا انجبار سجدۂ سہو سے بھی نہیں ہوا، بعد اختتامِ نماز بالاتفاق محقق ہوا کہ قعدۂ اولیٰ واقعی نہیں ہوا تھا، اس لئے طے ہوا کہ نماز کا اعادہ کیا جائے۔

مگر امام صاحب نے فرمایا کہ جماعتِ ثانیہ میں بہت سے نئے آدمی شریک ہو جائیں گے، اس لئے ان کی نماز نہ ہوگی کیونکہ ان کے ذمہ فرض ہے، اس واسطے فرداً فرداً ہر شخص اپنی نماز دوبارہ پڑھ لے، مگر اس میں یہ اشکال ہوا کہ اب یہ نماز پہلی والی جماعت کی کمی کی اصلاح کے لئے ادا کی جارہی ہے، اس لئے فرض تو ہے نہیں واجب ہوگی، اور واجب یا نفل کی تیسری و چوتھی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ ضمِ سورت ضروری ہے۔ اس لئے اس صورت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اعادہ والی نماز میں دو رکعت کے بعد والی رکعات میں "الحمد" کے بعد ضمِ سورت واجب نہیں، نہ جماعۃً نہ انفراداً (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

لاحق کی قراءت کا حکم

سوال[۳۱۴۵]: امام مسافر نے ظہر کی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا، اگر کسی نے قراءت کی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کیسی؟

---

(۱) "(ولها واجبات) لا تفسد بتركها، وتُعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها، يكون فاسقاً آثماً، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، تجب إعادتها، والمختار أنه جابرٌ للأول".

(الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۱۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۴۶۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام مسافر جب دورکعت پر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی اپنی دو رکعت بغیر قراءت کے پوری کرے، اگر قراءت کی تو کراہت کا ارتکاب کیا کیونکہ وہ بحکمِ مقتدی ہے اور مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ ہے:

"إذا صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلّم، وأتم المقيمون صلوتهم؛ لأن المقتدى ألزم الموافقة في الركعتين، فينفرد في الباقي كالمسبوق، إلا أنه لا يقرأ في الأصح؛ لأنه مقتدٍ تحريمةً لا فعلاً، والفرض صار مؤدى". بحر: ۲/۱۳۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہونے والے پر بعد والی دو رکعتوں میں قرأت لازم نہیں

سوال[۲۱۴۶]: ایک شخص فرض نماز ادا کر چکا تھا، مثلاً ظہر عشاء کی، بعد میں یہ شخص کسی دوسری مسجد میں پہونچا اور وہاں نماز نہ ہوئی تھی، اس کے پہونچنے پر نماز شروع ہوئی، یہ بھی اس نماز میں نفل کی نیت سے شریک ہوگیا اور امام فرض پڑھا رہا ہے۔ ادا فرض کی اخیر کی دو رکعتوں میں قراءت ضروری نہیں اور نفل میں چاروں رکعتوں میں "الحمد" اور ضمِ سورہ ضروری ہے، تو کیا یہ شخص جو نفل کی نیت سے شریک ہے اخیر کی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورت کرے گا یا نہیں؟

اسی طرح ایک شخص جو کہ مفترض ہے اور امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے اور سری نماز ہے، ظہر کی یا عصر کی یا مغرب وعشاء کی اخیر دو رکعتوں میں قصداً یا نسیاناً قراءت کرے امام کے پیچھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی فرض پڑھے یا نفل، سری نماز ہو یا جہری، اس کو قراءت کی اجازت نہیں، خواہ امام کی نماز فرض ہو

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲/۲۳۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۶، دار الكتب العلميه، بيروت)

یا نقل: "إذا قرأ فأنصتوا". الحدیث. مسلم شریف (۱)۔

اگر مقتدی نے قصداً قراءت کی تو مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا، نماز فاسد نہیں ہوئی (۲)، سہواً قراءت سے اس کے ذمہ سجدۂ سہو واجب نہیں، کذا فی ردالمحتار (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن قتادة من الزيادة: "وإذا قرأ فأنصتوا" .... فحديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه؟ فقال: هو صحيح، يعني: "وإذا قرأ فأنصتوا". فقال: هو عندي صحيح، فقال: لِمَ لَمْ تضعه هاهنا؟ قال: ليس كل شئي عندي صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعت هاهنا ما أجمعوا عليه". (الصحيح لمسلم، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

(۲) "(والمؤتم لا يقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة في السرية اتفاقاً .... (فإن قرأ كره تحريماً) وتصح في الأصح". (الدرالمختار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۴، سعيد)

(۳) "(قوله: لا بسهوه أصلاً) .... بل الأولى التمسك بما روى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عنه -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: "ليس على من خلف الإمام سهوٌ". (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۶۰۰، وباب سجود السهو: ۲/۱۷۷، رشيديه)

الفصل الثانی فی کیفیة الجهر والسرّ بالقرآءة

(جہری اور سرّی قرأت کے احکام کا بیان)

تشریحِ جہر وسرّ

سوال[۳۱۴۷]: اگر قرأت اتنی آواز سے ہو کہ قریبی شخص کو آواز بھن بھن کی سنائی دے تو اس نماز میں کوئی حرج تو نہیں ہے اور کس قدر آواز سے قرأت جہری قرار پائے گی؟ تشریح کے ساتھ تحریر فرمادیں اس لیے کہ بعض اوقات جہر اور سر میں اختلاف مشکل ہوجاتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ایک دو آدمی کو اس طرح سنائی دے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سر ہی ہے، امام کی آواز کو پہلی صف عموماً سن لے تو یہ جہر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرأتِ جہری وسرّی کی حکمت

سوال[۳۱۴۸]: پانچ وقت کی نمازوں میں تین نمازوں میں قرأتِ جہری اور دو میں سری میں کیا حکمت ہے؟

---

(۱) "ولذاقال فی الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير: إن الإمام إذا قرأفی صلاة المخافتة، سمع رجل أورجلان، لايكون جهراً، والجهر أن يسمع الكل: أی كل الصف الأول، لاكلّ المصلين بدليل مافی القهستانی عن المسعودية: أن جهر الإمام إسماع الصف الأول". (رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۳۴، سعيد)

"الإمامُ إذا قرأ فی صلوة المخافتة بحيث سمع رجل أو رجلان، لايكون جهراً، والجهر أن يسمع الكل". (خلاصة الفتاوی، الفصل الحادی عشر فی القراءة: ۱/۹۵، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا فی البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اللّٰہ ورسولہ أعلم(۱) ۔فقط۔

جہری وسرّی نماز میں جہر وسرّ کی وجہ

سوال[۳۱۴۹]: ایک آدمی یہ بات دریافت کرتا ہے کہ بوقتِ ظہر وعصر قراءت آہستہ کیوں پڑھی جاتی ہے،اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور اللہ پاک کی مرضی اسی طرح ہے اس کے

(۱) "والأصل في الجهر والإسرار أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يجهر بالقرآءة في الصلوات كلها في الابتداء، وكان المشركون يؤذونه، يقولون لأتباعهم: إذا سمعتموه يقرأ، فارفعوا أصواتكم بالأشعار والأراجيز، وقابلوه بكلام اللغو، حتى تغلبوه، فيكست ويسبّون مَن أنزل القرآن ومَن أنزِل عليه، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها﴾: أى لاتجهر بصلاتك كلها ولاتخافت بها كلها: ﴿وابتغ بين ذلك سبيلاً﴾، بأن تجهر بصلاة الليل و تخافت بصلاة النهار، فكان بعد ذلك يخافت في صلاة الظهر والعصر لاستعداد هم بالإيذاء فيهما، ويجهر في المغرب لاشتغالهم بالأ كل، وفي العشاء والفجر لرقادهم، وفي الجمعة والعيدين؛ لأنها أقامهما بالمدينة، وماكان للكفار قوة. و(قوله: وفي العشاء والفجر لرقادهم) وجهه في الفجروفي العشاء أن السنة تأخيرها إلى ثلث الليل، وهٰذا إنما يظهر في زمن الشتاء، أمافي غيره فالعذر فيها كالمغرب فيما يظهر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۵۳، ۲۵۴، قديمى)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية: ۴/۱۳، ادارة القران)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان الواجبات الأ صلية في الصلاة : ۱/۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:"دوسرا قصہ یہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے تلاوت قرآن فرماتے تو مشرکین تمسخر واستہزاء کرتے اور قرآن اور جبرئیل امین اورخودخدا تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھےتو اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا"۔ (معارف القرآن: ۵/۵۴۲، مکتبة دارالعلوم)

خلاف کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوگی:

"ویجهر الإمام بالقرأة في الفجر وأُولَيي المغرب والعشاء والجمعة والعيدين للتوارث من زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلىٰ هذا الآن، والجهر واجب، ويخفي الإمام في الظهر والعصر، للتوارث المذكور، اهـ". رسائل الأركان بحذف(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ ہذا۔

نماز کے سرّی وجہری ہونے کا سبب

سوال[۳۱۵۰]: نمازِ مغرب، عشا اور فجر جہری کیوں ہے اور ظہر، عصر سری کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث وفقہ سے اسی طرح ثابت ہے، اس کی علت میں بحث کی ضرورت نہیں (۲) ورنہ یہ باب اگر مفتوح ہوا تو یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ فجر کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعت کیوں ہیں؟ اسی طرح بے شمار امور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ، العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) لم أظفر على هذا الكتاب، لكن راجع للتخريج، ص: ۴۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "مجموعة الشعائر التعبدية الخاصة التي حدّدها الله سبحانهٗ وتعالىٰ كمّاً وكيفاً، وهي تكون خالصةً لله، فلا تجوز فيها الزيادة ولا النقصان، ولها حِكَم وأسرار شُرعت لتحقيقها.......... ولاينبغي الاجتهاد بالرأي والاستنباط بالهوى فيها؛ لأن أمر تشريع أحكامها توقيفيٌّ من قِبَل الله وحده لاشريك له، ....وقد أوضح لنا الاستقراء المتأني للنصوص الشرعية أنها مبنية على الأمر فالطهارة مثلاً .... والصلاة مخصوص بأقوال وأفعال وهيئات معينة لاتجوز بغيرها، والعقل معزول عن فهم كل أسرار هذه الأحكام، والتعبد بها هو الانقياد لله وحده والخضوع لأمره كماحدّده سبحانه و تعالى". (بدائع الصنائع، مقدمه، الفرق بين العبادات والمعاملات: ۱/۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"(ومنها السجود): أي تكرار السجود أمرٌ تعبدي: أي لم يُعقل معناه على قول أكثر المشايخ =

بغیر ضرورت کے زیادہ بلند آواز سے نماز پڑھنا

سوال[۳۱۵۱]: ایک فارغ التحصیل قاسمی ہیں، جہری نمازوں میں قرأت پر اتنا جہر کرتے ہیں کہ آواز مسجد کے باہر تک پہونچ جاتی ہے، بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے معذرت کی کہ آہستہ پڑھنے سے دل متاثر نہیں ہوتا اور بھول جانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے تو کیا اس سے نماز میں کراہت تنزیہی یا تحریمی ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے نماز مکروہ نہیں ہوگی مگر اس کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ رہ گزر ہر قسم کے ہوتے ہیں کوئی احترام کرتا ہے کوئی نہیں کرتا ہے، ہاں! اگر مسجد کہیں سڑک کے قریب ہو تو لامحالہ آواز جائے گی اگر چہ معمولی جہر ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۳ھ۔

جہر وسرّ کی ادنیٰ مقدار

سوال[۳۱۵۲]: نماز میں قراءت بالسر کی حد یہ ہے کہ کم از کم خود سنے صرف زبان سے ادا کرنا کافی نہیں، کذا فی حاشية شرح الوقاية(۲)۔ تو اس پر عرض یہ ہے کہ خود سننے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ پاس

= تحقيقات للابتلاء". (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۱، رشيديه)

(۱) "(و يجهر الإمام) وجوباً بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء". (الدر المختار). "(قوله: فإن زاد عليه أساء) و في الزاهدى عن أبي جعفر: لو زاد على الحاجة فهو أفضل، إلا إذا أجهد نفسه أو أذى غيره، قهستاني". (الدر المختار مع ردالمحتار، فصل في القرأة: ۱/۵۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشيديه)

(۲) "وأدنى الجهر إسماع غيره وأدنى المخافتة إسماع نفسه، هو الصحيح". (شرح الوقاية).

وفي الحاشية: "(قوله: هو الصحيح): أى تفسير الجهر والسر بما ذُكر هو الصحيح؛ لأن القراءة وإن كانت فعل اللسان، لكن فعله الذى هو كلام، والكلام بالحروف، والحروف كيفية تعرض للصوت لمجرد تصحيح الحروف بلاصوت إيماء إلى الحروف بالمخارج لاحروف، فلا كلام، كذا في فتح القدير". =

کھڑا ہونے والا بھی سنے، کیوں کہ جو آواز اپنے کان میں آئے گی وہ پاس والے کو بھی پہنچے گی اور یہ جہر کا ادنیٰ درجہ ہے۔ پس بندہ کو اشکال یہ ہے کہ سر جہر ہو گیا، ورنہ پھر اپنے آپ کو سنانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ دل میں محسوس ہو کہ میں پڑھ رہا ہوں تو حاشیہ شرح وقایہ کی یہ بات کیسے درست ہوگی کہ قراءت ادائے حروف کا نام نہیں بلکہ اس میں صوت بھی ہونی ضروری ہے؟ بہر حال اس سلسلے میں بندہ کو الجھن ہے کہ جو آواز قراءت اپنے کان میں سنائی نہ دے اس سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ ضروری نہیں کہ اپنی جو آواز بھی خود سنتا ہو وہ دوسرا بھی سن لیا کرے، ہاں! کوئی لفظ اگر پاس والا بھی سن لے تو یہ منافی سر نہیں:

"قالوا: لايضر إسماع بعض الكلمات أحياناً لحديث قتادة -رضى الله تعالىٰ عنه-، وهو فى الصحيحين: "عن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقرأ فى الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب، ويسمعنا الآية أحياناً". ولأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه، لاسيماً عند مَبادى النَّفَسات، أفاده فى الفتح. وفى أواخر الحلبى عن كفاية الشعبى: يخافت إلا من عذر، وهو أن يكون هناك من يتحدث أويغلبه النوم فيجهر لدفع النوم ورفع الكلام، اهـ. وفى القهستانى: إذا جهرلتبين الكلمة ليس عليه شيئ، اهـ". طحاوى، ص:١٥، تحت قول المراقى: (ويجب الإسرار هوإسماع النفس فى الصحيح) فصل فى بيان واجب الصلوٰة(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۳ھ۔

= (شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، فصل فى القراءة ١٤٩/١، سعيد)

(١) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى بيان واجب الصلاة، ص: ٢٥٣، قديمى)

"عن عبدالله بن أبى قتادة عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقرأ فى الظهر فى الأُولَيين بأم الكتاب وسورتين، وفى الركعتين الأخريين بأم الكتاب، ويسمعنا الآية، ويطول فى الركعة الأولى مالا يطيل فى الركعة الثانية، وهكذا فى العصر، وهكذا فى الصبح". =

سرّی قراءت میں تیز اور جہری میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا

سوال[۳۱۵۳]: جو امام جماعت کی نماز سکون کے ساتھ پڑھتا ہو اور تنہا بہت جلد جلد پڑھتا ہو، اس کی امامت پر کیا حکم ہے، کیوں کہ بظاہر اس کا ظاہر و باطن ایک نہیں، ایسے ہی اکثر امام قراءت والی دو رکعتوں میں تو قرآن شریف ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے دیر تک پڑھتے ہیں اور باقی ایک یا دو رکعت بہت جلد پڑھتے ہیں، بعض بعض تو اتنی جلدی پڑھتے ہیں کہ آدھی الحمد بھی کوئی مشکل سے پڑھ سکے۔ کیا ایسے کی امامت بلا کراہت جائز ہے، کیوں کہ وہ عوام کی نماز خدا کی ہاں پیش کرنے کا وکیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آہستہ پڑھتے وقت جلد پڑھنا اور زور سے پڑھتے وقت ٹھہر کر پڑھنا ایسا فعل نہیں جس کی وجہ سے امامت ناجائز ہو اگرچہ امام کو چاہیے دونوں طرح پڑھتے وقت قواعد وآداب قرآن شریف کی رعایت رکھے(۱)۔ بحالتِ امامت سکون کے ساتھ پڑھنے اور بحالتِ انفراد جلد پڑھنے سے بھی امامت میں خرابی نہیں آتی اور اس وجہ سے اس کی نیت پر حملہ کرنا کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/۱/۵۸ھ۔

= (صحيح البخاري، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب: ۱/۱۰۷، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، مسائل شتى، ص: ۶۱۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

"أن أدنى المخافتة، إسماع نفسه أومَن بقربه من رجل أورجلين مثلاً، وأعلاها تصحيح الحروف كماهو مذهب الكرخي، ولا تعتبرهنا في الأصح". (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۳۵، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها المزمل قم الليل إلا قليلاً نصفه، أو انقص منه قليلاً، أوزدعليه، ورتل القرآن ترتيلا﴾ (سورة المزمل: ۴)

"الأخذ بالتجويد حتمٌ لازم، من لم يجوّد القرآن آثم". (متن الجزرية في فن التجويد، باب التجويد، ص: ۹، مير محمد كتب خانه كراچي)

"وفي الحجة: يقرأ في الفرض بالترسل حرفاً حرفاً وفي التراويح بين بين، وفي النفل ليلاً له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم". (الدرالمختار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفرائض: ۱/۴۵۲، إدارة القرآن كراچي)

7

ترتیل کے ساتھ قرأت

سوال[۳۱۵۴]: ایک قاری صاحب امامِ مسجد ہیں، جس طرح وہ مجلس وغیرہ میں قرآن پڑھتے ہیں اسی طرح نماز کے اندر بھی پڑھتے ہیں۔ آیا نماز کے اندر قرآن حدر کے ساتھ پڑھنا چاہیے یا جس طرح وہ مجلس وغیرہ میں پڑھتے ہیں اس طرح سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا امر قرآن کریم میں وارد ہے اور یہ نماز پڑھنے کے لیے ہے:

﴿یٰأیها المزمل قُمِ اللیل إلا قلیلاً نصفه، أوِانقص منه قلیلاً، أوزد علیه، ورتّل القرآن ترتیلاً﴾(الآیة)(۱)۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا، حدراً پڑھنے کی بھی اجازت ہے، ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی فقہ میں تاکید ہے(۲) مگر قواعد تجوید کی رعایت لازم ہے:

"والأخذ بالتجوید حتمٌ لازم من لم یجوّد القران آثم"

جزری(۳)

نیت یہ رکھے کہ اللہ پاک کو سنا رہا ہے مقتدیوں کے حال کی رعایت چاہیے(۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹۰/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹۰/۲ھ۔

---

(۱) (سورہ المزمل، آیت: ۱-۳، پارہ: ۲۹)

(۲) "وفي الحجة: یقرأ في الفرض بالترسل حرفاً حرفاً، وفي التراویح بین بین، وفي النفل لیلاً له أن یسرع بعد أن یقرأ کمایفهم". (الدرالمختار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۱، سعید)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفرائض: ۱/۴۵۲، إدارة القرآن کراچي)

(۳) (متن الجزریة في فن التجوید، باب التجوید، ص: ۹، میرمحمد کتب خانه کراچي)

(۴) "والجملة فیه أنه ینبغي للإمام أن یقرأ مقدارما یخفف علی القوم، ولایثقل علیهم بعد أن یکون علی التمام، هکذا في الخلاصة". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۱، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۶، رشیدیه)

اپنے جی میں قراءت کرنا

سوال[۳۱۵۵]: مصلی بلاحرکتِ شفتین وبلاتحریکِ لسان اپنے جی میں قراءت کرتا ہے تو اس کی نماز میں کوئی کراہت آئے گی یا سرے سے جائز ہی نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح فریضہ ادا نہیں ہوگا اور نماز درست نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر آواز قراءت کا حکم

سوال[۳۱۵۶]: اگر کوئی نماز میں اتنا آہستہ پڑھے کہ خود بھی نہ سن سکے تو کیا اس کی نماز بلاکراہت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اتنا آہستہ پڑھا کہ حروف تو صحیح ادا ہوگئے لیکن آواز بالکل نہیں سنائی دی تو کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابوبکر بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز صحیح ادا ہوگئی اور ہندوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور فضلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ ان کے نزدیک صرف تصحیحِ حروف کافی نہیں بلکہ آواز کا کان تک پہنچنا بھی ضروری ہے اور شیخ الاسلام وقاضی خان وصاحبِ محیط وحلوانی نے ہندوانی کے قول کو اختیار کیا ہے، کذا فی ردالمحتار،

(۱) "وأما حد القراءة، فنقول: تصحيح الحروف أمرٌ لابدمنه، فإن صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه، لايجوز، وبه أخذ عامة المشايخ، هكذا في المحيط .... وهو الصحيح، هكذا في النقاية".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع، الفصل الأول في الفرائض: ۱/۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

"ولو قرأ بقلبه ولم يحرك لسانه، فإنه لايجوز". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه)

ص: ۵۵۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور۔

ہونٹ اور زبان کی حرکت کے بغیر نماز

سوال[۳۱۵۷]: اگر ہونٹ اور زبان نہ ہلے اسی طرح "اللّٰہ اللّٰہ" یا درود شریف یا اَور کوئی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ورد کرے یا" استغفر اللّٰہ" وغیرہ پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی پڑھ سکتا ہے مگر نماز اس طرح پڑھنے سے ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

سوال[۳۱۵۸]: أن في عصرنا هذا يكون في أكثر المساجد في ديارنا مكبر الصوت يستعمل للأذان والخطبة وللصلوٰة أيضاً، و في مذهب الشافعيؒ إسماع الخطبة الأربعين شرط،

---

(۱) "فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يَصِل إلى أذنه، وبه قال الشافعي، ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع، واكتفيا بتصحيح الحروف. واختار شيخ الإسلام وقاضي خان وصاحب المحيط و الحلواني قول الهندواني ، وكذا في معراج الدراية. ونقل في المجتبى عند الهندواني أنه لا يجزيه مالم تسمع أذناه ومن بقربه". (ردالمحتار، فصل في القراءة : ۱/۵۳۴، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۲۸، بيروت)

(۲) "وأما حدّ القراءة، فنقول: تصحيح الحروف أمرٌ لابد منه، فإن صحح الحروف بلسانه ولم يُسمع نفسه، لايجوز، وبه أخذ عامة المشايخ، هكذا في المحيط .... وهو الصحيح، هكذا في النقاية".

(الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة: ۱/۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۶۹، رشيديه)

"ولو قرأ بقلبه ولم يحرك لسانه، فإنه لايجوز ". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه)

فهل يجوز السماع بواسطة مكبر الصوت أم لا؟ و يدعى من ينكر ذلك فى ديارنا أنه صُدى ليس هو صوت للخطيب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اختلف فى الصوت الذى يخرج من مكبر الصوت هل هو صوت المتكلم و تلك الآلة ترفعه و تجهره أم هو صدى، وأصل صوت المتكلم يختتم و ينعدم فى الآلة؟ وأكثر مشتهرة هذا الفن على الأول، فتجوز الصلوة بتلك الآلة على قولهم، و هو الراجح عند أكثر أهل العلم، فصوت الخطيب بتلك الآلة يصل إلى السامعين و يتأدى الفرض، و أما الأذان بتلك الآلة فلا إشكال فيه(۱)، و مع هذا لا ينبغى استعمال هذه الآلة فى الصلوة من غير حاجة بأن يصل صوت الإمام إلى الحاضرين بلا تكلف، فإن الصلوة على هيئة القديمة أحسن وأقرب(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۶/۵ھ۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جدید تحقیقات کے نتیجے میں یہ ظاہر ہوا ہے کہ ''آلہ مکبر الصوت'' سے سنی ہوئی آواز متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے فساد نماز کی اصل بنیاد ہی منہدم ہوگئی''۔ (آلات جدیدہ، مقدمہ طبع ثالثہ، ص: ۳۲، ادارۃ المعارف کراچی)

(و كذا فى ضميمة امداد الفتاوى، بابت مسئله مكبر الصوت : ۱/۲۰۷، دار العلوم كراچى)

(و كذا فى كفايت المفتى: ''نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال'': ۹/۲۱۶، دار الإشاعت كراچى)

(۲) ''نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال میں بہت سے مفاسد ہیں، اس لئے اس سے اجتناب کیا جائے اور سنت کے سیدھے سادے طریقے پر آواز کو دور تک پہنچانے کے لئے مکبرین کا انتظام کیا جائے، لیکن اگر کسی جگہ آلہ مکبر الصوت پر نماز ادا کر لی گئی تو نماز فاسد و واجب الإعادہ نہیں ہے، اور استعمال کرنے والوں کو کم از کم یہ لازم ہے کہ مکبرین کا پورا انتظام رکھیں، کیونکہ علماء کی ایک جماعت اس کو مفسد قرار دیتی ہے، ان کے خلاف سے خروج کرنا چاہئے''۔ (آلات جدیدہ، مقدمہ طبع ثالث، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، ص: ۳۳، إدارة المعارف كراچى)

(و كذا فى أحسن الفتاوى، امام الكلام فى تبليغ صوت الإمام : ۳/۳۳۹، سعيد)

ایضاً

سوال[۳۱۵۹]: لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے، امام صاحب کو چاہئے کہ اس کو روک دیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے سرّی ہونے کا معیار

سوال[۳۱۶۰]: نماز اگر اتنی زور سے نہیں پڑھتا کہ خود سن سکے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احوط تو یہی ہے کہ اتنی زور سے پڑھے کہ خود سن سکے، البتہ گزشتہ نمازوں کا اعادہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۸۷ھ۔

”ولا الضالین“ میں ”لین“ کی آواز پست ہونے کا حکم

سوال[۳۱۶۱]: جہری نماز میں جب زید ”ولا الضالین“ پڑھتا ہے تو ”لین“ کی آواز اس قدر

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: ”آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں“۔)

(۲) ”وأدنى (المخافتة إسماع نفسه) ومَن بقربه“ (الدرالمختار). ”فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يَصِل إلى أذنه، وبه قال الشافعي .... وأن ما قاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه .... وهذا معنى قوله: أدنى المخافتة إسماع نفسه“. (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۲۸، بيروت)

پست ہوجاتی ہے کہ پہلی صف کے لوگ بھی نہیں سن پاتے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا الضالین" میں اگر "لین" کی آواز پست ہوجاتی ہے حتی کہ صفِ اول کے بھی پورے آدمی نہیں سنتے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

فجر کی سنتوں میں قراءت بالجہر

سوال[۳۱۶۲]: فجر کی سنت میں قراءت جہری جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت میں قراءت جہراً ثابت نہیں، سراً ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قراءت کے اخیر لفظ کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملانا

سوال[۳۱۶۳]: امام کا سورۂ فاتحہ کے بعد سورت یا آیت کے آخری لفظ پر وقف نہ کرنا بلکہ "اللہ اکبر" کے

---

(۱) "والجهر أن يسمع الكل: أى كل الصف الأول لا كل المصلين .... وأدنى الجهر إسماع غيره ممن ليس بقربه كأهل الأول (أى الصف الأول)، وأعلاه لاحدّ له، فافهم". (ردالمحتار، فصل فى القراءة: ۱/۵۳۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثانى فى واجبات الصلاة: ۱/۷۳، رشيديه)

(۲) "(وجهر بقراءة الفجر): أى الإمام (وأُولَى العشاء ين ولو قضاء، والجمعة والعيدين. ويُسرّ فى غيرها كمتنفل بالنهار)؛ لأنه المأثور المتوارث من لدن النبى صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا. ولا يجتهد نفسه فى الجهر، وكذا يجهر فى التراويح والوتر إذا كان إماماً للتوارث". (تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۲۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۱/۵۳۳، سعيد)

ساتھ وصل کرکے رکوع میں جانا مثلاً "(واللّٰہ المستعان علی ماتصفونَ اللّٰہ أکبر)" سنت کے موافق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آخری لفظ ثناء پر ختم ہوتو اس کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ وصل کرنا اَولیٰ ہے، اگر ایسا نہ ہوتو وقف کرکے تکبیر کہنا اَولیٰ ہے: "ذکر فی التاترخانیة تفصیلاً حسناً، وهو أنه إذا كان آخر السورة ثناءً مثل: ﴿وكبره تكبيراً﴾ فالوصل أولىٰ، وإلافالفصل أولىٰ، مثل: ﴿إن شانئك هو الأبتر﴾ فيقف ويفصل، ثم يكبر للركوع، اهـ". شامی: ۱/۳۳۱(۱)۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مقتدی کا سہواً قراءت کرنا

سوال[۳۱۶۴]: اگر مقتدی بھول کر امام کے پیچھے قرآن یا دعاء پڑھ دے تو کیا نماز مکروہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں، مگر بھول کی وجہ سے تخفیف ہوگی (۲)۔فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار، فصل فی تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۹۳، سعید)

"(قوله: ولا يكره وصل القراءة بتكبيره) مثاله: أن يقول: "وأما بنعمة ربك فحدثِ الله أكبر" بكسر الثاء المثلثة لالتقاء الساكنين، حلبی: أی مع إيقاع كل من التكبير والقراءة فی محله". (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، فصل: الشروع فی الصلاة: ۱/۲۲۰، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصلوة، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الثامن فی الوقف والوصل والابتداء: ۱/۴۹۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إنما جُعل الإمام ليؤتم به، فإذا أكبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا". رواه أبو داؤد، والنسائی وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب القراءة فی الصلاة، ص: ۸۱، قديمی)

"(والمؤتم لايقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة فی السرّيّة اتفاقاً .... وهو مروی عن عدة من الصحابة، فالمنع أحوط، (بل يستمع) إذا جهر (وينصت) إذا أسرّ، لقول أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه: "كنا نقرأ خلف الإمام فنزل: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾. (الدرالمختار مع ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۴، ۵۴۵، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۹، ۶۰۰، رشيديه)

الفصل الثالث فی القرآءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قرأت کرنے کا بیان)

قرأت خلف الامام

سوال[۳۱۶۵]: اگر مقتدی قصداً امام کے پیچھے کوئی سورت یا کوئی دعا پڑھے تو نماز میں خرابی آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ قیام میں ثناء کے علاوہ کچھ اور پڑھنا مقتدی کو مکروہ ہے(۱)۔

---

(۱) "المؤتمّ لا یقرأ مطلقاً، ولا الفاتحة سراً، فإن قرأ کره تحریماً". (الدرالمختار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۴، سعید)

و"عن أبی موسی رضی الله تعالیٰ عنه قال: علّمنا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "إذا قمتم إلی الصلاة، فلیؤمکم أحدکم، وإذا قرأ الإمام، فانصتوا". رواه أحمد و مسلم، وهوحدیث صحیح". (آثارالسنن، باب فی ترک القراءة خلف الإمام فی الجهریة الخ، ص: ۱۰۹، إمدادیه ملتان)

"(قوله: کما بسطه الکمال) حاصله أن محمداً قال فی کتابه الآثار: لانری القرأة خلف الإمام فی شیئ من الصلوات یجهرفیه أویسر، ودعوی الاحتیاط ممنوعة، بل الاحتیاط ترک القراءة؛ لأنه العمل بأقوی الدلیلین. وقدروی الفساد بالقراءة عن عدة من الصحابة، فأقواهما المنع...... اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: مرویّ عن عدة من الصحابة) قال فی الخزائن .... وفی الکافی: ومنع المؤتم من القراءة مأثور عن ثمانین نفراً من کبار الصحابة: منهم المرتضی و العبادلة، وقددوّن أهل الحدیث أسامیهم". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۴،۵۴۵، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۷،۳۳۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان أرکان الصلاة: /۵۱۸، ۵۱۹، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان)

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا

سوال[۳۱۶۶]: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں اور نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اس کا ثبوت؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے پیچھے قرأت کرنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

"عن أبي موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: علّمنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: "إذا قمتم إلی الصلوٰة، فليؤمكم أحدكم، وإذا قرأ الإمام، فأنصتوا". رواه أحمد(۱) و مسلم(۲) وهو حديث صحيح". آثار السنن: ۱/۸۵(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۳۱۶۷]: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے، کیوں کہ استفتاء ہٰذا سے قبل دو فتاویٰ حاصل کیے گئے جس میں سے ایک میں ممانعت اور دوسرے میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ یہاں پر دونوں قسم کے خیالات کے ہی اشخاص موجود ہیں اور ہر دو فتاویٰ سے ہر دو فریق کے خیالات کی تقویت ہوگئی، لیکن خدا کے فضل سے رنجش و درشتی کی نوبت نہیں، بلکہ ہر دو خیالات کے اشخاص صحیح راستہ حاصل کرنے کے آرزومند ہیں۔

اس کے علاوہ ہر دو فتاویٰ میں عربی عبارت ہے جس کو اردو داں نہیں سمجھ سکے، اس لیے عرض ہے کہ جو عبارت عربی کی درج فرمائی جائے اس کا ترجمہ مفصل تحریر فرما دیا جائے۔ نیز دیوبند کے فتویٰ میں جواب قرأت قرآن کریم کی آیت نقل کی گئی ہے اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ نماز میں جب قرآن

---

(۱) (مسند أحمد بن حنبل، حديث أبي موسى الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۴/۴۱۵، رقم الحديث: ۱۹۲۲۴، المكتب الإسلامي للطباعة والنشر بيروت)

(۲) (صحيح الإمام مسلم، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

(۳) (آثار السنن، باب في ترك القراءة خلف الإمام في الجهرية، ص: ۱۰۹، مكتبه إمداديه ملتان)

پڑھا جائے اس وقت خاموش رہو یا نہ رہو بلکہ علاوہ نماز کے یہ حکم ہے۔ فقط۔ ہر دو فتاویٰ ہم رشتہ ہیں۔

احقر العباد مہتاب عالم کان اللہ لہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً

مقلد کا منصب یہ ہے کہ اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سمجھ کر جو مسائل استنباط کیے ہیں ان پر عمل کرے، ماخذ پر عمل کو موقوف رکھے گا تو سخت دشواری کا سامنا ہوگا کیوں کہ ہر مقلد کا علم اور فہم اس قدر وسیع نہیں کہ ہر ہر مسئلے کی دلیل کو معلوم کر سکے اور سمجھ سکے اس لیے اسلم طریقہ یہ ہے کہ جو مسائل امام سے منقول ہیں ان پر عمل کرے اور دلیل اور ماخذ کا طالب نہ ہو، خصوصاً جب کسی مقلد کے علم کی یہ حالت ہو کہ معمولی عربی عبارت بھی سمجھنے سے قاصر ہو اور ترجمہ اردو کا محتاج ہو۔

"والمؤتم لایقرأ مطلقاً، فإن قرأ یکرہ تحریماً، بل یستمع إذاجھر، وینصت إذا سرّ،لقول أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ : کنا نقرأ خلف الإمام، فنزل: ﴿وإذا قریٔ القرآن، فاستمعوا لہ وأنصتوا﴾ درمختار علی الشامی: ۱/۵۶۸(۱)۔

ترجمہ: ''اور مقتدی کچھ قراءت نہ کرے (نہ فاتحہ نہ سورت) اگر مقتدی قرأت کرے گا تو یہ مکروہ تحریمی ہے، بلکہ متوجہ ہو کر سنے جب امام زور سے پڑھے اور چپ رہے جب امام آہستہ سے پڑھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو چپ رہو اور سنو''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا ناجائز ہے دلیل اوپر مذکور ہے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن شریف میں اس کا ذکر نہیں کہ نماز میں جب قرآن شریف پڑھا جائے خاموش رہو اور سنو، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی قرآن شریف میں نہیں کہ یہ حکم علاوہ نماز کے ہے، بلکہ مطلق ہے خواہ نماز کی حالت ہو خواہ علاوہ نماز کے ہر حال میں خاموش رہنا اور سننا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

" عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إنما

---

(۱) (الدرالمختار، فصل فی القراءۃ: ۱/۵۴۴، ۵۴۵، سعید)

جُعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبّر فكبروا، وإذاقرأ فأنصتوا". رواه ابوداؤد(۱) والنسائی(۲) وابن ماجه"(۳) مشکوة شریف: ۸۱/۱(٤)۔

ترجمہ: "امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب وہ کچھ پڑھے تم خاموش رہو" روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور نسائی وابن ماجہ نے"۔

حنفی مقلد کے لیے اتنا ہی جواب کافی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی بررسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۶/شعبان/۵۴ھ۔

ایضاً

سوال[۳۱۶۸]: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ بعض حنفی المذہب سرّی نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں اور جہری میں نہیں، یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے جیسا کہ کوئی اَور سورت پڑھنا ناجائز ہے اور بعض حنفی المذہب کا جو طریقہ سوال میں نقل کیا ہے، وہ بھی درست نہیں اس کی بھی صراحۃً ممانعت ہے:

"والمؤتم لايقرأ مطلقاً، ولا الفاتحة في سرية اتفاقاً، وما نُسب لمحمدٍ ضعيفٌ، كما بسط الكمال، فإن قرأ، كره تحريماً". درمختار، ص:۵۶۸(۵) ۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۴/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔ سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، باب الإمام يصلي من قعود: ۸۹/۱، مكتبه دارالحديث، ملتان)

(۲) (سنن النسائي، بابٌ وإذا قرأ القران فأنصتوا: ۱۴۶/۱ قديمي)

(۳) (سنن ابن ماجة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا، ص: ۶۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۴) (مشكوة المصابيح، باب القراءة في الصلاة، ص: ۸۱ قديمي)

(۵) (الدرالمختار، فصل في القراءة: ۵۴۴/۱، سعيد)

قراءتِ فاتحہ خلف الإمام

مکرمی عالی جناب قبلہ مولانا حافظ ومفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سوال[۳۱۶۹]: عرض یہ ہے کہ فرض نماز میں جب امام کے پیچھے نماز کے لیے مقتدی کھڑا ہو تو صحیح بخاری شریف کی یہ حدیثیں پیش کی جاتی ہے جس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کھڑا ہو تو الحمد شریف کا پڑھنا واجب ہے اور قرأت والی نماز میں مقتدی امام کے پیچھے الحمد شریف نہیں پڑھے تو نماز نہیں ہوتی ہے۔حدیث یہ ہے:

''حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب قرآن شریف پڑھا تو آپ پر پڑھنا مشکل ہوگیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پاک سے کچھ پڑھتے رہتے ہو''۔ہم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یاد رکھو سورہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے''۔اور حضرت امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے(۱)۔

---

(۱) "وعن عبادة بن الصامت رضي الله تعالیٰ عنه قال: كنا خلف رسول الله صلی الله عليه وسلم في صلاة الفجر، فقرأ رسول الله صلی الله عليه وسلم، فثقلت عليه القراءة، فلما فرغ قال: "لعلكم تقرؤون خلف إمامكم؟ قلنا: نعم! هذا يارسول الله! — صلی الله عليه وسلم — قال: "لاتفعلوا إلابفاتحة الكتاب، فإنه لاصلاة لمن لم يقرأ بها". (سنن أبي داؤد، باب من ترك القرآءة في صلاته: ۱/۱۱۹، دارالحديث، ملتان)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالیٰ عنه قال: صلّی رسول الله صلی الله عليه وسلم الصبح، فثقلت عليه القراءة، فلما انصرف قال: "إني أراكم تقرؤن وراء إمامكم"؟ قال: قلنا: يا رسول الله! إي والله، قال: "لا تفعلوا إلا بأم القرآن، فإنه لاصلاة لمن لم يقرأ بها".

قال أبو عيسیٰ: حديث عبادة حديث حسنٌ.......... وهذا أصح، والعمل علی هذا الحديث في القرأة خلف الإمام عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلی الله عليه وسلم والتابعين، وهو قول =

اس حدیث کے ذیل میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

''یعنی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا اس حدیثِ عبادہ پر عمل ہے اور امام مالک، حضرت عبداللہ بن مبارک شاگردِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے''، جامع الترمذی، ص: ۱٤(۱)۔

شرح ابوداؤد، ص: ۱۲۰۵، میں لکھتے ہیں:

''یعنی یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ امام قرأت بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ سے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص مقتدیوں کو خطاب کر کے سورۂ فاتحہ کا حکم دیا اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ سورہ فاتحہ پڑھے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی ہے۔ اس حدیث کی سند بہت ہی پختہ ہے جس میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں'' (۲)۔

اس کے بارے میں دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

> ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کوئی نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے مردہ ناقص ہے، مردہ ناقص ناقص ہے، مردہ ہے پوری نہیں''۔ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں تب بھی پڑھ لیں؟
>
> حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں! اس کو آہستہ پڑھنا، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو

= مالک بن أنس و ابن المبارک والشافعی وأحمد وإسحق یَرَوْن القراءۃ خلف الإمام". (سنن الترمذی، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الإمام: ۱/۶۹، ۷۰، سعید)

(۱) قال الإمام الترمذی: "حدیثٌ حسنٌ". (سنن الترمذی، المصدر السابق)

(۲) "قلت: هذا الحدیث نصٌ بأن قراءۃ فاتحۃ الکتاب واجبۃ علی من صلی خلف الإمام، سواء جهر الإمام بالقراءۃ أو خافت بها، وإسناده جیدٌ لاطعن فیه". (مختصر سنن أبی داؤد: ۱/۳۹۰، مطبع أنصار السنة المحمدیة)

اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے"۔ الصحیح لمسلم: ۱۶۹/۱ (۱)۔

اس کے علاوہ عرض ہے کہ تفسیر جلالین جلد اول، ص: ۱۴۸ (۲) اس کے علاوہ عرض ہے کہ ہدایہ جلد اول، ص: ۹۸ (۳) میں ہے:

مکرمی عالی جناب قبلہ مفتی صاحب ہم معذرت کے ساتھ تحریر کرتے ہیں کہ تھوڑی سی زحمت تو ضرور ہوگی لیکن ہمارے لئے باعثِ مسرت ہوگی، تحریر کی ہوئی عبارت پر غور فرما کر شریعتِ محمدی سے خلاصہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ مسئلہ متنِ حدیث، شرحِ حدیث، تفسیر، فقہ میں تفصیل سے مذکور ہے، اس پر مستقل رسائل عربی فارسی اور اُردو میں لکھے گئے ہیں۔ جب دلائل متعارض ہوں تو ترجیح دے کر راجح کو اختیار کرنا یا تطبیق دینا لازم ہے اور یہ کام اعلیٰ طرز پر مجتہد سے انجام پاتا ہے۔

جو لوگ صرف ایک طرف سے دلائل دیکھتے ہیں وہ اُسی طرف جھک جاتے ہیں، چنانچہ آپ کے سوال

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من صلى صلاةً لم يقرأ فيها بأم القرآن، فهي خداج" –ثلاثاً– "غير تمام". فقيل لأبي هريرة: إنا نكون وراء الإمام؟ فقال: اقرأ بها في نفسك، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "قال الله تعالىٰ: (قسمتُ الصلاة بيني وبين عبدي نصفين) الخ". (الصحيح لمسلم، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة الخ: ۱۶۹/۱، ۱۷۰، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ عن الكلام ﴿لعلكم ترحمون﴾ نزلت في ترك الكلام في الخطبة. وعبّر عنها بالقرآن لاشتمالها عليه، وقيل: في قراءة القرآن مطلقاً". (تفسير جلالين كلاں (سورة الأعراف: ۱۴۷/۱، قديمي)

(۳) "(والقراءة) لقوله تعالىٰ: ﴿فاقرأوا ماتيسر من القرآن﴾. (الهداية، باب صفة الصلاة: ۹۸/۱، مكتبه شركة علمية ملتان)

میں صرف ایک طرف کے دلائل ہیں، وہ بھی اصل احادیث نہیں بلکہ اردو کا ترجمہ یا حوالہ ہے۔ دوسری طرف کے دلائل اصل احادیث مبارکہ کے الفاظ پیشِ خدمت ہیں، ان میں غور کیجیے، امید ہے کہ آپ احادیث کے سمجھنے سے قاصر نہیں ہوں گے اور علمِ حدیث کو آپ نے اساتذہ سے حاصل کیا ہوگا اور ہر حدیث کی قوت وضعف سے باخبر ہوں گے، ورنہ اس طرز پر سوال نہ کرتے، بلکہ صرف مسئلہ دریافت کرنے پر کفایت کرتے، اس لیے میں نے ان احادیث کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی:

"عن أبي موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: علّمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا قمتم إلی الصلوٰۃ، فلیؤمکم أحدکم، وإذا قرأ الإمام فأنصتوا". أخرجہ أحمد: ٤/٤١٥(١) إسنادہ إسناد مسلم، ولفظ مسلم فی حدیث أبی موسیٰ مرفوعاً: "إذا قرأ فأنصتوا". ١/١٧٤"(٢)۔

ولأحمد، ص: ٣٧٦(٣) وأبی داؤد، ص: ٣٣٥(٤) وابن ماجة، ص: ٦١(٥) والنسائی،

---

(۱) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث أبی موسی الأشعری: ۴/۴۱۵، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۴، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) "عن قتادة من الزیادة: "وإذا قرأ فأنصتوا" ...... فحدیث أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ فقال: ہو صحیح عندی یعنی: "وإذا قرأ فأنصتوا". فقال: ہو عندی صحیح. فقال: لِمَ لم تضعہ ہہنا؟ قال لیس کل شیئ عندی صحیحٌ وضعتُہ ہہنا، إنما وضعتُ ہہنا ما أجمعوا علیہ". (الصحیح لمسلم، باب التشہد فی الصلوٰة: ۱/۱۷۴، قدیمی)

(۳) الحدیث بتمامہ: "عن أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "إنما جُعل الإمام لیؤتم بہ، فإذا کبّر فکبّروا، وإذا قرأفأنصتوا .... اھ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/۱۴۸، حدیث أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: ۹۱۵۱، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(۴) (سنن أبی داؤد، باب الإمام یصلی من قعود: ۱/۸۹، مکتبہ دارالحدیث ملتان)

(۵) "عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا قرأ الإمام، فأنصتوا، فإذا کان عند القعدة، فلیکن أول ذکر أحدکم التشہد". (سنن ابن ماجة، باب: ﴿إذا قرأ القرآن فأنصتوا﴾، ص: ۶۱، قدیمی)

ص: ۱٦٦، مثله عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً(١)، وقد صححه مسلم. وكذا صححه ابن حزم فى المحلّى: ۳/۱۳۹(۲)۔

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من صلى خلف الإمام، فإن قرآءة الإمام له قراءة". أخرجه محمد: ۳/۷۷(۳)۔

والإمام أحمد، ص: ۳٤۹(٤). أو فى شرح المقنع: ۲/۱۱: "هذا إسناده صحيح متصل، رجاله كلهم ثقات(٥)۔ والإمام الطحاوى: ۱/۲۸(٦)، وأحمد ابن منيع، والحديث

---

(١) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا". قال أبو عبدالرحمٰن: كان المخرمى يقول: هو ثقة يعنى محمد بن سعد الأنصارى". (سنن النسائى، باب: (وإذا قرئ القران) الخ: ۱/۱٤٦، قديمى)

(٢) "وذكروا أيضاً حديثاً صحيحاً من طريق ابن عجلان فيه: "إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا سجدفا سجدوا، وإذا قرأفأنصتوا، وإذا صلى جالساً فصلوا جلوساً أجمعون". (المحلى لابن حزم، الأمر بقراءة ماتيسر من القرآن فى الصلوة: ۳/۲٤۰، المكتب البخارى، بيروت)

(۳) (المؤطا للإمام محمد، باب القراءة فى الصلاة خلف الإمام، ص: ۹٤، مير محمد كتب خانه كراچى)

(٤) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "من كان له إمام فقرآئته له قراءة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث جابر بن عبدالله، رقم الحديث: ۱٤۲۳۳، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(٥) "قوله: ولاتجب القرآءة على المأموم: أى قراءة الفاتحة .... لماروى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "من كان له إمام فقراءته له قراءة ...... اهـ". قلنا: قد رواه الإمام أحمد .... عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم. قال فى الشرح: إسناده متصل صحيح". (المقنع فى فقه السنة للإمام أحمد بن حنبل، باب صلاة الجماعة: ۱/۱۹۷، مكتبه الرياض الحديثيه)

(٦) "عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة". (شرح معانى الآثار للطحاوى، ص: ۱٤۹، سعيد)

صحیح. ولمالك، ص:۲۹: عنه مرفوعاً بسند صحیح: "من صلی رکعةً، فلم یقرأ فیها بأم القرآن، فلم یصل، إلاوراء الإمام"(۱)۔ وله بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: إذا صلّی أحدکم خلف الإمام، فحسبه قراءة الإمام، وإذا صلی وحده، فلیقرأ". قال: "وکان عبداللّٰه لایقرأخلف الإمام". وفی الباب عن ابن مسعود عند الطحاوی: ۱۲۹/۱، بسند صحیح ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أبی الدرداء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عنده بسند حسن"(۲). کذا فی فقه السنن والآثار(۳)۔

ان احادیث میں کوئی اشکال اورالجھن ہوتو تحریر کریں اوراس تحریر کوبھی بھیجیں۔ اگر خدانخواستہ عبارتِ عربیہ کو سمجھنے سے آپ قاصر ہوں تب اس تحریر کو یہاں بھیج دیں تاکہ اردو میں مسئلے کو حل کردیا جائے اورآپ کی استعداد کے مطابق جواب لکھ دیا جائے۔

---

(۱) (مؤطا الإمام مالک، باب ماجاء فی أم القرآن، ص:۲۶،۲۷، میرمحمد کتب خانه کراچی)

(۲) "عن أبی حمزة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلت لابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أقرأ والإمام بین یدیّ؟ فقال: لا". (شرح معانی الآثار للطحاوی، باب القراءة خلف الإمام، ص:۱۵۱، سعید)

(۳) "وعن کثیر بن مرة عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه قال: قام رجل فقال: یا رسول الله! أفی کل صلاة قرآن؟ قال: "نعم". فقال رجل من القوم: وجب هذا، فقال أبوالدرداء: یا کثیر! –وأنا إلی جنبه– لأری الإمام إذا أم القوم إلاقد کفاهم". رواه الدارقطنی والطحاوی وأحمد وإسناده حسن. وفی الباب آثار التابعین رضوان الله علیهم أجعمین". (آثار السنن، باب فی ترک القراءة خلف الإمام فی الصلوات کلها، ص:۱۱۶، إمدادیه)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنیفة قال .... "عن جابر بن عبدالله الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال:صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجل خلفه یقرأ، فجعل رجلٌ من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ینهاه عن القراءة خلف نبی الله صلی الله علیه وسلم، فتنازعا، حتی ذُکر ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم. فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "من صلی خلف إمام، فإن قراءة الإمام له قراءة". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبی حنیفة رحمة الله علیه". (کتاب الآثار، باب القراءة خلف الإمام وتلقینه، ص: ۱۷، إدارة القران، کراچی)

تنبیہ: آپ نے شروع خط میں لکھا ہے: ''فرض نماز میں جب امام کے پیچھے نماز کے لیے مقتدی کھڑا ہوتو صحیح بخاری شریف کی یہ حدیثیں پیش کی جاتی ہیں'' مگر سارے خط میں ایک بھی حدیث بخاری شریف کی نہیں ہے، مہربانی فرما کر اپنے خط کو غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ اس میں بخاری شریف کی کون سی حدیث ہے، اگر نہیں ہے تو پھر بخاری شریف کا حوالہ کس لیے دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳ھ۔

ایضاً

سوال[۳۱۷۰]: زید کا قول کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بکر کہتا ہے کہ بلا فاتحہ کے نماز نہیں ہوگی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کو کیا ہے، اگر نہ پڑھنا ثابت ہے تو قرآن وحدیث وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کیجیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کی دلیل اس مسئلہ میں ﴿إذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ الآیہ(۱) اور مؤطا کی یہ روایت ہے: "عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلی خلف الإمام، فإن قراءة الإمام له قراءةٌ"(۲)۔

یہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ہر ایک کی پوری تخریج نصب الرایہ میں ہے(۳)۔

---

(۱) (سورة الأعراف: ۲۰)

(۲) (المؤطا للإمام محمد رحمه الله تعالیٰ، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، ص: ۹۴، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۳) "قال النبی صلی الله علیه وسلم: "من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة". قلت: روی من حديث جابر بن عبدالله، ومن حديث ابن عمر، ومن حديث الخدری، ومن حديث أبي هريرة، ومن حديث ابن عباس – رضی الله تعالیٰ عنهم– .... اهـ.

أما حديث جابر رضی الله تعالیٰ عنه، طريق آخر رواه الإمام أحمد في "مسنده" عن جابر بن=

"وإذا قرأ، فأنصتوا" الحدیث، جس کی تخریج امام مسلمؒ نے کی ہے(۱)۔

= عبدالله -رضی الله تعالیٰ عنه- عن النبی صلی الله علیه وسلم "من کان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة" ولکن فی إسناده ضعف".

"فی مسنده" کے بارے میں "بغیة الألمعی فی تخریج الزیلعی" میں لکھا ہے کہ:

"إسناد أحمد: ثنا أسود بن عامر أنا حسن بن صالح.....عن أبی الزبیر عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم. قلت: رُواته کلهم ثقات. قال الشارح الکبیر "للمقنع": ۱/ ۲، بعد أن أورد حدیث أحمد بإسناده ومتنه: وهذا إسنادٌ صحیحٌ متصلٌ، رجاله کلهم ثقات.....وأما حدیث ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فأخرجه الدارقطنی فی "سننه" عن محمد بن الفضل بن عطیة عن أبیه عن سالم بن عبدالله عن أبیه عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم: "من کان له إمام، فقراء ته له قراء ة" انتهی. ثم قال الدار قطنی: محمد بن الفضل متروکٌ .... ثم أخرجه عن أحمد بن حنبل: ثنا إسماعیل بن علیة عن أیوب عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال فی القراء ة خلف الإمام: یکفیک قراء ة الإمام". انتهی. قال: هو الصواب.

وأما حدیث خدری، فرواه الطبرانی فی "معجم الوسیط": حدثنا محمد بن إبراهیم بن عامر بن إبراهیم الأصبهانی، حدثنی أبی عن جدی عن النضر بن عبدالله، ثنا الحسن بن صالح عن أبی هارون العبدی عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من کان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة". انتهی.

وأما حدیث أبی هریرة -رضی الله تعالیٰ عنه- فی "سننه" عن محمد بن عبادالرازی ثنا إسماعیل بن إبراهیم التیمی عن سهیل بن أبی صالح عن أبیه عن أبی هریرة -رضی الله تعالیٰ عنه- مرفوعاً نحوه "سواء". قال الدار قطنی: لایصح هذا عن سهیل، تفرد به محمد بن عبادالرازی، وهو ضعیف انتهی.

وأما حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یکفیک قراء ة الإمام، خافت أوجهر". انتهی". (نصب الرایة لأحادیث الهدایة، فصل فی القراء ة: ۲/۶،۵، مکتبه حقانیه، پشاور)

(۱) "عن قتادة من الزیادة: "وإذا قرأ فأنصتوا"..... فحدیث أبی هریرة -رضی الله تعالیٰ عنه-؟ فقال: هو صحیح، یعنی: "وإذا قرأ فأنصتوا" فقال: هو عندی صحیح، فقال: لِمَ لم تضعه هاهنا؟ قال: لیس کل شیئ =

بکر کسی ایک روایت کو پیش کرے جس میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم ہو، یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود پڑھنا ثابت ہو۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۲/۳/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۸/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

"إذا قرئ القرآن فاستمعوا له" کا شانِ نزول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمتِ جناب فخر المحدثین مولانا المولوی محمد زکریا صاحب!

سوال[۳۱۷۱]: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مندرجہ ذیل آیت کے متعلق لکھیں کہ شانِ نزول اس کا کیا ہے اور اس کی تفسیر لکھیں مع سن کے۔ بعض علمائے اہل حدیث فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ فاتحہ کے بارے میں نہیں اتری اور بعض علمائے حنفی یہ کہتے ہیں کہ یہ سورۂ فاتحہ کے منع میں اتری ہے اور ان دونوں جماعتوں کے علماء نے ہم تمام اہلِ محلہ کو چکر میں ڈال رکھا ہے، اس لئے یہ پرچہ سوال کا پیشِ خدمت ہے، آپ صریح اور واضح طور سے اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول لکھیں۔

= عندی صحیح وضعته هاهنا، إنما وضعت هاهنا ما أجمعوا علیه". (الصحیح لمسلم، باب التشهد فی الصلاة: ۱/۱۷۴، قدیمی)

"حاصله أن محمداً قال فی کتابه الآثار: لانری القراءة خلف الإمام فی شیئ من الصلوات یجهر فیه أو یسر، ودعوی الاحتیاط ممنوعة، بل الاحتیاط ترک القراءة؛ لأنه العمل بأقوی الدلیلین، وقد رُوی الفساد بالقراءة عن عدة من الصحابة، فأقواهما المنع..... اهـ".

قال فی الخزائن: وفی الکافی: ومنع المؤتم من القرائة مأثورٌ عن ثمانین نفراً من کبار الصحابة، منهم: المرتضی والعبادلة، وقد دوّن أهل الحدیث أسامیهم". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۴، ۵۴۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاه: ۱/۵۹۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۷، ۳۳۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

آیت یہ ہے:﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له، وانصتوا، لعلكم ترحمون﴾ بینوا توجروا۔

ایم عبدالحکیم قمر سنی حنفی کھیڑوی، ریاست جے پور (راجپوتانہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً بعض حضراتِ صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، ان کو منع کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر احکام القرآن میں ایسا ہی نقل کیا ہے(۱)۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت موجود ہے(۲)۔

"التعليق الحسن" میں اس پر اجماع نقل کیا ہے:"وأخرج البيهقي عن الإمام أحمد قال: أجمع الناس على أن هذه الآية في الصلوة"(۳)۔ اور یہ اپنے عموم کے اعتبار سے فاتحہ اور غیر فاتحہ

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، أنه قال: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قرأ في الصلاة وقرأ معه أصحابه، فخلطوا عليه، فنزل القرآن: ﴿وإذا قرئ القرآن، فاستمعوا له وأنصتوا﴾ .... عن أبي العالية رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان نبي الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى، قرأ أصحابه أجمعون خلفه، حتى نزلت: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ فسكت القوم وقرأ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فقد حصل من اتفاق الجمع أنه قد أريد ترك القراءة خلف الإمام، والاستماع والإنصات لقراءته .... عن ابن بحينة رضي الله تعالىٰ عنه -وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "هل قرأ معي أحدٌ آنفاً في الصلاة"؟ قالوا: نعم يارسول الله! قال: "فإني أقول: مالي أنازع القرآن". قال: فانتهى الناس عن القراءة معه منذ .... عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل صلاة لايقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج، إلا وراء الإمام". فنص على تركها وراء الإمام". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۳۹-۴۳، باب القراءة خلف الإمام، قبيل سورة الأنفال، دارالكتاب العربي، بيروت)

(۲) "وقال علي ابن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في الآية قوله: ﴿وإذا قرئ القرآن، فاستمعوا له وأنصتوا﴾ يعني في الصلاة المفروضة، وكذا روي عن عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه. الخ". (تفسير ابن كثير: ۲/۳۷۳، (سورة الأعراف: ۲۰۴)، دارالفيحاء دمشق)

(۳) (التعليق الحسن على حاشية آثار السنن، ص: ۱۰۹، باب في ترك القراءة خلف الإمام في الجهرية، قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له﴾ الآية، رقم الحاشية: ۱۳۷، إمداديه ملتان)

سب کوشامل ہے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/رمضان/۶۶ھ۔

قرأت فاتحہ خلف الامام

سوال[۳۱۷۲]: خلف الامام سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کیسا ہے؟ بعض علمائے حدیث کہتے ہیں کہ سرّی اور جہری ہر ایک نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے اور بعض علمائے حنفی کہتے ہیں کہ سرّی میں پڑھنا چاہیے جہری میں نہیں۔ مع دلائل جواب دیں۔ بینوا توجروا

ایم عبدالحکیم قمر سنی حنفی کھیڑوی، ریاست جے پور (راجپوتانہ)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت امام ابوحنیفہ -رحمہ اللہ تعالیٰ- کا مذہب متونِ فقہ میں منقول ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہیے، جہری نماز ہو یا سری، نہ سورۂ فاتحہ پڑھے نہ کچھ اور:

"قال محمد: لاقراءة خلف الإمام فيما جهرفيه ولافيمالم يجهر، بذلك جاءت عامة الآثار، وهو قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالیٰ- قال محمد: أخبرنا عبيدالله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: من صلی خلف الإمام، كفته قرأته"۔

قال محمد: أخبرنا عبدالرحمن بن عبدالله المسعودی، أخبرنی أنس بن سيرين عن ابن عمر -رضی الله تعالیٰ عنهما- أنه سئل عن القراءة خلف الإمام، قال: تكفيك قرائة الإمام. قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا أبوالحسن موسیٰ بن أبی عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله -رضی الله تعالیٰ عنه- عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه

(۱) "لكانت الآية كافية فی ظهور معناها وعموم لفظها ووضوح دلالتها علی وجوب الاستماع والإنصات لقراءة الإمام". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۳۹، باب القراءة خلف الإمام، قبيل سورة الأنفال، دارالكتب العربی، بيروت)

وسلم أنه قال: "من صلى خلف الإمام، فإن قراءة الإمام له قرائة، اھ". مؤطا الإمام محمد(١)۔

زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو أوجز المسالك(٢)، بذل المجهود(٣)، إعلاء السنن(٤) وغیرہ دیکھیے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٣/ رمضان/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ٣/ رمضان/ ٦٦ھ۔

---

(١) (المؤطا للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، ص: ٩٢، مير محمد كتب خانه كراچی)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما جُعل الإمام ليؤتم به، فإذا قرأ فانصتوا". وفي "التسريح": هذه حجة صريحة في أن المقتدى لايجب عليه أن يقرأ خلف الإمام أصلاً..... وتعقبه المنذري في مختصره..... فإن أبا خالد الأحمر. هذا هو سليمان بن حبان، وهو من الثقات الذين احتج بهم البخاري ومسلم، وقد سمع من ابن عجلان، وهو ثقةٌ وثّقه النسائي وابن معين وغيرهما.

وقدأخرج مسلم هذه الزيادة في صحيحه في حديث أبي موسى الأشعري من حديث سليمان عن قتادة، وضعّفها (أي الزيادة المروية) أبوداؤد والدار قطني والبيهقي وغيرهما لتفرد سليمان التيمي بها، ولم يؤثر عند مسلم تفرده بها لثقته وحفظه، وصححها من حديث أبي موسى وأبي هريرة انتهى".

"وعن جابر عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه قال: "من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة". (أماني الأحبار في شرح معاني الآثار، باب القراءة خلف الإمام: ٣/١٣٥، ١٣٩، إداره تاليفات أشرفيه ملتان)

(٢) "أما الكتاب، فثبت بالروايات الكثيرة نزول قوله عزوجل: ﴿وإذا قرئ القرآن، فاستمعوا له، وأنصتوا﴾ في القراءة خلف الإمام. قال في التنسيق: إنهم أجمعوا واتفقوا على أنها نزلت في القراءة خلف الإمام. وأخرج البيهقي عن الإمام أحمد قال: أجمع الناس على أن هذه الآية في الصلاة. وقال ابن عبدالبر في الاستذكار: هذا عند أهل العلم عند سماع القرآن في الصلاة، لايختلفون أن هذا الخطاب نزل في هذا المعنى دون غيره، كذا في الفرقان".

وأما السنة..... وأما من الأحاديث المرفوعة نصاً فحديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "إذا=

....

= قرأ فانصتوا". أخرجه مالك وأبوداؤد وابن ماجة وغيرهم. وروى من حديث أبي موسى الأشعرى رضى الله تعالىٰ عنه عند مسلم وغيره.

ومنها حديث جابررضى الله تعالىٰ عنه أخرجه محمد فى المؤطا.....عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم: "من صلى خلف الإمام، فإن قراء ة الإمام له قراء ة". وهذا الحديث مشهورٌ رُوى عن جماعة من الصحابة غيرجابرٍ، منهم: ابن عمر، وأبوسعيد الخدرى، وأبوهريرة، وابن عباس، وأنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنهم". (أوجزالمسالك فى شرح مؤطا الإمام مالك، القراء ة خلف الإمام فيما لايجهرفيه بالقراء ة: ١٠٣/٢، إداره تاليفات أشرفيه ملتان)

تنبیہ: فقہی عبارات عنوان: "قراء ت خلف الإمام" کے تحت ص:۵۲، حاشیہ :۱، ملاحظہ فرمائیں۔

(٣) "من صلى خلف الإمام، فقراء ة الإمام قراء ة له"...... قلت: هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة، وهم: جابر بن عبدالله وابن عمرو أبوسعيد الخدرى وأبوهريرة وابن عباس وأنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنهم. فحديث:جابر أخرجه ابن ماجة عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كان له إمام، فإن قراء ة الإمام قراء ة له". أما حديث جابر، فله طرق أخرى يشُدّبعضها بعضاً، منها طريقٌ صحيحٌ وهومارواه محمد بن الحسن فى المؤطأ عن أبى حنيفة قال: أخبرنا الإمام أبو حنيفة.......... مع هذا رُوى منع القراء ة خلف الإمام عن ثمانين من الصحابة الكبار، منهم: المرتضى، والعبادلة الثلاثة، وأساميهم عند أهل الحديث، فكان اتفاقهم بمنزلة الإجماع، فمن هذا قال صاحب الهداية من أصحابنا: وعلى ترك القراء ة خلف الإمام إجماع الصحابة، فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر، ومثل هذا يسمىٰ إجماعاً عندنا". (بذل المجهود، باب من ترك القراء ة فى صلاته وبحث القراء ة خلف الإمام: ٥٣/٢، ٥٥، مكتبه إمداديه ملتان)

(٤) قال العلامة ظفر أحمد العثمانى: "عن أبى هريرة -رضى الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "إنما الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا". قال أبوعبدالرحمن: كان المخرمى يقول: هوثقةٌ، يعنى محمد بن سعيد الأنصارى، وصححه مسلم فى صحيحه، وقال: هوعندى صحيح، وصححه ابن حزم والإمام أحمد".

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "كل من كان له إمام فقراء ته له قراء ة". رواه ابن أبى شيبة. وهذا سند صحيح. .... =

قرأتِ فاتحہ خلف الامام

سوال[۳۱۷۳]: زید امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور عمر نہیں پڑھتا اور دونوں اپنے کو محمدی کہتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق کس کی نماز صحیح ہوگی اور کس کی نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال واضح نہیں، زید اور عمر میں جو اختلاف ہے وہ سری نماز میں ہے یا جہری نماز میں؟ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ محمدی کا کیا مصداق ہے، آیا یہ نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے یا کسی اَور امام کی طرف، جیسے امام محمد ابن حسن یا امام محمد ابن ادریس وغیرہما، یہ لفظ کتبِ حدیث میں تو کہیں نہیں ملتا۔ آپ کے سوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ محاکمہ چاہتے ہیں تو وہ موقوف ہے ہر دو کے دلائل معلوم ہونے پر، آپ نے کسی کی دلیل بھی نہیں لکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۴/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۴/۱۳ھ۔

آیت:"وإذا قرئ القرآن" خاص ہے یا عام؟

سوال[۳۱۷۴]: ۱......﴿إذا قرئ القران﴾ عام ہے یا خاص، اگر خاص ہے تو وقت بتلایئے، اگر عام ہے تو:

(الف) ایک شخص صبح کی نماز کے لیے مسجد میں گیا وہاں جماعت ہورہی تھی یہ سنت میں مشغول ہوگیا۔

(ب) یا کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت گیا کہ تراویح شروع ہوگئی اور یہ جا کر فرض علیحدہ پڑھتا ہے۔

(ج) یا صبح جمعہ کی نماز عذر سے یا سہواً قضا ہوگئی، خطبۂ جمعہ کے وقت عذر رفع ہوا۔

(د) ایسی صورت میں اگر یہ نماز میں قرأت کرتا ہے تو آیتِ مذکورہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

= أخبرنا: أبو حنيفة قال:......عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من صلى خلف الإمام، فإن قراء ة الإمام له قراء ة". رواه الإمام محمد في المؤطا. قال العيني: طريق صحيح". (إعلاء السنن، النهي عن القراء ة خلف الإمام في الجهرية والسرية، واكتفاء المأموم بقراء ة الإمام، : ۵۵/۴، ۶۱، إدارة القران والعلوم الإسلامية كراتشي)

۲......مقتدی سکتۂ امام کے وقت سورۂ فاتحہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر امام سکتہ نہ کرے تو بار کس کے ذمے ہوگا، مقتدی کے یا امام کے؟

۳......اگر سنت سمجھ کر رفع یدین کرے تو ثواب بڑھے گا یا گھٹے گا؟

۴......عشاء کے بعد وتر سے پہلے بعض علماء وعظ شروع کر دیتے ہیں اور بعض مصلّی نماز پڑھتے رہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

۵......﴿إذا قرئ القرآن﴾ جہاں تک آواز جائے وہاں تک اپنا حکم رکھتی ہے یا کیا؟

۶......لوگوں کے نماز پڑھنے کی حالت میں لڑکے مدرسے میں کلام اللہ پڑھتے ہیں۔

۷......یا چند حافظ جدا جدا تلاوت کرتے ہیں، یہ آیت مذکورہ کے خلاف تو نہیں ہے؟

۸......ایک شخص کہتا ہے یہ آیت تلاوتِ قرآن کے وقت واہی تباہی باتوں کی ممانعت کے لیے آئی ہے، آپس میں کلام اللہ پڑھنے یا قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں نہیں، بلکہ یہ پڑھنا ضرور واجب اور فرض ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہ آیت نماز میں فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی، پہلا شخص کہتا ہے کہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تب بھی واہیات باتوں کی ممانعت کے لیے نازل ہوئی ہے، نہ فاتحہ کی ممانعت کے لیے۔ اور خطبہ سے لوگوں کا خریداری غلہ کے لیے چلے جانے اور بعض ناواقفوں کا نماز میں باتیں کرنا وغیرہ کو اس کا شانِ نزول قرار دیتا ہے۔ پس ان تمام باتوں کا فیصلہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ سے فرمائیے۔

والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......آیت: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ بظاہر عام ہے، مگر علماء کے اس میں چند اقوال ہیں:

اول یہ کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرمائیں، نزول قرآن کے وقت تو اس کو خاموشی سے سنو۔

دوم یہ کہ یہ مقتدی کے حق میں ہے اور یہ جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔

سوم یہ کہ یہ خطبہ کے لیے ہے۔

چہارم یہ کہ یہ خطبہ اور مقتدی دونوں کے لیے ہے اور یہ اصح ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل ص: ۲۳۱، میں ہے: "ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قرأة القرآن في الصلوٰة وغيرها. وقيل: معناه: "إذا تلي عليكم القرآن الرسولُ عند نزوله فاستمعواله". وجمهور الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم علىٰ أنه في استماع المؤتم. وقيل: في استماع الخطبة. وقيل: فيها، وهو الأصح"(١). والبسط في التفسيرات الأحمديه، ص: ٤٢٦(٢)۔

(الف) اگر ایک رکعت امام کے ساتھ ملنے کی امید ہو تو خارجِ مسجد یا جس حصۂ مسجد میں جماعت ہو رہی ہو اس سے دوسرے حصے میں سنتیں پڑھے، اگر دو حصے نہ ہوں اور آس پاس کوئی جگہ خارجِ مسجد اور بھی نہ ہو تو سنتیں نہ پڑھے، فرضوں میں شریک ہو جائے اور قرآن سننا فرضِ کفایہ ہے جو مقتدیوں سے ادا ہو رہا ہے، كذا في رد المحتار: ١/٧٤٩(٣) وكبيرى(٤).

---

(١) (تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل، (سورة الأعراف، پاره: ٩): ١/٣٥٨، قديمى)

(٢) "في مسئلة أن المؤتم لايقرأ لقوله تعالىٰ ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا، لعلكم ترحمون﴾ ﴿واذكر ربك﴾ الآية. هاتان آيتان، فالآية الأولى استدل بها بعض علماء الحنفية في أن ترك القراءة للمؤتم فرض، وذلك؛ لأن الله تعالىٰ أمر باستماع القرآن والإنصات عند قراءة القران مطلقاً، سواءً كان في الصلاة أوفي غيرها، ولكن لما كان عامة العلماء غيرقائلين بوجوب استماع خارج الصلاة بل باستحبابه، وكان الآية رداً على رجل من الأنصار يقرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة -على مافي الحسيني-، وكان جمهور الصحابة على أن الآية في استماع المؤتم خاصةً، وقيل: في الخطبة، والأصح أنه فيهما جميعاً -على مافي المدارك- ثبت أن القرآن وجب الاستماع في الصلاة، وكمال ذلك لايكون إلابالسكوت لا بالقراءة خفيةً؛ لأنه لما أوجب الإنصات للا ستماع في الصلاة، أوجبه بكماله، وذلك فيما قلنا". (التفسيرات الأحمديه، (سورة الأعراف، پاره: ٩)، ص: ٤٢٦، مكتبه حقانيه پشاور)

(٣) "(قوله: بأن رجا إدراك ركعة) تحويلٌ لعبارة المتن، وإلافالمتبادر منها القول الثاني. (قوله: وقيل: التشهد): أي إذا رجا إدراك الإمام في التشهد لايتركها بل يصليها، وإن علم أن تفوته الركعتان معه.....وقد اتفقوا على إدراكه بادراك التشهد، فيأتي بالسنة اتفاقاً كما أوضحه في الشرنبلا لية أيضاً.........(قوله: عند باب المسجد): أي خارج المسجد.....لأنه لوصلاها في المسجد كان متنفلاً فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة، وهو مكروه. فإن لم يكن على باب المسجدموضع للصلاة، يصليها في المسجد خلف سارية من سوارى المسجد. وأشدُّها كراهةً أن يصليها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة، والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل. (قوله: وإلا تركها) قال في الفتح: وعلى هذا: أي على كراهة صلاتها في المسجد ينبغي أن لايصلي فيه إذا لم يكن عند بابه مكان؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة". (رد المحتار، باب إدراك الفريضة: ٢/٥٦، ٥٧، سعيد)

(٤) (وكذا في الحلبي الكبير، فروع: لوترك سنة الفجر، ص: ٣٩٦، ٣٩٧، سهيل اكيڈمى لاهور)

(ب) پہلے تنہا عشاء پڑھے، پھر امام کے ساتھ شریک ہو، کبیری، ص: ۳۵۴(۱)، استماع وانصات اس وقت اس کے ذمے واجب نہیں۔

(ج) اگر صاحبِ ترتیب ہے تو صبح کی نماز پہلے پڑھے ورنہ خطبہ سنے، درمختار(۲)۔

(د) یہ جزئیہ مستثنیٰ ہے کیوں کہ صاحبِ ترتیب پر ترتیب فرض ہے، اگر صبح کی قضا نماز پہلے نہ پڑھے گا تو جمعہ درست نہ ہوگا۔

۲...... مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ یا سورت پڑھنا جائز نہیں، لقوله صلى الله عليه وسلم: "وإذا قرأ (الإمام) فأنصتوا". رواه مسلم". فتح القدير: ۱/ص ۲٤(۳)۔

۳...... تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین اب مسنون نہیں، غیر مسنون کو مسنون سمجھنے سے ثواب بڑھتا نہیں بلکہ کم ہوتا ہے، البتہ محض جائز سمجھ کر اگر مواضعِ مخصوصہ میں رفع یدین کرے تو ثواب میں کمی نہیں آئے گی(۴)۔

۴...... وتر اور سنتوں سے فراغت کے بعد اگر ضرورت ہو، وعظ کہنا چاہیے(۵)۔

---

(۱) "لو دخل بعد ماصلى الإمام الفرض وشرع في التراويح، فإنه يصلي الفرض أوّلاً وحده، ثم يتابعه في التراويح". (الحلبي الكبير، فروع: فاتته ترويحة أو ترويحتان، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (إذا خرج الإمام) من الحجرة (فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها) وإن كان فيها ذكر الظلمة في الأصح (خلاقضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية) فإنها لاتكره -سراج وغيره- لضرورة صحة الجمعة، وإلا لا". (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

(۳) (فتح القدير، فصل في القراءة: ۱/۳۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". (سنن الترمذي، باب رفع اليدين عند الركوع: ۱/۵۹، سعيد)

"(ولا يسن) مؤكداً (رفع يديه إلا في) سبع مواطن كما ورد .... ثلاثة في الصلاة: (تكبيرة افتتاحٍ وقنوتٍ وعيدٍ، و) خمسة في الحج (استلام) الحجر (والصفا، والمروة وعرفات والجمرات)". (الدرالمختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۶، ۵۰۷، سعيد)

(۵) "أما للتدريس أو للتذكير، فلا؛ لأنهما بني له وإن جاز فيه. ولايجوز التعليم في دكان في فناء المسجد عند أبي حنيفة، وعندهما يجوز إذا لم يضر بالعامة". (البحر الرائق، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في كفايت المفتي: نماز عشاء کے بعد ترجمہ یا دینی کتاب کا درس: ۳/۱۹۰، دارالاشاعت)

۵......اس کا جواب گزرچکا(۱)۔

۶......ایسی حالت میں قرآن شریف سننا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر نماز کا وقت ہو تو بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھیں ورنہ قرآن شریف سننے کا ثواب بھی نوافل سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے(۲)۔

۷......اگر اس میں حرج ہوتا ہو کہ ایک پڑھے اور سب سنیں تو تمام کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں(۳)۔

۸......امام کے پیچھے فاتحہ یا سورت پڑھنا جائز نہیں، کما مر(۴)۔

اس آیتِ مذکورہ کے بارے میں اقوالِ مذکورہ کے علاوہ اَور بھی قول ہیں،" وهی هذه:

"وللعلماء فی ذٰلك أقوال: الأول: وهوقول الحسن وأهل الظاهر أن تجری هذ الآية علیٰ العموم، ففی أیّ وقتٍ وأیّ موضعٍ قرئ القران يجب علیٰ كل حال الا ستماع والسكوت.

والقول الثانی: إنها نزلت فی تحريم الكلام فی الصلوٰة، رُوی عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أنهم كانوا يتكلمون فی الصلوٰة لحوائجهم، فأمِروا بالسكوت والا ستماع للقرآن. وقال عبدالله: كنايسلم بعضنا علیٰ بعض فی الصلوٰة: سلامٌ علیٰ فلان وسلامٌ علیٰ فلان، قال: فجآء القرآن: ﴿وإذا قرئ القران فاستمعوا له وأنصتوا﴾۔

والقول الثالث: إنما نزلت هذا الآية فی رفع الأصوات وهم خلف رسول الله صلی الله عليه وسلم. وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع ناساً يقرأون مع الإمام، فلما

(۱) (راجع ،ص: ۷۱، رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۲) "(قوله: يجب الاستماع للقراءة مطلقاً) ....وفی شرح المنية. والأصل أن الاستماع للقرآن فرض كفاية؛ لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتاً إليه غير مضيع، وذلک يحصل بإنصات البعض، كما فی ردالسلام حين كان لرعاية حق المسلم، كفیٰ فيه البعض عن الكل". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعيد)

(۳) "ولو كان القاری فی المكتب واحداً يجب علی المارّين الاستماع، وإن أكثر ويقع الخلل فی الاستماع، لايجب عليهم". (الحلبی الكبير، القراءة خارج الصلاة، ص:۴۹۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) (فتح القدير، فصل فی القراءة : ۱/۳۴۱، مصطفی الحلبی البابی، مصر)

انصرف، قال: أما ان لكم أن تفقهوا: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ كما أمركم الله تعالى. وقال الكلبي: كانوا يرفعون أصواتهم في الصلوٰة حين يسمعون ذكر الجنة والنار، انتهىٰ ملخصاً". تفسيرات أحمديه، ص: ٤٦(١)۔

یہ سورت مکی ہے۔ بخارہ کا واقعہ کس حدیث سے بیان کیا ہے، حوالہ دیا جائے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق ایسا ناواقفیت کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۲۹/۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/محرم/۵۵۳ھ۔

آیت ﴿إذا قرئ القرآن﴾ الخ سے خارجِ صلوۃ وجوب استماع

سوال [۳۱۷۵]: قوله تعالىٰ: ﴿إذا قرئ القران فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (الآية) سے خارجِ صلوۃ میں وجوبِ استماع ثابت ہوتا ہے یا ندب؟ اس زمانہ میں کس پر عمل کیا جائے گا؟ جمہور احناف کا قول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وجوب ثابت ہے: "يجب الاستماع للقراءة مطلقاً، اهـ". درمختار۔ "أي في الصلوة وخارجها؛ لأن الآية وإن كانت واردةً في الصلوة على مامر، فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب، ثم حيث لا عذر. ولذا قال في القنية: صبيٌّ يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل يُعذرون في ترك الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة، وإلا فلا، وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن. وفي الفتح عن الخلاصة: رجلٌ يكتب الفقه وبجنبه رجلٌ يقرأ القرآنَ، فلا يمكنه استماع القران، فالإثم على القارى. وعلى هذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم: أي لأنه يكون سبباً لإعراضهم عن استماعه، أو لأنه يؤذيهم بإيقاظهم تأمل"۔

"وفي شرح المنية: والأصل أن الاستماع للقران فرض كفاية؛ لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتاً اليه غير مضيع، وذلك يحصل بإنصات البعض، كما في رد السلام حين كان برعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل، إلا أنه يجب على القارى احترامه بأن لايقرأ في

(١) (حاشية التفسيرات الأحمدية، ص: ٤٢٦، سورة الأعراف، الجزء: ٩، مكتبه حقانية، پشاور)

الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأ فيها، كان هو المضيع بحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج، وتمامه في :ط،ا ح". ردالمحتار، ص: ٣٦٦(١) -

قال الطحطاوي: "يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والإنصات، وقيل: لابأس به ". طحطاوی ،ص: ١٧٤ (٢)- فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۵/ ۱۳۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلوة، فروع في القراءة خارج الصلاة ومطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣١٦/٥، الباب الرابع من آداب المسجد والتسبيح والقراءة، رشيديه)

(٢) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ٣١٨، قديمي)

"وفي المحيط، يكره رفع الصوت لقراءة القرآن عند المشتغلين بالأعمال". (مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوىٰ: ٣٣٠/٤، امجد اکیڈمی، لاهور)

الفصل الرابع فی القرآءۃ المسنونۃ فی الصلوۃ

(قرآءت کی مقدارِ سنت کا بیان)

قرأتِ مسنونہ

سوال[۳۱۷۶]: قرأت مسنونہ درمیانِ نماز جو کتب میں لکھی ہے، مثلاً مغرب میں "لم یکن الذین" سے سورۂ ناس تک، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم سے اس وقت کی نماز میں اتنی ہی لمبی قرأت کی جائے جیسی ان سورتوں میں کی جاتی ہے یا ان ہی درمیانی سورتوں کا پڑھنا زیادہ ثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسنون یہی ہے کہ ان سورتوں کو پڑھا جائے، کبھی کبھی ان سورتوں کے علاوہ دوسری سورتوں کا پڑھنا بھی ثابت ہے مگر عامۃً ان ہی سورتوں کو پڑھنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم

سوال[۳۱۷۷]: فقہ کی تمام کتب میں نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کی سنتوں

---

(۱) "ویسن (فی الحضر) لإمام ومنفرد، ذکره الحلبی –والناس عنه غافلون– (طوال المفصل) من الحجرات إلی آخر البروج (فی الفجر والظهر، و) منها إلی آخر لم یکن". (أوساطه فی العصر والعشاء، و) باقیه (قصاره فی المغرب): أی فی کل رکعة سورة مما ذُکر، ذکره الحلبی". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدین: "(قوله: واختار فی البدائع عدم التقدیر الخ)". .... والظاهر أن المراد عدم التقدیر بمقدار، بل تارةً یقتصر علی أدنی ماورد کأقصر سورة من طوال المفصل فی الفجر بالمعوذتین أوأقصر سورة من قصاره عند ضیق وقت أونحوه من الأعذار؛ لأنه علیه الصلاة والسلام قرأفی الفجر بالمعوذتین لمّاسمع بکاء صبیٍ خشیة أن یشق علی أمه. وتارةً یقرأ أکثر ماورد إذا لم یملّ القوم". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۰، ۵۴۱، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

7

میں ایک سنت قراءت مسنونہ بیان کی گئی ہے، لیکن عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ امام اس کی مطلق پابندی نہیں کرتے، بلکہ مغرب میں طوالِ مفصل یا عشاء میں سورۂ بقرہ وغیرہ پڑھا کرتے ہیں۔ تو کیا اماموں کا یہ عمل ترکِ سنت کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا پڑھنا شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ اکثر وبیشتر مفصلات کی قراءت کی جائے (۱) لیکن کبھی اس کے خلاف کردیا جائے تو اس پر بھی کراہت کا حکم نہیں ہوگا، البتہ مقتدیوں کی رعایت بھی اہم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفصلات کو اہتمام سے پڑھنا

سوال [۳۱۷۸]: ۱...... دریافت طلب امر یہ ہے کہ فقہاء کے ذکر کردہ تفصیل طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل، قصارِ مفصل کے ساتھ قرأت کرنا کیسا ہے؟ اور یہ حکم صرف ائمہ کے لیے ہے یا منفرد کو بھی ہے؟

۲...... اسی ترتیب کو بلا کسی عذر کے عادۃً ترک کرنا یا مکمل سورت کے بجائے درمیانِ سورت سے چند آیات یا ایک آدھ رکوع پڑھنا اور عادۃً اکثر وبیشتر یا ہمیشہ اس طرح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور کوئی عادۃً ایسا کرتا ہو تو اس کو ٹوکنا اور مکمل سورت کے لیے متوجہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اس سنت کے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ ہونے کی تصریح نہیں دیکھی، البتہ امام اور منفرد کا حکم مقدارِ قراءت

---

(۱) (راجع، ص: ۷۶، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "(قوله: أي في كل ركعة سورةً مماذكر): أي من الطوال والأوساط والقصار، ومقتضاه أنه لانظر إلى مقدار معين من حيث عدد الآيات مع أنه ذكر في النهر أن القراءة من المفصل سنة، والمقدار المعين سنة أخرى. ثم قال: وفي الجامع الصغير: يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر أربعين أو خمسين، واقتصر في الأصل على الأربعين. وفي المجرد: مابين الستين إلى المائة، والكل ثابت من فعله عليه الصلاة والسلام......... والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار مايخفف على القوم ولا يثقل عليهم بعدأن يكون على التمام، وهكذا في الخلاصة". (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۴ دار الكتب العلمية بيروت)

میں یکساں ہے، کمافی شرح المنية، ص:۲۰۳ (۱) والدر المختار على الشامی: ۱/ ۵۰٤(۲) والبحر الرائق: ۱/ ۳٤۰(۳) ومراقی الفلاح، ص:۱٤۳ (٤)۔

اس تفصیل کو فقہاء اہتمام سے ذکر کرتے ہیں اور اس کے دلائل بھی لکھتے ہیں، بعض کتب میں سنن کو جداگانہ بیان کیا ہے اور مستحبات کو جداگانہ اور اس تفصیل کو سنن میں شمار کیا ہے۔

۲......عادۃً ایسا کرنا خلافِ افضل کو اختیار کرنا ہے، توجہ دلانا چاہیے: "بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورةً تامةً، اھ". شامی، ص: ۵۰۵ (۵) ۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۷۸ھ۔

کیا مسنون مقدار سے زیادہ مقتدی کی رضامندی کے باوجود مکروہ ہے؟

سوال[۳۱۷۹]: درمختار میں تطویلِ قراءت علی قدر السنۃ کو مکروہ تحریمی کہا ہے اور اس میں مقتدی

---

(۱) قال إبراهيم الحلبی: "(أما الطوال فمن سورة الحجرات إلى سورة البروج، وأما الأوساط فمن سورة البروج إلى سورة لم يكن، وأما القصار فمن سورة لم يكن إلى آخر القرآن) .والمنفرد كالإمام فی جميع ذلك". (الحلبی الكبير، باب صفة الصلاة، ص: ۳۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "ويسن (في الحضر) لإمام ومنفرد، ذكره الحلبی، -والناس عنه غافلون- (طوال المفصل) من الحجرات إلى آخر البروج". (الدر المختار، فصل فی القراءة: ۱/ ۵٤۰، سعيد)

(۳) "قوله: (وفی الحضر طوال المفصل الخ) .....وأطلق فشمل الإمام والمنفرد كما صرح به فی المجتبى من أنه يسن فی حق المنفرد مايسن فی حق الإمام من القراءة". (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۹٤، رشيديه)

(٤) "وهذا التقسيم (لو كان) المصلی هذا (مقيماً)، والمنفرد والإمام سواء إن لم يثقل على المقتدين بقراءته كذلك". (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل فی بيان سننها، ص: ۲٦۳، قديمی)

(۵) (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/ ۵٤۱، سعيد)

"الأفضل أن يقرأ فی كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورةً تامةً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفرائض: ۱/ ٤۵۱، إدارة القران والعلوم الإسلاميه كراتشی)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/ ۷۸، رشيديه)

راضی ہو یا ناراض، اس کی بھی قید مذکور ہے۔ اگر مقتدی راضی نہ ہوں تب تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اگر راضی ہوں تو پھر کیا وجہ ہے، پھر مکروہ تحریمی کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار کی وہ عبارت معہ حوالۂ باب نقل کیجئے، تب اس کا جواب ہو سکے گا (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۱/ ۸۷ھ۔

مغرب کی نماز طویل اور فجر وعشاء مختصراً پڑھانا

سوال [۳۱۸۰]: مغرب کی نماز میں رکوع پڑھنا اور عشاء وفجر میں سورتیں پڑھنا کیسا ہے؟ کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے، امام صاحب قصداً سورہ والشمس عشاء کی پہلی رکعت میں ایک ہفتہ تک برابر روزانہ پڑھتے ہیں جب کہ دونوں رکعتوں میں رکوع پورا نہیں ہوتا تھا اور کبھی کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ پہلی رکعت میں رکوع شروع کیا اور تھوڑا سا پڑھا، رکعت پوری کی، دوسری رکعت میں دوسرا رکوع شروع کر دیا اور وہ بھی پورا نہیں کیا۔ کیا آج کل کے اماموں کو بھی اجازت ہے کہ مغرب کی عشاء اور فجر وعشاء کی مغرب، مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

(۱) تنبیہ: سائل کا درمختار کے حوالہ سے یہ کہنا کہ ''اگر مقتدی راضی ہوں تو تطویل قراء ة علی قدر السنة مکروہ تحریمی ہے'' صحیح نہیں، کیونکہ درمختار میں ''زائداً'' کی قید موجود ہے، تطویل قراء ة علی قدر السنة سے زائد ہو تو مقتدی اگر راضی ہوں تب بھی مکروہ تحریمی ہے لإطلاق الأمر بالتخفیف چنانچہ درمختار میں ہے:

''(و) یکرہ تحریماً (تطویل الصلاة) علی القوم زائداً علی قدر السنة فی قراء ة أو أذکار لإطلاق الأمر بالتخفیف، نہر''. (الدرالمختار). ''(قولہ: لإطلاق الأمر بالتخفیف) وھو ما فی الصحیحین ''إذا صلی أحدکم للناس فلیخفف، فإن فیھم الضعیف والسقیم والکبیر، وإذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۴، سعید)

مقتدیوں کی رضامندی کے باوجود طویلِ قراء ت علی قدر السنة کی کراہت کی علت درمختار کی عبارتِ مذکورہ میں ہے، یعنی: ''لإطلاق الأمر بالتخفیف''.

جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے ۔

آج کل کے نوجوانوں کا یہ حلیہ کچھ نہ پوچھ

مونچھ کی داڑھی بنی اور بن گئی داڑھی کی مونچھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح سب کی نماز ادا ہو جائے گی، امام صاحب پر اعتراض غلط ہے، اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر رکعت میں مستقل سورت پڑھی جائے، فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل (سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک) مغرب میں قصارِ مفصل (پارۂ عم کے اخیر کی سورتیں) (۱)، عشاء میں سورۂ والشمس پڑھنے کی ترغیب خود حدیثِ پاک میں ہے (۲)، لہٰذا اس پر اعتراض کرنا غلط اور ناواقفیت ہے۔ مغرب کی نماز

(۱) "(و) یسنّ (فی الحضر طوال المفصل) من الحجرات إلی آخر البروج (فی الفجر، والظهر، و) منها إلی آخر لم یکن. (اوساطه فی العصر والعشاء، و) باقیه (قصاره فی المغرب): ای فی کل رکعة سورةً مما ذُکر.......... أی من الطوال، والأوساط، والقصار، ومقتضاه أنه لانظر إلی مقدار معین من حیث عدد الآیات". (الدرالمختار: ۱/۵۳۹، ۵۴۰، کتاب الصلوة، فصل فی القراءة، مطلب: السنة تکون سنة عین وسنة کفایة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة، الباب الرابع: ۱/۷۷، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، قال: کان معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه یصلی مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... فصلی لیلةً مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم العشاء، ثم أتی قومه فأمّهم، .... فأقبل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی معاذ، فقال: "یامعاذ! أفتّانٌ أنت؟ اقرأ: ﴿والشمس وضحاها﴾ الحدیث". أی فی الرکعة الأولی". (مرقاة المفاتیح: ۲/۵۶۰-۵۶۲، کتاب الصلوة، باب القراءة فی الصلوة، الفصل الأول، رقم الحدیث: ۸۳۳، رشیدیه)

(وکذا فی الصحیح لمسلم: ۱/۱۸۷، کتاب الصلوة، باب القراءة فی العشاء، قدیمی)

"عن عبدالله بن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه، قال: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، یقرأ فی العشاء الآخرة بالشمس وضحاها". الحدیث. (جامع الترمذی: ۱/۶۸، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی القراءة فی صلاة العشاء، سعید)

(وسنن النسائی: ۱/۱۵۵، کتاب الصلوة، باب القراءة فی العشاء الآخرة بالشمس وضحاها، قدیمی)

میں اگر کوئی رکوع یا چند آیت پڑھ لے تب بھی نماز نہ فاسد ہوتی ہے نہ مکروہ۔

امام صاحب بھی اپنی اصلاح کرتے رہیں اور مقتدی بھی اپنی اصلاح کرتے رہیں، بے فکر نہ ہوں اور اپنی کوتاہیوں سے غافل ہوکر دوسروں ہی کی عیب جوئی میں لگ جائیں گے تو تباہ ہوجائیں گے اور کبھی اپنی اصلاح کی توفیق نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۱ھ۔

عشاء میں قراءت طویل کرنا

سوال[۳۱۸۱]: عشاء کی نماز میں تین چار رکوع کی مقدار قراءت طویل کرنا کیسا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ عموماً مصلیوں کو اس قسم کے طولِ قراءت کی شکایت ہو؟ بینوا توجروا۔

السائل: حافظ عبدالکریم رسولپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصل یعنی "سورۂ بروج" سے "لم یکن" تک بیچ کی سورتیں پڑھانا مسنون و مستحب ہے، اگر مقتدی راغب ہوں تو اس سے طویل قراءت بھی جائز ہے، اگر مقتدی راغب نہ ہوں بلکہ چھوٹی سورتوں کو پڑھنے سے خوش ہوں تو قراءت مختصر کرنی چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام کو طویل قراءت کرنے سے منع فرمایا ہے جب کہ مقتدی راغب نہ ہوں:

"ويسن طوال المفصل من الحجرات إلى اٰخر البروج في الفجر والظهر، ومنها إلى اٰخر لم يكن أوساطه في العصر والعشاء". درمختار: ۱/۸۰(۱)۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا أمّ أحدكم الناس، فليخفف، فإن فيهم الصغير والكبير والضعيف والمريض، فإذا صلى وحده،

(۱) (الدر المختار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۰، سعيد)

فلیصل کیف شاء". رواہ الترمذی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۳/۵/۵۲ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ جمادی الاولیٰ/۱۳۵۲ھ۔

امام کا فرض نماز میں ختمِ قرآن

سوال[۳۱۸۲]: ایک امام صاحب فجر کی نماز میں قرآن مجید کو "الٓمّ" سے پڑھتے ہیں جس طرح تراویح میں قرآن پڑھا جاتا ہے، تھوڑا تھوڑا کرکے، اور ختم ہوجاتا ہے تو پھر شروع سے پڑھنا شروع کردیتے ہیں، ان کا کئی سال سے یہی دستور ہے۔ علاوہ ازیں بہت بہت جلدی جلدی آہستہ آواز سے، بسا اوقات مقتدی سننے سے محروم رہتے ہیں اور مقتدی ان کے اس پڑھنے سے راضی بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ازروئے شرع امام کے اس فعل میں کوئی حرج تو نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا اس طرح پڑھنا خلافِ سنت ہے ان کو اس سے احتراز کرنا چاہیے، خصوصاً جب کہ مقتدی اس سے راضی نہیں ہیں، گو نماز اس سے صحیح ہوجاتی ہے، فاسد نہیں ہوتی۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ فجر میں

---

(۱) (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء إذا أم أحدکم الناس فلیخفف: ۱/۵۵، سعید)

(وبمعناه فی صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب إذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء: ۱/۹۷، قدیمی)

"(قوله: أی فی کل رکعة سورة مما ذُکر) .... أو قرأ فی العصر أو العشاء سورتین من أوساط المفصل تَزِیدانِ علی عشرین أو ثلاثین آیةً کالغاشیة والفجر، یکون ذلک موافقاً للسنة علی مافی المتون لا علی الروایة .... عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه کتب إلی أبی موسی الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه: أن اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل، وفی العصر والعشاء بأوساط المفصل، وفی المغرب بقصار المفصل......... والجملة فیه أنه ینبغی للإمام أن یقرأ مقدار مایخف علی القوم، ولا یثقل علیهم بعد أن یکون علی التمام، هکذا فی الخلاصة". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۵، ۵۹۶، رشیدیه)

طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں وقت کی گنجائش اور مقتدیوں کے تحمل کی رعایت سے پڑھا کریں (۱)۔ اگر وقت میں کمی ہو یا مقتدیوں میں تحمل نہ ہو تو اس سے چھوٹی سورتیں پڑھیں۔ اگر وقت زیادہ ہو اور مقتدی راغب ہوں تو اس سے بڑی سورت میں بھی کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔ ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا افضل ہے (۳)۔ اگر تمام قرآن کریم نماز میں پڑھنا ہو تو اپنی تنہا نماز میں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ گنگوہی۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔

سورتوں میں بڑے اور چھوٹے ہونے کا معیار

سوال [۳۱۸۳]: سورتوں کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا معیار کیا ہے؟ "مزمل" اور "نبا" میں

---

(۱) قال ابن عابدینؒ: "(قوله: إلا بالمسنون) وهو القراءة من طوال المفصل في الفجر والظهر و أوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب". (ردالمحتار، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۲/۱، سعيد)

(۲) "وفي الضرورة بقدر الحال، وأنه يختلف بالوقت والقوم والإمام". (الدرالمختار، فصل في القراءة: ۵۳۹/۱، ۵۴۱، سعيد)

"الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورةٌ تامةٌ.......... والظاهر أن المراد عدم التقدير بمقدارٍ معينٍ لكل أحد وفي كل وقت .... بل تارةً يقتصر على أدنى ماورد كأقصر سورة من طوال المفصل في الفجر، أو أقصر سورة من قصاره عند ضيق وقت، أو نحوه من الأعذار؛ لأنه عليه الصلاة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لمّا سمع بكاء صبي خشية أن يشق على أمه. وتارةً يقرأ أكثر ماورد إذا لم يملّ القوم .... والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار مايخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد أن يكون على التمام، وهكذا في الخلاصة". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۵۴۱/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، باب صفة الصلوة: ۵۹۵/۱، ۵۹۶، رشيديه)

(۳) "ان الأفضل قراءة سورة واحدة، ففي جامع الفتاوىٰ روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه قال: لاأحب أن يقرأ سورتين بعد الفاتحة في المكتوبات، ولو فعل لايكره، وفي النوافل لا بأس به".

(ردالمحتار، فصل في بيان تاليف انتهائها: ۴۹۲/۱، سعيد)

دوگنا فرق ہے مگر برابر ہیں تقریباً۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آیات گنتی میں برابر ہوں مگر وہ زیادہ چھوٹی بڑی ہوں تو حروف کو شمار کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرنا

سوال[۳۱۸۴]: ایک رکعت میں زیادہ پڑھنا اور ایک میں کم کیسا ہے، مثلاً کوئی شخص تراویح کی ایک رکعت میں "عم" کا تمام پارہ پڑھے اور دوسری رکعت میں "الٓمٓ" کا نصف رکوع نماز میں کچھ فساد تو نہ ہوگا؟

المستفتی: عبدالمجید، ہیڈ ماسٹر ساڑھودری از کرنال۔

---

(۱) "لو قرأ فی الأولی "والعصر" وفی الثانية "الهُمَزة" فرمز فی القنية أولاً أنه لا يكره، ثم رمز ثانياً أنه يكره، وقال: لأن الأولی ثلاث آيات والثانية تسع، وتكره الزيادة الكثيرة. وأما ما روی أنه عليه الصلاة والسلام "قرأ فی الأولی من الجمعة بسبح اسم ربک الأعلی، وفی الثانية هل أتاک حديث الغاشية" فزاد علی الأولی بسبع، لكن السبع فی السور الطوال يسيرٌ دون القصار؛ لأن الستّ هنا ضعف الأصل والسبع ثمه أقل من نصفه: أی أن الست الزائد فی الهُمزة ضعف سورة العصر، بخلاف السبع الزائد فی الغاشية فإنها أقل من نصف سورة الأعلی فكانت يسيرةً .... والذی تحصل من مجموع كلامه وكلام القنية: أن إطلاق كراهة إطالة الثانية بثلاث آيات مقيدٌ بالسور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذٍ فيها، أما السور الطويلة أو القصيرة المتفاوتة فلا يعتبر العدد فيهما، بل يعتبر ظهور الإطالة من حيث الكلمات وإن اتحدت آيات السورتين عدداً. هذا ما فهمته، والله تعالیٰ أعلم". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

"عن عبدالله بن أبی قتادة عن أبيه رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان يطول فی الركعة الأولی من صلوة الظهر، ويقصر فی الثانية، ويفعل ذلک فی صلوة الصبح". (صحيح البخاری، باب يطول فی الركعة الأولیٰ: ۱/۱۰۷، قديمی)

(وكذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۷، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۵، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن اس قدر پہلی رکعت کو لمبا کرنا خلافِ افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/شوال/۵۵ھ۔

دوسری رکعت کو پہلی سے طویل کرنا

سوال[۳۱۸۵]: زید نے نماز فجر کی اول رکعت میں سورۂ قلم کا اخیر رکوع تلاوت کیا اور دوسری رکعت میں پوری سورۂ قیامہ تلاوت کی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ درصورتِ ہذا نماز میں کیا زیادتی ہوئی اور کیا کمی ہوئی؟ برائے مہربانی مع حوالۂ کتاب اللہ وکتبِ احادیث معتبرہ وکتب فقہ سے مفصل مدلل تحریر فرمائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل اور مستحب یہ ہے کہ ہر رکعت میں مستقل سورت پڑھی جائے اور فجر کی پہلی رکعت کا طویل کرنا دوسری سے بہتر ہے اور اس کا عکس مکروہ ہے، یعنی دوسری طویل کی جائے اور پہلی قصیر، لیکن معمولی طور پر فجر کی کبھی دوسری رکعت طویل ہو جائے تو مکروہ نہیں، چنانچہ کلمات اور حروف کی شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اتنا طول نہیں ہوا جس سے نماز مکروہ ہوتی:

"وتطال أولىٰ الفجر فقط، وقيد بالأولىٰ؛ لأن إطالة الثانية على الأولى تكره إجماعاً، اهـ". بحر.......... "أقول: وفي شرح منية المصلي للحلبي: وفي القنية: إن قرأ في الأولىٰ "والعصر" وفي الثانية "الهُمزة" يكره؛ لأن الأولى ثلٰث ايات، والثانية تسع ايات، وتكره الزيادة الكثيرة. وأما ماروى أنه صلى الله عليه وسلم "قرأ في الأولىٰ من الجمعة: ﴿سبح اسم ربك

---

(۱) "(قوله: مطلقاً) .... وقيد بالفرض؛ لأنه يسوى في السنن والنوافل بين ركعاتها في القراءة إلا فيما وردت به السنة أو الأثر". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، في صفة الصلاة، ص: ۳۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

الأعلیٰ﴾ وفی الثانیة: ﴿هل أتاك حدیث الغاشیة﴾ فزاد الثانیة علی الأولیٰ بسبع، لکن السبع فی السور الطوال یسیرٌ دون القصار؛ لأن الست هنا ضعف الأصل والسبع ثمة أقل من نصفه، فعلم منه أن الإطالة المذکورة إنما تکره إذا کانت فاحشةَ الطول من غیر نظر إلیٰ عدد الآیات"۔ بحر: ۱/۳٤۲(۱)۔ وکذا فی الشامی: ۱/۳٦۲، مطبوعه نعمانیه دیوبند(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ جمادی الاولیٰ/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ٦/ جمادی الاولیٰ/ ٦٦ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

دوسری رکعت میں کتنی آیتوں کی زیادتی سے کراہت آئے گی؟

سوال[۳۱۸٦]: پہلی رکعت سے دوسری رکعت میں کس قدر آیتیں زیادہ ہوجائیں جو نماز کے مکروہ ہونے کا سبب ہوگا؟

محمد صلاح الدین، شملہ بل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین آیات کی مقدار زیادتی سے کراہت تنزیہی ہوگی، طحطاوی، ص: ۱۹۳(۳)، مگر یہ ان چھوٹی سورتوں

(۱) (البحر الرائق مع منحة الخالق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۷، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵٤۳، سعید)

"عن نعمان بن بشیر رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة بسبح اسم ربک الأعلی وهل أتاک حدیث الغاشیة. قال: وربما اجتمعا فی یوم واحد فقرأ بهما". (سنن أبی داؤد، باب مایقرأ فی الجمعة: ۱/۱۵۹، مکتبه دارالحدیث، ملتان)

"عن عبدالله بن أبی قتادة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یطول فی الرکعة الأولی من صلوة الظهر، ویقصر فی الثانیة، ویفعل ذلک فی الصبح". (صحیح البخاری، باب یطول فی الرکعة الأولی: ۱/۱۰۷، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۷، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۵، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(۳) "(و) یکره (تطویل) الرکعة (الثانیة علی) الرکعة (الأولی) بثلاث آیات فأکثر، لا تطویل الثالثة؛ لأنه =

میں ہے جن کی آیات چھوٹی بڑی ہونے میں قریب قریب ہیں ورنہ بڑی سورتوں میں جن کی آیات میں بڑے چھوٹے ہونے کا نمایاں فرق ہو حروف کی گنتی کا اعتبار ہوگا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دوسری رکعت میں جو سورت پڑھی گئی اس کے زیادتی والے حروف پہلی رکعت کے سورت کے نصف کے برابر یا زائد ہیں تو کراہت ہوگی ورنہ نہیں ۔ جو سورتیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہ کراہت میں داخل نہیں، شامی: ۱/۳۶۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری رکعت پہلی رکعت سے کس قدر طویل ہوسکتی ہے؟

سوال[۳۱۸۷]: بعض مساجد کے امام پہلی رکعت میں صرف ایک دو بڑی آیتیں پڑھتے ہیں اور دوسری رکعت میں دس پندرہ آیتوں والی سورت مثلاً "والضحیٰ، والطارق" وغیرہ پڑھتے ہیں تو اس طرح پڑھنا کیسا ہے؟ آیتوں کے حروف کی تعداد پہلی رکعت سے حروف کی تعداد میں کتنا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں حروف گن کر دیکھ لیں، دوسری رکعت میں جس قدر حروف زائد ہوں، وہ اگر پہلی

= ابتداء صلاة نفل". (مراقي الفلاح). "(قوله : بثلاث آيات) إنما قيد بها؛ لأنه لا كراهة فيما دونها لما ورد أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى الفجر بالمعوذتين والثانية أطول من الأولى بآية، وكراهة الإطالة بالثلاث فأكثر في غير ماوردت به السنة تنزيهية، كذا في السيد". (حاشية الطحطاوي، فصل في بيان مكروهات الصلاة ،ص: ۳۵۱، قديمي)

(۱) "الحاصل أن سنية إطالة الأولى على الثانية وكراهية العكس إنما تعتبر من حيث عدد الآيات إن تقاربت الآيات طولاً وقصراً، فإن تفاوتت تعتبر من حيث الكلمات، فإذا قرأ في الأولى من الفجر عشرين آيةً طويلةً وفي الثانية منها عشرين آيةً قصيرةً تبلغ كلماتها قدر نصف كلمات الأولى، فقد حصل السنة، ولو عكس كره.......... (قوله: واستثنى في البحر ماوردت به السنة): أي كقراءته -عليه الصلاة والسلام- في الجمعة والعيدين في الأولى بالأعلى وفي الثانية بالغاشية، فإنه ثبت في الصحيحين مع أن الأولى تسع عشرة آيةً والثانية ستة وعشرون آيةً". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۵، دارالكتب العلميه، بيروت)

رکعت والی سورۃ کے نصف سے زائد ہیں تو مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

سنت میں دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے طویل ہونا

سوال[۳۱۸۸]: چار رکعت سنت نماز میں پہلے چھوٹی سورت بعد میں بڑی سورت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح کرنا مناسب نہیں ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۹ھ۔

مقتدیوں کے کہنے کے موافق نماز میں سورتیں پڑھنا

سوال[۳۱۸۹]: ہماری مسجد میں امام ہیں لوگ کہتے ہیں کہ آج یہ سورت پڑھیے اور آج یہ سورت پڑھیے اور وہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔یہ کیسا ہے اور مصلیان کا کہنا جائز ہے یا نہیں، نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز ہو جائے گی مگر مقتدیوں کو نہیں چاہیے کہ امام کو اپنے پابند کریں اور امام کے لئے بھی یہ پابندی لازم نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

غصہ اور جھنجلاہٹ کی وجہ سے قرأت طویل کرنا

سوال[۳۱۹۰]: امام کی طبیعت میں تکدر ہے، بعض دفعہ حالاتِ خفگی میں قرأت اس قدر طویل

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان المسئلة: ''دوسری رکعت میں کتنی آیتوں کی زیادتی سے کراہت آئے گی''؟)

(۲) "(قوله: مطلقاً) .... وقيد بالفرض؛ لأنه يسوى في السنن والنوافل بين ركعاتها في القراءة إلا فيما وردت به السنة أو الأثر، .... قال في شرح المنية: والأصح كراهة إطالة الثانية على الأولى في النفل أيضاً إلحاقاً له بالفرض فيما لم يرد به تخصيص من التوسعة كجوازه قاعدًا بلا عذر ونحوه، وأما إطالة الثالثة على الثانية والأولى، فلا تكره، لما أنه شفع آخر". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۸، رشيديه)

کرتے ہیں کہ جس سے مقتدی تکلیف محسوس کرکے یہ ارادہ کرنے لگتے ہیں کہ نیت توڑکر بھاگ جائیں، امام کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کسی جھنجلاہٹ یا خفگی کی وجہ سے قراءت طویل کرنا غلط ہے ایسا نہیں چاہیئے، مقتدیوں کے حال کی رعایت رہنی چاہئے کہ ان میں بوڑھے، ضعیف، بیمار سب قسم کے لوگ ہوتے ہیں (۱)، شریعت نے اس کی رعایت رکھتے ہوئے طوال، اوساط، قصار کی قرأت تجویز کی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وکره تطويل الصلوة، كذا في التبيين، وينبغي للإمام أن لايطول بهم الصلوٰة بعد القدر المسنون، وينبغي له أن يراعي حال الجماعة، هكذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، والفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ١/٨٧، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ١/٣٤٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "واستحسنوا في الحضر طوال المفصل في الفجر والظهر وأوساطه في العصر والعشاء، وقصاره في المغرب، كذا في الوقاية". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلوٰة، الباب الربع في صفة الصلوٰة: الفصل الرابع في القرأة: ١/٧٧، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوٰة، فصل في القرأة: ١/٥٣٩، ٥٤٠، سعيد)

الفصل الخامس فی تکرار السورۃ والآیة وتعددها وترتیبها

(ایک رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعدد اور ترتیب)

ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا

سوال[۳۱۹۱]: اول: اگر کوئی شخص کسی ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھے، مثلاً "سورۂ نبأ" کے بعد "قل ھو اللہ" پھر "ناس" کیا یہ جائز ہے؟

دوم: کیا ہر سورت کے شروع کرتے وقت "بسم اللہ" پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرائض میں نامناسب، نوافل میں مضائقہ نہیں، طحطاوی، ص:۱۹۴(۱)۔ جہری نماز میں سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھے، سری میں پڑھے، یہی طریقہ بہتر ہے، طحطاوی، ص:۱۴۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ویکره الانتقال لآیة من سورتها ولو فصل بآیة، والجمع بین سورتین بینهما سور أو سورة، فی الخلاصة: لایکره هذا فی النفل". (مراقی الفلاح). "(قوله: لایکره هذا فی النفل) یعنی القراءة منکوساً، والفصل والجمع کما هو مفاد عبارة الخلاصة .... وهذا کله فی الفرائض، أما فی النوافل لایکره". (حاشیة الطحطاوی، فصل فی المکروهات، ص: ۳۵۲، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلوة: ۱/۲۳۷، إمدادیه)

(۲) "وعن محمد أنها تسن فی السریة دون الجهریة لئلا یلزم الإخفاء بین جهرین، وهو شنیعٌ، واختاره فی العنایة والمحیط". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۶۰، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی سنن الصلاة: ۲/۳۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"بسم اللہ" فاتحہ اور سورۃ کے درمیان پڑھ لینا بہتر اور اولیٰ ہے، نماز سری ہو یا جہری: ....

ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا

سوال[۳۱۹۲]: ایک امام نے صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد "سورۂ جمعہ" پڑھا پھر "إنا أنزلنا" پڑھا اور دوسری رکعت میں "سورۂ ألم تر کیف" سے لے کر "سورۂ ناس" تک پڑھا۔ کیا اس طرح فرض نمازوں میں سورتوں کا ملانا درست ہے یا نہیں؟ جواب دلیل کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح ایک رکعت میں متعدد سورتوں کو فرض نماز میں جمع کرنا ثابت نہیں، اس لئے خلافِ سنت ہے، لیکن نماز پھر بھی ادا ہوگئی (۱)، سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوا، کیونکہ کوئی واجب ترک نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۸ھ۔

= "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه : أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يسّر ببسم الله الرحمٰن الرحيم وأبو بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما". رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله موثقون، مجمع الزوائد".

"وعن أنس بن مالك قال : صليت خلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان رضي الله تعالىٰ عنهم، فكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العلمين لايذكرون بسم الله الرحمن الرحيم في أول قراءة ولا في آخرها". رواه مسلم". (إعلاء السنن ، باب سنية التعوذ والتسمية وترك الجهر بهما: ۱۸۵/۲ ، إدارة القرآن، كراچی)

"(قوله: لاتسن) وقال محمد: تسن إن خافت، لا إن جهر .... وذكر في المصفى أن الفتوىٰ على قول أبي يوسف أنه يسمي في أول كل ركعة ويخفيها .... وإنما اختير قول أبي يوسف؛ لأن لفظة الفتوىٰ آكد وأبلغ من لفظة المختار، ولأن قول أبي يوسف وسطٌ، وخير الأمور أوسطها ،كذا في شرح عمدة المصلي.

(قوله: ولا تكره اتفاقاً) وبهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه سمي بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً أو جهراً، كان حسناً عند أبي حنيفة، ورجحه المحقق ابن الهمام". (ردالمحتار، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى إنتهائها : ۱/۴۹۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۴۵، رشيديه)

(۱) "وإذا جمع بين سورتين سور أو سورة واحدة في ركعة واحدة، يكره، أما في ركعتين إن كان بينهما =

ایک رکعت میں متعدد سورتیں درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا

سوال[۳۱۹۳]: ایک شخص ایک ہی رکعت میں "والضحیٰ، ألم نشرح، والتین" پڑھ کر درمیان کی سورتیں چھوڑ کر "الم ترکیف" سے شروع کر دیتا ہے اور "والناس" پر ختم کر دیتا ہے، سب کچھ ایک ہی رکعت میں کرتا ہے۔ اس میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ ہے: "لو انتقل فی الرکعة الواحدة من اٰیة إلی اٰیة یکره وإن کان بینهما اٰیات بلاضرورة، فإن سها ثم تذکر یعود مراعات ترتیب الاٰیات، شرح المنیة. أما فی رکعة .... فیکره الجمع بین سورتین بینهما سور أو سورة، فتح، اه". ردالمحتار: ۱/۵۰۷، قبیل باب الإمامة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۹/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الأول/ ۵۹ھ۔

ہر رکعت میں ایک ہی سورت کو پڑھنا

سوال[۳۱۹۴]: ہر رکعت میں اگر ایک ہی سورت پڑھی جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اگر مجبوری کے سبب ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

= سور، لایکره". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، مکتبه إمدادیه ملتان)

(۱) (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

"وإذا جمع بین سورتین بینهما سور أو سورة واحدة فی رکعة واحدة، یکره، أما فی رکعتین إن کان بینهما سور، لایکره". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، مکتبه إمدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی کو ایک ہی سورت یاد ہو تو وہ اسی سورت کو پڑھے گا اور اس میں کوئی کراہت نہیں، اگر اَور سورت بھی یاد ہو تو فرض نماز میں قصداً ہر رکعت میں ایک ہی سورت کو پڑھنا مکروہ ہے، بھولے سے ایسا کرنا مکروہ نہیں، نوافل میں مطلقاً مکروہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھنا

سوال[۳۱۹۵]: ایک امام نے صبح کی نماز میں "سورۂ دھر" کا پہلا رکوع پہلی رکعت میں پڑھا اور دوسرا رکوع دوسری رکعت میں پڑھا، یعنی ایک ہی سورت کے دونوں رکوع سے دونوں رکعت پڑھا دی اور یہ نہیں کہ ہر رکعت میں مستقل پوری سورت پڑھے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بڑی ایک سورت میں دو رکعت پوری کردے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس طرح نماز نہیں ہوئی اور وہ ایک سورت کو ایک ہی رکعت میں تمام کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ان کا یہ خیال صحیح ہے یا غلط؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت پڑھے مگر صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوئی، جو شخص فاسد کہتا ہے اس کا یہ خیال خود فاسد ہے، اس طرح تو خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ سے دو رکعت پڑھائی، کچھ حصہ پہلی رکعت

---

(۱) "ولا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية". (الدر المختار). "أفاد أنه يكره تنزيهاً .... هذا إذا لم يضطر، فإن اضطر بأن قرأ في الأولى ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم، نهر؛ لأن التكرار أهون من القراءة منكوساً، بزازية". (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وكذا في النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، إمداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۶، دار الكتب العلميه، بيروت)

میں کچھ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

پہلی رکعت میں سورۃ الناس پڑھنے والا دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟

سوال[۳۱۹۶]: کسی نماز کی پہلی ہی رکعت میں بھول کر ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ پڑھ دی تو اب دوسری، تیسری اور چوتھی میں کون سی سورت پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی سورت کو ہر رکعت میں پڑھ کر نماز پوری کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن معاذ ابن عبدالله الجهني أن رجلاً من جهينة -رضي الله تعالىٰ عنه- أخبره أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ في الصبح: (إذا زلزلت الأرض) في الركعتين كلتيهما، فلا أدري أنسي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أم قرأ ذلك عمداً". (سنن أبي داؤد، باب القراءة في العشاء: ۱/۱۱۸، دار الحديث، ملتان)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قرأ في صلوة المغرب بسورة الأعراف، فرقها في ركعتين". (سنن النسائي، القراءة في المغرب بآلمٓصٓ: ۱/۱۵۴، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۷۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن، ص: ۴۹۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "فإن اضطرّ بأن قرأ في الأولىٰ ﴿قل أعوذ برب الناس﴾. أعادها في الثانية إن لم يختم، نهر؛ لأن التكرار أهون من القرآءة منكوساً". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۶، سعيد)

"ولا بأس بأن يقرأ سورةً ويعيدها في الثانية، كما روى من فعله عليه الصلاة والسلام، كذا في الشرح. وجزم في القنية بالكراهة، والظاهر أنها تنزيهية .... هذا إذا لم يضطرّ، فإن اضطر بأن قرأ في الأولى ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم القرآن في ركعة، فإن فصل، قرأ في الثانية من البقرة، كذا في المجتبى". (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتار خانية، كتاب الصلوة، نوع آخر في كل ركعة بفاتحة الكتاب: ۱/۴۵۳، إدارة القرآن كراچی)

ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت کو مکرر پڑھنا

سوال[۳۱۹۷]: کیا نماز میں ایک رکعت میں ایک سورت یا ایک آیت مکرر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کوئی سورت یا آیت ایک ہی رکعت میں مکرر سہ کرر پڑھی جاوے تو کیا نماز میں حرج واقع ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہو جاتی ہے، لیکن فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے، نفل میں مکروہ نہیں:

"ویکره تکرار السورة فی رکعة واحدة من الفرض، وقید بالفرض؛ لأنه لایکره فی النفل؛ لأن شانه أوسع؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قام إلی الصباح بآیة واحدة یکررها فی تهجد، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

جس کو صرف دو سورتیں یاد ہوں اس کی نماز کا حکم

سوال[۳۱۹۸]: ایک بوڑھی عورت ہے، اس کو صرف دو سورتیں یاد ہیں: ﴿إنا أعطینا﴾ اور ﴿قل هوالله﴾ کوئی اور سورت یاد نہیں۔ کیا اس سے اس کی نماز ہو جائے گی؟ دعائے قنوت بھی یاد نہیں، اس کی

---

(۱) (مراقی الفلاح، فصل فی المکروهات، ص: ۳۵۲، قدیمی)

"عن عبدالله بن شقیق قال: سألت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أکان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یجمع بین السور؟ قالت: نعم من المفصل". رواه أبوداؤد وصححه ابن حزیمة".

"(قوله: عن عبدالله بن شقیق) قلت: حدیث عائشة هذا، وکذا ابن مسعود الآتی: لقد عرفت النظائر التی کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقرن بینهن الخ، کلاهما وَارِدَان فی صلاة التهجد، کما یشعر به سیاقهما، فلا دلالة فیهما علی جواز ذلک فی الفرض بلا کراهة تنزیهیة، نعم! یؤخذ منهما أن الجمع بین السور فی رکعة من النوافل لایکره أصلاً، وهو قولنا معشر الحنفیة". (إعلاء السنن، باب استحباب سورة فی رکعة، وجواز سورتین فصاعداً فیها الخ: ۱۱۸/۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۵۴۶/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یکره الصلاة ومالا یکره: ۱۰۷/۱، رشیدیه)

جگہ ﴿قل ھو اللہ﴾ پڑھتی ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو کوئی چھوٹی دعا تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر نماز میں ﴿إنا أعطینا﴾ اور ﴿قل ھو اللہ﴾ پڑھنے سے بھی آپ کی نماز ہو جاتی ہے(۱)۔قنوت کی جگہ وتر میں ﴿إھدنا الصراط المستقیم﴾ آخر تک پڑھ لیا کرے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تکرارِ آیت

سوال[۳۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ ذیل میں:

جو امام فرض نمازوں میں آیتوں کا تکرار کرے سہواً یا شبہتاً یا عادۃً لوٹا لوٹا کر پڑھے تو یہ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أخبرني أخي قتادة بن نعمان أن رجلاً قام في زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ من السحر ﴿قل هو الله أحد﴾ لايزيد عليها، فلما أصبحنا أتى الرجل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نحوه. أخرجه البخاري".

"(قوله: عن أبي سعيد) .... قال في مراقي الفلاح: ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة من الفرض، وكذا تكرارها في الركعتين إن حفظ غيرها وتعمده لعدم وُروده، وإن لم يحفظه وجب قراءتها لوجوب ضم السورة للفاتحة، وإن نسي لايترك". (إعلاء السنن، باب قراءة القرآن منكوساً في الصلاة وغيرها الخ: ۱۲۹/۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

(۲) "(قوله: وهو مطلق الدعاء): أي قنوت الواجب يحصل بأيّ دعاء كان. في النهر: وأما خصوص "اللهم إنا نستعينك" فسنةٌ فقط، حتى لو أتى بغيره، جاز إجماعاً". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: واجبات الصلاة: ۴۶۸/۱، سعيد)

"ومن لايحسن القنوت يقول: "ربنا آتنا في الدنيا حسنة" الآية. وقال أبو الليث: يقول: "اللهم اغفرلي" يكررها ثلاثاً، وقيل؛ يقول: "يارب"، ثلاثاً، ذكره في الذخيرة". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۷/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلوة: ۵۲۶/۱، رشيديه)

مکروہ ہے یا مفسد؟ اور مفسد اور مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض نماز میں قصداً بلا عذر آیت کا تکرار کرنا مکروہ تنزیہی ہے، سہواً یا شبہتاً مکروہ نہیں ہے:

"وإذا كرّر آية واحدة مراراً، فإن كان في التطوع الذي يصلي واحدة، فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلوة المفروضة، فهو مكروه في حالة الاختيار، وأما في حالة العذر والنسيان، فلا بأس، هكذا في المحيط". عالمگیری: ۱۰۶/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۰/۲۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

"اهدنا الصراط المستقيم" کو دوبارہ پڑھنا

سوال [۳۲۰۰]: ۱...... زید نے سورۂ فاتحہ "مستقیم" تک پڑھا اور پھر زید نے صرف ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ دوبارہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ کو مکمل کیا تو ایسی صورت میں جب کہ ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ کو مکرر پڑھ لیا گیا تو نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوئی یا نہیں؟ جب کہ سجدۂ سہو وغیرہ نہیں کیا گیا، آپ دونوں طرح کا جواب لکھئے، یا عمداً کیا ہوا ہو یا شک کی وجہ سے؟

۲...... بعض آدمی نماز میں رکوع سے کھڑے ہو کر سجدہ میں جاتے وقت دونوں زانوں سے کپڑا اٹھاتے ہوئے یا سمیٹتے ہوئے سجدہ میں جاتے ہیں، دونوں ہاتھوں سے کیا۔ اس سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... عمداً ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ کو دوبارہ پڑھا ہو یا شک کی وجہ سے، بہر صورت سجدۂ سہو

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره الصلاة ومالايكره: ۱۰۷/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالايكره الخ، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

واجب نہیں نماز ہوگئی (۱)۔

۲.....اگر معمولی حرکت سے کپڑے کو درست کرتے ہیں تاکہ سجدہ آسانی سے ہوجائے کوئی تنگی نہ ہوتو بھی نماز ہوجائے گی، ناجائز نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز میں پوری سورت سے کچھ کم پڑھنا

سوال [۳۲۰۱]: نماز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سورتیں ہی پڑھنا ثابت ہے یا کہیں مختلف بھی پڑھنا ثابت ہے، یعنی کوئی رکوع کسی سورت کا اور کوئی رکوع کسی سورت کا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا بھی ثابت ہے (۳) اور ایک سورت سے کم پڑھنا بھی ثابت ہے (۴)۔ بخاری شریف: ۱/۱۰۶ میں ہے:

(۱) "وإذا كرر آيةً واحدةً مراراً، فإن كان في التطوع الذي يصلي واحدة، فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلاة المفروضة، فهو مكروه في حالة الاختيار، وأما في حالة العذر والنسيان، فلا بأس، هكذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ۱/۱۰۷، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالا يكره الخ، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "(و) كره (كفه): أي رفعه (وعبثه به): أي بثوبه (و بجسده) للنهي إلا لحاجة". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا لحاجة) كحك بدنه لشئي أكله وأضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه، وهذا لوبدون عمل كثير". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۴۰، سعيد)

(۳) "عن زياد بن علاقة عن عمه قطبة بن مالك قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ في الفجر "والنخل باسقات" في الركعة الأولىٰ". (سنن الترمذي، باب ماجاء في القراءة في الصبح: ۱/۶۷، سعيد)

(۴) "عن معاذ ابن عبدالله الجهني أن رجلاً من جهينة –رضي الله تعالىٰ عنه– أخبره أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ في الصبح: ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ في الركعتين كلتيهما، فلا أدري أنسي رسول=

"عن عبداللّٰہ بن السائب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قرأ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم "المؤمنون" فی الصبح، حتی إذا جاء ذکر موسیٰ وھارون أو ذکر عیسیٰ، أخذتہ سعلۃ، الخ"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمود عفی عنہ۔

عبداللطیف عفا اللہ عنہ، بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ۔

پہلی رکعت میں سورت کا آخر اور دوسری میں سورت کا اول حصہ پڑھنا

سوال[۳۲۰۲]: ایک امام صاحب نے صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں "سورۂ یٰسین" کا آخری رکوع پڑھ کر اس کے متصل دوسری سورت "والصافات" کا پہلا رکوع پورا پڑھا۔ ایسے کرنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ درست ہوتی ہے، لیکن ایک رکعت میں پوری سورت

= اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أم قرأ ذلک عمداً". (سنن أبی داؤد، باب القراءۃ فی العشاء: ۱۱۸/۱، دارالحدیث، ملتان)

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی صلوۃ المغرب بسورۃ الأعراف، فرقھا فی رکعتین". (سنن النسائی، القراءۃ فی المغرب بآلمّص: ۱۵۴/۱، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الفصل الرابع فی القراءۃ: ۷۸/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، تتمات فیما یکرہ من القرآن، ص: ۴۹۳، سھیل اکیڈمی لاھور)

"الأفضل أن یقرأ فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃً کاملۃً فی المکتوبۃ، ولو قرأ بعض السورۃ فی الرکعۃ والبعض فی رکعۃ، قیل: یکرہ، وقیل: لا، وھو الصحیح". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، الفصل الرابع فی القراءۃ: ۷۸/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الصلاۃ، الفرائض، نوع آخر: ۴۵۱/۱، إدارۃ القرآن)

(۱) (صحیح البخاری، باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ والقراءۃ بالخواتیم وبسورۃ قبل سورۃ وبأوّل سورۃ: ۱۰۶/۱، قدیمی)

(وسنن ابن ماجہ، باب فی صلوۃ الفجر، ص: ۵۹، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

پڑھنا افضل ہے:

"الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورةً كاملةً في المكتوبة، وقيل : لايكره، وهو الصحيح.......... ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من اخر سورة، وقرأ في الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرىٰ أو من اخر سورة أخرى، لاينبغي له أن يعمل ذلك على ماهو ظاهر الرواية، ولكن لو فعل ذلك لا بأس به .... لو قرأ في الركعة الأولى آخر سورة وفي الركعة الثانية ركعةً قصيرةً كمالوقرأ: ﴿امن الرسول﴾ في ركعة و﴿وقل هو الله أحد﴾ في ركعة، لا يكره، كذا في التاتار خانية، اه". فتاویٰ عالمگیری: ١/٧٨(١)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا بہتر ہے

سوال [٣٢٠٣]: فرض نماز میں اگر امام ایک سورت کا ٹکڑا جس کی مقدار تین آیت سے زائد ہو ایک رکعت میں اور دوسری سورت کا ٹکڑا دوسری میں پڑھے، یا ایک سورت کے دو ٹکڑے کرے نصف ایک رکعت میں نصف دوسری میں، یا ایک پوری سورت ایک رکعت میں اور دوسری رکعت میں دوسری سورت پڑھے۔ان تینوں طریقوں میں بہتر کونسا طریقہ ہے؟ نوافل بھی انہیں سورتوں سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورت جداگانہ پڑھی جائے، نماز تینوں طرح ہوجائے گی، نوافل کا بھی یہی حکم ہے(٢)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في القراءة : ١/٧٨، رشيديه)

"الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة .... والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار ما يخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد أن يكون على التمام، هكذا في الخلاصة". (ردالمحتار، فصل في القراءة : ١/٥٤١، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفرائض، نوع آخر : ١/٤٥١، إدارة القرآن كراچی)

(٢) "أي في كل ركعة سورةً مما ذكر، ذكره الحلبي، واختار في البدائع عدم التقدير، وأنه يختلف =

نماز میں مختلف مقامات سے قراءت کرنا

سوال[۳۲۰۴]: مختلف پاروں سے نماز میں ایک ایک آیت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز میں اس طرح پڑھنا کہ ایک آیت ایک پارہ کی، پھر دوسری آیت کسی اَور پارہ کی، تیسری آیت کسی اَور پارہ کی پڑھی جائے تو یہ مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۸ھ۔

= بالوقت والقوم والإمام، مع أنهم صرحوا بأن الأفضل في كل ركعةٍ الفاتحة وسورة تامة الخ".

(ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۱، سعيد)

(وأيضاً تقدم تخريجه تحت عنوان: "پہلی رکعت میں سورت کا آخر اور دوسری میں سورت کا اول حصہ پڑھنا")

(۱) "عن سعيد بن المسيب رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرّ ببلال رضي الله تعالىٰ عنه وهو يقرأ من هذه السورة ومن هذه السورة، فقال: "يا بلال! مررت بك وأنت تقرأ من هذه السورة ومن هذه السورة"؟ فقال: أخلطت الطيّب بالطيّب، فقال: "اقرأ السورة على وجهها" أو قال: "على نحوها". أخرجه أبوداؤد (وهو) مرسل صحيح، كذا في الإتقان".

"(قوله: عن سعيد بن المسيب) قلت: الظاهر من قول بلال رضي الله تعالىٰ عنه: "أخلطت الطيب بالطيب" أنه كان يجمع الآيات من سورٍ مختلفة، فأنكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك، وقال: "اقرأ السورة على وجهها": أي لا تخلط السورة بغيرها في ركعة واحدة. وهذا هو قولنا معشر الحنفية. .... والحاصل أن الانتقال من آية من سورة إلى آية من سورة أخرى، أو من هذه السورة في ركعة واحدة مكروه مطلقاً، فرضاً كان أو نفلاً .... اهـ". (إعلاء السنن، باب استحباب سورة في ركعة، وجواز سورتين فصاعداً فيها الخ: ۴/۱۲۲، ۱۲۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

(وكذا في ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۷۸، رشيديه)

ایک سورت شروع کی پھر دوسری سورت کی طرف منتقل ہوگیا

سوال[۳۲۰۵]: اگر کوئی نماز میں ایک سورت یا ایک رکوع شروع کرے اور پھر فوراً ہی دوسری سورت یا رکوع شروع کردے ترتیب وغیرہ کا خیال کرکے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترتیب کا خیال تو رکھنا چاہیے لیکن اگر بھول اور غلطی سے کوئی سورت یا رکوع خلاف ترتیب شروع کردے تو اس کو چھوڑ کر ترتیب وار سورت اور رکوع پڑھنے کی ضرورت نہیں، یہ مکروہ ہے:

"وفی القنیة: قرأ فی الأولی: ﴿قل یا أیها الکافرون﴾ وفی الثانیة: "ألم ترکیف": أی نکس وفصل بسورة قصیرة. (قوله: ثم ذکریتم) أفاد أن التنکیس أو الفصل بالقصیرة إنما یکره إذا کان عن قصدٍ، فلو سهواً فلا، کما فی شرح المنیة. وإذا انتفت الکراهة، فإعراضه عن التی شرع فیها لاینبغی. وفی الخلاصة: افتتح سورةً وقصده سورةٌ أخری، فلما قرأ آیةً أو آیتین أراد أن یترك تلك السورة، ویفتتح التی أرادها، یکره، اهـ. وفی الفتح: ولوکان: أی المقروّ حرفاً واحداً". شامی: ۱/۵۷۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

دوسورتوں میں فصل

سوال[۳۲۰۶]: امام نے مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں "إذاجآء" پڑھی اور دوسری میں "قل هو اللہ"۔ ایسا کرنا منع تو نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۷، سعید)

"افتتح سورةً، وقصد سورةً أخری، فلما قرأ آیةً أو آیتین، أراد أن یترک السورة ویفتتح التی أرادها، یکره، وکذا لوقرأ أقل من آیة وإن کان حرفاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، إمدادیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قصداً ایسا کیا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے، اگر بھول کر ایسا ہوگیا تو مکروہ بھی نہیں (۱)۔ فقط۔

دو سورتوں کے درمیان فصل

سوال[۳۲۰۷]: پہلی رکعت میں "قل یا أیها الکافرون" دوسری میں "قل هو الله" تیسری میں "فلق" چوتھی میں "ناس" جائز ہے یا نہیں، مکروہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا کراہت جائز ہے، شامی: ۱/۳۶۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چھوٹی سورت کو درمیان میں چھوڑنا

سوال[۳۲۰۸]: امام صاحب نے مغرب کی پہلی رکعت میں "ألم تر" پڑھا اور دوسری میں "لإیلف" چھوڑ کر "ارأیت الذی" پڑھا تو اس طرح نماز ہوگئی یا نہیں؟ کوئی کہتا ہے ہوگئی، کوئی کہتا ہے نہیں ہوئی۔

---

(۱) "(و) یکره (فصله بسورة بین السورتین قرأ هما فی رکعتین) لما فیه من شبهة التفضیل والهجر، وقال بعضهم: لایکره إذا کانت السورة طویلةً الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی مکروهات الصلاة، ص: ۳۵۲، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۸، رشیدیه)

(۲) "(قوله: ویکره بسورة قصیرة) أما بسورة طویله بحیث یلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالةً کثیرةً، فلا یکره، شرح المنیة، کما إذا کانت سورتان قصیر تان، وهذا لو فی رکعتین". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفرائض فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة تامة: ۱/۳۵۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مغرب کی پہلی رکعت میں "الم ترکیف" پڑھ کر دوسری رکعت میں "لإیلف" چھوڑ کر "أرأیت الذی" پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پہلی رکعت میں "قل أعوذ برب الناس" پڑھ دی تو پھر کیا کرے؟

سوال[۳۲۰۹]: کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں پہلی رکعت میں "قل أعوذ برب الناس" پڑھ دے تو اس کے لئے بقیہ تینوں رکعتوں میں کون سی سورت پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بقیہ میں بھی "قل أعوذ برب الناس" ہی پڑھے (۲) اگر یہ فرض نماز ہے تو صرف دوسری میں پڑھے

---

(۱) "ویکره الفصل بسورة قصیرة". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، قبیل باب الإمامة: ۱/۵۴۶، سعید)

"وهذا إذا كان بين السورتين سورتان أو أكثر، فإن كان بينهما سورة واحدة، يكره، إلا من ضرورة". (الحلبي الكبير، ص: ۲۹۳، تتمات فيما يكره من القرآن وما لايكره اهـ، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۷۸، رشيديه)

(۲) "فإن اضطرّ بأن قرأ في الأولىٰ: ﴿قل أعوذ برب الناس﴾، أعادها في الثانية إن لم يختم.......... ؛لأن التكرار أهون من القرآءة منكوساً". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۶، سعيد)

"ولابأس بأن يقرأ سورةً ويعيدها في الثانية كما روى من فعله عليه الصلاة والسلام، كذا في الشرح. وجزم في القنية بالكراهة، والظاهر أنها تنزيهية، .... هذا إذا لم يضطرّ، فإن اضطر بأن قرأ في الأولى ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم القرآن في ركعة، فإن فصل قرأ في الثانية من البقرة، كذا في المجتبى". (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۳۷، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، نوع آخر في كل ركعة بفاتحة الكتاب: ۱/۴۵۳، إدارة القرآن، كراچی)

گا، اگر نفل یا سنت یا واجب ہے تو بقیہ سب رکعت میں پڑھے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

خلافِ ترتیب قرأت اور فتاویٰ دار العلوم کا ایک فتویٰ

سوال [۳۲۱۰]: نماز فرض وواجب میں خلاف ترتیب قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ کتب معتبرہ میں سے کس میں اس کی تصریح ہے؟ شامی (۱)، شرح منیہ (۲) میں تو مطلقاً مکروہ لکھا ہے، لیکن بعض اردو فتاویٰ کی عبارت سے مکروہ تنزیہی معلوم ہوتا ہے (۳)۔

اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند جدید: ۲/ ۲۲۴، ''سوال: امام یا منفرد نماز فرض، سنت ونفل میں پہلی رکعت میں ''لإیلاف'' الخ دوسری رکعت میں سورۂ فیل'' کے جواب میں لکھا ہے کہ ''نماز فرض وواجب میں اس طرح برعکس ترتیب یعنی منکوس پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کا اعادہ واجب ہے'' (یعنی نماز) (۴)۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر درست

---

(۱) ''ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً، إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة .... ولا يكره في النفل شئى من ذلک''. (الدر المختار، فصل في القراءة: ۱/ ۵۴۶، سعيد)

(۲) ''وفي فتاوىٰ النسفي: سئل أبو الفضل عمن قرأ في النفل في الأولىٰ ﴿تبت يدا أبي لهب﴾ وفي الثانية: ﴿إذا جاء نصر الله﴾ قال: ان يعتمد ذلک، يكره. وذكر القاضي الإمام أبوبكر أنه يكره في الفريضة ولا يكره في النفل، انتهى''. (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) سوال میں ذکر کردہ عبارت ''بعض اردو فتاویٰ کی عبارت سے مکروہ تنزیہی معلوم ہوتا ہے'' تلاش بسیار کے بعد اردو فتاویٰ میں نہیں ملی، البتہ اردو فتاویٰ میں مطلق مکروہ لکھا ہے۔ دیکھئے: فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۲۴۶، کفایت المفتی: ۳/ ۴۵۲، عزیز الفتاویٰ: ۱/ ۱۷۱، امداد الفتاویٰ: ۱/ ۱۷۰، احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۴۴، اور زبدۃ الفقہ، کتاب الصلاۃ، ص: ۹۲۔ البتہ علم الفقہ، حصہ دوم، ص: ۲۷۰، میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

(۴) ''سوال: امام یا منفرد نماز فرض یا سنت ونفل پہلی رکعت میں ''لإیلاف'' اور دوسری رکعت میں سورۃ فیل یا پہلی میں سورۃ فیل اور دوسری میں ''ألم نشرح'' پڑھیں تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی یا مکروہ تنزیہی اور نماز قابلِ اعادہ ہے یا نہیں''؟

''جواب: نماز فرض وواجب میں اس طرح برعکس ترتیب یعنی معکوس پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور حسبِ قاعدہ: ''كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها'' اعادہ اس کا واجب ہے اور نوافل میں مکروہ نہیں ''وأن يقرأ منكوساً =

ہے تو اس کا ماخذ کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"يكره قراءة سورة منكوساً، قال ابن مسعود رضى الله عنه : "من قرأ القران منكوساً فهو منكوس" وما شرع لتعليم الأطفال ليتيسّر الحفظ بقصر السور، اه". مراقى الفلاح۔

"واستثنىٰ فى الأشباه النافلة، فلا يكره فيها ذلك، وأقرّ عليه الغزوى والحموى، ونقله عن أبى اليسر، وجزم به فى البحر والدر وغيرهما. قال بعض الفضلاء : فيه تأمل؛ لأن النكس إذاً كره خارج الصلوة، كمامرّ قوله: وما شرع لتعليم الأطفال الخ، لكون الترتيب من واجبات التلاوة، ففى النافلة أولى، وكون باب النفل واسعاً لايستلزم العموم، بل فى بعض الأحكام، اه". طحطاوى ،ص: ۲۱۲(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ خلافِ ترتیب نفل میں پڑھنے کو الاَشباہ میں کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے اور غزوی وحموی نے اس کو برقرار رکھا ہے رد نہیں کیا، اور ابوالیسر سے اسے نقل کیا ہے، بحر، ورد وغیرہ نے اس پر جزم کیا ہے۔ الحاصل: یہ صاحب الاشباہ کا قول شاذ نہیں اور وہ اس میں منفرد نہیں، ہاں! بعض فضلاء نے اس پر تأمل کیا ہے جن کا نام ونشان کچھ مذکور نہیں۔

طحطاوی، ص:۲۰۶، ۲۰۷، میں مکروہ تحریمی وتنزیہی کے درمیان فرق متعدد طرق سے لکھا ہے:

"وقال ابن أمير حاج: وكثيراً ما تطلق الكراهة على كراهة التنزيه: أى والأصل فى إطلاقها التحريم، وحينئذٍ فلا بدمن النظر فى الدليل الفارق بينهما، كما فى البحر والنهر، وحاصله أن الفعل إن تضمن ترك واجبٍ فمكروه تحريماً، وإن تضمن ترك سنة فمكروه تنزيهاً

= الخ، ولا يكره فى النفل شئ من ذلک الخ" درمختار، اورامام اور منفرد کا حکم اس بارے میں برابر ہے"۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۴، مکتبہ إمدادیہ، ملتان)

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى المكروهات ،ص: ۳۵۲، قديمى)

اھ، وتعاد الصلوة مع کونها صحیحةً لترك واجب وجوباً، اھ".(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ واجب سے جو کراہت ہوتی ہے وہ تحریمی ہے، اور کراہتِ تحریمی کی صورت میں اعادۂ نماز واجب ہوتا ہے، لیکن جس واجب کا تعلق صُلبِ صلوۃ سے ہے وہ اَقوی ہے اور جس کا تعلق صلبِ صلوۃ سے نہ ہو، اس کے حکم میں فرق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسورتوں کے درمیان ترتیب میں غلطی

سوال[۳۲۱۱]: امام صاحب نے ﴿والضحی واللیل إذا سجی﴾ پڑھا اور پھر اس سے جو پہلی سورت ہے اس کی ایک آیت چھوڑی اور قرأت یہاں سے شروع کی: ﴿والنهار إذا تجلی وما خلق﴾ الخ یعنی یہی سورت آخر تک پڑھی۔ اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں اور سجدۂ سہو ہوگا یا نماز لوٹانی پڑے گی یا پھر کچھ کئے بغیر ہی نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوئی، سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہوا، اعادہ بھی لازم نہیں، اس غلطی کی وجہ

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی المکروهات، ص: ۳۴۴، قدیمی)

"(قوله: ولایکره فی النفل شیئ من ذلک) عزاه فی الفتح إلی الخلاصة .... واعترض بأنهم نصوا بأن القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة، فلو عکسه خارج الصلاة، یکره، فکیف لایکره فی النفل؟ تأمل وأجاب ط: بأن النفل لاتّساع بابه نزلت کل رکعة منه فعلاً مستقلاً، فیکون کما لو قرأ إنسان سورةً، ثم سکت، ثم قرأما فوقها، فلا کراهة فیه". (ردالمحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۷، سعید)

"قال فی فتح القدیر: والحق التفصیل بین کون تلک الکراهة کراهةَ تحریمٍ، فتجب الإعادة، أو تنزیهٍ فتستحب". (ردالمحتار، مطلب: کل صلوة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی مایکره فعله فی الصلاة ومالایکره، ص: ۳۴۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

سے معنی نہیں بگڑے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۷/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۷/۱۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لو ذكر آيةً مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً، ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية، لاتفسد، كما لو قرأ ﴿والعصر إن الإنسان﴾ ثم قال: ﴿إن الأبرار لفي نعيم﴾، أو قرأ: ﴿والتين .... وهذا البلد الأمين﴾ ووقف، ثم قرأ: "لقد خلقنا الإنسان في كبد" .... لا تفسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني في زلة القارى، جنس آخر: لو ذكر آيةً مكان آية: ۱/۱۱۷، امجد اكيڈمى، لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الرابع في ذكر آية مكان آية: ۱/۴۸۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراتشى)

7

باب فی مسائل زلة القاری

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

"أولئك هم خير البرية" کے بجائے "لهم جنّٰت تجری الخ" پڑھنا

سوال[۲۲۱۲]: امر ذیل دریافت طلب ہے کہ ایک شخص نماز پڑھا رہا ہے اور اول رکعت میں سورۃ البینہ کے پہلے حصہ کو ﴿أولئك هم شر البرية﴾ تک صحیح پڑھتا ہے اور دوسری رکعت میں باقی حصہ سورۂ مذکورہ کا سمجھ کر پڑھ جاتا ہے: ﴿إن الذين امنوا وعملوا الصلحت، لهم جنت تجری من تحتها الأنهار، خلدين فيها أبداً، رضى الله عنهم ورضوا عنه، ذلك لمن خشى ربه﴾(۱) اور باقی نماز حسب ضرورت پوری کر کے سلام پھیر لیتا ہے اور کسی نمازی نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا اور خود پڑھانے والا بھی شک ہی میں ہے کہ اگر یہ غلطی اس طرح ہوتی تو اعتراض ضرور ہوتا۔ ایسی حالت میں نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں، اگر نہیں تو کیا چارۂ کار ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح پڑھنے سے معنی نہیں بگڑے، لہٰذا نماز خراب نہیں ہوئی بلکہ صحیح ہوگئی (۲)۔ ہر رکعت میں

---

(۱) (البينة : ۸)

(۲) "لم تفسد مالم يتغير المعنى". (الدرالمختار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۳، سعيد)

"أما إذا لم يقف ووصل، إن لم يغيّر المعنى نحو أن يقرأ: "إن الذين آمنوا وعملو الصالحات، فلهم جزاء الحسنى" مكان قوله: ﴿كانت جنات الفردوس نزلاً﴾ لاتفسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع فى صفة الصلاة ، الفصل الخامس فى زلة القارى: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ ، الفصل الثانى عشر فى زلة القارى، جنس آخر: لو ذكر آيةً مكان اٰية : ۱/۱۱۷ ، امجد اكيڈمى، لاهور)

مستقل سورت پڑھنا افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/محرم/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم/۵۹ھ۔

نماز میں معروف کو مجہول پڑھنا

سوال[۳۲۱۳]: اگر کسی نے نماز کے اندر بجائے معروف کے مجہول پڑھا دیا یعنی سورۂ والعادیات کے اندر ﴿أفلا يَعلم إذا بعثر ما في القبور وحصل مافي الصدور، إن ربهم بهم يومئذ لخبير﴾ آیت مذکورہ کے اندر جو لفظ "يَعْلَمُ" معروف کے ساتھ ہے اس کو "يُعلَم" مجہول کے ساتھ پڑھا دیا۔ آیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت مذکورہ میں نماز درست ہوگئی لیکن ہر معروف کو مجہول پڑھنے کا یہ حکم نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "(قوله: سورة) أشار إلى أن الأفضل قراءة سورة واحدة". (ردالمحتار، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۱/۴۹۲، سعيد)

"(قوله: أي في كل ركعة سورة مما ذُكر) .... انهم صرحوا بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورةٌ تامةٌ". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، نوع آخر، الأفضل أن يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورةً تامةً: ۱/۴۵۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

(۲) "إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعنى بأن قرأ ﴿لا ترفعوا أصواتكم﴾ برفع التاء، لا تفسد صلاته بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه).......... =

قرأت میں صیغۂ واحد مؤنث کی جگہ صیغۂ واحد متکلم کا پڑھنا

سوال[۳۲۱۴]: امام نے فجر میں ﴿یوم نقول لجهنم هل امتلأت﴾ کی جگہ "ہل امتلأتُ" پڑھ دیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرأتِ نماز میں اگر کوئی لفظ غلط زبان سے نکل گیا تو نماز کو فساد سے بچانے کے لئے فقہاء دور دراز کی تاویل سے بھی کام لے کر جواز نماز کا حکم فرمادیتے ہیں، جیسا کہ زلۃ القاری کے مسائل عالمگیری(۱)، بزازیہ(۲)، خانیہ(۳)، کبیری(۴)، وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں خطاب جہنم کو ہے اور صیغہ واحد مؤنث کا ہے، پڑھنے میں غلطی یہ ہوئی کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہوگیا۔ اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول کہ "خطائے اعراب مفسدِ صلوۃ نہیں" سے صَرفِ نظر بھی کرلیا جائے تب بھی ایک تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ جہنم مظہرِ غضب ہے، جتنا غضب الٰہی شدید ہوتا ہے اسی قدر جہنم پر اثر ہوتا ہے، "ھل امتلأتُ" کا مطلب یہ ہوگا کہ "ھل امتلأتُ غضباً" یعنی کیا میرا غضب شدید ہوگیا ہے جس کے نتیجہ میں تجھ کو بھر جانا چاہئے تو کیا تو بھر گئی ہے۔ یہ مطلب مقصد قرآن کے خلاف نہیں، اس لئے فساد نماز کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر قصداً اس طرح

=(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة، فصل في قرأة القرآن خطأ، و في الأحكام المتعلقة بالقرأة : ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۱) "إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعنى .... لا تفسد صلاته بالإجماع وإن غير المعنى تغيراً فاحشاً إذا قد أخطأ، فسدت صلاته في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل و أبو نصر محمد بن سلام .... لا تفسد صلاته، و ما قاله المتقدمون أحوط .... و ما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب، كذا في فتاوى قاضي خان. و هو الأشبه، كذا في المحيط. و به يفتى، كذا في العتابية. وهكذا في الظهيرية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، و منها اللحن في الإعراب : ۱/۸۱، رشيديه)

(۲)(الفتاوى البزازية، كتاب الصلاة، الثاني عشر في زلة القاري : ۱/ ۴۵، رشيديه)

(۳) (الفتاوى قاضي خان، فصل في قرأة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة : ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۴)(الحلبي الكبير، فصل في بيان أحكام زلة القاري، ص:۴۷۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

پڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

جمع متکلم کے الف کو گرانا

سوال[۳۲۱۵]: اگر قاری نے ﴿لو أنزلنا هذا القرآن﴾ کے بجائے "أنزلن" پڑھا یعنی جمع متکلم کو جمع مؤنث غائب سے بدل دیا تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمع متکلم کے اس الف کو اس جگہ گرادینا درست نہیں، پورا خیال رکھیں، لیکن دیگر مقامات پر اجتماع ساکنین کی صورت میں یہ الف گر جاتا ہے جیسے ﴿و أنزلنا الحديد﴾ ﴿نزلنا الذكر﴾ اس لئے ایسی حالت میں نماز کو فاسد نہیں کہا جائے گا، فساد سے بچانے کے لئے اتنا بھی کافی ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۱ھ۔

"قل هو الله أحد، الله الصمد" کو ملا کر نونِ قطنی کے ساتھ پڑھنا

سوال[۳۲۱۶]: امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورۂ اخلاص کی پہلی آیت کو نون قطنی کے

---

(۱) "إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعنى بأن قرأ ﴿لاترفعوا أصواتكم﴾ برفع التاء، لاتفسد صلاته بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس، ومنها في اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل العاشر في اللحن في الإعراب: ۱/۳۷۹، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصلوة، الفصل العاشر في اللحن في الإعراب: ۱/۴۹۳، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "و لو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً .... لم تفسد ما لم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، نوع آخر في زلة القارى، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة: ۱/۴۸۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، و منها حذف حرف: ۱/۷۹، رشيديه)

ساتھ دوسری آیت سے ملا کر پڑھا یعنی وصل کیا، نماز کے بعد بعض لوگوں نے آپس میں کہا کہ آج امام صاحب نے ایسا کیوں پڑھا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ امام صاحب نے صحیح پڑھا، کیونکہ امام صاحب قاری اور مولوی ہیں۔ غرض نائب متولی کے پاس یہ بات پہونچی، نائب متولی صاحب نے امام صاحب کو اپنے گھر بلا کر کہا کہ آپ اس طرح قرآن شریف کیوں پڑھتے ہیں جو مقتدی کی سمجھ میں نہیں آتا اور گڑبڑ ہوتی ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ سورۂ اخلاص کی پہلی آیت کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، کیوں کہ یہ قاعدہ کے مطابق ہے۔ پھر بعض لوگوں نے متولی صاحب سے کہا کہ آپ اس کا فتویٰ منگائیے، متولی صاحب نے کہا کہ فتویٰ کی کوئی ضرورت نہیں اور امام صاحب سے کہا کہ آپ اس طرح قرآن شریف پڑھیں جس طرح لکھا ہے اور جس طرح لوگ سمجھ سکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے یہ قواعدِ تجوید کے موافق پڑھا ہے، کتبِ تجوید میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بے محل وقف اور مد کرنا

سوال[۳۲۱۷]: ہمارے یہاں کے امام صاحب قرأت کے اندر جہاں آیت ہوتی ہے وہاں پر نہیں رکتے، اور جہاں آیت نہیں ہوتی وہاں رک جاتے ہیں۔ جہاں مد یا کھڑا الف ہوتا ہے وہاں پر ٹھہرتے ہیں، جہاں نہ مد ہو نہ الف وہاں ٹھہرتے ہیں، الف کو نہیں کھینچتے اور جہاں الف نہیں ہوتا وہاں کھینچتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں آیت ہو وہاں آیت کرنا اچھا ہے، جہاں آیت نہ ہو وہاں آیت نہ کرنا اچھا ہے، سانس بے جگہ ٹوٹ

---

(۱) "فائدہ: کلمہ منونہ یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دوزبر یا دوزیر یا دوپیش ہوں تو وہاں پر ایک نون ساکن پڑھا جاتا ہے اس کو نونِ تنوین کہتے ہیں، یہ تنوین وقف میں حذف کی جاتی ہے مگر دوزبر ہوں تو اس کو الف سے بدلتے ہیں اور وصل میں جب اس کے بعد ہمزہ وصلی ہو تو ہمزہ وصلی حذف ہو جائے گا اور یہ تنوین بسبب اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کے مکسور پڑھی جائے گی اور اکثر جگہ خلاف قیاس چھوٹا سا نون لکھ دیتے ہیں مثل: (بزینة ن الکواب، خیرن الوية الخ)" (فوائد مکیہ، تیسرا باب، ص: ۳۱، قدیمی)

جائے تو آیت کرسکتا ہے، بلا وجہ بے موقع آیت نہ کی جائے (۱)۔ مد کی جگہ مد پڑھیں، جہاں مد نہ ہو وہاں مد نہ کیا جائے، معنی بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسے ہی جہاں الف نہ ہو وہاں کھینچ کر الف بنانے اور جہاں الف ہو وہاں الف نہ پڑھنے سے بھی معنی بگڑ جانے کا اندیشہ ہے (۲)، امام صاحب کو بہت احتیاط لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/ ۷/ ۹۴ھ۔

"إنا أعطينا" بغیر مد کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے

سوال [۳۲۱۸]: تجوید کے لحاظ سے "إنا أعطينا" کے اندر کھینچنا لازم آتے ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نماز میں بغیر کھینچے پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوگی مگر صحیح پڑھنے کی کوشش لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "إذا وقف في غير موضع وقف أو ابتدأ من غير موضع الابتداء أو أنه على وجهين: الأول: أن لا يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً، نحو: إن وقف على الشرط قبل ذكر الجزاء، ثم ابتدأ في الجزاء، فقرأ ﴿إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات﴾ و وقف ثم ابتدأ بقوله: ﴿أولئك هم خير البرية﴾ ، لا تفسد صلاته بالإجماع بين علمائنا . الثاني : أن يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً بأن قرأ: ﴿شهد الله أنه لا إله﴾ و وقف ثم" قرأ: ﴿إلا هو﴾، وفي هذا الوجه لا تفسد صلاته عند علمائنا .... لأن القاري عسى لا يجد بداً عن الوقف في مثل هذا الموضع إما لانقطاع النفس أو غيره". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء : ۱/ ۳۷۷، مكتبه غفاريه)

(۲) "ترك المدّ والتشديد في موضعها، والإتيان بهما في غير موضعهما إن كان لا يغير المعنى و لا يقبح الكلام، لا يوجب فساد الصلاة ، وإن كان يغير المعنى و يقبح الكلام، اختلف المشايخ: قال بعضهم : لا تفسد صلاته دفعاً للحرج ، و قال عامتهم: تفسد صلاته ". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل التاسع في ترك المدّ والتشديد في موضعهما: ۱/ ۳۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، و منها ترك التشديد والمد في موضعها : ۱/ ۸۱، رشيديه)

(۳) "وأما ترك المدّ إن كان لا يغير بأن قرأ: ﴿أولئك﴾ بلا مدّ، و: ﴿إنا أعطيناك﴾ بدون المد، لا تفسد". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۸۱، الفصل الخامس في زلة القاري ، رشيديه) .... =

"فقد ضل" میں "دال" کو "ضاد" میں ادغام کر کے پڑھنا

سوال[۳۲۱۹]: ایک شخص فرض نماز میں: ﴿ومن یتبدل الکفر بالإیمان﴾ پر وقف کر کے ابتداء مابعد کے لفظ "فقد ضل" سے کرتا ہے، "فقد" کی "دال" کو "ضاد" میں ادغام بھی کرتا ہے، ایسا کرنے سے نماز میں نقص آتا ہے یا نہیں؟ اور امام جزریؒ یہ فرماتے ہیں: "وغیر ماتم قبیح وله یوقف" (۱)۔

والسلام:

سائل: احقر شریف احمد، محلہ لکھی دروازہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا، نہ اس وقف سے نہ اس ادغام سے، البتہ اختیاراً ایسی جگہ وقف نہ کرنا چاہیے، جزری کا مطلب بھی یہی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/رجب/۵۶ھ۔

= (وكذا في التاتارخانية: ۱/۴۹۲، الفصل التاسع في الترك والتشديد، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۱/۲۸۱، فصل في القرأة، رشيديه)

(۱) پورا شعر: "وغير ما تم قبيحٌ وله يوقف مضطراً و يبدأ قبله".

(متن المقدمة الجزرية، باب معرفة الوقف والابتداء، ص: ۳۹، مكتبه القراءة لاهور)

(۲) "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ في غير موضع الابتداء، إن لم يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً نحو أن يقرأ: ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات﴾ ووقف ثم ابتداء بقوله: ﴿أولئک هم خير البرية﴾ لاتفسد بالإجماع بين علمائنا، هكذا في المحيط. .... وإن أتى بإدغام في موضع لم يدغمه أحدٌ، إلا أن المعنى لا يتغير به، ويفهم ما يفهم مع الإظهار نحو أن يقرأ: ﴿قل سيروا﴾ بإدغام اللام في السين، لا تفسد صلاته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، منها الوقف والوصل، ومنها ترک الإدغام والإتيان به: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصلوة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۴۸۹، والفصل الحادي عشر في ترک الإدغام والإتيان به: ۱/۴۹۶، إدارة القرآن، كراچی)

سانس ٹوٹنے کے بعدلوٹ کر نہ پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال[۲۲۲۰]: اگر کچھ آیت پر سانس ٹوٹ جائے اوراس کی طرف لوٹ کرنہیں پڑھاتو اس حالت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوگئی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

"مذکوراً" اور"کفوراً" کی جگہ "مذکور"اور"کفور" (بغیر الف کے) پڑھنا

سوال[۲۲۲۱]: امام صاحب نے نمازِ جمعہ میں سورۂ دہر پڑھی، اس میں"مذکوراً" کی جگہ "مذکور" اور"کفوراً" کی جگہ "کفور" پڑھا۔یعنی''راء'' کو ساکن کر کے پڑھا،ایک مقتدی نےلقمہ بھی دیا، لیکن امام صاحب نےلقمہ نہیں لیا۔اب عرض ہے کہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اعرابی غلطی سے معنی نہیں بگڑے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوئی (۲)۔لقمہ دینے کی بھی ضرورت نہیں

---

(۱) "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ من غير موضع الابتداء، وأنه على وجهين: الأول : أن لا يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً......... فقرأ: ﴿إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات﴾ ووقف ثم ابتدأ بقوله: ﴿أولٰئک هم خير البريّة﴾ .... لا تفسد صلاته بالإجماع بين علمائنا رحمهم الله".

(المحيط البرهاني ، كتاب الصلوة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۳۷۷/۱،الغفارية)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتا ب الصلوة، نوع آخر في زلة القارى، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۴۷۹/۱، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان : "ق والقرآن المجيد کا اعراب")

تھی، جس نے لقمہ دیا اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، والبسط فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۸۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۵ھ۔

''زبر'' کی جگہ ''زیر'' یا برعکس پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال[۳۲۲۲]: زیر کی جگہ زبر یا برعکس پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، بموجب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۸۹(۲)۔ کیا اعادہ کرتے وقت نیا آدمی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معنی بگڑیں گے تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں (۳) اور جب تک معنی بگڑنے کی تحقیق نہ ہو جائے اعادہ واجب نہیں۔ ایسی صورت میں اعادہ والی نماز میں نئے آدمی کو شرکت کرنی درست نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(۱) "ویکره للمقتدی أن یعجّل بالفتح؛ لأن الإمام ربما یتذکر، فیکون التلقین من غیر حاجة، ویکره للإمام أن یلجئهم إلیه بأن یقف ساکناً بعد الحصر، أو یکرر الآیة، بل ینتقل إلی آیة أخری أو یرکع إن قرأ القدر المستحب، وقیل: قدر الفرض، والأول هو الظاهر". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب مایفسد الصلوة، ص: ۳۲۴، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۶۲۳، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۲/۱۰، رشیدیه)

(۲) ''سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مصلی نماز میں ''زیر'' کی جگہ ''زبر'' یا برعکس پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے، یہ صحیح ہے یا کیا؟

جواب: ''کافر نہیں ہوتا، مگر نماز فاسد ہو جاتی ہے''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۸۹، مکتبه إمدادیه)

(۳) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: "سمع الله لمن حمده" میں "ع" کو زیر کے ساتھ "بمصابیح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ پڑھنا'')

(۴) "کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها، والمختار أنه جابرٌ للأول". (الدرالمختار).

"(قوله: والمختار أنه): أی الفعل الثانی جابرٌ للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو، وبالأول یخرج عن =

غلط پڑھ کر دوبارہ صحیح پڑھ دینا

سوال[۳۲۲۳] : امام نے جمعہ کی فرض نماز میں قراءت میں ﴿إن الأبرار لفی نعیم﴾ کی جگہ ”إن الأبرار لفی جحیم“ پڑھا، مگر پھر دوبارہ لوٹا کر صحیح پڑھ لیا تو کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہیں اور اعادہ کی ضرورت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”وإن تغیر المعنیٰ بأن قرأ: ”إن الأبرار لفی جحیم، وإن الفجار لفی نعیم“ أو قرأ: ”إن الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت، أولٰئك هم شر البریة“ أو قرأ: ”وجوه یومئذ علیها غبرة، أولٰئك هم المؤمنون حقاً“ تفسد صلوٰته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالیٰ به. وقال بعضهم: لا تفسد صلوٰته لعموم البلوی، والأول أصح، اھ“. فتاویٰ قاضی خان : ۱۵۳/۱(۱)۔

= العهدة وإن کان علی وجه الکراهة علی الأصح“. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۴۵۷/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۵۱۷/۱، رشیدیه)

(۱) (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی قراء ة القرآن خطأ، وفی الأحکام المتعلقة بالقراء ة : ۱۵۳/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری : ۸۰/۱، ۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، جنس آخر: لو ذکر اٰیةً مکان اٰیة : ۱۱۸/۱، امجد اکیڈمی لاهور)

تنبیہ: غلطی فاحش کے بعد فوراً تصحیح کر دی، تو نماز صحیح ہو جائے گی، جیسا کہ فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ: ”سوال: کوئی شخص نماز میں قرأت کے دوران الفاظ یا اعراب کی غلطی کر جائے اور بعد میں علم ہونے پر فوراً اس کا ازالہ کر دے اور دوبارہ درست قرأت پڑھے، تو اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب: نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا نماز درست اور صحیح ہوگی۔

”ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوة بخطا فاحش ثم رجع وقرء صحیحا قال عندی صلاته جائزة وکذالک الاعراب“. [الفتاویٰ الهندیة: ۸۲/۱، الباب الرابع فی صفة الصلوة، فصل فی زلة القاری]“. (فتاویٰ حقانیه، باب القرأة : ۱۷۷/۳، المطبع العربیه، لاهور)

(وکذا فی احسن الفتاویٰ، مسائل زلة القاری: ۴۴۵/۳، سعید)

(وکذا فی امداد الفتاویٰ، باب شروط الصلوة وصفتها: ۱۶۸/۱، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل زلة القاری: ۸۱/۴، دارالاشاعت)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اصح قول کی بناء پر ایسی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جب فاسد ہوگئی تو دوبارہ لوٹا کر صحیح پڑھنے سے درست نہ ہوگی، لہٰذا اس کا اعادہ کرنا چاہیے اور چونکہ یہ نماز جمعہ کی ہے اس لئے بجائے جمعہ کے اس روز کی ظہر کی نماز قضاء پڑھی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ ربیع الاول/ ۵۹ھ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

غلط پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ

سوال[۳۲۲۴]: اگر امام پہلی رکعت میں کسی آیت کی تلاوت اس طرح کرے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن دوسری رکعت میں اس کی تصحیح کرے تو ایسی صورت میں نماز فاسد رہے گی، یا اس کا فساد جاتا رہے گا اور نماز درست ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فاسد ہی رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

"للیسری" کی جگہ "للعسری" پڑھنے کے بعد صحیح پڑھنے کا حکم

سوال[۳۲۲۵]: اگر امام نماز فرض میں غلط آیت پڑھ دے پھر صحیح کر کے لوٹا لے تو کیا نماز درست ہو جائے گی، مثلاً پہلے: "وصدق بالحسنی فسنیسرہ للعسری" غلطی سے پڑھ دیا، پھر لوٹا کر ﴿فسنیسرہ للیسری﴾ پڑھ دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس لوٹانے سے نماز درست نہ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

قراءت میں غلطی کے بعد اس کو صحیح پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال[۳۲۲۶]: نماز میں کس طرح کی غلطی سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ اگر معنی بدل گئے پھر صحیح کر کے اعادہ کرلیا تو اس طرح سے نماز صحیح ہوگئی؟ کبھی وسطِ جملہ میں سانس ٹوٹ جاتا ہے اس سے کچھ حرج ہے یا نہیں؟ اور تشہد وغیرہ اور قراءت میں کچھ فرق ہے یا ایک حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلطی منافیٔ صلوۃ ہے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اگر معنی بگڑنے سے نماز فاسد ہوگئی تھی تو اس لفظ کا صحیح طور پر اعادہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوئی بلکہ نماز کا اعادہ ضروری ہوگا(۱)، البتہ عالمگیری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صحیح ہوجائے گی (۲)، ہمارے اکابر اس کو نفل وتراویح وغیرہ پر حمل کرتے ہیں۔ وسطِ کلمہ پر سانس توڑنے سے خواہ تشہد وغیرہ میں معنی صحیح رہیں یا بگڑیں، سب کا ایک حکم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

فرض نماز میں اگر غلطی فاحش کی تو اصلاح سے بھی نماز نہ ہوگی

سوال[۳۲۲۷]: ایک امام صاحب نے فجر کی نماز میں درمیانِ قراءت پارہ نمبر:۲۴ ﴿او تقول حین تری العذاب لو أن لی کرۃً فأکون من المحسنین﴾ اس آیت میں (فأکون من المحسنین) پڑھا اور پھر خود ہی (فأکون من المحسنین) پڑھ لیا، اسی رکعت میں آگے چل کر ﴿بل اللہ فاعبد وکن من الشاکرین﴾ اس آیت میں "وکن من الخاسرین" پڑھ دیا۔ مقتدی نے لقمہ دیا اور اس کو امام نے ﴿وکن من الشاکرین﴾ پڑھ کر اصلاح کرلی۔ آیا ان اغلاط کی تصحیح کرنے پر نماز ہوگئی یا نہیں؟ نماز کے اندر غلطی فاحش سے مراد کون سی غلطی ہے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

---

(۱) (راجع، ص: ۱۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاۃ بخطأ فاحش، ثم رجع وقرأ صحیحاً، قال: عندی صلاته جائزة، وکذلک الإعراب". (الفتاوی العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری: ۸۲/۱، رشیدیه)

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگر قراءت کے اندر غلطی فاحش ہوگئی خواہ اس کی اصلاح بھی کرلی گئی ہو، ازخود یا بتلانے سے، تو نماز فاسد ہوگئی اور حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تراویح کے اندر اگر قراءت میں غلطی فاحش ہوگئی تو تصحیح ہوجانے پر گنجائش ہے، لیکن فرض نماز میں اگر اصلاح بھی کرلی ہو تو گنجائش نہیں (۱) اور درمختار کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں: "کما لو بدل كلمةً بكلمة وغير المعنى، إلى آخره". درمختار: ۱/۳۳۳ (۲)۔

براہِ کرم اس عبارت کا مطالعہ فرما کر مدلل بحوالۂ کتاب جواب ارسال فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غلطی فاحش وہ ہے جس سے معنی بگڑ جائیں، مقصودِ قرآن کے خلاف ہوجائیں جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے، ایسی غلطی سے فرض نماز فاسد ہوجاتی ہے اور اصلاح کرلینے پر بھی درست نہیں ہوگی، کذا فی منظومة ابن وهبان: "وإن لحن القاری وأصلح بعده إذا غير المعنى، الفسادُ مقررٌ" (۳)۔ ایسی نماز کو دوبارہ پڑھا جائے۔ تراویح میں ختمِ قرآن کریم مقصود ہوتا ہے، اس میں ایسی غلطی کا ہوجانا نادر نہیں اس لئے وہاں توسّع ہے، یہی محمل ہے فتاویٰ درمختار کی عبارت کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۱ھ۔

غلطی فاحش سے مراد

سوال [۳۲۲۸]: امام نے سورۂ انفطار پڑھی ﴿الذی خلقك فسوّاك فعدلك، فی أیّ صورةٍ

(۱) تلاش بسیار کے بعد حضرت تھانویؒ کی طرف جو حوالہ منسوب کیا گیا ہے کہ "تراویح کے اندر قراءۃ میں غلطی فاحش ہوگئی تو تصحیح ہوجانے پر گنجائش ہے، لیکن فرض نماز میں اگر اصلاح بھی کرلی تو گنجائش نہیں"، نہیں ملا، البتہ امداد الفتاویٰ میں "صحت صلاۃ بعد تدارک زلۃ القاری" کے عنوان کے تحت تصحیح کرنے پر نماز صحیح ہوجائے گی، مذکور ہے دیکھئے: (امداد الفتاوی: ۱/۱۶۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (الدر المختار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۶۳۳، سعید)

(۳) (مقدمة نور الإيضاح رسالة منظومة للشيخ العلامة الهمام ابن وهبان، فصل من كتاب الصلاة، ص: ۱۳، سعيد)

(وأيضاً راجع، ص: ۱۱۸، رقم الحاشية: ۱)

ماشاء رکبك﴾ کے بعد "کلا بلا" پھر معاً امام کو احساس ہوا اور بغیر اس لفظ کی تصحیح کے بقدر تین سیکنڈ کے بعد ﴿بل تکذبون بالدین﴾ پڑھ کر رکوع کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ آیت تلاوت میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ مع حوالہ جواب سے مستفیض فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"فی أيّ صورة ماشاء رکبك، کلا بل" پڑھ کر یعنی غلطی سے لفظ "بلا" زائد پڑھ کر غلطی کا احساس ہوا اور بغیر اس لفظ کی تصحیح کئے تقریباً تین سیکنڈ کے بعد "بل تکذبون بالدین" پڑھ کر نماز پوری کردی، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی، فساد کا مدار معنی بگڑنے پر ہے، یہاں یہ بات نہیں ہوئی۔ لفظ "بلا" لفظ "کلا" کی تاکید بن جائے گا اور معنی درست ہو جائیں گے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۴/۱۸ھ۔

خطائے فاحش سے فسادِ نماز کا حکم

سوال [۳۲۲۹]: حافظ اگر غلط پڑھ کر نماز ختم کردے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسی غلطی کی جس سے معنی میں تغیرِ فاحش ہوگیا اور کسی قاعدۂ عربیہ سے معنی کی تصحیح نہیں ہوسکتی تو نماز فاسد ہوگئی، اعادہ لازم ہے:

"وإن غیر المعنیٰ تغیراً فاحشاً، فإن قرأ: ﴿وعصی ادم ربه فغوی﴾ بنصب میم "ادم" ورفع باءَ "ربه" .... وما أشبه ذلك، لو تعمد به یکفر إذا قرأ خطأً، فسدت صلوته، الخ".

---

(۱) "ولو زاد کلمةً أو نقص کلمةً أو نقص حرفاً .... لم تفسد مالم یتغیر المعنی". (الدرالمختار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۶۳۲، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها زیادة کلمة لاعلی الوجه البدل: ۱/۸۰، رشیدیه)

(وکذا في خلاصة الفتاویٰ، النوع الثاني عشر في زلة القاري، نوع منه: إن زاد کلمة: ۱/۱۱۷، امجد اکیڈمی، لاهور)

قاضی خان: ۱/ ۱۶۸ (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ محرم الحرام/ ۵۱ھ۔

نماز میں ایک آیت کا چھوٹنا

سوال [۳۲۳۰]: فجر میں امام صاحب نے سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ والفجر شروع کی تو پڑھتے پڑھتے ایک آیت ﴿والليل إذا يسر﴾ چھوڑ دی اور آگے پھر سورہ شریف پڑھ لی، اس طرح اب نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ آدمیوں نے جو مقتدی شامل تھے، مشکوک حالت میں انفرادی طور پر دوبارہ الگ الگ نماز پڑھی، دوسری دفعہ پھر ایسی ہی غلطی ہوئی، "والشمس" پڑھی لیکن حسبِ سابق پڑھتے پڑھتے ﴿والأرض وماطحٰها﴾ چھوڑ دی اور باقی سورہ مکمل کر کے نماز پڑھی۔ اس طرح سہواً یا بوجہ یاد نہ ہونے کے قصداً نماز پڑھانے سے ادا ہو جاتی ہے اور اعراب کی غلطیوں تک کی پرواہ نہیں کرتے جب کہ وہ معنی نہیں جانتے۔ یہ دورافتادہ علاقہ ہے، کوئی دینی ادارہ یا مفتی کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ سے رجوع کیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان دونوں جگہوں کو بھول کر امام نے جو آیتیں چھوڑی ہیں اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۲)۔

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی قراء ة القرآن خطأ وفی الأحكام المتعلقة بالقراء ة: ۱/ ۱۳۹، رشیدیه)

"واختلف المتأخرون في ذلک .... لا تفسد صلاته وما قاله المتقدمون أحوط .... وما قاله المتأخرون أو سع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب و إعراب، فلا تفسد الصلاة". (فتاویٰ قاضی خان، المصدر السابق: ۱/ ۱۴۰، رشیدیه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها اللحن في الإعراب: ۱/ ۸۱، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب: مسائل زلة القاری: ۱/ ۶۳۱، سعید)

(۲) "لو ذكر آيةً مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً، ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية، لاتفسد .... أما إذا لم يقف ووصل، إن لم يغير المعنى نحو أن يقرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات، فلهم جزاء الحسنى" مكان قوله: ﴿كانت لهم جنات الفردوس نزلاً﴾، لاتفسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها ذكر آية مكان آية: ۱/ ۸۰، رشیدیه)

اگر کوئی صحیح العقیدہ مسائل سے واقف امام مل جائے تو وہ بڑی نعمت ہے، لیکن جب سارا علاقہ یہی دورافتادہ ہے اور کوئی بھی معنی معانی کا سمجھنے والا نہ ہو تو ان میں سے جو بہتر حالت میں ہو اسی کو امام بنالیا جائے (۱)، ایسی حالت میں امام کو چاہیے کہ چند سورتیں صحیح اور پختہ یاد کرلے (۲) اور ان کو ہی نماز میں پڑھا کرے تاکہ غلطی نہ ہو۔ معنی بگڑنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اس لئے جب تک غلطی کا علم نہ ہو تو کیا حکم لگایا جائے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم

سوال[۳۲۲۱]: امام صاحب نے سورۂ بینہ میں ﴿إن الذين امنوا وعملوا الصالحات﴾ کے بعد ﴿لهم جنت تجری﴾ شروع کردیا اور اسی پر نماز ختم کردی، نماز لوٹائی نہیں گئی کیا نماز ہوگئی؟ امام صاحب کا خیال ہے کہ نماز صحیح ہوگئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام صاحب کا خیال درست ہے، نماز صحیح ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں: "وإن لم يكن (الحذف) على وجه الإيجاز والترخيم، فإن كان لا يغير المعنى، لاتفسد صلوته". عالمگیری: ۱/۸۱، مطبوعہ کانپور (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

= (وكذا في الفتاوى قاضي خان، كتاب الصلوة، فصل في قراءة القرآن خطأ: ۱/۱۵۳، رشيديه)

(۱) "(والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل: واجب، وقيل: سنة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۷، داراحياء التراث العربى)

(۲) "(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجبٌ على كل مسلم)، ويكره نقص شئ من الواجب".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، فصل في القراءة: ۱/۵۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۲، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها حذف حرف: ۱/۷۹، رشيديه)...... =

سورۂ "والطارق" کے کچھ اجزاء چھوٹ جانے سے نماز کا حکم

سوال[۳۲۳۲] : ایک شخص نے جمعہ کی نماز پڑھائی، اس میں انہوں نے سورۂ "و الطارق" پڑھی اس کے اندر دو جگہ پر کچھ بھول گیا: پہلی جگہ "مم خلق " میں "عم خلق " پڑھا اور سانس کو برابر جاری رکھا، اور "خلق" کو چھوڑ کر ﴿من ماءٍ دافق -إلی- والسماء ذات الرجع﴾ صحیح پڑھتا چلا گیا، پھر ﴿إنه لقول فصل﴾ پڑھتا چلا گیا اور درمیان میں ﴿وماهو بالهزل﴾ چھوڑ دیا یعنی ﴿إنه لقول فصل﴾ پر بغیر وقف تام کئے ہوئے ﴿إنهم يكيدون﴾ پڑھا۔ تو کیا ایسی صورت میں نماز دوبارہ ادا کرنا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱۲/۱۷ھ۔

دو آیتوں کا چھوٹ جانا

سوال[۳۲۳۳] : نماز میں سورۂ "عمّ یتساء لون" میں ﴿إلا حميماً وغساقاً، جزاءً وفاقاً، إنهم كانوا لايرجون حساباً﴾(۲) کے بعد کی آیتوں کو چھوڑ کر ﴿فذوقوا فلن نزيد كم إلا عذاباً﴾(۳) پڑھ دیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة : ۱/۴۸۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراتشي)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، نوع منه، نقصان حرف : ۱/۱۱۲، امجد اكيڈمي، لاهور)

(۱) "لو ذكر آية مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية لاتفسد، كما لوقرأ: ﴿والعصر، إن الإنسان﴾ ، ثم قال: ﴿إن الأبرار لفي نعيم﴾". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها ذكر آية مكان آية: ۱/۸۰، رشيديه)

(۲) (سورة النباء ، رقم الآيات: ۲۵، ۲۶، ۲۷)

(۳) (سورة النباء ، رقم الآية: ۳۰)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں غلطیوں سے نماز فاسد نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۱۶ھ۔

”ق، والقرآن المجید“ کا اعراب

سوال[۳۲۲۴]: ۱...... ﴿ق، والقرآن المجید﴾ اس آیت کریمہ میں لفظ ”مجید“ کو ”دال“ کے کسرہ اور ضمہ اور سکون کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بضم الدال پڑھا گیا تو نماز کیا مکروہ ہوجائے گی؟

دو آیتیں درمیان سے چھوٹ گئیں

۲...... ﴿قال لا تختصموا﴾ کے بجائے ﴿وما أنا بظلام للعبید﴾ پڑھتا ہے، اس کے بارے میں بھی مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ﴿ق، والقرآن المجید﴾ میں ”دال“ پر کسرہ ہے، وقف کرنے کی وجہ سے دال پر سکون ہوجائے گا، دال پر قصداً ضمہ پڑھنا درست نہیں، ضمہ پڑھا گیا تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)۔

۲...... اگر غلطی سے دو آیتیں چھوٹ گئیں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مر تخریجه تحت عنوان: ”بھول سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم“)

(۲) ”(قوله: ومنها زلة القاری)...........فاتفقوا علی أن الخطأ فی الإعراب لایفسد مطلقاً ولو اعتقاده کفراً؛ لأن أکثر الناس لا یمیّزون بین وجوه الإعراب“. (ردالمحتار، مطلب: مسائل زلة القاری: ۱/۶۳۱، سعید)
(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری، منها اللحن فی الإعراب: ۱/۸۱، رشیدیه)
(وکذا فی النهر الفائق، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۲۷۴، إمدادیه)

(۳) ”لو ذکر آیةً مکان آیة، إن وقف وقفاً تاماً، ثم ابتدأ بآیة أخری أو ببعض آیة، لاتفسد کما لو قرأ: ﴿والعصر إن الإنسان﴾، ثم قال: ﴿إن الأبرار لفی نعیم﴾“. (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ومنها ذکر آیة مکان آیة: ۱/۸۰، رشیدیه) .... =

بھول جانے سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم

سوال[۳۲۳۵]: ایک شخص نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت ملاتا ہے اور ایک آیت پڑھنے کے بعد بھول جاتا ہے، پھر تین چار آیتیں چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے، اس طرح شروع واخیر میں تین یا تین سے زائد آیتیں پڑھیں، درمیان میں تین آیتیں بھول گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اگر آیت پر سانس ختم کرکے دوسرے سانس میں تین چار آیت کے بعد پڑھتا ہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ضاد کا مخرج

سوال[۳۲۳۶]: نماز میں لفظ "ض" کو کس طرح ادا کیا جائے بعض لوگ اس کے اصل مخرج سے واقف نہ ہوتے ہوئے کبھی "ظ" پڑھ دیتے ہیں کبھی "ز" کبھی "ذ" کبھی "د"، اصل مخرج اس لفظ کا کیا ہے؟ نماز اس طرح پڑھنے سے ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ض" مستقلاً حرف ہے، اس کا مخرج حافۂ لسان اور اَضراسِ عُلیا ہے (۲)، اس کی صفات مستقل ہیں

= (وكذا في التاتارخانيه، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في ذكر آية مكان آية: ۱/۴۷۴، إدارة القرآن)

(۱) "لو ذكر آيةً مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية، لاتفسد، كما لو قرأ: ﴿والعصر إن الإنسان﴾ ثم قال: ﴿إن الأبرار لفي نعيم﴾". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها ذكر آية مكان آية: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، جنس آخر: لو ذكر آيةً مكان آية: ۱/۱۱۷، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۲) "فمن حافة اللسان من أقصاها إلى الأضراس الضاد" (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في كيفيتها: ۱/۳۶۲، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

"والضاد من حافته إذ وليا: الأضراس من أيسر أو يمناها" (متن المقدمة الجزرية، باب مخارج الحروف، ص: ۱۲، مكتبه القرأة لاهور)

مجہورہ (۱) مستطیلہ (۲) رخوہ (۳) اس کو ادا کرنا تمام حروف سے زیادہ مشکل ہے، اس کے لئے بڑی مشق کی ضرورت ہے، کوشش یہ کی جائے کہ اپنے اصل مخرج سے اپنی پوری صفات کے ساتھ ادا ہو اور ممیز ہو جائے، قصداً اس کو "دال" یا "زا" یا "ظ" نہ پڑھے، کوشش کے باوجود جس طرح بھی ادا ہوگا نماز درست ہو جائے گی (۴)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"ضاد" کو "ذال" وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال [۳۲۲۷]: اگر کوئی امام ضاد کی ادائیگی مخرج سے نہ کر سکے تو وہ کس کے مشابہ اس کو ادا کرے،

---

(۱) "الجهر لغةً: الإعلان، واصطلاحاً: انحباس جرى النفس عند النطق بالحرف لقوة الاعتماد على المخرج وحروفها تسعة عشر، و هي ما سوى حروف الهمس". (فن الترتيل في احكام التجويد، الصفات المتضادة، ص: ٧٠، مكتبه إحياء التراث الإسلامي)

(۲) "الاستطالة: و لها حرف واحد، وهو: الضاد، سميت بذلك لاستطالتها". (فن الترتيل في أحكام التجويد، الصفات التي لا ضد لها، ص: ٧٣، مكتبة إحياء التراث الإسلامي)

(۳) "الرخاوة لغةً: اللين، واصطلاحاً: جريان الصوت مع الحروف لضعف الاعتماد على المخرج، و حروفها ستة عشر، و هي ما عدا حروف الشدة والتوسط". (فن الترتيل في أحكام التجويد، الصفات المتضادة، ص: ٧١، مكتبه إحياء التراث الاسلامي، بيروت)

(و كذا في متن المقدمة الجزرية، باب الصفات، ص: ١٤، ١٦، مكتبه القرأة لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (جمال القرآن، ص: ٩، ١٣، دار الإشاعت) (وفوائد مكية، ص: ١٤، ١٩، قديمی)

(۴) "وإن ذكر حرفاً مكان حرف و غير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد، تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء، اختلف المشايخ فيه قال: أكثرهم لا تفسد صلاته .... ولو قرأ الظالمين بالظاء أو بالذال، لاتفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته". (فتاوى قاضي خان، فصل في القرأة في القرآن خطأ الخ: ١/١٤١، ١٤٣، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، نوع آخر في زلة القارئ، الفصل الأول في ذكر حرف مكان حرف: ١/٤٦٥، إدارة القرآن كراچی) .... =

آیاذال کے یادال کے یاظا کے، ہرایک کے جواز وعدم جواز کی دلیل کہ اگر ذال کے ساتھ مثلاً ناجائز ہے تو کیوں اور دوسرے کیساتھ کیوں جائز ہے اور نماز کن کن صورتوں میں فاسد ہوگی اور کن کن میں نہیں فاسد ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

''ضاد'' مستقل حرف ہے اس کو کسی دوسرے حرف کے مشابہ قصداً نہیں پڑھنا چاہئے (۱) ''ظ'' کے ساتھ صفات میں زیادہ اشتراک ہے۔ نماز کی صحت وفساد معنی کی صحت وفساد اور قدرت ادا پر موقوف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

''ضاد'' کو بلفظ ''دال'' پڑھنا

سوال [۳۲۲۸]: نماز میں'' ولا الضالین '' کو بلفظ دال پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جوشخص ''ض'' کو صحیح ادا کرنے پر قادر ہوکر اس جگہ ''د'' پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وکذا فی البزازیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری : ۱/۴۲، رشیدیه)

(۱) (مر تخریجه تحت عنوان المسئلة ''ضادکامخرج'')

(۲) قال فی الخانیة :"وإن ذکر حرفاً مکان حرف و غیر المعنی، فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مکان الصالحات، تفسد صلاته عند الکل. وإن کان لا یمکن الفصل بین الحرفین إلا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء، اختلف المشایخ فیه قال:أکثرهم لا تفسد صلاته .... ولو قرأ الظالمین بالظاء أو بالذال، لاتفسد صلاته. و لو قرأ الدالین بالدال، تفسد صلاته". (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی القرأة فی القرآن خطأً الخ : ۱/۱۴۱، ۱۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الأول فی ذکر حرف مکان حرف : ۱/۴۶۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البزازیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری : ۱/۴۲، رشیدیه)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة)

قواعد تجوید کے مطابق لفظ ''اللہ'' کا تلفظ

سوال[۳۲۳۹] : أيها السادة! ما ذا تقولون فی قراء ة بعض الإخوان فی بلادنا، لفظ الجلالة "الله" بعد دين: "الآم" فيه "ضاداً" و"ظاء" بالتفخيم بلا ترقيق، ويقولون: إن التفخيم سنة عقب الضم والفتح. هل تصح صلوتهم أم لا؟ ولما تبين لهم هذا الخطاء لم يرجعوا عن ذالك، لكن يداومون علىٰ غلطهم عناداً أو سهواً أو جسارةً، فهل يصح الاقتداء بهم فی الصلوة أم لا؟ وهل ينبغی إعادة الصلوة إذا لم يصح الاقتداء؟ بينوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لفظ الجلالة "الله" باللام ليس فيه الرائحة من الضادوا الظاء، فمن يقرأ بالضاد والظاء متعمداً لايصح الاقتداء به، بل تجب إعادة الصلوة بهذا التحريف (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"الحمد" کی جگہ "الهمد" پڑھنا

سوال[۳۲۴۰] : اگر امام "الحمد" کے بجائے "الهمد" پڑھے اسی طرح دوسرے الفاظ میں بھی غلطی کرے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص "الحمد" پڑھنے پر قادر نہیں بلکہ اس کی جگہ "الهمد" پڑھتا ہے یعنی ''حاء'' کی جگہ ''ہاء'' پڑھتا ہے نماز اس کی بھی صحیح ہوجائے گی، کذا فی الکبیری (۲)، مگر ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے جب کہ صحیح پڑھنے

(۱) "وإن غير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ "الطالحات" مكان "الصالحات" تفسد صلاته عند الكل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس فی زلة القاری: ۱/۷۹، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۴۱، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانيه: ۱/۴۶۷، إدارة القرآن)

(۲) قال العلامة الحلبی: "(وذكر فی الملتقط أنه لو قرأ فی الصلاة "الحمد الله" بالهاء مكان الحاء أو قرأ =

والا امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"الحمد" کے "دال" کے پیش کو بڑھانے سے نماز کا حکم

سوال[۳۲۴۱]: امام نے سورۂ فاتحہ میں "الحمد" کے بجائے "الحمد وللہ" پڑھا معنی میں کوئی تبدیلی ہوئی یا نہیں؟ نماز میں کوئی فساد لازم آیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الحمد" کی دال کا پیش کچھ بڑھا دیا، یا دال کے فوراً بعد "للہ" پڑھا تو بھی نماز درست ہوگئی، اس سے بھی سجدۂ سہو لازم نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۲ھ۔

نستعین میں "الف" کا اضافہ

سوال[۳۲۴۲]: سورۂ فاتحہ میں "نستعین" کی جگہ "نستاعین" سورۂ "والضحیٰ" کی آخری آیت:

= "کل هو الله أحد" بالکاف مکان القاف (و) الحال أنه (لا يقدر على غيره تجوز صلاته) و لا تفسد".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في بيان أحكام زلة القارى، ص: ۴۸۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

" و إذا قال: "الهمد لله" بالهاء، تفسد إذا كان لا يجتهد لتصحيحه، و ينبغي أن لا تفسد؛ لأن الهاء تبدل من الحاء يقال "مدحته" و "مدهته" ...... و لا يقدر عليه، فصلاته جائزة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة ، الفرائض، الفصل الأول في ذكر حرف مكان حرف: ۱/۴۲۶، إدارة القرآن كراچی)

(۱) " والذي ينبغي أن يكون الحكم فيه كالحكم في الألثغ أنه يجتهد في إصلاح لفظه و لا تفسد صلاته ما دام على الاجتهاد، و لكن لا يجوز لغيره الاقتداء به" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة ، فصل في بيان أحكام زلة القارى، ص: ۴۸۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۶، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "ولنبلونكم" کی جگہ "ولا نبلونكم......... اھ")

﴿وأما بنعمة ربك فحدث﴾ پڑھنے میں "ربك" کے بعد الف کا اضافہ کردیتے ہیں اور سورۂ ماعون میں "طعام" کو "طُعام" پڑھنے میں نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان غلطیوں سے نماز فاسد نہیں ہوتی تاہم اصلاح ان کی بھی لازم ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

"رب العلمین" اور "یوم الدین" کی جگہ "راب العلمین" اور "یا وم الدین" اور "مستقیم" کی جگہ "مستقَیم" پڑھنا

سوال[۳۲۴۳]: ایک امام "رب العالمین" کی جگہ "راب العالمین"، "یوم الدین" کی جگہ "یاوم الدین"، "مستقیم" کی جگہ "مستقَیم" پڑھے تو اس صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان الفاظ کو اس طرح پڑھا کہ "رب العالمین" کی "راء" کو مفخم پڑھا جس سے سننے والے کو اس کے ساتھ الف کا شبہ ہوگیا اور "یوم الدین" کے "واؤ" کو بطریق لین پڑھا اور اس کے ماقبل فتحہ کو انفتاحِ فم اور انفتاحِ صوت کے ساتھ پڑھا جس سے شبہ ہوگیا کہ "یاوم الدین" ہوگیا اور "مستقیم" کے "قاف" کو صفتِ استعلاء کے ساتھ ادا کیا جس سے شبہ ہوا کہ "مستقَیم" پڑھا ہے، تو نماز ادا ہوگئی اور اس کے ساتھ اقتداء بھی درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/صفر/۸۹ھ۔

---

(۱) "و لو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً .... لم تفسد ما لم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۳۲، سعيد)

"الخطأ إذا دخل في الحرف، لا تفسد؛ لأن في هذا بلوى عامة الناس، لا يقيمون الحرف، و لا يمكنهم إقامتها إلا بمشقة". (التاتارخانيه، نوع آخر في زلة القارى، الفصل الأول: ۱/۴۷۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في مسائل زلة القارى: ۱/۶۳۳، سعيد)

(۲) "الخطاء إذا دخل في الحرف، لا تفسد؛ لأن في هذابلوى عامة الناس، لا يقيمون الحرف ولا =

"لا یوقنون" کی جگہ "لا یؤمنون" پڑھ دیا

سوال[۳۲۴۴]: اپنے اکیلے نماز پڑھتے ہوئے سورہ الطّور شریف میں رکوع نمبر:۲ میں "بل لا یوقنون" کے بجائے "بل لا یؤمنون" پڑھ لے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ فقط۔

محمد امام محلہ سرائے فیض علی سہارنپور، ۳/محرم/۵۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/محرم/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم/۵۹ھ۔

"کافرون" کی جگہ "ظالمون" پڑھ دیا

سوال[۳۲۴۵]: اگر کوئی شخص نماز میں "إنه لایفلح الکافرون" کے بجائے "إنه لایفلح الظالمون" پڑھ دے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

= یمکنهم إقامتها إلابمشقة". (التاتارخانیه، کتاب الصلوة، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الأول فی ذکر حرف مکان حرف: ۱/۴۷۸، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، مطلب فی مسائل زلة القاری: ۱/۶۳۳، سعید)

(۱) "ولو زاد کلمةً أو نقص کلمةً أو نقص حرفاً، أو قدمه أو بدله بآخر نحو........... "انفرجت" بدل "انفجرت"، "ایاب" بدل "أواب" لم تفسد مالم یتغیر المعنی". (الدر المختار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۶۳۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری، منها ذکر کلمة مکان کلمة: ۱/۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، جنس آخر فی الکلمة مکان کلمة: ۱/۱۱۵، امجد اکیڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصداً ایسا پڑھنا جائز نہیں اور سہواً اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

"لِلْیُسْریٰ" کی جگہ "لِلْعُسْریٰ" پڑھ دیا

سوال [۳۲۴۶]: سائل نے بھول کر "واللیل إذا یغشیٰ" میں "فسنیسّرہ للعُسری" پڑھا تو کیا حکم ہے؟ پھر یاد آنے کی صورت میں دوسری سورت پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معنی بگڑ گئے، نماز فاسد ہوگئی (۲)، دوسری سورت پڑھنے سے بھی نماز صحیح نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "لایوقنون کی جگہ یؤمنون پڑھ دیا"۔)

(۲) "وإن غیر المعنی بأن قرأ: "إن الأبرار لفی جحیم، وإن الفجار لفی نعیم". أو قرأ: "إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات، أولئک هم شر البریة" .... تفسد صلاته ؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالیٰ به. وقال بعضهم: لا تفسد صلاته لعموم البلوی، والأول أصح". (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی قراءة القرآن خطأ.......... إن ذکر آیةً مکان آیة : ۱/۱۵۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ذکر آیة مکان آیة : ۱/۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، جنس آخر فی ذکر آیة مکان آیة : ۱/۱۱۸، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۳) تنبیہ: البتہ اگر غلطی فاحش کے بعد فوراً تصحیح کر دی، تو نماز صحیح ہو جائے گی، جیسا کہ فتاویٰ حقانیہ میں ہے: "سوال: کوئی شخص نماز میں قرأت کے دوران الفاظ یا اعراب کی غلطی کر جائے اور بعد میں علم ہونے پر فوراً اس کا ازالہ کردے اور دوبارہ درست قرأت پڑھے، تو اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب: نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہوگی:

"ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوة بخطأ فاحش، ثم رجع وقرء صحیحاً، قال عندی صلاته جائزة وکذالک الإعراب". [الفتاویٰ الهندیة: ۱/۸۲، الباب الرابع فی صفة الصلوة، فصل فی زلة القاری]". =

"ولم یجدوا" کی جگہ "ولا یجدوا" پڑھنا

سوال[۳۲۴۷]: اگر امام صاحب نے قراءت پڑھی ایک بڑی آیت کی مقدار، یا اس سے زائد یعنی واجب قراءت کی مقدار یا زائد صحیح پڑھ گیا تو نماز درست ہوئی یا نہیں (جب کہ آخر میں جا کر غلطی کرے) جیسے "ولم یجدو" کی بجائے "ولا یجدوا"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اتنا ہی تغیر ہوا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"لربہ" کی جگہ "للإنسان" پڑھ دیا

سوال[۳۲۴۸]: امام نے "وکان الشیطن لربہ کفوراً" کے بجائے "وکان الشیطن للإنسان کفوراً" پڑھا، تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (فتاویٰ حقانیہ، باب القرأة: ۱۷۷/۳، المطبع العربیہ، لاہور)

(وکذا فی احسن الفتاویٰ، مسائل زلۃ القاری: ۴۴۵/۳، سعید)

(وکذا فی امداد الفتاویٰ، باب شروط الصلوۃ وصفتها: ۱۶۸/۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مسائل زلۃ القاری: ۸۱/۴، دارالاشاعت)

(۱) "(ومنها) ذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل، إن کانت الکلمة التی قرأها مکان کلمة، یقرب معناها وهی فی القرآن، لا تفسد صلاته نحو: إن قرأ مکان العلیمِ الحکیمَ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری، ومنها ذکر کلمة مکان کلمة: ۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثانی عشر، جنس آخر فی ذکر کلمة مکان کلمة: ۱۱۵/۱، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی الدرالمختار، باب مایفسد الصلوه ومایکره فیها: ۶۳۳/۱، سعید)

(۲) "وان کان اختلافاً متباعداً نحو أن یختم آیة الرحمة بآیة العذاب أو آیة العذاب بآیة الرحمة أو أراد =

"عَمَلَ عَامِلٍ" کی جگہ "عَمَلَ عَمَلٍ" پڑھ دیا

سوال[۳۲۴۹]: اگر امام نے ﴿فاستجاب لهم ربهم إني لا أضيع عمل عاملٍ منكم﴾ کے بجائے "عَمَلَ عَمَلٍ منکم" پڑھ دیا تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(مولانا) مرتضیٰ حسین صاحب کانپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

"یتلون علیکم آیات ربکم" میں "آیات" کی جگہ "آیاتی" پڑھ دیا

سوال[۳۲۵۰]: پارہ نمبر ۲۴، میں ﴿یتلون علیکم آیات ربکم﴾ میں اگر "آیاتی" پڑھا جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

﴿ایات ربکم﴾ کی جگہ اگر "آیاتی" پڑھا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن آیت کو صحیح

= أن يقرأ: "الرحمن علم القرآن" فجرى على لسانه "الشيطان" أو أراد أن يقرأ: "الشيطان يعدكم الفقر" فجرى على لسانه "الرحمن" فعلى قول أبي حنيفة ومحمد تفسد، وأما على قول أبي يوسف لاتفسد صلاته إذا لم يقصد ذلك ومرّ على لسانه غلطاً .... وبه كان يفتي الشيخ الإمام أبو الحسن، وهو اختيار محمد بن مقاتل الرازي". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، نوع آخر في زلة القاري، الفصل الثاني في ذكر كلمة مكان كلمة: ۱/۴۸۰، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الرابع .....فرع في ذكر كلمة مكان كلمة: ۱/۳۶۸، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(۱) "ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً أو قدمه أو بدله بآخر .... لم تفسد مالم يتغير المعنى". (الدرالمختار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها حذف حرف: ۱/۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصلوة، نوع آخر في زلة القاري، الفصل الخامس: ۱/۴۸۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

پڑھنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

"إذا جآء أجلهم" میں صرف "جاء أجلهم" یا "وکان سعیکم" میں صرف "سعیکم" پڑھنا

سوال [۳۲۵۱]: جو امام نماز میں کوئی حرف بھول کر چھوڑ دے جیسا کہ ﴿إذا جاء أجلهم﴾ میں "جاء أجلهم" یا ﴿وکان سعیکم مشکوراً﴾ میں "وکان" چھوڑ کر صرف "سعیکم" پڑھ جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہیں اور ہر صورت کا حکم یکساں نہیں، جیسی صورت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۳/۵/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/۶۰ھ۔

---

(۱) "(ومنها) زيادة حرف، إن زاد حرفاً، فإن كان لا يُغيّر المعنى، لاتفسد صلاته عند عامة المشايخ، نحو: أن يقرأ: "وانهى عن المنكر" بزيادة الياء، هكذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها زيادة حرف: ۷۹/۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني عشر في زلة القارى، نوع منه فإن زاد حرفاً: ۱۱۱/۱، امجد اكيڈمى، لاهور)

(۲) "ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً .... لم تفسد مالم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۳۲/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها حذف حرف: ۷۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصلوة، نوع آخر في زلة القارى، الفصل الخامس: ۴۸۶/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراتشى)

"جزاءً وفاقاً" کی جگہ "جزآءً من ربك" پڑھ دیا

سوال[۳۲۵۲]: فجر کی نماز میں امام نے سورۂ نباء پڑھی ﴿إلا حمیماً وغساقاً﴾ کے بعد بجائے ﴿جزاءً وفاقاً﴾ کے ﴿جزاءً من ربك عطاءً حساباً﴾ الخ، پڑھا۔ ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ یہاں دونوں قسم کی رائے ہوگئی، بعض نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ معنی خراب ہوگئے، بعض نے کہا کہ معنی خراب نہیں ہوئے بلکہ مضمون بدل گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مذکورہ میں اگر "وغساقاً" پر آیت کردی تھی تو نماز فاسد نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

"وجوهٌ یومئذ خاشعة" کے بجائے "وجوهٌ یومئذ ناعمة" پڑھنا

سوال[۳۲۵۳]: فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں امام نے سورۃ الغاشیہ پڑھی ﴿وجوه یومئذ خاشعة﴾ کے بجائے سہواً "وجوه یومئذ ناعمة" پڑھا اور چھ آیات درمیان سے چھوٹ گئیں اور سورت ختم کی، سجدۂ سہو بھی نہ کیا۔ آیا یہ نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورۃ الغاشیہ میں ﴿وجوهٌ یومئذ خاشعة﴾ کے بعد چند آیات سہواً چھوٹ گئیں اور "وجوهٌ یومئذ ناعمة" پڑھا گیا تو سجدۂ سہو لازم نہیں، نماز درست ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۲ھ۔

"إنما ینهٰکم اللّٰہ عن الذین قاتلوکم فی الدین" کی جگہ "لم یقاتلوکم فی الدین" پڑھنا

سوال[۳۲۵۴]: سورۂ ممتحنہ پارہ: ۲۸، رکوع: ۲، آیت: ۳، یعنی ﴿إنما ینهاکم اللّٰہ عن الذین

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "بھول سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم")

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "بھول سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم")

قاتلوکم فی الدین﴾ کی جگہ "لم یقاتلوکم فی الدین، ولم یخرجوکم" تا "ھم الظالمون" (۱) پڑھا گیا، نماز ہوگئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اس کی تلاوت کو ایک ماہ گزر گیا ہے، کوئی مقتدی پردیسی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معنی بگڑنے سے نماز فاسد ہوگئی (۲)۔ دن تاریخ یاد نہ ہو تو نیت اس طرح کی جائے کہ جس دن سورۂ ممتحنہ کی فلاں آیت غلط پڑھنے سے فلاں نماز خراب ہوئی تھی اس کا اعادہ کرتا ہوں (۳)۔ جہاں تک مقتدیوں کو اطلاع کرنا اپنے قابو میں ہو اطلاع کردی جائے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۲ھ۔

"فاُدخِلو ناراً" کی جگہ "فادَخلوا"، "الذین ضل سعیھم" میں "اللّٰظین" پڑھ دیا

سوال [۳۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

---

(۱) (سورة الممتحنة:۷)

(۲) "أما إذا غيّر المعنى بأن قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات، أولئك هم شرّ البرية، إن الذين كفروا من أهل الكتاب" .... "خالدين فيها، أولئك هم خير البرّية" تفسد عند عامة علمائنا، وهو الصحيح، هكذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها ذكر آية مكان آية: ۸۱/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، فصل في قراءة القرآن خطأً .... إن ذكر آيةً مكان آية: ۱۵۳/۱، رشيديه)

(۳) "(قوله: والأصح اشتراط التعين الخ) .... وفي الصلاة أن يعين الصلاة ويومها بأن يعين ظهريوم كذا، ولو نوى أول ظهر عليه أو آخره، جاز، وهذا مخلص من لم يعرف الأوقات التي فاتته أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه". (ردالمحتار، مسائل شتى: ۷۳۴/۲، سعيد)

(۴) (وإذا ظهر حدث إمامه) وكذا كل مفسد في رأى مقتد (بطلت فيلزم إعادتها .... كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمّهم وهو محدث أو جنب) أوفا قد شرط او ركن .... (بالقدر الممكن) بلسانه أو (بكتاب أو رسول على الأصح) لو معينين وإلّا لايلزمه، بحر عن المعراج". (الدرالمختار، باب الإمامة: ۵۹۱/۱، ۵۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۶۳۸/۱، رشيديه)

۱......نماز میں امام نے سورۂ نوح کی آیت:﴿مما خطيئتهم أغرقوا فأُدخِلوا ناراً﴾ کی جگہ "فأدخَلوا" پڑھا، چونکہ معنی بدل گئے اس لئے عرض ہے کہ نماز ہوگئی یا نہیں؟

۲......صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ قیامہ (پارہ تبارك الذی) ورکعتِ ثانیہ میں بقرہ (پارہ تلك الرسل) رکوع آکر ﴿لله مافی السموات﴾ الخ پڑھا۔ چونکہ ترتیب بدل گئی اس لئے نماز ہوگئی یا نہیں؟

۳......نماز کی نیت باندھنے سے پہلے "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھنا بدعت بتلاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، بسم اللہ نہ پڑھنی چاہیے؟

۴......نماز میں سورۂ کہف پارہ:۱۶، آیت:﴿قل هل أنبئكم بالأخسرين أعمالاً، الذين ضل سعيهم﴾ الخ "اللّظين" یعنی بجائے "ذ" کے "ظ" پڑھی گئی، نماز میں تو کوئی شک نہیں یا لوٹائی جائے؟

محمد ادریس سہارنپوری، از بروٹ ضلع میرٹھ، ۱۰/ شعبان/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......نماز ہوگئی، معنی ایسے نہیں بدلے کہ جس سے نماز فاسد ہوجائے (۱)۔

۲......نماز ہوگئی، لیکن قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے:"ويكره الفصل بسورة قصيرة، وأن يقرأ منكوساً". درمختار (۲)۔ "هذا إذا كان قصداً، وأما سهواً، فلا". كبیری، ص: ٤٦٢ (۳)۔

۳......نیت باندھنے سے پہلے "بسم الله" پڑھنا ثابت نہیں (۴)۔

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "سمع الله لمن حمده" میں "ع" کی زیر کے ساتھ "بمصابيح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ پڑھنا")

(۲) (الدر المختار، فصل فی القراءة : ۱/ ۵۴۶، سعيد)

(۳) العبارة بأسرها: "ويكره أن يقرأ في الثانية سورةً فوق التي قرأها في الأولى؛ لأن فيه ترك الترتيب الذي أجمع عليه الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، هذا إذا كان قصداً، وأما سهواً، فلا". (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالايكره ، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (الصحيح للإمام مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد =

۴...... یہ لفظ مہمل ہو گیا، نماز لوٹائی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۵۷ھ۔

"الإنسان" منصوب کی جگہ "الإنسان" مرفوع اور "فی أحسن تقویم" کو "ما أحسن تقویم" پڑھنا

سوال [۳۲۵۶]: اگر نماز میں قرأة کرتے ہوئے ﴿لقد خلقنا الإنسان﴾ کے بجائے "لقد خلقنا الإنسانُ" پیش کے ساتھ پڑھ دے اور "فی أحسن تقویم" کے بجائے "ما أحسن تقویم" پڑھ دے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہاں! اس طرح بھی معنی نہیں بگڑیں گے، بلکہ صحیح بن جائیں گے، نماز درست ہو جائے گی مگر قصداً ایسا نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= محدثات الأمور: ۲/ ۷۷، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱، قدیمی)

(۱) "وإن اختلف المعنی ولم یکن فی القرآن نحو أن یقرأ: .... ﴿ما أنا بظلام للعبید﴾ بالذال، تفسد صلاته". (الفتاویٰ التاتارخانیه، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الأول فی ذکر حرف مکان حرف: ۱/ ۴۶۸، ۴۷۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، فصل فی القراءة خطأً بذکر حرف مکان حرف: ۱/ ۱۴۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الخامس فی زلة القاری .... منها ذکر حرف مکان حرف: ۱/ ۷۹، رشیدیه)

(۲) "قوله: (کما لو بدل) هذا علی أربعة أوجه؛ لأن الکلمة التی أتی بها، إما أن یتغیر المعنی أولا .... و إذا لم تغیر، لا تفسد الخ". (رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، مطلب فی مسائل زلة القاری: ۱/ ۶۳۲، ۶۳۴، سعید) .... =

"مأکول" بغیر "ل" کے پڑھ دیا

سوال[۳۲۵۷]: سورۂ "الم ترکیف" میں "مأکول" کے بجائے "مأکو" بغیر لام کے پڑھ دیا تو نماز ہوگئی یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سانس کم ہونے کی وجہ سے اخیر کا حرف بعض دفعہ آہستہ ادا ہوتا ہے، اگر بالکل ادا نہیں ہوا تب بھی نماز کو فاسد نہیں کہا جائے گا(۱)، فساد سے بچانے کے لئے تاویلِ بعید کی بھی کبھی نوبت آ جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"تحضُوْن" کے بجائے "تحضَوْن" پڑھ دیا

سوال[۳۲۵۸]: اگر امام نے قراءت میں "تحضُون" پیش کے بجائے زبر پڑھ دیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۸۰، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، رشيديه)

"وأما الإعراب، فإن لم يغير المعنى لا تفسد .... (وقال أيضاً) و في الحروف إما بوضع حرف مكان آخر أو تقديمه أو تاخيره أو زيادته أو نقصه .... فإذا وضع حرفاً مكان غيره فإما خطأً وإما عجز، فالأول إن لم يغير المعنى .... لا يفسد و إن غير فسدت .. .. فالعبرة عدم الفساد عدم تغيير المعنى". (فتح القدير: ۱/۲۸۱، ۲۸۲، فصل في القرأة، رشيديه)

(۱) "و لو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً .... لم تفسد ما لم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في مسائل زلة القاري: ۱/۶۳۲، سعيد)

"(ومنها) حذف الحرف، فإن كان على سبيل الإيجاز و الترخيم .... وإن لم يكن على وجه الإيجاز والترخيم، فإن كان لا يغير المعنى، لا تفسد صلاته الخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۷۹، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۴۸۵، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوگئی، اس سے معنی نہیں بگڑے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

"أنفُسُکم" مرفوع کی بجائے "أنفُسَکم" منصوب پڑھنا

سوال[۳۲۵۹]: اگر "أنفسُکم" کے "س" پر پیش کے بجائے زبر پڑھا جائے تو اس حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معنی نہ بگڑیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

"ہ" کی جگہ "ح" یا برعکس پڑھنا

سوال[۳۲۶۰]: اگر نماز میں لفظ صحیح پڑھا مگر ادا زبان سے چھوٹی "ہ" کے بجائے بڑی "ح" کی آواز معلوم ہوئی، یا بڑی "ح" کے بجائے چھوٹی "ہ" کی آواز معلوم ہوئی تو اس حالت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "إذا لحن في الإعراب لحناً لايغير المعنى بأن قرأ: "لا ترفعوا أصواتُكم" برفع التاء، لا تفسد صلاته بالإجماع". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس فی زلة القاری، و منها اللحن فی الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل العاشر في اللحن في الإعراب: ۱/۳۷۹، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " 'تحضُون' کے بجائے 'تحضَون' پڑھ دیا")

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معنی نہ بگڑیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

"ولنبلونکم" کی جگہ "ولا نبلونکم" اور "ما أغنی عنه مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا

سوال [۳۲۶۱]: زید نے عشاء کی نماز کے اندر تین دن میں تین غلطیاں کیں:

۱..... پارہ، نمبر۲: رکوع، نمبر۳: میں آیت ﴿ولنبلونکم بشئی من الخوف﴾ الخ میں لامِ تاکید کی جگہ لائے نفی پڑھ دیا جس کی وجہ سے معنی بالکل الٹ ہوگئے۔

۲..... سورۂ "تبت یدا" میں ﴿ما أغنی عنه مالُه﴾ بضم اللام کے بجائے بفتح اللام پڑھ دیا۔

۳..... پارہ نمبر: ۲۷، سورۂ رحمٰن میں ﴿خلق الإنسان من صلصال﴾ الخ کے بعد آیت ﴿رب المشرقین ورب المغربین﴾ کو پڑھنا چاہیے تھا لیکن ثانی آیت چھوڑ کر آگے والی آیت ﴿یخرج منهما اللؤلؤ﴾ پڑھ دیا، اس کے بعد ﴿رب المشرقین﴾ کو پڑھا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں کون سی حالتوں میں نماز ہوئی اور کون سی صورت میں فاسد ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بعض علاقوں میں لوگ فتحہ کو کچھ کھینچ کر ہی پڑھتے ہیں، یہ غلطی ان سے غیر شعوری طور پر ہو ہی جاتی ہے جس کی وجہ سے سننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ لامِ تاکید کی جگہ لائے نفی پڑھا گیا ہے۔ غلبۂ جہل کی وجہ سے متأخرین ایسی صورت میں نماز کے فساد کا حکم نہیں لگاتے (۲)۔

---

(۱) "ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفاً، أو قدّمه أو بدّله بآخر .... لم تفسد مالم يتغير المعنى". (الدر المختار، باب مايفسد الصلوة ومالايكره فيها: ۱/۶۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة نوع آخر في زلة القارى، الفصل الأول في ذكر حرف مكان حرف: ۱/۴۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

(۲) "(قوله: ومنها زلة القارى) .... فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقاً ولو اعتقاده =

۲......سورۂ تبت میں جو حرکت لام کی غلطی ہوئی اس سے معنی فاسد نہیں ہوئے (۱)۔

۳......سورۂ رحمٰن میں جو آیت کی تقدیم وتاخیر ہوئی اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوئی (۲)۔تاہم امام صاحب کو پوری احتیاط سے نماز پڑھانے کی ضرورت ہے، چند سورتیں خوب صحیح یاد کرلیں، ان کو ہی پڑھا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۵ھ۔

"مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا

سوال[۳۲۶۲]: ایک شخص نے مغرب کی نماز میں سورہ لہب پڑھا اور "مالُه" کی جگہ سہواً "مالَه" پڑھ دیا تو کیا نماز ہوجائے گی یا نماز کا لوٹانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس غلطی کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی، معنیٰ نہیں بگڑے (۳) صحیح پڑھنے کا خیال رکھا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۲ھ۔

= كفراً؛ لأن أكثر الناس لايميّزون بين وجوه الإعراب. قال قاضي خان: ماقاله المتأخرون أو سع، وماقاله المتقدمون أحوط". (ردالمحتار، مطلب: مسائل زلة القاری: ۱/۶۳۱، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها: اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، نوع آخر في زلة القاري، الفصل العاشر في اللحن في الإعراب: ۱/۴۹۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۴۴، الحاشية رقمها: ۲)

(۲) "لو ذكر آيةً مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً، ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية، لاتفسد، كمالو قرأ: "والعصر إن الإنسان" ثم قال: "إن الأبرار لفي نعيم" .... أما إذا لم يقف ووصل، إن لم يغيّر المعنى نحو أن يقرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات، فلهم جزاء الحسنى" مكان قوله: "كانت لهم جنات الفردوس نزلاً" لا تفسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، منها: ذكر آية مكان آية: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، نوع في زلة القاري، الفصل الثاني في ذكر آية مكان آية: ۱/۴۷۹، إدارة القرآن)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: " 'ولنبلونكم' کی جگہ 'ولانبلونكم' اور 'ماأغنى عنه مالُه' کی جگہ 'مالَه' پڑھ دیا")

سورۂ جمعہ میں "انفضّوا" کی جگہ "انفضّ" پڑھنے کا حکم

سوال[۳۲۶۳] : امام صاحب نے درحالتِ صلوۃ سورۂ جمعہ کا آخری رکوع تلاوت فرمایا: ﴿وإذا رأو تجارةً أو لهوا انفضوا﴾ کے بجائے "انفض" کہہ پائے تھے کہ سانس بھر آئی اور "انفضوا" کو پورا نہ کر سکے، پھر جب قراءت شروع کی تو بجائے "انفضوا" کے "فضوا" پڑھا۔ کیا ایسی صورت میں نماز درست ہوگئی؟ اگر نہیں تو ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ ایسے ہی "التکاثر" پورا نہیں کیا بلکہ "ألهكم التكاثر" کہہ کر سانس توڑی یا نہیں توڑی مگر کچھ اس طرح الگ الگ پڑھا جس سے دھوکہ ہونے لگا، اس کے بعد پڑھنا شروع کیا۔ تو اس طرح نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح نہیں پڑھنا چاہیے، تاہم نماز ہوگئی، اعادہ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"خيراً يره" کی جگہ "شرًّا يره" پڑھ دیا

سوال[۳۲۶۴] : سورة "إذا زلزلت" میں ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ کی جگہ ﴿ومن يعمل ذرة شراً يره﴾ یا اس کے عکس اگر پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "إذا وقف في غير موضع الوقف، أو ابتدأ من غير موضع الابتداء، فإنه على وجهين: الأول: أن لا يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً .... لاتفسد صلاته بالإجماع بين علمائنا رحمهم الله .... ولو قرأ: "أنت قلت للناس" ووقف عليه .... أو "فحشر فنادى فقال" ووقف عليه، إن وقف لانقطاع النفس في هذه الموضع، لاتفسد صلاته". (الفتاویٰ التاتارخانیه، نوع آخر في زلة القاری، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۴۷۹، إدارة القرآن، کراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، کتاب الصلوة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۳۷۷، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاری، ومنها الوقف والوصل والابتداء في غير موضعها: ۱/۸۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"لایملکون منه خطاباً" میں "إلا خطاباً" پڑھنے کا حکم

سوال [۳۲۶۵]: اگر کوئی شخص نماز میں ﴿لایملکون منه خطاباً﴾ کے بجائے "لایملکون منه إلا خطاباً" پڑھ جائے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں معنی میں تغیر فاحش ہوگیا جو کہ مقصودِ قرآن کریم کے خلاف ہے، لہٰذا نماز فاسد ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

"سمع الله لمن حمده" میں "ع" کو زیر کے ساتھ اور "بمصابيح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ پڑھنا

سوال [۳۲۶۶]: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب میں ہے کہ "زیر" کی جگہ "زبر" یا

---

(۱) "أحدها: أن يقدم بجملة على جملة، ويفهم بالتقديم مايفهم بالتأخير، نحو أن يقرأ: "يوم تسود وجوه وتبيض وجوه" أو يقرأ: "وكتبنا عليهم فيها أن العين بالعين والنفس بالنفس" .... ونحو ذلك، لاتفسد". (المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل السابع في الخطأ في التقديم والتأخير: ۱/۳۷۶، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(وكذا في التاتارخانيه، نوع في زلة القارى، الفصل السابع في الخطأ في التقديم والتأخير: ۱/۴۸۸، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها الخطأ في التقديم والتأخير: ۱/۸۰، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الكلمة الزائدة إما أن تكون في القرآن أولا، وعلى كلٍّ: إما أن تغير أولا، فإن غيرت، أفسدت مطلقاً". (ردالمحتار، مطلب: مسائل في زلة القارى: ۱/۶۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، ومنها زيادة كلمة: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، فصل في قراءة القرآن: ۱/۱۵۴، رشيديه)

برعکس پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے گی'' (۱)۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی غلطی سے صرف قراءت میں نماز فاسد ہوگی؟ ایک امام مقررہ "سمع الله لمن حمده" میں "ع" کو ''زیر'' کے ساتھ پڑھنے کے عادی ہیں، اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی؟ اگر ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کے بعد ایسی غلطی ہوجائے کہ ''زیر'' کی جگہ ''زبر'' پڑھا جائے یا کوئی اور ایسی غلطی ہوجائے جس سے معنی بگڑ جائیں تو کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟

الف...... سورۂ ملک میں "بمصابيح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ اور سورۂ بروج میں "إن بطش ربك" میں "ربك" کو اگر کوئی ''زبر'' کے ساتھ پڑھ جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

ب...... اگر قراءت میں کوئی سہواً ''زبر'' کی جگہ ''زیر'' یا برعکس پڑھا جائے اور فوراً درست کرلے خواہ لقمہ پانے پر، تو کیا تب بھی نماز فاسد ہوگی؟

ج...... وتر پڑھ کر معلوم ہوا کہ عشاء کی فرض نماز فاسد ہوگئی، تو اب صرف عشاء دہرائیں یا وتر وسنن بھی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مدار معنی بگڑنے پر ہے، بعض جگہ ''زیر زبر'' کی غلطی سے معنی بگڑ جاتے ہیں (۲)، تشہد اور تکبیرِ انتقال میں ''زیر زبر'' میں غلطی ہوجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۳)۔ قراءت میں تین آیات سے پہلے غلطی ہو یا بعد میں سب کا حکم ایک ہے۔

---

(۱) **سوال:** ''ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مصلی نماز میں زیر کی جگہ زبر یا برعکس پڑھے تو کافر ہوجاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا کیا''؟

جواب: ''کافر نہیں ہوتا مگر نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ فقط''۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۸۹/۴، مکتبہ إمدادیہ، ملتان)

(۲) "إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعني بأن قرأ: "لا ترفعوا أصواتُكم" برفع التاء، لاتفسد صلاته بالإجماع، وإن غير المعني تغيراً فاحشاً بأن قرأ: "وعصى آدمَ ربُّه" بنصب الميم ورفع الرب، وما أشبه ذلك مما لو تعمّد به يكفر إذا قرأ خطأً، فسدت صلاته في قول المتقدمين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، فصل في قراءة القرآن خطأً وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

الف......اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۱)۔

ب......قراءت کی غلطی سے اگر معنی بگڑ گیا تو نماز فاسد ہوگئی (۲)، تو پھر لقمہ یا بغیر لقمہ کے درست کر لینے سے صحیح نہ ہوگی (۳)۔

ج......فرضِ عشاء اور سنت دہرائے، وتر نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) ''[تنبیہ]: غلطی فاحش کے بعد اگر فوراً اس کی تصحیح کر دی جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فی العالمگیریة: ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوة بخطاء فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوته جائزة وکذالک الاعراب اھ : ۱/۸۱، قلت وکذالک سمعت شیخی مولانا محمد یعقوب رحمه الله تعالیٰ. پس بناءً علیہ نماز این کس صحیح باشد''۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۱۶۸)

(امداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، باب القرأة: ۱/۱۶۸، مکتبه دارالعلوم کراچی)

سوال: اگر کسی نے غلطی سے امّا من ثلقت حوازینه فامّه هاویة پڑھ لیا، مگر فوراً ہی صحیح کر لیا تو نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملهم الصواب: نماز ہوگئی، وفی الهندیة........ فقط واللہ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ، مسائل زلة القاری: ۳/۴۴۵، سعید)

نماز میں قرأت کی غلطی ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کرنے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز درست اور صحیح ہوگی۔

(فتاویٰ حقانیه، کتاب الصلوة، باب القرأت: ۳/۱۷۷، المطبعه العربیه، لاهور)

(وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۸۱)

(۴) "لو صلی الوتر ناسیاً أنه لم یصل العشاء ثم صلاها، لایعید الوتر، لقولهم: إنه لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به، یعید العشاء والسنة لا الوتر؛ لأنه أدّاه ناسیاً أن العشاء فی ذمته فسقط الترتیب، أفاده ح". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۸، سعید)

(وکذا فی شرح الوقایة، باب قضاء الفوائت: ۱/۱۸۲، سعید)

سورۂ فجر میں "أکرمن" کی بجائے "أھانن" پڑھنا

سوال[۳۲۶۷]: ایک روز نمازِ فجر میں متشابہ لگا، ایک جگہ "أھانن" ہے اور دوسری جگہ "أکرمن" ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ٹھیک پڑھا، مگر ہمارے دو مقتدی رمضانی اور حافظ عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ "أھانن" پڑھا ہے، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کو پختہ یقین نہیں بلکہ شک ہے اور دو معتبر مقتدی کہتے ہیں کہ غلط پڑھا ہے تو ان دونوں کا قول معتبر مانتے ہوئے نماز کو لوٹانا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه، قال: صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إحدی صلاتی العشی الظهر أو العصر .... فقام رجل –كان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يسميه ذواليدين–، فقال: يارسول الله! أنسيت أم قُصرت الصلاة؟ قال: "لم أنس، ولم تقصر الصلاة". بل نسيت يارسول الله! فأقبل رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم علی القوم فقال: "أصدق ذو اليدين"؟ فأوموا أی نعم، فرجع رسول الله إلی مقامه فصلی ركعتين الباقيتين ثم سلم الخ". (سنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب فی سجدتی السهو: ۱/۱۴۴، دارالحديث، ملتان)

"لو قرأ: "وعداً علينا إنا كنا غافلين" مكان "فاعلين" .... أو ما أشبه ذلك أو ختم آية الرحمة بآية العذاب أو علی العكس، قال عامة المشايخ رحمهم الله تعالیٰ: تفسد صلاته .... ؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالیٰ به". (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی قراءة القرآن خطأً .... بذكر كلمة مكان كلمة: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، نوع آخر فی زلة القاری، الفصل الثانی فی ذكر كلمة مكان كلمة علی وجه البدل: ۱/۴۸۰، إدارة القرآن، كراچی)

فصل فی الفتح علی الإمام

(امام کولقمہ دینے کا بیان)

امام کے بھولنے پرلقمہ دینے کی تفصیل

سوال[۳۲۶۸]: امام نماز پڑھاتے ہوئے کسی آیت پر اٹک گیا اب مقتدی اس کولقمہ دے تو نماز صحیح ہوگی یا فاسد ہو جائے گی یا قراءت تین آیات کی مقدار ہو چکنے کے بعد لقمہ نہ دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اگر اتنی مقدار پڑھنے کے بعد اٹکا ہے کہ جس کے بعد رکوع کر دینا مناسب تھا تب تو امام کو رکوع کر دینا چاہئے اگر اتنی مقدار سے پہلے ہی اٹک گیا تو اس کو چاہئے کہ دوسری سورت جو یاد ہو پڑھ دے وہیں اٹکا نہ رہے، امام کے لئے اسی اٹکی ہوئی جگہ کو بار بار پڑھنا مکروہ ہے اور مقتدی کو چاہئے کہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے، بلکہ توقف کرے کہ شاید امام رکوع کر دے، یا دوسری سورت پڑھ دے، یا خود ہی اٹکی ہوئی جگہ کو نکال کر صحیح پڑھ لے جلدی لقمہ دینا مقتدی کے حق میں مکروہ ہے، جب امام نہ رکوع کرے نہ دوسری سورت پڑھے نہ خود نکال پائے تو لقمہ دیدے۔ خواہ تین آیت پڑھ چکا ہو یا اس سے کم، نماز کسی کی بھی فاسد نہ ہوگی نہ امام کی نہ مقتدی کی طحطاوی، ص:۱۸۳(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قولہ: (وفتحہ علی إمامہ جائز) بما روی أنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی الصلاۃ سورۃ المؤمنین، فترک کلمۃً، فلما فرغ قال: "ألم یکن فیکم أبیّ" قال: بلی، قال:"ھلا فتحت علیّ"؟ قال: ظننت أنھا نسخت، فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:" لو نسخت لأعلمتکم" و قال : "إذا استطعمک الإمام فاطعمہ": أی إذا استفتحک الإمام فافتح علیہ .... ویکرہ للمقتدی أن یعجّل بالفتح؛ لأن الإمام ربما یتذکر، فیکون التلقین من غیر حاجۃ. و یکرہ للإمام أن یُلجئھم إلیہ بأن یقف ساکناً بعد الحصر، او یکرر الآیۃ ، بل ینتقل إلی آیۃ أخری، أو یرکع إن قرأ القدر المستحب ، و قیل : قدر الفرض والأول ھو الظاھر. .... =

سہو پر امام کو مطلع کرنے کے لئے "سبحان اللہ" کہا جائے یا "اللہ اکبر"؟

سوال[۳۲۶۹]: ہماری مسجد کے امام نے عصر کی نماز پڑھی اور چوتھی رکعت میں بجائے کھڑے ہونے کے سہواً بیٹھ گئے تو کسی مقتدی نے "اللہ أکبر" کہدیا تا کہ وہ اپنے سہو پر مطلع ہو جائیں۔نماز پوری کر لینے کے بعد امام صاحب نے بتایا کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام سہو کرے تو اس کو "سبحان اللہ" کے ذریعہ تنبیہ کرنا چاہئے اور "اللہ أکبر" کہنا جائز ہے اور انہوں نے ترمذی شریف میں مذکور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کو دلیل میں پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ جب ان سے سہواً ہوتو "فسبح به من خلفه" روایت میں ہے: "هكذا صنع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(١) اور دوسری دلیل عالمگیری کی ص:۱۰۴ پر: "ولو عرض للإمام شيء، فسبح المأموم، لا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح الصلوة "(٢)۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے اور یہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں اور ان پر تحویل کیا گیا ہے۔

نیز امام کو اس کی سہو پر "اللہ أکبر" کے ذریعہ تنبیہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن هذه الصلوة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هي التسبيح والتكبير و قرأة القرآن". رواه مسلم (٣) اور عالم گیری، ص:۱۰۴ میں مذکور ہے: "وإذا أخبر بما يعجبه،

= قوله : (لإصلاح صلاتهما)؛ لأنه لو لم يفتح ربما يجرى على لسانه ما يكون مفسداً ، فيكون فيه إصلاح صلاة الإمام، و بإصلاحها تصلح صلاة المقتدي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب ما يفسد الصلاة، ص:٣٢٤، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ١/٦٢٢، ٦٢٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ٢/١٠ ، رشيديه)

(١) "عن زياد بن علاقة قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة رضي الله تعالىٰ عنه فلما صلى ركعتين قام و لم يجلس، فسبح به من خلفه فأشار إليهم أن قوموا، فلما فرغ من صلاته، سلم فسجد سجدتي السهو وسلم، وقال: هكذا صنع رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن الترمذي، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسياً : ١/٨٣، سعيد)

(٢) (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ١/٩٩، رشيديه)

(٣) (الصحيح لمسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة و نسخ ما كان من إباحته : ١/٢٠٣، قديمي)

فقال: سبحان الله، أو لا إله إلا الله، أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب، لا تفسد صلوته عند الكل"(۱) اور اسی کتاب میں مذکور ہے: "لو أخطأ الإمام، ففتح المقتدی علی الامام، لا تفسد صلوته"(۲)۔

پھر ایک مقامی عالم نے مجھے بتایا کہ جس رکعت میں امام کو کھڑا ہونا چاہئے تھا اور وہ سہواً بیٹھ گئے تو مقتدی کو چاہئے کہ "الله أكبر" کے ذریعہ امام کو اس کی سہو پر تنبیہ کرے اور جس رکعت میں امام کو بیٹھنا چاہئے اور سہواً کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں "سبحان الله" کے ذریعہ امام کو تنبیہ کرنا چاہئے۔

آپ سے گزارش ہے کہ "الله أكبر" کے جواز وعدم جواز پر اور "سبحان الله، الحمد لله" کی افضلیت، پھر ایک مقامی عالم دین کا فرمان کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر کریں تا کہ آئندہ سے ہم لوگوں کو اس پر عمل پیرا ہونے میں سہولت ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کے علاوہ دیگر طُرق سے بھی یہ روایت مروی ہے جن میں وجہِ ضُعف موجود ہے اور خود اس کا ضعف بھی ہو جاتا ہے، ترمذی شریف کے صفحہ محولہ پر ملاحظہ ہو(۳)۔

امام سے اگر سہو ہو جائے تو اس کو یاد دلانا چاہئے اور یاد کے لئے "سبحان الله" کہنا چاہئے خواہ قیام کی جگہ قعود ہو یا برعکس ہو، لیکن اگر امام دو رکعت پر بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو گیا تو اب اس کو یاد نہ دلائے(۴)۔ "لو

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

(۲) لم أجد العبارة فيها بهذا اللفظ، ولكن ذكرها بلفظ: "لو أخطأ الإمام، فتنحنح المقتدی يهتدی الإمام، لا تفسد صلاته". (الفتاوی العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۱۰۱ رشيديه)

(۳) سوال میں ذکر کردہ حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ نے "حديث حسن صحيح" فرمایا۔ (جامع الترمذی، باب ماجاء فی الإمام ينهض فی الركعتين ناسياً: ۱/۸۳، سعيد)

(۴): "لو عرض للإمام شیء فسبح المأموم، لا بأس به؛ لأن المقصود به إصلاح الصلاة .... و لا يسبح للإمام إذا قام إلی الأخريين؛ لأنه لا يجوز له الرجوع إذا كان إلی القيام أقرب، فلم يكن التسبيح مفيداً .... وإنما ترک للحديث الصحيح "من نابه شیء فی صلاته فليسبح". فللحاجة لم يعمل بالقياس". (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۱۲، رشيديه)

فتح علی إمامه، فلا فساد؛ لأنه تعلق به إصلاح صلوته". البحر الرائق: ۲/۶ (۱)، اس میں لفظ "شيء" عام ہے یہی لفظ "شيء" حدیث میں بھی ہے: "نابه شيء في صلوة فليسبح". كذا في البحر الرائق (۲)۔

جس کا تقاضا یہ ہے کہ قیام وقعود کے لئے یکساں تنبیہ کی جائے، دونوں کا فرق مجھے کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں، تاہم "الله أكبر" کہہ کر تنبیہ کی جائے تب بھی فسادِ نماز کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

لقمہ دینا

سوال[۳۲۷۰]: امام صاحب جمعہ کی نماز پڑھا رہے ہیں، نہ تو وہ عالم ہیں نہ ہی حافظ قرآن، محض چند سورتیں یاد کرلی ہیں۔ امام صاحب نے جمعہ کی نماز میں آخری رکعت میں ایک سورت تیسویں پارہ کی ملائی جو تین آیتوں سے زیادہ آیتوں کی تھی، ان کو تین آیتوں کے بعد متشابہ ہونے لگا، تین بار کے بعد ایک مقتدی جو حافظِ قرآن تھے انہوں نے لقمہ دیا اور امام صاحب نے آگے پڑھ کر نماز پوری کی۔ دو عالم اس جماعت میں تھے، انہوں نے اپنی دلیلیں پیش کرنا شروع کیں، ایک صاحب نے فرمایا کہ نمازِ جمعہ بالکل ہوئی نہیں، دلیل بھی انہوں نے پیش کی کہ ناحق نمازوں میں لقمہ جائز نہیں۔ دوسرے عالم نے نماز کے غلط ہونے کی دعویٰ میں دلیل پیش کی کہ امام نے چونکہ لقمہ لے لیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا، اس لئے نماز درست نہیں ہوئی۔ امام صاحب نے اپنی نماز کے ہونے کا اعلان کردیا بعدہ سنت بھی ادا کرلی۔

الجواب حامداًومصلياً:

امام اگر اٹک جائے یا اس کو متشابہ لگ جائے تو مقتدی کو چاہئے کہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے تاکہ امام خود نکال لے یا رکوع کردے، یا دوسری جگہ سے پڑھ دے، جلدی میں لقمہ دینا مکروہ ہے۔ امام کو بھی چاہئے کہ وہیں اٹکا نہ رہے کسی اَور جگہ سے پڑھ دے، وہیں اٹکے رہنا اور بار بار اسی کو پڑھنا امام کے لئے مکروہ ہے، یہ اصل مسئلہ ہے۔ اس کے باوجود جب مقتدی لقمہ دے تو مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی، امام لقمہ لے تو امام کی نماز فاسد نہ ہوگی، خواہ تین آیت کے مقدار پڑھی ہو یا کم زیادہ سب کا یہی حکم ہے اور اس لقمہ دینے اور لینے سے سجدۂ سہو

(۱) (البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱۰/۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱۲/۲، رشيديه)

واجب نہ ہوگا فرض نماز ہو یا عید وتراویح سب کا حال اس مسئلہ میں یکساں ہے۔ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر لوگوں کو روکنا اور جمعہ وجۂ مذکورہ کی بنا پر دوبارہ پڑھنا غلط ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۲ھ۔

قعدہ اُولیٰ میں قعدہ اُولیٰ کے طویل ہونے میں لقمہ دینا

سوال [۳۲۷۱]: امام قعدۂ اولیٰ اور تشہد میں جتنا روز بیٹھتا ہے آج اس سے زیادہ بیٹھا تو مقتدی کو شبہ ہوگیا کہ امام کو سہو ہوگیا، اس نے "سبحان اللہ" کہدیا اور امام کھڑا ہوگیا اور اس نے سجدۂ سہو بھی کرلیا۔ نماز کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ امام جب تک سلام شروع نہ کرے لقمہ نہ دینا چاہئے۔ تو اس شخص کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی امام کو لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے اور محض شبہ کی بنیاد پر لقمہ نہ دے، کما فی الطحطاوی (۲)۔ محض معمول سے کسی قدر تشہد کے ختم ہونے میں تاخیر ہوجانے سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ امام کو سہو ہوگیا اور اس نے تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھ لیا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ معنی کی طرف دھیان کرنے سے یا کسی دوسری حضوری کیفیت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو، لیکن جب وہ سلام پھیرنے لگے تو البتہ یقینی بات ہے کہ اس نے اس قعدہ کو قعدۂ اخیرہ تصور کیا تب لقمہ دینا لازم ہے، تاہم اگر کسی نے شبہ کی بنا پر لقمہ دیدیا تو نماز تب بھی فاسد نہیں ہوئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان المسئلة: "امام کے بھولنے پر لقمہ دینے کی تفصیل")

(۲) "قوله: (وفتحه على إمامه جائز) ويكره للمقتدي أن يعجّل بالفتح؛ لأن الإمام ربما يتذكر، فيكون التلقين من غير حاجة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب ما يفسد الصلاة، ص: ۳۳۴، قديمي)
(وكذا في رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۲، ۶۲۳، سعيد)

(۳) "لو فتح على إمامه، فلا فساد؛ لأنه تعلق به إصلاح صلاته؛ أما إن كان الإمام لم يقرأ الفرض فظاهر .... والصحيح عدم الفساد؛ لأنه لو لم يفتح ربما يجري على لسانه مايكون مفسداً، فكان فيه إصلاح صلاته". (البحر الرائق باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۲/۱۰، رشيديه)

نابالغ کا امام کولقمہ دینا

سوال[۳۲۷۲]: ہمارے یہاں مدرسہ میں بہت سے طلباء نابالغ درجۂ حفظ میں پڑھتے ہیں، نماز میں یہ لقمہ دے سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نابالغ سمجھدار جوکہ مفسداتِ صلوۃ سے بچتاہو، امام کولقمہ دے سکتاہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۸/۸۹ھ۔

غلط لقمہ دینا

سوال[۳۲۷۳]: مقتدی نے امام کوتعدادِرکعات کے اندرغلط لقمہ دیااورامام نےلقمہ نہیں لیاتولقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوئی یانہیں؟ یاکسی اورقسم کاغلط لقمہ دیااگرما یجوز به الصلوة کے مطابق قرأت کرچکا ہے، پھرقصداً دوسری جگہ سے قرأت کرنے لگتاہے یانسیاناً دوسری جگہ منتقل ہوجاتاہے توسجدۂ سہوواجب ہے یا نہیں؟ اگر ما یجوز به الصلوة کے مطابق قرأت نہیں کی ہے اورقصداًیاسہواًمنتقل ہوگیاتوسجدۂ سہوواجب ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرمقتدی نےعمداًغلط لقمہ نہیں دیاتواس کی بھی نمازفاسدنہیں ہوئی (۲)۔مایجوز به الصلوة قرأت

---

(۱) "وإن فتح على إمامه لم تفسد .... وفتح المراهق كالبالغ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فیمایفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۹۹/۱، رشیدیه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۵۸۱/۱، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۱۱/۲، رشیدیه)

(۲) "(بخلاف فتحه على إمامه)، فإنه لا یفسد (مطلقاً) لفاتح و آخذ بكل حال". (الدر المختار، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۶۲۲/۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۱۱/۲، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فیمایفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۹۹/۱، رشیدیه)

کے مطابق یا اس سے پہلے اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ میں قرأت کی، قصداً یا نسیاناً تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی الّا یہ کہ معنی بگڑ جائیں، مثلاً: "إن الذين امنوا وعملوا الصالحات" کے بعد بغیر وقف کئے دوسری جگہ سے "أولئك أصحاب النار، هم فيها خالدون" پڑھ دیا تو معنی بگڑ گئے اور نماز فاسد ہوگئی (۱)، بلا مجبوری کے قصداً دوسری جگہ منتقل ہونا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أما إذا لم يقف و وصل، إن لم يغير المعنى نحو أن يقرأ "إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات، فلهم جزاء الحسنى" مكان قوله:" كانت لهم جنات الفردوس نزلاً" لا تفسد، أما إذا غيّر المعنى بأن قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم شر البرية" .... تفسد عند عامة علمائنا، وهو الصحيح، هكذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القارى، و منها ذكر آية مكان آية: ۱/۸۰، ۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الخانية، فصل في القرأة في القرآن خطأ إن ذكر آية مكان آية: ۱/۱۵۳، رشيديه)

باب الوتر و القنوت

الفصل الأول فی الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

تعدادِ رکعاتِ وتر

سوال[۳۲۷۴]: زید وتر کی تین رکعات کا قائل ہے اور علمائے دیوبند اور امام اعظمؒ کا اس پر عمل تھا اور ہے، بکر یہ کہتا ہے کہ میں کسی کا مقلد نہیں ہوں نہ ائمہ کا اور نہ کسی کا، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال، افعال سے ثابت کرو۔ اہلِ حدیث یعنی غیر مقلد کوئی مسئلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو علمائے مقلدین سے معلوم کرتے ہیں۔ اب وہ ان کے مقلد ہوئے یا نہیں، جب کہ اور کسی سے دریافت نہیں کرتے؟ تقلید کی تعریفِ لغوی اور اصطلاحی بھی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عظیم اللہ بنوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مستدرک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "قالت: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوتر بثلاث، لا یسلّم إلا فی آخرهن"(۱)۔

---

(۱) (المستدرک مع التلخیص، کتاب الوتر: ۱/۳۰۴، دار الفکر، بیروت)

"عن مسور بن مخرمة قال: دفنّا أبا بكر رضی الله تعالیٰ عنه لیلاً فقال: عمر رضی الله تعالیٰ عنه إنی لم أوتر، فقام و صففنا و راء ه، فصلی بنا ثلث رکعات، لم یسلم إلا فی آخرهن". (شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، باب الوتر، ص: ۲۰۲، سعید)

"عن أبیّ بن کعب رضی الله تعالیٰ عنه: قال: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: یقرأ=

دوسری روایت ہے: "أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یقرأ فی الرکعة الأولیٰ والوتر "بفاتحة الکتاب، و سبح اسم ربك الأعلی" و فی الثانیة: "قل یا أیها الکافرون" و فی الثالثة: "قل هو اللہ أحد، والمعوذتین، اهـ" (۱)۔

اس کو اصحابِ سننِ اربعہ (۲)، ابن حبان (۳)، حاکم، طحاوی (۴) نے روایت کیا ہے۔

مسئلۂ تقلید پر بہت سے رسائل شائع ہو چکے ہیں، اس مختصر سے کاغذ میں تفصیل کی گنجائش نہیں، اصل مسئلہ کا جواب ہی بہت اختصار کے ساتھ تحریر کیا جارہا ہے۔ پس اس مسئلہ کے لئے رسالہ "الاقتصاد فی التقلید والاجتهاد" وغیرہ کوئی رسالہ مطالعہ کرلیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۳/۲۸ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

= فی الوتر "بسبح اسم ربک الاعلی" و فی الرکعة الثانیة "بقل یا أیها الکافرون" و فی الثالثة "بقل هو اللہ أحد" و لا یسلم إلا فی آخرهن، و یقول: -یعنی بعد التسلیم- "سبحان الملک القدوس" ثلثاً".

(سنن النسائی، کتاب قیام اللیل و تطوع النهار: ۱/۲۴۹، قدیمی)

(۱) (المستدرک مع التلخیص، کتاب الوتر: ۱/۳۰۵، دار الفکر، بیروت)

(۲) "عن عبد العزیز بن جریج قال: سألت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: بایّ شیء کان یوتر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم؟ قالت: کان یقرأ فی الأولیٰ: "بسبح اسم ربک الأعلی" و فی الثانیة: "بقل یا أیها الکافرون" و فی الثالثة "بقل هو اللہ أحد، والمعوذتین". (سنن الترمذی، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء ما یقرأ فی الوتر: ۱/۱۰۶، سعید)

(وسنن ابن ماجة، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الوتر، ص: ۸۳، میر محمد کتب خانه)

"عن ابن عبد الرحمن ابن أبزیٰ عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کا ن یوتر "بسبح اسم ربک الأعلی" و "قل یا أیها الکافرون" و "قل هو اللہ أحد الخ". (سنن النسائی، کتاب قیام اللیل و تطوع النهار: ۱/۲۵۱، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یقرأ فی الوتر: ۱/۲۰۸، مکتبه إمدادیه ملتان)

(۳) (الصحیح لابن حبان، ذکر الإباحة للمرء أن یضم لقراءة المعوذتین إلی قرائة قل هو اللہ أحد" الخ: ۵/۷۴، المکتبة الأثریة شانگله هل)

(۴) (وشرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، باب الوتر، ص: ۹۶، سعید)

وتر میں سورتوں کی تعیین

سوال[۳۲۷۵]: بعض حفاظ وتر میں ہمیشہ "إنا أنزلناه" اور "سورۂ کافرون" اور آخر رکعت میں "سورۂ اخلاص" پڑھتے ہیں حالانکہ ہمیشہ ایک سورت پڑھنے کو فقہاء نے منع کیا ہے۔ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہاء نے جو منع کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں یہ خیال نہ ہو جائے کہ اس مخصوص سورت کے علاوہ دوسری سورت پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوتی، یا اس کے عمل سے دوسروں کو اس کا خیال نہ ہو جائے، لیکن جن سورتوں کا کثرت سے پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان کو کثرت سے پڑھنا اتباعِ سنت کی نیت سے درست ہے بلکہ ثواب ہے(۱)، البتہ کبھی کبھی مصلحت بالا کی وجہ سے دوسری سورت بھی پڑھ لے۔

وتر میں "سبح اسم ربك الأعلى، قل یا أیها الکافرون، و قل هو الله" کا پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتب احادیث میں مذکور ہے مگر اس پر مداومت ثابت نہیں، لہٰذا اکثر ان سورتوں کا پڑھنا بہتر ہے، کذا فی الطحطاوی (۲)۔ "إنا أنزلناه" کا پڑھنا میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/ ذی قعدہ/۶۱ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقرأ في الوتر" بسبح اسم ربك الأعلى" و "قل يا أيها الكافرون" و "قل هو الله أحد" في ركعة ركعة". (سنن الترمذي، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء ما يقرأ في الوتر: ۱/۱۰۶، سعيد)

(۲) و في مراقي الفلاح: " (ويقرأ) وجوباً (في كل ركعة منه الفاتحة و سورة) لما روى أنه عليه الصلاة والسلام قرأ في الأولى منه: أي بعد الفاتحة "بسبح اسم ربك الأعلى" و في الثانية: "بقل يا أيها الكافرون" و في الثالثة: "بقل هو الله أحد" و قنت قبل الركوع". (باب الوتر و أحكامه، ص: ۳۷۵، قديمي)

(۳) قال العلامة الشامي: "والسنة السور الثلاث: أي الأعلى، والكافرون والإخلاص، لكن في النهاية: أن التعيين يفضي إلى اعتقاد بعض الناس أنه واجب، و هو لايجوز، فلو بماورد به الآثار أحياناً بلا مواظبة، يكون حسناً، بحر". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۶۷، رشيديه)

رمضان کی وتر میں سورۂ قدر

سوال[٣٢٧٦]: سورۂ "إنا أنزلناه" رمضان میں وتروں میں پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ سنت ہے، دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ میں سنت اس کو نہیں مانتا۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سورہ "إنا أنزلنا" کا وتر میں پڑھنا متعین طور پر احادیث سے ثابت نہیں، اور سورتوں کی طرح یہ بھی ایک سورت ہے، وتر میں پڑھنا بھی درست ہے(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عشاء کی نماز تنہا پڑھ کر وتر کو جماعت کے ساتھ پڑھنا

سوال[٣٢٧٧]: رمضان شریف میں زید نے عشاء کی نماز منفرد ہو کر پڑھی اور تراویح میں شریک ہو گیا تو وتر کی نماز زید جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا اس کو درست ہے:

"إن فاتته مع الإمام ترويحة أوتر ويحتان أوأكثر، هل يقضيها قبل الوتر، أو يوتر ثم يقضيها؟ ذكره في الذخيرة فقال: اختلف مشايخ زماننا قال بعضهم: يوتر مع الإمام ثم يقضى ما فاته من التراويح. وقال بعضهم: يصلي التراويح المتروكة ثم يوتر". كبيرى، ص:٣٨٦(٢).

---

(١) قال الله تعالىٰ:﴿فاقرؤ اما تيسر من القرآن﴾ (المزمل : ٢٠)

" (قوله:و يكره التعيين الخ) هذه المسألة مفرّعة على ما قبلها؛ لأن الشارع إذا لم يعيّن عليه شيئاً تيسيراً عليه، كره له أن يعين و علله في الهداية بقوله : لما فيه من هجر الباقي و إيهام التفضيل .... و أيضاً في وتر البحر عن النهاية: أنه لا ينبغي أن يقرأ سورةً متعينةً على الدوام لئلا يظن بعض الناس أنه واجب". (رد المحتار، فصل في القرأة: ١/٥٤٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ١/٥٩٨، رشيديه)

(٢) (الحلبي الكبير، ومن السنن المؤكدة: التراويح، ص:٤٠٤، سهيل اكيڈمي لاهور)

"صلى العشاء وحده، فله أن يصلي التراويح مع الإمام. ولو تركوا الجماعة في الفرض، ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة. وإذا صلى معه شيئاً من التراويح أو لم يدرك شيئاً منها أوصلاها مع غيره، له أن يصلي الوتر معه، هو الصحيح". فتاوی عالمگیری مصری: ۱/۱۱۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

جس نے فرضِ عشاء جماعت سے نہیں پڑھا کیا وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے؟

سوال[۳۲۷۸]: یہاں ایک مدرسہ والوں نے اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جس شخص کو عشاء کی جماعت نہیں ملی وہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ جب کہ ہمارے تمام اسلاف نے اجازت دی ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے صاف صاف الفاظ میں اجازت دی ہے اور اشتہار میں حوالہ شامی کا ہے، خصوصیت سے اس مسئلہ کو حوالہ کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں عشاء کی نماز جماعت سے ہوگئی اور کوئی شخص دیر میں پہونچا اس کو چاہئے کہ فرض عشاء پڑھ کر تراویح میں شرکت کرے، پھر وتر بھی جماعت سے پڑھے، یہی صحیح ہے، کذا في شرح المنية كبيري، ص: ۳۹۱ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۳، رشيديه)

(۲) "قال أبو يوسف: الباني إذا صلى مع الإمام شيئًا من التراويح، يصلي معه الوتر، وكذا إذا لم يدرك معه شيئًا منها، وكذا ظهير الدين المرغيناني: لو صلى العشاء وحده، فله أن يصلي التراويح مع الإمام، و هو الصحيح". (غنية المستملي شرح منية المصلي للحلبي الكبير، فروع: فاتته ترويحة أو ترويحتان، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيديه) =

قنوت کے لئے کانوں تک رفعِ یدین

سوال[۳۲۷۹]: **الاستفتاء**: وتر نماز میں دعائے قنوت سے قبل ہاتھ کاندھوں تک اٹھانے چاہئے یا کانوں تک؟ کونسا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کانوں تک(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

وتر میں قنوت کے لئے رفعِ یدین

سوال[۳۲۸۰]: ایک شخص رمضان المبارک میں وتر کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا تو وہ مسبوق رفع یدین کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام وتر میں جب دعائے قنوت پڑھنے کے لئے رفع یدین کرے، تکبیر کہے تو ہر مقتدی مسبوق وغیرہ کو بھی اسی طرح کرنا چاہئے، یہ رفع یدین فرض یا واجب نہیں، سنت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۲۳ ۱، رشيديه)

(۱) "ويكبر قبل ركوع الثالثة رافعاً يديه إلى حذاء أذنيه كتكبيرة الإحرام". (الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۶، سعيد)

"إذا فرغ من القراءة في الركعة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع في جميع السنة، و مقدار القيام في القنوت قدر ﴿إذا السماء انشقت﴾ هكذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في صلاة الوتر: ۱/۱۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الوتر: ۱/۶۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "إذا فرغ من القراءة في الركعة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع في جميع =

قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانا اور وتر کے بعد "سبحان الملك القدوس" کہنا

سوال[۳۲۸۱]: وتر میں ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ اور "سبوح قدوس" بلند آواز سے کیوں کہتے ہیں، یا آہستہ کہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وتر میں ایک واجب سے دوسرے واجب کی طرف انتقال ہے، اس لئے قنوت کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں(۱)۔

وتر کے بعد "سبحان الملك القدوس" کہنا تین دفعہ اور تیسری دفعہ آواز بلند کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ/۶۱ھ۔

= السُّنَة، ومقدار القيام في القنوت قدر إذا: (السماء انشقت) هكذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في صلاة الوتر: ۱/۱۱۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، صلاة الوتر: ۴۲۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱، سعيد)

(۱) "عن الأسود عن عبد الله (ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه) أنه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر "قل هو الله أحد"، ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة". رواه الإمام البخاري في "جزء رفع اليدين" له، و قال: صحيح". (إعلاء السنن، باب وجوب القنوت في جميع السُّنة كلها و سنية رفع اليدين الخ: ۶/۷۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

"إذا فرغ من القرأة في الركعة الثالثة، كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، ويقنت قبل الركوع في جميع السنة ومقدار القيام في القنوت قدر: ﴿إذا السماء انشقت﴾ هكذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في صلاة الوتر: ۱/۱۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الوتر: ۱/۶۷۲، ادارة القرآن كراچي)

(۲) "عن سعيد بن عبد الرحمن ابن أبزىٰ عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

دعائے قنوت احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

سوال[۳۲۸۲]: دعائے قنوتِ وتر "اللهم إنا نستعينك الخ" بسندِ صحیح کس کتاب میں منقول ہے؟ حصنِ حصین میں: "نؤمن بك و نتوكل عليك و نشكرك" منقول نہیں، یہ الفاظ کس حدیث میں منقول ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے قنوت کے یہ الفاظِ مشہورہ ایسے حتمی نہیں کہ ان کے ترک یا تبدل سے نماز فاسد ہوجائے جیسا کہ کتبِ فقہ زیلعی (۱) شامی (۲) طحطاوی (۳) وغیرہ میں صراحۃً مذکور ہے۔ دعاء "اللهم إنا نستعينك الخ" ابوداود (۴) کے حوالہ سے رسائل الأركان اورفتح القدير (۵) میں منقول ہے، اس میں لفظ "نؤمن

= كان يوتر "بسبح اسم ربك الأعلى و قل يا أيها الكافرون و قل هو الله أحد". وإذا سلّم قال: "سبحان الملك القدوس". ثلث مرات، يمد صوته في الثالثة، ثم يرفع". (سنن النسائي، كتاب قيام الليل و تطوع النهار: ۱/۲۵۳، قديمي)

(وشرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر، ص: ۲۰۱، سعيد)

(۱) "وليس في القنوت دعاء مؤقت؛ لأنه يذهب برقة القلب، هكذا ذكره محمد". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(قوله: وليس الدعاء المشهور) .... وذكر في البحر عن الكرخي أن القنوت ليس فيه دعاء مؤقت؛ لأنه روى عن الصحابة أدعية مختلفة، ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۶، سعيد)

(۳) "قوله: (إنه لا توقيت فيه) الأفضل أن يكون الدعاء مؤقتاً؛ لأن الداعي ربما يكون جاهلاً فيدعو بما يقطع الصلاة، و لا يعلمه، كذا في غاية البيان. وقول محمد: ليس في القنوت دعاء مؤقت، يعني غير "اللهم إنا نستعينك" الخ". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۸۲، قديمي)

(۴) "عن خالد بن عمران قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو على مُضَرَ إذ جاءه جبرئيل عليه السلام، فأومأ إليه أن اسكت فسكت .... قال: ثمّ علّمه هذا القنوت: "اللهم إنا نستعينك و نستغفرك ونؤمن بك ونخضع لك، ونخلع و نترك من يكفرك، اللهم إياك نعبد و لك نصلي و نسجد وإليك نسعىٰ و نحفد و نرجو رحمتك و نخاف عذابك، إن عذابك الجد بالكافرين ملحق". (مراسيل أبي داؤد، ص: ۸، سعيد)

(۵) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر: ۱/۴۳۰، مطبعة المصطفى البابي الحلبي)

بلك" بھی مذکور ہے۔شرح سفر السعادۃ اور اعلاء السنن (۱) میں طبرانی، مدونۃ، بیہقی، ابن ابی شیبہ وغیرہ سے بھی اس دعاء کونقل کیا ہے(۲) اور اس کے اور الفاظ میں بھی کچھ فرق ہے۔شرح حصن حصین میں لکھا ہے کہ لفظ "نشکرك" اس دعاء میں روایۃً ثابت نہیں۔لفظ "نتوکل علیك" بھی کسی روایت میں نہیں ملا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/ جمادی الاولی/ ۶۹ھ۔

دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنا

سوال[۳۲۸۳]: نماز وتر میں جولوگ بجائے دعائے قنوت کے سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں ان کی نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دعائے قنوت میں کوئی بھی دعاء پڑھی جائے نماز ہوجائے گی،مشہور ومعروف دعاء پر موقوف نہیں،بس

---

(۱) "عن ابن وهب .... عن خالد بن أبي عمران قال (إلى آخر الحديث، كما مر آنفاً في الحاشية الماضية أخرجه سحنون في "المدونة الكبرى .... و قال الحازمي في "الاعتبار": أخرجه أبو داؤد في المراسيل، و هو حسن في المتابعات".

"وعن عبد الرحمن بن أبزى :قال: صليت خلف عمر بن خطاب الصبح، فلما فرغ من السورة في الركعة الثانية، قال قبل الركوع -وفي رواية الطحاوي بعد الركوع- : "اللهم إنا نستعينک و نستغفرک ونثني عليک الخير كله، و لا نكفرک، و نخلع و نترک من يفجرک". ثم ذكر نحوه سواءً غير أنه لم يذكر الجد". رواه ابن أبي شيبة في "مصنفه" و رواه البيهقي في "سننه" و صححه. كنز العمال". (إعلاء السنن، باب إخفاء القنوت في الوتر و ذكر ألفاظه الخ :۶/ ۸۹، ۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (المدونة الكبرى، كتاب الصلوة، القنوت في الصبح والدعاء في الصلوة: ۱/ ۲۲۷، مكتبه نزاد مصطفىٰ الباز)

(والسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلوة، باب قنوت الوتر: ۲/ ۷۰۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(والمصنف لابن ابي شيبه، كتاب الصلوة، في قنوت الوتر من الدعاء: ۲/ ۹۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

دعا ہونی چاہیے (۱) سورۂ اخلاص دعا نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

قنوتِ وتر میں تشہد کا پڑھنا

سوال [۳۲۸۴]: اگر وتر میں دعائے قنوت کے بجائے سہواً تشہد پڑھی گئی، یا قرآن پاک میں سے چند آیات پڑھی تو نماز وتر درست ہو جائے گی یا نہیں؟ اور سجدہ سہو کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں، قنوت کے لئے کوئی مخصوص دعاء لازم نہیں کہ اس کے ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم آتا، یا نماز فاسد ہو جاتی، تشہد میں بھی ایک قسم کی دعاء ہے جو کہ قنوت کے لئے کافی ہو سکتی ہے:

"وذكر في البحر عن الكرخي: أن القنوت ليس فيه دعاء موقت؛ لأنه روى عن الصحابة أدعية مختلفة، و لأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب، الخ". : ١/٤٤٨ (٣)۔

---

(١) "(قوله : و يسن الدعاء المشهور)، و ذكر في البحر عن الكرخي أن القنوت ليس فيها دعاء مؤقت ؛ لأنه روى عن الصحابة أدعية مختلفة، ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ٢/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل : ٢/٤٣، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب الصلاة، الوتر : ١/٦٧٣، إدارة القرآن، كراچي)

(٢) یہ حکم عام حالات کا ہے اگر کسی کو دعائے قنوت یا کوئی اور دعا یاد نہ ہو تو سورۂ اخلاص قنوت کی جگہ پڑھ سکتا ہے: "وفي المقدمة الغزنوية: إن كان لا يحسن القنوت يقرأ ثلاث مرات: "قل هو الله أحد" أو ثلاث مرات "اللهم اغفر لنا و للمؤمنين والمؤمنات". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية ، باب صفة الصلاة : ٢/١٣٩ ، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٣) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ٢/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل : ٢/٤٣، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية ، كتاب الصلاة الوتر : ١/٦٧٣، إدارة القرآن، كراچي)

دعائے قنوت کے ترک پر لقمہ دینا

سوال[۳۲۸۵]: **الاستفتاء**: عشاء میں نماز تراویح کے بعد جو وتر جماعت سے پڑھے جاتے ہیں ان میں اگر امام دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے تو ان کو اشارہ دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ اگر اشارہ نہیں دیا گیا تو ممکن ہے وہ سجدۂ سہو کرنا بھول جائے اور پھر نماز نہیں ہوگی، کیونکہ واجب ترک ہوجاتا ہے اور پھر اشارہ نہیں دیا جاتا تو بہت مقتدی رکوع میں نہیں جاتے ہیں اور ان کا رکوع ترک ہوجاتا ہے اور فرض ترک ہونے سے نماز نہیں ہوتی ہے۔ جواب جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام بجائے دعائے قنوت پڑھنے کے رکوع میں جانے کے لئے تیاری کر رہا ہو تو اس کو یاد دلایا جائے، لیکن اگر امام رکوع میں پہونچ گیا ہے تو پھر قنوت کے لئے کھڑا نہ ہو، اخیر میں سجدۂ سہو کرے، اسی طرح نماز وتر صحیح ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۵ھ۔

شافعیہ کا وتر الگ پڑھنا

سوال[۳۲۸۶]: ہمارے یہاں رمضان کی تراویح میں کچھ شافعی بھی رہتے ہیں، تراویح کے ختم پر شافعی لوگ الگ ہوکر اپنی وتر کی نماز الگ پڑھتے ہیں۔ یہ فعل شریعت کی رو سے درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولو نسيه: أي القنوت، ثم تذكره في الركوع، لا يقنت فيه، لفوات محله، و لا يعود إلى القيام، وسجد للسهو اهـ". (الدرالمختار باب الوتر والنوافل: ۲/ ۹، سعيد)

"و لو ترك القنوت فذكر في القعدة أو بعد ماقام من الركوع، لا يقنت، وعليه السهو".
(الفتاوى الخانية، فصل فيما يوجب السهو و ما لا يوجب السهو: ۱/ ۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في الوتر: ۱/ ۱۱۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ ان کو کچھ نہ کہیں، وہ اپنے امام کے مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۱ھ۔

وتر کے بعد دعاء

سوال[۳۲۸۷]: تراویح میں وتر کے بعد امام کا بلند آواز سے اجتماعی دعاء کرنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں بھی آہستہ مستحب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

وتر میں امامت امام کرائے یا حافظ صاحب؟

سوال[۳۲۸۸]: ہماری مسجد میں مقیم امام فاضلِ دارالعلوم دیوبند ہیں فرض نماز عشاء پڑھانے کے بعد تراویح حافظ صاحب جن کو رمضان شریف میں تراویح پڑھانے کے لئے رکھا گیا پڑھاتے ہیں، وتر جماعت کے لئے امامت کا مستحق امام مقیم ہے یا حافظ صاحب؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس امام نے عشاء کی فرض پڑھائی، وتر بھی وہی پڑھائے، لیکن تراویح پڑھانیوالا وتر پڑھائیگا تب بھی

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿أدعوا ربکم تضرعاً و خفیةً، إنه لا یحب المعتدین﴾

"قیل: معناه تذللاً و استکانةً و خفیةً کقوله: ﴿واذکر ربک فی نفسک﴾ الآیة. و فی الصحیحین عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: رفع الناس أصواتهم بالدعاء، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أیها الناس! اربعوا علی أنفسکم، فإنکم لا تدعون أصمَّ و لا غائباً، إن الذی تدعون سمیعٌ قریب". الحدیث. (تفسیر ابن کثیر، الجزء الثامن (سورة الاعراف): ۲/۲۹۶، مکتبه دار السلام الریاض)

درست ہے، کوئی کراہت نہیں، اس میں تنازع نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''بظاہر قواعد سے اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا، البتہ عالمگیریہ میں ''السراج الوہاج'' سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرض اور وتر خود پڑھاتے تھے اور تراویح حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے پڑھواتے تھے''، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ فرض کو امامِ وتر بنانا بہتر ہے، ہاں اگر امامِ فرض وتر کی جماعت میں شریک ہی نہ ہو (خواہ کسی عذر کے باعث یا خود قرآن شریف دوسری جگہ پڑھنے وغیرہ کے سبب) تو پھر کسی دوسرے کو امامِ وتر بنانا خلافِ اولیٰ بھی نہیں ہے''۔ (إمداد الأحكام ، فصل في الوتر ودعاء القنوت: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

''وقد كان عمر رضي الله تعالىٰ عنه يؤمهم في الفريضة والوتر، وكان أبيّ رضي الله تعالىٰ عنه يؤمهم في التروايح، كذا في السراج الوهاج''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التروايح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، الباب الثامن في الوتر والنوافل: ۴/۱۵۸، مكتبه إمداديه، ملتان)

الفصل الثاني في قنوت النازلة

(قنوتِ نازلہ کا بیان)

قنوتِ نازلہ

سوال[۳۲۸۹]: قنوتِ نازلہ روزانہ نمازِ فجر میں پابندی سے پڑھی جاوے جب کہ اس کا موجب علی التواتر پایا جاتا ہے یعنی جنگ وقتال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک پڑھ کر چھوڑ دیا تھا، لہٰذا ہر ماہ کے بعد چند روز چھوڑ دیا جائے، کیا ہونا چاہئے: علی الاتصال یا ہر ماہ کے بعد کچھ انفصال کیا جاوے؟ جواب مدلل سے مشرف فرمادیں۔

ابوحامد محمد نصر اللہ حیدرآباد دکن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی مستقل اور اصلی چیز نہیں بلکہ وقوعِ نازلہ اس کا سبب ہے، بس جب سبب پایا جائے تو قنوت نازلہ پڑھی جائے، جب سبب منقطع ہوجائے تو قنوت نازلہ کی ضرورت نہیں، اس کو ترک کردیا جائے، جو فقہاء اور محدثین اس کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے ایک ماہ یا کچھ کم وبیش کی تحدید نہیں فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف ایک واقعہ کے ذیل میں قنوتِ نازلہ پڑھی ہے۔

زیلعی شرح کبیر میں لکھا ہے: "وروی فی الخبر أنه علیه الصلوة والسلام قنت شهراً أو أربعين يوماً، اهـ".(۱)۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی آثار میں میں لکھا ہے: "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قنت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: عشرين يوماً، اهـ" (۲)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلاة، باب القنوت في الفجر وغيره، ص:۱۲۸، سعيد)

معلوم ہوا کہ تین قسم کی روایتیں ہیں: بیس یوم، ایک ماہ، چالیس روز۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قنوتِ نازلہ کو موقوف فرمادینا ایک ماہ کی تحدید کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ تھی: "قنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم شہراً یدعو علی عُصیّة و ذکوان، فلما ظہر علیہم، ترك القنوت، اھـ" (۱) عقود الجواہر الحنفیة: ۱/۸۸(۲)۔

لہٰذا استمرارِ نازلہ کی حالت میں ایک ماہ سے زائد مدت تک مسلسل پڑھتے رہنا بھی خلاف شرع نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

قنوتِ نازلہ

سوال[۳۲۹۰]: "عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قنت شہراً، ثم ترکه". رواہ أبو داؤد (۳) والنسائی (٤)۔ "ثم ترکه" سے مراد قنوت کا پڑھنا امت کے لئے مسنون ہے یا متروک؟

"وعن أبی مالك الأشجعی قال: قلت لأبی: یا أبت! إنّك قد صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وأبی بکر وعمر و عثمان وعلیّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ههنا بالکوفة

---

(۱) (شرح معانی الآثار، باب القنوت فی الفجر، ص: ۱۶۸، سعید)

(۲) لم أظفر علی هذا الکتاب وقد قال ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ: "قوله: فیقنت الإمام فی الجهریة لکن فی الأشباہ عن الغایة: قنت فی صلوة الفجر، و یؤیدہ فی شرح المنیة حیث قال بعد کلام: فتکون شرعیته أی شرعیة القنوت فی النوافل مستمرةً، و هو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلوة والسلام، و هو مذهبنا، و علیه الجمهور. و قال الحافظ أبو جعفر الطحاوی: إنما لا یقنت عندنا فی صلاة الفجر من غیر بلیة، فإن وقعت فتنة أو بلیة، فلا بأس به، فعله رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱، سعید)

(۳) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب القنوت فی الصلوة: ۱/۲۰۴، سعید)

(۴) (سنن النسائی، کتاب الافتتاح ترک القنوت: ۱/۱۶۴، قدیمی)

7

نحو من خمس سنين، وكانوا يقنتون. قال: أي بُنيّ! مُحْدَثٌ". رواه الترمذي (١) والنسائي (٢) وابن ماجة(٣)۔

حدیثِ مذکور میں لفظ "محدث" سے کیا مراد ہے؟ اور حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اگر کوئی امام مسجد نماز صبح کے بعد اور نماز جمعہ جو بدل نماز ظہر ہے کثرت جماعت اور قبولیت کی امید وخیال میں قنوت نازلہ پڑھتا ہے تو اس کا یہ عمل مستحسن اور محمود ہے یا معیوب اور متروک؟ اس امر کی تصریح فرما کر بصیرت کا موقع دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

استمرار متروک ہے، بلیہ شدیدہ عامہ کے وقت مشروع ہے، اس کا محل راجح قول پر صلوۃِ فجر ہے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں وقت ضرورت نماز فجر میں پڑھی ہے:

"والقنوت في الفجر لا يشرع لمطلق الحرب عندنا، وإنما يشرع لبلية شديدة تبلغ بها القلوب الحناجر. ولو لا ذلك، للزم الصحابة القائلين بالقنوت للنازلة أن يقنتوا أبداً، ولا يتركوه يوماً لعدم خلو المسلمين عن نازلةٍ مّا غالباً، لاسيما في زمن الخلفاء الأربعة. قلت: و هذا هو الذي يحصل به الجمع بين الأحاديث المختلفة في الباب، وأما دعوىٰ نسخ القنوت في الفجر مطلقا فتردها اثار الصحابة وقنوتهم بعد وفاة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أحياناً"(٤).

یعنی اگر قنوت رأساً ہی منسوخ ہوجاتی تو خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کبھی نہ پڑھتے، اگر اس کا استمرار رہتا

---

(١) (سنن الترمذي، ابواب الصلوة، باب في ترك القنوت: ١/٩١، سعيد)

(٢) وقال النسائي: "عن أبي مالك الأشجعي عن أبيه قال: صليت خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلم يقنت، وصليت خلف أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه، فلم يقنت، وصليت خلف عمر رضي الله تعالىٰ عنه فلم يقنت، وصليت خلف عثمان رضي الله تعالىٰ عنه فلم يقنت، وصليت خلف عليّ رضي الله تعالىٰ عنه فلم يقنت، ثم قال: يا بُنيّ! إنها بدعة". (سنن النسائي، كتاب الافتتاح، ترك القنوت: ١/١٦٤، قديمي)

(٣) (سنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، باب ماجاء في القنوت في صلاة الفجر، ص: ٨٩، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(٤) (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب الوتر، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ٦/٩٦، إدارة القرآن، كراچی)

یعنی ہرلڑائی کے وقت پڑھنا مشروع رہتا تو ہمیشہ پڑھتے رہتے اس لئے کہ جہاد کا سلسلہ تو مستمر رہا ہی ہے، مگران حضرات کا معمول یہ تھا کہ بلیۂ شدیدہ عامہ کے وقت پڑھتے تھے، بغیر اس کے نہیں پڑھتے تھے، اور یہ پڑھنا صرف فجر کی نماز میں تھا، دیگر نمازوں میں نہیں تھا۔ لہذا کہا جائے گا کہ نسخ بھی دو جہت سے ہے: ایک استمرار، دوسرے ماعدا فجر۔ پس فجر کے علاوہ دیگر صلوۃ میں قنوت نہیں، خواہ سریۃ ہو خواہ جہریۃ ہو۔

بعض کتبِ فقہ میں جہریہ میں مشروعیت درج ہے اس کی توضیح علامہ شامیؒ نے اس طرح کی ہے کہ یہ لفظ ''صلوۃ الفجر'' تھا نقل میں تحریف ہوکر ''صلوۃ الجہر'' ہوگیا، لہٰذا صرف فجر میں مشروعیت ہے، کل صلوۃِ جہریہ میں نہیں، نہ جمعہ نہ کسی اَور نماز میں۔ ہاں! اگر وقتِ ضرورت خطبۂ جمعہ میں قنوتِ نازلہ پڑھ لی جائے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ قنوت کی مفصل بحث جس میں دس جہات سے کلام کیا ہے اور احادیثِ مختلفہ نیز عباراتِ فقہیہ کو پورے حوالوں سے نقل کر کے تعارض رفع کیا ہے اور روایات پر جرحاً وتعدیلاً بحث کر کے امرِ راجح کو محقق کیا ہے'' اعلاء السنن'' کی جلدِ سادس میں مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۸/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱)" (قوله: فيقنت الإمام في الجهرية): أي شرعية القنوت في النوازل مستمرةً، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه السلام، وهو مذهبنا، وعليه الجمهور. وقال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية، فلا بأس به، فعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلاة الجهرية أو السرية". (رد المحتار، مطلب في قنوت النازلة: ۲/ ۱۱، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۷۸، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الكلام في قنوت النازلة في مواضع: الأول أن محله صلاة الفجر خاصةً، أم الجهرية أو الصلوات كلها؟ الثاني: كونه بعد الركوع أو قبله؟ والثالث: كونه سراً أو جهراً؟ والرابع: هل يقنت المؤتمون أو يؤمنون؟ الخامس: هل يؤمنون سراً أو جهراً؟ السادس: هل ترفع الأيدي قبله أم لا؟ السابع: هل يكبر له أم لا؟ الثامن: هل يضع اليدين حال قرأته أو يرسلهما؟ التاسع: هل يرفع اليدين حال قرأته كرفعهما في الدعاء خارج الصلاة؟ العاشر: هل القنوت عند النازلة مشروع عندنا أم لا؟ والكلام في هذا المقام بسيط". من شاء فليراجع. (إعلاء السنن، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ۲/ ۹۴، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

قنوتِ نازلہ کے متعلق

سوال[۳۲۹۱]: مورخہ ۳/اپریل/۱۹۴۱ء بروز یکشنبہ سائل کا موقع اتفاقیہ نماز فجر باجماعت پڑھنے کا بڑی جامع مسجد سہارنپور میں ہوا، دوسری رکعت کی قرأت کے بعد رکوع کیا گیا، رکوع سے کھڑے ہوکر ہاتھ چھوڑے ہوئے امام صاحب نے کچھ دعاء بالجہر پڑھی، کچھ مقتدی بجہر اور کچھ باخفاء آمین کہتے رہے، یہ فعل تخمیناً دس منٹ تک ہوا، اس دعاء کے ختم کرنے کے بعد نماز کے دو سجدے کرکے التحیات وغیرہ پڑھ کر نماز ختم کی۔ کیونکہ سائل نے اپنی ساٹھ سالہ عمر میں ایسا فعل جماعت احناف نماز فرض میں اول ہی مرتبہ دیکھا، چنانچہ بڑے بڑے علماء جیسے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف وتالیف کردہ کتب کا بہت مطالعہ کیا اور بڑے بڑے علماء کی صحبت میں رہا، مگر اس مسئلہ کا اتفاق نہیں پڑا، اس لئے سائل کو تعجب سا معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے وہیں ایک عالم صاحب -جو بھی موجود تھے- سے پوچھا کہ ایسا فعل کیسا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز فجر میں یہ فعل کیا ہے اور سنت ہے، بدعت نہیں، چونکہ زبانی میں سائل کو پوری تسلی نہ ہوئی اس لئے عرض ہے کہ مسئلہ ہذا کو مشرح فرمادیا جائے، تاکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہونچے کس مقام پر، کس مصیبت پر اور مصیبت امام صاحب کی ہو یا کہ جمیع مسلمین کی، یہ فعل جماعت میں ہوسکتا ہے یا نہیں اور کوئی تنہا بھی کرسکتا ہے اور تاخیر وتقدیم کی حالت میں سجدۂ سہو تو نہ لازم آئے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ کفار کی طرف سے عام مسلمانوں پر کسی قسم کا ظلم وتشدد ہوتا ہو کہ مسلمان عام طور پر پریشان ہورہے ہوں، اس وقت اگر کوئی امام نماز فرض فجر میں دعائے قنوتِ نازلہ بعد رکوع گاہے گاہے پڑھ لے تو گنجائش ہے، استحباب بھی ثابت ہوتا ہے، مگر یہ پڑھنا اتفاقیہ ہی ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ اس کا معمول ہی کرلیا جائے، ایسے ہی اگر کوئی اکیلا رات میں کسی نوافل میں کبھی پڑھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے اور مقتدی امام کے سکتات میں آمین کہتے رہیں، اس پر کوئی اعتراض جائز نہ ہوگا:

"قال أبو جعفر الطحاوی: إنما لا یقنت عندنا فی صلوة الفجر من غیر بلیة، فإن وقعت

فتنة أو بلية، فلا بأس به". شامی: ۱/۴۵۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قنوت نازلہ میں "دمِّر دِیَارَھم" کی جگہ دوسرا لفظ

سوال[۳۲۹۲]: قنوتِ نازلہ میں ایک لفظ "دمّر دیارھم" ہے، اس کے متعلق ایک مولوی صاحب کا خیال ہے کہ جس دیار میں کفار رہتے ہیں اسی دیار میں ہم بھی مقیم ہیں، جب ان کے دیار برباد ہونگے تو ساتھ ساتھ ہم بھی برباد ہونگے۔ فی الحال قنوتِ نازلہ گودھرا اور مرادآباد وغیرہ کے لئے پڑھا جاتا ہے اور ان شہروں میں مسلمان اور کفار مخلوط رہتے ہیں، لہٰذا "دیارھم" کے بدل "أشرارھم" پڑھنا چاہئے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، اس طرح تبدیلی کرنے سے نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد سے یہ تغیر مناسب ہے، نماز میں خرابی نہیں آئے گی (۲)۔

قنوتِ نازلہ میں ہاتھوں کے اٹھانے اور آمین پڑھنے کا حکم

سوال[۳۲۹۳]: قنوتِ نازلہ فجر میں امام دوسری رکعت کے قومہ میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام کے قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟ کیا شوافع حضرات قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت امام کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہیں؟ قنوت نازلہ پڑھتے وقت آمین جہر سے کہے یا آہستہ کہے، مقتدی زور سے آمین کہے یا آہستہ کہے؟ مقتدی حضرات حنفی ہوں اور امام شافعی مسلک کا ہو تو حنفی حضرات قنوت نازلہ سننے پر آمین جہر سے کہیں یا آہستہ سے؟ امام صاحب ہمارے یہاں شافعی مسلک کے ہیں۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱، سعید)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ۶/۹۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۲) قنوتِ نازلہ میں زیادہ توسع ہونے کی بنیاد پر اس طرح کے الفاظ جائز ہیں، لہٰذا "دمر دیارھم" کی جگہ "أشرارھم" پڑھنے سے کسی فحش غلطی کا ارتکاب نہیں ہوا کہ نماز فاسد ہو جائے لہٰذا مذکورہ تبدیلی درست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصائب عامہ شدیدہ کے وقت فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد امام قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے:"قال الحافظ أبو جعفر الطحاوی رحمه الله تعالیٰ إنما لا يقنت عندنا في صلوة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس، به فعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". شامی(۱)۔

شوافع قنوت نازلہ پڑھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں، حنفیہ ہاتھ نہیں اٹھاتے، اگر کوئی حنفی کسی شافعی امام کی اقتدا کرے تو ہاتھ چھوڑ کر کھڑا رہے اور دعاؤں کے آخر میں آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے:

قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "بل يقف ساكتاً على الأظهر مرسلاً يديه". الدر المختار على هامش رد المحتار(۲)۔ "وهل المقتدى مثله (أى مثل الإمام) أم لا؟ وهل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده؟ لم أره، والذى يظهر لى أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذا جهر، فيؤمّن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله.......... ثم رأيت الشرنبلالية في مراقى الفلاح: صرح بأنه بعده، اهـ". شامی: ۱/۷۰۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، مطلب في قنوت النازلة: ۲/۱۱، سعيد)

(وكذا في اعلاء السنن، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ۶/۹۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۸، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، مطلب في قنوت النازلة: ۲/۹، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة، آنفاً)

"وقال محمد: لا يقرأ بل يؤمّن، كما في رد المحتار، والمختار للنازلة عند الشامي أنه يقرأ إسرَ الإمام، ويؤمّن إذا جهر به". (إعلاء السنن، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ۶/۱۰۱، إدارة القرآن كراچى)

قنوتِ نازلہ میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے؟

سوال[۳۲۹۴]: قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھ لینا چاہئے یا چھوڑ دینا چاہئے، مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں دونوں قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قیام کی طرح ہاتھ باندھ لے، دوسرا یہ ہے کہ قومہ کی طرح ہاتھ چھوڑے رکھے، لہٰذا کسی پر اعتراض نہ کیا جائے: "والحاصل أنه يضع عند الشيخين في القنوت سواء كان قبل الركوع أو بعده"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

قنوتِ نازلہ اور ختم یٰسین کب تک پڑھنی چاہیے؟

سوال[۳۲۹۵]: جب سے گودھرا میں فساد ہوا ہے آج تک قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے، بعد نماز عشاء سورۂ یٰسین شریف کا ختم ہوتا ہے پھر دعاء ہوتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قنوت نازلہ اور ختم یٰسین شریف کی کوئی حد بھی ہے، کب تک پڑھی جائے؟ ختم یٰسین شریف کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قنوتِ نازلہ بمنزلۂ علاج کے ہے، جب تک مرض ہے علاج جاری رہتا ہے(۲) اور یٰسین شریف کے فضائل احادیث میں موجود ہیں، دفعِ مصائب میں یہ بہت نافع اور مجرب ہے(۳)۔ اور دعاؤں کا امر قرآن

---

(۱) (إعلاء السنن، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة: ۶/۱۰۲، إدارة القرآن كراچی)

"(و يأتي المأموم بقنوت الوتر لا الفجر)؛ لأنه منسوخ (بل يقف ساكتاً على الأظهر) مرسلاً يديه". (الدرالمختار). "(قوله: مرسلا يديه)؛ لأن الوضع سنة قيام طويل فيه مسنون، وهذا الذكر ليس مسنون عندنا". (ردالمحتار، مطلب في قنوت النازلة: ۲/۹، سعيد)

(۲) "و قال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقنت عندنا في صلوة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية، فلا بأس به فعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (ردالمحتار، مطلب في قنوت النازلة: ۲/۱۱، سعيد)

(۳) "وقال عليه السلام: "من قرأ يٰس أمام الحاجة، قُضيت له .. .. وتدعى الدافعة والقاضية تدفع =

کریم میں ہے(۱) اس کو "مخ العبادۃ" فرمایا گیا ہے(۲) البتہ اس ختم اور اجتماعی دعاء کو مستقل واجب یا سنت کا درجہ دینا کہ نہ شریک ہونے والے کو عاصی قرار دیا جائے درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴۰۱/۲/۲۷ھ۔

عام بدامنی کے موقع پر بعد نمازِ فجر آیتِ کریمہ کا ختم

سوال[۳۲۹۶]: جب بدامنی عام ہو جائے اور اہلِ اسلام کی جان واموال کو غیروں کی طرف سے خطرات لاحق ہو جائیں تو ایسی صورت میں اہلِ اسلام کو کیا کرنا چاہئے؟ ہمارے یہاں بعض مساجد میں یہ سلسلہ جاری ہے کہ بعد صلوۃ فجر لوگوں کو روک دیا جاتا ہے اور بہ ہیئت اجتماعیہ سب لوگ گھٹلیوں پر آیت کریمہ: ﴿لا إلـه إلا أنـت سبحانك إني كنت من الظالمين﴾ پڑھ کر دعاء کرتے ہیں، ایسے حوادث تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں بھی پیش آئے تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے ایسا عمل ثابت ہے؟ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

= عنه كل سوء وتقضى له كل حاجة". (تفسير المدارك، سورة يٰس: ۴۰۸/۲، قديمى)

(۱) "عن النعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدعاء هو العبادة ثم قرأ: ﴿وقال ربكم أدعونى استجب لكم، إن الذين يستكبرون عن عبادتى سيدخلون جهنم داخرين﴾ هذا حديث حسن". (سنن الترمذى، باب ماجاء فى فضل الدعاء: ۱۷۵/۲، سعيد)

(۲) "عن أنس بن مالک رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدعاء مخ العبادة" هذا حديث غريب". (سنن الترمذى، أبواب الدعوات، باب ما جاء فى فضل الدعاء: ۱۷۵/۲، سعيد)

(۳) "قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ: "وفيه أن من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. وجاء فى حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: "إن الله عزوجل يحب أن تؤتى رخصة كما يحب أن تؤتى عزائمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد: ۳۱/۳، رشيديه)

(وكذا فى السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۳/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

مصیبتِ عامہ کے وقت جب بدامنی پھیل جائے، قتل وغارت کی وجہ سے جان، ومال اولاد محفوظ نہ رہے تو قنوتِ نازلہ پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۱)، آیتِ کریمہ کا عمل بھی مفید ومجرب ہے(۲) توبہ واستغفار کی کثرت کی جائے۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب کوئی اہم امر پیش آتا: "بادرإلی الصلوة"(۳) اس لئے آیت کریمہ کی توفیق ہوجائے تو اعتراض کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال: قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شهراً يدعو على عُصيّة و ذكوان، فلما ظهر عليهم ترك القنوت. و كان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا يقنت فی صلاةالغداة". (شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الصلاة، باب القنوت فی الصلاة، ص:۱۶۸، سعید)

"وقال أبو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: إنما لا يقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية، فلا بأس به، فعله رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۲/۱۱، سعید)

(۲) "عن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "دعوة ذی النون إذا دعا ربه وهو فی بطن الحوت: ﴿لا إله إلا أنت سبحانك إنی كنت من الظالمين﴾ لم يدع بها رجل مسلم فی شیء، إلا استجاب له". رواه أحمد والترمذی". (مشكوة المصابيح، كتاب أسماء اللہ تعالیٰ، الفصل الثانی، ص: ۲۰۰، قدیمی)

(وكذا فی الأذكار للنووی، باب دعاء الكرب والدعاء عند الأمور المهمة، ص:۸۸، مکتبہ دار ابن حزم)

(۳) "كان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: إذا حزبه أمر، صلی" (مسند إمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۳۷، دار إحياء التراث العربی)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التطوع، الفصل الثانی، (رقم الحديث: ۱۳۲۵): ۱/۲۵۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

(مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التطوع، الفصل الثانی : ۱/۱۱۷، قدیمی)

باب السنن والنوافل

الفصل الأول في السنن المؤكدة

(سننِ مؤکدہ کا بیان)

کیا فجر کی سنتوں کو پڑھے بغیر فرض نماز جائز نہیں؟

سوال[۳۲۹۷]: ایک صاحب فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز، سنت نماز پڑھنے کے بغیر فرض نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوسکتے اور نہ وہ فرض نماز جائز ہے، آیا یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت کی زیادہ تاکید آئی ہے(۱) تاہم اگر کوئی ایسے وقت مسجد میں پہونچے کہ سنت پڑھنے کا وقت نہیں رہا، اگر پڑھے گا تو جماعت میں شرکت نہیں کر سکے گا تو اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہوجائے، پھر آفتاب ذرا بلند ہوجانے پر سنت پڑھ لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما: ۱/۱۸٦، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: شهد عندي رجالٌ مرضيّون فيهم عمر بن الخطاب، وأرضاهم عندي عمر أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا صلاة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، ولا صلاة بعد صلاة العصر، حتى تغرب الشمس". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعةً: ۱/۱۸۸، مكتبه إمداديه ملتان)

"(قوله: و لا يقضيها إلا بطريق التبعية الخ) .... وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضىٰ قبل =

جماعت کھڑی ہونے پر فجر کی سنت کہاں پڑھے؟

سوال[۳۲۹۸]: بوقتِ اقامت جماعتِ فجر در صفِ ثانی سنتِ فجر خواندن مکروہ است یا نہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا حائل مکروہ است:

"ثم السنة المؤكدة التي يكره خلافها في سنة الفجر، وكذا في سائر السنن، هو أن لا يأتي بها مخالطاً للصف بعد شروع القيام في الفريضة و لا خلف الصف من غير حائل، و أن يأتي بها إما في بيته وهو الأفضل، أو عند باب المسجد إن أمكنه ذلك بأن كان، ثم موضع يليق للصلوة، وإن لم يمكنه ذلك، ففي المسجد الخارج إن كانوا يصلون في الداخل، أوفي الداخل إن كانوا في الخارج إن كان هناك مسجدان: صيفيّ و شتويّ، وإن كان المسجد واحداً فخلف استوانة، ونحو ذلك كالعمود والشجر وما أشبههما في كونهما حائلاً. والإتيان بها خلف الصف من غير حائل مكروهٌ، و مخالطاً للصف كما يفعله كثير من الجهال أشد كراهة لمافيه من مخالفة الجماعة، اهـ". كبيري، ص: ۳۷۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

= طلوع الشمس بالإجماع، لكراهة النفل بعد الصبح، وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما. و قال محمد: أحب إليّ أن يقضيها إلى الزوال، كما في الدر .... وقالا: لا يقضي، وإن قضى، فلا بأس به". (ردالمحتار، باب إدراك الفريضة : ۵۷/۲، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الحادي والعشرون في التطوع قبل الفرض و بعده و فواته عن وقته وتركه: ۵۱۱/۱، المكتبة الغفارية كوئته)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع: لو ترك، ص: ۳۹۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في رد المحتار، باب إدراك الفريضة : ۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة : ۱۳۱/۲، رشيديه)

جماعت شروع ہوجانے پر فجر کی سنتوں کا حکم

سوال[۳۲۹۹]: بسم اللہ الرحمن الرحیم :

روایت ہے محمد بن ابراہیم سے، اس نے نقل کی قیس بن عمرو سے، کہا: دیکھا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ پڑھتا تھا بعد نماز فرض صبح کی دو رکعتیں، پس فرمایا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''نماز صبح کی دو رکعتیں ہیں'' پس کہا: میں نے نہیں پڑھی تھی دو رکعتیں سنت، یہ پہلی دو رکعتیں سنت ہیں، پس پڑھا ان کو اب۔ پس چپ رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''۔ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور روایات کیا ترمذی نے۔

۱- یہ حدیث ابوداؤد چھاپہ اول، دہلی کے ص: ۱۷۹۰، میں ہے(۱)۔

۲- یہ ہی حدیث ابن ماجہ چھاپہ اول، دہلی کے ص: ۱۹۵۰، میں ہے (۲)۔

۳- یہ ہی حدیث ترمذی چھاپہ احمدی، دہلی کے ص: ۷۹۰، میں ہے (۳)۔

فائدہ: اس شخص نے جو بعد نماز فرض صبح کی سنتیں پڑھیں تو وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ شخص

---

(۱) ''حدثني محمد بن إبراهيم عن قيس بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلاً يصلي بعد صلاة الصبح ركعتين، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''صلوة الصبح ركعتان''. فقال الرجل: إني لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما، فصليتهما الآن، فسكت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم''. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب: إذا أدرك الإمام و لم يصل ركعتي الفجر: ۱/۱۸۷، مكتبه إمداديه، ملتان)

(۲) (سنن ابن ماجة، أبواب إقامة الصلوات، باب ما جاء فيمن فاتته الركعتان قبل صلاة الفجر متى يقضيهما، ص: ۸۲، مير محمد كتب خانه)

(۳) ''عن محمد بن إبراهيم عن جدّه قيس رضي الله تعالىٰ عنه، قال: خرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأقيمت الصلاة فصليت معه الصبح، ثم انصرف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فوجدني أصلي، فقال: ''مهلاً ياقيس أصلاتان معاً''؟ قلت: يا رسول الله! إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر، قال: ''فلا إذاً''. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في من تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلاة الصبح: ۱/۹۶، سعيد)

بعد تکبیر کہنے مؤذن کے آیا ہوگا اور بغیر پڑھے سنتوں کے۔ بموجب حکم اس حدیث کے جو کہ مسلم میں روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یعنی: "جس وقت کہ کھڑی کی جاوے نماز یعنی تکبیر ہو فرضوں کی پس نہیں ہے کوئی نماز سوائے نماز فرض کے"۔ جماعت میں شامل ہو گیا ہوگا۔

ا- یہ حدیث مسلم میں جو کہ مع نئی شرح نوووی چھاپہ گیا اس کے ص: ۲۴۷، میں ہے(۱)۔

یعنی حدیث کی ہم کو محمد بن اسحٰق، خزیمہ اور وصف بن عبداللہ حافظ نے بیچ انطا کیہ کے کہا ان دونوں نے حدیث کی ہم کو ربیع بن سلیمان نے، کہا اس نے حدیث کی ہم کو یحییٰ بن سعید نے، اس نے نقل کی اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے قیس بن فہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ تحقیق اس نے پڑھی نماز ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صبح کی اور نہ پڑھی تھی اس نے دو رکعت فجر کی سنتیں، پس جب سلام پھیرا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑا ہوا، پس پڑھی دو رکعتیں فجر کی سنتیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے تھے طرف اس کے، پس نہ انکار کیا۔ اس کو روایت کیا اس حدیث کو ابن حبان نے بیچ صحیح اپنی کے(۲)۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة" (الصحيح لمسلم، كتاب صلوة المسافر و قصرها، باب كراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی إقامة الصلاة الخ : ۲۴۷/۱، قديمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة: ۹۶/۱، سعيد)

(وشرح معانی الآثار للطحاوی، كتاب الصلوة، باب أداء سنة الفجر : ۲۵۵/۱، سعيد)

(وسنن أبی داؤد، إذا أدرک الإمام ولم يصل ركعتی الفجر: ۱۸۰/۱، سعيد)

(وسنن النسائی، كتاب الصلوة، باب مايكره من الصلوة عند الإقامة: ۱۳۹/۱، قديمی)

(۲) "أخبرنا .... ومحمد بن إسحق بن خزيمة، قالوا: أخبرنا الربيع بن سليمان، قال: حدثنا أسد بن موسیٰ، قال: حدثنا الليث ابن سعد عن يحيی بن سعيد عن أبيه عن جده قيس بن فهد أنه صلی مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم الصبح و لم يكن ركع ركعتی الفجر، فلماسلم رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم معه، ثم قام فركع ركعتی الفجر و رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ينظر إليه، فلم ينكر ذلک عليه". (صحيح ابن حبان، ذكر الإباحة لمن أدرک الجماعة و لم يصل ركعتی الفجر أن يصليهما فی عقب صلاة الغداة : ۸۲/۵، المكتبة الأثرية)

۱-حدیث طبرانی کبیر میں بھی ہے، کہا شوکانی نے نیل الاوطار میں چھاپہ مصر کے جلد دوم، ص: ۱۷۰، میں ہے(۱)۔

۲-کوئی شخص آفتاب نکلنے کے بعد پڑھنا چاہے تو درست ہے، آفتاب کے نکلنے کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔ حدیث ترمذی چھاپہ احمدی کے ص: ۸۰ میں ہے(۲)۔

اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ بعد نکلنے آفتاب کے فجر کی سنتیں جائز نہیں ہیں بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ جو چاہے بعد فرض صبح کے اس وقت پڑھ لے اور جو چاہے بعد نکلنے آفتاب کے پڑھے، ان دونوں وقتوں میں منع کرنا کسی کا کسی کو بھی نہیں پہنچتا۔

عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے میں اَور ثبوت نہ لکھ سکا ورنہ ابھی بہت کچھ لکھتا۔

خاکسار: مشتاق احمد، ۲۳/ اکتوبر ۱۹۷۲ء، محمدی محلہ قاضی پاڑہ شہر متھرا (یوپی)۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسئلہ مذکورہ کے بارے میں جب کہ:

ماقبل میں ثابت کیا گیا ہے کہ: فجر کی سنتیں سورج طلوع ہونے سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں جب کہ فرض پہلے پڑھ لئے ہوں حالانکہ مسلکِ احناف کے مطابق اگر جماعت فجر ہورہی ہے اور مصلی کو اعتماد ہے کہ وہ جماعت صبح کا قعدۂ اخیرہ پالے گا تو پہلے اس کو فجر کی سنتیں ادا کرنی چاہئیں اور ایک صاحب اس بات پر مُصر ہیں

---

(۱) (المعجم الکبیر للطبرانی، قیس ابن فهد الأنصاری: ۱۸/ ۳۶۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت).

"حدیث ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنه عند الطبرانی فی الکبیر قال: "أتیت المسجد والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الصلوة، فلما سلم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، التفت إلیّ و أنا أصلی، فجعل ینظر إلیّ و أنا أصلی، فلما فرغت قال: "ألم تصل معنا؟" قلت: نعم! قال: "فما هذه الصلاة"؟ قلت: یارسول اللہ! رکعتا الفجر خرجت من منزلی و لم أکن صلیتها قال: فلم یعب ذلک علیّ". (نیل الأوطار، باب تأکید رکعتی الفجر و قضائها إذا فاتتا: ۳/ ۳۱، دار الباز للنشر)

(۲) "عن أبی هریرة -رضی اللہ تعالیٰ عنه- قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من لم یصل رکعتی الفجر، فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس ....اهـ". (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی إعادتهما بعد طلوع الشمس: ۱/ ۹۶، سعید)

کہ اگر جماعت کھڑی ہوجائے تو فوراً جماعت میں شریک ہوجاؤ بغیر ادا کئے سنت، فجر، اور اگر اندیشہ ہو کہ جماعت چھوٹ جائے گی تو جماعت میں شامل ہوجائے اور سورج طلوع ہونے کے بعد سنتیں پڑھے، حالانکہ ایک صاحب بضد ہیں کہ فجر کی سنتوں میں نماز صبح با جماعت پڑھنے کے بعد مصلی کو اختیار ہے چاہے فرضِ صبح کے ادا کرنے کے فوراً بعد سنتِ فجر پڑھ لے یا بعد طلوعِ شمس پڑھے ان دونوں وقتوں میں اس کو کوئی ممانعت نہیں۔ ان صاحب نے اپنے اس اصرار پر مصر ہونے کے باوجود معلوم نہیں یہ حدیثیں کہاں سے نقل کی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ فجر اگر فجر کی جماعت ہوجائے تو یہ ضروری نہیں کہ ان سنتوں کو طلوعِ شمس کے بعد ہی پڑھے۔ لہٰذا ماقبل میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان کا جواب کیا ہوگا؟ جواب بالوضاحت مطلوب ہے، ان پر ان احادیث کا کیا جواب ہوگا۔ بینواو توجروا۔

حافظ مظہر محمود، قاضی شہر قائم گنج ضلع فرخ آباد (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے متعدد مضامین کی احادیث کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، پھر معلوم ہوگا کہ حنفیہ کا مذہب کس قدر جامع ہے اور کس قدر حدیث کے مطابق ہے۔

۱- حدیث شریف میں ہے کہ ”فجر سے پہلے کی دو رکعت مت چھوڑو اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں“ (۱) اس لئے حنفیہ ان سنتوں کی زیادہ تاکید کرتے ہیں۔

۲- حدیث شریف میں ہے جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید ہے (۲)، اس لئے حنفیہ کہتے ہیں اگر

---

(۱) ”عن أبي هريرة –رضي الله تعالیٰ عنه– قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل“. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما: ۱/۱۸۶، مكتبه إمداديه ملتان)

(وشرح معاني الآثار للطحاوي، باب أداء سنة الفجر: ۱/۲۵۸، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، باب في تخفيفها: ۱/۱۷۹، سعيد)

(۲) ”عن أبي هريرة –رضي الله تعالیٰ عنه– قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”لقد هممت أن آمر بالصلوة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلی قوم لا يشهدون الصلاة، فاحرق عليهم بيوتهم بالنار“. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة: ۱/۸۸، مكتبه إمداديه، ملتان) .... =

جماعت میں شرکت سے یہ سنتیں مانع ہوں تو جماعت میں شریک ہوجائے، ان کی وجہ سے شرکت جماعت سے محروم نہ رہے۔

۳-حدیث شریف میں ہے کہ "جب جماعت کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری نماز نہیں" (۱)۔اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں یہ سنتیں اس جگہ نہ پڑھے بلکہ حجرۂ مسجد میں یا کسی دوسری جگہ آڑ میں پڑھے (۲)۔

۴-حدیث شریف میں ہے کہ "بعد نماز صبح کوئی نماز نہیں طلوعِ شمس سے پہلے" (۳) اس لئے حنفیہ

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة الجماعة أفضل من صلوة أحدكم وحده بخمسة وعشرين جزءً"......... قال: "صلوة الجماعة أفضل من صلوة الفذ بسبع وعشرين درجةً". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۱، ۲۳۲، كتاب المساجد، باب فضل صلوة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها اهـ، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۱/۵۲، أبواب الصلوة، باب ماجاء في فضل الجماعة، وباب ماجاء فيمن سمع النداء فلا يجيب، سعيد)

(وصحيح البخاري: ۱/۹۰۸، كتاب الصلوة، باب وجوب صلوة الجماعة وباب فضل صلوة الجماعة، قديمي)

(وسنن النسائي: ۱/۱۳۵، كتاب الصلوة، باب التشديد في ترك الجماعة والتخلف عن الجماعة، قديمي)

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلاالمكتوبة: ۱/۹۶، سعيد)

(۲) "الأفضل في السنن والنوافل المنزل؛ لقوله عليه السلام: "صلاة الرجل في المنزل أفضل إلا المكتوبة، ثم باب المسجد إن كان الإمام يصلي في المسجد، ثم المسجد الخارج إن كان الإمام في الداخل، والداخل إن كان في الخارج وإن كان المسجد واحداً فخلف أسطوانة، وكره خلف الصفوف بلا حائل، وأشدها كراهةً أن يصلي في الصف مخالطاً للقوم وهذا كله إذا كان الإمام في الصلوة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۱۳، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، رشيديه)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: شهد عندي رجالٌ مرضيون فيهم عمر بن الخطاب وأرضاهم عندي عمر رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاصلاة بعد=

کہتے ہیں کہ بعد نمازِ صبح طلوعِ شمس سے پہلے ان کو نہ پڑھے(۱)۔

۵- حدیث شریف میں ہے کہ ''جس کی صبح کی سنتیں چھوٹ گئی ہوں وہ طلوعِ شمس کے بعد پڑھے''(۲)۔ اس لئے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جس کی صبح کی سنتیں چھوٹ گئی ہوں وہ طلوعِ شمس کے بعد پڑھے(۳)۔ یہ حدیثیں کتبِ حدیث: آثار السنن (٤)، نصب الرایہ للزیلعی(٥)، شرح

= صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، و لا صلوة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعةً: ١/١٨٨، مكتبه إمداديه، ملتان)

"عن أبي زرّ رضي الله تعالىٰ عنه قال: .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاصلوة بعد الصبح، حتى تطلع الشمس". الحديث. (مشكوة المصابيح، ص: ٩٥، كتاب الصلوة، باب أوقات النهي، قديمي)

(وسنن النسائي: ١/٩٦، كتاب الصلوة، باب النهي عن الصلوة بعد الصبح والعصر، قديمي)

(١) "وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لكراهة النفل بعد الصبح". (ردالمحتار: ٢/٥٧، كتاب الصلوة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو فحش، باب إدراك الفريضة، سعيد)

(٢) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ماتطلع الشمس". (جامع الترمذي: ١/٩٦، أبواب الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، سعيد)

(٣) "وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح، وأما بعد طلوع الشمس، فكذلك عندهما، وقال محمد: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزوال، كما في الدرر. قيل: هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله: "أحبّ إليّ" دليلٌ على أنه لو لم يفعل لالوم عليه". (ردالمحتار: ٢/٥٧، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش، سعيد)

"وقال محمد: يقضيهما بعد طلوع الشمس قبل الزوال، وهوالمختار، فإن أبا حنيفة وأبا يوسف أيضاً لايمنعان من القضاء بعد طلوع الشمس". (العرف الشذى على حاشية جامع الترمذي: ١/٩٧، باب ماجاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر الخ، سعيد)

(٤) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس". رواه الشيخان". (آثار السنن، كتاب الصلاة باب كراهة قضاء ركعتي الفجر قبل طلوع الشمس، ص: ٢٣٤، مكتبه إمداديه ملتان)

(٥) "روى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قضى ركعتي الفجر بعد ارتفاع الشمس غداة ليلة التعريس". ثم قال المصنف والحديث و رد بقضائها، تبعاً للفرض. قلت: روى من حديث أبي قتادة و من حدثني ذى مخبر الخ" (نصب الراية لأحاديث الهداية، باب إدراك الفريضة: ٢/١٥٦، المكتبة المكية)

7

معانی الآثار (۱) اوجز المسالک (۲) بذل المجہود(۳) معارف السنن(۴) میں موجود

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان في سفر فنام عن صلوة الصبح، حتى طلعت الشمس، فأمر فأذن، ثم انتظر حتى اشتعلت الشمس، ثم أمر فأقام، فصلى الصبح". (شرح معاني الآثار، باب الصلاة عند طلوع الشمس، ص:۲۷۳، سعيد)

(۲) "مالک، أنه بلغه أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه فاتته ركعتا الفجر فقضاهما بعد أن طلعت الشمس". "وفي أوجزالمسالک ...... و أبى ذلک مالک وأكثر العلماء للنهي عن الصلاة بعدالصبح حتى تطلع الشمس، قاله الزرقاني، وقال ابن العربي: أما من لم يصلهما حتى صلى الصبح، فقال مالک: يصليهما إذا طلعت الشمس". (أوجز المسالک إلى موطأ الإمام مالک، كتاب الصلاة، باب ماجاء في ركعتي الفجر: ۳۸۲/۲، إداره تاليفات اشرفيه)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: شهد عندي رجال مرضيون فيهم عمر بن الخطاب وأرضاهم عندي عمر أن نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا صلاة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، ولا صلوة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب من رخص فيها إذا كانت الشمس مرتفعةً: ۱۸۸/۱، إمداديه ملتان)

"وقد روى كثيرٌ من الصحابة عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذلک: منهم أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها و ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، ولكن ذكر ذلک بلاغاً و لم يذكره سماعاً، فإنه قال مرةً: شهد عندي رجال ...... و مرةً قال: حدثنا غير واحد من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و على ابن أبي طالب و عائشة و معاذ بن عفراء رضي الله تعالىٰ عنهم وأبو سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه و ابن عمر و معاوية بن سفيان و أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنهم. أخرج رواياتهم الطحاوي". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، باب من رخّص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعةً: ۲۶۸/۲، معهد الخليل الإسلامي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس". و في معارف السنن: "و فيه أثر ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عند ابن أبي شيبة: "أنه صلى ركعتي الفجر بعد ما أضحى" وإسناده حسن كما في آثار السنن، و رواه مالک بلاغاً وعند الطحاوي أثر آخر عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، وعن مالک في الموطأ وابن أبي شيبة في المصنف أثر القاسم: أي ابن محمد يقول: "إذا لم أصلهما حتى أصلي الفجر، صليتهما بعد طلوع الشمس". وحديث الباب قوي صححه الحاكم في "المستدرک". (معارف السنن، أبواب الصلاة، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس: ۱۰۰/۳، سعيد)

ہیں۔ضرورت ہوتو ان سب کو حدیث پاک کے عربی الفاظ میں نقل کردیا جائے گا۔

اب غور کیا جائے جولوگ ان سنتوں کو (شرکت جماعت کی وجہ سے) بالکل چھوڑ دیتے ہیں وہ حدیث نمبر:ا کے خلاف کرتے ہیں۔جولوگ ان سنتوں میں مشغول ہوکر جماعت میں شرکت نہیں کرتے وہ حدیث نمبر:۲ کے خلاف کرتے ہیں۔جولوگ جماعت کھڑی ہوجانے پر بھی اس جگہ سنتیں پڑھتے ہیں وہ حدیث نمبر:۳ کے خلاف کرتے ہیں۔جولوگ جماعت کے بعد طلوعِ شمس سے پہلے ان سنتوں کو پڑھتے ہیں وہ حدیث نمبر:۴و۵ کے خلاف کرتے ہیں۔

حنفیہ کی تائید میں آثارِ صحابہ بہت کثرت سے منقول ہیں (۱)،جس صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنتیں بعد نماز فجر قبل طلوع الشمس پڑھتے دیکھا ان کو صریح الفاظ میں اجازت نہیں دی، ورنہ دوسرے صحابہ بھی اس اجازت پر عمل کرلیا کرتے، پس ممانعت اپنے حال پر ہے (۲)۔بعض روایات میں ہے کہ ان کو دیکھ کر اور جواب سن کر فرمایا:"فـــــلا إذاً" جس کا مطلب شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ اگر یہ سنتیں پہلے نہیں پڑھی

---

(۱) "عن أبي اسحق، قال: حدثني عبدالله بن أبي موسىٰ عن أبيه حين دعاهم سعيد بن العاص، دعا أبا موسىٰ وحذيفة وعبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهم، قبل أن يصلي الغداة، ثم خرجوا من عنده وقد أقيمت الصلوة، فجلس عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه إلى أسطوانة من المسجد، فصلى ركعتين، ثم دخل في الصلوة، فهذا عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قد فعل، ومعه حذيفة وأبو موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنهما لايُنكران ذلك عليه، فدل ذلك على موافقتهما إياه" .... "عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلوة الغداة مع ابن عمر و ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم، والإمام يصلي، فأما ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه، فدخل في الصف وأما ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما فصلى ركعتين، ثم دخل مع الإمام، فلما سلم الإمام، قعد ابن عمر مكانه حتى طلعت الشمس، فقام، فركع ركعتين، الخ". (شرح معاني الآثار للطحاوي: ۱/۲۵۷، كتاب الصلوة، باب أداء سنة الفجر، سعيد)

(۲) "وتبعه ابن حجر فقال: أي أتصلي صلوة الصبح وتصلي بعدها ركعتين وقد علمت أنه لا صلوة بعدها؟ فالاستفهام مقدرٌ للإنكار .... وثانياً لما ثبت نهي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس فسكوته عليه السلام لا يحمل على التقرير". (بذل المجهود: ۲/۲۶۴، باب من فاتته حتى يقضيها، إمداديه، ملتان)

تھیں تب بھی ان کے پڑھنے کا یہ وقت نہیں (۱)، پس اس سے استدلال کرنا اور صریح ممانعت والی حدیث کو چھوڑنا اصولاً صحیح نہیں (۲)۔

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو لکھ کر فرمایا، "إسناد هذا الحديث ليس بمتصل" یعنی اس حدیث کی سند متصل نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۲ھ۔

جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں

سوال[۳۳۰۰]: فجر کی جماعت شروع ہوجانے کے بعد نماز دو رکعت سنت پڑھتے ہیں پھر جماعت میں شریک ہوتے ہیں حالانکہ جماعت شروع ہونے اور قرأت کے بعد حکم یہ ہے کہ جماعت میں شریک ہوجائے، مگر لوگ پہلے سنت پڑھنا مقدم سمجھتے ہیں جس سے ان کی تکبیرِ اولیٰ بھی فوت ہوجاتی ہے، لیکن اگر سنت

---

(۱) "عن محمد بن إبراهيم عن جده قيس رضي الله تعالیٰ عنه قال: خرج رسول الله .... قلت: يارسول! إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر، قال: "فلا إذاً". إنّ "إذَنْ" التي هي ناصبة المضارع، ويقال: إنها من الحروف مُغيَّرةٌ من "إذا" الشرطية، ويجوز كتابتهما بالنون: أي "إذن". (جامع الترمذي مع العرف الشذي: ۱/۹۶، ۹۹، أبواب الصلوة، باب ماجاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلوة الصبح، سعيد)

(۲) "واختلف الحنفية والشافعية في مراده، فقال الحنفية: معناه: فلا تصل إذَنْ، وإن لم تصلهما، فكان قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم للإنكار".

وقال الشافعية: معناه فلا بأس إذن: أي جاز أن تصليهما، فكان للإقرار دون الإنكار، ثم إن استعمال قوله: "فلا إذَنْ" للإنكار كثير منها مافي صحيح مسلم. قال شيخنا: لما سبق إنكاره صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، فسكوته بعده لا يدل على الإذن". (معارف السنن، ص: ۹۳-۹۶، تحقيق قوله "فلا إذن" هل هو للإقرار أو للإنكار، باب ما جاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعدصلاة الصبح: ۴/۹۳، ۹۶، سعيد)

(۳) (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في من تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلاة الصبح: ۱/۹۶، سعيد)

پڑھے بغیر جماعت میں شریک ہوں تو پھر سنت کب پڑھیں جب کہ سنت کی قضا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سلسلے میں چند احادیث پر غور کرنے کی ضرورت ہے: اول: جماعت کی شرکت کے اہتمام کے متعلق، دوسرے: سنت فجر کے اہتمام کے متعلق، سوم: جماعت شروع ہوجانے پر کسی اَور نماز میں مشغول ہونے کے متعلق، چہارم: بعد نماز فجر کسی نماز نہ پڑھنے سے متعلق، پنجم: ارتفاعِ شمس کے بعد زوال سے پہلے پہلے قضاء سنت کے متعلق۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مکان سے بغیر سنتِ فجر پڑھے مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ جماعت شروع ہوچکی تو وہ غور کرے، اگر سنتیں پڑھنے سے جماعت فوت ہوجانے کا ظن ہے تو جماعت میں شریک ہوجائے، پھر طلوعِ شمس سے کچھ دیر بعد سنتیں پڑھ لے اس سے قبل نہ پڑھے، اگر سنتیں پڑھ کر شریکِ جماعت ہوسکتا ہے جماعت فوت نہیں ہوگی تو مسجد کے قریب حجرہ، سہ دری، وضوخانہ کوئی جگہ ہو تو وہاں سنتیں پڑھ لے، ایسی جگہ نہ ہو اور امام وجماعت اندرونِ مسجد ہوں تو یہ صحن مسجد میں کسی ایک طرف کسی ستون کی آڑ میں پڑھ لے، امام جماعت صحن میں ہوں اور اندرونِ مسجد کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہو کہ مرور بین یدی المصلی لازم نہ آئے تو اندر جا کر پڑھ لے، غرض صفوف سے متصل نہ پڑھے، جس قدر صفوف سے متصل پڑھے گا تو اسی قدر کراہت بھی ہوگی (۱)۔

شرح معانی الآثار میں دونوں قسم کے آثار موجود ہیں، دو صحابی مسجد میں گئے، ایک نے باب مسجد میں

---

(۱) "(وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لاشتغاله بسنتها تركها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجا إدراك ركعةفي ظاهر المذهب، وقيل التشهد (لا) يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً، وإلا تركها؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة". (الدر المختار).

"(قوله: و إلا تركها) فإن كان الإمام في الصيفي فصلاته إياها في الشتوي أخف من صلاتها في الصيفي وعكسه، وأشد ما يكون كراهةً أن يصليها مخالطاً للصف كما يفعله كثيرٌ من الجهلة". (رد المحتار، باب إدراك الفريضة: ۵۶/۲، ۵۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع لو ترك، ص: ۳۹۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، باب إدراك الفريضة: ۱۳۱/۲، رشيديه)

سنتیں پڑھی، دوسرے صحابی جماعت میں شریک ہوگئے پھر طلوع کے کچھ دیر کے بعد انہوں نے سنتیں پڑھی(۱)، اسی طرح جملہ احادیث وآثار کی رعایت ہوگی، کما لا یخفی علی من له مهارة فی الحدیث والفقه ،اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی شائع شدہ ہے جس میں تفصیل مذکور ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سنتیں پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوجائے تو کیا کرے؟

سوال[۱ ۰ ۳۳]: اگر کوئی شخص اگلی صف میں سنت یا نفل پڑھ رہا ہو اور فرضوں کی جماعت کھڑی ہوجاوے تو کیا سنت یا نفل پڑھنے والوں کی نماز نہ ہوگی، جیسا کہ مشہور ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو فاسد نہیں ہوگی، لیکن اس کو چاہیے کہ تخفیف کے ساتھ اپنی سنت ونفل پوری کرکے جماعت میں شریک ہوجاوے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۳۰ھ۔

---

(۱) "عن أبی مجلز قال : دخلت المسجد فی صلاة الغداة مع ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما وعنهم والإمام يصلی، فأما ابن عمر فدخل فی الصف، وأما ابن عباس فصلی الركعتين، ثم دخل مع الإمام، فلما سلم الإمام، قعد ابن عمر مكانه حتى تطلع الشمس، فقام فركع ركعتين. فهذا ابن عباس قد صلى الركعتين فی المسجد والإمام فی صلوة الصبح". (شرح معانی الآثار للطحاوی، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والإمام فی صلوة الفجر، ص:۲۵۷، سعيد).

(وكذا فی رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فی تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف : ۱/۳۷۸، سعيد)

(۲) مستقل رسالہ نہ مل سکا البتہ تفصیل کے لئے دیکھئے،عنوان:''جماعت شروع ہوجانے پر فجر کی سنتوں کا حکم''۔

(۳) "(وكذا سنة الظهر و) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمها أربعاً (على) القول (الراجح)؛ لأنها صلاة واحدة، وليس القطع للإكمال بل للإبطال، خلافاً لما رجحه الكمال".

(الدر المختار، باب إدراک الفريضة : ۲/۵۳، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، باب إدراک الفريضة : ۲/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، باب إدراک الفريضة : ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

اقامت کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم

سوال[۳۳۰۲]: فجر کی جماعت شروع ہوچکی ہے اب فجر کی سنت پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ایک صاحب کہتے ہیں ایسے وقت میں سنت پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں، حنفی لوگ جو ایسا کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔حدیث کے خلاف ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح معانی الآثار میں ایک جلیل القدر صحابی کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ ایسے وقت مسجد پہونچے کہ نماز فجر شروع ہوچکی تھی، انہوں نے دروازہ مسجد پر سنتیں پڑھیں پھر جاکر جماعت میں شریک ہوگئے (۱)، جو صاحب اس کو غلط کہتے ہیں شاید ان کی نظر سے یہ چیز نہ گزری ہو۔اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس میں حنفیہ کی تائید میں حدیث اور اس کے معارض سے پوری بحث کرکے مسئلہ کو بالکل صاف کردیا ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "حدثني عبد الله بن أبي موسى عن أبيه حين دعاهم سعيد بن العاص: دعا أبا موسى و حذيفة و عبد الله بن مسعود رضي الله عنهم قبل أن يصلي الغداة، ثم خرجوا من عنده و قد أقيمت الصلوة، فجلس عبد الله إلى أسطوانة من المسجد فصلى الركعتين، ثم دخل في الصلوة،، فهذا عبد الله قد فعل هذا و معه حذيفة و أبو موسى لا ينكران ذلك عليه، فدل ذلك على موافقتهما إياه".

"عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلاة الغداة مع ابن عمر و ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه والإمام يصلي، فأما ابن عمر فدخل في الصف، وأما ابن عباس فصلى الركعتين، ثم دخل مع الإمام، فلما سلم الإمام، قعد ابن عمر مكانه حتى تطلع الشمس، فقام فركع ركعتين. فهذا ابن عباس قد صلى الركعتين في المسجد والإمام في صلوة الصبح". (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والإمام في صلوة الفجر، ص:۲۵۷، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف: ۱/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع: لو ترك، ص:۳۹۷، سهيل اكيڈمی)

(۲) (لم أجد الرسالة المشار إليها، وأما التفصيل فراجع له عنوان: "جماعت شروع ہوجانے پر فجر کی سنتوں کا حکم"۔)

سنتِ فجر کی قضا

سوال[۳۳۰۲]: ۱...... کسی مقتدی کی فجر کی سنتیں باقی رہ گئیں، کیونکہ تکبیرِ اُولیٰ شروع ہوگئی اور وہ سنتیں تکبیر شروع ہونے سے پہلے ادانہیں کرسکا۔ اب جماعت ختم ہونے کے بعد وہ ان سنتوں کو جماعت کے بعد ہی ادا کرسکتا ہے، یا سورج نکلنے کے بعد ادا کرے؟

۲...... امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جماعت کے بعد سنتِ فجر کی قضا درست نہیں، سورج نکلنے کے بعد بلند ہونے پر پڑھ لے، اگرچہ سنت مؤکدہ نہ رہی:

"تقضى إذا فاتت بلا فرض بعد الطلوع قبل الزوال استحساناً؛ لأن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قضاها بعد ارتفاع الشمس"۔ مجمع الأنهر، ص:۱٤۲(۱)۔ "قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ: أحب إلیّ أن أقضیها إذا فاتت وحدها بعد طلوع الشمس قبل الزوال". کبیری، ص:۳۸۰(۲).

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، باب إدراک الفریضة: ۱/۱۴۲، دار إحیاء التراث العربی)

"عن أبی قتادة قال: خطبنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال: "إنکم تسیرون عشیتکم و لیلتکم"........ حتی اجتمعنا فکنا سبعة رکب، قال: فمال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عن الطریق فوضع رأسه ثم قال: "احفظوا علینا صلاتنا" فکان أول من استیقظ رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم والشمس فی ظهره قال: فقمنا فزعین، ثم قال: "ارکبوا" فرکبنا حتی إذا ارتفعت الشمس، نزل .... ثم أذن بالصلاة، فصلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم رکعتین، ثم صلی الغداة، فصنع کما کان یصنع کل یوم الخ" (الصحیح لمسلم، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها: ۱/۲۳۹، قدیمی)

(۲) (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، فروع: لو ترک، ص:۳۹۷، سهیل اکیڈمی)

(وکذا فی رد المحتار، باب إدراک الفریضة: ۲/۵۶،۵۷، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی قضاء السنن: ۲/۲۷۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

۲......امام کے پیچھے سورہ فاتحہ عندالحنفیہ جائز نہیں: "والمؤتم لا یقرأ، فإن قرأ کره تحریماً، بل یسمع وینصت". در مختار: ۸۱(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۸۸ھ۔

سنت فجر کو جماعت کے بعد پڑھنا

سوال[۳۳۰۴]: صبح کی سنت جماعت میں شرکت کی وجہ سے جو ترک ہو جائیں کسی مجبوری سے طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلوعِ آفتاب سے پہلے سنت قضاء پڑھنا مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی القرأة: ۱/۵۴۴، سعید)

"عن أبی موسی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: علّمنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إذا قمتم إلی الصلاة، فلیؤمکم أحدکم، وإذا قرأ الإمام، فأنصتوا". (مسند أحمد بن حنبل، حدیث أبی موسی الأشعری: ۵/۵۶۹، (رقم الحدیث: ۱۹۲۲۴)، المکتب الإسلامی بیروت)

(وسنن النسائی، باب: ﴿وإذا قرأ القرآن فأنصتوا﴾: ۱/۱۴۶، قدیمی)

(۲) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: شهد عندی رجال مرضیون فیهم عمر بن الخطاب، و أرضاهم عندی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، أن نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا صلاة بعد صلاة الصبح حتی تطلع الشمس، و لا صلاة بعد صلاة العصر حتی تغرب الشمس". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من رخص فیهما إذا کانت الشمس مرتفعةً: ۱/۱۸۸، مکتبه إمدادیه ملتان)

"(قوله: و لا یقضیها إلا بطریق التبعیة الخ) .... وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضیٰ قبل طلوع الشمس بالإجماع، لکراهة النفل بعد الصبح". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۵۷، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی، الفصل الحادی والعشرون فی التطوع قبل الفرض و بعده و فواته عن وقته وترکه: ۱/۵۱۱، المکتبه الغفاریة کوئٹه)

سنت پڑھنے کے دوران خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۳۰۵]: خطبۂ جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے کسی نے سنت شروع کردی تو اب وہ کیا کرے جب کہ خطبہ شروع ہوگیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت شروع کرنے کے بعد اگر خطبۂ جمعہ شروع ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ ہلکی ہلکی رکعتیں پوری کرکے سلام پھیردے، ایسے ہی نماز نہ توڑے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر فرض کی امامت کرانا

سوال[۳۳۰۶]: آیا امام نماز ظہر سنتیں پڑھنے سے پہلے پڑھا سکتا ہے؟ کیا نماز ہوجائے گی نماز میں تو کوئی حرج واقع نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں فرضِ ظہر ادا ہوجائیگا لیکن بلاعذر ایسا کرنا خلاف سنت ہے، کیونکہ ظہر کی چار سنتیں مؤکدہ ہیں اور ان کا وقت فرض سے پہلے ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "(وكذا سنة الظهر و) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمها أربعاً (على) القول (الراجح)؛ لأنها صلاة واحدة، و ليس القطع للإكمال بل للإبطال، خلافاً لما رجحه الكمال".

(الدرالمختار، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۴۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن شقيق قال: سالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تطوعه، فقالت كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعاً، ثم يخرج فيصلي بالناس، ثم يدخل =

ظہر سے پہلے کی چار سنت میں دو پر سلام پھیرنے کا حکم

سوال[۳۳۰۷]: ایک شخص نے سنتِ مؤکدہ ظہر کے لئے چار رکعت کی نیت باندھی کہ فرض شروع ہوگیا، وہ شخص دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہوگیا۔ اب اسے جماعت کے بعد باقی دو رکعت پڑھنا چاہئے یا دو رکعتیں تو پڑھی ہوئی نفل بن گئیں، دوبارہ چار رکعت پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں چار رکعت پڑھے، جو نیت باندھی تھی وہ دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے نفل بن گئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= فيصلي ركعتين". إلى آخر الحديث. رواه مسلم وأبوداؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب السنن وفضائلها: ۱/۱۰۴، قديمی)

"وسن مؤكداً أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، ۱/۴۲۸، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

(۱) "(وكذا سنة الظهر و) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمّها أربعاً (على) القول (الراجح)؛ لأنها صلاة واحدة، و ليس القطع للإكمال بل للإبطال". (الدر المختار، باب إدراک الفريضة: ۲/۵۳، سعيد)

"(وإن كان) قد شرع (في سنة الجمعة فخرج الخطيب أو) شرع (في سنة الظهر، فأقيمت) الجماعة (سلم) بعد الجلوس (على رأس ركعتين)، كذا روى عن أبي يوسف والإمام، (وهو الأوجه، ثم قضى السنة) أربعاً لتمكنه منه (بعد) أداء (الفرض) مع ما بعده فلا يفوت فرض الاستماع والأداء على وجه أكمل، و لا إبطال. وصحح جماعة من المشايخ أنه يتمها أربعاً؛ لأنها كصلاة واحدة". (مراقي الفلاح).

"قوله: (لأنها كصلاة واحدة) و ليس القطع للإكمال بل للإبطال صورةً و معنىً؛ إذ فيه إبطال وصف السنة لا إكمالها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب إدراک الفريضة، ص: ۲۵۱ قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، باب إدراک الفريضة: ۲/۱۲۵، رشيديه)

ظہر کی پہلی سنتیں دوسلام سے پڑھنا

سوال[۳۳۰۸]: چار رکعت سنتِ مؤکدۂ ظہر دو دو رکعت علیحدہ خواندن جائز است یا نہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......نہ "والسنة قبل فرض الظهر والجمعة و بعدها أربعٌ بتسليمةٍ، فلو صلى بتسلمتين لم يعدّ من السنة، اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۱۳۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

ظہر کی چار سنتوں کی قضاء

سوال[۳۳۰۹]: قبل از فرض ظہر چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہے، ایک شخص مقیم مسجد میں داخل ہوا اور نماز ظہر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی وہ شخص جماعت میں شریک ہو گیا۔ اب بعد فرض ادا کرنے کے وہ چار رکعت سنتِ مؤکدہ اس شخص کو بعد فرض کے پڑھنا چاہیے یا نہیں جب کہ وقت بھی باقی ہو، یا اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی؟

احقر نور الہدیٰ، یہدی اللہ بنورہ من یشآء۔

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۱۹۴، غفاریہ کوئٹہ)

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: أدمن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أربع ركعات بعد زوال الشمس فقلت: يا رسول الله! إنك تدمن هؤلاء الأربع ركعات، فقال: "يا أبا أيوب! إذا زالت الشمس، فتحت أبواب السماء، فلن ترتج حتى يصلى الظهر، فأحبّ أن يصعد لي فيهن عملٌ صالح قبل أن ترتج". فقلت: يا رسول الله! في كلهن قرأة؟ قال: "نعم" قلت: بينهن تسليمٌ فاصلٌ؟ قال: "لا، إلا التشهد". (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلاة، باب التطوع بالليل والنهار كيف هو، ص: ۲۳۱، سعيد)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، ۱۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے احناف نے فرمایا اوران کا فتویٰ ہے کہ وہ چار رکعت سنتِ مؤکدہ ضرور پڑھنا چاہئے اگر ظہر کا وقت باقی ہو، اور بوجہ شامل ہوجانے کے اگرچہ ان چار رکعت سنت مؤکدہ میں تاخیر ہوگئی لیکن وہ ہرگز ساقط نہیں ہوں گی اس کا ادا کرنا لازمی ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں اس کی تفصیل موجود ہے(۱)، فارجع إليه، أو إلى غيره وَجدتَ كما قال علمائنا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ظہر میں فرض کے بعد پہلی دو رکعت سنت پڑھی جائے یا فوت شدہ چار؟

سوال[۳۳۱۰]: قبل ظہر کی سنت اگر چھوٹ جائے، بعد فرض چار سنتوں کو پڑھے یا دو سنت اور پھر چار سنت؟ ایک معتبر شخص سے سنا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے چار سنت پڑھتے تھے پھر دو سنت اور حضرت والا کے متعلق سنا ہے کہ اس کے خلاف عمل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(ويترک سنة الظهر في الحالين): أي يدرک الفرض إن أداها أولاً (ويتم ثم قضاها قبل شفعة): أي قبل الركعتين اللتين بعد الفرض". (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة : ۱/۱۸۰، سعيد)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب آخر : ۱/۹۷، سعيد)

"(بخلاف سنة الظهر) و كذا الجمعة (فإنه يتركها) و يقتدي (ثم يأتي بها) على أنها سنة (في وقته): أي الظهر (قبل شفعه) عند محمد". (الدر المختار). "(قوله: في وقته) فلا تقضى بعده، لا تبعاً و لا مقصوداً بخلاف سنة الفجر". (ردالمحتار، باب إدراک الفريضة : ۲/۵۸، سعيد)

(۲) "(وبخلاف سنة الظهر ، فإنه) إن خاف فوت ركعة .... (ثم يأتي بها) (في وقته) و به يفتي". (الدرالمختار) "(قوله : به يفتي) أقول: وعليه المتون ، لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين، قال في الإمداد : و في فتاوى العتابي : إنه المختار ، و في مبسوط شيخ الإسلام : إنه الأصح لحديث =

امام کا مصلیٰ پر ہی سنن ونوافل پڑھنا

سوال[۳۳۱۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ امام کو مصلّی پر جماعت کی نماز پڑھانے کے بعد خود کی سنت ونوافل پڑھنا مکروہ فعل ہے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک قول یہ بھی ہے مگر غیر مفتی بہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں سنت کا ادا کرنا

سوال[۳۳۱۲]: گھروں میں جو مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں آیا ہے اس میں نمازِ اوابین وتہجد وغیرہ بھی پڑھی جائے یا پنجگانہ سننِ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ اور نفل بھی پڑھنی چاہیے؟

= عائشة رضي الله تعالىٰ عنها "أنه عليه الصلوة والسلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر، يصليهن بعد الركعتين. وهو قول أبي حنيفة، وكذا في جامع قاضي خان". (ردالمحتار، باب إدراك الفريضة: ۵۸/۲، ۵۹، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر، صلاهن بعدها". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب آخر: ۹۷/۱، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في التطوع قبل الفرض و بعده الخ: ۵۱۲/۱، غفاريه كوئٹه)

(۱) "اصل علت ارتفاع اشتباہ ہے اور یہ بہتر ہے کہ بصورت اشتباہ علیحدہ ہو کر سنن ونوافل پڑھے لیکن اگر اس مصلی پر پڑھے تو یہ بھی درست ہے"۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، باب مسائل سنن مؤکدہ: ۲۱۲/۴، مکتبہ امدادیہ)

"و يكره للإمام التنفل في مكانه لا المؤتم". (الدرالمختار). "(قوله: ويكره الخ)، بل يتحول وكذا يكره مكثه قاعداً في مكانه مستقبل القبلة في صلاةٍ لا تطوعَ بعدها، والكراهة تنزيهية كما دلت عليه عبارة الخانية، وقال: لأن المقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه: أي اشتباه أنه في الصلاة".

(ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۵۳۱/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير صفة الصلاة، ص: ۳۴۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ سنن مؤکدہ خاص کر قبلیہ بھی مکان پر پڑھیں، لیکن اگر فوت ہونے کا احتمال ہو تو مسجد میں پڑھیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : "اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم، و لا تتخذوها قبوراً". (صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب التطوع فی البیت : ۱/۱۵۸، قدیمی)

"عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أفضل صلاتكم فی بیوتكم إلا المكتوبة". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی فضل صلاة التطوع فی البیت: ۱/۱۰۲، سعید)

"(قوله والأفضل فی النفل الخ) وأخرج أبو داود: "صلاة المرء فی بیته أفضل من صلاته فی مسجدی هذا، إلا المكتوبة". و تمامه فی شرح المنیة، و حیث كان هذا أفضل یراعی مالم یلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبیته، أو كان فی بیته ما یشغل باله و یقلل خشوعه، فیصلها حینئذٍ فی المسجد؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۲/۲۲، سعید)

الفصل الثانی فی سنن غیر مؤکدة

(سننِ غیر مؤکدہ کا بیان)

مغرب، عشاء، ظہر کے بعد کی نفلیں

سوال[۳۲۱۳]: مغرب، عشاء اور ظہر کے بعد عوام دو، دو رکعت نماز نفل پڑھتے ہیں، کیا اس کی بھی اصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت بھی ثابت ہیں، چار بھی ثابت ہیں، چھ بھی اور مغرب میں بیس تک بھی ثابت ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی فی أثر کل صلاة مکتوبة رکعتین، إلا الفجر والعصر". (سنن أبی داؤد، باب من رخص فیهما إذا کانت الشمس مرتفعةً: ۱۸۱/۱، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

"عن عنبسة بن أبی سفیان قال: قالت أم حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من حافظ علی أربع رکعات قبل الظهر و أربع بعدها، حرم علی النار". (سنن أبی داؤد، باب الأربع قبل الظهر وبعدها: ۱۸۷/۱، مکتبہ إمدادیہ ملتان)

"عن شریح بن هانئ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قال: سألتها عن صلاة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقالت: ما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم العشاء قط، فدخل علیّ، إلاصلّی أربع رکعات أو ست رکعات". الحدیث. (سنن أبی داؤد، باب الصلاة بعد العشاء: ۱۹۲/۱، إمدادیہ)

"وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من =

ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد دو نفلیں

سوال[۳۳۱۴]: بعض لوگ دو رکعت نفل بعد سنتِ ظہر اور دو نفل بعد سنتِ مغرب اور دو نفل بعد سنتِ عشاء کے پڑھتے ہیں، جو نہیں پڑھتے ان پر اعتراض کرتے ہیں، نہ پڑھنے والے کہتے ہیں کہ ان نوافل کا ثبوت حدیث وفقہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا ثبوت مدلل تحریر فرماویں۔

سائل: رشید احمد، سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوافل مذکورہ کا ثبوت کتب معتبرہ سے ہے:

فی المراقی :"ومنها ركعتان بعد الظهر يندب أن يضمّ إليهما ركعتين فتصير أربعاً".

قال الطحطاوی: "وهو مخيّر إن شاء جعلها بسلام واحد، وإن شاء جعلها بسلامين، اهـ"(۱)۔

بعد مغرب روایات میں دو نفلیں بھی ہیں، چار بھی چھ بھی حتی کہ بیس بھی وارد ہیں:

"عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من صلى أربع ركعات بعد المغرب قبل أن يكلم أحداً، رُفعت له فی عليين، وكان كمن أدرك ليلة القدر فی المسجد الأقصیٰ، وهو خيرٌ من قيام نصف ليلة". الحديث(۲) كبيری: ص: ۳۳٤ (۳)۔

وفی المبسوط:"وإن تطوع بعد المغرب بست ركعات، فهو أفضل"(٤) وفی الطحطاوی: "عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من صلى بعد المغرب

= صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بسوءٍ، عُدِلنَ له بعبادة ثنتی عشرة سنةً".

"وعن عائشة عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم قال: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعةً، بنی اللّٰه له بيتاً فی الجنة". (سنن الترمذی، باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب : ۹۸/۱، سعيد)

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بيان النوافل، ص:۳۸۸، ۳۹۰، قديمی)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بيان النوافل، ص:۳۸۸، ۳۹۰، قديمی)

(۳) (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، ص:۳۸۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) (المبسوط للسرخسی، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة: ۱۴۵/۱، مكتبه حبيبية، كوئٹه)

7

عشرين ركعةً، بَنى الله له بيتاً في الجنة"(١)۔

درمختار میں ہے: "ويستحب أربع قبلَ العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة، وإن شاء ركعتين، وكذا بعدالظهر لحديث الترمذي: "من حافظ على أربع قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله على النار". و ست بعد المغرب ليكتب من الأوابين بتسليمة أو ثنتين أو ثلاث، والأول أدوم وأشق. و هل تحسب المؤكدة من المستحب، ويؤدى الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال: نعم"۔ قال الشامي تحت: "(قوله: وإن شاء ركعتين): كذا عبر في منية المصلي و في الإمداد عن الاختيار، يستحب أن يصلي قبل العشاء أربعاً، وقيل: ركعتين وبعدها أربعاً، وقيل: ركعتين اهـ. والظاهر أن الركعتين المذكورتين غيرالمؤكدتين. و قال تحت: "(قوله اختار الكمال: نعم) ذكر الكمال في فتح القدير أنه وقع اختلاف بين أهل عصره في أن الأربع المستحبة هل هي أربع مستقلةبغير ركعتي الراتبة أو أربع بهما؟ وعلى الثاني هل تؤدى معهما بتسليمة واحدة أولا؟ فقال جماعة: لا، و اختار هو أنه إذا صلى أربعاً بتسليمة أو تسليمتين، وقع عن السنة والمندوب، الخ"(٢)۔

لہٰذا نوافلِ مذکورہ کا انکار ناواقفیت پر مبنی ہے، البتہ نوافل ومستحبات کے ساتھ واجبات کا سا معاملہ کرنا ناجائز اور بُرا ہے اس سے اجتناب چاہئے اور ایسی حالت میں کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہئے اور ان نوافل کے نہ پڑھنے والوں پر اعتراض نہ کرنا چاہئے، کیونکہ ان کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے اور نہ پڑھنے سے کوئی عذاب نہیں ہوتا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ محرم الحرام/ ۵۳ھ۔

---

(١) (حاشية الطحطاوي، فصل في بيان النوافل، ص: ٣٨٨-٣٩٠، قديمي)

(٢) (رد المحتار على الدر المختار، باب الوتروالنوافل: ٢/١٣، ١٤، سعيد)

(٣) قال الملا على القاري: "قال الطيبي: و فيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعةٍ أو منكر، و جاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "إن الله عزوجل يحب أن تؤتى رُخَصُه، كما يحب أن تؤتى عزائمه".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ٣/١، ٣١، رشيديه)

نوافل مغرب میں اوابین کی نیت

سوال[۳۳۱۵]: مغرب کے وقت سنتوں کے بعد دو رکعت نفل کی نیت اگر وقتِ مغرب کر کے کی جاوے تو ٹھیک ہے۔ یا اوابین کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقت مغرب ٹھیک ہے گو ضروری نہیں:"وکفی مطلق نیة الصلوة کنفل و سنة". درمختار مع ردالمحتار (۱)۔فقط۔

اوابین کی تعداد

سوال[۳۳۱۶]: اوابین کی چھ رکعتیں دو نفل مغرب کے علاوہ ہیں یا ان سمیت؟ اگر نفلِ مغرب سمیت ہیں تو کیا اوابین کی چار رکعتیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مراقی الفلاح کی ایک روایت میں چار نفل بھی مذکور ہیں، اس لحاظ سے دونوں ملا کر چھ ہو جائیں گی، عام روایت میں چھ ہیں اور دو سنتِ مؤکدہ مستقل ہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

= (وكذا في السعاية للكنوى، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعيد)

"قوله: (ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح) أما في النفل فمتفق عليه؛ لأن مطلق الصلاة ينصرف إلى النفل؛ لأنه الأدنى، فهو متيقن، والزيادة مشكوك فيها، و لا فرق بين أن ينوى الصلاة أو الصلاة لله؛ لأن المصلي لا يصلي لغير الله". (البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۸۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۲۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أنه عليه السلام قال: "من صلى أربع ركعات بعد المغرب قبل أن =

عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

سوال[۳۳۱۷]: عشاء سے پہلے جو چار رکعت سنت سمجھ کر لوگ پڑھتے ہیں یہ سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ ان کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا نہیں؟ میں نے سنا ہے کہ ان کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صراحۃً اس کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا، اس کو سنتِ مؤکدہ کہنا صحیح نہیں، ایک روایت عمومی ہے کہ ہر دو اذان واقامت کے درمیان نماز ہے، اس عام روایت کے ذیل میں یہ سنتیں بھی داخل ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۳ھ۔

= يتكلم أحداً، رُفعت له في عليين، وكان كمن أدرك ليلة القدر في المسجد الأقصىٰ، وهو خيرٌ له من قيام نصف ليلة".

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى ست ركعات بعدالمغرب قبل أن يتكلم، غفرله بها ذنوبُ خمسين سنةً". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۹۰، قديمي)

"وعن أبي هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بسوءٍ، عُدِلن له بعبادة ثنتي عشرة سنةً". (سنن الترمذي، باب ما جاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۹۸/۱، سعيد)

(۱) "عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "بين كل أذانين صلاةٌ، بين كل أذانين صلاةٌ، ثم قال في الثالثة: لمن شاء" رواه البخاري".

"قوله: عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه" .... قال المؤلف: "الأول: يفسره الثاني: أي يبين قدر ركعات الصلاة، فثبت بمجموعتها الترغيب في الركعتين قبل كل صلاة مفروضة، فتستحب الركعتان قبل العشاء، وفي "غنية المستملي": وأما الأربع قبلها(أي قبل العشاء) فلم يذكر في خصوصها حديث لكن يستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حديث عبد الله بن مغفل الخ .... فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب، لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ؛ لأنها الأفضل عنده". (إعلاء السنن، باب النوافل والسنن: ۱۶/۷، إدارة القرآن كراچي)

عشاء سے قبل سنت

سوال[۳۳۱۸]: فرض عشاء سے قبل عام طور پر چار رکعت بہ نیت سنت لوگ پڑھتے ہیں، سنت مؤکدہ تو یہ ہے نہیں، آیا سنتِ غیر مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو سنت کی نیت کرکے پڑھی جاوے یا نفل کی تاکہ عوام مستفید ہوسکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نماز سنتِ غیر مؤکدہ ہے، اس کو نفل بھی کہتے ہیں، نیت دونوں طرح کی جاسکتی ہے، شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عشاء سے پہلے سنت کی رکعات کی تعداد

سوال[۳۳۱۹]: عشاء کی نماز میں جو چار رکعت سنت پہلے پڑھی جاتی ہے، وقت کم ہونے کی بنا پر چار کے بجائے صرف دو رکعت پڑھ لی جائیں تو درست ہیں یا نہیں؟ اگر حوالہ دے دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ یہاں پر جاہلوں کی آبادی ہے تاکہ ان کو سمجھا سکوں۔

ڈاکٹر عقیل احمد مشک آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ نہیں بلکہ یہ مستحب ہیں، دو پڑھ لے تو یہ بھی کافی ہے۔

"و یستحب أن یصلی قبل العشاء أربعاً، و قیل: رکعتین". درمختار (۲)، مگر چار میں زیادہ ثواب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "و کفی مطلق نیة الصلاة وإن لم یقل لله (لنفل و سنة) راتبة (وتراویح) علی المعتمد". (الدر المختار). "(قوله: وکفی الخ): أی بأن یقصد الصلاة بلاقید نفل أو سنة أو عدد. (قوله: لنفل) هذا بالاتفاق (قوله: و سنة ولو سنة فجر". (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۸۴، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۲۶۲ دار الکتب العلمیة)

(۲) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۳، سعید) ....=

عشاء سے پہلے چار سنت

سوال[۳۳۲۰]: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اذان واقامت کے بیچ میں نماز ہے''۔ کہا یہ جاتا ہے کہ عشاء کی چار سنتیں فقہاء نے اس حدیث کی بنا پر داخل کی ہیں (۱)۔ کیا اس حدیث شریف کی بنا پر کسی سنت کا جب کہ نماز کا وقت ہو چکا ہو، اذان کے قبل پڑھنا غیر افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا جس سے یہ سنتیں ثابت کی جاتی ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "قوله :(ولم ينقلوا حديثاً فيه بخصوصه) نقل في الاختيار "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنه عليه السلام كان يصلي قبل العشاء أربعاً، ثم يصلي بعدها أربعاً، ثم يضطجع". ونقله عنه أيضا في إمداد الفتاح ثم قال: وذكر في المحيط إن تطوع قبل العصر باربع وقبل العشاء بأربع فحسن؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يواظب عليها". (منحة الخالق هامش البحر الرائق، باب الوتر والنوافل : ۸۸/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل : ۴۳۳/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة : لمن شاء" رواه البخاري".

(۲) قوله : "عن عبد الله بن مغفل رضى الله تعالىٰ عنه .... قال المؤلف : الأول: يفسره الثاني: أي يبين قدر ركعات الصلاة ، فثبت بمجموعتها الترغيب في الركعتين قبل كل صلاة مفروضة، فتستحب الركعتان قبل العشاء ، وفي غنية المستملي: وأما الأربع قبلها(أي قبل العشاء) فلم يُذكر في خصوصها حديث، لكن يستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حديث عبد الله بن مغفل الخ .... فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب ، لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ؛ لأنها الأفضل عنده". (إعلاء السنن، باب النوافل والسنن : ۱۶/۷، ادارة القرآن كراچى)

عشاء سے پہلے چار رکعات

سوال[۳۳۲۱]: ایک حدیث کی تلاش میں چند ماہ گزر گئے مگر دستیاب نہ ہوسکی، حدیث عشاء کی چار رکعت کے بارے میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشاء کی چار فرض سے پہلے چار رکعت سنت پڑھی ہے تو کتنی مرتبہ؟ آپ نے پڑھی، نفسِ پڑھنے کا بھی ثبوت مل جائے تو زہے قسمت۔ وہ حدیث نقل فرما کر کرم فرمائی کریں گے۔

مولانا عبدالحنان صاحب دارالعلوم چھاپی بناس کانٹھا، گجرات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء سے پہلے چار سنت کا پڑھنا یا فرمانا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھا، ہر دو اذان کے درمیان نماز کا ہونا ضرور حدیث شریف میں موجود ہے، اس عموم میں نمازِ عشاء بھی داخل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۷/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

عشاء سے قبل چار رکعت

سوال[۳۳۲۲]: قبل العشاء چار رکعت سنت کے بارے میں حضور والا کی رائے معلوم ہوئی، حضور والا سے مراجعت کے بعد ہدایہ کے حاشیہ پر مندرجہ ذیل عبارت نظر آئی، ارسالِ خدمت کر رہا ہوں کہ صحیح اور سقم کا حق حضور والا ہی کو حاصل ہے اگرچہ مرارا حضرت کی نظر پڑی ہوگی:

"سنن سعید بن منصور من حدیث البراء رفعه: "من صلی قبل العشاء أربعاً، کان کأنما تهجد من لیلة، ومن صلاهن بعد العشاء کمن صلاهن من لیلة القدر". أخرجه البیقهی من حدیث عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها موقوفاً، وأخرجه الدار قطنی والنسائی موقوفاً علی کعب".

هدایة، ص: ۱۲۹، حاشیة الداریه(۲).

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "عشاء سے پہلے چار سنت")

(۲) (الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة، باب النوافل: ۱/۱۴۹، مکتبه شرکة علمیه)

البتہ نصب الرایۃ میں قبل العشاء کے بجائے قبل الظہر ہے، دیکھئے: (نصب الرایۃ: ۲/۱۳۹)

حضرت والا! نسائی میں روایت نظر نہیں آئی، دیگر کتابیں نصیب ہی نہیں کہ تلاش کروں۔ اب ۸/شعبان کو فرصت ہورہی ہے، اس لئے گھر کا پتہ جوابی پوسٹ کارڈ پر درج ہے، امید ہے بے ادبی معاف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء سے قبل چار رکعت پڑھنے کی روایت کتب حدیث میں مجھے نہیں ملی، آپ کے فرستادہ حوالہ کو میں نے تلاش کیا، متونِ حدیث میں کہیں نہیں پایا۔ فقہاء ومحدثین نے لکھا ہے:

"وأما الأربع قبل العشاء، فذكروا في بيانه إن لم يثبت أن التطوع بها من السنن الراتبة، فكان حسناً؛ لأن العشاء نظير الظهر في أنه يجوز التطوع قبلها وبعد ها، كذا في البدائع. ولم ينقلوا حديثاً فيه بخصوصه لاستحبابه". بحر الرائق: ۲/۵۰(۱).

البتہ حاشیۃ البحر میں بحوالہ الاختیار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے: "انه عليه الصلوة والسلام كان يصلي قبل العشاء أربعاً، اه". ص: ۳۱۵ (۲).

ایک نقل کردہ عبارت میں قبل العشاء کے بجائے قبل الظہر ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

"وهوما عزى إلى سعيد بن منصور من حديث براء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من صلى قبل الظهر أربعاً كان كأنما تهجد من ليلة، ومن صلاً هن بعد العشاء كمن صلاهن من ليلة القدر". رواه البيهقي من قول عائشة، والنسائي والدار قطني من قول كعب"(۳).

---

(۱) (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۸۸/۲، رشيديه)

(۲) (البحرالرائق، المصدر السابق)

(۳) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل: ۴۴۲/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي)

(وكذا في كنز العمال، سنة الظهر من الإكمال، أوقات الصلاة مفصلة على الترتيب: ۳۷۹/۷، البلاغة، بيروت)

الحاصل قبل العشاء چار سنت کا ذکر کتب حدیث میں نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۳ھ۔

عشاء سے قبل اور بعد سنت

سوال [۳۳۲۳]: ۱.....عشاء کی فرض سے قبل عام طور سے لوگ ۴/ رکعت بہ نیت سنت ادا کرتے ہیں، کتب احادیث میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟

کبیری کی عبارت سے تو اس کی سند نہیں ملتی، ملاحظہ ہو:"و ذکر فی المحیط: أن التطوع قبل العصر بالأربع، وقبل العشاء، فحسن؛ لأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لم یواظب علیهما، أما عدم مواظبته علیه السلام علی ماقبل العشاء فمقرر، بل لم یرو أنه صلاها فضلاً عن المواظبة". کبیری، ص: ۳۸۸ (۲)۔ "أما الأربع قبلها، فلم یذکر فی خصوصها". أیضاً، ص: ٤٣٤ (۳)۔ اور اسی پر میرا عمل ہے لہٰذا اگر اس کی کوئی اور سند ہو تو تحریر فرمائیں۔

۲.....وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے یا کھڑا ہو کر پڑھنا سنت ہے، مشکوۃ شریف کی حسب ذیل عبارت پر میرا عمل ہے۔ اب حضرت والا مستند حدیث تحریر فرمائیں:

۱-"عن أبی أمامة رضی اللہ تعالی عنه أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یصلی ما بعد الوتر، و هو جالس یقرأ فیهما: ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ و ﴿قل یأیها الکافرون﴾"۔

۲-"عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین". رواه الترمذی، وزاد ابن ماجة: "خفیفتین و هو جالس"۔

---

(۱) البتہ کتب فقہ میں ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی نے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أنه علیه الصلاة والسلام کان یصلی قبل العشاء أربعاً، ثم یصلی بعدها أربعاً، ثم یضطجع". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بیان النوافل، ص: ۳۹۰، قدیمی)

(۲) (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۸، سهیل اکیڈمی)

(۳) (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۵، سهیل اکیڈمی)

۳–"وعن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يوتر بواحد، ثم يركع ركعتين يقرء فيهما و هو جالس"(۱)۔

حضور والا! آپس میں بہت اختلاف ہورہا ہے، فتنہ وفساد کا خوف ہے، اس لئے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بحوالہ کتب مستند اور ٹھوس تحریر فرمائیں، تاکہ مصالحت ہوجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......عشاء سے قبل چار رکعت کا ثبوت تلاش کے باوجود حدیث شریف میں نہیں ملا، درایۃ ہدایہ کے بعض نسخوں پر حاشیہ پر مطبوع ہے اس میں روایت موجود ہے مگر اس میں وہم ہے کہ اصلی روایت ظہر سے قبل کے متعلق ہے مگر اس میں عشاء سے قبل بھی بیان کردیا گیا ہے یہ اضافہ "عشائهم" ہے، اس وجہ سے یہ اضافہ نصب الرایہ، فتح القدیر وغیرہ میں موجود نہیں۔ صاحبِ کبیری تلمیذ ہیں صاحبِ فتح القدیر کے۔ سنن وجوامع ومعاجم میں بھی کہیں نہیں ملا اس وجہ سے عموماً "بين كل أذانين صلوة" سے استدلال کرتے ہیں(۲)۔

۲......عادتِ مبارکہ عام طور پر یہ تھی کہ شب کا ایک حصہ گزرنے کے بعد بیدار ہوکر طویل تہجد پڑھتے، مثلاً سورۂ بقرہ، آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ چار رکعت میں پڑھتے، کبھی ان چاروں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے حتی کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا، پھٹن ظاہر ہوجاتی، پھر وتر ادا فرماتے اس کے بعد دو رکعت جالساً پڑھتے، کبھی یہ دو رکعت بحالت قیام شروع کی اور قدرے قرأت کرکے بیٹھ گئے پھر بقیہ قرأت طویلہ پڑھ کر

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب القنوت، الفصل الثالث، ص: ۱۱۳، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم "بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة"، ثم قال في الثالثة :"لمن شاء". رواه البخاري".

قوله : "عن عبد الله بن مغفل رضي الله تعالیٰ عنه .... قال المؤلف : "الأول يفسره الثاني: أي يبين قدر ركعات الصلاة، فثبت بمجموعها الترغيب في الركعتين قبل كل صلاة مفروضة، فتستحب الركعتان قبل العشاء. وفي غنية المستملي: وأما الأربع قبلها(أي قبل العشاء) فلم يُذكر في خصوصها حديثٌ، لكن يستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حديث عبد الله بن مغفل الخ، فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب ، لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ؛ لأنها الأفضل عنده". (إعلاء السنن، باب النوافل والسنن : ۱۶/۷، إدارة القرآن كراچي)

کھڑے ہوکر رکوع کیا۔ اس سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل داعیہ تو کھڑے ہوکر ہی پڑھنے کا تھا، لیکن تعب وضعف کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھتے تھے، اس طریقے کو اختیار کرنے میں پورا اتباع ہے۔ علاوہ ازیں صلوۃ قائماً کا اجر دو چند ہونا احادیث میں موجود ہے اور بعد وتر کی دو نفلوں کا استثناء نہیں ہے، نیز حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بیٹھ کر ادا فرمانے میں بھی وہی اجر ہے جو کھڑے ہوکر پڑھنے میں ہے، یہ خصوصیت ہے:

"عن ابن عمر و بن العاص رضى الله تعالى عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة الرجل قاعداً نصف الصلوة" فأتيته فوجدته يصلى جالساً، فوضعت يدىّ على رأسه. وفى روايةٍ: فوضعت يدىّ على رأسى فقال: "مالَك يا عبد الله بن عمرو!"؟ قلت: حُدِّثتُ أنك قلت: "صلوة الرجل قاعداً على نصف الصلوة". وأنت تصلى قاعداً؟ قال: "ولكنى لست كأحدكم". مالك (١) والنسائى (٢) ومسلم (٣) وأبو داؤد بلفظهما، الخ(٤)"۔

"(عائشة رضى الله تعالىٰ عنها) سئلت كيف كان يصنع رسول الله فى الركعتين وهو جالس؟ قالت: كان يقرأ فيهما، فإذا أراد أن يركع قام فركع" وفى أخرىٰ: "كان يصلى جالساً فيقرأ جالساً، فإذا بقى نحو ثلثين أو أربعين آيةً، قام فقرأهن قائماً، ثم ركع، ثم سجد، ففعل فى الركعة الثانية مثل ذلك، فإذا قضى صلوته، فإن كنتُ مستيقظةً يحدث معى، وإن نائمةً اضطجع للسنة". جمع الفوائد: ١/٧٤ (٥)۔

---

(١) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "صلوة أحدكم وهو قاعد مثل نصف صلوته وهو قائم". (مؤطا الإمام مالک، کتاب صلوة الجماعة، فضل صلوة القائم على القاعد، ص: ۱۱۹، میر محمد کتب خانه)

(۲) (سنن النسائى، کتاب قيام الليل وتطوع النهار، فضل صلوة القائم على صلوة القاعد: ۱/۲۴۵، قديمى)

(۳) (الصحيح لمسلم، کتاب المسافرين وقصرها: ۱/۲۵۳، قديمى)

(۴) (سنن أبى داؤد، كتاب الصلوة، باب فى صلوة القاعد: ۱/۱۴۴، إمداديه ملتان)

(۵) (جمع الفوائد، كتاب الصلوة، كيفية الصلوة وأركانها: ۱/۱۹۳، (رقم الحديث: ۱۳۵۴، ۱۳۵۵)، إدارة القرآن كراچى)

بایں ہمہ اگر کوئی شخص محض اتباع کی نیت سے بیٹھ کر ہی پڑھے اور دو چند ثواب سے قطع نظر کرے تو کیا بعید ہے کہ اتباع کا ثواب بھی زیادہ ہو جائے؛ لأن "الأعمال بالنیات" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عصر کے وقت سنت ونفل

سوال[۳۳۲۴]: عصر کی سنتیں پڑھنے کے بعد نوافل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سنتیں بھی نوافل ہی ہیں کیونکہ غیر مؤکدہ ہیں، جس قدر دل چاہے پڑھے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سنن غیر مؤکدہ میں چار کی نیت

سوال[۳۳۲۵]: سنن غیر مؤکدہ میں چار کی نیت کی اور قیام جماعت عصر کی بنا پر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو وہ چار جو اپنے ذمے واجب کر لی تھیں ان کا کس وقت اتمام ضروری ہے، یا مسنون ہے، یا دو پڑھنے سے ساقط ہو گئیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض چار کی نیت کر کے شروع کرنے سے چار واجب نہیں ہوئیں، دو ہی واجب ہوئیں، جب دو پر

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب کیف کان بدء الوحی: ۲/۱، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :"رحم اللہ امرءً صلی قبل العصر أربعاً".

"وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یصلی قبل العصر رکعتین". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة قبل العصر: ۱۸۷/۱، إمدادیه)

"(قوله: ویستحب أربع قبل العصر) لم یجعل للعصر سنةً راتبةً؛ لأنه لم یذکر فی حدیث عائشة المارّ، بحر. قال فی الإمداد: و خیّر محمد بن الحسن والقدوری المصلی بین أن یصلی أربعاً أو رکعتین قبل العصر لاختلاف الآثار". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۱۳/۲، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۲۹/۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

سلام پھیر دیا تو واجب ادا ہو گیا اس کے لئے دوا ور پڑھنا لازم نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عین اذان کے وقت تحیۃ الوضوء

سوال [۳۳۲۶]: اگر کوئی شخص ایسے وقت جامع مسجد میں پہونچتا ہے کہ اذان ہو رہی ہے، اس وقت تحیۃ المسجد کی نیت کر کے نماز شروع کر سکتا ہے یا اذان کے ختم کا انتظار کر کے پڑھے؟ اسی طرح اگر کوئی وقتِ ظہر کے شروع ہو جانے کے بعد اذان سے پہلے مسجد میں پہونچتا ہے تو سُنّتوں کو پڑھ سکتا ہے یا اذان کے بعد ہی پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحیۃ المسجد پڑھنے کے لئے بیٹھ کر ختمِ اذان کا انتظار کرے (۲)۔ جب ظہر کا وقت شروع ہو گیا تو سنتوں کا پڑھنا درست ہوگا اگر چہ اذان نہ ہوئی ہو (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: لأن كل شفع منه صلاة)، فإذا قام إلى شفع آخر، كان بانياً صلاةً على تحريمة صلاة، و من ثمة صرحوا بأنه لو نوى أربعاً، لا يجب عليه بتحريمتها سوى الركعتين في المشهور عن أصحابنا ، وأن القيام إلى الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة". (رد المحتار، مطلب: كل شفع من النفل صلاة : ۱/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل : ۱/۴۳۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، ما يفعل المنفرد إذا أقيمت الصلاة : ۱/۲۵۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "(ويجب) وجوباً ...... (من سمع الأذان بأن يقول) بلسانه كمقالته الخ". (الدر المختار : ۱/۳۹۶، ۳۹۷، باب الأذان، سعيد)

"وليسن تحية المسجد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار : ۲/۱۸، مطلب في تحية المسجد، باب الوتر والنوافل، كتاب الصلوة، سعيد)

(۳) "(وهو سنة مؤكدة للفرائض في وقتها ولو قضاءً، لا) يسنّ (لغيرها) كعيد". (الدر المختار). "(قوله: لايسن لغيرها): أي من الصلوات .... (وقوله: كعيد) أي ووتر وجنازة .... وسنن رواتب". (رد المحتار: ۱/۳۸۴، ۳۸۵، باب الأذان، سعيد)

تحیۃ الوضوء میں مختلف نفل نمازوں کی نیت

سوال[۳۳۲۷]: تحیۃ الوضوء میں استغفار، حاجت وغیرہ کا تعدد نیات جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قال الحنفية: إما أن يكون الجمع بين العبادتين في الوسائل أو في المقاصد، فإن كان في الوسائل فإن الكل صحيح، كمالو اغتسل الجنب يوم الجمعة للجمعة ولرفع الجنابة، ارتفعت جنابته، وحصل له ثواب غسل الجمعة، ومثله لو نوى الغسل للجمعة والعيد فإنهما يحصلان. وإن كان في المقاصد، فإما أن ينوي فرضين أو نفلين أو فرضاً ونفلاً .... وأما إذا نوى نافلتين، كما إذا نوى بركعتي الفجر التحية والسنة، أجزأت عنهما". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۱۸۵، ۱۸۶، مقدمة ضرورية عن الفقه، المطلب الثاني عشر: النية والباعث في العبادات، رشيديه)

الفصل الثالث فی النوافل

(نوافل کا بیان)

دن میں دودونفل کی نیت باندھے یا چار کی؟

سوال[۳۳۲۸]: اگر کوئی شخص دن میں نوافل پڑھے اس کو کتنی کتنی رکعت کی نیت باندھنی چاہئے، دو دو کی یا چار چار کی اور مغرب کے وقت یا مغرب کے بعد نوافل پڑھی جائیں تو کتنی کتنی نیت باندھنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دن اور رات میں ہر طرح اختیار ہے کہ دو دو کی نیت باندھے یا چار چار کی (۱)، امام صاحب کے نزدیک چار چار کی افضل ہے، صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دودو کی افضل ہے، بعض فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ دن میں چار سے زائد ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے، رات میں آٹھ تک کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضي الله عنها كيف كانت صلوة رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في رمضان؟ قالت: ماكان يزيد في رمضان و لا في غيره على إحدى عشر ركعةً، يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن و طولهن، ثم يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن و طولهن، ثم يصلي ثلاثاً. فقالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: فقلت: يا رسول الله! أتنام قبل أن توتر؟ فقال: "يا عائشة! إن عيني تنامان و لا ينام قلبي". (الصحيح للإمام مسلم، باب صلوة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۵۴، قديمي)

"إن عبد الله بن عمر قال: إن رجلاً قال: يا رسول الله! كيف صلاة الليل؟ قال: مثنى مثنى، فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدة". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب كيف صلوة الليل و كيف كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي بالليل: ۱/۱۵۳، قديمي)

(۲) "(وتكره الزيادة على أربع في نفل النهار، وعلى ثمان ليلاً بتسليمة)؛ لأنه لم يرد، (والأفضل فيهما =

چار رکعت نفل کی نیت کر کے دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا دو رکعت کی قضاء لازم ہے؟

سوال[۳۳۲۹]: اگر ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی تو وہ دو ہی رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو گیا تو دو رکعت کی قضاء لازم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار رکعت نفل کی نیت کرنے سے چاروں لازم نہیں ہوئی، صرف دو لازم ہوئی، لہٰذا دو پر سلام پھیرنے سے دوسری دو کی قضاء لازم نہیں، بغیر لازم سمجھے اگر پڑھے گا تو اجر ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دو دو رکعت نفل کی قضاء چار رکعت سے

سوال[۳۳۳۰]: (الف) اگر کسی شخص نے بہت رکعت نماز، دو رکعت کر کے پڑھنا شروع کیں مگر توڑ دی تو اگر ایک دفعہ چار چار، یا آٹھ کی نیت سے قضاء کر لیوے تو درست ہے یا نہیں؟

(ب) اسی طرح اگر چار نفل یا سنن غیر مؤکدہ اکٹھے پڑھے مگر بعد میں فساد ظاہر ہوا، یا چار رکعت نماز کی نذر کی مگر اداء دو دو کی تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

= الرباع بتسليمة) وقالا: في الليل المثنى أفضل، قيل: و به يفتى". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۵، ۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۳، رشيديه)

(۱) "نعم اعتبروا كون كل شفع عليحدة في حق القرآءة احتياطاً، وكذا في عدم لزوم الشفع الثاني قبل القيام إليه، لتردده بين اللزوم و عدمه، فلا يلزم بالشك، و لذا يقطع على رأس الشفع إذا أقيمت الصلوة أو خرج الخطيب". (ردالمحتار، مطلبٌ: قولهم: كل شفع من النفل صلاة ليس مفرداً: ۲/۱۷، سعيد)

"قوله: (وقضى ركعتين لو نوى أربعاً وأفسده بعد القعود الأول أو قبله) يعني فيلزمه الشفع الثاني إن أفسده بعد القعود الأول والشروع في الثاني والشفع الأول فقط إن أفسده قبل القعود، بناءً على أنه لا يلزمه بتحريمة النفل أكثر من الركعتين وإن نوى أكثر منهما، وهو ظاهر الرواية عن أصحابنا، إلا بعارض الاقتداء". (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۰۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۳۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(ج) تراویح کی نیت کر کے توڑ دی یا سنن موکدہ کی نیت کر کے توڑ دی تو بعد گزرنے وقت کے قضاء لازم ہے یا نہیں؟ اور اگر وقت میں پڑھے تو نیت واجب کی کرے یا کس کی؟

(د) متصلاً ظہر کے بعد دونفلوں کی نیت کی مگر نیت کر کے توڑ دی پھر اسی وقت نفل اسی نیت سے پڑھ لئے کہ جو ظہر کے بعد کے پڑھے جاتے ہیں پڑھتا ہوں مگر واجب کی نیت نہ کی تو شروع فی النفل کی وجہ سے نفل لازم ہوئے تھے، ادا ہوئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) بہتر یہ ہے کہ دو دو کی قضاء کرے، چار چار کی بھی درست ہے، رات میں چھ چھ، آٹھ آٹھ کی بھی درست ہے۔

(ب) اس میں چار چار پڑھنا بہتر ہے، دو دو بھی صحیح ہے (۱)۔

(ج) سننِ مؤکدہ کی صورتِ مسئولہ میں قضاء نہیں (۲)۔ تراویح کو بغیر جماعت کے

---

(۱) "الإعادة فعل مثله: أی مثل الواجب، ويدخل فيه النفل بعد الشروع به كما مر". (الدر المختار مع رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱، رشيديه)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: في وقتها) فلا تقضى بعده لا تبعاً و لا مقصوداً، بخلاف سنة الفجر لاختصاص القضاء خارج الوقت بالواجبات، إلا ما ورد به الشرع". (رد المحتار، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۸، سعيد)

"والشرع إنما ورد في قضاء ركعتي الفجر عند فوتها مع الفرض قبل الزوال كما في غداة ليلة التعريس". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع لو ترك اهـ، ص: ۳۹۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"و لا خلاف في سائر السنن سوى سنة الفجر أنها لا تقضى بعد الوقت إن فاتت وحدها، و اختلف فيما إذا فاتت مع الفرض، والأصح أنها لا تقضى أيضاً لعدم ورود الشرع به الخ". (الحلبي الكبير، المصدر السابق، ص: ۳۹۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

قضاء پڑھے(۱) وقت میں نیت اعادہ کرے، بعد وقت کے نیت قضاء فاسدہ کرے۔

(د) ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/۹/۶۴ھ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شفعہ کسے کہتے ہیں؟

سوال [۳۳۳۱]: ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھنا بدعت ہے تو جواب طلب امور یہ کہ شفعہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت کو (۲)۔ فقط۔

بلا عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنا

سوال [۳۳۳۲]: نماز تراویح اور نماز وتر کے بعد اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ دو رکعت نفل بلا عذر بیٹھ کر پڑھتے ہیں، کیا بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھ سکتے ہیں؟ اور بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو نماز تراویح اور نماز وتر کے بعد نفل پڑھنے سے منع کرتے ہیں جس وجہ سے اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ماہ رمضان میں بعد وتر نماز پڑھتے ہیں اور بعض بغیر پڑھے چلے جاتے ہیں، اس معاملے میں تفصیلی جواب سے سرفراز فرمائیں۔

---

(۱) "إذا فاتت التراويح، لا تقضى بجماعة، و هل تقضى بلا جماعة؟ فقيل: نعم، مالم يدخل وقت تراويح أخرى، و قيل: مالم يمض رمضان، و قيل: لا تقضى، وهو الصحيح، اهـ". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع: لوترك، اهـ، ص: ۳۹۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، ۴۵، سعيد)

(۲) في المنجد: "الشفعة من الضحى" چاشت کی دو رکعتیں"۔ (المنجد عربی اردو، مادہ "شفع" ص: ۵۳۴، دار الإشاعت کراچی)

وفي القاموس الوحيد: "الشفعة" چاشت کی دو رکعتیں"۔ (القاموس الوحيد، ماده "شفع" ص: ۸۷۴" اداره اسلاميات)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوافل بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست ہے(۱) لیکن کھڑے ہوکر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے(۲)۔ وتر کے بعد دونفل پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت ہے، جو پڑھے گا ثواب پائے گا، نہیں پڑھے گا تو گناہ نہیں، اس پر اعتراض نہ کیا جائے، ترغیب دینا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۳۳۳۳]: نوافل بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے؟ اور وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھنا کیسا ہے؟ اس میں

---

(۱) "قوله: (يجوز النفل قاعداً) مطلقاً من غير كراهة، كما في مجمع الأنهر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى بيان صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۲، قديمى)

(۲) "عن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه أنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الرجل يصلى قاعداً؟ قال: "من صلى قائماً فهو افضل، ومن صلى قاعداً فله نصف اجر القائم، ومن صلى نائماً، فله نصف اجر القاعد". (سنن ابن ماجة، باب صلاةالقاعد على النصف من صلاةالقائم، ص: ۸۷، مير محمد كتب خانه)

(۳) "عن ابى سلمة سألت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فقالت: كان يصلى ثلاث ركعات، ثم يصلى ثمان ركعات، ثم يؤتر، ثم يصلى ركعتين وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم يصلى ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح". (الصحيح لمسلم، باب صلاةالليل و عدد ركعات النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/ ۲۵۴، قديمى)

اس پر امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "والصواب أن هاتين الركعتين فعلهما رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلوة بعد الوتر و بيان جواز النفل جالساً، و لم يواظب على ذلك بل فعله مرةً أو مرتين أو مرات قليلةً". (الكامل للنووى على الصحيح للإمام مسلم : ۱/ ۲۵۴، قديمى)

"انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصلى بعد الوتر قاعداً .... ولكن له: أى للمتنفل جالساً نصف أجر القائم".

"يستثنى منه صاحب الشرع -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- كماورد عنه، فإن أجر صلاته قاعداً كاجر صلاته قائماً، فهو من خصوصياته". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى بيان صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۳، قديمى)

کتنا ثواب ہے؟ رکن الدین میں مستحب لکھا ہے۔ یہ کتاب کیسی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوافل بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب نصف ملتا ہے بہ نسبت کھڑے ہو کر پڑھنے کے، اس قاعدہ کا یہ سے وتر کے بعد کی نفلیں مستثنیٰ نہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب میں کمی نہیں (۱)۔ رکن الدین میں کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو کہ فقہ حنفی اور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں، اس کتاب کی اصلاح بھی شائع ہوئی تھی اس کا نام ہے ''اصلاح رکن الدین''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۱۲/۸۵ھ۔

بعد الوتر نفل کا حکم

سوال [۳۳۴۴]: نمازِ عشاء میں جو سب سے بعد کی نفل نماز ہے اس کو کھڑے ہو کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا بیٹھ کر؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھڑے ہو کر نفل پڑھنے میں جس قدر ثواب ملتا ہے بیٹھ کر پڑھنے میں اس سے نصف ملتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قانون امت کے لئے بیان فرمایا ہے (۲)، نوافل مسئولہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوافل بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا'')

(۲) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الرجل يصلي قاعداً قال: "من صلى قائماً فهو أفضل، و من صلى قاعداً فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائماً فله نصف أجر القاعد". (سنن ابن ماجة، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، ص: ۸۷، مير محمد كتب خانه)

"وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: حدثت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة الرجل قاعداً نصف الصلاة". قال: فأتيته فوجدته يصلي جالساً، فوضعت يدي على رأسه فقال: "مالكَ يا عبد الله بن عمرو"؟ قلت: حُدِّثتُ يا رسول الله أنك قلت: "صلوة الرجل قاعداً على نصف الصلاة وأنت تصلي قاعداً؟ قال: "أجل! و لكني لست كأحد منكم". (الصحيح لمسلم، كتاب صلوة المسافرين و قصرها: ۱/۲۵۳، قديمي)

فرمایا، لہٰذا ان میں بھی یہی قانون رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

وتر کے بعد زائد نفلیں پڑھنا

سوال [۳۳۳۵]: چندروز ہوئے ایک مولوی صاحب نے مسئلہ بیان فرمایا کہ بعد نماز وتر سوائے دو رکعت نفل کے دیگر کوئی نوافل نہیں، اس لئے جس کو جس قدر نفل نماز پڑھنا ہو قبل نماز وتر پڑھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وتر کے بعد دو سے زائد نفل پڑھنا جائز ہے (۲) جن مولوی صاحب نے یہ فرمایا ہے ان سے دلیل پوچھی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

---

(۱) "(قوله: أجر غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم)، أما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كنافلته قائماً. ففي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو قلت: حُدِّثتُ -يا رسول الله! أنک قلت الخ .... بحر ملخصاً: أي لأنه تشريعٌ لبيان الجواز، وهو واجب عليه. (قوله: على النصف إلا لعذر) أما مع العذر فلا ينقص ثوابه عن ثوابه قائماً .... و يؤيده حديث البخاري: "من صلى قائماً فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم، و من صلى نائماً فله نصف أجر القاعد". فإن عموم "من" يدخل فيه العاجز. و لأن الصلاة نائماً لا تصح عندنا بلاعذر". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۰۰، ۱۰۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أخبرنا مالک أخبرنا زيد بن أسلم عن أبي مرة أنه سأل أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوتر .... فقال: إن شئت أخبرتک كيف أصنع أنا، قال: أخبرني قال: إذا صليتُ العشاء صليتُ بعدها خمس ركعات، ثم أنام، فإن قمتُ من الليل صليت مثنى =

وتر کے بعد نفل کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

سوال[۳۳۳۶]: وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنا موجب زیادۃِ اجر ہے یا کھڑے ہوکر؟ چونکہ اس مسئلہ میں صرف عوام ہی مختلف نہیں بلکہ اہلِ علم کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس حکم کو مدلل اور بحوالہ کتب احادیث شریفہ یا فتاویٰ سے وضاحت فرمائیں اور اگر خیر القرون وائمہ مجتہدین سے کسی کا قول وعمل بھی ثابت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمایا جائے، موجب اجر عظیم ہوگا۔

الجواب و بیدہ أزمة الحق والصواب:

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما حدثت أنه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "صلوة الرجل قاعداً نصف صلوة القائم" فأتیته ، فوجدته یصلي جالساً، قال: حُدِّثتُ –یا رسول اللّٰہ!– أنك قلت: "صلوة الرجل قاعداً علی النصف من صلوة القائم". وأنت تصلي قاعداً؟ قال: "أجل! ولکني لست کأحدٍ منکم، اهـ". فتح القدیر: ۱/۳۲۹(۱)۔

"أنه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کان یصلي بعد الوتر قاعداً .... و لکن له: أی للمتنفل جالساً نصف أجر القائم، اهـ". مراقی الفلاح(۲)۔ "یستثنیٰ منه صاحب الشرع –صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم– کما ورد عنه، فإن أجر صلوته قاعداً کأجر صلوته قائماً، فهو من خصوصیاته، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۲۰ (۳)۔

= مثنی، فإن أصبحت أصبحت علی وتر".

"قال محمد : و بقول أبي هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه نأخذ، لا نری أن یشفع إلی الوتر بعد الفراغ من صلوة الوتر، ولکنه یصلي بعد وتره ما أحب و لا ینقض وتره وهو قول أبي حنیفة". (المؤطا للإمام محمد، باب الوتر، ص: ۱۴۷، ۱۴۸، نور محمد)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (مجموعة الفتاوی اردو، کتاب الصلاة، ص: ۲۳۱، سعید)و (احسن الفتاوی: ۳/۵۰۴، سعید)

(۱) (الصحیح لمسلم، کتاب صلوة المسافرین وقصرها : ۱/۲۵۳، قدیمی)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في القرأة : ۱/۴۶۰، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل في صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۳، قدیمی)

(۳) (مراقی الفلاح حاشیة الطحطاوی، المصدر السابق)

”عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان یوتر بتسع رکعات، ثم لما ضعف أوتر بسبع رکعات، و رکع رکعتین وهو جالس بعد الوتر یقرأ فیهما القرآن، فإذا أراد أن یرکع قام فرکع، ثم سجد“. هذا الکلام إن تعلق بالرکعتین فإذا کان یقرأ فی الرکعتین سوراً طوالاً تقرا قاعداً، ثم إذا أراد أن یرکع یقوم فیرکع ویسجد وهو قائم. وأما إذا قرأ فیها السور القصار، یقرأ وهو قاعد و یرکع ویسجد وهو قاعد۔ اھـ. قال أبو داؤد –کما فی بعض النسخ–: أصحابنا لا یرون الرکعتین بعد الوتر، اھـ“. بذل المجهود: ۲/۲۹٤، ۲۹۵(۱)۔

”هذا الحدیث أخذ بظاهره الأوزاعی وأحمد فیما حکاه القاضی عنهما، فأباحا رکعتین بعد الوتر جالساً، وقال أحمد: لا أفعله ولا أمنع من قوله. قال: وأنکره مالك. قلت: الصواب أن هاتین الرکعتین فَعَلَهما صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بعد الوتر جالساً لبیان جواز الصلوة بعد الوتر و بیان جواز النفل جالساً، ولم یواظب علی ذلك بل فعله مرةً أو مرتین أو مرات قلیلةً، اھـ“. نووی شرح مسلم: ۱/۲۵٤(۲)۔

”والصواب أن یقال: إن هاتین الرکعتین تجری مجری السنة وتکمیل الوتر، فإن الوتر عبادة مستقلة و لاسیما إن قیل بوجوبه، فتجری الرکعتان بعده مجری سنة المغرب من المغرب فإنها وتر النهار، والرکعتان بعدها تکمیلٌ لها، فکذلك الرکعتان بعد وتر اللیل، اھـ“. زاد المعاد: ۱/۸٦ (۳)۔ ”أکثر الصحابة ومن بعدهم من أهل العلم علی ترکهما اھـ، والمحققون من أکابرنا علی أن إتیانهما قیاماً أفضل، اھـ“. إعلاء السنن: ٦/۸۲ (٤)۔

---

(۱) (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب فی صلاة اللیل: ۲/۲۹۴، ۲۹۵، إمدادیه، ملتان)

(۲) (شرح الکامل للنووی علی الصحیح للإمام مسلم، کتاب صلوة المسافرین و قصرها، باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ: ۱/۲۵۴، قدیمی)

(۳) (زاد المعاد، فصل فی سیاق صلاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم باللیل ووتره وذکر صلاة أول اللیل، ص: ۱۲۳، دار الفکر بیروت)

(۴) (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، حکم الرکعتین بعد الوتر: ۶/۱۰۹، إدارة القرآن، کراچی)

عباراتِ منقولہ میں نوافل بعد الوتر کے متعلق تمام پہلو اور دلائل آ گئے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھ کر ان کو پڑھنا مستحب فرمایا ہے، کذا فی مالابد منہ(۱)۔ حضرت مولانا انورشاہ صاحب کی رائے بھی یہی ہے، کذا فی فیض الباری (۲)۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا موجبِ زیادۃِ اجر ہے(۳)۔ دونوں طرف علماء و محققین ہیں، ائمہ مجتہدین: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام ابویوسف، امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے کوئی تصریح منقول نہیں دیکھی۔

اس اختلاف کے رفع کرنے کی سعی بے سود ہے، یہ کچھ اہم اختلاف نہیں۔ ضوابطِ کلیہ من الاحادیث کے مطابق قولِ ثانی ہے یعنی کھڑے ہو کر پڑھنا موجبِ زیادۃِ اجر ہے اور نفس اتباع فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ کر پڑھنے میں ہے، گو اس میں بھی دو قسم کی روایتیں ہیں، "أكثر الصحابه و من بعدهم من أهل العلم" کا مسلک "إعلاء السنن" کی عبارت میں منقول ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۷ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "و بعد وتر دو رکعت نشسته خواندن مستحب است، در رکعتِ أولیٰ ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ و در رکعتِ ثانیه ﴿قل یأیها الکافرون﴾ خواند". (مالا بد منه، کتاب الصلاة، فصل در نوافل، ص: ۵۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) "و رکعتین جالساً .... إن الجلوس فیهما اتفاقیّ أو قصدیّ، فاختار النووی رحمه الله تعالیٰ الأول، وعندی المختار هو الثانی؛ لأنهما لم تثبتا عنه قائماًقط، فحمل فعله فی جمیع عمره علی الاتفاق مما یصادم البداهة". (فیض الباری، علی صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب المداومة علی رکعتی الفجر: ۲/۴۲۶، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

(۳) "اگر (وتر کے بعد نفل) کھڑے ہو کر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض دفعہ بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا"۔ (فتاوی رشیدیه، ص: ۲۷۷، قرآن منزل بابو بازار ڈھاکه)

(۴) (راجع، ص: ۲۲۶، رقم الحاشية: ۴)

وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال[۳۳۳۷]: ایک مسئلہ کتاب میں دیکھا ہے کہ نماز وتر کے بعد کی نفل بیٹھ کر پڑھنا مسنون ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔ کیا یہی مسئلہ ہے۔

نور محمد زینی باندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''کھڑے ہوکر پڑھنے سے دوگنا ثواب ملتا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے سے اس کا نصف ملتا ہے'' پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ بیٹھ کر پڑھتے ہیں تو دریافت کیا گیا اس پر ارشاد فرمایا کہ ''مجھے بیٹھ کر بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے کم نہیں ہوتا''۔

''عن عبد اللّٰه بن عمرو رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: حُدِّثْتُ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "صلوة الرجل قاعداً نصف الصلوة" فأتیته فوجدته یصلی جالساً، فوضعت یدی علی رأسی فقال: مالَكَ یا عبد اللّٰه بن عمرو"؟ قلت: حُدِّثْتُ –یا رسول اللّٰه!– أنك قلت: "صلوة الرجل قاعداً نصف الصلوة" وأنت تصلی قاعداً؟ قال: "أجل! و لکنی لست کأحد منکم". أبوداود شریف(۱)۔

وتر کے بعد کی نفلیں آپ سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے مگر عامۃً معمول یہ تھا کہ بہت طویل نماز تہجد کی پڑھتے تھے یہاں تک کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا، اس کے بعد صبح صادق کے قریب وتر پڑھتے تھے پھر بیٹھ کر دو نفل پڑھتے تھے۔ اب بھی اگر کوئی شخص یہی طریقہ اختیار کرے، طویل تہجد میں پانچ چھ پارے پڑھنے کے بعد وتر پڑھے اور تھک کر دو نفل بعد میں بیٹھ کر پڑھے تو اس میں اتباع زیادہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی صلاة القاعد: ۱/۱۴۴، إمدادیه)

(وکذا فی الصحیح للإمام مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۲۵۴، قدیمی)

(۲) ''عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یوتر بتسع رکعات، ثم لما ضعف أوتر بسبع رکعات، ورکع رکعتین و هو جالس بعد الوتر یقرأ فیهما القرآن، فإذا أراد أن =

وتر کے بعد کی نفلیں بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۳۳۳۸]: بعد وتر نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا چاہئے یا کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے اور اولیٰ کیا ہے؟ بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں رکوع کس طرح کرنا چاہئے، آیا سر اور سرین کو برابر کرنا ضروری ہے یا نہیں جیسا کہ کھڑے ہوکر پڑھنے میں ضروری اور لازم ہے؟ بینوا بالدلائل والحوالة توجروا عند الله تعالیٰ۔

العبد محمد عثمان عفا اللہ عنہ چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز دونوں طرح ہے کھڑے ہوکر بھی بیٹھ کر بھی لیکن کھڑے ہوکر پڑھنے سے پورا ثواب ملتا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے سے اسکا نصف ثواب ملتا ہے لہذا کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے:

"ويتنفل قاعداً مع القدرة على القيام ابتداءً و بناءً، أما الابتداء فلقوله عليه السلام:"من صلى قائماً فهو أفضل، و من صلى قاعداً فله نصف أجر القائم". والمراد به النفل في غير حالة العذر، اهـ". زيلعي (۱)۔

اور وتر کے بعد کی نفلیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرح ثابت ہیں: "سئلت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقالت: كان يصلي ثلاث ركعات، ثم يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين و هو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلوة الصبح". مسلم شریف(۲)۔

= يركع قام فركع، ثم سجد". هذا الكلام إن تعلق بالركعتين، فإذا كان يقرأ في الركعتين سُوَراً طوالاً يقرأ قاعداً، ثم إذا أراد أن يركع يقوم فيركع و يسجد و هو قائم. و أما إذا قرأ فيها السور القصار يقرأ هو قاعداً و يركع و يسجد و هو قاعد". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل: ۲/۲۹۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في الصحيح لمسلم، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۵۴، قديمي)

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۳۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب صلوة المسافرين، باب صلوة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۵۴، قديمي)

اس پر امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

"الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلوة بعد الوتر، و بيان جواز النفل جالساً، و لم يواظب على ذلك بل فعله مرةً أو مرتين أو مرات قليلة، اهـ"(۱)۔

اگر ہمیشہ بیٹھ کر بھی پڑھنا ثابت ہوتا تب بھی اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کامل ثواب تھا، اَوروں کے لئے کامل ثواب نہیں بلکہ ثواب ہوگا:

"ثم هو –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– مخصوص أن ذلك لما في حديث مسلم عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: حدثت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوةِ الرجل قاعداً نصف صلوة القائم" فأتيته فوجدته يصلي جالساً، قال: حُدِّثْتُ –يا رسول الله!– أنك قلت: "صلوة الرجل قاعداً على النصف من صلوة القائم". وأنت تصلي قاعداً؟ قال: "أجل! ولكن لست كأحدكم، اهـ". شلبي (۲)۔

سر کو گھٹنوں کے برابر کرنا بہتر اور افضل ہے لازم نہیں، سر اور کمر کو جھکانے سے بھی رکوع ادا ہو جاتا ہے،

قال ابن عابدين: "لو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قُدام ركبتيه، فيحصل الركوع، قلت: و لعله محمول على تمام الركوع، و إلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس: أي مع

---

(۱) (الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب صلوة الليل و عدد الركعات: ۲۵۴/۱، قديمي)

(۲) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۳۷/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(والصحيح لمسلم، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ من كتاب الصلوة: ۲۵۳/۱، قديمي)

"(ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً) لا مضطجعاً، إلا بعذر (ابتداءً و بناءً)، و فيه أجر غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على النصف إلا بعذر". (الدرالمختار، باب الوتر والنوافل: ۳۷/۲، سعيد)

انحناء الظهر". شامي: ۱/ ٤٦٥ (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا

سوال [۳۲۳۹]: میں وتر کے بعد کی دو رکعت نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں، میرا دوست کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نیت باندھتے تھے، پیروں پر ورم آنے کی وجہ سے بیٹھ جاتے تھے بعد میں کھڑے ہو کر قرأت کر کے رکوع میں جاتے تھے۔صحیح طریقہ کیا ہے؟ قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مستند حوالہ جات کے ساتھ ارسال فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے دوست نے جو کچھ بتایا ہے ایسا ہی فیض الباری میں موجود ہے (۲)، جو شخص شروع رات میں بھی وتر کے بعد دو نفل پڑھے اس کو کھڑے ہو کر پڑھنے میں دوہرا ثواب ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۱/ ٤٤٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/ ٥١١، رشيديه)

(۲) قال في فيض الباري: "و أما صلاة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتنقل على أنحاء كلها: قد صلى قائماً و ركع و سجد وهو قائم، و قد صلى قاعداً و ركع وسجد كذلك، و قد صلى قاعداً، فإذا بلغ قبيل الركوع قام و ركع و سجد وهو قائم. و هذا يشعر بأن الأحب عند الشارع أن يكون الركوع والسجود عقيب الكلام".

(أبواب تقصير الصلوة، باب إذا صلى قائماً ثم صح: ۲/ ٤٠٥، خضر راه بك ڈپو ديوبند)

(وصحيح البخاري، أبواب تقصير الصلاة، باب إذا صلى قائماً ثم صح: ۱/ ١٥١، قديمي)

(وكذا في الصحيح لمسلم، باب صلوة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ: ۱/ ٢٥٤، قديمي)

(۳) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: سألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد، فقال: "من صلى قائماً فهو أفضل، ومن صلاها قاعداً فله نصف أجر القائم، و من =

ایضاً

سوال[۳۳۴۰]: ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ وتر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں ان کو کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ کھڑے ہوکر نیت باندھتے تھے اور جب آپ تھک جاتے تھے تو نماز میں بیٹھ جاتے تھے۔ اس لئے ہم کو کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھڑے ہوکر پڑھنے میں دوہرا اجر ہے، یہ بات حدیث، فقہ میں صاف صاف مذکور ہے، وتر کے بعد کی نفلیں اس سے مستثنیٰ نہیں (۱)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامۃً وتر اخیر شب میں طویل تہجد کے بعد پڑھا کرتے تھے جب کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ فیض الباری شرح بخاری شریف میں ہے کہ وتر کے بعد کی دو نفلیں بھی کھڑے ہوکر شروع فرماتے اور کچھ قرأت کرکے بیٹھ کر بقیہ قرأت کرتے تھے، پھر جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہوکر کچھ قرأت کرکے رکوع فرماتے تھے، اس لئے آپ کے دوست صاحب کا کہنا صحیح ہے (۲)، درمختار وغیرہ میں بھی مطلقاً نوافل کو کھڑے ہوکر پڑھنا افضل لکھا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۹ھ۔

= صلاها نائماً فله نصف أجر القاعد". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم: ۸۵/۱، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب جواز النفل قاعداً بلا عذر. ۵۱/۷، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا")

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا")

(۳) "(ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً) لا مضطجعاً إلا بعذر (ابتداءً وبناءً) و فيه أجر غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على النصف إلا بعذر". (الدر المختار).

"(أجر غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) أما النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع قدرته على القيام كنافلته قائماً .... و يؤيده حديث البخاري: "من صلى قائما فهو أفضل، و من صلى قاعداً فله نصف أجر القائم، و من صلى نائماً فله نصف أجر القاعد". فإن عموم "من" يدخل فيه العاجز، ولأن الصلاة نائماً لا تصح عندنا بلا عذر". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل ۳۶/۲، ۳۷، سعيد)

الفصل الرابع فی التہجد

(تہجد کی نماز کا بیان)

نوافل میں سب سے افضل نماز

سوال[۲۳۴۱]: وہ نماز کونسی ہے جو سب سے افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوافل میں تہجد افضل ہے(۱)۔ فقط۔

تہجد کی رکعات

سوال[۲۳۴۲]: رکعاتِ تہجد کی مختلف روایتیں ہیں، صحیح روایت سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۃً حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ آٹھ رکعات تہجد کی تھی مگر یہ تحدید فرض نماز کی طرح نہیں کہ کمی بیشی جائز نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۵ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم، وأفضل الصلوة بعدالفريضة صلوة الليل". (سنن الترمذی، كتاب الصلوة، باب ماجاء فی فضل صلوة الليل: ۹۹/۱، سعيد)

(وكذا فی مشكوة المصابيح، باب التحريض علی قيام الليل، الفصل الثالث: ۱۱۰/۱، قديمی)

(وكذا فی صحيح البخاری، باب قيام النبی صلی الله عليه وسلم الليل حتی ترم قدماه: ۱۵۲/۱، قديمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵۸۶/۲، مسند أبی هريرة، رقم الحديث: ۷۹۲۶، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يصلی من الليل ثلث عشر ركعةً، منها: الوتر و ركعتا الفجر". ....

وتر کے بعد دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنا

سوال[۳۳۴۳]: کوئی شخص تہجد آخر شب میں پڑھنے کا عادی ہے لیکن عشاء کے وقت وتر کے بعد دو رکعت نفل بھی وہ تہجد کی نیت سے پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تہجد اصالۃً وہ ہے کہ سو کر اٹھ کر نصف شب گزرنے کے بعد پڑھے، وتر کے بعد دو نفل ہیں تہجد نہیں (۱) مگر ان دو نفلوں میں تہجد کی نیت کرنے سے بھی نماز خراب نہ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "وعن مسروق قال: سألت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن صلوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالليل فقالت: سبع و تسع وإحدى عشرة سوى ركعتي الفجر". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب كيف صلاة الليل و كيف كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي بالليل؟: ۱/۱۵۳، قديمي)

"وصلاة الليل و أقلها –على ما في الجوهرة– ثمان". (الدر المختار). "(قوله: و أقلها على مافي الجوهرة ثمان) قيد بقوله على ما في الجوهرة؛ لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ماسهل عليه و لو ركعتين، والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات". (ردالمحتار، باب الوتروالنوافل: ۲/۲۵، سعيد)

"أن عبد الله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أخبره أنه بات عند ميمونة زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهي خالته .... ثم قام يصلي، فصنعت مثله، و قمت إلى جنبه، فوضع يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني يفتلها، ثم صلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم خرج فصلى الصبح". (صحيح البخاري، أبواب الوتر والنوافل، باب ماجاء في الوتر: ۱/۱۳۵، قديمي)

(۱) "وروى الطبراني مرفوعاً: "لا بد من صلاة بليل ولو حلب شاة، و ماكان بعد صلاة العشاء فهو من الليل". وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم. في معجم الطبراني من حديث الحجاج بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: "يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد المرء يصلي الصلاة بعد رقدة". (رد المحتار، مطلب في صلاة الليل: ۲/۲۴، سعيد)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "عشاء کے بعد دو رکعت بہ نیت تہجد")

عشاء کے بعد دورکعت بہ نیت تہجد

سوال[۳۳۴۴]: اگر عشاء کے وقت وتر کے بعد دورکعت نفل کی نیت وقت عشاء کر کے کی جائے تو ٹھیک ہے یا بجائے اس کے تہجد کہنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقت عشاء ٹھیک ہے گوضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قضائے تہجد

سوال[۳۳۴۵]: عشاء کے وقت دورکعت نفل بجائے تہجد پڑھی اور صبح تہجد کی قضاء بھی پڑھ لی، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دوتو تہجد نہیں، جوشخص تہجد نہیں پڑھ سکا وہ زوال سے پہلے بارہ رکعت پڑھ لے انشاء اللہ تہجد کا ثواب پالے گا:

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"من نام عن حزبه أو عن شيء منه، فقرأ ما بين صلوة الفجر وصلوة الظهر، كتب له كأنما قرأه من الليل". أبوداؤد شريف(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(وكفى مطلق نية الصلاة) وإن لم يقل لله (لنفل و سنة) راتبة". (الدر المختار). "(قوله كفى الخ): أي بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد. (قوله : لنفل) هذا بالاتفاق (قوله: وسنة) ولوسنة الفجر، حتى لو تهجد بركعتين ثم تبين أنها بعد الفجر، نابتا عن السنة". (ردالمحتار، باب شروط الصلاة : ۱/۴۱۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة : ۱/۲۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من نام عن حزبه : ۱/۱۸۶، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء فيمن نام عن حزبه من الليل، ص: ۹۵، قديمي)

(والصحيح للإمام المسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ : ۱/۲۵۶، قديمي)

ایضاً

سوال[۳۳۴۶]: کبھی کوئی اشراق وتہجد کی نماز قضاء کرسکتا ہے اور اداء پڑھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بھی توفیق ہو پڑھ لیا کرے، پابندی کرنا اعلیٰ بات ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قضاء تہجد اور نفل نماز میں جہر

سوال[۳۳۴۷]: اگر تہجد فوت ہوجائے اور دن میں اس کے بجائے کچھ نفلیں پڑھ لے تو آیا جماعت بھی نفلوں کے لئے کرسکتا ہے یا نہیں اور جہراً بھی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوال سے پہلے بارہ نفلیں پڑھ لے انشاء اللہ تہجد کی مکافات ہوجائے گی (۲)، مثلِ فرض کے جماعت

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها كانت تقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سددوا و قاربوا و يسروا، فإنه لن يدخل الجنة أحداً عمله". قالوا: و لا أنت يا رسول الله؟ قال: "ولا أنا، إلا أن يتغمدني الله عزوجل منه برحمة، واعلموا أن أحب العمل إلى الله عزوجل أدومه وإن قلّ". (مسند احمد، حديث السيدة عائشة: ۱۸۱/۷، رقم الحديث: ۲۴۴۰۲، دار إحياء التراث العربي)

(و صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب أحب الدين إلى الله عزوجل أدومه: ۱۱/۱، قديمي)

(۲) "عن عبد الرحمن بن عبد القاري قال: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من نام عن حزبه أو عن شيء منه، فقرأه فيما بين صلاة الفجر و صلاة الظهر، كتب له كأنما قرأه من الليل". (الصحيح للإمام مسلم، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۵۶/۱، قديمي)

درست نہیں (۱)، دن میں نفلیں جہر سے پڑھنا مکروہ ہے، کذا فی الکبیری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور۔

تہجد کی جماعت

سوال [۳۳۴۸]: ہمارے علاقہ کی بعض مساجد میں تہجد کی جماعت ہوتی ہے اور اس میں بھی ایک قرآن مجید ہوتا ہے تو تہجد کی نماز با جماعت پڑھنا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض اکابر تہجد میں بھی بغیر اذان واقامت قرآن پاک سناتے اور سنتے رہے ہیں، مگر اس پر اہتمام نہیں چاہئے، تہجد تنہا تنہا ہی افضل ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲۰ھ۔

تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنا

سوال [۳۳۴۹]: تہجد کی نفلوں میں ایک حافظ صاحب قرآن شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں ایک

---

(۱) "واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه". (الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۰۴، رشيديه)

(۲) "ويكره له الجهر في نوافل النهار أيضاً". (الحلبي الكبير، فصل في مسائل شتى، ص: ۶۱۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) قال في التاتارخانية: "وحكي عن شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ أن التطوع بالجماعة على سبيل التداعي مكروه، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا تكره. وإن اقتدى ثلاثة بواحد ذكر هو رحمه الله أن فيه اختلاف المشايخ قال بعضهم: يكره، وقال بعضهم: لايكره. وإذا اقتدى أربع بواحد كره بلاخلاف". (كتاب الصلاة، التراويح، نوع آخر في المتفرقات، ص: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۰۴، رشيديه)

مقتدی ہوتا ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ ہم کو بھی اٹھا دیا کرو تو ہم بھی شریک ہو جائیں گے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین مقتدیوں تک تو اجازت ہے، اگر اس سے زائد ہوں تو مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۳۳۵۰]: تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی علی سبیل التداعی مکروہ ہے، کما مر (۲)۔ فقط۔

تہجد کی جماعت اور تداعی کا مطلب

سوال[۳۳۵۱]: اگر کوئی شخص رمضان میں تہجد کی نماز میں پورا قرآن شریف ترتیب سے پڑھے تو تہجد کی نماز باجماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کا جواب لکھا تھا کہ ''تہجد کی نماز رمضان میں باجماعت پڑھی جا سکتی ہے لیکن تداعی نہیں ہونا چاہئے''۔

۱......تداعی کا مطلب واضح طور پر بیان فرمائیں۔

۲......اگر نماز میں اس جگہ تہجد کی نماز باجماعت ہو رہی ہو اور اس میں قرآن شریف ترتیب سے پڑھا جا رہا ہو، جماعت میں دس یا پندرہ، یا اس سے زیادہ آدمی روزانہ بغیر کسی دعوت واعلان کے شریکِ جماعت ہو جاتے ہوں تو کیسا ہے؟

۳......جب تہجد کی نماز میں قرآن شریف ختم ہو تو اس ختم شریف میں کچھ علمائے کرام کو دعا کرانے کے لئے بلایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کا اعلان کیا جا سکتا ہے یا نہیں کہ آج قرآن شریف ختم ہے سب لوگ دعا

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان ''تہجد کی جماعت''۔)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان ''تہجد کی جماعت'')

میں شریک ہو جائیں۔ اس طرح اعلان کرنا ختم کے روز کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ایک امام ہو، اس کے پیچھے ایک یا دو مقتدی ہوں تو بلا تکلف درست ہے، تین مقتدی ہوں تب بھی گنجائش ہے اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو یہی تداعی ہے (۱)۔

۲...... بلا دعوت واعلان کے بھی یہ صورت تداعی ہے (۲)۔

۳...... یہ بلانا اور اعلان کرنا بھی ثابت نہیں اس سے پرہیز کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

طلوعِ فجر کے بعد ادائے فرض سے پہلے نفل پڑھنا

سوال [۳۳۵۲]: کیا فجر کا وقت شروع ہو جانے کے بعد فجر کی نماز ادا کرنے سے پہلے بھی کوئی نوافل نہیں پڑھی جاسکتیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت کوئی نماز نفل نہ پڑھی جائے، فجر کی سنتیں پڑھنا منع نہیں بلکہ ان کی تاکید آئی ہے (۴)

---

(۱) (قد مضى تخريجه تحت عنوان: ''تہجد کی جماعت'')

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''تہجد کی جماعت'')

(۳) "فهو رد"...... من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/ ۳۶۲، رشيديه)

"إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع، وعلى هذا فلا شك في الكراهة". (السعاية في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرآءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "عن حفصة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين". (الصحيح لمسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب استحباب ركعتي الفجر والحث عليهما وتخفيفهما: ۱/ ۲۵۰، قديمي)

ردالمحتار(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شبِ عیدین میں نوافل

سوال[۳۳۵۳]: عیدین کی شب نفلیں پڑھنا کیسا ہے؟ عیدین کی شب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نفل وتہجد پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ عیدین کی شب تمام رات عبادت کرنا اور نفلیں پڑھنا مستحب ہے(۲)، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ تہجد پابندی سے ادا فرماتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ صرف ایک شب ایسی گزری ہے جس میں آپ نے تہجد ادا نہیں فرمائی اور نہ دن میں اس کی قضا کی، جب کہ آپ مزدلفہ میں تھے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۱۲/۳ھ۔

وارد حال مدرسہ انوریہ شاہی مسجد لدھیانہ، پنجاب۔

---

(۱) "(وكذا) الحكم من كراهة نفل و واجب لغيره لا فرض و واجب لعينه (بعد طلوع فجر سوى سنته) لشغل الوقت به تقديراً، حتى لو نوى تطوعاً، كان سنة الفجر بلا تعيين". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "(و) ندب (إحياء ليلتي العيدين): الفطر والأضحى لحديث: "من أحيا ليلة العيد، أحيا الله قلبه يوم تموت القلوب". و يستحب الإكثار من الاستغفار بالأسحار". (مراقي الفلاح، فصل في تحية المسجد و صلاة الضحى و إحياء الليالي، ص: ۴۰۰، قديمي)

"وعن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أحيى ليلة الفطر و ليلة الأضحى، لم يمت قلبه يوم يموت القلوب" (رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ومجمع الزوائد". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، استحباب إحياء ليلتي العيدين: ۷/۳۵، إدارة القرآن)

(۳) "النزول بمزدلفة: ثم دفع حتى أتى المزدلفة، فصلى بها المغرب والعشاء بأذان و إقامتين، و لم =

شب برات میں تہجد کی نماز با جماعت

سوال[۳۳۵۴]: شب برات میں تہجد کی نماز باجماعت اعلان کرکے پڑھی جاسکتی ہے؟ اس مقصد سے کہ جو بے نمازی ہیں کم ازکم اس بابرکت رات میں شریک ہوکر ثواب کے مستحق ہوجائیں، اگر تہجد کی جماعت کی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے(۱)، بے نمازیوں کو تبلیغ وتاکید کی جائے کہ وہ نماز کی پابندی کریں، ترکِ فرض کو برداشت کیا جائے اور مکروہ کے ارتکاب کی دعوت دی جائے نہ دانشمندی کی بات ہے نہ شرع کی طرف سے اجازت ہے، اس رات میں عبادت کے لئے جمع ہونا بھی منع ہے، كذا في مراقي الفلاح (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يستبح بينهما، ثم اضطجع حتى طلع الفجر، فصلى الفجر .... لم يتهجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ليلة مزدلفة: أقول: إنما لم يتهجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ليلة مزدلفة؛ لأنه كان لا يفعل كثيراً من الأشياء المستحبة في المجامع، لئلا يتخذها الناس سنةً". (حجة الله البالغة، من أبواب الحج، النزول بمزدلفة اهـ: ۱۶۸/۲، ۱۶۹، قديمي)

(۱) "قال الحلبي: "أن كلا من صلاة الرغائب ليلة أول جمعة من رجب، وصلاة البراءة ليلة النصف من شعبان، وصلاة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة". (الحلبي الكبير، تتمات من النوافل: ص: ۴۳۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲۸۸/۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) "(ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي) المتقدم ذكرها (في المساجد) وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم: عطاء وابن أبي مليكة فقهاء أهل المدينة، وأصحاب مالك وغيرهم، وقالوا: ذلك كله بدعة". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمي)

الفصل الخامس فی صلوۃ النفل بالجماعۃ

(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

نفل کی جماعت

سوال[۳۳۵۵]: رمضان المبارک میں بعد التراویح صلوۃِ نافلہ مع الجماعۃ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ہمارے محلہ کی مسجد میں بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اس جماعت کے قیام سے باہم اختلاف بھی ہوگیا ہے مگر جہلاء اپنی ضد پر اڑے ہیں اور ہر شب میں ادا کرتے ہیں۔ آپ دلائل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جماعت علی سبیل التداعی والاصرار ہے جو کہ مکروہ ہے:

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدى: أرادوا بالتاكيد الوجوب، إلا فى جمعة و عيد فشرط، و فى التراويح سنة كفاية، و فى وتر رمضان مستحبة على قول، و فى وتر غيره وتطوع على سبيل التداعى مكروهة اهـ". درمختار۔ "(قوله: على سبيل التداعى) راجع إليها، والتداعى أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام، ودون ذلك لا يكره إذا صلوا فى ناحية المسجد، كذا فى القهستانى، و نقله فى البحر عن الصدر الشهيد، و ظاهر إطلاقه الكراهة أنها التحريمية، اهـ". طحطاوى: ص: ۲٤٠ (۱)۔ "وفى الأشباه من البزازية: يكره الاقتداء فى صلوة الرغائب و براءة و قدر، اهـ". درمختار. "وبراءة هى ليلة النصف من شعبان، اهـ". طحطاوى: ۲۹۷/۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب الإمامة: ۲٤٠/۱، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲۹۷/۱، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۰۴/۱، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، فصل فى تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمى)

نوافل میں ختمِ قرآن باجماعت

سوال[۳۳۵۶]: چند اشخاص کی خواہش تھی کہ نماز نفل میں ایک قرآن شریف ختم کیا جاوے، حافظ نے بعد نماز مغرب وعشاء دو چار رکعت میں تھوڑا تھوڑا پڑھ کر قرآن شریف ختم کیا۔ اس دوران میں ایک شخص نے ٹوکا کہ اس طرح درست نہیں، نفل نماز باجماعت درست نہیں۔ اس حالت میں فعل مذکور حافظ کا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کے علاوہ چار شخص یا زیادہ مقتدی تھے تو یہ فعل مکروہ ہے، اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی تھے تو مکروہ نہیں۔

فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: "قال شمس الأئمة الحلوانی: إن اقتدیٰ به ثلاثة، لایکون تداعیاً، فلا یکره اتفاقاً، وإن اقتدیٰ به أربعة فالأصح الکراهة اهـ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ، صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

جماعتِ نفل علی سبیل التداعی

سوال[۳۳۵۷]: ۱...... ہمارے یہاں قصبہ اورنگ آباد میں رمضان کے مبارک مہینہ میں تہجد کی نماز درود کے ساتھ باجماعت ادا کی جاتی ہے جس میں تین آدمیوں سے زیادہ کافی آدمی ہوتے ہیں۔

۲...... رمضان کے مبارک مہینہ کی طاق راتوں میں تراویح ختم ہونے کے بعد نفل نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور تین آدمیوں سے بہت زیادہ آدمی ہوتے ہیں۔ تہجد کی نماز کا بھی ان طاق راتوں میں اعلان کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جماعت میں بہت زیادہ لوگ ہوجاتے ہیں۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قدیمی)

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة بیروت لبنان)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب صلاة التراویح، نوع آخر فی المتفرقات: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعید)

۳......آج اس مسئلہ کو جو کہ بہشتی گوہر میں دیکھا گیا ہے تو جماعت کے احکام میں لکھا ہے کہ ۲ یا ۳ آدمی مل کر نفل جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور دوام نہ کریں، اگر دوام کریں تو مکروہ ہے۔

۴......کیا رمضان کے مبارک مہینہ میں ۳/ سے زیادہ آدمیوں کو نفل نماز باجماعت ادا کرنا جائز ہے؟

۵......دوام کے کیا معنی ہیں؟ تشریح کے ساتھ سمجھائیں تاکہ دوام کے معنی معلوم ہو جائیں۔

۶......قصبہ اورنگ آباد کے ایک امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں نوافل کا درجہ فرض جیسا ہو جاتا ہے اس لئے کافی آدمی مل کر تہجد کی جماعت و نفل کی جماعت کر سکتے ہیں۔

۷......ان تمام مسئلوں کو اطمینان بخش امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق حل کر دیجئے تاکہ عوام کو تفصیلی معلومات ہو جائے اور فتویٰ پر عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ایسا کرنا مکروہ ہے(۱)۔

۲......یہ بھی مکروہ ہے(۲)۔

۳......کتب فقہ در مختار وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے(۳)۔

---

(۱) "(قوله: على سبيل التداعي) راجع إليها، والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام، ودون ذلك لايكره إذا صلوا في ناحية المسجد، كذا في القهستاني". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة في التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن، كراچی)

وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۰۴، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية السابقة آنفاً)

(۳) "(لا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان): أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر". (الدر المختار). "(قوله: أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد، فلا يكره، و ثلاثة بواحد فيه خلاف، بحر عن الكافي". (رد المحتار، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي وفي صلاة الرغائب: ۲/۴۸، ۴۹، سعيد) .... =

۴.....مکروہ ہے(۱)۔

۵.....دوام کے معنی ہمیشہ کے ہیں یعنی اتفاقیہ ایک دو دفعہ نہیں بلکہ ہمیشہ کیا جائے خواہ ایک ماہ تک ہمیشہ ہو(۲)۔

۶.....وہ کس دلیل کی بنا پر ایسا کہتے ہیں؟ کیا فقہ کی کسی کتاب میں ایسا لکھا ہے؟ کیا بعد مغرب و بعد عشاء کی سنت بھی جماعت سے پڑھیں گے؟

۷.....امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے:

"والجماعة فی النفل غیر التراویح مکروهة، فالاحتیاط بترکها فی الوتر خارج رمضان. وعن شمس الأئمة: أن هذا فیما کان علی سبیل التداعی، أما لو اقتدیٰ واحد بواحد و اثنان بواحد لا یکره، وإذا اقتدیٰ ثلاثة بواحد اختلف فیه، وإن اقتدیٰ أربعة بواحد کره اتفاقاً اهـ".

کذا فی مراقی الفلاح علی الطحطاوی، ص: ۲۳۲(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، التراویح، نوع آخر فی المتفرقات: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) (راجع، ص: ۲۴۴، الحاشیة رقمها: ۱)

(۲) "(قوله: أی یکره ذلک) ..... الظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة، ثم إن کان ذلک أحیاناً کما فعل عمر رضی الله تعالیٰ عنه، کان مباحاً غیر مکروه، و إن کان علی سبیل المواظبة، کان بدعةً مکروهةً؛ لأنه خلاف المتوارث ..... (قوله: علی سبیل التداعی): هو أن یدعو بعضهم بعضاً، کما فی المغرب، و فسره الوافی بالکثرة، و هو لازم معناه". (رد المحتار، مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی اهـ: ۲/۴۸، ۴۹، سعید)

(۳) (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب الوتر وأحکامه، ص: ۳۸۶، قدیمی)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلوة، التراویح، نوع آخر فی المتفرقات: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة، بیروت)

رمضان میں نوافل کی جماعت

سوال[۳۳۵۸] : ۱..... تہجد کی جماعت رمضان میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ شامی جلد نمبرا مصری کے اندر بعض عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہ و بدعت ہے اور بعض عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ صرف رمضان المبارک کی اجازت ہے، مثلاً: "فی البدائع من قوله: إن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان"(۱) ۔ اور تہجد بھی نوافل میں شمار ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نفل میں شریک رہے ہیں، یعنی کان پکڑ کر داہنی طرف لانے والی روایات (۲)، تو ان سب عبارتوں سے اور بزرگانِ دین کے بعض افعال سے اجازت سمجھ میں آتی ہے۔ اگر جماعت کرے تو اس اقدام کو روکا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... اوابین کی جماعت رمضان میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اگر تنہا آواز بلند پڑھے اور لوگ شریک ہو گئے، پھر دو رکعت کے بعد کسی حافظ کو بڑھا دیا جائے کہ زیادہ قرآن پڑھا جائے تو کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(قوله: أی یکره ذلک) .... أخرجه الطحاوی عن المسور بن مخرمة، قال: دفنا أبا بکر رضی الله عنه لیلاً، فقال عمر رضی الله تعالیٰ عنه: إنی لم أوتر، فقال: وصففنا وراءه، فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم إلا فی آخرهن".

ثم قال: و یمکن أن یقال: الظاهر أن الجماعة غیر مستحبة، ثم إن کان ذلک أحیاناً کما فعل عمر رضی الله عنه کان مباحاً غیر مکروه، وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعةً مکروهةً؛ لأنه خلاف المتوارث، .... قلت: و یؤیده أیضاً ما فی البدائع من قوله: إن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان". (رد المحتار، مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی الخ: ۴۸/۲، سعید)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: صلیت مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذات لیلة، فقمت عن یساره، فأخذ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم برأسی من ورائی، فجعلنی عن یمینه، فصلی و رقد، فجاءه المؤذن، فقام یصلی و لم یتوضأ". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب إذا قام الرجل عن یسار الإمام اهـ: ۱/ ۱۰۰، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حنفیہ کا مذہب مختار یہ ہے کہ نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے رمضان ہو یا غیر رمضان، حکم عام ہے، ایک دو مقتدی ہوں تو تداعی نہیں، تین میں اختلاف ہے، چار ہوں تو تداعی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی مقتدی تھے، بدائع کی جو عبارت شامی سے آپ نے نقل کی ہے، اس کے بعد علامہ شامی نے لکھا ہے: "نعم! إن كان مع المواظبة، كان بدعةً، فيكره، اهـ" (۱)۔

نیز نوافل اور وتر دونوں کو بجماعت ادا کرنے کا مسئلہ ایک ہی ساتھ بیان کیا ہے: "أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد، اهـ". درمختار (۲)۔ "أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنين بواحد، فلا يكره، و ثلاثة بواحد فيه خلاف". كبيری (۳)۔

بعض اکابر اپنی تحقیق کی بنا پر رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ نوافل میں بھی تمام رات قرآن کریم پڑھتے اور سناتے تھے، مگر یہ اصل مذہب امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے، ان کے تبحر و تدیّن کی وجہ سے ان پر اعتراض نہیں کیا جاتا اور نہ ان کے اتباع میں اصل مذہب سے عدول کیا جاتا ہے۔

۲......اس کا جواب بھی نمبر: ۱ سے واضح ہے یعنی علی سبیل التداعی نہیں چاہئے، یہ مکروہ ہے۔ تداعی کی تفصیل بھی آگئی ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۴۶، رقم الحاشیہ: ۱)

(۲) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعید)

(۳) بعینہ مذکورہ عبارت شامی: ۲/۴۹ کی ہے، البتہ الحلبی الکبیر میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: "لو اقتدى واحد بواحد أو اثنين لا يكره، و في الثلاثة اختلاف المشايخ". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل .... التراويح، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۴۰، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة التراويح، نوع آخر في المتفرقات، ص: ۱/۲۷۰، إدارة القرآن، كراچی)

(۴) (راجع الحاشية رقمها: ۲) .... =

نوافل میں تداعی

سوال[۳۳۵۹]: اگر نفلوں کی جماعت میں شروع میں تین آدمی اور ایک امام ہو اور پھر زیادہ آدمی آکر شریک ہو جائیں تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین آدمی مقتدی ہوں، ایک امام ہو تو نفلوں کی جماعت درست ہے، جو لوگ بعد میں آکر شریک ہوئے وہ مکروہ کے مرتکب ہوئے۔

"إن اقتدی به ثلاثة، لا یکون تداعیاً، فلا یکره اتفاقاً. وإن اقتدیٰ به أربعة، فالأصح الکراهة". طحطاوی(۱)۔ "لو اقتدیٰ واحدٌ بواحد أو اثنان، ثم جاء ت جماعة اقتدوا به، قال الرحمتي: ینبغي أن تکون الکراهة علی المتأخرین". ص:۷٤۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نوافل جماعت سے ادا کرنا

سوال[۳۳۶۰]: شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ غالباً نوافل جماعت سے پڑھتے تھے، چنانچہ مکتوبات جلد سوم پر مکتوبات نمبر ۸۷ کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں(۳): "(تراویح کے بعد) ایک بجے

= "(قوله: علی سبیل التداعي) راجع إلیها، والتداعي أن یجتمع أربعة فأکثر علی إمام، و دون ذلک لا یکره إذا صلوا في ناحیة المسجد، کذا في القهستاني". (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دارالمعرفة بیروت)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، باب الإمامة، ص:۲۸٦، قدیمی)

(۲) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة في التراویح، نوع آخر في المتفرقات: ۱/٦۷۰، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا في حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة، بیروت)

(۳) (لم أظفر علیه)

پھر نفلوں میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور پونے تین بجے فارغ ہوکر سحری میں مشغول ہوجاتے ہیں' حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ شب میں نوافل باجماعت ادا فرماتے تھے اور لوگ مرشد کے پیچھے تبرکاً و تیمناً پڑھتے تھے۔تو کیا حصول یمن وبرکت کے لئے ایسا کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے اس کی اصل حقیقت معلوم نہیں لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر حدیث وفقہ پر پوری تھی اور وہ حتی الوسع سنت پر عمل فرماتے تھے، ممکن ہے کہ وہ تنہا نوافل کی نیت کرکے قرأت بالجہر کرتے ہوں، یا دو تین کو بھی اس میں شامل کرلیتے ہوں جس کی فقہاء کے کلام میں اجازت بھی ہے، اس صورت میں تداعی نہیں اور یہ صورت مکروہ بھی نہیں۔

"لولم ينو الإمامة لا كراهة على الإمام، فليحفظ اهـ". درمختار۔ "لأن الكراهة إنما يتحقق فيه بنية، أما إذا نوى النفل منفرداً فاقتدى به، لا تلزمه الكراهة بفعل غيره، اهـ". طحطاوی: ۱/۲۹۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب النوافل: ۱/۲۹۷، دار المعرفة بيروت لبنان)

(وكذا فى رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعيد)

"(قوله: على سبيل التداعى) راجع إليها، والتداعى أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام، ودون ذلك لا يكره إذا صلوا فى ناحية المسجد، كذا فى القهستانى". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۲۰۴، رشيديه)

الفصل السادس فی صلوۃ التسبیح
(صلوۃ تسبیح کا بیان)

صلوۃ التسبیح کا طریقہ

سوال[۳۳۶۱]: صلوۃ التسبیح میں ہر رکعت میں قرأت سے فراغت پر تیسرا کلمہ پندرہ مرتبہ اور دوسری جگہ پر دس دس مرتبہ پڑھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ دوسری صورت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اگر پہلی رکعت میں ۲۵/ مرتبہ پڑھ لیا جائے تو پھر سجدۂ ثانیہ کے بعد تاخیر القیام کی ضرورت نہیں۔ ایک بات تو یہ دریافت کرنا ہے کہ یہ ۲۵/ مرتبہ کس طریقہ سے پڑھی جائے، قرأت سے فراغت پر یا ثناء کے بعد؟ اس کی صورت بیان فرمادی جاوے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ۲۵/ مرتبہ پڑھنا ہر رکعت میں ہوگا یا صرف پہلی رکعت میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثناء کے بعد ۱۵/ دفعہ، پھر قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ۱۰/ دفعہ، یہ ۲۵/ عدد ہوگیا۔ پھر دوسری، تیسری، چوتھی رکعت میں قرأت الحمد سے پہلے ۱۵/ مرتبہ، قرأت سورت کے بعد ۱۰/ مرتبہ، یہ طریقہ بھی ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "أخبرنا أبو وهب قال: سألت عبد الله بن المبارک عن الصلاة التي يسبح فيها، قال: يكبر، ثم يقول: "سبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالىٰ جدک و لا إله غيرک" ثم يقول: خمس عشرة مرةً: "سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر" ثم يتعوذ، ويقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، و فاتحة الكتاب و سورة، ثم يقول عشر مرات: "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ....: ثم يسجد الثانية فيقولها عشراً. يصلي أربع ركعات على هذا، فذلک خمس و سبعون =

ایضاً

سوال[۳۳۶۲]: صلوۃ التسبیح کا مفصل طریقہ کیا ہے، تسبیحات کے اعداد اور مکمل طریقہ اور تسبیحات کس کس مقام پر کتنی کتنی پڑھنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چار رکعت کی نیت باندھ کر اول "سبحانك اللهم" پڑھے پھر پندرہ دفعہ "سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر" پھر "الحمد" اور سورت پڑھ کر دس مرتبہ تسبیح، پھر رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھ کر دس مرتبہ تسبیح پھر قومہ میں "سمع الله لمن حمده" کہہ کر "ربناك الحمد" کہہ کر دس مرتبہ تسبیح پھر سجدہ میں "سبحان ربی الأعلی" کہہ کر دس مرتبہ تسبیح پھر جلسہ میں دس مرتبہ تسبیح، پھر سجدہ ثانیہ میں دس مرتبہ تسبیح یہ ایک رکعت میں پچھتر دفعہ تسبیح ہوگئی، پھر دوسری رکعت میں "الحمد" سے پہلے پندرہ دفعہ اور اسی ترتیب کے ساتھ چاروں رکعات پڑھی جائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= تسبيحةً، يبتدأ في كل ركعة بخمس عشرة تسبيحةً، ثم يقرأ، ثم يسبح عشراً. فإن صلى ليلاً فأحب إليّ أن يسلّم في كل ركعتين. وإن صلى نهاراً، فإن شاء سلم، وإن شاء لم يسلم". (سنن الترمذي، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء في صلاة التسبيح: ۱/۱۰۹، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في صلاة التسبيح: ۲/۲۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "صلوۃ التسبیح کا طریقہ")

"عن أبي رافع قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ياعم! ألا أصلك ألا أحبوك، ألا أنفعك؟ قال: بلى يارسول الله! قال: "ياعم! صلّ أربع ركعات تقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة، فإذا انقضت القراءة فقل الله أكبر والحمدلله وسبحان الله خمس عشرة مرة قبل أن ركع، ثم اركع فقلها عشراً، ثم ارفع رأسك فقلها عشراً، ثم اسجد فقلها عشراً، ثم ارفع رأسك فقلها عشراً، ثم اسجد فقلها عشراً، ثم ارفع رأسك فقلها عشراً قبل أن تقوم، فذلك خمس وسبعون في كل ركعة، وهي ثلاث مائة في أربع ركعات ولو كانت ذنوبك مثل رمل عالج غفرها الله لك قال: يارسول الله! ومن يستطيع أن يقولها في يوم، قال إن لم يستطع أن تقولها في يوم فقلها في جمعة، فإن لم تستطع أن تقولها في جمعة فقلها في شهر" فلم يزل يقول له حتى قال: "فقلها في سنة". (سنن الترمذي، أبواب صلاة الوتر، باب ما جاء في صلاة التسبيح: ۱/۱۰۹، سعيد) .... =

صلوۃ التسبیح میں عورتوں کی جماعت

سوال[۳۳۶۳]: ہمارے گاؤں میں عورتیں صلوۃ التسبیح کی جماعت کرتی ہیں اور جماعت کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ان کا امام پیڑھا بچھا کر پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور اگر بچہ روتا ہے تو اس کو چپکا کر دیا جاتا ہے اور کتا ہوتا ہے تو اس کو بھی دفع کر دیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کی جماعت فرض نماز میں مکروہ ہے (۱) اور صلوۃ التسبیح تو نفل ہے اس کی جماعت مردوں کے لئے بھی مکروہ ہے، عورتوں کے لئے اس کی کراہت میں زیادہ شدت ہوگی (۲)، اگر وہی نماز پڑھاتی ہے جو پیڑھا بچھا کے پیچھے بیٹھتی ہے اور کتے وغیرہ کو دفع کرتی ہے تو بالکل نماز نہیں ہوتی (۳) اور یہ حقیقۃً نماز ہی نہیں بلکہ جہالت کی پوٹ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

جماعت کے ساتھ صلوۃ تسبیح

سوال[۳۳۶۴]: ۱.....صلوۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ پڑھانے والے کا مقصد صرف مقتدیوں کا اصرار بغرض تعلیم وترکیب ہو؟

= (وكذا في رد المحتار، مطلب في صلاة التسبيح : ۲/۲۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "ويكره تحريماً جماعة النسآء و لو في التراويح، أفاد أن الكراهة في كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضاً أو نفلاً". (الدر المختار مع رد المحتار، باب الإمامة : ۱/۵۶۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة : ۱/۶۱۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة والحدث في الصلاة : ۱/۳۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والجماعة سنة مؤكدة للرجال .... و في وتر رمضان مستحبة على قول، و في وتر غيره و تطوع على سبيل التداعي مكروهة". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۶۰۴،رشيديه)

(۳) "ولو تقدم على الإمام من غير عذر فسدت صلاته، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۱۰۳، رشيديه)

۲......اگر شق ثانی مراد ہے تو امام ومقتدیوں میں کس حدتک گناہ کے مرتکب ہیں؟

۳......امام اور مقتدی کی صلوۃ التسبیح ہوگئی یا نہیں؟ جب کہ درمختار کی عبارت "السنة نافلة" موجود ہے، اگر شق اول مراد ہو تو ثواب میں کچھ کمی ہوجائے گی یا ثواب برابر ملے گا؟

۴......نمازِ تسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کو بدعتی کہنا کیسا ہے جب کہ وہ موحد ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صلوۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں (۱)۔

۲......التزام کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے (۲)۔

۳......کراہت کے ساتھ ہوگی (۳)۔

۴......اگر وہ اس کی جماعت کو ثواب سمجھ کر کریں تو یہ بدعت بھی ہے اور مکروہ بھی ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) "والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب الوتر واحكامه، ص: ۳۸۲، قديمي)

(۲) "إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع، وعلى هذا فلا شك في الكراهة". (السعاية في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) "(قوله: على سبيل التداعي) راجع إليها، والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام، ودون ذلك لا يكره إذا صلوا في ناحية المسجد، كذا في القهستاني ونقله في البحر عن الصدر الشهيد وظاهر إطلاقه الكراهة أنها تحريمية". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۲۴۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (الصحيح للإمام مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

(و صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"(البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجُعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

باب التراویح

الفصل الأول فی صلوة التراویح

(تراویح کی نماز کا بیان)

تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟

سوال[۳۳۶۵]: تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنیاد ڈالی ہے اور پڑھی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اتخذ حجرةً في المسجد من حصير، فصلى فيها ليالي، حتى اجتمع عليه ناس، ثم فقدوا صوته ليلة، و ظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج إليهم، فقال: "مازال بكم الذي رأيت من صنيعتكم، حتى خشيتُ أن يكتب عليكم، ولو كتب عليكم ما قمتم به، فصلوا أيهاالناس! في بيوتكم، فإن أفضل صلاة المرء في بيته إلا الصلاة المكتوبة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول، ص: ۱۱۴)

"(فصلى فيها): أي في تلك الحجرة (ليالي): أي من رمضان (حتى اجتمع): أي فكان يخرج -عليه السلام- منها، ويصلي بالجماعة في الفرائض والتراويح، حتى اجتمع (عليه الناس): أي وكثروا (ثم فقدوا صوته . ليلة) بأن الحجرة بعد ماصلى بهم الفريضة، و لم يخرج إليهم بعد ساعة للتراويح كما هو عادته، (وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح .... ليخرج): أي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الحجرة (إليهم) لصلاة التراويح بعد أن دخل فيها كما في الليالي الماضية، (فقال: ما زال بكم=

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال[۳۳۲۶]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھی ہے؟ بیس رکعت تراویح پڑھنے کی صحیح حدیث تحریر کریں۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہے؟ میں یہ نہیں معلوم کر رہا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کتنی رکعت تراویح پڑھی گئی، بلکہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی رکعت تراویح پڑھی ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی رکعت پڑھنے کا حکم دیا؟ حدیث صحیح تحریر کریں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بیس رکعت تراویح کا ثبوت ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت موجود ہے:

"أحاديث العشرين ركعةً : روى ابن أبي شيبة في مصنفه والطبراني في معجمه، وعنه البيهقي من حديث إبراهيم بن عثمان أبي شعبة عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعةً سوى الوتر". انتهى". نصب الراية: ۱۵۳/۲(۱)۔

= الذي رأيت ...... من صنيعتكم) من شدة حرصكم في إقامة صلاة التراويح بالجماعة و من بيان للذي (حتى خشيت أن يكتب): أي يفرض (عليكم): أي لو واظبت على إقامتها بالجماعة لفُرضت عليكم (ولو كتب عليكم .... ما قمتم به) ولم يطيقوه بالجماعة كلكم بعجزكم. و فيه بيان رأفته لأمته ، و دليل على أن التراويح سنة جماعةً ولفرداً، والأفضل في عهدنا الجماعة لكسل الناس". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول : ۳/۳۶۷، ۳۶۸، رشيديه)

(و كذا في إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح : ۷/۵۷، ۵۸، إدارة القرآن ، كراچي)

(و كذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب شهر رمضان : ۲/۳۰، مكتبه إمداديه ملتان)

(۱) (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الصلاة، فصل في قيام شهر رمضان : ۱۵۳/۲ ، مكتبه حقانيه، پشاور)

(والسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان : ۴۹۶/۲، رقم الحديث: ۴۶۱۵، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھی، چنانچہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

"كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه رمضان بثلاث و عشرين ركعةً". ص: ٤٠"(١)۔

اور یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ہی تھا، چنانچہ مؤطا امام مالک ہی میں ہے:

"عن عبد الرحمن بن عبدٍ القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاعٌ متفرقون يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل ويصلي بصلوته الرهط. فقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: "والله! إني لأ راني لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد، لكان أمثل، فجمعهم على أبيّ بن كعب رضي الله تعالىٰ عنه". مؤطا إمام مالك، ص: ٤٠ (٢)۔

"إن عمر بن لخطاب رضي الله تعالىٰ عنه جمع الناس في رمضان على أبيّ بن كعب و على تميم الداري، الخ". عمدة القاري: ٥/٣٥ (٣)۔

رہا خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیس رکعت پڑھنے کا ثبوت، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے، جن کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے: ﴿أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم﴾ الخ". (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(١) (الموطأ للإمام مالك، كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ص: ٩٨، مير محمد كتب خانه)

(٢) (الموطأ لمالك، المصدر السابق، ص: ٩٧)

(٣) (عمدة القاري للعلامة العيني، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ١١/١٧٧، دار الكتب العلمية، بيروت)

(٤) (البقرة: ٤٤)

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال[۳۳۶۷] : کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رمضان شریف میں تراویح آٹھ رکعت بھی پڑھنے کا حکم دیا تھا یا صرف ۲۰/ رکعت ہی پڑھنے کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وللجمهور ما رواه البيهقي بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه بعشرين ركعةً، وعلى عهد عثمان و علي مثله"(۱). وفي الموطأ: عن يزيد ابن رومان قال: كان الناس في عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه يقومون في رمضان بثلاث و عشرين ركعةً (۲). وفي المغني: عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه أمر رجلاً أن يصلي بهم في رمضان بعشرين ركعةً، قال: و هذا كالإجماع. قال البيهقي: والثلث في حديث ابن رومان صلى الوتر"(۳)۔ كبيرى، ص: ۳۸۸(٤)، ان روایات سے بیس رکعات ثابت ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا بیس رکعت تراویح والی حدیث ضعیف ہے؟

سوال[۳۳۶۸]: تراویح میں بیس رکعت والی حدیث ضعیف ہے اور آٹھ رکعت والی حدیث قوی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان سے دریافت کیا جائے کہ آپ نے دعوی کیا ہے کہ بیس رکعت والی حدیث ضعیف ہے اور آٹھ

---

(۱) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان : ۴۹۶/۲، رقم الحديث: ۴۶۱۵، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) (موطأ الإمام مالك، كتاب الصلاة، ما جاء في قيام رمضان، ص:۹۸، مير محمد كتب خانه)

(۳) (المغني، كتاب الصلاة، صلاة التراويح و عددها : ۴۵۶/۱، دار الفكر، بيروت)

(۴) (الحلبي الكبير، النوافل، التراويح، ص:۴۰۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۴۵/۲، سعيد)

رکعت والی حدیث قوی ہے، مہربانی فرما کر دونوں حدیثیں پوری سند اور حوالہ کے ساتھ اصل کتابِ حدیث سے نقل کریں اور وجہ بتائیں کہ فلاں حدیث قوی اور فلاں حدیث ضعیف کیوں ہے؟ کس راوی کی وجہ سے ہے اور اس راوی پر کس نے کلام کیا ہے؟ اور یہ بھی لکھیں کہ پورے رمضان تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی گئی ہے یا صرف چندرات؟ اور ہر سال پڑھی گئی ہے یا صرف ایک سال؟ پوری تفصیل لکھیں تب مسئلہ حل کیا جائے گا۔

ناواقف اور بے علم آدمی کو تو "ہاں، نہیں، جائز، ناجائز" کا جواب کافی ہوتا ہے اور اہل علم حضرات کے لئے اتنا کافی نہیں ہوتا۔ آپ چونکہ حدیثِ قوی وضعیف کو پہچانتے ہیں اس لئے آپ کے سامنے "ہاں، نہیں" کافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا رکعات تراویح آٹھ ہیں؟

سوال[۳۳۶۹]: بہت سے حنفی المذہب لوگوں نے اہلِ حدیث کا اتنا اثر قبول کیا کہ آٹھ رکعتیں تراویح کی پڑھنے لگے، اگر یہ احتمال ہو کہ منع کرنے کی صورت میں وہ آٹھ رکعتیں بھی چھوڑ دیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک سنت ہیں (۱)، آٹھ پڑھنے سے یہ سنت ادا نہیں ہوگی، جن لوگوں کی طبیعت میں ضد ہو ان کو کچھ نہ کہا جائے، دعائے خیر کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح دو دو رکعت کرکے پڑھنا سنت ہے

سوال[۳۳۷۰]: جہاں تراویح "الم تر کیف" سے پڑھی جاتی ہوں، وہاں لوگ چار چار رکعت

---

(۱) "وهي عشرون ركعةً، هو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعةً والوتر". (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان: ۲/۴۹۶، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

"وأما الكلام في كميتها فنقول: إنها مقدرة بعشرين ركعةً عندنا". (التاتارخانية، كتاب صلاة التراويح، الفصل الثالث عشر: ۱/۶۵۴، إدارة القرآن كراچي)

پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو دو رکعت پڑھنا سنت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہر ترویحہ ایک نماز ہے یا مجموعہ تراویح ایک نماز ہے

سوال[۳۳۷۱]: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، اس لئے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہو سکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعہ تراویح بمنزلہ ایک ہے، اس لئے اس کے ختم پر دعا مانگتے ہیں (۲)، ہر چار رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعا، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت نہیں، اس سے احتیاط کریں (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "وهي خمس ترويحات: كل ترويحة أربع ركعات بتسلمتين، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۵/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۵/۲، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، ص: ۴۱۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾ .... و قال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتك فانصب إلى ربك في الدعا". (أحكام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح: ۴۱۳/۳، قديمي كتب خانه)

"وعن علي بن أبي طالب قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلم من الصلوة قال: "اللهم اغفر لي ما قدمت و ما أخرت و ما أسررت و ما أعلنت وما أسرفت، و ما أنت أعلم به مني، أنت المقدم والمؤخر لااله إلا أنت". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) "(ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها و كذا بين الخامسة والوتر) و يخيرون بين تسبيح و قراءة وسكوت و صلوة فرادى". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعيد)

بغیر قعدہ اولی کے پڑھنا

جناب حضرت مولانا مفتی صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہار نپور ادام اللہ فیوضکم و برکاتکم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

بعد ازاں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل میں احناف کا مفتیٰ بہ قول نقل فرما کر جوابات سے مشرف فرمادیں:

سوال[۲۳۷۲]: دو رکعت تراویح کی نیت باندھی، مگر التحیات کے واسطے دو رکعت کے بعد امام نہیں بیٹھا، تیسری کے بعد بیٹھنے لگا تو مقتدی نے تکبیر کہہ کر اٹھا دیا، پھر چوتھی کے بعد سلام پھیر دیا اور سجدہ سہو نہیں کیا، اس صورت میں یہ امور دریافت طلب ہیں:

۱......دو رکعت کے بجائے چار پڑھی گئیں بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ امام نے تو دو ہی پوری کیں مگر ہوگئیں چار، یہ چار ہوئیں یا دو باطل ہوگئیں اور اگر باطل ہوگئیں تو قضا دو کی آئے گی یا چار کی؟

۲......اس صورت مذکورہ میں سجدۂ سہو آوے گا یا نہیں؟ اگر آوے گا تو اس کی وجہ بیان فرمائی جائے۔

۳......اس صورت مذکورہ میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کو لوٹایا جائے گا یا نہیں؟

۴......صورت مذکورہ میں دوسرے شفعہ کی نیت نہیں کی، امام نے تیسری رکعت کو پہلی سمجھا جب کہ مقتدیوں نے تکبیر کہہ کر اٹھا دیا، اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ میں نے چار پڑھی اور بیچ کی التحیات نہیں پڑھی تو سجدۂ سہو کرتا۔ کیا بلا نیت نماز ہو جاتی ہے یا بلا نیت کے بنا کرنا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو بنائے صحیح فاسد پر لازم آوے گی یا نہیں؟

۵......دیوبند کے اشتہار میں لکھا ہے کہ تراویح میں دو کے بعد بیٹھنا بھول گیا اور چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان کو دو شمار کیا جائے اس کی کیا صورت ہے؟ اور صورت بالا میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بینوا و توجروا۔ فقط۔

میر سید جگادری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... "و زاد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات كما هو المتوارث على رأس كل ركعتين، فلو صلى الإمام أربعاً بتسليمة و لم يقعد في الثانية، فأظهرُ الروايتين عن أبي حنيفة

وأبی یوسف عدم الفساد، ثم اختلفوا هل تنوب عن تسلیمة أو تسلیمتین؟ قال أبو اللیث: تنوب عن تسلیمتین، و قال أبو جعفر وابن الفضل: تنوب عن واحدة، و هو الصحیح، کذا فی الظهیریة، والخانیة، وفی المجتبیٰ: وعلیه الفتویٰ. و لو قعد علی رأس الرکعتین فالصحیح أنه یجوز عن تسلیمتین، و هو قول العامة". بحر: ۲/۶۷(۱)۔ "(قوله: ثم اختلفواالخ) قال الرملی: أقول: علی القولین یجب سجود السهو، فتأمل". منحة الخالق (۲)۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اظہر روایت شیخین کی یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی اور مفتی بہ قول کے مطابق یہ دورکعتیں ہوئیں اور شفعۂ اولیٰ فاسد ہوگیا، اس کا اعادہ لازم ہے۔

۲...... سجدہ سہو لازم آئے گا، لما مر فی الجواب الاول (۳)۔

۳...... پہلے شفعہ میں جو پڑھا گیا اس کا لوٹانا مستحب ہے کیونکہ پہلا فاسد ہوا ہے:

"إذا صلی الإمام أربع رکعات بتسلیمة واحدة، و لم یقعد فی الثانیة، فی القیاس تفسد صلوته، وهو قول محمد و زفر رحمهما اللّٰه تعالیٰ، ویلزمه قضاء هذه التسلیمة، و هو روایة عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ. و فی الإستحسان –و هو أظهر الروایتین عن أبی حنیفة و أبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ– لا تفسد وإذا لم تفسد، اختلفوا فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ أنها تنوب عن تسلیمة أو تسلیمتین؟ قال الفقیه أبو للیث رحمه اللّٰه تعالیٰ: عن التسلیمتین؛ لأن الأربع لما جاز، وجب أن ینوب عن تسلیمتین، کمن أوجب علی نفسه أن

---

(۱) (البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۷، ۱۱۸، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۴۱۴، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۸، رشیدیه)

(۲) (منحة الخالق علی البحرالرائق، المصدر السابق)

(۳) (البحرالرائق، المصدر السابق)

"و مقتضاه أن تنوب عن تسلیمتین، و یجب علیه السجود إن کان ساهیاً". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۴۱۴، قدیمی)

یصلی أربع رکعات بتسلیمة، فصلی أربعاً بتسلیمة واحدة، ذکر فی الأمالی عن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه یجوز، فکذا ههنا. و کذا لو صلی الأربع قبل الظهر، و لم یقعد علی رأس الرکعتین، جاز استحساناً.

وقال الفقیه أبو جعفر والشیخ الإمام أبو بکر محمد بن الفضل رحمهما الله تعالیٰ: فی التراویح تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة، وهو الصحیح؛ لأن القعدة علی رأس الثانیة فرض فی التطوع، فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلوته أصلاً کما هو وجه القیاس، وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقیاس، و قلنا بفساد الشفع الأول، وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمة، وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی، وقد أتمها، فجاز عن تسلیمة واحدةٌ". فتاویٰ قاضی خان:۱/۱۱۲(۱)۔

"وإذا فسد الشفع من التراویح و قد قرأ فیه هل یُعتدّ بما قرأ؟ قال بعضهم: لا یُعتدّ لیحصل الختم فی الصلوات الجائزة، وقال بعضهم: یعتدّ بتلک القراءة؛ لأن المقصود هو القرآن ولا فساد فی القراءة". خانیة:۱/۱۱۲ (۲) ۔

۴ ...... "عن أبی بکر الإسکاف أنه سئل عن رجل قام إلی الثالثة فی التراویح، و لم یقعد فی الثانیة؟ قال: إن تذکر فی القیام، ینبغی أن یعود ویقعد ویسلم مالم یقیّد الثالثة بالسجدة، وإن تذکر بعدمارکع الثالثة وسجد، فإن أضاف إلیها رکعةً أخریٰ، فإن هذه الأربع عن ترویحة واحدة یعنی عن الرکعتین". خانیة: ۱/۱۱۳(۳)۔

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان ، کتاب الصوم، فصل فی السهو : ۱/۲۳۹، ۲۴۰، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصلوة، الفصل الثالث عشر فی التراویح والوتر : ۲/۱۳، غفاریه کوئٹه)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی مقدار القراءة فی التراویح : ۱/۲۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح : ۱/۱۱۸، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، نوع آخر فی بیان قدر القراءة فی التراویح : ۲/۹، غفاریه کوئٹه)

(۳) (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی السهو : ۱/۲۳۹، ۲۴۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح : ۱/۱۱۸، رشیدیه)...... =

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تراویح میں شفعۂ ثانیہ کے لئے کھڑا ہوجانا بغیر شفعہ کے قعدہ کئے اور بغیر شفعۂ ثانیہ کی نیت کئے ہوئے بھی شفعۂ ثانیہ کے شروع کے لئے صحیح ہے، اگرچہ قعدہ نہ ہونے کی وجہ سے شفعۂ اولیٰ فاسد ہوجائے گا، لیکن شفعۂ اولیٰ کا تحریمہ باقی رہنے کی وجہ سے شفعۂ ثانیہ کی بنا صحیح ہوگی، کما هو مصرح في الجواب الثالث(۱)۔ بحر: ۵۷/۲ میں بھی اس کی تصریح ہے۔

۵...... دیوبند کا اشتہار میرے پاس نہیں اس لئے بغیر دیکھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا، صورتِ مسئولہ کا حکم تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

تراویح ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا

سوال[۳۳۷۳]: امام نے دو رکعت کی نیت کی اور دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور مقتدیوں نے یاد دلایا، لیکن امام نے کچھ نہیں سنا بلکہ قصداً پوری کردی۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ جب کہ امام نے قعدۂ اخیرہ جو کہ فرض تھا اس کو ترک کردیا۔ دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ ایسی صورت میں تراویح کی دو رکعت شمار ہونگی یا چار رکعت شمار ہونگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت پر قعدہ نہ کرنے سے یہ دو رکعت فاسد ہوگئی مگر تحریمہ باقی ہے، اس پر دو رکعت کی بنا کی، یہ صحیح ہوگئی، لہٰذا ان چار رکعات میں سے اخیر کی دو رکعت صحیح ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۹ھ۔

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر: ۱۳/۲، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) (راجع، ص: ۲۶۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "إذا صلى الإمام أربع ركعات بتسليمة واحدة و لم يقعد في الثانية، في القياس تفسد صلوته، وهو قول محمد و زفر رحمهما الله تعالىٰ، ويلزمه قضاء هذه التسليمة، و هو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. =

فرض سے پہلے تراویح پڑھنا

سوال [۳۳۷۴]: اگر کوئی شخص عشاء کی فرض نماز نہ پڑھے اور تراویح کی جماعت ہورہی ہوتو وہ شخص فرض پڑھنے سے پہلے جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عشاء کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے تراویح پڑھنا درست نہیں، نہ تنہا پڑھے، نہ تراویح کی جماعت میں شریک ہو، كذا في الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= و في الاستحسان –و هو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ– لا تفسد، وإذا لم تفسد، اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ أنها تنوب عن تسليمة أو تسليمتين؟ قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: عن التسليمتين؛ لأن الأربع لما جاز، وجب أن ينوب عن تسليمتين، كمن أوجب على نفسه أن يصلي أربع ركعات بتسليمة، فصلى أربعاً بتسليمة واحدة، ذكر في الأمالي عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه يجوز، فكذا ههنا، و كذا لو صلى الأربع قبل الظهر و لم يقعد على رأس الركعتين جاز استحساناً. وقال الفقيه أبو جعفر والشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل: في التراويح تنوب الأربع عن تسليمة واحدة، وهو الصحيح؛ لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلوته أصلاً كما هو وجه القياس، وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس، و قلنا بفساد الشفع الأول، وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني، و قد أتمها، فجاز عن تسليمة واحدة". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۱/۲۳۹، ۲۴۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر: ۲/۱۳، غفاريه كوئٹه)

(۱) "(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر و بعده) في الأصح". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر: ۲/۷، غفاريه كوئٹه)

فرضِ عشاء اور تراویح گھر میں جماعت سے ادا کرنا

سوال[۳۳۷۵]: ایک شخص پابندِ صلوۃ وصوم ماہ رمضان المبارک میں اپنے گھر پر نماز تراویح کے اہتمام کے ساتھ بعض مجبوریوں کے تحت نماز عشاء جماعت کے ساتھ گھر پر ہی ادا کر لیتا ہے کیونکہ عام طور پر مسجد سے گھر واپس آنے میں تراویح ساتھ پڑھنے والے نمازی مسجد میں رہ جاتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں کیا ایسے شخص پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر پر نماز پڑھنے والوں کے لئے ان کے گھروں میں آگ لگا دینے کو فرمایا ہے وعید عائد ہوتی ہے؟ اور فرض عشاء گھر پر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ وعید تو ایسے لوگوں کے حق میں ہے جو لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے جماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی مجبوری ایسی ہے جس کی وجہ سے شریعت نے ترکِ جماعت کی اجازت دی ہے تو یہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا(۱)، بغیر مجبوری کے جماعت مسجد کو ترک کر دینا بڑی محرومی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۱/۱۱ھ۔

---

(۱) "(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب، إلا في جمعة وعيد، فشرط (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج .... فلا تجب على مريض و مُقعد و زَمِنٍ ومقطوع يد و رجل من خلاف ...... ومفلوج و شيخ كبير عاجز و أعمى، و لا على من حال بينه و بينها مطر وطين و برد شديد و ظلمة كذلك". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الامامة: ۱/ ۵۵۲ - ۵۵۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإمامة والحدث في الصلاة: ۱/ ۳۴۰ - ۳۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال العلامة الحلبي: "(وإن صلى في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة في المسجد، و هكذا في المكتوبات): أي الفرائض لو صلى جماعةً في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع و عشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل ...... التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي)

"و في القنية: الأصح أن إقامتها في البيت كإقامتها في المسجد و إن تفاوتت الفضيلة".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قديمي)

سخت گرمی کی وجہ سے خارج مسجد میں تراویح

سوال[۳۳۷۶]: جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہو تو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتے ہوں تو اس صورت میں صحنِ مسجد میں تراویح پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں اور موجودہ صورت میں ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو جگہ مسجد میں نہیں وہاں تراویح پڑھنے سے تراویح کی فضیلت تو حاصل ہوجائے گی لیکن سنتِ کفایہ مسجد میں حاصل نہ ہوگی اور مسجد میں پڑھنے کا ستائیس درجہ ثواب ہے وہ نہیں ملے گا، کبیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مقتدیوں کو آٹھ رکعت پڑھانے کے بعد امام کا اپنی تراویح پوری کرنا

سوال[۳۳۷۷]: ایک امام پہلے اہلِ حدیث کو تراویح آٹھ رکعت پڑھا کر وتر پڑھا دیتا ہے، اس کے بعد بارہ رکعت اپنی علیحدہ پوری کر لیتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تراویح ان کو آٹھ رکعت پڑھ کر بقیہ بارہ رکعات خود پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحلبي: "(وإن صلى في بيته بالجماعة، لم ينالوا فضل الجماعة في المسجد و هكذا في المكتوبات): أي الفرائض، لو صلى جماعةً في البيت على هيئة الجماعة في المسجد، نالوا فضيلة الجماعة، وهي المضاعفة بسبع و عشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل ...... التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی)

(و كذا في الدر المختار، باب الوتر و النوافل: ۲/۴۵، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(۲) "(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر و بعده) في الأصح، فلو فاته بعضها و قام الإمام =

بیٹھ کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا

سوال[۳۳۷۸]: ایک حافظ صاحب بہ سبب کمزوری کے کھڑے ہوکر نماز تراویح میں قرآن شریف نہیں سنا سکتے اور ان کا دل چاہتا ہے کہ قرآن شریف سناؤں اور اکثر نمازی بھی ان کے پیچھے قرآن شریف سننا چاہتے ہیں، ایسی حالت میں یہ صاحب بیٹھ کر تراویح یا فرض نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ پیچھے مقتدی کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ امام صاحب کھڑے ہوکر پڑھانے پر قادر نہیں ہیں تو ان کو بیٹھ کر ہی نماز پڑھانا شرعاً درست ہے اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ اگر ان سے بہتر امامت کے لائق یا کم از کم ان کے ہم رتبہ کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو کہ نماز کھڑا ہوکر پڑھا دیا کرے اور فرض وہ پڑھا دے اور تراویح یہ حافظ جی پڑھا دیا کریں:

"و صح اقتداء متوضی بمتیمم ،و غاسل بماسح، و قائم بقاعد اھ". تنویر (۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رجب/ ۶۰ھ۔

= إلى الوتر، أوتر معه، ثم صلى ما فاته". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۱، مكتبه رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيديه)

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۸۸، سعيد)

"(وقوله: و قائم بقاعد): أي قائم راكع ساجد أو مؤم، وهذا عندهما خلافاً لمحمد . قيد القاعد بكونه يركع و يسجد؛ لأنه لو كان مؤمياً لم يجز اتفاقاً . والخلاف أيضاً فيما عدا النفل ، أما فيه فيجوز اتفاقاً، و لو في التراويح في الأصح، كما في البحر". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

تراوح میں طویل قیام کی وجہ سے پیر پر سہارا لینا

جناب مفتی صاحب! مسئلہ ذیل میں جواب سے نوازا جائے:

سوال[۳۳۷۹]: عالمگیری میں قیام فی الصلوۃ کی بحث میں یہ عبارت منقول ہے: "ویکره التمايل على يمناه مرةً، وعلى يسراه أخرى، كذا في الذخيرة. ويكره التراوُح بين القدمين في الصلوة إلابعذر، وكذا القيام بإحدى القدمين، كذا في الظهيرية". عالمگیری: ۵٦/۱(۱)۔

شامی میں یہ عبارت منقول ہے:"ويكره القيام على إحدى القدمين في الصلوة بلاعذر". شامی: ۱/٤١٤(۲)۔

اورمراقی الفلاح میں یہ عبارت ہے:"والتراوح أفضل من نصب القدمين، وتفسير التراوح أن يعتمد على قدم مرةً وعلى الأخرى مرةً؛ لأنه أيسر، وأمكن بطول القيام"۔ طحطاوی نے کہا ہے: "وروى عن الإمام التراوح في الصلوة أحبّ: أي من أن ينصب قدميه نصباً"۔

نیز یہ بھی کہا ہے:"فما في منية المصلي من كراهة التمايل يميناً ويساراً محمولٌ على التمايل على سبيل التعاقب من غير تخلل سكونٍ كما يفعله بعض .... لاالميل على إحدى القدمين بالاعتماد ساعةً، ثم الميل على الأخرى كذالك، بل هو سنة، الخ". طحطاوی، ص:۱۵۷(۳)۔

سوال: ۱.....کیا بغیر طولِ قیام کی ضرورت کے مطلقاً نماز کے قیام میں تراوح مسنون ہے؟ مفتی بہ قول سے آگاہ فرمایا جائے۔

۲.....عالمگیری اور طحطاوی کی عبارتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ۱۰۸/۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۴/۱، سعيد)

(۳) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲٦۲، قديمي)

۳......نصب القدمین کو سنت اور تراوُح بلا عذر کو خلافِ سنت اور مکروہ کہیں گے یا نہیں؟

۴......تراوح ،تمایل، قیام علی إحدی القدمین کی تعریف کیا ہے اور کون مکروہ ہے اور کون افضل اور مسنون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تراوُح کو فقہاء نے افضل لکھا ہے اور اس کی علت بیان کی ہے:"لأنه أیسر وأمکن بطول القیام الخ"(۱) اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر طولِ قیام نہ ہو تو عدمِ تراوُح اصل ہے، چنانچہ طحطاوی میں ہے:
"ثم إن هذه العلة لا تظهر فیما إذا کان القیام قصیراً"(۲)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ میں داخل ہو کر قیامِ طویل کیا یعنی دو رکعت میں قرآن پاک ختم فرمایا، پہلی رکعت میں ایک قدم پر بوجھ دیا، دوسری رکعت میں دوسرے قدم پر:

"قال السید فی الشرح: وهذا هو ما نقل عن الإمام حین دخل الکعبة، فصلی رکعتین بجمیع القرآن واقفاً علی إحدی قدمیه فی الرکعة الأولیٰ، وفی الثانیة علی القدم الأخریٰ الخ". طحطاوی(۳)۔

بار بار تراوح، تمایل، قیامِ احدی القدمین میں شبہ تلعب ہے، بضرورت طولِ قیام افضل ہے۔ اس تقریر سے آپ کے سوالات کا جواب ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رہی ہوئی تراویح کی نماز جماعت سے ادا کرنا

سوال[۳۳۸۰]: اگر تراویح کی جماعت ہو گئی اور کچھ آدمی رہ گئے تو وہ لوگ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جماعت سے تراویح کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۶۲، قدیمی)

(۲) (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۶۳، قدیمی)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی بیان سننها، ص: ۲۶۲، ۲۶۳، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً :

جی ہاں! پڑھ سکتے ہیں، یہ جماعتِ ثانیہ نہیں جس کو منع کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۹۰ھ۔

رہی ہوئی تراویح وتر کے بعد

سوال[۳۳۸۱]: جس شخص کی تراویح کی نماز دو چار رکعت رہ گئی وہ امام کے ہمراہ با جماعت وتر پڑھ لے اور اس کے بعد باقی تراویح نماز پڑھ لے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر دو چار رکعت تراویح کی باقی رہ گئی اور وتر کی جماعت میں شرکت کر کے وتر کے بعد رہی ہوئی تراویح پڑھ لے تب بھی درست ہے، کذا فی العالمگیریة(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۰ھ۔

تراویح کو ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ پڑھنا

سوال[۳۳۸۲]: إذا صلى رجل بالناس وهو إمام لصلوة التراويح، فهل يجوز له أن

---

(۱) قال العلامة الحلبي : "(وإن صلى في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة في المسجد، و هكذا في المكتوبات): أي الفرائض، لو صلى جماعةً في البيت على هيئة الجماعة في المسجد، نالوا فضيلة الجماعة، وهي المضاعفة بسبع و عشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل ..... التراويح ص: ۴۰۲،سهيل اكيڈمی)

(و كذا في الدرالمختار، باب الوتر والنوافل : ۲/ ۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل : ۱/ ۱۱۶، رشيديه)

(۲) "وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان، فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة، يشتغل بالوتر، ثم يصلي ما فاته من التراويح، و به كان يفتي الشيخ الإمام الاستاذ ظهير الدين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ۱/ ۱۱۷، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ۲/ ۴۴، سعيد)

(و كذا في البحرالرائق، باب الوتر والنوافل : ۲/ ۱۱۹، رشيديه)

یصلی تلك الصلوة فی مکان آخر بجماعة؟ .... وهذه العادة قد تجری فی مدراس فی بلاد الشافعین۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یجوز له الاقتداء فی مسجد آخر، و لیس له أن یؤم فیها إذا صلی مرةً (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس نے فرض عشاء جماعت سے نہ پڑھی تو وہ تراویح اور وتر کیسے پڑھے؟

سوال[۳۳۸۳]: جو شخص عشاء کی فرض نماز نہ پڑھ سکا ہو تو کیا وہ تراویح اور وتر کی نماز با جماعت ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اب رمضان میں بہت سے لوگ عذر کی وجہ سے مسجد میں تاخیر سے آتے ہیں اور فرض نماز جماعت ان کے آنے سے قبل ہو جاتی ہے، تو اب وہ فرض نماز علیحدہ سے پڑھے گا اور تراویح و وتر میں جماعت کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔

کسی ایک مدرسہ کا اشتہار آیا ہوا ہے اس میں یہ درج ہے کہ جو عشاء فرض با جماعت نہ پڑھ سکتا ہو وہ وتر کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھے اور حوالہ شامی کا دے رکھا ہے، عبارت یہ ہے: "إذا لم یصل الفرض معه لم یتبعه فی الوتر". شامی مصری (۲)۔

یہ حوالہ اسی اشتہار میں درج ہے تو اس عبارت کا مطلب کیا ہے "معه" کی ضمیر کا مرجع کیا ہے، کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے، اگر فرض نماز کوئی جماعت ادا کرے، وتر کو الگ سے پڑھا جائے اور اس کے جواز و عدمِ جواز بحوالہ کتب مع عبارت تحریر کریں۔

---

(۱) "وکره أن یؤم فی التراویح مرتین فی لیلة واحدة، وعلیه الفتوی؛ لأن السنة لا تتکرر فی الوقت الواحد، فتقع الثانیة نفلاً مضمرات، بخلاف مالو صلاها مأموماً مرتین، لا یکره کمالو أم فیها". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۱۲، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۶، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل التراویح: ۴۰۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وتر نماز مستقل نماز ہے، اس کی جماعت عشاء کی جماعت کے تابع نہیں، جو شخص جماعتِ فرضِ عشاء میں شریک نہیں ہوسکا وہ جماعتِ وتر میں شریک ہوسکتا ہے، جب مسجد میں عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی گئی اور کوئی شخص متخلف رہ گیا بعد میں آیا تو وہ تنہا فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے:

"ولو ترك الجماعة في الفرض، لم يصلوا التراويح جماعةً؛ لأنها تبعٌ، فمصليه وحده يصليها معه. ولو لم يصلها: أي التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره، له أن يصلي الوتر معه. لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع". درمختار(۱)۔

"(قوله : فليراجع) ففيه التعليل بقولهم:" لأنها تبع" أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح، ولا للعشاء عند الإمام رحمه الله تعالىٰ، انتهى"،حلبي". طحطاوی:۱/۲۹ (۲)۔

شامی کی رائے کے مقابلہ میں اس مسئلہ میں طحطاوی کی رائے مقدم ہے کیونکہ قواعدِ امام کے موافق ہے، مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے:

"وفي مختصره: إذا لم يصل الفرض مع إمام، قيل: لا يتبعه في التراويح و لا في الوتر، وكذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذاك كله"(۳)۔

کبیری شرح منية المصلی،ص:۳۹۱: "لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض، و شرع في التراويح، فإنه يصلي الفرض أولاً وحده، ثم يتابعه في التراويح"(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ۲/۴۸، سعید)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ۱/۲۹۷ دارالمعرفة بيروت)

(۳) (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة: ۱/۱۴۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(۴) (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع: ۴۰۸، سہیل اکیڈمی لاہور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ۱/۱۱۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل :۲/۱۲۳، رشيديه)

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعت، یا دو اماموں کا ملکر تراویح پڑھانا

سوال[۳۳۸۴]: ایک متوسط جامع مسجد جس میں دو حصے ہیں اوپر، نیچے، تو رمضان المبارک میں اوپر نیچے دونوں جگہ تراویح ہوسکتی ہے یعنی ہر حصہ کے علیحدہ امام ہیں دونوں ایک ہی مکتبہ فکر کے ہیں۔ تو ایسی صورت میں کیا اجازت ہے جب کہ نیچے بہت جگہ ہے اور دونوں حافظوں کا کوئی سامع نہیں ہے، تو یہ صورت مناسب ہے کہ ایک حافظ پڑھے اور دوسرا سنے، یا یہ صورت بہتر ہے کہ اوپر نیچے تراویح علیحدہ علیحدہ ہوجائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تراویح دو جگہ بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ آوازوں میں ٹکراؤ نہ ہو، مگر اچھا یہی ہے کہ امام کے پیچھے سب پڑھیں اور دوسرے حافظ سامع کی حیثیت سے پیچھے رہیں۔ تاکہ اگر لقمہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو آسانی رہے۔ پھر چاہیں ایسا کریں کہ ایک شب ایک امام صاحب تراویح پڑھائیں اور دوسری شب دوسرے امام صاحب تراویح پڑھائیں، یا ۸/ رکعت ایک امام صاحب پڑھائیں اور بارہ رکعت دوسرے امام صاحب پڑھائیں تاکہ دونوں کو سنانے کا موقع مل جائے اور جماعت بھی ایک ہی رہے، حرم شریف میں ایسا ہی کرتے ہیں کہ دو امام پڑھاتے ہیں:

وفی الخلاصة: "إذا صلی التراویحَ الواحدَ إمامان کلٌّ إمام رکعتین، اختلف المشایخ، والصحیح أنه لا یستحب، لکن کل ترویحة یؤدیها إمام واحد"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز تراویح ادا کرنا

سوال[۳۳۸۵]: ایک قصبہ ہے، چاروں طرف مسلم آبادی ہے، ہر محلہ میں مسجد ہے، قصبہ کے درمیان عیدگاہ ہے، یہاں رمضان کے مہینہ میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ قصبہ کے بہت سے لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر

(۱) (خلاصة الفتاوی، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی التراویح: ۱/۶۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱/۱۱۶، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان، كتاب الصوم باب التراویح: ۱/۲۳۳، رشیدیه)

(وكذا فی التاتارخانیة، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فی التراویح: ۱/۶۵۵، إدارة القرآن، كراچی)

پنجوقتہ نماز اور تراویح اسی عیدگاہ میں پڑھتے ہیں حالانکہ اس کے قرب و جوار میں چار چھ مسجدیں موجود ہیں اور مسجدوں کی اذان انہیں اچھی طرح سنائی دیتی ہے، پھر بھی وہ لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر کھلی عیدگاہ میں ہی پورے رمضان نماز پڑھتے ہیں، اگر بارش ہو تو مسجدوں کو چھوڑ کر بازو کے اسکول میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں پورے رمضان نماز ادا کرنا غلط طریقہ ہے، یہ مسجدوں کو ویران وغیر آباد کرنا ہے(۱)، ایسا نہ کریں سب اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں کو رمضان المبارک میں پنجگانہ اذان و جماعت سے آباد رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کی تراویح کی امامت

سوال[۳۳۸۲]: زید ایک گاؤں میں امامت کرتا ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، اس سال بیماری کی وجہ سے وہ روزے نہیں رکھے، مگر امامت کرتا رہا اور تراویح بھی پڑھاتا رہا، کسی نے کہا کہ امام صاحب تراویح پڑھا نہیں سکتے کیونکہ روزہ نہیں رکھ رہے ہیں، اب اس گاؤں یا اطراف و جوانب میں اس لائق آدمی نہیں جو امامت کرے تو اس صورت میں زید کا امامت کرنا جائز ہوگا، یا اگر دوسرا کوئی امامت کے لائق ہے، مگر امام نہیں، یہی امام

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها، أولئک ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين﴾ ﴿وسعى في خرابها﴾: أى هدمها و تعطيلها، وقال الواحدى: إنه عطف تفسير؛ لأن عمارتها بالعبادة فيها (أولئک) الظالمون المانعون الساعون في خرابها". (روح المعاني مبحث في (و من أظلم ممن منع مساجد الله) الآية: ۱/ ۳۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(قوله: و مسجد حيه أفضل من الجامع): أى الذى جماعته أكثر من مسجد الحي ... بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه و يؤذن فيه و يصلي و لو كان وحده؛ لأن له حقاً عليه فيؤديه". (رد المحتار، مطلب في أفضل المساجد: ۱/ ۶۵۹، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

مقرر ہے، اس صورت میں .... کہ زید روزہ سے نہیں ہے امامت کرسکیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، اللہ پاک نے اس کو مہلت دی ہے کہ پھر بعد میں رکھے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا کہ اس کی امامت کو ناجائز قرار دیا جائے: ﴿فمن كان منكم مريضاً أو على سفرٍ، فعدة من أيام أخر﴾ الآية (۱) لہٰذا زید مذکور کی امامت فرض وتر وتراویح سب میں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تراویح میں سنت طریقہ سے مقتدی ناخوش ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۳۸۷]: اگر کسی مسجد کے امام یا نگران کار وغیرہ سنت طریقہ پر تراویح یا کوئی دیگر دینی کام کرنا چاہیں مگر مصلی اور محلّہ کے لوگ ناراض ہوجائیں تو ایسی صورت میں امام اور متولی ومنتظم مسجد وغیرہ کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت طریقہ پر عمل کیا جائے خلاف سنت کاموں کو رواج نہ دیا جائے جو مصلی سنت پر عمل کرنے سے ناراض ہوں ان کو شفقت اور نرمی سے سمجھایا جائے کہ اس کام سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوتے ہیں جو کہ مسلمان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں، آپ کو ناراض کرکے قیامت میں کیسے شفاعت کی درخواست کرسکیں گے اور بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے کیسے نجات ملے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

تراویح میں نابالغ کی امامت

سوال[۳۳۸۸]: نابالغ کے پیچھے تراویح بقول معتبر بروئے مذہب حنفی جائز ہے یا مکروہ؟ اگر مکروہ

---

(۱) (البقرة: ۱۸۴)

﴿فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر﴾ الآية: أى المريض والمسافر لا يصومون فى حال المرض والسفر، و لما فى ذلك مشقة عليهما، بل يُفطرَان و يقضيان بعد ذلك من أيام أخر". (تفسير ابن كثير، الجزء الثانى، (سورة البقرة، الاية: ۱۸۴): ۱/۲۹۰، مكتبه دار السلام رياض)

ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی؟

المستفتی: غلام مصطفیٰ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مختار قول کی بناء پر مذہب حنفیہ میں نابالغ لڑکے کو بالغین کا امام بنانا جائز نہیں ہے: "ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وصبي مطلقاً ولو في جنازة ونفل على الأصح". درمختار قال الشامي: "والمختار أنه لايجوز في الصلوات كلها". ردالمحتار: ۱/۴۰۶(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ شعبان/ ۵۷ھ۔

نابالغ کی امامت تراویح میں

سوال[۳۳۸۹]: زید کے لڑکے کی عمر ۱۳/ سال ہے، حافظِ قرآن ہے، تراویح میں قرآن پاک سنانا چاہتا ہے، نہ سنانے کی حالت میں قرآن پاک بھول جانے کا اندیشہ ہے، اس کی امامت فرض وتراویح میں درست ہے یا نہیں؟

مشتاق احمد، مظفر منزل، ہیڈ کلرک میونسپل بورڈ، سکندرآباد، ضلع بلندشہر، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ لڑکا بالغ ہے تب تو اس کے پیچھے فرض اور تراویح سب نمازیں صحیح ہیں، اگر وہ نابالغ ہے تو اس کے پیچھے نہ فرض نماز صحیح ہے نہ تراویح۔ فرض اور تراویح سب کی امامت کے لئے مفتی بہ قول پر بلوغ شرط ہے اور اس بارہ میں خود لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔ قرآن شریف بھول جانے کے خوف سے نابالغ کا تراویح پڑھانا درست نہیں، البتہ اگر اس کے سب مقتدی بھی نابالغ ہوں تو امامت درست ہوگی۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۱/۵۷۷، ۵۷۸، کتاب الصلوة، باب الإمامة، سعيد)

"والمختار أنه لايجوز في الصلوات كلها، كذا في الهداية. وهو الأصح، هكذا في المحيط. وهو قول العامة، وهو ظاهر الرواية، هكذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس، الفصل الثالث: ۱/۸۵، رشيديه)

"ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبى مطلقاً، ولو فى جنازة ونفل على الأصح".

درمختار۔ قال الشامى: "والمختار أنه لايجوز فى الصلوات كلها". :۱/۶۰٤(۱) كذا فى الهنديه: ۱/۸٤(۲)۔

"وفيه: إمامة الصبى المراهق للصبيان مثله يجوز، كذا فى الخلاصة"(۳)۔ "وأدنى المدة فى حقه اثنا عشرة سنةً، وفى حقها تسع سنين، يعنى لو ادعيا البلوغ فى هذه المدة، تقبل فيها". بحر : ۸/۸۵(٤)۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/شعبان/۵۳ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ۲/شعبان/۵۳ھ۔

نابالغ کی امامت تراویح میں

سوال[۳۳۹۰]: دس بارہ سال کا لڑکا حافظ قرآن ہوجائے، نابالغ ہے تو کیا وہ ماہ رمضان شریف میں تراویح دیگر لوگوں کو سنا سکتا ہے؟ مقتدیوں کی تراویح اور ختم ہوجائے گی؟

مولوی غلام احمد صاحب شیخ الجامعہ مدرسہ عالیہ بہاولپور کا فتویٰ موجود ہے کہ "نابالغ حافظ تراویح میں قرآن شریف سنا سکتا ہے اور تراویح ہوجاتی ہے"۔ کیا مسئلہ مختلف فیہ ہے؟ اور اگر مختلف فیہ ہے تو فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

فتاویٰ قاضی خان فى امامة الصبيان فى التراويح میں ہے:

"اختلفوا فيه قال مشايخ العراق و بعض مشايخ بلخ: لا يجوز، و قال بعضهم: يجوز. وعن نصر بن يحيىٰ أنه سئل عنها؟ قال: يجوز إذاكان ابن عشر سنين، و قال شمس الأئمة

---

(۱) (ردالمحتار على الدارلمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۷۷، ۵۷۸، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس ، الفصل الثالث : ۱/۸۵، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس ، الفصل الثالث : ۱/۸۵، رشيديه)

(٤) (البحر الرائق، كتاب الإكراه ، باب الحجر ، فصل فى حد البلوغ : ۸/۱۵۴، رشيديه)

(و كذا فى الدرالمختار، فصل، قبيل كتاب المأذون: ۶/۱۵۴، سعيد)

السرخسي: الصحيح أنه لا يجوز؛ لأنه غير مخاطب، وصلاته ليست بصلوة على الحقيقة، فلا يجوز إمامته كإمامة المجنون. إن أم الصبيان يجوز؛ لأن صلوة الإمام مثل صلوة المقتدى الخ": ۲٤٣/۱(۱) ـ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ـ

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا ـ

تراویح میں نابالغ کی امامت

سوال[۲۳۹۱]: ایک لڑکا حافظ قرآن ہے اس کی عمر اس سال شعبان المعظم ختم ہونے پر چودہ سال نو ماہ ہوگی، بظاہر کوئی علامت بلوغ کی نہیں پائی جاتی ـ تو وہ اس سال رمضان میں تراویح سنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اس کو رمضان المبارک آنے سے پہلے احتلام شروع ہوجائے تو اس کو امام بنا کر تراویح اس کے پیچھے پڑھنا درست ہوگا (۲) ورنہ نہیں (۳) ـ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ـ

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۴/۸۹ھ ـ

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في إمامة الصبيان في التراويح: ۲۴۳/۱، رشيديه)

"و لا يصح اقتداء رجل بامرأة و صبي مطلقاً) و لو في جنازة و نفل على الأصح".

(الدرالمختار). "(قوله: ونفل على الأصح) قال في الهداية: و في التراويح و السنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، و لم يجوزه مشايخنا ...... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها، المراد بالسنن المطلقة السنن الرواتب". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۵۷۷/۱، ۵۷۸، سعيد)

(۲) "(بلوغ الغلام بالاحتلام والإنزال .... فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتمّ لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا". (الدر المختار، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام بالاحتلام الخ: ۱۵۳/۶، سعيد)

(۳) "(لا يصح اقتداء رجل بامرأة و صبي مطلقاً) ولو في جنازة و نفل على الأصح". (الدرالمختار).

"(قوله: ونفل على الأصح) قال في الهداية: و في التراويح و السنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، و لم يجوزه مشايخنا ...... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها، المراد بالسنن المطلقة السنن الرواتب". (رد المحتار، باب الامامة: ۵۷۷/۱، ۵۷۸، سعيد) .... =

نابالغ کی امامت تراویح میں

سوال[۳۳۹۲]: نابالغ کے پیچھے تراویح کی اقتداء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور وہ ختم تراویح کراسکتا ہے یا نہیں؟

اکبر علی کچھاڑی، طالب علم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نابالغ کے پیچھے بالغین کی نماز فرض، وتر، تراویح وغیرہ کچھ بھی درست نہیں، جب وہ بالغ ہوجائے گا تو اس کی امامت درست ہوسکے گی بالغ ہونے کی علامت احتلام وانزال ہے ورنہ پندرہ سال کی عمر میں:

"و لا یصح اقتداء الرجل بامرأة و صبی مطلقاً و لو فی جنازة و نفل علی الاصح، اهـ".

در مختار۔ "إنه لا یجوز فی الصلاة کلها، والمراد بالسنن المطلقة السنن الرواتب، الخ".

شامی: ۱/۵٤۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تراویح اور وتر میں عورتوں کی جماعت

سوال[۳۳۹۳]: میں نے اپنے بھائی سے قرآن حفظ کیا اور میں تراویح سنانا چاہتی ہوں، اس کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ اور سامع کس کو بناؤں جب کہ کوئی حافظ نہ ملتا ہو، کیا نابالغ لڑکا سامع بن سکتا ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمادیں وتر کیسے پڑھی جائے گی اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

= (و کذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی إمامة الصبیان فی التراویح: ۱/۲۴۳، رشیدیه)

(۱) (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۷۷، ۵۷۸، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی إمامة الصبیان فی التراویح: ۱/۲۴۳، رشیدیه)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۰۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

نابالغ کا سامع بننا درست ہے جب کہ اس کو یاد ہو اور لقمہ دے سکے(۱)، مگر آپ کو امام بن کر جماعت کرانا اور تراویح میں قرآن پاک سنانا نہیں چاہئے، تنہا تراویح میں یا نوافل میں جتنا چاہیں پڑھا کریں، بغیر نماز کے نابالغ حافظ کو سنادیا کریں۔عورتوں کی جماعت مکروہ ہے فرض میں بھی، وتر میں بھی، تراویح میں بھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کی امامت تراویح میں

سوال[۳۳۹۴]: اگر کوئی عورت حافظ قرآن ہو تو مثل مردوں کے ختم فی التراویح بصورتِ امامت اور جماعتِ نساء اس کے لئے درست ہے یا کسی شرعی قباحت کو مستلزم ہے؟ اگر کوئی قباحت ہے، تو بقائے حفظ کی اہمیت وضرورت بقاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات" وبقاعدہ "الکراهية ترتفع عند العذر والحاجة" اس قباحت پر غالب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"وكره جماعة النساء بواحدة منهن". مراقی الفلاح. "(قوله: و كره جماعة النساء) تحريماً للزوم أحد المحظورين: قيام الإمام في الصف الأول وهو مكروه، أو تقدم الإمام و هو

---

(۱) "و فتح على إمامه لم تفسد .... وفتح المراهق كالبالغ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۹۹/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱۱/۲، رشيديه)

(۲) "و يكره تحريماً (جماعة النساء) ولو في التراويح". (الدر المختار). "(قوله: ولو في التراويح) أفاد أن الكراهة في كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضاً و نفلاً". (ردالمحتار، باب الإمامة: ۵۶۵/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة: ۸۵/۱، رشيديه)

أیضاً مکروه فی حقهن الخ". طحطاوی، ص:١٦٦(١)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ عورت کا امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھانا............مکروہ تحریمی ہے۔

بقائے حفظ کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ خارج نماز میں روزانہ والدہ، والد، بھائی، بہن، شوہر، اولاد کسی کو سنادیا کرے اور جتنا سنائے اس کو تراویح یا دوسری نمازوں میں پڑھ لیا کرے، اس سے حفظ بھی باقی رہے گا، اور نمازوں میں طویل قرأت کی عادت بھی ہوجائے گی اور کوئی محظور بھی لازم نہیں آئے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تراویح اور اس کے ضروری مسائل

سوال[۳۳۹۵]: مسئلہ:۱......کل تراویح حنفیہ کے نزدیک بیس رکعت ہیں (۲) اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے، اگر تمام اہل محلہ تراویح چھوڑ دیں تو سب ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار ہوں گے، کبیری (۳)۔

مسئلہ:۲......اکثر اہلِ محلہ نے تو تراویح جماعت سے پڑھی مگر اتفاقاً ایک دو شخص نے جماعت سے نہیں پڑھی بلکہ اپنے مکان میں تنہا پڑھی تب بھی سنت ادا ہوگئی۔ کبیری (۴)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۳۰۴، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱/۵۶۵، باب الإمامة، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۲۵۰، امدادیه ملتان)

(۲) قال العلامة الحلبی: "(تنبیه) ...... ان التراویح عندنا عشرون رکعةً بعشر تسلیمات، وهو مذهب الجمهور". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص:۴۰۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی تنویر الأبصار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، سعید)

(۳) "إن الجماعة فیها سنة (علی سبیل الکفایة، حتی لو ترک أهل محلة کلهم الجماعة) وصلوا فی بیوتهم، فقد ترکوا السنة، و قد أساؤا فی ذلک". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص:۴۰۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) قال العلامة الحلبی: "(وإن أقیمت التراویح) فی المسجد بالجماعة (وتخلف عنها) رجل (من أفراد الناس یصلی فی بیته، فقد ترک الفضیلة لا السنة)". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، =

مسئلہ:۳......گھر پر تراویح کی جماعت کرنے سے بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی لیکن مسجد میں پڑھنے کا جو ستائیس درجہ ثواب ہے وہ نہیں ملے گا۔کبیری (۱)۔

مسئلہ:۴......تراویح کی جماعت عشاء کی جماعت کے تابع ہے (لہذا عشاء کی جماعت سے پہلے جائز نہیں) اور جس مسجد میں عشاء کی جماعت نہیں ہوئی وہاں پر تراویح کو بھی جماعت سے پڑھنا درست نہیں۔ کبیری (۲)۔

مسئلہ:۵......ایک شخص تراویح پڑھ چکا امام بن کر یا مقتدی ہو کر، اب اسی شب میں اس کو امام بن کر تراویح پڑھنا درست نہیں، البتہ دوسری مسجد میں اگر تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو وہاں (بنیتِ نفل) شریک ہونا بلا کراہت جائز ہے۔کبیری (۳)۔

مسئلہ:۶......ایک امام کے پیچھے فرض اور دوسرے کے پیچھے تراویح اور وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔کبیری (۴)۔

= ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "(وإن صلى) أحد (في بيته بالجماعة) حصل لهم. ثوابها وأدركوا فضلها، ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التي تكون (في المسجد) لزيادة فضيلة المسجد، و تكثير جماعته، وإظهار شعائر الإسلام". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) قال العلامة الحلبي: "وفي القنية: لو تركوا الجماعة في الفرض، ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعةً؛ لأنها تبعٌ للجماعة". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمي)

(۳) "(ولو أم) رجل (في التراويح، ثم اقتدى بآخر في تراويح تلك الليلة) أيضاً (لا يكره) له ذلك، كما لو صلى المكتوبة إمامٌ ثم اقتدى فيها متنفلاً بإمام آخر، و هذا لأن صلاة النفل غير التراويح. ولو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد كره، وكذا لو صلاها مرتين ماموماً في مسجد واحد، وإن في مسجدين اختلف فيه: حكي عن أبي بكر الإسكاف أنه لايجوز: يعني لا يجوز تراويح أهل المسجد الثاني، واختاره أبو الليث رحمه الله تعالىٰ. و قال أبو النصر: يجوز لأهل المسجدين جميعاً كما لو أذن وأقام و لم يصل، فكذا في التراويح، والظاهر أن هذا بناء على صحة التراويح بنية النفل المطلق و عدمها". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) لم أجد في الحلبي منطبقةً على هذه المسئلة، وقد ظفرت عليها في الفتاویٰ العالمكيرية، قال فيها: "جاز أن يصلي الفريضةَ أحدهما والتراويح الآخر، وقد كان عمر رضي الله تعالىٰ عنه يؤمهم في =

مسئلہ:۷...... کسی مسجد میں ایک مرتبہ تراویح کی جماعت ہوچکی تو دوسری مرتبہ اسی شب میں وہاں تراویح کی جماعت جائز نہیں لیکن تنہا تنہا پڑھنا درست ہے۔ بحر (۱)۔

مسئلہ:۸...... نابالغ کو تراویح کے لئے امام بنانا درست نہیں۔ کبیری (۲)، البتہ اگر وہ نابالغوں کی امامت کرے تو جائز ہے۔ خانیہ (۳)۔

مسئلہ:۹...... اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف غلط پڑھتا ہو تو دوسری مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ عالم گیری (۴)۔

مسئلہ:۱۰...... اجرت مقرر کرکے امام کو تراویح کے لئے بُلانا مکروہ ہے۔ عالم گیری (۵)۔

مسئلہ:۱۱...... ہر ترویحہ پر یعنی چار رکعت پڑھ کر اتنی ہی دیر یعنی چار رکعت کے موافق جلسۂ استراحت مستحب ہے، (اسی طرح پانچویں ترویحہ کے بعد وتر سے پہلے بھی جلسہ مستحب ہے، لیکن اگر مقتدیوں پر اس سے

= الفريضة والوتر، وكان أبيّ رضي الله تعالىٰ عنه يؤمهم في التراويح، كذا في السراج". (فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(۱) "ولو صلوا التراويح، ثم أرادوا أن يصلوا ثانياً، يصلون فرادىٰ. انتهى". (البحرالرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۰، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحلبي: "(وإذا بلغ الصبي عشر سنين فأمّ) البالغين (في التراويح يجوز، و ذكر في بعض الفتاوى أنه لا يجوز، وهو المختار) وقال شمس الأئمة السرخسي: هو الصحيح". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) "وإن أمّ (أي الصبيُّ) الصبيان يجوز؛ لأن صلاة الإمام مثل صلاة المقتدي". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في إمامة الصبيان في التراويح: ۱/۲۴۳، رشيديه)

(۴) "قال الإمام: إذا كان إمامه لحاناً، لا بأس بأن يترك مسجده ويطوف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(۵) "ويكره للرجال أن يستأجروا رجلاً يؤمهم في بيتهم؛ لأن استئجار الإمام فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع، في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

گرانی ہوتو نہ بیٹھے، عالم گیری (۱) اور اتنی دیر تک اختیار ہے کہ تسبیح، قرآن شریف، نفلیں جو دل چاہے پڑھتا رہے، اہلِ مکہ کا معمول طواف کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا ہے اور اہلِ مدینہ کا معمول چار رکعت پڑھنے کا۔ کبیری (۲)۔ اور یہ دعا بھی منقول ہے:

"سبحان ذی الملك والملكوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء و الجبروت، سبحان الملك الحی الذی لا یموت، سبوح، قدوس، رب الملائكة والروح، لاإله إلا الله، نستغفر الله نسألك الجنة، و نعوذ بك من النار". شامی (۳)۔

مسئلہ:۱۲...... دس رکعت پر جلسۂ استراحت کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ کبیری (۴)۔

مسئلہ:۱۳...... ہر شفعہ کے بعد دو رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھنا بدعت ہے۔ کبیری (۵)۔

مسئلہ:۱۴...... دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے اور چار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، آٹھ رکعت

---

(۱) "ويستحب الجلوس بين الترويحتين قدر ترويحة، وكذا بين الخامسة والوتر، كذا في الكافي، وهكذا في الهداية. ولو علم أن الجلوس بين الخامسة والوتر يثقل على القوم، لا يجلس، هكذا في السراجية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۵، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحلبي: "(فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة) وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتاً وإن شاء هلّل أو سبح أو قرأ أو صلى نافلةً منفرداً .... فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أربع أسبوعاً، ويصلوا ركعتي الطواف، و عادة أهل المدينة أن يصلوا أربع ركعات". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعيد)

(۴) "(وإن استراح على خمس تسليمات): أی عقب عشر ركعات (قال بعضهم: لا بأس به): أی لا يكره، (وقال أكثر المشايخ: لا يستحب) ذلك لمخالفة عمل أهل الحرمين. و قوله: (لا يستحب كنايةٌ عن الكراهة التنزيهية". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۵) قال العلامة الحلبي: "و من المكروه ما يفعله بعض الجهال من صلوة ركعتين منفرداً بعد كل ركعتين؛ لأنها بدعة". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

بھی ایک سلام سے پڑھنا مکروہ نہیں (مگر ہر ترویحہ پر جلسۂ استراحت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی)، البتہ اس سے زائد خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔ کبیری (۱)۔ 7

مسئلہ:۱۵......کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ تراویح کی جماعت شروع ہوگئی تھی تو اس کو چاہئے کہ پہلے فرض اور سنتیں پڑھے اس کے بعد تراویح میں شریک ہو اور چھوٹی ہوئی تراویح دو ترویحوں کے درمیان جلسہ کے وقت پوری کرلے، اگر موقعہ نہ ملے تو وتروں کے بعد پڑھے اور وتروں یا تراویح کی جماعت چھوڑ کر تنہا نہ پڑھے۔ کبیری (۲)۔

مسئلہ:۱۶......اگر بعد میں معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے عشاء کے فرض صحیح نہیں ہوئے، مثلاً: امام نے بغیر وضو پڑھائے یا کوئی رکن چھوڑ دیا تو فرضوں کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہئے، اگرچہ یہاں وہ وجہ موجود نہ ہو۔ کبیری (۳)۔

مسئلہ:۱۷......قیامِ لیلِ رمضان یا تراویح یا سنتِ وقت یا صلوۃ امام کی نیت کرنے سے تراویح ادا

---

(۱) "من مذهب أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه كل ركعتين عن تسليمة، وعند البعض يجوز الكل عن تسليمة واحدة، و في ظاهر الرواية عنه: يجوز عن أربع تسليمات بناءً على أن الزيادة على الثمان بتسليمة واحدة يكره". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض، و شرع في التراويح، فإنه يصلي الفرض أولاً و حده، ثم يتابعه في التراويح. (الحلبي، ص:۴۱۰)..........(إن فاتته) مع الإمام (ترويحة أو ترويحتان) أو أكثر هل يقضيها قبل الوتر أو يوتر ثم يقضيها؟ (ذكره في الذخيرة) فقال: اختلف المشايخ في زماننا قال بعضهم: يوتر مع الإمام ثم يقضي) ما فاته من التراويح إحرازاً لفضيلة الوتر بالجماعة مع أن التراويح تجوز بعده. (وقال بعضهم: يصلي التراويح المتروكة ثم يوتر) بناءً على أن وقتها قبل الوتر، فيلزم تقديمها عليه". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) قال العلامة الحلبي : "و لو صلى العشاء بإمام): أي مع إمام أو مقتدياً بإمام (وصلى التراويح بإمام آخر، ثم علم أن الإمام) الأول كان قد(صلى العشاء على غير وضوء) أو علم فسادها بوجه من الوجوه؛ فإنه (يعيد العشاء) لفسادها (و) يعيد (التراويح) تبعاً لها كما يعيد سنتها، ولا يلزمه إعادة الوتر". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

ہوجائیں گی۔ خانیہ(۱)۔

مسئلہ:۱۸......مطلقاً نماز یا نوافل کی نیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ خانیہ (۲)۔

مسئلہ:۱۹......اگر کسی نے عشا کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور امامِ تراویح کے پیچھے سنتِ عشاء کی نیت کر کے اقتدا کیا، تو یہ جائز ہے۔ خانیہ (۳)۔

مسئلہ:۲۰......اگر امام دوسرا یا تیسرا شفعہ پڑھ رہا ہے اور کسی مقتدی نے اس کے پیچھے پہلے شفعہ کی نیت کی، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ خانیہ (۴)۔

مسئلہ:۲۱......اگر تراویح کسی وجہ سے فوت ہوجائیں تو ان کی قضاء نہیں، نہ جماعت کے ساتھ، نہ بغیر جماعت کے، اگر کسی نے قضاء کی تو تراویح نہ ہونگی، بلکہ نفلیں ہونگی۔ بحر (۵)۔

مسئلہ:۲۲......اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فوت ہوگیا یا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضاء کرنا مکروہ ہے۔ خانیہ (۶)۔

---

(۱) "إن نوى التراويح أو سنة الوقت أو قيام الليل في رمضان، جاز". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في نية التراويح: ۲۳۶/۱، رشيديه)

(۲) "إن التراويح لا تتادى إلا بنية التراويح أو بنية السنة في هذا الوقت". (الخانية على هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في نية التراويح : ۲۳۷/۱، رشيديه)

(۳) "ولو اقتدى بإمام في التراويح، والمقتدي نوى سنة العشاء بأن لم يكن صلى السنة بعد العشاء حتى قام الإمام إلى التراويح، جاز". (فتاویٰ قاضی خان، المصدر السابق)

(۴) "لو اقتدى بإمام يصلي التسلمية الثانية أو العاشرة والمقتدي نوى التسليمة الأولىٰ أو الخامسة، جاز ؛لأن الصلوة واحدة، و ليس عليه أن ينوي التسلمية الأولى أو الثانية". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، فصل في نية التراويح : ۲۳۷/۱، رشيديه)

(۵) "وإذا فاتت التراويح لا تُقضى بجماعة، والأصح أنها لا تقضى أصلاً، فإن قضاها وحده، كان نفلاً مستحباً لا تراويح كسنة المغرب والعشاء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۱۱۹/۲، رشيديه)

(۶) "وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح، يكره". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل في وقت التراويح : ۲۳۶/۱، رشيديه)

مسئلہ:۲۳......اگر امام نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا، بلکہ چار پڑھ کر قعدہ کیا تو یہ اخیر کی دو رکعت شمار ہوں گی۔کبیری(۱)۔

مسئلہ:۲۴......اگر وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا، ایک شفعہ مثلاً رہ گیا، تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے(۲)۔

مسئلہ:۲۵......اگر بعد میں یاد آیا کہ ایک مرتبہ صرف ایک ہی رکعت پڑھی گئی اور شفعہ پورا نہیں ہوا اور کل تراویح انیس ہوتی ہیں تو دو رکعت اور پڑھ لی جائے، یعنی صرف شفعہ فاسدہ کا اعادہ ہوگا اور اس کے بعد کی تمام تراویح کا اعادہ نہ ہوگا۔کبیری(۳)۔

مسئلہ:۲۶......جب شفعۂ فاسدہ کا اعادہ کیا جائے تو اس میں جس قدر قرآن شریف پڑھا تھا، اس کا بھی اعادہ کرنا چاہئے تاکہ تمام قرآن شریف صحیح نماز میں ختم ہو۔خانیہ(۴)۔

---

(۱) قال العلامة الحلبی : "(وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة و) الحال (أنه لم يقعد على ركعتين) منها قدر التشهد (تجزی) الأربع (عن تسليمة واحدة): أی عن ركعتين عند أبی حنيفة و أبی يوسف (وهو المختار) فإذا تركها، كان ينبغی أن تفسد صلاته أصلاً .... وهو القياس، وإنما جاز استحساناً، فأخذنا بالقياس فی فساد الشفع الأول، و بالاستحسان فی حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه فی الشفع الثانی، و قد أتمه بالقعدة، فجاز عن تسليمة واحدة". (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، التراويح، ص:۴۰۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "(ولو تذكروا تسليمةً) كانوا قد سهوا عنها، فتذكروها (بعد) ما صلوا صلاة الوتر، قال أبو بكر بن الفضل: لا يصلون بجماعة؛ لأنها فاتت عن محلها، والجماعة إنما شرعت فی التراويح إذا كانت فی محلها، (وقال الصدر الشهيد: يجوز أن يقال: تصلى) تلك التسليمة (بجماعة)؛ لأن وقتها باق؛ لأنه الليل كله بعد العشاء وبعد الوتر". (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، التراويح، ص:۴۰۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) قال العلامة الحلبی: "(ولو سلم الإمام على رأس ركعة ساهياً فی الشفع الأول) من التراويح (ثم صلى ما بقی) منها (على وجهها) قيل: أن يعيد ذلك الشفع (قال مشايخ بخاری: يقضی الشفع الأول لا غير)؛ لأن كل شفع صلوة على حدة". (الحلبی الكبير، فصل فی النوافل، التراويح، ص:۴۰۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "وإذا فسد الشفع من التراويح و قد قرأ فيه هل يُعتدّ بما قرأ؟ قال بعضهم: لا يعتد، ليحصل الختم=

مسئلہ:۲۷......ایک شخص تراویح سمجھ کر نماز میں شریک ہوا، پھر معلوم ہوا کہ امام وتر پڑھ رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت بھی اپنی رکعت میں ملالے، لیکن اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اور چوتھی رکعت نہیں ملائی تب بھی اس کے ذمہ اس کی قضاء نہیں (۱)۔

مسئلہ:۲۸......اگر تمام نمازیوں اور امام کو شک ہوا کہ ۱۸/ تراویح ہوئی ہیں یا بیس پوری ہوگئیں تو دو رکعت بلا جماعت اور پڑھ لی جائیں۔کبیری (۲)۔

مسئلہ:۲۹......اگر تمام مقتدیوں کو تو شک ہوا، لیکن امام کو شک نہیں ہوا، بلکہ کسی ایک بات کا یقین ہے تو وہ اپنے یقین پر عمل کرے اور مقتدیوں کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔کبیری (۳)۔

مسئلہ:۳۰......اگر بعض کہتے ہیں کہ بیس پوری ہوگئیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ اٹھارہ ہوئی ہیں، تو جس طرف امام کا رجحان ہو اس پر عمل کرے۔کبیری (۴)۔

مسئلہ:۳۱......اگر اٹھارہ پڑھ کر امام سمجھا کہ بیس پوری ہوگئیں اور وتروں کی نیت باندھ لی، مگر دو رکعت پڑھ کر یاد آیا کہ ایک شفعہ تراویح کا باقی رہ گیا ہے، جب ہی دو رکعت پر سلام پھیر دیا، تو یہ شفعہ تراویح کا شمار نہ

= في الصلوات الجائزة". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱/۲۳۸، رشيديه)

(۱) قال الحلبي: "اقتدى به على ظن أنه في التراويح، فإذا هو في الوتر، يتمه معه و يضم إليها رابعةً و لو أفسدها، لا شيء عليه". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "(وإذا شكوا): أي الإمام والقوم (في أنهم) هل (صلّوا تسع تسليمات) ثماني عشر ركعة (أو عشر تسليمات؟ ففيه اختلاف: والصحيح أنهم يصلون بتسليمة) أخرى (فرادى) للاحتياط في الموضعين إكمال التراويح بيقين والاحتراز عن التنفل الزائد عليها بالجماعة، هذا إذا اتفق الكل على الشك". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) "إذا كان الإمام وحده في طرف وهو متيقن، عمل بما عنده ولا يلتفت إلى قول الجماعة". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "فإن اختلفوا وكان الإمام مع بعضهم، رجح إذا ادعى كل فريق اليقين". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

ہوگا۔خانیہ(۱)۔

مسئلہ:۳۲......اگر کسی کی صبح کی نماز قضاء ہوگئی تھی، اس کی نیت سے تراویح پڑھی، تو یہ تراویح ادا نہ ہوں گی۔خانیہ(۲)۔

مسئلہ:۳۳......اگر تین رکعت پر سلام پھیر دیا تو دو رکعت پر اگر بیٹھ چکا تھا تب تو ایک شفعہ صحیح ہوگیا اور چونکہ دوسرا شفعہ شروع کر چکا تھا، اس لئے اس کی قضاء ہوگی(۳)۔

مسئلہ:۳۴......اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا تو پہلا شفعہ بھی صحیح نہیں ہوا، لہذا اس کی قضاء ضروری ہے۔خانیہ(۴)۔

مسئلہ:۳۵...... بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے تراویح ادا ہو جائے گی، مگر ثواب نصف ملے گا۔ عالمگیری(۵)۔

---

(۱) "ولو صلى من التراويح تسع تسليمات، و شرع في الوتر فاقتدى به رجل في الوتر، ثم علم الإمام أنه صلى تسع تسليمات، لم يجز للمقتدي ما نوى؛ لأنه نوى التراويح، والإمام نوى الوتر .... هذا بناء على أن التراويح لا تتأدى إلابنية التراويح أو بنية السنة في هذا الوقت". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في نية التراويح : ۱/۲۳۷، رشيديه)

(۲) "ولو صلى التراويح بنية الفوائت من صلاة الفجر، لم تكن محسوبةً عن التراويح". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الهندية، فصل في نية التراويح : ۱/۲۳۷، رشيديه)

(۳) "وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة، فهو على وجهين: إما إن قعد في الثانية أو لم يقعد، فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين؛ لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول، فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة، كان عليه قضاء ركعتين". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۱/۲۴۰، رشيديه)

(۴) "وإن لم يقعد في الثانية ساهياً أو عامداً .... تفسد صلاته، ويلزمه قضاء ركعتين لا غير". (فتاویٰ قاضي خان، فصل في السهو : ۱/۲۴۱، رشيديه)

(۵) "اتفقوا على أن أداء التراويح قاعداً لا يستحب بغير عذر، واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: يجوز و هو الصحيح، إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ۱/۱۱۸، رشيديه)

مسئلہ:۳۶......اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے، تب بھی مقتدیوں کو کھڑے ہوکر پڑھنا مستحب ہے۔خانیہ(۱)۔

مسئلہ:۳۷......امام جب تشہد کے لئے بیٹھا تو ایک مقتدی سو گیا، امام نے سلام پھیر کر دوسرا شفعہ پڑھا اور جب تشہد کے لئے بیٹھا تب یہ سونے والا جاگا، پس اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ دوسرا شفعہ ہے تو سلام پھیر کے دوسرے میں شریک ہوجائے اور امام کے سلام کے بعد کھڑا ہوکر مسبوق کی طرح دو رکعت پڑھے، پھر امام کے ساتھ تیسرے شفعہ میں شریک ہو۔عالمگیری(۲)۔

مسئلہ:۳۸......جماعت ہورہی ہے اور ایک شخص بیٹھا رہتا ہے، جب امام رکوع میں جاتا ہے تو فوراً یہ بھی نیت باندھ کر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوجاتا ہے، یہ فعل مکروہ ہے اور تشبہ بالمنافقین ہے۔کبیری(۳)۔

مسئلہ: ۳۹......جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کو چاہیے کہ کچھ دیر سو رہے، اس کے بعد تراویح پڑھے۔شامی(۴)۔

مسئلہ:۴۰......تراویح کو شمار کرتے رہنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ اُکتا جانے کی علامت ہے۔خانیہ(۵)۔

---

(۱) "يصح اقتداء القائم بالقاعد في التراويح عند الكل، وهو الصحيح .... الحاصل أن الإمام إذا كان قاعداً يستحب القيام للقوم". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في أداء التراويح قاعداً: ۱/۲۴۳، ۲۴۴، رشيديه)

(۲) "رجل شرع في صلاة التراويح مع الإمام، فلما قعد الإمام، نام هو، وسلم الإمام، فأتى بالشفع الآخر و قعد يتشهد، فانتبه الرجل، إن علم ذلك، يسلم و يدخل مع الإمام و يوافقه في التشهد، فإذا سلم الإمام يقوم يأتي بالركعتين سريعاً، و يسلم ويدخل مع الإمام في الشفع الثالث، كذافي الخلاصة".
(الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۹، رشيديه)

(۳) "ويكره للمقتدى أن يقعد في التراويح، فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم؛ لأن فيه إظهار التكاسل، والتشبه بالمنافقين". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "قال في التاتارخانية: وكذا إذا غلبه النوم، يكره له أن يصلي، بل ينصرف حتى يستيقظ".
(ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۸، سعيد)

(۵) "ويكره عدّ الركعات في التراويح لما فيه من إظهار الملابسة". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في أداء التراويح قاعداً: ۱/۲۴۴، رشيديه)

مسئلہ:۴۱...... مستحب یہ ہے کہ شب کا اکثر حصہ تراویح میں خرچ کیا جائے۔بحر(۱)۔

مسئلہ:۴۲...... ایک مرتبہ قرآن شریف ختم کرنا (پڑھ کر یا سنکر) سنت ہے، دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، لہٰذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں، تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہو جائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی۔خانیہ(۲)۔

مسئلہ:۴۳...... جو لوگ حافظ ہیں ان کے لئے فضیلت یہ ہے کہ مسجد سے واپس آکر بیس رکعت اور پڑھا کریں تا کہ دو مرتبہ ختم کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔خانیہ(۳)۔

مسئلہ:۴۴...... ہر عشرہ میں ایک مرتبہ ختم کرنا افضل ہے۔بحر(۴)۔

مسئلہ:۴۵...... اگر مقتدی اس قدر ضعیف اور کاہل ہوں کہ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن شریف نہ سن سکیں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو پھر جس قدر سننے پر وہ راضی ہوں اس قدر پڑھ لیا جائے، یا "الم ترکیف" سے پڑھ لیا جائے، بحر(۵)۔لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کے ثواب سے محروم رہیں

---

(۱) "ویستحب تأخیر التراویح إلی ثلث اللیل، والأفضل استیعاب أکثر اللیل بالتراویح". (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۱۹/۲، رشیدیه)

(۲) "وقال بعضهم -وهو روایة الحسن عن أبی حنیفة-: یقرأ فی کل رکعة عشر آیات، وهو الصحیح؛ لأن فیه تخفیفاً علی الناس، و به تحصل السنة، و هی الختم مرةً واحدةً .... فإذا قرأ فی کل رکعة عشر آیات یحصل الختم فی التراویح والفضیلة فی الختم مرتین". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۲۳۷/۱، رشیدیه)

"السنة فی التراویح إنما هو الختم مرةً .... والختم مرتین فضیلة، والختم ثلاث مرات أفضل، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۷/۱، رشیدیه)

(۳) قال فی الخانیة: "ینبغی للإمام وغیره إذا صلی التراویح و عاد إلی منزله، وهو یقرأ القرآن أن یصلی عشرین رکعةً فی کل رکعة عشر آیات إحرازاً للفضیلة، وهی الختم مرتین". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، فصل فی مقدار القراء ة فی التراویح: ۲۳۸/۱، رشیدیه)

(۴) "وثلاث مرات، فی کل عشرٍ مرةً أفضل". (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشیدیه)

(۵) "و ذکر فی المحیط والاختیار أن الأفضل أن یقرأ فیها مقدار مالا یؤدی إلی تنفیر القوم فی زماننا؛ =

گے۔خانیہ(۱)۔

مسئلہ:۴۶......ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔بحر(۲)۔

مسئلہ:۴۷......اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف ختم نہ کرے تو پھر کسی دوسری مسجد میں جہاں پر ختم ہو، تراویح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔کبیری(۳)، کیونکہ ختم کی سنت وہیں حاصل ہوگی۔

مسئلہ:۴۸......تراویح میں ایک مرتبہ سورت کے شروع میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو بھی زور سے تمام قرآن شریف کی طرح پڑھنا چاہئے، آہستہ پڑھنے سے امام کا تو قرآن شریف پورا ہوجائے گا مگر مقتدیوں کا پورا نہ ہوگا۔احکام البسملۃ (۴)۔

مسئلہ:۴۹......اگر کوئی آیت چھوٹ گئی اور کچھ حصہ آگے پڑھ کر یاد آیا کہ فلاں آیت چھوٹ گئی ہے تو اس کے پڑھنے کے بعد آگے پڑھے ہوئے حصہ کا اعادہ بھی مستحب ہے۔عالمگیری(۵)۔

= لأن تكثير الجمع افضل من تطويل القراء ة. و في المجتبى : والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصاراً و آية طويلة حتى لا يملّ القوم و لا يلزم تعطيلها، وهذا حسن وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفيل إلى آخر القرآن، وهذا حَسنٌ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۱۲۱/۲، رشيديه)

(۱) قال في الخانية : "ولو قرأ بعض القرآن في سائر الصلوات بأن كان القوم يملّون من القراء ة في التراويح، فلا بأس به، لكن يكون لهم ثواب الصلاة، لا ثواب الختم". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراء ة في التراويح : ۲۳۸/۱، رشيديه)

(۲) "ويختم في ليلة السابعة والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۱۲۰/۲، رشيديه)

(۳) "وإذا كان إمام مسجد حية لا يختم، فله أن يترك إلى غيره، انتهى". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "لو قرأ تمام القرآن في التراويح و لم يقرأ البسلمة في ابتداء سورةٍ من السور سِوا ما في "النملة" لم يخرج من عهدة السنية، ولو قرأها سراً خرج من العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة". (أحكام القنطرة في أحكام البسملة، مجموعة رسائل اللكنوي : ۷۱/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۵) "وإذا غلط في القراء ة في التراويح، فترك سورةً أو آيةً و قرأ ما بعدها، فالمستحب له أن يقرأ=

مسئلہ:۵۰......امام نے جب سلام پھیرا تو مقتدیوں میں اختلاف ہوا کہ دو رکعت ہوئی ہیں، یا تین؟ تو جس طرف امام کا رجحان ہو اس پر عمل کرے۔ خانیہ(۱)۔

مسئلہ:۵۱......کسی چھوٹی سورت کا فصل کرنا دو رکعت کے درمیان فرائض میں مکروہ ہے، تراویح میں مکروہ نہیں۔ بحر(۲)۔

مسئلہ:۵۲......اگر مقتدی ضعیف اور سست ہوں کہ طویل نماز کا تحمل نہ کر سکتے ہوں، تو درود کے بعد دعاء چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں، لیکن درود کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ عالمگیری(۳)۔

مسئلہ:۵۳......کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قراءت شروع کر چکا تھا، تو اب اس کو "سبحانك اللهم" نہیں پڑھنا چاہئے۔ کبیری(۴)۔

مسئلہ:۵۴......اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا امام سے کچھ پہلے بھول کر سلام پھیر دیا تو اس پر سجدہ سہو

= المتروكة ثم المقروءة، ليكون على الترتيب، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ۱۱۸/۱، رشيديه)

(۱) "إذا سلم الإمام في ترويحة، فقال بعض القوم: صلى ثلاث ركعات، و قال بعضهم: صلى ركعتين، يأخذ الإمام بما كان عنده في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، و لا يدعُ علمه بقول الغير". (فتاوىٰ قاضي خان، على هامش الهندية، فصل في الشك في التراويح: ۲۳۹/۱، رشيديه)

(۲) "وليس فيه كراهة في الشفع الأول من الترويحة الأخيرة بسبب الفصل بين الركعتين بسورة واحدة؛ لأنه خاص بالفرائض، كما هو ظاهر الخلاصة وغيرها". (البحر الرائق، باب الوتر و النوافل : ۱۲۱/۲، رشيديه)

(۳) "السنة في التراويح إنما هو الختم مرةً، فلا يترك لكسل القوم، كذا في الكافي، بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات، فإنه يتركها إذا علم أنه يثقل على القوم، لكن ينبغي أن يأتي بالصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، هكذا في النهاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح : ۱۱۷/۱، رشيديه)

(۴) قال العلامة الحلبي : "(وإذا أدرك) الشارع في الصلاة عند شروعه (الإمام و هو يجهر) بالقراءة (لا تأتي بالثناء بل يستمع و ينصت) للآية". (الحلبي الكبير، صفة الصلاة، ص: ۳۰۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

واجب نہیں اور امام کے لفظ "السلام" کہنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔ محیط (۱)۔

مسئلہ: ۵۵..... مسبوق اپنی نماز تنہا پوری کرنے کے لئے نہ اٹھے، جب تک کہ امام کی نماز ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے، محیط (۲)، کیونکہ بعض دفعہ امام سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیرتا ہے اور مسبوق اس کو ختم کا سلام سمجھ کر اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں فوراً لوٹ کر امام کے ساتھ شریک ہو جانا چاہئے (۳)۔

مسئلہ: ۵۶..... اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا، یہ فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوا اور جب ہی امام نے رکوع سے سر اٹھالیا، پس اگر سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں گیا تھا اور رکوع میں جھکنے سے پہلے پہلے اللہ اکبر کہہ چکا تھا اور کمر کو رکوع میں برابر کر لیا تھا اس کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھایا ہے، تب تو رکعت مل گئی، تسبیح اگرچہ ایک مرتبہ بھی نہ کہی ہو اور اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں کمر کو برابر نہیں کر سکا، تو رکعت نہیں ملی۔ اور اگر تکبیر سیدھے کھڑے ہو کر نہیں کہی، بلکہ جھکتے ہوئے کہی اور رکوع میں پہنچ کر ختم کی ہے، تو یہ شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا۔ محیط (۴)۔

---

(۱) "إذا سلم المسبوق حتى سلم الإمام ساهياً بنى على صلاته، وعليه سجود السهو ..... وأما سجود السهو فلأنه متى سلم الإمام صار هو كالمنفرد و قدسها حتى يسلم قبل هذا، فتلزمه سجدة السهو قبل هذا إذا سلم بعد الإمام، فأما إذاسلم مع الإمام فلا سهو عليه؛ لأن الإمام لم يخرج عن الصلاة بعد، فكان كأنه سها خلف الإمام". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر في المتفرقات: ۲/۷۹، غفاريه كوئته)

(۲) "ولا ينبغي للمسبوق أن يقوم إلى قضاء ما سبق به قبل سلام الإمام". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان: ۱/۴۲۸، غفاريه كوئته)

(۳) "ثالثها" أنه لو قام إلى قضاء ما سُبق به و على الإمام سجدتا السهو قبل أن يدخل معه، كان عليه أن يعود فيسجد معه مالم يقيد الركعة بسجدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ۱/۹۲، رشيديه)

(۴) "قال أبو حنيفة رحمه الله: لو وقع تكبيرة الافتتاح قائماً وهو مستوى أيضاً صح الشروع، وإن وقع وهو منحط عنه غير مستوى لايجوز، وإن ركع المسبوق وسوى ظهره صار مدركاً للركعة قدر على التسبيح أو لم يقدر، وإن لم يقدر على تسوية الظهر في الركوع حتى رفع الإمام رأسه، ثم ركع هو لم =

مسئلہ:۵۷......اگر کوئی شخص رکوع میں آکر شریک ہوا، مگر رکوع اس کو نہیں ملا، تب بھی سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا اس پر واجب ہے لیکن اگر سجدہ میں شریک نہ ہوا، بلکہ سجدہ کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا، تب بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ بحر(۱)۔

مسئلہ:۵۸......اگر قیام میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا مگر رکوع امام کے ساتھ نہیں کیا، بلکہ رکوع امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کیا تب بھی رکعت مل گئی۔ محیط(۲)۔

مسئلہ:۵۹......اگر رکوع میں امام کے ساتھ آکر شریک ہوا اور صرف ایک ہی تکبیر کہی، تب بھی نماز صحیح ہوگئی، اگر چہ اس تکبیر سے رکوع کی تکبیر کی نیت کی ہو اور تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کی ہو، اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ فتح القدیر(۳) بشرطیکہ تکبیر کھڑے ہو کر کہی ہو رکوع میں نہ کہی ہو۔

مسئلہ:۶۰......آیت سجدہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔ محیط(۴)۔

= يصير مدركاً للركعة". (المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثالث والثلاثون في بيان حكم المسبوق واللاحق: ۳۴۷/۲، المكتبة الغفارية)

(۱) "ثم اعلم أنه إذا لم يكن مدركاً للركعة، فإنه يجب عليه أن يتابع الإمام في السجدتين وإن لم يحتسبا له كما لو اقتدى بالإمام بعد ما رفع الإمام رأسه من الركوع .... وصرح في الذخيرة بأن المتابعة فيهما واجبة، ومقتضاه أنه لو تركهما، لا تفسد صلاته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱۳۵/۲، مكتبه رشيديه)

(۲) "ولو كبر قبل ركوع الإمام ولم يركع معه حتى رفع الإمام رأسه من الركوع ثم ركع هو صار مدركاً للركعة". (المحيط البرهاني، المصدر السابق نفسه)

(۳) "ومدرك الإمام في الركوع لا يحتاج إلى تكبيرتين خلافاً لبعضهم، ولو نوى بتلك التكبيرة الواحدة الركوع، لا الافتتاح، جاز ولغت نيته". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۳۸۳/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "فنقول: التالي لآية السجدة تلزمه السجدة بتلاوته إذا كان أهلاً لوجوب الصلاة عليه، وكذلك الحكم في حق السامع من كان أهلاً بوجوب الصلاة عليه، تلزمه السجدة بالسماع. ومن لا يكون أهلاً لوجوب الصلاة عليه نحو الحائض، أو الكافر، أو الصبي، أو المجنون، لا تلزمه السجدة بالسماع".
(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، نوع آخر في بيان من =

مسئلہ:۶۱ ......سورہ حج میں پہلا سجدہ واجب ہے، دوسرا نہیں ۔محیط (۱)۔

مسئلہ:۶۲ ......اگر خارج نماز آیتِ سجدہ کی تلاوت کی، مگر سجدہ نہیں کیا، نماز میں وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں دفعہ کی تلاوت کے لئے کافی ہے اگر پہلے سجدہ کرلیا تھا تو اب دوبارہ بھی سجدہ کرنا چاہئے ۔محیط (۲)۔

مسئلہ:۶۳ ......اگر امام نے آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور کوئی شخص آیتِ سجدہ سن کر امام کے ساتھ اس سجدہ کے بعد اسی رکعت میں شریک ہوگیا، تو اس کے ذمہ سے یہ سجدہ ساقط ہوگیا، اگر اس رکعت میں شریک نہیں ہوا تو اس کو خارجِ صلوۃ علیحدہ سجدہ کرنا چاہئے ۔محیط (۳)۔

مسئلہ:۶۴ ......آیتِ سجدہ کے بعد فوراً ہی سجدہ کرنا افضل ہے، لیکن اگر نماز میں آیتِ سجدہ کے بعد سجدہ نہ کیا، بلکہ رکوع کیا اور اس میں اس سجدہ کی نیت کرلی، تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا، اگر رکوع میں نیت نہیں کی، تو

= تجب علیه هذه السجدة : ۱۰۶/۲ ، غفاریه کوئٹه)

(۱) "عندنا سجدة التلاوة فی سورة الحج واحدة، وهی الأولی ". (المحیط البرهانی، الفصل الحادی والعشرون فی سجدة التلاوة : ۱۰۲/۲ ، غفاریه کوئٹه)

(۲) "وإن قرأها فی غیر صلاة وسجد، ثم افتتح الصلاة فی مکانه ، فقرأها، فعلیه سجدة أخری.......... وإن لم یکن سجد أولاً، ثم شرع فی الصلاة فی مکانه ، فقرأ ها، یسجد لهما جمیعاً، أجزاه عنهما فی ظاهر الروایة ". (المحیط البرهانی، الفصل الحادی والعشرون فی تکرار آیة السجدة : ۱۱۲/۲ ، غفاریه کوئٹه)

(۳) "إذا قرأ الإمام آیة السجدة، سمعها رجلٌ لیس معه، ثم دخل الرجل فی صلاة الإمام، فهذه المسئلة علی وجهین: الأول : أن یکون اقتداء ه قبل أن یسجد الإمام ، و فی هذا الوجه علیه أن یسجد مع الإمام .... وإذاسجد مع الإمام، سقط عنه لزمه بحکم سماعه قبل الإمام ؛ لأنه لما اقتدی به، صارت قراء ة الإمام قراء ةً له.

الوجه الثانی: إذا اقتدی بعد ما سجد، فلیس علیه أن یسجد ها فی الصلاة کیلا یصیر مخالفاً للإمام .... فأما إذا أدرک الإمام فی الرکعة الأخری، کان علیه أن یسجد ها بعد الفراغ". (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الحادی والعشرون، نوع آخر فی سماع المصلی آیة السجدة ممن معه فی الصلاة أو لیس معه : ۱۱۵/۲ ، غفاریه کوئٹه)

اس کے بعد سجدہ نماز سے بلانیت بھی ادا ہوجائے گا، یہ جب ہے کہ آیتِ سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھا ہو، اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو، تو اب اس سجدہ کا وقت جاتا رہا، نہ نماز میں ادا ہوسکتا ہے نہ خارج نماز، توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ محیط (۱)۔

مسئلہ: ۶۵ ...... اگر آیت سجدہ (جو کہ سورت کے ختم پر ہے) پڑھ کر سجدہ کیا تو اب سجدہ سے اٹھ کر فوراً رکوع نہ کیا جائے (اس خیال سے کہ سورت تو ختم ہوہی گئی) بلکہ تین آیت کی مقدار پڑھ کر رکوع کرنا چاہئے۔ محیط (۲)۔

تراویح کا مسنون طریقہ اور تراویح کے منکرات

سوال [۳۳۹۶]: تراویح کا مسنون طریقہ لکھ دیں اور ساتھ ہی تراویح کے منکرات بھی لکھ دیں۔

---

(۱) "قال في الأصل: وإذا قرأ آية السجدة و هي في آخر السورة إلا آيات يعني، فإن شاء ركع لها، وإن شاء سجد لها. واعلم أن هذه المسئلة على أوجه: أما إن كانت السجدة قريبةً من آخر السورة و بعدها آيتان إلى آخر السورة، فالجواب ما ذكر أنه بالخيار إن شاء ركع لها وإن شاء سجد .... والحكم في هذه الوجوه كلها ما ذكرنا في الوجه الأول، فلو أنه في هذه الوجوه لم يركع لها ولم يسجد على الفور، ولكن قرأ ما بقي من السورة أو خرج إلى سورة أخرى و قرأ منها شيئاً آخر إن قرأ بعدها أنه .... يجزئه الركوع و سجدة الصلاة عن سجدة التلاوة، أما إذا قرأ بعدها ثلاث آيات أو كانت السجدة في وسط السورة، لم يجز الركوع عن السجود؛ لأنه إذا قرأ ثلاث آيات بعد آية السجدة، فقد صارت السجدة ديناً في ذمته، لفوات محل الأداء؛ لأن وقتها وقت وجوبها". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، نوع آخر فيما إذا تلا آية السجدة وأراد أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۱۱۶/۲، ۱۱۸، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو سجد يعود إلى القيام؛ لأنه يحتاج إلى الركوع، والركوع إنما يكون من القيام، و يقرأ بقية السورة آيتين ثم يركع إن شاء، كيلا يصير الركوع على السجدة، و لو شاء ضم إليها من السورة الأخرى آيةً أخرى حتى يصير ثلاث آيات، قال الحاكم الشهيد: وهو أحب إليّ، وهذه القراءة بعد السجدة بطريق الندب لا بطريق الوجوب، حتى أنه لو لم يقرأ جعلها". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، نوع آخر فيما إذا تلا آية السجدة وأراد أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۱۱۶/۲، غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

بیس رکعات ہر دو رکعت پر سلام ہر چار رکعت پر وقفہ پورا قرآن پاک ختم، کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً(۱)۔ جو چیزیں سنت کے خلاف ہوں یا نو ایجاد ہوں، وہ سب منکرات ہیں، آپ کو جس چیز کے متعلق دریافت کرنا ہو، کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(وهي عشرون ركعةً بعشر تسليمات يجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخمسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح و قراءة و سكوت و صلاة فرادىٰ (والختم) مرةً سنة، و مرتين فضيلة، و ثلاثاً أفضل (و لا يترك) الختم (لكسل القوم)" (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، ۴۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۶، ۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۲، ۴۴۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

"لو قرأ تمام القرآن في التراويح، ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوا ما في "النملة" لم يخرج من عهدة السنية، و لو قرأها سراً خرج من العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة". (أحكام القنطرة في أحكام البسملة، مجموعة رسائل اللكنوى: ۱/۱۷، إدارة القرآن، كراچى)

الفصل الثانی فی القراءة فی التراویح

(تراویح میں قراءت کی کیفیت کا بیان)

تراویح میں بسم اللہ کی حیثیت

سوال[۳۳۹۷]: ختم تراویح میں سورتوں کے درمیان "بسم اللہ" الخ پڑھنا، جہراً یا سراً، اس میں اختلاف ہے یا نہیں؟ نیز ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ الخ پڑھنا ضروری ہے یا ایک سورت کی ابتدا میں پڑھنا کافی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" یہ ایک آیت ہے جو کہ دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے نازل ہوئی ہے۔ سورت الحمد یا کسی دوسری سورت کی پہلی آیت نہیں:

"وهي آية واحدة من القرآن، أنزلت للفصل بين السور، و ليست من الفاتحة و لا من كل سورة". الدر المختار (۱)۔

خارج نماز ہر سورت سے پہلے اس کا پڑھنا مسنون ہے (۲)، نماز میں الحمد سے پہلے پڑھنا سراً مسنون ہے (۳)، الحمد کے بعد جو سورت پڑھی جائے، اس کے شروع میں پڑھنا مسنون نہیں سراً نہ جہراً، جب قرآن

---

(۱) (الدر المختار شرح تنویر الأبصار، فصل فی بیان تالیف الصلاة إلی انتهائها : ۱/۴۹۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۱/۵۴۵، مکتبه رشیدیه)

(۲) "و فی خارج الصلاة اختلاف الروایات والمشایخ فی التعوذ والتسمیة، قیل: یخفی التعوذ دون التسمیة، والصحیح أنه یتخیر فیها". (رد المحتار، فصل فی بیان تالیف الصلاة إلی انتهائها : ۱/۴۹۰، سعید)

(۳) "(سمی) غیر المؤتم .... (سراً فی) أول (کل رکعة) ولو جهریة". (الدر المختار). "(قوله: سراً فی کل رکعة) والثالث: أنه لا یجهر بها فی الصلاةعندنا". (ردالمحتار فصل : ۱/۴۹۰، سعید)

(و کذا فی البحرالرائق، باب صفة الصلاة : ۱/۵۴۴، رشیدیه)

پاک تراویح میں ختم کیا جائے تو کسی ایک سورت کے شروع میں اس کو جہراً پڑھنا چاہئے، اگر سراً پڑھا تو مقتدیوں کا قرآن شریف تمام نہیں ہوگا، ایک آیت کی کمی رہ جائے گی۔اس کے احکام کی تفصیل اگر مطلوب ہو تو حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "إحكام القنطرة في أحكام البسملة" مطالعہ فرمائیں، اس میں جزئیات اور اختلاف مبسوط ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تراویح میں ہر سورت پر "بسم اللہ"

سوال[۳۳۹۸]: عبداللہ نے تراویح میں قرآن کریم اس طرح پر سنایا کہ ہر سورت شریف سے پہلے "بسم الله" بالجہر پڑھی اور جب "سورة الضحىٰ" کو پہنچا تو ہر سورت شریف کے بعد "والناس" تک تکبیرات پڑھیں۔دریافت کرنے پر اس نے کہا: اگر چہ میں حنفی المذہب ہوں، لیکن میں قرأت میں جس امام کی قرأت پڑھتا ہوں، ان کا پیرو ہوں ان کا طریقہ یہی ہے جس کو ائمۂ قرأت نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، میں ان کا اتباع کرتے ہوئے "بسم الله بين السورتين" اور "تكبيرات در أواخر السور از "والضحىٰ" تا "والناس" پڑھیں۔چونکہ مذہب کی کسی مستند کتاب میں اس کی ممانعت میری نظر سے نہیں گزری ہے، اس لئے میں اپنے طریقہ پر اچھی طرح ثابت ہوں۔اب دریافت طلب یہ تین امر ہیں:

۱.....بسم الله بالجهر بين السور قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

۲.....تکبیرات کا پڑھنا قرآن مجید سنانے والے کو نماز میں اور پھر خاص کر نوافل میں ائمۂ مذاہب کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

۳.....ائمۂ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے اس پر عمل کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ جواب مدلل بحوالہ کتاب ہو۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....جو شخص تمام کلام اللہ تراویح میں سنائے اس کو کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر پڑھنی چاہئے، ورنہ ختم قرآن شریف کی سنت ادا نہیں ہوگی، اگر آہستہ پڑھے تو مقتدیوں کا قرآن شریف

پورا نہیں ہوگا بلکہ ایک آیت کی کمی رہ جائے گی:

"لو قرأ تمام القرآن فی التراویح، و لم یقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السور سوی ما فی سورة النمل، لم یخرج عند عهدة السنية، ولو قرأها الإمام سراً خرج عن العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة، اهـ". أحكام القنطرة، ص: ۲۷۳(۱).

ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف کو بالجہر پڑھنا حتی کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلاف سنت ہے اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے، البتہ اگر قرأت بالسر پڑھے تو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا احسن ہے، بسم اللہ شریف حنفیہ کے نزدیک نہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے، نہ ہر سورت کا، بلکہ کلام اللہ شریف کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے نازل ہوئی ہے:

"وتسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة اهـ". مراقی الفلاح۔ "وهی اية واحدة من القرآن، أنزلت للفصل بين السور، وليست من الفاتحة، ولا من كل سورة، اهـ". طحطاوی، ص: ۱٤۱ (۲)۔

قال الجصاص: "واختلفوا فی تكرارها فی كل ركعة، و عند افتتاح السورة، فروى أبويوسف عن أبی حنيفة أنه يقرأ فی كل ركعة مرةً واحدةً عند ابتداء قراءة فاتحة الكتاب، و لا يعيدها مع السورة عند أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبی يوسف رحمه الله تعالىٰ. وقال محمد والحسن ابن زياد ،عن أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا قرأها فی أول ركعة عند ابتداء القراءة، لم يكن عليه أن يقرأها فی تلك الصلوة حتى يسلم، وإن قرأ مع كل سورة فحسن.

وروى هشام عن أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ قال: سألت أبا حنيفة عن قراءة "بسم الله الرحمن الرحيم" قبل فاتحة الكتاب و تجديد ها قبل سورة التی بعد فاتحة؟ فقال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يجزيه قراءتها قبل الحمد. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يقرأ ما فی كل ركعة قبل القراءة مرةً واحدةً و يعيدها فی الأخرى أيضاً قبل فاتحة الكتاب بعدها إذا أراد أن

(۱) (مجموعة رسائل اللكنوی، أحكام القنطرة فی أحكام البسملة : ۱/ ٤۷، إدارة القرآن كراتشی)

(۲) (حاشية الطحطاوی مع مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی بيان سننها، ص: ۲٦۰، قديمی)

يقرأ سورةً. قال محمد: فإن قرأ سوراً كثيرةً وكانت قراءةً يخفيها، قرأها عند افتتاح كل سورة، وإن كان يجهر بها لم يقرأها؛ لأنه في الجهر يفصل بين السورتين بسكتة، اهـ". أحكام القرآن: ١/١٣(١)۔

۲...... عامۂ شوافع کے نزدیک سنت ہر قرأت میں ہے، بعض نے انکار بھی کیا ہے۔ قرائے حنابلہ کے نزدیک مستحب نہیں، سوائے ابن کثیر کے۔ حنفیہ اور مالکیہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحۃً نہیں ملا:

"قال ابن الحجر المكي بعد الكلام على الرواية: "فثبت بما ذكرناه عن الشافعي بعض مشايخه وغيرهم أنه سنة في الصلوة،.......... ووقع لبعض الشافعية من المتأخرين الإنكار على من كبر في الصلوة، فرد ذلك عليه غير واحد، و شنعوا عليه في هذا الإنكار. قال ابن الجوزي رحمه الله تعالىٰ: ولم أرى للحنفية ولا للمالكية نقلاً بعد التتبع، وإن الحنابلة ففي فروعهم لابن مفلح: وهل يكبر لختمه من الضحىٰ أو ألم نشرح اخر كل سورة؟ فيه روايتان، ولم تستحبه الحنابلة القراء غير ابن كثير، اهـ". فتاوى حديثية مختصراً، ص:١٥٢(٢)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شاطبی میں لکھا ہے:

"والتكبير المذكور سنة عند الشافعي في كل قراءة، و روايته سواء كان بمكة أو غيرها، و عند الحنفية فمختصة بقراءة ابن كثير ولو كانت القراءة بمكة، اهـ"(٣)۔

ظاہر یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں یہ تکبیر مسنون نہیں اس لئے مسنونات نماز یا تراویح میں اس کو تحریر نہیں کیا، نیز اس میں جزءِ قرآن ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس لئے بھی نماز میں اس سے احتراز مناسب ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان میں مانعین کی طرف سے اس کو نقل کیا ہے(۴)۔

---

(١) (أحكام القرآن للجصاص، فصل: قراءة البسملة في الصلاة: ١/١٨، قديمي)

(٢) (الفتاوى الحديثية، باب الأحكام المتعلقة بالقرآن من التفسير والقراءة، مطلب: التكبير من الضحى إلى سورة الناس في الصلاة وغيرها، ص:٢٩٧، ٢٩٨، قديمي)

(٣) (لم اظفر عليه)

(٤) "قال سليم الرازي من أصحابنا في تفسيره: يكبر بين كل سورتين تكبيرةً، ولا يصل آخر السورة بالتكبير، بل يفصل بينهما بسكتة، قال: و من لا يكبر من القراء حجّتهم أن في ذلك ذريعةً إلى الزيادة =

۳......ائمۂ قرأت سے جو قواعدِ فنِ تجوید کے معتبر کتابوں میں منقول ہے وہ معتبر و معمول بہا ہیں، اگر نماز میں کوئی مسئلۂ قرأت مسئلۂ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ بسم اللہ بین السور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۱۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

پہلی رکعت میں "سورۃ الناس" دوسری میں "سورۃ البقرۃ" کا کچھ حصہ

سوال[۳۳۹۹]: ۱......آج کل اکثر حافظوں کا معمول ہے کہ ختمِ قرآن کے بالکل آخری ترویحہ کی رکعتِ ثانی میں کسی قدر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں اور رکعتِ اولی میں سورۂ ناس، تو کیا اس صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے؟ چونکہ ترتیب کے اعتبار سے تقدیم تاخیر ہوتی ہے، اگر خرابی نہیں تو کا کیا جواب ہے؟

تکرارِ فاتحہ

۲......نیز بعض حافظوں کی یہ عادت ہے کہ آخری ترویحہ کی رکعتِ اُخریٰ میں فاتحہ کے بعد سورۂ ناس پڑھ کر الحمد للہ اور سورۂ بقرہ سے کسی قدر ایک رکعت پڑھتے ہیں، اب تکرارِ فاتحہ کی وجہ سے کیا کچھ خرابی نہیں ہے؟

ہر سورۃ کے شروع میں "بسم اللہ"

سوال[۳۴۰۰]: ۳......دیگر اینکہ اگر ایک ہی رکعت میں کوئی شخص کئی سورت پڑھیں، تو ہر ایک سورت کے اول میں بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا نہیں، پڑھیں تو کس طرح؟

احقر عبدالباری چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے:" ولو ختم القرآن فی الأولی، یقرأ البقرة

= فی القرآن بأن یداوم علیه، فیتوهم أنه منه". (الإتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوته و تأليفه : ۱/۲۲۴، دار ذی القربی)

راجع للتفصيل: (فتاوی دارالعلوم دیوبند، مسائل تراویح : ۴/ ۲۵۰، مکتبه إمدادیه ملتان)

(و كذا مجموعة الفتاوی (اردو) لعبدالحی لکھنوی، کتاب الصلاة: ۱/ ۳۰۷، سعید)

في الثانية لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خير الناس الحال المرتحل": يعني الخاتم المفتتح، اهـ". مراقي الفلاح، ص:۲۰۲ (۱)۔

۲......اس میں کوئی خرابی نہیں۔تکرار فاتحہ اگر متوالیاً ہو تو اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اگر سورت کا فصل درمیان میں آجائے تو اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا:" و لو كررها (الفاتحة) في الأوليين يجب عليه سجود السهو؛ لأنه أخر واجباً و هوالسورة، بخلاف مالو أعادها بعد السورة أو كررها في الأخريين اهـ". زيلعي ، ص:۱۹۳ (۲)۔ تاہم اس کو معمول نہیں بنانا چاہئے۔

۳......اس میں چند اقوال ہیں، پڑھنا بہتر ہے، كذا في رد المحتار: ۱/ ۵۱۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

تراویح میں "ألم تر كيف" سے پڑھنے کی ترکیب

سوال[۳۴۰۱]: بعض مسجدوں میں "ألم تر كيف" سے جو تراویح پڑھی جاتی ہے وہ "ألم تر كيف" سے "سورۂ ناس" تک مسلسل نہیں پڑھتے، بلکہ "سورۂ إخلاص" تک پڑھتے ہیں اور پھر نویں رکعت میں دوبارہ "ألم تر كيف" اور دسویں میں "لإيلاف" پڑھتے ہیں اور پھر گیارہویں میں اور بارہویں میں "معوذتین" پڑھتے ہیں اور تیرہویں رکعت سے "أرأيت الذي" سے پڑھتے ہیں، "سورۂ ناس" تک مسلسل پڑھتے ہیں۔دریافت طلب یہ امر ہے کہ "ألم تر كيف" سے سورہ "ناس" تک مسلسل کیوں نہیں

(۱) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)
(و كذا في رد المحتار، فصل في القراءة : ۱/ ۵۴۷، سعيد)
(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو : ۱/ ۴۷۳، دارالكتب العلمية بيروت)
(و كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۰، سهيل اكيڈمي، لاهور)
(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني عشر في سجود السهو : ۱/ ۱۲۶، رشيديه)
(۳) "(قوله: لاتكره اتفاقاً) و لهذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً أو جهراً، كان حسناً عند أبي حنيفة ، و رجحه المحقق ابن الهمام" (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن : ۱/ ۴۹۰، سعيد)

پڑھتے؟ جیسا کہ بحرالرائق (۱) شامی درمختار (۲) وغیرہ میں ہے، الٹ پھیر کرنا بلا ترتیب کیسا ہے اور اس سے ترتیب کو ترک کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ ترویحہ کی سورتیں ترتیب وار ہو جائیں اگر نویں دسویں میں معوذتین پڑھیں اور گیارہویں بارہویں میں "ألم تر کیف" اور "لإیلاف" پڑھیں تو شفعۂ اولیٰ کی سورتیں مؤخر ہو جائیں گی اور شفعہ ثانیہ کی مقدم، اس سے ترویحہ میں ترتیب نہ رہے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح "الم تر کیف" سے پڑھنا کب اور کیوں ایجاد ہوا؟

سوال [۳۴۰۲]: بعض مولوی تیسرے طریقہ سے پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دو دو سورت ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں سورۂ ناس تک جاتے ہیں تاکہ دوبارہ سورۂ ناس سے نہ پڑھے۔ اول رکعت میں "ألم تر

---

(۱) "و فی التجنیس .... و بعضهم اختاروا قراءة سورة الفیل إلی آخر القرآن، وهذا حسن؛ لأنه لا یشتبه علیه عدد الرکعات، و لا یشغل قلبه بحفظها، فیتفرغ للتدبر والتفکر". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۱۲۱/۲، رشیدیه)

"ثم بعضهم اعتاد وقراءة "قل هو الله أحد" فی کل رکعة، واختار بعضهم قراءة سورة الفیل إلی آخر القرآن وهذا احسن الحالین؛ لأنه لا یشتبه علیه عدد الرکعات، ولا یشغل قلبه بحفظها، فتفرغ للتدبر والتفکر، ولا کذالک لو قرأ فی کل رکعة سورة واحدة". (التجنیس والمزید، کتاب الصلوة، فصل فی التراویح: ۱۲۰/۲، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (سیأتی تخریجه فی الحاشیة الآتیة)

(۳) "قال فی التجنیس واختار بعضهم سورة الاخلاص فی کل رکعة و بعضهم سورة الفیل ای البدأة منها ثم یعیدها وهذا أحسن لئلا یشتغل قلیله بعدد الرکعات، قال فی الحلیة: عمل أئمة أکثر المساجد فی دیارنا، إلا أنهم یبدأون بقراءة سورة التکاثر فی الأولی والإخلاص فی الثانیة، وهکذا إلی أن تکون قرائتهم فی التاسعة عشر بسورة تبّت وفی العشرین بالإخلاص .... اهـ". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۴۷/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۱۲۱/۲، رشیدیه)

کیف و لایلاف" اسی طرح تیسری رکعت میں "أرأیت الذی وانا أعطینا" اور چوتھی میں بھی یہی سورتیں یعنی "أرأیت الذی" اور "إنا أعطینا" اس طرح ہر رکعت میں دو دو سورتیں سورۂ ناس تک پڑھتے ہیں "الم ترکیف" کا طریقہ کب اور کس طرح اور کس نے ایجاد کیا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے "ألم ترکیف" سے تراویح پڑھنا کس طرح ثابت ہے اور تین طریقوں میں سے کونسا افضل ہے اور کس طریقہ کو ترک کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح بھی درست ہے(۱) صحابہ کے زمانہ میں تو "ألم ترکیف" سے پڑھنے کا رواج نہ تھا، متاخرین نے جب دیکھا کہ پورا قرآن ختم کرنے کی صورت میں نمازی سستی کرتے ہیں مسجد میں نہیں آتے، مساجد ویران وغیر آباد ہوجاتی ہیں تب ان صورتوں کو اختیار کیا(۲)۔ شاید آپ نے شفعہ کی جگہ رکعت لکھ دیا۔

تراویح "ألم ترکیف" سے

سوال[۳۴۰۳]: صلوٰۃ تراویح میں کلام مجید کی آخر کی دس سورتیں ختم حکمی قرار دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس ختم حکمی کی اصل بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے اور اس میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن شریف پڑھنا مستقل سنت ہے:

---

(۱)(تقدم تخریجه تحت عنوان: "تراویح میں ألم ترکیف سے پڑھنے کی ترکیب"۔)

(۲) "(قوله: الأفضل في زماننا)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة .... وفيه: إشعار بأن هذا مبنيٌّ على اختلاف الزمان، فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان في كثير من المسائل على حسب المصالح .... فالحاصل: .... أن الختم سنة، لكن لايلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثيرٍ من المساجد .... اهـ". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، بحث صلوة التراويح: ۲/۴۷، سعید)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۲/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في سننها: ۲/۱۷۶، دارالكتب العلمية، بيروت)

"التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء". خانية: ١/٢٦٩(١)- "والختم مرةً سنة، ومرتين فضيلة، و ثلاثاً أفضل، و لا يترك الختم لكسل القوم". درمختار- قال الشامى تحت قول الدر: "(والختم مرةً سنة): أى قراء ة الختم فى صلاة التراويح سنة، و صححه فى الخانية و غيرها، و عزاه فى الهداية إلى أكثر المشايخ، وفى الكافى إلى الجمهور، و فى البرهان: وهو المروى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ والمنقول فى الآثار، اهـ" ١/٤٧٤.(٢)-

مگر جہاں کے نمازی اس قدر ضعیف ہوں اور کم ہمت ہوں کہ پورا قرآن شریف سننے کے لئے تیار نہ ہوں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو وہاں بہتر یہ ہے کہ جس قدر بسہولت سن سکتے ہوں اس قدر پڑھا جائے:

"وأما فى زماننا، فالأفضل أن يقرأ الإمام على حسب حال القوم من الرغبة و الكسل، فيقرأ قدر ما لا يوجب تنفير القوم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراء ة". بدائع: ١/٢٨٩(٣)-

لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا:

"ولو قرأ بعض القرآن فى سائر الصلوات بأن كان القوم يملّون من القراء ة فى التراويح، فلا بأس به، لكن يكون لهم ثواب الصلوة لا ثواب الختم، و قد ذكرنا أن السنة هى الختم فى التراويح". فتاوى قاضى خان: ١/٢٧٧ (٤)-

---

(١) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، كتاب الصلوة، باب التراويح : ١/٢٣٢، رشيديه)

(٢) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ٢/٤٦، سعيد)

(وكذا فى الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح : ١/١١٦، رشيديه)

(٣) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى سننها : ٢/٢٧٦، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، بحث صلاة التراويح : ٢/٤٧، سعيد)

(٤) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل فى مقدار القراء ة فى التراويح : ١/٢٣٨، رشيديه)

(وكذا فى المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، نوع آخر فى بيان قدر القراء ة فى التراويح : ٢/٩، غفاريه كوئٹه)

اس کاہلی اور سستی کی وجہ سے بعض فقہاء نے اخیر کی دس سورتیں تجویز کردیں، تاکہ شمار میں بھی کوئی اشتباہ نہ ہو اور یاد کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہو اور تدبر وتفکر سے نماز بھی پوری ہوجائے:

”و بعضهم اختاروا قرأة سورة الفيل إلى آخر القرآن، و هذا حسن؛ لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات، و لا يشتغل قلبه بحفظها، فيتفرغ للتدبر والتفكر، اهـ“: ۲/۶۸(۱)۔

معلوم ہوا (کہ) اخیر کی دس سورتیں پڑھنے کی وجہ کاہلی، کم ہمتی اور قرآن شریف کی طرف سے بے رغبتی وبے توجہی ہے اور اس سے تمام قرآن کے ختم کا ثواب نہیں ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

تراویح ”الم تر کیف“ سے

سوال[۳۴۰۴]: تراویح میں بجائے ”الم تر کیف“ (الایۃ) تا ”والناس“ مکرر پڑھنے کے ایک رکعت میں ”الم تر کیف“ سے ”والناس“ تک بالترتیب پڑھنا اور دوسری رکعت میں ”قل ھو اللہ أحد“ پڑھنا کیسا ہے؟ مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے:

”وفي التجنيس: واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، و بعضهم: سورة الفيل: أي البدأة منها، ثم يعيدها، إلا أنهم يبدأون بقراءة سورة التكاثر في الأولىٰ والإخلاص في الثانية، وهكذا إلى أن تكون قراءتهم في التاسعة عشر بسورة تبت و في العشرين بالإخلاص. قلت: لكن الأحوط قراءة النصر وتبت في الشفع الأول من الترويحة الآخرة

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ۲/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۷، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۳۰۷، مكتبه إمداديه ملتان)

،والمعوذتين في الشفع الثاني منها، اهـ". شامي مختصراً: ١/٤٩٦ (١).

احوط یہ ہے کہ ترویحہ واحدہ کے ہر دوشفعہ کی قرأت بالترتیب ہو، پورا قرآن کریم تراویح میں ختم کرنا مسنون ہے، اگر مقتدی اس کے سننے کے لئے آمادہ نہ ہوں اور مسجد ویران ہونے کا اندیشہ ہو، تب دوسری صورتیں اختیار کی جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تراویح میں پارہ عم پڑھے یا "ألم تر کیف"؟

سوال [۳۴۰۵]: اگر کسی شخص کو صرف کلام اللہ کا تیسواں پارہ (پارہ عم) یاد ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تراویح میں روزانہ صرف وہی ایک پارہ جو صاحب موصوف کو یاد ہے بحیثیت امام کے پڑھیں اور سنائیں اس طرح ہر روز ایک ہی پارہ پڑھنا بہتر ہے، یا "ألم تر کیف" سے نماز تراویح ادا کرلی جائے؟ بواپسی ڈاک مہربانی فرماکر تحریر فرمائیں، چونکہ رمضان المبارک میں ایک ہفتہ بھی باقی نہیں، تو اس جگہ اور بھی مشہور مساجد ہیں جہاں ختم قرآن ہوا کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بہ نسبت "ألم تر کیف" کے ہر روز تیسواں پورا پارہ پڑھنا افضل ہے۔ پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرنا مسنون ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۶۲۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان المبارک/۶۲ھ۔

---

(١) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ٢/١٢١، رشيديه)

(٢) "(قوله: الأفضل في زماننا الخ)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة .... فالحاصل: أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لم يلزم منه تنفير القوم و تعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٤٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل: ٢/١٢١، رشيديه) .... =

تراویح میں قرأت کی مقدار

سوال[۳۴۰۶]: کتنی مقدار چھوٹنے سے نماز فاسد ہوتی ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی اور اگر دوسرے روز پتہ چلے کہ کل دو رکعت تراویح فاسد ہوگئی تھی تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرأت واجبہ سورۂ فاتحہ کے بعد مقدار تین آیاتِ قصیرہ ہے یا ایک آیتِ طویلہ ہے، اس سے کم قرأت سے واجب ادا نہ ہوگا (۱) اور اگر درمیان سے کچھ قرأت چھوٹ جائے اور اس سے معنی نہ بگڑیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)۔ اگر یاد آئے کہ گذشتہ کل دو رکعت تراویح فاسد ہوگئی تھی تو تنہا تنہا دو رکعت پڑھے، جماعت سے نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سننها : ۱۶۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو "ثم نظر، ثم عبس و بسر، ثم أدبر واستكبر"، و كذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثاً قصاراً، ذكره الحلبي". (الدر المختار). "و ثلاث آيات قصار تقوم مقام السورة، و كذا الآية الطويلة". (ردالمحتار، باب صفة الصلاة : ۴۵۸/۱، ۴۵۹، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۵۱۶/۱، رشيديه)

(۲) "ومنها حذف حرف .... فإن كان لا يغير المعنى، لا تفسد صلاته نحو أن يقرأ: "ولقد جاء هم رسلنا بالبينات" بترك "التاء" من "جاء ت". وإن غير المعنى، تفسد صلاته عند عامة المشايخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارى : ۷۹/۱، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة : ۴۸۵/۱، إدارة القرآن)

(۳) "إذا فات التراويح عن وقتها هل يقضى ؟ اختلف المشايخ، قال بعضهم : لا يقضى أصلاً و هو أصح، والدليل عليه أنها لا تقضى بالجماعة بالإجماع، ولو كانت تقضى لقضيت كما فاتت، فإن قضاها منفرداً كان نفلاً مستحباً كسنة المغرب إذا قضيت". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، التراويح، نوع آخر في قضاء التراويح : ۶۶۹/۱، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۴۴/۲، سعيد)

تراویح میں غلبۂ ظن سے پڑھنا

سوال[۳۴۰۷]: تراویح میں جو قرآن شریف پڑھتے ہیں تو شک ہوجاتا ہے کہ یہاں واؤ ہے یا فا ہے یا اَور کسی طرح کا شک، تو حافظ نے غلبۂ ظن سے پڑھ دیا تو وہ صحیح نکلا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اسی طرح غلط پڑھا مگر معنی نہیں بدلے، مثلاً "من قبلهم" کی جگہ "قبلم" پڑھ دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر یہ صورت فرائض میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سب صورتوں میں نماز صحیح ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۹/۲ھ۔

تراویح میں "قل هو الله أحد" تین مرتبہ پڑھنا

سوال[۳۴۰۸]: بعض عالم کہتے ہیں کہ "قل هو الله أحد" تین مرتبہ پڑھنا تراویح کے سلسلہ میں مستحب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بہتر نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

---

(۱) "وأما إذا خطأ بذكر حرف مكان حرف في كلمة و لم يتغير المعنى بأن قرأ "إن المسلمون، إن الظالمون" وما أشبه ذلك، لم تفسد صلاته؛ لأنه لا يغير المعنى؛ لأنه يفهم بالخطأ ما يفهم بالصواب".

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ: ۱/۱۴۱، رشیدیه)

(و كذا في خلاصة الفتاوی، الفصل الثاني عشر في زلة القاري: ۱/۱۰۶، امجد اکیڈمی لاهور)

"(قوله: و منها زلة القاري) .... فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقاً و لو اعتقاده كفراً؛ لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب". (رد المحتار، مطلب: مسائل زلة القاري: ۱/۶۳۱، سعید)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الخامس في زلة القاري، ومنها اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

بعض فقہاء نے تین مرتبہ کو مستحب لکھا ہے، لہٰذا اگر کبھی کبھی ایسا کرلیا جائے تو مضائقہ نہیں (۱) مگر التزام نہیں کرنا چاہئے اور جہاں التزام ہو وہاں توڑ نا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) لم يستحسنها بعض المشائخ، وقال الفقيه أبو الليث: "هذا شئ استحسنه أهل القرآن وأئمة الأمصار، فلا بأس به، إلا أن يكون الكتم في المكتوبة، فلا يزيد على مرة". (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلوة ومالايكره، الخ، ص: ۴۹۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، و جاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "إن الله عزوجل يحبّ أن تؤتى رخصه كما يحبّ أن تؤتى عزائمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل الثالث فی ختم القرآن فی التراویح

(تراویح میں قرآن کریم ختم کرنے کا بیان)

تراویح میں ختمِ قرآن کا طریقہ

سوال[۳۴۰۹]: تراویح میں ختم قرآن کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ختمِ قرآن میں آخری دو رکعتوں میں پہلی میں "الٓمّ" یا آیۃ الکرسی" یا آمن الرسول" سے ختمِ سورت تک پڑھ کر ایک رکعت کرے اور دوسری میں قرآن کریم کی تمام آیتیں دعاؤں والی پڑھے جن کی وجہ سے پہلی رکعت چھوٹی اور دوسری رکعت طویل ہو جائے اور لوگ سن کر بہت زور سے رونے لگیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہر رکعت میں دس آیت پڑھے تو بہت اعتدال کے ساتھ قرآن پاک تراویح میں ختم ہو جائے۔ مقتدیوں میں ہمت و رغبت ہو تو دو ختم اور تین ختم کر لینا اعلیٰ و افضل ہے(۱)۔ ختم والی شب اگر انیسویں رکعت میں "والناس" تک پڑھ کر بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیات "المفلحون" تک پڑھے تو یہ بھی

---

(۱) "قوله : والختم مرةً .... والجمهور على سنة الختم مرةً، فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر . ومرتين فضيلة، وثلاث مرات في كل عشر مرة أفضل......... وفي مختارات النوازل: إنه يقرأ في كل ركعة عشر آيات، وهو الصحيح ؛لأن السنة فيها الختم؛ لأن جميع عدد ركعات في جميع الشهر ست مائة ركعة، وجميع آيات القرآن ستة آلاف، ونص في الخانية على أنه الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۲/۱۲۰، ۱۲۱ ،رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر: ۲/۹، مكتبة غفارية)

مستحسن ہے(۱)۔ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا یہ مستحسن نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۳ھ۔

ختمِ قرآن تراویح میں سنت علی الکفایہ ہے

سوال[۳۴۱۰]: ۱......ایک گاؤں میں یا قصبہ میں تمام قرآن مجید کا تراویح میں جماعت کے ساتھ سننا سنتِ مؤکدہ ہے یا نہیں؟

۲......اور تراویح جماعت کیساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا علی الکفایہ؟ کہ ایک دو نے جماعت سے پڑھ لی۔ فقط۔ فرزند علی شاہ سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا ختم کرنا پڑھ کر یا سن کر سنتِ مؤکدہ ہے، اسی طرح جماعت بھی سنتِ مؤکدہ ہے اور اس میں گاؤں یا قصبہ کی کوئی تخصیص نہیں، لیکن اگر سب لوگ تو جماعت سے تراویح پڑھیں اور ایک دو شخص بغیر جماعت تراویح پڑھیں تو یہ سنت سب کے ذمہ سے ادا ہوگئی اگر چہ اس بغیر

---

(۱) "(قوله: إلا إذا ختم الخ) .... وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " خير الناس الحال المرتحل ": أي الخاتم المفتتح ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

(۲) "(قوله: مطلقاً) .... قال في شرح المنية: والأصح كراهة إطالة الثانية على الأولى في النفل أيضاً إلحاقاً له بالفرض فيما لم يرد به تخصيص من التوسعة كجوازه قاعداً بلا عذر ونحوه، وأما إطالة الثالثة على الثانية والأولى، فلا تكره، لما أنه شفعٌ آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۱، قديمي)

جماعت پڑھنے والے کو سنت کا ثواب نہیں ملا، اور اگر سب نے جماعت چھوڑی بغیر جماعت تراویح پڑھی تو اگرچہ نفسِ تراویح کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن جماعت کی سنت چھوڑنے کا وبال سب کے سر رہے گا:

"والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح، أفاد أن أصل التراويح سنة عين، فلو تركها واحد كره، بخلاف صلاتها بالجماعة، فإنها سنة كفاية، فلو تركها الكل أساء وا، أمّا لو تخلف عنها رجلٌ من أفراد الناس، و صلى في بيته، فقد ترك الفضيلة. والختم مرةً سنة، اهـ". در مختار و شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام کا دو مرتبہ تراویح میں ختم کرنا

سوال[۳۴۱۱]: ایک حافظ نے ایک مسجد میں ماہ رمضان شریف میں دس پارہ یوم کے اندر قرآن شریف تراویح میں سنا کر ختم کیا، پھر دوسری مسجد میں جہاں لوگوں نے قرآن شریف کا ختم نہیں سنا، اگر ان میں حافظ نے تراویح کا ختم سنایا، کیا یہ درست ہے؟ مقتدیوں کو تمام رمضان شریف میں ایک دفعہ قرآن سننا سنت تھا اور حافظ قرآن شریف کو ایک دفعہ سنانا سنت، کیا تراویح میں اور ثواب میں امام اور مقتدیوں کے لئے کوئی فرق تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"السنة في التراويح إنما هو الختم مرةً، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل الخ". عالم گیری (۲)۔ "ينبغي للإمام وغيره إذا صلى التراويح و عاد إلى منزله وهو يقرأ القرآن أن يصلي عشرين ركعةً، يقرأ في كل ركعة عشر آيات إحرازاً للفضيلة، و هي (أي الفضيلة) الختم مرتين. قال قاضي خان: والزهاد و أهل الاجتهاد كانوا يختمون في كل

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۰، مكتبه رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، نوع آخر في أن الجماعة هل هي سنة التراويح: ۱/۶۵۶، إدارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح: ۲/۷، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيديه)

عشر لیال"(۱)۔ "ولو عجل الختم، له أن يفتتح من أول القرآن في بقية الشهر". خانية(۲)۔

اس صورت میں مقتدیوں کو سنت کا ثواب ہوگا اور امام کو فضیلت کا ثواب ملے گا، کمی کسی کے ثواب میں نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

ختم قرآن کے موقعہ پر آیاتِ متفرقہ بلا ترتیب پڑھنا

سوال[۳۴۱۲]: ایک حافظ صاحب تراویح میں ختم قرآن پر "مفلحون" تک پڑھتے ہیں پھر اس رکعت میں آیات متفرقات (بلا ترتیب) ادعیہ وغیرہ پڑھتے ہیں، اور بھی بعض حفاظ کا معمول ہے کہ ختمِ کلام پاک پر آخری رکعت میں مختلف آیات بلا ترتیب تلاوت کرتے ہیں، اس پر بعض حضرات کو اعتراض ہے کہ طحطاوی و عالم گیری میں اس کو مکروہ لکھا ہے بلکہ خارج نماز مکروہ ہے چہ جائیکہ داخلِ نماز، اس میں بدرجہ اُولیٰ مکروہ ہوگا، قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اجماعاً ناجائز ہونا نقل کیا ہے ان تمام روایتوں کو جو اس کے خلاف وارد ہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے تحریر فرمائیں کہ کون سا عمل صحیح ہے؟ کیا یہ بدعاتِ حسنہ میں سے ہے بقول علامہ نوویؒ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کو ترتیب سے ہی پڑھا جائے خلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے، بعض علماء نے نوافل کو مستثنیٰ کیا ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ کے متعلق بھی یہی سنا کہ وہ ختم قرآن پر متفرق آیات ودعاء پڑھتے تھے، ان میں ترتیب کی رعایت بھی غالباً نہیں ہوتی تھی، شاید وہ اسی قول کو اختیار فرماتے ہوں گے، البتہ قرآن پاک جس رکعت میں ختم کیا جائے اس کے بعد والی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا خلافِ ترتیب ہونے کے باوجود مستحسن ہے:

"ويكره قرأة سورة فوق التي قرأها، قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "من قرأ

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱/۱۳۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعيد)

القرآن منکوساً فهو منکوس" .... "و لو ختم القرآن فی الأولیٰ یقرأ من البقرة فی الثانية لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "خیر الناس الحال المرتحل". یعنی الخاتم المفتتح" .... ویکره الانتقال لآیة من سورتها و لو فصل بآیة، والجمع بین سورتین بینهما سور أو سورة، وفی الخلاصة: لا یکره هذا فی النفل اهـ". مراقی الفلاح۔

"(قوله: ویکره قراءة سورة)، وکذا الآیة فوق الآیة مطلقاً، سواء کان فی رکعتین أو رکعة. واستثنیٰ فی الأشباه النافلة، فلا یکره فیها ذلك، وأقر علیه الغزی والحموی، نقله عن أبی الیسر، و جزم به فی البحر والدر وغیرهما. قال بعض الفضلاء: وفیه تأمل؛ لأن النکس إذا کره خارج الصلوة لکون الترتیب من واجبات التلاوة، ففی النافلة أولیٰ، وکون باب النفل واسعاً لا یستلزم العموم، بل فی بعض الأحکام اهـ. (قوله: لا یکره هذا فی النفل) نفی القراءة منکوساً، والفصل والجمع کما هو، حیث قال بعد ما ذکر المسائل الثلاث: وهذا کله فی الفرائض، أما فی النوافل لا یکره، اهـ". طحطاوی، ص:۲۱۲(۱)۔

اگر وہاں کے حفاظ اور قراء نہ مانیں اور اپنی بات پر قائم رہیں تو ان سے نزاع اور جدال کی ضرورت نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۸۷ھ۔

ختمِ قرآن سورۃ الناس پر ہو یا سورۃ البقرۃ کی آیتوں پر؟

سوال[۳۴۱۳]: بعض حفاظ ختم قرآن سورۂ ناس پر کرتے ہیں اور زیادہ حفاظ "هم المفلحون" تک پڑھتے ہیں، کون سا طریقہ صحیح ہے؟

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی المکروهات، ص: ۳۵۲،قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدر المختار، باب صفة الصلوة، فصل فی القراءة: ۱/۵۴۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فی صفة الصلوة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۶، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں صحیح ہیں، دوسرا افضل ہے، کذا فی الدر المختار: ۱/۵۷۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۳/ ذی قعدہ/ ۶۱ھ۔

تراویح میں چھوٹا ہوا قرآن پورا کرنے کی ترکیب

سوال[۳۴۱۴]: کسی شخص کی تراویح دو چار یوم چھوٹ جائے جس میں قرآن پڑھا جاتا ہو تو کس طرح ترکیب سے پڑھے کہ ترتیب قائم رہے، کیونکہ جس حافظ کے پیچھے وہ پڑھ رہا ہے اس کے دوبارہ تراویح پڑھانے میں اس کا قرآن پڑھنا نفل ہوگا اور مقتدی کا سنت، اور کسی ایسے حافظ کے پیچھے پڑھے جس حافظ نے محراب میں کہیں سنایا، یا سنا ہو، یا کسی حافظ کے پیچھے خواہ امام تراویح جس کے پیچھے سن رہا ہو وہ حافظ تراویح اپنے ذمہ اتنے پارے قرآن سنانے کی نذر مانے کہ مجھ کو اتنے پارے سنانا ہے نذر اپنے ذمہ کی؛ اور بعد نذر ماننے کے اتنے پارہ سنانا اس مقتدی پر واجب ہو جائے گا جیسا کہ فتاویٰ عبدالحئی میں ہے، یا اور کوئی طریقہ جس سے ترتیب سننے و پڑھنے والے کی قائم رہے تحریر کیجئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے امام سے کہے کہ وہ کسی شب سولہ تراویح پڑھائے، ان میں جس قدر ہمیشہ بیس میں پڑھتا تھا اتنا

---

(۱) "ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة". (الدر المختار). "(قوله: إلا إذا ختم الخ) .... وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ. من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشئ من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " خير الناس الحال المرتحل ": أي الخاتم المفتتح ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالايكره الخ، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

پڑھے اور بقیہ چار رکعت میں کوئی اَور شخص چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھادے، وہ شخص اور امام جس نے سولہ پڑھائی ہیں ان میں چار نفل کی نیت کرے پھر یہ امام چار رکعت تراویح اس شخص کو پڑھائے جس کا کچھ قرآن کریم چھوٹ گیا ہے اور ان میں وہ چھوٹا ہوا قرآن شریف پڑھ دے، اس طرح ہر روز کی تراویح میں بھی نقصان نہ ہوگا اور قرآن کریم بھی تراویح میں پورا ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی قعدہ/ ۶۱ھ۔

اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا

سوال[۳۴۴۵]: حفاظ رمضان شریف میں آج کل عموماً یوں ختم قرآن کرتے ہیں کہ انیسویں رکعت میں قرآن ختم کرتے ہیں اور بیسویں رکعت میں "الٓمّٓ" سے "مفلحون" تک پڑھتے ہیں، شامی نے بھی اس کو بغیر کراہت جائز لکھا ہے(۲) اور مولوی عبدالحیٔ فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستحسن یا مستحب لکھا ہے(۳)، بہار شریعت میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اس کو مستحب لکھا ہے۔ مگر بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر اٹھارویں رکعت میں قرآن ختم کیا جائے اور انیسویں اور بیسویں میں "الٓمّٓ" سے حسب منشاء پڑھ کر ختم

---

(۱) "وإذا غلط في القرآن في التراويح، فترك سورةً أو آيةً، وقرأما بعد ها، فالمستحب له أن يقرأ المتروكة، ثم المقروء ة، ليكون على الترتيب". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراء ة في التراويح: ۲۳۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: إلا إذا ختم الخ) قال في شرح المنية: و في الوالوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة و شيء من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير الناس الحال المرتحل": أي الخاتم المفتتح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراء ة: ۵۴۷/۱، سعيد)

(۳) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، في القراء ة: ۳۰۹/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

قرآن کریں تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ ترتیب میں بھی فرق نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ ختم کے بعد پھر شروع کریں، اس کے مطابق بھی ہو جائے، کیوں کہ شامی وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر انیسویں رکعت میں ختم کیا تو بجائے اخیر سورت کے تکرار کرنے سے "الٓمّٓ" سے پڑھنا بہتر ہے مگر یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمیشہ اسی طرح بالالتزام انیسویں رکعت میں ختم کر کے بیسویں میں "الٓمّٓ" پڑھے۔ اب بتائیے ان دونوں طریقوں میں کون سا طریقہ بہتر وافضل ہے کون سا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود حدیث "الحال المرتحل" پر عمل کرنا ہے وہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے، لیکن انیسویں میں ختم کر کے بیسویں میں شروع کرنے سے خلافِ ترتیب لازم آتا ہے جو کہ مکروہ ہے، شامی میں اس صورت کو کراہت سے مستثنیٰ کیا ہے(۱)۔

تنبیہ: لیکن بیسویں میں "الم" سے شروع کر کے "مفلحون" تک پڑھ کر رکھ دینا اور پھر آئندہ سال رمضان شریف کی پہلی شب کو "الٓمّٓ" سے شروع کرنا اور درمیانی گیارہ ماہ تک بند اور ملتوی رکھنا مناسب نہیں بلکہ حفاظ کو تمام سال اپنی نوافل میں یہ سلسلہ ختم جاری رکھنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ پڑھنا

سوال[۳۴۱۶]: آج کل اکثر حافظوں کا معمول ہے کہ ختم قرآن کے بالکل آخری ترویحہ کے رکعتِ ثانی میں کسی قدر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں اور رکعتِ اول میں سورۂ ناس۔ تو کیا اس صورت میں کچھ قباحت

---

(۱)" [فرع] في آخر الكنز: ينبغي لحافظ القرآن في كل أربعين يوماً أن يختم مرةً، والله اعلم".

(الدر المختار، مسائل شتى: ۷۵۷/۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۵۴۷/۱، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة و مالا يكره، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

نہیں ہے چونکہ ترتیب کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر ہوتی ہے۔ اگر خرابی نہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے: "ولو ختم القرآن في الأول يقرأ من البقرة في الثانية لقوله صلى الله عليه وسلم: "خير الناس الحال المرتحل": يعني الخاتم المفتتح، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ۲۰۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح کی بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھنا

سوال[۳۴۱۷]: تراویح کی نماز میں ختم قرآن اس طرح کیا جاتا ہے کہ انیسویں رکعت سورۂ ناس پر ہی ختم ہو جائے اور بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھی جاتی ہے، یہ بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے جس میں قرآن ترتیب سے پڑھنا بیان کیا گیا ہے(۲)، لیکن دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ قرأت ختم کر کے پھر شروع کرے(۳)، بظاہر پہلی روایت نماز کے لئے اور دوسری روایت غیر نماز کے لئے معلوم ہوتی ہے جمع احادیث کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اٹھارویں رکعت پر ختم کر دیا جائے اور انیسویں و بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھی جائے، یہ حدیث کے خلاف نہ ہوگا، کیونکہ آج کل اس طریقہ پر کسی مسجد میں عمل نہیں

---

(۱) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رجلٌ: يارسول الله! -صلى الله عليه وسلم- أيّ العمل أحبّ إلى الله تعالىٰ قال: "الحال المرتحل". (سنن الترمذي، أبواب القراءات، باب بلا ترجمة: ۱۲۳/۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۵۴۷/۱، سعيد)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه سئل عن رجل يقرأ القرآن منكوساً؟ قال: "ذاك منكوس القلب". أخرجه الطبراني بسند جيد، كذا في الإتقان". (إعلاء السنن، أبواب القراءة، باب كراهة قراءة القران منكوساً في الصلاة و غيرها: ۱۲۵/۴، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رجل يا رسول الله! أيّ العمل أحبّ إلى الله؟ قال: "الحال المرتحل". (سنن الترمذي، أبواب القراءات: ۱۲۳/۲، سعيد)

ہوتا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ختم قرآن کی صحیح حدیث کیا ہے؟ کیا رائج شکل صحیح ہے یا اٹھارہ رکعات ختم کرنے کے بعد آخری دو رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

جو صورت رائج ہے وہ کتب فقہ میں موجود ہے (۱)۔ آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں ان میں سے یہ صورت کہ اٹھارویں میں ختم کردیا جائے اور انیسویں میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھی جائے یہ بھی درست ہے، اگر انیسویں ہی میں سورۂ ناس کے ساتھ چند آیات سورۂ بقرہ کی پڑھی جائے تو رکعتِ واحدہ میں ترتیب کے خلاف ہوگا، جو اشکال خلافِ ترتیب کا آپ کو ہے وہ قوی تر ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۲ھ۔

ختمِ تراویح میں خلافِ ترتیب قرأت

سوال [۳۴۱۸] : بعد ختم قرآن حافظ "مفلحون" سے چند آیات دعائیہ وغیرہ پڑھتے ہیں بروئے احادیث وفقہ جائز ہے یا نہیں، و دوگانہ مکمل سمجھا جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا کرنا بہتر ہے اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی:

"ويكره الفصل بسورة قصيرة، وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم، فيقرأ من البقرة. قال في شرح المنية : و في الولوالجية : من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى، يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة و شيء من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "خير الناس الحال المرتحل": أي الخاتم المفتتح". شامی: ۱/۵۷۰ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (مر تخريجه تحت عنوان "اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا")

(۲) قال في الفتح : "وإن قرأ في ركعة سورةً و في الثانية ما فوقها، أو فعل ذلك في ركعة، فهو مكروه". (فتح القدير، فصل في القراءة : ۱/۳۴۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة : ۱/۵۴۷، سعيد)................ =

امام کو ختمِ تراویح میں لقمہ دینا

سوال[۳۴۱۹]: اگر کوئی شخص ختم تراویح میں لقمہ دیوے تو دینے والے کی خرابی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھ بھی خرابی نہیں بشرطیکہ اپنے ہی امام کو نماز میں بوقت ضرورت لقمہ دے:

"وإن فتح على إمامه لم يكن كلاماً، و ينوى الفتح على إمامه دون القرآن، هو الصحيح؛ لأنه مرخّص فيه، و قراء ته ممنوع عنها"۔ هدايه: ۱۲۱/۱ (۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۱۷/محرم الحرام/۵۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، عبد الرحمٰن عفی عنہ۔

امام تراویح میں غلط پڑھے اور سامع نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۴۲۰]: نماز تراویح اگر ایک ہی حافظ پڑھائے اور سامع کوئی نہ ہو اور حافظ کوئی غلطی کر جائے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

۱......ایسی صورت میں قرآن شریف تراویح میں سنے یا "ألم تر كيف" سے؟

۲......اگر مقتدیوں کو شبہ ہو جائے تو ایسی حالت میں مقتدی کیا کرے؟

۳......اگر قرآن شریف کی وجہ سے مقتدی تراویح کم پڑھتے ہوں تو کیا مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے "ألم تر كيف" سے پڑھے؟

= (وكذا في الحلبي الكبير تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة و مالا يكره، ص: ۴۹۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۲، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱۳۶/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

"(بخلاف فتحه على إمامه) فإنه لا يفسد (مطلقاً) لفاتح وآخذ بكل حال ...... و ينوى الفتح لا القراءة"۔ (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۲۲/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱۰/۲، رشيديه)

۴......اگر حافظ کو اطمینان ہو اور مقتدیوں کو نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

۵......بعض مقتدیوں کا خیال ہے کہ اگر حافظ صاحب کو یوں اطمینان ہوتا تو قرآن شریف کو بار بار کھولنے کا کیا مطلب ہے؟ اگر کوئی آیت چھوٹ جائے یا تغیر وتبدل پیدا ہو کہ جس کا علم نہ حافظ صاحب کو ہے نہ مقتدیوں کو تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر پختہ حافظ ہو کہ اس کو خوب یاد ہو، بغیر تراویح بھی پڑھنے اور سنانے کی وجہ سے بار بار تجربہ ہو چکا ہے تو اس کے لئے مضائقہ نہیں (۱) بلا وجہ غلطی کا اس پر وہم نہ کیا جائے۔ اگر حافظ ایسا نہ ہو تو اس کے پیچھے کوئی حافظ رہنا چاہئے تاکہ بھول پر بتا سکے اور غلط نہ پڑھنے دے، ورنہ "الم تر کیف" سے پڑھ لی جائے (۲)۔

۲......پختہ حافظ کے پیچھے تراویح پڑھ کر ختم قرآن کی فضیلت حاصل کرے، جو کچا حافظ ہو اور اٹکتا ہو غلط پڑھتا ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اگر "الم تر کیف" سے پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ لے ورنہ کسی دوسری جگہ پڑھے تاکہ غلطی سے حفاظت رہے اگرچہ ختم کی فضیلت حاصل نہ ہو سکے (۳)۔ مقتدی کو جو شبہ ہو امام سے دریافت کرے اور بلا تحقیق عینِ نماز میں نہ کچھ بتائے نہ کچھ پوچھے، بلکہ سلام کے بعد

---

(۱) "لا ينبغي للقوم أن يقدموا في التراويح الخُوشخوَانُ، ولكن يقدموا الدّرُ سْتَخوَانُ". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۲۳۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لايمل القوم، ولايلزم تعطيل المسجد، وهذا أحسن، كذا في الزاهدي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱، رشيديه)

(۳) "لو كان الإمام لحاناً لا بأس بأن يترك مسجده". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في النوافل، التراويح: ۲۳۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

شبہ دور کرے۔

۳......اگر مقتدی پورا قرآن نہ سنیں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت میں آنا بھی بند کردیں تو پھر مجبوراً ختم نہ کیا جائے بلکہ اتنا پڑھادے کہ مقتدی سن لیں اور مسجد کو نہ چھوڑیں لیکن ایسی حالت میں سنت ختم سے سب محروم رہیں گے(۱)، لہٰذا ہمت کرکے ختم کا اہتمام کیا جائے۔

۴......امام نے تو پڑھا یاد کیا سنایا اس کو تو اس لئے اطمینان ہے مقتدی کو اطمینان کیوں نہیں؟ اگر مقتدی کے نزدیک امام غلط پڑھتا ہے اور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں تو وہ ایسے امام کے پیچھے نہ پڑھے(۲)۔

۵......اتفاقاً اگر ایسا ہو جائے کہ امام کو متشابہ لگ گیا پھر اس نے قرآن شریف کھول کر دیکھ لیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تمام قرآن ہی غلط پڑھتا ہے، جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں اور نماز فاسد ہو جاتی ہے، تاہم اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو ایسے شخص کو ایسی حالت میں امام نہ بنایا جائے(۳)، اگر دوسرا کوئی شخص امامت کا اہل نہ ہو تو امام کو چاہئے کہ دن میں خوب یاد کرے کسی کو سنایا کرے، ورنہ "ألم تر کیف" سے یا جہاں سے پختہ ہو وہاں سے ہی تراویح میں پڑھ دیا کرے، غلط سلط پڑھ کر نماز خراب نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/شعبان/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: الأفضل في زماننا الخ)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة ....فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة، لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم و تعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۱، مكتبه رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية الآتية)

(۳) "وكذا لو كان الإمام لحاناً، لا بأس بأن يترك مسجده". (فتاویٰ قاضی خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱/۲۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص:۴۰۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

جس حافظ کو قرآن صحیح یاد نہ ہو اس کی امامتِ تراویح

سوال[۳۴۲۱]: ایک حافظ صاحب گاؤں میں قرآن شریف سنا رہے تھے، ایک رکعت میں کم از کم پانچ دفع غلطی کرتے تھے، کچھ لوگوں نے دوسرے حافظ صاحب کا تعین کر دیا، آیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کو قرآن یاد نہیں ہے اس کو تراویح کے لئے امام نہ بنایا جاوے، جس کو یاد ہے اس کو امام بنایا جاوے، اتفاقاً کہیں غلطی ہو جائے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شبینہ مروّجہ

سوال[۳۴۲۲]: ۱..... شبینہ مروّجہ میں پورا قرآن شریف تراویح میں پڑھنا اور مصلّیان کا کھانا حفاظ شبینہ پڑھنے والوں کے لئے لانا، حفاظ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... رمضان شریف میں ختم قرآن شریف پر شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ مستورات اور بچوں اور مردوں کا ہجوم وہنگامہ اور شور وشغب ہوتا ہے اور بجائے ایک حصہ کے بعض شوخ چشمی نے دوسرا حصہ لینے سے بھی اجتناب نہیں کرتے اور مٹھائی تقسیم نہ کرنے پر مصلیانِ مسجد مور دِ ملامت ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفس ختم قرآن شریف خصوصاً نماز میں موجب اجر اور موجبِ سعادت و برکت ہے (۲) بشرطیکہ التزام

---

(۱) "قال الإمام: إذا كان الإمام لحاناً، لا بأس بأن يترك مسجده و يطوف". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۶، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۱/۲۳۹، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما أذن الله لعبد في شيء أفضل من ركعتين يصليهما، وإن البر ليذرّ على رأس العبد ما دام في صلاته، و ما تقرب العباد إلى الله عزوجل بمثل ماخرج منه". قال أبو النضر: يعني القرآن". (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب: ۲/۱۱۹، سعيد) .... =

مالا یلزم اور عوارضِ محظورہ سے خالی ہو۔ شبینہ مروّجہ میں چند عوارض ایسے ہیں جو کہ مثل لازم غیر منفک کے ہیں:

اولاً...... عام طور پر ریا اور فخر کے لئے شبینہ کیا جاتا ہے، اخلاص نہیں ہوتا، چنانچہ اہلِ محلّہ اور حفاظ دوسرے اہلِ محلّہ وحفاظ کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں صرف اتنی دیر میں ختم ہوا۔

ریا کی ممانعت قرآن کریم وحدیث شریف سے ثابت ہے(۱) خصوصاً نماز میں ریا کے متعلق وارد ہے:

﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یرآء ون﴾۔ (۲) الایة.

= "والختم مرةً سنة و مرتین فضیلة و ثلاثاً أفضل". (الدرالمختار) و فی رد المحتار: "(قوله: و الختم مرة سنة): أی قراء ة الختم فی صلاة التراویح سنة". (باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۴۱۴، ۴۱۵، قدیمی)

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من یسمّع یسمّع الله به، و من یرآء یرآء الله به". (ابن ماجة، کتاب الزهد، باب الریاء والسمعة: ص: ۳۱۰، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۹۶۲/۲، قدیمی)

(۲) (الماعون: ۴)

﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون﴾ قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وغیره: یعنی المنافقون الذین یصلون فی العلانیة و لا یصلون فی السرّ، ولهذا قال: ﴿للمصلین﴾ الذین هم من أهل الصلاة، و قد التزموا بها، ثم عنها ساهون .... ﴿عن صلاتهم ساهون﴾ و لم یقل: فی صلاتهم ساهون، وإما عن وقتها الأول فیؤخرونها إلی آخره دائماً أوغالباً، و إما عن أدائها بأرکانها و شروطها علی المأمور به، و إما عن الخشوع فیها والتدبر لمعانیها .... ﴿الذین هم یرآء ون﴾ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن فی جهنم لوادیاً تستعیذ جهنمُ من ذلک الوادی فی کل یوم أربع مائة مرة، أعد ذلک للمُرائین من أمة محمد لحامل کتاب الله، وللمتصدق فی غیر ذات الله، وللحاج إلی بیت الله و للخارج فی سبیل الله". (تفسیر ابن کثیر، الجزء الثلاثون، سورة الماعون: ۷۱۸/۴، ۷۱۹، مکتبه دار السلام الریاض)

"اعلم أن إخلاص العبادة لله تعالیٰ واجب، والریاء فیها -وهو أن یرید بها غیر وجه الله تعالیٰ- حرامٌ بالإجماع للنصوص القطعیة، و قد سمی علیه السلام الریاء: "الشرک الأصغر" .... لو صلی =

ترجمہ: سوایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں۔ (بیان القرآن)۔

ثانیاً......نمازی خود اتنی طویل نماز کے شوقین نہیں، چنانچہ تنہائی میں کبھی اتنی طویل نماز نہ مقتدی پڑھتے ہیں نہ امام اور سستی وکسل کی حالت میں شبینہ کی شرکت کرتے ہیں بلکہ اکثر بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں جب رکوع کا وقت آتا ہے تو جلدی سے کھڑے ہوکر، بعض بیٹھے ہی بیٹھے نیت باندھ کر شریک ہوجاتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿وإذا قاموا إلی الصلوة قاموا کسالیٰ، یرآءون الناس و لا یذکرون اللّٰہ إلا قلیلاً﴾ (۱)۔

ترجمہ: اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت مختصر۔ (بیان القرآن)۔

ثالثاً......حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ تدبر تو بجائے خود الفاظ تک صاف سمجھ میں نہیں آتے بلکہ پورے الفاظ ادا بھی نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں "ھذاً کھذا الشعر" کی ممانعت آئی ہے (۲)۔

= ریاءً فلا أجر له، و علیه الوزر". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۶/۴۲۵، سعید)

(۱) (النساء : ۱۴۲)

وقال تعالیٰ : ﴿و لا یأتون الصلوة إلا و هم کسالیٰ، و لاینفقون إلا و هم کارهون﴾ (التوبة : ۵۴)

(۲) "عن شقیق قال : جاء رجل من بنی بجیلة یقال له: نهیک بن سنان إلی عبد الله، فقال : إنی أقرأ المفصل فی رکعة، فقال عبد الله : هذاً کهذّ الشعر، لقد علمت النظائر التی کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقرأ بهن سورتین فی رکعة". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب ترتیل القرآن واجتناب الهذّ الخ : ۱/۲۷۳، قدیمی)

نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلث". (سنن ابن ماجة، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان، ص: ۹۶ قدیمی کتب خانه)

اس حدیث کے تحت علامہ شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ انجاح الحاجة علی ابن ماجة میں علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں: "قال الطیبی: أی لم یفهم ظاهر معانیه ...... قال الشیخ : ظاهره المنع من ختم القرآن فی أقل من هذه المدة .... والمختار أنه یکره التأخیر فی الختمة أکثر من أربعین یوماً،=

رابعاً......روشنی اور دیگر تکلفات ایسے کئے جاتے ہیں جو کہ حدِ اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے:لقوله تعالیٰ : ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾(١)۔

ترجمہ:اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو(بیان القرآن)۔

خامساً......حفاظ کے لئے نقد یا مٹھائی اور کچھ خورد ونوش کا اہتمام کیا جاتا ہے جو کہ صورۃً اور حقیقۃً بھی تلاوت کی اجرت ہے اور ممنوع ہے عینی شرح ہدایہ میں ہے:"الآخذ والمعطى آثمان اھ" (٢)۔

سادساً......مردوں اور بچوں کا ہجوم ہو کر شور شغب ہوتا ہے اور یہ شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے(۳)اور ساتھ ساتھ اگر عورتیں بھی آئیں پھر تو اللہ کی پناہ مفاسد کی کچھ حد نہیں رہے گی:

"المرأة عورة إذا خرجت من بيتها، استشر فها الشيطان". الحديث(٤)۔

اور پھر کبھی عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی ہوتے ہیں جو کہ اکثر پیشاب کر کے مسجد کو ملوث کرتے ہیں حدیث شریف میں بچوں سے خاص طور سے مسجد کو محفوظ رکھنے کا امر آیا ہے:"جنبوا مساجدكم صبيانكم"(٥)۔

سابعاً......اس سلسلہ میں عامۂ محلّہ سے چندہ وصول کیا جاتا ہے جن میں بعض غریب اور نادار ہوتے ہیں وہ یا چندہ بالکل نہیں دینا چاہتے یا کم دینا چاہتے ہیں مگر شبینہ اور ختم کے کارکن کبھی شرم وغیرت دلا کر کبھی ناجائز

= وكذا التعجيل من ثلاثة أيام ...... الخ". (ص:٩٦ قديمى)

(١)(الأعراف : ٣١)

(٢) (رد المحتار : ٥٦/١، سعيد)

(٣)(تقدم تخريجه من رد المحتار : ٦٦٢/١ ، سعيد)

(۴)(جامع الترمذى، قبيل أبواب الطلاق، باب ما جاء فى كراهية أن تسافر المرأة وحدها ، بابٌ : ٢٢٢/١، سعيد)

وقال العلامة المناوى : "قال الطيبى : ...... والمعنى المتبادر أنها مادامت فى خدرها، لم يطمع الشيطان فيها و فى إغواء الناس، فإذا خرجت طمع وأطمع؛ لأنها حبائله ، وأعظم فخوره" . (فيض القدير شرح الجامع الصغير : ١٢/٥١١١،٦١١٦، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۵) (سنن ابن ماجة فى كتاب المساجد والجماعات ، باب ما يكره فى المساجد: ص: ۵۴ ، قديمى)

دباؤڈال کران سے زائد وصول کرتے ہیں: "لا یحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه"(۱)۔

ثامناً......مٹھائی زیادہ تر فخر وریا کے لئے تقسیم کی جاتی ہے اور فخر وریا کے کھانے کی ممانعت بھی احادیث میں آئی ہے(۲)۔

تاسعاً...... جو شخص چندہ نہ دے اس پر طعن کیا جاتا ہے، اس کے لئے القاب بخیل وغیرہ تجویز کئے جاتے ہیں: قال لله تعالیٰ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب﴾ الآیة (۳)۔ "سباب المسلم فُسُوقٌ" الحدیث(٤).

عاشراً......ایسے لوگوں کے پیچھے غیبت کی جاتی ہے اور مجامع میں ذلیل کیا جاتا ہے: ﴿و لا یغتب بعضکم بعضاً﴾ الآیة(٥)۔

اس کے علاوہ بعض جگہ لڑائی اور سخت کلامی کی نوبت آتی ہے اور دوسرے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ عامۂ شبینہ اور ختم مروّجہ میں یہ تمام مفاسد یا اکثر موجود ہوتے ہیں اس لئے اس کو روکنا ہی حکم شرعی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ: ۱۸/ رمضان/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان/۶۴ھ۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵ قدیمی)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المتباریان لا یجابان، و لا یؤکل طعامهما". قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً و رياءً" رواه البیهقی فی شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث: ص: ۲۷۹ قدیمی)

(و شعب الإیمان: ٥/٦٠٦٨)

(والدیلمی: رقم: ٦٢١٦)

(۳) (الحجرات: ١١)

(۴) (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ١٠٣١٦/١٠)

(والبخاری فی کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله و هو لا یشعر: ١٢/١ قدیمی)

(۵) (الحجرات: ١٢)

لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ

سوال[۳۴۲۳]: ہندوستان کے بعض علاقوں میں قرآن کریم نماز نفل باجماعت میں ایک ہی شب میں ختم کرلیا جاتا ہے، لیکن ہمارے صوبہ کے باشعور اہل علم حضرات ختم قرآن شریف کے لئے جلسہ وعظ کی طرح مجالس قائم کرنے لگے ہیں، تاکہ لوگوں میں حفظِ قرآن کا جذبہ پیدا ہو اور حفاظ کی یادداشت بھی پختہ ہوجائے۔ ختم قرآن کی ان مجالس میں عوام الناس بھی مدعو ہوتے ہیں، بسا اوقات لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوتا ہے اور چند حفاظ یکے بعد دیگرے کئی کئی پارے ترتیب عثمانی کے مطابق تلاوت کرکے قرآن حکیم ختم کرتے ہیں۔

۱......اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ ایک ہی جلسہ میں لاؤڈ اسپیکرز پر پورا قرآن مجید تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......تلاوت قرآن کی آواز جن جن لوگوں کو سنائی دے رہی ہے ان سب پر سماع قرآن فرض ہے یا صرف حاضرین مجلس کا سننا کافی ہے؟

۳......لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے تلاوت کی یہ آواز قضائے حاجت کرنے والوں نیز کفار کے کانوں میں پڑتی ہے، کیا اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کی تلاوت اور اس کا استماع أفضل القربات ہے ملائکہ-علیہم السلام- تک سننے کے لئے آتے ہیں (۱)، اللہ پاک کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، حفظ قرآن پاک کا جذبہ اور اس کے پختہ ہونے کا داعیہ بلاشبہ مبارک جذبہ اور مبارک داعیہ ہے۔ ایسی پاکیزہ مجالس کی برکت سے بہت سی واہیات، خرافات اور ممنوعات سے حفاظت بھی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ خود آوازِ تلاوت کی طرف اپنی اعلیٰ شان کے مناسب توجہ فرماتے ہیں اور جب سکون واطمینان سے ادائے حقوق کے ساتھ تلاوت ہو اور سامعین ادب وشوق سے حاضر ہوکر

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة: و فرسه مربوطة عنده إذ جالت الفرس فسكت .... فانصرفت إليه و رفعت رأسي إلى السماء، فإذا مثل الظلة .... قال: "و تدري ماذاك"؟ قال: لا، قال: "تلك الملائكة، دنت لصوتك". الحديث.

(مشكوة المصابيح، فضائل القرآن، ص: ۱۸۴، قديمي)

سنیں، کسی کو گرانی اور بار نہ ہو تو بظاہر ختم میں بھی مضائقہ نہیں، حدیث شریف میں تین روز سے کم میں ختم کرنے کو جو منع فرمایا گیا ہے اس کا بھی منشاء یہی ہے کہ عموماً ایسی حالت میں حقِ تلاوت ادا نہیں ہوتا ہے (۱)، بلکہ بلا غور و تدبر کے جلدی جلدی گرانی اور ناگواری کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے، عامۃً تراویح میں جن حالات کا مشاہدہ ہوتا ہے (۲)۔

ان محاسن کے باوجود جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس مبارکہ کو تتبع کرکے دیکھا جاتا ہے تو وہاں ایسی مجالس کا کہیں پتہ نہیں ملتا کہ ایک مجلس میں جمع کرکے ختم کیا گیا ہو، کسی ایک نے ختم کیا ہو یا نمبروار چند حضرات نے ایک مجلس میں ختم کیا ہو۔ قرآن کریم کے ساتھ ان حضرات کے شغف کا تو یہ حال تھا کہ بعض صحابہ کرام سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرنا بھی منقول ہے (۳) اور بعض اکابر سے ایک ایک دن میں کئی کئی قرآن پاک ختم کرنا بھی منقول ہے، مگر یہ سب تنہائی میں پڑھنا منقول ہے مجلس جمع کرکے نہیں (۴)۔

جو شوق و شغف ان حضرات کو تھا، اس کا ہزارواں حصہ بھی آج کسی کو نصیب نہیں، ان حضرات کے اتباع ہی میں برکت ہے، اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی صورتیں پیدا کرنے میں خیر و برکت نہیں، بلکہ مفاسد ہیں،

---

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلاث". هذا حدیث حسن صحیح". (سنن الترمذی، أبواب القراءات: ۱۲۳/۲، سعید)

(۲) "و یجتنب المنکرات هذرمة القراءة، و ترک تعوذ وتسمیة و طمانینة و تسبیح واستراحة". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۷/۲، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۴۱۶، قدیمی)

(۳) "روی عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یقرأ القرآن فی رکعة یوتر بها". (سنن الترمذی، أبواب القراءات: ۱۲۳/۲، سعید)

(۴) "و عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه کان یختم فی شهر رمضان احدی و ستین ختمةً: ثلثین فی اللیالی، وثلثین فی الأیام، و واحد فی التراویح". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، تنبیه، ص: ۴۰۷، سهیل اکیڈمی لاهور)

ہوسکتا ہے کہ پہلی دوسری مجلس میں کوئی مفسدہ نہ ہو، مگر جب اس کا شیوع ہوگا تو اس میں قرّاء وحفاظ کا تقابل وتفاخر بھی ہوگا، سامعین ایک دوسرے پر دادِ فضیلت دیں گے اور دوسرے کی تقبیح بھی کی جائے گی۔ پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی انعام دینے کی نوبت بھی آجائے اور حاضرین کے لئے طعام ودعوت کا بھی انتظام ہو۔ غرض! اخلاص ورضائے خداوندی کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، اس کے علاوہ بھی مفاسدِ کثیرہ کا مظنہ ہے۔

نیز اگر لاؤڈ اسپیکر کا انتظام غائبین کے لئے ہے، تو وہ بے چارے کچھ اپنی نماز، تلاوت، وظیفہ میں مشغول ہوں گے مگر اس آواز کی وجہ سے اپنی یہ چیزیں پوری نہیں کرسکیں گے اور ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ وہ اپنی سب طاعات کو چھوڑ کر اس کے سننے کی طرف متوجہ رہیں، یہ بھی زیادتی ہے، کچھ لوگ سوتے ہوں گے، یا اپنے دینی کاموں میں مشغول ہوں گے، ان کو پابند کرنا بھی مشکل ہے (۱)، غرض! ایسی صورت اختیار نہ کی جائے، جو سلفِ صالحین کے خلاف ہو۔ امید ہے کہ جداگانہ نمبروار جواب کی ضرورت اب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۹ھ۔

شبینہ

سوال[۳۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

۱......تین شخصوں کی جماعت کرکے ایک کلام اللہ ایک ہی شب میں ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اور رمضان المبارک میں شبِ قدر میں یعنی پانچ راتوں میں تہجد کی نماز با جماعت کرکے ایک کلام اللہ ختم کرنا کیسا ہے، بشرطیکہ اس جماعت میں تین آدمیوں سے زیادہ شریک ہوں؟

۳......نیز اگر رمضان میں تراویح میں ایک قرآن شریف ایک ہی شب میں طلوعِ فجر سے قبل ختم کردیا جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے اور اس صورت میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کا ثواب اس کے پڑھنے

---

(۱) قال العلامة الحلبي: "يجب على القاري احترامه بأن لايقرأ في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأفيهما، كان هو المُضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج، .... والجهر بالقرآن أفضل مالم يكن عند مشغولين مالم يخالطه رياء". (الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلوة ومالايكره، ص: ۴۹۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

والے کوملا یا نہیں؟ جوابات بحوالۂ کتبِ معتبرہ عنایت فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

عبداللطیف اعزازی مظاہری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر یہ سب شوقین ہیں اوردل لگا کر سنیں تو جائز ہے، اگر شوق نہیں، مگر اظہار فخر کے لئے ایسا کریں تو ناجائز ہے(۱)۔

۲......تین آدمیوں سے زیادہ نفل نماز باجماعت مکروہ ہے۔

۳......اس کو جواز بھی موقوف ہے سب کے شوق پر، اگر سب نے شوق سے دل لگا کر سنا تب تو جائز ہے، اگر گرانی سے جبراً سنا، یا فخر کے لئے سنا، یہ ممنوع ہے، ایسی حالت میں تمام رمضان شریف میں ایک قرآن شریف ختم کرنا چاہئے، بلکہ اگر سامعین پر گرانی ہو یا تقلیلِ جماعت کا اندیشہ ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ "الـــــم ترکیف" سے تراویح پڑھادے یا اور مختصر حصہ قرآن شریف پڑھ لے:

"یکره ذلك لو علی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد، اهـ". درمختار۔ "(قوله: أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنین بواحد، فلا یکره، و ثلاثة بواحد فیه خلاف، بحر عن الکافی. و هل یحصل بهذا الاقتداء فضیلة الجماعة؟ ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة یفید عدمه، تأمل، اهـ". رد المحتار: ۱/۴۴۱ (۲)۔ "قال شمس الأئمة الحلوانی: إن اقتدیٰ به ثلاثة لایکون تداعیاً، وإن اقتدی به أربعة فالأصح الکراهة، اهـ". طحطاوی، ص: ۱۶۶ (۳)۔

---

(۱) قال تعالیٰ: ﴿فویل للمصلین، الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یرآء ون﴾ (الماعون: ۴-۶)

"اعلم أن إخلاص العبادة لله تعالیٰ واجب، والریاء فیها، وهو أن یرید بها غیر وجه الله تعالیٰ حرام بالإجماع للنصوص القطعیة، و قد سمی علیه السلام الریاء: "الشرک الأصغر". ....و فی الینابیع: قال إبراهیم بن یوسف: لو صلی ریاءً فلا أجرله، و علیه الوزر". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۲۵، سعید)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، سعید)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قدیمی) .... =

"قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة، لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفر القوم و تعطيل كثيرٍ من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. وفي التجنيس: واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل أي البداءة منها، ثم يعيدها وهذا أحسن، لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات. قال في الحلية: و على هذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا، إلا أنهم يبدأون بقراء ة سورة التكاثر في الأولىٰ، والإخلاص في الثانية، و هذا إلى أن تكون قراء تهم في التاسعة عشر بسورة تبت، وفي العشرين بالإخلاص، اهـ". شامی: ۱/۷۳۹، ۷٤۰(۱)۔

ایک شب میں تمام قرآن شریف ختم کرنے میں عامۂ حفاظ اس قدر جلدی کرتے ہیں کہ حرکات بلکہ کلمات تک مخلوط اور غائب ہوجاتے ہیں ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/شوال/۵۸ھ۔

شبینہ، وقتِ عشاء اور تراویح

سوال[۳۴۲۵] : ا......شبینہ متعارفہ جو ایک رات میں ہوتا ہے عند الشرع اس کا کیا حکم ہے؟ اس

= (وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۳/۲، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۷/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ورتل القرآن ترتيلا﴾ : أي اقرأه على تمهل، فإنه يكون عوناً على فهم القرآن وتدبره، وكذالك كان يقرأ –صلوات الله وسلامه عليه–، قالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: كان يقرأ السورة، فيرتلها حتى تكون أطول من أطول منها". (تفسير ابن كثير، الجزء التاسع و العشرون، (سورة المزمل: ۴) : ۵۵۹/۴، مكتبه دارالسلام رياض)

"ويحذر من الهدرمة، وترك الترتيل، وترك تعديل الأركان وغيرها، كمايفعله من لاخشية له". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في صلوة التراويح، ص: ۴۱۶، قديمي)

میں اکثر کوتاہیاں قارئین وسامعین سے واقع ہوتی ہیں؟

۲.....نقشۂ سحر وافطار کے حساب سے ۲۰/ رمضان المبارک کو افطار ریواڑی کا ۶ بجکر ۲۹/ منٹ پر تھا، شبینہ کی وجہ سے عشاء کی اذان ۷ بجکر ۳۰/ منٹ پر دی گئی اور ۵/ منٹ بعد یعنی ۳۵/ پر جماعت کردی گئی، لہٰذا اذان و جماعت ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو فرض ادا ہوا یا نہیں؟ اور تراویح ہوئیں یا نہیں؟ اور اس میں جو قرآن شریف پڑھا گیا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....ممنوع ہے(۱)۔

۲.....عشاء کا وقت مغرب کے بعد شروع ہوتا ہے اور مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے، شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد حمرت ہے، اسی کو مراقی الفلاح میں مفتیٰ بہ کہا گیا ہے یہی صاحبین کا قول ہے(۲)۔ دوم یہ کہ اس سے مراد بیاض ہے جو کہ حمرت کے بعد ہوتی ہے اور یہ امام صاحب کا قول ہے اور شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقویت کی ہے، بحر میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے(۳)۔ لہٰذا اگر اس روز، ۷ بجکر

---

(۱) "(قوله : هذرمة) .... سرعة الكلام والقراءة، قاموس". (رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۴۷/۲، سعيد)

"و يحذر من الهذرمة ، و ترك الترتيل ،و ترك تعديل الأركان ،و غيرها كما يفعله من لا خشية لـه". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، ص: ۴۱۶ ،قديمي)

(۲) "(و) أول وقت (المغرب منه إلى) قُبيل غروب الشفق (الأحمر على المفتي به)، وهو رواية عن الإمام، وعليها الفتوى، و بها قالا (أي بها قال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ) لقول ابن عمر : الشفق الحمرة. وهو مروى عن أكابر الصحابة (رضي الله تعالىٰ عنهم) و عليه اطباق أهل اللسان ،و نقل رجوع الإمام إليه". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، ص:۱۷۷، قديمي)

(۳) "قوله: (وهو البياض): أي الشفق، هو البياض عند الإمام، و هو مذهب أبي بكر الصديق و عمر و معاذ و عائشة رضي الله تعالىٰ عنهم ، و عندهما، و هو رواية عنه، هو الحمرة وهو قول ابن عباس و ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم، و صرح في المجمع بأن عليها الفتوى، و رده المحقق في فتح القدير بأنه لا =

۳۰/منٹ پر شفقِ احمر غائب ہوچکی تھی مگر شفقِ ابیض غائب نہیں ہوئی تھی تو قولِ اول پر نماز واذان درست ہوگی اور قولِ ثانی پر نہیں درست ہوئی، احتیاطاً فرض عشاء کا اعادہ کرلیا جائے اور بس۔ اور اگر شفق ابیض بھی غائب ہوچکی تھی تو دونوں قول پر نماز صحیح ہوگئی، اگر شفق احمر بھی غائب نہیں ہوئی تھی تو کسی قول پر بھی صحیح نہیں ہوئی (۱)، فرض نماز کا اعادہ ضروری ہے، سنن وتراویح کا اعادہ نہیں (۲)، نماز وتر تو بعد تراویح جب پڑھی تب تو وقت میں کوئی تردد نہیں رہا ہوگا، اس کا بھی اعادہ نہیں۔

تنبیہ: غروب شفق کا وقت اختلافاتِ زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شبینہ کا حکم

سوال[۳۴۲۶]: ۱...... ایک بلڈنگ ہے جس میں مختلف کمروں میں بیک وقت نماز نفل میں قرآن پڑھا جارہا ہے، مثلاً ایک کمرے میں پارہ نمبر:۱، سے پارہ نمبر:۱۰، تک، پھر دوسرے کمرے میں پارہ نمبر:۱۱، سے پارہ نمبر:۲۰، تک پھر تیسرے کمرہ میں پارہ نمبر:۲۱، سے پارہ نمبر:۳۰، تک پڑھا جارہا ہے۔ تو اس پر شبینہ کا

= يساعده رواية و لا دراية .... و رجّحه أيضاً تلميذه قاسم فى تصحيح القدورى، وقال فى آخره: فثبت أن قول الإمام هو الأصح .... وفى السراج الوهاج فقولهما أوسع للناس و قول أبى حنيفة أحوط". (البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۲۷، رشيديه)

(۱) (راجع ،ص: ۳۳۶، رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۲) "(وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) .... وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاث المنهية عنها". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۶، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۱، رشيديه)

"قوله: (ولم تقض إلا تبعاً): أى لم تقض سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفرض تبعاً للفرض .... وقيد بسنة الفجر ؛ لأن سائر السنن لاتقضى بعد الوقت لاتبعاً ولا مقصوداً". (البحر الرائق، باب إدراك الفريضة : ۲/۱۳۱، ۱۳۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الصلوة، التراويح، نوع آخر فى قضاء التراويح: ۱/۶۹۰، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى صلوة التراويح، ص: ۴۱۶، قديمى)

اطلاق ہوگا یا نہیں؟

۲......شبینہ کی تعریف اور اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر امام اطمینان سے اخلاص کے ساتھ پڑھے اور مقتدی شوق کے ساتھ ثواب کے لئے سنیں تو ممنوع نہیں اور شبینہ متعارفہ میں یہ داخل نہیں (۱)۔

۲......ایک شب میں ایک قرآن کریم ختم کرنے کو عرفاً شبینہ کہتے ہیں، بعض جگہ تراویح میں اور بعض جگہ نوافل میں پورا قرآن شریف ایک ہی رات میں ختم کیا جاتا ہے (۲)، پھر سامعین اکثر بیٹھے رہتے ہیں (۳)، لیکن چائے وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے، کبھی کئی کئی حافظ ختم کرتے ہیں پھر کہیں مقابلہ اور مناظرہ ہوتا ہے کہ ہماری مسجد میں اتنے حافظوں نے پڑھا، اتنی دیر میں ختم ہوا (۴)، اتنے آدمیوں میں چائے اور مٹھائی تقسیم ہوئی وغیرہ وغیرہ (۵) یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے (۶)۔ تنہا آدمی اپنے ذوق وشوق سے جس قدر چاہے

---

(۱) "عن أبي أمامة قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أذن الله لعبد في شيء أفضل من ركعتين يصليهما، وإن البر ليذرّ على رأس العبد ما دام في صلاته، و ماتقرب العباد إلى الله عزوجل بمثل ما خرج منه". قال أبو النضر: يعني القرآن". (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۱۱۹/۲، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث". (جامع الترمذي، المصدر السابق)

(۳) "ويكره للمقتدي أن يقعد في التراويح، فإذا أراد الإمام أن يركع، يقوم؛ لأن فيه إظهار التكاسل والتشبه بالمنافقين". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، فروع، ص: ۴۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون، الذين هم يرآء ون﴾ الآية (الماعون: ۴،۶)

(۵) "وعن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طعام أول يوم حق، وطعام اليوم الثاني سنة، و طعام يوم الثالث سُمعة، و من سمّع سمّع الله به". الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، ص: ۲۷۹، قديمي)

(۶) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في=

پڑھے ایک دو مقتدی اس کے ساتھ ہوں تو مضائقہ نہیں، نوافل کی جماعت چار آدمیوں سے زائد نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۹۴ھ۔

لیلۃ القدر میں تنہا عبادت افضل ہے یا شبینہ میں شرکت کرنا

سوال [۳۴۲۷]: رمضان المبارک کی شبِ قدر افضل ہے، ۲۷/شب کو عبادت کرنا تلاوتِ قرآن، نفل نماز، درود واستغفار وغیرہ یا شبینہ میں جا کر ختم قرآن میں شرکت کرنا، ان دو عملوں میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آج کل شبینہ میں اس قدر مفاسد پیدا ہوگئے ہیں کہ اس کے جواز ہی میں کلام ہے، چہ جائے کہ افضل ہو، لہٰذا تنہا عبادت افضل ہے (۲)، مثلاً اس کے لئے چندہ کرنا جس میں حدود کی رعایت نہیں ہوتی، روشنی وغیرہ

= أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمی)

"أي جدد وابتدع، وأظهر واخترع (في أمرنا هذا): أي في دين الإسلام .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ ومستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

(۱) "وحكي عن شمس الأئمة السرخسي أن التطوع بالجماعة على سبيل التداعي مكروه، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره. وإن اقتدى ثلاثة بواحد، ذكر هو رحمه الله تعالىٰ أن فيه اختلاف المشايخ، قال بعضهم: يكره، وقال بعضهم: لا يكره. وإذا اقتدى أربع بواحد، كره بلا خلاف". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ۱/۶۷۰، إدارة القرآن كراچی)۔

(وكذا في الحلبي الكبير. فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أفضل صلوتكم في

میں اسراف ہے(۱)، تداعی واہتمام (۲)، قرأت کے وقت امام کا اتنا تیز پڑھنا کہ حروف بھی صحیح ادا نہ ہوں، ارکانِ صلوٰۃ وواجبات کو بھی اطمینان سے ادا نہ کرنا، چہ جائیکہ سنن ومستحبات (۳)، بعض لوگوں کا لیٹے بیٹھے رہنا، بعض کا باتوں میں مشغول رہنا اور امام کے رکوع کے وقت شریک ہونا (۴)، بعض کا شور وشغب کرنا وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

ختمِ قرآن کے موقع پر پانی وغیرہ دم کرانا

سوال [۳۴۲۸]: رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر امام صاحب سے پانی، سونپ، نمک، سرمہ،

= البیت: ۱/ ۱۰۲، سعید)

(۱) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقی فی شعب الإیمان والدار قطنی فی المجتبی".

(مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۲) "قال شمس الأئمة الحلوانی: "إن اقتدی به ثلاثة لا یکون تداعیاً، وإن اقتدی به أربعة فالأصح الکراهة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۶، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۴۹، سعید)

(۳) "و یجتنب المنکرات هذرمة القراء ة، و ترک تعوذ وتسمیة و طمانینة و تسبیح واستراحة".

(الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۴۷، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، ص: ۴۱۶، قدیمی)

(۴) "و یکره للمقتدی أن یقعد فی التراویح، فإذا أراد الإمام أن یرکع یقوم". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، ص: ۴۱۶، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۱۲۲، رشیدیه)

تیل وغیرہ پر نمازی دم کراتے ہیں اور تبرک سمجھ کر اس کو استعمال کرتے ہیں، اس وقت خاص برکت ہوتی ہے یا ہمیشہ ختم کرا کے دم کرائے؟ اس رسم کو جاری رکھنے میں حرج ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن کریم کی برکت ہمیشہ ہوتی ہے، رمضان شریف کی برکت رمضان کے ساتھ خاص ہے، ختم کی برکت ختم کے ساتھ خاص ہے، تراویح کی برکت تراویح کے ساتھ، اس لئے اس وقت دم کرانے میں مضائقہ نہیں مگر اس کو رسم بنانا اور التزام کرنا نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ختم تراویح پر مٹھائی وغیرہ کے لئے چندہ دینا

سوال [۳۴۲۹]: ختم شریف کی خوشی میں اللہ نام کا پیسہ اکٹھا کر کے مٹھائی چالیس کلو بنوانا اور اس میں روشنی کرنا، سجانا، خاص کر غیر مسلم کو دعوت دینا، کیا یہ سب ہمارے مذہب میں جائز ہے یا صرف مٹھائی بانٹنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

ختم قرآن شریف پر مٹھائی کے لئے چندہ کرنے میں عامۃً حدود کی رعایت نہیں کی جاتی، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے، چندہ لینے میں زور ڈالا جاتا ہے، عار دلائی جاتی ہے کہ فلاں نے کم کر دیا، تفاخر کیا جاتا ہے، بعض آدمی مجبوراً قرض لیکر دیتے ہیں، ان خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کیا جاتا ہے، روشنی اور سجاوٹ اسراف تک کی جاتی ہے، اس کی اجازت نہیں (۲)۔ ختم کو خاندانی شادی کی تقریب قرار دے کر اس میں مدعو کرنا خاص کر غیر مسلم

---

(۱) "ولا بأس بالمُعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسمآء الله تعالىٰ.......... قالوا.......... وأما من القرآن أو شئی من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوى والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدار قطني في المجتبى".=

کو ہر گز نہیں چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۰/۹/۲۴ھ۔

ختمِ تراویح میں چراغاں اور امام صاحب کی خدمت کے لئے چندہ دینا

سوال[۳۴۳۰]: رمضان میں ختم کے سلسلہ میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں حافظ کو دینے کے لئے شیرینی و چراغاں کرنے کے لئے، آیا وہ لوگ ثواب کے مستحق ہیں یا نہیں؟ یا اپنے گناہوں میں چندہ دیکر اضافہ گناہوں کا کرتے ہیں، جیسا کہ حافظ کو اجرت دینا حرام ہے، روشنی زیادہ بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ناجائز کام کے لئے چندہ دینا ناجائز ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الاية (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۱۱/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾ (الأعراف: ۳۱) وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تبذر تبذيراً﴾ لما أمر بالإنفاق، نهى عن الإسراف فيه ..... ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين﴾: أى أشباههم فى ذلك. قال ابن مسعود رضى الله تعالیٰ عنه: التبذير الإنفاق فى غير الحق .... و قال قتادة: التبذير النفقة فى معصية الله تعالیٰ، و فى غير الحق والفساد". (تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ۵۳/۳، مكتبه دار السلام الرياض)

(۱) ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ ......" و ينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المأثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، الجزء السادس، سورة المائدة: ۲، ۱۰/۲، مكتبه دار السلام رياض)

"نهى عن معاونة غيرنا على معاصى الله تعالیٰ". (أحكام القرآن للجصاص، الجزء السادس، سورة المائدة: ۴۲۹/۲، قديمي)

الفصل الرابع فی الترویحة وتسبیحها

(ترویحہ اور اس کی تسبیح کا بیان)

ہر ترویحہ کے ختم پر کیا پڑھے؟

سوال[۳۴۳۱]: تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد تسبیح اور چار رکعت کے بعد تسبیح اور دعاء، کیا شریعت کے مطابق ہے یا بدعت ہے؟ تراویح کے ختم ہونے پر کچھ آدمی مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سلام وغیرہ انبیاء کرام پر بآواز بلند فرماتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت کے بعد جلسۂ استراحت نہیں، چار رکعت کے بعد ہے۔ اس جلسۂ استراحت میں تسبیح، درود شریف، استغفار، تلاوت دعاء سب باتوں کا اختیار ہے، کسی ایک چیز پر اصرار نہیں چاہئے (۱)۔ یہاں سے انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوۃ پڑھنا بھی دعاء ہے اور دعاء میں إخفا افضل ہے، لہٰذا بلند آواز ترک کر کے آہستہ پڑھیں اور کھڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ بیٹھے بیٹھے جیسے ہر شخص آہستہ آہستہ پورے خشوع کے ساتھ دل لگا کر دعا کرتا ہے (۲)، اسی طرح ہر شخص صلوۃ وسلام بھی پڑھے اور جب تک توفیق ہو، دن میں رات میں اس مبارک

---

(۱) "(یجلس) ندباً (بین کل أربعة بقدرها، وکذا بین الخامسة والوتر) و یخیّرون بین تسبیح و قراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ، نعم! تکره صلاة رکعتین بعد کل رکعتین". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۲/۲، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً و خفیةً﴾ قیل معناه تذللاً واستکانةً و خفیة کقوله: ﴿واذکر ربک فی نفسک﴾ الآیة. و فی الصحیحین عن أبی موسی الأشعری رضی الله تعالیٰ عنه قال: رفع الناس أصواتهم بالدعاء، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أیها الناس! اربعوا علی أنفسکم، فإنکم لا تدعون أصمّ و لا غائباً، إن الذی تدعون سمیعٌ قریبٌ". ﴿تضرعاً و خفیةً﴾ قال: السر، و قال=

وظیفے میں مشغول رہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعاء

سوال [۳۴۳۲] : بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا ثابت ہے اس لئے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہو سکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعۂ تراویح بمنزلہ ایک ہے، اس لئے اس کے ختم پر دعاء مانگتے ہیں (۲)، ہر چار رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعاء، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعاء کا اہتمام ثابت

= ابن جرير: ﴿تضرعاً﴾ تذللاً و استكانةً لطاعته ﴿وخفية﴾ يقول: بخشوع قلوبكم وصحة اليقين بوحدانيته و ربوبيته فيما بينكم و بينه، لاجهراً مُراءاةً". (تفسير ابن كثير، الجزء الثامن، سورة الأعراف: ۲/۲۹۶، دار الفيحاء)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ واحدةً، صلى الله عليه عشراً". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۸۶، قديمي)

"وعن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جاء ذات يوم والبشرى في وجهه، فقال: "إنه جائني جبرئيل فقال: إن ربك يقول: (أما يرضيك يا محمد! أن لا يصلي عليك أحدٌ من امتك إلا صليت عليه عشراً، و لا يسلم عليكم أحد من أمتك إلا سلمت عليه عشراً)". رواه النسائي والدارمي". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾ .... و قال قتادة: "فإذا فرغت من صلاتك فانصب إلى ربك في الدعاء". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الم نشرح: ۳/۷۱۳، قديمي كتب خانه)

"وعن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا سلم من الصلوة قال: "اللهم اغفر لي ما قدمت و ما أخرت و ما أسررت و ما أعلنت وما أسرفت، و ما أنت أعلم به مني، أنت المقدم والمؤخر، لا إله إلا أنت". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم: ۱/۲۱۹، مكتبه إمداديه ملتان)

نہیں، اس سے احتیاط کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

ہر ترویحہ میں دعاء

سوال [۳۴۳۳]: ما تقولون فی حق المناجاة فی كل ترويحة برفع اليدين، هل تركها أولىٰ اتباعاً بخير القرون أو فعلها أولىٰ استحساناً؟ لكن من لم يفعلها يذمّ ويلقب بالوهابية، ويقال: هو خارج من أهل السنة والجماعة، و لا تجوز خلفه الصلوة، و أيضاً بينوا ما العمل فيها للحرمين والهند؟

الجواب حامداً و مصلياً:

المناجاة المسئولة عنها لم تثبت عن أحدٍ لمن يقتدىٰ به، بل هی بدعة ينبغی تركها:

"و ينبغی له أن يتجنّب ما أحدثوه من الذكر بعد كل تسليمتين من صلوة التراويح، و من رفع أصواتهم بذلك إلى قوله: والحدث فی الدين ممنوعٌ، و خير الهدى هدى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم الخلفاء بعده، ثم الصحابة رضی الله تعالىٰ عنهم، و لم يذكر أحد من السلف فعل ذلك فيسعنا ما وسعهم، اهـ". المدخل (۲).

---

(۱) "(ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها، و كذا بين الخامسة والوتر)، و يخيرون بين تسبيح و قراءة و سكوت و صلوة فرادى". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعيد)

(۲) "من أحدث فی الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۳۶۶/۱، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

قال العلامة الشاطبی: "البدعة طريقة فی الدين مخترعة تضاهی الشريعة، يقصد بالسلوك عليها ما يقصد بالطريقة الشريعة" .... وفی الحد" تضاهی الشريعة" منها التزام الكيفيات و الهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، واتخاذ يوم ولادة النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عيداً، و ما أشبه ذلك". (الاعتصام، باب فی تعريف البدع و بيان معناها الخ، ص: ۲۴، ۲۵، دار المعرفة بيروت)

ایضاً

الاستفتاء [۳۴۴۴] : تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد امام بلند آواز سے اجتماعی دعاء مانگے یا نہ مانگے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آہستہ دعاء مستحب ہے مگر اجتماعی نہیں بلکہ انفراداً جس کا دل چاہے دعاء مانگے، جس کا دل چاہے تسبیح وغیرہ میں مشغول رہے، اہل مکہ کا ہر چار رکعت کے بعد طواف کا بھی معمول رہا:

"ویجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذابين الخامسة والوتر، و يخيرون بين تسبيح وقرأة و سكوت و صلوة فرادى، وأهل مكة يطوفون و أهل المدينة يصلون أربعاً، اهـ". شامی: ۴۷۴/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۲ھ۔

ہر ترویحہ کے بعد دعاء

سوال [۳۴۴۵] : ہمارے یہاں تراویح کے ہر چہار رکعت کے بعد جلسہ استراحت کرتے ہیں اور ہر جلسہ استراحت میں امام اور تمام مقتدی بآوازِ بلند درود اور کلمۂ توحید واستغفار پڑھتے ہیں، ایسے پڑھنا کیسا ہے؟ کتبِ فقہ سے جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء درود آہستہ پڑھنا افضل ہے: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً و خفية﴾. الآية (۲). فقط.

---

(۱) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۲/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۴۶/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الأعراف: ۵۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفيةً﴾ قيل معناه تذللاً واستكانةً و خفيةً كقوله: ﴿واذكر ربك في نفسك﴾ الآية، و في الصحيحين عن أبي موسى الأشعرى رضي الله تعالىٰ عنه قال: =

ایضاً

سوال[۳۴۳۶]: تراویح کی ہر چہار رکعت پڑھنے کے بعد دعاء کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا واجب ہے یا سنت؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہر چہار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح وتہلیل، درود پڑھے، چاہے دعاء کرے، چاہے نوافل پڑھے، لیکن دعاء کا التزام کرنا اور مجموعی حیثیت سے دعاء پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں (۱):

أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، و ليس المراد حقيقة الجلوس، بل المراد الانتظار وهو المخير إن شاء جلس، وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلى نافلةً منفرداً، اهـ". کبیری (۲)۔

اور عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدم منقول نہیں، لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعاء روایات

= رفع الناس أصواتهم بالدعاء، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أيها الناس! اربعوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصمّ و لا غائباً، إن الذى تدعون سميعٌ قريبٌ". ﴿تضرعاً و خفيةً﴾ قال: السرّ، و قال ابن جرير ﴿تضرعاً﴾: تذللاً و استكانةً لطاعته ﴿وخفيةً﴾ يقول: بخشوع قلوبكم وصحة اليقين بوحدانيته و ربوبيته فيما بينكم و بينه لاجهراً مُراء اةً". (تفسير ابن كثير، الجزء الثامن، سورة الأعراف : ۲/۲۹۶، دار الفيحاء)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، قبيل مطلب الثناء على الكريم دعاء: ۲/۵۰۷، سعيد)

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة : ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في المرقاة ، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في التشهد : ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل : ۲/۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل : ۱/۴۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال[۳۴۳۷]: بعد چار رکعتِ تراویح مناجات کردن چه حکم دارد؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بعد هر چهار تراویح جلسۂ استراحت مستحب است، و درین اختیار است، خواه تسبیح و درود خواند، و خواه در نوافل و تلاوت مشغول ماند، خواه این وقت در دعاء و مناجات گزارند، کذا فی سکب الأنهر :۱/۱۳۶(۲)۔ ودست برداشته در ترویحه دعاء کردن ثابت نیست(۳). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) قال تعالیٰ: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾ .... و قال قتادة : فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلی ربک فی الدعاء". (أحكام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح : ۳/۷۱۳، قديمی)

"وعن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إذا سلم من الصلاة قال: "اللهم اغفر لی ما قدمت و ما أخرت و ما أسررت وما أعلنت و ما أسرفت و ما أنت أعلم به منی، أنت المقدم والمؤخر، لا إله إلا أنت". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم : ۱/۲۱۹، إمدادیه ملتان)

(۲) "(عشرون رکعةً بعشر تسليمات، و جلسة بعد کل أربع بقدرها) .... و يخيّرون بين تسبيح و قراء ة و سکون و صلاة فرادیٰ". (سکب الأنهر (الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر) علی هامش مجمع الأنهر، باب الوتر والنوافل، فصل: التراويح سنة مؤكدة : ۱/۱۳۶، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل : ۲/۴۶، سعيد)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الوتروالنوافل : ۲/۱۲۲، رشيديه)

(۳) "من أحدث فی الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة : ۱/۳۶۲، رشيديه)

ہر دو رکعت پر تسبیح

سوال[۳۴۳۸]: بعض جگہ تراویح کی ہر دو رکعت کے بعد تسبیح پڑھتے ہیں، کیا اس کی کوئی اصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت کے بعد جلسہ استراحت نہیں چار رکعت کے بعد ہے، اس جلسۂ استراحت میں تسبیح، درود شریف، استغفار تلاوت ودعاء سب باتوں کا اختیار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں تسبیحات

سوال[۳۴۳۹]: تراویح میں تسبیحات پڑھتے ہیں وہ آپ کی خدمت میں روانہ کی ہے اس لئے ان کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

"الصلوة سنة التراويح رحمكم الله". ہر تراویح کے دوگانہ کے بعد اس دعا کو ایک بار پڑھیں:
"فضل من الله و نعمته و مغفرته و رحمته و عافيته والسلام، لا إله إلا الله، و الله أكبر" إلى آخره۔

بعد میں تراویح کے تین بار پڑھیں: "أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له" إلى آخره۔
امام کے دعاء مانگنے کے بعد یہ پڑھیں: "اللهم صل على سيدنا الخ". دعاء مانگنے کے بعد اس کو ایک بار پڑھیں "خليفة رسول الله بالتحقيق" اور چوتھی کے بعد پڑھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے جو تسبیحات کاغذ پر لکھیں ہیں ان کا پڑھنا نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ کتب فقہ میں ہے(۲)، اس لئے جو تسبیح فقہائے کرام نے لکھی ہے اس کو پڑھیں یا درود شریف پڑھیں اور استغفار میں

---

(۱) (وقد مر تخريجه تحت عنوان: "ہر ترویحہ کے ختم پر کیا پڑھے؟")
(وسيأتي أيضاً تحت عنوان: "ترویحہ کی تسبیح جہراً")

(۲) "من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهراً وخفي ملفوظ أو مستنبط فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۶۶، رشيديه)

مشغول رہیں (۱) جہاں تک ہوسکے آہستہ پڑھیں جو طریقہ رواج پکڑ چکا ہے وہ ثابت نہیں، اس کی اصلاح کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جہراً ترویحہ کی تسبیح

سوال[۳۴۴۰] : ماہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہر ترویحہ پر تسبیح جو پڑھی جاتی ہے، شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص تسبیح کو بلند آواز سے پڑھے اور شرکاء بلند آواز سے کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اس ترویحہ میں اختیار ہے کہ چاہے تو کوئی تلاوت کرے چاہے، درود شریف یا استغفار یا تسبیح پڑھے، اس میں بھی سب کو بلند آواز سے آواز ملا کر نہیں پڑھنا چاہیے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) "(ويجلس) ندبا (بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى. .... قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحيّ الذى لاينام ولايموت، سبّوح، قدّوسٌ، ربنا وربّ الملائكة والروح، لا إله إلا أنت، نستغفر الله، نسألك الجنة، ونعوذبك من النار". (ردالمحتار، باب الوتر والنوفل: ۴۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۲/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۴۴۶/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "(قوله: ودعا جهراً) أماالأدعية والأذكار، فبالخفية أولى". (رد المحتار، قبيل مطلب: الثناء على الكريم دعاء: ۵۰۷/۲،سعيد)

"(وقوله :و رفع صوت بذكر الخ) "خير الذكر الخفي" لأنه حيث خيف الرياء أو تأذى المصلين أوالنيام". (رد المحتار، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

(۳)"و قد قالوا: إنهم مخيّرون في حالة الجلوس، إن شاؤا سبحوا، وان شاؤا قرأوا القرآن، وإن شآء =

بلندآواز سے ترویحہ کی تسبیح

سوال[۳۴۴۱]: ترویحہ پر تسبیح سب مقتدیوں کا اتنی بلندآواز سے پڑھنا کہ آواز محلہ بھر میں جائے، کیاایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح زور سے پڑھنا بھی ثابت نہیں، اس کوبھی ترک کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترویحات میں کیا پڑھے

سوال[۳۴۴۲]: ا.....بعض ثقہ اور مشہور اشتہاروں میں تراویح کے ترویحہ کی مسنون دعاؤں کے عنوان سے منتخب از احادیثِ صحیحہ یہ دعالکھی ہے:" سبحان الملك القدوس، سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة ...... و الكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لا ينام و لا يموت، سبوحٌ، قدوسٌ، ربنا و رب الملائكة والروح ،لا إله إلا أنت، أستغفرك و أسئلك الجنة، وأعوذبك من النار، اللهم! أجرنى من النار، يا مجير، يا مجير، يا مجير".

اوربعض اشتہاروں میں بڑی لمبی قدرے لایعنی دعاء درج ہے،خلفائے اربعہ کے نام اوران کے القاب کلمات جن سے دعاء،دعانہیں رہتی۔تراویح میں بعض جگہ تو سب مل کر پڑھتے ہیں اوربعض جگہ مؤذن کے ذمہ ہے کہ وہ تنہا، یادوچارآدمیوں کوشریک کرکے بڑے زورکی آواز سے یہ لمبی دعاء پڑھے وہ عبارت یہ ہے کہ:

''تراویح میں پڑھنے کی تسبیحات تراویح سے پہلے پکارکر، مؤذن کے ذمہ ہے کہ یوں پکارے:

= صلوا أربع ركعات فرادى، وان شاء وا قعدوا ساكتين الخ". (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۲۲/۲، رشيديه)

(وكذا فى التبيين للزيلعى: باب الوتر والنوافل: ۴۴۶/۱. دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل فى صلوة التراويح، ص: ۴۱۴، قديمى)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''جہراً ترویحہ کی تسبیح'')

"الصلوة سنة التراويح رحمكم الله"۔

پھر لکھا ہے کہ "پہلے دوگانہ تراویح کے بعد اس دعاء کو یکبار پڑھیں: "فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمة و عافية و سلامة، لا إله إلا الله، ولله الحمد خواجه عالم صلوة" کے بعد پہلی تراویح کے یہ تسبیح تین بار پڑھیں، کلمۂ شہادت پڑھیں، دعاء مانگنے کے بعد یوں کہے: "البدر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، لا إله إلا الله والله أكبر، خواجه عالم صلوة"۔

۲-دوسری تراویح کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھیں: "اللهم صل على سيدنا محمد، وعلى جميع الأنبياء والمرسلين، والملئكة المقربين، و على كل ملك برحمتك ياأرحم الراحمين" دعاء مانگنے کے بعد یہ دعا ایک بار پڑھے: "خليفة رسول الله، خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق والتحقيق: أمير المؤمنين حضرت أبو بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه، لا إله إلا الله، والله أكبر الله أكبر، ولله الحمد، ولا حول و لا قوة إلا بالله"۔

غرض اسی طرح سب خلفاء کے نام تسبیحات میں ملے ہوئے ایک لمبی عبارت دعاء وتسبیحات کے نام سے مروج ہے۔ تراویح ختم ہونے کے بعد استغفار غیر ثابت لفظوں میں پڑھنے کو بتلایا ہے۔ پھر خاتمہ پر، ان اشتہاروں میں سب پڑھنے کے بعد مثل سابق ایک بار بتلایا، یہ پڑھنے کو: أسد الله الغالب، مظهر العجائب، والغرائب، إمام المشارق والمغارب، على بن أبى طالب، لا إله إلا الله والله أكبر" وغیرہ۔

شرعی حساب سے جواب عطا ہو، تراویح کے ترویحہ میں وہ ماثورہ الفاظ کی اور کیا ان الفاظ میں تسبیح ترویحہ صحیح العلم لوگوں سے ثابت ہے اور کیا ترویحہ میں یہ عبارت دعاء کے نام سے ثواب ہے۔ یہاں صورتِ تنازع ہے۔ مطلع فرمائیں یہ مروجہ عبارت ترویحہ میں جو پڑھے اور ماثورہ کلمات کے بجائے اس کے ہی پڑھنے پر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ خاموش بیٹھے یا تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے یا تسبیح واستغفار پڑھے۔ مکہ مکرمہ کے حضرات کا معمول تھا کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کرتے اور دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے حضرات ہر چار رکعت تراویح کے بعد جداگانہ چار چار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ کلماتِ ذیل شامی میں مذکور ہیں:

"قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لا ينام و لا يموت، سبوح قدوس، ربنا و رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله، نستغفر الله، نسئلك الجنة، و نعوذبك من النار". شامی: ۱/۴۷٤ (۱).

تراویح کے بعد پڑھنے والے کلمات وتسبیحات کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے وہ کتب شرعیہ متندہ میں نہیں ہے، بلکہ خصوصی مقامات پر کچھ لوگوں سے غالباً روافض وغیرہ کی تردید کے لئے ایجاد کیا ہے اور اس کو ماثور ومنقول کی حیثیت دے دی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

دوترویحوں کے درمیان کیا کرے؟

سوال [۳۴۴۳]: یہاں رمضان المبارک میں تراویح میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے ہیں، تو مؤذن بآواز بلند حسب ذیل کلمات کہتا ہے:

---

(۱) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعید)

وفي التبيين: "والسادس في الجلسة بين ترويحتين، والمستحب أن يجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، وكذا بين الخامسة، والوتر ...... ثم هم مخيّرون في حالة الجلوس إن شاؤوا سبحوا، وإن شاؤوا قرؤوا، وإن شاؤوا صلوا أربع ركعات فرادىٰ، وإن شاؤوا ساكتين . وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، و أهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى". (تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۵، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۶۶، رشيديه)

"فضل من الله و رحمته و نعمته ومغفرته، لا إله إلا الله، الله أكبر ولله الحمد"

اور ہر ایک ترویحہ میں امام اور مقتدی بآواز بلند پڑھتے ہیں: "سبحان ذی الملك والملكوت الخ". اور بعد تسبیح کے امام بآواز بلند دعاء مانگتا ہے اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں اور پہلے ترویحہ مؤذن بآواز بلند "نبينا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم" کہتا ہے اور دوسرے ترویحہ میں "سيدنا أبو بكر صديق خليفة رسول الله –رضي الله عنه–" اور تیسرے میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور چوتھے میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پانچویں میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی بلند آواز سے لیا جاتا ہے اور یہ طریقہ ایک مدت دراز سے جاری ہے۔

عموماً ملک گجرات میں اور افریقہ کے تمام شہروں وقصبوں میں بھی یہ طریقہ جاری ہے، اگر اس طریقہ کے خلاف کوئی کرے تو اس کو برا بھلا اور لعن طعن کیا جاتا ہے اور فساد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو طریقہ کتاب وسنت سے ثابت ہو بحوالہ کتب تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح کی نماز میں ہر دو رکعت ختم کر کے اٹھتے وقت مؤذن کا کلماتِ مذکورہ کہنا میری نظر سے کسی دینی کتاب (حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف کی) میں نہیں گزرا نہ بلند آواز سے، نہ آہستہ سے، اگر یہ چیز ثابت (مسنون یا مستحب ہوتی) تو کتبِ دینیہ میں جہاں چھوٹے بڑے سب مستحبات ومسنونات مذکور ہیں اس کا بھی ذکر ہوتا۔ ان کلمات کا مطلب کچھ برا نہیں بلکہ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم اور اس کا مبارک ذکر ہے جو یقیناً موجبِ برکت اور باعثِ ثواب ہے، لیکن ان کلمات پر التزام اور اصرار کرنا منع ہے(۱)۔ نیز بلند آواز سے کہنے سے ان

---

(۱) "إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع" (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرآءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، و جاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "إن الله عزوجل يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۳۱/۳، رشيديه)

نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے جو درود شریف یا دعاء یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں کیونکہ ہر شخص کو اس وقت (اگرچہ یہ وقت نہایت قلیل ہوتا ہے) ان سب چیزوں درود شریف وغیرہ میں مشغولی کی شرعاً اجازت ہے، لہٰذا نہ ان کلمات پر اصرار والتزام کیا جائے (کیونکہ ثبوت نہیں) نہ ان کو بلند آواز سے کہا جائے (کیونکہ دوسرے نمازیوں کے حق میں مشوش ہے)، بلکہ ہر شخص آہستہ آہستہ جو دعاء چاہے پڑھے(۱)۔

ہر ترویحہ کے بعد اختیار ہے خواہ امام ومقتدی خاموش بیٹھے رہیں خواہ ذکر، درود، تسبیح، دعاء، تلاوت میں مشغول رہیں یا نوافل (علیحدہ علیحدہ بلا جماعت) پڑھیں اور ”سبحان ذی الملك والملكوت الخ“ بھی پڑھنا منقول ہے۔ اہلِ مکہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ اس وقت میں ایک طواف کرتے ہیں اور دو رکعت طواف پڑھتے ہیں۔ اہلِ مدینہ کا معمول لکھا ہے کہ وہ چار رکعت پڑھتے ہیں:

”أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة: أي بين كل أربع ركعات مقدار أربع ركعات، وكذا بين الآخرة والوتر، و ليس المراد حقيقة الجلوس، بل المراد الانتظار، وهو مخيّرفيه إن شاء جلس ساكتاً، وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ و صلى نافلةً منفرداً. و هذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمين، فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أربع أسبوعاً، و يصلوا ركعتي الطواف، و عادة أهل المدينة أن يصلوا أربع ركعات. و قدروى البيهقي بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه يعني بين كل ترويحتين، فثبت من عادة أهل الحرمين الفصل بين كل ترويحتين و مقدار ذلك الفصل و هو مقدار ترويحة، فكان مستحباً؛ لأن ما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن، اهـ“. غنية المستملي(۲).

”ويخيّرون بين تسبيح و قراءة وسكوت و صلاة فرادىٰ، نعم! تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين، اهـ“. در مختار۔ ”(قوله: بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ”ہر ترویحہ کے بعد دعاء“)

(۲) (غنية المستملي (الحلبي الكبير)، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

الحی الذی لا ینام ولا یموت، سبوح، قدوس، رب الملائکة والروح، لا إله إلا الله، نستغفر الله، نسألك و نعوذبك من النار، كما في منهج العباد، اهـ". رد المحتار: ۱/۷۳۹(۱).

تسبیح، دعاء وغیرہ جو کچھ بھی پڑھا کریں آہستہ آہستہ پڑھیں تاکہ آوازوں میں تصادم اور پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو، اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کا خیال نماز سے ہٹ کر اس طرف متوجہ نہ ہو جس سے نماز میں خلل آئے اور غلطی بھول وغیرہ واقع ہو۔ ہر ترویحہ کے ختم پر امورِ مذکورہ بالا کا شرعاً ثبوت اور اختیار ہے جیسا کہ عبارات منقولہ میں تصریح ہے۔

آپ نے "سبحان ذی الملك الخ" کے بعد ہر ترویحہ کے لئے جو کلمات لکھے ہیں، کتب فقہیہ متداولہ میں کہیں ان کا ثبوت نہیں، پس ان کو پڑھنا، امورِ ثابتہ منقولہ کو چھوڑ کر غیر منقولہ کلمات کو اختیار کرنا ہے، جو غیر مناسب اور قابلِ ترک ہے(۲) تاہم ایسے لوگوں کو نرمی اور شفقت سے سمجھانا چاہئے سختی اور تشدد سے نہیں نیز فتنہ اور فساد سے اجتناب ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۸ھ

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ رجب/ ۵۸ھ۔

تراویح کی دو رکعت پر درود شریف اور چار پر تسبیح

سوال[۳۴۴۴]: رمضان کے مہینہ میں ہمارے یہاں مسجد میں ایک واقعہ پیش آیا کہ پہلے ہم لوگ حسبِ معمول رمضان کے مہینہ میں تراویح کی دو رکعت کے بعد درود شریف دو مرتبہ پڑھتے ہیں اور دو رکعت کے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۲، رشیدیه)

(۲) "عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" قال ابن عيسى: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صنع أمراً على غير أمرنا، فهو رد".

(سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲/۲۸۷، إمداديه ملتان)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، و جادلهم بالتي هي أحسن﴾

(الجزء الرابع عشرة، سورة النحل آية رقم: ۱۲۵)

بعد یعنی چار رکعت کے بعد تسبیح "یا مقلب العباد" پڑھتے ہیں، اس طرح روزانہ دونوں وِرد پانچ مرتبہ پڑھ لیتے ہیں، لیکن اس کے بعد مقتدیوں نے گزارش کی کہ نماز میں جلدی کی جائے کیونکہ گرمی کی شدت ہے اور مچھر کاٹتے ہیں۔ امام صاحب حالات پر مدنظر رکھ کر دو رکعت کے بعد درود شریف بند کر دیا اور فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تراویح کی چار رکعت کے بعد ایسے کلمات یا درود شریف پڑھے جائیں تاکہ اس میں اتنا وقت لگ جائے جتنا ان تراویح کی چار رکعت پر لگتا ہے، اس لئے مقتدیوں کی سہولت کے لئے دو رکعت کے بعد درود شریف پڑھنا بند کرتا ہوں۔ مقتدی امام کے کہنے پر چلے۔

چند دن اَور گزر گئے یعنی بدھ کی شام ماہ رمضان کی ساتویں تاریخ شام کو دو اَور مقتدی آ گئے جنہوں نے تراویح کی نماز پڑھتے وقت امام سے کہا کہ آپ درود شریف کیوں نہیں پڑھتے؟ امام صاحب نے خاموشی اختیار کی اور نماز پڑھاتے چلے گئے، نماز جب ختم ہوئی تو انہی دو مقتدیوں نے دوبارہ امام صاحب سے سوال کیا، امام صاحب کے بھائی جو مسائلِ حدیث سے واقف ہیں، نے حصہ لیا، انہوں نے فرمایا اگر دو رکعت کے بعد درود شریف پڑھا جائے تو ثواب ملے گا اور اگر نہیں پڑھا جائے تو گناہ بھی نہیں ہوگا۔ ایک مقتدی نے کہا کہ آج اتنا کم کیا اور پتہ نہیں کل سب کم کیا جائے، ایک تیسرے مقتدی نے جلد بازی سے کام لیا اور کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں گناہ نہیں ہوگا، ثواب ہوگا۔ امام صاحب نے بارہا سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک نہ مانا اور مسجد شریف سے باہر نکل گئے۔

بہر حال! امام صاحب کے بھائی نے مقتدیوں سے کہا کہ میں آپ کو کتابوں سے ثابت کر دوں گا اور دکھا دوں گا کہ کتابوں میں نماز تراویح کے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے، اس کے جواب میں ایک صاحب نے کہا کہ آپ کتابوں کو کیا پڑھنا جانتے ہیں؟ دوبارہ امام صاحب کے بھائی نے کہا کہ میں فقہ سے ثابت کر دوں گا کہ فقہ میں تراویح کی نماز کے متعلق کیا مسئلہ بیان کیا گیا ہے لیکن جواب میں اس مقتدی نے کہا کہ آپ نانی کا فقہ دکھاتے ہیں۔

بہر حال! یہ سراسر امام صاحب کی شان کے خلاف ہے، خاص امام جو کہ نائب رسول ہے اور ایک امام صاحب جس کے پیچھے نماز پڑھی جاتی ہے اور مسائلِ دین میں اس کے بھائی کو نانی کا فقہ دکھانے کو کہا، اس پر امام صاحب نے مسجد آنا ترک کر دیا۔ بعد میں امام صاحب نے محلّہ کے ممبروں کو تحقیقات کرنے کے لئے کہا، وہ

مقتدی جو کہ دیکھنے میں عابد لگتے ہیں، سفید لمبی چوڑی داڑھی رکھے ہوئے ہیں، چند برسوں سے امام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور گالیاں دے دے کر اب تک تین امام کو نکال دیا ہے، مقتدی اس کے رویہ سے بہت تنگ آگئے ہیں۔ ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ اس کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں، ہر چار رکعت پر کچھ دیر بیٹھنا چاہئے، اس وقت جس کا دل چاہے قرآن کریم کی تلاوت کرے، جس کا دل چاہے تسبیح و استغفار کرے، جس کا دل چاہے خاموش بیٹھا رہے، کسی بات کی شرعاً کوئی پابندی نہیں، کسی پر کوئی اعتراض نہیں (۱)۔ دو رکعت پر بیٹھنا یا کچھ پڑھنا ثابت نہیں، کسی غیر ثابت چیز پر اصرار کرنا شرعاً غلط ہے (۲)۔ ایک شخص نے چھینک کی اس پر کہا "الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ" ۔دوسرے بڑے عالم فقیہ صحابی نے فرمایا: "میں بھی کہتا ہوں، والسلام علی رسول اللّٰہ لیکن چھینک پر الحمد للّٰہ ہی ثابت ہے والسلام علی رسول اللّٰہ ثابت نہیں، اسی طرح اس "الحمد للّٰہ" کے جواب میں "یرحمك اللّٰہ" ثابت ہے، یہاں بھی والصلوۃ والسلام علی رسول اللّٰہ ثابت نہیں (۳)۔

---

(۱) "(وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات يجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها و كذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح و قراء ة و سكوت و صلاة فرادى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ۲/۴۶، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل : ۱/۴۴۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في التراويح : ۱/۱۱۵، رشيديه)

(۲) "قال الطيبي : و فيه أن من أصر على أمر مندوب، و جعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة ، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة باب الدعاء في التشهد : ۳/۳۱، رشيديه)

(و كذا في السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ، قبيل فصل في القراء ة: ۲/۲۶۳، ۲۶۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) "عن نافع أن رجلا عطش على جنب ابن عمر فقال الحمدلله والسلام على رسول الله قال ابن عمر: وأنا أقول: الحمدلله والسلام على رسول الله ، وليس هكذا، علّمنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

شریعت میں جو چیز جس جگہ متعین کردی گئی نہ اس پر زیادتی کی جائے (۱) نہ اس پر کمی کی جائے اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرلیا جائے (۲)۔ اگر ناواقفیت کی وجہ سے کوئی غلط عمل کیا جارہا ہے تو واقف ہونے کے بعد اس غلطی سے رجوع کرکے اصلاح کرلینا چاہئے اور صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا اس لئے غلط عمل ہوتا رہا، آئندہ صحیح عمل کیا جائے گا۔ صحیح کتابوں کی مخالفت کرنا بہت غلط طریقہ ہے اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۹ھ۔

ہر ترویحہ پر "صلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"

سوال [۳۴۴۵]: بعد چار رکعت نماز تراویح کے جو شخص "صلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

= أن نقول الحمدلله على كل حال". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب العطاس والتثاؤب، ص: ۴۰۵، قديمى)

(۱) "من أحدث": أى جدّد وابتدع، واظهر واخترع "في أمرنا هذا": أى في دين الإسلام.......... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارةٌ إلى أن أمر الإسلام كمل، وانتهى، وشاع، وظهر ظهور العسوس، بحيث لايخفى على كل ذى بصرٍ وبصيرةٍ، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضيٍّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً.......... فذلك الشخص ناقصٌ مردودٌ عن جنابنا، مطرودٌ عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار، واستنباط الأحكام منها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة المناوى: ۱۱/۵۵۹۴، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزاد مصطفىٰ الباز مكة المكرمة)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (النحل: ۴۳)

﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾ .... وقال الرماني والزجاج والأزهرى: المراد بأهل الذكر علماء أخبار الأمم السالفة كائناً من كان، فالذكر بمعنى الحفظ، كأنه قيل: اسئلوا المطلّعين على أخبار الأمم يعلّموكم بذلك". (روح المعاني: تفسير قوله تعالىٰ: ﴿وما أرسلنا من قبلك إلا رجالاً﴾ الخ: ۱۴/۱۴۷، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وسلم" پر جہر کر کے نہ پڑھے، بلکہ تسبیح اور درود شریف جو نماز میں تشہد کے بعد ہے اس کو آہستہ پڑھ لے اس شخص کو برا کہنا اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟ کیا یہ شخص قابلِ ملامت ہے یا نہیں؟ کیا "الصلوۃ بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کو ضروری جاننا اور کہنا کہ یہ شریعت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے، کہ خاموش بیٹھے یا تسبیح و درود و تلاوت و ذکر وغیرہ پڑھے، یا تنہا نفل پڑھے، کسی چیز کی پابندی نہیں، اہلِ مکہ اس وقت طواف کرتے ہیں:

"ویجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها، وکذابین الخامسة والوتر، و یخیّرون بین تسبیح وقراء ة و سکوت و صلوة فرادیٰ، وأهل مکة یطوفون، وأهل المدینة یصلون أربعاً، اهـ". شامی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

ہر ترویحہ میں خلفائے راشدین کے نام

سوال [۳۴۴۶]: اکثر مساجد میں تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعاء کی جاتی ہے اور بعد دعاء خلفائے راشدین کا نام لیا جاتا ہے کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیز حدیث وفقہ میں میری نظر سے نہیں گزری، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان سے دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ کس کتاب میں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۶، دار الکتب العلمية بیروت)

(۲) البتہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد جلسۂ استراحت مستحب ہے، اس میں اختیار ہے خواہ تسبیح و درود پڑھے خواہ نفل وتلاوت میں مشغول رہے خواہ دعاء و مناجات میں مصروف رہے یا سکوت اختیار کرے:

"(ویجلس) ندباً) بین کل أربعة بقدرها و کذا بین الخامسة والوتر) و یخیّرون بین تسبیح وقراء ة و سکوت و صلاة فرادی". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، سعید)

چار ترویحوں پر خلفاء کے نام

سوال[۳۴۴۷]: ہمارے پورے حیدرآباد دکن میں دو رکعت تراویح کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھتے ہیں، پھر چار رکعت پر بیٹھ کر تسبیح اور امام دعاء پڑھتا ہے، مقتدی آمین کہتے ہیں اور چار رکعت پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی اور اسی طرح چار چار رکعتوں کے ختم پر ایک ایک خلیفہ کا نام لیکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں (۱)، کتب فقہ میں تمام مسائل لکھے ہیں ان میں یہ کہیں مذکور نہیں، صرف چار رکعت پر کچھ دیر کے لئے بیٹھ کر تسبیح، درود شریف، استغفار اور تلاوت میں مشغول رہیں، جیسا کہ شامی میں لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۴/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترویحہ میں احادیث سنانا

سوال[۳۴۴۸]: یہاں مسجد میں نماز تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد کچھ حدیثیں سنائی جاتی ہیں غرض اصلاح وتعلیم ہے، کچھ لوگ پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور بند کرانے کو کہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شریعتِ مطہرہ میں مداخلت سمجھا جائے گا، یا پسندیدہ؟ یہ طریقہ اس طرف دیگر مقامات میں

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو رد: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(البدعة) "ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة علی خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) (راجع ص: ۳۶۲، رقم الحاشیة: ۱)

بھی چل رہا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بہت اچھا طریقہ ہے، اس سے بہت معلوماتِ دین میں اضافہ ہوگا، کاش! کہ سب لوگ اس پر متفق ہوجائیں، لیکن ان کو مجبور نہ کیا جائے (۱)، اگر وہ انکار کریں اور مسجد چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں تو پھر یہ طریقہ بند کردیا جائے (۲) اور تراویح ووتر ختم ہونے کے بعد یا کسی دوسرے وقت حدیثیں سنائی جائیں جس کا دل چاہے بیٹھے اور سنے اور فائدہ حاصل کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

ختمِ تراویح پر دعاء

سوال[۳۴۴۹] : ۱..... تراویح کی بیس رکعت ختم ہونے پر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

۲..... بعد وتر ونفل تمام مقتدیوں اور امام کامل کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱..... مستحب ہے (۴)۔

---

(۱) "(ويجلس) ندباً بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) و يخيرون بين تسبيح وقراءة و سكوت و صلاة فرادى". (الدر المختار). "(قوله : وصلاة فرادى) وأهل مكة يطوفون، و أهل المدينة يصلون أربعاً". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل : ۴۶/۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الوتر والنوافل : ۴۴۶/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يسّروا و لا تعسروا، و بشّروا و لا تنفروا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا : ۱۶/۱، قديمي)

(۳) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السامة علينا". (صحيح البخاري، المصدر السابق)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾ وقال قتادة : فإذا فرغت من صلاتك فانصب إلى ربك في الدعاء". (أحكام القرآن للجصاص، سورة ألم نشرح :۴۱۳/۳، قديمي) .... =

۲......ہر شخص اپنی نفل کے بعد دعا کرے، اس میں ایک دوسرے کا پابند کیوں کیا جائے (۱)، جو نمازیں مل کر جماعت سے پڑھی ہے اس کے بعد مل کر دعا کریں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "و عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذاسلم من الصلاة قال: "اللهم اغفرلي ماقدمت و ما أخرت و ما أسررت و ما أعلنت و ما اسرفت، و ما أنت أعلم به مني، أنت المقدم والمؤخر لا إله إلا أنت". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذاسلم: ۱/۲۱۹، مكتبه إمداديه ملتان)

(۱) "ان الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في هذا، فلاشك في الكراهة". (السعاية شرح شرح الوقاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراء ة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "(ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين) بالأدعية المأثورة .... (رافعي أيديهم) حذاء الصدر، .... ثم يختمون بقوله تعالىٰ: ﴿سبحان ربك رب العزة عما يصفون﴾ اهـ.......... (ثم يمسحون بها وجوههم في آخره)". (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأوراد الواردة بعد الفرض، ص: ۳۱۶، ۳۱۸، قديمي)

باب قضاء الفوائت

(قضاء نمازوں کا بیان)

قضا نمازوں کو ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۳۴۵۰]: ایک شخص کے ذمہ بہت سی نمازیں قضاء ہیں مگر ان کی تعداد یاد نہیں وہ ان کو ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ وہ کس طرح ادا کر سکتا ہے؟ کیا ایک وقت میں کئی اوقات کی نماز ادا کر سکتا ہے یا ایک وقت کے ساتھ ایک وقت ہی کی نماز ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ایک وقت میں کئی کئی نمازیں پڑھے(۱)، بلکہ نوافل کی جگہ بھی قضاء نماز پڑھے(۲)، یہاں تک کہ اس کا قلب گواہی دینے لگے کہ اب کوئی قضاء نماز اس کے ذمہ باقی نہیں رہی (۳)، ہر قضاء نماز کے وقت اس

(۱)"عن أبي عبيدة بن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال:قال عبد الله: إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق، حتى ذهب من الليل ماشاء الله، فأمر بلالاً، فأذن، ثم أقام، فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء".
(جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ۱/۴۳،سعيد)

(۲)"وأما النفل، فقال في المضمرات:الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت : ۲/ ۷۴، سعيد)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب قضاء الفوائت، ص:۴۴۷، قديمي)

(۳)"خاتمة: من لايدري كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه، فإن لم يكن له رأى يقض حتى يتيقن أنه لم يبق عليه شئ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب قضاء الفوائت ،ص:۴۴۷،قديمي)
(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على الزيلعي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت : ۱/۴۶۸،دار الكتب العلمية، بيروت)

طرح نیت کرے، مثلاً ظہر کی سب سے پہلی قضاء نماز جو میرے ذمہ باقی ہے اس کو پڑھتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۲/۱۳۶۸ھ۔

قضاء نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ

سوال [۳۴۵۱]: ایک شخص کے ذمہ فرض قضاء نمازیں باقی ہیں، تقریباً بارہ سال کی نماز اس سے قضاء ہوئی ہے، اب وہ ان کو پڑھنا چاہتا ہے، اس کو دن اور تاریخ اور ماہ یاد نہیں، اب وہ ان بقایا نمازوں کی کس طرح نیت کرے اور ادا کیلئے کیا نیت کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح نیت کرے کہ سب سے پہلے ظہر کی نماز جو مجھ پر فرض ہوئی ہے اور میں نے ادا نہیں کی اس کو پڑھتا ہوں اسی طرح سب نمازوں کی نیت کرے اور وتروں کی بھی قضا کرے: "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوة يقضيها،......... فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوىٰ أول ظهرٍ عليه أدرك وقته ولم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصيراً ولافيصح بمثل ذلك، وهكذا إذا نواه آخره، فيقول: أصلي آخر ظهرٍ أدركته ولم اصله بعد، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۲۳۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) "كثرت الفوائت، نوى أول ظهر عليه أوآخره". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۷۶/۲، سعيد)

"إذا أراد أن يقضي الفوائت ذكر في "فتاوى أهل سمرقند": "أنه ينوي أول ظهر لله عليه، وكذالك كل صلاة يقضيها، وإذا أراد ظهر آخر ينوي أيضًا أول ظهر لله عليه؛ لأنه لما قضى الأول صار الثاني أول ظهر لله عليه". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، من مسائل المتفرقة: ۹۹/۲، المكتبة الغفارية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، قضاء الفائتة: ۷۶۲/۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (مراقی الفلاح، كتاب الصلاة باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۶، قديمی) .... =

وتر کی قضاء کا طریقہ

سوال[۳۴۵۲]: ایک شخص پر عشاء کی نمازیں باقی ہیں یعنی کئی سال کی قضاء ہوگئیں تو اب وہ عشاء کی نماز کے فرض اور وتر دونوں کی قضاء کرے یا محض فرضوں کی قضاء پڑھے، اگر وتر قضاء کرے تو اس کی نیت کس طرح کرے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وتر کی بھی قضاء کرے اور جس طرح فرض میں اول فرض یا آخر فرض کی نیت کرے اسی طرح وتر میں بھی اول وتر یا آخر وتر کی نیت کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۹ھ۔

قضاء اور ادا نماز میں فرق

سوال[۳۴۵۳]: قضاء اور ادا میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا، مثلاً کسی نے چار وقت کی قضاء نماز پانچویں وقت ادا کی، یا کسی نے آٹھ وقت کی قضاء نمازیں نویں وقت ادا کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نماز کو وقت پر پڑھا جائے تو ادا ہے اور جسے بعد وقت کے پڑھا جائے تو وہ قضاء ہے(۲)۔

= (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۶/۲، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفائتة: ۹۹/۲، المكتبة الغفارية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، قضاء الفائتة: ۷۶۶/۲، ادارة القرآن و العلوم الإسلامية، كراتشي)

(۱) وكذا حكم الوتر تنوير". (تنوير الأبصار). وقال ابن عابدين: "لأنه فرض عملي عنده خلافاً".

(ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعيد)

(۲)"والقضاء فعل الواجب بعد وقته". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۶۵/۲، سعيد)

"والقضاء له تعريفان: أحدهما على المذهب الصحيح من أن القضاء يجب بما يجب به الأداء، هو فعل الواجب بعد وقته، فيقال: هو فعل العبادة بعد وقتها". (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۱۳۹/۲، رشيديه)

صاحبِ ترتیب کو ترتیب لازم ہے جب قضاء نماز ذمہ میں لازم ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو تو وقتیہ نماز پڑھنا درست نہیں، ہاں! اگر کم از کم چھ قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو پھر ترتیب لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۸/۹۰ھ۔

قضاء بہ نیتِ ادا

سوال[۳۴۵۴]: کسی شخص نے ظہر کی نماز بہت دیر سے پڑھی لیکن اس کا خیال تھا کہ ابھی ظہر کا وقت (بحسابِ مثلین) باقی ہے، اس لئے قضاء کی نیت نہیں کی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اوقات کی جنتری دیکھی تو معلوم ہوا کہ جنتری کے حساب سے ایک منٹ قبل ظہر کا وقت ختم ہو چکا تھا یعنی جنتری میں چار بجکر گیارہ منٹ پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، اس شخص نے ۴/ بجکر ۱۲/ منٹ پر نیت باندھی تھی، تو آیا اس کی نماز ہوگئی یا پھر قضاء کی نیت سے اعادہ ضروری ہے۔

عمید احمد بوہرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی، اعادہ ضروری نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ۔

---

(۱) "قال: "(ويسقط) الترتيب (بضيق الوقت والنسيان وصيرورتها ستًا): أى بصيرورة الفوائت ستًا، وبكل واحد من هذه الثلاثة يسقط الترتيب، بخلاف ما إذا كان في الوقت سعة، وقدم الوقتية حيث لايجوز؛ لأنه أداها قبل وقتها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۴۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى فتح القدير، باب قضاء الفوائت: ۱/ ۴۸۸، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان، كتاب الصلاة، فصل في الترتيب وقضاء المتروكات، ۱/ ۱۰۹، رشيديه)

(۲) (لصحة القضاء بنية الأداء كعكسه هو المختار". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت، سعيد)

"لو نوى الأداء على ظن بقاء الوقت، فتبين خروجه، أجزأه، وكذا عكسه". (الدر المختار مع رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۱/ ۴۲۲، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/ ۲۶۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/ ۶۶، رشيديه)

ایضاً

سوال[۳۴۵۵]: ایک شخص نے ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ حالتِ نماز میں عصر کی اذان ہوگئی اور اپنی نماز کو اس نے پورا کرلیا، لیکن ادا کی نیت سے شروع کی تھی۔ تو کیا دوبارہ قضاء کی نیت سے پڑھے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ نماز درست ہوگئی: "لو نوی الأداء علی ظن بقاء الوقت، فتبین خروجه، أجزأه".

شامی: ۱/۲۸۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۲ھ۔

جس نماز کی ادا کرتے وقت خبر نہ ہو اس کی قضاء

سوال[۳۴۵۶]: اوقاتِ نماز میں بمشکل محمد قاسم نماز پڑھتا ہے، مگر محمد قاسم کو خبر بھی نہیں ہوتی، کیا ان نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن نمازوں کی محمد قاسم کو خبر بھی نہیں ہوتی اور وقت گذر جاتا ہے اس کی قضاء کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۰ھ۔

مغرب ووتر کے اعادہ کے وقت چار رکعت پڑھنا

سوال[۳۴۵۷]: بعض کتب میں دیکھا کہ اگر مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو واجب ہوا اور ادا کرنا یاد نہ

---

(۱) (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۲، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۲۶۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(۲) "والقضاء فعل الواجب بعد وقته". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۳۹، رشيديه)

رہاتواعادہ کے وقت پوری ۴/ رکعت پڑھے۔ پس اس کی کوئی اصل ہے یا صرف اغلاط سے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ کسی کتاب میں ہے تو اس کا منشا یہ ہوگا کہ ترکِ واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور فرض ادا ہوجاتا ہے، اگر سجدۂ سہو کرلیا تو جبرِ نقصان ہوگیا ورنہ اعادہ وقت کے اندر لازم ہوتا ہے اور بعد الوقت اعادہ کا وجوب ساقط ہوکر ندب باقی رہ جاتا ہے تو اس پر ایسی نماز مندوب ونفل ومستحب ہوئی اور متنفل بالثلاث غیر مشروع ہے، لہذا ۴ رکعت بثلاث قعدات پڑھے(۱)۔ شامی اور بحر وغیرہ میں اس پر بحث کی ہے کہ ترکِ واجب سے اعادہ بعد الوقت واجب رہتا ہے یا محض مندوب ہوجاتا ہے۔ باب قضاء الفوائت (۲) ، باب سجود السهو(۳) ، واجبات الصلوات (٤) ، تینوں جگہ اس کا ذکر ہے اور حکم مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ اعادہ بعد الوقت کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۱۳۶۷ھ۔

کئی سالوں سے غلط پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ

سوال[۳۴۵۸]: کچھ لوگ کافی دنوں سے نماز پڑھ رہے تھے مگر انہیں غلط یاد تھیں، اب امام صاحب سے صحیح کرلی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ پچھلی دس بیس تیس سال کی غلط نمازوں کی قضاء ہوگی یا نہیں؟

---

(۱)(سیأتي تخريجه تحت عنوان: ''دارالعلوم کے ایک فتوی پر اشکال اور اس کا جواب'')

(۲)''(قوله: أي وجوبًا في الوقت الخ) فالحاصل أن من ترك واجبًا من واجباتها أو ارتكب مكروهاً تحريميًا، لزمه وجوبًا أن يعيد في الوقت، فإن خرج، أثم، ولايجب جبر النقصان بعده، فلوفعل فهو أفضل اهـ .... قلت: أي لأنه يشمل وجوبها في الوقت وبعده: أي بناء على أن الإعادة لاتختص بالوقت''.

(ردالمحتار، باب قضاء الفوائت : ۲/۶۴، سعيد)

(۳)''(قوله: لأنه لإصلاح مافات): أي ماترك من الواجبات في محله، كما أن قضاء الفوائت لإصلاح مافات وقته بفعله بعده''. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۷۷، سعيد)

(۴)(رد المحتار، باب صفة الصلاة مطلب: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

ابتداء سے نماز کو صحیح نہ کرنا بہت بڑی کوتاہی ہے، تاہم جیسی نماز ان کو آتی تھی انہوں نے پابندی سے ادا کی، جو کوتاہی اور غلطی ہوئی حق تعالیٰ معاف فرمائے، اب دس، بیس، تیس سال کی نمازوں کو دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقت کے اندر بالغ ہو جانے کے بعد پڑھی ہوئی نماز کی قضاء

سوال[۳۴۵۹]: زید صبح صادق سے قبل بالغ ہوا تو اس پر عشاء کی نماز پڑھنا ضروری ہوگی یا نہیں اور اگر عشاء کی نماز پڑھ کر سویا تھا تو عشاء کی نماز کا اعادہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

احقر محمد شفیع الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید پر صورتِ مسئولہ میں عشاء کی نماز فرض ہوگی، لہٰذا اگر بلوغ سے پہلے پڑھ چکا ہے تو اس کا اعادہ کرے کیونکہ بلوغ سے پہلے جو نماز اس نے پڑھی ہے وہ نفل ہے اور اگر نہیں پڑھی تو بعد بلوغ اس فرض کو ادا کرے، اگر وقت کے بعد بالغ ہوا ہے تو قضاء ضروری ہے:

"صبيٌّ احتلم بعد صلوة العشاء واستيقظ بعد الفجر، لزمه قضائها". درمختار۔ قال الشامي: لأنها وقعت نافلةً، ولما احتلم في وقتها، صارت فرضاً عليه؛ لأن النوم لا يمنع الخطاب، فيلزمه قضائها في المختار، ولذا لو استيقظ قبل الفجر، لزمه إعادتها إجماعاً"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۶/۱/۵۴ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۱/۷۶، سعيد)

"غلامٌ احتلم بعد ماصلى العشاء ولم يستيقظ حتى طلع الفجر، ليس عليه قضاء العشاء، والمختار أن عليه قضاء العشاء. وإذا استيقظ قبل الطلوع، عليه قضاء العشاء بالإجماع، وهي واقعة محمد بن الحسن سألها أبا حنيفة، فأجابه بما ذكرنا، فأعاد العشاء". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۵۹، رشيديه) .... =

احتلام یاد نہیں تو نماز کب سے لوٹائے؟

سوال[۳۴۶۰]: امام مسجد کو احتلام ہوتا ہے، صبح کو احتلام یاد نہیں اور نہ کسی قسم کا اثر معلوم ہوا، دو تین روز کے بعد اتفاقاً پائجامہ پر نشان منی کا دکھلائی دیا، اب سوچتا ہے کہ یہ کب سے ہے تو فکر کے بعد معلوم ہوا کہ غالباً دوسری تیسری رات کا واقعہ ہے اور اس اثناء میں وہ امام جتنی نمازیں پڑھاتا رہا اور گاہے گاہے دوسرا شخص بھی نمازیں پڑھاتا رہا۔

اب سوال یہ ہے کہ دو تین روز میں جن لوگوں نے اس جنبی امام کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں وہ مقررہ خاص متعین نمازی نہیں ہیں بلکہ کوئی کسی جگہ کا اور کوئی کسی جگہ کا.......... نامعلوم الاسم، نامعلوم المکان ہیں اور مقررہ متعین نمازی تو چند ہیں۔ اب ان نمازوں کا اعادہ کس طرح کیا جائے اور وہ لوگ جو نامعلوم الاسم ہیں ان کی نمازیں ہوگئیں یا نہیں؟ وہ نمازیں امام کو یاد نہیں کہ میں نے جنابت کی حالت میں کتنی پڑھائی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض احتمال اور شک سے تو اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا جاتا، بلکہ شک کی صورت میں یہ حکم ہے کہ جس وقت کپڑے پر منی کو دیکھا ہے اس سے قبل جو سویا تھا اس وقت سے جنابت کا حکم ہوگا اور بیدار ہوکر جس قدر نمازیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے، لیکن اگر قرائن سے غلبۂ ظن حاصل ہوگیا کہ مثلاً تیسری شب میں احتلام ہوا تھا تو پھر جب ہی سے حکم اعادہ کیا جاوے جب سے غلبۂ ظن حاصل ہو(۱)۔ اور جہاں تک اپنے امکان میں ہو تحقیق کر کے نمازیوں کو اطلاع کردے، خواہ زبانی خواہ تحریری، خود یا کسی اور کے ذریعہ، اس کے بعد بھی اگر کوئی

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في قضاء الفوائت، ص: ۵۳۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱، رشيديه)

(۱) "قوله: أعاد من آخر احتلام .. الخ". .... وفي بعض النسخ: من آخر نوم، وهو المراد بالاحتلام؛ لأن النوم سببه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مطلب: فرق بين الروث والخثي والبعر والخرء: ۱/۲۲۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۲۲۱، رشيديه)

بغیر اطلاع رہ گیا، لاعلمی کی وجہ سے تو انشاء اللہ معافی کی توقع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ربیع الثانی/۶۴ھ۔

دارالعلوم کے ایک فتویٰ پر اشکال اور اس کا جواب

سوال[۳۴۶۱]: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ جلد چہارم(۲)، ص: ۳۰ میں ہے: ''سوال: ۵۹۷، اگر مغرب کے فرض تہجد کے وقت تین رکعت پڑھی کہ دو نفل ہوگئی اور ایک رکعت اکارت ہوگئی، مگر اس میں یہ عرض ہے کہ بعد دوسری رکعت کے جو تیسری کے لئے کھڑا ہوا تو تاخیر سلام پھیرنے میں ہوئی دیگر جب تیسری رکعت کو کھڑا ہوا تو دوگانہ نفل کا واجب ہوگیا اور پھر تیسری پر سلام پھیر دیا اس صورت میں کچھ گناہ ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''حالتِ توہم میں تین رکعت نہ پڑھے، بلکہ ۴/ پوری کرے ۳/ قعدے سے، جیسا کہ امام صاحب کے قولِ قضاء کی تاویل کی گئی ہے درمختار میں ہے: "وما نقل أن الإمام قضی صلوة عمره، فإن صح نقول كان يصلي والمغرب الوتر أربعًا بثلاث قعدات، الخ". انتهى(۳)۔

---

(۱) "وإذا ظهر حدث إمامه بطلب، يلزم إعادتها كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن (بالقدر الممكن) بلسانه أو (بكتاب أو رسول على الأصح) لو معينين، وإلا لايلزمه، بحر عن المعراج". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۴۱، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الايضاح، باب الامامة، ص: ۲۹۷، قديمي)

(۲)(فتاوى دار العلوم ديوبند يعني عزيز الفتاوى مبوب مكمل، كتاب الصلاة، فصل في قضاء الفوائت: ۱/۲۶۶، دار الاشاعت)

(۳)(الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۷، سعيد)

"إذا كان على غالب ظنه فساد ماصلى لوُرود النهي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وما حكي عن أبي حنيفة أنه قضى صلاة عمره، فإن صح النقل فنقول: كان يصلي المغرب والوتر أربع ركعات بثلاث قعدات، انتهى". (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۰۹، رشيديه)

اس سوال میں یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ مغرب کے تین فرض تہجد کے وقت قضاء کرنے سے نفل کیوں ہوگئی اور جواب میں اس کو حالتِ توہم پر محمول کیوں کیا گیا؟ نیز تیسری رکعت شروع کرنے سے وجوبِ دوگانہ اور تاخیرِ سلام کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کا جواب بھی تحریر فرمادیں۔ اور جواب میں جو درمختار کی عبارت ہے وہ کونسی اور کس باب اور کس صفحہ پر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کتابت کی غلطی ہے، سوال کا مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص توہم کے وقت مغرب کے ۳/ فرض کا اعادہ کرے یعنی مغرب کے فرض اس کے ذمہ یقینی نہیں بلکہ محض کسی وہم کی بناء پر پڑھتا ہے کہ شاید پہلے جو وقت پر پڑھ چکا ہے وہ صحیح نہ ہوا ہو تو ایسی حالت میں دو رکعت نفل ہوگئی کیونکہ فریضہ پہلے ادا ہو چکا اور ایک رکعت بیکار گئی تو اس کی تدبیر جواب میں بتائی ہے کہ ایسے وقت میں تین نہ پڑھے بلکہ ۴/ پوری کرے اور تین قعدے کرے۔ اور عبارتِ منقول باب النوافل میں صلاة علی الدابة سے چند سطر پہلے ہے:

"ولا یصلی بعد صلوة مفروضة مثلها فی القراء ة، أو فی الجماعة، ولا تعاد عند توهم الفساد للنهی، وما نقل أن الإمام قضی صلوة عمره، صح". درمختار.

نہی کے تین محمل بیان کئے، ثالث پر امام صاحب کے فعل سے اشکال ہوا تو اس کی توجیہ کی کہ اگر یہ نفل صحیح تسلیم کی جائے تو:

"نقول: کان یصلی المغرب والوتر أربعًا بثلاث قعدات، اهـ"۔ "(قوله: ولا یصلی الخ) هذا اللفظ رواه ابن أبی شیبة الخ. قال فخر الإسلام: لو حمل علی تکرار الجماعة فی مسجدٍ له أهل أو علی قضاء الصلوة عند توهم الفساد لکان صحیحًا (وقوله): وما نقل الخ) جوابٌ عن سوال وارد علی الوجه الثالث، فإن هذا المنقول ینافی حمل النهی علیه إذ یبعد أن یکون ماصلاه أولا مشتملاً علی خلل محقق من مکروه أو ترک واجب، بل الظاهر أنه أعاد ماصلاه لمجرد الاحتیاط وتوهم الفساد، فینافی حمل النهی فی مذهبه علی وجه الثالث، الخ". ۱/۶۵۳(۱).

تاخیرِ واجب اگر سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، عمداً میں سہو نہیں۔ اگر یہ صلاةِ معادة نفل مانی جائے

(۱) (رد المحتار، باب الوتر والنوافل قبیل مطلب فی الصلاة علی الدابة: ۳۸/۲، سعید)

تو اس میں ایک قعدہ کی زیادتی ہوئی اور اگر فرض مانی جائے تو ایک رکعت کی زیادتی ہوئی، اس کا مدار اول نماز کی صحت اور عدمِ صحت پر ہے:

"فعلى احتمال صحة ماكان صلاه أو لاتقع هذه الصلوٰة نفلاً وزيادةالقعدة على رأس الثالثةلاتبطلها، وعلى احتمال الزيادة تقع هذه فرضاًمقضياً زيادة ركعة عليها لاتبطلها، اهـ". شامی: ۱/۶۵٤(۱)۔

جس نفل کو قصداً بہ نیتِ نفل شروع کرے اس کا اتمام لازم ہوتا ہے۔صورتِ مسئولہ اس میں داخل نہیں:

"ولوسها عن القعود الأخير، عاد مالم يقيّد بالسجدة، وإن قيد تحوّل فرضه نفلاً برفعه، وضم سادسةً ولو في العصروالفجر إن شاء لاختصاص الكراهة والإتمام بالقصد اهـ". درمختار۔

"(قوله: لاختصاص الكراهة الخ) جواب عما قد يقال: إن تنفل بعد العصر والفجر مكروه، وفي غيرهما وإن لم يكره، لكن يجب إتمامه بعد الشروع فيه، فكيف قلت: ولو بعد العصر والفجر؟ قلت: إنه فجرٌ إن شاء ضمّ، وإلا فلا؟ والجواب أنه لم يشرع في هذا النفل قصداً، وماذكرته من الكراهة ووجوب الإتمام خاص بالتنفل قصداً اهـ".

قال في الدر: "ولاعهدة لو قطع". وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "أي لايلزمه القضاء لولم يضم وسلم؛ لأنه لم يشرع به مقصوداً كما مرّ، اهـ". ردالمحتار: ۱/۷۰۰، باب سجود السهو(۲) باب النوافل، میں "لزم نفلٌ شرع فيه قصداً"(۳) کے تحت میں شروع کو مقید کیا ہے، مطلقاً ہر شروع سے لزوم کا حکم نہیں کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یو۔پی۔

وقت کے اندر نابالغ کا بالغ ہونا اور بہشتی گوہر کی ایک عبارت

سوال[۳۴۶۲]: بہشتی گوہر حصہ یازدہم، مطبوعہ کتب خانہ اختری متصل مدرسہ مظاہر علوم کے صفحہ:

---

(۱)(الدر المختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۵،۸۷،سعيد)

(۲) (ردالمحتار على الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۸۵–۸۷، سعيد)

(۳) (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۲۹، سعيد)

۰۷، پر نماز قضاء ہو جانے کے مسائل کے تحت مسئلہ:۲ کی عبارت غالباً نظر ثانی سے رہ گئی، مطبوعہ عبارت یہ ہے:

''اگر کوئی لڑکا نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوعِ فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو بقولِ راجح اس کو چاہیئے کہ عشاء کی نماز کا اعادہ کرے، اور اگر قبل طلوعِ فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بالاتفاق عشاء کی نماز قضا پڑھے''(۱)۔

قدیم وجدید متعدد نسخے دیکھے، سب میں یہی عبارت طبع ہوئی ہے جس کی تصحیح نہ ہوسکی، شامی صفحہ:۵۰۹، مصری کو دیکھا اس کے اعتبار سے اس مسئلہ کی عبارت یہ ہونی چاہیئے:

''اگر کوئی نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوعِ فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ احتلام ہو گیا ہے تو بالاتفاق عشاء کی نماز قضاء پڑھے۔ اور اگر قبل طلوعِ فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بقولِ راجح عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے''۔

چونکہ عبارت کی یہ غلطی برسوں سے چلی آرہی ہے اس کی تصحیح دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جس طرح مناسب ہو، ہو جانی ضروری ہے:"صبي احتلم بعد صلوة العشاء واستيقظ بعد الفجر، لزم قضاؤها، ولو استيقظ قبل الفجر، لزمه إعادتها إجماعاً". شامی: ۱/۵۰۹(۲)۔

الجواب حامداًومصلياً:

نماز بالغ ہونے پر فرض ہوتی ہے، اس سے پہلے ادا کی ہوئی (نماز) فرض متصور نہ ہوگی۔ جس نابالغ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر سو گیا اور اس کو احتلام ہو جس سے وہ بالغ شمار کیا گیا اور اس پر نماز فرض قرار دی گئی اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر وہ طلوعِ فجر سے پہلے اس نوم سے بیدار ہو تو اس پر بالاجماع عشاء کی نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہے، اس لئے کہ وہ وقتِ عشاء ختم ہونے سے پہلے بالغ اور مکلف ہو گیا اور اس کی عشاء کی پڑھی ہوئی نماز ''فرض'' نہیں تھی۔ اگر طلوعِ فجر کے بعد بیدار ہوا تو اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس کو طلوعِ فجر کے بعد میں احتلام ہوا ہو تو اس کے ذمہ عشاء کی نماز کا اعادہ لازم ہوگا، یہ دوسرا قول مختار ہے:

"صبيٌّ احتلم بعد صلوة العشاء، واستيقظ بعد الفجر، لزمه قضاؤها". درمختار۔ "(قوله:

(۱) (بهشتی زیور، حصه یاز دهم، نماز قضاء ہو جائے کے مسائل، ص: ۷۸۶، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۸۶/۲، سعید)

لزمه قضاءها)؛ لأنها وقعت نافلةً. ولما احتلم في وقتها صارت فرضاً عليه؛ لأن النوم لايمنع الخطاب". فيلزمه قضاءها في المختار، ولذا لواستيقظ قبل الفجر، لزمه إعادتها إجماعاً، الخ".

ردالمحتار: ۱/ ٤٩٤، قبيل باب السجود(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہشتی گوہر کی عبارتِ مسئولہ صحیح ہے اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت نہیں، چہ جائیکہ تصحیح کی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۴ھ۔

ایک دووقت کی نماز قضاء ہوجانے سے آدمی صاحبِ ترتیب رہ جاتا ہے یانہیں؟

سوال[۳۴۶۳]: زید کی ایک دووقت کی نماز بعداز بلوغ قصد سے یابلاقصد، تساہل یاعذر کی وجہ سے فوت ہوگئی، اس حال میں کیا عندالشرع صاحبِ ترتیب شمار کیا جائے گا اور جب تک اس کو ادا نہیں کرے گا بعد کی نمازیں درست ہونگی اور اگر بعداز بلوغ وہ بے نمازی تھا اور کچھ مدتِ مکلّفہ گذر جانے کے بعد تائب ہوکر نمازی ہوا، اس حالت میں بھی وہ صاحبِ ترتیب ہوسکتا ہے یانہیں؟ اور فوائتِ نماز کا ترتیب سے ادا کرنا ضروری ہوگا یابلاترتیب؟ پھر غیر صاحبِ ترتیب کی طرح مقدم مؤخر کیف ماشاء ادا ہوجائیں گی۔مفصل شرح سے شرح صدر فرمایا جائے۔

محمد عاشق شہر سہارنپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ترتیب فرائضِ خمسہ اور وتر میں لازم اور ضروری ہے، ادا میں بھی قضاء میں بھی، ایک دووقت کی نماز قضاء ہوجانے کی وجہ سے ترتیب ساقط نہیں ہوجاتی، لہذا جس صاحبِ ترتیب کے ذمہ ایک نماز فائتہ موجود ہے

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۸۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۵۹، رشيديه)

(وكذا في سكب الأنهر في شرح الملتقى، باب قضاء الفوائت، قبيل سجود السهو: ۱/ ۱۴۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

اس کو بلا عذر و تنگی وقت ونسیان وقتیہ نماز پڑھنا درست نہیں جب تک اس فائتہ کو پہلے نہ پڑھ لے، اگر ایسی حالت میں وقتیہ کو پڑھے گا تو وہ وقتیہ موقوف رہے گی، اگر چھ وقتیہ نمازیں پڑھنے سے پہلے فائتہ پڑھی ہے تو وہ نمازیں نفل ہوں گی، فرائض ذمہ سے ساقط نہ ہوں گے۔ اگر چھ کے بعد فائتہ پڑھی ہے تو وہ سب فرض نمازیں صحیح ہوگئیں اور فائتہ بھی صحیح ہوگئیں اور سب فائتہ نمازیں پڑھ کر پھر صاحب ترتیب بن جائے گا:

"الترتيب بين الفروض الخمسة أداءً وقضاءً لازمٌ .... فلم يجز فجرٌ من تذكر أنه لم يؤتر إلا إذا ضاق الوقت أو نسيت الفائتة .... وفساد الصلوٰة بترك الترتيب موقوف، فإن كثرت وصارت الفوائت مع الفائتة ستًا، ظهر صحتها، وإلالا تظهر صحتها، بل تصير نفلاً"(۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ جمادی الاول/۱۳۵۴ھ۔

غیر صاحبِ ترتیب کا وقت معین کر کے قضاء نماز پڑھنا

سوال[۳۴۶۴]: غیر صاحبِ ترتیب کیلئے صاحب ترتیب ہونے سے پہلے وقت معین کر کے نماز جائز ہے یا نہیں، مثلاً عمر صاحبِ ترتیب نہیں، اس وجہ سے دو سال سے نامعلوم کتنی نمازیں قضاء کی ہیں، اب ان

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۵تا۶۷،سعيد)

"الترتيب بين الفائتة والوقتية، وبين الفوائت مستحق، كذافي الكافي .... وكذا بين الفروض والوتر، هكذا في شرح الوقاية .... ثم الترتيب يسقط بالنسيان، وبما هو النسيان كذا في المضمرات .... ويسقط الترتيب عندضيق الوقت، كذا في محيط السرخسي .... ويسقط الترتيب عند كثرة الفوائت، وهو الصحيح، هكذا في محيط السرخسي. وحدّ الكثرة أن تصير الفوائت ستاً بخروج وقت الصلاة السادسة .... في الأصل: رجل صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر، فهو فاسدٌ، إلا أن يكون في آخر الوقت .... ثم عند أبي حنيفة فرضية العصر تفسد فساداً موقوفاً حتى لو صلى ست صلوات أو أكثر ولم يُعد الظهر، عاد العصر جائزاً، لايجب عليه إعادته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۱-۱۲۲،رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۰ - ۱۵۱،رشيديه)

دوسالوں کی نماز قضاء کرنے سے پہلے عمر نے یہ چاہا کہ آج یکم محرم سے جونماز قضاء ہوگئی ہے اسے ادا کرلوں تو یہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح درست ہے، کذافی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صاحبِ ترتیب نمازِ جمعہ پڑھے یا فوت شدہ پڑھے؟

سوال[۳۴۲۵]: صاحبِ ترتیب اگر قضاء پڑھے تو جمعہ فوت ہو جائے، اس صورت میں راجح قول کے مطابق پہلے قضا پڑھے یا جمعہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبِ ترتیب پہلے قضاء پڑھے، پھر اگر جمعہ مل سکے تو بہتر ورنہ ظہر پڑھے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: كثرت الفوائت الخ) لوفاته صلاة الخميس والجمعة والسبت فإذا قضاها، لابد من التعيين؛ لأن فجر الخميس مثلاً غير فجر الجمعة .... ولايضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت، وقيل: لايلزمه التعيين أيضًا". (ردالمحتار، قبيل باب سجود السهو: ۲/۷۶، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على هامش حاشية الطحطاوي، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۶، قديمي)

(۲) "ولو أن مصلي الجمعة تذكر أن عليه الفجر، فإن كان بحيث لوقطعها واشتغل بالفجر، تفوته الجمعة ولايفوته الوقت، فعند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ يقطع الجمعة ويصلي الفجر، ثم يصلي الظهر. وعند محمد رحمه الله تعالىٰ يتمّ الجمعة ولو كان بحيث أنه إذا قضى الفجر أدرك الجمعة مع الإمام، فإنه يشتغل بالفجر إجماعًا، وإن كان بحيث إذا قطع الجمعة واشتغل بالفجر يفوت الوقت، أتمّ الجمعة إجماعًا، ثم يصلي الفجر بعدها، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفوائت: ۱/۷۵۶، إدارة القرآن، كراچي) =

فوائتِ قدیمہ اور فائتہ جدیدہ میں ترتیب

سوال[۳۴۶۶]: زید اپنی عمر کے بیسویں سال میں آکر توبہ کرتا ہے اس عرصہ میں وہ کبھی نماز پڑھتا تھا اور کبھی نہیں پڑھتا تھا اس لئے اندازاً نمازوں کا حساب لگالیا اور قضائے عمری پڑھنے لگا۔ اتفاق سے اس کی کوئی نماز قضاء ہوگئی تو اب وہ اس نماز کو جو اب قضاء ہوئی ہے پہلے ادا کرے یا جب ادا کرے جب اس کی پچھلی نمازیں سب ادا ہو جائیں اگر وہ نئی قضاء نماز پہلے ادا کرے تو یہ ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نئی قضا نماز کو ابھی پڑھ لے، گذشتہ مدتوں کی نمازوں کا انتظار نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱/۶۸ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱/۶۸ ۱۳ھ۔

فائتہ یاد ہوتے ہوئے وقتی فرض پڑھنے کے متعلق مفتی بہ قول

سوال[۳۴۶۷]: امام صاحب اور صاحبینؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، فتویٰ کس کے قول پر ہے: "لو صلی فرضًا ذاکراً أن علیه فائتة قبله، فسد فرضه فساداً موقوفًا عند أبي حنیفة، الخ"(۲)۔ اس مسئلہ میں صاحبین کا قول کیا ہے؟ فقط۔

= (وکذا في ردالمحتار، باب قضا الفوائت: ۲/۶۷، سعید)

(۱) "فالحدیثة تسقط الترتیب اتفاقًا، وفي القدیمة اختلاف المشایخ، وذالک کمن ترک صلوات شهر، ثم صلی مدةً ولم یقض تلک الصلوات حتی لو ترک صلاةً صلی أخریٰ ذاکراً للفائتة الحدیثة، لم یجز عند البعض، وقیل: یجوز، وعلیه الفتویٰ، کذا في الکافي". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۳، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۵۳، رشیدیه)

(۲) (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في قضاء الفوائت، ص: ۵۳۰، سهیل اکیڈیمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا قول استحسان پر مبنی ہے اور صاحبین کا قول قیاس پر، کما فی القنیة(۱) والبحر (۲) والمجمع(۳)، والأول أرجح من الثانی إلافیما استثنیٰ ،کذا قال ابن عابدین فی شرح عقود

(۱) "ولوفاتت صلوٰة واحدة، ثم صلی بعدها خمس صلوٰة ذاکراً للفائتة، کان الخمس فاسدةً فساداً موقوفًا حتی أنه إذا صلی السادسة قبل الفائتة، انقلبت الخمس جائزةً. وإذا قضی الفائتة قبل السادسة، وجب إعادتها، فواحد ة تصح خمساً وواحدة تفسد خمساً علی ماقال أبوحنیفة کما فی المبسوط وغیره: إن الفساد فی کلٍ من الست عنده لیس بمتقدر فیما أدی، بل هو شئ یفتی به فی الوقت حتی یعیدها ثانیًا فی الوقت، فإذا خرج الوقت تنقلب المؤدات صحیحةً. وأما عندهما ففساد الخمس باق لم تنقلب جائزةً بکل حال". (جامع الرموز، کتاب الصلاة، فصل: قضاء الفوائت : ۱/۲۲۷،مطبعه کرعیه قزان)

(۲) "قوله:(فلو صلی فرضاً ذاکرًا فائتة ولو وتراً، فسد فرضه موقوفًا .... وهذا عند أبی حنیفة، وعندهما: الفساد متحتم لایزول، وهو القیاس؛ لأن سقوط الترتیب حکم، والکثرة علة له، فإنهما یثبت الحکم إذا ثبتت العلة فی حق مابعدها، فأما فی نفسها فلا .وهذا لأن العلة ماتحل بالمحل، فیتغیر لحلوله المحل، فلایجوز أن یکون نفس العلة محلاً للعلة للاستحالة. ولأبی حنیفة أن الحکم مع العلة یقترنان لما عرف فی الأصول، والکثرة صفة هذا المجموع، وحکمها سقوط الترتیب، فإذا ثبت صفةالکثرة بوجود الأخیرةاستندت الصفة إلی أولها بحکمها فیجوزالکل لمرض الموت لماثبت له هذا الوصف استند إلیه بحکمه، ولهذا لو أعادها بلاترتیب، جازت عندهما أیضًا. وهذا لأن المانع من الجواز قلتها، وقد زالت فیزول المنع". (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۵۶ رشیدیه)

(۳) "(فلو صلی فرضًا ذاکراً فائتة، فسدفرضه موقوفًا عنده) لایحکم بصحته وفساده، حتی لو صلی بعده ست صلوات أو أکثر ولم یقض الفائتة، انقلب الکل جائزًا عند الإمام. (وعندهما) فسد فرضه فساداً (باتا): أی قطعیاً (فلوقضاها): أی الفائتة (قبل أداء ستٍ) من الصلوات (بطلت فرضیة ماصلی، وإلا): أی وإن لم یقض الفائتة حتی أدی سادساً (صحت عنده)؛ لأن الکثرة صفةٌ لهذه الجملةمن الصلوات، فإذا ثبت صفة استندت إلی أولها بحکمها، وهو سقوط الترتیب، فسقط الترتیب فی آحادها کما سقط فی أعیانها.......... (لاعندهما)؛ لأن سقوط الترتیب حکم الکثرة، وکل ماهو حکم العلة یتأخر عن علته، فسقوط الترتیب إنما یکون فیما یقع من الصلوات بعد الکثرة لافیما قبلها، وهو القیاس". (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۱/۱۴۴، ۱۴۵،دارإحیاء التراث العربی)

7

رسم المفتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۸۷ھ۔

جہل سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟

سوال [۳۴۶۸]: ترتیب کے ساقط کرنے میں جہل کا اعتبار ہے یا نہیں؟ غایۃ الاوطار: ۱/۳۳۴، میں تو اعتبار کیا ہے: "من جهل فريضة الترتيب، يُلحق بالناسي، واختاره جماعة من أئمة بخاری" (۲)، لیکن مراقی الفلاح میں بیان کیا ہے کہ جہل کا اعتبار نہیں: "ولا يعتبر الجهل، وعبارة النقاية في حق الترتيب: ولو جاهلا به. مراقی الفلاح، ص: ۲۱۵ (۳)۔ مفتی بہ کون سا قول ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر روایت میں تو جہل مسقطِ ترتیب نہیں ہے، لیکن ایک روایت میں امام صاحب سے بواسطۂ حسن بن زیاد اس کے خلاف بھی منقول ہے اور اس کو بہت سے مشائخ نے اختیار بھی فرمایا ہے، كذا في البحر الرائق: ۲/۸٤، ومنحة الخالق: ۲/۸٤ (٤)، وطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/٤٤٠ (٥)،

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الرابعة ما في عامة الكتب من أنه إذا كان في مسئلة قياسٌ واستحسانٌ، ترجّح الاستحسان على القياس إلا في مسائل". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۸۱، میر محمد كتب خانه، كراچی)

(۲) (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۰۷سعید)

(۳) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۳، قديمی)

(۴) "في المجتبیٰ: "من جهل فريضة الترتيب لايجب عليه كالناسي وهو قول جماعة من أئمة بلخ". (البحر الرائق).

"قوله: (وفي المجتبیٰ: من جهل) نقله قاضيخان في شرحه عن الحسن بن زياد وقال: وكثير من المشائخ اخذوا بقوله، ومثله في التاتارخانية". (منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۹، رشيديه)

(۵) "عند أئمتنا الثلاثة، وعن الحسن عنه أنه إذا لم يعلم به، لم يجب عليه، وبه أخذ الأكثرون، كما في التمرتاشي". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۳، قديمی)

والدر المختار: ۱/۶۸۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

نفل نماز باجماعت قضائے عمری کیلئے

سوال[۳۴۲۹]: ۱...... کیا قضائے عمری اس خیال سے پڑھنا کہ تمام سال کی نمازیں جوفوت شدہ ہیں اس کے پڑھنے سے معاف ہوجاتی ہیں۔ قضائے عمری اس صورت سے پڑھی جاتی ہے: دو رکعت نماز نفل باجماعت۔ یہ نماز شریعت اسلامی میں ثابت ہے یا نہیں فقہ کی کونسی کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور حدیث کی کسی کتاب میں ہے یا نہیں؟

۲...... دو رکعت نماز نفل صبح یعنی دو رکعت نماز نفل پڑھنا باجماعت اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا اور اس کا اہتمام کرنا کیسا ہے اور یہ کہنا کہ اس سے حج کا ثواب مل جاتا ہے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ نماز شرعاً ثابت نہیں، نوافل کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، دو رکعت اس طور سے پڑھ کر یہ اعتقاد کرنا کہ اس سے عمر بھر کی فوت شدہ نمازیں معاف ہوجاتی ہیں بالکل اصولِ شرع کے خلاف ہے۔ جو فرض نماز فوت ہوتی ہے، اس کی قضا فرض ہے، جو واجب نماز فوت ہوتی ہے اس کی قضا واجب ہے، جو سنت نماز فوت ہوتی ہو اس کی قضا بھی سنت ہے:

"قضاء الفرض والواجب والسنة فرضٌ وواجبٌ وسنةٌ -لف و نشر مرتب- وجميع أوقات العمر وقتٌ للقضاء، اهـ". در مختار(۲)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قضائے عمری کے بطلان میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے(۳)۔

---

(۱) "وفي المجتبیٰ: من جهل فريضة الترتيب، يُلحق بالناسي، واختاره جماعةٌ من أئمة بخارىٰ، وعليه يخرج مافي القنية". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۰، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۶، سعيد)

(۳) "رساله ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان، مجموعة رسائل اللكنوى: ۲/۳۴۹، إدارة القرآن كراچى)

۲......یہ لغو اور باطل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

رمضان میں جماعت کے ساتھ قضائے عمری

سوال[۳۴۷۰]: ایک شخص رمضان کے آخری جمعہ کو قضائے عمری باجماعت ہر ایک نماز کو اذان دیتے ہوئے پڑھتا ہے، اگر کوئی نہیں پڑھتا تو اس کو ملامت کرتا ہے اور سخت گنہگار بتلاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا جائز نہیں، دلائلِ شرعیہ کے خلاف ہے، اس کے تارک کو گنہگار کہنا سخت گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= "انسان سے جو نمازیں چھوٹ گئی ہوں ان کی قضاء اس کے ذمہ لازم ہے۔ صرف توبہ کر لینے سے وہ معاف نہیں ہوتیں.........البتہ وہ اگر روزانہ پانچ نمازوں کی قضاء کرنا شروع کر دے اور ساتھ ہی یہ وصیت بھی کر دے کہ جو نمازیں میں اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکوں ان کا فدیہ میرے ترکہ سے ادا کیا جائے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اس کی کوتاہی کو معاف فرما دیں گے"۔ (فقہی مقالات: ۴/ ۱۵-۲۸، قضاء عمری کی حقیقت، میمن اسلامک پبلشرز)

وأيضاً راجع للتفصيل: (فتاوى دار العلوم ديوبند: ۴/ ۳۳۰، و كفايت المفتي: ۳/ ۳۸۲، ۳۸۴، فتاوى حقانيه: ۳/ ۳۰۱، وغيره)

(۱) اس لئے کہ صبح صادق سے لیکر طلوع شمس تک کسی قسم کے نوافل پڑھنا جائز نہیں، دوسری خرابی یہ ہے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے: "عن حفصة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين". (الصحيح للإمام مسلم، باب استحباب ركعتي الفجر والحث عليهما: ۱/ ۲۵۰، قديمي)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي في أثر كل صلوة مكتوبة ركعتين إلا الفجر والعصر". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة: ۱/ ۱۸۸، إمداديه، ملتان)

(وأيضاً تقدم تخريجه تحت عنوان المسئلة: "نفل کی جماعت")

(۲) "اعلم أنهم قد أحدثوا في آخر جمعة شهر رمضان أموراً مما لا أصل لها، و التزموا أموراً لا أصل =

قضائے عمری کی نیت

سوال[۳۴۷۱]: قضائے عمری میں نماز کی نیت کس طرح کی جائے جب کہ دن، تاریخ، مہینہ اور سال معلوم نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جو سب سے پہلی نماز باقی ہے وہ پڑھتا ہوں، یا اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جو سب سے آخر کی نماز باقی ہے وہ پڑھتا ہوں، یہی حال دوسری نمازوں کا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھنی چاہیئے

سوال[۳۴۷۲]: ایک انسان خاص عمر میں نماز شروع کرے اور اشراق وتہجد وغیرہ پڑھے تو کیا اس کو ثواب ملے گا یا نہیں جبکہ قضائے عمری بھی پڑھ رہا ہو۔

= للزومها ...... فمنها: القضاء العمری، حدث ذلک فی بلاد خراسان و أطرافها، و بعض بلاد الیمن وأکنافها، و لهم فی ذلک طرق مختلفة و مسالک متشتة: فمنهم من یصلی فی آخر جمعة رمضان خمس صلوات قضاءً بأذان وإقامة مع الجماعة، و یجهرون فی الجهریة، و یسرون فی السریة، و ینوون لها بقولهم: نویت أن أصلی أربع رکعات مفروضة قضاءً لمافات من الصلوات فی تمام العمر مما مضی، و یعتقدون أنها کفارة لجمیع الصلوات الفائتة فما مضی". (مجموعه رسائل اللکنوی، رساله "ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان" : ۳۴۹/۲، إدارة القرآن، کراچی)

(راجع للتفصیل: عزیز الفتاوی باب قضاء الفوائت : ۲۶۷/۱، دارالاشاعت)

(۱) "(قوله: کثرت الفوائت الخ.)......... فإن أراد تسهیل الأمر یقول: أوّل فجر مثلاً، فإنه إذا صلاه، یصیر مایلیه أولاً، أو یقول: آخر فجر، فإن ماقبله یصیر آخراً، ولایضره عکس الترتیب لسقوطه بکثرة الفوائت". (الدر المختار مع ردالمحتار، باب قضاء الفوائت : ۷۶/۲، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نورالایضاح، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۶، قدیمی)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، قضاء الفائتة: ۷۶۶/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری ہی پڑھا کرے، کیونکہ اگر موت آ گئی اور فرض نمازیں ذمہ رہیں تو پکڑ ہوگی، اگر نفلیں نہ پڑھیں تو ان پر پکڑ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔

جس کی قضاء نمازیں باقی ہوں کیا وہ نوافل نہ پڑھے؟

سوال [۳۴۷۳]: نوافل کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ فرائض واجبات کی مکمل پابندی کے بعد میں ہے، چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب تک قضائے عمری نماز ادا نہ کی جائے جب تک نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے، چاشت وغیرہ یا پنجگانہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کے ذمہ فرض نمازیں قضاء باقی ہوں اس کو چاہیئے کہ قضاء نماز پڑھنے کا اہتمام کریں، ایسی حالت میں نوافل کا اہتمام کرنا اور قضاء کو نہ پڑھنا پسندیدہ نہیں، خلافِ دانشمندی بھی ہے اگر چہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ نفلیں فاسد ہوگئیں، ایسے شخص کو چاہیئے کہ رات اور دن کی نفلیں اشراق، چاشت، اوابین، تہجد وغیرہ ظہر وعصر کے اوقات میں بجائے ان کی نفلوں کے قضاء نمازیں پڑھا کریں، اس کو ان اوقات میں نوافل پڑھنے کا بھی انشاء اللہ تعالیٰ اجر وثواب ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاسنن المفروضة". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۷، قديمى)

(۲) "وفي الحجة: والاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۷، قديمى)

قضاء نمازوں کیلئے ایک موضوع دعاء

سوال[۳۴۷۴]: کیا مندرجہ ذیل دعاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور کیا اسکے پڑھنے سے قضاء نمازیں خواہ کتنی زیادہ ہوں معاف ہوجاتی ہیں؟

دعا یہ ہے:

"بسم الله الرحمن الرحيم، يا الله، يارحمن، اللهم يا عظيم من كل عظيم، يا كريم من كل كريم، اللهم ياأجل من كل جليل، اللهم يا أعزمن كل عزيزٌ يا قديم من كل قديم، اللهم يا موجود من كل موجود اخلصنا من النار يا مجير يامجير يا مجير، وصلى الله على خير خلقه محمد وآله أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين"۔ یہ دعا آثارِ سعید، بابِ ذکر میں مذکور ہے۔ یہ کتاب معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات کہ "اس دعاء کے پڑھنے سے قضاء نمازیں معاف ہوجاتی ہیں" قطعاً اس کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہنا جھوٹ ہے، حرام ہے، سخت وبال کا باعث ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح سند کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "من كذب على متعمداً فليتبوّأ مقعده من النار"(۱)۔ شراحِ بخاری اور مسلم نے اس کی اسناد کو تفصیل سے ذکر کیا ہے(۲)، شارحِ مشکوٰۃ نے

---

(۱)(صحيح البخاری، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم: ۲۱/۱، قديمی)

(صحيح الإمام مسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۷/۱، قديمی)

(۲) "واعلم أن الجمهور على أن الكذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عمداً من أشد الكبائر، وذهب أبومحمد الجويني من كبار الفقهاء إلى أنه كفر .... قال العيني: من ذكر حديثًا موضوعاً بدون ذكر وضعه أوغلط في الإعراب، فهو أيضًا تحت هذا الوعيد. قال الحافظ في الفتح: إن هذا الحديث ثابت عن ثلاثين من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قلت: وهو عندي عن خمسين منهم. والحاصل أنه حديث متواترٌ قطعاً". (فيض الباري على صحيح البخاری، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۰۱/۱، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

اس کو معنیٰ متواتر لکھا ہے(۱)۔

جو شخص حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی اس کا ٹھکانا جہنم ہے، موضوعاتِ کبیر میں کئی صفحات میں اس کے حوالہ نقل کئے ہیں(۲)۔ پس سوال میں لکھی ہوئی دعاء کے پڑھنے سے قضاء نمازوں کی معافی کا اعتقاد رکھنا اور یہ سمجھنا کہ بس یہ دعاء ہی کافی ہے ہرگز درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۴ھ۔

شکار کی وجہ سے نماز قضاء کرنا

سوال[۳۴۷۵]: شکار میں اکثر نماز قضا کرنا اور تنگ وقت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۲/۸ھ۔

= "ولأجل كثرة طرقه أطلق عليه جماعة أنه متواتر". (فتح الباري، شرح صحيح البخاري: ۱/۲۷۱، قديمي)

قال النووي: "امامن الحديث فهو حديث عظيم في نهايته من الصحة، وقيل: إنه متواتر". (شرح الكامل للنوويّ على مسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۸، قديمي)

(۱) "من كذب عليّ". من المتواتر، وليس في الأحاديث مافي مرتبته من المتواتر، فإن ناقليه من الصحابة جمّ غفيرٌ قيل اثنان وستون من الصحابة فيهم العشرة المبشرة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۴۴۸، الرشيديه)

(۲) (الموضوعات الكبرىٰ للملا علي القاري، ما أخرجه الشيخان والحاكم عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". ص: ۱۲-۲۹، قديمي)

(۳) "قال القاسم بن محمد: كل ما ألهى عن ذكر الله، وعن الصلاة، فهو من الميسر". (تفسير ابن كثير: ۲/۹۱، مكتبه سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في فتح القدير، مسائل متفرقه: ۱۰/۶۵، بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم- وقال مرةً سفيان: ولا أعلمه إلا عن النبي صلى الله عليه وسلم- قال: "من سكن البادية جفا، ومن اتبع الصيد غفل، ومن أتى السلطان افتتن". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب في اتباع الصيد: ۲/۳۹، سعيد)

فصل فی فدیة الفوائت

(قضاء نمازوں کے فدیہ کا بیان)

فدیہ نماز کی تفصیل

سوال[۳۴۷۶]: ایک شخص کی وفات ہوئی اور اس کے ورثاء کو یہ معلوم ہے کہ اس کی اتنے دن کی نماز قضا ہوئی ہے تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ کیا اتنے دن کا کھانا ایک آدمی کو اتنے دن میں دیا جاسکتا ہے یا اتنے آدمیوں کو ایک ساتھ کھانا کھلانا چاہیئے اور ایک دن میں کتنے وقت شمار ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ اس کا کفارہ ادا کرنا واجب نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے مال سے -خواہ وہ مال ان کو اسی میت سے بصورتِ ترکہ ملا ہو- فدیہ ادا کرنا چاہیں تو ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار فقیر کو دیدیں اور وتر کو مستقل نماز شمار کریں یعنی ہر دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ دیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک فقیر کو چند نمازوں کا فدیہ دیدیں، ایک دن میں دیں یا چند ایام میں، ایک شخص کو دیں یا متعدد کو، ہر طرح درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۸ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۲/۶۸ ۱۳ھ۔

---

(۱) "ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله .... ولو أدى للفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲-۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، ۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

نماز اور روزہ کا فدیہ

سوال[۳۴۷۷]: ایک شخص کی بحالتِ بیماری دو وقت کی نمازیں قضاء ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضاء ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا ہے یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دیدیا جائے یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم". درمختار: ۱/۱۰۱(۱)۔ وفي الشامي: ۲/۷٦٦: "أي أومن دقيقه أو سويقه أوصاع تمر أوزبيب أوشعير أوقيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسدّ حاجة الفقراء"(۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہے جو صدقۃ الفطر میں دیجاتی ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے۔ یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی، لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں:"وأدى إلى الفقير أقل من نصف صاع، لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". درمختار على الطحطاوي ۱/۳۰۸(۳) "ولو أعطى فقيرًا واحدًا جملةً، جاز". بحر: ۲/۹۱(٤)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۷/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/ ذی الحجہ/۹۰ھ۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱٦۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الايضاح، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قديمي)

(۳) (باب قضاء الفوائت، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱٦۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(٤) (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱٦۰، رشيديه) .... =

نماز اور روزہ کے فدیہ کی ادائیگی

سوال[۳۴۷۸]: ہندہ بحالتِ ضعیفی پانچ ماہ از جمادی الآخر تا نصفِ شوال بمرضِ فالج، بخار بیمار رہ کر فوت ہوگئی، اس عرصہ میں کسی وقت افاقہ نہیں ہوا، ان ایام کی نمازیں اس کی فوت ہوئیں اور روزے بھی نہ رکھ سکی البتہ اول الذکر دو ماہ پورے ہوش باقی رہے اور اس عرصہ میں ہوش کی یہ حالت تھی کہ بیمار پرسی کرنے والوں کو پہچانتی تھی، کھانا پانی طلب کرتی تھی اور بول و براز کے اخراج کا اس کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا اور جس وقت تیماردار وضو کرا کر چارپائی قبلہ رخ کر کے نماز کی کہہ کر نیت بندھواتے تو اس وقت رفع یدین کرا کے ہاتھ بندھوانے کے بعد پھر ایک دومنٹ کے بعد دعاء کیلئے ہاتھ خود بخود اٹھالیتی تھی، گویا نسیان تھا، ہوش قائم نہ تھے، بتانے پر کہ نماز پوری کرلی تو کہہ دیتی کہ ہاں نماز پڑھتی ہوں۔

کیا ان ایام کی نمازیں، روزے اس کے ذمے ہیں یا نہیں؟ پھر کہہ کر نماز کے فدیہ کی وصیت کرائی تھی کہ میرے بعد میری فوت شدہ نمازوں کا فدیہ دیدینا اور روزوں کے فدیہ کی کوئی وصیت نہیں کی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مذکورہ میں روزوں کی قضاء اس کے ذمہ واجب نہیں تھی، لہٰذا فدیہ بھی واجب نہیں ہوا، جن نمازوں کے پڑھنے کا وقت پایا اور اس قدر حواس باقی رہے کہ اشارہ کر کے نماز پڑھ سکے اور پھر نہیں پڑھی نہ ادا، نہ قضاء، اور ان کے متعلق وصیت کی ہے تو ورثہ کے ذمہ ایک تہائی ترکہ سے وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، حساب کر کے ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت ادا کریں وتر مستقل نماز ہے(۱)۔ اگر تہائی

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانية، الفصل العشرون في قضاء الفائتة: ۱/۷۷۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(قوله: وعليه صلوات فائتة .الخ): أي بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء ،فيلزمه الإيصاء بها، وإلا فلايلزمه وإن قلّت ......وكذا حكم الصوم في رمضان إن أفطر فيه المسافر والمريض وماتا قبل الإقامة والصحة، وتمامه في الإمداد. (قوله: نصف صاع من بر): أي أومن دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أوقيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير. مراد .... (قوله: وكذا حكم الوتر)؛ لأنه فرض عملي خلافاً لهما .(قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله)، فلوزادت الوصية على الثلث، لايلزم الولي إخراج الزائد إلابإجازة الورثة". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

ورثہ سے یہ وصیت پوری نہ ہوسکے تو پھر ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں اور وہ سب رضا مند ہوں تو زیادہ میں وصیت پوری کردی جائے ورنہ نہیں، نابالغ کی اجازت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ اور جن نمازوں کا وقت ایسی حالت میں پایا کہ اس قدر حواس باقی نہیں تھے اور بعد میں حواس اس قدر درست نہیں ہوئے کہ ان کی قضاء کرسکے تو ان کا فدیہ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود عفی عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قضاء نماز اور اس کا فدیہ اور حیلہ

سوال[۴۴۷۹]: اگر کوئی شخص بے فکری کی وجہ سے یا دوسری اغراض کی وجہ سے اپنی نماز قضاء کرتا ہو، یا تو بے فکر ہے کیونکہ دل کا مالک خدا ہے کہ اس نے کیوں قضاء کیا تو بظاہر اس کو کیا کہا جائے گا؟ اور اگر وہ اپنی طاقت کے موافق تو اس کو ادا کرتا ہے مگر پھر بھی عمر بھر کے اندر پانچ سو، ہزار وقت کی باقی رہ جائے تو اس کا فدیہ کیا ہوگا؟ اور فدیہ کے اندر کوئی ترکیب یعنی حیلہ بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ فدیہ غریب اور امیر دونوں کے واسطے ایک ہے یا الگ؟ ایسے ہی حیلہ کا حکم دونوں قسم کے آدمیوں کے واسطے ایک ہوگا یا الگ؟ اس تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ عالمگیری میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی کی کچھ نماز ذمہ میں رہ جائے اور اس کو ادا نہ کرسکے تو چاہے امیر ہو یا غریب کہ اتنا فدیہ اگر دیا جائے تو یا تو کل مال ختم ہوجائے گا تو وہ اس کو ادا کردے گا۔

تیسرا طبقہ یہ ہے کہ وقت محدود ہو تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ ادا کردے گا تو کیا ان تینوں صورتوں کے اندر عالمگیری کا حیلہ کارگر ہوگا؟ کہ صرف ایک قرآن شریف پانچ روپیہ کا خرید کر کوئی غریب کو یہ کہتا ہے کہ میری میت کے ذمہ جو اتنی نماز ہے کہ اس کا فدیہ ادا نہیں کرسکتا، ایسے ہی اس قرآن شریف کا اتنا ہدیہ کہ دینے والا بھی اس کو ادا نہیں کرسکتا، اس نے ان تمام نمازوں کے عوض بھی یہ قرآن شریف تم کو ان تمام فدیہ کے عوض میں دینا چاہتا ہوں، کیا تم اس کو قبول کرتے ہو؟ تو وہ قرآن خواں اس کو کہتا ہے کہ ہاں میں نے ان تمام فدیہ کے عوض میں اس قرآن شریف کو قبول کیا۔ کیا یہ عالمگیری کا حوالہ صحیح ہے؟ پھر یہ زمانہ حال کے لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر پھر وہ کلی طور پر نماز کو ختم ہی کردے گا اور ایک قرآن شریف ہدیہ کردے گا۔

سائل: کوثر علی مدنا پور۔ بنگال۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۶، ۴۳۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز فرضِ عین ہے اس کو ترک کرنا خطرناک اور کبیرہ گناہ ہے(۱)، پھر اس کی قضاء پڑھنا فرض ہے، جتنی نمازیں بھی ذمہ میں ہوں سب کی قضاء جلد از جلد پڑھے، ہرگز غفلت نہ کرے، پانچ سو ہوں یا ہزار ہوں سب کی قضاء پڑھے(۲)، پوری کوشش کے باوجود اگر کچھ نمازیں ذمہ میں باقی رہ جائیں تو ان کے متعلق فدیہ کی وصیت کردے۔ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کے برابر دینا لازم ہے، یہ وصیت ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوگی۔ جب تک اتنا مال ہو کہ ایک تہائی ترکہ سے ہر نماز کے عوض صدقۃ الفطر دیا جاسکے، کوئی حیلہ کرنا درست نہیں (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واقیموا الصلوٰة﴾ (البقرة:۴۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابًا موقوتًا﴾ (النساء:۱۰۳)

"وعن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: فرضت على النبی ﷺ ليلة أسری به الصلاة خمسين، ثم نقصت حتی جعلت خمساً، ثم نودی "یامحمد! إنه لايبدّل القول لدیّ، وإن لک بهذا الخمس خمسين".

(سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء کم فرض الله علی عباده من الصلوات: ۱/۵۱، سعید)

"(قوله: هی): أی الصلاة الكاملة، وهی الخمسين المكتوبة (قوله: علی كل مكلف): أی بعينه. (قوله: بالاجماع): أی بالكتاب والسنة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۱، سعید)

"وعن بريدة قال: قال رسول الله ﷺ: "العهد الذی بيننا وبينهم الصلوٰة، فمن تركها، فقد كفر". رواه أحمد". (مشكوٰة، كتاب الصلاة، الفصل الثانی، ص: ۵۸، قديمی)

(۲) "(وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) -لف ونشر مرتب-، وجميع أوقات العمر وقتٌ للقضاء إلا الثلاثة المنهية". (الدرالمختار). "(قوله: وقت للقضاء): أی لصحته فيها وإن كان القضاء على الفور إلا لعذر". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۱، رشيديه)

(۳) "(ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم، وإنما يعطى (من ثلث ماله)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

یہ کہنا کہ امیر وغریب سب کیلئے یہ حیلہ ہے، غلط اور بے اصل ہے۔ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ میں فدیہ کی وصیت پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے(۱)۔

ایک قرآن شریف خرید کر دینے کو سب فرض نمازوں کا بدلہ سمجھنا جہالت اور ضلالت ہے، عالمگیری کی طرف اس کو منسوب کرنا غلط اور بہتان ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

مرض الموت کی نمازوں کے فدیہ کا حکم

سوال[۳۴۸۰]: اگر کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہوا اور موت سے کچھ دن قبل ہوش وحواس باقی نہ رہے تو جو نمازیں اس بے ہوشی کے عالم میں قضاء ہو جائیں، تو کیا ان قضاء نمازوں کا فدیہ دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چوبیس گھنٹے سے زیادہ چھ نماز کے وقت تک بے ہوشی رہی تو ان نمازوں کا فدیہ لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۱/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۱/۱۱ھ۔

---

(۱) "(قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله): أي فلوزادت الوصية على الثلث، لايلزم الولي إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعيد)

(۲) "حدثنا أحمد بن يونس، ثنا زائدة، عن عبيد الله عن نافع قال: أغمي على عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يومًا وليلةً، فأفاق، فلم يقض مافاته واستقبل". كذا في نصب الراية: ۳۰۵/۱". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب المغمى عليه: ۱۹۱/۷، إدارة القرآن، كراچی)

قال العلامة الحصكفي: "(ومن جن أو اغمي عليه) ولوبفزع من سبع أو آدمي (يومًا وليلةً، قضى الخمس، وإن زاد وقت صلاة) سادسة (لا) للحرج ولو أفاق في المدة". (الدر المختار، باب صلاة المريض: ۱۰۲/۲، سعيد)

"(قوله: وعليه صلوات فائتة): أي بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها، وإلا فلا يلزمه وإن قلّت". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، سعيد)

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق

سوال[۳۴۸۱]: ۱......ایک شخص کا انتقال ہوا جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضاء ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا، ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

۲......مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضاء ہوگئے ہیں جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضاء ادا کرسکے۔ ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

۳......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے اسی طرح کئی نمازوں یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

۴......اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا، یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا، یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے یا محض فقیروں کو دینا چاہیئے؟

۵......اگر کسی میت کے ورثاء غریب ومفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کرسکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ فقط

عبدالکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ

عبداللہ صاحب، مدرس درجۂ قرآن شریف جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر ایسی حالت میں نمازیں قضاء ہوئیں کہ مریض میں سَر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی بلکہ اسی حالت میں انتقال ہوگیا تو اس پر ان نمازوں کی قضاء فرض نہیں، نہ اس کی طرف سے ان نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه، وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة، سقط القضاء عنه وإن كان يفهم، في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى". درمختار۔ قال الشامي ۱/۷۹۵: "فلومات

ولم يقدر على الصلوٰة، لم يلزمه القضاء، حتى لايلزمه الإيصاء بها". شامی: ۱/۵۱۰(۱)۔

۲......ایسی حالت میں روزہ کی قضاء بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں: "لاقضاء للصوم على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أو الإقامة". بحر: ۲/ ۲۸۳(۲)۔

ایک روزہ کا فدیہ نصفِ صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصفِ صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے: "يعطي لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم". درمختار: ۱/۷۶۶(۳)۔

۳......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے: "ولو أدى الفقير أقل من نصف صاع، لم يجز". درمختار: ۱/۷۶۸(٤)۔ البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دینا جائز ہے: "ولو أعطاه الكل جاز"(۵)۔

---

(۱)(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة المريض: ۲/۹۹،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلاة المريض: ۲/۲۰۳، ۲۰۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱/۱۳۷، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵،رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتا ب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲،سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم، فصل في الأعذار المبيحة للإفطار ومايتعلق بها: ۱/۳۴۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۴)(الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة في قضاء الفائتة: ۱/۷۷۱، إدارة القرآن، كراچی)

(۵) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

اسی طرح کئی روزوں کا فدیہ بھی ایک کو دینا جائز ہے: "ویجوز إعطاء فدية صلوٰة وصيام أيام ونحوها لواحدٍ من الفقراء جملةً". مراقی الفلاح، ص: ۲۵۵(۱)، اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں۔

گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے، قال الشامی: ۱/ ۷۶۶، تحت قول الدر: "(نصف صاع من بر): أی أومن دقيقه أو سويقه أوصاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهی أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير"(۲)۔

۴.....غریب، مسکین لوگ اس فدیہ کے مصرف ہیں، مسجد کی مرمت میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں (۳)۔ کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطور تملیک دیدینا جائز ہے، اسی طرح کپڑے، اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں مالدار نہ ہوں (۴)، فقیروں کو دینا بھی جائز ہے (۵)۔

---

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة، فصل فی إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۹، قدیمی)

(۲) (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۳، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الزکوٰة، باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۴، قدیمی)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصوم، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر: ۲/ ۵۹۰، المکتبة الغفاریة)

(۳) "ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحةً کما مرّ (لا) یُصرف (إلی بناء) نحو (مسجدٍ) ولا إلی (کفن میت وقضاء دینه)". (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/ ۳۴۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف : ۲/ ۴۲۴، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر علی ملتقی الأبحر، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصرف : ۱/ ۲۲۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) "فلو أطعم یتیمًا ناویًا الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم، کمالو کساه بشرط أن یعقل القبض". (الدرالمختار، کتاب الزکاة: ۲/ ۲۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف : ۲/ ۴۲۴، رشیدیه)

(۵) "مصرف الزکاة العشر هو فقیر، وهو من له أدنی): أی دون نصاب. (ومسکینٌ من لاشیٔ له) علی المذهب ...... وصدقة الفطر کالزکاة فی المصارف". (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/ ۳۳۹، ۳۶۹، سعید) ...... =

۵......اگر ورثہ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصفِ صاع کسی فقیر کو دیدیں اور قبضہ کرادیں اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطور ہبہ اس کو دیدے اور ورثہ اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ میں ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا۔جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو نصفِ صاع اگر فقیر کو دینا تھا تب تو اسی کو دیدیں اگر کسی سے قرض لیا تھا اس کو واپس کردیں، انشاء اللہ امید ہے کہ میت کی برأت ہوجاوے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطورِ احسان وتبرع ہوگا کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورتِ مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بری ہے کیوں کہ نماز قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا، هكذا في كتب الفقه، نحو مراقي الفلاح، ص: ٢٥٤ (١)، وشامي: ١/ ٧٦٧ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۷/ ۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۷/ ۱۳۵۲ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في صدقة الفطرة: ١/ ١٩٢، رشيديه)

(١) "(وإن لم يف ما أوصى به) الميت (عما عليه) أو لم يكف ثلث ماله أو لم يوص بشيء، وأراد أحد التبرع بقليل لايكفي، فحيلته لإبراء ذمة الميت عن جميع ما عليه أن (يدفع ذلك المقدار اليسير بعد تقديره لشيئ من صيام، أو صلاة أو نحوه ويعطيه (للفقير) بقصد إسقاط ما يريد عن الميت (فيسقط عن الميت بقدره، ثم بعد قبضه (يهبه الفقير للولي) أو للأجنبي (ويقبضه) لتتمّ الهبة وتملك، (ثم يدفعه الموهوب له (للفقير) بجهة الإسقاط متبرعًا به عن الميت (فيسقط) عن الميت بقدره، ثم يهبه الفقير للولي) أو للأجنبي (ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير) متبرعاً عن الميت، وهكذا يُفعل مراراً (حتى يسقط ما كان) بظنه (على الميت من صلاة وصيام، ونحو هما مما ذكرنا من الواجبات، وهذا هو المَخلص في ذلك إن شاء الله بمنه وكرمه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ص: ٤٣٩، قديمي)

(٢) "ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ٢/ ٧٣، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ٢/ ١٦٠، رشيديه)

فدیہ صوم وصلوۃ

سوال[۳۴۸۲] : ۱......کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں :

ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سنِ بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہوجائے تو آدھامَن پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطورِ صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو یا غریب فاقہ کش سب کے لئے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر چڑھا کر جنازہ کے آگے کردیتے ہیں، بعد نمازِ جنازہ گیہوں کے ڈھیر کر کے دس بارہ فقیر اور ملاں بیٹھ کر حیلہ کرتے ہیں، حیلہ کے وقت ملاں صاحب اس طرح فرماتے ہیں: صوم وصلوۃ واجبات جو اس مردے سے قضاء ہوئے ہیں اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا'' دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں، پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملاں صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔

حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملاں صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں، متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ بس صورتِ مسئولہ کا جواب مع حوالۂ کتب وعبارتِ فقہ مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں وعند الناس مشکور ہوں تاکہ ان بدعات سے باز آئیں۔

۲......ہبہ میں قبضہ شرط ہے یا اشارہ بھی کافی ہے، جائیداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

۳......موافقِ شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوۃ کا حساب ضروری ہے؟

۴......ولی میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچادیتا ہے وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

۵......دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا؟ بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ طریقہ بدعت وناجائز ہے اصل بلکہ خلافِ اصولِ شرع ہے (۱)۔ نفس ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ وروزہ وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعثِ راحتِ میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر یا نماز روزہ عبادات کرکے، یا غرباء مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دیکر، یا مسجد، مدرسہ، کنواں وغیرہ بنا کر ہو (۲) اور طریقہ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول: یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالانکہ جس شیء کا استحباب شریعت سے ثابت ہو اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شیء ممنوع ہوجاتی ہے چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا:

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة" (۳)۔ "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر اهـ". سعاية (٤)۔

دوم: یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے حالانکہ نفسِ غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم: یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کئے ہوتا ہے حالانکہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا

---

(۱) "حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیلِ چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہوگیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرط صحتِ نیت ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا ذریعہ کا ہے"۔ (فتاوی رشیدیه، کتاب البدعات، ص: ۱۴۰، إداره اسلامیات لاهور)

(۲) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(۳) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرآءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) (السعاية، المصدر السابق: ۲۶۳/۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

حصہ صَرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں (۱)۔

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا، حالانکہ صدقہ کے لئے قبضہ شرط ہے (۲)۔

پنجم: غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

ششم: یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے حالانکہ بعض اوقات صوم، صلوۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ حساب کے اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے کیونکہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے (۳)۔

ہفتم: عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے اسی لئے حساب نہیں کیا جاتا ہے بلکہ مقدارِ مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ میت کے ذمہ صوم وصلوۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو یا نہ ہو، نیز اگر ہو تو کم ہو یا زیادہ ہو، قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے:

"و في البزازية: ويكره نقل الطعام في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، و جمع الصلحاء، والقراء للختم، وأطال ذلك في المعراج، و قال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بهاوجه الله تعالىٰ، و لا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، اهـ". رد المحتار (٤)۔

---

(۱) "ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة .... إلا بإجازة ورثته .... و هم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥٦، سعيد)

(۲) "و تمامها كرهن و صدقة؛ لأن القبض شرط تمامها". (الدر المختار، كتاب الهبة: ٥/٦٩١، سعيد)

(۳) "و لو مات وعليه صلوات فائتة، و أوصى بالكفارة، يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم، و إنما يعطى من ثلث ماله". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت، عند مطلب في إسقاط الصلوة عن الميت: ٢/٧٢، ٧٣، سعيد)

(۴) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ٢/٢٤٠، ٢٤١، سعيد)

"فیحترز تقسیم کردن نقد غله وغیره بعد میت از ترکۂ آن بمحتاجان به نیتِ ثواب جائز است، بشرطیکه وارثانش کبار باشند و راضی باشند بدادن. و اگر ورثۂ میت صغار اند، بدونِ تقسیمِ ترکہ تصدق جائز نیست. وبدونِ این چیز ها همراهِ جنازه رسمِ جاهلیت است، از شرع شریف ثابت نیست، وچیزے که نظیرش در اصل شرع یافته نمی شود کردنِ آن چیز مکروه است یا حرام. اَما دادنِ تصدق بفقراء و مساکین برائے ثوابِ میت بے آنکه همراهِ جنازه برند، جائز است، زیرا که برائے ثوابِ میت چیزیکه بمحتاجان میدهند، مستحب آنست که بے روی و ریا و بے تعینِ وقت و روز باشد اِلاّ بدعت می گردد، و درین صورت دادنِ ایشاں خالی از کراهت نخواهد شد. واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"۔ رسائلِ اربعین، ص:۵۱،۵۰،مطبوعہ در مطبع محمدی ماہ صفر ۱۲۶۱ھ(۱)۔

کفارۂ صوم وصلوۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگر اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے اسی طرح ہر روزہ کے عوض، اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے۔ اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہو جائے تب تو خیر ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے بشرطیکہ وہ بالغ ہوں، ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جا سکتا ہے، بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے دیں تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۶۰/۱۲/۱۸ھ۔

نماز کا فدیہ شیعہ کو دینا

سوال [۳۴۸۳]: زید اپنے بہنوئی اور بہن کو اپنی زوجہ کی نمازوں کا فدیہ (جس کا انتقال ہو چکا ہے) دے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ انہوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔

---

(۱) (لم أطلع علی هذا الکتاب)

(۲) (راجع، ص: ۴۰۰، رقم الحاشیة: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کونہیں دینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

ایک نماز نفل سے نمازوں کی قضاء وکفارہ

سوال [۳۴۸۴]: زید اپنی تصنیف میں لکھتا ہے کہ نماز کفارہ قضائے عمری اس طرح پڑھے کہ بعد از نماز جمعہ چار رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ کوثر پندرہ بار اور بعد نماز سلام دس دس بار، استغفار و درود پڑھے کفارہ قضاء شدہ نمازوں کا ہو جائے گا

زید کا یہ کہنا کتب احادیث ودیگر کتب متبرک سے ثابت ہے یا نہیں؟ شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے مطلع فرمایا جائے۔

والسلام۔ احقر الناس محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ کی شرعاً کوئی اصل نہیں، نہ اس سے قضاء شدہ نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے، زندگی میں ان نمازوں کا خود پڑھنا فرض ہے، بغیر اس کے بَریُ الذمہ نہ ہوگا (۲)، اگر نہیں پڑھ سکا تو مرتے وقت وصیت کرنا ضروری

---

(۱) "(قوله: إلا في جواز الدفع إلى الذمي) في فتاویٰ قاضي خان: جاز ويكره، وعند الشافعي وإحدى الروايتين عن أبي يوسف: لايجوز، تاتارخانية. وقدم عن الحاوي أن الفتوى على قول أبي يوسف، ومرّ الكلام فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۳۶۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر على ملتقى الأبحر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأقيموا الصلوة﴾ (سورة البقرة: ۴۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

ہے، مرنے کے بعد ہر نماز کے عوض ایک صدقہ فطر کی مقدار صدقہ کرنے سے نماز کا صدقہ ادا ہوگا اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۶/۱۳۵۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصىٰ بالكفارة، يعطىٰ لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر .... الخ". (تنوير الأبصار، باب قضاء الفوائت : ۲/۷۲،سعيد)

"إذامات الرجل وعليه الصلوات فائتة وأوصىٰ بأن يعطىٰ كفارة صلاته، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر، للوتر نصف صاع ،ولصوم يوم نصف صاع، وإنما يعطى من ثلث ماله". (البحر الرائق، كتاب الصلاة ،باب قضاء الفوائت :۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفائتة : ۱/۷۷۰، إدارة القرآن والعلوم الاسلامية ،كراتشي)

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

تکبیر تحریمہ آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال[۳۴۸۵]: امام صاحب نے تکبیر تحریمہ بآواز بلند نہ کہا، اسماع غیر نہیں ہوا اور دوسری تکبیرات بآواز کہا تب سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر امام صاحب پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا پھر بھی سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امام صاحب نماز میں ترکِ مستحبات پر بھی سجدۂ سہو کرسکتا ہے ،نماز میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیرات آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا مستحب کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا(۱)، اگر اس گمان سے سجدۂ سہو کرلیا کہ واجب ہوگیا تھا تب بھی نماز فاسد نہیں ہوئی:

"لوظن الإمام للسهو فسجد له، فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لا قتدائه في موضع الانفراد". درمختار۔ "(قوله: فالأشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل: لاتفسد، وبه يفتی. وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه أبوالليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القرّاء غالب". شامي، ص:۴۰۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۰ھ۔

---

(۱)"ولايجب إلا بترك واجب، أو تأخيره أو تاخير ركن .... ولايجب بترك التعوذ والبسملة في الأولیٰ وتكبيرات الانتقال". (الفتاوی العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۶/۱ ،رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص:۴۵۵،سهيل اكيڈمی)

(۲)(الدر المختار مع ردالمحتار، باب الإمامة : ۵۹۹/۱، سعيد) ....=

ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال[۳۴۸۶] : دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھ رہا ہوں، دوسری رکعت میں بجائے زانو پر ہاتھ رکھنے کی نیت باندھ لی مگر فوراً یاد آ گیا، کیا سجدۂ سہو کرنا چاہیے، جب کہ وقفہ تین تسبیح سے کم لگا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سرّی نماز میں سورۂ فاتحہ کو جہراً اور جہری میں سراً پڑھنے کا حکم

سوال[۳۴۸۷]: اگر امام جہری نماز میں سورۂ فاتحہ بالکل خاموش پڑھ جائے، یا سرّی نماز میں بلند آواز سے پڑھ جائے تو اب یاد آنے پر جہاں تک پڑھ لی ہے وہیں سے صحیح کرے یا شروع سے پھر پڑھے؟ ایسی غلطی سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ یا سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ اور کہاں تک پڑھنے پر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہری نماز میں تین آیات کی مقدار سہواً سراً پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، اسی طرح سری نماز میں جہراً پڑھنے کا حکم ہے، اگر اس کو جہراً نہیں پڑھا بلکہ صرف سورت کو جہراً پڑھ کر سجدۂ سہو کر لیا تب بھی نماز درست

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، نوع آخر في المتفرقات : ۱/۷۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراتشي)

(۱) "ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره، أو تأخير ركن أو تقديمه، أو تكراره أو تغير واجب بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشئ واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو : ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمي)

ہوجائے گی(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

یاد آنے یا لقمہ دینے کے بعد جہر کہاں سے شروع اور سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۴۸۸]: اگر جہری نماز میں امام دوتین آیتیں آہستہ پڑھ گیا، بعد کو لقمہ دینے سے، یا خود اس کو یاد آ گیا اب وہ سب کو، ہر سے پڑھے یا جہاں سے یاد آیا وہیں سے جہر شروع کردے سجدۂ سہو تو کرے گا ہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں سے یاد آیا وہیں سے جہر شروع کردے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

منفرد کا جہری نماز کی تیسری وچوتھی رکعت میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۴۸۹]: منفرد شخص نے اپنی جہری نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کو قصداً زور سے پڑھا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اگر سنتوں میں قصداً قرأت زور سے پڑھے تو کیا حکم ہے؟ اور کیا سہواً

---

(۱)"(والجهر فيما يخافت فيه) للإمام (وعكسه) لكل مصل في الأصح ،والأصح تقدير ه (بقدر ماتجوز به الصلاة في الفصلين .وقيل:) -قائله قاضي خان- (يجب السهو) (بهما): أي بالجهر والمخافتة (مطلقًا): أي قلّ أو كثر(وهوظاهر الرواية)". (الدر المختار). "(قوله: والأصح الخ)صححه في الهداية والفتح والتبيين والمنية؛ لأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه ،وعن الكثير يمكن ،وماتصح به كثير، غير أن ذالک عنده آية واحدة، وعندهما ثلاث آيات، هداية. (قوله: وهو ظاهر الرواية)......... وقال في شرح المنية :والصحيح ظاهر الرواية ،وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة؛ لأن القليل من الجهر في موضع المخافتة عفو أيضًا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۲،۸۱/۲،سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۱۷۰/۲، رشيديه)

(۲)"سها الإمام، فخافت بالفاتحة في الجهرية، ثم تذكر، يجهر بالسورة، ولا يعيد، ولو خافت بآية أوأكثر يتمها جهراً ولا يعيد". (الحلبي الكبير، مسائل شتى، ص:۶۱۸،سهيل اكيڈمی)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو : ۳۲۵/۱،مكتبه امداديه ملتان)

قرأت زور سے کرنے کی صورت میں سجدۂ سہو کافی ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ سراً پڑھنا واجب ہے وہاں قصداً سورۂ فاتحہ زور سے پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن ترکِ واجب کی وجہ سے مکروہ ہوگی اور اعادہ لازم ہوگا اور ایسے موقع میں سہواً زور سے پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا(۱) اور سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہوجائے گی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تیسری رکعت میں الحمد جہراً پڑھ دی

سوال[۳۴۹۰]: ایک امام صاحب نے تیسری رکعت میں کھڑے ہوکر "الحمد" بالجہر پڑھ دی، دوتین آیت پڑھنے کے بعد امام کو یاد آیا وہ خاموش ہوگیا۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تین آیت بالجہر پڑھے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن إبراهيم النخعي رحمه الله تعالیٰ، قال:سجد إذا أسر فيمايجهر فيه ،أوجهر فيما يسرّ فيه، ذكره سحنون في المدونة بلاسند جزماً". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب في بقية أحكام السهو: ۱۶۷/۷ ،إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "(والجهر فيما يخافت فيه) للإمام (وعكسه) لكل مصل في الأصح. والأصح تقديره بقدر ماتجوز به ماتجوز به الصلاة في الفصلين (وقيل)– قائله قاضيخان: يجب السهو(بهما): أي بالجهر والمخافتة (مطلقًا): أي قلّ أوكثر (وهو ظاهر الرواية)". (الدر المختار).

"(قوله: وهو ظاهر الرواية)......... وقال في شرح المنية :والصحيح ظاهر الرواية ،وهو تقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة؛ لأن القليل من الجهر في موضع المخافتة عفوٌ أيضًا". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، باب سجود السهو : ۲/ ۸۱، ۸۲،سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو،ص:۴۵۷،سهيل اكيڈمی ، لاهور)

(۳) "ومنها جهر الإمام فيما يجهر فيه ،والإسرار في محله مطلقًا، واختلف في القدر الموجب للسهو،=

نماز میں سجدہ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

سوال[۳۴۹۱]: امام نے "الحمد" کے بعد ایسی سورت پڑھی جس میں آیتِ سجدہ آ گئی اور سجدہ تلاوت کیا، پھر کھڑے ہوکر "الحمد" پڑھی یعنی ایک رکعت میں "الحمد" دودفعہ پڑھی گئی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں سجدۂ واجب نہیں، اگر "الحمد" دودفعہ مسلسل پڑھتا یعنی درمیان میں کسی اَور قراءۃ کا فصل نہ ہوتا تب سجدۂ سہو واجب ہوتا، فتاویٰ قاضی خان، ص:۶۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۴۹۲]: اگر نماز میں کسی رکعت میں بھول کر یا قصداً سورۂ فاتحہ ایک سے زائد دفعہ پڑھی جاوے تو کیا سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر پہلی دو رکعت میں سہواً مسلسل مکرر پڑھا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے، اگر اخیر کی دو رکعت میں مکرر

= والأصح أنه قدر ماتجوز به الصلاة في الفصلين؛ لأن اليسير من الجهر والاخفاء لايمكن الاحتراز عنه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمى)

وقال ابن النجيمؒ: "من واجبات الصلوة الحادى عشر والثانى عشر الجهر على الإمام فيما يجهر فيه، والمخافته فيما يخافت فيه............ اهـ". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۰، رشيديه)

(وكذا في التنوير مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۸۱، سعيد)

(۱) "وسجود السهويتعلق بأشياء: .... ومنها إذا قرأ في الأوليين أو أحدهما الفاتحة، ثم الفاتحة، ثم السورة. ولو قرأ الفاتحة، ثم السورة، ثم الفاتحة، لاسهو عليه". (فتاوىٰ قاضى خان، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب السهو ومالايوجب السهو: ۱/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۰، سعيد)

پڑھا ہے یا پہلی ہی دو میں مکرر پڑھا ہے مگر مسلسل نہیں بلکہ ایک دفعہ سورت سے پہلے فاتحہ کو پڑھا ہے دوبارہ پھر سورت کے بعد پڑھا ہے تو سجدۂ سہو لازم نہیں۔ عمداً پڑھنے سے بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا، البتہ ایسی صورت میں نماز مکروہ ہوگی:"ولو كررها: أى الفاتحة فى الأولیين، يجب عليه سجود السهو، بخلاف مالو أعادها بعد السورة أو كررها فى الأخريين، فى التبيين، الخ". عالمگیری:۱/۱۲۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۳۴۹۳]: اگر بھول کر دو مرتبہ "الحمد" پڑھ جائے سجدۂ سہو کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسلسل دو مرتبہ پڑھے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى عشر فى سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۷۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۰، سعيد)

(۲) "ويسجد للسهو كما لو كرر الفاتحة، ثم قرأ السورة". (مراقى الفلاح). وقال الطحطاوى: "قوله: (ويسجد للسهو) إذا كان ساهياً، وإلا كره تحريمًا؛ لأن فيه تأخير الواجب، وهو الفاتحة عن محله، وهو العلة فى وجوب السهو بتكرار الفاتحة". (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، فصل فى بيان واجب الصلاة، ص: ۲۴۹، قديمى)

"(قوله: وكذا ترك تكريرها، الخ) فلو قرأها فى ركعة من الأوليين مرتين، وجب سجود السهو لتأخير الواجب، وهو السورة كما فى الذخيرة وغيرها". (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۰، سعيد)

(وكذا فى الحلبى الكبير، فصل فى سجود السهو، ص: ۴۶۰، سهيل اكيڈمى، لاهور)

"الحمد" کی جگہ "التحیات" پڑھ لی

سوال[۳۴۹۴] : ۱......"الحمد" کی جگہ "التحیات" پڑھی۔

۲......یاد آنے پر "الحمد" پڑھی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کس رکعت میں؟

۲......سجدۂ سہو واجب ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۸ھ۔

قرأت میں تشابہ کی وجہ سے سجدۂ سہو

سوال[۳۴۹۵] : نماز میں کوئی سورت شروع کی اور کسی جگہ سے درمیان میں دوسری سورت پر پہنچ گیا اب اس کو کیا کرنا چاہیے، پہلی سورت کی طرف مراجعت یا دوسری سورت جاری رکھے اور کیا سجدہ سہو بھی کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اتنی مقدار پڑھ چکا ہے کہ اس کے بعد رکوع کر دینا چاہیے تب رکوع کر دے ورنہ اگر ایک دو لفظ پڑھ کر یاد آ گیا تو جو سورت اول شروع کی تھی اس کی طرف لوٹ جائے اگر زیادہ پڑھ کر یاد آئے تو نہ لوٹے بلکہ

(۱) اگر کسی شخص نے پہلی رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد "التحیات" پڑھ لی تو اس پر سجدۂ سہو کرنا واجب ہے، اور اگر سورۂ فاتحہ سے پہلے "التحیات" پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں:

"ولو قرأ التشهد في القيام، إن كان في الركعة الأولىٰ، لايلزمه شيء، وإن كان في الركعة الثانية، اختلف المشايخ فيه، والصحيح أنه لايجب، كذا في الظهيرية. ولو تشهد في قيامه قبل قرأة الفاتحة، فلاسهو عليه وبعد ها، يلزمه سجود السهو، وهو الأصح". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/ ۴۷۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/ ۱۷۲، رشيديه)

جس سورت پر پہنچ گیا ہے اسی کو پڑھے سجدہ سہو ایسی صورت میں نہیں ہے۔

تنبیہ: اگر ایک سورت سے دوسری سورت میں چلے جانے سے معنیٰ بگڑ جائیں گے تو نماز فاسد ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قیام میں تشہد سے سجدۂ سہو

سوال[۳۴۹۶]: فرض نماز کی پہلی دوسری رکعت میں "الحمد" شریف پڑھنے کے بعد بھول کر بجائے سورت پڑھنے کے اگر "التحیات" پڑھ دی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدۂ سہو واجب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پہلی رکعت میں بیٹھ کر فوراً کھڑا ہو گیا

سوال[۳۴۹۷]: ایک شخص پہلی رکعت کے دونوں سجدے کرنے کے بعد التحیات پڑھنے کیلئے تھوڑی دیر بیٹھ گیا، کچھ بھی نہیں پڑھا کہ اسے یاد آ گیا فوراً دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا۔ سجدۂ سہو کی ضرورت تھی یا نہیں؟

---

(۱) "فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يَصِلُ إلى أذنه، وبه قال الشافعي، ولم يشترط الكرخي وأبوبكر البلخي السماع، واكتفيا بتصحيح الحروف. واختار شيخ الإسلام وقاضيخان وصاحب المحيط والحلواني قول الهندواني، وكذا في معراج الدراية. ونقل في المجتبى عن الهندواني أنه لايجزيه مالم تسمع أذناه ومَن بقربه". (ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۳۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۲۸، بيروت)

(۲) "وذكر الناطفي في الأجناس عن محمد: لو تشهد في قيامه قبل قرآءة الفاتحة، فلا سهو عليه، وبعدها يلزم". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۲، رشيديه)

اگر وہ اتنی دیر بیٹھا کہ تین مرتبہ "سبحان اللّٰہ" کہا جاسکتا تھا تب ضرورت تھی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تین مرتبہ "سبحان اللّٰہ" کہنے کی مقدار بیٹھا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اس سے کم میں سجدہ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملالی

سوال[۳۴۹۸]: اگر چار رکعت والی فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص کو آخری رکعت میں بھول کر پڑھ لی تو سجدۂ سہو ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: وجب عليه سجود السهو) إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن .... وهو مقدر بثلاث تسبيحات، ثم إن محل وجوب سجود السهو إذا لم يشتغل حالة الشك بقرآءة ولا تسبيح، اهـ". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۴، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۹۴، سعيد)

(۲) "ولو قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة، لايلزمه السهو، وهو الأصح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۷۴، دار الكتب العلمية)

7

پہلی دو رکعتوں میں سورت بھول جانے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۴۹۹]: "وإن قرء الفاتحة (في صلوٰة العشاء في الأولیین) ولم یزد علیها، قرأفي الأخریین الفاتحة والسورة وجهر". هدایہ(۱) اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ نفسِ قرأت سورت فوت ہونے سے بعد والی رکعات میں فرض نمازوں میں تلافی ہو سکتی ہے تو کوئی شخص پہلی ایک رکعت یا دونوں رکعت میں ضمِ سورت کی تلافی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح مغرب کی تیسری رکعت میں تلافی ہو سکتی ہے؟ اگر پہلی یا دوسری رکعت میں ضم سورت بھول جائے اور جہری طور پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص کوئی اور سورت علاوہ فاتحہ کے پڑھ لے (ایک یا دونوں رکعت میں) تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی دونوں رکعتوں میں اگر ضمِ سورت بھول جائے، یا مغرب کی پہلی رکعت میں بھول جائے تو اخیر کی دو میں اور مغرب کی تیسری میں فاتحہ کے بعد ضمِ سورت کرے اور جہر بھی کرے: "لو ترك السورة في ركعة من أولي المغرب أو في جميع أولي العشائين، قرأها: أي السورة وجوبًا على الأصح في الأخريين من العشاء والثالثة من المغرب مع الفاتحة، جهر بهما على الأصح، ويقدم الفاتحة، ثم يقرأ السورة، وهو الأشبه". مراقي الفلاح(۲)۔

اگر مواقعِ مذکورہ میں فاتحہ کو بھول گیا تو بعد والی رکعتوں میں فاتحہ کو مکرر نہ پڑھے: "ولو ترك الفاتحة في الأولیین، لایکررها في الأخریین". مراقي الفلاح(۳) ۔ ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(الهداية، كتاب الصلاة، فصل في القرأة: ۱/۱۱۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲)(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۵۴، ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۹، رشيديه)

(۳) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۵۴، ۲۵۵، قديمي)

قرأت کی غلطی سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۰۰]: اگر امام تراویح میں غلط پڑھے اور مقتدی صحیح بتلائے تو امام کو سجدۂ سہو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام نے تراویح میں قرأت کی غلطی کی ہے تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم نہیں، سجدۂ سہو کرنا اس مقصد کیلئے غلط ہے، امام لقمہ لے یا نہ لے اس سے سجدۂ سہو نہیں آتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

رکوع کے بجائے سجدہ میں جانے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۰۱]: اگر کوئی شخص رکوع میں جانے کے بجائے بھولے سے سجدہ میں چلا جائے تو وہ کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لوٹ کر آئے رکوع کرے اور سجدۂ سہو بھی کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولا يجب السهو إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تقديمه، أو تكراره، أو تغيرواجب بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمي)

(۲) "فيجب بتقديم ركن نحو أن يركع قبل أن يقرأ، ويسجد قبل أن يركع)هذا التمثيل غير واقع في محله؛ لأن الركوع قبل القراءة والسجود قبل الركوع غير معتد به حتى يفترض عليه إعادة الركوع بعد القراءة وإعادة السجود بعد الركوع على ما مر من أن الترتيب بين مالايتكرر في الركعة الواحدة وبين غيره فرض، وإذا لم يقع ذلك معتدًا به، لايكون فيه تقديم الركن، نعم! إذا فعل ذلك يجب عليه سجود السهو لتأخير الركن بسبب الزيادة التي زادها، فليتأمل". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۶، سهيل اكيڈمي لاهور) .... =

سجدۂ تلاوت مؤخر کرنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۰۲]: تراویح میں حافظِ قرآن نے آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ اس مقام پر نہیں کیا بلکہ رکوع دورکوع کے بعد پھر سجدہ مع مقتدیوں کے کیا تو کیا سجدۂ قرآن درست ہوا یا نہیں؟ بعد سلام کے مع مقتدیوں کے سجدہ کرلیا تو درست ہوا یا نہیں؟ اگر سجدۂ سہو کرے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں سجدہ ذمہ سے ساقط ہوگیا لیکن تاخیر کی وجہ سے ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور جو سجدہ حالتِ نماز میں امام پر تلاوت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے وہ خارج نماز میں ادا کرنا درست نہیں بلکہ نماز ہی میں ادا کیا جائے:

"المصلی إذا نسی سجدة التلاوة فی موضعها، ثم ذکر ها فی الرکوع أو السجود أو فی القعود، فإنه یخرلها ساجدًا، ثم یعود إلی ماکان، ویعیده استحسانًا، وإن لم یعد، جازت صلوته، کذا فی الظهیریة". عالمگیری: ۱/۱۳۴(۱)۔

"لو أخر سجدة التلاوة عن موضعها، فإن علیه سجودالسهو، کما فی الخلاصة". شامی: ۱/۷۷٤(۲)۔

"والسجدة التی وجبت للتلاوة فی الصلاة، لاتقضیٰ إلا فی الصلوة". رسائل الأرکان، ص: ۱٦۲ (۳)۔

= (وکذا فی البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴٦۱، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۴، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۰، سعید)

(وکذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق، باب سجودالسهو: ۲/۱٦۷، رشیدیه)

(۳) "(قوله: وإذا لم یسجد أثم الخ) أفاد أنه لایقضیها. قال فی شرح المنیة: وکل سجدة وجبت فی الصلاة ولم تؤدفیها، سقطت: أی لم یبق السجود لها مشروعاً لفوات محله". (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، القرأة خارج الصلاة، ص: ۵۰۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں جانا، پھر اٹھنا

سوال[۳۵۰۳]: ہمارے امام صاحب نے فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی، پھر بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں چلے گئے، سجدہ میں کسی مقتدی نے زور سے کہا کہ رکوع نہیں ہوا تو پھر رکوع میں آگئے اور پھر سجدہ کیا اور قدرے تشہد کے بعد پھر سجدۂ سہو کیا۔ تو کیا اس طرح کرنے سے نماز ادا ہوگی اور جس مقتدی نے یہ کہا کہ رکوع نہیں ہوا، اس کی نماز بھی درست ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقتدی نے امام کو اس طرح کہا ہے اس کی نماز نہیں ہوئی (۱)، اس کے اس طرح کہنے سے اگر امام کو خود بھی یاد آگیا کہ رکوع نہیں ہوا اور وہ اپنی یاد پر اٹھا اور رکوع وغیرہ کر کے سجدۂ سہو کر لیا تو امام کی نماز ہوگئی اور بقیہ سب مقتدیوں کی بھی ہوگئی۔ اگر امام کو یاد نہیں آیا محض اس کے کہنے پر کھڑا ہوگیا تو کسی کی نماز نہیں ہوئی، سب کو لوٹانا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

رکوع، سجدہ کی تسبیح بدلنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۰۴]: چند روز قبل نماز عشاء میں ایک رکعت کے اندر جب میں پہلے سجدہ میں گیا تھا تو

---

(۱)"إذا تكلم في صلاته ناسيًا أو عامدًا، خاطئًا أو قاصدًا، قليلاً أو كثيراً، تكلم لإصلاح صلاته بأن قام الإمام في موضع القعود. فقال له المقتدي: اقعد، أو قعد في موضع القيام فقال: له قم، أولا لإصلاح صلاته، ويكون الكلام من كلام الناس، استقبل الصلاة عندنا، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۹۸، رشيديه)

(۲)"(قوله: إلا إذا تذكر الخ) قال في القنية: ارتج على الإمام، ففتح عليه مَن ليس في صلاته وتذكر، فإن أخذ في التلاوة قبل تمام الفتح، لم تفسد، وإلا تفسد؛ لأن تذكره يضاف إلى الفتح .... قلت: والذي ينبغي أن يقال: إن حصل التذكر بسبب الفتح، تفسد مطلقًا .... وإن حصل تذكره من نفسه لابسبب الفتح، لاتفسد مطلقًا". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۹۹، رشيديه)

تین مرتبہ بجائے "سبحان ربی الأعلیٰ" پڑھنے کے، "سبحان ربی العظیم" پڑھ کر سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے پھر "سمع الله لمن حمده" اور پھر "ربنالك الحمد" پڑھا اور "الله أکبر" کہہ کر دوسرے سجدہ میں چلا گیا، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر ایسا کر لینے سے نہ نماز فاسد ہوئی نہ سجدۂ سہو لازم ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

دعائے قنوت بھول کر رکوع کرنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۰۵]: رکوع میں یاد آیا کہ دعائے قنوت نہیں پڑھی تو اب کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دعائے قنوت نہیں پڑھی اور رکوع میں پہنچ کر یاد آیا تو اب اس کو کھڑے ہو کر یا رکوع میں دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز پوری کر کے سجدۂ سہو کرے، طحطاوی، ص: ۲۵۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) تسبیحات اور تکبیراتِ انتقال سننِ صلاۃ میں سے ہیں نہ کہ واجبات میں سے، لہٰذا اس کے ترک یا تبدیلی ترتیب سے کچھ فرق نہیں پڑتا: "ولا یجب السجود إلا بترک واجب أو تأخیره أو تأخیر رکن .... ولا یجب بترک التعوذ والبسملة في الأولیٰ وتکبیرات الانتقال". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲۶، رشیدیه)

(وکذا في الحلبي الکبیر، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهیل)

(وکذا في فتح القدیر، باب سجود السهو: ۱/ ۵۰۲، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "لو تذکر القنوت في الرکوع، فإنه لا یعود، ولا یقنت فیه لفوات محله ..... ویسجد للسهو علی کل حال، لترک الواجب أو تأخیره". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قدیمي)

(وکذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱/ ۱۶۹، رشیدیه) .... =

سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنا

سوال[۳۵۰۶]: امام سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت بجائے "اللّٰہ أکبر" کے "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے اٹھے تو سجدۂ سہو کی ضرورت ہے یا نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت بجائے "اللّٰہ أکبر" کے سہواً "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہہ دیا تو بھی سجدۂ سہو لازم نہیں، نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۲ھ۔

سجدہ میں "بسم اللّٰہ"

سوال[۳۵۰۷]: سجدہ میں تسبیح سے پہلے تسمیہ نکل گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۱، سهيل اكيڈمي)

(۱) قال العلامة الحلبي: "فلايجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقال والتسبيحات". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب سجود السهو: ۱/۵۰۲، مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) قال الحلبي: "(أوقرأ التشهد مرتين) في القعدة الآخيرة أو تشهد قائماً أو راكعاً أوساجداً، لا سهو عليه......... وأما التشهد، فلأنه ثناء والقيام والركوع والسجود محل للثناء". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۰، سهيل اكيڈيمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب سجود السهو: ۱/۱۴۹، بيروت)

ایک سجدہ بھول گیا تو اس کو کب ادا کرے؟

سوال[۳۵۰۸]: اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس نے پہلی رکعت میں ایک سجدہ غلطی سے کیا ہو، دوسری رکعت میں یاد آجائے تو کیا حکم ہے؟

عبدالحق گیاوی، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یاد آئے جب ہی سجدہ کرلے، اگر دوسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آئے اس وقت کرے، ورنہ اگر قیام قعود وغیرہ میں یاد آئے، تو اس وقت کرکے جس رکن کو وسط میں چھوڑ کر سجدہ کیا ہے اس کا اعادہ کرے:

"ولو ترك سجدةً من ركعته فتذكرها في آخر صلوة سجدها، سجد للسهو لترك الترتيب فيه، وليس عليه إعادة ماقبلها". البحر الرائق: ۲/۹٤(۱)۔

"وإن كان إمامًا وصلى ركعةً وترك منها سجدةً، فصلى ركعةً أخرىٰ وسجد لها، فتذكر المتروكة في السجود، فإنه يرفع رأسه من السجود، ويسجد المتروكة، ثم يعود ماكان فيها؛ لأنها ارتفعت فيعيدها استحسانًا" (۲)۔ اور سجدۂ سہو کرکے نماز ختم کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵۳/۲/۱۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد، ۱۵/صفر/۵۳ھ، صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ، ۱۵/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱)(البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱٦٧/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴٦۲/۱، سعيد)

(۲)(التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر في المتفرقات: ۷۴۴/۱، ادارة القرآن)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر من هذا الفصل المتفرقات: ۷۹/۲، المكتبة الغفارية)

ایک سجدہ بھول گیا، کیا سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی؟

سوال[۳۵۰۹]: نماز میں ایک سجدہ بھول گیا پھر آخر میں سجدۂ سہو کرلیا، کیا نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ ایک فرض ہے، دوسرا واجب، خیال رہے کہ جو سجدہ بھولا ہے وہ دوسرا سجدہ ہے، کیا دونوں سجدے فرض ہیں، یا ایک فرض ہے دوسرا واجب؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں "سجدتان" کا لفظ نہیں آیا ہے، دونوں کیسے فرض ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں سجدے فرض ہیں، ترکِ فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اعادہ ضروری ہے، سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا(۱)، کتب فقہ میں سجدہ ثانیہ کی تصریح موجود ہے، کبیری، ص: ۳۱۳(۲)، البحر الرائق :۱/۲۹۳(۳)، ردالمحتار:۱/۳۰۰(۴)، وغیرہ جملہ کتب میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

قومہ کی دعاء کے بجائے جلسہ کی دعا سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۵۱۰]: قومہ میں "ربنا لك الحمد" کے بعد "حمداً طيبًا مباركاً فيه" کے بجائے اگر جلسہ میں پڑھنے والی دعاء منفرد سہواً پڑھ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، یا سجدۂ سہو سے درست ہوگئی، یا سجدۂ

---

(۱)"(سجدة السهو واجبة، انه لايجب إلابترك الواجب) ...... ولابترك الفرائض؛ لأن تركها لاينجبر بسجود السهو، بل هو مفسد، إن لم يتدارك، فيعاد". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(۲)"وتكلموافي تكرار السجود، فقيل: هو تعبد لايطلب فيه المعنى كأعداد الركعات...الخ". (الحلبي الكبير، فصل في صفة الصلاة، ص: ۳۲۲، سهيل)

(۳)"والمراد من السجود السجدتان، فأصله ثابت بالكتاب والسنة والإجماع، وكونه مثنى في كل ركعةبالسنة والإجماع، وهو أمرٌ تعبدىٌ لم يعقل له معنى على قول أكثر مشائخنا تحقيقًا للابتداء".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفه الصلاة: ۱/۵۱۱، رشيديه)

(۴)"(قوله: وتكراره تعبد): أى تكرار السجود أمر تعبدى :أى لم يعقل معناه على قول أكثر المشايخ تحقيقًا للابتلاء". (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۷، سعيد)

سہو کی ضرورت نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سجدۂ سہو لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

قعدۂ اولیٰ بھولنے اور تیسری رکعت میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو

سوال [۳۵۱۱]: امام سہواً قعدۂ اولیٰ کے بجائے رکعتِ ثالثہ کیلئے کھڑا ہو گیا اور فاتحہ بالجہر شروع کر دی دیر بعد یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے اس لئے جہر بالقرأۃ کے بجائے بالسر شروع کر دی اور سجدۂ سہو بھی کر یا۔ آیا نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جس وقت یاد آیا تھا اسی وقت سلام پھیر دینا افضل ہے۔ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

سائل: فرخ احمد، چاٹگامی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی، قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور تیسری رکعت میں اسرار واجب ہے، دو واجب بھول کر ترک کرنے سے ایک سجدۂ سہو کافی ہو جاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) قال الحلبي: "فلايجب بترك السنن والمستحبات كا لتعوذ، والتسمية، والثناء، والتأمين، وتكبيرات العيدين، والتسبيحات". (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب سجود السهو: ۱/ ۵۰۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "قوله: وإن تكرر) حتى لو ترك جميع واجبات الصلاة سهواً، لايلزمه إلا سجد تان، بحر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/ ۱۷۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/ ۴۷۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

قعدۂ اولیٰ ترک کرنے سے نماز کا حکم

سوال[۳۵۱۲]: ایک امام مسجد چار رکعت فرض نماز کی امامت کرا رہے تھے، سہواً دو رکعت کے بعد بلا "التحیات" پڑھے اٹھ کر کھڑے ہوگئے باوجود لقمہ کے واپس نہیں لوٹے، چار رکعت نماز پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو ایسی صورت میں نماز سجدۂ سہو سے ہوگئی یا نماز دہرانی پڑے گی؟ اگر نماز ہوگئی تو کس ثبوت سے اور اگر نہیں تو کس ثبوت سے؟ برائے مہربانی جواب کتاب وسنت کی روشنی میں دیجئے مشکور ہوں گا۔ بینوا توجروا۔

محمد عبدالغنی، شہر کانپور، محلہ میتھفل گنج، ۱۳/ جون/ ۱۹۵۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی، دہرانے کی ضرورت نہیں، کذا فی الدرالمختار(۱) وصحیح البخاری: ۱/۱۶۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا

سوال[۳۵۱۳]: کسے اگر قعدۂ أولیٰ فراموش کردہ باستادباز، چونکہ یاد آمد،

---

(۱) "(سها عن القعود الأول من الفرض، ثم تذكره، عاد إليه) وتشهد، ولا سهو عليه في الأصح (مالم يستقم قائماً) في ظاهر المذهب، وهو الأصح (وإلا): أي وإن استقام قائمًا (لا، وسجد للسهو) (الدرالمختار) "قوله: في ظاهر المذهب ....الخ) مقابله في الهداية: إن كان إلى القعود أقرب، عاد ولا سهو عليه في الأصح، ولو إلى القيام أقرب فلا، وعليه السهو، وهو مروي عن أبي يوسف رحمه الله عليه، واختاره مشايخ بخارى وأصحاب المتون". (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۳/۲، ۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۴۷۹/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن بحينة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام من اثنتين من الظهر ولم يجلس بينهما، فلما قضىٰ صلاته، سجد سجدتين، ثم سلّم بعد ذلك". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب ماجاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة: ۱۶۳/۱، قديمي)

بنشست، درفسادِ نمازش چه حکم دارد؟ مع حوالۂ کتب وصفحات واضح فرمائید۔
المستفتی: محمد عبدالمعبود عفی عنہ، متعلم مدرسہ ہٰذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دریں مسئله فقهاء را دوقول است: دریکے نمازِ أو فاسد شد، وایں قول را زیلعی رحمه الله علیه تصحیح نموده است. ودر دیگر نمازِ أو فاسد نشد، اگرچه ازیں فعل گنه گار شد، وبذمۂ أو سجدۂ سهو لازم گشت، واین قول را شیخ ابن همام وابن نجیم وحلبی وغیرهم ترجیح داده اند:

"فلوعاد إلى القعود بعدذلك، تفسد صلوته لرفض الفرض لما ليس بفرض، وصححه الزيلعي. وقيل: لاتفسد، لكنه يكون مسيئًا، ويسجد لتأخير الواجب، وهو الأشبه كما حققه الكمال، وهو الحق بحر، الخ". درمختار۔ قال الشامي: "(قوله: بعد ذلك): أي بعد مااستقام قائمًا، الخ. (قوله: لكنه يكون مسيئًا): أي ويأثم، كما في الفتح، الخ".
ردالمحتار: ۱/۷۷۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد کچھ پڑھنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۱۴]: چار رکعت نماز سنتِ مؤکدہ پڑھ رہا ہوں، دوسری رکعت میں "التحیات" کے بعد درود پڑھ گیا، اس کے بعد یاد آیا، چاروں رکعت پوری کرلیں، کیا سجدۂ سہو کرنا چاہئے؟

---

(۱)(الدر المختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۴، سعید)
(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۸، ۱۷۹، رشيديه)
(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۷۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سنت ووتر کے قعدۂ اولیٰ میں درود کا حکم

سوال [۳۵۱۵]: چار رکعت والی نماز سنت ووتر میں دو رکعت کی "التحیات" کے بعد درود شریف پڑھنا افضل ہے یا نہیں یا سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار رکعت سنتِ مؤکدہ اور وتر میں اگر دو رکعت پر بھول کر قعدۂ اخیرہ سمجھتے ہوئے درود شریف پڑھا گیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سنن ونوافل میں قعدۂ اولیٰ کے ترک سے سجدۂ سہو

سوال [۳۵۱۶]: چار رکعت والی سنت کے قعدۂ اولیٰ یا دو رکعت والی سنت ونفل کے اندر "التحیات" بھول جائے پھر اس حالت میں بیٹھ کے سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار رکعت والی سنت میں قعدۂ اولیٰ اور تشہد واجب ہے اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہے اور نفل میں

---

(۱) "ولایصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الأولیٰ فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلی ناسیاً، فعلیه السهو". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل ۲/۱۶، سعید)

"ولو كرر فی القعدۃ الأولیٰ، فعلیه السهو، وكذا لو زاد علی التشهد الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم، كذا فی التبيين: وعليه الفتوى، كذا فی المضمرات" (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو : ۱/۱۲۷، رشیدیه)

(وكذا فی البحر الرائق، باب سجود السهو ۲/۱۷۲، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد کچھ پڑھنے سے سجدۂ سہو")

دو رکعت پر قعدہ فرض ہے اس کے ترک سے نماز درست نہ ہوگی، پس اگر تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوگا تو سجدہ سے پہلے پہلے جب یاد آئے فوراً بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے، اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو چوتھی رکعت بھی اس کے ساتھ ملائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر دے لیکن اس صورت میں دو رکعت معتبر ہوں گی اور پہلی دو رکعت قعدہ ترک ہونے کی وجہ سے فاسد ہوں گی اور اسی تحریمہ پر شفعۂ ثانیہ کی بناء صحیح ہوگی (۱)۔ مگر سجدۂ سہو ضروری ہوا، تشہد بہر حال واجب ہے اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

قعودِ واجب اگر سہواً چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوگیا اس کے بعد یاد آیا تو بیٹھنا نہیں چاہیئے، اگر بیٹھے گا تو اس میں فقہاء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ فرض کو ترک کر کے واجب کی طرف عود کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہاں فرض کو ترک نہیں کیا بلکہ مؤخر کیا ہے:

"سها عن القعود الأول من الفرض ولو عملياً، أماالنفل فيعودمالم يقيدبالسجدة، ثم تذكره، عاد إليه وتشهد، ولا سهو عليه في الأصح مالم يستقم قائمًا في ظاهر المذهب، وهو الأصح، فتح. وإلا أي وإن استقام قائمًا لايعود لاشتغاله بفرض القيام، وسجد للسهو لترك الواجب. ولو عاد إلى القعود بعد ذلك، تفسد صلوته لرفض الفرض لما ليس بفرض، وصححه الزيلعي، وقيل: لاتفسد لكنه يكون مسيئاً، ويسجد لتأخير الواجب، وهو الأشبه، كما حققه الكمال، وهو الحق، الخ". درمختار ۱/۷۷۹ (۲)۔

اور ایک قول پر نفل میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے، فرض نہیں: "والقعدة الأولى ولوفي نفل في الأصح،

---

(۱) قال الحلبي: "وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة، وأنه لم يقعد على ركعتين، تجزئ عن تسليمة واحدة، وهو المختار ....لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها، كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً، كما هو قول محمد و زفر بالقياس، وإنماجازعلى قول أبي حنيفةوأبي يوسف استحساناً فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الاول وبالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني، وقدأتمه بالقعدة، فجاز عن تسليمة واحدة". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، ص: ۴۰۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۸۳، ۸۴، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب السهو: ۱/۴۷۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

خلافاً لمحمد رحمه الله تعالیٰ فی افتراضه قعدة كل شفع نفل، اھ". شامی: ۱/۴۸۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/شوال/۵۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

دورکعت پر بجائے بیٹھنے کے بھول کر کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۱۷]: تراویح میں اگر امام دورکعت کے بعد نصف سے زائد کھڑا ہو جائے اور کچھ مقتدی کھڑے ہوگئے اور کچھ بیٹھ گئے تو امام کے نصف سے زائد کھڑا ہونے کے بعد پھر بیٹھنا چاہیے یا کھڑا ہو کر پڑھتا ہی رہے، یا امام کے کھڑا ہونے کے بعد بیٹھنا فوراً ضروری ہے، یہ چار رکعت دورکعت ہی سمجھی جائیں گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ایسی حالت میں بیٹھ جائے جبکہ قیام کے قریب ہو چکا تھا اور بعد میں سجدۂ سہو کرے: "ولو سها عن القعود الأخير كله أو بعضه، عاد مالم يقيد ها بسجدة، وسجد للسهو لتأخير القعود"۔ "(قوله: ولو سها عن القعود الأخير) أراد به القعود المفروض". شامی: ۱/۷۹(۲)۔

اگر بغیر دورکعت پر قعدہ کئے ہوئے چار رکعت پڑھ لی تو یہ دو ہی شمار ہونگی، كذا في الكبيری، ص: ۳۹۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱)(الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۵، سعيد)

(وكذا في سكب الأنهر شرح الملتقى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۸۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب سجود والسهو: ۲/۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۸۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۷۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳)"ولو لم يقعد على رأس كل ركعتين قدر التشهد، لم يجز إلا عن تسليمة واحدة عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وأما عند محمد وزفر رحمه الله عليهما، فلا تجوز عن تسليمة أيضًا، بل يفسد على مامر، من أن ترك القعدة على الركعتين من النفل فيما إذا صلى أربعًا، تفسده، فكذا مازاد على الأربع". =

قعدۂ اُولیٰ یا اُخریٰ بھول کر کھڑے ہونے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۵۱۸]: اگر قعدہ اخیرہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اور قبل پورا کھڑے ہونے کے بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا کہ نہیں؟ طحطاوی، ص:۲۷۱، پر لکھتے ہیں: "سجد للسهو سواء كان إلى القيام أقرب أو إلى القعود أقرب، بخلاف السهو عن القعود الأول، ففيه التفصيل على أحد القولين"(۱)۔ یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شامی نے ہر دو قعود میں ایک ہی حکم لگایا ہے جیسا کہ قعودِ اول میں تفصیل ہے کہ اقرب الی القعود ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں اور اقرب الی القیام ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، اسی طرح قعدہ اخیرہ کا حکم ہے۔ صاحبِ نہر نے فرض اور واجب ہونے کا فرق ظاہر کیا ہے (۲) اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ علیہ نے حاشیہ درمختار میں اس فرق کا انکار کرکے قعود اول وثانی کا ایک ہی حکم تحریر فرمایا ہے:

"لم يفصل هنا بين ما إذا كان مستفتحًا للقيام أولا، وينبغي أن لا يسجد في الثانية كما مرّ في التشهد الأول ....الخ" ۱/۳۱۳(۳)۔ "وينبغي أن لا يسجد فيما إذا كان إليه: أي إلى القعود أقرب كما في الأول ....الخ". شامي: ۱/۷۸۰(٤)۔

= (الحلبي الكبير، فصل في النفل، فروع: لوترک، ص: ۴۰۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لو صلى التطوع ثلاثاً أو ستاً أو ثمانيةً بقعدة واحدة، فالأصح أنه يفسد استحساناً وقياساً، وقد منا وجهه .

"فقد اختلف التصحيح في الزائد على الأربعة بتسليمة وقعدة واحدة، هل يصح عن شفع واحد أو يفسد؟ فليتنبه". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، سعيد)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۸، قديمي)

(۲) (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۳۲۸، مكتبه امداديه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب سجود السهو: ۱/۳۱۳، دار المعرفة بيروت)

(۴) (رد المحتار على الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۸۵، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۸۱، رشيديه)

نہر کا حال عقود رسم المفتی میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ وہ کتب معتبرہ میں سے نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/صفر/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/صفر/۶۱ھ۔

قعدہ اخیرہ میں "التحیات" کے بعد کھڑے ہونے کا حکم

سوال [۳۵۱۹]: قعدۂ اخیرہ میں "التحیات" پڑھ کر بھول کر کھڑا ہو گیا، کچھ پڑھا نہیں تو بغیر "التحیات" پڑھے داہنی طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کریں گے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتنی مقدار بھر پڑھ لیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین آیات کی مقدار ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "قال: ومن الكتب الغريبة ملامسكين شرح الكنز، والقهستاني، لعدم الإطلاع على حال مؤلفيهما .... والنهر، والعيني شرح الكنز. قال شيخنا الجنيني: إنه لايجوز الإفتاء من هذه الكتب إلا إذا علم المنقول عنه والإطلاع على مأخذها، هكذا سمعته منه، وهو علّامة في الفقه مشهور، والعهدة عليه، انتهى". (شرح عقود رسم المفتي لابن عابدين الشامي، بُعَيد الطبقة السابعة: طبقة المقلدين، ص: ۳۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "إذا جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر ساهياً، يجب عليه السهو عندنا ...... إن وقع هذا في سورة أخرى، إن خافت ثلاث آيات أو آيةً طويلةً عند الكل، أو قصيرةً، عند أبي حنيفة، فعليه السهو، وإلا فلا ......وذكر ابن سماعة عن محمد فيما إذا جهر أو خافت فيما يجهر أنه فعل مقدار ماتجوز به الصلاة من فاتحة الكتاب وغيرها، فعليه السهو، وما لا فلا". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو: ۱/۷۱۹، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۰، رشيديه) .... =

قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہونا

سوال[۳۵۲۰]: زید قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھ کر بھول کر کھڑا ہوگیا اور فوراً ہی یاد آ گیا تو بیٹھ گیا، اب اس کو سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟ اگر کرنا ہوگا تو تشہد پڑھ کر کرے یا بغیر تشہد پڑھے ہی کرلے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو سجدۂ سہو کرنا ہوگا اور اس کیلئے ایسی صورت میں تشہد لازم نہیں بلکہ جو تشہد پڑھ چکا ہے وہی کافی ہے، شامی: ۱/۵۰۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۵۲۱]: ایک شخص قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا، پھر جب یاد آیا بیٹھ گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص کو سجدۂ سہو کیلئے پھر تشہد پڑھنا پڑے گا یا نہیں؟ نیز سجدۂ سہو کے بعد درود شریف کافی ہے یا "التحیات" بھی پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو سے پہلے تشہد کی ضرورت نہیں، بلکہ جو تشہد پڑھ کر کھڑا ہوا تھا وہی کافی ہے، البتہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد واجب ہے کیونکہ سجدۂ سہو کی وجہ سے پہلے پڑھا ہوا تشہد مرتفع ہوگیا:

"وإن قعد الأخير، ثم قام، عاد، وسلم من غير إعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام.

=(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۷۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(وإن قعد في الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام، عاد وسلم) ولو سلم قائمًا صح. (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: عاد وسلم): أى عاد للجلوس لما مر أن مادون الركعة محل للرفض، وفيه إشارة إلى أنه لايعيد التشهد ...... والعود للتسليم جالسًا سنة". (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۸۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب سجود السهو: ۱/۵۱۱، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

.... : وسجد للسهو .... الخ". مراقي الفلاح ،ص:١٤٦، مختصرًا(١)- "إنه (أي سجود السهو) يرفع الواجب من قرأة التشهد والسلام..........الخ". مراقي- "أي فيعادان بعد فعله ....الخ، يجب سجدتان بتشهد وتسليم .... الخ". نورالإيضاح- "هما بعد واجبان بعد سجود السهو؛ لأن الأولين ارتفعا بالسجود .... الخ". طحطاوي ،ص:٢٦٨(٢)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور۔

چار رکعت والی نماز میں پانچویں کیلئے کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۲۲] : چار رکعت والے فرض میں چار رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر امام غلطی سے کھڑا ہو گیا تو اب کیا چھ رکعت پوری کر کے سلام پھیرے یا کیا کرے؟ اور اگر تشہد نہیں پڑھا تو کیا حکم ہے اور ایسی حالت میں جو لوگ امام کے ساتھ دوسری یا تیسری رکعت میں شریک ہوئے ہیں ان کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آ گیا تو بیٹھ جائے ورنہ چھ پوری کرے اور ہر صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اگر قعدۂ اخیرہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو فرض نماز درست نہیں ہوئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١)(مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص ٤٧٠،قديمي)

(وكذا في رد المحتار، باب سجود السهو ٨٢/٢،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو :١٨٣/٢، رشيديه)

(٢)(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، شرح نور الإيضاح، باب سجود السهو، ص:٤٦٠،قديمي)

(وكذا في الدر المختار، باب سجود السهو : ٤٩٨/١،سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب سجود السهو: ٤٩٨/١، مصطفىٰ البابي الحلبي)

(٣)"(ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد مالم يقيد ها بسجدة) .... وسجد للسهو، لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة ....، (تحول فرضه نفلاً برفعه .... (وإن قعد في الرابعة) مثلاً قدر التشهد (ثم قام، عاد وسلم .... وإن سجد للخامسة سلموا، وضم إليها سادسةً .... لتصير=

پانچویں رکعت کیلئے کھڑے ہوجانے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۲۳]: زید عصر کی نماز پڑھ رہا ہے کہ سہواً چوتھی رکعت میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہوگیا، پھر رکوع میں اس کو خیال آیا کہ میں پانچویں رکعت پڑھ رہا ہوں، یہ سوچ کر وہ اسی وقت بیٹھ گیا اور سہو کا سجدہ کر کے نماز پوری کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مغرب کی تیسری رکعت میں قعدہ کے بعد چوتھی کیلئے کھڑا ہونا

سوال[۳۵۲۴]: زید نماز مغرب پڑھ رہا تھا، تیسری رکعت کے بعد بجائے سلام پھیرنے کے کھڑا ہونے لگا، مگر مقتدی بیٹھے رہے اور زید بھی کھڑا ہونے کے قریب ہوگیا تھا کہ فوراً بیٹھ گیا، پھر سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا۔ آیا نماز ہوگئی یا نہیں، یا دوبارہ لوٹانا چاہیے؟ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، اگر سجدۂ سہو کر لیا ہو:

"وإن قعد في الرابعة قدر التشهد، ثم قام، عاد وسلم، ولو سلم قائمًا، صح". درمختار۔

= الركعتان له نفلاً......... ، وسجد للسهو)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب سجود السهو: ۸۵/۲، ۸۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۸۱/۲، ۱۸۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۴۸۰/۱، ۴۸۱، دار الكتب العلمية)

(۱) "(ولو سها عن القعود الأخير .... ، عاد مالم يقيدها بسجدة)، وسجد للسهو لتأخير القعود".

(الدر المختار، باب سجود السهو: ۸۵/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۸۱/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۴۸۰/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

قال الشامی: "(قوله: مثلاً) أی أو قعد فی ثالثة الثلاثی أو فی ثانیة الثنائی". طحطاوی: ۱/۳۱٤(۱)، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو اعادہ واجب تھا، فرض ادا ہو گیا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۲۵]: اگر امام تیسری رکعت میں ظہر یا عصر کی بیٹھا قعدہ......کی نیت سے، لیکن مقتدیوں نے فوراً لقمہ دیا کہ ابھی بیٹھ کر کچھ بھی پڑھنے نہیں پایا تھا کہ "سبحان اللہ" کہہ کر متنبہ کر دیا، امام فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب سجود السهو: ۱/۳۱۴، دار المعرفة، بیروت)

(۲) "وإنما تجب الإعادة اذا ترک واجباً عمداً جبراً لنقصانه". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب سجود السهو: ۲/۲۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۲، قدیمی)

"والاعادة فی العمد والسهو إذا لم یسجد، لتکون مؤدّاة علی وجه النقص فیه ،فإذا لم یُعدها، کانت مؤداةً أداءً مکروهاً کراهة تحریم،وهذا هو الحکم فی کل واجب ترکه عامدًا أو ساهیًا".

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵،رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، سعید)

(۳)"ویکبر للنهوض علی صدور قدمیه بالإعتماد وقعود السراحة". (الدر المختار). "ولاینافی هذا ماقدمه الشارح فی الواجبات حیث ذکر منها ترک قعود قبل ثانیة ورابعة؛ لأن ذاک محمول علی القعود الطویل، ولذا قیدت الجلسة هنا خفیفة". (ردالمحتار، الباب الحادی عشر فی سجود السهو، فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۵۶۰، سعید)

چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد امام کا سجدۂ سہو کرنا

سوال[۳۵۲۶]: چار رکعت والی نماز میں امام کو سجدۂ سہو لاحق ہوگیا، امام نے دو رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کیلئے سلام پھر دیا، پھر یاد آیا کہ چار رکعت والی نماز ہے، پھر دو رکعت ادا کی تو وہ ہی سجدہ کافی ہوگیا یا اور کرنا پڑے گا؟

احقر: عبدالعلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختمِ نماز پر دوبارہ سجدۂ سہو کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

دعائے قنوت یا "التحیات" سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا

سوال[۳۵۲۷]: اگر کوئی شخص التحیات یا دعائے قنوت سے پہلے پوری "بسم اللہ" سہواً پڑھ لے تو تاخیرِ واجب کی بناء پر سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا(۲)، قصداً میں سجدۂ سہو کا سوال ہی نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأنظر (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/۴۱۴، إمدادیه ملتان)

(وكذا في البحرا الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۲، رشيديه)

(۱) "(قوله: ولو سجد السهو في شفع التطوع، لم يَبْن شَفعاً آخر عليه)؛ لأنّ السجود يبطل لو قوعه في وسط الصلوة، وهو غير مشروع .... كالمسافر إذا نوى الإقامة بعد ماسجد للسهو، ويلزم الأربع، ويعيد السجود". (البحر الرائق: ۲/۱۸۶، ۱۸۷، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، رشيديه)

(۲) بعض روایات میں التحیات اور دعائے قنوت سے پہلے بسم اللہ کا ثبوت ہے: "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلّمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن. "باسم الله،=

قیام سے قعود کی طرف رجوع کرنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۲۸]: چار رکعت فرض میں امام صاحب قعدۂ اولیٰ کرنا بھول گئے اور تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہوگئے پھر بیٹھ گئے، اس میں رجوع من الأعلیٰ إلی الأدنی ہوا، اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے، صحیح ہوئی یا نہیں؟ امام صاحب گنہگار رہوں گے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک کیا ہے اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

ولی محمد یوسف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ارجح یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، سجدۂ سہو لازم ہوگا، یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع ہونا اعلیٰ کو ترک کرنے کیلئے نہیں بلکہ اعلیٰ کو کامل طریقہ پر ادا کرنے کیلئے ہے:

"وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعدما استتم قائمًا، اختلف التصحيح في فساد صلوته، وأرجحهما عدم الفساد، قد بالغ في المنتقى في رد القول بالفساد، وجعله غلطاً؛ لأنه

= وبالله، التحيات لله والصلوات والطيبات لله الحديث". (سنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة، والسنة فيها باب ماجاء في التشهد: ۱/۲۸۸، عباس احمد الباز)

راجع للتفصيل: (امداد الأحكام، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو: ۱/۶۷۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

قال الطحطاوي: "قوله: (أن يقول: اللّٰهم ...... الخ) ذكر السيوطي أن دعاء القنوت من جملة الذي أنزله الله على النبي صلى الله عليه وسلم وكانا سورتين: كل سورة ببسملة وفواصل، أحدهما تسمى سورة الخلع، وهي: بسم الله الرحمن الرحيم اللّٰهم إنا نستعينك .... من يكفرك، والأخرى تسمى سورة الحفد، وهي: بسم الله الرحمن الرحيم إياك نعبد -إلى- ملحق". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۷۸، قديمي)

(۳) "أن الواجب إذا تركه عمداً، لاينجبر بسجدتي السهو". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۰، سعيد)

تاخیر لارفض، الخ"مراقی الفلاح وطحطاوی، ص: ۲۵٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

تشہد مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۲۹]: تکرار تشہد سے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ عمل ثنا اور دعا ہے، مگر خلجان یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر ہونا واجب ہے، اس میں تاخیر ہوئی اس وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہونا چاہئے، اس خلجان کو رفع فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعاء ماثور ہے، دعائیں متعدد وارد ہوئی ہیں، ایسا نہیں کہ اقلِ قلیل پر کفایت کرے اور سلام پھیرنا اور نماز سے باہر ہوجانا فوراً واجب ہوجائے، اس لئے طویل دعاء سے تکرار تشہد سے ایسی تاخیر نہیں ہوتی جس سے سجدۂ سہو لازم آئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

سجدۂ سہو کے بعد قیام کرلیا

سوال[۳۵۳۰]: ایک شخص نے فرض نماز میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد "التحیات" بیٹھ کر نہیں پڑھی اور سیدھا غلطی سے کھڑا ہوگیا، اب قیام کی حالت میں یاد آیا کہ مجھے بیٹھ کر "التحیات" درود شریف اور دعاء پڑھ

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة باب فی سجود السهو، ص:۴۶۷، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود السهو: ۸۴/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۷۸/۲، رشیدیه)

(۲)"ولو کرر التشهد فی القعدة الأخیرة، فلا سهو علیه". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۷۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قدیمی)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی سجود السهو، ص: ۴۶۰، سهیل اکیڈیمی، لاهور)

کر سلام پھیرنا تھا، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ التحیات، درود اور دعاء نہ پڑھے اور صرف کھڑے ہوتے ہی سلام پھیر دے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو چاہیئے کہ بیٹھ کر "التحیات" پڑھ کر پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے: "السجدة المتقدمة لاترفع النقصان المتأخر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۲/۸۹ھ۔

سجدۂ سہو کے بعد درود بھی پڑھا جائے یا نہیں؟

سوال [۳۵۳۱]: سجدۂ سہو آخر رکعت میں کیا جاتا ہے، اس میں صرف تشہد پر ہی سلام پھیر دیں یا اس کے علاوہ درود بھی پڑھا جائے، افضل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود، دعاء بھی پڑھیں، تب ختم صلوٰۃ کا سلام پھیریں، سجدۂ سہو سے پہلے جو سلام ہے، وہ صرف تشہد پڑھ کر پھر دیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

سجدۂ سہو کے بعد والے قعدہ میں شرکت کرنے والے کی اقتداء درست ہے

سوال [۳۵۳۲]: امام پر سجدۂ سہو واجب ہوا، سجدۂ سہو کے بعد اور سلام سے پہلے اگر کوئی مسبوق نیت باندھ کر امام کے ساتھ شریک ہو گیا، تو کیا اس کی اقتداء درست ہے؟ ہمارے یہاں بعض مفتی نے فتویٰ دیا کہ

---

(۱) (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۱۷۵/۲، رشيديه)

(۲) "ويأتي بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، والدعاء في القعود الأخير في المختار".

(الدر المختار، باب سجود السهو: ۷۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۵/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۴۷۲/۱، دار الكتب العلمية)

اقتداء درست ہے اور بعض نے کہا کہ اقتداء درست نہیں۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس حالت میں بھی اقتداء درست ہے: "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقًا، سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده .... الخ". درمختار۔

"وشمل أيضًا ما إذا سجد الإمام واحدةً ثم اقتدى به، قال في البحر: فإنه يتابعه في الأخرى ولا يقضي الأولى كما لا يقضيها لو اقتدىٰ بعد ما سجد هما .... الخ". شامی، ص:٦٩٦ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۱۴۰۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۱۴۰۱ھ۔

دو رکعت کی نیت کے بعد تین یا چار رکعت پڑھنے کی مختلف صورتیں

سوال [۳۵۳۳]: ۱...... اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۲...... اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۳...... اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۴...... اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری اور چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۵...... اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو

(١)(الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود السهو: ٢/٨٢، ٨٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ٢/١٧٥، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ١/٤٧٧، دار الكتب العلمية)

کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۶......اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری رکعت میں بیٹھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۷......اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر بغیر سجدۂ سہو کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۸......اگر کسی شخص نے دو رکعت تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۹......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری و چوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۰......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنت مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری و چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۱......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری و چوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۲......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری و چوتھی رکعت پڑھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۳......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۴......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ کر کے تیسری رکعت میں بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۵......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں بیٹھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

۱۶......اگر کسی شخص نے دو رکعت سنتِ مؤکدہ، غیر تراویح کی نیت کی اور قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت میں

بیٹھ کر بغیر سجدۂ سہو کئے سلام پھیرا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......نماز ہوگئی اور اخیر کی دو رکعت ہوگئیں، پہلی دو رکعت فاسد ہوگئیں (۱)۔

۲......پہلی دو رکعت فاسد ہوگئیں دوسری دو رکعت ترکِ سجدہ کی بناء پر واجب الاعادہ ہیں (۲)۔

۳......اس حالت میں سجدۂ سہو واجب نہیں تھا، بلاضرورت سجدۂ سہو کے اضافہ کی وجہ سے کراہت آ گئی (۳)۔

۴......صحیح ہوگئی اور چاروں رکعت درست ہوگئیں (۴)۔

---

(۱) "وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة وأنه لم يقعد على ركعتين، تجزى) أربع (عن تسليمةواحدة، وهو المختار)......لأن القعدة على رأس الثانيةفرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو قول محمد وزفر، وهو القياس، وإنما جاز على قول أبي حنيفة وأبي يوسف استحساناً، فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول، وبالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمه بالقعدة، فجاز عن تسليمة واحدة". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۸،سهيل اكيڈمي)

(۲) "وإنما تجب الإعادة إذا ترك واجبًا عمداً جبراً لنقصانه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو :۲/۱۶۲،رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو،ص: ۴۶۲،قديمي)

(۳) "ولا يجب السجود الا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن أو تقديمه أو تكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، فصل فيما يوجب السهو مما لايوجب السهو: ۱/۱۲۰، رشيديه)

(۴)"وإن قعد على الثانية قدر التشهد، اختلفوا فيه قال: بعضهم لايجوز إلا عن تسليمة واحدة، وعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين، وهو الصحيح". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۱/۲۴۰،رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸،رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل ،التراويح، ص :۴۰۸،سهيل اكيڈمي لاهور)

۵......ایک اخیر کی رکعت درست نہیں ہوئی، پہلی دو رکعت صحیح ہوگئیں (۱)۔

۶......ترکِ سجدۂ سہو کی بناء پر واجب الاعادہ ہے (۲)۔

۷......کوئی رکعت صحیح نہیں ہوئی (۳)۔

۸......ایضاً (۴)۔

۹......اخیر کی دو رکعت صحیح ہوگئیں (۵)۔

۱۰......اخیر کی دو رکعت کا اعادہ واجب ہے (۶)۔

۱۱......سجدۂ سہو کی وجہ سے کراہت پیدا ہوگئی۔

۱۲......سب صحیح ہوگئی۔

۱۳......ایک اخیر کی رکعت درست نہیں ہوئی، پہلی دو رکعتیں ہوگئیں۔

---

(۱) "وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة، فهو على وجهين: إما إن قعد في الثانية أو لم يقعد، فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين؛ لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول، فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة، كان عليه قضاء ركعتين". (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في السهو: ۱/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، نوع آخر فيما إذا صلى ترويحةً واحدةً بتسليمة واحدة: ۱/۶۶۴، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة، فهو على وجهين......وإن لم يقعد في الثانية ساهياً أو عامداً لاشك أن في القياس وهو قول محمد وزفر رحمه الله عليه، واحدى الروايتين عن أبي حنيفةرحمه الله عليه تفسد صلاته، ويلزمه قضاء ركعتين لاغير". (فتاویٰ قاضي خان، فصل في السهو: ۱/۲۴۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، نوع آخر فيما إذا صلى ترويحةً واحدةً بتسليمة واحدة: ۱/۶۶۴، إدارة القرآن، كراتشي)

(۴) (راجع الحاشية السابقة آنفاً)

(۵) (راجع، ص: ۴۳۹، رقم الحاشية: ۱)

(۶) (راجع، ص: ۴۳۹، رقم الحاشية: ۲)

۱۴......دو رکعت کا اعادہ واجب ہے۔

۱۵......کوئی رکعت صحیح نہیں ہوئی۔

۱۶......ایضاً۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف۔

نفل کو فرض کے ساتھ ملانے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۵۳۴]: "ولو صلى أربعًا بتسليمة ولم يقعد في الثانية، ففي الاستحسان لا تفسد، وهي أظهر الروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف، وإذا لم تفسد قال محمد بن الفضل: تنوب الأربع عن تسليمة واحدة، وهو الصحيح، كذا في السراج الوهاج، وهكذا في فتاوىٰ قاضي خان. وعن أبي بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية؟ قال: إن تذكر في القيام، ينبغي أن يعود ويقعد ويسلم، وإن تذكر بعد ماسجد للثالثة، فإن أضاف إليها ركعةً أخرىٰ كانت هذه الأربع عن تسليمة واحدة، وإن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه، فعلى قول عامة يجوز عن تسليمتين، وهو الصحيح، هكذا في فتاوىٰ قاضي خان". عالمگیری: ۱/۷۵(۱) از امداد الفتاویٰ(۲)۔

اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کرلیا تو رابعہ ملانے سے ۴/ نفل نہ ہوں بلکہ دو ہوں۔ اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل نہ ہوں حالانکہ جہاں تک بندہ کا خیال ہے فجر میں ۴/ اور ظہر میں ۶/ کا نفل ہونا مذکور ہے، جو تحقیق ہو مطلع فرماویں۔ نیز جس طرح فرض میں قعدۂ ثانیہ چھوٹ گیا اور دو نفل ملائے تو سجدۂ سہو نہیں اسی طرح نوافل میں بھی نہ ہونا چاہئے حالانکہ سجدۂ سہو کا وجوب اس صورت میں ظاہر ہے اگرچہ عالمگیریہ میں اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور اگر ثالثہ کے سجدہ سے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آئے تو بھی سجدۂ سہو ضروری ہے، حالانکہ عالمگیریہ کی

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸، رشيديه)

(۲) (امداد الفتاویٰ، کتاب الصلوة، فصل في التراويح: ۱/۳۳۰، مکتبه دار العلوم، کراچی)

عبارت: "ینبغی أن یعود ویسلم". سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے اس کی کیا وجہ ہے؟ نیز عالمگیریہ میں جو حکم محرر ہے اس میں اگر چار رکعت تراویح یا نوافل کی نیت کی اور قعدۂ اُولیٰ یاد نہ رہا، یا دو رکعت کی نیت کی اور ثانیہ پر قعدہ بھول کر قعدۂ اولیٰ پر سلام پھیر دیا، بعدہ جدید تکبیر کے بغیر باقی دو رکعت پڑھی یا دو رکعت کی نیت کی اور قعدہ بقدر تشہد بیٹھ کر بھول کر تیسری اور چوتھی بھی ملالی تو ہر دو صورت میں سجدۂ سہو ہوگا یا نہ؟ اور قدر تشہد بیٹھنے کے بعد کھڑا ہوا تو تیسری کے سجدہ سے پہلے اگر یاد آ گیا تو عود کر کے سلام پھیرنا زیادہ افضل ہے یا کہ تیسری اور چوتھی کا پورا کرنا؟ فقط والسلام۔

رشید احمد عفی عنہ، مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈ ہ، ضلع حیدرآباد، سندھ، ۲۱/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سوال میں متعدد جزئیات کو دریافت کیا گیا ہے اس لئے ان جزئیات پر احقر نے نمبر لگا دیئے تا کہ جواب کے انطباق میں سہولت ہو۔

۱......فتاویٰ عالمگیری کا یہ جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئی اور دو فاسد، اگر یہ مطلب ہوتا تو قیاس کی گنجائش نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) اور دو نفل اسی وجہ سے: "تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة" کہا، (ورنہ کہتے "صحت الرکعتان فقط"): یعنی یہ قائم مقام ۴/ تراویح کے نہیں ہونگی بلکہ دو تراویح ہوں گی جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ وسادسہ قائم مقام دو رکعت سنتِ مؤکدہ بعدیہ نہیں ہوتی، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت بھی باطل ہوگئی: "وضم إلیها سادسة لتصیر الرکعتان له نفلاً وسجد للسهو، ولاتنوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض في الأصح......... الخ". درمختار، باب سجود السهو (۱)، حالانکہ اس صورت میں قعدۂ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ ۴/ فرض بھی صحیح ہو گئے اور دو نفل بھی، مگر چونکہ سنن بعدیہ کو تحریمۂ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے اس لئے

(۱) (الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/ ۸۷، ۸۸، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/ ۱۲۹، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب الصلاة، سجود السهو، نوع آخر في من صلی الظهر خمسًا، وفیه السهو عن القعدة ۱/ ۷۲۶، ۷۲۷، إدارة القرآن، کراچی)

یہ دو رکعت ان کے قائم مقام نہیں ہوں گی۔

۲.....فرض میں قعدۂ ثانیہ چھوڑ کر نفل ملانے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونے کی وجہ درمختار میں موجود ہے: "ولا يسجد للسهو على الأصح؛ لأن النقصان بالفساد لا ينجبر.........الخ". علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(قوله: لأن النقصان): أي الحاصل بتركه القعدة لا ينجبر بسجود السهو"۔

اس پر اشکال فرماتے ہیں: "فإن قلت: إنه وإن فسد فرضاً فقد صح نفلاً، ومن ترك القعدة في النفل ساهياً، وجب عليه سجود السهو، فلما ذا لم يجب عليه السجود نظراً لهذا الوجه، الخ؟ اس کا جواب دیا ہے: "قلت: إنه في حال ترك القعدة لم يكن نفلاً، إنما تحققت النفلية بتقييد الركعة بسجدة والضم، فالنفلية عارضة، الخ". ردالمحتار، ص: ۷۰۰ (۱)۔

اس سوال سے معلوم ہوا کہ نفل میں ترکِ قعدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہونا چاہئے، یعنی جب وہ چار فرض ترکِ قعدہ کی وجہ سے نفل ہوگئے اور ان میں قعدہ چھوٹ گیا تو اس کی مکافات کیلئے سجدۂ سہو لازم ہو؟ جواب کا حاصل یہ ہے: سجدۂ سہو کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب کہ یہ نماز ابتداءً نفل ہوتی حالانکہ یہ ابتداءً فرض تھی اور ترکِ قعدہ اور ضمِ خامسہ کے بعد نفل ہوئی، لہٰذا سجدۂ سہو ساقط ہے۔ نفل کے متعلق شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے امام محمد ترکِ قعدہ سے فساد کے قائل ہیں اور شیخین ضمِ ثالثہ کے وقت درمیانی قعدہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

مشائخ کی تصحیح بھی مختلف ہیں لہٰذا قول شیخین کے موافق تو سجدۂ سہو کا لزوم اصل ہے اور امام محمد کے قول کے موافق نفل فاسد ہوگئی، پھر آپ کا یہ تحریر کرنا کہ نوافل میں بھی سجدۂ سہو نہیں ہونا چاہیے، یہ کس قول کے موافق ہے:

"أو صلى أربعًا فأكثر ولم يقعد بينهما استحسانًا؛ لأنه بقيامه جعلها صلوةً واحدةً، فتبقى واجبةً، والخاتمة هي الفرضية. وفي التشريح: صلى ألف ركعة، ولم يقعد إلا في آخرها، صح خلافاً لمحمد رحمه الله عليه، وسجد للسهو، الخ". درمختار۔ "(فتبقى واجبةً): أي كما في نظيره من الفرض الرباعي، فإن قعدة الأولىٰ فيه واجبة لا يبطل بتركها، إنما هي الأخيرة، (قوله:

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۸۷/۲، ۸۸، سعید)

صح خلافًا لمحمد رحمة الله عليه)؛ لأنه بفساد الشفع يترك قعدةً كما هو القياس، وقد مرّ، لكن (قوله: صح) مبنىّ على أن مازاد على الأربع كالأربع فى جريان الإحسان فيه، وهو قول بعض المشايخ، وقد علمت اختلاف التصحيح فيه. (قوله: وسجد للسهو) سواء ترك القعدة عمداً أو سهواً، نعم! فى العمد يسمّى سجود عذر، عن النهر، وسيأتى أن المعتمد عدم السجود فى العمد .... الخ". ردالمحتار: ۱/ ۶۵۲، باب النوافل(۱)۔

۳......عالمگیری کی اس عبارت میں اگر چہ سجدۂ سہو کا ذکر نہیں، لیکن اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا اور یہاں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بحثِ سجدۂ سہو میں خود عالمگیری میں ایک کلیہ بیان کر دیا ہے:" وحكم السهو فى الفرض والنفل سواء، كذا فى المحيط، الخ". ص: ۱۲۶(۲) اور جس مسئلہ میں فرق ہے اس کو ذکر کر دیا۔

۴......دونوں صورتیں اس حکم میں برابر ہیں کہ کوئی فرق نہیں، جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو شفعۂ اُولیٰ تام ہو گیا اگر چہ ۴/ کی نیت کی تھی اس نیت کا اعتبار نہیں بلکہ شروع کرنے سے دو ہی لازم ہوتی ہیں، جب ثالثہ کیلئے کھڑا ہوا تو یہ شفعہ ثانیہ متصلہ ہوگا، بوقتِ قیام اگر تکبیر کہی ہے تو وہی تحریمہ ہے اگر چہ بنیتِ قیام إلی الثالثہ کہی ہو، اس کے بعد جو شفعہ پڑھے گا وہ صحیح ہوگا۔ اگر نہیں کہی تو شفعۂ ثانیہ کا شروع صحیح نہیں ہوا، فقہ میں اس کی نظیریں موجود ہیں کہ نفسِ تکبیر کو اگر چہ تحریمہ کے علاوہ کسی اَور نیت سے کہی ہو بمنزلہ تکبیر تحریمہ کے قرار دیا گیا ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، یہ پہلی صورت کا حکم ہے۔ دوسری صورت بالکل ظاہر ہے کہ شفعۂ اولیٰ پر ثانیہ کی بناء صحیح ہے اگر چہ بوقتِ شروع ایک ہی شفعہ کی نیت کی تھی۔

"كل شفع منه صلوٰة .... الخ". درمختار۔ "كأنه والله أعلم لتمكنه من الخروج

---

(۱)(الدر المختار مع ردالمحتار باب الوتر والنوافل: ۲/ ۳۶، سعید)

(۲)(الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/ ۱۲۶، رشیدیه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب السابع عشر فی سجود السهو: ۱/ ۷۱۴، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی المحيط البرهانی، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فی سجود السهو: ۲/ ۵۶، المكتبة الغفارية كوئٹه)

7

علی رأس الركعتين، فإذا قام إلى شفع آخر، كان بانياً صلوةً على تحريمة صلوة، ومن ثمة صرحوا بأنه لو نوى أربعًا، لايجب عليه بتحريمتها سوى الركعتين في المشهور عن أصحابنا، وأن القيام إلى الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة في أن فساد الشفع الثاني لايجب فساد الشفع الأولىٰ.......... الخ". شامي: ۱/ ٤٢٨، باب صفة الصلوٰة (۱)۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم نہیں۔

۵...... بظاہر چوتھی کا پورا کرنا افضل ہے کیونکہ شفعۂ ثانیہ کی بناء صحیح ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تبطلوا أعمالكم﴾ الآية (۲)، آیت کا تقاضا یہ ہے کہ عود جائز نہ ہو جیسا کہ "لزم النوافل بالشروع" کا تقاضا ہے:

قال في الدر المختار: "ولزم نفلٌ شرع فيه بتكبيرة الإحرام أوبقيام الثالثة شروعًا صحيحًا قصداً .... الخ". "(قوله: أو بقيام الثالثة): أي وقد أدى الشفع الأول صحيحًا، فإذا أفسد الثاني، لزمه قضائه فقط، ولا يسرى إلى الأول؛ لأن كل شفع صلوٰة عليحدة. بحر الخ". شامي: ۱/ ٦٤٥، باب النوافل (۳)، لیکن چونکہ شفعۂ ثانیہ کی بناء قصداً نہیں کی بلکہ بھول کر کی ہے اس لئے عود کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ هكذا يفهم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ۵/ ٦٧ھ۔

پہلی رکعت کا سجدہ بھول کر دوسری رکعت میں کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال [۳۵۳۵]: کسی نے نماز پڑھی اور رکعتِ اُولیٰ میں سجدہ بھول گیا، رکعت ثانیہ میں اس نے تین سجدے کرلئے تو کیا اس کی نماز درست ہوئی؟ اسی طرح سورۂ فاتحہ بھول گیا تو کیا کرے؟ اگر سہو کرے گا تو

---

(۱)(الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: كل شفع من النفل صلاة: ۱/ ۴۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۹۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/ ۴۳۳، دار الكتب العلمية)

(۲)(سورة محمد: ۳۳)

(۳)(الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۲۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۱۰۱، رشيديه)

کیوں؟ بادلیل۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا دوسرا بھول گیا اور دوسری رکعت میں تین سجدے کر لئے پھر سجدۂ سہو بھی کر لیا تو نماز صحیح ہوگئی، پہلی دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ بھول جانے کی وجہ سے بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

”ویجب مراعاة الترتیب فیما بین السجدتین، وهوالإتیان بالسجدة الثانیة فی کل رکعة من الفرض وغیره قبل الانتقال لغیرها: أی لغیر السجدة فی باقی أفعال الصلوٰة ......لمواظبة، فإن فات، یسجدها بعد القعود الأخیرة .... الخ“. مراقی الفلاح۔ ”طریق الإتیان بها أنه إذا تذکرها بعد السلام أو قبله بعد القعود أن یسجد المتروکة، ثم یعید القعود والتشهد، ثم یسلم، ثم یسجد للسهو، ثم یقعد ویتشهد.......... الخ“. طحطاوی (۱)۔

”وإذا ترك الفاتحة فی الأولیین أو إحدا هما، یلزمه.....السجود .... الخ“. هندیة(۲)۔

نفل نماز کی کسی بھی رکعت میں فاتحہ بھول جانے سے سجدۂ سہو لازم ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان واجب الصلاة، ص: ۲۴۹،قدیمی)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، واجبات الصلاة،ص: ۲۹۷،سهیل اکیڈمی)

(وکذا فی الدرالمختار، باب صفة الصلاة : ۱/۴۶۳، سعید)

(۲)(الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو : ۱/۱۲۶،رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب سجود السهو : ۱/۴۷۲،دار الکتب العلمیة)

(۳)”وفی المجتبی :إذا ترک من الفاتحة آیةً، وجب علیه السجود، وإن ترکها فی الأخریین، لایجب إن کان فی الفرض ،وإن کان فی النفل أو الوتر، وجب علیه لوجوبها فی الکل “.(البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۶۲،رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو : ۱/۱۲۶،رشیدیه)

نماز میں کوئی واجب ترک ہوگیا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال[۳۵۳۶]: ایک شخص نے نماز میں واجب ترک کردیا، اس نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ ادا کیا، واجب نماز کے اندر چھوٹا تھا اور سجدۂ سہو نماز کے بعد کیوں ادا کیا، کیا اس کی نماز ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی اور بھول کر سلام پھیر دیا پھر جب ہی یاد آ گیا اور کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی اور سجدۂ سہو کر لیا تب بھی نماز ہوگئی، شامی وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

ترکِ واجب میں شبہ

سوال[۳۵۳۷]: کسی شخص کو یہ وہم یا شک ہو جاتا ہے کہ قعدۂ اولیٰ رہ گیا، یا سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی یا دعائے قنوت رہ گئی تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ اور غلبۂ ظن اور مساواتِ طرفین میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلبۂ ظن پر عمل کرے، وہم کا اعتبار نہیں، مساوات بعد الوقت غیر معتبر ہے، وقت کے اندر دوبارہ پڑھ لے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/۹/۶۴ھ۔

---

(۱) "(سلم مصلي الظهر) مثلاً (على) رأس (الركعتين توهماً) إتمامها، (أتمها) أربعًا (وسجد للسهو)؛ لأن السلام ساهياً لايبطل؛ لأنه دعاء من وجه". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۹۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو: ۱/۴۸۷، دار الكتب العلمية)

(۲) "وإذا شک في صلاته، قال في فتح القدير: قيد به؛ لأنه لوشک بعد الفراغ منها أو بعدما، قعد قدر التشهد لايعتبر .... الخ". (ردالمحتار، باب سجود السهو، قبيل صلاة المريض: ۲/۹۲، سعيد) =

واجب اور سنت کے عدمِ اہتمام سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۳۸]: جیسے نماز میں فرائض کا اہتمام کرتے ہیں اور کوئی فرض کسی وجہ سے ادا نہیں ہوتا تو وہ نماز بھی نہیں ہوتی اعادہ کرتے ہیں۔ اسی طرح واجبات اور سنت کا بھی اہتمام کیا جائے آیا ضرورت نہیں؟ اور اگر ضرورت ہے تو اس کی مقدار برائے کرم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجبات وسنن کا بھی اہتمام کرنا چاہیے، سہواً ترکِ واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، سجدۂ سہو نہ کیا، یا عمداً واجب ترک کر دیا تو نماز کا اعادہ لازم ہے(۱)، سنت کے ترک سے شفاعت سے محرومی کا خطرہ ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سہو ہونے کے گمان پر سجدۂ سہو کرنا

سوال[۳۵۳۹]: اگر منفرد یا امام نے اپنے گمان کی بناء پر سجدۂ سہو کر لیا اور بعد فراغت معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو ایسی صورت میں نماز کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ اور اگر اعادہ ہوگا تو فرض کے درجہ میں یا واجب

= (وكذا في فتح القدير: ۱/۵۱۸، باب سجود السهو، مصر)

(والتاتارخانية: ۱/۷۴۷، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر في مسائل الشك ......الخ، إدارة القرآن، كراتشي)

(۱) "(ولها واجبات) لاتفسد بتركها، وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له". (الدر المختار).

"(قوله: وتعاد وجوبًا): أى بترك هذه الواجبات أو واحد منها......(قوله: إن لم يسجد له): أى للسهو...... إذلاسجود في العمد". (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(۲) "قال عليه الصلاة والسلام: "من ترك الأربع قبل الظهر، لم تنله شفاعتي". (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۶۲، رقم الحديث: ۲۵۶۴، مؤسسة الريان، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۳، سعيد)

کے درجہ میں، عباراتِ ذیل سے عدمِ اعادہ معلوم ہوتا ہے، والعبارات الفقيهة هذه:

"ولوظن الإمام السهو فسجد له، فتابعه (أي المسبوق) فبان أن لاسهو، فالأشبه الفساد، لاقتدائه في موضع الانفراد"۔ وفي شرحه: "وفي الفيض: وقيل: لاتفسد، وبه يفتىٰ، وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القرّاء غالب، الخ"(۱)۔

"وقيل: لاتفسد، وبه يفتى" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس مسبوق کی نماز کا حکم ہے، جس نے امامِ مذکور کی متابعت کی ہے اور آخر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود امام کی نماز کا حکم بیان ہو رہا ہے جس نے بربنائے ظن سجدۂ سہو کرلیا ہے اس لئے کہ قراء سے مراد غالباً ائمہ ہیں، بہرحال جو مطلب ہو تحریر فرمایا جائے۔

"ولوظن الإمام أن عليه سهواً، فسجد وتابعه المسبوق، ثم علم أن لاسهو عليه، ففيه روايتان: وبناءً عليها اختلف المشائخ، وأشبههما فسادصلوٰة المسبوق، وقال أبوحفص الكبير: لا، وبه أخذ صدر الشهيد، والأول بناءً على أن زيادة سجدتين كزيادة الركعة مفسدٌ، والحق أنها لا تفسد بزيادة سجدتين؛ لأن اللاحق لو سجد مع الإمام للسهو لاتفسدمع أنه زاد سجدتين غير معتبرتين؛ لأنه لايجزئ بهما، بل عليه أن يسجد لذالك السهو في آخر صلوته، بل الموجب للفساد الاقتداء في موضع لزمه الانفراد". كبيري، ص:٤٦٦ (۲).

اس عبارت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کی زیادتی کی وجہ سے امام کی نماز فاسد نہ ہوگی، کیونکہ زیادتی سجدتین میں لاحق کی نماز درست ہونے کی نظیر موجود ہے، البتہ مسبوق نے مقامِ انفراد میں اقتداء کی ہے اس لئے صرف مسبوق کی نماز فاسد ہوگی، لیکن اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ لاحق امام کی اقتداء میں ہے اس لئے اس کیلئے سجدتین کی زیادتی کا تحمل امام کرے گا، لیکن امام منفرد کی زیادتی کا کون متحمل ہوگا، اس طرح فتاویٰ دارالعلوم مدلل، ص:۳۷۸، میں سوال وجواب اس طرح سے مذکور ہے:

سوال: "بعض مرتبہ نماز میں سہو ہونے میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب الإستخلاف: ۵۹۹/۱، سعيد)

(۲) (الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

الجواب: ''اور جب کہ علم نہ ہو اس سہو سے سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں تو سجدۂ سہو کر لینا احوط ہے''(۱)۔

فتاویٰ دار العلوم کا نام تو مدلل ہے مگر اس میں مسئلہ پر دلیل مذکور نہیں، امید ہے کہ اس مسئلے پر جلد غور فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک شخص نے اس گمان پر سلام پھیرا کہ اس کے ذمہ سجدۂ سہو ہے اور سلام کے ذریعہ خروج عن الصلوٰۃ کی نیت نہیں کی یعنی اس سلام کو سلام قاطع صلاۃ قرار نہیں دیا تو اس کی نیت پر اعتماد کیا جائے گا اور اس سلام کو قطعِ صلوٰۃ کا سلام قرار نہیں دیا جائے گا (۲)۔

نیت پر اعتماد کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا، اس نے ایک مرتبہ ''اللہ أکبر'' کہا اور رکوع میں چلا گیا اور نیت یہ تھی کہ یہ تکبیر رکوع ہے اور تکبیرِ تحریمہ کی نیت نہیں کی تو ضابطہ کے تحت اس کا شروع فی الصلوٰۃ صحیح نہ ہونا چاہیئے : ''تحریمها التکبیر، و تحلیلها التسلیم''(۳)۔

فقہاء نے لکھا ہے اس نے جو تکبیر بحالت قیام بہ نیت رکوع کہی ہے اس کو تکبیر تحریمہ قرار دیا جائے گا، تصحیحاً للصلوٰۃ(٤)۔

اس تقریر کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص نے اس سجدۂ سہو میں یا اس کے بعد اقتداء کی، اس کی اقتداء صحیح

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی عشر فی سجود السهو: ۴/۲۷۸، إمدایه، ملتان)

(۲) ''(ویسجد للسهو) وجوبًا (وإن سلم عامدًا) مریدًا (للقطع)؛ لأن مجرد نیة تغییر المشروع لایبطله، ولاتعتبر مع سلام غیر مستحق، وهو ذکر، فیسجد للسهو لبقاء حرمة الصلاة''. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، باب سجود السهو، ص: ۴۷۲، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۹۱، سعید)

(۳) (عن علی عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال مفتاح الصلوۃ الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم''. جامع الترمذی: ۱/۲، ابواب الطهارۃ، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطهور، سعید)

(۴) ''ولو أدرک الإمام راکعًا، فکبر قائمًا، وهو یرید تکبیر الرکوع جازت صلاته؛ لأن نیته لغت فبقی التکبیر حالة القیام''. (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۸، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۱، سعید)

نہ ہونی چاہیے مگر حسب تصریح فیض وابی اللیث مفتی بہ یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہوجائے گی اور یہ صحت اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سہو کو سلامِ قطع نہ قرار دیا جائے ورنہ لازم آئے گا کہ امام کی نماز غلط مقتدی کی نماز صحیح، اس لئے غلبۂ جہل کو عذر قرار دے کر امام، منفرد، لاحق، مسبوق کسی کی نماز کو واجب الاعادہ قرار نہیں دیا جائے گا اور قولِ ابواللیث میں ''قراء'' سے مراد ائمہ ہی ہیں، مسبوق کی نماز کے صحیح ہونے کی بنیاد امام ہی کا جہل ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم کی ترتیب تو اسی نظریہ کے تحت ہوئی ہے اور ہورہی ہے کہ جن مسائل کے ساتھ دلائل مذکور نہیں، ان کے ساتھ بھی دلائل کو نقل کردیا جائے، مگر جس مسئلہ کا صراحۃً تذکرہ نہ ملے اور اصول سے اشاراتِ فقہیہ کے ذریعہ حکم سمجھ میں آئے تو ان اشاراتِ خفیہ کو صفحۂ قرطاس پر کیسے جلوہ گر کیا جائے، یہ عذر قوی ہے ''والعذر عند کرام الناس مقبول''۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند۔

گمان سے سجدۂ سہو کرنا

سوال[۳۵۴۰]: اگر زید کو وتر کی آخری رکعت میں (بحالتِ تشہد) غالب گمان ہوا کہ اس نے دعائے قنوت نہیں پڑھی ہے، تشہد کے بعد زید نے سلام پھیرا اور سجدۂ سہو کی نیت سے سجدہ میں گیا، ابھی سجدۂ اُولیٰ میں پہنچا تھا کہ اچانک یقین ہوگیا کہ دعائے قنوت پڑھی تھی، اس نے سجدۂ سہو کو پورا کرلیا اس کے بعد اپنی نماز پوری کرلی۔ زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی، اس میں زائد از زائد یہ ہوا کہ سلام اور دو سجدے اور ایک قعدہ وتر سے زائد ادا کیا تو کہا جائے گا کہ جب سجدۂ سہو کیلئے سلام پھیرا تو وہی سلام قطعِ صلوٰۃ کا سلام تھا اور اسی پر نمازِ وتر ختم ہوگئی تھی، پھر جو کچھ کیا وہ نماز سے خارج کیا اس کی وجہ سے نماز پر اثر نہیں پڑے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد''. (الدر المختار). ''(قوله: فالأشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل: لاتفسد، وبه يفتي، وفي البحر =

بھول کر سلام پھیرنے کے بعد تکمیلِ صلوٰۃ

سوال[۳۵۴۱]: اگر صلوٰۃ رباعیہ میں بھول کر دو پر سلام پھیر دے اور قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر چل دے اور پھر یاد آجائے تو اس پر بنا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ طحطاوی میں لکھتے ہیں کہ جب تک مسجد سے خارج نہ ہو جائز ہے(۱)۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اَور کتب میں بھی یہی لکھا ہے ملاحظہ ہو: البحر(۲)، وطحطاوی علی ہامش الدر المختار(۳)، ومنیہ وغنیہ وغیرہ(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۲۲/صفر ۶۱ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ ۲۰/۲/۶۱ھ۔

= عن الظهيرية: قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب". (ردالمحتار، قبيل باب الإستخلاف: ۱/۵۹۹، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل السابع عشر في سجود السهو: ۱/۷۴۴، ادارة القرآن، كراتشي)

(۱) "إذا سلم ساهياً على الركعتين مثلاً، وهو في مكانه ولم يصرف وجهه عن القبلة، ولم يأت بمناف عاد إلى الصلاة من غير تحريمة، وبنى على مامضى، وأتم ماعليه. ولو اقتدى به إنسان في هذه الحالة صح. وأما إذا انصرف وجهه عن القبلة، فإن كان في المسجد ولم يأت بمناف، فكذلك؛ لأن المسجد كله في حكم مكان واحد؛ لأنه مكان الصلوة، وإن كان قد خرج من المسجد، ثم تذكر، لايعود، وفسدت صلاته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۳، قديمي)

(۲) "قوله: (وإن توهم مصلي الظهر أنه أتمّ فسلم، ثم علم أنه صلى ركعتين، أتم وسجد للسهو)...... وحكمه أنه إن كان في المسجد ولم يتكلم، وجب أن يأتي به وإن انصرف عن القبلة؛ لأن سلامه لم يخرجه عن الصلاة". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۹۲، رشيديه)

(۳) "(ولو مع سلامه) ناوياً (للقطع مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم) ......مادام في المسجد". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب سجود السهو: ۱/۳۱۵، دار المعرفة)

(۴) قال الحلبي: "(وإن سلم على رأس الركعتين في الظهر على ظن أنه أتمها، ثم تذكر) أنه صلى ركعتين فقط (يتمها ويسجد للسهو)؛ لأنه سلم على ظن إتمام الأربع، فيكون سلامه سهواً". (غنية المستملي لإبراهيم الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

بجائے "السلام" کے "اللہ اکبر" کے ذریعہ نماز ختم کرنے سے سجدۂ سہو

سوال[۳۵۴۲]: سلام پھرتے وقت سہواً "السلام علیکم" کی جگہ "اللہ أکبر" کہہ دے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لفظ "السلام" واجب ہے اس کے چھوٹنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا (۱)، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

امام کو سجدۂ سہو میں سہو ہوگیا تو مقتدی کیا کریں؟

سوال[۳۵۴۳]: امام کو سہو ہوا، اس نے سجدۂ سہو کرلیا اور اس کے بعد پھر یہ بھول جاتا ہے کہ اس نے سجدۂ سہو ادا کیا یا نہیں، بالآخر اس کو یقین ہوتا ہے کہ نہیں کیا اور پھر سجدۂ سہو کرتا ہے۔ ایسی حالت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ دوسری دفعہ سجدۂ سہو کیلئے سلام پھیرائے تو مقتدی دونوں طرف سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کردیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "الثامن لفظ السلام ...... قال في التجنيس: والسهو عن السلام يوجب سجود السهو". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۶۹، رشيديه)

"فرع: "لو أتى بلفظ آخر لايقوم مقام السلام، ولو كان بمعناه كما في مجمع الأنهر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۵۳، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۸۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "(ولها واجبات) لاتفسد بتركها، وتعادوجوبًا في العمد، والسهو إن لم يسجدله". (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(۳) "وأربعة لايتبع فيها: زيادة تكبير عيد، أوجنازة وركن، وقيام لخامسة". (الدر المختار). "(قوله: =

امام سے پہلے مقتدی کا سجدۂ سہو

سوال[۳۵۴۴]: ایک شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے امام کو سجدۂ سہو لاحق نہیں ہوا اور مقتدی نے کوئی ایسی غلطی کی جس سے سجدۂ سہو لازم آ گیا، اور مقتدی نے امام کے پیچھے بوجہ جہالت کے سجدۂ سہو کیا تو کیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کے ذمہ سجدۂ سہو لازم نہیں تھا، اگر امام کے سلام سے پہلے اس نے مستقلاً سجدۂ سہو کیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سجدۂ سہو کیا، پھر معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں تھا

سوال[۳۵۴۵]: نماز میں ایسی غلطی ہوئی کہ جس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، اگر لاعلمی میں سہو سمجھ کر سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز نہیں ہوئی نماز لوٹالی جائے، اس لئے اعادہ کی گئی اگر موصوف کے کہنے کے مطابق نماز نہیں ہوئی تو پھر کیا کیا جائے؟

= لايتبع): أي إذا فعلها الإمام لايتبعه فيها القوم، والأصل في هذا النوع أنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ، وما لاتعلق له بالصلاة ،شرح المنية...... (قوله: وركن) كزيادة سجدة ثالثة". (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل الإمامة، الثامن فيما يتابع المقتدي فيه الإمام، ومالايتابعه فيه، ص: ۵۲۸،سهيل اكيڈيمي)

(۱)"(وإنما لم يلزم المأموم سهو نفسه؛ لأنه لوسجد وحده، كان مخالفًا لإمامه إن سجد قبل الإمام، وإن أخره إلى ما بعد سلام الإمام يخرج من الصلاة بسلام الإمام؛ لأنه سلام عمد ممن لاسهو عليه ،ولو تابعه الإمام ينقلب التبع أصلاً. " (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب سجود السهو : ۱/۴۷۸،بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح حاشية الطحطاوي، باب سجود السهو ،ص. ۴۶۴،قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی، اب کسی مکافات کی ضرورت نہیں:

"ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد، لاقتدائه في موضع الانفراد .... الخ". درمختار۔ "وفي الفيض: وقيل: لاتفسد؛ لأن الجهل في القرّاء غالبٌ .... الخ". شامی: ۱/۴۰۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۱ھ۔

جماعتِ کثیرہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہے

سوال[۳۵۴۶]: اگر نماز جمعہ یا تراویح میں واجب ترک ہوجائے تو وہاں بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا یا معاف ہے؟ جیسے نمازِ عیدین میں بسببِ کثرتِ ہجوم کے سجدۂ سہو معاف ہے، جیسے اور نمازوں میں قعدہ میں بیٹھا تھا، کھڑا ہوگیا، یا مقدارِ تین تسبیح خاموش رہا وغیرہ، تو یہاں پر سجدۂ سہو لازم ہے۔ ۱۴/ رمضان/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ، عیدین، تراویح میں اگر جماعت زیادہ ہو اور مقتدیوں کی تشویش کا خیال غالب ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا اَولیٰ ہے اور اگر مقتدیوں کی تشویش کا غالب خیال نہیں مثلاً جماعت مختصر ہے کہ سب کو سجدۂ سہو کا علم ہوجائے گا اور تشویش نہ ہوگی تو جس صورت میں کہ کوئی واجب سہواً ترک ہوجائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا:

"ولا يأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين دفعاً للفتنة بكثرة الجماعة، وبطلان صلاة من يرى لزوم المتابعة، وفساد الصلوٰة بتركه، الخ". مراقی الفلاح۔ "(قوله: بكثرة الجماعة) الباء للسببية، وهي متعلقة بقوله: للفتنة، وأخذ العلامة الداني من هذه السببية أن عدم

---

(۱)(الدر المختار مع رد المحتار، باب الامامة: ۱/۵۹۹، سعید)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيڈيمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو نوع آخر في المتفرقات: ۱/۷۴۳، إدارة القرآن)

الـجـواز مقيدبما إذا حضر جمع كثير، أما لـم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعی إلى الترك، وهـو التشـويـش.......... الـخ". طـحـطـاوی(۱)۔ وقـال الشامی: "الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه، .... ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه، لئلا يقع الناس فی فتنة .... الخ". رد المحتار، ص:۷۸۷)(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۱۶/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

نمازِ جمعہ میں سجدۂ سہو

سوال[۳۵۴۷] : نمازِ جمعہ میں اگر امام کو سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں، یہ جو مسئلہ مشہور ہے کہ نماز جمعہ وعیدین میں بوجۂ کثرتِ ازدحام سجدۂ سہو ساقط ہے، کثرتِ ازدحام کی کیا تعریف ہے؟ اگر امام کے ساتھ اس قدر آدمی ہوں کہ امام کی آواز ہر ایک کو یا اکثر کو سنائی دے تو ایسی حالت میں سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ اگر اس حالت میں سجدۂ سہو کرے گا تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نمازِ جمعہ میں اگر امام کو سہو ہو جائے اور ازدحام اس قدر ہو کہ مقتدیوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ یہ سلام ختم نماز کا ہے یا سجدۂ سہو کیلئے ہے اور اس سے مقتدیوں میں تشویش پیدا ہو جائے تو امام کو سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہئے: "ولا يـأتـی الإمـام بسـجـود السهـو فـی الجمعة والعيدين دفعًا للفتنة بكثرة الجماعة". مراقی الفلاح، ص: ۲۷۹(۳)۔

---

(۱)(حـاشية الـطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۵،۴۶۶ قديمی)

(۲)(رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو : ۱۲۸/۱، رشيديه)

(۳) (حـاشية الـطـحـطـاوی مع مراقی الفلاح، شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۵،۴۶۶، قديمی)

اگر ازدحام اس قدر نہ ہو، بلکہ امام سمجھتا ہے کہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہوگی اور سب کو بسہولت معلوم ہوجائے گا کہ یہ سلام سجدۂ سہو کے لئے ہے، تو امام کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے:

قال الطحطاوی: "(قوله: بكثرة الجماعة) الباء للسببية وهی متعلقة بقوله: للفتنة، وأخذ العلامة الدانی من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير، أما إذا لم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعی إلى الترك، وهو التشويش"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو

سوال[۳۵۴۸]: اگر جمعہ یا عیدین کی نماز میں کوئی واجب بھول کر چھوٹ جائے، تو امام کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مجمع کم ہے کہ مقتدی سب سمجھ جائیں گے کہ امام نے سجدۂ سہو کیا ہے تب تو سجدۂ سہو کرلیا جائے، اگر مجمع زیادہ ہے کہ مقتدیوں کو پتہ نہیں چلے گا بلکہ وہ سمجھیں گے کہ امام نے نماز ختم کرنے کیلئے سلام پھیر دیا ہے تو سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے (۲) طحطاوی، ص:۲۵۳ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوی مع مراقی الفلاح، شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۵، ۴۶۶، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲ سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱۲۸/۱، رشيديه)

(۲) "وفی جمعة حاشية أبی السعود عن العزمية: أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولی تركه، لئلا يقع الناس فی فتنة (قوله: وبه جزم فی الدر) لكنه قيده محشيها الوانی بها إذا حضر جمع كثير، وإلا فلاداعی إلی الترك". (رد المحتار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، سعيد)

(۳) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۲، قديمی) =

سجدۂ سہو نماز عید میں

سوال[۳۵۴۹]: اگر امام سے کوئی واجب بھول کر چھوٹ جائے تو نمازِ عید میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟ پہلی صورت میں مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے خلفشار ہوگا اور اکثر نمازیوں کو سجدۂ سہو کی خبر بھی نہ ہو سکے گی، بہت سے تو سجدۂ سہو کے سلام کو ختمِ نماز کا سلام سمجھ کر اپنی نماز ختم کردیں گے، ان کی نماز امام کی نماز سے پہلے ختم ہونے کی وجہ سے خراب ہوجائے گی اور بہت سے مسبوق سلام کی آواز سن کر اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑے ہوجائیں گے، ان کی نماز اس وجہ سے خراب ہوگی۔ تو دوسری صورت میں سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے ترکِ واجب کی وجہ سے جو نقصان آچکا ہے اس کی مکافات کی کوئی صورت نہیں ہوگی، تو کیا ایسی صورت میں اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، امید کہ جواب مدلل باحوالہ عنایت فرمائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں سجدۂ سہو ساقط ہے: "ولا یأتی الامام بسجود السهو فی الجمعة والعیدین دفعاً للفتنة بكثرة الجماعة، اهـ". مراقی الفلاح۔ "(قوله: دفعاً للفتنة): أی افتتان الناس و كثرة الهرج، اهـ". كذا فی الطحطاوی، ص: ۲۵۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ عید میں اگر تکبیرات بھول جائے تو کیا کیا جائے

سوال[۳۵۵۰]: ۱.....نماز عیدین میں اگر تکبیراتِ واجبہ امام بھول گیا، یہاں تک کہ رکوع میں چلا گیا، تو رکوع میں آہستہ یا بلند آواز سے تکبیریں کہہ سکتا ہے، یا نہیں؟

نماز عید میں تکبیر زائد کہنے سے سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۳۵۵۱]: ۲.....اگر امام نے تکبیریں چھ سے زائد کہہ لیں تو کیا سجدۂ سہو ہوگا؟

= (و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثانی عشر فی السجود السهو: ۱۲۸/۱، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۵، ۴۶۶، قديمی)

(و كذا فی الدر المختار، باب سجود السهو: ۹۲/۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......آہستہ رکوع ہی میں کہہ لے(۱)۔

۲......عیدین میں عامۃً مجمع کثیر ہوتا ہے اور سجدۂ سہو کرنے سے انتشار ہوجاتا ہے، لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدۂ سہو ساقط ہے، اگر کوئی تکبیر بھول کر زائد کہی یا کم کردی، تو سجدۂ سہو نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۸ھ۔

تکبیراتِ عید بھول گیا

سوال[۳۵۵۲]: اگر امام نمازِ عید کی پہلی رکعت میں تکبیراتِ زوائد کہنا بھول جائے اور رکوع میں پہنچ کر یاد آئے تو اس کو اب کیا کرنا چاہیئے؟ آیا رکوع میں تکبیراتِ زوائد کہے اور رکوع کی تسبیحات کو ترک کرے یا رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہو کر تکبیراتِ زوائد کہے اور پھر رکوع کا اعادہ کرے، یا کچھ بھی نہ کرے بلکہ رکوع کے بعد سجدہ وغیرہ کر کے سجدۂ سہو کرے یا سجدۂ سہو بھی نہ کرے اور نمازِ عید دوبارہ پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں نہ تکبیراتِ زوائد رکوع میں کہے نہ رکوع سے لوٹ کر کہے، نہ سجدۂ سہو کرے کہ ہر

---

(۱) فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام تکبیراتِ عیدین بھول کر رکوع میں چلا جائے، تو قیام کی طرف لوٹ کر تکبیرات کہے اور پھر رکوع کرے، لیکن متاخرین کے فتویٰ کے مطابق جمعہ وعیدین میں اگر سہو ہوجائے تو ازدحامِ کثیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کما سیاتی تحت عنوان: ''تکبیراتِ عید بھول گیا''۔

"وذكر في كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع، فإنه يعود إلى القيام؛ لأنه قادر على حقيقة الأداء فلايعمل بشبهة". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "(قوله: عدمه في الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذالك كما بحثه بعضهم ط، وكذا بحثه الرحمتي، وقال: خصوصًا في زماننا، وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية: أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة". (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۹۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، رشيديه)

صورت میں تشویش ہے اور نمازیوں کی نماز خراب ہونے کا قوی مظنہ ہے، ایسی حالت میں سجدۂ سہو ساقط ہوجاتا ہے اور نماز کا اعادہ بھی واجب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے دوسرے اقوال بھی ہیں جو کہ بحر(۱)، بدائع (۲)، فتح القدیر (۳) وغیرہ میں مذکور ہیں، لیکن ردالمحتار: ۱/۵۶۱ میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے جو یہاں درج کیا گیا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورت میں سجدہ نہ کیا جائے تو اعادۂ نماز کا حکم

سوال [۳۵۵۳]: ۱...... امام تراویح کی رکعت اول پوری کرنے کے بعد بیٹھ گیا، مقتدیوں نے لقمہ

---

(۱)"العاشر في تكبيرات العيدين، قال في البدائع: إذا تركها، أو نقص منها، أو زاد عليها، أو أتى بها في غير موضعها، فإنه يجب عليه السجود، وذكر في كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع، فإنه يعود إلى القيام؛ لأنه قادر على حقيقة الأداء، فلايعمل بشبهة بخلاف المسبوق إذا أدرك الإمام في الركوع، فإنه يأتي بالتكبيرات في الركوع؛ لأنه عجز عن حقيقة فيعمل بالشبهة". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۷۰، رشيديه)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سبب الوجوب: ۱/۶۹۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳)"(أو القنوت أو التشهد أو تكبيرات العيدين)؛ لأنها واجبات، فإنه عليه الصلاة والسلام واظب عليها من غير تركها مرةً، وهي أمارة الوجوب، ولأنها تضاف إلى جميع الصلاة فدل أنها من خصائصها، وذالك بالوجوب .... وفيها سجدة السهو هو الصحيح". (الهداية، باب سجود السهو: ۱/۱۵۷، ۱۵۸، مكتبه شركت علميه)

(۴)"(قوله: عدمه في الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذالك، كما بحثه بعضهم ط، وكذا بحثه الرحمتي، وقال: خصوصًا في زماننا، وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية: أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولىٰ تركه لئلايقع الناس في فتنة". (رد المحتار، باب سجود السهو: ۲/۹۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۸، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۵، قديمي)

دے کر امام کو کھڑا کیا، امام نے کھڑے ہو کر دوسری رکعت پوری کرنے کے بعد سلام پھیر کر نماز پوری کی، سجدۂ سہو نہیں کیا، آیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں اور نماز ہوئی یا نہیں؟

۲......امام تراویح کی نماز میں دو رکعت پوری کرنے کے بعد بغیر قعدہ کئے کھڑا ہو گیا، مقتدیوں نے لقمہ دیا تو امام نے بیٹھ کر بلا سجدۂ سہو کئے سلام پھیر دیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر بیٹھتے ہی فوراً بلا تاخیر لقمہ دے کر اس کو کھڑا کر دیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں، اگر تاخیر ہو گئی ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے(۱)۔

۲......اس صورت میں سجدۂ سہو واجب تھا لیکن اب اس نماز کا اعادہ واجب نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱)"ولا یجب إلا بترک واجب أو تأخیره أو تأخیر رکن". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی فی سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهیل)

(وکذا فی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قدیمی)

(۲)"اعلم أن الوجوب مقید بما إذا کان الوقت صالحاً حتی أن من علیه السهو فی صلاة الصبح إذا لم یسجد حتی طلعت الشمس بعد السلام الأول، سقط عنه السجود". (البحر الرائق، باب سجود السهو: ۲/۱۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۷۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو: ۱/۱۲۵، رشیدیه)

باب سجود التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے احکام کا بیان)

آیتِ سجدہ کی تفصیل

سوال[۳۵۵۴]: یہ دونوں آحادیث مسلم وترمذی سے مروی ہیں جن کو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر پارہ:۱۷، اور ۲۲ میں لائے ہیں: (الف) ''سورۂ حج کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے، جو ان پر سجدہ نہ کرے وہ اسے پڑھے ہی نہیں''(۱)۔ (ب) ''اہلِ جہنم پانچ قسم کے ہیں، وہ بے وقعت کمینے لوگ جو بے زر اور بے گھر ہیں اور جو تمہارے دامنوں سے لپٹے رہتے ہیں''۔

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف) آیتِ سجدہ پڑھ کر مستحب یہ ہے کہ جلدی سجدہ کرلیا جائے (۲)، جو شخص بے وضو ہو وہ حفظ تلاوت تو کرسکتا ہے مگر سجدہ نہیں کرسکتا (۳)، اسلئے باوضو تلاوت کرنا اعلیٰ بات ہے، تاکہ آیتِ سجدہ جب آئے تو

---

(۱)''قال الإمام أحمد رحمة الله عليه: .... ''حدثنا مشرح بن هاعان أبو مصعب المعافری قال: سمعت،عقبةبن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال :قلت: یا رسول الله! أفُضّلت سورة الحج علی سائر القرآن بسجدتین؟قال: ''نعم، فمن لم یسجدبهمافلایقرأ هما''. رواه أبو داؤد، والترمذی ،من حدیث عبد الله بن لهیعة به، وقال الترمذی: لیس بقوی''. (تفسیر ابن کثیر، الجزء السابع عشر، سورةالحج: ۲۸۴/۳، مکتبه دار السلام الریاض)

(۲)''وإن قرأ آیة السجدة فی الصلاة، فإن كانت في وسط السورة، فالأفضل أن یسجد، ثم یقوم ویختم ویرکع''. (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث في سجود السهو: ۱/ ۱۳۳، رشیدیه)

(۳)''وأمابیان من تجب علیه فكل من كان أهلاً لوجوب الصلاةعلیه، إما أداء أو قضاء فهومن أهل وجوب السجدة علیه، ومن لا فلا،وتجب علی المحدث والجنب''. (البحر الرائق، باب سجود =

فوراً سجدہ کرلے۔ جو شخص بے وضو ہو وہ ایسی سورت تلاوت کرے جس میں سجدہ نہ ہو۔ یہ محض استحبابی حکم ہے وجوبی نہیں، نیز اس حدیث کی سند میں کلام ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری حدیث قوی اور راجح ہے(۱)۔

(ب) یہ حدیث کہاں ہے پوری مع حوالہ نقل کریں، تشریح کی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۳ھ۔

بھول کر سجدۂ تلاوت کی بجائے رکوع کرنا

سوال[۳۵۵۵]: سجدۂ تلاوت کرنا ہے اور بھول کر رکوع کرلیا تو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نماز میں آیتِ سجدۂ تلاوت کرکے قصداً یا بھول کر رکوع میں چلا گیا اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت

= التلاوة: ۲/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، سجدة التلاوة، نوع آخر في بيان من يجب عليه هذه السجدة: ۱/۷۷۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۱)"حدثه أن عقبة بن عامر حدثه قال :قلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم في سورة الحج سجدتان؟ (بتقدير الاستفهام)قال: "نعم، ومن لم يسجد هما فلايقرأهما": أى آيتي السجدة .قال أبو عيسىٰ الترمذی رحمة الله عليه: هذا حديث ليس إسناده بالقوی، واختلف أهل العلم في هذا .....وقال الشوكاني: وفي إسناده ابن لهيعة ومشرح بن هاعان، وهما ضعيفان، وقد ذكر الحاكم أنه تفرد به".

.... (بذل المجهود، تفريع أبواب السجود، وكم سجدة في القرآن : ۲/۳۱۵،مكتبه امداديه)

(وأخرجه الترمذی في أبواب السجود، باب ماجاء في السجدة في الحج : ۱/۱۲۸ ،سعيد)

"وعن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال فيسجود الحج: الأول عزيمة و الآخرتعليم. أخرجه الطحاوی ورجاله كلهم ثقات.....قوله :حدثنا أبوبكرة وابن مرزوق ؟...... ثلث فيه دليلٌ صريحٌ لما قاله علماء نا الحنفية: إن الثانية من الحج سجدة الصلاة دون التلاوة؛ لأن السجدة متى قرنت بالركوع كانت عبارةً عن سجدة الصلاة، كما في قوله تعالیٰ: ﴿فاسجدی وار كعی﴾. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة وما يتعلق بها: ۷/۲۱۲، إدارة القرآن كراتشی)

کرلی، یا اس میں نیت نہیں کی بلکہ حسبِ معمول رکوع کے بعد سجدہ کیا اور اس میں تلاوت کی نیت کرلی، یا اس میں نیت نہیں کی بہرصورت سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

رکوع میں سجدۂ تلاوت

سوال [۳۵۵۶]: تراویح میں آیتِ سجدہ آئی، اسی آیت پر یا ایک دو آیت کے بعد رکوع کرے اور اس میں سجدہ کی نیت بھی کرلے تو پھر کیا سجدۂ تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا، لیکن جو مقتدی اس رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرے اس کا سجدہ ادا نہیں ہوگا اس لئے امام کو چاہیئے کہ رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرے بلکہ رکوع کے بعد نماز کے سجدہ کرنے سے بہرصورت سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا، خواہ سجدۂ تلاوت کی نیت کرے یا نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وتؤدی برکوع وسجود فی الصلاة .... لها، وبرکوع صلاة علی الفور .... إن نواه..........، وبسجودها کذلک وإن لم ینو بالإجماع". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، باب سجود السهو: ۲/۱۱۱، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة نوع آخر فیما إذا تلا آیة السجدة وأراد أن یقیم الرکوع مقام السجدة: ۱/۷۸۶، ادارة القرآن)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، القراءة خارج الصلاة، اما سجدة التلاوة، ص: ۵۰۵، سهیل اکیڈیمی)

(۲) "(و) تؤدی (برکوع صلاة) إذا کان الرکوع (علی الفور من قرأة آیة) أو آیتین، وکذا الثلاث علی الظاهر، کما فی البحر (إن نواه): أی کون الرکوع (لسجود) التلاوة علی الراجح، (و) تؤدی (بسجودها کذلک): أی علی الفور (وإن لم ینو) بالإجماع. ولو نواها فی رکوعه ولم ینوها المؤتم، لم تجزه، ویسجد إذا سلم الإمام ویعید القعدة، ولو ترکها فسدت صلاته". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۱، ۱۱۲، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، سجود التلاوة، نوع آخر: ۱/۷۸۶، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۳، رشیدیه)

سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنا

سوال[۳۵۵۷]: زید نے نماز میں "سورۂ" "اقرأ" یا "نجم" یا "سورۂ فرقان" پڑھی اور سجدہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا اور نماز پوری کرلی، سلام کے بعد کسی صاحب نے یہ دریافت فرمایا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہ کیا، جب کہ واجب ہے؟ زید جواب دیتا ہے کہ اگر سجدہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے اور رکوع ہی میں سجدہ کے ادا ہونے کی نیت کرلے تو ادا ہوجاتا ہے اور اگر نیت نہیں کی تو رکوع کے بعد جو نماز کا سجدہ کیا جاتا ہے اس میں ادا ہوگیا۔ زید کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا قول صحیح ہے آیت سجدہ پڑھ کر اگر فوراً سجدہ کیا جائے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی جائے تو اس سے ہی سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے ورنہ پھر سجدۂ صلوٰۃ سے بغیر نیت بھی ادا ہوجائے گا، اگرچہ افضل یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت مستقل ادا کیا جائے اور امام سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرے کیوں کہ اگر امام نے رکوع میں تو نیت کی اور کسی مقتدی نے نہیں کی تو اس مقتدی کا سجدہ ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو سلام امام کے بعد سجدہ کرنا ہوگا اور پھر قعدہ کا اعادہ بھی لازم ہوگا، لہٰذا امام کو چاہیئے کہ رکوع میں نیت نہ کرے اور سجدہ میں نیت کرے نہ کرے، بہر صورت سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۷/ رمضان المبارک/ ۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتؤدى بركوع وسجود في الصلوة لها، وبركوع صلوة على الفور من قرأة آية إن نواه، وبسجودها كذالك وإن لم ينو بالإجماع، ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم، لم تجزه، ويسجد إذا سلم الإمام، ويعيد القعدة، ولو تركها، فسدت صلاته، كذا في القنية". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۱/ ۱۱۱، ۱۱۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في سجود السهو: ۱/ ۱۳۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/ ۷۸۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

ایضاً

سوال[۳۵۵۸]: اگر کوئی شخص ﴿اقرأ باسم ربك الذی خلق﴾ فرض نماز میں پڑھتا ہے یعنی جہری نماز میں مثلاً عشاء یا سرّی نماز میں مثلاً ظہر، وہ شخص اس سورت کے اخیر میں سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرتا تو کیا وہ سجدۂ نماز کے سجدہ سے ادا ہو جائے گا؟ یا سجدۂ تلاوت نماز کے اندر کرنا واجب ہوگا اور تارکِ سجدہ گنہگار قرار دیا جائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس سورت کے ختم پر سجدہ نہیں کیا بلکہ رکوع کیا اور اس رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی ہے تو اس سے سجدۂ تلاوت ادا ہو گیا اور اگر نیت نہیں کی تو سجدۂ صلوٰۃ سے یہ سجدۂ تلاوت بلانیت ہی ادا ہو جائے گا۔ اگر امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی تو جس مقتدی نے اس میں نیت کی ہو اس کا سجدہ ادا ہو گیا اور جس نے نیت نہیں کی اس کا ادا نہیں ہوا، وہ نمازِ امام کے بعد سجدہ کرے، پھر قعدہ کرے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ صلوٰۃ جہری کا حکم ہے۔ صلوٰۃ سرّی میں اگر ایسا ہو کہ امام رکوع میں نیت کرے اور مقتدی کو معلوم ہی نہیں تو مقتدی کا بھی سجدہ ادا ہو جائے گا اور امام کی نیت کافی ہوگی، کذا فی ردالمحتار: ۱/۵۱۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۹ھ۔

آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع وسجدہ کردیا جائے

سوال[۳۵۵۹]: گذشتہ رمضان شریف میں تراویح کے دوران سورۃ النمل کی ۵۰ ویں آیت پر جو "یؤمرون" پر ختم ہوتی ہے، سجدۂ تلاوت کرنے کے بجائے اس سے ایک آیت قبل یعنی ۴۹ ویں آیت پر جو "یستکبرون" پر ختم ہوتی ہے، حافظ صاحب نے سجدۂ تلاوت فرمایا پھر قیام میں آکر ۵۰ ویں آیت کی تلاوت کی اور "یؤمرون" پر رکوع کیا۔ فرمایئے کہ سجدۂ تلاوت ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آیتِ سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع اور اس کے بعد سجدۂ صلوٰۃ کرنے سے بھی سجدۂ تلاوت ادا

(۱) (راجع، ص: ۴۶۵، رقم الحاشیۃ: ۱)

ہوجاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۳ھ۔

سجدۂ تلاوت سجدۂ نماز سے

سوال[۳۵۶۰] : ۱.....فرض نماز میں اگر سجدۂ تلاوت آجائے تو اس کو کیسے ادا کیا جائے؟

۲......اور اگر سجدۂ تلاوت کی نیت سجدۂ فرض میں کرلی تو نماز ہوئی یا نہیں اور سجدہ ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......آیتِ سجدہ پڑھ کر ایک سجدہ مثل سجدۂ نماز کے ادا کرلیا جائے (۲)۔

۲......اگر آیتِ سجدہ پڑھ کر فوراً سجدہ نہیں کیا بلکہ رکوع کردیا اس کے بعد سجدۂ نماز کیا تب بھی سجدۂ تلاوت ادا ہوگیا اور نماز درست ہوگئی:

"ویجزی عنها أیضًا سجودها: أی سجود الصلوٰة وإن لم ینوها، إذا لم ینقطع فور التلاوۃ، اھـ". مراقی الفلاح، ص: ۲۸۲ (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۸/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

سجدۂ تلاوت میں تاخیر

سوال[۳۵۶۱] : سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ کر فوری سجدہ نہیں کیا بلکہ دو تین آیتوں کے بعد دور جاکر یاد آیا، اب اس نے سجدۂ تلاوت کرلیا تو سجدہ تو ادا ہوگیا لیکن گنہگار ہوگا۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ نماز بھی ہوگئی یا نہیں یا سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہوگئی یا کیا؟ اگر سجدۂ تلاوت کیا ہی نہیں نماز کے بعد یاد آیا تو نماز ہوئی یا نہیں

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنا")

(۲) (راجع الحاشیة الآتیة)

(۳) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۷، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار، باب سجود السهو: ۲/۱۱۲، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، الباب الثالث فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۴، رشیدیه)

اور نماز کے اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر آیتِ سجدہ پڑھ کر فوراً یاد نہیں آیا، بلکہ اس کے بعد تین آیت پڑھ کر یاد آیا اور سجدۂ تلاوت کرلیا تو سجدۂ سہو لازم نہیں، اگر اس سے زائد پڑھ کر یاد آیا اور پھر سجدۂ تلاوت کیا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ اگر سجدۂ تلاوت کیا ہی نہیں تو گنہگار رہا، توبہ واستغفار لازم ہے، نماز کراہت کے ساتھ ہوگئی، اس کا اعادہ لازم نہیں (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بوقت غروب سجدۂ تلاوت

سوال[۳۵۶۲]: جنازہ کی نماز یا سجدہ کی آیت اگر عصر کے بعد وقتِ ناقص میں ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت سورج غروب ہوجائے تو وہ بھی عصر یوم کی طرح ناقص ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر آیتِ سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کرلیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ناقص ادا ہوگیا اور اگر

---

(۱)"ویأثم بتأخیر ها ویقضیها مادام في حرمة الصلاة ولو بعدالسلام .... وإذا لم یسجد، أثم، فتلزمه التوبة......(و) تؤدی (بركوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قرأة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر (إن نواه): أی كون الركوع (لسجود) التلاوة على الراجح (و) تؤدی (بسجودها كذلک): أی على الفور (وإن لم ینو) بالإجماع". (الدرالمختار). "(قوله: ویأثم بتأخیر ها الخ)؛ لأنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة ، وهو القراء ة وصارت من أجزاء ها، فوجب أدائها مضيقًا كما في البدائع، ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعدمحلها". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، ۱۱۱، سعید)

قال الطحطاوی: "قوله:(بأن یقرأ أكثر من آيتين) اعلم أن الفور لاینقطع بآية بعد آيتها، أو آيتين اتفاقًا، وینقطع بأربع اتفاقًا. واختلف في الثلاث، فقيل: ينقطع، واختاره خواهر زاد ه،وقيل: لا، واختاره الحلوانی، وهو أصح من جهة الرواية كما في الحلبی". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ، ص:۴۸۷،قدیمی)

وقتِ کامل میں آیت پڑھی اور سجدہ وقتِ غروب کیا تو عصر یومہ کی طرح نہیں، بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ہے، اگر وقتِ کامل میں آیا تو نماز جنازہ وقتِ ناقص میں ادا ہی نہیں ہوئی:

"ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة المتلوة فی غیر هذه الأوقات وصلوات الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ماوجب کاملاً لایتأدی بالناقص، وأما المتلوة أو الحاضرة فیها، لایکره: أی تحریمًا؛ لأنها وجبت ناقصةً أدیت فیها کما وجبت، اهـ". سکب الأنهر: ۱/۷۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سجدۂ تلاوت کی قضاء

سوال[۳۵۶۳]: ایک شخص کے ذمہ سینکڑوں کی تعداد میں سجدۂ تلاوت باقی ہیں ان کو کس طرح ادا کرے اور تلاوت کے فوراً بعد سجدہ نہ کرنا گناہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تلاوت کے فوراً بعد سجدہ کرنا مستحب ہے تاخیر بھی گناہ نہیں (۲)۔ جس کے ذمہ بہت سے سجدے ہوں

---

(۱)(سکب الأنهر (الدر المنتقی شرح الملتقی) علی حاشیة مجمع الأنهر، کتاب الصلاة: ۱/۷۲، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث في بیان الأوقات التي لاتجوز فیها وتکره فیها: ۱/۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۲، سعید)

(۲)"قوله: (علی التراخي عند محمد الخ)الذی في النهر عکس ماهنا، حیث جعل القول بالفوریة قول محمد والقول بالتراخي قول أبي یوسف، قال: وینبغي أن تکون ثمرته في الإثم وعدمه، حتی لو أداها بعد مدة کان مؤدیاً اتفاقًا لاقاضیاً، أفاده السید". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۸۰، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۹، سعید)

وہ بلا تعیین سجدے کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا دل گواہی دینے لگے کہ اب اس کے ذمہ کوئی سجدہ باقی نہیں رہا، اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ تلاوت کے بعد فوراً سجدہ کرلیا جائے ورنہ بھول جانے کا احتمال ہے جس سے واجب ذمہ میں رہ جائے گا اور گنہگار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

آیتِ سجدہ دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال[۳۵۶۴]: ایک شخص کلام اللہ کی تلاوت کررہا ہے اور دوسرے شخص بیٹھے ہیں اور دل ہی دل میں ورد ہے لیکن جب وہ شخص سجدہ کی آیت پر آتا ہے تو خاموش پڑھتا ہے، مگر سننے والے اس آیت کو دل میں پڑھ جاتے ہیں زبان سے کچھ نہیں پڑھتے، اب کیا سجدہ ہر ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دل میں پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوگا بلکہ زبان سے پڑھنے سے (خواہ بالجہر یا بالسر پڑھے) یا سننے سے واجب ہوتا ہے اور صورتِ مسئولہ میں پڑھنے والے پر واجب ہوا ہے، اگرچہ اس نے آہستہ ہی پڑھا ہے اور سننے والے نے اس کو سنا نہیں اور نہ زبان سے پڑھا ہے بلکہ دل میں پڑھا ہے اس لئے اس پر واجب نہیں ہوا:

"ويجب بسبب تلاوة آية، لو كتبها أو تهجاها، فلا سجود عليه، بشرط سماعها، فلاتجب على من لم يسمعها وإن كان في مجلس التلاوة، اهـ". درمختار وشامی: ۱/۸۰۰ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۷ھ۔

---

(۱) "(وهو): أي سجود التلاوة (واجب على التراخي) عند محمد، ورواية عن الإمام، وهو المختار، وعند أبي يوسف، وهو رواية عن الإمام يجب على الفور (إن لم تكن في الصلاة وكره تأخيره): السجود عن وقت التلاوة في الأصح إذا لم يكن مكروهاً؛ لأنه بطول الزمان قد ينساها فيكره تأخيرها". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ص: ۴۸۰، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۱۰۹، سعيد)

(۲) (رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۳، ۱۰۴، سعيد) .... =

سورۂ "ص" میں سجدہ کس آیت پر ہے؟

سوال[۳۵۶۵]: سورۂ "ص" میں آیت ۲۵ پر سجدہ ہے یا آیت ۲۴ پر؟ اگر کوئی آیت ۲۴ پر سجدہ کردے تو سجدہ ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیت ۲۵/ پر آیت سجدہ ہے، اگر آیت ۲۴ پر "اناب" پر سجدہ کرے گا تب بھی ایک قول پر ادا ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

ریڈیو پر تلاوت سے سجدۂ تلاوت

سوال[۳۵۶۶]: ریڈیو کی قرآن خوانی اور وعظ پر انصات (خاموشی) استماع (کان لگا کر سننا) سجدۂ تلاوت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ گراموفون کی تلاوت کے بارے میں فرماتے ہیں: "وہ تلاوت نہیں ہے

= (وكذا في الحلبي الكبير، القراءة خارج الصلاة، وأما سجدة التلاوة، ص: ۵۰۰، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۱/۳۲۲، دار المعرفة بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم سجد في "ص" و قال: "سجدها داود توبةً ونسجدها شكرًا". رواه النسائي وسكت عنه، وفي الدراية: رجاله ثقات".

"قوله: (عن ابن عباس رضي الله عنهما الخ) .... قال في البدائع: وما تعلق به الشافعي، فهو من دلائلنا، فإنا نقول: نحن نسجد ذلك شكراً لما أنعم الله على داود بالغفران والوعد بالزلفى وحسن مآب، ولهذا لا يسجد عندنا عقيب قوله: "وأناب" بل عقيب قوله: "مآب" و هذه نعمة عظيمة في حقنا".

(إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سجود السهو وما يتعلق بها: ۷/۲۰۲، ۲۰۳، إدارة القرآن، كراچی)

"أو "ص" عند قوله "فاستغفر ربه وخرّ راكعاً وأناب". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث في سجود السهو: ۱/۱۳۲، رشيديه)

بلکہ نقل اور عکس ہے، تلاوت کا مشابہ صوت طیر اور صدا کا، اس استماع سے سجدہ واجب نہ ہوگا"۔فتاویٰ امدادیہ: ۱۸۲/۲(۱) میں ریڈیو کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو اور ٹیپ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب

سوال[۳۵۶۷]: ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو میں اگر سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو کیا سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ نیز مذکورہ صورتوں میں اگر سلام علیک سنا جائے تو جواب دینا بھی واجب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قاری یا متکلم کی قرأت وآواز کو کسی آلہ میں محفوظ کرلیا گیا تو اس میں آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوگا، ٹیپ ریکارڈ کا بھی یہی حکم ہے، اس کے سلام کا جواب بھی ضرور نہیں (۲)، ریڈیو میں تقاضۂ احتیاط یہ ہے کہ آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت کیا جائے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیا جائے بشرطیکہ اصل آواز اس سے سنائی دے رہی ہو، کوئی ریکارڈ نہ ہو(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۹/۵/۱۷ھ۔

---

(۱)(امدادالفتاویٰ: ۲۴۵/۴، کتاب الحظر والإباحۃ، غنا ومزامیر اور سہو واجب وتصاویر کے احکام، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"بخلاف السماع عن الببغاء والصدی، فإن ذلک لیس (بتلاوۃ، وکذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلک لیس) بتلاوۃ صحیحۃ، لعدم أهلیته، لانعدام التمییز". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل في بیان من تجب علیه: ۴۴۲/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في الدر المختار، باب سجود التلاوۃ: ۱۰۸/۲، سعید)

راجع للتفصیل: (آلات جدیدہ) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ریڈیو پر آیت سجدہ کی تلاوت ص: ۱۶۵، مکتبہ ادارۃ المعارف، کراچی)

(۲)"بخلاف السماع عن الببغاء والصدی، فإن ذلک لیس (بتلاوۃ، وکذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلک لیس) بتلاوۃ صحیحۃ، لعدم أهلیته، لانعدام التمییز". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل في بیان من تجب علیه: ۴۴۲/۱، دار الکتب العلمیة)

(وکذا في الدر المختار، باب سجود التلاوۃ: ۱۰۸/۲، سعید)

(۳)"وأما سبب وجوب السجدۃ: فسبب وجوبها أحد شیئین: التلاوۃ أو السماع". (بدائع الصنائع، =

ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت

سوال[۳۵۶۸]: اگر قاری نے ریڈیو اسٹیشن پر سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی اور دنیا میں ہزاروں آدمیوں نے ریڈیو پر اس آیت کو سنا تو کیا سارے سامعین پر سجدۂ تلاوت ضروری ہوگیا ہے، جب کہ وہ ایک مشین کے ذریعہ سے آواز پہنچائی گئی ہے؟ گراموفون اور مشین میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو پر آیتِ سجدہ سننے سے سامعین پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، کیونکہ یہ قاری کی ہی آواز قرار دی گئی ہے(۱)، گراموفون سے جو آواز نکلتی ہے اس کو نقل اور عکسِ تلاوت لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۹۰ھ۔

کیسٹ کے ذریعہ قرآن پاک پڑھنا اور سجدۂ تلاوت

سوال[۳۵۶۹]: قرآن پاک صحیح پڑھنے کیلئے اگر کیسٹ چلائیں اور خود بھی قرآن مجید کھول کر ساتھ ساتھ پڑھتا ہے تو کیا ثواب ملے گا؟ دوسرے سجدہ آئے تو کیا ایک ہی سجدہ کافی ہے یا کیسٹ سے سننے کا الگ کرے؟

= کتاب الصلاۃ، فصل في سبب وجوب السجدۃ التلاوۃ: ۱/ ۷۳۰، دارالکتب العلمیة)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاۃ .... سجدۃ التلاوۃ، نوع آخر بیان من یجب علیه هذه السجدۃ: ۱/ ۷۷۵، إدارۃ القرآن)

راجع للتفصیل: (آلات جدیدہ)، مفتی محمد شفیع صاحب رحمة الله علیه، ریڈیو پر آیت سجدہ کی تلاوت، ص: ۱۶۵، إدارۃ المعارف، کراچی)

(وکذا فی أحسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ۴/ ۶۵، سعید)

(۱) مذکورہ صورت میں چونکہ قاری صاحب کی آواز براہِ راست سامعین تک پہنچ رہی ہے، اس لئے حضرت مفتی صاحب نے وجوبِ سجدہ کا فتویٰ دیدیا اور علت یہ بیان فرمائی کہ یہ قاری ہی کی آواز ہے۔ باقی ریکارڈ شدہ آیت سننے سے سجدہ لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ نقل اور عکس ہے(تقدم تخریجه تحت عنوان: "ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب")

(۲) (راجع الحاشیة السابقة)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرخودبھی صحیح نہیں پڑھ سکتااس مجبوری سے کیسٹ چلاتاہےاوراس کےموافق پڑھتاہےتوضرورثواب ملےگا(۱)اورسجدہ ایک ہی کافی ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۶/۱۴۰۶ھ۔

گراموفون میں قرآن شریف سننے سے سجدۂ تلاوت

سوال[۳۵۷۰]: جوآیت سجدہ گراموفون میں پڑھی جائےتوکیاسامعین پرسجدہ واجب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حوادث الفتاویٰ،ص:۸۱،میں لکھاہےکہ جوآوازاس سےنکلتی ہےوہ تلاوت نہیں بلکہ نقل اورعکس ہے تلاوت کامشابہ صوتِ طیراورصدیٰ کے،پس اس کاحکم بھی تلاوت کاسانہ ہوگا۔بنابرروایت درمختاروغیرہ مثلاًاس کےاستماع سےسجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا،لیکن قرآن شریف کااس میں بھرنااورسننامنع ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،یکم/ربیع الثانی/۱۳۵۷ھ۔

---

(۱)"عن أيوب بن موسى قال: سمعت محمد بن كعب القرظي يقول: سمعت عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرأحرفاًمن كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لاأقول: الٓمٓ حرف، ولكن الف حرف، ولام حرف،وميم حرف". هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه". (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء فيمن قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر :۲/۱۱۹، سعيد)

(۲)"وأما سبب وجوب السجدة، فسبب وجوبها أحد شيئين: التلاوة والسماع ". (بدائع الصنائع، فصل في بيان وجوب سجدة التلاوة : ۱/۷۳۰،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة ، سجدة التلاوة، نوع آخر في بيان من يجب عليه هذه السجدة: ۱/۷۷۵، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) "و(لا) تجب (بسماعه من الصدى والطير)ومن كل تال حرفًا ولا بالتهجي، أشباه". (الدرالمختار، =

سجدۂ شکر

سوال[۳۵۷۱]: سجدۂ نماز وسجدۂ تلاوت کے علاوہ زائد سجدۂ شکر کرنا خارجِ صلوٰۃ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کس درجہ میں اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں؟ جو شخص ناجائز ہونے کے باوجود تسلیم نہ کرے اور یہ کہے کہ شرعاً جائز ہو یا ناجائز، میرے نزدیک بہتر ہے، ہمیں کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں تو اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی نصر الدین عظیم آبادی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت کوئی بڑی نعمت حاصل ہو یا کوئی بڑی مصیبت زائل ہو، بہتر یہ ہے کہ شکر یہ کیلئے دو رکعت ادا کرے، اگر یہ نہ ہو تو سجدہ کرنا بھی مفتی بہ قول کی بناء پر مستحب ہے لیکن نماز کے بعد کرنا مکروہ وممنوع ہے کہ ناواقف لوگ اس کو مسنون یا واجب اعتقاد کریں گے۔ اور یہ جواب کہ شرعاً جائز ہو یا ناجائز، میرے نزدیک بہتر ہے، ہمیں کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں، نہایت سخت اور خطرناک ہے، ایسے کلام سے توبہ اور آئندہ کو اجتناب لازم ہے:

"وسجدة الشكر مستحبة، به يفتى، لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنةً أو واجبةً، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، اهـ". (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۱۳۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= باب سجود التلاوة: ۱۰۸/۲، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من تجب عليه: ۴۴۲/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

راجع للتفصيل: (آلات جدیدہ از مفتی محمد شفیع صاحب رحمة الله عليه ریڈیو پر آیت سجدہ کی تلاوت، ص: ۱۶۵، إدارة المعارف، کراچی)

(۱) (الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۱۱۹/۲، ۱۲۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب سجود التلاوة: ۱۶۰/۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

باب صلوۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

سفر کی ابتداء وطن کے آخری گھر سے ہوگی

سوال[۳۵۷۲]: ایک شہر یا قصبہ سے دوسرے شہر یا قصبہ کا فاصلہ قصر ہونے کے لئے کس طرح جوڑا جائے گا؟ ایک صورت تو یہ ہے کہ جس محلّہ سے چلے اس سے دوسرے شہر کے جس محلّہ تک جانا ہو وہاں تک کا فاصلہ، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے وطن کی آخری سرحد پہونچنے والے مقام کی شروع کی سرحد۔ چونکہ دونوں طریقوں میں فاصلہ کا تفاوت میلوں کا ہوگا مثلاً: خطِ مستقیم کا فاصلہ الف، ب ۴۳/میل ہے اور ج، د ۵۰/میل ہے اور الف، س ۵۵/میل ہے، تو ج سے چلنے والا د س تک جانا چاہتا ہے، اب مسافر ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وطن کے آخری مکان سے سفر کی مسافت شروع ہوگی اور جس بستی میں جانا ہے اس کی ابتدائی سرحد تک مجموعی مسافت کو دیکھا جائے گا، پس صورتِ مسئولہ میں مسافتِ سفر ۴۳/میل ہوگی اور قصر کا حکم نہیں ہوگا(۱)۔ فقط۔

آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسافت سفر کا باقی نہ رہنا

سوال[۳۵۷۳]: ۱...... موضع فیروز پور دہلی الور روڈ کے متصل واقع ہے، پہلے آبادی اور سڑک کے

---

(۱) فقال الحنفية: أن يجاوز بيوت البلد التي يقيم فيها من الجهة التي خرج منها، وإن لم يجاوزها من جانب آخر وأن يجاوز كل البيوت، ولو كانت متفرقة متى كان أصلها من البلد، وأن يجاوز ماحول البلد من مساكن ...... أن يقصد من ابتداء السفر موضعا معينا، ويعزم أن يقطع مسافة القصر من غير تردد.

(الفقه الإسلامي وأدلته. ۲/۱۳۵۰-۱۳۵۳، كتاب الصلوة، المبحث الثالث صلاة السفر، رشيديه)

درمیانی زمین میں کاشت ہوتی تھی، لیکن اب سڑک تک مکانات تعمیر ہو چکے ہیں اور کاشت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور سڑک کے دوسرے رخ پر قبرستان اور مویشی کے بٹھانے کی جگہ ہے، ایسی صورت میں ناس بستی کا رہنے والا دہلی سے الور، یا الور سے دہلی کو گزرے تو اس کی مسافرت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟

۲......نیز قصبہ نوح سے پرانی دہلی ۴۸/ میل تھی اور اب نئی دہلی بڑھتے بڑھتے نوح کے رخ پر تقریباً ۱۵/ میل بڑھ چکی ہے، ایسی صورت میں نوح کا رہنے والا پرانی دہلی کو اگر سفر کرے تو مسافر ہوگا یا نہیں؟ جب کہ نئی دہلی اور پرانی دہلی دونوں کی کمیٹیاں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اب وہ سڑک آبادی سے خارج نہیں رہی، جو شخص بارادۂ سفر فیروز پور سے اس سڑک پر آئے وہ قصر نہیں کرے گا اور جب ایسا آدمی سفرِ شرعی سے چل کر اس سڑک پر پہونچ جائے جس کا وہ وطن ہے تو وہ قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا اگر چہ اس کا ارادہ وہاں قیام کا نہ ہو۔

۲......آبادی دیکھنے میں اگر متصل ہو تو محض کمیٹی الگ الگ ہونے کی وجہ سے ان کو دو بستیاں نہیں کہیں گے، جب ۴۸/ میل کی مسافت نہیں رہی بلکہ صرف ۳۳/ میل کی مسافت رہ گئی تو یہ سفرِ شرعی کے لئے کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

مسافتِ شرعیہ

سوال [۳۵۷۴]: انگریزی میل کتنے پر مسافر قصر کر سکتا ہے اور شرعی مسافر کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص تین منزل مسافت کی نیت سے اپنی آبادی سے باہر نکلا وہ شرعاً مسافر ہے، اس کے ذمہ قصر

---

(۱) "ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبداً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلوة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

لازم ہے(۱)، ریل کی منزلیں معتبر نہیں بلکہ پیدل یا معتدل سواری کی منزلیں معتبر ہیں، خواہ یہ سفر پیادہ طے کرے خواہ سواری پر (۲)۔ اگر منزلیں متعین نہ ہوں تو اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: بعض سولہ میل انگریزی کی ایک منزل قرار دیتے ہیں اور تین منزلیں اس اعتبار سے اڑتالیس میل کی ہوتی ہیں، بعض اس سے کم اور بعض اس سے زائد کے قائل ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/۵۶۔

---

(۱) "أخبرنا سعد بن عبيد الطائي .... قال: سألت عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما إلى كم تقصر الصلاة؟ فقال: أتعرف السويداء؟ قال: قلت: لا، ولكني قد سمعت بها، قال: هي ثلث ليال قواصد، فإذا خرجنا إليها قصرنا الصلاة" رواه الإمام محمد بن الحسن في الآثار له، و في آثار السنن: إسناده صحيح". (آثار السنن، ص: ۲۶۳، كتاب الصلوة، ابواب الصلوة المسافر، باب ماستدل به على أن مسافة القصر ثلاثة ايام، إمداديه، ملتان)

(۲) "عن عبد الرحمن بن أبي بكر، عن أبيه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقت في المسح على الخفين ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر، و للمقيم يومٌ و ليلةٌ". رواه ابن حبان في صحيحه".

قوله: "عن عبد الرحمن بن أبي بكر الخ" .... و حاصله ما قال الشيخ: إن الحديث يدل على أن من أراد قطع مسيرة ثلثة أيام و لياليها، فهو مسافر حتماً عند الشارع ...... قلت: المراد بالمسافر في الحديث من يقطع المراحل بطريق العادة المعروفة في السفر بسير وسط مع الاستراحات التي اعتادها". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب صلاة المسافر، باب مسافة القصر: ۷/۲۳۶، ۲۳۸، إدارة القرآن كراچي)

"(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثةأيام و لياليها) من أقصر أيام السَّنَة، و لا يشترط سفر كل يوم إلى الليل بل إلى الزوال، و لا اعتبار بالفراسخ على المذهب (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع، فوصل في يومين قصر (صلى الفرض الرباعيَ ركعتين) وجوباً، لقول ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إن الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، و قيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني؛ =

کیا ۴۸/میل طے کرنے کے بعد قصر کا حکم ہے یا اس سے پہلے بھی قصر جائز ہے؟

سوال[۳۵۷۵]: زید نوگوان سے سنبھل کو چلا جو کہ ۴۸/میل سے زیادہ ہے، اگر زید براہِ راست سنبھل کو جائے تو اس صورت میں تو قصر کرے گا، لیکن اگر اس شکل سے چلے کہ منتہائے سفر تو سنبھل رہے، لیکن درمیان کے مواضع میں دس میل کے فاصلہ سے رات کو قیام کرتا ہوا جاوے گا تو کیا ایسی صورت میں بھی قصر کرے گا؟ بنابریں اگر جماعت تو نوگوان سے چلے اور اسے تین دن قیام کرنا ہے، ایک دن تو امروہہ جو کہ دس میل ہے دوسرے مرادآباد جو کہ بیس میل ہے، تیسرے سنبھل جو کہ نوگوان سے اڑتالیس میل سے زائد ہے، تو اگر جماعت یہ قصد کر کے نوگوان سے چلے کہ مذکورہ تین جگہ قیام کرنا ہے اور ابتدائی قیام امروہہ ہوگا جو کہ صرف دس ہی میل ہے، پھر دوسرا مرادآباد ہوگا جو امروہہ سے دس بارہ میل پر ہے، پھر سنبھل۔ تو کیا مذکورہ جماعت کو ایسی حالت میں قصر کرنا ہوگا؟ نیز مقدارِ مسافت سنبھل کی نوگوان سے لگے گی یا مرادآباد سے؟

عبدالرحمٰن قاسمی، مدرسہ انصار العلوم نوگوان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ شرعی کی مسافت کم از کم ۴۸/میل ہے، جب اس مسافت کی نیت سے سفر شروع کیا جائے تو قصر لازم ہے اگرچہ درمیان میں تین چار جگہ ٹھہرتے ہوئے جانا ہو، مگر ٹھہرنے کی مدت پندرہ یوم سے کم ہو(۱)، پس نوگوان سے سنبھل کی نیت سے چلنا جس کی مسافت ۴۸/میل سے زائد ہے، سفرِ شرعی ہے، اگرچہ نوگوان سے چل کر دس

= لأنه الأوسط، و في المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث، وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق في السهل والجبل والبرد، والبحر، بخلاف المراحل، معراج". (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۳/۲، سعيد)

تفصیل کے لئے رسالہ دیکھئے: (القول الأظهر في تحقيق مسافة السفر' احسن الفتاوی، باب صلاة المسافر: ۹۲/۴، سعید)

(وكذا في خير الفتاوى، ما يتعلق بصلوة المسافر ''مسافتِ قصر کے بارے میں تحقیقِ انیق: ۶۶۴/۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''مسافتِ شرعیہ'')

بیس میل پر ایک دو شب کا قیام بھی منوی ہو، اس سے سفر کے احکام میں فرق نہیں آئیگا۔ سفر کے لئے درمیان میں کچھ وقت کے لئے ٹھہرتے ہوئے جانا منع نہیں اور اس سے حکم سفر نہیں بدلتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۵/۲۵ھ۔

پندرہ دن قیام کی نیت سے چلنے والا راستہ میں قصر کرے یا نہیں؟

سوال [۳۵۷۶]: اگر ایک آدمی سفر کرتا ہے تو اس کے بارے میں حکم ہے کہ وہ راستہ میں قصر کرے تو کیا ہر حال میں قصر کرے گا یا مخصوص وقت میں کہ جو شخص پندرہ دن کی نیت کر کے سفر کرے صرف وہی قصر کرے، مگر یہ تو اتفاقی مسئلہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی پندرہ دن یا زائد کی نیت کر کے چلتا ہے تو وہ راستہ میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص تین منزل کی مسافت ۴۸/ میل کا ارادہ کر کے سفر کرے وہ راستہ میں قصر کرے گا (۲)، لیکن اگر راستہ میں ۴۸/ میل سے پہلے پندرہ روز یا زائد ایام ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو راستہ میں قصر نہیں کرے وہ شرعی

---

(۱) "قوله: (حتى يدخل مصره أو ينوى الإقامة نصف شهر في بلد أو قرية) .... و قيد بنصف شهر؛ لأن نية إقامة ما دونها لا توجب الإتمام، لما روى عن ابن عباس و ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم أنهما قدرها بذلك، والأثر في المقدرات كالخبر، وأقام صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمكة مع أصحابه سبعة و هو يقصر". (البحر الرائق، باب صلاة المسافر: ۲/۲۳۲، رشيديه)

"(فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه): أى في نصف شهر (أو دخل بلدةً و لم ينوها): أى مدة الإقامة". (الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵، ۱۲۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعيّ ركعتين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

مسافر نہیں (۱)۔ اسی طرح اگر ابتداءً ۴۸/ میل سے کم کی نیت سے چلا اور کسی جگہ ٹھہر گیا، پھر وہاں سے ۴۸/ میل سے کم کا ارادہ کرلیا تو یہ شخص مسافر نہیں ہوا، اگر چہ ساری دنیا میں گھوم جائے، یہ قصر نہیں کرے گا (۲) اگر چہ ۴۸/ میل یا اس سے زائد کا سفر تو کرتا ہے مگر درمیان میں ٹھہرتا ہوا جائے گا۔ اور یہ ٹھہرنا پندرہ روز سے کم ہوگا تو یہ شخص مسافر ہے، سفر میں قصر کرے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

مسافتِ قصر کی مقدار

سوال [۳۵۷۷]: کس قدر مسافت ہے جس سے مسافر کو قصر کی اجازت ہوجاتی ہے؟

---

(۱) "حتى يدخل مصره أو ينوى إقامة نصف شهر ببلد أو قرية .... هذا إذا سار ثلاثة أيام فصاعداً، وأما إذا لم يسر ثلاثة أيام، فلا يشترط أن تكون الإقامة في بلد أو قرية بل تصح ولو في المفازة حتى إنه يصلي أربعاً أربعاً". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۱، ۵۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۴، سعيد)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً و لو كافراً، و من طاف الدنيا بلاقصد، لم يقصر، (وقوله: بلاقصد، بأن قصد بلدةً بينه و بينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدا له أن يذهب إلى بلدة بينه و بينها يومان و هلم جراً .... فإنه يتم". (رد المحتار مع الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۳) "فيقصر أن ينوى الإقامة في أقل منه: أى في نصف شهر أودخل بلدةً و لم ينو ها: أى مدة الإقامة".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵، ۱۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوة المسافر: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

متوسط رفتار سے تین روز کی مسافت پر شرعاً قصر کیا جاتا ہے(۱) اور تمام دن چلنا ضروری نہیں بلکہ صبح سے سردی میں زوال تک چلنا معتبر ہے اور ہر جگہ کے سفر میں اسی کے موافق رفتار معتبر ہوگی مثلاً خشکی میں پیدل یا معمولی اونٹ وغیرہ کی رفتار اور دریا میں کشتی کی متوسط رفتار معتبر ہوگی، اس مسافت کا اندازہ تقریباً ۴۸/ میل ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱۲/۵۳ھ۔

۴۸/میل کی مسافت میں صرف جانے کا اعتبار ہے یا آنے جانے دونوں کا؟

سوال[۳۵۷۸]: یہاں سے ضلع صدر جانے کے دو راستے ہیں: ایک پچیس کوس کا دوسرا چوبیس کوس کا، چوبیس کوس والے راستہ سے جائے اور پچیس کوس والے راستہ سے واپس آئے تو اس پر واپسی میں قصر ہے یا نہیں؟ اور جو پچیس کوس والے راستہ سے جاوے اور چوبیس کوس والے راستہ سے آوے تو اس پر قصر ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں تین کوس چار میل کا ہوتا ہے

معتکف بخدمت شریف شاہ حبیب اللہ، از خانقاہ مانکپور، ۲۷/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ، ضلع پرتا بگڈھ۔

---

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها) من قصر أيام السُّنة، ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل بل إلى الزوال، و لا اعتبار بالفراسخ على المذهب (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين، قصر (صلى الفرض الرباعيّ ركعتين) وجوباً لقول ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: إن الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين". (التنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) قال الدكتور وهبة الزحيلي: "والتقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام، لأن المعتاد من السير في كل يوم مرحلة واحدة، خصوصاً في أقصر أيام السنة، ولايصح القصر في أقل من هذه المسافة، كما لايصح التقدير عندهم بالفراسخ على المعتمد الصحيح". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۳۴۲، كتاب الصلوة، المبحث الثالث صلاة المسافر، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصر نماز کے لئے تین یوم کی مسافت کا سفر ضروری ہے (۱) اور یہ مسافت صرف ایک طرف کی ہے، آنے اور جانے کی مجموعی مسافت نہیں، پس صورتِ مسئولہ میں دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے آنا جانا ہو یا دونوں سے، دنوں صورتوں میں قصر جائز نہیں (۲)۔ البتہ اگر کسی جگہ کے دو راستے ہوں ایک مسافتِ قصر ہو اور دوسرا نہ ہو تو جس راستہ سے سفر اختیار کرے گا اس کا اعتبار ہوگا، آنے میں بھی جانے میں بھی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

مسافتِ قصر

سوال [۳۵۷۹]: نماز میں قصر (کتنے) میل پر کرنا چاہئے، نیز باعتبار میل قصر ضروری ہے مگر وہاں برادری کا تعلق بھی ہے اور اکثر جانے کا اتفاق ہوا کرتا ہے ایسی جگہ پر قصر ضروری ہے یا نہیں؟

---

(۱) "من خرج من عمارة موضع إقامته .... قاصداً .... مسيرة ثلاثة أيام .... صلى الفرض الرباعي ركعتين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

"وأما الثاني وهو بيان اشتراط قصر السفر، فلا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام، حتى يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبداً". (تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/ ۵۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/ ۱۳۹، رشيديه)

(۲) (اشترط الفقهاء لصحة القصر الشروط الآتية: أن يكون السفر طويلا مقدرا بمسيرة مرحلتين أو يومين أو ستة عشر فرسخاً عند الجمهور، أو ثلاث مراحل أو ثلاثة أيام بلياليها عند الحنفية. (الفقه الاسلامي وأدلته: ۲/ ۱۳۵۰، كتاب الصلوة، المبحث الثالث صلاة المسافر، رشيديه)

(۳) "ولو لموضع طريقان: احدهما مدة السفر، والآخر أقل، قصر في الأول لا الثاني". (الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین دن کی مسافت کا قصد کر کے جو شخص اپنی جائے اقامت سے نکلے گا وہ قصر کرے گا اور اس جگہ اگر پندرہ یوم سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو وہاں پہونچ کر بھی قصر کرے گا، اگر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو قصر نہیں کرے گا(۱)۔ رشتہ داری کا کوئی اثر قصر پر نہیں، البتہ اگر وہاں شادی کی ہے اور ہمیشہ کے لئے وہیں رہنا شروع کر دیا، یا بیوی کے یہاں رہنے کی شرط کر لی گئی ہے غرض کہ اس کو وطن بنالیا تو وہ بمنزلۂ وطن کے ہے وہاں قصر نہیں کرے گا، كذا في الشامي (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

آدمی کب مسافر شمار ہوگا؟

سوال[۳۵۸۰]: قصر کے احکام کیا تین منزل کی مسافت پوری ہونے پر شروع ہوتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، بلکہ تین منزل کی مسافت کی نیت سے جب آدمی سفر شروع کرے اور آبادی سے باہر پہونچ جائے اسی وقت سے شروع ہو جاتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته .... قاصداً......... مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة......... صلى الفرض الرباعيّ ركعتين .... حتى يدخل موضع مقامه......... أو ينوى إقامة نصف شهر بموضع واحد (صالح لها) من مصر أوقرية......... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه): أى في نصف شهر". (الدر المختار، باب صلوة المسافر: ۲/۱۲۱ - ۱۲۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، ۲۳۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۲) "(قوله: أو توطنه): أى عزم على القرار فيه وعدم الارتحال و إن لم يتأهّل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ و لم يتأهل به، فليس ذلك وطناً له، إلا إذا عزم على القرار فيه و ترك الوطن الذى كان له قبله، شرح المنية". (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، سعيد)

(وكذافي الحلبي الكبير، فصل في صلاة المسافر، ص: ۵۴۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مسافتِ قصر")

۴۲/میل کا سفر شرعی سفر نہیں

سوال[۳۵۸۱]: اگر کسی نے ۴۲/میل کا سفر کیا تو اس کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا آدمی شرعی مسافر نہیں، وہ پوری نماز پڑھے گا قصر نہیں کرے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسافر قصر کب سے کرے؟

سوال[۳۵۸۲]: ایک شخص کسی شہر کا - جو تین دن اور تین رات کے فاصلے پر ہے - ارادہ کرکے گھر سے نکلا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نیت ہے کہ وہاں پندرہ روز یا زیادہ قیام کرے گا، اب یہ آدمی راستے میں قصر کرے گا یا نہیں؟ اگر قصر کا حکم ہے تو قاضی خان کی عبارت: "بخلاف ما إذا نوی الإقامة حيث يصير مقيماً بمجرد النية "(۲) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال قاضی خان: "إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصداً مسيرة ثلثة أيام و لياليها بسير الإبل أو مشي الأقدام، يلزمه قصر الصلوة ويرخص له ترك الصيام، أما شرط مجاوزة الأقدام؛ لأن السفر فعل فلا يوجد بمجرد النية، فيشترط قران النية بأدنیٰ فعل بخلاف ما إذا نوی الإقامة حيث يصير مقيماً بمجرد النية؛ لأن الإقامة ترك الفعل، و ترك الفعل لا يحتاج

---

(۱) "ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام، حتى يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبداً". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۲، سعيد)

(۲) (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/۱۶۴، رشيديه)

إلى الفعل، اهـ". فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۷٦ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ شخصِ مذکور صورتِ مذکورہ میں قصر کرے گا اور عبارتِ مسئولہ کا مطلب یہ ہے کہ لزومِ قصر کے لئے صرف نیتِ سفر کو شریعت نے کافی نہیں سمجھا بلکہ اس کے لئے مجاوزۃِ عمران کو شرط قرار دیا ہے، اس لئے کہ سفر ایک فعل ہے جو مسافر سے صادر ہوتا ہے جس پر لزومِ قصر مرتب ہوتا ہے، پس تاوقتیکہ اس فعل کا ادنیٰ حصہ (جو مجاوزۃ عمران ہے) صادر نہ ہو، اس وقت تک مسافر کہلانے کا مستحق نہیں اور اس پر حکمِ سفر (لزومِ سفر) مرتب نہ ہوگا۔

اور جب کسی منزلِ صالح پر نیت اقامت کرلے تو اتمام لازم ہوتا ہے اور لزومِ اتمام کے لئے نیتِ اقامت کے بعد کسی اَور فعل کی حاجت نہیں تھی جس طرح کہ نیتِ سفر کے بعد مجاوزۃِ عمران کی ضرورت تھی کیونکہ اقامت کسی فعل کا نام نہیں کہ مقیم کے لئے اس کا صدور ضروری ہو جیسا کہ سفر فعل تھا اور مسافر کے لئے اس کا صدور ضروری تھا چونکہ اقامت ترکِ فعل (سفر) کا نام ہے جس کے لئے صرف نیت کافی ہے۔

یہ مقصد نہیں کہ شخصِ مذکور چونکہ وہاں پہونچ کر پندرہ روز یا زیادہ قیام کرنے کی نیت رکھتا ہے اور یہ نیت ابتدائے سفر میں کرلی ہے، لہٰذا ابھی سے مقیم ہوگیا اور اس سفر کو کالعدم قرار دے کر لزومِ اتمام کا حکم اس پر جاری کردیا جائے گا، کیونکہ اگر اس کو ابھی سے لزومِ نیت کی بنا پر مقیم کہہ دیا جائے گا تو اقامت ترکِ فعل کا نام نہ رہے گا، بلکہ اس فعل یعنی (سفر) کا نام ہوجائے گا، وهو خلاف المفروض۔ نیز اس کا فعل اس کی نیت پر فی الحال آثار مرتب ہونے سے مانع ہے:

"المسافر يصير مقيماً إذا دخل قريةً أو مصراً، و نوىٰ إقامة خمسة عشر يوماً فيه، و لا معتبر بالنية وقت السير قبل الدخول، اهـ". رسائل الأركان (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (فتاوىٰ قاضي خان، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يصير به المقيم مسافرا: ۱/۲۷۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) لم أجده، بلّ (وكذا في البحر الرائق، باب صلوة المسافر: ۲/۲۳۰، رشيديه)

(والدرالمختار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵، سعيد)

مسافتِ سفر سے کم میں قصر نہیں

سوال[۳۵۸۳]: زید جو اپنے کاروبار کی جگہ سے جہاں اس کی املاک بھی ہے یعنی شہر مدراس اپنے مکان آیا جایا کرتا تھا اور جس کے درمیان مسافتِ قصر بھی ہے، ایسی صورت میں زید کے لئے مدتِ قصر سے کم میں قصر صلوۃ جائز ہے یا نہیں؟

محمد اسماعیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافتِ قصر سے کم کی نیت سے جو شخص سفر کرے اس کو قصرِ صلوۃ جائز نہیں، اتمام واجب ہے، هكذا في كتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

میرٹھ سے مظفر نگر تک مسافتِ سفر نہیں

سوال[۳۵۸۴]: ا...... زید ٹیکسی ڈرائیور ہے اور میرٹھ میں مقیم ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ مثلاً زید میرٹھ سے مظفر نگر کے لئے روانہ ہوا جب کہ یہ مسافت ۲۵/میل ہے تو وہاں قصر نہیں ہوگا لیکن اگر وہاں سے دیوبند آنا پڑا تو مسافتِ قصر ہو جائے گی تو اس صورت میں قصر کرے یا نہیں؟ اگر اس طرح سہارنپور یا دہرہ دون جانا پڑے تو مسافتِ قصر ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "من خرج من عمارة موضع إقامته .... قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها". (الدر المختار).

"(قوله: قاصداً) أشار به مع قوله: خرج إلى أنه لو خرج و لم يقصد أو قصد و لم يخرج، لا يكون مسافراً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۲، سعيد)

"ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبداً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

۲......زید کی گاڑی آل یوپی ہے، ویسے مستقل چلتی ہے، ادھر دہلی لکھنؤ جانا پڑے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر میرٹھ زید کا وطنِ اصلی ہے یا وطنِ اقامت ہے اور وہاں سے صرف مظفرنگر کی نیت سے چلا جو کہ ۳۵/میل ہے تو وہ قصر نہیں کریگا، پھر مظفرنگر سے دیوبند کا ارادہ ہوگیا تو بھی قصر نہیں کرے گا، پھر دیوبند سے سہارنپور کا ارادہ ہوگیا تب بھی قصر نہیں کرے گا، اگرچہ میرٹھ سے سہارنپور تک مسافتِ قصر ہے مگر چونکہ ابتدائے سفر کے وقت مسافتِ قصر کی نیت نہیں تھی اور درمیان میں بھی کسی جگہ سے مسافتِ قصر کی نیت نہیں کی، جہاں سے بھی نیت کی، مسافتِ قصر سے کم کی نیت کی ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب سے پوری مسافتِ قصر کی نیت سے سفر ہوگا تب قصر لازم ہوگا، ورنہ تھوڑی تھوڑی مسافت کی نیت سے اگر تمام دنیا میں گھوم جائے گا تب بھی قصر نہیں کرے گا(۱)۔

۲......جواب نمبر:۱ کے ضابطہ کے موافق حکم ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

مسافتِ سفر پہاڑ میں

سوال[۳۵۸۵]: پہاڑ کے سفر میں کتنے فاصلے پر آدمی مسافر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے وقت میں زمین پر چلنے سے ایک منزل طے ہوتی ہے جس کی مسافت تقریباً ۱۶/میل ہے، اور تین

---

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته .... قاصداً) ولو كافراً، و من طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام و لياليها) من أقصر أيام السنة ......(بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، .... صلى الفرض الرباعيّ ركعتين) وجوباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر : ۲/۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوة المسافر : ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر : ۱/۵۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

منزل کی مسافت ۴۸/میل کے قریب سے اتنے وقت میں پہاڑی راستہ جس قدر طے ہو، اس کی مقدار کو ایک منزل قرار دیا جائے گا اور تین منزل کو مسافت سفر کہا جائے گا، وہاں ۴۸/میل کو مسافتِ سفر کہنا لازم نہیں ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس سے نصف ہو یا کم وزیادہ ہو(۱)۔فقط واللہ اعلم۔محمود غفرلہ۔

ملاح مقیم ہیں یا مسافر؟

سوال[۳۵۸۶] : ایک جماعت ملاحوں کی ہے جس کا دستور ہے کہ کسی بڑی آبادی شہر کی پناہ میں بازار کے متصل ندی کے کنارے جگہ خرید لیتے ہیں، گورنمنٹ کو اس جگہ کا خراج ادا کرتے ہیں، ایک مکان خواہ کرایہ کا خواہ ذاتی لیتے ہیں جس میں ان کا سردار اور سامان رہتا ہے، وہیں ان کی مسجد ہوتی ہے جس میں نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں، اگر کوئی مرجاتا ہے اسی شہر میں دفن کفن کرتے ہیں اور ندی کے اندر کشتیاں باندھ دیتے ہیں، خود عموماً کشتیوں کے اندر رہتے ہیں اور آنے جانے والوں سے کرایہ لے کر کشتی میں بٹھلا کر آٹھ دس میل تک پہونچا دیتے ہیں اور اسی جگہ واپس آجاتے ہیں، خط وکتابت بھی مکان سے اسی پتہ سے آتی جاتی ہے، اسی طرح دو چار برس یا زیادہ روزگار کر کے گھر واپس آتے ہیں۔پس سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو شرعاً مقیم کا حکم دیا جائے گا یا مسافر کا اور نماز پوری ادا کریں یا قصر کریں؟ یہاں پر علماء کا اختلاف ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے لوگ اگر پندرہ یوم اس جگہ پر ٹھہریں وہ جگہ ان کے لئے وطنِ اقامت ہے، جب تک کم از کم تین

---

(۱) "ويعتبر في الجبل بما يناسبه من السير؛ لأنه يكون صعوداً و هبوطاً و مضيقاً و وعراً، فيكون مشي الإبل والأقدام فيه دون سيرهما في السهل". (ردالمحتار، باب صلوة المسافر: ۱۲۳/۲، سعيد)

"والمراد بسير البر والجبل أن يكون بالإبل و مشي الأقدام، والمراد بالإبل إبل القافلة دون البريد. وأما السير في البحر فيعتبر ما يليق بحاله، وهو أن يكون مسافة ثلاثة، فيه إذا كانت تلك الرياح معتدلةً. وإن كانت تلك المسافة بحيث في البر في يوم كما في الجبل، يعتبر كونها من طريق الجبل بالسير الوسط ثلاثة أيام، و إن كانت تقطع من طريق السهل بيوم، فالحاصل أن تعتبر المدة من أىّ طريق أخذ فيه اهـ". (البحر الرائق، باب المسافر: ۲۲۹/۲، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير : ۳۱/۲، باب صلاة المسافر ، مصر)

یوم کی مسافت کی نیت سے وہاں سے نہیں چلیں گے اس وقت تک اِتمام کریں گے، قصر نہیں کریں گے (۱)، البتہ اگر کسی جگہ ان کو جانا ہو جو کم از کم تین یوم کی مسافت پر ہے (یعنی کشتی ہوا معتدل ہونے کے وقت آرام کے ساتھ تین یوم میں وہاں پہونچتی ہے) تو یہ لوگ قصر کریں گے، اگر اتنی مسافت سے کم سفر کریں گے تو یہ شرعی سفر نہیں اس میں قصر نہیں کریں گے:

"وأقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام، كذا في التبيين". عالم گیری، ص: ۱۳۶۔ وفيها بعد أسطر: "والمعتبر في البحر ثلثة أيام في ريح مستوية، غير غالبة ولا ساكنة" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

سفرِ غیر شرعی کے درمیان سے سفر شرعی کی نیت کرنا

سوال [۳۵۸۷]: مسافر حالتِ سفر میں ایسی صورت میں جب کہ وہ اپنے گھر سے چلا تو شرعی مسافر بننے کی نیت نہیں تھی مگر درمیانی سفر میں اس نے شرعی مسافر بننے کی نیت کر لی تو اب وہ کس وقت سے قصر کرے؟ آیا جس جگہ پر یا بستی میں ہے وہیں قصر پڑھ لے یا اس گاؤں کے باہر نکلنے کے بعد قصر شروع کرے؟ مثلاً ایک دہلی سے شاہدرہ آیا واپس ہونے کی نیت سے مگر شاہدرہ میں کوئی صورت ایسی پیش آئی کہ وہ کلکتہ جانے لگا تو اب وہ شاہدرہ سے باہر نکل کر قصر کرے یا شاہدرہ ہی میں قصر پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شاہ درہ میں یہ شخص مسافر نہیں بلکہ یہاں سے سفر شروع کرنے کے بعد، لہٰذا شاہدرہ سے نکل کر قصر کرے

---

(۱) "و لا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۵، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۷، ۵۰۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعيد)

اور شاہدرہ میں چونکہ بحکم مقیم ہے لہذا اتمام کرے: "و لا یصیر مسافراً بالنية حتى يخرج، و يصير مقيماً بمجرد النية. كذا في محيط السرخسي، اهـ". هنديه: ١/١٣٩(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۶۱ھ۔

وطنِ اصلی کب باطل ہوتا ہے؟

سوال[۳۵۸۸]: زید کا وطنِ اصلی مدہول ہے، چند وجوہات کی بنا پر وہ مدہول چھوڑ کر نظام آباد میں مع اپنے والدین کے آکر مقیم ہوتا ہے، حالانکہ مدہول میں زید کا ایک مکان بھی ہے اور اس کا تعلق بھی مدہول سے ہے۔ اب زید کو نوکری ملنے پر وہ حیدرآباد آتا ہے جب کہ اس کے والدین نظام آباد میں مقیم ہیں، اب اگر زید اپنے والدین سے ملنے نظام آباد جائے اور اپنے آبائی وطن مدہول جائے تو کیا زید مسافر کہلائے گا؟ کیا اس کو قصر نماز ادا کرنی ہوگی، وہ پوری نماز پڑھے گا؟ جب کہ نظام آباد اور حیدرآباد کا درمیانی فاصلہ ۱۵۴/میل ہے اور مدہول اور نظام آباد کا درمیانی فاصلہ ۳۰/میل ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مدہول وطنِ اصلی ہے جب تک اس کی وطنیت کو بالکلیہ ترک کر کے (مکان وغیرہ فروخت کر کے یا کسی کو دیکر) دوسرے کسی مقام کو وطن مستقل نہیں بنالیا جائے گا اس کی وطنیت ختم نہیں ہوگی، وہاں پہونچ کر پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوگا، خواہ دور سے پہونچے یا نزدیک سے۔ ملازمت کی وجہ سے نظام آباد وطنِ اصلی نہیں بنے گا جب تک مذکورہ بالا طریقہ پر اس کو مستقل وطن نہیں بنالیا جائے گا(۲) محض والدین کے وہاں موجود ہونے کی بنا

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیرية، : ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار : ۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق : /۲۲۷، باب المسافر، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع : ۱/۲۷۷، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "(الوطن الأصلي يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقي لم يبطل بل يتم فيهما".

(الدرالمختار). "(قوله: إذا لم يبق له بالأول أهل): أي وإن بقي له فيه عقار. قال: في النهر: و لو نقل =

پر وہاں اتمام (پوری نماز پڑھنے) کا حکم نہیں ہوگا جب تک کم از کم پندرہ روز وہاں قیام کی نیت نہ ہو، پس اگر ۴۸/ میل یا اس سے زیادہ کی مسافت سے چل کر نظام آباد پہونچا ہوا اور پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو وہاں قصر کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

وطنِ اصلی دو جگہ

سوال [۳۵۸۹]: ایک شخص اپنے وطنِ اصلی سے بیوی، بچے اور سامان لے کر مستقل ارادہ کرکے دوسری جگہ رہنے لگا، لیکن پہلے وطن میں اس کا سامان وجائیداد بھی موجود ہے تو کیا دونوں جگہ اس کا وطن ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سامان اور جائداد سے اگرچہ خود ہی منتفع ہوتا ہے اس سے اپنی ملکیت کو ختم نہیں کیا تو بھی اس جگہ کی وطنیت ختم ہوگئی، چونکہ دوسری جگہ مستقل رہائش اختیار کرلی ہے، اب وہاں سے کلیۃً منتقل ہونے کا قصد نہیں ہے تو

= أهله و متاعه و له دور في البلد، لا تبقى وطناً له، و قيل: تبقى، كذا في المحيط وغيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲، رشيديه)

(۱) "(قوله: أو توطنه) .... فلو كان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ و لم يتأهل به، فليس ذلك وطناً له إلا إذا عزم على القرار فيه، و ترك الوطن الذي كان له قبله، شرح المنية". (رد المحتار، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة: ۱۳۱/۲، سعيد)

"(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعيّ ركعتين) .... حتى يدخل موضع مقامه أو ينوى إقامة نصف شهر بموضع صالح لها، فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه): أي في نصف شهر". (تنوير الأبصار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲ - ۱۲۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، ۲۳۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، رشيديه)

وہ دوسری جگہ وطنِ اصلی بن گئی (۱)، لیکن اگر پہلی جگہ بھی بلحاظ موسم آئے اور رہنے کا قصد ہے تو دونوں جگہ وطنِ اصلی ہوجائے گی، کذا فی البحر الرائق: ۲/۱۳۶، پاکستانی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وطنِ اقامت

سوال[۳۵۹۰]: احقر کچھ عرصہ طویل قیام کے ارادہ پر ہردوئی مع اہل وعیال مقیم ہے، درمیان میں بعض ضروری کاموں کی وجہ سے وطن وغیرہ کا سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ بعض مرتبہ ہردوئی میں پندرہ دن سے زائد مستقل ٹھہرنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ کم۔ ایک صاحب نے بتلایا ہے کہ آپ ہردوئی میں مسافر ہی ہیں۔ میں نماز کیسے ادا کروں؟ میری حیثیت ہردوئی میں کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ حالت میں جب کہ آپ نے ہردوئی کو وطنِ اصلی نہیں بنایا، اور نہ اپنے وطنِ اصلی کو ترک کیا تو

---

(۱) "أن يتوطن في بلدة أخرى، وينقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً، حتى لو دخله مسافراً، لايتم". (البحر الرائق: ۲/۲۳۹، رشيديه)

"فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لاغير، وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى، وينتقل الأهل إليها من بلدة، فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً له، حتى لو دخل فيه مسافراً، لا تصير صلوته أربعاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة: ۱/۲۹۸، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة: ۲/۱۳۱، ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۱/۳۴۹، إمداديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۱۴۹، الفصل الثاني والعشرون في صلوة السفر، غفاريه)

(۲) "وكثير من المسلمين المتوطنين في البلاد، ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها، يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم، فلا بد من حفظها أنهما وطنان له، لايبطل أحدهما بالآخر". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲/۲۳۹، رشيديه)

ہردوئی آپ کے لئے وطنِ اقامت ہے، جب تک کم ازکم پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو آپ یہاں مسافر ہی رہیں گے(۱) اور مسافر کے سب احکام آپ پر جاری ہوں گے، جن صاحب نے آپ کو مسافر تشخیص کیا ہے ان کی تشخیص صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

وطنِ اقامت میں قصر

سوال [۳۵۹۱]: میرے خویش جناب شیروانی صاحب ڈائریکٹر بورڈ کے چیئرمین ہیں، ان کا وطن آبائی قدیمی جس میں انہوں نے کبھی سکونت اختیار نہ کی ضلع علی گڑھ میں ہے، غیر آباد ہے، فیکٹری کی ملکیت میں ایک کوٹھی آلہ آباد میں ہے، ایک نینی تال میں، ایک دہلی میں، اہل وعیال کا قیام آلہ آباد والی کوٹھی میں ہے اور بظاہر سکونت احباب میں ہے، اکثر سفر درپیش رہتا ہے، قیام کسی جگہ کم رہتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ چودہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو، دہلی، نینی تال میں قصر کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے قدیمی وطن سے اگر کلیۃً ہجرت نہیں کی تو وہی وطنِ اصلی ہے، وہاں پہونچکر نماز پوری پڑھیں گے خواہ ایک ہی دن رہنا ہو۔ مقاماتِ مذکورہ سے اگر کسی جگہ مستقل سکونت کی نیت نہیں، تو جب تک کسی جگہ کم ازکم پندرہ روز قیام کی نیت نہ ہو، قصر کریں گے۔ اگر مستقل قیام کی نیت ہے تو وہ وطنِ اصلی ہے، وہاں پوری نماز پڑھیں گے، محض کوٹھی یا اسبابِ معیشت کا موجود ہونا وطنیت کے لئے کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویبطل وطن الإقامة بمثله، وبالوطن الأصلي". (الدرالمختار). "(وقوله : ویبطل وطن الإقامة) وهو ماخرج إلیه بنیة إقامة نصف شهر". (ردالمحتار، باب صلوة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإمة: ۲/۱۳۹، سعید)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة: ۲/۱۹، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۲۳۹، رشیدیه)

(۲) "(صلی الفرض الرباعيّ ركعتین ...... حتی یدخل موضع مقامه أو ینوی إقامة نصف شهر .... =

وطنِ اقامت کیسے باطل ہوجاتا ہے؟

سوال[۳۵۹۲]: وطنِ اقامت کے بطلان کے لئے مطلق سفر کافی ہے یا کوئی خاص سفر؟ اسی طرح مطلق وطنِ اصلی کافی ہے یا کوئی خاص صورت؟ اگر کوئی اپنا سامان اپنے وطنِ اقامت میں چھوڑ کر لوٹ کر آنے کے ارادے سے سفر کرے یا وطنِ اصلی میں چلا جائے تو وطنِ اقامت باقی رہے گا یا باطل ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سفرِ شرعی سے وطنِ اقامت باطل ہوجاتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وطنِ اقامت سے ہجرت کرے اور پھر کبھی یہاں آنے کا ارادہ نہ ہو۔ جس جگہ سے گیا ہے اور سامان وہاں موجود ہے، پھر جب وہ وہاں آئے گا اور پندرہ روز قیام کا ارادہ کرے گا تو وطنِ اقامت بنے گا، اس سے کم کی نیت سے وہ وطنِ اقامت نہیں بنے گا بلکہ وہ بحکمِ سفر ہی رہے گا۔ وطنِ اصلی میں داخل ہوتے ہی آدمی مقیم ہوجاتا ہے، چاہے تھوڑی دیر ٹھہرے اس کے لئے پندرہ روز کی ضرورت نہیں:

"الوطن الأصلي يبطل بمثله لا غير، و يبطل وطن الإقامة بمثله و بالوطن الأصلي وبإنشاء الخ". در مختار علی رد المحتار: ۱/۵۳۲، نعمانیه (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟

سوال[۳۵۹۳]: ۱...... زید کا سسرال اتنی دور ہے جتنی دور میں آدمی شرعی مسافر ہوجاتا ہے یا اس سے

= فيقصر إن نوى في أقل منه". (تنوير الأبصار) "(قوله: حتى يدخل موضع مقامه): أي الذي فارق بيوته سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة؛ لأن مصره متعين للإقامة، فلا يحتاج إلى نية. جوهرة". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۴، ۱۲۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۰، ۲۳۳ رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوة المسافر: ۲/۲۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، رشيديه)

بھی دور ہے، زید اگر اپنی سسرال جائے تو زید کو وہاں پہونچ کر قصر نماز پڑھنی ہوگی، اگر پوری نماز پڑھنی ہوگی تو اس کی کیا وجہ ہے؟ قاعدہ کی رو سے وہ مسافر ہو چکا اور پھر وہ پوری نماز پڑھے اور زید کا ارادہ بھی وہاں ٹھہرنے کا دو دن یا کم وبیش کا ہے یعنی پندرہ یوم سے کم، پھر بھی وہ مسافر نہیں ہوا۔ فتاویٰ دار العلوم جلد ۴/ ۴۷۱ (۱) پر تحریر ہے: ''اگر کسی آدمی کی زوجہ گھر پر ہو اور پھر وہ آدمی سسرال کو جائے جب کہ اس کی بیوی سسرال میں نہیں ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا بلکہ مسافر رہے گا''۔ اور ۴/ ۴۸۸ (۲) پر تحریر ہے کہ ''سسرال میں پہونچ کر پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقیم رہے گا اور اوپر کے مسئلہ سے معلوم ہوا کہ مسافر رہے گا، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا مسافر ہونے کے لئے سسرال میں عورت کا ہونا ضروری ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو اگر عورت سسرال میں ہو تو زوجہ کا میکہ آدمی کی سسرال نہ رہے گا۔ اور مسافر ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں، ایک شرط ۴۸/ میل ہے اور اس کے علاوہ جو شرائط ہوں تحریر فرمائیں؟ اور کیا محض نکاح کی وجہ سے زید کی سسرال وطن بن جاتا ہے، جب کہ زید نہ سسرال میں رہتا ہے اور نہ آئندہ کے لئے اس کا کوئی وہاں رہنے کا مقصد ہے؟

ایضاً

سوال [۳۵۹۴]: ۲..... بہشتی زیور میں مسافرت کی نماز کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ ''بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنے سسرال رہنے لگے تو اس کا اصلی گھر سسرال ہے۔ تو اگر تین منزل چل کر میکہ گئی اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدہ سے نماز و روزہ کرے۔ اور اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھانا تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا وہ اب بھی رہے گا'' (۳)۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت بیاہ کے بعد سسرال ہی میں رہتی ہے لیکن رنج وخوشی کے موقعہ پر میکہ چلی جاتی ہے۔ کیا مسئلہ مذکورہ میں یہی صورت مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ص: ۴۸۸ کے سوال میں تصریح ہے: ''سسرال میں اگر اسی، ۸۰/ کوس کا فاصلہ ہے تو زید کو سسرال

---

(۱) (فتاوی دار العلوم، کتاب الصلاۃ، مسائل صلاۃ المسافر: ۴/ ۴۷۱، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) (فتاویٰ دار العلوم المصدر السابق، ص: ۴۸۸، إمدادیہ ملتان)

(۳) (بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بیست و یکم، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، ص: ۱۵۹، دار الاشاعت کراچی)

پہونچ کر پوری نماز پڑھنی چاہئے یا قصر کرنا چاہئے''؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ پوری نماز پڑھے، اس کی مسافت پر شرعی سفر نہیں ہوتا۔ ص:۱۷۴ کے سوال میں سومیل کی تصریح ہے جس پر شرعی سفر کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ یہ فرق بدیہی ہے، محض کسی جگہ نکاح کر لینے سے وہ جگہ وطنِ اصلی نہیں ہوجاتی جیسا کہ ص:۱۷۴ کے ایک سوال میں ہے کہ ''زید ساکن الہ آباد اور ہندہ ساکنہ سہارنپور، دونوں سفر کرتے ہوئے مرادآباد پہونچے، وہاں دونوں کا نکاح ہوگیا تو زید کا مرادآباد وطن نہ ہوگا، وہاں قصر ہی کرے گا، البتہ اگر کسی مقام جو کہ سسرال کا شہر ہے وہاں نکاح ہوا اور یہ طے پاجائے کہ باوجود نکاح کے زوجہ کو شوہر کے مکان پر رخصت کر کے نہیں بھیجا جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے والدین کے مکان ہی پر رہے گی اور شوہر کو بھی یہیں رہنا ہوگا جس کو خانہ دامادی کہا جاتا ہے، اس صورت میں شوہر کے حق میں سسرال بھی وطنِ اصلی کے حکم میں ہے، یہاں آکر بھی اس کو اتمام کرنا ہوگا، اگرچہ مسافت طے کر کے آئے اور پندرہ روز سے کم ٹھہرنا ہو''۔

''الوطن الأصلی هو وطن الإنسان فی بلدة أخری اتخدها داراً أو توطن بها مع أهله و ولده و لیس من قصده الارتحال عنها، بل التعیش بها، و هذا الوطن یبطل بمثله لا غیر، و هو أن یتوطن فی بلدة أخریٰ وینتقل الأهل إلیها، فیخرج الأول من أن یکون وطناً أصلیاً حتی لو دخل مسافراً، لا یتمّ قیدنا بکونه انتقل عن الأول بأهله؛ لأنه لو لم ینتقل بهم و لکنه استحدث أهله فی بلدة أخری، فأما الأول لم یبطل و یتم فیهما، الخ''. البحر الرائق، ص: ۱۳۶ (۱)۔

جہاں نکاح کی یہ صورت نہ ہو وہ وطنِ اصلی کے حکم میں نہیں، مسافر ہونے کے لئے تین منزل کی مسافت تقریباً ۴۸/میل کی نیت سے جائے، وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے خارج ہوجائے، بس اتنا ہی کافی ہے (۲)۔

---

(۱) (البحر الرائق، باب المسافر : ۲/۲۳۹، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق، باب صلاة المسافر : ۱/۵۱۷، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر : ۱/۱۴۲، رشیدیه)

(۲) ''(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسیرة ثلاثة أیام و لیالیها بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلی الفرض الرباعی رکعتین) وجوباً''. (تنویر الأبصار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب المسافر : ۲/۲۲۶، رشیدیه)

۲......بعض علاقوں میں دستور ہے کہ شادی کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر ایک دو دن کے لئے بطورِ مہمان کے جاتی ہے پھر واپس چلی آتی ہے، کچھ مدت کے بعد پھر دو چار روز کے لئے جاتی ہے اور چلی آتی ہے کچھ عرصہ تک یہی حال رہتا ہے، اس صورت میں میکہ اس کا وطنِ اصلی رہتا ہے وہ وہاں اتمام کرتی ہے اور شوہر کا مکان ابھی وطنِ اصلی نہیں بنا۔ پھر مستقلاً شوہر کے مکان پر قیام کے لئے آجاتی ہے کہ اصالۃً اب اسے یہاں رہنا ہے، بوقتِ ضرورت میکہ جانا ہوگا، اس لئے شوہر کا وطن ہی اس کا وطنِ اصلی کہلاتا ہے، اب وہاں قصر نہیں کرے گی (۱)۔ بہشتی زیور کی مراد یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۲ھ۔

سسرال میں قصر کی جائے یا اتمام؟

سوال[۳۵۹۵]: مرد اپنی سسرال میں نماز قصر پڑھے یا نہیں؟ کیا بیوی کی نمازِ سفر اور حضر ہر صورت میں شوہر کے مطابق ہے یعنی جہاں شوہر قصر پڑھے بیوی بھی قصر پڑھے اور جہاں شوہر حضر پڑھے بیوی بھی حضر پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شہر میں کسی نے شادی کی ہے اور وہاں اس کی زوجہ مستقل طور پر رہتی ہے تو وہاں قصر نہ کرے گا:

”الوطن الأصلي هو موطن و لادته أو تأهله و توطنه“. در مختار۔ قال الشامي: ”(قوله: أو تـأهله): أي تزوجه، قال في شرح المنية: و لو تزوج المسافر ببلد و لم ينو الإقامة به، فقيل: لا يصير مقيماً، وقيل: يصير مقيماً، وهو الأوجه“. ردالمحتار، ص: ۲۸۹ (۲)۔

دار و مدار اقامت اور توطن پر ہے، اگر شوہر نے اپنا وطنِ اصلی چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطن بنالیا ہے مگر زوجہ اسی جگہ کو جس کو شوہر نے چھوڑا ہے وطنِ اقامت بنائے ہوئے ہے، تو زوجہ اتمام کرے گی اور شوہر وہاں

---

(۱) (راجع البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۹، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة: ۲/۱۳۱، سعيد)

(وبمعناه في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلوة المسافر، ص: ۴۲۹، قديمي)

پہونچ کر اگر نیتِ اقامت نہ کرے تو قصر کرے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

متبنیٰ ہونے سے وطنِ اصلی نہیں بنتا

سوال [۳۵۹۶]: ایک شخص نے دیوبند سے تقریباً تین سو میل کا سفر کیا اور جہاں یہ شخص گیا وہاں کا یہ متبنّٰی ہے اور وہاں پر آٹھ نو روز قیام کرنے کا ارادہ ہے، آیا اس شخص کے دورانِ قیام نماز پوری ادا کرنی ہوگی یا قصر ادا کرے گا؟ اگر یہ مذکور شخص نماز پڑھادے بھول کر تو کیا حکم ہے؟ اور اگر جان کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ مقام اس کا وطنِ اصلی نہیں ہے تو صورتِ مذکورہ میں وہ قصر کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ اس کی امامت جائز ہے مگر قصر کرے، اتمام کرنے سے مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوگی (۲)، جان کر اتمام کرنے سے گناہگار بھی ہوگا، بھول کر اتمام کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۲/۹۰ھ

---

(۱) "وتعتبر نية الإقامة والسفر عن الأصل دون التبع، كالمرأة و العبد والجندی .... أی المرأة تبع للزوج .... اهـ". (تبيين الحقائق، باب صلوة المسافر: ۱/۵۰۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "ولو نوى الإقامة لالتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين لم يصر مقيما". قوله: "(لم يصر مقيماً)، فلوأتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه إقتداء المفترض بالمتنفل". (ردالمحتار، باب صلوة المسافر: ۲/۱۳۰، سعيد)

"حتى لو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت صلاتهم ؛ لأن هذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا يصح اهـ". (منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر : ۲/۲۳۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۰۲، مجيد لاهور)

(۳) "فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخير السلام وترك =

داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟

سوال[۳۵۹۷]: مسافر سسرال میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ گھر داماد ہے یعنی یہ شرط کردی گئی کہ لڑکی ہمیشہ اپنے میکہ میں رہے گی رخصت ہوکر سسرال نہیں جائے گی تو وہاں پہونچ کر قصر نہیں کرے گا، وہ اس کے لئے وطن ہوگیا(۱)۔ اگر یہ شرط نہیں ہے تو وہاں قصر کرے گا، اِلا یہ کہ نیتِ اقامت کرے یعنی کم از کم پندرہ روز وہاں رہنے کی نیت کرلے گا تو قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

= واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض، وهذا لايحل كما حرره القهستاني بعد أن فسر "أساء" "بأثم" واستحق النار". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب صلوة المسافر: ۱۲۸/۲، سعيد)

"(فلو أتم وقعد في الثانية صح، وإلا لا): أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين، لم يصح فرضه؛ لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخر يان له نفلاً كالفجر وصار آثماً لتأخيره السلام". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲۳۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب المسافر: ۱۶۶/۱)

(۱) "الوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في بلدة أو بلدة أخرى اتخذها داراً، أو توطن بها مع أهله و ولده، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، و هذاالوطن يبطل بمثله لا غير، وهو أن يتوطن في بلدة أخرى و ينتقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً، حتى لو دخل مسافراً لا يتم. قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله؛ لأنه لولم ينتقل بهم، ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرى، فإن الأول لم يبطل، و يتم فيهما". (البحرالرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲ رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۰۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام، صلى الفرض الرباعي ركعتين .... حتى يدخل موضع مقامه أو ينوى نصف شهر .... فيقصر إن نوى أقل منه: أي نصف شهر". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۱۱/۱، ۵۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

عورت میکہ میں اتمام کرے گی یا قصر؟

سوال[۳۵۹۸]: اگر عورت کا میکہ مسافت سفر پر واقع ہو تو عورت اپنے میکہ میں اتمام کرے گی یا قصر جب کہ بہشتی زیور(۱) میں اتمام کا فتوی ہے تو کون سا فتوی معتبر ہے؟ پھر دونوں فتووں میں تعارض کیسے پیدا ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شادی کے بعد شوہر کے مکان پر ایک روز کے لئے آنا ہوتا ہے، یہ آنا عارضی ہے، جب میکہ جائے گی اتمام کرے گی، پھر جب شوہر کے مکان پر مستقل قیام کے لئے آنا ہوگا ایسی حالت میں میکہ عارضی طور پر پندرہ روز سے کم کے لئے جانا ہو تو قصر کرے گی، اس طرح تعارض رفع ہو جائے گا کیونکہ ہر دو کا محمل الگ الگ ہے(۲) دفع تعارض کے لئے تطبیق کا طریقہ بھی اور ترجیح کا طریقہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حالتِ سفر میں حیض اور بہشتی زیور کی عبارت کی وضاحت

سوال[۳۵۹۹]: بہشتی زیور کے مندرجہ ذیل مسائل میں شک ہو رہا ہے اس کی صحیح صورت

---

(۱) ''مسئلہ۲۱: بیاہ کے بعد اگر عورت مستقل طور پر اپنے سسرال رہنے لگی تو اس کا اصل گھر سسرال ہے تو اگر تین منزل چل کر میکے گئی اور پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں ہے تو مسافر رہے گی، مسافرت کے قاعدے سے نماز روزہ کرے۔ اگر وہاں کا رہنا ہمیشہ کیلئے دل میں نہیں تو جو وطن پہلے سے اصلی تھا وہی اب بھی اصلی رہے گا''۔ (بہشتی زیور، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، حصہ دوم، ص: ۱۵۹، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) "(الوطن الأصلی) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقي لم يبطل، بل يتم فيهما (لا غير)". (التنوير الأبصار الدرالمختار، باب صلاة المسافر: ۱۳۱/۲، ۱۳۲، سعيد)

"والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدة .... وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير، وهو أن يتوطن في بلدة أخرى و ينتقل الأهل إليها، فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً حتى لو دخل مسافراً، لا يتم". (البحرالرائق، باب المسافر: ۲۳۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، رشيديه)

واضح فرمائیں:

مسئلہ: ''چار منزل کی نیت سے ایک عورت چلی، لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گزری تب بھی مسافر نہیں ہے، اب نہادھو کر پوری چار رکعت پڑھے، البتہ حیض سے پاک ہونے کے بعد بھی وہ جگہ اگر تین منزل پر یا چلتے وقت پاک تھی راستہ میں حیض آ گیا ہو تو وہ البتہ مسافر ہے، نماز مسافر کی طرح پڑھے۔

"حاشیہ نمبر: ۷ لحدیث الحائض، وھی لمقصد ھا یومان تتم فی الصحیح". شرح التنویر ۸۳۳/۱(۱) تاج بہشتی زیور مکمل و مدلل ۴۲/۲ (۲)۔

بعض لوگ عبارتِ بالا سے درج ذیل تین صورتیں سمجھ رہے ہیں:

۱-حیض کی حالت میں شرعی حد کی مسافرت میں نکلی، جہاں جا کر حیض منقطع ہو گیا اگر وہاں ٹھہر جائے یا اس سے آگے تین منزل سے کم اور جانا ہو تو دونوں صورت میں مسافر نہیں پوری نماز پڑھے خواہ کلکتہ سے دہلی جا کر یہ بات ہو یا بمبئی جا کر وغیرہ وغیرہ۔

۲-مذکورہ عورت کو دم حیض منقطع ہونے کے بعد اگر آگے تین یا اس سے زائد منزلیں جانا ہو تو وہ مسافر ہے، مسافروں کی سی نماز پڑھے (۳)۔

۳-اگر گھر سے پاک نکلی تھی اور راستے میں حیض آ گیا تو بھی مسافر ہے اور مسافروں کی طرح نماز پڑھے دم منقطع ہونے کے بعد۔ کیا یہ صحیح ہے، اگر نہیں تو عبارتِ بالا کا صحیح مطلب کیا ہے اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! یہ تینوں صورتیں اس مسئلہ میں داخل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاۃ المسافر [فروع] : ۱۳۵/۲، سعید)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بست ویکم، مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان، ص: ۱۵۸، دار الإشاعت، کراچی)

(۳) "طھرت الحائض و بقی لمقصدھا یومان، تتم فی الصحیح کصبی بلغ". (الدر المختار). "(قولہ: تتم فی الصحیح) کذا فی الظھیریۃ. قال: و کأنہ لسقوط الصلاۃ عنھا فیما مضی، لم تعتبر حکم السفر فیہ، فلما تأھلت اعتبر من وقتہ". (ردالمحتار، باب صلاۃ المسافر [فروع] : ۱۳۵/۲، سعید) ....=

سفر میں بے وضو پڑھی گئی واجب الاعادۃ نماز میں قصر کا حکم

سوال [۳۶۰۰]: اگر کسی نے ظہر کی نماز پڑھی اور اسی وقت کے اندر سفر کیا پھر عصر کی اپنے وقت کے اندر نماز پڑھی پھر سفر کو سورج غروب ہونے سے پہلے ترک کر دیا، پھر یاد آیا کہ اس نے ظہر وعصر کی نماز بے وضو پڑھی تھی، تو اب وہ کونسی نماز قصر پڑھے اور کونسی نماز پوری پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظہر کی نماز قصر کرے کیونکہ اس وقت مسافر تھا، عصر کی نماز پوری پڑھے کیونکہ اس وقت سفر ختم کر چکا تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سفر شرعی ہو (مسافتِ قصر سفر نہ ہو)۔ فقط۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

سفر میں قصر واتمام کی صورتیں

سوال [۳۶۰۱]: ایک شخص اپنی ملازمت کے فرائض کی تکمیل میں اپنے ہیڈ کوارٹر مثلاً سہار نپور میں تعینات ہے اور ہیڈ کوارٹر کے باہر اکثر دورہ پر رہتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک یا دو روز کے خیال سے باہر گیا اور زیادہ عرصہ میں کام پڑ جانے پر واپس آیا، اس مقام سے کسی دوسرے مقام کو جانا پڑ گیا، یا امید کے خلاف کم عرصہ میں ہیڈ کوارٹر کو واپس آیا، کام گو زیادہ تر باہر ہی رہنے کا ہے اور روانگی و واپسی و باہر کے قیام اور اس کے فاصلے کا کوئی یقین نہیں ہے، شاید سال بھر میں ہفتہ دو ہفتہ کے لئے بیک وقت برابر ہیڈ کوارٹر پر رہنے کا موقع ملتا ہو۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، قبيل باب الجمعة: ۱/۳۳۷، دار المعرفة بيروت)

(۱) "(والقضاء يحكي الأداء سفراً و حضراً". (الدر المختار). "(قوله: سفراً و حضراً): أى فلو فاتته صلاة السفر و قضاها في الحضر، يقضيها مقصورةً كما لو أداها، و كذا فائتة الحضر تقضى في السفر تامةً، اهـ". (ردالمحتار، باب صلوة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي: ۲/۱۳۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۱۴۱، رشيديه)

(و كذا في الهداية: ۱/۱۶۷، مكتبه شركة علمية ملتان)

اندریں حالات نماز کے متعلق رجوع ہے کہ نماز قصر کن صورتوں میں کی جائے اور قصر سنن پر بھی اثر انداز ہوگا یا نہیں؟ جواب مفصل وشافی عطاء فرمایا جاوے۔

معرفت: حافظ خالد گنگوہی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت (یعنی جہاں پندرہ یوم کے قیام کا قصد ہو) سے جب سفر شروع ہو تو دیکھنا چاہئے کہ کتنی دور چلنے کا مصمم ارادہ ہے، اگر کم از کم تین منزل چلنے کا قصد ہے خواہ یکدم خواہ بیچ میں ٹھہرتے ہوئے (بشرطیکہ پندرہ یوم سے کم ٹھہرنے کا قصد ہو) تو قصر کرنا یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھنا ضروری ہے (۱) اگر تین میل چلنے کا قصد نہیں بلکہ کم کا ہے تو قصر جائز نہیں اسی طرح اگر تین منزل چلنے کا قصد ہے لیکن نہ بیچ میں کسی ایسی جگہ کم از کم پندرہ یوم ٹھہرنے کا قصد ہے کہ جو تین منزل سے کم ہے تب بھی اس سفر میں قصر جائز نہیں اور اس جگہ سے چلنے کے لئے قصر کے لئے وہی مسافت معتبر ہوگی (۲)۔

اگر ابتدائے سفر میں تین منزل کا ارادہ ہے لیکن تین منزل پوری ہونے سے پہلے اتفاقاً واپسی کا ارادہ ہوگیا تو واپسی کے ارادہ سے پہلے قصر کرنا چاہئے واپسی کے بعد قصر نہیں بلکہ اتمام ہے (۳)، اگر ابتدائے سفر میں تین منزل سے کم کا قصد تھا لیکن کسی مقام پر پہونچ کر اتفاقاً تین منزل یا اس سے زائد کا قصد ہوگیا تو اس قصد سے

---

(۱) (راجع، ص: ۵۰۵، رقم الحاشیة: ۳)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً و لو کافراً، و من طاف الدنیا بلاقصدٍ، لم یقصر .... (أو ینوی) ولو فی الصلاة ...... (إقامة نصف شهر) ...... لو دخل الحاجُ الشام وعلم أنه لا یخرج إلا مع القافلة فی نصف شوال، أتم؛ لأنه کناوی الإقامة (بموضع) واحد". (التنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، رشیدیه)

(۳) "وقالوا: إنما یشترط دخول المصر للإتمام إذاسار ثلاثة أیام فصاعداً، و أما إذا لم یسر ثلاثة أیام، فیتم بمجرد الرجوع إلی وطنه وإن لم یدخله؛ لأنه نقض السفر قبل الاستحکام، إذ هو یحتمل النقض".

(تبیین الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۱۲/۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدر المختار، باب صلاة المسافر: ۱۲۴/۲، سعید)

پہلے قصر نہ تھا، اس قصد کے بعد قصر ہوگا(۱)۔ اگر کسی مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تب قصر جائز نہیں(۲) ہر حال میں اتمام ضروری ہے۔

سفر میں قصر فرائض میں ہوگا سنن میں قصر نہیں، اگر چلتے چلتے سفر میں نماز کے لئے کچھ دیر ٹھہرنے کی نوبت آئے تو ایسے وقت سنن کی ادائیگی کا حکم باقی نہیں رہتا اور پندرہ یوم سے کم کسی جگہ حالتِ سفر میں ٹھہرنے کے وقت سنن کو بھی ادا کرنا چاہئے۔ تین منزل کی تعیین میں اختلاف ہے، متوسط منزل سولہ میل کی ہوتی ہے، تو ۴۸/ میل مسافتِ سفر ہوئی اور بعض اس سے زیادہ طویل کہتے ہیں بعض قصیر، اس کا مدار عرف پر ہے۔

”من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعيّ ركعتين، و لو عاصياً بسفره، حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع صالح لها، فيقصر إن نوى أقل منه، و يأتي بالسنن إن كان في حال أمن و قرار، وإلالا“. تنوير: ۱/۸۲۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

قصر واتمام

سوال[۳۲۰۲]: ۱...... بندہ ایک عرصہ سے آلہ آباد میں دینی کام کرتا ہے، وطنِ اصلی بارہ بنکی ہے،

---

(۱) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

(۲) ”(وإن اقتدى مسافر في الوقت، صح وأتم) هكذا روي عن ابن عباس وابن عمر، ولأنه تبع لإمامه، فيتغير فرضه إلى أربع كما يتغير بنية الإقامة لاتصال المغير بالسبب وهو الوقت“. (تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، رشيديه)

(۳) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۸، ۱۳۹، رشيديه)

عموماً پندرہ بیس دن آلہ آباد میں رہتا ہے اور تین چار دن کے لئے بارہ بنکی چلا جاتا ہے۔ غرضیکہ قیام کی کوئی خاص نیت نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہ بیس دن رہوں گا، کبھی آٹھ ہی دن میں چلا جاتا ہوں، اس وقت مجھے نماز قصر پڑھنی پڑے گی یا پوری؟

۲......کبھی پندرہ دن کی نیت ہوتی ہے، لیکن آس پاس کے دیہاتوں میں گزرتا ہے دن اور رات، آلہ آباد میں قصر ہوگی یا نہیں؟ نیز جو نماز دیہاتوں میں پڑھی اس میں قصر ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......بارہ بنکی میں آپ جب داخل ہوں گے، پوری نماز پڑھیں گے خواہ وہاں ایک ہی نماز کے بقدر قیام ہو، آلہ آباد میں اگر پندرہ روز مسلسل قیام کی نیت ہو تو وہاں بھی پوری نماز پڑھیں گے اگر چہ پندرہ روز کی نیت کی صورت میں پہلے سفر کی نوبت آجائے (۱)، اگر پندرہ روز سے کم قیام کی نیت ہو تو وہاں نماز قصر کریں گے (۲)۔

۲......اگر آلہ آباد میں پندرہ روز قیام کی نیت ہے مگر درمیان میں آس پاس دیہات میں جانے کی ضرورت پیش آگئی جو کہ سفرِ شرعی سے کم مسافت پر واقع ہیں تب بھی پوری نماز پڑھی جائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(حتى يدخل مصره أو ينوى الإقامة نصف شهر فى بلد أو قرية) متعلق بقوله: (مصر) أى قصر إلى غاية دخول المصر أو نية الإقامة فى موضع صالح للمدة المذكورة فلا يقصر ، أطلق فى دخول مصره، فشمل ما إذا نوى الإقامة به أو لا". (البحر الرائق، باب المسافر : ۲/۲۳۰، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر : ۲/۱۲۴، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر : ۱/۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "(فيقصر إن نوى) الإقامة (فى أقل منه): أى فى نصف شهر". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر : ۲/۱۲۵، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، باب المسافر : ۲/۲۳۳، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر : ۱/۵۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "(قوله: لو نوى مبيته بأحدهما) فإن دخل أولاً الموضع الذى نوى المقام فيه نهاراً، لا يصير مقيماً، =

مسافر کو اتمام

سوال[۳۶۰۳]: اگر مسافر سہو سے چار رکعت پڑھ جاوے پھر بعد میں یاد آوے تو یہ نماز ہو جاوے گی یا یہ لوٹا کر پھر پڑھے گا؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سہواً سفرِ شرعی کی حالت میں اتمام کیا اور قعدۂ اُولیٰ بھی کیا تو فرض ادا ہو گیا لیکن تاخیرِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز کا اعادہ کرنا چاہئے:

"فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد، صحت صلاته مع الكراهة، لتأخير الواجب، وهو السلام عن محله، إن كان عامداً، فإن كان ساهياً يسجد للسهو". مراقی الفلاح مختصراً (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= وإن دخل أولاً مانوى المبيت فيه، يصير مقيماً، ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لا يصير مسافراً؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت به، حلية. (قوله: أو كان أحدهما تبعاً للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء .... وفي البحر: لو كان الموضعان من مصرٍ واحدٍ أو قرية واحدةٍ، فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكماً، ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۳/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۶، قديمي)

(۱) (مراقي الفلاح، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۵، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۸/۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۱۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

ایضاً

سوال[۳۶۰۴]: زید دیوبند سے سفرِ شرعی پر گیا وہاں اس نے قصر کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی نماز پڑھائی مگر اسے سفر کا کوئی خیال نہ تھا، کیا اس کا نماز پڑھانا اور خود چار رکعت پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ان لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں، یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہاں تک سفر کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے یا نہیں، یا سفر میں بھی قصر یا غیر قصر کی نیت کرنا ہوگی یا نہیں، نیت کے بارے میں ضرور روشنی ڈالیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مسافت سفرِ شرعی کا قصد کرکے آدمی چلے تو اس کے لئے قصر کرنا واجب ہوتا ہے، تنہا نماز پڑھے یا امام ہوکر پڑھائے، اتمام کی اجازت نہیں (۱)، اگر خیال سفر نہ رہے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اتمام کرلیا اور دو رکعت پر قعدہ بھی کیا ہے تو دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوکر نماز ہوگئی لیکن جب مقیم نے اس کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اس کو اپنی نماز لوٹانی چاہئے (۲)، امام کو چاہئے کہ مقتدی کو خبر کردے کہ فلاں روز فلاں وقت جس نے میرے پیچھے نماز پڑھی وہ اپنی نماز لوٹالے، میں مسافر تھا، نیت اتنی کافی ہے کہ ''فلاں وقت کی نماز امام کے پیچھے اللہ کے لئے پڑھتا ہوں''۔ پھر امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم ہے تو دو رکعت پر سلام پھیردے اور امام

---

(۱) ''من خرج من عمارة موضع إقامته .... مسيرة ثلاثة أيام ولياليها .... صلى الفرض الرباعيّ ركعتين وجوباً''. (الدر المختار). ''(قوله: وجوباً) فيكره الإتمام عندنا''. (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۵، ۲۳۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يصير به المقيم مسافراً: ۱/۲۶۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) ''(ولونوى الإقامة لالتحقيقها بل ليتم صلاة المقيمين، لم يصر مقيماً)''. (الدر المختار). ''(قوله: لم يصر مقيماً) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل''. (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰)

(وكذا في منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۲۳۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۰۲، امجد اكيڈمی، لاهور)

کے بعد مقتدی مقیم اپنی دو رکعت پوری کرلے مگر ان دو رکعت میں نہ الحمد پڑھے نہ سورت پڑھے بلکہ اتنی دیر خاموش کھڑا ہو کر سجدہ کر کے نماز پوری کرلے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

امام مسافر کا اتمام کرنا

سوال [۳۶۰۵]: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیانِ شرع مفتین اندریں مسئلہ کہ شخصے بحالتِ سفر نمازِ خود را بجائے دو رکعت چار رکعت ادا نمود عمداً یاسہواً، منفرد باشد، یاامام، و در ہر دو صورت مسئلہ مذکور بحکمِ شرع چہ حکم دارد، آیا نمازش بحالتِ انفرادِ خود را ادا نمود؟ دریں صورت مع احتمالات و ہر چہ حکم دارد، مفصل و مشرح با دلائلِ واضحہ تحریر فرمودہ ممنون فرمائید . بینوا وتوجروا .

المستفتی خلیل الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافرِ شرعی کے لئے اتمام جائز نہیں بلکہ صلوٰۃ رباعی کو دو پڑھنا ضروری ہے: "صلی (المسافر) الفرض الرباعیّ رکعتین وجوباً". در مختار: ۱/۱۰۷ (۲)۔ اگر مسافر نے اتمام کیا ہے اور قعدۂ اُولیٰ بھی کیا ہے تو اس کے فرض ادا ہوگئے لیکن یہ مکروہ ہے اور سجدۂ سہو واجب ہے، اگر عمداً ایسا کیا ہے تو گنہگار ہوگا اور

---

(۱) "وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت، فإذا قام (أی بعد سلام الإمام) إلی الإتمام، لایقرأ".
(الدر المختار مع تنویر الأبصار، باب صلوة الماز: ۲/۱۲۹، سعید)

"وإذا صلی المسافر بالمقیم رکعتین سلم وأتم المقیمون صلاتهم؛ لأن المقتدی التزم الموافقة فی الرکعتین، فینفرد فی الباقی کالمسبوق، إلا أنه لایقرأ فی الأصح". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۲۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

اعادہ واجب ہوگا: "فلو أتم المسافر إن قعد فی القعدۃ الأولی، تمّ فرضہ ولکنہ أساء لو عامداً لتاخیر السلام". در مختار: ۱/۵۳۰، نعمانیہ(۱)۔

دو رکعت ایسی صورت میں فرض ہونگی اور دو نفل و مازاد نفل، اگر امام نے حالتِ امامت میں اتمام کیا ہے اور مقیم مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں بھی امام کا اقتداء کیا ہے تو مقتدیوں کی نماز فرض نہیں ہوئی: "فلو أتم المقیمون صلوتھم معہ، فسدت؛ لأنہ اقتداء المفترض بالمتنفل، ظھیریۃ: أی إذا قصدوا متابعتہ". شامی: ۱/۵۳۱ (۲)۔

اگر مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں امام کا اقتداء نہیں کیا تو مقتدیوں کی نماز درست ہوگی: "أما لو نووا مفارقتہ ووافقوہ صورۃً، فلا فساد، أفادہ الخیر الرملی" (۳)۔

اگر مسافر نے قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تو فرض ادا نہیں ہوئے بلکہ تمام نماز نفل ہوگی: "وإلا لم یقعد (فی القعدۃ الأولیٰ) بطل فرضہ، و صار الکل نفلاً" (٤)۔

اگر مسبوق کو اپنا مسبوق ہونا یاد نہیں تھا بلکہ دوسرے کے اشارہ سے کھڑا ہوا ہے کچھ توقف نہیں تو ان کی نماز فاسد ہوگئی، اگر اشارہ کے بعد خود یاد آ گیا، اور کچھ توقف کرکے کھڑا ہوگیا، تو نماز فاسد نہیں ہوئی:

"والصحیح قولھما عملاً بقصد المتکلم حتی لو امتثل أمر غیرہ، فقیل لہ: تقدم، فتقدم .... فسدت، بل یمکث ساعۃً، ثم یتقدم برأیہ". درمختار: ۱۸۱ (۵)۔ قال الطحطاوی:

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۲/۱۲۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۰، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب صلاۃ المسافر: ۱/۵۱۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر: ۲/۱۳۰، سعید)

(وکذا فی منحۃ الخالق علی البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۸، رشیدیہ)

(۳) (الدر المختار، المصدر السابق)

(٤) (الدر المختار، باب صلاۃ المسافر: ۲/۱۲۸، سعید)

(۵) (الدر المختار، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا: ۱/۶۲۲، سعید)

"(قوله: فقيل له: تقدم فتقدم) الفساد فيه ظاهر"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ، ۵/۱/۵۲ھ۔

بندہ: عبدالرحمٰن غفرلہ، عبداللطیف ۱۰/۱/۵۲ھ۔

امام مسافر نے اتمام کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۶۰۶]: حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ مولانا آزاد آئے ہوئے تھے انہوں نے غلطی سے پوری نماز ظہر پڑھ دی، حالانکہ وہ قصر کر رہے تھے تو اب نماز ہوگی یا نہیں؟ بعد میں انہوں نے اعلان بھی کر دیا تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دو رکعت پر قعدہ کر کے بھول کر کھڑے ہو گئے اور چار رکعت پوری کرلی تو فرض ادا ہو گیا، امام کا بھی اور مسافر مقتدیوں کا بھی (۲)، لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گزرنے جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں (۳)۔ اور جو مقتدی مقیم تھے ان کی نماز نہیں ہوئی، ان کو بہرصورت اعادہ لازم ہے وقت باقی ہو یا ختم

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها: ۱/۲۶۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) "(فلو أتم مسافر، إن قعد في) القعدة (الأولى، تم فرضه، و) لكنه (أساء) لو عامداً، لتاخير السلام وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح النفل و خلط النفل بالفرض". (الدر المختار).

"(قوله: لتأخير السلام)......... إذا صلى خامسةً بعدالقعود الأخير، يضم إليها سادسة، ويسجد للسهو، لتركه السلام .... و مسألتنا نظير الأولى لا الثانية، أفاده الرحمتي". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "والوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً حتى ان من عليه السهو في صلاة الصبح إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول، سقط عنه السجود". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب سجود السهو: ۲/۷۹، سعيد)

ہوگیا ہو(۱)۔ اگر دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو فرض ادا نہیں ہوا، نہ امام کا نہ مقتدیوں کا، دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۳۶۰۷]: اگر کوئی مسافر جس پر قصر واجب تھا امام ہو اور پوری چار رکعت مقیم مقتدیوں کو پڑھادے تو مقیم مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ درمختار میں لکھا ہے کہ نہیں ہوگی اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مسافر پر دو ہی رکعت واجب تھی اس نے جو چار رکعت پڑھی ہیں اس کی دو رکعت فرض ہوگئی اور باقی دو رکعت نفل ہوگی، مقتدیوں کی چونکہ چاروں رکعتیں فرض ہیں باقی دو رکعتیں ان کی نفل پڑھانے والے کے پیچھے ادا ہوئی اور مسئلہ کی رو سے نفل پڑھانے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی، اس لئے مقیم مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی۔ اگر وہی مسافر امام بن کر دو رکعت نماز کا اعادہ کرے اور مقیم مقتدی اس کی اقتداء کریں تو بھی مقیم مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی کیونکہ پہلی نماز میں مسافر امام کے فرض ادا ہوچکے ہیں اور اب اس کے ذمہ فرض نہیں، اور مقتدیوں کے ابھی فرض ادا نہیں ہوئے، اس لئے مقیم مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی۔

اب آپ فرمائیں کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مجھے اس میں جہاں مغالطہ ہوا ہے کتب کی وضاحت کریں، کیونکہ میں آپ کے سامنے ایک مبتدی کی حیثیت رکھتا ہوں اور مسئلہ ہذا میں تصحیح کا متمنی ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ تو صاف ہے، وجہ مغالطہ کی شرح کریں تو معلوم ہو۔ مسافر امام نے جب دو رکعت پر قعدہ کیا اور

---

(۱) "(قوله: لم يصر مقيماً) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهيرية: أي إذا قصدوا متابعته". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، سعید)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۸، رشیدیه)

(۲) "(وإن لم يقعد، بطل فرضه) و صار الكل نفلاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۱۲۸، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۰، رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

چار پوری کی دو فرض ہوئیں اور دو نفل، جو مقتدی مقیم تھے ان کی نماز آخری دو رکعتوں میں صحیح نہیں ہوئی، کیونکہ اقتداء المفترض خلف المتنفل ناجائز ہے، اب امام نے جب اسی نماز کو دوبارہ پڑھا اور دو ہی پر سلام پھیر دیا تو اس کی نماز میں خلط النفل بالفرض کی وجہ سے جو اساءت ہوتی تھی اس کی مکافات ہوگئی، یہ نماز اس کے حق میں پہلی نماز کے لئے ہوئی اور فریضہ پہلی ہی نماز میں پورا ہو چکا تھا۔ مقتدیوں کا فریضہ پہلی نماز میں فاسد ہوگیا تھا اس لئے ان کی دوسری نماز فرض ہوئی جو کہ اقتداء الفرض خلف المتنفل کی وجہ سے پھر فاسد ہوگئی:

"(فلو أتم مسافر إن قعد فی) القعدة (الأولیٰ، تم فرضه و) لکنه (أساء) لو عامداً لتأخیر السلام وترك واجب القصر، وواجب تکبیرة الافتتاح النفل، و خلط النفل بالفرض، وهذا لا یحل، کما حرره القهستانی بعد أن فسّر "أساء" بأ ثم و استحق النار. و ما زاد نفل کمصلی الفجر أربعاً، اهـ". درمختار(۱)۔ "والمختار أن الإعادة لترك واجبِ نفلٌ جابرٌ، والفرض سقط بالأولیٰ؛ لأن الفرض لا یتکرر، اهـ". طحطاوی، ص: ۱۲۴ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

نمازِ قصر

سوال[۳۲۰۸]: قصر نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ مثلاً ظہر کی نماز قصر پڑھنا ہے تو نیت کس طرح کرنا چاہیے؟

عبد المجید، بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بس نمازِ ظہر کی نیت کر کے دو رکعت ادا کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۸/۲، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۱۱/۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۰/۲، رشیدیه)

(۲) (الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی واجب الصلاة، ص: ۲۴۸، قدیمی)

(و کذا فی رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۵۷/۱، سعید)

(۳) "(ولا بدمن التعیین عند النیة (فرض) أنه ظهر أو عصر قرنه بالیوم أو الوقت أو لا، هو الأصح".=

مسافر اگر اسی روز لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ قصر کرے گا

سوال[۳۲۰۹]: مسافر ایک ہزار میل کے ارادہ سے گھر سے نکلا اور اسی روز واپسی کا ارادہ بھی رکھتا ہے تو یہ قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک وہ اپنے گھر واپس نہیں پہونچے گا قصر کرے گا، اس روز کی جو جو نمازیں وطن سے باہر پڑھے محض اس روز واپسی کے ارادہ کی وجہ سے پوری نہ پڑھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

مسافر کے حق میں سننِ رواتب کا حکم

سوال[۳۲۱۰]: ۱......مسافر کے لئے سنتوں کا کیا حکم ہے؟

۲......زید کہتا ہے کہ سفر میں سنتیں نفل کے حکم میں ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۳......ایک صاحب کا کہنا ہے کہ مسافر کے لئے سنتیں معاف ہیں۔ آیا ایسا کہنا کیا ہے؟

۴......سفر کے علاوہ اور بھی کسی حالت میں سنتیں معاف ہیں؟

مذکورہ چاروں جزئیات میں علمائے دیوبند کا کیا خیال ہے؟ مطلع فرمائیں۔

= (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب شروط الصلوة: ۴۱۸/۱، سعید)

(وكذا في الحلبي الكبير: الشرط السادس في النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۶۵/۱، رشيديه)

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعيّ ركعتين حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲، ۱۲۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۰۷/۱، ۵۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں سنتوں کی تاکید آئی ہے اور بلا عذر تارک السنۃ کے لئے شفاعت سے محرومی کی وعید ہے جہاں تک ہوسکے سنتوں کی پابندی کریں (۱) مسافر اگر تشویش اور انتشار کی حالت میں نماز پڑھتا ہے جیسے پلیٹ فارم پر گاڑی کا وقت قریب ہے، مسافروں کا ہجوم ہے، یا کسی جگہ چلتے چلتے بس ٹھہری اور بہت جلد روانہ ہوجانے والی ہے تو ایسی حالت میں وہ فرائض پر اکتفاء کرے کہ شریعت نے اس کو سہولت کی خاطر چار رکعت فرض کی جگہ دو ہی کو فرض قرار دیا تو سنتیں نہ پڑھنے پر کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ اور جب سکون کی حالت میں ہو مثلاً کسی شہر میں آٹھ دس روز کے لئے ٹھہرا ہوا ہے اور ہر طرح اطمینان ہو تو سنتیں ترک نہ کرے، مسافر کے لئے سنن کا تاکد نہیں ہے۔ کوئی مریض لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہے یا بیٹھ کر پڑھتا ہے، زیادہ دیر نہیں بیٹھ پاتا اس کے حق میں بھی سنتوں کا تاکد نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۹ھ۔

سفر میں سنتوں کا قصر

سوال [۳۶۱۱]: سفر کی حالت میں جب کہ فرائض نماز کا قصر کیا جائے، سنتوں کا قصر کیا جائے، یا وہ پوری پڑھنی چاہئیں، یا بحالتِ سفر قصر فرائض نماز کی حالت میں وہ معاف ہیں، یا ان کا نہ پڑھنا نقص نماز کا

---

(۱) "عن أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعةً تطوعاً، بني له بهن بيت في الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب التطوع و ركعات السنة: ۱/۱۸۵، امداديه ملتان)

"(و) السنن (آكدها سنة الفجر) اتفاقاً، ثم الأربع قبل الظهر في الأصح، لحديث: "من تركها لم تنله شفاعتي، ثم الكل سواء". (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، سعيد)

(۲) "(ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمنٍ وقرار، وإلا) بأن كان في خوف و فرار (لا) يأتي بها، هو المختار؛ لأنه ترك لعذر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيديه)

موجب ہوگا؟ کیوں کہ اگر سنتیں بدستور رہیں تو سفر کی حالت میں صرف فرائض کا قصر کرنا اللہ میاں کی طرف سے پوری اعانت نہ ہوئی۔

ظفر احمد سائل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسافر بر سرِ سفر ہے اور کسی جگہ نماز کے لئے ہی ٹھہرا ہے تو اس کو سنتیں پڑھنے کی ضرورت اور تاکید نہیں، تاہم اگر عجلت نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے، البتہ اگر کسی جگہ مقیم ہے مثلاً دو، چار روز کے لئے ٹھہرا ہوا ہے تو اس کو پوری سنتیں پڑھنا چاہئیں، یہی قول راجح ہے، ورنہ اقوال اَور بھی ہیں:

"و یأتی المسافر بالسنن إن کان فی حال أمنٍ و قرار، و إلا بأن کان فی خوف و فرار لا یأتی بها، هوالمختار". در مختار۔ قال الشامی: "قیل: الأفضل الترك ترخیصاً، و قیل: الفعل تقرباً، و قال الهندوانی: الفعل حال النزول، والترك حال السیر. وقیل: یصلی سنة الفجر خاصةً، و قیل: سنة المغرب أیضاً، بحر. قال فی شرح المنیة: و الأ عدل ما قاله الهندوانی، اهـ. قلت: والظاهر أن ما فی المتن هو هذا، وأن المراد بالأمن والقرار النزولُ، و بالخوف والفرار السَّیر، لکن قدمنا فی فصل القراءة أنه عبر عن الفرار بالعجلة؛ لأنها فی السفر یکون غالباً من الخوف، تأمل". شامی: ۱/۸۲۸(۱).

دراصل مغرب کے علاوہ ہر نماز دو دو ہی رکعت تھی بعد ہجرت صلوٰۃِ حضر میں اضافہ ہوا سوائے فجر کے اور صلوٰۃِ سفر اپنی اصلی حالت پر برقرار رہی، کما فی حدیث عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فی الصحیحین: "قالت: فُرضت الصلوة رکعتین رکعتین، فأقرت صلوة السفر، و زیدت فی صلوة الحضر". و فی لفظ البخاری: "قالت: فُرضت الصلوة رکعتین رکعتین، ثم هاجر النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ففرضت أربعاً و ترکت صلوة السفر علی الأول". ردالمحتار: ۱/۵۲۷ نعمانیه(۲).

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاةالمسافر: ۱/۱۳۹، رشیدیه)

(و کذا فی البحرالرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۹ رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعید) ....=

اور سنت جب پڑھی جائیں گی تو پوری پڑھی جائیں گی ان کا قصر نہ ہوگا، جیسا کہ فجر، مغرب و وتر کا قصر نہ ہوگا، قال الشامي تحت قول الدر: "(صلى الفرض الرباعي ركعتين): احترز بالفرض عن السنن والوتر، و بالرباعيّ عن الفجر والمغرب"(۱)۔

جو بات جس طرح شریعت میں مذکور و وارد ہو اس کو اسی طرح مان لینا چاہئے، اپنی رائے اور قیاس کو اس میں دخل دینا شانِ عبدیت کے منافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/صفر/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/صفر/۵۳ھ۔

سفر میں سنتیں

سوال[۳۶۱۲]: کیا سفر میں سنتیں معاف ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گاڑی کی آمد یا روانگی کے وقت ہجوم کی حالت ہو کہ سوار ہونا یا اترنا دشوار ہو اور گاڑی چھوٹ جانے کا اندیشہ قوی ہو، ایسے وقت نماز پڑھی جائے تو سنتوں کا تاکد نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسافر کے لئے جمعہ، تراویح اور قصر

سوال[۳۶۱۳]: میں روڈویز کنڈکٹر ہوں، کیرانہ گھر ہے، روزانہ کیرانہ سے دہلی جاتا ہوں اور دہلی سے روڑکی جاتا ہوں، کیا میں اس صورت میں روزانہ نماز سفر پڑھوں گا یا نہیں؟ سفر کی نماز گھر سے چلتے ہی شروع

=(والحديث أخرجه الإمام مسلم في صحيحه في كتاب صلوة المسافرين و قصرها: ۱/۲۴۱، قديمي)

"وعن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنها قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها ركعتين ركعتين في الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء: ۱/۵۱، قديمي)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۹ رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۵۱۶، رقم الحاشية: ۱، ۲)

ہوجاتی ہے یا ۴۸/میل کا سفر کرنے کے بعد شروع ہوتی ہے؟ سفر میں کسی جگہ جماعت سے نماز پڑھی جاوے اور دو رکعت نماز پڑھیں یا چار رکعت پڑھنا چاہئے؟ برائے مہربانی تفصیل سے تحریر فرمادیں۔ اور سفر میں تراویح کی نماز پڑھی جاوے یا نہیں جب کہ زیادہ تر تراویح جماعت کے ساتھ نہیں ہوتی ہے؟ میں خود پڑھتا ہوں، چار رکعت کی نیت باندھتا ہوں، جب گھر پہونچ جاتا ہوں تو جماعت سے نماز پڑھتا ہوں۔ اس طرح قرآن پاک ترتیب سے نہیں ہوتا ہے۔ اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ اس طرح جمعہ کی نماز کے بارے میں بتلائیں کہ سفر میں جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ ویسے میں زیادہ تر جمعہ ادا کرتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ اپنے وطن کی آبادی سے باہر نکل جائیں گے تو مسافر ہوجائیں گے، اس وقت سے نماز قصر پڑھیں گے کہ راستہ میں بھی اور دہلی اور روڑکی میں بھی، تنہا پڑھیں یا جماعت سے قصر ہی پڑھیں گے(۱)، اگر امام مقیم ہو تو پوری پڑھیں گے(۲)۔ تراویح بھی سفر میں پڑھیں، اگر تراویح کے وقت کسی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں، تو جماعت سے اور اگر جماعت نہ ملے تو تنہا پڑھیں(۳)۔ اگر سفر کی وجہ سے قرآن پاک کی ترتیب قائم نہ رہ سکے

---

(۱) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها، صلى الفرض الرباعيّ ركعتين". (ردالمحتار، باب صلوة المسافر: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)

"من جاوز بيوت مصره مريداً سيراً وسطاً ثلاثة أيام .... قصر الفرض الرباعيّ، اهـ".

(البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۵، ۲۳۰، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يصير به المقيم مسافرا: ۱/۲۶۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما اقتداء المسافر بالمقيم، فيصح في الوقت ويتم". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۰، سعيد)

"وعلى من خلفه من المسافرين إتمام الصلاة أيضاً". (المبسوط للعلامة شمس الدين السرخسيؒ: ۲/۹۴، حبيبة)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۳۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۶۶، شركة علميه، ملتان)

(۳) "ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال أمنٍ وقرار". (الدرالمختار). "وقال الهندواني: الفعل =

تو معذوری ہے۔ مسافر پر جمعہ نہیں، موقع ملے تو پڑھ لے ورنہ ظہر پڑھے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۸۸ھ۔

فتاوی دارالعلوم میں نماز قصر سے متعلق تعارض کا رفع

سوال [۳۶۱۴]: فتاوی دارالعلوم سوال نمبر ۳۰۹/۵۸۴ کے جواب میں نماز قصر کے متعلق چار رکعت فرض کو پوری پڑھنے کو فرمایا اور قصر کو منع فرمایا گیا اور سوال نمبر ۳۱۳/۶۱۴ کے جواب میں چار رکعت نماز فرض کو قصر پڑھنے کا حکم فرمایا گیا (۲)۔ بظاہر دونوں سوال ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، پھر یہ تعارض کیوں؟

= حال النزول والترک حال السیر .... قال في شرح المنية: والأعدل ماقاله الهندواني، اهـ".

(ردالمحتار، باب صلوة المسافر: ۱۳۱/۲، سعید)

"والمختار أنه إن كان حال أمنٍ وقرار يأتي بها؛ لأنها شرعت مكملات والمسافر إليه محتاج، اهـ". (البحرا لرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲۳۰/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۶۶/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وشرط لافتراضها إقامة بمصر (قوله: إقامة) خرج به المسافر". (في ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

(والمبسوط، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۳/۱، مكتبه حبيبيه)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم کے دونوں فتوے ملاحظہ فرمائیں:

"(سوال) قصر میں سنتیں و وتر پڑھنا چاہیے یا نہیں، اگر کوئی شخص دورہ میں ہے کہ روزانہ کوچ و مقام ہوتے ہیں ایسی حالت میں قصر کرے یا نہیں اور وطن سے کس قدر فاصلہ پر ہووے تب قصر لازم ہے؟

(الجواب) ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال أمن وقرار وإلا بأن كان في خوف وفرار لايأتي بها هو المختار.

حاصل یہ ہے کہ اگر مسافر کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور عجلت نہیں ہے تو سنتیں پڑھے اور اگر سفر کی جلدی ہے یا خوف ہے تو سنتیں چھوڑ دے، پھر کہا کہ عند البعض سنت فجر پھر بھی نہ چھوڑے، اگر جائے اقامت سے دورہ میں اتنی دور کا ارادہ کر کے چلا ہے جو تین منزل یعنی اڑتالیس میل ہے تو تمام دورہ میں قصر کرتا رہے پھر جب واپس جائے تو اقامت میں آوے اور کم از کم پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو نماز پوری پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ .... =

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں فتوؤں کے درمیان تعارض ہے اس کے دفع کی صورت یہ ہے کہ سوال ۵۸۴ میں سفر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک ابتداءً مقصود ہے اور دوسرے گاؤں پہونچ کر تیسرے گاؤں کا ارادہ ہوا، اس طرح پر چوتھے گاؤں کا ارادہ ہوا، غرض تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو شرعی سفر کے احکام جاری نہیں ہوں گے اس لئے قصر کا حکم نہیں ہوگا۔ سوال نمبر: ۶۱۴ میں ابتداءً پوری مسافت کا قصد ہے اگر چہ یک دم نہیں بلکہ اس پوری مسافت کو ۲۰/ ۲۵ روز میں طے کرنا ہے اور مسافت سفر شرعی کی مسافت ہے اس لئے اس میں قصر کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریلوے ملازم کے لئے قصر نماز کا حکم

سوال [۳۶۱۵]: مسمّی زید ایک ریلوے ملازم ہے اور بعض دفعہ صبح ساٹھ میل کی مسافت طے کرتا ہے اور شام کو بھی اتنی ہی یعنی: صبح اپنی جائے اقامت سے بذریعہ ریل گاڑی بوجہ ملازمت جائے اقامت سے ساٹھ میل مسافت طے کرتا ہے اور اتنی ہی مسافت شام کو طے کر کے اپنی جائے اقامت پر آ جاتا ہے، زید رستے

= (سوال) اگر پیائش کرتے ہوئے آس پاس کے گاؤں میں پھرتا ہو اور جائے قیام سب جگہ تین منزل سے کم ہے اور پیائش کرتے ہوئے کبھی اس گاؤں سے اس گاؤں اور اس سے تیسرے اور چوتھے میں تو اس طرح فاصلہ بہت سے گاؤں کا تین منزل سے بہت زیادہ ہو جاوے گا یا کچھ معلوم نہ ہو تو نماز کے قصر کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) اس طرح پیائش میں پھرنے سے جب کہ اول ارادہ تین منزل کے سفر کا نہیں ہے یا معلوم نہیں ہے اگر چہ پھرتے پھرتے زیادہ ہو جاوے نماز قصر کا حکم نہیں ہے، نماز پوری پڑھنی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، یعنی عزیز الفتاویٰ مبوّب مکمل: ۲۷۲/۱، دار الاشاعت)

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعي ركعتين) وجوباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۵۱۷/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

میں قصر نماز پڑھتا ہے مگر جائے اقامت پر یعنی وطنِ اقامت میں پوری نماز پڑھتا ہے۔

کیا زید کو جائے اقامت یعنی وطنِ اقامت میں قصر پڑھنی چاہئے یا کہ پوری؟ جب کہ زید بوجہ مجبوری ملازمت دو تین دن سے زیادہ وطنِ اقامت میں مقیم نہیں رہ سکتا ہے اور بعض دفعہ صرف بارہ گھنٹے ہی مقیم وطنِ اقامت میں رہ سکتا ہے اور بعض دفعہ چھٹی لینے، رخصت لینے یا بیمار ہونے کی وجہ سے پندرہ دن یا زیادہ دن جائے اقامت پر رہتا ہے مگر رخصت ختم ہونے یا بیماری سے شفا ہونے پر حسبِ معمول پھر ملازمت پر جاتا ہے۔

آیا صورت ثانی میں زید کیونکر نماز پڑھا کرے اور اگر زید وطنِ اقامت پر بھی قصر پڑھا کرے تو سابقہ نمازوں کے لئے کیا حکم ہے جو کہ زید وطنِ اقامت میں پوری پڑھتا رہا، آیا ان کو قصر کر کے قضا کرے یا رہنے دے؟ فقط۔

احقر غوث محمد از کالکا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک زید وطنِ اقامت میں کم از کم پندرہ یوم اقامت کی نیت نہ کرے صورتِ مسئولہ میں قصر نماز پڑھتا رہے، زید چونکہ ملازم ہے اس لئے اس کی نیت کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ قانوناً اس کو پندرہ روز ٹھہرنے کا اختیار بھی ہو ورنہ اس کے افسر کی نیت معتبر ہوگی (۱)۔ اب تک ایسی حالت میں جس قدر نمازیں اتمام کے ساتھ پڑھی ہیں اگر ان میں قعدۂ اُولیٰ کیا ہے تب تو وہ نمازیں کراہت کے ساتھ درست ہوگئیں، اگر قعدۂ اُولیٰ نہیں کیا تو ان کا اعادہ ضروری ہے:

"صلى الفرض الرباعيّ ركعتين حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامته نصف شهر بموضع صالح لها، فيقصر لها إن نوى أقل منه، فلو أتم مسافرٌ إن قعد في القعدة

(۱) "(وتعتبر نية الإقامة من الأصل دون التبع)؛ لأن الأصل هو المتمكن من الإقامة والسفر دون التبع. قال رحمه الله: (كالمرأة والعبد والجندي)، هذا تفسير التبع: أي المرأة تبعٌ للزوج، والعبد تبعٌ للمولى، والجندي، تبعٌ للأمير". (تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۴۳، رشيديه)

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، ۱۲۸ سعيد)

الأولی، تم فرضه وأساء و ما زاد نفلٌ، وإن لم يقعد بطل فرضه". درمختار مختصراً (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

ریل اور جہاز کے اسٹیشن پر کیا نماز میں قصر ہوگا؟

سوال[۳۶۱۶]: جہاز کے اسٹیشن، ریلوے اسٹیشن وغیرہ پر نماز میں قصر ہوگا یا نہیں؟ جب کہ گھر سے نیت ۵۰/میل سے زیادہ کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اسٹیشن پر آبادی مسلسل ہے تو ابھی وہ مسافر نہیں، پوری نماز لازم ہے، وہاں سے چلنے کے بعد سفر ہوگا تب قصر کرنا ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۹ھ۔

مقیم اور مسافر کی مسافر کے پیچھے اقتداء

سوال[۳۶۱۷]: ا......مسافر امام کے پیچھے مقیم مصلی کس طرح سے نیت کرے؟ جس مقیم کو ایک

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، ۱۲۸ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۹–۲۳۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۹، ۵۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها) من أقصر أيام السنة .... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع، فوصل في يومين قصر (صلى الفرض الرباعيّ ركعتين) وجوباً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۳، ۱۲۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب صلاة المسافر: ۱/۵۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

رکعت امام کے ساتھ ملی ہے وہ اپنی باقی تین یا دو رکعت کس طرح سے پوری کرے اور اس کا طریقہ ادا کیا ہے؟

۲......مسافر مقتدی نے مسافر امام کے پیچھے نیت یہ خیال کر کے کہ امام مسافر نہیں ہے بلکہ مقیم ہے چار رکعت کی نیت کرلی، پھر اسی مسافر (چار رکعت کی نیت کرنے والے) نے مسافر امام کے ساتھ دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اس کی یہ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اس طرح نیّت کرے کہ فلاں وقت کی نماز امام کے پیچھے اللہ کے لئے پڑھتا ہوں، اگر چار رکعت والی نماز ہو اور امام کے پیچھے اس کو ایک رکعت ملی ہے تو سلام امام کے بعد کھڑا ہو کر ثناء فاتحہ، سورت پڑھ کر رکوع سجدہ کے بعد قعدہ کر کے تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے، فاتحہ وسورۃ پڑھ کر رکوع، سجدہ کر کے کھڑا ہو جائے، فاتحہ پڑھ کر رکوع، سجدہ، قعدہ کر کے سلام پھیر دے۔ اگر دو رکعت والی نماز ہے تو سلامِ امام کے بعد کھڑا ہو کر ثناء، فاتحہ، سورت پڑھ کر رکوع، سجدہ، قعدہ کے بعد سلام پھیر دے۔ اگر تین رکعت والی نماز ہے تو سلام کے بعد کھڑا ہو کر ثناء، فاتحہ، سورۃ پڑھ کر رکوع، سجدہ کر کے قعدہ کرے، تشہد کے بعد کھڑا ہو کر، فاتحہ سورت، رکوع، سجدہ و قعدہ کے بعد سلام پھیر دے۔ فقہاء کی بعض عبارات سے اس ترتیب کے خلاف بھی نکلتا ہے۔ اگر کسی نے اس پر عمل کیا تو اس پر بھی اعتراض نہ کرے(۱)۔

۲......اس کی نماز درست ہوگی، کوئی فکر نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۵ھ۔

---

(۱) "وإن صلى المسافر بالمقيمين ركعتين، سلم، و أتم المقيمون صلاتهم، كذا في الهداية. وصاروا منفردين كالمسبوق، إلا أنهم لايقرأون في الأصح، هكذا في التبيين". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۳۸ رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۹، سعيد)

(۲) "(دون) تعين (عدد ركعاته) لحصولها ضمناً فلا يضر الخطأ في عددها (وينوى) المقتدى (المتابعة) لم يقل أيضاً؛ لأنه لو نوى الاقتداء بالإمام أو الشروع في صلاة الإمام و لم يعين الصلاة، صح، في الأصح". (الدر المختار). "(فلا يضر الخطأ في عددها) ...... وفي الأشباه: الخطأ فيما لا يشترط له=

مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز

سوال[۳۶۱۸]: اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز قصر پڑھے تو اس کی نیت کس طرح کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسافر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو قصر جائز نہیں اتمام ضروری ہے، لہٰذا اتمام ہی کی نیت کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۶/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

مسبوق کی نماز مسافر امام کے پیچھے

سوال[۳۶۱۹]: امام مسافر ہے، اگر التحیات میں کوئی مقتدی جس کو امام کا مسافر ہونا معلوم ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ مقتدی اپنی دونوں رکعت بھری پڑھے گا یا خالی؟ اگر مقتدی مقیم ہے تو امام کے سلام

= التعيين لا يضر، كتعيين مكان الصلاة و زمانها وعدد الركعات". (الدرالمختار مع رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۴۲۰/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، ص:۲۲۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۶۶/۱، رشيديه)

(۱) "وأما اقتداء المسافر بالمقيم، فيصح في الوقت و يتم". (الدرالمختار، باب صلوة المسافر: ۱۳۰/۲، سعيد)

"وإن اقتدى المسافر بالمقيم في الوقت، أتم أربعاً". (الهداية، باب صلاةالمسافر: ۱۶۶/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

قال العلامة شمس الدين السرخسي رحمه الله تعالىٰ: "وعلى من خلفه من المسافرين إتمام الصلاة أيضاً؛ لأنهم صاروا مقيمين في هذه الصلاة تبعاً لإمامهم". (المبسوط: ۹۴/۲، مكتبه حبيبية)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۶/۲، رشيديه)

7

کے بعد وہ مقتدی پہلی اپنی دو رکعت بھری پڑھے گا اور آخری دونوں خالی یا کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھری پڑھے گا کیونکہ وہ اس وقت مسبوق ہے اور مسبوق منفرد کے حکم میں ہوتا ہے: "إنــــــه (أی المسبوق) منفرد فیما یقضی، اهـ". فتاویٰ عالم گیری، ص: ۹۱(۱)۔

اور مقیم مقتدی صورتِ مسئولہ میں لاحق مسبوق ہے، لہٰذا سلامِ امام کے بعد اول دو رکعت بلا قرأت پڑھے گا اور پھر دو رکعت کے ساتھ: "اللاحق یصلی علی ترتیب صلوة الإمام، والمسبوق یقضی ما سُبق به بعد فراغ الإمام اهـ". رد المحتار، ص: ۶۲۳ (۲) اور بعض علماء اس کے برعکس کا حکم فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۷/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الأولی/ ۵۵ھ۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کی نماز

سوال [۳۲۲۰]: ۱...... امام مسافر ہے اور مقتدی مقیم امام دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتا ہے اور مقتدی بقیہ دو رکعت پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا ان دونوں رکعتوں میں مقیم مقتدی الحمد شریف پڑھیں یا بمقدارِ الحمد شریف کھڑے رہیں اور پھر رکوع کرلیں؟

۲...... اگر مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت میں آکر شریک ہوا تو بقیہ نماز کس طرح پوری

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۹۲/۱، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق، رشیدیه)

"والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها و هو منفرد فیما یقضیه". (الدر المختار، کتاب الصلاة، مطلب فیما لو أتی بالرکوع أوالسجود أو بهما مع الإمام ...... : ۵۹۶/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الامامة: ۶۲۲/۱، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فیما لو أتی بالرکوع أوالسجود الخ: ۵۹۶/۱، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر فی الامامة والاقتداء: ۱۶۶/۱)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق: ۹۲/۱، رشیدیه)

کرے؟ اور اگر اقتداء قعدہ میں کرے تو چاروں رکعتیں کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......الحمد شریف نہ پڑھے بلکہ اتنی ہی دیر کھڑے ہوکر رکوع کردے: "وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت و بعده، فإذا قام المقيم إلى الإتمام، لا يقرأ". درمختار (۱)۔

۲......ہر دو صورت میں یہ شخص مسبوق لاحق ہے، اول صورت میں اس کو چاہیے کہ سلامِ امام کے بعد پہلے دو رکعت بلا قراءت لاحق کی طرح پڑھے پھر ایک رکعت قراءت کے ساتھ پڑھے، ثانی صورت میں چاہیے کہ پہلے دو رکعت بلا قراءت پڑھے پھر دو رکعت قرأت کے ساتھ پڑھے:

"واللاحق مَن فاتته الركعات كلها أو بعضها، لكن بعد اقتدائه بعذر كغفلة و زحمة وسبق حدث وصلاة خوف و مقيم ائتم بمسافر، وكذا بلا عذر بأن سبق إمامه في ركوع وسجود، فإنه يقضي ركعةً، و حكمه كمؤتم فلا يأتي بقراء ة و لا سهو، و لا يتغير فرضه بنية إقامة. و يبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق، ثم يتابع إمامه إن أمكنه إدراكه، وإلا تابعه ثم صلى ما نام فيه بلا قراء ة، ثم ما سبق به بها إن كان مسبوقاً أيضاً، و لو عكس صح، وأثم لترك الترتيب". درمختار.

قال الشامي: "(قوله: و مقيم الخ: أى فهو لاحق بالنظر للأخيرتين، و قد يكون مسبوقاً أيضاً كما إذا فاته أول صلاة إمامه المسافر. (قوله: ثم ما سبق به بها الخ): أى ثم صلى اللاحق ما سبق به بقراء ة إن كان مسبوقاً أيضاً بأن اقتدى في أثناء صلوة الإمام، ثم نام مثلاً، وهذا بيان للقسم الرابع وهو المسبوق، و حكمه أنه يصلي إذا استيقظ مثلاً ما نام فيه، ثم يتابع الإمام فيما أدرك، ثم يقضي ما فاته، الخ". رد المحتار: ۱/۶۲۳ (۲)۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر : ۲/۱۲۱، ۱۲۳، سعيد)
(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر : ۱/۱۴۲، رشيديه)
(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر : ۲/۲۳۸ رشيديه)
(۲) (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فيما لو أتى بالركوع أو السجود=

”والأصل أن اللاحق يصلي على ترتيب صلاة إمامه، والمسبوق يقضي ما سبق به بعد فراغ صلوة الإمام اهـ“. كبيري، ص: ٤٤١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

مقیم مسبوق، مسافر امام کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال [۳۶۲۱]: اگر مسافر امام کے پیچھے مسبوق کو ایک رکعت ظہر کی نماز میں ملے تو اب دوسری رکعت میں مسبوق کو کھڑا ہونا چاہئے یا بیٹھنا اور کچھ پڑھے یا خاموش رہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شخص سلامِ امام کے بعد ایک رکعت بلا قرأت کے پڑھ کر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر دوسری رکعت بلا قرأت پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت مع قرأت پڑھے، كذا في الشامي (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، جامع العلوم کانپور۔

مسافر مقتدی کا مسافر امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کرکے اقتداء کرنا

سوال [۳۶۲۲]: ایک امام مسافر امامت کر رہا ہے، دوسرے ایک مقتدی اور مسافر کو یہ معلوم نہیں کہ امام مسافر ہے، اس نے چار رکعت کی نیت کرلی، امام مسافر نے دوسرا سلام پھیر لیا تو اب بعد والا چار رکعت پوری کرے اور سلام پھیر دے جب کہ وہ بھی مسافر ہے؟

= أو بهما مع الإمام او قبله أو بعده: ١/٥٩٤-٥٩٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ١/٩٢، ٩٣، رشيديه)

(١) (الحلبي الكبير، فروع: سبق بركعة، ص: ٤٦٩، ٤٧٠، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٢) (راجع، ص: ٥٢٦، رقم الحاشية: ٢)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقتدی مسافر کو امام مسافر کے ساتھ ایک رکعت ملی ہے اس کو چاہئے کہ سلامِ امام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے، امام کا حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس نے چار رکعت کی نیت کر لی تھی اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۲/۸۷ھ۔

مقتدی مسافر کا امام مقیم کے اقتداء میں قصر کی نیت کرنا

سوال [۳۶۲۳]: زید ایک شرعی مسافر ہے اور دورانِ سفر کسی مقام پر ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور زید وہاں کے امام کے پیچھے جو کہ مقیم ہے مسافر نہیں نماز پڑھتا ہے اور زید مسافر ہونے کی وجہ سے نیتِ قصر یعنی دو فرضوں کی نیت کرتا ہے اور نمازِ مقیم امام کے ساتھ پوری پڑھتا ہے یعنی چار فرض۔ تو کیا نیت کے اس اختلاف سے زید کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر زید کو معلوم ہے کہ امام مسافر ہے نہ کہ مقیم تو کیا نیت کرے؟ اور زید (جو کہ مسافر ہے) اس کے لئے نیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسافر نے دو رکعت کی نیت کر کے بھی اگر مقیم امام کے پیچھے چار رکعت صحیح طریقہ پر ادا کی ہے تب بھی اس کی نماز درست ہوگئی (۲)، اگر امام کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ مسافر ہے یا مقیم ہے تو دو یا چار کی تعیین کی کوئی

---

(۱) "أنه إذا صلى في مصر أو قرية ركعتين وهم لايدرون حاله، فصلاتهم فاسدة وإن كانوا مسافرين؛ لأن الظاهر من حال من كان في موضع الإقامة أنه مقيم، والبناء على الظاهر واجب حتى يتبين خلافه، أما إذا صلى خارج المصر لاتفسد، ويجوز الأخذ بالظاهر وهو السفر في مثله. والحاصل أنه يشترط العلم بحال الإمام إذا صلى بهم ركعتين في موضع إقامة، وإلا فلا". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲، ۱۳۰، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۱۳۸/۲، رشيديه)

(وكذا في المبسوط، باب صلاة المسافر: ۱۶۳/۲، المكتبة الغفارية)

(۲) "وإن اقتدىٰ مسافر بمقيم يصلي رباعية ولو في التشهد الأخير". (مراقي الفلاح شرح نور الايضاح،=

ضرورت نہیں، محض ظہر کی نیت کافی ہے، عددِ رکعات کی تعیین نیت میں مسافر یا مقیم کسی کے لئے بھی ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۶/۲۷ھ۔

مقتدی مقیم مسبوق اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال [۳۶۲۴]: امام اگر مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہو، مقتدی اپنی نماز پوری کرنے میں مسبوق کا حکم رکھتا ہے یا لاحق کا، یعنی لاحق کی طرح خاموش اپنی نماز پوری کرے گا یا مسبوق کی طرح باقی میں قرأت کرے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقیم مقتدی جو کہ شروع سے مسافر امام کے ساتھ شریک ہے وہ سلامِ امام کے بعد اپنی نماز کو لاحق کی طرح تمام کرے اس میں قراءت نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= باب صلوة المسافر، ص: ۴۲۷، قديمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر: ۱/۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر: ۱/۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، باب صلوة المسافر: ۱/۱۴۹، رشيديه)

(۱) "(دون) تعيين (عدد ركعاته) لحصولها ضمناً فلا يضر الخطأ في عددها (وينوى) المقتدى(المتابعة) لم يقل: أيضاً؛ لأنه لو نوى الاقتداء بالإمام أو الشروع في صلاة الإمام و لم يعين الصلاة، صح في الأصح". (الدرالمختار). "و في الأشباه: الخطأ فيما لا يشترط له التعيين لا يضر، كتعيين مكان الصلاة و زمانها وعدد ركعات". (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة و أركانها، ص: ۲۲۲، قديمی)

(۲) "(وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت و بعده، فإذا قام) المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) و لا يسجد للسهو (في الاصح)؛ لأنه كاللاحق والقعدتان فرض عليه، وقيل: لا". (الدر المختار، كتاب الصلاة، =

ریل میں ہجوم کے وقت نماز کا حکم

سوال[۳۶۲۵]: ریل میں ہجوم کی وجہ سے بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ مل سکے تو نماز کیسے ادا کی جائے؟ نیز گاڑی کا رخ بدلنے کے ساتھ ساتھ خود کا بدلنا بھی ضروری ہے، پانی نہ ملنے کی صورت میں بعض اوقات طہارتِ کاملہ نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں قضاء کرنا چاہئے یا اسی حالت میں نماز ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک بیٹھنے کی جگہ نہیں تو آخرِ وقت میں اشارہ سے نماز پڑھ لے پھر جگہ ملنے پر اعادہ کرلے(۱)۔ پانی نہ ہونے کے وقت تیمّم کرے، قضاء نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۷ھ۔

= باب صلاة المسافر: ۱۲۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲۳۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۴۲/۱، رشيديه)

(۱) "مسافر لايقدر على الأرض .... يصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت، اهـ". (ردالمحتار، مطلب في القادر بقدرة الغير: ۴۱/۲، سعيد)

"الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج .... لأن هذا عذر جاء من قبل العباد، فلا يسقط فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة، اهـ". (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۴۸/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار. ۳۳۵/۱، باب التيمم، سعيد)

(۲) "ومن عجز عن استعماله لبُعده ميلاً .... تيمم لهذه الأعذار كلها". (ردالمحتار، باب التيمم: ۲۳۲/۱، ۲۳۶، سعيد)

"فمنها أن لا يكون واجداً للماء قدر ما يكفي لطهارته في الصلاة التي تفوت إلى خلف و ما هو =

ٹرین میں نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال[۳۶۲۶]: اگر ٹرین یا بس میں نہ پانی میسر ہو نہ رکوع وقیام کی گنجائش ہو تو تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے نماز ادا کی جاسکتی ہے یا قضاء کر دی جائے، بعد میں پڑھی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ٹرین میں پانی نہ ہو اور رکوع وسجود کی بھی بھیڑ کی وجہ سے گنجائش نہ ہو اور یہ بھی توقع نہ ہو کہ وقت کے اندر اندر کسی اسٹیشن پر پہونچ جائے گی جہاں پانی میسر آجائے گا اور نماز کے لئے جگہ بھی مل جائے گی تو تیمم کر کے اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر پانی اور جگہ ملنے پر وضو کر کے پورے طریقے پر دوبارہ نماز پڑھ لی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال[۳۶۲۷]: سفر میں ریل گاڑی کے اندر قیام اور جہتِ قبلہ ضروری ہے یا نہیں؟ کیا بیٹھ کر یا جس طرف بھی منہ ہو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

= من اجزاء ها لقوله تعالیٰ: ﴿فلم تجدوا ماءً فتیمموا﴾ [النساء: ۴۳]، و غیر الکافی کالمعدوم، و هذا عندنا". (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲۴۲/۱، رشیدیه)

(و کذا فی مبسوط السرخسی: ۱/۱۰۷، کتاب الصلاة، باب التیمم، مکتبه حبیبیة کوئٹه)

(۱) "وفی الخلاصة و فتاوی قاضی خان وغیرهما: الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة، یتیمم ویصلی بالإیماء، ثم یعید إذا خرج .... ؛لأن هذا عذر جاء من قبل العباد، فلا یسقط فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن کان من قِبل الله تعالیٰ، لا تجب الإعادة، وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة". (البحر الرائق، باب التیمم: ۲۴۸/۱، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۲۳۵/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فی التیمم: ۲۸/۱، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی، سفر میں ہو یا حضر میں، ریل میں ہو یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

بس میں اشارہ سے نماز پڑھنا

سوال[۳۶۲۸]: عموماً بس کے سفر میں نماز کا اہتمام نہیں ہوتا، اس لئے کہ بس اپنے مقام پر اس وقت پہونچتی ہے جب کہ نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں بس میں نماز پڑھنا بھی ناممکن ہے۔ تو کیا ایسی شکل میں اشارہ سے نماز پڑھ لینا درست ہوگا یا مؤخر کر دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر منزل پر پہونچ کر اعادہ کرلے، کیونکہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے:

"وفي الخلاصة و فتاوى قاضي خان و غيرهما: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة، يتيمم و يصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج، .... لأن هذا عذرٌ جاء من قِبل العباد، فلا يسقط فرض الوضوء عنه. فعلم منه أن العذر إن كان من قِبل الله تعالىٰ، لا تجب الإعادة، وإن كان من قِبل العبد، وجبت الإعادة، اهـ". بحر: ۱/۱٤۲، باب التيمم، تحت قول:

---

(۱) "ثم الشرط (هي) ستة........و السادس (استقبال القبلة) حقيقةً أو حكماً كعاجز، والشرط حصوله لا طلبه، وهو شرط زائد للابتلاء يسقط للعجز". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۷، سعيد)

"(ومنها القيام في فرض لقادر عليه) و على السجود". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب شروط الصلاة: ۱/۴۹۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة: ۱/۲۶۴، دار الكتب العلمية)

الکنز: (وخوف عدو الخ)"(۱) والدرالمختار: ۱/۱۵۶(۲) و شرح منیة الکبیر، ص: ۷۲ (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہوائی جہاز میں نماز

سوال [۳۶۲۹]: میں حجِ فرض ادا کر چکا ہوں اور آئندہ عمرہ یا نفل حج کا ارادہ ہے، ہمارے یہاں افریقہ سے پانی کا جہاز جدہ تک نہیں چلتا، جس کی وجہ سے ہوائی جہاز میں سواری اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اب دشواری یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں دورانِ سفر دو یا تین نمازیں آجاتی ہیں، علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں نماز ادا نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز ادا کرنے کے لئے زمین ہونا شرط ہے تو لامحالہ نمازیں قضاء ہوں گی۔ تو کیا میرے لئے مناسب ہے کہ میں نفلی حج کے لئے سفر کروں؟

نوٹ: نماز فرض ہے اور میرا سفر نفلی حج یا عمرہ کے لئے ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوائی جہاز میں نماز فرض ادا کرلیں قضا نہ کریں، پھر زمین پر اگر اعادہ کرلیں، تو اس میں ان علماء کے رائے بھی محفوظ رہے گی جو ہوائی جہاز میں نماز کو جائز نہیں فرماتے (۴)۔

(الاستعلام) کیا وہاں حج نفل یا عمرہ کے لئے فوٹو لازم نہیں ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۸، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۳۵، سعيد)

(۳) (الحلبي الكبير، فصل في التيمم، ص: ۷۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في التيمم: ۱/۲۸، رشيديه)

(۴) "ومن أراد أن يصلي في سفينة فرضاً أو نفلاً، فعليه أن يستقبل القبلة متى قدر على ذلك، و ليس له أن يصلي إلى غير جهتها، حتى لو دارت السفينة، وهو يصلي، وجب عليه أن يدور إلى جهة القبلة حيث =

بہلی میں نماز

سوال[۳۶۳۰]: بہشتی زیوراختری:۲/۵۰ کھڑی ہوئی بہلی (۱) پرنماز پڑھنا ممنوع لکھا ہے(۲) اس کی کیا وجہ ہے؟ صلوۃ علی الراحلۃ کی ممانعت تو اس صورت میں ہے جب کہ محمل پوری طرح جانور کی پیٹھ پر ہی ہو۔ اگر کجاوہ کسی لاٹھی وغیرہ سے اس طرح ٹیک دیا جاوے کہ کجاوے کا سرا زمین سے اوپر ہو جائے تو اس صورت میں نورالایضاح وغیرہ میں جائز لکھا ہے۔ طحطاوی، ص: ۲۲۲ (۳) بہلی میں تو لاٹھی کے لگاؤ سے زیادہ کہیں زیادہ لگاؤ ہے، پھر اس میں کیوں جائز نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قطع نظر دیگر بحث سے ایک بات یہ ہے کہ بہلی میں قیام ترک ہوتا ہے، اس میں اتنی جگہ نہیں ہوتی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= دارت .... و محل کل ذلک إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفينة أو القاطرة إلى المكان الذی يصلی فيه صلاةً كاملةً، و لا تجب عليه الإعادة ،و مثل السفينة القطر البخارية البرية ، والطائرات الجوية . و نحوها ". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ، كتاب الصلاة، بحث صلاةالفرض فی السفينة و علی الدابة ونحوها : ۱/۱۹۷ ، دار الفكر، بيروت)

راجع للتفصيل: (نظام الفتاوی، كتاب الصلاة : ۱/۶۹، مكتبه رحمانيه لاهور)

(۱) بیل گاڑی جس کو دو بیل چلاتے ہیں۔

(۲) "چلتی ہوئی بہلی میں نماز پڑھنا درست نہیں، اور اگر بہلی ٹھہرالی، لیکن جُوا بیلوں کے کندھوں پر رکھا ہوا ہے، تب بھی اس پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، بیل الگ کر کے نماز پڑھنا چاہئے"۔ (بہشتی زیور، مسافرت کا بیان، حصہ دوم، ص: ۱۶۰، دار الاشاعت کراچی)

(۳) "والصلاة فی المحمل علی الدابة كالصلوة عليها سواء كانت سائرةً أو واقفةً، و لو جعل تحت المحمل خشبةً حتی بقی قراره): أی المحمل (إلی الأرض كان بمنزلة الأرض، فتصح الفريضة فيه قائماً) لا قاعداً بالركوع والسجود". (نور الإيضاح مع مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة الفرض والواجب علی الدابة، ص: ۴۰۸، قديمی)

(۴) "(من فرائضها ...... ومنها القيام لقادر عليه) وعلى السجود". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب =

مغرب کی نماز کیلئے سفر کر کے مخصوص مسجد میں جانا

سوال[۳۶۳۱]: شہر برہان پور میں حضرت شاہ نظام الدین بھکاری کے زمانہ سے مغرب کی نماز موصوف کی درگاہ کے پاس ہوتی ہے، خطیب جامع مسجد مغرب پڑھاتے ہیں، دور دراز سے لوگ اس کیلئے سفر کر کے آتے ہیں اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ چار یا سات سال مغرب کی نماز وہاں ادا کرلے تو ایک حج کا ثواب ملتا ہے کیا اس طرح نماز پڑھنا، پڑھانا اور ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ بے اصل ہے، اس کی کوئی بناء شرع میں نہیں ہے، تین مساجد کے متعلق مخصوص ثواب کی تصریح احادیث میں موجود ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کیلئے سفر کرنے کی ممانعت ہے: "لاتشدوا الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد". الحدیث(۱) - فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

کسی خاص مسجد میں کسی نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا

سوال[۳۶۳۲]: شہر بُرہان پور میں حضرت شاہ نظام الدین بھکاری کے زمانہ سے مغرب کی نماز موصوف کی درگاہ کے پاس ندی کے اندر ہوتی ہے، خطیب جامع مسجد مغرب کی نماز پڑھاتے ہیں، دُور دراز سے لوگ اس کے لئے سفر کرتے ہیں اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز وہاں ادا کرے تو ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ کیا اس طرح نماز پڑھنا، پڑھانا، ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل موجود ہے؟ اور کیا وہاں اس مسجد میں ۴/ یا ۷/ سال مغرب کی نماز ادا کرنے سے فریضۂ حج ادا ہوجائے گا یا

= صفة الصلاة : ۱/۴۴۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة : ۱/۵۰۹، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة : ۱/۲۷۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱)(صحیح البخاري، باب صوم، یوم النحر : ۱/۲۶۸، قدیمي)

(والصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة: ۱/۴۴۷، قدیمي)

(ومشکوٰة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ۶۸، قدیمي)

نہیں؟ اور کیا اس شخص کو حاجی کہا جا سکتا ہے؟

افسوس یہ ہے کہ وہ مسجد تفریح گاہ بن گئی ہے۔ ہندو، مسلم، مرد وزن، وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں اور مؤذن ان کو مسجد میں گھما کر رہبری کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور مرد وعورت کا بے خطر اس میں داخل ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ بے اصل ہے(۱)، اس کی کوئی اصل شرع میں نہیں ہے، تین مساجد کے متعلق مخصوص ثواب کی تصریح احادیث میں موجود ہے: ۱- مسجد حرام ۲- مسجد نبوی ۳- مسجد اقصیٰ، ان کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے: "لا تشد وا الرحال إلّا إلى ثلاثة مساجد" (۲)۔ الحدیث (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۴۰۶ھ۔

دورانِ سفر وطنِ اقامت سے گزرنا سفر کے پیش نظر تنہا نماز پڑھ لینا

سوال[۳۶۳۳]: ۱...... میں حسن پور ضلع فتح پور تحصیل بندکی کا رہنے والا ہوں، میرے والدین حسن پور دیہات میں رہتے ہیں، میں بسلسلۂ ملازمت بندکی میں مع اہل وعیال عرصہ ۵/ سال سے رہ رہا ہوں اور ڈیوٹی کانپور کرنے چلا جاتا ہوں، ڈیوٹی کانپور سے باندہ ٹرینی اور ٹرینی سے واپس کانپور جا کر ختم کرتا ہوں، پھر کسی دوسری سواری کے ذریعہ بندکی چلا آتا ہوں، دوسرے دن ڈیوٹی نہیں رہتی، تیسرے دن پھر اسی طرح ڈیوٹی ہوتی

(۱) یہ بدعت ہے اور بدعت مردود وغیر مقبول ہے: "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (صحيح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(۲) "عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تشدّ الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول، ومسجد الأقصى". (صحيح البخاری، کتاب التهجد، باب فضل الصلوة في مسجد مكة والمدينة: ۱/۱۵۸، قدیمی)

(۳) یہ مسئلہ گزشتہ کے ساتھ ایک گونہ مکرر ہے، لیکن کچھ اضافہ کی بنیاد پر اس کو بھی رکھا گیا ہے۔

ہے۔ایسی صورت میں میری سکونت کہاں تسلیم کی جائے حسن پور یا بندکی یا کانپور؟

۲......بس میں کتنا سفر کرنے کے بعد نماز قصر ادا کرنی ہوگی؟

۳......چونکہ بس بندکی ہو کر جاتی ہے اور آتی ہے اس لئے بندکی اسٹیشن پر نماز قصر ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟

۴......جماعت تیار ہے یا ہو رہی ہے اور مجھے فوراً نماز پڑھ کر بس لیکر روڈ پر جاتا ہے تو جماعت چھوڑ کر اس مسجد میں تنہا نماز پڑھ سکتا ہوں، کیونکہ نماز جماعت میں دیر لگنے کا سوال ہے اور مجھے جلدی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حسن پور آپ کا وطنِ اصلی ہے(۱)۔

۲......۴۸/میل پر نماز قصر کا حکم ہے(۲)

۳......بندکی آپ کا وطنِ اصلی نہیں وہاں اِتمام کا سوال نہیں، اگر مسافر ہیں تو قصر کریں گے، یعنی ۴۸/میل کا ارادہ کر کے چلے اور بندکی اسٹیشن پر پہونچ گئے تو قصر کریں گے(۳)۔

۴......تنہا بھی پڑھنے سے ادا ہو جائے گی، ایک دو آدمی مسافر وغیرہ کو لیکر جماعت کرلیا کریں، جماعت چھوڑنا بڑی محرومی ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۳ھ۔

---

(۱) "والوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر : ۱۳۱/۲ سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر : ۱۴۲/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۵۱۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعي ركعتين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر : ۱۲۱/۲، ۱۲۳، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب المسافر : ۱۶۰/۱، ۱۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "صلوة =

سفر کے چند ضروری مسائل

سوال[۳۶۳۴] : مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں:

عذر کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال[۳۶۳۵] : ا..... کسی عذر کی وجہ سے نماز اپنے وقت سے مؤخر کی جاسکتی ہے، اگر کی جاسکتی ہے تو عذر کس انتہاء کو پہونچا ہوا ہو کہ اس کو عذر کہا جائے؟

ریل میں بھیڑ کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال[۳۶۳۶] : ۲..... ایک شخص ریل میں ہے ''تھرڈ کلاس'' میں سفر کر رہا ہے اور بھیڑ اتنی شدید ہے کہ عادۃً وعرفاً واقعی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرسکتا، ایسی حالت میں وہ نماز مؤخر کرسکتا ہے یا نہیں؟

ریل میں استقبال ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۶۳۷] : ۳..... ریل کے ڈبے کے کئی کمرے ہوتے ہیں، اس میں تمام سیٹیں بنی رہتی ہیں،

= الجماعة تفضل على صلوة الرجل وحده بسبع و عشرين درجةً". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء في فضل الجماعة : ۱/۵۲، سعید)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"صلوة الرجل في جماعة تزيد على صلوته في بيته و صلوته في سوقه بضعاً و عشرين درجةً". الى آخر الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب المساجد، باب فضل الصلوة المكتوبة في جماعة اهـ: ۱/۲۳۴، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر -قالوا: و ما العذر؟ قال: "خوف أو مرض-، لم تقبل منه الصلوة التي صلى". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في التشديد في ترك الجماعة : ۱/۸۸، امداديه ملتان)

"الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب ...... وقيل: واجبة، وعليه العامة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۵۲، ۵۵۴، سعيد)

معمولی سی جگہ راستے کے لئے چھٹی رہتی ہے، ریل میں نماز پڑھنے کے لئے بڑی دشواری ہوتی ہے کہ کبھی کبھی سمت کے مطابق جگہ نہیں ملتی ہے، مثلاً ریل مشرق ومغرب کے رخ چلنے کے بجائے کچھ ترچھی سمت میں جارہی ہے، اس صورت میں صحیح طور پر جہتِ قبلہ کو پالینا ذرا مشکل ہوتا ہے تو اس حالت میں آیا اس کے لئے کوئی گنجائش ہے؟

چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال[۳۶۳۸] : ۴...... چلتی ریل پر اگر چہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے لیکن گرنے کا اندیشہ باقی رہتا ہے اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے ہوئے ریل چل پڑے تو نماز توڑ دی جائے یا نہیں؟

سوال[۳۶۳۹] : ۵...... ریل سے اتر کر پلیٹ فارم پر نماز پڑھ رہا تھا، نماز پوری ہوئی...... نہیں تھی کہ ریل چل پڑی، نماز پوری کرتا ہے تو ریل جاتی ہے، اور ریل پکڑتا ہے تو نماز جیسی اہم عبادت کا ابطال لازم آتا ہے، ایسی حالت میں اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر نماز توڑنا جائز ہے تو اس کو کیا چارہ ہے جس حالت میں ہو خواہ رکوع میں ہو یا سجدہ میں ہو، توڑ دے یا اس کو کسی حد تک رکوع وسجدہ کرنا ضروری ہے؟

بس میں نماز کس طرح پڑھی جائے؟

سوال[۳۶۴۰] : ۶...... بس میں یہ پریشانی خصوصاً پیش آتی ہے کہ وضو ہونے کے باوجود بھی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ملتی، ایسی صورت میں کیا کرے، بیٹھا بیٹھا یا کھڑا کھڑا نماز پڑھ لے؟

بس میں نماز پڑھنے کے لئے ایک امکانی صورت

سوال[۳۶۴۱] : ۷...... بس اسٹاپوں پر بسیں رکتی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کب تک رکیں گی، کبھی فوراً دو چار منٹ کے بعد چل دیتی ہے، کبھی گھنٹوں بعد اتفاق سے جاتی ہے، لیکن آدمی ہر لحہ اسی گومگو میں پڑا رہتا ہے اور آدمی اس خوف سے نہیں کرتا کہیں میں ادھر اتروں اور ادھر وہ گاڑی چل دے۔ ایسی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے جب کہ اس کے لئے وضو کرنے کا مسئلہ بھی ہو اور نماز پڑھنے کا حکم بھی؟ یہ صورت امکانی نکالی جاتی ہے کہ کسی جگہ اتر کر جلدی سے وضو کرلے اور کسی جگہ جلدی سے نماز پڑھ لے لیکن یہ انتہائی بے اطمینانی اور بدسکونی کا عالم ہوتا ہے جس پر عادۃً عمل مُحال کہا جاتا ہے۔ بتلائیں کہ کیا حکم ہے؟

ریل میں لوگوں کو ہٹا کر نماز پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

سوال[۳۶۴۲]: ۸...... ریل میں طبیعت کبھی اس بات سے جھجکتی ہے کہ آس پاس کے لوگوں کو ہٹا کر نماز کی جگہ نکالی جائے، دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ میں کہوں اور کوئی انکار کر جائے۔ تو کیا اس صورت میں نماز کو افضل حالت سے چھوڑ کر ارذل حالت میں پڑھا جا سکتا ہے؟ یعنی سوال کے بعد جگہ نکالنے پر جس درجے کی نماز پڑھی جاسکتی تھی اس سے کم درجہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر؟

ریل میں تیمّم کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کِیا جائے؟

سوال[۳۶۴۳]: ۹...... ریل پر ایک معذور سفر کر رہا ہے، ریل پر تو تیمّم کے لئے کوئی چیز مل نہیں سکتی، اگر ریل کے ڈبے کی زمین پختہ ہے بھی تو امکانِ نجاست غالب ہی نہیں بلکہ اغلب ہے اس لئے کہ وہ ۲۴/ گھنٹے جوتوں سے روندی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا وہ نماز کو مؤخر کرے؟

عین مغرب کے وقت اپنے وطن میں داخل ہونے والا عصر کی نماز دو رکعت پڑھے یا چار؟

سوال[۳۶۴۴]: ۱۰...... ایک شخص عینِ سورج غروب ہونے کے وقت سفر سے واپس ہو کر اپنے وطن میں داخل ہوا، عصر کی نماز اب تک نہیں پڑھی تھی اب اس پر دو رکعت قضا واجب ہے یا چار رکعت؟

بڑے شہروں میں اپنے محلّہ سے نکلنے سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے یا حدود شہر کو پار کر کے؟

سوال[۳۶۴۵]: ۱۱...... لکھنؤ، دہلی، بنارس، الہ آباد، وغیرہ اس طرح کے شہر کوئی ایک دو کوس کے ہوتے نہیں بلکہ ان کا سلسلہ کئی کئی کوسوں تک ہوتا ہے۔ ایسے مقامات میں آدمی کہاں سے مسافر شمار ہوگا، آیا اپنے محلے ہی سے نکلتے ہی مسافر ہو جائے گا یا حدودِ شہر کو پار کرنے کے بعد مسافر شمار ہوگا، شہروں میں مسافرت کا معیار کیا ہے؟

ریل میں احتلام ہونے کی صورت میں غسل کے لئے کیا کِیا جائے؟

سوال[۳۶۴۶]: ۱۲...... ریل میں بیت الخلا تو ہوتا ہے لیکن غسل خانہ نہیں ہوتا، اگر کسی کو رات میں احتلام ہو جائے تو کیا کرے؟ گرمی کا معاملہ کچھ اہون ہے لیکن سردی کا تو بہت کٹھن ہے۔ اگر کوئی ہمت کر کے بیت الخلاء میں نہانا بھی چاہے تو طبیعت کو ایک طرح کا انقباض ہوتا ہے اس لئے کہ محلِ نجاست ہے، دوسرے یہ کہ پانی اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سارا بدن شل ہو سکتا ہے، تیسرے یہ کہ دورانِ غسل میں پانی ختم ہو سکتا ہے

اس لئے کہ اس میں زیادہ پانی نہیں ہوتا۔ان مجبوریوں کے پیشِ نظر اس کو کیا کرنا چاہیے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......وقتِ مستحب سے مؤخر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مکروہ وقت تک تاخیر نہ ہو(۱)۔سفر میں پانی نہ ہوتو تیمم اس کا بدل ہے لیکن پانی ملنے کی توقع ہوتو مؤخر کرنا چاہیے (۲)۔

۲......مؤخر کرکے قضاء نہ کردے، انتہائی کوشش کے بعد جگہ نہ ملے تو اشارہ سے نماز پڑھ لے پھر جگہ ملنے پر اعادہ کرلے(۳)۔

---

(۱) "والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم به إلا لحاجّ بمزدلفة، وتأخير ظهر الصيف مطلقاً، والجمعة كظهر أصلاً واستحباباً، وتأخير عصر مالم يتغير ذكاء بأن لاتحار العين فيها في الأصح، وتأخير عشاء إلى ثلث الليل، والمغرب إلى اشتباك النجوم: أي كثرتها كره تحريماً". (الدرالمختار كتاب الصلوة: ۱/۳۶۶، ۳۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت وما يتصل بها، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۱، ۵۲، رشيديه)

"ولا يفرط في التأخير حتى لا تقع صلاة في وقت مكروه". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۹، سعيد)

(۲) "وندب لراجيه رجاءً قوياً آخرَ الوقت المستحب، ولو لم يؤخر وتيمم وصلى، جاز إن كان بينه وبين الماء ميل، وإلا لا". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۱۲۸، ۱۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۷۰، ۲۷۱، رشيديه)

(۳) "وفي الخلاصة وغيرها: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلوة، يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الأول في أمور لابد منها في التيمم: ۱/۲۸، رشيديه)

۳.....معمولی فرق ہو (شمال وجنوب کا فرق نہ ہو) تو گنجائش ہے (۱)۔

۴.....جو شخص اتنا ضعیف ہو کہ گر جانے کا ظنِ غالب ہو وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے (۲)۔

۵.....ریل کے چلے جانے کی وجہ سے اگر حرجِ قوی ہو تو نا تمام چھوڑ کر ریل میں سوار ہو جائے، رکوع سجود کی اس حالت میں پابندی نہیں (۳)۔

۶.....نمبر:۲ کی صورت اختیار کرے (۴)۔

۷.....ڈرائیور یا کنڈکٹر سے دریافت کرلے کہ یہاں کتنے منٹ بس ٹھہرے گی، گومگو میں نہ رہے (۵)،

---

(۱) "كذا قال النحرير التفتازاني في شرح الكتاب: "فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية، جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر، تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۲۸، سعيد)

(۲) "قال رحمه الله: ولو صلى في فُلك قاعداً بلا عذر، صح عند أبي حنيفة، وقالا: لا يصح إلا من عذر؛ لأن القيام مقدور عليه، فلا يجوز تركه. وله أن الغالب فيه دَوَرَانُ الرأس وهو كالمتحقق لكن القيام أفضل؛ لأنه أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل إن أمكنه؛ لأنه أسكن لقلبه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱/۴۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۲۰۲، رشيديه)

(۳) "رجل قام إلى الصلوة فسرق منه شئ قيمته درهمٌ، له أن يقطع الصلوة ويطلب السارق سواء كانت فريضةً أو تطوعاً؛ لأن الدرهم مال. امرأة تصلي ففار قِدرها، جاز لها قطع الصلوة لإصلاحها، وكذا المسافر إذا ندّت دابته أو خاف الراعي على غنمه الذئب اهـ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع فيما يفسد الصلوة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره الصلوة، ومما يتصل بذلك مسائل: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

(۴) (راجع، ص: ۵۴۱، رقم الحاشية: ۳)

(۵) "عن أبي الدرداء قال: أوصاني خليلي: "أن لاتشرك بالله شيئاً وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلوة مكتوبةً متعمداً، فمن تركها متعمداً، فقد برئت منه الذمة، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثالث: ۱/۵۹، قديمى)

پھر کسی جگہ وضو کرے، کسی جگہ نماز پڑھ لے اگرچہ سکونِ تام میسر نہ ہو، سکونِ تام تو کسی کسی کو میسر ہوتا ہے، جو حالت سکون کی سمجھی جاتی ہے اس میں بھی ذہن میں افکار کا ہجوم رہتا ہے اور سمندر کی طرح موجوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے، اس کی وجہ سے نماز ترک کی جاسکتی، عینِ حالتِ جہاد میں بھی صلوٰۃِ خوف مشروع ہے(۱)۔

۸...... یہ جھجک بے محل ہے، قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء پہونچنے کے واسطے بھی بسا اوقات جگہ مانگنا پڑتی ہے، سوار ہونے، بیٹھنے، سامان رکھنے کے لئے بھی جگہ طلب کی جاتی ہے اور جھجک محسوس نہیں کی جاتی، جگہ طلب کرلے اور کوشش کے باوجود کسی نے انکار کردیا اور قلب کو اذیت ہوئی تو اجر میں اضافہ ہوگا۔

۹...... وہ بھی مؤخر نہ کرے، ریل میں بعض دفعہ کھڑکیوں سے اتنا غبار آجاتا ہے کہ تیمم کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اگر وہاں کی مٹی یقیناً ناپاک ہے (موہوماً نہیں) اور پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو (مرض کی وجہ سے) تو آخر فاقد الطہورین کا مسئلہ بھی موجود ہے (۲)۔

۱۰......اگر وقتِ عصر ختم ہونے پر وطن میں داخل ہوا تو قصر کرے گا ورنہ اتمام کرے گا (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلوة، فلتقم طائفة منهم معك، وليأخذوا أسلحتهم، فإذا سجدوا فليكونوا من ورائكم، ولتأت طائفة أخرىٰ لم يصلوا، فليصلوا معك﴾ الآية. (سورة النساء، ۱۰۲، الآية)

(۲) "والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين بأن حبس في مكان نجس، ولا يمكنه إخراج تراب مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخرها عنده، وقال: يتشبه بالمصلين وجوباً، فيركع ويسجد إن وجد مكاناً يابساً، وإلا يؤمي قائماً، ثم يعيد كالصوم، به يفتي، وإليه صح رجوعه: أي الإمام، كما في الفيض". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، سعيد)

(۳) "والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت وهو قدر ما يسع التحريمة، فإن كان المكلف في آخره مسافراً، وجب ركعتان، وإلا فأربع؛ لأنه (أي آخر الوقت) المعتبر في السببية عند عدم الأداء قبله" (الدرالمختار). "(قوله: وجب ركعتان): أي وإن كان في أوله مقيماً وقوله: وإلا فأربع: أي وإن لم يكن في آخره مسافراً بأن كان مقيماً في آخره، فالواجب أربع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۳۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲/۲۴۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة المسافر: ۱/۵۱۹-۵۲۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

۱۱......محلّہ سے نہیں بلکہ آبادی سے خارج ہونے پر مسافر شمار ہوگا(۱)۔

۱۲......طبعی انقباض تو ناقابلِ التفات ہے، اول اس جگہ پر پانی بہادے پھر تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر غسل کرے، ہاں اگر پانی اتنا ٹھنڈا ہے کہ بدن شل ہوجائے تو تیمم کرلے، پھر جب قابلِ برداشت پانی مل جائے تو غسل کرلے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه، وإن لم يجاوز من الجانب الآخر ...... قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها". (الدرالمختار). "(قوله: من جانب خروج الخ) قال فی شرح المنية: فلا يصير مسافراً قبل أن يفارق عمران ما خرج منه من الجانب الذی خرج، حتی لو كان ثمة محلة منفصلة عن المصر وقد كانت متصلةً به، لا يصير مسافراً ما لم يجاوزها".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۱۲۱/۲، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۵۰۶/۱، ۵۰۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا أو لمرض أو برد يهلک الجنب أو يمرضه ولو فی المصر إذا لم تكن له أجرة حمام ولا ما يدفئه تيمم لهذه الأعذار كلها". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۳۲/۱، ۲۳۳، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۴۶/۱، ۲۴۷، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الرابع فی التيمم، الفصل الأول فی أمور لابد منها فی التيمم: ۲۸/۱، رشيديه)

باب صلوۃ المریض

(مریض کی نماز کا بیان)

عبادات کس شخص سے معاف ہیں؟

سوال[۳۶۴۷]: بزرگوں میں سے کسی بزرگ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ خداوند پاک نے ان سے اپنے فرائض اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے سنتیں ان کی تکالیف اور ضعیفی کی بنا پر معاف کردیا تھا۔ اگر جناب والا کی نظر سے کسی کتاب میں یہ واقعہ گزرا ہو تو تحریر فرماویں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خصوصیت سے یہ واقعہ تو مجھے کسی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں، لیکن مسئلہ صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا بیمار اور ضعیف ہے کہ نہ وضو کر سکتا ہے نہ تیمم، نہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے نہ بیٹھ کر نہ لیٹ کر، نہ رکوع کر سکتا ہے نہ اشارہ، نہ روزہ رکھ سکتا ہے نہ حج کر سکتا ہے اور اسی حالت میں کچھ مدت تک زندہ رہ کر مرجائے تو یہ سب عبادتیں اس سے معاف ہیں، کوئی فدیہ یا وصیت بھی واجب نہیں (۱) کتبِ فقہ نور الایضاح (۲) وغیرہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "یصلی المریض قائماً، فإن نالته مشقة صلی جالساً، فإن نالته مشقة صلی بإیماء یؤمی برأسه، فإن نالته مشقة سبح".

"کماذکرنا فی المقدمة، فالحدیث حسن، و فیه دلالة علی سقوط الصلوة عن المریض إذا لم =

معذور کی تعریف اور اس کا حکم

سوال [۳۶۴۸]: زید کو عارضہ ریح کا ہے یعنی اس کی ریح جلدی جلدی خارج ہوتی رہتی ہے، وضو اس کا قرار نہیں پکڑتا۔ بعض وقت یا بعض دن ایسا ہوتا ہے کہ وضو ایک گھنٹہ تک قائم رہتا ہے اور بعض روز کئی کئی روز ایسے گزرتے ہیں کہ وضو دس دس منٹ بلکہ اس سے بھی پہلے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس اخراج ریح کی صورت میں وہ شخص فرض قضاء نمازوں کو کس طرح ادا کرے؟ آیا ایک دفعہ تازہ وضو کر کے تمام دن اسی ایک وضو سے پڑھتا رہے خواہ بیچ میں ریح خارج ہو رہی ہو یعنی وضو نہ رہا ہو؟ فقط۔

= يستطع الإيماء بالرأس، فإن قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فإن نالته مشقة سبح" ورد في مقابلة قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلى بإيماء" فلا يجوز إرادة الصلوة به بل المراد به الذكر وحده، فدل على أن مثل هذا المريض لا صلوة عليه، بل يذكر الله بقلبه ولسانه، و ليس الذكر بواجب عليه إجماعاً فالمراد للندب كما قال علماءنا". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب صلوة المريض: ۱۷۴/۷، إدارة القرآن، كراچى)

"و إذا عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية، يسقط عنه فرض الصلوة، ولا يعتبر الإيماء بالعينين والحاجبين الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱۳۷/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۹۹/۲، سعيد)

(۲) "إذا مات المريض ولم يقدر على الصلاة بالإيماء، لايلزمه الإيصاء بها وإن قلت." (نور الإيضاح، باب صلاة المريض، فصل في إسقاط الصلاة والصوم: ص: ۱۰۴، سعيد)

"(إذا مات المريض ولم يقدر على أداء الصلاة بالإيماء) برأسه (لايلزمه الإيصاء بها وإن قلت) بنقصها عن صلاة يوم وليلة لماروينا لعدم قدرته على القضاء بإدراك زمن له على قول من يفسر قبول العذر بجواز التأخير، ومن فسره بالسقوط ظاهر، (وكذا) حكم (الصوم) في شهر رمضان (إن أفطر فيه المسافر والمريض، وماتا قبل الإقامة) للمسافر (و) قبل (الصحة) للمريض لعدم إدراكهما عدةً من أيام أخر. فلايلزمهما الإيصاء به." (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب صلاة المريض، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گزر جائے کہ اخراجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کرکے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اور اس وضو سے فرض، نفل ادائے قضا جو دل چاہے پڑھتا رہے، خروج ریاح ناقض نہیں ہوگا، وقت خارج ہونا اس کے حق میں ناقض وضو ہے، ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گزر جائے، یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے۔

اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گزر جائے گا تو یہ شخص معذور نہ رہے گا اور اگر کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گزرا کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کر سکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے خروج ریاح اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے، ھکذا فی الطحطاوی، ص: ۸۶(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: قالت جاء ت فاطمة بنت أبي حبيش رضي الله تعالىٰ عنها إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدَعُ الصلوة؟ قال: "لا، إنما ذلک عرق و ليس بالحيضة، اجتنبي الصلوة أيام محيضک، ثم اغتسلي و توضئ لكل صلوة وإن قطر الدم على الحصير". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، بابٌ إن المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة: ۱/۲۶۲، إدارة القرآن كراچي)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها "قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرأةٌ من أزواجه مستحاضة، فكانت ترى الحمرة والصفرة، فربما وضعنا الطست تحتها و هي تصلي".

(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اعتكاف المستحاضة: ۱/۲۷۳، قديمي) .... =

معذور کی نماز وامامت

سوال[۳۶۴۹]: (الف) میں ایک مرض میں عرصۂ دراز سے مبتلا ہوں اور وہ ہے کثرتِ ریاح کا خروج، ہر۲،۳/منٹ پرخروج ریاح ہوتا رہتا ہے۔ تو کیا میں فجر کے وضو سے نمازِ اشراق اور تلاوتِ قرآن پاک کرسکتا ہوں؟ یعنی ہوا کو روک کر رکھوں اور باوضو رہوں۔

(ب) جس گاؤں میں رہتا ہوں اس میں معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں، اکثر قرأت نماز میں غلط پڑھتے ہیں، اعضائے وضو خشک رہ جاتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے پیچھے میری نماز درست ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو پنجگانہ نماز کی امامت کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یعنی جب تک امامت کروں، ہوا کو زبردستی روکے رکھوں، اگر نہیں کرسکتا تو گھر میں نماز ادا کروں؟ نیز اس حالت میں نماز تراویح کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف) جو شخص شرعاً معذور ہے اس کو ہر وقت کی نماز کے لئے وضو ضروری ہے، پھر وقت ختم ہونے

= "(و من به عذر كسلس بول أو استطلاق بطن) و انفلات ريح......... يتوضؤن (لوقت كل فرض) لا لكل فرض و لا نفل لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة" .... (يصلون): أى بوضوئهم فى الوقت (ما شاء وا من الفرائض) .... من (النوافل) والواجبات .... (و يبطل وضوء المعذورين) إذا لم يطرأ ناقض غير العذر (بخروج الوقت) كطلوع الشمس فى الفجر عند أبى حنيفة و محمد (فقط) .... (و لا يصير) من ابتلى بناقض (معذوراً حتى يستوعبه العذر وقتا كاملاً ليس فيه انقطاع) لعذره (بقدر الوضوء والصلوة)؛ إذ لو وجد، لا يكون معذوراً. (وهذا) الاستيعاب الحقيقي بوجود العذر فى جميع الوقت، والاستيعاب الحكمي بالانقطاع القليل الذى لا يسع الطهارة والصلوة (شرط ثبوته): أى العذر (وشرط دوامه): أى العذر (وجوده) (فى كل وقت بعد ذلك) الاستيعاب الحقيقي أو الحكمي (ولو) كان وجوده (مرةً) واحدةً ليعلم بها بقاؤه (وشرط انقطاعه) وخروج صاحبه عن كونه معذوراً (خلو وقت كامل عنه) بانقطاعه حقيقةً. فهذه الثلاث شروط، الثبوت والدوام والانقطاع. نسأل الله العفو والعافية بمنه و كرمه". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، قديمى)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، أحكام المعذور : ۱/ ۴۰، ۴۱، رشيديه)

سے اس کا وضو باقی نہیں رہے گا۔ فجر کا وضو سورج نکلنے سے ختم ہوجائے گا (۱) اشراق کے لئے علیحدہ وضو کی ضرورت ہوگی، پھر اس وضو سے نوافل اور تلاوت کی اجازت ہوگی حتی کہ ظہر کے لئے بھی جدید وضو کی ضرورت نہیں ہوگی، اِلَّا یہ کہ اس عذر کے علاوہ کوئی اَور حدث پیش آجائے (۲)۔

(ب) اگر امام کی طہارت کامل نہ ہو، اعضائے وضو خشک رہ جائیں، یا نماز میں قرأت کی غلطی سے فساد آجائے اور امام اصلاح نہ کرے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں اور صاحبِ عذر بھی امامت نہیں کرسکتا (۳)۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن المستحاضة قال: "تدع الصلوة أيامها، ثم تغتسل غسلاً واحداً، ثم تتوضأ عند كل صلوة".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "عند بالكسر والفتح والضم ثلث لغات .... والمراد به الوقت الشرعي للصلوة كما هو المتبادر". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن، كراچى)

"المستحاضة و من به سلس البول أو استطلاق البطن أو انفلات الريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ، يتوضؤن لوقت كل صلوة، و يصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء وامن الفرائض والنوافل. .... "و يبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۴۱، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرأةٌ من أزواجه مستحاضة، فكانت ترى الحمرة والصفرة، فربما وضعنا الطست تحتها و هي تصلي". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اعتكاف المستحاضة: ۱/۲۷۳، قديمى)

"(فإذا خرج الوقت، بطل): أي ظهر حدثه السابق، حتى لو توضأ على الانقطاع ودام إلى خروجه، لم يبطل بالخروج ما لم يطرأ حدث آخر أو يسيل كمسألة مسح خفه. وأفاد أنه توضأ بعد الطلوع و لو لعيد أو ضحى، لم يبطل إلا بخروج وقت الظهر". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۰۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ: ۱/۴۱، رشيديه)

(۳) "و في المبسوط: (و يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله و أعلمهم بالسنة وأفضلهم و رعاً وأكبرهم سناً) لحديث أبي مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يؤم القوم أقرؤهم =

لہٰذا تنہا نماز پڑھنے میں وہ شرعاً معذور ہے، ترکِ جماعت کی وعید میں وہ نہیں آئے گا (۱)، اسی طرح نماز تراویح بھی درست نہیں ہوئی، ایسی حالت میں تراویح بھی تنہا پڑھی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

صاحبِ جریان کی نماز وامامت

سوال[۳۶۵۰]: احقر مدت سے مرضِ جریان میں مبتلا ہے اکثر اوقات بدونِ دفق وشہوت کے مذی

= لكتاب الله تعالىٰ، فإن كانوا سواءً فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا سواء فأقدمهم هجرة.......... والأصح أن الأعلم بالسنة إذا كان يعلم من القرآن مقدار ما يجوز به الصلوة، فهو أولى؛ لأن القراءة يحتاج إليها في ركن واحد، والعلم يحتاج إليه في جميع، والخطأ المفسد للصلوة في القراءة لا يعرف إلا بالقلم". (مراقي الفلاح) .

وقال الطحطاوي :" و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء .... (والقراة) بحفظ آية تصح بها الصلوة على الخلاف والسادس (السلامة من الأعذار) فإن المعذور صلاته ضرورية، فلايصح اقتداء غيره به (كالرعاف) الدائم (وانفلات رياح) .... والسلامة (من فقد شرط كطهارة) فإن عدمها بحمل خبث، لا يعفى لاتصح إمامته لطاهر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص:۲۸۸، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۷۸، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع النداء فلم يمنعه من اتباعه عذرٌ قالوا: و ما العذر؟ قال:"خوف أو مرض، لم يقبل منه الصلوة التي صلى".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ : "قوله : عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ .... قلت: دل على كون الخوف والمرض عذراً". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب الإمامة: ۱۷۹/۴، إدارة القرآن، كراچي)

"و تسقط الجماعة بالأعذار حتى لا تجب على المريض". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة : ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار : كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۵۴، سعيد)

(۲) (راجع ،ص: ۵۴۹، رقم الحاشيه :۳)

کی قسم کی کوئی چیز نکل کر کبھی مخرج کے منہ پر رہتی ہے اور کبھی مخرج سے تعدی کر کے کچھ پھیل جاتا ہے مگر چمڑے سے الگ ہو کر ساقط نہیں ہوتی، کبھی کپڑے پر بھی لگ جاتی ہے اور اکثر اوقات نماز میں بھی مذکورہ حالت ہو جاتی ہے، بعض وقت دو تین دفعہ نماز دہرانے تک یہی حالت رہتی ہے اور بعض وقت نہیں رہتی۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز دہراؤں یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کبھی مجبوراً امام بنا پڑتا ہے کہ جماعت میں عوام ہوتے ہیں جن کی قرأت صحیح نہیں ہے اور بعض کی قرأت صحیح ہے مگر مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں اور بعض کے طہارت وغیرہ کے مسائل پر عمل نہیں ہے، چال چلن لباس، وغیرہ شریعت کے موافق نہیں ہے اور اگر کبھی جاننے والا آدمی موجود بھی ہے تو وہ امام نہیں ہوتا تو حالتِ مذکورہ میں احقر کو امام بننا درست ہوگا یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کیا کروں؟ فقط۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس چیز کے ناقضِ وضو ہونے میں شک نہیں، لیکن اس کی نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ شرعاً آپ کو معذور کہا جا سکے تو اس وقت آپ کے لئے یہ حکم ہوگا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا آپ کو ضروری ہوگا اور اس وضو سے فرض، نفل سب پڑھ سکتے ہیں پھر جب نماز کا وقت خارج ہوگا تو یہ خروج وقت آپ کے حق میں ناقض وضو ہوگا عذر، ناقض نہ ہوگا۔

شرعاً معذور وہ شخص ہے کہ جس پر نماز کا ایک مکمل وقت اسی حالت میں گزر جائے کہ اس میں وہ عذر برابر ملحق رہے اور اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ جن میں وہ وضو کر کے اس وقت فرض نماز ادا کر سکے، جب ایک نماز کا مکمل وقت اسی حالت میں گزر گیا تو یہ شخص شرعاً معذور ہوگا، اس کے بعد ہر نماز کے مکمل وقت میں اس عذر کا متحقق ہونا ضروری نہیں، بلکہ مکمل وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس عذر کا پایا جانا کافی ہے، پھر اگر کسی نماز کا مکمل وقت ایسی حالت میں گزر گیا کہ ایک مرتبہ بھی عذر نہ پایا گیا تو یہ شخص شرعاً معذور نہیں رہے گا۔

اب آپ اپنی حالت کو خود ملاحظہ کر لیں آپ شرعاً معذور ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہ خروجِ مذی آپ کے حق میں ناقض نہیں، لہذا اس کی وجہ سے نماز کا اعادہ بھی درست نہیں۔ اگر آپ معذور نہیں تو یہ خروجِ مذی ناقضِ

وضو ہے، اگر نماز میں خروج ہو جائے، تو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ لازم ہے(۱)۔

معذور کی امامت درست نہیں۔ جب آپ معذور ہوں تو آپ ہرگز امام نہ بنیں جو امام احسن حالاً ہو اس کی اقتداء کرلیں، اور جب معذور نہ ہوں تو پھر امام بننے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر ایسی حالت میں خروجِ مذی ہو گیا تو نماز کا اعادہ لازم ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۹/۶۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: جاء ت فاطمة بنت أبي حبيش رضي الله تعالىٰ عنها إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إني امرأة أستحاض فلاأطهر، أفأدع الصلوة؟ قال: "لا، إنما ذلك عرق و ليس بالحيضة، اجتنبي الصلوة أيام محيضك، ثم اغتسلي و توضئ لكل صلوة وإن قطر الدم على الحصير". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، بابٌ: إن المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة ۱۰/۲۶۲، إدارة القرآن، كراچي)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرأةٌ من أزواجه مستحاضة، فكانت ترى الحمرة والصفرة، فربما وضعنا الطست تحتها و هي تصلي". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب اعتكاف المستحاضة: ۱/۲۷۳، قديمي)

"شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلوة كاملاً، و هو الأظهر كالانقطاع، لا يثبت ما لم يستوعب الوقت كله، حتى لو سال دمها في بعض وقت الصلاة فتوضأت وصلت ثم خرجت الوقت ودخل وقت صلوة أخرى وانقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلوة لعدم الاستيعاب. وإن لم ينقطع في وقت الصلوة الثانية حتى خرج، لا تعيدها لوجود استيعاب الوقت. وشرط بقائه أن لا يمضي عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلي به يوجد فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، أحكام المعذور: ۱/۴۰، ۴۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، قديمي)

(۲) "و شروط صحة الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء .... والسادس: (السلامة من الأعذار) فإن المعذور صلاته ضرورية، فلا يصح اقتداء غيره به (كالرعاف) الدائم (وانفلات الريح) الخ". =

معذور تیمّم اور اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۳۶۵۱]: زید بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا حتی کہ وضوتک کے لئے لوٹا نہیں اٹھا سکتا، اس لئے پاس مٹی رکھ کر تیمّم کر کے قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کر لیتا ہے۔ اس طرح نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جب خود وضو کی قدرت نہ ہو اور دوسرا آدمی وضو کرانے والا بھی نہ ہو تو مجبوراً تیمّم درست ہے(۱)۔ جب کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھی جائے، بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو لیٹے لیٹے پڑھی جائے(۲)، جب قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت نہ ہو تو جس طرف ہو اسی طرف رخ کر کے اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے(۳)۔ اگر سجدہ کی قدرت ہو تو اشارہ کافی نہیں سجدہ ضروری ہے خواہ معمولی سی کوئی چیز تکیہ

= (كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۵۷۸، قديمی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان جواز الاقتداء: ۱/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "(واستعماله) .... (أو لمرض) يشتد أويمتد بغلبة ظن أوقول حاذق مسلم و لو بتحر أو لم يجد من توضئه الخ". (الدرالمختار).

"(قوله:أو لم يجد، الخ): أى أو كان لا يخاف الا شتداد و لا الامتداد لكنه لا يقدر بنفسه و لم يجد من يوضئه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۳۳، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الأول في الأمور الخ: ۱/۲۸، رشيديه)

(۲) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه، قال: كان بى الناصور، فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فقال: "صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب". (سنن ابى داود، كتاب الصلوة، باب فى صلوة القاعد: ۱/۱۴۴، مكتبه امداديه ملتان)

"فإذا عجز عن القيام، يصلى قاعداً بركوع و سجود، فإن عجز عن الركوع والسجود يصلى قاعداً .... فإن عجز عن القعود يستلقى و يؤمى إيماءً الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صلوة المريض، فصل: وأما أركانها فستة: ۱/۲۸۴، رشيديه)

(۳) "(و قبلة العاجز عنها) لمرض وإن وجد موجها عند الإمام". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام)؛ =

وغیرہ رکھ کر ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۷ھ۔

آنکھ کے آپریشن میں نماز کا حکم

سوال[۳۲۵۲]: آنکھ قدح (۲) کرانے میں حس وحرکت سر وغیرہ کی اجازت نہیں ہوتی، بستر پر پیشاب کرنا پڑتا ہے، بعض مرتبہ بدن وکپڑا پیشاب میں ملوث ہوجاتا ہے تو نماز قضاء کرنا جائز ہے یانہیں؟ یا کس طرح نماز ووضو وتیمم ادا کرے جب کہ سر تک کو حرکت نہیں دے سکتا اور آدھے چہرہ تک پٹی لپٹی رہتی ہے جس سے پورا تیمّم چہرہ کا بھی نہیں ہوسکتا؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ مرحمت ہو۔

مکلّف شاہ، حبیب اللہ، از خانقاہ مالک پور، ضلع پرتاب گڑھ، ۱۴/شوال ۵۴ھ (اودھ)۔

الجوب حامداً مصلیاً:

اگر سر کی حرکت اور اشارہ کو بھی دیندار ماہر معالج منع کرتا ہے اور آنکھ کے لئے ایسی حالت میں مضر

= لأن القادر بقدرة الغير عاجز عنده؛ لأن العبد يكلف بقدرة نفسه لا بقدرة غيره". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلوة، فصل: استقبال القبلة: ۱/۶۳، رشيديه)

(۱) "و لايرفع إلى وجهه شيئاً يسجد عليه، فإنه يكره تحريماً الخ". (الدرالمختار). "قول هذا محمول على ما إذا كان يحمل إلى وجهه شيئاً يسجد عليه، بخلاف ما إذا كان موضوعاً على الأرض، يدل عليه ما في الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة في الأول، ثم قال: فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض و كان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح أن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من ذلك .... بل يظهر لي أنه لو كان قادراً على وضع شيئ على الأرض مما يصح السجود عليه انه يلزمه ذلك لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقةً و لايصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما بل شرطه تعذرهما كما هو موضوع المسئلة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۹۸، ۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۲۰۱، رشيديه)

(۲) "قدح: چیرنا، پھاڑنا"۔ (نور اللغات، تحت لفظ "قدح": ۳/۶۵۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاهور)

بتلاتا ہے تو نماز کو قضاء کرنا درست ہے آبرو یا آنکھ یا دل کے اشارہ سے نماز نہ پڑھے:

و فی الدر المختار: "ولم یؤم بعینه و قلبه و حاجبه"(۱)۔ وفیه قبله: "وإن تعذر الإیماء برأسه و کثرت الفوائت بأن زادت علیٰ یوم ولیلة، سقط القضاء عنه وإن کان یفهم فی ظاهر الروایة، وعلیه الفتویٰ" در مختار، ص: ۷۹۵(۲)۔

اگر اشارۂ سر سے نماز معتذر نہ ہو تو اشارۂ سر سے نماز پڑھنا ضروری ہے(۳)۔ اگر بستر ناپاک ہے اور

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلاة المریض: ۲/۱۰۰، سعید)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "یصلی المریض قائماً، فإن نالته مشقة صلی جالساً، فإن نالته مشقة صلی بإیماء یؤمی برأسه، فإن نالته مشقة، سبح".

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "کما ذکرنا فی المقدمة، فالحدیث حسن، و فیه دلالة علی سقوط الصلوة عن المریض إذا لم یستطع الإیماء بالرأس، فإن قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "فإن نالته مشقة سبح". و رد فی مقابلة قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلی بإیماء" فلا یجوز إرادة الصلوة به بل المراد به الذکر وحده، فدل علی أن هذا المریض لا صلوة علیه بل یذکر الله بقلبه و لسانه، و لیس بواجب علیه إجماعاً، فالأمر لندب کما قال علماء نا". (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، أبواب صلوة المریض: ۷/۱۷۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صلوة المریض: ۲/۹۹، سعید)

"وإذا عجز المریض عن الإیماء بالرأس فی ظاهر الروایة یسقط عنه فرض الصلوة و لا یعتبر الإیماء بالعینین والحاجبین، ثم إذا خف مرضه هل یلزمه القضاء؟ اختلفوا فیه، قال بعضهم: إن زاد عجزه علی یوم ولیلة، لا یلزمه القضاء، وإن کان دون ذلک یلزمه کما فی الإغماء، و هو الأصح، والفتوی علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱/۱۳۷، رشیدیه)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الصلوة، أبواب المریض: ۷/۱۷۵، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، قال: "یصلی المریض قائماً، فإن نالته مشقة صلی جالساً، فإن نالته مشقة صلی بإیماء یؤمی برأسه، فإن نالته مشقة سبح". (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، أبواب المریض: ۷/۱۷۴، ادارة القرآن)

"وإن تعذر القعود أومأ بالرکوع والسجود مستلقیاً علی ظهره و جعل رجلیه إلی القبلة الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱/۱۳۶، رشیدیه)

اس کو بدل نہیں سکتا تو اس ناپاک ہی پر پڑھے(۱) وضو کی اجازت نہ ہو تو تیمم سے ہی سہی، پٹی کے اوپر ہی مسح کر لے، اگر وضوء کی اجازت ہو تو وضوء کر لے اور پٹی کے اوپر مسح کر لے، باقی اعضاء کو دھولے(۲)۔

"أمره الطبيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه، صلى بالإيماء؛ لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس. مريضٌ تحته ثياب نجسة، وكلما بسط شيئاً يتنجس من ساعته، صلى على حاله، و كذا لو لم يتنجس إلا أنه يلحقه مشقة بتحريكه". درمختار۔ و في رد المحتار: "قوله: أمره الطبيب: أي المسلم الحاذق، كما ذكره في الصوم(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ ۱۱/ ۵۴ھ۔

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) "(واستعماله) .... (أو لمرض) يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم و لو بتحرك الخ". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۳۳، سعيد)

"ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض يخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه أو أبطأ برؤه، يتيمم، لا فرق بين أن يشتد بالتحرك كالمشتكي من العرق المدني الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الرابع: ۱/۲۸، رشيديه)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: انكسر إحدى زنديّ فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأمرني أن أمسح على الجبائر". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب المسح على العصابة والجبائر: ۱/۲۴۶، إدارة القرآن، كراچی)

"(و يمسح) نحو (مفتصد و جريح على كل عصابة)". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۸۰، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۳، سعيد)

"مريضٌ تحته ثياب نجسة إن كان بحال لا يبسط شيء إلا و يتنجس من ساعته، يصلي على حاله، و كذا إذا لم يتنجس الثاني لكن يلحقه زيادة مشقة بالتحويل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱/۱۳۷، رشيديه)

7

ایضاً

استفتاء[۳۶۵۳]: باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمود حسن صاحب معین المفتی عم فیضہ! سلام مسنون۔

جواب فتاویٰ (۱۰۷۴) مع اشتہار مطبوعہ "کوکب دری" موصول ہوا فقط۔ دلی شکریہ! مجھے قابلیت عربی کی زیادہ نہیں ہے، آپ حضرات کی برکت سے کچھ سمجھ لیتا ہوں۔ ایک مولوی صاحب رضائی ہیں ان کو یہ اشتہار دینا غیر مناسب ہے، ایک صاحب اور ہیں وہ تشریف لائے تو پیش کروں گا۔

آنکھ کے قدح کے متعلق جو میں نے دریافت کیا تھا اس میں اس عبارت کا کیا مطلب ہے: "وإن تعذر الإيماء برأسه و كثرت الفوائت بأن زادت على يوم و ليلة، سقط القضاء عنه" قدح میں تین روز تک چت لٹاتے ہیں، حس وحرکت سے منع کرتے ہیں تو کیا نمازوں کی قضاء ناجائز اور قضا ساقط ہوجائے گی؟

مکلف: حبیب اللہ، ۱۱/ ذی قعدہ/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرم فرمائے بندہ حضرت شاہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ اگر مریض کی ایسی حالت ہو کہ وہ خطاب کو تو سمجھتا ہے، لیکن اشارہ نہیں کرسکتا، یا اس کو کسی حاذق دیندار معالج نے کہہ دیا ہے کہ اشارہ کرنے سے جان یا کسی عضو مثلاً آنکھ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور اسی حالت میں اس کو ایک دن رات سے زائد گزر جائے تو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے کہ وہ تندرست ہونے کے بعد ایسی حالت میں جو نمازیں چھوٹی ہیں ان کی قضاء کرے گا یا نہیں، ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کے ذمہ قضاء لازم نہیں اور اسی پر علماء کا فتویٰ ہے اور یہی تجنیس میں لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے، مگر ہدایہ میں لکھا ہے کہ اس پر قضاء ضروری ہے اگرچہ جمہور علماء کا فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے ذمہ قضاء ضروری نہیں، لیکن چونکہ بعض علماء جیسے صاحب ہدایہ نے ہدایہ میں قضاء کو بھی تحریر فرمایا ہے، اس

لئے احوط یہ ہی ہے کہ قضاء کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

فوطہ کے آپریشن کی وجہ سے نماز لیٹے لیٹے پڑھنا

سوال[۳۶۵۴]: زید کے فوطے(۲) نیچے لٹک جاتے ہیں جس کی وجہ سے کافی تکلیف ہوتی ہے، زید نے بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، اب زید کا ارادہ آپریشن کا ہے، البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ کروٹ وغیرہ نہیں بدل سکتا اور نہ ہی بیت الخلا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ان دنوں کی نمازوں کو بعد میں قضاء کرے یا اسی حالت میں نماز پڑھا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فوطے لٹک جانے کی وجہ سے جب آپریشن کرایا جائے اور اس میں کروٹ بدلنے، رکوع سجدہ کرنے سے زخم کو نقصان پہونچے گا تو لیٹے لیٹے جس طرح ممکن ہو اشارہ سے نماز ادا کرلے (۳)، اگر استنجا کرنا بھی مضر ہو

---

(۱) "وإن تعذر الإيماء برأسه و كثرت الفوائت بأن زادت على يوم و ليلة، سقط القضاء عنه وإن كان يفهم في ظاهر الرواية، و عليه الفتوى". (الدرالمختار).

"(قوله: في ظاهر الرواية) وقيل: لا يسقط القضاء بل يؤخر عنه إذا كان يعقل، و صححه في الهداية، و هو من أهل الترجيح، لكن خالف نفسه في كتابه التجنيس، فصحح الأول كعامة أهل الترجيح كقاضي خان و صاحب المحيط .... و مشى عليه المصنف؛ لأنه ظاهر الرواية، ولما في الإمداد من أن القاعدة العمل ما عليه الأكثر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۱۰۰، سعيد)

"فإن لم يستطع الإيماء برأسه، أخرت عنه، و لا يؤمي بعينيه و لا بقلبه و لا بحاجبيه، خلافاً لزفر، لما روينا من قبل، ولأن نصب الإبدال بالرأي ممتنع، و لا قياس على الرأس؛ لأنه يتأدى به ركن الصلوة دون العين وأختيهما. (وقوله: أخرت عنه) إشارةٌ إلى انه لا تسقط الصلوة عنه وإن كان العجز اكثر من يوم و ليلة إذا كان مفيقاً، و هو الصحيح؛ لأنه يفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمى عليه".

(الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱/۱۶۱، ۱۶۲. مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "فوطه: بیضہ، خصیہ"۔(فیروز اللغات، ص: ۹۳۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: كانت بي بواسير، فسألت رسول الله صلى الله تعالىٰ =

تو ویسے ہی پڑھ لے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۸۸ھ۔

آنکھ کے اشارے سے نماز

سوال[۳۶۵۵]: آنکھ قدح (۲) کرانے میں سرہلانے کی اجازت نہیں، کیا جو آنکھ قدح نہیں ہوئی اس پر پٹی بندھی نہیں ہے اس کی پلک کے اشارہ سے نماز جائز ہے یا نہیں، کیا قدوری میں لکھا ہے "نہیں جائز ہے"۔ یہ مفتیٰ بہ قول ہے یا نہیں، نماز قضاء ہونے کے خیال سے اندھا بنا رہے تو شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض آنکھ کے اشارہ سے نماز درست نہیں، قدوری میں بھی اسی طرح ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے جس شخص

= عليه وسلم عن الصلوة، فقال: "صلّ قائماً، فإن لم تستطع، فعلى جنب.......... فإن لم تستطع فمستلقياً: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾. (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب صلوة المريض: ۱۷۰/۷، إدارة القرآن كراچی)

"وإن لم يستطع القعود، استلقى على ظهره، و جعل رجليه إلى القبلة، وأومى بالركوع والسجود، لقوله عليه الصلوة والسلام: "يصلي المريض قائماً، فإن لم يستطع فقاعداً، فإن لم يستطع فعلى قفاه يؤمي إيماءً، فإن لم يستطع فالله تعالىٰ أحق بقبول العذر منه". (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱۶۱/۱، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(۱) "الرجل المريض إذا لم يكن له امرأة و لا أمة، و له ابن أو أخ، و هو لا يقدر على الوضوء، فإنه يوضّيه ابنه أو أخوه غير الاستنجاء، فإنه لا يمس فرجه، و سقط عنه الاستنجاء، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۳۴۱/۱، سعيد)

(۲) "القدح: چیرنا، پھاڑنا"۔(نور اللغات: ۲۵۰/۳)

کی آنکھ میں پانی آگیا ہو اور وہ اس خیال سے قدح نہ کرائے کہ میری نماز قضاء ہوگی اور اپنے نابینا ہونے پر صبر کرے اس کے لئے بہت بڑا اجر ہے، آنکھ بنوانا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۸/ جمادی الاُولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ جمادی الاُولیٰ/ ۶۹ھ۔

اعرج کی نماز کا طریقہ

سوال[۳۲۵۶]: ایک شخص معذور ہے یعنی اس کا داہنا پاؤں خراب ہے اور وہ ٹوٹ گیا ہے اور کھڑا ہوکر نماز پڑھنے پر قادر بھی ہے لیکن جب کھڑا ہوتا ہے تو جو پاؤں ٹوٹا ہوا ہے اس کا انگوٹھا ہلتا رہتا ہے، اس پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں، کوئی تو کہتا ہے نماز ہوتی ہی نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اگر نماز میں انگوٹھا ہل جائے تو نماز پوری نہیں ہوتی بلکہ ناقص رہتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا اعتراض اس معذور کے حق میں باوجود قدرت علی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما : عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "یصلی المریض قائماً، فإن نالته مشقة صلی جالساً، فإن نالته مشقة صلی بإیماء یؤمی برأسه، فإن نالته مشقة سبح".

"کماذکر نا فی المقدمة فالحدیث حسن و فیه دلالة علی سقوط الصلوة عن المریض إذا لم یستطع الإیماء بالرأس فإن قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "فإن نالته مشقة سبح" ورد فی مقابلة قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "صلی بإیماء" فلا یجوز إرادة الصلوة به بل المراد به الذکر وحده، فدل علی أن مثل هذا المریض لا صلوة علیه بل یذکر اللہ بقلبه ولسانه، و لیس الذکر بواجب علیه إجماعاً، فالأمر للندب کما قال علماء نا". (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، أبواب صلوة المریض: ۱۷۴/۷، ادارة القرآن)

"إذا تعذر علی المریض القیام صلی قاعداً .... فإن لم یستطع الإیماء برأسه، أخر الصلوة ولا یؤمی بعینیه ولا بقلبه و لا بحاجبیه .... اهـ". (مختصر القدوری، کتاب الصلوة، باب صلوة المریض، ص: ۲۸، قدیمی)

"و إذا عجز المریض عن الإیماء بالرأس فی ظاهر الروایة، یسقط عنه فرض الصلوة، ولا یعتبر الإیماء بالعینین والحاجبین الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض: ۱۳۷/۱، رشیدیه)

القیام ہونے کے اور ارادۂ حصولِ زیادتی ثواب کے یہ اعتراض صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس طرح نماز پڑھنے کی شریعت اجازت دیتی ہے یا نہیں اور اگر اس طرح نماز پڑھے تو پوری ہوتی ہے یا ناقص رہتی ہے، باوجودیکہ معذور ہے؟ مفصل جواب شافی تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

احقر عبدالرزاق، ۲۸/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر بلا عذر نفل کے علاوہ پڑھنا جائز نہیں (۱) بلکہ کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے، ہاں! اگر کوئی عذر ہو کہ جس سے کھڑا نہ ہو سکتا ہو، یا کھڑا ہونے سے کوئی دشواری پیش آتی ہو مثلاً کوئی زخم ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے وہ بند رہتا ہے اور قیام سے وہ جاری رہتا ہے، یا قیام سے وہ قرأت نہیں کر سکتا، یا سجدہ نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور صورتِ مسئولہ میں اس قسم کا کوئی عذر نہیں لہذا شخص مذکور کو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں:

”و منها القيام في مرض لقادر عليه وعلى السجود، فلو قدر عليه دون السجود ندب إيمائه قاعداً وكذا من يسيل جرحه لوسجد و يتمم القعود ولمن يسيل جرحه إذا قام، أو يسلسل بوله أو يبدو ربع عورته أو يضعف عن القراء ة أصلاً“. درمختار(۲).

---

(۱)”عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: مامات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى كان من أكثر صلاته قاعداً إلا الفريضة، وكان أحب العمل إليه أدومه وإن قل“. (سنن النسائي، كتاب الصلوة، باب صلوة القاعد في النافلة: ۱/۲۴۴، قديمي)

”و يجوز أن يتنفل القادر على القيام قاعداً بلاكراهة في الأصح، كذا في مجمع البحرين“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

”و يفترض (القيام) و هو ركن متفق عليه في الفرائض والواجبات، وحدّ القيام أن يكون بحيث إذا مدّيديه، لا ينال ركبتيه و قوله في غير النفل الخ“. (مراقي الفلاح)

”قوله: و يفترض (القيام) على قادر عليه وعلى الركوع والسجود، و لايفوته بقيامه شرط=

ہاں! اس کی رعایت ضرور رکھنی چاہیے کہ پیر کا انگوٹھا ہلنے سے کسی دوسرے کو اذیت نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ ربیع الأول/ ۵۶ھ۔

قصداً اگر انگوٹھا ہلاتا رہتا ہے تو یہ مکروہ ہے اور اگر ٹانگ ٹوٹنے کی وجہ سے خود ہلتا رہتا ہے تو اس سے کوئی نقصان نماز میں نہیں ہوتا، جو لوگ کہتے ہیں کہ انگوٹھا ہل جانے سے نماز نہیں ہوتی وہ غلط کہتے ہیں (۱)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

= طهارة مثلاً، ولا قدرة القراء ة، فلو تعسر عليه القيام، أو قدر عليه و عجز عن السجود، لا يلزمه، لكنه يخير في الثانية بين الإيماء قائماً أو قاعداً، كما لو كان معه جرح يسيل إذا سجد، فإنه يخير كذلك. ولو كان بحيث لو قام سلس بوله أو لو قام ينكشف من العورة مايمنع من الصلوة أو بعجز عن القراء ة حال القيام وفي القعود، لا يحصل شيء من ذلك، يجب القعود". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة وأركانها، ص: ۲۲۴، قديمي)

(۱) "عن يحيى بن أبي كثير مرسلاً: "إن الله تعالىٰ كره لكم ستاً: العبث في الصلوة، المنّ في الصدقة........ والرفث في الصيام، والضحك عند القبور".

"قال الشيخ العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قال الشيخ: و دلت الأحاديث على كراهة مطلق العبث؛ لأنهم لم يفرقوا بين عبث و عبث، فثبت كلا الجزئين من الباب. قلت: ودلالة الحديث الرابع: أي حديث يحيى ابن أبي كثير على كراهة مطلق العبث ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب مكروهات الصلوة: ۸۷/۵، إدارة القرآن، كراچي)

"يكره للمصلي سبعة و سبعون شيئاً .... (كعبثه بثوبه و بدنه) لاينافي الخشوع الذي هو روح الصلوة، فكان مكروهاً، لقوله تعالىٰ: ﴿قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾. وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تعالىٰ كره لكم العبث في الصلوة"، الحديث. "ورآى عليه الصلاة والسلام رجلاً يعبث بلحيته في الصلوة فقال: "لو خشع قلبه، لخشعت جوارحه". والعبث عمل لا فائدة فيه و لا حكمة تقتضيه، والمراد بالعبث هنا فعل ما ليس من أفعال الصلوة؛ لأنه ينافيها". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، مكروهات الصلوة، ص: ۳۴۵، قديمي)

معذور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۶۵۷]: کوئی شخص مسجد میں آسکتا ہے لیکن بوجہ مرض کھڑا ہو کر باجماعت نماز نہیں پڑھ سکتا، ایسے شخص کو بیٹھ کر باجماعت فرض نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

رحم میں دوا رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۶۵۸]: اگر حالتِ بیماری میں عورتوں کو جو دوا اندر رکھانی پڑتی ہے، اس حالت میں نماز کو ادا کرے یا قضا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اسی حالت میں نماز پڑھ لے، قضا نہ کرے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان بي الناصور، فسألت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في صلوة القاعد: ۱/۱۴۴، امداديه ملتان)

"إذا عجز المريض عن القيام، صلى قاعداً يركع و يسجد، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الصلوة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(۲) "إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحليله بقطنة، ولو لا القطنة يخرج منه البول، فلا بأس به، ولا ينتقض حتى يظهر البول على القطنة، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة،=

قطرہ آنے کی حالت میں نماز

سوال[۳۶۵۹]: مجھے قطرہ کی شکایت ہے استنجا پاک کرنے کے بعد بھی قطرہ آ جاتا ہے، جانگیہ بھی پہنے رہتا ہوں اس کو بدل بھی دیتا ہوں مجھ کو ہر وقت خیال رہتا ہے ایسی صورت میں پاکی کی کیا صورت ہوگی؟

حاجی محمد علاء الدین کلاتھ مرچنٹ تاسین گنج ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نماز کے لئے مستقل ایک لنگی تجویز کر لیجئے کہ جب وقت آئے تو استنجا پاک کر کے لنگی باندھ کر نماز پڑھ لیا کریں، یا پھر پیشاب کے سوراخ میں روئی رکھ لیا کریں یعنی پیشاب سے فارغ ہو کر استنجا پاک کر کے روئی اندر رکھ لیا کریں اس طرح کہ کچھ حصہ باہر رہے، جب تک باہر والا حصہ تر نہیں ہوگا وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں ہوگا (۱) اور کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

معذور کے لئے صف کے کنارہ پر ہونا ضروری نہیں

سوال[۳۶۶۰]: اگر کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو اس صورت میں جماعت کے

= الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ۱/۱۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱/۱۴۸، سعيد)

(۱) "كما ينقض لو حشا إحليله بقطنة وابتل الطرف الظاهر هذا لو القطنة عاليةً أو محاذيةً لرأس الإحليل، وإن متسفلةً عنه، لا ينقض وكذا الحكم في الدبر والفرج الداخل، الخ". (الدر المختار: ۱/۱۴۸، نواقض الوضوء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۰، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۶۰، نواقض الوضوء، رشيديه)

(۲) "(و) كل (ماليس بحدث) .... كقيئ قليل ودم لوترك لم يسل (ليس بنجس) عند الثاني، وهو الصحيح". (الدر المختار). "(قوله: وهو الصحيح): كذا في الهداية، والكافي، وشرح الوقاية: إنه ظاهر الرواية عن أصحابنا الثلاثة". (ردالمحتار: ۱/۱۴۰، مطلب في حكم كيّ الحمصة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۱، ۱۲، الفصل الخامس، ومنها القيئ، رشيديه)

ساتھ صف کے درمیان بیٹھ کر نماز ادا کرنی زیادہ بہتر ہے یا صف کے بیچ میں جگہ چھوڑ کر بالکل آخر صف کے کنارے پر بیٹھ کر پڑھنا اولیٰ ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کنارہ پر ہونا ضروری نہیں درمیانِ صف میں بیٹھ کر بھی معذور آدمی نماز پڑھ سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا

سوال[۳۶۶۱]: میں اپنے مکان پر قرآن شریف سنا رہا ہوں اور عشاء کی فرض نماز باجماعت مکان

---

(۱) کنارے پر ہونے کی صورت میں، صف میں لوگ کم ہونے کی صورت میں خلل آئے گا، جب کہ صف کے خلا کا پر کرنا سنت مؤکدہ ہے، نیز درمیان صف میں خلا چھوڑ کر کنارہ پر نماز پڑھنے پر احادیث میں وعیدیں وارد ہوئیں ہیں:

"عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من وصل صفاً وصله الله، و من قطع صفاً قطعه الله عزوجل". (سنن النسائي، كتاب الإمامة، من وصل صفاً: ۱/ ۱۳۱، قديمي)

قال الشيخ العثماني رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث: "و ظاهر المذهب أن "وصل" بمعنى إكمال الأول فالأول سنة مؤكدة، "وقطعه" بمعنى القيام في صف خلف صف فيه فرجة مكروه". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب سنية تسوية الصفوف الخ: ۴/ ۳۱۶، إدارة القرآن، كراچي)

"(و يصف الرجال) .... و قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، و سدوا الخلل، و لينوا بأيديكم إخوانكم، لا تذروا فرجاتٍ للشيطان، من وصل صفاً وصله الله، و من قطع قطعه الله". (مراقي الفلاح).

"قوله (وسدوا الخلل): أي الفرج. روى البزار باسناد حسن عنه -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: "من سدّ فرجةً في الصف، غفر له .... قوله: "ومن قطع قطعه الله" المراد من قطع الصف كما في المنادي أن يكون فيه، فيخرج لغير حاجة أو يأتي إلى صف و يترك بينه و بين من في الصف فرجة". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب من هو أحق بالإمامة، ص: ۳۰۶، ۳۰۷، قديمي)

پر پڑھتا ہوں بوجہ سوسالہ ضعیفی کے کہ رات کے وقت سب کے ساتھ مسجد میں فرض نماز ادانہیں کرسکتا اس لئے ہم اپنے مکان پر ہی جماعت سے عشاء کی نماز ادا کرلیتے ہیں، اس میں کوئی اشکال تو نہیں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

معذوری کی وجہ سے آپ مسجد نہیں جاسکتے اور مکان پر ایک دو آدمی کو ساتھ لیکر جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں تو آپ کے لئے اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۱/۹/۱۷ھ۔

مریض زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۳۶۶۲]: اگر کسی شخص کی نماز جاتی رہے اور کمزوری کی وجہ سے ادانہ کرسکے تو اس کا کفارہ ادا کردیا جائے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زندگی میں کفارہ ادا نہیں ہوسکتا (۲) جس طرح ہو قضاء پڑھے، کھڑا نہ ہوسکتا ہے تو بیٹھ کر یا لیٹ کر جس

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من سمع النداء فلم یمنعه من اتباعه عذر". قالوا: و ما العذر؟ قال: "خوف أو مرض، لم یقبل منه الصلوة التی صلی". قال العلامة العثمانی تحت هذا الحدیث :" قلت: کون الشیخ الکبیر العاجز ملحقاً بالمریض ظاهرٌ لا یخفی". (إعلاء السنن، کتاب الصلوة، أبواب الإمامة :۱۷۹/۴، إدارة القرآن کراچی)

"(والجماعة سنة مؤکدة للرجال) .... علی الرجال العقلاء البالغین .... الأحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج". (الدرالمختار).

"(قوله : من غیر حرج) .... و إذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها و کانت نیته حضورها لو لا العذر، یحصل له ثوابها، والظاهر أن المراد به العذر المانع کالمرض والشیخوخة". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة : ۵۵۴/۱، سعید)

"و تسقط الجماعة بالأعذار حتی لا تجب علی المریض .... الشیخ الکبیر العاجز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الأول فی الجماعة : ۸۳/۱، رشیدیه)

(۲) "و لو فدی عن صلوته فی مرضه، لا یصح بخلاف الصوم". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت : ۷۴/۲، سعید) .... =

طرح قدرت ہو پڑھے(۱)۔ اگر کسی طرح بھی نہ پڑھا تو مرنے کے وقت وصیت لازم ہے، ایک ثلث ترکہ میں سے فدیہ دیا جائے گا(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ۷/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "و في اليتيمة: سئل الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن الفدية عن الصلوات في مرض الموت، هل يجوز؟ فقال: لا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، رشيديه)

(۱) "قوله: (تعذر عليه القيام أو خاف زيادة المرض، صلى قاعداً يركع و يسجد) لقوله تعالىٰ: ﴿الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً و على جنوبهم﴾ (آل عمران: ۱۹۱، پ: ۳)

"قال ابن مسعود و جابر وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم: والآية نزلت في الصلوة: أي ﴿قياماً﴾ إن قدروا ﴿وقعوداً﴾ إن عجزوا عنه، ﴿وعلى جنوبهم﴾ إن عجزوا عن القعود، لحديث عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أخرجه الجماعة إلا مسلماً: "قال: كانت بي بواسير، فسألت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلّ قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنبك". زاد النسائي: "فإن لم تستطع فمستلقياً، لا يكلف الله نفساً إلا وسعها".
(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۱۹۸/۲، رشيديه)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما أركانها فستة: ۲۸۴/۱، رشيديه)

(۲) "أو يحمل الحديث بما عليه من الفرائض والواجبات كالحج والزكاة والكفارات والوصية بها واجبة عندنا". (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا: ۳۳۰/۷، سعيد)

"(ولو مات و عليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر) كالفطرة (و كذا الحكم في الوتر) والصوم، وإنما يعطى (من ثلث ماله)". (الدرالمختار).

"(قوله: و عليه صلوات فائتة الخ): أي بأن كان لا يقدر على أدائها و لو بالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها، وإلا فلا يلزمه". .... (قوله: و إنمايعطى من ثلث ماله): أي فلو زادت الوصية على الثلث، لا يلزم الولي إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، سعيد)

باب المتفرقات

عشاء کی نماز سے پہلے سونا

سوال[۴۶۶۳]: مغرب اور عشا کے درمیان سونا کیسا ہے؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان سونے سے عشاء کی نماز قضاء ہو جاتی ہے، چاہے سونے والا جماعت میں بھی شریک ہو گیا ہو، چاہے کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ گیا ہو، پھر اس کی نماز قضاء ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

عشاء وقتِ غیوبتِ شفق سے شروع ہو کر صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے، اتنے وقت میں نماز عشاء پڑھنے سے ادا ہی ہوتی ہے قضاء نہیں، خواہ سو کر اٹھے تب پڑھے، یا سونے سے پہلے پڑھے(۱)، البتہ عشاء پڑھنے سے پہلے سونا نہیں چاہئے کہ جماعت ترک ہونے کا خطرہ نہ رہے، ہاں! اگر کوئی خاص ضرورت تکلیف، سفر، تکان وغیرہ ہو اور اس کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر سو جائے تو اس سے نماز قضاء نہیں قرار پائے گی جبکہ اس نے وقت کے اندر اندر پڑھ لی ہو، خاص کر جماعت سے پڑھی تو ترکِ جماعت سے محرومی نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "ووقت العشاء والوتر من غروب الشفق إلى الصبح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت الخ، الفصل الأول في أوقات الصلاة: ۱/۵۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۷، رشيديه)

(۲) "(تنبيه)......... وقال الطحاوي: إنما كره النوم قبلها لمن خشي عليه فوت وقتها أوفوت الجماعة فيها، وأما من وكل نفسه إلى من يوقظه، فيباح له النوم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۰، رشيديه)

سوتے ہوئے کو نماز کے لئے جگانا

سوال[۳۶۶۴]: ایک پابندِ جماعت شخص نماز کے وقت سو رہا ہے اگر چہ اس نے جگانے کیلئے نہیں کہا تو کیا اگر نماز قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو جگایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو جگایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نماز کے بعد دعاء سے پہلے مسجد کے لئے روپیہ وصول کرنا

سوال[۳۶۶۵]: اذکار بعد الصلوٰۃ قبل السنن کے متعلق اہل سنت والجماعت واکابر دیوبند کا مسلک مع حوالہ تحریر فرمائیں، ہمارے یہاں بعد نماز جمعہ قبل الدعاء مسجد کیلئے مصلیوں سے پیسے وصول کئے جاتے ہیں جس میں چار پانچ منٹ لگ جاتی ہیں۔ ازروئے فقہ حنفی اس کی گنجائش ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

فتاویٰ دار العلوم مکمل مبوب مرتبہ مولانا اکمل صاحب مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند کے حصہ اول ودوم کے باب النوافل میں، ص: ۲۲۲ پر سوال: ۲۳۹، کا جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں دیا ہے:

''جن نمازوں کے بعد سنتِ مؤکدہ ہیں، ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں ہے''۔

اس سے گنجائش معلوم ہوتی ہے، آپ مفصل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکرہ تأخیر السنة إلا بقدر "اللهم أنت السلام، الخ". قال الحلوانی: لا بأس بالفصل

---

(۱) "لا یجب انتباه النائم في أول الوقت، ویجب إذا ضاق الوقت". (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۵۸، سعید)

(وکذا في منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۱/۴۲۵، رشیدیه)

وراجع للتفصیل: (احسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة وما یتعلق بها: ۳/۲۴، سعید)

بالأولیٰ، واختاره الکمال، قال الحلبی: إن أرید بالکراهة التنزیهة ،ارتفع الخلاف، قلت: وفي حفظی علی القلیلة، اهـ". درمختار، ص: ۳۵٦، قبیل فصل فی القراءة. والبسط فی ردالمحتار(۱)۔

علمائے دیوبند، اہل سنت والجماعۃ کا مسلک بھی یہی ہے جو اس عبارت میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

برہنہ غسل کے وضو سے نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال[۳۶۶۶] : ایک شخص ہے جو غسل خانہ میں برہنہ غسل کرتا ہے اور وہ غسل چاہے حدث اصغر کا ہو یا اکبر کا ہو تو اس غسل کے لئے جو وضو کرے گا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں جو برہنگی کی حالت میں کیا ہے، آیا اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وضو سے نماز درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرأة: ۱/۵۳۰، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة ،ص: ۳۴۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی فتح القدیر، باب النوافل: ۲/۴۴۰، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی معارف السنن، باب مایقول إذا سلم: ۱۱۸/۳، سعید)

(۲) برہنہ وضو نہ نواقض وضو میں سے ہے اور نہ ہی مفسدات صلاۃ میں ہے لہٰذا نماز درست ہے۔

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

JAMIA FAROOQIA KARACHI

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی محمودیہ

فتاوی

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

ترتیب، تخریج اور تعلیق

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کل صفحات ـــــــ ۷۱۲

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی

جملہ حقوق بحق ادارہ الفاروق کراچی پاکستان، محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ادارہ الفاروق سے تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کا کوئی اقدام کیا گیا تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

جميع حقوق الملكية الأدبية والفنية محفوظة

لإدارة الفاروق كراتشي باكستان

لا يسمح بإعادة نشر هذا الكتاب، أو أي جزء منه، أو نسخه، أو حفظه في برنامج حاسوبي، أو أي نظام آخر يستفاد منه إرجاع الكتاب، أو أي جزء منه.

All rights are reserved exclusively in favour of:

Idarah Al-Farooq Karachi-Pak.

No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form by any means, or stored in a data base or retrieval system, without the prior written permission of the publisher.

فتاوی محمودیہ

Graphix & Composing: Irfan Anwar Mughal

سن طباعت بار اول...........۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰۰۵ء

سن طباعت بار دوم...........۱۴۲۹ھ، مطابق ۲۰۰۸ء

سن طباعت بار سوم...........۱۴۳۰ھ، مطابق ۲۰۰۹ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر 11009 شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230

فون: 4599167, 4571132، ای میل: info@farooqia.com

www.farooqia.com

ـــــ مطبع......القادر پرنٹنگ پریس ـــــ

اجمالی فہرست

.......☆.......بقية كتاب الصلوة.......☆.......

☆☆	**باب صلوة الجمعة**	**۳۰**
☆	الفصل الأول في وجوب الجمعة	۳۰
☆	الفصل الثاني في شرائط الجمعة	٤۰
☆	فصلٌ في اشتراط المصر للجمعة	۵۷
☆	الفصل الثالث في تعدّد الجمعة	۱۸۸
☆	الفصل الرابع في خطبة الجمعة	۱۹۸
☆	الفصل الخامس في أذان الجمعة	۲۹۷
☆	الفصل السادس في وقت صلوة الجمعة	۳۳۸
☆	الفصل السابع في النوافل يوم الجمعة	۳٤٤
☆	الفصل الثامن في احتياط الظهر	۳٤٦
☆	الفصل التاسع في النظافة يوم الجمعة	۳۵۸
☆☆	**باب العيدين**	**۳٦۷**
☆	الفصل الأول في شرائط العيدين	۳۸۱
☆	الفصل الثاني في وجوب صلوة العيد على المحبوسين والنساء ..	۳۹۱
☆	الفصل الثالث في صلوة العيد في المسجد وغيره	٤۰۱
☆	الفصل الرابع في تعدد العيد وتكراره	٤۲۸
☆	الفصل الخامس في تكبيرات العيدين	٤۳۷
☆	الفصل السادس في تكبيرات التشريق	٤٤۵
☆	الفصل السابع في خطبة العيد	٤۵۱
☆	الفصل الثامن في الدعاء بعد العيدين	٤۵۹
☆☆	**باب صلوة الاستسقاء**	**٤۷٦**
☆☆	**باب الجنائز**	**٤۸۱**
☆	الفصل الأول في غسل الميت	٤۸۸
☆	الفصل الثاني في تكفين الميت	۵۰٤
☆	الفصل الثالث في صلوة على الميت	۵٤٤

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	باب صلوة الجمعة	
	الفصل الأول فی وجوب الجمعة	
	(وجوبِ جمعہ کا بیان)	
۳۰	نابینا پر جمعہ اور اس کی امامت	۱
۳۱	جو شخص لاؤڈ اسپیکر سے اذانِ جمعہ سنے، تو کیا اس پر جمعہ فرض ہے؟	۲
۳۲	جمعہ کے لئے گاؤں سے شہر میں آنا	۳
۳۳	گاؤں کا آدمی جمعہ کے دن شہر میں جائے تو کیا نیت کرے؟	۴
۳۴	جمعہ کے وقت اسکول کی حاضری	۵
۳۴	جن لوگوں کو جمعہ نہیں ملا، کیا وہ ظہر جماعت سے پڑھیں؟	۶
۳۵	جمعہ سے پہلے ظہر پڑھی	۷
۳۶	جو شخص کوئی نماز نہیں پڑھتا، صرف جمعہ پڑھتا ہے، اس کا حکم	۸

۹	عورت کے جمعہ پڑھنے سے نمازِ ظہر ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟	۳۷
۱۰	جنگل میں بکریاں چرانے والے کے لئے نمازِ جمعہ کا حکم	۳۷
۱۱	قیدیوں کے لئے جمعہ وعیدین اور اعتکاف کا حکم	۳۸

الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

(صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

۱۲	جمعہ کی شرائط (مفصل)	۴۰
۱۳	جمعہ کے شرائط، دار الحرب اور غیر دار الحرب میں مساوی ہیں یا نہیں؟	۴۷
۱۴	جہاں سلطان نہیں تو کیا وہاں جمعہ بھی نہیں؟	۴۷
۱۵	جمعہ کے لئے سلطان اور اذنِ عام کی شرط	۴۸
۱۶	نمازِ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں	۵۳
۱۷	ایضاً	۵۴
۱۸	نمازِ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں	۵۵
۱۹	جو مسجد وقف نہ ہو، اس میں جمعہ کا حکم	۵۶

فصل فی اشتراط المصر للجمعة

(صحتِ جمعہ کے لئے شہر کی شرط ہونے کا بیان)

۲۰	مصر کی تعریف	۵۷
۲۱	مصر کی تعریف اور اقامتِ جمعہ کی شرائط	۵۸
۲۲	فنائے مصر کی تحدید	۶۱
۲۳	ایضاً	۶۱
۲۴	کیا مصر اور دیہات کا اطلاق عرب ممالک کی آبادی کے تناسب سے ہوگا؟	۶۱
۲۵	قریۂ کبیرہ کی تعریف	۶۴

٢٦	جس سے عقیدت ہو، اس کے فتویٰ پر عمل کریں	٦٤
٢٧	جمعہ فی القریٰ اور قریہ کی تعریف	٦٥
٢٨	قریۂ صغیرہ وکبیرہ	٦٧
٢٩	قصبہ کی تعریف کیا ہے؟	٧٢
٣٠	مصر کی تعریف اور قریہ میں جمعہ کا حکم	٧٣
٣١	احناف نے جمعہ کے لئے مصر کی شرط کیوں لگادی؟	٨٨
٣٢	جمعہ فی القریٰ	٩١
٣٣	اعتراض بر جواب مذکورہ	٩٣
٣٤	قریہ کبیرہ میں نمازِ جمعہ	٩٦
٣٥	جمعہ فی القریٰ	٩٧
٣٦	ایضاً	٩٨
٣٧	ایضاً	٩٩
٣٨	ایضاً	١٠٠
٣٩	جمعہ فی القریٰ مفصل	١٠٥
٤٠	گاؤں میں نمازِ جمعہ، فنائے شہر اور اس کی حد	١٢٣
٤١	گاؤں میں نمازِ جمعہ	١٢٤
٤٢	ایضاً	١٢٥
٤٣	ایضاً	١٢٩
٤٤	ایضاً	١٣١
٤٥	چار ہزار والی آبادی میں نمازِ جمعہ	١٣٢
٤٦	جمعہ فی القریٰ	١٣٥
٤٧	دو سو گھروں پر مشتمل آبادی میں نمازِ جمعہ	١٣٥
٤٨	تین ہزار سے زائد آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم	١٣٦

۴۹	گاؤں میں نمازِ جمعہ	۱۳۸
۵۰	گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس	۱۳۹
۵۱	گاؤں میں جمعہ	۱۳۹
۵۲	قریۂ صغیرہ میں جمعہ	۱۴۴
۵۳	ایضاً	۱۴۵
۵۴	ایضاً	۱۴۶
۵۵	جس بستی میں شرائط نہ ہوں اور پھر بھی جمعہ پڑھا جائے، اس کا حکم	۱۴۷
۵۶	شہر سے متصل گاؤں والوں پر جمعہ	۱۴۹
۵۷	قصبہ سے قریب گاؤں والوں پر جمعہ	۱۵۱
۵۸	دیہات میں تعلیمِ مسائل کی خاطر جمعہ پڑھنا	۱۵۲
۵۹	قریۂ صغیرہ میں امام کے پیچھے نمازِ جمعہ میں اقتداء	۱۵۲
۶۰	بنگال کے دیہات میں جمعہ	۱۵۳
۶۱	مزرعہ قریہ میں نمازِ جمعہ	۱۵۴
۶۲	ایک ہزار کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم	۱۵۶
۶۳	دو ہزار کی آبادی میں جمعہ وعیدین وقربانی	۱۵۷
۶۴	جس بستی میں مسلمانوں کے تیس گھر ہوں، وہاں جمعہ کا حکم	۱۵۸
۶۵	کیا تین گاؤں مل کر ایک جگہ جمعہ پڑھیں؟	۱۶۱
۶۶	پندرہ سو کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم	۱۶۲
۶۷	موضع دادری میں جمعہ	۱۶۳
۶۸	آبادی سے چالیس میل دور کارخانہ میں نمازِ جمعہ	۱۶۵
۶۹	جس بستی میں مسجد نہ ہو، وہاں جمعہ وعید	۱۶۵
۷۰	جمعہ کی نماز کے لئے کسی بستی میں جانا	۱۶۷
۷۱	لوگوں کے نماز ترک کرنے کے اندیشہ سے نمازِ جمعہ کا قیام	۱۶۸

۷۲	ایضاً	۱۷۰
۷۳	بستی میں نمازِ جمعہ بند کرنے سے لوگ فرض نماز روزہ چھوڑ دیں تو کیا حکم ہے؟	۱۷۲
۷۴	بستی میں نمازِ جمعہ سے منع کرنے کی صورت میں لوگوں کی ملامت کا خوف ہو تو کیا کیا جائے؟	۱۷۴
۷۵	جوازِ جمعہ میں اختلاف ہو تو راہِ عمل کیا ہے؟	۱۷۵
۷۶	احتیاط مذہبِ حنفی میں ہے کہ ’’قریہ صغیرہ میں جمعہ نہیں‘‘	۱۷۵
۷۷	جمعہ کی نماز میں شوافع کے یہاں کتنے آدمی ضروری ہیں؟	۱۷۶
۷۸	ایضاً	۱۷۶
۷۹	بازار کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا	۱۷۷
۸۰	اگر بغیر جمعہ کے مسجد آباد نہ ہو تو کیا کریں؟	۱۷۸
۸۱	جس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو، اس میں جمعہ کا حکم	۱۷۸
۸۲	گھر یا حجرہ میں جماعت یا جمعہ	۱۸۰
۸۳	جیل یا گھر میں جمعہ	۱۸۱
۸۴	قید خانہ میں جمعہ کی نماز	۱۸۳
۸۵	فیکٹری میں جمعہ	۱۸۴
۸۶	ہوسٹل میں جمعہ	۱۸۶
۸۷	کواڑ بند کر کے نمازِ جمعہ	۱۸۶

الفصل الثالث فی تعدد الجمعة

(متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

۸۸	تعددِ جمعہ	۱۸۸
۸۹	ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ	۱۸۸
۹۰	بڑی جامع مسجد ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا	۱۹۲
۹۱	مزارعِ متعددہ میں تعددِ جمعہ	۱۹۴

۹۲	مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ میں ضرورت کے وقت جمعہ ادا کرنا	۱۹۵
۹۳	بدعتی امام سے بچنے کے لئے مدرسہ میں قیامِ جمعہ	۱۹۶

الفصل الرابع فی خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

۹۴	خطبہ دینے کا مسنون طریقہ	۱۹۸
۹۵	خطبۂ جمعہ ایک منبر پر بیٹھ کر، ایک کھڑے ہو کر دینا	۱۹۸
۹۶	خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے ہو	۱۹۹
۹۷	ایضاً	۲۰۰
۹۸	جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا	۲۰۰
۹۹	خطبہ اور نمازِ جمعہ میں فصل کی مقدار	۲۰۲
۱۰۰	خطبہ کے بعد مصلی پر بیٹھنا	۲۰۷
۱۰۱	خطبہ کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلی پر بیٹھنا	۲۰۸
۱۰۲	خطبۂ جمعہ کا حکم	۲۰۸
۱۰۳	خطبۂ جمعہ وعیدین کا حکم	۲۰۹
۱۰۴	خطبہ کا سننا جمعہ کے لئے شرط نہیں	۲۱۰
۱۰۵	ایضاً	۲۱۱
۱۰۶	خطبۂ اُولی اور ثانیہ میں کس قدر طول ہو؟	۲۱۱
۱۰۷	خطبہ جمعہ دیکھ کر پڑھنا	۲۱۲
۱۰۸	خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا تذکرہ	۲۱۳
۱۰۹	خطبہ میں نواب کا نام لینا	۲۱۴
۱۱۰	خطبۂ جمعہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہونا	۲۱۴
۱۱۱	ایک شخص نماز جمعہ پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے	۲۱۵

۱۱۲	مراہق خطبہ پڑھے اور بالغ جمعہ پڑھائے	۲۱۶
۱۱۳	خطبۂ جمعہ بزبانِ عربی (مفصل)	۲۱۶
۱۱۴	جواب پر چند اعتراضات	۲۲۷
۱۱۵	الخطبة بغير العربية	۲۳۵
۱۱۶	ایضاً	۲۳۶
۱۱۷	ایضاً	۲۳۹
۱۱۸	اردو میں خطبہ	۲۴۰
۱۱۹	مذہب شافعی میں خطبۂ جمعہ کا ترجمہ	۲۴۰
۱۲۰	ترجمۂ خطبۂ عربیہ	۲۴۱
۱۲۱	خطبہ حاضرین کی زبان میں	۲۴۳
۱۲۲	خطیب کا وقتی مسئلہ اردو میں سنانا	۲۴۹
۱۲۳	جمعہ کی دو اذانوں کے درمیان وعظ	۲۴۹
۱۲۴	اذانِ خطبہ سے پہلے وعظ	۲۵۲
۱۲۵	خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ	۲۵۳
۱۲۶	جمعہ سے پہلے وعظ	۲۵۶
۱۲۷	خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ (مفصل)	۲۵۶
۱۲۸	جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا	۲۶۷
۱۲۹	جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا	۲۶۸
۱۳۰	ایک شخص کا دو جگہ خطبہ پڑھنا	۲۶۹
۱۳۱	خطبۂ جمعہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینا	۲۶۹
۱۳۲	خطبہ کے وقت لاٹھی ہاتھ میں لینا	۲۷۰
۱۳۳	تلوار یا کمان لے کر خطبہ پڑھنا	۲۷۱
۱۳۴	خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ ہو یا قبلہ کی طرف؟	۲۷۳

۱۳۵	دورانِ خطبہ ادھر ادھر دیکھنا................................	۲۷۵
۱۳۶	حالتِ خطبہ میں پنکھے سے ہوا کرنا................................	۲۷۶
۱۳۷	دورانِ سنت جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟................................	۲۷۶
۱۳۸	خطبہ کے وقت نماز نفل پڑھنا................................	۲۷۷
۱۳۹	خطیب کا عین خطبہ کے وقت مصلی پر آنا................................	۲۷۸
۱۴۰	خطبۂ جمعہ سے پہلے نعت ونظم................................	۲۷۹
۱۴۱	خطبۂ جمعہ میں اشعار................................	۲۷۹
۱۴۲	خطبہ کے وقت سامعین کا ہاتھ باندھنا، کھولنا................................	۲۸۰
۱۴۳	اذان وخطبہ کے درمیان "إن الله وملائكته" پڑھنا................................	۲۸۰
۱۴۴	سامعین کا حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا................................	۲۸۲
۱۴۵	خطبۂ اُولیٰ کے اخیر کی دعاء................................	۲۸۳
۱۴۶	درمیانِ خطبہ میں سامعین کا زور سے درود شریف پڑھنا................................	۲۸۴
۱۴۷	خطبہ سے قبل "السلام علیکم" کہنا................................	۲۸۵
۱۴۸	دعا بین الخطبتین................................	۲۸۵
۱۴۹	دعا کے درمیان چندہ................................	۲۸۷
۱۵۰	ایضاً................................	۲۸۸
۱۵۱	خطبہ کے وقت نمازیوں سے چندہ وصول کرنا................................	۲۹۰
۱۵۲	خطبۂ جمعہ کے وقت چندہ کرنا................................	۲۹۱
۱۵۳	خطبۂ جمعہ میں "الوداع"................................	۲۹۴
۱۵۴	خطبۃ الوداع................................	۲۹۵
۱۵۵	ایضاً................................	۲۹۶

الفصل الخامس فی أذان الجمعة

(جمعہ کی اذان کا بیان)

۱۵۶	جمعہ کی دواذانوں کا ثبوت	۲۹۷
۱۵۷	جمعہ کی اذانِ ثانی	۲۹۷
۱۵۸	جمعہ کے لئے اذانِ اول سنت ہے یا ثانی؟	۲۹۸
۱۵۹	جمعہ کے دن اذان کہاں دی جائے؟	۲۹۹
۱۶۰	جمعہ کی اذانِ ثانی کس جگہ پر ہو؟	۳۰۰
۱۶۱	جمعہ کی اذان ثانی کا محل	۳۰۱
۱۶۲	اذانِ خطبہ کا محل	۳۰۲
۱۶۳	ایضاً	۳۰۵
۱۶۴	جمعہ کی اذانِ ثانی کا مقام اور محمد بن اسحاق کا حال	۳۰۸
۱۶۵	جمعہ کے روز اذانِ خطبہ کا مقام	۳۱۱
۱۶۶	مسجد میں جمعہ کی اذانِ ثانی	۳۱۷
۱۶۷	مسجد میں اذانِ خطبہ	۳۲۲
۱۶۸	جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے؟	۳۲۴
۱۶۹	اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے دلائل	۳۲۴
۱۷۰	جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب	۳۲۷
۱۷۱	اذانِ خطبہ کا جواب	۳۳۰
۱۷۲	اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے بعد دعا	۳۳۲
۱۷۳	ایضاً	۳۳۲
۱۷۴	اذانِ خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۳۳۳
۱۷۵	جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعاء	۳۳۳

۱۷۶ اذانِ ثانی اور خطبہ میں فصل ۳۳۶

۱۷۷ اذان بین یدی الخطیب کو دائیں بائیں کہنا ۳۳۶

الفصل السادس فی وقت صلوة الجمعة

(نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)

۱۷۸ جمعہ کی نماز اول وقت میں ۳۳۸

۱۷۹ استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز نماز کا حکم ۳۳۹

۱۸۰ جمعہ کے دن زوال کا حکم ۳۴۰

۱۸۱ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم ۳۴۱

۱۸۲ زوال سے پہلے جمعہ کی اذان ۳۴۲

الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعة

(جمعہ کی نفلوں کا بیان)

۱۸۳ جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟ ۳۴۴

۱۸۴ محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا ۳۴۵

الفصل الثامن فی احتیاط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

۱۸۵ احتیاط الظہر کی تفصیل ۳۴۶

۱۸۶ احتیاط الظہر کا حکم ۳۵۱

الفصل التاسع فی النظافة یوم الجمعة

(جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

۱۸۷ شب جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہو جائے گا یا نہیں؟ ۳۵۸

۱۸۸ جمعہ کے روز حجامت ۳۵۸

۱۸۹	ناخن اور بال جمعہ کی نماز سے پہلے بنوائیں یا بعد میں؟	۳۵۹

فصل فی المتفرقات

۱۹۰	جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا	۳۶۱
۱۹۱	ہر جمعہ کو سورۂ کہف کا ورد	۳۶۲
۱۹۲	دورانِ ڈیوٹی نماز جمعہ پڑھنے سے ثواب ملے گا یا نہیں	۳۶۲
۱۹۳	نئی مسجد میں جمعہ اور جمعہ کی تعطیل کو اتوار سے بدلنا	۳۶۳
۱۹۴	جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے، اس کو امامتِ جمعہ کے لئے تجویز کیا جائے	۳۶۴
۱۹۵	متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا	۳۶۵
۱۹۶	نماز جمعہ کی نیت	۳۶۶

باب العیدین

۱۹۷	"عید الضحی" کہنا چاہیے کہ "عید الأضحی"؟	۳۶۷
۱۹۸	نماز عید کا وقت	۳۶۷
۱۹۹	جو شخص قربانی نہ کرے، اس کے لئے نماز عید کا حکم	۳۶۸
۲۰۰	جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے، اس کے لئے نماز عید کا حکم	۳۷۰
۲۰۱	نماز عید بنیتِ نفل	۳۷۱
۲۰۲	نماز عید کو مؤخر کرنا	۳۷۳
۲۰۳	شہادت دیر سے پہنچے، تو نماز عید کو مؤخر کیا جائے	۳۷۴
۲۰۴	نماز عید، شوافع کے پیچھے	۳۷۶
۲۰۵	جس کو عید کی نماز نہیں ملی، وہ تنہا یا جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے	۳۷۷
۲۰۶	مسبوق نماز عید کس طرح پوری کرے؟	۳۷۸

۲۰۷	نمازِ عید، نمازِ جنازہ پر مقدم ہے	۳۷۸
۲۰۸	روزہ رکھ کر نمازِ عید پڑھنا............	۳۷۹
۲۰۹	عذر کی وجہ سے نمازِ عید میں تاخیر کا حکم............	۳۸۰

الفصل الأول فی شرائط العیدین

(عیدین کی شرائط کا بیان)

۲۱۰	عید کی شرائط............	۳۸۱
۲۱۱	کیا عیدین کے لئے شرائط لگانے میں حرج ہے؟............	۳۸۲
۲۱۲	دو ہزار کی آبادی میں عیدین اور قربانی	۳۸۴
۲۱۳	پانی کے جہاز میں نمازِ عید............	۳۸۵
۲۱۴	دیہات میں نمازِ عید اور اس کے مفاسد............	۳۸۷
۲۱۵	باہر کا آدمی بھی عید کی نماز پڑھا سکتا ہے............	۳۸۹

الفصل الثانی فی وجوب صلوة العید علی المحبوسین والنساء

(قیدیوں اور عورتوں کے لئے نمازِ عید کا بیان)

۲۱۶	قیدیوں کے لئے نمازِ عید کا حکم............	۳۹۱
۲۱۷	عورتوں کے لئے نمازِ عید میں شرکت کا حکم............	۳۹۲
۲۱۸	عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں............	۳۹۳
۲۱۹	جامع مسجد میں صرف خواتین کے لئے نمازِ عید کا حکم............	۳۹۴
۲۲۰	عورتوں کا عیدگاہ میں جانا............	۳۹۵
۲۲۱	عورت کے ذمہ نمازِ عید، رفع یدین وغیرہ............	۳۹۷
۲۲۲	عید کا جھنڈا اور عورت کا خطبہ عید............	۳۹۹

8

الفصل الثالث فی صلوة العید فی المسجد وغیرہ

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

۲۲۳	عیدین کی نماز بستی یا میدان میں؟	۴۰۱
۲۲۴	نمازِ عید کے لئے میدان میں جانا مستحب ہے اور مسجد میں پڑھنا خلافِ سنت ہے	۴۰۴
۲۲۵	نمازِ عیدین صحرا میں یا آبادی میں؟	۴۰۵
۲۲۶	فیلڈ میدان میں نمازِ عید	۴۰۶
۲۲۷	عیدگاہ اور مساجد میں نمازِ عید	۴۰۷
۲۲۸	عیدگاہ شہر سے کتنی دور ہو؟	۴۰۹
۲۲۹	قبرستان میں نمازِ عید	۴۱۰
۲۳۰	ایضاً	۴۱۲
۲۳۱	بارش میں نمازِ عید کہاں پڑھیں؟	۴۱۳
۲۳۲	بلا عذر مسجد میں عید کی نماز	۴۱۳
۲۳۳	مسجد میں نمازِ عید پڑھنا خلافِ سنت ہے	۴۱۴
۲۳۴	مساجد میں نمازِ عید	۴۱۵
۲۳۵	معذورین کے لئے جامع مسجد میں نمازِ عید	۴۱۶
۲۳۶	دو بستیوں میں ایک عیدگاہ	۴۱۷
۲۳۷	قدیم عیدگاہ پر غیروں کے قبضہ ہوجانے کے اندیشہ سے نمازِ عید ادا کرنا	۴۱۹
۲۳۹	جدید وقدیم عیدگاہوں میں نمازِ عید	۴۲۱
۲۳۹	جدید عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا قدیم میں؟	۴۲۳
۲۴۰	مجوسی کے وقف کردہ میدان میں نمازِ عید ادا کرنا	۴۲۵
۲۴۱	کیا عیدگاہ بحکمِ مسجد ہے؟	۴۲۶

الفصل الرابع فی تعدد العید وتکرارہ

(نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)

۲۴۲	نمازِ عید دو جگہ	۴۲۸
۲۴۳	ایک سے زائد جگہ عید کی نماز	۴۲۹
۲۴۴	ہر محلہ میں الگ الگ عید کی نماز	۴۳۰
۲۴۵	دو عید گاہوں میں نمازِ عید ادا کرنا	۴۳۲
۲۴۶	ایک بستی میں متعدد عید گاہیں	۴۳۳
۲۴۷	ایک ہی امام کا دو جگہ نماز عید پڑھانا	۴۳۴
۲۴۸	ایک امام گاؤں میں مردوں کو، پھر عورتوں کو نمازِ عید پڑھائے	۴۳۵
۲۴۹	امام صاحب کا نمازِ عید مکرر پڑھنا	۴۳۶

الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

(تکبیراتِ عید کا بیان)

۲۵۰	تکبیراتِ عیدین	۴۳۷
۲۵۱	ایضاً	۴۳۹
۲۵۲	نمازِ عید میں بارہ تکبیر کہنا	۴۴۲
۲۵۳	زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑنا	۴۴۳
۲۵۴	عید الفطر میں تین دفعہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا	۴۴۳

الفصل السادس فی تکبیرات التشریق

(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

۲۵۵	نمازِ عید کے بعد تکبیراتِ تشریق	۴۴۵
۲۵۶	ایضاً	۴۴۶

۲۵۷	نمازِ جمعہ کے بعد تکبیراتِ تشریق	۴۴۷
۲۵۸	نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کہنا بھول گیا، بات چیت بھی کرلی	۴۴۸
۲۵۹	تکبیرِ تشریق عورت، دیہاتی اور منفرد پر	۴۴۹
۲۶۰	عیدگاہ سے لوٹتے وقت تکبیرِ تشریق	۴۵۰
۲۶۱	تکبیرِ تشریق پر فتویٰ	۴۵۰

الفصل السابع فی خطبة العید

(خطبۂ عید کا بیان)

۲۶۲	خطبۂ عید میں تکبیر پڑھنا	۴۵۱
۲۶۳	خطبۂ عید سے پہلے تکبیر	۴۵۱
۲۶۴	خطبۂ عید کی تکبیرات	۴۵۲
۲۶۵	بغیر تکبیر کے عید الفطر کا خطبہ	۴۵۳
۲۶۶	خطبۂ عید میں عصا لینا	۴۵۳
۲۶۷	دورانِ خطبہ، خطیب کو روپیہ دینا	۴۵۴
۲۶۸	عید الفطر کے بعد خطبہ کا ترجمہ	۴۵۵
۲۶۹	خطبۂ عید کا نہ سننا	۴۵۶
۲۷۰	مقتدیوں کے لئے خطبۂ عید کے دوران تکبیر پڑھنے کا حکم	۴۵۷
۲۷۱	خطبۂ عید میں نواب کا نام لینا	۴۵۷

الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

(نمازِ عید کے بعد کی دعاء کا بیان)

۲۷۲	عیدین کے بعد دعاء	۴۵۹
۲۷۳	نمازِ عید کے بعد دعاء	۴۶۰

۲۷۴	ایضاً	۴۶۱
۲۷۵	ایضاً	۴۶۲
۲۷۶	دعاء ومصافحہ بعد نمازِ عید	۴۶۳
۲۷۷	دعاء بعد خطبۂ عیدین	۴۶۵

الفصل التاسع فی المتفرقات

۲۷۸	عیدین کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا	۴۶۶
۲۷۹	عیدین میں جھولی پھرانا اور اس رقم سے امام ومؤذن کی تنخواہ	۴۶۷
۲۸۰	عیدین کو امام کے لئے کمر پر رومال باندھنا	۴۶۸
۲۸۱	عیدین کو تجارت کا حکم	۴۶۹
۲۸۲	عید کے غسل کا وقت	۴۶۹
۲۸۳	غسلِ عید ایسی جگہ، جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی	۴۷۱
۲۸۴	عید کے لئے اذان نہیں	۴۷۱
۲۸۵	نمازِ عید کے لئے "الصلوۃ" کہہ کر بلانا	۴۷۲
۲۸۶	"الصلوۃ" وغیرہ کے بغیر نمازِ عید	۴۷۲
۲۸۷	عیدین میں جلوس ودف	۴۷۳
۲۸۸	عید کے لئے قاضی کا جلوس	۴۷۴
۲۸۹	بطورِ احتجاج عید کے روز نئے کپڑے نہ پہننا	۴۷۴

باب صلوۃ الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

۲۹۰	نمازِ استسقاء کی شرائط	۴۷۶
۲۹۱	ایضاً	۴۷۸

باب الجنائز

۲۹۲	کیا اچانک موت کا آنا بُری موت کی علامت ہے؟	۴۸۱
۲۹۳	روح نکلنے کے بعد میت کے پیر قبلہ کی طرف کرنا	۴۸۱
۲۹۴	موت کے وقت سر کدھر ہو اور پیر کدھر ہو؟	۴۸۲
۲۹۵	میت کے پاس تلاوت کا حکم	۴۸۳
۲۹۶	میت کے اردگرد میں قرآنِ کریم پڑھنا	۴۸۴
۲۹۷	میت کے قریب اگربتی سلگانا	۴۸۴
۲۹۸	مرنے کے بعد بیوی کا منہ دیکھنا	۴۸۵
۲۹۹	کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے؟	۴۸۵
۳۰۰	غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے؟	۴۸۶
۳۰۱	میت کے قریب غیر مسلم عورتوں کا آکر بیٹھنا	۴۸۷

الفصل الأول في غسلِ الميت

(میت کو غسل دینے کا بیان)

۳۰۲	میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہوں؟	۴۸۸
۳۰۳	ایضاً	۴۸۹
۳۰۴	غسلِ میت کے وقت پیر کس طرف ہوں اور غیر مستنجی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟	۴۸۹
۳۰۵	میت کے غسل کے بعد پیر کدھر ہوں؟	۴۹۰
۳۰۶	غسلِ میت کے لئے نیت ضروری نہیں	۴۹۱
۳۰۷	میت کو پابندِ شرع غسل دے	۴۹۲
۳۰۸	کیا بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟	۴۹۲
۳۰۹	کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟	۴۹۳

۳۱۰	کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا؟..........	۴۹۴
۳۱۱	عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو تو تیمم کرادیا جائے..........	۴۹۵
۳۱۲	دائی کا میت کو غسل دینا..........	۴۹۶
۳۱۳	میت کو فقیروں کے ذریعہ غسل دلانا..........	۴۹۶
۳۱۴	فقیر کی بیوی کو غسلِ میت پر مجبور کرنا..........	۴۹۷
۳۱۵	غسلِ میت کے بعد پائخانہ نکل آیا تو کیا حکم ہے؟..........	۴۹۸
۳۱۶	مردہ کے بدن سے ناپاکی نکلے تو کیا حکم ہے؟..........	۴۹۸
۳۱۷	غسلِ میت میں ڈھیلے سے استنجاء..........	۴۹۹
۳۱۸	میت کو لگا یا ہوا پلاسٹر چھڑانا چاہیے یا نہیں؟..........	۵۰۰
۳۱۹	میت کو کورے گھڑے سے غسل دینا..........	۵۰۰
۳۲۰	مجذوم کو بلا غسل دفن کرنا..........	۵۰۱
۳۲۱	غاسلِ میت کو غلہ دینا..........	۵۰۳

الفصل الثانی فی تکفین المیت

(میت کے کفن کا بیان)

۳۲۲	کفن کے کپڑوں کی تعداد..........	۵۰۴
۳۲۳	کفن کے کپڑے اور طریقہ..........	۵۰۵
۳۲۴	کفن کے کپڑے..........	۵۰۵
۳۲۵	میت کے لئے کتنے کپڑے ہیں؟..........	۵۰۶
۳۲۶	میت مرد اور عورت کے کفن کا عدد..........	۵۰۸
۳۲۷	کفن کی مقدار..........	۵۰۹
۳۲۸	نابالغ کا کفن..........	۵۱۰
۳۲۹	مردہ بچہ کو بلا غسل وکفن ہنڈیا میں رکھ کر دفن کردینا..........	۵۱۱

۳۳۰	کفن وغیرہ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟	۵۱۲
۳۳۱	عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے؟	۵۱۳
۳۳۲	عورت کے لئے کفن میں پائجامہ	۵۱۴
۳۳۳	کفن کو مشین سے سینا اور تہہ کرنا	۵۱۴
۳۳۴	کفن میں متبرک کپڑا	۵۱۵
۳۳۵	پردۂ کعبہ کا ٹکڑا میت کی پیشانی پر رکھنا	۵۱۸
۳۳۶	غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت کے سینے پر رکھنا	۵۱۹
۳۳۷	کفن کو آبِ زمزم سے تر کرنا	۵۲۰
۳۳۸	میت پر آبِ زمزم چھڑکنا	۵۲۱
۳۳۹	بدیشی کپڑے کا کفن اور اس پر نمازِ جنازہ	۵۲۱
۳۴۰	کفن پر خوشبو لگانا	۵۲۴
۳۴۱	کفن کس رنگ کا ہو؟	۵۲۵
۳۴۲	عورت کے جنازہ پر سرخ چادر	۵۲۶
۳۴۳	کفن کے اوپر کی چادر	۵۲۷
۳۴۴	اپنے کفن کے لئے اپنی زندگی میں سامان خرید کر رکھنا	۵۲۸
۳۴۵	غیر مسلم کی رقم سے مسلم کی تجہیز و تکفین	۵۲۹
۳۴۶	ہندو، مسلم کے جنازے میں تمیز نہ ہو تو کفن، دفن کی کیا صورت ہوگی؟	۵۲۹
۳۴۷	جس میت کے متعلق مسلم اور غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو، اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟	۵۳۰
۳۴۸	دریا سے بہہ کر آئی ہوئی عورت کی لاش کے متعلق اختلاف	۵۳۲
۳۴۹	کفن کے بند کا حکم	۵۳۲
۳۵۰	غسلِ میت کے بعد جو کپڑا استرِ عورت کے لئے ڈالا جائے، کیا وہ جزوِ کفن ہے؟	۵۳۴
۳۵۱	کفن کا مصلی مسجد میں دینا	۵۳۵
۳۵۲	کفن پر عہد نامہ لکھنا	۵۳۶

۳۵۳	کفن پر عہد نامہ لکھنا اور تلقین بعد الدفن	۵۳۶
۳۵۴	کفن پر کلمہ لکھنا	۵۳۷
۳۵۵	ایضاً	۵۳۸
۳۵۶	کلمہ طیبہ وغیرہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دینا	۵۳۹
۳۵۷	کلمہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا	۵۴۰
۳۵۸	پرچہ پر دعاء لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا	۵۴۱

الفصل الثالث فی الصلوۃ علی المیت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

۳۵۹	صلوۃِ جنازہ کی مشروعیت کب سے ہے؟	۵۴۴
۳۶۰	نمازِ جنازہ حاضرین پر فرضِ کفایہ ہے یا فرضِ عین؟	۵۴۵
۳۶۱	نمازِ جنازہ کی نیت	۵۴۷
۳۶۲	ایضاً	۵۴۸
۳۶۳	کیا نمازِ جنازہ صرف تکبیرات سے ادا ہو جاتی ہے؟	۵۵۰
۳۶۴	نمازِ جنازہ میں صرف تین تکبیر کہنا	۵۵۱
۳۶۵	تکبیرات جنازہ میں کمی وزیادتی	۵۵۲
۳۶۶	تیسری تکبیر پر سلام پھیرنے کا حکم	۵۵۳
۳۶۷	چوتھی تکبیر کے بعد مقتدی نے سلام پھیر دیا	۵۵۳
۳۶۸	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے؟	۵۵۴
۳۶۹	نمازِ جنازہ میں پانچویں تکبیر	۵۵۴
۳۷۰	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟	۵۵۵
۳۷۱	نمازِ جنازہ میں تکبیرِ رابع، ہاتھ کب چھوڑے؟	۵۵۶

۳۷۲	نمازِ جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے؟	۵۵۷
۳۷۳	نمازِ جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے؟	۵۵۸
۳۷۴	نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ	۵۵۹
۳۷۵	نمازِ جنازہ کا درود شریف	۵۶۲
۳۷۶	نمازِ جنازہ کی دعا مادری زبان میں	۵۶۲
۳۷۷	الترتیب بین المکتوبۃ والجنازۃ	۵۶۳
۳۷۸	نمازِ جنازہ سنتوں سے پہلے یا بعد میں؟	۵۶۴
۳۷۹	نمازِ جنازہ اور سنت ونوافل میں ترتیب	۵۶۴
۳۸۰	سنتِ مؤکدہ مقدم ہے یا نمازِ جنازہ؟	۵۶۵
۳۸۱	سنتِ وقت اور جنازہ میں ترتیب	۵۶۶
۳۸۲	نمازِ جنازہ سنتوں پر مقدم ہے یا نہیں؟	۵۶۷
۳۸۳	نمازِ عید اور جنازہ میں ترتیب	۵۶۸
۳۸۴	تعلیمِ قرآن کے وقت نمازِ جنازہ	۵۶۸
۳۸۵	اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ	۵۶۹
۳۸۶	نمازِ جنازہ بوقتِ استوائے شمس	۵۷۰
۳۸۷	نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت بوقتِ غروبِ آفتاب	۵۷۱
۳۸۸	نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟	۵۷۲
۳۸۹	عورت کی نمازِ جنازہ کا ولی شوہر ہے یا باپ؟	۵۷۴
۳۹۰	ولیِ جنازہ باپ ہے یا شوہر؟	۵۷۵
۳۹۱	ولیِ میت سے نمازِ جنازہ کی اجازت	۵۷۵
۳۹۲	امامِ محلہ کی امامت ولی کے مقابلہ میں	۵۷۶

۳۹۳	کسی متعین شخص سے جنازہ پڑھوانے کی وصیت	۵۷۶
۳۹۴	نمازِ جنازہ بلاوضو	۵۷۷
۳۹۵	نمازِ جنازہ میں میت کی سمتِ قبلہ بدل گئی	۵۷۸
۳۹۶	نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟	۵۷۹
۳۹۷	ناپاک زمین پر نمازِ جنازہ	۵۸۱
۳۹۸	جوتا پہن کر نمازِ جنازہ پڑھنا	۵۸۱
۳۹۹	ایضاً	۵۸۲
۴۰۰	جنازہ کو جمعہ تک مؤخر کرنا	۵۸۳
۴۰۱	نمازِ جنازہ میں دوسرے محلہ والوں کا انتظار کرنا	۵۸۳
۴۰۲	نمازِ جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے پڑھنا	۵۸۵
۴۰۳	متعدد جنازوں کی نماز اکٹھی پڑھنا	۵۸۵
۴۰۴	صغیرہ اور کبیرہ کے جنازوں کی نماز یکدم پڑھنا	۵۸۶
۴۰۵	نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا	۵۸۷
۴۰۶	ایضاً	۵۸۸
۴۰۷	نمازِ جنازہ متعدد دفعہ	۵۸۸
۴۰۸	جو شخص ساتھ نہ دے اس کے جنازہ میں عدمِ شرکت	۵۸۹
۴۰۹	چلتے ہوئے مسافر پر نمازِ جنازہ میں شریک ہونا لازم ہے یا نہیں؟	۵۹۱
۴۱۰	نمازِ جنازہ میں چند لوگوں کا محض تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا	۵۹۲
۴۱۱	ضعیف امام کو جنازہ کے لئے سواری میں لے جانا	۵۹۳
۴۱۲	مسبوق نمازِ جنازہ کس طرح پڑھے؟	۵۹۴
۴۱۳	صفوفِ جنازہ میں کون سی صف افضل ہے؟	۵۹۴

۴۱۴	جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کی وجہ	۵۹۵
۴۱۵	صفوفِ نمازِ جنازہ میں طاق عدد	۵۹۷
۴۱۶	نمازِ جنازہ کی صفوف میں فصل	۵۹۸
۴۱۷	نمازِ جنازہ کی صفوف میں کتنی جگہ رہے؟	۵۹۸
۴۱۸	صفوفِ جنازہ میں بچوں کی صف	۶۰۰
۴۱۹	حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ	۶۰۰
۴۲۰	جنازۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی کیفیت	۶۰۲
۴۲۱	جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز	۶۰۴
۴۲۲	جنازۂ حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے آدمی تھے؟	۶۰۴
۴۲۳	جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تاخیر کی وجہ	۶۰۵
۴۲۴	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں پر نمازِ جنازہ	۶۰۷
۴۲۵	حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نمازِ جنازہ	۶۱۰
۴۲۶	مقروض کے جنازہ کی نماز	۶۱۱
۴۲۷	بے نمازی کے جنازہ کی نماز	۶۱۳
۴۲۸	ایضاً	۶۱۴
۴۲۹	تارکِ نماز کا جنازہ اور اس پر جرمانہ	۶۱۴
۴۳۰	بے نمازی کے جنازہ کو بطورِ سزا تین جھٹکے دینا	۶۱۶
۴۳۱	فاسق وفاجر کی نمازِ جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے	۶۱۷
۴۳۲	عصبیت پر جو شخص مقتول ہو، اس کے جنازہ کی نماز	۶۲۲
۴۳۳	قاتل پر نمازِ جنازہ	۶۲۳
۴۳۴	والدین کے قاتل پر نمازِ جنازہ	۶۲۴

۴۳۵	خودکشی کرنے والے پر نمازِ جنازہ........	۶۲۵
۴۳۶	ایضاً........	۶۲۶
۴۳۷	کنویں میں گر کر مرنے والے کی نمازِ جنازہ اور بخشش........	۶۲۶
۴۳۸	پانی میں ڈوبنے کے کئی روز بعد متعفن لاش ملی، اس پر نمازِ جنازہ کا حکم........	۶۲۷
۴۳۹	زانیہ اور ولد الزنا کی نمازِ جنازہ........	۶۲۸
۴۴۰	ایضاً........	۶۲۹
۴۴۱	کنواری کے بچہ پر نمازِ جنازہ........	۶۳۳
۴۴۲	مسلم مرد اور کافرہ عورت سے پیدا شدہ بچہ کے جنازہ کا حکم........	۶۳۴
۴۴۳	ہیجڑے کی نمازِ جنازہ........	۶۴۲
۴۴۴	خنثیٰ بچہ کی نمازِ جنازہ........	۶۴۳
۴۴۵	جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو، اس پر نمازِ جنازہ........	۶۴۳
۴۴۶	مردہ بچہ کی نمازِ جنازہ کا حکم ائمۂ اربعہ کے نزدیک........	۶۴۵
۴۴۷	جڑواں دو بچوں کے جنازہ پر نماز ایک ہے یا دو؟........	۶۴۶
۴۴۸	کافر نے اپنا چھوٹا بچہ مسلمان کو دے دیا، اس پر نمازِ جنازہ........	۶۴۷
۴۴۹	غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت........	۶۵۰
۴۵۰	قادیانی کے جنارہ کی نماز........	۶۵۱
۴۵۱	ایضاً........	۶۵۳
۴۵۲	قادیانی کے ساتھ تعلقات اور اس پر نمازِ جنازہ........	۶۵۵
۴۵۳	کمیونسٹ کے جنازہ کی نماز........	۶۵۷
۴۵۴	میت مشتبہ ہو تو نمازِ جنازہ کون پڑھائے، سنی یا شیعہ؟........	۶۵۸
۴۵۵	مسلمین اور غیر مسلمین کی لاشیں مخلوط ہو جائیں، ان کی نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟........	۶۵۹

۴۵۶	مسلمان عورت جو ہندوؤں کے قبضہ میں ہو، اس کی نمازِ جنازہ	۶۶۰
۴۵۷	میت کے تین ٹکڑے ہونے پر اس کی نمازِ جنازہ اور اس کی تدفین	۶۶۲
۴۵۸	نصف جلی ہوئی لاش پر نمازِ جنازہ	۶۶۴
۴۵۹	بھیڑیا بچے کو اٹھا لایا، اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۶۶۵
۴۶۰	غائبانہ نمازِ جنازہ	۶۶۶
۴۶۱	میتِ غائب کی نمازِ جنازہ	۶۶۷
۴۶۲	قبر پر صلوٰۃِ جنازہ	۶۷۱
۴۶۳	چارپائی پر میت کا جنازہ	۶۷۲
۴۶۴	عورت کے جنازہ پر امام کا رومال ڈالنا	۶۷۳
۴۶۵	نمازِ جنازہ سے متعلق چند مسائل	۶۷۳
۴۶۶	مسجد میں نمازِ جنازہ (مفصل)	۶۷۵
۴۶۷	جامع مسجد میں نمازِ جنازہ	۶۹۰
۴۶۸	احاطۂ مسجد میں نمازِ جنازہ	۶۹۱
۴۶۹	مسجد میں اضافہ کر کے اس میں نمازِ جنازہ	۶۹۳
۴۷۰	جائے نماز بچھا کر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا	۶۹۵
۴۷۱	نمازِ جنازہ، فنائے مسجد اور قبرستان میں	۶۹۵
۴۷۲	مسجد میں نمازِ جنازہ میں عدمِ شرکت	۶۹۶
۴۷۳	چندہ نہ دینے کی وجہ سے مسجد میں جنازہ سے روک کر تالا لگانا	۶۹۸
۴۷۴	قبرستان میں نمازِ جنازہ	۷۰۰
۴۷۵	ایضاً	۷۰۲
۴۷۶	عیدگاہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۳

۴۷۷	ایضاً	۷۰۴
۴۷۸	ایضاً	۷۰۵
۴۷۹	تعزیہ گاہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۵
۴۸۰	کشادہ جگہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۶
۴۸۱	ارضِ مغصوبہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۷
۴۸۲	نمازِ جنازہ کے بعد دعا	۷۰۸
۴۸۳	ایضاً	۷۰۸
۴۸۴	ایضاً	۷۰۹
۴۸۵	نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا	۷۰۹
۴۸۶	نمازِ جنازہ کے بعد مستقلاً میت کے لئے دعاء کرنا	۷۱۰
۴۸۷	نمازِ جنازہ کے بعد دعاء اور قل ھو اللہ پڑھنا	۷۱۱

☆……☆……☆

باب صلوۃ الجمعة

الفصل الأول فی وجوب الجمعة

(وجوبِ جمعہ کا بیان)

نابینا پر جمعہ اور اس کی امامت

سوال[۳۶۶۷]: ۱...... کیا نابینا (اندھے) پر نماز جمعہ فرض ہے؟

۲...... کیا نابینا (اندھا) جمعہ کرا سکتا ہے؟

۳...... اگر اندھے پر جمعہ فرض نہیں تو دوسروں کا جمعہ کس طرح کروا سکتا ہے، جب کہ مقتدیوں میں علم والے اور حسینی اور سید ہونے کے باوجود پابندِ صوم وصلوۃ ہوں؟ ایسی صورت میں اگر نابینا سے ضداً نماز جمعہ پڑھوائے تو کیا نماز کے ثواب میں تو کمی نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اندھے پر جمعہ فرض نہیں، صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے، بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانے والے موجود ہوں: "سلامة العينين، فلا تجب على الأعمىٰ عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، لا فرق بين أن يجد قائداً أولا، خلافاً لهما إذا وجد قائداً يوصله، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۹۳(۱)۔

۲،۳...... اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کر سکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا، اس لئے اس کی

(۱) (حاشية طحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب الجمعة، ص: ۵۰۵، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۴، رشيديه)

امامت ہر نماز میں مکروہ ہے، البتہ اگر وہ سب سے افضل ہے اور طہارت کا اہتمام کرتا ہے اور نجاست سے بچتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور جمعہ میں بھی اس کی امامت کا یہی حکم ہے:

"(وكره إمامة العبد) إن لم يكن عالماً تقياً (والأعمىٰ) لعدم اهتداء ه إلى القبلة وصون ثيابه عن الدنس. وإن لم يوجد أفضل منه، فلا كراهة، لا ستخلاف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابن ام مكتوم وعتبان ابن مالك على المدينة حين خرج إلى تبوك، وكانا أعميين، اه". بحر، ص: ۱۷۵(۱)۔

اندھے میں امامت کی اہلیت موجود ہے (کراہت عارض کی وجہ سے) جمعہ کی فرضیت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تخفیفاً ساقط ہے۔ پس بوقتِ ارتفاعِ عارض اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے اور بوقتِ وجودِ عارض مکروہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

جو شخص لاؤڈ اسپیکر سے اذانِ جمعہ سنے تو کیا اس پر جمعہ فرض ہے؟

سوال[۳۶۶۸]: کیا ﴿إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة، فاسعوا إلى ذكر الله﴾(۲) آیت میں "ندا" سے اذانِ جمعہ مراد ہے؟ تو کیا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جہاں تک آواز جائے، اس جگہ کے لوگوں پر جمعہ فرض ہو جائے گا جب کہ آیت میں کوئی تخصیص نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے جمعہ اور فرضیتِ جمعہ کے لئے فقہاء نے جو شرائط رکھی ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، مثلاً کسی جہاز میں کوئی مسلمان ریڈیو پر اذان کی آواز سنے، یا ریل میں سنے، یا جنگل میں سنے، یا بیت الخلاء میں سنے،

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۳۰۲، قديمي)

(۲) (سورة الجمعة: ۹)

8

تو کیا ان سب مقامات پر محض اذان سننے سے جمعہ واجب ہو جائے گا، ہرگز نہیں (۱)، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں (۲) وہ اذان سے پہلے پہلے ضروریات سے فارغ ہو جائے اور اذان سنتے ہی جمعہ کے لئے حاضر ہونے کی کوشش کرے، وهذا كله ظاهر (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۰ھ۔

جمعہ کے لئے گاؤں سے شہر میں آنا

سوال [۳۶۶۹]: ایک شخص کسی دیہات کی مسجد میں امام ہے اور اس کو نماز جمعہ کا شوق ہے، اگر وہ

---

(۱) "وفي الخانية: المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجةٌ من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء. وتقدير البُعد بغلوة أو ميل ليس بشيء.......... ثم ظاهر رواية أصحابنا: لاتجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به، فلا تجب على أهل السواد ولو قريباً، وهذا أصح ماقيل فيه .... اهـ. قال في الإمداد: تنبيه: قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لاعبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال، فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۴۷/۲، رشيديه)

(۲) "وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلي، فخمسة في ظاهر الروايات: المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۱۸۸/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، مطلب صلاة الجمعة، ص: ۶۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱۶۸/۱، ۱۶۹، مكتبه شركت علميه)

(۳) "وإذا أذن المؤذن .... حاصله، يجب المشي إلى الجمعة وترك البيع وغيره من اشتغال الدنيا المعوقة عن السعي من الأذان الأول للجمعة لنص قوله تعالىٰ: ﴿إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة، فاسعوا إلى ذكر الله، وذروا البيع﴾". (المعتصر الضروري شرح مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، ص: ۱۶۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۷۳/۲، ۲۷۴، رشيديه)

نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے قصبہ یا شہر میں جوکوس دوکوس کے فاصلہ پر ہے آوے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس کو نماز جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اسی طرح اگر امام کے علاوہ کوئی اور شخص دیہات سے شہر میں نماز جمعہ پڑھنے آوے، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر اس کو ثواب ملتا ہو تو قرآن وحدیث کا حوالہ دے کر تحریر کریں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر جمعہ فرض نہیں، خواہ گاؤں میں رہنے کی وجہ سے خواہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے، وہ اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھ لے کہ جہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو جمعہ پڑھنے سے جمعہ کا ثوب ملے گا اور اس کے ذمہ سے فریضہ ادا ہو جائے گا، خواہ وہ امام ہو خواہ مقتدی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لئے کئی کئی کوس گاؤں سے نمبروار بعض حضرات مدینہ شریف میں آیا کرتے تھے، أبوداؤد شریف: ۱/۱۶۴، ۱۵۱، مطبع نامی کانپور میں یہ حدیث مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گاؤں کا آدمی جمعہ کے دن شہر میں جائے تو کیا نیت کرے؟

سوال [۳۶۷۰]: کوئی شخص گاؤں کا رہنے والا ہو اور وہ اپنے کام کے لئے شہر میں جاوے جمعہ کا دن ہو تو وہ اپنا کام کر کے جمعہ پڑھے، یا بعد جمعہ اپنا کام کرے، تو سُنا ہے کہ اس کو پورا ثواب نہیں لگتا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسی جگہ کچھ کام ہے جہاں پر جمعہ ہوتا ہے اور وہ کام جمعہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور ایسی جگہ سے جاتا

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی". (سنن أبی داؤد، باب من تجب علیه الجمعة: ۱/۱۵۱، سعید)

(وصحيح البخاری: ۱/۱۲۳، باب: من أين تؤتى الجمعة وعلى من تجب، كتاب الجمعة، قديمی)

"القروی إذا دخل المصر يومها إن نوى المكث ثمة ذلک اليوم، لزمته الجمعة. وإن نوى الخروج من ذلک اليوم قبل وقتها أو بعده، لا تلزمه. لكن فی النهر: إن نوى الخروج بعده، لزمته، وإلا لا". (الدر المختار: ۲/۱۶۲، باب الجمعة، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ۲/۲۷۳، ۲۷۴، رشيديه)

ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ جمعہ کی نیت کرکے جائے اور اپنا کام بھی کرتا رہے۔ اگر دونوں کی نیت کرلے جمعہ کی بھی اور کام کی بھی، تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۳۰ھ۔

جمعہ کے وقت اسکول کی حاضری

سوال[۳۶۷۱]: میں اردو گورنمنٹ اسکول ریاست مہاراشٹر میں مدرس ہوں، جمعہ کا وقت ساڑھے دس بجے سے دو بجے تک کے درمیان یعنی اسکول کی مصروفیت میں آتا ہے۔ اب ہم لوگ اسکول بند کرکے ویسے ہی جمعہ پڑھالیا کرتے تھے، اب اس کے لئے آفیسر تنگ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ شام کو مدرسہ ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک ہے اور نوکری کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوشش کرکے کوئی ایسی جگہ تجویز کرلیں جہاں ڈھائی بجے جمعہ ہوجاتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۴ھ۔

جن لوگوں کو جمعہ نہیں ملا، کیا وہ ظہر جماعت سے پڑھیں؟

سوال[۳۶۷۲]: جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرچکے تو ظہر کی نماز اسی مصلی پر حنفی مذہب میں جن

---

(۱) "سمعت أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في الجماعة تضعف على صلاته في بيته وفي سوقه خمسةً وعشرين ضعفاً، وذلك أنه إذا توضأ فأحسن الوضوء، ثم خرج إلى المسجد لا يُخرجه إلا الصلوة، لم يخط خطوةً، إلا رفعت له بها درجةٌ، وحُطَّ عنه بها خطيئة، فإذا صلى، لم تزل الملائكة تصلي عليه مادام في مصلاه: اللهم صل عليه، اللهم ارحمه، ولا يزال أحدكم في صلاة ماانتظر الصلوة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة: ۱/۸۹، ۹۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۲۳۲، باب فضل صلوة الجماعة، قديمي)

(۲) "ولو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر، فعل؛ لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً".

(الدر المختار: ۲/۱۶۷، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

لوگوں کا جمعہ رہ گیا ان لوگوں کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے لوگوں کو وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا منع ہے، جمعہ نہ ملنے کی وجہ سے الگ الگ ظہر پڑھیں، ایسا ہی فقہ کی کتابوں ردالمحتار وغیرہ میں لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۹ھ۔

جمعہ سے پہلے ظہر پڑھی

سوال[۳۶۷۳]: ایک شخص نے نمازِ جمعہ سے پہلے نمازِ ظہر پڑھ لی اور پھر نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے آیا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو جمعہ پڑھنا چاہیے اور ظہر کی نماز پڑھی ہوئی باطل ہوگئی، اگر امام کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھے گا تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وكره تحريماً لمعذور .... أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها .... وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولاجماعة". (الدرالمختار: ۱۵۷/۲، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"ويكره تحريماً صلاة الظهر بعد الجمعة بجماعة". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۳۳۲/۲، كتاب الصلوة، صلوة الجمعة، رشيديه)

(۲) "وحرم لمن لاعذر له صلاةُ الظهر قبلها في يومها بمصر، فإن فعل ثم ندم وسعى إليها بأن انفصل عن باب داره والإمام فيها، بطل ظهره أدركها أولا". (الدرالمختار: ۱۵۵/۲، ۱۵۶، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"فإن أدركها مع الإمام ينتقض ظهره عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله .... حتى لوبطلت الجمعة بوجهٍ ما، كان عليه إعادة الظهر". (المحيط البرهاني: ۲۰۱/۲، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، غفاريه)

جو شخص کوئی نماز نہیں پڑھتا صرف جمعہ پڑھتا ہے اس کا حکم

سوال[۳۶۷۴]: ایک شخص ہفتہ بھر نماز نہیں پڑھتا ہے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہے تو کیا نماز جمعہ ادا ہو جائیگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جمعہ تو ادا ہو جائیگی (۱) لیکن ہفتہ بھر کے فرائض کو ترک کرنا کبیرہ گناہ اور سخت وبال کی چیز ہے(۲) اس کو چاہیے کہ ہر نماز پابندی سے پڑھا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) ہر نماز کا حکم مستقل ہے لہٰذا صرف نماز جمعہ پڑھنے سے بقیہ نمازیں ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گی۔

"قال العلامة الكاساني: "أما الأول فالجمعة فرض لا يسع تركها، و يكفر جاحدها. والدليل على فرضية الجمعة، الكتاب والسنة وإجماع الأمة، أما الكتاب: فقوله تعالىٰ: ﴿ يأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (الجمعة: ۹) "قيل: ﴿ذكر الله﴾ هو صلاة الجمعة، وقيل: هو الخطبة و كل ذلك حجة .... وأما السنة: فالحديث المشهور: "عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشتغلوا، وصلوا الذى بينكم و بين ربكم بكثرة ذكركم له وكثرة الصدقة في السر والعلانية ترزقوا وتنصروا و تجبروا. واعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة في مقامي هذا، في يومي هذا، في شهري هذا، من عامي هذا إلى يوم القيامة ،فمن تركها في حياتي أو بعدي و له إمام عادل أو جائر استخفافاً بها أو جحوداً لها، فلا جمع الله له شمله و لا بارك له في أمره، ألا! لا صلوة له و لا زكوة له". الحديث. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة ، فصل صلاة الجمعة : ۱/۵۷۷، ۵۷۸، رشيديه)

(والحديث رواه ابن ماجة ، كتاب الصلوة ، باب فرض الجمعة، ص: ۷۵، قديمى)

"وهي: أي الجمعة فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۱۳۶ ،سعيد)

(۲) "عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضى الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم ، كتاب الإيمان،=

عورت کے جمعہ پڑھنے سے نماز ظہر ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟

سوال[۳۶۷۵]: ہمارے علاقہ میں بہت سی عورتیں نماز ظہر کے بجائے جمعہ بھی ادا کرتی ہیں تو نماز جمعہ ظہر کا بدل ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کے ذمہ جمعہ نہیں بلکہ ظہر ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے مردوں کے تابع ہوکر (پردہ کے ساتھ) جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کا فریضہ ساقط ہوجائے گا:

"وشرط وجوبها الإقامة والذكورة، الخ". كنز .... "ومَن لا جمعة عليه إن أدىٰ، جاز عن فرض الوقت، الخ". كنز "من كان أهلاً للوجوب كالمريض والمسافر والمرأة، يجزئهم، ويسقط عنهم الظهر، الخ". بحر: ۱۵۲/۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنگل میں بکریاں چرانے والے کے لئے نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۷۶]: ایک شخص لکھا پڑھا اور دیندار ہے اور اس کے پاس گھر کی بکریاں ہیں، جن کو وہ خود چراتا ہے، بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں شہر سے ۶،۴/میل دور جانا پڑتا ہے، یہ شخص نماز کا پابند ہے، جمعہ کی

= باب بیان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱، قديمی)

"عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العهد الذي بيننا و بينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلوات: ۸۱/۱، قديمی)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، ۲۶۶، رشيديه)

"(وشرط لافتراضها) .... (وذكورة) محققة (وبلوغ وعقل) .... (وفاقدها): أي هذه الشروط أو بعضها (إن) اختار العزيمة و(صلاها وهو مكلف) بالغ عاقل (وقعت فرضاً) عن الوقت".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲-۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۴/۱، رشيديه)

نماز کے لئے بکریاں تنہا جنگل میں چھوڑ کر قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کو آنا مشکل ہے، چونکہ وہ شخص تنہا ہے۔ ایسی صورت میں نماز ادا کرنے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ شخص نماز جمعہ نہ ادا کرتے ہوئے جنگل میں ظہر کی نماز ہمیشہ ادا کرسکتا ہے؟ اس شخص کی عمر ۴۵/ سال ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بکریاں چرانے کی وجہ سے شہر سے ۶،۴/ میل فاصلہ پر ہے تو اس کے ذمہ جمعہ کے لئے آنا واجب نہیں، وہیں ظہر کی نماز ادا کرلیا کرے، کذا فی الفقه ،ص: ۵۱۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،۲/۱/۸۹ھ۔

قیدیوں کے لئے جمعہ وعیدین واعتکاف کا حکم

سوال[۳۶۷۷]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے معاف ہے، اگر رمضان تک رہنا ہو تو روزہ اور تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ صاحبان کو جب وہاں اذان و جماعت کی سہولت ہے، کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں

---

(۱) "عن حذيفة رضی الله عنه: " ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن".
(أوجز المسالک ، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، اداره اسلاميات)

"رابعها الإقامة في المحل الذى تقام فيه الجمعة أو في محل متصل به، فمن كان في محل يبعد عن مكان الجمعة، فإنها لاتجب عليه. وقدّروا مسافة البُعد بفرسخ، وهو ثلاثة أميال، والميل ستة آلاف ذراع، وهي خمسة كيلو مترات، وهذا هو المختار للفتوى". (كتاب الفقه، كتاب الصلوة، مباحث الجمعة: ۱/۳۶۰، دارالفكر)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أرادتكلفهم وذهابهم إلى المصر فممكن، لكنه بعيد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة ۲/۲۴۸، رشيديه)

داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارات کے تحت وہاں جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ، تراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکمِ شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہو تو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۱۵۱، ۱۵۲، سعيد)

(۲) صحتِ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، اعتکاف واجب ہو یا غیر واجب: قال العلامة الكاساني: "وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه، فالمسجد، وأنه يشترط في نوعي الاعتكاف: الواجب والتطوع، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ وَصَفَهم بكونهم عاكفين في المساجد مع أنهم لم يباشروا الجماع في المساجد لِينهوا عن الجماع فيها، فدلّ أن مكان الاعتكاف هو المسجد، يستوي فيه الاعتكاف الواجب والتطوع؛ لأن النص مطلق. ثم ذكر الكرخي أنه لايصح الاعتكاف إلا في مساجد الجماعات .... وقال الطحاوي: إنه يصح في كل مسجد". (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه: ۲/۲۸۰، رشيديه)

"هو (أي الاعتكاف) لغةً: اللبث، وشرعاً: لبث .... ذكرٍ .... في مسجد جماعةٍ، وهو ماله إمامٌ ومؤذنٌ، أدِّيت فيه الخمس أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه، وصححه بعضهم، وقال: لايصح في كل مسجد، وصححه السروجي .... فاللبث: هو الركن، والكونُ في المسجد والنية مِن مسلمٍ عاقلٍ طاهرٍ من جنابةٍ .... شرطان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: هو لغةً: اللبث) .... سمي بهذا النوع من العبادة؛ لأنه إقامة في المسجد مع شرائط، مغرب اهـ.........
(قوله: ذكر) .... وقد يقال: قيد به نظراً إلى شرطية مسجد الجماعة، فإنه شرط لاعتكاف الرجل .... (قوله: فاللبث هو الركن) .... أما حقيقته الشرعية فهي اللبث المخصوص: أي في المسجد، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

لیکن شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی جزئیہ ہو، اسی کے لحاظ سے غیر مسجد (جیسے سوال میں مذکور کمرہ ہے) میں اجازت دی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

(صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

جمعہ کے شرائط مفصل

سوال[۳۶۷۸]: یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلاتمیز قریہ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہبِ احناف کی ہے۔ کچھ عرصہ سے اہلِ علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے اہلِ علم کا طبقہ اوران کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ سے کہیں کہیں خلجان کی صورت پیش آ گئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہبِ احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قولِ فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بنایا جاسکتا ہے؟

اس تحت میں چند سوالات اس کے متعلق پیشِ خدمت ہیں امید ہے کہ ان پر غور فرما کر مذہبِ حنفیہ کے دائرے میں کوئی قولِ فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے تاکہ باعثِ تسکین ہو:

۱...... مذہب حنفیہ میں دیہاتوں میں جمعہ صحیح ہونے کے لئے مصر یا قریۂ کبیرہ وصغیرہ میں ما بہ الفرق کیا ہے؟ اور جمعہ پڑھنے کے لئے زمانۂ حاضرہ میں کیا شرائط ہیں؟

۲...... بعض اکابر علمائے احناف کی طرف رجوع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گاؤں میں کم ازکم سوسال سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ بند نہیں کرنا چاہئے، مگر یہ کوئی تفصیل معلوم نہ ہوسکی کہ یہ حکم کس اصل پر مبنی ہے؟ اور اس میں قریہ کبیرہ وصغیرہ کی کوئی تفصیل ہے یا نہیں؟

۳...... اگر سوال نمبر:۲ کی کوئی اصل موجود ہے تو کیا جو حضرات شرائطِ جمعہ کے مفقود ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتے ہیں تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور اگر آہستہ آہستہ لوگ جمعہ ترک کرنے لگیں تو نتیجۂ جمعہ کے

بند ہوجانے کا خطرہ بھی ہوسکتا ہے، اگر چہ جمعہ نہ پڑھنے والوں کا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ جمعہ بند کیا جائے، صرف وہ مذہبِ حنفیہ کی پابندی کے اعتبار سے ایسا کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے، کیا وہ جمعہ کے بند ہوجانے کے خطرہ سے بچنے کے لئے حقیقۃً نماز جمعہ کی اقتداء کر سکتے ہیں؟ نیز جو لوگ نماز جمعہ وظہر دونوں بہ نیتِ فرض ایسے مشکوک مقام پر ادا کرتے ہیں، ان کی ان دونوں کی شرعی تفصیل کیا ہے؟

۴......موضع الف پور وامین پور یہ دونوں موضع ایک دوسرے سے محلِ وقوع کے اعتبار سے مخلوط ہیں، دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ دونوں موضع ایک نظر آتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذات میں یہ دونوں موضع بندوبست، حد بندی اور سرحدوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اصل مکان مورثِ اعلیٰ کا الف پور میں تھا مگر اب اس کے خاندان دونوں میں ملحق موضعوں میں پھیل گئے۔

الف پور کی آبادی آج سے پانچ سال پہلے بالغ ونابالغ دونوں ملا کر ایک ہزار نو{۱۰۰۹} تھی، جس میں بالغ مرد وعورت پانچ سوستاون{۵۵۷}، بقیہ نابالغ۔ اس پانچ سال میں تقریباً چار سو کا اضافہ ہوا ہے، اس میں چار مسجدیں ہیں اور ملحقہ موضع امین پور کی آبادی پانچ سال پہلے چھ سوترپن{۶۵۳} تھی اور اس میں بھی چار مسجدیں ہیں۔ الف پور میں غلہ کی کوئی دوکان نہیں ہے مگر بوقتِ ضرورت گاؤں کے کاشتکاروں سے غلہ مل جاتا ہے، مرچ اور دیگر مسالہ جات کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور کپڑے سلائی کی ہیں، مقامی طور سے دو مستقل ڈاکٹر ہیں، الف پور میں جامع مسجد کے متصل ایک مکتب اسلامیہ ہے جس میں پرائمری تعلیمات کے ساتھ بقدرِ ضرورت اردو میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔

۵......موضع الف پور اور امین پور میں دونوں کا نقشہ منسلکۂ استفتاء ارسالِ خدمت ہے، ایسی صورت میں ان دونوں موضعوں پر جمعہ کا کیا حکم ہے اور جو ٹولے اور محلے گاؤں کے کچھ مزروعہ یا باغ کے فصل پر واقع ہیں، ان ٹولوں ومحلوں کا حکم گاؤں کا ہوگا یا اس سے الگ ہوگا؟

۶......اسی طرح الف پور وامین پور سے ملحق اور بعض مواضعات ہیں جو حد بندی اور سرکاری کاغذات کے اعتبار سے الگ ہیں تو ان ملحق مواضعات کا جمعہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

۷......اگر ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو کیا تمام مواضعاتِ مذکورہ فی السوال مل کر عیدین کی نماز الف پور میں قائم کریں تو قائم کر سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ عیدین کے ادا کرنے سے کسی فریضہ کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا؟

۸......امین پور کے بعض ٹولوں کے درمیان مزروع یا باغ کا جو فصل ہے اس مقدار اور اس سے بھی کم بعض دوسرے مواضع کا فصل ہے لیکن آبادی یا تو سب ہندوؤں کی ہے یا ایک دو مسلمان بھی ہیں، اب ایسی صورت میں درمیان کے جو مسلمان ہیں وہیں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ درمیان کی آبادیاں جو ہندووں کی ہیں وہ ایک شہر کے متصل ہونے کے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اتنی بات تو صاف اور مسلّم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قریۂ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز فرض ہے(۱) اور ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فریضہ ادا نہیں ہوگا اور جس نماز کو جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی، نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ سمجھنا کہ فرض ادا ہوگیا، اور نفل کے لئے اذان کہنا، اقامت کہنا، جماعت سے علی سبیل التداعی پڑھنا نفلِ نہاری میں قرأت بالجہر کرنا یہ سب محظوراتِ شرعیہ لازم آئیں گے(۲)۔

قریۂ صغیرہ وکبیرہ میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ یہ موقوف ہے شہر کی تعریف پر، اور فقہاء چونکہ ماہیات سے بحث نہیں کرتے کہ تعریف بالکلیہ کریں جس سے ذاتیات معلوم ہوں، بلکہ احکام سے بحث کرتے ہیں، لہٰذا

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن کراچی)

" لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیھاقاض و منبر وخطیب، کما فی المضمرات. والظاھر أنہ أرید بہ الکراھة لکراھة النفل بالجماعة، ألا تری أن فی الجواھر: لو صلوا فی القری، لزمھم أداء الظھر". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(۲) "قال الطیبی: وفیہ أن من أصر علی أمر مندوب، و جعلہ عزماً، و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منہ الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشھد: ۳۱/۳، رشیدیہ)

"و لا یصلی الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی یکرہ ذلک علی التداعی".
(الدر المختار، باب الإمامة: ۵۵۲/۱، سعید)

" وأما نوافل النھار، فیخفی فیھا حتماً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی الواجبات: ۷۲/۱، رشیدیہ)

تعریف بالاً حکام والآ ثار کرتے ہیں اور یہ تعریف اکثر اوقات علامات کے ذریعہ سے ہوتی ہے، علامات متعدد بھی ہوسکتی ہیں اور متبدّل بھی ہوتی رہتی ہیں، اس لئے بعض حضرات نے مردم شماری کے اعتبار سے کی ہے، بعض نے وسعتِ مسجد کا لحاظ کیا ہے، بعض نے صنعت وحرفت کا خیال رکھا ہے، بعض نے تنفیذ حدود وقصاص کو معیار ٹھہرایا، وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ بدائع (۱) بحر (۲) کبیری (۳) زیلعی (۴) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، بعض نے عرف پر

(۱) "أما المصر الجامع فقد اختلف الأقاويل في تحديده: ذكر الكرخي أن المصر الجامع ماأقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاض، ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة. و في رواية قال: إذا اجتمع في قرية مَن لا يسعهم مسجد واحد، بَنىٰ لهم الإمام جامعاً ونصب لهم مَن يصلي بهم الجمعة. و في رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر، أمرتهم بإقامةالجمعة فيها. وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سَنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى .... وروى عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، و لها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أوعلم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهوالأصح". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، رشيديه)

(۲) "وفي حدّ المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة .... قال في البدائع: وهو الأصح، و تبعه الشارح، و هو أخص ما في المختصر. وفي المجتبى عن أبي يوسف: أنه ما إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم للصلوات الخمس، لم يسعهم، وعليه فتوى أكثر فقهاء. وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية: وهو الصحيح". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶،۲۴۷، رشيديه)

(۳) "ثم اختلفوا في تفسير المصر اختلافاً كثيراً، والفصل في ذلك أن مكة والمدينة مِصرَان تقام بهماالجمع من زمنه عليه السلام إلى اليوم، فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر، وكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر، حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار وغيرهما، و هو: ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم، فإنه منقوض بهما؛ إذ مسجد كل منهما يسع أهله وزيادةً، ولم يعلم أن مكة والمدينة كانت في زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو الصحابة أكبر مما هي الآن، و لا أن مسجدهما كان أصغرمما هوالآن، فلا يعتبر هذا التعريف .... فالحاصل أن أصح الحدود ما ذكره في التحفة لصدقه على مكة والمدينة، وأنهما هما الأصل في اعتبار المصرية".
(الحلبي الكبير، كتاب الصلوة،فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "قال رحمه الله تعالىٰ: (وهو): أي المصر (كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود). و هذا رواية عن أبي يوسف، و هو اختيار الكرخي. وعنه أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم، لا =

مدار رکھا کہ جس کو عرفاً قریۂ صغیرہ کہا جاتا ہے وہ صغیرہ ہے، جس کو قریۂ کبیرہ کہا جاتا ہے وہ کبیرہ ہے(۱)۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو تعریف منقول ہے جس کو اصح قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيمايقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". شامی: ۱/۷۴۸(۲)۔

یہ تعریف اصالۃً مصر کی ہے، پھر قصبہ میں بھی عامۃً یہ جملہ اشیاء موجود ہوتی ہیں تو وہ بھی مصر کے حکم میں ہے اور قریۂ کبیرہ بھی بمنزلۂ قصبہ کے ہوجاتا ہے اس میں بھی ان امور کا خیال رکھا گیا ہے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". شامی: ۷۴۸(۳)۔

جس قریہ میں یہ امور نہ ہوں وہ قریۂ صغیرہ ہے وہاں درست نہیں: "و فيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كذا في المضمرات، اهـ". شامی: ۱/۷۴۸(۴)۔

= يسعهم، وهو اختيار البلخي. وعنه: هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وفيه فقيه مفت و قاض يقيم الحدود. وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف. وقيل: يوجد فيه عشرة آلاف مقاتل. وقيل: أن يكون أهله بحال لو قصدهم عدوّ، يمكنهم دفعه الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، و ماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، المكتبة اليحيوية سهارنپور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

اب عرف کے بدلنے سے علامات بھی بدل گئی ہیں۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین چار ہزار آبادی کے ساتھ بازار، گلی کوچوں، روزمرہ کی ضروریات کا وہاں ہمیشہ فراہم رہنا قریۂ کبیرہ کی علامات میں قرار دیا(۱)۔ بعض علماء نے اس سے کچھ کم آبادی پر اجازت دی ہے، نہ تنہا مردم شماری پر مدار ہے نہ صرف دوکانوں پر مدار ہے، بلکہ اس قریہ کی مجموعی حیثیت ایسی ہو کہ اس کو قریۂ کبیرہ قصبہ کی مانند کہا جا سکے۔

۲...... یہ تو بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اتنی مدت کے قائم شدہ جمعہ کو ختم ہونے سے مسلمانوں میں خلفشار ہوگا، ورنہ اس کی اصل کتبِ فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزری (۲)۔

۳...... جس جگہ شرائط جمعہ نہیں اور لوگ کم علمی کی وجہ سے وہاں جمعہ پڑھتے ہوں تو وہاں جمعہ کا ترک اور بند کرنا کوئی عیب اور گناہ نہیں جس سے خوف کیا جائے، بلکہ یہ تو ان مفاسد کی وجہ سے جن کا تذکرہ جواب نمبر:۱ میں آیا ہے، مطلوبِ شرعی ہے۔ بہ نیتِ نفل جمعہ میں شرکت کرنے سے دوسرے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی جمعہ پڑھتے ہیں، ایسی جگہ جمعہ پڑھ کر ظہر کی نماز پڑھنا بھی قبیح ہے، ان دونوں کو جمع نہیں کرنا چاہئے، صاحب بحر نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے (۳)۔

---

(۱) (راجع الکوکب الدرّی، باب ماجاء فی ترک الجمعہ بغیر عذر: ۱/۱۹۹) (وأیضاً، ص: ۴۴، رقم: ۱)

(۲) جن بستیوں میں قدیم زمانہ سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنجوقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہئے، تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہئے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۳/۲۳۵، دارالاشاعت کراچی)

"بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لا یمنعون؛ لأنهم إذا منعوا ترکوها أصلاً، وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلاً".

(ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۷۱، سعید)

(۳) "وأما القری فإن أداء الصلوة فیها، فغیر صحیحة علی المذهب، وإن أراد تکلفهم و ذهابهم إلی المصر، فممکن لکنه بعید، وأغرب من هذا مافی القنیة من أنه یلزم حضور الجمعة فی القری، ویعمل بقول علی رضی الله تعالیٰ عنه: إیاک و مایسبق إلی القلوب إنکاره وإن کان عندک اعتذاره، فلیس کل سامع نکراً تطیق أن تسمعه عذراً. فإن المذهب عدم صحتها فی القری فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشیدیه)

۴، ۵، ۶......جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں، ان کو جوازِ جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا۔ جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسبِ حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے(۱)۔ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے .... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بُلا کر مشاہدہ کرادیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے باوجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

۷......جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نمازِ جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے: "صلوة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، اهـ". بحر: ۲/۱۵۸(۲)۔

۸......جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ ادا کریں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "أو كان أحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكماً". (الدر المختار).

"(قوله أو كان أحدهما تبعا للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على مايأتي في الجمعة، وفي البحر: لو كان موضعان من مصر واحد أو قرية واحدة، فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكماً، ألاترى أنه لو خرج إليه مسافراً، لم يقصر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۲/۱۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲/۲۳۲، رشيديه)

"قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع) : أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيناً وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة : ۲/۲۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

(۳) "أن أم عبد الله الدوسية رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: قال رسول الله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

جمعہ کے شرائط دارالحرب اور غیر دارالحرب میں مساوی ہیں یا نہیں؟

سوال[۳۶۷۹]: جمعہ کے وجوب اور جواز کے مسائل دارالحرب اور دارالاسلام میں برابر ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اہلِ ہند کن مسائل کے مکلّف ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قریۂ صغیرہ وکبیرہ سے متعلق مسائل میں دونوں برابر ہیں، اسی کی آپ کی بستی میں ضرورت بھی ہے، جس چیز میں اختلاف ہے اس کی آپ کے یہاں ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

جہاں سلطان نہیں تو کیا وہاں جمعہ بھی نہیں؟

سوال[۳۶۸۰]: جمعہ کے شرائط میں سے سلطان ہے اور اس ملک میں سلطان مسلمان نہیں، پھر تو جمعہ کی نماز نہیں ہونی چاہئے، جواز کس طور پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"فلو كان الولاة كفاراً، يجوز بتراضي المسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً

= "الجمعة واجبة على كل قرية وإن لم يكن فيها إلا أربعة". يعني بالقرى المدائن".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "و دلالة الحديث على أن أقل الجماعة في الجمعة أربعة رجال ظاهرةٌ؛ لأنه لوجاز فيها أقل من ذلك، لقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإن لم يكن فيها إلا ثلاثة أو اثنان، فثبت أن الجمعة لا تحمل أقل من أربعة مع الإمام أصلاً". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، بابٌ: لا جمعة إلا بجماعة وأقلها ثلاثة سوى الإمام: ۸/ ۴۱، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/ ۱، إدارة القرآن كراچي)

"وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۵، رشيديه)

8

بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ" رد المحتار(۱)۔

جب کہ سلطان مسلم نہ ہوتو اس کا حل و بدل عبارت منقولہ میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۶/۹۰ھ۔

جمعہ کے لئے سلطان اور اذنِ عام کی شرط

سوال[۳۶۸۱]: صحتِ نمازِ جمعہ کے لئے وجودِ سلطان اور اذن سلطان شرط ہے، یہ شرط فرض ہے یا واجب؟ بر تقدیر فرض یا واجب بوقتِ فقدان ان شرطوں کے کن دلائلِ معتمد و متند سے نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ ہندوستان میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں کیونکہ:

۱......"إذا فات الشرط، فات المشروط، المراد بالشرط مالا يصح المأمور به قبل الوجود و يفوت بفوته". قمر الأقمار(۲)۔ "الشرط ما يتوقف عليه وجود الشيء ولم يكن داخلاً فيه، و يلزم من انتفائه انتفاء المشروط". عيني شرح هدايه: ۱/۵۶۱(۳)۔

۲......یہ شرط ظاہر الروایت سے ثابت ہے اور درمختار میں ہے کہ:" اعلم أن ما اتفق عليه أصحابنا في الروايات الظاهرة، يفتى به قطعاً"(٤)۔

اور شامی میں ہے:" لا يفتىٰ ويعمل إلا بقول الإمام الأعظم، ولا يُعدل عنه إلى قولهما أو

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد)

"بلاد عليها وُلاة كفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶، رشيديه)

(۲) لم أجد في قمر الأقمار، لكن في رد المحتار: "(قوله: وأما الشرط) هو في اللغة: العَلَامَة. وفي الاصطلاح: ما يلزم من عدمه العدم، و لا يلزم من وجوده وجود و لا عدم". (كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱/۹۴، سعيد)

(۳) (البناية في شرح الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۶۱، ملك سنز كارخانه بازار فيصل آباد)

(۴)(الدر المختار، المقدمة: ۱/۶۹، سعيد)

غيرهما إلا لضرورة أتم" (١) اوراس میں اختلاف ہے: "صرح فی قضاء البحر بأن ما خرج عن ظاهر الرواية، فهو مرجوع عنه، ليس قولاً له"(٢)۔ "وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهلٌ و خرقٌ للإجماع". درمختار، ص:١٥(٣)۔

٣......"مذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح صار منسوخاً". شامی: ص:٦٩(٤)۔ "والعمل بالمنسوخ حرام". الأشباه والنظائر (٥)۔ "وفيه عن التوشيح: أن ما رجع عنه المجتهد، لا يجوز الأخذ به". شامی: ٦٢/١(٦)۔

"إذا اختلف التصحيح، وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع إليها". شامی: ٦٢/١(٧)۔ "الفتوى على قول الإمام الأعظم في العبادات مطلقاً، اهـ". عمدة الرعاية، مقدمه هدايه(٨)۔

اور بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الروایت کے خلاف عمل جائز نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ جمعہ میں اس کے خلاف بدونِ سلطان واذنِ سلطان جمعہ پڑھا جاتا ہے؟

۴......زید کہتا ہے کہ کیسے امام صاحب کے قول کو چھوڑ کے عالمگیری اور شامی وغیرہا کے قول پر عمل

---

(١) (الدر المختار، مقدمه، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ٧٢/١، سعيد)

(وكذا في شرح عقود رسم المفتي، ص:٢٥، ٢٦، ٢٧، مير محمد كتب خانه كراچی)

(٢) (ردالمحتار، المقدمة: ٦٧/١، سعيد)

(٣) (الدرالمختار، المقدمة: ٧٤/١، سعيد)

(٤) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب: لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا: ٧٤/١، سعيد)

(٥) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب القضاء والشهادات الخ، (رقم القاعدة: ١٤٢٥): ٢٣٥/٢، إدارة القرآن كراچی)

(٦) (ردالمحتار، مطلب في مولد الأئمة الأربعة الخ: ٦٧/١، سعيد)

(٧) (رد المحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ٧٢/١، سعيد)

(وكذا في مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص:١٣، سعيد)

(٨) (مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص:١٣، سعيد)

کروں کہ:" یجوز للمسلمین إقامة الجمعة، ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین"(۱) اور یہ بھی کہتا ہے کہ:" یصیر القاضی قاضیاً" میں قاضی سے قاضی مراد ہے یعنی پہلے ہی بادشاہ کی طرف سے قاضی القضاۃ تھے اب تراضی المسلمین سے جمعہ کے لئے وہ بادشاہ کے قائم مقام ہوگا اور اب جو خطیب کو قاضی بناتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بادشاہ کی طرف سے مقرر نہیں ہے، ورنہ یصیر القاضی قاضیاً کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......اس شرط میں بعض احناف نے بھی کلام کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی، کما قال مولنا بحر العلوم فی رسائل الأرکان: "ولم أطلع علی دلیل یفید اشتراط أمر السلطان الخ"(۲)۔

پھر جن حضرات نے اس کو شرط قرار دیا ہے وہ بعض حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسے زیلعی: ۱/ ۲۱۷ (۳) فتح القدیر: ۱/ ۴۱۲ (۴) الغنیہ، ص: ۵۱۳ (۵) وغیرہم۔ بعض اس کو خوف فتنہ سے بھی معلل

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۶، رشیدیه)
(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ۵۰۷، قدیمی)

(۲) (رسائل الأرکان لمولانا بحر العلوم، فصل فی الجمعة، بیان شروط أداء الجمعة، ص: ۱۱۴، مکتبه یوسفی الکنوو)

(۳) "قال رحمه الله تعالیٰ: (والسلطان أو نائبه): أی شرط أدائها السلطان أو نائبه .... ولنا قوله: "من ترکها استخفافاً بها وله إمام عادل أو جائر، فلا جمع الله شمله" الحدیث، وشرط فیه أن یکون له إمام، وقال الحسن البصری: أربع إلی السلطان، فذکر منها الجمعة، ومثله لا یعرف إلا سماعاً، فیحمل علیه، ولأنها تؤدی بجمع عظیم، فتقع المنازعة فی التقدیم والتقدم وفی أدائها أول الوقت أو آخره فیلیها السلطان قطعاً للمنازعة وتسکیناً للفتنة". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۵۲۷، ۵۲۸، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۴) "(قوله: لأنها تقام بجمع عظیم الخ) حقیقة هذا الوجه أن اشتراط السلطان کی لا یؤدی إلی عدمها کما یفیده، فلا بد منه تتمیماً لأمره: أی لأمر هذا الفرض أو الجمع .... فإن التقدم علی جمیع أهل المصر یعد شرفاً ورفعةً، فیتسارع إلیه کل من مالت همته إلی الریاسة فیقع التجاذب والتنازع، وذلک یؤدی إلی التقاتل .... قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ترکها وله إمام جائر أو عادل، فلا جمع الله شمله ولا بارک له فی أمره، ألا! ولا صلوة له". الحدیث. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۵۵، ۵۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۵) "الشرط الثانی: کون الإمام فیها السلطان أو من أذن له السلطان لقوله علیه السلام: "فمن ترکها و =

کرتے ہیں جیسے ہدایہ وغیرہ(۱)، اس خوفِ فتنہ کی تعلیل پر صاحب جامع الآثار نے لکھا ہے: "لکنه معلل بخوف الفتنة، فحيث لا فتنة لا اشتراط"(۲) اسی بناء پر عالمگیری، شامی وغیرہ کی جزئیات: "يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين" متفرع ہیں۔

ظاہر الروایت میں اگر کوئی شئی بدرجۂ مسئلہ یا بدرجۂ شرط مذکور ہو اور اس کی علت وہاں مذکور ہو جیسا کہ عامۃً ایسا ہی ہوتا ہے، اور متاخرین مجتہدین نے اس کی علت بیان کی ہو اور پھر مواقعِ انتفائے علت میں اس مسئلہ یا شرط کے انتفاء کا حکم کر دیا ہو تو یہ ظاہر الروایت کے خلاف نہیں (۳)، اس ضابطۂ کلیہ کے بعد جداگانہ ہر عبارتِ منقولہ فی السوال کے جواب کی ضرورت نہیں رہی، علاوہ ازیں علامہ شامی نے مبسوط سے نقل کیا ہے:

"فلو الوُلاةُ كفاراً، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ". رد المحتار: ٧٥٤(٤)۔

اور مبسوط کی شان یہ ہے:

= له إمام عادل أو جائر، فلا جمع الله شمله و لا بارک له فی أمره". الحديث، رواه ابن ماجة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "(لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم، و قد تقع في غيره، فلا بد منه تتميماً لأمره". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٦٨/١، شركة علميه ملتان)

(۲) (جامع الآثار مع تعليقه تابع الأثار لمولانا أشرف على التهانوی رحمه الله تعالیٰ، باب صلوة الجمعة، اشتراط الإمام للجمعة، ص: ٥٠، مطبع قاسمی ديوبند)

(۳) "والحاصل أن ما خالف فيها الأصحاب إمامهم الأعظم لا يخرج عن مذهبه إذا رجحه المشايخ المعتبرون، وكذا ما بناه المشايخ على العرف الحادث لتغير الزمان أو للضرورة و نحو ذلک لا يخرج عن مذهبه أيضاً؛ لأن ما رجحوه لترجح دليله عندهم ما ذون به من جهة الإمام .... لأن ما قالوه إنما هو مبني على قواعده أيضاً، فهو مقتضى مذهبه". (شرح عقود رسم المفتي، حكم التخريجات وأقوال الأصحاب، ص: ٢٨، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

ویجمع الست کتاب الکافی للحاکم فهو الکافی
أقویٰ شروحه الذی کالشمس مبسوط شمس الأئمة السرخسی
معتمد النقول لیس یعمل بخلفه و لیس عنه یعدل

قال فی فتح القدیر وغیره: إن کتاب الکافی هو جمع کلام محمد فی کتبه الست التی هی کتب ظاهر الروایة. انتهیٰ۔

وفی شرح الأشباه للعلامة إبراهیم البیری: اعلم أن من کتب مسائل الأصول کتاب الکافی للحاکم الشهید، وهو کتاب معتمد فی نقل المذهب شرحه جماعة من المشایخ، منهم: شمس الأئمة السرخسی، وهو المشهور بمبسوط السرخسی، انتهی۔

قال الشیخ إسماعیل النابلسی: قال العلامة الطرطوسی: مبسوط السرخسی لا یُعمل بما یخالفه، و لا یرکن إلا إلیه، ولا یفتیٰ ولا یعول إلا علیه، انتهیٰ .... و للحنفیة مبسوطات کثیرة .... وحیث أُطلق المبسوط، فالمراد به مبسوط السرخسی هذا، اهـ". رسم المفتی، ص:۱۹، ۲۰(۱)۔ لہٰذا ہندوستان میں اس شرط کا سقوط خود ظاہر الروایت سے ثابت ہے۔

۴......زید کا قول اور تاویل غلط ہے اس لئے کہ خود مبسوط میں ایسی جگہ کا حکم بیان کیا ہے، جہاں والی کافر ہیں، مسلمان والی نہیں وہ جگہ کفار کے قبضہ میں ہے، پھر مسلمان بادشاہ کی طرف سے قاضی کیسے مراد ہوسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، بحث الکتب الظاهرة الروایة، ص: ۵۹، میر محمد کتب خانه کراچی)

(وکذا فی رد المحتار، المقدمة، مطلب: رسم المفتی: ۱/ ۶۹، ۷۰، سعید)

(۲) "فی معراج الدرایة عن المبسوط: البلاد التی فی أیدی الکفار بلاد الإسلام لا بلاد الحرب؛ لأنهم لم یظهروا فیها حکم الکفر بل القضاة والولاة مسلمون یطیعونهم عن ضرورة أو بدونها، وکل مصر فیه والٍ من جهتهم یجوز له إقامة الجمع والأعیاد والحدود وتقلید القضاة لاستیلاء المسلم، فلو الولاةُ=

نمازِ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں

سوال[۳۶۸۲]: پرانی جامع مسجد کو مدرسہ کے واسطے بالکل ڈھادیا اس میں وقتیہ اور جمعہ کی نماز ادا کرنا دشوار ہے، چند مہینے کے واسطے خارج مسجد میں دوسری جگہ نماز کے واسطے تیار کر کے وقتیہ نماز اور نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں اور جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد شرط ہے یا نہیں، یا خارجِ مسجد میں بھی بوقتِ ضرورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خارجِ مسجد بھی درست ہے خواہ میدان ہو خواہ مکان:

"السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار وأذن إذناً عاماً، جازت صلوته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط، اهـ" ہندیہ(۱)۔ "قوله: أو الصلوة: أي مصلى المصر؛ لأنه من توابعه، فكان في حكمه، والحكم غير مقصود على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. والفناء في اللغة سعة أمام البيوت، وقيل: ما امتد من جوانبه، كذا في المغرب، اهـ". بحر(۲)۔

علامہ حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں بھی اس کی تصریح کی ہے(۳) نیز دیگر کتبِ فقہ مراقی الفلاح (۴) شامی(۵) وغیرہ میں بھی موجود ہے، ادائے جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

= كفاراً، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، و فيها والٍ و حاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، فصل: صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴) "الأول (المصر أو فناءه) سواء مصلى العيد وغيره؛ لأنه بمنزلة المصر في حق حوائج أهله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۵) "وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره، فإن فتح بابها وأذن للناس إذناً عاماً، جازت =

ایضاً

سوال[۳۶۸۳]: جس جگہ جمعہ فرض ہے ایسی جگہ میں جمعہ کے روز وعظ کی محفل کے واسطے جمعہ کے قریب دو ڈھائی ہزار سامعین مجتمع ہو گئے، وہاں کی مسجد میں قریب پچاس آدمی کے جمعہ پڑھ لئے، باقی لوگ اس بستی کے متصل ایک کھیتی زمین میں جس میں فی الحال کوئی فصل نہیں ہے، اور اس کے اردگرد بستی کے مکانات موجود ہیں اس کے مالک کی اجازت سے نماز جمعہ پڑھ لئے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ وہاں لوگوں کی نماز جمعہ صحیح ہوئی یا نہیں؟ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے: "والمسجد الجامع لیس بشرط لصحة الجمعة حتى أجمعوا على صحة الجمعة في المصلى". أو كما قال(۱)۔ ازروئے مہربانی اس کا جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرماویں۔ زیادہ والسلام۔

الراقم: روح الامین عفی عنہ کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں ہونا شرط ہے اور بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی آبادی اور ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مانند ہو اور اس کی مردم شماری کم ازکم تین ہزار ہو اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جس بستی میں جمعہ جائز ہے تو وہاں جواز کے لئے جامع مسجد ہونا شرط نہیں بلکہ عیدگاہ میں اور فنائے مصر میں سب جگہ جمعہ درست ہے، پس اگر مقامِ مذکورہ فی السوال شہر کے اندر داخل ہے یا فنائے مصر میں شمار کیا جاتا ہے (جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے) تو وہاں جمعہ درست ہے ورنہ نہیں:

"ففي الفتاوى الغياثية: لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ وحاكم، جازت الجمعة بنو المسجد أو لم يبنوا، و هو قول أبي قاسم الصفار، وهذا أقرب الأقاويل إلى الصواب، انتهى، و هو ليس ببعيد مما قبله. والمسجد الجامع ليس

= صلاته شهدتها العامة أولا. وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب، وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول، لم تجز؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، و ذا لا يحصل إلا بالإذن العام". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعید)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

بشرط، و لهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى في فناء المصر، و هو ما اتصل بالمصر معداً لمصالحة من ركض الخيل و جمع العساكر والمناَضلة و دفن الموتىٰ وصلوة الجنازة و نحو ذلك؛ لأن له حكم المصر باعتبار حاجة أهله إليه". كبيرى(۱)۔

"شرط أدائها المصر أو مصلاه، والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر". زيلعى (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں

سوال [۳۶۸۴]: یہاں چند آفسوں کے مسلم ملازمین اوقاتِ دفتر میں ایک درسگاہ کے ملحق میدان میں صرف ظہر وعصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، باقی تین نمازوں کی نہ جماعت ہی ہوتی ہے اور نہ نماز ہی ہوتی ہے، ملازمین اپنی ملازمت کی مجبوری کے سبب اسی جگہ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جہاں پانچوں نماز نہ ہوتی ہوں کیا جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے ہوجاتی ہے یا نہیں؟ چونکہ دیگر مساجد دفاتر سے دور ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، بستی کے میدان میں بھی درست ہے:

"لوصلى الجمعة في قرية بغيرمسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرىٰ، وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أولم يبنوا". كبيرى، ص: ۵۱۱(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی، لاهور) =

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۸۵]: یہاں کچھ مسجدیں ایسی ہیں جن کا کرایہ مسجد کمیٹی سے وصول کرتی ہے، ان کی زمین وقف نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ یہاں دو مسجدیں ایسی ہیں جو وقف ہیں اور شرعی مسجد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدِ شرعی تو اسی وقت بنتی ہے جب کہ وہ وقف ہو بغیر وقف کے وہ شرعی مسجد نہیں اگر چہ نماز جمعہ اور پنجگانہ نماز پڑھنے سے وہاں بھی ادا ہو جاتی ہے(۱) مگر موقوفہ مسجد کو فضیلت حاصل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

- "والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، شركة علميه، ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۱) "قال أخبرنا جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ: نصرت بالرعب مسيرة شهر، و جُعِلَت لي الأرض مسجداً و طهوراً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب: ۱/۴۷، قديمي كتب خانه كراچي)

"قوله: "وجُعلَت لي الأرض مسجداً": أي موضع السجود لا يختص السجود منها بموضع دون غيره، و يمكن أن يكون مجازاً عن المكان المبني للصلاة، و هو مجاز التشبيه؛ لأنه لما جازت الصلاة في جميعها كانت كالمسجد في ذلك". (فتح الباري، كتاب التيمم، باب: ۱/۵۷۶، قديمي)

(۲) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، و صلوته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاةً، وصلوته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلوة، و صلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلوة، وصلوته في مسجدي بخمسين ألف صلوة، وصلوته في المسجد الحرام بمائة ألف صلوة"..(مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد الخ: ۱/۷۲، قديمي)

فصل فی اشتراط المصر للجمعة

(صحتِ جمعہ کے لئے شہر کے شرط ہونے کا بیان)

مصر کی تعریف

سوال[۳۶۸۶] : مصر کی تعریف کتبِ فقہ وفتاویٰ میں بظاہر جامع ومانع سی محسوس نہیں ہوتی ہے اور وہ بھی مختلف فیہ ہوتی ہے۔ براہ کرم مصر کی ایسی جامع مانع تعریف تحریر فرمائیں کہ اگر اس کا ایک جز بھی مفقود ہو تو جمعہ جائز نہ ہو اور ایک جز بھی بطورِ قید اتفاقی یا بطورِ علامت مذکور نہ ہو اور یہ مفتی بہ قول کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ میں احکامِ مکلف سے بحث کی جاتی ہے جیسا کہ اس کی تعریف حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے: "معرفة النفس مالها و ما عليها"(۱)۔ حقائق، ماہیتِ اشیاء، ذاتیات وعرضیات، جنس، فصل نوع سے بحث نہیں کی جاتی (۲)، اسی لئے جواز جمعہ کے لئے جو مصر کی شرط ہے اس کی تعریف علامات سے کرتے ہیں کُنہ بیان نہیں کرتے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح منقول ہے:

"في التحفة: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها

---

(۱) (التوضيح والتلويح، ص:۲۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲)" وأما موضوعه ففعل المكلف ثبوتاً أو سلباً". (الدر المختار). "(و أما موضوعه [أی موضوع الفقه] ففعل المكلف) من حيث أنه مكلف؛ لأنه يُبحث فيه عما يعرض لفعله من حلٍّ و حرمة و وجوب و ندب الخ". (رد المحتار، المقدمة: ۳۸/۱، سعيد)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباری، كتاب الجمعة، باب الجمعة فی القریٰ: ۳۲۹/۲، خضر راه بكڈپو، ديوبند)

رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث و هذا هو الأصح"(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

مصر کی تعریف اور اقامتِ جمعہ کی شرائط

سوال[۳۶۸۷]: ۱...... مصر کے لفظی معنی کیا ہیں، اس مسئلے میں اس کے کیا معنی سمجھے جائیں؟

۲...... مصر کی تعریف میں بعض جگہ یہ ملتا ہے کہ وہ مقام جہاں حوائجِ ضروریہ پوری ہو جائیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے اور حوائجِ ضروریہ کیا کیا ہوں گے؟

۳...... یہ جو کہا گیا ہے کہ مصر وہ مقام ہے جہاں قاضی اور مفتی ہوں۔ اس زمانہ میں اس قول سے کیا مراد ہو سکتی ہے، جب کہ یہاں ہند میں ایسا رواج ہی نہیں ہے؟

۴...... جس مقام پر نمازِ جمعہ صحیح نہ ہو اور وہاں مدت سے نماز جمعہ پڑھی جا رہی ہو، وہاں کے لئے کیا حکم ہے؟

۵...... اگر عوام باز نہ آئیں تو ذی علم حضرات ایسے مقام پر کیا کریں؟

۶...... منیٰ کی آبادی کا کیا مطلب سمجھا جائے۔

۷...... ایک مقام ہے جہاں کی مخلوط آبادی دو ہزار ہے اور صرف مسلم آبادی ایک ہزار ہے یا اس سے کچھ زائد، اور وہاں پر کرایہ کی دوکان بھی ہے جہاں زندگی کے روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں اور غلہ بھی دستیاب ہے، گاؤں میں پنچایت راج کا پردھان بھی ہے(۲)۔ علاوہ ازیں گاؤں میں تین اسکول ہیں: پہلا مکتب اسلامیہ اسکول، دوسرا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک لڑکوں کو صرف ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے، تیسرا لڑکیوں کا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک صرف لڑکیوں کو ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے مقام پر نمازِ جمعہ صحیح ہے

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۶/۲، رشيديه)

(۲) "پردھان: سپردگی، اطاعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۸، فیروز سنز، لاہور)

یا نہیں؟ اور اگر ہے تو مصر کی تعریف کس پر صادق آئی اور اگر نہیں صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟

۸......کم از کم کتنی آبادی پر نماز جمعہ درست ہے؟ وہ آبادی صرف مسلمانوں کی شمار ہوگی یا دیگر اقوام کی بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......لغت میں مصر کے معنی ہیں: ''بکری یا اونٹنی کا دودھ تین انگلیوں سے دوہنا، دودھ خوب پوری طرح دوہنا، دو چیزوں کے درمیان حاجز، حدِ مشہور، شہر کا نام، نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام، شہر، مشہور دو شہر: کوفہ وبصرہ، طینِ احمر'' کذا فی لسان العرب: ۱۷۵/۵ (۱)۔ صلوۃ جمعہ کے متعلق اس کے معنی شہر کے ہیں۔

۲......جن حوائج کے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی معاشرت دشوار ہو جائے، غلہ، کپڑا، دوا، برتن وغیرہ کہ ان کی مستقل دوکانیں ہوں اور یہ چیزیں ہمیشہ ملتی ہوں، آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی وہاں سے اپنی حوائج کا انتظام کرتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، مدرسہ، اسکول ہو، کچہری یا پنچایتی نظام نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے ہو۔ یہ امارات وعلامات ہیں، حدِ حقیقی نہیں (۲)۔

۳......قاضی کے قائم مقام پنچایت کا نظام ہے، جگہ جگہ شرعی کمیٹی بھی موجود ہے، مفتی کا انتظام ہر شہر میں نہیں، لیکن یہ ضرورت بھی بالواسطہ پوری ہو جاتی ہے (۳)۔

۴......نرمی وشفقت سے مسئلہ سمجھا دیا جائے، جن کو فکرِ آخرت ہوگی وہ باز آ جائیں گے، جھگڑا فساد

---

(۱) "مصر: مصر الشاة، والناقة بمصرها مصراً وتمصّرها: حلبها بأطراف الثلاث. وقيل: هو أن تأخذ الضرع بكفك وتصير إبهامك فوق أصابعك .... والمصر: الحاجز، والحد بين الشيئين .... وقد زعموا أن الذى بناها إنما هو المصر بن نوح عليه السلام .... لما فتح هذان المصران، المصر: البلد ويريدبهما: الكوفة والبصرة، والمصر: الطين الأحمر". (لسان العرب، تحت لفظ "مصر": ۱۷۵/۵، ۱۷۶، دارصادر، بيروت)

(۲) "عن أبى حنيفة رحمة الله عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولهارساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هوالأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجعمة: ۲۴۶/۲، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

نہ کیا جائے (۱)۔

۵......خود جمعہ نہ پڑھیں، پانچوں نمازیں تکبیرِ اولیٰ سے پڑھتے رہیں، مسئلہ بتاتے اور دلسوزی سے سمجھاتے رہیں (۲)۔

۶......یہ تحدید نہیں، ایک تمثیل ہے، نمایاں فرق ہو چکا ہے، اب تمثیل بھی نہیں (۳)۔

۷......کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرادیں جس کو فقہ وفتاویٰ میں بصیرت وتجربہ ہو، سب حالات دیکھ کر وہ جو حکم شرعی بتائیں، اس پر عمل کریں (۴)۔

۸......آبادی کے اعداد پر مدار نہیں، جہاں کہیں آبادی کو بتایا گیا ہے وہ تخمینی ہے، تعیین نہیں اور مجموعی آبادی مراد ہے نہ کہ صرف مسلم آبادی۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورة التوبة، پ: ۱۰، آية: ۴۰)

"عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة". قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم".

"وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي، كتاب الإيمان، باب الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

(۴) "وحاصله: إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، سهارنپور)

فنائے مصر کی تحدید

سوال[۳۶۸۸] : ۱......ختمِ فنائے مصر کے بعد کیا کچھ فرسخ اور تحدید ہے کہ اس کے اندر جمعہ جائز ہے؟

ایضاً

سوال[۳۶۸۹] : ۲......شہر کے باہر حدود میونسپلٹی کے آگے تین چار میل تک سڑک کے کنارے عموماً جوائنٹ کے بھٹے اور چونہ بھٹیاں ہوتی ہیں اس کو ضروریاتِ شہر میں داخل کر کے فنائے مصر کا اطلاق وہاں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں تک یا اس کے محاذ میں جو مواضعات ہوں اور عرفاً وہ گاؤں سمجھے جاتے ہوں وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

کیا مصر اور دیہات کا اطلاق عرب ممالک کی آبادی کے تناسب سے ہوگا؟

سوال[۳۶۹۰] : ۳......اطلاقِ مصر یا اطلاقِ دیہات ہر ملک کی آبادی اور اس کی جغرافیائی حالت کے موافق ہوتا ہے مثلاً ہندوستان کے معمولی گاؤں عرب کی آبادی کے اعتبار سے قصبہ اور شہر کا اطلاق کیا جائے گا، یا عرب کی آبادی کے لحاظ سے مصر اور قریہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فنائے مصر کے متعلق مسافت کی کوئی تحدید نہیں فرمائی اور محققین کی ایک جماعت نے اس کا اتباع کیا، امام ابو یوسف، امام محمد اور متاخرین سے دس گیارہ اقوال منقول ہیں، درمختار، ص:۸۳۷، میں ایک فرسخ پر ولوالجیہ سے فتویٰ نقل کیا ہے(۱)۔

" قال الكمال: و فناء ه هو المكان المعدّ لمصالح متصلاً به أو فصل بغلوة، كذا قدّره محمد فى النوادر، و هو المختار .... فإن الإمام لم يُقدّر الفناء بمسافةٍ و كذا جمعٌ من المحققين، و هو الذى لا يُعدل عنه، فإن الفناء بحسب كبر المصر و صغره .... وبعضهم قدّره بفرسخ و بفرسخين و بثلاثة فراسخ. ثم قال الكمال: وقيل: بميل، وقيل: بميلين، و قيل:

(۱) "والمختار للفتوى تقريره بفرسخ، ذكره الولوالجى". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۰، سعيد)

بثلاثة أميال، وقيل: إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه و بين المصر مزرعة، اهـ، شرنبلالية(١)، وبعضهم قدره بستة أميال، اهـ. وعن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء، اهـ. و عن الحسن البصري رحمه الله تعالىٰ: إنما تجب في أربع فراسخ، اهـ".(٢)۔ والبسط في ردالمحتار:٨٣٧(٣)، والبدائع، ص: ٢٦٠ (٤).

۲......جواب نمبر ا سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فناء مصر کی کوئی تحدید نہیں ہے،

---

(١) لم أظفر على هذا الكتاب (الشرنبلالية) و لكن ذكر هذه العبارة ابن عابدين بتغير يسير في: (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٩/٢، سعيد)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ٥٨٥/١، رشيديه)

(٣) "(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن بعض المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة، و كذا محرر المذهب الإمام محمد، و بعضهم قدره بها. وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان، والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لايوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر و صغره، بيانه: أن التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر؛ لأن القرافة والتراب التي تلي باب النصر يزيد كل منهما على فرسخ من كل جانب، نعم! هو ممكن لمثل بولاق، فالقول بالتجريد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعدّ لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ماأعِدّ لدفن الموتى و حوائج المصر الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٩/٢، سعيد)

(٤) "وأما تفسير توابع المصر، فقد اختلفوا فيها، روى عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعاً يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر، وإلا فلا. قال الشافعي: إن كان في القرية أقل من أربعين، فعليهم دخول المصر إذا سمعوا النداء. و روى ابن سماعة عن أبي يوسف: كل قرية متصلة بربض المصر، فهي من توابعه، وإن لم تكن متصلةً بالربض فليست من توابع المصر. وقال بعضهم: ماكان خارجاً عن عمران المصر فليس عن توابعه. و قال بعضهم: المعتبر فيه قدرميل و هو ثلاث فرسخ. وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو عن توابع المصر، وإلا فلا. و بعضهم قدّره بستة أميال، و مالك قدّره بثلاثة أميال، و عن أبي يوسف أنها تجب في ثلاث فراسخ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ٥٨٥/١، رشيديه)

بلکہ مختلف ہوتی رہتی ہیں، پس اس قول پر اگر وہ جگہ عرفاً فناء مصر شمار کی جاتی ہے تب تو وہ ملحق بالمصر ہے اور وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں:

" وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها .... و قال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة و يبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا لا، و هذا أحسن". بدائع(١)۔

٣...... ہر ملک میں اسی ملک کا عرف معتبر ہوگا ہر جگہ عرب کا عرف معتبر نہ ہوگا، جیسا کہ ہر زمانہ میں اسی زمانہ کا عرف معتبر ہوتا ہے بشرطیکہ خلاف منصوص نہ ہو، ایک زمانہ کا عرف ہر زمانہ میں معتبر نہیں ہوتا، والبسط في البذل (٢) والأوجز (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٦/٥/٥٥ھ۔

الاجوبة صحيحة: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٦/ جمادی الأولی/٥٥ھ۔

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب الجمعة، شرائط الجمعة: ١/٥٨٥، رشيديه)

(٢) "واختلف العلماء في الموضع الذى تقام فيه الجمعة، فقال مالك: كل قرية فيهامسجد أو سوق، فالجمعة واجبة على أهلها، و لا يجب على أهل العمود وإن كثروا؛ لأنهم في حكم المسافرين. وقال الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ: كل قرية فيهاأربعون رجلاً أحراراً بالغين عقلاء مقيمين بها لا يظعنون عنها صيفاً ولا شتاءً إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم سواء كان البناء من خشب أو حجر أو طعن أو نصب أو غيرها بشرط أن تكون الأبنية مجتمعةً، فإن كانت متفرقة لم تصح .... و مذهب أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصرجامع أو مصلى المصر، و لا تجوز في القرى .... اتفق علماء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة لا يجوز فعلها في غيرها؛ لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرى: ٢/١٦٩، إمداديه ملتان)

(٣) "وفي المسوى: اتفقوا على أن لا جمعة في العوالي، وأنه يشترط لها الجماعة .... فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار و لا تصح في السواد، وهو قول الثورى و عبيد الله بن الحسن. وقال مالك: تصح في كل قرية فيها بيوت متصلة و أسواق متصلة، يقدمون رجلاً يخطب ويصلي بهم الجمعة إن لم يكن لهم إمام. و قال الأوزاعي: لاجمعة إلا في مسجد جماعة مع الإمام. وقال الشافعي: إذا كانت قريةً مجتمعة البناء والمنازل، و كان أهلها لا يظعنون عنها إلا ظعن حاجة و هم أربعون رجلاً =

8

قریۂ کبیرہ کی تعریف

سوال[۳۶۹۱] : ۱......اگر کسی گاؤں میں تقریباً دو ہزار کی مردم شماری ہو اور تقریباً بیس دوکانیں ہوں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

سوال[۳۶۹۲] : ۲......کیا جمعہ کے بارے میں گاؤں کی تقسیم اس طرح بھی ہے کہ ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور ایسے میں واجب ہے؟

جس سے عقیدت ہو اس کے فتویٰ پر عمل کریں

سوال[۳۶۹۳] : ۳......کسی گاؤں میں کسی مستند مفتی صاحب کے فتویٰ کے بموجب جمعہ پڑھتے ہیں اور دوسرے مستند مفتی صاحب نے عدمِ جواز لکھدیا ہے، بنابریں اختلاف بڑھ کر مدرسہ کا استحکام اور نظام متأثر ہونے لگا تو کیا گاؤں کے اتفاق اور مدرسہ کے استحکام کے پیشِ نظر فریقین کو پہلے مفتی کے بموجب جمعہ ادا کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تحریر اکابر سے جو کچھ مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ ایسی بستی ہونی چاہئے جو حوائجِ اصلیہ کے لئے جامع ہو، جس کو شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جائے، وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، حاکم یا پنچایت کا انتظام ہو، ضروری پیشہ ور ہوں، آس پاس کے دیہات والے اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں، محض مردم شماری پر موقوف نہیں۔ یہ جملہ امور پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں موجود ہوتے تھے، اب تمدن تیزی سے بڑھ رہا ہے اس سے کم میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہوجاتی ہیں۔ اگر وہاں یہ سب چیزیں موجود ہیں تو جمعہ صحیح و درست ہے(۱)۔

۲......یہ تقسیم صحیح نہیں بلکہ تقسیم اس طرح ہے کہ جس بستی میں شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ فرض ہے،

= حراً بالغاً غير مغلوب على عقله، وجبت عليهم الجمعة الخ". (أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) راجع للتفصيل: (امداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۷۵۶، ۷۵۹، دار العلوم كراچی)

جہاں شرائط موجود نہ ہوں وہاں ناجائز ہے، بجائے جمعہ کے وہاں ظہر پڑھنا لازم ہے:

"و تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیھا أسواق، و فیما ذکرنا إشارۃٌ إلی أنھا لا تجوز فی الصغیرۃ، و لو صلوا فی القریٰ لزمھم أداء الظھر، اھ". ردالمحتار: ۱/۵۳۷ (۱)۔

۳......اگر ان کے نزدیک پہلا فتویٰ صحیح ہے اور اس سے عقیدت ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے (۲)۔

جمعہ فی القریٰ اور قریہ کی تعریف

سوال [۳۲۹۴]: ۱...... جمعہ فی القریٰ جائز ہے یا نہیں؟ قریہ اور شہر کی تعریف مفصل تحریر فرمائیں۔

۲......ایک قریہ جس کی آبادی تقریباً پندرہ سو ہے وہ قریہ ہے یا شہر؟ زید اور عمر اس بارے میں مختلف ہیں، زید کا کہنا ہے ہم اس میں تقریباً سو سال سے جمعہ پڑھتے چلے آرہے ہیں، نیز استدلال میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب جواز کو منسوب کرتا ہے، عمر کا کہنا ہے کہ اس میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ کون حق پر ہے؟

۳......اگر جمعہ کو روکا گیا تو سخت فتنہ کا اندیشہ ہے کہ لوگ نماز پنجگانہ ہی چھوڑ دیں گے اور ارتداد اختیار کرلیں گے، ایسے حالات میں ایک محتاط آدمی کو کیا کرنا چاہئے؟ نیز قریہ والوں کو اس فعل سے روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قریہ صغیرہ میں جمعہ جائز نہیں، قریہ کبیرہ میں جائز ہے۔ قریہ اور شہر کی تعریف میں عرف کے اعتبار سے تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ ماہیت کی تعریف تو مقصود نہیں ہے، آثار وعلامات کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فی الجملہ امتیاز قائم ہوجائے۔ آثار وعلامات کا تغیر یہی ہے مثلاً جس جگہ جمعہ کی اجازت

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۴۸، رشیدیہ)

(۲) "لأن العامی یجب علیہ تقلید العالم إذا کان یعتمد علی فتواہ الخ". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد: ۲/۴۱۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۲/۵۱۲، رشیدیہ)

ہو اس کے متعلق اس طرح علامات بتائی جائیں کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ ہو یا حکیم یا ڈاکٹر ہو، نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے سرکاری حاکم یا پنچایت ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں (١)۔ ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، باہر سے دوکاندر سامان لائے، ان سے ضروریات خرید لی گئیں وہ چلے گئے، بازار ختم ہوگیا، پھر ضروریات خریدنے کے لئے دوسرے بازار کا انتظار کرنا پڑے، کم وبیش ڈھائی ہزار کی آبادی ہو۔ یہ تعریف حقیقی نہیں، جس سے ادراک بالکنہ حاصل ہو۔

٢......اس کا جواب نمبر: اسے مستنبط ہوسکتا ہے۔

٣......جہاں جمعہ جائز نہیں، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ادا نہیں ہوگا، اور جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا (٢)، بایں ہمہ اگر جمعہ سابق سے چلا آتا ہے اور اس کے روکنے سے فتنہ کا مظنہ ہے، لوگ غلبہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے اور دین سے بیزار ہوجائیں گے، ارتداد پر آمادہ ہوجائیں گے، مسجد کو ویران کردیں گے -معاذ اللہ- تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، نہایت تدبیر کے ساتھ کام کیا جائے، بعض جگہ ایسے واقعات پیش آچکے ہیں (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٨٨ھ۔

---

(١) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ٨/١، إدارة القرآن كراچي)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول (المصر ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٧/٢، سعيد)

(وكذا في امداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ٧٥٩/١، مكتبه دار العلوم كراچي)

(٢) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كما في المضمرات. والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجوهرة: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٨/٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢٤٨/٢، رشيديه)

(٣) "جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑوانے سے لوگ پنج وقتہ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں =

قریۂ صغیرہ وکبیرہ

سوال[۳۲۹۵]: میں تین سال پہلے دارالعلوم ہی کا ایک طالب تھا، درسِ بخاری شریف کی خدمت کے سلسلے میں تین سال سے یہاں مقیم ہوں، یہاں کے مقامات میں سے جو باقاعدہ شہر یا قصبہ ہیں وہ تو الگ ہیں، باقی گاؤں ہیں ان گاؤں میں لوگوں نے (پنجگانہ کی حیثیت سے کہئے، یا جامع مسجد کی حیثیت سے) ایک دو مسجد بنا رکھی ہے، ان میں جمعہ کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ مسلمان آبادی میں عام طور پر حنفی مذہب کے ہیں۔ گاؤں بھی ایسا نہیں کہ ضروریات کے تمام سامان یہاں مل جائے، کیونکہ نسبتاً کچھ لوگ بڑے کاموں کے لئے ٹاؤن چلے جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے یہ سسٹم ہے کہ دو چار چھ میل کی دوری.......... پر بازار کا انتظام ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ میں بازار لگتے ہیں۔ بازار کے چھوٹے بڑے ہونے کے فرق سے ایک ایک بازار کا مربع علاقہ بیس، تیس، چالیس، پچاس گاؤں تک ہوتا ہے، ان گاؤں کے باشندوں کی زندگی ان بازاروں کی طرف سے اس درجہ محتاج ہے کہ اگر یہ بازاری سسٹم بند ہوجائے تو ان کی زندگی کے اکثر امور بند ہوجائیں۔ گاؤں کے اندر کہیں کہیں ایک دو، دوکانیں بنی ہوئی ہیں لیکن ان میں ملنے والے سامان اتنے محدود ہیں کہ زندگی کے نصف، ثلث ربع بلکہ عشر بھی پورا نہیں ہوسکتا۔

ان بازاروں میں اکثر بازار ایسے ہیں کہ صرف ہفتہ کے متعین دن کو لگتے ہیں، ان دنوں کے علاوہ باقی دنوں میں وہ بازار بھی ضروریاتِ زندگی کے لئے کافی نہیں، بازار کے پاس کے باشندوں میں جن کو ضرورت ہوتی ہے، ان کو کئی میل کی دوری پر اس دن کو لگنے والے کسی دوسرے بازار میں جانا پڑتا ہے، البتہ دو ایک بازار ایسے ہیں کہ ہفتہ کے متعین دن کے علاوہ بھی اس میں اکثر ضروریات ملتی ہیں۔

مخصوص مقام جو کہ ٹاؤن یا شہر ہیں اور روزانہ کے ضروری سامان ملنے والے جو بعض بازار ہیں، ان

= میں جمعہ پڑھنا چاہئے تاکہ اسلام کی رونق وشوکت قائم رہے الخ'' (کفایت المفتی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۲۳۵/۳، دار الإشاعت کراچی)

''واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام) إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون؛ لأنهم إذا منعوا، تركوها أصلاً، و أداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ''. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۲، سعيد)

مواضع میں تو جمعہ کی نماز ادا ہونے کے بارے میں کوئی بات نہیں، ایسے مواضع میں تو جمعہ ہم بھی پڑھتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ جو گاؤں ہیں ان میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب والوں کے لئے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ یہاں کے مقامی علماء اس مسئلہ میں کئی حصے میں بٹ گئے ہیں، اکثروں کی تعداد ایسی ہے کہ سماج اور عوامی دھارے میں بہہ گئے ہیں، جمعہ کے دن مسجد میں جاتے ہیں، جمعہ کی امامت کرتے ہیں یا مقتدی بن کر نماز پڑھ آتے ہیں، لیکن کبھی بھی تفکر و تدبر سے کام نہیں لیتے۔ اس بارے میں دریافت کرنے سے بھی وہ ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں، عوام سے مرعوب ہوکر اس گاؤں میں جمعہ جائز ہونے کا وہم کر بیٹھے ہیں۔

دلیل کے میدان میں وہ کبھی جمعہ فی القری کے جواز پر اجماع ہونے کے دعویدار بنتے ہیں اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جن گاؤں میں عدمِ جواز کا حکم ہے وہ عرب یا یوپی وغیرہ ملکوں کے دیہات ہیں، آسام، بنگلہ کے دیہات نہیں، یہاں بلاشبہ جمعہ جائز ہے، کبھی یہاں کے گاؤں کو مصر کہنے کی جرأت کرتے ہیں، وغیرہا۔

بعض علماء ایسے ہیں کہ خود تو عدمِ جواز کے قائل ہیں اور اپنے حلقۂ معتقدین میں اس کا کم وبیش چرچا بھی کرتے ہیں، لیکن بعض مصالح کی عذر سے وہ عام سطح پر اس کا اعلان کرکے عوام کی مخالفت مول لینا پسند نہیں کرتے، بہت کم تعداد میں علماء ایسے ہیں کہ ہمت کرکے بولتے ہیں اور عوام تک بات پہونچاتے ہیں۔ اسی بناء پر اب مجھ سے علماء کا فتویٰ طلب کیا جارہا ہے۔

یہاں کے علماء کے حالات سے مجھے جہاں تک خیال ہے کبھی بھی اس مسئلہ میں وہ متفق نہیں ہوسکتے، بلاسوچے سمجھے کچھ علماء حنفی کے لئے بھی چھوٹے گاؤں میں جائز بلکہ فرض کہتے رہیں گے، لہٰذا استفتاء دارالعلوم دیوبند روانہ کیا جارہا ہے تاکہ جواب سب کے نزدیک مسلّم رہے۔

سرکاری امور کی سہولت کے لئے سرکار سے ایک ایک گاؤں ایک ایک نام سے موسوم ہے، عام طور پر ایک گاؤں میں دو دو تین تین بستیاں ہیں، ایک بستی سے دوسری بستی قدرے انفصال کی وجہ سے الگ الگ شمار کی جاتی ہے، ایک ایک بستی میں چھوٹے بڑے مرد عورت ملاکر کل آدمی دو چار، پانچ، چھ سو ہوتی ہے، ذرا قدرے بڑے گاؤں میں سب بستیاں مل کر ایک ڈیڑھ ہزار تک ہوسکتی ہے لیکن سامانِ ضروریات کے لئے وہ سب کے سب بازار یا شہر کے محتاج ہیں، جو کسی اور موضع میں ہے۔

اب یہاں آس پاس کے دو چار بستی کو موضعِ واحدہ شمار کرکے اس میں بڑا گاؤں ہونے کا اعتبار کرسکتے ہیں

اور جمعہ درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سامانِ ضروریات ملنے نہ ملنے سے قطع نظر ایسے گاؤں پر شرحِ وقایہ کی تعریفِ مصر: "لایسع أکبر مساجدہ أھلہ" (۱) صادق آسکتی ہے۔ دراصل علمائے قائلینِ جواز اسی دلیل شرح وقایہ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ براہ کرم یہ جواب مرحمت ہوکر کہ کیا اسی بناء پر ان قریٰ صغار میں جمعہ جائز ہوگا؟

البتہ یہاں ایک شبہ ہے کہ کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی قاضی شرعی کسی گاؤں میں اقامتِ جمعہ کی رائے دے دے تو باقاعدہ اس کے کہ مجتہد فیہ میں قاضی کی رائے ملنے سے وہ حکم مجتہد فیہ نافذ ہوجاتا ہے، لہٰذا وہاں جمعہ درست ہوگا اور یہ بھی بات مسلّم ہے کہ ہندوستان میں قاضیٔ شرعی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل میں جماعتِ مسلمین کا متفقہ فیصلہ قاضی شرعی کے شرعی فیصلہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ یہ بھی بات ظاہر ہے کہ اس ملک میں عوام (بلفظ دیگر) جماعتِ مسلمین اتخاذِ جامع مسجد اور اقامت جمعہ کے بارے میں متفق نظر آرہے ہیں، بجز ان علماء کے جو جواز جمعہ کے منکر و مانع ہیں، تو کیا استثناء ایسے علماء کے دیگر لوگوں کے اتفاق کو اجماع پر جوازِ جمعہ فی القریٰ الصغیرۃ یا اتصال حکمِ قاضی بقول جواز جمعہ قرار دے کر جواز جمعہ کی رائے دی جاسکتی ہے؟

درمختار، شامی، شرح وقایہ ہدایہ، حضرت مولانا تھانوی کا امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دار العلوم وغیرہا کتبِ فقہ کے مسائل جمعہ دیکھے گئے ہیں، ماشاء اللہ ہمیں کوئی شبہ نہیں لیکن کچھ لوگ ہیں کہ فتویٰ ہی کے خواہاں ہیں، لہٰذا براہ کرم افہام عوام کی سطح پر ذرا کھول کر قدرے تفصیل کے ساتھ مع حوالۂ کتب جواب مرحمت فرمائیں، شاید یہ جواب ان علماء کے سامنے پیش ہو جو جواز کے قائل ہیں اور عوام کی دلجوئی کے لئے بلاتحقیق دلائل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بات پر تو سب کا اجماع ہے کہ جمعہ کا حال پنجگانہ نماز کی طرح نہیں کہ شہر ہو یا گاؤں، یا آبادی ہو یا جنگل، حضر ہو یا سفر، زمین ہو یا سمندر کی سطح، انفراد ہو یا جماعت، ادا ہو یا قضاء ہر طرح پڑھنے کی اجازت ہوجائے، کما صرح بہ الإمام أبوبکر الجصاص فی أحکام القرآن (۲)۔ لامحالہ جمعہ کے لئے کچھ شرائط

---

(۱) (شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۱۹۹، سعید)

(۲) "اتفق فقہاء الأمصار علی أن الجمعۃ مخصوصۃ بموضع، لا یجوز فعلہا فی غیرہ؛ لأنہم مُجمِعون علی أن الجمعۃ لاتجوز فی البوادی ومناھل الأعراب". (أحکام القرآن للجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ، سورۃ الجمعۃ، پ:۲۸، فصل: ۳/۶۶۲، قدیمی)

ہیں، ان شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ جمعہ چھوٹی بستی (قریہ صغیرہ) میں جائز نہیں، بڑی بستی (قریہ کبیرہ، قصبہ، مصر) میں پڑھنا چاہیے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة، الخ". شامي، ص: ٥٣٧(١)۔

قریہ صغیرہ وکبیرہ کی تعریف جو کچھ کی جاتی ہے وہ کَمَا ھُوَ حقیقت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ علامات بتلانے کے لئے ہیں اور علامات کا حال یہ ہے کہ وہ عرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں (۲)، اس لئے بہت سی علامات ایسی ہیں جو پہلے قابلِ رعایت نہیں تھیں، اب قابلِ رعایت ہیں۔

شرح وقایہ میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے اس کی تنقید بھی شامی میں مذکور ہے۔ جس تعریف کو امام اعظم ابوحنیفہ سے نقل کرکے "الأصح" قرار دیا ہے وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هوالأصح، الخ". شامي ،ص: ٥٢٦(٣)۔

لہٰذا شرح وقایہ کی تعریف پر سہارا لینا خود مزیف ہے، اس لئے طحطاوی نے لکھا ہے کہ: "قوله: لا يسع أكبر مساجده أهلَه، هذا يصدق على كثير من القرى "(٤)۔

جمعہ کی شرائط میں سے موجود نہ ہونے پر بھی عوام کی رعایت سے جمعہ پڑھنا، یا اس کی اجازت دینا

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱۳۸/۲، سعيد)

(۲) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۳۲۹/۲، خضرراه بک ڈپو، دیوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، ومالیس بمصر لم يجز فيه. إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱۹۹/۱، سهارنپور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(۴) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۳۳۸/۱، دار المعرفة،بيروت)

منصبِ اہلِ علم کے خلاف ہے جو اعتقادی و عملی مفاسد پر مشتمل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: جمعہ فرض نہ ہونے پر اس کے فرض ہونے کا اعتقاد کرنا، ظہر فرض ہونے پر اس کے فرض نہ ہونے کا اعتقاد کرنا، جمعہ کے قصد سے نماز پڑھی جائے گی وہ نفل ہوگی، نفل کے لئے خطبہ، اذان، اقامت، جماعت ان کو نفل میں قراءۃ بالجہر، نفل پڑھ کر یہ اعتقاد کرنا کہ اس سے فرض ساقط ہوگیا، فرض ظہر کو مستقلاً ترک کرنا، اس کی قضاء بھی نہ پڑھنا مقامِ غور ہے کہ ان اعتقادی اور عملی غلطیوں میں خود مستقلاً مبتلا ہونا اور عوام کو مبتلا کرنا کیا دینی خدمت ہے، یا دین کے خلاف سمت پر چلنا ہے (۱)۔

جو بستی ایسی ہو کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، حکیم ہو یا ڈاکٹر ہو، مقدمات ونزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالت یا پنچایتی نظام ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں (یہ بات نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا اور ضروریات خرید لیں، پھر ضرورت پیش آئی تو انتظار کرنا پڑا، یا دوسری بستی میں جانا پڑا)، ضروری پیشہ ور ہوں، ایسی بستی قریہ کبیرہ ہے۔ ہمارے اطراف میں دو ڈھائی ہزار کی آبادی میں آج کل عموماً یہ سب علامات جمع ہوجاتی ہیں، وہاں جمعہ پڑھا جائے جو بستی ایسی نہ ہو وہاں ظہر پڑھی جائے: "لو صلی فی القریٰ، لزمهم أداء الظهر، الخ". شامی، ص: ۵۳۷ (۲)۔

جو متعدد بستیاں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بستی کے محلے نہیں ہیں تو محض ادائے جمعہ کے لئے ان کو ایک شمار کرنا درست نہیں (۳)، خاص کر جب کہ اس

---

(۱) "عن تميم الداري رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا: لمن قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ عليه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا وُلاة الأمر، فبإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنيا هم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل .... وأمرهم المعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۳) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه =

مجموعہ میں بھی صرف مردم شماری کا اضافہ ہوجاتا ہے، لیکن دیگر شرائط بازار وغیرہ کا تحقق پھر بھی نہیں ہوتا۔

قاضیٔ شرعی کو امام المسلمین کی طرف سے قوتِ تنفیذ حاصل ہوتی ہے تو اس کا حکم گویا کہ امام المسلمین کا حکم ہوتا ہے اور امام المسلمین کو ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے۔ بعض مسائل میں پنچایت کو قاضی کی طرح فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، مگر یہ اختیار اس وقت ہے جب کہ فریقین متخاصمین اپنی طرف سے پنچایت میں مقدمہ پیش کریں اور اس کے فیصلہ پر رضا مندی کا اظہار کریں، جیسے کہ حَکَم کا حال ہوتا ہے۔

قوتِ تنفیذ نہ ہونے کی وجہ سے ابتداءً کسی پر حکم کو نافذ کرنے کا حق نہیں بلکہ مرافع کے بعد فیصلہ صادر ہوجانے پر بھی کوئی نہ مانے تو عدولِ علمی کی سزا دینا قابو میں نہیں، پھر یہ پنچایتی معاملہ مجبوراً دوسرے مذہب سے لیا گیا ہے، وہ بھی ایسے مسائل میں جن میں مذہب حنفی پر عمل کرنا دشوار ہو، جیسے مسئلۂ مفقود میں کہ مدتِ مدید کا انتظار کرنے میں مفاسدِ شرعیہ وارتکابِ معاصی، عدمِ نفقہ وغیرہ ہیں اور جن مسائل میں یہ بات نہ ہو ان میں پنچائت کو قائم مقام کرنا بے محل ہے (۱)۔ وھھنا کذالك۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

سوال [۳۶۹۶]: قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصبہ شہر سے چھوٹا ہوتا ہے، بڑے گاؤں سے بڑا ہوتا ہے، اس کی تعریف علامات کے اعتبار سے کی

= الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلوٰة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيديه)

(۱) (راجع الحيلة الناجزة للتهانوى رحمه الله تعالىٰ، صورت قضاء قاضى در هندوستان، ص: ۱۴۸، دارالاشاعت)

جاتی ہے کُنہ کے اعتبار سے نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

مصر کی تعریف اور قریہ میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۹۷]: ۱......نماز جمعہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں، بلاشبہ علمائے کرام نے مضبوط دلائل ہی کی بنیاد پر جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لئے مصر، یا قریہ کبیرہ کی شرط لگائی ہے، لیکن مصر یا قریہ کبیرہ کی تعریف میں علمائے احناف اور حضرات اکابرین کے اقوال میں اتنے شدید اختلافات (۲) اور ادائے جمعہ کے

---

(۱) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وليس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، مكتبه يحيويه سهارنپور)

راجع للتفصيل: (امداد الأحكام، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱/۷۵۹، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۲) "أما المصر الجامع: فقد اختلف الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاضي ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، فهو مصرٌ جامع تجب على أهله الجمعة .... و روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهو الأصح". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي، لاهور)

سلسلہ میں ان حضرات کے اعمال میں بھی اس قدر اختلافات ہیں کہ کسی گاؤں کو مصر یا قریہ کبیرہ کی تعریف سے خارج کرنا یا کسی شہر کو مصر میں داخل کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ''وقایہ'' مصر کی صرف ایک تعریف کرتے ہیں: "ما لا يسع أكبر مساجده لأهله مصر" (۱) اول متاخرین کی ایک جماعت نے جس میں صاحب مختار بھی ہیں اس تعریف کو اپنایا ہے (۲) صاحب ''شرح وقایہ'' نے بھی مصر کی ایک ہی تعریف نقل کی ہے: "عند البعض هو موضع إذا اجتمع أهله في أكبر مساجده لم يسعهم" (۳)۔ "هو موضع" پر مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ لکھا ہے: "هذا التفسير منقول عن الثلجي، و عليه فتوى أكثر الفقهاء، كما في المجتبىٰ. و في الولوالجية: هو الصحيح" (۴)، گویا مولانا نے اس تفسیر کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مصر کی یہی تعریف کی ہے، اور خزانۃ المفتیین اور البحر الرائق وغیرہ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو علم الفقہ دوم، ص: ۱۴۵، ۱۴۶ (۵)۔

مصر فقہاء کی اصطلاح میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایسے مسلمان جن پر نماز جمعہ واجب ہے اس قدر ہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کے کسی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، اس مسجد سے جمعہ مسجد مراد نہیں ہے بلکہ پنجوقتہ نماز کی مسجد مراد ہے، جس مقام میں یہ تعریف صادق ہو وہ مصر ہے اور جہاں صادق نہ ہو وہ قریہ ہے۔

نیز مولانا عبدالحیٔ نے شرح وقایہ کی عبارت "إذا اجتمع" پر حاشیہ لکھا ہے: "وقيل: أكبر

---

(۱) (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعيد)

(۲) "والمصر: ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده، لم ". (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۱۰۸، حقانيه پشاور)

(۳) (شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعيد)

(۴) (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة (رقم الحاشية: ۲۲): ۱/۱۹۸، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۵) (علم الفقه، كتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، حصہ دوم، ص: ۳۱۳، دار الاشاعت کراچی)

المساجد للصلوات الخمس كما فى فتاوى الزاهدى الخ(۱)۔ اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ میں مصر کی ان مختلف تعریفات کو جنہیں ائمۂ احناف نے بیان کیا ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''مگر اکثر فقہاء کے نزدیک مختار اور متاخرین کا مفتیٰ بہ قول وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے'' (البحر الرائق، خزانۃ المفتیین، فتاویٰ زاہدی)(۲)۔صاحب ہدایہ نے بھی مصر کی ایک ہی تعریف کی ہے، شرح عنایہ میں بھی یہی تعریف نقل کی گئی ہے، ملاحظہ ہو فتح القدیر جزء ثانی، ص:۱۴(۳)۔

اسی لئے ہمارے یہاں جن بستیوں میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے تو اگر وہاں کے لوگ اپنے اوپر جمعہ کی نماز فرض سمجھ کر ادا کریں تو کیا حرج ہے، جب کہ جمعہ سے روکنے میں اختلاف کا اندیشہ، علماء سے بدظنی اور ان بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے والے اکابرین سے بدگمانی یقینی چیز ہے،

---

(۱) (عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲۳، ۱۹۸/۱، سعيد)

(۲) (علم الفقه، كتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں حصه دوم، ص: ۳۱۳، دار الاشاعت كراچى)

(۳) صاحب ہدایہ نے مصر کی دو تعریفیں ذکر کی ہے شرح عنایہ میں ان دو تعریفوں کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک تیسری تعریف بھی نقل کی گئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

''وفى الهداية: والمصر الجامع: كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام، ويقيم الحدود، وهذا عند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، وعنه: أنهم إذا اجتمعوا فى أكبر مساجدهم، لم يسعهم. والأول اختيار الكرخى وهو الظاهر، والثانى اختيار الثلجى.

وفى العناية: ''و عرف المصر الجامع بقوله: (كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود) والمراد بالأمير والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم .... قال ابن شجاع رحمه الله تعالىٰ: أحسن ما قيل فيه: إذا كان أهلها بحيث لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم، لم يسعهم ذلك، حتى احتاجوا إلى بناء مسجد آخر للجمعة، و هذا الاحتياج غالب عند اجتماع من غلبة الجمعة. والأول اختيار الكرخى و هو ظاهر الرواية، وعليه أكثر الفقهاء، والثانى اختيار أبى عبد الله الثلجى. وعن أبى يوسف رواية أخرى غير هاتين الروايتين وهو: كل موضع يسكنه عشرة آلاف فكان عنه ثلاث روايات''.
(العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۲/۲، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

جیسا کہ ایک بستی میں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی آ رہی تھی اور اب بعض لوگ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے ہیں جن کو دیکھ کر بعض لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ حسب سابق جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ جن کے دلوں میں جمعہ کی بڑی اہمیت تھی اور وہ صرف جمعہ ہی کی نماز پڑھتے تھے، ان کے دلوں سے جمعہ کی عظمت نکل گئی اور ہفتہ کی اس عید والی نماز سے بھی محروم ہو گئے اور عید و بقرہ عید کی نماز سے بھی ان کو چھٹکارا مل گیا، پھر یہ قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھنے کو بعض حضرات نے بدعت حسنہ کہا ہے، ملاحظہ ہو قدوری، مطبوعہ قیومی کانپور، ۱۳۷۰ھ، مطابق ۱۹۵۱ء، باب صلوة الجمعة:

"ولا تجوز فی القری" پر حاشیہ: "وقد كتب جدی بخطه علی ظهر الهداية نقلاً عن يدالمصنف للكفاية: البلدة الكبيرة بمنزلة المصر، وأما الصغيرة فالجمعة فيها بدعة حسنة، لشيخ الإسلام المروی فی حاشية شرح الوقاية"(۱).

دوسری بات یہ ہے کہ میری بستی (جس میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے) سے قریب ہی ایک جگہ .... ہے جہاں بازار ہے، دوکان ہیں، ہوٹل ہیں، ایک دینی ممتاز مدرسہ ہے جہاں ہمیشہ علماء رہتے ہیں، ریلوے اسٹیشن، بس اڈہ اور ایک سے ہائی کلاس تک اسکول بھی ہیں، مویشی اور غیر مویشی ڈاکٹر اور نرسیں بھی رہتی ہیں، عام ضروریات کی ساری چیزیں ملتی ہیں، اور بازار ہی سے بالکل متصل پچھم (مغرب) کی طرف ایک بستی ہے اور دکھن (مشرق) کی طرف ایک سوا فرلانگ پر ایک دوسری بستی بھی ہے۔ نیز میری بستی سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ لوریا ہے جہاں تھانہ ہے، سرکاری بلاک ہے، چینی کی فیکٹری اور اچھی خاصی آبادی بھی ہے، وہاں بازار ہے، ضروریاتِ زندگی کی ہر سہولت حاصل ہے۔ چار ہی میل کے فاصلہ پر ایک دوسرا بازار چنپٹیا ہے، جہاں ضروریات زندگی کی ساری ہی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں، ریلوے اسٹیشن، چینی فیکٹری، سرکاری بلاک، ہسپتال اور کافی آمدنی ہونے کے ساتھ شمالی بہار میں غلہ کا سب سے بڑا بازار بھی ہے، یہاں بھی مصر کی دوسری تعریفیں صادق آتی ہیں۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے توابع مصر کی تعریف میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں ایک امام

---

(۱) (المعتصر الضروری، حاشية مختصر القدوری، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۸)، ص: ۵۶، سعيد)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک قول تین فرسخ کا ہے اور بعض دوسرے حضرات سے ایک میل اور بعض سے دو میل اور بعض سے چھ میل ہے اور آخر میں لکھتے ہیں: "وقیل: أن یحضر الجمعة و یبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلا فلا، وفی البدائع: و هذا أحسن"(۱)۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی التعلیق الصبیح میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے "کذا فی المرقاة" کہا ہے(۲)۔ اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے "قوله: الجمعة علی من اٰواه اللیل إلی أهل" کی پوری تشریح فرمائی ہے:

"قال المظهری: أی الجمعة واجبة علی من کان بین وطنه و بین الموضع الذی یصلی فیه الجمعة مسافة ممکنة الرجوع بعد أداء الجمعة إلی وطنه قبل اللیل، و بهذا قال الإمام أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ. وشرط عنده أن یکون خراج وطنه ینقل إلی دیوان المصر الذی یأتیه للجمعة، فإن کان لوطنه دیوانٌ غیر دیوان المصر، لم یجب علیه الإتیان، ذکره الطیبی".(۳)۔

اس تشریح کے اعتبار سے میری بستی میں جمعہ کی نماز واجب ہوگی، تو پھر اگر واجب سمجھ کر ادا کی جائے تو

---

(۱) "ومن کان من مکان من توابع المصر، فحکمه حکم أهل المصر فی وجوب الجمعة علیه بأن یأتی المصر فلیصلها فیه. واختلفوا فیه، فعن أبی یوسف: إن کان الموضع یسمع فیه النداء من المصر فهو من توابعه، وإلا فلا. وعنه: کل قریة متصلة بربض المصر و غیر المتصلة لا. وعنه: أنها تجب فی ثلاثة فراسخ. و قال بعضهم: قدر میل، وقیل: قدر میلین، وقیل: ستة أمیال، وعن مالک رحمه الله تعالیٰ ستة، وقیل: إن أمکنه أن یحضر الجمعة و یبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلافلا، قال فی البدائع: وهذا حسن".(فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۲، مصطفی البابی الحلبی، مصر) (وکذا فی البدائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما بیان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشیدیه)

(۲) "وقال ابن الهمام: و من کان من توابع المصر، فحکمه حکم أهل المصر فی وجوب الجمعة علیه .... قال فی البدائع: و هذا حسن، کذا فی الطرقات". (التعلیق الصبیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۳۷، مجلس اشاعة العلوم حیدر آباد دکن)

(۳) (التعلیق الصبیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۳۷، مجلس اشاعة العلوم حیدر آباد دکن)

کیا حرج ہے؟ جب کہ آج کل خراج یعنی مالگذاری وغیرہ بلاک ہی اپنے ملازم سے وصول کراتا ہے اور ہمارا بلاک لوریا میں ہے، اور بعض قریب کی بستیوں کا بلاک چنپٹیا میں ہے۔ مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علم الفقہ دوم، ص: ۱۴۵ میں لکھا ہے(۱): ''ہاں اگر کوئی گاؤں شہر سے اس قدر قریب ہو کہ وہاں سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص آئے تو دن ہی دن میں اپنے گھر واپس جاسکے تو ایسا مقام بھی مصر کے حکم میں ہے اور وہاں کے لوگوں پر بھی نماز جمعہ فرض ہے'' (شرح سفر السعادۃ)۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین فرسخ کا قول تو نقل کیا ہی ہے (۲)، نیز قدوری مطبع قیومی کانپور ۱۳۷۰ھ، میں "باب الصلوة الجمعة" کے اندر "أو فی مصلی المصر" پر حاشیہ یہ تحریر ہے:

"وفي تقدير الأفنية أقوالٌ قدرها بعضهم بميلين، و بعضهم بفرسخين، و بعضهم بغيره وبعضهم بمنتهى حد الصوت إذا صاح أو أذّن المؤذن، والمختار للفتوىٰ قول محمد أنه يحد بفرسخ"(۳)۔

اور فرسخ کا ترجمہ تین میل ہاشمی، اور بقول بعض بارہ ہزار گز ہے جو تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے، مصباح اللغات (۴) المنجد (۵)۔

ان تفصیلات کے بعد قدوری کے حاشیہ کے مطابق کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ کی نماز بدعتِ حسنہ ہے، اگر علماء سے بدظنی اور اختلاف سے بچنے کے لئے اس قول پر فتوی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اور اگر اس قول پر فتوی نہ دیا جائے تو بھی میری بستی جیسی اور دوسری بستیاں توابع مصر میں سے ہیں اور ان میں جمعہ واجب ہے، امام

---

(۱) (علم الفقه، کتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں حصہ دوم، ص: ۲۱۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "وعنه (أي أبي يوسف) أنها تجب في ثلاثة فراسخ". ((فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۴/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳)(المعتصر الضروري، حاشية مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۸)، ص: ۵۲، سعيد)

(۴) (مصباح اللغات عربی اردو، ذکرہ تحت لفظ "فرس"، ص: ۶۲۶، دار الاشاعت کراچی)

(۵)(المنجد عربی اردو، ذکرہ تحت لفظ "فرس"، ص: ۷۳۸، دار الاشاعت کراچی)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ توابع مصر تین فرسخ ہے، گویا نو میل ہاشمی، تک توابع مصر ہے، جب کہ چار چار انگریزی میل ہی پر لوریا اور چنپٹیا دونوں مصر ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق جسے قدوری کے حاشیہ پر فتویٰ دینے کے لئے مختار کہا گیا ہے کہ توابع مصر ایک فرسخ تک ہے یعنی تین میل ہاشمی جب کہ ساٹھی جو مصر ہے میری بستی سے کل دو میل انگریزی پر ہے اور لوریا اور چنپٹیا بھی ہاشمی تین میل سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

نیز حدیث ''الجمعة على من اواه الليل إلى أهله'' کی تشریح میں مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''قال المظهري رحمه الله تعالىٰ الخ'' سے تشریح کرتے ہوئے جو ''بهذا قال الإمام أبو حنيفة الخ'' کہا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق بھی میری بستی توابع مصر سے ہے، کیونکہ ایک آدمی چنپٹیا اور لوریا دونوں ہی مصر سے بآسانی جمعہ کی نماز پڑھ کر دن ہی دن میں لوٹ سکتا ہے اور میری بستی کا خراج بھی لوریا ہی میں جمع ہوتا ہے تو اس طرح میری بستی میں جمعہ کو واجب قرار دینا ہمارے تینوں ائمہ حضرات کے قول پر عمل کرنا ہے۔

اس کے باوجود اگر میری بستی میں جمعہ کے عدمِ وجوب یا جمعہ کے وجوب اور ادائیگی کی عدمِ صحت کا فتویٰ دیا جائے تو کچھ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے کیوں کہ اکابرین کا عمل اور ان سے عقیدت اس پر مجبور کرے گی اور کچھ لوگ ظہر کی نماز، اور دونوں جماعتیں تارکِ فرض قرار پائیں گی اور دونوں ہی جماعتیں ایک دوسرے کو تارکِ فرض اور فاسق تصور کریں گی۔

تو کیا اس عظیم فتنہ سے بچنے کے لئے اور حتی الامکان لوگوں کو معصیت سے بچانے کے لئے اور تینوں ائمۂ کرام کے قول پر عمل پیرا ہونے کے لئے میری بستی میں وجوبِ جمعہ اور صحت ادا کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جب کہ تمام متاخرین کا مفتی بہ قول بھی یہی ہے؟ اور پھر یہ کہ ہمارے یہاں دو بستیوں کے درمیان عموماً ایک کلومیٹر سے کم ہی فاصلہ ہے اور تقریباً عام بستیوں میں عام ضروریاتِ زندگی کے سامان بھی فراہم ہوتے ہیں۔ دیوبند کے اطراف وجوانب کی بستیوں کی طرح یہاں بستیاں نہیں ہیں۔

۲......ادائے جمعہ کی صحت کے لئے فقہاء نے جو شرائط لگائی ہیں وہ تمام شرائط ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں پائی جاتی ہیں، حتی کہ وہ شرائط دیوبند میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں، صاحبِ وقایہ نے ''السلطان أو نائبه''

8

کی شرط لگائی ہے(۱)، قدوری بھی رقم طراز ہیں: ''و لا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان"(۲)، صاحبِ شرح وقایہ بھی یوں تحریر فرماتے ہیں: " فعند البعض هو موضعٌ له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود" (۳)۔

اور ظاہر بات ہے کہ سلطان یا ایسا امیر اور قاضی جو احکامِ شرعیہ کو نافذ کرے اور حدود کو قائم کرے ہندوستان میں کہیں نہیں ہے، لہٰذا کسی شہر میں سلطان کا نائب بھی نہیں ہوگا تو پھر دیوبند یا ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں جمعہ کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اور اگر سلطان یا نائب سلطان اور امیر و قاضی کی تاویل ایسے شخص سے کی جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے، تو پھر مصر کی تعریف میں تاویل کر کے گاؤں اور بستیوں میں رہنے والوں کے شہروں سے تعلقات آمد و رفت کی کثرت کاروباری سلسلہ میں لین دین، رہن سہن، گفتگو، کھانا پینا، تعلیم و شناخت و کلچر میں یکسانیت کے سبب ان تمام بستیوں کو مصر میں شمار کر لینے میں کیا حرج ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آ رہی ہے؟ جب کہ اس میں ایک مصلحت یعنی عظیم فتنہ سے بچاؤ بھی ہے جس کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۳...... اکابرین حضرات کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ادائے جمعہ کی صحت کی بعض شرائط کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً صحتِ ادا کے لئے سلطان یا نائب سلطان یا احکام شرعیہ کو نافذ کرنے والے اور حدود قائم کرنے والے امیر یا قاضی کی شرط لگائی ہے مگر اکابرین کے فتاویٰ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم سوال نمبر: ۲۳۴۲، الجواب: ''دیہات دو قسم کے ہیں: قریہ کبیرہ اور قریہ صغیرہ، قریہ کبیرہ بحکمِ قصبہ و شہر قرار دیکر فقہاء نے اس میں وجوب جمعہ کا فتویٰ دیا ہے، کما فی الشامی الخ"(٤)۔

نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم، سوال نمبر: ۲۳۵۷، الجواب: ''اگر وہ دونوں گاؤں عرف میں ایک ہیں اور

---

(۱) "وشرط لأدائها المصر .... فعند البعض هو موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود .... والسلطان أو نائبه الخ". (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعيد)

(۲) (مختصر القدوری مع اللباب، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۱۱۳، قديمی)

(۳) (شرح الوقاية، المصدر السابق، الحاشية رقمها: ۱۹)

(۴) (فتاوی دار العلوم دیوبند، الباب الخامس عشر فی صلاة الجمعة، (رقم السوال: ۲۳۴۲): ۴۸/۵، دار الاشاعت کراچی)

ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے، "کمافی الشامی الخ"(۱)۔

ان فتاوی میں سلطان، نائبِ سلطان، امیر قاضی کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے، شرط صرف آبادی کی مقدار ہے تو اگر ماقبل میں اشارہ کردہ فتنۂ عظیم سے بچنے کے لئے مصر ہونے کی شرط بھی ہٹا کر بستیوں میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ ادا کا فتوی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ جب کہ بہت سی بستیوں میں ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجاد رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا ریاض احمد صاحب سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند اور دوسرے اکابرین نے بھی جمعہ کی بھی نماز پڑھی ہے۔ جواز کا فتوی دینے سے ان حضرات سے بدظنی بھی نہیں ہوگی، علماء کا وقار اور شریعت کی اہمیت بھی مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہ جائے گی۔

۴......مسائل کے سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول آپ کے یہاں معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر نہیں ہے تو مطلع فرمایا جائے اور اگر معتبر ہے تو فتنہ سے بچنے کے لئے عذر کی وجہ سے دیہات کی بستیوں میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ ادا کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر فتوی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ملاحظہ ہو فتاوی رشیدیہ، مطبوعہ: جید برقی پریس، بلیماران دہلی، ۱۳۴۸ھ:

مسئلہ: " مذاہب سب حق ہیں، مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر عند الضرورۃ عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجتِ شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں، سب مذاہب کو حق جانے کسی پر طعن نہ کرے سب کو اپنا امام جانے"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اتنی بات تو متفقہ طور پر مسلّم ہے کہ جمعہ صلواتِ خمسہ کی طرح نہیں، کہ آبادی میں، جنگل میں، زمین میں، ریل میں، کشتی میں، تنہا، جماعت کے ساتھ ادا، قضاء ہر طرح درست ہو سکے بلکہ اس کے لئے کچھ

(۱) (فتاوی دار العلوم ديوبند، الباب الخامس عشر في صلاة الجمعة، رقم السوال: ۲۳۵۷): ۵/۵۶، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، تقلید اور اجتہاد کے مسائل، ملفوظات، ملفوظ نمبر:۱، ص: ۲۰۹، ادارہ اسلامیات لاهور)

خصوصی شرائط ہیں، جگہ بھی اس کے لئے ایسی ہوگی جس میں کچھ خصوصیات ہوں گی:

"واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي و من أهل الأعراب، اهـ". أحكام القرآن: ٤٤٥/٣(١)۔

اس کے لئے تمدن کو سب ہی حضرات نے شرط قرار دیا ہے:

"وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة و نوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤ ه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان و لا يؤاخذون أهل البدو و لا يقام في عهدهم في البدو وفهموا من ذلك قرناً بعد قرن وعصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن، اهـ". حجة الله البالغة: ٢٨/٢(٢)۔

اس نوع من التمدن کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، مصر یا قریہ کبیرہ یا قصبہ کو فقہاء نے جواز جمعہ کے لئے شرط قرار دیا ہے، وہ درحقیقت اس نوع من التمدن کی تحقیق کے لئے ہے۔ مصر کی تعریفات بہت مختلف ملتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تعریفات بالکل نہیں کہ ذاتیات وجنس وفصل کے ذریعہ ان کو حد تام قرار دیا جائے، بلکہ درحقیقت علامات کے ذریعہ تقریب الی الفہم مقصود ہے، عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے، پس زمان ومکان دونوں ہی مؤثر ہیں (۳)۔

---

(١) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، پ: ٢٨، فصل: ٦٢٢/٣، قديمي كتب خانه كراچي)

(٢) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ٦٧/٢، قديمي كتب خانه)

(٣) "و ليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ١٩٩/١، مكتبه يحيويه سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ٣٢٩/٢، ديوبند)

ایک علاقہ میں جو علاماتِ مصر ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے علاقہ میں بھی وہی علامات ہوں، آج کل ہمارے اطراف میں عمومی علامات یہ ہیں: پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفا خانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول ہو، مستقل دوکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچایتی نظام ہو، آس پاس کے دیہات اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں اور اس مقام کو قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جاتا ہو، مردم شماری کے لحاظ سے کوئی خاص عدد لازم نہیں۔ یہ علامات کچھ مدت پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں ہوتی تھیں، اب تمدن تیزی سے ترقی کررہا ہے، اب اس سے کم آبادی میں بھی یہ علامات جمع ہوجاتی ہیں، بعض بستیوں کی آبادی دو ہزار ہے اس میں بھی یہ علامات موجود ہیں، بعض میں نہیں۔

آپ نے جو تعریف نقل کی ہے:"ما لا يسع أكبر مساجده أهله" اس پر طحطاوی سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے: "هذا يصدق على كثيرٍ من القرى". ۱/۵۳۶(۱)، نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:" وفيه إشكالٌ حيث لم يصدق على المساجد الثلاثة، اهـ" شرح النقاية: ۱/۱۲۳(۲)۔

غرر الأحکام اور درر الأحکام میں ہے: " و هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله يعني من يجب عليه الجمعة لا مكانه مطلقاً أو ماله مفت، ذكره قاضي خان، وأمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، وكلا المعنيين منقول عن أبي يوسف. والأول اختيار الكرخي رحمه الله تعالى، والثاني اختار الثلجي، اهـ"(۳).

اس پر محشی شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الأحکام میں لکھا ہے:

"أقول: وعنه رواية ثالثة: هو كل موضع يسكن فيه عشر الاف نفر كما في العناية، وقيل: يوجد فيه عشرة الاف مقاتل، و في المصر أقوال أخر، اهـ"(٤).

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۲) (شرح النقاية للملا على القاري، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۱/۲۸۹، سعيد)

(۳) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۴) (لم أظفر على هذا الكتاب)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق:۱/۲۱۷، میں ہے:

”و هو كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، وهذا رواية عن أبي يوسف، و هو اختيار الكرخي، وعنه: أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لا يسعهم، و هو اختيار البلخي، وعنه: و هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وفيه فقيهٌ مفتٍ وقاضٍ يقيم الحدود، وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة الاف مقاتل، وقيل: أن يكون أهله بحال لوقصدهم عدو يمكنهم دفعه، وقيل: أن يكون بحال يعيش فيه كل محترف بحرفته من سَنَة إلى سَنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرى اهـ. وعن محمد كل موضع مصّره الإمام، فهو مصرٌ، حتى لو بعث إلى قرية نائباً لإقامة الحدود والقصاص يصير المصر، فإذا عزله يلحق بالقرىٰ، اهـ“(۱)۔

اتنی مختلف تعریفات اس وجہ سے ہیں کہ یہ علامات وعوارض ذاتیات ہیں۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جوتعریف منقول ہے وہ یہ ہے:

”عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح“. بدائع:۲/۲۶۲(۲)، زيلعي:۱/۲۱۷ (۳)، ردالمحتار:۱/۵۳۶(٤)، شرح نقايه:۱/۱۲۳ (۵)، غنية المستملي:۵۱۱ (٦)، غنية ذوي

(۱) (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۲۳، ۵۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳)(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۵) (شرح النقاية للملا علي القاري، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة ۱/۲۸۹، سعيد)

(٦) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

الأحکام للشرنبلالی: ۱/۱۲۶ (۱)، فتح القدیر: ۱/۴۱۰ (۲)۔

علامہ حلبی نے مختلف تعریفات نقل کرکے بطورِ فیصلہ لکھا ہے: "فالحاصل أن أصح الحدود ما ذکرہ في التحفة، اھ". (۳)۔

یعنی بدائع کی نقل کردہ تعریف اصح ہے۔

توابعِ مصر کے متعلق امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے نقل کرکے آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے کہ (آپ کی بستی میں جمعہ درست ہو) وہ خود ان کی تصریحات کے خلاف ہے، وہ تو یہ کہتے ہیں:

"إن أمکنه أن یحضر الجمعة و یبیت بأهله من غیر تکلف، تجب علیه الجمعة، وإلا فلا، و هذا حسن، اھ". بدائع: ۲/۶۶۳ (۴)۔

یعنی مصر کا رہنے والا اگر جمعہ کے لئے حاضر ہوکر جمعہ ادا کرکے بلاتکلف اپنے مکان واپس جاسکتا ہو تو مصر میں حاضر ہوکر اس پر جمعہ ادا کرنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ مصر سے ایک میل، دو میل، تین میل، چھ میل، تین فرسخ، پر رہتا ہو تو وہیں جمعہ ادا کرے، بلکہ ان سب اقوال میں سے کسی کے قول کی بناء پر اپنے ذمہ جمعہ کو واجب سمجھتا ہو تو وہ مصر میں جاکر جمعہ ادا کرلیا کرے۔

غنیۃ شرح منیہ، ص: ۵۱۳، میں ہے:

"و من کان مقیماً في أطراف المصر لیس بینه و بین المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة علیه وإن کان یسمع النداء. والغلوة المیل والأمیال لیس بشيء، کذا روی الفقیه أبوجعفر عن أبي حنیفة وأبي یوسف، وهو اختیار شمس الأئمة الحلواني، کذا في فتاوی قاضي خان، اھ"(۵)۔

---

(۱) (لم أظفر علی هذا الکتاب)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۲، مصطفی البابي الحلبي، مصر)

(۳) (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۴) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشیدیه)

(۵) اصل اس طرح ہے: "لیس بینه و بین المصر فرجة بل الأبنیة متصلة إلیه، فعلیه الجمعة وإن کان بینه و بین المصر فرجة من المزارع .... والغلوة والمیل الخ". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

جس جگہ شرائطِ جمعہ موجود نہ ہوں اور وہاں جمعہ ہو رہا ہو تو نہایت دلسوزی ہمدردی نرمی سے لوگوں کو مسئلہ بتایا جائے کہ آپ حکم خداوندی سمجھ کر خدائے پاک کو راضی کرنے کے لئے اور اپنی آخرت درست کرنے کے لئے جمعہ پڑھتے ہیں لہٰذا حکمِ شرعی کے تحت تحقیق کی ضرورت ہے، جیسے کہ جمعرات کو جمعہ نہیں پڑھا جا سکتا، ریل میں، جہاز میں نہیں پڑھا جا سکتا، بلا خطبہ و بلا جماعت نہیں پڑھا جا سکتا اسی طرح چھوٹے گاؤں میں بھی نہیں پڑھا جا سکتا(۱)، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا، نہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھا(۲) وغیرہ وغیرہ۔ پھر جو لوگ نہ مانیں ضد کریں، ان کے درپے ہونے اور ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔

۲..... فقہاء نے خود اس کے متعلق صراحت فرمادی ہے:" وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص: ۳۰۵(۳)۔

---

(۱)

و حرٌّ صحيحٌ بالبلوغ مذكرٌ مقيمٌ و ذو عقلٍ لشرط وجوبها

و مصر و سلطان ووقت و خطبة وإذنٌ كذا جمع لشرط آدائها

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

(۲) "و كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، و لا يقام في عهدهم في البدو الخ".

(حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۷۶/۲، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۳) (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص:۵۰۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

اگر کہیں دارالاسلام میں بھی ایسی صورت پیش آجائے کہ استیذانِ سلطان نہ ہو سکے تو اس کے متعلق بھی جزئیہ موجود ہے:

" فأما إذا لم يكن إمامٌ بسبب الفتنة أو بسبب الموت و لم يحضر والٍ اٰخر بعدُ حتى حضرت الجمعة، ذكر الكرخي أنه لا بأس بأن يجمع الناس على رجل حتى يصل بهم الجمعة، وهكذا روى عن محمد، ذكره في العيون، لما روى عن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما حوصر، قدم الناس علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فصلى بهم الجمعة". كذا في بدائع الصنائع: ۲/۶۶۵(۱)۔

لہٰذا سلطان یا نائب سلطان کے موجود نہ ہونے سے جمعہ میں شبہ نہ کریں۔

۳.....اس کا جواب نمبر:۲ سے واضح ہے، اگر فقہاء نے قریہ صغیرہ وکبیرہ میں ہر جگہ اجازت دی ہو تو کسی کو روکنے کا حق نہیں، قریہ کبیرہ کو تو بحکمِ شہر وقصبہ فقہاء نے قرار دیا ہے، کیا قریہ صغیرہ کو بھی بحکمِ شہر وقصبہ قرار دیدیا ہے؟ اگر اس کی کہیں صراحت ہو تو تحریر فرمائیں، اس سے بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ ابتداءً دو بستیاں جداگانہ ہوں پھر آبادی بڑھتے بڑھتے دونوں آپس میں اس طرح متصل ہو جائیں کہ ان میں فرق نہ رہے ایک ہی معلوم ہوں تو ان کو ایک کہنا درست ہوگا (۲)۔ اگر مصر اور حکمِ مصر کی شرط ہٹا کر ہر بستی میں جمعہ کے وجوب کا حکم لگایا جائے تو یہ مستقل شریعت ہوگی اور حکم لگانے والا شارع ہونے کا مدعی ہوگا اور یہ حکم ایسا ہوگا کہ تمام امت کے خلاف ہوگا، خود حدیث پاک کے بھی خلاف ہوگا جس کو وحی غیر متلو کی حیثیت حاصل ہے (۳)۔ کیا حضرت مولانا محمد سجاد صاحب اور حضرت مولانا ریاض احمد صاحب نے ہر چھوٹی بڑی

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۸/۱، رشيديه)

(و كذا في عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۱۹۱/۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) " من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة، بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۵/۱، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي) .... =

بستی میں جواز جمعہ کا فتوی دیا ہے؟ جس بستی میں انہوں نے جمعہ پڑھا ہے اس کا حال معلوم نہیں، لہذا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

۴......حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ان کے فتاویٰ کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح و معتبر ہے، چنانچہ زوجۂ مفقود کے متعلق دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ دیا جاتا ہے، کیوں کہ وہاں ضرورت متحقق ہے، مسئلہ زیر بحث میں اول تو ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کیا جائے، دوسرے وہ کون سے امام ہیں جن کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کا وجوب ہے، جس غلط علم یا عمل میں لوگ مبتلا ہیں اس کی اصلاح کی جائے، یہ ہے اصلی علاج، نہ کہ ان کی خاطر غلط فتوی دے کر ان کی غلطی کو مستحکم کیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

احناف نے جمعہ کے لئے مصر کی شرط کیوں لگادی؟

سوال[۳۶۹۸]: ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں اور جمعہ سب کا سردار مانا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی بہت فضیلتیں بتلائی ہیں اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف زیادہ پڑھا کرو کیونکہ اس دن درود پڑھنے کے زیادہ فضائل ہیں(۱) اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ اور

= "قال الملاعلي القاري تحت هذا الحديث: "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل، وانتهى، وشاع، و ظهر ظهور المحسوس، بحيث لا يخفى على كل ذى بصر و بصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضي؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً، فعلى هذا يناسب أن يقال: .... فذالك الشخص ناقص مردود عن جنابنا مطرود عن بابنا". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا عليّ من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة عليّ". قال: قالوا: يارسول الله وكيف تُعرض صلوتنا عليك وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت. قال: "إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، امداديه، ملتان)

جماعت کی نماز نہ پڑھے تو وہ دوزخی ہے اور خود حق تعالیٰ شانہ نے بھی جمعہ کی تاکید کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن سرمہ تیل خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد میں آؤ اور مسجدوں میں خوشبو جلاؤ (۱) تو جب جمعہ کی اتنی فضیلتیں ہماری شریعت نے بتلائی ہیں تو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے پڑھنے میں مصر ہونے کی شرط کیوں لگادی؟ مقصد تنقید نہیں بلکہ سمجھنا ہے۔ سنا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جہاں چالیس گھر ہوں وہیں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ جب ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں تو کیا ہم اور

---

(۱) "قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة، فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع، ذلكم خيرلكم إن كنتم تعلمون﴾ (سورة الجمعة: ۹)

"واختلف رجل إلى ابن عباس يسأله عن رجل مات لم يكن يشهد الجمعة والجماعة، فقال: "في النار". فلم يزل يتردد إليه شهراً يسأله عن ذلك، وهو يقول: "في النار". (إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الصلوة ومهماتها، الباب الخامس: ۳/۳۴۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

"عن سلمان الفارسي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر ما استطاع من طهر ويدهن من دهنه أو يمسه من طيب بينه، ثم يخرج، فلا يفرق بين اثنين، ثم يصلي ما كتب له، ثم ينصت إذا تكلم الإمام، إلا غفرله مابينه ومابين الجمعة الأخرى". (الصحيح للبخاري، كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة: ۱/۱۲۱، قديمي)

(وكذا في اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الصلوة ومهماتها، الباب الخامس: ۳/۴۰۸)

(وكذا في السنن الكبرىٰ، كتاب الجمعة، باب السنة في التنظيف يوم الجمعة بغسل: ۳/۳۴۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان إذا استجمر استجمر للجمعة بعود غير مطر وعلا عليه بالكافور، ويقول: هذا بخور رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (السنن الكبرى، كتاب الجمعة، باب كيف يستجمر للجمعة: ۳/۳۴۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

"أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أمر أن يجمر مسجد المدينة كل جمعة حين ينتصف النهار، قلت، ولذلك سمي نعيم المجمر". (زادالمعاد، فصل هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، الخامسة عشرة، ص: ۱۴۴، دارالفكر)

ائمہ کے مذہب پر چل سکتے ہیں، کیا سب ائمہ کا اتباع کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز بھی بڑی فضیلت والی نماز ہے، ہجرت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر مدینہ طیبہ میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا، جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو بنو عمرو کی بستی میں قیام فرمایا، جہاں جمعہ کا وقت بھی آیا اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، پڑھنا چاہتے تو پڑھ سکتے تھے، مگر وہ چھوٹی بستی تھی اس لئے وہاں جمعہ نہیں ادا فرمایا(۱)۔ عرفات میں بہت بڑا مجمع اہلِ اسلام کا موجود تھا وہاں جمعہ نہیں پڑھا(۲)۔ دو میل، تین میل، چار میل، پانچ میل، چھ میل تک سے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے مدینہ میں آتے تھے، جو نہیں آئے ان سے مطالبہ نہیں کیا کہ تم کیوں جمعہ پڑھنے نہیں آئے، نہ یہ فرمایا کہ اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ پڑھا کرو(۳)۔

---

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثِروا عليّ من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة عليّ". قال: قالوا: يارسول الله وكيف تُعرض صلوتنا عليك وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت. قال: "إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، امداديه، ملتان)

(۲) "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لماها جرإلى المدينة، أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة الخ-، أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين، -كما في البخاري على نسخها- ووقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمّعوا فيها .... فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

(۳) "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقف بعرفات في حجة الوداع يوم الجمعة، لم يصل الجمعة فيها، بل صلى فيها الظهر". (بذل المجهود، تفريع أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه)

حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''جمعہ اور عید کی نماز شہر میں ہے گاؤں میں نہیں''(۱)۔ ان کے علاوہ دوسری بھی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کے متعلق سخت شرط ہے(۲)، وہ یہ کہ اگر چالیس آدمی جماعت میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہو سکے گی، بشرطیکہ بستی بڑی ہو(۳)۔ حنفی کو اس مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۶ھ۔

جمعہ فی القری

سوال[۳۶۹۹]: زید کہتا ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور خالد کہتا ہے کہ پڑھنا چاہئے کیونکہ کہ نہ پڑھنے سے اور تمام لوگ اور نماز سے بھی غفلت کرتے ہیں اور نماز چھوڑ دیتے ہیں جس کا واحد سبب ترکِ جمعہ ہے۔ تو یہ قولِ خالد دیہات میں جواز جمعہ کا باعث بن سکتا ہے یا نہیں؟ نیز شرائطِ جمعہ کیا ہیں؟ اور اگر جمعہ بند کرادیں، تو بند کرادینے کی وجہ سے لوگوں نے نماز ترک کردی تو بند کرانے والا گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

اظہارالدین فیض آبادی، متعلم مدرسہ ہذا۔

---

(۱) ''عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم أنها قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی''. (سنن أبی داؤد، باب من یجب علیه الجمعة: ۱/۱۸۵، مکتبه امدادیه)

(۲) ''عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: لاجمعة ولا تشریق إلافی مصر جامع''. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم الجواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) ''مسألة: اختلف علماء الإسلام فی العدد الذی تنعقد به الجمعة علی أربعة عشر قولاً......

العاشر: أربعون أحدهم الإمام، وبه قال عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة، وعمر بن عبدالعزیز، والشافعی، وأحمد، وإسحق، حکاه عنهم فی شرح المذهب''. (الحاوی للفتاویٰ للسیوطی، کتاب الصلاة، ضوء الشمعة فی عدد الجمعة: ۱/۷۵، ۷۶، دارالفکر، بیروت)

(۴) ''لیس للعامی أن یتحول من مذهب إلی مذهب ویستوی فیه الحنفی والشافعی''. (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۸۰، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا قول عندالاحناف صحیح ودرست ہے، خالد کا قول صحیح نہیں۔ اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً وعظ، تبلیغ سے اگر کام نہ چلے تو انجمنیں قائم کی جائیں، اوراس میں تارک صلوۃ کے لئے مختلف سزائیں مقرر کردی جائیں، مثلاً تارکِ صلوۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ان کو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے؟ اگر اقامتِ جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا، اس کا بھی خالد نے کوئی انتظام تجویز کیا؟

فی مراقی الفلاح: "و لقوله عليه السلام: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة". و لهذا لم ينقل عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجُمُع إلا فى الأمصار دون القرى، و لو كان لنفل و لو آحاداً فلا بد من الإقامة بمصر". قال الطحطاوى: "وكذا لم ينقل أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بإقامة الجمعة فى قرى المدينة على كثرتها"(۱)۔ فى الهداية: ۱۴۸/۱: "لاتصح الجمعة إلا فى مصر جامع أو فى مصلى المصر، ولا تجوز فى القرى لقوله عليه السلام: "لاجمعة ولا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع"(۲)۔

"إذن، مصر، سلطان، وقت، خطبة، أذان، كذا جمع شرط أدائها، ردالمحتار: ۸۳۵/۱(۳)۔ ان شروط میں سے ایک بھی فوت ہوجائے گی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۴، ۵۰۵، قديمى)

(۲) (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) العبارة بتمامها

وحرٌّ صحيحٌ بالبلوغ مذكرٌ — مقيمٌ و ذو عقل لشرط وجوبها

و مصرٌ و سلطان و وقت و خطبةٌ — وإذنٌ كذا جمع لشرط أدائها

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

ناجائز فعل کے منع کرنے سے اگر کوئی شخص دوسرے ناجائز کام میں مبتلا ہو جائے تو منع کرنے والے کو کچھ گناہ نہ ہوگا، البتہ منع کرنے والے کو یہ ضروری ہے کہ اقامتِ جمعہ فی القری کو منہی عنہ بتلا کر دیگر صلوات کی سخت تاکید وترک پر وعید خوب ذہن نشین کرادیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/۵۲ھ۔

اعتراض بر جواب مذکورہ بالا

سوال [۳۷۰۰]: گزارش یہ ہے کہ فتوی مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صحت جمعہ کے شرائط میں مصر وسلطان ہے، اس پر عام طور سے جہلاء کو بھی اعتراض ہے کہ اگر سلطان صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے تو پھر ہندوستان میں اوران مواقع میں جمعہ کیوں کر صحیح ہے جہاں سلطان نہیں ہے، حالانکہ تمام علمائے احناف کا عمل ہے کہ وہ بلادِ ہند میں بلاتکلف قیامِ جمعہ فرماتے ہیں، باوجودیکہ سلطان شرط ہے اور وہ مفقود ہے تو جمعہ کیوں کر صحیح ہے؟ نیز یہ کہ اثر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عامی پڑھے لکھے کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اول تو یہ موقوف ہے، دوسرے یہ کہ اس میں مصر جامع مذکور ہے اور مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف اس قدر وسیع ہے کہ جس سے علمائے احناف بھی خلجان میں ہیں۔ نیز یہ کہ مصر کو اثر میں مقید کیا گیا ہے لفظ ''جامع'' کے ساتھ، اس سے کیا غرض ہے؟ امید کہ محقق مصر کی تعریف سے اور امور مذکورہ سے مفصل اور مدلل تسلی بخش جواب مرحمت فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۂ سوال یہ چند امور ہیں:

اول: صحتِ جمعہ کے لئے سلطان شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے، پھر جمعہ کیسے صحیح ہوتا ہے؟

دوم: عدمِ جوازِ جمعہ پر جو دلیل ہے وہ اثر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حدیث مرفوع نہیں۔

سوم: مصر کی تعریف میں احناف کا اختلاف ہے، صحیح تعریف کیا ہے، مصر کے ساتھ ''جامع'' کی قید ہے اس سے کیا فائدہ؟

امر اول: کے متعلق عرض ہے کہ یہ شرط دار الاسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جس جگہ مسلمانوں پر کفار کا

غلبہ ہو وہاں پر اقامتِ صلوۃ جمعہ کے لئے سلطان کا ہونا شرط نہیں بلکہ مسلمان جس پر جمع ہو کر اپنا امام مقرر کرلیں گے تو اس کا جمعہ پڑھ دینا صحیح ہوگا۔

"وإذا لم يمكن استيذان السلطان لموته أو فتنة، واجتمع الناس على رجل، فصلى بهم للضرورة كما فعل على رضى الله تعالىٰ عنه فى محاصرة عثمان رضى الله تعالىٰ عنه. وإن فعلوا ذلك لغير ما ذُكر، لا يجوز لعدم الضرورة، و روى ذلك عن محمد فى العيون، وهو الصحيح. وفى مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوىٰ: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجُمَع والأعياد، و يصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ". طحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۲۹٤(۱)، هكذا فى الفتاوى العالمكيرية (۲) وغيرها من كتب الفقه۔

امرِ ثانی کے متعلق عرض ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے املاء میں اس کو مسند و مرفوع نقل کیا ہے، امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرفوع نقل کیا ہے اور دوسرے بعض محدثین نے موقوف نقل کیا ہے، کذا فى الأوجز:

"و من المرجحات لقول الحنفية قوله عليه السلام: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع". للحديث المشهور ذكره أبو يوسف فى الإملاء مسنداً مرفوعاً و هو إمام فى الحديث والفقه، فلا يضره وقف من وقفه، سيما إذ هو من شيوخ مشايخ البخارى، وقال العينى: فى شرح البخارى إن أبا زيد زعم فى الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة ابن مالك رضى الله تعالىٰ عنهما"(۳)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۷، قديمى)

(۲) "بلاد عليها وُلاة كفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱/۱٤۶، رشيديه)

(۳) (أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالک، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فى السفر: ۲/۲٤۵، تاليفات اشرفيه، ملتان)

نیز غیر مدرک بالقیاس میں قول صحابی حکم میں مرفوع حدیث کے ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دیہات میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان۔ روایات اورآثار کی تفصیل بذل (۱) واوجز (۲) واحسن القری (۳) وغیرہ میں ہے۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة".

"قلت: وأصرح من ذلک أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة قال يعقوب بن عبد الله في معجم البلدان: قبا: بالضم، وأصلة اسم بير هناک، عرفت القرى بها، وهي مساكن بني عمرو بن عوف، - أربعة عشر يوماً أو أربعةً و عشرين،- كما في البخاري على نسخها- و وقعت الجمعة في أثنائها و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة و لم يأمرهم أن يجمّعوا فيها، و سار يوم الجمعة يريد المدينة، فجمع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج -وهي محلة من المدينة- فكانت أول جمعة جمّعت في الإسلام. فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة كما أن البراري ليست محل إقامتها. وقد ثبت برواية مسلم أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لما وقف بعرفات في حجة الوداع يوم الجمعة، لم يصل الجمعة فيها بل صلى فيها الظهر". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه ملتان)

[تنبيه]: ذكر الشيخ خليل احمد السهارنفوري رحمه الله تعالیٰ هذا الحديث في البذل بطرق متعددة وبحث عنه فيه بحثاً طويلاً.

(۲) "عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن......... فهذه كلها بمنزلة النص على عدم جواز الجمعة في القرية؛ لأنها لوجازت فيها الجمعة، لما احتاجت هؤلاء إلى مجئ المدن والأمصار، وبعضها أصرح من بعض". (أوجز المسالک على مؤطا إمام مالک، كتاب الصلوة، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۳) راجع للتفصيل: (أحسن القرى في توضيح أوثق العرى، تأليف شيخ الهند محمود حسن رحمه الله تعالیٰ)

8

مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ ہے:

”و ظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير و قاض يقدر على إقامة الحدود“.

درمختار: ۷٤٨/١۔

قال الشامي تحته: ”في التحفة: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح، إلا أن صاحب الهداية ترك ذكر السكك و الرساتيق؛ لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شانه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلافي بلدٍ كذا، اهـ“(١)۔

مصر کے ساتھ ”جامع“ کی قید صفتِ موضحہ ہے جیسا کہ مدینہ کے ساتھ ”عظیمہ“ کی قید وارد ہے، کسی دوسری شی سے احتراز مقصود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۸/۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۵۲ھ۔

قریہ کبیرہ میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۰۱]: ایک قریہ ہے جس کی آبادی ۳۵۰۰/ ہزار ہے اور بیس دوکانیں ہیں جن سے ضروریات کی اشیاء مہیا ہوتی ہیں، قریہ مذکورہ میں سترہ مساجد ہیں، لیکن یہ بھی اہلِ قریہ کے لئے ناکافی ہیں، یعنی اگر سب لوگ نماز پڑھیں تو ان مساجد میں نہیں سماسکتے۔ ایسے قریہ کے بارے میں مفتیانِ کرام کیا فرماتے ہیں، آیا جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو حدیث مندرجہ ذیل کا کیا مطلب ہے: ”لا جمعة و لا تشريق ولا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة“. اور مصر جامع کی کیا تعریف ہے؟

المستفتی: زاہد حسین کشمیری، ۲۱/ شوال۔

---

(١) (رد المحتار، باب الجمعة: ١٣٧/٢، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجمعة: ٢٢٥/٢، ٢٢٦، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوکانوں کی تعداد، مساجد کی کثرت، آبادی کے شمار کے لحاظ سے یہ بڑی بستی ہے، عامۃً ایسی بستی میں روزمرہ کی حوائج پوری ہوجاتی ہیں اور کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش نہیں ہوتی، عرف میں اس کو قریۂ کبیرہ کہتے ہیں جو کہ قصبہ کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ جائز ہے اور حدیث شریف میں جو ممانعت مذکور ہے اس سے قریہ صغیرہ مراد ہے:

"(و يشترط لصحتها الخ) عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، اهـ". شامی، ص: ۵۳۶(۱)۔

یہ تو مصر کی علامات بتائی گئی ہیں قصبات اور قریٰ کبیرہ کو بھی صحتِ جمعہ کے لئے شہر کے تابع قرار دیا گیا:

"و تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق، اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۲)۔

البتہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں وہاں جمعہ کے دن بھی ظہر لازم ہے:"وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض .... والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجوهرة: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر، اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۹ھ۔

جمعہ فی القریٰ

سوال[۳۷۰۲]: ایک موضع جس کی کل آبادی تقریباً سوا دو ہزار ہے یا کچھ زائد، ایک چھوٹا بازار لگتا

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)
(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶ رشيديه)
(كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)
(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)
(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)
(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

ہے، ڈاکخانہ بھی ہے، ضروریات کی چیزیں بھی اکثر مل جاتی ہیں، یہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو، تین چار ہزار کی آبادی ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال[۳۷۰۳]: گاؤں یا قصبہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کم از کم مسلمانوں کی آبادی کتنی ہونی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں، یا برابر، یا زائد (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث و هذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (أحسن القرى في توضيح أوثق العرى، تأليف شيخ الهند حضرت مولانا محمود حسن رحمه الله تعالیٰ)

(۲) "عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه. ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل =

ایضاً

سوال[۳۷۰۴]: ہندوستان کے قریب قریب تمام گاؤں میں اہتمام کے ساتھ نماز جمعہ رائج ہے، مگر فتاوی امدادیہ کی رو سے ممنوع و ناجائز ہے(۱)، پھر بھی علمائے کرام اس کو جائز کئے ہوئے ہیں اور خود پڑھاتے بھی ہیں، اگر مجھ جیسا انسان منع کرے یا جمعہ کی نماز وہاں ترک کرے تو سبھوں کی نظروں میں ذلیل اور برا سمجھا جائے ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(الف) اور وہ علماء یا عوام جمعہ کی نماز کو کس مسئلہ کے تحت جائز کئے ہوئے ہیں؟

(ب) اور یہاں کے جن لوگوں نے نماز جمعہ پڑھ لی کیا ان کے ذمہ سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں جمعہ کے شرائط نہ ہوں وہاں جمعہ پڑھنا مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، وہاں ظہر پڑھنا

= المدائن". (أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، إداره تاليف اشرفيه، ملتان)

"يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكک و أسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تالیف حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۱) (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۴۱۷، دار العلوم كراچى)

"أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة، أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة الخ-، أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين، -كما في البخاري على نسخها- ووقعت الجمعة في أثنائها و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، و لم يأمرهم أن يجمعوا فيها .... فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي)

ضروری ہے، اگر علماء وہاں جمعہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں، ان کا اس میں اتباع نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہاں جمعہ نہ پڑھنے والے کو ذلیل سمجھیں تو سمجھا کریں، کسی کے ذلیل سمجھنے سے کوئی ذلیل نہیں ہوتا، ذلیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہو(۱)۔

(الف) یہ تو ان سے ہی پوچھنے کی بات ہے۔

(ب) بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۳۷۰۵]: استفتاء بخدمتِ اقدس والا مرتبت جناب مفتی صاحب زید مجدہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امر باعثِ تصدیعہ اینکہ آج کل مختلف دیہات ومضافات میں جانے آنے سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور سے قریٰ صغیرہ جن کی آبادی ۱۸۰۰/ یا دو ہزار ہو یا کچھ کم وبیش ہو اور نہ وہاں بازار ہوتا ہے نہ ہی روزمرہ کی دیگر ضروریات بسہولت بہم پہونچتی ہیں، لیکن جوازِ جمعہ کے فتاویٰ صادر ہو رہے ہیں حالانکہ علامہ شامی کی تصریح: "و تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق"(۳) سے صراحۃً بازار کی قید مفہوم ہوتی ہے، ہاں! اگر سوق کے لغوی معنی "جائے فروخت" لیکر "دوکان" مراد ہو اور پھر چونکہ اَسواق جمع قلت ہے، اس لئے پانچ سات مختلف دوکانوں کے پائے جانے سے بھی اسواق کا صدق ہوتا ہو تو بھی فرمایئے، آخر جب سوق کے معنی لغوی "بازار" بھی ہیں اور متعارف اہل لسان بھی ہیں تو اس کو متروک کیوں قرار دیا؟ حالانکہ اکابر کا طریق بھی اس کے خلاف ہے، جن میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب قابل ذکر ہیں۔ حضرت مذکورۃ الصدر کا اقدام "انسداد جمعات في القرى التي

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعز من تشآء و تذل من تشآء، بيدك الخير، إنك على كل شيء قدير﴾ (آل عمران: ۲۶)

(۲) "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، باب العيدين: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

أفتينا بجوازها في مثلها" معلوم ومشہور ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع اسلام نگر ضلع سہارنپور میں خود تشریف لیجا کر جمعہ بند کرایا حالانکہ وہاں کی آبادی تین ہزار ہے، پانچ مسجدیں ہیں، ہفتہ وار معمولی سی پینٹھ بھی لگتی ہے(۱)، لیکن بازار نہیں، یونہی چند مختلف دوکانیں ہیں اور عرف میں سب موضع اور گاؤں کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع بھیسانی اسلام پور جس کی آبادی ساڑھے تین ہزار ہے، پندرہ سولہ مختلف دوکانیں ہیں، سات مسجدیں ہیں اقامتِ جمعہ کی اجازت نہیں فرمائی، پھر یہ کہ حضرت! بھیسانی اسلام پور کی نوعیت آج کل جن دیہات میں فتوے جارہے ہیں ان سے بہت بلند ہے۔

نیز ﴿وذروا البيع﴾ (۲) بھی قابلِ غور ہے، چونکہ اول تو دیہات میں بیع وشراء نہیں اور اگر ہے تو کالعدم وہ مانع عن السعی نہیں، اس لئے یہ اس مقام کے لئے ہوسکتا ہے جس جگہ بازار ہوتا کہ چند دوکانیں بلکہ گاؤں کے لئے تو: "وذروا البيع والزراعة" مناسب تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ﴿يا أيها الذين آمنوا﴾ الاية (۳) یہ عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے۔ اور پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قباء میں جمعہ نہیں پڑھا (۴) حالانکہ چودہ یا چوبیس روز آپ کا قیام وہاں رہا۔ نیز ارشاد ہے: "لا جمعة و لا تشريق في القرى" (۵) تو یہ دونوں باتیں اس کے مخصوص منہ البعض ہونے کی مؤید ہیں۔ تو ایسی صورت

---

(۱) "پینٹھ: آٹھویں روز کا بازار (انوار اللغات تحت اللفظ پینٹھ: ۲/ ۹۲۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاهور)

(وكذا في فيروز اللغات، ص: ۳۳۳، فيروز سنز لميٹڈ، لاهور)

(۲) (سورة الجمعة: ۸)

(۳) (سورة الجمعة: ۹)

(۴) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة الخ-، أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين، -كما في البخاري على نسخها- ووقعت الجمعة في أثنائها، و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمعوا فيها الخ".

(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/ ۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

(۵) حدیث کی اصل عبارت اس طرح ہے: " لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/ ۱، إدارة القرآن كراچی)

میں دوبارہ جواز جمعہ عالمانہ بحث سے مستفید فرمائیں اور قریٰ کبیرہ اور اسواق کی تحقیق کہ ان کا مصداق و مفہوم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

سلیم اللہ لوہاروی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریاتِ روزمرہ، ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں، بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی، نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ عقیدہ رکھنا کہ فرض ادا ہوگیا (۱) نفل کے لئے اذان، اقامت، جماعت علیٰ سبیل التداعی (۲) نفل نماز میں قرأت بلا جہر (۳) نفل کے لئے خطبہ

---

(۱) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً، كما صرح به الملا علي القاري في شرح مشكوة المصابيح والحصكفي في الدر المختار و غيرهما". (مجموعة رسائل للشيخ عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۴، ادارة القرآن كراچي)

قال الطيبي: "و فيه أن من أصرّ على أمر مندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (المرقاة، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "صلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاةُ المرء في بيته إلا مكتوبة". قلت: و فيهما دلالة على كون الجماعة مختصةً بالفرض، وأما النوافل فالأصل فيها الإخفاء والانفراد، وإلا لم يكن فعلها في البيت أفضل .... فثبت أن الجماعة في النوافل خلاف الأصل، والأداء على خلاف الأصل لا يخلوا عن الكراهة، والجماعة في النوافل مكروهة". (إعلاء السنن، أبواب النوافل والسنن، باب كراهة الجماعة في النوافل الخ: ۷/۷۷، إدارة القرآن)

"و لا يصلي الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان: أي يكره على سبيل التداعي".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲. سعيد)

"التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره". (الفتاوى العالمكيرية، باب الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۳) "عن يحيى بن أبي كثير قال: قالوا: يا رسول الله! إن قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر".=

وغیرہ شرعی مفاسد ہیں، فرض کا ذمہ میں باقی رہ جانا مستقل مفسدۂ عظیمہ ہے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر و لا تجوز في القرى، اهـ".

ہدایہ(۱) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر علىٰ إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". کبیری(۲)۔

"وكره تحريماً لمعذورٍ ومسجونٍ ومسافرٍ أداء ظهر بجماعة في مصر"۔ "بخلاف القرىٰ؛ لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية. وفي المعراج عن المجتبى: من لا يجب عليه الجمعة لبُعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". درمختار و شامی(۳)۔

"و تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. و فيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترىٰ أن في الجوهرة: لو صلوا في القرىٰ، لزمهم

= قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر بالجهرية والسر بالسرية: ۹،۶/۴، إدارة القرآن کراچی)

"وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الواجبات الصلوة: ۷۲/۱، رشیدیه)

"(يُسرّ في غيرها) .... كمتنفل النهار) فإنه يُسرّ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في القرآءة: ۵۳۳/۱، سعيد)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۸، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

أداء الظهر، اهـ". شامی(۱)۔

دلائل وماخذ کی تفصیل مطلوب ہوتو أوثق القری،(۲) القول البدیع (۳) اوربذل المجهود(٤)، أوجز المسالك (٥) إعلاء السنن (٦) وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔مظاہرعلوم کا کوئی فتویٰ جواز الجمعة فی القری الصغیرة کے متعلق دیکھا ہوتو ضرور ارسال فرماویں، کیوں کہ ہمارے علم میں یہاں سے کوئی ایسا فتوی صادر نہیں ہوا۔

مصراورقصبہ کی تعریف عرفی چیز ہے جوعرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، نیز اس قدر عام ہے کہ بغیر تعریف کئے بھی عوام اور بے علم آدمی بھی جانتے ہیں کہ فلاں بستی چھوٹا گاؤں ہے اورفلاں بستی قصبہ ہے اور جو تعریف اس جواب میں بڑے گاؤں کی ذکر کی ہے اس سے مقصود أقرب إلی الفهم کرنا ہے(۷) یہ حدتام نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۶/ رجب/ ۶۹ھ۔

مظاہرعلوم سے جمعہ فی القریٰ کے متعلق فتاویٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوی کے مطابق جاتے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيديه)

(۲) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۳) (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع تاليف: حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۴) (بذل المجهود في حل أبي داؤد تاليف، حضرت مولانا خليل احمد سهارنفوری رحمه الله تعالىٰ كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۷۰، امداديه ملتان)

(۵) (أوجز المسلك شرح مؤطا إمام مالك، تاليف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ، افتتاح الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية في السفر يوم الجمعة: ۲/۲۴۴، ۲۴۵، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۶) (إعلاء السنن، تاليف العلامة ظفر احمد العثماني رحمه الله تعالىٰ، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، ۲، ۳، إدارة القرآن كراچی)

(۷) "و ليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، باب ما جاء في ترك الجمعة من =

ہیں، اگر کوئی فتویٰ آپ نے دیکھا ہے تو آپ دکھلایئے قیاس سے ایسی بات نہ کہنی چاہئے۔

فقط: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رجب/ ۶۹ھ۔

جمعہ فی القریٰ مفصل

سوال[۴۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب۔

المستفتیان: محمد شائق ومحمد فائق غفرلہما، ۱۱/ رمضان ۵۴ھ۔

الجواب:

جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مصفی شرح مؤطا میں لکھا ہے: "پس نمازِ جمعه دو رکعت است در وقتِ ظهر با جماعت عظیمه از مسلمین در قریه یا در شهر". نیز فرماتے ہیں: "پس بر جمعیکه بر اجتماعِ ایشان اسمِ قریه اطلاق بود جمعه واجب است"(۱)۔

اس پر ہم لوگوں کا عمل ہے، ہم لوگوں کے استاد مولانا محمد اسماعیل صاحب اپنے موضع ہی میں جو نہایت چھوٹا سا گاؤں ہے برابر جمعہ پڑھتے ہیں اور یہی مذہب ہے شوافع اور محدثین کا، جیسا کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ ص: ۱۵۱ میں لکھا ہے(۲)۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فاسعوا إلی ذکر اللّٰه﴾ (سورۂ جمعہ) چونکہ کلمہ ﴿فاسعوا﴾ الفاظِ عموم سے ہے، ہر مکلف کو عام حکم ہوتا ہے، ہر مکان، شہر، قصبہ، دیہات وغیرہ

= غیر عذر: ۱/ ۱۹۹، مکتبه یحیویه سهارنفور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/ ۳۲۹، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(۱) (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۳، مکتبه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(۲) (تالیفات رشیدیه مع فتاوی رشیدیه، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۴۵، اداره اسلامیات لاهور)

میں جہاں ہوں جمعہ پڑھیں، مرقاۃ (۱)۔ حدیث شریف میں ہے "الجمعة حق واجب علی کل مسلم" غلام، عورت، لڑکے، بیمار کو اس حدیث میں مستثنیٰ فرمایا ہے، ابوداؤد شریف (۲)۔

ایک حدیث میں ہے "رواح الجمعة واجب علی کل محتلم". نسائی (۳) ہر مسلمان مرد پر جمعہ واجب ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیہات میں جمعہ پڑھا ہے قریۂ بنی سالم میں، بیہقی میں "وھی قریة بین القبا و المدینة" تصریح ہے (۴)۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی دیہات میں نماز جمعہ پڑھی ہے جواثی میں، بخاری میں ہے "الجواثی من البحرین" (۵)۔ أبوداؤد میں تصریح ہے: "قریة من قری البحرین" (٦)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیہات میں نماز جمعہ برابر پڑھتے رہے ہیں اور اس کا حکم کرتے رہے، بخاری میں ہے (۷)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "زاویہ" میں

---

(۱) لم أجد في المرقاة عبارةً علی هذا المعنی". واللہ اعلم

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الجمعة حقٌ واجبٌ علی کل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبي أو مریض". (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/۱۶۰، مکتبه امدادیه ملتان)

(۳) (سنن النسائي، کتاب الجمعة، باب التشدید في التخلف: ۱/۲۰۳، قدیمی)

(۴) لم أظفر به.......... وقد قال: "قلت: في معجم البکري: جواثیٰ مدینةٌ بالبحرین لعبد القیس الخ". (السنن الکبری مع الجوهر النقي، کتاب الجمعة، باب العدد الخ: ۳/۱۷۶، إدارة تالیفات اشرفیه)

(۵) الحدیث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، قال: إن أول جمعة جُمّعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في مسجد عبد القیس بجواثیٰ من البحرین". (صحیح البخاري، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القری والمدن: ۱/۱۲۲، قدیمی)

(٦) الحدیث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، قال: إن أول جمعة جمّعت في الإسلام بعد جمعة في مسجد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.......... اهـ". (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة في القری: ۱/۱۶۰، امدادیه ملتان)

(۷) "قال یونس: کتب رزیق بن حکیم إلی ابن شهاب -وأنا معه یومئذٍ بوادي القری-: هل تری أن أجمّع؟ -و رزیق عامل علی أرض یعملها و فیها جماعة من السودان وغیرهم و رزیق یومئذ علی أیلة-،=

نماز پڑھا کرتے تھے جمعہ کی، زاویہ شہر بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی بستی ہے، جمعہ وعید اسی میں پڑھا کرتے تھے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ بحرین کو لکھا: "جمعوا حیث ما کنتم". جہاں رہو جمعہ پڑھو دیہات، شہر دونوں کو شامل ہے، فتح الباری (۲)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلِ میاہ کو اپنی اپنی بستیوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور ان پر کچھ انکار نہیں فرماتے تھے، تابعین اور اتباع تابعین وغیرہم بھی دیہات میں جمعہ پڑھتے تھے اور اس کا فتوی دیتے تھے، فتح الباری (۳)۔

"لا جمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع" قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا"۔ فتاوی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۴)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا آبِ زر سے لکھنے کے قابل اصول ہے: "جو حدیثیں حد تواتر کو پہونچ گئیں ہیں ان سے نسخ قرآن جائز ہے، اسی طرح حدیثِ مشہور سے زیادۃ علی الکتاب درست ہے مگر آحاد کے قبیل سے جو حدیثیں ہیں ان سے نہ تو نسخ قرآن مجید درست ہے اور نہ تخصیصِ عمومِ آیاتِ فرقان حمید جائز ہے، تخصیص بھی ایک قسم کا نسخ ہے"۔ حبل المتین شوق نیموی (۵)۔

= فكتب ابن شهاب، -وأنا اسمع يأمر ه-: أن يجمّع". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۲۲، قديمي)

(۱) "وكا ن انس رضي الله تعالىٰ عنه في قصره أحياناً يجمّع وأحياناً لا يجمّع، وهو بالزاوية على فرسخين". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتي الجمعة: ۱/۱۲۳، قديمي)

(۲) "وعن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه كتب إلى أهل البحرين: أن جمّعوا حيثما كنتم. وهذا يشمل المُدن والقرى". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۳۸۰، دار المعرفة بيروت)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمّعون، فلا يعيب عليهم". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۳۸۰، دار المعرفة)

(۴) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۲۹، إداره اسلاميات لاهور)

(۵) لم أظفر على هذا الكتاب، وقد ذكر المسئلة الملاجيون بلفظ: "و نسخ وصفٌ في الحكم بأن =

واضح رہے کہ ہم آیاتِ جمعہ سے عورت وغیرہ کا مخصوص ہونا عند الحنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ تسلیم نہیں کرتے، بنا بر اصولِ بالا تخصیص کے لئے بھی خبر مشہور کی ضرورت ہے۔ آپ پہلے ان احادیث کو جن میں عورت وغیرہ کا استثناء آیا ہے مشہور ہونا ثابت کریں تب عورت وغیرہ کی تخصیص پر کلام کریں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ عام مخصوص منہ البعض کی تخصیص عند الحنفیہ اخبارِ آحاد سے جائز ہے نہ آثارِ صحابہ سے، اور "لا جمعة ولا تشريق" (۱) قولِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہے کہ شہر کے سوا کسی گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، شہر کے قریب ہو خواہ بعید، گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا، عند الحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ منجملہ شرائط کے سلطان کا ہونا بھی ایک شرط ہے، ہدایہ (۲) مگر کسی وجہ سے سلطان کا حاضر ہونا متعذر ہو یا استیذان سے معذوری ہو تو یہ شرط بوجہٗ ضرورت ساقط ہو جاتی ہے عالمگیری (۳)۔

اسی طرح وہ اہلِ قریہ جو بوجہٗ بُعدِ مسافت شہر میں نماز جمعہ کے واسطے حاضر ہونے سے معذور ہیں، ان سے یہ شرط بوجہٗ معذوری ساقط ہے، ان لوگوں کو اپنے اپنے مقام میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے (۴) اور اکثر

= ينسخ عمومه و إطلاقه، و يبقى أصله، و ذلك مثل الزيادة على النص، كزيادة مسح الخفين على غسل الرجلين الثابت بالكتاب، فإن الكتاب يقتضي أن يكون الغسل هو الوظيفة للرجلين، سواء كان متحققاً، اولا. و الحديث المشهور نسخ هذا الإطلاق ،و قال: إنما الغسل إذا لم يكن لابس الخفين، فالآن صار الغسل بعض الوظيفة، فإنها نسخ عندنا .... فلا يجوز عندنا إلا بالخبر المتواتر والمشهور كسائر النسخ". (نور الأنوار، مبحث أقسام البيان، أقسام النسخ، ص: ۲۱۲، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال:" لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان الخ". (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "و لو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة، جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۶، رشيديه)

(۴) قریہ مذکورہ چار حال سے خالی نہیں، یا تو قریہ صغیرہ ہے یا قریہ کبیرہ یا مصر یا فنائے مصر ہے، پہلی صورت میں عند الاحناف نماز جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسری، تیسری اور چوتھی صورت میں مصر یا فنائے مصر کی شرط ساقط نہیں بلکہ یہ خود مصر ہے یا فنائے مصر ہے =

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فتوی دیا ہے کہ تمام ان دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے جہاں مسلمان مکلف اس قدر رہوں کہ وہاں کی بڑی مسجد میں گنجائش نہ ہوسکے (۱)۔ اب کیا جواب ہے اثرِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس میں چھوٹا بڑا ہونا گاؤں کا نہیں ہے، اگر بڑا گاؤں مصر ہے چھوٹا گاؤں بھی مصر ہے، حالانکہ قریہ قریہ ہے اور مصر مصر، کبھی مصر کی ایسی تعریف کرنا کہ بہت سے گاؤں بھی مصر ہو جائیں اور کبھی اتنا دائرہ تنگ کرنا کہ بہت سے شہروں کو بھی حدِ مصر سے خارج کر دینا کیا عقلمندی ہے؟ مکہ، مدینہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر نماز پڑھی عند الاحناف نماز جمعہ کے جائز ہونے میں شک اور تردد ہے، مرقاۃ میں ہے:

"واختلفوا في حد المصر اختلافاً كثيراً، قلّ ما يتفق وقوعه في بلادٍ، و لا تغترّ بقول من قال: إن كلا من الحرمين الشريفين مصر لصلوته عليه السلام فيهما؛ لأن الأوصاف تختلف باختلاف الأوقات، الخ" (۲)۔

=لہٰذا عند الاحناف بھی اس میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، ادارة القرآن كراچي)

"(ولأدائها شرائط في غير المصلي) ومنها: المصر، والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفتٍ و قاضٍ يقيم الحدود و ينفذ الأحكام و بلغت أبنيته أبنية مِنًى". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، سعيد)

"قال الكمال: وفناؤه (أي فناء المصر) هو المكان المعدّ لمصالح متصلاً به أو فصل بغلوة، كما قدّره محمد في النوادر، وهو المختار .... فإن الإمام لم يقدّر الفناء بمسافةٍ، وكذا جمعٌ من المحققين، وهو الذي لايُعدل عنه، فإن الفناء بحسب كبر المصر وصغره .... وبعضهم قدّره بفرسخ وفرسخين وثلاثة فراسخ. ثم قال الكمال: وقيل: بميل، وقيل بميلين وقيل: بثلاثة أميال، وقيل: إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه وبين المصر مزرعة". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(۱) "(و يشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر و هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها، وعليه فتوى أكثر الفقهاء". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه)

(۲) (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، (رقم الحديث: ۱۴۱۹): ۳/۵۱۳، رشيديه)

یا "لا جمعة" میں "لا" نفی کمال کی لے لیں، یا امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب لے لیں جیسا کہ قلتین کے بارے میں لیا ہے: " خبر القلتين صحيحٌ إسناده ثابت، و لكن تركناه؛ لأنا لا نعلم ما القلتان"(۱)۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں: أثر على رضى الله تعالىٰ عنه صحيح وإسناده ثابت، لكن لا نعلم ما المصر الجامع؛ لأنه روى إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة على الشك۔

اور جب اثرِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واثرِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تعارض ہوا تو ہم نے احادیثِ مرفوعہ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ بجز مریض، مسافر لڑکے، عورت، غلام ہر مسلمان پر جو بالغ عاقل ہو جمعہ فرض ہے شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا(۲)۔

الجواب صحیح: واللہ تعالیٰ اعلم، فقیر محمد نور الحسن بقلم خود۔ ۱۳/ رمضان/ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب هو الموفق للصواب

نحمد و نصلى على رسوله الكريم

جس طرح جمعہ کی فرضیت پر اتفاق ہے اسی طرح اس اصل پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ مثلِ

---

(۱) "قال الحافظ أبو الفضل العراقى فى أماليه: قد صحح هذا الحديث الجم الغفير من الأئمة الحفاظ: الشافعى وأبو عبيد وأحمد وإسحاق ويحيى بن معين وابن خزيمة والطحاوى الخ.

وقال العلامة ظفر أحمد العثمانى نوّر الله مرقده قبل ذلک: "وقال الطحاوى: إنما لم نَقُل به؛ لأن مقدار القلتين لم يثبت". (إعلاء السنن، أحكام المياه: ۱/ ۱۷۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه)

امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول: "إنما لم نَقُل به؛ لأن مقدار القلتين لم يثبت" کی طرح مجیب کا قول: "أثر عليّ رضى الله تعالىٰ عنه صحيحٌ، وإسناده ثابتٌ، لكن لا نعلم ما المصر الجامع .... اهـ". صحیح نہیں، کیونکہ قلتین کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ثبوتاً ہے کہ قلتین کی مقدار میں اختلاف کثیر ہے اور ہر قول ایک اصل اور حقیقت پر مبنی ہے اور ایک قول دوسرے قول سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے ہے اور مصر کے ساتھ "جامع" کی قید اور مدینہ کے ساتھ "عظيمة" کی قید صفتِ مُوضحہ ہے، کسی دوسری چیز سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فضل مولیٰ)

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " الجمعة حقٌّ واجبٌ على كل مسلم فى جماعة إلا أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبى أو مريض". (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/ ۱۶۰، مكتبه امداديه ملتان)

اُورعام نمازوں کے نہیں کہ آبادی میں یا جنگل میں، جماعت سے یا تنہا ہر طرح پڑھنے سے ادا ہوجائے بلکہ جمعہ کے لئے جماعت بھی شرط ہے اور ایسا مقام بھی شرط ہے کہ جو دوسری عام نمازوں کے لئے شرط نہیں، ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الحادية والعشرون (من خصائص يوم الجمعة) أن فيه صلوة الجمعة التي خصّت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائصَ لا توجد في غيرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستيطان، اهـ" (۱)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ محدث نے نیل الاوطار میں لکھا ہے: " والثاني (من شروط صحة الجمعة) أن تكون بقرية مبنية بما جرت به عادة أهلها ولا من قصب، يستوطنها أربعون رجلاً استيطان الإقامة، لا يظعنون عنها" (۲)۔

صاحبِ اقناع شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے: " الأول من شروط الجمعة البلد مصراً كانت أو قريةً"(۳)۔

---

(۱) (زاد المعاد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة: ۱۵۰، دارالفكر، بيروت)

(وكذا أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۲) "لعل هذه العبارة ليست من نيل الأوطار للشوكاني؛ لأني تتبعتها في ماعندي من مظانّه و لم أجدها فيه، بل الغالب على الظن أن هذه العبارة منقولة من نيل المآرب كما صرح به شيخ الحديث محمد زكريا قدس سره في أوجز المسالك: "ففي نيل المآرب لفقه الحنابلة: لصحة الجمعة أربعة شروط: أحدها الوقت، والثاني أن تكون بقرية مبنية بما جرت به الخ". (أوجز المسالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

والقرينة على أن العبارة المذكورة ليست من نيل الأوطار هي أن العبارات التي ذكرها المفتي محمود حسن الگنگوهي قدس سره سياقاً و سباقاً من أوجز المسالك، والعبارة المذكورة أيضاً مرقومة في الأوجز كما ترىٰ.

(۳) (أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: =

فقہ مالکیہ کی مختصر الخلیل میں ہے:" شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت الظهر باستيطان بلد أو خصاص لا خيم و بجامع مبنى متحد، الخ"(۱)، یہ اہلِ حدیث اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک: "لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر". ھدایہ (۲) وغیرہ کتب میں مشہور ومعروف ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ "حجة الله البالغة" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وقد تلقّت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقى لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة و نوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤه وأصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان، و لا يؤاخذون أهل البدو، بل و لا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن عصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: و ذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد، وجب أن ينظر إلى تمدن و جماعة"(۳)۔

یعنی جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء اور مجتہدین نے بُلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا، جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت وغایت اشاعۃ الدین فی البلدان ہے، لہٰذا جماعت اور تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ہے:"لا تقام الجمعة في المفازة

= ۲/۲۴۵، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (أوجز المسالک، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۵۴، ادارہ تالیفات، ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، رشيديه)

(۳) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة: تجب الجمعة في البلدان: ۲/۷۶، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

عند الأربعة" عینی(۱)۔

آیت ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ کی تخصیص یا تقیید حنفیہ خبر واحد سے نہیں کرتے، بلکہ اس کے عام مخصوص البعض ہونے پر اس کے خلاف اجماع سے استدلال کرتے ہیں، فلا اشکال:

"الإجماع يخصّص القرآن كتنصيف حدّ القذف على العبد، فإن الكتابَ عامٌّ للأحرار والعبيد، وكتخصيص الإجماع السكوتي على نزح ماء الزمزم حين وقع الزنجي حديث: "إن الماء طهورٌ لا ينجسه شيء" -رواه الترمذي (۲)- بالغدير العظيم. و تفصيله في فتح القدير و شرح سفر السعادة۔

والتحقيق أن الإجماع ليس مخصصاً حقيقةً وأنه يتضمن وجود المخصص ولو بالقياس لعدم اعتباره من الوحي والتخصيص بعده كما لو علموا بخلاف النص الخاص، فإنه إجماعٌ رافعٌ لحكم النص لتضمنه ناسخاً؛ لأن الإجماع لا يكون على الخطأ، فالفرق بين التخصيص والنسخ به بأن الأول جائزٌ دون الثاني، كما وقع عن أهل الأصول لايعود إلى أمر معنوي، فإن الإجماع نفسه ليس بمخصص ولا ناسخ حقيقةً و باعتبار التضمن مخصّصٌ وناسخٌ، فإطلاق التخصيص باعتبار التضمن، و في النسخ اعتبروا الحقيقة كما في شرح المختصر، الخ". فواتح الرحموت(۳)۔

---

(۱) (البناية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة، تحت عبارة الهداية: "و لا تجب الجمعة على مسافر و لا امرأة و لا مريض الخ": ۱/۱۰۰۰، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد)

(وكذا في أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة الخ: ۲/۲۳۳، إدارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

(۲) الحديث بتمامه: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله! أنتوضأ من بير بضاعة و هي بئر يلقى فيها الحيض و لحوم الكلاب و النتن؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الماء طهور لا ينجسه شئ". (جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء طهور لا ينجسه شئ: ۱/۲۱، قديمي)

(۳) (فواتح الرحموت لنعلامة عبد العلي الهندي، التخصيصات، الرابع: الصفة، مسألة: الإجماع =

اگر یہ آیت اپنے اطلاق وعموم پر ہوتو چاہئے کہ ہر جگہ کی فرضیت واقامت کا حکم کیا جاوے "وهو خلاف الإجماع كما مر آنفا، بلکہ جس طرح اس سے بعض نماز پڑھنے والوں عورت، مسافر، غلام وغیرہ کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے اسی طرح نماز کی جگہ کو بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے:

"إن قوله تعالى: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ ليس على إطلاقه اتفاقاً بين الأئمة؛ إذ لا يجوز إقامتها في البراري إجماعاً اهـ، قاطع للشغب". فتح القدير (۱)۔

قال أبو بكر الرازي في كتابه: "الأحكام": "اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع، لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مُجمِعون على الجمعة لا يجوز في البوادي ومناهل الأعراب، اهـ" (۲)۔

جب یہ آیت بالاتفاق اپنے اطلاق پر نہیں ہے تو روایات: "الجمعة حقٌ واجبٌ على كل مسلم في جماعة" (۳) اور "رواح الجمعة واجب على كل محتلم" (۴) کیسے اپنے اطلاق پر باقی رہ سکتی ہے، عبد وغیرہ چار کو "ابو داؤد شریف" میں مستثنیٰ کیا ہے۔ اہلِ بادیہ کے استثناء کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "روى من طُرقٍ شتى يقوى بعضها بعضاً: "خمسةٌ لا جمعة عليهم" وعدّ منهم أهل البادية" (۵)۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اہلِ بحرین کو: "جمّعوا حيثما كنتم" (۶) کس طرح بلا تقیید قابلِ استدلال نہیں۔

= يخصص القرآن والسنة: ۱/۳۷۷، ۳۷۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة في القرية في السفر: ۲/۲۴۴، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۲) (أحكام القرآن للجصاص، پ ۲۸، سورة الجمعة، فصل: ۳/۲۶۶، قديمي)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱۶۰، إمداديه، ملتان)

(۴) (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف: ۱/۲۰۳، قديمي)

(۵) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۲/۷۶، قديمي)

(۶) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۳۸۰، دار المعرفة، بيروت)

جب یہ امر مسلّم ہوگیا کہ جمعہ کے لئے کچھ نہ کچھ تمدن سب کے نزدیک ضروری ہے تو اصل مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں اور اختلاف ہے تو اس کی تحدید وتعریف میں ہے پس ہر مجتہد نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق اپنے زمانے کے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے تمدن کی تحدید وتعریف کی اور چونکہ تعریف عرف کے اعتبار سے تھی اس لئے عرف کے بدلنے کی وجہ سے تعریف بھی بدلتی رہی، تاہم شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان فرمودہ غایت جمعہ کے مطابق جس کو صاحبِ بدائع وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے، حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحدید وتعریفِ تمدن أنسب وألیق ہے۔ بدائع صنائع میں ہے:

"و لنا ما روى عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال:" لا جمعة و لا تشريق إلا فى مصر جامع" وعن على رضى الله تعالىٰ عنه:" لا جمعة و لا تشريق و لا فطر و لا أضحىٰ إلا فى مصر جامع"۔

"وكذا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقيم الجمعة بالمدينة و ما رُوى الإقامةُ حولها. و كذا الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم فتحوا البلاد، و ما نصبوا المنابر إلا فى الأمصار، فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرطٌ، ولأن الظهر فريضة فلا يترك إلا بنصٍ قاطع، والنص ورد بتركها إلا الجمعة فى الأمصار، و لهذا لا تؤدى الجمعة فى البرارى، ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فتختصّ بمكان إظهار الشعائر، وهو المصر، اهـ". (۱)۔

حنفیہ کی کتب میں مصر کی تعریف مختلف ملتی ہے، اس کا منشاء بھی یہی ہے جس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مصر کی تعریف امام اعظم سے مروی ہے:

"عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيديه)

(وكذا فى بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة فى القرى: ۲/۱۷۰، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا فى أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فى السفر: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

فیما یقع من الحوادث، و هذا هو الأصح. انتهیٰ". کبیری(۱)۔

اگر گاؤں میں جس میں شہریت بالکل نہ ہو جمعہ جائز ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ضرور منقول ہوتا جیسا کہ شہر میں پڑھنا بتواتر منقول ہے۔ اگر گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور گاؤں والوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا تو اہلِ عوالی سات سات میل سے جمعہ پڑھنے کے لئے مدینہ طیبہ میں علیٰ سبیل المناوبۃ کیوں جایا کرتے تھے، اپنے یہاں کیوں نہیں پڑھا کرتے تھے؟ اور جو نہیں جاتے تھے تو کیا ان پر فرض نہیں تھا(۲)۔

مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے جدامجد شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے: "اتفقوا علیٰ أن لا جمعة فی العوالی، اھ" (۳)۔ اگر آیت اور روایت میں عموم ہے اور گاؤں میں جمعہ فرض ہے تو اس کے خلاف یہ اتفاق کیسا ہے؟ پھر مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چھوٹی بستی میں (اگر اس کا گاؤں ہونا مصرح اور متیقن ہو جائے) جمعہ پڑھنا کس طرح حجت ہو سکتا ہے؟

"روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع" وروی عن عليّ مثله. و أیضاً لو کانت الجمعة جائزةً فی القریٰ لَوَرَد النقل به متواتراً کوروده فی فعلها فی الأمصار لعموم الحاجة إلیه، وأیضاً لما اتفقوا علی امتناع جوازها فی

---

(۱) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ الجمعۃ، ص: ۵۵۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۷/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲۴۶/۲، رشیدیہ)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی، فیأتون فی الغبار یصیبهم الغبار والعرق، فیخرج منهم العرق فأتی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إنسانٌ منهم وهو عندی، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لو أنکم تطهرتم لیومکم هذا". (الصحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب من أین تؤتی الجمعة: ۱۲۳/۱، قدیمی)

(۳) (مسوّی شرح مؤطا، بابٌ: لا جمعة فی العوالی، ص: ۱۵۵، مکتبہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی)

(و کذا فی أوجز المسالک، باب ما جاء فی الإمام ینزل یوم الجمعة فی القریة فی السفر: ۲۴۴/۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

البوادی؛ لأنها ليست بمصر و جب مثله فی السواد. و روی أنه قيل للحسن: إن الحجاج أقام الجمعة بالأهواز فقال: لعن الله الحجاج يترك الجمعة فی الأمصار و يقيمها فی حلاقيم البلاد، اهـ". أحكام القرآن (۱)۔

"عن حذيفة رضی الله تعالیٰ عنه: ليس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدينة، اهـ". عينی (۲)۔

"لا جمعة و لا تشريق" موقوفاً ومرفوعاً دونوں طرح مروی ہے اور جب کہ مرفوعاً ثابت ہے تو اس کا موقوف ہونا کچھ مضر نہیں، نیز ما لا یدرك بالرأی عن الصحابی باتفاقِ ائمہ مرفوع کے حکم میں ہے:

"من المرجحات لقول الحنفية قولُه عليه السلام:" لا جمعة و لا تشريق، الخ" الحديث المشهور ذكره أبو يوسف فی الأمالی مسنداً مرفوعاً، و هو إمامٌ فی الحديث والفقه، فلا يضره وقف مَن وقفه؛ إذ هو من شيوخ مشايخ البخاری۔ و قال العينی فی شرح البخاری: إن أبا زيد زعم فی الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه الله تعالیٰ قال: رواه مرفوعاً معاذُ وسراقةُ ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنهما، اهـ. قال العينی: والإثبات مقدم علی النافی، و لو سُلّم فرضاً صحةُ وقفه و هو لا يُدرَك بالقياس، وأجمعت أئمة أصول الحديث أن ما لايُدرك بالرأی فی حكم المرفوع، ففی آثار السنن عن شرح ألفية العراقی: و ما جاء عن الصحابی موقوفاً عليه ومثله، لايقال من قبل الرأی: حكمه حكم المرفوع، كذاقال الرازی فی المحصول. وعن تدريب السيوطی: ومن المرفوع أيضاً ما جاء من الصحابی و مثله لايقال بالرأی: و لا مجال للاجتهاد فيه، فيحمل علی السماع، جزم به الرازی وغير واحدٍ من أئمة الحديث انتهی". أوجز(۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، پ: ۲۸، فصل: ۳/۶۶۲، قديمی)

(۲) (أخرجه العلامة العينی فی شرحه البناية علی الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۹۸۲، ملک سنز فيصل آباد)

(۳) (أوجز المسالک شرح مؤطا إمام مالک، باب ما جاء فی الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فی السفر: ۲/۲۴۵، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

عبارتِ بالا سے واضح ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، یہ امر سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ جمعہ قیامِ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفا میں فرض ہو چکا تھا جیسا کہ سیوطی نے ''اتقان'' اور ''ضوء الشمعہ'' میں، شیخ ابن حجر مکی نے ''شرح منہاج'' میں، شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں وثوق کے ساتھ تحریر کیا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی عمرو بن عوف میں چودہ شب قیام فرمایا۔ کمافی روایۃ الشیخین۔ اور جمعہ نہیں پڑھا، لہٰذا گاؤں میں جمعہ جائز نہیں (۱)۔

حالانکہ "منتهى الأرب" میں ہے: "جواثی، کحباری شہر خط یا قلعه است ببحرین" (۲)۔ ''صراح'' میں ہے: "جواثیٰ نام حصے بحرین" قاموس میں ہے: "مدينة الخط وحصنٌ بالبحرين"۔ مرقاۃ الصعود میں ہے: "مدينة بالبحرين لعبد القيس"۔ عمدۃ القاری میں ہے: "حكى ابن أبي أنيس عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة"۔ صحاح اور بدائع میں ہے: "حصنٌ بالبحرين، وقال أبو عبيدالبكري: مدينة بالبحرين"(۳)۔

---

(۱) "منها أنه ثبت في محله أنها فرضت بمكة، و هذا مما يبعد الإنكار عنه، به جزم الشيخ أبو حامد والسيوطي في الإتقان و رسالته ضوء الشمعة، والشيخ ابن حجر المكي في شرح المنهاج، والشوكاني في النيل، و هو الأصح .... ثم قدم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة، فأقام بقباء في بني عمرو بن عوف، ثم خرج يوم الجمعة، فأدركته الجمعة في بني سالم .... وقد أخرج الشيخان أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نزل في بني عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلةً. الحديث. و لم يصلّ عليه السلام فيها الجمعة". (أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(وكذا في نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين وإقامتها في القرى: ۲۸۳/۳، دار الباز، مكة المكرمة)

(۲) (منتهى الأرب لعبد الرحيم صفي پوري، الكتاب الخامس في الجيم، باب الجيم، فصل الهمزة: ۱/۱۷۴، مطبع اسلاميه لاهور)

(۳) "ففي الصراح نام حصن بہ بحرین۔ و في القاموس: " مدينة الخط أو حصنٌ بالبحرين. و في مرقاة الصعود:=

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جواثی شہر ہے، گاؤں نہیں ہے، لفظ "قریہ" سے اشتباہ ہوتا ہے حالانکہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے، قال الله تعالى: ﴿لو لا نزّل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾ الآية. قال القاضي البيضاوي في تفسيرها: "إحدى القريتين: مكة و طائف"(۱)۔ قال الله تعالى: ﴿واسئل القرية التي كنّا فيها﴾ الآية. قال القاضي: "يعنون مصر و قريةً بقربها"(۲)۔

وقال الله تعالى: ﴿واضرب لهم مثلاً أصحاب القرية﴾ الآية، قال الحلبي: "أي إنطاكيه"(۳)۔

اسی طرح: ﴿إن الملوك إذا دخلوا قريةً أفسدوها﴾ (٤) اور ﴿و كأيّن من قرية هي أشد قوةً من قريتك التي أخرجتك﴾۔ الآية (٥) وغیر ذلک۔

قاموس میں ہے: "القرية: المصر الجامع"(٦) اور قریہ کا اطلاق گاؤں پر بھی ہوتا ہے۔ پس جس روایت میں آتا ہے کہ "قریہ" میں جمعہ جائز نہیں وہاں قریہ سے مراد گاؤں ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر عینی شرح بخاری سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل

= مدينةٌ بالبحرين لعبد القيس. و في عمدة القاري: حكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة. و في الصحاح للجوهري والبلدان لزمخشري: حصنٌ بالبحرين. و قال أبو عبيد البكري: مدينة بالبحرين، انتهى". (أوجز المسالک شرح مؤطا الإمام مالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۸، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (تفسير البيضاوي، (سورة الزخرف، پ: ۲۵، آية: ۳۱) : ۲/۲۸۰)

(۲) (تفسير البيضاوي، (سورة يوسف: پ: ۱۳، آية: ۸۲)، ۱/۳۰۳)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) (سورة النمل: پ: ۱۹ آيت: ۳۴)

(۵) (سورة محمد: پ ۲٦، آيت: ۱۳)

(٦) "و به جزم أهل اللغة ففي القاموس: "القرية" المصر الجامع". (أوجز المسالک شرح مؤطا الإمام مالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

الأمصار مثل المدينة"(۱)۔

امصار کے مقابلہ میں "قریٰ" کا لفظ شاہدِ عدل ہے اس پر کہ قریہ سے مراد گاؤں ہے اور جس جگہ آتا ہے کہ قریہ میں جمعہ پڑھا گیا وہاں قریہ سے مراد شہر ہے جیسا کہ جواثی کے متعلق مختلف عبارات سے واضح کر دیا گیا۔

"زاویہ" اور "سالم" کے متعلق کوئی نقل صحیح نہیں ہے کہ وہ گاؤں ہیں، پھر یہ کہ جمعہ فرض ہوئے مدت گزر گئی تھی اور اسلام کی بہت کچھ اشاعت ہو چکی تھی- كما لا يخفى على أهل العلم- تو مدینہ منورہ کے علاوہ سب سے پہلا جمعہ "جواثیٰ" میں کیوں ہوا، دوسرے دیہات میں کیوں نہیں پڑھا گیا(۲)۔

جو بڑا گاؤں ہے کہ اپنی آبادی اور ضروریات کے لحاظ سے شہر کے مثل ہے وہ شہر ہی کے حکم میں ہے اس کے مقابلے میں معمولی اور چھوٹے گاؤں کو جو آبادی اور ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے بالکل ادنیٰ درجہ کا ہو مصر کہنا قرینِ دانشمندی نہیں، فنائے مصر اور مصلی مصر کسی طرح مصر سے علیحدہ نہیں، لہٰذا وہاں بھی جمعہ مثلِ شہر کے درست ہے، اگر سلطان یا نائب سلطان کا موجود ہونا فتنہ یا موتِ سلطان کی وجہ سے متعذر ہو تو اتفاق کر کے کسی صالح شخص کو امام بنا لیا جائے اور وہ نماز پڑھائے نماز صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کی اصل موجود ہے:

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ في شرح البخاري للعيني، و لكن أخرجه في شرح الهداية، كما صرح به شيخ الحديث رحمه الله تعالىٰ في أوجز المسالك: "قال العيني في شرح الهداية: و عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه الخ". (باب ماجاء الإمام ينزل بقرية .... اهـ: ۲/۲۴۶، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

(وأخرجه العلامة العيني في البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۹۸۲، ملك سنز فيصل آباد)

(ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع، (رقم الحديث: ۵۰۶۰): ۱/۴۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعلى قول الواقدي: إن قدومهم كان سنة ثمان قبل فتح مكة، وفي أثناء هذه المدة كان الإسلام قد انتشر في أكثر القرىٰ، و كثيرٌ من أهلها لا يشهدون الجمعة بالمدينة، ولو كانت الجمعة جائزةً في القرىٰ، لأقيمت في قريتهم قبل جوائىٰ، انتهى". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الاسلامي)

(وكذا في أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

" وإذا لم يكن استيذان السلطان بموته أو فتنة، واجتمع الناس على رجل، فصلى بهم، جاز للضرورة، كما فعل عليّ رضي الله عنه في محاصرة عثمان رضي الله تعالیٰ عنه".

طحطاوی علی مراقی الفلاح(۱)۔

اور گاؤں کے لوگ اگر جمعہ پڑھنے کو شہر میں حاضر نہ ہوں تو ان کو ظہر کی نماز با جماعت پڑھنی چاہئے کیوں کہ ان پر جمعہ فرض نہیں (۲)، اگر شہر میں آجاتے تو جمعہ فرض ہو جاتا اور دیہات میں رہتے ہوئے ان پر جمعہ فرض نہیں، کما فی رد المحتار (۳) وغیرہ من کتب الفقه۔ اگر وہ گاؤں میں جمعہ پڑھیں گے تو اس میں چند قسم کی خرابی ہے: فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا (۴)، جس کو نمازِ جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نفل ہوگی اور نفل کی جماعت علی سبیل التداعی منع ہے (۵) اور نفلِ نہاری میں قرأت بلا جہر بھی منع ہے (۶) اور گاؤں میں

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۰۷، قدیمی)

(وکذا فی عمدة القاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة، فی القری والمدن: ۱۹۱/۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "من لا تجب عليهم الجمعة لبُعد الموضع، صلّوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشیدیه)

(۳) "و إن دخل القَرَوِیُّ المصر يوم الجمعة، فإن نوى المكث إلى وقتها لزمته، و إن نوى الخروج قبل دخوله لا تلزمه، و إن نواه بعد دخول وقتها تلزمه". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۳/۲، سعید)

(۴) "ألا ترى أن فی الجواهر: لو صلوا فی القریٰ، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(۵) "لا تجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاضٍ و منبرٌ و خطيب كما فی المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلاة باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

"التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعی يكره". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة: ۸۳/۱، رشیدیه)

(۶) "عن يحيی بن أبی كثير، قال: قالوا: يارسول الله! إن قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر". قال الشيخ ظفر العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة فی صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القرأة، باب وجوب الجهر فی الجهرية والسر فی السرية: ۶/۴، ۹، إدارة القرآن، كراچی) =

رہتے ہوئے ان پر جمعہ کو فرض کہنا اور پھر گاؤں میں جمعہ کا حکم کرنا بے اصل ہے، اس لئے درست نہیں (۱)۔

"لا جمعة" میں "لا" نفیِ کمال کا نہیں لے سکتے کیونکہ عباراتِ بالا سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہی نہیں، اگر جمعہ خلافِ اَولیٰ ہوتا تو یہ احتمال تھا، نیز قائل بالفصل کوئی نہیں جن کے نزدیک جائز ہے، شہر اور گاؤں دونوں میں کمال کے ساتھ ہے جو منع کرتے ہیں، گاؤں میں بالکل منع کرتے ہیں۔ مصر کی تعریف معلوم ہونے کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب پر قیاس کرتے ہوئے جواب دینا قیاس مع الفارق ہے، والبسط فی بذل المجهود فی حل أبی داؤد (۲) وأوجز المسالك

= "وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشيديه)

(۱) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزومٍ والتخصيص من غير مخصصٍ مكروهاً كما صرح به ملا على القارى في شرح مشكوة المصابيح والحصكفي في الدر المختار و غيرها". (مجموعة الرسائل للشيخ عبد الحيّ اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراچى)

"قال الطيبي: و فيه أن من اصر على امر مندوب، وجعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "قلت: و اصرح من ذلك أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قبا .... أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين --كما في البخارى على نسخها- و وقعت الجمعة في أثنائها، و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمّعوا فيها. وسار يوم الجمعة يريد المدينة، فجمّع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج -وهي محلة من المدينة- فكانت أول جمعة جمّعت في الإسلام: فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى و لم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرىٰ ليست محل إقامة الجمعة الخ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچى)

إلى مؤطا إمام مالك (۱) وأحسن القرى وغيره (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

الجواب صحيح: و هذا الكلام إذا كان السائل والمجيب غير مقلد للإمام الهمام، وأما إذا كان كلٌّ منهمامقلداً له، فلا يسوغ للمقلد الاجتهاد و ترك ظاهر الرواية، لاسيماً في هذا الزمان. وأنا العبد الأفقر إلى الله الصمد: سعيد أحمد الأجراوي المبتلى بأمانة الإفتاء بمدرسه مظاهر علوم سهارنپور، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۱۳۵۴ھ۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ، فنائے شہر اور اس کی حد

سوال[۳۷۰۷]: ایک ایسی جگہ جہاں بازار، ڈاک خانہ وآبادی تقریباً تین چار ہزار ہے، کیا اس کو شہر کہہ سکتے ہیں، نیز ایسی جگہ جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہاں جمعہ قائم کر سکتے ہوں تو اس کے قرب وجوار کے لوگ وہاں جمعہ پڑھنے آویں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں، یہ لوگ فنائے شہر میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ فنائے شہر کس کو کہتے ہیں، اس کی حد شہر سے کہاں تک ہوتی ہے؟

اظہار الدین، فیض آبادی۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. أخرج بسنده عن هشام عن الحسن (البصري) ر محمد (بن سيرين) أنهما قالا: الجمعة في الأمصار. وأخرج عن الحسن أيضاً أنه سئل على أهل الأيلة جمعة؟ قال: لا. و أخرج عن أبي بكر بن محمد أنه أرسل إلى ذي الحليفة: لا تجمّعوا بها، وأن تدخلوا إلى المسجد مسجد الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فهذه الآثار صريحة فيماقاله الحنفية، هذا، و قد ورد بطرق عديدة مرفوعة و موقوفة الخ". (أوجز المسالک، ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۴۲/۲، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (أحسن القرى في توضيح أوثق العرى (اردو) تصنیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی جگہ شہر کے حکم میں ہے لہذا جمعہ واجب ہوگا۔ فناء شہر کی تعریف یہ ہے: "فناء ه ما حوله اتصل به أولا لأجل مصالح كدفن الموتىٰ وركض الخيل، والمختار للفتوىٰ تقديره بفرسخ". درمختار: ۱/۸۳۷(۱)۔ لہٰذا اس حد کے اندر رہنے والوں کو جمعہ کے لئے حاضر ہونا چاہئے اور فنائے شہر کی حد میں فقہاء کے آٹھ قول ہیں اور مفتی بہ قول علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرسخ (تین میل) نقل کیا ہے، والبسط فی ردالمحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ ۵۳/۲/۲۵ھ۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ

سوال [۳۷۰۸]: موضع شیخ پورہ جس کی مردم شماری ۱۰۴۰/ کی ہے، اس میں قصاب، عطار، لوہار، حلوائی، پنواڑی، پرچون، بزاز کی دوکانیں بھی ہیں، ایک حکیم بھی ہے، مسلمان زیادہ ہیں، سب قسم کی اقوام آباد ہیں۔ موضع موصوف میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

عبداللہ خان نور باف۔

---

(۱) (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعید)

"(أو فناء ه) بكسر الفاء (و هو ما حوله) اتصل به أولا .... (لأجل مصالح) كدفن الموتى و ركض الخيل، والمختار للفتوى تقديره بفرسخ ذكره الولوالجي". (الدرالمختار).

"(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة، و كذا محرر المذهب الإمام محمد، و بعضهم قدره بها. و جملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان. والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر و صغره .... فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ما أعِدّ لدفن الموتى و حوائج المصر الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی وبازار وغیرہ ضروریات کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو ہونا ضروری ہے، آبادی کم از کم تین چار ہزار ہونا چاہئے، لہٰذا موضع شیخ پورہ مذکورہ میں جس کی آبادی صرف ایک ہزار چالیس ہے جمعہ جائز نہیں، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر أو في مصلى المصر، ولا تجوز في القرى". هدایه، ص:۱٤۸(۱) "ومن لا تجب عليه الجمعة من أهل القرى والبوادي، لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة". عالمگیری: ۱/۱۲۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ایضاً

سوال[۳۷۰۹]: زید کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف وحدیث شریف وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کیا ہے اور اس پر علمائے دیوبند کا عمل ہے۔

بکر کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ کو ناجائز کہنے والا اور کرنے والا راندہ جائے گا مثل فرعون وقارون کے، بلکہ وہ شخص ملعون ومردود ہے جیسے اُبی بن خلف رئیس المنافقین۔ یہ تمام الفاظ بکر نے کہے ہیں، لہٰذا زید کا کہنا

---

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۵، ۱۴۸، مكتبه رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

"من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۹، رشيديه)

قرآن شریف وحدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وائمہ کے اقوال سے ثابت فرما کر بکر کی اس قسم کی بکواس کے مصداق کون ہوئے، اس کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

بکر کا کہنا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل پیش کرو کہ آپ رقیہ میں گئے اور نماز جمعہ نہیں پڑھا۔ مدلل ومفصل بیان کر کے عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص گاؤں میں جمعہ کی فرضیت کا قائل ہے اس کے ذمہ دلیل ہے، منکر کے ذمہ دلیل نہیں، لأن البينة على المدعى(۱)، تاہم ازید کے قول کا منشاء امور ذیل ہیں:

۱-"عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع، اهـ". كتاب الآثار لأبي يوسف، ص: ٦٠ (۲)۔

یہ حدیث مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح مروی ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر، ص:۴۰۹، میں ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق سے اس کی روایت اور ابن حزم سے اس کی تصحیح نقل کی ہے (۳)۔

حافظ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "أن أبا زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة بن مالك"(٤)۔

---

(۱) الحديث بتمامه:"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في خطبته: "البينة على المدعي و اليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء أن البينة على المدعي الخ: ۱/ ۲۴۹، سعيد)

(۲) (أخرجه الإمام أبو يوسف في كتاب الآثار، في باب صلاة العيدين، رقم الحديث: ۲۹۷، ص: ۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإنما رواه ابن أبي شيبة موقوفاً على عليّ رضي الله تعالىٰ عنه:"لاجمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة". صححه ابن حزم، ورواه عبد الرزاق من حديث عبد الرحمن .... و كفى بقول علي رضي الله تعالىٰ عنه قدوةً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/ ۵۱، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۴) (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۶/ ۱۸۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ درایہ میں اس کے متعلق کہتے ہیں: "إسناده صحيح". جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا جیسا کہ سیوطی نے اتقان اور ضوء الشمعہ میں اور علامہ شوکانی نے نیل الأوطار میں اور ابن حجر مکی نے شرح منہاج میں تصریح کی ہے(۱)۔

۲- اور مکہ معظمہ میں اس کے ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ قدرت نہیں تھی پھر بوقت ہجرت چودہ روز یا چوبیس روز جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے آپ نے بنی عمرو بن عوف میں قیام کیا اور وہاں جمعہ ادا نہیں کیا اور نہ دوسروں کو حکم فرمایا ادائے جمعہ کا۔

۳- حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز عرفات میں قیام کیا اور وہاں جمعہ ادا نہیں کیا بلکہ ظہر کی نماز ادا فرمائی، صرح به مسلم(۲)۔

۴- حافظ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں: "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة

---

(۱) "قلت: قال الحافظ في الدراية: روى عبد الرزاق عن علي رضي الله تعالىٰ عنه: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". و إسناده صحيح .... قلت: لأن الجمعة فرضت بمكة قبل نزول سورة الجمعة على ما قاله الشيخ أبو حامد، والعلامة السيوطي في "الإتقان" و رسالته "ضوء الشمس" والشيخ ابن حجر المكي في "شرح المنهاج" والشوكاني في "النيل" وهو الأصح، خلافاً للحافظ ابن حجر. و لم يتمكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن إقامتها هناك، فصلى أول جمعة بالمدينة". حين قدم .... وأصرح من ذلك أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قبا -وهي قرية قرب المدينة ، قال يعقوب بن عبد الله في معجم البلدان: "قبا" و أصله اسم بير هناك، عرفت القرية بها، و هي مساكن بني عمرو بن عوف-، أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين، -كما في البخاري على اختلاف نسخها- و وقعت الجمعة في أثنائها ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمعوا فيها، اهـ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۲) "فسار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... حتى أتى عرفة .... ثم أذّن، ثم أقام، فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، قديمي)

مخصوصة بموضع، لایجوز فعلها فی غیره؛ لأنهم مُجمِعون علی أن الجمعة لایجوز فی البوادی ومناهل الأعراب، اهـ". (۱)۔

۵......شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں: "و قد تلقت الأمة تلقیاً معنویاً من غیر تلقی لفظ أنه یشترط فی الجمعة الجماعة ونوعٌ من التمدن، وکان النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم و خلفائه وأصحابه والأئمة المجتهدون یجمّعون فی البلدان، و لا یؤاخذون أهل البدو، بل لایقام فی عهدهم فی البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن عصراً بعد عصر أنه یشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: ذلك لأنه لما کان حقیقة الجمعة إشاعةَ الدین فی البلد، وجب أن ینظر إلی جماعة و تمدن، اهـ"(۲)۔

بکر کو چاہئے کہ اولاً اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کرے پھر دلائلِ مذکورہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وعمل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل ائمۂ مجتہدین کے عمل اور اجماع کا جواب دے اور گالیاں دینے اور ملعون کہنے سے اجتناب کرے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "أربع من کنّ فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلةٌ منهن کانت فیه خصلةٌ من النفاق حتی یدعها: إذا أوتمن خان، و إذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق علیه(۳)۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده"(٤)۔ "سباب المسلم

(۱) (أحکام القرآن للجصاص، فصل سورة الجمعة: ۲۶۲/۳، قدیمی)

(۲)(حجة اللّٰه البالغة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، تجب الجمعة فی البلدان: ۷۲/۲، قدیمی)

(۳) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قدیمی)

(۴) (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون الخ: ۶/۱، قدیمی)

وفی باب: أیّ الإسلام أفضل، والحدیث بتمامه عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" و لفظ آخر أن رجلاً سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: أیّ الإسلام أفضل؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه و یده". (الصحیح لمسلم، باب بیان تفاضل الإسلام الخ: ۴۸/۱، قدیمی)

فسوق"(۱)۔ "إن اللّعانین لایکونون شهداء و لا شفعاء یوم القیامة"(۲)۔ "لیس المؤمن بالطعّان و لا باللّعان و لا الفاحش و لا البذی"(۳)۔

"لأن العبد إذا لعن شیئاً، صعدت اللعنة إلی السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلی الأرض فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ یمیناً و شمالاً، فإذا لم تجد مساغاً، رجعت إلی الذی لعن، فإن کان لذلک أهلاً وإلا رجعت إلی قائلها، اهـ". مشکوۃ شریف(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۳۷۱۰]: ا......ایک بستی کی آبادی تقریباً تین ہزار ہوگی، جس کی نوعیت ایسی ہے کہ اکثر مکانات اور گلی کوچے پختہ ہیں، دوکانیں پچیس سے بھی زائد ہیں اور ایک مرکزی دینی مدرسہ بھی ہے اور سات مساجد ہیں، ہندی اسکول بھی ہے، ضرورت کی تمام اشیاء روزمرہ کی ضرورت میں مل جاتی ہیں، گوشت کی بھی چار پانچ دوکانیں ہیں اور قربانی بھی یہاں ہوتی ہے اور بس کا بھی صحیح انتظام ہے کہ یہیں سے بیٹھ کر اہلِ میرٹھ، بڑوت

(۱) الحدیث بتمامه: "أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق و قتاله کفر".
(صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحبط عمله وهو لا یشعر: ۱۲/۱، قدیمی)
(الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان فی قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: سباب المسلم فسوق و قتاله کفر": ۵۸/۱، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب البر و الصلة، باب النهی عن لعن الدواب وغیرها: ۳۲۳/۲، قدیمی)
(ومشکوۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب حفظ اللسان اهـ: ۴۱۱/۲، قدیمی)
(وجامع الترمذی، أبواب البر الصلة، باب ماجاء فی اللعنة: ۱۸/۲، سعید)

(۳) (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی اللعن: ۶۷۲/۲، دار الحدیث ملتان)

(۴) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب حفظ اللسان: ۴۱۳/۲، قدیمی)

اور دیگر اطراف کا سفر بسہولت ہوجاتا ہے، بس یہاں آ کر رات کو بھی رکتی ہیں ان کے کھانے اور قیام کا بھی انتظام ہے۔ غرض! اس طرح ہے کہ اگر یہ تمام دوکانیں یکجا طور پر ہوں تو بازار کی صورت ہوجائے، اب یہ دوکانیں سب منتشر اور جدا ہیں اس بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲......بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے عدم جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں جواز کے قائل ہیں اور یہاں کے تمام مدرسین بھی جو کہ علماء بھی ہیں جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

۳......بعض علماء بعض جگہوں پر عدم جواز جمعہ کو سمجھتے ہوئے قائل ہیں مگر پھر بھی جمعہ پڑھتے ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں جب ان سے سوال ہوتا ہے کہ آپ تو عدم جواز کے قائل ہیں، پھر کیوں پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ میں نہ تو مجتہد ہوں نہ مفتی، مجھے اپنے قول پر عمل کرنے کے بجائے مفتیان میں سے کسی کے قول پر بھی عمل کرنا درست ہے۔ تو کیا یہ درست ہے؟

نــوٹ: جیسا کہ فی زمانا مسئلہ جمعہ فی القریٰ کے متعلق کافی خلفشار وانتشار ہورہا ہے اگر آپ جیسی شخصیت مظاہر علوم و دار العلوم کے مفتیانِ کرام واہلِ فتاوی نویسوں کے احجاج واتفاق سے اس مسئلہ کو شائع کردیں جس میں قریہ کبیرہ اور سوق کے مصداق جو مفہومِ صحیح کو واضح تر فرما کر تحریر فرمائیں تو یہ افراط وتفریط ختم ہوجائے جو کہ ہورہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......تحریر سوال سے تو ظاہر ہے کہ یہ مقام قریہ کبیرہ ہے یہاں جمعہ کی اجازت ہے (۱)، احتیاطاً کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرادیں جس کو فقہ اور فتاویٰ میں تجربہ اور بصیرت ہو پھر وہاں کے سب حالات دیکھ کر جو

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، ادارة القرآن كراچی)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق ولها رساتيق و فيهاوال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

شرعی حکم بتائے اس پر عمل کیا جائے (۱)۔

۲.....جس عالم اور مفتی پر زیادہ اعتماد ہو اس کی بات پر عمل کیا جائے (۲)۔

۳.....جو شخص فقہ کی روشنی میں خود کوئی رائے قائم نہ کر سکے اس کے لئے راہِ عمل یہی ہے کہ قابلِ اعتماد مفتی کے فتویٰ پر عمل کر لیا کرے، کیونکہ ہر عالم میں شرعی رائے قائم کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔

نوٹ: مسئلہ تو زمانہ قدیم سے اختلافی چلا آ رہا ہے اس پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، قریب کے اکابر نے بھی کتابیں لکھی ہیں، اوثق الکبری (۳) احسن القریٰ (۴) وغیرہ میں دلائل حدیث وفقہ کی رو سے موجود ہیں، اس لئے سب کو ایک رائے پر اتفاق کرنا دشوار ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ (صدر مفتی) دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۲/۲۵ھ۔

ایضاً

سوال [۴۷۱۱]: ایک چھوٹا گاؤں ہے جس کی آبادی دو یا ڈھائی ہزار کی ہوگی، ہفتہ میں دو روز بازار لگتا ہے، ضرورت کی ہر چیز بھی مل جاتی ہے، گاؤں میں تقریباً دس دکانیں پرچون کی ہیں، مگر سب منتشر ہیں ایک جگہ نہیں ہیں جن میں ہر وقت سامان مل جاتا ہے، تین حلوائیوں کی دوکانیں ہیں وہ بھی منتشر ہیں ایک جگہ نہیں ہیں، کپڑے کے بیچنے والے بہت ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے اسپتال بھی ہے، پرائمری اسکول ہے و جونیئر ہائی اسکول بھی ہے، لڑکیوں والا الگ اسکول ہے، جانوروں کے لئے ڈاکٹر علیحدہ ہیں، مسجد بھی ہے، غلہ گودام بھی ہے، دو

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لیس الخبر کالمعاینة". (مسند أحمد، رقم الحدیث: ۲۴۴۳، ۱/۴۴۷، دار احیاء التراث العربی)

(۲) "قال في البحر: لأن العامي یجب علیه تقلید العالم إذا کان یعتمد علی فتواه ثم قال: و قد علم من هذا أن مذهب العامي فتوی مفتیه من تقیید بمذهب ولهذا قال في الفتح: الحکم في حق العامي فتوی مفتیه الخ". (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده: ۲/۴۱۱، سعید)

(۳) غالباً یہ لفظ "اوثق الکبریٰ" کی بجائے "اوثق العریٰ" ہے جو کہ جمعہ فی القریٰ کے مسئلے پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، اور اسی کا تذکرہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ کرتے ہیں، سہو کاتب ہے کہ "العریٰ" کی جگہ "الکبریٰ" لکھا گیا ہے۔

(۴) (احسن القریٰ تالیف حضرت شیخ الهند مولانا محمد حسن رحمه الله تعالیٰ)

چکیاں آٹا پیسنے والی لگی ہیں۔ ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر نماز جمعہ پڑھ لے تو ظہر کا فرض اتر جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس بستی کا معائنہ کرا دیا جائے وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چار ہزار روالی آبادی میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۱۲]: موضع کبیرہ وہ جس کی مردم شماری چار ہزار ہے اور مختلف قسم کی تیرہ معمولی دکانیں: لوہار، بڑھئی، سنار، کمہار، عطار وغیرہ کی ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے۔ یہاں تقریباً چالیس سال سے جمعہ پڑھایا جارہا ہے، مگر پہلے سے اختلاف بھی چلا آرہا ہے۔ چار مسجدیں ہیں اور ایک عیدگاہ بھی ہے۔ یہ بستی نہ قصبہ ہے اور نہ مثلِ قصبہ ہے، مکانات کچے اور پکے مخلوط طریقہ پر ہیں، مگر کثرت کچے مکانوں کی ہے۔ مذکورہ حالات میں جب کہ حنفیہ کے نزدیک مصر اور شہریت جواز جمعہ کے لئے شروط اولیں ہے، آیا مذکورہ بستی اپنی نوعیت میں شہرتِ حکمیہ کی حاصل عندالشرع ہے یا نہیں؟

عام طور پر جمعہ کے بارے میں ایسی بستیوں کے متعلق شامی وغیرہ کی عبارت ذیل یا اس کے مثل تحریر کردی جاتی ہے: ''وتجوز فی القصبات والقریٰ الکبیرہ التی فیھا أسواق، الخ''(۱)۔ مگر اس عبارت ''والقری الکبیرۃ الخ''. کو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ قصبات کا بیان قرار دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے، اس بارے میں آپ کے نزدیک قولِ فیصل اور راجح واقویٰ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ کا حال دیگر صلوۃ خمسہ کی طرح نہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی (آبادی، صحرا، کشتی میں) اور جیسے بھی (تنہا یا جماعت سے) پڑھی جائے تو درست ہو کر فریضہ ذمہ سے ساقط

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، سعید)

ہوجایا کرے، حافظ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۱)۔

نماز جمعہ کے لئے کچھ خصوصیات وشرائط ہیں ان میں سے ایک شرط ''مصریت'' بھی ہے(۲)، مصریت کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ حدِ حقیقی نہیں کہ (جنس وفصل سے مرکب ہوکر اجزائے حقیقیہ پر مشتمل ہو) جب کہ وہ تعریف محض علامت کے طور پر ہے اور علامات عرف کے بدلنے سے بکثرت بدلتی رہتی ہیں (۳)، قدرِ مشترک کے طور پر سب تعریفوں میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ اس جگہ ''مدنیت'' ہو جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حجة اللہ البالغہ'' میں بیان فرمایا ہے(۴)۔

مردم شماری کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، حتی کہ زیلعی شرح کنز میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دس ہزار مردم شماری ہو(۵)۔

---

(۱) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص: سورة الجمعة، فصل: ۳/۲۶۶، قديمي)

(۲) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مُجمِعون على أن الجمعة لاتجور في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص رحمه الله تعالىٰ، سورة الجمعة، پ:۲۸، فصل: ۳/۲۶۶، قديمي)

(۳) "ان شرط المصر فمسلّم، لكنهم اختلفوا في مايتحقق به المصرية، فقيل: مافيه أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذلولم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شئي من الأمصار في وقتنا هذا، إذلا يجري الحدود أحد. وقيل: مافيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، ومالیس بمصرلم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۳۱۳، ۳۱۴، إدارة القرآن، كراچي)

(۴) "وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن". (حجة الله البالغة، كتاب الصلوة الجمعة، خطبتا الجمعة: ۲/۷۲، قديمي)

(۵) "وهذا رواية عن أبي يوسف .... وعنه أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، سعيد)

مولانا گنگوہیؒ نے تین چار ہزار کا تخمینہ تحریر فرمایا ہے (۱)، بعض حضرات نے اس سے بھی کم پر اجازت دے دی ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ کسی معتبر ماہرِ فقہ وفتویٰ عالم کو بُلا کر مشاہدہ کرا دیا جائے پھر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت گنگوہی کا ''اوثق العری''، حضرت شیخ الہند کا ''احسن القریٰ''، حضرت تھانوی کا ''القول البدیع'' اگر مطالعہ کرلیا جائے تب بھی رائے قائم کرنے کے لئے بہت بصیرت حاصل ہوگی۔

ائمۂ اربعہ میں اختلاف دراصل روایت کا نہیں درایت کا ہے، اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، پھر حقیقت میں مصر کی تعریف میں جو اختلاف ہے اس کا مدار عرف پر ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مذکورہ بستی کی مردم شماری چار ہزار ہے اور مختلف قسم کے پیشہ ور لوگ اس میں رہتے ہیں کہ روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء میسر ہوتی ہیں تو قریہ کبیرہ مشابہ قصبہ ہے کہ ڈاکخانہ بھی ہے، قریہ کبیرہ کی مردم شماری علامہ عینی نے چار ہزار بیان فرمائی ہے، اس پر مدار رکھا گیا ہے۔ فقط۔

سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ان شرط المصر فمسلّم، لکنهم اختلفوا في مايتحقق به المصرية، فقيل: مافيه أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذلولم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شئ من الأمصار في وقتنا هذا، إذلا يجرى الحدود أحد. وقيل: مافيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، وماليس بمصرلم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۲۱۳، ۲۱۴، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض البارى، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راه بک ڈپو، دیوبند)

جمعہ فی القریٰ

سوال[۳۷۱۳]: دریائے جہلم کے کنارے دہلی روڈ پر ایک قریہ ہے جہاں ایک جامع مسجد تیار ہوئی ہے، اس کے متصل بازار بھی ہے اور تقریباً بیس دکانیں ہیں اور کچھ کاریگر بھی ہیں اور نفری تقریباً تین چار ہزار جمع ہوسکتی ہے، روز جمعہ اگر لوگ جمع ہوں تو ان کو تبلیغ کی جاسکتی ہے۔کیا یہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس وقت وہاں آبادی ہے اور وہ آبادی قریہ کبیرہ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی تین ہزار کے قریب مردم شماری ہے اور روزمرہ کی ضروریات وہاں ہمیشہ ملتی ہیں، بازار میں ڈاک خانہ وغیرہ بھی ہے تو وہاں جمعہ کی نماز درست ہے۔اگر محض مسجد ہے اور زمانہ قدیم کی بنی ہوئی دکانیں ہیں مگر آبادی نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ویران ہے جیسا کہ شاہی زمانہ کی اس قسم کی اور بعض عماراتِ قدیمہ ہیں مگر وہ ویران ہیں، یا وہاں آبادی تو ہے لیکن بہت معمولی ہے، قریہ کبیرہ نہیں تو وہاں جمعہ درست نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

دوسو گھروں پر مشتمل آبادی میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۱۴]: گاؤں کرن پور تقریباً دوسو گھروں پر مشتمل ہے، ۲۵، ۳۰/ گھروں کے سوا باقی تمام گھر غیر مسلم ہیں، گاؤں پختہ سڑک کے کنارے ہے، متصل ہی بس اسٹینڈ ہے، یہاں موٹر ٹیمپو رکشہ سواری ملتی

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن ، کراچی)

"وأما شروط الأداء فستة أیضاً: الشرط الأول المصر أوفناء ه، فلا تجوز فی القری ....
عن أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک وأسواق، ولها رساتیق، وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، انتهی". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱۳۷/۲، سعید)

ہے، اسٹینڈ پر چار دکانیں مٹھائی وغیرہ کی ہیں، گاؤں میں چند کھچڑی فروش دکانیں ہیں جن میں اشیائے خوردنی وانگریزی دوا بھی ملتی ہے، گاؤں میں ایک مسجد، مکتب ایک اسکول، ڈاکٹر سرکاری نرس، کمپاؤنڈر موجود ہے، آٹے اور چاول کا مل ہے، گاؤں سے باہر ایک ہائی اسکول ہے جس میں ۵۰/ یا ۶۰/ مسلم بچے پڑھتے ہیں، جو اس گاؤں میں آکر جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔

گاؤں کے لوگ بہت دن سے بغیر جمعہ ادا کیے ہوئے عیدین کی نمازیں گاؤں میں پڑھتے ہیں اور اب کچھ دنوں سے جمعہ بھی قائم کرلیا ہے، لیکن کچھ لوگ مخالف ہیں ان کا کہنا ہے: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة"(۱) اس تصریح کے تحت یہاں جمعہ غیر واجب الاداء اور ناجائز ہے اور جو لوگ جمعہ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارا گاؤں قریہ کبیرہ میں داخل ہے اور حکم: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق"(۲) کا متحمل ہے، لہٰذا جمعہ واجب الاداء اور جائز ہے۔ براہِ کرم ازروئے تحقیق مطلع فرمائیں کہ گاؤں مذکورہ بالا میں جمعہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ نیز ظہر ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں فریق کی دلیل صحیح ہے، نفسِ مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ انطباق میں اختلاف ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کون سی دلیل منطبق ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں قطعِ نزاع کی شکل یہ ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے ایک یا دو تین اہلِ علم پر متفق ہو جائیں جن کو فقہ میں بصیرت ہو، وہ معائنہ ومشاہدہ کے بعد جو حکم دیں اس پر دونوں فریق عمل کریں، تحریر سے پوری کیفیت سامنے نہیں آتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

تین ہزار سے زائد آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال[۳۷۱۵]: ہماری بستی موضع جلال پور کی آبادی تین ہزار سے کچھ زائد ہے اور نوعیت بستی اس طرح پر ہے کہ اسّی {۸۰} فیصد مکانات پختہ اور اکثر گلیاں نیم پختہ ہیں اور دوکانیں صرف کھدر کپڑے کی ہیں جن

---

(۱) (إعلاء السنن، ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، ادارة القرآن)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

پر کافی کپڑا رہتا ہے اور چھوٹی پر چون کی فصلی دس گیارہ دوکانیں ہیں ان میں سے چار پانچ دوکانیں تو مستقل رہتی ہیں اور معمولی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، باقی جو دوکانیں فصلی ہیں وہ صرف فصل کے موقع پر چلتی ہیں، ورنہ بند ہوجاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تین کپڑا سلائی کی اور سائیکل مرمت کی دکان ہے، اور یہ سب دکانیں پورے گاؤں میں منتشر اور کافی فاصلہ پر ہیں، آمنے سامنے بھی نہیں کہ ایک گلی پر ایک دوکان اس طرف اور ایک دوسری طرف سوائے ایک دوجگہ کے سب بالکل جدا جدا ہیں۔

ڈاکخانہ بھی نہیں بلکہ جیسے عام طور سے ہر گاؤں اور بستی میں لیٹر بکس لگا دیا جاتا ہے ایسے ہی ڈاک روزانہ آتی ہے صرف اپنے ہی گاؤں میں مستقل ڈاکخانہ نہیں، ہندی اسکول بھی ہے اور لڑکیوں کی پاٹ شالا بھی ہے۔ نیز خاص ضرورت کے واسطے قصبہ چھپروالی ایک میل پر واقع ہے وہاں سے پوری کر لیتے ہیں، ایک مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز اذان با جماعتِ عام وعلی الاعلان ہوتی ہے۔ یہاں پر جمعہ کے متعلق الجھن ہے کہ مسئلہ جمعہ فی القریٰ مسلکِ احناف صحیح قول کے مطابق بیان فرمائیں کہ یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے عالم کو بُلا کر بستی کا معاینہ کرادیں جس کو فقہ اور فتویٰ میں تجربہ اور بصیرت ہو پھر جو کچھ وہ شرعی حکم بتائے اس پر عمل کریں (۱)۔

اتنا تو بالاتفاق احناف کے نزدیک مسلّم ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں، لیکن قریۂ صغیرہ (۲) اور

---

(۱) "و قد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب و لهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه الخ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لايفسده: ۴۱۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۵۱۳/۲، رشيديه)

(۲) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

" وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

کبیرہ کی علامات اور تعین میں عرف کے بدلنے سے فرق پڑتا رہتا ہے، اس لئے اختلاف ہو کر الجھن پیدا ہوتی ہے اس کے دفع کرنے کی صورت تحریر کردی گئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۱۶]: گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو پھر اس زمانہ میں بہت سے گاؤں میں جمعہ پڑھ رہے ہیں ان گاؤں میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمادیں۔ بینوا و توجروا۔

محمد زین العابدین راجشاہی۔ یکم/صفر/۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں جو اپنی آبادی، بازار و دیگر ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو شرط ہے، شرط مفقود ہونے کی صورت میں جمعہ ناجائز ہے، ظہر کی نماز فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے ناجائز کا ارتکاب اور فرض کا ترک لازم آئے گا: " الشرط الأول المصر و فناء ہ، فلا تجوز فی القریٰ عندنا اھـ". کبیری (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "و لیس ھذا کلہ تحدیداً لہ بل إشارۃ إلی تعینہ وتقریب لہ إلی الأذھان، وحاصلہ إدارۃ الأمر علی رأی أھل کل زمان فی عدھم المعمورۃ مصراً، فما ھو مصر فی عرفھم جازت الجمعۃ فیہ، وما لیس بمصر لم یجز فیہ، إلا أن یکون فناء المصر". (الکوکب الدری، أبواب الجمعۃ، باب ما جاء فی ترک الجمعۃ من غیر عذر: ۱/۱۹۹، مکتبہ یحویہ سھارنپور)

"واعلم أن القریۃ والمصر من الأشیاء العرفیۃ التی لا تکاد تنضبط بحال وإن نص، و لذا ترک الفقھاء تعریف المصر علی العرف". (فیض الباری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری: ۲/۳۲۹، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ الجمعۃ، ص: ۵۴۹، سھیل اکیڈمی، لاھور) =

گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس

سوال [۳۷۱۷]: دیہاتوں میں جمعہ ہوتا ہے منع کیا جائے کہ نہیں؟ اگر روکا جائے تو بعض لوگ جو جمعہ کے دن صرف جمعہ پڑھنے آتے ہیں وہ بالکل چھوڑ دیں گے، بعض لوگ اس کو اسلام کی نشانی قرار دیتے ہیں جیسا کہ تعزیہ کو نشانی خیال کرتے ہیں اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس دیہات میں جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں وہاں ظہر با جماعت پڑھنا فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ساقط نہیں ہوتا: "و لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر". شامي: ۵۳۷ (۱) البتہ اگر جمعہ کی مخالفت کرنے سے اختلاف ہو کہ مسجد ویران ہونے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیا کرلیں اور خود جمعہ میں شرکت نہ کریں۔ تعزیہ کو جائز قرار دیکر اس پر اسی مسئلہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

گاؤں میں جمعہ

سوال [۳۷۱۸]: ایک جگہ ایسی ہے کہ اس میں پانچ چھ مسجد پنجگانہ ہیں اور آبادی تقریباً دو ہزار ہے

= "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراچي)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۸، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدينة". (البناية شرح الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۹۸۲/۱، ملك سنز، فيصل آباد)

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه) .... =

اور علاوہ مسجد پنجگانہ کے ایک جامع مسجد ہے جس میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے اور قریب جامع مسجد کے بازار ہے جو ہر جمعہ کے روز اور پیر کو بازار ہوتا ہے اور ان دودن کے علاوہ اشیائے ضروریہ بلا تکلف ملتی ہیں، چونکہ دوکانیں ہیں اور بازار کے متصل سرکاری راستہ پڑا ہوا ہے، کوئی پون میل پر دوسرا بازار واقع ہے، اس میں باقاعدہ آفس بھی ہے مگر مکانات اینٹ کے نہیں بلکہ ٹین اور لکڑی کے ہیں، چونکہ بارش زیادہ ہوتی ہے لہٰذا پختہ اینٹ کے مکانات برقرار نہیں رہ سکتے اور وہاں کے علماء اس کو شہر یا قصبہ کہتے ہوئے جمعہ پڑھتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں کہ علمائے ہندوستان سے اگر اس کے بابت فتویٰ طلب کیا جائے تو ہندوستان کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے گاؤں ہی کا حکم لگائیں گے، حالاں کہ یہاں کے گاؤں اور ملکِ ہند کے گاؤں میں آسمان زمین کا فرق ہے، اگر علمائے ہند یہاں کے گاؤں کا مشاہدہ کریں تو ضرور جمعہ کے قائل ہوں گے۔ نیز وہ لوگ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ شرح وقایہ کے حاشیہ وغیرہ میں وارد ہے کہ امام صاحب کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس محلہ میں جتنے آدمی ہیں خواہ جمعہ پڑھیں یا نہ، وہ سب اگر مسجد میں نہ سمائے جائیں تو اس جگہ بھی جمعہ جائز ہے (۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس تفصیلِ سابق سے جمعہ جائز ہے یا نہیں، ان علماء کی دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ غرض تفصیلاً یہاں کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے مدلل جواب مع حوالہ کتب عنایت فرماویں۔ نیز بصورتِ عدم جواز یہ بھی بتلاویں کہ اگر کوئی ہندوستان سے تعلیم حاصل کر کے جاوے تو اس کو مجبوراً جمعہ کا خطبہ پڑھواتے ہیں، آیا صرف سطبہ پڑھے، نماز نہ پڑھاوے جائز ہے یا نہیں؟ اور احتیاط الظہر کی صورت کیسی ہے از روئے مہربانی سے امور کا تفصیلاً جواب تحریر فرما کر شفا عطا فرماویں۔

المستفتی: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ارکانی برما، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "إذا اجتمع أهله المراد بالأهل هم الذين تجب عليهم الجمعة، والمراد بأكبر المساجد قيل: إنه المسجد الجامع، وقيل: أكبر المساجد للصلوات الخمس، كما في فتاوى الزاهدي". (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲۳): ۱۹۸/۱، سعيد)

لحاظ سے قصبہ کے مانند ہو شرط ہے (۱)، چھوٹے گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، وہاں ظہر کی نماز فرض ہے (۲)، "ویشترط لصحتها المصر". تنویر (۳)، یہی حال نمازِ عید کا ہے (۴)۔

مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں، جس زمانہ میں جیسا عرف ہوا، ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کر دی (۵)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) " ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر".(الدرالمختار). " عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(۲) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب .... الاترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في تبين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۵۳۷/۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما صلاة العيدين، وأما شرائط وجوبها: ۶۱۲/۱، رشيديه)

(۴) "(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها، وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريماً أي؛لأنه اشتغال بمالا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، ۱۶۷، سعيد)

(۵) "وحاصله: إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً فما هو مصر، في عرفهم جازت الجمعة فيه، وماليس بمصرلم يجزفيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱۹۹/۱، المكتبة اليحيويه، سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض البارى، كتاب الجمعة ، باب الجمعة في القرى والمدن: ۳۲۹/۲، ديوبند)

سے یہ تعریف منقول ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، اهـ". ردالمحتار (۱)۔

اور آبادی مذکورہ فی السوال کا حکم فتویٰ ذیل سے معلوم ہو جائے گا:

مسئلہ: "یہ موضع قصبہ سردھنہ کے قریب پانچ کوس کے واقع ہے اور اس سے زیادہ قریب کوئی شہر نہیں اور موضعِ مذکور میں قریب دو ہزار مردم شماری کے ہے جس میں زیادہ نصف سے مسلمان اور باقی ہندو ہیں۔ مسلمانوں کے دینی احکام سے کوئی مانع نہیں۔ ضروری احتیاج کے واسطے دوکانیں بیس بائیس موجود ہیں، روزمرہ تیس بتیس سے زیادہ نمازی پنجوقتہ میں جمع ہوتے ہیں، رمضان شریف میں ساٹھ ستر تک اور جمعہ رمضان میں دو سو اور عیدین میں ایک ہزار سے زیادہ جمع ہوتے ہیں۔

موضعِ مذکورہ میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ جائز کہتے ہیں اور احتیاط الظہر بھی ایسی حالت میں پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہیں اس جگہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے اور جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، پس جب جمعہ نہیں ہوا، احتیاط الظہر کہاں (۲)، بلکہ ظہر کی نماز با جماعت مثل

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشية: ۲)

دیگر ایام کے پڑھنی چاہیے(۱) اور ہندوستان کے سب شہر اور قصبہ میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے، احتیاط الظہر کی کچھ حاجت نہیں (۲)۔

اور امام شافعیؒ کے یہاں گاؤں میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے ان کے نزدیک بھی کچھ تفصیل اصل احتیاط الظہر کی نہیں، پس جو صاحب اس مسئلہ پر شافعی بنیں ان پر حنفی کیا الزام دے سکتے ہیں، کیونکہ یہ بات اپنی اختیاری ہے جو مذہب چاہو اختیار کرو، غیر مقلد بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بات کسی مذہب کی پسند آئی وہ اختیار کر لیتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ۳/ ذی قعدہ/ ۱۳۱۲ھ۔

فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، ص: ۱۳۴ (۴)۔ مہر

---

(۱) "من لاتجب علیهم الجمعة لِبُعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۲) "وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۳) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا منشا یہ ہے کہ اس طرح کرنا تلفیق بین المذاہب کی بناء پر ناجائز ہے، کیونکہ اس میں انسان کی گمراہی کا خطرہ ہے، وفی ردالمحتار: "حکی ان رجلاً من اصحاب أبی حنیفة خطب إلی رجلٍ من اصحاب الحدیث ابنته فی عهد أبی بکر الجوزجانی، فأبی إلا أن یترک مذهبه، فیقرأ خلف الإمام، ویرفع یدیه عند الانحطاط ونحو ذلک، فأجابه فزوجه. فقال الشیخ بعد ماسئل عن هذه واطرق رأسه: النکاح جائز ولکن اخاف علیه ان یذهب إیمانه وقت النزع؛ لأنه استخف بمذهبه الذی هو حقٌّ عنده، وترکه لأجل جیفة منتنة .... لیس للعامی أن یتحول من مذهب إلی مذهب، ویستوی فیه الحنفی والشافعی". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۸۰، سعید)

(۴) (فتاویٰ رشیدیه، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، اداره اسلامیات، لاهور)

آبادی مذکورہ فی السوال بھی تقریباً دوہزار ہے اور فتویٰ بالا میں بھی دو ہزار کی تصریح ہے، لہٰذا اس فتویٰ کی رو سے وہاں جمعہ نہیں ہوتا، ظہر کی نماز فرض ہے، جب جمعہ ادا نہیں ہوتا تو فریضۂ ظہر بھی ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی (۱)، حتی الوسع ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے روکنا چاہیے، اگر وہ لوگ باز نہ آئیں تو خود ظہر پڑھے۔ باقی جس جگہ جمعہ ادا ہو جاتا ہو وہاں امام اور خطیب کا اتحاد ضروری نہیں اگر چہ بہتر یہی ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہو:

"لاینبغی أن یصلی غیر الخطیب؛ لأنهما شئ واحد، فإن فعل بأن خطب صبی بإذن السلطان وصلی بالغ، جاز، هو المختار، اه". درمختار، ص: ۸۶۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

قریۂ صغیرہ میں جمعہ

سوال [۳۷۱۹]: اس بستی کی آبادی تخمیناً دو ہزار ہے جس میں پانچ سو مسلم آبادی ہے، دو مسجدیں ہیں، ایک پرائمری ہندی اسکول ہے، تین چار معمولی پرچون کی دوکانیں ہیں جن میں ضروریات کا سامان صرف نمک، مرچ، تیل مٹی وغیرہ ملتا ہے، ہفتہ میں ایک بار بازار بکریوں کا لگتا ہے جس میں کپڑا، سبزی وغیرہ ملتی ہے۔ ایسی صورت میں یہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ نہ پڑھنے پر فساد کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

نیاز وارث، ڈاکخانہ صفدر گنج (بارہ بنکی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چھوٹی بستی میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ وقت ادا نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۳) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، =

ایضاً

سوال [۳۷۲۰]: ایک چھوٹی سی بستی ہے جس میں مسلمانوں کی بہت قلیل آبادی ہے اور اس قلیل آبادی میں دو مسجدیں ہیں، جس جگہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں ایک مسجد ہے جس میں پاس پڑوس کے مسلمان بھی نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کے لئے آتے ہیں اس طرح ملا کر مع بچوں کے کل دو صفیں ہوجاتی ہیں، جہاں پر دوسری مسجد واقع ہے وہاں پر مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں، لیکن ایک صاحب نے پہلا جمعہ اس دوسری مسجد میں بھی کرایا۔ اب اتنی قلیل آبادی کے باوجود اس مسجد میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے یا نہیں جب کہ اس سے پہلے اس مسجد میں جمعہ کبھی نہیں ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی، کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو(۱)۔ پھر ایسی بستی میں بہتر یہ

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، ۲۴۸، رشيديه)

(۱) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرىٰ ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرىٰ: ۱۷۰/۲، إمداديه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ =

ہے کہ جمعہ ایک ہی جگہ ہو، اگر ایک مسجد میں سب نمازی نہ آسکیں تو متعدد جگہ بھی درست ہے (۱)۔ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو، وہ چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں (۲)۔ اب سوال میں مذکورہ دونوں بستیوں کو منطبق کر کے عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۳۷۲۱]: ایک چھوٹے گاؤں کی مجموعی آبادی ۳۳۲ افراد پر مشتمل ہے، ایسے گاؤں میں مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

محمد التفات احمد عراقی، ہردوئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ فرض نہیں بلکہ ظہر فرض ہے اسلئے وہاں جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر

= عليه أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرفع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

وفيه أيضاً: "تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲-۲۴۸، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن القرىٰ في توضيح اوثق العرى تاليف شيخ الهند حضرت مولانا محمود حسن رحمه الله تعالىٰ)

(۱) "(وتؤدى في مصر واحد في مواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

"يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۵، رقم الحاشية: ۱)

پڑھا کریں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس بستی میں شرائط نہ ہوں اور پھر بھی جمعہ پڑھا جائے، اس کا حکم

سوال [۳۷۲۲]: ۱......میں دارالعلوم کے فیضِ علم سے کچھ مستفید ہوا ہوں، ہمارے علاقے کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں عام طور پر جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ میرے گاؤں میں بھی روکنے سے لوگ رکتے نہیں، خود رکنے اور مسئلہ کو اٹھانے سے خطرہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ مخالف ہو جائیں گے اور جو کچھ دین کی باتیں سن کر عمل کر لیتے ہیں اس بدظنی اور مخالفت کے بعد وہ بھی بند ہو جائے گا، حتی کہ باتیں سننے کو بھی تیار نہ ہوں گے۔ اسی مصلحت سے اب تک ہمارے علاقے کے علماء اس مسئلہ میں ساکت ہیں، اور خود بھی ان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مصلحت سے کیا ہم بھی ساکت رہیں اور جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں، اگر ہم نے ایسا کیا تو کیا ہمیں گناہ بھی ہوگا؟

۲......گاؤں میں جمعہ سے روکئے تو لوگ ہرگز تیار نہ ہوں گے، کیا انہیں یہ بتایا جائے کہ خیر جمعہ کے

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، إمداديه ملتان)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ و منبر و خطيب كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (أحسن القرى في توضيح أوثق العرى، تالیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

ساتھ ظہر کی نماز بھی پڑھ لیا کرو، تاکہ ظہر کی قضاء کے گناہ سے بچ جائیں؟ اور اگر لوگ اس پر راضی ہوں تو منفرداً ظہر ادا کی جائے یا جماعت کے ساتھ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں بالکل صاف ہے اور اس پر مستقل رسائل مع الدلائل شائع شدہ ہیں: أوثق العری، أحسن القری، القول البدیع وغیرہ، حدیث وفقہ کے دلائل سے مزین ہیں۔ جس مقام پر جمعہ درست نہیں وہاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے، جمعہ پڑھنے سے وہاں فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا: "لو صلوا فی القریٰ، لزمهم أداء الظهر، اه". شامی: ۱/۷۴۸(۱)۔ جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھنا لوگوں کو شبہ میں ڈالنا ہے کہ ایک دن میں اور ایک وقت میں دو فرض ہیں: ایک جمعہ، دوسرا ظہر، اس لئے اس سے کلیۃً اجتناب کرنا چاہیے۔

جن مصالح کی بناء پر بعض حضرات نے احتیاط الظہر کی تجویز کی تھی، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق میں ان کو مخدوش قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو، بحر:۲/۲۴۳(۲)، اور احتیاط الظہر میں اِخفاء کی تاکید ہے نہ کہ

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸، سعید)

(۲) علامہ ابن نجیم نے جو احتیاط الظہر والے قول پر رد کیا ہے، اس کا تعلق صورتِ مسئولہ کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے: ایک ہی شہر میں متعدد جگہ نماز جمعہ پڑھنے کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ متعدد جگہ نماز جمعہ نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں نے سب سے پہلے نماز جمعہ پڑھی ان لوگوں کی نماز صحیح اور بعد میں پڑھنے والوں کی باطل ہو جائے گی، بعض علماء کے نزدیک اگرچہ سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن پھر بھی بعد میں پڑھنے والے لوگ احتیاط الظہر پڑھ لیا کریں۔ اس احتیاط الظہر کو علامہ ابن نجیم نے مخدوش قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتیاط الظہر والی بات ضعیف قول پر مبنی ہے:

"يصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع كثيرة، و هو قول أبی حنيفة ومحمد، وهو الأصح .... وإذا علمت ذلک فما فی القنية: ولما ابتلي أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء فی جوازهما، ففی قول أبی یوسف والشافعی ومن تابعهما باطلتان إن وقعتامعاً، وإلا فجمعة المسبوقين باطلة، أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً .... مبنی كله على القول الضعيف المخالف للمذهب .... مع مالزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظيمة، وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لِمَا يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنّون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط فی تركها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۰-۲۵۲، رشيديه)

جماعت کی۔ مسئلہ تو صاف بتادیا جائے، پھر اگر لوگ نہ مانیں تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں، جمعہ ایسی جگہ جہاں شرائط موجود نہ ہوں، نہ پڑھیں، اگر مجبور کیا جائے تو یہ کہو کہ: ''جمعہ درست نہیں، نفل کی نیت سے شرکت کرتا ہوں، شریک ہوجائیں، ایسی حالت میں جمعہ درست نہیں، مجھے مجبور کیا جارہا ہے، اس لئے پڑھ رہا ہوں، اس سے فریضہ ادا نہیں ہوگا، اس امید پر کہ لوگ بدظن نہ ہوں اور دین کی بات سن لیا کریں''۔ غلط طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شہر سے متصل گاؤں والوں پر جمعہ

سوال[۳۷۲۲]: ایک موضع میں تین مسجدیں ہیں جس میں سے ایک کو عوام نے جامع مسجد کے ساتھ ملقب کیا ہے، محض اس بناء پر کہ اس کی تعمیر کے وقت (تقریباً سو برس) سے اس میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے۔ موضع ہٰذا کی موجودہ سے پیشتر کی یہ حالت تھی کہ کافی بڑا بازار لگتا تھا، لیکن عرصۂ دراز سے بازار شکست ہوگیا جس سے آبادی کم ہوکر قریب دو ہزار کے رہ گئی ہے اور مختلف پیشہ ور مثلاً نیاری، عطار، حکیم، بزاز، حجام، تنبولی، حلوائی وغیرہ اپنی دکانیں پیشہ کی چیزیں ہر وقت موجود رکھتے ہیں۔ گردونواح کی تعداد مع بچوں کے ایک سو کے قریب پہونچ جاتی ہے۔

بہشتی زیور (مصنفہ) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ''ایسے مواضعات جن کی آبادی تین ہزار سے کم ہو جمعہ جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے''۔ اس قسم کے دوچار مواضعات حضرت مولانا کا فتویٰ عدم جواز کے لئے آچکا ہے۔ ان سب صورتوں کو دیکھ کر عوام جمعہ صحیح نہ ہونے کے وجوہات سے باخبر کیا گیا، مگر اس قائل کو وہابی کا خطاب اور اکثر وبیشتر لوگ خلاف ہوگئے۔ علاوہ اس کے چند لوگ جوحق کے متلاشی تھے ان کو کتاب بہشتی زیور دکھلانے سے یقین ہوگیا کہ جمعہ یہاں درست نہیں ہوتا۔

موضع ہٰذا سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک ایسا مقام جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے، وہ ہفتہ میں دو مرتبہ بہت بڑا بازار بھی لگتا ہے اور اس بازار میں قرب وجوار کے لوگ یعنی (اطراف مواضعات) اکثر شریک ہوکر ضروری اشیاء خرید کرتے ہیں، بازار کے علاوہ اور دنوں میں بھی ضرورت کی سب چیزیں مل جایا کرتی ہیں۔ علاوہ بریں مقامِ مذکور میں تھانہ، ڈاک خانہ، سرکاری ہسپتال وڈل اسکول وغیرہ بھی موجود ہیں اور ہر چیز کی

دکانیں بھی بہت بڑی بڑی ہیں اور مسجدیں صرف دو ہیں۔ان سب باتوں کی وجہ سے اس کو لفظِ ''قصبہ'' کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔اب اس صورت میں موضع ہذا میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے، یا موضع میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور کتنی مسافت طے کر کے جمعہ میں شریک ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

احقر:ضمیر الدین، احاطہ دار السلام، دار العلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قصبہ میں جمعہ درست ہے اور موضع میں درست نہیں۔جس جگہ جمعہ درست نہیں ہوتا وہاں فریضۂ ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اگر اس قصبہ سے اس موضع میں اذان کی آواز آتی ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضع والوں پر جمعہ واجب ہے، درمختار میں یہی قول مفتی بہ ہے۔اور بعض علماء نے اس کا انداز ایک فرسخ بیان کیا ہے۔صاحبِ بحر کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ جمعہ پڑھ کر بلا کلفت اپنے مکان لوٹ کر آسکتے ہیں تو ان پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں۔قاضی خاں کی رائے یہ ہے اگر شہر کے گردونواح میں رہنے والے چند کھیتوں کے فصل پر رہتے ہوں تو جمعہ کے لئے حاضر ہونا ان کے ذمہ واجب نہیں، اگر چہ اذان کی آواز سنتے ہوں، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر اور شہر کے متصل رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے اور اہلِ سواد پر واجب نہیں، اسی کو اصح کہا ہے، پس اس موضع والوں پر جمعہ واجب نہ ہوگا۔اگر کوئی قصبہ میں جا کر ادا کرے تو اس کو اختیار ہے اور باقی کو چاہیے کہ جماعت سے ظہر پڑھیں، ردالمحتار:۱/ ۸۳۵، میں اس کی تفصیل موجود ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) ''(وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر). وأما المنفصل عنه، فإن كان يسمع النداء، تجب عليه عند محمد، وبه يفتى، كذا في الملتقى. وقد مناعن الولوالجية تقديره بفرسخ، ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة اهـ''. (الدر المختار).

''وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء، وتقدير البُعد بغلوة أو ميل ليس بشئ .... وفي التاتارخانية: =

قصبہ سے قریب گاؤں والوں پر جمعہ

سوال[۳۷۲۴]: زید جس گاؤں میں رہتا ہے اس کی آبادی ۵۰۰/ کی ہے، پھر قصبہ سے ڈیڑھ میل دور ہے، کبھی کبھی اذان قصبہ کی گاؤں میں بھی آجاتی ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ میرے گاؤں میں قصبہ کی اذان کی آواز آجاتی ہے، اس لئے ہم پر جمعہ فرض ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کے ذمہ سے ظہر ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں، جب کہ جمعہ کی اذان قصبہ میں جاکر پڑھتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے اس گاؤں میں رہتے ہوئے جمعہ لازم نہیں، اس کے ذمہ یہ لازم ہے کہ اس گاؤں میں پڑھے، اس لئے کہ یہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے۔ اس کے ذمہ یہ لازم ہے کہ ایک میل یا ڈیڑھ میل دور جاکر قصبہ میں پڑھے اگرچہ وہاں سے کبھی اذان کی آواز بھی سنائی دیتی ہو، یہی قول اصح ہے:

"والإقامة بمصر أوفيما هو داخل في حد الإقامة بها: أي بالمصر وهو المكان الذي مَن فارقه بنيّة السفر، يصير مسافراً، ومن وصل إليها يصير مقيماً في الأصح. ولا يجب على من كان خارجه ولو سمع النداء من المصر سواء كان سواده قريباً من المصر أو بعيداً على الأصح، فلا يعمل بما قيل بخلافه وإن صح، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ٢٧٤، مصري، ص: ٤١٧ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

= ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن المصر أو يتصل به، فلا تجب على أهل السّواد ولو قريباً، وهذا أصحّ ماقيل فيه .... واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لاعبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال، اهـ". (ردالمحتار: ٢/١٥٣، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٧٤، باب صلوة الجمعة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٢٤٧، باب صلوة الجمعة، رشيديه)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٥٠٤، ٥٠٥، كتاب الصلوة، باب الجمعة، قديمي)=

دیہات میں تعلیمِ مسائل کی خاطر جمعہ پڑھنا

سوال[۳۷۲۵]: دیہات میں اگر جمعہ اس لئے پڑھا جائے کہ مجمع ہو جائے گا اور کچھ مسائل وغیرہ ان کو معلوم ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھا جائے تو لوگ مسائل سے ناواقف رہ جائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)، مسائل سکھانے کے لئے دوسرے طُرق پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے مجمع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قریۂ صغیرہ میں امام کے پیچھے نماز جمعہ میں اقتداء

سوال[۳۷۲۶]: ایک ایسا قریہ ہے جہاں صلوۃ جمعہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص فتنہ سے بچنے کے لئے صلوۃ جمعہ میں امام کے پیچھے اقتداءِ نفل کرتا ہے، کیا اس شخص کے لئے اقتداءِ نفل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

= "وصحح فی مواھب الرحمن قول أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بوجوبھا علی من کان داخل حد الإقامة: أی الذی مَن فارقه یصیر مسافراً، وإذا وصل إلیه یصیر مقیماً. وعلله فی شرحه المسمّٰی بالبرھان بأن وجوبھا مختصٌ بأھل المصر، والخارج عن ھذا الحد لیس أھله. اھ". (ردالمحتار: ۱۵۳/۲، کتاب الصلوة، باب الجمعة، سعید)

"قال العلامة الحلبی رحمه الله: "ومن کان مقیماً فی أطراف المصر لیس بینه وبین المصر فرجةٌ بل الأبنیة متصلةٌ إلیه، فعلیه الجمعة، وإن کان بینه وبین المصر فرجةٌ من المزارع والمراعی، فلا جمعة علیه وإن کان یسمع النداء. اھ". (غنیة المستملی شرح المنیة (الحلبی الکبیر)، ص: ۵۵۲، فصل فی صلوة الجمعة، سھیل اکیڈمی، لاھور)

(۱) "لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیھا قاضی ومنبرو خطیب". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی مفر نہیں، اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بنگال کے دیہات میں جمعہ

سوال[۳۷۲۷]: بعض قری بنگال بلکہ اکثر متصل و مسلسل پے در پے دور دراز مسافت غالباً تین چار روز کم وبیش چلے گئے ہیں، ایک دو کو ملا کے تین چار ہزار مردم شماری ہوگی اور مجموعہ اس آبادی وبستی میں لاکھوں بلکہ بے شمار مردم شماری ہے اور بعضے میں ڈاکخانہ اور بازار اور تھانہ، بورڈ محکمہ بھی ہیں، ایسی بستیاں قریۂ کبیرہ ہیں یا نہیں اور ان میں نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں اور احتیاط الظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا بحوالہ الکتب والدلیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قری بنگال کا حال بہت مشتبہ ہے اور وہاں کے عام سکان بلکہ عام اہلِ علم کا حال بھی بہت ہی تعجب خیز ہے وہ یہ کہ جب وہ حضرات سفر کا ارادہ کرتے ہیں تو اپنے تالاب کے دوسرے کنارہ پر پہونچ کر قصر شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری بستی ختم ہوگئی اور جب جمعہ کا تذکرہ آتا ہے تو تمام دور دراز کی آبادی کو اپنی

---

(۱) "عن أبي ذر قال: قال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا أبا ذر! كيف أنت إذا كانت عليك أمراء يُميتون الصلوة" أو قال: "يؤخرون الصلوة"؟ قلت: يارسول الله! فماتأمرني؟ قال: "صل الصلوة لوقتها، فإن أدركتها معهم، فصلّه فإنهالك نافلة".

"صل الصلوة لوقتها": أى إذا أخر الإمام الصلوة وأماتها "فصلّ الصلوة أنت لوقتها: أى منفرداً "فإن أدركتها معهم". بأن حضرت الجماعة "فصلّه" بتذكير الضمير بتأويل الفرض .... "فإنها": أى الصلوة التي صليت مع الجماعة "لك نافلة": أى زائدة على الفرض؛ لأن الفرض هو الذى صلّيته منفرداً، أو فإنها لك زيادة خيرٍ. قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: وهو محمول على الظهر والعشاء عندنا .... وظاهر الحديث الاطلاق فترفع الكراهة للضرورة إذا الضرورات تبيح المحظورات". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الصلوة، بابٌ: إذا أخر الإمام الصلوة عن الوقت: ۱/۲۴۹، إمداديه، ملتان)

بستی کی آبادی شمار کر کے کہتے ہیں کہ ہماری بستی یہاں تک ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ خود وہاں کے اربابِ فتویٰ واہلِ دیانت سے اس مسئلہ کی تحقیق کی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

مزرعہ قریبہ میں نماز جمعہ

سوال[۳۷۲۸]: جس قصبہ میں بلاشک وشبہ جمعہ جائز ہو، کیا اس قصبہ کے مزرعہ میں جب کہ اس مزرعہ میں صرف پندرہ گھر ہوں اور وہ مزرعہ باغ اور کھیتی کی وجہ سے اہلِ قصبہ کی آبادی سے الگ ہو اور خواہ وہ مزرعہ قصبہ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، کیا مزرعہ میں جمعہ جائز نہ ہوگا؟ مثلاً مزرعہ پانچ فرلانگ تک کے فاصلہ پر ہو، جیسا کہ میرا مزرعہ پانچ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔

(الف) اگر قصبہ کا کوئی محلّہ قصبہ کی اصل آبادی سے الگ ہو، درمیان میں بنجر زمین وکھیت باغات ہوں، فاصلہ قصبہ سے محلّہ مذکورہ تک خواہ ایک یا دو فرلانگ تک ہو، خواہ چار یا پانچ فرلانگ تک ہو، کیا اس محلّہ میں بھی نماز جمعہ جائز نہ ہوگی؟

(ب) جمعہ کے جواز کے لئے تمام شرائط کے ماسوا ایک شرط یہ بھی ہے کہ گاؤں کی آبادی معہ مزرعہ جات کے تین ہزار سے کم نہ ہو یعنی مزرعہ جات ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ کتنے فرلانگ تک فاصلہ گاؤں سے مزرعہ کا ہو تو اس کی آبادی گاؤں کی آبادی میں تین ہزار کی تعداد دیکھنے کے لئے شامل ہوگی؟

(ج) فرض نماز جمعہ کے بعد دیر تک امام کا دعاء مانگنا غیر افضل تو نہیں، اس بناء پر کہ رسول کریم صلی اللہ

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس الخبر كالمعاينة". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۴۴۳، ۱/ ۴۴۷، دار إحياء التراث العربي)

"و قد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب، ولهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالايفسده: ۲/ ۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/ ۵۱۳، رشيديه)

تعالیٰ علیہ وسلم جن نمازوں کے بعد سنن وغیرہ ہوتے تھے، سلام پھیر کر فوراً مختصر دعاء: "اللهم أنت السلام و منك السلام الخ "(۱) مانگا کرتے تھے۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

(الف، ب) جو مزرعہ اتنے فاصلہ پر ہو کہ دیکھنے سے بالکل جداگانہ بستی معلوم ہو وہاں جمعہ درست نہیں اسی طرح محلّہ کا حال ہے، جو محلّہ یا مزرعہ دیکھنے سے اسی بستی کا جزء معلوم ہوتا ہو اگر چہ درمیان میں کوئی کھیت یا تالاب وغیرہ بھی آ گیا ہو وہاں جمعہ درست ہے اور اس کی آبادی کو بھی اصل بستی کی ہی آبادی تصور کیا جائے گا، ڈیڑھ میل کا فاصلہ تو بہت ہے، چار پانچ فرلانگ کا فاصلہ بھی کافی ہے، دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ وہ لوگ آبادی سے باہر جنگل میں رہتے ہیں، یہ نہیں کہیں گے کہ بستی وہاں تک ہے(۲)۔

(ج) فرضِ جمعہ کے بعد بھی مختصر دعاء مناسب ہے، زیادہ طویل نہ ہو(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب مايقول إذا سلم: ۱/ ۶۶، سعيد)

(۲) "و من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلک الموضع و بين عمران المصر فرجة، فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلک الموضع و بين عمران المصر فرجة من مزارع أو مراع كالقلع بخارى، لا جمعة على أهل ذلک الموضع وإن سمعوا النداء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/ ۵۸۵، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلّم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللهم أنت السلام و منک السلام تبارکت يا ذا الجلال والإكرام". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب مايقول إذا سلم: ۱/ ۶۶، سعيد) .... =

ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۲۹]: ایک موضع جس کی آبادی ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے، یہاں پر تقریباً نصف صدی سے برابر پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس موضع کی آبادی بالکل قصبہ جیسی ہے، ہر قسم کی دوکانیں مثلاً جو چیزیں ضروریاتِ زندگی ہیں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں، اکثر علماء آئے دن یہاں آتے ہیں نماز جمعہ بھی پڑھتے ہیں، بعض علماء انکار بھی کرتے ہیں۔

انکار کرنے والے علماء سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ جمعہ بند کرانے کی ذمہ داری لیجئے بند کر دیا جائے گا، یہ سن کر خاموش ہوجاتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ پڑھتے جاؤ بندمت کرو۔ بہر حال اختلاف ابھی تک بدستور ہے، آپ صحیح فتوی دیں کہ اس موضع میں کیا واقعی جمعہ بند کر دیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے چھوٹے موضع میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں، جمعہ کے لئے بلد یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ ضروری ہے، یہ موضع قریۂ صغیرہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "و یکرہ تأخیر السنة إلا بقدر اللهم أنت السلام الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة : ۱/۵۳۰، سعید)

"(فإن كان بعدها): أی بعد المكتوبة (تطوع يقوم إلى التطوع) بلا فصل إلا مقدار ما يقول: "اللهم أنت السلام" .... (ويكره تأخير السنة عن حال أداء الفريضة بأكثر من نحو ذلك القدر". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ص: ۳۴۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث و هذا هو الأصح" .... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ و منبر و خطيب، كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لوصلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعید)

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۴۸، رشیدیه)

(وكذا في الهداية، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۱۶۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ وعیدین وقربانی

سوال[۳۷۳۰]: ۱......زید کے گاؤں کی آبادی تقریباً دو ہزار ہے، زمانہ سے نمازِ عیدین اور جمعہ کی نماز یہاں پڑھی جاتی ہے۔ضرورت کی چیزیں گاؤں میں دستیاب ہیں، اشیائے ضروریہ کی دوکانیں گاؤں میں ہیں۔کیا ایسی آبادی میں احناف کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؟ نیز کیا ایسی آبادی میں متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

۲......جس آبادی کا اوپر ذکر ہوا ہے، کیا اس آبادی میں عید الضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے اور کسی نے قربانی کردی ہے تو کیا اس شخص کو قربانی کے عوض صدقہ کرنا پڑے گا؟ مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عالم مفتی کو بلاکر معائنہ کرادیا جائے، وہ پورے طور پر دیکھ کر جو فتویٰ دے اس پر عمل کیا جائے، محض تحریر سے پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں جمعہ بھی ادا کی جائے اور عیدین کی نماز بھی پڑھی جائے، اور قبل از نمازِ عید الاضحیٰ قربانی درست نہیں، اگر قربانی کردی ہے تو اس سے واجب ادا نہیں ہوا، قربانی کی قیمت صدقہ کی جائے۔جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود نہ ہوں، وہاں جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے۔صلوۃ العیدین بھی وہاں پڑھنا مکروہ ہے، قربانی سویرے (صبح) ہی سے درست ہے۔جمعہ کے شرائط یہ ہیں:

"وحرٌ صحیحٌ بالبلوغ مذکرٌ	مقیمٌ وذوعقلٍ لشرط وجوبها
ومصرٌ وسلطانٌ ووقتٌ وخطبةٌ	وإذنٌ كذا جمعٌ لشرط أدائها

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب. لوصلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر". شامي: ۱/۵۳۶، ۵۳۷(۱)۔ "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعيد)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "قوله: شرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدّى في مصر حتى لاتصح في قرية ولا مفازة. اهـ". (البحر الرائق: ۲/۲۴۵، باب صلوة الجمعة، رشيديه) =

بشرائطها المتقدمة سوىٰ الخطبة، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً". درمختار: ۱/۵۵۵(۱)۔ "أول وقتها (أي الأضحية) بعد الصلوة إن ذبح في مصر: أي بعد أسبق صلوة عيد، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره، اهـ". درمختار۔ "فيه تسامح؛ إذ التضحية لاتختلف وقتها بالمصر وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصرىّ والقروىّ طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصرىّ تقديم الصلوة عليها، اهـ". شامي: ۵/۲۰۲(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۱۴۰۶ھ۔

جس بستی میں مسلمانوں کے تیس گھر ہوں، وہاں جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۳۱]: ۱...... ایک موضع میں جس میں تیس گھر مسلمانوں کے ہیں وہاں ایک چھوٹی مسجد ہے اور موضع مذکور سے دو میل کی دوری پر قصبہ میں ایک بڑی مسجد ہے جس میں کافی مسلمان ہیں اور جمعہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں موضع مذکورہ بالا جس میں صرف تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اس میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... کتنے مسلمانوں کے مکان موضع میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہے؟

۳...... جمعہ کی نماز میں کم سے کم کتنے آدمی ہونا ضروری ہے جب نماز جمعہ درست ہوگی؟

۴...... کیا جس گاؤں میں مسجد نہ ہو اور مسلمانوں کے تیس بتیس مکانات ہوں کسی باغیچہ یا چبوترہ منتخب کر

= (وكذا في البناية شرح الهداية: ۳/۲۸۶، باب الجمعة)

(۱) (الدر المختار: ۲/۱۶۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۷۵، باب صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۲۷، ۵۲۸، قديمي)

(۲) (رد المحتار: ۶/۳۳۸، كتاب الأضحية، سعيد)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا يذبح مصرىّ قبل الصلاة، وذَبَحَ غيرُه) يعني لايجوز لأهل المصر أن يذبحوا الأضحية قبل أن يصلوا صلاة العيد، ويجوز لأهل القرىٰ والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد. اهـ". (البحر الرائق: ۸/۳۲۱، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، رشيديه)

کے نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....: اس تیس گھر والی بستی کی اور کوئی حالت آپ نے تحریر نہیں کی، اگر یہ بستی ایسی ہے جس میں مثلاً تین چار ہزار کی مردم شماری ہے، اس میں بازار ہے، گلی کوچے ہیں، سب ضروریاتِ روزمرہ مل جاتی ہیں تب تو وہاں جمعہ درست ہے اگر چہ مسلمانوں کے صرف تیس گھر ہوں (۱)، اگر یہ بستی ایسی نہیں بلکہ چھوٹی ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں (۲)۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن". (مصنف ابن أبي شيبة، من قال لا جمعة و لا تشريق الخ، (رقم الحديث: ۵۰۵۰): ۱/۴۳۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق،و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

"أما المصر الجامع فقد اختلف الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي، أن المصر الجامع ما اقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاضي ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة .... و روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۴۷، رشيديه)

(و كذا في إمداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۷۵۶، ۷۵۹، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۲) "إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قبا .... أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين –كما في البخاري على نسخها– و وقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة ولم يأمرهم أن يجمّعوا .... فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى و لم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة الخ".

(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچى) ..... =

۲......مسلمانوں کی تعداد کچھ نہیں بستی ایسی ہونی چاہئے جس کا بیان نمبر:ا میں ہوا(۱)۔

۳......بستی تو کم ازکم نمبر:ا کے موافق ہو اور شریکِ جماعت اگر امام کے ساتھ کم ازکم تین بالغ مرد ہوں تب بھی جمعہ ادا ہو جائے گا(۲)۔

۴......اگر وہ نمبر:ا کے موافق ہو تو جائز ہے، مسجد ہونا شرط نہیں ورنہ جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

- "لا تصح فى قرية و لا مفازة لقول علىّ رضى الله تعالىٰ عنه: لا جمعة و لا تشريق إلا فى مصر جامع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۹، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "(والجماعة وهم ثلاثة): أى شرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء.......... و لا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۶۲، رشيديه)

" (و) السادس(الجماعة) و أقلها ثلاثة رجال(ولو غير الثلاثة الذين حضروا) الخطبة (سوى الإمام) الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۳) "لو صلى الجمعة فى قرية بغير مسجد جامع و القرية كبيرةٌ لها قرى و فيها والٍ و حاكم، جازت الجمعة فيه بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

"والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز فى جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر فى حوائج أهله، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

کیا تین گاؤں مل کر ایک جگہ جمعہ پڑھیں؟

سوال[۳۷۳۲]: موضع بھی والا، ڈاکخانہ ملکوال، تحصیل بھلوان، ضلع سرگودھا پاکستان، اس گاؤں کی آبادی آٹھ سو نو سو کے قریب ہے، نماز ظہر وعصر میں نمازی کاروبار کی وجہ سے ۲۵، ۳۰/ ہوجاتے ہیں، مغرب وعشاء وفجر کی نماز میں پچاس ساٹھ ہوجاتے ہیں۔ نمازیوں کا خیال ہے کہ اس گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے۔ یہاں سے شہر ملکوال اور میانوالی سات سات میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں دو مسجدوں میں نمازِ جمعہ ہوتی ہے، وہاں نمازیوں کا جانا مشکل ہے۔ ایک قصبہ جوٹ قریب ایک میل ہے وہاں بھی دو مسجدیں ہیں، نماز جمعہ ہوتی ہے مگر بد قسمتی سے سب بریلوی عقیدہ کے ہیں، وہ دیوبندی خیال کے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، طرح طرح کے اعتراض وطعن کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے بالکل پاس دو گاؤں اور ہیں جہاں دیوبندی خیال کے حضرات ہیں، ہمارے یہاں سے اذان کی آواز خوب جاتی ہے۔ ایک میل کے قریب اس طرح مل کر تین گاؤں کے لوگ یہاں نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ تینوں گاؤں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور ایک ایک میل کا فاصلہ ہے اور جداگانہ کسی میں بھی شرائطِ جمعہ موجود نہیں تو پھر تینوں مل کر ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا بھی درست نہیں، سب کو ظہر کی نماز ادا کرنی چاہئے (۱)۔ اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ (جہاں شرائط جمعہ موجود ہوں) جا کر جمعہ پڑھے گا تو اس کے ذمہ سے بھی فریضۂ ظہر ساقط ہوجائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجةٌ من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيديه)

(۲) "عن عائشة زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم =

پندرہ سو کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۳۳]: ایک بستی فاطمہ چک ہے جس کی ہندو مسلم آبادی تقریباً پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی فراہم نہیں، البتہ اس کے متصل دو بستیاں اور ہیں، تینوں مل کر ایک معلوم ہوتی ہیں، حکومت کے کاغذات میں ان کا رقبہ بالکل الگ ہے، بازار تقریباً چار میل پر ہے، مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جا رہی ہے لیکن کچھ لوگ نہیں پڑھتے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ مقامی علماء کا کہنا ہے کہ یہاں جمعہ فرض نہیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ترکِ صلوۃِ جمعہ سے لوگوں کا مستقبل گمراہ ہو جائے گا، تو جب ترکِ نمازِ پنجگانہ سے گمراہ نہیں ہوتا تو نمازِ جمعہ کو ترک کرنے سے کیسے گمراہ ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی بستی فاطمہ چک تو ظاہر ہے کہ چھوٹی بستی ہے وہاں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ اس کی آبادی ہندو و مسلم پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی وہاں فراہم نہیں، اب دوسری دو بستیاں اگر سرکاری کاغذات میں اس کے ساتھ مل کر ایک بستی شمار ہوتی ہیں مگر دیکھنے میں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بازار چار میل کی دوری پر ہے تو بھی آپ کی بستی میں جمعہ جائز نہیں، ہاں! اگر دیکھنے میں تینوں بستیاں ایک ہی، آبادی کے تین حصے معلوم ہوں اور محلّہ میں بازار ہے، وہاں سب غیر مسلم ہیں تب بھی مجموعہ ایک بستی ہونے کی وجہ سے جمعہ درست ہوگا(۱)۔

= و من العوالی". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من یجب علیه الجمعة: ۱/۱۵۸، امدادیه ملتان)

"ومن لاجمعة علیه إن أداها، جاز عن فرض الوقت". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۴، ۱۴۵، رشیدیه)

"(و فاقدها): أی هذه الشروط أو بعضها (إن) اختار العزیمة و (صلاها و هو مکلف) بالغ عاقل، (وقعت فرضاً) عن الوقت الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۵، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ۲/۲۶۶، رشیدیه)

(۱) "ومن کان مقیماً فی أطراف المصر لیس بینه وبین المصر فرجة بل الأبنیة متصلة إلیه، فعلیه الجمعة، وإن کان بینه وبین المصر فرجة من المزارع والمراعی، فلا جمعة علیه وإن کان یسمع النداء الخ". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی، لاهور) =

بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرا دیا جائے جس کو فقہ اور تقویٰ میں بصیرت ہو، پھر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے (۱)۔ جب فریضہ خدائے پاک کی طرف سے عائد ہو تو اس کی طرف سے بے فکر ہو جانا تباہی و بربادی کا سبب ہے، اگر فریضہ عائد نہ ہو تو غیر فریضہ کو فرض قرار دینا شرعاً غلط اور مستقل جرم ہے، اس لئے حکمِ خداوندی کی تعمیل ہر حال میں لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

موضع دادری میں جمعہ

سوال [۳۷۴۴]: ہاپوڑ سے دو میل کے فاصلہ پر "دادری" ایک گاؤں ہے جس کی کل آبادی ڈھائی ہزار اور مسلم آبادی چار سو ہے، اس میں ایک مسجد بھی ہے جس میں برسوں سے جمعہ ہوتا رہا، اس سال ایک امام صاحب آئے انہوں نے مسئلہ پوچھ کر جمعہ بند کر دیا، اس کے بعد ایک دوسرے امام صاحب آئے انہوں نے بھی

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس الخبر كالمعاينة، إن الله عزوجل أخبر موسى بماصنع قومه في العجل، فلم يلق الألواح، فلما عاين ما صنعوا، ألقى الألواح، فانكسرت". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۲۴۴۳): ۱/۴۴۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب، ولهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۳، رشيديه)

(۲) "ثم إذا فهمنا التوسعة، فلا بد من اعتبار أمر آخر، وهو أن يكون العمل بحيث لايوهم التخصيص زماناً دون غيره، أو مكاناً دون غيره، أو كيفية دون غيرها، أو يوهم انتقال الحكم من الاستحباب -مثلاً- إلى السنة أو الفرض؛ لأنه قديكون الدوام عليه على كيفية ما، في مجامع الناس أو مساجد الجماعات أو نحو ذلك موهماً لكونه سنّة أو فرضاً......... بل هو كذلك. (الاعتصام، باب في مآخذ أهل البدع بالاستدلال، فصل: ومنها تحريف الأدلة عن مواضعها، ص: ۲۰۴، دارالمعرفة، بيروت)

جمعہ نہیں پڑھایا، جولوگ صرف جمعہ پڑھتے ہیں ان لوگوں کا بہت اصرار ہوا۔ بہرکیف ۱۹/محرم کو جو جمعہ گذرا، اس میں امام صاحب نے مجبوراً جمعہ پڑھایا۔ اس گاؤں میں دوتین بہت چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جس میں پوری ضروریات نہیں ملتیں حتی کہ چینی بھی نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں کیا جمعہ وہاں پڑھا جاسکتا ہے، جب کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پچاس نفر کے گاؤں میں بھی جمعہ جائز کہتے ہیں (۱) اور اس کے علاوہ اَور بھی اقوال ہیں؟ اختلاف سے حکم توسع ہوجاتا ہے، لہٰذا آپ اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے گاؤں کی حالت مشتبہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کو جو تجربہ کار ہو اور فقہی مسائل میں مہارت رکھتا ہو بُلا کر معائنہ کرادیں، وہ سب حالات دیکھ کر جمعہ جائز بتلائے تو پڑھنا شروع کردیں منع کرے تو نہ پڑھیں۔

عوام کی دلیل کہ "ہم باقی ہفتہ نماز پڑھتے، جمعہ کے روز ہاتھ منہ دھولیں، وضو کرلیں الخ"، شرعی دلیل نہیں، عامیانہ وجاہلانہ بات ہے۔ خدا ورسول کا حکم پنجگانہ نماز کا ہے جو کہ فرضِ عین ہے جس پر سب امت کا اجماع ہے (۲)، اس کو تو ترک کردیں اور جہاں اجازت نہ ہو وہاں پڑھنے پر اصرار کریں، کس قدر جہالت بلکہ احکامِ شرع کا مقابلہ ہے۔ اگر پچاس نفر کے گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی جائے تو آپ کے ہی گاؤں کی کیا خصوصیت رہے گی، جس کی وجہ سے آپ نے دوڈھائی ہزار کی آبادی بتلائی ہے، بلکہ ہر گاؤں میں جمعہ کی اجازت دینی پڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۴ھ۔

---

(۱) قال العلامة الشاه ولي الله رحمه الله: "والأصح عندي أنه يكفي أقل مايقال فيه قرية، لماروي من طُرقٍ شتّى يقوي بعضها بعضاً: "خمسة لاجمعة عليهم". وعدّمنهم أهل البادية، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجمعة على الخمسين رجلاً". أقول: الخمسون بتقريبهم قرية، وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجمعة واجبةٌ على كل قرية". (حجة الله البالغة: ۲/۲۷۸، الجمعة، دارالكتب الحديثية، القاهرة)

(۲) "هي فرض عين على كل مكلف بالإجماع". (الدرالمختار). "(قوله: هي): أي الصلوة الكاملة، وهي الخمس المكتوبة. (قوله: على كل مكلف): أي بعينه. (قوله: بالإجماع): أي بالكتاب والسنة". (ردالمحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

آبادی سے چالیس میل دور کارخانہ میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۳۵]: ۱...... چالیس میل دور میرا ایک کارخانہ ہے، دیگر کارخانے اور طویلے جانوروں کے موجود ہیں (۱)، ان میں مسلمان کام کرتے ہیں، وہ چھوٹی مسجد بنا کر نماز پڑھتے ہیں باجماعت، تو اس میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... جب کہ دس دس میل تک جمعہ نہیں ہوتا تو یہاں کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر وہاں مستقل آبادی نہیں، صرف ایک کارخانہ اور جانوروں کا طویلہ ہے، وہاں کے لوگ محنت مزدوری کے لئے جاتے ہیں اور چائے بیڑی کی دکان بھی ہے جیسا کہ اکثر بس اڈوں پر ہوتی ہے تو شرعاً وہاں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھا کریں (۲)۔

۲...... ان لوگوں کے ذمہ جمعہ کے لئے دوسرے مقام پر بھی جانا ضروری نہیں ہے (۳)۔

جس بستی میں مسجد نہ ہو وہاں جمعہ وعید

سوال[۳۷۳۶]: موضع ناگل پٹی بھگوان پور کی آبادی پانچ ہزار کی ہے مگر مسجد نہیں، مگر پٹی بھگوان پور

---

(۱) ''طویلہ: اس مکان یا عمارت کو کہتے ہیں جس میں گھوڑے رکھے جاتے ہیں''۔ (نور اللغات، لفظ ''طویلہ'': ۳/ ۵۲۷)

''گھوڑوں کا تھان، اصطبل''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۸۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن حذيفة رضي الله عنه ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن".

(أوجز المسالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/ ۲۴۶، إداره اسلاميات)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمة الله عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۶، رشيديه)

(۳) "وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أراد تكلفهم وذهابهم إلى المصر فممكن لكنه بعيد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۸، رشيديه)

میں ایک مکتب دینی تعلیم کا قائم کیا ہے مگر مسجد بننے کی قوی امید ہے نمازی کافی ہیں تو اس میں نماز جمعہ وعیدین ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ ایک ہی بستی ہے تو شرعاً وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے (۱)، مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد بنالیں اور جب تک مسجد نہ بنے، کسی اور جگہ مثلاً مکتب میں اس طرح جمعہ پڑھیں کہ وہاں آنے کی کسی کو رکاوٹ نہ ہو بلکہ جس کا دل چاہے نماز کے لئے آجائے (۲)، وہیں پنجگانہ نماز اذان وجماعت کے ساتھ ادا کریں۔عیدین کے لئے عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جنگل، باغ اور میدان میں جہاں مناسب سمجھیں ادا کرلیا کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۳۰ھ۔

---

(۱) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن، كراچی)

"(و يشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، و لها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۳۷/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۲، رشيديه)

(۲) "(و) السابع: (الإذن العام)". (الدرالمختار). "(قوله: الإذن العام): أي أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه، و هذا مراد من فسر الإذن العام =

جمعہ کی نماز کے لئے کسی بستی میں جانا

سوال[۳۷٤۷]: جب دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگ قصبہ میں جو کہ گاؤں سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بالکل جائز ہے اور سائیکل سے یا پیدل آسانی سے جاسکتے ہیں۔

۲.....مگر محض کسل کی بناء پر یا دنیا کمانے میں انہماک کی بناء پر نہ جائیں بلکہ اپنے گاؤں میں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لیں اور عیدین کی نماز قصبہ میں پڑھنے نہ جائیں تو گنہگار تو نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....نہایت ہمدردی اور دلسوزی سے مسئلہ بتا کر بند کرانے کی کوشش کی جائے، اگر فتنہ پیدا ہو مثلاً لوگ پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں یا فساد کریں، سر پٹول اور مقدمہ بازی کی نوبت آئے تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کی جائے (۱)۔

= بالاشتهار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱۵۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲٦٤/۲، رشيديه)

"لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى و فيها وال و حاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٦٨/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمة الله تعالىٰ عليه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرح للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: الدين النصيحة: ۵٤/۱، قديمي)

۲......بالکل گنہگار نہیں کیونکہ ان کے ذمہ وہاں جانا واجب نہیں، ان کی خوشی پر موقوف ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

لوگوں کے نماز ترک کرنے کے اندیشہ سے نمازِ جمعہ کا قیام

سوال[۳۷۴۸]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانۂ قدیم سے موجود ہے۔ اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھر کے ہے اور اس مسجد میں قدیم زمانہ سے نماز جمعہ ہوتی ہے۔ اور یہیں ایک مقام ہے تین میل کے درمیان جہاں قبرستان اور مسجد وغیرہ موجود ہے اور عیدین کی نماز ہوتی ہے، اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کی مردم شماری پانچ سو یا چار سو کی ہے اور یہیں پر ضروریات کی ساری چیزیں مل سکتی ہیں۔ یہاں پندرہ، سولہ دکانیں اور بازار بھی ہے اور ڈاکخانہ، تار گھر بھی ہے، میڈل اسکول اور پرائمری دونوں موجود ہیں اور موسمِ سرما میں چار ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی وغیرہ آجاتے ہیں اور دیوانی وفوج داری وغیرہ کے مقدمات ہوتے ہیں۔

اب کچھ عرصہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے کہ یہاں جمعہ جائز نہیں اور معترض خود نمازی ہے اور نماز جمعہ میں پچیس تیس نمازی جمع ہوجاتے ہیں اور کبھی زیادہ بھی ہوجاتے ہیں اور خاص کر موسمِ سرما میں چکروتے سے

---

(۱) "عن حذيفة رضى الله عنه: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبى حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تاليف حكيم الأمة تهانوى رحمه الله)

تحصیل آنے کی وجہ سے نمازیوں کی زیادتی ہوتی ہے۔اب اعتراض کی وجہ سے نمازیوں کی کمی ہوگئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو نمازی بہت ہی کم ہو جائیں گے۔نماز جمعہ ہی کی وجہ سے بہت سے نوجوان اور بوڑھے وضو تک نہیں جانتے تھے جن کو اسی کے طفیل میں وضو وغیرہ آ گیا، اب اعتراض کی وجہ سے ان کو بھی موقعہ ملا کہ ہم کو تو کوئی اب نماز کے لئے تو نہیں کہہ سکتا۔

اور اس قصبہ میں ایسے ایسے آدمی موجود ہیں جن کو اچھی طرح کلمۂ اول بھی نہیں آتا اور شعارِ اسلام سے تو کوسوں دور ہیں، باوجود اس کے ہم لوگ ان لوگوں کو نماز کی رات دن تاکید کرتے ہیں، پھر بھی نہیں مانتے، یعنی دیکھئے یہاں پر نماز جمعہ ہوتی ہے پھر بھی شریک نہیں ہوتے اور بالکل خلافِ شرع ہیں، باوجودیکہ ان کو نماز کے لئے بہت ترغیب دیتے ہیں پھر بھی نماز سے نفرت کرتے ہیں۔اب پھر دوبارہ نماز میں شریک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور دوسروں سے بھی کوشش کراتا ہوں۔جب کہ یہاں کے لوگوں کی یہ حالت ہو کہ نماز کے نزدیک تک نہ جاتے ہوں اور نماز سے گھبراتے ہوں تو۔حضرت! ہم لوگ لوگوں کو بڑی منت وخوشامد سے نمازِ جمعہ میں شریک کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگیں، ایسی حالت میں نمازِ جمعہ بند کر دی گئی تو پھر خیر صلاح ہے۔ایسی صورت میں جب کہ لوگ نماز سے اور شعارِ اسلام سے متنفر ہوں، نماز جمعہ کے بارے میں کیا خیال ہے، آیا بدستور باقی رکھیں یا روک دیں؟

بشیر احمد انصاری گنگوہی، پیش امام مسجد کالسی، ضلع دہرہ دون، ۲۴/مئی/۳۱ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بستی میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں(۱)، بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، اگر نماز جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی جو کہ جماعت سے پڑھنا اور دن میں جہر سے قرأت کر کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اور اس سے

---

(۱) "لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشیدیه)

(۲) "(ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان): أی یکره ذلک علی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعةٌ بواحد". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۴۸/۲، ۴۹، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۱۲۳/۲، رشیدیه) .... =

ظہر کا فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا وہ بدستور باقی رہے گا(۱)، لہٰذا جمعہ کو موقوف کر کے ظہر کو قائم کرنا ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ لوگ بالکل نماز چھوڑ دیں گے تو آپ نے خود لکھا ہے کہ "اب باوجود جمعہ پڑھنے اور اتنی کوشش کرنے کے بھی رغبت نہیں کرتے، بلکہ متنفر ہیں"۔ اس لئے ایک ممنوع فعل کر کے لوگوں کو متوجہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں، ویسے نماز کے لئے آپ اپنی کوشش کو جاری رکھیں۔ اللہ پاک امداد فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/۴/۵۸ھ۔

ایضاً

سوال[۳۷۳۹]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانہ قدیم سے موجود ہے، اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھروں پر مشتمل ہے اور اس مسجد میں نماز جمعہ ہمیشہ سے ہو رہی ہے۔ آبادی کی مردم شماری میں یہ مقام کالسی تین میل کی وسعت کے لحاظ سے صرف خود ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں پر قبرستان ہے اور مسجد اسی میں ہے اور عیدین کی نماز بھی یہاں پر ہوتی ہے۔ اس مقام میں ہندو و مسلمان کی مشترکہ آبادی پانچ سو یا چار سو کے ہے اور یہاں پر معمولی بازار ہے اور تار گھر، ڈاکخانہ، مڈل اسکول سے پرانہ قصبہ ہے اور موسمِ سرما میں تین ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر آجاتے ہیں اور دیوانی وفوج داری مقدمات ہوتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے ایک شخص نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور وہ شخص پکا نمازی بھی ہے، نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے یہاں پر پختہ پچیس تیس نمازی جمع ہو جاتے ہیں اور ایامِ سرما میں نمازیوں کی مقدار میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

اب اس شخص کے اعتراض پیدا کرنے سے نمازیوں کی مقدار میں دس پندرہ آدمیوں کی کمی ہوگئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو کچھ عرصہ بعد شاید یہ نمازی اَور بھی کم ہو جاویں گے، اس نماز جمعہ کے طفیل سے دور دور سے

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الوتر وأحكامه، ص: ٣٨٦، قديمي)

(١) "لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٨/٢، سعيد)

مسلمان جمع ہوتے ہیں، اب اس میں عام طور سے لوگوں کو نماز نہ پڑھنے کا بہانہ مل گیا، اس نماز جمعہ ہی کی برکت سے بہت سے نوجوان اور بوڑھوں کو وضو کرنے کی تمیز ہوگئی تھی اور یہاں اس صورت میں کہ نماز جمعہ ہوتی ہے تب بھی نماز سے متنفر ہیں اور اگر خدانخواستہ نمازِ جمعہ بند ہوگئی یہاں پر، تو یہ بالکل ہی نماز چھوڑ دیں گے۔ خیر باعثِ طلب یہ امر ہے کہ نماز جمعہ جائز ہے یہاں پر یا نہیں؟

الجواب از: دهـــــــــــــلی:

ان حالات میں نمازِ جمعہ جاری رکھی جائے، بند کرنا درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

اس استفتاء کا جواب اس سے قبل مظاہر علوم سے جا چکا تھا، اس کے بعد یہ استفتاء مع جواب آیا، جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:

الجواب حامداً ومصلياً:

یہاں کا جواب تو اب بھی وہی ہے، جو پہلے تھا۔ جس شخص کو عمل کرنا ہوتا ہے وہ کسی ایسے شخص سے جس پر اعتماد ہو، ایک دفعہ دریافت کر کے عمل کر لیتا ہے، جس کو عمل نہ کرنا ہو وہ مختلف اشخاص سے دریافت کرتا ہے کہ دیکھیں فلاں جگہ سے کیا جواب ملتا ہے اور فلاں جگہ سے کیا، اگر کہیں دو جگہ سے مختلف جواب ملا تو اس کو شور مچانے اور گالیاں دینے کا ذریعہ بنا لیتا ہے، ایسے شخص کا مقصود درحقیقت عمل کرنے کے لئے دریافت کرنا نہیں ہوتا۔ اب آپ کے سامنے دونوں قسم کے جواب موجود ہیں۔ جاہل لوگ علماء کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ مختلف مقامات سے مسئلہ دریافت کر کے اور مختلف جوابات حاصل کر کے ان جاہلوں کو سنا کر گالیاں دلواتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

اب دوبارہ یہاں پہونچنے سے بھی غالباً مقصود ہوگا کہ یہاں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ کی تردید کی جائے تاکہ آپ پھر جاہلوں کو سنا کر بتلائیں اور گالیاں دلوائیں کہ دیکھو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں، یا یہ مقصود ہوگا کہ یہاں سے پہلے فتویٰ کے خلاف جواب دیا جائے تاکہ عوام جاہلوں کو آپ سنائیں کہ دیکھو ایک فتویٰ دیا پھر دوبارہ اس کے خلاف فتویٰ دیدیا، ایک بات پر قرار نہیں اور پھر وہ عوام گالیاں دیں، جس سے آپ کو مزہ آئے اور آپ خیر خواہانہ طریقہ سے اظہار ہمدردی کریں کہ عوام جب گالیاں دیتے ہیں، ہمیں بہت افسوس ہوتا ہے۔

اگر آپ عالم ہیں تو کتب فقہ وحدیث میں دلائل موجود ہیں دیکھ کر اطمینان کر لیجئے، اگر آپ جاہل ہیں تو جس پر اعتماد ہو اس سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کیجئے، مختلف مقامات پر سوال بھیجنے اور جواب منگانے کی ضرورت نہیں۔ رہا جاہلوں کے گالیاں دینے کا قصہ سو آپ نے خود ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ ''ہم ان مولویوں اور حدیثوں کو نہیں مانتے'' اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نہ مولوی کی ضرورت ہے اور نہ حدیث کی، نہ وہ کسی سے مسئلہ پوچھیں اور نہ عمل کریں۔ پھر تو گالیاں دینے کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مسئلہ کا جواب مختلف ہے تب ہی گالیاں دیں، بلکہ وہ تو ہر طرح گالیاں دیں گے، اس کا علاج نہ میرے قبضہ میں ہے نہ آپ کے قبضہ میں۔

اگر آپ کو علمِ دین اور علماء سے ہمدردی ہے تو ایسی حرکات نہ کیجئے جس سے عوام مشتعل ہو کر گالیاں دیں، بلکہ نہایت نرمی اور حسنِ تدبیر سے ان کو سمجھایئے کہ مسائل میں اختلاف اب سے نہیں، بہت پہلے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور اس سے گھبرا کر حدیث کو اور علمِ دین کو چھوڑ کر بیٹھنا تو بہت بڑی جہالت ہے، بلکہ اس اختلاف میں تو ہر شخص کو ایک قسم کی گنجائش ہے کہ جس عالم کے قول پر عمل کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا وآخرت میں سہولت ہوگی، جواب دہی جو کچھ ہوگی وہ خود ان عالموں کے ذمہ رہے گی جن سے پوچھ کر ہم نے عمل کیا ہے، ہماری گرفت نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۱۱/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

بستی میں نمازِ جمعہ بند کرنے سے لوگ فرض نماز، روزہ چھوڑ دیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۳۷۴۰]: ہمارے گاؤں کی آبادی اس وقت ۱۱۰۰/ سو ہے، پرچون کی دکانیں ہیں، تمام ضرورتیں ایک قصبہ دو میل پر ہیں، وہاں سے سب ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں، آپ کے پاس تین فتوی روانہ کئے تھے جمعہ کے بارے میں، آپ نے بند کرا دیا، یہ لوگ نہ رمضان کے روزے رکھیں گے، نہ تراویح پڑھیں گے اور نہ نماز پڑھیں گے اور نہ خیرات زکوٰۃ دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''شرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر، حتى لاتصح في قرية ولا مفازة لقول علي رضي الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولاتشريق ولاصلوة فطرولا أضحى إلافي

مصر جامع أو في مدينة عظيمة". رواه ابن أبي شيبة، وصححه ابن حزم، وكفىٰ بقوله قدوةً وإماماً الخ". البحر الرائق، ص: ۱٤۰(۱)۔

حافظ عینی نے شرح بخاری میں ابوزید کی "کتاب الأسرار" سے اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے(۲)۔

بذل المجہود(۳) اور اوجز المسالک(۴)، اعلاء السنن(۵)، آثار سنن(۶)، مرقاۃ(۷)، سب کتابوں میں یہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ کے آس پاس چھوٹے گاؤں تھے جن کو "عوالی" کہا جاتا ہے، وہاں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی وہاں جمعہ کے لئے نہیں فرمایا، وہاں کے لوگ باری باری جمعہ کے لئے مدینہ پاک میں حاضر ہوا کرتے تھے، یہ بخاری شریف میں موجود ہے(۸)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲٤۵، رشيديه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع .... أن أبا زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالك رضي الله تعالىٰ عنهما". (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، وذكر مايستفاد منه: ۶/۱۸۸، منيريه، بيروت)

(۳) (رواه الشيخ خليل احمد سهارنفوري رحمه الله في البذل، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه)

(۴) (رواه شيخ الحديث مولنا زكريا رحمه الله في أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإمام ينزل في قرية يوم الجمعة: ۲/۲٤۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۵) (رواه الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ في إعلاء السنن في كتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچی)

(۶) (رواه الشيخ محمد بن علي رحمه الله تعالىٰ في آثار السنن، في كتاب الصلاة، بابٌ: لاجمعة إلا في مصر جامع، ص: ۲۹۲، امداديه ملتان)

(۷) (رواه الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ في مرقاة المفاتيح، في كتاب الصلاة، باب: وجوب الجمعة: ۳/۴۷۰، رشيديه)

(۸) "عن عائشة -رضي الله تعالىٰ عنها- زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي، فيأتون في الغبار يصيبهم الغبار". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين الجمعة الخ: ۱/۱۲۳، قديمي)

نے بنی عمرو بن عوف کی بستی میں قیام فرمایا اور وہاں جمعہ بھی آیا مگر جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بخاری شریف (۱) اور اس کی شرح فتح الباری میں یہ مذکور ہے (۲)۔

میں نے تو حدیث شریف کا حوالہ دے دیا لیکن آپ نے جو کلمات لکھے ہیں جن پر میں نے لکیر کھینچ دی، آپ ان کو لکھ کر کسی عالم سے جس پر آپ کا اعتماد ہو دریافت کرلیں کہ ایسا لکھنا شرعاً کیسا ہے، اس سے ایمان تو برباد نہیں ہو جاتا اور ایسا لکھنے پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اس کی مکافات کس طرح کی جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

بستی میں نماز جمعہ سے منع کرنے کی صورت میں لوگوں کی ملامت کا خوف ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال [۳۷۴۱]: ایک جگہ ایسی بستی ہے جہاں احناف کے مذہب کی بنیاد پر جمعہ نہیں ہوتا لیکن وہاں بہت دنوں سے صلوۃ جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے تو اب صلوۃ جمعہ وہاں پڑھی جائے یا نہیں؟ جب کہ چھوڑ دینے سے لوگوں کی ملامت کا خوف ہو؟ ویسے تو لوگ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو ایک پنجوقتی نماز نہیں ادا کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل رہے ہیں، اب اگر جمعہ کی نماز سے منع کر دیا جائے تو غفلت میں اور بھی زیادتی ہو جائے گی اور غفلت میں زیادتی شریعتِ مطہرہ میں کہاں جائز ہے؟

---

(۱) "أن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت: لم أعقل أبویّ قط إلا وهما یدینان الدین" ....وذکر الحدیث.......... وفیه: "فلبث رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع عشرة لیلةً". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم: ۱/۵۵۵، قدیمی)

(۲) (رواه ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالیٰ فی فتح الباری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم: ۷/۳۰۴، قدیمی)

(۳) بظاہر مستفتی کا انداز دھمکی آمیز ہے کہ اگر اس طرح جمعہ بند کرا دیا گیا تو اس کے مقابلے میں سارے لوگ نماز، روزہ وغیرہ کا انکار کر کے ادائیگی چھوڑ دیں گے اور یہ الفاظ انتہائی سخت ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو احتیاطاً تجدیدِ ایمان ونکاح ضروری ہے: "ما کان فی کونه کفراً اختلاف، فإن قائله یؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلک، وتجدید النکاح بینه وبین امرأته احتیاطاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک غلط کام اگر پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہو تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہایت شفقت، ہمدردی سے، حسن تدبیر سے اس کی اصلاح کی جائے، اس کی اجازت نہیں کہ غلط کام کی تائید کرکے اس کو اور بھی پختہ کردیا جائے، وہ پانچ وقت کا فرض ادا نہیں کرتے تو اس کا وبال وعذاب ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ کس قدر خطرناک حالت ہے، احادیث میں اس پر کس قدر وعید ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوازِ جمعہ میں اختلاف ہو تو راہِ عمل کیا ہے؟

سوال[۳۷۴۲]: بعض جگہوں پر بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے، اور بعض جگہوں پر بعض علماء جوازِ جمعہ کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور بعض عدمِ جواز کا، مثلاً مذکورہ بستی ہی ہے یہاں بھی بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے، عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور جواز کے قائل ہیں۔ اور یہاں کے تمام مدرسین جو کہ علماء بھی ہیں، جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عالم اور مفتی پر زیادہ اعتماد ہو اس کی بات پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

احتیاط مذہب حنفی میں ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ نہیں

سوال[۳۷۴۳]: حضرت مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ ”جمعہ کے معاملہ میں اگر امام شافعی رحمہ اللہ

---

(۱) ”جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہیے تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیے“۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۳۵/۳، دارالإشاعت)

”لما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لايمنعون؛ لأنهم إذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى او من تركها اصلاً“.

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۲، سعيد)

تعالیٰ کے قول پر احتیاط ہوتی تو میں اس پر فتویٰ دے دیتا، مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے"۔ تو جس گاؤں میں اختلاف قریہ اور مصر ہونے میں ہو، اس میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے، احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۰/۵/۹۵ھ۔

جمعہ کی نماز میں شوافع کے یہاں کتنے آدمی ضروری ہیں

سوال [۳۷۴۴]: ۱......ایک قریہ میں شافعیوں کی دو مسجدیں ہیں: ایک مسجد میں جمعہ میں بیس آدمی، دوسری میں تیس آدمی جمع ہوتے ہیں۔ چونکہ شافعی مذہب میں جمعہ کے لئے یہ افراد شرط ہیں، باوجود ہونے کے یہ دونوں مسجد والے ایک جگہ جمع نہیں ہوتے، الگ الگ ہی نماز پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک قول میں نمازِ جمعہ کے لئے بارہ آدمی بھی کافی ہیں۔ کیا یہ قول صحیح ہے؟

ایضاً

سوال [۳۷۴۵]: ۲......ایک قریہ میں پندرہ ہی گھر ہیں، ایک ہی مسجد ہے جمعہ میں محض تیرہ چودہ آدمی ہوتے ہیں، شوافع کے لئے نمازِ جمعہ کے واسطے مذکورہ قول کفایت کرتا ہے کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......الدراسات الفقہیہ: ۲/۱۱۵، میں متعدد اقوال بیان کئے ہیں، چالیس کے عدد کو معتمد لکھا ہے، بارہ کا عدد امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے (۱)۔ سیوطیؒ نے الحاوی الفتاویٰ: ۱/۶۶ میں ارجح المذاہب اس چیز کو لکھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت میں جمعِ کثیر ہونا چاہیے، کوئی عدد معین ضروری نہیں (۲)۔ چالیس کے عدد کو دلیل

---

(۱) (لم اظفر علیه)

(۲) "الرابع عشر: جمعٌ كثيرٌ بغير قيد، وهذا مذهب مالک .... قال الحافظ ابن حجر في شرح البخاري: لعل هـذا المذهب أرجح المذاهب من حيث الدليل، وأقول: هو كذلک؛ لأنه لم يثبت في شيء من الأحاديث تَعين عدد مخصوص وأنا أبين ذلک". (الحاوی للفتاویٰ: ۱/۷۶، باب صلوة الجمعة، ضوء الشمعة، دار الفکر، بیروت)

کے اعتبار سے قوی قرار نہیں دیا، لہٰذا بیس یا تیس آدمی اگر جماعت میں ہوں تب بھی بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مزید تحقیق اپنے مذہب کی شوافع بتاسکیں گے، حنفیہ کے نزدیک تو اس جماعت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ وہ قریۂ کبیرہ ہو۔

۲.....شوافع کے نزدیک صرف جماعت میں شریک ہونے والوں کا عدد مذکور کافی نہیں، بلکہ دیگر شروط بھی ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

بازار کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۷۴۶]: مسجد درگاہ حضرت شاہ کلیم اللہ میں نماز پنجگانہ، نماز عیدین، تراویح رمضان باقاعدہ مسلسل ہوتی ہے، مسجد کشادہ اور مسجد سے متعلق کئی مارکیٹ، سبزی مارکیٹ، کوٹ پتلون مارکیٹ، کبوتر مارکیٹ وغیرہ واقع ہے، ہمہ وقت زائرین کی آمدورفت رہتی ہے، مسجد سے ملحق مارکیٹ اور بازار وغیرہ کا طویل سلسلہ ہے، دوطرفہ مسجد سے متصل شاہراہ پر ہردم مسلم مسافروں کی آمدورفت بھی رہتی ہے۔ کیا مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ مسجد آبادی سے دور شہر سے خارج نہیں ہے جیسا کہ تحریر سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو یہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ولكن لا تنعقد الجمعة بالعدد المطلوب، وهو أربعون بالمسافر، بل لابدمن كون الأربعين متوطنين، فالاستيطان شرط الانعقاد لاشرط الوجوب للجمعة، كما أن شرط صحة الجمعة هو وقوعها في بناء لاصحراء". (الفقه الإسلامي وادلته: ۱۲۸۷/۲، كتاب الصلوة، المبحث الثاني: صلاة الجمعة، المطلب الثالث، رشيديه)

(وكذا في المجموع شرح المهذب للنووي: ۴۲۴/۴، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، دارالفكر، بيروت)

(۲) "عن عليّ رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، =

اگر بغیر جمعہ کے مسجد آباد نہ ہوتو کیا کرے؟

سوال[۳۷۴۷]: ہم لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس سے دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں پر مسجد غیر آباد ہے، صرف جمعہ کی وجہ سے مسجد آباد ہو سکتی ہے تو اس جگہ جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں، مسجد آباد ہو یا ویران ہو، جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ پانچوں وقت اذان و جماعت کا انتظام واہتمام کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۴۸]: موضع دیوکلی میں جمعہ کے سب شرائط ہیں، آبادی تین ہزار سے زائد ہے،

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"وأما شروط الأداء فستة أيضاً: الشرط الأول: المصر أو فناء ه، فلاتجوز في القرى ....
عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، و لهارساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيمايقع من الحوادث، و هذا هو الأصح، انتهى". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"و أما شروط الأداء فستة أيضاً: الشرط الأول المصر أو فناء ه، فلا تجوز في القرى". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

مسلمانوں کے گھر پندرہ سو کے قریب ہیں، یہاں ایک مسجد ہے جمعہ ہوتا ہے مگر مسجد میں پانچ وقت نماز نہیں ہوتی نہ جماعت کے ساتھ نہ بلا جماعت، کوئی آدمی آ گیا تو پڑھ لیا، مقامی لوگ نماز نہیں پڑھتے صرف جمعہ، عید، بقر، عید ہوتی ہے، ان حالات میں جمعہ صحیح ہوگا؟ اور موضع پہاڑپور کی آبادی پندرہ سو کے قریب ہوگی، چالیس گھر مسلمانوں کے ہیں، یہاں دو مسجدیں ہیں، ۵، ۶/ دوکانات ہیں، مسجد میں جمعہ پہلے سے ہوتا آرہا ہے، پنجوقتہ نماز بھی کبھی جماعت سے کبھی بلا جماعت، جمعہ میں تیس چالیس آدمی شریک ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیوکلی میں جمعہ کے شرائط موجود ہیں یعنی گلی کوچہ محلے ہیں، ڈاک خانہ ہے، بازار ہے، ضرورت کی ہر شئی ہمیشہ مل جاتی ہے، تین ہزار کی مردم شماری ہے تو وہاں جمعہ بھی درست ہے اور عید بھی (۱) مگر وہاں کے لوگوں کو لازم ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کا بھی اہتمام کریں، کسی کو اذان وامامت کے لئے مقرر کرلیں اور سب نماز پڑھا کریں ورنہ سخت وبال میں گرفتار ہوں گے اور سب پر نحوست طاری رہے گی (۲)۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲۴۶/۲، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أثقل صلوة على المنافقين صلوة العشاء و صلوة الفجر و لو يعلمون ما فيهما، لأتوهما ولو حبواً، ولقد هممت أن آمر رجلاً بالصلوة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة فأحرّق عليهم بيوتهم بالنار".

قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: لقد رأيتنا و مايتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، =

موضع پہاڑ پور آپ کی تحریر کے مطابق چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز ادا کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

گھر یا حجرہ میں جماعت یا جمعہ

سوال [۳۷۴۹]: حجرہ یا گھر میں ۲۰،۲۰/ طالب علم وقتی نماز ادا کرتے ہیں، قریب آس پاس میں جامع مسجد بھی موجود ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جمعہ کی نماز ہوگی تو آس پاس کے محلہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں پارٹی بازی یا جھگڑا ہوسکتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر نماز کو مسجد میں ادا کیا جائے، مسجد کو چھوڑ کر بلا عذرِ شرعی گھر میں نماز کا اہتمام کرنا مسجد کے حق کو تلف کرنا ہے، خاص کر نماز جمعہ، اس کے لئے جامع مسجد کا اہتمام کیا جائے اپنے ذاتی گھر میں ہرگز جمعہ نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أومريض إن كان ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة. و قال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه".

"عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: من سره أن يلقى الله تعالىٰ غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادىٰ بهن، فإن الله تعالىٰ شرع لنبيكم سنن الهدى وأنهن من سنن الهدىٰ و لو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة، بيان التشديد في التخلف عنها الخ: ۱/ ۲۳۲، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۱۸۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو أن رجلاً دعا الناس إلى عرق أو مرماتين، لأجابوه و هم يدعون إلى هذه الصلوة في جماعة فلا يأتونها، لقد هممت =

جیل یا گھر میں جمعہ

سوال[۳۷۵۰]: چند حضرات سیاسی جدوجہد کے سلسلہ میں نظر بند اور گرفتار ہیں، نماز جمعہ کے متعلق انہیں خیال رہتا ہے کہ بحالتِ اسیری و مجبوری ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا انہیں ظہر پڑھنی چاہئے یا جمعہ؟ براہِ کرم مختلف فقہی مذاہب کی جزئیات کا استیعاب فرماتے ہوئے حنفی مسلک کو دلائل وشواہد کے ساتھ واضح فرمایا جائے کہ یہ اہلِ علم حضرات اس سے روشنی پاسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال ابن نجیم: "والإذن العام: أی شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن و صلى فيه بأهله و عسكره صلوة الجمعة، لا تجوز، كذا فى الخلاصة

= أن آمر رجلاً أن يصلي بالناس في جماعة، ثم أنصرف إلى قوم سمعوا النداء فلم يجيبوا فأضرمها عليهم ناراً، إنه لا يتخلف عنها إلا منافق"

"قال الشيخ ظفر أحمد العثماني نور الله مرقده: " قلت: دلالته على الجزء الأول ظاهرة حيث بولغ فى تهديد من تخلف عنها و حكم عليها بالنفاق، ومثل هذا التحديد لا يكون إلا فى ترك الواجب، ولا يخفى أن وجوب الجماعة لو كان مجرداً عن حضور المسجد لَمَا هَمّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإضرام البيوت على المتخلفين لاحتمال أنهم صلوها بالجماعة في بيوتهم، فثبت أن إتيان المسجد أيضاً واجب كوجوب الجماعة". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وجوب إتيان الجماعة في المسجد: ۱۶۴/۴، إدارة القرآن، كراچی)

"وقال ابن مسعود: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلوة فى المسجد الذى يؤذن فيه". و فى رواية:قال: "من سره أن يلقى الله تعالىٰ غداً مسلماً، فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله تعالىٰ شرع بينكم سنن الهدى، وأنهن من سنن الهدى و لوأنكم صليتم فى بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف فى بيته لتركتم سنة نبيكم، و لو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد فى التخلف عنها الخ: ۲۳۲/۱، قديمى)

اھـ". بحر: ۱۵۱/۲ (۱) کذا فی البدائع: ۲۲۹/۱ (۲) و شرح المنیۃ الکبیر، ص: ۵۱۸ (۳)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ صحتِ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، اگر جیل کا دروازہ بند ہو کہ وہاں جانے کی عام اجازت نہ ہو تو وہاں جمعہ درست نہیں، ظہر ادا کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، رشیدیه)

(۲) "و ذكر في النوادر شرطاً آخر يذكر في ظاهر الرواية و هو أداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى أن أميراً لو جمع جيشه في الحصن وأغلق الأبواب و صلى بهم الجمعة، لا تجزئهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، الجماعة من شروط الجمعة: ۲۰۲/۱، رشيديه)

(۳) "الشرط السادس: الإذن العام، حتى لو أن السلطان أو الأمير إذا أغلق باب قصره، و صلى فيه بحشمه، لا تجوز جمعته، و إن فتحه و أذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أولا، و ذلك لما مرّ غير مرة أنها شرعت بخصوصياتٍ لا تجوز بدونها، والإذنُ العام والأداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات، فلا تجوز بدونه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أذن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الجمعة قبل أن يهاجر، و لم يستطع أن يجمّع بمكة، فكتب إلى مصعب بن عمير رضي الله تعالىٰ عنه: "أما بعد! فانظر اليوم الذي تجهر فيه اليهود بالزبور، فاجمعوا نساء كم وأبناء كم، فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة، فتقربوا إلى الله بركعتين" قال: فهو أول من جمّع حتى قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلك".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "قلت: و فيه دلالة على الشرط الجمعة أن تؤدى على سبيل الاشتهار لما فيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أذن الجمعة قبل أن يهاجر، و لم يستطع أن يجمع بمكة .... ولا يخفى أن مكة موضع صالح للجمعة حتماً لكونها مصراً، ولم يكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عاجزاً عن الوقت و لا عن الخطبة والجماعة لأجل كونه مختفياً في بيت، فإنه كان يقيم سائر الصلوات بالجماعة كذلك، ولكنه لم يستطع أن يؤدي الجمعة على سبيل الاشتهار والإذن العام لما فيه من مخافة أذى الكفار و هجوهم على المسلمين، ففيه دليل قول الحنفية باشتراط الإذن العام للجمعة".

(إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب أن وقت الجمعة بعد الزوال: ۴۵/۸، ۴۶، إدارة القرآن، كراچى)

(۴) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند رکھنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ محض حفاظت ہو تو درجِ ذیل جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (أحسن الفتاوى، =

قیدخانہ میں جمعہ کی نماز

سوال[۳۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین حدیثین شریفین کی روشنی میں بابت جمعہ مبارکہ کی نماز کے متعلق، کیا قیدی جن کو ہر قسم کی مذہبی آزادی ہو اور کھانے پینے کا انتظام بھی ان کا اپنے ہاتھ ہو، صرف حکومت کے قانون کے مطابق اندر سے باہر جا کر جمعہ کی نماز ادا نہیں کر سکتے اور ایک جگہ ہزاروں ایسے آدمی موجود ہوں اور ایک جگہ پر نماز جمعہ پڑھ سکتے ہوں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس وقت ہم لوگ جمعہ کی نماز برابر پڑھتے رہتے ہیں اور بعض عالموں نے یہ رائے دیا کہ جمعہ کی نماز قیدیوں یا نذر حوالہ کئے ہوئے لوگوں کو پڑھنی جائز نہیں بلکہ قصر بھی منع ہے۔ اس لئے ہمیں خلاصہ حدیثوں کی روشنی میں آگاہ فرمائیں تاکہ تسلی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ حالات کے تحت وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، درمختار اور شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۸ھ۔

= كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱۲۲/۴، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرلمختار).

"(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت، فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱۵۲/۲، سعيد)

(۱) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند رکھنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ محض حفاظت ہو تو درجہ ذیل جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (احسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱۲۲/۴، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرالمختار). "(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن =

فیکٹری میں جمعہ

سوال[۳۷۵۲]: ایک مدت سے یہاں ایک استفتاء رکھا ہے جس کا جواب پورے طور پر کچھ حل سمجھ میں نہ آنے کی بنا پر نہیں دیا جا سکا جس کی خاص وجہ امداد الفتاوی میں ذکر کردہ ایک فتوی ہے، پھر شامی وغیرہ کی عبارتوں کا محمل تجویز کرنے میں الجھن ہے۔ استفتاء درج ذیل ہے:

ایچ اے ایل فیکٹری (یعنی کانپور اسلحہ فیکٹری) میں نماز جمعہ گذشتہ چھ سات سال سے ہوتی چلی آ رہی ہے اور مسجد فیکٹری سے میل سوا میل کے فاصلہ پر ہے اور وقتِ طعام صرف آدھ گھنٹہ (ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک) مقرر ہے ایسی صورت میں مسجد تک پہنچنا اور نماز ادا کرنا محال ہے اور عوام کی نماز میں شرکت ممنوع ہے کیوں کہ مسجد فیکٹری کی حد میں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جملہ ملازمینِ فیکٹری کی نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوگی تو گذشتہ نمازوں کا اعادہ کس طرح کیا جائے؟ پھر اگر یہاں جمعہ نہ ہو تو کیا دوسری فیکٹری میں تبادلہ کرالیا جائے جہاں نماز کی سہولت ہو یا یہیں جمعہ اور احتیاط الظہر دونوں پڑھ لیں؟ امید ہے کہ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ امداد الفتاوی: ۱/۱۲،۱۱، میں ایک قلعہ کے اندر رہنے والوں کی نماز سے متعلق تحریر ہے:

الجواب:

”اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائط، شرائطِ صحتِ جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی روک ٹوک کسی اَور ضرورت سے ہو وہ اذنِ عام میں مخل نہیں:

في الدر المختار: والإذن العام من الإمام، و هو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي، فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدوّ لا للمصلي، نعم! لو لم يغلق لكان أحسن، اهـ“۔ في رد المحتار: و ينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده

= يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل“. (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

التعلیل". انتھی(۱)۔ پس بنابرروایت مذکورہ اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے"(۲)۔

احقر کے خیال میں ہے کہ استفتاء میں مذکورہ صورت امداد الفتاویٰ میں ذکر کردہ قلعہ والی صورت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت کے فتویٰ اور پھر مذکورہ بالاعبارت کتاب سے جواز ہی سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ فیکٹری میں عوام کے نہ آنے کی ممانعت مصلحۃً ہے، مقصود عوام کو نماز سے روکنا نہیں بلکہ فیکٹری کے حفاظتی انتظامات کے تحت ہے اور اس میں کام کرنے والوں میں سے کسی کو ممانعت نہیں ہے۔ مزید علامہ شامی کا قول اور زیادہ جواب کا معین ہے۔ امداد الفتاویٰ میں ایک اسی قسم کے سوال کا جواب ان الفاظ میں بھی دیا گیا ہے کہ "جس جگہ پر عام ممانعت ہے وہاں سے باہر نکل کر کسی میدان میں جمعہ پڑھ لیں۔ اس فیکٹری میں بھی کام کرنے والوں کے لئے بھی ایک صورت یہ نکل سکتی ہے۔ اب حضرت والا کی خدمت میں یہ استفتاء بغرض دریافت ارسال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت کے مطابق مذکورہ فیکٹری میں بھی جمعہ کی اجازت ہے، اگر باہر نکل کر پڑھنے کا موقعہ ہو تو اس کی بھی اجازت ہے کیونکہ مسجد کا ہونا جواز کی شرط نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۲/۲، سعید)

(۲) (امداد الفتاوی، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة والعیدین: ۴۱۱/۱، ۴۱۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۳) "لو صلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری و فیها والحاکم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم یبنوا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

"والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل یجوز فی جمیع أفنیة المصر؛ لأنها بمنزلته فی حوائج أهله". (الهدایة، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۶۸/۱، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشیدیه)

ہوسٹل میں جمعہ

سوال[۳۷۵۳]: ہماری آبادی سے قریب ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک ہوسٹل ہے، اس کے قرب وجوار میں مکان بھی ہے، یہاں عبادت گاہ بنائی گئی جو صرف کمرہ نما ہے، وقت پر نماز گیارہ سال سے ہو رہی ہے، لیکن اس سال کچھ حضرات کا اعتراض ہو رہا ہے کہ نمازِ جمعہ وہاں ادا نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ آبادی میں نہیں ہے اور مسجد نہیں ہے، نوے طلباء مختلف علاقے کے اس ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ اب آپ مطلع فرمادیں کہ نماز جمعہ وہاں پر درست ہے یا نہیں؟ اس مقام کی آبادی اٹھارہ ہزار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کالج اور ہوسٹل بھی شہر کی ضروریات میں داخل ہے اس لئے حکماً وہ مقام بھی شہر کی طرح ہے، اگر اس شہر میں شرائطِ جمعہ موجود ہیں تو وہاں بھی جمعہ درست ہے، جمعہ کے لئے باقاعدہ مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، جو جگہ عبادت کے لئے بنا رکھی ہے وہاں جمعہ بھی ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

کواڑ بند کر کے نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۵۴]: نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند رکھنا کیسا ہے؟ اگر کواڑ بند کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز میں کچھ فرق آیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کے کواڑ بند نہ کئے جائیں، وہاں اذنِ عام ضروری ہے ورنہ نماز

---

(۱) "لو صلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری و فیها والحاکم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم یبنوا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

"والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل یجوز فی جمیع أفنیة المصر؛ لأنها بمنزلته فی حوائج أهله". (الهدایة، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

درست نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(و) السابع (الإذن العام)". (الدر المختار). "(قوله: الإذن العام): أى أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه، وهذا مراد مَن فسّر الإذن العام بالاشتهار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۱، سعيد)

"الشرط السادس: الإذن العام حتى لو أن السلطان أو الأمير إذا أغلق باب قصره و صلى فيه بحشمه، لا تجوز جمعته، وإن فتحه وأذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أولا". (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة من شروط الجمعة: ۱/ ۲۰۲، رشيديه)

الفصل الثالث فی تعدد الجمعة

(متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

تعددِ جمعہ

سوال[۳۷۵۵]: اس بستی میں دو مسجدیں ہیں اور پہلے جمعہ جامع مسجد میں ہوتا تھا، لیکن ایک مولوی صاحب نے کسی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کر دیا، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب جمعہ ایک مسجد میں ہونا چاہیے یا کہ دو مسجدوں میں ہونا چاہیے؟

محمد یاسین، موضع بہائی، تحصیل ڈسمو، رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ تمام مسلمان جمع ہو کر ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کریں، بلا ضرورت دو جگہ جمعہ نہ کریں، ضرورت پیش آنے پر دوسری جگہ بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ

سوال[۳۷۵۶]: ۱...... ہمارے گاؤں کی تقریباً پانچ چھ ہزار مردم شماری ہے جس میں ۲/۳، مسلمان، ۱/۳، ہندو رہتے ہیں، اس میں ایک جامع مسجد ہے جس میں تمام مسلمان نماز جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں، میرے محلّہ والوں کو جامع مسجد کے امام صاحب سے اَور کسی کی امام صاحب سے شکایت پیدا ہو گئی، انہوں نے جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے محلّہ کی مسجد میں ہی جمعہ قائم کر لیا، اس کے بعد تیسرے محلّہ والوں کو بھی کوئی

---

(۱) "(وتؤدی فی مصر واحدٍ بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ". (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۹، رشيديه)

شکایت پیدا ہوگئی تو انہوں نے بھی اپنے محلّہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرلیا، اس صورت میں چار جگہ جمعہ ہونے لگا۔ اب نمازیوں کا ہی...... یہ حال ہے کہ ۲۵،۲۵/ یا ۳۰،۳۰/ نمازی نماز جمعہ میں ہوتے ہیں، جامع مسجد میں اس سے کچھ زائد ہوجاتے ہوں گے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ:

۲...... چار جگہ جمعہ ہونے کی صورت میں شریعتِ مطہرہ کے نزدیک جمعہ کی حیثیت اور جو مقصد ہے وہ باقی رہتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے جب کہ نمازیوں کی بھی اتنی کم تعداد ہو؟

۳...... چاروں جگہ جمعہ قائم رہنے دینا چاہیے یا نہیں، یا سب جگہ بند کر کے صرف جامع مسجد ہی میں جمعہ ادا کیا جائے؟

۴...... میرے گاؤں میں جو علماء رہتے ہیں ان کو جامع مسجد کے علاوہ اَور مساجد میں جمعہ بند کرانے اور صرف جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے، پڑھوانے کی جدوجہد کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر علماء اس بات کی جدوجہد نہ کریں تو وہ شرعاً مجرم ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر علماء کوشش کریں تو میرے گاؤں میں سب مساجد سے جمعہ بند ہوسکتا ہے اور صرف جامع مسجد ہی میں سب لوگ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے تیار ہوسکتے ہیں؟

۵...... جمعہ بند کرانے کی کوشش کی گئی تو جن مساجد میں جمعہ ابھی فی الحال شروع ہوا ہے انہوں نے یہ بات کہی کہ محلّہ چودھریاں میں جمعہ بند کراؤ، وہ ہم سے پہلے پڑھتے ہیں اور اس محلّہ میں علماء بھی رہتے ہیں اور وہ علماء بھی اپنے حلّہ کی مسجد ہی میں جمعہ پڑھتے ہیں، اگر ان کے لئے جائز ہے تو ہمارے لئے بھی جائز ہے۔ اس محلّہ کی مسجد والوں سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو جمعہ چالیس سال سے ہوتا ہے، ہم کیسے بند کریں۔ تو کیا ان کا یہ عذر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر عذر شرعاً درست نہیں تو جمعہ بند کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۶...... اگر میرے گاؤں کے علماء جامع مسجد کے علاوہ اَور مسجدوں سے جمعہ کو بند کرانے کی جدوجہد کریں لیکن محلّہ والے جمعہ بند نہ کریں تو جس محلّہ میں جو عالم رہتے ہیں وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جمعہ ادا کریں یا نماز جمعہ کے لئے ان کا جامع مسجد میں آنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہارِ شوکت ہے جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے زیادہ واضح طور پر حاصل ہوتا ہے، بلاضرورت جگہ جگہ جمعہ کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے یہ طریقہ

ناپسند ہے(۱)۔

۲.....بہتر یہ ہے کہ سب متفق ہوکر جمعہ ایک ہی (جامع) مسجد میں پڑھیں اور جھگڑا بند کردیں، لیکن اگر بند کرنے میں فتنہ وفساد ہوتو اس سے پرہیز کریں(۲)۔

۳.....اگر بغیر فتنہ کے بند کرسکتے ہیں تو بند کرکے جامع مسجد میں جایا کریں اس سے دوسروں کو بھی اجر ملنے کی توقع ہے(۳)۔

۴.....ترغیب وتذکیر کے طور پر سعی کرنا مناسب وافضل ہے، اگر سعی نہیں کریں گے تو افضل کے تارک ہوں گے(۴)۔

---

(۱) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفاة، ومن تركها تهاوناً بها، طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة، وسبقهم إلى الزيادة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل: هدية النبي صلى الله عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۴۱، دار الفكر، بيروت)

(۲) فتنہ وفساد کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منع کیا گیا ہے، قال الملا علی القاری: "وشرطهما: (أي الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۲۲/۸، رشيديه)

(۳) "عن تميم الداري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة عامتهم : وهم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وكف الأذى عنهم، فيعلمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف، ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ".

(الصحيح لمسلم مع شرح للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: ان الدين النصيحة: ۵۴/۱، قديمي)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

۵.....عوام تو علماء کے فعل سے استدلال کرتے ہیں لہٰذا ان کا جواب اسی پر مبنی ہے، علماء حدود کو خوب سمجھتے ہیں وہ اگر افضل کو اختیار کریں تو عوام کو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداءً اسی مسجد میں (جامع مسجد) کے علاوہ جمعہ شروع کیا گیا ہو پھر رفتہ رفتہ دوسری مساجد میں بھی ہونے لگا ہو، پس اگر یہ بند کرکے جامع مسجد میں آنے لگیں تو کیا بعید ہے کہ دوسری مساجد والے بھی ان کا اقتداء واتباع کرلیں اور جامع مسجد پُر ہوکر رونق وشوکتِ اسلام کا ذریعہ ہوجائے (۱)۔ مدت (چالیس سال) کا عذر کوئی قوی اور شرعی عذر نہیں کہ یہ حضرات اگر بند کردیں گے تو قیامت میں پکڑ کا اندیشہ ہوگا۔

۶..... جامع مسجد میں جاکر جمعہ ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے (۲)، جس کو زیادہ ثواب حاصل کرنا ہوگا وہ جائے گا، جو زیادہ ثواب حاصل کرنا نہ چاہے وہ محلّہ کی مسجد پر ہی کفایت کرے گا، لیکن اس کی وجہ سے اس کو مجرم اور گنہگار نہیں کہا جائے گا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ پڑھا جائے تب بھی:

"وتؤدیٰ فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ، شرح المجمع للعینی، وإمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج .... اهـ". درمختار۔ "(قوله: مطلقاً): أی سواء کان المصر کبیراً أولا، الخ". (۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۹۰، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "وعن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "صلوٰة الرجل فی بیته بصلوة، وصلوته فی مسجد القبائل بخمسٍ وعشرین صلوٰةً، وصلوته فی المسجد الذی یجمع فیه بخمسمائة صلوة، وصلوته فی المسجد الأقصیٰ بخمسین ألف صلوة، وصلوته فی مسجدی بخمسین ألف صلوٰة، وصلوته فی المسجد الحرام بمائة ألف صلوة". (مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة، ص: ۷۲، قدیمی)

(۳) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعید)

"قوله: (وتؤدی فی مصر فی مواضع): أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه) .... =

8

بڑی جامع مسجد ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا

سوال[۳۷۵۷]: قصبہ نان پارہ کی آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے، اس میں تقریباً ۱۵/ ہزار مسلمان ہیں، ان میں تقریباً ساڑھے سات ہزار مسلمان بریلوی مکتبۂ فکر کے اور ساڑھے سات دیوبندی مکتبۂ فکر کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعداد میں عورتوں اور بچوں کی تعداد زائد ہوگی۔ اس طرح تقریباً ڈھائی تین ہزار ایسے مردوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کی نماز جمعہ کے لئے ایک ایسی جامع مسجد کی ضرورت ہے کہ جہاں وہ سب نماز جمعہ ادا کرسکیں۔

تقریباً زائد یکصدی قصبہ میں جامع مسجد کے نام سے ایک کافی وسیع اور کشادہ مسجد موجود ہے اور اس میں ہمیشہ سے نماز ادا ہوتی ہے جس میں صرف دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ نماز جمعہ پڑھنے آتے ہیں، مسجد اپنی وسعت کی وجہ اپنے دامن میں سب کو لے لیتی ہے، یہاں تک کہ نماز الوداع میں جب کہ دیہات سے لوگ آجاتے ہیں، تمام مسلمان بآسانی نماز ادا کرسکتے ہیں پھر بھی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ بہرحال مسجد بہت کشادہ ہے جس میں ابھی تک جگہ کی تنگی کا سوال نہیں پیدا ہوا ہے، ایسی جامع مسجد ہونے کے باوجود تقریباً دس سال سے اسی مسجد سے ایک دو فرلانگ کی دوری پر دیوبند مکتبۂ فکر ہی کے لوگوں نے ایک دوسرا جمعہ قائم کر رکھا ہے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اول الذکر جامع مسجد سے اتنی ہی دوری پر بازار میں ایک مسجد واقع ہے جس کو از سرِنو تعمیر کرکے وسیع کیا جاچکا ہے، اب ۲۲/ جون/ ۷۹ء سے اس مسجد میں بھی نماز جمعہ قائم کرنے کی تحریک ہو رہی ہے، اس کے منتظمین بھی دیوبند مکتبۂ فکر کے ہیں قیامِ جمعہ سے ایک ہی مکتبۂ فکر کے مسلمانوں میں انتشار ہونے کا شدید خدشہ ہے اور اس میں نماز جمعہ ہونے پر جامع مسجد کی اہمیت ختم ہوجائے گی، صرف قریب کے محلّے کے چند مصلیان ہی اس میں نماز جمعہ پڑھنے والے رہ جائیں گے۔ بازار کی مسجد کا تعلق زیادہ تر سرمایہ دار اور دکاندار طبقہ سے ہے جو اپنی سہولت کے لئے جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور جامع مسجد قدیم کے متولی ایک ادارہ (انجمنِ اسلامیہ) تیسرا جمعہ قائم ہونے پر اس دینی ادارہ کو سخت مالی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ادارہ جو تبلیغی اور دینی تعلیم کی خدمات انجام

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

دے رہا ہے، جدید جامع مسجد میں منتقل ہو جانے والے مسلمانوں کے عدم اشتراک کے سبب ٹھیک طور پر انجام نہ دے سکے گا۔

تیسرا جمعہ قائم کر کے آباد مسجد کو غیر آباد بنانا اور ایک دینی ادارہ کو نقصان پہونچانا کہاں تک مناسب ہے؟ اس چھوٹے سے قصبہ میں دو جامع مسجد کی موجودگی میں جو کافی وسیع اور کشادہ ہیں تیسرا جمعہ قائم کیا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ جواب نفی میں ہونے کے باوجود اگر جمعہ قائم کیا جاوے تو اس میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے ایک بڑی مسجد کا ہونا اعلیٰ وانسب ہے تا کہ سب مسلمان متفق ہو کر اس فرض کو بطورِ شعار ادا کریں (۱)، تھوڑی سی سہولت کے لئے جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مصلحت حاصل نہیں ہوتی، بڑی جامع مسجد کا غیر آباد ہو جانا اور دینی ادارہ کو نقصان پہونچانا مستقل خسارہ ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پرانی جامع مسجد میں سب مل کر جمعہ ادا کیا کریں اگر چہ دوسری مسجدوں میں جمعہ پڑھنے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا اور یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ ان کی نماز نہیں ہوئی۔

فقہاء نے ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کو بھی درست لکھا ہے جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۹ھ۔

---

(۱) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاوناً بها، طبع الله على قلبه. وقُرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيادة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل: هديه صلى الله عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۴۱، دارالفکر، بیروت)

(۲) "(وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

"قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع): أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في معنى الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة ="

مزارعِ متعددہ میں تعددِ جمعہ

سوال[۳۷۵۸]: ایک موضع مارکھم آنٹ ضلع دہرہ دون میں ہے، جس کا نقشہ منسلکہ عریضۂ ہٰذا خدمت میں پیش ہے، موضعِ مذکور کی آبادی مردم شماری جملہ مذاہب کی تقریباً چار ہزار ہے، یہ آبادی چودہ مزرعہ جات جو موضعِ مذکور کے ہیں، مشتمل ہے۔ مزرعہ نمبر: ۵ بڑول والا میں مسجد ہے، مسلمانان کی بڑی آبادی ہے، مسجد مذکور میں پیشِ امام بدعتی خیال کا ہے اور اس درجہ خیال ناقص ہے کہ حقیقۃً اہلِ دیوبند کو کافر کہتا ہے، اپنے اہل گروہ سے کہلاتا ہے۔ اس کی نسبت فتاویٰ حاصل کئے جا چکے ہیں اور وہ نماز پڑھانے کے ناقابل ٹھہرا دیا جا چکا ہے۔ چونکہ اس مزرعہ کے اکثر اشخاص جو اسی کے خیال کے ہیں، اس کی اعانت کرتے ہیں، بدین وجہ اسے علیحدہ نہیں ہونے دیتے۔ ایسی صورت ہونے سے دیگر مزرعہ جات کے مسلمان جو کافی تعداد میں ہیں، نمازِ جمعہ پڑھنے سے محروم ہیں۔ اب چونکہ مہینہ رمضان المبارک کا عنقریب ہے، مسلمانان کی پریشانی اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

واقعاتِ مذکورۃ الصدر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مسلمانان آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اس موضع میں دو ایک ایسے مزرعہ جات ہیں، جن میں مساجد ہیں، چونکہ مزرعہ بڑول والا جس میں ہمیشہ سے جمع ہوتا چلا آتا ہے اس میں جملہ اشیاء حسبِ ضرورت دستیاب نہیں ہوسکتیں، جب تک دوسرے مزرعہ جات اس کے معاون نہ ہوں، ایسی ہی حالت اول و دوسرے مزرعہ جات کی ہے جن میں مساجد ہیں۔ اگر مزرعہ نمبر: ۵ بڑول والا میں جمعہ ہوسکتا ہے تو دوسرے مزرعہ جات نمبر: ۶، ۳، میں بھی نمازِ جمعہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ درمیان میں معمولی ندی ہے اس کی وجہ سے آمد و رفت بند نہیں ہوتی۔ ہم مسلمانانِ موضع مارکھم آنٹ التجا کرتے ہیں کہ اس کے جواب سے براہِ مہربانی بہت جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ موضع ایک ہی ہے اور مزرعہ جات میں زیادہ فصل نہیں، نہ وہ مستقل آبادی ہیں بلکہ مجموعہ مل کر ایک ہی آبادی اور بستی ہے تو اس میں بصورتِ موجودہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنا شرعاً درست ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جس بستی میں جمعہ درست نہیں ہوتا اس میں ایک جگہ بھی درست نہیں ہوتا:

= حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجمعة: ۲/ ۲۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۵، رشيديه)

"(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ، شرح المجمع، إمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج، اھ". درمختار: ۱/۸۴۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۲۴/۸/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف غفرلہ، ۲۴/شعبان/۶۱ھ۔

مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ میں ضرورت کے وقت جمعہ ادا کرنا

سوال[۳۷۵۹]: ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے زیادہ لوگ آگئے اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی کہ تمام لوگ نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرسکیں لہذا تمام لوگوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ چل کر عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کرلی جائے جب کہ مسجد میں اذان ہوچکی تھی اور اذان کی آواز عیدگاہ تک پہونچ جاتی ہے۔

۱......ایسی صورت میں عیدگاہ میں دوبارہ اذان دی جائے گی یا نہیں جب کہ اذان ہونے کے بعد تمام لوگ مسجد سے عیدگاہ روانہ ہوئے تھے؟

۲......ایسی صورت میں مسجد کو بالکل خالی چھوڑ کر سبھوں کا عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے، مسجد میں حسب سابق جمعہ پڑھنا چاہیے تھا، جو لوگ زائد رہ جاتے، عیدگاہ میں جاکر............اذان وخطبہ کے ساتھ جمعہ ادا کرلیتے، مسجد کو خالی چھوڑنا ٹھیک نہیں تھا، اس سے مسجد کا حق ادا نہیں ہوا، حق تلفی ہوئی، عیدگاہ یا جس جگہ بھی جمعہ ادا کیا جائے اذانِ اول واذان ثانی کے ساتھ ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

(وكذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۳، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وكذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۹، رشیدیه)

(۲) "عن الزهری قال: سمعت السائب بن یزید یقول: إن الأذان یوم الجمعة کان أوله حین یجلس =

بدعتی امام سے بچنے کے لئے مدرسہ میں قیامِ جمعہ

سوال[۴۷۶۰]: قصبہ بھیکن گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے تمام اراکین بدعتی ہیں اور زیادہ تر بدعتی لوگ دیوبندی عقیدہ والوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اور ہم لوگ کسی قسم کی تبلیغ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو اپنے کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے، پھر اپنی بات کیونکر سنے یا مانے۔

اس قصبہ میں ایک مدرسہ ہے جس کو وہ لوگ دیوبندی مدرسہ کہتے ہیں اور حقیقت بھی مدرسہ کی یہی ہے، فی الوقت مدرسہ میں پانچوں وقت نماز باجماعت معلم، طلباء و دیگر اراکینِ مدرسہ ہی میں ادا کرتے ہیں اور جمعہ کے روز مسجد میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، بدعتی امام کے پیچھے اور ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ: "بدعتی کا روزہ، نماز، حج، زکوۃ، دیگر اس کے نیک افعال اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا اور اس کے نیک اعمال ایسے کر دیئے جاتے ہیں جیسے آٹے میں سے بال کو" (۱)۔ ....ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

= الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما ، فلما كان في خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ١/١٢٥، قديمي)

"وهو (أي الأذان) سنة للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها) الخ". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٣٨٤، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ١/٥٣، رشيديه)

"(ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب .... إذا جلس على المنبر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ٢/١٦١، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ٢/٢٧٤، رشيديه)

(١) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً، ولا صلوةً ولا صدقةً، ولا حجاً، ولا عمرةً، ولاجهاداً، ولا صرفاً، ولا عدلاً، يخرج عن الإسلام كماتخرج الشعرة من العجين". (سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل: ١/٦، مير محمد كتب خانه)

جواب عنایت فرمادیں کہ ہم لوگ مدرسہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں، جس کی اصل وجہ مسجد کے متعلقین اور امام کا بدعتی ہونا ہے، وہ امام دیوبندی مسلمانوں کو سلام کرنا بھی منع قرار دیتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں سب کو آنے کی اجازت ہو، دروازہ کھلا رہتا ہے تو وہاں بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(ومنها (أي من شرائط الجمعة) الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع، فيؤذن للناس كافةً".
(فتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۴، رشيديه)

"قوله: (والإذن العام): أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۳، ۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

الفصل الرابع فی خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

خطبہ دینے کا مسنون طریقہ

سوال[۳۷۶۱]: جمعہ کا خطبہ دینے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح خطبہ دیتے تھے؟ قرآن کی تلاوت کی طرح یا بلند آواز تقریر جس طرح بعض لوگ خطبہ کو تقریر کی شکل میں پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلند آواز سے وعظ وتذکیر کے طریقہ پر خطبہ دیتے تھے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ ایک منبر پر بیٹھ کر، ایک کھڑے ہوکر دینا

سوال[۳۷۶۲]: جمعہ کا ایک خطبہ منبر پر بیٹھ کر اور ایک کھڑے ہوکر دینا کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) "خطب صلی اللہ علیہ وسلم علی الأرض وعلی البعیر وعلی الناقة، وکان إذا خطب احمرت عیناہ، وعلا صوتہ، واشتد غضبہ". (زاد المعاد لابن قیم الجوزیة، فصل فی ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبتہ، ص: ۷۰، دارالفکر، بیروت)

"ومن المستحب أن یرفع الخطیب صوتہ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشیدیہ)

"والظاھر أنہ یشترط کونھا جھراً بحیث یسمعھا من کان عندہ". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۵، سھیل اکیڈمی، لاھور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے:"ثم قيامه بعد الأذان في الخطبين، ولو قعد فيهما أوفي أحدهما، أجزأ، وكره من غير عذر". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے ہو؟

سوال[۳۷۶۳]: ۱...... خطبہ منبر کے تینوں زینوں میں سے کون سے زینے پر پڑھنا چاہیے، پہلے سے یا دوسرے سے یا تیسرے سے؟

۲......اگر دوسرے یا تیسرے سے پڑھنا چاہیے تو کیوں، اگر نہیں تو کیوں؟

۳......اگر کوئی پہلے سے پڑھتا ہے یا پڑھنے کو گناہ نہ سمجھے تو اس پر کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ اور حضرت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما نے مسجدِ نبوی کے منبر پر دوسرے یا تیسرے پر پڑھا تھا تو اس خاص منبر کے لئے تھا یا اَور کسی کے لئے بھی یہی حکم ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبلوائیوں کا تھا یا صرف بلوائیوں کا؟

۴......علماء کا معمول کیا رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴......تیسرے زینے سے پڑھنا منقول ہے، پہلے اور دوسرے زینے سے پڑھنا بھی ممنوع نہیں،

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"(ويسن خطبتان) .... (بجلسة بينهم) .... (وطهارة وستر) عورة (قائماً)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، ۱۵۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۸/۲، رشيديه)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة قائماً، ثم يجلس، ثم يقوم. قال: كما يفعلون اليوم". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل: يخطب الخطبتين قائماً الخ: ۲۸۳/۱، قديمي)

كذا في فيض الباری(۱)۔ حضرت عثمان پر اعتراض عامۂ مخالفین کرتے تھے، جیسا کہ فتح الباری میں تفصیل مذکور ہے (۲)، ان کی ریشہ دوانیوں سے گاہ بہ گاہ مخلصین کو بھی شبہات پیدا ہو جاتے تھے مگر وہ دیرپا نہیں ہوتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۳۷۶۴]: جمعہ کے دن خطیب منبر کے کس درجہ میں کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے یہ تو ظاہر ہے کہ منبر کے تین درجے اور سیڑھی ہوتی ہے لیکن (خطبہ) اُولیٰ کس درجہ میں کھڑا ہوکر پڑھنا چاہیے، اگر کوئی پہلے درجہ میں کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے تو کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ دوسرے درجہ پر بھی ادا ہو جائے گا، تیسرے درجہ پر کھڑا ہونا اعلیٰ بات ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

سوال[۳۷۶۵]: ہمارے امام صاحب درمیانِ خطبہ بیٹھتے نہیں بلکہ اس کی تفسیر یا ترجمہ بیان کرنے

---

(۱) لم أجده في فيض الباري وقد ذكره البيهقي رحمه الله تعالىٰ في دلائل النبوة: "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم مسنداً ظهره إلى جذع منصوب في المسجد يوم الجمعة، فخطب، فجاءه روميٌّ، فقال: يارسول الله! ألا أضع لك شيئاً تقعد عليه كأنك قائم؟ فصنع له منبراً درجتين، ويقعد على الثالثة". الحديث. (باب ذكر المنبر الذي اتخذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم وما ظهر عند وضعه وجلوس النبي صلى الله عليه وسلم من دلائل النبوة الخ: ۵۵۸/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) لم أجده في فتح الباري وانظر للتفصيل: (عادلانه دفاع، تاليف سيد نور الحسن بخاری رحمه الله تعالىٰ، وإزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ص: ۲۴۷، المقصد الثاني)

(۳) (راجع، رقم الحاشية: ۱)

لگ جاتے ہیں، پھر آخر میں وہ چند جملے پڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً خطبۂ جمعہ کا ترجمہ یا تفسیر حالتِ خطبہ میں بیان کرنا مکروہ ہے اور دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلافِ سنت ہے، کذا فی الشامی (۱) و آکام النفائس (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یخطب یوم الجمعة، ثم یجلس، ثم یقوم فیخطب، قال: مثل ما یفعلون الیوم". (جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب ماجاء فی الجلوس بین الخطبتین: ۱/۱۱۳، سعید)

"(و یسن خطبتان) .... و بجلسة بینهما". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعید)

"وأما سننها فخمس عشر .... و سابعها الجلوس بین الخطبتین". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۲) "الخطبة بالفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها، لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، و هذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریة، وإن کانت فی اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعین و من تبعهم من الأئمة المجتهدین، حیث فتحت الأمصار الشاسعة والدیار الواسعة وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعاجم، و حضروا مجالس الجمع والأعیاد و غیرها من شعائر الإسلام، و قد کان أکثرهم لا یعرفون اللغة العربیة و مع ذلک لم یخطب أحدٌ منهم بغیر العربیة. ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة وفقدان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم یبق إلا الکراهة التی هی أوفی درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه الله تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

"لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوراثة من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، فیکون مکروهاً تحریماً". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشیة: ۲، ۱/۲۰۰، سعید)

خطبہ اور نمازِ جمعہ میں فصل کی مقدار

سوال[۳۷۶۶]: ۱...... اختتامِ خطبۂ جمعہ اور افتتاحِ جماعت کے درمیان کسی مجبوری کے تحت یا بلا مجبوری پانچ دس منٹ ٹھہرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ نیز خطبۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بزبانِ اردو اسی خطبہ کا ترجمہ یا اس سے متعلق کوئی تقریر وغیرہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں جب کہ مقتدی اس کو اچھا سمجھتے ہوں؟ نیز خطبۂ علمی وغیرہ ہر ماہ کا خطبہ الگ الگ بالترتیب لکھا ہے، کیا اس طرح ترتیب سے پڑھنا افضل و بہتر ہے، نیز الوداع کے جمعہ کو الوداع کے خطبہ کے علاوہ کوئی دوسرا خطبہ پڑھ لے تو کیا افضل کے خلاف ہوگا؟ اسی طرح رمضان میں رمضان کے خطبہ کے علاوہ دوسرا خطبہ پڑھنا۔

۲...... ایک ایسا گاؤں جس کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً ڈھائی سو ہے لیکن وہاں ضروریاتِ زندگی کے کل سامان مل جاتے ہیں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک اور گاؤں ہے جہاں کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً تین چار سو ہے اور ہفتہ میں دو دن بازار لگتا ہے جس میں تمام ضروری اشیاء مل جاتی ہیں، تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۳...... دو ایسے گاؤں جن میں جمعہ شرعاً جائز ہے اگر دونوں گاؤں کی دوری تقریباً ایک میل ہے اور ان دونوں گاؤں کے بیچ میں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف ایک سو طالب علم رہتے ہیں تو اس مدرسہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں یا وہ مدرسہ بھی گاؤں ہی کا جز قرار دیا جائے گا؟

۴...... ایک ایسا گاؤں جہاں ضروری اشیاء ہر وقت مل جاتی ہیں اور آبادی بھی تقریباً ایک ہزار ہے لیکن مسلمانوں کی کل تعداد اس گاؤں میں صرف پچاس ساٹھ ہے، تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۵...... ہمارے یہاں ایک عارضی طور پر میلہ لگتا ہے صرف سال بھر میں ایک ماہ کے لئے، تو کیا اس میلہ میں کچھ لوگ اکٹھے ہو کر جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جوازِ جمعہ کے لئے تقریباً کتنے آدمی ہونے چاہیں یعنی جماعت کے لئے؟ نیز دس آدمی سفر کرتے ایسے گاؤں میں پہونچے جہاں کے لوگوں پر جمعہ جائز نہیں ہے اور ان کو جائز ہے تو کیا یہ لوگ اس گاؤں میں جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز بزبانِ اردو خطبہ کسی مجبوری کے تحت جائز ہے یا نہیں جب کہ وہاں عربی پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، اور ان لوگوں پر جمعہ واجب ہے تو کیا کرنا چاہئے؟ نیز دس آدمی گاؤں سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر کام کر رہے ہیں تو کیا وہاں یہ لوگ جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز

خطبہ کی کم سے کم مقدار کیا ہے نزدیک حنفیہ وحنابلہ وشوافع ومالکیہ؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ...... "ویؤذن بین یدیہ إذا جلس علی المنبر، فإذا أتم أقیمت، ویکرہ الفصل بأمر الدنیا، ذکرہ العینی، اھ". در مختار (۱)۔ "(قولہ: فإذا أتم) أی الإمام الخطبۃ (قولہ: أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامۃ بآخر الخطبۃ، وتنتہی الإقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوۃ، اھ". شامی (۲)۔ "(قولہ: بأمر الدنیا) أما بنہی عن منکر أو أمر بمعروف فلا، وکذا بوضوء أو غسل لو ظہر أنہ محدث أو جنب کما مر بخلاف أکل و شرب حتی لوطال الفصل استأنف الخطبۃ کما مر فافہم، اھ". شامی (۳)۔

"ولو فصل بأجنبی، فإن طال بأن رجع بیتہ فتغدی أو جامع واغتسل، استقبل، خلاصۃ: أی لزوماً لبطلان الخطبۃ". درمختار (٤)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۶۱، سعید)

"(وإذا تمت (الخطبۃ (أقیمت): أی أوقعت الإقامۃ بحیث یتصل أول الإقامۃ بآخر الخطبۃ و ینتہی الإقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوۃ". (جامع الرموز للقہستانی، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۱/۲۷۵، مکتبہ کریمیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۷۴، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۱۶۱)

(۳) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۶۲، سعید)

" فلو خطب قاعداً أو محدثاً أولم یفصل بینہما، جاز ویکرہ، و یستحب إعادتہا إذا کان جنباً .... وأقیم: أی وأتی بإقامۃ الجمعۃ (بعد تمام الخطبۃ)، والفصل بینہما بأمر الدنیامکروۃ". (شرح العینی علی الکنز المسمی برمز الحقائق، کتاب الصلاۃ ،باب الجمعۃ: ۱/۵۸، ۵۹، إدارۃ القرآن کراچی)

(۴) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱۵۱، سعید)

"ولو خطب ثم رجع إلی بیتہ فتغدی أو جامع فاغتسل ثم جاء، استقبل الخطبۃ". (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی الجمعۃ: ۱/۲۰۵، رشیدیہ)

"و لا یُعد الغسل فاصلاً؛ لأنہ من أعمال الصلوۃ، ولکن الأولی إعادتھا کما تطوع بعدھا أو أفسد الجمعۃ أو فسدت یتذکر فائتۃ فیھا، کما فی البحر. (قولہ: فإن طال) الظاھر أنہ یرجع فی الطول إلی نظر المبتلی، اھ". شامی: ۱/۵۵۲(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ آخرِ خطبہ کے ساتھ ہی اقامت شروع کردی جائے اور امام منبر سے اتر کر جب مصلی پر پہونچے تو اقامت ختم ہوجائے، دنیاوی کام کی وجہ سے خطبہ اور اقامت میں فصل نہ ہو، نماز ہی سے متعلق کسی شی کا فصل ہوجائے تو مضائقہ نہیں، فصل طویل ہوجائے تو خطبہ کا اعادہ کیا جائے، مقدارِ طول رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے جب کہ وہ صاحب الرائے ہو۔ خطبۂ جمعہ خالص عربی میں ہونا چاہئے، درمیان میں کوئی تقریر یا ترجمہ غیر عربی میں نہ کریں (۲)۔ خطبۂ علمی کی پابندی ضروری نہیں، کسی مہینہ اور کسی عشرہ کے لئے کوئی خطبہ متعین طور پر لازم نہیں کہ بغیر اس کے جمعہ کی شرط ہی ادا نہ ہونے کا حکم کردیا جائے (۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۲/۱۵۱)

(۲)" الکراھۃ إنما ھی لمخالفۃ السنۃ؛ لأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأصحابہ قدخطبوا دائماً بالعربیۃ". (مجموعہ رسائل اللکنوی، آکام النفائس: ۴/۴۴، إدارۃ القران کراچی)

"لا شک فی أن الخطبۃ بغیر العربیۃ خلاف السنۃ المتوارثۃ من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فیکون مکروھاً تحریماً". (عمدۃ الرعایۃ علی ھامش شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، (رقم الحاشیۃ: ۲): ۱/۲۰۰، سعید)

(وکذا فی المصفیٰ شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعۃ من غیرعذر، ص: ۱۵۴، کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دھلی)

(۳) خطبہ کا حمد وثناء، قراۃ ودعاء وصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وعظ ونصیحت پر مشتمل ہونا مستحب ہے، کوئی متعین خطبہ ضروری نہیں۔

"روی عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ أنہ قال: ینبغی أنہ یخطب خطبۃً خفیفۃً: أن یفتتح بحمد اللہ تعالیٰ، و یثنی علیہ، و یتشھد، و یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ویعظ، ویذکر، ویقرأ سورۃً .... و یدعو للمؤمنین والمؤمنات الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ ،باب الجمعۃ: ۲/۲۸۵، رشیدیہ)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، وأما سنن الخطبۃ: ۱/۵۹۱، رشیدیہ)

"چو ں خطبِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و ھلم جرّا ملاحظہ =

۲......آج کل عرف عام میں بڑی بستی - جہاں جمعہ جائز ہے - وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، مستقل بازار ہو، ڈاکخانہ ہو، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، کچہری یا گرام سماج ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں۔ دو ڈھائی سو[۲۵۰] کی آبادی میں یا تین چار سو کی آبادی میں عامۃً یہ سب مجموعی چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ دو ڈھائی ہزار کی بستی میں بھی مشکل سے ہوتی ہیں (۱)۔

۳......وہاں جمعہ جائز نہیں، وہ کسی گاؤں کا جز قرار نہیں دیا جائیگا (۲) لا إلى هؤلاء، و لا إلى هؤلاء۔

۴......مذکورہ بالا جوابات سے اس کا جواب ظاہر ہے۔

۵......اگر وہ بڑی بستی نہیں (جس کی تشریح نمبر:۲ میں آچکی ہے) تو محض میلے کی وجہ سے وہاں جمعہ درست نہیں۔ امام کے علاوہ تین نمازی ہوں تب بھی شرط جماعت متحقق ہو جائے گی (۳)۔ وہ لوگ مسافر ہیں

= کردیم......... تنقیح آں وجود چندچیز است....."و عربی بودنِ خطبه .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص:۱۵۴، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: لا جمعة و لاتشريق إلا في مصر جامع". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۳/۱۶۷، مكتبه الاسلامي)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء :الأول: المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، و لها رساتيق، و فيها والٍ يقدرعلى إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره، يرجع الناس إليه فيمايقع من الحوادث .... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الخلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في الجمعة : ۱/۲۰۷، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن طارق بن شهاب رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة : ۱/۱۵۳، مكتبه دار الحديث، ملتان) .... =

ان پر جمعہ نہیں اور جس بستی میں پہونچے جہاں شرائط موجود نہیں، اس لئے ان کو وہاں جمعہ کی اجازت نہیں (۱)۔

اردو میں خطبہ جمعہ کی اجازت نہیں (۲)۔

خطبہ میں "سبحان اللہ، الحمد للہ، لا إله إلا اللہ واللہ أکبر"، التحیات، درود شریف اور اس کے بعد کی دعاء اور ﴿قل هو الله﴾ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں، ان کو پڑھنے سے بھی خطبہ ادا ہوجائے گا (۳)۔ جو لوگ

= "والسادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال .... (سوى الإمام)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

"والجماعة وهم ثلاثة سوى الإمام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۹/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: ليس على المسافر جمعة". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: ليس على المسافر جمعة، (رقم الحديث: ۵۰۹۵): ۴۴۲/۱، دار الفكر، بيروت)

"قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا غيلان وأيوب بن عائذ الطائي عن محمد بن كعب القرظي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أربعة لا جمعة عليهم المرأة والمملوك والمسافر والمريض". قال أبو حنيفة: فإن فعلوا أجزأهم، قال محمد: و به نأخذ". (كتاب الآثار، كتاب الصلاة، باب صلوة يوم الجمعة الخ: ۴۰، إدارة القرآن كراچي)

"(و شرط لافتراضها) .... إقامة بمصر". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: إقامة) خرج به المسافر". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

"و شرط وجوبها الإقامة .... فلا تجب على المسافر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۳/۲، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۴، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "ولو خطب بتسبيحة فقال: سبحان الله، أو لا إله إلا الله، أو الحمد لله، ولم يزد على هذا، جاز عند أبي حنيفة، و عندهما لا يجزيه حتى يكون كلاماً يسمى خطبةً". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ۲۰۵/۱، رشيديه)

"والرابع: والخطبة فيه .... (وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة) للخطبة المفروضة مع الكراهة، و قالا: لا بد من ذكر طويل، وأقله قدر التشهد الواجب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد) ....=

آبادی سے باہر اور مقام پر ہوں کہ وہ فنائے مصر نہ ہو تو ان کو وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں (۱)۔ مقدار تشہد پڑھنے سے حنفیہ کے نزدیک خطبہ ادا ہو جائیگا، کذا فی ردالمحتار (۲)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق خود ان کے متبعین سے کیجائے، جو قول ان کے نزدیک راجح ہو وہ متعین فرمادیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۹ھ۔

خطبہ کے بعد مصلی پر بیٹھنا

سوال [۳۷۶۷]: امام کو خطبہ سے فارغ ہو کر جائے نماز پر قدر قلیل بیٹھ جاتا ہے واسطے انتظار قول مؤذن "قد قامت الصلوة" کے، شرعاً درست ہے یا نہیں یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت ہے، لأنه لم يثبت ممن يقتدى به (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الأولیٰ/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۶۱، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۲۰۵، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۶، الحاشية: ۳)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو ردٌّ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

قال الملا علي القاري: "من أحدث": أي جدد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... "فهو ردٌّ": أي مردودٌ عليه .... قال القاضي: المضي: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهر أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه، قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لايخفى على كل ذي بصر وبصيرة، فمن حاول زيادة، فقد حاول أمراً غير مرضيٍّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً .... فذلك الشخص ناقصٌ مردودٌ عن جنابنا، مطرودٌ عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار =

٤

خطبہ کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھنا

سوال[۳۷۲۸]: جمعہ کے دن دونوں خطبوں کے بعد امام کا ممبر سے اتر کر مصلے پر قبلہ رو بیٹھنا پھر اقامت کے "حی علی الصلوة" پر امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا سنت کے موافق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب خطبہ ختم ہو فوراً تکبیر شروع کردی جائے یعنی خطبہ کے ختم کے ساتھ تکبیر کا شروع متصل ہوجائے اور جب امام منبر سے مصلے پر پہنچے تو تکبیر ختم ہوجائے:

"ویوذن ثانیاً بین یدیه، فإذا أتم أقیمت". درمختار۔ "(قوله: فإذا أتم): أی الإمام الخطبة (قوله: أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة و تنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوة". ۱/۵۵۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خطبۂ جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۲۹]: جمعہ کے دونوں خطبے افضل ہیں یا واجب یا سنت اور ایک کو یاد سے یا دونوں کو یاد سے پڑھنا، یا دوسرے خطبہ کو کتاب دیکھ کر پڑھنا، یا دونوں کو کتاب دیکھ کر پڑھنا سنت ہے یا واجب ہے؟

= الآیات والأخبار واستنباط الأحکام منها". (مرقاة المفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، (رقم الحدیث: ۱۴۰)، رشیدیه)

"(البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من قولٍ أو فعلٍ أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

"وإذا تمت الخطبة، أقیمت: أی أوقعت الإقامة بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وینتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلاة". (جامع الرموز للقهستانی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۷۵، مکتبه کریمیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ خطبہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے اور دو خطبے سنت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں حفظ ہی ثابت ہیں اگر کسی کو حفظ نہ ہوں تو کتاب میں دیکھ کر پڑھے:

"والرابع: الخطبة، وكفت تحميده أو تهليله أو تسبيحة بنيتها، ويسن خطبتان بجلسة بينهما، اهـ". درمختار- "إلاأن المسنون هو تكرارها مرتين والشرط إحداهما". ردالمحتار: ۸٤٧/۱(۱)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ وعیدین کا حکم

سوال[۳۷۷۰]: عیدین اور جمعہ کا خطبہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور اس کا سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کا خطبہ شرط (فرض) ہے اور عیدین کا سنت ہے، حاضرین کے لئے ہر دو کا سننا واجب ہے:

"وشرط صحتها (أى الجمعة) الخطبة". بحر: ۱٤٦/۲(۲)- "جميع شرائط الجمعة

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد)

"عن جابر بن سمرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: كانت للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرأ و يذكر الناس". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل يخطب الخطبتين الخ: ۲۸۳/۱، قديمى)

"وأما الخطبة فالكلام فى الخطبة فى مواضع: فى بيان كونها شرطاً لجواز الجمعة ...... أما الأول: فالدليل على كونها شرطاً قوله تعالىٰ: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ .... وأما سنن الخطبة فمنها: أن يخطب خطبتين الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۵۸۹/۱، ۵۹۱، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة باب الجمعة: ۲۵۸/۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵۶/۲، رشيديه)

"وشرط لصحتها (أى الجمعة) سبعة أشياء .... (و) الرابع: (الخطبة فيه)". (كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۷/۲، سعيد) .... =

وجوباً وصحةً شرائط للعيد إلا الخطبة، فإنها ليست بشرط حتى لولم يخطب أصلاً صح".
بحر: ١/١٥٨(١)۔ "الاستماع إلى سائر الخطبة واجب". بحر: ٢/١٥٦(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

خطبہ کا سننا جمعہ کے لئے شرط نہیں

سوال[۳۷۷۱]: اگر کوئی شخص جمعہ کے اندر خطبہ نہ سننے پائے اور جب جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوجائے تب آ کر شریک ہو تو کیا اس کی جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی، کیوں کہ خطبہ کا سننا ہر شخص کے لئے شرط نہیں: "الرابع: الخطبة، والخامس: كونها قبلها بحضرة جماعة تنعقد بهم و لو كانوا صماً أو نياماً، اهـ". درمختار(۳)۔
حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٦، رشيديه)

(١) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/٢٧٧، رشيديه)

"قوله: فإنها سنة بعدها .... حتى لولم يخطب أصلاً، صح، وأساء لترك السنة".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/١٦٦، سعيد)

(٢) "لم أجده في البحر وقد قال العلامة الحصكفي: "وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢/١٥٩، سعيد)

(٣) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٤٧، سعيد)

"أن المقتدى بالإمام تصح جمعته وإن لم يدرك الخطبة، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان محظورات الخطبة: ١/٥٩٦، رشيديه)

"و لو خطب والقوم نيام أو صمّ، جازت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ١/١٤٦، رشيديه)

"ألا ترى إلى صحتها من المقتدين الذين لم يشهدوا الخطبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٢٥٧، رشيديه)

ایضاً

سوال[۳۷۷۲]: جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھنے کے وقت اس کا سننا غیر ضروری سمجھ کر نہ سننا اور چلا جانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

العبد: محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سننا واجب ہے اور اس کو غیر واجب سمجھنا اور چلا جانا درست نہیں:

"و کل ما حرم في الصلوة، حرم فيها: أي الخطبة، فيحرم أكل و شرب و كلام، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت، و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد، اهـ". درمختار: ۱/ ۸۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

خطبۂ اُولیٰ وثانیہ میں کس قدر طول ہو؟

سوال[۳۷۷۳]: ۱...... جمعہ کے دن خطبۂ اُولیٰ جمعہ کا پڑھا گیا، مگر ثانی خطبہ عیدین کا پڑھا، اس طرح خطبہ پڑھنے کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی تو کیا نماز جمعہ ادا ہوگئی یا نہیں؟

۲...... جمعہ کے خطبہ میں اُولیٰ بہت مختصر یعنی بقدر تین آیتوں کے اور خطبۂ ثانیہ بھی اسی مقدار کے

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۹، سعيد)

"إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/ ۱۲۷، قديمي)

"وأما المستمع، فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا تكلم، و لا يرد السلام الخ".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/ ۱۴۷، رشيديه)

پڑھا گیا، مگر نمازِ جمعہ میں بہت بڑی بڑی سورتیں پڑھی گئیں، ایسی حالت میں نمازِ جمعہ میں کوئی خلل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جمعہ سے پہلے دوسرا خطبہ عید کا خطبہ پڑھا گیا تو اس سے بھی جمعہ کی نماز درست ہوگئی، فکر مت کریں (۱)۔

۲...... جمعہ کا خطبۂ اُولیٰ تین آیات کے مقدار اور خطبۂ ثانیہ بھی اتنا ہی اور قرأت طوالِ مفصل کی ہو تو ایسی حالت میں خطبہ بھی درست ہے اور نمازِ جمعہ بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ دیکھ کر پڑھنا

سوال[۳۷۷۴]: ما تقولون فی حق الإمام الذی یقرأ الخطبة المکتوبة بالنظر فی الکتاب کما راج فی ملك البنجال والهند، و لکنه لا یفهم معانیها و لا یقدر علی تصحیح الإعراب والألفاظ إن وقع الغلط فیها هل تجوز له قرأة الخطبة والإمامة للجمعة أم لا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرأة الخطبة بالنظر فی الکتاب جائزة لا قدح فیها، ولکن تصحیح الإعراب والاجتناب عن الغلط لازمٌ، مع هذا إن غلط فی بعض أعاریب الخطبة و أدی الصلوة بالشروط المعتبرة

---

(۱) "فمنها: أن یخطب خطبتین علی ماروی عن الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة أنه قال: ینبغی أن یخطب خطبةً خفیفةً، یفتح فیها بحمد الله تعالیٰ، ویثنی علیه، ویتشهد، ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم، ویعظ، ویذکر، ویقرأ سورةً، ثم یجلس جلسةً خفیفةً، ثم یقوم فیخطب خطبةً أخری یحمد الله تعالیٰ، ویثنی علیه، ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم، ویدعو للمؤمنین والمؤمنات، ویکون قدر الخطبة قدر سورة من طوال المفصل". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، سنن الجمعة: ۵۹۱/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۴۸/۲، سعید)

(۲) (راجع رقم الحاشیة المتقدمة آنفاً)

والفرائض المقررة، صحت صلوته وإن كانت الخطبة مكروهةً(۱)، فمن كان قادراً على قرأة خطبة صحيحة وأداء صلوة كاملة، وكان تبعاًللسنة، فهو اللائق بالإمامة؛ لأنه ضامنٌ لصلوة المقتدين (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا تذکرہ

سوال[۳۷۷۵]: خلفائے راشدین کے ناموں کا تذکرہ کرنا جمعہ کے خطبہ میں کیسا ہے؟

---

(۱) "لما رأيت أكثر الخطباء يوم الجمعة و غيرها جاهلين غير قادرين على جمع كلمات عربية، و من ثم ترى بعضهم يخطبون باللسان الفارسية والهندية، و بعضهم يخلطون اللسان العربية باللسان العجمية غافلين عن أنه خلاف السنة". (مجموعة رسائل اللكنوى، مجموعة الخطب اللكنوية: ۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

"و لما كانت أكثر شريعتنا بالعربية، يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربى بقدر ما يرتفع به الحاجة، فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجبٌ، و من هنا صرّحوا أن تعلم الصرف والنحو و غيرهما من مبادى العلوم بقدر ما يحتاج إليه فى فهم الشريعة واجبٌ". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم! أرشِدِ الأئمةَ، واغفر للمؤذنين". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۷۱۲۹): ۲/۲۶۲، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

"عن أوس بن ضمعج، قال: سمعت أبا مسعود الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا فى القراءة سواء فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا فى السنة سواء فأقدمهم هجرةً، فإن كانوا فى الهجرة سواء فأكثرهم سناً". الحديث. (جامع الترمذى، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أحق بالإمامة: ۱/۵۵، سعيد)

"(والأحق بالإمامة) .... (الأعلم بأحكام الصلوٰة). فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة و حفظه قدر فرض .... (ثم الأحسن تلاوةً) و تجويداً (للقراءة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام خطبۂ جمعہ میں لینا اوران کے مناقب وفضائل بیان کرنا شرعاً نہایت پسندیدہ ہے، شرح مؤطا امام مالک میں اس کی تاکید ہے، اس کو بند نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۱ھ۔

خطبہ میں نواب کا نام لینا

سوال[۳۷۷۶]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے، کیا عیدالفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیرالمؤمنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے(۲)، کیا نواب صاحب کا حال بھی یہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر اور حاکم ہیں۔ فقط۔

خطبۂ جمعہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہونا

سوال[۳۷۷۷]: خطبۂ جمعہ جب خطبۂ ثانیہ کے آخری جملے پر پہونچتے ہیں تو سامعین کھڑے ہونے

---

(۱) لم أجده في شرح مؤطا الإمام مالك ولكن في الدر المختار، "ويندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمّين الخ". (كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۴۹/۲، سعيد)

"وذِكرُ الخلفاء الراشدين مستحسنٌ، بذلك جرى التوارث، ويذكر العمّين". (كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، رشيديه)

(۲) "ثم يدعوا لسلطان الزمان بالعدل والإحسان مجتنباً في مدحه". (جامع الرموز، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجعة، ص: ۲۷۵، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۹/۲، سعيد)

لگتے ہیں، ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اس طرح لوگوں کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، خطیب کے منبر سے اتر جانے کے بعد لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔شرعی فیصلہ مع حوالہ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكل ماحرم في الصلوة، حرم فيها: أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً أوردسلام أو أمر بمعروف، الخ". درمختار: ۱/۵۵۱(۱) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شخص نمازِ جمعہ پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے

سوال[۳۷۷۸]: جمعہ کا خطبہ کسی دوسرے شخص نے پڑھا، امام آخری خطبہ میں پہونچا اور امام نے ہی نماز پڑھائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوجائے گی، اعلیٰ بات یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے، وہی نماز پڑھائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلاة، حتى لا ينبغي أن يأكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

(۲) "وقد صرح في الخلاف بأنه لوخطب صبيٌّ بإذن السلطان، وصلى الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

"صبي خطب بإذن السلطان، وصلى الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب =

مراہق خطبہ پڑھے اور بالغ جمعہ پڑھائے

سوال[۳۷۷۹]: ایک لڑکا بالغ یا مراہق جمعہ کا خطبہ پڑھے اور بڑی عمر کا آدمی جو اس وقت پہلے بھی موجود ہو نماز پڑھادے جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جواب تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل اور اَشہر یہ ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہونا چاہیے، تاہم اگر مراہق ذی شعور خطبہ پڑھے اور بالغ آدمی نماز پڑھائے تب بھی درست ہے: "لا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب، فإن فعل بأن خطب صبيٌّ بإذن السلطان وصلی بالغ، جاز، هو المختار". رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبۂ جمعہ بزبانِ عربی (مفصل)

سوال[۳۷۸۰]: محترم مولانا صاحب مدظلہ العالی! سلام مسنون

مسلمانوں کی جہالت اور ان کی دین سے غفلت امر مسلّمہ ہے، اس پر مزید طرہ یہ ہوا ہے کہ جو ذرائع اسلام نے تعلیم وتذکیر کے مقرر کیے ہیں ان کو مادری زبان سے بعید تر کر کے غیر معلوم زبان کے ذریعے ادلہ بنادیا گیا ہے، آپ حضرات جتنا بھی انکار فرماویں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بے حد ضروری ہے مگر فہم اور بلا فہم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، ثواب دونوں کو یکساں ملے گا، اسی طرح نماز کو لیجیے وہاں بھی فہم اور عقل کی کوئی شرط ملحوظ نہیں ہے، نماز ہر طرح صحیح ہوتی ہے، نہیں

= الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلوة الجمعة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۱، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۱، سعيد)

"وقد صرح في الخلاف بأنه لو خطب صبيٌّ بإذن السلطان وصلی الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

"صبيٌّ خطب بإذن السلطان وصلی الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلوة الجمعة: ۱/۲۰۵، رشيديه)

معلوم صلوۃ اصلاح کے لئے کیونکر مفید ہو جائے گی جب کہ فہم واعتبار کی کوئی بات ہی نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إن الصلوۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر﴾ (۱) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿لا تقربوا الصلوۃ (إلی) حتی تعلموا ما تقولون﴾ (۲) تیسری جگہ علم وعدم علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے: ﴿ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون﴾ (۳)۔

اسی طرح خطبۂ جمعہ کی افادیت کو ختم کردیا گیا ہے، اس پر عربی کا ملمع چڑھا کر، مولانا! میری اس صاف گوئی کو معاف فرمائیے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خطبۂ جمعہ میں عربی کو ضرور نہیں سمجھتے، عوام اور مخاطبین کو ہر کسی زبان میں سمجھایا جاسکتا ہے، صاحبین قدرت علی العربیہ کے فقدان کی وجہ سے عربی میں خطبہ ضروری نہیں کہتے، مگر ان اسلاف کے اقوالِ حکیمانہ کو ہمارے ہندی علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے اور وجوب عربیت پر مُصر ہیں اور اسی کو ضروری کہتے ہیں۔

ص:۵۹۶، ۵۹۷، شامی مصری باب الجمعہ کو ملاحظہ فرمالیجئے:

"لم یقید الخطبة بکونها بالعربیة اکتفاءً بما قدمه فی باب صفة الصلوة من أنها غیر شرط و لو مع القدرة علی العربیة عنده، خلافاً لهما حیث شرطاها إلا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوة" (۴)۔ یہ عبارت ہندوستان کے لئے عربی کو لازم نہیں قرار دیتی عند الشیخین الا ماشاء اللہ۔

الہامی کتب منزل من اللہ ورسل اللہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ عربیت کو ضروری نہیں فرماتا، ملاحظہ ہو آیت کریمہ: ﴿و ما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۵) ایک دوسری آیت بھی ملاحظہ فرمالیجئے: ﴿حٰمٓ تنزیلٌ من الرحمن الرحیم، کتٰبٌ فصلت آیاته قرآناً عربیاً لقوم یعلمون......﴾ (٦): أی لقوم

---

(۱) (سورة العنکبوت: ۲۱/۴۵)

(۲) (سورة النساء: ۵/۴۳)

(۳) (سورة الزمر: ۲۳/۹)

(۴) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۷، سعید)

(۵) (سورة إبراهیم: ۱۳/۴)

(٦) (سورة حم السجدة: ۲۴/۳)

العرب۔ تیسری آیت شریفہ: ﴿و لو جعلناه قرانا أعجمیاً لقالوا لو لا فصلت﴾ (۱)۔ کس قدر واضح اور صاف طور پر اس حقیقت کو عریاں کرتی ہے کہ تفصیل، تبیین کسی قوم پر اس وقت تک کارگر نہیں بن سکتی جب تک مفہومہ زبان میں نہ ہو، اور دیگر آیاتِ کریمہ ہیں جو اس مقصد کو اور واضح فرماتی ہیں۔

جب منزل من اللہ کے لئے عربیت عند اللہ ضروری نہیں ہے تو پھر خطیب کا خطبہ کیوں عربی میں لازم قرار دیا جا رہا ہے، منزل من اللہ باعتبارِ قوم دیگر اَلسنہ میں آسکتے ہے تو پھر ہندوستان میں قوم کی زبان کی رعایت کیوں غیر ضروری سمجھ گئی؟ اور ہندی اردو جاننے والوں کے سامنے عربی کہنا کیوں فرض وواجب کا درجہ پا گئی، یہ وجوب بلا دلیل ہے: ﴿هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين﴾ (۲) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عامۂ مسلمین جاہل واپس ہوتے ہیں حالانکہ افادہ استفادہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سعی واجب فرمادی ہے مگر عربی کا لیکچر سن کر واپس آنے والے کورے لوٹ آتے ہیں، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ خود خطیب بھی کورا ہی رہتا ہے: ﴿فاعتبروا یاأولی الأبصار﴾ (۳)۔

رہ گیا یہ قصہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عجم میں حاکمانہ حالت میں آکر بھی عربی میں خطبہ دیا، عین صواب تھا، عربی کو فتح حاصل ہونا ضروری تھا، چنانچہ اس حکیمانہ سیاست کا یہ اثر تھا کہ تمام ممالکِ مفتوحہ عربی ملک بن گئے، شام عراق، مصر سب اسی طرح عربیت کا لباس پہن کر توسیع ملکِ عرب کا باعث بنے ہیں۔ حاکم اور محکوم میں فرق ہوتا ہے آپ بھی ہندوستان میں حکمران ہوکر یہی کریں، مگر محکوم وذلیل ہوکر زیب نہیں دیتا۔

مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی جس کی قدر فرمائی گئی اور اب عام طور سے اس کو مان لیا گیا ہے مگر غلط ہے، قرآن کریم کے اصولِ بیّنہ کے خلاف ہے، احادیث کی روشنی میں بھی غلط ہے: "کلموا الناس علی قدر عقولهم" (۴)۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ میں اوپر واضح کر چکا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ہوشمند اور ذکی عالم ہیں اسی لئے آپ کی خدمت میں اس عرض کو اس

---

(۱) (سورة حم السجدة: ۴۴/۲۴)

(۲) (سورة البقرة: ۱/۱۱۱)

(۳) (سورة الحشر: ۲/۲۸)

(۴) (لم اجده)

لئے ترسیل کر رہا ہوں کہ آپ احقر الزمن کے معروضات کو پڑھیں گے اور حلِ مشکلات کے لئے میری مدد فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زِیدَ احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس اعتراض کی بنیاد دو نظریوں پر ہے، ایک کا تعلق عمومی طور پر جمیع علماء سے ہے، دوسرے کا خصوصی طور پر مولانا عبدالحی سے ہے اور دونوں نظریے غلط ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے:

پہلا نظریہ: ''علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے'' اس کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ فتح المنان، موضح القرآن، فتح العزیز، ترجمان القرآن، تفسیر حسینی، خلاصۃ التفاسیر، بیان القرآن، تفسیر حقانی، ترجمہ شیخ الہند، ترجمۂ مولانا عاشق الٰہی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے کہ علماء نے کس طرح قرآن پاک کو حل اور سہل کر دیا ہے۔

نیز تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر روح المعانی کے تراجم ملاحظہ کیے جائیں کہ عربی تفاسیر کو علماء نے کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز صحاحِ ستہ: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور دیگر بے شمار کتبِ حدیث کی شروح وتراجم اردو میں کر کے حدیث پاک کو کس قدر سہل کر دیا ہے۔

نیز نور الایضاح، قدوری، منیہ، کنز، شرح وقایہ، ہدایہ، درمختار، فتاویٰ عالمگیری، وغیرہ کتبِ فقہ کو جن میں تمام زندگی کا دستور العمل کتاب وسنت سے ماخوذ موجود ہے، کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز علم الفقہ، بہشتی زیور، تعلیم الاسلام، حیاۃ المسلمین، تعلیم الدین، فتاویٰ عثمانیہ، فتاویٰ اشرفیہ، فتاویٰ دارالعلوم، نماز کی کتاب وغیرہ بے شمار کتب براہِ راست اردو میں بڑوں اور بچوں کے لئے کس طرح تصنیف کی گئی ہیں۔

اگر کسی شخص میں اتنی قابلیت نہ ہو کہ وہ خود ان کتابوں سے استفادہ کر کے اپنے سوءِ ظن کی اصلاح کر سکے تو وہ ہمارے مدارس، مدارس عربیہ، ہمارا تعلیمی نظام، دینی مدرسے وغیرہ کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوگا کہ علمائے کرام نے کس قدر جدوجہد سے دین کی اشاعت کی اور تعلیمات کا سلسلہ قائم کیا؟ اگر کوئی شخص ان سب کو بھی یہ کہہ کر اڑا دے کہ یہ سب افسانے ہیں تو پھر اس کو سفر کرنا چاہئے، دیوبند، سہارنپور، دہلی، جلال آباد، مراد

آباد، لکھنؤ، کانپور ہردوئی، اعظم گڑھ وغیرہ جاکر اپنی آنکھ سے دیکھے کہ اب بھی کتنے مدارس تدریس، تذکیر، تصنیف، تبلیغ کے ذریعے سے دینی خدمت کر رہے ہیں، یہ سب دیکھ کر شاید توفیق مساعدت کرے اور پہلا نظریہ اصلاح پذیر ہوجائے، اگر یہ خدمات سامنے ہونے کے باوجود یہی نظریہ ہے جیسا کہ سائل کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

''آپ حضرات جتنا بھی انکار فرمائیں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیمات اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے''۔

کہ سائل نہ دل سے سمجھ کر، نہ کان سے سن کر، نہ آنکھ سے دیکھ کر کسی طرح بھی اپنا نظریہ بدلنے کو تیار نہیں، خواہ کتنے ہی دلائل اس کے سامنے پیش کئے جائیں مگر وہ اپنی ضد پر قائم ہے، تو پھر کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے، آفتاب سے زیادہ روشن حقائق کو دیکھ کر بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ تسلیم نہ کرے اور اپنی ضد پر قائم رہے تو اس کے لئے بجز دعائے خیر کے اور کوئی راستہ نہیں، ایسی ضد کا انجام اگر اس کو اس زندگی میں نظر نہ آئے، تو ایک دوسری زندگی بھی آرہی ہے اس میں بالکل صاف نظر آجائے گا۔

کچھ ایسے نفوس بھی اس دنیا میں آباد ہیں جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں، دل، آنکھ، کان سے کوئی صحیح کام نہیں لیتے: ﴿لهم قلوب لا يفقهون بها، ولهم أعين لا يبصرون بها، ولهم آذان لا يسمعون بها﴾ (۱)۔

دوسرا نظریہ: ''مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی''۔ اس کی اصلاح کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مصفّٰی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''کتاب الجمعة'' ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

''چوں خطبِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آں وجودِ چندچیز است''. اور پھر چند چیزوں کی تشریح کرتے ہوئے نمبر: ۷ پر بیان کیا ہے: ''و عربی بودنِ خطبه''. پھر آگے تفصیل میں لکھا ہے: ''وعربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی

(۱) (سورة الأعراف: ۱۷۹)

بودندالخ"(۱)۔

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا عمل شرقاً وغرباً یہی ہے(۲) کہ خطبہ عربی میں ہو تو اس کو مولانا عبدالحی کی تخم ریزی کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

الفاظِ قرآنیہ کی تلاوت پر فہم اور بلا فہم ثواب کا برابر ہونا، یہ کس کی تخم ریزی ہے، اس پر بھی روشنی ڈالدیتے تو بہتر ہوتا۔ کیا نماز کے متعلق بھی رائے عالی یہی ہے کہ مادری زبان میں پڑھی جائے(۳)؟

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، کتاب الصلوة، باب التشدید علی من ترک الجمعة من غیر عذر، ص: ۱۵۴، مکتبه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغةَ العربيةَ، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية .... و مع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية، و لما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل و نحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الصلاة". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالیٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبةً و لو خطبة غير الجمعة بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالیٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس : ۴/۴۴، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم من الصحابة رضي الله تعالیٰ عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً".(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب للصلوة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۳) "وليت شعري! ماذا يقول القائل في القرآن الذي هو عربي، فإنه لا شبهة في أن نزوله للتدبر والتذكر وفهم معناه للعمل بمراده، وهذا للعجم مشكل أىّ إشكال، فيجوز أن يقرأ عليهم القرآن بالفارسية أو يكتب لهم بالفارسية ليزول عنهم الإشكال، كلا والله! بل هم مكلفون بتحصيل ما به يتيسر لهم فهمه و يحصل لهم علمه، و قس عليه الكلام في الأخبار النبوية و سائر أمور الشريعة الواردة بالعربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالیٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان =

علم او رعدمِ علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے، بالکل صحیح ہے اسی لئے مدارس قائم کئے گئے، کتابیں تصنیف کی گئیں اور جن کو طلب وتوفیق ہوتی ہے وہ حاصل بھی کرتے ہیں اور جن کو علم سے عناد ہے یا جہلِ مرکب میں گرفتار ہیں وہ محروم رہتے ہیں جن کے نمونوں کا بکثرت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

خطبۂ جمعہ پر عربی کا ملمع کس نے چڑھادیا، کیا اصل خطبہ اردو زبان میں تھا جس پر ہندی علماء نے عربی کا ملمع چڑھادیا، یا اگر مصفی ہی دیکھ لیں تو بات واضح ہوجائے۔

صاف گوئی کی معافی چاہنے کے متعلق عرض ہے کہ اگر یہ حق ہے تو کیا حق گوئی سے معافی طلب کرتے ہیں؟ اگر یہ باطل ہے تو اس سے توبہ اور پختہ عہد کر لیجئے کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا، بالکل معاف ہے۔ جو شخص عربی پر قادر نہ ہو اس کو عربی پر کسی نے مجبور نہیں کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس قول کی آڑ لے کر آپ زور وشور سے استدلال کر رہے ہیں کاش اس کی حیثیت کو بھی ملاحظہ فرمالیتے، شامی: ۱/۱۱۱ (۱) عنایہ: ۱/۲۰۱ (۲) طحطاوی، ص: ۲۱۷ (۳) میں اس سے رجوع نقل کیا ہے، آپ خود ہی انصاف کریں کہ جس قول کو امامِ اعظم خود ہی ناپسند فرمائیں بلکہ اس سے رجوع کرلیں تو اس کے متعلق یہ اعتراض کہ "ہمارے ہندی علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے"۔ کہاں تک برمحل ہے، اگر کسی کو رکوع سے انکار ہو اور اسی قول پر استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم رحمہ اللہ

= الفارس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) "قید القراءة بالعجز؛ لأن الأصح رجوعه إلی قولهما، وعلیه الفتوی، قلت : و جعل العینی الشروع کالقراءة الخ". (الدرالمختار) . "(قوله : کالقراءة): أی فی اشتراط العجز فیه أیضاً، وفی أن الإمام رجع بذلک إلی قولهما؛ لأن العجز عندهما شرط فی جمیع أذکار الصلاة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة : ۱/۴۸۴، سعید)

(۲) "(ویروی رجوعه) روی أبوبکر الرازی أن أبا حنیفة رجع إلی قولهما (وعلیه الاعتماد) لتنزله منزلة الإجماع". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۸۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۳) "(و) یصح الشروع أیضاً (بالفارسیة) وغیرها من الألسنة إن عجز عن العربیة، وإن قدر لایصح شروعه بالفارسیة ونحوها (ولا قراءة بها فی الأصح) فی قول الإمام الأعظم موافقةً لهما". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قدیمی)

تعالیٰ کے اس قول کی تشریح بھی دیکھ لی جائے، وہ فرماتے ہیں کہ: "نفسِ خطبہ ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" یا لفظ "الحمد للہ" یا لفظ "لا إله إلا الله" کہنے سے بھی ادا ہوجاتا ہے اور اس پر اکتفاء کرنے میں جو کراہت ہے وہ تنزیہی ہے:

"وكفت تحميدة، أو تهليلة، أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة اهـ".

درمختار۔ قال الشامي: "ظاهر القهستاني أنها تنزيهية، اهـ". ص: ۵۴۳ (۱)۔

آپ بتائیے کہ جو شخص ساری جہالت دور کرنے کا ذریعہ صرف خطبۂ جمعہ کو قرار دے اور کہے کہ نہ کسی مدرسہ میں جاؤں گا، نہ کوئی کتاب پڑھوں گا، نہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کروں گا، نہ وعظ سنوں گا بلکہ امام اعظم کے حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے خطبہ میں سارا دین سیکھوں گا، تو کس قدر جہالت میں گرفتار ہے (۲)، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" عربی نہ سہی، اس کا ترجمہ اردو میں سن کر وہ کتنا دین حاصل کرلے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطبہ کی مقدار اس سے کچھ زیادہ ہے یعنی تشہد کے برابر "وقالا: لا بد من

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"(وكفت تحميده أو تهليله او تسبيحه): اى و كفى فى الخطبة المفروضة مطلق ذكر الله تعالىٰ على وجه القصد عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ لإطلاقه فى الآية الشريفة، وقالا: الشرط أن يأتى بكلام يسمى خطبةً فى العرف، و أقله قدر التشهد إلى عبده ورسوله الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۱، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان خطبة الجمعة: ۱/۵۹۰، رشيديه)

(۲) "والحل فى هذا المقام و به يتم الإلزام أنه كما وضعت الخطبة للتعليم وأمر الخطباء والعلماء بالتفهيم كذلك أمر الجاهلون بطلب العلم حيث قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" .... ولما كانت أكثر شريعتنا بالعربية، يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربى بقدر الحاجة ما لرفع به الحاجة، فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجبٌ. .... فإذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية، فإلزام عدم الفهم عائد إليهم لا إلى الخطباء ولا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربى و يخطبوا بلسان يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس فى أداء الأذكار بلسان الفارس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

ذكر طويل، وأقله قدر التشهد الواجب، اهـ". درمختار: ۱/ ۵۴۳ (۱) اس سے وہ آٹھویں روز کتنا دین سیکھ سکتا ہے؟

رسل اور کتب سماویہ کیلئے عربیت لازم نہیں یہ صحیح ہے، لیکن آپ کو جس رسول اور کتاب کا پابند بنایا، نجات کو اس میں منحصر کر دیا گیا ہے وہ تو رسول بھی عربی ہے اور کتاب بھی عربی ہے: ﴿إنا أنزلناه قرآناً عربياً﴾ (۲) ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ (۳)۔ تبیین کے لئے تراجم و تفاسیر بے شمار ہیں، اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن قرآن پاک کی عربیت کو ختم کر کے صرف دوسری زبان میں خواہ وہ اردوئے مبین ہی کیوں نہ ہو کلیۃً لکھنا اور پڑھنا ہرگز جائز نہیں نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے، فتح القدیر: ۱/ ۲۰۱، میں ہے: "إن المعتاد القراءة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع" (۴)، وكذا في الشامي: ۱/ ۳۲۷ (۵)۔ اتقان میں لکھا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے اس پر ائمۂ اربعہ: ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے (۶)۔

اب بتایا جائے کہ وہ کونسی برہان ہے جس کی بناء پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تمام امتِ مسلمہ کے پونے چودہ سو سال کے عمل متوارث و متواتر کو ترک کر کے خطبہ جمعہ سے عربیت کو ختم کر دیا جائے (۷) اور خطیب صاحب منبر پر چڑھ کر اردو

---

(۱) (الدر المختار، باب الجمعة: ۲/ ۱۴۸، سعيد)

(۲) (سورة يوسف: ۱۲/ ۲)

(۳) (سورة الأعراف: ۹/ ۱۵۸)

(۴) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۸۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۵) (رد المحتار نقله عن الفتح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/ ۴۸۶، سعيد)

(۶) "وقال أشهب: سئل مالك: هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس عن الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى. رواه الداني في المقنع. ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة". (الإتقان في علوم القرآن للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالىٰ، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط وآداب كتابته، فصل: ۱/ ۳۲۸، ۳۲۹، ذوي القربى)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (جواهر الفقه، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، رسالہ: کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جا سکتا ہے: ۱/ ۹۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۷) (راجع، ص: ۲۲۱، رقم الحاشية: ۲)

میں فرمایا کریں کہ "خدا پاک ہے" یا ہندی میں کہہ دیا کریں "پرمیشور نردھار ہے" (۱) اس سے کونسی جہالت ختم ہو جائے گی اور سامعین کس قدر دین سیکھ لیں گے، سامعین کا عربی خطبہ کے مطالب سے محروم رہنا یا خود خطیب صاحب کا کورا رہنا یہ خود ان کی کوتاہی کا نتیجہ ہے، اسلام پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے۔ جس میں دین کے ضروری عقائد واحکام بیان کر دیا جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتا دیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کر دیا گیا ہے) (۳)۔

---

(۱) "پرمیشور: خدائے تعالیٰ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۹۱، نور اللغات: ۲/۸۲۹)

"نرد: "ایک بازی جسے تختۂ نرد بھی کہتے ہیں۔ ۲- چوسر کی گوٹ۔ ۳- شطرنج کا مہرہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۶) (ونور اللغات: ۴/۱۵۰۰)

"ہار: مرکبات میں بطور لاحقہ مستعمل ہے بمعنی: والا، صاحب، مالک سونے والا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۲۸)

(۲) "فإذا لم يفهم الحاضرون الخطبة، العربية فإلزام عدم الفهم عائد إليهم لاإلى الخطباء، ولا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربي و يخطبوا بلسانٍ يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۳) "واخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص و الوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

تنبيه : ذكر الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد أصح المطابع). (شاهوانى)

(وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان ، باب، إن الدين النصيحة ۱ /۵۴، قديمى)

زبان عربی کو ہر زبان پر فوقیت وشرف حاصل ہے، اس کا مدار حکومت پر نہیں بلکہ جس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت ہوگی اس کو اس زبان سے بھی محبت ہوگی، فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق روایات جمع کی ہیں (۱)۔ جن لوگوں کو ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قوی تعلق ہے اور اتباعِ سنت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کرتے ہیں وہ بغیر حکومت کے بھی اس زبان کو ترجیح دیتے ہیں، اگر حکومت حاصل نہ ہو تو کیا ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اتباع اور آپ کی زبان مبارک کی تعلیم وتعلم کو بھی ختم کردیا جائے، البتہ جن کے نزدیک حکومت کی حیثیت یہ ہو کہ حکومت کے بغیر کسی نظریہ وضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا معتقد ہونا محض بے معنی ہے تو وہ اپنے معتقدات وضوابط کو بغیر حکومت کے بے معنی سمجھتے رہیں اور جب تک محکومیت کی ذلت کو ختم نہ کردیں، نہ کوئی ضابطہ پیش کریں نہ کوئی عقیدہ دل میں جمائیں۔

قرآن پاک کی کوئی آیت آپ نے ایسی پیش نہیں کی جس سے خطبہ کا اردو میں ہونا ثابت ہو، نہ ایسی حدیث پیش کی، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل پیش کیا، فقہائے کرام کی جو تصریحات پیش کی ہیں ان کا حال میں تفصیل سے عرض کرچکا، ان سے آپ کا مقصد ہرگز ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ "کلموا الناس علی قدر عقولهم" (۲) یہ کیا چیز ہے، یہ قرآن پاک کی آیت تو یقیناً نہیں، اس کو حدیث کہیں گے یا فقہاء کا کلام، جب آپ اس کی تشخیص فرمائیں گے تو اس کے متعلق بھی عرض کردیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

---

(۱) قال الفقيه السمرقندی رحمه الله تعالیٰ: "إن لسان العربية لها فضلٌ علی سائر الألسنة، فمن تعلمها أوعلم غيره فهو مأجور؛ لأن الله تعالیٰ أنزل القرآن بلغة العرب فمن تعلمها، فإنه يفهم بهاظاهر القرآن و معاني الأخبار، و قد روی ابن أبي بردة عن أبي بريدة عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: كلام أهل الجنة بالعربية و روی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: من تعلم الفارسية فقد خب، ومن خب فقد ذهب مروته. يعنی لو اقتصر علی لسان الفارسية و لم يتعلم العربية، فإنه عجمي. وقال الزهری: كلام أهل الجنة العربية، و روی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: عليكم بالتفهم بالعربية الخ". (بستان العارفين للفقيه أبي الليث السمرقندی، باب تفضيل لسان العربية علی غيرها، ص: ٦٨، مطبع فاروقی دهلی)

(۲) (لم أجده)

جواب پر چند اعتراضات

حضرت اقدس مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا جواب کے بعد سائل کا مندرجہ ذیل چند اعتراضات پر مشتمل خط آیا، سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں۔

نحمد اللہ و نستعین باللہ

محترم مولانا مدظلہ! سلام مسنون

سوال[۳۷۸۱]: ا.....اتفاقی نظر رسالہ ''نظام'' پر آپ کے اس مضمون پر احقر العباد کی پڑ گئی جس کو جناب والا نے بجواب خط تحریر فرمایا تھا، میں نے پڑھا، معلوم ہوا کہ رجوع کے مسئلہ میں جو مفصل بحث شامی در مختار کے اندر کی گئی ہے اس پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی، ورنہ آپ یہ نہ تحریر فرماتے کہ مسئلہ ہذا میں امام صاحب نے رجوع فرمالیا ہے، درمختار میں یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"اعلم أيها الواقف على هذا الكلام أن رجوع الإمام إنما ثبت في القرأة بالفارسية فقط، ولم يثبت رجوعه في تكبيرة الافتتاح، بل هي كغيرها من أذكار الصلاة على الخلاف، كما حرره شارح المجمع، وكتب الأصول وعامة الكتب المعتبرة، الخ"(۱)۔

اس سے پہلے درمختار کی یہ عبارت بھی دیکھ لیجئے:

"و شرطا عجزه، وعلى هذا الخلاف الخطبة و جميع أذكار الصلوة وأما ذكره، فقوله: (أو أمّن أولبّى أو سلم أو سمى عند ذبح) و شهد عندحا كم أورد سلاماً، ولم أر لو شمّت عاطساً (أو قرأبها عاجزاً) فجائز إجماعاً، قيد القراءة بالعجز؛ لأن الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، وجعل يعني الشروع كالقراءة لاسلف له فيه ولا سند له يقويه" (۲)۔

(۱) قد تتبعتُ خمس نسَخ: إحداها نسخة قديمة مطبوعة لدار إحياء التراث العربي، والثانية: أيضاً لدار الإحياء، والثالثة لدار المعرفة، والرابعة لدار النفائس بالرياض، والخامسة لمحمد سعيد بباكستان التي هي بين أيدينا، فلم أجد هذه العبارة في الدر و لا في الرد في أحد من النسخ المذكورة، بل العبارة المرقومة هي ماخوذة من تعليقات علاؤ الدين التي هي بحواشي تلك النسخ كلها تحت قول ردالمحتار: "(وفي أن الإمام)". (التعليق على الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

اس عبارت کو بغور آخر تک ملاحظہ فرما کر رائے عالی قائم فرمایئے، میرا مشورہ یہ ہے کہ اس بحث، کو شامی میں ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ اسکے بعد آیاتِ قرآنیہ کے متعلق بھی کچھ عرض کر رہا ہوں، اس کو نظر غائر سے ملاحظہ فرمایئے۔

۲......ایک جگہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے: ﴿و ما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾(۱) قوم کی زبان ہی معیار ہے ارسالِ رسل کے لئے، مطلب یہ ہوا کہ رسول اور امت دونوں کو ہم زبان ہونا لازم ہے: ﴿و لو جعلنا ہ قرانا أعجمياً﴾ (۲) اس میں بھی اسی کو ملحوظ فرمایا گیا ہے، پھر کیوں خطبہ کو اصولِ بالا کے ماتحت قوم اور مخاطبین کی زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے؟ قرآن مجید عربی زبان میں کیوں نازل فرمایا گیا ہے، اسکی توجیہ: ﴿لقوم يعلمون﴾ (۳)"أي الأمة العربية" سے فرمائی گئی ہے، ان ہی اشاروں کا نتیجہ تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربیت کو کسی جگہ بھی ضروری نہیں فرمایا ہے مگر قراءۃ فی الصلوۃ میں۔ یہ بات کہ امام صاحب نے رجوع فرمالیا تھا اس کو میں نے مفصل طور پر اوپر لکھ دیا ہے۔

۳......یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی کہ صحابۂ کرام نے بلادِ عجم میں عربی میں خطبہ دیا، آج ہندی پرست اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں کس طرح دیگر اقوام وملل پر ہندی کو لازم کر رہے ہیں، پھر اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عربی کو عجم میں اپنایا کیے تو کیا بُرا ہوا؟ اچھا ہی ہوا، اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے: مصر عربی ملک بن گیا، عراق بھی، ایران میں بھی عربی کا رواج ہو گیا تھا۔

۴......مگر آج ایمان باللہ سے اعراض کرتے ہوئے ہم محض خطبہ کی زبان سے عربی کی ترویج کا خواب کیوں دیکھ رہے ہیں۔ مولانا! اَقل مقدار خطبہ کی التحیات ہے ورنہ: "لا بد من ذكر طويل" اصل ہے، خطبہ کے لئے یہ ذکرِ طویل نصیحت کے لئے شئی وافر ہے، پھر ایک کلمۂ حق بھی خلوصِ نیت کی شرط سے تریاق کا کام انجام دے سکتا ہے بقدر التحیات تو بہت زیادہ ہے ﴿فاعتبروا يا أولي الأبصار﴾ (٤)۔

---

(۱) (سورة إبراهيم : ۴/۱۳)

(۲) (سورة حم السجدة : ۴۴/۲۴)

(۳) (سورة حم السجدة : ۳/۲۴)

(۴) (سورة الحشر : ۲/۲۸)

اب ایک بات پر آپ اعتراض فرمارہے ہیں کہ میں نے آپ سے معافی کیوں طلب کی؟ سچ کہہ کر میں نے معافی نہیں طلب کی تھی بلکہ نزاکتِ طبع پر اگر کوئی بات گراں گزری ہو (کیونکہ پڑی ہوئی عادتِ مستمرہ کے خلاف بات پیش کررہا ہوں) اس لئے گرانی اگر کچھ ہویدا ہوئی ہو، تو اس سے میں نے عفو کی مانگ مانگی تھی نہ کہ حق کی بات کہنے سے۔

۵.....خطبہ سننے والوں کی اکثریت جاہل محض ہوتی ہے ان کو بھی تو آپ آٹھویں دن کچھ موقعہ نصیحت گری کا دیں گے۔

۶.....اس شعارِ اسلامی کو خدارا نہ اٹھایئے: "أي لسان كان يحصل منه ذكر الله أو يحصل". پھر آپ ذکر اللہ کے لئے کسی زبان کو کیوں مخصوص کررہے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بموقع فتوحات کسی دوسری زبان کے استعمال سے مجبور بھی تھے، اور سیاست کا تقاضا بھی یہی تھا کہ عربی کو ترجیح دی جاتی، ورنہ عام حالات میں سامعین کی زبان کا ہمیشہ خیال رکھا گیا ہے، خطبہ ہمہ گیر نصیحت کا حامل رہا ہے اور سو فیصد عرب کے سامنے عربی ہی میں خطبہ دیا جاتا تھا، تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں، پھر ہند نے کیا قصور کیا ہے کہ وہاں غیر مفہوم زبان استعمال ہو۔

"كلموا الناس على قدر عقولهم" (۱) میری زبان پر جاری ہے، کہیں اس کو میں نے پڑھا ہے، مگر کہاں، حوالہ صحیح نہیں پیش کرسکتا، غالباً یہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہو اچھا، اس سے استشہاد فی الحال ملتوی رکھتا ہوں۔

۷.....**نوٹ**: کیا "نظام" کے صفحات میں ان معروضات کو جگہ ملے گی؟ آپ کے شافی جواب کی توقع رکھوں گا، اگر فی الحال نظام میں نہ طبع ہو تو پھر بذریعۂ ڈاک جواب مرحمت فرمایئے بے رنگ بھیج دیجئے انشاء اللہ میں وصول کرلونگا۔ آپ کا ادنیٰ خادم: محمد سلیم از بنکی ضلع بارہ بنکی۔

الجواب:

مکرم محترم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، میں سفر میں تھا، واپسی پر ملا، جواباً گزارش ہے کہ:

---

(۱) (لم أجده)

ا......شامی کی یہ بحث اس سے پیشتر بھی متعدد مرتبہ دیکھ چکا تھا اور دیکھنے کی نوبت آتی رہتی ہے، اب آپ کی دعوت پر پھر دیکھی جو کچھ احقر نے تحریر کیا خود شامی کو بھی فی الجملہ اس کا اعتراف ہے، حافظ بدر شارح بخاری شریف شارحِ ہدایہ وشارحِ کنز نے اس کو بسط سے لکھا ہے(۱)۔ ابو الاخلاص حسن شرنبلالی بھی حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوش بدوش ہیں(۲)۔ خود صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح منتقی اور خزائن الاسرار شرح تنویر میں وہی لکھا ہے جو کہ حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے(۳)، لیکن ان کو یہاں حافظ عینی کے ساتھ اتفاق نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

”وجعل العينى الشروع كالقراءة، لاسلف له فيه، ولا سند له يقويه، بل جعله فى التاتر خانية كالتلبية يجوز اتفاقاً، فظاهره كالمتن رجوعهما إليه لا هو إليهما، فاحفظ، فقد اشتبه على كثيرٍ من القاصرين حتى الشرنبلالية فى كل كتبه، فتنبه“.

اس پر شامی لکھتے ہیں: ”(قوله: رجوعهما إليه الخ): أى أنهما رجعا إلى قوله بصحة

---

(۱) ”وأما الشروع بالفارسية أو القراءة بها فهو جائز عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ مطلقاً، وقالا: لا يجوز إلا عند العجز، وبه قالت الثلاثة، وعليه الفتوى. وصح رجوع أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلى قولهما“. (رمز الحقائق شرح العينى على الكنز ، كتاب الصلاة ، فصل فى صفة الصلاة : ۳۲/۱، إدارة القرآن كراچى)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (البناية فى شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة : ۲۰۱/۲، ۲۰۶، رشيديه)

(۲) ”ويصح الشروع أيضاً (بالفارسية) وغيرها من الألسنة إن عجز عن العربية، وإن قدر لا يصح شروعه بالفارسية ونحوها (ولا قراءته بها فى الأصح) فى قول الإمام الأعظم موافقةً لهما؛ لأن القرآن اسمٌ للنظم والمعنى جميعاً الخ“. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة ، فصل فى كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قديمى)

(۳) ”أو كبّر بالفارسية صح) فى الكل .... (وكذا لو قرأ بها)، و هذا إذا كبر و قرأ بالفارسية (عاجزاً عن العربية) بأن كان لا يحسن العربية بشرط أن لا يخل بالمعنى، وهذا قولهما، وبه قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العينى وغيره“. (الدر المنتقى فى شرح الملتقى للحصكفى، كتاب الصلاة، فصل فى صفة الشروع : ۱۴۰/۱ ، غفاريه كوئٹه)

الشروع بالفارسية بلا عجز كما رجع هو إلى قولهما بعدم الصحة في القراءة فقط لا في الشروع أيضاً كما توهم العيني اهـ"۔

یہاں تک تو شارح کے مطلب کی توضیح تھی، مگر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خود شارح سے اتفاق نہیں اس لئے لکھتے ہیں: "لكن قولهما: رجعا إلى قوله في الشروع، لم ينقله أحدٌ، وإنما المنقول حكاية الخلاف، وأما عبارة المتن فهي مبنية على قول الإمام، فالحاصل أن ما أورده على العيني في دعوى رجوعه إلى قولهما يرد عليه في دعواه رجوعهما إلى قوله"۔

پھر آگے چل کر "(قوله حتى الشرنبلالية)" کے تحت لکھا ہے: "اعلم أن الشارح نفسه خفي عليه ذلك، فتبع العيني في شرحه على الملتقى و في الخزائن، بل خفي أيضاً على البرهان الطرابلسي في متنه مواهب الرحمن حيث قال: والأصح رجوعه إليهما في عدم جواز الشروع والقراءة بالفارسية لغير العاجز عن العربية"(۱)۔

اب غور کیجئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک کیا ہے؟ جن کتب کا احقر نے حوالہ دیا، غالباً وہ بھی جناب نے ملاحظہ نہیں کیں ورنہ شاید عدمِ رجوع امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر اتنا اصرار نہ ہوتا۔ احقر چونکہ یہ بحث باب الأذان، تأليف الصلوة، جمعہ وغیرہ میں مفصل دیکھ چکا تھا اور اس کے سب گوشے سامنے تھے اور جانتا تھا کہ بعض اذہان اس رجوع کو تسلیم نہیں کریں گے، اس لئے اصل سوال کے جواب کو رجوع کی جہت پر منحصر نہیں کیا بلکہ آگے دیا تھا کہ اگر کسی کو رجوع سے انکار ہو اور اسی قول سے استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم کے اس قول کی تشریح بھی دیکھ لیجائے۔ لہٰذا اس کے بعد عدمِ رجوع کے مسئلہ پر بحث کرنا بھی چنداں سودمند نہیں۔

۲......آیت: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾(۲) آپ نے قوم کی تفسیر "امت" سے کر کے رسول اور امت کے ہم زبان ہونے کا قاعدہ کلیہ استنباط فرمایا ہے، یہی قاعدہ کلیہ عیسائیوں اور یہودیوں نے سمجھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو اہلِ عرب کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ جس کی زبان عربی نہیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اس کے ذمہ ضروری نہیں، علمائے اسلام نے اس

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، ۴۸۵، سعيد)

(۲) (سورة إبراهيم: ۴)

قاعدہ کلیہ کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ "امت" اور چیز ہے اور "قوم" اور چیز ہے (۱)، پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، جیسا کہا: ﴿إنا أرسلنا نوحاً إلی قومه﴾ الایۃ (۲) وغیرہ میں مذکور ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے، آپ کی امت انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جنات آپ کی قوم نہیں۔ آپ کی بعثت اسود واحمر سب کی طرف ہے (۳) امریکہ، لندن، جرمن، ہند، چین،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل يأيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ الاية. (سورة الأعراف: ۹/۱۵۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ تحت هذه الآية: "لما حكى ما في الكتابين من نعوته صلى الله تعالیٰ عليه وسلم و شرف من يتبعه على ما عرفت، أمر عليه السلام بأن يصدع بمافيه تبكيتٌ لليهود الذين حرموا اتباعه، وتنبيهٌ لسائر الناس على افتراء من زعم منهم أنه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم مرسل إلى العرب خاصةً. و قيل: إنه أمرٌ له صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ببيان أن سعادة الدارين المشار إليهما فيما تقدم غير مختصة بمن اتبعه من أهل الكتابين بل شاملة لكل من يتبعه كائناً من كان، و ذلك ببيان عموم رسالته صلى الله تعالیٰ عليه وسلم و هي عامةٌ للثقلين كما نطقت به النصوص حتى صرحوا بكفر منكر، وما هنا لا يأبى ذلك، والمفهوم فيه غير معتبر عند القائل به لفقد شرطه و هو ظاهر".

(روح المعاني: ۹/۸۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (سورة نوح: ۲۹/۱)

"قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ من الأنبياء قبلي .... و كان النبي يبعث إلى قومه خاصةً وبُعثتُ إلى الناس كافةً، وأعطيت الشفاعة". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "جعلت لي الأرض مسجداً و طهوراً": ۱/۶۲، قديمي كراچي)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ وما أرسلناك إلا كافةً للناس بشيراً و نذيراً، ولكن أكثر الناس لا يعلمون﴾ (سورة السبا: ۲۲/۲۸)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "يعني إلى الناس عامةً، وقال قتادة رحمه الله تعالیٰ: في هذه الآية أرسل الله تعالیٰ محمداً صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إلى العرب والعجم .... أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "بعثت إلى الأسود والأحمر". قال مجاهد رحمه الله تعالیٰ: يعني الجن والإنس. وقال غيره: يعني العرب والعجم، والكل صحيح". (تفسير ابن كثير: ۳/۵۳۸، ۵۳۹، سهيل اكيڈمی لاهور) =

ترک سب آپ کی امت ہیں، مگر آپ کی قوم نہیں۔ اگر رسول اور امت کا ہم زبان ہونا ضروری ہوتا تو وحی بھی ہر زبان میں آتی، پھر کسی ترجمان کی ضرورت نہیں تھی، جن بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے ہیں وہ صرف عربی زبان میں نہ بھیجتے بلکہ خود ان کی زبان میں بھیجتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو اسی قاعدہ کلیہ کی آڑ لے کر بہت کچھ فتنہ پردازی کا موقعہ ملا اور بے شمار لوگوں کو یہی کہہ کر اسلام سے روکا کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہوتے اور وہ تمہارے رسول ہوتے اور تمہارے ذمہ ان کی اطاعت لازم ہوتی تو وہ تمہارے ہم زبان ہوتے اور تمہاری زبان میں ان پر وحی آتی، مگر جب کہ ایسا نہیں تو وہ تمہارے رسول نہیں بلکہ ان کی رسالت صرف عرب کے لئے ہے۔ آپ اپنے قاعدہ کلیہ کو نظرِ غائر سے دیکھیں کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے اور یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے، پھر اس پر مسئلۂ خطبہ کا متفرع کرنا بالکل بدیہی البطلان ہے۔

۳..... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم میں بھی عربی میں خطبہ دیا ہے اس کو محدّث ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل میں پیش کیا ہے اور نہ صرف صحابۂ کرام بلکہ اپنے زمانہ تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک کا عملِ متوارث قرار دیا ہے (۱)۔ آپ کو حق ہے کہ اپنے علم و فہم کی روشنی میں خلفائے راشدین، اکابر

= "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ قبلي: بعثت إلى الأحمر والأسود". الحديث. (مسند أحمد، (رقم الحديث : ۲۰۸۰۷): ۱۸۲/۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "چون خطبِ آن حضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم تنقیح آن وجود چندچیز است" و عربی بودن خطبه .... وعربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین درمشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودندالخ". (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۴، رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه، فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمَع والأعياد و غيرها =

صحابہ، تابعین، محدثین فقہائے مجتہدین، اولیاء اللہ، صالحین کے تعامل، توارث، وتواتر کو یہ کہہ کر اڑا دیں کہ یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی اور مزید برآں یہ کہ اس سنت متوارثہ کو آپ تشبیہ دے رہے ہیں آج کے حالات کے ساتھ کہ:

"آج ہندو پرست اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں کس طرح دیگر اقوام وملل پر ہندی کو لازم کر رہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام نے بھی کیا"۔

تو گویا آج ہندی پرست طبقہ کو آپ عربیت ختم کرنے اور ہندی لازم کرنے کا زبردست ہتھیار صحابۂ کرام کی سنتِ متوارثہ سے استنباط کر کے عنایت فرمارہے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کے نفوسِ مقدسہ اس گھمنڈ سے بالاتر تھے، ان کے پیش نظر ہرگز ہرگز وہ عصبیت نہیں تھی جن کا آج دنیا میں پرچار ہے، انہوں نے اقوامِ مفتوحہ کی جس قدر حفاظت فرمائی، ان کو پروان چڑھایا، ان کو ذہنی، علمی، اخلاقی، معاشی، صنعتی، بین الاقوامی، ہرنوع کی ترقی دی، ان کے کمالات کی تکمیل کی، ان کو انسانیت کے بلند مقام پر پہنچایا، آج دنیا میں کوئی قوم اس کا خواب بھی نہیں دیکھ رہی ہے، آپ کی اس تشبیہ سے ان پاکیزہ نفوس کی پوزیشن کس قدر مجروح ہو جاتی ہے؟

۴...... ایمان باللہ سے اعراض کرنے کو کس نے کہا اور محض خطبہ کی زبان پر عربی کی ترویج کو کس نے منحصر کیا ہے؟ ایمان باللہ کی تکمیل کیلئے تدریس، تذکیر، تلقین، تبلیغ کی صورتیں اختیار کی جا چکی ہیں، آج بھی دنیا میں رائج ہے اور بے شمار مخلوقِ خدا فیضیاب بھی ہو رہی ہے، البتہ جن کو علم سے عناد ہے یا جہلِ مرکب میں گرفتار ہیں وہ پہلے بھی محروم رہے اور اب بھی محروم ہیں۔

۵...... میں پہلے عرض کر چکا ہوں، آپ بتائیے کہ جو ساری جہالت دور کرنے کا ذریعہ صرف خطبۂ جمعہ کو قرار دے اور کہے کہ نہ کسی مدرسے میں جاؤں گا، نہ کوئی کتاب پڑھوں گا، نہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کروں گا، نہ وعظ سنوں گا بلکہ خطبہ میں سارا دین سیکھوں گا تو وہ کس قدر جہالت میں گرفتار ہے، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" عربی میں نہ سہی اس کا ترجمہ اردو میں سن کر وہ کتنا دین حاصل کرے گا، آپ نے وہیں پہنچ کر منزل کردی کہ "پھر ایک کلمہ سن کر خلوصِ نیت کی شرط کے ساتھ تریاق کا کام انجام دے سکتا ہے"،

= من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب لهم أحدٌ منهم بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

سو کچھ مضائقہ نہیں، اس نظریہ کی رعایت بھی اصل جواب میں کر لی گئی تھی، شاید آپ نے طائرانہ نظر سے اس کو پڑھا تھا، نظر غائر نہیں ڈالی، اس میں یہ عبارت بھی درج ہے: ''یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے جس میں دین کے ضروری عقائد واحکام بیان کردیئے جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتادیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کردیا گیا ہے)(۱)۔

۶......آپ فرماتے ہیں: ''اس شعار اسلامی کو خدارانہ مٹایئے''۔ شعار اسلامی وہ ہے کہ جس کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین، ائمہٴ مجتہدین، فقہائے محدثین اولیاء اللہ، صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا اور تقریباً پونے چودہ سو سال سے شرقاً وغرباً شمالاً وجنوباً تمام امت نے اختیار کیا یعنی عربی خطبہ پڑھنا (۲) جس کو آپ مٹا رہے ہیں، لہٰذا اس شعارِ اسلامی کو خدارانہ مٹایئے، وہ ہرگز ہرگز شعار اسلامی نہیں جس کو آپ تجویز کر رہے ہیں یعنی اردو میں خطبہ پڑھنا۔

۷......آپ کے خط کا جواب دفتر ''نظام'' میں بھیجتا ہوں اس کی اشاعت اربابِ نظام کی صوابدید پر ہے۔ والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

الخطبة بغير العربية

سوال[۳۷۸۲]: ما قولكم دام فضلكم فى خطبة العربية المترجمة فى لسان العجم هل تجوز عند الأحناف بغير كراهة أم لا؟ فإن جازت فهل جوازها بالكراهة التحريمية أو التنزيهة أو بدونها؟ بينوا طريق الحق ياأهل الحق۔

الجواب حامداً ومصلياً:

السنة المتوارثة فى خطبة الجمعة هى أن تكون بالعربية والخطبة بغير العربية سواء كانت مترجمة بالهندية أو بالفارسية أو بغيرهما لكونهما خلاف السنة بدعة مكروهة، قال

(۱) (راجع، ص: ۲۲۵، رقم الحاشية :۳)

(۲) (راجع، ص: ۲۳۳، رقم الحاشية : ۱)

مولانا ولی اللہ المحدث الدهلوی فی المصفی شرح المؤطا:

"لما لاحظنا خُطب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفاء ہ رضی اللہ تعالیٰ عنهم وهلم جراً، فنجد فيها وجود أشياء: منه الحمد والشهادتين والصلوة على النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والأمر بالتقوى و تلاوة آية والدعاء للمسلمين و للمسلمات وكون الخطبة عربيةً .... وأما كونها عربيةً فلاستمرار عمل المسلمين فی المشارق والمغارب أن فی .... كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين، اهـ"(۱)۔

قال فی آكام النفائس: "الخطبة بالفارسية التی أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً فی عصر خير البرية، وإن كانت فی اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، و حضروا مجالس الجُمُع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية و مع ذلك لم يخطب أحد منهم بغير العربية. ولما ثبت وجود الباعث فی تلك الأزمنة و فقد ان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التی هی أوفی درجات الضلالة"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۵/۵۹ھ۔

ایضاً

سوال[۳۷۸۳]: ا......خطبہ جمعہ کا محض عربی زبان میں ہو یا اس کے ساتھ ترجمہ اور وعظ بھی ہو، اگر وعظ ہو تو کیسا ہے؟

---

(۱) "چوں خطبِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجود چندچیز است .... و عربی بودنِ خطبہ .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دهلی)

(۲) (مجموعة رسائل اللكنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

۲......خطبہ کس قدر طویل ہو؟

۳......عام مقتدی اگر وعظ یا ترجمہ کی طوالت سے گھبرا جائیں تو خطیب کو کیا کرنا چاہیے؟

۴......کیا خطیب کا پابند ہونا کہ ترجمہ یا وعظ ضرور کروں گا جائز ہے جب کہ مقتدی روک نہیں رہے ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خطبہ محض عربی زبان میں ہونا لازم ہے اس کا ترجمہ کرنا یا اس کے ساتھ اَور کسی زبان میں مستقل وعظ کہنا جائز نہیں، اگر اتفاقیہ طور پر کوئی وقتی مسئلہ اثنائے خطبہ میں حاضرین کو سمجھا دیا جائے تو درست ہے(۱)۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ اس مضمون پر تحریر فرمایا ہے(۲)۔ مصفّی شرحِ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آن وجود چندچیز است: حمد و شهادتین، و صلوة بر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، وامر بتقوی، و تلاوتِ قرآن پاک، ودعائے مسلمین و مسلمات، و عربی بودن خطبه، وعربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب

---

(۱)"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما استوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ذلک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فجلس علی باب المسجد، فرآہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "تعال یا عبد اللہ بن مسعود!"۔ (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۱/۱۵۶، دار الحدیث ملتان)

"قال الطیبی رحمه اللہ تعالیٰ: فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروہ إذا لم یکن أمراً بالمعروف"۔ (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل الخ: ۲/۱۸۱، امدادیه ملتان)

"و یکرہ تکلمه فیها إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها"۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

"و یکرہ للخطیب أن یتکلم فی حالة الخطبة .... إلا إذا کان الکلام أمراً بالمعروف فلایکرہ"۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۷، رشیدیه)

(۲)(آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس، مجموعة رسائل اللکنوی: ۴/۴۷، إدارة القرآن کراچی)

باوجود آنکه در بسیارے از أقالیم مخاطبان عجمی بودند"(۱)۔

۲.....طوالِ مفصل کی ایک سورت کے برابر یا اس سے کم، اس سے زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے: "وتکرہ زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصل، اهـ". درمختار: ۱/۵٦۷ (۲)۔ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں طوالِ مفصل ہیں۔

۳.....خطیب کی یہ ضد، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وطریقِ سلف و تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے، خطیب کو اس ضد کا ترک کرنا لازم ہے، اگر وعظ کہنا ہے تو خطبہ سے پہلے وعظ کہہ دیا جائے (۳) اور خطبہ کے بعد دس منٹ سنتوں کے لئے وقفہ دے کر پھر خطبہ خاص عربی میں سنت کے موافق پڑھا جاوے، تا کہ خطیب کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور خلافِ سنت کا اشکال بھی باقی نہ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"عن عمار بن ياسر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإقصار الخطب". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب إقصار الخطب: ۱/۱۵۷، ۱۵۸، دار الحديث ملتان)

"وأما سنن الخطبة .... و منها: أن لا يطول الخطبة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بتقصير الخطب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما سنن الخطبة: ۱/۵۹۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(۳) "و أخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميمًا الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع، كراچى)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع) ...... =

ایضاً

سوال[۳۷۸۴]: ہمارے شہر میں ایک رسم معتقد علیہ یہ پڑی ہوئی ہے کہ جمعہ کا خطبہ اردو میں بھی ہو، ورنہ فساد کا حق الیقین ہے، ایسی حالت میں زید جو کہ مسائل سے واقف ہے اردو میں بھی خطبہ ادا کرسکتا ہے، اگر نہیں کرتا تو عموم بلویٰ کا اندیشہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ زید کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے(۱) "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب، إن الدين النصيحة ١/٥٤، قديمي)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة عامتهم و هم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم، و كف الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه تقبل نصحه و يطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الايمان، بابٌ: إن الدين النصيحة: ١/٥٤، قديمي)

(١) "الخطبة الفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة، وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ٤/٤٧، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ٢): ١/٢٠٠، سعيد)

(٢) (الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ٣٥): ١/٢٨٦، إدارة القرآن كراچی)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ما خُيّر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين =

8

اردو میں خطبہ

سوال[۳۷۸۵]: کیا اردو میں خطبہ دینا جائز ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخاطب عربی دان تھے اور ہمارے مخاطب عربی دان نہیں اس لئے خطبہ اردو میں دے رہے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ عربی ہی میں ہونا متوارث ومتواتر رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم کو فتح کیا وہاں بھی خطبہ عربی ہی میں دیا ہے، تمام دنیا میں یہی طریقہ چلا آیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا امام مالک کی شرح میں ایسا ہی لکھا ہے (۱)۔ زیادہ تفصیل ''آکام النفائس'' میں ہے(۲)۔ ہندوستانی علماء کے متعدد رسائل تحقیق الخطبہ والجمعۃ وغیرہ اس مسئلہ پر شائع ہو چکے ہیں، ماہنامہ ''نظام'' میں بھی اس پر دو مرتبہ مفصل بحث آچکی ہے، سائل نے اردو میں خطبہ دینے کے مصالح وضروریات پر بہت زور دیا تھا اور اس کے لئے عقلی ونقلی دلائل کی بھی تفتیش کی تھی اور عربی میں خطبہ دینے کو بیکار، غلط اور مضر بتایا تھا ان سب کا جواب رسالہ نظام میں شائع کیا جا چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مذہب شافعی میں خطبۂ جمعہ کا ترجمہ

سوال[۳۷۸۶]: مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ نرجو منكم جواباً في كتب الفقه من

= الأمرين إلا اختار أيسرهما مالم يكن فيه مأثم". (مسند احمد (رقم الحديث : ۲۵۲۲۸) :۲۹۹/۷، دار إحياء التراث)

(۱) "چون خطبِ آن حضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آن وجودِ چندچیز است: حمد و شهادتین و صلوة.......... وعربی بودنِ خطبه .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(۲) (آکام النفائس من مجموعة رسائل اللکنوی رحمه الله تعالیٰ: ۴۷/۴، إدارة القرآن، کراچی)

مذهب الشافعي رحمه الله تعالى عن ترجمة توابع خطبة الجمعة الأولى بلا تطويل، وهل يستوى ترجمة توابع الخطبة على المنبر؟ و ما ذا حكم ترجمة الأركان فى مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ وأقوال أصحابه؟ نرجو منكم جواباً من كتب الفقه من مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ۔

الجواب باسمه تبارك و تعالىٰ حامداً و مصلياً:

قال الإمام النووى رحمه الله تعالىٰ فى المنهاج و شارحُه ابن حجر المكى فى تحفة المحتاج: "و يشترط كونها: أى الأركان دون ما عداها عربية الاتباع. نعم إن لم يكن يفهم من يحسنها و لم يكن تعلمها قبل ضيق الوقت خطب منهم واحد بلسانهم، وإن أمكن تعلمها و جب على كل منهم، فإن مضت مدة إمكان تعلم واحد منهم و لم يتعلم عصوا كلهم و لا جمعة لهم بل يصلون الظهر اهـ". و قال محشيه: "(قوله: دون ما عدا ها) يفيد أن كون ما عدا الأركان من توابعها بغير العربية لا يكون مانعاً من الموالات كالسكوت بين الأركان إذا طال (قوله: بلسانهم): أى ماعدا الآية، فيأتى ما تقدم و لا يترجم عنها" : ۲/ ۵٤۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۵ھ۔

ترجمۂ خطبۂ عربیہ

سوال[۳۷۸۷]: أردنا أن نفهم مسئلة ترجمة الخطبة العربية يوم الجمعة والعيدين بغير العربية، فهل يجوز أن يكون الأركان بغيرالعربية أم لا؟ و هل يجوز غيرالأركان من التوابع بغير العربية أم لا؟ وإن قلتم بالجواز، هل يكون ذلك خلاف الأولىٰ أو مع الكراهة أو بلا كراهة أم لا؟ أفتونا علىٰ مذهب الإمام الأعظم أبى حنيفة النعمان رحمة الله عليه، و علىٰ مذهب الإمام الشافعى رحمة الله عليه تفصيلاً مع بيان المآخذ من كتب الحنفية والشافعية للمتقدمين والمتأخرين؟

(۱) (منهاج الطالبين و عمدة المفتيين للإمام النووى رحمه الله تعالىٰ ، كتاب الصلاة، الجماعة، باب صلاة الجمعة، ص: ۱۹ ، مصطفى البابى الحلبى مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

خطبة الجمعة لا بد أن تكون من أولها إلى آخرها باللغة العربية، وتكره تحريماً بغير العربية مكروهة تحريماً هذا عند الأحناف، كذا فی عمدة الرعاية(۱) وآكام النفائس(۲)، وأما الشافعية فهم يقولون باشتراط العربية للأركان دون التوابع، كذا فی إعانة الطالبين و تحفة المحتاج"(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) "لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم والصحابة رضی الله تعالیٰ عنه، فيكون مكروها تحريماً". (عمدة الرعاية علی هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية ۲): ۱/۲۰۰، سعید)

(۲) "الخطبة بالفارسية التی أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً فی عصر خير البرية، وإن كانت فی اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمَع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية و مع ذلک لم يخطب احدٌ منهم بغير العربية. و لما ثبت وجود الباعث في تلک الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التی هی أوفی درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوی رحمه الله تعالیٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۱۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) "(و) شرط فيهما (عربية) لاتباع السلف والخلف وفائدتها بالعربية مع معرفتهم لهاالعلم بالوعظ فی الجملة الخ".

"(قوله: وشرط فيهما): ای فی الخطبتين؛ والمراد أركانهما كمافی التحفة، وعبارتهما مع الأصل: و يشترط كونها: ای الأركان دون ما عداها عربية. (قوله : لاتباع السلف والخلف) تعليل لاشتراط كونهما بالعربية: ای شرط ذلک لاتباع السلف و الخلف لوجوب اتباعهم .... و مرّ أن السلف هم الصحابة و عم الخلف من عداهم". (إعانة الطالبين للعلامة السيد البكری ، فصل فی صلاة الجمعة مطلب: شروط الخطبتين : ۲/۶۹، دار إحياء التراث العربی بيروت)

خطبۂ جمعہ حاضرین کی زبان میں

سوال[۳۷۸۸]: جمعہ کا اجتماع اور حکم خطبہ مسلمانوں کے فلاحِ دارین کا وسیلۂ عظمیٰ تھا، اس سے مقصود یہ تھا کہ ہفتے میں ایک بار لوگوں کو ان کی حالت اور ضرورت کے مطابق اسلام وارشاد کی دعوت دی جائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک دائمی ذریعہ، خطبہ دراصل ایک وعظ تھا جیسا کہ وعظ ہوتا ہے، آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی عمل رہا اور تمام عربی حکومتیں جو اس کے بعد قائم ہوئیں ان میں بھی خلفاء اور سلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اب خطبے کے معنی یہ رہ گئے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب جو بازار سے خرید لی جائے اور الف لیلہ کی طرح اس میں غلط سلط پڑھ کر سنا دیا جائے، آواز بشدت کریہہ ہو اور لب ولہجہ میں عربیت پیدا کرنے کے لئے ہر جگہ تفخیم وثقالت سے کام لیا جائے، بعض لوگ قرآن شریف کی حاصل کردہ قرأت کو اس میں بھی صَرف کرتے ہیں اور پھر جو شخص ہر لفظ کے آخر حروف کو پوری سانس میں کھینچ کر پڑھ دے وہ سب سے بڑا قاری ہے، بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ الف لیلہ کی رات کا ایک لفافہ، قلیوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد وہدایتِ امت کا وہ عظیم وجلیل عملِ اقدس جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہوکر مجھ کو انجام دینا پڑتا ہے، پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا، کوئی اونگھتا ہے، کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کا بھاؤ پوچھتا ہے۔

یہ تمسخر انگیز تذلیل وتحقیر ہے، اس مذہبِ عظیم کے اعمالِ دینیہ کی جس کے داعیٔ اول نے اپنے خطبات ومواعظ سے ایک بادیہ نشین قوم کو روم وایران کے تمدن کا مالک بنا دیا تھا، ﴿فما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون﴾(۱)۔ جو خطباتِ عربیہ آج کل رائج ہیں تقریباً میں نے ان سب کو پڑھا ہے وہ اس وقت کے لئے بھی موزوں نہ تھے جس وقت کے لئے لکھے گئے تھے پھر آج کل کی حالت کا کیا۔ دوم خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلا دیا ہے کہ صرف جمعہ وعیدین کے چند مسائل بیان کردیئے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ ایک دن

---

(۱) (سورة العنكبوت: ۴۰/۲۰)

مرنا ہے، پس ڈرو اور موت کو یاد کرو، بیشک موت کو یاد کرنے سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی، "کفاك بالموت"، لیکن صرف یہ کہہ دینا لوگوں کے لئے کافی نہیں ہے، موت کی یاد کے ساتھ ان کو اس زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیئے کہ تذکرۂ آخرت کے ساتھ مل کر ان کو دونوں جہانوں میں نجات مل سکتی ہے۔

بڑا مسئلہ زبان کا ہے اور ضروری ہے کہ ایک مختصر سے خطبۂ ماثورہ کے بعد وعظ اس زبان میں ہو جو سامعین کی زبان ہے، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت مؤید ہے:﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۱) قوم کی زبان ہی معیار ہے ارسال رُسل کے لئے۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول اور امت دونوں کو ہمزبان ہونا لازم ہے:﴿ولو جعلناه قرآناً أعجمياً﴾ الخ (۲) آیت میں بھی اس کو ملحوظ فرمایا گیا ہے، پھر کیوں خطبہ کو اصول بالا کے ماتحت اور مخاطبین کی زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے؟ ان ہی ارشادوں کا نتیجہ تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربیت کو کسی جگہ بھی ضروری نہیں فرمایا ہے، مگر صرف قرأت فی الصلوۃ میں شریعت نے کیسی عمدہ مصلحت اس میں رکھی کہ جمعہ کے خطبہ کو نمازِ فرض کا قائم مقام قرار دیا اور اس کی سماعت کو فرض بتلایا۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں خطبوں کا سماع واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف پہلے کا، اس وقت نماز پڑھنا بھی جائز نہیں اس سے مقصود وہی تھا کہ لوگ عمل وعبادت کی طرح نصائح وہدایت کو بھی سنیں، پھر ان نصائح کو ایسا اہم ہونا چاہئے کہ مصروفیتِ نماز سے بھی اقدم وانفع ہوں۔ کیا یہ خطبات جو آج کل دیئے جاتے ہی نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھے جاتے ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے اونگھتے ہیں، یہی وہ مواعظ ہیں جن کی سماعت فرض اور ان کی موجودگی میں نماز تک ممنوع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر ہے کہ اس سوال کی تفصیل اور اس کا جواب ماہنامہ "نظام" جولائی ۶۰ء، اکتوبر ۶۰ء میں ملاحظہ فرمالیں، اور پھر اس کا جواب بھی ہے۔

---

(۱) (سورۃ إبراھیم: ۴/۱۳)

(۲) (سورۃ حمٓ السجدۃ: ۴۴/۴۷)

تاہم جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں خطبہ کو ذکر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلی ذکر اللہ﴾ (۱)، ذکر اللہ میں اصل الفاظ وہ ہیں جو مہبطِ وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوئے اور عربی زبان میں ہیں، اس لئے یہ خطبہ عربی ہی میں دیا جاتا ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس کی پابندی کی، بلادِ عجم میں بھی اس کو رواج دیا (۲)۔ تو یوں سمجھیے کہ یہ سرکاری زبان ہے مخاطبین کی خاطر اس کو تبدیل نہیں کیا جائے گا بلکہ مخاطبین سے کہا جائے گا کہ وہ عربی زبان سیکھیں (۳)، اتنی رعایت بھی کی جائے کہ خطبہ سے قبل یا بعد نماز ان کی زبان میں خطبہ کے مضامین کو سمجھا دیا جائے اور دیگر ضروری اعتقادی، اخلاقی، عملی، معاشرتی امور کو بطورِ وعظ بیان کر دیا جائے (۴)، اگر خطبہ سے پہلے یہ سلسلہ ہو تو اذانِ خطبہ سے دس منٹ

---

(۱) (سورة الجمعة: ۹/۲۸)

(۲) "چون خطب آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیح آن وجود چندچیز است......... وعربی بودن خطبه" ...... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(وکذا فی مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللہ تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) "والحل هذا المقام و به یتم الإلزام أنه کما وضعت الخطبة للتعلیم وأمر الخطباء و العلماء بالتفهیم، کذلک أمر الجاهلون بطلب العلم حیث قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" .... و لما کانت أکثر شریعتنا بالعربیة یلزم علی الناس أن یتعلموا اللسان العربی بقدر الحاجة، ما یرتفع به الحاجة فإن ما لا یتم الواجب إلا به واجبٌ .... فإذا لم یفهم الحاضرون الخطبة العربیة فإلزام عدم الفهم عائد إلیهم لا إلی الخطباء، و لا یلزم للخطباء أن یغیروا اللسان العربی ویخطبوا بلسانٍ یفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللہ تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۴) "واخرج ابن عساکر رحمه اللہ تعالیٰ عن حمید بن عبد الرحمن أن تمیماً الداری استأذن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی القصص سنین، فأبی أن یأذن له، فاستأذن فی یوم واحد، فلما أکثر علیه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ علیهم القرآن و آمرهم بالخیر وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه: ذلک الذبح، ثم قال: عِظ قبل أن أخرج فی الجمعة، فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعة". =

قبل وعظ ختم کر کے سنتوں کا موقع دیا جائے، عربی میں خطبہ کا ہونا شعار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس کو ختم نہ کیا جائے، نیز غیر شعار کو بھی اس کے ساتھ مخلوط نہ کیا جائے۔

قرآن کریم میں حکم ہے:﴿أقيموا الصلوة﴾ (۱) یہ بنیادی چیز ہے، دوسری آیت میں ہے: ﴿إن الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾(۲)۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے، کیا ان کے لئے آپ کہہ دیں گے کہ اپنی مادری زبان میں نماز پڑھا کریں، غیر مفہومہ زبان کو ذریعۂ ادا نہ بنا دیا جائے۔

خطبات میں جہاں تک میں نے دیکھا حمد، صلوۃ، خطاب، تلاوت، دعاء یہی چیزیں ہوتی ہیں اور حدیث شریف کے بھی مضامین ہوتے ہیں، جملے کے جملے حدیث شریف کے ہوتے ہیں، قرآن پاک کی آیات ہوتی ہیں (۳)۔ آپ نے ان سب کو الف لیلہ کے ساتھ تشبیہ دیدی، غور کیجئے اس تشبیہ کی زد کہاں پڑتی ہے۔

اگر رسول وامت کا ہم زبان ہونا ضروری ہے اور آپ کا یہی عقیدہ ہے تو پھر آپ کے نزدیک رسول

= وروى الطبراني بسند جيد عن عمرو بن دينار: "أن تميماً الداري استأذن عمر في القصص، فأبى أن يأذن له ثم استأذنه". الحديث. (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

(وبمعناه في الصحيح لمسلم، كتاب الايمان، باب، إن الدين النصيحة : ۱/۵۴، قديمي)

تنبيه: ذكر الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ: هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها.

(۱) (سورة البقرة : ۱/۴۳)

(۲) (سورة العنكبوت : ۲۱/۴۵)

(۳) "ينبغي أن يخطب خطبةً خفيفةً يفتتح بحمد الله تعالىٰ و يثني عليه و يتشهد و يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و يعظ و يذكر و يقرأ سورةً، ثم يجلس جلسةً خفيفةً، ثم يقوم فيخطب خطبةً أخرى يحمد الله تعالىٰ و يثني عليه و يتشهد و يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و يدعو للمؤمنين والمؤمنات". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۵۸، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۱۴۹، سعيد)

(و كذا في مصفىٰ شرح مؤطا، كتاب الصلوة، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۵۴، كتب خانه رحيميه، دهلى)

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عرب ہی کے لئے مخصوص ومنحصر ہوگی، جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور اسی بنا پر سیدھے لوگوں کو قبولِ اسلام سے انہوں نے روکا کہ اگر وہ تمہارے رسول ہوتے تو تمہاری زبان بولتے (۱)، حالانکہ آپ کی رسالت عرب، عجم، اسود، احمر، جن وانس سب کی طرف ہے (۲)، کسی ہندی، سندھی، چینی، جاپانی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارے ہم زبان نہیں تھے، اس لئے ہمارے رسول نہیں تھے، ہم ان پر کیوں ایمان لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم وامت دونوں ایک چیز نہیں، ان کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے، پہلے رُسل مخصوص طور پر اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے: ﴿وإلی عاد أخاهم هوداً، قال یاقوم اعبدوا اللّٰه﴾(۳) ﴿إنا أرسلنا نوحاً إلی قومه﴾(٤)۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض اپنی قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ سب کی طرف مبعوث ہوئے: ﴿قل یاأیها الناس إني رسول اللّٰه إلیکم جمیعاً﴾(۵)، ﴿و ما

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿قل یاأیها الناس إني رسول اللہ إلیکم جمیعاً﴾ (الأعراف: ۱۵۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه اللہ تعالیٰ: "لما حکی ما في الکتابین من نعوته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و شرف مَن یتبعه علی ما عرفت، أمر علیه السلام بأن یصدع بما فیه تبکیتٌ للیهود الذین حرموا اتباعه، و تنبیه لسائرالناس علی افتراء من زعم منهم أنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مرسل إلی العرب خاصةً". (روح المعاني: ۸۲/۹، دارإحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما أرسلناک إلا کآفة للناس﴾ الایة (سورة سبا: ۲۸)

قال ابن کثیر: تحت هذه الآیة یعني إلی الناس عامةً، و قال: قتادة رحمه اللہ تعالیٰ في هذه الآیة: أرسل اللہ محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إلی العرب والعجم". (تفسیر ابن کثیر: ۵۳۸/۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

"عن أبي ذر رضي اللہ تعالیٰ عنه، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أعطیت خمساً لم یعطهن أحد قبلي بعثت إلی الأحمر والأسود". الحدیث. (مسند أحمد، (رقم الحدیث ۲۰۸۰۷): ۱۸۲/٦، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(۳) (سورة هود: ۵۰/۱۲)

(۴) (سورة نوح: ۱)

(۵) (الأعراف: ۱۵۸) (وأیضاً راجع رقم الحاشیة رقمها: ۱)

أرسلناك إلا كافة للناس﴾(۱)۔ "بعثتُ إلى الأسود والأحمر" (۲) وغير ذلك من الآيات والأحاديث۔

اس وجہ سے کوئی شخص بھی کسی خطہ کا بسنے والا ہو، کوئی زبان رکھتا ہو ہر شخص آپ کی امت میں ہے، عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

حاضرین کا خطبہ میں اونگھنا غیر اختیاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہ چیز موجود تھی (۳) حالانکہ وہاں مفہومہ زبان میں خطبہ تھا لہٰذا اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ مفہومہ زبان میں خطبہ ہونے سے اونگھ نہیں آئے گی، آج کل مقررین، لیڈروں اور خوش بیان واعظوں کی تقریروں میں بھی اونگھنے والے اونگھتے رہتے ہیں۔ خطبہ کو نمازِ فرض کے قائم مقام بنا دینا خلافِ اصح ہے، كذا في البحر: ۱۴۷/۲ (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) (سورة سبا: ۲۸)، وأيضا (راجع، ص: ۲۴۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (أخرجه الحافظ ابن كثير في تفسيره: ۵۳۹/۳، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۳) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا نعس أحدكم و هو في المسجد، فليتحول من مجلسه ذلك إلى غيره". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل ينعس والإمام يخطب: ۱۵۹/۱، دار الحديث ملتان)

"عن معمر عمن سمع الحسن، يقول: إذا نعس الرجل في يوم الجمعة و الإمام يخطب، فإنه يؤمر أن يقوم فيجلس في غير مجلسه". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب النعاس يوم الجمعة، (رقم الحديث: ۵۵۴۸): ۲۵۳/۳، المكتب الاسلامى)

(۴) "و هل تقوم الخطبة مقام الركعتين؟ اختلف المشايخ منهم من قال: تقوم، ولهذا لا تجوز إلا بعد دخول الوقت، و منهم من قال: لا تقوم، وهو الأصح؛ لأنه لا يشترط لها سائر شروط الصلاة من استقبال القبلة والطهارة و غير ذلك، انتهى". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۷/۲، رشيديه)

"و هل (أى الخطبة) قائمة مقام ركعتين؟ الأصح: لا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۰/۲، سعيد)

خطیب کا وقتی مسئلہ اردو میں بتانا

سوال[۳۷۸۹]: کیا خطیب خطبہ پڑھتے وقت درمیان میں کسی کو اردو میں نصیحت کرسکتا ہے؟ مثلاً کوئی مقتدی سو گیا اس سے کہا سومت، یا وضو ٹوٹ گیا اور وہ بیٹھا رہا اس کو وضو کرنے کیلئے کہا وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقتی مختصر سا مسئلہ اردو میں بھی خطیب بتا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

جمعہ کی دو اذانوں کے درمیان وعظ

سوال[۳۷۹۰]: کسی قصبہ میں ایک عظیم مشہور زمانہ کی دینی درسگاہ ہے جس کے اندر ایک جامع مسجد بھی ہے، جامع مسجد میں نماز جمعہ کا وقت مقرر ہے، مقررہ وقت پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے قصبہ سے ہر طبقے کے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، آواز ہر شخص تک پہونچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک ہی مولوی "ص" صاحب ہیں جو دین کی تبلیغ کے لئے بے حد خواہش مند ہیں، چنانچہ دینی درسگاہ کی جامع مسجد میں

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما استوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فجلس علی باب المسجد، فرآہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "تعال یا عبد اللہ بن مسعود". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۱/۱۶۳، امدادیہ ملتان)

"قال الطیبی: فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروۃ إذا لم یکن أمراً بالمعروف". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۲/۱۸۱، مکتبه امدادیه ملتان)

"ویکرہ تکلمه فیها لامر بمعروف؛ لأنه منها". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

"ویکرہ للخطیب أن یتکلم فی حالة الخطبة .... إلا إذا کان الکلام أمر بالمعروف فلا یکرہ". (بدائع الصنائع کتاب الصلاة، و أما محظورات الخطبة: ۱/۵۹۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۱، مکتبه رشیدیه)

(جہاں روز ہی دین کی تبلیغ درس کی شکل میں ہوتی ہے) جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں انہوں نے دین کی تبلیغ کا وقت منتخب کیا ہے اور ہر جمعہ کو دونوں اذانوں کے درمیان اللہ ورسول کی باتیں سنانے کھڑے ہوجاتے ہیں، بلکہ اس کا ایک سلسلہ قائم کررکھا ہے جس سے سنت پڑھنے میں بے حد خلل پڑتا ہے۔

بسااوقات لوگ بغیر کوئی آیت پڑھے محض اٹھ بیٹھ کر سنت کی تعداد پوری کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کیونکہ لاؤڈاسپیکر پر تقریر کی تیز آواز میں کوئی آیت پڑھی نہیں جاتی۔ علاوہ ازیں اگر مولوی صاحب موصوف تقریر کو طویل کردیتے ہیں تو فرض نماز جمعہ میں تاخیر ہوجاتی ہے جس سے کسی کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے تو کسی کی بس، یا کوئی اپنے عزیز کی نماز جنازہ میں شرکت سے محروم ہوجاتا ہے جو کسی دوسری جامع مسجد میں پڑھنی ہوتی ہے اور ملازم پیشہ اشخاص الگ ڈیوٹی پر تاخیر سے پہونچ پاتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی باتیں سننا کسی مسلمان کو بار نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کا وقت اس کے لئے منتخب کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ جو لوگوں کی بے چینی کا باعث ہے۔

فرض کی ادائیگی سے پہلے گویا لوگوں کو زبردستی تقریر سننے پر مجبور کیا جاتا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں مذکورہ بالا حالات میں وعظ فرمانا اور اس کا سلسلہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے؟ اگر ہاں، تو بتایا جائے کہ آغازِ اسلام سے اب تک کسی دور میں ایسا سلسلہ رہا اور یہ کہ اس سے سنت کی نماز ناقص رہ جاتی ہے تو اس کا عذاب کس کے سر ہوگا، نمازی کے یا مخل ہونے والے عالم دین مولوی ''ص'' صاحب کے، درسگاہ کے اربابِ حل وعقد کو جو مولوی ''ص'' صاحب کو پیہم دخل اندازی کی اجازت دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر صورت یہ ہے کہ باہمی مشورہ سے اس طرح طے کرلیں کہ اذانِ اول ہوتے ہی دین کے ضروری مسائل واحکام کو بیان کرنا شروع کردیا جائے اور سامعین آآکر بیٹھتے اور سنتے رہیں، اذان سے آٹھ دس منٹ پہلے بیان ختم کردیا جائے اس وقت سب لوگ سنتیں اطمینان سے ادا کرلیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ دین کی تبلیغ بھی ہوجایا کرے گی اور سنتوں میں بھی خلل نہیں ہوگا، ممکن ہے کہ کچھ اہلِ علم حضرات ایسے ہوں جن کو دینی احکام

ومسائل سننے کی ضرورت نہ ہو بلکہ ان کو پہلے سے معلوم ومحفوظ ہوں اوران کو تقریر ووعظ سے گرانی ہوتی ہو، لیکن مسلمانوں کی اکثریت ایسی نہیں بلکہ وہ محتاج ہیں کہ ان کو احکام ومسائل بتائے جائیں ان کو اس سے نفع بھی ہوتا ہے، عموماً اپنے دنیاوی مشاغل میں مسلمان اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کو دینی علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا، جمعہ میں ان کو موقع مل جائے تو ان کو غنیمت سمجھنا چاہیے، اس میں کھنڈت (۱) نہ ڈالیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت ومشورہ سے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذانِ خطبہ سے قبل ہر جمعہ کو وعظ بیان فرمایا کرتے تھے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل کیا ہے (۲)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر ہاتھ رکھ کر بیان فرمایا کرتے تھے (۳)، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱) "کھنڈت: خلل"۔ (نور اللغات: ۴/۹۰۰)

(وفیروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وأخرج ابن عساكر عن بن حميد بن عبدالرحمٰن: "أن تميماً الداري رضي الله عنه استاذن عمر رضي الله عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فأستاذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: "ماتقول"؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي الله عنه: "ذلك الذبح". ثم قال: "عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة". فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولمّا كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

تنبيه: ذكر الملا على القاري رحمه الله هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس موضوع، بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لاضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. (عبيد الله شاهواني)

(۳) "وروى عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال: من كتم علماً يعلمه، يلجم بلجام من النار يوم القيمة". إلى قوله: "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لو لا آية كتاب الله، ماجلست للناس، وهو قوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكتمون ماأنزلنا من البينات والهدى﴾. وروى عن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "بلغوا عني ولو آيةً، وحد ثوا عن بني إسرائيل ولا حرج، ومن كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". وقال الحسن: لو لا العلماء، لصار الناس مثل البهائم". (بستان فقيه أبي الليث، باب إباحة المجلس للعظة، ص: ۲۲، ۲۴، فاروقي دهلي)

عنہ ہفتہ میں ایک روز بیان فرمایا کرتے تھے (۱)۔ آپ حضرات بھی اپنی بستی میں اس کا انتظام کرلیں تو کیا اچھا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اذانِ خطبہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۱]: ہم نے ایک مسئلہ کے متعلق چند سوال ارسال کئے تھے جس کا جواب ملا، مسئلہ خطبۂ جمعہ کے متعلق تھا اور یہ سوال تھا کہ ''جمعہ کی دوسری اذان سے پہلے اردو میں وعظ کرنا جائز ہے یا نہیں''؟ تو جناب نے یہ جواب ارسال فرمایا کہ ''جماعت کے مشورہ سے پہلے اذان کے ساتھ ہی وعظ شروع کردینا اور خطبۂ اولیٰ اذان سے دس بارہ منٹ پہلے قطعاً بند کردینا تاکہ سنت پڑھنے والوں کو سنت ادا کرنے کا پورا وقت مل جائے''۔

اس کے ساتھ میں نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ ''پہلی اذان کے بعد وعظ کرنا امام یا مقتدی میں سے کسے جائز ہے''؟ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے وعظ (صرف حدیثیں) بیان کرنے کے لئے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت طلب کی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو اجازت نہیں دی مگر کچھ عرصہ کے بعد اجازت دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ: ''میرے آنے سے پہلے وعظ قطعاً بند ہوجانا چاہیے (۲)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جو وعظ کی جاتی

---

(۱) "عن أبي وائل قال: كان عبدالله رضي الله عنه يذكّر الناس في كل خميس، فقال له رجل: ياأبا عبدالرحمٰن! لوددت أنك ذكّرتنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخوّلنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمي)

(۲) "عن أبي وائل قال: كان عبدالله رضي الله عنه يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: ياأبا عبدالرحمٰن! لوددت أنك ذكّرتنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملّكم، وأني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمي)

"وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبدالرحمٰن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن=

تھی، وہ مقتدی کیا کرتے تھے نہ کہ امام"۔

اب آپ سے استدعا یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد کتاب دو ہاتھ میں لے کر وعظ کرنا، امام ومقتدی دونوں میں سے کسی کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی اذان کے بعد جب مقتدی کو وعظ کہنا، حدیثیں سنانا شرعاً درست اور دورِ صحابہ سے ثابت ہے تو امام کے لئے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، اصل تو یہ ہے کہ امام ہی وعظ کہے لیکن اگر امام دیگر دینی امور میں زیادہ مشغول اور عدیم الفرصت ہو تو مقتدی یہ کام انجام دے دے، وعظ خواہ دینی معتبر کتاب دیکھ کر ہو خواہ بلا کتاب لئے ہو سب طرح درست ہے، مگر بات جو کہی جائے وہ صحیح ہونی چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء دین باب مسئلہ ذیل:

زید کا یہ عمل ہے کہ وہ بروز جمعہ خطبہ سے قبل- جب کہ لوگ جن کا سلسلۂ آمد آغازِ خطبہ تک رہتا ہے، سنت مؤکدہ ادا کرتے ہوتے ہیں- وعظ بیان کیا کرتے ہیں، اکثر وبیشتر لوگوں کو زید کے اس موقعہ پر وعظ بیان

= عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القصص سنین، فأبیٰ أن یأذن لہ، فأستاذنہ فی یوم واحد، فلما أکثر علیہ، قال لہ: "ماتقول"؟ قال: اقرأ علیھم القراٰن، وآمرھم بالخیر، وأنھا ھم عن الشر، قال عمر رضی اللہ عنہ: "ذلک الذبح". ثم قال: "عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة". فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعة".

(الموضوعات الکبری، مقدمة، فصل ولما کان أکثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد کراچی)

تنبیہ: ذکر الملا علی القاری رحمہ اللہ ھذا الحدیث فی مقدمة الموضوعات الکبیر، لکنہ لیس بموضوع بل ھو من مستدلاتہ علی عدم جواز بیان القصص الطویلة التی لاضرورة إلی بیانھا. بل الأحسن أن یکون الوعظ مختصراً جامعاً خالیاً عن الحشو والزوائد علی طریق الایجاز.

(وبمعناہ فی الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، بابٌ: ان الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

(۱) (راجع، ص: ۲۵۲، رقم الحاشیة: ۲)

کرنے کے متعلق اس وجہ سے اعتراض ہے کہ جو لوگ نماز میں مصروف ہوتے ہیں ان کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے اور بھول چوک ہو جاتی ہے، لیکن زید کے نزدیک اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں جس کی وجہ سے اکثر لوگوں میں زید کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے اور چند مرتبہ جھگڑا بھی ہوا۔

ان حالات کی بنا پر بعض صاحبان نے آئندہ کے جھگڑوں فساد کو روکنے کے لئے۔ اس مسئلہ کے پیش نظر کہ جب کہ لوگ نماز پڑھتے ہوں تو اس وقت زور زور سے بات چیت کرنا حتی کہ تلاوتِ کلام پاک بھی بالجہر منع ہے۔ یہ طے کیا کہ زید کو ایسے موقع پر وعظ نہ کہنا چاہئے اور جس کسی کو وعظ کہنا ہو وہ بعد نماز جمعہ بیان کیا کریں، لیکن زید کو یہ فیصلہ تسلیم نہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر ایسا امتناع نصِ قرآنی یا حدیث کی رو سے ہو تو وہ بتلایا جائے، کہا جاتا ہے کہ زید فقہ، اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہدین کا قائل نہیں۔

پس اگر بصورتِ متذکرۂ صدر کسی قسم کا بھی بآواز بلند وعظ کہنا جس سے نماز میں خلل پیدا ہو درست و جائز نہیں تو اس کی تصدیق فرمائی جائے اور ساتھ ہی نصِ قرآنی و حدیث سے ایسے امتناع کے متعلق حوالہ دیا جائے تاکہ اس نزاع کا خاتمہ ہو سکے۔

احقر عبدالحیٰ عفی عنہ، سروج مالوہ، دفتر جمعیۃ العلماء، ۲۳/ دسمبر ۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداری رضى الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضى الله تعالىٰ عنه فى القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن فى يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال: له ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج فى الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً فى الجمعة"(۱)۔

(۱) (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه، كراچى)

"عن تميم الدارى رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا: لمن؟ قال: "لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين و عامتهم". .... =

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دیدی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور خروجِ خطیب پر وعظ ختم کردیا کرتے تھے۔ اگر بعد نماز جمعہ مجمع ٹھہر جایا کرے تو اس وقت وعظ کہہ دیا جائے ورنہ جمعہ سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین آکر شریکِ وعظ ہوتے رہیں اور خطبہ سے دس منٹ قبل وعظ ختم کردیا جائے اور سب سنتیں پڑھ لیا کریں، اس صورت میں سنتوں میں بھی خلل نہیں آئے گا اور وعظ بھی ہوجایا کرے گا، یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے (۱)، تاہم جب منا ہمت کی صورت ہوسکتی ہے تو نزاع کیوں پیدا کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

= قال الإمام النووی رحمه الله تعالی: "وأما نصيحة عامتهم و هم من عداوُلاة الأمر، فإرشاد هم لمصالحهم فی آخر تهم و دنیاهم، و کف الأذی عنهم فیعلّمهم ما یجهلونه من دینهم و دنیاهم .... والنصیحة لازمة علی قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه تقبل نصحه و یطاع أمره الخ". (الصحیح لمسلم مع شرح النووی، کتاب الإیمان، بابٌ: إن الدین النصیحة: ۱/ ۵۴، قدیمی)

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم و لا تتخذوها قبوراً". (صحیح البخاری، کتاب التهجد، باب التطوع فی البیت: ۱/ ۱۵۸، قدیمی)

"عن زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه، أنه قال: احتجر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی المسجد حجرةً .... "فعلیکم بالصلوة فی بیوتکم، فإن خیر صلوة المرء فی بیته إلا الصلوة المکتوبة".

(سنن أبی داود، کتاب الصلوة، باب فضل التطوع فی البیت: ۱/ ۲۰۴، دار الحدیث ملتان)

"والأفضل فی النفل غیر التراویح المنزل إلا بخوف شغل عنها". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۲، سعید)

"الأفضل فی السنن والنوافل المنزل الخ". (الفتاوىٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل: ۱/ ۱۱۳، رشیدیه)

جمعہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۳]: ہمارے یہاں جامع مسجد میں امام صاحب اذان کے بعد فوراً سنتوں سے پہلے وعظ وتعلیمی تقریر شروع کردیتے ہیں جس میں ضروری مسائل کی تعلیم ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب جب تعلیمی تقریر ودینی مسائل سمجھاتے ہیں تو اس وقت سب کو خاموش رہ کر سننا چاہئے، یہ طریقہ حدیث شریف سے ثابت ہے، حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، ملا علی القاری نے اس کو نقل کیا ہے(۱)، اذانِ خطبہ سے دس منٹ پہلے تقریر ختم کردی جائے تاکہ سب لوگ سنت سہولت سے ادا کرلیا کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۹۷ھ۔

خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ

سوال[۳۷۹۴]: ا......موجودہ زمانہ میں جمعہ کا عربی خطبہ غیر مفید اور اردو میں مفید ہونے کی وجہ سے عربی میں حمد وثناء وشہادتین کے بعد اردو نظم ونثر میں خطبہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز مکروہ تحریمی ہے یا

---

(۱) "وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه كراچی)

تنبيه: ذكر الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز.

(وبمعناه في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

تنزیہی اور اردو خطبہ بدعتِ سیئہ میں داخل ہے یا حسنہ میں؟ مطابق مذہب احناف مسلکِ مفتی بہ سے جواب تحریر فرمادیں۔

۲.....ہدایہ میں ہے کہ "وعلی هذا الخلاف الخطبة والتشهد" (۱) سے جو جواز نکلتا ہے، یہ مع الکراہت ہے یا بلاکراہت اور کراہت بھی کونسی؟

۳.....عربی خطبہ سنت مؤکدہ ہے یا سنن ہدیٰ میں داخل ہے یا سنن زوائد و مستحبات ہیں؟

۴.....ایک شہر میں آج کل وقت زوال ۱۲:۳۶ کو ہوتا ہے اور وہاں کی جامع مسجد میں ہمیشہ جماعت جمعہ ایک بجے قائم کی جاتی ہے، عموماً لوگ ۱۲:۱۵ پر آنا شروع کردیتے ہیں۔ وہاں کا خطیب خالص عربی خطبہ کو سنت اور اختلاطِ اردو کو مکروہ کہتا ہے مگر قوم خطبہ میں اردو کے وعظ پر مصر ہے، اس لئے اس نے عربی خطبہ سے سنت کی ادائیگی اور اس کے اِحیاء کے لئے قوم کی اصلاح وضرورت وتفہیم کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ بارہ بجکر بیس منٹ پر اردو وعظ شروع کردیتا ہے، وعظ ۱۲:۳۶ کو اذانِ اول ہوتی ہے تو وہ خاموش ہوجاتا ہے، پھر بعد اذان ۱۰/منٹ بیان کرکے ختم کرکے چار رکعت سنت ادا کرتا ہے، قوم بھی آآ کر بیٹھی رہتی ہے اور وعظ سنتی رہتی ہے، بعد وعظ کے سنت ادا کرتی ہے پھر مؤذن اذانِ ثانی کہتا ہے اور خطیب خالص عربی خطبہ بطریقِ مسنون پڑھ کر ایک بجے پر ختم کرکے نمازِ جمعہ پڑھا دیتا ہے۔ آیا یہ طریقہ مصالحِ قوم ورعایتِ سنت کے لحاظ سے بہتر ہے یا قبیح؟ اگر قبیح ہے تو اس سے بہتر طریقہ ارشاد فرمادیں جس میں امورِ ذیل کا لحاظ ہو:

۱- خطبہ مطابقِ سنت بلاکراہتِ تحریمی وتنزیہی ادا ہو۔

۲- اردو میں نصیحت بھی کی جاسکے۔

۳- قوم اطمینان سے سن سکے، واضح رہے کہ بعد نماز جمعہ کسی طرح بھی لوگ نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ تاجر پیشہ ہیں اور بعد نماز کھانا کھانے کے عادی ہیں۔

۵.....بعض لوگ خطبہ سے قبل جیسا کہ سوال نمبر ۴ میں مذکور ہوا، یا بعد نماز وعظ کو بدعت کہتے ہیں اور مخلوط خطبہ کو بہتر اس دلیل سے کہ خطبہ کے اول وعظ سلف سے منقول نہیں خود خطبہ ہی سلف کا وعظ تھا اور اس لئے کہ بعد نماز انتشار فی الأرض کا ﴿فانتشروا في الأرض﴾ (۲) میں حکم ہے، لہٰذا بعد نمازِ جمعہ اجتماع خلافِ حکمِ

---

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (سورة الجمعة: ۲۸/۱۰)

خدا ہے۔ اور خطیب کہتا ہے کہ اس میں ''امر'' جوب کے لئے نہیں اور قبل خطبہ وعظ علاوہ مباح ہونے کے زمانہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت بھی ہے جیسا کہ مقدمہ موضوعات ملا علی، ص:۱۴، مجتبائی میں ہے:

"و أخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداری رضی الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضی الله تعالىٰ عنه فی القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير وأنهاهم، عن الشر. قال عمر رضی الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة فكان يفعل ذلك يوماً واحداً فی الجمعة"(۱)۔

۶......جس جامع مسجد میں سوال نمبر:۴ کے طریقہ پر عمل ہو رہا ہے اس میں ایک قباحت بتائی جاتی ہے کہ قوم کو عموماً یا اپنی غفلت از دین اور انہماکِ دنیا کی وجہ سے دیگر ایام میں تلاوت قرآن وغیرہ کا موقع نہیں ملتا، ایک جمعہ کے روز سوا بارہ بجے سے آکر تلاوتِ قرآن ونوافل وغیرہ پڑھنے کا موقع خطبہ تک پا لیتے تھے، لیکن جب سے خطیب نے ۱۲:۲۰ سے وعظ کہنا شروع کر دیا ہے تب سے سوائے چار رکعت سنت کے مزید نوافل وغیرہ کا موقع نہیں ملتا اور وہ اس خیر کثیر سے محروم رہتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اس قوم کی اکثریت میں رسومِ جاہلیت کی پابندی، فسق وفجور، فرائض سے غفلت، حلال حرام سے بے پرواہی اس قدر رائج ہوگئی ہے کہ جس کا دور کرنا سخت دشوار ہے، مگر رحمتِ خداوندی سے امید ہے کہ مواعظ کے ذریعہ خالصاً للہ اصلاح کی کوشش کی جارہی ہے اور بہت دھیمی رفتار سے اصلاح بھی ہو رہی ہے جس کا ثبوت گاہے گاہے ملتا رہتا ہے۔

پس ایسی حالت میں یہاں آنے والی قوم کو بے سمجھے تلاوت قرآن کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہوں ونوافل زیادہ بہتر ہیں جس کی وجہ سے خطیب کا وعظ بند کرا دیا جائے، یا مخلوط خطبہ پر مجبور کیا جاوے اور یا اس قوم کو تلاوتِ قرآن بند کر کے وعظ سنتے رہنا زیادہ مفید ہوگا جس سے ان کی اصلاح ہو کر ان کے معاصی مذکورہ میں کمی

---

(۱) (أخرجه الملا على القاری في الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

تنبيه: ذكر الملاعلى القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث فی مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها.

آجائے، عقائد، اعمال درست ہوجاویں جیسا کہ امید ہے، ان دونوں امر میں کونسا شرعاً بہتر ہے؟ چونکہ اردو عربی مخلوط خطبہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور دونوں فریق اپنے دلائل پیش کررہے ہیں لہذا مشتبہ ہوگیا ہے، آپ ان دونوں کی تفصیل مدلل ومکمل تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... تمام خطبہ خالص عربی میں ہونا چاہئے، اردو میں پڑھنا یا اردو عربی میں پڑھنا بدعتِ سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے، یہی مفتی بہ ہے اور قابلِ عمل ہے، اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں (۱)، البتہ اگر وقتی ضرورت کی رعایت سے کوئی خاص مسئلہ اثنائے خطبہ میں اردو میں بیان کردیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں (۲) جو وجہ خطبۂ عربیہ کے غیر مفید ہونے کی آج بتائی جاتی ہے زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی

(۱) "لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه، فیکون مکروهاً تحریماً". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشیة: ۲) : ۱/۲۰۰، سعید)

"الخطبة الفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، و هذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریة .... مع ذلک لم یخطب أحدٌ منهم بغیر العربیة. ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة و فقدان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم یبق إلا الکراهة التی هی أدنی درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللہ تعالیٰ، رسالة آکام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال :لمااستوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یوم الجمعة قال:"اجلسوا" فسمع ذلک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه، فجلس علی باب المسجد، فرآه رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: "تعال یا عبد اللہ بن مسعود!". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة ، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته : ۱/۱۵۶، دار الحدیث ملتان)

"قال الطیبی رحمه اللہ تعالیٰ : فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروۃ إذا لم یکن أمراً بالمعروف".(بذل المجهود ، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجلَ فی خطبته : ۲/۱۸۱، امدادیه ملتان)

"ویکره تکلمه فیها (أی فی الخطبة) إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۹۲، سعید) ....

یہ وجہ موجود تھی اوراس کا تدارک بھی وہ حضرات حاضرین کی زبان میں خطبہ پڑھ کر کر سکتے تھے مگر کسی روایت سے ثابت نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم میں کبھی کوئی خطبہ غیر عربی میں پڑھایا اس کا ترجمہ کیا ہو:

"إن ذلك الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحدثوا ذلك بعد قرون الخير بلا إثارة من علم، واعتذروا في ذلك الأحداث بحدوث المقتضى و ضرورة الحاجة إليه، وهو عدم معرفة المخاطبين لسان العربي، وكثرة الأعاجم القاصرين عن إدراك العربي، و ما هذا لوعلموا إلا لتقصيرنا في تعلّم لسان أنزل به الكتاب من ربنا، و بعث به رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، فتفريطنا هذا أوردنا مهلك الابتداع.

والصحابة رضي الله تعالىٰ عنه مع توفير داعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لهم وتذكيرهم وإهدائهم، وكان فيهم العجمي ممن لايعرف العربي و كثرة الأعاجام حين فتحوا بلادهم الفارس والروم، لم يعهد منهم الخطبة بغير اللسان العربي و لم يؤثر منهم ترجمتها لإفهام المخاطبين، ولا أمروا بذلك أحداً، فإذا كان لايخطب أحدٌ منهم بالعجمي و لا بترجمتها و لا يأمر بذلك، كان بترك هذه المصلحة.

والفضل الموهوم ملتزماً لعدم الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وخير القرون بطريقة إبلاغ دين الله أو لكتمانهم عن بعض عباد الله و تقصيرهم في الإبلاغ والتذكير المقصود الأصلي في الخطبة، وكل واحد من اللازمين منتف بالشرع والعادة، فمع وجود المقتضى وهو تعميم الإبلاغ وتعليم جميع المخاطبين من عجمي وعربي وعدم المانع من ذلك إلا الكراهة أن يتعود الرجل بغير العربية هي شعار الإسلام و لغة القرآن .... فكان هذا لاجرم من سنة الخطيب و من شرائطها في السنة والأدب و ترجمتها بغير العربية من شر الأمور محدثاتها، لا يرضى به الله و لا رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولأجل ذلك جعل أهل العلم كون الخطبة بالعربية شرطاً لصحة الخطبة و أداء السنة. قال الإمام النووي في الأذكار في كتاب حمد الله

= "ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة .... إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف، فلا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۷، رشيديه)

تعالیٰ: و یشترط کونها یعنی خطبة الجمعة و غیرها بالعربیة، اهـ". مجموعۀ فتاوی:۲/۲۵۷(۱).

"الخطبة بالفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، وهذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیرالبریة، وإن کانت فی اشتباه، فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعین و من تبعهم من الأئمة المجتهدین، حیث فتحت الأمصار الشاسعة والدیار الواسعة، وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمع والأعیاد و غیرها من شعائر الإسلام، وقد کان أکثرهم لا یعرفون اللغة العربیة، ومع ذلک لم یخطب أحدٌ منهم بغیر العربیة. ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة و فقد، ان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم یبق إلاالکراهة التی هی أوفی درجات الضلالة". مجموعۀ فتاوی:۲/۲۷۳(۲).

"ولا یتوهم أنه لم یکن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یعلم اللغة العجمیة وغیرها من اللغات الغیر العربیة، ولو کان علمها لخطب بها؛ لأنا نقول بعد تسلیم ذلک: إن بعض الصحابة کزید بن ثابت قد کان یعلم اللسان العجمی والرومی والحبشی وغیرها من الألسنة کماصرح به فی الأعلام بسیرة النبی علیه السلام وغیره من نسب الأعلام، فلم یأمره النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بأن یخطبهم ویعظمهم بألسنتهم. وبالجملة فالاحتیاج إلی الخطبة بغیر العربیة لتفهیم أصحاب العجمیة کان موجوداً فی القرون الثلاثة، ومع ذلک فلم یرو ذلک من أحد فی تلک الأزمنة، و هذا أدل دلیل علی الکراهة، اهـ". مجموعه فتاوی: ۲/۲۷۴(۳).

---

(۱) "العبارة بعینها لیست من مجموعة الفتاویٰ للکنویؒ بل هناک عبارة بمعنا هذه العبارة". (کتاب الصلوۃ: ۱/۲۸۶– ۲۸۸، سعید)

(وکذا فی آکام النفائس للکنویؒ، فصل فی الخطبة: ۴/۴۳–۴۹، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللّٰه تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللّٰه تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرّا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آن وجودِ چندچیز است: حمد و شهادتین، و صلوة بر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، وامر بتقوی، و تلاوتِ قرآن پاک، ودعائے مسلمین و مُسلمات ...... وعربی بودن خطبه .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند اهـ"۔ مصفی شرح مؤطا: ۱۵۳/۱(۱)۔

۲......مع الکراہت ہے، بغیر کراہت نہیں کما مر، اور خاص کر جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس مسئلہ میں رجوع بھی ثابت ہے: "قال: الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، اهـ". درمختار: ۵۰۵/۱(۲)۔

"ورُوی أنه رجع إلى قولهما، وهو الصحيح، وعليه الاعتماد". مجمع الأنهر: ۹۳/۱(۳)۔

"كبّر بالفارسية صح فى الكل مع كراهة التحريم على الراجح، كما حرر فى البحر. وكذا لوقرأ بها عاجزاً عن العربية بشرط لا يخل بالمعنى، و هذا قولهما، و به قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العينى وغيره، اهـ". در منتقى: ۹۳/۱(۴)۔ "روى أبو بكر الرازى أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ رجع إلى قولهما، وعليه الاعتماد، ومنزله منزلة الإجماع". عناية: ۲۰۱/۱(۵)۔

۳......عربی خطبہ سننِ مؤکدہ میں داخل ہے، لمامضی(۶)۔

---

(۱) (مصفى شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغيرعذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۸۴/۱، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱۴۰/۱، غفاريه كوئٹه)

(۴) (الدر المنتقى فى شرح الملتقى (المعروف بسكب الأنهر) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱۴۰/۱، غفاريه كوئٹه)

(۵) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۸۶/۱، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(۶) "الكراهة إنما هى لمخالفة السنة؛ لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً =

۴.....طریقۂ مذکورہ میں خلافِ شرع کوئی چیز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک انجمنِ تبلیغ قائم کی جائے اور اس میں ہر شخص حسبِ حیثیت اپنا کچھ وقت دے اور یہ جماعت محلّہ در محلّہ گشت کرے اور ہر مسجد میں اہلِ محلّہ کو جمع کر کے احکامِ شرع کی تلقین کرے سب کی نمازیں سنے اور قرآن شریف کی تصحیح کرائے (۱)۔

۵.....مخلوط خطبہ پڑھنا ہرگز بہتر نہیں بلکہ مکروہ ہے (۲)، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر تاکید موجود ہے، اسی طرح احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا بہت ہی شدید حکم فرمایا ہے اور اس کے ترک پر عذابِ عامہ کی وعید ہے، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے إحیاء العلوم

= بالعربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۳، إدارة القرآن، كراچى)

"لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية : ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "عن تميم الداری رضی الله تعالیٰ عنه : أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال : "الدين النصيحة"، قلنا لمن ؟ قال: "لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ : "وأما نصيحة عامتهم و هم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشاد هم لمصالحهم فی آخرتهم و دنياهم، و كف الأذی عنهم فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه و يطاع أمره، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووی، كتاب الإيمان ، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمی)

"عن أبی وائل، قال: كان عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه يذكّر الناس فی كل خميس، فقال له رجل: ياأبا عبد الرحمن! لوددتُ أنک ذكّرتنا كل يوم؟ قال: أما أنه يمنعنی من ذلک إنی أكره أن أملكم وإنی أتخولكم بالموعظة كما كان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاری ، كتاب العلم ، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمی)

(۲) (راجع ، ص: ۲۶۲، رقم الحاشية : ۲)

جلددوم پانچ صفحات میں وہ آیات(۱) واحادیث(۲) جمع فرمائی ہیں، پھر باقاعدہ احتساب کے درجات وطرق

---

(۱) "و يدل على ذلك بعد إجماع الأمة عليه وإشارات العقول السليمة إليه الآياتُ والأخبارُ والآثارُ، أما الآيات فقوله تعالىٰ: ﴿و لتكن أمة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر، واولئک هم المفلحون﴾. [سورة آل عمران ۴/۱۰۴]

"ففى الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالىٰ: ﴿ولتكن﴾ أمرٌ، و ظاهر الأمر الإيجاب ....

﴿ليسوا سواء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل و هم يسجدون، يؤمنون بالله واليوم الآخر، ويأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر﴾ الآية". [سورة آل عمران: ۴/۱۱۳، ۱۱۴]

"فلم يشهد لهم بالصلاح بمجرد الإيمان بالله واليوم الآخر حتى أضاف إليه الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر .... ﴿لعن الذين كفروا من بنى إسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم، ذلک بما عصوا و كانوا يعتدون، كانوا لا يتناهون عن منكرٍ فعلوه، لبئس ماكانوا يفعلون﴾. [سورة المائدة: ۷۸، ۷۹]

و هذا غاية التشديد إذ علل استحقاقهم للعنة بتركهم النهىَ عن المنكر، و قال عزوجل: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر﴾. الاية". [سورة آل عمران آيت: ۱۱۰]

و هذا يدل على فضيلة الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر؛ إذ بيّن أنهم كانوا به خير أمة أخرجت للناس". (إحياء علوم الدين للإمام الغزالى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، الباب الأول فى وجوب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر: ۲/۳۶۸، دار إحياء التراث العربى)

(۲) "وأما الأخبار: فمنها ما روى عن أبى بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال فى خطبةٍ خطبها: أيها الناس! إنكم تقرأون هذه الآية و تؤوّلونها على خلاف تأويلها: ﴿ياأيهاالذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل إذااهتديتم﴾ [سورة المائدة: ۷/۱۰۵] وإنى سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ما من قومٍ عملوا بالمعاصى و فيهم من يقدر أن ينكر عليهم فلم يفعل، إلا يوشک أن يعمّهم الله بعذاب من عنده". وقال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح. [جامع الترمذى، أبواب التفسير، سورةالمائدة: ۲/۱۳۶، سعيد]

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "مُروا بالمعروف وانهوا عن المنكر ...... و قبل أن تدعوا فلايستجاب لكم". [ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف، ص: ۲۷۹، قديمى]

وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله لا يعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يرى المنكر بين =

وآداب کونہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان میں مستقل ایک باب وعظ وتذکیر کے احکام میں لکھا ہے(۱)۔ تعجب ہے کہ جس شئی کا امر خداوند تعالیٰ کی جانب سے صراحۃً متعدد مقامات پر موجود ہو اور اس کے ترک پر وعید بیان کی گئی ہو اس کو کیسے بدعت کہا جا سکتا ہے۔

رہا خصوصیت کے ساتھ نمازِ جمعہ اور خطبہ سے قبل یا بعد نمازِ جمعہ، سو اس کے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جس وقت سہولت سے آدمی جمع ہو جائیں یا جس وقت ضرورت پیش آئے اسی وقت اس فریضۂ تبلیغ کو ادا کرنا چاہئے، جمعہ کا دن اجتماعِ مسلمین کا دن ہوتا ہے اس لئے اس دن کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے زاد المعاد: ۱/ ۱۱۸، میں تحریر کیا ہے کہ یوم جمعہ تذکیر اور وعظ کا دن ہے(۲)۔ اگر جمعہ کے روز مخصوص طور پر قبل خطبہ یا بعد نماز بلا دلیل شرعی وعظ کو واجب نہیں کہا جاتا تو بدعت کہنے

= أظهرهم وهم قادرون على أن ينكرون فلاينكروه". [مسند أحمد، (رقم الحديث : ١٧٢٦٧): ٥/٢١٣، دار إحياء التراث العربي] (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ٢/٣٠٧، ٣٠٨، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(١) قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ: "كره بعض الناس الجلوس للعظة، وقال بعضهم: لا بأس به إذا أراد به وجه الله تبارك و تعالىٰ .... و ماحجة من قال: إنه لا بأس فقول الله تعالىٰ ﴿و ذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين﴾ وقال الله تعالىٰ في آية أخرى: ﴿و لينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم، لعلهم يحذرون﴾ .... وروي عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يذكّر الناس كل عشية الخميس وهو قائم على رجليه يدعو بدعوات. و روي عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: من كتم علماً يعلمه، يلجم بلجام من النار يوم القيامة .... وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لو لا آيةٌ من كتاب الله، ماجلست للناس، وهو قوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكتمون ماأنزلنا من البينات والهدى﴾. و روي عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "بلّغوا عني و لو آيةً، و حدثوا عن بني إسرائيل و لاحرج، ومن كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". و قال الحسن: لولا العلماء، لصار الناس مثل البهائم". (بستان فقيه أبي الليث، باب إباحة المجلس للعظة، ص: ٢٢، ٢٤، مطبع فاروقي دهلي)

(٢) "قال ابن القيم رحمه الله تعالىٰ في خصائص الجمعة: "الثالثة والثلاثون: أنه يوم اجتماع الناس =

کی بھی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ بدعت کے معنی سے ہی واقف نہیں۔

۶......فسق وفجور کو چھوڑنا اور فرائضِ مذہبی سے واقفیت حاصل کرنا فرض ہے(۱) اور نوافل پڑھنا مستحب ہے(۲) پھر یہ کہ تلاوت اور نوافل کا تنہائی میں موقع مل سکتا ہے اور ہر روز ممکن ہے مگر اجتماع ہر روز دشوار ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۲/۶۱ھ۔

جوابات درست ہیں: جواب نمبر:۴ میں اتنی بات اور قابلِ اضافہ ہے کہ وعظ ایسے طریق سے کہا جائے کہ سنت پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/صفر/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ربیع الاول/۶۱ھ۔

= وتذكيرهم بالمبدأ والمعاد، وقد شرع الله سبحانه تعالىٰ لكل أمة في الأسبوع يوماً يتفرغون فيه للعباد، ويجتمعون فيه لتذكر المبدأ والمعاد والثواب والعقاب، و يتذكرون به اجتماعهم يوم الجمع الأكبر قياماً بين يدي رب العالمين، وكان أحق الأيام بهذا الغرض المطلوب اليوم الذي يجمع الله فيه الخلائق وذلك يوم الجمعة". (زاد المعاد لابن القيم رحمه الله تعالىٰ، فصل: هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص:۱۶۲، دارالفكر، بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم : ۸/۲۸)

"قال العلامة الآلوسي في تفسير الآية: "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر .... و عبارة المازري : اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبةٌ، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني : ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على صحيح المسلم ، كتاب التوبة : ۳۵۴/۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم : ۳۵۴/۲، كتاب التوبة ، قديمي)

(۲) "والنفل في اللغة : الزيادة، وفي الشريعة: زيادة عبادة شُرعت لنا لا علينا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب الوتر والنوافل : ۳/۲، سعيد) .... =

جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۵]: ایک شخص جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھ لیتا ہے اور اتفاقاً دوسری ایک مسجد میں کوئی خطیب موجود نہیں ہے تو وہ شخص جو کہ پہلی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر چکا ہے اگر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھ دے تو دوسرا شخص نماز پڑھا دے، یا کسی مسجد میں جمعہ کی نماز میں ایک آدمی خطبہ اور دوسرا آدمی نماز پڑھا دے تو یہ صورتیں مذموم ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ولی اللہ ارکانی، متعلم مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ خطیب میں امامت کی اہلیت ہونا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص پہلے کسی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ چکا ہو اس کو دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا اس جماعت کے نزدیک درست نہ ہوگا اور ایسے ہی امام کا غیر خطیب ہونا غیر مناسب ہے:

"لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى، فإنه جائز، هو المختار، اهـ". در مختار۔ "(قوله: هوالمختار) وفي الحجة: أنه لا يجوز. وفي فتاوى العصر: فإن الخطيب يشترط فيه أن يصلح للإمامة. و في الظهيرية: لو خطب صبي اختلف المشايخ فيه، و الخلاف في صبي يعقل اهـ، والأكثر على الجواز". شامی: ۸٦۱/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۸/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۸/۱۰ھ۔

= "والنفل لغةً: الزيادة، وفي الشرع: فعل ما ليس بفرض ولا واجب ولامسنون من العبادة".
(حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۷، قديمي)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۲٦، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٦۲/۲، سعيد)
"ولاينبغي أن يصلي غير الخطيب، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب =

جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۶]: محمود نے نمازِ جمعہ وخطبہ ادا کیا، بعدہ دوسری مسجد میں امام نہ رہنے کی وجہ سے صرف خطبہ پڑھا نماز نہیں پڑھائی، تو خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لئے درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صراحۃً یہ جزئیہ کہیں نہیں دیکھا، اتنا ضرور لکھتے ہیں کہ خطیب وامام کا ایک ہی شخص ہونا ضروری نہیں، البتہ اُولیٰ یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے وہی جمعہ پڑھائے، ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر نابالغ لڑکے نے خطبہ پڑھا اور بالغ نے جمعہ پڑھایا تب بھی جمعہ ادا ہوجائے گا اور یہ بھی ہے کہ نابالغ جو جمعہ پڑھے گا وہ نماز نفل ہوگی، اس مجموعہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں بھی جمعہ ادا ہوجائے گا:

"اتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، لو خطب صبي عاقل و صلى بالغ، جاز، لكن الأولى الاتحاد". طحطاوی مصری، ص: ٤١٥ (١)۔ "في البدائع فيمن لا جمعة عليه: فقال: إن كان صبياً وصلاها فهي تطوع له". البحر: ١٥٢/٢ (٢)۔

کیونکہ جو شخص جمعہ ادا کرچکا ہے اب اس کے ذمہ جمعہ نہیں رہا، وہ اگر کسی دوسری مسجد میں جمعہ میں شریک ہوجائے گا تو اس کے حق میں یہ نماز نفل ہوگی جیسے کہ نابالغ کے حق میں اور نابالغ کا خطبہ پڑھنا بھی جوازِ جمعہ کے لئے کافی ہے تو اس طرح سے بظاہر اس کا جمعہ پڑھنا بھی کافی ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۸ھ۔

= السادس عشر في صلاة الجمعة: ١٤٧/١، رشيديه)

"صبي خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ، جاز". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ٢٠٥/١، رشيديه)

"لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان بالغ وصلى جاز". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢٥٤/١، غفاريه كوئته)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ٥٠٨، قديمي)

(٢) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢٦٦/٢، رشيديه) .... =

ایک شخص کا دوجگہ خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۷]: جس امام نے خطبہ اور جمعہ کی نماز پڑھادی ہو وہ کچھ تاخیر سے کسی دوسری مسجد میں خطبہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ نماز کوئی اَور پڑھادے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ خطبہ نہ دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینا

سوال[۳۷۹۸]: ۱..... زید کہتا ہے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا بدعتِ سیئہ ہے تو یہ بدعتِ سیئہ ہے یا نہیں؟

۲..... بہت سی مساجد میں عصا ہاتھ میں لینے کا معمول ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

۳..... اگر بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب وسنت ہے تو اس کو بدعت قرار دینے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

= "(لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛ لأنهما كشيء واحد (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان و صلى بالغ، جاز) هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۴، غفاريه كوئٹه)

(۱) "ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

"(لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛ لأنهما كشيء واحد، (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان و صلى بالغ، جاز)، هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۴، غفاريه كوئٹه)

یعنی خطبہ نہ دینا ہی اولیٰ ہے، بالفرض اگر خطبہ دے بھی دے تو نمازِ جمعہ اپنی جگہ درست ہے جیسا کہ عنوان: "جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا" کے تحت تفصیل کے ساتھ مدلل مسئلہ گذر گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خطبۂ جمعہ کے وقت عصا کا ہاتھ میں لینا بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ مستحب ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ طحطاوی مصری باب الجمعہ، ص:۴۲۱، میں ہے(۱)۔

۲......وہاں کا یہ معمول درست ہے، بدعت نہیں۔

۳......ایسا کہنا ناواقفیت کی وجہ سے ہے، ان کو کسی عالم کے ذریعہ سے تفہیم کرادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۸۹ھ۔

خطبہ کے وقت لاٹھی ہاتھ میں لینا

سوال[۳۷۹۹]: جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے وقت لاٹھی لینا سنت ہے یا واجب ہے؟

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر:۱۳۷، ۵/رجب/۵۶ھ۔

---

(۱) "(و) إذا قام يكون (السيف بيساره) متكئاً عليه في كل بلدة فتحت عنوةً الخ". (مراقي الفلاح).

وقال الطحطاوي: "الحكمة فيه الإشارة إلى أن هذا الدين قد قام بالسيف، وفيه إشارة إلى إنه يكره الاتكاء على غيره كعصا وقوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة، محيط. و ناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس، كمافي أبي داؤد، وكذا رواه البراء بن عازب عنه -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- و صححه ابن السكن". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة ، باب الجمعة، ص:۵۱۵، قديمي)

"حدثنا شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فأنشأ .... ماقمنا بهاأياماً شهدنا فيهاالجمعة مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام متوكئا على عصا أوقوس، فحمد الله وأثنى عليه كلماتٍ خفيفاتٍ طيباتٍ مباركاتٍ". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة ، باب الرجل يخطب على قوس: ۱/۱۵۶، مكتبه دار الحديث ملتان)

"و في الخلاصة: و يكره أن يتكيء على قوس أوعصاً". (الدرالمختار). "(قوله: وفي الخلاصة) .... ونقل القهستاني عن عبد المحيط: أن أخذ العصا سنة كالقيام". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۱۶۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب نہیں سنت (غیر موکدہ) ہے: ”و یکرہ أن یتکأ علی قوس أو عصا، اھ“. درمختار۔

قال الشامی: ”متوکئاً علی عصا أو قوس اھ، ونقل القھستانی عن عبد المحیط: أن أخذ العصاسنة، اھ“. رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

تلوار یا کمان لے کر خطبۂ جمعہ پڑھنا

سوال [۳۸۰۰]: فتاویٰ عالمگیری جلد اول، ص: ۶۷، باب جمعہ شرائط خطبہ میں یہ عبارت ہے:

”ویکرہ أن یخطب متکئاً علی قوسٍ أو عصا، کذا فی الخلاصة، وھکذا فی المحیط“ (۲)۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ تحریر فرمائیں اور ساتھ ہی اس کا حکم بھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں باب الجمعہ میں شرائطِ خطبہ کا کوئی عنوان نہیں، ہاں شرائطِ جمعہ کے ذیل میں خطبہ کو بھی ذکر کیا ہے، پھر خطبہ کی سنتیں شمار کی ہیں، اسی ذیل میں خطبہ کے بعض مستحبات، مباحات، مکروہات کو بھی لکھا ہے، اسی میں عبارتِ منقولہ فی السوال بھی ہے ”و یکرہ“ پر ایک چھوٹا سا نون بھی بنا ہوا ہے جو نسخہ کی علامت ہے طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے:

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۲/ ۱۶۳، سعید)

”حدثنا شعیب بن زریق الطائفی قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقال له: الحکم بن حزن الکلفی، فأنشأ .... ماقمنا بھاأیاماً شھدنا فیھاالجمعة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقام متوکئاً علی عصاً أوقوس، فحمد الله وأثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات“. الحدیث. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱/ ۱۵۶، مکتبه دار الحدیث ملتان)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، أحکام الجمعة، ص: ۵۱۵، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاۃ، الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعة: ۱/ ۱۴۸، رشیدیه)

"وناقش فيه ابن أمير الحاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس كمافى أبى داود، وكذا رواه البراء بن عازب عنه –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– وصححه ابن السكن، اهـ" (۱)۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد:۲/۱۸۲ میں یہ حدیث مذکور ہے(۲)۔ جو چیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہ ہو اور اس کے نسخ پر بھی دلیل نہ ہو، اس کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا، یہ مسئلہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند:/۸۶ (۳) اور فتاوی دار العلوم شائع کردہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ:۲/۳۰۹(۴) اور امداد الفتاوی:۱/۳۴۱ (۵) میں بھی مذکور ہے، شامی میں بھی ہے:۱/۵۵۳(۶)۔ شرح

---

(۱) (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمى)

"حدثنا شعيب بن زريق الطائفى قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفى، فانشأ .... ماقمنا بهاأياماً شهدنا فيهاالجمعة مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصاً أوقوس، فحمد الله وأثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات". الحديث. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱/۱۵۶، مكتبه دار الحديث ملتان)

"عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبهم يوم عيد و فى يده قوس أوعصاً". (مصنف ابن أبى شيبة، كتاب الصلاة، العصا يتوكأ عليها إذا خطب، (رقم الحديث: ۵۶۱ ۲): ۱/۴۸۲، دار الكتب العلمية)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۲/۱۸۲، امداديه ملتان)

(۳) (فتاوى دار العلوم ديوبند، الباب الخامس عشر فى صلاةالجمعة: ۵/۶۲، ۶۷، دارالاشاعت، كراچى)

(۴) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، ملاحظہ فرمائیں: (فتاوى دار العلوم ديوبند يعنى امداد المفتيين، كتاب الصلاة، فصل فى الجمعة: ۲/۳۲۴، دار الاشاعت كراچى)

(۵) (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۴۴۰، ۴۴۱، دارالعلوم كراچى)

(۶) "و فى الخلاصة: و يكره أن يتكىء على قوس أو عصاً". (الدرالمختار). وفى رد المحتار: "(قوله: وفى الخلاصة) .... ونقل القهستانى عن عيد المحيط: أن أخذ العصا سنة كالقيام". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعيد)

سفر السعادۃ، ص:۲۰۹، میں ہے کہ ”منبر بننے سے پہلے عصا یا قوس لیکر خطبہ پڑھا کرتے تھے، منبر بننے کے بعد بلا عصا و قوس کے خطبہ پڑھا کرتے تھے“(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۷ھ۔

خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ ہو یا قبلہ کی طرف؟

سوال[۳۸۰۱]: (الف) خطبۂ جمعہ سننے کی غرض سے سامعین اگر خطیب کی طرف منہ نہ کر کے قبلہ رُو متوجہ ہو کر خطبہ سنا کریں تو کیا حرج ہے، کیا ایسا فعل زیادتی ثواب سے محرومی کا باعث ہوگا؟

(ب) کوئی شخص کہتا ہے کہ خطبۂ جمعہ رو بقبلہ ہو کر سننا ہی احسن ہے جیسا کہ فتاوی برہنہ دفتر اول میں رقمطراز ہے عبارتِ برہنہ یہ ہے:

”و بقول إمام السرخسی رحمه الله تعالیٰ: مسقبل بقبله باشند، وامر کرده نشود بترکِ آن، وهو الأحسن، بنشستند بهر کیف که خواهند و بشنوند وجواب نکنند“(۲).

ایسا ہی محیط حاشیہ شرح وقایہ (۳) اور بہشتی زیور حصہ یازدہم (۴) میں عیاں ہے، مگر اس ملک کے ایک تو مفتی فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت قبلہ سے منہ گھما کر امام کی طرف رخ کر کے خطبہ سننا ہی مستحب ہے، چاہے تساویٔ صفوف میں دقت ہو یا نہ ہو۔ عالمگیری، ص:۱۵۴(۵) اشعۃ اللمعات: ۱/۶۵۳(۶) اور

---

(۱) (لم أظفر علیه)

(۲) (فتاویٰ برهنه للشیخ نصیر الدین منهائی، باب سوم درنماز، فصل بست وچهارم درمیان نماز جمعه، ص: ۳۴۴، مطبع منشی نول کشوری)

(۳) ”هو السنة أن المستقبل السامعون الخطیب بوجوههم سواء کانوا أمامه أو یمینه أو یساره الخ“. (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۲۰۲، سعید)

(۴) (بهشتی زیور، حصه یاز دهم، اصلی بہشتی گوہر، جمعہ کے خطبے کے مسائل، ص: ۷۹۶، دار الإشاعت)

(۵) ”ویستحب للرجل أن یستقبل الخطیب بوجهه، هذا إذا کان أمام الإمام الخ“. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۶) ”آنحضرت صلی الله علیه وسلم که چون می نشست بر منبر پیش می آمدیم ما اورا برو هائے خود، پس سنت آنست که مردم متوجه بجانبِ امام بنشینند، وخطبه رااستماع نمایند“. (اشعة اللعمات، =

مظاہر حق (۱) مذکورہ بالا اختلافات میں سے کس کا قول صحیح اور مفتی بہ ہے؟ از راہ مہربانی ارقام فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) کچھ حرج نہیں، بلکہ یہ فعل احسن ہے:

"قال شمس الأئمة: من كان أمام الإمام، استقبل بوجهه، و من كان عن يمين الإمام أو يساره، انحرف إلى الإمام. وقال السرخسي: الرسم في زماننا استقبال القبلة و ترك استقبالهم الخطيب لما يلحقهم من الحرج بتسوية الصفوف بعد فراغ الخطيب من خطبته لكثرة الزحام، قال: و هذا أحسن، اهـ". طحطاوي، ص:۲۸(۲)۔

(ب) احسن قول وہ ہے جو طحطاوی سے منقول ہوا، عالمگیری وغیرہ میں جو مذکور ہے اس کے ساتھ تقویت کا کوئی لفظ مذکور نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

= كتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني: ۱/ ۵۹۰، نوريه رضويه سكهر)

(۱)(مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني، : ۱/ ۸۸۹، دارالاشاعت ، كراچي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة ، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا". (جامع ترمذي، أبواب الجمعة، باب في استقبال الإمام إذاخطب: ۱/ ۱۱۴، سعيد)

قال الشيخ أنور شاه كشميري رحمه الله تعالىٰ: "السنة في الخطبة التحديق وأن يستقبلوا الإمام بوجوههم، ولكن الزمان زمان الفساد، و لو حدقوا لا يمكن استقامة الصفوف عند الجماعة، فالأولى ترك التحديق". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي ، أبواب الجمعة ، باب في استقبال الإمام إذا خطب: ۱/ ۱۱۵، سعيد)

"أن السنة في المستمع استقبال الإمام مخالف لماعليه عمل الناس من استقبال المستمع للقبلة، ولهذا قال في التجنيس: والرسم في زماننا أن القوم يستقبلون القبلة، قال: لأنهم لواستقبلوا الإمام، لخرجوا من تسوية الصفوف بعد فراغه لكثرة الزحام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

دورانِ خطبہ اِدھر اُدھر دیکھنا

سوال[۳۸۰۲]: جمعہ میں دورانِ خطبہ بعض لوگ اِدھر اُدھر تاک جھانک رکھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور اس قسم کی حرکات کرتے ہیں، اگر یہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے تو شرعاً ایسے اعمال جو منافیٔ نماز ہیں ان کا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ خطبہ عربی کے بجائے بعد حمد وثناء اردو میں خطبہ اگر دیا جائے تو اس کا احترام اسی طریقہ پر لازم ہے یا کچھ فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"يكره الكلام حال الخطبة، وكذا كل عمل يشتغله عن سماعها من قرأة قرآن أوصلوة أو تسبيح أوكتابة ونحوها، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. وفي شرح الزاهدي: يكره لمستمع الخطبة ما يكره في الصلوة من أكل و شرب و عبث والتفات ونحوذلك. وفي الخلاصة: كل ماحرم في الصلوة حرم حال الخطبة و لو أمراً بمعروف، اهـ". طحطاوی، ص:۲۸۲(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز نماز میں منع ہے خطبہ میں بھی منع ہے۔ خطبۂ جمعہ تمام عربی میں ہونا لازم ہے، اس میں اردو مخلوط کرنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اس لئے ایسے خطبہ کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، قديمي)

"أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة و الإمام يخطب: ۱۲۷/۱، قديمي)

"(و كل ما حرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب و كلام و لو تسبيحاً، و رد سلام أو أمر بالمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۵۹۲/۱، ۵۹۳، رشيديه)

(۲) "الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة=

حالتِ خطبہ میں پنکھے سے ہوا کرنا

سوال[۳۸۰۳] : خطبہ کی حالت میں پنکھے سے خود ہوالینا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز نماز کی حالت میں حرام ہے وہ خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہے، جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے اس لئے ایسے وقت میں بھی پنکھے سے ہوا کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دورانِ سنت جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۸۰۴] : خطبہ جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے کسی نے سنت شروع کردی تو اب وہ کیا

= العربية و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام و حضروا مجالس الجُمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، و مع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية. و لما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أولى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، (رقم الحاشية : ۲) : ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "(و) كره (العبث والالتفات)، فيجتنب مايجتنبه في الصلوة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة ، ص: ۵۲۰، قديمي)

"(وكل ماحرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب في الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة ، باب الجمعة : ۲/۲۵۹، رشيديه)

کرے جبکہ خطبہ شروع ہو گیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سنت شروع کرنے کے بعد اگر خطبہ شروع ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ ہلکی ہلکی رکعتیں پوری کر کے سلام پھیر دے، ایسے ہی نماز نہ توڑے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

خطبہ کے وقت نمازِ نفل پڑھنا

سوال[۳۸۰۵]: زید کہتا ہے کہ جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو، اس وقت دو رکعت تحیۃ الجمعہ پڑھنا چاہئے کہ جس طرح تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں۔ کیا شرع شریف میں اس کی کوئی اصل ہے اور یا احادیث سے ثابت ہے یا زید کا کہنا محض لغو ہے، جواب مرحمت فرمایا جائے۔ والسلام۔

احقر الناس محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام اهـ". شرح ملتقى(۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے

---

(۱) "ولو خرج وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل، يتم في الأصح، و يخفف القراءة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

"إذا شرع في الأربع قبل الجمعة ثم افتتح الخطبة، أو الأربع قبل الظهر، ثم أقيمت، هل يقطع على رأس الركعتين؟ تكلّموا، والصحيح أنه يتمّ و لا يقطع؛ لأنها بمنزلة صلاة واحدة واجبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، قديمى)

(۲) والعبارة بتمامها: "(وإذا خرج الإمام) .... (فلاصلوة) أصلاً خلا فائتة لم يسقط الترتيب بينها و بين الوقتية لضرورة صحة الجمعة .... و لا كلام حتى يفرغ الإمام (من خطبته) الخ". (الدر المنتقى في شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفاريه كوئٹه)

"عن ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، مَن كان يقول: إذا خطب الإمام فلاتصل، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): =

وقت کوئی نماز جائز نہیں ہے، البتہ صاحب ترتیب کے لئے فائتہ نماز اس سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد وغیرہ بھی اس وقت پڑھنا منع ہے (۱)۔ اور تحیۃ الجمعہ کا ذکر کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا، زید سے ہی دریافت کیا جائے کہ تحیۃ الجمعہ کی اصل کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

خطیب کا عینِ خطبہ کے وقت مصلے پر آنا

سوال [۳۸۰۶]: یہاں کے خطیب صاحب وقتِ مقررہ پر ہی خطبہ دینے کیلئے مسجد میں آتے ہیں، اپنے کمرے میں سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد میں صفوں کے درمیان سے ہو کر منبر تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ منبر تک پہنچنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، خطیب صاحب کا یہ عمل تیرہ سال سے ہے، تیرہ سال کے بعد صرف دو چار اشخاص نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ پہلے زمانے میں فقہاء اور امام کا عمل اس کے بارے میں کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع نہیں، اس پر اعتراض غلط ہے جب وہ آئیں ان کو راستہ دیدیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= ۴۴۸/۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

"(إذا خرج الإمام) .... (فلا صلاة و لا كلام الى تمامها) .... (خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية)". (الدر المختار). "(قوله : فلا صلوة) شمل السنة و تحية المسجد". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۴۷۷، رقم الحاشية : ۲)

(۲) "عن الزهري قال: أخبرني ثعلبة بن أبي ملك القرظي قال: قد كان عمر يجيء، فيجلس على المنبر والمؤذن يؤذن و نحن نتحدث، فإذا قضى المؤذن أذانه، انقطع حديثنا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب جلوس الناس حين يخرج الإمام: ۲۰۸/۳، المكتب الإسلامي) .... =

خطبۂ جمعہ سے پہلے نعت ونظم

سوال[۳۸۰۷]: جمعہ کے خطبہ سے پہلے نعت شریف یا کوئی نظم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثابت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ میں اشعار

سوال[۳۸۰۸]: جمعہ کے خطبہ کے درمیان اردو، فارسی کے اشعار پڑھنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

= "(إذا خرج الإمام) من الحجرة .... فلا صلوة و لا كلام الخ". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۰، ۲۷۱، رشيديه)

(۱) جو کام اصولِ شرعیہ قرآن وحدیث اجماع وآثارِ صحابہ سے ثابت نہ ہو اس کو ثواب سمجھ کر علی سبیل الدوام کرنا ناجائز اور بدعت ہے: "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو ردٌّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

وفي رد المحتار: "بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلبٌ: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱، سعيد)

(۲) "ومن الأمور المحدثة ما شاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرها من قراءة الخطباء في خطبة آخر جمعات رمضان أشعاراً فارسيةً و هنديةً مشتملةً .... و هذا أمر يجب على العلماء الزجر عنه، فإن =

خطبہ کے وقت سامعین کا ہاتھ باندھنا کھولنا

سوال[۳۸۰۹]: جمعہ کے دن مقتدیوں کا خطبہ کے وقت بیٹھے ہوئے تشہد کی ہیئت بنانا اور ہاتھ باندھے رہنا، دوسرے خطبہ کیوقت ہاتھوں کو کھولکر گھٹنوں پر رکھنا، ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ ثابت نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

اذان اور خطبہ کے درمیان "إن الله و ملائكته الخ" پڑھنا

سوال[۳۸۱۰]: قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق جمعہ کے روز خطبے سے پہلے "إن الله وملائكته

= خلط الخطبة بغير العربية وكذا قراءة كلها بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من عصر حضرة الرسالة والصحابة ومن بعدهم من أرباب الجلالة". (مجموعة رسائل اللكنوى، رسالة ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲/۲۴، إدارة القرآن كراچى)

"إن قراءة الأشعار فيها إن كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة، فلا ريب في كراهتها .... وإن لم يكن بالغناء فالكراهة لكونه مخالفاً للسنة داخلاً في أصناف البدعة، وكذا قراءة بعض الخطبة بالعربية وبعضها بالفارسية لا تخلوا عن الكراهة". (مجموعة رسائل للكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۸، إدارة القرآن، كراچى)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً، وكذا قرأة الأشعار بالفارسية والهندية فيها". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبياً أو متربعاً أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملاً و حقيقةً، كما في المضمرات. و يستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴/۱۳۳، سعيد)

الـخ" پڑھا جاتا ہے جس کو آج کل کے علمائے دین اس طرح خطبے سے پہلے پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں، اس لئے حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیجئے کہ خطبے سے پہلے "إن الله و ملائكته الخ" پڑھنا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ تاکہ اس بدعت سے بچ سکیں اور صحیح دین کے راستہ پر چل سکیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اذانِ ثانی کے بعد "إن الله و ملائكته" الخ پڑھنے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث شریف میں ہے نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، اس لئے یہ نئی چیز ہے(۱)۔ دین میں پسندیدہ طریقہ وہ ہے جو حضرت نبی اکرم

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال الملا على القاري: "من أحدث": أي جدد وابتدع أو أظهر واخترع "في أمرنا هذا": أ في دين الإسلام .... "فهو": أي الذي أحدثه "رد": أي مردودٌ عليه .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستبطٌ، فهو مردودٌ عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

"فالترقية المتعارفة في زماننا تكره عنده لاعندهما". (الدر المختار).

"وفي رد المحتار: (قوله فالترقية المتعارفة الخ) اى من قراءة آية – إن الله وملائكته. والحديث المتفق عليه إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والإمام فقد لغوت".

أقول: وذكر العلامة إبن حجر في التحفة أن ذلك بدعة لأنه حدث بعد صدر الأول ....

أقول كون ذلك متعارفاً لا يقتضي جوازه عند الإمام القائل بحرمة الكلام ولو أمراً بمعروف أو ردسلام استدلالاً بمامر ولاعبرة بالعرف الحادث إذا خالف النص؛ لأن التعارف إنما يصلح دليلاً على الحل إذا كان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدين كما صرحوا به". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب: ۲/۱۶۰، سعيد)

"بأنها (البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل ديناًقويماً و صراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ متبوعین سے منقول و ماخوذ ہے، جو چیز ایسی نہ ہو وہ اگر چہ دیکھنے میں کتنی ہی اچھی معلوم ہوتی ہو مگر شرعاً پسندیدہ اور قابلِ اتباع نہیں بلکہ قابلِ ترک ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح بخاری شریف میں امام زہری کی روایت نقل کی ہے کہ "جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو صلوۃ وکلام سب موقوف کردیں" (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سامعین کا حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال [۳۸۱۱]: جمعہ کے خطبہ میں اگر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا جاوے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دل دل میں پڑھ لے جیسے آیت ﴿إن اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی﴾ الخ پڑھی جائے۔ بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمادیں کہ درود شریف پڑھنا اچھا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں درود شریف دل میں پڑھ لے:

"والصواب أن یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ (قولہ: فی نفسہ) بأن یُسمع نفسہ أو یصحح الحروف، فإنهم فسروه به وعن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: قلباً ایتماراً لأمری الإنصات والصلوة علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کمافی الکرمانی، اھ". شامی (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما: إذا خرج الإمام فلاصلاة و لا کلام". (فتح الباری، کتاب الجمعة، باب إذا رأی الإمام رجلاً جاء و هو یخطب، أمره أن یصلی رکعتین: ۲/۵۲۰، قدیمی)

"عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهم کانا یکرهان الصلاة و الکلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، من کان یقول: إذا خطب الإمام، فلا تصل، (رقم الحدیث: ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الکتب العلمیة)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعید) .... =

خطبۂ اُولیٰ کے اخیر کی دعاء

سوال[۳۸۱۲] : ایک صاحب خطبۂ اُولیٰ کے اخیر میں دعائیہ الفاظ یوں ادا کرتے ہیں: "أستغفر الله لی و لکم و لسائر المؤمنین الخ" زید کہتا ہے کہ یہاں "لسائر المؤمنین" کی جگہ "لسائر المسلمین" بہتر ہوگا، لفظِ "مسلم" عام ہے اور "مومن" خاص ہے، مسنون دعاؤں میں عمومی الفاظ کا بکثرت استعمال اس بات کا شاہدِ عدل ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اگر زید کی بات مان کر خطبہ میں: "أستغفر الله لی و لکم و لسائر المسلمین ، و لسائر المؤمنین" کی جگہ پڑھ دیا کریں تو زید کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور دعاء میں عموم بھی ہو جائے گا(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= "وكذا اختلفوا في الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند سماع اسمه، والصواب أنه يصلي في نفسه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲۷۲/۲ ، رشيديه)

وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة : ۵۹۴/۱ ،رشيديه)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "لسائر المومنین" کے بجائے "لسائر المسلمین" یہ محض زید کی خوشنودی کے لئے فرمایا ہے ورنہ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں "مومنین" اور "مومنات" کے الفاظ ہیں، لیکن جائز بہر حال ہے: قال الله تعالىٰ : ﴿ربنا اغفرلي ولو الدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾. (سورة إبراهيم: ۴۱/۱۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (محمد: ۱۹/۲۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ربّ اغفر لي و لوالديّ و لمن دخل بيتي مؤمناً وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (سورة نوح: ۲۸/۲۹)

"إن الإمام المستغفريّ روى في دعواته عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "ما من دعاء أحب إلى الله من قوله العبد: اللهم اغفر لأمة محمد رحمةً عامةً". (الفتاوى الحديثية، مطلب : هل يجوز الدعاء للمؤمنين والمؤمنات بمغفرة جميع الذنوب، ص:٦٧، قديمي)

"(ودَعا) بالعربية –وحرم بغيرها– لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين". (الدر المختار). "(قوله: =

درمیانِ خطبہ میں سامعین کا زور سے درود شریف پڑھنا

سوال[۳۸۱۳]: قبل اذان ثانیہ جمعہ پر تعوذ پڑھ کر ﴿لقد جاء کم﴾ الخ" (۱) اور جس وقت امام خطبہ دیتا ہے اور جس وقت ﴿إن الله وملائکته﴾ الخ" (۲) پڑھتا ہے تو مقتدی بڑے زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں، بظاہر: "وإذا خرج الإمام، فلا صلاة ولا كلام"(۳) کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔اس کی وضاحت فرمائیں، نیز جواز ان میں درود شریف بآواز بلند پڑھتے ہیں، پیش کرتا ہے کہ درمختار یا ردمحتار میں استحباب کا قول نقل کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کی اذان ثانی سے قبل تعوذ اور آیت: ﴿لقد جاء کم﴾ الخ پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ خطبہ میں خطیب کے: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ الخ(٤) پڑھنے پر حاضرین کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ ایسے وقت دل میں درود شریف پڑھنا چاہیے جیسا کہ درمختار، ردالمحتار میں

= لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة .... وكان ينبغي ان يزيد: ولجميع المؤمنين والمؤمنات كما فعل في المنية؛ لأن السنة التعميم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۲۱، سعيد)

"وقال الحافظ ابن رجب: إذا أفرد كل من الإيمان والإسلام بالذكر، فلا فرق بينهما حينئذ، وإن قرن بين الاسمين كان بينهما فرق .... فالإيمان والإسلام كاسم الفقير والمسكين إذا اجتمعا افترقا، وإذا افترقا اجتمعا، فإذا أفرد أحدهما، دخل فيه الآخر الخ". (فتح الملهم، كتاب الإيمان، البحث الثاني عن إطلاق الشرع: ۱/۴۲۸، ۴۲۹، مكتبه الحجاز حيدری کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (كشف الباری لشيخنا سليم الله خان دامت فيوضهم، كتاب الإيمان: ۱/۲۰۶، ۲۰۷، مكتبه فاروقيه كراچی)

(۱) (سورة التوبة، پ: ۱۱، آية: ۱۲۸)

(۲) (سورة الأحزاب، پ: ۲۲، آية: ۵۶)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

(۴) (سورة الأحزاب: ۵۶)

مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبہ سے قبل "السلام علیکم" کہنا

سوال[۳۸۱۴]: خطباتِ ماثورہ میں لکھا ہے کہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے، مگر اب تو اس کا رواج نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ اس کو اب معمول بنایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے مجموعہ خطبہ نہیں دیکھا، کتبِ فقہ میں تو یہ ہے کہ منبر پر آکر سلام نہ کرے، شوافع کے نزدیک آکر سلام کرنا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

دعاء بین الخطبتین

سوال[۳۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: مفتاح الصلوۃ میں بروز جمعہ بوقت

---

(۱) "والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه". (الدرالمختار) .

"(قوله: في نفسه): اى بأن يُسمع نفسه او يصحح الحروف، فإنهم فسروه به". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الجمعة : ۱۵۹/۲ ، قديمي)

"وكان الطحاوي يقول: على القوم أن يستمعوا إلى أن يبلغ الخطيب إلى قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾ فحينئذٍ يجب عليهم أن يصلوا على النبي عليه السلام ويسلموا. وفي الجامع الحسامي: ويصلي السامع في نفسه ويخفي". (التاتار خانية، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۶۷/۲ ، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلوة الجمعة ، محظورات الخطبة : ۵۹۴/۱ ، رشيديه)

(۲) "وترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة، وترك الكلام. وقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: "إذا استوى على المنبر، سلّم على القوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة، : ۲۵۹/۲ ، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۰/۲ ، سعيد)

جلسہ بین الخطبتین دعاء مانگنے کو جائز لکھا ہے۔ کیا بروئے اقوالِ معتبرہ احناف واحادیث خطبتین کے درمیان دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے جائز ہے یا مکروہ ہے اور بغیر زبان ہلائے دل میں دعاء مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحہ وتوجروا بیوم القیامۃ۔

المستفتی: انیس احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت دل سے دعاء مانگے زبان سے نہ مانگے، ہاتھ بھی نہ اٹھائے: "وسئل علیہ السلام عن ساعة الإجابة فقال: "مابین جلوس الإمام إلی أن یتمّ الصلوة". وهو الصحیح". الدرالمختار: ۱/۵۵٤(۱)۔

قال ابن عابدینؒ: "قال فی المعراج: فیسن الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمور

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٦۳، سعید)

"عن أبی بردة بن أبی موسی الأشعری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال لی عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: أسمعت أباک یحدث عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی شأن الجمعة یعنی الساعة قال: قلت: نعم، سمعته یقول: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "هی ما بین أن یجلس الإمام إلی أن تُقضیٰ الصلاة". قال أبو داؤد: یعنی علی المنبر". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإجابة أیّة ساعةٍ هی فی یوم الجمعة: ۱/۱٥۷، امدادیه ملتان)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذکر یوم الجمعة فقال: "فیه ساعة لا یوافقها عبد مسلم وهو قائم یصلی یسأل الله شیئاً، إلا أعطاه إیاه". و أشار بیده یقللها". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الساعة التی فی یوم الجمعة: ۱/۱۲۸، قدیمی)

"وقد اختلف أهل العلم من الصحابة والتابعین ومن بعدهم فی هذه الساعة .... الثلاثون: عند الجلوس بین الخطبتین، حکاه الطیبی عن بعض شراح المصابیح". (فتح الباری، کتاب الجمعة باب الساعة التی فی یوم الجمعة: ۲/۵۲۸، ۵۳۲، قدیمی)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإجابة أیة ساعة هی فی یوم الجمعة: ۲/۱۲۱، إمدادیه ملتان)

بالسکوت". رد المحتار: ۱/ ۵۵۴، نعمانیہ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ شعبان/ ۵۷ھ۔

خطبہ کے درمیان چندہ

سوال [۳۸۱۶]: عید کے روز خطبہ کے درمیان امام کے واسطے یا دیگر اَور کسی کام کے لئے جب کہ خطبہ ہو رہا ہو چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ممنوع ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/ ۱۶۳، سعید)

"عن ابن عباس و ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهم: كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۱/ ۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا خرج الإمام .... فلا صلوة ....ولا كلام". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۵۳، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إن أبا هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/ ۱۲۷، قديمی)

"(و كل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل و شرب وكلام و لو تسبيحات أو رد سلام أو أمر بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۹، سعيد)

"وإذا خرج الإمام، فلا صلوة و لا كلام. وقالا: لابأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/ ۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

ایضاً

سوال[۳۸۱۷]: ہماری مسجد یوسفیہ بازار میں جمعہ کے دن ’’خطباتِ موعظہ‘‘ مصنفہ مولانا ذاکر حسین پھلتی صاحب کے پڑھے جاتے ہیں، اس میں عربی کے ساتھ ترجمہ تفصیل سے بطورِ وعظ لکھا گیا ہے اور خود مصنف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اردو ترجمہ عربی سے پہلے منبر کے پاس ٹھہر کر سنانا بہتر ہے، چنانچہ امام صاحب ترجمہ پڑھتے ہیں، پھر سنت ادا کی جاتی ہے، پھر عربی خطبہ پڑھ کر فرض پڑھتے ہیں۔ اردو ترجمہ کے درمیان مصلیوں کے درمیان ایک ڈبہ گشت کرایا جاتا ہے جس میں لوگ پیسہ ڈالتے ہیں، اس ڈبہ پر ’’چندہ برائے طعام مسافرین وحاجتمندان مسجد یوسفیہ‘‘ لکھا ہے، اس ڈبہ کو گشت کرانے سے اور کھٹ کھٹ کی آواز سے توجہ بٹتی ہے۔

میں نے اعتراض کیا کہ اردو جو بھی پڑھا جاتا ہے وہ اس دن کے خطبہ کا ترجمہ ہوتا ہے لہذا احترام سے سننا چاہئے، اور ڈبہ اس وقت نہ پھرانا چاہئے، جس پر امام نے جواب دیا کہ مساجد میں مسلمان مسافروں یا مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے چندہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور چندہ کرنے والے دوسروں کی گردنیں پھلانگ کر ادھر ادھر نہ جائیں: ”و يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم تخط رقاب الناس“. شامی (۱) تو کیا مسجد میں اس عنوان سے مانگنا جائز ہے؟ اور کیا اردو ترجمہ خطبہ کے ادب واحترام سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے؟ اوپر جو درمختار کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عربی خطبہ کے قبل اردو ترجمہ کرنا یا وعظ سنانا بدعت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خطبۂ جمعہ تو فرض اور جمعہ کے لئے شرط ہے (۲) اس کو سننا ضروری ہے، کوئی ایسا کام کرنا منع ہے جو

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۶۵۹/۱، سعيد)

(۲) ”أما الأول فالدليل على كونها شرطاً قوله تعالىٰ: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ .... أو المراد من الذكر الخطبة وقد أمر بالسعي إلى الخطبة، فدل على وجوبها و كونها شرطاً لانعقاد الجمعة الخ“. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۵۸۹/۱، رشيديه)

”و يشترط لصحتها سبعة أشياء .... والرابع: الخطبة فيه“. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ۱۴۷، سعيد) .... =

سننے میں مخل ہو(۱)، اذانِ خطبہ سے پہلے جو کچھ بھی بیان کیا جائے خواہ ترجمۂ خطبہ ہو یا کوئی اَور وعظ ونصیحت ہو اس کا حکم خطبۂ جمعہ کی طرح نہیں تاہم اس کو بھی اہتمام سے سنا جائے (۲) اس وقت بھی چندہ وغیرہ جمع نہ کیا جائے، بلکہ اس کے لئے دوسرا وقت تجویز کرلیا جائے، مثلاً ترجمہ ختم ہونے کے بعد سنتوں سے پہلے یا جو وقت مشورہ سے مناسب طے ہو جائے، مسجد میں چندہ کے لئے جو کچھ امام صاحب نے بتایا ہے وہ صحیح ہے، خطبۂ جمعہ سے پہلے بعض حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وعظ فرمانا ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے (۳) اور یہ مفید بھی ہے بدعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۱/۹۴ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۶/۲، رشيديه)

(۱) "إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱۲۷/۱، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل و شرب .... بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام على المنبر فقال: "إنما أخشى عليكم من بعدي ما يفتح عليكم من بركات الأرض" ثم ذكر زهرة الدنيا، فبدأ بأحدهما و ثنّى بالأخرى، فقام رجل فقال: يا رسول الله! أوَ يأتي الخير بالشر؟ فسكت عنه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: يوحى إليه وسكت الناس كأنّ على رؤوسهم الطير". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبيل الله: ۳۹۸/۱، قديمي)

"قال الطيبي: كناية عن إطراقهم رؤوسهم و سكوتهم و عدم التفاتهم يميناً و شمالاً. قال ميرك: والطير بالنصب على أنه اسمُ كان: أي رأس كل واحد الطير يريد صيده فلا يتحرك. وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا تكلم، أطرق جلساء ه كأنما على رؤوسهم الطير يريد أنهم يسكتون فلا يتكلمون، والطير لا يسقط إلا على ساكت". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثالث، تحت حديث البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۶۳۰): ۱۰۲/۴، رشيديه)

(۳) "وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر =

خطبہ کے وقت نمازیوں سے چندہ وصول کرنا

سوال[۳۸۱۸]: ہماری مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں جمعہ میں، تقریباً وہ سب فیکٹریوں کے ملازم ہوتے ہیں، ان کے پاس وقت کم ہوتا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نماز جمعہ سے جلد از جلد فارغ ہوکر اپنی ڈیوٹی پر پہونچ جائیں تاکہ غیر حاضری نہ ہو، گھنٹہ دو گھنٹہ کی تاخیر سے سروس اور تنخواہ میں نقصان پیدا نہ ہو۔ اس لئے یہاں زوال کے بعد فوراً ہی پہلی اذان کہی جاتی ہے اور اذان وخطبہ کے درمیان دس پندرہ

= رضی الله تعالیٰ عنه فی القصص سنین، فأبی أن یأذن له، فاستأذنه فی یوم واحد، فلما أکثر علیه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ علیهم القرآن، و آمرهم بالخیر، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه: ذلک الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة. فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعة".

وروی الطبرانی: بسند جید عن عمرو بن دینار أن تمیماً الداری رضی الله تعالیٰ عنه استأذن عمر رضی الله تعالیٰ عنه فی القصص، فأبی أن یأذن له ثم استأذنه، الحدیث". (الموضوعات الکبری للملاعلی القاری، مقدمة، فصل: و لما کان أکثر القصاص والوعاظ الخ ص: ۲۰، نور محمد کراچی)

تنبیه: ذکر الملا علی القاری (رحمه الله تعالیٰ) هذه الأحادیث فی مقدمة موضوعاته، ولکنها لیست بموضوعة، بل هی من مستدلاته علی عدم جواز بیان القصص الطویلة التی لا ضرورة إلی بیانها، بل الأحسن أن یکون الوعظ مختصراً جامعاً خالیاً عن الحشو و الزوائد علی طریق الإیجاز. (شاهوانی)

"عن تمیم الداری رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الدین النصیحة" قلنا: لمن: قال: "لله و لکتابه و لرسوله ولأئمة المسلمین و عامتهم".

قال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ: "وأما نصیحة عامتهم و هم مَن عدا وُلاة الأمر فإرشادهم لمصالحهم فی آخرتهم و دنیاهم و کف الأذیٰ عنهم، فیعلّمهم مایجهلونه من دینهم و دنیاهم، و یعینهم علیه بالقول والفعل و ستر عوراتهم و سد خلالاتهم و دفع المضار عنهم و جلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف و نهیهم عن المنکر برفق وإخلاص والشفقة علیهم، و توقیر کبیرهم ورحمة صغیرهم .... والنصیحة لازمة علی قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه یقبل نصحه و یطاع أمره وأمن علی نفسه المکروه، فإن خشی أذی، فهو فی سعة، والله تعالی أعلم". (الصحیح لمسلم مع شرح الکامل للنوویؒ، کتاب الإیمان، باب إن الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

منٹ سے زائد کا وقفہ نہیں ہوتا، اگر چہ مسجد میں نماز کی غرض سے عموماً نمازیوں کی آمد نماز کی اذان سے تقریباً آدھ پون گھنٹہ پہلے شروع ہوجاتی ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مسجد کے اخراجات خطبہ کے دوران چندہ لینے اور دینے والے اور درمیان میں گشت کرنے والے مشغول ہوجاتے ہیں، جب کہ آداب وشرائطِ جمعہ میں یہاں تک تاکید ہے کہ خطبہ واجب ہے، اس کا سننا واجب ہے، جب خطبہ کی اذان شروع ہوجاتی ہے تو نماز کے سلام تک کسی دوسری طرف مشغول نہ ہونا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ وصول کرنے کے لئے یہ وقت متعین کرنا صحیح نہیں، غلط طریقہ ہے، یا تو اس سے پہلے وصول کیا جائے یا نماز سے فراغت پر وصول کیا جائے۔ مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ: ''جو چیز عینِ نماز کی حالت میں منع ہے وہ چیز خطبہ کی حالت میں بھی منع ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ کے وقت چندہ کرنا

سوال[۳۸۱۹]: ۱.....خطبۂ جمعہ وعیدین کے مسنون ومشروع ہونے کی غرض کیا ہے؟

الف- اگر اس کا مقصد اس مجمع کو مسائلِ جزئیہ شرعیہ اس دن یا اس نماز کے متعلق مقام خطبہ پر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر سکھلانا یا تعلیم دینا ہے تو اس کا جو وقت منجانبِ شرع متعین ہوچکا ہے اس میں تغیر وتبدل یا تقدیم وتاخیر یا طریقۂ بیان میں جدت پیدا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''(و) کره (العبث والالتفات)، فيجتنب ما يجتنبه في الصلوة''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

''ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلاة، حتى لاينبغي أن يأكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

ب-اگر بدعت ہے تو اس کا جواز کسی مصلحت پر مبنی پیدا کرنے کا حق کسی مولوی یا مولوی نما عالی کو ہے یا نہیں؟

ج-"کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار"(۱) ارشاد نبوی کلیہ ہے یا نہیں؟

د-بدعت کی تعریف جو متقدمین علماء وفقہاء نے بیان فرمائی ہے بیان کیجئے؟

ہ-اس ارشاد نبوی کو کلیہ نہ ماننا اور اس کی تاویلات کرنا تعریفِ بدعت میں ہے یا نہیں؟

و-اگر نہیں تو ایسا شخص مُحدِث مصطلح ہے یا نہیں؟

۲......جمعہ یا عیدین یا سب میں گداگری کی شکل اختیار کر کے لوگوں کی صفوں میں پھر کر چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الف-اگر جائز نہیں تو ایسی حالت کا ارتکاب عملاً اصلاً، دواماً کرنے والا صحیح العمل شریعت کا کام کرنے والا عندالشرع ہے یا نہیں؟

ب-اگر جائز ہے تو اس کی کوئی سند کتبِ فقہ متند مویدہ آیتِ قرآنی یا حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو مع نقل عبارت وحوالۂ کتب وصفحہ بیان فرمائیں۔

۳......جمعہ کی نماز میں خطبہ ہے جب کہ بعض نمازی مشغول باسنت ہوں ایسے سائل کا صفوف کے درمیان گشت کرنا شرعی ادلہ میں کس دلیل سے ثابت ہے؟

ع-مذکورہ بالا صورتوں میں کسی کو بدعت جاننے والا یا مکروہ سمجھنے والا اگر باوجودِ قدرتِ بیان وتردید اس پر سکوت اختیار کرے تو وہ آیا مجرم شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ہماری غرض تو تکمیل ارشاد ہے، شارع کی غرض کیا ہے؟ وہ علمِ شارع میں ہے۔

الف-کوئی تغیر نہ کیا جائے۔

ب-طریقۂ مشروعہ کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں۔

ج-کلیہ ہے(۲)۔

---

(۱)(سنن النسائی، کتاب العیدین، باب کیف الخطبة: ۱/۲۳۴، قدیمی)

(۲) بدعتِ شرعیہ (جو کہ بدعت سیئہ ہے) کے اعتبار سے یہ حدیث قاعدہ کلیہ ہے، کیونکہ لغوی اعتبار سے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بدعت کی تقسیم کی ہے، اس اعتبار سے حدیثِ مذکور عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے، جیسے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے: .... =

و-غیر دین کو دین سمجھنا بدعت ہے(۱)۔

ھ-کلیہ کو کلیہ نہ ماننا بدعت کو غیر بدعت کہنا بدعتِ ضلالہ ہے(۲)۔

و-اوپر بیان کردیا۔

۲......تخطی رقاب ممنوع ہے(۳)، نمازیوں کے سامنے سے مرور بھی ممنوع ہے(۴)۔

= قال: "قال في الأزهار: أى كل بدعةٍ سيئة ضلالةٌ، لقوله عليه السلام: " من سنّ في الإسلام سنةً حسنةً فله أجرها و أجر من عمل بها". و جمع أبو بكر و عمر القرآن......... وقوله: " كل بدعة ضلالة " عامٌّ مخصوص. قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد: البدعة إما واجبةٌ كتعليم النحو لفهم كلام الله و رسوله اهـ .... و إما مكروهة: كزخرفة المساجد الخ ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۸، رقم الحديث: ۱۴۱، رشيديه)

(۱) (البدعة) "ماأحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) قال الإمام النووى رحمه الله تعالىٰ تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هذا .... اهـ". وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام و هو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم في رد كل البدع والمخترعات، وفي الرواية الثانية (أى بعد الحديث المذكور) زيادة، وهي أنه قد يعاند بعض الفاعلين في بدعة سبق إليها، فإذا احتج عليه بالرواية الأولى، يقول: أنا ما أحدثت شيئاً، فيحتج عليه بالثانية التي فيها التصريح برد كل المحدثات سواء أحدثها الفاعل أو سبق بإحداثها ". (شرح النووى على مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمى)

(۳) "عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة، اتخذ جسراً إلى جهنم". (جامع الترمذى، كتاب الجمعة، باب في كراهية التخطى يوم الجمعة: ۱/۱۱۴، سعيد)

(و مرقاة المفاتيح، باب التنظيف والتبكير، قبيل الفصل الثالث: ۳/۴۸۶، رقم الحديث: ۱۳۹۲، رشيديه)

(ورد المحتار، كتاب الصلوة، قبيل باب العيدين، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعيد)

(۴) "قال أبو جهيم رضى الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو يعلم المارّ بين يدى المصلي ما ذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمرّ بين يديه ". قال أبو النضر: لا أدرى قال =

الف-صحیح العمل نہیں۔

ب-منع کی تصریح ہے فقہ میں بھی حدیث میں بھی (۱)۔

۳......اس کا جواب اوپر آ گیا۔

ج-اصلاحِ منکر حسبِ حیثیت لازم ہے، ترک پر وعید ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں ''الوداع''

سوال [۳۸۲۰]: رمضان المبارک کا آخری جمعہ جس کو الوداع کہتے ہیں اس میں جدائی، حسرت و افسوس کے مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ ردع الاخوان میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضامین ثابت نہیں، اس لئے بدعت ہے، حالانکہ ہندوستان میں خصوصاً دہلی میں ہزاروں آدمی الوداع پڑھنے جاتے ہیں۔ شرعاً الوداع پڑھنا بدعت ہے یا کیا حکم ہے؟ اور ایسے مضامین پڑھنے والوں کو منع کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور ایسے خطبوں میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

= أربعين يوماً، أو شهراً أو سنةً". (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب إثم المار بين يدي المصلي: ۱/۷۳، قديمي)

(والتفصيل في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب السترة، الفصل الأول: ۲/۴۸۴، رقم الحديث: ۷۷۶، رشيديه)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، بعد مطلب: قرأ: تعالى جدك - بغير الف - لا تفسد: ۱/۶۳۴، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۲۹۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال القاري رحمه الله تعالىٰ تحت حديث: "من رأى منكم منكراً الخ": و لفظ "من" لعمومه شمل كل احد رجلاً أو امرأةً، عبداً أوفاسقاً أو صبياً مميزاً. ...... قال النووي رحمه الله تعالىٰ في شرح مسلم: قوله: "فليغيره بيده" هو أمر إيجاب، وقد تطابع على وجوبه الكتاب والسنة وإجماع الأمة، .... وهو فرض كفاية، فمن تمكن منه و تركه بلا عذر، أثم. و قد يتعين، كما إذا كان في موضع لا يعلم به إلا هو، أو لا يتمكن من إزالته إلاهو". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

رو‌ع الاخوان میں جولکھا ہے وہ صحیح ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف،۲۵/ جمادی الثانیہ/۶۱ھ۔

خطبۃ الوداع

سوال[۳۸۲۱]: رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عام طور سے الوداع خطبہ پڑھتے ہیں، مجموعۂ خطب مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر نہیں، میری نظر میں صرف خطبۂ علمی میں ہے جو محمد حسن علی بریلوی کا نوشتہ الوداع خطبہ ہے اور اکثر مسجدوں میں وہی خطبہ ہے۔کیا الوداع خطبہ بدعت ہے؟ اگر بالفرض بدعت لکھیں تو کس قسم کی بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خطبہ الوداع پڑھنا قرونِ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، فقہاء نے اس کے پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدعت ممنوع ہونے کو تفصیل سے مدلل بیان فرمایا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجموعة رسائل اللكنوی رحمه الله تعالیٰ رساله ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲۴/۲، إدارة القرآن، كراچی)

"یہ خطبہ بدعت ہے کہ مرثیہ اور اشعار قرونِ مشہود لہا بالخیر میں خطبہ میں منقول نہیں، بالخصوص جب اس فعل کو ضروری جانا جاوے کہ مؤکدہ جاننا کسی امر مستحب کا بھی داخلِ تعدیٔ حدود اللہ اور بدعتِ ضلالہ ہے، چہ جائے کہ امر محدث الخ"۔ (تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، باب البدعات، ص:۱۳۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) "الوداع یا الفراق در خطبۂ جمعه آخر رمضان خواندن، و کلماتِ حسرت و رخصت ادا کردن فی نفسه امرِ مباح است، بلکه این کلمات باعثِ ندامت و توبۂ سامعان شود، امیدِ ثواب است، مگر=

ایضاً

سوال[۳۸۲۲]: جمعۃ الوداع میں جوخطبہ متعارفہ "الوداع الوداع یا شهر رمضان الخ" پڑھا جاتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کومنع کیا ہے اگرچہ وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی، اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ خطبۃ الوداع مکروہ ہے، بدعت ہے، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں جمعۃ الوداع میں جو بدعات ورسوم جاری ہیں ان کی تردیدی کی ہے، اس میں یہ خطبہ بھی ہے(۱) اس طرح اردو فتاویٰ دیوبند تھانہ بھون میں بھی اس کو بدعت لکھا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ثبوتِ این طریق در قرونِ ثلاثہ نیست .... و شاید کسے کہ ایجاد ایں طریق کردہ، خطبۂ آخرِ رمضان را بر خطبۂ استقبال قیاس کردہ، لیکن اہتمامِ خطبۂ وداع کردن چنانچہ درین زمانہ مروج است، و آن را تا بحدِ التزام رسانیدن خالی از ابتداع نیست، علمائے معتمدین را لازم است کہ التزامِ این طریق را ترک کنند، تا عوام از اعتقاد و استحباب و سنیت بلکہ از ضروری بودنِ این طریق خاص نجات یابند". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، كتاب الكراهية: ۳۲۹/۴، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوی رسالة ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲۴/۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "ومن الأمور المحدثة ما ذاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع، وتضمينها جملاً دالةً على التحسر بذهاب ذلك الشهر، فيدرجون فيها جملاً دالةً على فضائل ذلك الشهر، ويقولون بعد جملة أو جملتين: الوداع، والوداع أو الفراق والفراق لشهر رمضان، أو الوداع والوداع يا شهر رمضان، ونحو ذلك من الألفاظ الدالة على ذلك" (مجموعة رسائل اللكنوی، ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان: ۲۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (فتاوی دارالعلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، باب الجمعة: ۳۰۶/۱، ۳۰۷، دارالاشاعت کراچی)

الفصل الخامس فی أذان الجمعة

(جمعہ کی اذان کا بیان)

جمعہ کی دواذانوں کا ثبوت

سوال[۳۸۲۳] : جمعہ کے دن پہلی اذان، دوسری خطبہ کی اذان، یہ دواذانیں جو ہیں ان کا بھی ثبوت دینا کہ دواذان ہونی چاہئے یا ایک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے تو ایک ہی اذان جمعہ کے لئے ہوتی تھی، جب مجمع زیادہ ہونے لگا تو بعض خلفائے راشدین ہی کے حکم سے دواذانیں ہونے لگیں، کذا فی شرح البخاری:

"عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فلما كان عثمان رضي الله تعالىٰ عنه و تكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء، الخ". فتح الباري: ۲/۳۲٦، ۳۲۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال[۳۸۲۴] : نماز جمعہ میں دواذان ہوتی ہیں، ان کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة : ۲/۴۹۹، قديمي)

"(قوله: ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب". (الدرالمختار). "(قوله : و يؤذن ثانياً بين يديه): أي على سبيل السنية". (ردالمحتار، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة : ۲/۱٦۱، سعيد)

(فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه ثانياً) وبذلك جرى التوارث". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۷۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قرونِ مشہود لہا بالخیر سے ثابت اور متوارث ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

جمعہ کے لئے اذان اول سنت ہے یا ثانی؟

سوال[۳۸۲۵]: جمعہ میں اذانِ اولیٰ سنت ہے یا اذانِ ثانی سنت ہے؟ بعد الاذان الثانی مناجات جائز ہے یا نہیں، مناجات چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں اذانیں سنت ہیں(۲)، دوسری اذان کے بعد دعاء دل میں پڑھی جائے زبان سے نہ پڑھی جائے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) "عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوّله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فلما كان عثمان رضي الله تعالىٰ عنه و تكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۱/۱۲۴، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۷، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف بن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول إذا خطب الإمام فلاتصل، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"قال في المعراج: فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمور بالسكوت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۴، سعيد) .... =

جمعہ کے دن اذان کہاں دی جائے؟

سوال[۳۸۲۶]: عہدِ نبوی میں جمعہ کی اذانیں کتنی تھیں اور کہاں دی جاتی تھیں، مسجد کی چھت کے نیچے یا چھت سے باہر؟ مقام کی تعیین کرتے ہوئے لکھیں کہ آج کی مروجہ اذان ایک چھت کے نیچے اور دوسرے چھت سے باہر کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہدِ نبوی-صلی اللہ علیہ وسلم- میں اذان جمعہ ایک ہی تھی جو کہ بابِ مسجد پر ہوتی تھی، جب کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آتے تھے اور اس اذان کے بعد خطبہ ہوتا تھا، لوگ عامۃً سنتیں اپنے مکان سے پڑھ کر آتے تھے، اس اذان کی آواز مسجد کے باہر والوں کو بھی پہونچتی تھی اور اندر والوں کو بھی پہونچتی تھی، اذانِ خطبہ سے قبل اذان نہیں ہوتی تھی، یہی کیفیت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں رہیں، پھر خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مجمع بہت زیادہ ہونے لگا تو ایک اذان بازار میں ''زوراء'' مقام پر متعین کی گئی تاکہ بیرونِ مسجد دور تک آواز پہونچ جائے اور لوگ نماز کے لئے آجائیں۔ اس کے بعد ایک اور اذان امام کے سامنے اندرونِ مسجد کے لئے رہی تاکہ حاضرینِ مسجد اس کو سن کر نوافل، تلاوت، تسبیح سے فارغ ہوجائیں اور خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جائیں۔

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے کہ وہ بھی حاضرینِ مسجد کے لئے ہے، اس میں آواز زیادہ بلند نہیں کی جاتی اور کسی بلند جگہ پر بھی اس کا ہونا مستحب نہیں (۱)۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے، جس کا نام ''تنشیط الاذان'' ہے(۲)، اس میں پوری تفصیل اور دلائل مذکور ہیں:

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۰، رشيديه)

(۱) "(لغز): أيّ الأذان لايستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولانا خليل احمد سهارنپوری)

"حدثنا محمد بن مسلمة المرادی حدثنا ابن وهب عن یونس عن ابن شهاب، أخبرنی السائب بن یزید أن الأذان کان أوّله حین یجلس الإمام علی المنبر یوم الجمعة فی عهد النبی –علیه السلام– وأبی بکر وعمر –رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما–، فلما کان خلافة عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وکثر الناس، أمر عثمان یوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به علی الزوراء، فثبت الأمر علی ذلك". (أبوداؤد)(۱)۔

"لم یکن فی زمان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر وعمر –رضی اللّٰه تعالیٰ عنه– قبل أذان الخطبة أذان. .... قال الحافظ فی الفتح فی روایة وکیع عن ابن أبی ذئب: فأمر عثمان بالأذان الأول، ونحوهٗ للشافعی من هذا الوجه، ولا منافاة بینهما؛ لأنه باعتبار کونه مزیداً یسمّیٰ ثالثاً، وباعتبار کونه جعل مقدماً علی الأذان والإقامة سمی أولاً. ولفظ روایة عقیل: إن التأذین بالثانی أمربه عثمان، وتسمیته ثانیاً أیضاً متوجه بالنظر إلی الأذان الحقیقی، لا الإقامة. قال أبو عبداللّٰه البخاری فی صحیحه: الزوراء موضع بالسوق بالمدینةِ الخ". بذل المجهود(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کس جگہ ہو؟

سوال[۳۸۲۷]: جمعہ میں اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہیے یا بیرونِ مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے یعنی یہ حاضرینِ مسجد کی اطلاع کے لئے ہے کہ اب خطبہ کے لئے تیار ہو جاؤ، نفل، تسبیح، تلاوت ختم کردو، کذا فی السعایة شرح شرح وقایة(۳)۔ پس یہ اذانِ خطیب

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب النداء یوم الجمعة: ۱/۱۶۲، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، تفریع أبواب الجمعة، باب النداء یوم الجمعة: ۲/۱۸۰، امدادیہ)

(۳) (لغزٌ) أیُّ الأذان لا یستحبّ رفع الصوت فیه؟ قیل: هو الأذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنه کالإقامة لإعلام الحاضرین، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعایةللعلامة اللکنویؒ، کتاب الصلاة،باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهیل اکیڈمی، لاهور) .... =

کے مقابل پہلی صف میں یا نمازیوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے جس میں مناسب ہو کہ سب تک آواز پہونچ جائے، مسجد ہی میں دی جائے، یہی متوارث ہے(۱)۔ اس پر مستقل ایک رسالہ ہے "تنشیط الآذان فی تحقیق محل الأذان" (۲) اس میں دلائل مذکور ہیں۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا محل

سوال[۳۸۲۸]: جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے متعلق اگر کوئی شخص یہ قید لگائے کہ منبر کے سامنے ہونا چاہیے اور اس پر اصرار اور تشدد کرتا ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: محمد حسین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری اذان کا منبر کے سامنے ہونا سنت ہے اس پر ہمیشگی باعثِ ثواب ہے اسکے خلاف کرنا خلافِ سنت ہے:

= "إن بلالاً كان يؤذن على باب المسجد، فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات، نعم! لما زيدَ الأذان الأول، كان للإعلام، وكان الذى بين الخطيب للإنصات". (نيل الأوطار للشوكانى، كتاب الجمعة، باب تسليم الإمام إذا رقى المنبر، والتأذين إذا جلس عليه واستقبال المأمومين: ۳/۳۲۲، دار الباز، مكة المكرمة)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۲/۵۰۰، قديمى)

(۱) "وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث".

(الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۶۱، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) دیکھئے: (تنشيط الأذان فى تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولٰنا خليل أحمد سهارنپورى رحمه الله تعالىٰ)

"ویؤذن ثانیاً بین یدی الخطیب علی سبیل السنة، اهـ". ردالمحتار، ص: ۸٦٠(۱)۔"وفی البحر: فإذا جلس علی المنبر أذن بین یدیه، بذلك جری التوارث. والضمیر فی قوله: "بین یدیه" عائد إلی الخطیب الجالس، وفی القدوری: بین یدی المنبر، وهو مجاز إطلاقاً لاسم المحل علی الحال، اهـ". ۲/ ۱۵۷(۲)۔

اس مسئلہ کی تفصیل تنشیط الآذان میں ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رجب/ ۵۶ھ۔

اذانِ خطبہ کا محل

سوال[۳۸۲۹]: خطبۂ جمعہ کی اذان کے متعلق سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث میں دو روایت ہیں، اس میں "علی باب المسجد" کا لفظ نہیں اور فقہائے کرام نے اس کو نقل بھی فرمایا ہے اور سنن ابی داود کے ص: ۱۵۶(۴)، میں جو حدیث محمد ابن اسحاق سے مروی ہے اس میں "علی باب المسجد" کا لفظ ہے، مگر فقہائے کرام اس کو نقل نہیں فرماتے تو محمد بن اسحٰق راوی میں کونسا عیب ہے جس کی وجہ سے فقہائے کرام نے اپنی کتابوں میں "دروازے پر" کا لفظ نہیں لکھا اور "بین یدی" کا لفظ منبر پر سے کتنی دور تک اطلاق کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کو محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ بواسطۂ زہری نقل کرتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں: "حدثنا النفیلی نا محمد بن سلمة عن محمد بن إسحاق عن الزهری عن السائب بن یزید، قال: کان یؤ ذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱٦۱، سعید)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۷۴، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة: ۵٦۱، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) دیکھئے: (تنشیط الآذان فی تحقیق محل الأذان، تالیف: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری)

(۴) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة: ۱/ ۱۵۵، مکتبه دار الحدیث، ملتان)

علی باب المسجد وأبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اھـ" (۱)۔

اس روایت میں دونوں لفظ موجود ہیں: "بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم" اور "علی باب المسجد"

احناف نے اس روایت کو ترک نہیں کیا بلکہ دونوں لفظوں کے درمیان جمع کیا ہے:

ولا منافاة بین قولہ: "بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم" و بین "علی باب المسجد" فإن باب المسجد ھذا کان فی جھة الشمال، فإذا جلس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر للخطبة یکون ھذا الباب قُدامہ، فکونہ بین یدیہ عام شامل لما کان فی محاذاتہ أوشیئاً منحرفاً إلی الیمین أوالشمال أو یکون علی الأرض أوالجدار، اھـ". بذل المجھود: ۲/۱۸۰(۲)۔

"وأما لفظ: "علی الباب" "فعلی" ھٰھنا بمعنی "فی" وحروف الجر یقوم بعضھا موضع بعض کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿علی جذوع النخل﴾ عند بعضھم، فیکون معنیٰ قولہ: "علی الباب ای فی الباب فی داخل المسجد، وھذا الباب کان قریباً من المنبر، فلامنافاة بین قولہ: "بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم" و بین قولہ: "علی الباب" کما ھو ظاھرٌ۔ و لا یخفیٰ أن باب المسجد ھناك لم یکن خارجہ کما فی زماننا، فإن العمارة لم تکن من الخارج محیطةً بالمسجد ھناك، کما یفھم من ظاھر ما رواہ أبوداؤد: "عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما کنت أبیت فی المسجد فی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، وکنت فتیً شاباً عزباً، و کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد، فلم یکونوا یرشّون شیئًا من ذلك"۔ و قد تقدم فی باب طھارة الأرض بالجفاف: "وکانت لہ ثلاثة أبواب". کما فی عمدة القاری: ۱/۳۵۸(۳)۔

---

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مکتبہ دار الحدیث، ملتان)

(۲) (بذل المجھود، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة: ۲/۱۸۰، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۳) (عمدة القاری، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة: ۶/۳۰۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الجمعة، باب التأذین عند الخطبة: ۸/۲۸، إدارة القرآن، کراچی)

"و كان أحد الأبواب محاذياً للمنبر كما في البخاري "عن أبي نمير أنه سمع أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يذكر أن رجلاً دخل يوم الجمعة من بابٍ كان وجاة المنبر ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". ١/١٣٧(١)۔

"فحاصل هذا الكلام أن الأذان كان بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في باب المسجد داخله، و هو بين يدى المنبر محاذياً له، فلم يلزم كون الأذان خارج المسجد، اهـ". إعلاء السنن:٨/٤٧ (٢)۔

"قال المهلب: الحكمة في جعل الأذان في هذا المحل ليعرف الناس جلوس الإمام على المنبر، فينصتون له إذا خطب. قال الحافظ: في الفتح:٢/٣٢٧(٣): و فيه نظرٌ لما عند الطبراني وغيره في هذا الحديث "أن بلالاً كان يؤذن على باب المسجد" فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات، نعم! لمّا زِيدَ الأذان الأولُ، كان للإعلام، وكان الذى بين الخطيب للإنصات، اهـ". نيل الأوطار:٣/١٤٠(٤)۔

اس لئے راوی پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں، محمد بن اسحاق کا ترجمہ تہذیب التہذیب جلد:۲ میں چار ورق پر لکھا ہے، اصحابِ جرح وتعدیل کے دونوں قسم کے اقوال ان کے متعلق نقل کئے گئے ہیں (۵)۔

---

(١) (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في المسجد الجامع: ١/١٣٧، قديمي)

(٢) (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ٨/٦٩، إدارة القرآن كراچي)

(٣) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ٢/٥٠٠، قديمي)

(٤) (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب تسليم الإمام إذا رقي المنبر والتأذين إذا جلس عليه واستقبال المأمومين له: ٣/٣٢٢، دارالباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(٥) "و قال ابن المديني: سمعت سفيان قال: قال ابن شهاب، وسُئل عن مغازيه فقال: هذا أعلم الناس بها، وقال الأثرم عن أحمد: هو حَسَن الحديث. وقال مالك: دجّال من الدجاجلة، و قال البخاري: رأيت عليّ بن عبد الله يحتج بحديث ابن إسحاق، قال يعقوب: و سألت ابن المديني: كيف حديث ابن إسحاق عندك؟ فقال: صحيح، قلت له: فكلام مالك فيه؟ قال: مالك يجالسه و لم يعرفه. وقال =

پھر ہدایہ(۱)اور شرح ہدایہ میں اس اذان کا محل "بین یدی الخطیب" لکھا ہے اور اس کی دلیل میں توارث کو پیش کیا(۲)اور صحابہ کرام سے جو امر متوارث ہو وہ بحکمِ تواتر ہے، اس لئے انکار کی گنجائش نہیں۔خود اس مسئلہ پر فریقین کے متعدد رسائل بھی شائع ہو چکے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،۱۴/شوال/۶۶ھ۔

صحیح:عبد اللطیف۔

اذانِ خطبہ کا محل

سوال[۳۸۳۰] : ۱.....قبل جمعہ اذانِ ثانی از روئے شرع کس جگہ سے دینی چاہیے؟

۲.....اذانِ ثانی روبروئے خطیب داخلِ مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟اور روبروئے خطیب خارجِ مسجد سنت ہے یا نہیں؟

= ابن عيينة: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث، روى له مسلم في المتابعات، وعلّق له البخاري. وقال أبو يعلى الخليلي: محمد بن إسحاق عالمٌ كبيرٌ، و إنما لم يخرجه البخاري من أجل روايته المطولات وقد أستشهد به، وأكثر عنه يحكي في أيام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفي أحواله وفي التواريخ، و هو عالمٌ واسع الرواية و العلم ثقةٌ. وقال ابن البرق: لم أر أهل الحديث يختلفون في ثقته و حسن حديثه و روايته". (تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني تحت لفظ: "ميم محمد، الف"، (رقم الترجمة: ۵۱): ۹/۳۸، ۴۲، دار صادر بيروت)

(۱) "وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث". (الهدايه، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وأذن المؤذنون بين يدى المنبر) هذا هو الأذان الأصلي الذى كان في زمان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبى بكر و عمر رضى الله تعالىٰ عنهما من بعده، ثم حدث الأذان الآخر، و هو الأذان الأول في عهد عثمان –رضى الله تعالىٰ عنه –كما ذكرنا (بذلك): أى بالأذان بين يديه المنبر بعد الأذان الأول على المنارة (حدث التوارث) من زمن عثمان بن عفان إلى يومنا هذا"..(البناية للعيني ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۳/۱۰۱، ۱۰۲، رشيديه)

۳......اذانِ مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں داخلِ مسجد ہوا کرتی تھی یا خارجِ مسجد؟

۴......اذانِ ثانی مذکور سطح پر ہونا کیسا ہے؟

۵......جس حدیث سے اذانِ مذکور خارجِ مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے کہ نہیں؟

۶......اگر خارجِ مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کون سی حدیث ہے؟

۷......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت منسوخ نہ ہو، اس کو رائج کرنا کیسا ہے؟

۸......قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہے اس کو رائج کرنے والے کی فضیلت بیان فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۸......مسائلِ فقہیہ کے ثبوت کے لئے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ بعض مسائل صاف صاف قرآن پاک میں ہیں، بعض حدیث شریف میں ہیں، بعض اجماع سے ثابت ہیں، بعض قیاس سے(۱)۔ ماخذ کو کسی ایک دلیل میں منحصر کر کے سوال کرنا منصبِ سائل کے خلاف ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوگا (کہ) سائل فقط ایک دلیل کو تسلیم کرتا ہے، بقیہ تین دلیلیں اس کے لئے بے کار ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا، ان سے مسائل ثابت نہیں مانتا۔ اگر سائل مقلد ہے تو اس کا یہ سوال اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ہے، اگر سوال علمی تشنگی کی سیرابی کے لئے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے لئے اردو میں ایک رسالہ ہے "تنشیط الاذان" (۲) اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ادلۂ اربعہ سے ثابت کیا ہے۔

جس حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے وہ ابوداؤد شریف میں مذکور ہے(۳)، بذل المجہود شرح سنن

---

(۱) "اعلم أن أصول الشرع ثلثة .... الكتاب والسنة وإجماع الأمة .... والأصل الرابع: القياس". (نور الأنوار، تفهيم اصول الشرع، ص: ۵، سعيد)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولانا خليل أحمد سهارنپوري رحمة الله تعالىٰ عليه)

(۳) "عن ابن شهاب، أخبرني السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه وكثر الناس، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثاني، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر =

أبي داؤد شریف(۱) میں پوری اس کی تفصیل مذکور ہے، رُواۃ پر بھی کلام مذکور ہے، کانپور کرنیل گنج سے ایک ماہنامہ ''نظام'' نکلتا ہے، اس میں اس حدیث پر پوری بحث (دیرہوئی) شائع ہوچکی ہے۔

مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ پاک کی آبادی کے لحاظ سے صرف ایک اذان بابِ مسجد پر منبر کے سامنے ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک اذان کا اضافہ ہوا، وہ بلند جگہ پر بازار میں بیرونِ مسجد ہوتی تھی اور دوسری اذان اندرونِ مسجد ہونے لگی، پہلی اذان اعلامِ غائبین کے لئے اور دوسری اعلامِ حاضرین کے لئے مثلِ اقامت، اس وجہ سے پہلی اذان میں آواز زیادہ بلند کی جاتی ہے، دوسری میں معمولی آواز پر کفایت کی جاتی ہے تاکہ حاضرینِ مسجد خطبہ کے لئے تیار ہوجائیں، نوافل وغیرہ سے فارغ ہوجائیں (۲)۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس کا اہتمام ہوا، خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے، پس ان کی سنت پر عمل کرنا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ہے، جو کہ خلافِ حدیث نہیں بلکہ عین موافقِ حدیث ہے۔ وہ حضرات منشائے حدیث کو سمجھنے والے اور اس

= علی ذلک". (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب النداء یوم الجمعۃ: ۱/۱۶۲، مکتبہ امدادیہ)

(۱) "قال الحافظ فی الفتح فی روایة وکیع عن ابن أبی ذئب: فأمر عثمان رضی الله تعالیٰ عنه بالأذان الأول، ونحوه للشافعی من هذا الوجه، ولا منافاة بینهما؛ لأنه باعتبار کونه مزیداً یسمی ثالثاً، وباعتبار کونه جعل مقدماً علی الأذان والإقامة سمی أولاً، ولفظ روایة عقیل: إن التأذین بالثانی أمربه عثمان رضی الله تعالیٰ عنه وتسمیته ثانیاً أیضاً متوجه بالنظر إلی الأذان الحقیقی .... قال الحافظ: والذی یظهر ان الناس أخذوا بفعل عثمان فی جمیع البلاد؛ إذ ذاک لکونه خلیفةً مطاعَ الأمر. وروی ابن أبی شیبة من طریق ابن عمر". (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب النداء یوم الجمعة: ۲/۱۸۰، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

(۲) "(لغز) أیُّ الأذان لایستحب رفع الصوت فیه؟ قل: هو الأذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنه کالإقامة لإعلام الحاضرین، صرّح به جماعة من الفقهاء". (السعایة، کتاب الصلوۃ، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهیل اکیڈمی)

پر عمل کرنے والے اور اس کو شائع کرنے والے ہیں۔ایسے مواقع میں ناسخ ومنسوخ کی بحث ہی بے محل ہے(۱)۔

عینی شرح بخاری وفتح الباری وفیض الباری کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے مفید ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا مقام اور محمد بن اسحاق کا حال

سوال[۳۸۳۱]: ۱......سنن ابوداؤد شریف کی وہ حدیث کہ جس میں "أذان علی باب المسجد" کا ذکر ہے،اس کی سند میں جو محمد بن اسحاق ہے وہ کذاب اور دجال ہے یا نہیں؟اور حدیثِ مذکور قابلِ عمل ہے یا متروک العمل؟

۲......اگر کوئی مولوی راوئ مذکور یعنی محمد بن اسحاق کو کذاب ودجال کہے اور پھر اس پر اصرار کرے تو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے اس قسم کے مولوی پر کیا حکم عائد ہوگا؟

۳......اگر کسی حنفی مذہب والے کا "علی الباب المسجد" حدیث پر عمل ہو اور کوئی شخص اس کو غیر مقلد اور لامذہبی بتائے اور اس میں شمار کرے اور امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر جمعہ کی اذانِ ثانی دینے کو بدعتِ سئیہ بتائے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴......اگر حنفی مذہب ماننے والے جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر دلوائے اور اس پر کوئی مصلی بار بار انکار کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو لے کر مسجد سے باہر ہو جائے اور لعن وطعن کہتے ہوئے کسی میدان میں جا کر نماز پڑھے تو ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟اور اس قسم کے مولوی پر شریعتِ مقدسہ کی طرف سے کیا حکم عائد ہوگا؟

---

(۱) "قال سمعت العرباض بن سارية رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، فوعظنا موعظةً بليغةً، وَجِلت منها القلوب، وذرفت منها العيون، فقيل: يارسول الله! وعظت موعظة مودّع، فاعهد إلينا بعهد، فقال: "عليكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن عبداً حبشياً، وسترون من بعدي اختلافاً شديداً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين، عضوا عليها بالنوا جذ، وإياكم والأمور المحدثات، فإن كل بدعة ضلالة". (سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين: ۱/۵، قديمي)

۵.....موذن مسجد کے دروازے کے کنارے پراذانِ ثانی دے کر اقامت کیلئے صفِ اول میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کسی عذر سے بالکل پچھلی صف میں اقامت کہے تو درست ہوگا یا نہیں؟ مسجد کے کنارے سے دروازہ مراد ہے یا کوئی دوسری جگہ مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد بن اسحاق کے متعلق اصحابِ جرح وتعدیل میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو کذاب بھی کہا تھا اور دوسرے حضرات نے امام المغازی بھی لکھا ہے، راجح قول یہ ہے کہ مغازی وسیر میں ان کی روایت مطلقاً معتبر ہے، چنانچہ مسلم وترمذی، ابوداود، نسائی نے ان کی حدیث لی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیق میں روایت لی ہے امام احمد اور منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو "حَسَن الحدیث" فرمایا ہے، علی بن المدینی نے فرمایا ہے: "یحتج بہ" یعنی ان کی بیان کردہ روایت کو بطور حجت پیش کرنا درست ہے(۱)، شیخ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "أمیر المؤمنین فی الحدیث، ثقةٌ ثقةٌ ثقةٌ"(۲)۔ اور جب اصحابِ صحاح ان پر

(۱) "و قال ابن المدینی: سمعت سفیان قال: قال ابن شهاب، و سئل عن مغازیه، فقال: هذا أعلم الناس بها،......... وقال الأثرم عن احمد .... هو حَسَن الحدیث. و قال مالک: دجالٌ من الدجاجلة. و قال البخاری: رأیت علی بن عبد الله یحتج بحدیث ابن إسحاق. ....قال یعقوب: و سالت ابن المدینی کیف حدیث ابن إسحاق عندک؟ فقال: صحیحٌ، قلت له: فکلام مالک فیه؟ قال: مالک یجالسه و لم یعرفه.......... وقال ابن عیینة: سمعت شعبة یقول: محمد بن إسحاق أمیر المؤمنین فی الحدیث،......... روی له مسلم فی المتابعات، وعلّق له البخاری .... وقال أبو یعلی الخلیلی: محمد بن إسحاق عالمٌ کبیرٌ، و إنما لم یخرّجه البخاری من أجل روایته المطولات، و قد أستشهد به، وأکثر عنه فیما یحکی فی أیام النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وفی أحواله وفی التواریخ، وهو عالمٌ واسع الروایة و العلم ثقةٌ. وقال ابن البرقی: لم أر أهل الحدیث یختلفون فی ثقته وحسن حدیثه و روایته". (تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلانی تحت لفظ "میم محمد، الف"، (رقم الترجمة : ۵۱، ۳۸/۹، ۴۲، دار صادر بیروت)

(۲) "کذا ذکره ابن حبان فی الثقات". (لسان المیزان لابن الحجر، مَن اسمه محمد، ۲۰۶۳، ۷۵/۵، دارالکتب العلمیة)

"وقال الحاکم: وذکر عن البوشیخی أنه قال: هو (محمد بن إسحاق) عندنا ثقة ثقة". (تهذیب =

اعتماد کرتے ہیں اور ان کی روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور بطورِ حجت پیش کرتے ہیں تو اب ان پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنا جس سے عوام میں فتنہ پیدا ہو، ہرگز نہیں چاہیے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ مسجد سے باہر بلند جگہ پر ہوتی تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی یہ طریقہ رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور میں دو اذانیں شروع ہوئیں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کا شیوع ہوا کہ ایک اذان بلند جگہ پر ہو جس سے مسجد سے باہر تک آواز جائے اور غائبین نماز کیلئے آنے لگیں اور دوسری اذان منبر کے سامنے متعین کی گئی جس کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں وہ خطبہ سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں، سنن، نوافل، تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو جائیں، اس اذان میں زیادہ بلند آواز نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ اقامت کی طرح اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ پھر یہی طریقہ بطورِ توارث منقول چلا آرہا ہے اور اسی پر شرقاً غرباً اہلِ اسلام کا عمل ہے۔

مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں منبر کے سامنے ہونی چاہیے خواہ پہلی صف میں ہو خواہ کسی اَور صف میں، مثلاً مسجد بہت بڑی ہے اور نمازی زیادہ ہیں تو تیسری، چوتھی صف میں جیسا مناسب ہو تجویز کردی جائے، اس پر اختلاف اور نزاع نہیں کرنا چاہیے، نہ یہ اصرار ہو کہ بابِ مسجد پر ہی ہوگی، نہ یہ اصرار ہو کہ پہلی ہی صف میں ہوگی (۱)، پھر اس کی وجہ سے مسجد چھوڑ کر باہر میدان میں جا کر جماعت کرنا تو بہت غلط کام ہے

= التھذیب: ۹/۴۶، دار صادر)

"وقال العجلي: مدنيٌّ ثقةٌ". (تھذیب الکمال في أسماء الرجال: ۲۴/۴۲۴، مؤسسة الرسالة)

(۱) "عن ابن الشھاب، أخبرني السائب بن یزید رضي الله تعالیٰ عنه أن الأذان کان أوله حین یجلس الإمام علی المنبر یوم الجمعة في عھد النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأبي بکر و عمر –رضي الله تعالیٰ عنه– فلما کان خلافة عثمان رضي الله تعالیٰ عنه وکثر الناس أمر عثمان یوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به علی الزوراء، فثبت الأمر علی ذلک". (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مکتبه دار الحدیث، ملتان)

"(لغز) أيّ أذان لا یستحب رفع الصوت فیه؟ قل: ھو الأذان الثاني یوم الجمعة الذي یکون بین یدي الخطیب؛ لأنه کالإقامة لإعلام الحاضرین، صرّح جماعة من الفقھاء". (السعایة، کتاب الصلاة، =

اگرچہ نماز ان کی بھی ہوجائے گی۔ اس مسئلہ کی وجہ سے فرقہ بندی نہ کی جائے (۱) اور ایک دوسرے پر لعن طعن نہ کریں کہ یہ سخت مذموم ہے اور عندالشرع ممنوع ہے (۲)۔

باب مسجد پر اذانِ ثانی کہہ کر صفوف کو پھلاند کر پہلی صف پر جانا شرعاً ناپسند ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسالے بھی لکھے گئے ہیں اور شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ اوپر نقل کر دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۸۹ھ۔

جمعہ کے روز اذانِ خطبہ کا مقام

سوال [۳۸۳۲] : ۱..... جمعہ کی اذانِ ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

= باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن : ۳۸/۲، سهيل اكيڈمی)

"فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة) بذلك جرى التوارث. والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

"وإذا جلس الإمام على المنبر .... أذن اذاناً ثانياً.......... بين يديه: أى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو الإمام أو يساره قريباً منه وسطهما، فيشمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادّة أو منفرجة". (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲۶۸/۱، مكتبه كريميه)

(۱) "عن رجل رضى الله تعالىٰ عنه قال: "انتهيت إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقول : "أيها الناس! عليكم بالجماعة و إياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة إياكم والفرقة". ثلاث مرار". (مسند أحمد، أحاديث رجال من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، (رقم الحديث : ۲۲۶۲۵): ۵۱۱/۶، دار إحياء التراث بيروت)

(۲) "عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان و لا باللعان و لاالفاحش والبذىّ". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذى، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة : ۱۸/۲، سعيد)

۲......خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی؟

۳......فقہائے حنفیہ کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا ہے اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

۴......اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں (عمل) اس پر لازم ہے یا رسم ورواج پر؟ اور جو رسم ورواج حدیث شریف میں واحکامِ فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑ جانا؟

۵......نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین واحکامِ ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو؟

۶......مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابقِ حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف؟ اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں، یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل، اگرچہ خلافِ شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

۷......سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا مردہ؟ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے، یا جو سنت خود رائج ہو وہ مردہ قرار پائے گی؟

۸......علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنتِ مُردہ کو زندہ کریں؟ اگر ہے تو کیا اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہیں تھے؟ اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

۹......جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرونِ مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۰......جن مسجدوں میں ایسے منبر بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے، اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا، وہاں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہی ایک اذان جمعہ کے لئے بابِ مسجد پر ہوتی تھی: "كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبى بكر -رضى الله تعالىٰ عنهما- وعمر -رضى الله تعالىٰ عنهما- الخ". أبوداؤد شريف: ١٦٢/١ (١)۔

۲......خلیفۂ اول وثانی کے دور میں بھی یہی صورت رہی، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس اذان سے پہلے ایک اذان کا اضافہ ہوا، جو بیرونِ مسجد مقامِ "زوراء" پر ہوتی تھی اور اذانِ سابق بدستور اپنی جگہ رہی: "فلما كان خلافة عثمان وكثُر الناس، أمر عثمان -رضى الله تعالىٰ عنه- يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك، اه". أبوداؤد شريف: ١٦٢/١ (٢)۔

۳......جس اذان کا مقصود اعلامِ غائبین ہے، اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ بلند مقام پر بلند آواز سے ہونی چاہیے تاکہ دور تک آواز پہنچے اور لوگ نماز کے لئے چل دیں، اگر مسجد کے اندر اذان ہو تو اس سے یہ مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے:

قال ابن عابدينؒ: "وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع عالٍ يكون أسمعَ للجيران،

---

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم القيامة: ١٥٥/١، دارالحديث، ملتان)

"عن السائب بن يزيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: "كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما، فلما كان عثمان وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء. قال أبوعبدالله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة".

(صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ١٢٤/١، قديمى)

(وجامع الترمذى أبواب الجمعة، باب ماجاء فى أذان الجمعة: ١١٥/١، سعيد)

(٢) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم القيامة: ١٥٥/١، دارالحديث، ملتان)

ویرفع صوته". کذا فی ردالمحتار(۱)۔ "وینبغی أن یؤذن علی المِئذنة أو خارج المسجد، ولا یؤذن فی المسجد، کذا فی فتاوی قاضی خان".(۲) هکذا فی الفتاوی الهندیه(۳)۔

جواذان منبر کے سامنے خطبہ کے لئے ہوتی ہے اس کا مقصود غائبین کو خبر دینا نہیں، بلکہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں اور نوافل، تلاوت، تسبیح، درود شریف میں مشغول ہیں، ان کو آگاہ کرنا ہے کہ اب ان سب سے فارغ ہو کر خطبہ سننے میں مشغول ہو جائیں، اس لئے اس اذان کا نہ بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے، نہ خارجِ مسجد، نہ اس میں آواز زیادہ بلند کرنا مستحب ہے، بلکہ یہ تو اقامت (تکبیر) کی طرح ہے کہ وہ مسجد ہی میں معمولی آواز سے ہوتی ہے، اس کو دوسری اذانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ چنانچہ شرح وقایہ کی شرح میں ہے:

"(لغزٌ): أيُّ الأذان لایستحب رفع الصوت فیه؟ قل: هو الأذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنه کالإقامة لإعلام الحاضرین، صرّح به جماعة من الفقهاء، اه". سعایه(٤)۔

اس اذان کا یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے، اس کو متغیر کرنا اور خارجِ مسجد تجویز کرنا اس توارث کے خلاف ہے(۵)۔

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعید)

(۲) (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاة، مسائل الأذان: ۱/۳۷، المطبع العالی الواقع فی اللکنو)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی کلمات الأذان والاقامة: ۱/۵۵، رشیدیه)

(۴) (السعایة، کتاب الصلا ة، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۵) "فإذا جلس علی المنبر، أذن بین یدیه، وأقیم بعد تمام الخطبة، بذلک جری التوارث". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

"(ویؤذن) ثانیاً (بین یدیه): أی الخطیب .... (إذا جلس علی المنبر)". (الدرالمختار)

"(قوله: ویؤذن ثانیاً بین یدیه): أی علی سبیل السنیة، کما یظهر من کلامهم، رملی". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۹، رشیدیه)

۴......حدیث وفقہ پر عمل کیا جائے نہ کہ رسم ورواج پر، اس اذان کا مسجد میں ہونا رسم ورواج کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا یہ طریقہ ثابت ہے جیسا کہ اوپر گزرا(۱)۔

۵......حدیث وفقہ کے خلاف جو بات ہو وہ نئی اور مُحدَث اور بدعت ہوگی، مگر اس اذان کا مسجد میں ہونا نئی بات محدث اور بدعت نہیں (۲)۔

۶......وہاں مسجد کے اندر ہوتی ہے اور یہ تنخواہ دار مؤذنوں کا اپنا ذاتی فعل نہیں کہ اس پر نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کیا جائے، بلکہ حدیث وفقہ کے موافق ہے اور صحیح ہے، جس پر نکیر کرنا غلط ہوگا اور نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کرنا غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہوگا(۳)۔

۷......اس اذان کا مسجد میں ہونا کوئی مُردہ سنت نہیں کہ اس کو مٹا کر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کیا جائے، بلکہ یہ زندہ سنت ہے، اس کو باقی رکھنا چاہیے، اس کو مٹانا نہیں چاہیے۔ "إذا صعد الإمام المنبر، جلس وأذن المؤذن بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث، اھ". ھدایہ(٤)۔

بلکہ کلامِ فقہاء سے تو اذانِ اول کے متعلق بھی تشدد معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ خارجِ مسجد ہی ہو، کیوں کہ خود اذان کوئی ایسا کام نہیں جو شانِ مسجد کے خلاف ہو، صرف دور تک آواز پہونچانے کے لئے خارجِ مسجد اور بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے: "وإذا أذن الأول: أى أول أذان بعد الزوال سواء كان على المنارة أو

---

(۱) (راجع، ص: ۳۱۳، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: قالت: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا صطلحوا على صلح جور، فهورد: ۱/۳۷۱، قديمى)

"وعرفها (أى البدعة) الشمنىّ بأنها ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجُعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب : البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۴، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه، ملتان)

عندالخطبة، اھ". جامع الرموز(۱)۔

۸...... جوکام واقعتاً حدیث وفقہ کے خلاف پھیل رہا ہو اس کی اصلاح علماء کے ذمہ حسب حیثیت لازم ہے(۲) اور یہ عذر کہ پہلے علماء نے اس کی اصلاح نہیں کی، کیا وہ علماء نہیں تھے قابلِ التفات نہیں، لیکن اس اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے:"وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة؛ لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر، تفوته أداء السنة وسماع الخطبة. وكان الطحاوى يقول: المعتبر هو الأذان عندالمنبر بعد خروج الإمام، اھ". عنایہ (۳)۔

(۱) (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۶/۱، كريميه)

"(ووجب سعيٌ إليها، وترك البيع) .... (بالأذان الأول) في الأصح الخ".

(الدرالمختار). "(قوله: في الأصح) .... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذى يكون على المنارة بعد الزوال". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۱/۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، ويامرون بالمعروف، وينهون عن المنكر، وآولئك هم المفلحون﴾. (سورة آل عمران،پ:۴، آية: ۱۰۴)

"ففى الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالىٰ ﴿ولتكن﴾ أمرٌ، وظاهره الإيجاب". (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي، كتاب الأمربالمعروف والنهى عن المنكر، الباب الأول في وجوبها: ۳۰۶/۲، دارإحياء التراث)

"وقال صلى الله عليه وسلم: "إن الله لايعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يرى المنكر بين أظهرهم وهم قادرون على أن ينكروه، فلا ينكره". (مسند للإمام احمد، رقم الحديث: ۱۷۲۶۷): ۲۱۳/۵، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

"النصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره". (شرح النووى على مسلم، كتاب الإيمان، باب: ان الدين النصيحة: ۵۴/۱، قديمى)

(۳) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۹/۲، مصطفىٰ البابى، الحلبى، مصر) .... =

۹...... جب کہ اس اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں، خارج مسجد ہونا مستحب بھی نہیں، پھر اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے (کہ) اس اذان کا عندالمنبر خطیب کے قریب ہونا مستحب ہے: "وإذا جلس الإمام على المنبر.......... أذن أذاناً ثانياً .... بين يديه: أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أوالإمام ويساره قريباً منه ووسطها – بالسكون– فيشمل مإذا أذن في زاوية قائمة أوحاذة أو منفرجة، اھ". جامع الرموز(۱)۔

۱۰...... مسجد کے اندر منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان دی جائے، حسبِ مصلحت پہلی صف کے علاوہ کسی اَور صف میں بھی منع نہیں جیسا کہ جواب نمبر:۹ سے مستفاد ہے:"فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه وقام بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث، والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس، اھ". البحر الرائق(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۵/۲۹ھ۔

مسجد میں جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال[۳۸۴۳]: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے اندرونِ مسجد، یہ اذان دینا کیا مکروہ تحریمی ہے؟ ہمارے شہر لکھیم پور میں کچھ بدعتی حضرات نے یہی استفتاء علماء رضاخانیوں سے کتب احادیث تصنیف کردہ مولانا احمد رضا خان کے حوالہ جات سے جواب کافی وشافی طلب کر کے شہر میں مشتہری کرائی جس کی وجہ سے ایک انتشار ہو گیا، ضرورتِ شدیدہ اس بات کی ہوئی کہ ایک استفتاء علمائے دیوبند سے

= "واختلفوا في المراد بالأذان الأول، فقيل: الأول باعتبار المشروعية .... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۱/۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) (جامع الرموز للإمام شمس الدين محمد الخراساني المعروف بالقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۸/۱، مكتبه كريميه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۴/۲، رشيديه)

طلب کروں، رضا خانی علماء نے جوابِ استفتاء میں اذان ثانی کو جو جمعہ کے روز خطیب کے روبرو ہوتی ہے اس کو اندرون مسجد مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، نیز یہ کہ جمعہ کے خطبہ والی اذان خارجِ مسجد دروازہ پر ہونا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسنت خلفائے راشدین کہا ہے۔ ابو داود شریف :۱/۱۶۲، کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث شریف یہ ہے:

"عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكرو عمر رضي الله تعالىٰ عنهما"(١)۔

آگے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار مدینہ میں مقامِ زوراء پر ایک اذان کا اعلاناً واطلاعاً اضافہ فرمایا دیا اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت یہی ہے، خطبہ والی اذان مسجد کے باہر یا دروازہ پر ہی ہو۔ نیز یہ کہ انہوں نے ایک اور حدیث جس کے راوی احمد اور ابوداود اور ترمذی وغیرہ ہیں کا حوالہ دیتے ہوئے جس کی عبارت یوں ہے:

"من يعش منكم بعدي فيرىٰ اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، فتمسكوابها، و عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثةٍ بدعة و كل بدعة ضلالة"(٢)۔

اور مکروہ تحریمی ہونے کا ثبوت طحطاوی کی عبارت: "يكره أن يؤذن في المسجد، كما في القهستاني عن النظم". طحطاوی مصری علی مراقی الفلاح: ١/١٢٨(٣)۔

---

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ١/١٥٥، مكتبه دار الحديث)

(٢) (مسند الإمام احمد بن حنبل، حديث العرباض بن سارية عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رقم الحديث: ١٦٩٥١: ٥/١٠٩، ١١٠، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(٣) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص:١٩٧، قديمي)

اور فتح القدیر، ص: ۲۵۱ خاص باب الجمعہ میں ہے:

"هو ذكر الله في المسجد: أي في حدوده بكراهة الأذان في داخله" (۱)۔

اس کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ مثلِ اذان ذکر الٰہی ہے۔ براہ کرم جواب تفصیل روانہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پنجگانہ اذان کا مقصدِ عظیم اعلانِ غائبین ہے، اس لئے اس میں مستحب یہ ہے کہ بلند جگہ پر بلند آواز سے اذان دی جائے تا کہ دور تک پہنچے اور کثیر تعداد میں لوگ اذان سن کر نماز کے لئے آسکیں، اندرونِ مسجد کہنے میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے (۲) اس لئے فقہاء نے مسجد میں اذان کو ممنوع فرمایا ہے (۳)۔

شرحبیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مینارہ پر اذان دیا کرتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ابن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینارہ اذان کے لئے بنایا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں مینارہ نہیں تھا (۴)، مسجد نبوی کے قریب سب سے اونچا مکان حضرت ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اذان دیا کرتے تھے، جب مسجد نبوی کی چھت بن گئی تو چھت پر اذان

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۸/۲، مصطفى البابي)

(۲) "و ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضعٍ عالٍ يكون أسمع للجيران، و يرفع صوته". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۴/۱، سعيد)

"و ينبغي أن يؤذن على المِأذنة أو خارج المسجد، و لا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع جيرانه، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۵۵/۱، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلوة، فصل و أما سنن الأذان: ۳۶۹/۱، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۸، رقم الحاشية: ۳ ورقم الحاشية: ۱، من هذه الصفحة)

(۴) "إن أول من رقى منارة مصر للأذان شرحبيل بن عامر المرادي، و بنىٰ سَلَمةُ المنابر للأذان بأمر معاوية رضي الله تعالىٰ عنه، ولم تكن قبل ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بني المنابر للأذان: ۳۸۷/۱، سعيد)

8

دینے لگے تھے حالانکہ مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہے:

"قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيتٍ حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعدُ على ظهر المسجد، وقد رفع له شئ فوق ظهره، اهـ". شامی: ۲۵۹/۱(۱)۔

کلماتِ اذان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو ورنہ مسجد کی چھت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان کی اجازت نہ مرحمت فرماتے بلکہ منع فرمادیتے، نیز کلماتِ اذان تمام اقامت میں بھی موجود ہیں اور اقامت ہمیشہ سے مسجد کے اندر ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ جمعہ کے لئے شروع میں ایک ہی اذان تھی، دوسری کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا(۲) جو کہ خلیفہ راشد تھے ان کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے(۳) اس وقت سے بطور توارث وتواتر یہ اذان منقول ہے اور مسجد میں ہوئی ہے(۴)۔

تقریباً پچھتر ۷۵/ سال پہلے تک یہ مسئلہ اجماعی تھا، بریلی سے یہ مسئلہ جب شائع ہوا تقریباً پچھتر ۷۵/ سال قبل، تب خلفشار وانتشار پیدا ہوا، صحابہ کرام، تابعین عظام، آئمہ مجتہدین، محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اس پر عمل کرتے تھے، اگر اس کا مسجد میں ہونا منع ہوتا تو یہ حضرات ہرگز سکوت نہ فرماتے بلکہ تردید کردیتے، جامع الرموز میں تصریح ہے کہ اذانِ خطبہ منبر کے قریب کچھ داہنے یا بائیں یا سیدھ میں دی جائے(۵)۔ مولانا عبدالحیٔ

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۳۸۷/۱، سعيد)

(۲) "عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه" قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و أبي بكر و عمر، فلما كان عثمان و كثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۱۲۴/۲، قديمي)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۴) "إذا جلس على المنبر، أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة)، بذلك جرى التوارث". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۴/۲، رشيديه)

(كذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۴/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۱، مكتبه شركة علميه)

(۵) "وإذا جلس الإمام على المنبر، أذن أذاناً ثانياً بين يديه: أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر =

رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت جونقل کی گئی ہے ایک لفظ اس سے پہلے بھی ہے جس کو بے ضرورت یا مضر سمجھ کر فاضل مجیب نے نقل نہیں کیا، وہ یہ ہے: "قولہ: بین یدیہ: أی مستقبل الإمام، فی المسجد کان أوخارجہ"(۱)۔

اگر سعایہ شرح شرح وقایہ کا مطالعہ کرلیں تو بات بالکل واضح ہو جائے، اس میں مولانا عبدالحیٔ ایک سوال لکھتے ہیں کہ" وہ کونسی اذان ہے جس میں رفعِ صوت مستحب نہیں"؟ پھر خود ہی جوابات تحریر فرماتے ہیں کہ" وہ جمعہ کی اذانِ ثانی ہے جو کہ خطیب کے سامنے منبر کے قریب دی جاتی ہے کہ وہ اعلامِ حاضرین کے لئے مثلِ اقامت کے ہے یعنی جس طرح اقامت اعلام حاضرین کے لئے مسجد کے اندر ہوتی ہے اسی طرح جمعہ کی اذان ثانی اعلام حاضرین کے لئے مسجد کے اندر ہوتی ہے"(۲)۔

عنایہ شرح ہدایہ برحاشیہ فتح القدیر:۲/۶۹، مصری میں ہے:"کان الحسن بن زیاد یقول: المعتبر ھوالأذان علی المنارۃ؛ لأنہ لو انتظر الأذان عند المنبر تفوتہ أداء السنۃ: أی سماع الخطبۃ، وربما تفوتہ الجمعۃ إذاکان بیتہ بعیداً من الجامع، اھـ"(۳)۔

یہاں بھی شاید "عند المنبر" کے معنی "علی باب المسجد" کے ہوں گے، جس وقت یہ فتویٰ بریلی سے شائع ہوا تھا اس وقت ایک مستقل رسالہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے

= أو الإمام أو یسارہ قریباً منہ ووسطھما –بالسکون– فیشمل ما إذا أذن فی زاویۃ قائمۃ أو حادۃ أو منفرجۃ". (جامع الرموز للقھستانی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۲۶۸، مکتبہ کریمیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۷۴، رشیدیہ)

(۱) (عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، (رقم الحاشیۃ: ۱): ۱/۲۰۲، سعید)

(۲) "(لغز): أیّ أذان لا یستحب رفع الصوت فیہ؟ قل: ھو الأذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنہ کالإقامۃ لإعلام الحاضرین، صرّح بہ جماعۃ من الفقھاء". (السعایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سھیل اکیڈمی)

(۳) (العنایۃ شرح الھدایۃ مع فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۶۹، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

تصنیف فرمایا تھا، اس کا نام ہے "تنشیط الأذان فی تحقیق محل الأذان" وہ رسالہ کتب خانہ یحیویہ سہارنپور سے منگا کر مطالعہ کریں، اس میں تفصیل دلائل مذکور ہیں جبکہ یہ اذان بطریق توارث ہمیشہ مسجد ہی میں ہوتی ہے تو اس کو مکروہ نہیں کہا جا سکتا۔

"لأن التوارث لا یکون مکروهاً، وکذلك نقول فی الأذان بین یدی الخطیب، اهـ". ردالمحتار مصری: ۱/۵۵۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں اذانِ خطبہ

سوال[۳۸۳۴]: مولانا احمد رضاخان بریلوی نے جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ اٹھایا تھا کہ یہ اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں رسالے لکھے جو نایاب ہیں، اگر یہ سارے دستیاب ہو جائیں تو قیمۃً بذریعہ وی پی ارسال کرا دیئے جائیں۔

ہدایہ اول، باب الجمعہ اھ، میں خطبۂ جمعہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر طہارت کے ساتھ دینا چاہیے، اس پر ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ: "لکراهة الأذان فی حدوده"(۲)، مولانا احمد رضاخان صاحب کا سب سے بڑا مستدل فتح القدیر کی یہی عبارت ہے۔ براہ کرم اس عبارت کی توضیح فرماتے ہوئے لکھا جائے کہ حضراتِ علمائے دیوبند نے ابن ہمام کی اس عبارت کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے لئے اعلیٰ بات یہ ہے کہ بلند جگہ پر بلند آواز سے کہی جائے کیونکہ وہ اعلامِ غائبین کے لئے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۹۰، سعید)

(۲) "(ویخطب قائماً علی الطهارة)؛ لأن القیام فیهما متوارث، ثم هی شرط الصلاة الخ". (الهدایة.)"(قوله: ثم هی شرط الصلاة الخ) .... أی فی حدوده، لکراهة الأذان فی داخله". (فتح القدیر مع الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۸، مصطفیٰ البابی، الحلبی، مصر)

ہے، جتنی دور تک آواز جائے گی وہاں کے حجر ومدر گواہی دیں گے اور شیطان بھی دور تک بھاگتا جائے گا(۱)۔ مسجد میں اذان دینے سے زیادہ دور تک آواز نہیں جائے گی، وہیں گھٹ کر رہ جائے گی، مقصدِ اذان پورے طور پر حاصل نہیں ہوگا، اس لئے مسجد میں اذان کو بعض حضرات نے مکروہ لکھا ہے(۲)، یہ بات نہیں ہے کہ اذان کوئی ایسا فعل ہے جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو۔

جمعہ کی اذانِ ثانی اعلامِ غائبین کے لئے نہیں ہے بلکہ اعلامِ حاضرین کے لئے ہے کہ جو لوگ مسجد میں آچکے ہیں اور انتظارِ صلوٰۃ میں بیٹھے ہوئے تلاوت وتسبیح میں مشغول ہیں وہ سب فارغ ہو کر خطبہ سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں، اذان اقامت کے مثل ہے کہ وہ بھی اعلامِ حاضرین کے لئے ہوتی ہے، اسی وجہ سے اذان میں رفعِ صوت زیادہ مستحب نہیں ہے، جیسا کہ سعایہ شرح شرح وقایہ میں مذکور ہے(۳)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ "تنشیط الآذان فی تحقیق محل الأذان" ہے، اس میں فقہی عبارات استدلال کے لئے کافی نقل کی گئی ہیں، بلکہ آیاتِ قرآنیہ سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث بھی پیش کی ہیں، ممکن ہے کتب خانہ سہارنپور میں مل جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ان أباسعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: " إني أراک تحب الغنم والبادية، فإذا كنتَ في غنمک أو باديتک ،فأذنت للصلوة، فارفع صوتک بالنداء، فإنه لايسمع مدى صوت المؤذن جنٌ ولا إنس ولا شئي، إلا شهدله يوم القيٰمة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۸۵/۱، ۸۶، قديمي)

"يجب يعني يلزم الجهر بالأذان لإعلام الناس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الاذان: ۳۹۰/۱، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة، رقمها: ۱)

(۳) "(لغزٌ) :أيّ الأذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرّح به جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۳۸/۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے؟

سوال[۳۸۳۵] : أی مقام ثبت للأذان الثانی بالسنة المتوارثة: أعند المنبر فی الصف الأول، أم علی الباب، أوخارج المسجد؟ و أیضاً بینواعمل الحرمین والهندفیه الیوم بالتحقیق والد لائل الواضحة؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی جامع الرموز: "وإذا جلس الإمام علی المنبر أذن .... أذاناً ثانیاً بین یدیه: أی بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر أو الإمام أویساره قریباً منه ووسطهما –بالسکون– فیشمل ما إذاأذن فی زاویة قائمة أوحاذة أومنفر جة، اھـ"(۱)۔

وقال فی الهدایة: "وإذا صعد الإمام المنبر، جلس، و أذن المؤذن بین یدی المنبر، بذلک جری التوارث"(۲)۔ وقال العینی: (بذلک): أی الأذان بین یدی المنبر بعد الأذان الأول علی المنارة (جری التوارث): أی من زمن عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه إلی یومنا هذا"(۳)۔ قلت : وهو المتوارث فی دیارنا إلی یومنا هذا ولا اعتبار لمن خالف هذاالتوارث۔

اذانِ خطبہ کا جواب اوراس کے دلائل

سوال[۳۸۳۶] : ۱......میں ایک مسلمان حنفی المذہب ہوں اورشہر کی جامع مسجد کا سیکریٹری ومنتظم ہوں، جمعہ کی اذان کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ اسے دہرادیں یانہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب امام خطبہ کے لئے نکلے اس وقت سے کلام کرنا اورنماز پڑھنا ممنوع ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ جب

---

(۱) (جامع الرموز للقهستانی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۸/۱، مکتبه کریمیه)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۱، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) (البنایة شرح الهدایة للعینی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۰۶/۳، رشیدیه)

"(فإذا جلس علی المنبر، أذن بین یدیه، وأقیم بعد تمام الخطبة)، بذلک جری التوارث. والضمیر فی قوله: "بین یدیه" عائد إلی الخطیب الجالس". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۳/۲، رشیدیه)

امام خطبہ شروع کرے تب کلام کرنا ممنوع ہے، جس پر متعدد حدیثیں ہیں۔

۲......نمازِ ظہر کے اختتام کا وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کے شاگردوں وصاحبین کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۳......کلام کے معنی ہیں ہر ایک دوسرے سے بات کرنا، اذان کا دہرانا کسی سے کلام کرنا نہیں ہوا، و نیز یہ کہ کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ جس میں اس بابرکت اذانِ جمعہ کو دہرانے کی مخالفت آئی ہو۔

۴......میرے منسلکہ حوالہ جات کے جواب میں حافظ مولوی ابوبکر صاحب نے ایک تحریر بھیجی ہے، جس کو میں بغرضِ ملاحظہ منسلک کرتا ہوں اور استدعیٰ ہے کہ آپ اس مسئلہ کا شرعی حکم بتلائیں۔

(حوالہ جات: منجانب محی الدین صدیقی)

''جواب دینا مؤذن کا واجب ہے''۔ باب لأذان، مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف: ۲۳۳/۱(۱)

''جواب دینا مؤذن کا مستحب ہے'' رواہ مسلم، ص: ۲۳۵(۲) اور اگر سننے والا پاخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہو یا نماز میں ہو تو جب فارغ ہو جائے تو کلمات جوابِ اذان کے کہہ لے''(۳)۔

''جواب دینے والا بعد اذان کے دعا پڑھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس کے لئے واجب ہے'' رواہ البخاری، ص: ۲۳۰(۴)۔

---

(۱) (مظاہر حق، کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ۱/۴۶۱، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل مايقول، ثم صلوا عليّ، فإنه من صلى عليّ صلوةً، صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لِي الوسيلة، فإنها بمنزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل الوسيلة حلت عليه الشفاعة". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، ثم يسأل له الوسيلة: ۱/۱۶۶، قديمي)

(۳) (مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الأول: ۱/۴۶۳، دار الاشاعت، كراچی)

(۴) "عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: أللهم رب هذه الدعوة التامة .... وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيمة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۱/۸۶، قديمي)

اذان کا جواب دینے والے کو مؤذن کے برابر ثواب ملے گا، رواه سنن أبي داؤد "۔ص: ۲۳۹(۱)۔

''حضرت معاویہؓ نے اذان سن کر اذان کو دہرایا''۔رواه النسائي ،ص: ۲۰٤(۲)۔

''حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سن کر اذان کو دہرایا''۔رواه ابو داود''

ص: ۲٤۰(۳)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو حضرات أذان بين يدي الخطيب کے جواب کو جائز یا لازم کہتے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر اذان کو سن کر جواب دیا اور فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب دیا تھا، یہ حدیث شریف بخاری شریف میں بھی مذکور ہے(۴)۔

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو أن رجلاً قال: يارسول الله! إن المؤذنين يفضلوننا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قل كما يقولون، فإذا انتهيت، فسل، تعطه". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ۸۵/۱، امداديه)

(۲) "عن علقمة بن وقاص قال: إني عند معاوية إذا أذن مؤذنه، فقال معاوية كما قال المؤذن، حتى إذا قال: حي على للصلوة، قال: لاحول ولاقوة إلا بالله، فلما قال: حي على الفلاح، قال: لاحول ولا قوة إلا بالله، وقال بعد ذلك ماقال المؤذن، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مثل ذلك". (سنن النسائي، كتاب الأذان، القول الذي يقال إذا قال المؤذن: حي الصلوة، حي على الفلاح: ۱۰۹/۱، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سمع المؤذن يتشهد، قال: "وأنا وأنا". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ۸۵/۱، امداديه)

(۴) "عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنهما وهو جالس على المنبر، أذن المؤذن، فقال: الله أكبر، الله أكبر، فقال معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: الله أكبر الله أكبر، فقال: أشهد أن لاإله إلا الله، فقال معاوية: وأنا، قال أشهد أن محمد رسول الله، قال معاوية: وأنا، فلما أن قضى التأذين، قال: ياأيها الناس! إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني مقالتي". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء: ۱۲۴/۱، ۱۲۵، قديمي)

مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے(۱) مگر احقر کے خیالِ ناقص میں اس کا محمل امام ہے، بقیہ حاضرین نہیں، امام کو خطاب وکلام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بھی حق ہے(۲)، مگر دوسروں کے لئے تو یہ ہے کہ: "إذا قلت لصاحبك: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت"(۳)۔ اس لئے وہ: "إذا خرج الإمام، فلا صلوة ولا كلام" کے پابند ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ: "نفسِ خروجِ امام بمنزلۂ شروع فی الخطبہ" کے ہے(۴)، یہی اقرب معلوم ہوتا ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: "العطر العنبری فی جواب الأذان المنبری"۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب

سوال[۳۸۴۷]: فقہ کا جزئیہ ہے کہ جب امام خطبہ دینے کیلئے بیٹھے اور اذان ولائے تو اس کا جواب نہ دیا جائے، مگر العرف الشذی ص:۴۴ پر ہے: "ولعل المختار قول العناية كمافی البخاری: إن أمير المؤمنين معاوية رضي الله تعالى عنه جلس على المنبر وأجاب الأذان، وقال: إنی رأيت رسول

---

(۱) "وقد كنت مضطرباً في هذه المسألة من سابق الزمان متيقناً عدم كراهة الإجابة لذلك الأذان مذعناً ببناء هذه التصريحات على القول المرجوع للإمام النعمان إلى أن اطلعت على الحديث الذى رواه البخارى كما ذكرته، فإنه صريح فى أن معاوية قد أجاب المؤذن على المنبر قبل شروعه فى الخطبة، الخ". (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۵۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "إذا خرج للخطبة كان مستعداً لها، والمستعد للشئ كالشارع فيه، ولهذا ألحق الاستعداد بالشروع في كراهة الصلاة، فكذا في كراهة الكلام .... ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة .... إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف، فلا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۵، رشيديه)

(۳) (أخرجه البخاري في صحيحه في كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب الخ: ۱/۱۲۷، قديمی)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یفعل هکذا فی هذا الموضع"۔ شاہ صاحب (کشمیری) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"والتاویل فیه بعیدٌ" (۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمل کس پر کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے صلوۃ، کلام، سلام کے جواز اور عدم جواز میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز:

"إذا خرج الإمام یوم الجمعة ترك الناس الصلوة والکلام حتیٰ یفرغ من خطبته، قال رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: وهذا عند أبی حنیفه رحمه اللّٰه تعالیٰ، وقالا: لا بأس بالکلام إذا خرج الإمام قبل أن یخطب، وإذا نزل قبل أن یکبر"۔ هدایه: ۱/۱۵۱ (۲)۔

پھر مشائخ حنفیہ کا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شرح میں اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ کلام جو خروجِ امام سے ممنوع ہو جاتا ہے اس سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ صرف کلام الناس یعنی دنیاوی کلام مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے، امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز اور دینی کلام جیسے تسبیح تہلیل یا اجابتِ اذان وغیرہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں اختلاف نہیں، جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

"وفی البحر عن العنایة والنهایة: اختلف المشایخ علی قول الإمام فی الکلام قبل الخطبة، فقیل: إنما یکره ماکان عن جنس کلام الناس، أماالتسبیح ونحوه فلا، وقیل: ذلك مکروه، والأول أصح. ومن ثَمّ قال فی البرهان: و خروجه قاطع للکلام: أی کلام الناس عند الإمام، فعلم بهذا أنه

(۱) (العرف الشذی حاشیة جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما جاء فی کراهیة الکلام والإمام یخطب: ۱/۱۱۶، سعید)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

"وإذا خرج الإمام فلا صلوة و لا کلام، و قالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن یخطب، وإذا فرغ قبل أن یشتغل بالصلاة، کذا فی الکافی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

لاخلاف بينهم في جواز غير الدنيوى على الأصح، ويحمل الكلام الوارد في الأثر على الدنيوى، و يشهد له ماأخرجه البخارى أن معاويه أجاب المؤذن بين يديه فلما انقضى التأذين، قال: يا أيها الناس! إنى سمعت رسول الله‌صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على هذا المجلس أذن المؤذن يقول ماسمعتم من مقالتي، الخ". طحطاوى على المراقى، ص:٤٢٤(١)۔

اوردوسرے مشائخ نے اس کے برعکس کلام کوظاہر کے موافق مطلق رکھاہےاورحاصلِ اختلاف یہ قرار دیاہے کہ دنیاوی کلام بالاتفاق ناجائز ہے، اختلاف صرف دینی کلام یعنی تسبیح وتہلیل وغیرہ میں ہے، اس کوامام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اورصاحبین جائز، جیسا کہ درمختار میں مصرح ہے:"وقالا: لابأس بالكلام قبل الخطبة و بعدهاوإذا جلس عند الثاني، و الخلاف في كلام يتعلق بالآخرة، أماغيره فيكره إجماعاً، الخ". درمختار على هامش الشامى، ص:٥٨٦(٢)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب :"إذا خرج الإمام فلا صلوة و لا كلام" کی شرح میں مشائخ حنفیہ مختلف ہیں ، بعض حضرات اس کو کلامِ دنیاوی کے ساتھ مخصوص ومقید فرماتے ہیں کماعند الطحطاوی(۳)،والنہایہ(۴)،والعنایہ(۵)اوربعض حضرات ظاہر کے موافق اس کومطلق کہتے ہیں کما عند الدرمختار۔

(١) (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، باب الجمعة :٥١٨، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ٢/٢٧٢، رشيديه)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوى ، نفع المفتي والسائل : ١٣٥/٤، إدارة القرآن كراچي)

(٢) (الدر المختار ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ٢/١٥٩، ١٦٠، سعيد)

(٣) (راجع رقم الحاشية : ١)

(٤) "ثم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يكره الكلام حين يخرج الإمام للخطبة. وفي الينابيع يريد به أنه إذا صعد على المنبر، .... إلى أن يفرغ من الصلاة، وكذلك الصلاة، وقال أبو يوسف ومحمد: لابأس بأن يتكلم قبل الخطبة وبعدها مالم يدخل الإمام في الصلاة .... ثم اختلف المشايخ على قول أبي حنيفة رحمة الله عليه، قال بعضهم : إنما يكره الكلام الذى هومن كلام الناس، أما التسبيح وأشباهه فلا، وقال بعضهم : كل ذلك، والأول أصح". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة : ٢/٥٥، قديمي)

(٥) "ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته، يُريد ماسوى التسبيح و نحوه على الأصح" (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ٢/٦٧، مصطفى البابي، مصر)

اس اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا جائز ہے کہ نہیں، جو حضرات ممانعت کو صرف کلام دنیاوی کیساتھ مقید کرتے ہیں وہ اجازت دیتے ہیں کما عند الطحطاوی:۱/ ۳۸۸(۱)، اور جو ظاہر کلام کے موافق رکھتے ہیں وہ منع کرتے ہیں کما فی الدر مختار:"وینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب". در مختار علی هامش الشامی: ۱/ ۲۶۸(۲)۔

وکما فی حاشیة البحر للشامی: "قال فی النهر: أقول: ینبغی أن لاتجب باللسان اتفاقاً علی قول الإمام فی الأذان بین یدی الخطیب". منحة الخالق حاشیة البحر: ۱/ ۲۵۹(۳)۔

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا کلام" کا حکم سامعین پر منحصر رکھا جائے، امام کو اجابتِ اذانِ ثانی کی اجازت دی جائے جیسا حدیثِ معاویہ(۴) سے معلوم ہوتا ہے اور باقی قوم کو اس سے منع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

اذانِ خطبہ کا جواب

سوال[۳۸۳۸]: جمعہ کی دوسری اذان کے وقت جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے جواب اذان

---

(۱) "(فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها)". "(قوله: ولا كلام): أي من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه، فلايكره، وهو الأصح، كما في النهاية والعناية، ومحل الخلاف قبل الشروع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/ ۳۴۷، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۳۹۹، سعيد)

(۳) (منحة الخالق، بذيل البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۵۰، رشيديه)

(۴) "عن أبي أمامة بن سهل بن حُنيف، قال: سمعت معاوية بن سفيان رضي الله تعالىٰ عنه وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال: الله أكبر، الله أكبر فقال معاوية: الله أكبر، الله أكبر فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاوية: وأنا، قال: أشهد أن محمداً رسول الله، قال معاوية: وأنا، فلما أن قضى التأذين، قال: يا أيها الناس! إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني مقالتي". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب: يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء ۱/ ۱۲۴، ۱۲۵، قديمي)

اور ایجاب دعاء جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء منع فرماتے ہیں اور بعض جائز فرماتے ہیں، ہدایہ شریف میں حاشیہ پر عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ درمختار کا قول رد کرتے ہیں (۱)۔ آپ بحوالۂ کتب فتویٰ عنایت فرمائیں کہ کونسا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وفي المجتبىٰ: في ثمانية مواضع إذا سمع الأذان لا يجيب: في الصلوة و استماع خطبة الجمعة، الخ". البحر الرائق (۲)۔ "قال: و ينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب، الخ". درمختار (۳)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اذانِ خطبہ کا زبان سے جواب نہ دیا جائے۔

مولانا عبدالحیٔ صاحب نے نفع المفتی والسائل میں ان عبارات سے اس مسئلہ کو اولاً لکھا ہے، اس کے بعد اس پر نظر قائم کی ہے اور فرماتے ہیں: "قلت: فيه نظرٌ، فإن المكروه عند ذلك عند أبي حنيفه رحمه الله تعالىٰ هو الكلام الدنيوي، والإجابة كلامٌ دينويٌ، الخ" (٤)۔

---

(۱) "فعلىٰ هذا لايكره إجابة الأذان الثاني ودعاء الوسيلة بعده مالم يشرع الإمام في الخطبة كيف وقد ثبت ذلك من فعل معاوية رضي الله تعالىٰ عنه في صحيح البخاري فما في الدرالمختار في باب الأذان وينبغي أن لايجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب خطأ فاحش". (حاشية الهداية للكنوي، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، (رقم الحاشية :۸): ۱/۱۷۱، مكتبه شركت علمية، ملتان)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۴۵۲، رشيديه)

"و لا يجيب في الصلاة و لو جنازةً، و خطبة، و سماعها، و تعلم العلم، و تعليمه الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۳۹۹، سعيد)

"و ينبغي أن يقال: لا تجب يعني بالقول بالإجماع للأذان بين يدي الخطيب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۴) (مجموعة رسائل اللكنوي، نفع المفتي والسائل، ما يتعلق بالأذان والإقامة والإجابة: ۴/۴۷، إدارة القرآن كراچي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، الوجه الرابع في إجابة الإقامة : ۲/۵۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

یعنی اس سے کلام دنیوی کی ممانعت ہے اور جوابِ اذان کلام دنیوی نہیں بلکہ کلامِ دینی ہے، لہٰذا جواب مکروہ نہیں ہونا چاہیے، مگر یہ ان کی ذاتی رائے ہے، عام طور پر فقہاء نے جو مذہب حنفیہ کا نقل کیا ہے وہ وہی ہے جو اوپر بحر، طحطاوی، درمختار سے نقل کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف، ۹/ شعبان۔

اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے بعد دعاء

سوال [۳۸۳۹]: جمعہ میں جو خطبہ کی اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا کیسا ہے؟ اور اذان خطبہ کے بعد دعاء پڑھنا کیسا ہے؟

فقط محمد جمال احمد گودھنا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دل میں جواب دے اور دل ہی میں دعاء پڑھ لے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۳۸۴۰]: جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبان سے نہ جواب دے نہ دعاء پڑھے، بلکہ دل سے جواب دے اور دل ہی سے دعاء پڑھے:

"وقال: وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب، الخ". درمختار، ص: ٤١٥ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد)

"وينبغي أن يقال: لا تجب يعني بالقول بالإجماع للأذان بين يدي الخطيب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد) .... =

• اذانِ خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال[۳۸۴۱]: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں، خاص کر جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے، اس اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ اٹھانا اس موقع پر ثابت نہیں، جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے دل سے دعاء کرے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعاء

سوال[۳۸۴۲]: جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کی ایک بڑی جماعت اجابتِ اذان باللسان کو واجب کہتی ہے: "ویجب وجوباً، وقال الحلواني: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم مَن سمع الأذان بأن يقول بلسانه كمقالته". درمختار: ۱/۴۱۹ (۲)۔

= "في ثمانية مواضع إذا سمع الأذان لا يجيب: في الصلاة، واستماع خطبة الجمعة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشيديه)

(۱) "قال في المعراج: فيسنّ الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمورٌ بالسكوت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في ساعة الإجابة يوم الجمعة: ۲/۱۶۴، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، سعيد)

"يجب على السامع للأذان الإجابة .... و قال الحلواني: الإجابة بالقدم لا باللسان، حتى لو أجاب باللسان و لم يمش إلى المسجد لا يكون مجيباً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، ۴۵۱، رشيديه) .... =

لیکن جمعہ کی اذانِ ثانی کے جواب کو درمختار میں منع کیا ہے اور یہ ممانعت صاحب درمختار کے نزدیک بھی متفقہ ہے: "قال: و ینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب".

درمختار: ۱/۴۱۵(۱)۔

اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا واجب ہے: "وهی فرض مرةً واحدةً فی العمر، واختلف فی وجوبها علی السامع و الذاکر کلّما ذُکر —صلی الله تعالیٰ علیه وسلم— والمختار عند الطحاوی تکراره: أی الوجوب کلّما ذُکرَ ولو اتحد المجلس فی الأصح". درمختار: ۱/۵۳۷(۲)۔

= "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع المنادی: ۱/۸۶، قدیمی)

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

"فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة، واستماع خطبة الجمعة............".

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشیدیه)

"و ینبغی أن یقال: لا تجب یعنی بالقول بالإجماع للأذان بین یدی الخطیب". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل: إذا أراد الشروع الخ: ۱/۵۱۴، ۵۱۵، سعید)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله و ملائکته یصلون علی النبی، یأیها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً﴾. (سورة الأحزاب: ۲۱)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "واجبة مرةً فی العمر کلمة التوحید .... وعلیه جمهور الأمة منهم: أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ ..... تجب فی کلّ مجلس مرةً وإن تکرر ذکره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... و قیل: تجب کلّما ذُکر —علیه السلام— و به قال جمعٌ من الحنفیة، منهم الطحاوی". (روح المعانی: ۲۲/۸۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"وإن مُوجَب الأمر فی الآیة إنما هو الافتراض فی العمر مرةً؛ لأنه لا یتقضی التکرار، وهذا بلا خلاف، وإنما وقع الخلاف بین الطحاوی والکرخی فی وجوبها کلما سمع ذکره من غیره أو من نفسه=

لیکن حالتِ خطبہ میں اسمِ مبارک، بلکہ صیغۂ امر سن کر بھی یہ حکم نہیں ہے: "و کذلك إذا ذُكر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یجوز أن یصلوا علیہ بالجهر، بل بالقلب، و علیه الفتوی". ردالمحتار: ۱/۸۵۷(۱)۔

"وعن أبی یوسف رحمه اللّٰہ تعالیٰ قلباً ائتماراً أمری الإنصات والصلوة علیه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، کما فی الکرمانی قهستانی قبیل باب الإمامة، واقتصر فی الجوهرة علی الآخر حیث قال: ولم ینطق به؛ لأنهما تدرك فی غیر هذا الحال والسماع یفوت". ردالمحتار: ۱/۸۵۸(۲)۔

تشمیتِ عاطس اور ردِ سلام کا حکم بھی ایسی حالت میں متغیر ہو جاتا ہے(۳)۔

"إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان، وإلا فقيامه للصعود، –شرح المجمع– فلاصلوة ولا كلام عامٌّ"(٤)۔

= .... فاختار الطحاوی تکرار الوجوب". (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۷۱، رشیدیه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۶، سهیل اکیڈمی)

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، سعید)

"ولا یصلی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وقالا یصلی السامع فی نفسه". (کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۲۵۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، سعید)

(۳) "و لا یجب تشمیت و لا ردّ سلام، به یفتی". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعید)

"وأما المستمع فیستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، و ینصت، ولا یتکلم، و لا یرد السلام، ولا یشمّت الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشیدیه)

(وکذا فی البدائع، کتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۱/۵۹۳، رشیدیه)

(۴) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، سعید)

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما وابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما "کانا یکرهان الصلاة والکلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، من کان یقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، =

اوراذان منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، پس جزئیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دعاء دل میں مانگ لی جائے زبان سے نہ مانگی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/۵۷ھ۔

اذانِ ثانی اور خطبہ میں فصل

سوال[۳۸۴۳] :جمعہ کے روز خطبہ اوراذان ثانی میں فصل کی گنجائش ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب جب منبر پر بیٹھ جائے اس وقت اذان ثانی کہی جائے اذان ختم ہونے پر خطیب کیلئے حکم ہے کہ خطبہ شروع کردے بلا وجہ تاخیر نہ کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح :بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

اذان بین یدی الخطیب کو دائیں بائیں ہٹ کر کہنا

سوال[۳۸۴۴] :جمعہ کی اذانِ ثانی اگر بین یدی الخطیب نہ ہو بلکہ ایک دوگز بائیں یا دائیں ہٹ کر ہو تو خلاف سنت ہوگی یا نہیں؟ بصورتِ اولیٰ مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام ہوگی، یا کیا؟ اور یہ موذن کس درجہ کا خاطی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی اذان درست ہے، معمولی دائیں بائیں ہٹ کر ہونے سے بھی خلاف سنت نہیں اور مکروہ

= (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"(وإذا خرج الإمام، فلا صلوة و لا كلام)، لما رواه ابن شيبة عن عليّ وابن عباس وابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم الخ". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۷۰، رشيديه)

(۱) (و كذا الجلوس على المنبر قبل الشروع في الخطبة والأذان بين يديه) جرى به التوارث (كالإقامة) بعد الخطبة (ثم قيامه) بعد الأذان في الخطبتين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

نہیں: "فکونه بین یدیه عام شامل لما کام فی محاذاته، أو شیئًا منحرفاً إلی الیمین أو الشمال، أو یکون عل الأرض أوالجدار، الخ". بذل المجهود: ۲/۱۸۰(۱)۔ "إذا جلس الإمام علی المنبر، أذن أذاناًثانیاً بین یدیه: أی بین الجهتین المساومتین لیمین المنبر أو الإمام ویساره قریباً منه، اهـ". جامع الرموز(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (بذل المجهود فی حل أبی داؤد ، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة : ۲/۱۸۰، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق ، کتاب الصلاة ، باب الجمعة . ۲/۲۷۴، رشیدیه)

(۲) (جامع الرموز للقهستانی ، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۶۸، مکتبه کریمیه)

الفصل السادس فی وقت صلوة الجمعة

(نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)

جمعہ کی نماز اولِ وقت میں

سوال[۳۸۴۵]: تقریباً چالیس برس سے ہماری مسجد میں اذانِ جمعہ کا وقت ایک بجے اور خطبہ پونے دو بجے ہے۔ یہ مسجد شہر کے وسط میں ہے، حنفیہ مذہب کی مرکزی جامع مسجد تصور ہوتی ہے، کیونکہ پرانی جامع مسجد اہلحدیث حضرات کے انتظام میں ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ پونے دو بجے ہو، دو فریق بن گئے ہیں، وقت کی تبدیلی ہمیشہ سے امام صاحب کے ذمہ تھی۔ اب وہ کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کا افضل وقت کیا ہے، تاخیر مناسب ہے یا عجلت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، نمازیوں کی سہولت کے لئے اگر کچھ تاخیر ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس: ۱۲۳/۱، قدیمی)

"کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسارع بصلوة الجمعة فی أول وقت الزوال بخلاف الظهر، فقد کان یؤخره بعده حتی یجتمع الناس". (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب وقت =

استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز نماز کا حکم

سوال[۳۸۴۲]: رمضان المبارک میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بروزِ جمعہ اذان نمازِ جمعہ سے قبل بوقتِ استواء اور زوال لوگ نوافل پڑھتے رہتے ہیں، کیا یہ نوافل پڑھنا درست ہے اور جمعہ کے دن ان کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عینِ استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر نوافل پڑھنا درست ہے بلا کراہت (۱)، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، یہی راجح ہے، کذافی الغنیۃ، ص: ۲۳۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

= الجمعة : ۲/۱۷۹، امدادیه ملتان)

(و جمعة كظهر أصلاً و استحباباً) في الزمانين لأنها خلفه". (الدرالمختار).

"(قوله : واستحباباً في الزمانين): أي الشتاء والصيف .... قيل: إنه مشروع؛ لأنها تؤدى في وقت الظهر و تقوم مقامه، و قال الجمهور : ليس بمشروع؛ لأنه تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفض إلى الحرج، ولا كذلك الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب المواقيت : ۱/۳۶۷، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۲۹، رشيديه)

(۱) "و روى عن أبي يوسف –وهي الرواية المشهورة عنه– أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة من غير كراهة".(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع: في شرح الطحاوي، ص:۲۳۷، سهيل اكيذمي لاهور)

"وكره تحريماً .... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أوواجبة، أو نفلاً .... (مع شروق) (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني". (ردالمحتار، كتاب الصلاة : ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذافي البحرا لرائق ، كتاب الصلاة : ۱/۴۳۵، رشيديه)

(۲) "و لهما إطلاق النهي، والمحرم مقدمٌ على المبيح عند التعارض، و بهذا يجاب عن استدلال الشافعي على جواز القضاء، اهـ". (الحلبي الكبير، فروع في شرح الطحطاوي، ص:۲۳۷) .... =

جمعہ کے دن زوال کا حکم

سوال[۳۸۴۷]: جمعہ کے دن سورج سر پر ہونے کے وقت نفل وغیرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عینِ استواء کے وقت کسی نماز فرض یا نفل کا شروع کرنا مکروہ ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے روز اس وقت نفل مکروہ نہیں:

"ويكره تحريماً مطلقاً و لو قضاءً أو واجبةً أونفلاً أو على جنازة وسجدة تلاوة وسهومع شروق واستواء إلايوم الجمعة". درمختار، ص: ۳۸٤(١)۔ "وروى عن أبى يوسف أنه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة". كبيرى، ص: ٢٣٥(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= قول طرفین کے راجح ہونے کی تائید بظاہر عبارتِ مذکورہ ہی سے ہے، اس کے علاوہ ایسی کوئی صریح عبارت نہیں، وجہ ارجحیت یہ ہوسکتی ہے کہ امام ابو یوسف کی دلیل مقدم ذکر کیا اور طرفین کی مؤخر، جیسے کہ صاحبِ ہدایہ کا عام معمول ہے، دوسری وجہ قاعدہ کا ذکر کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(١) (الدر المختار، كتاب الصلاة : ١/٣٧١، سعيد)

"عن عقبة بن عامر الجهنى رضى الله تعالىٰ عنه، قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلى فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين تقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذى ، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس الخ : ١/٢٠٠، سعيد)

"و منع عن الصلاة وسجدة التلاوة و صلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة : ١/٤٣٢، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فروع: فى شرح الطحاوى، ص: ٢٣٦، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(٢) (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فروع: فى شرح الطحاوى، ص: ٢٣٧، سهيل اكيڈمى لاهور)

"وكره تحريماً .... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أو واجبة، أو نفلاً .... (مع شروق) .... (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثانى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة : ١/٣٧٠، ٣٧١، سعيد)

(وكذافى البحرالرائق ، كتاب الصلاة : ١/٤٣٥، رشيديه)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

سوال[۳۸۴۸]: جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے، زوال کے وقت نہیں پڑھنا چاہیے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے، حدیث دال ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت دوزخ شروع کی جاتی ہے(۱)، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ منع کرتے ہیں، لیکن فتویٰ امام ابی یوسف کے قول پر ہے، جمعہ کے علاوہ دیگر دنوں میں زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ دونوں مسئلوں میں حوالہ جات کا اندراج نہیں ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم اور قرآن میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟ یہاں پر بعض حضرات منع بھی کرتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں، لہٰذا یہ چند سطریں تحریر ہیں، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں قول کتب فقہ ردالمحتار (۲) وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو امداد الفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو فتاویٰ

---

(۱) سائل نے جمعہ کے دن بعد از زوال دوزخ شروع ہونے کا لکھا ہے جب کہ حدیث میں اس کے خلاف ہے کہ اس میں جمعہ کے روز کا استثناء ہے: " عن أبي قتادة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كره الصلوة نصف النهار، إلا يوم الجمعة، وقال: "إن جهنم تُسجَرُ إلا يوم الجمعة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الصلوة يوم الجمعة قبل الزوال: ۱/۱۶۲، إمداديه، ملتان)

(۲) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع شمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"(وكره) تحريماً .... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أو واجبةً، أو نفلاً .... (مع شروق) .... (واستواء) إلا عصر يوم الجمعة على قول الثاني (أي أبي يوسف رحمه الله)". (كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۵، رشيديه)

"وروى عن أبي يوسف أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فروع: في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۷، سهيل اكيڈمي، لاهور) .... =

دار العلوم میں لیا گیا ہے۔ امداد الفتاویٰ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا قول اوسع ہے اور فتاویٰ دار العلوم کا قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے(۱)، جواب صحیح ہے۔ مزید تفصیل و تطبیق یہ ہے کہ طلوع آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل، غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو اور پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے۔ اور دوسرے یہ کہ جمعہ کے دن زوالِ شمس کے وقت امام ابو یوسف کے نزدیک تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں (۲)۔ اور ان کراہت کے تین وقتوں کے علاوہ عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد غروبِ شمس سے پہلے اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، یہ دو وقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضاء تو پڑھ سکتے ہیں مگر نفل وغیرہ واجب نہیں پڑھ سکتے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

زوال سے پہلے جمعہ کی اذان

سوال[۳۸۴۹]: آج کل یہ دستور ہے کہ جمعہ کی اذان ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے اور زوال کا وقت کا وقت ۱۲/ بجکر ۳۷/ منٹ تک ہے اور اذان ہونے کے بعد لوگ سنت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو کیا ساڑھے بارہ بجے اذان درست ہے اور زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے؟ تو کیا جمعہ کیلئے اس کی رخصت ہے یا ممنوع ہے؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

= "ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/ ۴۳۲، رشيديه)

(۱) (فتاویٰ دار العلوم ديوبند: ۲/ ۷۱، إمداديه ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۱، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "(بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر) ولو المجموعة بعرفة (لا) يكره (قضاء فائته و) لو وتراً الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۷۵، سعيد)

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض، ويجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة .... ومنها: مابعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، ومنها: مابعد صلاة العصر قبل التغير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها وتكره فيها: ۱/ ۵۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق استوائے نہار کے وقت کوئی بھی نماز درست نہیں ہے، سنتِ جمعہ بھی اس میں شامل ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں بحث فرماتے ہیں: "لکن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام (وهو عدم جواز الصلوة وقت استواء) وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهي عن الصلوة وقت الاستواء، فإنها محرمة". ردالمحتار، ص: ۳۴۵، مع اضافہ(۱)۔

اور جب زوال کا وقت ۱۲/ بجکر ۳۷/ منٹ پر ہے تو ۱۲:۳۰/ پر جمعہ کی اذان درست نہیں ہوگی:

"وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء". الدرالمختار على هامش ردالمحتار، ص: ۲۵۷۔ "(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة". ردالمحتار: ۲/۲۵۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۲، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، و حين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"و منع عن الصلاة وسجدة التلاوة و صلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه" (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع: في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۸۴، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: "أن بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه أذن قبل طلوع الفجر، فأمره النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يرجع، فينادي: ألا إن العبد قد نام". (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الأذان قبل دخول الوقت. ۱/۷۹، مكتبه دار الحديث)

"قوله: (سن للفرائض): أي سن الأذان للصلوات والجمعة سنةً مؤكدةً .... (ولا يؤذن قبل وقت، ويعاد فيه): أي في الوقت إذا أذن قبله الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۳-۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعۃ

(جمعہ کی نفلوں کا بیان)

جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟

سوال[۳۸۵۰]: جمعہ کے بعد کتنی سنتِ مؤکدہ ہیں، نماز کی چھوٹی چھوٹی کتب میں چھ سنت موکدہ لکھی ہیں، لیکن شامی (۱) ہدایہ (۲)، عالمگیری (۳)، نورالایضاح (۴) میں تو بعد جمعہ چار سنت مؤکدہ لکھی ہیں، صرف فتاوی قاضی خان (۵) اور کبیری (۶) میں چھ لکھی ہیں وہ بھی چھ رکعت کا قول صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه "قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً". (جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱/۱۱۷، سعيد)

"و سنّ مؤكداً (أربعٌ قبل الظهر و) أربعٌ قبل (الجمعة و) أربعٌ (بعدها بتسليمة) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: باب الجمعة: ۲/۱۲، سعيد)

(۲) "ويصلی قبلها أربعاً، وفی رواية: ستاً: الأربع سنة وركعتان تحية المسجد، وبعدها أربعاً أو ستاً على حسب الاختلاف فی سنة الجمعة، وسننها توابع لها". (الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۲۳۰، شركة علميه، ملتان)

(۳) "و قبل الظهر والجمعة و بعدها أربعٌ، كذا فی المتون". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

(۴) "(سن) سنةً مؤكدةً .... و منها (أربعٌ قبل الجمعة) .... (و) منها: أربع (بعدها) بتسليمة". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۹، قديمی)

(۵) (لم أظفر عليه) لكن قال العلامة العثمانیؒ: "عن أبی عبدالرحمن السلمی .... فإن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه يعلّمنا أن نصلی أربع ركعات بعد الجمعة، حتى سمعنا قول علیّ: صلّوا ستاً الخ. ذهب إليه أبويوسف من أئمتنا أن السنة بعد الجمعة ست ركعات، الخ". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب النوافل والسنن: ۷/۱۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۶) "(والسنة قبل الجمعة أربعٌ، و بعدها أربعٌ) .... (وعند أبی يوسف رحمه الله تعالیٰ) السنة بعد =

تعالیٰ کا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ "چار سنتِ مؤکدہ ہیں اور دو رکعت سنتِ غیر مؤکدہ ہیں" (۱)۔ اسی طرح تمام کتب میں تطبیق ہو جائے، اس مسئلہ میں حضرت والا کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اجمع ہے (۲)، لیکن مفتی کفایت اللہ صاحب کی تطبیق اقرب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا

سوال [۳۸۵۱]: خطیب کا خطبۂ جمعہ سے پہلے محراب میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ ہے، طحطاوی، ص: ۲۸۷ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الجمعة (ست) ركعات، وهو مروي عن علي رضي الله تعالىٰ عنه، والأفضل أن يصلي أربعاً، ثم ركعتين للخروج عن الخلاف". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل: ۳۸۸، ۳۸۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) (تعليم الإسلام، حصه چهارم، سنت اور نفل نمازوں کا بیان: ۳۷، ۳۸، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۴، رقم الحاشية: ٦)

(۳) "و تكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجمعة، ص: ۵۱۴، قديمي)

"و تكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲٦۱، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۰، سعيد)

الفصل الثامن فی احتیاط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

احتیاط الظہر کی تفصیل

سوال[۳۸۵۲]: ملک بنگال میں بعض مقامات جن کی آبادی عموماً منتشر ہے اور چھوٹے چھوٹے موضعات پر مشتمل ہے جن کو قدیم زمانہ سے محققین علماء نے خود ان مواضع کو ملاحظہ فرمایا ہے مثلاً حکیم الامت وغیرہ نے، ان کی رائے یہی تھی کہ یہ مقامات قریہ کبیرہ نہیں ہیں، باوجود ان حالات کے عرصہ دراز سے وہاں برابر جمعہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے، جمعہ کے فرادیٰ فرادیٰ ہر شخص چار رکعت بعد احتیاط الظہر پڑھتا ہے۔ چونکہ یہ عمل عرصۂ دراز سے جاری ہے اس لئے ہر شخص مطمئن ہو کر جمعہ کے ساتھ احتیاط الظہر پڑھ لیا کرتا ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے بعض مولوی حضرات نے یہ کہنا شروع کیا کہ احتیاط الظہر ممنوع اور بدعتِ سیئہ ہے اس لئے قطعاً بند کرنا چاہیے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں بعض علماء کی تحقیق اور بعض فقہی عبارات بھی پیش کیں جو آخرِ استفتاء میں ملاحظہ کے لئے منسلک ہیں۔

ان مقامات میں ان مولوی صاحبان کی اس نئی آواز سے ایک ہل چل مچ گئی، عوام الناس شور وشغب کرنے لگے، بعض ایسے اہل علم بھی وہاں موجود تھے جو فتنہ سے ہمیشہ محترز رہے اور اپنے تحفظِ دین کے ساتھ جو دینی خدمت ان سے ممکن ہوتی تو اس کو انجام دیتے تھے۔ لوگوں نے انکی طرف رجوع کیا، انہوں نے فتویٰ دینے سے انکار کیا کہ یہ منصب اہلِ افتاء کا ہے، جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو انہوں نے نمبروار بہت سی فقہی عبارات نقل فرما کر ان عبارات سے جو احکام تفصیلیہ ہوتے تھے ان کو بھی نمبروار لکھ دیا اور یہ فرمایا کہ تم لوگ علماء کے پاس استفتاء بھیج کر صورتِ متنازعہ کے متعلق حکم محققین علمائے دین سے تحقیق کرلو، ان حضرات کا جو جواب ہو وہ اپنے عمل کے لئے متعین سمجھ لو۔

میں چونکہ اس منصب کا اہل نہیں اس لئے نہ کوئی متعین حکم دے سکتا ہوں نہ وہ معمول بہ بن سکتا ہے، میں صرف عباراتِ متعلقہ کو یکجا کر کے جو احکام تفصیلہ مستفاد ہوئے تھے، ان کو لکھ دیا ہے ان مولوی صاحب کی بھی وہ مفصل عبارات فقہیہ اور نمبروار احکام جو ان سے مستفاد ہوئے ہیں، منسلک استفاء ہیں۔ امید ہے کہ بعد

ملاحظہ فرمانے کے دربارۂ احتیاط الظہر ان مقامات میں جو حکم شرع ہو اس سے مطلع فرمائیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس سے مسلمانوں کا نزاع وفتنہ ختم ہو جائے ورنہ صحیح حکم کی تبلیغ کا ثواب بہر حال مل جائے گا۔فقط۔

خادم: نور الحسین مکان پیر بخش میاں پوسٹ عالم نگر رنگپور مشرقی پاکستان۔

مستفتی نے بہت سی عبارات فقہی اس جگہ تحریر کی ہیں جو بسبب طوالت کے نقل نہیں کی گئی، صرف حسب ذیل نقشہ جو احتیاط الظہر پڑھنے کے متعلق ہے جس میں چند خصوصیتیں درج ذیل ہیں۔

۱- ایسی جگہ جس کا مصر یا فنائے مصر ہونا یقینی ہو اور سلطان یا نائب اس کا حاضر ہو اور نماز جمعہ بھی ایک ہی جگہ ہوتی ہو۔	۱-صرف جمعہ کی نماز پڑھنی ہوگی
۲-ایسی جگہ جس کا مصر نہ ہونا یقینی ہو یعنی وہ جگہ نہ تو مصر ہو نہ فنائے مصر۔	۲-صرف ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔
۳- ایسی جگہ جس کے مصر ہونے میں شک ہو۔	۳-ایسی جگہ اکثر فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو عبارت فتح القدیر(۱) کبیری (۲) شامی(۳) فتاوی عالمگیری(۴)۔

(۱) "وإذا اشتبه على الإنسان ذلك، ينبغي أن يصلي أربعاً بعد الجمعة ينوي بها آخر فرضٍ أدركتُ وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره، وإن صحت كانت نفلاً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۳/۲، مصطفى البابي مصر)

(۲) "ينبغي أن يصلي أربع ركعات و ينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي". (الحلبي الكبير، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) "كل موضع وقع الشك في كونه مصراً، ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعاً بنية الظهر احتياطاً الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۵/۲، ۱۴۶، سعيد)

(۴) "ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة، ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

۴-ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہومگر جمعہ کی نماز کئی جگہ ہوتی ہو۔	۴-ایسی جگہ پر اکثر فقہاء نے آخرالظہر پڑھنے کو مستحب فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: فتح القدیر(۱) کبیری(۲) شامی(۳) فتاوی عالمگیری(۴)۔
۵-ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہومگر سلطان یا نائب سلطان نہ ہو۔	۵-ایسی جگہ بھی بعض فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، مبسوط (۵) خواہرزادہ (۶) فتاویٰ عزیزی:۱/۳۳،۴/۲/۴(۷)۔
۶-مندرجہ بالا جن مقامات میں آخر الظہر ہونے کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کسی جگہ یہ خوف ہو کہ آخر الظہر پڑھنے کی وجہ سے جاہلوا ، کا اعتقاد جمعہ کے نہ فرض ہونیکا ہو جائے گا۔	۶-ایسی جگہ بوجہ خوف فسادِ عقیدۂ عوام کو پڑھنے کا فتویٰ نہ دیا جائے گا اور خاص یعنی جن لوگوں کا عقیدہ درست ہوگا اور خراب ہونے کا خوف نہیں ان کے لئے گھر میں پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے، مراقی الفلاح (۸) بحر الرائق (۹)۔

(۱) (راجع ،ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (راجع ، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۳)

(۴) (راجع ،ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۴)

(۵) (لم أجده) (۶) (لم أجده)

(۷) ”صحت ادائے نماز جمعہ نزد قدمائے حنفیہ مشروط بسلطان یا نائبِ سلطان است، متاخرین ایشان در عہدِ چنگیز یہ فتوی دادہ اند، ما آنکہ ہرگاہ از طرف کفار والیٔ مسلمان در شہر متمکن باشد، او حکمِ سلطان دارد، و اقامتِ جمعہ و اعیاد از وے صحیح است (إلی قولہ) پس این ہا اجماع اہلِ بلد را قائمِ مقام تعین سلطان ساختند، بالجملۃ ادائے چہار رکعت علی سبیل الاحتیاط ضرور است“.
(فتاوی عزیزی، مسائل نماز وغیرہ : ۲/۸، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۸) "و ليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة بفعل الأربع. مَفسدة اعتقاد عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها، ولايفتي بالأربع إلا للخواص، و يكون فعلهم إياها في منازلهم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۹) "أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً .... و لأن الاحتياط هو العمل بأقوى =

سلفِ صالحین کی سابقہ عبارات سے معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متنازعہ میں بہت تنقیح وتفصیل ہے اور حضرات فقہاء نے مختلف صورتوں میں مختلف احکام دیئے ہیں، لہٰذا فقہاء کی کل کتابیں اور علماء کے کل فتاوی درست اور حق ہیں اور جو فسادات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں، وہ نتیجہ ہوتا ہے فتاوی کو غلط طریقہ پر استعمال کرنے کا، مثلاً نقشہ ہذا میں چھ صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے، اگر پہلی صورت کے موقع پر دوسری صورت کا حکم استعمال کیجیے تو نتیجہ ہوگا کہ جس جگہ جمعہ ضروری اور فرض ہے وہاں صرف ظہر پڑھنی ہوگی، یا دوسری صورت کے موقع پر پہلی صورت کا حکم استعمال کیجئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس جگہ جمعہ جائز نہیں ہے وہاں جمعہ پڑھنا پڑے گا، اسی طرح اگر تیسری صورت کے موقعہ پر پہلی صورت کا حکم استعمال کرے تو صرف جمعہ پڑھنا پڑے گا، اگر دوسری صورت کا حکم استعمال کیجیے تو صرف ظہر پڑھنی پڑے گی، حالانکہ یہ سب کے سب تمام علماء وفقہاء کے خلاف ہیں۔ علی ہذا القیاس آخر تک حساب لگا کر ملاحظہ فرمائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کل احکام میں رخنہ پڑ جائے گا اور ہر قسم کے

= الدليلين، و لم يوجد عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراط، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾. (سورة التوبة پ ۳ آية : ۲۸۲) وقال الله تعالىٰ: ﴿و ما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾ (سورة الحج :پ ۱۷ ، آية : ۷۸) بلفظه مع ما لزم من فعلها فى زماننا من المفسدة العظيمة و هو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط فى تركها. وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه مَفسدة منها، فالأولى أن تكون فى بيته خفيةً خوفاً من مفسدة فعلها. والله سبحانه الموفق للصواب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، رشيديه)

"ثم على قول أبى يوسف: لو تعددت فالجمعة لمن سبق .... قالوا فى كل موضع وقع الشک فى جواز الجمعة، ينبغى أن يصلى أربع ركعات، و ينوى بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين .... و أما البلاد، فلا يشک فى الجواز، ولا تعاد الفريضة. قال: والاحتياط فى القرى أن يصلى السنة أربعاً: ثم الجمعة، ثم ينوى سنة الجمعة أربعاً، ثم يصلى الظهر، ثم ركعتين سنةً للوقت، هذا هو الصحيح المختار. فإن صحت الجمعة فقد أدى سنتها على وجهها، و إلا فقد صلى الظهر مع سنته الخ". (الحلبى الكبير ، كتاب الصلاة ، فصل فى الجمعة : ۵۵۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۱۴۵، ۱۴۶، سعيد)

جھگڑے شروع ہو جائیں گے، لہٰذا سب جگہ کیلئے ایک ہی حکم لگانا کتب فقہ کے خلاف اور اپنے سے تجاوز ہے، پس جس جگہ کے لئے جیسا حکم اُور علماء کا ہو ویسا ہی کرنا چاہیے، اس کے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ و ما علینا إلا البلاغ۔

نور الحسین۔

الجواب واللّٰہ الموفق للصواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ احتیاط الظہر قرآن کریم، حدیث شریف، آثارِ صحابہ، اقوالِ ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ شرائط جمعہ کے متعلق اختلاف ائمہ کے باوجود عدمِ شرائط میں تردد کے باعث بعض مشائخ نے یقینی طور پر براءتِ ذمہ کے لئے اس مسئلہ کو احتیاطاً بیان کیا تھا، پھر اس درجہ اس پر عمل میں ترقی ہوئی کہ بعض جگہ احتیاط الظہر کا علی الاعلان عملاً التزام کیا گیا، بعض جگہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، بعض جگہ اس کو واجب یا فرض اعتقاد کیا گیا، بعض جگہ اس کو جمعہ سے بھی بڑھا دیا گیا حتی کہ جمعہ کو غیر ضروری بدرجۂ نفل سمجھنے لگے، پھر اس پر تکرار و نزاع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں، غرض! گونا گوں فتنے شروع ہو گئے، اس لئے بہت سے فقہاء نے اپنے قول سے رجوع کر کے ممانعت کا حکم دیا۔

مسئلہ مذکورہ میں وجودِ سلطان و عدم سلطان اور تعدد جمعہ کی تنقیح کافی طور پر ہو چکی ہے، لہٰذا یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں جن کی بنا پر احتیاط الظہر کا حکم دیا جائے، ندباً یا وجوباً۔ البتہ جس مقام کے مصر ہونے میں شک ہو اور زمانۂ قدیم سے جمعہ ہوتا چلا آ رہا ہو اور بند کرنے میں فتنہ ہو تو وہاں ایسی طرح احتیاط الظہر مناسب ہے جس سے کوئی اعتقادی اور عملی مفسدہ پیدا نہ ہو، کتب فقہ کی عبارات خود سائل کے سامنے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۶۸ھ۔

احتیاط کی جو صورتیں نقشہ کی صورت میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے مسئلہ متنازعہ فیہا میں کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی، اصل سوال بنگال کے چھوٹے گاؤں اور بستیوں کے متعلق ہے جن کو دیکھنے والا گاؤں بھی نہیں کہہ سکتا، جو گاؤں اس قسم کے ہیں ان میں جمعہ پڑھنا اور پھر احتیاط الظہر پڑھنا مذہب حنفی کی رو سے

(۱) (راجع، ص: ۳۴۸، رقم الحاشیۃ: ۸، ۹)

درست نہیں ہے (۱)۔ فقہاء کی جو عبارات کثیرہ استفتاء کے ساتھ ہیں وہ موجود سوال پر منطبق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۶۸ھ۔

احتیاط الظہر کا حکم

سوال [۳۸۵۳]: ۱...... بروز جمعہ بعد ادائے فریضہ چار رکعات نماز بہ نیتِ احتیاط الظہر کلکتہ یا اطراف کلکتہ یا کسی گاؤں جو کہ شہر کلکتہ سے ۲۰/میل کی مسافت پر واقع ہو اور وہاں اشیائے ضروریات بھی کثرت کے ساتھ دستیاب ہوتی ہوں تو ایسی جگہوں میں مذکورہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ دیگر عرض خدمت یہ ہے کہ البحر الرائق کی عبارت ہے: "قد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، و هو الاحتياط في زماننا".(۲) اور دوسری جگہ صاحب بحر کا ایک مستحکم قول ہے: "الاحتياط في زماننا ترك احتياط الظهر أظهر من الشمس". ہے (۳) حالانکہ اس کا جواب صاحب نفع

---

(۱) جمعہ اور پھر احتیاط الظہر کو وہاں اختیار کیا جاتا ہے جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر ہونے میں شک ہو، اس کے برعکس جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر نہ ہونے کا یقین ہو، جوازِ جمعہ کی شرائط میں سے کوئی شرط وہاں موجود نہ ہو تو وہاں ظہر پڑھنا ہی یقینی ہے، دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں جیسا کہ صورت نمبر:۲ کے حکم میں گزر چکا ہے اور عبارات سابقہ سے بھی یہی حکم مستفاد ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر او غيره واقام اهله الجمعة، ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر الخ". (كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشيديه)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب .... فإن المذهب .... عدم صحتها فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۴۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۵۳، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲)(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة ،باب الجمعة : ۲/۲۴۵، رشيديه)

(۳) لم أظفر بهذه العبارة في البحر، لكن في منحة الخالق هكذا: "وهو اعتقاد الجَهَلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن=

المفتی نے اس کتاب کے ص: ۹۰۸ میں تحریر کیا ہے جو کہ نیچے درج ہے: "فما فی البحر أنهم أفتوا بأداء الأربع بعد الجمعة .... بعید عن مثله" (۱)۔

اس جگہ صاحب بحر کا قول قابلِ ترجیح ہے یا نہیں؟ از راہ مہربانی تحریر فرمادیں۔

۲......احتیاط الظہر کی نیت کے اندر آخر فرض کہنا ضروری ہے یا نہیں، اگر کوئی فرض نہ کہے تو کیا نقصان ہے؟ بعض فقہ کی کتابوں میں نیت کے اندر فرض کا نام بھی نہیں لیا، کیا اس سے نیت میں کچھ خرابی آئے گی، جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ، ص: ۲۶ (۲) صغیری شرح منیة (۳) مخزن الفتاویٰ (٤)، هندیه (٥)، غایة الأوطار، ص: ۳۷۳ (٦)، مجمع الأنهر (۷) اور فتاویٰ خیریہ؟

احتیاط الظہر کی نیت فتاویٰ خیریہ میں یوں لکھا ہے: "کما وقع فیه الاختلاف القوی بین الأئمة، وقع الخلاف فی تعریف بغیر جماعة أربع رکعات بنیة: آخر ظهر أدركتُ وقته ولم أصل بعد (۸)"۔ وتفصیل فی شروح الهداية والمنية والكنز وغيرها۔

= أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها الخ". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ۲/۲۵۲، رشيديه)

(۱) (مجموعة رسائل اللكنوى، نفع المفتي والسائل : ۴/۱۴۰، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (مجموعة رسائل اللكنوى، نفع المفتي والسائل : ۴/۱۴۱، إدارة القرآن كراچي)

(ومجموعة الفتاوىٰ للكنوى، كتاب الصلاة، سوال: چار رکعت ظہر احتیاطی بعد نماز جمعہ الخ: ۱/۲۴۸، سعید)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی)

(۴) (لم أظفر عليه)

(۵) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۶) (غاية الأوطار، اردو ترجمہ الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

(۷) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۸) "ما وجدت في الفتاوىٰ الخيرية هذه العبارة بعينها لكن فيها هكذا: "والأحسن الأحوط في موضع الشك جواز الجمعة ثبوت شرطها يقول: نويت أن أصلي آخر ظهر أدركت وقته ولم أصلّه بعد".

(الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الصلاة، مطلب فيما إذا كان على يده وشم، هل تصح صلاته وإمامته معه أم لا؟ سئل في الرجل إذا كان في الصلاة وخرج من بين أسنانه شيء

مگر فتح القدیر میں ہے: ''ینبغی أن یصلی أربعاً ینوی لها: آخر فرض أدرکتُ وقته، الخ''(۱)۔ ایسا ہی سفر السعادۃ میں بھی ہے(۲)۔ ان عباراتِ متنازعہ کے درمیان کس کا قول زیادہ اقوی ہے اور اصح ہے؟ ارقام فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس امر پر تمام امت کا اجماع ہے کہ جمعہ دیگر صلوۃ خمسہ کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح چاہے جہاں چاہے ادا کرلیا جائے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصیات ہیں- وجوباً وصحتاً- جو اور نمازوں کے لئے نہیں(۳)۔ اس کے بعد ان خصوصیات میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں ظہر فرض ہے، بڑے گاؤں میں جو اپنی آبادی اور ضروریات اور روزمرہ وغیرہ کے لحاظ قصبہ کے مثل ہو، وہاں جمعہ فرض اور

= الخ: ۲۲/۱، قندھار تاجران کتب)

(۱)(فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ۵۳/۲، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) ''فائدہ: از محیط نقل کردہ اند کہ در ہر موضع کہ شک بود در شرائطِ جمعہ، اھلِ آن موضع را باید کہ بعد از جمعہ چھار رکعت بگزارند بہ نیتِ ظھر احتیاطاً، تا اگر جمعہ صحیح نیفتد از عھدہ فرضِ وقت باداءِ ظھر بیقین بیرون آیند''. (شرح سفر السعادۃ للشاہ عبد الحق الدھلوی، باب در نماز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل در خطبۂ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲۱۳، مطبعہ منشی نولکشوری)

(۳) ''وأما شرائطها فنوعان: شرائط صحة و شرائط صحة وجوب، فالأول ستة كما ذكره المصنف: المصر والسلطان والوقت والخطبة والجماعة والإذن العام، والثاني ستة أيضاً كما سيأتي .... وشرط وجوبها الإقامة و الذكورة والصحة والحرية و سلامة العينين والرجلين''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۶۴، رشيديه)

''شرائط لزوم الجمعة اثنى عشر، ستة في نفس المصلي: و هي الحرية والذكورة والإقامة والصحة و سلامة الرجلين والبصر، وقال: على الأعمى إذا وجد قائداً، و ستة في غير نفس المصلي، و هي: المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والإظهار''. (البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۴۷/۳، ۴۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

اس کا ادا کرنا درست ہے، اس میں کوئی شک کرنا اور احتیاط الظہر پڑھنا اور ایک یقینی چیز میں شک اور تردد کرنا ہے جو کہ بے دلیل ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب متعین کرنے کے متعلق متقدمین میں اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ ایک شہر میں ایک جگہ جمعہ ہونا چاہیے یا متعدد جگہ بھی جائز ہے، اس اختلاف کی بنا پر بعض علماء نے احتیاط الظہر کا حکم دیا تھا کہ تعددِ جمعہ نہ درست ہو تو صرف پہلا جمعہ ادا ہوگا اور بعد والوں کا فریضہ باقی رہ جائے گا تو وہ لوگ احتیاط الظہر ادا کرلیں لیکن اس میں مفسدہ پیدا ہوا، ناواقف لوگوں نے یہ سمجھا کہ جمعہ فرض ہی نہیں، اس مفسدہ کو روکنے کے لئے احتیاط الظہر کو عامۃً منع کردیا اور خاص اہل علم اور تقویٰ کو گنجائش دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر اپنے مکان میں جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھیں، اور "آخر ظهرٍ أدركتُه ولم يسقط عني بعدُ" کی نیت کریں۔

"ثم على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: لو تعددت فالجمعة لمن سبق، واختلفوا: قال بعضهم: يعتبر السبق بالفراغ، والصحيح أنه بالافتتاح، فإن صلوامعاً واشتبه الأمر فسدت صلوة الكل. وذكر في فتح القدير: والأفضل هو الجامع الواحد، وذلك للخروج من الخلاف، والخروج عن العهدة بيقين. و عن هذا وعن الاختلاف في المصر قالوا: كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة، ينبغي أن يصلي أربع ركعات، و ينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها، يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي۔

قال في فتاوىٰ: الحجة هذا في القرى الكبيرة، وأما البلاد فلا يشك في الجواز و لاتعاد الفريضة، قال: و الاحتياط في القرى أن يصلي السنة أربعاً، ثم الجمعة، ثم ينوي سنة الجمعة أربعاً، ثم يصلي الظهر ثم ركعتين سنة الوقت، هذا هو الصحيح المختار. فإن صحت الجمعة فقد أدى سنتها على وجهها، وإلا فقد صلى الظهر مع سنته. قال: و قول الناس: يصلي الظهر بنية الظهر أو بنية أقرب صلوةٍ عليَّ، ماليس له أصلٌ في الروايات، والشك في جواز الجمعة في البلاد والقصبات انتهى. وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصراً أولا وأما من حيث جواز التعدد و عدمه فالأول هو الاحتياط؛ لأن الخلاف فيه قويّ؛ إذ الجمعة جامعة للجماعات، و لم يكن

فی زمن السلف تصلی إلا فی موضع واحد من المصر، وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتویٰ لا یمنع شرعیة الاحتیاط للفتویٰ۔

و ذکر فی فتاوی: هو ینبغی أن یقرأ الفاتحة والسورة فی الأربع التی تصلی بعد الجمعة بنیة الظهر فی دیارنا، فإن وقع فرضاً فقرآءة السورة لا تضر، وإن وقع نفلاً فقرأة السورة واجبة، انتهی۔ والأحسن فی النیة أن ینوی: "آخر ظهرٍ أدرکتُ وقته و لم یسقط عنی بعدُ" حتی إن صحت الجمعة وکان علیه ظهر یسقط عنه، وإلا فنفل، اهـ". غنیة المستملی، ص:۵۱۲(۱)۔

پھر یہ اختلاف مرتفع ہوکر جواز تعدد علی الاطلاق مذہب قرار دیا گیا تو اب اس شبہ کی بنا پر بھی احتیاط الظہر کی کوئی جہت باقی نہیں رہی:

"و تؤدی فی مصر واحد فی مواضع: أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، هو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ و محمد رحمه الله تعالیٰ، وهوالأصح .... وذکر الإمام السرخسی رحمه الله تعالیٰ: أن الصحیح من مذهب أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ جواز إقامتها فی مصر واحد فقط". ۱/۱۲۰"(۲)۔

و فی فتح القدیر: "الأصح الجواز مطلقاً"(۳). و ذکر فی باب الإمامة: "أن الفتوی علی جواز التعدد مطلقاً: ۱/۲۴۷".(۴)۔

---

(۱) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۲۲، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر)

(۳) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۴) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۵۰، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

"(و تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب، و علیه الفتوی".

(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

بما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين، ولا يجوز فى أكثر من ذلك، و عليه الاعتماد اهـ. فإن المذهب الجوازا مطلقاً. و إذا علمت ذلك فما فى القنية: (من مسئلة احتياط الظهر) مبنى كلّه على القول الضعيف المخالف للمذهب، فليس الاحتياط فى فعلها؛ لأنه العمل بأقوىٰ الدليلين، وقد علمت أن مقتضى الدليل هو الإطلاق، ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد، بل تقتضيه الضرورة عدم اشتراطه، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ و قال الله تعالىٰ: ﴿و ما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾ اهـ، مع ما لزم من فعلها فى زماننا من المفسدة العظيمة و هو اعتقاد الجَهَلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلوة الظهر، فيظنون أنهاالفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون من أداء الجمعة، فكان الاحتياط فى تركها. وعلى تقدير فعلها لمن لا يخاف عليه مفسدة منها، فالأولىٰ أن تكون فى بيته خفيةً خوفاً من مفسدة فعلها. والله سبحانه الموفق للصواب، اهـ". بحر: ۲/۱۵۴" (۱)۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکب الأنہر: ۱/۱۴۷، میں لکھا ہے: "و تفسد بالمعية والاشتباه، فيصلى بعدها أربعاً بنية، آخر ظهر أدركتُ وقته و لم يسقط عنّى بعد" وكل ذلك مبنى على المرجوح، فلا يعول عليه"(۲)۔

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح میں تحریر کیا ہے:"و ليس الاحتياط فى فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة و بفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجَهَلة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض فى وقتها، ولايفتى بالأربع إلا للخواص، و يكون فعلهم إياها فى منازلهم، اهـ".(۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۰، ۲۵۱، رشيديه)

(۲) (سكب الأنهر المعروف بالدر المنتقى شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، باب الجمعة: ۱/۲۴۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۶، قديمى)

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "و ظاہر از اطلاقِ عبارتِ فقہاء آنست کہ احتیاج باین تقییدات نیست، بلکہ نیتِ صلوۃِ ظہرِ وقت کند، چنانچہ در سائرِ ایام میکنند چہ اگر جمعہ صحیح نیست این فرض باقی است بہ یقین، وإلا تطوع بہ نیتِ فرض صحیح است. وصحیح آنست کہ جمعہ صحیح است اگر چہ سلطان جائر باشد، و تنفیذِ جمیعِ احکام بالفعل صورت نہ بندد، و ذکر جمیع ہذہ المسائل فی سنن الہدیٰ" (۱)۔

عزیز الفتاویٰ: ۱/۴۶،۲/۴۷ (۲) فتاوی رشیدیہ: ۱/۲۸،۲/۴۱،۲/۵۰،۳/۳۶ (۳) میں اس احتیاط الظہر کو ناپسند اور لغو اور قابلِ ترک لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "نعم! إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً، والكلام عند عدمها، و لذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص و لو بالنسبة إليهم، والله تعالىٰ أعلم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۶/۲، سعيد)

(۱) (لم أظفر عليه)

(۲) (فتاوی دار العلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، تالیف حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمه الله تعالیٰ، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۸۲، ۲۸۳، دار الإشاعت کراچی)

(۳) (تالیفات رشیدیه مع فتاوی رشیدیه، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین، ص: ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، إداره اسلامیات لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین، احتیاط الظہر کی حقیقت: ۱۴۸/۴، سعید)

الفصل التاسع فی النظافة یوم الجمعة

(جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

شبِ جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہو جائے گا یا نہیں؟

سوال[۳۸۵۴]: اگر کوئی شخص غسلِ جمعہ اور غسلِ عید شب میں کر لے تو کافی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبِ جمعہ اور شبِ عیدین میں غسل کر لیا جائے تب بھی کافی ہے کہ اصل مقصود قطعِ رائحہ حاصل ہے، کذا فی مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کے روز حجامت

سوال[۳۸۵۵]: روزِ جمعه قبل نمازِ جمعه حجامت ساختن چه حکم دارد ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

این طریقه نبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم است : "کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقصّ شاربه، ویقلم أظفاره یوم الجمعة قبل أن یروح إلیٰ الصلوة". أخرجه البیهقی". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وفی معراج الدرایة : لو اغتسل یوم الخمیس أو لیلة الجمعة، استنّ بالنسبة لحصول المقصود، وهو قطع الرائحة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل : یسن الاغتسال لأربعة أشیاء، ص: ۱۰۷، قدیمی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۶/۴۰۵، سعید) .... =

ناخن اور بال جمعہ کی نماز سے پہلے بنوائے یا بعد میں؟

سوال[۳۸۵٦]: درمختار کا حوالہ دے کر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن حجامت بنوانا اور ناخن ترشوانا جمعہ کے بعد افضل ہے۔ کیا یہ مسئلہ صحیح بیان کیا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ناخن زیادہ بڑھے ہوئے ہوں تو جمعہ کے بعد ترشوانا شرح اشباہ، ص:۵٦۳(۱) میں افضل لکھا ہے، ردالمحتار، ص:٦۲۳، میں مطلقاً بعد جمعہ حجامت بنوانا ناخن ترشوانا افضل لکھا ہے(۲) اور بعض روایات

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم كان يقلم أظفاره، ويقص شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصلاة". وأخرج البزار والطبرانی فی الأوسط والبيهقی فی شعب الإيمان بسند حسن". (الدر المنثور، تحت آية البقرة: ﴿وإذا ابتلى إبراهيم ربه﴾ الآية: ۱/۱۱۲، مؤسسة الرسالة)

"و ظاهر الأحاديث يدل على أن القلم قبل الصلاة، فما فی بعض الكتب أنه بعدها ليشهد بالصلاة لا يعول عليه؛ لأنه تعليل فی مقابلة النص". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص:۵۲۵، قديمی)

(وكذا فی كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، الزينة والتجمل: ۷/۱۲۷، رقم الحديث: ۱۸۳۲۲، مكتبة التراث الإسلامی)

(۱) "و فی جامع المضمرات والمشكلات معزياً إلى فتاوی الحجة: و جاء فی الخبر أنه يكره قلم الأظفار، وقص الشارب فی يوم الجمعة لما فيه من معنى الحج، فيكره قبل الفراغ من الحج، و قضاء التفث وحلق الشعر، وقصه الشارب والتقليم. وجاء فی الخبر: "من قلم أظفاره يوم الجمعة أعاذه الله من السوء إلى يوم الجمعة القابلة و ثلاثة أيام". و رأيت فی بعض الروايات أنه يقلّم ويقصّ بعد صلاة الجمعة عملاً بالأخبار، فكأنه اعتمر وحج، ثم حلق و قص و قصر انتهى. وأنت خبير بأن ما نقلناه يقتضی كراهة القص والحلق قبل الجمعة الخ". (شرح الأشباه والنظائر لابن نجيم، الفن الثالث، الجمع والفرق، القول فی أحكام يوم الجمعة: ۳/۱۹٦، ۱۹۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "و يكره تقليم الأظفار وقصّ الشارب فی يوم الجمعة قبل الصلاة لما فيه من معنى الحج، وذلك قبل الفراغ من الحج غير مشروع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٦۳، سعيد)

میں نماز سے قبل بنوانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے اور طحطاوی میں اسی کو افضل لکھا ہے اور بعد نماز کی افضلیت کو رد کیا ہے اور مشائخ کا معمول بھی یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وظاهر الأحاديث يدل على أن القلم قبل الصلاة، فما في بعض الكتب أنه بعدها ليشهد بالصلاة لا يعول عليه؛ لأنه تعليل في مقابلة النص". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۲۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقلم أظفاره ويقص شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصلاة". وأخرج البزار والطبراني في الأوسط والبيهقي في شعب الإيمان بسند حسن". (الدر المنثور تحت آية: ﴿وإذا ابتلى إبراهيم ربه﴾ الآية: ۱/۱۱۲، مؤسسة الرسالة)

فصل فی المتفرقات

جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا

سوال[۳۸۵۷]: مقتدیوں کو نماز جمعہ کیلئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہو جانا چاہیے یا امام کے مصلی پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، طریقہ مسنون کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے(۱) لیکن احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے (۲) اور عام طور پر

---

(۱) "إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حي على الفلاح عند علماء نا الثلاثة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ: ۱/۵۷، رشيديه)

"(والقيام حين حي على الفلاح)؛ لأنه أمر به، فيستحب المسارعة إليه. أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام، وهو الأظهر الخ".
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۱، مكتبه رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من وصل صفاً وصله الله، ومن قطع قطعه الله عزوجل". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب من وصل صفاً: ۱/۱۳۱، قديمی)

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالیٰ عنه: "قال كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يسوّی صفوفنا، فخرج يوماً فرآی رجلاً خارجاً صدره عن القوم، فقال: "لتسوُّنّ صفوفكم أوليخالفَنّ الله بين وجوهكم". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في إقامة الصفوف: ۱/۵۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (جواہر الفقہ، اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں: ۱/۳۰۱، مکتبہ دار العلوم کراچی) .... =

لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لیجائیں تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکے اور اس وقت کسی کا شور نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ربیع الاول/۵۶ھ۔

ہر جمعہ کو سورۂ کہف کا وِرد

سوال[۳۸۵۸]: ایک مولوی صاحب نے اپنے وعظ میں بیان فرمایا (اجمیر میں) کہ جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا دن تھا، ۱۰/محرم بروز جمعہ، اس دن بھی آپ سورۂ کہف تلاوت فرمارہے تھے، آپ نے قاتل سے کہا بھی کہ سورۂ کہف پڑھنے اور نماز جمعہ تک کی مہلت دے دو۔یہ کہاں تک درست ہے کہ آپ ہر جمعہ کو سورۂ کہف تلاوت فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تو معلوم نہیں کیا تھا، ہاں! حدیث شریف میں جمعہ کے روز سورۂ کہف کی فضیلت بہت آئی ہے، کذافی المشکوۃ، باب فضائل القران (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

دورانِ ڈیوٹی نمازِ جمعہ پڑھنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال[۳۸۵۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، اس ڈیوٹی میں باقاعدہ نماز کے لئے جانا ہوتا ہے، اس سے میری ڈیوٹی میں حرج واقع نہیں ہوتا مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ڈیوٹی میں غیر حاضر رہتا ہوں۔تو کیا مجھے نمازِ جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

= (واحسن الفتاوی، رسالہ: ارشاد الأنام بجواب إزالة الأوهام: ۲/۲۹۹، سعید)

(۱) "وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة، أضاء له النور ما بين الجمعتين". (مشكوة المصابيح، كتاب فضائل القرآن: ۱/۱۸۹، قديمي)

قال الحافظ عماد الدين بن كثير رحمه الله تعالیٰ: "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة، فهو معصوم إلى ثمانية أيام من كل فتنة، وإن خرج الدجال عصم".

(تفسير ابن كثير: ۳/۷۰، ۷۱، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جمعہ جب وقت پر ادا کرتے ہیں تو اس کا ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ملے گا، دوسری کوتاہیوں جو اُور آدمیوں میں موجود ہیں ان کی وجہ سے نماز کا ثواب ضائع نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نئی مسجد میں جمعہ اور جمعہ کی تعطیل کو اتوار سے بدلنا

سوال [۳۸۶۰]: ایک شہر میں مدت کے بعد ایک مسجد احاطۂ مدرسہ میں تعمیر ہوئی ہے جس کی وجہ سے تعطیلِ جمعہ کو اتوار سے بدل دیا گیا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کون سے دن تعطیل اختیار کی جائے کہ شہر میں اتفاق ہوسکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتوار کے دن تعطیل کرنے میں تشبہ ہے غیروں کے ساتھ، دینی مدرسہ میں اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے (۲)۔ نئی مسجد میں مستقل جمعہ قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے، شرعاً یہ طریقہ ناپسند ہے کہ ہر مسجد میں جمعہ کیا جائے، اس سے شوکتِ اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے، جامع مسجد میں جمعہ ادا کرنے میں شوکتِ اسلام کا زیادہ ظہور ہے، اگرچہ ادا ہوجاتا ہے دوسری مسجد میں بھی، لیکن وہ شان باقی نہیں رہتی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ لا یضیع أجر المحسنین﴾ (سورۃ التوبۃ، پ: ۱۱، آیۃ: ۱۲۰)

"عن أبی ہریرۃ – رضی اللہ تعالیٰ عنہ – قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتی الجمعۃ"، قال: "فاستمع وأنصت، غفرلہ ما بین الجمعۃ إلی الجمعۃ وزیادۃ ثلاثۃ أیام، ومن مس الحصی فقد لغا". (سنن أبی داؤد، باب فضل الجمعۃ: ۱/۱۵۷، مکتبہ امدادیہ)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فہو منہم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الأقبیۃ: ۲/۲۰۳، مکتبہ امدادیہ)

(۳) "الخاصۃ الثالثۃ: صلاۃ الجمعۃ التی ہی من آکد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمین، وہی أعظم من کل مجمع یجتمعون فیہ وأفرضہ سوی مجمع عرفۃ، ومن ترکہا تہاوناً بہا، طبع اللہ علی قلبہ. وقُربُ أہل الجنۃ یوم القیامۃ وسبقہم إلی الزیادۃ یوم المزید بحسب قربہم من الإمام یوم الجمعۃ وتبکیرہم". (زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ، فصل: ہدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعظیم یوم الجمعۃ، ص: ۱۴۱، دارالفکر، بیروت) .... =

جوشخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے اس کو امامتِ جمعہ کے لئے تجویز کیا جائے

سوال[۳۸۶۱]: دو مسجدوں کے اماموں میں ایک امام روزانہ چار وقت نماز پڑھتا ہے، صبح کی نماز نہیں پڑھتا، قضاء پڑھتا ہے، دوسرا امام باقاعدہ پنجگانہ نماز کا پابند ہے۔ اب دونوں اماموں میں نمازِ جمعہ کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے، کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص پانچوں نمازوں کو وقت پر ادا کرتا ہے اور اس میں امامت کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں اس کو ہی امام جمعہ تجویز کیا جائے اور جو نماز قضاء کرنے کا عادی ہے اگر چہ ایک ہی وقت کی قضاء کرتا ہو اس کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

= "(وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

"قوله: (وتؤدى فى مصر فى مواضع): أى يصح أداء الجمعة فى مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فى معنى الاجتماع فى موضع واحد فى مدينة كبيرة حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، باب الجمعة: ۲/۲۵۰، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(۱) "(والأحق بالإمامة) تقديماً بل نصاً -مجمع الأنهر- (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل: واجب، وقيل: سنة (ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً (للقراءة، ثم الأورع): أى الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوىٰ: اتقاء المحرمات الخ". (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

"فإن تساووا فأقرأهم: أى أعلمهم بعلم القراءة، يقف فى موضع الوقف، ويصل فى موضع الوصل ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما، كذا فى الكفاية. فإن تساووا فأورعهم، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس فى الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

"(قوله: فأورعهم) الورع: اجتناب الشبهات، والتقوىٰ: اجتناب المحرمات. وروى الحاكم =

متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اَور کو آگے بڑھانا

سوال[۳۸۶۲]: بموجودگی مستقل امام صاحب جن میں تمام خوبیاں موجود ہیں: حافظ، قاری، عالم، حاجی وغیرہ، ایک خوش الحان آٹھ پاروں کا طالب علم سولہ سالہ، متولی مسجد کی رائے سے امام صاحب کو رسمی اطلاع دی گئی کہ آج فرزندِ متولی صاحب یعنی خوش الحان آٹھ پاروں کا حافظ نماز پڑھائے گا۔ نماز پڑھائی گئی اور امام صاحب نے اجازت نہیں دی اور ان کا یہی کہنا ہے کہ کیا جمعہ ادا ہوگیا کہ نہیں اور اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، امام صاحب خود پیش کش کرتے تو دوسری بات تھی، امامت اس حالت میں مستقل امام مذکور ہی کی مقدم تھی، تاہم اقتداء صحیح ہوکر صورت مسئولہ میں نماز درست ہوگئی (۱)، اب اس قصے کو ختم کیا جائے، آئندہ احتیاط کی جائے، بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے ورنہ اس سے خلفشار پیدا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۷ھ۔

= عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم". (فتح القدير، باب الإمامة: ۱/۳۴۹، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواءً فأقدمهم في الهجرة .... ولا يؤم الرجل في سلطانه، ولا تقعد على تكرمته إلا أن يأذن لك". (سنن النسائي، كتاب الإمامة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۱۲۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۷، قديمي)

قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ في شرحه على مسلم تحت قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ولا يؤمّنّ الرجل الرجل في سلطانه": معناه ماذكره أصحابنا وغيره أن صاحب البيت والمجالس وإمام المسجد أحق من غيره وإن كان ذلك الغير أفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه. وصاحب المكان أحق فإن شاء تقدم، وإن شاء قدّم مَن يريده اهـ". (الكامل للنووي، باب من أحق الإمامة: ۱/۲۳۷، قديمي)

"واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقا".

(الدر المختار، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

نمازِ جمعہ کی نیت

سوال[۳۸۶۳]: نمازِ جمعہ کی نیت کیا اس طرح سے ہے کہ "نیت کرتا ہوں میں چار رکعت سنتِ جمعہ" اور اسی طرح فرض کی نیت کی اور پھر بعد فرض نماز کے اسی طرح سے نیت ہے کہ "نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت بعد از جمعہ اور دو رکعت سنت" اور نفل کی بھی اسی طرح سے نیت کرتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں صورتوں میں نیت ٹھیک ہے کہ نہیں؟ صحیح طریقہ کیا ہے، کس طرح جمعہ کی نیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ فرض ہے(۱)، اس میں سنت کی نیت نہ کرے، ہاں! جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد سنت میں نیت سنت کی طرح کہ یہ پہلے کی سنت ہے، اور یہ بعد کی سنت ہے، چار میں چار کی اور دو میں دو کی نیت کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(هی فرض) عين (يكفر جاحدها) لثبوتها بالدليل القطعي". (الدرالمختار). "(قوله بالدليل القطعي) وهو قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا﴾ الآية . وبالسنة والإجماع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۶/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صلاة الجمعة: ۵۷۷/۱، رشيديه)

(۲) "(ولا بد من التعيين عند النية) فلو جهل الفرضية، لم يجز .... (لفرض) أنه ظهر أو عصر قرنه باليوم أو الوقت أولاً، هو الأصح. (ولو الفرض (قضاء) .... (وواجب) .... (دون) تعيين (عدد ركعاته)" (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۱۸/۱، ۴۲۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۸۵/۱، رشيديه)

"(وكفى مطلق نية الصلوة) وإن لم يقل: لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراويح) على المعتمد؛ إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۱۷/۱، ۴۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۸۴/۱، رشيديه)

باب العیدین

عید الضحیٰ کہنا چاہیے یا عید الاضحیٰ

سوال[۳۸۶۴]: بقرعید کو "عید الضحیٰ" و "عید الأضحی" دونوں طرح کہنا درست ہے یا فقط "عیدالأضحی" ہی، اگر دونوں فقط درست ہوں تو اس کی مناسبت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"أضحیٰ" قربانی کو کہتے ہیں، "ضحی" وقتِ چاشت کو کہتے ہیں، "عید الأضحیٰ" صحیح ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازِ عید کا وقت

سوال[۳۸۶۵]: ۱.....نمازعیدالفطر، عیدالاضحیٰ میں اگر صبح سے بارش شروع ہوگئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہی، سرِ دست شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہوسکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہوسکے تو کیا بعد دو بجے دن کے نماز عیدالفطر یا نماز عیدالاضحیٰ پڑھی جاسکتی ہے؟

---

(۱) "وأضحیٰ: "جمع أضحاة منوّناً .... یسمی الیوم أضحیً بجمع الأضحاة التی هی الشاة".

"والضُّحی .... إذا امتدّ النهار وكرب أن ینتصف .... والضحی بالضم والقصر فوقه، وبه سمّیت صلاة الضّحی". (لسان العرب، فصل: الضاد المعجمة، تحت لفظ أضحی وضحی: ۱۴/۴۷۴، ۴۷۶، دار صادر)

"ضحّی بالشاة ونحوها ذبحها فی الضحی من أیام عیدالأضحی".

الضحی: "ارتفاع النهار وامتداده". (القاموس الفقهیة، حرف الضاد، تحت لفظ ضحی وأضحی، ص: ۲۲۰، إدارة القرآن، کراچی)

۲......اگر نہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوالِ آفتاب کے بعد نمازِ عیدین درست نہیں (۱)۔ مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہوسکے تو تیسرے دن پڑھی جائے: "وابتداء وقت صحة صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبيل زوالها .... وتوخر صلوة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال، وكالمطر ونحوه، إلى الغد فقط ....، ....وتؤخر صلوة عيد الأضحى بعذر.......... إلىٰ ثلاثة أيام، اه". طحطاوی ومراقی الفلاح (۲)۔

۲......نمبر: ا میں جواب آگیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

جو شخص قربانی نہ کرے، اس کے لئے نماز عید کا حکم

سوال [۳۸۶۶]: زید کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی موجود تھی، مگر جب قربانی کا وقت آیا تو اس کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا اور نہ گھر میں کوئی بکرا تھا اس وجہ سے قربانی نہیں کی، اس حالت میں زید عیدگاہ پر

---

(۱) "وقت صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين إلى قبيل زوالها". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۵۳۲، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۰، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۲۰۹، كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، نوع آخر في بيان وقتها، غفاريه)

(۲) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۵۳۲، ۲۳۶، ۲۳۸، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين، قديمي)

نماز پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید کی نماز کا حکم مستقل ہے(۱) قربانی کا حکم مستقل ہے(۲)، اگر کوئی شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے تو اس کے ذمہ واجب باقی رہ گیا جس کے ترک سے وہ گنہگار رہوا، اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، مگر اس کی وجہ سے نماز عید ساقط نہیں ہوگی (۳) اور نہ اس کو عیدگاہ جانے سے روکا جائے گا اور نماز عید سے پہلے تو

---

(۱) "عن الرُّبَيِّع: ﴿فصلّ لربک وانحر﴾ قال: إذا صليت يوم الأضحى فانحر". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: في هذه الآثار دلالة على أن المراد بقوله تعالى: ﴿فصل لربک وانحر﴾ صلوة العيد يوم النحر، فدلّ على وجوبها". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸/۸۴، إدارة القرآن كراچی)

"أما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: و تجب صلوة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، و هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه تجب صلوة العيدين على من تجب عليه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما صلوة العيدين: ۱/۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان له سعة و لم يضح، فلا يقربنّ مصلانا". قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "أقول: واحتج به لأبي حنيفة على قوله لوجوب الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحية: ۱۷/۲۱۵، إدارة القرآن، كراچی)

"(فتجب) التضحية .... على حر مسلم مقيم) بمصر .... موسر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۳، ۳۱۵، سعيد)

(۳) "(ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذر) فاعل تصدق (لمعينة) ....(و) تصدق (بقيمتها غني شراها أو لا لتعلقهابذمته بشرائها أو لا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، ۳۲۱، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحية: ۱۷/۲۱۶، إدارة القرآن، كراچی)

قربانی واجب بھی نہیں، اس لئے اس وقت تو اس کا سوال ہی بے محل ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے اس کے لئے نماز عید کا حکم

سوال[۳۸۶۷]: جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے وہ نماز عید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہے (۲) تاہم عید کی نماز اس کی بھی درست ہو

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من ذبح قبل الصلوة فليعد، ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالیٰ: "أقول: أحاديث الباب دالة على أن ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار بعد الصلوة؛ لأن الخطاب ليس بعام بل لأهل المدينة فقط". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار: ۲۲۹/۱۷، إدارة القرآن، كراچی)

"وأول وقتها بعد الصلوة إن ذبح في مصر". (الدرالمختار). "قوله: وأول وقتها بعد الصلوة الخ). فيه تسامح؛ إذ التضحية لا يختلف وقتها بالمصريّ وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصريّ والقرويّ طلوع الفجر، إلا أنه شرط المصري تقديم الصلوة عليها، فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

(۲) "عن بريدة رضي الله تعالیٰ عنه أن العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة، فمن تركها، فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة: ۸۱/۱، قديمي)

"عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالیٰ عنه "يقول: سمعت النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱، قديمي)

جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۷ھ۔

نمازِ عید بہ نیت نفل

سوال[۳۸۲۸]: عید کی نماز میں ہم لوگ نفلوں کا نام لیتے ہیں اور ہمیشہ سے نفلوں کا نام لیتے چلے آرہے ہیں، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ واجب کیا چیز ہے، صرف واجب کا نام آتا ہے نہ نفل نہ فرض نہ سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز واجب ہے (۲) لہذا آئندہ بہ نیتِ واجب پڑھنا چاہیے (۳) اور گزشتہ عید کی نمازوں کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واجب کا درجہ سنت سے زیادہ ہے اور فرض سے کم ہوتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۱/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۱/۲۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۶۰/۱۱/۲۴ھ۔

---

(۱) چونکہ نمازِ عید کا حکم مستقل ہے اور نمازِ فجر کا حکم مستقل ہے، لہذا نمازِ فجر نہ پڑھنے کی وجہ سے نمازِ عید ساقط نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

"أما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: و تجب صلوة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، و هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ عليهما أنه تجب صلوة العيدين على من تجب عليه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صلاة العيدين: ۱/۶۱۲، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله : في الأصح) مقابلة القول بأنها سنة و صححه النسفي في المنافع، لكن الأول قول الأكثرين .... وفي الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واظب عليها، وسماها في الجامع الصغير سنةً، لأن وجوبها ثبت بالسنة". (كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(۲) "عن الرُّبَيّع ﴿فصلّ لربك وانحر﴾ قال: إذا صليت يوم الأضحى فانحر". قال الشيخ ظفر أحمد=

....

= العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: "قلت: فی ہذہ الأثار دلالة علی أن المراد بقوله تعالی: ﴿فصل لربک وانحر﴾ صلوة العید یوم النحر، فدل وجوبها". (إعلاء السنن، أبواب العیدین، باب وجوب صلوة العیدین: ۸۳/۸، إدارة القرآن کراچی)

"أما الأول فقد نص الکرخی علی الوجوب فقال: و تجب صلوة العیدین علی أهل الأمصار کما تجب الجمعة، و هکذا روی الحسن عن أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ أنه تجب صلوة العیدین علی من تجب علیه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع للکاسانی، کتاب الصلوة، فصل: وأما صلوة العیدین: ۲۷۶/۱،رشیدیه)

"(تجب صلاتهما) فی الأصح". (الدرالمختار). وفی رد المحتار :"(قوله: فی الأصح) مقابلة القول بأنها سنة، وصحح النسفی فی المنافع، لکن الأول قول الأکثرین .... و فی الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم واظب علیها، وسماها فی الجامع الصغیر سنةً؛ لأن وجوبها ثبت بالسنة الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۱۶۶/۲ سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۲۷۶/۲، رشیدیه)

(۳) " و لا بد من التعیین عند النیة .... (الفرض) .... (وواجب) أنه وتر أو نذر". (الدرالمختار).

"(قوله: وواجب) –بالجر عطفاً علی قوله: لفرض– وقد عدّمنه فی البحر قضاء ما أفسده من النفل أو العیدین الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة : ۴۱۸/۱، ۴۱۹، سعید)

"والنذر والوتر وصلاة العیدین ورکعتی الطواف، فلا بد من التعیین لإسقاط الواجب عنه".

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۹۱/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الکلام فی النیة : ۳۳۰/۱، رشیدیه)

(۴) وفی رد المحتار: "وبه علم أن الواجب نوعان أیضاً؛ لأنه کما یطلق علی هذا الفرض الغیر القطعی یطلق علی ما هوما دونه فی العمل و فوق السنة، و هو ما لا یفوت الجواز بفوته کقراءة الفاتحة و قنوت الوتر و تکبیرات العیدین الخ". (کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۴/۲، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی واجبات الصلاة ،ص:۲۴۷، قدیمی)

نمازِ عید کو مؤخر کرنا

سوال[۳۸۲۹]: ۲۹/ذی قعدہ کو بوجہ بادل عامۃ الناس کو ہلال عیدالاضحیٰ نظر نہیں آیا، چند معتبر آدمیوں نے بادل کے بیچ میں ہلال عیدالاضحیٰ دیکھا۔۹/ذی الحجہ کو امام عیدگاہ کو شہادت معتبرہ سے صحیح ثبوت ہونے پر ۱۰/ذی الحجہ کو نماز کا اعلان کرادیا، اس پر چند حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ امسال بادل کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، عامۃ الناس کو منگل کو عید ہونا معلوم ہے، اگر ۱۰ ذی الحجہ پیر کو نماز ہوگی تو دیہاتی لوگ محروم ہوجائیں گے، اس پر فتنہ ہوگا، کوئی نماز پڑھے گا کوئی نہیں پڑھے گا۔ اس پر امام عیدگاہ نے یہ جواب دیا کہ صحیح ثبوت کے بعد بلاعذر عید الاضحیٰ کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے، اولاً دیہاتی پر عید کی نماز واجب ہی نہیں اور جن حضرات کو صحیح تحقیق ہی نہیں وہ کل پڑھیں، ان کے لیے مکروہ بھی نہیں۔ آیا امام عیدگاہ کو خیر خواہ قوم کا مشورہ پر نماز عیدالاضحیٰ بلاعذر شرعی تاخیر کرنا چاہیے، یا نماز عیدالاضحیٰ پڑھ لینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ثبوتِ رویت کے بعد بلاعذر نمازِ عیدالاضحیٰ کو ایک روز مؤخر کرنا مکروہ ہے، اہلِ دیہات پر نمازِ عید لازم نہیں، انکی رعایت شرعی عذر نہیں، اگر ثبوتِ رویت ہی نہ ہو یا شرعی عذر ہو تو اس کی وجہ سے مؤخر کرنا مکروہ نہیں:

"وتؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كإن غمّ الهلال وشهدوا بعد الزوال أو صلوها في غيم فظهر أنها كانت بعد الزوال، فتؤخر إلى الغد فقط، وتؤخر صلوة الأضحىٰ بعذر لنفي الكراهة، وبلاعذر مع الكراهة لمخالفة المأثور إلى ثلثة أيام، الخ". مراقي الفلاح۔ "(قوله: كإن غم الهلال الخ) وكان المطر ونحوه كما في السراج، وكما لو صلى بالناس على غير طهارة، ولو لم يعلم إلا بعد الزوال، كما في الخانية. (قوله: وشهدوا بعد الزوال) أو قبله بحيث لا يمكن اجتماع الناس، برهان، الخ". (طحطاوي على مراقي الفلاح)(۱)۔ كذا في رد المحتار: "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها، سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها، الخ". درمختار(۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶ قديمي)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد) ....=

یہ بحث علیحدہ حیثیت ہے کہ مقامی گواہوں کی گواہی ۹/ ذی الحجہ کی کیا حیثیت ہوگی جس سے سوال میں تعرض نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۹۲ھ۔

شہادت دیر سے پہنچے تو نمازِ عید کو مؤخر کیا جائے

سوال[۳۸۷۰]: ۱......زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہوسکتا، وضو وغیرہ میں کچھ وقت لگتا ہے تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲......رویتِ ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لیکر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟

۳......بمبئی میں جب چاند ہوگیا، تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

= "عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاؤا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، و بدونها (أى بدون الإساءة) بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۱۰۱/۸، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچى)

"(وتؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط)......... (وأحكامها أحكام الأضحى لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه): أى بالعذر (بدونها)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضو کر کے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کر سکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز پر نماز کو موخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضو کر کے نماز کے لیے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لیے موخر کر دیا جائے:

"وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". در مختار۔ "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام و ما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال". شامی: ۷۸۳/۱(۱)۔

۲......عید کے چاند میں یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے، خبرِ محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی نہ تار کی نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے وہ بھی کافی نہیں، البتہ اگر رویتِ ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی باقاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کر کے اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، یا اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان شرعاً معتبر ہوگا۔ گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سو دو سو میل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

"عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاء وا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، و أما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلاعذر، و بدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۱۰۱/۸، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"(تؤخر بعذر إلى ثلاثة أيام)؛ لأنها مؤقتة بوقت الأضحية، فتجوز ما دام وقتها باقياً، ولا تجوز بعد خروجه؛ لأنها لا تقضى. قيد بالعذر؛ لأن تأخيرها لغير عذر عن اليوم الأول مكروه، بخلاف تأخير عيد الفطر لغير عذر، فإنه لا يجوز و لا يصلى بعده". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۸۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔

۳......بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جا کر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

نمازِ عیدین شوافع کے پیچھے

سوال[۳۸۷۱]: در نمازِ عیدین اگر امام شافعی المذہب باشد مقتدیانِ احناف کہ فردِ ایشاں نمازِ عیدین واجب است، ونزدِ شافعی سنت است، نمازِ عیدینِ احناف درست وروا باشد یا نہ؟! اگر اقتدائے احناف بہ شافعی درست وروانبا شد، پس برائے درست ورواشدن چہ صورت دارد؟

---

(۱) " عن رجل من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان، فقدم أعرابیان فشهدا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باللہ لأهلا الهلال أمس عشیة، فأمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس أن یفطروا". زاد خلف فی حدیثه: "وأن یغدوا إلی مصلاهم". (سنن أبی داؤد، کتاب الصیام، باب شهادة رجلین علی رؤیة الهلال: ۱/۳۲۶، ۳۲۷، إمدادیه ملتان)

"وقیل: بلا علة جمع عظیم یقع العلم) الشرعی و هو غلبة الظن (بخبرهم و هو مفوّض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب، وعن الإمام أنه یکتفی بشاهدین". (الدرالمختار).

"(شهدوا أنه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدان برؤیة الهلال) فی لیلة کذا (وقضی) القاضی (به، و وجد استجماع شرائط الدعوی، قضی): أی جاز لهذا (القاضی) أن یحکم (بشهادتهما)؛ لأن قضاء القاضی حجة، و قد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤیة غیرهم؛ لأنه حکایة". (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/۳۸۸، ۳۹۰، سعید)

"و إن لم یکن بالسماء علة لم تقبل إلا شهادة جمعٍ کثیرٍ یقع العلم بخبرهم، وهو مفوّض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر، هو الصحیح ...... و سواء ذلک رمضان و شوال و ذو الحجة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مذہبِ احناف رار عایت می دارد، یعنی فرائض و واجبات را روامی نماید فرو نمی گزارد، پس نمازِ احناف در اقتدائے چنین امام بلا تردد ادا شود (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا یا جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

سوال[۳۸۷۲]: اگر دو چار آدمیوں کو یا کسی کو عید کی نماز نہیں ملی تو وہ نماز عید پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح دو چار آدمیوں کو نہ ملی ہو تو وہ بھی علیحدہ نماز عید کی جماعت نہ کریں بلکہ اپنے مکان پر جا کر دو چار نفلیں الگ الگ پڑھ لیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "والاقتداء بشافعيّ المذهب إنما يصح إذا كان الإمام يتحامى مواضع الخلاف بأن يتوضأ عن الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد، وأن لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره : ۱/۸۴، رشيديه)

"لا يكره إذا علم منه الاحتياط في مذهب الحنفي، وأما إذا علم المقتدى من الإمام ما يفسد الصلاة على زعم الإمام كمس المرأة أو الذكر .... والإمام لا يدرى بذلك، فإنه يجوز اقتداؤه به على قول الأكثر". (حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۴، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۶۳، سعيد)

(۲) "عن الشعبي رحمه الله تعالىٰ قال: قال عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: "من فاتته العيد فليصل أربعاً".

قال الشيخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ: إن شاء صلى، وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعاً، وإن شاء ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب من لم يدرك صلوة العيد : ۸/۱۱۹، ادارة القرآن كراچی)

"فإن عجز، صلى أربعاً كالضحى". (الدرالمختار). "أی استحباباً، كما في القهستانی. وليس هذا قضاء؛ لأنه ليس على كيفيتهما". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين : ۲/۲۸۴، رشيديه)

مسبوق نمازِ عید کس طرح پوری کرے؟

سوال[۳۸۷۳]: عیدین کی نماز میں اگر کسی کی پہلی رکعت چھوٹ جائے تو وہ پہلی فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلامِ امام کے بعد جب کھڑا ہوتو اول ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، سورت پڑھے پھر تکبیراتِ زوائد کہہ کر رکوع کرے اور بقیہ نماز پوری کردے، طحطاوی، ص: ۲۹۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نمازِ عید نمازِ جنازہ پر مقدم ہے

سوال[۳۸۷۴]: اگر جنازہ بھی حاضر ہو اور نمازِ عید کا وقت بھی ہو تو پہلے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نمازِ عید؟ اگر نمازِ عید پہلے پڑھی جائے تو خطبہ نمازِ جنازہ سے پہلے ہو یا بعد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول نمازِ عید پڑھی جائے پھر نمازِ جنازہ پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے، سکب الأنهر: ۱/۱۸۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وإذا سُبق بركعة، يبتدى فى قضائها بالقراءة، ثم يكبر؛ لأنه لو بدأ بالتكبير والى بين التكبيرات ولم يقل به أحدٌ من الصحابة، فيوافق رأى الإمام على ابن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه، فكان أولى، وهو مخصوص لقولهم: المسبوق يقضى أول صلاته فى حق الأذكار". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۴، قديمى)

"و لو سبق بركعة، يقرأ، ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير". (الدرالمختار).

"(قوله : لئلا يتوالى التكبير): أى لأنه إذا كبر قبل القراءة و قد كبر مع الإمام بعد القرأة، لزم توالى التكبيرات فى الركعتين. قال فى البحر: ولم يقل به أحدٌ من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم، ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقاً لقول على رضى الله تعالىٰ عنه، فكان أولى، كذا فى المحيط، وهو مخصص لقولهم: إن المسبوق يقضى أول صلاته فى حق الأذكار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۱۷۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۲۸۲، رشيديه)

(۲) "و يصلى المغرب ثم الجنازة .... و تقدم صلاة العيد، ثم هى على الخطبة". (سكب الأنهر =

روزہ رکھ کر نماز عید پڑھنا

سوال[۳۸۷۵]: عید کا چاند نظر نہیں آیا، نہ باہر سے شریعت کے مطابق ثبوت ملا، ریڈیو کی خبر پر بستی والوں نے چاند تسلیم کیا، امام عیدگاہ نے ریڈیو کی خبر نہیں مانی، صبح کو روزہ رکھا، روزہ کی حالت میں نماز عید پڑھائی، دن کے گیارہ بجے تک چاند کی خبر نہیں ملی، بعد نماز یعنی زوال کے بعد چاند ہو جانیکی خبر ملی۔ ایسی مجبوری میں جبکہ زوال سے پہلے خبر نہیں ملی اخیر وقت میں نماز روزہ کی حالت میں پڑھائی، نماز ہوئی یا نہیں؟ بدعتی حرام بتلا کر عوام کو بہکاتے ہیں کہ تمہاری نماز حرام ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ امام صاحب کے نزدیک چاند کا ثبوت نہیں ہوا تھا تو ان کو روزہ رکھنا ہی لازم تھا، لیکن ایسی حالت میں عید پڑھانا غلط ہوا(۱)، ظاہر یہ ہے کہ مقامی لوگوں نے مجبور کیا ہوگا کہ نماز پڑھاؤ، یہ ان لوگوں کی غلطی تھی ورنہ جب امام نے روزہ رکھا تھا تو وہ از خود نماز عید کیوں پڑھاتے، انھوں نے تو بدعتیوں کو بھی ایسی حالت میں نماز عید سے منع کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= المعروف بـ "الدر المنتقى في شرح الملتقى" على هامش مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۱/۲۷۷، غفاريه)

"(ونقدم) صلاتها (على صلاة الجنازة إذا اجتمعا)؛ لأنه واجب عيناً، والجنازة كفاية، وتقدم (صلاة الجنازة على الخطبة، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا" الخ: ۱/۲۵۶، قديمي)

"إنما يلزم الصوم على متأخر الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب حتى لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، و هذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هؤلاء الهلال، لا يباح فطر غد، و لا يترك التراويح هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية و لا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۹، رشيديه)

تعذر کی وجہ سے نمازِ عید میں تاخیر کا حکم

سوال[۳۸۷۶]: ۱......نماز عید الفطر عید الاضحیٰ میں اگر صبح سے بارش شروع ہوگئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہے، سردست شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہوسکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہوسکے تو کیا بعد دو بجے دن کے نماز عید الفطر یا نماز عید الضحیٰ پڑھی جاسکتی ہے؟

۲......اگر نہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ادا ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زوالِ آفتاب کے بعد نماز عیدین درست نہیں، مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جاوے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہوسکے تو تیسرے دن پڑھی جائے:

"وابتداء وقت صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبل زوالها، و تؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كالمطر ونحوه إلى الغد فقط، و تؤخر صلوة عيدالأضحى بعذر إلى ثلاثة أيام، اهـ".

طحطاوی و مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۲، قديمي)

"عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاء واء فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة علىٰ جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، و بدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/۱۰۱، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"(تؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط) .... أو احكامها احكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه): أي بالعذر (بدونها)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

الفصل الأول فی شرائط العیدین

(عیدین کی شرائط کا بیان)

عید کی شرائط

سوال[۳۸۷۷]: یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلاتمیز قریۂ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہب احناف کی ہے۔ کچھ عرصہ سے اہلِ علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے اہلِ علم کا طبقہ اوران کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں، اس کی وجہ سے کہیں کہیں خلجان کی صورت پیش آ گئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہبِ احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قول فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بنایا جاسکتا ہے۔ اس تحت میں ایک سوال اس کے متعلق پیش خدمت ہے، امید ہے کہ ان پر غور فرما کر مذہب حنفیہ کے دائرے میں کوئی قولِ فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے تا کہ باعثِ تسکین ہو۔

موضع الف پور وامین پور یہ دونوں موضع ایک دوسرے سے محل وقوع کے اعتبار سے مخلوط ہیں دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ دونوں موضع ایک نظر آتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذات میں یہ دونوں موضع بندوبست، حد بندی اور سرحدوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں، اصل مکان مورث اعلیٰ کا الف پور میں تھا مگر اب اس کے خاندان دونوں میں ملحق موضعوں میں پھیل گئے، الف پور کی آبادی آج سے پانچ سال پہلے بالغ ونابالغ دونوں ملا کر ایک ہزار نو {۱۰۰۹} تھی، جس میں بالغ مرد وعورت پانچ سوستاون {۵۵۷}، بقیہ نابالغ، اس پانچ سال میں تقریباً چار سو کا اضافہ ہوا ہے اس میں چار مسجدیں ہیں اور ملحقہ موضع امین پور کی آبادی پانچ سال پہلے چھ سوترپن {۶۵۳} تھی اوراس میں بھی چار مسجدیں ہیں، الف پور میں غلہ کی کوئی دوکان نہیں

ہے، مگر بوقتِ ضرورت گاؤں کے کاشتکاروں سے غلہ مل جاتا ہے، مرچ اور دیگر مسالہ جات کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور کپڑے سلائی کی ہیں، مقامی طور سے دو مستقل ڈاکٹر ہیں۔ الف پور میں جامع مسجد کے متصل ایک مکتب اسلامیہ ہے جس میں پرائمری تعلیمات کے ساتھ بقدرِ ضرورت اردو میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔

اگر ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو کیا تمام مواضعات مذکورہ فی السوال مل کر عیدین کی نماز الف پور میں قائم کریں تو قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ عیدین کے ادا کرنے سے کسی فریضہ کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں اگر چہ سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں ان کو جواز جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا، جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسبِ حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے .... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بلا کر مشاہدہ کرادیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے باوجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نمازِ جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے: "صلوة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، اه". بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۸۵ھ۔

کیا عیدین کے لئے شرائط لگانے میں حرج ہے؟

سوال[۳۸۷۸]: عیدین کی نماز سال بھر میں ایک بار خوشی کا پیغام ہوتی ہے، ایسی حالت میں جمعہ کے جیسی شرائط کے لگانے میں حرج ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

عید(خوشی کا پیغام) شارع علیہ السلام کا تجویز فرمودہ ہے(۱)، لہذا ان میں ان کے ہدایت کی پابندی لازم ہے۔آپ نے خود اس کو ایجاد نہیں کیا ہے جس طرح دل چاہے کرلیا کریں۔ دین میں حرج نہیں، یہ بھی شارع کی طرف سے ہے(۲) اور شرائط بھی شارع کی طرف سے ہیں۔کلامِ شارع میں حقیقۃً تعارض نہیں ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ ان شرائط کی پابندی میں حرج نہیں ہے۔شارع جس کو حرج بتائے وہ حرج ہے، اس کی نفی کی گئی ہے(۳)، ہر شخص جس چیز کو دل چاہے کہہ دے: یہ حرج ہے، اس کا اعتبار نہیں ہے، ورنہ آزاد لوگ نماز، روزہ،

---

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: "دخل عليّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وعندی جاریتان تغنّیان بغناء بُعاث، فاضطجع علی الفراش وحول وجهه، ودخل أبوبکر، فانتهرنی وقال: مزمارة الشیطان عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم؟ فأقبل علیه رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: "دعهما" فلما غفل غمزتُهما، خرجتا، وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب، فإما سئلت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وإما قال: "تشتهین تنظرین"؟ فقلت: نعم، فأقامنی وراء ه خدی علی خده، وهو یقول: "دونکم یابنی أرفدة". حتی إذا مللت، قال لی: "حسبک"؟ قلت: نعم، قال: "فاذهبی". (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید: ۱/۱۳۰، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾ (سورة الحج: ۷۸)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم . قال: "إن الدین یسرٌ، و لن یشادّ الدین أحد إلاغلبه، فسدّدوا، وقاربوا، و أبشروا، واستعینوا بالغدوة والروحة و شیء من الدلجة". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب أن الدین یسر الخ: ۱/۱۰، قدیمی)

دین کس حیثیت سے آسان ہے؟ اس کی مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (کشف الباری عما فی صحیح البخاری للشیخ سلیم اللہ خان دامت فیوضهم، کتاب الإیمان، باب: إن الدین یسرٌ الخ: ۲/۳۴۱، مکتبه فاروقیه، کراچی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ما آتکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا﴾ (سورة الحشر: ۲۸، آیة: ۸)

قال ابن کثیر رحمه اللہ تعالیٰ: "أی مهماأمرکم به فافعلوا، ومهما نهاکم عنه فاجتنبوه، فإنه یأمر بخیرو إنما ینهی عن شره". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۳۶، سهیل اکیڈمی)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه: قال: "سمعت أبا القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم........ "فإذا أمرتکم بأمر فأتوه ما استطعتم، وإذا نهیتکم عن أمر فاجتنبوه". (مسند أحمد، (رقم الحدیث: ۹۲۹۲): ۳/۲۳۲، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

8

حج، پردہ، ایک عورت کے لئے ایک شوہر کی تقیید، ایک مرد کے لئے متعدد عورتوں کی اجازت، جوازِ نکاح کے لئے اتحادِ مذہب کی قید وغیرہ ان سب کو حرج بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

دو ہزار کی آبادی میں عیدین اور قربانی

سوال[۳۸۷۹]: ۱......زید کے گاؤں کی آبادی تقریباً دو ہزار ہے، زمانہ سے نماز عیدین اور جمعہ کی نماز یہاں پڑھی جاتی ہے، ضرورت کی چیزیں گاؤں میں دستیاب ہیں، اشیائے ضروریہ کی دوکانیں گاؤں میں ہیں۔ کیا ایسی آبادی میں احناف کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؟ نیز کیا ایسی آبادی میں متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

۲......جس آبادی کا اوپر ذکر ہوا ہے، کیا اس آبادی میں عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے اور اگر درست نہیں ہے اور کسی نے قربانی کردی ہے تو کیا اس شخص کو قربانی کے عوض صدقہ کرنا پڑے گا؟ مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عالم مفتی کو بُلا کر معائنہ کرادیا جائے، وہ پورے طور پر دیکھ کر جو فتویٰ دے اس پر عمل کیا جائے، محض تحریر سے پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں جمعہ بھی ادا کیا جائے اور عیدین کی نماز بھی پڑھی جائے اور قبل از نماز عید الاضحیٰ قربانی درست نہیں، اگر قربانی کردی ہے تو اس سے واجب ادا نہیں ہوا، قربانی کی قیمت صدقہ کی جائے۔ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود نہ ہوں وہاں جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے، صلوٰۃ العیدین بھی وہاں پڑھنا مکروہ ہے، قربانی سویرے (صبح) ہی سے درست ہے۔

جمعہ کے شرائط یہ ہیں:

"وحرٌ صحیح بالبلوغ مذکر مقیم وذو عقل لشرط وجوبها
ومصر وسلطان ووقت وخطبة وإذنٌ كذا جمع لشرط أدائها" (۱)

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر". شامي: ۱/۵۳۶ (۱)۔ "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعد ها. و في القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً". درمختار: ۱/۵۵۵ (۲)۔

"أول وقتها (أي الأضحية) بعد الصلوة إن ذبح في مصر: أي بعد سبق صلوة عيد، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره، اهـ". درمختار۔ "فيه تسامح؛ إذ التضحية لا تختلف وقتها بالمصر وغيره بل شرطها، فأول وقتها في حق المصري والقروي طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصري تقديم الصلوة عليها، اهـ". شامي: ۵/۲۰۲ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۵۶ھ۔

پانی کے جہاز میں نمازِ عید

سوال [۲۸۸۰]: سفر کی حالت میں بحری جہاز میں عید کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۸، سعيد)

"قال: حدثنا الأسود بن قيس، سمعت جندب بن سفيان البجلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: شهدت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ذبح قبل الصلوة، فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح". (صحيح البخاري، كتاب الأضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة أعاده: ۲/۸۳۴، قديمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کی ہیں سوی الخطبۃ یعنی جس بستی میں جمعہ درست ہے ایسی بستی میں نمازِ عید درست ہے اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں ہے، جمعہ کے لئے مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے، یہی عید کے لئے بھی شرط ہے، جہاز بحری ہو یا ہوائی نہ مصر ہے نہ قصبہ ہے اور نہ قریۂ کبیرہ ہے، نہ وہاں جمعہ درست ہے اور نہ ہی عید درست ہے (۱)۔

اگر جہاز میں پندرہ روز قیام رہے تو اس سے آدمی مقیم نہیں بن جائے گا: "و لا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية، الخ". مراقی الفلاح۔ "ومثلها الجزيرة والبحر والسفينة والملاح مسافرٌ، والسفينة ليست بوطن، الخ". طحطاوی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه : قال :" لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن ، أبواب الجمعة ، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلاة العيدين في القرى تكره تحريماً". (الدر المختار، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۶/۲ ، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين : ۲۷۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب العيدين : ۲۱۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة الجمعة : ۱۵۰/۱ ،رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، ص: ۴۲۶، قديمي)

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: أقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بتبوك عشرين يوماً يقصر الصلاة".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره : "دلالة الآثار على معنى الباب ظاهرة، أما على الأول، فلأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أقام بتبوك عشرين يوماً يقصر و لم يكن أزمع الإقامة =

دیہات میں نمازِ عید اور اس کے مفاسد

سوال[۳۸۸۱]: عیدین کے پڑھنے کو دیہات میں منع کرنا کیسا ہے؟ بے شک دیہات میں عید پڑھنے سے ادا نہیں ہوتی مگر دیہاتیوں پر واجب نہیں اگر جو چیز واجب نہیں اس کے ادا کرنے میں کیا قباحت ہے؟ البتہ تبلیغ واشاعت کا ایک ذریعہ ہوتا ہے، لہذا نفل ادا کرنے میں جو قباحت ہو وہ بیان فرمایئے گا، اگر محض یہی چیز کہ نفل کی دن میں جماعت جائز نہیں کم ازکم اس کے مقابلہ میں تبلیغ واشاعت تو ایک بہترین چیز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں مختلف ومتعدد مفاسد ہیں:

۱- عوام اس کو واجب اعتقاد کرلیں گے، غیر واجب بلکہ ناجائز کو واجب اعتقاد کرانا مفسدہ عظیم ہے، جو شئی مندوب ہو اس پر اصرار کرنا مکروہ ہے: ’’الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة، اهـ‘‘ (۱). جو شئی مباح ہو وہ التزام سے مکروہ ہوجایا کرتی ہے، پھر ناجائز شئی پر اصرار کرنا اور اس کو واجب اعتقاد کرنا کیسے جائز ہوگا، قال العلامة اللکنوی: ’’فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم التخصیص من غیر مخصص مکروهاً کما صرح به علی القاری فی شرح مشکوة(۲) والحصکفی فی

= .... لکونهم فی أرض العدوّ التی لا عبرة بالاستقرار بها لکونه علی رجل طائر‘‘. (إعلاء السنن، أبواب صلوة المسافر، باب: یقصر من لم ینو الإقامة وإن طال مکثه، وکذا العسکر الخ: ۲۸۲/۷، إدارة القرآن، کراچی)

’’وأما المکان الصالح للإقامة فهو موضع اللبث والقرار فی العادة نحو الأمصار والقری، وأما المفازة والجزیرة والسفینة، فلیست موضع الإقامة، حتی لو نوی الإقامة فی هذه المواضع خمسة عشر یوماً، لا یصیر مقیماً‘‘. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، وأما المکان الصلاح للإقامة: ۲۷۱/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۵/۲، ۱۲۶، سعید)

(۱) (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراء ة، ذکر البدعات: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی)

(۲) قال الملا علی القاری: ’’قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: ومن أصرّ علی أمر مندوب و جعله عزماً و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصرَّ علی بدعة أو منکر‘‘. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، تحت حدیث عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، =

الدر المختار وغیرهما". سباحة الفکر: ۷۲ (۱)۔

۲-جس کو واجب اعتقاد کر کے پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی اور نفل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے:" و لا یصلی الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی یکره ذلك علی التداعی، اهـ". درمختار (۲)۔

۳-اس نماز میں قرأۃ بالجہر کی جائے گی نوافل میں قرأت بالجہر مکروہ ہے:"وأما نوافل النهار، فیخفی فیها حتماً، اهـ". عالمگیری (۳)۔

= (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیه)

(۱) (مجموعة رسائل الإمام المحدث محمد عبد الحی اللکنوی رحمه الله تعالیٰ، سباحة الفکر فی الجهر بالذکر، الباب الأول فی حکم الجهر بالذکر: ۳/۳۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعید)

"عن زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "صلوا أیها الناس! فی بیوتکم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرأ فی بیته إلا المکتوبة".

قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "قلت: کما أن فی الحدیثین دلالة علی کون النفل فی البیت أفضل منها فی المسجد کذا فیهما دلالة علی کون الجماعة مختصةً بالمکتوبة .... فثبت أن الجماعة فی النوافل خلاف الأصل، والأداء علی خلاف الأصل لا یخلو عن الکراهة، فالجماعة فی النوافل مکروهة". (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کراهة الجماعة فی النوافل والوتر الخ: ۷/۷۷،۷۸، إدارة القرآن کراچی)

"التطوع بالجماعة إذا کان علی سبیل التداعی یکره". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس فی الإمامة، فصل فی الجماعة: ۱/۸۳، رشیدیه)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشیدیه)

"عن یحییٰ بن أبی کثیر: قالوا: یا رسول الله! إن ههنا قوماً یجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر". قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی قدس سره: "قلت: دلالته علی وجوب إخفاء القراءة فی صلاة النهار ظاهرة، حیث أمر صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بزجر من یجهر بها". (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر فی الجهریة والسر فی السریة: ۴/۱، إدارة القرآن، کراچی) =

۴-عیدالاضحیٰ میں قربانی کو نماز کے لئے مؤخر کریں گے جو کہ التزام مالا یلزم ہے وغیرہ۔ تبلیغ کا حاصل ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اشاعتِ سنت اور جس جگہ عید کی نماز درست نہیں وہاں ناجائز طریقہ پر مجمع کرکے ناجائز اور خلافِ شرع طریق پر نماز (ام العبادات کو) ادا کرکے خود غور کرکے دیکھئے کہ کیا تبلیغ اور اشاعت سنت ہو سکتی ہے، تبلیغ کے لئے مستقل مجمع کیا جائے، برادری کی طرف سے پنچایت کرکے تبلیغ کی جائے۔ وھو الموفق والمعین فی کل حین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باہر کا آدمی بھی عید کی نماز پڑھا سکتا ہے

سوال[۳۸۸۲]: رمضان شریف میں تراویح کی نماز کے لئے حافظ بھوپال سے بلائے گئے، انھوں نے رمضان کی ۲۶/ تاریخ تک قرآن سنایا، انجمنِ اسلامیہ کے اراکین وعہدہ داروں نے عید کی نماز پڑھانے کے لئے روک لیا، چونکہ عیدگاہ کا انتظام انجمن ہی کے ذمہ ہے، لیکن چند لوگوں کو یہ اعتراض ہوا کہ کوئی باہر کا آدمی عید کی نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اس شہر میں دو مسجدیں ہیں، جامع مسجد کے پیش امام نابینا ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، مطلب یہ کہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مخالفین نے یہ کہا کہ عیدگاہ پر دو جماعتیں اور دو خطبہ نہیں ہو سکتے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دو جماعتیں نہیں ہوتیں تو اس صورت میں کس جماعت کی نمازِ عید صحیح ہوئی ہے؟ اس جماعت کی جس کا انتظام جماعتِ انجمنِ اسلامیہ نے کیا اور جو عید کے ذمہ دار ہیں، یا اس جماعت کی جس کی امامت جامع مسجد کے نابینا پیش امام نے کی جس کے متولی علیحدہ ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمازِ عید باہر کا آدمی پڑھادے تب بھی ادا ہو جائے گی (۱) اس کی وجہ سے مستقل دوسری جماعت کرنا

= "(ویسر فی غیرها) .... (کمتنفل النهار) فإنه یسرّ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۳۳، سعید)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: ما کان لنا عید إلا فی صدر النهار، و لقد رأیتنا نجمع مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی ظل الحطیم".

"قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "دلالة الأثر علی الباب ظاهرة من حیث =

بھی ٹھیک نہیں، خاص کر وہ بھی اسی عیدگاہ میں، یہ ناپسند ہے، تاہم نماز سب کی ہوگئی، آئندہ ایسا نہ کریں(۱)۔
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۳۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أنهم كانوا في مكة سفراً على الظاهر، ويقاس على المسافر غيره من المعذورين ". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب من لم تجب عليه الجمعة: ۸/۶۳، إدارة القرآن كراچي)

"ويصلح للإمامة فيها من صلح لغيرها فجاز لمسافر وعبد و مريض. (وتنعقد الجمعة (بهم): أي بحضور هم بالطريق الأولى ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يخرج إلى الجبانة في العيد و يستخلف في المصر من يصلي بضعفة الناس، وذلك بمحضر من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، ولما جاز هذا في صلاة العيد، فكذا في صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

"(و تؤدي بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

الفصل الثانی فی وجوب صلوۃ العید علی المحبوسین والنسآء

(قیدیوں اور عورتوں کے لئے عید کی نماز کا بیان)

قیدیوں کے لئے نماز عید کا حکم

سوال[۳۸۸۳]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے معاف ہے، اگر رمضان تک رہنا ہو تو روزہ اور تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صاحبان کو جب وہاں اذان و جماعت کی سہولت ہے کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارات کے تحت وہاں جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ، تراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکمِ شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہو تو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(السابع الإذن العام) .... فلا یضر غلق باب القلعة لعدوّ أو لعادة قدیمة لإذن العام مقرر لأهله و غلق لمنع العدو لا المصلی". (الدرالمختار). "(قوله : أو قصره) قلت: وینبغی أن یكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا فی محل واحد، أما لو تعددت فلا: لأنه لا یتحقق التفویت كما أفاده التعلیل".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۲،سعید)

(وكذا فی أحسن الفتاوی ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة والعیدین : ۴/ ۱۲۲ ، سعید)

(۲) "ومنها مسجد الجماعة، فیصح فی كل مسجد له أذان وإقامة، وهو الصحیح، كذا فی الخلاصة".

(الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف: ۱/ ۲۱۳، رشیدیه)

عورتوں کے لئے نمازِ عید میں شرکت کا حکم

سوال[۳۸۸۴]: عیدگاہ پر پردہ ڈالا جاتا تھا، کچھ عورتیں چادر اوڑھ کر جاتی تھیں اور کچھ عورتیں ساڑی پہن کر جاتی تھیں، چادر نہیں اوڑھتی تھیں تو دس پانچ عورتیں مسجد میں نماز پڑھتی ہیں اور اکثر عورتیں عیدگاہ جاتی ہیں نہیں مانتی ہیں، عیدگاہ پر اب پردہ کا انتظام نہیں ہے، عیدگاہ سے پورب (۱) مدرسہ ہے، وہیں جا کر بیٹھتی ہیں اور کچھ عورتیں باہر بیٹھتی ہیں، مدرسہ سے الگ ہٹ کر غیر مسلم کی دوکان رہتی ہے، عورتیں جب نماز کو کھڑی ہوتی ہیں تو ان لوگوں کی نظر پڑتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عورتوں کے ذمہ عید کی نماز نہیں ہے ان کو روک دیا جائے، عیدگاہ میں اعلان کر دیا جائے کہ عورتیں نہ آئیں، ہر شخص اپنی عورت کو روک دے اس پر بھی وہ نہ مانیں تو اہلِ حق علماء کا وعظ کرایا جائے، اس پر بھی باز نہ آئیں اور سرکشی کریں تو وہ جانیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) ''پورب: مشرق''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن أم عطية رضي الله تعالىٰ عنها، أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تخرج في الفطر والأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلوة و يشهدن الخير و دعوة المسلمين".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: يؤيد ماقاله الطحاوي ماقدمناه في باب منع النساء عن الحضور في المساجد عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي و أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خيرٌ من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خيرٌ من صلوتها في دارها، و صلاتها في دارها خيرٌ من صلوتها في مسجد قومها". وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل".

فمجموع الأحاديث يشعر بكون النساء مأمورات بأن يشهدن الجماعات وصلوة العيد =

عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں

سوال[۳۸۸۵]: عورت عید کی نماز باجماعت یا بغیر جماعت پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں مع حوالہ مدلل ومفصل جواب دیں؟

الجواب - حامداً ومصلیاً:

عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں، بغیر جماعت کے تو مرد بھی نہیں پڑھ سکتے، جمعہ کی طرح عید (بھی) ہے: "وشرط وجوبها (أي وجوب الجمعة) الإقامة والذكورة". كنز: ۱/۲-۱۰۱(۱)- "وتجب صلوة العيد على من تجب عليه الجمعه، الخ". على هامش البحر الرائق: ۱۵۷/۲(۲)-

"وشرط صحتها أن يصلى مع الإمام ثلاثةٌ فأكثر، إجماع العلماء على أنه لابدفيها من

= أوّلاً، ثم حضهن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الصلوة في البيوت، وقال. "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي". و لكنه لم يعزم المنع عن شهود الجماعة، و هذا هو محمل ما رواه بن عباس من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لفساد الزمان كمايشعر به قول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، ولا شك أنها أجلّ من أم عطية. وكان ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول: اخْرُجنَ إلى بيوتكن خيرٌ لكنّ". رواه الطبراني ورجاله موثقون ". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸۸/۸، إدارة القرآن كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

(۱) (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

"(تجب صلاتهـ) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة الخ".
(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

الجماعة كما في البدائع، الخ". ۲/۱۵۱(۱)۔ "ويكره تحريماً جماعة النساء، .... ويكره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد مطلقاً، ولو عجوزا ليلاً على المذهب المفتى به، الخ".

درمختار مختصراً : ۱/۳۸۰(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جامع مسجد میں صرف خواتین کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال[۳۸۸۲] : یہاں عیدگاہ اور جامع مسجد میں عیدین کی نماز ایک عرصہ سے ہوتی ہے، امسال کمیٹی جامع مسجد نے عید کی شب میں اعلان کر دیا کہ نماز عیدگاہ میں ہوگی اور جامع مسجد میں عورتوں کی نماز ہوگی، کوئی مرد جامع مسجد نہ آئے۔ لہٰذا فرمائیے کہ ان کا ایسا کرنا اور مردوں کو جو عرصہ سے عید کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں پریشان کرنا کیسا ہے، جب کہ عورتوں پر نماز عید واجب بھی نہیں؟ اور اگر عورتیں مسجد میں آئیں تو مردوں کے پیچھے پردے کی جگہ میں نماز ادا کر سکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عید کی نماز عیدگاہ جا کر پڑھنا افضل ومستحب ہے(۳)۔ عورتوں پر نماز عید نہیں(۴)، ان کے لئے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۲، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۵، ۵۶۶، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لوادرك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأحدث النساء لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعهن؟ قالت: نعم".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأوّل شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمي)

"(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمي)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأحدث =

مستقل جامع مسجد میں نماز عید کا انتظام کرنا- کہ کوئی مرد وہاں نہ جائے، صرف عورتیں وہاں نماز عید ادا کریں- غلط طریقہ ہے، شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں اس طریقہ کو بالکل بند کیا جائے، عورتیں نماز عید کے لئے نہ مسجد میں جائیں نہ عیدگاہ میں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

عورتوں کا عیدگاہ میں جانا

سوال[۳۸۸۷]: عید کی نماز کے لئے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر آیا کرو اور تاکید فرمائی ہے، مگر میں نے اس کا چرچا کبھی آپ بزرگوں میں نہیں سنا ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ گنگوہ اور گرد ونواح کے علماء نے اس کی تاکید نہیں کی، یہ ہمارے یہاں کے رسمی پردہ کی وجہ سے ہے، تو کیا مذہب کی ادائیگی آپ کی سوسائٹی اور رسم کی وجہ سے ادھوری رکھی جاسکتی ہے؟ تمام لوگ اگر اس کی پابندی نہ کریں اور قرآن وحدیث سے یہ سوسائٹی کی رسومات ورواج کو ترجیح دے تو دوسری بات ہے مگر علمائے دین تو شاید کبھی بھی رسومات کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ مجھے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ عید کی نماز کے لئے جب حدیث شریف میں تاکید ہے کہ عورتوں کو بھی لایا جائے تو پھر ہم لوگوں کی عورتوں کو مسجد یا عیدگاہ جہاں عورتوں کے لئے انتظام ہوجانا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں جانے کی اجازت تھی بلکہ عیدگاہ میں تو حالتِ حیض میں بھی اجازت

= النساء، لمنعهن المسجد كما مُنعت نسآء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ١/١٢٥، قديمي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ٢/١٦٦، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ١/١٥٠، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ٢/٢٧٦، رشيديه)

تھی اگرچہ نماز میں نہ شریک ہوں (۱)، پھر اس کے بعد دوسرا ارشاد فرمایا وہ یہ کہ "عورت کا اپنے مکان میں نماز پڑھنا بہتر ہے، مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے"۔ اس پر عورتیں بڑی حد تک مسجد نبوی میں جانے سے رُک گئیں (۲)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو بڑی علمی تدبیر سے مسجد جانے سے روکا یعنی ایسی تدبیر کی کہ جس سے انہوں نے مسجد جانا بند کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت پر یہی فرمایا کہ "نماز پڑھنے کے لئے مسجد کیوں نہیں جاتی ہو" تو جواب دیا کہ "اب مسجد جانے کا زمانہ نہیں رہا، لوگوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے"، حالانکہ پہلے جایا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ "اگر عمر کو میرا مسجد جانا پسند نہیں تو وہ منع کر دیں، میں نہیں جاؤں گی، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے رکھی تھی اس لئے میں جانے سے باز نہیں آؤں گی"۔ مگر جب تجربہ ہوا تو خود ہی سمجھ میں آگیا کہ اب جانا ٹھیک نہیں ہے (۳)۔

---

(۱) "عن أم عطية قالت: أمرنا أن نخرج العواتق ذوات الخدور. وعن أيوب عن حفصة بنحوه. وزاد في حديث حفصة: قال أو قالت: العواتق وذوات الخدور، ويعتزلن الحُيَّض المصلى". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب خروج النساء و الحُيّض إلى المصلى: ۱۳۳/۱، قديمي)

(۲) "وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي". (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸۸/۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) واقعہ مذکورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے، لیکن "الإصابه" اور "أسد الغابة" کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاتکہ بنت زید سے نکاح کیا، پھر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی علمی تدبیر اختیار کر کے اسے مسجد سے روک دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وذكر أبوعمر في التمهيد أن عمر لما خطبها شرطت عليه ألاّ يضر بها، ولا يمنعها من الحق، ولا من الصلوة في المسجد النبوي. ثم شرطت ذلك على الزبير، فتحيّل عليها أن كَمَنَ لها لمّا خرجت إلى صلاة العشاء، فلما مرّت به، ضرب على عجيزتها، فلما رجعت، قالت: إنا لله! فسد الناس، فلم تخرج بعدُ". (الإصابة في تمييز الصحابة للإمام الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ، (رقم الترجمة: ۱۱۴۵۲): ۲۲۸/۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"فلما خطبها عمر، شرطت عليه أنه لايمنعها عن المسجد، ولا يضربها، فأجابها على كُرهٍ منه.=

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "اگر آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور عورتوں کی حالت ملاحظہ فرماتے تو عورتوں کو ہرگز مسجد جانے کی اجازت نہ ملتی جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں جانے سے روک دی گئی تھیں اسی طرح اس امت کی عورتیں بھی روک دی جاتیں" (۱)۔ غور کا مقام ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوتے یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود ہوتیں تو موجودہ عورتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جاتی۔ علماء کا منع فرمانا ان روایات کی بناء پر ہے، محض کسی خودساختہ رسم کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۵ھ۔

عورت کے ذمہ نماز عید، رفع یدین وغیرہ

سوال [۳۸۸۸]: میں نے سنا ہے کہ عورت نماز عید نہ گھر اور نہ عیدگاہ میں پڑھے، گویا عورت پر واجب نہیں، اس کے متعلق جلد آگاہ کریں، عورت اگر نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھے تو کیسا ہے؟ جو جماعتِ اہلِ حدیث کہلاتی ہے وہ قرآن میں آیتیں نکال نکال کر دکھاتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف "اللہ اکبر" کہہ کہ نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے، یہ نہیں کہ تمام نماز کو بیان کر کے یعنی "اتنی رکعت فرض یا سنت واسطے اللہ پاک کے میرا منہ کعبہ شریف کے" اور "اللہ اکبر" یہ غلط ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رفعِ یدین کو قصداً کیا ہے اور ہمیشہ کے لئے کیا ہے۔ آپ ہم کو بتلائیں قرآن پاک میں کس جگہ انکار ہے؟

= فلما خطبها الزبير، ذكرت له ذلك، فأجابها إليه أيضاً. فلما أرادت الخروج إلى المسجد للعشاء الآخرة، شقّ ذلك عليه، ولم يمنعها. فلما عيل صبُره، خرج ليلةً إلى العشاء وسبقها، وقعدلها على الطريق بحيث لاتراه، فلما مرّت، ضرب بيده على عجزها، فنفرت من ذلك ولم تخرج بعدُ". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لعز الدين بن الأثير الجزري رحمه الله تعالىٰ، رقم الترجمة: ۷۰۶۹، النساء: ۱۸۸/۶، دارالفكر، بيروت)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأحدث النساء، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل، فقلت لعمرة: أوَ منعن؟ قالت: نعم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس: ۱۲۵/۱، قديمي)

الجواب حامداًومصلياً:

عورت پر نمازِ عیدین نہیں، نہ اس کے ذمہ عیدگاہ میں جانا ہے، نہ گھر پر نماز عید لازم ہے، عورت پر جمعہ بھی نہیں، اس کو چاہئے کہ اپنے گھر پر نماز ظہر ادا کرے، جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جائے (۱)۔ اگر دل کے ارادہ کو زبان سے بھی کہے تو منع نہیں (۲)۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

(۱) "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خيرٌ من صلوتها في حجرتها، و صلوتها في حجرتها خيرٌ من صلوتها في دارها، و صلاتها في دارها خير من صلاتها في مسجد قومها اهـ".

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل".

فمجموع الأحاديث يشعر بكون النساء مأمورات بأن يشهدن الجماعات وصلوة العيد أوّلاً، ثم حضهن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الصلوة في البيوت، و قال: "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي"، و لكنه لم يعزم المنع عن شهود الجماعة، وهذا هو محمل ما رواه ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لفساد الزمان كمايشعر به قول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، و لا شك أنها أجلّ من أم عطية. وكان ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول: اخرجن إلى بيوتكن خيرٌ لكنّ". رواه الطبراني و رجاله موثقون". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸۸/۸، إدارة القرآن كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۲/۲، رشيديه)

(۲) "والتلفظ عند الإرادة بها (أي بالنية) مستحب، هو المختار". (كتاب الصلاة، باب شروط الجمعة: ۴۱۵/۱، سعيد)

صرف ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز پڑھنے کو کہا ہے، کسی حدیث شریف میں یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین ہمیشہ کرنے کو فرمایا ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے اور بس، پھر کسی دوسرے موقع پر رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے''، زیلعی میں اس کی سند مذکور ہے (۱)، قرآن پاک میں تو رفع یدین کا حکم کہیں (بھی) مذکور نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۶ھ۔

عید کا جھنڈا اور عورت کا خطبۂ عید

سوال [۳۸۸۹]: ہمارے یہاں عید، بقرعید اور شبِ قدر میں جھنڈا اٹھاتے ہیں، مقصد صرف لوگوں کو دکھانا ہے کہ لوگ آگاہ ہو جائیں، یہ کیسا ہے؟ اور عورتیں اطراف واکناف سے آتی ہیں اور عید الفطر کی نماز ادا کرتی ہیں اور عورتیں ہی خطبہ دیتی ہیں، تقریر کرتی ہیں، مدرسہ کے لئے چندہ بھی وصول کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید بقرعید کی اطلاع کیلئے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں۔ عورتوں کا عید کی جماعت کرنا کہ عورت ہی امام ہو

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۵، رشيديه)

(۱) "عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". انتهى، و في لفظ: "وكان يرفع يديه أول مرة، ثم لا يعود". قال الترمذي رحمه الله تعالىٰ: حديث حسن".

قال الزيلعي رحمه الله تعالىٰ في آخر كلامه على سند هذا الحديث: "و قد أخرج هو (أي الحاكم) في المستدرك عن جماعة لم يخرج لهم في الصحيح، وقال: هو على شرط الشيخين. وإن أراد بقوله: لم يخرج حديثه في الصحيح: أي هذا الحديث، فليس ذلك بعلة، وإلا لفسد عليه مقصوده كله من كتابه المستدرك، انتهى". (نصب الراية، رقم الحديث: ۱۷۰۵، ۱/۳۹۴، ۳۹۶، مكتبه مكيه)

8

اور خطبہ پڑھے شرعاً ممنوع ہے (۱)۔ یہ جھنڈا بھی بند کیا جائے اور عورتوں کا اس طرح عید پڑھانا بھی بند کیا جائے۔ غلط کام کر کے مدرسہ کو چلانا کارِ خیر نہیں، صحیح طریقہ پر کوشش کی جائے۔ اللہ پاک نصرت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و كره جماعة النسآء، لأنها لاتخلوا عن إرتكاب محرم، و قيام الإمام وسط الصف، فيكره كالعراة، كذا في الهداية، و هو يدل على أنها كراهة تحريم؛ لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۱۴، رشيديه)

الفصل الثالث فی صلوة العیدفی المسجد وغیرہ

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

عیدین کی نماز بستی میں یا میدان میں؟

سوال[۳۸۹۰]: عیدین کی نماز بلاعذر گھر یا مکان یا صحن یا وقف کردہ یا محلے کے ایک خاص مکان کے اوپر چھوٹی مسجد کے اندر پڑھنا مناسب ہے یا کہ وقف کردہ مکان عیدگاہ جو محلہ اور شہر اور مکان سے خارج باہر میدان میں پڑھنا افضل ہے؟ کون بہتر اور مسنون ہے؟

ایک گاؤں جہاں چند ہزار آدمی کی بستی ہے، چند سال سے ایک تعلق دار صاحب کے خاص مکان کے صحن میں غفلۃً نماز عیدین پڑھتے تھے، قبل ازیں کچھ آدمی عیدگاہ کے میدان میں نماز عیدین پڑھتے تھے، بعد اس کے تعلق دار صاحب کی رائے سے بلاعذر اپنے مکان پر ایک چھوٹی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور فی الحال ان کی رائے سے ان کی کچہری کے صحن میں صلاۃ العیدین پڑھتے ہیں، یہ صحن نہ وقف ہے نہ عیدگاہ ہے اس صحن کے کنارے میں کئی قبریں ہیں۔

صاحبِ خانہ صحن پر کلاً قابض ہے اور متصرف ہے، اہلِ قریہ کا اس صحن میں دخل اور کسی طرح کا دعویٰ نہیں ہے، حالانکہ صحن کے سبب عدم وقف اور تقلیل موضع الصلوۃ مرۃ بعد مرۃ اہل القریۃ منتشر الذہن اور متردد الحال ہیں، کیونکہ کبھی عیدگاہ میں اور کبھی صحن میں کما مرّ، جہاں تعلق دار صاحب کی فی الحال آبادی وزراعت ہے اور کبھی ایک چھوٹی مسجد کے اندر، کبھی مکان کے صحن میں جیسا کہ حالا نماز عیدین پڑھتے ہیں۔ پس لکون محل الصلوۃ صحناً لمکان صاحبِ غیر مستقل الحال اہلِ قریہ میں ایک قسم کی تنگی درآمد ہوتی ہے اور بسببِ نا اتفاقی اہلِ قریہ شرعاً ومعاملاً مع صاحب خانہ بسببِ تعلق دار اہل قریہ کا کیا حکم ہے؟ اکنوں مع ہذا اہلِ قریہ میں اسبابِ مفسدہ ظاہر ہیں اور اتفاق وسکون، راحت وآرام درہم برہم ہوگیا۔

ازیں جہت عیدگاہ اور اتفاق وامان کی ضرورت ہوئی لہذا دو سال سے دفعاً للحرج وأماناً لأهل

القریة و لتعیین موضع الصلوة واستراحةً للمؤمنین و لانسداد أسباب المفاسد فی یوم العید لله تعالیٰ۔ اہلِ قریہ نے مشورةً لجمیع الناس مع تعلق دارصاحب میدان میں قطعة من الأرض وقف کرکے عیدگاہ بنا کر تقریباً پندرہ سو{۱۵۰۰} آدمی نمازعیدین پڑھتے ہیں اور پھر تعلقدار صاحب از روئے تونگری اور مدت سے صحن میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اپنے گھر کے صحن ہی میں مع چارسوآدمی کم وبیش نمازعیدین پڑھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ صحن میں نماز پڑھنا افضل و بلا کراہت درست ہے اور میدان میں وقف کردہ عیدگاہ میں اگر شرعاً بلا قیل وقال باتفاق المسلمین مع اطرافِ قریہ نمازعیدین پڑھتے ہیں، یہ نادرست اور حرام ہے کیونکہ یہ جدید ہے اور ہم (تعلقدار صاحب) تو شریک ہی ہیں، حالانکہ تعلق دار صاحب ابھی اہل قریہ کوعینِ عید کے روز خوف دلارہے ہیں کہ شرع شریف کا حکم ماننے کا نعرہ دے رہے ہیں، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا

الجواب حامداًومصلیاً:

"ثم خروجه ماشیاً إلی الجبانة و هی المصلی العام: أی فی الصحراء، والخروج إلیها وإلی الجبانة لصلوة العید سنةٌ، وأن یسعهم المسجد الجامع هو الصحیح. وفی الخلاصة والخانیة: السنة أن یخرج الإمام إلی الجبانة و یستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناءً علی أن صلوة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق، وإن لم یستخلف، فله ذلك، اهـ". در مختار و شامی بقدر الحاجة: ۱/۸۶۷(۱).

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین: ۲/۱۶۸، سعید)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه: قال کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یخرج یوم الفطر والأضحیٰ إلی المصلیٰ، فأول شیء یبدأ به الصلاة، ثم ینصرف". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی: ۱/۱۳۱، قدیمی)

"ذلک(أی الخروج إلی الصحراء لصلوة العید) أفضل من صلاتها فی المسجدلمواظبة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی ذلک مع فضل مسجده". (فتح الباری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی الخ: ۲/۵۷۲، قدیمی)

وفی الفتاوی العالمکیریة: "و یستحب .... والخروج إلی المصلی ماشیاً". (الباب السابع عشر فی العیدین: ۱/۱۴۹، رشیدیه)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عید کو صحراء میں عیدگاہ میں جا کرادا کرنا سنت ہے اگر چہ جامع مسجد میں گنجائش ہے اور بہتر یہ ہے کہ امام خود عیدگاہ میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائے اور کسی شخص کو اپنا نائب بنادے جو کہ ضعفاء کو جن میں عیدگاہ میں جانے کی قوت نہیں ہے شہر میں نماز پڑھائے، اگر امام نے کسی کو نائب نہیں بنایا تب بھی گناہ نہیں (۱)۔

جو شرائط جمعہ کے لئے ہیں عموماً وہی عید کے لئے ہیں، مثلاً اذنِ حکام دونوں جگہ شرط ہے، اگر کوئی خاص مکان میں جہاں اذنِ عام نہ ہو نماز عید پڑھے تو یہ درست نہیں جیسا کہ جمعہ درست نہیں، اگر اذنِ عام ہو تو درست ہے، اس جگہ کا وقف ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مملوک میں بھی درست ہے (۲)۔

قبریں اگر بالکل قریب ہیں اور مسجد کے سامنے بلا حائل ہیں تو اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، مگر صرف ان لوگوں کی جن کے سامنے ہیں، اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اسی ترتیب سے کراہت میں کمی ہوگی، اگر دور ہیں یا حائل موجود ہیں تو کراہت نہیں (۳)۔

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۴۲/۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب تكبيرات التشريق الخ: ۱۲۷/۸، إدارة القرآن، كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية. "تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

و في رد المحتار: "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في مرضه الذي مات فيه:=

جس قسم کی بستی جمعہ کے لئے شرط ہے اسی قسم کی بستی عید کے لئے بھی شرط ہے یعنی شہر ہو یا قصبہ ہو یا ایسا بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مانند ہو اور اس کی مردم شماری کم از کم تین ہزار ہو اور جو بستی ایسی نہ ہو اس میں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی، جو لوگ پڑھیں گے وہ گنہ گار ہوں گے اور جمعہ کے دن ظہر کا فرض ذمہ میں باقی رہے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نماز عید کے لئے میدان میں جانا مستحب ہے اور مسجد میں پڑھنا خلافِ سنت ہے

سوال[۳۸۹۱]: عید الاضحیٰ کی نماز شہر کی مساجد میں ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے، مگر قابلِ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اتنی بڑی تعداد میں سنت کا ترک مداومت کا باعث نہیں، واضح ہو ہمارے یہاں شہر میں نوے فیصد مساجد میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لی جاتی ہے اور شہر کی مساجد میں نماز پڑھ لینے کی مصلحت یہ بتاتے ہیں کہ جلد از جلد قربانی کے کام سے فرصت مل جاتی ہے۔ ایک امام مسجد اصرار کرتے ہیں کہ شہر میں نماز ادا کر لینا بہتر نہیں، خلافِ سنت ہے، اس لئے عیدگاہ میں نماز ہونی چاہئے۔ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ میں جا کر نماز عید ادا کرنا مندوب ہے اگرچہ جامع مسجد میں وسعت ہو: "فإن خصوص

= "لعن اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد". قلت: و لو لا ذلک لأبرز قبره غير أني أخشى أن يتخذ مسجداً". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المسجد على القبر: ۱/۱۷۷، قديمي)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان ، ن يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة الخ: ۱/۶۵۴، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۴۰۳، رقم الحاشية: ۴)

التوجه إلى المصلى مندوب وإن وسعه المسجد عند عامة المشايخ، و هو الصحيح، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۹۰(۱)۔ اگر عیدگاہ میں لوگ جاکر نماز ادا کرلیں اور کچھ لوگ شہر کی جامع مسجد میں پڑھ لیں تب بھی مستحق ملامت نہیں، سب لوگ اگر مسجد ہی میں پڑھیں تو خلافِ مندوب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

نمازِ عیدین صحرا میں یا آبادی میں؟

سوال[۳۸۹۲]: عیدین کی نماز بستی کے اندر ادا کرنا افضل ہے یا آبادی کے باہر صحراء میں؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عیدین کی نماز صحراء میں افضل ہے: في الدر المختار: "والخروج إليها: أي الجبّانة لصلوة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح". و فيه: "الجبانة المصلى العام". وفي ردالمحتار: "(المصلى العام): أي في الصحراء، بحر عن المغرب". ۸۶۷/۱(۳)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱۳۱/۱، قديمي)

"(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(۲) "و فيه الخروج إلى المصلى في العيد وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلا عن ضرورة". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۷۲/۲، قديمي)

"لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۲/۱، دار المعرفة، بيروت)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

باوجود جامع مسجد میں گنجائش ہونے کے جس میں پانچ سو نماز کا ثواب ملتا ہے، خروج الی الجبانۃ کو سنت لکھا ہے، طحطاوی میں ہے:

"(قوله :سنة) فلو لم يتوجه إليها (أى الجبّانة) فقد ترك السنة"(۱)، بلا عذر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے: فی فتح الباری: "(ذالك: أى الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها فى المسجد لمواظبة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده"(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ،　　عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۵۲/۱/۱۳ھ۔

فیلڈ (میدان) میں نماز عید

سوال[۳۸۹۳]: ایک سرکاری فیلڈ جہاں پر یومِ آزادی، یومِ جمہوریہ کی کارروائیاں کسی بڑے لیڈر کے آنے پر یا کسی دوسرے کی وجہ سے جلسہ جلوس وغیرہ بھی وقوع میں آتے ہیں، کھیل کود وغیرہ بھی ہوتے ہیں، الحاصل ایک شہر کے تمام امور جہاں طے ہوتے ہیں۔ اس فیلڈ (میدان) میں عید کی نماز تمام مسلمان .... مجتمع ہو کر پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب کہ وہ فیلڈ ایک ایسی جگہ واقع ہیں جہاں نماز پڑھنے سے مسلمانانِ شہر اور اسلام کا رُعب باقی اہلِ شہر پر پڑتا ہے۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۳۵۲، دار المعرفة بيروت)

"لو صلى العيد فى الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

"و فيه الخروج إلى المصلى فى العيد، وإن صلاتها فى المسجد لاتكون إلا عن ضرورة". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۲/۵۷۲، قديمى)

(۲) (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۲/۵۷۲، قديمى)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلى، فأول شىء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سرکار کی طرف سے اجازت ہو تو وہاں بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدگاہ اور مساجد میں نمازِ عید

سوال [۳۸۹۴]: مالیگاؤں ایک قصبہ ہے غدر، ۵۷ھ سے پہلے بہت کم مسلمان آباد تھے، مگر غدر کے بعد شمالی ہند سے آ کر کثرت سے آباد ہوئے، اب یہاں مسلم آبادی چوبیس ہزار ہے، نماز عیدین کے لئے ایک پرانی اور نہایت چھوٹی سی عیدگاہ بنی ہوئی ہے جس میں زائد سے زائد ایک ہزار آدمی آ سکتے ہیں اور عیدگاہ اس وقت اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے یقیناً کافی ہوگی لیکن وہ عیدگاہ کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی، علاوہ ازیں اصل بات جو سوال کی محرک بنی، وہ یہ کہ وہ عیدگاہ اس وقت یقیناً صحراء میں تھی لیکن اب آبادی بڑھتے بڑھتے وہ عیدگاہ صحراء نہیں، ابھی بلکہ آبادی میں آ گئی ہے۔ ایسی صورت میں فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل ومفصل بیان فرمائیں۔

۱...... دوسری عیدگاہ ایک وسیع قطعہ زمین چندہ سے خرید کر کسی ایسے مقام پر جہاں صحراء کا پورا اطلاق ہو سکے اگر بنوائی جائے تو جائز ہے یا نہیں، اور اس سے تفریق بین المسلمین تو نہ ہوگی، کیونکہ یہ حقیقت واقعہ ہے کہ موجودہ عیدگاہ میں مسلمانوں کی اکثریت نماز عیدین ادا نہیں کرتی بلکہ یہاں نماز عیدین شہر کی ہر چھوٹی بڑی مسجدوں میں ہوتی ہے اور عیدگاہ میں بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں۔

۲...... مساجد میں نماز عیدین ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے یا مع الکراہت؟

---

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: .... والسابع: (الإذن العام) من الإمام". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

۳......نمازِ عیدین عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے یا نہیں؟

۴......موجودہ عیدگاہ جو آبادی میں ہے اس میں نمازِ عیدین ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

۵......اور اگر نمازِ عیدین جنگل کے کسی حصہ میں بلا عیدگاہ بنائے ادا کرلی جائے، مثلاً ندی کے کنارے کسی میدان میں یا کسی وسیع باغ میں ہو پھر بھی سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں، یا عیدگاہیں بنواکر پڑھنے سے ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز صحراء میں جاکر پڑھنا سنت ہے (۱) جب کہ وہاں کوئی شرعی منکر نہ ہو اور مساجد میں پڑھنا بھی مکروہ نہیں، البتہ سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا (۲)۔ صحراء میں عیدگاہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ عیدگاہ کے بغیر بھی صحراء میں پڑھنے سے سنت کا ثواب حاصل ہوجائے گا، بہتر یہ ہے کہ تمام آدمی جنگل میں جاکر عیدین ادا کریں اور جو معذورین ہوں وہ سابق عیدگاہ میں (جو آبادی میں ہے) ادا کریں اور ہر مسجد میں عیدین کی ادائیگی بند کردی جائے اور اگر وسعت اور سہل ہو تو جنگل میں نئی عیدگاہ بنائیں ورنہ بغیر عیدگاہ ہی ادا کرلیا کریں:

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی، فأول شیء یبدأ بہ الصلوة". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی الخ: ۱/۱۳۱، قدیمی)

"ذلک (أی الخروج إلی الصحراء لصلوة العید) أفضل من صلاتها فی المسجد لمواظبة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجدہ". (فتح الباری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی: ۲/۵۷۲، قدیمی)

"والخروج إلی الجبانة فی صلاة العید سنة الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع عشر فی العیدین: ۱/۱۵۰، رشیدیہ)

(۲) "لو صلی العید فی الجامع و لم یتوجہ إلی المصلی، فقد ترک السنة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۲۷۸، رشیدیہ)

"فلو لم یتوجہ إلیها (أی الجبانة) فقد ترک السنة" (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب العیدین: ۱/۳۵۲، دار المعرفة)

"والخروج إليها : أى الجبانة لصلوة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح". "قال فى الظهيرية: و قال بعضهم: ليس سنة، و تعارف الناس لضيق المسجد و كثرة الزحام، والصحيح هو الأول ، وفى الخلاصة و الخانية: أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناءً علىٰ أن صلوة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك"۔ در مختار وردمحتار: ۱/۱۶۷(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

عیدگاہ شہر سے کتنی دور ہو؟

سوال[۳۸۹۵]: مسجد سے عیدگاہ کتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

شریعت کی طرف سے اس کا کوئی فاصلہ متعین نہیں ہے، بس اتنی بات ہے کہ نماز عید آبادی سے باہر ادا کرنا مندوب ومستحب ہے(۲) كماصرّح به فى مراقى الفلاح(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار ، مع رد المحتار ، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۸/۲ ، سعيد)

"عن أبى إسحاق أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد فى المسجد ركعتين": (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة ، شرائط الجمعة : ۱/۵۸۷، رشيديه)

(۲) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخارى ، كتاب العيدين ، باب الخروج إلى المصلى الخ : ۱/۱۳۱ ،قديمى)

(۳) "وندب: أى استحب لمصلى العيد فى يوم الفطر ثلاثة عشر شيئاً ....و صلاة الصبح فى مسجد حيه) لقضاء حقه، ويتمخض ذهابه لعبادة مخصوصة. وفى قوله: (ثم يتوجه إلى المصلى) إشارة إلى تقديم ماتقدم على الذهاب (ماشياً) بسكون و وقار و غض بصر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمى)

"(والخروج إليها): أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۹/۲ ، سعيد)

قبرستان میں نمازِ عید

سوال[۳۸۹۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے، قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کیے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کیے جاتے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں خریدیں گے ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائیگی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کرسکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔ اب اہلِ شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کردیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا، امید ہے کہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشہ قبرستان

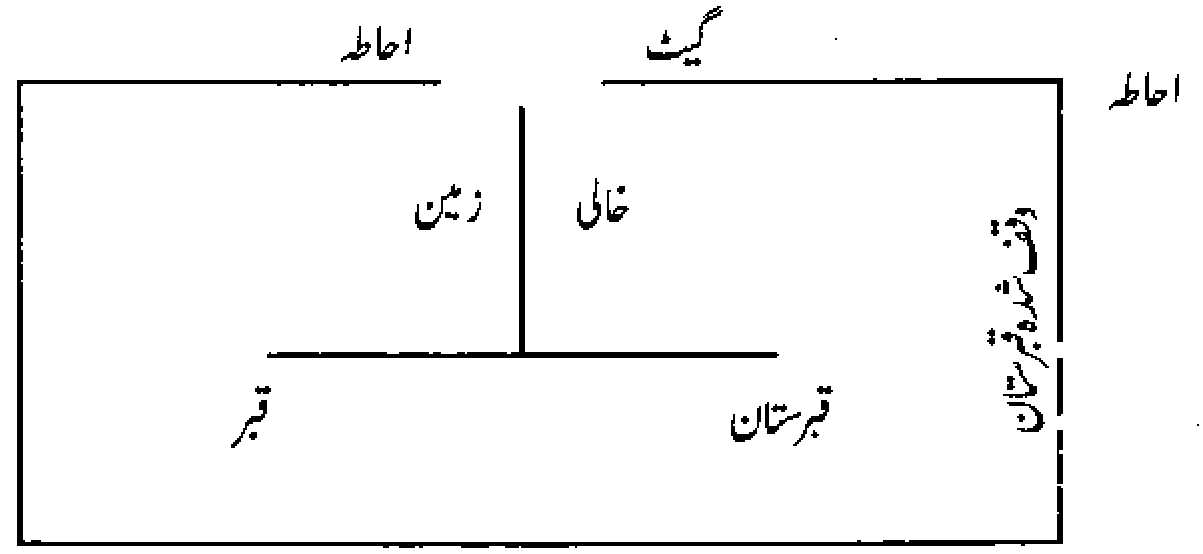

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی و پرانی ہرقسم کی موجود ہیں تو وہاں نمازعیدادانہ کی جائے بلکہ اس کے قریب جوجگہ موجود ہے اوراس کوخرید کرعیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تواسی کوخرید کر عیدگاہ بنالیں، اس میں خلفشاروانتشار نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جوجگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے، حتی الوسع شرعاً منشائے واقف کی رعایت لازم ہے:"لأن شرط الواقف كنص الشارع "(١) قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(١) (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع : ۴/۴۳۳، سعيد)

(٢) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه : قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام : ۱/۷۳، سعيد)

"بابٌ: هل ينبش قبور مشركي الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله اليهود اتخذوا قبور أنبياء هم مساجد "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أم حبيبة و أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنهما ذكرتا كنيسةً .... فقال: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أولئك إذا فيهم الرجل الصالح فمات وبنوا على قبره مسجداً وصوّروا فيه تلك الصور، أولئك شرار الخلق عند الله يوم القيمة". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة : ۱/۶۱، قديمي)

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ : "ذِكر ما يستنبط منه من الأحكام .... و فيه منع بناء المسجد على القبور و مقتضاه التحريم كيف و قد ثبت اللعن عليه .... اهـ. وما يكره من الصلاة في القبور: و رأى عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنسَ بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يصلي عند قبر، فقال: القبر القبر! و لم يأمر بالإعادة". اهـ. أي لم يأمر عمر أنساً بإعادة صلاته ذلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره، واعلم أن العلماء اختلفوا في جواز الصلاة على المقبرة ....و ذهب الثوري =

نمازِ عید قبرستان میں

سوال[۳۸۹۷]: عیدگاہ کے متصل قبرستان واقع ہے، جب عیدگاہ نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو لوگ قبرستان میں بھی عید کی نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت کی وجہ سے قبرستان میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازی کے آگے قبریں ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= وأبوحنيفة والأوزاعي رحمهم الله تعالىٰ عليهم إلى كراهة الصلوة في المقبرة". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية الخ: ۱۷۴/۴، ۱۷۳، مطبع منيرية)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطي والجلوس عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

"ورأى عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنس بن مالك يصلي عند قبر، فقال: القبر القبر، ولم يأمر بالإعادة".

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: "أي لم يأمر عمر النساء باعادة الصلاة ذلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور شركي الجاهلية: ۱۷۳/۴، ۱۷۴، سعيد)

"لاتكره الصلاة في جمعة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لوصلى صلاة الخاشعين، وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب: مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۶، ۳۵۷، قديمي)

بارش میں نماز عید کہاں پڑھیں؟

سوال[۳۸۹۸]: بارش بہت زوروں سے شروع ہے، لوگ مقررہ عیدگاہ جانے سے قاصر ہیں تو کیا اس موضع میں جس میں دو چار یا دس بیس تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور مسجد بھی ہے، یا نہیں ہے تو نماز عیدین اپنے موضع میں ایسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، ادا کر سکتے ہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے موضع میں نماز عید درست نہیں، نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، مطمئن رہیں: "تجب صلوتهما على من تجب عليه الجمعة". در مختار(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

بلاعذر مسجد میں عید کی نماز

سوال[۳۸۹۹]: عید کی نماز عیدگاہ کے علاوہ مساجد میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ معذورین کو تو عذر ہے، ان کے علاوہ مساجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں تو جن لوگوں نے مسجد میں عید کی نماز پڑھ لی تو ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ براہ کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسنون طریقہ یہی ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر متفقہ طور پر سب ایک ہی جگہ ادا کریں(۲)، لیکن

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچی)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم=

جن لوگوں نے مسجد میں بلا عذر نمازِ عید ادا کرلی ہے نماز ان کی بھی ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں نمازِ عید پڑھنا خلافِ سنت ہے

سوال[۳۹۰۰]: نمازِ عیدین کو ہمیشہ مسجد میں پڑھنا اور باوجود باہر عیدگاہ ہونے باہر نہ جانا اور لوگوں کا یہ کہنا کہ باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے باجودیکہ کوئی عذر بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نمازِ عیدگاہ میں جاکر پڑھنا سنت ہے (۲)، اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں بھی درست ہے اور بلا عذر

= الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شئ يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب الخروج الى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمی)

"(والخروج إليها): أی الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمی)

(۱) نماز تو ادا ہوگئی لیکن بلا عذر مسجد میں جاکر نمازِ عید پڑھنے میں ترکِ سنت ہے:

"وفيه الخروج إلى المصلى في العيد، وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلاعن ضرورة". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمی)

"لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱/۳۵۲، دارالمعرفة، بيروت)

(۲) "عن ابی سعيد الخدری رضی الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمی)

"ذلك (أی الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمی) .... =

مسجد میں پڑھنے سے تو نماز تو ہو جاتی ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، نیز باہر جا کر ادا کرنے میں کچھ اور بھی مصالح ہیں وہ بھی اس صورت میں فوت ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص خود عیدگاہ میں نہ جائے تو بلا وجہ دوسروں کو جانے سے نہیں روکنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مساجد میں عید کی نماز

سوال [۳۹۰۱]: **الف**...... ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ دو فرلانگ ہے، ایک تیسری عیدگاہ بھی ہے، پہلے دو عیدگاہوں اور اس کے درمیان ایک دریا بھی ہے، یہ تیسری عیدگاہ گزشتہ عید الفطر سے جاری ہوئی ہے۔ لہٰذا کیا اس صورت میں مساجد میں نماز پڑھنا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

ب...... قاضی ہونے کی حالت میں مختلف عیدوں میں مختلف عیدگاہوں میں نماز پڑھنا چاہیے، یا سب مسلمانوں کو ایک عیدگاہ کے بنانے تک مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... مندوب ومستحب یہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے، پنجگانہ کی مسجد میں ادا کرنے

= "الخروج إليها: أى الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(۱) "وقال الشافعي في الأم: "بلغنا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة، وكذا من بعده إلا عذر مطر و نحو الخ". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب الخروج يوم الفطر والأضحىٰ الخ ۹۱/۸، ۹، إدارة القرآن، كراچى)

"وفيه: الخروج إلى المصلى في العيد وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلّا عن ضرورة". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۷۲/۲، قديمى)

"لو صلى العيد في الجامع و لم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

سے بھی نمازِ عید ادا ہو جاتی ہے، لیکن اظہارِ شوکتِ اسلام میں کمی ہوتی ہے کیونکہ مجمع متفرق اور منتشر رہتا ہے (۱)۔

ب...... جب تک جامع عیدگاہ بنے اس وقت تک دونوں عیدگاہوں میں پڑھا کریں، سب مساجد میں جاری نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معذورین کے لئے جامع مسجد میں نمازِ عید

سوال [۲۹۰۲]: بستی سے عیدگاہ تقریباً ایک میل دور ہے، لوگ دور جانے میں گھبراتے ہیں، عیدگاہ کے چاروں طرف غیر مسلم کی زمین ہے، بستی والے عیدگاہ قریب بنانا چاہتے ہیں۔ اگر عیدگاہ دوسری بنالیں تو اس عیدگاہ کا کیا کیا جائے؟ غیر مسلم بے حرمتی کریں گے، پہلی عیدگاہ کی حفاظت مشکل ہوگی، بستی مسلمانوں سے خالی ہو جاتی ہے، عورتیں وغیرہ اکیلی رہ جاتی ہیں، غیر مسلم سے نقصان کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسی حالت میں عیدگاہ بنائی جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی عیدگاہ ویران نہ کریں وہاں جا کر نماز پڑھا کریں (۳) بستی میں بھی مثلاً جامع مسجد میں عید کا

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "بلا عذر مسجد میں عید کی نماز"۔)

(۲) "وتؤدی صلوة العيد بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

"وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه الله تعالیٰ يجوز الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱۳۱/۱، قديمی)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة =

انتظام کرلیں، ضعیف اور معذور لوگ یہاں پڑھ لیا کریں، اس طرح معذوروں کو دشواری نہ ہوگی، بستی بھی خالی نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو بستیوں میں ایک عیدگاہ

سوال[۳۹۰۳]: دو گاؤں میں جو بالکل قریب قریب ہیں اور دونوں میں کچھ فاصلہ بھی نہیں ہے دونوں کے مابین ایک عیدگاہ ہے اور جمعہ دونوں میں ہوتا ہے لیکن نماز عید ایک ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، امسال عید الفطر کے موقع پر ایک شخص تقریر کر رہا تھا تو عیدگاہ والوں نے اس شخص کو تقریر کرنے سے منع کیا، نماز ایک فاسق شخص نے پڑھائی اور دوسرے آدمی ڈاڑھی منڈے نے خطبہ پڑھا اور عیدگاہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تمام آدمیوں کو محیط ہو سکے، بہت چھوٹی ہے اس کے بر طرف قبرستان ہیں، جو لوگ عیدگاہ میں نہیں آسکے وہ نیچے کھڑے ہو کر قبرستان میں نماز پڑھتے ہیں تو اب عرضِ مستفتی یہ کہ اس وقت دوسری عیدگاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ کی شرائط موجود ہوں اس میں اَولیٰ وافضل یہ ہے کہ جمعہ اور عید ایک ہی جگہ ہو،

= النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمي)

"الخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۴۹، رشيديه)

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۸۲، إدارة القرآن كراچی)

"السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة و يستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق......... اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۸، سعيد)

(و كذا في البدائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

لیکن تنگی یا دیگر عوارض کی وجہ سے اگر دوسری جگہ بھی ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱)، پس اگر وہ دونوں گاؤں اپنی آبادی و دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قصبہ کی مانند ہیں، مثلاً ہر ایک کی مردم شماری تین چار ہزار ہے اور ہر ایک میں گلی کوچہ و بازار ہے اور روزمرہ کی ضروری اشیاء کھانے، پہننے، دوادارو، کفن وغیرہ کے متعلق سب ملتی ہیں، تب تو دونوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ بھی جائز ہے اور عید بھی ہر بستی والے اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ عیدگاہ میں پڑھیں۔ اگر علیحدہ علیحدہ دونوں گاؤں قصبہ کے مثل نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ قصبہ کے مثل ہے اور دونوں میں کوئی فصل نہیں بلکہ اتصال ہے، اگر دیکھنے والے کو پہلے سے علم نہ ہو تو وہ دونوں ایک ہی بستی سمجھے (تو) وہ دونوں ایک ہی بستی کے حکم میں ہیں اس میں تعدد جمعہ وعیدین درست ہے (۲)۔ اگر ان

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين".

"قال الشيخ ظفر أحمد رحمه الله تعالىٰ: "قلت: إن نظرنا إلى الدليل الذي استدل به من جوز تعدد الجمعة، فالأظهر عدم جوازه بدون الحاجة، فإن علياً رضي الله تعالىٰ عنه إنما أقام العيد الثاني لحاجة ضعفه الناس إليها، وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانعٌ صريحٌ من التعدد فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف".

(إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/۷۲، ۷۳، إدارة القرآن كراچى)

"(وتؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(۲) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلةٌ إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲ سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲٤۷، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى=

دونوں میں اتصال نہیں بلکہ انفصال ہے کہ ایک بالکل علیحدہ بستی ہے دوسری علیحدہ تو پھر وہاں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی (۱)۔

”وفی الخلاصة و الخانیة: السنة أن یخرج الإمام إلی الجبانة و یستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناءً علی أن صلوة العیدین فی موضعین جائز بالاتفاق، وإن لم یستخلف فله ذلك“. شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

قدیم عیدگاہ پر غیروں کے قبضہ ہوجانے کے اندیشہ سے نماز عید ادا کرنا

سوال [۳۹۰۴]: موضع دھلا پڑہ جس کی مردم شماری تقریباً ۷۷۳/ ہے اور دو مسجدیں پختہ ہیں اور

= الخطبة الخ“. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۱۶۶/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲۷۶/۲، رشیدیه)

(۱) ”وعن علی رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: ”لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة“. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۱/۸، إدارة القرآن کراچی)

”و یشترط لصحتها سبعة أشیاء: الأول المصر الخ“. (الدرالمختار). ”عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک و أسواق، ولها رساتیق، وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره، و یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح“.

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۱۶۹/۲، سعید)

”عن أبی إسحاق أن علیاً رضی الله تعالیٰ عنه أمر رجلاً، فصلی بضعفة الناس یوم العید فی المسجد، رکعتین“. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸۲/۸، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشیدیه)

ایک عیدگاہ بھی قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے جس میں موضع دھلا پڑہ والے و دیگر آس پاس کے گاؤں کے آدمی نماز عیدین ادا کرتے ہیں، مگر تقریباً عرصہ ایک سال کا ہوا ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہاں نماز عیدین نہ پڑھو۔ اب لوگ نماز عیدین پڑھنے سے رک گئے مگر چونکہ موضع دھلا پڑہ کے آس پاس اہلِ ہنود کا قبضہ ہو گیا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں عیدگاہ پر قابض نہ ہو جائیں، چوں کہ مسلمانوں کی حالت بہت ابتر ہے اور موجودہ صورت میں عیدگاہ قدیم میں چونکہ نماز عیدین نہیں پڑھی جاتی، خود موضع مذکورہ والے و متصل موضع والے نماز عیدین پڑھنے سے محروم ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنے چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز جائز نہیں (۱) اور جو مصلحت سوال میں بیان کی گئی ہے اس مصلحت سے بھی شرعاً وہاں عیدین کی نماز درست نہیں ہو سکتی۔

عیدگاہ کی حفاظت کے لئے سب کو مل کر کوئی اَور تدبیر کرنی چاہیے اور عیدین کی نماز جب گاؤں والوں پر واجب نہیں تو پھر نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اس میں افسوس کی کیا بات ہے، اگر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کسی دوسری جگہ۔ جہاں پر نماز عیدین درست ہو سکتی ہو۔ جا کر پڑھا کریں جیسا کہ اہلِ عوالی کئی کئی میل سے مدینہ شریف میں آتے تھے اور اپنے یہاں نہیں پڑھتے تھے (۲)۔

---

(۱) "وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: "لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة". (مصنف ابن أبی شیبة: ۴۳۹/۱، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، کتاب الصلوة، باب من قال: لا جمعة ولا تشریق الخ، دار الفکر، بیروت)

"صلوة العید فی القری تکرہ تحریما". (الدر المختار، کتاب الصلاة باب العیدین: ۱۶۷/۲، سعید)

"صلاة العید فی الرساتیق تکرہ کراهة تحریم؛ لأنہ اشتغال بما لا یصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۷/۲، رشیدیہ)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنها قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی". (سنن أبی داؤد، تفریع أبواب الجمعة، باب من تجب علیہ صلوة الجمعة: ۱۵۱/۱، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

"عن إبراهیم قال: تؤتی الجمعة من فرسخین". "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ کان شهد =

عیدگاہ پر قبضہ کرنے کا خوف ہے اور یہ خوف نہیں کہ مکانوں پر ہندو قبضہ کرلیں گے، اگر یہ خوف ہو تو کیا مکانوں پر عیدین یا جمعہ کی نماز شروع کردوگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

جدید وقدیم عیدگاہوں میں نمازِ عید

سوال [۳۹۰۵]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے اٹھارہ گاؤں کے لوگوں نے مل کر ۱۹۴۸ء میں ایک عیدگاہ بنائی فخر الدین صاحب کی آدھی بیگہ زمین پر، اور فخر الدین صاحب نے مذکورہ آدھی بیگہ زمین کو وقف کردیا۔ رفتہ رفتہ جب مصلیوں کی تعداد بڑھ گئی، حتی کہ وضوء کی جگہ میں بھی عید کی نماز ادا کی گئی تو لوگوں نے مزید زمین کی ضرورت محسوس کی اور متولی فخر الدین صاحب سے مزید زمین کا مطالبہ کیا تو وہ عیدگاہ کی پچھم (۱) جانب سے حسب ضرورت زمین دینے پر راضی ہوگئے۔ اس کے بعد متولی صاحب کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے ان کی حیات میں مزید زمین لینے کی نوبت نہ آئی۔

اس کے بعد ان کے بڑے بیٹے ابراہیم کو نیا متولی منتخب کیا گیا، نئے متولی صاحب کے دور میں پہلی مرتبہ نماز عید ادا کرنے کے بعد ان کے والد صاحب کی رضامندی کے مطابق لوگوں نے مزید زمین کا مطالبہ کیا، چونکہ زمین بالکل گھر کے قریب ہے اور ان کو اپنے لئے اس زمین کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے عیدگاہ کے لئے مزید زمین دینا ناممکن ہے کہہ کر جوب دے دیا، بالآخر لوگوں نے ان کو ان کے والد صاحب کا وعدہ یاد دلایا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، اور ایک ٹیڑھی بات یہ کہی کہ جس نے زمین دی ہے ان کی قبر پر جا کر کہئے، ہم زمین نہیں دیں گے۔

اس کے بعد ایک اور عید کی نماز جائے وضو اور وقف کردہ زمین کے علاوہ باہر میں بہت دقت کے ساتھ ادا کی گئی۔ اس کے بعد دس بارہ مرتبہ مجلس کر کے ان کو اور ان کے بھائیوں کو سمجھایا گیا اور عاجزی بھی کی گئی، پھر

= الجمعة من الزاوية، وهي على فرسخين". (أوجز المسالك، افتتاح الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/ ۲۴۶، إدارہ تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) "پچھم: مغرب: وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز، لاہور)

اس نے انکار کیا، آخر میں صرف چار ہاتھ زمین پچھم کی طرف سے اور کچھ پورب(۱) کی طرف سے دینے کا اقرار کیا، لوگوں نے اس کو رجسٹری وقف کر دینے کے لئے کہا، تب انہوں نے رجسٹری وقف کر دینے کے لئے انکار کر دیا، اس پر لوگوں نے کہا آپ کے والد صاحب نے زمین دینے کا وعدہ کیا لیکن انتقال ہوجانے کی وجہ سے آپ نے انکار کر دیا، خدانخواستہ اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو آپ کے لڑکے نہیں دیں گے، لہٰذا آپ رجسٹری کر دیجئے۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے انکار کیا اور کہا آپ لوگوں کی مرضی ہے جہاں مزید زمین ملے وہاں عیدگاہ منتقل کرلیں، ہم بھی اس میں راضی ہیں اور ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے۔

یہ اقرار کر کے دستخط کیا اور اس کے تمام مصلیوں نے متفق ہو کر ایک جلسہ منعقد کیا، اس میں یہ طے پایا کہ دوسری عیدگاہ بنائی جائے تو ان مصلیوں میں سے چار آدمیوں نے دو دو بیگہ کر کے زمین وقف کر دینے کا وعدہ کیا، لیکن ان چاروں میں سے صرف ایک کی زمین اچھی جگہ میں ہونے کی وجہ سے سب نے قبول کیا، اس شخص نے رجسٹری وقف کر دی۔ اس کے بعد اس نئی عیدگاہ میں محراب تعمیر کرنے سے قبل بھی عیدگاہ قدیمہ کے متولی صاحب سے دوبارہ عرض کیا مگر انہوں نے اس مرتبہ بھی کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد محراب کی تعمیر مکمل ہوگئی۔

واضح رہے کہ قدیم عیدگاہ میں کوئی محراب تعمیر شدہ نہین تھا، اب قدیم عیدگاہ کے متولی مزید زمین دینے پر راضی ہوئے جب کہ نئی عیدگاہ کے محراب کی تعمیر مکمل ہوچکی، تب مصلیوں نے کہا کہ اب زمین دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد دو ڈھائی سو لوگوں نے اس جدید عیدگاہ کو چھوڑ کر قدیم عیدگاہ میں نماز ادا کی اور جدید عیدگاہ میں تقریباً پندرہ سو آدمیوں نے نمازِ عید ادا کی۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں پانچ مقامی علماء نے قدیم اور جدید عیدگاہ کے مصلیوں سے وعدہ لیا کہ ہم لوگ جو فیصلہ کریں گے۔ اسے مانیں گے۔ اس کے بعد ثبوتِ وعدہ کے لئے دونوں فریق سے دستخط کرائے، دونوں نے دستخط بھی کر دیئے۔ اس کے بعد علماء نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ سب مل کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کریں، اس فیصلہ کے بعد بھی کچھ لوگ قدیم عیدگاہ کے مصلیوں میں سے جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی اور قدیم میں تقریباً ایک ڈیڑھ سو آدمیوں نے نماز عید پڑھی۔

نوٹ: قدیم عیدگاہ کے پچھم جانب کے علاوہ اور کسی جانب سے مزید زمین لینے کی گنجائش نہیں، کیونکہ ایک طرف تالاب ہے، دوسری طرف قبرستان، تیسری طرف مکان وباغ، دیگر یہ کہ قدیم عیدگاہ میں جانے کے

---

(۱) ''پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت، دریائے گنگا کا مشرقی علاقہ'' (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

لئے کوئی راستہ نہیں ہے، متولی صاحب کے مکان سے جانا پڑتا ہے، اگر راستہ طلب کیا جائے تو راستہ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ اس کے برعکس جدید عیدگاہ راستہ سے متصل ہے، مصلیوں کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ پورے واقعہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا دونوں عیدگاہ میں نمازِ عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر دونوں میں جواز کا حکم ہے تو کس میں افضل ہے؟

نوٹ: قدیم عیدگاہ میں آدھی بیگہ زمین وقف ہے اور جدید دو بیگہ وقف ہے، الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام مصلی آجائیں گے تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا کیا حکم ہوگا، آیا اس کو مسجد کی طرح گھیر کر حفاظت کریں، یا اس میں کھیتی کرسکتے ہیں، یا اس کے برعکس ہے، یعنی جدید کے تمام مصلی قدیم میں آجائیں تو جدید کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہوکر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کرکے آباد کرلیں اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کرلیں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھا کریں اور جو لوگ بوڑھے معذور ہیں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں، اس طرح دونوں عیدگاہ آباد رہیں گی اور وقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہ سکیں وہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہ کریں، اگر کوئی صورت نہ ہوسکے تو پھر وہاں باغ لگا کر یا کھیتی کرکے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صَرف کریں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۲ھ۔

جدید عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا قدیم میں

سوال[۳۹۰۲]: آج تقریباً ۳۵/ سال سے اوپر گزر رہے ہیں کہ ایک جگہ سرکاری زمین میں

---

(۱) "وفي فتاوی النسفي: سئل شيخ الإسلام عن متولي مسجد جعل منزلاً موقوفاً على المسجد مسجداً وصلى فيه الناس سنين كثيرة، ثم ترك الناس الصلاة فيه، فأعيد منزلاً مستغلاً، تنفق غلته على ذلك المسجد كما كان؟ قال: يجوز". (الفتاوی التاتارخانية: ۵/ ۸۷۱، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، قديمي)

اردگرد کے تمام محلہ والوں اور بستی والوں نے مل کر ایک عیدگاہ قائم کی اور ساتھ ہی ساتھ منبر بنا کر اپنی حد تک عید کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، اس کے ساتھ ہی ایک گورنمنٹ ایل پی اسکول بھی قائم کیا گیا۔ اب مذکورہ سرکاری زمین کے جتنے منافعات آتے ہیں سب کے سب اسکول ہی کے اخراجات میں صرف کئے جاتے ہیں اور اس سرکاری زمین کے متولیوں میں چند لاولد قسم کے اشخاص تھے، اب ان میں اکثر افراد انتقال کر چکے ہیں، صرف دو ایک ایسے افراد موجود ہیں جن کو اس سرکاری زمین کا مالک کہا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس زمین کا حقدار بتاتے ہیں، نیز اس زمین کو رجسٹری کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

اب بسا اوقات ایسا معاملہ پیش آتا ہے کہ ہتھیار سے لوگ لڑنے آتے ہیں، یہاں تک کہ عید کے دن لوگوں پر حکومت چلانا چاہتے ہیں، سب لوگ اس متولی کے کردار و معاملات سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں تو متولی اور ان کی اولاد و فرزند لوگوں سے قتل وقتال کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ ہماری زمین ہے، یہ کسی کے باپ کی زمین نہیں ہے، ہم اگر عید کی نماز پڑھنے کے لئے دیں تو تم پڑھ سکتے ہو ورنہ نہیں۔

اب لوگوں کا کہنا ہے دراصل یہ زمین عیدگاہ کے لئے رجسٹرڈ نہیں کی گئی، ہم بار بار اس شرارت پسند آدمی کی شرارت میں پھنستے نہیں رہیں گے، جو عیدگاہ کے لئے اللہ کے واسطے تھوڑی زمین وقف کریں گے، ہم وہیں نماز پڑھیں گے، فوراً دو آدمیوں نے مل کر ایک جگہ عیدگاہ کے لئے تھوڑی زمین وقف کر کے رجسٹری کرادی، اب تمام محلوں اور بستیوں کے افراد ستر فیصد اس نئی عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

اس جھگڑے کو سلجھانے کی سعی کی جارہی ہے لیکن دیکھا گیا کہ اگر اس طرح فیصلہ کر کے اپنی پرانی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا لوگوں کو حکم دیا جائے تو خراب نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کہ اس شرارت پسند متولی جو دس سال سے متولی ہے اس زمین کی پیداوار خود کھا سکنے پر لوگوں سے پھر جھگڑا چھیڑ کر ایک آفت کے گھاٹ پر اتار کر چھوڑے گا۔ اس حالت میں شریعت کا اس قدیم عیدگاہ کو چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز وہ جدید عیدگاہ جو لوگوں نے قائم کی ہے، برقرار رہے گی یا نہیں؟

نوٹ: جدید عیدگاہ قدیم جگہ سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت میں واقع ہے اور قدیم سے جدید عیدگاہ کی جگہ بہت کشادہ ہے، ایک بازار کے قریب ہے، ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے اور عیدگاہ جدید کے پورب

پچھم (۱) دکھن (۲) میں تین اطراف میں سرکاری رائے قائم ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین عیدگاہ کے لئے وقف کردی گئی اور مالک نے بخوشی دے دی ہے، اس میں نماز درست ہے اور دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مالک نماز پڑھنا مکروہ ہے (۳)، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق متفق ہوکر ایک جید اہلِ علم ودانش کو حَکم مقرر کرلیں، ان کے فیصلے پر سب عمل کریں، نزاع سے دور رہنا لازم ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مجوسی کے وقف کردہ میدان میں نماز عید ادا کرنا

سوال [۳۹۰۷]: نوساری ایک قصبہ ہے جس میں متعدد مساجد ہیں، جامع مسجد بھی ہے یہاں پر عیدگاہ نہیں ہے، پہلے جامع مسجد میں نماز عید ادا کی جاتی تھی اب چند لوگوں نے عیدگاہ میں نماز کی فضیلت سن کر عیدگاہ کی کوشش شروع کردی ہے۔

شہر میں جگہ ملنا دشوار ہے ایک میدان ہے جو کسی مجوسی نے کھیل کود کے لئے وقف کردیا ہے جو میونسپل

---

(۱) "پَچھم: مغرب" (فیروز اللغات)

(۲) "دَکھن: جنوب کی سمت"۔ (فیروز اللغات)

(۳) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۸۱، سعيد)

"وتكره في أرض الغير بلا رضاه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸، قديمي)

(۴) "لأن العامي يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه، ثم قال: وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوىٰ مفتيه من تقييد بمذهب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۳، رشيديه)

کے قبضہ میں ہے، اس میدان میں مولانا منظور صاحب نعمانی کا وعظ بھی ہوتا ہے، تو اگر میونسپل سے اجازت ہے کہ وہاں پر عیدین کی جماعت کرلی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مندوب ومستحب یہ ہے کہ نماز عید آبادی سے باہر میدان میں ادا کی جائے، اس میدان میں ادا کرنے کی اجازت ہے اگر چہ مجوسی نے کھیل کود کے لئے وقف کیا ہو تو اس میں ادا کرنا احسن ہے، نماز عید کے لیے مسجد کے مقابلے میں میدان کو ترجیح ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۷ھ۔

کیا عیدگاہ بحکمِ مسجد ہے؟

سوال [۳۹۰۸]: ازروئے شامی اگر جنازہ گاہ سڑک کے کنارے میدان یا جنگل میں ہو تو وہاں امام اور مقتدیوں کے درمیان کم از کم بیل گاڑی گذر جانے کا فاصلہ مفسدِ نماز ہوتا ہے۔ ازروئے خلاصۃ الفتاویٰ جنازہ گاہ اور عیدگاہ میں اتصالِ صفوف صحتِ اقتداء کے لئے شرط نہیں (۲)۔

(الف) اس مسئلہ میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ عموماً بستی سے باہر ہی

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث ". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغيرمنبر: ۱۳۱/۱، قديمي)

"ذلک (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۵۷۲/۲، قديمي)

"والخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

(۲) "وفي مصلى العيد الفاصل لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه صفان أو أكثر، وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلف المشائخ، وفي النوازل: جعله كالمسجد". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱۵۱/۱، كتاب الصلوة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، جنس آخر في المانع من الاقتداء، رشيديه)

ہوتی ہیں، پھر ان میں فاصلہ مفسدِ صلوۃ کیوں ہے؟

(ب) یا خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ مطلب ہے کہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ بستی میں ہوں، تب اتصالِ امام وصفوف شرطِ اقتداء نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں ہی میں تعارض نہیں، مسجد، جنازہ گاہ اور عیدگاہ بحکمِ اقتداء بمنزلۂ مسجد ہیں، سڑک کا یہ حکم نہیں، کذا فی الهندية(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو قام الإمام في الطريق واصطف الناس خلفه في الطريق على طول الطريق إن لم يكن بين الإمام وبين مَن خلفه في الطريق مقدار مايمرُّ فيه العجلة، جازت صلاتهم، وكذا فيما بين الصف الأول والثاني إلى آخر الصفوف .... وفي مصلى العيد لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه الصفين أو أكثر وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلاف المشايخ، وفي النوازل جعله كالمسجد كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۸۷، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحته الاقتداء ومالايمنع ، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۵/ ۵۷۳، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، قديمي)

الفصل الرابع فی تعدد العید وتکراره

(نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)

نمازِ عید دو جگہ

سوال[۳۹۰۹]: چند گاؤں والے ملکر ایک ساتھ ایک آدمی کی زمین متعین کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر وہ زمین دریا سے کٹ کر ویران ہوگئی، لہذا لوگ بلا متعین کئے ہی نماز پڑھنے لگے مگر کچھ دن بعد اس نے زمین دیدی دوبارہ اس میں نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سب نے مل کر ایک جگہ اتفاق کے ساتھ نماز عید ادا کرنا تجویز کرلیا یہ بہت اچھا کیا، اسی میں خیر و برکت ہے، اگر چہ وقتِ ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی پڑھنے سے نماز عید ادا ہو جاتی ہے۔ "و تؤدیٰ صلوة العيد بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، الخ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

"عن أبي اسحاق "أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانعٌ صريحٌ من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۷۲،۷۳، إدارة القرآن كراچي)

"و تجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، و أما إقامتها في ثلاثة مواضع فعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۴۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

ایک سے زائد جگہ عید کی نماز

سوال[۳۹۱۰]: کسی میدان میں ایک عیدگاہ ہے، وہاں ۱۰۰۰/یا ۲۰۰۰/لوگوں کا مجمع ہوتا ہے، کوئی مفسد آدمی دنیاوی تنازع کے واسطے چند آدمیوں کو لے کر اس جماعت سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ عیدگاہ بنائے، آیا یہ عیدگاہ بنانا جو باعثِ فتنہ وفساد ہوگی اور تفریقِ جماعتِ مسلمین پر مشتمل ہوگی اس کا کیا حکم ہے، وہ آیت کریمہ ﴿و لا تفرقوا و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم﴾(۱) وحدیث: "وإياكم والفرقة، فإنها هي الحالقة"(۲) کی وعید میں داخل ہوگی یا نہیں؟

روح الامین نمبر:۴۲، مرزاپور اسٹریٹ، کلکتہ۔

الجواب حامداً مصلياً:

نمازِ عید بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھی جائے، لیکن عوارض کی وجہ سے مثلاً جگہ تنگ ہو یا امامت پر جھگڑا ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ تو ایک سے زائد جگہ پڑھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر ایک جگہ فتنہ وفساد کا خوف ہو تو بہتر

---

(۱) (سورة الانفال: پ:۱۰، آية: ۴۶)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ وقد ذكره الهيثمي بلفظ: "عن يسير قال: لقيت أبا مسعود رضي الله تعالىٰ عنه سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الفتن، فقال: "إنا لا نكتم شيئاً، عليك بتقوى الله والجماعة، وإياك والفرقة، فإنها هي الضلالة". الحديث. (مجمع الزوائد، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهي عن قتالهم: ۵/۲۱۹، دار الفكر، بيروت)

وأحمد في مسنده بلفظ: "قال: سمعت زكريا بن سلام، يحدث عن أبيه عن رجل قال: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو يقول: "أيها الناس! عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة". ثلاث مرار، قالها إسحق". (مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، (رقم الحديث: ۲۲۶۳۵): ۶/۵۱۰، ۵۱۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وأبو داؤد في سننه بلفظ: "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة"؟ قالوا: بلىٰ، قال: "إصلاح ذات البين، وفساد ذاتِ البين الحالقة". (كتاب الأدب، باب في إصلاح ذات البين: ۲/۳۳۱، رحيميه)

یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے، تاہم تقلیل افضل واَحبّ ہے: "تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقاً". درمختار، ص: ۱۱۶(۱) اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا گناہ ہے اس سے اجتناب اور توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۴/صفر/۵۳ھ۔

ہر محلّہ میں الگ الگ عید کی نماز

سوال[۳۹۱۱]: ۱...... تین تین چار چار محلے کے مسلمانوں نے مل کر ایک ایک عیدگاہ تعمیر کی جس میں سالہا سال تک عید کی نماز ہوتی چلی آ رہی تھی، اور ایک عیدگاہ کے زمین کی ملکیت خاص ایک محلّہ کے باشندہ کی تھی جو اس عیدگاہ کی خاص خدمت بجالاتے اور انتظام کرتے تھے، امام بھی انہوں نے مقرر کئے، دوسرے محلوں کے آدمیوں کی بھی شرکت تھی، فی الحال کسی ایک عالم صاحب جو کسی عیدگاہ کے امام نہیں لوگوں کو بڑی جماعت کی بڑی فضیلت کی طرف ترغیب دیکر دوسری کوئی کھلی جگہ پر لیجا کر عیدوں کی نمازیں پڑھایا کرتے ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت متفرق ہو کر کچھ لوگ بڑی جماعت کا بڑا ثواب لوٹنے کے لئے عیدگاہوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ تو اپنی پرانی عیدگاہوں کو ویران چھوڑنا گوارا نہیں کرتے ہیں اور اس حالت پر منجانبین جماعت

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۱۷۶/۲، سعید)

"عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانع صريح من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۷۲/۸، ۷۳، إدارة القرآن كراچي)

"يجوز تعددها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

میں تفرقہ ڈالنے کا باہم الزام اور بہتان لگاتے ہیں، کوئی تو عیدگاہوں کا وقف ہونا لازم سمجھتے ہیں اور اس کی تحریری دلیل طلب کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بڑی جماعت ہونے کے لئے مائک کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ فلاں وقت عید کی نماز پڑھائیں گے، یہ اعلان سن کر جماعت کے امام صاحب کے مریدین، معتقدین اور شاگرد اپنے اپنے عیدگاہ چھوڑ کر لوٹ پڑتے ہیں اور ہمیشہ عیدگاہ خالی پڑی رہتی ہے اور چھوٹی چھوٹی جماعت ہوتی ہے۔

۲...... پرانی عیدگاہ کافی وسیع ہے، چھوڑنا یا چھڑانا اور جماعتوں میں ضرر ڈال کر کسی خاص شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش سے دوسری جگہ چلا جانا جائز ہے یا ضروری ہے یا افضل ہے؟

۳......"خرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی یوم الفطر و صلی رکعتین بغیر الأذان والإقامة"(۱) کی بنا پر مائک کے ذریعہ اعلان کرنا برائے نماز عید جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... تفریق ابتداء ہی میں کردی گئی کہ ہر محلہ والوں نے ایک جگہ متفق ہو کر عید کی نماز پڑھنا پسند نہ کرتے ہوئے جداگانہ عیدگاہیں بنالیں اور ہر عیدگاہ میں مستقل نماز ہونے لگی، پھر اس پر مزید تفریق یہ ہوگئی کہ ہر عیدگاہ کے آدمی کٹ کٹ کر بڑے میدان میں چلے گئے، نماز ہر ہر عیدگاہ میں بھی ادا ہوجائے گی اور میدان میں بھی ادا ہوجائے گی، نماز عید کے لئے وقف عیدگاہ ہونا ضروری نہیں۔ آپسی خلفشار نہ کریں، جو جگہ نماز عید کے لئے وقف ہے وہاں نماز افضل ہے اور مساجد کو چھوڑ کر آبادی سے باہر میدان میں جا کر نماز پڑھنا

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ بل أخرجه الخمسة عن جابر رضی الله عنه بلفظ: "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی عید قبل الخطبة بغیر أذان ولا إقامة". (سنن النسائی، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۱/۲۳۲، سعید)

(وأخرجه مسلم فی صحیحه فی کتاب العیدین، فصل فی الصلاة قبل الخطبة بغیر أذان و لا إقامة الخ: ۱/۲۹۰ قدیمی)

(والترمذی فی سننه فی أبواب العیدین، باب أن صلاة العیدین بغیر أذان و لا إقامة: ۱/۱۱۹، سعید)

(وأبو داود فی سننه فی کتاب الصلاة، باب ترک الأذان فی العید: ۱/۱۶۲، دار الحدیث، ملتان)

(وابن ماجة فی سننه فی کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة العیدین، ص: ۹۲، میر محمد کتب خانه)

مسنون ہے(۱)۔

۳.....نمازِ عید کے لئے اذان واقامت نہیں، لیکن نمازیوں کے علم کے لئے اگر رمضان میں خبر دی جائے کہ فلاں جگہ فلاں وقت نمازِ عید ہوگی اور اوقات میں کچھ وقفہ بھی رہے تا کہ جس کو ایک جگہ نماز نہ ملی ہو تو وہ دوسری جگہ چلا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے، ویسے نہ اذان نہ اقامت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۱ھ۔

دو عیدگاہوں میں نمازِ عید ادا کرنا

سوال[۳۹۱۲]: ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ دو فرلانگ ہے تو عیدگاہ میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت شریعت میں ہے وہ فضیلت صورتِ مذکورہ میں باقی ہے یا

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱۳۱/۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۵۷۲/۲، قديمي)

قال العلامة الحصكفي: "الخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۲۳۲/۱، سعيد)

"لا يسن (أي الأذان) لغيرها كعيد". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۳۸۵/۱، سعيد)

"وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذانٌ ولا إقامةٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان الخ: ۵۳/۱، رشيديه)

نہیں؟ اگر ہے تو کون سی عیدگاہ میں؟ واضح کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ فضیلت اب بھی باقی ہے(۱) اور دونوں میں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک بستی میں متعدد عیدگاہیں

سوال[۳۹۱۲]: ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ صرف دو فرلانگ ہے اور اب ان دونوں عیدگاہوں سے تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر (درمیان میں ایک دریا بھی ہے اور دریا کے اوپر ایک پل ہے) ایک تیسری عیدگاہ گزشتہ عیدالفطر سے جاری ہوئی، دو سال ہوئے بندہ کو.........سب ڈویژن کا قاضی منتخب کیا گیا ہے، یہ.........سرکار کی طرف سے منتخب ہوتا ہے۔ بندہ قاضی ہونے کے بعد ان متنازع دونوں عیدگاہوں میں سے کسی میں نہیں گیا۔ یہاں اکثر مساجد میں بھی عید کی نماز ہوتی ہے، ان امور میں شرعاً جو حکم ہو وہ مطلوب ہے، ان مذکورہ عیدگاہوں میں سے شرعی عیدگاہ کون سی ہے؟

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالیٰ عنه أمر رجلاً، فصلی بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانعٌ صريحٌ من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لاتؤدی بغير حاجة إلا في موضعٍ واحدٍ خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۷۲/۸، ۷۳، إدارة القرآن)

(۲) "وتؤدی صلوة العيد بمصر واحدٍ بمواضع كثيرة اتفاقاً، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

"وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه الله يجوز، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ان کونمازِ عید کے لئے بنایا گیا ہے اور وقف کردیا گیا ہے اور دونوں جگہ نمازِ عید ادا کی جاتی ہے تو دونوں ہی شرعی عیدگاہ ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک ہی امام کا دوجگہ نماز عید پڑھانا

سوال[۳۹۱۴]: دوجگہ ہیں اور دونوں کے درمیان چارمیل کا فاصلہ ہے اور ایک امام ہے اور وہ دوسری جگہ نماز پڑھاتا ہے اور اس جگہ اپنے نائب وغیرہ کو کردیتا ہے، مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بستی والے چاند کی خبر سن کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوسری جگہ والے نماز نہیں پڑھتے اور وہی امام دونوں جگہ نماز پڑھاتا ہے، حالانکہ امام روزہ سے ہے۔ تو کیا اول جماعت والے کی نماز ہوگی اور اس امام کی نماز ہوگی یا نہیں؟ دوسری جماعت والے دوسرے دن نماز پڑھتے ہیں اور وہی امام پڑھاتا ہے تو اس صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پہلی دفعہ (چاند ہوجانے پر) نماز عید امام نے ایک جگہ پڑھ لی تو دوسرے دن دوسری بستی میں اس کو نماز عید پڑھانے کا حق نہیں اور اس کے پیچھے دوسرے دن پڑھنے والوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''دوعیدگاہوں میں نمازعید ادا کرنا''۔)

(۲) "أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم صلی بالناس صلاۃ الخوف، وجعل الناس طائفتین، وصلی بکل طائفة شطر الصلاۃ لینال کل فریق فضیلة الصلاۃ خلفه".

قال العلامة الکاسانیؒ تحت الحدیث المذکور: "ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتمّ الصلوۃ بالطائفة، ثم نوی النفل وصلی بالطائفة الثانیة لینال کل طائفة فضیلة الصلوۃ خلفه من غیر الحاجة إلی المشی وأفعالٍ کثیرةٍ لیست من الصلوۃ". (بدائع الصنائع، بیان شرائط الاقتداء: ۱/۵۸، رشیدیه)

ایک امام گاؤں میں مَردوں کو، پھر عورتوں کو عید پڑھائے

سوال[۳۹۱۵]: ایک بہت چھوٹی سی بستی ہے اس میں نماز جمعہ بھی نہیں ہوتی ہے لیکن امام صاحب عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، پہلے جنگل میں مَردوں کو پڑھاتے ہیں پھر مسجد میں آکر تمام مستورات کو نماز عیدین مسجد میں پڑھاتے ہیں جس میں کوئی مرد شریک نہیں ہوتا، صرف عورتیں اور امام مرد بعینہ بیچ میں کوئی پردہ حائل ہوئے بغیر پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی نہیں، وہاں نماز عید پڑھنا سخت مکروہ ہے(۱)۔ امام صاحب کا یہ طریقہ شرعاً غلط اور واجب الترک ہے، عورتوں پر شہر میں بھی نماز عید فرض نہیں چہ جائیکہ چھوٹے گاؤں میں اور وہ بھی اس طرح کہ امام صاحب پہلے مردوں کو پڑھائیں پھر عورتوں کو بے پردہ۔ ان کو توبہ لازم ہے، سب مردوں اور عورتوں کو بھی اس سے توبہ لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= "(ولا يصح اقتداء) .... مفترض بمتنفلٍ وبمفترضٍ فرضاً آخراً .... ولا ناذرٍ بحالف؛ لأن المنذورة أقوى". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، ۵۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۱، رشيديه)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث: ۵۰۵۹، كتاب الصلاة، باب من قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع: ۱/۴۳۹، دار الفكر، بيروت)

"صلوة العيد في القرى تكره تحريماً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(۲) "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله تعالىٰ عنهم مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خيرٌ من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خيرٌ من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها =

امام صاحب کا نماز عید مکرر پڑھنا

سوال[۳۹۱۶]: عید کی نماز کا اعلان امام صاحب نو بجے کا کر دیتے تھے تو حسب اعلان ٹھیک نو بجے نماز عید ادا کی گئی لیکن نماز ادا کرنے کے بعد باقی لوگ جو ٹائم پر نہیں آئے تھے وہ آئے اور امام صاحب کو نماز پڑھانے کے لئے کہا، خدا بہتر جانتا ہے سننے میں آیا کہ وہاں جھگڑا ہونے کا ڈر تھا جس کی بنا پر امام صاحب نے ان کو بھی نماز پڑھائی جو کہ درست نہیں ہے تو کیا ایک امام عید کی دو نماز با جماعت پڑھا سکتا ہے؟ اور جو نماز انھوں نے پڑھائی وہ درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھا دی، پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھا دی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

= خيرٌ من صلاتها في مسجد قومها".

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رای ما أحدث النساء بعده، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين :۸/۸۸، ادارة القرآن كراچی)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين :۲/۱۶۶، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "تجب العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين : ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۱) "إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "صلى بالناس صلاة الخوف، وجعل الناس طائفتين، وصلى بكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه". قال العلامة الكاساني تحته: "ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتمّ الصلاة بالطائفة، ثم نوى النفل و صلى بالطائفة الثانية لينال كل طائفة فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وأفعالٍ كثيرةٍ ليست من الصلاة" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الاقتداء : ۱/۳۵۸، رشيديه)

"(لا يصح اقتداء) .... مفترض بمتنفل و بمفترض فرضا آخر ...... ولا ناذر بحالف؛ لأن المنذورة أقوى". (كتاب الصلوة، باب الإمامة : ۱/۵۷۹، ۵۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۶۳۱، رشيديه)

الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

(تکبیراتِ عید کا بیان)

تکبیراتِ عیدین

سوال[۳۹۱۷]: بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف میں "باب صلوۃ العیدین" کے بیان میں آیا ہے کہ عید کی نماز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ تکبیر سے پڑھی ہے(۱)، پہلی رکعت میں سات تکبیر، دوسری رکعت میں پانچ تکبیر پڑھی ہے، اسی کے مطابق مولانا ولی اللہ شاہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں جو کہ اردو ترجمہ میں ہے بروقت موجود ہے، ترجمہ مولانا ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھوی نے کیا ہے جس کے اندر جلد نمبر۲ صفحہ:۸۷، "اسلام کی دو عیدیں" کے بیان میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات کہے اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیر کہے(۲)۔ اگر اس کے مطابق نماز ادا کی گئی تو قبول ہوگی یا نہیں؟ برائے کرم آپ علماء حضرات سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کی تکبیرات کے متعلق روایات مرفوعاً وموقوفاً مختلف اور متعدد ہیں اسی وجہ سے اس میں دس

---

(۱) "عن كثير بن عبدالله عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبّر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (السنن للترمذي: ابوب العيدين، باب في التكبير في العيدين: ۱/۱۱۹، سعيد)

(۲) "يكبر في الأولى سبعاً قبل القراءة، والثانية خمساً قبل القراءة". (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، العيدان، صلاة العيدين و خطبتهما: ۲/۶۹، قديمي)

اقوال ہیں جن کو نیل الاوطار (۱) اور بذل المجہود (۲) میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مجتہد و محقق علماء نے ان روایات میں سے اپنے اصولِ ترجیح کے تحت کسی روایت کو اختیار فرمالیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ چھ تکبیراتِ زوائد مانتے ہیں: تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے، تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد، نیز اس رکعت میں تکبیر رکوع کو بھی واجب فرماتے ہیں اور پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ بھی ضروری ہے لہذا دو رکعت میں چار چار تکبیریں ضروری ہوئیں۔ اور دلیل یہ حدیث ہے:

”عن مكحول قال: أخبرني أبوعائشة جليسٌ لأبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري و حذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكبر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز۔ فقال حذيفة: صدق. فقال أبوموسىٰ: كذالك كنت أكبّر في البصرة حيث كنت عليهم۔ قال أبوعائشة: وأنا حاضرٌ عند سعيد بن العاص، اهـ“. أبو داؤد شريف(۳)

(۱) ”و قد اختلف العلماء في عدد التكبيرات في صلاة العيد في الركعتين و في موضع التكبير على عشرة أقوال: أحدها: أنه يكبر في الأولى قبل القراء ة، وفي الثانية خمساً قبل القراء ة. قال العراقي: و هو قول أكثر أهل العلم من الصحابة والتابعين والأئمة، قال: و هو مرويّ عن عمر و علي وأبي هريرة وأبي سعيد و جابر وابن عمر و ابن عباس وأبي أيوب رضي الله تعالىٰ عنهم .... وبه يقول مالك والأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحق. قال الشافعي والأوزاعي وإسحق وأبو طالب وأبو العباس: إن السبع في الأولى بعد تكبيرة الإحرام .... القول الرابع: في الأولى ثلاث بعد تكبيرة الإحرام قبل القراء ة، وفي الثانية ثلاث بعد القراء ة، و هو مرويّ عن جماعة من الصحابة: ابن مسعود وأبي موسى وأبي مسعود أنصاري رضي الله تعالىٰ عنهم، وهو قول الثوري وأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ“.

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (نيل الأوطار للإمام الشوكاني، كتاب العيدين، باب عدد التكبيرات في صلاة العيد و محلها وأقوال العلماء في عدد التكبيرات، صلاة العيد: ۳/۳۶۸، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب التكبيرات في العيدين: ۲/۲۰۶، معهدالخليل الإسلامي)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۱/۱۷۰، إمداديه، ملتان)

وكذا في بذل المجهود(١) والزيلعي (٢) وجمع الفوائد (٣)۔

نیز یہ حدیث مختصر، منذری، مسند احمد، تحقیق ابن الجوزی میں بھی ہے، کما فی البذل (٤)۔ اگر کسی نے آٹھ کے بجائے بارہ تکبیریں کہی ہیں تب بھی اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، مسلکِ ابوحنیفہ کے خلاف ہوگا (٥)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال[۳۹۱۸]: ازموضع سرائے میدان، تحصیل قنوج، ولی محمد ٹیلر ماسٹر، متصل دیوانی گیٹ قنوج۔

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب!　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دریافت طلب مسئلہ کا جواب ملا مگر نا کافی، سائل نے احادیث کا حوالہ چاہا تھا، ہمارے یہاں ایک صاحب آتے ہیں انہوں نے کئی حدیثوں کے حوالہ سے تعدادِ تکبیرات اور ادائیگی کی کچھ اور صورت بتائی ہے یعنی عیدین میں تکبیرات پہلی رکعت میں علاوہ تکبیر قیام کے سات اور دوسری میں علاوہ تکبیر قیام کے پانچ تکبیرات

---

(١) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ٢/٢٠٨، معهد الخليل الإسلامي)

(٢) (أخرجه العلامة جمال الدين عبدالله بن يوسف الزيلعيؒ في نصب الراية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ٢/٢١٤، رقم الحديث: ٢٨٢٢، المكتبة المكية)

(٣) (جمع الفوائد، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ١/١٨٣، رقم الحديث: ٢٠٠٥، المكتبة الإسلامة، لائل پور)

(٤) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ٢/٢٠٩، معهد الخليل الإسلامي)

(٥) "قال محمد في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذ اكبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحدٌ من الفقهاء، فحينئذ لايتابعه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ١/١٥١، رشيديه)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنيًا قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد، تابعه إلى ستة عشر؛ لأنه مأثور". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ٢/١٧٢، سعيد)

ہیں قرأت سے پہلے، یہ بارہ تکبیرات ہوئیں، آپ نے چھ تکبیرات زائد ہی تحریر کی ہے مگر حوالہ نہ معلوم ہوسکا۔ جو صاحب ہمارے یہاں گاؤں میں آتے ہیں انہوں نے حوالہ حدیث مشکوۃ شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف، دارمی شریف، اس میں امام ترمذی نے امام بخاری سے صحت کی نقل کی ہے۔ آپ برائے مہربانی حوالہ جات حدیث شریف تحریر فرمایئے تاکہ میں پیش کرسکوں، یا پھر بارہ تکبیرات پر عمل کروں۔

دیگر یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سب لوگ اپنے خودکو کس نام سے متصل اور موسوم کرتے تھے جس طرح آج ہم لوگ حنفی موسوم کرتے ہیں یا بریلوی موسوم کرتے ہیں، آخر ہم لوگ اپنے کو کس نسبت سے منسوب کریں؟ بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور نیت روزہ رکھنے کی جو الفاظ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل میں ضرور ہوگا، وہی الفاظ ہم بھی اپنے عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر مشکور فرمایئے۔ دیگر یہ کہ آپ کے ذریعے بڑے پیر صاحب کی تصنیف کردہ کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ترجمہ اردو مکمل اگر مل سکے تو ہدیہ تحریر کیجئے تاکہ میں پہلے ہی آپ کو بھیجدوں۔ فقط والسلام

الجواب حامداًومصلیاً:

محترمی زیدَ احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عیدین کی نماز میں بارہ تکبیروں کا تذکرہ حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے(۱) مگر امام بخاری سے اس حدیث کی صحت نقل نہیں کی، ترمذی شریف میں دیکھ لیا جائے، جو شخص حوالہ دیتا ہے، غلط ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے اس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ركن من أركان الكذب" دارقطنی نے لکھا ہے: "متروك". ابوحاتم نے کہا ہے:"ليس". نسائی نے کہا:" ليس بثقة"۔

مطرف بن عبداللہ مدنی نے کہا ہے: رأينا وكان كثير الخصومة، لم يكن أحدٌ من أصحابنا

---

(۱) "عن كثير بن عبد الله عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبّر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (جامع الترمذي،أبواب العيدين، باب التكبير في العيدين: ۱/۱۱۹، سعيد)

یأخذ عنه. قال له ابن عمر ان القاضي يا كثير! أنت رجلٌ بطال تخاصم فيما لا تعرف و تدعي ماليس لك و مالك بيّنة، فلا تقربني إلا أن تراني تفرغت لأهل البطالة". ابن حبان نے کہا ہے :"له عن أبيه عن جده نسخة موضوعه" (١)۔ یہ حال تو ترمذی کی روایت کا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت (۲) میں عبدالرحمٰن ابن سعد راوی ہے اس کے متعلق علامہ ذہبی نے لکھا ہے: "ليس بذاك" (۳) خزرجی نے لکھا ہے :"ضعفه ابن معين" ۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "ضعيفٌ" (٤) ۔ایک راوی اس میں سعد بن عمار ہے اس کے متعلق ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:"لا يكاد يعرف"(٥)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:"مستورٌ"(٦) ۔

---

(١) (تهذيب الكمال، للحافظ يوسف المزي :١٣٦/٢٢، ١٣٩، رقم الترجمة: ٢٩٤٨، مكتبه مؤسسة الرسالة)

(٢) "عن عبدالرحمن بن سعد بن عماربن سعد مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثني أبي عن أبيه عن جده "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يكبر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين، ص: ٩١، قديمي)

(٣) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالىٰ: ٥٦٦/٢، رقم الترجمة : ٤٨٧٤، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(٤) (تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزي: ١٣٣/١٧، ١٣٤، رقم الترجمة: ٣٨٢٨، مكتبه مؤسسة الرسالة) (وكذا في تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: ١٨٣/٦، رقم الترجمة: ٣٦٧، دارصادر ،بيروت)

(٥) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالىٰ: ١٢٣/٢، رقم الترجمة، ص:٣١٢٣، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(٦) (تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: ٤٧٩/٣، رقم الترجمة: ٨٩١، دارصادر بيروت)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب تكبيرات العيدين: ٢٠٧/٢، معهد الخليل الإسلامي) .... =

تکبیراتِ لازمہ حنفیہ کے نزدیک آٹھ ہیں: پہلی رکعت میں چار ہیں، ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیرات زوائد، دوسری رکعت میں چار ہیں تین تکبیراتِ زوائد اور ایک تکبیر رکوع۔ ''عبدالرزاق'' نے سند صحیح کے ساتھ، طبرانی نے سند جید کے ساتھ، طحاوی نے سند حسن کے ساتھ، ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے(۱) آپ کے کارڈ میں بقیہ سوالات کے جوابات کی گنجائش نہیں لفافہ ہوتا تو سب کے جوابات آجاتے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازعید میں بارہ تکبیر کہنا

سوال[۳۹۱۹]: ایک طالب علم حنفی ہے، مگر اس کے گاؤں کے سب نمازی غیر مقلد ہیں، نماز عید کے لئے اس کو مجبور کیا تو اس نے بجائے چھ تکبیر کے بارہ تکبیریں پڑھیں، تو کیا اس کے لئے مجبوراً گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گنجائش ہے، مگر ایک بات پر تعجب ہے کہ مقتدی لوگ امام کو اپنا تابع بناتے ہیں، اگر اس کے پیچھے نماز

= (وأخرجه الحافظ الكبير عبدالرزاق الصنعاني في مصنفه ، كتاب صلاة العيدين ، باب التكبير في صلاة يوم العيد: ۲۹۳/۳ ، رقم الحديث :۵٦٨٧)

(وأخرجه الطحاوي ، في شرح معاني الآثار ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الغيدين: ۳۷۱/۲، ۳۷۲ المكتبة الحقانيه ملتان)

(ورواه الطبراني في الكبير و رجاله موثقون ، بحواله مجمع الزوائد للهيثمي ، كتاب الصلاة ، باب التكبير في العيد والقراءة فيه : ۲۰۴/۲ ، دارالفكر بيروت)

(۱) "قال أخبرني أبوعائشة جليسٌ لأبي هريرة أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكبر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز. فقال حذيفة: صدق، فقال أبوموسىٰ: كذلك كنتُ أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، قال أبو عائشة: وأنا حاضر عند سعيد بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه". (أبو داود ، كتاب الصلاة ، باب التكبير في العيدين : ۱۷۰/۱ ، مكتبه إمداديه ملتان)

پڑھنے کے اوپر مُصر ہیں تو اس کے تابع ہو کر پڑھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑنا

سوال[۳۹۲۰]: عیدین کی نماز میں مزید تکبیریں ادا کرتے وقت ہر وقت کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کھلے چھوڑ دینا درست ہے یا ہر بار باندھ لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی رکعت میں پہلی اور دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

عید الفطر میں تین دفعہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا

سوال[۳۹۲۱]: امام صاحب نے نماز عید الفطر کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ " اللہ اکبر " کہہ کر

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ عليه في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذا كبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحدٌ من الفقهاء، فحينئذٍ لايتابعه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۱، رشيديه)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد، تابعه إلى ستة عشر؛ لأنه مأثورٌ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

(۲) "(ويرفع يديه في الزوائد) .... (وليس بين تكبيراته ذكر مسنون) ولذا يرسل يديه". (الدر المختار). "(قوله: ولذا يرسل يديه): أي في أثناء التكبيرات ويضعها بعد الثالثة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۴، ۱۷۵، سعيد)

"ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات .... ويرسل اليدين بين التكبيرتين، ولا يضع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه) .... =

ہاتھ چھوڑ دیں، اس طرح تین مرتبہ ہاتھ چھوڑ دیا کریں، چوتھی مرتبہ "الله أکبر" کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اس کے بعد دوسری رکعت کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ امام قراءت کے بعد "الله أکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے گا اور مقتدی بھی اسی طرح کریں، چار مرتبہ اسی طرح "الله أکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور پانچویں مرتبہ "الله أکبر" کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

مذکورہ بالا ترکیب پر اسی طرح عمل بھی کیا گیا، از روئے شریعت کیا نماز عید الفطر کی یہ ترکیب صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس ترکیب پر عمل کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز اس طرح بھی ادا ہو گئی، لیکن اصل طریقہ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اول تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور "سبحانك اللّٰہ" پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں، دوسری دفعہ پھر ایسا ہی کریں، تیسری دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور امام "أعوذ بالله بسم الله" وغیرہ پڑھ کر رکوع دوسری نمازوں کی طرح کرے، دوسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھ کر تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۱) "ويصلي الإمام ركعتين، فيكبر تكبيرة الافتتاح، ثم يستفتح، ثم يكبر ثلاثاً، ثم يقرأ جهراً، ثم يكبر تكبيرة الركوع. فإذا قام إلى الثانية قرأ، ثم كبر ثلاثاً وركع بالرابعة، فتكون التكبيرات الزوائد ستاً: ثلاثاً في الأولى، وثلاثاً في الأخرى، وثلاث أصليات: تكبيرة الافتتاح، وتكبيرتان للركوع، فيكبر في الركعتين تسع تكبيرات، ويوالي بين القراء تين. وهذه رواية ابن مسعود، وبها أخذ أصحابنا .... ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات .... ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲۸۱/۲، ۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۲/۲-۱۷۴، سعيد)

الفصل السادس فی تکبیرات التشریق
(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

نمازِ عید کے بعد تکبیراتِ تشریق

سوال[۳۹۲۲]: عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر "الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر ولله الحمد" آواز بلند کہنا چاہیے یا نہیں، یا صرف نماز فریضہ کے بعد آواز بلند تکبیر کہنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہر فرض نماز کے بعد جہراً کہنا چاہیے اور نماز عید الاضحیٰ کے بعد بھی جہراً کہنا چاہیے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۷ھ۔

---

(۱) "قال الله تعالیٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ وقال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: ﴿ويذكروا اسم الله في أيام معلومات﴾ أيام العشر، "والأيام المعدودات" أيام التشريق".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "والجهر بالذكر إنما يكون بدعةً إذا لم يقم الدليل على التخصيص، و هناك قد قام الدليل، وهو قوله تعالیٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ مع إجماع الصحابة على الجهر بالتكبير دُبر الصلوات في تلك الأيام على وجوب الجهر بالتكبير فيها، ولذا أفتى علماء الحنفية بقولهما. ....و لا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه، فوجب اتباعهم". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التكبيرات التشريق وأنها لا تجب الخ: ۸/۱۲۰، ۱۲۴، إدارة القرآن، كراچی)

"والجهر به واجب، و قيل: سنة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۸، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الثاني في ذكر مواضع الجهر، و منها تكبيرات التشريق: ۳/۵۱، إدارة القرآن كراچی)

ایضاً

سوال[۳۹۲۳]: بعد العید تکبیراتِ تشریق جو عام امصار اور قریہ کبیرہ جہاں جمعہ فقہ حنفی سے ہونا صحیح ہے متروک ہو، ہمارے علمائے دیوبند کیا فرماتے ہیں:"(عقب كل فرضٍ، عيني) شمل الجمعة وخرج به الواجب كالوتر و العيدين والنفل، وعند الشيخين يكبرون عقب صلوة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين، فوجب اتباعه، ولا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه، فوجب اتباعهم البلخيون، الخ". شامی(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صلوٰۃ عید الاضحیٰ کے بعد بھی علمائے دیوبند تکبیر تشریق کہتے ہیں، کہنے کے لئے فرماتے ہیں، کتب فقہ ردالمحتار (۲) اور البحر الرائق (۳) وغیرہ سے اس وقت تکبیر تشریق کا وجوب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ یہ نماز بھی ادا کی جاتی ہے اگر چہ خود فرض نہیں، اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اہلِ قریٰ پر اور منفرد پر بھی ہے جیسا کہ الجوھرۃ النیرہ وغیرہ میں ہے(۴) اور اس پر فتویٰ بھی ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۹/۲، سعيد)

(۲) "وعند البلخيين: يكبرون عقب صلاة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين فوجب اتباعه". .... "والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد؛ لأنها تؤدى بجماعة فأشبهت الجمعة، وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۹/۲، سعيد)

(۳) "و لو كبر على اثر صلاة العيد، لا بأس به؛ لأن المسلمين توارثوا هكذا، فوجب أن يتبع توارث المسلمين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب تكبيرات التشريق وأنها لاتجب الخ: ۱۲۰/۸، ۱۲۴، إدارة القرآن)

(۴) "وقال أبو يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ: يتبع الفريضة فكل من أدى فريضة، فعليه التكبير، والفتوى على قولهما، حتى يكبر المسافر وأهل القرى و من صلى وحده".(الجوهرة النيرة على مختصر =

نمازِ جمعہ کے بعد تکبیرِ تشریق

سوال[۳۹۲۴]: زید کہتا ہے کہ وہ تکبیریں جو نویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک بعد نماز فرض بآواز بلند پڑھی جاتی ہیں ان کو جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز کے نہ پڑھنا چاہیے، جیسا کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد نہیں پڑھی جائیں۔ خالد کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا چاہیے اس لئے کہ جمعہ فرض ہے، جب دیگر فرائض کے بعد یہ تکبیریں پڑھی جاتی ہیں تو نماز جمعہ کے بعد پڑھنے پر کوئی کلام نہ ہونا چاہیے لہٰذا بلند آواز سے تکبیریں جمعہ کے بعد پڑھنا چاہیے۔

زید، خالد کے کلام پر اعتراض یہ کرتا ہے کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو جس طرح دیگر فرائض کے فوت ہونے پر ان کی قضاء لازم ہوتی ہے اس طرح جمعہ کے فوت ہونے پر جمعہ ہی پڑھنا فرض ہوتا، جمعہ کے بدلہ میں جمعہ کا واجب نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ واجب ہے اور واجب نمازوں کے بعد تکبیریں نہیں کہی جاتیں، جیسا کہ وتر واجب ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"صلوة الجمعة فرض عين بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها لذالك، وقال عليه السلام في حديث: "واعلموا أن الله تعالىٰ فرض عليكم الجمعة في يومي هذا، في شهري هذا، في مقامي هذا". الحديث(۱)۔

= القدوري، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ۱/۱۱۵، حقانيه ملتان)

"(وقالا: بوجوبه فور كل فرض مطلقاً)و لومنفرداً، أو مسافراً، أو امرأةً؛ لأنه تبع للمكتوبة .... عصر اليوم الخامس (آخر أيام التشريق، وعليه الاعتماد)، والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۰۲، قديمي)

"وهي (أي الجمعة) فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۶، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرضِ عین ہے اور جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق کہی جائے اور عید کے بعد بھی۔ جب کہ مسئلہ کتبِ مذہب میں بصراحت موجود ہے تو پھر اٹکل سے گفتگو کرنا بے محل ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کہنا بھول گیا، بات چیت بھی کرلی

سوال [۳۹۲۵]: اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ کے موقع پر تکبیرات نماز کے بعد کہنا بھول گیا اور نماز کے بعد ایک آدمی سے بات چیت شروع کردی پھر یاد آیا تو کیا ان تکبیرات کو لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیر تشریق کا وقت فرض نماز کے فوراً بعد ہے، جب بات چیت کرلی تو وقت ختم ہوگیا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "(ويجب تكبير التشريق) في الأصح .... عقب كل فرض الخ". (الدر المختار). "(قوله: كل فرض) شمل الجمعة .... وعند البلخيين: يكبرون عقب صلاة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلين، فوجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲۸۹/۲، رشيديه)

(۲) "(ويجب تكبير التشريق) في الأصح للأمربه (مرةً) .... (عقب كل فرض) بلا فصل يمنع البناء". (الدرالمختار). "(قوله: بلا فصل يمنع البناء) فلو خرج من المسجد أوتكلم عامداً أو ساهياً أو أحدث عامداً، سقط عنه التكبير". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱۷۷/۲، ۱۷۹، سعيد)

"وأما أدائه، فدُبر الصلاة وفورها من غير أن يتخلل مايقطع حرمة الصلاة، حتى لو ضحك قهقهةً أو أحدث متعمداً أو تكلم عامداً أو ساهياً.......... لايكبر؛ لأن التكبير من خصائص الصلاة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲۸۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

تکبیر تشریق عورت، دیہاتی اور منفرد پر

سوال[۳۹۲۶]: مکرمی مفتی صاحب! السلام علیکم

مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور، گیارہواں حصہ یعنی بہشتی گوہر میں تحریر فرمایا ہے کہ "تکبیر تشریق واجب ہے ان پر جنہوں نے فرضِ عین نماز کو جماعتِ مستحبہ سے ادا کیا ہے بشرطیکہ وہ مصر میں ہوں یعنی مصر میں ہونا شرط ہے"۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر تکبیر تشریق بعد نماز فرض عین بالجماعۃ المستحبۃ واجب نہیں اور یہ بھی لکھا کہ "مسافر اور عورت جب کہ وہ مقتدی ہوا امام مقیم بمصر کے، تو ان پر بھی واجب ہے اور اگر منفرد ہو یا عورت و مسافر مقتدی امام مقیم بمصر نہ ہو تو ان پر واجب نہیں لیکن اگر وہ بھی کہہ لیں تو بہتر ہے کیونکہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان پر بھی واجب ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں پر واجب نہیں" (۱)۔

تو آیا مصر ہونا تکبیر تشریق کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اور دیہاتی وشہری منفرد عورت مسافر سب پر واجب ہے؟ آپ کے یہاں بقرعید کا پرچہ چھپا ہے وہ میرے پاس بھی آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ "دیہاتی ہو یا شہری، منفرد ہو، جماعت سے پڑھا ہو، مسافر ہو یا عورت سب پر تکبیر تشریق واجب ہے تو کون صحیح ہے، آیا بہشتی گوہر کا مسئلہ یا آپ کے اشتہار کا؟ مدلل تحریر کریں تاکہ صحیح صحیح علم ہوجائے۔

محمد احمد صدیقی ضلع پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اور صاحبین کے قول کو نقل کر کے بہشتی گوہر کے حاشیہ پر لکھا ہے اس مسئلہ پر فتویٰ صاحبین کے ہی قول پر ہے، اس لئے گاؤں والوں پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے:

قال فی البحر الرائق : "وأما عندهما فهو واجب علی کل من یصلی المکتوبة؛ لأنه تبع لها، فیجب علی المسافر والمرأة والقروی. قال فی السراج الوهاج والجوهرة: الفتوی علی قولهما فی هذا أیضاً، فالحاصل أن الفتویٰ علی قولهما فی آخر وقته و فیمن یجب علیه" (۲)۔

---

(۱) (بہشتی زیور، عیدین کے نماز کے مسائل، حصہ یازدہم: ۸۰۱، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۲۹۰، رشیدیه)

"والفتوی والعمل فی عامة الأمصار و کافة الأعصار علی قولهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی العیدین: ۱/۱۵۲، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۷۹، ۱۸۰، سعید)

بہشتی گوہر میں دونوں قول نقل کر کے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ہمارے اشتہار میں شروع ہی سے صاحبین کے قول کو ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ وہی مفتیٰ بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۷۰ھ۔

عیدگاہ سے لوٹتے وقت تکبیر تشریق

سوال[۳۹۲۷]: عیدین میں جو تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، گھر سے عیدگاہ تک پڑھنے کا حکم ہے، یا واپسی میں بھی پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ جاتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے اور واپسی میں نہیں پڑھی جاتی: "ویکره في حالة خروجه إلى المصلى جهراً، فإذا انتهى إلى المصلى، يترك، الخ". بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تکبیر تشریق پر فتویٰ

سوال[۳۹۲۸]: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تشریق کے لئے امصار و جماعت وغیرہ کی قید لگاتے ہیں اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی قید نہیں لگاتے، فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے، كذا في الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۸۵، رشيديه)

(۲) "(و يجب تكبير التشريق) في الأصح .... (على إمام مقيم) وعلى مقتد (مسافر أو قروي أو امرأة) .... (و قالا بوجوبه فور كل فرض مطلقاً) و لو منفرداً أو مسافراً أو امرأة؛ لأنه تبع للمكتوبة (إلى) عصر اليوم الخامس (آخر أيام التشريق، وعليه الاعتماد)، والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۹، ۱۸۰، سعيد)

"والفتوى والعمل في عامة الأمصار و كافة الأعصار على قولهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۹۰، رشيديه)

الفصل السابع فی خطبة العید

(خطبۂ عید کا بیان)

خطبۂ عید میں تکبیر پڑھنا

سوال[۳۹۲۹]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ تمام مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو، کیوں کہ یہ منع ہے۔ اس پر کوئی معترض کہتا ہے کہ تم نے غلط کہا۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ سری و جہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں، اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، ایسے وقت میں سامعین کو کچھ تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام .... والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه، ولايجب تشميت ولا ردسلام، به يفتى، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد، اه". درمختار: ۱/۸۰۷(۱)۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللّٰہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

خطبۂ عید سے پہلے تکبیر

سوال[۳۹۳۰]: کیا خطبات عید الاضحیٰ، عید الفطر کے قبل تکبیر۔ جیسے کہ جمعہ کے خطبہ میں ہوتی ہے۔ نہیں ہوتی ہے، ہونا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۱۵۸، ۱۵۹، کتاب الصلوة، باب الجمعة، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

خطبۂ جمعہ سے پہلے تکبیر نہیں ہوتی، اذان ہوتی ہے، خطبۂ عیدین سے پہلے اذان بھی نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

خطبۂ عید کی تکبیرات

سوال[۳۹۳۱]: عیدین کے پہلے خطبہ میں نوبار، اور دوسرے میں سات بار تکبیر ہیں اور یہ تکبیریں مسلسل کہیں اور تکبیر سے مراد صرف اللہ اکبر ہے یا پوری تکبیر تشریق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تکبیر سے مراد پوری تکبیر تشریق ہے خطبہ میں یہ تکبیر مسلسل کہی جائیں گی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۴، قدیمی)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی عید قبل الخطبة بغیر أذان ولا إقامة". (سنن النسائی، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۱/۲۳۲، قدیمی)

"لا یسن (أی الأذان) لغیرها کعید، الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان: ۱/۵۳، رشیدیہ)

(۲) "عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبة قال: السنة فی التکبیر یوم الأضحیٰ والفطر علی المنبر قبل الخطبة أن یبتدیء الإمام قبل أن یخطب وهو قائم علی المنبر. بتسع تکبیرات تتری، لا یفصل بینها بکلام، ثم یخطب، ثم یجلس جلسةً، ثم یقوم فی الخطبة الثانیة فیفتتحها بسبع تکبیرات تتری، لا یفصل بینها بکلام، ثم یخطب". (إعلاء السنن، أبواب العیدین: ۸/۱۳۱، إدارة القرآن کراچی)

"و یستحب أن یستفتح الأولی بتسع تکبیرات تتری): أی متتابعات (والثانیة بسبع) هو =

بغیر تکبیر کے عید الفطر کا خطبہ

سوال[۳۹۳۲]: ہماری مسجد کے امام صاحب نے اسی سال عید الفطر کا خطبہ پڑھا، اس میں ایک مرتبہ بھی تکبیر نہیں پڑھی اور امامِ مذکور کا کہنا ہے کہ تکبیر نہ پڑھنے پر بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے، اس طرح خطبہ عید الفطر میں تکبیر پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ اس سلسلہ میں از روئے شرع صحیح مسئلہ کیا ہے؟ اطلاع دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ ادا تو اس طرح بھی ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط۔

خطبۂ عید میں عصا لینا

سوال[۳۹۳۳]: عند الخطبہ لاٹھی ہاتھ میں رکھنا بعض کتابوں میں مستحب لکھا ہے اور مولانا تھانوی مدظلہ العالی نے بہشتی زیور گوہر ص: ۱۲، میں لاٹھی عند الخطبہ منقول نہیں فرماتے ہیں، کونسا قول معتبر ہے؟

= السنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۵/۲، سعيد)

"و يستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى و الثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۱) خطبہ میں تکبیرات کا پڑھنا مستحب ہے، نیز خطبہ نماز عید کے لئے شرط نہیں، بلکہ خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے:

"(ويخطب بعدها خطبتين) .... ويبدأ بالتكبيرات في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات تترى، والثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲۸۳/۲، رشيديه)

"(يخطب بعدها خطبتين) وهما سنة .... (ويبدأ بالتكبير في) خمس (خطبة العيدين) .... ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى): أي متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱۷۵/۲، سعيد)

"(قوله: فإنها سنة بعدها) .... حتى لو لم يخطب أصلاً، صحّ وأساء لترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲۷۷/۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

بہشتی گوہر میں اس کے مصنف نے یہ مسئلہ درمختار سے لکھا ہے، مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے تتمہ ثانیہ امدادالفتاوی میں اس کی تردید کی ہے، دوسرے قول کو ترجیح دی ہے(۱)۔ بہشتی گوہر حضرت مولانا تھانوی کی تصنیف نہیں بلکہ ایک اَورصاحب کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

دورانِ خطبہ خطیب کو روپیہ دینا

سوال[۲۹۳۴]: یہاں عیدین کی نماز کے بعد دورانِ خطبہ لوگ خطیب صاحب کو روپیہ دینے کے لئے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر جاتے ہیں اور خطیب صاحب کے لئے کچھ لوگ روپیہ لینے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روپیہ لیتے ہیں اور دینے والوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ دوران خطبہ روپیہ دینے کے لئے جاتے ہیں۔ خطیب وامام اگر ایسے عمل سے نہیں روکتے تو ان کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

---

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة والعيدين: ۱/۴۶۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

"عن شعيب بن رزيق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فأقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصا أو قوس، فحمد الله و أثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات". الحديث. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱/۱۶۳، إمداديه ملتان)

"الحكمة فيه الإشارة إلى أن هذا الدين قد قام بالسيف و فيه إشارة إلى أنه يكره الاتكاء على غيره كعصا و قوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة، محيط. وناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس كما في أبي داؤد، و كذا رواه البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه، عنه- صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- و صححه ابن السكن". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

دورانِ خطبہ اس قسم کے کاموں کی اجازت نہیں، ادب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر خطبہ سننا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدالفطر کے بعد خطبہ کا ترجمہ

سوال[۵۹۳۴]: عیدالفطر کا خطبہ پڑھنے کے بعد اس طرح منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ کا ترجمہ اور متعلقہ مسائل پر تقریر کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش نہیں، بہتر یہ ہے کہ عید سے متعلق احکام ومسائل عید سے پہلے جمعہ کو بیان کردیئے جائیں اور خطبہ ضرور عربی میں ہو، ضروری احکام نمازِ عید سے قبل بیان کردیئے جائیں(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۸،۱۲۷، قديمي)

"(وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكلٌ و شربٌ وكلامٌ و لو تسبيحاً أو رد سلام أو أمراً بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت .... وكذا يجب لسائر الخطب كخطبة نكاح و خطبة عيد الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وإذا خرج، فلا صلاة و لا كلام، و قالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب، وإذا فرغ قبل أن يشتغل بالصلاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۲) "لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية، ولم يُنقل عن أحد منهم =

خطبۂ عید کا نہ سننا

سوال[۳۹۳۲]: جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھنے کے وقت اس کا سننا غیر ضروری سمجھ کر نہ سننا اور چلا جانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ: ۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سننا واجب ہے اور اس کو غیر واجب سمجھنا اور چلا جانا درست نہیں: "وكل ما حرم في الصلوة حرم فيه: أي الخطبة، فيحرم أكل و شرب و كلام بل يجب عليه أن يستمع و يسكت، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد". در مختار: ۱/۸۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

= أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۴، إدارة القرآن، كراچى)

"لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الصحابة –رضي الله تعالىٰ عنهم– فيكون مكروه تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قال يوم الجمعة والإمام يخطب: أنصت، فقد لغا". (جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ما جاء في كراهية الكلام والإمام يخطب: ۱/۱۱۴، سعيد)

"وأما المستمع، فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا يتكلم، ولا يرد السلام الخ".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه) .... =

مقتدیوں کے لئے خطبۂ عید کے دوران تکبیر پڑھنے کا حکم

سوال[۳۹۳۷]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللہ أکبر، اللہ أکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ تمام مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو کیوں کہ یہ منع ہے، اس پر کوئی معترض کہتا ہے کہ تم نے غلط کہا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سری وجہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، ایسے وقت میں سامعین کو کچھ تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة و لا كلام، والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه، ولا يجب تشميت و لا رد سلام، به يفتى. و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد، اهـ". درمختار: ۱/۸۰۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

خطبۂ عید میں نواب کا نام لینا

سوال[۳۹۳۸]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے۔ کیا عید الفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جا سکتا ہے؟

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"أن أبا هريرة -رضي الله تعالىٰ عنه- "أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۸، ۱۲۷، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیر المومنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے(۱)، کیا نواب صاحب کا حال بھی یہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر وحاکم ہیں؟ فقط۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و ینبغی أن تکون الخطبة الثانیة: الحمد لله نحمده و نستعینه الخ، و ذِکرُ الخلفاء الراشدین والعمَّینِ رضوان الله تعالیٰ علیهم أجمعین مستحسنٌ، بذلک جری التوارث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

"و یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمَّین، لا الدعاء للسلطان". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ۵۱۶، قدیمی)

الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

(نمازِ عید کے بعد کی دعاء کا بیان)

عیدین کے بعد دعاء

سوال[۳۹۲۹]: حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''الصلوۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''عیدین کے بعد دعاء نہیں''۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ عیدین کے بعد دعا نہیں، لیکن امسال ۱۳۹۲ھ میں جو احکام رمضان المبارک مدرسہ دیوبند کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''خطبہ کے بعد دعاء نہیں''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عیدین کے بعد دعاء ہے۔ ان دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز عیدین کے بعد خصوصیت سے دعاء کا ذکر نہیں، ممانعت بھی نہیں۔ نماز فرض ہو یا نفل، عمومی طور پر روایات میں دعاء مذکور ہے، عمل الیوم واللیلۃ میں ان روایات کی تخریج ہے(۱)، اس عموم میں نماز عیدین بھی داخل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) ''عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: ''ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة، ثم یقول: ألّلهم إلٰهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل و ميكائيل وإسرافيل عليهم السلام! أسئلک أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني فإني مبتلی، و تنالني برحمتک فإني مذنب، و تنفی عنی الفقر فإني متمسكن، إلا كا ن حقاً على الله عزو جل أن لايرد يديه خائبتين''. (عمل اليوم والليلة لابن السني، رقم الحديث : ۱۳۸)

''عن فضالة بن عبيد رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''إذا =

نمازِ عید کے بعد دعاء

سوال[۳۹۴۰]: تراویح کی ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد دعاء کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا واجب ہے یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر چار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح وتہلیل، درود پڑھے، چاہے دعاء کرے، چاہے نوافل پڑھے، لیکن دعاء کا التزام کرنا مجموعی حیثیت سے دعاء پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے، کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ہے(۱)۔

"أما الاستراحة في أثناء التراويح، فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة، وليس المراد حقيقة الجلوس بل المراد الانتظار، وهو المخيّر: إن شاء جلس وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلى نافلةً منفرداً، اهـ". کبیری(۲)۔

= صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم والليلة، رقم الحديث: ۱۱۳)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا و رب كل شيء". (رقم الحديث ۱۱۴) (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچی)

(۱) "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"قال الطيبي: وفيه: من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعيد)

"عن زيد بن وهب قال: كان عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه يروحنا في رمضان يعني بين=

اورعیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدم منقول نہیں، لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعاء روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۱۴۹۲]: عیدین کی نماز میں کس وقت دعاء مانگنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کی نماز کے بعد متصلاً اگر دعاء مانگی جائے تو یہ حدیث کے عموم میں داخل ہے جس میں ہر نماز کے بعد دعاء کا تذکرہ ہے (۲)۔ بعض لوگ بجائے بعد نماز دعاء مانگنے کے خطبہ کے بعد دعاء مانگتے ہیں، سو یہ کسی

= الترويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد إلى سلع". (كنز العمال، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، (رقم الحديث: ۲۳۴۷۲): ۸/۴۰۹، مطبعة البلاغة)

(۱) "عن مصعب بن عمير و عمر بن ميمون قالا: كان سعيد يعلّم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلّم المُكتب الغلمان، يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "أللهم إنى أعوذبك من الجبن، وأعوذبك من البخل، وأعوذبك من أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا و عذاب القبر". (جامع الترمذى، أبواب الدعوات، باب فى دعاء النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه فى دبر كل صلوة ۲/۱۹۲، سعيد)

"عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "أللهم ربنا و رب كل شيء". (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب ما يقول فى دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ، كراچى)

(۲) "عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه، ثم يصلى على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم والليلة، رقم الحديث: ۱۱۳)

"عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "أللهم ربنا و رب كل شيء". (عمل اليوم والليلة لابن السنى، باب ما يقول فى دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچى)

روایت یا حدیث یا عبارت فقہ سے ثابت نہیں امداد الفتاوی: ۱/۲ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۳۹۴۲]: عیدین کی نمازوں میں بعد سلام دعاء مانگنی چاہیے یا خطبہ کے، کونسا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ترعمل کرنا ثابت ہے؟ مع الدلائل بالتفصیل وشرح مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: محمد اسحٰق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احادیث سے علی الاطلاق بعد صلوۃ دعاء کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ:

"کان یعلّم بنیه هؤلاء الكلمات كما يعلم المُكتِب الغلمان يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "أللهم إني أعوذبك من الجبن، الخ". ۲/۲۱۵(۲)۔

وفیه: "فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، و صل عليَّ، ثم ادعه، الخ". وقال: هذا حديث حسن". ۲/۲۰۵(۳)۔

---

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۴۰۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة: ۲/۱۹۶، ۱۹۷، سعيد)

(۳) الحديث بتمامه: "عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: أللهم اغفر لي و ارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل عليَّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله، وصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادْعُ تُجبْ". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

"عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنہ قال: "مامن عبد بسط کفیہ دبر کل صلوۃ، ثم یقول "اللہم، الخ .... إلا کان حقاً علی اللہ عزوجل أن لا یرد یدیہ خائبتین"(۱)۔

اور متبادر بعدیت سے بعدیتِ متصلہ ہے لہذا بعد عید خطبہ ہوکر دعاء کرنا پھر اسکو متصل قرار دینا مجازاً ہوگا جو متبادر نہیں، اس وجہ سے بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعاء مانگنا کسی کی روایت نہیں، لہذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعاء کرنے کو معین کر لینا تخصیص بلا دلیلِ شرعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ، عبداللطیف عفی عنہ، ۱۰/۱/۵۲ھ۔

بندہ عبدالرحمٰن۔

دعاء ومصافحہ بعد نماز عید

سوال[۳۹۴۳]: امام عیدگاہ کو بعد نماز عیدین دعاء مانگنا چاہیے یا بعد خطبہ؟ مصافحہ ومعانقہ کیا حکم رکھتا ہے؟

---

(۱) وقال المحشي عبد الرحمن کوثر: "الحدیث ضعیف کما ذکرنا في التخریج، وجاء عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أدعیۃ بألفاظ مختلفۃ بعد الصلوات المکتوبات. وأخرج الترمذی عن أبی أمامۃ قال: قیل لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات". قال الترمذی: ہذا حدیث حسن". (حاشیۃ جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمۃ : ۱۸۷/۲ ،سعید)

"عن محمد ابن أبی یحیی قال: رأیت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رأی رجلاً رافعاً یدیہ یدعو قبل أن یفرغ من صلاتہ، فلما فرغ منہا، قال: إن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ ". "قال الہیثمی رجالہ ثقات. قولہ: لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ، ظاہرہ مشروعیۃ رفع الیدین فی الدعا بعد الفراغ من الصلوۃ. واللہ تعالیٰ اعلم".

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، باب ما یقول فی دبر صلاۃ الصبح، (رقم الحدیث: ۱۳۸)، ص: ۱۲۱، مکتبۃ الشیخ)

8

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے (۱)۔ عید کا مصافحہ و معانقہ بدعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدمِ دعاء منقول نہیں لیکن عمومی روایات کی بناء پر عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا: "عن مصعب بن عمير و عمرو بن ميمون قالا: كان سعيد يعلّم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المُكتِب الغلمان يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن دُبر الصلاة: "أللهم إني أعوذبك من الجبن، وأعوذبك من البخل، وأعوذبك من أرذل العمر، وأعوذ بك من فتنة الدنيا و عذاب القبر". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة: ۱۹۶/۲، ۱۹۷، سعيد)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى فقال: أللهم اغفر لي و ارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل عليّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل اٰخر بعد ذلك، فحمد الله، و صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تُجَب". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۵/۲، سعيد)

(۲) "فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعةٌ يتلاقون من غير مصافحة، ويتصاحبون الكلام و مذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علماءنا بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۳۵۸/۸، رشيديه)

وفي رد المحتار: "تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالىٰ عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع". (كتاب الحظر و الإباحة، باب الاستبراء: ۳۸۱/۶، سعيد)

دعاء بعد خطبۂ عیدین

سوال[۳۹۴۴]: امام عیدین کی نماز میں نماز کے بعد متصلاً دعاء کرنے کی بجائے خطبہ کے بعد دعاء کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خصوصیت سے بعد عید یا بعد خطبہ دعاء کی تصریح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں، البتہ بعد صلوۃ مطلقاً دعاء کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقاتِ اجابت میں حصنِ حصین (۱) وغیرہ (۲) میں شمار کیا ہے اور متبادر بعد الصلوۃ سے بعدیت متصلہ دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا بظاہر تغیر سنت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أحوال الإجابة عند النداء بالصلاة .... وبين الأذان والإقامة.......... و دبر الصلوات المكتوبات". (الحصن الحصين، للإمام محمد الجزری، ص: ۲۳، دار الإشاعت کراچی)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيُّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل الآخر و دبر الصلوات المكتوبات". "هذا حديث حسن". (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۷/۲، سعید)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا و رب كل شيء". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ)

(۳) "قال الطيبي: و فيه: من أصر على أمر مندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشیدیه)

"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها، كما صرح به الملا علي القاري في شرح المشكوة والحصكفي في الدر المختار". (مجموعة رسائل اللكنوی، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳۴/۳، إدارة القرآن كراچی)

الفصل التاسع فی المتفرقات

عیدین کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا

سوال[۳۹۴۵]: عید کے دن عیدگاہ کے اندر بعد نماز عصر امام کے لیے چندہ کرتے ہیں محض اس کی نماز پڑھانے کی وجہ سے، کیا یہ چندہ کرنا درست ہے جبکہ وہ امید بھی یہی کرتا ہے کہ مجھے یہ چندہ ضرور ملے گا؟ نیز مسجد کے اندر کسی قسم کا چندہ کرنا کیسا ہے خواہ عید ہو جمعہ یا عام نماز؟ نیز جمعہ کے بعد بھی بتّی اور پنکھے وغیرہ کے لئے بھی چندہ کرتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟ نیز مدرسہ کے سفیر وغیرہ بھی مسجد میں نماز کے بعد چندہ کا ذکر کرتے ہیں، ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سال بھر بھی نماز پڑھاتے ہیں تو عید کے موقع پر ان کو چندہ کرکے دینا بھی درست ہے اور اس مقصد کے لئے عیدگاہ میں چندہ کرنا بھی درست ہے(۱) مگر خطبہ کے وقت چندہ نہ کیا جائے، خطبہ کا سننا واجب ہے اس

---

(۱) "و یکره التخطي للسؤال بکل حال". (الدرالمختار). وفي رد المحتار : "(قوله :و یکره التخطي للسؤال الخ) قال في النهر : والمختار أن السائل إن کان لا یمرّ بین المصلي و لا یتخطی الرقاب و لایسأل إلحافاً بل لأمرٍ لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (کتاب الصلوة، باب الجمعة : ۱۶۴/۲، سعید)

"یکره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخط رقاب الناس في المختار .... لأن علیاً رضي الله تعالیٰ عنه تصدق بخاتمة في الصلاة، فمدحه الله بقوله : (یؤتون الزکاة و هم راکعون)". (الدرالمختار). "(قوله: إذا لم یتخط): أي و لم یمر بین یدي المصلین، قال في الاختیار : فإن کان یمر بین یدي المصلین ویتخطی رقاب الناس یکره؛ لأنه إعانة علی أذی الناس، حتی قیل : هذا فلس لا یکفره سبعون فلساً، وقال ط: فالکراهة للتخطي الذي یلزمه غالباً الإیذاء، وإذا کانت هناک فرجة یمر منها لاتخطي، فلا کراهة الخ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع : ۴۱۷/۶، سعید)

میں خلل نہ آئے۔ مسجد میں مسجد، مدرسہ یا اور دینی ضرورت کے لیے چندہ درست ہے لیکن کسی کی نماز میں تشویش نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے، نیز شور وشغف سے پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۹۱ھ۔

عیدین میں جھولی پھرانا اور اس رقم سے امام ومؤذن کی تنخواہ

سوال[۳۹۴۲]: ایک مسجد ہے اس کی آمدنی کا خاص ذریعہ نہیں ہے جس سے اس مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، لہٰذا مسجد کی جو کمیٹی ہے ارا کینِ کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں پر مقتدیوں کے سامنے رومال یعنی جھولی پھرائی جاتی ہے، جتنا جس سے ہوتا ہے لوگ اس میں پیسہ ڈالتے ہیں، پیسہ دینے والوں میں جائز کاروبار والے اور ناجائز کاروبار والے سب لوگ ہوتے ہیں، وہ پیسہ اکٹھا کر کے بصورتِ مدد کے مسجد کے امام اور مؤذن اور خادم کو دیا جاتا ہے۔ تو کیا امام اور خادم اور مؤذن اور خادم وغیرہ کی مدد کے لئے ارا کینِ کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں کے سامنے جھولی پھرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ چندہ کرنے والے نمازیوں کی گردنوں پر پھلاند کر نہ گزریں تو اس طرح نمازِ عید سے قبل چندہ کرنا

= (وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الثالث والعشرون فی الجمعة، نوع: اقتدی بالإمام ناویاً صلاته علی ظن أنه فی الجمعة الخ : ۶۷/۴، رشیدیه)

(۱) "أن أبا هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أخبره أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبک یوم الجمعة: أنصت والإمام یخطب، فقد لغوت". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الإنصات یوم الجمعة : ۱۲۸/۱، ۱۲۷، قدیمی)

"(و کل ما حرم فی الصلاة حرم فیها): أی فی الخطبة، خلاصة وغیرها. فیحرم أکل و شرب و کلام و لو تسبیحاً أو ردالسلام .... بل یجب علیه أن یستمع و یسکت .... و کذا یجب لسائر الخطب کخطبة النکاح و خطبة عید". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۱۵۹/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة ،کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة : ۱۴۷/۲، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲۵۹/۲، رشیدیه)

درست ہے(۱) جس سے امام اور مؤذن کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے۔ عمدہ صورت یہ ہے کہ باحیثیت آدمی مستقل تنخواہ کا انتظام کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

عیدین کو امام کے لیے کمر پر رومال باندھنا

سوال[۳۹۴۷]: امامِ عیدین کو عذر ہو یا بلا عذر کمر پر رومال باندھ کر نماز پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسی حرکت سے امام کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمر پر رومال باندھنا فی نفسہ درست ہے لیکن بلا وجہ امامتِ عیدین کے لئے اس کو ضروری سمجھنا اعتقاداً یا عملاً التزام مالا یلزم ہے جو منع ہے، اصرار کی وجہ سے امر مندوب پر بھی شرعاً کراہت کا حکم جاری ہو جاتا ہے: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة". سعاية (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۵/۵/۶۷ھ۔

---

(۱) نمازیوں اور مسجد کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے چونکہ سوال کرنا جائز ہے، لہٰذا طریقہ مذکورہ سے چندہ کرنا بھی صحیح ہے:

"قال في النهر: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولايسأل إلحافاً بل لأمرٍ لابدمنه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثالث والعشرون في الجمعة: ۶/۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۶۵، رشيديه)

(۲) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

"من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

عیدین کو تجارت کا حکم

سوال[۳۹۴۸]: کیا یہ صحیح ہے کہ عیدین کے دن کام کرنا منع ہے مثلاً بعد نماز تجارت وغیرہ کرنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید اور بقر عید کو اپنی تجارت وغیرہ کا کام کرنا منع نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۳ھ۔

عید کے غسل کا وقت

سوال[۳۹۴۹]: عیدین کے دن قبل طلوع فجر یا قبل طلوع شمس اگر کوئی شخص غسل کرے تو اس سے عیدین کی سنت ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں ہے کہ "عیدین کے دن بعد فجر غسل ان لوگوں پر کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے"(۲)۔

مالابدمنہ میں ھے کہ "روزِ عید الفطر سنت آنست کہ اول چیزے بخورد، و صدقۂ فطر دھد، مسواک کند، وغسل کند، واحسن ثیاب بپوشد، و خوشبو استعمال نماید وغیرہ" (۳). اب سوال یہ ہے کہ بعد فجر "روز" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے قبل غسل کرے تو اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ اب اس کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا بأجر جزیل.

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإذا قضیت الصلوة فانتشروا في الأرض، وابتغوا من فضل الله، واذکر الله کثیراً، لعلکم تفلحون﴾. (سورة الجمعة: ۱۱)

قال الحافظ ابن کثیر رحمه الله تعالیٰ: "لما حجر علیهم في التصرف بعد النداء و أمرهم بالاجتماع، اذن لهم بعد الفراغ في الانتشار في الأرض والابتغاء من فضل الله، کما کان عراک بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه إذا صلی الجمعة، انصرف فوقف علی باب المسجد، فقال: اللّٰهم! إني أجبت دعوتک، وصلیت فریضتک، وانتشرت کما أمرتني، فارزقني من فضلک وأنت خیر الرازقین".

(تفسیر ابن کثیر: ۳۶۷/۴، سهیل اکیڈمي لاهور)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اصلی بہشتی گوہر، غسل کا بیان، جن صورتوں میں غسل سنت ہے، ص: ۳۹۷، دارالاشاعت، کراچی)

(۳) (مالابدمنہ، للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلاۃ، فصل در نماز ہائے واجبہ، ص: ۵۲، شرکتِ علمیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی آدمی طلوع فجر کے بعد غسل کرے اور نماز عید تک حدث لاحق نہ ہوتو اس کی سنت بالاتفاق ادا ہوگی، اگر طلوع فجر سے قبل غسل کیا اور اسی طہارت سے نماز عید ادا کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت ادا ہوگئی، مگر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادا نہیں ہوئی، اگر درمیان میں حدث لاحق ہوگیا اور پھر وضو کی ضرورت پیش آئی تو کسی کے نزدیک سنت ادا نہیں ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ غسل یوم کیلئے ہے یا صلاۃ کے لئے، امام ابو یوسف کے نزدیک صلاۃ کے لئے ہے اور اسی کو اصح لکھا ہے:

"(وسن للجمعة و العيدين و عرفة): أي سنّ الاغتسال لهذه الأشياء. ثم هذا الاغتسال لليوم عند الحسن، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: للصلاة، و هو الأصح. وفي الكافي: لواغتسل قبل الصبح وصلى به الجمعة، نال فضل الغسل عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وعند الحسن رحمه الله تعالى: لا". زيلعي: ١/ ١٧(١)۔ "والخلاف المذكور جار في غسل العيد أيضاً". شامي: ١/ ١٧٤(٢)۔

بہشتی گوہر و مالا بدہ منہ میں وہ صورت لکھی ہے جس سے بالاتفاق سنت ادا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ بعد طلوع فجر غسل کرے "روز" سے مراد شرعی دن ہے جو کہ طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۹ھ۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ١/ ٧١، ٧٢، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) (رد المحتار، كتاب الطهارة: ١/ ١٦٩، سعيد)

"أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه كان يغتسل يوم الفطر و يوم الضحى قبل أن يغدوا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب العيدين، باب الاغتسال في يوم العيد، (رقم الحديث: ٥٧٥١): ٣/ ٣٠٩، المكتب الإسلامي)

(٣) قال العلامة الشامي: "و لسيدي عبد الغني هنا بحث نفيس .... حاصله أنهم صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة، مع أنه لو تخلل الحدث تزداد النظافة بالوضوء ثانياً، وإن كانت =

غسلِ عید ایسی جگہ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی

سوال[۳۹۵۰]: جبکہ عید، بقرعید کی نماز دیہات میں جائز نہیں، تو عید کے دن نہانا، دھونا، کپڑے بدلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے لئے یہ مسنون نہیں کرلیں گے تو مضائقہ بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۱۸ھ۔

عید کے لئے اذان نہیں

سوال[۳۹۵۱]: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے قبل کیا اذان نہیں ہوتی، نہیں ہوتی تو کیا پڑھا جاتا ہے؟ جواب میں لکھ دیجئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس موقع پر اذان مشروع نہیں: "فلا یؤذن لعید، الخ". مراقی الفلاح (۲)، اور بھی کوئی چیز

= للطهارة أيضاً فهي حاصلة بالوضوء ثانياً مع بقاء النظافة، فالأولى عندى الإجزاء وإن تخلل الحدث؛ لأن مقتضى الأحاديث الواردة في ذلك طلب حصول النظافة فقط. أقول: و يؤيده طلب التبكير للصلاة وهو في الساعة الأولى أفضل و هي إلى طلوع الشمس، فربما يعسر مع ذلك بقاء للوضوء إلى وقت الصلوة، و لا سيماً أطول الأيام وإعادة الغسل أعسر ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ وربما أداه ذلك إلى أن يصلي حاقناً و هو حرام، و يؤيده أيضاً ما في المعراج: لو اغتسل يوم الخميس و ليلة الجمعة استن بالسنة لحصول المقصود و هو قطع الرائحة". (ردالمحتار، كتاب الطهارة: ١/١٦٩، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ٤/١٥١، سعيد)

(١) "(ندب يوم الفطر أكله) .... و استياكه واغتساله .... و لبسه أحسن ثيابه". (الدرالمختار).

وفي رد المحتار: "(قوله: ندب يوم الفطر الخ) .... إن هذه الأمور مندوبة قبل الصلاة، ومن آدابها، لا من آداب اليوم، كما في الجلابي الخ". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/١٦٨، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام العيدين، ص: ٥٢٩، قديمي)

(٢) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ١٩٤، قديمي) ...... =

اذان کے قائم مقام نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

نمازِ عید کیلئے "الصلوۃ" کہہ کر بلانا

سوال[۳۹۵۲]: صلوۃ عیدین میں صلوۃ پکارنا بدعتِ حسنہ ہے یا سیئہ، یہ پکارنا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں پکارنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

"الصلوۃ" وغیرہ کے بغیر نمازِ عید

سوال[۳۹۵۳]: کیا بغیر صلوۃ کہے عیدین کی نماز نہیں ہوسکتی؟

= "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، قديمي)

"لايسن (أى الأذان) لغيرها كعيد الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(۱)"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه: "قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، قديمي)

"و ليس (أى الأذان) لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذانٌ ولا إقامةٌ، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

"لايسن (أى الأذان) لغيرها كعيد الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

البتہ کوئی ایسا طریقہ ہو جس کی اذان سے مشابہت نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً اشتہار لگانا، یا ایک روز قبل اعلان کرنا کہ نمازِ عید فلاں وقت ادا کی جائے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر ایسا کہے بلا شبہ نماز درست ہو جائے گی، اس رواج کو ترک کر دینا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدین میں جلوس ودف

سوال[۳۹۵۴]: بعض جگہ عیدین کے موقع پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں کے نوجوان مرد ولڑکے جلوس کی شکل میں نکل کر خوشیاں مناتے ہیں اور ان کے ساتھ ڈھول وغیرہ تو نہیں ہوتا بلکہ صرف وہ دف بجاتے ہیں جس کی ایک طرف چمڑہ ہوتا ہے، آیا اس موقع پر جلوس میں اس قسم کا دف بجانا یا اور کوئی ڈھول وغیرہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دف ڈھول وغیرہ ناجائز ہے، سکب الانہر: ۲/ ۵۵۳(۲)، دف کی اجازت بغرضِ اعلانِ نکاح شریعت نے دی ہے، عید کے روز اجازت نہیں دی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، سہارنپور، ۲/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) أنه (أى الدف) حرام عند أكثر المشايخ و ما ورد من ضرب الدف فى العرس فكناية عن الإعلان". (سكب الأنهر الدر المنتقى فى شرح الملتقى) على هامش مجمع الأنهر للشيخ محمد بن على الحصكفى، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ۲۲۲/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "(قوله ويندب اعلانه): أى إظهاره والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذى: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فى المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، و اجعلوه فى المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب ما جاء فى إعلان النكاح، ۲۰۷/۱، سعيد)

عید کے لئے قاضی کا جلوس

سوال[۳۹۵۵]: ایک قاضی گھوڑے پر چڑھ کر اور جلوس بنا کر نمازِ عید کے لئے جاتا ہے، اس کے آگے باجہ بجتا رہتا ہے، پٹاخے چلتے رہتے ہیں، لوگ "اللہ اکبر" اور "قاضی زندہ باد" کے نعرے بھی لگاتے ہیں، قاضی لوگوں کو ایسا کرنے سے نہیں روکتا بلکہ خود بھی چاہتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے اس طرح نماز کے لئے جانے کی اجازت ہے؟ قاضی کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ برائے کرم شرعی فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے، اس کی اصلاح لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

بطورِ احتجاج عید کے روز نئے کپڑے نہ پہننا

سوال[۳۹۵۶]: عیدالفطر کے موقعہ پر مرادآباد کے ہولناک مسلم کش فساد کے بعد نوجوانوں میں ایک تحریک چلی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر بطورِ احتجاج واظہار ہمدردی نئے کپڑے نہ پہنے جائیں بلکہ دھلے ہوئے کپڑے استعمال کئے جائیں جبکہ حدیث میں ہے کہ بہتر سے بہتر جو کپڑا تمہارے پاس ہو تو وہ پہنو، اس تحریک میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن نافع قال سمع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما مزماراً، قال: فوضع إصبعيه علی أذنيه، ونأیٰ عن الطريق، و قال لی: يا نافع! هل تسمع شيئاً؟ قال: فقلت: لا، قال: فرفع إصبعيه من أذنيه، وقال: كنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم نسمع مثل هذا فصنع مثل هذا". (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب كراهية الغناء والزمر: ۲/۶۷۴، إمداديه ملتان)

"قلت: استماع صوت الملاهی كضرب قصب و نحوه حرامٌ لقوله عليه السلام: " استماع الملاهی معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أی بالنعمة، فصرف الجوارح إلی غير ما خلق لأجله كفرٌ بالنعمة لا شكرٌ، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كی لا يسمع". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية علی هامش الهندية، كتاب الكراهية، الثالث فيما يتعلق بالمناهی: ۵/۳۵۹، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے کپڑے عید کے دن پہننا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ اگر اس تحریک سے مظالم کا انسداد متوقع ہو تو شرعی قباحت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وندب أن .... يلبس أحسن ثيابه: أى أجملها جديداً كان أو غسيلاً". (حاشية طحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۹، قديمى)

"وندب يوم الفطر ..... لبس أحسن ثيابه". (درالمختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۱/۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) "(عن) البراء بن عازب رضى الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبى صلى الله عليه وسلم بسبع ..... فذكر عيادة المريض ..... ونصر المظلوم". (صحيح البخارى، أبواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم: ۳۳۱/۱، قديمى)

قال الحافظ رحمه الله: "هو فرض كفاية، وهو عام فى المظلومين، وكذالك فى الناصرين بناءً على أن فرض الكفاية مخاطب به الجميع، وهو الراجح". (فتح البارى، باب نصر المظلوم: ۱۲۵/۵، قديمى)

باب صلوة الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

نماز استسقاء کی شرائط

سوال[۳۹۵۷]: اکثر ضلعوں میں بارش ہے لیکن کچھ ضلعے ایسے ہیں جہاں بارش نہیں ہے، مثلاً جیسے ضلع رہتک یا اس کے اردگرد بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہے اور مویشیوں کی حالت تو قابلِ عبرت ہے، سننے میں یہ آیا ہے کہ ہزارہا مویشی زمین چاٹ چاٹ کر مرگئے کیونکہ پچھلے سال بھی بارش نہ ہونیکی وجہ سے کچھ پیداوار زیادہ نہ تھی اور اس سال بھی بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ قحط کی صورت ہوگئی۔ ایسی حالت میں نماز استسقاء کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جب تک شرائط نہ پائی جائیں نماز استسقاء جائز نہیں اور "مالا بدمنہ" فارسی کی عبارت پیش کرتا ہے، مالا بدمنہ مطبع مجیدی غالباً ص:۱۲ کے حاشیہ پر یہ عبارت موجود ہے جو نقل کی جاتی ہے وھو ھذا:

"واز شروطِ استسقاء آنست که درشدتِ ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست اَبر در آسمان نباشد، ومستسقیان را دریاهاو انهار وچاههائے برائے آب نوشی خود ایشان و مواشیٔ ایشان نباشد، واگر باشد کافی نبود، والا جائز نیست"(۱).

وعالمگیری وغیرہ، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہریں دریا کنویں نہ ہوں یا ہوں تو پانی کفایت نہ کرتا ہو تب نماز جائز ہے ورنہ نہیں (۲) اب قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ سخت ضرورت میں بشرطِ عدم جملہ شرائط مثلاً ابر بھی کچھ

---

(۱) (مالابدمنہ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلوة، طلبِ باران: ۷۳، رقم الحاشیة: ۱، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

(۲) "إنما يكون الاستقاء في موضع لايكون لهم أو دية ولا أنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم أو زروعهم، أو يكون لهم ولا يكفيهم ذالک. فأما إن كانت لهم أو دية وآبار وأنهار، فإن الناس لايخرجون =

ہو، دریاؤں میں نہروں میں پانی بھی ہو لیکن مویشیوں کو پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کنووں میں سے پانی چاہے نہ نکال سکتے ہوں تو ایسی صورت میں نماز استسقاء جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان مذکورہ شرائط کے ساتھ ہی جائز ہو تو احقر کو شبہ ہوتا ہے کہ تقریباً دس گیارہ سال ہوئے احقر نے سہارنپور میں نماز استسقاء پڑھی اور غالباً حضرت حافظ صاحب ناظم مدرسہ نے پڑھائی تھی، اس وقت دریاؤں میں، نہروں میں پانی نہ ہو یا ہو تو شاید ابر نہ ہو۔ (اعتراضاً تحریر نہیں کیا گیا) بلکہ غرض اس واقعہ گذشتہ سے یہ ہے کہ احقر کا خیال اور حافظہ میں اس وقت ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں تھی سوائے اس کے کہ جس طرح اس وقت بارش نہیں ہوتی اس وقت بھی بارش نہ ہوتی تھی، یا اگر کوئی سبب ہوگا تو یاد نہیں، شاید احقر کے حافظہ نے غلطی کی ہو، غرض! مفصل تحریر کیا جائے۔

بمقام سونی پت رہتک، محلہ منڈی زیر قلعہ، بر مکان حاجی کریم الدین، عبدالرحیم پارچہ فروش۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بارش نہ ہو اور نہریں، کنویں وغیرہ بھی نہ ہوں یا کنویں وغیرہ ہوں مگر ان میں پانی بالکل نہ ہو، یا پانی ہو مگر بقدرِ حاجت نہ ہو یعنی خود پینے کے لئے جانوروں کو پلانے کے لئے کھیتی کرنے کیلئے کافی نہ ہو، تو اس وقت استسقاء مشروع ہے اور جب پانی بقدرِ کفایت موجود ہو تو مشروع نہیں:

"وشرعاً: طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر، ولم يكن لهم أودية و ابار وأنهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم، أو كان ذلك إلا أنه لا يكفي، فإذا كان كافياً لا يستسقي، كما في المحيط، قهستاني، اهـ". ردالمحتار: ۱/۸۸۳(۱)۔

= إلى الاستسقاء لأنها انما تكنو عند شدة الضرورة والحاجة كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع عشر في الاستقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(۱) (رد المحتار كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/۱۸۴، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: هلكت المواشي، و تقطعت السبل، فدعا فمُطِرنا من الجمعة إلى الجمعة، ثم جاء فقال: تهدّمت البيوت، و تقطعت السبل، و هلكت المواشي، فقال: اللهم على الآكام والظراب والأودية ومنابت الشجر" فانجابت عن المدينة انجياب الثوب". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب من اكتفى

جب رہتک میں یہ حالت ہے تو شرعاً وہاں صلوٰۃ استسقاء درست ہے کیونکہ پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے جب جانور زمین چاٹ چاٹ کر مر رہے ہیں تو اس قدر حاجت کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۸/۶/۲۶ھ۔

الجواب الصواب: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۳۹۵۸]: مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قریب ہی موضع بینا پارہ واقع ہے، وہاں لوگوں نے نمازِ استسقاء ادا کی، مولانا بدرالدین اصلاحی نے نماز پڑھائی اور جامعہ فاروقیہ میں دعا خوانی کی گئی، نماز ادا نہیں کی گئی بلکہ مولانا محمد یسین قاسمی مہتمم جامعہ ہذا و مولانا ظفر علی قاسمی جو کہ قریب ۳۰/ سال سے مدرسہ میں عربی کی تعلیم دے رہے ہیں، انہوں نے اعلان کی کہ استسقاء کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، صرف دعا خوانی ہوگی اس لئے کہ شرائط نہیں پائے جاتے اور فضا کا اس وقت یہ عالم تھا کہ بادل خوب گھرا ہوا تھا، مگر بارش ایک قطرہ نہیں ہوئی، بلکہ دھوپ سے مکئی وغیرہ سوکھ رہی تھی اور جو شرطیں مالا بدمنہ میں ذکر ہیں وہ بھی نہیں پائی جاتی تھیں، جیسا کہ مالا بدمنہ، ص: ۸ میں ہے:

''واز شرطِ استسقاء آنست کہ دردشت ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست ابر در آسمان نباشد،.............. برائے آب نوشئ خود ایشان ومواشی ایشان نباشد، واگر باشد کافی نبود، والا جائز نیست''(۱). عالمگیریہ أیضاً.

= بصلوۃ الجمعۃ فی الاستسقاء: ۱/۱۳۸، قدیمی)

''وإنما یکون الاستسقاء فی موضع لا یکون لھم أودیۃ ولا أنھار و آبار یشربون منھا و یسقون مواشیھم أو زرعھم، أو یکون و لا یکفیھم ذلک، فأما إذا کانت لھم أودیۃ و آبار وأنھار، فإن الناس لا یخرجون إلی الاستسقاء؛ لأنھا إنما تکون عند شدۃ الضرورۃ والحاجۃ''. (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع عشر فی الإستسقاء: ۱/۱۵۴، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الإستسقاء، ص: ۵۴۸، قدیمی)

(۱) (مالا بدمنہ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلوۃ، بیانِ طلبِ باران، ص: ۷۳، رقم الحاشیۃ: ۱، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

حالانکہ اس وقت پانی وغیرہ کی کھانے پینے میں بہت فراوانی تھی اور آسمان ابر آلود بھی بہت تھا تو بھی نماز ادا کی۔ مفتیانِ دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فتویٰ دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی کی قلت کی وجہ سے آدمیوں، جانوروں، کھیتوں کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو استسقاء درست اور ثابت ہے، اس کے لئے دعاء بھی ثابت ہے اور نماز بھی، کسی اختلاف اور نزاع کی ضرورت نہیں، آپس کے نزاعات کو ایسے وقت میں سامنے لا کر انتشار پھیلانے سے توجہ الی اللہ نہیں ہوتی، توجہ الی الناس ہی رہتی ہے۔

احادیث میں موجود ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے وقت کسی نے آکر پانی کی قلت کی شکایت کی جب ہی دعاء فرمائی حالانکہ آسمان پر بالکل بادل نہیں تھا، مگر فوراً بارش ہوگئی، ہفتہ تک بارش رہی (۱)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً دخل المسجد یوم الجمعة من باب کان نحو دار القضاء ورسول الله صلی الله علیه وسلم قائم یخطب، فاستقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم قائماً، ثم قال: یارسول الله! هلکتِ الأموال، وانقطعت السبل، فادع الله یغیثنا، فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم یدیه، ثم قال: "أللهم أغثنا، أللهم أغثنا، أللهم أغثنا". قال أنس رضی الله تعالیٰ عنه: ولا والله! مانری فی السماء من سحاب ولا قزعة، وما بیننا وبین سلع من بیت ولا دار، قال: فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس، فلما توسطت انتشرت، ثم أمطرت، فلا والله! مارأینا الشمس سبتاً. ثم دخل رجلٌ من ذلک الباب فی الجمعة ورسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قائم یخطب، فاستقبله قائماً فقال: یارسول الله! هلکتِ الأموال وانقطعت السبل، فادع الله یمسکها عنا، قال: فرفع رسول الله یدیه، ثم قال: "أللهم حوالینا، ولا علینا، أللهم علی الآکام والظراب وبطون الأودیة ومنابت الشجر". قال: فأقلعت وخرجنا نمشی فی الشمس". (صحیح البخاری، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة غیر مستقبل القبلة: ۱۳۸/۱، قدیمی)

"وشرعاً: طلب إنزال المطر بکیفیة مخصوصة عند شدة الحاجة بأن یحبس المطر، ولم یکن لهم أودیة وآبار وأنهار یشربون منها ویسقون مواشیهم وزرعهم، أو کان ذلک، إلا أنه لایکفی، فإذا کان کافیاً لایستسقی، کما فی المحیط". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۱۸۴/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی الاستسقاء: ۱۵۴/۱، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الاستسقاء، ص: ۵۴۸، قدیمی)

حاشیہ مالا بدمنہ سے جو بادل ہونے کی شرط کو لکھا گیا ہے وہ شرط فتاویٰ عالمگیری میں مجھے نہیں ملی (۱)۔ جس وقت دعاء کی گئی اس وقت کا حال راوی نے بیان کیا اور سرعتِ اجابتِ دعا کے ذیل میں ہے کہ بادل موجود نہ ہونے کے باوجود فوراً بارش شروع ہوگئی، نہ کہ یہ استسقاء کے لئے شرط ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''بظاہر عالمگیری کی یہ عبارت مراد ہے: ''إنما يكون الاستقاء في موضع لايكون لهم أودية ولا أنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم أو زروعهم، أو يكون لهم ولا يكفيهم ذالک، فأما إذا كانت لهم أودية وآبار وأنهار، فإن الناس لايخرجون إلى الاستقاء؛ لأنها إنما تكون عند شدة الضرورة والحاجة، كذا في المحيط''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع عشر في الاستقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(۲) ''عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: شكى الناس إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محوط العطر، فأمر بمنبر .... فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين بدا حاجب الشمس، فقعد على المنبر، فكبر وحمدالله .... فصلى ركعتين، فأنشا الله بسحلبة فرعدت وبرقت ثم أمطرت بإذن الله فلم يأت مسجده حتى سالت السيول فلما رأى سرعتهم إلى الكنّ ضحک حتى بدت نواجذه .... اهـ''.

''ضحک حتى بدت نواجذه'': أي آخر أضراسه، وكان ضحكه تعجباً من طلبهم المطر اضطراراً، ثم طلبهم الكن عنه قراراً، ومن عظيم قدرة الله تعالىٰ والظهار قربة رسوله، وصدقة بإجابة دعائه سريعاً''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الاستقاء: ۳/۲۱۵-۲۱۸، رشيديه)

باب الجنائز

کیا اچانک موت کا آنا بُری موت کی علامت ہے؟

سوال[۳۹۵۹]: ہارٹ فیل ہوجانا کیا بُری موت کی علامت ہے؟

حاجی عبدالمجید ڈرائیور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ اس سے اکثر ادائے حقوق، توبہ، معافی وغیرہ کا موقع نہیں ملتا(۱)۔ فقط۔

روح نکلنے کے بعد میت کے پیر قبلہ کی طرف کرنا

سوال[۳۹۶۰]: کسی مسلمان کی روح نکلنے کے بعد اس کو کس سمت رکھا جائے؟ ہمارے یہاں عام رواج یہ ہے کہ روح نکلنے کے بعد اس کے پیر کو قبلہ رُخ کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے چہرہ کا رخ قبلہ کی

---

(۱) "عن عبيد بن خالد السلمي رجل من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال مرةً: عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم قال مرةً: عن عبيد قال: "موت الفجاءة أخذة أسف". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة: ۲/۸۷، إمداديه)

"بفتح السين و كسرها، فبالفتح معناه: أخذة غضبٍ، وبالكسر معناه: أخذة غضبان، فمعنى الكلام: موت الفجأة أثر غضبه تعالىٰ حيث لم يتركه للتوبة، وأعدم زاد الآخرة، و لم يمرّضه ليكفّر ذنوبه، و لذلك تعوّذ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- من موت الفجأة". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة: ۵/۱۸۲، إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب تمني الموت و ذكره، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۱۶۱۱): ۴/۷۷، رشيديه)

طرف ہوجاتا ہے جب کہ زندگی میں قبلہ کی جانب پیر پھیلا کر سونے یا بیٹھنے کی ممانعت کی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روح جسم سے نکل جانے کے بعد میت کے پیر کو قبلہ کی طرف کردینے کا رواج شرعاً بے اصل اور غلط ہے، ہاں! موت سے پہلے جب موت کے آثار شروع ہوجائیں تو اس وقت اس کا سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف، رخ قبلہ کی طرف کردیا جائے، یہی افضل اور سنت طریقہ ہے اگرچہ کسی مصلحت کی خاطر کوئی دوسری صورت بھی درست ہے:

”و يسن توجيه المحتضر: أى من قَرُب من الموت على يمينه؛ لأنه السنة، وجاز الاستلقاء على ظهره؛ لأنه أيسر لمعالجته، ولكن يرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء“. مراقى الفلاح، ص: ۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۵ھ۔

موت کے وقت سر کدھر ہو اور پیر کدھر ہو؟

سوال[۳۹۲۱]: موت کے وقت سر پورب اور پیر پچھم (۲) کی طرف کرکے لٹاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، باب أحكام الجنائز: ۵۵۸، قديمی)

”(يوجه المحتضر) و علامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة. (وجاز الاستلقاء) على ظهره (و قدماه إليها) و هو المعتاد في زماننا (و) لكن (يرفع رأسه) ليتوجه للقبلة (وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح) صححه في المبتغى. (وإن شق عليه، ترك على حاله)“. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۸۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۹۸/۲، رشيديه)

(كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الجنائز، ص: ۵۷۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) ”پورب: مشرق“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

”پچھم: مغرب“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۰، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی بھی گنجائش ہے کہ مرتے وقت سر پورب کی طرف کیا جائے لیکن سر کو تکیہ کے ذریعہ ذرا اونچا کردیا جائے ، اعلیٰ بات یہ ہے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف کردیں اور چہرہ قبلہ کی طرف رہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کے پاس تلاوت کا حکم

سوال[۳۹۶۲]: زید کا انتقال ہوگیا، اب اس کے سرہانے یا اس کے پاس تلاوت قرآن غسل کے وقت تک کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ ہے، کچھ فاصلہ پر تلاوت کی جائے، رد المحتار: ۱/۸۹۲ (۲)۔

---

(۱) "و يسن توجيه المحتضر: أى من قرب من الموت على يمينه؛ لأنه السنة. و جاز الاستلقاء إلى ظهره؛ لأنه أيسر لمعالجته، و لكن يرفع رأسه قليلاً، ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء". (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۵۸، قديمى)

"(يوجه المحتضر) –وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه– (القبلة) على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء) على ظهره (و قدماه إليها) و هو المعتاد في زماننا (و) لكن (يرفع رأسه) ليتوجه للقبلة (وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح) صححه في المبتغى. (وإن شق عليه، ترك على حاله)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۸۹/۲، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۹۸/۲، رشيديه)

(و كذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، فصل فى الجنائز، ص: ۵۷۶، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "وذكر أن محل الكراهة إذا كان قريباً منه، أما إذا بَعُد عنه بالقراءة فلا كراهة، الخ".

(ردالمحتار: ۱۹۴/۲، مطلب فى القراءة عند الميت، سعيد)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۵۷/۱، الفصل الأول فى المحتضر، رشيديه)

(و كذا فى الحلبى الكبير، ص: ۵۷۷، فصل فى الجنائز، سهيل اكيڈمى لاهور)

میت کے اردگرد میں قرآن پڑھنا

سوال[۳۹۶۳]: اگر کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے دفن کرنے سے پہلے اس آدمی کو رکھ کر اس کے ادھر اُدھر اور روبرو قرآن پاک کو پڑھا جاتا ہے، جس آدمی نے ساری عمر دین کا کوئی کام نہ کیا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کے دَور کی وجہ سے میری معافی ہوجائے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ عقیدہ اور طریقہ غلط ہے، اور بے دلیل ہے بلکہ خلافِ اصول ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کے قریب اگربتی سُلگانا

سوال[۳۹۶۴]: میت کے قریب اگربتی سلگانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تشبہ بالنار ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

میت میں بدبو پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسلئے اس کو غسل دینے سے پہلے تختہ کو خوشبو کی دھونی دی

---

(۱) اصول جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب میت کی نزع کی حالت شروع ہوجائے تو اس وقت اس کے قریب بیٹھ کر آرام آرام سے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی جائے اس سے اس کی نزعِ روح میں آسانی ہوتی ہے:

"أخرج ابن أبي الدنيا والديلمي عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من ميت يقرأ عند رأسه سورة "يس" إلا هوّن الله عليه". و في رواية صحيحة أيضاً: "يٰس قلب القرآن، لا يقرأها عبدٌ يريد الدار الآخرة إلا غفر الله له ما تقدم من ذنبه ، فاقرأوها على موتاكم". قال ابن حبان : المراد به من حضره الموت. و يؤيده ما أخرجه ابن أبي الدنيا و ابن مردوية: "ما من ميت يقرأ عنده يس، إلا هوّن الله عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز ، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثاني :۴/۹۰، رقم الحديث: ۱۶۲۲، رشيديه)

(وكذا في إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة ، كتاب الجنائز ،باب ما جاء في ما يقال عند المريض إذا حضر، (رقم الحاشية: ۶، ص: ۱۰۴، قديمي)

جاتی ہے، یہ مسئلہ عام کتب فقہ میں درج ہے، اس میں تشبہ بالنار نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۶/۲۵ھ۔

مرنے کے بعد بیوی کا منہ دیکھنا

سوال[۳۹۶۵]: زید اپنی زوجہ کا انتقال کے بعد قبل از دفن چہرہ دیکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیکھنے کا حق ہے مگر جسم کو ہاتھ نہ لگائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے

سوال [۳۹۶۶]: لوگوں میں مشہور ہے کہ جب کسی کافر کے مرنے کی خبر سنے یا لاش لے جاتے ہوئے دیکھے تو ﴿فی نار جهنم خالدين فيها أبدا﴾ پڑھنا چاہئے۔شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "(ويوضع) كمامات (كماتيسر) في الأصح (على سرير مجمّر وتراً) إلى سبع فقط". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: مجمّر): أي مبخر، و فيه إشارة إلى أن السرير مجمر، قيل: وضعه عليه تعظيماً وإزالةً للرائحة الكريهة" (باب الجنازة: ۱۹۵/۲، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "يوضع على سرير مجمّر و تراً قبل وضع الميت عليه". (كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱۵۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلاة الجنازة: ۳۰۰/۲، رشيديه)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله: "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لا من النظر إليها على الأصح، منية".

(الدرالمختار على ردالمحتار: ۱۹۸/۲، باب صلاة الجنازة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۶۰/۱، الفصل الثاني في الغسل، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۴۸۴/۲، باب صلاة الجنازة ثانيا صفة الغاسل، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ: ۲۲۵/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے؟

سوال [۳۹۶۷]: غیر مسلم کی میت کی خبر سن کر یا میت دیکھ کر کوئی مسلمان ﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ پڑھتا ہے، درست ہے یا نہیں، یا اَور کوئی کلمہ پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی میت کی خبر ملے یا کوئی بھی میت سامنے ملے، مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہئے:

قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا استويت أنت ومن معک على الفلک، فقل الحمد لله الذى نجانا من القوم الظالمين﴾. (سورۂ مؤمنون، پ: ۱۸، آیت: ۲۸)

"فإن الحمد على الإنجاء منهم متضمنٌ للحمد على إهلاكهم، وإنما قيل: ماذكر، ولم يقل: فقل الحمد لله الذى أهلک القوم الظالمين؛ لأن نعمة الإنجاء أتم .... وأنت تعلم أن الحمد هنا رديف الشكر، فإذا خص بالنعمة الواصلة إلى الشاكر، لايصح أن يتعلق بالمصيبة من حيث أنها مصيبة، وهو ظاهر، وفى أمره عليه السلام بالحمد على نجاة أتباعه إشارة إلى أنه نعمة عليه أيضاً". (روح المعانى: ۱۸/۲۷، ۲۸، داراحياء التراث العربى، بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿فقطع دابر القوم الذين ظلموا، والحمد لله رب العالمين﴾. (سورة الأنعام، پ: ۷، آية: ۴۵)

"على ماجرى عليهم من النكال والإهلاک، فإن إهلاک الكفار والعصاة من حيث أنه تخليص لأهل الأرض من شؤم عقائدهم الفاسدة وأعمالهم الخبيثة نعمةٌ جليلةٌ يحق أن يحمد عليها، فهٰذا منه تعالىٰ تعليم العباد أن يحمدوه على مثل ذلک، واختار الطبرسى أنه حمدٌ منه عزاسمه لنفسه على ذلک الفعل". (روح المعانى: ۷/۱۵۲، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

کرنا چاہئے، جس کے بہتر الفاظ یہ ہیں: ﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

میت کے قریب غیر مسلم عورتوں کا آ کر بیٹھنا

سوال [۳۹۶۸]: میت کے روز میت والے کے گھر پر غیر مسلم ہندو عورتیں آتی ہیں اور مُردے کے پاس بیٹھتی ہیں اور تعزیت کرتی ہیں۔ کیا ان عورتوں کو میت کے مکان میں داخل ہونے دینا چاہئے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان ہندو عورتوں کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے، کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۸ (۲) چونکہ وہ وقتِ نزولِ رحمت کا ہے اور غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الأولیٰ/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہئے۔ (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے"؟)

(۲) "(واختلفوا في إخراج الحائض والنفساء) و الجنب (من عنده)، وجه الإخراج امتناع حضور الملائكة محلاً به حائض أو نفساء، الخ". (مراقي الفلاح). وفي حاشية الطحطاوي: "ونص بعضهم على إخراج الكافر أيضاً، وهو حسنٌ". (كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز: ۵۶۳، قديمي)

(۳) "عن ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه، قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة، فرآى ناساً رُكباناً، فقال: "لا تستحيون إن ملائكة الله على أقدامهم، و أنتم على ظهور الدواب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعيد)

قال الملا علي القاريؒ حديث ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه: "يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة و مع الكفار باللعنة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني: ۴/۱۶۰، رشيديه)

الفصل الأول فی غسلِ المیت

(میت کو غسل دینے کا بیان)

میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہو؟

سوال[۳۹۲۹]: میت کو غسل دینے کے وقت اس کے پاؤں کس طرف کرنا چاہئے، اگر قبلے کی طرف کیے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرف سہولت ہو اگر قبلے کی طرف پاؤں ہو جائیں تو یہ بھی گناہ نہیں:

"ویوضع المیت کیف ما اتفق علی الأصح، قاله شمس الأئمة السرخسی. وقیل: عرضاً، وقیل: إلی القبلة، فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلوة إیماء. وفی القهستانی عن المحیط وغیره: انه السنة اهـ". طحطاوی، ص: ۳۱۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵٦۷، قدیمی)

"(ویوضع کما مات کما تیسر) فی الأصح (علی سریر مجمّر وتراً)". (الدرالمختار).

"(قوله: فی الأصح) وقیل: یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل: عرضاً کما فی قبره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۵/۲، سعید)

"وکیفیة الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً کمافی حالة المرض إذا أراد الصلاة بإیماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً کمایوضع فی القبر، والأصح أنه یوضع کما تیسر". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۰/۲، رشیدیه)

ایضاً

سوال[۳۹۷۰]: زید کہتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے پاؤں کو قبلہ رخ ہونا چاہئے اس لئے کہ جب مُردے اٹھائے جائیں گے تو ان کا رخ قبلہ رخ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دیتے وقت تختہ پر رکھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا اور دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے کہ قبر میں رکھتے ہیں، جو صورت بھی آسان ہو اس کو اختیار کرلیں تو دونوں جائز ہیں:

"وکیفیة الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً کمافی حالة المرض إذا أراد الصلوة بإیماء، و منهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر، والأصح أنه یوضع کما تیسر، کذا فی الظهیریة". عالمگیری: ۱۵۷/۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غسلِ میت کے وقت پیر کس طرف ہوں اور غیر مستنجی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۷۱]: مُردہ کو غسل دینے کا کیا طریقہ ہے، اگر لحد مشرق ومغرب کو کھودی تو سر، پیر کس

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱۵۸/۱، رشیدیه)

"ثم لم یذکر فی ظاهر الروایة کیفیة وضع التخت أنه یوضع إلی القبلة طولاً أو عرضاً، فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً کما یفعل فی مرضه إذا أراد الصلاة بالإیماء، و منهم من اختار الوضع عرضاً کما یوضع فی قبره، والأصح أنه یوضع کما تیسر؛ لأن ذلک یختلف باختلاف المواضع". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما کیفیة الغسل: ۲۵/۲، رشیدیه)

"(ویوضع کما مات، کما تیسر) فی الأصح (علی سریر مجمّر وتراً)". (الدرالمختار).

"(قوله: فی الأصح) وقیل: یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل: عرضاً کما فی قبره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۵/۲، سعید)

طرف ہونے چاہئے، اور لحد جنوب وشمال کھودی جائے تو سر، پیر کس طرف ہونے چاہئے؟ جو آدمی استنجا نہیں سکھاتا ہے، کیا وہ شخص جانور حلال کر سکتا ہے یا نہیں؟ شرع کا پابند بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دینے کے لئے جس طرح سہولت ہو درست ہے، مشرق ومغرب ہو تو پیر مشرق کی طرف بھی کر سکتے ہیں، شمال وجنوب ہو تو پیر جنوب کی طرف مناسب ہے (۱)۔ ہر مسلمان کا ذبیحہ درست ہے جب کہ وہ شرعی قاعدہ سے ذبح کرے، احکامِ شرع جس قدر آدمی ترک کرتا ہے اسی قدر وہ جواب دِہ اور گناہگار ہے اس لئے پابندی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کا غسل کے بعد پیر کدھر ہوں؟

سوال [۴۹۷۲]: (الف) میت کو غسل سے قبل چارپائی میں کس رخ لٹایا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

(ب) غسل کے وقت کس سمت پر سر رکھا جائے؟

(ج) غسل کے بعد جنازہ لے جانے سے قبل میت کو چارپائی پر کس رخ رکھا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) انتقال سے پہلے شمال کی طرف سر اور جنوب کی طرف پیر کر کے قبلہ رخ کر دیا جائے پھر اسی طرح پر رہے (۳)۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہوں''؟)

(۲) "و شرط کون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم". (الدرالمختار، کتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، سعید)

"قالؒ: وحل ذبیحة مسلم و کتابيّ، لما تلونا الخ". (تبیین الحقائق، کتاب الذبائح: ۶/۴۴۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "(ویوضع کما مات، کما تیسر) في الأصح (علی سریر مجمّر وتراً)". (الدرالمختار). "(قوله: في الأصح) و قیل: یوضع إلی القبلة طولاً، و قیل: عرضاً کما في قبره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، =

(ب) جس رخ پر موقع کے لحاظ سے آسان ومناسب ہو۔

(ج) قبلہ رخ ہوتو بہتر ہے جیسا کہ اوپر والے جواب میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۶ھ۔

غسلِ میت کے لئے نیت ضروری نہیں

سوال [۳۹۷۳]: میت کو غسل دینے کے لئے نیت عربی میں تحریر فرمائیں، نیز میت کے غسل دینے والے پر ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میت پر تین دفعہ پانی بہادیا اور کوئی جگہ اس کی خشک نہ رہی تو غسل ہوگیا، نیت کی ہو یا نہ کی ہو (۲)، نیز

= باب الجنائز : ۱۹۵/۲، سعید)

" وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كمافي حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً كمايوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۰۰/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۵۶۷، قديمی)

(۱) "(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمّر وتراً)". (الدر المختار). "(قوله : في الأصح) و قيل: يوضع إلى القبلة طولاً، و قيل: عرضاً كما في قبره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱۹۵/۲، سعيد)

(۲) "فتلخص : أنه لابدّ في إسقاط الفرض من الفعل، وأما النية فشرطٌ لتحصيل الثواب، و لذا صح تغسيل الذمية زوجها المسلم مع أن النية شرطها الإسلام، فيسقط الفرض عنا بفعلنا بدون نية".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲۰۰/۲، سعيد)

"ميتٌ غسله أهله من غير نية الغسل، أجزأهم ذلك". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت و ما يتعلق به الخ : ۱۸۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۰۴/۲، رشيديه)

نہ عربی زبان میں الفاظ کا کہنا لازم ہے نہ کسی اَور زبان میں، نیت تو ارادۂ قلبی کا نام ہے، اسی طرح نیت کرلی جائے کہ میت کو غسل دینا ہمارے اوپر لازم ہے اس لئے غسل دیتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کو پابندِ شرع غسل دے

سوال[۳۹۷۴]: بے نمازی آدمی مسلمان میت کو غسل دے سکتا ہے یانہیں؟ جب نمازی آدمی موجود ہیں اور پھر وہ نماز جنازہ بھی نہ پڑھے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غسل تو اس کے دینے سے بھی ہوجائے گا، مگر بہتر یہ ہے کہ نمازی آدمی اور پابند شریعت غسل دے (۲)۔ بے نمازی کا نماز نہ پڑھنا گناہ کبیرہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟

سوال[۳۹۷۵]: اکثر عورتیں شوہر کے مرنے کے بعد اپنے شوہر کو ہاتھ نہیں لگاتی ہیں، جہلا عورتوں

---

(۱) "(و) الخامس (النية) بالإجماع (و هي الإرادة) .... والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، فلا عبرة للذكر باللسان، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۵، رشيديه)

(۲) "يغسله أقرب الناس إليه، وإلا فأهل الأمانة والورع". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۷۰، قديمي)

" والأولى كونه أقرب الناس إليه، فإن لم يحسن الغسل، فأهل الأمانة والورع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۶، مكتبه رشيديه)

(۳) "عن عبيدة رضي الله تعالىٰ عنه: إن العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة، فمن تركها، فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة: ۱/۸۱، قديمي)

"عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلاة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۱/۶۱، قديمي)

کا خیال ہے کہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ عورتیں ایامِ عدت میں شوہر کی زوجیت میں چار ماہ اور دس دن اس کے نکاح میں رہتی ہیں، اس لئے ضرورت کے وقت شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہیں تو پھر کس طرح چھونے سے پرہیز کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا یہ خیال غلط ہے بلکہ عورت کے لئے شرعاً جائز ہے کہ شوہر کو بعد موت کے کفن اور غسل دے، دلیل وہی ہے جو آپ نے لکھی ہے، کذا فی ردالمحتار: ۵۷۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال[۳۹۷۶]: بیوی کے مرنے کے بعد چونکہ شوہر سے زوجیت کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے اس لئے بعض کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رشتہ منقطع ہوگیا تو بیوی کے مرنے کے بعد اس کو منہ نہیں دیکھتے نہ گھر میں اور نہ قبر میں اور نہ بیوی کو کاندھا دیتے ہیں اور نہ بیوی کو قبر میں اتارتے ہیں اور نہ بیوی کو چھوتے ہیں، یہ سب افعال شوہر کو بیوی کے مرنے کے بعد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کا شمار بھی غیر محرم میں ہوجاتا ہے بیوی کے مرنے کے بعد، یا اس کا شمار محرم میں رہتا ہے اور وہ سب افعال کرسکتا ہے، مثلاً قبر میں اتارنا، منہ دیکھنا، کاندھا دینا، بوقتِ ضرورت غسل دینا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منہ دیکھنے کی اجازت ہے، ہاتھ لگانے کی نہیں، غسل دینا بھی درست نہیں کاندھا دینا محرم اور غیر محرم سب

---

(۱) "عن ابن أبي مليكة: "أن امرأة أبي بكر غسلته حين توفي، أوصى بذلك". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرجل، (رقم الحديث: ۶۱۱۷): ۴۰۸/۳، المكتب الإسلامي)

"و يمنع زوجها من غسلها .... و هي لا تمنع من ذلك) و لو ذمية بشرط بقاء الزوجية".
(الدر المختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ۱۹۸/۲، سعيد)

"والزوجة تغسل زوجها دخل بها أولا بشرط بقاء الزوجية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۶/۲، رشيديه)

مزید دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأمابيان الكلام فيمن يغسل: ۳۳/۲، رشيديه)

کو درست ہے، اگر ضرورت ہو تو قبر میں اتارنا بھی شرعاً درست ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک غسل دینا بھی درست ہے اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے، دلائل دونوں فریق کے پاس موجود ہیں، حنفیہ کا مسلک احتیاط کے زیادہ قریب ہے، کذا فی رد المحتار: ۱/۵۷۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا؟

سوال[۳۹۷۷]: کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وفات بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، اگر غسل دیا تھا تو کوئی خاص وجہ تھی یا عام حکم ہے، یا بوجۂ زوجیت ان کا رشتہ تا قیامت منقطع نہیں ہوا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً: اس روایت میں کلام ہے (۲)، ثانیاً: اس کا محمل انتظام واہتمام ہے، ثالثاً: یہ خصوصیتِ مقام ہے،

---

(۱) "و یمنع زوجها من غسلها و مسها، لا من النظر إليها على الأصح". (الدر المختار). "وقالت الثلاثة: يجوز؛ لأن علياً رضی الله تعالىٰ عنه غسل فاطمة رضی الله تعالىٰ عنها، قلنا: هذا محمول على بقاء الزوجية، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل سبب و نسب ينقطع بالموت إلا سببي و نسبي". مع أن بعض الصحابة أنكر عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱۹۸/۲، سعید)

"ولا يغسل الرجل زوجته، و الزوجة تغسل زوجها دخل بها أو لا بشرط بقاء الزوجية".
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۶/۲، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان الكلام فيمن يغسل: ۳۵/۲، رشيديه)

(۲) "إن أحمد والشافعي يحتجّان في جواز غسل زوجته بأن علياً رضی الله تعالىٰ عنه غسل فاطمة رضی الله تعالىٰ عنها– رداً على أبي حنيفة .... قلت: و رواه عبد الرزاق في مصنفه بسند ضعيف و منقطع". (نصب الراية لأحاديث الهداية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۵۰/۲، ۲۵۱، مؤسسة الريان المكتبة المكية)

"يجوز أن تغسل المرأة زوجها بالإجماع، أما غسله زوجته فغير جائز عندنا، وهو قول الثوري و الأوزاعي خلافاً للثلاثة، احتجوا .... و روى البيهقي وأبو الفرج عن فاطمة رضی الله تعالىٰ عنها قالت لأسماء بنت عميس: يا أسماء، إذا مِتُّ فاغسليني أنت و عليّ، فغسلا ها. قال أبو الفرج في =

جس کا اظہار عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کذا فی رد المحتار:

"ألا ترىٰ ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه لما اعترض عليه بذلك أجابه بقوله: أما علمت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها زوجتك في الدنيا والآخرة". فادعاؤه الخصوصية دليلٌ على أن المذهب عندهم عدم الجواز". شامية: ۵۷۶/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو تو تیمّم کرا دیا جائے

سوال [۳۹۷۸]: عورت کے انتقال پر کوئی عورت نہ ہو تو اگر کسی مرد نے غسل کرا دیا تو گنہگار ہوگا یا نہیں جب کہ ہاتھ میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی اجازت نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے، ایسی حالت میں تیمّم کرا دینے کا حکم ہے۔ اگر محرم ہو تو بلا کپڑے کے تیمّم کرا دے، ورنہ کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر تیمّم کرائے: "لو ماتت امرأة مع الرجال تيمموها كعكسه بخرقة، وإن وجد ذو رحم محرم تيمم بلا خرقة، اهـ". نور الإيضاح (۲)۔

= إسناده عبد الله بن نافع، قال يحيى: ليس بشيء، وقال النسائي: متروك. ورووا أحاديث أُخَرَ ليس فيها ما يعتمد عليه على أنه لو ثبت لم يكن فيه دلالة؛ لأن الغسل مما يضاف إلى السبب إضافة مشهورة تقرب من الحقيقة في كثرة الاستعمال والشهرة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۳، سهيل اكيڈمی)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۸/۲، سعيد)

(۲) (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۷۲، ۵۷۳، قديمي)

"عن سعيد بن المسيبؒ أنه قال: إذا ماتت المرأة مع الرجال ليس معهم امرأة، قال: ييمّمونها =

دائی کا میت کو غسل دینا

سوال[۳۹۷۹]: مسلم دائی سے مُردہ عورت کو غسل کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم دائی سنت کے مطابق غسل دیتی ہے تو یہ درست ہے، اعلیٰ بات یہ ہے کہ گھر کی مستورات خود ہی غسل دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۲ھ۔

میت کو فقیروں کے ذریعہ غسل دلانا

سوال[۳۹۸۰]: ہمارے یہاں دستور ہے کہ میت کو فقیروں سے غسل دلاتے ہیں اوران کو نماز وغسل کی خودبھی توفیق نہیں ہوتی، قطعی بے دین ہوتے ہیں اوران کو کافی معاوضہ دیتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

= بالصعيد، ولا يغسلونها". الحديث. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، ما قالوا في الرجل يموت مع النساء و ليس معهن رجل الخ، (رقم الحديث : ۱۰۹۶۴): ۲/۴۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"ماتت بين رجال أو هو بين نساء ييمّمه المحرم، فإن لم يكن فالأجنبي بخرقة".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز : ۲/۲۰۱، سعيد)

"لو ماتت امرأة بين الرجال الأجانب، ييممها رجل بخرقة و لا يمسها". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۵۷۷، سهيل اكيڈمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان الكلام فيمن يغسل : ۲/۳۴، رشيديه)

(۱) "والأولى كونه أقرب الناس إليه، فإن لم يحسن الغسل فأهل الأمانة والورع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز : ۲/۲۰۲، سعيد)

"و أما ما يستحب للغاسل فالأولى أن يكون أقرب الناس إلى الميت، فإن لم يعلم الغسل فأهل الأمانة والورع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۰۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل : ۱/۱۵۹، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کوغسل فقیروں سے دلانا جب کہ وہ ناواقف ہوں، قبیح ومذموم ہے، میت کی حق تلفی ہے، اہلِ میت علماء اس کوغسل دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

فقیر کی بیوی کوغسلِ میت پر مجبور کرنا

سوال[۳۹۸۱]: اگر کسی بستی میں میت کوغسل دینے والا فقیر بستی سے دور رہتا ہواور وہ زنانہ غسل پر مجبور ہو جاوے کہ اس کے پاس اس کی پردہ نشین بیوی کے سوا کوئی نہ ہو تو کیا وہ پردہ نشین بیوی کو مجبوراً غسل دینے کے لئے لیجا سکتا ہے جب کہ وہ خود رضامند نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل دینا فرض کفایہ ہے(۲) اگر اور بھی غسل دے سکتے ہوں تو اس پر جبر جائز نہیں، غسل دینا مشکل کام نہیں کہ سب نے ایک کے سر رکھدیا، سب کو سیکھ لینا چاہئے، لیکن اگر عورت موجود نہ ہو تو نامحرم غسل نہ دیں بلکہ تیمّم کرادیں اور وہ بھی کپڑے کے ذریعہ سے، اگر کوئی محرم مرد موجود ہو تو بلا کپڑے کے تیمّم کرادے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''دائی کا میت کوغسل دینا''۔)

(۲) "(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع .... (كدفنه) وغسله و تجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

" وأما كيفية وجوبه، فهو واجب على سبيل الكفاية، إذا قام به البعض سقط عن الباقين الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية وجوبه الخ: ۲/۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(۳) "ونقل عن الخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يممها بيده، وأما الأجنبي فبخرقة على يده ويغض بصره عن ذراعها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

غسلِ میت کے بعد پائخانہ نکل آیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۸۲]: میت کو غسل دیکر کفن بھی پہنا چکے، اس کے بعد پاخانہ نکل آیا، اس حالت میں کیا حکم ہے؟ دوبارہ غسل دیں گے اور نیا کفن دیں گے یا اسی کفن میں لپیٹیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا حصہ بدن کا اور کپڑے کا ناپاک ہوگیا اس کو پاک کردیا جائے، دوبارہ غسل دینے یا کفن کو بدلنے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۷ھ۔

مُردہ کے بدن سے ناپاکی نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۸۳]: جو مُردیا عورت بعد مرنے کے ناپاکی دیکھ لے ایک انچ یا دو انچ، تو کس طرح ناپاکی پاک ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مُردے کے بدن سے اگر کچھ ناپاکی نکلے تو اس کو پاک کردیا جائے، بغیر پاک کئے نماز جنازہ نہیں ہوگی، اگر سوال کا کچھ اور مطلب ہے تو واضح کیجئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و یمسح بطنہ رقیقاً، و ما خرج منہ یغسلہ........ و لا یعاد غسلہ و لا وضوء ہ بالخارج منہ". (الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱۹۷/۲، سعید)

"ثم مسح بطنہ فإن سال منہ شیء، یمسحہ، کیلا یتلوث الکفن، و یغسل ذلک الموضع تطھیراً لہ عن النجاسۃ الحقیقۃ، ولم یذکر فی ظاھر الروایۃ سوی المسح، ولا یعید الغسل و لا الوضوء عندنا". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل: وأما کیفیۃ الغسل: ۲۷/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۳۰۳/۲، رشیدیہ)

(۲) "تکفین سے قبل نجاست نکلی تو اس کا دھونا ضروری ہے، اگر تکفین کے بعد نکلی تو دھونا ضروری نہیں خواہ میت کے بدن پر ہو یا کفن پر، بدون دھوئے نماز جنازہ صحیح ہے، یہ حکم خود بدنِ میت سے نکلنے والی نجاست کا ہے، خارجی نجاست کا دھونا ضروری ہے، ورنہ نماز نہ ہوگی"۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز: ۲۰۷/۴، سعید) .... =

غسلِ میت میں ڈھیلے سے استنجا

سوال[۳۹۸۴]: میت کو بوقت غسل ڈھیلے سے استنجا کرانا کیسا ہے؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

پانی سے استنجا کے متعلق زیلعی (۱) بحر(۲) طحطاوی (۳) وغیرہ میں طرفین کے نزدیک اس کی تاکید مذکور ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، لیکن اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اول ڈھیلے سے صفائی کی جائے پھر پانی سے، جیسا کہ درمختار میں ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

= "إذا تنجس الكفن بنجاسة الميت، لايضر دفعاً للحرج) بخلاف الكفن المتنجس ابتداءً، وكذا لوتنجس بدنه بما خرج منه إن كان قبل أن يكفن غسل، وبعده لا، كما قدمناه في الغسل، فيقيّد ما في القنية بغير النجاسة الخارجة من الميت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

"ويشترط طهارة الكفن إلا إذا شق ذلك لما في الخزانة أنه إن تنجس الكفن بنجاسة الميت، لايضر دفعاً للحرج بخلاف المتنجس ابتداءً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۸۲، قديمي)

(۱) "واختلفوا في إنجائه فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ينجيه مثل ما كان يستنجي في حال حياته، ولا يمس عورته؛ لأن مس العورة حرام، و لكن يلفّ خرقة على يده فيغسل حتى يطهر الموضع. و قال أبويوسف: لا ينجي؛ لأن المسكة قد زالت، فلو نجي ربما يزداد الاسترخاء فتخرج بنجاسة أخرى، فيكتفي بوصول الماء إليه. و لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن موضع الاستنجاء لا يخلو عن النجاسة، فلا بدّ من إزالتها اعتباراً بحالة الحياة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۷، سعيد)

(۲) " ولم يذكر الاستنجاء للاختلاف فيه، فعندهما يستنجي و عند أبي يوسف لا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص:۵۶۷، قديمي)

(۴) "(وهو سنة مؤكدة) مطلقاً، وأركانه أربعة: شخص (مستنج، و) شيء(مستنجى به) كماء وحجر. فكان الجمع سنةً على الإطلاق في كل زمان، و هو الصحيح، وعليه الفتوى .... ثم اعلم أن الجمع بين الماء والحجر أفضل". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۱/۳۳۵، ۳۳۸، سعيد)

میت کو لگا یا ہوا پلاسٹر چھڑانا چاہئے یا نہیں

سوال[۳۹۸۵]: اگر کسی کا پیر کسی حادثہ میں ٹوٹ گیا اور ڈاکٹروں نے گھٹنے کو نیچے سے کاٹ دیا اور پلاسٹر چڑھا دیا پھر وہ شخص انتقال کر گیا تو اس کا پلاسٹر چھڑا کر غسل جنازہ دیا جائے یا پلاسٹر لگا رہنے دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پلاسٹر کی کیا ضرورت رہی، اس کو چھڑا کر غسل دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

میت کو کورے گھڑے سے غسل دینا

سوال[۳۹۸۶]: میت کو جیسا کہ ہندوستان میں رسم ہے کہ کورے گھڑے و بدھنے (۲) سے غسل دیتے ہیں۔ کیا اپنے مکانوں کے گھڑے بالٹی اور لوٹوں سے غسل نہیں دے سکتے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کے وقت کیا قاعدہ تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا یہ رواج بے اصل ہے اور قابلِ ترک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(۱) زندہ انسان کے زخم پر پانی لگنے سے تکلیف ہوتی ہے اور زخم خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، موت کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہٰذا پلاسٹر چھڑا کر غسل دیا جائے:

"(ویمسح) نحو (مفتصد و جریح علی کل عصابة) مع فرجتها فی الأصح (إن ضره) الماء (أو حلها) و منه أن لا یمکنه ربطها بنفسه و لا یجد من ربطها" (الدرالمختار). وفی ردالمحتار: "(قوله: إن ضره الماء): أی الغسل به أو المسح علی المحل ..... إذ الثابت بالضرورة یتقدر بقدرها، اهـ". (کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱/ ۲۸۰، ۲۸۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطهارة، الفصل الثانی فی نواقض المسح: ۱/ ۳۵، رشیدیه)

(۲) "کورے: نیا، غیر مستعمل"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۲، فیروز سنز، لاہور)

"بدھنے: لوٹا، ٹونٹی والا برتن"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا =

مجذوم کو بلا غسل دفن کرنا

سوال[۳۹۸۷] : زید کو جذام کا عارضہ تھا اور جذام کافی ترقی پر تھا، اسی حالت میں زید کا انتقال ہوگیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا، اب اس کی اس حالت کی وجہ سے کسی نے اس کو غسل دینا گوارہ نہیں کیا اور بلا کفن و بلا نماز کسی صورت سے اس کو ایک گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کو ہاتھ لگا کر غسل دینا دشوار تھا تو اس پر لوٹے یا مشک سے پانی بہادیا جاتا (۱)، اگر یہ بھی نہ ہوسکتا تھا تو ہاتھ پر تھیلی باندھ کر صرف تیمّم کرادیا جاتا تو پھر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا اور اس کے لئے قبر کا بنانا بھی ضروری تھا، گڈھے میں دھکیل دینا بھی غلط ہوا (۲)۔ جس میت کو بلا غسل و نماز دفن کردیا جائے اس کی قبر پر نماز

= هذا ما ليس منه فهو ردّ". (صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۱، قديمی)

قال العلامة المناوی تحته : "أی أنشاء واخترع وأتی بأمر حديث من قبل نفسه .... ماليس منه: أی رأياً ليس له فی الكتب أو السنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أی مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، رياض)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

(۱) "و لو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه، كفی صب الماء عليه، كذا فی التاتارخانية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل : ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، قسم آخر فی بيان كيفية الغسل : ۲/۱۳۶، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) میت کے لئے قبر کھود کر دفن کرنا فرض کفایہ ہے، نہ کرنے کی وجہ سے سب گناہ گار ہیں:

"دفن الميت فرض على الكفاية، كذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر و الدفن الخ : ۱/۱۶۵، رشيديه)

"والكلام فی الدفن فی مواضع فی بيان وجوبه .... أما الأول فالدليل على وجوبه توارث=

جنازہ پڑھنے کا حکم ہے جب تک اس کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا ظنِ غالب نہ ہو(۱)۔ بہر حال اب اس کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے تا کہ اس کے حقوق ادا کرنے میں جو کوتاہی ہوئی اس کی کچھ مکافات ہو سکے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۶/۸۹ھ۔

= الناس من لدن آدم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إلی یومنا هذا مع النکیر علی تارکه، و ذا دلیل الوجوب إلا أن وجوبه علی سبیل الکفایة، حتی إذا قام به البعض سقط عن الباقین لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والکلام فی الدفن : ۶۰/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۰۷/۲، سعید)

(۱) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن امرأةً سوداء أو رجلاً کان یقیم المسجد، ففقده النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فسأل عنه، فقیل: مات، فقال: "ألا آذنتمونی به"؟ قال: "دلونی علی قبره". فدلّوه، فصلی علیه". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر : ۱۰۱/۲، امدادیه، ملتان)

"(وإن دفن) وأهیل علیه التراب (بغیر صلاة) أوبها، بلا غسل، أو ممن لا ولایة له (صلی علی قبره) ما لم یغلب علی الظن تفسخه الخ". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۲۴/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۱۹/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱۶۵/۱، رشیدیه)

(۲) "صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر: بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أو صوما أو صدقة أو غیرها .... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم ولا ینقص من أجره شیء". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۴۳/۲، سعید)

"إن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه أخا بنی ساعدة توفیت أمه، و هو غائب عنها، فأتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقال: یارسول اللہ! إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، فهل ینفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: إنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب الإشهاد فی الوقف والوصیة والصدقة : ۳۸۷/۱، قدیمی)

غاسلِ میت کوغلہ دینا

سوال [۳۹۸۸]: بعض جگہ دستور ہے کہ جس وقت کوئی میت ہوتی ہے تو اس میت کے وارث مَن یادومن غلہ میں سے نکال کر ایک طرف کونہ میں ڈال دیتے ہیں، میت کے دفن سے پہلے وہ اناج غسل دینے والے کو دیتے ہیں۔ یہ غلہ اس طرح سے گیرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پابندی سے اناج کو اول جدا کردیتے ہیں، بے اصل ہے(۱)، غسل مفت دینے سے بہت ثواب ہوتا ہے، تاہم بوقتِ ضرورت اجرت دے کر غسل دلوانا بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، فإن ابتغى الغاسل الأجر، جاز، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعيد)

"والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، وإن ابتغى الغاسل الأجر، فإن كان هناك غيره، يجوز أخذ الأجر، وإلا لم يجز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۰۴، رشيديه)

الفصل الثانی فی تکفین المیت

(میت کے کفن کا بیان)

کفن کے کپڑوں کی تعداد

سوال[۳۹۸۹]: میت مرد کا کفن مسنون شرعاً کیا ہے؟ فقہ کی کتب عامہ میں قمیص، ازار، لفافہ کی تصریح ہے، اب بعض اہلِ علم فرمارہے ہیں کہ قمیص کے اوپر کپڑے کی حاجت ہے تاکہ ستر علی وجہ الکمال ہو اور اپنے اس قول کے لئے حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کا قول دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے تجاوز کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

فقہ کی کتابوں میں تین کپڑوں کی تصریح ہے وہی صحیح ہے، جن دو بزرگوں کا قول اس کے خلاف نئے کپڑے کے لئے پیش کیا جارہا ہے وہ قول میرے علم میں نہیں: "و یسن فی الکفن له إزار و قمیص ولفافة، اھ". درمختار، ص: ۵۷۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اگر تحریر فرمایا ہے تو کہاں ہے، اس کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔ فقط: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعید)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کفن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی ثلثة أثواب سحولی بیض". (سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب کفن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۲۶۸، قدیمی)

"السنة أن یکفن الرجل فی ثلثة أثواب: قمیص و إزار ولفافة". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة فصل فی الجنائز، الثالث فی تکفینه، ص: ۵۸۰، سهیل اکیڈمی)

"کفن الرجل سنة إزار و قمیص ولفافة، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین، ۱/۱۶۰، رشیدیه)

کفن کے کپڑے اور طریقہ

سوال[۳۹۹۰]: کل ایک میت کوکفن اس طریقہ سے پہنایا گیا کہ پہلے لمبی چادر پہنا کر ڈالی، پھر اس کے اوپر ازار یعنی تہ بند ڈالا، پہلے بغل سے لیکر پیروں تک تہ بند لپیٹا، اس کے اوپر کفن پہنادی، پھر چادر لپیٹ کر باندھی گئی۔ لہٰذا اس طریقہ سے کفن پہنانا صحیح ہے یا غلط، یا گناہ ہوا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اول لفافہ بچھا دیا جائے پھر اس پر ازار بچھائی جائے، پھر اس پر بلا آستین کا کرتہ ہو، کرتہ میں میت کوداخل کر کے ازار کو بائیں جانب لپیٹیں پھر داہنی جانب سے، اس کے بعد اس طرح لفافہ کو لپیٹیں اور تین بند لگادیں: ایک پیر سے اوپر اور ایک پیر کے نیچے، ایک درمیان میں تاکہ کفن نہ کھل جائے، پھر ایک زائد چادر اوپر ڈالدی جائے جو کہ جزوکفن نہیں ہے، قبر میں رکھنے کے بعد بند کھولدیئے جائیں کہ اب ضرورت نہیں رہی (۱)۔

(تنبیہ) ازار اور لفافہ دونوں سر سے پیر تک محیط ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۱/۲۱ھ۔

کفن کے کپڑے

سوال[۳۹۹۱]: مُردہ کو کتنے کپڑوں کے ساتھ قبر میں دفن کرنا مستحب ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "(تبسط اللفافة) أولاً (ثم يبسط الإزار عليها، و يقمص، و يوضع على الإزار، و يلف يساره، ثم يمينه ثم اللفافة كذلك) ليكون الأيمن على الأيسر". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۴، سعيد)

"وكيفيته أن تبسط اللفافة أولاً، ثم الإزار فوقها و يوضع الميت عليهما مقمصاً، ثم يعطف عليه الإزار و حده من قبل اليسار، ثم من قبل اليمين ليكون الأيمن فوق الأيسر، ثم اللفافة كذلك". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: أما كيفية التكفين: ۲/۴۰، رشيديه)

(۲) "وفي البدائع: فإن كان الإزار طويلاً حتى يعطف على رأسه وسائر جسده، فهو أولى". (البحر الرائق، المصدر السابق)

الجواب حامداًومصلیاً:

مردکوتین کپڑوں میں: ازار،قمیص،لفافہ۔عورت کو پانچ کپڑوں میں: درع،ازار،خمار،لفافہ،خرقہ،

كذا فى التنوير (١)۔

میت کے لئے کتنے کپڑے ہیں؟

سوال[۳۹۹۲]: ایک گاؤں کے امام صاحب گاؤں والوں کو کہتے ہیں کہ میت مذکور کے کفنانے میں میت کودینے والے کپڑے لفافہ،ازاراورکفنی، یہ کپڑے دینے چاہئیں اور کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ دیں گے تو گناہ گار ہوں گے،اوراسی طرح سے عورت کے کفنانے میں پانچ کپڑے بتاتے ہیں اس سے زیادہ دینے میں گنہا گار بتاتے ہیں اورگاؤں والے کہتے ہیں کہ مرد کی میت کوایک صافہ اورایک تہبند یالنگی بھی ہونی چاہئے اور

---

(١) "(ويسن في الكفن له إزار، و قميص و لفافة) .... (و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٠٢، ٢٠٣، سعيد)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، قال: كفن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان و قميصه الذى مات فيه". (أبوداؤد، كتاب الجنائز، باب فى الكفن: ٢/٩٣، امداديه ملتان)

"عن رجل من بنى عروة بن مسعود يقال له داؤد و قد ولدته أم حبيبة بنت أبى سفيان زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم ادرجت بعد فى الثوب الأخرورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى كفن المرأة: ٢/٩٤، امداديه ملتان)

"وكفنه سنة: إزار و قميص و لفافة .... و كفنها سنة: درع وإزار و لفافة وخمار وخرقة تربط ثدياها". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ٣٠٧، ٣٠٩، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الثالث فى التكفين: ١/١٦٠، رشيديه)

اسی طرح عورت کے لئے بھی ایک شلوار یا تہبند دینا ضروری بتاتے ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ تو اس مسئلہ کا مفصل جواب تحریر فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں: دو چادریں، ایک قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں، ایک چادر کو ازار کہتے ہیں دوسری چادر کو لفافہ کہتے ہیں، اس سے زائد کپڑا کفن میں دینا سنت نہیں (۱)۔ عورت کے کفن میں دو کپڑے زائد ہیں: ایک خمار جس میں اس کے بالوں کو محفوظ کیا جائے، دوسرا سینہ بند۔ ازار عورت کے لئے شلوار کی جگہ ہے مرد کے لئے تہبند کی جگہ ہے (۲)، علیحدہ نہ شلوار سنت ہے نہ تہبند، گاؤں والوں کا اعتراض غلط ہے، مرد کو

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: كفن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، و قميصه الذي مات فيه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۹۳/۲، امداديه ملتان)

"(ويسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد)

"(وكفنه سنة إزار و قميص و لفافة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷/۲، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيديه)

(۲) "عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له: داؤد -و قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۹۴/۲، امداديه ملتان)

"(و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة تربط بها ثدياها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد) =

عمامہ کی بھی کفن میں ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۶ھ۔

میت مرد اور عورت کے کفن کا عدد

سوال[۳۹۹۳]: میت بالغ مرد اور بالغہ عورت کو کتنے کپڑے دینے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو تین کپڑے اور عورت کو پانچ کپڑے دینا کفن میں مسنون طریقہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۱۸ھ۔

= "وكفنها سنة: درع و إزار، و لفافة، وخمار، و خرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: دخلت على أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه فقال: في كم كفنتم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قالت: في ثلثة أثواب بيض سحولية، ليس فيها قميص و لا عمامة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب موت يوم الإثنين: ۱/۱۸۶، قديمي)

"(وتكره العمامة) للميت (في الأصح)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعيد)

"و تكره العمامة في الأصح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، : ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كفن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، و قميصه الذي مات فيه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۲/۹۳، امداديه ملتان) =

کفن کی مقدار

سوال[۳۹۹۴]: کفن کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، آپ تفصیل سے واضح فرمائیں کہ کفن کتنا کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن میں چادر تو ایک ہی ہوتی ہے جس کو عربی میں ''رداء'' اور ''لفافہ'' کہتے ہیں اور وہ سر سے پیر تک ہوتی ہے جس پر دونوں طرف بند باندھتے ہیں۔ دوسری چادر جس کو عربی میں ''ازار'' کہتے ہیں وہ حقیقۃً چادر نہیں، اس کو بعض فقہاء نے لنگی کے قائم مقام قرار دیا ہے، بعض نے کاندھے سے قدم تک لکھا ہے اور اکثر حضرات نے اسکو بھی چادر کے برابر لکھا ہے اور یہی معمول ہے۔ تیسرا کپڑا قمیص ہے جو کاندھے سے قدم تک ہوتا ہے۔ پس ان تین کپڑوں سے کفن مکمل ہو جاتا ہے۔ اوپر ڈالنے کے لئے جو چادر ہوتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں، مکان کی کوئی بھی اور چادر ڈال سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

= "(ويسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة) .... (و لها درع): أى قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة) الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، ۲۰۳، سعيد)

"وكفنه سنة إزار و قميص و لفافة .... و كفنها سنة درع وإزار ولفافة وخمار وخرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۷، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له: داؤد -و قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الأخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۲/۹۳، امداديه ملتان)

(۱) "و يسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة". (الدرالمختار). "(قوله: إزار الخ) هو من القرن إلى =

نابالغ کا کفن

سوال[۳۹۹۵]: میت نابالغ کو کتنے کپڑے دینا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر بلوغ کے قریب ہے تو وہ بالکل بالغ کے حکم میں ہے، اگر اس سے بھی کم ہو تب بھی بہتر یہی ہے کہ پورا کفن دیا جائے، تاہم ایک کپڑے میں دفن کرنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

= القدم، والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلادخريص وكمين، واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلفّ فيها الميت و تربط من الأعلى والأسفل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۲، سعيد)

"(قوله: وكفنه سنة إزار و قميص و لفافة) .... والإزار واللفافة من القرن إلى القدم، والقرن هنا بمعنى الشعر، واللفافة هي الرداء طولاً. و في نسخ المختار: أن الإزار من المنكب إلى القدم، هذا ما ذكروه، وبحث فيه في فتح القدير بأنه ينبغي أن يكون إزار الميت كإزار الحي من السرة إلى الركبة؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعطى اللاتي غسلن ابنته حقوة و هي في الأصل معقدا الإزار، ثم به الإزار للمجاورة، والقميص من المنكب إلى القدم، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۰۷، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في تكفينه : ۲/۱۱۵، مصطفى البابي)

(۱) "عن الحسن قال: يكفن الفطيم والرضيع في الخرقة، فإن كان فوق ذلك كفن في قميص وخرقتين". (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث : ۱۱۰۹۷، كتاب الجنائز، قالوا: في الصبي في كم يكفن: ۲/۴۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"و المراهق كالبالغ، و من لم يراهق إن كفن في واحد، جاز". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۳، سعيد)

"والصبي المراهق في الكفن كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوبٌ واحد، وصغيرة ثوبان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، : ۱/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۱۱، رشيديه)

مُردہ بچہ کو بلا غسل وکفن ہنڈیا میں رکھ کر دفن کر دینا

سوال[۳۹۹۲]: ایک مسلمان نے اپنے بچے کو جو پیدا ہونے کے بعد چار گھنٹے تک زندہ رہا بلا غسل وکفن ونماز کے ایک ہنڈیا(۱) میں بند کر کے دفن کر دیا ہے، گاؤں والے اس سے بے خبر ہیں، گاؤں والوں کو دو ماہ بعد یہ خبر ملی کہ اس نے یہ فعل کیا ہے۔ قانونِ شریعت اس مسلمان کے واسطے کیا حکم دیتا ہے؟ باقی لوگ اس مسئلہ سے لاعلمی رکھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص نے نہایت بیجا حرکت اور غلطی کی ہے، اس کے ذمہ لازم تھا کہ اس بچہ کو باقاعدہ غسل اور کفن دیکر اس کی نماز پڑھ کر شریعت کے موافق قبر میں دفن کرتا(۲)، اب اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے اور پختہ عہد کرے، آئندہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۹/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۹/۱۲ھ۔

---

(۱) ”ہنڈیا: مٹی کی دیگچی“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ”أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم صلی علی ابنه إبراهيم و هو ابن سبعين ليلةً“. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الصلوة على الطفل: ۹۸/۲، امداديه)

”و يصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة الخ: ۱۶۳/۱، رشيديه)

”والصبي المراهق في الكفن كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوبٌ واحد، و الصبية ثوبان“. (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في التكفين، ص: ۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۰۴/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۱۱/۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم: ۸)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”لَلّٰه أشد =

8

کفن وغیرہ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال[۳۹۹۷]: ہندہ کے مرنے کے بعد عرفاً یا شرعاً لازمی اخراجات ماتم مثلاً کفن یا خیرات وغیرہ کئے جاتے ہیں، وہ ہندہ کے ترکہ میں سے ہوں گے یا خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے؟

المستفتی: بندہ محمد عرفان مغل عفا اللہ عنہ، ضلع مظفر آباد، ڈاکخانہ چناری کشمیر، ۳/محرم/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کا کفن مفتی بہ قول پر زوج کے ذمہ لازم ہے: " و اختلف في الزوج، والفتویٰ علی وجوب کفنها علیه، اه". تنویر: ۱/۹۰۵(۱)۔

خیرات کے متعلق یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا اور اس سے زائد میں ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں اور اجازت دیدیں تو زائد میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر وصیت نہیں کی تو انتقال کے بعد سے تمام ترکہ میت کے ملک سے خارج ہو کر ورثہ کی ملک میں آ گیا، ورثہ کو اختیار ہے جس قدر چاہیں خیرات کر کے میت کو ثواب پہنچائیں، لیکن اگر کوئی وارث

= فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی)

قال العلامة النووی: "و اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة بالشرع". (الكامل للنووی على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۶/۲، سعيد)

"و على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالاً، و عليه الفتوى". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التكفين: ۱۶۱/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۱/۲، رشيديه)

نابالغ بھی ہے تو اس کے حصہ کو صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ زوج کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۳۹۹۸]: عورت کو اکثر کفن اس کے والدین کی طرف سے دیا جاتا ہے، کیا یہ حکم شرعی ہے کہ کفن عورت کے سسرال والوں کی طرف سے نہ ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نہیں، یہ شریعت کا حکم نہیں بلکہ خلافِ شرع رواج ہے، شرعاً کفن شوہر کے ذمہ ہے، اگر وسعت نہ ہو تو پھر عورت کے ترکہ سے کفن دیا جاوے گا، هکذا في كتب الفقه من الدر المختار، و الطحطاوي وغيره (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "(وتجوز بالثلث للأجنبي) عند عدم المانع (وإن لم يُجز الوارث ذلك، لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته) و لا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلاً، بل بعد وفاته (وهم كبار)". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰، ۶۵۱، سعيد)

" فإن الموصي إذا ترك ورثةً، فإنما لا تصح وصيته بما زاد على الثلث إن لم يجز الورثة، وإن أجازوه صحت وصيته به". (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۲، رشيديه)

"ثم تصحّ الوصية لأجنبي من غير إجازة الورثة، و لا تجوز بما زاد على الثلث، إلا أن يجيزه الورثة بعد موته و هم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها الخ: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) "واختلف في الزوج، والفتوى على وجوب كفنها عليه) عند الثاني (وإن تركت مالاً)" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۶، سعيد)

"و يلزمه أبو يوسف بالتجهيز مطلقاً (ولو) كان الزوج (معسراً) و هي موسرة (في الأصح) وعليه الفتوى". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۷۳، ۵۷۴، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۱، رشيديه)

عورت کے لئے کفن میں پائجامہ

سوال[۳۹۹۹]: میت عورت کو کفن میں پائجامہ بھی دینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کفن کو مشین سے سینا اور تہہ کرنا

سوال[۴۰۰۰]: کفن کو مشین سے سلائی کر سکتے ہیں اور کفن کو تہہ کر کے لایا جاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن کو تہہ کر کے لانا اور مشین سے سینا سب درست ہے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۸ھ۔

---

(۱) عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانا مسنون ہے، ان سے زائد پائجامہ وغیرہ حدیث اور کتبِ فقہ سے ثابت نہیں ہے:

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له: داؤد –وقد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعدُ في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولُنا ها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۹۴/۲، امداديه ملتان)

"(و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة تربط بها ثدياها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد)

" و كفنها سنة درع وإزار و لفافة و خمار و خرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷/۲، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيديه)

(۲) حضرت مفتی صاحبؒ نے کفن کو سی کر پہنانے کو ترجیح دی ہے جب کہ دیگر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کفن سلی ہوئی نہ ہو اور=

کفن میں متبرک کپڑا

سوال[۴۰۰۱]: بہشتی زیوراختری:۲/۵۵ کفنانے کے بیان میں مسئلہ:۹ میں لکھا ہے:

''کعبہ کا غلاف یا اپنے پیر کا رومال وغیرہ کوئی کپڑا تبرکاً رکھدینا (قبر میں) درست ہے''(۱)۔

اس سے فائدہ کیا ہے اوراس کی افادیت کی کیا دلیل ہے اورصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعینؒ میں اس کی کوئی نظیر نہیں، عبداللہ ابن اُبَی کورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ جودیا گیا تھا وہ محض بدلہ تھا اس کرتے کا جو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن کی تنگی کے وقت اپنا کرتہ دے دیا تھا(۲) ورنہ جہاں تک فائدہ کا تعلق ہے خود ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معالم التنزیل میں یہ نقل کیا ہے گیا کہ ''میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا''(۳)۔ یہ بات کچھ بریلوی رنگ کی معلوم ہوتی ہے، کیا اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے؟

محمد عبداللہ دہلوی غفرلہ، حضرت نظام الدین دہلی، ۱۳-۱۴۸۔

=عمل اسی پر ہے۔راجع: (كفايت المفتي، كتاب الجنائز. فصل اول تجهيز و تكفين: ۴/۳۰، دارالإشاعت)

"والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلادخريص". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعيد)

"و القميص من المنكب إلى القدم بلاد خريص". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۷، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۱۵ مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱)(بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بست و چہارم، کفنانے کا بیان، ص:۱۶۴، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) لم أجده هذه الواقعة في حمزة رضي الله تعالىٰ عنه، و لكن راجع لتخريجه متعلقاً بالعباس رضي الله تعالىٰ عنه، ص: ۵۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "و في معالم التنزيل للبغوي .... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وما يغني عنه قميصي و صلاتي من الله، والله! إني كنت أرجوان يسلم به ألف من قومه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۱۶۴۵): ۴/۱۳۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مشکوۃ شریف باب غسل المیت و تکفینہ، ص:۱٤۳ میں متفق علیہ حدیث ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاحبزادی صاحبہ کو غسل دیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب غسل دینے سے فارغ ہوجاؤ تو مجھ کو خبر دینا: "فلما فرغنا آذنّاه، فألقیٰ إلینا حقوه، فقال: "أشعِرن إياه". الحديث (۱) ۔اس پر محدث دہلویؒ لمعات میں فرماتے ہیں : "و هذا الحديث أصلٌ في التبرك بآثار الصالحين و لباسهم كما يفعله بعض مريدى المشايخ من لُبس أقمصتهم في القبر . والله أعلم". هامش المشكوة(۲)۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:" قال الطيبي: أى اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة إليها، اهـ". مرقاة: ۲/۳٤٤(۳)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری:۳/۱۰۵، میں لکھا ہے:"وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين"(٤)۔

بخاری شریف میں روایت ہے: "عن سهل رضى الله تعالىٰ عنه أن امرأةً جاء ت النبي صلى

---

(۱) والحديث بتمامه: "عن أم عطية رضى الله تعالىٰ عنها، قالت: "دخل علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك وسدرٍ، و اجعلن في الآخرة كافوراً، فإذا فرغتنّ، فآذنني". فلما فرغنا آذناه، فألقى إلينا حقوه، فقال: "أشعرنها إياه". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، أو شيئاً من كافور، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ۱/۱٦۷، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه : ۱/۱٤۳،قديمى)

(۲) (لمعات التنقيح شرح مشكوة المصابيح للإمام عبدالحق المحدث الدهلوى، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، (رقم الحديث : ۱٦۳٤) : ٤/۳۱۸، مكتبة المعارف العلمية لاهور)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، (رقم الحديث : ۱٦۳٤): ٤/۱۱۸،رشيديه)

(٤) (فتح البارى، كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر : ۳/۱٦۷، قديمى)

اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ببردة منسوجة فیها حاشیتها، تدرون ماالبردة؟ قالوا: الشملة، قال: نعم. قالت: نسجتها بیدی، فجئت لأکسوکها، فأخذها النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إلیها، فخرج إلینا وأنها إزاره، فحسنها فلانٌ: فقال: أکسنیها ما أحسنها، فقال القوم: ما أحسنت لبسها النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إلیها، ثم سألته و علمت أنه لا یرد، قال: إنی واللّٰہ! ما سألته لألبسه و إنما سألتها لتکون من کفنی. قال سهل: فکانت کفنه"(۱)۔

اس پر حافظ عینی تحریر فرماتے ہیں: "وفیه التبرك بآثار الصالحین، اهـ". کذا فی عمدة القاری: ۴/۷۰(۲)۔

کفر کے موجود رہتے ہوئے کوئی تبرک ذریعۂ نجات نہیں بن سکتا، اس لئے ابن ابی رئیس المنافقین کو قمیص مبارک سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا: ﴿إن المنافقین فی الدرك الأسفل من النار﴾ الآیه(۳)۔

مومن کو کافر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس کی حسنات پر اجر وثواب آخرت میں موعود ہے(۴) اور کافر کے حسنات پر آخرت میں وعدہ نہیں بلکہ اس کی شان: ﴿کسراب بقیعة یحسبه الظمان مآءً﴾(۵)۔

اور مومن کیلئے تو: "شوکة یشاك" پر بھی اجر ہے(۶) عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فلم ینکر علیه: ۱/۱۷۰، قدیمی)

(۲) (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فلم ینکر علیه، ذکر ما یستفاد منه: ۸/۶۳، مطبعه منیریه بیروت)

(۳) (سورة النساء: ۱۴۵)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الذین آمنوا و عملوا الصالحات، أولئک هم خیر البریة، جزاؤهم عند ربهم جنٰت عدن تجری من تحتها الأنهر خلدین فیها أبداً، رضی اللہ عنهم و رضوا عنه، ذلک لمن خشی ربه﴾ (سورة البینة: ۷، ۸)

(۵) (سورة النور: ۳۹)

(۶) "عن الزهری قال: أخبرنی عروة بن الزبیر أن عائشة زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما من مصیبة تصیب المسلم إلا کفّر اللہ بها عنه حتی الشوکة یشاکها". (صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارة المرض: ۲/۸۴۳، قدیمی)

تعالیٰ عنہ کو کرتہ دیا تھا جب کہ وہ بدر سے اسیر کر کے لائے گئے تھے، کما صرح به القاری فی المرقاة: ۳/۳۵۰(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۱ھ۔

پردۂ کعبہ کا ٹکڑا میت کی پیشانی پر رکھنا

سوال[۴۰۰۲]: بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا یعنی کپڑا اگر میت کی پیشانی کے اوپر برائے تبرک وموجب برکت کے لئے رکھ دیا جائے تو علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے(۲) بشرطیکہ اس پر کلمہ وغیرہ تحریر نہ ہو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۶/رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "و روی عن جابر رضی الله تعالىٰ عنه، قال: لما كان يوم بدر واُتِىَ بالعباس، ولم يكن عليه ثوبٌ، فوجدوا قميص عبد الله بن أبىّ يقدر عليه، فكساه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إياه، فلذلك نزع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قميصه الذى ألبسه. قال ابن عيينة: كانت له عند النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدٌ، فاحبٌّ أن يكافيه". (صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب الكسوة للأسارى: ۱/۴۲۲، قديمى)

(ورواه الملا على القارى فى المرقات فى كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، الفصل الثالث، تحت حديث جابر رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۶۴۵): ۴/۱۳۰، رشيديه)

(۲) "عن أم عطية رضى الله تعالىٰ عنها قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونحن نغسل ابنته، فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك بماء و سدرٍ، و اجعلن فى الآخرة كافوراً، فإذا فرغتنّ فآذنّنى". فلما فرغنا آذناه فألقى إلينا حقوه فقال: "أشعرنها إياه". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه: ۱/۱۴۳، قديمى)

"قال الطيبى: أى اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، (رقم الحديث: ۱۶۳۴): ۴/۱۱۸، رشيديه)

قال ابن حجر العسقلانى: "وهو أصل فى التبرك بآثار الصالحين". (فتح البارى، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل و تراً: ۱/۱۶۷، قديمى)

(۳) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد=

غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت کے سینے پر رکھنا

سوال[۴۰۰۳]: قبر میں کعبہ شریف کی چادر کا ٹکڑا اگر میت کے سینے پر تبرکاً رکھ دیا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبرکاً رکھ دینا درست ہے(۱) بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام یا آیت لکھی ہوئی نہ ہو، ورنہ درست نہیں، عامۃً میت کا جسم پھٹ کر اس میں سے پیپ وغیرہ نکلتی ہے جو کہ نجس ہوتی ہے اس سے تحفظ ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

= الميت .... و قد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذاک إلا لاحترامه و خشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(۱) "عن أم عطية رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلک بماء و سدرٍ، و اجعلن في الأخرة كافوراً، فإذا فرغتن فآذنّني". فلما فرغنا آذناه فألقى إلينا حقوه، فقال: "أشعرنها إياه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قديمي)

(مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه : ۱/۱۴۳، قديمي)

"قال الطيبي: أي اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، (رقم الحديث: ۱۶۳۴): ۴/۱۱۸، رشيديه)

قال ابن حجر العسقلاني: "وهو أصل في التبرک بآثار الصالحين". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل وتراً : ۱/۱۶۷، قديمي)

(۲) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد =

کفن کو آبِ زم زم سے تر کرنا

سوال[۴۰۰۴]: کفن کا آب زم زم سے تر کرنا یا چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر میں میت کا جسم پھٹتا ہے نجاست بھی کفن کو لگتی ہے، زمزم شریف قابلِ احترام ہے اس کو نجاست سے بچانا چاہیے، اسلئے کفن کو زمزم سے تر کرنا مناسب نہیں۔ امداد الفتاویٰ میں ایسا ہی لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۴ھ۔

= المیت .... و قد قدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح أنہ تکرہ کتابۃ القرآن وأسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران و ما یفرش، و ما ذاک إلا لاحترامہ و خشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ إھانۃ، فالمنع ھنا بالأولیٰ ما لم یثبت عن المجتھد أو ینقل فیہ حدیث ثابت". (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(۱) "الجواب: جزئیہ مصرحہ از نظر نگذشتہ، لیکن حکم فقہاء بکراہتِ استنجاء از ماءِ زمزم دلیلے صریح است بروجوبِ احترامِ او، ودردیگر جا تصریح کردہ اند بوجوبِ صیانتِ اشیائے محترمہ از تعریض برائے صدید میت ونجاستِ او، چنانچہ امرِ اول در کتاب الطہارت وکتاب الحج از درمختار، وامرِ ثانی در کتاب الجنائز از ردالمحتار مصرحاً مذکور است، واز مجموعہ مستفاد می شود کراہتِ این فعل. البتہ اگر چیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد وبوجہٍ من الوجوہ از اں رجائے برکت باشد، لابأس بہ است"۔ فقط واللہ اعلم، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۲۵ھ۔
(امداد الفتاویٰ: ۱/۱۴۷)

خلاصہ سوال: از کفن مبلول بمائے زمزم۔

خلاصہ جواب: عدم جواز۔(امداد الفتاویٰ: ۱/۴۸۷، دارالعلوم کراچی)

لیکن بعد میں حضرت حکیم الامتؒ نے مندرجہ ذیل صریح جزئیہ کی وجہ سے اپنے قول سے رجوع فرما کر جواز کا فتویٰ دیا ہے: "وآبِ زمزم از کفنِ مبلول ماند از بدنِ انسان خشک خواہد شد ذاتِ او غیر موجود است، وتبرکِ او معنوی است:" ولـــهذا قال فی الأسرار المحمدیۃ: لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أو عصاہ أو سوطہ علی قبر عاص، لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب، و من ھذا القبیل ماء زمزم و الکفن المبلول بہ وبطانۃ أستار الکعبۃ والتکفن بھا، انتھی". تفسیر روح البیان، ص: ۵۵۹، مصر". (امداد الفتاوی، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱/۴۸۷، مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

(وکذا فی فتاوی رحیمیہ، کتاب الجنائز، باب ما یتعلق بالغسل والکفن: ۷/۶۰، دارالإشاعت، کراچی)

میت پر آب زمزم چھڑکنا

سوال [۴۰۰۵]: آب زمزم کا کفن یا میت کے جسم پر چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن پاک کپڑے کا دیا جاتا ہے اور غسل کے بعد میت پاک ہے، لہذا آب زمزم کا میت پر (غسل کے بعد) اور کفن پر تبرک کے لئے چھڑکنا جائز ہے:

"ویجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم علی وجه التبرك، ولایستعمل إلا علی شيء طاهر، فلاینبغی أن یغتسل به جنب أومحدث، ولافی مکان نجس، لباب وشرحه. وفی میاه الدر: ویرفع الحدث بماء زمزم بلاکراهة. وفی الدر أیضاً: ویکره الاستنجاء بماء زمزم لاالاغتسال اهـ، فاستفید منه أن نفی الکراهة خاص فی رفع الحدث، اهـ". غنیة الناسك، ص: ۷۵۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

بدیشی کپڑے کا کفن اور اس پر نماز جنازہ

سوال [۴۰۰۶]: قبلہ محترم جناب مفتی اعظم صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دام ظلکم!

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

---

(۱) "ولذاقال فی الأسرار المحمدیة: لووضع شعر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أوعصاه أوسوطه علی قبر عاصٍ، لنجاذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرة من العذاب، ومن هذاالقبیل ماء زمزم والکفن المبلول به وبطانة أستارالکعبة والتکفن بهاجائز". (تفسیر روح البیان، ص: ۵۵۹)

"ثم یمسح به (أی بماء زمزم) وجهه ورأسه، ویصبّ علی رأسه قلیلاً منه إن تیسرله ذلک، والتوضؤ بماء زمزم والاغتسال به جائز". (مناسک الملاعلی القاری، کتاب أدعیة الحج والعمرة، الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۶۳۰، إدارة القرآن، کراچی)

زید بہت بزرگ و عالم اور متقی پرہیزگار تھا، عرصہ سے عمر کے یہاں مقیم تھا بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔ زید کے تعلقات بکر سے دیرینہ وقدیمانہ تھے اور بہت خوش گوار تھے، بکر بھی اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور شیخ الحدیث ہے۔ زید کے انتقال پر عمر نے بذریعہ تار بکر کو زید کے مرنے کی اطلاع دی، چنانچہ تجہیز وتکفین سے پیشتر بکر معہ دیگر مولویوں کے آیا، زید کا جنازہ تیار تھا اور بکر کا انتظار کیا جارہا تھا۔ بکر سے شرکائے میت نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے کہا مگر بکر نے صاف انکار کردیا کہ اس پر کفن ولایتی لٹھ کا ہے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ حاضرین نے مکرر التماس کیا کہ جنازہ پر کفن ڈالنے والا عمر ہے، نہ زید نے اپنی زندگی میں کوئی ہدایت کی کہ بعد مرنے کے میرے اوپر بدیشی کفن ملبوس کرنا مگر بکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور بکر کے ہمراہ جو چند مولوی آئے تھے، ان میں ایک بہت بڑا عالم و بزرگ تھا اس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بدیں وجہ بصورتِ فتویٰ چند باتیں دریافت طلب ہیں:

۱......کہ ولایتی لٹھ کا اس وقت کفن جائز ہے یا ناجائز؟

۲......کیا مردہ پر بدیشی کفن ڈالنا شرعاً ممنوع ہے؟

۳......کیا اس بدیشی کفن کے باعث مردہ پر قبر میں عذاب نازل رہے گا؟

۴......بکر کا یہ فیصلہ بوجہ بدیشی (۱) کفن زید کی نماز جنازہ نہ پڑھانا احکامِ شرعیہ کے ماتحت موجب ثواب کا ہے یا عذاب کا؟

۵......اور نیز بکر جب کہ خالص ولایتی اشیاء مثلاً گھڑی و چشمہ استعمال کرتا ہے اور اکثر موٹر کی سواری میں چلتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ فقط والسلام۔

خادم: اسلام جمیل احمد صدیقی از سیکرٹری ڈاکخانہ خاص ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲......جس کپڑے کا زندگی میں پہننا جائز ہے اس کا کفن بھی جائز ہے جس کا زندگی میں پہننا جائز نہیں اس کا کفن بھی پہننا جائز نہیں (۲)۔ لٹھہ میں اگر کوئی نجاست مادے وغیرہ میں نہیں ہے بلکہ پاک ہے تو اس

(۱) "بدیسی: غیر ملک کا، دوسرے دیس کا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته، يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن=

کا کفن بھی جائز ہے اور اگر اس میں کوئی نجس شے ہے تو اس کا کفن جائز نہیں، اس کی تحقیق کر لی جائے (۱)۔

۳.....مردے کے جب کسی فعل کو اس میں دخل نہیں تو وہ بری الذمہ ہے، اگر میت نے وصیت کی تھی کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے، یا اس کا علم تھا کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے گا پھر بھی جان بوجھ کر منع نہیں کیا تو وہ گناہ گار ہے (۲)۔

= يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، و لا يكره للنساء ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صفة الكفن : ۳۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۰۵/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۸/۲، رشيديه)

(۱) "وفي القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب و بدن و مكان و ستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۸/۲، سعيد)

"(وشرطها إسلام الميت و طهارته) .... و في القنية : الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان و ستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۱۴/۲، ۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز ،ص: ۵۸۲، قديمي)

(۲) "قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: فلما مات عمر رضي الله تعالىٰ عنه، ذكرت ذلك لعائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقالت: رحم الله عمر، والله! ما حدث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن الله ليعذب المؤمن ببكاء أهله عليه، ولكن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله ليزيد الكافر عذاباً ببكاء أهله عليه". وقالت: حسبكم القرآن ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته": ۱۷۱/۱، قديمي)

"و قد جمع كثيرٌ من أهل العلم بين حديثي عمر و عائشة رضي الله تعالىٰ عنهما بضروب من الجمع .... ثانيها : و هو أخص من الذي قبله ما إذا أوصى أهله .... قال أبو الليث السمر قندي : إنه قول عامة أهل العلم .... قال ابن المرابط: إذا علم المرء بما جاء في النهي عن النوح، و عرف أن أهله من شأنهم يفعلون من ذلك، و لم يعلمهم بتحريمه و لا زجرهم عن تعاطيه، فإذا عذب على ذلك عذب بفعل نفسه لا بفعل غيره". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه" الخ : ۱۹۸/۳، قديمي)

۴...... جنازہ کی نماز پڑھانا فرضِ عین نہیں بلکہ یہ نماز فرضِ کفایہ ہے، جب اَور لوگ بھی پڑھنے پڑھانے والے ہیں تو صورتِ مسئولہ میں بکر گنہ گار نہیں (۱)۔

۵...... اولاً بکر سے تحقیق کرلی جائے کہ جنازہ کی نماز نہ پڑھانے کی وجہ صرف ولایتی کفن ہے یا اس کی ناپاکی یا اَور کوئی وجہ ہے؟ تو اگر صرف ولایتی کفن ہے تو اشیائے مذکورہ کا فرق بکر ہی سے دریافت کیا جائے، کیونکہ وہ بھی آپ کے لکھنے کے مطابق اپنے وقت کا بہت بڑا عالم وشیخ الحدیث ہے۔ اگر اس کی وجہ اس کفن کی ناپاکی ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے مادے میں بعض نجس چیزیں پڑتی ہیں اور اس میں نماز پڑھانا بُرا ہے، اگر کوئی اَور وجہ ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم لکھا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

کفن پر خوشبو لگانا

سوال[۴۰۰۷]: خوشبو کفن میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب ہے: "وصفة تكفين الرجل أن يبخر الكفن أولاً بالبخور الطيبة، و يرشّ عليه

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۲۷۵/۱، قديمي)

"والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

"(وهي فرض): أي الصلاة عليه للإجماع على افتراضها، وكونها على الكفاية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۳۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۲/۱، رشيديه)

الحنوط إن وجد، و يسبط اللفافة، ثم الإزار –وهو من القرن إلى القدم– ثم يجعل عليه حنوط إن وجد، ويطلى بالكافور مساجده، الخ". رسائل الأركان، ص: ١٥٤(١)۔

البتہ جوخوشبومرد کے لئے حالتِ حیات میں منع ہے یعنی ورس اورزعفران، اس کا کفن میں لگانا بھی منع ہے، اسی کو درمختار میں لکھاہے کہ یہ جہل ہے:

"ويجعل الحنوط و هو العطر المركب من الأشياء الطيبة غيرزغفران وورس لكراهتهما للرجال، انتهى. ولايكره للنساء، أبو السعود عن العيني. قوله: وجَعْلُها في الكفن عند رأس الميت كمايفعل في زمانها جهلٌ، الخ". بحر: ١/٣٦٧(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کفن کس رنگ کا ہو؟

سوال[۴۰۰۸]: کفن کے لئے سفید کپڑا اچھا ہے یا اس کے سوا اور رنگ کا، اور اگر زمین سفید ہو دھاری سرخ وغیرہ ہوں تو کیسا ہے؟

رحمت اللہ، رتن پور، معرفت مولوی محمد ابراہیم رتن پوری متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کفن کے لئے سفید کپڑا افضل ہے، اس کے علاوہ بھی جائز ہے، جو رنگ اور کپڑا حالت حیات میں جائز

---

(١) (رسائل الأركان لأبي العياش عبدالعلى محمد بحر العلوم، الرسالة الأولى في الصلوة، فصل في حكم الجنازة، بيان سنة التكفين للرجل، ص: ١۵۴، مطبع يوسفي لكهنو)

" عن أبي وائل قال: عند عليّ رضي الله تعالىٰ عنه مسک، فأوصى أن يحنط به، وقال: "هو فضل حنوط رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". قال النووي إسناده حسن". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الغسل (رقم الحديث: ٢٩٩٧): ٢/٢٥٩، المكتبة المكية جده)

(٢) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٣٦٧، دار المعرفة، بيروت)

"(وجعل الحنوط على رأسه و لحيته)؛ لأن التطيب سنة. و ذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب، والحنوط مركبٌ من أشياء طيبة، و لا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة، و قد ورد النهي عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران في الكفن عند رأس الميت في زماننا". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٠٣، رشيديه)

ہے وہ کفن کے لئے بھی جائز ہے اور جو رنگ اور کپڑا حالتِ حیات میں ناجائز ہے وہ کفن کے لئے بھی ناجائز ہے:

"فالأفضل أن يكون التكفين بالثياب البيض". و بعد عبارة: "والبرد والكتان والقصب كل ذلك حسن". و بعد عبارة: "والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، ولا يكره للنساء ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/شوال/۵۲ھ۔

عورت کے جنازہ پر سرخ چادر

سوال [۴۰۰۹]: جو عورت خاوند والی مرتی ہے اس کے جنازہ پر ایک سرخ چادر ڈالتے ہیں، ان کے جنازہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ اس پر بھی درست ہے، سرخ چادر کی پابندی کہیں ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: فصل: وأما صفة الكفن: ۳۹/۲، رشيديه)

"عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "البسوا من ثيابكم البيض، وكفنوا فيها موتاكم". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۹۵۹۹، أحاديث سمرة بن جندب: ۲۳۵/۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"و لم يبيّن لون الأكفان لجواز كل لون، لكن أحبها البياض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۸/۲، رشيديه)

"و لا بأس في الكفن ببرود و كتان و في النساء .... لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة، وأحبه البياض". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۵/۲، سعيد)

(۲) عورت کی جنازہ کے اوپر کسی رنگ کی بھی چادر ڈھانکنے کے لئے بچھانا درست ہے، کسی ایک رنگ کے ساتھ خاص کرنا اطلاقاتِ شرع کی تخصیص اور تقیید ہے جو کہ شرعاً مذموم ہے، خصوصاً جب اس کو امر مندوب وثابت بھی سمجھا جائے اور اس پر التزام بھی کیا جائے: "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من =

کفن کے اوپر کی چادر

سوال[۴۰۱۰]: میت کے اوپر کفن پر کس قسم کی چادر ڈھانک کر لے جانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چادر ڈھانک کر لے جانا درست ہے جس کا زندگی میں پہننا درست ہے(۱) اور وہ چادر جزو کفن نہیں (۲)، بعض جگہ دستور ہے کہ وہ چادر گورکن کا حق تصور کرتے ہیں، یہ بے اصل ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/۷/۹۰ھ۔

= الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث : ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة : ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

(۱) "لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز : ۲/۲۰۵، سعيد)

"و يكفن الميت كفن مثله، وتفسيره: أن ينظر إلى ثيابه في حياته لخروج الجمعة و العيدين، فذلك كفن مثله". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الثالث في التكفين : ۱/۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، الباب الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے ان سے زائد ثابت نہیں۔ (وقد تقدم تخريجه في أوائل الفصل تحت عنوان: "کفن کے کپڑے")

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۱، قديمي)

"قال العلامة المناوي تحته: أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه ....ماليس =

8

اپنے کفن کے لئے اپنی زندگی میں سامان خرید کر رکھنا

سوال[۴۰۱۱]: زید چاہتا ہے کہ اپنی کمائی سے زندگی میں مکمل کفن دفن کا سامان خرید کر محفوظ کر لے، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ مع دلیل کے لکھیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کفن کا محفوظ رکھنا ثابت ہے جیسا کہ صحاح کی روایت میں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

= منه: ای رایاًلیس له فی الکتب والسنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستبط (فهو رد): أی مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

وعرّفها الشمنی "بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعید)

(۱) "عن سهل رضی الله تعالیٰ عنه أن امرأة جاء ت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ببردة منسوجة فیها حاشیتها، تدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة، قال: "نعم". قالت: نسجتها بیدی، فجئت لأکسوکها، فأخذها النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إلیها، فخرج إلینا و أنها إزاره، فحسنها فلانٌ، فقال: أکسینها ما أحسنها، فقال القوم: ما أحسنت لبسها النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إلیها، ثم سألته و علمت أنه لا یرده قال: إنی والله! ما سألته لألبسه، و إنما سألته لتکون کفنی. قال سهل: فکانت کفنه". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فلم ینکر علیه : ۱/۱۷۰، قدیمی)

(ورواه ابن ماجة فی سننه فی کتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۲۵۴، قدیمی)

غیر مسلم کی رقم سے مسلم کی تجہیز و تکفین

سوال[۴۰۱۲]: ایک زید مسلمان کی میت کو ایک غیر مسلم کی رقم دی ہوئی جائز ہے یا ناجائز؟ میت کا وارث کوئی نہیں ہے، اس صورت پر کہاں تک صحیح ہے، یہ شخص مستقل چار سال تک ملازم تھا، رہن سہن خورد و نوش کا انتظام وہیں پر تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسلمان میت کا کوئی وارث نہیں اور اس کے کفن دفن کے لئے کسی غیر مسلم نے رقم دی تو اس رقم کا میت کے کفن دفن میں خرچ شرعاً کرنا درست ہے، مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی طرف سے اس کا انتظام کریں غیر مسلم سے نہ مانگیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۳۹ھ۔

ہندو مسلم کے جنازے میں تمیز نہ ہو تو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

سوال[۴۰۱۳]: ایک مکان کے اندر ایک ہندو اور ایک مسلمان ہیں، مکان میں آگ لگ گئی، دونوں جل گئے جس کی کوئی بھی شناخت نہیں ہوسکی تو اب ان کی نماز جنازہ اور کفن دفن کس طرح ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شناخت نہیں تو دونوں کو غسل کفن دے کر ایک ساتھ سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جائے اور نیت

---

(۱) "(وإن لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته، ففي بيت المال، فإن لم يكن) بيت المال معموراً أو منتظماً (فعلى المسلمين تكفينه) فإن لم يقدروا سألوا الناس، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۰۶، سعيد)

"فإن لم يكن له من تجب النفقة عليه فكفنه في بيت المال، فإن يكن فعلي المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا، سألوا الناس ليكفنوه، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/ ۳۱۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۱، رشيديه)

جنازۂ مسلم کی، کی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

جس میت کے متعلق مسلم اور غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال[۴۰۱۴]: ہمارے یہاں ایک کمیٹی ۱۹۸۰ء سے لاوارث مسلمانوں کی میت تجہیز وتکفین کی ذمہ داری لئے ہوئے ہے، ہر مہینہ میں ۴۰، ۵۰/ لاشیں شہر کے مختلف اسپتالوں سے ادارہ کو دی جاتی ہیں اور اس کیساتھ افسر کا سرٹیفکیٹ ہوتا ہے، نام کی جگہ نامعلوم لکھا ہوتا ہے، ادارہ کا کام پہلے لاش کو شناخت کرنا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ شناخت کا واحد ذریعہ مسلمان مرد کا صرف ختنہ ہے اور لباس وضع قطع سے کچھ علم نہیں ہوتا سوائے غالب گمان کے کہ میت مسلمان ہی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ختنہ یہودی بھی کراتے ہیں اور بہت سے غیر مسلم بھی حفظانِ صحت کی وجہ سے ختنہ کرانے لگے۔سوال یہ ہے کہ ان میتوں کو مسلمان سمجھ کر ان کی تجہیز وتکفین کرنا نمازِ جنازہ ادا کرنا، مسلم قبرستان میں دفن کرنا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "و لو اجتمع موتى المسلمون والكفار، يُنظر: إن كان بالمسلمين علامةٌ يمكن الفصل بها، يفصل. و علامة المسلمين أربعة أشياء: الختان و الخضاب و لبس السواد و حلق العانة. وإن لم يكن بهم علامة، يُنظر: إن كان المسلمون أكثر، غسلوا و كفنوا و دفنوا في مقابر المسلمين، وصلى عليهم، وينوى بالدعاء المسلمون .... وأما إذا كانوا على السواء، فلا يشكل أنهم يغسلون لماذكرنا .... يصلى عليهم وينوى بالصلاة والدعاء المسلمين؛ لأنهم إن عجزوا عن تعيين العمل للمسلمين، لم يعجزوا عن تمييز القصد في الدعاء لهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب الغسل: ۲/۳۱، رشيديه)

"اختلط موتانا بكفار و لا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا. واختلف في الصلاة عليهم". (الدرالمختار). "(قوله: واختلف في الصلاة عليهم) .... يصلى، ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعيين، لا يعجز عن القصد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

ان حالات میں ظنِ غالب پر ہی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن اصحابِ ادارہ کو خواہ سرٹیفکیٹ سے یا ختنہ سے یا کسی اَور علامت سے اس بات کا ظنِ غالب حاصل ہوجائے کہ یہ میت مسلمان ہے تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو مسلم میت کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، جب حقیقت حال پر اطلاع پانا دشوار ہو تو ظنِ غالب شرعاً کافی ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) " اختلط موتانا بكفار و لا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا. واختلف في الصلاة عليهم ومحل دفنهم الخ". (الدرالمختار). "(قوله : أعتبر الأكثر) .... قال في الحلية : فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر صُلّيَ عليهم، و يُنوى بالدعاء المسلمون. ولو الكفار أكثر .... فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضاً: أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر؛ لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء حق المسلمين بلا ارتكاب منهي منه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

"ولو وجد ميت أو قتيل في دارالإسلام، فإن كان عليه سيما المسلمين، يغسل و يصلي عليه" ويدفن في مقابر المسلمين، و هذا ظاهر. وإن لم يكن معه سيما المسلمين، ففيه روايتان، والصحيح أنه يغسل، و يصلي عليه، و يدفن في مقابر المسلمين لحصول غلبة الظن بكونه مسلماً بدلالة المكان، وهي دار الإسلام. ولو في دار الحرب، فإن كان معه سيما المسلمين، يغسل، ويصلي عليه، ويدفن في مقابر المسلمين بالإجماع. وإن لم يكن معه سيما المسلمين ففيه روايتان .... والحاصل أنه لا يشترط الجمع بين السيما و دليل المكان، بل يعمل بالسيما وحده بالإجماع. و هل يعمل بدليل المكان وحده؟ فيه روايتان، والصحيح أنه يعمل به لحصول غلبة الظن عنده". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل : ۲/۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

دریا سے بہہ کر آئی ہوئی عورت کی لاش کے متعلق اختلاف

سوال[۴۰۱۵]: ایک عورت کسی دریا میں بہتی ہوئی چلی آئی ہے، جہاں وہ نکلی ہے وہاں مسلم وغیر مسلم دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہے، ایک پارٹی دفنانے کو کہتی ہے دوسری آگ لگانے کو کہتی ہے۔آپ فرمائیں مذکورہ عورت کی شناخت کیسے ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندوعورت کا لباس بھی خاص ہوتا ہے اور بدن پر کہیں گودنے کا نشان بھی ہوتا ہے، اگر اس قسم کی کوئی علامت نہ ہو اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے غسل وکفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کریں تو ان کو حق ہے، مگر جھگڑا فساد نہ کریں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۹/۲۷ھ۔

کفن کے بند کا حکم

سوال[۴۰۱۶]: کفن پہنانے کے بعد میت کو تین گرہ کفن میں دے دی جاتی ہیں خواہ مرد ہو، یا عورت: سرہانے، کمر میں پاؤں، جانب۔قبر میں اتارنے کے بعد میت کی تینوں گرہیں کھول دی جاتی ہیں اور عورت کی صرف منہ کی طرف کھول دی جاتی ہے اور کمر پاؤں کی جانب بدستور گرہ لگی رہتی ہے اور بعض لوگ بند

---

(۱) "لو لم يدر أمسلم أم كافر و لا علامة، فإن في دارنا، غسل و صلى عليه، و إلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: فإن في دارنا) أفاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة أن العلامة مقدمة، وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن .... أن علامة المسلمين أربعة: الختان والخضاب الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ۲/۲۰۰، سعيد)

"و من لا يدرى أنه مسلم أو كافر، فإن كان عليه سيما المسلمين أو في بقاع دار الإسلام، يغسل، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الباب الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۸۱، إدارة القرآن، كراچی)

ڈھیلے کردیتے ہیں۔ حدیث وفقہ سے بند کا باندھنا، قبر میں گرہ کا کھولنا وغیرہ ثابت ہے یا نہیں اور اس طریقہ کو کب، کس نے اور کس طرح ایجاد کیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تین جگہ باندھنے سے یہ فائدہ ہے کہ جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے وقت کفن نہ کھل جائے اور قبر میں رکھنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں رہتا، اس لئے کھولدیتے ہیں، عورت مرد سب کے ہی تینوں بند کھول دیئے جاتے ہیں، ہر دو کے باندھنے کی بھی مصلحت ایک ہے اور کھولنے کی ایک، لہٰذا تفریق کی ضرورت نہیں، اگر کفن کھلنے کا اندیشہ نہ ہوتو بند باندھنے کی بھی ضرورت نہیں، کبیری شرح منیہ، ص:۵۳۸ میں بند باندھنے کو اسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے(۱)۔ اسی طرح عالمگیری:۱/۱۶۰(۲) زیلعی:۱/۲۳۸(۳)، مجمع الأنہر:۱/۱۸۲(٤) میں ہے۔ اور قبر میں رکھنے کے بعد بند کھولنے کا حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا

---

(۱) "فیقمّص و یحنط، ثم یعطف علیه الإزار من جهة الیسار، ثم من الیمین، ثم اللفافة کذلک، و یربط إن خیف انتشاره". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، الثالث فی تکفینه، ص: ۵۸۱، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"ویوجه المیت فی القبر إلی القبلة علی جنبه الأیمن، ولا یلقی علی ظهره، وتحل عقدة". (الحلبی الکبیر، السادس فی الدفن، ص:۵۹۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) "و کفن المرأة سنة: درع، وإزار، وخمار، ولفافة، وخرقة یربط بها ثدیاها". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین: ۱/۱۶۰، رشیدیه)

(۳) "قال: (وعقد): أی الکفن (إن خیف انتشاره) صیانة عن الکشف .... ثم یعطف الإزار، ثم اللفافة کما ذکرنا فی حق الرجل، ثم الخرقة فوق الأکفان لئلا تنتشر. و عرضها مابین الثدی إلی السرة، وقیل: ما بین الثدی إلی الرکبة لئلا ینتشر الکفن بالفخذین وقت المشی". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۲۹، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(٤) "(ویعقد الکفن إن خیف أن ینتشر) صیانةً عن الکشف)". (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۶۸، غفاریه کوئٹه)

ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص: ۳۳٤) (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غسلِ میت کے بعد جو کپڑا سترِ عورت کے لئے ڈالا جائے کیا وہ جزوِ کفن ہے؟

سوال [۴۰۱۷]: مردہ کو غسل دینے کے بعد ایک تہبند پہناتے ہیں وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، لنگی کو کفن میں شمار کر کے بغیر کسی عذر کے قمیص اور لفافہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے یا ازار بھی دینا ہوگا؟ اگر اس لنگی کو کفن میں نہ شمار کیا جائے، بلکہ اس کے علاوہ تین کپڑے دیئے جائیں تو اس لنگی کو جو غسل دیتے وقت پہنائی گئی تھی نکال دینا بہتر ہے یا اس کا رہنے دینا بہتر ہے؟ اولویت کے اعتبار سے جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ازارِ میت کے متعلق فقہاء کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ سر سے پیر تک ہو لفافہ کی طرح، دوسرا قول یہ ہے کہ منکب سے قدم تک ہو، تیسرا قول شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ سُرہ سے رکبہ تک ہو اور اس کو حدیث سے اقرب قرار دیا ہے:

"فالإزار واللفافة من القرن إلى القدم -والقرن هنا بمعنى الشعر، واللفافة هي الرداء طولاً- وفي بعض نسخ المختار: أن الإزار من المنكب إلى القدم هذا ما ذكروه. و بحث فيه في فتح القدير بأنه ينبغي أن يكون إزار الميت كإزار الحي من السرة إلى الركبة؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعطى اللاتي غسلن ابنته حقوه و هي في الأصل معقد الإزار ثم سمي به الإزار للمجاورة، اهـ". بحر: ۱۷۵/۲ (۲)۔ "والبحث في فتح القدير: ۷۵۵/۱، حيث قال: "وهذا ظاهر في أن إزار الميت كإزار الحي من الحقو، فيجب كونه في الذكر كذلك لعدم الفرق" (۳)۔

---

(۱) "(وتحل العقدة) لأمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمرة رضي الله تعالىٰ عنه و قد مات له ابن: "طلق عقد رأسه و عقد رجليه". و لأنه آمن من الانتشار". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۰۹، قديمي)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷/۲، رشيديه)

(۳) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۱۵/۲، مصطفى البابي مصر)

"(قوله: إزار الخ) -هو من القرن إلى القدم- .... واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت و تربط من الأعلى والأسفل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، سعيد)

مگر عامۂ فقہاء قولِ اول ہی کو لیتے ہیں، لہٰذا اس لنگی کو علیحدہ کر کے مستقل ازار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۸۹ھ۔

کفن کا مصلی مسجد میں دینا

سوال [۴۰۱۸]: مردوں کو کفنانے کے لئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے اس میں سے بعض حضرات ایک مصلی کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیدیتے ہیں۔ آیا اس مصلی کا استعمال اہل مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلی کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کپڑا جزوِ کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کے لئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ان سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال یارسول الله – صلی الله تعالیٰ علیه وسلم – إن أمي توفیت وأنا غائب عنها، اینفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة علیها". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب إذاقال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قدیمی)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوغیرها ...... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولاینقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

(وکذافي البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۳/۱۰۵، رشیدیه)

(وکذافي التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل یحج عن الغیر: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن کراچی)

کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال[۴۰۱۹]: کیا مردے کے کفن پر عہد نامہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن وحدیث سے تو عہد نامہ لکھنا ثابت نہیں، بعض دیگر کتب میں اس کی اجازت دی ہے، مگر روشنائی سے نہیں بلکہ انگلی سے، اور یہ اجازت بھی مجتہدین فقہاء کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے اس سے احتیاط ہی بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

کفن پر عہد نامہ لکھنا اور تلقین بعد الدفن

سوال[۴۰۲۰]: بہار شریعت میں ہے: ''شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا

= مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للسیوطی، باب فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر، ص: ۳۰۲، دارالمعرفة)

(۱) "كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهدنامه، يرجى أن يغفر الله للميت". (الدر المختار).

"فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد، أو ينقل فيه حديث ثابت، فتأمل، نعم! نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس".

الاستبشار: "هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت و يصير هذاالثوب مستعملا مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاویٰ اللکنوی المسماة بنفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم)

ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے''۔

الجواب حامداًومصلیاً:

درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے اس کو ردکیا ہے:

''وقد منا قبیل باب المیاہ عن الفتح أنہ تکرہ کتابۃ القران وأسماء اللّٰہ تعالیٰ علی الدراھم والمَحاریب و الجُدر ان وما یفرش، وماذلک إلالاحتر امہ وخشیۃ و طئہ و نحو مسافیہ إھانتہ الخ''.

اس کے بعد نقل کیا ہے:

''أن مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مدادبالأصبع المسحۃ: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، و علی الصدر: لاإلہ إلااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، وذالک بعد الغسل قبل التکفین''(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کفن پر کلمہ لکھنا

سوال[۴۰۲۱]: میت کے سینے پر کفن پہناتے وقت بعض لوگ کلمہ لکھتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قلم سے روشنائی سے لکھنا منع ہے، بعض حضرات محض انگلی کے اشارے سے لکھ دیتے ہیں اس میں کوئی

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

''الاستفسار: قد تعارف فی بلادنا أنھم یلقون علی قبر الصلحاء ثوباً مکتوباً فیہ سورۃ الإخلاص، ھل فیہ بأس؟

''الاستبشار: ھو استھانۃ بالقرآن؛ لأن ھذا الثوب إنما یلقی تعظیماً للمیت. ویصیر ھذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال کتاب اللہ من أسباب عذاب اللہ''. (فتاوی اللکنوی المسماۃ نفع المفتی والسائل، مایتعلق بتعظیم اسم اللہ واسم حبیب اللہ الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم)

بے ادبی نہیں، مگر ثابت بھی نہیں، اگر کوئی اشارہ سے لکھ دے تو اس سے نزاع نہ کریں نہ تاکید کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۰۲۲]: عرصے سے ہمارے ملک میں تحریر کفنی کا جواز عدم جواز کا مسئلہ چل رہا ہے، ایک صاحب نے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے لکھا ہے کہ کفن پر لکھنا ثواب ہے، جس کے ثبوت میں درمختار کی عربی عبارت بھی مع ترجمہ کے ساتھ لکھی ہے اور کچھ کتابوں کا بلا عبارت جواز کے بارے میں ثبوت دیا ہے، کتابوں کے نام یہ ہیں: کفایہ، تاتارخانیہ، فتویٰ امام مکی، اخبار الاخیار، لمعات، یہ کتابوں کے نام ہیں۔ مفتی صاحب کا نام قاضی عبدالسبحان ہے۔ اور کچھ صاحب کہتے ہیں کہ کچھ بھی لکھنا جائز نہیں ہے۔ آپ مذکورہ فتویٰ کے متعلق تحریر فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفنِ میت پر کچھ لکھنا قرآن کریم حدیث شریف، اجماعِ امت، قیاسِ مجتہد سے ثابت نہیں، غیر مجتہد کا عمل قابلِ احتجاج نہیں۔ درمختار میں جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے، علامہ شامی نے اس کی تردید کی ہے

---

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح: بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت .... و قد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذاك إلا لاحترامه و خشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت .... أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مراد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، و على الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، و ذلك بعد الغسل قبل التكفين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس ؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً لميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوى المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دار ابن حزم)

............ابن الصلاح سے بھی عدمِ جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے لکھنے میں حروفِ قرآن کریم اور اسمائے الٰہیہ کی بے ادبی ہے۔ اگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کی پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے، یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں تاہم اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی۔ غور کا مقام ہے، اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ضرور منقول ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۲/۵۶ھ۔

کلمہ طیبہ وغیرہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دینا

سوال [۴۰۲۳]: روشنائی سے کلمہ طیبہ وکلمۂ شہادت اور آیۃ الکرسی مع بسم اللہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں اور اس کو کارِ ثواب تصور کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے، کسی حدیث، فقہائے امت کے قول سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا شریعت سے ثابت نہیں، ہرگز ایسا نہ کیا جائے، قبر میں میت کا بدن پھٹنے اور اس کی آلائش لگنے

---

(۱) "كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه "عهد نامه" يرجى أن يغفر الله للميت". (الدر المختار).

"وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت .... و قد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذاك إلا لاحترامه و خشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. .... أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلى الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دار ابن حزم)

سے اس لکھے ہوئے کا احترام باقی نہیں رہتا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۵ھ۔

کلمہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا

سوال[۴۰۲۴]: چادر جس پر کلمہ شریف اور آیاتِ قرآنی لکھی ہوتی ہیں، میت پر ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ شریف اور آیاتِ قرآنیہ کے احترام کے خلاف ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کفن پر کلمہ لکھنا'')

(۲) "وقدمنا قبل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذلك إلا لاحترامه و خشية وطئه و نحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"بساطٌ أو غيره كتب عليه: "الملك لله"، يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة".
(ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، قبيل باب المياه: ۱/۱۷۸، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "كتابة القرآن على مايفرش و يبسط مكروهة". (كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۱/۳۲۳، رشيديه)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله"........... قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التي كتب فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع". (فتاوىٰ اللكنوى المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم)

پرچہ پر دعاء لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

۲۱/ مارچ ۷۰ء محترم قبلہ مفتی دارالعلوم دیوبند!

سوال[۴۰۲۵]: ا...... بعد آداب کے گزارش ہے کہ میں نے ایک پرچہ لکھا ہے اس پرچہ کو لفافہ میں بھیج رہا ہوں اور چند باتیں میرے قصبہ میں مجھ کو نئی معلوم ہوتی ہیں اس وجہ سے میں نے اپنے بزرگوں کو تکلیف دی ہے جس کی معافی چاہتا ہوں ہمارے قصبہ کھیری میں میت کو قبر میں اتارتے ہیں اور مردے کے جسم پر یعنی سینہ پر یہ پرچہ رکھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ منکر نکیر قبر میں حساب نہیں کر سکتے اور نہ مردے کو قبر میں منکر نکیر دکھلائی پڑیں گے اور اس کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور علمائے دیوبند کو بھی اس کا ایجاد کردہ بتلاتے ہیں، اس سے بہت خلفشار قصبہ میں مچا ہوا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم، الله رب محمد والصلوة عليه صلى الله عليه وسلم، امام ترمذی حکیم الٰہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پرنور سید عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كتب هذا الدعاء بين صدر الميت وكفنه في رقعة، لم ينله عذاب القبر، ولا يرىٰ منكراً ونكيراً، وهو هذا"۔ جو یہ دعاء کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھدے اسے عذاب قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں وہ دعا یہ ہے:

" لا إله إلا الله والله أكبر لا إله إلا الله وحده لا شريك له، لا إله إلا الله، له الملك وله الحمد، لا إله إلا الله ولا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم (۱)۔

دعائے ثانی: سبحٰن من هو بالجلال موحد وبالتوحيد معروف وبالمعارف موصوف وبالصيغة على لسان كل قائل رب وبالربوبية للعالم قاهر وبالقهر للعالم جبار وبالجبروت عليم حليمٌ وبالعلم والحلم رؤف رحيم، سبحنه كما يقولون وسبحنه كما هم يقولون تسبيحاً تخشع له السموات والأرض ومن عليها ويحمدون من حول عرشی، اسمی الله وأنا أسرع الحاسبين، آمين صلى الله على حبيبه سيد نا محمد وآله وسلم۔ منقول از فتاویٰ شامی، رد المحتار جلد اول، ص: ۶۰۷۔

مطبع دیوبند فتاوی رضویہ جلد چہارم ص: ۱۲۸

شائع کردہ منشی عبداللہ صاحب محلہ ڈبہ ضلع کھیری لکھیم پور۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، سعيد)

۲...... یہ کہ جب قبر میں مردے کو دفن کر دیتے ہیں اور چند حافظ قرآن وہاں ٹھہر جاتے ہیں وہ بعد میں قبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور قرآن شریف کی سورۂ یٰسٓ پڑھتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مطبوعہ پرچہ میں جو دعاء ثانی ہے اس کا تو شامی (ردالمحتار) میں وجود ہی نہیں ہے یہ تو بالکل غلط ہے اور جھوٹ ہے البتہ لا إله إلا الله والله اكبر الخ (۱) موجود ہے لیکن اول تو اس میں یہ نہیں کہ اس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لہذا یہ نسبت کرنا پہلے جھوٹ سے بڑھ کر جھوٹ ہے اس لئے کہ اس میں شامی پر جھوٹ ہے اور حکیم ترمذی پر جھوٹ ہے اور سب سے بڑھ کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جھوٹ ہے، شامی نے اس کو ابن حجر مکی سے نقل کیا ہے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے نقل نہیں کیا، ابن حجر مکی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، دوسرے اس میں یہ نہیں ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھدے لہذا یہ بھی جھوٹ ہے بلکہ اس میں کفن پر لکھنے کیلئے کہا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ابن حجر مکیؒ شافعی ہیں حنفی نہیں ہیں ان کا قول حنفیہ کیلئے حجت نہیں، چوتھی بات یہ ہے کہ شامی نے اسی صفحہ میں ابن صلاح سے نقل کیا ہے کہ کفن پر لکھنا جائز نہیں ابن صلاح بھی شافعی ہیں اور انکا درجہ شافعیہ میں ابن حجر مکی سے بہت بلند ہے، پانچویں بات یہ ہے کہ علامہ شامیؒ نے ان سب کو نقل کر کے رد کر دیا ہے اور وجہ بیان کی ہے کہ اس سے اللہ پاک کے نام کی اہانت ہوتی ہے کیوں کہ جب میت کا بدن گلتا سڑتا ہے اور اس سے نجاست برآمد ہوتی ہے تو اللہ کے نام کو بھی وہ لگے گی تو اس کو نجس کرنا ہرگز جائز نہیں، جب تک کوئی حدیث ثابت نہ ہو اس کو منع ہی کیا جائے گا، جس چیز کو شامی نے لکھ کر مردود قرار دیا ہو اسکی ترغیب شامی کی طرف منسوب کرنا خیانت ہے:

"قد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهماخوفامن صديد الميت .... فالأسماء المعظمة باقية على حالها، فلايجوز تعريضهاللنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مر دود؛ لأن مثل ذلك لايحتج به إلا إذاصح عن النبى صلى الله عليه وسلم طلب ذلك، وليس كذلك. وقدمناقبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش، وماذك

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازه، مطلب فيمايكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، سعيد)

إلالاحترام وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابالأولى يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت". رد المحتار: ۱/۶۰۷(۱)۔

۲......میت کودفن کرنے کے بعد ایک شخص سورۂ بقرہ کااول سرہانے اور دوسرا شخص سورۂ بقرہ کاآخر پیروں کی طرف پڑھے یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) باقی قبر پراذان دیناثابت نہیں بدعت ہے، ردالمحتار ۱/ ۲۵۸، باب الأذان میں لکھ کراس کورد کیا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب حدبث فيمايكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: "قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء مكتوبافيه سورة الإخلاص".

الاستبشار: "هو استهانة بالقران؛ لأن هذاالثوب إنمايلقى تعظيماً للميت، ويصير هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتدال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (مجموعة رسائل اللكهنوى، رسالة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله صلى الله تعالى عليه وسلم الخ: ۴/۱۵۹، ادارة القران)

(۲) "وعن عبدالله بن عمر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم فلاتحبسوه وأسرعوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۷۱۷): ۱/۱۴۹، قديمى)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت، ۲/۲۳۷، سعيد)

(۳) "(لا) يسن(لغير ها)كعيد(الدرالمختار). "قوله كعيد ووتر وجنازة وكسوف واستسقاء الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، الباب الثانى فى الأذان، ۱/۳۸۵،سعيد)

"وليس لغير الصلواة الخمس .... وصلاة الجنائز، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثانى فى الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵، رشيديه)

الفصل الثالث فی الصلوة علی المیت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

صلوۃ جنازہ کی مشروعیت کب سے ہے؟

سوال[۴۰۲۶]: صلوہ جنازہ کی ابتداء اسلام سے قبل سے ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قیل: هی (أی صلوة الجنازة) من خصائص هذه الأمة کالوصية بالثلث، ورد بما أخرجه الحاکم، و صححه عنه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "کان ادم رجلاً أشقر طوالاً کأنه نخلة سحوق، فلما حضره الموت نزلت الملائکة بحنوطه و کفنه من الجنة، فلمامات –علیه السلام– غسلوه بالماء والسدر ثلثاً، و جعلوه فی الثالثة کافوراً، وکفنوه فی وتر من الثیاب، وحفروا له لحداً، وصلو علیه، و قالوا لولده: هذا سنةٌ لمن بعده". فإن صح ما یدل علی الخصوصیة تعین حمله علی أنه بالنسبة بمجرد التکبیروالکیفیة. قال الواقدی: لم تکن شرعت (أی صلوة الجنازة) یوم موت خدیجة و موتها بعد النبوة بعشر سنین علی الأصح". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۳۸(۱)۔

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، قدیمی)

"فی الأنوار الساطعة: شرعت صلوة الجنازة بالمدینة المنورة فی السنة الأولی من الهجرة، فمن مات بمکة المشرفة لم یصل علیه. وفی الإقناع: هی من خصائص هذه الأمة کما قال الفاکهانی المالکی فی شرح الرسالة. قال البجیرمی فی هامشه: و شرعت بالمدینة لا بمکة فی السنة الأولی من الهجرة. و ذکر الفاکهانی فی شرح الرسالة: أن صلوة الجنازة من خصائص هذه الأمة، لکن ذَکرَ ما یخالفه فی الشرح المذکور: "وروی أن آدم علیه السلام لما توفی، أتیَ له بحنوط و کفن من الجنة،=

اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی مشروعیت کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ اسی امت کی خصوصیت ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد مشروع ہوئی ہے، دوسرا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ملائکہ نے صلوٰۃ جنازہ پڑھی ہے اور بعد والوں کیلئے بھی اس کو مقرر کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

نمازِ جنازہ حاضرین پر فرض کفایہ ہے یا فرض عین؟

سوال [۴۰۲۷]: صلوٰۃ جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر کوئی حاضر ہو جائے تو اس کے اوپر بھی فرض کفایہ ہے یا نہیں؟ ایک عالم صاحب فرماتے ہیں اس پر بھی فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور حاشیہ شرح وقایہ میں مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے فرض کفایہ لکھا ہے، ان کے حق میں بھی، کتاب کا حوالہ نہیں دیا (۱)، اگر دیگر کتب سے یہ مسئلہ معلوم ہو تو ارسال فرمایئے معہ حوالہ کے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وهي فرض كفاية: أي الصلوة عليه، لقوله عليه الصلاة والسلام: "صلوا على صاحبكم". والأمر للوجوب. ولو كانت فرض عينٍ، يصلي عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولأن المقصود يحصل بإقامة البعض، فتكون فرض كفاية. و كذا تكفينه فرض على

= ونزلت الملائكة فغسلته و كفنته في وتر من الثياب و حنطوه، و تقدم ملك منهم، فصلى عليه". إلى اخر مابسط من الكلام على ذلك. (لامع الدراري على جامع البخاري، كتاب الجنائز، متى شرعت صلاة الجنازة: ۳۰۸/۳، المكتبة الإمدادية مكة المكرمة)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز: ۱۹۱/۴، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) "هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحدٌ منهم، يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، و تحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۶): ۲۰۶/۱، سعيد)

الکفاية، و لهذا يقدم على الدين الواجب عليه، و يجب على من تجب عليه نفقته. و كذا غسله ودفنه فرض على الكفاية، اهـ". زيلعي: ١/٢٣٨(١)۔

"وإذا أرادوا أن يصلوا على جنازة بعد غروب الشمس بدأوا بالمغرب؛ لأنها أقوى، فإنها فرض عين على كل واحد. والصلوة على الجنازة فرض على الكفاية، والبدأة بالأقوى أولى؛ لأن تأخير صلوة المغرب بعد غروب الشمس مكروه، وتأخير الصلوة على الجنازة غيرمكروه .... وإذا صلوا على جنازة و الإمام غير طاهر، فعليهم إعادة الصلوة؛ لأن صلوة الإمام فاسدة لعدم الطهارة، فتفسد صلوة القوم بفسادصلوته. وإن كان الإمام طاهراً والقوم على غير طهارة، لم يكن عليهم إعادتها؛ لأن صلوة الإمام قد صحت، وحق الميت به تأدى، فالجماعة ليست بشرط في الصلوة على الجناز، اهـ". مبسوط: ٢/٦٨ (٢)۔

"والصلوة على الجنازة فرض على الكفاية، تسقط بأداء الواحد إذا كان هو الولي، و ليس للقوم أن يعيدوا بعد ذلك. ولو أن جنازةً تشاجر فيها قومٌ أيّهم يصلي عليه، فوثب رجل غريب، فصلى عليها و صلى معه بعض القوم، فصلوتهم تامة، وإن أحب الأولياء أعادوا الصلوة؛ لأن حق الصلوة على الجنازة للأولياء، فلا يكون لغيرهم أن يبطل حقهم. .... فإن كان حين افتتح الرجل الغريب صلوة الجنازة اقتدى به بعض الأولياء، فليس لمن بقي منهم حق الإعادة؛ لأن الذي اقتدى به رضي بإمامته فكأنه قدمه. و لكل واحد من الأولياء حق الصلوة على الجنازة كأنه ليس معه غيره؛ لأن ولايته متكاملة، فإذا سقط بأداء أحدهم لم يكن للباقين حق الإعادة". مبسوط: ٢/١٤٦(٣)۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ١/٥٧١، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) (كتاب المبسوط للسرخسي، باب غسل الميت: ٢/١٠٩، ١١٠، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٣) (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الجنازة: ٢/١٢٩، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الصلوة علیه ككفنه و دفنه و تجهیزه فرض كفاية مع عدم انفراد بالخطاب بها ولو امرأةً". وفي الطحطاوي:"فلو انفرد واحد بأن لم يحضره إلا هو، تعيّن عليه تكفينه و دفنه، كما في الضياء والشمني والبرهان، اهـ". طحطاوي، ص: ۳۳۸ (۱)۔

صلوۃ جنازہ کا جمیع حاضرین پر فرض کفایہ ہونا عباراتِ مذکورہ سے بالکل صاف طور پر ظاہر ہے، اگر کوئی شخص حاضر نہ ہو صرف ایک آدمی ہو، اس پر البتہ فرض عین ہے جیسا کہ عام فرض کفایہ کا حکم ہوتا ہے۔ جو عالم جمیع حاضرین پر فرض عین کہتے ہیں، فرضیت کی دلیل ان ہی سے دریافت کی جائے۔ کتب معتبرہ، متون، شروح، فتاویٰ میں کہیں فرض عین ہونا جمیع حاضرین پر مذکور نہیں، شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرض عین ہونے کی تردید کی ہے جو کہ ناکافی ہے۔ اور کیا سائل نے ان عالم سے دریافت کر کے فرضِ عین ہونے کا کوئی حوالہ کسی معتبر کتاب سے دیا ہے؟ جزئیاتِ فقہیہ جو عباراتِ منقولہ میں درج ہیں نیز معتبر اور مفتی بہ ہیں، فرض عین ہونے کے قطعاً منافی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نماز جنازہ کی نیت

سوال [۴۰۲۸]: نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ کیا ہیں؟ بیان فرمائیں؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، قديمي)

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۲۷۵/۱، قديمي)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً إلا أنها فرض كفاية إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض و هو قضاء حق الميت يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۳۶/۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

نیت دل سے ہوتی ہے(۱) کہ نماز اللہ کیلئے ہے اور دعا میت کے لئے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹۴/۳/۶ھ۔

ایضاً

سوال[۴۰۲۹]: امام اگر نماز جنازہ پڑھاوے اس صورت میں مقتدی کی نیت کرے یا نہیں، نیت کیلئے زبان سے پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، نیت کس طرح کرے؟ اگر کسی کو معلوم نہیں کہ جنازہ مرد کا ہے یا عورت کا ازدحام کی وجہ سے اور ازدحام کی وجہ سے اور بھی اکثر مقتدیوں کو معلوم نہیں اس لئے پوچھ بھی نہیں سکتا، تو نیت کس طرح کرے؟

محمد بشیر رنگونی۔

---

(۱) "والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، وهو أن يعلم هدايته أيَّ صلوة يصلي، والتلفظ بها مستحب، هو المختار". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۱۵، سعيد)

"النية إرادة الدخول في الصلاة، والشرط أن يعلم بقلبه أيَّ صلاة يصلي، وأدناها ما لوسُئل، لأمكنه أن يجيب على البديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته. ولا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه، فهو حَسنٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية : ۱/۶۵، رشيديه)

" أما الأول فالنية هي الإرادة، فنية الصلاة هي إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص، والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث في النية : ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲)" ويصلي الجنازة، ينوي الصلوة لله تعالىٰ والدعاء للميت؛ لأنه الواجب عليه، فيقول: أصلي لله داعياً للميت". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ۱/۴۲۳، سعيد)

" وفي صلاة الجنازة ينوي الصلاة لله تعالىٰ، والدعاء للميت، الخ ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية : ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط السادس النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کومقتدی کی نیت کرنا ضروری نہیں(۱)، نہ اس نیت کو زبان سے کہنا ضروری بلکہ نیت میں عزم قلب کا اعتبار ہے اور زبان سے کہنا مستحب ہے:

"والمعتبر فيها عمل القلب اللا زم للارادة، وهو أن يعلم هدايته أىّ صلوة يصلى، والتلفظ بها مستحب، هو المختار". تنوير، ص: ۴۳۱(۲)۔

اورنماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے: "ويصلى الجنازة ينوى الصلوة لله و الدعاء للميت؛ لأنه الواجب عليه، فيقول: أصلي داعياً للميت". درمختار، ص: ۴۲۹(۳)۔

جنازہ کے مشتبہ ہونے کی صورت میں یہ نیت کرے کہ جس میت پر امام نماز پڑھتا ہے، میں بھی امام

---

(۱) "أما كيفية النية فالمصلي لا يخلو إما أن يكون منفرداً وإما أن يكون إماماً .... وإن كان إماماً، فكذلك الجواب؛ لأنه منفرد فينوى ما ينوى المنفرد. وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها، ويصح اقتدائهم به بدون نية إما متهم الخ". (بدائع الصنائع،كتاب الصلاة، البحث في النية: ۳۳۰/۱، رشيديه)

"(والإمام ينوى صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدى) الخ".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۲۴/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۶۶/۱، رشيديه)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة: ۴۱۵/۱، سعيد)

"النية إرادة الدخول في الصلاة، والشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلي، وأدناها ما لوسئل، لأمكنه أن يجيب على البديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته. و لا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه، فهو حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۶۵/۱، رشيديه)

"أما الأول فالنية هي الإرادة، فنية الصلاة هي إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص، والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث في النية: ۳۳۰/۱، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۴۲۳/۱، سعيد)

کے ساتھ اسی میت پر پڑھتا ہوں: "وإن اشتبه عليه الميت ذكر أم انثى يقول: نويت أصلي مع الإمام على من يصلي الإمام". درمختار(۱)۔ اگر تعین نہ کی بلکہ مطلقاً صلوۃ جنازہ کی نیت کی تب بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۵۳۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ۔

کیا نماز جنازہ صرف تکبیرات سے ادا ہو جاتی ہے؟

سوال[۴۰۳۰]: اگر کسی کو نماز جنازہ نہ آتی ہو وہ صرف تکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف چار تکبیرات کہنے سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے، جو شخص تکبیر کہنا جانتا ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، دعاء کا پڑھنا مسنون ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۳، سعيد)

"و في صلاة الجنازة ينوى الصلاة لله تعالىٰ والدعاء للميت، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط السادس النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "(وأركانها التكبيرات والقيام) .... و سننها أربع .... والرابع من السنن (الدعاء للميت)". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمى)

"ومن لا يحسن الدعاء .... وهو لا يقضى ركنية الدعاء؛ لأن نفس التكبيرات رحمة للميت وإن لم يدع له". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

نماز جنازہ میں صرف تین تکبیر کہنا

سوال[۴۰۳۱] : ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی، چار مرتبہ "اللہ أکبر" کہنے کی بجائے تین مرتبہ "اللہ أکبر" کہا اور چوتھی مرتبہ "حی علی الصلوۃ" کہا گیا، نماز جنازہ ہوگئی یا نہیں؟ میت کو دفن کرنے کے بعد کب تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اگر پہلے نماز غلط ہوجائے تو بعد میں قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار دفعہ "اللہ أکبر" کہنا نماز جنازہ میں فرض ہے اور سلام واجب ہے(۱) جب کہ تین دفعہ "اللہ أکبر" کہا گیا اور چوتھی دفعہ "حی علی الصلوۃ" کہا گیا تو فریضہ ادا نہیں ہوا۔ قبر پر چار مرتبہ "اللہ أکبر" کہہ کر نماز جنازہ پڑھی جائے جب تک اس میں میت سلامت ہو، جس کی مدت عادتاً تین دن ہے، اس کے بعد نماز قبر پر نہ پڑھی جائے(۲)۔ اگر چار مرتبہ "اللہ أکبر" کہہ کر "حی علی الصلوۃ" کہا گیا اور سلام نہیں کہا گیا تو واجب

---

(۱) "(وركنها) شيئان (التكبيرات) الأربع، .... (والقيام) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۰۹، سعيد)

"وركنها القيام .... والتكبيرات، الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع الصلاة على الميت، ص:۵۸۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن امرأةً سوداء أو رجلاً كان يقمّ المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: "ألا آذنتموني به"؟ قال: "دلّوني على قبره". فدلوه، فصلى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر : ۲/۱۰۱، امداديه)

"وإن دفن بغير صلاة، صلى على قبره ما لم يغلب على الظن تفسخه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۲۴، سعيد)

"فإن دفن بلا صلوة، صلى على قبره ما لم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱/۱۶۵، رشيديه)

ترک ہوا، فرض ادا ہو گیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

تکبیراتِ جنازہ میں کمی وزیادتی

سوال[۴۰۳۲]: جنازہ کی نماز میں تین ہی تکبیر پر یا پانچ تکبیر پر سلام پھیرا جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تین تکبیر پر نماز ختم کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، پانچ پر ختم کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، طحطاوی، ص: ۳۲۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "(وركنها) شيئان: (التكبيرات) الأربع .... (والقيام)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۰۹، سعيد)

"(ويسلم) وجوباً (بعد) التكبيرة (الرابعة من غير دعاء) بعدها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل الصلوة عليه، ص: ۵۸۶، قديمي)

"ثم يكبر الرابعة ويسلم تسليمتين؛ لأنه جاء أوان التحلل وذالك بالسلام". (محيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز: ۲/۳۰۹، غفاريه)

(۲) "(ولو كبر الإمام خمساً لم يتبع)؛ لأنه منسوخ (ولكن ينتظر سلامه في المختار) يسلم معه في الأصح، وفي رواية: يسلم المأموم كما كبر إمامه الزائدة، ولو سلم الإمام بعد الثلاثة ناسياً، كبر الرابعة ويسلم". (مراقي الفلاح).

قال العلامة الطحطاوي: "لأن الإمام إذا اقتصر على ثلاثة، فسدت فيما يظهر". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب احكام الجنائز، فصل الصلاة عليه: ۵۸۷، قديمي)

"ولو كبر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۴، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، ۵۲، رشيديه)

تیسری تکبیر پر سلام پھیرنے کا حکم

سوال[۴۰۳۳]: ایک شخص نے صلوۃ جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کو بھولے سے نہیں کہی اور ایک طرف سلام پھیر دیا تب یاد آیا، اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اب چوتھی کہہ لے اور پھر سلام پھیر دے:'' إذا سلم علیٰ ظن أنه أتم التكبير، ثم علم أنه لم يتم، فإنه يبني؛ لأنه سلم في محله و هو القيام، فيكون معذوراً". بحر: ۱/۱۸٤(۱)۔"ولو سلم الإمام بعد الثلاثة ناسياً، كبر الرابعة ويسلم، الخ". مراقي الفلاح، ص: ۳٤۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۵٦ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ

چوتھی تکبیر کے بعد مقتدی نے سلام پھیر دیا

سوال[۴۰۳۴]: مقتدی نمازِ جنازہ میں چار تکبیر کے بعد امام کا انتظار کریں یا سلام پھیر دیں، یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہی سلام پھیریں، خواہ امام پانچویں تکبیر کہہ دے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر امام پانچویں تکبیر کہے تب بھی مقتدیوں کو سلام کا انتظار کرنا چاہیے، بغیر پانچویں تکبیر کہے امام کے ساتھ سلام پھیرے، اگر امام سے پہلے سلام پھیر دیا تب بھی نماز ادا ہوگئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۲، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۷، قديمي)

(۳) "و لو كبّر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى".
(الدر المختار). "(قوله: به يفتى) .... و روى عن الإمام أنه يسلم للحال و لا ينتظر تحقيقاً =

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے؟

سوال[۴۰۳۵]: نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ آخری تکبیر میں تکبیر کے بعد فوراً سلام ہے،اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ظاہرروایت تو یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے درمیان میں کچھ نہ پڑھا جائے،لیکن دوسری روایات میں بعض دعائیں پڑھنا بھی منقول ہے،چنانچہ بحر:۱۸۳/۲، میں ہے:

"وأشار بقوله: (وتسليمتين بعد الرابعة) إلى أنه لاشئى بعد ها غيرهما، وهو ظاهر المذهب، وقيل: يقول: اللهم! آتنا فى الدنيا الخ، وقيل: ربنا! لاتزغ قلوبنا الخ. وقيل: يخير بين السكوت والدعاء"(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر

سوال[۴۰۳۶]: نماز جنازہ میں سہواًبجائے چار تکبیر کے پانچ تکبیر پر سلام پھیرا تو نماز جنازہ اداہوگئی یانہیں؟

= للمخالفة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۱۴/۲، سعيد)

"فلو كبر الإمام خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، ولا متابعة، و لم يبيّن ماذا يصنع، وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان: فى رواية: يسلّم للحال و لا ينتظر تحقيقاً للمخالفة. و فى رواية: يمكث حتى يسلم معه إذا سلم، ليكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز فصل السلطان أحق بصلاته : ۳۲۳/۲، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة : ۵۱/۲، ۵۲، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۱/۲، رشيديه)

"وليس فى ظاهر المذهب بعد التكبيرة الرابعة دعاءٌ سوى السلام، و قد اختار بعض مشايخنا ما يختم به سائر الصلوات: اللهم ربنا آتنا فى الدنيا حسنة الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة : ۵۱/۲، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه : ۵۸۶، قديمى)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز ہوگئی(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟

سوال[۴۰۲۷]: ایک کتاب جس کا نام خلاصۃ الفتاویٰ ہے، اس کی جلد نمبر:۱،صفحہ نمبر:۲۲۵، میں مذکور ہے(مطبوعہ نولشکور لکھنو) عبارت یہ ہے:

"ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى، يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين، ثم يسلم تسليمتن، هكذا في الذخيرة"(۲)۔

"وهو سنة قيام له قرار، فيه ذكر مسنون، فيضع حالة الثناء، وفي القنوت و تكبيرات الجنازة". درمختار(۳)۔

ان دونوں عبارتوں کی تشریح فرمائیں اوران عبارات کی روشنی میں اس کا حکم بھی بیان فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے، کیونکہ کوئی ذکر مسنون باقی نہیں رہا جس کے لئے ہاتھ باندھے جائیں، پس صحیح یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام پھیرے، ایسا ہی ذخیرہ میں ہے(۴)۔

---

(۱) "و لو كبر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: و به يفتى) .... و روى عن الإمام أنه يسلم للحال، ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۴، سعيد)

"فلو كبر الإمام خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ و لا متابعة، ولم يبيّن ماذا يصنع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان: في روايةٍ: يسلم للحال، و لا ينتظر تحقيقاً للمخالفة. و في روايةٍ: يمكث حتى يسلم، معه إذا سلم ليكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة : ۲/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(۲) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا جتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع : ۱/۴۸۷، ۴۸۸، سعيد)

(۴) (خلاصة الفتاوىٰ، المصدر السابق)

اوروہ ہاتھ باندھے ایسے قیام کی سنت ہے جس کو قرار ہو (کچھ طویل ہو) اس میں ذکر مسنون ہو، پس ثنا اور قنوت اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ باندھے رکھے، درمختار (۱)۔

عبارت نمبر: ۱ کے متعلق خلاصۃ الفتاویٰ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ قلمی نسخہ میں موجود نہیں (۲)، عبارت نمبر: ۲ کے متعلق یہ بات قابلِ غور ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بھی ذکر مسنون ہے اور وہ سلام ہے، پس تکبیرِ رابع کے بعد وضعِ یدین ممنوع کہنا اور ارسالِ یدین کو حتمی طور پر لازم کہنا صحیح نہیں۔ فتاویٰ سعدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں طرح عمل درست ہے: ایک یہ کہ تکبیرِ رابع کے بعد ارسال یدین کر کے سلام پھیرے۔ دوسرے یہ کہ داہنے طرف سلام پھیرتے وقت داہنا ہاتھ چھوڑ دے، بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔ تیسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیر کر دونوں ہاتھ چھوڑ دے (۳)، یہ تیسری صورت عامۂ معمول بہا ہے، اکابر کو اسی طرح دیکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

نمازِ جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال [۴۰۳۸]: صلوۃ جنازہ کے اندر تکبیرات کے ختم ہوجانے کے بعد ہاتھ کو کب چھوڑنا چاہیے، قبل السلام یا بعد السلام یا مع السلام؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صلوۃ جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد قبل السلام بھی ہاتھ چھوڑنا درست ہے، مع السلام بھی اور بعد السلام بھی، تینوں طرح گنجائش ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۳/ ۹۲ھ۔

---

(۱) (راجع الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/ ۴۸۷، ۴۸۸، سعید)

(۲) لم أجده

(۳) لم أجد هذا الكتاب

(۴) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية)

نمازِ جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے

سوال[۴۰۳۹]: زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز ختم کرکے داہنی طرف سلام پھیر کر داہنا ہاتھ چھوڑ دے اور بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے اور بکر کہتا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر ہاتھ چھوڑے۔قولِ زید صحیح ہے یا قولِ بکر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں تین قول ہیں: ایک یہ کہ چوتھی تکبیر پر دونوں ہاتھ چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد۔تیسرے یہ کہ داہنی طرف سلام پھیر کر دایاں ہاتھ چھوڑ، دے بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔فتاویٰ سعیدیہ(۱)۔فقط۔

---

(۱) مسئلہ مذکورہ میں شدید اختلاف ہے، حضرت مفتی صاحب، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑنے کو معمول بہا اور اکابر کا عمل کہا ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

"وهو سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، فصل اذا اداء الشروع الخ: ۱/۴۸۷، ۴۸، سعيد)

چونکہ نمازِ جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد ذکر مسنون سلام ہے، لہٰذا ہاتھوں کو باندھے رکھنا چاہیے:

وفي الهداية: فيعتمد في حالة القنوت وصلوة الجنازة". (كتاب الصلاة، باب صفة الصلوة: ۱/۱۰۲، شركة علميه)

ظاہر یہی ہے کہ تمام نمازِ جنازہ میں ہاتھ باندھے رہے:

"ويسلم بلا دعاء بعد رابعة تسليمتين". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

پس سلام تک ہاتھ باندھے رہے۔

ان تمام دلائل کے علاوہ تمام اکابرین کا معمول بھی سلام تک ہاتھ باندھے رہنے کا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیه، كتاب الجنائز، صلوة الجنازة: ۷/۳۸، دارالاشاعت)

(وفتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب الجنائز، فصل خامس، نماز جنازه، (سوال نمبر: ۲۸۷۳): ۵/۲۱۸، دارالاشاعت) =

نماز جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال[۴۰۴۰]: نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے وقت ہاتھ باندھا ہوا رکھیں یا چھوڑ دیں، یا دائیں طرف سلام پھرانے کے وقت دونوں ہاتھ چھوڑ دے، یا صرف دائیں ہاتھ، یا بالکل نہ چھوڑ دیں بعد سلام کے دونوں ہاتھ چھوڑ دے؟ مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔ فقط۔

بمعرفت محمد یونس سلہٹی، ۴/رجب/۵۶ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"فیعتمد فی حالة القنوت و صلوة الجنازة، الخ". هداية: ۸۶/۱ (۱)اس سے معلوم ہوا کہ صلوۃ الجنازہ میں ہاتھ نہ چھوڑے بلکہ باندھے رہے اور ظاہر یہ ہے کہ تمام نماز جنازہ کا حکم یہی ہے یعنی جب تک

= حضرت مفتی رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحی اللکنوی رحمہما اللہ تعالیٰ ارسال کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

وفي الخلاصة: "ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لانه لايبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين". (كتا ب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه اذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشيديه)

"ومن ههنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة وثمانين أيضاً من أنه هل يضع مصلي الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل، ثم يسلم، وهو أنه ليس بعد التكبيرا الأخير ذكر مسنون، فيسن فيه الإرسال". (سعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، بيان ارسال يدين .... بعد التكبير الاخير من تكبيرات صلاة الجنازة: ۱۵۹/۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

ان کے علاوہ درمختار کے مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام دلائل کے جوابات دیئے ہیں جو (سوال بعنوان: نمازِ جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے) مذکور ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحسن الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲۳۹/۴، سعيد)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۰۲/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

نماز تمام کرے اس وقت تک یہی حکم ہے اور نماز جنازہ سلام سے تمام کی جاتی ہے (اگر چہ سلام فرض یا واجب نہیں)"و یسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلیمتین". درمختار: ۲/۲۱۲(۱) پس سلام تک باندھے رہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۱/رجب/۵۶ھ۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ

سوال[۴۰۴۱]: کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو کیا اس کی نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ جو لوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اس سے بہتر ہے کہ بغیر نمازِ جنازہ پڑھے ہی مُردے کو دفن کردیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اگر نہیں پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ صحیح کیا ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں، ثناء اور دعاء کی نیت سے کوئی اس کو پڑھ لے تو ممنوع بھی نہیں، پس یہ کہنا کہ بغیر فاتحہ پڑھے نماز جنازہ ہوتی ہی نہیں غلط ہے، بلاشبہ نماز جنازہ ہو جاتی ہے، یہی حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، کذا فی غنیة المستملی، ص:۵۴۲(۲)۔ اور یہ کہنا اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھتا ہو تو بلا نماز پڑھے ہی دفن کردو،

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۱۲، سعید)

(۲) "و لیس فیها قراءة القرآن عندنا، و هو قول عمر و ابنه و علی و أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم .... و لو قرأ الفاتحة بنیة الثناء و الدعاء، جاز". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع فی الصلاة، ص:۵۸۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و لا قراءة، ولا تشهد فیها)، و عیّن الشافعی رحمه الله تعالیٰ الفاتحة فی الأولی، وعندنا تجوز بنیة الدعاء". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشیدیه)

ایسی بات کوئی ذی علم نہیں کہہ سکتا، یہ تو جاہلانہ بات ہے۔ جنازہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں امام اور منفرد کو سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اگر بھول کر چوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اگر جان کر چھوڑ دے تو نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے(۱)۔

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کو سورۂ فاتحہ یا کوئی بھی سورت پڑھنا منع ہے، حدیث شریف میں ہے کہ: ''جب امام قراءت کرے تو تم چپ رہو''۔ یہ حدیث مسلم شریف میں ہے(۲) دوسری حدیث میں ہے کہ: ''جس کا کوئی امام ہو اس کے امام کی قرات اس کے لئے کافی ہے''(۳) خود اس کو نہیں پڑھنا چاہیے امام کا پڑھنا سب مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے، یہ حدیث موطا میں ہے(۴)۔ اور اس مسئلہ پر مستقل کتابیں تصنیف

---

(۱) "(ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد .... و هي على ما ذكره أربعة عشر: (قرأة فاتحة الكتاب)، فيسجد للسهو بترك أكثرها، لاأقلها. لكن في المجتبى: يسجد بترك آية منها، وهو أولى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، ۴۵۸، سعيد)

"و تجب قراءة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأولين بعد الفاتحة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشيديه)

"و واجبها قراءة الفاتحة) .... فلا تفسد الصلاة بتركها عامداً أو ساهياً، بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبراً للنقصان الحاصل بتركها سهواً، والإعادة في العمد والسهو إذا لم يسجد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(۲) "عن قتادة من الزيادة: "وإذا قرأ فانصتوا" .... فحديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه؟ فقال: هو صحيح يعني: "وإذا قرأ فأنصتوا" فقال: هو عندي صحيح، فقال: لِمَ لم تضعه ها هنا؟ قال: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعت ها هنا ما أجمعوا عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من كان له إمام فقراءته له قراءة". (مسند الإمام أحمد، مسند جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۱۴۲۳۳:، ۲۹۵/۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "قال مالك عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان إذا سئل هل يقرأ أحدٌ خلف =

ہوچکی ہیں، بذل المجہود(۱)، اوجز المسالک (۲) وغیرہ میں دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الإمام؟ قال: إذا صلى أحدكم خلف الإمام، حسبه قراءة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ. قال: و كان عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما لا يقرأ خلف الإمام". (مؤطا الإمام مالک، کتاب الصلاة، ترک القراءة خلف الإمام فيما جهر فيه، ص: ۶۸، میر محمد کتب خانه)

(۱) "من صلى خلف الإمام، فقراءة الإمام قراءة له" .... قلت: هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة، و هم: جابر بن عبد الله وبن عمروأبو سعيد الخدرى و أبو هريرة وابن عباس وأنس بن مالک رضى الله تعالىٰ عنهم .... و مع هذا روى منع القرأة خلف الإمام عن ثمانين من الصحابة الكبار، منهم: المرتضى والعبادلة الثالثة، وأساميهم عند أهل الحديث، فكان اتفاقهم بمنزلة الإجماع، فمن هذا قال صاحب الهداية من أصحابنا: و على ترک القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة، فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب من ترک القرأة في صلوته: ۲/۵۳، إمداديه)

(۲) "عند الحنفية الآثار الدالة على ترک القراءة مطلقاً أرجح، فاختاروها. قال الإمام محمد رحمه الله تعالىٰ في مؤطاه: لاقراءة خلف الإمام فيما جهر فيه و لا فيما لم يجهر فيه، بذلک جاءت عامة الآثار. ثم أخرج الإمام محمد الآثار في ذلک المعنى، فروى عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه قال: من صلى خلف الإمام كفته قراءته .... وأخرج عن القاسم بن محمد أنه كان لا يقرأ خلف الإمام، و تقدم الكلام عليه. و روى عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه بطرق، وألفاظ مختلفة، منها أنه قال: أنصت بأن الصلوة شغلاً سيكفيک الإمام .... و عن على رضى الله تعالىٰ عنه قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة ...... فإنها ثابتة بالكتاب والسنة وإجماع جمهور الصحابة والقياس، ونشير إليها استطراداً: أما الكتاب، فثبت بالرواية الكثيرة أن نزول قوله عزوجل: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ في القراءة خلف الإمام الخ". (أوجز المسالک شرح مؤطا إمام مالک، کتاب الصلاة باب القراءة خلف الإمام: ۲/۹۳، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

نمازِ جنازہ کا درود شریف

سوال[۴۰۴۲]: نمازِ جنازہ میں دوسری تکبیر میں درود شریف جو نماز پڑھتے ہیں ان کو بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا نماز جنازہ کا ہی درود شریف یاد کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے، نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد اس کو پڑھ لیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ کی دعاء مادری زبان میں

سوال[۴۰۴۳]: بالغ کے جنازہ میں تین تکبیر کے بعد جو دعاء پڑھی جاتی ہے: "اللهم اغفر لحينا الخ" اگر کسی کو یہ دعاء عربی میں نہ آتی ہو تو مقتدی اپنی مادری زبان جیسے اردو یا بنگلہ میں اس دعاء کو ترجمہ کر سکتا ہے؟ جیسے: "اے اللہ! بخش دے ہمارے تمام زندوں کو اور تمام مردوں کو" اس پوری دعا کو ترجمہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح پڑھنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) لیکن کوئی دعاء، مثلاً: "ربنا آتنا في الدنيا حسنةً،

---

(۱) "ويصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما في التشهد أى المراد الصلوة الابراهيمية التي يأتي بها المصلي في قعدة التشهد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۲، سعيد)

"وإذا كبر الثانية، يأتي بالصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول : اللهم صلى على محمد و على آل محمد .... إنك حميد مجيد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة : ۲/۵۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۲۱، رشيديه)

(۲) غیر عربی میں نماز کے اندر دعاء بہر حال مکروہ ہے اور خارج نماز میں بھی کراہت کا قول ہے:

"ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلاة، و تنزيهاً خارجها".

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع الخ، مطلب في الدعاء بغير العربية : ۱/۵۲۱، سعيد)

وفی الآخرة حسنةً، وقنا عذاب النار "عربی ہی میں پڑھنا اعلیٰ بات ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۹۳ھ۔

الترتیب بین المکتوبة والجنازة

سوال[۴۰۴۴]: إذا حضرت الجنازة فی المسجد وقت صلوة، وبقی للإمامة خمس دقیقة أو عشرة دقیقة، فبأی صلوة یقوم من الصلوتین؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تُقدّم المکتوبة علی صلوة الجنازة فی هذه الصورة(۲)۔واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) " وإذا كبر الثالثة، يستغفرون للميت و يشفعون .... والدعاء أن يقول : "اللهم اغفر لحينا و ميتنا اهـ. إن كان يحسنه، وإن لم يحسنه يذكر ما يدعو به في التشهد الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة : ۲/۱ ۵، رشيديه)

"(ويدعو بعد الثالثة) بأمور الآخرة، والماثور أولى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲ ۲۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۳۲۱، رشيديه)

(۲) "عن الحسن وابن سيرين رحمه الله تعالىٰ قالوا: إذا حضرت الجنازة والصلاة المكتوبة، يبدأ بصلاة المكتوبة". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في الجنازة تحضر و صلاة المكتوبة بأيها يبدأ، (رقم الحديث : ۱۱۳۲۹): ۲/۴۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"يبدأ بصلاة المغرب، ثم يصلون على الجنازة، ثم يأتون .... أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۴۰، رشيديه)

"ولوحضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب، ثم تصلى الجنازة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاةالجنائز، الثامن في المتفرقات، ص:۶۰۷، سهيل اكيڈمی ، لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱/۱۶۴، رشيديه)

نماز جنازہ سنتوں سے پہلے یا بعد میں؟

سوال[۴۰۴۵]: نماز جنازہ کو سنتوں سے پہلے ادا کیا جائے یا سنتوں کے بعد:"وتقدم صلواتها على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً، والجنازة كفاية. و تقدم صلوة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب وغيرها". درمختار، باب العيدين۔ "(قوله: وغيرها): أى خطبة العيد، و ذلك لفرضيتها و سنية الخطبة، كذا يقال فى سنة المغرب (قوله: وغيرها) كسنة الظهر والجمعة والعشاء". شامی، ص:۵۵۵(۱)۔

عبارتِ مذکورہ کا کیا مفہوم ہے اور کیا حکم نکلتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل تو یہی ہے کہ نماز جنازہ کو سنتوں پر مقدم کیا جاوے جیسا کہ آپ نے درمختار سے نقل کیا ہے، لیکن حلبی اور بحر کے حوالہ سے درمختار ہی میں ص:۵۵۶ یہ بھی لکھا ہے:

"لكن فى البحر قبيل الآذان عن الحلبى: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلوة، لكن فى آخر أحكام دين الأشباه: ينبغى تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته، فتأمل، اهـ"(۲)۔

لہٰذا اگر سنتیں پہلے پڑھ لیں جو کہ فرضِ عین کے تابع ہیں اور پھر نماز جنازہ ادا کریں تب بھی اعتراض اور بحث کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ اور سنت ونوافل میں ترتیب

سوال[۴۰۴۶]: چند دن قبل کا ذکر ہے کہ مسجد میں میت آچکی تھی اور نماز جنازہ پڑھنا تھا، فرض نماز

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

"ان الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هى سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۴۰، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجنائز، الثامن فى المتفرقات، ص:۶۰۷، سهيل اكيڈمى، لاهور)

باجماعت ادا ہونے کے بعد لوگوں نے سنت ونوافل پڑھنی شروع کر دی اور بعد سنن ونوافل کے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ میں نے پیش امام مسجد سے دریافت کیا کہ سنن ونوافل سے پہلے فرضِ کفایہ مقدم نہیں تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی ضروری نہیں کہ سنن ونوافل سے پہلے فرض کفایہ ادا کی جائے، ہم کو یہ تو طریقہ ترک کرنا ہے اس لئے ہم نے عمداً سنن ونوافل پہلے پڑھ لئے ہیں۔ میں عقلی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں کہ فرض کے بعد فرض کفایہ ادا کی جانی چاہیے، اس کے بعد سنن ونوافل۔ اس کا یہ جواب کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"تقدم صلوة الجنازة على الخطبة، و(على سنة المغرب) .... لكن في البحر: الفتوىٰ على تأخير الجنازة عن السنة". در مختار(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کو سنتِ موکدہ سے پہلے پڑھنا چاہیے، لیکن اگر سنتِ موکدہ کو پہلے پڑھیں اور نماز جنازہ کو بعد میں پڑھیں تب بھی منع نہیں بلکہ فتویٰ اس پر ہے، ورنہ نماز جنازہ پڑھ کر فوراً ہی اسی کو قبرستان لے جانا ہوتا ہے، اگر سنت مؤکدہ پہلے نہ پڑھی تو وہ بالکل ہی ترک ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۶ھ۔

سنتِ مؤکدہ مقدم ہے یا نماز جنازہ؟

سوال[۷۰۴۴]: تین جولائی بروز بدھ کو ایک میت ہوئی، نماز جنازہ مغرب کی نماز کے بعد ادا کی، امام مسجد فرضِ عین ادا کر کے نماز جنازہ کے لئے باہر نکل پڑے مگر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگے کہ سنت نماز پڑھنے کے بعد ہی جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ چند دنوں کے بعد امام مسجد نے اعلان کیا کہ فرضِ عین کے بعد ہی فرض کفایہ

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"ان الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی)

پڑھنا چاہیے، اس بات پر تنازعہ بڑھ گیا، لہٰذا شریعت کی رو سے کسی بھی وقتی نماز کے وقت جنازہ آجانے کے بعد سنت نماز پڑھنی درست ہے یا فرض کفایہ ادا کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ فرض عین کے بعد سنتِ مؤکدہ سے پہلے فرض کفایہ نماز جنازہ پڑھی جائے، لیکن اگر اس میں سنتِ موکدہ کے بالکل ہی ترک ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سنتِ مؤکدہ پہلے پڑھیں، پھر نماز جنازہ پڑھیں، اس میں نزاع نہ کیا جائے، نرمی سے بات کو بنا کر سلجھا دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۴ھ۔

سنتِ وقت اور جنازہ میں ترتیب

سوال [۴۰۴۸]: نماز جنازہ بعد جماعت سنتوں سے قبل ادا کی جائے یا بعد سنت؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قول ہیں لہٰذا دونوں طرح درست ہے:

"وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب و غيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء، لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأخره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلوة، لكن في أخر أحكام دَين الأشباه: ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته، فتأمل، و روى الحسن أنه يخير، فافهم". در

(۱) "و تقدم (صلاة الجنازة على الخطبة) وعلى سنة المغرب وغيرها، والعيد على الكسوف، لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۷/۲، سعيد)

"أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۴۴۰/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۲۰۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مختار شامی مختصراً، باب العیدین، ص: ۵۵۵، ۵۵٦ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ سنتوں پر مقدم ہے یا نہیں؟

سوال [۴۰۴۹]: اگر بعد نماز جمعہ نماز جنازہ پڑھی جاوے تو پہلے ظہر کی سنتیں پڑھیں یا نماز جنازہ پڑھیں؟ اس مسئلہ میں کتاب کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے نماز جنازہ پڑھیں، سنتیں بعد میں پڑھیں: "و تقدم صلوة الجنازة على الخطبة، وعلى سنة المغرب وغيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء، اهـ". درمختار و شامی: ۱/ ۵۸۰ (۲)۔

بعض نے سنتوں کی تقدیم کا حکم دیا ہے: "لكن في البحر الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن السنة: أي سنة الجمعة". شامی: ۱/ ۵۸۰ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦۷، سعيد)

"لیکن اس زمانہ میں نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نماز جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنتِ مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز: ۴/ ۲۲۷، سعید)

"أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۴۰، رشيديه)

"و لو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب، ثم تصلى الجنازة، ثم سنة المغرب، وقيل: تقدم سنة أيضاً على الجنازة، الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦۰۷، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦۷، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦۷، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۴۰، رشيديه) .... =

نمازِ عیداور جنازہ میں ترتیب

سوال[۴۰۵۰]: عید کے دن اگر جنازہ آجائے تو نمازِ عید و جنازہ وخطبہ میں کیا ترتیب رکھنا چاہیے؟ فقط والسلام۔

المستفتی: ابرارالحق، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وتقدم صلاتها (أى صلوة العيد) على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة: أى خطبة العيد، و ذلك لفرضيتها و سنية الخطبة". درمختار وشامی: ۱/ ۸۶۵(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اول نمازِ عید ہی ہوگی، پھر نمازِ جنازہ، پھر خطبۂ عید۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تعلیمِ قرآن کے وقت نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۵۱]: اگر کوئی معلم قرآن شریف کی تعلیم دے رہا ہو اور جنازہ کی نماز تیار ہو اور دوسرا معلم وہاں جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے موجود ہو تو اب اس معلم کے واسطے نمازِ جنازہ کے لئے جانا بہتر ہے یا قرآن شریف پڑھانا اچھا ہے؟

= ''اس زمانہ میں نمازِ جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نمازِ جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنتِ مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے''۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز: ۴/ ۲۲۷، سعید)

"و لو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب ثم تصلى الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۷، سعيد)

"و لو حضرت وقت العيد قدمت العيد، عليها، ثم هي على الخطبة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/ ۱۵۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرکوئی عذر نہ ہوتو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہیے،اگرکوئی عذر ہوتوتعلیم میں مشغول رہنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۱/جمادی الثانی/۵۶ھ۔

اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۵۲]: زیدکہتاہے کہ جن وقتوں میں نفل نمازمکروہ ہےان میں نمازجنازہ بھی مکروہ ہےاور بکرکہتاہے کہ ان وقتوں میں جنازہ کی نمازمکروہ نہیں۔کس کاقول صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن وقتوں میں مطلقاً نمازممنوع ہے ان وقتوں میں نماز جنازہ بھی ممنوع ہے (نفل کی قید صحیح

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱/۲۷۵، قديمى)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض -وهو قضاء حق الميت- يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۲/۳٦، رشيديه)

"وهذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك الفرض، وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية ۱٦): ۱/۲۰٦، سعيد)

نہیں) اوقاتِ ممانعت تین ہیں: طلوع، استواء، غروب۔ جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو، اگر ان اوقات میں آئے تو ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ بوقتِ استوائے شمس

سوال [۴۰۵۳]: اگر ظہر کے وقت جنازہ حاضر کیا جائے تو اسی وقت صلوٰۃ جنازہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین استواء کے وقت اگر جنازہ حاضر ہو تو اسی وقت صلوٰۃ الجنازہ مکروہ نہیں، لیکن اگر استواء سے قبل حاضر ہو تو عین استواء کے وقت مکروہ تحریمی ہے:

"وكره تحريماً صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة و سهو مع شروق واستواء و غروب إلاعصر يومه، وينعقد نفل بشروع فيها بكراهة التحريم لا الفرض و سجدة تلاوة و صلاة جنازة تليت الآية في كامل، وحضرت الجنازة قبل، لوجوبه كاملاً، فلا يتأدى نا قصاً، فلو و جبتا فيها لم يكره فعلهما، اهـ". در مختار مختصراً۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"المراد من قوله: "أن نقبر فيها موتانا الصلاة على الجنازة دون الدفن؛ إذ لا باس بالدفن في هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل وأما بيان ما يكره فيها: ۵۷/۲، رشيديه)

"ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة و لا صلوة جنازة و لا سجدة تلاوة .... و هذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقتٍ مباح و أخرتا إلى هذا الوقت، لا يجوز قطعاً، أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه، جاز؛ لأنه أديت ناقصةً كما وجبت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۴، رشيديه)

قال الشامی: "(قوله: و جبتا فیها) بأن تلیت الآیة فی تلک الأوقات أو حضرت فیها الجنازة، اهـ". ردالمحتار، ص: ۳۸۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت بوقتِ غروبِ آفتاب

سوال[۴۰۵۴]: جنازہ کی نماز یا سجدہ کی آیت اگر عصر کے بعد وقتِ ناقص میں ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت سورج غروب ہو جائے تو وہ بھی عصر یوم کی طرح ناقص ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آیتِ سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کرلیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ناقص ادا ہو گیا اور اگر وقتِ کامل میں آیت پڑھی اور سجدہ وقتِ غروب میں کیا تو یہ عصر یومہ کے طرح نہیں بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا، اسی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۰، ۳۷۴، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهنی رضی الله تعالیٰ عنه: ثلاث ساعات کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ینهانا أن نصلی فیهن وأن نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغةً حتی ترفع، وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة الصلاة علی المیت الخ: ۱/۲۰۰، سعید)

"تکره الصلاة علی الجنازة عند طلوع الشمس و غروبها و نصف النهار لما روینا من حدیث عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: ثلاث ساعات نهانا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، الحدیث. والمراد من قوله: "أن نقبر فیها موتانا" الصلاة علی الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن فی هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: بیان ما تفسد الصلوة و ما یکره: ۲/۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی بیان الأوقات: ۱/۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، رشیدیه)

طرح اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ہے، اگر وقتِ کامل میں آیا تو نماز جنازہ وقتِ ناقص میں ادا ہی نہیں ہوئی:

"و منع عن الصلوة و سجدة التلاوة المتلوة في غير هذه الأوقات، وصلوة الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ماوجب كاملاً لا يتأدى بالناقص. وأماالمتلوة أوا الحاضرة فيها لا يكره: أي تحريما؛ لأنها وجبت ناقصةً، أديت فيها كما وجبت، اهـ". سكب الأنهر: ١/٧٢(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟

سوال[۴۰۵۵]: نماز جنازہ کے لئے بھی کیا کوئی وقت حرام یا مکروہ تحریمی کا ہے، اگر ہے تو اس کے درجہ سے آگاہی بخشیں۔ اس کے علاوہ کیا دن رات میں ہر وقت نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ سنتِ موکدہ وغیرہ مکروہ تحریمی، تنزیہی، مستحب ہر ایک کا درجہ کیا ہے؟ اردو کی کتابوں میں "ممنوع، ناجائز" لکھا رہتا ہے جس سے

---

(١) (سكب الأنهر (الدرالمنتقى في شرح الملتقى) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ١/١١٠، غفاريه كوئٹه)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت الخ : ١/٢٠٠، سعيد)

"المراد من قوله : "أن نقبر فيها موتانا" الصلاة على الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل في بيان ما يكره فيها : ٢/٥٧، رشيديه)

"ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولاصلوة جنازة و لا سجدة تلاوة ....وهذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح، وأخرتا إلى هذا الوقت، لا يجوز قطعاً، أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه، جاز؛ لأنها أديت ناقصةً كما وجبت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها : ١/٥٢، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ١/٤٣٢، ٤٣٣، ٤٣٤، رشيديه)

کوئی درجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

حضرت والا کا خادم مہجور حقیر ناچیز: عبدالصبور ۳۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقاتِ ثلثہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ تحریمی ہے، باقی سب اوقات میں درست ہے(۱)۔

چونکہ عوام "موکد وغیر موکد، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض وواجب وغیرہ" کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ درجات "نص، ظاہر، مفسر، محکم، قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ" وغیرہ دلائل پر متفرع ہیں اور عوام کی فہم سے یہ اصطلاحات بالاتر ہیں، اس لئے اردو کی کتابوں میں ہرجگہ ان سب کی تصریحات نہیں کرتے بلکہ ممنوع اور ناجائز وغیرہ الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اہلِ علم درجات کو سمجھتے ہیں وہ کتبِ عربیہ سے ان درجات کو معلوم کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلىٰ الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة الخ : ۱/۲۰۰، سعيد)

"تكره الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس .... و غروبها و نصف النهار لما روينا من حديث عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال : ثلاث ساعات . الحديث. والمراد من قوله: "أن نقبر فيها موتانا" الصلاة على الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في بيان ما يكره فيها: ۲/۵۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة : ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۳۲، ۴۳۳، رشيديه)

عورت کی نماز جنازہ کا ولی شوہر ہے یا باپ؟

سوال[۴۰۵۶]: ایک عورت کا انتقال ہوگیا، اس کے والد چاہتے ہیں کہ شوہر کے مکان سے اپنے مکان پر لے جا کر دفن کریں، اس میں اختلاف ہوا، بعض کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز یہیں ہو جانی چاہیے، بعض کہتے ہیں کہ جب ولی نہیں تو نماز کیسے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ ولی باپ ہے یا شوہر؟ اگر شوہر اجازت نہ دے تو باپ جنازہ لے جا سکتا ہے یا نہیں، اور بغیر اجازتِ ولی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ شوہر اور باپ کے مکان میں تین میل کا فاصلہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو ماتت امرأة ولها أب، وابن بالغ عاقل، وزوج، فالأب أحق بها، اهـ". بحر: ۱۸۱/۲ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باپ کو ولایت حاصل ہے، نماز جنازہ کے لئے اپنے مکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں، شوہر ہی کے مکان پر یا جہاں مناسب ہو والد نماز جنازہ پڑھا دے۔ اگر شوہر نے یا دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ لی تب بھی ادا ہو جائے گی، بغیر ولی کی اجازت کے بھی ادا ہو سکتی ہے، البتہ ایسی صورت میں ولی کو بعد میں پڑھنے کا اختیار رہتا ہے، ولی کے پڑھنے کے بعد کسی اور کو اختیار نہیں رہتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان احق بصلاته ۳۱۷/۲، رشیدیه)

"و لو كان لها زوج وابن بالغ منه، فالو لاية للابن، إلا أنه ينبغي أن يقدم أباه تعظيماً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۰، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۰/۲، سعيد)

(۲) "(فإن صلى غيره): أي الولي (ممن ليس له حق التقدم على الولي (ولم يتابعه) الولي (أعاد الولي) ولو على قبره الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۲/۲، سعيد)

"فإن صلى غير الولي أو السلطان، أعاد الولي إن شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۱۸/۲، رشيديه)

ولی جنازہ باپ ہے یا شوہر

سوال[۴۰۵۷]: عورت کے انتقال پراس کی نماز جنازہ کی اجازت کس سے لی جائے یعنی شوہر سے یا اس کے باپ بھائی سے؟ لوگ کہتے ہیں کہ شوہر سے زوجیت کا تعلق ختم ہو چکا ہے اس لئے اجازت لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط۔

عبدالغنی مدرسہ مدینۃ العلوم فرخ آباد۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"ثم الولي بترتيب عصوبة النكاح، إلا الأب، فيقدم على الا بن اتفاقاً، إلا أن يكون عالماً والأب جاهلاً، فالابن أولى، فإن لم يكن له ولي فالزوج، ثم الجيران، الخ". الدرالمختار: ۱/۵۹۰(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب تک ولی عصبہ موجود ہو، شوہر جنازہ کا ولی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۹۵ھ۔

ولی میت سے نماز جنازہ کی اجازت

سوال[۴۰۵۸]: کیا جنازہ کی نماز کے لئے ولی میت سے اجازت لینی ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل حق ولی کا ہے اس سے اجازت لی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۲۰، ۲۲۱، سعيد)

"ثم الترتيب في الأولياء كترتيب العصبات في النكاح، لكن إذا اجتمع أبو الميت وابنه، كان الأب أولى بالاتفاق على الأصح؛ لأن للأب فضيلةً على الابن و زيادة سن .... و سائر القربات أولى من الزوج ..... والجار أحق من غيره". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۶، ۳۱۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۰، قديمي)

(۲) "(قوله: أي للولي) ومثله كل من يقدم عليه من باب أولى (الاذن لغيره فيها) لأنه حقه فيملك =

٤

امامِ محلّہ کی امامت ولی کے مقابلہ میں

سوال[۴۰۵۹]: محلّہ کا امام میت کے وارث کے ہوتے ہوئے بغیر اس کی اجازت کے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ اگر امام صالح دیندار ہو تو خود ہی امام سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے ورنہ ولی کا خود نماز جنازہ پڑھانا اولیٰ ہے، الدر المختار: ۱ /۸۲۳(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کسی متعین شخص سے جنازہ پڑھوانے کی وصیت

سوال[۴۰۶۰]: کسی مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد جنازہ کی نماز فلاں آدمی پڑھائے اور اس فلاں کے آنے میں تین دن یا زیادہ دن لگ جائے، تو آیا اس نعش کو فلاں کے آنے تک باقی رکھا جائے یا کسی دوسرے آدمی سے نماز جنازہ پڑھوا کر دفن کر دیا جائے؟

= إبطاله". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۲۲، سعيد)

"قال": (وله أن يأذن لغيره): أى للولي أن يأذن لغيره في الصلاة على الجنازة؛ لأن التقدم حقه فيملك إبطاله بتقديم غيره". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۷،رشيديه)

(۱) "وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي والا فالولي كما في المجتبى وشرح المجمع للمصنف". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۲۰، سعيد)

"إنما يستحب تقديم إمام مسجد حيه على الولي إذا كان أفضل من الولي ذكره في الفتاوى وهو قيد حسن". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۶،رشيديه)

"(ثم إمام الحي) المراد به إمام مسجد محلته، لكن بشرط أن يكون أفضل من الولي، وإلا فالولي أولى منه". (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۸۹، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز فلاں آدمی سے پڑھائے جوکہ اس وقت موجود نہیں اس کے آنے میں تین دن لگیں گے تو اس کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ دوسرا مناسب آدمی نماز جنازہ پڑھادے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ بلاوضو

سوال[۴۰۶۱]: جنازہ کی نماز امام نے بلاطہارت پڑھادی تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز اداہوگی یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جنازہ کی نماز امام نے بلاوضو پڑھادی تو درست نہ ہوگی نہ امام کی، نہ اس کے مقتدیوں کی (۲)،

---

(۱) "والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلاة عليه". (الدرالمختار). "لو أوصى بأن يصلي عليه غير من له حق التقدم أو بأن يغسله فلان، لا يلزم تنفيذ وصيته، و لا يبطل حق الولي بذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في تعظيم أولي الأمر واجب : ۲/۲۲۱، سعيد)

"إذا أوصى أن يصلي عليه فلان، فالوصية باطلة". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات : ۲/۱۸۰، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "فلو أمّ بلا طهارة والقوم بها، أعيدت و بعكسه لا". (الدرالمختار). "(قوله: أعيدت)؛ لأنه لا صحة لها بدون الطهارة، وإذا لم تصح صلاة الإمام، لم تصح صلاة القوم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۸، سعيد)

"ولو صلى الإمام بلا طهارة أعادوا؛ لأنه لا صحة بدون الطهارة، فإذا لم تصح صلاة الإمام لم تصح صلاة القوم، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۱۴، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت. ۱/۱۶۴، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان ما تصح به و ما تفسد و ما يكره : ۲/۵۴، رشيديه)

اگر دفن کر دیا گیا ہے تو قبر پر پڑھ لی جاوے جب تک میت کے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، ورنہ استغفار کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ میں میت کی سمتِ قبلہ بدل گئی

سوال [۴۰۶۲]: عورت کا جنازہ جس کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف تھا، نماز پڑھادی گئی تو جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غلطی سے جنازہ کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف ہو کر اس پر نماز جنازہ پڑھادی گئی تو بھی درست ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن أسود رجلاً أو امرأةً كان يكون في المسجد يقمّ المسجد، فمات ولم يعلم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: "ما فعل ذلك الإنسان"؟ قالوا: مات يا رسول الله! قال: "أفلا آذنتموني"؟ فقالوا: إنه كان كذا و كذا قصته. قال: فحقّروا شانه، قال: "فدلّوني على قبره". قال: فأتي قبره فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر ما يدفن: ۱/۱۷۸، قديمي)

"(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

"ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل، فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين، و أساء وا إن تعمدوا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، =

نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال[۴۰۶۳]: ایک مولانا صاحب بی اے منشی فاضل نے اس طور پر نماز جنازہ پڑھائی، امام میت یعنی مولانا صاحب بی اے منشی فاضل وہاں کھڑے ہوئے جہاں امام لکھا ہے۔ حدیث بخاری، پارہ پانچ، کتاب الجنازۃ عمران بن میسر سے روایت ہے کہ "حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت پر نماز پڑھی جو نفاس میں مرگئی تھی، آپ اس کے بیچا بیچ کھڑے ہوئے (۱) اس طور پر مولانا صاحب بی اے نے بھی عورت کا جنازہ پڑھایا۔ کیا اب شریعت بدل گئی جو مولانا صاحب نے اس طور پر جنازہ پڑھایا؟ کیا اب ایسے جنازہ ہونا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"و يقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر لما روى أحمد: أن أبا غالب قال: صليت خلف أنس رضي الله تعالىٰ عنه على جنازة، فقام حيال صدره". ولأن الصدر محل الإيمان ومعدن الحكمة والعلم، وهو أبعد من العورة الغليظة، فيكون القيام عنده إشارة إلى أن الشفاعة و قعت لأجل إيمانه. و عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبي يوسف أنه يقوم من الرجل بحذاء صدره و من المرأة بحذاء وسطها؛ لأن أنساً رضي الله تعالىٰ عنه فعل كذلك، وقال: هو سنة۔

= باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعيد)

"و اذا أخطأوا بالرأس وقت الصلاة، فجعلوه في موضع الرجلين فصلوا عليها، جازت الصلاة، فإن فعلوا ذلك عمداً، جازت صلاتهم و قد أساؤا". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان ماتصح به الصلاة و ما تكره: ۲/۵۴، رشيديه)

(۱) "عن سمرة بن جندب قال: صليت وراء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على امرأة ماتت في نفاسها، فقام عليها وسطها". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من يقوم من المرأة والرجل: ۱/۱۷۷، قديمي)

وعن سمرة بن جندب رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: صليت وراء رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم على امرأة ماتت فى نفاسها، فقام وسطها، قلنا: الوسط هو الصدر، فإن فوقه يديه و رأسه، وتحته بطنه و رجليه". زيلعى، ص: ۲۴۲ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام کو میت کے سر یا پیر کی جانب نہیں کھڑا ہونا چاہیے بلکہ سینہ کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیے اور جس روایت میں آتا ہے کہ میت کو سامنے رکھ کر اس کے بیچا بیچ کھڑے ہو کر نماز پڑھائی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے، کیونکہ سر اور ہاتھ سینہ سے اوپر ہیں اور پیٹ اور پیر سینے سے نیچے ہیں لہذا سینہ وسط میں ہوا، دوسرے سینہ محلِ ایمان وحکمت وعلم ہے، اس لئے سینہ کو فوقیت ہے اور ایسا کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی نے گھٹنے کے مقابل یا کندھے کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھادی تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن صحتِ نماز جنازہ کے لئے میت کے کسی حصہ کے سامنے اور مقابلہ میں ہونا شرط ہے، اگر میت کا کوئی حصہ بھی امام کے سامنے نہ ہوگا تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔

"كونه (أى الإمام) بالقرب من الصدر مندوب، وإلا فمحاذاة جزءٍ من الميت لا بد منها، قهستانى، الخ". رد المحتار: ۱/۹۱۵ (۲)۔

"و إذا خطئوا بالرأس، فوضعوها فى موضع الرجلين و صلوا عليه، جازت الصلوة؛ لأن ما هو شرط، و هو كون الميت أمامَ الإمام، فقد وجد. إنما التغير فى صفة الوضع، وذلك لا يمنع جواز ذلك، إلا أنهم تعمدوا ذلك، فقد أساؤا بتغير الوضع عما توارثه الناس". مبسوط سرخسى: ۲/۶۹ (۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۶، سعيد)

(۳) (كتاب المبسوط للسرخسى، باب غسل الميت: ۲/۱۱۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

وفى الفتاوى العالمكيرية: "يقوم للرجل والمرأة بحذاء الصدر، وهذا أحسن مواقف الإمام من الميت للصلاة عليه الخ". (كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا فى البدائع. كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان كيفية الصلاة على الجنازة الخ: ۲/۴۹، رشيديه)

اورشریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جس طرح مستحکم ہوچکی ہے وہ منسوخ نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

ناپاک زمین پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۶۴]: پکی زمین ہو یا کچی لیکن اس پر گوبر کے نشانات بلکہ کچھ اجزاء بھی ہیں لیکن خشک ہیں تو ایسی حالت میں اس زمین پر نماز جنازہ پڑھی جائے تو کیا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لید اور گوبر کے اجزا پیروں کے نیچے نہیں (آس پاس ہیں) تو نماز جنازہ درست ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

سوال[۴۰۶۵]: جنازہ کی نماز جوتا یا چپل پہن کر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیچے کا حصہ نجس ہو تو پیر سے نکال کر ان پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ اوپر کا حصہ پاک ہو: "ولو افترش نعليه وقام عليهما، جاز، فلا يضر نجاسة ماتحتهما لكن لابدمن طهارة نعليه مما

---

(۱) "الطهارة من النجاسة في ثوب و بدن و مكان، وستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۵/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

یلی الرِجل لا مما یلی الأرض، اھ". طحطاوی (۱)۔

اور اگر اوپر کا حصہ نجس ہو تو پھر نکالنا اور پیر سے علیحدہ کرنا ضروری ہے ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الأول/۶۴ھ۔

ایضاً

سوال [۴۰۶۶]: نماز جنازہ جوتا پہن کر درست ہے یا نہیں؟ چونکہ اس کے نیچے عموماً گندگی ونجاست ہوتی ہے، اگر جائز ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جوتے کے نیچے گندگی ہے اور جوتہ پہن کر نماز جنازہ پڑھی جائے تو وہ درست نہیں اور اگر جوتا نہیں پہنا بلکہ جوتے کے اوپر پیر رکھ کر نماز پڑھی اور نجاست جوتے کے نیچے ہے اوپر نہیں تو نماز درست ہو جائے گی (۲)، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے نجس زمین پر تختہ یا موٹا مصلی بچھا کر اس پر نماز پڑھی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة علیه: ۵۸۲، قدیمی)

"و لو افترش نعلیه و قام علیهما، جازت، وبهذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلاة الجنازة، لكن لا بد من طهارة النعلین، كما لا یخفی". (البحر الرائق، باب الجنائز: ۳۱۵/۲، رشیدیه)

"و لو افترش نعلیه و قام علیهما، جازت صلاته، بمنزلة ما لو بسط الثوب الطاهر علی الأرض النجسة وصلی علیه، فإنه یجوز". (مجموعه رسائل اللكنوی، غایة المقال فیما یتعلق بالنعال، فصل: أحكام النعال المتعلقة بالصلاة: ۲۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "جوتا پہن کر نماز جنازہ"۔)

(۳) "فی مفسدات الصلاة: و صلاته علی مصلی مضرب نجس البطانة) بخلاف غیر مضروب و =

جنازہ کو جمعہ تک مؤخر کرنا

سوال[۴۰۶۷]: اگر کسی کے یہاں بروز جمعہ بوقتِ صبح میت ہوجائے اور اس کے وارث اس کو بعد نماز جمعہ کے اس لئے دفن کرتے ہیں کہ جمعہ میں نماز جنازہ پڑھی جاوے تو زیادہ ثواب ہے۔ ایسا عقیدہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو محض اس لئے اتنی دیر تک روکے رکھنا مکروہ ہے، مستحب اور افضل یہ ہے کہ اس کے دفن میں جلدی کی جائے، اگر ایسے وقت انتقال ہوا ہے کہ اس کے دفن کرنے میں جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر نماز جمعہ تک موخر کردیں کذا فی الطحطاوی: ۳۳۲(۱)۔

نماز جنازہ میں دوسرے محلّہ والوں کا انتظار کرنا

سوال[۴۰۶۸]: ہمارے یہاں یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو تمام محلوں میں جا کر اطلاع دیتے ہیں اور جب تک سب لوگ نہ آجائیں نماز جنازہ کا انتظار کرتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

= مبسوط على نجس إن لم يظهر لون أو ريح". (الدرالمختار). "(قوله: مبسوط على نجس الخ) .... و كذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقاً يشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا يجوز الصلاة عليه. وإن كان غليظاً بحيث لا يكون كذلك، جازت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۲۶، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحةً فخير تقدمونها، وإن تك سوى ذلك فشرٌ تضعونه عن رقابكم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة: ۱/۱۷۶، قديمي)

"فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة، يكره تأخير الصلاةعليه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة. و لو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه، يؤخر الدفن". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۰۴، قديمي)

"(و كره تأخير صلاته و دفنه ليصلي عليه جمعٌ عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان احق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز جنازہ کے لئے اطلاع کر دینے میں تو مضائقہ نہیں (۱) پھر جس جس کو موقع ہو آ کر شریک ہوجائے لیکن دوسرے محلے کے لوگوں کے انتظار میں مؤخر کرنا کہ جب تک سب جگہ کے لوگ نہ آ جائیں نماز نہ پڑھی جائے، خواہ کتنی ہی دیر ہوجائے یہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ وقت متعین کر کے کہہ دیا جائے کہ اتنے بجے جنازہ تیار ہوجائے گا اور نماز ہوگی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه، وخرج إلى المصلى، فصف بهم و كبر أربعاً". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى الميت بنفسه : ۱/۱۶۷، قديمي)

" لا بأس بنقله قبل دفنه و بالإعلام بموته، الخ". (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: "(قوله : والإعلام بموته): أي إعلام بعضهم بعضاً ليقضوا حقه، الخ ". (كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۹، سعيد)

"و ذكر الشارح معنىً آخر و هو إعلام بموته ليصلوا عليه، لا سيما إذا كان الميت يتبرك به، و كره بعضهم أن ينادى في الأزقة .... والأصح أنه لا يكره؛ لأن فيه تكثير الجماعة من المصلين عليه والمستغفرين له و تحريض الناس على الطهارة والاعتبار به والاستعداد، وليس ذلک نعي أهل الجاهلية".

(البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۷۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تک خيراً، تقدمونها، وإن تک شراً، تضعوها عن رقابكم".(جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الإسراع بالجنازة : ۱/۱۹۶، سعيد)

"يندب دفنه في جهة موته و تعجيله، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: وتعجيله): أي تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخير صلاته و دفنه ليصلي عليه جمعٌ عظيم بعد صلاة الجمعة".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۹، سعيد)

"قال:"(و يعجّل بلا خبب): أي يسرع بالميت وقت المشي بلا خبب، وحدّه أن يسرع به بحيث لا يضطرب الميت على الجنازة لحديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه عليه السلام قال: "أسرعوا بالجنازة". الحديث. (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۲۳۵، رشيديه)

نمازِ جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے پڑھنا

سوال[۴۰۶۹]: نماز جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں، قبرستان میں اگر جگہ خالی ہو کہ وہاں قبریں نہ ہوں تو وہاں بھی پڑھ سکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱/۸۹ھ۔

متعدد جنازوں کی نماز اکٹھی پڑھنا

سوال[۴۰۷۰]: تین جنازے ہیں، ان میں سے دو مذکر ہیں مگر ایک بچہ ہے اور دو جوان یا ادھیڑ عمر کے، تو اگر کوئی تینوں کے اکٹھی نماز جنازہ پڑھادے تو صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس صورت میں جنازہ کی نماز ہو جائے گی؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جوان مرد ہے اور ایک جوان عورت ہے، ان دونوں کی اگر ایک ہی جگہ جنازہ کی نماز پڑھادی جائے تو کیا نماز ہو جاوے گی، یا دونوں کی الگ الگ پڑھادیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل طریقہ یہ ہے کہ سب کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھائی جائے لیکن اگر سب کی ایک ساتھ میں پڑھادی گئی تب بھی بلا شبہ ادا ہو جائے گی: "وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلوة أولى، اھ". تنویر(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) وفی رد المحتار: "أو كان في المقبرة موضع أعِدّ للصلاة و لاقبر ولا نجاسة، فلا بأس". (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

"إذا غسل موضعاً في الحمام ليس فيه تمثال و صلى فيه، لا بأس به، وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعِدّ للصلاة، و ليس فيه قبر و لا نجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۵۸/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۶، قديمي)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۸/۲، سعيد) .... =

صغیرہ اور کبیرہ کے جنازوں کی نماز یکدم پڑھنا

سوال[۴۰۷۱]: مثلاً دس بیس جنازے ایک ساتھ رکھے ہوں اور تنہا تنہا پڑھنے میں زیادہ حرج کا خیال ہے، جس میں نابالغ بالغ لڑکا، نابالغ لڑکی، مردعورت سب کے جنازے شامل ہیں تو کس طرح ان سب کی نماز ایک دفعہ سے پڑھے اور کون سی دعا پڑھے جس میں سب جنازے کی نماز ادا ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں اس طرح کرے کہ سب کو برابر برابر رکھ کر اس طرح کہ اول امام کے قریب مردوں کے جنازے ہوں، پھر لڑکوں کے، پھر عورتوں کے، پھر لڑکیوں کے۔ ایک ہی مرتبہ سب پر نماز پڑھ لی جائے اور بالغوں کی دعاء کے بعد نابالغوں کی دعاء بھی پڑھی جاوے کذا فی الطحطاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

= "عن أبي مالك رضي الله تعالىٰ عنه أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجيئ بتسعة، فصلى عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فرفعوا و ترك حمزة، ثم جيء بتسعة فوضعوا، و صلى عليهم سبع صلوات، حتى صلى على سبعين، و فيهم حمزة رضي الله تعالىٰ عنه في كل صلاة صلاها". (مراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، في الصلوة على الشهداء : ۱۸، سعيد)

"ولم يذكر المصنف رحمه الله تعالىٰ ما إذا اجتمعت الجنائز للصلوة، قالوا: الإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعةً واحدةً، وإن شاء صلى على كل جنازة صلاةً على حدة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۵/۱، رشيديه)

(۱) "(إذا اجتمعت الجنائز، فالإفراد بالصلاة لكل منها أولىٰ) .... (وإن اجتمعن) و صلى مرةً واحدةً .... (فيجعل الرجال مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعدهم): أي بعد الرجال (ثم الخنثى، ثم النساء، ثم المراهقات)". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۲، ۵۹۳، قديمي) .... =

نماز جنازہ مکرر پڑھنا

سوال[۴۰۷۲]: ایک جنازہ کی نماز باجماعت دوبارہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں کچھ نئے لوگ اور کچھ پرانے بھی شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر پڑھ لی گئی تو ولی کو دوبارہ پڑھنا درست ہے اور اس میں نئے لوگ شریک ہوسکتے ہیں اور جولوگ پہلے پڑھ چکے ہیں وہ نہ شریک ہوں: "فإن صلى غيره: أي غير من له حق التقدم، أعادها إن شاء، و لا يعيد معه من صلى غيره، الخ". كذا في مراقي الفلاح، ص: ٤٨٦، مصرى (١)۔

= "عن يحيى بن صبيح قال: حدثني عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم و ابنها، فجعل الغلام مما يلي الإمام، فأنكرت ذلك وفي القوم ابن عباس و أبوسعيد الخدري وأبو قتادة وأبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنهم، فقال: هذه السنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب إذا حضر الجنائز رجال و نساء من يقدم: ٢/٩٩، امداديه)

" فإذا اجتمعت الجنائز، فالإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعةً واحدةً، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة .... ثم كيف توضع الخيار إذا اجتمعت؟ فنقول: لا يخلو إما إن كانت من جنس واحد أو اختلف الجنس، أما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالاً و نساءً، توضع الرجال مما يلي الإمام والنساء خلف الرجال مما يلي القبلة .... و لو اجتمع جنازة رجل و صبي و خنثى وامرأةٌ و صبية، وضع الرجل مما يلي الإمام و الصبي وراءه، ثم الخنثى، ثم المرأة، ثم الصبية". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: في بيان ما تصح به و ما تفسده و ما يكره: ٢/٥٦، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢/٢١٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٢٨، رشيديه)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٥٩٠، ٥٩١، قديمي)

"(فإن صلى غيره): أي الولي (من ليس له حق التقدم) على الولي (ولم يتابعه) الولي (أعاد الولي) ولو على قبره إن شاء لأجل حقه، لا لإسقاط الفرض، ولذا قلنا: ليس لمن صلى عليها أن يعيد مع الولي؛ لأن تكرارها غير مشروع الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٢٢، ٢٢٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣١٨، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ١/١٦٣، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۰۷۳]: میت کی نماز ادا کرنے کے کچھ دیر بعد تین چار شخص اور آگئے تو ان کے لئے میت کی نماز دوبارہ پڑھنے کے لئے علمائے دین کیا حکم فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی نے اول نماز جنازہ پڑھی ہے، یا اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہے تو پھر اور کو دوبارہ پڑھنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/رمضان/۶۲ھ۔

نماز جنازہ متعدد دفعہ

سوال[۴۰۷۴]: جنازہ کی نماز دو دفعہ یا تین دفعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز ایک دفعہ ہے، اس سے زیادہ نہیں (۲)، ہاں! اگر ولی جنازہ نے ابھی نماز نہیں پڑھی بلکہ

---

(۱) "(وإن صلی هو) الولي (بحق) بأن لم یحضر من یقدم علیه (لا یصلی غیره بعده)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۲۲۳، سعید)

"فإن صلی علیه الولي، لم یجز أن یصلی علیه أحدٌ بعده". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۱۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة علی المیت: ۱/ ۱۶۴، رشیدیه)

(۲) "ولا یصلی علی میت واحد إلا مرةً واحدةً، والتنفل بصلاة الجنازة غیر مشروع". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة علی المیت: ۱/ ۱۶۵، رشیدیه)

"(قوله: ولم یصل غیره بعده): أي بعد ما صلی الولي؛ لأن الفرض قد تأدی بالأولی، والتنفل =

کسی اَور نے پڑھ لی ہے، پھر ولی پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص ساتھ نہ دے اس کے جنازہ میں عدمِ شرکت

سوال[۴۰۷۵]: جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد نہ کرے بلکہ تماشائی بن کر دیکھتا رہے، اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ ہم لوگوں نے عہد کیا تھا کہ جو مسلمان ہماری امداد نہ کرے اس کو برادری میں شریک نہیں کریں گے۔ کیوں کہ انہوں نے ہمارے اوپر کئے گئے غلط اور جھوٹے مقدمہ میں ہماری امداد نہیں کی اس وجہ سے ہم نے قطعِ تعلق کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس دَور میں ان لوگوں کی لڑکی فوت ہوگئی جس کے جنازہ میں ہم شامل نہیں ہوئے کیوں کہ ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان کو شریکِ برادری نہیں کریں گے، جو ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تو شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے معاملہ میں جو مفادِ عامہ کے لئے ہو سب کو ہی ساتھ دینا چاہیے۔ ان آدمیوں کا الگ رہنا اور ساتھ

= بها غير مشروع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۱۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۳/۲، سعيد)

(۱) "فإن صلى غيره: أى الولي ممن ليس له حق التقدم على الولي و لم يتابعه الولي، أعاد الولي، وإلا لا يعيد. وإن صلى هو· أى الولي بحق، لا يصلي غيره بعده". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۲۲/۲، ۲۲۳، سعيد)

"(فإن صلى عليه غير الولي والسلطان، أعاد الولي)؛ لأن الحق له". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

نہ دینا بہت بُری بات ہے۔ اگر کسی ناجائز بات میں شریک نہ ہوں، الگ رہیں تو ٹھیک ہے۔ اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کرکے نادم ہوں تو ان کو برادری میں شامل کرلیا جائے (۱)۔ جو لڑکی فوت ہوگئی اس کے جنازہ میں شریک نہ ہونا بھی غلطی ہے، آئندہ ایسا نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۵ھ۔

---

(۱) "عن أبی أیوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایحل لرجل أن یهجر أخاه فوق ثلث لیال، فیلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا، وخیر هما الذی یبدأ بالسلام". (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الهجرة: ۸۹۷/۲، قدیمی)

قوله: "ولایحل لمسلم، اهـ". فیه التصریح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أیام، وهذا فیمن لم یجن علی الدین جنایة، فأما من جنی علیه وعصی ربه، فجاء ت الرخصة فی عقوبته بالهجران کالثلاثة المتخلفین عن غزوة تبوک، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسین لیلةً حتی نزلت توبتهم، الخ". (عمدة القاری، کتاب الأدب، باب ماینهی من التحاسد والتدابر الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعة منیریه، بیروت)

قال الملاعلی القاری تحت هذا الحدیث: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلّته، ولا یجوز فوقها، إلّا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح للملا علی القاری، کتاب الأدب، باب التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، تحت حدیث أبی أیوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشیدیه)

(۲) اس لئے کہ نمازِ جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جنہوں نے نہیں پڑھی وہ ثواب سے محروم ہوگئے نیز انہوں نے ایک مسلمان کی حق تلفی بھی کی۔

"هذا هو حکم فرض الکفایة، فإنه یکون فرضاً علی کل واحد واحد لکن بحیث إن أدّی بعض منهم سقط عن الباقین، وإن لم یؤد واحد منهم یأثم الجمیع بترک الفرض. وإن أدّی الکل وجدوا ثواب الفرض، وتحقیقه فی کتب الأصول". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب الجنائز، (رقم الحاشیة: ۱۶): ۲۰۶/۱، سعید) .... =

چلتے ہوئے مسافر پر نمازِ جنازہ میں شریک ہونا لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۴۰۷۶]: اگر کوئی مسافر چلا جارہا ہے تو اس کے راستہ میں مسلمانوں کا جنازہ دفناتے ہوئے ملا تو اب اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے یا نہیں، کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مسافر جنازہ کی نماز ادا نہ کرے اور مٹی وغیرہ نہ ڈالے تو اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر بعض ادا کرلیں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، پس اگر اس جنازہ پر نماز پڑھی جاچکی ہے تو مسافر کے لئے نماز کا سوال ہی نہیں رہا اور اگر نہیں پڑھی گئی تو بہتر یہ ہے کہ یہ مسافر بھی نماز میں شریک ہوجائے، ہاں! اگر کچھ دشواری ہو یا اس کو جانے کی جلدی ہو اور نماز میں تاخیر ہو تو یہ مسافر جنازہ نہ پڑھنے سے بھی گنہگار نہ ہوگا(۱)، یہی حال دفن کرنے کا ہے یعنی اگر اسے موقعہ اور گنجائش ہے تو دفن

= "والاجماع منعقد على فرضيتها ايضاً الا انها فرض كفاية إذا قام به البعض يسقط عن الباقين، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، وردّ السلام، وتشميت العاطس" الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز: ۱۶۶/۱، قديمي)

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن اخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۲۷۵/۱، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحد منهم، يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل، وجدوا ثواب الفرض". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۶): ۲۰۶/۱، سعيد)

"والصلوة عليه: أي على الميت فرض كفاية بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۴۶/۲، رشيديه)

کرنے میں شریک ہوجائے ورنہ گناہ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

نماز جنازہ میں چند لوگوں کا محض تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا

سوال[۴۰۷۷]: جنازہ کے ساتھ پچاس ساٹھ آدمیوں کا مجمع ہے لیکن صلوۃ الجنازہ ادا کرنے کے وقت صرف دس پندرہ آدمی نماز پڑھتے ہیں اور باقی مثل تماشا بینوں کے کھڑے رہتے ہیں۔ یہ بقیہ لوگ مسلمان تارکِ فرض کفایہ ہوں گے یا نہیں اور ان پر کچھ گناہ ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ کوئی عذر مانع شرکت نماز سے بھی نہیں۔ کراہت وغیرہ مفصل ومبرہن فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کچھ لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو فرض کفایہ ہونے کی وجہ سے سب کے ذمہ سے ساقط ہوگئی لیکن ثواب صرف ان کو ملا جنھوں نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے وقت باقی لوگوں کا تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا اور نماز میں شریک نہ ہونا انتہائی بے حسی اور بے مروتی ہے، حقوقِ میت اور احترامِ نماز دونوں کے خلاف ہے: "والصلوۃ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من شهد الجنازة حتى يصلى عليه فله قيراط، ومن شهد حتى يدفن كان له قيراطان". قيل: و ما القيراطان؟ قال: "مثل الجبلين العظيمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى يدفن: ۱/۱۷۷، قديمي)

"فالدليل على وجوبه توارث الناس من لدن آدم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه، وذا دليل الوجوب إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية حتى إذا قام به البعض، سقط عن الباقين، لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في الدفن في مواضع الخ: ۲/۶۰، رشيديه)

" دفن الميت فرض على الكفاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

علیہ: أی علی المیت فرض کفایة بالإجماع". درمختار: ۱/۶۰۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ضعیف امام کو نمازِ جنازہ کے لئے سواری میں لے جانا

سوال[۴۰۷۸]: امام صاحب ضعیف العمر ہیں، قبرستان ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے، جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے لوگ سواری میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ متولی صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب پیدل چل کر جائیں یا اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے جنازے کی نماز پڑھانے کے لئے جائیں۔ متولی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی صاحب کا یہ کہنا اور اصرار کرنا بالکل غلط اور بے جا ہے۔ ضعیف کی معذوری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ خاص کر امام کا (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"عن عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ، ص: ۲۷۵، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤدّ واحدٌ منهم، يأثم الجميع بترك الفرض، وإن أدّى الكل، وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۲): ۱/۲۰۶، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض وهو قضاء حق الميت، يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۲/۴۶، رشيديه)

(۲) "عن أبي موسىٰ الأشعري رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من=

مسبوق نمازِ جنازہ کس طرح پڑھے؟

سوال[۴۰۷۹]: ایک شخص نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد شریک ہوا ہے، اب وہ کس نوعیت سے جنازہ کی نماز پوری کرے گا؟ کیا وہ ثناء سے پڑھنا شروع کریگا اور بقیہ تکبیر کو سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسری تکبیر کہہ کر امام کیساتھ شریک ہو کر دعاء پڑھے پھر چوتھی تکبیر کے بعد جب امام نماز پوری کردے تو یہ ایک تکبیر کہہ کر ثنا پڑھے، دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف۔ اگر جنازہ جلدی اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو تو صرف دو تکبیر میں نماز ختم کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

صفوفِ جنازہ میں کونسی صف افضل ہے؟

سوال[۴۰۸۰]: نماز جنازہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں صفِ اول کا ثواب آخری صف والوں کو ملتا ہے اور وہ اس کی دلیل میں: "أول الصفوف أخرها" پیش کرتے ہیں، پتہ نہیں یہ

= إجلال الله إكرام ذى الشيبة المسلم أو حامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه وإكرام ذى السلطان المقسط". (سنن أبى داؤد، كتاب الأداب، باب فى تنزيل الناس منازلهم: ۳۱۷/۲، امداديه)

(۱) "(والمسبوق) ببعض التكبيرات لا يكبر فى الحال بل (ينتظر) تكبير (الإمام ليكبر معه) للافتتاح لمامر أن كل تكبيرة كركعة، والمسبوق لا يبدأ بما فاته .... ثم يكبران ما فاتهما بعد الفراغ نسقاً بلا دعاء إن خشيا رفع الميت على الأعناق". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۱۶/۲، ۲۱۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى صلاة الجنازة، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت : ۱۶۴/۱، ۱۶۵، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۴/۲، ۳۲۵، رشيديه) .... =

حدیث ہے یا کسی کا مقولہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گڑبڑ مسئلہ ہے اس سے انتشار ہوتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ مسئلہ کبیری، ص: ۵٤۵، میں بھی اس طرح ہے:"أفضل صفوف الرجال فی الجنازة آخرها، و فی غیرها أولها إظهاراً للتواضع لتکون شفاعته أو عی للقبول"(١)۔

صحیح مسائل کتابوں میں چھپے ہوئے ہیں، پڑھائے جاتے ہیں، فتاویٰ میں لکھے جاتے ہیں، زبانی بتائے جاتے ہیں، عوام میں زیادہ سے زیادہ شائع کیے جاتے ہیں، ان سے کوئی گڑبڑ نہیں، گڑبڑ کا سبب تین چیزیں ہیں: علم نہ ہونا، ناقص علم ہونا، یا پھر طبیعت میں عناد کا ہونا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کی وجہ

سوال[۴۰۸۱]: جنازہ کی نماز میں سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو فقہائے کرام نے افضل قرار دیا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ مردہ سے دوری افضلیت کا باعث بن رہی ہے، لیکن اس کو قیاس تسلیم نہیں کررہا ہے، ایسی صورت میں امام کو سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔

= (وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع: الصلاة علیه، ص: ۵۸۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(١) (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، الرابع: الصلوة علیه: ۵۸۸، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"و خیر صفوف الرجال أولها فی غیر جنازة". (الدرالمختار). "(قوله: فی غیر جنازة) أما فیها فآخرها إظهاراً للتواضع؛ لأنهم شفعاء، فهو أحری بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فیها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/ ۵٦٩، ۵۷۰، سعید کراچی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل: بیان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۷، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کومقتدیوں سے آگے ہونا منصوص ہے(۱) اور تعلیل فی مقابلۃ النص ممنوع ہے(۲)، فقہاء نے پچھلی صف کو نماز جنازہ میں جس بناء پر افضل فرمایا ہے وہ یہ نہیں جس کو سائل نے تجویز کر کے قیاس شروع کردیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: لم يخرج النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ثلثاً، فأقيمت الصلوة فذهب أبو بكر يتقدم، فقال نبی الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم بالحجاب، فرفعه فلما وضح وجه النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ما نظرنا منظراً كان أعجب إلينا من وجه النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم حين وضح لنا، فأومأ النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم بيده إلى أبی بكر أن يتقدم، وأرخى النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم الحجاب، فلم يقدر عليه حتى مات". (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة: ۱/ ۹۴، قديمی)

"قال: سمعت عتبان بن مالك الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه، قال: استأذن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فأذنت له، فقال: "أين تحب أن أصلی من بيتك"؟ فأشرت له إلى المكان الذی أحب، فقام وصففنا خلفه، ثم سلم و سلمنا". (صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب: إذا زار الإمام قوماً فأمهم: ۱/ ۹۵، قديمی)

(۲) "والقياس بمقابلة المنقول مردود". (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، تحت لفظ: و قهقهة مصل بالغ: ۱/ ۵۵، سعيد)

"(ومن شرائط صحة القياس) .... والثالث: أن يتعدى الحكم الشرعی الثابت بالنص بعينه إلى فرع هو نظيره، ولا نص فيه، هذا الشرط واحدٌ تسمية و جملة تفصيلا .... و قولنا: لا نص فيه؛ لأن التعليل بموافقة النص لغو للاستغناء عنه و بمخالفته نقض له، فكان باطلاً الخ". (المغنی فی أصول الفقه للإمام جلال الدين عمر بن محمد الخبازی، باب القياس، شروط القياس، الثالث أن يتعدى الحكم إلى فرع، ص: ۲۹۴، ۲۹۶، مركز البحث العلمی و إحياء التراث الإسلامی. مكة المكرمة)

صفوفِ نمازِ جنازہ میں طاق عدد

سوال[۴۰۸۲]: ۱...... نمازہ جنازہ میں طاق عدد کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۲...... پھر اس طاق عدد کو پورا کرنے کے لئے نابالغوں کی صفوں کو بھی شمار کیا جاوے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... نماز جنازہ میں طاق عدد کی صفوف کا لحاظ رکھا جائے، یہی شرعاً مستحب ہے(۱)۔

۲...... اس طاق عدد کے لحاظ سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "عن مرثد بن البزني عن مالك بن هبيرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "مامن ميت يموت، فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين، إلا أوجب".: أى استحق الجنة". (أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في الصف على الجنازة: ۹۵/۲، امداديه)

"و يستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعةً، يتقدم أحدهم للإمامة و يقف وراءه ثلاثة و راءهم اثنان، ثم واحد". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع الصلوة عليه: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ روایات میں منجملہ صفوفِ شرعیہ میں سے نابالغوں کے صفوف کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

"عن عبد الرحمن بن غنم قال: قال أبو مالك الأشعري رضي الله تعالیٰ عنه: ألا أحدثكم بصلاة النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم؟ قال: فأقام الصلوة فصف الرجال و صف الغلمان خلفهم، ثم صلى بهم، فذكر صلاته، ثم قال: هكذا صلوة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الصبيان من الصف: ۱/۱۰۵، امداديه)

"و لو اجتمع الرجال والنساء والصبيان الخناثى والصبيات والمراهقات، فأرادوا أن يصطفوا للجماعة، يقوم الرجال صفاً مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعد هم، ثم الخناثى، ثم الإناث، ثم الصبيات المراهقات، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة فصل: وأما بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۳۹۲، رشيديه) .... =

نماز جنازہ کی صفوف میں فصل

سوال[۴۰۸۳]: جگہ کے رہتے ہوئے بغیر کسی عذر کے جنازہ کی نماز میں مل کر کھڑا ہونا چاہیے، یا جس طرح نماز میں ایک صف کی جگہ رہتی ہے اتنی ہی جگہ چھوڑنی چاہیے؟ اگر مل کر بغیر کسی عذر کے کھڑا ہو تو کوئی خاص خرابی تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃِ مطلقہ میں رکوع سجدہ ہوتا ہے، دو صفوں کے درمیان اتنی خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے کہ رکوع سجدہ سنت کے موافق ادا ہو سکے، نماز جنازہ میں اس کی ضرورت نہیں، قریب قریب صفیں ہوں تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲/۷/۸۹ھ۔

نماز جنازہ کی صفوف میں کتنی جگہ رہے؟

سوال[۴۰۸۴]: جنازہ کی نماز میں صف بندی کرنا قائم مقام رکوع وسجود کے جگہ چھوڑنا کیسا ہے؟ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیا حرام ہے؟ اور جس نے ایسا کیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہاں لوگوں میں بہت تکرار ہے، کچھ لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ دیوبندی عقائد کی مسجد ہے، بریلی عقائد

= "(يصف) .... (الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحد أدخل الصف (ثم الخنائی ثم النساء)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، سعید)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) **سوال**: مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: نماز جنازہ، سوال نمبر: ۲۸۱۷، ۵/۲۰۳، دارالاشاعت کراچی)

کا جو بھی نام لے گا قتل کر دیا جائے گا اور مسجد میں بریلی عقائد کے لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے، اس بارے میں کچھ لوگ امام کے ساتھ ہیں اور کچھ مخالف ہیں۔ براہ کرم جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ، لہذا صف بندی کے وقت رکوع سجدہ کی جگہ چھوڑنا بے محل ہے(۱)۔ نماز جنازہ میں میت کیلئے مستقل دعاء موجود ہے بلکہ دعاء ہی کیلئے نماز جنازہ مشروع ہوئی ہے کہ حمد وثنا اور درود شریف (پہلی تکبیر کے بعد) پڑھ کر میت کے لئے دعاء کی جائے، سلام پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ میں اس کو منع فرمایا گیا ہے، یہ مکروہ ہے(۲)۔ جو شخص مسجد میں نماز کے لئے آئے اور سنت کے موافق نماز پڑھے خلافِ سنت امور نہ پھیلائے، جھگڑا نہ کرے فتنہ نہ اٹھائے، اس کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے خواہ دیوبندیوں کی مسجد ہو خواہ بریلویوں کی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۷ھ۔

---

(۱) **سوال:** ''مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے، اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط''۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: نماز جنازہ (سوال نمبر:۲۸۱۷): ۵/۲۰۳، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "لا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة" (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیه کوئٹه)

"و لا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمكیریة، کتاب الجنائز، الخامس والعشرون فی الجنائز، و فیه الشهید: ۴/۸۰، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أن قریشاً منعوا النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الصلاة =

صفوفِ جنازہ میں بچوں کی صف

سوال[۴۰۸۵]: اگر بالغ مردوں کی آخری صف کو پورا کرنے کے لئے بچوں کو دونوں کناروں سے کھڑا کرلیا جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی کیا ضرورت ہے، ان کی صف مستقل بنادی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۸۶]: رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کس نے پڑھائی ہے؟ جبکہ یہ مسلّمات میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

= عند الكعبة في المسجد الحرام، فأنزل الله تعالىٰ :﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله﴾. (تفسير ابن كثير: ۱۵۶/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) نماز جنازہ میں تعددِ صفوف مطلوب ہے، البتہ اگر ایک بچہ ہے تو بڑوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی بھی گنجائش ہے: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر بقبر دفن ليلاً، فقال: "متى دفن هذا؟" فقالوا: البارحة، قال: "أفلا آذنتموني"؟ قالوا: دفناه في ظلمة الليل، فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه -قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: وأنا فيهم- فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال على الجنائز : ۱۷۶/۱، قديمي)

"خير صفوف الرجال أولها غير الجنازة". (الدرالمختار). "(قوله : غير الجنازة)، أما فيها، فآخرها إظهاراً للتواضع؛ لأنهم شفعاء، فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۵۶۹/۱، ۵۷۰، سعيد)

"وفي القنية: أفضل صفوف الرجال في الجنازة أخرها، وفي غيرها أولها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أدعىٰ للقبول، انتهى". (الحلبي الكبير، كتاب الجنائز : ۵۸۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں امام کوئی نہیں تھا، بلا امام ہی لوگ آتے رہے نماز پڑھتے رہے، یہی وصیت تھی، اتحاف السادۃ المتقین: ۱۰/۳۰۴(۱) فتح الباری (۲) عمدۃ القاری (۳) وغیرہ میں روایات موجود ہیں۔باب وفات النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مستقلاً کتب حدیث میں منعقد کیا جاتا ہے، اس کے ذیل میں شراح حضرات تفصیل سے ایک ایک چیز کے متعلق روایات نقل فرماتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۰ھ۔

---

(۱) "وعن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: نعی لنا نبینا و حبیبنا نفسه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... قلنا: فمتی الأجل قال: "دنا الأجل، والمنقلب إلی الله، وإلی السدرة المنتهی، وإلی جنة المأوی، وإلی الکأس، والأوفی، والرفیق الأعلی، والعیش الأهنأ". قلت: فمن یغسلک؟ قال: "رجالٌ من اهل بیتی الأدنی فالأدنی". قلنا: ففیما نکفنک؟ قال: "فی ثیابی هذه أوفی بیاض مصر أو حلة یمانیة" قلنا: فمن یصلی علیک ؟ قال: فبکی وبکینا، فقال: "مهلاً، غفر الله لکم و جزاکم عن نبیکم خیراً، إذا غسلتمونی و کفنتمونی، فضعونی علی سریری فی بیتی هذا علی شفیر قبری هذا، ثم اخرُجوا عنی ساعةً، فأول من یصلی علیَّ خلیلی و جلیسی جبریل، ثم میکائیل، ثم إسرافیل، ثم ملک الموت و جنوده من الملائکة بأجمعها، ثم ادخلوا علیَّ فوجاً فوجاً، فصلوا علیَّ، وسلّموا تسلیماً، ولا تؤذونی بتزکیة و لا بصیحة و لا رنّة ولیبدأ بالصلاة علیّ رجالُ أهل بیتی و نساؤهم، ثم أنتم بعدُ". الحدیث. (مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانید العشرة، تالیف أبی العباس أحمد بن أبی بکر الشهیر بالبوصیری، باب فی فرضه و وصیته و وفاته و غسله و تکفینه و الصلاة علیه الخ: ۹/۱۲۵، مکتبه عباس أحمد الباز مکة المکرمة)

(وکذا فی إتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت ومابعده، الباب الرابع فی وفاة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ: ۱۴/۱۳۶، ۱۳۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) (فتح الباری،

(۳) (عمدة القاری،

جنازۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی کیفیت

سوال[۴۰۸۷]: حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جب تم مجھ کو نہلا کر کفناؤ تو چار پائی میرے اس حجرے میں قبر کے کنارے پر رکھ کر ذرا ایک ساعت کے لئے باہر چلے جانا کہ اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پرودگار جل شانہ ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں'' (۱)۔ (از مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین، جلد چہارم، باب دہم، موت کے ذکر میں، باب الوفات، ص:۸۷۴ سے ۸۷۵، مترجم مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی)

مندرجہ بالا عبارت یہاں مستقل فتنہ کا سبب بنی ہوئی ہے جس میں صراحۃً مذکور ہے: ''اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پرودگار جل شانہ ہے''۔ کیا واقعی معبودِ حقیقی نے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز پڑھی ہے جبکہ سب بندے، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس (اللہ تعالیٰ) کی نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی اس کی نماز پڑھی جاتی ہے؟ نیز اللہ رب العزت اور فرشتوں کی نماز کیلئے سب کا باہر جانا کیوں ضروری ہے وہ تو غیر محسوس اور غیر مرئی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رہتے ہوئے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

اصل عبارت ملاحظہ فرما کر واضح فرمائیں کہ یہ مترجم کی غلطی ہے یا مصنف کا یہی مطلب ہے، نوازش ہوگی اگر جواب میں اصل عبارت تحریر فرمائیں کیونکہ ہمارے پاس اصل کتاب نہیں صرف اس کا ترجمہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طبقات ابن سعد میں روایت ہے، واقدی راوی ہیں اور ضعیف ہیں، نیز مرسل ہے، علامہ عراقی نے تخریج میں ایسا ہی فرمایا ہے، كما في هامش إحياء العلوم، ص: ٤٠٠ (٢)۔ یہاں الفاظ یہ ہیں:

"إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سريري في بيتي هذا على شفير قبري، ثم

---

(۱) "أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، باب ذكر الصلوة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، دار صادر، بيروت)

(۲) (مذاق العارفین ترجمہ إحياء علوم الدين مترجم مولانا محمد حسن نانوتوی، دسواں باب: موت اور مابعد الموت، فصل چہارم: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی وفات کا ذکر: ۴/۷۶۱، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

... حوا عنی ساعة، فإن أول یصلی علیّ الله عزوجل: ﴿هو الذی یصلی علیکم و ملائکته﴾،
ثم یأذن للملائکة فی الصلوة علیّ، فأول من یدخل علیّ من خلق الله و یصلی علیّ جبرئیل، ثم
میکائیل، ثم إسرافیل، ثم ملك الموت مع جنود کثیرة، ثم الملائکة بأجمعها –صلی الله تعالیٰ
علیهم وسلم أجمعین– ثم أنتم، فادخلوا علیّ أفواجاً، فصلوا علیّ أفواجاً زمرةً زمرةً، و سلموا
تسلمیاً اهـ". إحیاء العلوم، ص: ۴۰۰ (۱)۔

عبارت میں لفظ "صلوۃ" ہے جب صلوۃ کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے تو اس سے رحمت مراد ہوتی ہے، یہی حق تعالیٰ شانہ کے شان کے لائق ہے، یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ رفعِ یدین کر کے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھیں گے اور "سبحانك اللهم" بطریقِ معروف پڑھیں گے، قرآن کریم میں وارد ہے: ﴿إن الله وملائکته یصلون علی النبی﴾ (۲) غلط فہمی کو رفع کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) قال زین الدین العراقی تحت هذا الحدیث: "حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه .... رواه ابن سعد فی الطبقات عن محمد بن عمر –وهو الواقدی– بإسناد ضعیف إلی ابن عون عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، و هو مرسل ضعیف". (إحیاء علوم الدین للإمام أبی حامد محمد بن محمد الغزالی، الباب الرابع فی وفاة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم والخلفاء الراشدین .... اهـ: ۴/۱/۴۷۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البدایة والنهایة، فصل فی ذکر الوقت الذی توفی فیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، کیفیة الصلاة علیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۴/۲۴۲، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی الطبقات الکبری لابن سعد، باب ذکر الصلاة علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۲۸۸–۲۹۰، دار صادر، بیروت)

(۲) (سورة الأحزاب: ۵۶)

"قال أبو العالیة: صلوة الله ثناء ه علیه عند الملائکة، و صلوة الملائکة الدعاء، الخ". (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: (إن الله و ملائکته یصلون) الآیة: ۲/۷۰۷، قدیمی)

قال أبو عیسی الترمذی: "و روی عن سفیان الثوری وغیر واحد من أهل العلم قالوا: صلوة =

جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز

سوال[۴۰۸۸]: اگر بحکمِ رسول، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نائب رسول تھے تو بعدِ رسول ساری ذمہ داریاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد تھیں۔ یہاں تک کہ نماز وغیرہ۔ پھر جنازۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سب نے الگ الگ کیوں پڑھی؟ حالانکہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا کام یہ تھا کہ رسول کے جنازہ کی نماز با جماعت پڑھائیں اور دفن کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کا ولی اگر نمازِ جنازہ پڑھ لے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں رہتا کہ اس جنازے کی نماز پڑھے(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اول ہی جماعت سے نماز پڑھا دیتے تو بے شمار صحابہ کرام اس سعادت سے محروم رہ جاتے۔ اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

جنازۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے آدمی تھے؟

سوال[۴۰۸۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز میں کتنے اشخاص شریک ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازۂ مقدسہ کی نماز اگر جماعت کے ساتھ بیک وقت ہوتی تو ممکن تھا کہ شرکت کرنے والوں کا تخمینہ

= الرب الرحمة، وصلوة الملائكة الاستغفار". (جامع الترمذي، أبواب صلوة الوتر، باب ما جاء في فضل الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. ۱/۱۱۰، سعيد)

والتفصيل في: (ابن كثير ۳/۵۰۶، سهيل الكيڈمی لاهور)

(۱) "(وإن صلى هو) أي الولي (بحق) بأن لم يحضر من يقدم عليه (لايصلي غيره بعده)". (الدر المختار: ۲/۲۲۳، كتاب الصلوة، باب الجنازة".

"وإن صلى عليه الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۶۴، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون، الفصل الخامس، رشيديه)

کرلیا جاتا، مگر وہاں تو بغیر امام کے ہی لوگ آ کر نماز پڑھتے رہے جن کی کوئی تعداد نہیں بتائی جاسکتی، نماز کی یہ صورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجویز سے تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تاخیر کی وجہ

سوال[۴۰۹۰]: جنازہ کے بعد دعاء کے لئے ایک منٹ کا ٹھہرنا بھی جناب نے خلاصۃ الفتاویٰ کی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لما مات رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدخل الرجال، فصلوا علیه بغیر إمام إرسالاً حتی فرغوا، ثم أدخلوا النساء فصلین علیه، ثم أدخل الصبیان فصلوا علیه، ثم أدخل العبید فصلوا علیه إرسالاً، لم یؤمهم علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أحد".

"قال: حدثنا الواقدی: .... عن أبیه عن جده: لما أدرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی أکفانه، وضع علی سریره، ثم وضع علی شفیر حجرته، ثم کان الناس یدخلون علیه رفقاً رفقاً، لا یؤمهم أحد". قال الواقدی: .... وجدت صحیفة کتاباً بخط أبی، فیه أنه لما توفی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ووضع علی سریره، دخل أبو بکر و عمر و معهما نفرٌ من المهاجرین والأنصار قدر ما یسع البیت، وقالا: السلام علیک أیها النبی و رحمة الله و برکاته، وسلم المهاجرون و الأنصار کماسلم أبو بکر، ثم صفوا صفوفاً لا یؤمهم علیه أحدٌ، فقال أبوبکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما -وهما فی الصف الأول، حیال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم-: اللّٰهم إنا نشهد إن قد بلغ ما أنزل إلیه، ونصح لأمته، وجاهد فی سبیل الله .... فیخرجون و یدخل آخرون، حتی صلی علیه الرجال، ثم النساء، ثم الصبیان". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة للبیهقی، باب ما جاء فی الصلاة علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۷/۲۵۰، ۲۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البدایة والنهایة للحافظ ابن کثیر، فصل: ذکر الوقت الذی توفی فیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ، کیفیة الصلاة علیه: ۵/۲۶۵، دار الفکر، بیروت)

عبارت: "ولا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ، اھ" (۱) کی رو سے ممنوع بتایا ہے، مگر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے بعد جنازہ ٹھہرایا گیا ہے اور دو روز تک نماز جنازہ جو دعاء ہی ہے برابر پڑھی گئی ہے اور حدیث میں: "أسرعو بالجنائز" (۲) نماز جنازہ کے بعد ٹھہرنے کے لئے مانع ہوتی ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہرگز نماز جنازہ کے بعد دو روز تک نماز جنازہ کو نہ روکے رکھتے۔ لہذا اس کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمایئے ورنہ یہ تو تحریر فرمادیں کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے، اگر حدیث صریح ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی:

"أخرج ابن سعد"(۳) وابن منیع والحاکم والبیھقی والطبرانی فی الأوسط: عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما ثقل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قلنا: من یغسلك یارسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم-؟ قال: "رجالٌ من أھل بیتی الأولیٰ فالأولیٰ مع ملائکۃ کثیرۃ یرونکم من حیث لا ترونھم" قلنا: من یصلی علیك؟ قال: "إذا غسلتمونی و حنطتمونی و کفنتمونی، فضعونی علی سریری ھذا علی شفیر قبری، ثم اخرُجوا عنی ساعةً، فإن أول من یصلی عليَّ جبرئیل، ثم میکائیل، ثم إسرافیل، ثم ملك الموت مع جنود من الملائکۃ، ثم لیصل عليَّ أھل بیتی، ثم ادخلوا عليّ أفواجاً و فرادیٰ". قلنا: فمن یدخلك قبرك؟ قال: "أھلی مع ملائکۃ کثیر ین

---

(۱) (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلوۃ، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منہ: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیہ)

(۲) والحدیث بتمامۃ: "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "أسرعوا بالجنازۃ، فإن تک صالحةً فخیر تقدمونھا، وإن تک سِوا ذلک، فشرٌّ تضعونہ عن رقابکم". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعۃ بالجنازۃ: ۱/۱۷۶، قدیمی)

(۳) (أخرجہ ابن سعد فی الطبقات الکبری، باب ذکر الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، دار صادر، بیروت)

یرونکم من حیث لا ترونهم، اهـ". خصائص کبری: ۲/۲۷۶(۱)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۹۱]: سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کتنے چچا تھے جس میں صرف دو چچا ایمان لائے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بقیہ سات یا نو ایمان نہیں لائے تھے، ابولہب وابوطالب ان کے جنازہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت کی تھی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنتی تو آپ کو خود بھی معلوم ہے جیسا کہ تحریر کر رہے ہیں۔ صلوۃ جنازہ کے لئے میت کا اسلام شرط ہے، کذا فی البحر: ۱/۱۷۹(۲)۔ ابتداءً منافقین کے ساتھ ظاہری طور پر مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاتا تھا، جب عبداللہ

---

(۱) (الخصائص الكبرى للشيخ جلال الدين السيوطي، باب اختصاصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالصلاة عليه إفراداً بغير إمام و بغير دعاء الجنازة المعروف الخ: ۲/۴۸۴، مكتبه حقانيه پشاور)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه في وصية النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يغسله رجال أهل بيته وأنه قال: "كفنوني في ثيابي هذه أو في يمانية أو بياض مصر"، وإنه إذا كفنوه يضعونه على شفير قبره ثم يخرجون عنه حتى تصلي عليه الملائكة، ثم يدخل عليه رجال أهل بيته فيصلون عليه ثم الناس بعدهم فرادىٰ". الحديث. (البداية والنهاية فصل في ذكر الوقت الذي توفي فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، كيفية الصلاة عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۴/۲۴۲، دار الفكر بيروت)

وانظر للتفصيل: (مختصر السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، للشيخ أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ: ۹/۱۲۵، مكتبه عباس أحمد الباز)

(۲) "(وشرطها إسلام الميت و طهارته) فلا تصح على الكافر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۴، رشيديه)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، و لا تقم على قبره، إنهم كفروا بالله ورسوله، و ماتوا وهم فاسقون﴾ (سورة التوبة: ۸۴)

"قال رحمه الله: (و شرطها): أي شرط الصلاة عليه (إسلام الميت و طهارته)، أما الإسلام فلقوله تعالىٰ:=

بن اُبی بن سلول کا واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد منافقین پر بھی صلوۃ جنازہ کی ممانعت ہوگئی (۱) اور کفار پر تو صلاۃ جنازہ کبھی پڑھی نہیں گئی۔ ابولہب نے ہمیشہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی حتی کہ ﴿تبت یدا أبی لھب﴾ الخ، اسی کی مذمت اور وعید میں نازل ہوئی جس میں اس کے دوزخی ہونے کو صاف صاف فرمایا گیا (۲)۔ ابوطالب کی موت کا قصہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے (۳)۔

= ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً، و لا تقم على قبره﴾ يعني المنافقين و هم الكَفَرة، ولأنها شفاعة للميت إكراماً له و طلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة و لا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الدر المختار ، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۷، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبيّ بن سلول، دُعى له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلى عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلى على ابن أبيّ و قد قال يوم كذا و كذا، كذا و كذا، أعدد عليه قوله.......... "لو أعلم أني إن زدت على السبعين يُغفر له، لزدت عليها". قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من برآءة: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولا تقم على قبره .... و هم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ. والله و رسوله أعلم". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين : ۱/۱۸۲، قديمى)

(۲) (سورة اللهب: ۱)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج إلى البطحآء فصعد إلى الجبل، فنادى: "يا صباحاه!". فاجتمعت إليه قريش، فقال: "أرأيتم إن حدثتكم أن العدو مصبحكم أو ممسيكم أكنتم تصدقوني"؟ قالوا: نعم، قال: "فإني نذيرٌ لكم بين يدى عذاب شديد". فقال أبو لهب: ألهذا جمعتنا، تباً لک؟ فأنزل الله. ﴿تبت يدا أبى لهب﴾ إلى آخرها". (صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿و تب، ماأغنى عنه ماله و ما كسب﴾ : ۲/۷۴۳، قديمى)

(۳) "عن ابن المسيب عن أبيه أن أبا طالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و عنده أبوجهل، فقال: "أى عم! قل: لا إله إلا الله كلمة أحاجّ لک بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبى أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب ؟ فلم يزالا يكلمانه حتى قال آخر شيء كلمهم به:=

فتح الباری میں لکھا ہے کہ "ابوطالب کے مرنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، آپ کا گمراہ چچا مرگیا تو آپ نے فرمایا: "جا، اسے دبادے" انہوں نے عرض کیا کہ وہ مشرک مرا ہے، آپ نے پھر بھی فرمایا: "جا، اسے دبادے" (۱) اور اسی سال میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات تک صلوۃ جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، کذا فی الطحطاوی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= علی ملة عبد المطلب، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لأستغفر لک ما لم أنْهَ عنه" فنزلت: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين و لو كانوا أولی قربیٰ من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورةالتوبة: ۱۱۳) "و نزلت: ﴿إنک لا تهدی من أحببت﴾. (سورة القصص: آیت :۵۶)

(صحيح البخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبی طالب : ۱/۵۴۸، قديمی)

(۱) "وابن الجارود من حديث علی رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: لما مات أبو طالب قلت: يا رسول اللہ! إن عمک الشيخ الضال قدمات، قال: اذهب فواره"، قلت: إنه مات مشركاً، فقال: "اذهب فواره". الحديث". (فتح الباری، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبی طالب : ۷/۲۴۷، قديمی)

(ورواه أبو داؤد فی سننه فی كتاب الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرک : ۲/۱۰۲، امداديه)

(ورواه النسائی فی سننه فی كتاب الجنائز، باب مدارة المشرک : ۱/۲۸۳، قديمی)

وانظر للتفصيل: (السيرة النبوية لابن هشام، وفاة أبی طالب و خديجة رضی اللہ تعالیٰ عنها : ۲/۵۷، ۵۸، مصطفی البابی الحلبی، بمصر)

(۲) "قال الواقدی: لم تكن شرعت يوم موت خديجة رضی اللہ تعالیٰ عنها، و موتها بعد النبوة بعشر سنين علی الأصح". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمی)

"عن ابن اسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضی اللہ تعالیٰ عنها وأباطالب ماتا فی عام واحد، فتتابعت علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم المصائب بهلاک خديجة وأبی طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق علی الإسلام كان يسكن إليها، قلت: بلغنی أن موت خديجة كان بعد موت أبی طالب بثلاثة أيام، والله اعلم".

"قال الدكتور عبد المعطی قلعجی تحت هذا الحديث: " روی عن حكيم بن حزام أنها=

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۹۲] : حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، کیا اس وقت نماز جنازہ کے متعلق احکام نازل نہیں ہوئے تھے؟ یا بعد نزولِ وحی قبر پر نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں، جیسا کہ شاہ نامۂ حفیظ جالندھری میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہ نامۂ حفیظ میرے پاس نہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے وقت نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، طحطاوی، ص: ۳۱۸(۱)، جن کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، کذا فی أوجز المسالك: ۱/۴۲۱ (۲)۔ آپ کی قبر پر نماز کا پڑھا جانا میری نظر سے نہیں گزرا، آپ کا انتقال ہجرت سے کئی سال قبل مکہ معظمہ میں ہوا، الإکمال، ص: ۹ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

= توفيت سنة عشر من البعثة بعد خروج بني هاشم من الشعب، ودفنت بالجحون، ونزل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبرها، ولم تكن الصلاة على الجنازة شرعت". (التعليق على دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب وفاة خديجة بنت خويلد زوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رضي عنها : ۲/۳۵۲، ۳۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وقال محمد بن إسحاق : ماتت خديجة رضي الله تعالىٰ عنها وأبو طالب في عام واحد". (البداية والنهاية، فصل في موت خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها : ۳/۱۲۷، دار الفكر، بيروت)

(۱) "قال الواقدي: لم تكن شرعت يوم موت خديجة رضي الله تعالىٰ عنها، وموتها بعد النبوة بعشر سنين على الأصح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،أحكام الجنائز ، فصل: الصلاة عليه ، ص: ۵۸۰، قديمي)

(۲) "و في أنوار الساطعه: شرعت صلوة الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الأولى من الهجرة، فمن مات بمكة المشرفة، لم يصل عليه". (أوجز المسالک شرح مؤطا الإمام مالک، كتاب الجنائز : ۴/۱۹۱، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۳) "خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها، هي أم المؤمنين خديجة بنت خويلد ابن أسد القرشية =

مقروض کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۹۳]: نماز جنازہ کن کن مسلمانوں کی نہیں پڑھنی چاہیئے؟ ایک حافظِ قرآن جو کہ حفظِ قرآن کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں، انہوں نے ایک حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ایک جنازہ آیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قرضدار ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور آج مولوی صاحبان ہر کس و ناکس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ قرضدار کی نماز جنازہ نہیں پڑھانا چاہئے؟ اور اگر یہ بات غلط ہے تو حافظ صاحب مذکور کے لئے کیا حکم ہے، ان کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

متعدد آدمیوں کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (۱)، آنحضرت صلی

= ...... و ماتت بمكة قبل الهجرة بخمس سنين، وقيل: بأربع سنين، وقيل: بثلث. وكان قد مضى من النبوة عشر سنين، وكان لها من العمر خمس و ستون سنة". (إكمال في أسماء الرجال لصاحب مشكوة المصابيح شيخ ولي الدين الخطيب الملحق بمشكوة المصابيح، فصل في الصحابيات، تحت حرف الخاء، ص:۵۹۳، قديمي)

قال الإمام البيهقي رحمه الله تعالىٰ: "عن ابن إسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها وأباطالب ماتا في عام واحد، فتتابعت على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المصائب بهلاك خديجة وأبي طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق على الإسلام، كان يسكن إليها، قلت: وبلغني أن موت خديجة كان بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام، والله أعلم". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب وفاة خديجة بنت خويلد زوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رضي عنها، وما في أخبار جبريل عليه السلام إياه بما يأتيه به من الآيات: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) فقہائے کرام نے والدین کے قاتل، بغاۃ، قطاع الطریق اور عصبیت پر قتل ہونے والے کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا ہے:

"(وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: (بغاة و قطاع الطريق)، فلا يغسلوا و لا يصلى عليهم (إذا قتلوا في الحرب) .... (وكذا) أهل عصبة .... (لا) يصلى على (قاتل أحد أبويه) إهانةً له". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، سعيد) .... =

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جب ایک جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے ذمہ قرض تو نہیں''؟ عرض کیا گیا کہ ہے، پھر فرمایا کہ ''اس نے اتنا چھوڑا ہے کہ قرض ادا کردیا جائے''؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، اس پر ارشاد فرمایا کہ ''اپنی میت کی نماز خود پڑھ لو''، اس پر ایک صحابی نے کہا کہ میں اس کے قرض کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس کا قرض میرے ذمہ ہے تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھادی''(۱) پھر یہ بھی ہوا کہ جس میت کے ذمہ قرض ہو اس کی ذمہ داری خود لے لی اور نماز پڑھادی (۲)۔ مقروض کے جنازہ کی نماز ممنوع نہیں، حافظ صاحب مذکور غالباً ناواقف ہیں ان کو سمجھا دیا جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''صلوا علی کل برّ و فاجر'' (۳) ہر نیک و بد مسلمان کے جنازے کی نماز پڑھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۲ھ۔

= (و كذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۱/ ۵۹۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "حدثنا سلمة يعني بن الأكوع رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بجنازة، فقالوا: يا نبي الله! صل عليها، قال: "هل ترك عليه دين"؟ قالوا: نعم، قال: "هل ترك من شيء"؟ قالوا: لا، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على صاحبكم" قال رجل من الأنصار يقال له أبو قتادة: صل عليه، وعليّ دينه، فصلى عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، الصلوة على من عليه دين : ۱/ ۲۷۸، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا توفي المؤمن وعليه دينٌ، فيسأل: "هل ترك لدينه من قضاء" فإن قالوا: نعم، صلى عليه، وإن قالوا: لا، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على صاحبكم" فلما فتح الله عزوجل على رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم، فمن توفي و عليه دين فعليّ قضاء ه، و من ترك مالاً فهو لورثته" (سنن النسائي، الصلوة على من عليه دينٌ: ۱/ ۲۷۹)

(۳) (أخرجه عليّ المتقي بن حسام الدين الهندي في كنزل العمال ، الفصل الثالث في أحكام الإمارة =

بے نمازی کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۹۴]: جس نے اپنی تمام عمر میں نماز نہ پڑھی ہو، یا صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہو اس کی جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے مسلمان کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھنی چاہئے، ہاں! اگر کوئی مقتدیٰ اور بڑا آدمی اس وجہ سے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھے کہ بے نمازوں کو عبرت ہوگی تو مضائقہ نہیں، ایسی صورت میں اَور لوگ اس کی نماز پڑھ کر باقاعدہ دفن کردیں: "وهی فرض علی كل مسلم مات خلا بغاة و قطاع الطريق إذا قُتلوا في الحرب" (۱)۔

= وآدابها، (رقم الحديث : ۱۴۸۱۵): ۶/۵۴، مكتبة الإسلامي، بيروت)

وأخرجه ابو داؤد، في سننه بلفظ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور : ۲/۳۵۰، امداديه)

(۱) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۰، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور : ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۰۹۵]: بعض مسلمان ایسے ہوتے ہیں کہ اس نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے، اگر کوئی مقتدیٰ اس میں شرکت سے انکار کردے تو درست ہے بشرطیکہ اس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور نماز کی پابندی کرنے لگیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تارکِ نماز کا جنازہ اور اس پر جرمانہ

سوال[۴۰۹۶]: ۱...... اگر کسی مسلمان نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی حتی کہ جمعہ اور عیدین کی بھی نہیں پڑھی اور شرابی بھی ہے اور نماز خود بھی نہ پڑھے اور دوسروں کو بھی منع کرے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

۲...... جب کہ آج کل مسلمان حاکم نہیں ہیں تو ایسے شخص کو جماعتِ مسلمین شرعی سزا دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون، الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص بہت بڑا مجرم ہے(۱) اور سخت گنہگار ہے اس کے باوجود اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں سنت کے موافق دفن کیا جائے گا: "صلوا علی کل بر و فاجر". الحدیث. ابو داؤد شریف(۲)۔

جماعتِ مسلمین ترکِ تعلق کی سزا دے سکتی ہے(۳) وہ بھی حدودِ شرع کے اندر، مالی جرمانہ کا اس کو بھی

---

(۱) "عن أبی سفیان قال: سمعت جابراً رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "إن بین الرجل و بین الشرک والکفر ترک الصلوة". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق الاسم للکفر علی من ترک الصلوة: ۱/۶۱، قدیمی)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ فی سنن أبی داؤد، ولکن أخرجه أبو داؤد فی سننه بلفظ: "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً .... والصلوة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امدادیه)

"فکل مسلم مات بعد الولادة، یصلی علیه صغیراً کان أو کبیراً، ذکراً کان أو أنثی، حراً کان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطریق و من بمثل حالهم، الخ". (کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بیان من یصلی علیه: ۲/۴۷، رشیدیه)

"و هی فرض علی کل مسلم مات، خلا بغاة و قطاع الطریق إذا قتلوا فی الحرب".

(الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱/۱۶۳، رشیدیه)

(۳) "عن أبی أیوب الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا یحل لرجل أن یهجر أخاه فوق ثلث لیال، فیلتقیان، فیعرض هذا و یعرض هذا، وخیرهما الذی یبدأ بالسلام".

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قدیمی)

قال الملاعلی القاری تحت هذا الحدیث: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی =

حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

بے نمازی کے جنازہ کو بطورِ سزا تین جھٹکے دینا

سوال[۴۰۹۷]: زید نے اپنی زندگی میں کبھی نماز نہیں پڑھی، صرف عیدین کی پڑھتا تھا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سب نمازی اس کی میت کو تین جھٹکے دیں تب نماز پڑھیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض عین ہے، عمر بھر اس کو ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور سخت محرومی ہے (۲)۔ اللہ پاک معاف

= أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب من التهاجر والتقاطع و اتباع العورات ،الفصل الأول،(رقم الحديث : ۵۰۲۷) : ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القارى ، كتاب الأدب باب ما ينهى من التحاسد التدابر: ۱۳۷/۲۲ ، خيريه بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية : ۲۵۵/۱، قديمى)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير : ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير : ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود ، فصل في التعزير : ۳۷۱/۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱، قديمى)

"عن عبدالله بن بريده عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : =

فرمائے-نماز جنازہ اس پر بھی لازم ہے، تین جھٹکے دینا شرعاً ثابت نہیں، پرلے درجے کی جہالت ہے، بغیر جھٹکے دیئے اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے، بغیر نماز جنازہ دفن کرنا بہت بڑا گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،۱۴/۷/۸۷ھ۔

فاسق وفاجر کی نماز جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے

سوال[۴۰۹۸]: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولاتقم على قبره﴾ (سورہ توبة)(۲)۔

اس آیت طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے(۳)

= "إن العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها، فقد كفر". (جامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلوة: ۲/۹۰، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً، كان أو كبيراً، ذكراً كان أو انثىٰ حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

"وهي فرض على كل مسلم خلا أربعة: بغاة وقطاع طريق، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

(۲) (سورة التوبة: پ ۱۰، آيت: ۸۴)

(۳) (راجع، ص: ۶۲۱، رقم الحاشية: ۱)

کہ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ فساق وفجار اور مشہور بالفسق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ عبارت بعینہ تفہیم القرآن کی تو نہیں لیکن اس کا مفہوم یہی ہے، اس تفسیر کو لے کر ہماری بستی میں کچھ لوگوں نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھے گا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قبر کھودنے والوں پر یہ پابندی عائد کردی گئی کہ جو قبر کھودے گا اس پر پندرہ روپے جرمانہ عائد ہوگا۔

ہماری بستی میں ایک عالم صاحب ہیں، یہ سب باتیں ان کی عدم موجودگی میں ہوئیں۔ کچھ دن بعد جب وہ گھر پر آئے تو انھیں یہ بات نئی معلوم ہوئی، انھوں نے مودودی صاحب کی تفسیر کو دیکھا اور اپنی تقریر میں بیان کیا کہ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے، یہ آیت کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ فساق و فجار کے بارے میں، مودودی صاحب نے تفسیر بالرائے کی ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، نیز انھوں نے کہا کہ ان کی تفسیر کے مطابق خود مودودی صاحب اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے کیونکہ فاسق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کہتے ہیں تو مودودی صاحب دن بھر میں اتنے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں گے کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں ہوگا، نیز مودودی صاحب کی داڑھی حدود شریعہ سے کم ہے اور وہ کھلم کھلا داڑھی کٹاتے ہیں پس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور مشہور بالفسق ہیں، لہٰذا ان کے نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

عالم صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ بے نمازی کے جنازہ کی نماز کا نہ پڑھنا - اگر چہ پوری زندگی میں کبھی نماز نہ پڑھی ہو- بالکل حرام ہے اور اگر کسی نے نہیں پڑھی اور بلا نماز جنازہ کے دفن کردیا گیا تو سارے لوگ بستی کے گنہگار ہوں گے، لہٰذا ایسی زیادتی سے آپ لوگ باز آئیں۔ کچھ دنوں تک بات رک گئی، پھر عالم صاحب اپنی مدرسہ میں چلے گئے، پھر جب وہ آئے تو بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ بات تو معقول ہے، اب کونسی ترکیب نکالی جائے تو لوگوں نے بہانہ کرنا شروع کیا کہ ہم لوگوں نے صرف لوگوں کو دھمکانے کے لئے ایسا کیا تھا، اس پر عالم صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ اس نیت سے بھی ایسا کرنا ناجائز ہے، چونکہ آپ لوگ ایک ایسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ہر معاملہ میں دوسری بستیاں اقتداء کرتی ہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اس کو حقیقت پر محمول کرکے بلا نماز جنازہ کے کسی مسلمان کو دفن کردیں، جو بالکل ناجائز وحرام ہے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا اچھا تو کونسی شکل تبلیغ کے لئے اختیار کی جائے؟ مولانا نے کہا کہ ہر اولاد والے اپنی اولاد پر کنٹرول کریں اولاد بالغ اگر نماز نہیں پڑھتی ہے تو اس پر سختی کریں، دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے

اصول کے مطابق گشت کریں، اب اگر لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں تو آپ کا قصور نہیں ہوگا، تیسری صورت یہ ہے کہ سوشل بائیکاٹ کریں۔ اب حل طلب یہ ہے کہ:

۱......بے نمازی انسان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

۲......آیتِ بالا کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

۳......مودودی صاحب کی تفسیر صحیح ہے یا نہیں؟

۴......ڈرانے دھمکانے کی نیت سے جب کہ اندیشہ یہی ہو کہ دوسرے لوگ ہوسکتا ہے کہ حقیقت پر محمول کر کے بالکل جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اعلان کرنا کہ ''جو نماز نہیں پڑھے گا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی'' ایسا کرنا جائز ہے؟

۵......لوگوں کی نمازی بنانے کے لئے شریعت کی رو سے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے؟

سائل: بدرالحسن، چاندواڑہ، مظفرپور، بہار۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......نماز فرض عین ہے، بے نمازی سخت گناہگار ہے، نماز جنازہ اس کی بھی ضروری ہے:

''فرض كفاية بالإجماع، فيكفر منكرها لإنكاره الإجماع، كذا في البدائع والقنية، والأصل فيه قوله تعالى: ﴿وصل عليهم﴾ و قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بر و فاجر". طحطاوى، ص: ۳۱۸(۱)۔

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمى)

''عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور: ۳۵۰/۱، إمداديه)

''فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أوعبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، لقول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على =

۲......﴿و لاتصل علی أحد منهم مات ابداً﴾(الایة) منافقین کے متعلق ہے، عبداللہ بن سلول رئیس المنافقین کا واقعہ کتبِ حدیث وتفسیر میں بہت مشہور ومعروف ہے کہ اس کے انتقال پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی تب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی، پھر کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھائی(۱)۔

۳......مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں بہت سی چیزیں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف بھی ہیں، عامۃ المسلمین کا اس کو پڑھنا یا سننا اعتقادی وعملی گمراہی وغلطی کا موجب بن سکتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے، ہاں! جو حضرات اہل علم ہیں، کتاب وسنت کا علم باقاعدہ معتمد اساتذہ سے حاصل کر کے اس پر استحکام رکھتے ہیں اور صحیح وغلط میں تمیز کرنے کا ان کو ملکہ راسخہ حاصل ہے ان کے لئے مضر نہیں، مگر مودودی صاحب نے آیتِ مسئولہ کے متعلق یہ نہیں لکھا جو ان کے معتقدین نے عمل شروع کر دیا، یہ عمل سراسر غلط اور فتنہ ہے اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے، جو معتقدین اپنے اعتقاد میں حد غلو تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس قسم کی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں، پھر جو لوگ نعمتِ فہم سے محروم ہیں ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ بے

= كل بر و فاجرٍ". الخ". (كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

"وهي فرض على كل مسلم مات خلا بغاة و قطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۰، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبيّ ابن سلول، دُعي له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلي على ابن أبيّ و قد قال يوم كذا و كذا، كذا و كذا، أعدد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أخّر عني يا عمر!" فلما أكثرتُ عليه قال: "إني خُيّرت، فاخترت، لو أعلم أني إن زدت على السبعين يُغفر له، لزدت عليها" قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلايسيراً حتى نزلت الآيتان من برآءة: ﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولا تقم على قبره .... وهم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ، والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين : ۱/۱۸۲، قديمي)

سمجھے ہی تقلید کرتے ہیں، مودودی صاحب نے اس آیت سے جو مسئلہ استنباط کر کے لکھا ہے وہ یہ ہے:

''اس سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ فساق اور فجار اور مشہور بفسق لوگوں کی نماز جنازہ مسلمانوں کے امام اور سربرآوردہ لوگوں کو نہ پڑھانی چاہئے''۔ تفہیم القرآن : ۲۲۱/۵ (۱)۔

مودودی صاحب کا ایسا کلیہ استنباط کرنا بھی غلط اور نصوص کے خلاف ہے (۲) اور ان کے معتقدین کا ایسا سمجھنا کہ بالکل نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور بلا نماز ہی ان کو دفن کر دیا جائے، نہ سربرآوردہ پڑھے نہ کوئی اور پڑھے، یہ بھی غلط (۳) اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔

۴...... جب کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے تو اس کی دھمکی بھی غلط ہے اور جہاں اس غلطی میں مبتلا ہو کر بے نماز ہی جنازہ دفن کر دینے کا احتمال اور مظنہ ہو اور لوگ اقتداءً ایسا کرنے پر آمادہ ہوں اور قبر کھودنے والے پر جرمانہ تجویز کیا جائے جس سے یہ بھی احتمال ہو کہ مردہ دفن نہ کیا جائے ویسے ہی پڑا ہوا سڑتا رہے جیسے مرا ہوا کتا، گدھا پڑا ہوتا ہے تو ہرگز ایسی دھمکی اور اعلان کی بھی اجازت نہیں (۴)۔

---

(۱) (تفهيم القرآن لأبي الأعلى المودودي، سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ۸۴، ۲/ ۲۲۱، مکتبه تعمیر انسانیت لاهور)

مودودیت کی رد میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (مودودی صاحب اور تخریب اسلام، احسن الفتاوی، کتاب الایمان والعقائد: ۱/ ۲۹۷، سعید کراچی)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذاتِ خود زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے اور مرتکبِ کبیرہ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حکم فرمایا ہے: ''عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها و ولدها'' رواه الطبراني في الكبير''. (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله : ۳/ ۴۱، دار الفكر، بيروت)

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر''. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد ،باب الغزو مع أئمة الجور : ۱/ ۳۵۰، امداديه)

(۳) (راجع ،ص: ۲۱۹، رقم الحاشية : ۱)

(۴) ایسی دھمکی کی وجہ سے نمازِ جنازہ ترک ہوگا اور اس کے ترک کرنے میں انسان کی بے حرمتی کے ساتھ ساتھ ترک فرض کفایہ بھی ہے جس سے سارے مسلمان گناہگار ہو جائیں گے۔ (راجع للتخريج ، ص: ۲۲۹، رقم الحاشية: ۱)

۵.....عالم صاحب نے جو تدبیریں بتائی ہیں وہ اختیار کی جائیں اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے، ہر مکان اور ہر مسجد میں اہل اللہ کی کتابیں سنانے کا انتظام کیا جائے، اکابر اہل اللہ کی خدمت میں جا جا کر کچھ وقت اپنی تربیت کے لئے گزارا جائے، اپنے احوال کی ان کو اطلاع کر کے ہدایات حاصل کی جائیں اور ان پر عمل کرنے کی فکر کی جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ماحول بنے گا، دین کا عام چرچا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

عصبیت پر جو شخص مقتول ہو اس کے جنازہ کی نماز

سوال [۴۰۹۹]: نور الایضاح میں مسئلہ لکھا ہے کہ جس شخص کو عصبیت قتل کیا جائے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، عبارت یہ: "ولا یصلی علی باغ و قاطع طریق قُتل فی حالة المحاربة، وقاتل بالخنق غیلة و مكابرة فی المصر لیلاً بالسلاح، و مقتول عصبیة". ص: ۱۵۴، کتب خانہ امدادیہ دیوبند (۲)۔ عصبیۃً قتل کئے جانے سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص اپنے کسی عصبہ کی غلط حمایت کرتا ہوا مر جائے، وہ مراد ہے:

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و ذَکِّر فإن الذکریٰ تنفع المؤمنین﴾. (سورة الذاریات: ۵۵)

"تعلیم صفة الخالق مولانا جل جلاله للناس، و بیان خصائص مذهب أهل السنة والجماعة من أهمّ الأمور، وعلی الذین تصدّوا للوعظ أن یلقّنوا الناس فی مجالسهم علی منابرهم ذلک، قال الله تعالیٰ: ﴿وذکّرْ فإن الذکریٰ تنفع المؤمنین﴾. و علی الذین یؤمنون فی المساجد أن یعلّموا جماعتهم شرائط الصلاة و شرائع الإسلام وخصائل مذاهب الحق. وإذا علموا فی جماعتهم مبتدعاً أرشدوه، وإن کان داعیاً إلی بدعته منعوه، وإن لم یقدروا رفعوا الأمر إلی الحُکّام حتی یجلوهم عن البلدة إن لم یمتنع. وعلی العالم إذا علم من قاضٍ أو من آخرٍ یدعو الناس إلی خلاف السنة أو ظنّ منه ذلک أن یعلّم الناس بأنه لا یجوز اتباعه الخ". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً أو خطأ الخ، الأول فی المقدمة: ۶/ ۳۲۰، رشیدیه)

(۲) (نور الإیضاح مع مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۶۰۲، قدیمی)

"وفی نهاية ابن الأثير (۱): العصبية والتعصب المحاماة والمدافعة، والعصبى من يُعِين قومه على الظلم، والذى يغضب لعصبيته منه الحديث: "ليس منا من دعا إلى عصبية أو قاتل عصبية". قال فی شرح درر البحار: و فی النوازل: وجعل مشايخنا المقتولين فى العصبة فی حكم أهل البغى على هذا التفصيل". رد المحتار: ۵۸۴/۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۱ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۲ھ۔

قاتل پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۰۰]: ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کردیا تو اس کو حکومت کی جانب سے پھانسی کا حکم ہوگیا اس کے جنازے کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ظہیر الدین، کھالہ پار مظفر نگر۔

---

(۱) (النهاية لابن الأثير، باب العين مع الصاد، تحت لفظ "عصب": ۲۴۶/۳، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۳/۲، سعيد)

"عن بنت واثلة بن الأسقع أنها سمعت أباها يقول: قلت: يا رسول الله! ما العصبية؟ قال: "أن نُعِين قومك على الظلم".

"عن جبير بن مطعم رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل عصبية، وليس منا من مات على عصبية". (سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب فى العصبية: ۳۵۱/۲، امداديه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۵۹۷/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

[**تنبیہ**]: عصبیت پر مرجانا اگرچہ معصیت پر مرنا ہے لیکن ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ اگر مقتدایانِ قوم بطورِ زجر و توبیخ نہ پڑھیں تو اس میں مضائقہ نہیں: (كما تقدم تخريجه تحت عنوان: ''فاسق و فاجر کی نمازِ جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے''۔)

8

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ سخت گنہ گار ہے لیکن نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے (۱)۔فقط۔

والدین کے قاتل پر نماز جنازہ

سوال [۴۱۰۱]: والدین کے قاتل پر یا والدین میں سے کسی ایک کے قاتل پر جنازہ کی نماز نہیں بوجۂ اہانت اس کی، التنویر (۲) ، در المختار (۳) ، مراقی الفلاح ، (٤) شامی (٥)

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور : ۱/۳۵۰، امداديه)

"قال الزيلعي: وأما إذا قتلوا بعد ثبوت يدالإمام عليهم، فإنهم يغسلون ويصلي عليهم، وهذا تفصيل حسن أخذبه كبار المشايخ؛ لأن قتل قاطع الطريق في هذه الحالة حد أو قصاص، ومن قتل بذالك، يغسل ويصلي عليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۰، سعيد)

"قال: (لا لبغي و قطع طريق) .... وقيل: هذا إذا قتل في حالة المحاربة قبل أن تضع الحرب أو زارها، وأما إذا قتلا بعد ثبوت يد الإمام عليهما، فإنهما يغسلان و يصلي عليهما، وهذا تفصيل حسن أخذ به الكبار من المشايخ. والمعنى فيه إن قتل قاطع الطريق في هذه الحالة حدٌّ أو قصاص، وقد تقدم أنه يغسل و يصلي عليه". (تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۱/۵۹۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۲/۳۴۹، ۳۵۰، رشيديه)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار ، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۲، سعيد)

(۳) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار ، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۲، سعيد)

(۴) "و لا يصلى على قاتل أحد أبويه عمداً ظلماً إهانةً له".(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۲۰۲ ، قديمي)

(۵) (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

فتاوی قاضی خان (۱) رکن دین، ص: ۱۹٤ (۲) کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں ہے: "لا یصلی علی قاتل أحد أبویه إهانةً له، وألحقه في النهایة بالبغاة، اه".

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے: "الظاهر أن المراد أنه لا یصلی علیه إذا قتله الإمام قصاصاً، أما لو مات حتف أنفه یصلی علیه"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خودکشی کرنے والے پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۰۲]: اگر کسی مسلمان نے خودکشی کرلی ہے تو اس کو عام مسلمانوں کی طرح غسل وکفن ودفن کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جملہ امور تجہیز وتکفین موافق سنت ادا کئے جائیں گے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، اسی پر سکب الأنہر میں فتویٰ نقل کیا ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (لم أجده في فتاوی قاضیخان)

(۲) (رکن دین تالیف جناب الحاج مولوی عبدالمعید صاحب، کتاب الصلاۃ، متفرقات، پہلا باب: جنازہ اور اس کے متعلقات ص: ۱۷۵، سعید)

(۳) (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعید)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً .... والصلوة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبي داؤد، کتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امدادیه)

(۴) "(ویصلی علی قاتل نفسه) عمداً، به یفتی". (سکب الأنهر المعروف بالدر المنتقي في شرح =

ایضاً

سوال[۴۱۰۳]: اگر کوئی مسلمان خودکشی کرکے مرجائے تو اس کا جنازہ ہوگا یا نہیں، اگر خودکشی کرنے والا نابالغ ہو تو کیا حکم ہے اور بالغ ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خودکشی خواہ کسی طریقے پر ہو حرام اور کبیرہ گناہ ہے، تاہم خودکشی کرنے والے مسلمان کو بھی شرعی طریقہ پر غسل دے کر کفن پہنایا جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر مسلم قبرستان میں ہی دفن کیا جائے، بالغ ہو یا نابالغ غسل کفن نماز جنازہ دفن سب شرعی طور پر لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۶ھ۔

کنویں میں گر کر مرنے والے کی نماز جنازہ اور بخشش

سوال[۴۱۰۴]: ایک آدمی کنویں میں گر کر مر گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اسکی بخشش ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتوی یہ ہے کہ جو شخص خودکشی کرے، خواہ ڈوب کر یا کسی اور طرح سے، اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور دعاء کی جائے کہ خداوند تعالیٰ اس کے جرم عظیم کو معاف فرمائے، قال العلامة الحصكفي: ”من قتل نفسه و لو عمداً، يغسل ويصلى عليه، به يفتي، وإن كان أعظم

= الملتقى للعلامة الحصكفي، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱/۲۸۱، غفاريه كوئٹه)

”من قتل نفسه و لوعمداً، يغسل ويصلى عليه، به يفتي، وإن كان أعظم وزراً من قاتل غيره“.

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۱/۵۹۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”خودکشی کرنے والے پر نمازِ جنازہ“۔)

وزراً من قاتل غیرہ، اھـ" الدر المختار: ۱/ ۵۸٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

پانی میں ڈوبنے کے کئی روز بعد متعفن لاش ملی، اس پر نمازِ جنازہ کا حکم

سوال[۴۱۰۵]: ایک عورت پانی میں ڈوب گئی، دریا بڑا اور پانی ہونے کے سبب کافی کوشش کے کرنے باوجود نعش نہ ملی، چار روز بعد جب نعش اوپر آئی تو جانوروں نے اس کو خراب کیا اور تعفن اس قدر پیدا ہوا کہ اس کی تجہیز وتکفین دستورِ شرع کے مطابق نہ ہوسکی، اس کو بدقتِ تمام وہاں سے بگی (تانگہ) میں اٹھا کر دفن کی جگہ تک پہنچایا گیا، جبکہ میت خراب ومتعفن ہو چکا تھا۔ اس حالت میں نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی میت کی نماز جنازہ پڑھنی ضروری ہے یا نہیں؟ ایک فریق نے یہ کہا کہ بگی میں نماز پڑھا دو، دوسرے فریق نے اعتراض کیا کہ نماز بگی میں رکھی ہوئے میت کی نہیں ہوگی، کیونکہ بگی سواری ہے اور غیر معتبر ہے، زمین پر یا چار پائی پر اتار لو، یا قبر میں اندر رکھ لو اس کے بعد نماز ادا کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا کچھ حصہ پانی کے جانوروں نے کھا کر خراب کردیا ہو لیکن نصف یا اکثر حصہ موجود ہو تو اس پر پانی بہا کر کفن پہنا کر نماز جنازہ پڑھ لی جائے بلکہ تخت یا چار پائی جس پر بھی ایسی حالت میں ممکن ہو تو نماز جنازہ

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/ ۲۱۱، سعید)

"و من قتل نفسه عمدا يصلى عليه عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح؛ لأنه فاسق غير ساع في الأرض بالفساد وإن كان باغياً على نفسه كسائر فساق المسلمين". والله تعالىٰ أعلم. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/ ۵۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/ ۱۶۳، رشيديه)

عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عمداً خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، لہٰذا اگر عمداً نہ ہو بلکہ بلا ارادہ ڈوب کر خودکشی کی صورت سی بن گئی تو اس پر بطریقِ اولیٰ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

پڑھکر دفن کیا جائے، تعفن کی وجہ سے نماز ترک نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۸ھ۔

زانیہ اور ولد الزنا کی نماز جنازہ

سوال [۴۱۰۶]: ایک عورت کو زنا کا حمل قرار پا گیا اور ولادت کے دو دن بعد زچہ بچہ دونوں کا انتقال ہو گیا تو ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں کیونکہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنا فرمایا گیا ہے؟

عبدالشکور زید پور داری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی جنازہ کی نماز لازم ہے، سنگسار کرنے کا حکم مستقل ہے اس سے نماز جنازہ ساقط نہیں ہوتی (۲) اور ایسے بچہ کو تو سنگسار کرنے کا بھی حکم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(وُجد رأس آدمی) أو أحد شقیه (لا یغسل و لا یصلی علیه) بل یدفن، إلا أکثر من نصفه و لو بلا رأس". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۹۹/۲، سعید)

"و لو وجد الأکثر من المیت أو النصف مع الرأس، غسل و صلی علیه، وإلا فلا".

(البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۳۰۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات: ۱۷۸/۲، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "عن عمرو بن یحی رضی الله تعالیٰ عنه، قال: صلّی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی ولد الزنا و أمه ماتت فی نفاسها". (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی ولد الزنا والمرجوم، (رقم الحدیث: ۶۶۱۲): ۵۳۴/۳، المکتب الإسلامی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً .... والصلوة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: ۳۵۰/۱، امدادیه ملتان)

"فکل مسلم مات بعد الولادة، یصلی علیه صغیراً کان أو کبیراً، ذکراً کان أو أنثی ....

لقول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "صلوا علی کل بر و فاجر". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة =

ایضاً

سوال[۴۱۰۷]: کسی انقلاب کی وجہ سے مسلمان کی بالغ لڑکی کافر کے ہاتھ میں قید ہوگئی ہے، یہاں تک مسلمہ عورت سے کافر کے بچے تولد ہوئے، پھر بحکمِ خداوند فعال لما یرید کافر کی قید سے چھوٹ گئی اور وہ بچے جو کافر کے نطفہ سے تولد ہوئے اسی عورت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آئے۔ چونکہ وہ بچے اب تک نابالغ ہیں اس لئے یہ امر دریافت طلب ہے کہ وہ بچے ماں کے تابع ہوکر مسلمان ہوجائیں گے یا نہیں؟ اگر وہ بچے مرجائیں تو صلوۃ جنازہ ان پر پڑھی جائے گی یا نہیں اور بچوں کی حفاظت اور نان نفقہ ماں کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں، یا اور دیگر مسلمانوں پر بھی ضروری ہے، یا ان بچوں کو کافر کے زنا ہونے کی وجہ سے تحقیراً قتل کردیا جائے؟ اگر ماں کا ورثہ مال ہو، اس میں وہ بچے میراث کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ نیز بتلائے کہ عام ولدالزنا جو کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوں ان کے کیا احکام ہیں، آیا ان کا گھلا گھونٹ کر ماردیا جائے یا ان کی پرورش ضروری ہے اور وہ عورت مسلمہ جس کو کافروں نے زبردستی سے لے جاکر مدتوں اپنے پاس رکھا اور زنا کیا اس کا کیا حکم ہے، آیا مسلمانوں کے ہاتھ اس کا ازدواجی تعلق پیدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بچے مسلمان ہیں، ان پر صلوۃ جنازہ پڑھی جائے گی، اِلّا یہ کہ بڑے ہوکر کفر اختیار کریں(۱) والعیاذ باللہ۔ ماں کے ذمہ حفاظت اور پرورش ضروری ہے(۲) ان بچوں کو قتل کرنا حرام ہے(۳)۔ ماں کے مرنے پر وہ

= الجنائز، فصل وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

"لقوله صلى الله عليه وسلم : "صلوا على كل بر وفاجر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه : ۵۸۰، قديمى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت : ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۶۳۱، رقم الحاشية : ۴)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۲، رقم الحاشية : ۱)

(۳) قال الله تعالىٰ : ﴿ولا تقتلوا النفس التى حرم الله إلا بالحق، ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً، =

بچے میراث کے مستحق ہوں گے (۱)۔ بصورتِ فراش کسی بچے کو ولد الزنا قرار دینا بلاوجہ شرعی حرام ہے اور اس طرح وہ ولد الزنا نہیں ہوتا (۲)، اگر کوئی اس کو ولد الزنا کہے تو وہ واجب تعزیر ہے (۳)۔ اول اس کے ولد

= فلا یسرف فی القتل، إنه کان منصوراً﴾ (سورہ بنی اسرائیل : ۳۳)

"عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :" قال أکبر الکبائر الإشراک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور"، أو قال: "وشهادة الزور". (صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول الله :(من أحیاها) : ۱۰۱۵/۲، قدیمی)

(۱) قال الله تعالیٰ :﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین، فإن کن نساءً فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک، وإن کانت واحدةً فلها النصف﴾. (سورة النساء : ۱۱)

"وقال زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه: إذا ترک رجل أو امرأة ابنةً فلها النصف، فإن کانتا اثنتین أو أکثر فلهن الثلثان، فإن کان معهن ذکر بدیٔ بمن شرکهم فیعطی فریضة، وما بقی فللذکر مثل حظ الأنثیین". (صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الولد عن أبیه وأمه :۹۹۷/۲، قدیمی)

"وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فیکون للابن مثل حظ الأنثیین". (الفتاوی العالمکیرية ،کتاب الفرائض الباب الثانی فی ذوی الفرض : ۴۴۸/۶، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنها قالت: کان عتبة بن أبی وقاص عهد إلی أخیه سعد بن أبی وقاص .... فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "هو لک یا عبد بن زمعة! الولد للفراش و للعاهر الحجر". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب قول الموصی لوصیه: تعاهد ولدی الخ : ۳۸۳/۱، قدیمی)

"(قوله : علی أربع مراتب) ضعیفٌ .... وقویٌّ وهو فراش المنکحة و معتدة الرجعی، فإنه فیه لا ینتفی إلا باللعان". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب : ۵۵۰/۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیرية، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب : ۵۳۶/۱، رشیدیه)

(۳) "(وعُزِّر) الشاتم (بیا کافر) .... یاحرام زادہ، و معناه المتولد من الوطء الحرام، فیعم حالة الحیض، لا یقال: فی العرف لا یراد ذلک بل یراد ولد الزنا". (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر : ۶۹/۴، ۷۱، سعید)

"ومن قذف مملوکاً أو کافراً بالزنا أو مسلماً بیا فاسق .... یاحرام زادہ، عزّر". (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر : ۷۱/۵، رشیدیه) .... =

الزنا ہونے پر دلیل شرعی قائم کی جائے پھر تحریر کیا جاوے (۱) کہ اس کے کون سے احکام کو دریافت کرنا مطلوب ہے، گلا گھونٹ کر مارنا بہر صورت حرام ہے (۲) خواہ وہ بچہ ثابت النسب ہو خواہ نہ ہو بلکہ پرورش ضروری ہے، اس زنا کی وجہ سے وہ سب پر حرام نہیں ہوگی بلکہ اس سے ازدواجی تعلق درست ہے (۳):

"والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار، اهـ". درمختار۔ "الصغير تبع لأبويه أو أحد هما في الدين، فإن انعدما فلذي اليد، فإن عدمت فللدار، و يستوي فيما قلنا أن يكون عاقلاً أو غير عاقل؛ لأنه قبل البلوغ تبع لأبويه في الدين مالم يصف الإسلام، اهـ". شامی: ۲/۶٤۷ (٤)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۳۷۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يرمون المحصنات، ثم لم يأتو بأربعة شهداء، فاجلدوهم ثمانين جلدةً، ولا تقبلوا لهم شهادةً أبداً، وأولئک هم الفاسقون﴾. (سورة النور: ۴)

"وفي النص إشارة إليه: أي إلى أن المراد بزنا وهو اشتراط أربعة من الشهود يشهدون عليها بما رماها به ليظهر به صدقه فيما رماها به، و لا شيء يتوقف ثبوته بالشهادة على شهادة أربعة إلاالزنا".

(البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۴۹، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/۵٦، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۶۲۹، رقم الحاشية: ۳)

(۳) (راجع، ص: ۶۳۲، رقم الحاشية: ۱)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹٦، ۱۹۷، سعيد)

"قال ابن شهاب: يصلى على كل مولود متوفى وإن كان بَغيةً من أجل أنه ولد على فطرة الإسلام يدعى أبواه الإسلام أو أبوه خاصةً وإن كانت أمه على غير الإسلام. إذا استهل صارخاً، صلى عليه، ولا يصلى على من لا يستهل من أجل أنه سقط، فإن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كان يحدّث، قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه أو ينصرانه أو يمجّسانه كما تنتج البهيمة بهيمةً جمعاء، هل تحسون فيها من جدعآء". ثم يقول أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: ﴿فطرة الله التي فطر الناس عليها﴾. الآية". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إذاأسلم=

"تجبر الأم علی الحضانة إذا لم یکن لها زوج اهـ". شامی: ۲/۱۰۴۸(۱)۔

"جاز نکاح من رآها تزنی، وأما قوله تعالی: ﴿الزانیة لا ینکحها إلاّ زان﴾ فمنسوخ بآیة: ﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء﴾ اهـ". درمختار: ۲/۴۷۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۶۴ھ۔

= الصبی فمات، هل یصلی علیه الخ: ۱/۱۸۱، قدیمی)

"(والولد یتبع خیر الأبوین دیناً)؛ لأنه أنظر له. فإن کان الزوج مسلماً فالولد علی دینه، وکذا إن أسلم أحدهما وله ولد صغیر، صار ولده مسلماً بإسلامه سواء کان الأب أو الأم .... وهذا إذا لم تختلف الدار بأن کانا فی دار الإسلام أو فی دار الحرب، أو کان الصغیر فی دار الإسلام وأسلم الوالد فی دار الحرب؛ لأنه من أهل دار الإسلام حکماً". (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/۳۶۴، ۳۶۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب العاشر فی نکاح الکافر: ۱/۳۳۹، رشیدیه)

(۱) (رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الحضانة، ۳/۵۶۰، سعید)

"قال مشایخنا: لا تجبر الأم علیها، وکذالک الخالة إذا لم یکن زوج .... وقیل: تجبر، واختاره أبو اللیث و خواهر زاده الهندوانی، وأیده فی الفتح بما فی الحاکم .... قال فی الفتح: فإن لم یوجد غیرها، أجبرت بلا خلاف". (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/۲۸۰، رشیدیه)

"وإن لم یوجد غیرها أو لم یأخذ الولد ثدی غیرها، أجبرت بلا خلاف". (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب الولد من أحق به: ۴/۳۶۸ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۲) (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۵۰، سعید)

"وإذا رأی امرأة تزنی فتزوجها، حل وطؤها". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/۲۴۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

کنواری کے بچہ پر نماز جنازہ

سوال[۴۱۰۸]: ایک بغیر شوہر والی عورت کنواری کے بچہ پیدا ہوا اور امام مسجد نے اس بچہ کی نماز نہیں پڑھائی اور اس بچہ کو اسی طرح سے دفن کر دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہوا کہ نہیں اور امام صاحب کی بابت کیا حکم ہے؟

محمد بشیر ابتلالہ، ضلع انبالہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس کو بلا نماز دفن کر دینا چاہئے اور اگر زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کے جنازہ کی نماز مکروہ ہے (۱)، اگر امام صاحب کو مسئلہ معلوم نہیں تھا، یا اسی طرح معلوم تھا جس طرح کیا تو وہ ایک درجہ میں

---

(۱) صورت مذکورہ میں اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا بھی مکروہ نہیں بلکہ فرض کفایہ تھی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود ولد الزنا کی نماز جنازہ پڑھائی تھی:

"عن عمرو بن يحي رضى الله تعالىٰ عنه، قال: صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ولد الزنا و أمه ماتت في نفاسها". (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على ولد الزنا والمرجوم ، (رقم الحديث : ٦٦١٢): ٣/٥٣٣، المكتب الإسلامي)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية في نفاسها و ولدها". رواه الطبراني في الكبير". (مجمع الزوائد للحافظ اللهيثمي ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله : ٣/٤١، دار الفكر، بيروت)

"و من استهل، صلى عليه، و إلا لا .... و أفاد بقوله :(وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ٢/٣٣٠،رشيديه)

"و من ولد فمات، يغسل و يصلى عليه إن استهل، و إلا غسل وسمي وأدرج في خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ٢/٢٢٧، ٢٢٨، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ١/٥٨١ ، دار الكتب العلمية بيروت)

معذور ہیں اور اگر باوجود صحیح طور پر مسئلہ معلوم ہونے کے پھر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں اپنے اس فعل سے توبہ کرنا ضروری ہے(۱) اور اس پر نماز نہ پڑھنے سے سب لوگ گناہ گار ہوئے کیونکہ صلوۃ جنازہ فرض کفایہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۳/۱۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

مسلم مرد اور کافر عورت سے پیدا شدہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال[۴۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم و كافرة و نصرانية (جو ماں کافرہ اور باپ مسلمان دونوں کی پرورش میں ہوں، یا صرف

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. الاية (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشدّ فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

وانظر للتفصيل: (روح المعاني: ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك، وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۰۶، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين، لأن ما هو الفرض –وهو قضاء حق الميت– يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۲/۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

باپ مسلمان کی پرورش میں) اگر بچپن میں مرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی، بالخصوص جب کہ اس بچہ کا نام بھی مسلمانوں کا سا ہو، نیز سن تمیز سے پہلے کسی اسلامی مدرسہ میں داخل کردیا گیا ہو اور وہ وہیں مدرسہ میں فوت ہوجائے تو بھی اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی، اور اس پر دوبارہ تجہیز وتکفین حکم الاسلام کیا جائے گا اور اس پر علامہ ابن عابدین کی تقریر جو شامی جلد ثانی، باب نکاح الکافر، ص:۵۴۸ پر ہے(۱) اپنی حجت میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علامہ کے قول کو مستند قرار دیتے ہوئے وسعت کی گنجائش ہے۔ بناءً علیہ وہ ولد مسلمان قرار دیا جائے گا اور اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں جیسی کی جائے گی۔

بکر کہتا ہے کہ جو کچھ علامہ شامی نے لکھا ہے وہ ان کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہے اور تمام کتبِ فقہ بلکہ حدیثِ قطعی کے معارض ہے اس لئے وہ کسی طرح ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتی اور نہ ہم ان کے مقلد ہیں، ان کی شخصی رائے پر حدیثِ قطعی کے مقابلہ میں فتویٰ دینے کی اصلاً گنجائش نہیں: اور حسبِ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

۱ – "الولد للفراش، و للعاهر الحجر" (۲)۔

دلالت میں قطعی ہے، نص کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں نہ کسی کی رائے محض۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث مذکورہ کے مقابلہ میں دوسری حدیث ہے" کل مولود یولد علی الفطرة". کما قال العلامة اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں: اسلام یا استعدادِ اسلام۔

" والثاني أقرب لحديث أبي داؤد: "كل مولود يولد على الفطرة". و فيه: "قالوا: يا رسول الله! –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– أفرأيت من يموت و هو صغيرٌ؟ قال: "الله أعلم بما كانوا عاملين". باب في ذراري المشركين من كتاب السنة(۳)۔

---

(۱) "قلت: يظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح: "كل مولود يولد على الفطرة"، الحديث. فإنهم قالوا: إنه جعل اتفاقهما ناقلاً عن الفطرة فإذا لم يتفقا، بقي على أصل الفطرة .... فإن الاحتياط بالدين أولى، ولأن الكفر أقبح القبيح، فلا ينبغي الحكم به في شخص بدون أمر صريح الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين: ۱۹۷/۳، سعيد)

(۲) (أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الوصايا، باب قول الموصي لوصيه: تعاهد ولدي الخ: ۳۸۳/۱، قديمي)

(۳) والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

"فلو كان معنى الفطرة الإسلام لما توقف صلى الله تعالى عليه وسلم في حكمهم؛ لأن الشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه، ومن لوازم الإسلام الحكم بدخول الجنة. وفي مجمع البحار: يريد أنه يولد على نوع من الجبلة والطبع المتهيئ قبول الدين، الخ" (١)۔

اور اگر اقرب یہ نہ ہوتب بھی: "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" تو محتمل معارض نہیں ہوسکتا قطعی کا۔ اور جو مصالح حکم بالاسلام کے لکھے ہیں۔ علامہ شامی کی اول تو وہ رائے محض ہے، دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں، اس لئے کہ ایک مدعیٔ اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سا حکم ہوتا رہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو اور نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعلِ شنیع کا خیال تک گزرے، یہ تو اقبح القبیح اور افحش الفواحش ہے، اس میں تو اور مزید احتیاط کی ضرورت ہے: "فإذا تعارضا المصالح والمفاسد تساقطا"۔

۲- عامہ فقہاء فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی اور بچہ اسلام وکفر میں اپنی ماں کے تابع ہوگا (۲)۔

۳- حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب کا فتویٰ "مجموعۃ الفتاویٰ، باب التجہیز والتکفین ص: ۳٦۸ حسب ذیل ہے۔

سوال: "مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل البلوغ یا بعد البلوغ مرجائے تو ان کی تجہیز وتکفین کا کیا حکم ہے؟"

جواب: "بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح تجہیز وتکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح

= "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه و ينصّرانه كما تناتج الإبل من بهيمة جمعاء، هل تحس من جدعاء"؟ قالوا: يا رسول الله أفرائيت من يموت وهو صغير؟ قال: "الله أعلم بما كانوا عاملين". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين ٢/٣٠٠، امداديه ملتان)

(١) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء مع الطاء: ٤/١٥٤، مجلس دائرة المعارف النعمانية بحيدر آباد الدكن، الهند)

(٢) (راجع ،ص: ٦٣٧، رقم الحاشية: ٤)

اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزناء کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ زانی سے، "البحر الرائق" وغیرہ میں ہے: "هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ مالم يحدث إسلاماً، وهو مميز" (۱) وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع ہے یہاں تک کہ وہ سنِ تمیز کو پہونچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کا تابع ہوگا"۔ عبدالحیؒ (۲)۔

اب سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا عمر، نیز اگر زید نے گنجائش کے پیشِ نظر حکم بالاسلام کا فتویٰ دیا اور اس ولد کی تجہیز وتکفین وتدفین کو مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں کروایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر زید غلطی پر ہے تو آئندہ اسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ نیز اگر عمر نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے کفر کا فتویٰ دیا تو اس کا کیا حکم ہے، آثم تو نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب و هو الموفق للصواب حامداً و مصلياً :

اتنا تو فریقین کو تسلیم ہے کہ یہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ زنا سے پیدا ہوتا ہے وہ شرعاً ثابت النسب نہیں ہوتا یعنی شرعاً وہ زانی باپ نہیں ہوتا اور وہ بچہ اس کا بیٹا نہیں کہلاتا:

"لقوله عليه السلام: "الولد للفراش و للعاهر الحجر". مجمع الفوائد، ص: ۲۳۶ (۳)۔

قال أبو بكر .... "و قوله: "الولد للفراش" الخ قد اقتضى معنيين: أحدهما: إثبات النسب لصاحب الفراش، والثاني: أن من لا فراش له فلا نسب له". أحكام القرآن(٤)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۹/۲، سعيد)

(۲) مجموعة الفتاوى اللكنوى (اردو)، كتاب الجنائز، باب تجہیز وتکفین: ۳۴۴/۱، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الطلاق، باب اللعان وإلحاق الولد واللقيط، (رقم الحديث ۴۴۵۵): ۴۰۹/۱، المكتبة الإسلامية باكستان)

(۴) (أحكام القرآن للجصاص، سورة النور، پ: ۱۸، تحت الاية: ﴿والذين يرمون أزواجهم﴾ الآية فصل: اتفاقهم أن الولد قد ينفى من الزوج باللعان: ۴۴۶/۳، قديمى)

"ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى: إن الشرع قطع النسبة إلى الزانى لمافيها من إشاعة الفاحشة، فلم يثبت النفقة والإرث لذلك الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۷/۳، سعيد) .... =

"ومن الدليل على أن الزنا قبيح في العقل أن الزانية لا نسب لولدها من قِبل الأب إذ ليس بعض الزناة أولى به حاقه به من بعض، ففيه قطع الأنساب و منع ما يتعلق بها من الحرمات في المواريث والمناكحات و صلة الأرحام وإبطال حق الوالد على الولد و ما جرى مجرى ذلك". أحكام القرآن: ۳/۲٤٦(١)۔

صلوۃ جنازہ کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے اور بچے کے اسلام کی چند صورتیں ہیں: اول یہ کہ بچہ عاقل ہو اور اسلام لے آئے تو شرعاً اس کا اسلام صحیح اور معتبر ہے: "إسلام الصبي العاقل صحيح". فتاوىٰ سراجية، ص: ٥٨(٢)۔ "أو أسلم صبي و هو عاقل: أي ابن سبع سنين، صلى عليه لصيرورته مسلماً". درمختار(٣)۔ پس اگر وہ بچہ عاقل تھا اور اسلام لے آیا تھا تو وہ اس حکم میں داخل ہے ورنہ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بچہ عاقل تو نہیں خود اسلام نہیں لایا بلکہ اس کے ابوین میں سے کوئی ایک یا دونوں مسلمان ہوگئے اس صورت میں خیر الأبوین کے تابع قرار دیا جائے گا: "إلا أن يسلم أحدهما؛ لأنه يتبع خيرهما، فيصلى عليه تبعاً له" زيلعي، ص: ٢٤٣(٤)۔

صورتِ مسئولہ میں ماں کافرہ ہے اور زانی سے نسب ثابت نہیں، پس زانی کا مسلمان ہونا بچے کے حق میں کچھ نافع نہ ہوگا(٥)۔

= "والزنا المحض سببٌ لإيجاب العقوبة، فلا يصلح سبباً لإيجاب الحرمة والكرامة ألا ترى أنه لا يثبت به النسب والعدة الخ". (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۴/۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الإسراء، مطلب: الزنا قبيح في العقل قبل ورود السمع، تحت الاية: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلا﴾ (پ: ۱۵، آيت: ۳۲): ۳/۲۹۵، قديمی)

(۲) (الفتاوى السراجية للإمام علي بن عثمان الأوشي، كتاب السير، باب الإسلام، ص: ۲۲، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، سعيد)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۵) (راجع، ص: ۶۳۷، رقم الحاشية: ۴)

تیسری صورت یہ ہے کہ بچے کو تنہا بغیر احد الأبوین دارالحرب سے قید کر کے دارالاسلام میں لے آئے ہوں، پس اگر قید کرنے والا ذمی ہے تو تابعِ دار قرار دیکر اور اگر قید کرنے والا مسلم ہے تو تابع سابی قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ دارالحرب میں امام اس بچہ کا کسی مسلم کو مالک بنادے خواہ بطریقِ بیع ہو خواہ بطریقِ تقسیم غنائم، اس صورت میں بھی بچہ کو تابعِ مالک قرار دے کر مسلمان کہا جائے گا:

"لو سبي وحده، لا يحكم بإسلامه ما لم يخرج إلى دار الإسلام، فيصير تبعاً للدار، أو يقسم الإمام الغنائم أو يبيعها في دار الحرب فيصير مسلماً تبعاً للمالك". ردالمحتار..........

"ولو سبي بدونه فهو مسلم تبعاً للدار أوللسابي". درمختار۔ قال الشامي: "أي إن كان السابي ذمياً، أو للسابي إن كان مسلماً، كذا في شرح المنية"(۱)۔

صورتِ مسئولہ میں کسی دارالحرب سے قید کر کے دارالاسلام میں نہیں لایا گیا کہ تابع دار یا تابع سابی قرار دیا جائے، نیز زانی نہ سابی ہے نہ مالک۔

کلامِ فقہاء میں ایسی صورتیں ملیں گی کہ باوجود تحقیقِ اسلامِ میت بعض عوارض کی بنا پر اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی: "و هي فرض على كل مسلم مات، خلا بغاة و قاطع طريق إذا قتلوا في الحرب، الخ". تنویر(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعيد)

"وإن سبي صبي ومات، فإن يسب معه أحد أبويه يصلي عليه؛ لأنه مسلم تبعاً للسابي إن كان مسلماً، وللدار إن كان ذمياً الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۹۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"(أو لم يسب أحد هما معه) أنه يصلي عليه إذا دخل دار الإسلام، ولم يكن معه أحد أبويه تبعاً لدار الإسلام الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد) .... =

ایسی صورت نہیں ملے گی کہ باوجود تحقیقِ کفر میت اس پر نماز جنازہ کا حکم ہو، بلکہ جس کے کفر واسلام میں اشتباہ ہوا س پر بھی نمازِ جنازہ نہیں:" و مما ينبغي أن يعلم في هذا المقام أن الفقهاء ذكروا أن الصلوة لا يجوز على الكافر بحالٍ وإن كان له وليٌّ مسلم، حتى قالوا: إنه في من اشتبه عليه أنه مؤمن أو كافر لا يصلى عليه؛ لأن الصلوة على الكافر لا يجوز بحال، وترك الصلوة على المؤمن جائز في الجملة". تفسیر احمدی، ص:۳۸(۱)۔

اورعلامہ شامی نے اس صورتِ مسئولہ پر صلوۃ جنازہ کے متعلق کوئی کلام نہیں کیا کیونکہ باب نکاح الکافر اس کا محل نہیں، تبعیت کی جتنی صورتیں ہیں ان میں سے کوئی سی بھی بچے میں موجود نہیں، لہٰذا تبعیت کی وجہ سے اس پر صلوۃ جنازہ کا ترک بھی احوط معلوم ہوتا ہے:

"وذكر في شرح الزيادات في كتاب السير: الدين يثبت بالتبعية، وأقوى التبعية تبعية الأبوين؛ لأنهما سبب لوجوده، ثم تبعية اليد؛ لأن الصغير الذي لا يعبر بمنزلة المتاع في يده، وعند عدم اليد تعتبر تبعية الدار؛ لأنه قبل وجوده، ألا ترى أن اللقيط الموجود في دار الإسلام

= " فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس الصلاة على الميت : ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) (التفسيرات الأحمدية لملا جيون، تحت الآية : ﴿وصلِّ عليهم،إن صلوتک سكن لهم﴾ (سورة التوبة۱۰۳)، ص:۴۷۳، مكتبه حقانيه پشاور)

"و قال بعضهم: لايصلى عليهم؛ لأن ترك الصلوة على المسلم أولى من الصلاة على الكافر؛ لأن الصلاة على الكافر غير مشروعة أصلاً، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً﴾. (سورة التوبة : ۸۴) و ترک الصلاة على المسلم مشروعة في الجملة كالبغاة و قطاع الطريق، فكان الترک أهون". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز ، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل : ۲/۳۱، رشيديه)

مسلم؟ قال العبد الضعيف عصمه الله تعالىٰ: قد اختلف الرواية في اللقيط أيضاً، قيل: يعتبر المكان وقيل: الواجد، وقيل: الأنفع". زيلعي: ۱/۲٤٤ (۱)۔

مگر چونکہ زید بھی شامی کی عبارت سے استدلال کرتا ہے اور اسی سے اس بچہ کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا طرفین میں سے کسی کو کافر کہنا یا لعن طعن کرنا درست نہیں، حتی الوسع تکفیر سے کفِ لسان وقلم ضروری ہے کما صرح به في البحر(۲) والفتاویٰ العالمكيرية (۳) وغيرهما(٤) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۸۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

"والأصل الثاني ما عرف في المبسوط أن الدين يثبت بالتبعية، وأقوى التبعية تبعية الأبوين؛ لأنهما سبب لوجوده، قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه". الحديث. ثم بعد تبعية الأبوين اليد؛ لأن الصغير الذي لا يعبر بمنزلة متاع في يده، وعند عدم اليد يعتبر تبعاً للمكان؛ لأنه محل وجوده، ولهذا كان اللقيط الموجود في دار الإسلام مسلم تبعاً للدار". (شرح الزيادات للإمام محمد بن الحسن الشيباني، كتاب السير، باب السبايا من أهل الحرب، ما يصدق فيه وما لا يصدق، الدين يثبت بالتبعية : ۲/۱۰۰۲، ۱۰۱۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۳) (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة : ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۴) (وكذا في التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر : ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

"وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً لكفر، واحتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطأ في إفناء مسلم واحد". لشرح فقه الأكبر للملا على القاري، قبيل فصل في القراءة والصلاة، ص: ۱۶۲، قديمي)

صورت مسئولہ میں حکم اصول وقواعد اور ظواہر نصوص کے مطابق ظاہر یہی ہے کہ ایسے بچہ کو قبل سنِ تمیز ماں کے تابع قرار دیا جائے لیکن مسئلہ مختلف فیہ ہے اور امام صاحب سے صراحۃً منقول نہیں، علماء میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ شامی نے بیان کیا ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ مذکورہ میں گو نسب ثابت نہ ہوگا اور صلوۃ جنازہ بوجہ اشتباہ اسلام نہ پڑھی جائے گی، كما نقل فی الجواب المذكور من التفسير الأحمدی، لیکن اس کے کفر کا حکم بھی قطعی طور سے نہ کیا جائے گا، كما صرحوا فی باب المرتدين أنه: "لايكفر مسلم ما أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان فی كفره اختلاف و لو رواية ضعيفةً(۱)۔

قلت: الصبی المذكور وإن لم يكن مرتداً لكن فی كفره اختلاف العلماء، فالأحوط السكوت أو عدم التكفير۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ۔

ہیجڑے کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۰۱]: خصی مردوں یعنی ہیجڑوں کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے اگر چہ وہ اپنے فعل کی وجہ سے سخت گنہگار ہیں، لقوله عليه السلام: "صلوا على كل بر و فاجر". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ٤٧٧ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۹، سعید)

(۲) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبی داؤد، =

خنثیٰ بچہ کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۱۱]: اگر کوئی لڑکا زندہ پیدا ہوا اور اس کے پاخانے پیشاب کی راہ بالکل نہ ہو تو اس پر نماز جنازہ لڑکی کی یا لڑکے کی، کس کی پڑھی جائے گی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے بچہ پر لڑکی کے احکام جاری ہوں گے، بغیر ان چند مخصوص احکام کے جن کو اشباہ، ص:۲۴۴، میں نقل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۲]: مسماۃ ہندہ کے مرا ہوا بچہ پیدا ہوا لیکن آنول(۲) نہیں نکلی جسکے باعث ہندہ کا بھی انتقال ہو گیا، بچہ کا ناف نہیں کٹی تھی لہذا زچہ اور بچہ دونوں کا ایک ہی کفن وقبر میں دفن کر دیا گیا، دونوں ران کے بیچ

= کتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امدادیه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، و من بمثل حالهم، لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بر و فاجر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) "وحاصله أنه كالأنثى في جميع الأحكام إلا في مسائل: لا يلبس حريراً و لا ذهباً و لا فضةً، ولا يتزوج من رجل، ولا يقف في صف النساء، و لا حد بقذفه، و لا يخلو بامرأة، و لا يقع عتق و طلاق علقاً على ولادتها أنثى به، ولا يدخل تحت قوله: كل أمة". (الأشباه والنظائر، أحكام الخنثى المشكل: ۳/۳۷۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى: ۶/۷۲۷، ۷۲۸، سعيد)

(۲) "آنول: وہ جھلی جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ناف انتڑی کی طرح بڑھی ہوئی ہوتی ہے، دائی اُسے اُسی وقت کاٹ ڈالتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ اھ". (فیروز اللغات، ص:۴۳، فیروز سنز، لاہور)

میں بچہ رکھ دیا گیا تھا۔ ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو کردیا سو کردیا اس کی کوئی اصلاح نہ کریں (۱) بہتر یہ تھا کہ ناف کاٹ کر بچہ کو علیحدہ دفن کیا جاتا وہ مرا ہوا پیدا ہوا تھا اس کی جنازہ کی نماز بھی نہیں تھی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

---

(۱) "وینبغی کونه علی شقه الأیمن، و لا ینبش لیوجه الخ". (الدرالمختار). "(قوله: و لا ینبش لیوجه إلیها): أی لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب، لا ینبش ؛لأن التوجه إلی القبلة سنة و النبش حرام". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۶، سعید)

"و لو وضع لغیر القبلة، فإن کان قبل إهالة التراب علیه و قد سرحوا اللبن، أزالوا ذلک؛ لأنه لیس بنبش. وإن أهیل علیه التراب، ترک ذلک؛ لأن النبش حرام". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز ، فصل: أما سنة الدفن : ۲/۶۳، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل : السلطان أحق بصلاته علیه : ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الطفل لا یصلی علیه و لا یرث و لا یورث حتی یستهل". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی ترک الصلاة علی الطفل حتی یستهل : ۱/۲۰۰، سعید)

"و من استهل، صلی علیه، و إلا لا .... و أفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذا لم یستهل، لا یصلی علیه". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه : ۲/۳۳۰، رشیدیه)

"ومن ولد فمات، یغسل و یصلی علیه إن استهل. و إلا غسل وسمی وأدرج فی خرقة و دفن، ولم یصل علیه". (الدرالمختار ، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه : ۱/۵۸۱، دار الکتب العلمیه، بیروت)

مردہ بچہ کی نمازِ جنازہ کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک

سوال [۴۱۱۳]: إن بعض الإخوان من أرسل إليّ خطاً و مضموناً هكذا: ما حكم السقط الذى ولدته لستة أشهر أو بعدها لم يستهل، و لم يبك، و لم تظهر أمارة الحيوة، ماذا حكمه فى هذه المسئلة فى المذاهب الأربعة هل يصلى عليه أم لا؟ وإن صلى عليه أحد يجوز ذلك أم لا؟ أرجو من حضرتكم الشريفة جواباً شافياً كافياً۔

عباس کیرانوی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لا يصلى عليه عند الأحناف كذا فى الدرالمختار: "ومن وُلد و مات، يغسل ويصلى عليه إن استهل: أى وُجد منه ما يدل على حيوته بعد خروج أكثره. وإن لا يستهل، غسل وسمى وأدرج فى خرقة، و لم يصل عليه"(۱)۔ "وعند الإمام أحمد: صلى عليه إذاخرج ميتاً وأتى عليه أربعة أشهر. و الإمام مالك مع الإمام أبى حنيفة فى ذلك: أى لا يصلى عليه، وللإمام الشافعى فيه قولان كالمذهبين المذكورين". كذا فى الشرح الكبير على متن المقنع"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۷/۲، ۲۲۸، سعيد)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه و لا يرث و لا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل: ۲۰۰/۱، سعيد)

"و من استهل، صلى عليه، وإلا لا .... و أفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذ لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۳۳۰/۲، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه: ۵۸۱/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (لم أظفر بهذا الكتاب)

جڑواں دو بچوں کے جنازہ پر نماز ایک ہے یا دو؟

سوال[۴۱۱۴]: ایک ساتھ پیدا ہونے والے دو بچے مرجائیں تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اور ایک بار نماز پڑھی جائے گی یا دو بار پڑھی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب زندہ پیدا ہو کر مرے ہیں تو ضرور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۱)۔ جنازہ ہر دو کا ساتھ ہو تو ایک نماز بھی دونوں پر کافی ہے، الگ الگ پڑھنا اعلیٰ بات ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "الطفل لا یصلی علیہ و لا یرث و لا یورث حتی یستہل". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی ترک الصلاۃ علی الطفل حتی یستہل: ۱/۲۰۰، سعید)

"و من وُلد، فمات، یغسل و یصلی علیہ إن استہل، وإلا غسل وسمی وأدرج فی خرقۃ و دفن، و لم یصل علیہ". (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

"ومن استہل، صلی علیہ، و إلا لا .... وأفاد بقولہ: (وإلا لا) أنہ إذ لم یستہل، لایصلی علیہ".

(البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاتہ علیہ: ۲/۳۳۰، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاتہ علیہ: ۱/۵۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(۲) "عن أبی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم أحد بحمزۃ، فوضع و جئ بتسعۃ، فصلی علیہم رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرفعوا و ترک حمزۃ، ثم جیء بتسعۃ، فوضعوا و صلی علیہم سبع صلوات، حتی صلی علی سبعین و فیہم حمزۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کل صلوۃ صلاھا". (مراسیل أبی داؤد، فی الصلاۃ علی الشہدآء: ۱۸، سعید)

"وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلوۃ أولی". (الدر المختار علی تنویر الأبصار، باب الجنائز: ۲/۲۱۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز: ۲/۳۲۸، رشیدیہ) .... =

کافر نے اپنا چھوٹا بچہ مسلمان کو دیدیا اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۵]: ما قولکم أیها العلماء الکرام اندرینکه کافرے دخترِ صغیره شیر خوار را بمسلمانے هبةً حواله نمود، ودعوی بالکلیه ترک کرد، و مسلمان صغیره را مانندِ فرزندِ خود از شیر گاؤ پر وش کرده گرفت، قضا را صغیره وفات نمود، پس دریں صورت فطرت و تبعیت ید را ملاحظه نموده، نماز جنازه بر دخترِ صغیره موصوفه گزارده شود یا نه؟ بینوا و توجروا۔

الجواب:

درصورتِ مذکوره چوں کافر دخترِ صغیره راحوالهٔ مسلمان نمود، ودعوی بالکلیه ترک نمود، ومسلمان مانندِ فرزندِ خود دخترِ صغیره رابر پرورش میکند، پس به نظر فطرت وتبعیت یدنماز جنازه بردخترِ صغیره گزار شود، کما یُفهم من کتب الفقه والحدیث، فی الهندیة: "والصبی إذا وقع فی یدالمسلم من انجند فی دارالحرب وحده، ومات هناك، صلی علیه تبعاً لصاحب الید، کذافی المحیط"(۱)۔ وفیها: "وإن سبی وحده غسل وصلی علیه، کذا فی الزاهدی"(۲)۔

وفی الدرالمختار: "ولوسبی بدونه، فهو مسلم تبعاً للدار أو للسابی، الخ"۔ فی الشامیة تحت قوله: "(للدار إن کان السابی ذمیًا) أو للسابی إن کان مسلماً، کذا فی شرح المنیة"(۳)۔

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس الخ: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس الخ: ۱/۱۶۳، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱/۱۵۹، رشیدیه)

(۳)(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۹، سعید)

فی الطحطاوی: "فإن وقع فی سهمه صبّی من الغنیمة فی دارالحرب فمات، یصلی علیه، ویجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید"(۱)۔ فی الحدیث الشریف: "عن النبی صلی اللّٰه علیه وصحبه وسلم: "کل مولود یولد علی الفطرة". الحدیث(۲)۔

حرره العبد الأواه شیخ أحمد حماه مولاه۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

در صورتِ مسئوله معنیٔ تبعیتِ ید شرعاً متحقق نشده، زیرا که مراد از تبعیتِ ید این است که آنکس که این دخترِ صغیره بدستِ او است مالکِ این دختر بود، وملکیت درین صورت یافته نمی شود، زیرا که انسان عام ازینکه مومن بود یا کافر باعتبارِ اصلِ خود حُراست، و ملک بر حُر ثابت نشود اِلا بطریقِ مشروع، و هبۂ حُر باطل است، پس قبضۂ آنکس بر این دختر شرعاً قبضۂ مالکانه نخواهد بود.

آرے اگر امام مسلمین جهاد کند، وکفار را به طریقِ غنیمت گرفتار نموده در غازیان تقسیم کند، بعد از تقسیمِ هر کس مالکِ سهم خود خواهد شد. پس اگر بایں طور صغیرے در قبضۂ کسے در آید، وبمیرد، بر آن صغیر نمازِ جنازه گزارده خواهد شد به تبعیتِ ید، وهم چنین است اگر از کسے خرید کند وغیره وغیره:

قال الطحطاوی ص: ۳۵۰، نقلاً عن الفتح: "فإن مَن وقع فی سهمه صبیّ من الغنیمة فی دار الحرب فمات، یصلی علیه، ویُجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید، الخ"(۳)۔ کذا فی

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۶۰۰، قدیمی)

(۲) والحدیث بتمامه: "عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهوّدانه أو ینصّرانه أو یمجّسانه کمثل البهیمة تنتج البهیمة، هل تری فیها جدعاء". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین: ۱/۱۸۵، قدیمی)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق، ص: ۶۰۰، قدیمی)

البحر الرائق: ۲/۱۹ (۱)۔

ومراد از عبارتِ ہندیہ نیز ہمین است، زیرا کہ جندِ اسلام چون در دار الحرب بود و بر چیزے از اموالِ اہل الحرب استیلاء یابد، مالک شود. و بعد سبی نیزیدِ شرعی متحقق شود، ہکذا یفہم من غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی(۲) والدر المختار (۳)۔ وعبارتِ طحطاوی (٤) و بحر (٥) **اصرحِ عبارت است**، فالعجیب من المجیب الفاضل! أنہ کیف ذہل عن معنی الید الشرعی، وحمل عبارۃ کلہا علی المعنی اللغوی؟ قال الشیخ ابن عابدین بعد بحثٍ طویلٍ:

"وحاصلہ إنما یحکم بإسلامہ بالإخراج إلی دار الإسلام تبعاً للدار أو بالملک بقسمۃ أو بیع من الإمام تبعاً للمالک لو مسلماً أو للغانمین لو ذمیاً، اھـ"(٦)۔

پس در صورتِ مسئولہ صبی از اسبابِ مذکورہ یافتہ نشد:

"من اشتری رقیقاً من الصغار فی دار الحرب، فمن مات فیہا منہم، فلا یصلی علیہ، کذا فی الغیاثیۃ. و فی الید کصبی سبی مع أبویہ، لا یصلی علیہ؛ لأنہ تبع لہ، الخ". شرح سیر کبیر(۷)۔

---

(۱) "و فی فتح القدیر: واختلف .... **فإن من وقع فی سہمہ صبی من الغنیمۃ فی دار الحرب فمات، یصلی علیہ، و یجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید**". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۳۳، قدیمی)

(۲) "وإن سبی صبی و مات، فإن یسب معہ أحد أبویہ، یصلی علیہ؛ لأنہ مسلم تبعاً للسابی إن کان مسلماً، وللدار إن کان ذمیاً، الخ". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ الجنائز، الرابع: الصلاۃ علیہ، ص: ۵۹٤، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) (راجع، ص: ۶۴۷، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۴) ،ص: ۶۴۸، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۵) (راجع الحاشیۃ رقہما: ۱)

(۶) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، سعید)

(۷) (لم أجد بہذہ العبارۃ فی شرح السیر الکبیر ولکن فی الدرالمختار مثلہ: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعید)

باوجود ابوین صغیر تابع کسے نخواہد شد بل بہ تبعیتِ ابوین احکامِ کفار بر او جاری خواہد شد: قال محمد أمين الشامي تحت قول صاحب الدر المختار: "كصبي سبي مع أحد أبويه): وبالأولى إذا سبي معهما، والمجنون البالغ كصبي كما في الشرنبلالية. ولا فرق بين كون الصبي مميزاً أولا، ولا بين موته في دار الإسلام أو الحرب، و لا بين كون السابي مسلماً أو ذمياً؛ لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار و لا للسابي، بل هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاماً وهو مميزه كما صرح به في البحر"(۱)۔

اگر در صورتِ مسئولہ والدین فوت ہم شوند و حکم بدار الاسلام نیز کردہ شود، بر آں صغیرہ نماز جنازہ گزاردہ نخواہد شد:

"وكذلك إن ماتت آبائهم وأمهاتهم في دارنا؛ لأن معنى التبعية بالموت لا ينقطع في حكم الدين، ألا ترى أن أولاد أهل الذمة لا يحكم لهم بالإسلام وإن ماتت ابائهم و أمهاتهم في دارناصغاراً، الخ". شرح سیر کبیر: ۳/۳۳۵ (۲)۔

وازیں عبارات جوابِ حدیث شریف نیز حاصل شد ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/محرم الحرام/۵۴ھ۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت

سوال[۴۱۱۶]: مسلمان کو غیر مسلم کے جنازہ کے ہمراہ جانا یا غیر مسلم کو مسلم کے جنازہ کے ساتھ چلنا، تکفین وتدفین میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعید)

(۲) (شرح السير الكبير، المفادات بالصغير والكبير من السبي وغير ذلك: ۴/۳۵۰، عباس احمد الباز)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۹ھ۔

قادیانی کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۱۱۷]: جس امام نے پہلے بھی غلطی کی، اسی نے ایک قادیانی کی نماز پڑھائی مگر لوگوں نے کہا کہ اس کی نماز پڑھانی جائز نہ تھی، کہہ دیا ضرور مگر بُلائے تھے تو میں نے اس وجہ سے نماز پڑھائی تا کہ قادیانی اس کی عورت سے نہ کہلوائیں کہ جنازہ ہمیں ملے۔ قادیانی آئے اور دعائے خیر مانگ کر چلے گئے، مگر عورت نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا مذہب قادیانی نہیں۔ اس بات پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض اپنے قیاس سے جائز کہتے ہیں، جو قادیانی تھا اس نے اپنے ماں باپ سے کہہ دیا تھا کہ میری نماز قادیانی پڑھیں اور ان کو بلانا، اس وجہ سے ان کو بلایا گیا تھا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً وہ شخص قادیانی تھا تو امام اس کی نماز پڑھانے سے سخت گنہگار رہوا، اس کو علی الاعلان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تصل علی أحد منهم مات أبداً، ولا تقم علی قبره﴾ (الآية). (سورة التوبة: ۸۴)

"﴿و لا تصل﴾ الاية .... والمراد من الصلاة المنهی عنها صلاة الميت المعروفة، وهی متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع .... ﴿و لا تقم علی قبره﴾ .... والمراد: لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة، والقبر فی المشهور مدفن الميت، و يكون بمعنى الدفن، وجوّزوا إرادته هنا أيضاً". (روح المعانی: ۱۰/۱۵۵، دار إحياء التراث العربی بيروت)

"قال: (و شرطها): أی شرط الصلاة عليه (إسلام الميت وطهارته). أما الإسلام، فلقوله تعالیٰ ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾ يعنی المنافقين، و هم الكَفَرة، ولانها شفاعة للميت إكراماً له و طلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة و لا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۴، رشيديه)

توبہ لازم ہے(۱)۔ قادیانی پر کفر کا فتویٰ ہے اور کافر کی نماز پڑھانا (۲) اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً﴾. (الایة) (سورة التحریم : ۸)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "للہ أشد فرحاً بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور، لا یجوز تأخیرها سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً، والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأکدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة الخ". (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی، کتاب التوبة : ۳۵۴/۲، سعید)

وانظر للبسط: (روح المعانی : ۱۵۷/۲۸ — ۱۶۰، (سورة التحریم:۸) دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿و لا تصل علی أحد منهم مات أبداً، ولا تقم علی قبره﴾ (الایة). (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهی عنها صلاة المیت المعروفة، وهی متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعانی : ۱۵۴/۱۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه: أنه قال لما مات عبد اللہ بن أبی بن سلول، دُعِیَ له رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لیصلی علیه، فلما قام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وثبت إلیه، فقلت: یا رسول اللہ .... قال: فصلی علیه رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، ثم انصرف، فلم یمکث إلا یسیراً حتی نزلت الآیتان من براءة: ﴿ولا تصل علی أحد منهم﴾ الحدیث". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من الصلاة علی المنافقین : ۱۸۲/۱، قدیمی)

"(و شرطها) ستة (إسلام المیت و طهارته)". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة : ۲۰۷/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۱۴/۲، رشیدیه)

(۳) قال اللہ تعالی: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین و لو کانوا أولی قربیٰ من بعد=

ایضاً

سوال[۴۱۱۸]: ایک شخص قادیانی کی لڑکی فوت ہوگئی اس نے اوراس کے باپ نے بیٹی اور پوتی کی نماز جنازہ ادانہیں کی، امام ومقتدی اہلِ سنت والجماعت تھے، کیا قادیانی مذہب کے اولاد یا عورت کی نماز جنازہ اہلِ سنت والجماعت کو پڑھنی چاہئے یانہیں؟ اگرنہیں تو جنہوں نے بخیالِ برادری نماز ادا کی ان پر کچھ سزا شرعی عائد ہوگی یانہیں؟

ریاض الحق کلیانوی ازتھانہ بھون۔

الجواب : هو الموفق للصواب

قادیانی لوگ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں اورنماز مسلمان کے جنازہ کی پڑھی جاتی ہے کافر کے جنازہ کی نمازنہیں پڑھی جاتی، جس کے متعلق معلوم ہوکہ یہ قادیانی ہے اسکے جنازہ کی نماز درست نہیں (۱)، اس کی عورت

= ماتبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورة التوبة : ۱۱۳)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاةُ، دخل عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و عنده أبوجهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عم! قل لا إله إلا الله أُحاجّ لک بها عند الله". فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي مية: يا أباطالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأ ستغفرنّ لک مالم أُنْهَ عنک" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الاية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: (ما كان للنبي أن يستغفروا للمشركين) الخ : ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمي)

"(قوله: لنفسه و أبويه و أستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة". (كتاب الصلاة، فصل. إذا أراد الشروع: ۱/۵۲۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿ و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولا تقم على قبره﴾ (الاية). (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهيّ عنها صلاة الميت المعروفة، و هي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني : ۱۰/۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: أنه قال: لما مات عبد الله بن أبَيّ بن سلول دُعِيَ له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول =

اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز اور اس کے نابالغ بچے کی نماز درست ہے کیونکہ نابالغ اولاد خیر الأبوین کے تابع ہوتی ہے، البتہ بالغ میں مسلمان ہونے کے لئے ماں باپ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ خود اگر مسلمان ہے تو اسکی نماز جنازہ جائز ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ جن لوگوں نے غیر مسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے ان کو توبہ کرنا لازم ہے (۲)، اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کے لئے اَور کوئی سزا نہیں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو برادری کو بعد تفہیم کوئی مناسب تدارک مثل ترکِ تعلقات کرنے میں مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۳/۳/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله .... قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿ولا تصل على أحد منهم﴾ الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمي)

"و شرطها) ستة (إسلام الميت) و طهارته)". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۴، رشيديه)

(۱) "إذا كانا مسلمين أو أحدهما، فإنه يصير مسلماً تبعاً للمسلم منهما .... والحاصل أنه تنقطع تبعية الولد في الإسلام لأحد أبويه ببلوغه عاقلاً". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، فصل: استئمان الكافر، مطلب مهم: الصبي يتبع أحد الخ: ۴/۱۷۳، سعيد)

"الولد يتبع خير الأبوين ديناً". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۶۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (الآية) (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنوويؒ، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

والبسط في: (روح المعاني: ۲۸/۱۵۷ - ۱۶۰، سورة التحريم: ۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل =

قادیانی کے ساتھ تعلقات اور اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۹]: اگر کوئی شخص اہلِ سنت قادیانی ہوجائے تو وہ خارج از اسلام ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس شخص سے رسم تعلقات باقی رکھنا، اس کی دعوت کھانا، اس کے یہاں تقریبات نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اس کو اپنے یہاں دعوت کھلانا، اگر وہ انتقال کرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں شرکت کرنا، یا کسی عالم کو باوجود جملہ حالات معلوم ہونے کے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے مدفن میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عالم صاحب کے واسطے کیا حکم ہے کیونکہ عوام الناس کی شرکت کا بھی باعث ہوا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے اسلام کے فتویٰ کے مطابق قادیانی کافر ہیں، جو شخص قادیانی ہوجائے وہ مرتد کے حکم میں ہے، اس سے تعلق رکھنا، اس کے نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا ناجائز ہے(۱)۔ اس کے

= لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا و يعرض هذا، وخيرها الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۸۹۷/۲، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... : فإن هجرته أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب من التهاجر والتقاطع و اتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعه خيريه بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء﴾ (المائدة: ۵۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾. (الانعام: ۶۸)

"وعن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم فإني. لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون. قال أيوب: وكان –والله– من الفقهاء ذوي الألباب. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار. وعن الحسن: لاتجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك .... وعن إبراهيم: ولا تكلموهم إني أخاف أن ترتد قلوبكم =

جنازہ میں شرکت اور نماز جنازہ بھی منع ہے، جو شخص باوجود علم کے قادیانی کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھائیں وہ گنہگار ہے اس کو توبہ لازم ہے، قادیانی کو اہلِ اسلام کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہیئے:

"و الحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". درمختار(۱)۔ "وشرطها (أى صلوة الجنازة) إسلام الميت الخ". تنوير(۲)۔ "أما المرتد، فيلقى فى حفرةٍ كالكلب: أى و لا يغسل، ولا يكفن، و لا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم، بحر عن الفتح اهـ". ردالمحتار، ص: ۹۳۱(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۵۵ھ۔

= (الاعتصام، با: فى زم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۲، دار المعرفة)

(۱) (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۲، ۵۲۳، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لايهدى القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاةُ، دخل عليه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبى أمية، فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اى عم! قل لا إله إلا الله أُحاجّ لك بها عند الله" فقال أبوجهل وعبد الله بن أبى أمية: يا أباطالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأ ستغفرنّ لك مالم أُنْهَ عنك" فنزلت: ﴿ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الاية". (صحيح البخارى، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: (ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) الخ: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمى)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۴، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۰، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير، باب الجنائز، فصل فى الصلاة على الميت: ۲/۹۴، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۴، رشيديه)

کمیونسٹ کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۱۲۰]: عبدالحکیم نام کا ایک شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا اور مسلمان کے طریقہ پر چلتا تھا اور کمیونزم سیاسی میں داخل ہوکر اسلام کا قانون چھوڑ دیا اور گھر والوں کو بھی چھوڑ دیا اور لوگوں میں یوں کہا کرتا تھا کہ:
''اللہ کوئی ہے نہیں، انسان نے جھوٹ موٹ ایسا کہہ دیا، انسان ایسا ہی پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی مرتا ہے، پیدا کرنے والا خدا کیوں ہوگا، وہ ایک فطرتی چیز ہے اور ہر چیز ایسی ہی ہوتی ہے، بننے میں اور بگڑنے میں انسان کی محنت پر دارومدار ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زمانہ میں ایک شاعر تھے، قرآن ان کا بنایا ہوا شعر ہے، نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں، صرف علماء نے اپنے پیٹ پالنے کے لئے اسلام ایک دھرم نام رکھ دیا ہے''۔

اور اپنے کو پورا ناستک ظاہر کرتا ہے(۱) اور پولیس کی گولی میں اس کا انتقال ہوا اور پوسٹ مارٹم کے بعد ان کو گھر لے آئے اور ان کا حقیقی بھائی نجیب الملک نے کچھ لوگوں کو لیکر جنازہ پڑھایا۔ جب ان سے سوال کیا کہ کیوں جنازہ کی نماز پڑھایا تو اس نے جواب دیا کہ وہ عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے اور قربانی کیا کرتے تھے۔
اب درخواست ہے کہ آیا ایسے آدمی کے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کے واقعی وہ حالات تھے جو سوال میں درج ہیں(۲) اور اس نے اخیر وقت تک رجوع

---

(۱)''ناستک: منکر، بے دین، ملحد''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۳۴۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی خالقیت کا انکار، قرآن کریم کو شعر اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر کہنا، یہ تمام عقائد ایسے ہیں جو کہ قرآن کریم کے نصوصِ قطعیہ اور صریحہ کے خلاف اور ان کا انکار ہے، جو بلاشک وشبہ کفر ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اللہ لاإلہ إلاھو الحی القیوم، لاتأخذہ سنة ولانوم﴾. الآیة (البقرة: ۲۵۵)

وقال تعالیٰ: ﴿ اللہ الذی خلق السموات والأرض ومابینھمافی ستة أیام﴾ الآیة (السجدة: ۴)

وقال تعالیٰ: ﴿ الرحمن علم القرآن، خلق الإنسان ﴾ (الرحمن: ۱، ۳)

''والمحدث للعالم ھو اللہ تعالیٰ: أی الذات الواجب الوجود الذی وجودہ من ذاتہ، ولایحتاج إلی شیء أصلاً، الخ''. (شرح العقائد: ص: ۲۵)

وقال تعالیٰ: ﴿ وماعلمناہ الشعروماینبغی لہ، إن ھو إلا ذکرٌ وقرآنٌ مبینٌ﴾ (یٰسین: ۶۹)

وقال تعالیٰ: ﴿وماھوبقول شاعرقلیلاً ماتؤمنون﴾ (الحاقة: ۴۱).

نہیں کیا تو اس کے جنازہ کی نماز درست نہیں تھی، اگر واقعات حالات معلوم ہونے کے باوجود نماز جنازہ اس کی پڑھی گئی تو یہ غلط اور گناہ کا کام ہوا، توبہ واستغفار لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، ۹۰/۱۰/۲۱ھ۔

میت مشتبہ ہو تو نماز جنازہ کون پڑھائے، سنی یا شیعہ؟

سوال[۴۱۲۱]: زید کی والدہ شیعہ ہے اور اب بھی اسی پر قائم ہے، نماز وغیرہ شیعوں کی طرح پڑھتی ہے اور محرم کے ایام میں ان کی مجالس میں شریک ہوتی ہے، البتہ بظاہر کسی سنی وغیرہ کو گالی نہیں دیتی ہے اور یہ وصیت کرتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد جنازہ کی نماز شیعہ وسنی دونوں مل کر پڑھیں، زید چونکہ سنی ہے اسلئے اس کے مرنے کے بعد ایک سنی عالم فاضلِ دیوبند سے نماز جنازہ پڑھوانا چاہتا ہے۔ عالم صاحب کو ایک شیعہ کی نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ دلائلِ شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک کفر کا حکم نہ ہو نماز جنازہ پڑھنی چاہئے: "لقوله عليه السلام: "صلوا على كل بر وفاجر" الحديث (۲) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يرتدد منكم عن دينه، فيمت وهو كافر، فأولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والآخرة، وأولئك أصحاب النار، هم فيها خالدون﴾ (البقرة: ۲۱۷)

یہ شخص مرتد ہے اور مرتد کافر کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے:

"أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب". (الدر المختار). "أي ولا يغسل، ولا يكفن، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۰، سعيد)

(۲) (أخرجه حسام الدين الهندي في كنز العمال، الفصل الثالث في أحكام الإمارة و آدابها، رقم الحديث: ۱۴۸۱۵، ۶/۵۴، المكتب الإسلامي) .... =

مسلمین اور غیر مسلمین کی لاشیں مخلوط ہو جائیں، ان کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۱۲۲]: ایک فیکٹری میں ہندو مسلم سب مل کر کام کرتے ہیں، کسی وجہ سے فیکٹری میں آگ لگ گئی اور ہندو مسلم مزدور آگ سے اس طرح جل گئے کہ شناخت مشکل ہے۔ اب تجہیز و تکفین کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، جب کہ شناخت مشکل ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امتیازی علامات ختنہ اور زیر ناف بالوں کا صاف وغیرہ کرنا ہے، اگر یہ علامات بھی مفقود ہو جائیں اور امتیاز کی کوئی صورت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اس جگہ پر کل کتنے آدمی کام کر رہے تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور غیر مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی، اگر اکثریت مسلمانوں کی تھی تو سب کو غسل دیا جائے، کفن پہنا کر نماز جنازہ یکدم اس نیت سے پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں، یا مسلمانوں کی تعداد کے اعتبار سے جن نعشوں کے متعلق ظنِ غالب ہو جائے کہ یہ مسلمانوں کی ہوں گی ان کو علیحدہ کرلیا جائے اور تجہیز و تکفین کے بعد اس قصد و نیت سے ان پر نماز پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہوں ان کی نماز جنازہ

= " فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، و من بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه ملتان)

"و يصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة عليه: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة: ۵۸۰، قديمي)

پڑھتا ہوں اور انہیں کیلئے دعاء استغفار کرتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسلمان عورت جو ہندوؤں کے قبضہ میں ہو اس کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۳]: تقسیمِ ہند کے وقت بہت سی عورتیں ہندو یا سکھوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں، ان میں سے ایک مظلوم مسلمان عورت یہاں (انگلستان) ایک ہندو کے قبضہ میں ہے اور اس ہندو سے اس مسلمان عورت کے دو تین بچے بھی ہیں۔ مذکورہ عورت وقتاً فوقتاً نماز پڑھ لیتی ہے، روزے رکھ لیتی ہے، نیز دوسرے اسلامی رواج بھی ادا کرتی ہے مثلاً مولود، گیارہویں، شبِ برأت وغیرہ، نیز تلاوتِ قرآن بھی کرتی ہے تو اگر اس عورت کا انتقال ہو جائے تو یہاں کے مسلمانوں پر اس کا کفن دفن کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا واجب ہے یا نہیں؟

---

(۱) "اختلط موتانا بكفار و لا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم و محل دفنهم الخ". (الدرالمختار).

"(قوله: اعتبر الأكثر) .... قال في الحلية: فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، و إلا فلو المسلمون أكثر، صلي عليهم، و ينوي بالدعاء المسلمين و لو الكفار أكثر .... فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضاً: أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر؛ لأنه حيث قصد المسلمين فقط، لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث، كما قالت به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء حق المسلمين بلا ارتكاب منهيّ عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

"موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها، يميز بينهم، وعلامة المسلين الختان والخضاب و لبس السواد، فيصلى عليهم. وإن لم تكن علامة، إن كانت الغلبة للمسلمين، يصلى على الكل وينوى بالصلاة الدعاء للمسلمين و يدفنون في مقابر المسلمين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: و أما شرائط وجوب الغسل: ۲/۳۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ اس عورت نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا، بلکہ وہ مظلوم دوسرے کے قبضہ میں آ گئی تھی، ممکن ہے کہ اب اس کو خلاصی ممکن ہو مگر وہ اس مرد سے مانوس ہوگئی ہو، اس کو وہاں سے علیحدہ ہونے کی کوشش لازم ہے۔ تاہم جب تک تبدیلِ مذہب کی تصدیق نہ ہوجائے (۱) اس کے مرنے پر اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو مسلم عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے (۲)۔ جن لوگوں کو اس وقت اس کی اعانت پر قدرت ہے ان کو ضروری ہے کہ وہ اس کو الگ کرانے کی کوشش کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

---

(۱) " لا يُخرج الرجلَ من الإيمان إلا جحودُ ما أدخله فيه، ثم ما تيقن أنه ردة يُحكم بها به، و ما يشك أنه ردة لا يحكم بها؛ إذ الإسلام الثابت لا يزول بشک مع أن الإسلام يعلو". (البحر الرائق، كتاب السير ، باب أحكام المرتدين ۵/۲۱۰، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن والثلاثون في مسائل كلمات الكفر : ۲/۲۹۶، اسلامي كتب خانه كراچي)

(۲) "(وهي فرض على كل مسلم مات خلا) أربعة: (بغاة و قطاع الطريق)، فلا يغسلوا، ولا يصلوا عليهم (إذا قتلوا في الحرب). فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكرا كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، ومن بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس: الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۳) "وعن أبي بكر صديق رضى الله تعالىٰ عنه قال .... فإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الناس إذا رأوا منكراً، فلم يغيروه، يوشک أن يعمهم الله بعقابه" .... وفي رواية أبي داؤد "اذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه، أوشک أن يعمهم الله بعقاب".

وفي رواية أبي داؤد: "إذا رأوا": أي الناس "الظالم" : أي: الفاسق "فلم يأخذوا على يديه": أي لم يمنعوه عن ظلمه "أو شک أن يعمهم الله بعقاب" : أي: بنوع من العذاب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني : ۸/۸۶۷، ۸۶۹، رشيديه)

میت کے تین ٹکڑے ہونے پر اس کی نماز جنازہ اور اس کی تدفین

سوال[۴۱۲۴]: زید پہلے سے شرابی تھا، ایک دن کسی نے خوب شراب پلا کر زہر دے کر اسے ختم کر دیا، اس کے بعد اس کے تین ٹکڑے کئے: ایک گردن تک، دوسرا کمر تک، تیسرا پاؤں والا حصہ۔ اس کے بعد اس کے تین بنڈل اس طرح بنائے کہ اس میں پانی کا اثر نہ ہو سکے(۱) اور اگر اس کو کنویں میں ڈال کر آئندہ نکل نہ سکے، اس کا پورا انتظام کر دیا۔

خدا کی قدرت کہ سی آئی ڈی کی تحقیق سے پورے تین ماہ بعد اس لاش کو اس میں سے مذکورہ صورت پر نکالی گئی، اس کی مزید تحقیقات کے لئے دو ماہ تک سرکار کے پاس رہی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

۱......نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۲......دفن کہاں کیا جائے مسلمان کے قبرستان میں یا باہر اور کس طرح؟

۳......اگر چند ماہ پہلے سے قبر کھود کر رکھی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

۴......اس میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۵......شہید کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات کا بیان ہے کہ نعش بدبودار اور پھول گئی ہے مگر ابھی تک پھٹ کر سب گوشت گرا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......اس کی نعش کے جب تین حصے کر دیئے گئے اور جسم کی ہیئتِ ترکیبیہ باقی نہیں رہی اور اجزا منحل ہو گئے تو اس پر نہ نماز جنازہ ہے، نہ اس کے لئے کفن مسنون ہے، نہ غسل میت ہے، بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسلم قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ جس میت کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا جائے اس کے متعلق فقہا لکھتے ہیں: جب تک میت کے تفسخ کا ظن نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس کے بعد نہیں:

"وإن دفن بلا صلوة، صلی علی قبره وإن لم يغسل ما لم يتفسخ، والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح". مراقي الفلاح۔ "(قوله: ما لم يتفسخ): أي تتفرق أعضاؤه، فإن تفسخ،

(۱) "بنڈل: پلندا، گٹھڑی، گٹھر"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۱۹، فیروز سنز، لاہور)

لا یصلی علیه مطلقا؛ لأنها شرعت علی البدن و لا وجود له مع التفسخ"(۱)۔ "وإذا وجد أکثر البدن أو نصفه مع الرأس، غسل وصلی علیه، وإلا لا". مراقی الفلاح، ص: ۳٤(۲)۔

۴......اگر موقوفہ قبرستان میں کسی نے اپنے لئے پہلے سے قبر کھود رکھی ہو اور اس کے علاوہ بھی قبر کے لئے جگہ موجود ہو تو اس قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا مکروہ ہے اور کھودنے کی اجرت کا ضمان ترکۂ میت

---

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۱۲، قدیمی)

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اجزائے میت یقینی طور پر متخل ہو چکے ہوں، اگر اجزائے میت متخل نہ ہوں بلکہ صحیح ہوں تو اس صورت میں اس کی تجہیز و تکفین ہوگی اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی:" والسقط یلف ولا یکفن کالعضو من المیت (و) آدمی منبوش طری لم ینفسخ (یکفن کالذی لم یدفن) مرةً بعد أخری (و إن تفسخ، کفن فی ثوب واحد". (الدرالمختار). "(قوله: کالعضو من المیت): أی لووجد طرف من أطراف إنسان أو نصفه مشقوقاً أو عرضاً، یلف فی خرقة إلا إذا کان معه الرأس، فیکفن کما فی البدائع .... (قوله: منبوش طری): أی بأن وجد منبوشاً بلا کفن (قوله: لم ینفسخ) قید به؛ لأنه لوتفسخ یکفن فی ثوب واحد .... (قوله: کالذی لم یدفن): أی یکفن فی ثلاث اثواب". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۰۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز: ۲/۱۳۶، قدیمی)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه ،ص: ۵۷۵، قدیمی)

"وقیّد بعدم التفسخ؛ لأنه لا یُصلّی علیه بعد التفسخ؛ لأن الصلاة شُرعت علی بدن المیت، فإذا تفسخ، لم یبق بدنه قائماً". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۰، رشیدیه)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع الصلاةعلیه، ص: ۵۹۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

"(وُجد رأس آدمی) أو أحد شقیه (لا یغسل و لا یصلی علیه) بل یدفن، إلا أن یُوجد أکثر من نصفه و لو بلا رأس". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعید)

میں لازم ہوگا:

"وإن دفن في قبر حق لغيره من الأحياء بأرض، ليست مملوكة لأحدٍ، ضمن قيمة الحفر من تركته، وإلا فمن بيت المال أو المسلمين كما قدمناه، فإن كانت المقبرة واسعةً، يكره ذلك". مراقی الفلاح: ۳۷۳(۱)۔

۵......اگر کسی شخص کا واجب القتل یا مباح القتل ہونا معلوم نہیں تو یہ بھی شہید ہے، انواع شہید بیان کرتے ہوئے قدر مشترک کے طور پر، طحطاوی علی المراقی الفلاح ،ص: ۳۷۹، میں ہے:"لأن القتل لم يخلف في هذه المواضع بدلاً هومال "(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نصف جلی ہوئی لاش پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۵]: ایک گاؤں میں آگ لگی، ایک لڑکی جل گئی اور ایسی جلی کہ ہاتھ، سر اور پیروں تک

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل فی حملها و دفنها: ۲۱۵، قديمی)

"رجل حفر قبراً فأرادوا دفن ميت آخر فيه، إن كانت المقبرة واسعةً يكره، وإن كانت ضيقةً، جاز و لكن يضمن ما أنفق صاحبه فيه". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الوقف والنقل: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات: ۲/۱۷۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، باب أحكام الشهيد ،ص: ۶۲۵، قديمی)

"و لو نزل عليه اللصوص ليلاً فی المصر، فقتل بسلاح أوغيره أو قتله قطاعُ الطريق خارج المصر بسلاح أو غيره، فهو شهيد؛ لأن القتيل لم يخلف فی هذه المواضع بدلاً هومال". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب الشهيد: ۲/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا فی رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۵۰، سعيد)

کا پتہ نہیں چلا، اس کی نماز پڑھی جانی چاہیے یا نہیں؟ نیز غسل وکفن بھی دیا جانا چاہیے تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو غسل نہ دیا جائے گا، نہ کفن پہنایا جائے گا، نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا: "وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقاً طولاً، فإنه لا يغسل ولا يصلي عليه، و يلف في خرقة و يدفن فيها". عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بھیڑیا، بچہ کو اٹھالایا، اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال[۴۱۲۶]: ایک بچہ جس کو بھیڑیا کہیں سے اٹھالایا، اس کا نچلا حصہ بھیڑیا کھا گیا، دوسری جگہ آدھا حصہ ملا، اسکی شناخت کیسے کریں، نماز کس طرح سے ادا کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی شناخت کی کوئی ضرورت نہیں، اس پر نماز جنازہ بھی نہیں، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت: ۱/۱۵۹، رشيديه)

"(وُجد رأس آدمي) أو أحد شقيه (لا يغسل و لا يصلي عليه) بل يدفن، إلا أن يوجد أكثر من نصفه و لو بلا رأس". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعيد)

"و لو وجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس، غسل و صلي عليه، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۰۵، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "(وُجد رأس آدمي) أو أحد شقيه (لا يغسل و لا يصلي عليه) بل يدفن، إلا أن يوجد أكثر من نصفه =

غائبانہ نماز جنازہ

سوال[۴۱۲۷]: ۱......غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس وجہ سے؟ مکمل تحریر فرمادیں۔

۲......کیا ائمۂ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس کے نزدیک اور کیونکر؟

۳......ایک واقعہ حدیث کا یاد پڑتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی وہ کون تھے اور اس کی کیا وجہ تھی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے: "شرائط صحتها شرائط الصلوة المطلقة، وإسلام الميت وطهارته و وضعه أمام المصلي، و بهذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب". كبيرى، ص:۵۳۹(۱)۔

۲......امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی پر صلوۃ غائبانہ پڑھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے، وہ

= و لو بلا رأس". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۹۹/۲، سعيد)

"و لو وُجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس، غسل وصلى عليه، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۰۵/۲، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۱۷۸/۲، إدارة القرآن، كراچى)

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع في الصلاة عليه: ۵۸۳، سهيل اكيڈمى، لاهور)

"(ووضعه) و كونه هو أو أكثره (أمام المصلي) و كونه للقبلة، فلا تصح على غائب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۸/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۱۴/۲، رشيديه)

فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نجاشی کا جنازہ کردیا گیا تھا اور درمیانی حجابات اٹھادیئے گئے تھے، پس وہ جنازہ حاضر تھا غائب نہ تھا:

"ومن ذلك قول الشافعي و أحمد رحمهما الله تعالىٰ بصحة الصلوة على الغائب مع قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ و مالك رحمه الله تعالىٰ بعدم صحتها الخ". ميزان شعراني: ۱/۴۰۸ (۱) وبسط الدلائل في الأوجز شرح الموطا: ۳/۴۴۵(۲)۔

۳..... نمبر:۲ پر جواب آچکا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

میت غائب کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۸]: میت غائب کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے، کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

(۱) (الميزان الكبرىٰ للشعراني، كتاب الجنائز: ۱/۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "وقال أبو حنيفة و مالك رحمهما الله تعالىٰ: هذا خاص به، وليس ذلك لغيره. قال أصحابهما: و من الجائز أن يكون رفع له سريره، فصلى عليه، وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد وإن كان على مسافة من البُعد، والصحابة وإن لم يروه، فهم تابعون للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قالوا: و يدل على هذا أنه لم ينقل أنه كان يصلي على كل الغائبين غيره .... و يؤيده ما ذكره الواحدي بلا إسناد عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كشف للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه. و لابن حبان عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه: فصلينا خلفه و نحن لا نرى إلا أن الجنازة قُدامنا. وأجيب أيضاً بأن ذلك خاص بالنجاشي لإشاعة أنه مات أو استئلاف قلوب الملوك الذين أسلموا في حياته إذ لم يأت في حديث أنه صلى على ميت غائب". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنازة: ۴/۲۱۸، ۲۱۹، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

"ولم يكن من هديه و سنته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة على كل ميت غائب، فقد مات خلقٌ كثيرٌ من المسلمين و هم غُيّب، فلم يصل عليهم، الخ". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۲۰۱، دار الفكر بيروت)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينبغي إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع: ۸/۲۲. مطبعه منيريه، بيروت)

صحابہ کرام سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ کے لئے میت کا حاضر ہونا ضروری ہے، غائب پر درست نہیں (۱) الّا یہ کہ بغیر نماز جنازہ دفن کردیا گیا ہوتو قبر پر خاص مدت تک کے اندر نماز جنازہ پڑھی جائے (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کے جنازہ پر غائبانہ نماز پڑھی ہے (۳)، یہ روایت معتبر ہے، شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کردیا تھا وہ غائب نہیں تھا، نماز پڑھنے والے صحابہ کرام آپ -علیہ السلام- کے

---

(۱) (راجع، ص: ۲۷۰، رقم الحاشیة: ۲،۱)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن أسود رجلاً أو امرأةً كان يكون في المسجد يقم المسجد، فمات و لم يعلم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: "ما فعل ذلك الإنسان"؟ قالوا: مات يا رسول الله! قال: "أفلا آذنتموني"؟ فقالوا: إنه كا ن كذا و كذا قصته قال: فحقّروا شانه قال: "فدلّوني على قبره" قال: فأتىٰ قبره فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن: ۱/۱۷۸، قديمي)

"(وإن دفن) وأهيل التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۵، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه، و خرج فصلّى، فصفّ بهم و كبّر أربعاً" (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۱/۱۶۶، قديمي)

تابع تھے(۱) علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

''اگر میت کو کسی شہر میں بلانماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو جیسا کہ نجاشی کا حال تھا تو دوسرے شہر کے لوگ غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں، اگر نماز جنازہ پڑھ کردفن کیا گیا ہوتو نہ پڑھیں، کیونکہ فرض پہلی نماز کے ذریعہ اداہوگیا(۲)۔

اور بھی بعض نام بعض روایات میں آئے ہیں جن پر غائبانہ نماز جنازہ کا تذکرہ ہے، لیکن محدثین نے ان پر جرح بھی کی ہے اور جنازہ سامنے کرنے کی ان میں تصریح موجود ہے(۳)، تاہم اتنا مسلّم ہے کہ یہ آپ

---

(۱) "والرابع حضوره أو حضور أكثر بدنه أو نصفه مع رأسه، والصلوة على النجاشي كانت بمشهده كرامة له، ومعجزة للنبي صلى الله عليه وسلم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۸، ۲۰۹، سعيد)

(۲)" وقال شيخ الإسلام ابن تيمية: الصواب أن الغائب إن مات ببلدٍ لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب كما صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على النجاشي؛ لأنه مات بين الكفار و لم يصل عليه. وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب؛ لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۲۰۱،دارالفكر، بيروت)

(۳) "و قد روى أنه صلى على معاوية وهو غائب، ولكن لا يصح، فإن في إسناده العلاء بن زياد، ويقال: زيد ؟ قال علي بن المديني: كان يضع الحديث. رواه محمود بن هلال عن عطاء ابن ميمون عن أنس، قال البخاري: لا يتابع عليه .... وأما حديث صلاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على معاوية بن معاوية الليثي، فجاء من طُرق لا تخلو عن مقالٍ، و على تسليم صلاحيته للحجية بالنظر إلى مجموع طرقه دفع بما ورد أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رفعت له الحجب حتى شاهد جنازته".(أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنائز : ۴/۲۱۸، ۲۱۹، إدارہ تاليفات أشرفيه)

"وعن أبي أمامة رضى الله تعالىٰ عنه قال: أتى رسولَ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جبريلُ وهو بتبوك فقال: يا محمد! اشهد جنازة معاوية بن معاوية المزني، فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونزل جبريل في سبعين ألفاً من الملائكة، فوضع جناحه الأيمن على الجبال فتواضعت، ووضع =

کی عادت نہیں تھی، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوردراز مقامات پر وفات پائی جیسے بیرِ معونہ کا واقعہ پیش آیا اور آپ کو بذریعہ وحی خبر بھی دی گئی، آپ کو صدمہ بھی ہوا لیکن آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی(۱)۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا کسی میت غائب کی نماز جنازہ پڑھنا کہیں نہیں دیکھا، اگر یہ عمل سنتِ متوارثہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ضرور اس پر عمل کرتے اور بطریق توارث منقول ہوتا(۲)۔علامہ حلبیؒ نے روایات سے بحث کے بعد لکھا ہے:

"ثم دليل الخصوصية أنه عليه السلام لم يصل على غائب سوىٰ هؤلاء، ومن عد النجاشي صرح فيه بأنه وقع له، وكان مرأى منه، ثم إنه قد توفي خلقٌ كثيرٌ منهم غيباً في

= جناحه الأيسر على الأرضين فتواضعن، حتى نظر إلى مكة والمدينة، فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و جبريل والملائكة". الحديث. (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الغائب : ۳۸/۳، دارالفكر، بيروت)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رعلاً و ذكوان و عصية و بني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عدوٍّ، فأمدهم بسبعين من الأنصار –كنا نسميهم القراء في زمانهم كانوا يحتطبون بالنهار و يصلون بالليل– حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم، وغدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقنت شهراً يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب على رعل و ذكوان الخ".
(صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل و ذكوان : ۵۸۶/۲، قديمي)

(۲) "وقد مات من الصحابة خلقٌ كثيرٌ و هم غائبون عنه، و سمع بهم، فلم يصل عليهم، إلا غائباً واحداً، ورد أنه طويت له الأرض حتى حضره". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع : ۲۲/۸، مطبعه منيريه .بيروت)

" ولم يكن من هديه و سنته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة على كل ميت غائب فقد مات خلق كثير من المسلمين و هم غُيّب، فلم يصل عليهم". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۲۰۱، دارالفكر، بيروت)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (اوجز المسالک، کتاب الجنائز، التكبير على الجنائز : ۲۱۸/۴، ۲۱۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

الغزوات و غيرها، ومن أعز الناس إليه كان الفراء و لم يؤثر قط عنه عليه الصلوة والسلام أنه صلى عليه وكان على الصلوة على من توفى من أصحابه شديد الحرص حتى قال: "لايموتن أحد منكم إلا آذنتموني به، فإن صلاتي رحمة له، اهـ". كبيرى، ص: ٥٤١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر صلوۃِ جنازہ

سوال[۴۱۲۹]: اگر کوئی میت بغیر نماز جنازہ کے دفن کردی جائے تو اس کی قبر پر کتنے دن تک نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ فقط۔

حشمت علی بلوچ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک یہ ظنِ غالب ہو کہ میت کا جسم پھٹا نہیں: "وإن دفن بغير صلوة، صلى على قبره مالم يغلب على الظن تفسخه". الدر المختار: ۱/۵۹۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجنائز، الرابع في الصلوة عليه، ص: ۵۸۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعید)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقم المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسأل عنه فقيل: مات فقال: "ألا آذنتموني به"؟ قال: "دلوني على قبره" فدلوه فصلى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۱، امداديه)

"فإن دفن بلا صلاة، صلى على قبره ما لم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

8

چارپائی پر میت کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۳۰]: کیا میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ درست ہے(۱) مگر چارپائی پاک ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: نعي لنا نبينا و حبيبنا نفسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قلت: فمن يغسلك؟ قال: رجالٌ من أهل بيتي الأولى فالأولى" قلنا: ففيما نُكفّنك؟ قال: "في ثيابي هذه أوفي بياض مصر أو حلة يمانية" قلنا: فمن يصلي عليك ؟ قال:"فبكى و بكينا، فقال: "مهلاً! غفر الله لكم و جزاكم عن نبيكم خيراً، إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سرير في بيتي هذا، على شفير قبري هذا، ثم اخرجوا عني ساعةً، فأول من يصلي عليَّ خليلي و جليسي جبريل ثم ميكائيل ثم إسرافيل ثم ملك الموت". الحديث. (مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة تاليف أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ : ۱۲۵/۹، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

"قال: حدثنا الواقدي : .... عن أبيه عن جده : لما أدرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أكفانه، وضع على سريره، ثم وضع على شفير حجرته، ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاً رفقاً، لا يؤمهم أحدٌ". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب ما جاء في الصلاة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۲۵۰/۷، ۲۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

"إن كان الميت على الجنازة، لاشك أنه يجوز". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنازة: ۲۰۸/۲، سعيد)

(۲) "في القنية : الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن و مكان و ستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً". (الدرالمختار، باب الجنائز ۲۰۸/۲، سعيد)

"الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان، وستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۱۵/۲، رشيديه) =

عورت کے جنازہ پر امام کا رومال ڈالنا

سوال[۴۱۳۱]: کوئی حنفی امام یا عالم عورت کے جنازہ پر اپنا رومال اپنی نظر کی جگہ ڈالتا ہے تاکہ وہ ریشمی اور خوبصورت کپڑا جو میت کے اوپر ہے، حضورِ قلب میں مخل نہ ہو، کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی کوئی ضرورت نہیں، بلا رومال ڈالے بھی نماز درست ہے اور رومال ڈالنے میں بھی مضائقہ نہیں دونوں طرح درست ہے کسی ایک کو ضروری سمجھنا یا اصرار کرنا خلاف اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم۔

نمازِ جنازہ سے متعلق چند مسائل

سوال[۴۱۳۲]: ۱...... بچہ مردہ پیدا ہونے کی حالت میں نماز جنازہ ہونا چاہیے یا نہیں؟

۲...... بچہ زندہ پیدا ہو کر کچھ دیر بعد فوت ہونے کی صورت میں نماز جنازہ ہونی چاہیے یا نہیں؟

۳...... دو لڑکیاں ایک ساتھ پیدا ہو کر فوت ہوگئیں تو کیا نماز جنازہ علیحدہ ہوگی یا ایک ہی کافی ہے؟

۴...... ایک ساتھ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہو کر فوت ہوگئے تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائیگی یا

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۸۲، قديمي)

(۱) قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: "وفيه من أصرّ على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، تحت حديث عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"ان الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

ایک ہی مرتبہ پڑھنا کافی ہے، تو دعا لڑکے یا لڑکی کی پڑھی جائے گی؟

٥......اگر میتیں مرد اور عورت کی بیک وقت موجود ہوں تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائے گی یا ایک ہی کافی ہونے کی حالت میں دعا نابالغ، بالغ، کونسی پڑھنی چاہئے، نابالغ کی یا بالغ کی؟

٦......اگر میتیں بالغ بیک وقت چند موجود ہوں تو نماز جنازہ ایک ہی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

١......جو بچہ مردہ پیدا ہوا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی (١)۔

٢......اگر پیدا ہونے کے کچھ دیر بعد مر جائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی (٢)۔

٣......الگ الگ ہو تو اعلیٰ بات ہے، ایک ساتھ بھی درست ہے (٣)۔

---

(١) **"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه، ولا يرث و لا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترك الصلوة على الطفل: ١/٢٠٠، سعيد)**

(٢) **"و من استهل صلي عليه، وإلا لا .... وأفاد بقوله: (إلا لا) أنه إذا لم يستهل لا يصلى عليه، ويلزم منه أن لا يغسل و لا يرث و لا يورث و لا يسمى، الخ".** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٣٠، رشيديه)

" ومن وُلد فمات، يغسل ويصلي عليه إن استهل، وإلا غسل وسمي وأدرج في خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٢٧، ٢٢٨، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٥٨١، دار الكتب العلمية، بيروت)

(٣)"عن أبي مالك رضي الله تعالىٰ عنه أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئ بتسعة، فصلى عليهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فرفعوا و ترك حمزة، ثم جيء بتسعة فوضعوا، و صلى عليهم سبع صلوات، حتى صلى على سبعين و فيهم حمزة رضي الله تعالىٰ عنه في كل صلاة صلاها". (مراسيل أبي داؤد، في الصلوة على الشهداء: ١٨، سعيد)

"وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلاة أولى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢١٨، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٢٨، رشيديه) .... =

۴......: اعلیٰ بات یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے ایک ساتھ بھی درست ہے(۱)، دعاء دونوں پڑھی جائیں(۲)۔

۵...... جب دونوں بالغ ہوں تو دعاء بالغ کی پڑھی جائے (۳)

۶......: جب دونوں بالغ ہوں تو دعاء بالغ کی پڑھی جائے، نماز جنازہ ایک ساتھ ہو تو بھی درست ہے، الگ الگ بہتر ہے، لڑکے کی دعاء پڑھیں اگر ایک ساتھ پڑھیں تو بالغ کی دعاء پڑھیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نمازِ جنازہ (مفصل)

سوال[۴۱۳۳]: حضرت اقدس مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم!

احناف کی حدیث: ’’من صلی علی جنازة في المسجد، فلا أجر له‘‘ کے بارے میں محدثین

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۶۷۴، الحاشية: ۳)

(۲) ”و لا يستغفر لصبي و مجنون .... بل يقول بعد دعاء البالغين: أللهم اجعله لنا فرطاً الخ“.

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۳،۴) ”ويدعو للميت و جميع المسلمين، وليس فيها دعاء مؤقت، و عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يقول: ”أللهم! اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا، وغائبنا و صغيرنا و كبيرنا و ذكرنا وأنثانا، أللهم! من أحييته فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۲، سعيد)

کرام کا اعتراض ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی "صالح مولی توأمة" اس روایت میں منفرد ہے وہ ضعیف ہے(۱) اور اس کے مقابل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث: " واللہ! قد صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ابن بیضاء فی المسجد" (۲) صحیح ہے، مسلم کی روایت ہے۔ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے ضعیف پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کا اعتراض ہو تو اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قسمیہ جملہ کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش رہے اور نماز پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے، گویا اجماعاً مسجد میں پڑھنا بھی ثابت ہوا۔

دوسرا جواب یہ کہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کی جماعت مسجد میں ہوئی (۳) جس سے "فلا أجرلہ" کے منسوخ ہونے کی کھلی دلیل ملتی ہے، خصوصاً جب کہ "فلا أجرلہ" کے بارے میں محدثین کا بیان ہے (امام احمد، امام نووی، عسقلانی وغیرہ) کہ

---

(۱) (أخرجه العلامة الزيلعي رحمه الله تعالیٰ في نصب الراية، باب الجنائز، آحاديث وضع الموتى للصلاة، (رقم الحديث : ۳۰۷۴): ۲/۲۷۵، المكتبة المكية جده)

"وفي إسناده صالح مولى التوأمة، و قد تكلم فيه غير واحد من الأئمة، قال النووي رحمه الله تعالیٰ: وأجابوا عنه يعني الجمهور بأجوبة: أحدهاأنه ضعيفٌ لا يصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ: هذا حديث ضعيف تفرد به صالح مولى التوأمة وهو ضعيف". (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد : ۴/۱۱۲، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمی)

(۳) "قال مالک: عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أنه قال: صُلي على عمر بن الخطاب في المسجد". (مؤطا الإمام مالک، كتاب الجنائز، الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۲۱۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

حدیث ضعیف ہے، خود متنِ حدیث میں اضطراب ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "فلا أجر له" خطائے فاحش ہے(۱)۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی مولوی حسین احمد قاسمی بنارسی، ناندیڑ ضلع اورنگ آباد، مہاراشٹر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جنازہ کی نماز بغیر کسی عذر کے مسجد میں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له"۔ سنن أبي داؤد شريف: ۹۸/۲(۲)، سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۰(۳)۔

نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: ۱۵۳/۳ (۴) پر اپنی مصنف میں، امام احمد نے اپنی مسند میں: ۴۴۴/۲(۵)، ۴۵۵/۲(۶) بیہقی نے: ۵۱/۴(۷) اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار: ۲۸۴/۱(۸) پر

---

(۱) "قال ابن عبد البر: رواية: "فلا أجر له" خطأ فاحش، الصحيح: "فلا شيء له". (نصب الرايه، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، (رقم الحديث: ۳۰۷۴): ۲۷۵/۲، مكتبه المكية جده)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲، امداديه ملتان)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۱۰۹، قديمی)

(۴) (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه في كتاب الجنائز، باب من كره الصلاة على الجنازة في المسجد، (رقم الباب: ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۱۹۷۱): ۴۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۹۴۳۷): ۱۹۱/۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۶) (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۹۵۵۵): ۲۱۰/۳، (رقم الحديث: ۱۰۱۸۳): ۳۰۱/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۷) (رواه البيهقي في السنن الكبرى في كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۵۲/۴، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۸) (شرح معاني الآثار، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة، هل ينبغي أن تكون في المساجد أو لا: ۳۳۱/۱/۱، سعيد)

روایت کیا ہے، بحواله بغية الألمعي في تخريج الزيلعي: ۲۷۵/۲ (۱)۔

نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ: ''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی، پھر صحابہ کو لے کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس کے قریب نماز جنازہ کے لئے جو مخصوص جگہ تھی، وہاں پر صف بستہ نماز پڑھائی:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نعىٰ لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم النجاشي صاحب الحبشة اليوم الذي مات فيه، فقال: "استغفروا لأخيكم". و في رواية: "نعى النجاشي في اليوم الذي مات فيه، و خرج إلى المصلى، فصف بهم و كبّر أربعاً". صحيح بخاري: ۱۶۷/۱ (۲) و صحيح مسلم: ۳۰۹/۱ (۳)۔

اور یہ اس واقعہ کی تخصیص نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل اس معاملہ میں یہی تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے: ''ما كانت الجنائز يدخل بها في المسجد: ۳۱۳/۱ (٤) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد في هدي خير العباد" میں تحریر فرماتے ہیں: " ولم يكن من هديه الراتب الصلوة عليه في المسجد، وإنما كان يصلي على الجنازة

---

(۱) (بغية الألمعي في تخريج الزيلعي على هامش نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى الخ: ۲۷۵/۲، المكتبة المكية جده)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۱۶۶/۱، ۱۶۷، وباب الصلوة على الجنائز بالمصلي والمسجد: ۱۷۷/۱، قديمي)

(۳) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، باب فصل في النعي الناس الميت: ۳۰۹/۱، قديمي)

(۴) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۳۱۳/۱، قديمي)

خارج المسجد: ۱۴۳/۱"(۱) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی دستور مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے باہر ہی جنازہ پڑھتے تھے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں: "إنهم لم يكونوا يصلون على الجنائز داخل المسجد الشريف" مرقاة: ۳۴۲/۳(۲) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد نبوی میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں: "إنهم كانوا لايصلون على ميت في المسجد"۔ المدخل: ۸۱/۲ (۳) یعنی وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں کسی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر اس کے لئے مستقل اور علیحدہ جگہ بنوائی گئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے: "ان اليهود جاؤا إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم برجل منهم وامرأة زنيا، فأمر بهما فرجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد". ۱۷۷/۱ (٤)۔ یعنی یہود حضور اکرم صلی اللہ

---

(۱) (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم الجوزية، فصل في تجهيز الميت والصلاة عليه، ص: ۱۹۴، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۲۳۵/۴، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "ما وجدت هذه العبارة بعينها في المرقاة ولكن فيه: "وأما قول ابن حجر: فيه أو ضح حجة لقول الشافعي الأفضل إدخال الميت المسجد للصلوة عليه، فمردود؛ لأنه لو كان أفضل، لكان أكثر صلاته عليه الصلوة والسلام على الميت في المسجد، ولما امتنع جل الصحابة عنه وإنما الحديث يفيد الجواز في الجملة، وما أظن أن الشافعي يقول بأنه أفضل مع خلاف الإمام الأكمل، وقد نارع جماعة من المتأخرين الشافعي في الاستحباب بأنه كان للجنائز موضع معروف خارج المسجد، والغالب منه عليه الصلو ة والسلام الصلوة عليها ثمة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول تحت الحديث رقمه: ۱۶۵٦ : ۱۴۴/۴، رشيديه)

(۳) (المدخل لابن الحاج، فصل في الصلوة على الميت في المسجد: ۲۸۲/۲، دارالفكر، بيروت)

(۴) (رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۱۷۷/۱، قديمى)

تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا لیکر آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ان کو مسجد سے قریب جنازہ پڑھنے کی جگہ میں سنگسار کیا گیا۔

چنانچہ ابن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس روایت کی شرح کرتے ہوئے محدثِ کبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ رجم یہ بتاتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے ایک جگہ مقرر تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا کسی عارضی وجہ سے تھا:

"و دل حديث ابن عمر المذكور على أنه كان للجنائز مكانٌ معدٌ للصلوة عليها، فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلوة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض". فتح الباري: ۳/۱۶۰(۱)۔

اور اسی جگہ فرماتے ہیں: "عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقاً بمسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من ناحية جهة المشرق". فتح الباری ۳/۱۶۰ (۲) یعنی مدینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متصل جانبِ شرق میں تھی۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پانچ نمازوں کے لئے بنائی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہیت کے جائز ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے لئے ایک اَور مستقل جگہ نہ بنواتے بلکہ مسجد ہی اس کے لئے کافی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے اس کے لئے ایک اَور مستقل جگہ بنوائی اور مسجد نبوی کی تعمیر ختم ہوتے ہی جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی گئی، چنانچہ طبقاتِ ابن سعد میں اس کی تصریح موجود ہے:

"و قد ذكر ابن سعد في الطبقات الكبير أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بنى موضعاً للجنائز لاصقاً بالمسجد بعد الفراغ من مسجد الشريف في السَّنَة الأولى من الهجرة".

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۳/۲۵۶، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) (فتح الباري، المصدر السابق آنفاً)

التعليق الصبيح: ٢/٢٣٩ (١)۔

اس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلینِ جواز کی دلیل کا بھی جائزہ لیا جائے اور ان کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی مسلم شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنه أنها قالت: لما توفی سعد بن وقاص أرسل أزواج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن یمرّوابجنازته فی المسجد فیصلین علیه، ففعلوا فوقف به علی حجرهن یصلین علیه، ثم أخرج به من باب الجنائز الذی کان إلی المقاعد، فبلغهن أن الناس قد عابوا ذلك، و قالوا: ما کانت الجنائز یدخل به المسجد، فبلغ ذلك عائشةَ رضی الله تعالیٰ عنه فقالت : ما أسرع الناس إلی أن یعیبوا ما لا علم لهم به، عابوا علینا أن یمرّ بجنازة فی المسجد، و ما صلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی سهیل ابن بیضآء إلا فی جوف المسجد". مسلم: ١/٣١٤ (٢)۔

اولاً تو یہ واقعہ ہے جو کسی عذر کی وجہ سے پیش آیا، چنانچہ مولانا قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(١) (التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح للعلامة محمد إدريس الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الأول، تحت حديث أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: ٢/٢٣٩، المكتبة العثمانية لاهور)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: كنا قدم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة إذا حضر منا الميت، أتيناه فأخبرناه، فحضره واستغفر له حتى إذا قبض .... قال محمد بن عمر: فمن هناك سمى ذلك الموضع موضع الجنائز؛ لأن الجنائز حملت إليه، ثم جرى ذلك من فعل الناس فى حمل جنائزهم والصلاة عليها فى ذلك الموضع إلى اليوم". (الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر الموضع الذى كان يصلى فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الجنائز: ١/٢٥٧، دار صادر، بيروت)

(٢) (رواه مسلم فى صحيحه فى كتاب الجنائز، فصل فى جواز الصلاة على الميت فى المسجد: ١/٣١٣، قديمى)

فرماتے ہیں کہ ایک روا ت میں صریح آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معتکف تھے، اس لئے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی، مظاہر حق: ۲/ ۴۹(۱) اور حافظ بن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے کہ عذر کی وجہ سے تھا: "فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلوة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض". فتح الباری: ۱/ ۱۳٤(۲)۔

ثانیاً: خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا ورنہ فرمائش کی کیا ضرورت تھی۔

ثالثاً: محض سہیل بن بیضاء کی مثال دینا ثابت کرتا ہے کہ دوسرے جنازے خارجِ مسجد پڑھے جایا کرتے تھے، مذکورہ جنازہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا ہے(۳)۔

رابعاً: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار ثابت کرتا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا دستور نہ تھا چنانچہ انہوں نے صاف انکار کیا: "ما كانت الجنائز يُدخل به المسجد" (۴) جو اس کے خلافِ سنت

---

(۱) (مظاهر حق، كتاب الجنازة، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها: ۲/ ۱۰۰، دارالإشاعت، كراچی)

"وقد أوّل بعض أصحابنا حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: إنما صلى في المسجد بعذر مطر، وقيل: بعذر الاعتكاف". (لامع الدراري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۴/ ۳٦۴، امداديه مكة المكرمة)

"نحن أيضاً نقول: صلاته في المسجد كان للمطر أو للاعتكاف". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعي إلى أهل الميت: ۸/ ۱۸، مطبعه منيريه بيروت)

(۲) (فتح الباري، باب الصلوة على الجنائز بالمصلي والمسجد: ۳/ ۲۵٦، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/ ۲۳۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في لامع الدراري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۴/ ۳٦۲، امداديه مكة المكرمة)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۴) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/ ۳۱۳، قديمي) .... =

ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

یہ جوابات تو اس وقت ہیں جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو متصل تسلیم کرلیں، حالانکہ امام دارقطنی نے اس حدیث کے بارے میں امام مسلم پر استدراک ومواخذہ کیا ہے اور اس کو مرسل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"خالف الضحاكَ حافظان: مالكُ والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرسلاً، وقيل: عن الضحاك عن أبي النضر عن أبي بكر بن عبد الرحمن، ولا يصح إلا مرسلاً: هذا كلام الدار قطني". نووي شرح مسلم: ۱/۳۱۳ (۱)۔

یعنی اس روایت میں دو بڑے حفاظِ حدیث: امام مالک اور ماجشون نے ضحاک کی مخالفت کی ہے،

= "لكن إنكار الصحابة على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها يدل على اشتهار العمل بخلاف ذلک". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۴، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(وكذا في لامع الدراري على جامع البخاري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۴/۳۶۳، امدادیه مكة المكرمة)

(۱) (شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي)

"وكذالک حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها لا يخلوا عن كلام؛ لأن جماعة من الحفاظ مثل الدارقطني وغيره عابوا على مسلم تخريجه إياه مسنداً؛ لأن الصحيح أنه مرسل كما رواه مالک والماجشون عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرسلاً، والمرسل ليس بحجة عندهم" (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۸/۱۸، مطبعه منيرية بيروت)

"قال ابن عبد البر: هكذا هو في مؤطا عند جمهور الرواة منقطعاً .... قال العيني: منقطع؛ لأن أبا النضر لم يسمع من عائشة شيئاً، وقال ابن وضاح: ولا أدركها .... وانتقده الدارقطني بأن حافظين خالفا الضحاک، و هما: مالک والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة مرسلاً". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

انہوں نے اس روایت کو ”عن أبی النضر عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا“ منقطع بیان کیا ہے اور ضحاک نے ”عن أبی النضر عن أبی بکر بن عبد الرحمن“ روایت کیا ہے حالانکہ اس روایت کا منقطع ہونا ہی صحیح ہے۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں: روایتِ منقطع سے استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ خصوصاً اس کے مقابلہ میں حدیثِ متصل مرفوع موجود ہے۔ یہ مخالفین کی دلیل اور اس کا جواب تھا۔

اب انہوں نے حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے ہیں ان کا جواب سنئے: اس روایت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں ”صالح مولی التوأمة“ ہے جو ضعیف ہے، جس کی وجہ سے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں (۱)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صالح کو ضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہوجائے یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہو، ان کی روایت کے معتبر اور قابلِ حجت و استدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

”تقریب التھذیب“ میں ہے: ”صالح ابن نبھان المدنی مولی التوأمة، -بفتح المثناة وسکون الواو بعدھا ھمزة مفتوحة- صدوقٌ اختلط بآخرہ، قال ابن عدی: لا بأس بروایة القدماء عنه کابن أبی ذئب وابن جریج“. ص: ۱۷۵ (۲)۔

یعنی صالح ابن نبہان مدنی مولی التوامہ صدوق ہیں، ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن ابی ذئب اور ابن جریج۔ اور مذکورہ روایت ”من صلی

---

(۱) ”وفی إسنادہ صالح مولی التوأمة، و قد تکلم فیه غیر واحدٍ عن الأئمة، قال النووی رحمه اللّٰہ تعالیٰ: وأجابوا عنه یعنی الجمھور بأجوبة: أحدھا أنه ضعیفٌ لا یصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه اللّٰہ تعالیٰ: ھذا حدیث ضعیف تفرد به صالح مولی التوأمة، وھو ضعیف“. (نیل الأوطار للشوکانی، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد: ۱۱۲/۴، دار الباز للنشر والتوزیع، مکة المکرمة)

(۲) (تقریب التھذیب لابن حجر العسقلانی رحمه اللّٰہ تعالیٰ رقم الترجمة: ۲۸۹۲، ص: ۲۷۴، دار الرشید حلب)

علی جنازة فی المسجد فلا شیء له" (۱) میں صالح سے روایت کرنے والے ابن ابی ذئب ہیں، اس لئے یہ بھی صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں" وأسند عن ابن معین أنه قال: فيه ثقةٌ إلا أنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثَبَتٌ حجةٌ، و مِمَّن سمع منه قبل الاختلاط ابن أبی ذئب، ص: ۱۸۵" (۲)۔

یعنی ابن معین سے سنداً ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ (صالح) ثقہ ہیں مگر اخیر عمر میں ان کو اختلاط ہوگیا تھا، پس جن لوگوں نے اس حالت کو طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابلِ حجت ہیں اور ان ہی لوگوں میں سے ابن ابی ذئب بھی ہیں۔

خود امام احمد بن حنبل (جن کے قول سے مخالفین حجت پکڑتے ہیں) فرماتے ہیں:

"ما أعلم به بأساً مَن سمع قديماً، و قد روى عنه أكابر أهل المدينة". كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۴۸" (۳)۔

یعنی جن لوگوں نے ان (صالح بن التوأمة) سے ابتداءً سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان صالح سے اکابرِ اہلِ مدینہ نے روایت کیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "غنية المستملی" المعروف بہ "کبیری" میں ابن معین

---

(۱) (راجع ،ص: ۶۷۷، الحواشی رقمها: ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸)

(۲) (نصب الراية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، تحت حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه الحديث رقم: ۳۰۷۴، ۲/۲۷۵، مكتبة المكية، جده)

"قال ابن معين: ثقةٌ لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلک، فهو ثَبَتٌ حجة، و كلهم على أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط". (أوجز المسالک، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۴، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۳) (موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في رجال الحديث وعلله، حرف الصاد، رقم الإسم: ۱۲۰۲، صالح بن نبهان المدني، مولى التوأمة: ۲/۱۷۳، عالم الكتب، بيروت)

سے نقل فرماتے ہیں:" قال ابن معین: ثقةٌ لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثَبتٌ حجةٌ، وكلهم على أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط"(۱)۔

یعنی ابن معین فرماتے ہیں کہ (صالح) ثقہ ہیں لیکن وفات سے پہلے ان کو اختلاط ہوگیا تھا (اس لئے جن لوگوں نے ان سے حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابلِ حجت ہے) اور سارے محدثین اس پر متفق ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام سنن اَبی داؤد نے اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا اور یہ مسلّم ہے کہ امام ابوداؤد جس پر سکوت اختیار فرمائیں وہ روایت صالح الاستدلال ہے(۲)۔ اور صالح مسلم اور سننِ اربعہ کے راویوں میں سے ہیں، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" وصالح من رواة السنن و مسلم"۔ عرف الشذی: ۱/۳۵۶ (۳)۔ یعنی صالح سنن اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اگر یہ ضعیف ہوتے تو یہ حضرات ان کی روایت نہ لیتے یا ان پر جرح کرتے۔

بہر حال! محدثین کی اتنی بڑی جماعت کے نزدیک جب صالح مولی التوأمة ثقہ ہیں تو اس کے مقابلہ

---

(۱) (غنية المستملي (الحلبي الكبير) كتاب الصلاة، فصل في الجنازة، الرابع في الصلوة عليه، ص: ۵۸۹، سهيل اكيڈمی)

(۲) "سنن أبي داؤد: فقد جاء عنه أنه يذكر فيه الصحيح و ما يشبهه و يقاربه، و ما كان فيه وهنٌ شديدٌ بيّنه، وما لم يذكر فيه شيئاً فهو صالح". (تدريب الراوي، النوع الثاني، الحديث الحسن و تعريفه والاحتجاج به الخ، الحسن في سنن أبي داؤد: ۱/۱۳۲، قديمي)

"ماسكت عنه أبو داود، فهو صالح للاحتجاج به". (مقدمة إعلاء السنن، أنواع الحديث، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح والتحسين، ما سكت عنه سنن أبي داؤد الخ: ۱/۵۱، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة: الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة، السوال الثاني في كيفية أحاديث السنن الأربعة وغيرها من كتب الحديث: ۴/۱۷، ۱۸، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "وصالح من رواة السنن و مسلم". (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۱۹۹، سعيد)

میں امام نووی کا امام احمد کے قول کو اس کے ضعیف ہونے کے استدلال میں پیش کرنا چنداں قابلِ توجہ نہیں، پوری جماعت کے فیصلہ کو ترجیح ہوگی۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ان کا یہ ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدث خطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں: "المحفوظ: "فلا شئ له. ۲/۲۸۵" (۱) یعنی اس میں محفوظ روایت "فلا شيء له" کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: "الصحيح: "فلا شيء له". حوالہ مذکورہ (۲)۔ اور ابن ماجہ کی روایت جو اس میں قوی ہے اس سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فليس له شيء". ابن ماجة: ۱/۱۱۰ (۳) جو بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض مخالفین یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسمیہ طور پر یہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تو اس پر صحابہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر (نماز) مسجد میں پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے (۴) یعنی صلوۃ جنازہ فی المسجد بالاجماع ثابت ہوئی۔

---

(۱) "قال الخطيب: المحفوظ: "فلا شيء له" (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث: ۳۰۷۴): ۲/۲۷۵، مكتبه المكيه جده)

"أقول: إن الصحيح: "لا شيء له"؛ لأن في ابن ماجة: "فليس له شيء" الخ بسند قويّ الخ" (العرف الشذى على جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۱۹۹، سعيد)

(۲) "قال ابن عبد البر: رواية: "فلا أجر له" خطأ فاحش، الصحيح: "فلا شيء له". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث: ۳۰۷۴): ۲/۲۷۵، مكتبه المكيه جده)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۱۰۹، قديمي)

(۴) "و رد بأنها لما أنكرت عليهم سلّموا لها، فدل على أنها حفظت ما نسوه، وقال ابن عبد البر: لم تر عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ذلك بنكير و رأت الحجة فعل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وان إنكاره جهل بالسنة، ألا ترى قولها: ما أسرع الناس تريد إلى إنكار ما لا يعلمون". (شرح الزرقاني على=

تو اس کا یہ جواب ہے کہ اولاً تو آپ لوگ مسلم شریف کی مذکور حدیث سے یہ ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی بلکہ (امہات المومنین) کے لئے بھی "یصلین" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد "دعا" ہے وہ بھی اس طریقہ پر کہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین خود تو اپنے حجروں میں رہیں اور جنازہ ان کے سامنے گزارا جائے، چنانچہ الفاظ حدیث بھی اس پر دال ہیں، چنانچہ امہات المومنین نے جو فرمائش کی اس کے الفاظ یہ ہیں: "أن یمرّوا بجنازة في المسجد یصلّین" (۱) یعنی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد سے ہو کر گزارا جائے تاکہ وہ ان کے لئے دعاء کریں۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مسجد میں جنازہ رکھا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے تاکہ ہم بھی نماز پڑھ لیں، بلکہ یہ فرمایا کہ صرف جنازہ حجروں کے سامنے سے گزارا جائے تاکہ دعاء کریں، چنانچہ اس فرمائش کی جو تعمیل کی گئی اس کو حدیث: "موقوف به علی حجرهن" (۲) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جنازہ ان کے حجروں کے سامنے لایا گیا۔

نیز اگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین نے نماز جنازہ پڑھی ہوتی تو ہر ایک کے حجرہ کے سامنے علیحدہ علیحدہ لیجانے کی کیا ضرورت تھی (جس پر "علی حجرهن" کا لفظ دلالت کرتا ہے) بلکہ سب مل کر نماز پڑھ لیتیں اور پھر جب آگے چل کر اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو صحابہ کا یہ فرمانا کہ: "ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد" (۳) (یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جنازے مسجد

= المؤطأ، الصلاة علی الجنائز في المسجد: ۶۴/۲، دار الفكر، بيروت)

"لكن لفظ الدعاء نصٌّ في معناه، و إرادة الصلاة منه بعيد، فما ورد من لفظ الصلاة في هذه القصة المراد بها الدعاء، وإنما أمرت بالإمرار لتدعوا له بحضرته؛ لأن مشاهدته مدعو إلى الإشفاق والاجتهاد له، ولذا يسعى إلى الجنائز و لا يكتفي بالدعاء في المنزل". (أوجز المسالک، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۲۳۴/۴، ۲۳۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد: ۳۱۳/۱، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۳) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

میں داخل نہیں کئے جاتے تھے) بھی دلالت کرتا ہے کہ وہاں نماز نہیں پڑھی گئی تھی، صرف جنازہ مسجد میں لیجایا گیا تھا، ورنہ اگر نماز پڑھی گئی ہوتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے رد میں یہ فرماتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بہرحال! یہ ایک سطحی اعتراض ہے جو عدمِ تفقہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جس کے لئے الفاظِ حدیث میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا ان کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی جس سے "فلا اجر له" والی حدیث کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ اد ہر ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم اس کے قائل بھی ہو کہ یہ حکم پہلے تھا اور پھر منسوخ ہوا، کیونکہ منسوخ ہونے کا حاصل تو یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا مگر بعد میں اٹھالیا گیا اور اگر قائل ہو تو پھر کون سے نص کے ذریعہ؟

ثانیاً: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل تمہارے نزدیک منسوخ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

ثالثاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ بر بنائے عذر تھا اور عذر یہ کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن کرنا تھا اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں سے لے جانے بغیر چارۂ کار نہ تھا تو چونکہ اصل ممانعت تو جنازہ مسجد میں لیجانے کی ہے، جب بنابریں عذر اس پر عمل ممکن نہ رہا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اَور توسیع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی (۱)۔

رابعاً: اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایتِ ابو ہریرۃ کے لئے ناسخ بن گیا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت مل گیا تو پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ می گوئیاں کیوں کیں جب کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حضرت

---

(۱) "وفي البرهان: صلاة الصحابة على أبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما في المسجد كان لعارض دفنهما عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. انتهى". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۹، ۲۳۸، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی سال بعد ہوئی تھی، اگر صحابہ کرام کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جامع مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۴]: اگر عید کی نماز بوجہ عذر بارش مسجد میں ہوئی یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے وہاں پڑھی گئی اور جامع مسجد میں باہر جگہ ہے تو نماز ایسے وقت میں جامع مسجد ہی میں پڑھی جائے یا باہر جگہ؟ ترتیب نمازِ جنازہ اور خطبہ اور خطبہ عیدین میں کیا ہونی چاہیے؟ مفصل جوابات تحریر فرمائیں جائیں اور کتب فتاوی کے حوالہ جات بھی تحریر فرمائیں تاکہ اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ فقط والسلام۔

المستفتی: ابرارالحق، ۲۴/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب باہر کوئی عذر نہیں اور جگہ موجود ہے تو باہر پڑھی جاوے: "کرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، و اختلف في الخارجة، و المختار الكراهة، اهـ". تنویر۔ "(قوله: في مسجد جماعة: أي المسجد الجامع و مسجد المحلة اهـ"(۲).

---

(۱) (راجع، ص: ۶۸۱، رقم الحاشية: ۲، وص: ۶۸۲، رقم الحاشية: ۴)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲/۲۲۴، ۲۲۵، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۲/۹۸ امداديه)

"(قوله: و لا في المسجد) لحديث ابي داؤد مرفوعاً: "من صلى على ميت .... الحديث، أطلقه فشمل ما إذا كان الميت والقوم في المسجد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۷، رشيديه)

والبسط في: (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز (الرابع) في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

تنبیہ: نمازِ عید جامع مسجد میں پڑھنے سے جامع مسجد عیدگاہ نہیں بنے گی ترتیب نمبر: ۱ میں مذکور ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

احاطۂ مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۵]: ۱...... مسجد یا صحنِ مسجد یعنی چبوترۂ مسجد پر نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۲...... قصبہ کٹوت ضلع آصف آباد دکن میں ایک مسجد ہے جس میں ۱۵/ یا ۲۰/ نمازی اول درجہ ہوتے ہیں، جمعہ میں تقریباً پچاس، اس مسجد کے دو درجہ ہیں اور سامنے پختہ چبوترہ متصل ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، دروازہ سے چبوترہ پختہ تک خام صحن ہے جس پر نہ کوئی نماز پڑھتا ہے نہ کبھی جماعت ہوتی ہے مگر یہ خام صحن اندرونِ احاطۂ مسجد ہے جیسا کہ نقشہ سے جو پشت پر ہے معلوم ہوگا کہ امر متنازعہ فیہ یہ ہے کہ مسجد کے دونوں دالانوں کے سامنے جو صحن چبوترہ پختہ ہے اور جس پر اکثر نماز و جماعت ہوتی رہتی ہے جزء مسجد ہے یا کہ نہیں اور صحن پختہ مسجد میں شمار کیا جاویگا یا کہ نہیں اور صحن خام کو جو دروازہ سے چبوترہ پختہ تک سے جہاں جوتے اتارتے ہیں مسجد سمجھا جائیگا یا نہیں اور ان دونوں میں کس پر نماز پڑھنی چاہیے تاکہ موتی کو ثواب سے محرومی نہ ہو؟

۳...... اصل مسجد و پختہ صحن و چبوترۂ مسجد کو چھوڑ کر نیچے خام صحن میں نماز پڑھی جائے تو آیا نماز باصواب ہوجاوے گی یا نہیں؟ نماز جنازہ کے متعلق سوال ہے۔

۴...... اور میت کو اس خام صحن میں پلنگ یا گہوارہ میں رکھ کر نماز پڑھنے سے توہینِ میت ہے یا نہیں؟

۵...... مسجد کے سامنے علاوہ راستہ عام کے میدان وسیع ہے، نیز قبرستان قصبہ کے متصل بھی زمین افتادہ ہے، باوجود موجودگی ان مواقع احاطۂ مسجد کے اندر (ماسوائے مسجد کے چبوترہ پختہ و مسجد و حجرہ کے) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا چاہیے، یا مسجد کے نیچے خام صحن میں جو مسجد کے حکم میں نہیں ہے، یا کہ مسجد کے صحن پختہ پر جو ملحق مسجد ہے جیسا کہ اور مسجدوں میں ہوتا ہے جو حکم مسجد میں ہے جس پر نماز و جماعت ہوتی ہے حائضہ اور جنبی کے آمد کی جس پر ممانعت ہے اور اعتکاف جس پر آنے کے بعد نہیں ٹوٹتا ہے۔

فقط المستفتی: خواجہ محمد سعید حسین، معرفت پیروکار صاحب، متعلقہ کٹوت ضلع آصف آباد۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....صلوۃ جنازہ بلاعذر مسجد میں مکروہ ہے:"وصلوة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه". عالمگیری: ۱/ ۱۶۲(۱) اگر وہ خام صحن داخلِ مسجد ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، اگر خارج مسجد ہے تو اس میں صلوۃ جنازہ بلاکراہت درست ہے۔

۲..... یہ بات اصل واقف سے دریافت کرنے کی ہے، جس کو اس نے مسجد بنانے کی نیت کی ہے وہ مسجد ہے، جس کو مسجد بنانے کی نیت نہیں کی وہ مسجد نہیں (۲)، اگر وہ موجود نہیں نہ کوئی تحریر وقف نامہ وغیرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوسکے تو قرائن پر حکم کیا جائیگا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ نماز اور جماعت ہوتی ہے یعنی پختہ فرش وہ مسجد ہے، وہاں نمازِ جنازہ مکروہ ہے (۳) جس جگہ نماز نہیں ہوتی بلکہ جوتے نکالے جاتے ہیں یعنی خام صحن وہ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة عليه: ۱/۱۶۵، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۲/۹۸، امداديه)

"وتكره الصلوة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص:۵۸۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيحٌ معتبرٌ يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

خارج مسجد ہے وہاں نماز جنازہ مکروہ نہیں، اس کے خلاف اگر قرائن موجود ہوں تو یہ حکم نہ رہے گا۔

۳......اگر وہ جزوِ مسجد ہے پھر تو اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے، اگر جزوِ مسجد نہیں تو مکروہ نہیں، کما مر۔

۴......صورتِ مسئولہ میں میت کی توہین نہیں ہوتی (۱)۔

۵......جو جگہ متصلِ مسجد ہے لیکن جزوِ مسجد نہیں ہے اور جو احاطۂ مسجد سے خارج ہے وہ سب جنازہ کے لئے برابر ہے، اسی طرح قبرستان میں اگر کوئی جگہ جنازہ کی نماز کے لیے بنی ہوئی موجود ہے: ''والصلوة على الجنازة في الأمكنة والدور سواء، كذافي المحيط''. عالمگیری: ۱/ ۱٦۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲٦/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

مسجد میں اضافہ کرکے اس میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳٦]: شہر بیاور ضلع اجمیر میں ایک جامع مسجد ہے، پہلے کسی زمانے میں نیچے کے درجہ میں مسجد تھی بعد ازاں آدمیوں کی کثرت ہوئی اور مسجد میں تنگی ہوئی، اس کے روبرو اور آگے بڑھا کر اور زیادہ کشادہ بنالی گئی، پہلی جگہ میں جو نیچے ہے اس میں چند لڑکے بھی پڑھتے ہیں پھر جمعہ کے روز اس میں بھی کچھ آدمیوں کو تکلیف ہونے لگی اور نہ آسکے جو پہلے کی جگہ نیچے کی تھی اس میں کچھ جگہ وضو خانہ بنالیا گیا اور اکثر جگہ جس میں ۵/ یا

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱٦۵، رشيديه)

چونکہ میت چارپائی پہ رکھی ہوئی ہے، لہٰذا کوئی موجبِ توہین امر بظاہر نہیں۔

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱٦۵، رشيديه)

"بقي من المكروهات أشياء أخر .... والصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام .... أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/٦۵۴، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۵۸، رشيديه)

۶/صف ہوجاتی ہے، بروز جمعہ بھی ۳۰، ۳۵/آدمی کھڑے ہوجاتے ہیں اور بعض وہاں پر جماعتِ ثانیہ بھی پڑھتے ہیں جس کو بعض علماء مکروہ لکھتے ہیں، اس لئے مسجد کی شکل میں بنالی گئی ہے۔ اب اس میں اختلاف یہ ہے کہ بعض تو اس میں نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں اور بعض بھی پڑھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔ شرع شریف کا حکم تحریر فرمائیں۔

از بیاور ضلع اجمیر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصہ پہلے سے مسجد ہے اس میں جماعتِ ثانیہ اور صلوۃ جنازہ مکروہ ہے: "وتكره الصلوة على الجنازة في مسجد عندنا، اهـ". كبيري ص ٥٤٥(١)۔

اور جس حصہ کا بعد میں اضافہ ہوا ہے اگر مسجد میں اس جگہ کا اضافہ بہ نیتِ مسجد کیا گیا ہے تب تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یعنی وہاں جنب کا جانا منع ہوگا جماعتِ ثانیہ مکروہ ہوگی۔ اور اگر بہ نیتِ مسجد اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس غرض سے بڑھا دیا گیا ہے کہ بوقتِ ضرورت وہاں بچے بیٹھ کر پڑھ لیا کریں، یا اگر نمازی زیادہ ہوجائیں تو وہاں بھی کھڑے ہوجایا کریں لیکن وہ حصہ حصۂ مسجد نہیں ہے تو اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے وہاں جنب کا جانا، جماعتِ ثانیہ، صلوۃ جنازہ وغیرہ سب چیزیں درست ہیں، اس کی تحقیق کہ اس حصہ

---

(١) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ٥٨٨، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ٩٨/٢ امداديه)

"(كرهت تحريماً) وقيل: (تنزيهاً في مسجد جماعة هو): أي الميت (فيه) وحده أو مع القوم". (الدرالمختار). "(قوله: قيل: تنزيهاً) .... فرجح القول الأول لإطلاق المنع في قول محمد في مؤطئه: لا يصلى على جنازة في مسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢٢٤/٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٣٢٧/٢، رشيديه)

کا اضافہ بہ نیتِ مسجد کیا گیا ہے یا نہیں واقف اور بانی سے کی جاوے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۶ھ۔

اور حصہ مسجد کو وضوخانہ بنانا جائز نہیں۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

جائے نماز بچھا کر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا

سوال[۴۱۲۷] : جنازہ کی نماز اگر جائے نماز بچھا کر پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی جائے نماز بچھا کر پڑھا دے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ جزوِ کفن نہیں ہے اور اس کا التزام درست نہیں ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ فنائے مسجد اور قبرستان میں

سوال[۴۱۲۸] : مسجد سے متصل قبرستان اگر ہو اور فنائے مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا ممکن ہو تو کون

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ : ۴۴۵/۴، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيحٌ معتبرٌ يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف : ۴۱۱/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف : ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: و فيه من أصرَّ على أمر مندوب، و جعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث : ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

"إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات، ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

سی جگہ بہتر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فنائے مسجد (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، قبرستان میں اگر کوئی جگہ نماز جنازہ کیلئے تجویز شدہ ہو اس طرح کہ قبریں سامنے نہ ہوں اور نہ درمیان میں نمازیوں کے ہوں: "قال أبوحنيفة: لا ينبغي أن يصلى على ميت بين القبور". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:٣٢٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں نماز جنازہ میں عدم شرکت

سوال[۴۱۳۹]: ۱...... نماز جنازہ اگر مسجد میں ہو رہی تو بنظرِ اصلاح جماعت سے علیحدگی ضروری ہے؟

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص:٥٩٥، قديمي)

"و ما يكره من الصلاة في القبور .... و رأى عمرُ رضي الله تعالىٰ عنه أنسَ بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يصلي عند قبره، فقال: القبر القبر، و لم يأمره بالإعادة".

"(قوله : و لم يأمره بالإعادة): أي لم يأمر عمرُ أنساً رضي الله تعالىٰ عنه بإعادة صلاته تلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره. واعلم أن العلماء اختلفوا في جواز الصلاة على المقبرة .... وذهب الثوري وأبو حنيفة والأوزاعي رحمه الله تعالىٰ إلى كراهة الصلاة في المقبرة". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، بابٌ هل تنبش قبور مشركي الجاهلية : ۴/١٧١، إدارة المطبعة المنيرة بيروت)

"بقي في المكروهات أشياء .... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام .... أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس .... لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ١/٦٥٤، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ٢/٥٨، رشيديه)

۲.....باوجود مسئلہ بتانے کے اگر لوگ رواجاً پڑھتے ہوں تو شرکتِ جماعت سے اور امامت سے معذوری ظاہر کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟

۳.....اگر مسئلہ بتانے سے فساد کا امکان ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اصلاح کی خاطر علیحدگی اختیار کرلے تو بہتر ہے(۱)۔

۲.....مسئلہ بتا کر معذوری ظاہر کردی جائے۔

۳.....محض دو چار آدمیوں کا کوئی سخت لفظ اس کو کہہ دینا تو کوئی فساد نہیں جس کی بناء پر مسئلہ بتانے سے گریز کیا جائے، واقعی فساد ہو تو سکوت کی بھی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لہذا علیحدگی اختیار کرنا ہی افضل ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲، امداديه)

"كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة، والمختار الكراهة مطلقاً". (الدر المختار). "(قوله: في مسجد جماعة): أي المسجد الجامع و مسجد المحلة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۴/۲، ۲۲۵، سعيد)

"وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۲۷/۲، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾. (سورة آل عمران پ ۴ آية: ۱۰۴)

"ففي الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالىٰ: ﴿ولتكن﴾ أمرٌ، وظاهر الأمر الإيجاب" (إحياء علوم =

چندہ نہ دینے کی وجہ سے مسجد میں جنازہ سے روک کر تالا لگانا

سوال[۴۱۴۰]: ہمارے گاؤں میں دو پارٹی میں، جس کی اکثریت ہے وہ حنفی کہلاتی ہے، جو اقلیت میں ہے اس کو وہابی کہتے ہیں۔ ابھی حال میں حنفی پارٹی نے مدرسہ کا چندہ نہ دینے کا الزام لگا کر وہابی پارٹی کا بائیکاٹ کر دیا ہے، اقلیت والی پارٹی میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو اکثریت والی پارٹی شریک جنازہ نہیں ہوئی، جب دوسرے موضع کے لوگ کفن دفن کیلئے آئے تو ان کے لئے مسجد کے دروازہ پر تالا لگا دیا تا کہ صحنِ

= الدين للإمام الغزالي، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول، في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الخ : ۲/۳۰۶، ۳۰۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن مجاهد قال: حدثني مولى لنا أنه سمع عدياً يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الله عزوجل لا يعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يروا المنكر بين ظهرانيهم و هم قادرون على أن ينكروه، فلا ينكروه، فإذا فعلوا ذلك، عذّب الخاصة والعامة". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث : ۱۷۲۶۷): ۵/۲۱۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحةُ" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه و لرسوله ولأمة المسلمين وعامتهم".

"قوله : وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم و كف الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم و توقير كبيرهم و رحمة صغيرهم .... قال: النصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه و يطاع أمره وأمن على نفسه المكروه، فإن خشي أذى، فهو في سعة، والله اعلم". (الصحيح لمسلم مع شرحه النووي، كتاب الإيمان، باب بيان الدين النصيحة : ۱/۵۴، قديمي)

"لكن الأمر والنهي أفضل وإن غلب على ظنه أنه يضربه أو يقتله؛ لأنه يكون شهيداً، قال تعالى: ﴿أقم الصلاة، وأمر بالمعروف، وأنه عن المنكر، واصبر على ماأصابك﴾ الخ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، قبيل كتاب الصلاة : ۱/۳۵۰، سعيد)

مسجد میں نماز جنازہ نہ ہو، نماز جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی۔ سوال یہ ہے کہ مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا اور نماز جنازہ ادا نہ کرنے دینا، ایسا کرنے والا مسلمان گنہ گار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں نماز پڑھنا ہر مسلمان کا حق ہے، مدرسہ میں چندہ نہ دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مسجد پر تالا ڈال کر نماز سے روک دینا یا مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا بہت بڑا ظلم ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الایہ (۱)۔ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، ان کے لئے یہ سخت وعید کلام پاک میں آئی ہے (۲)۔ ان کو اپنی حرکت سے توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة : ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ :"و ظاهر الآية العموم في كل مانع، و في كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه". (تفسير روح المعاني : ۱/۳۶۳، دار إحياء الترا ث العربي، بيروت)

(۲) قال ابن كثير تحت هذه الآية : "وأيضاً فإنه تعالىٰ لما وجه الذم في حق اليهود والنصارى، شرع في ذم المشركين الذين أخرجوا الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه من مكة، و منعوهم من الصلاة في المسجد الحرام. وأما اعتماده على أن قريشاً لم تسع في خراب المدينة، فأيّ خراب أعظم مما فعلوا؟ أخرجوا عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه .... ﴿وما لهم ألا يعذبهم الله و هم يصدون عن المسجد الحرام﴾ الاية .... ﴿هم الذين كفروا و صدوكم عن المسجد الحرام﴾. الاية". (تفسير ابن كثير : ۱/۱۵۶، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) قال الله تعالىٰ :﴿ يا أيهاالذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الآية (سورة التحريم :۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لَلّٰه أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة : ۲/۳۴۵، قديمي)

جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے جیسے اندرونی حصہ اور فرشِ مسجد جہاں گرمی کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے(۱)، اس فرش سے علیحدہ اگر احاطہ اور چہار دیواری میں زائد جگہ ہو تو وہاں مکروہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۱]: کیا مقبرہ میں جبکہ قبر قریبادس قدم کے فاصلہ پر ہے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وفی البدائع وغيرها: "قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: لاينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وكان عليّ رضى الله تعالىٰ عنه و ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما يكرهان ذلك، وإن صلوا أجزأهم، لما روى أنهم صلوا على عائشة و أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنهما بين مقابر البقيع و الإمام أبوهريرة رضى الله تعالىٰ عنه، وفيهم ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما. ثم محل

---

(۱) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (ابو داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد : ۹۸/۲، امداديه)

" كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة، و المختار الكراهة مطلقاً". (الدرالمختار) . "(قوله : في مسجد جماعة): أى المسجد الجامع و مسجد المحلة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۲۴/۲، ۲۲۵، سعيد)

"وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة فصل في صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة عليه، ص:۵۸۸، سهيل اكيڈمي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۷/۲، رشيديه)

الکراهة إذا لم یکن عذر، فإن کان فلا کراهة اتفاقاً، اهـ"(١)۔

عبارات بالا سے سوال کا جواب معلوم ہوگیا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/۶۴ھ۔

---

(١) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما سنن الدفن : ۲/ ۶۵، رشیدیه)

"عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الوطی علی القبور والجلوس علیها : ۱/ ۲۰۳، سعید)

"قال أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ: لا ینبغي أن یصلی علی میت بین القبور، وکان عليّ وابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهم یکرهان ذلک. وإن صلوا أجزاهم لما روی أنهم صلوا علی عائشة وأم سلمة رضي الله تعالیٰ عنهما بین مقابر البقیع و الإمام أبوهریرة رضي الله تعالیٰ عنه، وفیهم ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما. ثم محل الکراهة إذا لم یکن عذر، فإن کان فلا کراهة اتفاقاً". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قدیمي)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/ ۳۴۱، رشیدیه)

ترجمہ: بدائع وغیرہ میں ہے کہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبروں کے درمیان میت پر نماز پڑھنا مناسب نہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو مکروہ فرماتے تھے۔ اور اگر نماز پڑھ لی تو کافی ہوجائے گی جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر نماز جنازہ مقابر بقیع میں ہوئی اور امام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور نمازیوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، پھر محلِ کراہت بھی اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، اگر عذر ہو تو پھر بالاتفاق کوئی کراہت نہیں۔

خلاصہ جواب: یہ ہے کہ مقبرہ میں قبروں کے درمیان کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھنا بغیر عذر کے مکروہ ہے، اور اگر کوئی عذر ہو تو اس میں حرج نہیں۔

ایضاً

سوال[۴۱۴۲]: یہاں قبرستان کی جگہ یہاں کی کونسل نے عطا کی ہے۔اس قبرستان میں صلوۃ الجنازہ کی سہولت کے لئے ایک قوم کے خیرخواہ فرد نے اپنے خرچ سے ایک عمارت تعمیر کردی ہے، یہ عمارت نہ کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہے اور نہ اس کے قبلہ رو کوئی قبر واقع ہے،عمارت کے چاروں طرف دیواریں ہیں، دیواروں کے چاروں طرف لوہے کی جالی ہے، باہر ہال کے چاروں طرف بیل بوٹا ہیں۔اسی عمارت میں آج تک علماء نماز جنازہ پڑھتے آئے ہیں لیکن اس سال ایک مولوی صاحب نے اس عمارت میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا سنت کے مطابق نہیں ہے۔اس لئے براہ کرم جلد از جلد جواب سے مطلع فرمایا جائے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے،کوئی عذر ہو تو دوسری بات ہے مثلاً زور کی بارش ہو اور کہیں جگہ بھی نہ ہو، ورنہ تو مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے،حدیث وفقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔درمختار میں ہے:

"وكرهت تحريماً في مسجد جماعة هو: أي الميت فيه وحده أومع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد و حده أومع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً، خلاصة، بناءً على أن المسجد إنما بني للمكتوبه وتوابعها كنافلة وذكر و تدريس علم، وهوالموافق لإطلاق حديث أبي داود : "من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له، اهـ". هذه رواية ابن أبي شيبة، و رواية أحمد و أبي داود: "فلا شئ له "وابن ماجة: فليس له شئ". وروى: "فلا أجرله: "وقال ابن عبدالبر: هي خطأ فاحش والصحيح: "فلا شئ له" اهـ. إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا، ومن الأعذار المطر". مطلب كراهة صلوة الجنا زة في المسجد، ردالمحتار: ۵۹۳/۱، ۵۹۴، نعمانيه(۱)۔

جبکہ وہاں قبرستان میں نماز جنازہ کیلئے مستقل تعمیر موجود ہے اور قبلہ رخ کوئی قبر بھی نہیں ہے تو وہیں نماز

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد: ۲۲۴/۲، ۲۲۶، سعيد)

جنازہ پڑھی جائے، ایسی جگہ تو فرض نماز بھی مکروہ نہیں:

''تکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ، اھ''. مراقی الفلاح۔ ''إلا أن یکون فیھا موضع أعد للصلوۃ لا نجاسۃ فیہ ولا قذر فیہ، اھ''. طحطاوی، ص: ۲۱۵ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۹ھ۔

عیدگاہ میں نمازِ جنازہ

سوال [۴۱۴۳]: عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے خواہ عیدگاہ کے متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راجح اور اصح قول کے مطابق عیدگاہ صرف جوازِ اقتداء بصورتِ عدمِ اتصالِ صفوف کے حق میں مسجد کا حکم رکھتی ہے لہذا عیدگاہ میں صلوۃ جنازہ (مسجد کی طرح) ممنوع نہیں خواہ متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو۔ اگر متصل شارع عام ہے تو اس میں صلوٰۃ جنازہ مکروہ ہے، اسی طرح کسی کی زمین میں (بغیر اذنِ مالک) بھی مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی جگہ جنازہ کیلئے مخصوص ہے تو اس میں پڑھنا بلا خلاف اَولیٰ ہے، اسی طرح ملک غیر میں اذنِ مالک کے بعد:

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی المکروھات، ص: ۳۵۶، قدیمی)

''و ما یکرہ من الصلاۃ فی القبور .... و رأی عمرُ أنسَ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی عند قبر، فقال: القبر القبر، و لم یأمرہ بالإعادۃ''. ''(قولہ : و لم یأمرہ بالإعادۃ): أی لم یأمر عمرُ أنساً رضی اللہ تعالیٰ عنھما بإعادۃ صلاتہ تلک، فدل علی أنہ یجوز، ولکن یکرہ. واعلم أن العلماء اختلفوا فی جواز الصلاۃ علی المقبرۃ .... وذھب الثوری وأبوحنیفۃ والأوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ إلی کراھۃ الصلاۃ فی المقبرۃ''. (عمدۃ القاری، کتاب الصلاۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ : ۱۷۱/۴، إدارۃ المطبعۃ المنیرۃ بیروت)

''بقی فی المکروھات أشیاء .... الصلاۃ فی مظان النجاسۃ کمقبرۃ و حمام .... أو کان فی المقبرۃ موضع أعد للصلاۃ و لا قبر و لا نجاسۃ، فلا بأس''. (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا : ۶۵۴/۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا : ۵۸/۲، رشیدیہ)

8

"لا تكره صلوة الجنازة في مسجد أعدلها، و كذا في مدرسة و مصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف، اهـ". طحطاوی ص:٣٤٧(١)- "تكره الصلوة الجنازة في الشارع وأراضي الناس لشغل حق العامة في الأول وحق المالك في الثاني". مراقي الفلاح، وطحطاوی، ص:٣٤٨) (٢)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۱۱/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

ایضاً

سوال[۴۱۴۴]: حدودِ عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور عیدگاہ کے اندر میت رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ ص:٥٩٥، ٥٩٦، قديمي)

"ولم يقيد المصنف كصاحب المجمع المسجد بالجماعة كما قيده في الهداية لعدم الحاجة إليه؛ لأنهم يحترزون به عن المسجد المبني لصلاة الجنازة، فإنها لا تكره فيه مع أن الصحيح أنه ليس بمسجد؛ لأنه ما أعد للصلوة حقيقةً؛ لأن صلاة الجنازة ليست بصلاة حقيقةً، و حاجة الناس ماسّةٌ إلى أنه لم يكن مسجداً توسعةً للأمر عليهم. واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٣٢٨/٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ١٦٥/١، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢٢٥/٢، سعيد)

(٢) مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص:٥٩٥، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں میت بھی رکھ سکتے ہیں اور نماز جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ من کل الوجوہ مسجد کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال[۴۱۴۵]: عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، کذا فی الطحطاوی، ص: ۳۲۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیہ گاہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۶]: ایک شخص عاشورہ کے دن فوت ہوگیا جو نمازی اور اہل السنت والجماعت تھا، اس

---

(۱) "واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

"ولا تكره صلوة جنازة في مسجد أعدلها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي)

(۲) "ولا تكره صلوة جنازة في مسجد أعدلها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح، إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، ۵۹۶، قديمي)

"واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

کے ورثاء نے جنازہ کی نماز مقررہ جنازہ گاہ میں نہیں پڑھی اور جنازہ اس مقام پر لے گئے جہاں تعزیہ نکلے ہوئے تھے اور وہاں اہلِ تشیع ماتم کر رہے تھے تو بعض ان میں سے آگئے اور جنازہ میں شامل ہو گئے اور نماز جنازہ اہل سنت والجماعت نے پڑھائی۔ اور ورثاء یہ نیت بیان کرتے ہیں کہ وہاں مجمع کثیر تھا اس لئے وہاں لے گئے حالانکہ شہر میں اہل سنت والجماعت کا وعظ ہو رہا تھا وہاں مجمع کثیر موجود تھا اور ان کو پہلے جنازہ کی اطلاع بھی دی گئی تھی، انہوں نے کہا کہ اگر نماز جنازہ گاہِ مقررہ پر پڑھیں تو ہم سب شامل ہیں لیکن تعزیہ کی طرف نہیں جاتے، چنانچہ وہ نہ گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے مجمع اہل السنۃ والجماعت سے اہل تشیع کو ترجیح دی ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہوں نے بُرا کیا ہے، اس فعل سے توبہ کرنی چاہیے، جب نماز دوسری جگہ ہو سکتی تھی اور مجمع کثیر کی شرکت کی بھی امید قوی تھی تو جان بوجھ کر فسق وفجور کی جگہ میں جانے کی کیا ضرورت تھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/محرم/۵۷ھ۔

کشادہ جگہ میں نمازِ جنازہ

سوال [۴۱۴۷]: ہمارے وطن میں جنازہ کی نماز کے سلسلہ میں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ ہمارے یہاں عیدگاہ بھی موجود ہے، کچھ لوگ نماز عیدین عیدگاہ میں ادا کرتے ہیں اور کچھ لوگ قصبہ میں ایک مسجد ہے اس

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیھاالذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً﴾ الایة" (سورة التحریم: ۸)

"عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "للّٰه أشد فرحاً بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجدھا".

"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنھا واجبة علی الفور، لا یجوز تأخیرھا سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً. والتوبة من مھمات الإسلام و قواعده المتأکدة، ووجوبھا عند أھل السنة والجماعة". (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

وراجع للبسط: (تفسیر روح المعانی: ۲۸/۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مسجد کے سامنے مسجد سے الگ کشادہ جگہ ہے وہاں پر ہر سال عید کی نماز پڑھتے ہیں، اس کشادہ جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کشادہ جگہ میں بھی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۹۵ھ۔

ارضِ مغصوبہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۸]: ارض مغصوبہ میں نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مغصوبہ زمین میں نماز جنازہ مکروہ ہے: "تکره صلوة الجنائز فی الشارع وأراضی الناس"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "واختلفوا أيضاً فی مصلی العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد فی حق جواز الاقتداء، وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعِدّ للصلاة حقيقةً، لا فی حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۸، رشيديه)

"ولا تكره صلوة جنازة فی مسجد أعدلها، وكذا فی مدرسة ومصلی عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد فی الأصح، إلا فی جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمی)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۶، قديمی)

"تكره فی الشارع وأراضی الناس كما فی المضمرات". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا فی رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۵، سعيد)

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء

سوال[۴۱۴۹]: بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد بیٹھ کر دعاء مانگتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور کتب فقہ میں کہیں اس کا حکم نہیں دیکھا، حالانکہ چھوٹے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، بلکہ بعض کتب میں نماز جنازہ کے بعد دعاء کو منع کیا گیا ہے(۱) (اس لئے کہ نماز جنازہ خود میت کے لئے دعا ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۱۵۰]: دعاء بعد نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ خود دعاء ہے اس کے بعد وہیں ٹھہر کر دعاء کرنا جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے شرعاً ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع الحاشية التالية)

(۲) "لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة" (خلاصة الفتاوى، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشيديه كوئٹه)

"ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة" (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۸۰/۴، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۱۵۱]: ہمارے علاقے میں نمازِ جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر امام وجملہ مقتدی دعاء مانگتے ہیں کیا یہ دعاء مانگنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۃ الفتاوی:۱/۲۲۵ میں اس کو منع کیا ہے:"لایقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء

سوال[۴۱۵۲]: نماز جنازہ کے بعد سلام پھیرنے کے بعد اور جنازہ اٹھانے سے پہلے بعض جگہ پر رواج ہے کہ تمام لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعاء مانگتے ہیں، مانگنے سے قبل جنازہ نہیں اٹھایا جاتا، دعاء نہ مانگنے والوں کو ملامت کیا جاتا ہے کہ یہ تارکِ سنت ہے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے (دعاء میں سورۂ فاتحہ اخلاص وغیرہ پڑھتے ہیں) اور اگر منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ تم لوگ نیک کام سے منع کرتے ہو اور یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سنت نہ بھی ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ثواب کا کام ہے، اس لئے شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کسی بھی نیک کام کو ترک نہ کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یا ائمۂ

---

(۱) (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیه)

"ولا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثالث، تحت حدیث مالک بن هبیرة رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیه الشهید: ۴/۸۰، رشیدیه)

اربعہ،فقہائے متقدمین یا متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو فی زمانا اس پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں، یا یہ کہ ابتدائے اسلام میں تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ ایسے عمل کو سنت کہتے ہیں ان سے مطالبہ کیا جائے کہ کسی حدیث میں کس فقہ کی کتاب میں ہے، مگر آپ نے ان سے ثبوت طلب نہیں کیا، کچھ حکمت ہی ہوگی۔ فقہاء نے نماز جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہوکر دعاء کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو منع کیا ہے۔ اس دعاء کا نیک کام ہونا کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، ائمۂ مجتہدین وغیرہ کو معلوم نہیں تھا آج ہی منکشف ہوا ہے: "لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ". خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۲۵/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ کے بعد مستقلاً میت کے لئے دعاء کرنا

سوال[۴۱۵۳]: نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہوکر مستقلاً میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ خود دعاء ہے اور میت کیلئے اس میں دعائے مغفرت ہی اصل ہے نماز کے بعد مستقلاً کھڑے

---

(۱) (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشیدیه)

"و لا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیه المشهید: ۸۰/۴، رشیدیه)

ہوکردعاءکرنا ثابت نہیں بلکہ کتبِ فقہ میں اس کو منع کیا گیا ہے: "لا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة".
خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۲۵ (۱) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء اور قل ھو اللہ پڑھنا

سوال [۴۱۵۴]: جب امام نمازِ جنازہ پڑھ لیتا ہے تو بعد میں بعض جگہ دعاء مانگتے ہیں اور جو جنازہ کی نماز کے بعد دعاء نہ مانگے اس کو برا سمجھتے ہیں، بعض جگہ نمازِ جنازہ کے بعد گیارہ مرتبہ ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ پڑھ کر جنازہ کو اٹھاتے ہیں، کتبِ فقہ میں بعد نمازِ جنازہ دعاء کرنا یا گیارہ مرتبہ ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ پڑھنا نہیں آیا کیونکہ یہ نماز خود دعاء ہے۔ ایسا کرنے والا بدعتی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتبِ فقہ میں بعد نمازِ جنازہ دعاء کا ثبوت نہیں بلکہ دعاء کا انکار منقول ہے اور ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ گیارہ مرتبہ پڑھنے تک بھی جنازہ کو نہ اٹھانا ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ طریقہ شرعاً بے اصل اور بدعت ہے (۲) اس پر انکار کرنے والے کو برا

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز نوع منه إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

"ولا يدعو للميت بعد صلوة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة". (مرقاة الفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۰، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس، منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال الملا علي القاري تحته: "من أحدث". أي جدّد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث على كل ذي بصرٍ وبصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضيّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً .... فذلك الشخص =

کہنا بہت ہی بُرا ہے، صلوۃ جنازہ خود دعاء ہے۔ نفسِ ایصالِ ثواب بغیر التزام مالا یلزم کے درست اور نافع ہے(۱)۔

قال الشامی: "فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلوة الجنازة هي الدعاء للميت؛ إذ هو المقصود منها اهـ"(۲)۔ قال القاری فی شرح المشكوة: "و لا يدعى للميت بعد صلوة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة فی صلوة الجنازة، اهـ".(۳)۔ قال فی خلاصة الفتاوی: "لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة، اهـ" (٤)۔ وقال فی شرح المنية: "وفی السراجية: إذا فرغ من الصلوة، لا يقوم بالدعاء"(٥)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

= ناقص مردود وعن جنابنا بطرود عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار واستنباط الأحكام منها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول (رقم الحديث: ۱۴۰): ۳۶۵/۱، ۳۶۶، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير لعبد الرؤوف المناوی، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۵۵۹۴/۱۱، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، رياض)

وفي رد المحتار: "بأنها (أی البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰، سعيد)

(۱) "إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه أخابنی ساعدة توفيت أمه و هو غائب عنها فأتى النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمی توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شیء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: إنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب الإشهاد فی الوقف والصدقة والوصية: ۳۸۷/۱، قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شیء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۴۳/۲، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۰/۲، سعيد)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشيديه)

(۴) (خلاصة الفتاوی كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشيديه)

(۵) (الفتاوی السراجية، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة، ص: ۲۳، سعيد)

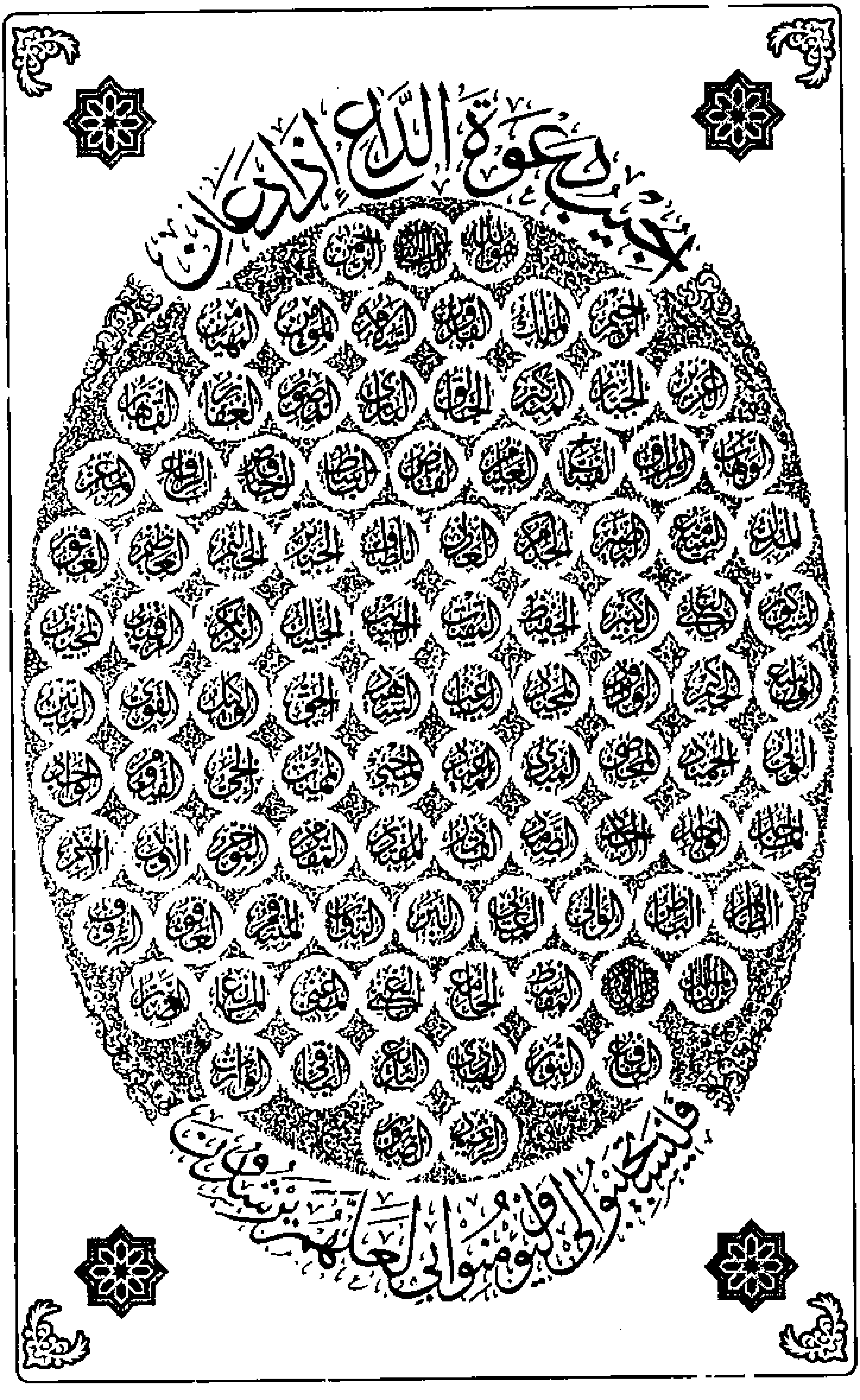
أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ	
	(جنازہ اٹھانے کا بیان)	
۱	جنازہ کس رفتار سے لے کر چلنا چاہیے؟	۳۰
۲	جنازہ کتنے قدم لے کر چلے؟	۳۱
۳	میت کو کندھا دینا چالیس قدم	۳۱
۴	جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا	۳۲
۵	جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی	۳۴
۶	جنازہ لے جاتے وقت رخ کس طرف ہو؟	۳۴
۷	میت کو قبرستان لے جاتے وقت پیر آگے کرنا	۳۵
۸	عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟	۳۵
۹	عورت کے جنازہ کو نامحرم چھو سکتا ہے	۳۶
۱۰	جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا	۳۶
۱۱	جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا	۳۷

۱۲	کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا	۳۹
۱۳	غیر مسلم کی تجہیز وتکفین میں شرکت	۴۰
۱۴	ایضاً	۴۰
۱۵	جنازہ کے ساتھ رفع صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ	۴۲
۱۶	جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا	۴۲
۱۷	جنازہ سامنے رکھ کر اس پر سلام پڑھنا	۴۳
۱۸	شروع میں جنازہ اٹھانے والوں کو کھانا کھلانا	۴۴
۱۹	میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا	۴۴

الفصل الخامس فیما یتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

۲۰	قبر کھودنے کا مشروع طریقہ	۴۶
۲۱	قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں	۴۷
۲۲	قبر کی گہرائی	۴۸
۲۳	قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟	۴۹
۲۴	کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟	۵۱
۲۵	قبر کے صندوق کی گہرائی	۵۲
۲۶	قبر میں لحد کی جہت	۵۲
۲۷	بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟	۵۳
۲۸	میت کو تابوت میں رکھنا	۵۴
۲۹	میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا	۵۴
۳۰	میت کو قبر میں رکھنے کی صورت	۵۵
۳۱	میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ	۵۹
۳۲	طریقِ مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا	۵۹

۳۳	قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا	۶۰
۳۴	قبر میں میت کو کروٹ دینا	۶۱
۳۵	قبر میں میت کو قبلہ رُو کرنا	۶۱
۳۶	قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟	۶۲
۳۷	میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء	۶۲
۳۸	میت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟	۶۳
۳۹	عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا	۶۴
۴۰	میت کو قبر میں اتارتے وقت لنگی باندھنا	۶۴
۴۱	لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا	۶۵
۴۲	عورت کے لئے دفن کے وقت پردہ	۶۶
۴۳	ایضاً	۶۶
۴۴	قبر پر اذان دینا	۶۷
۴۵	ایضاً	۶۸
۴۶	ایضاً	۶۸
۴۷	تلقین کی قسمیں اور کون سی تلقین جائز ہے؟	۶۹
۴۸	تلقین بعد الدفن	۷۲
۴۹	تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا	۷۵
۵۰	میت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا	۷۷
۵۱	میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے	۷۸
۵۲	قبر میں میت کا منہ دکھلانا	۷۹
۵۳	بوقتِ دفن غیر مسلموں کو چہرہ دکھانا	۸۰
۵۴	زچہ اور بچہ دونوں مر گئے، تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟	۸۱
۵۵	جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟	۸۳
۵۶	بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ	۸۳

۵۷	اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا..................	۸۵
۵۸	اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا..................	۸۷
۵۹	دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق..................	۸۸
۶۰	ایرانی مردہ کو قبرستان میں دفن کرنا..................	۸۹
۶۱	غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا..................	۹۰
۶۲	کسی کی زمین میں اپنی میت کو دفن کرنا..................	۹۰
۶۳	بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا..................	۹۱
۶۴	چمار کی زمین میں جبراً میت کو دفن کرنا..................	۹۲
۶۵	دفنِ میت سے روکنا..................	۹۴
۶۶	لاش دو سال بعد دفن کرنا..................	۹۵
۶۷	پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے؟..................	۹۵
۶۸	پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا..................	۹۶
۶۹	میت کے ساتھ قرآنِ پاک دفن کرنا..................	۹۸
۷۰	قرآنِ کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا..................	۹۹
۷۱	مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا..................	۹۹
۷۲	دفنِ میت کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا..................	۱۰۰
۷۳	دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا..................	۱۰۲
۷۴	قبر پر خوشبو چھڑکنا..................	۱۰۲
۷۵	حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا..................	۱۰۳
۷۶	قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا..................	۱۰۴
۷۷	قبر میں بیری کی شاخ..................	۱۰۴
۷۸	قبر پر بیری کے پتے ڈالنا..................	۱۰۵
۷۹	دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا..................	۱۰۶
۸۰	جذامی کی قبر میں چونا پانی ڈالنا..................	۱۰۶

۸۱	میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول وآخر سراً پڑھا جائے یا جہراً؟	۱۰۷
۸۲	بعد دفن سورتِ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا	۱۰۸
۸۳	میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا	۱۰۹
۸۴	دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا	۱۱۰
۸۵	مسِ ذکر سے مذی آگئی، اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا	۱۱۰
۸۶	دفنِ میت کے بعد چارپائی الٹ دینا	۱۱۱
۸۷	قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا	۱۱۱
۸۸	ایضاً	۱۱۲
۸۹	پرانی قبر پر مٹی ڈالنا	۱۱۳
۹۰	قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا	۱۱۴
۹۱	قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا	۱۱۵
۹۲	قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا	۱۱۶
۹۳	قبر کی مٹی لانا	۱۱۶
۹۴	قبر کی مٹی کھانا	۱۱۷
۹۵	قبر کی مٹی تبرکاً لے جانا	۱۱۹
۹۶	قبرستان کے مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا	۱۲۰
۹۷	قبر کھود کر میت کو دیکھنا اور ایصالِ ثواب	۱۲۰
۹۸	قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا، اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا	۱۲۴
۹۹	بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی	۱۲۴
۱۰۰	میت کو بعد الدفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق	۱۲۷
۱۰۱	دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ ''میں زندہ ہوں'' تو کیا اس کو نکالا جائے؟	۱۳۲
۱۰۲	پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میت کو نکالنا	۱۳۴
۱۰۳	قبر پر کھیتی	۱۳۷
۱۰۴	قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا	۱۳۸

۱۰۵	قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا....................	۱۳۹
۱۰۶	قبروں پر چلنا....................	۱۳۹
۱۰۷	کسی قبر پر ٹیک لگانا....................	۱۴۰
۱۰۸	قبر کے قریب پیشاب کرنا....................	۱۴۱
۱۰۹	قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا....................	۱۴۲
۱۱۰	جنات کا مدفن....................	۱۴۳
۱۱۱	بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا....................	۱۴۴
۱۱۲	ایضاً....................	۱۴۵
۱۱۳	ایضاً....................	۱۴۷
۱۱۴	دفنِ میت کے بعد دعاء مانگنا....................	۱۴۸
۱۱۵	دفن کے وقت اگربتی جلانا اور بعد الدفن دعاء کرنا....................	۱۴۹
۱۱۶	قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا....................	۱۵۱
۱۱۷	دفن کے بعد چھوارے تقسیم کرنا....................	۱۵۲

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبّہ بنانے کا بیان)

۱۱۸	قبر پر قبہ بنانا....................	۱۵۳
۱۱۹	پختہ قبر کا حکم....................	۱۵۹
۱۲۰	پکی قبر کا حکم....................	۱۶۰
۱۲۱	اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازے میں شرکت کرنا....................	۱۶۱
۱۲۲	روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد....................	۱۶۲
۱۲۳	ایضاً....................	۱۶۳
۱۲۴	روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟....................	۱۶۳
۱۲۵	اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟....................	۱۶۴

۱۲۶	قبورِ مشائخ پر قبہ کا حکم	۱۶۵
۱۲۷	پختہ قبر کو ڈھا دینا	۱۶۷
۱۲۸	پختہ قبر کو منہدم کر دینا	۱۶۸
۱۲۹	قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟	۱۶۹
۱۳۰	قبروں پر آڑھ لگانا	۱۷۰

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

۱۳۱	قبر پر پھول ڈالنا	۱۷۱
۱۳۲	قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا	۱۷۲
۱۳۳	کفن یا قبر پر پھول ڈالنا	۱۷۳
۱۳۴	ایضاً	۱۷۳
۱۳۵	قبر پر پھول چادر روشنی کرنا	۱۷۴
۱۳۶	مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا	۱۷۵
۱۳۷	صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا	۱۷۶
۱۳۸	قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال	۱۷۶
۱۳۹	قبور پر چادر	۱۷۹
۱۴۰	قبر پر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ	۱۷۹
۱۴۱	شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی	۱۸۰
۱۴۲	قبر پر اگربتی جلانا، اذان دینا، تیجہ کرنا	۱۸۰
۱۴۳	قبروں پر پانی چھڑکنا	۱۸۱
۱۴۴	قبر سے متعلق چند خرافات	۱۸۱
۱۴۵	مزارات پر خرافات	۱۸۴

باب زيارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

۱۴۶	زیارتِ قبور کا طریقہ	۱۸۶
۱۴۷	اقسامِ زیارتِ قبور	۱۸۷
۱۴۸	ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور	۱۸۸
۱۴۹	قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟	۱۹۰
۱۵۰	جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت	۱۹۱
۱۵۱	عورتوں کا قبرستان میں جانا	۱۹۱
۱۵۲	عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم	۱۹۲
۱۵۳	ایضاً	۱۹۴
۱۵۴	ایضاً	۱۹۵
۱۵۵	عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا	۱۹۶
۱۵۶	اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر	۱۹۷
۱۵۷	کیا حج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟	۲۰۰
۱۵۸	پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھایا	۲۰۰
۱۵۹	سفر برائے زیارتِ قبور	۲۰۰
۱۶۰	زیارتِ قبر کے لئے احرام	۲۰۱
۱۶۱	عید کے دن زیارتِ قبور	۲۰۱

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے ایصالِ ثواب کا بیان)

۱۶۲	ایصالِ ثواب کا طریقہ	۲۰۳
۱۶۳	ایصالِ ثواب کے طریقے	۲۰۴

۱۶۴	ایصالِ ثواب کا فائدہ	۲۰۵
۱۶۵	کیا ایصالِ ثواب کرنے والوں کو بھی ثواب ملتا ہے	۲۰۶
۱۶۶	کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟	۲۰۶
۱۶۷	ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال	۲۰۷
۱۶۸	اپنی زندگی میں مردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرنا	۲۱۳
۱۶۹	اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب	۲۱۶
۱۷۰	مُردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟	۲۱۷
۱۷۱	میت کو بعینہ صدقہ نہیں بلکہ ثواب پہونچتا ہے	۲۱۹
۱۷۲	مشترکہ ایصالِ ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟	۲۲۰
۱۷۳	مُردوں کو ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟	۲۲۲
۱۷۴	ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہوکر پہونچتا ہے؟	۲۲۳
۱۷۵	متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہوکر؟	۲۲۵
۱۷۶	ایک قرآن پاک صدقہ میں دے کر ثواب پورے مجمع کو بخشا	۲۲۶
۱۷۷	قرآن شریف ہبہ کیا، موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟	۲۲۶
۱۷۸	اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھانا	۲۲۹
۱۷۹	اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات	۲۲۹
۱۸۰	ایصالِ ثواب کے لئے قرآنِ کریم دینا	۲۳۰
۱۸۱	ختمِ قرآن پاک کا ثواب مُردے کو پہنچانا	۲۳۲
۱۸۲	میت کے لئے قراءتِ قرآن وغیرہ	۲۳۳
۱۸۳	نماز کا ثواب پہنچانا	۲۳۶
۱۸۴	دو رکعت نفل پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا	۲۳۶
۱۸۵	نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہونچانا	۲۳۸
۱۸۶	نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب	۲۳۸
۱۸۷	ایضاً	۲۳۹

١٨٨	ایضاً	٢٣٩
١٨٩	میتِ صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب	٢٤٠
١٩٠	بچوں کا ایصالِ ثواب کرنا	٢٤١
١٩١	ایضاً	٢٤٣
١٩٢	بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے	٢٤٤
١٩٣	ایک لاکھ کلمۂ طیبہ کا ثواب میت کے لئے	٢٤٤
١٩٤	نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب	٢٤٧
١٩٥	کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب	٢٤٧
١٩٦	غیر مسلم کو ایصالِ ثواب	٢٤٨
١٩٧	شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب	٢٤٩
١٩٨	ایضاً	٢٥١
١٩٩	گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب	٢٥٢
٢٠٠	تعزیتی جلسہ کا حکم	٢٥٤
٢٠١	میت کے لئے جلسۂ تعزیت	٢٥٦
٢٠٢	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ	٢٥٧

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

٢٠٣	قبر پر تلاوت	٢٥٨
٢٠٤	قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟	٢٥٩
٢٠٥	قبر یا بیمار کے پاس تلاوت	٢٦٠
٢٠٦	قبرستان میں تلاوت دیکھ کر کرنا	٢٦١
٢٠٧	قبرستان میں قرآن پاک پڑھ کر ثواب پہونچانا	٢٦٢
٢٠٨	ایضاً	٢٦٤

۲۰۹	قبر پر فاتحہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو؟	۲۶۵
۲۱۰	قبر کے سامنے قرآنِ کریم پڑھنا	۲۶۶
۲۱۱	قبر کے سامنے مناجات	۲۶۶
۲۱۲	قبر پر مراقبہ	۲۶۸
۲۱۳	قبر سے استفادہ کی صورت	۲۶۹

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرها
(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

۲۱۴	سوئم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں	۲۷۰
۲۱۵	سوئم چہلم وغیرہ	۲۷۰
۲۱۶	ایضاً	۲۷۲
۲۱۷	گیارہویں وغیرہ	۲۷۳
۲۱۸	تیجہ، دسواں کا کھانا	۲۷۵
۲۱۹	تیجہ مسجد میں یا مکان پر؟	۲۷۵
۲۲۰	دفنِ میت سے پہلے کھانا	۲۷۶
۲۲۱	میت کے گھر کھانا	۲۷۶
۲۲۲	میت کے گھر کھانا	۲۷۸
۲۲۳	انتقالِ میت پر کھانا دینا	۲۷۸
۲۲۴	طعام المیت	۲۷۹
۲۲۵	توشۂ میت	۲۸۰

باب المتفرقات

۲۲۶	ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا	۲۸۱
۲۲۷	میت کے گھر سے سارا پانی گرا دینا، نمازِ جنازہ کی اجرت	۲۸۱

۲۲۸	حاملہ مرجائے تو وضع حمل کی کیا صورت ہے؟....................	۲۸۲
۲۲۹	جنازہ کی چادر، چٹائی اور چارپائی صدقہ کرنا....................	۲۸۳
۲۳۰	ماں کا بیٹے سے ناراض ہوکر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا....................	۲۸۴
۲۳۱	حیلۂ اسقاط....................	۲۸۴
۲۳۲	ایضاً....................	۲۸۵
۲۳۳	جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ....................	۲۸۶
۲۳۴	مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا....................	۲۸۷
۲۳۵	انتقالِ شوہر پر چوڑیاں توڑنا....................	۲۸۸
۲۳۶	انتقال پر دودھ بخشنا....................	۲۸۸

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

۲۳۷	شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟....................	۲۹۰
۲۳۸	شہداء کی انواع....................	۲۹۱
۲۳۹	احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟....................	۲۹۳
۲۴۰	شہید کے درجے....................	۲۹۴
۲۴۱	جو ظلماً قتل ہو، وہ شہید ہے....................	۲۹۵
۲۴۲	کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں، ان کا حکم....................	۲۹۵
۲۴۳	دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟....................	۲۹۶
۲۴۴	فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟....................	۲۹۷
۲۴۵	ایضاً....................	۲۹۸
۲۴۶	دوقومی فسادات میں مرنے والے کا حکم....................	۲۹۸
۲۴۷	''دق'' کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟....................	۳۰۰

۲۴۸ جو ڈوب کر مرجائے، وہ شہید ہے ۳۰۰
۲۴۹ ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے ۳۰۲
۲۵۰ ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت ۳۰۴
۲۵۱ شہید کا غسل اور کفن ۳۰۴
۲۵۲ جنازۂ شہید پر نماز ۴۰۵
۲۵۳ غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھنا ۴۰۸

کتاب الزکوۃ

۲۵۴ جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم ۳۰۹
۲۵۵ جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم ۳۱۰
۲۵۶ جو زکوۃ ادا نہیں کرتا، اس کا ہدیہ قبول کرنا ۳۱۰
۲۵۷ زکوۃ جمع رکھنا ۳۱۱
۲۵۸ زکوۃ دے کر احسان جتانا ۳۱۲

باب وجوبِ الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

۲۵۹ صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوبِ زکوۃ ۳۱۳
۲۶۰ حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟ ۳۱۴
۲۶۱ وسطِ سال کی آمدنی بھی سالِ تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی ۳۱۵
۲۶۲ مالِ زکوۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ ۳۱۵
۲۶۳ مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ عجمی میں زکوۃ ۳۱۶
۲۶۴ دینِ مہر کیا مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے ۳۱۸
۲۶۵ کیا عورت کے دینِ مہر پر زکوۃ لازم ہے؟ ۳۱۹

۲۶۶	مقروض پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت	۳۲۱
۲۶۷	مقروض پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟	۳۲۲
۲۶۸	مالکِ زمین مقروض پر زکوۃ	۳۲۳
۲۶۹	مقروض دوالیہ پر وجوبِ زکوۃ وقربانی کا حکم	۳۲۳
۲۷۰	حرام مال پر زکوۃ نہیں	۳۲۴
۲۷۱	مالِ حرام پر زکوۃ	۳۲۵
۲۷۲	سینما کی آمدنی پر زکوۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا	۳۲۶
۲۷۳	مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟	۳۲۶
۲۷۴	''فقیر'' قوم پر زکوۃ	۳۲۷
۲۷۵	قوم فقیر پر زکوۃ	۳۲۸
۲۷۶	ہبہ پر زکوۃ	۳۲۸
۲۷۷	بیوہ پر زکوۃ	۳۲۹
۲۷۸	وکالت کی آمدنی پر زکوۃ	۳۳۰
۲۷۹	جو روپیہ نابالغ کو دے دیا اس پر زکوۃ نہیں	۳۳۲
۲۸۰	بینک میں جمع روپے پر زکوۃ	۳۳۴
۲۸۱	نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ	۳۳۵
۲۸۲	بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ	۳۳۶
۲۸۳	جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوۃ	۳۳۶
۲۸۴	حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ	۳۳۷
۲۸۵	جو روپیہ کھیت میں لگا، اس پر زکوۃ کا حکم	۳۳۸
۲۸۶	حج کے روپیہ پر زکوۃ	۳۳۸
۲۸۷	مکان کے لئے جمع رقم پر زکوۃ	۳۳۹
۲۸۸	نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر؟	۳۳۹

۲۸۹	حیلۂ عدمِ وجوبِ زکوۃ	۳۴۰
۲۹۰	زکوۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ	۳۴۱
۲۹۱	کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟	۳۴۲
۲۹۲	**حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء**	۳۴۴
۲۹۳	زکوۃ کی تعریف	۳۴۴
۲۹۴	زکوۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟	۳۴۴
۲۹۵	وجوبِ زکوۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟	۳۴۴
۲۹۶	وجوبِ زکوۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت	۳۴۵
۲۹۷	زکوۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟	۳۴۵
۲۹۸	اداروں پر زکوۃ	۳۴۵
۲۹۹	قابلِ انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوۃ ہے یا بیچنے والے پر؟	۳۴۵
۳۰۰	کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟	۳۴۵
۳۰۱	دورِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ	۳۴۶
۳۰۲	نِکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوۃ	۳۴۶
۳۰۳	مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوۃ	۲۴۶
۳۰۴	مالِ نامی کے حدود	۳۴۶
۳۰۵	مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوۃ کے قواعد	۳۴۷
۳۰۶	کن کن مملوکہ جانوروں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟	۳۴۷
۳۰۷	اموالِ زکوۃ پر زکوۃ کی شرح	۳۴۷
۳۰۸	کیا دورِ خلفائے راشدین میں بعض اموالِ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟	۳۴۷
۳۰۹	دوسو نقرئی درہم، بیس طلائی مثقالی کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوۃ	۳۴۷
۳۱۰	موجودہ حالات کے پیشِ نظر شرحِ زکوۃ میں تبدیلی	۳۴۷
۳۱۱	مختلف اثاثوں پر وجوبِ زکوۃ کی مدت	۳۴۸
۳۱۲	کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوۃ ہے؟	۳۴۸

۳۱۳	اداۓ زکوۃ میں شمسی وقمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین	۳۴۸
۳۱۴	زکوۃ کے مصارف	۳۴۸
۳۱۵	مصارف کے حدود اور "فی سبیل اللّٰہ" کا مفہوم	۳۴۸
۳۱۶	تمام زکوۃ کو تمام مصارف میں، یا متعین حصہ متعین مصرف میں صَرف کیا جائے؟	۳۴۸
۳۱۷	مستحقِ زکوۃ کے استحقاق کے حالات اور بنو ہاشم کو زکوۃ کا حق	۳۴۸
۳۱۸	مصرفِ زکوۃ افراد ہیں یا ادارے؟	۳۴۹
۳۱۹	غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوۃ	۳۴۹
۳۲۰	زکوۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صَرف کرنا	۳۴۹
۳۲۱	زکوۃ کی رقم بطور قرض دینا	۳۴۹
۳۲۲	مصرفِ زکوۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟	۳۴۹
۳۲۳	ترکۂ میت سے زکوۃ لینا	۳۴۹
۳۲۴	عدمِ وجوبِ زکوۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر	۳۴۹
۳۲۵	تحصیلِ زکوۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟	۳۵۰
۳۲۶	زکوۃ کے نظم ونسق کا طریقہ اور وصولِ زکوۃ کے لئے الگ محکمہ	۳۵۰
۳۲۷	زکوۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟	۳۵۰
۳۲۸	دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوۃ وغیرہ	۳۵۰
۳۲۹	اسلامی ممالک میں وصولیٔ زکوۃ کا طریقہ	۳۵۰
۳۳۰	انتظامِ زکوۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟	۳۵۰
۳۳۱	منتظمینِ زکوۃ کی تنخواہوں اور فنڈ زکی شرائط	۳۵۰

باب الزکاۃ فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ [illegible])

۳۳۲	زیور کی زکوۃ	۳۶۸
۳۳۳	جس زیور میں پتھر جڑے ہوں ان پر زکوۃ	۳۶۹

۳۳۴	چاندی کا نصاب	۳۷۰
۳۳۵	چاندی کی زکوۃ	۳۷۱
۳۳۶	سونا چاندی مخلوط کی زکوۃ	۳۷۳
۳۳۷	سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ دینا	۳۷۳
۳۳۸	سونے اور چاندی کی زکوۃ الگ الگ دی جائے	۳۷۴
۳۳۹	لڑکی کے زیور پر زکوۃ	۳۷۶
۳۴۰	مرہون زیور کی زکوۃ	۳۷۶
۳۴۱	مہر کی رقم پر زکوۃ کا حکم	۳۷۷
۳۴۲	زیور کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟	۳۷۸
۳۴۳	ادائے زکوۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۳۷۸
۳۴۴	چاندی کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟	۳۷۹
۳۴۵	بذریعۂ قیمت سونے چاندی کی زکوۃ	۳۸۰
۳۴۶	سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہوتو زکوۃ کس طرح ادا کی جائے؟	۳۸۲
۳۴۷	چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوۃ کا حکم	۳۸۲
۳۴۸	نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے	۳۸۳
۳۴۹	نوٹ پر زکوۃ	۳۸۵
۳۵۰	نوٹ کی زکوۃ	۳۸۹
۳۵۱	نوٹ سے زکوۃ کا حکم	۳۸۹
۳۵۲	نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ کی ادائیگی	۳۹۱
۳۵۳	نوٹ کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی	۳۹۱
۳۵۴	نوٹ اور ریزگاری سے زکوۃ	۳۹۳
۳۵۵	غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوۃ	۳۹۷
۳۵۶	روپے کی زکوۃ وزن سے ہے یا قیمت؟	۳۹۸

۳۵۷	چاندی کی زکوۃ میں قیمت دینا	۳۹۹
۳۵۸	نصابِ زکوۃ روپے کے اعتبار سے	۴۰۰
۳۵۹	دفینہ پر زکوۃ اور ادائے زکوۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا	۴۰۰
۳۶۰	دَینِ قوی اور دَینِ ضعیف	۴۰۱
۳۶۱	قرض پر زکوۃ	۴۰۲
۳۶۲	قرض کی زکوۃ	۴۰۳
۳۶۳	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ	۴۰۴
۳۶۴	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم	۴۰۴
۳۶۵	پراویڈنٹ فنڈ اور زرِ ضمانت پر زکوۃ	۴۰۵
۳۶۶	ختمِ ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوۃ	۴۰۵
۳۶۷	کسور پر زکوۃ اور اس کی مثال	۴۰۸

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

۳۶۸	سامانِ تجارت پر زکوۃ	۴۱۰
۳۶۹	سامانِ تجارت کی زکوۃ	۴۱۱
۳۷۰	مالِ تجارت میں زکوۃ	۴۱۲
۳۷۱	ایضاً	۴۱۳
۳۷۲	مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ	۴۱۳
۳۷۳	بعض مالِ تجارت فروخت ہو جائے اور بعض رہ جائے تو زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟	۴۱۴
۳۷۴	مالِ تجارت کی زکوۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا	۴۱۴
۳۷۵	مالِ تجارت میں کس قیمت پر زکوۃ ہوگی؟	۴۱۵
۳۷۶	تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوۃ کس قیمت سے ادا کرے؟	۴۱۶

۳۷۷	چھپائی کے کاغذ پر زکوۃ	۴۱۷
۳۷۸	آلاتِ تجارت پر زکوۃ	۴۱۷
۳۷۹	سامانِ مطب میں زکوۃ	۴۱۸
۳۸۰	پریس کی مشین پر زکوۃ	۴۱۹
۳۸۱	شیئرز کی بیع اور ان کی زکوۃ	۴۱۹
۳۸۲	مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم	۴۲۱
۳۸۳	مضاربت میں زکوۃ	۴۲۲
۳۸۴	جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوۃ	۴۲۳
۳۸۵	گھر کے سامان میں زکوۃ	۴۲۴
۳۸۶	گھڑی کی زکوۃ	۴۲۵
۳۸۷	کرایہ کے مکانات پر زکوۃ	۴۲۵
۳۸۸	سلم کے روپیہ اور زمین پر زکوۃ	۴۲۶
۳۸۹	کارخانہ کی زمین ومشین پر زکوۃ	۴۲۷

باب زكاة المواشی

(جانوروں کی زکوۃ کا بیان)

۳۹۰	بھینس پر زکوۃ ہے یا دودھ پر؟	۴۲۸
۳۹۱	تجارت کے جانوروں کی زکوۃ	۴۲۹
۳۹۲	نصاب سے کم جانوروں میں زکوۃ نہیں	۴۲۹

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

۳۹۳	قرآن کریم سے عشر کا ثبوت	۴۳۱
۳۹۴	وجوبِ عشر	۴۳۲

۳۹۵	عشر کا نصاب	۴۳۲
۳۹۶	مقدارِ عشر	۴۳۲
۳۹۷	ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟	۴۳۲
۳۹۸	عشر	۴۳۴
۳۹۹	آبی اور بارشی زمین میں عشر	۴۳۵
۴۰۰	عشری اور خراجی زمین	۴۳۵
۴۰۱	مال گذاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا	۴۳۷
۴۰۲	باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوۃ	۴۳۷
۴۰۳	زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلۂ عشر	۴۳۸
۴۰۴	نقد، زمین وغیرہ میں زکوۃ	۴۴۳
۴۰۵	زکوۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق	۴۴۶

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

۴۰۶	اراضیٔ ہند سے متعلق تفصیل	۴۵۳
۴۰۷	ہندوستانی زمین کا حکم	۴۵۴
۴۰۸	ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟	۴۵۴
۴۰۹	اراضیٔ ہندوستان میں عشر وخراج کا حکم	۴۵۶
۴۱۰	اراضیٔ ہند میں عشر کا حکم	۴۵۸
۴۱۱	ہندوستانی زمینوں میں عشر	۴۵۸
۴۱۲	کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟	۴۶۰
۴۱۳	عشر وخراج اور اراضیٔ ہند	۴۶۱

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

۴۱۴	زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟	۴۶۴
۴۱۵	تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا	۴۶۵
۴۱۶	زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا	۴۶۶
۴۱۷	زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا	۴۶۷
۴۱۸	حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوۃ دینا	۴۶۸
۴۱۹	غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی	۴۶۸
۴۲۰	مستعمل چیز زکوۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟	۴۶۹
۴۲۱	زکوۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں	۴۷۰
۴۲۲	زکوۃ کے روپیہ کی تقسیم	۴۷۱
۴۲۳	کیا زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟	۴۷۱
۴۲۴	امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوۃ ہے؟	۴۷۵
۴۲۵	مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوۃ کے لئے	۴۷۶
۴۲۶	قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا	۴۷۷
۴۲۷	زکوۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا	۴۷۷
۴۲۸	فقیر کو کھلانے سے زکوۃ کی ادائیگی	۴۷۸
۴۲۹	زکوۃ میں کھانا دینا	۴۷۸
۴۳۰	چوری کی ہوئی رقم کو زکوۃ میں شمار کرنا	۴۷۹
۴۳۱	زکوۃ کی رقم چوری ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟	۴۸۰
۴۳۲	مقدارِ نصاب سے زائد کسی کو زکوۃ دینا	۴۸۰
۴۳۳	اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی تو کیا آئندہ سال دو سال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟	۴۸۱

۴۳۴	ادائے زکوۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا............................	۴۸۲
۴۳۵	صرفۂ ڈاک زکوۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا............................	۴۸۳
۴۳۶	زکوۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا............................	۴۸۴
۴۳۷	زکوۃ کی رقم بطورِ قرض لے کر خرچ کرنا............................	۴۸۵
۴۳۸	زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا............................	۴۸۵
۴۳۹	زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا............................	۴۸۹
۴۴۰	زکوۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا............................	۴۸۹
۴۴۱	وکیل کا زکوۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا............................	۴۹۰
۴۴۲	وکیل خود مستحق زکوۃ ہو تو کیا وہ زکوۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟............................	۴۹۱
۴۴۳	وکیل کا زکوۃ کی رقم خود رکھنا............................	۴۹۲
۴۴۴	وکیل کا مؤکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوۃ دینا............................	۴۹۴
۴۴۵	وکیل کا زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا............................	۴۹۵
۴۴۶	معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کرنا............................	۴۹۵
۴۴۷	زکوۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کرکے خیرات کرنا............................	۴۹۷
۴۴۸	سفیہ کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ............................	۴۹۸
۴۴۹	زکوۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی............................	۴۹۸
۴۵۰	حیلۂ تملیک............................	۵۰۰
۴۵۱	حیلۂ تملیک............................	۵۰۱
۴۵۲	تملیک کی صورت............................	۵۰۲
۴۵۳	حج کے لئے حیلۂ تملیک............................	۵۰۳
۴۵۴	صدقۂ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلۂ تملیک............................	۵۰۵
۴۵۵	سیّد سے تملیکِ زکوۃ............................	۵۰۵
۴۵۶	کیا مہتمم مدرسہ کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی؟............................	۵۰۶

۴۵۷	سوال متعلقہ سوال وجواب بالا	۵۰۹
۴۵۸	مہتمم سے مالِ زکوۃ ضائع ہوجانے پر زکوۃ کا حکم	۵۱۲
۴۵۹	مہتمم کے پاس سے زکوۃ چوری ہوگئی	۵۱۲
۴۶۰	مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟	۵۱۳
۴۶۱	ایضاً	۵۱۴
۴۶۲	ادارے میں زکوۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا	۵۱۵

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

۴۶۳	فقیر کی تعریف	۵۱۶
۴۶۴	مسکین کسے کہتے ہیں؟	۵۱۶
۴۶۵	مستحقِ زکوۃ کون ہے؟	۵۱۷
۴۶۶	سب سے بہتر مصرفِ زکوۃ	۵۱۸
۴۶۷	مصارفِ زکوۃ	۵۱۹
۴۶۸	مصارفِ بیت المال	۵۲۰
۴۶۹	بیت المال	۵۲۱
۴۷۰	زکوۃ اور عشر کا مصرف	۵۲۲
۴۷۱	تاجر مقروض کو زکوۃ دینا	۵۲۳
۴۷۲	مقروض کب مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۲۳
۴۷۳	مقروض کو زکوۃ دینا	۵۲۴
۴۷۴	جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوۃ ہے	۵۲۵
۴۷۵	ایضاً	۵۲۵
۴۷۶	پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوۃ لینا	۵۲۶

۴۷۷	جس کا گذر تنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۲۷
۴۷۸	گداگروں کو زکوۃ	۵۲۷
۴۷۹	زکوۃ لے کر اپنے باپ کو دینا	۵۲۸
۴۸۰	لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوۃ دینا	۵۲۸
۴۸۱	عالم کی اولاد کے لئے زکوۃ	۵۲۹
۴۸۲	امام اور عالم کو صدقاتِ واجبہ دینا	۵۲۹
۴۸۳	امام کو زکوۃ دینا	۵۳۲
۴۸۴	شریکِ مکان کو زکوۃ دینا	۵۳۲
۴۸۵	نابالغ کو زکوۃ	۵۳۳
۴۸۶	نابالغ کو زکوۃ دینے کی صورتیں	۵۳۴
۴۸۷	بچوں کو زکوۃ دینا	۵۳۷
۴۸۸	اقرباء کو زکوۃ دینا	۵۳۸
۴۸۹	رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ	۵۳۸
۴۹۰	داماد کو زکوۃ دینا	۵۳۹
۴۹۱	کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوۃ ہیں؟	۵۴۰
۴۹۲	لڑکے کی بیوی کو زکوۃ، فطرہ دینا	۵۴۰
۴۹۳	غریب بھائی کو زکوۃ دینا	۵۴۰
۴۹۴	زکوۃ بھائی اور اس کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۵	زکوۃ کی رقم ماموں، سالے اور ان کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۶	پھوپھی زاد بہن کو زکوۃ دینا	۵۴۲
۴۹۷	دوا کے ذریعے زکوۃ ادا کرنا	۵۴۴
۴۹۸	زکوۃ سے طبی امداد	۵۴۴
۴۹۹	تبلیغی جماعت کو زکوۃ دینا	۵۴۶

۵۰۰	نادار طلبہ کو زکوۃ دینا	۵۴۷
۵۰۱	حاجت مند ماں باپ کو زکوۃ دینا	۵۴۹
۵۰۲	والد اور سوتیلی والدہ کو زکوۃ دینا	۵۵۰
۵۰۳	جن اقرباء وغیرہ کو زکوۃ نہیں دے سکتے	۵۵۱
۵۰۴	سادات کو زکوۃ دینا	۵۵۱
۵۰۵	سید کو زکوۃ دینا	۵۵۲
۵۰۶	سید کو زکوۃ دینا	۵۵۲
۵۰۷	سید کی زکوۃ سید کو دینا	۵۵۶
۵۰۸	زکوۃ سے سید کا قرض ادا کرنا	۵۵۷
۵۰۹	سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوۃ دینا	۵۵۸
۵۱۰	سادات کو بینک کا سود اور زکوۃ دینا	۵۵۹
۵۱۱	صاحب نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوۃ سے کھالینا	۵۶۱
۵۱۲	زکوۃ کی کتابیں صاحب نصاب کو دینا	۵۶۱
۵۱۳	زکوۃ جمعیۃ علمائے اسلام کو دینا	۵۶۲
۵۱۴	دار الحرب میں حربی کو زکوۃ وصدقہ	۵۶۳
۵۱۵	زکوۃ غیر مسلم کو دینا	۵۶۵
۵۱۶	حج کے لئے زکوۃ لینا	۵۶۶
۵۱۷	زکوۃ سے میت کو کفن دینا	۵۶۷
۵۱۸	زکوۃ، فطرہ سے کفنِ میت	۵۶۷
۵۱۹	رفاہِ عام کے کام میں زکوۃ صرف کرنا	۵۶۸
۵۲۰	قبرستان کے مقدمہ میں زکوۃ لگانا	۵۶۹
۵۲۱	قتل کے مقدمہ میں زکوۃ دینا	۵۶۹
۵۲۲	زکوۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا	۵۷۰

۵۲۳	مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا	۵۷۱
۵۲۴	کیا زمیندار مستحقِ زکوٰۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۵	جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۶	جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم	۵۷۳
۵۲۷	جس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں، کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟	۵۷۴
۵۲۸	تعمیرِ اسکول میں زکوٰۃ	۵۷۴
۵۲۹	صدقۂ جاریہ میں زکوٰۃ کا مصرف	۵۷۵

فصل فی صرف الزکوۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان)

۵۳۰	مدارس میں زکوٰۃ دینا	۵۷۷
۵۳۱	زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا	۵۸۸
۵۳۲	زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا	۵۸۸
۵۳۳	بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا	۵۹۰
۵۳۴	نیم سرکاری مدرسہ میں زکوٰۃ دینا	۵۹۱
۵۳۵	مدرسہ میں زکوٰۃ کا روپیہ	۵۹۲
۵۳۶	فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا	۵۹۳
۵۳۷	جس مدرسہ میں مصرفِ زکوٰۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو، وہاں زکوٰۃ دینا	۵۹۴
۵۳۸	مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرمِ قربانی	۵۹۵
۵۳۹	مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف	۵۹۷
۵۴۰	ایضاً	۵۹۸
۵۴۱	طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت	۵۹۹
۵۴۲	صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا	۶۰۰
۵۴۳	طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا	۶۰۱

۵۴۴	مطبخ سے بمدِ زکوۃ طلبہ کو کھانا دینا	۶۰۲
۵۴۵	غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوۃ کو صرف کرنا	۶۰۴
۵۴۶	زکوۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا	۶۰۴
۵۴۷	زکوۃ سے مدرسین کو تنخواہ دینا	۶۰۶
۵۴۸	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۶۰۶
۵۴۹	زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا	۶۰۷
۵۵۰	مالِ زکوۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا	۶۰۸
۵۵۱	ادائے زکوۃ بغیرِ تملیک کے، زکوۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا	۶۰۹
۵۵۲	زکوۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا	۶۰۹
۵۵۳	مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوۃ دینا	۶۱۱
۵۵۴	اسکول میں زکوۃ وصدقۂ فطر	۶۱۱

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

۵۵۵	نصابِ صدقۃ الفطر	۶۱۴
۵۵۶	مصرفِ فطرہ وفدیہ	۶۱۷
۵۵۷	صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت	۶۱۹
۵۵۸	نصابِ صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف	۶۲۰
۵۵۹	صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل	۶۲۰
۵۶۰	فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟	۶۲۱
۵۶۱	صدقۂ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۶۲۲
۵۶۲	فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟	۶۲۳
۵۶۳	فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟	۶۲۴

۵۶۴	صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟	۶۲۴
۵۶۵	چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی صورت	۶۲۶
۵۶۶	چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار	۶۲۷
۵۶۷	جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہو، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟	۶۲۷
۵۶۸	صدقۃ الفطر وغیرہ کے لئے بیت المال	۶۳۲
۵۶۹	فقیر، مسکین اور صدقۂ فطر کا مصرف	۶۳۳
۵۷۰	فطرہ کا مصرف ہمیشہ کے لئے متعین کرنا	۶۳۳
۵۷۱	صدقۂ فطر کیا امام کا حق ہے؟	۶۳۴
۵۷۲	کیا پوتہ کا صدقۂ فطر دادا پر ہے؟	۶۳۵
۵۷۳	امام اور مولوی کے لئے صدقۂ فطر	۶۳۶
۵۷۴	نابالغ کو فطرہ دینا	۶۳۸
۵۷۵	عید کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟	۶۳۸
۵۷۶	صدقۃ الفطر و زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا	۶۳۹
۵۷۷	فطرہ اور چرمِ قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا	۶۴۰

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

۵۷۸	غنی کو صدقہ دینا	۶۴۲
۵۷۹	صدقہ وخیرات میں فرق	۶۴۲
۵۸۰	زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ خیرات	۶۴۳
۵۸۱	کفارہ کی رقم، فقیر، قاضی یا استاد کو یکبارگی دینا	۶۴۴
۵۸۲	للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال	۶۴۵
۵۸۳	پیداوار میں سے زکوٰۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ	۶۴۰

9

۵۸۴	حرام مال کا صدقہ	۶۴۶
۵۸۵	پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا	۶۴۷
۵۸۶	جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا	۶۴۸
۵۸۷	خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا	۶۴۸
۵۸۸	مقروض کا نفلی چندہ دینا	۶۴۹
۵۸۹	کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے	۶۴۹
۵۹۰	زکوۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقۂ نافلہ دینا	۶۵۰
۵۹۱	تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا	۶۵۱

باب المتفرقات

۵۹۲	زکوۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا	۶۵۲
۵۹۳	زکوۃ میں مبیع کی قیمت کم کردینا	۶۵۲
۵۹۴	اپنی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا	۶۵۳
۵۹۵	تحفہ میں زکوۃ ہونے کا شک	۶۵۴
۵۹۶	جو رقم بقصدِ زکوۃ الگ رکھ دی گئی اس میں تصرف کا حکم	۶۵۵

☆.....☆.....☆

الفصل الرابع فی حمل الجنازة

(جنازہ اٹھانے اور لے جانے کا بیان)

جنازہ کوکس رفتار سے لیکر چلنا چاہیے؟

سوال[۴۱۵۵]: جنازہ لے کر کس رفتار سے چلنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازہ لے کر پوری رفتار سے چلنا چاہیے، لیکن دوڑنا نہیں چاہیے جس سے جنازہ منتشر ہو جائے (جیسا کہ غیر مسلم لے جاتے ہیں)، نہ اتنا آہستہ لیجائیں جیسا کہ یہاں دستور ہے کہ بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں، جہاں کسی نے پورا قدم اٹھایا سب نے منع کرنا شروع کر دیا کہ آہستہ چلو، گویا کہ جنازہ کو بیمار تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو اسپتال لے جارہے ہیں، حدیثِ پاک میں جنازہ کو تیز لے کر چلنے کا حکم ہے، یہی حکم فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه: قال سألنا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن المشی مع الجنازة؟ فقال: "ما دون الخبب، إن یکن خیراً نعجّل إلیه، وإن یکن غیر ذلک، فبُعداً لأهل النار، والجنازة متبوعة ولا تتبع، لیس معها من تقدمها". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة: ۲/۹۷، امدادیه ملتان)

"(ویسرع بها بلا خبب): أی عدو سریع". (الدرالمختار). "(قوله: بلا خبب) و حد التعجیل المسنون أن یسرع به بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازة للحدیث: "أسرعوا بالجنازة".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۱، سعید)

" والإسراع بالجنازة أفضل من الإبطاء ...... لکن ینبغی أن یکون الإسراع دون الخبب".

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: والکلام فی حمله علی الجنازة الخ: ۲/۴۳، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشیدیه)

جنازہ کتنے قدم لیکر چلے

سوال[۴۱۵۶]: جنازہ لے جاتے وقت یہاں پر ایک عمل ہے کہ چارپائی کو چار آدمی پکڑے ہوئے لے جاتے ہیں اور دس دس قدم کے بعد گردن بدلتے ہیں، آخر ایک جگہ کے بعد جب پہلا آدمی پہلی جگہ پر آجاتا ہے یعنی چالیس قدم ہوجاتے تب قبرستان لے جاتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟ یہاں اس کا کافی زور چل رہا ہے اور بعض لوگ اتنا تشدد کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والوں سے جھگڑا کرتے ہیں، اس لئے آپ کے فتویٰ کی سخت ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں اور ہر اٹھانے والا چالیس قدم لے کر چلے، باقی دس دس قدم پر منزل کر، شرعی حکم نہیں ہے، رسمِ محدث ہے، اس کی اصلاح کی جائے، "ویسن لحملها أربعة رجال، وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوةً، اهـ". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۳ھ۔

میت کو کندھا دینا چالیس قدم

سوال[۴۱۵۷]: یہ دستور ہے کہ مردے کو قبر میں لے جاتے وقت قدم شمار کئے جاتے ہیں یعنی گھر

---

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۲۰۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۱، سعيد)

"وينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات لما روي في الحديث: "من حمل جنازة أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

سے قبر تک چالیس قدم گنے جاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کو چالیس قدم کندھا دینا بعض روایات میں منقول ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا

سوال[۴۱۵۸]: بعض جنازہ جب اٹھاتے ہیں تو ہلکا ہوتا ہے، کچھ دور چلنے کے بعد کافی بھاری ہو جاتا ہے اور بعض جنازے بالکل ہلکے پھلکے ہوتے ہیں، اس میں کوئی وجہ ہو تو جواب سے نوازیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بعض جنازے میں ملائکہ شرکت فرماتے ہیں اور اس کو اٹھاتے ہیں اتنا تو حدیث میں ہے، ممکن ہے اس میں غور کرنے سے آپ کا مسئلہ بھی کچھ حل ہو جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "(وإذا حمل الجنازة وضع) ندباً (مقدمها)......... عشر خطوات لحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوة، كفرت عنه أربعين كبيرةً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۱، سعيد)

"و ينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات، لما روى في الحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(۲) "لما مات سعد بن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه و كان رجلاً جسيماً جزلاً ..... فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! لقد كانت الملائكة تحمل سريره". عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ سبعون ألف ملك، لم ينزلوا إلى الأرض قبل ذلك". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين من الأنصار، مناقب سعد بن معاذ: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت) ....=

....

= "عن ثوبان رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی جنازة فرآی ناساً رکباناً فقال: "لا تستحیون أن ملائکة الله علی أقدامهم وأنتم علی ظهور الدواب"؟ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة الرکوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعید)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "حدیث ثوبان یدل علی أن الملائکة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلک عام مع المسلمین بالرحمة و مع الکفار باللعنة، قال أنس رضی الله تعالیٰ عنه: مرت جنازة برسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقام، فقیل: إنها جنازة یهودی؟ فقال: "إنا قمنا للملائکة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشیدیه)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح ایک متقی شخص اپنی حیات میں بندوں کے لئے راحت وآرام کا باعث تھا اسی طرح موت کے بعد بھی ہو، اور جس طرح ایک فاسق وفاجر شخص اپنی زندگی میں لوگوں کے لئے ایذاءرسانی اور تکلیف کا باعث تھا اسی طرح بعدالوفات بھی وہ اپنی حیات کی ایک جھلک کے طور پر لوگوں پر بوجھ بن رہا ہو، جیسا کہ ذیل کی حدیث اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"عن أبی قتادة بن ربعی الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یحدث أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مُرّ علیه بجنازة قال: "مستریح أو مستراح منه" قالوا: یا رسول الله! ما المستریح والمستراح منه؟ قال: "العبد المؤمن یستریح من نُصب الدنیا وأذاها إلی رحمة الله، والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر و الدواب". (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۲/۹۶۳، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجرؒ: "أن یکون المراد براحة العباد منه لِمَا یقع لهم من ظلم و راحة الأرض منه لما یقع علیها من غضبها و منعها من حقها و صرفه فی غیر وجهه وراحة الدواب ممالایجوز من اتعابها. والله أعلم". (فتح الباری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۱۱/۴۴۴، قدیمی)

(وکذا فی مرقات المفاتیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، (رقم الحدیث: ۱۶۰۳): ۴/۶۹، ۷۰، رشیدیه)

جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی

سوال[۴۱۵۹]: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی جنازہ لے کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کتبِ فقہ میں اس کی صورت لکھی ہے۔ اب اگر جتنے آدمی جنازہ کے اندر گئے ہیں سب یکے بعد دیگرے جنازہ لے کر چالیس قدم چلے، اب ہر ایک آدمی کے چالیس چالیس گناہ معاف ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ويستحب أن يحملها من كل جانب عشر خطوات لما روى عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت عنه أربعين كبيرةً" رواه أبوبكر النجار". كبيری، ص: ٥٤٨ (١)۔ اس عبارت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو کہ ۴۰/ قدم جنازہ اٹھا کر چلے گا اس کے ۴۰/...... گناہ معاف ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ لیجاتے وقت رخ کس طرف ہو؟

سوال[۴۱۶۰]: میت کو غسل دے کر گورستان کی طرف جو مشرق کی جانب ہے اٹھا کر جب جنازہ لے جاتے ہیں تو پاؤں میت کے کس طرف کریں؟ اگر خلافِ معتاد آگے کو کریں تو رخ میت کا قبلہ کے مخالف جانب ہوگا، اگر سر آگے حسبِ معتاد کریں تو رخ میت کا قبلہ کو ہوگا۔ میت کو کس طرح لے جانا چاہیے؟

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الخامس في الحمل: ٥٩٢، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و ينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات لما روى في الحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ٢/٤٣، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢/٢٣١، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٣٨، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

معتاد صورت بلاتردد جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

میت کو قبرستان لیجاتے وقت پیر آگے کرنا

سوال[۴۱۶۱]: اگر کسی مقام پر قبرستان آبادی سے بطرف قبلہ ہو، تو میت کو لیجاتے وقت پیر آگے رکھنے کی طرف رکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر آگے کرنا خلافِ سنت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟

سوال[۴۱۶۲]: کسی عورت کی میت کو گھر سے پیروں کی جانب سے نکالیں یا سر کی جانب سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کی جانب سے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي حال المشي بالجنازة يقدم الرأس". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في حمل الجنازة: ۱۵۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

"و في حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱۶۲/۱، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "وفي حال المشي بالجنازة يقدم الرأس". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في حمل الجنازة: ۱۵۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

"و في حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب =

عورت کے جنازہ کو نامحرم چھو سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۶۳]: کیا عورت کے جنازہ کو غیر محرم چھو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھو سکتا ہے: "لأن یده ماوصل إلی بدنها فلا مانع بأخذ السریر"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا

سوال[۴۱۶۴]: جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازے کے ساتھ ننگے سر نہیں جانا چاہیے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشیدیه)

(۱) چونکہ ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) کی تجہیز وتکفین، صلوۃ جنازہ، دفن وغیرہ تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اور جنازہ کے اٹھانے کے لئے اس کو چھونا پڑتا ہے، لہٰذا شرعاً یہ جائز ہے:

"(والصلاة علیه) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع ...... (کدفنه) و غسله وتجهیزه، فإنها فرض کفایة". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"(الصلاة علیه) ککفنه و دفنه و تجهیزه (فرض کفایة) مع عدم الانفراد بالخطاب بها".

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الأقبیة: ۲/۲۰۳، امدادیه ملتان)

"ویکره کشف رأسه بین الناس و ما لیس بعورة و ما جرت العادة بستره". (غنیة الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی رحمه اللہ تعالیٰ: ۱/۱۳)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، لباس زینت، کھلے سر پھرنا کیسا ہے؟: ۱۰/۱۵۵، دارالاشاعت کراچی)

جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا

سوال[۴۱۶۵]: نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب جنازہ قبرستان جاتا ہے اس وقت بازار میں لوگ ملتے ہیں، بعض دوکاندار کام میں لگے ہوتے ہیں وہ نعش کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، کچھ دور تک جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں پھر واپس ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہ گار قرار پائے گا یا نہیں؟ اپنی ضرورتِ شدیدہ کی بنا پر واپس ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا قبرستان تک جانا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم میت کو غسل کفن دینا، جنازہ کی نماز پڑھنا، اس کو قبرستان پہنچانا، دفن کرنا یہ سب چیزیں میت کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر لازم ہیں، مگر ان کا لزوم ایسا نہیں جیسا فرض نمازوں کا لزوم ہے کہ ہر شخص پر فرضِ عین ہے، بلکہ جو لوگ میت کے گھر والے ہیں ان پر لزوم ہے، پھر پڑوس والوں پر ہے، پھر دیگر اہلِ محلہ پر اور اہلِ بستی پر ہے پھر اور سب پر ہے، جہاں تک علم وقدرت ہو۔ اگر گھر والوں نے ان سب چیزوں کو پورا کر دیا تو سب کے ذمہ سے لزوم ساقط ہو جائے گا، اگر اہلِ محلہ اور اہلِ بستی نے پورا کر دیا تو گھر والوں سے ساقط ہو جائے گا، اگر کسی نے نہیں کیا تو سب گنہ گار رہوں گے، تاہم محض گھر والوں کے کرنے پر دوسرے لوگ بھروسہ اور کفایت نہ کریں بلکہ ان کی ہمدردی اور اعانت حسبِ وسعت لازم ہے۔

اگر جنازہ لے جایا جارہا ہو اور کوئی شخص اپنے کام میں مشغول ہو اس کو مناسب ہے کہ کام چھوڑ کر جنازہ کے اہتمام کے لئے کھڑا ہو جائے اور قبرستان تک جائے، دفن وغیرہ میں شرکت کرے(۱)، لیکن اگر کام ضروری ہے جس کو پھر نہیں کر سکتا تو نماز جنازہ پڑھ کر جنازہ کے ولی سے اجازت لے کر واپس آجائے، اگر نماز کے لئے جانے کو بھی وقت میں گنجائش نہیں مشغولی زیادہ ہے تب بھی یہ ترکِ فرض کا مجرم نہیں، البتہ یہ طریقہ بنالینا مکروہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ چل کر اس کی نماز پڑھ کر واپس چلا آئے اور دفن کے لئے قبرستان نہ جائے، اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو جنازہ کے ولی سے معذرت کر کے چلا آئے تو مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبع و نهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز وعیادة المریض". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر =

....

= باتباع الجنائز: ۱/۱۶۲، قدیمی)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع، فيكفر منكرها؛ لأنه أنكر الإجماع (كدفنه) وغسله و تجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"(الصلاة عليه) ككفنه و دفنه و تجهيزه (فرض كفاية) مع عدم الانفراد بالخطاب". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۷۰، قديمی)

"قال: (وهی فرض كفاية): أی الصلاة عليه .... و كذا تكفينه فرض على الكفاية .... و كذا غسله و دفنه فرض على الكفاية". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۱، سعيد)

واضح رہے کہ اگر میت کے تجہیز و تکفین میں شرکت کا ارادہ نہیں محض میت کے لئے احتراماً کھڑے ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں ہے:

"أنه سمع علی ابن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه برحبة الكوفة و هو يقول: كان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أمرنا بالقيام فی الجنازة، ثم جلس بعد ذلک وأمرنا بالجلوس" (مسند أحمد، مسند علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه، رقم الحديث: ۶۲۴، ۱/۱۳۳، دار احياء التراث العربی)

"ولا يقوم أحد للجنازة إذا مرت به، إلا إذا أراد أن يتبعها، وعليه الجمهور. وما ورد فی الأحاديث الصحيحة من القيام لها منسوخ بما رُوی عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أمرنا بالقيام". الحديث. (الحلبی الكبير، فصل فی الجنائز، الخامس فی الحمل، ص: ۵۹۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وأما القاعد على الطريق إذا مرت به أو القاعد على القبر، فلا يقوم لها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۳، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع، الجنائز، فصل: والكلام فی حمله على الجنازة: ۲/۳۵، رشيديه)

(۲) "قال: (وله أن يأذن لغيره) .... يأذن للناس بالانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغی لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، سعيد)

"و هو أن يأذن للناس فی الانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ينبغی لهم أن ينصرفوا إلا بإذنه". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب: تعظيم أُولی الأمر واجب: ۲/۲۲۲، سعيد)

کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا

سوال[۴۱۶۶]: آج دنیا میں رواج ہے کہ کافر مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں بلکہ پایہ بھی پکڑ لیتے ہیں، اسی طرح مسلمان کافر کے جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں اور ارتھی بھی پکڑتے ہیں(۱)۔تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پڑوسی کافر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو ثابت ہے(۲)، لیکن ارتھی پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں(۳)، اس سے بچنا لازم ہے، اسی طرح سے برعکس(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

---

(۱) ''ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ''۔(فیروز اللغات تحت لفظ:ا، ص:۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن غلاماً ليهود كان يخدم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، فمرض، فأتاه النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يعوده، فقال: "أسلم" فأسلم. و قال سعيد بن المسيب عن أبيه: لما حضر أبو طالب، جاءه النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (صحيح البخاری، باب عيادة المشرک، كتاب المرضى. ۲/۸۴۴، قديمی)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث: "فيه دلالة علی جواز عيادة الذمي. في الخزانة: لابأس بعيادة اليهودي، واختلفوا في عيادة المجوسي و عيادة الفاسق، والأصح أنه لا بأس به". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض و ثواب المرض، (رقم الحديث: ۱۵۷۴): ۴/۴۸، رشيديه)

"(قوله: وجاز عيادته): أي عيادة مسلم ذمياً نصرانياً أو يهودياً .... وصح أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عاد يهودياً مرض بجواره". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(۳) ''مرگھٹ: ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ''۔(فیروز اللغات ص:۱۲۳۲، فیروز سنز، لاہور)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما " عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه أنه لما مات =

غیر مسلم کی تجہیز وتکفین میں شرکت

سوال[۴۱۶۷]: ۱...... ہمارے یہاں مسلم آبادی بہت کم ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ہندوؤں کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔اب عرض یہ ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی کی موت ہوجاتی ہے تب ہمارے دوست ہندولوگ قبر پر جاتے ہیں اور ہمارے ساتھ مٹی وغیرہ میت کو دیتے ہیں، اسی لئے اگر کسی ہندو بھائی کی موت ہوجاتی ہے تب ہم کو بھی ان کے ساتھ مردہ گھاٹ جانا پڑتا ہے اور لکڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ان کے مردہ کے ساتھ ہمارا جانا جائز ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک؟

ایضاً

سوال[۴۱۶۸]: ۲......اب ہم اپنی میت کے لئے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہندولوگ جو کہ ہمارے مردے کے ساتھ قبر پر جاتے ہیں اور مٹی دیتے ہیں، ان کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی علمائے دین کیا فرماتے ہیں اور کیا حکم ہے؟

= عبدالله بن أبيّ ابن سلول دُعي له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلي على ابن أبيّ؟ و قد قال يوم كذا و كذا كذا وكذا، أعدّد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فقال: "أخّر عني يا عمر"! فلما أكثرتُ عليه، قال: "إني خُيّرت ، فأخترت لو أعلم أني إن زدت على السبعين يغفر له، لزدت عليها". قال فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براء ة ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره﴾ .... ﴿وهم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعدُ من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ. والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري. كتاب الجنائز. باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ١٨٢/١. قديمي)

"و يغسل المسلم و يكفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي .... عند الاحتياج) فلو له قريب فالأولى تركه لهم .... و ليس للكافر غسل قريبه المسلم".

"(ليس للكافر): أى إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم، فيتولى تجهيزه المسلم، ويكره أن يدخل الكافر في قبر قريبه المسلم ليدفنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٣٠، ٢٣١، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر بغیر اس کے گزارہ نہیں حالات سے مجبور ہیں تو کم سے کم شرکت پر کفایت کریں اور جن جن چیزوں سے بچ سکتے ہیں بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں(۱)۔

۲......ان کو منع نہ کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تصل على احد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره﴾. (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهيّ عنها صلاة الميت المعروفة، و هي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع، الخ......... وقوله: ﴿و لا تقم على قبره﴾ والمراد لا تقف عندقبره للدفن أو للزيارة والقبر في المشهور مدفن الميت، ويكون بمعنى الدفن، وجوزوا إرادته هنا أيضاً" (روح المعاني: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبيّ ابن سلول دُعي له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... قال فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من برآءة ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره﴾ .... ﴿و هم فاسقون﴾ ...... قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ، والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمي)

"(و يغسل المسلم و يكفن قريبه) كخاله (الكافر الأصلي .... عند الاحتياج) فلو له قريب، فالأولى تركه لهم .... و ليس للكافر غسل قريبه المسلم". (الدرالمختار).

"(ليس للكافر): أى إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم، فيتولى تجهيزه المسلم، ويكره أن يدخل الكافر في قبر قريبه المسلم ليدفنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، ۲۳۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۴، ۳۳۵، رشيديه)

جنازہ کے ساتھ رفعِ صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ

سوال[۴۱۶۹]: ہر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ساتھ چلنے والوں کو رفعِ صوت بالذکر مکروہ ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی نے ملتقی سے روایت نقل کی ہے: "عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه کره رفع الصوت عند قرأة القرآن والجنازة والزحف والتذکیر، اهـ". ردالمحتار(۱)۔

اس کی تصریح کے بعد کسی علت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

سوال[۴۱۷۰]: جنازہ کے ساتھ بلند آواز کے کلمہ شریف یا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۰٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۸/۶، سعید)

"و یکره رفع الصوت بالذکر لما روی عن قیس بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: کان أصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یکرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذکر، ولأنه تشبة بأهل الکتاب، فکان مکروهاً". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: الکلام فی حمله: ۴۶/۲، رشیدیه)

"و یکره رفع الصوت بالذکر وقرأة القرآن و غیرهما فی الجنازة". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشیدیه)

(۲) "وعلی متبعی الجنازة الصمت، و یکره لهم رفع الصوت بالذکر وقراء ة القرآن". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱۶۲/۱، رشیدیه)

"و یکره رفع الصوت بالذکر لما روی عن قیس بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: کان=

جنازہ سامنے رکھ کر اس پر سلام پڑھنا

سوال[۴۱۷۱]: جنازہ رکھ کر اس کے پاس کھڑے ہوکر سلام پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنازہ رکھ کر اس کے گرد کھڑا ہوکر سلام پڑھنا ثابت نہیں نہ قرآن پاک میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ کتبِ فقہ میں، اس لئے یہ طریقہ قابلِ ترک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۶ھ۔

= اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذكر، و لأنه تشبة بأهل الكتاب، فكان مكروهاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنازة، فصل: والكلام فى حمله: ۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۶/۲، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۳/۲، سعيد)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور ۷۷/۲، قديمى)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ تحته: "من أحدث": أى جدّد وابتدع وأظهر واخترع "فى أمرنا هذا": أى فى دين الإسلام .... "فهو": أى الذى أحدثه "ردّ": أى مردودٌ عليه .... قال القاضى: المعنى: من أحدث فى الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب أو السنة سندٌ ظاهرٌ أو خفىٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: فى وصف الأمر "بهذا" إشارةٌ إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لايخفى على كل ذى بصرٍ وبصيرةٍ، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضيٍّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۳۶۵/۱، ۳۶۶، (رقم الحديث: ۱۴۰)، رشيديه)

شروع میں جنازہ اٹھانے والے کو کھانا کھلانا

سوال[۴۱۷۲]: ہمارے یہاں یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص میت کے اہلِ خانہ کے علاوہ جنازہ کو شروع میں اٹھاتا ہے تو پھر اس کو کھانا کھلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر وہ شخص کھانا نہ کھائے تو اس کو گناہ سمجھتے ہیں، اور یہاں پر یہ بات بھی ہے کہ جب کسی کے یہاں میت ہوجاتی ہے تو محلّہ کی عورتیں اس کے یہاں تھوڑا تھوڑا اناج لیکر آتی ہیں جس کو پھر شیخ یا کوئی فقیر اٹھا کرلے جاتا ہے۔ یہ بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل بے بنیاد اور غلط چیز ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا

سوال[۴۱۷۳]: زید کی ماں جس کی عمر ۸۰/ سال ہوگئی، وہ انتقال کرگئی، ان کا جنازہ پیر بھائیوں کے انتظار ۲۴/ گھنٹے روکا گیا، اس کے بعد اس میت کو گھر سے قبرستان تک انگریزی باجوں کے ساتھ ناچ کراتے ہوئے منزل دے کرلے جایا گیا، زید کا قول ہے کہ یہ ہر وقت میں جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبر میں شجرہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر بھائیوں کے انتظار میں ۲۴/ گھنٹے نعش روکنا (۲) اور ناچ باجے کے ساتھ قبر تک لے جانا شرعاً غلط

---

(۱) "بدعة: وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... بنوع شبهة" (الدر المختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعيد)

(وأيضاً راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره". الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قديمي)

قال القاري: "فلا تحبسوه": أي لا تؤخر دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب =

9

ہے اور معصیتِ کبیرہ ہے(۱) اس کو علی الاعلان توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے (۲)۔

قبر میں میت کے ساتھ شجرہ رکھنا ثابت نہیں، اس میں مظنہ ہے کہ میت کے جسم سے کچھ مواد نکلے جس سے وہ شجرہ بھی ملوث ہو جائے اس لئے شجرہ بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت "(و أسرعوا به إلى قبره)" هو تأكيدٌ و إشارةٌ إلى سنة الإسراع في الجنازة". (مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت: ۱۹۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشيديه)

(۱) "و أما الرقص والتصفيق والصريخ و ضرب الأوتار والضنج والبوق الذى يفعل بعض من يدعى التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها ذىّ الكفار، كما فى سكب الأنهر". (حاشية الطحطاى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قديمى)

(و كذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ۲۲۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(و كذا فى الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى اللبس: ۳۴۹/۶، سعيد كراچى)

(۲) ناچ، مزامیر وغیرہ حرام اور معصیت ہیں اور یہ کہنا کہ: "ہر وقت میں جائز ہے" ایسے الفاظ گناہ کو خفیف سمجھ کر کہنے کو فقہائے کرام نے الفاظِ کفر میں شمار کیا ہے: "و منها أن استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ، إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية، و كذا الاستهانة بها كفرٌ، بأن يعدها هيّنةً سهلةً، و يرتكبها من غير مبالاةٍ بها، و يجريها مجرى المباحات في ارتكابها". (شرح الفقه الأكبر للقارى، مطلب: استحلال المعصية اهـ: ص: ۱۵۲، قديمى)

اور ایسے الفاظ کے ارتکاب سے سلبِ ایمان کا خطرہ ہونے کی بناء پر توبہ واستغفار اور احتیاطاً تجدیدِ نکاح ضروری ہے:

"ثم ان كانت نية القائل ...... الوجه الذى يوجب التكفير، لا ينفعه فتوى المفتي، و يؤمر بالتوبة و الرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فى إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

الفصل الخامس فیما یتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

قبر کھودنے کا مشروع طریقہ

سوال[۴۱۷۴]: قبر کھودنے کا مسنون طریقہ کون سا ہے؟ ایک صورت یہ ہے کہ میت کی مقدار یا اس سے کچھ زائد حساب سے قبر تخمیناً.........کھود کر پھر اس کے درمیان میں اور ایک حفیرہ نصف قد یا زائد کھودتے ہیں اور اس میں نعش رکھ کر حصۂ اُولیٰ میں بانس رکھ کر مٹی ڈالتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے دیس میں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً نصف قد یا اس سے زائد قبر کھودے اور پھر نیچے ایک حفیرہ تنگ کھودے جس میں مردہ کو رکھ دیا جائے اور بانس ایک دم متصل ڈالے کہ میت کو نہ لگے، معمولی فاصلہ پر بانس ڈالے، یہ دونوں صورتیں جو لکھی گئی ہیں.........صندوقی قبروں کی ہے، کیونکہ ہمارے ملک میں مٹی اکثر نرم ہوتی ہے، بغلی قبر نہیں کھودی جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت میں قبر صندوقی کی کون سی صورت مسنون ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب مدلل دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری صورت سنت ہے، یعنی قبر کے اوپر کا حصہ ایک قامت یا نصف قامت ہو اس کے بعد پھر ایک حفیرہ ہو جس میں میت کو بسہولت لٹا دیا جائے اور جو تختہ یا بانس وغیرہ اس پر رکھا جائے جو میت کے حق میں چھت کے درجہ میں ہے وہ میت کے جسم سے مس نہ کرے، پھر جب مٹی ڈالی جائے گی وہ مٹی اوپر کے حصہ میں آجائے گی اور جو مٹی حفیرہ سے نکلی تھی وہ زمین سے اوپر بشکلِ قبر رہے گی جس سے قبر ڈیڑھ دو بالشت اونچی رہے گی، زیادہ اونچی نہیں رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة)، فإن زاد فحَسَنٌ (ويلحد ولا يشق)". (الدر المختار). =

قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں

سوال[۴۱۷۵]: قبر کھودنے کی کتنی شکلیں ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلی قبر ہے؟ آیا بغلی قبر اس طرح سے ہوتی ہے کہ مردہ کی لمبائی کے مطابق قبر کھودی جاتی ہے اور اس قبر کی بغل میں ایک گڈھا کھود دیا جاتا ہے اور مردہ کو اس میں رکھنے کے بعد اس طرح سے اس کو بند کردیتے ہیں کہ مردہ نہ تو اس میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ کروٹ ہی لے سکتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے مردہ کو دفن کرنا درست ہے؟ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ”مردہ کو جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب قریبِ غروب ہے، پس مردہ بیٹھتا ہے اور اپنی دونوں آنکھیں مَلتا ہے گویا کہ ابھی خواب سے اٹھا ہے، الخ“۔ تو اس صورت میں حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا یہ طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے اور جہاں بغلی نہ بن سکتی ہو، شق بھی درست ہے، وہ اس طرح کہ قد کے برابر گہری قبر کھود کر کچھ حصہ اس میں ایسا بنایا جائے جس میں میت کو رکھا جائے اور اس پر تختی یا بانس رکھ کر بوریہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈال دی جائے، میت کا جسم بانس اور تختوں کو نہ لگے(۱)۔ یہ بات صحیح ہے کہ قبروں پر فرشتے آکر

= ”(قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف“. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

”والسنة هو اللحد دون الشق، وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت...... وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات“. (الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(۱) ”وحفر قبره في غير دار مقدار نصف قامة، فإن زاد فحَسنٌ، (ويلحد ولايشق) إلا في أرض رخوة“. (الدرالمختار). ”قوله: مقدار نصف قامة“: أو إلى حد الصدر وإن زاد إلى مقدار قامة، فهو أحسن ...... قوله: ويلحد؛ لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع =

میت کے اندر روح داخل کرکے اس کو بٹھاتے ہیں، مگر وہاں کی مٹی وغیرہ اس کے حق میں ایسی ہو جاتی ہے جیسا پانی کہ آدمی حوض میں اپنا ہاتھ داخل کرتا ہے، پانی ہونے کے باوجود ہاتھ اس میں سہولت سے پہونچ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اسی طرح مردہ بھی سہولت کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جیسا کہ ''حادی الارواح'' میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

قبر کی گہرائی

سوال[۴۱۷۶]: قبر میت کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اس قدر گہری ہونی چاہئے کہ مردہ بیٹھ سکے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ تختے سے نیچے ایک فٹ ہو یا اس سے بھی کم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ میت کو رکھا جائے وہ تو اتنی گہری کافی ہے کہ تختہ کو نہ لگے، البتہ اوپر کا حصہ ایک قد یا نصف قد کے برابر ہونا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

= فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، حلية: (قوله: ولا يشق)، وصفته: أن يحفر في وسط القبر حفيرة، فيوضع فيها الميت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(۱) "وينبغي أن يكون مقدار عمق القبر إلى صدر الرجل وسط القامة و ما زاد فهو أفضل .... طول القبر على قدر الإنسان وعرضه قدر نصف قامته". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ" (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

قبر کتنی گہری ہونی چاہیئے؟

سوال[۴۱۷۷]: بعض ملکوں میں قبر اس طرح سے کھودی جاتی ہے کہ اس کی گہرائی ڈیڑھ یا دو گز ہوتی ہے اور اگر اس کی سیڑھی دو یا تین انچ زمین کے بالائی حصہ سے نیچے بنائی جاتی ہے تا کہ اس پر رکھ کر مٹی سے قبر برابر کردی جائے۔ اب جواب طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت شق میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی قبر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لحد اور شق کے علاوہ بھی کوئی صورت شریعت میں بتائی گئی ہے؟ نیز شق کی تعریف کیا ہے؟ اور قبر شرعی کتنی کھودی جائے اور شق کی صورت پر تختہ یا بانس میت سے کتنا اوپر رکھا جائے؟

بینوا بالکتاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قبر بنانا خلافِ سنت ہے، یا میت کیلئے لحد بنائی جائے یعنی قبر کھود کر جانبِ قبلہ میں ایک دوسرا گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنایا جائے کہ اس میں میت کو داخل کر کے کچی اینٹیں اس پر لگادی جائیں، اگر زمین نرم ہو تو پھر شق بنادی جائے اس طرح کہ قبر کھود کر درمیانِ قبر میں ایک اور گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر بانس وغیرہ رکھدیا جائے اور مٹی کے ڈھیلوں سے کچی اینٹوں اور بانس کے ذریعہ سوراخوں کو بند کردیا جائے، یا اس پر بوریا ڈالدیا جائے۔

قبر قد کے برابر گہری ہونی چاہئے یا سینہ تک یا کم از کم نصفِ قد تک ہو، اس سے کم نہ ہو اور بانس وغیرہ میت سے صرف اس قدر اوپر ہو کہ جسم میت سے الگ رہے متصل نہ ہوجائے، زیادہ اونچائی کی ضرورت نہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، زمین کے نرم اور تر ہونے کے وقت تابوت بھی درست ہے، اگر بستی وغیرہ میں کسی کا انتقال ہوجائے اور خشکی قریب نہ ہو تو غسل، کفن اور صلوٰۃ کے بعد دریا میں غرق کردیا جائے۔ بعض صحابہ نے بغیر شق اور لحد کے بھی اپنے دفن کی وصیت فرمائی ہے:

"یحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن یزد کان حسناً" اهـ. فی الحجة: روی الحسن بن زیاد عن الإمام رحمه الله تعالیٰ: قال: طول القبر علیٰ قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة؛ لأنه أبلغ فی حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحة من الظهور. ویلحد فی أرض صلبة، وهو حفیرةٌ تُجعل فی جانب القبلة من القبر یوضع فیها المیت، وینصب علیها اللبن.

ولايشق بحفيرة في وسط القبر يوضع فيهاالميت بعد أن يبنى حافتاه باللبن أوغيره، ثم يوضع الميت بينهما، ويسقف عليه باللبن أوالخشب، ولايمس السقف الميت إلافى أرض رخوة، فلابأس به فيها، ولاباتخاذ التابوت، وأوصى كثير من الصحابة أن يرموا فى التراب من غير لحد ولاشق. وقال: ليس أحد جَنبيَّ أولى بالتراب من الآخر -بتغيرات- مات في سفينةٍ، غسل وكفن وصلى عليه وألقى فى البحر إن لم يكن قريب من البر". مراقى الفلاح مع الطحطاوى، ص: ۳۸۴(۱)۔ درمختار: ۱/ ۹۳۴(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/محرم/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملهاودفنها، ص: ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۳ قديمى)

"عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "اللحد لناوالشق لغيرنا". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى قول النبى صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا الخ": ۱/ ۲۰۲، سعيد)

(۲) "(وحفر قبر) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن، (ويلحد ولايشق) إلافى أرض رخوة .... (ولابأس باتخاذالتابوت) ولومن حجر أوحديد (له عند الحاجة) كرخاوة الأرض ويسنّ أن (يفرش فيها التراب. مات فى سفينة، غسل وكفن وصلى عليه وألقى فى البحر، الخ". (الدرالمختار).

"(قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حدّ صدر، وإن زاد إلى مقدار (قامة فهو أحسن) ....

(قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر فى جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيهاالميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، حلية. (قوله: ولايشق) وصفته أن يحفر فى وسط القبر حفيرة، فيوضع فيهاالميت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فى دفن الميت، ۲/ ۲۳۳، سعيد)

(كذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل الخ، ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/ ۳۳۸، رشيديه)

کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟

سوال[۴۱۷۸]: یہ جو مشہور ہے کہ قبر اس قدر گہری ہونی چاہیے کہ فرشتہ جب سوال کرنے کیلئے آئیں تو مردہ بیٹھ سکے اس کے سر پر نہ لگے۔ اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا اوپر کا حصہ تو سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر ہونا چاہیے اور جس جگہ میت کو رکھا جاتا ہے وہ جگہ اتنی گہری ہو کہ قبر کا تختہ اس کے جسم سے نہ لگے، تقریباً دو بالشت کے قدر گہری ہو تو تختہ میت کے جسم سے نہیں لگے گا۔ میت کو قبر میں دفن کرتے وقت نہ فرشتوں کے آنے کی جگہ رکھنے کی ضرورت ہے نہ میت کے بیٹھنے کی ضرورت ہے، جب فرشتے آئیں گے وہ خود بٹھانے کی جگہ کرلیں گے اور قبر کی مٹی میت کے حق میں پانی کی طرح نرم ہوجائے گی جیسا کہ حادی الارواح میں درج ہے:

"ویحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر، وإن زاد كان حسناًاهـ. في الحجة: روى الحسن ابن زيادعن الإمام أنه قال: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة، اهـ. يوضع الميت فيها، ويسقف عليه باللبن أوالخشب، ولايمس سقف الميت". طحطاوى، ص:۳۳۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، ص:۶۰۷،قديمى)

"(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن". (الدرالمختار). وفى ردالمحتار: (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حد الصدر، إن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن .... وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت، ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۸، رشيديه)

قبر کے صندوق کی گہرائی

سوال[۴۱۷۹]: قبر کے صندوق کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویحفر القبر نصف قامة أو إلی الصدر ولمن یزد کان أحسن؛ لأنه أبلغ في الحفظ، اهـ". مراقي الفلاح: ۱/۳۳۳(۱)۔ قبر کا صندوق کم از کم نصف قبر کے برابر گہرا ہونا چاہیے، سینہ کے برابر گہرا ہوتو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں لحد کی جہت

سوال[۴۱۸۰]: قبروں میں جو عموماً لحد قبلہ کے اقرب جانب کھودی جاتی ہے بضرورت یا بلاضرورت اَبعد جانب کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ لحد جانبِ قبلہ میں ہو: "وصفته أن یحفر القبر، ثم یحفر في جانب القبلة منه حفیرة، فیوضع فیها المیت". شامی(۲)۔ لیکن اگر میت کو جانبِ قبلہ کے خلاف میں (غفلت یا کسی عذر

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی دفنها وحملها، ص: ۶۰۷، قدیمی)

"(وحفر قبره) في غیر دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ". (الدرالمختار). (کتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۳۴ سعید)

"واختلفوا في عمق القبر: فقیل: قدر نصف القامة، وقیل: إلی الصدر، وإن زادوا فحسنٌ".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۴، سعید)

"وهو أن یحفر بتمامه، ثم یحفر في جانب القبلة منه حفیرة، یوضع فیها المیت، ویجعل ذلک =

سے) رکھدیا اور مٹی ڈالدی گئی تو پھر قبر کھود کر اصلاح کی ضرورت نہیں:" ولو وضع الميت لغير القبلة أوعلى شقه الأيسر أوجعل رأسه موضع رجليه، وأهيل عليه التراب، لم ينبش" . عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟

سوال[۴۱۸۱]: بغلی قبر کھودنا اچھا ہے یا درمیانی؟ ہم لوگ اکثر درمیانی قبر کھودتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغلی قبر بنانا افضل ہے درمیانی بنانا بھی جائز ہے، کذافی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۳ھ۔

= كالبيت المسقف". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"وإذادفن الميت مستدبر القبلة وأهالوا التراب عليه، فإنه لاينبش ليجعل مستقبل القبلة".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشيديه)

"(قوله لاينبش ليوجه إليها): أى لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب، لاينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۶، سعيد)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا، والشق لغيرنا". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا" الخ: ۱/ ۲۰۲، سعيد)..... =

میت کو تابوت میں رکھنا

سوال[۴۱۸۲]: قبر میں پانی آجانے یا مٹی کے خراب ہونے کی وجہ سے تختے کسی طرح نہیں رکتے، ایسی حالت میں اندر کی دیوار پختہ اینٹ سے بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں کرسکتا تو پھر کیا شکل کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں میت کو رکھ کر قبر میں رکھ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا

سوال[۴۱۸۳]: یہاں انگلستان میں حکومت کا قانون ہے کہ میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کیا جائے، تو کیا ہم مسلمانوں کیلئے بھی ایسا کرنا جائز ہوگا اور اگر حکومت کی اجازت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

= "(ويلحد و لا يشق) إلا في رخوة". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

"(ويحفر القبر ويلحد) لحديث صاحب السنن .... واستحسنوا الشق فيما إذاكانت الأرض رخوةً لتعذر اللحد". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۱) "و لا بأس باتخاذ تابوت له عند الحاجة كرَخاوة الأرض". (الدر المختار، كتاب الصلاه، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، ۲۳۵، سعيد)

"وحكى عن الشيخ الإمام أبي بكر بن محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: "أنه جوز اتخاذ التابوت في بلادنا لرخاوة الأرض، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"وإن تعذر اللحد، فلابأس بتابوت يتخذ للميت، لكن السنة أن يفرش فيه التراب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبر کی زمین نرم یا تر ہوتو صندوق میں میت کو رکھ کر دفن کرنا درست ہے بلاضرورت مکروہ ہے:

''ولا بأس باتخاذ تابوت وعند الحاجة لرخاوة الأرض: أی یرخص ذلك عند الحاجة، وإلا کره''. درمختار (۱)۔ قانون کی مجبوری معذوری ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو قبر میں رکھنے کی صورت

سوال[۴۱۸۴]: مندرجہ ذیل مسائل میں علماء کی کیا رائے ہے، مع دلائل بیان فرمائیں:

(الف): "إذا احتضر الرجل وجه إلی القبلة علی شقه الأیمن اعتباراً بحال الوضع فی القبر؛ لأنه أشرف علیه، والمختار فی بلادنا الاستلقاء؛ لأنه أیسر لخروج الروح، والأول هوالسنة، کذافی الهدایة". (۲)۔

(ب): "یوجّه المحتضر إلی القبلة علی یمینه، وهوالسنة، وجاز الاستلقاء علی ظهره وقد ماه إلیها، وهوالمعتاد فی زماننا، لکن یرفع رأسه قلیلاً لیتوجّه إلی القبلة". کذا فی الدرالمختار، باب صلوة الجنائز(۳)۔

۱......عبارتِ مذکورہ بالا میں معنی اور مطلب کی رو سے کوئی فرق وتدافع ہے یا نہیں آیا، ہر دو عبارت کا مطلب ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہو تو اس کی توضیح کر کے بیان فرمائیں۔

---

(۱)(الدرالمختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، سعید)

"وإن تعذر اللحد، فلابأس بتابوت یتخذ للمیت، لکن السنة أن یفرش فیه التراب". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۱۷۸، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(۳) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۸۹، سعید)

۲.....عبارتِ درمختار'' ینبغی کونه علی شقه الأیمن'' میں لفظ''ینبغی'' سے کیا ثابت ہوتا ہے وجوب یا سنت یا ندب، اور جو کچھ بھی ثابت ہو تو وہ متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ اور اس کے خلاف عمل کرنے سے کیا وعید لازم آئے گی اور''وضع علی شقه الأیمن'' کی کیا صورت ہے، آیا شقِ ایمن زمین کے متصل ہو اور شقِ ایسر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہو، مثل دیوار کے، کیسی صورت ہونی چاہئے؟

۳.....جب مردہ کو علی شقه الأیمن رکھنا سنت ہے تو ہندوستان وغیرہ کے بعض بلاد میں زمین نرم ہونے کی وجہ سے یا جواز کی بناء پر میدانی قبر کھودی جاتی ہے اور اس کے درمیان میں میت کو رکھنے کیلئے ہاتھ بھر یا اس سے چوڑا اس کیلئے کھودا جاتا ہے۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب چھوٹی سی نالی کھود کر سنت کی بناء پر کروٹ پر مردہ کو رکھ سکتے ہیں تو کیوں یہ چوڑا گڑھا کھود کر تکلیف اٹھائی اور سنت چھوڑ کر جہل کی طرف چلے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....کوئی تدافع نہیں ہے، علامہ شامی نے درمختار کی تائید میں ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے(۱)۔

۲.....سنت ہے:''وذكر في المحيط: الاضطجاعُ للمريض أنواع: أحدها في حالة الصلاة، وهو أن يستلقي على قفاه. والثاني: إذا قرب من الموت أن يضطجع على الأيمن، واختير الاستلقاء. والثالث في حالة الصلوة على الميت تضجع على قفاة معترضاً للقبلة. والرابع في اللحد يضطجع على شقه الأيمن، ووجه إلى القبلة، هكذا توارث السنة''(۲)۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نظر سے نہیں گزرا، بلا عذر قصداً خلافِ سنت کرنا موجبِ حرمانِ شفاعت

(۱) ''(قوله: وجاز الاستلقاء) اختاره مشايخنا بماوراء النهر؛ لأنه أيسر لخروج الروح''. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱۸۹/۲، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲۹۹/۲، رشيديه)

'' قال محمد رحمه الله تعالىٰ في الجامع الصغير أيضاً: ويوجه المريض القبلة كمايوجه القبلة في اللحد، وأراد به المريض الذي قرب موته حيث أمر أن يفعل به مايفعل بالميت، وهذا لأنه في معنى تلقين الميت، قال عليه السلام: ''لقنوا موتاكم''، وأراد به الذي قرب موته. واختار أهل بلادنا الاستلقاء، فإنه أسهل لخروج الروح''. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، ۲۶۹/۲، مكتبه غفاريه)

وباعثِ عتاب ہے(۱)۔

"وضع علی شقه الأیمن" کی صورت یہ ہے کہ شقِ ایسر زمین سے متصل رہے اور شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل بمشرق رہے اور میت کو مشرقی حصۂ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ کی جانب ہوجائے:

"ویوضع فی القبر علی شقه الأیمن مستقبل القبلة، کذافی الخلاصة". عالمگیریة(۲)، هکذافی الخانیة(۳) وغیرها من کتب الفقه۔

۳......جسم سے جو کچھ زائد عرض میں قبر کھودی جاتی ہے اور بالکل جسم کے مساوی نہیں کھودی جاتی وہ اس وجہ سے کہ میت کو اس میں رکھنے میں سہولت رہے کیونکہ دو تین آدمی قبر میں اولاً اترتے ہیں ان کے کھڑے ہونے کیلئے بھی جگہ کی ضرورت ہے، اگر وہ جگہ زائد نہ رکھی جائے تو بجز اس کے کہ میت کو اوپر ہی سے چھوڑ

---

(۱) "ترک السنة المؤکدة قریبٌ من الحرام، ویستحق حرمان الشفاعة، لقوله علیه السلام: "من ترک سنتی لم ینل شفاعتی". (ردالمحتار، کتاب الطهارة، أرکان الوضوء، مطلب فی السنة وتعریفها: ۱/۱۰۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۶۴، قدیمی)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۳) "ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب فی غسل المیت ومایتعلق به الخ: ۱/۱۹۴، رشیدیه)

"وضع علی شقه الأیمن" میں کروٹ دینے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے، خطائے کاتب -کہ کاتب نے بجائے "ایمن" کے "أیسر" اور بجائے "أیسر" کے "أیمن" لکھا ہے- کی بناء پر بظاہر عام عبارات کے خلاف ہے، کیونکہ اگر میت کو شقِ الیسر پر رکھ کر شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل کیا جائے تو اس صورت میں استقبالِ قبلہ ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ اور خطائے کاتب پر حضرت مفتی صاحب کے دو جملے دلالت کرتے ہیں: ایک جواب نمبر:۲، میں جملہ: "اور میت کو مشرقی حصۂ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ جانب ہوجائے" اور دوسرا جواب نمبر:۳، میں جملہ: "اس لئے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کو آسمان کی طرف کردینا اور شقِ ایمن کو ارض کی جانب کردینا...........اھ"۔

لہٰذا میت کی شقِ ایمن کو زمین کے ساتھ لگا کر شقِ ایسر کو آسمان کی طرف مائل کردیا جائے۔

دیا جائے، بلکہ اس نالی میں ٹھونس دیا جائے، کوئی صورت نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے سے قبل بحالتِ استلقاء ہوتی ہے اس لیے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کو آسمان کی طرف کر دینا اور شقِ ایمن کو عرض کی جانب کرنا ہاتھ میں لئے ہوئے مشکل ہے۔

پھر اوپر سے چھوڑنے اور ٹھونسنے میں احترام باقی نہیں رہتا بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے، اس لیے کچھ زائد قبر چوڑی بنائی جاتی ہے تاکہ اتارنے اور رکھنے میں سہولت رہے، بخلافِ لحد کے کہ زائد کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جس وقت جانب قبلہ لحد میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت ہی خود بخود اس کی ہیئتِ مسنونہ ہو جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۱/۱/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں۔

حدیث میں: "أوسعوا واعمروا" بھی آیا ہے(۲) اس لئے چھوٹی نالی کھودنا خلافِ سنتِ متوارثہ اور حدیث "أوسعوا" کے خلاف ہوگی۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "عن هشام بن عامر قال: جاء ت الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد فقالوا: أصابنا قرح وجهد فكيف تأمرنا؟ قال: "احفروا، وأوسعوا". الحديث. (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب في تعميق القبر، ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امدادیه، ملتان)

"(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۳، سعید)

"ومقدار عمق القبر قدر نصف قامة .... إلى صدر الرجل أووسط القامة، فإن زادوا فهو أفضل، وإن عمقوا مقدار قامة، فهو أحسن الخ". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، السادس في الدفن الخ، ص: ۵۹۶) سهيل اكيڈمى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في تعميق القبر: ۲/۱۰۲، ۱۰۳، امداديه، ملتان)

میت کوقبر میں رکھنے کا طریقہ

سوال[۴۱۸۵]: میت کوقبر میں رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شمال کی طرف سر، جنوب کی طرف پیر، داہنی کروٹ قبلہ کی طرف چہرہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۰ھ۔

طریقِ مشروع کے خلاف میت کوقبر میں رکھ کراس کے اوپر مٹی ڈالنا

سوال[۴۱۸۶]: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے کرام کی کیارائے ہے؟

مشہورودیگر چند مقامات پر عرصۂ دراز سے یہ رواج ہے کہ میت کوقبر میں اتارکراس کے کفن اورجسم پرہی مٹی ڈال دی جاتی ہے، اس کا پورا امکان ہے کہ...... مٹی کے نیچے دب کر چند دن میں ہی نعش بگڑ جاتی ہے اورعوام دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہے اورمٹی ہی میں مل جاتا ہے اس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر بہت سے حضرات کومیت کے ساتھ اس سلوک میں احترام میت کے خلاف ایک انسانیت سوز حرکت نظر آتی ہے۔ اس بارے میں شریعت حقہ کی کیاہدایت ہے؟ امید ہے کہ جلد سے جلد جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ خلافِ شریعت بھی ہے(۲)، میت کودفن کرنے کی صورت حدیث، فقہ سے جوثابت ہے وہ یہ

---

(۱) "(ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغي کونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها". (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب في دفن المیت: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، سعید)

"(ووجه إلی القبلة) بذلک أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم ویکون علی شقه الأیمن الخ".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی الله علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا =

ہے کہ قبر بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور اس طرح مٹی ڈالی جائے کہ میت پر نہ پڑے، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ لحد بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور کچی اینٹیں لگا دی جائیں تا کہ میت لحد میں محفوظ ہو جائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے پھر مٹی ڈالی جائے، غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جائے۔ مسئلہ جب شریعت میں منصوص ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا اور ایسی علت تجویز کرنا جس سے نص ہی بے عمل رہ جائے جائز نہیں، غلط ہے خلاف اصول ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۷]: جنازہ قبر میں رکھنے کے بعد بند تینوں کھول دیئے جائیں، نیز میت کا چہرہ بطرف قبلہ

= مالیس منه، فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور، فهو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

"وعرّفها الشمنی بأنها(أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة ۱/۵۶۰ سعید)

(۱) "والسنة هو اللحد دون الشقِ، کذافی محیط السرخسیَ. وصفة اللحد أن یحفر القبر بتمامهِ ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرةِ، فیوضع فیه المیتِ، کذافی المحیط، ویجعل ذلک کالبیت المسقفِ، کذافی البحر الرائقَ. فإن کانت الأرض رخوةً، فلابأس بالشقِ، کذافی فتاوی قاضی خان. صفة الشق أن تحفر حفیرة کالنهر وسط القبر، ویُبنی جانباه باللبن وغیره، ویوضع المیت فیه ویسقف......... ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلةِ، کذافی الخلاصة. وتحلّ العقدة، ویسوی اللبن والقصب لا الآجرّ والخشب، ویسجی قبرها لاقبره، ویهال التراب". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶ رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

9

کردینا بس ہے یا تمام جسم کی کروٹ دلادی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تینوں بند کھول دیئے جائیں، تمام جسم قبلہ کی طرف کروٹ دیدیا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر میں میت کو کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۸]: قبر میں مردہ کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے یا اس کو قدرے داہنی کروٹ پر کردیا جائے کہ پورا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، کونسی صورت بہتر ہے؟

قدرت اللہ، امکانی انڈونیشیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو کروٹ دے کر قبلہ رخ کیا جائے، صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھرانے پر کفایت نہ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں میت کو قبلہ رو کرنا

سوال[۴۱۸۹]: قبر میں بائیں طرف مٹی ڈال کر میت کو ایک طرف اٹھایا جائے تاکہ رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کو دائیں کروٹ کچھ دے دی جائے کہ جس سے چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے خواہ مٹی کا سہارا

---

(۱) "ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة، وتحل العقدة الخ". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

"(و) یستحب، أن (یدخل من قبل القبلة .... ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغی كونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها(وتحل العقدة) الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۶۱، رقم الحاشیة: ۱)

دے کرخواہ قبر ہی کی دیوار سے سہارا دے کر، اور یہی صورت بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟

سوال[۴۱۹۰]: میت کو کس طرح لٹایا جائے اور پاؤں کی سمت کونسی ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر میں میت کو اس طرح لٹایا جائے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء

سوال[۴۱۹۱]: مٹی دیتے وقت کوئی مسنون دعاء ہو تو تحریر فرمادیجئے۔

---

(۱) "ویوجه إلیها وجوباً، وینبغی کونه علی شقة الأیمن". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۶، سعید)

"ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (کتاب الصلوة، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) جب کہ میت کو قبر میں رکھ کر دایاں کروٹ دیا جاتا ہے کہ شقِ ایمن زمین سے لگی ہو اور شقِ ایسر آسمان کی طرف ہو کر قبلہ رُو کیا جاتا ہے، اسی صورت میں لازمی طور پر سر شمال کی طرف اور پَیر جنوب کی طرف ہوتے ہیں: "ویوجه إلیها وجوباً وینبغی کونه علی شقه الأیمن". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۶، سعید)

"ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶ رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

﴿منها خلقناكم، وفيها نعيد كم، ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۹۲]: شوہر کی حیات میں اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو مرحومہ حلقہ شوہریت سے نکل جاتی ہے یا نہیں اور مرد کا بحیثیت نامحرم ہونا درست ہے یا نہیں؟ نیز حقیقی محرم جیسے باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کی موجودگی میں شوہر مذکور مرحومہ کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انتقال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے(۲) ہاتھ نہیں لگا سکتا، البتہ دیکھنا درست ہے(۳)۔ جب محرم باپ

---

(۱) "قال في الجوهرة: ويقول في الحثية الأولىٰ ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة ﴿ومنها نخرجكم تارةً اخرىٰ﴾. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/ ۲۳۷، سعيد)

"ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوا في قبره ثلاث...... ويقول: في الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً اخرىٰ﴾. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، احكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(۲) "إذا ماتت، فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل، فصار أجنبياً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۹۹، سعيد)

"إذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبياً الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان فيمن يغسل: ۲/۳۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۶۰۴، سهيل اكيڈمي)

(۳) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لا من النظر إليها على الأصح". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۱۹۸، سعيد)

بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ مقدم ہیں، وہی قبر میں اتاریں، شوہر کو بھی اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست ہے(۱)۔

عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا

سوال[۴۱۹۳]: عورت کی قبر میں غیر محرم مرد دفنانے اتر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ محرم قبر میں میت کو رکھنے کیلئے اترے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکھتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہو تو پھر دوسرے اہلِ دیانت وتقویٰ اس کو قبر میں رکھیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا

سوال[۴۱۹۴]: میت کو قبر اتارتے وقت لانگ باندھنا ضروری سمجھتے ہیں، زنانی میت کیلئے اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، تہبند باندھے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کو بے پردہ سمجھ کر ناجائز کہتے ہیں، موافقِ شرع شریف خلاصہ تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف سے گھٹنوں کا حصہ تک چھپانا ضروری ہے، اس کو کسی کے سامنے کھولنا منع ہے، جو کپڑا اتنا حصہ (ناف سے گھٹنوں تک) چھپا لے اس کو باندھ کر میت کو قبر میں رکھنا بالکل درست ہے، لانگ (۳) باندھنے میں کچھ حصہ

---

(۱) "وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة من غیرهم، کذا في الجوهرة النيّرة. وکذا ذوالرحم غیر المحرم اولیٰ من الأجنبي، فإن لم یکن فلا بأس للأجانب وضعها، کذا في البحر الرائق". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن اھ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، فصل: السلطان أحق بصلاته، تحت قول الکنز: ویقول واضعه باسم الله اھ: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة السابقة)

(۳) "لانگ: دھوتی کا وہ حصہ جو آگے لٹکتا رہتا ہے اور جسے پیچھے کی طرف اُڑس لیتے ہیں"۔(فیروز اللغات، اردو تحت لفظ "ل" ص:۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور)

گھٹنوں یا ران کا کھل ہی جاتا ہے، اس لئے خیالِ مذکورہ کی اصلاح کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا

سوال [۴۱۹۵]: اپنے رواج کے مطابق زید لنگی پہن کر میت قبر میں اتارتا ہے اور اس کو مباح جانتا ہے، وجہ مباح جاننے کی یہ پیش کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر لنگی پہنتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو اپناتے تھے، پس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کا استعمال کرتے اور قبر میں اترتے تھے۔ ایسی صورت میں لنگی پہن کر قبر میں اترنا کیسا ہے؟ نیز یہ عقیدۂ تسنن صحیح ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے اس عمل اور ماخذ کی وجہ سے مستحقِ اعتراض نہیں اور نیت صحیح ہونے کی وجہ سے مستحقِ اجر ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "لاتبرز فخذک، ولاتنظر إلی فخذ حیّ ولامیت". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسله، (رقم الحدیث: ۳۱۴۰): ۲/۹۲، امدادیه ملتان)

"والرابع (ستر عورته) ووجوبه عام فی الخلوة علی الصحیح .... (وهی للرجل ماتحت سرته إلی ماتحت رکبتیه)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، سعید)

" واعلم أن ستر العورة خارج الصلاة بحضرة الناس واجب إجماعاً .... وهی من تحت سرته إلی تحت رکبته الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۲۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثالث فی شروط الصلاة، الفصل الأول فی الطهارة وستر العورة، ۱/۵۸، رشیدیه)

(۲) اسلئے کہ ازار پہننا سنت ہے: "عن أبی بردة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أخرجت إلینا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کساءً ملبّداً وإزاراً غلیظاً، فقالت: قبض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی هذین". (شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة إزار رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ص: ۸، سعید) .... =

عورت کیلئے دفن کے وقت پردہ

سوال[۴۱۹۶]: عورت کی قبر پر پردہ کرنا رات اور دن کو کس وقت شرعاً کیسا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جنازہ کے ساتھ نامحرم بھی ہوتے ہیں اس لئے پردہ کیا جاتا ہے تاکہ قبر میں رکھتے وقت بدن کے جثہ کو نامحرم نہ دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۷]: اگر عورت کا جنازہ ہو تو قبر میں اتارتے وقت کیا پردہ ضروری ہوگا؟

= "ولبس الإزار والرداء، قال الواقدی: كان رداءه وبرده طول ستة أذرع في ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طول أربعة أذرع الخ". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم، ص: ۳۵، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل للملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۲۱۰، ادارة تاليفات اشرفية)

(۱) "وقد رويت أنها (أي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم) اغتسلت لماحضرها الموت وتكفنت وأمرت عليًا أن لايكشفها إذا توفيت وأن يدرجها في ثيابها كماهي ويد فنهاليلاً". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري، رقم: ۷۱۷۵، مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ۶/۲۲۹، دار الفكر، بيروت)

"(قوله: ويسجى قبرها): أي بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

" (ويسجى قبرها، لاقبره)؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۱/۲۷۵، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جی ہاں، کمایشعر بہ التعلیل: "بأن مبنی حالهن علی الاستتار، اهـ" مجمع الأنهر، وهوحاصل بالتابوت(١)۔

حررہ العبدمحمودغفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبر پراذان دینا

سوال[٤١٩٨]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعدقبر پراذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختاراور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پراذان دینے کو جائز لکھاہے۔صحیح کیاہے؟ مع حوالہ تحریرفرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کرکے لکھاہےاور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی ہے(٢)، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں۔

---

(١) "ويسجى قبر المرأة بثوب حتى يسوى اللبن؛ لأن مبنى حالهن على الاستتار". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٢٧٥، مكتبه غفاريه)

"ويسجى قبرها، لاقبره؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف، إلا أن يكون المطر أوثلج". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ٢/٣٤٠، رشيديه)

"(قوله: ويسجى قبرها): أي بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد الخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ٢/٢٣٦، سعيد)

(٢)"وفي حاشية البحر للرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة، كما في أذن المولود، والمهموم، والمصروع والغضبان ...... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان الخ: ١/٣٨٥، سعيد)

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا، مگر کوئی دلیلِ صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۹]: از تاج الدین صاحب ٹال والے۔ قصبہ مودہا کے لوگ حنفی ہیں بروقت دفنِ میت قبر پر اذان دیتے ہیں، یہ طریقہ حال ہی میں لوگوں نے ایجاد کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کا حکم ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ پیر صاحب بھی حنفی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر پر اذان دینا ثابت نہیں، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ردالمحتار: ۱/ ۲۵۸ میں اس کو بعض شافعیہ سے نقل کر کے خود شافعیہ سے اس کی تردید نقل کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۲۰۰]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتوی منگایا، اس میں درمختار اور فتاوی رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی

---

(۱) "رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة .... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۵، سعيد)

"فلا آذان للوتر ولا للجنائز الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۴۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

ہے، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں (۱)۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین کی قسمیں اور کونسی قسم جائز ہے؟

سوال[۴۲۰۱]: تلقین کی کتنی قسمیں ہیں؟ قرآن اور حدیث کی رو سے کون سی تلقین جائز ہے؟ ہمارے یہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبر ہی کے نزدیک جشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی آیتیں پڑھ کر بخش دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ غزالی ملیشیاوی

الجواب حامداًومصلیاً:

تلقین اس وقت کرنا جبکہ مرض الموت میں مبتلا ہو، آثار سے معلوم ہوتا ہو کہ عنقریب انتقال ہونے والا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)، وہ اس طرح کہ مریض محتضر کے نزدیک کلمہ شریف پڑھا جائے تا کہ وہ بھی پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری بات "لا إلـه إلا الله محمد رسول الله" ہو، كذا في رد المحتار (۳)۔ پھر جس وقت بعد انتقال، غسل، کفن، نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اس

---

(۱) "رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة .... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۵/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا موتاكم لاإله إلاالله". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، باب في تلقين المحتضر بلاإله إلاالله، ۱/ ۳۰۰، قديمي)

"عن معاذبن جبل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم:" من كان آخر كلامه لاإله إلاالله، دخل الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في التلقين: ۸۸/۲، إمداديه)

(۳) "(يلقن) ندباً، وقيل: وجوباً(بذكر الشهادتين الخ)". (الدرالمختار). "(قوله: ويلقن الخ) لقوله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا". الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۱۹۰/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲ / ۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ۱۵۷/۱، رشيديه)

کولحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت پڑھے:"بسم اللّٰه وباللّٰه و علی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم". یہ دونوں تلقین تو ثابت ہیں(۱)، پھر دفن کرنے (مٹی ڈالنے) کے بعد بھی بعض روایات میں تلقین کا ذکر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یافلان بن فلان! اذکر دینك الذی کنت علیه من شهادة أن لااله إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه، وأن الجنة حق، والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة اٰتية لاريب فيها، وأن اللّٰه يبعث من فی القبور، وأنك رضيت باللّٰه رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد صلی اللّٰه عليه وسلم نبياً وبالقران إماماً وبالكعبة قبلةً وبالمؤمنين إخواناً". ردالمحتار(۲)۔ سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا بھی

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال: "إذاأدخل الميت القبر" قال: وقال أبوخالد: "إذاوضع الميت فی لحده" قال مرةً: "بسم اللّٰه و باللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه" وقال مرةً: "بسم اللّٰه و باللّٰه وعلی سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء مايقول إذا أدخل الميت قبره: ۱/۲۰۲، سعيد)

"وأن يقول واضعه بسم اللّٰه وباللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ويوجه إليها".
(الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی التلقين بعد الموت: ۲/۱۹۱، سعيد)

"وأماالتلقين بعد الدفن .... والذی عليه الجمهور أن المرادمن الحديث مجازه كما ذكرنا، حتی إن من استحب التلقين بعد الموت لم يستدل به إلاعلی تلقينه عند الاحتضار .... وإنمالاينهی عن التلقين بعد الدفن؛ لأنه لاضر رفيه بل فيه نفع، فإن الميت يستأنس بالذكر". (الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، ص: ۵۷۲، سهيل اكيذمی، لاهور)

"واضح رہے کہ تلقین بعد الموت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، اس دور فساد میں اعتقادی خرابی کی وجہ سے احتراز اولی اور افضل ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز، ۴/۲۵۳، سعيد)

(فتاوی رحيميه، كتاب الجنائز، باب مايتعلق بالدفن: ۷/۶۸، دارالاشاعت)

اس وقت مروی ہے(۱)۔

جشن وغیرہ کا انتظام اور میلہ لگانا ہرگز ثابت نہیں (۲)، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دعائے مغفرت ودعائے تثبیت فی الجواب کرکے وہاں سے رخصت ہوجائیں (۳)، ہاں ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں مگر اس

= "وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافي ظاهر الرواية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر: ۱/۱۵۷، رشيديه)

"فإن حقيقته التلقين بعد الموت، وقد اختلفوا فيه. وقولهم: إنه مجازتسمية الشئ باسم مايؤول إليه قول لادليل عليه؛ لأن الأصل الحقيقة. وقد أطال المحقق في فتح القدير في رده. وفي المجتبى: وإذاقالها مرةً كفاه، ولايكثر عليه مالم يتكلم بعد ذلك، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، ۲/ ۲۹۹، رشيديه)

وانظر للتفصيل: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، ۱۰۵ مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) "عن عبد الله ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۲) "ويكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلازيارتها، الخ". (البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶: رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الدفن، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: "استغفروا لأخيكم واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل". (سنن أبي داود، كتاب=

میں غیر ثابت امور کے اختلاط سے بچتے رہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

تلقین بعد الدفن

سوال[۴۲۰۲]: تلقین بعد دفنِ میت کے صحابہ وتابعین سے ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء نے اس کے پڑھنے کی یعنی اس کے عمل کی اجازت دی ہے جیسا کہ مظاہر حق، مأتہ مسائل، اربعین وغیرہ (مظاہر حق:۱، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب قبر)(۲)۔ تلقین بعد دفن میت کے اکثر حنفی مذھب سے ثابت نہیں ہے لیکن

= الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصر اف، ۲/۱۰۳، إمداديه)

"وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱٦٦، رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأنا ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخابنى ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمى)

"صرح علمائنا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أوغيرها......... الأفضل أن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء الخ، ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (مظاهر حق، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۷۳، دار الإشاعت كراچى)

اکثر شافعیہ وحنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ ایک حدیث حضرت ابوامامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے ذکر کی ہے۔ سیوطی سے جمع الجوامع میں حدیث طبرانی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھڑا ہوا ایک شخص سرہانے اور کہے کہ فلاں بن فلاں اور کہا جائے کہ پروردگار تیرا خدا تعالیٰ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر تیرے ہیں، اور اسلام دین تیرا ہے اور قرآن امام تیرا ہے، جب یہ کہتا ہے تو پکڑ لیتا ہے منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ اور کہتا ہے کہ باہر نکل کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے تلقین کی ہے''۔ اگر میت کا نام نہ معلوم ہو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بنت حواء یا ابن آدم کہو''۔ عمل وجواز کس پر ہے، محدث دہلویؒ نے کیا تحریر کیا ہے سب آدمی جانے کے بعد کرے یا دو چار آدمی کی موجودگی میں کرے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ فرع ہے مسئلہ سماع موتی کی، جن حضرات کے نزدیک ثابت ہے وہ تلقین بعد دفن کے قائل ہیں، جن کے نزدیک ثابت نہیں وہ قائل نہیں۔ سماع موتی کے متعلق صحابہ میں بھی اختلاف تھا اور بعد میں بھی اختلاف رہا۔ حنفیہ کے دو قسم کے اقوال موجود ہیں: قاضی خان ظہیر الدین صاحب الغیاث، صاحب الحقائق صغاریہ، سب فقہاء حنفی ہیں تلقین بعد دفن کے قائل ہے۔ جو روایت آپ نے لکھی ہے اس سے اور اس قسم کی دوسری روایات سے استدلال کرتے ہیں، کما فی الشلبی ھامش الزیلعی: ۱/۲۳۴ (۱) اور طریقہ تلقین کا وہی

---

(۱) ''قولہ: (یلقن لظاھر ماروینا الخ) ونسب إلی السنة والجماعة وخلافه إلی المعتزلة، کما قال قاضی خان: إن کان التلقین لاینفع لایضر أیضاً، فیجوز. قال فی الحقائق: قال صاحب الغیاث: سمعت أستاذی قاضی خان یحکی عن ظهیر الدین المرغینانی أنه لقن بعض الأئمة بعد دفنه وأوصانی بتلقینه، فلقنته بعد مادفن. ثم نقل صاحب مانقلته أولاً عن قاضی خان وعبارته فی المنظومة فی باب الشافعی: ویحسن التلقین والتسمیع. قال فی الحقائق: ذکر الإمام الزاهد الصفار فی التلخیص أن تلقین المیت مشروع؛ لأنه تعاد إلیه روحه وعقله ویفهم مایلقن. قلت: ولفظ التسمیع یخرج علی هذا، وصورته أن یقول: یافلان بن فلان .... وعلی قول المعتزلة لایفید التلقین بعد الموت؛ لأن الإحیاء عندهم مستحیل''.

(حاشیة الإمام الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۱، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، ۱۰۵، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ہے جو آپ نے نقل کیا ہے، کما فی مراقی الفلاح، ص:۳۰۷(۱)۔

سنیت سے عام طور پر حنفیہ اور معتزلہ منکر ہیں، مراقی الفلاح (۲) مجمع الأنهر(۳) در منتقیٰ(٤)جوهرة نیرة (٥) تبیین الحقائق (٦) میں دو قول نقل کئے ہیں۔ فتاوی عالمگیری: ۱/۱۵۷) میں عینی اور معراج الدرایہ سے عدم تلقین کو ظاہر الروایہ نقل کیا ہے(۷)۔ سب کا ماحصل یہ ہے کہ خود تلقین نہ کرے، اگر کوئی دوسرا کرے تو اس کو منع نہ کرے، دو چار آدمیوں کی موجودگی میں بھی اشکال معلوم نہیں ہوتا۔ محدث

---

(۱) "(وتلقينه) بعد ماوضع (في القبر مشروع) لحقيقة قوله صلى الله عليه وسلم: "لقنواموتاكم شهادة أن لا إله إلا الله". أخرجه الجماعة إلا البخارى، ونسب إلى أهل السنة والجماعة. (وقيل: لايلقن) في القبر ونسب إلى المعتزله. (وقيل: لايؤمر به ولاينهى عنه). وكيفيته أن يقال: يافلان بن فلان! اذكر دينك الذى كنت عليه في دار الدنيابشهادة أن لا إله إلاالله وأن محمد ارسول الله. ولاشك أن لفظ "لايجوز" إخراجه عن حقيقته إلابدليل، فيجب تعيينه ....اهـ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٥٦٠، ٥٦١، قديمى)

(۲) (راجع مراقى الفلاح، المصدر السابق)

(۳) "واختلفوافى تلقينه بعد الموت عند الوضع فى القبر فقيل: يلقن؛ لأنه يعاد روحه وعقله ويفهم مايلقن، وبه قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ .... وقيل: لايؤمر به ولاينهى. وقال أكثر الأئمة والمشايخ: لايجوز، الخ". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) "ولايلقن بعد الموت، وإن فعل لاينهى عنه". (الدر المنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۲۶۴، مكتبه غفاريه)

(۵) "وأماتلقين الميت فى القبر، فمشروع عند أهل السنة؛ لأن الله تعالى يحييه فى القبر وصورته .... وقال بعضهم: لايلقنه، بل: ألهمه الله حتى يجيب كما ألهم عيسى عليه السلام فى المهد". (الجوهرة النيرة على مختصر القدرى، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۱۲۳، مكتبه حقانية ملتان)

(٦) "واختلفوافى تلقينه بعد الموت فقيل: يلقن لظاهر مارويناء وقيل: لايلقن، وقيل: لايؤمر ولاينهى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۱، سعيد)

(۷) "وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافى ظاهر الرواية، كذافى العينى شرح الهداية ومعراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الأول فى المحتضر: ۱/۱۵۷، رشيديه)

دہلوی بھی تلقین کے قائل ہے، کذا فی شرح سفر السعادة، ص: ۲۵۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال [۴۲۰۲]: بہار شریعت میں ہے: ۱...... ''شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے مونہہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے''۔

۲...... ''قبر کا طواف تعظیمی منع ہے، اگر برکت کے لئے گرد پھرے تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جاویں''۔

۳...... ''دفن کے کچھ دیر بعد مردہ کو تلقین کرنا مشروع ہے، اہلسنت کے لئے'' جوہرہ۔ یہ جو اکثر کتابوں میں یہ اضافہ کیا ہے، ردالمحتار ۳۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو، تو تم میں ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہوکر بیٹھ جائے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانۃ۔ مردہ کہے گا: ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہ ہوگی، پھر: "أذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، وأنك رضيت بالله رباً، وبالإسلام ديناً، وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياً، وبالقرآن إماماً".(۲) نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے''۔

اس حدیث کو طبرانی کبیر میں اور ضیاء نے احکام میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ بعض اجلۂ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکے اور لوگ واپس جاویں تو مستحب سمجھا جاتا ہے میت کے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر یہ کہا جاوے: "فلان بن فلان قل: لا إله إلا الله" تین بار، پھر کہا جاوے: "ربي الله وديني الإسلام ونبيي محمد صلى الله عليه وسلم"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے، مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے

---

(۱) (لم اظفر علیه)

(۲) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في التلقي بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعید)

اس کورد کیا ہے: "وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحارب والجدران وما يفرش، وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة الخ" (۱)۔ اس سے بعد نقل کیا ہے: "إن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلىٰ الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذالك بعد الغسل قبل التكفين، اھ"(۲)۔ قبر میں طاق بنا کر اِسائتِ ادب نہیں لہٰذا گنجائش ہے۔

۲...... طواف قبر سے اگرچہ برکت ہی مقصود ہو، عوام وخواص سب کو منع کیا جائے گا، خواص کے لئے استثناء کہاں ہے: "ولا يطوف: أي يدور حوله (بقعة الشريفة)؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، ولا عبرة بما يفعله الجهلة ولو كانوا فى صورة المشايخ والأولياء والعلماء، وهكذا فى البحر والنهر، اھ". شرح مناسك (۳)۔

۳...... دفن کے بعد تلقین فرع ہے مسئلۂ سماعِ موتی کی، اور اس میں ہمارے ائمۂ ثلاثہ سے کوئی صحیح تصریح روایت منقول نہیں، جو حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں وہ تلقین کے بھی قائل ہیں (۴)، چنانچہ تنویر میں ہے: "ولا يلقّن بعد تدفينه، اھ"(۵)۔ درمختار میں ہے: " وإن فعل لا ينهىٰ عنه، اھ"(٦)۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فریقین کے دلائل بیان کئے ہیں (۷)۔ شامی کے کلام کا ماحصل بھی یہی کہ کسی جانب تشدد نہیں

(۱) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۲/۲۴٦، ۲۴۷، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، راجع المصدر)

(۳) (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، باب زيارة سيد المرسلين، فصل: وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "وعندى أن مبنى ارتكاب هذا المجازهنا عند أكثر مشايخنا هو أن الميت لايسمع عندهم على ماصرحوا به فى كتاب الأيمان .... الخ". (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۵) "(ولا يلقن بعد تلحيده)" (تنوير الأبصار متن الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(٦) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(۷) (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابى الحلبى مصر)

9

چاہئے(۱)۔طریقہ تلقین درمختار، شامی، فتح القدیر میں منقول ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہانپور۔

میّت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا

سوال[۴۲۰۴]: زید انتقال کرگیا، اس کو قبر میں اتارتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" نہیں پڑھا گیا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد اس کے کان میں کوئی دعاء پڑھا اور اس کو بوسہ دیا۔ تو یہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لحد میں رکھتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" اگر نہیں پڑھا تو گناہ نہیں ہوا، ایک مستحب ترک ہوگیا(۳)، اس وقت کان میں کچھ کہنا ثابت نہیں۔ لحد میں رکھ کر بوسہ دینا بھی ثابت نہیں۔ ثابت ومستحب

---

(۱) "وقد أطال في الفتح في تأييد حمل موتاكم في الحديث على حقيقته مع التوفيق بين الأدلة على أن الميت يسمع أولا، ...... قلت: وما في طعن الزيلعي، لم أره فيه وإنما الذي فيه قيل: يلقن لظاهر ما رويناه، وقيل: لا، وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى عنه، اهـ. وظاهر استدلاله للأول اختياره، فافهم". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في التلقين بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعيد)

(۲) "ويكفي قوله: يا فلان، يا فلان بن فلان! أذكر ما كنت عليه، وقل: رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد نبياً". (الدرالمختار، باب صلوٰة الجنازة: ۱۹۱/۲، سعيد)

(وكذا في رد المحتار تحته)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز: ۱۰۴/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "(مستحبه) ويسمى مندوباً وأدباً وفضيلةً، وهو مافعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً وتركه، وما أحبه السلف". (الدرالمختار). "وحكمه الثواب على الفعل وعدم اللوم على الترك". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، مطلب لافرق بين المندوب والمستحب الخ: ۱۲۳/۱، سعيد)

"وفي شرح الهداية: هو (أي المستحب) ما فعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً أو مرتين ولم يواظب عليه، وحكمه الثواب بفعله، وعدم اللوم على تركه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء الخ، ص: ۷۵، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، مستحبات الوضوء: ۵۵/۱، رشيديه)

کو ترک کرنا اور غیر ثابت کو اختیار کرنا نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، ۹۴/۱/۱۴ھ۔

میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے

سوال [۴۲۰۵]: قبر میں نعش رکھ کر کبھی پوری مٹی بدن پر ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بانس وغیرہ دینا یعنی فاصلہ کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ بچوں میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ کچھ فاصلہ دیئے بغیر پوری مٹی انڈیل دی جاتی ہے اور کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ہے، اس کی ابتداء: ﴿ومنها خلقناكم﴾ الخ پڑھ کر لوگ کسی ٹوکری میں رکھ کر سر کی جانب سے رکھتے ہوئے پیر تک ختم کرتے ہیں، پھر تختہ اوپر رکھتے ہیں یا بغیر پاٹے مٹی انڈیل دیتے ہیں۔ کیا شرعی طریقہ ہے؟ آیتِ مذکورہ یاد ہونے پر ضرور کوئی بھی دعاء پڑھ کر مٹی دیتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بغیر تختہ رکھے میت کے اوپر مٹی ڈالدینے کی اجازت نہیں، بچہ ہو یا بڑا، سب کیلئے یہی حکم ہے، لحد بنائیں پھر اس کو کچی اینٹ وغیرہ سے بند کریں، یا شق بنا کر تختہ یا بانس رکھیں تب مٹی ڈالیں (۲)۔ آیت:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "حرّم الله مكة، فلم تحل لأحد قبلي، ولاتحل لأحد بعدي، أحلت لي ساعةً من نهار، لايختلى خلاها، ولايعضد شجرها"......... فقال العباس رضي الله تعالىٰ عنه: إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا، فقال: "إلا الإذخر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر: ۱/۱۸۰، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا، والشق لغيرنا". =

﴿منہا خلقناکم﴾ کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

قبر میں میّت کا منہ دکھلانا

سوال [۴۲۰۲]: قبر کے اندر یا قبر کے باہر قبرستان میں مردہ کا چہرہ دکھلانا کیسا ہے؟ شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، یہ اہتمام کہ بعض جگہ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کھول کر چہرہ دکھلایا جاتا ہے بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کوئی تاکید نہیں (۲)، کفن کا بند لگا دینے کے بعد چہرہ کھولنا مناسب

= (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللحد لنا: ۱/۲۰۲، سعید)

"(وحفر قبره) .... (ويلحد ولايشق) إلافي أرض رخوة .... (ويسوى اللبن عليه والقصب لاالآجرّ) المطبوخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۴، ۲۳۶، سعید)

"(ويحفر القبر ويلحد) لحديث السنن مرفوعاً) .... ويسوى اللبن عليه والقصب؛ لأنه جعل على قبره عليه الصلوة والسلام اللبن وطن من قصب الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/ ۳۳۸، ۳۳۹، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیه)

(۱) "ويقول في الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾. (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/۲۳۷، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶ رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهوردّ". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمى) .... =

نہیں، بسا اوقات آثارِ برزخ شروع ہوجاتے ہیں جن کا اخفاء مقصود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقتِ دفن غیر مسلموں کو میّت کا چہرہ دکھانا

سوال[۴۲۰۷]: اگر مؤمن بندہ مرجائے اور بوقتِ دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آکر تقاضا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردہ کے آشنا ہیں اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شر اور شور وشغف کا خوف ہے۔ تو کیا اس حالت میں قبل از نماز یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲) لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کردیا جائے کہ یہی احوط ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

= من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيديه)

(۱) "وينبغي للغاسل ولمن حضر إذارأى مايجب الميت ستره أن يستره ولايحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذاكان عيباً حادثاًبالموت كسواد وجهٍ ونحوه، مالم يكن مشهوداًببدعة، فلابأس بذكره تحذيراًمن بدعته". (ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب صلوة الجنازة: ۲/۲۰۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الجنائز، الثاني في الغسل، ص: ۵۸۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، أحكام الجنائز، ص: ۵۷۰،قديمي)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال لهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه، فأتاه فانكب عليه وبكى". (سنن ابن ماجة، أبواب الجنائز،باب ماجاء في النظر إلى الميت الخ، ص: ۱۰۶،قديمي)

(۳) چونکہ دفنِ میت مسلم کے وقت رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، جبکہ غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے اس لئے ان کو میت سے دور=

زچہ اور بچہ دونوں مر گئے تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟

سوال[۴۲۰۸]: ایک عورت کی عندالولادت موت ہوگئی، ساتھ ہی بچہ کا بھی انتقال ہوگیا، اب آیا اس عورت کو اور بچہ کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو بچہ خواہ نر ہو یا مادہ ہو، ہر صورت میں یا فرق بھی ہے؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟ نیز اگر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کریں گے یا نہیں؟ نیز مردہ بچہ کو اس کی ماں کے جنازہ کے ساتھ شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا اور اس کی ماں بھی مر گئی تو دونوں کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنا درست ہے (۱) مگر دونوں کو الگ الگ دفن کرنا چاہئے، بچہ کو ماں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے (۲)۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (۳)، دفن اس کو بھی الگ کیا جائے ماں کے ساتھ نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

= رکھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے: "عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه سبعون ألف ملک لم ينزلوا إلى الأرض". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين عن الأنصار، مناقبة سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنه: ۳/۴۳۰، دار صادر، بیروت)

"عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی جنازة فرأی ناساً رکباناً فقال: "لاتستحيون أن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعید)

قال الملا علی القاری رحمه اللہ تعالیٰ تحت هذا الحديث: "حديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلک عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفار باللعنة الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشیدیه)

(۱) "عن أبي مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه: "أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئ بتسعة وصلى عليهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فرفعوا وترک حمزة، ثم جئ بتسعة =

....

=فوضعوا وصلى عليهم سبع صلوات حتى صلى على سبعين وفيهم حمزة رضى الله تعالىٰ عنه فى كل صلوة صلاها". (مراسيل أبى داؤد، فى الصلواة على الشهدآء، ص: ١٨، سعيد)

"وإذااجتمعت الجنائز، فإفراد الصلواة أولى". (الدر المختار على تنوير الأبصار، باب الجنائز: ٢/٢١٨، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ٢/٣٢٨، رشيديه)

" لواجتمعت الجنائز يخيّر الإمام إن شاء صل على كل واحد على حدة، وإن شاء صلى على الكل دفعةً بالنية على الجميع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس: ١/١٦٥ رشيديه)

(٢) "ولايدفن اثنان فى قبر واحد إلالضرورة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى الدفن: ٢/ ١٤١، مصطفى البابى الحلبى، بمصر)

"ولايدفن اثنان أو ثلاثة فى قبر واحد الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ١/١٦٦، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازه، مطلب فى دفن الميت، ٢/٢٣٣، سعيد)

(٣) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه: عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: " الطفل لايصلى عليه، ولا يرث، ولا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى ترك الصلوة على الطفل: ١/٢٠٠، سعيد)

(٣) قال ابن نجيم: "ومن استهل صلّى عليه، وإلالا .... وأفاد بقوله: "إلالا"أنه إذالم يستهل لا يصلى عليه، ويلزم منه أن لايغسل ولاير ث ولايورث ولايسمى، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة،باب الجنائز: ٢/٣٣٠، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل، وإلاغسل وسمى وأدرج فى خر قه ودفن ولم يصل عليه". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ٢/٢٢٧، ٢٢٨، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ١/٥٨١، دار الكتب العلمية، بيروت)

جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟

سوال[۴۲۰۹]: ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے دونوں کی کمر ملی ہوئی ہے، ایک کا منہ مغرب کی طرف ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف اور دونوں کا انتقال ہوگیا، اب دفن کس طرح کریں؟ اگر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو دوسرے کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مجبوری کی حالت میں دونوں کا منہ قبلہ کی طرف کرنا لازم نہیں، بلکہ کیا ہی نہیں جاسکتا، ایک ہی کا منہ رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ

سوال[۴۲۱۰]: ایک قبرستان ۶۰، ۶۵/ سال سے عمل میں آرہا ہے، عرصہ ۴، ۵/ سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی اور سب کے مشورہ سے ایک شخص شمشوں خاں کو اس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ کمیٹی اور سیکریٹری صاحب کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ سیانی کی قبر ایک لائن میں کھودی جائے اور بچگانی کی قبر ایک لائن میں۔ یہ فیصلہ ٹھیک سے چلتا رہا، ۸/ فروری/ ۷۴ء کو ایک لڑکی جس کی عمر ۷/ سال تھی فوت ہوگئی، قبر کھدوانے کیلئے ناپ

---

(۱) میت کو قبر میں قبلہ رو کرنا ضروری ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں ضرورت کیوجہ سے صرف ایک ہی کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، چونکہ تکلیفِ انسانی کا مدار وسع اور قدرت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

"لایکلف نفساً من النفوس إلا ماتطیق، وإلا ماهو دون ذلک کمافی سائر ماکلفنابه الخ".

(روح المعانی: ۳/ ۶۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"ویوجه إلیها وجوباً، وینبغی کونه علی شقه الأیمن". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/ ۲۳۶، سعید)

"ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱/ ۱۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

لیا گیا، اس وقت کمیٹی کے ایک ممبر موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ ناپ سے معلوم ہوتا ہے کہ قد میں بڑی ہے، اس لئے سیانی لائن میں قبر کھودی جائے، چنانچہ قبر کھودی گئی صفائی ہو رہی تھی کہ سیکریٹری صاحب نے پہونچ کر قبر کی صفائی سے روک دیا اور کہا کہ کسی حالت میں اس میں دفن نہیں ہونے دیں گے، بچکانی لائن میں دوسری قبر کھودی جائے۔

اب میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، گھر والوں کو خبر دیا، وہ سیکریٹری صاحب کے پاس گئے اور عاجزی وانکساری سے کہا کہ جمعہ کا وقت ہو گیا غسل کرا کر جنازہ مسجد کو لے جانا ہے جو کچھ ہوا خواہ سہوا ہوا، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اب دفن ہونے دیجئے۔ اس پر سیکریٹری صاحب نے سخت الفاظ میں جواب دیا کہ میرا آرڈر ہے قبر بند ہو کر ہی رہے گی۔ بہر حال بعد نمازِ جمعہ جنازہ کی نماز ہوئی اور اسے قبرستان پہونچایا گیا، تو ایک شخص سیکریٹری صاحب کا حامی قبر میں جا کھڑا ہوا، اور کہا: دفن نہیں ہونے دیں گے۔ تمام عوام اس پر ناراض ہو کر بضد ہو گئی کہ اس قبر میں دفن ہو کر رہے گا اور اس شخص کو بدسلوکی سے قبر سے نکالا۔ اس وقت سیکریٹری صاحب بھی جذبات میں آ گئے اور دفن سے روکا تو چند سنجیدہ اشخاص نے سیکریٹری صاحب کو پکڑ کر قبرستان سے باہر کر دیا۔ اب سیکریٹری صاحب سے بہت اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وقت کشت وخون نہ ہو۔ ان کا ہر وقت سوال رہتا ہے کہ میرا آڈر رہے گا یا میرا استعفیٰ قبول کیا جائے۔ ایسی صورت میں علمائے دین کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تحریر فرمایا جائے۔

حبیب الرحمٰن شیو چران لال روڈ، ۲۳ آلہ باد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پابندی کہ سیانی قبریں الگ لائن میں ہوں اور بچکانی قبریں الگ لائن میں ہوں، کوئی شرعی حکم نہیں، اس پر اتنا زور دینا ہی غلط ہے (۱)، اگر قبروں کی خوشنمائی کیلئے یہ لائن بندی کی تجویز کی گئی ہے تب بھی جس کا قد

---

(۱) "من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علی بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشيديه)

"الإصرار علی المندوب يبلغه إلی حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمي)

طویل ہو اس کی قبر سیانی قبروں کے مناسب ہے، گو عمر کم ہو(۱)۔ اس سب کے باوجود جبکہ سیکرٹری صاحب سے معذرت کی گئی اور عاجزی کے ساتھ کہا گیا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے سہواً کیا ہے، اس وقت سب پریشان ہیں، قبر تیار ہوگئی، دفن ہونے دیجئے، بات کو نہیں بڑھایئے، آئندہ احتیاط کی جائے گی الخ، تو سیکرٹری صاحب کو بھی بلند اخلاق سے پیش آنے اور درگذر کرنے کی ضرورت تھی، موجودہ صورت میں ان کی ضد ہرگز مناسب نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ بات ختم کردیں اور استعفیٰ نہ دیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۹ھ۔

اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا، یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا

سوال [۴۲۱۱]: ۱...... اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوالینا یا پکی بنوالینا کیسا ہے؟

۲...... والد صاحب نے اپنی ضد پر پکی قبر بنوالی، بعد وفات ہم لوگ قبرستان میں دفن کریں اور پکی خالی قبر کو مسمار کردیں تو کیا حکم ہے؟

۳...... ہماری سوتیلی ماں کو بھی وصیت کردی ہے کہ ہمارے جنازہ کو اس پکی قبر میں دفن کروانا، ورنہ ہم قیامت میں دامن گیر ہوں گے۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعيد)

"وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول قبر على الإنسان، وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۶، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما بُعثتُ لأتمم صالح الأخلاق". (مسند أحمد، مسند أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۸۷۲۹): ۳/۸۰ دار إحياء التراث العربي، بيروت)

۴.....اگر ہم لوگ والد کی میت کو قبرستان لے جائیں اور ہماری سوتیلی والدہ، والد کے حکم کے مطابق ضد کر کے میت کو پکی قبر میں دفن کرائیں تب ہم لوگوں کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اپنی زندگی میں قبر کھدوالینا درست ہے (۱) مگر پکی قبر کی اجازت نہیں (۲)، نیز قبرستان میں آبادی سے الگ مردہ کو دفن کرنا نہیں چاہئے (۳)۔

---

(۱) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ويؤجر عليه، كذافي التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱٦٦، رشيديه)

"ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هٰكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل فى القبر والدفن: ۲/۱۷۲، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل: الجنائز،الثامن فى المتفرقات، ص: ٦۱۰،سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ". قال أبوعيسى: هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز،باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبوروالكتابة عليها: ۱/۲۰۳،سعيد)

"(ولايجصص)للنهى عنه، (ولايطين، ولايرفع عليه بناء) الخ".(الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷،سعيد)

"ويسنّم القبر قدر الشبر، ولايربع ولايجصص الخ".(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱٦٦،رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع،كتاب الصلاة الجنائز،فصل فى سنة الدفن: ۲/٦۵،رشيديه)

(۳) "(ولاينبغى أن يدفن)الميت (فى الدارولو) كان (صغيراً)لاختصاص هذه السنة بالأنبياء". (الدرالمختار). "(قوله: فى الدار)..........بل ينقل إلى مقابر المسلمين، ومقتضاه أنه لايدفن فى مدفن خاص كمايفعله من يبنى مدرسة ونحوها، ويبنىٰ له بقربهامدفناً الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد) ....=

۲...... پکی قبر میں دفن نہ کریں، اس کو مسمار کردیں اور قبرستان میں کچی قبر میں دفن کریں (۱)۔

۳...... وہ بھی اس وصیت پر عمل نہ کریں، اس کی وجہ سے قیامت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا (۲)۔

۴...... آپ نمبر:۲ کے موافق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا

سوال [۴۲۱۲]: اپنے لئے قبر کھود کر رکھنا اور صبح وشام قبر کے اندر جا کر ذکر وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لئے قبر کھودنا بھی درست ہے (۳)۔ اگر موت کی اہمیت اور قبر کے حالات

= "ولایدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی کان فیه، فإن ذلک خاص بالأنبیاء، بل ینقل إلی مقابر المسلمین". (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/ ۱۴۱، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۱) (راجع، ص: ۸۶، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) "وکذا تبطل لو أوصی بأن یکفن فی ثوب کذا، أو یدفن فی موضع کذا، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظیم أولی الأمر واجب: ۲/ ۲۲۱، سعید)

"ولو أوصی بأن یحمل بعد موته إلی موضع کذا، ویدفن هناک .... ووصیته بالحمل باطلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التی تکون وصیةً والتی لاتکون الخ: ۶/ ۹۵، رشیدیه)

(۳) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ویؤجر علیه، کذافی التاتارخانیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/ ۱۶۶، رشیدیه) .... =

کے استحضار کے لئے وہاں جا کر ذکر وتلاوت بھی کر لیا کرتا ہے کہ وہاں نور قائم ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱) مگر اس کو حکم شرعی تصور کرتے ہوئے لازم سمجھنا غلط ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق

سوال[۴۲۱۳]: اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے قریب دفن کرنے اور دور سے کسی اجنبی قبرستان میں دفن کرنے میں کوئی کسی قسم کا فرق پڑتا ہے؟

= "ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هكذاعمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الخ: ۲/۱۷۲، ادارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "ويزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها" .... ويقرأ يٰسٓ، وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار).

"(قوله وبزيارة القبور): أى لابأس بها، بل تندب، كما في البحر عن المجتبى، .... ويقرء من القرآن ماتيسرله من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي -وآمن الرسول- وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرةً، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعيد)

(۲) "من أصر على أمرمندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرارالبدعة التي لاأصل لهافي الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرق تو پڑتا ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں سے جو اُنس ہوتا ہے وہ بلا کسی وجہ کے غیروں سے نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

ایرانی مردہ کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا

سوال[۴۲۱۴]: یہاں پر کچھ ایرانی لوگ رہتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ عیدین کی نماز میں شرکت کرتے ہیں اور قربانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ان ایرانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں، شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے مُردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ان کے مردوں کو ہمارے قبرستان میں دفنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ایرانی لوگ آپ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "حدثنا حصين بن عبد الرحمٰن عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب فقال: يا عبد الله بن عمر! اذهب إلى أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أدفَنَ مع صاحبي. قالت: كنت أريده لنفسي فلأُوْثِرَنّه اليوم على نفسي. فلما أقبل قال له: مالديك؟ قال: أذنتْ لك يا أمير المؤمنين، قال: ماكان شئي أهم إليّ من ذالك المضجع، فإذاقبضتُ فاحملوني، ثم سلموا، ثم قل: يستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لي فادفنوني، وإلافردوني إلى مقابر المسلمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما: ۱/۱۸۶، قديمي)

"وفيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعاً في إصابة الرحمة إذانزلت عليهم، وفي دعاء من يزورهم من أهل الخير". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر: ۳/۳۲۰، قديمي)

(۲) اس لئے کہ ان کا باجماعت نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، لہٰذا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان =

غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۵]: بلااجازت زبردستی دوتین میت کو کسی دوسرے کی زمین پر دفن کردیا گیا تو از روئے شریعت مطلع فرمائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلااجازتِ مالک اس کی زمین میں میت دفن کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، مالک کو حق ہے کہ دفن کرنے والوں سے کہے کہ اپنی میت کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ ہم یہاں ہل چلا کر قبر کو برابر کردیں گے اور زمین میں کھیتی کردیں گے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۸ھ۔

کسی کی زمین میں اپنی میّت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۶]: کریم اللہ خان صاحب کا ایک پرائیوٹ ذاتی خاندانی ملکیت کا قبرستان ہے، اس قبرستان میں صرف ان کے ہی خاندان کے مردے دفن ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی ہمدردی سے زید کو اس شرط پر

= میں دفن کرنا درست ہے: "(ويحكم بإسلام فاعلها) بشروط أربعة: أن يصلي في الوقت (مع جماعة) مؤتماً متمماً الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۳۵۳/۱، سعيد)

"وإن قال: إني مسلم على دين الحق، لم يكن مسلماً، فإن لم يسئل حتى صلى بجماعة كان مسلماً الخ". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الرابع في المرتد ومايصير الكافر به مسلماً: ۳۱۴/۶، رشيديه)

(۱) "قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زراعةً أو غيرها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۸/۱، دارالكتب العلميه بيروت)

"(ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (كأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كماجاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، زيلعي". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشيديه)

اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی تھی کہ وہ بغیر اجازت منتظم ومتولی اپنے مردے دفن نہ کرے۔اب جبکہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے موجودہ منتظم ومتولی قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، ایسی صورت میں بلا اجازت جبراً غیر ملکیت زید کے ورثاء کو مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مردے اوران کے ورثاء پر کوئی مواخذہ یا عذاب تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان مملوک ہے، وقفِ عام نہیں تو کسی کو اپنا مردہ بغیر اجازتِ مالک وہاں دفن کرنا درست نہیں، اگر زید کے ورثاء بلا اجازتِ مالک وہاں دفن کردیں گے تو ناجائز فعل کے مرتکب ہوں گے، مالک کو اختیار ہوگا کہ اپنی زمین کو خالی کرنے کا مطالبہ کرے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا

سوال[۴۲۱۷]: زید کے مرجانے کے بعد ورثاء یا مریدین نے بکر(مالک) وسرکاری زمین میں بغیر بکر اور سرکار سے اجازت لئے ہوئے زید کو دفن کردیا، چند ماہ بعد جب بکر مالکِ زمین یا سرکار کو معلوم ہوا کہ بغیر سرکاری اجازت کے زید کی نعش کو دفن کردیا گیا ہے اور پختہ قبر وگنبد بھی زید کا بنادیا گیا ہے تو کیا بکر وسرکار کو قانونی حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی زمین میں جہاں دفن ہے قبر کھود کر اس کو نکال دے اوراس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور عام مسلمان اس لاش کو کسی قبرستان میں دفن کردیں، یا بعد دفن کرنے کے چند ماہ بعد بکر وسرکار کو حق حاصل ہے کہ زید کی لاش قبر سے جو اس کی مملوکہ زمین میں ہے نکال دے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مالک زمین کو اختیار حاصل ہے کہ نعش کو باہر نکال دے، یا قبر کو زمین کے برابر کردے، اگر نعش کو باہر نکال دیا تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ زید کی مملوکہ زمین یا عام موقوفہ قبرستان میں دفن

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا''۔)

کردیں، کذافی مجمع الأنہر: ص۱۵، ۱: ۱۸۵/۱(۱)۔ پختہ قبر وگنبد بنوانا گناہ ہے، کذافی شرح الکنز(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

چمار کی زمین جبراً میں میّت دفن کرنا

سوال[۴۲۱۸]: ا...... ہمارے گاؤں والوں نے جبراً چماروں کی زمین میں اپنے مُردے دفن کرنا شروع کردیئے، جب چمار مرگیا تو اس کے لڑکوں کے نام زمین ہوگئی، مال گذاری دیتے رہے اور چک بندی میں چماروں نے یہ کھیت مولیٰ بخش سے بدل لیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مولیٰ بخش کو اس کھیت سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(لایخرج من قبر إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) وأراد صاحب الأرض إخراجه کما إذا سقط فیها متاع الغیر، أو کفن بثوب مغصوب، فإنه یجوز نبشه". (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مکتبه غفاریه)

"(ولایخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (کأن تکون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ویخیّر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض، کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعي". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن تجصص القبور وأن یکتب علیها وأن یبنی علیها وأن توطأ". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳ سعید)

"(ولایجصص): أی لایعمل بالجصّ .... ویکره بناء القبة علی القبر: أی کمایصنع الأن فی حق الأولیاء والصلحاء". (شرح الکنز لملامسکین علی هامش فتح المعین، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۲ سعید)

"وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أو نحو ذلک".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، السادس فی الدفن، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

9

۲...... چک بندی گاؤں والوں نے قبرستان کے لئے زمین علیحدہ کردی، دو چار میت اس جگہ دفن بھی ہوگئیں، باقی ابھی خالی پڑی ہے۔ تو اس کی آمدنی مسجد مدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چمار کی زمین میں بلا اجازت وبلا مرضی میت دفن کرنا ظلم اور غصب ہے، جبکہ وہ زمین مولیٰ بخش کی ملک میں آگئی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی میت کو دفن کیا ہے وہ ان سے کہہ دے کہ یہاں سے اپنے میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ میں یہاں کھیتی کروں گا، پھر اس کو کھیتی کرنا مکان بنانا سب درست ہے:

"ولایخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق ادمی بأن تکون الأرض مغصوبةً أو أخذه بشفعةٍ، ویخیّر المالك بین إخراجه ومساواته بالأرض، کماجاز زرعه. والبناء علیهاإذابلی وصار تراباً". زیلعی(۱) ودرمختار: ۱/۸۳۹(۲)۔

۲...... گاؤں والوں نے جو زمین قبرستان کے لئے وقف کرائی وہ قبرستان کی ہوگئی، اس کی آمدنی کو اسی قبرستان کی حفاظت اور ضروریات وغیرہ میں (مثلاً چہار دیواری کرادیں) صرف کیا جائے اور دیگر مصارف میں صرف نہ کریں: "قولهم: شرط الواقف کنص الشارع المعنی المفهوم والدلالة". کذافی الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۳/۵۷۵"(۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۸ھ۔

---

(۱)قال رحمه الله تعالیٰ: (إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) فیخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زرعه أو غیرها". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیح معتبر یعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

دفنِ میت سے روکنا

سوال[۴۲۱۹]: ایک شخص جو کہ حاجی بھی ہو اور اپنے آپ کو باشرع ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور اپنے آپ کو سیّد بھی کہتا ہو، وہ اگر کسی ایک مسلمان کی میت کو دفن ہونے سے عملاً روکنے کی کوشش کرے اور دوسرے مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے سے روکے اور ان کو خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کو ان کے بچوں کی قسمیں دلا کر میت میں شریک ہونے سے خود اس نے اور اس کے سب گھر والوں نے روکا، دیگر میت کی قبر کھودنے والوں کو بھی روکا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، پولیس تھانہ جا کر میت کے وارثوں پر جھوٹا الزام لگایا کہ اس کو زہر دے کر مارا گیا ہے۔ علمائے دین ایسے شخص (سید الحاج محمد شفیع) اور ان کے گھر والوں پر کیا حکم شرع عائد کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ کس وجہ سے حاجی صاحب مذکور نے ایسا کیا، اس خاص میت میں کیا بات تھی، موت تو اور لوگوں کو بھی آتی ہے، کیا وہ کسی بھی میت میں لوگوں کو شریک نہیں ہونے دیتے اور دفن کرنے سے روکتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو جس جس میت کو دفن نہ ہونے دیا اور لوگوں کو شرکت سے روکا اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، غرض جب تک بات صاف نہ ہو اس کا حکم کیا لکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۱ھ۔

---

(۱) "کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ربما لایجیب عن مسئلة سنةً، وقال: لأن یخطی الرجل عن فهم خیرٌ من أن یصیب بغیر فهم". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ربمالایجیب الخ: ۳۷۰/۲، مکتبه میمنیه مصر)

"الرابعة: من آداب المفتي: لیتأمل الرقعة تأملاً شافیاً وآخر هاآکد ..... وإذا وجد کلمةً مشتبهةً سأل المستفتي عنها ونقطها وشکلها، وکذا إن وجد لحناً فاحشاً أو خطأً یحیل المعنی، أصلحه الخ". (شرح المهذب للنووی الملحق بشرح عقود رسم المفتي، فصل في آداب الفتوی، ص: ۱۲، میر محمد کتب خانه)

لاش دوسال بعد دفن کرنا

سوال[۴۲۲۰]: دوسال بعدلاش کواسلامی طریقہ پردفن کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی تاخیر کی اجازت نہیں (۱)، اگرغلطی سے اتنی تاخیر کردی گئی تب بھی اسلامی طریقہ پر دفن کریں(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۲/۹۵ھ۔

پرانی قبرمیں سرملاتواس کاکیاکیاجائے؟

الاستفتاء[۴۲۲۱]: تالاب کھودتے کھودتے چارہاتھ کھودنے کے بعدانسان کا سرملا،معلوم

---

(۱)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"أسرعوا بالجنازة، فإن تك خيراً تقدموها، وإن تك شراً تضعونها عن رقابكم". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في الإسراع بالجنازة: ۱/۱۹۶،سعيد)

"يندب دفنه في جهة موته وتعجيله الخ". (الدرالمختار). "(قوله:وتعجيله): أي تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخير صلاته و دفنه ليصلي عليه جمعٌ عظيمٌ بعد صلاة الجمعة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۹،سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (ويعجّل بلا خبب): أي يسرع بالميت وقت المشي بلاخبب، وحدُّه أن يسرع به بحيث لايضطرب الميت على الجنازة الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشيديه)

(۲)مسلمان کادفن کرنافرض کفایہ ہے دفن نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان گنہگارہوں گے:

"دفن الميت فرض على الكفاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ۱/۱۶۵،رشيديه)

"(والصلاة عليه) صفتها(فرض كفاية)........ (كدفنه)وغسله وتجهيزه، فإنهافرض كفاية". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷،سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في الدفن الخ".: ۲/۶۰،رشيديه)

ہوا کہ بہت زمانہ پہلے کی قبر ہے تو اب کیا کیا جائے، آیا چھوڑ دیا جائے، یا کوئی صورت ہے؟ اور جان بوجھ کر قبر پر کوئی تالاب کھودنا یا کوئی مکان بنانا یا درخت لگانا جائز ہے یا نہیں؟ صدقہ دینا ہوگا یا اَور کچھ کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان بہت پرانا ہو کر وہاں میت موجود نہیں بلکہ مٹی ہو چکی ہو، اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزاء کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کردیں باہر نکال کر نہ پھینکیں، اگر پرانا قبرستان مملوک ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا مکان بنانا، باغ لگانا بھی درست ہے۔ اگر وقف ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، جو سر نکلا ہے اس کو اسی جگہ دفن کردیں (۱)، اس کا کوئی اَور صدقہ وغیرہ لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا

سوال[۴۲۲۲]: شہروں میں بوجہ تنگی گورستان پرانی قبر جس میں نشان وشناخت موجود ہے اس میں پھر دوبارہ قبر بنا کر دفن کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بر تقدیرِ عدمِ عذر ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا صورت ہوگی؟

---

(۱) "أنه لايدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذا في الإبتداء وكذا بعده. قال في الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد، فتضم عظام الأول، ويجعل حاجز من تراب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳ سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفاريجدالعظم الخ: ۲/۱۰۲، إمداديه)

"ولوبلى الميت وصارتراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام اليهود لهاحرمة إذا وجدت في قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتىٰ لاتكسر؛ لأن الذمي لماحرم إيذاءه في حياته لذمّته، فتجب صيانة نفسه عن الكسر بعد موته". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں، اگر میت بالکل صحیح سالم قبر میں موجود ہو تب بھی بوقتِ ضرورت اس کے برابر اسی قبر میں دوسری میت کو رکھنا جائز ہے، لیکن میت قدیم اور میت جدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے۔

اگر ایک وقت میں چند مُردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے، اگر سب مَرد ہوں یا سب عورتیں ہوں تب تو افضل کو اول لحد میں رکھا جائے اس کے بعد غیر افضل کو۔ اگر موتی مخلوط ہوں تو اول مَرد کو رکھا جائے اس کے بعد لڑکے کو اس کے بعد خنثیٰ کو اس کے بعد عورت کو، اور ہر دو کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے:

" ولايدفن اثنان أوثلثة في قبر واحد إلا عند الحاجة، فيوضع الرجل ممايلي القبلة، ثم خلفه الغلام، ثم خلفه الخنثى، ثم خلفه المرأة، ويجعل بين كل ميتين حاجزمن التراب، كذافي محيط السرخسي. وإن كان رجلين يقدم في اللحد أفضلهما، هكذافي المحيط. وكذا إذا كانتا امرأتين، هكذافي التاتارخانية. ولوبلي الميت وصارتراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه، كذافي التبيين، اهـ". هندية: ١/ ١٦٧ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ١/ ١٦٦، ١٦٧، رشيديه)

"لايدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذافي الابتداء، وكذابعده. قال في الفتح: ولايحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلي الأول، فلم يبق له عظم، إلا أن لايوجد، فتضم عظام الأول ويجعل بينهماحاجز من التراب .... ولوبلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ٢/ ٢٣٣، سعيد)

"ولايدفن اثنان أوثلثة في قبر واحد إلاعند الحاجة، فيوضع الرجل ممايلي القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثى ثم خلفه المرأة، ويجعل بين كل ميتين حاجزمن التراب ليصير في حكم قبرين .... ولوبلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام لها=

میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا

سوال[۴۲۲۳]: خورجہ میں ایک عورت کا انتقال ہوگیا تو اس کی قبر میں قرآن پاک دفن کیا ہے جبکہ مولانا صاحب بھی موجود تھے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی عورت کے انتقال پر قرآن پاک اس کے ساتھ دفن کرنا شرعی حکم نہیں، غلط طریقہ ہے، اگر اس کے اوپر رکھدیا ہے تو جسم کے پھٹنے سے بےادبی بھی ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں (۱)۔ اگر کوئی عالم ایسے وقت میں موجود ہو تو اس کو نکیر کرنا چاہئے، کسی مصلحت سے وہ نکیر نہ کرے تو یہ جواز کا فتویٰ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۱۰/۲۲ھ۔

= حرمة إذا وجدت في قبور هم كحرمة عظام المسلمين حتى لاتكسر الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، ۳۴۲،رشيديه)

"عن عبد الرحمٰن بن كعب أن جابربن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهم أخبره أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب دفن الرجلين أوالثلثة في قبر واحد: ۱/ ۱۷۹، قديمي)

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسين والكهف ونحوهماخوفاً من صديد الميت .... عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش، وماذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابالأولى مالم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الخ: ۲/ ۲۴۶، سعيد)

"الاستفسار: "قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟ الاستبشار: هواستهانة بالقرآن؛ لأن هذاالثوب إنمايلقى تعظيماً للميت، ويصير هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل بجميع متفرقات المسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم، بيروت)

(۲) "ولايظن في المشايخ أنهم فعلوامثل مايفعل أهل زماننامن أهل الفسق والذين لاعلم لهم بأحكام =

قرآن کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۴]: ایک شخص نے قرآن کے بوسیدہ اوراق مختلف جگہوں سے گرے پڑے اٹھائے اورانہیں پاک وصاف کر کے رکھ دیا۔ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس میری قبر میں کسی جگہ رکھ دئے جائیں، یہ وصیت اس کی پوری کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر میں طاق بنا کر پاک وصاف کپڑے میں رکھ دئے جائیں کہ اس پر مٹی نہ گرے، نہ میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۵]: یہاں پر عام دستور ہے کہ مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں ڈالدیتے ہیں اور پھر اس کے عوض میں نئی چٹائی خرید کر رکھ جاتے ہیں۔ کیا یہ دستور جائز ہے یا نہیں؟

= الشرع، وإنما يتمسك بأفعال أهل الدين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو الخ: ۵ /۳۵۲، رشيديه)

(۱) قبر میں سے الگ جگہ پر طاق بنا کر دفن کرنے میں میت کے بدن سے متصل نہیں ہوتے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں الگ جگہ پر قرآن کریم کے مقدس اوراق کو دفنانے کی اجازت دیدی ہے: "المصحف إذا صار بحال لايقرأ فيه، يدفن كالمسلم". (الدرالمختار). "(قوله: كالمسلم) فإنه مكرّم، وإذا مات عدم نفعه، وكذلك المصحف، فليس في دفنه إهانة له بل ذلك إكرام خوفاً من الامتهان". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب، يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ۱/۱۷۷، سعيد)

"المصحف إذا صار خلقاً لايقرأ منه، ويخاف أن يضيع، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن، ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أونحو ذلك، ويلحد له؛ لأنه لوشق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير، إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لايصل التراب إليه، فهو حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۱۹، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانا مکروہ ہے، کذافی الطحطاوی(۱)، مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لاکر بچھادی اوراب وہ بوسیدہ ہوگئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کواختیار ہے کہ جوچاہے کرے، کذافی الفتاوی الهندیه(۲) اگر مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی تواس کومسجد کے کسی کام میں لائیں یافروخت کرکے پیسہ مسجد میں خرچ کردیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۵/۵/۸۹ھ۔

میّت کے دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۲۶]: یہاں رواج ہے کہ مردے کودفن کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر لوٹے سے تین مرتبہ پانی ڈالتے ہیں مثل تین لکیر کے، سر سے پاؤں تک ڈالتے ہیں اور کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ اس کی اصل کہاں تک ہے؟ اس کوضروری سمجھنا کیسا ہے؟

---

(۱) "ويكره إلقاء الحصير في القبر". (حاشية الطحطاوى على مراقى، أحكام الجنائز، فصل فى دفنهاالخ، ص: ۶۱۰، قديمى)

"وأماالحصير المتخذ من البردى، فإلقاؤه فى القبر مكروه". (التاتارخانية ،كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز، نوع آخر من هذاالفصل فى القبر والدفن: ۲/ ۱۶۸، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشيديه)

(۲)"وذكر أبوالليث فى نوازله: حصير المسجد إذاصار خلقاً واستغنى أهل المسجد عنه، وقد طرحه إنسان إن كان الطارح حياً فهوله، وإن كان ميتاً ولم يدع له وارثاً، أرجوا أن لاباس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير أو ينتفعو به فى شراء حصير آخر للمسجد، والمختار أنه لايجوز لهم أن يفعلواذلك بغير أمر القاضى". (الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداوفى أحكامه الخ: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل من بنى مسجداً الخ: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پانی ڈال دینا تاکہ مٹی منتشر نہ ہوجائے مستحب ہے: "لابأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس، بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد رضى الله تعالىٰ عنه، كمارواه ابن ماجة، وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبوداؤد فى مراسيله، وأمربه فى قبر عثمان بن مظعون رضى الله تعالىٰ عنه، كما رواه البزار، الخ". شامی: ۱/۶۵۱، ۶۰۱، نعمانیہ(۱)۔

دفن کے بعد سر کی جانب سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب اس کا آخر پڑھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے(۲)، مگر یہ بھی مستحب ہے، فرض سمجھنا غلط ہے بے اصل ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) (الدرالمختارمع ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

"وعن عبدالله بن محمد يعني ابن عمرعن أبيه رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رشّ على قبرابنه إبراهيم رضى الله تعالىٰ عنه". (مراسيل أبى داؤد، ماجاء فى الجنائز، فى الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

"ولابأس برش الماء عليه: أى القبر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل فى سنة الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: "سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلىٰ قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة، الخ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمى)

"وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأعلى القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عندرجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۳) "من أصرعلى أمرمندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التى لاأصل لها فى الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمى، لاهور)

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا، پھول پتی ڈالنا

سوال[۴۲۲۷]: میت کی قبر کو ہموار کر کے قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی چھڑکنا مستحب ہے تاکہ قبر کی مٹی جم جائے منتشر نہ ہو(۱)، پھول ڈالنا ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

قبر میں خوشبو چھڑکنا

سوال[۴۲۲۸]: قبر کے اندر کیوڑہ، گلاب وغیرہ خوشبو کا وقتِ دفن چھڑکنا کیسا ہے، شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱) "عن عبداللہ بن محمد یعنی ابن عمر عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رش علی قبر ابنه إبراهیم رضی اللہ تعالیٰ عنه" (مراسیل أبی داؤد، ماجاء فی الجنائز، فی الدفن، ص: ۱۸، سعید)

"(ولابأس برش الماء علیه) حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدر المختار). "(قوله: ولابأس برش الماء علیه) بل ینبغی أن یندب؛ لأنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فعله بقبر سعد، کمارواه ابن ماجة. وبقبر ولده إبراهیم کما رواه أبوداؤد فی مراسیله. وأمربه فی قبر عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنه، کما رواه البزار، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعید)

"ولابأس برش الماء علیه: أی القبر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل فی سنة الدفن: ۲/۶۵، رشیدیه)

(۲) "وقال العینی رحمه اللہ تعالیٰ: إن إلقاء الریاحین لیس بشئ، الخ". (فیض الباری، کتاب الجنائز، فصل الجرید علی القبر: ۲/۴۸۹، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

"وکذلک مایفعله أکثر الناس من وضع مافیه رطوبة من الریاحین والبقول ونحوهما علی القبور لیس بشئ، الخ". (عمدة القاری، کتاب الوضوء، بابٌ: من الکبائر أن لایستتر من بوله، بیان استنباط الأحکام: ۳/۱۲۱، مطبعه منیریه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویوضع الحنوط فی القبر؛ لأنه علیه الصلوٰة والسلام فعل ذلك بابنه إبراهیم، حموی عن الروضة". فتح المعین: ۱/۳٤٦(۱) ۔ خوشبو قبر میں ڈالنا ثابت ہے، البتہ قبر میں میت کو رکھ کر میت پر عرق گلاب چھڑکنا بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۳۳۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا

سوال[۴۲۲۹]: قبر کو جانوروں کے کھودنے اور کھا جانے کے ڈر سے قبر پر کانٹے رکھ کر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانٹے حفاظت کے لئے اوپر رکھ دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

---

(۱)(فتح المعین علی شرح الکنز لملامسکین للعلامة محمد أبی السعود المصری، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳٤٦، سعید)

(۲)"وذکر ابن الحاج فی المدخل: أنه ینبغی أن یجتنب ماأحدثه بعضهم من أنهم یأتون بماء الورد، فیجعلونه علی المیت فی قبره، فإن ذلک لم یُروَ عن السلف رضی الله تعالیٰ عنهم، فهو بدعة، قال: یکفیه من الطیب ماعمل له، وهو فی البیت، فنحن متبعون لامبتدعون، فحیث وقف سلفناوقفنا". (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قدیمی)

(۳)"وقداعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندارس والنبش، ولابأس به". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنهاالخ، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱/۳۸۲، دارالفکر، بیروت)

قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا

سوال[۴۲۳۰]: تختہ لگانے کے بعد قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہاء ضرور لکھتے، فتاوی رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے(۱) لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر میں بیری کی شاخ

سوال[۴۲۳۱]: مُردے کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی رکھ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مشہور ہے کہ فرشتے اس لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) ’’الجواب: اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض کی ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط رشید احمد‘‘۔ (تالیفات رشیدیه مع فتاوی رشیدیه، کتاب الأخلاق و التصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاهور)

”عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”من تشبه بقوم فهو منهم“. (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/۲۰۳، إمدادیه)

”قال الطيبي: هذا عام فی الخلق والخلق والشعار، ولما کان الشعار اظهر فی الشبه ذکر فی هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد ابالتشبه لاغیر“. (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشیدیه)

”من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علی بدعة أو منكر“. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، تحت حدیث عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه رقم الحدیث: ۹۴۶، ۳/۳۱، رشیدیه)

”ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة الخ“. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی کا رکھنا شرع شریف سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ فرشتے بیری کی لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں غلط ہے، اس سے اجتناب لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۴ھ۔

قبر میں بیری کے پتے ڈالنا

سوال[۴۲۳۲]: میت کے دفن کرنے کے بعد بیری کے پتے تختے کے اوپر عام طور سے ڈالتے ہیں اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں، کیا بوجہ بیری کے ٹہنی کے کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا بدعت ہے؟ کہتے ہیں کہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ یعنی ساتویں آسمان پر ہے اس کی فضیلت سے گناہ میں کمی ہوتی ہے۔ مذہب میں اس کی اصلیت کیا ہے؟ بیری کی شاخ قبر میں تختے کے اوپر ڈالنی چاہیئے یا اس کو خود ترک کر دینا چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترک کر دیا جائے اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، بدعت اور شعائرِ روافض ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرأة: ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) راجع: (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، كتاب الاخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، إداره اسلاميات لاهور)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (أبو داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/ ۲۰۳، إمداديه) .... =

دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۳۳]: بعض جگہ دیہات میں قبر کے اندر تقریباً ایک بالشت لمبی جھاڑ کی لکڑی رکھتے ہیں جس کی وجہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ میت مسواک کرے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مردے پر عذاب کم ہوگا۔ یہ لکڑی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے اصل ہے، غلط ہے، نہیں رکھنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۱۰/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیو بند۔

جذامی کی قبر میں چونا، پانی ڈالنا

سوال[۴۲۳۴]: ۱.....جذام کی بیماری میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قبر میں پچاس کلوگرام چونا اور چالیس گھڑے پانی ڈالا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

۲.....اسی طرح سفیدی کی بیماری اور جلد کی بیماری میں کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بھی قبر میں

= "من اصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیه)

"ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۱) "عن عائشة رضی الله عنها: قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

پچاس کلو چونا اور چالیس گھڑا پانی ڈالنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ جب قبر میں چونا اور پانی ڈالا جاتا ہے تو چونا اور پانی دونوں مل کر اُبلتا اور کھولتا ہے تو میت کا کیا حال ہوگا، گویا کہ ایک قسم کے جلانے کی مثال ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ طریقہ شریعت نے تجویز نہیں کیا، کسی نے خود ہی گھڑ لیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، خلافِ سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)۔

۲......اس کا حکم بھی نمبر:۱ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۱/۱۳ھ۔

میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول وآخر سراً پڑھا جائے یا جہراً؟

سوال[۴۲۳۵]: دفن کرنے کے بعد مردہ کے سرہانے: "الٓمٓ" تا "مفلحون"، اور پاؤں کی طرف ﴿آمن الرسول﴾ جہراً آواز سے پڑھی جائے یا خفیہ آواز سے؟ فقط۔

احقر غوث محمد از کالکا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خفیہ آواز سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ علم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (راجع للتخریج العنوان السابق: "دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا"۔)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفةً ودون الجھر﴾ الآیة (سورة الأنفال، پارہ: ۹، آیة: ۲۰۵)

"وھو عام لکل ذکر فإن الإخفاء أدخل فی الإخلاص وأقرب من القبول". (روح المعانی: ۹/۱۵۴، دار إحیاء التراث، بیروت)

(وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل سادس: (قبر، دفن اور ان کے متعلقات، سوال نمبر: ۳۰۶۷): ۵/۲۷۵، دار الإشاعت)

بعد دفن سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا

سوال [۴۲۳۶]: جب لوگ کسی مردے کو قبر میں دفن کرکے سورۂ بقرہ کی آیات پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت مٹی میں سرہانے اور پائنتی کے پڑھنے والوں کو انگشتِ شہادت قبر کے اندر دیکر پڑھنا چاہیے؟ اور کیا اس کے پڑھنے کے بعد لوگوں کو فوراً ہی قبرستان سے چلے جانا چاہیے یا کہ ٹھہرنا چاہیے، یا کم از کم رشتہ داروں کو ٹھہرنا چاہیے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، انگشتِ شہادت کا مٹی میں رکھنا ثابت نہیں، بلکہ معمولِ مشائخ ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں (۱)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اور دعاء کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ اس سے سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "إذامات أحد کم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجلیه بخاتمة البقرة". (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۷۱۷): ۱/۱۴۹، قدیمی)

"وکان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما یستحب أن یقرأعلی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها" ....: فقد ثبت أنه علیه السلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس المیت وآخرها عند رجلیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعید)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: "استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند قبر المیت فی وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، امدادیه ملتان)

"ویستحب .... وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما یُنحر الجزور ویفرق لحمه". (الدرالمختار). "(قوله: وجلوس الخ) لما فی سنن أبی داؤد: کان النبی صلی الله علیه وسلم: إذا فرغ. الحدیث .... وروی أن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال –وهو فی سیاق الموت–: إذا متّ فلا تصحبنی نائحة ولانار، وإذا دفنتمونی فشنوا علیّ التراب شناً، ثم أقیموا حول =

9

میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا

سوال[۴۲۳۷]: اگر میت کا رخ نماز پڑھتے وقت غلط ہوگیا، سر کی جگہ پیر اور پیروں کی جگہ سر اور امام نے نماز پڑھادی تو کیا نماز ہوگئی؟ اسی طرح قبر میں غلط رکھ دیا تو کیا دوبارہ قبر کھول کر رخ صحیح کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں دفن کرنے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کے لئے قبر کھود کر نکالنا درست نہیں: "إذا دفن بلاغسل أو صلوٰة، أووُضع علی غیر یمینه أوعلی غیر القبلة، فإنه لاینبش علیه بعد إهالة التراب". شامی: ۱/۶۰۲(۱)۔ اگر نماز پڑھاتے وقت میت کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ اس کا سر جنوب کی طرف ہوگیا اور پیر شمال کی طرف اور نماز اسی طرح پڑھادی گئی تو بھی نماز ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن قصداً اسی طرح کرنا اساءت ہے: "وصحت لووضعوا الرأس موضع الرجلین، وأساؤا إن تعمدوا". درمختار: ۱/۵۸۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

= قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، حتی أستأنس بکم وأنظر ماذا أراجع رسل ربی".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وكذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

"ولووضع المیت لغیرالقبلة أو شقه الأیسر أو جعل رأسه موضع رجلیه وأهیل علیه التراب، لم ینبش". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعید)

"ولوأخطاؤا عند الوضع، فوضعوا رأسه ممایلی یسار الإمام، جازت الصلاة، وإن تعمدوه فقد =

دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا

سوال[۴۲۳۸]: قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد اسی وقت قبرستان میں ہاتھ دھوڈالتے ہیں، بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دھوڈالنا چاہیئے۔شرعاً کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دل چاہے کوئی پابندی نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح:عبداللطیف، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

مسِ ذکر سے مذی آگئی اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا

سوال[۴۲۳۹]: کوئی شخص اپنے کسی بھی رشتہ دار کے گذر جانے کی خبر پاکر گھر سے پاک صاف ہوکر نکلتا ہے مگر راستہ میں موٹر پر یا گاڑی میں جاتا ہے، سامنے کوئی عورت بیٹھی ہے۔مطلب غیر عورت، اور وہ شیطانی حرکت سے جان بوجھ کر اپنے عضوِ تناسل کو اس کے کندھے یا ہاتھ میں لگاتا ہوا گیا، اب اس شخص کو مذی آنے کا بھی شک ہوگیا پھر بھی اس نے جاکر مٹی دی۔اب بتایئے اس کا مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جو مٹی وہ اپنے

= أساء وا، وجازت، كذافي التاتارخانية". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز،الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸،سهيل اكيڈمی)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) آدابِ قبور کا خیال رکھتے ہوئے قبروں سے ذرا ہٹ کر ہاتھ دھونا چاہئے:"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه .... ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة، بل وكل مالم يعهد من السنة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵،سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶،رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳،رشيديه)

ہاتھ سے دیا اس میت کی وہ مٹی کیا ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی؟ اور قیامت تک اس شخص کو جو مٹی قبرستان میں رہے گی اس کو گناہ ملے گا، یا برسات سے وہ مٹی پگھل کر چاروں طرف پھیل جائے گی تو جتنی میت وہاں ہیں سب کا گناہ پڑے گا اور اس شخص کی بخشش نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راستہ کی اس نالائق حرکت کی وجہ سے نہ اس کا ہاتھ ناپاک ہوا، نہ مٹی ناپاک ہوئی، نہ قبر ناپاک ہوئی، نہ قبر پر کوئی گناہ پہونچا، نہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱/۹۶ھ۔

دفنِ میت کے بعد چارپائی الٹ دینا

سوال[۴۲۴۰]: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے بعد فوراً چارپائی کو الٹا کر دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۱]: پرانی قبر کو نئی مٹی سے بھر دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخریٰ﴾. (سورة الإسراء، پارہ: ۱۵، آیة: ۱۵)

قال العلامة آلوسی البغدادی فی تفسیر هذه الآية: "(ولا تزر وازرة وزر أخریٰ) تاكيد للجملة الثانية ای لاتحمل نفس حاملة للوزر وزر نفس أخرىٰ حتىٰ يمكن تخلص النفس الثانية عن وزرها ويختل مابين العامل وعمله من التلازم". (تفسير روح المعانی، سورة الإسراء: ۱۵، : ۱۵/۳۵، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، خاص کر جب کہ اس میں میت موجود ہو مٹی نہ ہوئی ہو، یا کسی کے اس میں گر جانے کا اندیشہ ہو:"لأن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرّ بقبر ابنه إبراهيم، فرأى فيه حجراً سقط فيه فسدّه وقال: "من عمل عملاً فليتقنه، اھ". طحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۴۲]: اگر قبر بارش کے سبب سے دھنس جائے تو اس کا دوبارہ مٹی سے درست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے:"وإذا خربت القبور، فلابأس بتطيينها، كذافي التاتارخانية. وهو الأصح، وعليه الفتوى، كذافي جواهر الأخلاطي، اھ". عالمگیری: ۱/۱۲۶(۲)۔ لیکن اگر قبر پرانی ہو اور

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز،فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

"وإذا خربت القبور، فلاباس بتطيينها، كذا في التاتارخانية. وهو الأصح، وعليه الفتوىٰ، كذا في جواهر الأخلاطي، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، البا ب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶،رشيديه)

"وإذا خربت القبور، فلاباس بتطيينها، لما روى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر بقبر ابنه إبراهيم، فراى فيه حجراً سقط منه فسدّه وأصلحه، ثم قال: "من عمل عملاً فليتقنه". (التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن: ۲/۱۷۰، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶،غفاريه كوئٹه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، البا ب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن: ۲/۱۷۰،ادارة القرآن) .... =

میت اس میں مٹی ہوچکی ہوتو اس کا حکم قبر کا نہیں رہے گا، اس کو مٹی ڈال کر درست کرنے کی ضرورت نہیں: "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي، ١هـ". درمختار: ۱/ ۸٤٠(۱)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ قبر جس قدر پرانی ہوتی جاتی ہے اور اس پر بارشیں ہوتی ہیں، اسی قدر صاحبِ قبر پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، لہٰذا قبر کا بارش کی وجہ سے دھنس جانا ہی موجبِ رحمت کی زیادتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پرانی قبر پر مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۳]: جو قبر بالکل منہدم ہوگئی ہو، دوبارہ اس کو مثل نئی کے بنا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر کی اہانت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے اس پر بیٹھنا، چلنا، نجاست ڈالنا یہ سب چیزیں ناجائز ہیں(۳)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷٦، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) لم أقف عليه.

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر"............ وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كراهية العقود على القبر: ۲/۱۰۳، إمداديه ملتان)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷٦، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

جو قبر منہدم ہوگئی تو اس نیت سے کہ اہانت سے محفوظ رہے اس پر مٹی ڈالنا درست ہے: "المختار أن التطيين غير مكروه، وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمّر القبور الخربة، الخ". مجمع الأنهر: ۱/۱۸۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۴]: کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا تاکہ نشان باقی رہے درست ہے یا نہیں؟ اور چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مٹی ڈلوانا درست ہے(۲)۔ اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حدِ ذاتہ بھی درست

= "وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/۲۵،رشيديه)

(وكذا في رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵،سعيد)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفاريه)

(وجامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز: ۱/۲۸۹،مطبعه كريميه)

"ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذى خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به". (غنية المستملي (الحلبي الكبير)، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن،ص: ۵۹۸،سهيل اكيڈمی ، لاهور)

(۲)"ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذى خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن: ۵۹۸،سهيل اكيڈمی، لاهور)

"وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة، ويعمّر القبور الخربة". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفاريه)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الجنائز، فصل سادس: قبر دفن اور ان کے متعلقات (سوال نمبر: ۲۹۹۹): ۵/۲۵۶، دار الاشاعت، كراچی)

ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے اس لئے نہیں چاہیے (۱)۔ وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۴۵]: بنگال میں عام طور دیکھا جا رہا ہے کہ تالاب کے کنارے جس کو یہ لوگ پاٹ کہتے ہیں قبر ہوتی ہے، اب تالاب کو گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ تالاب کی مٹی کو قبر پر رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تالاب کی مٹی قبر پر ڈالنے سے قبر زیادہ بلند ہو جائے گی، لہٰذا وہاں نہ ڈالی جائے، قبر کے لئے وہی مٹی کافی ہوتی ہے جو قبر کھودنے سے نکلتی ہے: "ويكره أن يزيد فيه على التراب الذي خرج منه، ويجعله مرتفعاً عن الأرض قدر شبر أو أكثر بقليل". مراقي الفلاح، ص: ۳۷۰ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والسنة أن يفرش في القبر التراب ثم لم يتعقبوا الرخصة في اتخاذه من حديد بشيء، ولا شك في كراهته، كما هو ظاهر شرحه. الخ" (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۵، سعيد)

(وكذا في فتاوى رحيميه، كتاب الجنائز، باب ما يتعلق بالدفن: ۷/ ۱۰۱، دار الاشاعت، كراچی)

(۲) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/ ۴۳۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر، يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/ ۲۲۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۰۹، قديمي)

"(ويهال التراب عليه، وتكره زيادة عليه) من التراب: لأنه بمنزلة البناء". (الدر المختار، باب=

قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا

سوال[۴۲۴۶]: قبر میں مٹی کے چھوٹے ڈھیلے اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر وہ ڈھیلے قبر میں میت کے بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ فعل کتبِ حدیث میں موجود نہیں، بعد کے بعض لوگوں کا عمل ہے جو شرعی حجت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

قبر کی مٹی لانا

سوال[۴۲۴۷]: بزرگوں کی قبر سے قبر کی مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقبرہ سے مٹی لائی جائے گی، وہ دو حال سے خالی نہیں: موقوفہ ہے یا مملوکہ، اگر موقوفہ ہے تو منشائے واقف کے خلاف ہے، لہٰذا ناجائز ہے (۲)۔ اگر مملوکہ ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو مالک کی اجازت سے

= صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(۲) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/۴۳۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر، يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

لائی جائے گی یا بغیر اجازت، اگر بغیر اجازت لائی گئی تو بالکل نادرست اور ناجائز ہے(۱)، اگر اجازت سے ہو تو جائز ہے بشرطیکہ اعتقاد صاف ہو یعنی مؤثرِ حقیقی نہ خاک کو سمجھا جائے اور نہ مُردے کو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

قبر کی مٹی کھانا

سوال[۴۲۴۸]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کی مٹی یا پختہ قبر سے قلیل چونہ چاٹ لینا درست ہے کہ اس میں فائدہ مرتب ہوتا ہے جیسے کہ مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں نصاب الاحتساب وخزینۃ الروایات ومجمع البرکات سے پان میں چونہ کھانے کو مفید تحریر فرمایا ہے(۳) یا مطلقاً قدرِ قلیل مٹی کو کھالینا درست بلا کراہت لکھا ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مدلل جواب سے اطلاع دیں کہ عوام اس گمراہی سے احتراز کریں۔ فقط۔

عبدالمجید، قصبہ کرت پور، ضلع بجنور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الطين الذي يحمل من مكة ويسمى طين حمرة، هل الكراهية فيه كالكراهية في أكل الطين على ما جاء في الحديث؟ قال: الكراهية في الجميع متحدة، كذا في جواهر الفتاوىٰ، اهـ".

---

(۱)" لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه الخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۹۶) : ۱/۶۱، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه الخ". (الدرالمختار، كتاب الغصب :۶/۲۰۰،سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين، والذي يميتني ثم يحيين﴾ (سورة الشعراء: ۸۰، ۸۱)

"﴿وإذامرضت﴾ الاية: أي إذا وقعت في مرض، فإنه لايقدر على شفائي أحدٌ غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه، قوله تعالى: ﴿والذي يميتني﴾ الآية :أي هو الذي يحيي، يميت، لايقدر على ذلك أحد سواه، فإنه هو الذي يبدئ ويعيد". (تفسير ابن كثير :۳/۳۳۸،سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) "وعلى هذا يقاس أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". (نصاب الاحتساب، الباب العاشر في الاحتساب على الأكل والتسوب والتدواى ، ص: ۵۲، دار العلوم للطباعة والنشر)

عالمگیری: ٤/ ٢٢٠ (١)۔

اس سے معلوم ہوا کہ طین مکہ معظمہ اور طین غیر مکہ معظمہ ہر دو مکروہ اور کراہت ہر دونوں میں متحد ہے اور کراہت حدیث شریف سے ثابت ہے:

"أكل الطين مكروه .... وكراهية أكله لا لحرمته بل لتهييج الداء. وعن المبارك كان ابن أبي ليلى يرد الجارية عن أكل الطين، وسئل أبو القاسم عمن أكل الطين قال: ليس ذلك من عمل العقلاء". كذا في الحاوي للفتاوى(٢)۔

مٹی کے کھانے کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مورثِ امراض ہونے کی وجہ سے ہے، نیز یہ فعل عقلاء کا نہیں، اگر مٹی کا کھانا مورثِ امراض نہ ہو، نیز اس میں منفعت ہو اور ایسی منفعت کہ کسی اَور چیز سے حاصل نہ ہو تو بقدرِ ضرورت کھانا درست ہوگا:

"في نصاب الاحتساب: و ذكر الحلواني أن أكل الطين إن كان يضر، يكره، و إلا فلا، و إن كان يتناوله قليلاً أو يفعله أحياناً، لا يكره. قال العبد أصلح الله شأنه: و يقاس على هذا أنه يباح أكل النورة مع الورق مأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإنه الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونه، وهو الحمرة، انتهى. وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضاً". نفع المفتي، ص: ١١٠ (٣)۔

اب معلوم ہونا چاہیئے کہ بزرگوں کے مزارات کی مٹی کھانے میں کیا منفعت ہے، اگر کوئی ایسی منفعت ہے جو خصوصیت مزار پر مرتب ہوتی ہے تو اس سے عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روح کو

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به: ۳۴۰/۵، ۳۴۱، رشيديه)

(۲) (المصدر السابق من الهندية: ۳۴۰/۵، ۳۴۱)

(۳) (فتاویٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل .... الخ، كتاب الحظر والإباحة، مايتعلق بالأكل والشرب، ص: ۳۷۹، دارابن حزم، بيروت)

"ويكره أكل الطين؛ لأنه تشبه بفرعون". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ٣٦٥/٦، رشيديه)

متصرف سمجھتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی نذر مانتے ہیں حتی کہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اگر کوئی منفعت ہے جونفسِ قبر کی مٹی سے حاصل ہوجاتی ہے اور خصوصیتِ مزار سے متعلق نہیں تو بزرگوں کی قبر کی تخصیص کیوں ہے، ہر ایک قبر کی مٹی چاٹنے پر وہ فائدہ مرتب ہونا چاہئے، تو اس میں قبر وغیر قبر سب برابر ہے، قبر کی مٹی میں مذکورہ بالا مفاسد ہیں، اس لئے غیر قبر کو مٹی سے وہ فائدہ حاصل کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال [۴۲۴۹]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہئے؟ عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لأنہ وقف (۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے لأنہ ملکہ۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ محدث ہے، میت جب خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو، کھیتی کرنا درست ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہٰذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا يملك ولا يُملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

عالم کسی قبر کی مٹی کو تبرکاً لا کر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کریگا، لہٰذا اجتناب چاہیئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال[۴۲۵۰]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر مینڈھ چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کردیں لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں، ہاں اگر قبروں پر مقدارِ شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۸ھ۔

قبر کھود کر میّت کو دیکھنا اور ایصال ثواب کا طریقہ

سوال[۴۲۵۱]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت

(۱) "ويهال التراب عليه، وتكره زيادة عليه من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشيديه)

"(ويهال التراب) سترا له، و يكره أن يزاد على التراب الذى أخرج من القبر؛ لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

بنے۔ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا، اس خیال سے میت دکھلادی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں، مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہنچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا(۱)۔قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے(۲)، صبر میں بڑا اجر ہے(۳)۔ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے غرباء

---

(۱) "(ولایستغفر فیها لصبی ومجنون)ومعتوه لعدم تكليفهم ....وقد قالوا: حسنات الصبی له، لالأبويه، بل لهماثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

"وتصح عباداته (أی الصبی)وان لم تجب عليه، واختلفوافی ثوابها، والمعتمدأنه له وللمعلم ثواب التعليم، وكذاجميع حسناته". (الحموی شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، احكام الصبيان: ۳/۲۲، ادارة القرآن، كراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحكام الصغار علی هامش جامع الفصولین، فی مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانه علامه بنوری ٹاؤن کراچی)

(۲)"مات ولدهافی غيربلدهاوهی لاتصبر، فأرادت أن تنبش، لايجوز، ويترك هناك". (الفتاوی البزازية علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز،نوع آخر ذهب إلى المصلی الخ".: ۴/۸۱، رشيديه)

"(قوله ولاينبش ليوجه): أی لودفن مستدبراً لها وأها لوا التراب لاينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، سعيد)

"ولووضع الميت لغير القبلة، أوشقه الأيسر، أوجعل رأسه موضع رجليه، وأهيل عليه التراب، لم ينبش". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الجنائز،فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۳۹،رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيهاالذين امنوااستعينوابالصبروالصلوة، إن الله مع الصٰبرين﴾ (سورة البقرة:۱۵۳) =

کو کھانا کھلانا بھی درست ہے، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے(۱)، مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے اس سے ثواب نہیں ہوگا(۲)۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی

= "عن محمد بن خالد السلمي عن ابيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله، ابتلاه الله في جسده أو في ماله أو في ولده، ثم صبره على ذلك، حتى يبلغه المنزلة التي سبقت من الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ۱/۱۳۷، قديمي)

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شئ إن تصدقت به عنها قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إليّ رجلٌ منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لأتينّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إليّ قوساً ممن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن وليست بمال وأرمي عنها في سبيل الله تعالى، قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فاقبلها". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه) .... =

گنجائش ہے(۱) تاکہ زیارت کے لئے جولوگ دور دور سے آتے ہیں ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں، بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں، بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگادیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= "واتخاذالدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآء للختم، أولقرأة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره .... هذه الأفعال كلهاللسمعه والرياء، فيحترزعنها؛ لأنهم لايريدون بهاوجه الله". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۱/۲۴۰ سعيد)

"ونصه أقول: المفتي به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لاعلى القراء ة المجردة، كماصرح به في التاتارخانية قال: لامعنى لهذه الوصية ولصلة القارى بقراء ته: لأن هذابمنزلة الأجرة، والإجارة في ذلك باطلة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل الخ، ص: ۱۶۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبع ميمنيه مصر)

(۱) "لابأس بالكتابة إن أحتيج إليهاحتى لايذهب الأثر ولايمتهن". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

"وإن احتيج إلى الكتابة حتى لا يذهب الأثر و لا يمتحهن، فلا بأس به". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۲) "عن عمروبن العاص رضي الله تعالىٰ عنه، قال لابنه -وهوفي سياق الموت-: إذاأنامتُّ فلا تصحبني نائحة ولانار. فإذا دفنتموني، فشنواعلى التراب شناً، ثم أقيمواحول قبري قدر ماينحرجزورويقسم لحمهاحتى أستأنس بكم، وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوى بذلك أن يُونسهم صوت القرآن فإنه يقرأ". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم والصلوٰة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ: ۳/۴۲۲، رشيديه)

قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا

سوال[۴۲۵۲]: قبر کے اندر میت کے دفن کرتے وقت کچھ قیمتی چیز نوٹ وغیرہ گری تو پھر دوسرے دن قبر کو کھودنا اور اس کو ادھر ادھر سے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ وغیرہ جو چیز قبر میں غلطی سے رہ گئی ہو، اس کو احتیاط سے نکالنے کی اجازت ہے، میت کو ہرگز نہ ہلائیں نہ اس کا کفن کھول کر دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی

سوال[۴۲۵۳]: ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کو انگریزوں نے ظلماً ہندوستان سے جلاوطن کیا اور ان کو رنگون میں نظر بند کیا، وہاں ان کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے انتقال ہوا، اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا، اب کچھ مسلم زعماء گورنمنٹ ہند کی مدد سے ان کو ہندوستان منتقل کرنا چاہتے ہیں اس مسئلہ میں حسب ذیل امور کی طرف بھی جناب کی توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا:

---

(۱) "عن بجير بن أبي بجير قال: سمعت عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: حين خرجنا معه إلى الطائف، فمررنا بقبر، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هذا قبر أبي رغال .... وآية ذلك أنه دفن معه غصن من ذهب، إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن". (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج والفيئ والإمارة، باب نبش القبور العادية: ۲/۸۴، إمدادية)

"ولو دفن بثوب أو درهم للغير .... يخرج منه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۵ سهيل اكيڈمي، لاهور)

"وأشار بكون الأرض مغصوبةً إلى أن يجوز نبشه لحق الآدمي، كما إذا سقط فيها متاعه ......ولو كان المال درهما". (كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

۱......ان کو دفن ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ فقہاء کی تصریحات کی بناء پر ان کی قبر پر کھیتی اور تعمیر مکان جائز ہے۔

۲......قرنِ اول میں بعض شہدائے احد کو اور ۱۹۳۰ء میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قبروں کے منتقل کئے جانے کا فتویٰ علماء نے اس بنیاد پر دیا کہ یہ قبریں پانی کے بہاؤ کی زد میں آ گئی تھیں۔

۳...... بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ہندوستان میں منتقل کرنا اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا باعث ہے اور ہندوستان میں ایک اسلامی اثر کا قیام ہے۔

۴...... بہادر شاہ ظفرؒ کی یہ خود آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں مدفون ہوں، جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵......اس منتقلی کی یہ صورت نہ ہوگی کہ قبر کو کھود کر ان کی ہڈیاں نکالی جائیں اور وہ منتقل کی جائیں، بلکہ اب ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اس کے ذریعے پوری قبر اصل حالت میں مع کچھ اطراف کے منطقۂ زمین کے منتقل ہو سکے گی۔

۶......حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے تابوت کو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شام لے کر آئے۔

۷......حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہیدِ اُحد کو ان کی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......قبر کا احترام لازم ہے، لیکن جب قبر میں میت باقی نہ رہے مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، احترام لازم نہیں رہتا، وہاں تعمیر وزراعت کی اجازت ہو جاتی ہے(۱)۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کیلئے

---

(۱) "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

"جاز زرعہ والبناء علیہ إذا بلی وصار تراباً، زیلعی". (الدر المختار، باب الصلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۸، سعید) .... =

وجۂ جواز اگر نمبر:۱ کو تجویز کیا جائے تو نمبر:۲،۶،۷، کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل اور بے سود ہے، کیونکہ شہداء اورانبیاء علیہم السلام کا جسم محفوظ رہتا ہے اس کو زمین نہیں کھاتی (۱)۔ نمبر:۵ کا ذکر بے ضرورت ہے۔

نمبر:۴ کیلئے وجۂ جواز کیا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو وصیت باطل ہے، قابلِ نفاذ نہیں: "وکذا تبطل (أی الوصیة) لو أوصی بأن یکفن فی ثوب کذا أوید فن فی موضع کذا". شامی: ۱/۵۹۱ (۲)۔ یہاں تو وصیت بھی نہیں ہے، محض اشعار سے آرزو مستفاد ہے۔

=(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الد فن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(۱) "وعن أوس بن أوس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول صلی الله علیه وسلم: "إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخة، وفیه الصعقة، فأكثِروا علیّ من الصلاة فیه، فإن صلاتکم معروضة علیّ". قال: قالوا: یارسول الله! -صلی الله علیه وسلم- وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت؟ قال: یقولون بلیت، فقال: "إن الله عزوجل حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء". (سنن أبی داؤ د، باب تفریع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، إمدادیه)

"(إن الله حرم علی الأرض)": أی منعها، وفیه مبالغة لطیفة "(أجساد الأنبیاء)": أی من أن تأكلها، فإن الأنبیاء فی قبور هم أحیاء. قال الطیبي: فإن قلت: ماوجه الجواب بقوله: إن الله حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء، فإن المانع من العرض والسماع هوالموت وهوقائم؟ قلت: لاشک أن حفظ أجسادهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة، فکما أن الله تعالی یحفظهامنه .... ویحصل لبعض ورّاثهم من الشهداء والأولیاء والعلماء الحظ الأوفی بحفظ أبدانهم الظاهرة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثاني، (رقم الحدیث: ۱۳۶۱): ۳/۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، رشیدیه)

"لماروی أن یعقوب صلوات الله علیه الخ، مانصه أن ذلک شرع من قبلنا، ولم تتوفر فیه شروط کونه من شرعنا، ولأن أجساد الأنبیاء علیهم السلام أطیب مایکون حال الموت کالحیاة والشهداء کسعد رضی الله تعالیٰ عنه لیسوا کغیرهم من جیفتهم أشد نتناً من جیفة البهائم فلایلحق".

(حاشیة الطحطاوی، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۴، قدیمی)

(وکذا فی رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۹، سعید)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب: تعظیم أولی الأمر واجب: ۲/۲۲۱، سعید) .... =

اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت تو اسلام کا جھنڈا سر بلند کرنے اور احکامِ اسلام کو غالب کرنے میں ہے، پرانی ہڈیوں یا ہڈیوں کی مٹی منتقل کرنے میں نہیں، بلکہ اس میں اندیشہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو دیگر معظم قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس پر چراغ جلائیں گے، غلاف چڑھائیں گے، طواف کریں گے، سجدہ کریں گے، شاہی آداب بجالائیں گے، قبہ اور گنبد بنائیں گے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان امور سے اسلام کی خلاف ورزی ہوگی نہ کہ شوکت میں اضافہ، لہذا نمبر:۳ بھی وجہِ جواز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۹۵ھ۔

میت کو بعد دفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق

سوال[۴۲۵۴]: حضرت محترم دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس! جنرل شاہ نواز کے خط کی نقل ہمرشتہ ہے اس سلسلہ میں بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت

= "ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويدفن هناك .... ووصيته بالحمل باطل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/ ۲۲۶، سعيد)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبني عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفي الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبني عليه .... هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء". (المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يكره أن يبني بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۳۷/۲، سعيد)

"لايجوز التجصيص عند أحد ولا البناء". (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۲/۱، سعيد)

وانظر للتفصيل: (الفصل السادس من هذا الباب، عنوان: "قبر پر قبر بنانا" ص:۱۵۳)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہیئے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری اٹھائی جائے، یعنی قبر کے چاروں طرف سے دو ڈھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے اس طرح اٹھالیا جائے جیسے بڑے درخت کا پینڈا اٹھایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے، بینوا توجروا۔ انشاء اللہ۔

نیاز مند محتاج دعا (حضرت مولانا) محمد میاں ۴/ جمادی الآخر/۸۳ھ۔

۳۔ صفدر جنگ روڈ، نئی دہلی، مورخہ، ۱۷/اکتوبر/۶۳ء۔

شاہنواز کا خط

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔

۷/نومبر/۶۳ھ، کو چھ بجے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے جس کی رسمِ افتتاح جناب جواہر لال نہرو فرمارہے ہیں، اس موقعہ پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کو رنگون سے دہلی کے لال قلعہ میں منتقل کیا جائے، یہ وہ حسرت ہے جس کو اپنے دل میں لئے ہوئے حضرت ظفر نے وفات پائی، یہ حسرت ان کے اس شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ؎

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۴۳ء میں جنگِ آزادی کے دوران نیتا جی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رنگون گئے تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہو کر ان کی یہ نظم دہرائی تھی ؎

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی
تختِ لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتا جی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤں گا اور جو کام جنگِ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے، اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ''یونین جیک'' کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرائے گا تب آپ کو جنگِ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان

وشوکت کے ساتھ ویس واپس لایا جائے گا۔ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے اور اس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطۂ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں بہت مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کر کے جلد از جلد دیں۔

زیادہ آداب،آپ کا مخلص (دستخط) شاہنواز خان۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اسی بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے(۱)۔"یندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أوقتل". شامی (۲)۔

---

(۱) "أوصى بأن يصلي عليه فلان أويحمل بعد موته إلى بلد آخر أويكفن في ثوب كذا .... فهي باطلة". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶ /۶۶۶، سعيد)

"ولوأوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويد فن هناك .... ووصيته بالحمل باطلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۶/۹۵، رشيديه)

"وإذاأوصى بأن ينقل إلى بلد آخر، لاتنفذ وصيته، فإن النقل حرام على المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون وصرح به المحققون". (الأذكار للنووي، باب وصية الميت أن يصلي عليه إنسان بعينه أويد فن على صفة مخصوصة وفي موضع مخصوصة الخ، ص:۱۱۶، دار ابن حزم بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲ /۲۳۹، سعيد)

"القتيل أوالميت يستحب لهما أن يدفنا في المكان الذي قتل أومات فيه في مقابر أولئك القوم، الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲ /۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/۱۶۷، رشيديه)

حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لیجاکر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر میں پر گذریں تو فرمانے لگیں کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے (۱)۔ تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے میل دو میل کو مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لیجاکر دفن کرنے کی بھی گنجائش بتائی ہے:

"ولابأس بنقله قبل دفنه قيل: مطلقاً، وقيل: إلى مادون السفر. وقيده محمد رحمه الله تعالىٰ بقدر ميل أوميلين؛ لأن مقابر البلد ربمابلغت هذه المسافة، فيكره فيمازاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هوالظاهر". شامي(۲)۔ لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: "وأمانقله بعد دفنه، فلامطلقاً". شامي(۳)۔

---

(۱) "عن ابن أبي مليكة، قال: لماتوفي عبد الرحمان ابن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه بالحبشي وموضع فحمل إلى مكة، فدفن بها، فلماقدمت عائشه رضي الله تعالىٰ عنها أتت قبر عبد الرحمان بن أبي بكر رضي الله عنه، فقالت:

كنا كندماني جزيمةً ... حقبةً من الدهر حتى قيل لن يتصدّعا

فلما تفرّقنا كأني ومالكاً ... لطول اجتماعٍ لم نَبِتْ ليلة مّعا

ثم قالت: والله لوحضرتك مادفنت إلاحيث متّ، ولوشهدتك مازرتك". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۹، سعيد)

"وإن نقل قبل دفن إلى قدر ميل أوميلين، فلابأس .... ولاينبغي إخراج الميت من القبر بعد مادفن الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، المصدر السابق)

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنیکی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کوکسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کردیا گیا، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہوگیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کردیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے، (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنیکی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے(۱)۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیونکہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہوکر منتقل ہوگی جس طرح کے میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کر کے لائے ہیں، پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے(۲) اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: "وفی الشرنبلانی عن البرهان: یحرم البناء علیه للزینة ویکره للإحکام بعد

---

(۱) "النقل بعد الدفن علی ثلاثة أوجه، فی وجه یجوز بالاتفاق، وفی وجه لایجوز بالاتفاق وفی وجه اختلاف: أما الأول فهو إذا دفن فی أرض مغصوبة أو کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبه إلا بنقله عن ملکه أو نزع ثوبه، جاز أن یخرج منه، جاز بالاتفاق. وأما الثانی فکالأم إذا أرادت أن تنظر إلی وجه ولدها أو نقله إلی المقبرة أخری، لایجوز بالاتفاق. وأما الثالث إذا غلب الماء علی القبر، فقیل: یجوز تحویله، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۵، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۲) "أنه سمع جابراً رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم نهی أن یقعد علی القبر إن یقصص ویبنی علیه". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز. باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، امدادیه)

الدفن". طحطاوی(۱)۔

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ "میں زندہ ہوں" تو کیا اس کو نکالا جائے؟

سوال[۴۲۵۵]: ایک لڑکا تقریباً ۲۳/ سال عمر کا رمضان المبارک میں سحری کھا کر نماز کے لئے مسجد جارہا تھا کہ راستہ میں وہ گر گیا، ایسا معلوم ہوا کہ اس کو دورہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی اس کو دو مرتبہ دورے پڑے تھے اور وہ راستہ میں ایسی حالت میں تھا جیسے سجدہ کر رہا ہو۔ اس کے وارثین کو اطلاع دی گئی اور پھر ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے بشرے اور چہرے وہیئت سے مُردنی کے آثار آٹھ گھنٹے تک معلوم نہیں ہوئے، بعدہ اس کو دفن کر دیا گیا۔ رات کو اس کی ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے میں تو زندہ ہوں، مجھے کیوں دفنا دیا، میں تو نجیب آباد گیا تھا اور دیکھا کہ مسجد کی طرف سے زندہ اپنی قبر کی طرف آرہا ہے وغیرہ ذلک۔ اب اقرباء کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء سے رجوع کریں، مرحوم نہایت پابندِ صوم و صلوۃ تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسے قبر کھود کر نکال لیا جائے یا نہیں؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔

المستفتی: حشمت اللہ خان، محلہ احمد تیل کردو، ضلع بجنور (یوپی)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

"(قوله: ولا يرفع عليه بناء): أي يحرم لو للزينة". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما سنن الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أخنع اسم عند الله يوم القيامة رجلٌ تسمى بملك الأملاك". قال سفيان: "شاهان شاه" هذا حديث صحيح، وأخنع يعني أقبح". (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ماجاء مايكره من الأسماء: ۲/۱۱۱، سعيد)

(وكذا في زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في الأسماء والكنى، ص: ۳۴۹، دارالفكر، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ماہرڈاکٹر نے دیکھ کرتجویز کردیا کہ موت واقع ہوگئی ہے اوراس یقین کے ساتھ اس کودفن کیا گیا تو محض خواب کی بنا پر قبر کھودنے کی اجازت نہیں، کذا فی الشامی (۱)، خواب شرعی حجت نہیں (۲) کہ اس کا

---

(۱) "لو دفن مستدبراً لها و أهالوا التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنازة : ۲۳۸/۲، سعيد)

"و لو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل على التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل : ۱/۱٦۷، رشيديه)

(۲) "إن أباقتادة الأنصاى رضى الله تعالىٰ عنه -وكان من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه- قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث". (صحيح البخارى ، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمى)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها فكأنه جعلها علماً على أمور اخرى يخلقها في ثاني الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان، و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر و قد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملك فيقع بعدها ما يسر، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضر، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث في حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بيروت)

"إن الله سبحانه يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب اليقظان و هو سبحانه يخلق ما يشاء لا يمنعه نوم و لا يقظة، و قد جعل سبحانه تلك الاعتقادات عَلَماً على أمور يخلقها في ثاني الحال، ثم إنّ مايكون علما على ما يسر يخلقه بغير حضرة الشيطان وما يكون علما على ما يضر يخلقه بحضرته، الخ". (روح المعاني، (سورة يوسف، ب: ۱۳، آيت : ۵) ۱۲/ ۱۸۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(فتح البارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱): ۱۲/۴۳۷، قديمى)

یقین ضروری ہو۔اچانک اس طرح موت واقع ہوجانے سے عامۃً تعجب بھی ہوتا ہے اور ذہنوں میں خیال رہتا ہے بسا اوقات اسی کے مطابق خواب نظر آجاتا ہے۔

اگر واقعتاً وہ زندہ دفن کردیا گیا اور خواب پر اعتماد ہے تو خواب میں اس نے یہ کہا میں تو نجیب آباد گیا تھا تو کیا وہ قبر سے نکل کر، یا بجائے قبر کے نجیب آباد گیا تھا۔ نیز اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف سے آرہا ہے اور اپنی قبر کی طرف جارہا ہے تو کیا وہ قبر سے نکل کر مسجد کی طرف گیا تھا۔غرض یہ سب خیالات ہیں، ان کی بناء پر قبر نہ کھودی جائے گی اور ایک کھلی ہوئی ظاہری بات ہے کہ اتنی مٹی کے نیچے جہاں ہوا نہ ہو وہاں کوئی زندہ کیسے رہ سکتا ہے، اگر بطورِ خرق عادت کے محض قدرت خداوندی کی بنا پر وہ زندہ ہے اور حق تعالیٰ کو اس کو زندہ رکھنا منظور ہے تو اللہ پاک کو قدرت ہے کہ بغیر قبر کھودے اس کو خرق عادت کے طور پر باہر نکال کر بھیج دے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۱۷ھ۔

پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میّت کو نکالنا

سوال[۴۲۵۶]: ۱......کیا زہر خوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہوجانے کے بعد بغرضِ پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ مارٹم ایک وجہ ثبوت ہیچو قسم معاملات میں فراہم کرتا ہے۔

۲......اگر ایسا ہو تو کیا پولیس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کارروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں۔

۳......کیا احترامِ قبر و میت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاصی کارروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو تو بھی نہ کی جائے۔

۴......جو شخص پولیس میں اس مرگِ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے وہ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزا کا مستوجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لئے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست وجائز نہیں (۱)، نعش کو

---

(۱) "إذا دفن بلا غسل أو صلوة أو وضع على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لاينبش عليه بعد إهالة التراب".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۸/۲، سعید) .... =

چیرنا بھی جائز نہیں(۱)۔ زہرخوانی کا ثبوت مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے(۲)، پوسٹ مارٹم کے

= ولو وضع الميت لغير القبلة أو شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه واهيل عليه التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى الدفن الخ: ١٦٧/١ ،رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز ،فصل: السلطان أحق بصلاته : ٣٣٩/٢،رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنا بنى آدم وحملنهم فى البر والبحر﴾ الاية.(سورة الإسراء، پاره: ١٥ ،آية: ٧٠)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز ،باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان: ١٠٢/٢ ، إمداديه)

"ولايجوز بيع شعور الإنسان ولاالانتفاع بها؛ لأن الآدمى مكرّم لامبتذل، فلايجوز أن يكون شيئ من أجزائه مهاناً ومبتذلاً .... والآدمى مكرم وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبْداله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٤٢٥/٦،مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد،مطلب الآدمى مكرم شرعاً ولوكافراً: ٥٨/٥ ،سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات: ٣٥٤/٥، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الأشباه والنظائر ،القاعدة الخامسة: ٢٧٥/١، إدارة القرآن ، كراچى)

(٢) "المرء مواخذ بإقراره". "يعنى إذا أقرّ الحر البالغ لزمه، أقره مجهولاً كان ما أقره أو معلوماً، وقد رجم -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ماعزاً بإقراره أربع مرات". (القواعد الفقهية مع حاشية عميم الاحسان المجددى، رقم القاعدة: ٣١٣، ص: ١٢٠، الصدف پبلشرز)

"وهى (الشهادة) إخبار صدق لإثبات حق .... بلفظ الشهادة فى مجلس القاضى .... ونصابها للزنا أربعة رجال ليس منهم ابن زوجها، الخ". (الدر المختار، كتاب الشهادات: ٤٦١/٥، ٤٦٤، سعيد)

"تنبيه: بقى طريق ثبوت الحكم: أى بعد وقوعه .... فقال: له وجهان، أحدهما: اعترافه حيث كان .... الثانى: الشهادة على حكمه بعد دعوى صحيحة". (ردالمحتار، كتاب القضاء: ٣٥٤/٥، سعيد)

ذریعہ جو ثبوت ہو وہ شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

۲......ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی وکیلوں سے کی جاسکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے جس کا خمیازہ بہت سے بے قصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

۳......اس کا جواب نمبر ایک میں آگیا ہے۔

۴......اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لئے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا تو وہ مستوجبِ سزا ہوتا تب تو مضائقہ نہیں ہے(۱)، اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلا وجہِ شرعی ذلیل کیا جائے تو یہ سخت معصیت ہے(۲)، اس نے قبر کی بھی بے حرمتی کی اور میت کی بھی بے حرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہو تو وہ حسبِ صوابدید تعزیر کر سکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبیح المحظورات". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۱۷۰، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)
(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن، كراچي)
(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ويل لكل همزة لمزة﴾. (سورة الهمزة، پاره: ۳۰)

قال ابن كثير تحتها: "الهماز بالقول واللّماز بالفعل، يعني يزدري الناس وينتقص بهم". (تفسير ابن كثير: ۵۴۸/۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ستر مؤمناً كان كمن أحيىٰ موء ودة من قبرها". (مسند أحمد، أحاديث عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث، ۱۶۸۸۰: ۱۴۳/۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "وعزر كل مرتكب منكر أو مؤذي مسلم بغير حق بقول أو فعل". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۶/۴، سعيد)

"قالوا: لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية، وأما بعد المباشرة، فليس ذلك لغير الحاكم......الأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً أو آذى مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله يجب التعزير، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، ۱۶۸، رشيديه)

قبر پر کھیتی

سوال[۴۲۵۷]: زید کے باغ میں کوئی قبر تھی اس نے اس کو بذریعہ ہل کے بے نشان کردیا اور وہاں پر اناج بو دیا، فرمایئے اس قبر کا اناج پیدا شدہ اس کے لئے کیا ہوگا، نیز قبر کا بے نشان کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بندہ محمد یامین بہٹوی، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ قبر اتنی پرانی تھی کہ اس میں میت مٹی بن چکی تھی تو اس میں ہل چلانے میں مضائقہ نہیں بلکہ وہاں کھیتی وغیرہ درست ہے(۱)، یا کسی نے بغیر زید کی اجازت کے زید کی زمین میں اپنے مردہ کو دفن کردیا تھا تب بھی زید کو جائز ہے کہ وہ اس جگہ کھیتی وغیرہ کرے(۲)۔ اور اگر خود کوئی زید کا مردہ تھا، یا زید کی اجازت سے اس میں دفن کیا گیا تھا تو زید کو اس مردہ کے اس قدر پرانا ہونے سے پہلے کہ مٹی ہوجائے اس جگہ کھیتی کرنا درست نہیں، تاہم وہاں کے اناج میں اس سے خرابی نہیں آتی، اس سے قبر کے بے نشان کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(۲) "(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، زيلعي". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج بحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سواه مع الأرض وانتفع به زراعة أو غيرها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/ ۵۸۸، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، رشيديه)

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا

سوال [۴۲۵۸]: عیدگاہ کے متصل جو زمین ہے وہ کسی زمانہ میں قبرستان تھا اور وہ قبرستان کے نام سے کاغذات میں درج ہے لیکن عرصہ سے وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، البتہ چند پختہ قبریں موجود ہیں، وہ زمین پر پڑی ہوئی ہے تو اس کو عیدگاہ میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ پکی قبریں ہموار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مردے دفن کرنے کے لئے اس زمین کی ضرورت نہیں وہ بیکار پڑی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت ہے، قبر جب اتنی پرانی ہو جائے کہ اس میں میت باقی نہ رہے بلکہ مٹی بن چکی ہو تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، نہ اس کا احترام باقی رہتا ہے، نہ وہاں نماز ممنوع ہوتی ہے، نہ تعمیر اور کھیتی منع رہتی ہے بلکہ حسبِ ضرورت ان سب چیزوں کی اجازت ہو جاتی ہے۔ پختہ قبر بنانا تو شرعاً درست ہی نہیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو پختہ قبروں کو برابر کیا جائے (۱) اور زمین کو عیدگاہ میں شامل کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "شرطهما (الأمر والنهي) أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۲، رشيديه)

(۲) "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار تراباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه، والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا

سوال[۴۲۵۹]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کر کے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد وعورت سب چلتے ہیں، مع حوالہ تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہوتو وہاں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں، درختوں کو کاٹ کر جتنی جگہ کو راستہ بنایا جاوے گا اس میں مردے دفن نہیں کئے جاسکیں گے، یہ منشائے واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع، اھ" شامی(۱)۔ ہاں اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جاسکیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبروں پر چلنا

سوال[۴۲۶۰]: قبرستان میں قبروں کے ٹوٹے ہوئے اور بے ترتیب ہونے کے باعث قبرستان میں میت لاتے وقت لوگ قبروں کو اپنے پیروں سے مسلتے چلے جاتے ہیں، اس وجہ سے اگر چند قبروں کو ہموار کر کے سیدھے راستے بنا دیئے جائیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں قبریں ہوں وہاں میت کو لے کر سب آدمی جمع ہو کر نہ جائیں جس سے قبروں پر پیر آئیں، بلکہ بچا بچا کر بقدرِ ضرورت آدمی جائیں اور قبروں کو بچا کر جائیں (۲)، اسی طرح دفن کرنے کے لئے آنے جانے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنصوص، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تجصص القبور =

کے قابل جگہ چھوڑ کر قبر بنائیں، قبروں کو ہموار کر کے راستہ بنانے کی گنجائش ہے، جبکہ قبر اتنی پرانی ہو کہ میت مٹی بن چکی ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کی قبر پر ٹیک لگانا

سوال[۴۲۶۱]: قبر سے ٹیک لگانا یہ احتراماً ممنوع ہے یا اس سے مردے کو بھی تکلیف پہونچتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاف احترام سے بھی اذیت ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

= وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى كراهية تجصص القبور والكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

"ويكره أن يطأ القبر او يجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"ولوبلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "عن عمرو بن حزم رضى الله تعالىٰ عنه قال: رانى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً على قبر، =

قبر کے قریب پیشاب کرنا 9

سوال[۴۲۶۲]: اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر سے گز دوگز کے فاصلہ پر پیشاب واستنجا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین قبر پر پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے، بزرگانِ دین کی قبر کا زیادہ احترام کرنا چاہئے، قبر سے فاصلہ پرضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۱۰/ ۸۷ھ۔

= فقال: "لا تؤذ صاحب هذا القبر" أو "لاتؤذه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۲/ ۱۴۹، قديمى)

"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۴۵، سعيد)

"ويكره أن يطأ القبر أويجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۲/ ۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ": ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه، حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر" .... وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلّوا إليها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر: ۲/ ۱۰۴، إمداديه)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدرالمنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۲۷۶، مكتبه غفاريه كوئته)

"وكره أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/ ۶۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۴۵، سعيد)

قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا

سوال[۴۲۶۳]: یہاں قبرستان میں بہت زیادہ خاردار پودے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بغیر جوتا پہنے قبرستان میں جانا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔اب سوال یہ ہے کہ:

(الف)......جوتا پہن کر قبرستان میں جاسکتے ہیں،اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

(ب)......خاردار پودے سوائے جلانے کے ختم نہیں ہوسکتے تو کیا قبرستان میں آگ جلا کر ان پودوں کو ختم کرسکتے ہیں؟

(ج)......میت پر بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف)......اس حالت میں کراہت نہیں (۱)۔

(ب)......قبرستان سے جو اصل غرض متعلق ہے (تدفین) جب اس کا حصول ان خاردار پودوں کی وجہ سے دشوار ہوگیا اور بغیر جلائے ان کانٹوں کو دور نہیں کیا جاسکتا تو جلا کر ان کو ختم کردیا جائے (۲)۔

(ج)......غالباً سائل کا مقصود میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو دریافت کرنا ہے تو شرعاً جائز ہے، نافع ہے، دفن کے بعد سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر

---

(۱) "والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في الدفن الخ": ۱/۱۶۷،رشيديه)

"ولايكره المشي في المقابر بالنعلين عندنا".(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز،ص: ۶۲۰، قديمي)

(۲)"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" الإيمان بضع وسبعون أو بضع و ستون شعبة، فأفضلهاقول: لاإله إلاالله، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان".

"قوله :صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أدناها إماطة الأذى عن الطريق". أي تنحيته وإبعاده، والمراد بالأذى كل مايؤذي من حجر أومدر أوشوك أوغير". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان الخ: ۱/۴۷، قديمي)

پڑھنا بعض آثار صحابہ سے ثابت ہے(۱)۔

مشکوٰۃ شریف،ص:۱۴۹:"عن عبداللّٰہ بن عمررضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "إذا مات أحدکم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلیٰ قبره، ولیقرأ عند رأسه ......فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة، الخ"(۲)۔

تلاوتِ کلام پاک سراًوجہراً دونوں طرح درست ہے،دعاء ہاتھ اٹھا کر اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں طرح درست ہے،اگر ہاتھ اٹھائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے، کذافی فتح الباری(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹۲/۴/۵ھ۔

جنات کا مدفن

سوال[۴۲۶۴]: جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟اس کے بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین میں،سمندر میں اور پہاڑوں میں بھی دفن ہوتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۱/۵/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)"قال لی أبی اللجلاج أبو خالد رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: "یابنیّ! إذا أنامت فالحد لی، فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، ثم سن علیّ التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمها، فإنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول ذلک". رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر وإسناده صحیح". (آثار السنن،کتاب الجنائز،باب قرأة القرآن للمیت، ص: ۳۳۸، مکتبہ امدادیہ)

(۲)(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز،باب فی دفن المیت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قدیمی)

(۳) "وفی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین" الحدیث. وفیه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانة فی صحیحه". (فتح الباری، کتاب الدعوات،باب الدعاء،مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳،ورقم الباب: ۳۵) : ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال[۴۲۶۵]: قبرستان میں فاتحہ کے بعد ایصال ثواب کے لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا چاہیے یا نہیں؟

احقر الناس بندہ محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، نیز اس سے دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید صاحبِ قبر سے کچھ مانگ رہا ہے، اس لئے بہتر یہ کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں(۱)، اگر اٹھانا ہی ہو تو قبلہ رو ہو کر اٹھائے جائیں تاکہ شبہ مذکورہ نہ رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱)"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: مرّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم، أنتم سلفنا، ونحن بالأثر". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب مايقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وكذا في الأذكار للنووي رحمه الله تعالیٰ، باب مايقوله زائر القبور، ص: ۱۱۸، دار ابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور في أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالی، باب زيارة القبور وعلم الموتی بزوارهم ورؤيتهم لهم، ص: ۲۰۱-۲۲۵)

(۲) "وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: رأيت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في قبر عبدالله ذي النجادين". الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانه في صحيحه". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحديث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قديمي)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمّي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته. قال: قالت: عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت: لمّا كانت ليلتي التي كان النبي صلی الله تعالی علیه وسلم =

ایضاً

سوال[۴۲۶۶]: میت کودفن کرنے کے بعدفوراً قبر پرمیت کے لئے دعاء کرنا کیسا ہے؟ اگر درست ہے تو قبر کے پاس ہی یا الگ ہٹ کر؟ نیز فاصلہ کی بھی اگر کہیں تصریح ہوتو تحریر فرمائیں۔

مفہوم حدیث: نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوفرمایا کہ دعاء کرواپنے بھائی کے لئے، اس کوقبر میں دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک جتنی دیر نکیرین سوال کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل سے مردہ کو جواب دینے میں سہولت ہوتی ہے(۱) اوروہ نکیرین کے سوال سے گھبراتا نہیں ہے، یہ حکم عام تھا یا خاص؟

دوسرے اگر دعاء مانگی جائے تو ہاتھ اٹھا کر یا ایسے ہی؟ نیز گذشتہ سال دوطالب علموں کے دفن میں شرکت کا موقع ملا،لیکن کسی کو اجتماعی شکل میں دفن کے بعد دعاء کرتے نہیں دیکھا،البتہ موجودہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو دیکھا گیا کہ دفن کے بعد قبر پر بیٹھے رہے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کودفن کرنے کے بعد ایصال ثواب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ متعدد احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب فرمائی ہے، دفن کے بعد کس جگہ کھڑے ہوکر کیا پڑھے، اس میں مختلف صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفن کے بعد میت کے قریب سرہانے ہوکر سورۂ فاتحہ یا سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات تا ﴿أولئك هم المفلحون﴾ پڑھے اور پیروں کی طرف کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ﴿لله

= فيهاعندى انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث.

(قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ)فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالى، كتاب الجنائز،فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳،قديمى)

(۱)"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذافرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: "استغفروا لأخيكم، واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

مافی السموٰات والأرض﴾ تا آخر پڑھے اور میت کو ایصال ثواب کر کے میت کے لئے سہولتِ سوال وجواب وتخفیفِ ہول قبر واثبات علی الایمان کی دعاء کرے:

"وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، ويقرأ عند رأسه الفاتحة الكتاب". ولفظ البيهقي: "فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره". شرح الصدور، ص:٦٨(١)۔

"يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه بالثبات". شرح الصدور، ص: ٦٩(٢)۔

اس سلسلہ میں قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے میں مضائقہ بھی نہیں لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے:

"وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

---

(١) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١٠٩، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ١٤٩/١، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عند رجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢٣٧/٢، ٢٤٢، سعيد)

(٢) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١١١، دار المعرفة بيروت)

"جلوس ساعةٍ بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ٢٣٧/٢ سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ١٦٦/١، رشيديه)

فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیہ: "فلمافرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیہ" أخرجہ أبوعوانة فی صحیحہ، اھ". فتح الباری شری بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۴۲۶۷]: میت کو دفن کرنے کے بعد جو دعائے مغفرت کی جاتی ہے وہ ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے:

"وفی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیہ: "فلمافرغ من دفنہ، استقبل القبلة رافعاً یدیہ"۔ أخرجہ أبوعوانة فی صحیحہ، اھ". فتح الباری شرح بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

(۲) (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنہ قال یوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمّی؟ قال: فظننا أنہ یرید أمہ التی ولدتہ، قال: قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت: "لمّا کانت لیلتی التی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیھا عندی انقلب ....حتی جاء البقیع، فقام فأطال القیام، ثم رفع یدیہ ثلاث مرات". الحدیث. "(قولھا: جاء البقیع، فأطال القیام، ثم رفع یدیہ الخ) فیہ استحباب إطالة الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیہ الخ". =

دفن میت کے بعد دعاء اور فاتحہ

سوال[۴۲۶۸]: میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوالِ قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور آخر میں ''الفاتحہ'' کہہ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوال قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے، حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے (۱)، لیکن ''الفاتحہ'' کا طریقہ ثابت نہیں، اس کو ترک کرنا چاہیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہی ہدایت ونجات کا ذریعہ ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد" متفق عليه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

= (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي رحمه الله تعالیٰ، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۱) "عن عمرو بن العاص رضي الله تعالیٰ عنه قال لابنه - وهو في سياق الموت -: "إذا أنامتُّ فلاتصحبني نائحة ولانار، فإذا دفنتموني فشنوا عليَّ التراب شناً، ثم أقيموا حول قبري قدر ماينحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستانس بكم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمي)

"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: "استغفروا لإخيكم واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

"جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷ سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)=

دفن کے وقت اگربتی جلانا اور بعد دفن دعاء کرنا

الاستفتاء [۴۲۲۹]: قبرستان میں اگربتی لوبان جلانا کیسا ہے؟ قبر پر دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان میں اگربتی اور لوبان جلانا نہیں چاہیئے، میت کو غسل دیتے وقت اس تختے کو دھونی دینا درست ہے جس پر غسل دیا جائے (۱)، نیز کفن کو دھونی دے کر میت کو پہنایا جائے (۲)، باقی قبر پر ثابت نہیں ہے،

= "(من أحدث) أى أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه. .... (ماليس منه): أى رأياً ليس له فى الكتاب أوالسنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أومستنبط (فهورد): أى مردودعلى فاعله لبطلانه الخ". (فيض القدير، رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

(۱) "(ويوضع) كما مات (كماتيسر) في الأصح (على سرير مجمر وتراً) إلى سبع، فقط". (الدرالمختار). "(مجمر): أى مبخر، وفيه إشارة إلى أن السرير يجمر قبل وضعه عليه تعظيما وإزالة للرائحة الكريهة". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۵، سعيد)

"ويوضع على سرير مجمر وتراً قبل وضع الميت عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى العشرون فى الجنائز، الفصل الثانى فى الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب صلاة الجنازة: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(۲) "عن أبى وائل قال: عند على رضى الله تعالىٰ عنه مسكٌ، فأوصى أن يحنط به. وقال: هوفضل حنوط رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". قال النووى: إسناده حسن". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الغسل، (رقم الحديث، ۲۹۹۷): ۲/۲۵۹، مكتبة المكيه جده)

"(وجعل على رأسه ولحيته)؛ لأن التطيب سنة. وذكر الرازى أن هذا الجعل مستحب. والحنوط عطر مركب من أشياء طيبة ولابأس بسائر الطيب غيرالزعفران والورس اعتباراً بالحياة، وقد ورد النهى عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران فى الكفن عند رأس الميت فى زماننا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۷، دارالمعرفة، بيروت)

بدعت اور منع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھی جائے (۱)۔ اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، ایسا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"(من أحدث): أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه .... (ماليس منه): أي رأياً ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهورد): أي مردود على فاعله لبطلانه، الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

"ويكره عند القبر كل مالم يعهد من السنة، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه فقال: "السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم أنتم سلفنا ونحن بالأثر". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب مايقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وكذا في الأذكار للنواوي رحمه الله تعالىٰ، باب مايقوله زائر القبور، ص: ۱۱۸، دار ابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب زيارة القبور وعلم الموتى بزوارهم و رؤيتهم لهم، ص ۲۰۱-۲۲۵)

"وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين". الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قديمي)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمّي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضي الله تعالىٰ عنهما: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لمّا كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي انقلب ....حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. =

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا

سوال[۴۲۷۰]: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فی نفسہ میت کے لئے استغفار کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبرستان میں جائز ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی درست ہے(۱)، لیکن چونکہ لوگ بکثرت اپنی مرادیں مزارات پر جا کر اصحابِ قبور سے مانگتے ہیں جو کہ حرام اور شرک ہے(۲)، اس لئے ہاتھ نہ اٹھایا جائے تا کہ ان کے ساتھ تشبہ نہ ہو اور ان کے عمل کو تقویت

= "(قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ)فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز،فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۱) "قالت عائشة ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا بلى .... واختمرت وتقنعت ازاري ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات".

وفي شرح النووي لمسلم: "(قوله: جاء البقيع فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور". (الصحيح لمسلم مع شرح النووي لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۳، قديمي)

"ومن آدابه أن يسلم بلفظ سلام .... ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً منه وقريباً بحسب مراتبه في حال حياته". (المسلک المنقسط في المنسک المتوسط، فصل يستحب زيارة أهل المعلى، ص: ۱۵۵، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المدخل لابن الحاج، فصل زيارة القبور: ۱/۲۵۴، دارالفكر)

(۲) "ويحذرهم من تلک البدع التي أحدثت هناک، فترى من لاعلم عنده يطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام، ويمتسح به، ويقبله، ويلقون عليه مناديلهم، وثيابهم، يقصدون به التبرک، وذالک كله من البدع؛ لأن التبرک إنما يكون بالاتباع له عليه الصلوة والسلام، وماكان سبب عبادة الجاهلية للأصنام إلامن هذا الباب". (المدخل لابن الحاج، فصل في زيارة القبور: ۱/۲۶۳، دارالفكر)

(وكذا في المسلک المتقسط في المنسک المتوسط، فصل وليغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

وتائید حاصل نہ ہوسکے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن میت کے بعد چھوارے تقسیم کرنا

سوال[۴۲۷۱]: میت کے دفن کے بعد چھوارے یا کھجور تقسیم کرتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے، اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بالکل نہیں، کہیں ثابت نہیں، شاید یہ تصور کرتے ہوں گے کہ میت کا قبر سے نکاح ہوا ہے، اس خوشی میں چھوارے تقسیم کرتے ہیں، یہ جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۸/۲۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "ولا يجوز مايفعله الجهال بقبر الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالعباد ويسمونه عرساً". (تفسير مظهری، بحواله فتاویٰ رحيميه: ۹۵/۲، دارالاشاعت)

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم". مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵/۲، قديمی)

"(من تشبه بقوم) أی من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) : أی : فی الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشيديه)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

قبر پر قبہ بنانا

سوال[۴۲۷۶]: مسلمانوں کی عام قبور پر یا علماء، صلحاء، اولیائے کرام کی قبر پر پختہ قبہ بنانا، یا قبر پختہ بنانا جائز ہے یا حرام؟ قرآن شریف، فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ سے جواب ارقام فرمایا جائے۔ اور کیا عینی شرح بخاری و مرقاۃ شرح مشکوۃ و تفسیر روح البیان و تحریر المختار حاشیة در مختار میں قبہ یا قبر کا جائز ہونا واقعی لکھا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کیا قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی معتبر مستند کتب میں سے ہیں یا نہیں؟ مخالف جو مولوی قبہ کے جائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں ان کی نسبت شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جن بزرگوں کی قبروں پر قبہ بنانے کا جھگڑا ہے وہ خود اپنی حیات میں پختہ قبر وقبہ کو ناجائز ہی فرماتے تھے حتی کہ اپنی قبر کو پختہ نہ بنانے کی وصیت بھی فرمائی تھی، مگر مریدین نے راتوں رات قبر کو پختہ ہی بنایا اور اب سترہ اٹھارہ سال بعد قبہ بنانے کا جھگڑا نکالا ہے۔ اس میں کون فریق حق ہے، آیا روکنے والے یا بنانے والے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: عبداللطیف ابن شاکر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، ۱۳/ جون/ ۵۴ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر پختہ بنانا اور قبر پر قبہ وغیرہ پختہ تعمیر کرنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، یہ ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بصراحت منقول ہے، امام محمدؒ "کتاب الآثار، ص: ۴۳" میں فرماتے ہیں:

"و لا نری أن یزاد علی ما خرج منه (أی من القبر)، و نکره أن یجصص، أو یطین، أو

يجعل عنده مسجداً أو عَلَماً، أو يكتب عليه، و يكره الآجر أن يبنى به، أو يدخل القبر. ولا نرى برش الماء عليه بأساً. و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ"(۱).

علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح،ص:۳۳۵، میں لکھا ہے:

"و لا يجصص، به قالت الثلاثة، لقول جابر رضى الله تعالىٰ عنه: "نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، و أن يبنىٰ عليها". رواه مسلم وأبو داؤد والترمذى، وصححه، و زاد: "وأن توطأ"(۲).

---

(۱) (كتاب الآثار للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلوة، باب تسنيم القبور و تجصيصها، ص: ۵۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها،ص: ۶۱۱، قديمى)

(۲) (حاشية الطحطاوى، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها ،ص: ۶۱۱، قديمى)

والحديث رواه الإمام مسلم رحمه الله تعالىٰ في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمى)

قال الإمام النووى رحمه الله تعالىٰ تحته: "و في هذا الحديث كراهة تجصيص القبر و أن يبنى عليه .... هذا مذهب الشافعي و جمهور العلمآء". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، فصل في النهى عن تجصيص القبور اهـ: ۱/۳۱۲، قديمى)

وقال القارى رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال في الأزهار: النهى عن تجصيص القبور للكراهة إن كان في ملكه، و للحرمة في المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجداً. و قال التور بشتى يحتمل وجهين: أحدهما: البنآء على القبر بالحجارة و ما يجرى مجراها، والثاني: أن يضرب عليها خبآء ونحوه، و كلاهما منهيٌّ لعدم الفائدة .... ثم قال التور بشتى: و لأنه من صنيع الجاهلية: أى كانوا يظلّلون على الميت إلى سنة، قال: و عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه رأى فسطاطاً على قبر أخيه عبد الرحمن، فقال: إنزعه ياغلام، و إنما يظله عمله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول: ۴/۱۷۷، ۱۷۸، رقم الحديث: ۱۶۹۷، رشيديه)

(وأبو داؤد في سننه في كتاب الجنائز، باب في البنآء على القبر: ۲/۱۰۳، مكتبه امداديه ملتان) ...... =

مراقی الفلاح میں ہے:"و یحرم البناء علیه للزینة لما روینا، و یکره البناء علیه للأحکام، اهـ. (قوله: لما روینا من النهی عن التجصیص والتربیع) فإنه من البناء. (وقوله: یکره البناء علیه) ظاهر إطلاقه الکراهة أنها تحریمیة. قال فی غریب الخطابی: نهی عن تقصیص القبور والتکلیل بناء الکل، و هی القباب والصوامع التی تبنیٰ علی القبر، اهـ".(۱)۔

طحاوی نے اس حدیث کی شرح "شرح مجمع البحار:۳/۲۲۶" میں اس طرح کی ہے:"نهی عن تقصیص القبور و تکلیلها: أی رفعها بالبناء مثل الکل، و هی الصوامع والقباب، وقیل: هوضرب الکلة علیها، وهی ستر مربع بقرب علی القبور، وقیل: ستر رقیق، وهی کالبیت یتوقی قبه من البق اهـ(۲)۔

عـــرف الشـــذی، ص: ۳۸٦ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں (۳)، کتاب "المدخل" میں اس کو بہت بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے (۴) ان تصریحاتِ حدیثیہ وفقہیہ کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے خلاف اگر اقوالِ رجال سے کوئی استدلال کرے تو وہ معتبر نہیں۔

"تحریر المختار:۱/۱۲۳" میں تفسیر روح البیان سے قبوں کا جواز نقل کیا ہے (۵)، لیکن تفسیر روح البیان خود کوئی معتبر کتاب نہیں، اس میں بہت سے مسائل غیر معتبر موجود ہیں، پھر یہ کہ اس جواز کے لئے کوئی سند نقل نہیں، کی محض قصدِ تعظیم واجلال پر اعتماد کیا ہے، ایسے مسائلِ منصوصہ میں کسی کا قول بغیر سند خلافِ نص کیسے حجت ہوسکتا

= (والترمذی فی سننه فی أبواب الجنائز، باب فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۱) (مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(۲) لم أظفر علی شرح مجمع السحار، وقد وجدت فی مجمع بحارالأنوار بلفظه: "وفیه نهی عن "تقصیص" القبور" بناء ها بالقصة وهی الجص". (باب القاف مع الصاد: ۴/۲۸۳، مجلس دائرة المعارف الإسلامیه، حیدر آباد، دکن)

(۳) قال: "باب کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها، لا یجوز التجصیص عند أحدٍ و لا البنآء".

(العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۲۰۲، سعید)

(۴) (المدخل لابن الحاج، مبحث صفة القبر، قبیل الختان: ۳/۲۶۳، ۲۶۴، دارالفکر، بیروت)

(۵) (التحریر المختار علی رد المحتار (تقریرات الرافعی)، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعید)

ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یہ ہے:

"فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء، و وضع الستور والعمائم والثياب على قبورهم أمرٌ جائزٌ إذا كان القصد بذلك التعظيم في أعين العامة، حتى لا يحتقروا هذا القبر، وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال أيضاً للأولياء، فالمقصد فيها مقصد حسن، اهـ"۔

حالانکہ ردالمختار: ۱/۸۳۹، میں ہے: "وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنىٰ بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ"(۱)۔ بس روح البیان کا یہ مسئلہ خلافِ اجماع ہے۔

اس (روح البیان) میں نقل کیا ہے: "و نذر الزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيماً لهم و محبةً فيهم جائز أيضاً لاينبغي النهي عنه"(۲)۔

حالانکہ درمختار، طحطاوی، بحر وغیرہ میں اس نذر کو بالا جماع باطل وحرام لکھا ہے: "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم بالإجماع باطل و حرام، اهـ". درمختار، قبل الاعتکاف (۳)۔ بحر، طحطاوی میں اس کی وجوہ بیان کی ہیں (۴)۔

تحریر المختار بھی کوئی فتویٰ کی کتاب نہیں بلکہ اس میں از قبیلِ لطائف وغرائب کچھ تحریرات جمع ہیں، بعض

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) (راجع التحرير المختار على رد المحتار (تقريرات الرافعي) الملحق برد المحتار، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۴) (البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفآء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

محلِ اشکالات ہیں، کہیں اشکالات کے جواب ہیں، کہیں طبی نکات ہیں، کہیں تاریخی لطائف ۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے نہیں تھی کہ یہ کتاب منظرِ عام پر آوے اور اپنی زندگی میں اس رائے میں کامیابی ہوئی جیسا کہ ناشر نے شروع میں لکھا ہے:

"ولم يسمح رحمه الله أن يخرج تحريره للناس في صورته مع شدة الحاجة إليه بتوارد الطلاب عليه تواضعاً منه في جانب الله تعالىٰ". إلى آخره. تحرير المختار (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کا جب انتقال ہوا تو ان کی زوجہ نے ان کی قبر پر قبہ لگایا، اس کی تفسیر ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ: ۲/۴۰۰، میں خیمہ سے کی ہے (۲)، پھر ایک سال کے بعد اکھاڑ دیا گیا: "فسمعت المرأة صائحاً: أي هاتفاً غيبياً يقول: ألا! هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه اخر: بل يئسوا والظاهر سئموا ولكن لما كان في صورة اليأس، قال: يئسوا فانقلبوا: أي رجعوا إلى اخره" مرقاة شرح مشكوة: ۱۰۵/٤ (۳)۔

اس خیمہ کو شارحِ مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ یہ ذکر، قراءت وغیرہ کے جمع ہونے کے لئے تھا، اس کو فعلِ عبث مکروہ پر حمل کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے اہلِ بیت کی شان کے مناسب نہیں (۴)۔

غور کیا جائے کہ اولاً یہ دلیل نصوصِ حدیث وغیرہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے، ثانیاً اس سے قبہ متعارفہ پر استدلال کرنا کہاں تک برمحل ہے، وہاں صرف خیمہ تھا یہاں پختہ قبہ ہے، وہاں سال بھر بعد اکھاڑ دیا گیا

---

(۱) (تحرير المختار المسمىٰ بتقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين: ۱/۲، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۸، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۲۳۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

(والحديث رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱/ قديمي)

(۴) "الظاهر أنه لاجتماع الأحباب للذكر والقرآءة، و حضور الأصحاب للدعآء والمغفرة والرحمة، و أما حمل فعلها على العبث المكروه، كما فعله ابن حجر، فغير لائق بصنيع أهل البيت". (مرقاة المفاتيح، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۲۳۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

تھا یہاں ۱۷، ۱۸/ سال بعد بنانے کی تجویز ہے۔ اگر ملا علی القاری اس کے جواز کے قائل ہوتے تو ''شرح نقایہ:۱/ ۱۳۹، میں تجصیص کی ممانعت تحریر نہ فرماتے (۱)۔ ''عینی نے شرح بخاری:۴/ ۱۴۹ (۲) میں قبر پر خیمہ لگانے کے متعلق مختلف اقوال نقل کیے ہیں، بعض میں حرمت ہے، بعض میں جواز۔ حضرت امام احمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن المسیب وغیرہ سے کراہت نقل کی ہے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ دو تین روز تک نبش قبر کی رعایت سے خیمہ کی گنجائش ہے، پختہ قبر بنانے کا جواز کہیں منقول نہیں۔

نیز علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ''شرح ہدایہ:۱/ ۱۴۹'' میں خود فرماتے ہیں: ''و کرہ أبو حنیفة رحمہ

---

(۱) ''قال: ذکرہ الآجر والخشب، ولیقال .... ویسنم القبر.......... ویکرہ التربیع عندها، ولیسن عندمالک والشافعی لما فی صحیح مسلم .... قلنا: هو محمول علی ماکانوا یفعلونه من تعلیة القبور بالبناء العالی، رواه محمد بن الحسن فی الآثار: أخبرنا أبو حنیفة قال: حدثنا شیخ لنا یرفعه إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه نهی عن تربیع القبور وتجصیصها''. (شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب فی الجنائز: ۱/ ۱۳۹، مکتبه اعزازیه، سهارنپور، هند)

(۲) ''وقال ابن بطال: ضربت القبة علی الحسن، و سکنت فیها، فصارت کالمسجد، وأورد البخاری ذلک دلیلاً علی الکراهة، و کره أحمد أن یضرب علی القبر فسطاطاً، و أوصی إبراهیم مرةً أن لا تضربوا علیّ فسطاطاً .... وقال ابن التین: و ممن کره ضربه علی قبر الرجل ابن عمر و أبو سعید، و ابن المسیب، و ضربت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها علی قبر أخیها، فنزعه ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما.......... و قال ابن حبیب: أراد فی الیوم والیومین والثلاثة واسعاً إذا خیف من نبشٍ أو غیره، والحسن بن الحسین .... مات سنة سبع و تسعین، وامرأته فاطمة بنت حسین بن علیّ .... قال الجوهری: القبة بالضم من البناء .... وقال ابن الأثیر: القبة من الخیام بیت صغیر مستدیر، و هو من بیوت العرب، وضرب القبة نصبها و إقامتها علی أوتار مضروبة فی الأرض .... و قال الجوهری: الفسطاط بیت من شعر، و فی المغرب: خیمة عظیمة .... وقال الزمخشری: هو ضرب من الابنیة فی السفر دون السرادق، وقال ابن قرقول: هو الخباء ونحوه، وقال ابن السکیت: الفسطاط''. (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور: ۸/ ۱۳۴، ۱۳۵، إدارة الطباعة المنیریة بیروت)

اللّٰہ تعالیٰ أن یبنی علی القبر". الی آخرہ.(۱)۔ جس قبہ میں عینی کے کلام سے اختلاف معلوم ہوتا ہے اس کی تفسیر نہایہ میں یہ ہے: "القبة من الخیام بیت صغیر"(۲)۔ مسند میں: "و ھو من بیوت العرب". الی آخرہ۔ حافظ عینی نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ''قبہ'' کے بجائے لفظ ''فسطاط'' ہے جس کے متعلق "مجمع البحار: ۷۷/۳" میں ہے: "خباء" من شعر أو غیرہ" إلی آخرہ(۳)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی اور وہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتح الباری شرح بخاری: ۱۶۱/۳'' میں ان کی زوجہ کے اس فعل کو بھی رد کیا ہے، اور نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے(۴)، حالانکہ ان کے اس فعل سے اور مندرجہ سوال قبہ تعمیر کرانے میں کوئی مناسبت نہیں، پھر اس سے استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رجب/ ۶۴ھ۔

پختہ قبر کا حکم

سوال[۴۲۷۳]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبے تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

---

(۱) (البنایہ للعینی، کتاب الصلوۃ الجنائز، فصل فی حمل الجنازۃ: ۱۱۳/۱، ملک سنز، فیصل آباد)

(۲) (النھایۃ: ۱۳۹/۴، دائرۃ معارف نعمانیہ، حیدرآباد، دکن)

(۳) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء والسین: ۱۳۹/۴، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن)

(۴) "و مناسبة ھذا الأثر لحدیث الباب أن المقیم فی الفسطاط لا یخلو من الصلوۃ ھناک، فیلزم اتخاذ المسجد عند القبر، وقد یکون القبر فی جھة القبلة، فتزداد الکراھة، وقال ابن المنیر: إنما ضربت الخیمة ھناک للاستمتاع بالمیت بالقرب منه تعلیلاً للنفس .... کما یتعلل بالوقوف علی الأطلال البالیة و مخاطبة المنازل الخالیة، فجاء تھم الموعظة علی لسان الھاتفین بتقبیح ما صنعوا، وکأنھما من الملائکة، أو من مؤمنی الجن". (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور: ۲۵۷/۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں: "لما روی جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: "نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن تجصیص القبور، و أن یکتب علیها، وأن یبنی علیه". رواه مسلم، اهـ". (۱) شامی: ۱/۶۰۱ (۲)۔ "أما الغناء المعتاد الذی یحرك الساکن و یهیّج الکبامن الذی فیه وصف محاسن الصبیان والنساء و نحوها من الأمور المحرمة، فلا یختلف فی تحریمه، اهـ". تنقیح الفتاوی الحامدیة (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

پکی قبر کا حکم

سوال [۴۲۷۴]: پکی قبر بنانا سنت ہے یا کچی؟ اگر پکی سنت ہے تو عام مسلمانوں کی قبریں خلافِ سنت ہوئیں، اگر کچی سنت ہے تو خلافِ سنت کو ثواب قرار دینے والا یعنی پکی قبر بنانے کو ثواب کہتا ہے، اور ہر طرح کی جانی و مالی کوشش کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے گھر کا کھانا پینا اور اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتب جواب تحریر فرماویں۔

---

(۱) (الصحیح لمسلم رحمه الله تعالیٰ، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۳، مکتبه امدادیه ملتان)

(وجامع الترمذی، باب فی کراهية تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۲) رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) (تنقیح الفتاوی الحامدیة، مسائل و فوائد شتی من الحظر والإباحة، مطلب فی تحریم الغناء: ۲/۳۵۹، المطبعة المیمنیة مصر)

وأما الأعراس فراجع "المدحل لابن الحاج" فیه تفصیلٌ یحتوی علی خمسة و ثلاثین صفحةً، فصل فی المولد: ۲/۱، ۳۵، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچی قبر بنانا سنت ہے، پکی قبر بنانا خلافِ شرع اور گناہ ہے، الطحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔ ناجائز کام میں جانی ومالی کوشش کرنے والا گنہ گار ہے، اس کو سمجھا کر اس سے روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو اس کام میں اس کی اعانت نہ کی جائے، اگر توقع ہو کہ اس کے گھر کھانا پینا چھوڑنے سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازہ میں شرکت کرنا

سوال[۴۲۷۵]: میرے والد کی پکی قبر میرے سوتیلے بھائی کی زمین میں بنی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت اس پکی قبر میں دفن نہ کی جائے، بلکہ قبرستان میں دفن کی جائے، ایسی صورت میں والد صاحب کے جنازے میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں، جب کہ والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی پختہ قبر بنالی ہے اور جو جائیداد ہے اس کو ہم تینوں بھائیوں میں تقسیم کر کے ہبہ کر دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل وکفن اور نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنی چاہئے، پکی قبر بنانا جائز نہیں (۲)۔ اگر کوئی اپنی زندگی

---

(۱) "قوله: (و لا يجصص) به قالت الثلاثة، لقول جابر رضي الله تعالىٰ عنه: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، وأن يبنى عليه" رواه مسلم وأبو داؤد والترمذي .... قوله: (ويكره البناء عليه) ظاهر إطلاقه الكراهةَ أنها تحريمية. قال في غريب الخطابي: نهى عن تقصيص القبور و تكليلها، انتهى. التقصيص التجصيص، والتكليل بناء الكاسل، وهي القباب، والصوامع التي تبنى على القبر". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(و كذا في رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفي هذا الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى =

میں پکی قبر بنا کر اس میں دفن ہونے کی وصیت کردے تو یہ وصیت ہی قابلِ عمل نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد

سوال[۴۲۷۶]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابہ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا؟ اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے اور کس نے بنوایا تھا اور کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگربتی، لوبان، عود، پھول وغیرہ سلگایا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقام تو اب بھی خام ہے، ولید بن عبدالحکیم کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغییر وتزئین ہوتی رہی، حتیٰ کہ ۶۷۸ھ میں قبۂ خضراء تعمیر کیا گیا، جذب القلوب۔ اور اب اصل مزار تک پہونچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= علیه.....هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء". (شرح النووی، المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: يكره أن يبني بناء من بيت أوقبة أونحو ذلک لماروی جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۱) "و كذا تبطل و لو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا، أو يدفن في موضع كذا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۱، سعيد)

"ولوأوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا، ويدفن هناک، ووصيته بالحمل باطلة". =

ایضاً

سوال[۴۲۷۷]: ارشاد ہوتا ہے کہ ”تم سے پہلی قوموں نے انبیائے کرام اور اولیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تم ایسا ہرگز نہ کرنا“ اور ”لعن اللّٰه اليهود والنصارى جعلوا قبور أنبياءهم مساجد“. أو كما قال۔ سوال یہ ہے کہ ان صریح احکامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیوں صحن مسجد نبوی میں بنائی گئی اور پکی قبر پختہ کیوں بنایا گیا اور ”العلماء ورثة الانبياء“ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پھر ان کے لئے بھی یہ جائز اور درست ہونا چاہئے، یا پھر چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی، و ما توفیقی إلا باللّٰه۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صحن مسجد میں قبر شریف نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو حجرہ شریفہ میں ہے، پھر مسجد شریف کی توسیع کی گئی اس لئے وہ حجرہ شریفہ مسجد کے اندر آ گیا، اس کے طرف دیواریں ہیں، وہ سجدہ گاہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کی طرف پشت کر کے نماز ادا نہ کی جاتی۔ قبر شریف پر پختہ قبہ بھی نہیں بنایا گیا بلکہ اس پر تو کوئی بھی تعمیر نہیں، قبہ تو حجرہ شریفہ پر بنایا گیا جو کہ قبر شریف سے پہلے سے بنا ہوا ہے، پھر وہ کسی آیت وحدیث کے ماتحت نہیں بنایا گیا، نہ ایسے لوگوں نے بنایا ہے جن کا عمل حجت میں پیش کیا جا سکے، علماء یا مشائخ کے لئے اس کا جواز نکالنا بے محل ہے، جب کہ علماء سے اس پر نکیر منقول ہے(۱)، تاہم اب اس کا ہدم درست نہیں بلکہ احتراز لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟

سوال[۴۲۷۸]: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیو بند قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرتے ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟ اولیائے کرام میں سے حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۶، رشيديه)

(۱) (راجع، للتخريج، ص: ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷)

کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلافِ حدیث شریف بنایا، اس کو قصوروار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لئے حدیث شریف ہے نہ کہ بادشاہوں کا عمل۔ اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے، جب کہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يبنى عليه أن يقعد عليه". الحديث. مسلم(۱) وأصحاب السنن(۲) جمع الفوائد(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۸ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟

سوال[۴۲۷۹]: جب کہ پختہ قبریں وگنبد بنوانا حرام ہے تو زمانہ سابقہ میں اور اسلامی حکومتوں میں

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبور، والقعود، والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمي)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر: ۲/۱۰۴، إمداديه)

(وجامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء على القبور الخ، ص: ۱۱۲، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب البناء على القبر: ۱/۲۸۵، قديمي)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الجنائز، تشييع الجنازه وحملها و دفنها، (رقم الحديث: ۲۶۱۲): ۱/۳۶۵، إدارة القرآن كراچي)

پھر کیوں بڑے اولیاء اللہ کے مزار وگنبد بنوائے گئے تھے، جیسے روضۂ بغداد، روضۂ اجمیری، روضۂ کلیری، روضۂ نظام الدین وغیرہ وغیرہ، حالانکہ زمانۂ سابقہ میں بڑے بڑے جید علماء موجود تھے اور خلیفہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جید علماء نے منع کیا مگر حکومت نے نہیں مانا، حکومت کا یہ فعل سند نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

قبور مشائخ پر قبہ کا حکم

سوال[۴۲۸۰]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب ''بہار شریعت'' ص: ۱۵۲، حصہ چہارم میں ہے: ''علماء ومشائخ وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں اور قبر کو پختہ نہ کیا جاوے، درمختار اور ردالمحتار۔ یعنی اندر سے پختہ نہ کیا جاوے اور اگر اندر خام ہو اوپر سے پختہ ہو تو حرج نہیں''۔ فقط عبارت ختم ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کتاب کے مسائل کا پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا، لیکن مسائلِ مذکورہ کا جواب یہ ہے:

درمختار میں مذکور نہیں ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے: "و لا يطين و لا يرفع عليه بناء، وقيل: لابأس به، و هو المختار، كما في كراهة السراجية"(۱)۔

اس عبارت میں علماء، مشائخ، سادات کا ذکر تک نہیں، نیز اس عبارت کو فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے اور نقل میں تقدیم وتاخیر ہوگئی، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے: '(قوله: وقيل: لا بأس به الخ) المناسب ذكره عقب قوله: ولا يطين؛ لأن عبارة السراجية -كما نقله الرحمتي- ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطين القبور مكروه، والمختار أنه لا يكره، اهـ"(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الجنائز من كتاب الصلوة: ۲/ ۲۳۷، سعيد)

(۲) (ردالمحتار مع الدر المختار، المصدر السابق)

اختلاف تطیین قبور میں ہے نہ کہ بناء علی القبور میں اور چونکہ درمختار میں: (قولہ: لا بأس بہ) کو مؤخر ذکر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اختلاف بناء علی القبور میں ہے، اس لئے شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کے بعد صراحۃً تردید بھی کردی، ہے چنانچہ لکھا ہے: "و أما البناء علیه فلم أر من اختار جوازه اهـ"(۱)۔ البتہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل "و لا یرفع علیه بناء" کے ذیل میں لکھا ہے: "أی یحرم لو للزینة، ویکره لو للإحکام بعد الدفن، و أما قبله فلیس بقبر"، امداد. و فی الأحکام عن جامع الفتاوی: وقیل لا یکره البناء إذا کان المیت من المشایخ والعلماء والسادات اهـ"(۲)۔

سواولاً تو اس کو "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے جو کہ "لا یرفع علیه بناء" کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔ ثانیاً: "لا یرفع" کی تفسیر "یحرم" اور "یکره" سے کی ہے اور اس کے مقابل کو لاکر "یکره" سے بیان کیا ہے، اور محرم، مبیح میں جب تقابل ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، کما تقرر فی الاصول (۳)۔ ثالثاً: "لا یرفع" متون میں ہے اور "لا یکره" فتاویٰ میں ہے اور متون کو تقدیم ہوتی ہے شروح اور فتاویٰ پر کما فی شرح عقود رسم المفتی (٤)۔ رابعاً: شامی نے خود آگے اس کے خلاف تحریر کیا ہے یعنی:

"وأما البناء علیه فلم أر من اختار جوازه، و فی شرح المنیة عن منیة المفتی: المختار أنه لا یکره التطیین. وعن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ: یکره أن ینی علیه بناءٌ من بیت أو قبة أو نحو ذلك، لما روی جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عن

---

(۱) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "إذا تعارض المانع والمقتضی، یقدم المانع". (قواعد الفقه، ص: ٥٦، الصدف پبلشرز)

(۴) "التاسعة .... قلت: حاصله أن أصحاب المتون التزموا وضع القول الصحیح، فیکون ما فی غیرها مقابل الصحیح ما لم یصرح بتصحیحه، فقدم علیها .... إذ صرّحوا بأنه إذا تعارض ما فی المتون والفتاوی، فالمعتمد ما فی المتون اهـ". (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۸۴، عند بحث الترجیح، میر محمد کتب خانه)

تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، و أن يبنىٰ عليها". رواه مسلم وغيره"(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب عدمِ جواز ہے، پھر اس کے مقابلہ میں "قیــل" کی حیثیت کچھ نہیں، لہذا علامہ شامی کی رائے کے موافق بھی جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر ان کی رائے جواز کی ہوتی تو آگے اس کی تردید نہ کرتے۔ نیز مشایخ کی قبور پر جو بدعات وخرافات عام طور پر ہوتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، لہذا قبر کو نہ اندر سے پختہ بنانا جائز ہے نہ اوپر سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

پختہ قبر کو ڈھادینا

سوال[۴۲۸۱]: پختہ قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چاروں طرف پختہ ہو، اور بیچ میں مٹی ہو تو کیا حکم ہے؟ فتویٰ اور احتیاط دونوں صورتوں میں تحریر فرمائیں۔

میرے ایک رشتہ دار کا انتقال ہوا، باوجود بہت منع کرنے کے ان کے لڑکے نے قبر پختہ بنادی، چاروں طرف اینٹ اور درمیان میں مٹی ہے۔ اب تک ہمارے یہاں کچی ہی قبر کا رواج تھا، لیکن اس سے پختہ کرنے کا عام رواج پڑنے کا خوف ہے، آگے یہ فتنہ کی صورت بن سکتی ہے، اگر اسے میں ڈھادوں تو کوئی لڑائی جھگڑے کی صورت نہیں بنے گی۔ ایسی حالت میں میں کیا کروں، غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اس فتنہ کے روکنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنادی گئی، تو آپ خود غور کرلیں کہ اگر اسے آپ ڈھادیں گے تو جھگڑا ہوگا یا نہیں، "تغییر منکر" بڑا منصب ہے مگر اس کے لئے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے اور شرائط بھی سخت ہیں(۲)، بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے، جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا دشوار

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور اهـ: ۱/۳۱۲، قديمي)

(و راجع أيضاً عنوان: "قبر پر قبہ بنانا"۔)

(۲) "و شرطها (أي الأمر والنهي) أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن =

ہوتا ہے میت کے ورثاء کو اگر مسئلہ سمجھا کر صاف کیا جائے، اور وہ اپنی غلطی کا خود ہی تدارک کریں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اثر پڑے گا، اور عام رواج نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

پختہ قبر کو منہدم کرنا

سوال [۴۲۸۲]: پہلے پکی قبریں جو بنی ہوئی ہیں ان کے لئے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہدام جائز ہے، پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، لیکن اگر اس سے شورش پیدا ہو اور فتنہ برپا ہو، تو اس سے اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

= أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/ ۸۶۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

(۱) "وعن أبي الهياج الأسدي، قال: قال لي علي: ألّا ابعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أن لاتدع تصالاً إلا طمسته، ولا قبراً مشرفاً إلّا سويته .... عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يحصص القبر وأن يُبنى عليه وأن يقعد عليه رواه مسلم (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول، ص: ۱۴۸، قديمى)

قال الملا علي القاري في شرحه: "(ولا قبراً مشرفاً) هو الذي بني عليه حتى ارتفع .... ويستحب الهدم .... قال في الازهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كانا في ملكه، والحمرة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۶، ۱۶۹۷): ۴/ ۱۷۷، رشيديه)

قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۴۲۸۳]: والد صاحب نے اپنی کل جائداد مع دونوں مکانوں کے ہم تینوں لڑکوں کے نام ہبہ کردیا ہے اور اسی جائداد کے ساتھ میں قریب تین ہزار پکی اینٹیں ہم کو ملی ہیں، اب انہیں اینٹوں میں سے پانچ سو اینٹ اپنی قبر کے اوپر چبوترہ بنانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم والد صاحب کو اینٹ دیں یا نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی اینٹ دیدیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کو قبرستان میں کچی قبر میں دفن کردیں (۱) اور اس دی ہوئی اینٹ کو چبوترہ توڑ کر بطور ترکہ تقسیم کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) چونکہ قبر پکی کرنے سے احادیث میں منع آیا ہے اس لئے اس قسم کی وصیت درست اور قابلِ نفاذ نہیں:

"(أو صى بأن يطين قبره أو يضرب عليه قبة فهي باطلة) كما في الخانية وغيرها وقد مناه عن السراجية وغيرها .... فينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية بالتطين مبنياً على القول بالكراهة لأنها حينئذٍ وصية بالمكروه". (الدر المختار). "ولم يتعرض لبناء القبة فهو مكروه اتفاقا". (رد المحتار، قبيل باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة: ۶/۶۹۰، سعيد)

عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن يجصص القبر وأن يبنىٰ عليه وأن يقعد عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمى)

نقل الملا علي القاري عن الأزهار تحت هذا الحديث: "النهي عن تجصص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذٰلك وتجصص وجهه، والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، وللحرمة في المعتبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً، وقال التور پشتي: يتحمل وجهين أحدهما: البناء على القبر بالحجارة وماتجرى مجراها، والأخر أن يضرب عليها ضباء ونحوه وكلاهما منهي لعدم الفائدة فيه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۷): ۴/۱۷۷، رشيديه)

قبروں پر آڑ لگانا

سوال[۴۲۸۴]: قبرستان پر اگر پکی قبریں نہ بنا کر آڑ لگا دیا جائے تو کیا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز بلکہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) اگر کفن چوری کرنے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے تین دن تک قبر پر خیمہ لگانے کو فقہائے کرام نے جائز قرار دیا ہے، لہذا اسی طرح اگر قبر کو مویشی وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بطورِ حفاظت آڑ لگانا چاہئے: "و قال ابن حبیب : أراد(أی ضرب الفسطاط علی القبر) فی الیوم والیومین والثلاثة واسعاً إذا خیف من نبش أو غیره". (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور : ۱۳۴/۸، إدارة الطباعة المنیریة بیروت)

الفصل السابع في إلقاء الرياحين وغيرها على القبور
(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۵]: قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ ردالمحتار کی عبارت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے: ’’قبر پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے، تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا‘‘۔ ردالمحتار۔ یوں ہی جنازہ پر پھول، چادر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں!

الجواب حامداً ومصلياً:

عبارت ردالمحتار جس کو پھول ڈالنے کے لئے نقل کیا ہے دراصل گھاس کو قبر سے کاٹنے کے متعلق ہے اصل عبارت یہ ہے: "يكره أيضاً قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس، كما في البحر والدر وشرح المنية. وعلله في الإمداد بأنه مادام رطباً يسبح الله تعالىٰ، فيونس الميت وتنزل بذكره الرحمة، اهـ"(۱)۔ اس کے بعد شامی نے بطورِ قیاس لکھا ہے: "ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه اهـ"(۲)۔ اپنی طرف سے صرف یہ قیاس کیا ہے اور مجتہدین سے کوئی نقل پیش نہیں کی۔ شافعیہ سے نقل کیا ہے: "وصرح بذلك أيضاً جماعة من الشافعية، اهـ" (۳)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت حدیث "وضع الجريدة" کی تخصیص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی، علامہ شامی کو شافعیہ کی رائے پسند ہے: "وهذا أولىٰ مما قاله بعض المالكية من أن

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور: ۲۴۵/۲، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعائه لهما، فلا يقاس عليه غيره، اھ"(۱)۔ اگر قیاس ہی کرنا ہے تو جس قدر کا ثبوت ہے اس کو اتنی ہی مقدار میں قیاس کیا جاوے:"وقد ذكر البخاري في صحيحه أن بريدة ابن الحصيب رضي الله تعالىٰ عنه أوصى بأن يجعل في قبره جريدتان، اھ"(۲)۔ پھر یہ کہ عامۂ مشائخ اور اولیائے کرام کے مزارات پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی دشوار ہے کہ ان کے لئے تخفیفِ عذاب کی ضرورت ہے اور اگر کوئی دنیا دار آدمی ہو جس کے ذمہ بہت سے حقوق ہوں اور بحکمِ نصوص عذاب قبر کے مستحق ہوں ان کی قبر پر پھول نہیں ڈالے جاتے۔ جنازہ پر پھول چادر ڈالنا اگر کسی صحابی، تابعی، مجتہد سے ثابت ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ کفن میں خوشبو، حنوط وغیرہ لگانا درمختار نے جہل لکھا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا

سوال[۴۲۸۶]: جب دین مکمل ہے تو ہر چیز کا حکم اور نہی موجود ہوگی، اسی طرح فاتحہ اور پھول مالا وغیرہ رسوم کی مخالفت بھی موجود ہوگی، خصوصاً جبکہ ان امور کو مستحب سمجھ کر کیا جاتا ہو تو پھر دیوبندی حضرات کیوں نہیں کرتے اور کیوں منع کرتے ہیں جبکہ مخالفت کی صریح دلیل نہیں اور حنفیہ کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار بھی نہیں، دیوبندی حضرات بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کرکے امر مستحب پھول، مالا، دعائے ثانیہ وغیرہ سے منع کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

میت اور قبر سے متعلق فرائض، واجبات، سنن مستحبات سب احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، جو کہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ماخوذ ہیں۔ اگر یہ پھول وغیرہ اور دعائے ثانیہ دین کی لازمی چیزیں ہوتیں تو ان کا بھی

---

(۱)(رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في وضع الجريد .... على القبور: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "(ويجعل الحنوط) وهو بفتح الحاء العطر المركب من الأشياء الطيبة غير زعفران وورس) لكراهتهما للرجال وجعلهما في الكفن جهل". (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز: ۲/۱۹۷، سعيد)

ثبوت ہوتا، مدعی کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے منکر کے لئے عدم ثبوت کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفن یا قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۷]: قبر یا کفن پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ خوشبو لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو کفن پہناتے وقت جو خوشبو لگائی جاتی ہے وہ ثابت ہے (۲) اور وہی کافی ہے، نہ کفن پر پھول ڈالے جائیں نہ قبر میں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۱۱ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۸۸]: میت کو کفن پہناتے وقت کفن کے اندر پھول چھڑک دیتے ہیں اسی طرح قبر میں پھول ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) قال العلامة النووی: "وجاء فی روایة البیهقی وغیره بإسناد حسن أو صحیح .... عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال ...... "البینة علی المدعی" ....اهـ " الحدیث ......قال: وهذا الحدیث قاعدة کبیرة من قواعد أحکام الشرع، ففیه: أنه لا یقبل قول الإنسان فیما یدعیه بمجرد دعواه، بل یحتاج إلی بینة". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب الیمین علی المدعی علیه: ۲/۷۴، قدیمی)

(۲) "وجمیع ما یجمّر فیه المیت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الکریهة، وعند غسله، وعند تکفینه، ولا یجمّر خلفه ولا فی القبر". (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۳۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة، ۲/۱۹۵، سعید)

(وفتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الغسل: ۲/۱۰۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "قال العینی رحمه الله تعالیٰ: إن إلقاء الریاحین لیس بشئ". (فیض الباری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۲/۴۸۹، مکتبه حضر راه بکڈپو دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں غلط طریقہ ہے(١)، البتہ کفن پہناتے وقت میت کو خوشبو لگانا ثابت ہے(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر پھول، چادر، روشنی کرنا

سوال[٤٢٨٩]: قبر کے گرد روشنی کرنا، قبر پر غلاف ڈالنا اور پھولوں کی چادر جنازہ یا قبر پر ڈالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب چیزیں بھی بدعت ہیں (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(١) قال العلامة العینی رحمه الله تعالیٰ: "أنكر الخطابي و من تبعه وضع الجريد اليابس، وكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين و البقول و نحوهما على القبور ليس بشيء".
(عمدة القاری، كتاب الوضوء، قبيل باب ما جاء في غسل البول: ١٢١/٣، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(وكذا في فيض الباری، باب من الكبائر أن لا يستتر من البول: ٣١١/١، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(و بمعناه في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة باب الدليل على نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه: ١٤١/١، قديمی)

(٢) "اخرج الحاكم في المستدرك .... عن أبي وائل، قال: كان عند علیّ رضی الله تعالیٰ عنه مسك فأوصى أن يحنط به، و قال: هو فضل حنوط رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (نصب الراية لأحاديث الهداية، باب الجنائز: ٢٥٩/٢، مؤسسة الريان)

"وتجمّر الأكفان قبل أن يدرج فيها الميت و تراً؛ لأنه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أمر بإجمار أكفان بنته وتراً والإجمار هو التطيب". (الهداية، باب الجنائز، قبيل فصل في الصلوة على الميت: ١٨٠/١، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ٥٨٢، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٣) (سیاتی تخرجه تحت عنوان: ''مصنوعی قبروں پر پھول چادر چڑھانا''۔) ....=

مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا

سوال[۴۲۹۰]: اکثر مقامات پر مصنوعی قبریں بنا کر چادر وغیرہ چڑھاتے ہیں، کیا مصنوعی قبروں پر ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگ مثال دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی سبز ٹہنی گاڑ دی تھی، وہ تو قبر والوں پر عذاب ہو رہا تھا، لہٰذا اس کا منشاء اَور تھا، لیکن اس جگہ تو زینت کے لئے پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصنوعی قبروں کو بنا کر مخلوق کو دھوکا دینا ہے جو کہ معصیت ہے (۱) اور قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانا درست نہیں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قبروں پر شاخ گاڑنا منقول ہے وہ بھی اس لئے کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا تھا (۳)، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت

= "وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ: ۴۳۹/۲، سعيد)

"وإخراج الشموع إلى رأس القبور الليالي الأولى بدعة، كذا في السراجية" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۳۵۱/۵، رشيديه)

(۱) "فقال السيد: هو (أي الخداع) أن يوهم صاحبه خلاف ما وأما المؤمنون وإن جاز أن يخدعوا إلا أنه يبعد أن يقصدوا خدع المنافقين، لأنه غير مستحسن، بل مذموم مستهجن، وهي أشبه شئ بالنفاق، وهم في غنى عنه .... ﴿وما يشعرون﴾ ...... هلاك أنفسهم وإيقاعها في الشقاء الأبدي بكفرهم ونفاقهم ...... والمراد لا يشعرون بشئ". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۹) : ۱۴۵/۱، ۱۴۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "وقال العيني رحمه الله تعالىٰ: إن إلقاء الرياحين ليس بشئ". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۴۸۹/۲، مكتبه خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم على قبرين، فقال: إنهما يعذبان ...... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱۸۱/۱-۱۸۲، قديمي)

(وسنن أبي داؤد واللفظ له، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۴/۱، مكتبه دار الحديث ملتان)

شامل تھی (۱)۔ اگر اس سے استدلال کر کے بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگان دین کو عذاب قبر ہو رہا ہے (معاذ اللہ)۔ ان دو قبروں کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں شاخ کا گاڑنا بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۹۱]: اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں شہید ہوئے اور امامانِ شریعت وطریقت بھی ہوئے۔ کیا ان کے مزارات پر غلاف یا پھول وغیرہ چڑھایا جاتا ہے اور ان کا سویم، دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے جس طرح ہندوستان میں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہندوستان میں بزرگانِ دین کے مزارات پر جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ کسی دوسرے ممالک میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات تو ان چیزوں سے محفوظ ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال

سوال [۴۲۹۲]: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ ''جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی''۔ اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۳)۔ کہتے ہیں: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون

---

(۱) "قال الطرطوشي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (إعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب استحباب غرز الجريد الرطبة على القبر: ۲۸۹/۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) بلکہ سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرب ممالک میں دفن ہیں اور ان تمام ممالک میں کسی بھی ملک میں نہ غلاف چڑھائے جاتے ہیں اور نہ پھول وغیرہ، اگر اس طرح کا کوئی عمل مسنون یا مستحب ہوتا، تو وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں، لیکن یہ طریقے اہلِ بدعت کے ایجاد کردہ ہیں۔

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على قبرين، فقال: =

تسبیحهم﴾ الآیۃ قول اللہ تعالیٰ ہے(۱) اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے۔ تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوگیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے(۲)، کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں، کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۂ حاضر ہو کر مقابرِ اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے(۳) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے؟!

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی(۴) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ

= "إنهما يعذبان" .... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الإستبراء من البول: ۱/۴، دار الحديث ملتان)

(و رواه البخاري في الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱/۱۸۱، ۱۸۲ قديمي)

(۱) (الإسراء: ۴۴)

(۲) "قال المازري: يحتمل أن يكون أوحي إليه أن العذاب يخفف عنها هذه المدة". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۴۲۵، قديمي)

(۳) "قلت .... إن كانوا يدعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين ..... الخ". (البدر الساري على حاشية فيض الباري، باب من الكبائر أن ..... الخ: ۱/۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۴) "بعض العلماء قال: إنها واقعة عين يحتمل أن تكون مخصوصة بمن اطلعه الله تعالىٰ على حال الميت". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ۳/۲۲۴، دار المعرفة، بيروت) ......=

"لعلّ" فرمایا ہے(۱)۔اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "إن إلقاء الرياحين ليس بشيء،اه" (۲) ۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری:۱/ ۲۷۷ میں لکھا ہے:

"وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمين، ففي رواية ابن ماجة: "مر بقبرين جديدين" (۳)، فانتفىٰ كونهما في الجاهلية. و في حديث أبي أمامة عند أحمد: أنه صلى الله تعالى عليه وسلم مر بالبقيع فقال: "من دفنتم اليوم ههنا"(٤)؟ فهذا يدل على أنهما كانا مسلمين۔ و في رواية أبي بكرة عند أحمد،والطبراني بإسناد صحيح: "يعذبان، و ما يعذبان في كبير، و ما يعذبان إلا في الغيبة والبول"(٥). فهذا الحصر ينفي كونهما كافرين؛ لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلاخلاف"(٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "و قد استنكر الخطابي و من تبعه وضع الناس لجريدة و نحوه في القبر عملاً بهذا الحديث، قال الطرطوسي: لأن ذلك خاص ببركة يده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم..... الخ".(فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لايستتر من بوله: ۱/ ۴۲۹، قديمي)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن ...... الخ: ۱/ ۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۱) و "لعل" للترجي.

(۲) (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله:۳/ ۱۸۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳)(سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول، ص: ۲۹ ،قديمي)

(۴) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي أمامة، (رقم الحديث: ۲۱۷۸۹): ۵/ ۳۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي بكرة نفيع بن حارث، (رقم الحديث: ۱۹۸۶۰): ۵/ ۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مرّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقبرين يعذبان ،فقال: "إنهما يعذبان، و ما يعذبان في كبير، كان أحدهما لا يتنزه من البول". الحديث. رواه الطبراني في الأوسط". (مجمع الزوائد: ۱/ ۲۰۷، دار الفكر، بيروت)

(٦) (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/ ۴۲٦، قديمي)

قبور پر چادر

سوال[۴۲۹۳]: مزارات پر چادر چڑھانا، اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے: "ویکره الستور علی القبور" (۱)۔ اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہو کر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے: "ویکفر بقوله أرواح المشایخ حاضرة تعلم". مجمع الأنهر: ۲/۶۹۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر چراغ، اگر بتی، لوبان وغیرہ

سوال[۴۲۹۴]: قبر کے اوپر چراغ، اگر بتی، لوبان وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے، میت کے لئے خوشبو لگانا تین وقت ثابت ہے: ایک جب اس کی روح نکلے، دوسرے جب اس کو غسل دیا جائے، تیسرے کفن پہنانے کے قریب، بحر: ۲/۱۹۱(۳)۔ قبر پر ثابت نہیں نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں ان پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر و الإباحة، قبیل فصل فی النظر و اللمس: ۶/۳۶۳، سعید)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب السیر و الجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الکفر أنواع: ۲/۵۰۵، المکتبة الغفاریة کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، رشیدیه)

(۳) "وجمیع ما یجمّر فیه المیت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الکریهة، وعند غسله، وعند تکفینه، ولا یجمّر خلفه ولا فی القبر." (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۳۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة: ۲/۱۹۵، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، باب الجنائز. فصل فی الغسل: ۲/۱۰۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

فرمائی ہے۔مشکوۃ شریف،ص:۷۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اوراگربتی

سوال[۴۲۹۵]: شب براءت میں قبروں پر روشنی کرنا اوراگربتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم جہالت ہے،جس سے بچنا ضروری ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پراگربتی جلانا،اذان دینا،تیجہ کرنا

سوال[۴۲۹۶]: بعض جگہ میں عام دستور ہے کہ اگر کوئی مرجاتا ہے تو تین روز تک قبر پر بتیاں جلائی جاتی ہیں اوراذان پڑھی جاتی ہے اور تیسرے دن تیجہ کے نام سے کلام مجید اور آیت کریمہ پڑھنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں(۳)۔قرآن کریم پڑھ کر،یا نماز پڑھ کر،یا روزہ رکھ کر،یا غرباء کو کھانا،کپڑا،نقد دیکر بلاتعیینِ تاریخ ثواب پہنچانا اور جس قدر جلدی ممکن ہو اس میں جلدی کرنا بلکہ دفن سے پہلے پہلے کرنا مستحسن اور باعثِ ثواب ہے(۴)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۹/۹/۵۹ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۱۰/ ذیقعدہ/۵۹ھ۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ،۱۰/ ذیقعدہ/۵۹ھ۔

---

(۱) "وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم زائرات القبور، والمتخذین علیها المساجد والسرج". رواه أبو داود والترمذي والنسائي". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، ص: ۷۱، قديمي)

(۲) "وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي الأولى بدعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/ ۳۵۱، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "شب براءت میں قبروں پر روشنی اوراگربتی")

(۴) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوة كان أو صوماً أو صدقةً أو =

قبروں پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۹۷]: قبر کے اوپر مٹی ڈالنے کے بعد لوٹے سے ایک لوٹا پانی ڈالتے ہیں اس نیت سے کہ میت کو ٹھنڈک پہونچے۔ کیا یہ صورت یا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ غلط ہے، البتہ مٹی جمنے کی غرض سے پانی ڈالتے ہیں کہ ہوا سے منتشر نہ ہوجائے، یہ ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر سے متعلق چند خرافات

سوال[۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے ماننے والوں نے تجہیز وتکفین وتدفین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کئے:

= قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويَصِل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير." (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، فصل في زيارة القبور، ص: ۵۲۱، ۵۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر والفتح، والهداية كلهم في باب الحج عن الغير)

(۱) "و عن جعفر بن محمد، عن أبيه مرسلاً، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حثا على الميت ثلاث حثيات بيديه جميعاً، و أنه رش على قبر ابنه إبراهيم، و وضع عليه حصباء". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۸، قديمي)

(و مراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، ما جاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

(وابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في إدخال الميت القبر، ص: ۱۱۱، قديمي)

"ولا بأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدرالمختار). "بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد، كما رواه ابن ماجة. و بقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داؤد في مراسيله. و أمر به في قبر عثمان بن مظعون، كما رواه البزار". (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

۱......نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد بالقصد قبر کھودنے میں دیر کرنا بایں وجہ کہ ان کے مریدین دور دراز سے آنے والے ہیں وہ لوگ پیر کے چہرہ کو دیکھ لیں:

۲......قبر میں مردہ کو رکھ کر ایک دو روز تک قبر کھلی ہوئی رکھنا،

۳......چھوٹی الائچی پیس کر مُردے کے بدن پر لگانا۔

۴......میت کے غسالہ (دھوون) کو تبرک سمجھ کر پینا، پلانا۔

۵......قبر کو چھ فٹ گہرا کھودنا تاکہ پیر قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔

۶......قبر میں گدے بچھانا، پھولوں کی سیج بچھانا، تین تکیے: ایک دائیں جانب، دوسرے بائیں جانب، تیسرے سرہانے کی جانب رکھنا، چھڑی اور بدھنا رکھنا، ٹوپی وغیرہ پہنانا۔

۷......شخص مذکور کے ماننے والے نے اس قسم کی باتیں بھی کہی ہیں، مثلاً تمام نبیوں سے اعلیٰ ہے میرا پیر، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اسی سیرت کی پوجا کرو اسی میں کامرانی ہے (العیاذ باللہ)۔

نوٹ: جمیع سوالات کے جوابات مدلل ومفصل بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔

محمد مصطفیٰ قاسمی، جامع العلوم، جامع مسجد فیروز آباد، آگرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت اور اس کے غسل اور دفن اور قبر سے متعلق چھوٹے سے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، امورِ مسئولہ کا ذکر نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ فقہ کی مستند کتب میں، پس یہ سب چیزیں بے اصل ہیں، بے دلیل ہیں، جہالت ہیں، ضلالت ہیں، بدعت ہیں(۱) اور بعض ان میں شرک

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه، فهو رد". (صحیح البخاري، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمي)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قدیمي)

قال العلامة المناوي تحته: "أي أنشأ و اخترع و أتی بأمر حدیث من قِبَل نفسه ......(ما لیس منه): أي رأیاً لیس له في الکتاب، أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، (فهو رد): أي مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر: ۱۱/۵۵۹۴، حدیث رقم: ۸۳۳۳، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض) =

ہیں(۱)، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح راستے پر چلائے۔ اگر دلائل کا مطالبہ کرنا ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے مرتکب ہیں ان سے ثبوت طلب کیا جائے، ہمارے واسطے تو اتنی بات کافی ہے کہ ان چیزوں کا کہیں ثبوت نہیں۔

میت کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں جلدی کرنے کا حکم حدیث وفقہ میں موجود ہے(۲)۔ قبر کا اتنا گہرا کھودنا غلط ہے بلکہ اتنی گہری ہونی چاہئے کہ میت کو اس میں رکھنے کے بعد جو تختہ وغیرہ رکھا جائے تو اس کے جسم سے مس نہ کرے، البتہ اوپر کا حصہ ایک آدمی کی قد کے برابر یا اس سے کچھ کم گہرا ہونا چاہیے(۳)۔ میت کے

= (و بمعناه مفصلاً في المرقاة شرح المشكوة ، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ، الفصل الأول: ١/٣٦٦، ٣٦٧، رشيديه)

(١) قوله: ''اس سیرت کی پوجا کرو' پوجا کرنا شرک ہے، کیونکہ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ "وقال شمس الأئمة السرخسي : السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر". (البحر الرائق ، كتاب الكراهية ، قبيل فصل في البيع :٨/٣٦٤، رشيديه)

(و بمعناه في شرح الفقه الأكبر للقاري، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية ،ص:١٩٣ ، قديمي)

(٢) " عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم ، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره". الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز ، باب دفن الميت ، الفصل الثالث ،ص: ١٤٩، قديمي)

قال القاري : "(فلا تحبسوه): أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام : يستحب الإسراع بتجهيزه كله حين يموت(و أسرعوا به إلى قبره) هو تاكيد و إشارة إلى سنة الإسراع في الجنازة". (المرقاة ، باب دفن الميت :٤/١٩٧ ، رقم الحديث:١٧١٧ ، رشيديه)

(٣) "و عن هشام بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال يوم أحد :"احفروا و أوسعوا و أعمقوا و أحسنوا". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز ، باب دفن الميت ، الفصل الثاني ،ص: ١٤٨ ، قديمي)

"قال المظهر : أي اجعلوا عمقه قدر قامة الرجل إذا مدّيَدَه إلى رؤوس أصابعه ". (المرقاة ، باب دفن الميت :٤/١٨١ ، رقم الحديث:١٧٠٢ ، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار ، باب الجنائز ، مطلب في دفن الميت : ٢/٢٣٤، سعيد)

نیچے گدا بچھانا صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین اور جملہ اصحابِ عظام سے کہیں ثابت نہیں۔ تین تکیوں کی مصلحت بھی وہی بتائیں گے، حدیث وفقہ میں تو کہیں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر خرافات

سوال [۴۲۹۹]: قبروں پر قبے بنانا، چادریں ڈالنا، چڑھاوے چڑھانا، جھنڈے لگانا، نذرونیاز کے طور پر مزاروں پر بکرے ذبح کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں اور سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام شرعاً ناجائز، مکروہ اور گناہ ہیں (۲)۔

---

(۱) بلکہ اس کو شارحینِ حدیث اور فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی قرار دے کر رد کیا ہے: قال النووی فی شرحه علی مسلم: "و قد نص الشافعي و جميع أصحابنا وغيرهم من العلماء على كراهة وضع قطيفة أو مضربة أو مخدة و نحو ذلک تحت الميت في القبر، و شذّ منهم البغوی من أصحابنا .... و الصواب كراهته كما قاله الجمهور. وأجابوا عن هذا الحديث بأن شقران انفرد بفعل ذلک، و لم يوافقه غيره .... و خالفه غيره، فروی البيهقی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه كره أن يجعله تحت الميت ثوب في قبره، والله تعالیٰ أعلم". (الكامل للنووی، باب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد: ۱/۳۱۱، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا فی المرقاة شرح المشكوة، باب دفن الميت: ۴/۱۷۵، رقم الحديث: ۱۶۹۴، رشيديه)

(۲) أما بطلان قوله: "قبروں پر قبے بنانا" فلِمَا فی الدر المختار: "ولا يجصص للنهی عنه، ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء." قال ابن عابدينؒ: "وعن أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ: يكره أن يبنی عليه بناءٌ من بيت أو قبة أو نحو ذلک، لماروی جابر رضی الله تعالیٰ عنه: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنی عليها" رواه مسلم وغيره". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

اور بعض شرک کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں(۱)، نظام تصوف نمبر، اگست،۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

وأما قوله: ''چادریں ڈالنا، جھنڈے لگانا'' فراجع للتخريج (ص: ۱۷۴، رقم الحاشية : ۱، وص: ۱۷۳، رقم الحاشية : ۳)

وأيضاً قال العلامة الشاميّ: "وكره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء، قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور". (ردالمحتار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر واللمس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۱) وأما قوله: ''چڑھاوے چڑھانا، نذر و نیاز کے طور پر مزاروں پر بکری ذبح کرنا'' فلِمَا قال العلامة الطحطاوي رحمه الله: "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع والزيت، ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل، وحرام. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، كفر. اللهم! إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي ...... اهـ.....أن أطعم الفقرآء الذين بباب السيدة نفيسة .... إلى غير ذلك ممايكون فيه نفع للفقرآء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۵۲۰/۲، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسك: ۲۱۶/۱، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۴۷۱/۱، دار المعرفة، بيروت)

باب زیارۃ القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

زیارت قبور کا طریقہ

سوال[۴۳۰۰]: قبرستان جانے اور فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرما دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنجشنبہ یا جمعہ کو بغیر کسی خاص پابندی کے جا کر قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف رخ کر کے سورۂ یٰسین، قل هو الله أحد الخ وغیرہ پڑھ کر کہہ دے: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچا دے اور پڑھنے سے پہلے وہاں جا کر کہے: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إنشاء الله بكم لاحقون" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولا بأس .... "زيارة القبور .... و يقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، و يقرأ يٰس، و في الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، اعطى من الأجر بعدد الأموات". (الدر المختار).

"(قوله: وبزيارة القبور): أى لا بأس بها، بل تندب .... و تزار في كل أسبوع .... والأفضل يوم الجمعة والاثنين والخميس، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۲، سعيد)

"يستحب زيارة القبور، و كيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت في حياته من القرب والبُعد. وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلي في بيته ركعتين يقرأ في كل ركعة الفاتحة وآية الكرسي مرةً واحدةً، والإخلاص ثلاث مرات، ويجعل ثوابها للميت، يبعث الله تعالىٰ إلى الميت في قبره نوراً ويكتب للمصلي ثواباً كثيراً. .... "ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت، و يقول: السلام عليكم =

اقسامِ زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۱]: زیارة القبور ليست مشروعةً مطلقاً، بل نوعان: شرعية وغير شرعية، فالمسنونة منها شرعية، و غير المسنونة غير شرعية، فبعضها معصية كبيرة و بعضها كفر و شرك؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زيارة القبور من حيث المقاصد والأعمال مختلفة بعضها: مستحبة، والبعض مباحة، والبعض بدعة محرمة، والبعض شرك (۱)۔ واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين و اله و أصحابه أجمعين۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

= يـا أهـل القبور! يغفر الله لنا و لكم أنتم لنا سلف ونحن بالأثر............... وأفضل أيام الزيارة أربعة: يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور و قراءة القرآن في المقابر: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "الزيارة تنقسم إلى قسمين: زيارة شرعية وزيارة بدعية، فالزيارة الشرعية: السلام على الميت، والدعاء له، بمنزلة الصلاة على جنازته .... وأما الزيارة البدعية: فمن جنس زيارة اليهود والنصارى، وأهل البدع الذين يتخذون قبور الأنبياء والصالحين مساجد .... فالزيارة البدعية مثل قصد قبر .... للصلاة عنده .... أو طلب الحوائج منه، الخ". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية، باب زيارة القبور: ۱۲/۱۸۷، ۱۸۸، مكتبة العبيكان الرياض)

وتفصيل هذه المسئلة في: (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، فصل في مقامات الأنبياء والصالحين، ص: ۴۱۱، ۴۱۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يخرج من آخر الليل: إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد". (الصحيح لمسلم، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمى) .... =

ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۲]: بنارس میں اعراس کے شیدائی اور اہلِ بدعت کے غوغائی حضرات نے اس وقت موسم کے لحاظ سے نیاز، فاتحہ، عرس اور دوسرے تمام لوازمات کی غزل پڑھنا شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں سالانہ مزارات کی حاضری کے بارے میں فریقِ مخالف نے بس یہ تحریر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال صحابہ کولیکر اُحد جاتے تھے۔ میں نے جب تلاش کیا تو شنبہ میں آپ کا جانا ثابت ہے، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ضرور تھے کہ دعائے مغفرت کے سماں کا کیف وسرور کو انھوں نے انتہائی ذوق وشوق سے بیان فرمایا ہے، اَور بھی دو جگہ ہے، مگر صحابہ کے ساتھ ہر سال کا جانا صحاح میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں ابن جریرہ کے حوالہ سے ایک حدیث "علی رأس کل حول" ملی۔

اس کے بعد فتاویٰ دار العلوم ج پنجم، ص:۱۹۶، میں یہ حدیث ملی: "لما أخرج ابن جريرة عن محمد بن إبراهيم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يأتي قبور الشهداء على رأس كل حول

= قال الإمام النوويّ: "قوله: وإنا إن شاء الله الحديث .... و في هذا الحديث: دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها و الدعاء لهم والترحم عليهم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكىٰ من حوله، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.........: "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم: ۳۱۴/۱)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... و صرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشيديه)

"و لا بأس .... بزيارة القبور ولو للنساء". (الدر المختار). "(قوله: و بزيارة القبور): أي لا بأس بها بل تندب (قوله: و لو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، .... فلا بأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲۴۲/۲، سعيد)

فیقول: "سلام علیکم بما صبرتم، فنعم عقبی الدار" وأبو بکر وعمر وعثمان"(۱)۔

اس حدیث کے بارے میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ سنداً یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور یہ تو تعیینِ تاریخ کے لئے بہت مفید ہے۔ راویوں میں اگر کوئی راوی کمزور ہو تو اس کا نام تحریر فرمادیں گے اور صاحب رجال نے جو اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہو اس کو بھی۔

چونکہ ابن جریر یہاں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مجھ میں صلاحیت کہاں، یقین ہے کہ جواب سے شکر گذار فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شہدائے احد کے ساتھ بعض خصوصی معاملات بھی ہوئے، مثلاً یہ کہ قبل دفن ان پر صلوٰۃ جنازہ پڑھ لینے کے باوجود ان پر حیاتِ طیبہ میں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی (۲) اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بار بار تمام شہدائے احد کے ساتھ نماز پڑھی گئی (۳)، ہوسکتا ہے کہ یہ "علی رأس کل حول" کی زیات بھی خصوصیات میں سے ہو، ورنہ اس قسم کی چیز شہدائے بدر کی زیارت سے متعلق بھی ثابت ہوتی، خاص کر جبکہ ان کا مقام شہدائے احد سے بلند ہے، اور مدفون بقیع کی زیارت کے متعلق بھی ثابت ہوتی کہ ان کے مناقب مستقلاً احادیث میں موجود ہیں۔

---

(۱)(لم أطلع علیه فی فتاوی دارالعلوم دیوبند)

(۲)"وقد روی أیضاً عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أن البنی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صلی علی قتلی أحد بعد مقتلهم بثمان سنین. حدثنا یونس .... أنه سمع عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه یقول: إن آخر ما خطب لنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه صلی علی شهداء أحد". الحدیث. (شرح معانی الآثار للطحاوی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الجنائز، باب الصلوٰة علی الشهداء: ۱/۳۳۸، سعید)

(وأخرجه البخاری فی المغازی، باب غزوة أحد: ۲/۵۷۸، قدیمی)

(۳)"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوضع بین یدیه یوم أحد عشرة، فیصلی علیهم وعلی حمزة، ثم یرفع العشرة وحمزة رضی الله تعالیٰ عنه موضوع، ثم یوضع عشرة، فیصلی علیهم وعلی حمزة معهم". (شرح معانی الآثار المرجع السابق)

نیز غزوۂ احد شوال میں ہوا(۱)اور" رأس کل حول" کا مصداق محرم ہے اور اعراس کا معمول تاریخ وفات پر ہے نہ کہ رأس کل حول پر پھر اس زیارت پر راس کل حول سے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔علاوہ ازیں یہ زیارت رأس کل حول بھی مسلسل اور دائمی ثابت نہیں، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد میں بھی اس کا اہتمام فرماتے اور محدثین ومجتہدین بھی (۲)۔اس لئے مبتدعین کا استدلال بالکل بے محل ہے، روایت پر جرح کی ضرورت نہیں۔شامی نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۷/۹۱ھ۔

قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟

سوال[۴۴۰۲]: ۱......زید نے قبر کی شرق کی جانب سے قبلہ رو ہو کر جیسے نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فاتحہ پڑھی، بکر کہتا ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، شرق یا شرق کے کسی گوشہ کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہئے۔شرعاً بکر کا قول کس درجہ میں ہے؟

۲......جب کہ ہر چہار سو قبریں ہوں اور یہ شخص اپنے عزیز کی قبر پر فاتحہ کے لئے جائے تو فاتحہ کے لئے کونسی سمت کو اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲... اگر میت کے سر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت کی جائے تو یہ میت پر باعث دشواری ہے، لہٰذا پیر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت اور فاتحہ پڑھنی چاہئے:

" یأتي الزائر من قبل رجلي الموتی لا من قبل رأسه؛ لأنه أتعب لبصر المیت، بخلاف الأول؛ لأنه یکون مقابل بصره". شامي: ۱/۹۴۲(٤)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح:عبد اللطیف، ۱۹/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

---

(۱)قال ابن حجر رحمه الله تعالی: "وکان الواقعة (أي واقعة أحد) المشهورة في شوال سنة ثلاث باتفاق الجمهور". (فتح الباري، کتاب المغازي، باب غزوة أحد: ۷/۳۴٦، دار المعرفة، بیروت)

(۲)یعنی وہ خصوصیت بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھی، ورنہ تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کی ترغیب بھی دوسرے اعمال کی طرح ثابت ہوتی۔

(۳) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

(۴) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زیارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید) .... =

جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت

سوال[۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا حالتِ ناپاکی میں قبرستان میں یا قبر کے پاس جانا کیسا ہے یعنی حالتِ جنابت میں؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی: نیاز مند، احسان الحق، سرمحمد اسحاق، محلہ سرائے قیصر علی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی زیارت کے لئے پاکی کی حالت میں جانا چاہئے، کیونکہ وہاں جاکر قرآن شریف پڑھنا بھی مسنون ہے اور قرآن شریف ناپاکی کی حالت میں پڑھنا ناجائز ہے، اگر قرآن شریف نہ پڑھے تو بحالتِ جنابت جانا بھی گناہ نہیں، البتہ خلافِ افضل ضرور ہے: "والأفضل أن يكون ذلك يوم الخميس متطهراً".

شامی، بحث زيارة القبور: ۱/۹۴۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورتوں کا قبرستان میں جانا

سوال[۴۳۰۵]: عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جمیل احمد آرہ بہار۔

= "من آداب زيارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قِبَل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه". (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، فصل: يستحب زيارة أهل المعلى الخ، ص: ۵۰۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"(والأفضل)، وفي نسخة: يستحب (أن يكون ذلک): أي وقت زيارتهم (يوم الخميس متطهراً): أي الأقذار والأوزار الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل في زيارة جبل أحد وأهله، ص: ۵۲۵، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو ہے لیکن نہ جانا ہی زیادہ بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

سوال[۴۳۰۶]: عورتوں کا بزرگان دین کی زیارت کے لئے جانا کیسا ہے اور کیا بزرگان دین کی قبروں کے لئے اور قبروں پر جانا اسی میں ہے، یا اس سے مستثنیٰ ہے؟ اور مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جائز فرماتے ہیں اور مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی ناجائز فرماتے ہیں اور کتاب بہشتی زیور اور مجالس الابرار میں ایسی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں، کتاب رکن دین میں بھی جائز فرمارہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمایئے گا تاکہ خوب سمجھ میں آجائے۔ اور کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عورتوں میں تحمل کم ہوتا ہے، قبروں کو دیکھ کر بسا اوقات بے صبری کی حالت میں رونا، چلانا، کپڑے پھاڑنا، منہ پیٹنا وغیرہ حرکات شروع کر دیتی ہیں۔ نیز مطلقاً عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ ہے اور اس

---

(۱) "والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

"واختلف المشايخ في زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة: الأصح أنه لا بأس بها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولاسيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

میں مفاسدِ کثیرہ ہیں (۱) اس لئے ممنوع ہے۔ مجالس الابرار میں صحیح لکھا ہے کہ حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے(۲)۔ جن لوگوں نے اجازت دی ہے انہوں نے مفاسد پر غور نہیں کیا ہوگا، مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی تحریر ہمارے سامنے نہیں، رکن دین کی بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "و قال ابن عبد البر: أن يكون هذا قبل الإباحة، قال: و توقى ذلك للنساء المتجملات أحب إليّ، وأما الشواب فلا يؤمن من الفتنة عليهن و بهن حيث خرجن، ولا شيء للمرأة أحسن من لزوم قعر بيتها، ولقد كره أكثر العلماء خروجهن إلى الصلوات، فكيف إلى المقابر .... و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان و لا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، وإنما رخصة الزيارة لتذكر أمر الآخرة و للاعتبار بمن مضى و للتزهد في الدنيا". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

"(قوله: و لو للنساء) و قيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المسجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّارات القبور" قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. و قد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخّص دخل في رخصته الرجال والنساء. وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۳۰۷]: کیا عورتیں قبور کی زیارت کرسکتی ہیں؟ حسبِ ذیل احادیث کی روشنی میں جواب دیجئے:

۱-"لعن اللّٰہ زوارات القبور". مشکوۃ شریف، باب زیارة القبور(۱)۔

۲-"کنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها فإنها تذهد في الدنيا و تذكر الأخرة"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دوحدیثوں کی وجہ سے اس مسئلہ میں دوقول ہیں: بعض حضرات نے ممانعت کوصرف مَردوں کے حق میں منسوخ مان کرعورتوں کے حق میں ممانعت کو بدستور باقی مانا اور موجبِ لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض علماء نے ممانعت کو عورتوں کے حق میں بھی بدستور منسوخ مان کران کے لئے زیارتِ قبور کوفی نفسہ تو جائز قرار دیا ہے، لیکن عورتیں اگر زیارتِ قبور کوقبرستان جائیں تو اس میں دوسرے مفاسد ہیں مثلاً پردہ کا اہتمام نہیں کریں گی، وہاں جا کر قبور کو دیکھ کر خاص کر جب کہ وہ ان کے اعزہ، اولاد، والدین، شوہر وغیرہ کی قبریں ہوں بے صبری کے ساتھ چلا کر بیان کرکے روئیں گی، سینہ کوبی کریں گی، بال نوچیں گی، منہ پیٹیں گی، اگر وہ بزرگوں کی قبریں ہوں تو وہ ان کا طواف کریں گی، ان کوسجدہ کریں گی، ان سے مرادیں مانگیں گی، ان پر چادر ڈالیں گی، وہاں چراغ جلائیں گی، چڑھاوا چڑھائیں گی۔

غرض شرکیات ومحرمات میں مبتلا ہوں گی جیسا کہ عامۂ اولیاء اللہ کے مزارات پر بہت سے مقامات پر ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کوزیارت قبور کے لئے جانے سے منع فرماتے ہیں کہ ایک مستحب کی خاطر کسی ناجائز چیز کو برداشت نہیں کیا جاسکتا اور جن مَردوں کا حال بھی عورتوں کی طرح ہو ان کو بھی منع کیا جائے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور: ۱۵۴/۱، قديمي)

(و ورواه الترمذي في سننه في أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ۲۰۳/۱، سعيد)

(۲) (سنن ابن ماجة أبواب ما جاء في الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور، ص: ۱۱۲، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "لعن زوّارات القبور". =

ایضاً

سوال[۴۳۰۸]: عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟ ان کے جانے کے متعلق کوئی حدیث ہو تو تحریر فرماویں۔

آپ کا خادم پیش امام: افتخار احمد تھانوی، ۱۷/ اگست/ ۷۶ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

رونے اور غم تازہ کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع ہے، صلحائے قبور پر تبرک اور عبرت کے لئے بوڑھی عورت کو پردہ کے ساتھ جانا درست ہے اور جوان عورت کو ہر حال میں جانا منع ہے کیونکہ عورتیں عموماً جا کر ضرور منکرات میں مبتلا ہوتی ہیں خواہ جوان ہوں خواہ بوڑھی، اس لئے جہاں تک ہو سکے ان کو جانے سے روکنا چاہئے:

" ولا بأس بزيارة القبور ولو للنساء لحديث: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا! فزوروها". در مختار۔ وفي رد المحتار: " (قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر. وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز،

= قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء. قال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ۱/ ۲۰۳، سعيد)

"(قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن......... وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/ ۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد و هو توفيق حسن، اهـ". ردالمحتار (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۵۵ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۵۵ھ۔

عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا

سوال[۴۳۰۹]: عورتوں کا اولیائے کرام کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نامحرم کو دیکھنا، چاہے وہ اولیائے کرام ہوں چاہے کوئی اور، ممنوع ہے (۲) اور ان کے مزارات پر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲/۲۴۲، سعيد)

"(ندب زيارتها) ...... (للرجال والنساء)، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، فتندب لهن أيضاً". (مراقي الفلاح). "(وقيل: تحرم على النساء) وسئل القاضي عن جواز خروج النساء إلى المقابر، فقال: لاتسأل عن الجواز والفساد في مثل هذا، و إنما تسأل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه، و اعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته، وإذا خرجت تحفها الشياطين من كل جانب، وإذا أتت القبور تلعنها روح الميت، و إذا رجعت كانت في لعنة الله .... و أما النساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب كما جرت به عادتهن، فلا تجوز لهن الزيارة .... و لا بأس به إذا كن عجائز، و كره ذلك للشابات، الخ".

(حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر: لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه : ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) "أن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : فبينما نحن عنده، أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، و ذلك بعد ما=

جانے سے مفاسد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسلئے ان کو منع کیا جاتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر

سوال[۴۳۱۰]: اگر ہم گھر سے نیت کرکے چلے اجمیر شریف کی زیارت کرنے کے لئے اور وہاں پر پہونچ کر زیارت کی اور جو کچھ ہوسکتا ہم نے درود شریف پڑھا اور بخشا اور چلے آئے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے(۲)،

= أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ ولا يعرفنا، فقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفعميا وان أنتما، ألستما تبصرانه"؟ هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، أبواب الاستيذان، باب ما جاء فى احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲، سعيد)

(۱) "وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام فى هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، الخ". (عمدة القارى، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۷۰/۸، مطبعه منيريه، بيروت)

"إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز .... ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة فى المساجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲۴۲/۲، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمى)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم المؤمنين، وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". =

قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا بھی ثابت اور مفید ہے(۱)، جو کام محض ثواب کے ہیں ان میں بھی لوگوں نے

= "قوله: "وإنا إن شاء الله". الحديث.......... وفي هذه الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور، والسلام على أهلها، والدعاء لهم، والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم، المصدر السابق: ۱/۳۱۴)

"ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... وصرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

"ولابأس ....بزيارة القبور ولو للنساء". (الدر المختار). "(قوله: وبزيارة القبور): أى لابأس بها بل تندب. (قوله: ولو للنساء)، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... فلابأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(۱) "ان سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم"، قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أوصوماً أو صدقةً أوغيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

ایسی چیزیں داخل کرلیں کہ ثواب کے بجائے ان سے گناہ ہوتا ہے، مثلاً اجمیر شریف جاکر مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں، ان سے منت مانگتے ہیں، قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، قوالی کرتے یا سنتے ہیں، وہاں بے پردہ عورتیں بھی جاتی ہیں (۱)، ایسی باتیں شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ اور حرام ہیں، بعض باتیں شرک کے قریب ہیں (۲)۔

اگر کوئی شخص خود یہ باتیں نہ کرے تب بھی دوسرے لوگ جو یہ باتیں کرتے ہیں ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ شریک ہونا پڑتا ہے، لہذا ایسی حالت میں وہاں جانا درست نہیں اور زیارتِ قبور کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ میلہ اور تماشہ بن جاتا ہے، اپنے مکان پر جو کچھ ہوسکے پڑھ کر ثواب پہونچا دیا جائے، گورغریباں کی زیارت کبھی کبھی اپنی بستی کے قبرستان میں جاکر کرلیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّرات القبور". قال أبوعيسى: هذاحديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۲۰۳/۱، سعيد)

"ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة: ۲۴۲/۲، سعيد)

"وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذاالزمان، ولاسيمانساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان مايستفاد منه: ۶۹/۸، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) جیسے کہ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ: "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمي)

قال الملا علي القاري: "(ولا تصلوا): أي مستقبلين (إليها) لما فيه من التعظيم البالغ؛ لأنه من مرتبة المعبود .... ولو كان هذا التعظيم حقيقةً للقبر أو لصاحبه لكفر المعظم التشبه مكروه وينبغي أن تكون كراهة تحريم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۸): ۱۷۸/۴، رشيديه)

کیاحج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟

سوال[۴۳۱۱]: ۱.....بعض جگہ عوام سمجھتے ہیں کہ حرمین کی زیارت سے پہلے خواجہ اجمیری کے مزار کی زیارت کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص سات مرتبہ خواجہ اجمیری کے عرس میں شرکت کرے اس کو ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ایسا سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھانا

سوال[۴۳۱۲]: ۲.....بعض جگہ لوگ اپنے بزرگوں کا فوٹو اور ان کا مجسمہ تبرک کے لئے اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، تبرک کے علاوہ اس فوٹو کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان بزرگوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں ایسا کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... یہ دونوں شرکیہ افعال وعقائد ہیں، ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سفر برائے زیارتِ قبور

سوال[۴۳۱۳]: کیا سوائے مسجد اقصیٰ، مسجد حرام، مسجد نبویؐ کے ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کے مزار کی طرف سفر کرنا مسنون یا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر خلفائے راشدین نے یا کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے پھولوں کی چادر چڑھائی ہے، یا عطر وغیرہ کی شیشیاں چڑھائی ہیں جیسا کہ آج کل اجمیر وکلیر ودہلی کے اکثر مزارات پر لوگ چڑھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تینوں زمانوں میں کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے نذر نیاز منت مانی ہے؟

---

(۱) یہ قوم نوح کے مشرکین کا عمل ہے: "قال كانوا (أي الود والسواع ويغوث ويعوق ونسر) قوماً صالحين من بني آدم، وكان لهم اتباع يعتقدون بهم، فلما ماتوا قال أصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم: لو صوّرناهم، كان أشوق لنا إلى العبادة إذا ذكرناهم فصوّروهم، فلما ماتوا، وجاء الآخرون، دبّ إليهم إبليس فقال: إنهم كانوا يعبدونهم، وبهم يسقون المطر، فاعبدوهم". (تفسير ابن جرير الطبري: ۶۳/۲۱، دار المعرفت، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبور کی زیارت کرنے کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، امام غزالی کے کلام سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وهكذا يفهم من عبارة الشامي في رد المحتار (۱)۔ روضۂ اطہر پر صحابہ تابعین تبع تابعین سے پھول وغیرہ چڑھانا جیسا کہ کلیر اجمیر وغیرہ میں رواج ہے، ہرگز ثابت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نذر ماننا ثابت نہیں۔

زیارتِ قبر کیلئے احرام

سوال[۴۳۱۴]: بعض بزرگوں کے عرس میں شرکت کرنے والے خاص قسم کا جوڑا پہن کر جاتے ہیں اور اس جوڑے کو احرام کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سراسر جہالت یا غوایت ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عید کے دن زیارت قبور

سوال[۴۳۱۵]: ہمارے گاؤں میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں، تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست

---

(۱) "والمعنى -كما أفاده في الإحياء- أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهذه الثلاثة، لما فيها من المضاعفة، بخلاف بقية المساجد، فإنها متساوية في ذلك، فلا يرد أنه قد تشد الرحال لغير ذلك، كصلة الرحم، وتعلم علم، وزيارة المشاهد كقبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقبر الخليل عليه السلام، وسائر الأئمة" (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدى، قبيل مطلب في المجاورة بالمدينة المشرفة ومكة المكرمة: ۲/۶۲۷، سعيد)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كنت نهيتكم=

نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ١/١٥٤، قديمي)

"فزوروها" .... "فإنها" : أي زيارة القبور أو القبور: أي رؤيتها "تزهد في الدنيا" : فإن ذكر الموت هادم اللذات، ومهون الكدورات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث. ٤/٢٥٦، رشيديه)

(١) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ٣/٣١، رشيديه)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال[۴۲۱۶]: ایصالِ ثواب مُردوں کو کس طرح کیا جائے؟ صرف نیت ہوجانے پر کہ فلاں میت کو میرے قرآن شریف پڑھنے کی یا نوافل یا خیر وخیرات دینے کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل بھی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نیک عمل، تلاوت، قرآن پاک، نوافل، خیرات اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے تب بھی کافی ہے، اگر بغیر اس نیت کے کیا جائے تو بعد میں یہ دعاء کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے، شامی میں اسی طرح لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلک وقل: "اللهم هذا عن فلان" والله سبحانه يعلم =

ایصالِ ثواب کے طریقے

سوال[۴۳۱۷]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سُنانے میں کچھ حرج تو نہیں؟ مرحوم کی قبر پر تاریخِ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہونچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا۔

قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔ صبر میں بڑا اجر ہے، میت کو ثواب پہونچانے کے لئے غرباء کو کھانا کھلانا بھی درست ہے۔ کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے۔ مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں۔ یہ قرآن خوانی کی اُجرت کے درجہ میں ہے۔ اس سے ثواب نہیں ہوگا۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے تاکہ زیارت کے لئے جو لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اُن کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں۔ بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد وصل إليه، ولا يحتاج أن يقول: إني صائم غداً عن فلان بن فلان. والله تعالىٰ أعلم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل فهل تشترطون في وصول"، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

9

ایصالِ ثواب کا فائدہ

سوال[۴۳۱۸]: ایصالِ ثواب سے مرنے والے کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں زیادتی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالیٰ، باب في قراءة القرآن للميت او على القبر، رقم الحديث: ۷، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"وأخرج الطبراني في الأوسط بسند رواه عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "أمتي أمّة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها".

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة، فإذا أنا بنور مُشرق فيها، فقلت: لا إله إلا الله نرىٰ أن الله عزوجل قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار! هذه هدية من المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، قلت: بالذي أنطقك إلا أخبرتني ما هو؟ قال: رجل من المؤمنين: قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين .... وقال: اللهم! إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالیٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، ۲۹۹، دار المعرفة، بيروت)

"ودعاء النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: "أن الله يرفع درجة العبد في الجنة فيقول: أنّى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالیٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۱۹]: زید روزانہ تلاوتِ کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات کو ثواب بخشدے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی ثواب ملے گا، وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۲۰]: کسی نے پورا قرآن شریف پڑھا اور کُل کا ایصالِ ثواب کر دیا اور جب جب پڑھتا ہے سب ایصالِ ثواب کر دیتا ہے، تو پڑھنے والے کو کچھ بچے گا اور ثواب ملے گا یا بالکل خالی ہاتھ ہو جائے گا؟ اور اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی تعداد کے مُردوں کو ثواب بخشے گا، ان کے عدد کے برابر اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "وأخرج أبومحمد السمرقندي في فضائل: "قل هوالله أحد" عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هوالله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أوعلى القبر، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال

سوال[۴۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

۱......مذہب اسلام نے ایصالِ ثواب کو جائز رکھا ہے یا نہیں، اگر جائز ہے اور ایک سورت کو پڑھ کر بہت سے مُردوں کو بخشے اس سورت کا ثواب تمام مردوں کو برابر ایک سورت کا ملے گا یا بقدرِ حصہ؟

۲......ایک شخص ایصالِ ثواب کو بدعت کہتا ہے اور استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث وآیات پیش کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے:

۱-کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آیت کا بھی ثواب کسی کو نہیں بخشا۔

۲-کسی صحابی نے کبھی بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۳-کبھی کسی پیغمبر نے بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۴-تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۵-حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۶-قرآن میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل

= "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر، وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

سکتا، مثلاً: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾(۱)۔ ﴿وإن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم﴾ الاية (۲) ﴿من اهتدى فإنما يهتدى لنفسه﴾ الاية (بنى اسرائيل)(۳)۔ ﴿و لا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ الاية (٤)۔

محمد عبدالحکیم قاسمی سنسار پور، ضلع لکھیم پور کھیری، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة، اهـ". هدايه: ۱/۲۷٦(٥)۔ "ويصح إهداء نصف الثواب و ربعه كما نص عليه أحمد، و لا مانع منه، ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكلّ منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي: أما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل، اهـ". شامى، كتاب الجنائز: ۱/٦۰٥(٦)۔

---

(۱) (سورة النجم، پ: ۲۷، آيت: ۳۹)

(۲)(سورة بنى إسرائيل، پ: ۱۵، آيت: ۷)

(۳) (سورة بنى إسرائيل، پ: ۱۵، آية: ۱۵)

(۴) (سورة فاطر: ۱۸)

(۵) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹٦، مكتبه شركة علمية)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوقراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

(٦) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في قراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في كتاب الروح لابن القيم، المسئلة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى الخ، فصل: وأما =

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور ایک سورت کا ثواب چند مُردوں کو بخشا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں، باری تعالیٰ کے فضل کے لائق یہ ہے کہ سب کو پوری پوری سورت کا ثواب پہونچے۔ ایصالِ ثواب بدعت نہیں بلکہ خیر القرون سے اس پر عمل جاری ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد والے حضرات کو نیز بعد کے حضرات نے اپنے اعزہ کے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اتنی وسعت سے روایات ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی کی، صوم (۱) صلوۃ (۲) صدقہ (۳) حج (۴) قرأت (۵)

= قولكم: لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ١٧٤، مكتبه فاروقيه، پشاور)

(١) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله إن أمي ماتت و عليها صوم شهر أفاقضيه عنها؟ قال: "نعم فدين الله أحق أن يقضى". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ١/٢٦٢، قديمي)

(٢) "إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرُّهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك". (فتح القدير، باب الحج عن الغير: ٣/١٤٣، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(٣) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! - صلى الله تعالىٰ عليه وسلم - إن أمي توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي و بستاني صدقة لله عن أمي: ١/٣٨٦، قديمي)

(٤) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أتى رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له: إن أختي نذرت أن تحج وأنها ماتت، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كان عليها دين أكنت قاضيه"؟ قال: نعم، قال: "فاقض الله فهو أحق بالقضاء". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب من مات وعليه نذر: ٢/٩٩١، قديمي)

(٥) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة =

اضحیہ(۱) سب ہی کا احادیث میں ثواب پہونچانا ثابت ہے، ہدایہ میں ہے:

"لما روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ضحىٰ بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والأخر عن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ و شهد له بالبلاغ، اهـ"(۲)۔ اس حدیث کی تخریج زیلعی میں سات صحابہ سے کی گئی ہے(۳)، شیخ ابن ہمام نے اس کو حدیث مشہور قرار دے کر فرمایا ہے:

"يجوز تقييد الكتاب به"(۴)۔ نیز دار قطنی کی روایت ہے:

"إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك"(۵)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "من مر على المقابر و قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات"(٦)۔

= القرآن للميت، ص: ۳۰۲، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "عن أبي طلحة الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه –واسمه زيد بن سهل– أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين، فقال عند الأول: "عن محمد و آل محمد" و قال عند الثاني: "عمن آمن بي و صدقني من أمتي". (نصب الراية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (رقم الحديث: ۴۷۲۳): ۱۵۳/۳، المكتبة المكية)

(۲) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹٦/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "أخرجه الزيلعي في كتاب الحج عن الغير، رقم الحديث: ۴۷۱۵، وقال: قلت: روى من حديث عائشة، و أبي هريرة، و من حديث جابر، و من حديث أبي رافع، و من حديث حذيفة ابن أسيد الغفاري، و من حديث أبي طلحة الأنصاري و من حديث أنس رضي الله تعالىٰ عنهم". (نصب الراية: ۱۵۱/۳، المكتبة المكية)

(۴) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴۳/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۵) (فتح القدير، المصدر السابق)

(٦) (أخرجه السيوطيؒ في شرح الصدور، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا: "يا رسول الله! إنا نتصدق عن موتانا و نحج عنهم و ندعولهم، فهل يصل ذلك إليهم؟ قال: "نعم، إنه يصل إليهم، و إنهم ليفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه اهـ" (۱)۔

ان سب کو نیز دیگر احادیث وآثار کو نقل کرکے فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳۰۹/۲، میں لکھا ہے:

"فهذه الآثار و ما قبلها و ما في السنة أيضاً من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل —و هو أن من جعل شيئاً من الصالحات لغيره، نفعه الله تعالىٰ به— مبلغ التواتر، وكذا ما في كتاب الله تعالىٰ من الأمر بالدعاء للوالدين في قوله تعالىٰ: ﴿و قل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ و من الأخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين، قال تعالىٰ: ﴿والملائكة يسبحون بحمد ربهم و يستغفرون لمن في الأرض﴾ و قال تعالىٰ في آية أخرىٰ: ﴿الذين يحملون العرش .... وقهم السيات﴾ قطعيٌّ في حصول الانتفاع بعمل الغير، فيخالف ظاهر الآية التي استدلوا بها :أي المعتزلة، و هي: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ إذ ظاهرها أنه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجه من الوجوه؛ لأنه ليس من سعيه، فلا يكون له منه شيء، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها على صراحته فتقيد بما لم يهبه العامل" (۲)۔

آیت مذکورہ سے استدلال کا جواب بھی واضح ہوگیا۔ حافظ عینی نے شراح ہدایہ (۳) میں اور زیلعی نے

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۱۴۳/۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (فتح القدير، المصدر السابق)

(۳) "وأما الجواب عن الآية فبثمانية أوجه: الأول : أنها منسوخة بقوله تعالىٰ : ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الآية. الثاني :خاصة بقوم إبراهيم و قوم موسى يعني في صحف إبراهيم و موسى .... الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، وأماالمؤمن فله ما سعى .... الخامس: أن معنى ما سعى: "ما نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا، فيثاب عليه في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خيرٌ البتة. السابع : اللام بمعنى "على": أي ليس على الإنسان إلا ماسعى .... الثامن : ليس إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيداً في تحصيل =

شرح کنز میں (۱) اور طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح (۲) میں معتزلہ کی اس دلیل کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔
ابن قیم نے تو کتاب الروح گویا کہ اس قسم کے مسائل کے لئے ہی تصنیف کی ہے اور ہر عنوان پر سیر حاصل بحث

= الشيء بنفسه و تارةً لتحصيل سببه الخ". (البناية شرح الهداية للعلامة العيني، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵/۳۹۶، مكتبه حقانيه، ملتان)

(۱) "وأما قوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۹) فقد قال ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما: إنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان﴾ (سورة الطور، پ: ۲۷، آيت: ۲۱) "و قيل: هی خاصة بقوم موسی و إبراهيم لأية وقع حكاية عما فی صحفهما على نبينا وعليهما السلام، بقوله تعالىٰ: ﴿أم لم ينبأ بما في صحف موسى و إبراهيم الذی وفّىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۷) وقيل: أريد به الإنسان الكافر، و أما المؤمن فله ما سعى أخوه. وقيل: ليس له من طريق العدل، و له من طريق الفضل. و قيل: "أللام" في للانسان بمعنى "على" كقوله تعالىٰ: ﴿وإن أسأتم فلها﴾ (سورة الإسراء، پ ۱۵، آية: ۷): أي فعليها أو كقوله تعالىٰ: ﴿لهم اللعنة﴾ (سورة الرعد، پ:۱۳، آيت: ۲۵): أی عليهم. وقيل: ليس له إلا سعيه، لكن سعيه بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان و تحصيل الإيمان حتى صار ممن تنفعه شفاعة الشافعين". (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۲۲۱، ۲۲۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وقالت المعتزلة: ليس للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ماسعىٰ﴾ الجواب عنه من ثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة الحكم بقوله تعالىٰ: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الاية .... الثانی: أنها خاصة بقوم إبراهيم و موسى .... الثالث: المراد الإنسان الكافر .... الرابع: ﴿ليس للإنسان إلا ماسعى﴾ من طريق العدل، فأما من طريق الفضل فجائز .... الخامس: أن معنى ﴿ماسعى﴾ "نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن "اللام" بمعنى "على" كما في قوله تعالىٰ: ﴿ولهم اللعنة﴾ السابع: أنه ليس له إلاسعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيه في تحصيل الخير بنفسه، و تارةً يكون في تحصيل سببه مثل سعيه في تحصيل قرابة، وولد يترحم عليه، وصديق يستغفرله، وقد يسعى في خدمة الدين .... الثامن: أن الحصر قد يكون في معظم المقصود بالحصر لا في كله". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمی)

کی ہے(۱)۔

آثار السنن میں مستقل "باب قراءة القرآن للميت" منعقد کیا گیا ہے(۲) دوسری اور تیسری اور چوتھی آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل بے محل ہے، ان آیات کو مسئلۂ مذکورہ سے کوئی علاقہ نہیں، کما لا يخفى على من له ممارسة بالتفسير۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ رجب/ ۶۹ھ۔

اپنی زندگی میں مُردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرانا

سوال[۴۳۲۲]: ۱..... قبر پر خواہ صالح کی ہو یا عام قبر ہو بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنا کیسا ہے؟ جیسا کہ رسم ورواج ہے کہ فاتحہ پڑھو؟

۲..... بعض لوگ اپنی حیات میں تیجہ، چالیسواں، برسی، ختم قرآن، صدقہ اپنی روح کو کراتے ہیں اور اپنے آپ کو پھر وہ مردہ سمجھتے ہیں اور کسی کے یہاں وہ موت وزندگی میں شریک نہیں ہوتے اور نہ میت کا کھانا کھاتے ہیں اسی خیال سے اپنی فاتحہ اپنی زندگی میں کروا ڈالتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کرے یا نہ کرے، کیا حیات میں بھی دوسروں سے اپنی روح کو ایصالِ ثواب پہنچوانے کے لئے اپنے نام قرآن پڑھوا کر بخشنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲..... نفس ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ، یوم وہیئت وغیرہ کے زندہ کے لئے بھی درست ہے اور مردہ کے لئے بھی درست ہے(۳)، مگر تیجہ، چالیسواں، برسی، فاتحہ مروجہ وغیرہ یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل، بدعت

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) (آثار السنن أبواب الجنائز، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۳۸، مكتبه إمداديه، ملتان)

(۳) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال:=

اور ناجائز ہیں، ان سے اجتناب واجب ہے(۱)۔ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیا جاتا ہے، وہ غرباء ومساکین کو دینا چاہئے، مالدار کو نہیں (۲)۔ کسی کے یہاں موت اور زندگی میں بلاوجہ شریک نہ ہونا اور سب سے قطع تعلق

= فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، ادارة القرآن كراچي)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور: ۱/۳۷۰، قديمي)

"ويكره اتخاذ الطعام في اليوم والأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أولقراءة سورة الأنعام، أوالإخلاص .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر: ذهب إلى المصلي قبل الجنازة الخ: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲) صدقہ کا مال فقیر کو دیا جاتا ہے جب کہ مالدار کو دینے سے ہبہ بن جاتا ہے صدقہ نہیں رہتا: قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ٦٠)

"إن الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦/٦٩٨، سعيد)

ترک دینا، رہبانیت، قطع رحمی، اضاعتِ حقوق ہے، شرع نے اس سے منع کیا ہے(۱)۔

ا......نفسِ دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ہوسکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہوتو قبلہ رو ہوکر مانگنا چاہئے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ صاحبِ قبر سے کچھ مانگا جارہا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض، وتقطعوا أرحامكم، أولئک الذين لعنهم الله، فأصمهم وأعمى أبصارهم﴾ (سورة محمد: ۲۳)

"والآية ظاهرة في حرمة قطع الرحم. وحكى القرطبي في تفسيره: اتفاق الأمة على حرمة قطعها ووجوب صلتها، ولا ينبغي التوقف في كون القطع كبيرةً". (روح المعاني: ۲۶/ ۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: (من وصلک وصلته، ومن قطعک قطعته)". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من وصل وصله الله: ۲/ ۸۸۵، قديمي)

(۲) "وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه". أخرجه أبوعوانة في صحيحه". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵، ۱۱/ ۱۷۳، قديمي)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمي؟ قال فظننا أنه يريد أمه التي ولدته. قال: قالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي، انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۱/ ۳۱۳، قديمي)

نوٹ: حضرت مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوال کا جواب آخر میں لکھا ہے، تخریج اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۲۳]: ایک صاحب چاہتے ہیں ہیں کہ اپنی زندگی میں کلام پاک کا ہدیہ ادا کر کے دس پانچ کلام پاک پڑھوا کر اپنی عاقبت کے لئے محفوظ کرلیں۔کیا ایسا عمل احکامِ شرعی فقہ وحدیث سے درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدیہ اجرت دیکر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے(۱)، بلا ہدیہ لئے کوئی پڑھے تو درست ہے، قرآن کریم کے مدرسہ میں کچھ قرآن شریف دیدیں، بچے جب تک ان کو پڑھیں گے ثواب ہوتا رہے گا۔اسی طرح حدیث شریف کی کتابیں کسی بڑے عربی مدرسہ میں دیدیں، مسجدوں کو صفیں دیدیں، جب تک ان پر نماز پڑھی جائے گی ثواب ہوتا رہے گا، کنواں بنوادیں، مسافر خانہ بنوادیں، غرض اپنی زندگی میں ثواب کے انتظام کی بہت سی صورتیں ہیں اور جس قدر ہوسکے خود ہی صدقہ جاریہ کی صورتیں کی جائیں تو اچھا ہے، بعد میں کوئی ثواب پہونچائے یا نہ پہونچائے، اپنے بس میں پھر کچھ نہیں رہتا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالى عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى .... ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أوولداً صالحاً تركه، أومصحفاً ورّثه، أومسجداً بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه، أونهراً أجراه، أوصدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۲، دار المعرفة، بيروت) .... =

مُردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۴]: ایصالِ ثواب کس کیفیت سے ہمارے موتیٰ تک پہونچتا ہے (نفس ایصالِ ثواب کو دریافت نہیں کرتا)۔ کیا موتیٰ کو ایصالِ ثواب کے لئے آخرت میں بھی محکمۂ ڈاک، ٹیلی گراف، وائرلیس وغیرہ (خبر رسانی) کا محکمہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے یہاں جو کچھ عمل کیا جائے (نماز، روزہ، صدقہ، حج، تلاوت، ذکر، خدمتِ خلق وغیرہ) اور دعاء کرلی جائے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے، شامی: ۱/ ۸٤٤ (۱)، یہ دعا اللہ پاک

= "فالدليل على انتفاعه بما تسبب إليه في حياته ما رواه في صحيحه من حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أوعلم ينتفع به، أوولد صالح يدعوله". [الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد موته: ۲/ ۴۱، قديمي] فاستثناء هذه الثلاث من عمله يدل على أنها منه، فإنه هوالذي تسبب إليها". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة: وهي هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا، ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القرأة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشيديه)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك: وقل أللهم هذا عن فلان، والله سبحانه يعلم نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد، وَصَلَ إليه، الخ" (كتاب الروح لابن قيم الجوزيه رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل: فهل تشترطون في وصول الخ، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

سے کی جاتی ہے، اس کے لئے کسی فون، ٹیلی گرام وغیرہ مادی آلات کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ پاک کی شان یہ ہے: ﴿يعلم مايسرون وما يعلنون، إنه عليم بذات الصدور﴾ الآية(۱)، ﴿لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله﴾ الآية (۲)، ﴿لايعزب عنه مثقال ذرة﴾ الآية(۳)، ﴿يعلم ما في السموات والأرض﴾ الاية (٤).

جب یہاں سے کسی کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، وہاں کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے۔ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کی گئی ہے وہ بعینہ نہیں پہونچتی، میت پر جب انعامات ہوتے ہیں تو ان کو بتلادیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے، یہ اس کا ثمرہ ہے، کتاب الروح (۵) شرح الصدور (٦) الورقة الفاخرة وغیرہ میں تفصیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲٦ھ۔

---

(۱) (سورة هود: ۵)

(۲) (سورة النمل، پ: ۲۰، آیت: ۲۵)

(۳) (سورة السبا، پ: ۲۲، آیت: ۳)

(۴) (سورة التغابن، پ: ۲۸، آیت: ۴)

(۵) "ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء أن الله يرفع درجة العبد في الجنة فيقول: أنى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٦) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". (رقم الحديث: ۲۰)

"وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم وكنت كثير الدعاء لها =

میت کو بعینہ صدقہ نہیں پہونچتا بلکہ ثواب پہونچتا ہے

سوال[۴۳۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعظ ''طریق القلندر'' میں فرمایا ''جو حضرات پھول مالا چڑھاتے ہیں، دو حال سے خالی نہیں: میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پہونچتا ہے تو فعل عبث ہوگا اور اگر پہونچتا ہے تو ظاہر ہے جنت کے پھول کے مقابلہ میں جو شیخ کو حاصل ہے تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا مہکتا ہوا عطر ہے۔ تو قبر پر پھول چڑھانا ایسا ہوا جیسا کہ سو روپیہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ والا عطر لگا دینا تو پھول چڑھا کر حضرت کی روح کو تکلیف دی''۔ اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بطورِ معاوضہ صدقہ طعام اور لباس وغیرہ پر قیاس کرے جس کو ہم لوگ بھی کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جواب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ یہ صدقہ بعینہ ان کے پاس پہونچتا ہے بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ثواب نعمائے جنت کی شکل میں ان کے پاس پہنچتا ہے(۱)، ہاں جو وہاں جا کر بھی اردکی، پھریری، دال،

= فقالت لي: يا بشار! هَذَايَاكَ تأتينا على أطباق من نورٍ مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلك؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلك الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتى به الذى دُعى له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)، ص: ۲۹۶، ۲۹۸، دار المعرفة)

(۱) "ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: أن الله يرفع درجة العبد في الجنة، فيقول: أنّى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى شيء من يسعى الأحياء أم لا؟، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذه؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". =

سوڈا واٹر وغیرہ طلب کریں اور اپنی طبعی مرغوبہ چیزوں پر فاتحہ کی وصیت کر جائیں، ان پر ضرور یہ اشکال وارد ہے کہ شاید ان کے نزدیک یہ چیزیں پہونچتی ہیں اور اس دنیا کی طبیعت ومزاج وخواہش کو لے کر دنیا سے گئے ہیں، اس لئے یہیں کی چیزوں کی طلب ہے، جیسے مسافر اپنی طبیعت کے موافق ناشتہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور اسی کا طلب گار رہتا ہے۔

شاید یاد ہو کہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو بکری اور چھوارے ساتھ لے گئے تھے، چھوارے کھاتے تھے اور بکری کا دودھ پیتے تھے، غیر ملکی غذا ان کو ناپسند تھی۔ تو برزخ بھی دوسرا ملک ہے، منعم علیہم شہداء وغیرہ کے لئے ان کو جنت سے غذا ملتی ہے، برزخ کا دوسرا رخ ان کے لئے جنت کی طرف ہے۔ جو لوگ اپنے کو جنتی تصور کرتے ہیں اور پھر برزخ میں جا کر دنیا ہی کے ناشتے طلب کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کو جنت کے ناشتوں کے مقابلے میں دنیا ہی کے ناشتے پسند اور مرغوب ہیں، یا پھر ان کو جنت کا ناشتہ نہیں ملتا، بلکہ ان کی قبر کا رخ کسی اَور طرف ہے - أعاذنا الله منه - دونوں باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

مشترکہ ایصال ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟

سوال[۴۳۲۶]: کیا روحیں قبروں میں رہتی ہیں، کیونکہ " السلام علیکم یا أهل القبور" کہا

= (شرح الصدور، رقم الحديث: ۲۰)

"وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم وكنت كثير الدعاء لها، فقالت لي: يا بشار! هٰذايَاكَ تأتينا على أطباق من نور مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلك؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلك الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتى به الذي دُعي له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليك".

(شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالى، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)، ص: ۲۹۶، ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

جاتا ہے، کیونکہ قبرستان میں جس وقت کوئی تلاوت قرآن کر کے بخشتا ہے تو ثواب روحیں آپس میں بانٹ لیتی ہیں، کہاں تک درست ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بعض ارواح قبر میں بھی رہتی ہیں، كذا في كتاب الروح (۱)، لیکن سلام کرنے یا ثواب پہونچانے کے لئے روح کا قبر میں ہونا ضروری نہیں، نفسِ تعلق کافی ہے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مشترکہ طور پر بخشا جاتا ہے، تو اظہر یہی ہے کہ ارواح کے درمیان تقسیم ہوگا (۲)، لیکن یہ تقسیم ملائکہ کے ذریعہ ہوگی، ارواح کو خود بانٹنے یا لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

---

(۱) "ومنهم: من يكون محبوساً في قبره كحديث صاحب الشملة التي غلها، ثم استشهد، فقال الناس: هنيئاً له الجنة، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! إن الشملة التي غلها لتشتعل عليه ناراً في قبره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة الخامسة عشرة: وهي أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، فصل: وأما قول من قال: إن مستقرها بعد الموت الخ، ص: ۱۵۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وقيل: هي على أفنية قبورها، قال ابن عبد البر: وهذا أصح ما قيل، قال: وأحاديث السؤال، وعرض المقعد، وعذاب القبر ونعيمه، وزيارة القبور، والسلام عليها، وخطابهم مخاطبة الحاضر العاقل دالةٌ على ذلك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب: مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دار المعرفة، بيروت)

(۲) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۳۱۹/۲، إدارة القرآن كراچی)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أو صدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

مُردوں کوایصالِ ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟

سوال[۴۳۲۷]: ایک شخص اپنے والد کے ایصال ثواب کے لئے ایک روپیہ خیرات کرتا ہے، یا چند مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نیت کرتا ہے کہ والد کے علاوہ فلاں فلاں دوسرے اموات کو اس کا ثواب پہونچے۔ سوال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا پورا ثواب اور اجر جو حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں وہ پورا باپ کو پہونچ کر دوسروں کو اس کے علاوہ ملے گا، یا اسی روپیہ کے ثواب میں سے جملہ اموات کو حسبِ حصہ سہام تقسیم ہوں گے اور دوسری اموات کے ملانے سے باپ کے حصہ میں کمی ہو جائے گی؟

حافظ نجیب خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے: بعض حضرات کی رائے ہے کہ حسبِ حصہ ثواب پہونچے گا جیسا کہ کوئی شخص ایک روپیہ کے پیسے چند فقیروں کو تقسیم کردے تو سب کو ایک ایک روپیہ نہیں پہونچتا بلکہ اس میں سے تقسیم ہو کر حسبِ حصہ پہونچتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا پہونچتا ہے کیوں کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے، وہ اگر سب کو ایک ایک روپیہ کا پورا پورا ثواب پہونچادیں گے تو ان کے یہاں کچھ کمی نہیں آئے گی، بلکہ وسعتِ رحمت کا تقاضہ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا پہونچے، اور زیادہ تر دارومدار ثواب کی کمی زیادتی کا زیادتی خلوص پر ہے، اگر خلوص کے ساتھ تھوڑی چیز کا ثواب پہونچایا جائے وہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ زیادہ چیز کا ثواب بلاخلوص پہونچایا جائے، تو زیادہ ضرورت خلوص کی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چیز بھی اگر زیادہ ہے تو وہ سونے پر سہاگہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية .... ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربع، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى مع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل". =

ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۸]: اگر کوئی شخص ایصال ثواب کرنا چاہے تو کس طرح کرے اور کیا کہے اور کسی چیز کا ثواب ایک شخص کو پہونچ سکتا ہے یا کئی نفوس کو؟ مثلاً کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے گھر یا مسجد یا قبرستان میں ایک سورۃ یا ایک پارہ پڑھا اور یہ کہا، اے اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور تلاوت کیا اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکل انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومسلمین ومسلمات اور ہمارے ماں باپ دادا دادی وغیرہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پہونچادے۔ تو کیا ہر شخص کو جتنا ایک پارہ وسورت پر ثواب مقرر ہے ملے گا، یا سب اسی میں شریک ہوں گے؟ نیز اس طرح کے الفاظ دعاء میں کہنا درست ہے یا نہیں، نیز اول وآخر درود شریف پڑھنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنا اور ثواب پہونچانا درست ہے (۱)، جس قدر خدا کو منظور ہے سب کو پہونچ جائے گا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ سب کو تقسیم ہو کر پہونچے گا، پورا پورا سب کو پہونچنے کا تذکرہ کسی نص میں نہیں دیکھا (۲)، بعض

= (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحي الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۲) "ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)=

شافعیہ اس کے قائل ہیں کہ سب کو بلا تقسیم کے پورا پورا پہونچے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے(۱)، نفس تلاوت کے لئے تو اول وآخر درود شریف پڑھنے کی تاکید و تخصیص کہیں نہیں دیکھی، البتہ دعاء کرتے وقت اول وآخر درود شریف پڑھنا حصن حصین میں موجود ہے (۲)، ویسے بھی درود شریف کے فضائل وفوائد بے

= "نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحي الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لوأهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وابقى لنفسه الباقي، جاز، كما لوأهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وأخرج القاضي أبوبكر بن عبد الباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلى مقابر مكة، فوضعت رأسي على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقةً حلقةً فقلت: قامت القيامة؟ قالوا: لا، ولكن رجلٌ من إخواننا قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا، فنحن نقتسمه منذ سنة". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراء ة القرآن للميت أوعلى القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة بيروت)

(۱) "قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهواللائق بسعة الفضل". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۴، سعيد)

(۲) "منها ما يبلغ أن يكون ركناً وأن يكون شرطاً .... والثناء على الله تعالىٰ أولاً وآخراً، والصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كذالك". (الحصن الحصين للإمام محمد الجزري رحمه الله تعالىٰ، آداب الدعا، ص: ۵۲، دار الإشاعت، كراچي)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللّٰهم اغفر لي وارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هوأهله، وصل عليّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله وصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تُجَبْ". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا =

شمار ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۹۱ھ۔

متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہوکر؟

سوال[۴۳۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرے، اور آپ کے بعد کل امتِ محمدیہ (جس میں جمیع مومنین) کی ارواح کو ثواب بخشیں اور بعد میں اپنے والدین، برادر، عزیز واقارب کے نام لے کر بخشے تو اس قرآن کا ثواب سب روحوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم ہوجائے گا یا علیحدہ علیحدہ کل امتِ محمدیہ میں برابر کا ثواب سب ارواح کو ملے گا اور پڑھنے والے کو بھی برابر کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کونسا طریقہ افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں، تقسیم ہوکر حسبِ حصص پہونچنا اقیس ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل سے اگر سب کو پورا پورا پہونچے تو کچھ بعید نہیں، علامہ شامی نے رد المحتار کتاب الجنائز میں اول قول ابن قیم حنبلی سے نقل کیا ہے اور ثانی قول ابن حجر مکی شافعی سے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف،۲۵/ جمادی الثانیہ/۶۱ھ۔

= ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

(وكذا رواه ابن السني في عمل اليوم والليلة، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۳): ۱۰۲، مكتبة الشيخ، كراچی)

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلوةً". وروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من صلى علي صلوة صلى الله عليه عشراً وكتب له عشر حسنات". (جامع الترمذي، أبواب صلاة الجمعة، باب ما جاء في فضل الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فضائل درود شریف تالیف حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سرہ)

(۲) "وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية ....: =

ایک قرآن پاک صدقہ میں دیکر ثواب پورے مجمع کو بخشنا

سوال[۴۳۳۰]: ۱...... کسی نے ایک قرآن شریف خرید کر کسی پڑھنے والے کو ہدیہ کردیا اورنیت یہ کی کہ یا اللہ! اس کا ثواب مجھے بھی ملے اور ماں باپ دادادادی کو بھی ملے تو کیا اس طرح سب کو ثواب ملے گا؟ اور یہ صورت درست ہے؟

قرآن شریف ہبہ کیا موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کردیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟

سوال[۴۳۳۱]: ۲...... اگر کوئی شخص اپنے پیسے سے کلام پاک لیکر دوسرے شخص کو بنیتِ ثواب بالکل ہبہ کردے، پھر دوسرا شخص تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو عطیہ کے اعتبار سے ثواب کا کون شخص مستحق ہے؟ آیا پہلا شخص یا ہر ایک شخص؟ نیز اگر چوری کرکے کلامِ پاک اٹھالیا جائے تو شخصِ اول کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو چُرا کرتے ہیں اس کو پڑھنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز غریب آدمی اور امیر آدمی دونوں کے دینے میں ثواب برابر ہے یا کمی زیادتی ہوگی؟ اگر کوشش اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ، دادادادی وغیرہ کی طرف سے دے تو جس کی طرف سے دیا ہے یہ عطیہ اس کے لئے صدقۂ جاریہ بنے گا یا نہیں اور اس کو پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ بھی درست ہے، سب کو ثواب ملے گا(۱)۔

= ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل".

(ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحيى الكمال، ووجه هذا أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربع، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق =

۲.....قرآن پاک ہدیہ کرنے میں تو سب کا ثواب برابر ہے، مگر اس اعتبار سے کہ پہلے شخص نے خرید کر (پیسے خرچ کر کے) دیا ہے، اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسرے لوگوں نے جن کے پاس مفت آیا تھا وہی دیدیا، نیز پہلا شخص دوسروں کے دینے کا سبب بنا، اس لئے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے، علاوہ ازیں جس میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا(۱)۔

چوری کرنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے، جو شخص چوری کر کے قرآن پاک لائے گا اور تلاوت کرے گا اس کو نفس تلاوت کا بھی ثواب ملے گا اور چوری کا بھی گناہ ہوگا اور جس کی چوری کی ہے اس کو بھی ثواب

= المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أو ولداً صالحاً تركه، أو مصحفاً ورثه أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه أو نهراً أجراه، أو صدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون السابقون، أولئك المقربون، في جنّٰت النعيم﴾ (سورة الواقعة، پ: ۲۸، آيت: ۱۱، ۱۲)

"فإن المراد بالسابقين هم المبادرون إلى فعل الخيرات كما أمروا، الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۸۳، سهيل اكيڈمى، لاهور)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه، ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله، ذلك هو الفضل الكبير﴾ (سورة فاطر، پ: ۲۲، آيت: ۳۲)

ملے گا(۱)۔ محتاج غریب کو دینے میں زیادہ ثواب ہے کہ وہ صدقہ ہے اور مالدار کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہدیہ یا ہبہ ہے(۲)۔ ماں باپ وغیرہ کی طرف سے اگر دیدے تو ان کو بھی ثواب ہوگا اور دینے والے کو بھی ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهي عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمي)

قال المحشي عبد الغني المجددي رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث: "إجماع أهل الحق علىٰ أن الزاني والسارق والقاتل وغيرهم من أصحاب الكبائر". (إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهي عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمي)

"والكبيرة قد اختلفت الروايات فيها، فروى ابن عمر أنها تسعة الشرك بالله .... وزاد علي رضي الله تعالىٰ عنه السرقة" (شرح العقائد، ذكر قوله: الكبيرة لا تخرج العبد من الإيمان الخ، ص: ۸۲، مكتبه يوسفي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله، فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "آلم" حرف، و لكن "الف" حرف و "لام" حرف و "ميم" حرف". هذا حديث حسن صحيح غريب". (جامع الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء في من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر: ۲/۱۱۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ الآية (سورة التوبة: ۶۰)

"الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۸، سعيد)

(۳) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيئاً". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، لاهور) .... =

اولیاءاللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھنا

سوال[۴۳۳۲]: مسجد میں اولیاءاللہ کے لئے ختم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہونچانا درست ہے، لیکن کسی کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے جس کا دل چاہے شریک ہو جس کا دل نہ چاہے نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے جو ثابت نہ ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

اولیاءاللہ کے مزارات پر خیرات

سوال[۴۳۳۳]: کیا اولیاءاللہ کے مزار پر خیرات کرنی جائز ہے؟ جیسا کہ حضرت صابر رحمہ اللہ تعالیٰ

= "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندى في فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ عن على رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب فى قراءة القرآن للميت أوعلى القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرة أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

کے مزار پر فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے واسطے خیرات کرنی پیسہ کی ہو یا کھانے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ وخیرات کر کے بزرگانِ دین کو بھی ثواب پہونچانا درست ہے، جو لوگ مزارات اولیاء اللہ کے پاس حجروں میں اپنی اصلاح اور ذکر وشغل کے لئے تنہائی اختیار کر کے رہتے ہیں اور عام دنیا سے بے تعلق ہیں وہ اگر غریب ہوں تو وہ بھی صدقہ کے مستحق ہیں، ان کو بھی کھلانا درست ہے، جو مال دار ہوں یا لغویات میں شریک ہوتے ہوں ان کو نہ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم دینا

سوال [۴۳۳۴]: کسی میت کی طرف سے ایک قرآن اس نیت سے اسقاط کرنا کہ اس میت کہ ہر آیتِ قرآنی کے عوض ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے، کیسا ہے اور کیا واقعی گناہ معاف ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف اسقاط کرنے کا کیا مطلب ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا جائے

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچي)

توبلا اجرت پڑھ کرثواب پہنچانے سے یقیناً ثواب ہوتا ہےاور گناہ معاف ہوتے ہیں (۱)، لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوتے (۲)، اسی طرح نمازیں روزے وغیرہ جومیت کے ذمہ ہیں جن کا کفارہ دینا ضروری ہے وہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ بشرطِ وصیت ایک ثلث میں سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے (۳)، اگر ترکہ میں کچھ نہیں

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالیٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "أمتي أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالیٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهوالتحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووى على مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمى)

"إن كانت المعصية في خالص حق الله، فقد يكفي الندم .... وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أوبدله إليه الخ". (روح المعاني، تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله﴾ الخ: ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم وإنما يعطى (من ثلث ماله)". (الدرالمختار).

"(قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله): أى فلوزادت الوصية على الثلث، لا يلزم الولى إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

"إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته، يعطى لكل صلاة نصف =

چھوڑا تو تلاوت وغیرہ کا ثواب پہونچایا جائے، کیا عجب ہے (کہ) اللہ پاک معاف فرمادیں۔

اگر یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن شریف کسی کو بہ نیتِ ثواب صدقہ دیدیں تو اس سے بھی ثواب ہوتا ہے، لیکن ترکۂ میت سے دینا بلاوصیت قبل تقسیمِ ترکہ درست نہیں جب کہ بعض ورثہ نابالغ ہوں، بعد تقسیم بالغین اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں نافذ کرنا واجب ہے، زائد میں ورثہ بالغین کی اجازت پر موقوف ہے اور جب نابالغ ہوں تو ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)۔ ہر آیت کے عوض ایک گناہ کی معافی کی تصریح کسی جگہ نہیں دیکھی، جیسا اور صدقہ دینے کا حال ہے ایسا ہی قرآن شریف کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۳/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہنچانا

سوال [۴۳۳۵]: ختم قرآن پاک کا ثواب اگر ہم مردے کو پہونچائیں تو وہ پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہونچتا ہے، کذا فی البدایة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

= صاع من بر، وللوتر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاع من ثُلث ماله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، مسائل متفرقة: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

"ولا يجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول الخ: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيره عند =

میت کیلئے قرأتِ قرآن وغیرہ

سوال[۴۳۳۶]: میت کے دفن کرنے کے بعد مروجہ طریقہ پر دعاء کرنا جیسے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پاؤں کی جانب آخر، یا سورۂ اخلاص یا آیاتِ قرآنی کا پڑھنا یا کسی سے اجرت پر، یا بلا اجرت کچھ پڑھوانا اور سوم و چہلم وغیرہ رسومات برابر کرنا، پابندیوں کے ساتھ کچھ تقسیم کرنا، ایصال ثواب کیلئے بلا امتیاز امیر غریب کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟ اور امام صاحب کو رسومات بالا پر پابند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دفن کے بعد سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب سورت بقرہ کا آخر پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے(۱) اور دفن کے بعد دعائے مغفرت بھی ثابت ہے(۲)۔ بغیر کسی وقت یا دن یا تاریخ یا ہفتہ خاصہ کی

= أهل السنة والجماعة". (البداية مع الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ١/:٢٩٦، مكتبه شركة علميه، ملتان)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ أحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي اجره بعدد الأموات". (شرح الصدور، باب في القراءة للميت أو على قبره، ص:٣٠٣، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٣/١٠٥، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ١/٢٥٧، رشيديه)

(١) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ١/١٤٩، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ٢/٢٣٧، ٢٤٢، سعيد)

(٢) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذافرغ من دفن =

پابندی کے کوئی بھی نیک کام اللہ کے واسطے کر کے ثواب پہونچانا درست ہے اور میت کے حق میں نافع ہے(۱) بقیہ امورِ مذکورہ سوال کی پابندی شرعاً ثابت نہیں، طریقۂ مروجہ غیر ثابت ہے جو کہ قابلِ ترک ہے، اگر پابندی اور اصرار کیا جائے تو کراہتِ شدیدہ پیدا ہو کر گناہ میں اضافہ ہوگا(۲)۔

قرآن پاک کی تلاوت اجرت پر کرنا خواہ زبان سے معاملہ طے کیا جائے، یا مشہور و معروف ہونے کی

= الميت، وقف عليه، فقال: "استغفروه لأخيكم، واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمدايه)

"ويستحب حيثه من قبل رأسه ثلاثا، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأنا ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخا بني ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمي)

"صرح علماء نافي باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت إهداءها الخ: ۲/۲۴۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵ رشيديه)

(۲) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع".

(السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

وجہ سے دل ہی میں رہے بالکل ناجائز اور معصیت ہے، اس سے میت کو ثواب نہیں پہونچے گا، بلکہ پڑھنے والے کو بھی ثواب نہیں ملتا اور جو اجرت دی جاتی ہے خواہ روپیہ کی شکل میں ہو یا شیرینی، کپڑا، غلہ، کھانا، قرآن شریف وغیرہ کی شکل میں اس کا لینا اور دینا حرام ہے:

"ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أولقراءة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذالطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بهاوجه الله تعالى". ردالمحتار(۱)۔

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، .... الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أويسبح أويهلل وكلهابدع منكرات، والمأخوذ منهاحرام للآخذ وهوغاصب بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار الخ: ۵۶/۶، ۵۷، سعيد)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه :قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، وأهدى إليّ رجل منهم قوساً، فقلت: ليس بمال وأرمي عليهافي سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إليّ قوساًمن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن، وليست بمال وأرمي عنهافي سبيل الله تعالى. قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاًمن نار، فاقبلها". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة،في كسب المعلم: ۱۲۹/۲، إمداديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبعه ميمنيه مصر)

نماز کا ثواب پہنچانا

سوال[۴۳۳۷]: نماز پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہنچانا شرعی دلائل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو براہ کرام دلیل نقل کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ثابت ہے: "الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره، اهـ". در مختار۔ "أى سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۴۳۳۸]: بعض لوگ بعد نماز جمعہ سب مصلیوں سے کہتے ہیں کہ سب مصلی حضرات سے گزارش ہے کہ دو دو رکعت میرے عزیز مرحوم کے لئے پڑھیئے گا، یا کسی اور مقصد کے لئے لوگ مع امام دو دو رکعت پڑھ کر دعاء کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا اور دوسروں سے اس کی درخواست کرنا جائز ہے، حدیث شریف اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے: قال فى الفتاوى العالمكيرية، فى الباب العاشر فى الحج عن الغير:

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام فى هذه الليلة، فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين "وقرأ فيهما فاتحة الكتاب وقل يأيها الكافرون، وقل هو الله أحد" وقال: اللهم! إنى قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور فى المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت فى قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه: أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

9

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً كان أوصوماً أوصدقةً أوغيرها". ۲/۲٦۳ (۱)۔

اسی طرح نماز کے بعد مقاصدِ حسنہ کے لئے دعاء اوراس کے أقرب إلى الإجابة ہونے کی تصریح روایات حدیث سے ثابت ہے، كما في عمل اليوم والليلة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور، ۱۹٦۸ء۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب، وقل يأيها الكافرون، وقل هو الله أحد" وقال: اللهم! إني قدو هبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره". (الدرالمختار). "أي سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها". (ردالمحتار: ۲/۵۹۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

"والأصل فيه أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة ثم يقول: أللهم إلهي .... كان حقاً على الله عزوكل أن لا يرد يديه خائبين". (رقم الحديث: ۱۳۸)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم الليلة، باب ما يقول في دبر صلوة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، ۱۳۱، مكتبة الشيخ، كراچي)

نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہنچانا

سوال[۴۳۳۹]: اگر کوئی نیک عمل کرے تو کیا اس عمل کا ثواب بغیر اس کے پہونچائے اس کے ہمسایہ کو بھی مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی درجہ میں اس کا تعاون حاصل ہے تو وہ بھی شریک ہے ورنہ شریک نہیں، لیکن اچھے پڑوسی سے نفع فی الجملہ پہونچتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱ھ۔

نابالغ بچوں کے لئے ایصال ثواب

سوال[۴۳۴۰]: مرحومین کے لئے زندوں کے ایصال ثواب سے فائدہ پہونچتا ہے، لیکن نابالغ معصوم بچوں کے لئے ایصال ثواب کا کیا فائدہ؟ جب کہ وہ معصوم اور جنتی ہیں، ایسے معصوم بچوں کی نماز جنازہ میں کہیں استغفار نہیں ہے، استغفار اور ایصال ثواب بچوں کے لئے غیر مفید ہے تو بچوں کی قبر کی زیارت سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے بچوں سے تعلق رکھنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درجات میں تو ترقی بہر حال ہوتی ہے اس لئے ایصال ثواب میں کیا اشکال ہے اس کے لئے استغفار کی حاجت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات هو البر، وترك المنكر وهو التقوى .... قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله". .... قلت: وله شاهد في الصحيح: "من دعا إلى هدىً، كان له من الأجر مثل أجور مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلک من أجورهم شيئاً. ومن دعا إلى ضلالة، كان عليه من الإثم مثل آثام مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لاينقص ذلک من آثامهم شيئاً".

(تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲): ۲/۱۰، ۱۱، مكتبه دار الفيحاء، دمشق)

(۲) "حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبى، لا لأبيه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما =

نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب کرنا

سوال[۴۴۴۱]: نابالغ اور معصوم بچوں کے انتقال پر ختم قرآن کر کے ایصال ثواب کرنا کیسا ہے، جب کہ وہ معصوم ہیں اور گناہ سے ناواقف ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لئے ان کے حق میں ایصال ثواب کی ضرورت نہیں، ہاں تحصیلِ انعامات کے لئے دعاء کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوۃ جنازہ میں کی جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

ایضاً

سوال[۴۴۴۲]: نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب کس کو ملے گا، اگر کہا جائے کہ اس کے والدین کو ثواب ملتا ہے تو دوسرے کو، یا ان نابالغوں کو میت کو ثواب پہونچانے کا حق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب صحیح قول پر نابالغ ہی کو ملتا ہے: "وتصح عباداته (أي الصبي) وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلّم ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته". أشباه: ۳۲۷(۲)۔ قال الحموي: "(قوله: وجميع حسناته) قال الأستروشني في جامع أحكام

= سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱۴۸/۱، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"وقد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲۱۵/۲، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث: أحكام الصبيان: ۲۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

الصغار: حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبى، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا"(۱)۔

اورنابالغ اپنے پڑھے ہوئے کاثواب شرعاً میت کوپہونچاسکتاہے؛لأنہ نفع محض، ثواب نابالغ اورمیت دونوں کوہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۵۲/۳/۱۷ھ۔

جواب درست ہے:عبداللطیف، سعیداحمدغفرلہ۔

صحیح:بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

میت صغیر کے لئے دعائے شفاعت پرشبہ کاجواب

سوال[۴۴۴۳]: نمازجنازہ میں جب کہ میت چھوٹی(بچہ یابچی)ہوتو:"اللهم اجعله لنا شافعاً ومشفعاً" جودعاء پڑھی جاتی ہے،آیایہ دعاء پڑھناحضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟شبہ اس لئے ہواکہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خودشافع ہیں،کوئی بچہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیسے شافع ہوسکے گا؟

الجواب حامداًومصلياً:

''ذخروفرط'' کی دعاپڑھناحدیث شریف میں مذکورہے(۲)،اذان کے بعد "آت محمداً الوسيلة" پڑھنے کاامربھی حدیث شریف میں ہے(۳)،"الوسيلة"کی ایک شرح"مقام شفاعت"بھی ہے(۴)،تعلیم

---

(۱) (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"و قد قالوا: حسنات الصبى له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: أنه كان يصلى على النفوس الذى لم يعمل خطيئةً قط، ويقول: اللهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً وذخراً". (السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الجنائز، باب السقط يغسل ويكفن ويصلى عليه إن استهل أوعرفت له حياة: ۴/۱۰، ادارۂ تاليفات اشرفيه ملتان)

(۳) "عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة! آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقام محموداً الذى وعدته، إلا حلّت له الشفاعة يوم القيامة". (جامع الترمذى، أبواب الصلوة، باب ترجمة: ۱/۵۱، سعيد)

(۴) "والوسيلة المذكورة فى الدعاء المروى عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد فقيل: هى الشفاعة =

امت کے لئے بھی دعائیں منقول ہیں، شبہ دفعہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۵ھ۔

بچوں کا ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

ہمارے یہاں میت کے ایصالِ ثواب کے واسطے بچوں سے قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، قرآن شریف ختم ہونے کے بعد استاد بچوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنا سارا ثواب ہمیں دیدو تاکہ ہم میت کو پہنچادیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بچے عدمِ بلوغ کی بنا پر ہبہ کے مستحق نہیں اور ایصالِ ثواب ہبہ ہی ہے۔تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر نابالغ بچوں کا قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ہبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو معلمین کی خدمت میں پیش کرنا ہبہ کیوں نہیں ہوا اور اس کا جواز کیسے تجویز کیا گیا۔ نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک: نفعِ محض، دوم: ضررِ محض، سوم: دائر بین النفع والضرر۔

قسم اول کے تصرفات بغیر اذنِ ولی بھی درست ہے۔قسمِ دوم اذنِ ولی سے بھی درست نہیں۔قسمِ سوم اذنِ ولی سے درست ہیں، بغیر اذن ولی کے درست نہیں(۱)۔ ہبہ قسمِ دوم میں داخل ہے۔ ہبہ کی تعریف ہے:

= يشهد له في آخر الدعاء حلت له شفاعتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب فصل الأذان واجابة المؤذن، الفصل الأول، (رقم الحديث: ٦٥٧): ٣٥٠/٢، رشيديه)

(١) "(وتصرف الصبي والمعتوه) الذي يعقل البيع والشراء (إن كان نافعاً) محضاً (كالإسلام والاتهاب، صح بلا إذن. وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض (لا، وإن أذن به وليهما. وما تردد) من العقود (بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الإذن) حتى بلغ، لوبلغ فأجاز، نفذ". (الدرالمختار).

"(قوله: كالطلاق والعتاق) ولو على مال .... وكذا الهبة والصدقة الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون، مبحث في تصرف الصبي ومن له الولاية عليه وترتيبها: ١٧٣/٦، سعيد)

"والتصرفات ثلاثة أنواع: ضار محض كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة، فلا يملكه الصبي وإن أذن له الولي. ونافع محض كقبول الهبة والصدقة، فيملكه بغير إذنه. ودائر بين النفع والضرر =

"تمليك العين بلا عوض" (۱)، جوثواب پہنچایا جاتا ہے وہ عین نہیں، نیز اعیان کا حال یہ ہے کہ وہ بصورتِ ہبہ ملکِ واہب سے خارج ہوجاتی ہے، واہب ان سے خالی رہ جاتا ہے اور یہ چیز حقِ صبی میں ضررِ محض ہے، ایصالِ ثواب میں واہب خالی نہیں رہتا، اس کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اس لئے ضررِ محض نہیں بلکہ نفعِ محض ہے:

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها، كذا في الهداية. بل في زكوة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمومنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره بشيء، اهـ. وهومذهب أهل السنة والجماعة، اهـ". كذا في ردالمحتار: ۱/۶۰۵(۲)۔

"وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات، اهـ". در مختار (۳)۔

= كالبيع والشراء والإجارة والنكاح، فيَمْلِكه بالإذن ولا يُملّكه بدونه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المأذون، الباب الثاني عشر في الصبي أوالمعتوه يأذن له أبوه الخ: ۵/۱۱۰، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"هي تمليك العين بلا عوض". (البحرالرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۳) (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت اهـ: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه =

لہٰذا عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں، سمجھدار بچے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۳۴۵]: نابالغ بچے جو قرآن کریم یا نماز یا دوسری عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب ان کو یا ان کے والدین کو ملتا ہے؟ نیز ہم لوگ کسی کے حق میں ایصالِ ثواب کی خاطر قرآن کریم پڑھاتے ہیں جس میں نابالغ بچے بھی پڑھتے ہیں۔کیا ان کے پڑھے ہوئے کا ہم لوگ وکیل بن کر ایصالِ ثواب میت کو کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ بچے جو حسنات کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق بھی وہی ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملتا ہے كذا في الدر المختار (۱)۔ بچے اگر قرآن کریم پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہونچا دیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور میت کو ثواب پہونچ جائے گا، ان کو بتا دیا جائے کہ اس طرح ثواب پہونچا دو (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

= مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قرأة القرآن للميت أوعلى القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "وقد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم" (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعيد)

"حسنات الصغير قبل أن يجري عليه القلم للصبي، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانه کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا =

بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے؟

سوال[۴۴۴۶]: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بدکام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں ثواب کے وہ مستحق ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا(۱)۔ بچوں پر گناہ نہیں، البتہ والدین تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۴ھ۔

ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لئے

سوال[۴۴۴۷]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ

= تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شئ". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۱) "تصح عباداته (أي الصبي) وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم: كذا في جميع حسناته". (الحموي شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن، كراچی)

"وقد قال: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز: ۲/۳۱۵، سعيد)

کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔ تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچانا اور غریبوں کو صدقہ دے کر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعثِ خیر ہے (۱)، لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا، یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے، المعروف کالمشروط کے تحت اس پڑھنے کی اُجرت گویا کہ لازم ہوگئی۔ علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں، ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں۔ پھر یہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں، اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۲)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أوغيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۱۹۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية للعلامة اللكنوى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جوصدقہ دیا جاتا ہے، اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں، یہاں غریب وغنی سب کو دیا جاتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱) اوراس میں عامۂ شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے(۲)۔ اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہیے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں رہتی۔ فتاویٰ بزازیہ(۳)، کبیری(۴)، شامی(۵) وغیرہ کتب فقہ میں ایصالِ ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة: ٦٠)

"إن الصدقة على الغني هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦٩٨/٦، سعيد)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت.......... هي بدعة مستقبحة ،وفي البزازية: يكره إتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالیٰ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، ۲۴۱، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

"عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني ،ص: ۲۷۹، قديمي)

(۳) "يكره اتخاذ الطعام واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في أحكام المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

(۴) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، قبيل فصل في أحكام المسجد،ص: ۶۰۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۵) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، ۲۴۱، سعيد)

نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۸]: باپ کی موت سے پہلے جب کہ وہ اپنے ہوش میں ہے، بیٹا اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتا ہے اور باپ معاف کر دیتا ہے، اس وقت کی معافی معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاء اللہ معافی ہو جائے گی، باپ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرتا رہے اور نافرمانی کی مکافات جس قدر بھی ہو کرتا رہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۹]: ایک لڑکی جو کہ غیر مسلم تھی اور میں اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بہت مائل تھی اور میرے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار تھی جس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ اور مجھ سے یاد کر کے بارہا کلمہ پڑھا، اس کو نماز بھی یاد تھی، اور اس کے گھر والے یہ نہ چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے، ان لوگوں نے اس کو بہت تنگ کیا پھر اس نے ایک دن غم سے گھبرا کر خودکشی کر لی۔ اب میں اس کے لئے ایصال ثواب قرآن خوانی کرا سکتا ہوں یا کہ نہیں؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذا ؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۶ھ۔

غیر مسلم کو ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۰]: غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهوغائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۳۸۶/۱، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةًأوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً فلن يغفر الله لهم، ذلک بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الآية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه: قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل عليه النبي صلى الله =

شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۵۱]: زید حافظ قرآن اور ایک مسجد میں امام ہے اور زید کو ایک شیعہ نے اپنے قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، زید روزمرہ صبح کو شیعہ قبروں پر ایک پارہ یا کم وبیش پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ چند مسلمانوں نے زید پر اعتراض کیا بوجہ مندرجہ بالا۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق یہودی کے لئے ایصالِ ثواب کیا اور شیعہ مذہب پر علمائے حنفیہ نے متفقہ فتویٰ کفریہ نہیں دیا، ایسی صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہیں یقیناً اس کی مذہب رکاوٹ نہیں کرتا۔ اس تنازعہ میں چند مسلمانوں نے زید کے پیچھے نماز جمعہ ادا نہیں کی، بلکہ جس مسجد میں آج تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اس مسجد میں جدید طریقہ پر جمعہ کرایا حالانکہ شہر میں اور چند مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، اس مسجد کو بھی چھوڑ کر کسی دوسری جامع مسجد میں ادا کر سکتے تھے۔

اندریں حالت دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ پر ایصالِ ثواب بصورتِ مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ نیا جمعہ کرانا جب کہ اور مسجدیں موجود تھیں کیسا ہے؟ اگر شیعہ کی قبور پر ایصالِ ثواب جائز ہے تو اس قسم کا نزاع بین المسلمین پیدا کرنے والے اشخاص کس حکم میں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے عقائد دریافت کر لئے جائیں، اگر وہ شیعہ عقیدہ کفریہ رکھتے تھے تو ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے(۱)، اس صورت میں اگر باز نہ آئے، اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص

= تعالیٰ علیه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية" فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأستغفرنّ لك ما لم أُنهَ عنك، فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين، ولو كانوا أولي قربىٰ﴾ الاية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمي)

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ (التوبة: ۱۱۳)

موجود ہوتو اس کو امام بنانا چاہئے، زید کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔اور عبداللہ بن ابی کے واقعہ سے زید کا استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعاء کی اور جنازہ کی نماز پڑھی تو ممانعت کی آیت نازل ہوئی، تفسیر مظہری میں پورا واقعہ نقل کرکے لکھا ہے:

"فصلی علیه فأنزل الله تعالیٰ ﴿لا تصل﴾ المراد بالصلوة الدعاء والاستغفار للميت، فيشتمل صلوة الجنازة أيضاً؛ لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار ﴿على أحد منهم مات أبداً﴾ تفسير مظهري، سورهٔ توبه، ص: ۷۱(۱)۔

اگر وہ شیعہ عقائدِ کفریہ نہیں رکھتے تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اس صورت میں زید کو امام بنانا جائز ہے اور جھگڑا کرنا منع ہے اور موجبِ فتنہ ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اجرت لے کر ایصالِ ثواب کرنا گناہ ہے (۲)، اس سے بھی رکنا ضروری ہے۔ اگر زید اس کو ترک نہ کرے تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے (۳)۔

---

(۱) (التفسير المظهري: ۲۷۲/۴، حافظ كتب خانه)

(۲) "قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، و لاتغلوا فيه، و لا تجفوا عنه، و لا تأكلوا به، و لا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴۴۵/۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب ، لا للميت و لا للقارى. و قال العيني في شرح الهداية : و يمنع القارىء للدنيا ، والآخذ والمعطى آثمان......... والإجارة في ذلك باطلة ، و هي بدعة لم يفعلها أحد من الخلفاء .... و من صرّح بذلك أيضاً الإمام البركويُّ قدس سره في آخر الطريقة المحمدية، فقال: الفصل الثالث في أمور مبتدعة باطلة أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة .... و منها الوصية .... باعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له، و كلها بدع منكرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ ، و هو عاصٍ بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا، اهـ. ملخصاً". (رد المحتار، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار اهـ: ۵۶/۶، ۵۷، سعيد)

(۳) "و يكره تنزيهاً إمامة عبد .... و فاسق ..... و مبتدع". (الدر المختار). "بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لما ذكرنا، قال: و لذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند =

ایک شہر میں جمعہ اگر چہ متعدد جگہ جائز ہے لیکن تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے (۱)، اس لئے زید کا علیحدہ کرنا دشوار ہو تو کسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو پڑھ لیا جائے، مستقل جمعہ قائم کرنا مصالحِ جمعہ کو فوت کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ ۱۹۶۸ء۔

شیعہ کو ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۵۲]: سنی بیوی کو شیعہ خاوند کے لئے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے؟ اور سنی کو شیعہ کے لئے عام طور سے ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

صلاح الدین شملہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اس کے عقائد کفریہ نہیں جیسا کہ بعض فرقوں کے ہیں تو دعائے مغفرت درست ہے، اس میں شوہر اور غیر سب برابر ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= مالک، و روايةً عن احمد". (ردالمحتار، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة اقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے" یعنی شہر میں کم سے کم جگہوں پر جمعہ ادا کیا جائے: "و تؤدى (أى الجمعة) فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً". (الدر المختار). "أى سواء كان المصر كبيراً أو لا .... و سواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(۲) إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي و بستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز: ۱/۳۸۶، قديمى)

"صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت =

گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۳]: ا......گاندھی جی ہندو مذہب اختیار کرتے تھے، ساتھ ساتھ قرآن کی سورۂ اخلاص اور فاتحہ اکثر پڑھتے تھے اور اپنی عبادت کی مجلس میں قرآن پڑھوا کر سنتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ تعزیت کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کی جماعت میں ان کے لئے قرآن پڑھے یا دعاء کرے تو کیا وہ مسلمان گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی ثواب بخشے نہیں بلکہ غیر مذہب والوں کے لئے ہمدردی دکھانے کے لئے قرآن پڑھے تو کیسا ہے کیا گاندھی کافر ہے؟

۲......اگر سرکاری ملازم مسلمان کو بے دین جماعت میں رہنا پڑے اور بے دین مُردہ کے لئے دعائے خیر کرتے وقت دل یا منہ سے ﴿في نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ کہے، کیا وہ گنہ گار ہوگا؟ مع دلیل جواب ارشاد فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......جس کے لئے کفر کا یقین ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز نہیں: "والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". درمختار(۱)۔ گاندھی کے متعلق ہمیں معلوم

= و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

لیکن اگر شیعہ کے عقائد کفریہ ہوں جیسا دورِ حاضر کے شیعہ تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے، کما تقدم تخریجه تحت عنوان: ''شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب''۔

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أولا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الاية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما حضرت أباطالب الوفاةُ، دخل =

9

نہیں کہ کب اسلام قبول کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنا بھی جب ہی مفید ہے کہ پڑھنے والا مسلم ہو ورنہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں خواہ پڑھنے کی نیت کچھ ہی ہو۔ البتہ اگر کوئی مسلم قرآن کریم پڑھ کر اس کا مطلب غیر مسلم کو سمجھائے یا وعظ کہے تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ بعض غیر مسلم بھی نرم طبیعت اور دوسروں کے ہمدرد ہوتے ہیں، وہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے بلکہ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیف اٹھاتے ہیں، مسلم کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور بلا وجہ تکلیف پہونچانا تو کسی کو بھی جائز نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نہایت اعلیٰ اخلاق کا خزانہ موجود ہے اس لئے سمجھدار غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے اکثر اچھی باتیں حاصل کر لیتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۲......اس نفاق کی کیا ضرورت ہے کہ زبان سے دعاء کرے اور دل میں بددعاء بلکہ جس کے مرنے پر ضرورت سمجھے، مشروع تعزیت کردے: "جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب، ينبغي أن يعزيه ويقول: أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك، وكان معناه: أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام و رزقك ولداً مسلماً، كفاية، اهـ". شامی: ۵/۲۴۸ مطبوعه جدید(۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

= عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاجّ لك بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأستغفرنّ لك ما لم أنهَ عنك". فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ر لو كانوا أولي قربى﴾ الاية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمي)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۸، سعيد)

"وإذا مات الكافر، قال لوالده أو قريبه في تعزيته: أخلف الله عليك خيراً منه، وأسلمك: أي أصلحك بالإسلام، و رزقك ولداً مسلماً؛ لأن الخيرية به تظهر، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/۳۷۴، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ربیع الأول/ ۶۷ھ۔

اسلام نے جو تعزیت کا طریقہ غیر مسلموں کے لئے بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، گاندھی جی نے نہ صرف مسلمانوں کی خیر خواہی پر جان دی ہے بلکہ سارے ہندوستان کو امن واتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ اس مشن پر قربان ہوگئے، اس لئے ہر شخص ان کے دردناک قتل پر رنجیدہ ہے، مگر ان کو مسلمان اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، تعزیت اور یادگار منانے میں فرقہ وارانہ طریقوں پر عمل کرنا خود گاندھی جی کے مشن کے خلاف ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط۔

سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

تعزیتی جلسہ کا حکم

سوال [۴۳۵۴]: کسی لیڈر یا مذہبی پیشوا کے انتقال پر محض تعزیتی جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی لیڈر یا پیشوا کے انتقال پر ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، ختم قرآن اور تعزیتی جلسہ دونوں چیز ایک ہی مجلس میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگوں کو جمع کرنے کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں: بعض جگہ اخبار، بعض جگہ صدر مقام یا مسجد وغیرہ میں اعلان کردیا جاتا ہے۔ نیز ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ پیش کرتے ہوئے سلفِ صالحین کا عمل بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی مسلم کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں خود جاکر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے(۱)۔

---

(۱) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أنه مات ابن له، فكتب إليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعزيه بابنه، فكتب إليه: "بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل. سلام عليك! فإني أحمد إليك الله الذي لاإله إلاهو، أما بعد: فأعظم الله لك الأجر، وألهمك الصبر، ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلنا من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة، متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كبير الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولايحبط جزعك أجرك فتندم، واعلم أن الجزع لايرد ميتاً ولايدفع حزناً، وماهونازل فكأن قد، والسلام". =

جس کے انتقال سے بہت لوگوں کو صدمہ ہو، یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہو تو اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کر کے تعزیت کر دیجائے، اس میں بڑی جماعت سفر کی زحمت سے بچ جاتی ہے اور میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہیں پڑتا اور مجمعِ عظیم کی متفقہ دعاء بھی زیادہ مستحق قبول ہے، بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ لیکن بہت جگہ اس نے محض رسم کی صورت اختیار کر لی ہے کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اخبار میں نام آ جائے اور ہماری شہرت ہو جائے، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہو تو پھر اس کو ترک کرنا چاہئے (۱)۔

میت کے لئے ایصالِ ثواب ثابت ہے، قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بھی درست ہے، انفراداً پڑھنا بھی درست ہے، جو نیک کام بھی اللہ کے لئے کیا جائے اور یہ دعاء کر لی جائے کہ: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیں، تو بس اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سلفِ صالحین سے نماز، تلاوت، صدقہ حج وغیرہ کا ثواب

= رواه الطبراني في الكبير والأوسط". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب التعزية: ۳/۳، دار الفكر، بيروت)

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً، ص: ۱۱۵، قديمي)

"ولا بأس ...... بتعزية أهله وترغيبهم في الصبر، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بتعزية أهله): أي تصبيرهم والدعاء لهم به .... والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفر لميتك". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۹، ۲۴۰، سعيد)

"التعزية لصاحب المصيبة حسن .... ويستحب أن يعم بالتعزية جميع أقارب الميت الكبار والصغار والرجال والنساء، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، ومما يتصل بذلك مسائل: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۲۰۸، سهيل اكيدمي، لاهور)

پہنچانا ثابت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کے لئے جلسۂ تعزیت

سوال[۴۳۵۵]: آج کل یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی دینی ادارہ یا کسی مسلم جماعت کا کوئی رکن انتقال کر جاتا ہے تو جب اس ادارہ یا جماعت کا جلسہ ہوتا ہے جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا ہے، تو اس کے لئے تعزیت کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے جبکہ جلسہ تین دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لئے شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تعزیت شرعی تعزیت نہیں، بلکہ ادارہ یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق ہے اور اظہار ہمدردی کے لئے اس سے بھی تقویت پہنچتی ہے اور میت کے اعزہ کے لئے صبر وتسلی بھی فی الجملہ اس سے ہوجاتی ہے، اس لئے شرعاً گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دیوبند۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب ماجاء في قراءة القرآن للميت أو على القبر، (رقم الحديث: ۷)، ص: ۳۰۴، دار المعرفة)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(قوله: وبتعزية أهله): أي تصبيرهم، والدعاء لهم به، قال في القاموس: العزاء الصبر أو حسنه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، قبيل مطلب في الثواب على المصيبة: ۲/۲۳۹، سعيد)

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال[۴۳۵۶]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہونچ کر کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)، اس میں شریک نہ ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وعرّفها الشمني بأنها (البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله، الخ: ۱/۱۲، قديمي)

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

قبر پر تلاوت

سوال[۴۳۵۷]: قرآن قبر پر پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ درمختار جلد دوم میں مکروہ لکھا ہے اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر پر تلاوتِ قرآن نہ کرنا چاہیئے، اس وجہ سے کہ جب آیاتِ عذاب کی وہاں پڑھی جاتی ہے تو مردے پر تکرار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے، اس لئے قبروں پر صرف آیاتِ رحمت پڑھنی چاہیئے اور پورا قرآن نہ پڑھے، آیتِ رحمت جیسے: سورۂ یٰسین، مزمل، ألهاكم التكاثر، معوذتین، إخلاص، الحمد، درود وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا اور ایصالِ ثواب کرنا بلا التزامِ مالا یلزم درست ہے(۱)۔

---

(۱) أن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! -صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز". ۱/۳۸۶،قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان بأن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أوغيرها ....الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲۴۳،سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أو قراء ة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب =

درمختار کا حوالہ جوآپ نے دیا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا، ذرا تفصیل سے باب، فصل یا صفحہ کا حوالہ دے کر تحریر کیجئے تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔ مالکیہ کے نزدیک قبر پر قرآن شریف کی تلاوت کرنا مکروہ ہے اور بعض اوقات زیادتی عذاب کا سبب ہے، المدخل: ۲۶۲/۱ (۱)۔ سورۂ یٰسین، سورۂ مزمل، تکاثر میں بھی عذاب کا ذکر ہے، یہ تفصیل کن کتب میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟

سوال [۴۳۵۸]: قبر پر تلاوت بلند آواز سے پڑھنی چاہیئے یا آہستہ سے؟ اور بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے قرآن خوانی بلند آواز سے ہوتی ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں طرح درست ہے بشرطیکہ کوئی عارض نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

= الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن، كراچي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲، دار المعرفة)

(۱) وكذالك القراء الذين يقرأون القرآن بالترجيع والزيادة والنقصان في كتاب الله عزوجل ورفع الاصوات

(۲) "يجب على القارى احترامه بأن لايقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۵۴۶/۱، سعيد) .... =

قبر یا بیمار کے پاس تلاوت

سوال[۴۳۵۹]: ایک شخص بیمار کے پاس یا قبر کے پاس قرآن شریف پڑھتا ہے، پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لیتا، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پیسے لیتا ہے تو کس کس موقعہ اور کون کون سی صورت میں جائز ہے اور کون سی صورت میں ناجائز؟ کھلم کھلا ایسا جواب لکھیں کہ ہر شخص سمجھ لے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا پیسے بیمار کے پاس یا قبر کے پاس بہنیتِ ثواب تلاوت کرنا شرعاً درست ہے (۱) اور اجرت لے کر

= "رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن ولا يمكن للكاتب الاستماع، فالإثم على القارى لقرأته جهراً فى موضع اشتغال الناس بأعمالهم ولاشئ على الكاتب". (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيمايكره من القرآن فى الصلاة ومالايكره الخ، ص: ۴۹۷، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۱) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور فى أحوال الموتى والقبور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب فى قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دارالمعرفة، بيروت)

"إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أمي توفيت وأناغائب عنها، أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإنى أشهدك أن حائطى المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضى وبستانى صدقة لله عن أمى فهو جائز".: ۱/۳۸۶، قديمى)

"صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه) .... =

تلاوت کرنا حرام ہے، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں اور ثواب حاصل نہیں ہوتا(۱)، خواہ پہلے سے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ رواج کی بناء پر ذہن میں ہو کہ فلاں جگہ سے اجرت ملے گی، بعض جگہ یہ طریقہ رائج ہے اور لوگوں نے قرآن شریف کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم تو خدا کے واسطے پڑھتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو علم ہو جائے کہ ہم کو کچھ نہ ملے گا تو وہ ہرگز نہ پڑھیں، اسی لئے اگر کسی جگہ سے کم ملے تو شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بخیل ہے، غریب کے یہاں جانے میں حیلہ بہانہ کرتے ہیں اور مالدار کے یہاں دوڑ کر جاتے ہیں۔

اگر کسی جگہ رواج نہ ہو اور پڑھنے والا اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہ ملے گا اور نہ ملنے پر اس کا قلب مکدر نہیں ہوتا، محض خدا کے واسطے پڑھتا ہے اور پھر اس کو دیدیا جائے تو اس میں گنجائش ہے، لیکن آج کل ایسا آدمی ملنا متعذر ہے، خاص کر ان اطراف میں جن میں اس کا رواج ہے، والشاذ کالمعدوم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/۱۲/۵۹ھ۔

قبرستان میں تلاوت دیکھ کر

سوال[۴۳۶۰]: قبرستان یا صرف ایک قبر پر دیکھ کر تلاوتِ کلامِ پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "وقال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن ولاتغلوا فيه، ولاتجفوا عنه، ولاتأكلوا به، ولاتستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب، لا للميت ولا للقاری .... ويمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة، لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاری ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر"؟ (ردالمحتار، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)، لیکن اگر قبرستان میں کوئی جگہ مخصوص نماز پڑھنے، تلاوت کرنے کے لئے ہو تو وہاں بیٹھ کر دیکھ کر تلاوت کریں، تاکہ قرآن پاک کا ادب پورا ملحوظ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال[۴۳۲۱]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت کے لئے نافع ہے(۲)، لیکن اُجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے، اس سے ثواب نہیں پہونچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد خامس،

(۱) "قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لاتكره، ومشايخنا رحمهم الله تعالىٰ أخذوا بقوله". (الفتاوىٰ العالمكرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس: ۱۶۶/۱، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، فى قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذافى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، رشيديه)

کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے(۱)۔قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملاعلی القاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"ثم قراءة القرآن وإهداءها له تطوعاً بغير أجرة يصل، وأما لو أوصىٰ بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرء القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة، كذا في الاختيار. وهذا مبني على عدم جواز الاستيجار على الطاعات .... ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد في رواية: لا يكره لما روى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها"(۲)۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

طحاوی نے امام محمد کے قول کو مختار لکھا ہے:"وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره (لأن أهلها جيفة) ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد تستحب لِوُرود الآثار، وهوالمذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان، اهـ". طحطاوی:۳٦۳(۳).

---

(۱) "إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري .... ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥٦، سعيد)

"قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ١٥١٠٣): ٤٤٥/٤، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، ص: ١٣١، قديمي)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ٦٢١، قديمي)

"ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحوالآس على القبور: ٢/٢٤٦، سعيد)

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

ایضاً

سوال[۴۳۶۲]: مزارات پر جانا اور وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ کر صاحبِ قبر کو بخشنا اور اس ارادے سے قبر پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، كذا في الدر المختار(۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لیجائے، بلکہ حفظ پڑھے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية شرح شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وأما السبب الذي لأجله لم يظهر ذلك في السلف، فهو أنهم لم يكن لهم أوقاف على من يقرأ ويهدي إلى الموتى، ولا كانوا يعرفون ذلك ألبتة، ولا كانوا يقصدون القبر للقراءة عنده كما يفعله الناس اليوم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "لا يكره الدفن ليلاً ولا إجلاس القارئين عند القبر". (الدر المختار). "(قوله: ولا إجلاس القارئين =

قبر پر فاتحہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہو؟

سوال[۴۳۶۳]: قبر پر فاتحہ پڑھنا کھڑے ہو کر چاہئے یا بیٹھ کر یا دونوں طرح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے:'' قال في الفتح: والسنة زيارتها قائماً والدعاء عنده قائماً ''. شامی (۱)، اگر کسی کو زیادہ دیر تک ٹھہرنا ہو، یا کھڑے ہونے میں تکان ہو تو بیٹھنا بھی درست ہے۔ اگر زندگی میں

= عند القبر) ......ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ''. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، سعيد)

''عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات''. (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، في قراءة القرآن للميت الخ، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

''وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره؛ لأن أهلها جيفة، ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: تستحب لوُرود الآثار، وهو المذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، الدعاء للميت، ص: ۱۳۱، قديمي)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

''عن محمد بن قيس .... أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني و عن أمي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عني و عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات''. الحديث. ''(قوله: جاء البقيع فأطال القيام) وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور''. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي) .... =

بے تکلفی کے تعلقات تھے تو دونوں طرح ٹھیک ہے: "ينبغي أن يدنو من القبر قائماً و قاعداً بحسب ما كان يصنع لزواره في حياته". طحاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

قبر کے سامنے قرآن شریف پڑھنا

سوال[۴۳۶۴]: ۱.....مقبرہ میں کسی خاص قبر کو سامنے لے کر قرآن شریف ناظرہ پڑھنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتاب وصفحہ تحریر فرمایئے۔

قبر کے سامنے مناجات

سوال[۴۳۶۵]: ۲.....دفن کے بعد اسی وقت قبر پر پڑھتے ہیں اور قبر سامنے رکھ کر مناجات کرتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱.....فی نفسہ تلاوتِ قرآن شریف کسی قبر کے پاس اُنسِ میت یا ایصالِ ثواب کے لئے راجح قول کے موافق ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے: "ثم القراءة عند القبور مكروه عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله تعالىٰ في رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن الحسن وأحمد رحمهما الله تعالىٰ في رواية: لايكره لماروى عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، اه". شرح فقه أكبر، ص: ۱۶۰(۲)۔

"قراءة القران في المقابر إذا أخفىٰ ولم يجهر لاتكره، ولا بأس بها، إنما يكره قراءة القران في المقبرة جهراً، أما المخافة فلا بأس بها وإن ختم . وكان الصدر أبو إسحق الحافظ

= "والدعا عندها قائماً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل في الدفن، قبيل باب الشهيد: ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور: ۳۵۰/۵، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

" ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً أو قريباً بحسب مرتبته في حال حياته".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲۴۲/۲، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۳۱، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، قديمي)

يحكي عن أستاذه أبي بكر محمد بن إبراهيمؒ : لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك، سواء أخفى أو جهر، وأما غيرها فإنه لايقرأ في المقابر، ولم يفرق بين الجهر والخفية. وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوىٰ بذلك أن يؤنسه صوت القرآن، فإنه يقرأ، وإن لم يقصد ذلك فالله تعالىٰ يسمع قراء ة القرآن حيث كانت، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. ولومات رجلٌ وأجلس وارثُه على قبره من يقرأ، الأصحُّ أنه لايكره، وهو قول محمدؒ، كذا في المضمرات". فتاویٰ عالمگیری، مصری: ۵/ ۳٦۰(۱)۔

نفسِ قرأت میں اختلاف، جہراً اور خفیۃً میں اختلاف ہے، تعیینِ قرأت میں اختلاف، غرض! قرأت میں اختلاف ہے، ناظرہ اور حفظ کی کوئی تفصیل نہیں۔ بعض جگہ اس کا ایسا رواج اور اہتمام ہے کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ ناجائز ہے اور تارک پر ملامت کی جاتی ہے، یہ سخت ممنوع ہے:"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصص من غير خصوص مكروهاً، كما صرح به على القاري في شرح المشكوة، اه". سباحة الفكر، ص: ٤٠(۲)۔

احتیاط یہ ہے کہ وہاں اس طرح تلاوت نہ کی جائے، بلکہ اپنے مکان یا مسجد میں تلاوت کرکے ثواب پہنچادیا جائے:"الأمر إذا دار بين الكراهة والإباحة، ينبغي الإفتاء بالمنع؛ لأن دفع مضرة أولى من جلب منفعة، فكيف لايكون أولىٰ من فعل أمر باح، وقد مرّ أن الإصرار على المندوب، يبلغه إلى حد الكراهة، اه". سعايه، ص: ٦٥(۳)۔ البتہ زیارتِ قبور میں اکیلے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲......میت کیلئے دعاء کرنا درست ہے(۴)، دعاء ایسی طرح نہ کی جائے جس سے دیکھنے والے کو شبہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيادة القبور وقراءة القرآن عند المقابر: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(۲) (سباحة الفكر في الجهر بالذكر من مجموعة رسائل اللكنوی: ۳/۳۴، إدارة القرآن، كراچی)
(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب التشهد في الصلوة، (رقم الحديث: ۹۴٦): ۳/۳۱، رشيديه)

(۳) (السعاية شرح شرح الوقاية، باب شروط الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲٦۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتهامن =

ہو کہ قبر سے کچھ مانگ رہے ہیں پڑھنے کا حکم نمبر: ۱ پر آ گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

قبر پر مراقبہ

سوال [۴۳۶۶]: قبرستان میں کسی مخصوص قبر پر مراقبہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتابوں میں کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا موجود ہے، اس کا طریقہ تفصیل سے موجود ہے، بوادر النوادر ص: ۸۸ میں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= رسول الله صلى الله عليه وسلم، يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، أللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد".

"(قوله: وإنا إنشاء الله بكم الخ) .... وفي هذاالحديث دليل استحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

"ومن آدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم" ....، ثم يدعو قائماً، وإن جلس يجلس بعيداً أو قريباً بحسب مرتبته في حال حياته الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب صلاة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "اول کچھ پڑھ کر بخشے، پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی ہے اور اس سے =

9

قبر سے استفادہ کی صورت

سوال[۴۳۶۷]: اہل اللہ کی قبر سے استفادہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے، اوران کے مزار پر حسنِ اتفاق سے اگر جانا کبھی ہوگیا تو کیا کرنا چاہیے تا کہ ان کے فیضانِ روحانی سے طالب مستفیض ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول کچھ پڑھ کر بخشے، آنکھیں بند کر کے، تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی اوراس سے احوال خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

=احوالِ خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں''۔(بوادر النوادر، غریبہ:۵۷، دراستفاضہ از اموات، ص: ۸۵، ادارہ اسلامیات، لاہور)

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرهما

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

سوم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟

سوال[۴۳۶۸]: آج کل کے طریقہ کے مطابق کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت امام حسن حسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کا سوم، دسواں، بیسواں، چہلم کیا ہے؟ ان مقدس صاحبان کے چہلم بھی کیے گئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اسلافِ کرام واکابرِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضیھم اللہ تعالیٰ سے یہ بدعاتِ قبیحہ ثابت نہیں، وہ حضرات حد درجہ متبعِ سنت تھے، بدعات کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کا بہت قابلِ قدر سرمایۂ حیات ہے، اخلاف کو ان کا اتباع لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوم، چہلم وغیرہ

سوال[۴۳۶۹]: میت کے وارث میت کے نام پر چوتھے روز و دسواں و بیسواں و پندرھواں اور مولوی صاحبان وطلبہ کو کھانا کھلانا ان ایامِ مقررہ میں ایصالِ ثواب کے لئے شرع سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا کوئی دن شریعت کی جانب سے مقرر ہے تاکہ ایصالِ ثواب کریں؟

---

(۱) راجع، ص: ۲۷۱، رقم الحاشیۃ: ۱، ۲، ۳)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایصالِ ثواب بہت اچھی چیز ہے، خواہ نماز، قرآن شریف، تسبیح وغیرہ پڑھ کر ہو یا غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ کچھ دیکر ہو(۱)، لیکن تیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بلکہ ایصالِ ثواب جس قدر جلد ممکن ہو بہتر اور نافع ہے اور یہ دسواں وغیرہ جو کچھ ہے محض رسم اور بدعت ہے(۲) جو کہ واجب الترک ہے، اگر ورثاء نابالغ ہوں تو میت کے ترکہ میں سے بغیر وصیت بلا تقسیم دینا درست نہیں، تقسیم کے بعد بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ میں سے دینا ناجائز ہے اور اگر میت نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی میں وہ نافذ ہوسکتی ہے، زیادہ میں نافذ کرنے کے لئے جمیع ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس کے حصہ میں سے بعد اجازت بھی نافذ کرنا درست نہیں، ایک تہائی میں نافذ کرنے کے لئے بلوغ یا اجازت کی قید نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغير عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوما أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من انواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قال الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح كتاب الصلوة، باب احكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(والبحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(والهداية، باب الحج من الغير، ۲۹۶/۱، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ...... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعياد". (البزازية على هامش الهندية، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، سعيد)

(۳) "وتجوز (أي الوصية) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث لا الزيادة عليه ...... ولا لوارثه .... إلا باجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء فلم تجز إجازة صغير ومجنون". =

ایضاً

سوال[۴۳۷۰]: آج کل کے رائج طریقے سے سوئم، دسواں بیسواں، چہلم کرنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ ان کو نہ کرنے والے کو کیا کیا شرعی سزائیں اور آخرت کے عذاب کی وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ چیزیں ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے ان کے بدعتِ ممنوعہ ہونے کی تصریح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ(۱)، ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہے، اسلئے ان چیزوں کو ترک کیا جائے، فی نفسہ ایصال ثواب ہر نیک کام کا ہروقت درست اور مفید ہے، اپنی طرف سے تخصیصات وتقییدات نہ کی جائیں:

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اهـ وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايدون بها وجه الله تعالىٰ، الخ". شامی: ۱/۶۰۳(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گیارہویں وغیرہ

سوال[۴۳۷۱]: زید گیارہویں کرتا ہے اور اس میں امیروں کو یعنی صاحبِ زکوٰۃ کو اور اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا اور اس کا ثواب حضرت پیران پیر عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

= (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰-۶۵۵،۶۵۶، سعيد)

(۱) (البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲)(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ۲/۲۴۰، سعيد)

تعالیٰ کی روح کو پہنچے گا۔ عمر کہتا ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ایسا مال کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور گناہ ہے، کیونکہ گیارہویں ہی کرنا حرام ہے، قرآن مجید میں صاف ہے کہ وہ چیز جو پکاری جائے غیر کے لئے حرام ہے۔

بکر کہتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا صاحب زکوٰۃ کو یعنی امیروں کو بلا کراہت جائز ہے، البتہ امراء کے کھانے سے اہلِ میت کو اور اس شخص کو جس کو ایصالِ ثواب کرنا ہے نہ پہونچے گا، باقی گیارہویں یا دیگر خیرات ونیاز امیر غریب سب کھاسکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں، اور دلیل میں پیش کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں کھودنے کو فرمایا (۱) تو کنویں میں سب غریب امیر پانی پیتے تھے اور اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کو ملتا ہے۔ عمر کہتا ہے کہ یہ حدیث اول تو کمزور ہے اس کی اسناد قوی نہیں ہے (۲)۔ پھر وہ وقف تھا، وقف اور خیرات میں بڑا فرق ہے، خیرات ونیاز محض غریبوں کا حق ہے۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ گیارہویں کرنا اور اس کے لئے پیسہ جدا نکال کر رکھنا کیسا ہے؟ اور امیروں کو کھانا حرام ہے یا ثواب ہے اور ہر وہ شخص جو غریب ہے اور مزدوری کرتا ہے اسی نذر معین کو کھاسکتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم، بحوالۂ کتب مفصل جواب ارقام فرمائیں۔

بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ ایصالِ ثواب بغیر التزامِ تاریخ وہیئتِ غیر ثابتہ کے شرعاً درست اور فائدہ مند ہے (۳)، لیکن گیارہویں مروجہ بدعت اور ناجائز ہے (۴)۔ کسی بزرگ کے لئے نذر ماننا حرام اور شرک ہے (۵)، وہ کھانا جائز

---

(۱) "عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه قال: يا رسول الله! إن أم سعد ماتت، فأيّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء". فحفر بئراً وقال: هذه لأم سعد". رواه أبو داؤد والنسائي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الزكوٰة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹، قديمي)

(۲) أبو داؤد اور نسائی دونوں نے اس کو نقل کیا ہے، لہذا سند اس کی کمزور نہیں، بلکہ صحیح ہے۔

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۴) (تقدم تخريجه من الفتاوى البزازية تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۵) (راجع، ص: ۲۷۳، رقم الحاشية: ۴)

نہیں، البتہ خداوند تعالیٰ کے لئے نذر ماننا اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا درست ہے(۱)، اور یہ کھانا فقراء اور محتاجوں کا حق ہے، کسی مالدار کو کھانا جائز نہیں (۲)۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں سے استدلال صحیح نہیں وہ بطور نذر نہیں تھا بلکہ وہ عام مؤمنین امیر وغریب سب کے لئے وقف تھا (۳)۔

"أعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم فهو باطل وحرام. قال فی البحر: بوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا یجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتکون لمخلوق. ومنها أن المنذور له میت، والمیت لا یملك. ومنها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالیٰ کفر. أللهم! إلا أن یقول: یا الله! نذرت لك إن شفیت مریضی أورددت غائبتی .... أوزیتاً لوقودها أو دراهم لمن یقوم شعائرها إلی غیر ذلك مما یکون فیه نفع للفقراء، والنذر للّٰه عزوجل۔

وذکر الشیخ: إنما هو بیان لمحل صرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطه أو مسجده، فیجوز بهذا الاعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد، ولا یجوز أن یصرف ذلك إلی غنی محتاج إلیه ولا لشریف منصب؛ لأنه لا یحل له الأخذ مالم یکن محتاجاً فقیراً، ولا لذی نسب لأجل نسبه مالم یکن فقیراً، ولا لذی علم لأجل علمه مالم یکن فقیراً. ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للأغنیاء للإجماع علی حرمة النذر للمخلوق، ولا ینعقد، ولا تشتغل به الذمة؛ لأنه حرام بل سحت". طحطاوی، ص: ۳۷۸، ۳۷۹(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۶۴ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۲) "الوصیة المطلقة لا تحل للغنی؛ لأنها صدقة، وهی علی الغنی حرام". (الدرالمختار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیره: ۶/ ۶۹۸، سعید)

(۳) "فی النهر عن المحیط: لو وقف علی الأغنیاء وَحْدَهم، لم یجز؛ لأنه لیس بقربة، أما لو جعل آخره للفقرآء، فإنه یکون قربة فی الجملة". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۳۸، سعید)

(۴) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد، قبیل باب=

تیجہ دسواں کا کھانا

سوال[۴۳۷۲] : تیجا، دسواں، بیسواں، چالیسواں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)، البتہ جو شخص فقیر محتاج ہو اس کو کھانے کو نہ ملتا ہو اس کے لئے جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

صحیح :عبد اللطیف، مظاہر علوم، الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

تیجہ مسجد پر یا مکان پر؟

سوال[۴۳۷۳] : تیجہ جس میں چنے پر کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی اور پھولوں کا عرق گلاب میں ڈبونا اندرونِ مسجد، یہ فعل کیسا ہے؟ کیونکہ مولانا عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب آداب الصالحین میں لکھا ہے کہ سیپارۂ قرآن کو مسجد میں پڑھنا اور قرآن خوانی مسجد میں مکروہ ہے۔ یا چنے و پھول ڈبونا اور غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکانوں میں صرف قرآن خوانی کرائے، بلا پابندی رسم ورواج، تو کیسا ہے؟

= الاعتکاف: ۱/ ۴۷۱-۴۷۲، دار المعرفة، بیروت)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور .... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد". (الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/ ۸۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم، فإن الله غفور رحيم﴾ (المائدة:۳)

قال العلامة الآلوسي: "﴿فمن اضطر﴾ .... والاضطرار الوقوع في الضرورة: أي فمن وقع في ضرورة تناول شئ من هذه المحرمات، ﴿في مخمصة﴾: أي مجاعة تخمص لها البطون ...... ﴿فإن الله غفور رحيم﴾ لا يؤاخذه بأكله". (روح المعاني: ۶/ ۲۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا بلا التزامِ تاریخ وہیئت وغیرہ کے مسجد میں اور مکان میں درست اور ثواب (۱) تیجہ مروجہ وغیرہ بدعت ہے (۲)۔ غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا تا کہ لوگ تعزیت کریں، مکروہ ہے، ردالمحتار: ۱/۹٤١ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/۶۱ھ۔

دفنِ میت سے پہلے کھانا

سوال [۴۳۷۴]: اگر کسی گاؤں میں میت ہوجائے تو جب تک اس کو دفنا نہ دیں تو ان گاؤں والوں پر کھانا پانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۶ھ۔

میت کے گھر کھانا

سوال [۴۳۷۵]: ہمارے علاقہ میں کوئی ضعیف العمر مرد یا عورت مرجائے تو اسی روز یعنی وفات کے دن مرنے والے کے وارث کا کھانا یعنی چاول پکا کر گھی اور شکر کے ساتھ جتنے لوگ بھی نمازِ جنازہ میں امیر

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۲) (المرجع السابق: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۳) "وبالجلوس لها (أى للتعزية) في غير مسجد ثلاثة أيام". (الدر المختار). "أما فيه فيكره ...... قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتى إذا فرغوا، قام وليُّ الميت وعزاة الناس كما يفعل في زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصوداً للتعزية لا للقراءة." (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۱، سعيد)

وغریب شریک ہوں سب کو کھلاتے ہیں، بعض لوگوں کو تو سب کچھ مہیا ہوتا ہے اور بعض کو کافی قرض اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مرنے والے کے وارث غریب ہوں اور اس رسم کو ادا نہ کریں تو خوب لعن طعن کیا جاتا ہے، اس لئے امیر وغریب کو یہ رسم مجبوراً کرنی پڑتی ہے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمادیں کہ فقہائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے مکان میں کوئی میت ہوجائے وہ لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں، کھانا پکانے کی ان کو مہلت نہیں ملتی، اس لئے ان کے واسطے دوسرے لوگ کھانا پکا کر بھیج دیں، اہل میت میں سے جو شخص نہ کھلائے اس پر لعنت کرنا حرام ہے، ورثہ میں اگر نابالغ ہوں تو ان کا مال کھانا بھی حرام:

"قال في الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم ما يشغلهم". حسّنه الترمذي. ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. وروى الإمام أحمد و ابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة، اهـ". وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار .... وما كان كذلك فلا شك في حرمته، اهـ". الدر المختار: ١/٦٠٣، نعمانيه (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۱۷ھ۔

---

(١) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ٢/٢٤٠، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ٤/٨١، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب صلوة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ٢/١٤٢، مصطفى البابي الحلبي مصر)

میت کے گھر کھانا

سوال[۴۳۷۶]: تعزیت کرنے والا اہل میت کے یہاں کھانا کھاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ علماء نے مدلل لکھدیا ہے کہ اہلِ میت کے یہاں کھانا نہ کھائے، تین روز تک کے لئے اہل میت کے یہاں کچھ نہ کھانے کے متعلق اوردسویں چالیسویں کے بارے میں تو تحقیق ہے، مگر عرض یہ ہے کہ بغیر کسی مقررہ ومعینہ وقت کے تعزیت کے لئے اہلِ میت کے یہاں چلے جائیں تو اہلِ میت تعزیت کنندگان کے لئے جو کھانا تیار کریں اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

''طعامِ اہلِ میت'' وہ ہیں، جو رواجاً اہلِ میت کے ذمہ تیجہ، دہم، چہلم وغیرہ کے طور پر لازم کردیا جائے (۱)۔ اہل میت کو میت کی تجہیز وتکفین اور غم وحزن کی وجہ سے پکانے کی فراغت نہیں ہوتی، تو ایک دن، دو وقت کا کھانا قرابت دار لوگ ان کے پاس بھیج دیں، اگر اہل میت خود پکائیں تب بھی منع نہیں۔ جو شخص بطور مہمان تعزیت کے لئے آیا ہے، اہل میت اس کو اپنے ساتھ کھلائیں گے وہ منع نہیں، یہ خیال کہ تین روز تک اہل میت کے گھر کوئی چیز نہ کھائی جائے اغلاط العوام میں سے ہے۔ فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاول/ ۹۰ھ۔

انتقالِ میت پر کھانا دینا

سوال[۴۳۷۷]: اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو رسم ہے کہ اس کی خوراک کا کھانا مسجد میں پہونچاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مرنے کے بعد اس کی خوراک کا سوال ختم ہوگیا، جو کچھ اس نے چھوڑا ہے، ترکہ ہے جو کہ ورثاء کا حق ہے، بالغ ورثاء حسبِ توفیق جو کچھ مشروع طریقہ پر ثواب پہونچائیں تو مفید اور نافع ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه في مواضع عديدة)

(۲) "الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو =

طعام المیت

سوال [۴۳۷۸]: تعینِ دن یا بلا تعین کے رشتہ داروں وعام لوگوں کا کھانا مردہ کے لئے ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، اگر کسی کو کھانا نہ کھلایا جائے تو وہ بُرا مانتا ہے، مگر ایک عالم صاحب کے قول کے مطابق یہ کھانا فقط غرباء کے لئے ہے اگر وسعت ہے، امیر کو کھلانے سے ثواب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ یوں ثواب کی نیت کے بجائے مُردہ پر جو فرائض رہ گئے ہیں ان میں سے حتی الوسع کسی کی نیت کر کے فقط غرباء کو غلہ، یا پکا ہوا کھانا کھلایا جائے، یا پیسے دیئے جائیں، تاکہ مروجہ رخ بدل کر ایک صحیح نیک عمل ہو اور فرض کی ادائیگی ہو سکے، اس میں مردہ کا زیادہ فائدہ ہے۔ کیا دلائلِ اربعہ میں سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟ تو براہ کرم پیش فرمایا جائے۔ نیز عام لوگوں کے نام پر نیت کیا ہوا کھانا اپنے لئے ناجائز سمجھتے ہیں۔ کیا کسی درجہ میں کراہت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے اگر کچھ صدقہ دیا جائے تو وہ غرباء کو دیا جائے، رشتہ داروں کو تقریب کی صورت میں جمع کرنا اور کھلانا غلط طریقہ ہے، یہ صورت خیر القرون سے ثابت نہیں، عامۃً یہ ناموری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے ایسے کھانے کو حدیث شریف میں منع فرمایا گیا ہے:

"عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن طعام المتبارئين أن يوكل". رواه أبو داؤد". مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۷۹ (۱)۔ "إنما كره لما فيه من المباهات، اه". مرقاۃ (۲)۔ "يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه

= طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

"ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب زيارة القبور، ص: ۲۲۲، قديمي)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، قديمي)

(سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب في طعام المتبارين: ۲/۵۲۷، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۲) (المرقاة شرح المشكوٰة، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني: ۶/۳۷۶، رشيديه)

شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. رواه الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت وضنعهم الطعام من النياحة، اهـ"......... وهذه الأفعال كلها السمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى، اهـ". شامی: ۱/۶۰۳(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توشۂ میت

سوال[۴۳۷۹]: ہر جمعرات کو فاتحہ خوانی کرنا کہ اس سے روحیں خوش ہوتی ہیں، اسی طرح میت کے ساتھ توشہ یعنی دفن کرنے سے پہلے گندم، نمک، صابن وغیرہ تقسیم کرنا عندالشرع ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ ایصالِ ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتبِ حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً: ''جمعرات کی پابندی ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی مثلاً: ۱۱/ ربیع الثانی، ۱۵/ شعبان، ۱۰/محرم وغیرہ کی پابندی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی شیٔ کی پابندی مثلاً: حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی جگہ، کسی ہیئت وغیرہ کی پابندی بدعت ہے، میت کے ساتھ توشۂ مسئولہ بھی ثابت نہیں بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوٰة، قبيل الباب السادس والعشرين في أحكام المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(وفتح القدير، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۸۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲)"(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد: ولا بأس بالجلوس لها إلى ثلاثة أيام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط، والأطعمة من أهل الميت، اهـ. فإن حمل قول المصنف: ويكره الجلوس الخ، على ما إذا كان بمحظور، ارتفعت المخالفة .... وكونه على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من أقبح القبائح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، قبيل فصل في زيارة القبور، ص: ۶۱۷، قديمي)

باب المتفرقات

ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا

سوال[۴۳۸۰]: ہندوستان سے پاکستان جا کر مرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جانا کس لئے ہے اور کیا مرنا اختیاری فعل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

میت کے گھر سے سارا پانی گرا دینا، نمازِ جنازہ کی اجرت

سوال [۴۳۸۱]: جس گھر میں موت ہو جائے اس گھر کا تمام پانی پھینک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پانی میں فرشتے چھری دھوتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ جنازہ کی نماز پڑھانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

---

(۱) موت غیر اختیاری چیز ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ علم نہیں کہ میں کب مرونگا اور کدھر مروں گا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ عنده علم الساعة، و ينزّل الغيث، و يعلم ما في الأرحام، و ما تدري نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدري نفس بأيّ أرض تموت﴾ الاية (سورة لقمان، پ: ۲۱، آية: ۳۴)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "أي ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه من الأرض أفي بحر أم برّ، أوسهل أو جبل". (تفسير ابن كثير: ۴۵۵/۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني: ۲۱/ ۱۱۱، ۱۱۲، دار احياء التراث العربي بيروت)

"لأن أحداً من الناس لا يدري بأي أرض يموت". (التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في القبر والدفن: ۱۷۲/۲، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلياً:

بے بنیاد اور افواہ ہے، ملائکہ کو چھری سے کوئی واسطہ نہیں (۱)۔ نماز جنازہ کی اجرت جائز نہیں: ''ان المفتى به هوليس جواز الاستيجار على كل طاعة'' (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

حاملہ مر جائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟

سوال [۴۳۸۲]: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مر گئی تو اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضع حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یاد نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) ''عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

''أنها (أي البدعة) ماأحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً''. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

''والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لايجوز الاستيجار عليه عندنا''. (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركة علميه)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، سعيد)

(۳) حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حاملہ عورت اگر مر جائے تو شہید ہے: ''قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال[۴۳۸۳]: مُردہ کے اوپر جو کپڑا بطور پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مُردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں، جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں بھی دے سکتے ہیں (۱)، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

= "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد .... والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، إمداديه ملتان)

قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "في النهاية: أي تموت وفي بطنها ولد ..... وقال بعض الشراح .... أي تموت وولدها في بطنها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الثاني (رقم الحديث: ۱۵۶۱): ۴/ ۳۹، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۵/ ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(۱) "وصرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غير ذلك، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشيديه)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت .... ولا سيماً إذا كان في الورثة صغار أو غائب، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

ماں کا بیٹے سے ناراض ہوکر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا

سوال[۴۳۸۴]: میری والدہ ماجدہ کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ناراض ہوگئی تھیں اس وقت میری والدہ نے یہ کہا کہ تو میرے جنازہ کو ہاتھ بھی نہ لگانا، اب کچھ دنوں سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہے مگر میرے یہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتیں ہیں اور کہتی ہیں کہ کھانا جب کھاؤنگی جب دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ آجائے گا کہ میرے یہ کہنے کا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا کیا کفارہ ہے، وہ ادا کردوں تب کھانا وغیرہ کھاؤنگی، لہذا اس بارے میں فتویٰ صادر فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر والدہ نے غصہ میں یہ کہدیا تھا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا، پھر وہ غصہ ختم ہوگیا اور آپ کے مکان پر کھانا کھانے سے ان کو اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کا خطرہ ہے تو شرعاً یہ عذر معتبر نہیں ان کو آپ کے یہاں کھانا بلا شبہ درست اور جائز ہے، کوئی کفارہ ان پر یا آپ پر لازم نہیں .... جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۹ھ۔

حیلۂ اسقاط

سوال[۴۳۸۵]: میت کو جنازہ گاہ میں لوگ لیجاتے ہیں تو قبل از جنازہ ایک قرآن شریف لے کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑا کر طواف کراتے ہیں، بعدہ کچھ رقم ملا صاحب کو دیجاتی ہے، یہ افعال بنیتِ اسقاط معاصی کے لئے کئے جاتے ہیں اور یہ ایک حیلہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ مسئلۂ اسقاط کسی حدیث نبویہ یا کسی صحابہ یا کسی ائمۂ مجتہدین میں سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرہان وتوجروا۔

بندہ خان محمد عفی عنہ، ۵/ ذی قعدہ/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقۂ اسقاط معاصی کا بے اصل ہے، بدعت اور ناجائز ہے(۱)۔ اگر ملا صاحب غریب اور مستحق ہیں

---

(۱) "عن عائشة –رضي الله تعالیٰ عنها– قالت: قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في =

تو ان کو خیرات کرنا اور میت کو ثواب پہونچانا درست ہے، اسی طرح دوسرے غرباء کو کھانا دینا، یا رقم نقد دینا، یا کپڑا، یا اور کوئی چیز ایصالِ ثواب کی نیت سے دینا مستحسن ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۴۳۸۶]: اس علاقہ میں رواج ہے کہ جب میت ہوجاتی ہے تو نماز جنازہ کے بعد میت کے پاس بیٹھ کر چند لوگ قرآن شریف لے لیتے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ حیلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میت کے گناہ کا ضامن ہوجاتا ہے، اس کو یہ لوگ حیلۂ اسقاط کہتے ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ جب مقدمہ چل جاتا ہے تو عدالت میں کوئی سفارشی چاہئے جو سفارش کرے، لہٰذا قرآن ہمارا سفارشی ہے اس لئے حیلہ کرتے ہیں۔ بندہ ان چیزوں کا مخالف ہے کہ یہ قرآن کی توہین ہے، جب زندگی میں عمل نہ کیا تو اب کیا سفارش ہے؟

= أمرنا هذا ماليس منه فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهومردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

"وعرّفها (أي البدعة) الشمنيّ بأنها ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً، أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغير ذلك عند أصحابنابالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرهاعند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغ : ۱/۲۹۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت کہ میت کے گناہ بخشوانے کے لئے اس کی نماز جنازہ کے بعد قرآن کریم لیکر بیٹھ جائیں اور کوئی حیلہ کریں کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسا منقول ہے، نہ ان کے کسی تلمیذ مجتہد سے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے اس کو ترک کیا جائے (۱)۔ البتہ میت کے لئے ایصال ثواب خوب کیا جائے خواہ قرآن شریف پڑھ کر ہو یا نفل نماز پڑھ کر ہو یا صدقہ غریبوں کو دیکر ہو یا نفل روزے رکھ کر ہو، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے ہو۔ ایصال ثواب میں بھی اپنی طرف سے کوئی غیر ثابت چیز نہ کیا جائے، مثلاً کسی تاریخ یادن کی پابندی، یا کسی ہیئت کا التزام وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ

سوال [۴۳۸۷]: ۱…… ایک شخص نے وصیت کی کہ میری کچھ نمازیں رہ گئیں تھیں جن کو میں قضا نہ کرسکا، اس لئے میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا۔ اب اگر اس کا صحیح فدیہ ادا کیا جائے تو اس کے گھر میں اتنا مال نہیں اور ورثاء میں بھی مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے ادا کردیں تو کیا اگر فدیہ حیلہ کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی جتنا فدیہ پورا بنتا تھا اس قیمت کے عوض ایک قرآن شریف ایک مسکین پر فروخت کیا جائے، بعدہ اس سے کہا جائے کہ جو تم پر قرضہ ہوگیا تھا تم کو اس میت کے فدیہ میں بخشد یا ہے شاید کہ اللہ جل شانہ اس کی خلاصی فرمادیں۔ تو کیا خلاصی کی امید پر اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے جس طرح طلاق اضافی کے متعلق فقہاء یہ لکھتے ہیں یا کہ نہیں؟

۲…… اگر ورثاء شرعاً کرنا چاہیں یعنی اس نے وصیت نہیں کی بلکہ ورثاء اپنی طرف سے کریں تو کیا ان کے لئے کوئی جواز کی صورت ہے یا کہ نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ افلاس اس نوع کے حیلہ کی اجازت ہے، مگر یہ قرآن شریف فروخت کرنے کی ضرورت نہیں

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

بلکہ ایک ثلثِ ترکۂ میت مصرف زکوۃ کو دیا جائے اور حساب کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس قدر نمازوں کا فدیہ اس کے ذریعہ سے ادا ہوگیا، پھر وہ فقیر اس ثلث ترکہ کو میت کے وصی کو ہبہ کردے، اس کے بعد پھر وصی فقیر کو دیدے ثم وثم، یہاں تک کہ کل نمازوں کا فدیہ ادا ہوجائے، یہ اس وقت ہے جب کہ کل فدیہ ایک ثلث ترکہ سے ادا نہ ہوسکتا ہو، نیز یہ حیلہ لازم وواجب نہیں۔ بعض اطراف وبلاد میں اس حیلہ کا التزام ہے خواہ میت کے ترکہ میں وسعت ہو یا نہ ہو یہ ناجائز ہے، اس لئے ایسے واقعے پر احتراز لازم ہے بلکہ جس قدر ثلث ترکہ سے ادا ہوسکتا ہو، ادا کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا

سوال [۴۳۸۸]: میرے دانت مصنوعی ہیں اس میں چند اصلی ہیں، اگر میں مرگیا اور وہ دانت میرے منہ میں رہ گئے تو اس کے بارے میں قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مستند حوالات کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے مصنوعی دانت آپ کے منہ میں بعد الموت آپ کے ساتھ قبر میں چلے گئے تو آپ سے

---

(۱) "ولو لم يترك مالاً، يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدرالمختار). "(قوله: ولو لم يترك مالاً الخ): أى أصلاً أو كان ماأوصى به لايفي، زاد في الامداد: أولم يوص بشيء، وأراد الولي التبرع الخ، وأشار بالتبرع إلى ان ذلك ليس بواجب على الولي. ونص في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصى بهاالميت؛ لأنها وصية بالتبرع". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/ ۸۲، سعيد)

"ولو لم يترك مالاً يستقرض ورثته نصف صاع يدفعه إلى مسكين، ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته، ثم يتصدق، ثم وثم، حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى عشر في قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۶۰، رشيديه)

اس کی باز پرس نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

انتقالِ شوہر پر چوڑیاں توڑنا

سوال[۴۳۸۹]: عورتیں اپنے خاوند کے جنازہ پر چوڑیاں توڑتی ہیں کیا حکم ہے؟

قدیر اللہ، ہیڈ کانسٹیبل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑیاں توڑ کر ضائع کرنا غلطی ہے، اتار کر رکھ لیں جب عدت ختم ہو جائے پھر پہن لیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

انتقال پر دودھ بخشنا

سوال[۴۳۹۰]: ادھر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو دودھ بخشتی ہے، اس کے اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

---

(۱) "عن زينب بنت أبي سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أنها أخبرته قالت: "دخلت على أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: " لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تُحدّ على ميت فوق ثلاث، إلا على زوج أربعة أشهر و عشراً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها: ۱/ ۱۷۱، قديمي)

"(تحد) .... (مكلفة مسلمة و لو أمة منكوحة) ...... إذا كانت معتدة بتٍ أو موت) وإن أمرها المطلق أو الميت بتركه؛ لأنه حق الشرع، إظهاراً للتأسف على فوات النكاح (بترك الزينة) بحلي أو حرير أو امتشاط بضيق الأسنان، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بحلي) .... المعتدة تجتنب عن كل زينة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، فصل: في الحداد: ۳/ ۵۳۰، ۵۳۱، سعيد)

"على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل .... و لبس الحلي والتزين والامتشاط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد: ۱/ ۵۳۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ بخشنا شرعاً بے اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت : قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری ، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود : ۱/ ۳۷۰، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب : البدعة خمسة اقسام : ۱/ ۵۶۰ ،سعید)

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۴۳۹۱]: شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قانون تو یہ ہے کہ حقوق العباد بغیر ادا کئے یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے (۱)، البتہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوکر اپنے خزانہ سے عطا فرما کر صاحب حق کو خوش کردیں (۲) اور وہ

(۱) "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين" ففيه تنبيه على جميع حقوق الآدميين وأن الجهاد والشهادة وغيرهما من أعمال البر لا تكفر حقوق الآدميين، و إنما تكفر حقوق الله تعالى". (الكامل شرح النووى للمسلم، كتاب الأمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين: ۱۳۵/۲، قديمى)

(وتكملة فتح الملهم، كتاب الأمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين: ۴۱۱/۳، دار العلوم، كراچى)

"(يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين) أراد حقوق الآدميين من الأموال والدماء والأعراض، فإنها لا تعفى بالشهادة، كذا ذكره بعض الشراح". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار: ۱۲۴/۶، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدواوين ثلاثة: ديوانٌ لا يغفره الله: الإشراك بالله، يقول الله عزوجل ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به﴾ وديوان لا يتركه الله: ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض. وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم و بين الله، فذاك إلى الله إن شاء عذبه، وإن شاء تجاوز عنه".

قال الملاعلى القارى: "وفى الثانية لا يترك، فيؤذن بأن حق الغير لا يهمل قطعاً، إما بأن =

شخص جس کے ذمہ حق ہے عذاب سے بچ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/۵۹ھ۔

شہداء کی انواع

سوال [۴۳۹۲]: پلیگ، چیچک یا اچانک حادثہ، آتش زدگی، غرق آبی، دیوار وغیرہ سے دب کر مرجانے والوں کو بھی حدیث شریف میں شہید کہا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ جو میدان کارزار میں کافروں، مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق ﴿أحياء عند ربهم يرزقون﴾ قرآن میں فرمایا گیا، جن کے گناہوں کو ان کے خون گرنے سے محو کر دیا، جن کی ارواح سبز پرندوں کے خول میں جنت میں سیر کرتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی آؤ بھگت ہے.......... کیا یہی سلوک، اعزاز واکرام ان وبائی امراض میں مرنے والے شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے یا فرق ہے؟ آخرت کے درجہ ومقام وحکم میں دونوں شہداء میں جو فرق ہے پوری وضاحت کریں کہ دونوں میں امتیاز بے غبار ہو کر سامنے آجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص جہاد میں قتل ہوا وہ حقیقی شہید ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتب فقہ میں مشہور ہیں (۱) اور ان

= يقتص من خصمه أو يرضيه الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۵۸، كتاب الأدب، باب الظلم الفصل الثالث، رشيديه)

"لا عفو و لا شفاعة في حقوق العباد، إن شاء الله يرضى خصمه بما أراد". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۵۰، كتاب الأدب، باب الظلم، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:" الشهداء خمسة: المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، بابٌ: الشهادة سبع سوى القتل: ۱/۳۹۷، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل =

کے انعامات حدیث شریف میں ہیں(۱)۔اور جوشخص غرق ہوکر، ہیضہ، یا طاعون میں مرے، یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت ہو کہ اس پر شہید ہونے کا حکم لگایا جائے وہ حکمِ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لہٰذا اس کو غسل وکفن عام مومنین کی طرح دیا جائے گا، البتہ آخرت کے اعتبار سے اس کو شہید جیسا اجر ملے گا(۲) لیکن وہاں بھی فرقِ مراتب ظاہر ہے(۳)۔

= من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"(وكل مكلف مسلم طاهر) .... (قتل ظلماً) .... (ولم يجب بنفس القتل مال) .... بغير آلة جارحة، ويصلى عليه بلاغسل، ويدفن بدمه وثيابه .... فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا الغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۵۲، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۱) "حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدثنا عمي قال: قلت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من في الجنة قال: "النبي في الجنة، والشهيد في الجنة، والمولود في الجنة، الوئيد في الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة: ۱/۳۴۸، إمداديه)

"قال الذماريّ: قال: حدثني عمّي نمران بن عتبة الذماريّ، قال: دخلت على أمّ الدرداء ونحن أيتامٌ، فقالت: أبشروا، فإني سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يُشفّع الشهيد في سبعين من أهل بيته". (أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب في الشهيد يُشفع: ۱/۳۴۹، إمداديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "هذه كلها ميتات فيها شدة تفضل الله عليه أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة في أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء .... (أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل: أيّ الجهاد افضل؟ قال: "من عقر جواده وأهريق دمه)" .... كل موتة يموت بها المسلم فهو شهيد غير أن الشهادة تتفاضل .... ويتحصل ممّا ذكر في هذه الأحاديث أن الشهداء قسمان: شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة. وهو من يقتل في حرب الكفار مقبلاً غير مدبر مخلصاً. وشهيد الآخرة: وهو من =

اس کو ایک مثال سے سمجھئے: ایک شخص وہ ہے جس نے عمرہ وحج کیا، ایک وہ ہے جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھر اسی جگہ بیٹھا ذکر میں مشغول رہا یہاں تک کہ اشراق کی نماز پڑھی تو اس کو بھی حاجی کی طرح حج اور عمرہ کا ثواب ملا، مگر دونوں بالکل ایک درجہ میں نہیں ہونگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۸۷ھ۔

احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے، وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟

سوال[۴۳۹۳]: بہت سی احادیث میں ہے کہ اس (مندرجہ ذیل) بیماری سے یا فعل کا کرنے والا شہید کا اجر پاتا ہے۔

۱- پانی میں ڈوب کر مرنے والا، یا حادثہ میں ہلاک ہونے والا، یا جل کر مرنے والا۔

۲- وضو کی حالت میں مرنے والا۔

ان گروہوں میں مرنے والا اگر فاسق ہے یعنی کہ نماز، روزہ اور گناہِ کبیرہ کو کرنے والا تو وہ قبر کے عذاب سے رہا پائے گا، اور جنت کے شہیدوں کی جگہ پائے گا۔ آیا اگر وہ گروہوں میں مرنے والا صالح اور نیک ہے تو محض اسی کو یہ تین سعادتیں ملیں گی؟ یا فاسق کو بھی تین سعادتیں نصیب ہوں گی؟ اول گروہ میں مرنے والا یہ سعادتیں پائے گا، دوسرے گروہی والا اس سے محروم رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اپنی رحمت نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ کسی قانون کا پابند نہیں (۱)، وہ چاہے تو بڑے سے بڑے فاسق کے سارے گناہ معاف کردے، بے تردّد جنت میں بھیج دے اور چاہے تو بہت چھوٹے سے عمل پر بہت بڑا اجر دے دے اور چاہے تو چھوٹی سی بات پر بھی گرفت کرے، اس کے یہاں دو قسم کی

= ذكر، بمعنى أنهم يعطون من جنس آخر الشهداء ولاتجرى عليهم أحكامهم في الدنيا". (فتح الباري، كتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوى التقتل: ۵۵/۶، قديمي)

(۱) "أمره وحكمه من العفو والعقاب مفوّض إليه، فلا تجب عليه سبحانه عقاب عاص كما لايجب عليه ثواب مطيع على المذهب الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۸): ۱۷۵/۱، رشيديه)

کچہری ہے ایک عدل کی، ایک فضل کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۱/۱۷ھ۔

شہید کے درجے

سوال[۴۳۹۴]: شہید کے کتنے درجے ہیں؟ عالم ربانی فقیہ لاثانی حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ نے چہل حدیث، ص: ۳۵ میں ۱۷/قسم کی شہادتیں صغریٰ لکھی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید ٹرک حادثہ میں شہید ہوگیا اس کو غسل دیا گیا ہے تو وہ جائز ہے یا نہیں، غسل دینے والے گناہگار ہوئے یا نہیں؟ اس کے حق میں شہادت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کس شہید کو کیا درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ زید کو غسل دینے والے گناہگار نہیں، اس کو غسل دینے ہی کا حکم ہے کیونکہ وہ احکامِ آخرت (ثواب) کے اعتبار سے شہید ہے، احکامِ دنیا (غسل وکفن) کے اعتبار سے شہید نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۱۸ھ۔

---

(۱) " قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أي في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۳۴۳/۲، باب الشهيد، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۲۵۲/۲، باب الشهيد، سعيد)

جو ظلماً قتل ہو وہ شہید ہے

سوال [۴۳۹۵]: ہندو مسلم بلوہ میں جو مسلمان مرتے ہیں، کسی حالت پر ایک صورت تو دونوں پارٹی کے مقابلہ میں لڑکر مارا جانا کسی مسلمان کا۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی مسلمان آتا ہے اور کسی ہندو نے دھوکہ سے حملہ کر کے اسی مسلمان کو مار دیا تو دونوں صورتوں میں کس طرح کی موت مسلمان کی واقع ہوگی، کیا یہ شہید کی قسموں سے مرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلوہ کس بناء پر ہوا، کوئی شرعی وجہ تھی یا غیر شرعی اور اقوام مسلم نے کیا، یا ہندو نے۔ جس بے قصور مسلم کو ہندو نے ظلماً قتل کر دیا ہے وہ شہید ہے (۱)۔

کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں ان کا حکم

سوال [۴۳۹۶]: دونوں جانب سے کافر لڑ رہے ہیں، درمیان میں مسلمانوں کی آبادی ہے، دونوں جانب کی گولی سے وہاں کے لوگ مرجاتے ہیں، یا شبہ کی بنا پر قتل کر دیتے ہیں، ان لوگوں کو شہید کہیں گے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد" (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۱/ ۵۰۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"هو (أي الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) الخ".
(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق، أو وُجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/ ۳۴۳، رشيديه)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جولوگ بلاقصور ایسی حالت میں مرے ہیں وہ بھی حکماً شہید ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۴ھ۔

دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟

سوال[۴۲۹۷]: کیا دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں مسلم ممالک میں اہلِ علم حضرات ہونگے جو دونوں جگہ کے حالات سے واقف ہونگے کہ ان میں کون ظالم ہے کون مظلوم؟ ان سے ہی اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے، امید ہے کہ وہ مظلوم کو شہید بتلائیں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبي صلی اللہ تعالی علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد".
(مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار الاحياء التراث العربي، بيروت)

"هو كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة)، الخ". (كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق، أو وُجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنه عن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحديث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت) .... =

فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹۸]: فرقہ وارانہ فساد میں جو مسلمان قتل ہوئے، آیا وہ شہید ہوئے یا نہیں، یا ان کی نیت پر دارومدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان کو کس نے قتل کیا، وہ ابتداءً حملہ کرتے ہوئے قتل ہوئے یا مدافعت کرتے ہوئے، اگر وہ مظلوم ہوکر قتل ہوئے تو وہ شہید ہوئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

= "هو (أي الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر.......... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق، أو وُجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۱/۵۰۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق، أو وُجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

"وكذا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۹، سعيد)

ایضاً

سوال [۴۳۹۹]: فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان مارے جاتے ہیں مقابلہ کرتے ہوئے، یا اچانک کسی مسلمان کے چاقو ماردیا تو وہ شریعت کی نظر میں شہید ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص ناحق قتل کردیا جائے وہ شہید ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

دو قومی فسادات میں مرنے والے کا حکم

سوال [۴۴۰۰]: ہمارے یہاں ہندو و مسلم فسادات ہورہے ہیں، ان کی ابتدائی بنا خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت تو جنگ صرف مسلمان سے ہے خواہ کسی جماعت اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، بہت سے مسلمانوں کو سُندھی (۲) بھی کرلیا ہے اور ان کے سروں پر چوٹیاں رکھوادی ہیں۔ بیس بیس، تیس تیس ہزار کی دھاڑیں بنا کر مسلمانوں کی بستیوں پر چڑھ کر آتے ہیں، پہلے آگ لگادیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو شہید کرڈالتے ہیں، مال چھین لیتے ہیں، ہر قسم کے ہتھیار ان کے پاس ہیں، ریاستوں میں ریاست کی دھاڑ کے آگے آگے ریاست کی ملٹری ہوتی ہے، اگر مقابلہ میں کوئی آوے تو فائر کرتی ہے اور دھاڑ ان کو لوٹ لیتی ہے، قتل کرڈالتی ہے۔ جو مسلمان مکان ....خالی کردیتے ہیں تو یہ لوگ تمام مال لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کے جانکاہ واقعات سامنے ہیں، اس لئے مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

سوال [۴۴۰۱]: ۱......اگر کافر بستی پر چڑھ کر آجائیں تو ان سے لڑنا فرض ہوجاتا ہے یانہیں اور "من قُتل دون عرضه وماله"(۳). میں داخل ہوکر شہید ہوگا یانہیں؟

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسائل السابقة)

(۲) "سُندھی: وہ تحریک جو شردھانند ایک ہندو نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے چلائی تھی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۸، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الصحيح للامام مسلم رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب الدليل على من قصد أخذ مال غيره بغير حق......... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد: ۱/ ۸۱، قديمى)

۲......جو دو چند سے زائد آئیں اور کوئی چھپتا ہوا، بھاگتا ہوا مارا جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟

۳......اگر یہ کافر فرسی یا بھالوں سے آلۂ دھاردار سے شہید کردیں تو غسل وکفن دیا جائے گا یا نہیں، بندوق وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑائی کی ابتداء بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ظلماً مارے جاتے ہیں۔

۴......اسی طرح کسی راہگیر مسلمان کو موقع بموقعہ قتل کررہے ہیں، ان کو بھی غسل وکفن دیا جائے یا نہیں؟ تمام مسلمان حکام پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی جگہ ہندو یا سکھ تمام آگئے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مقابلہ کی قوت ہو تو ان سے لڑنا اور جان، مال، آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس ذیل میں جو مسلمان قتل ہوگا وہ شہید ہوگا (۱)۔

۲......وہ بھی شہید ہے (۲)۔

۳......عین لڑائی میں مسلمان مار دیا جائے، خواہ کسی آلہ سے ہو، وہ شہید ہے، اس کے لئے غسل وکفن نہیں (۳)۔

۴......اس کا بھی یہی حکم ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/شوال/ ۶۶ھ۔

(۱، ۲، ۳، ۴) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أريد ماله بغير حق، فقاتل، فقتل، فهو شهيد".

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دينه فهو شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في قتال اللصوص: ۲/۳۰۹، إمداديه)

"هو (أي الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة .... وكذا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو بغير آلة جارحة .... ويصلى عليه بلا غسل، ويدفن بدمه وثيابه".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۴۹، سعيد)

"وهو في الشرع من قتله أهل الحرب والبغي وقطاع الطريق أو وُجد في معركة وبه جرح .... أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية .... وحكمه: أن لايغسل، ويصلى عليه، ويدفن =

''دق'' کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟

سوال[۴۴۰۲]: میری والدہ کا انتقال چھ ماہ دق کی بیماری میں مبتلا رہ کر ہو گیا، کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مرحومہ اب کیسی حالت میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انشاء اللہ ان کو شہادت کا درجہ ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

جو دَب کر مر جائے وہ شہید ہے

سوال [۴۴۰۳]: شاہد مشہور پہلوان تھا جو کہ اپنی طاقت سے فرعون کو شکست دینے کی گھات میں رہتا تھا، ناگاہ وہ ٹرک جس میں شاہد کام کرتا تھا درخت سے ٹکرایا اور پہلوان نے چوٹ کھائی، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ آپ تحریر فرمادیں گے، پہلوان کو مقامِ شہادت ملا یا نہیں؟ شاہد ہمدردِ ملت تھا لیکن مزاج کا گرم تھا، اکھڑ ہندو اور کچھ متعصب مسلمان اس سے ڈرتے تھے، اس لئے موت کے بعد ان لوگوں نے طعنہ دیا کہ وہ بدخلق

= بدمه وثيابه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل فى الشهيد: ۲/۶۲، رشيديه)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغى .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق لايكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

تھا اس لئے جلدی مرگیا۔ آپ فرمادیں کہ انسان کی عمر کسی وجہ سے گھٹ بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص گر کر یا دب کر مرجائے وہ بھی شہادت کا ثواب پائے گا(۱) اب اس پر طعن نہیں کرنا چاہئے، بہت غلط طریقہ ہے(۲)۔

عمر میں حقیقۃً کمی وزیادتی نہیں ہوتی جتنی لکھ دی گئی ہے بس اتنی ہی رہتی ہے(۳)............البتہ بعض

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أي في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلى ماقدموا". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب النهي عن سبّ الأموات: ۱/۲۷۴، قديمي)

"عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذيّ". هذاحديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولن يؤخر الله نفساً إذاجاء أجلها، والله خبير بماتعملون﴾ (سورة المنافقون، پ: ۲۸، آیت: ۱۱)

"قال: حدثناعبد الله قال: حدثنارسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهوالصادق المصدوق: "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك،

آدمیوں کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس طرح کہ وہ تھوڑی عمر میں بھی بہت کام کر لیتے ہیں کہ دوسرے زیادہ عمر میں بھی نہیں کر پاتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے

سوال [۴۴۰۴]: مسماۃ فاطمہ کا انتقال ہو گیا جس کو آج ۲۳/ یوم ہوتے ہیں، اس درمیان میں مرحومہ مختلف رشتہ داروں کے خواب میں آئی جس میں یہ مطالبہ ضرور ہے کہ میں زندہ ہوں، مجھے نکال لیا جائے، وفات ولادت کے سلسلہ میں ہوئی تھی، شوہر کا مطالبہ قبر کھودنے کا ہو رہا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے اور یہ موت شہادت کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ پیدا ہونے میں جس کا انتقال ہو جائے وہ بھی شہید ہے (۲)۔ ایسے خواب کی بناء پر قبر کھودنا درست

= ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقيٌّ أوسعيدٌ. ثم ينفخ فيه الروح، فإن الرجل ليعمل بعمل أهل النار، حتى مايكون بينه وبينها إلاذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة، فيدخل الجنة. وإن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه و بينها إلا ذراعٌ، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار، فيدخل النار". (صحيح البخارى، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته: ۱/ ۴۶۹، قديمى)

(۱) جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، علامہ جلال الدین سیوطی اور ہمارے اکابرین میں سے شاہ عبدالغنی، حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ان حضرات نے مختصر عمر میں علم دین کی بہت بڑی خدمت کی۔

(۲) "عن يعلى بن شداد، قال: سمعت عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه يقول: عادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في نفر من أصحابه فقال: "هل تدرون مَن الشهداء من أمتي"؟ –مرتين أو ثلاثاً– فسكتوا، فقال عبادة رضى الله تعالىٰ عنه: أخبِرنا يا رسول الله! فقال: "القتيل في سبيل الله شهيد والمبطون شهيد، والمطعون شهيد، والنفساء شهيد يجرّها ولدها بسرره إلى الجنة". (مسند الإمام =

نہیں (۱)، قبر میں رکھنے کے بعد برزخ کے امور شروع ہوجاتے ہیں، بعض دفعہ احوال اچھے نہیں ہوتے تو میت کے متعلق بدگمانی اور بدگوئی ہوتی ہے، بعض دفعہ ہیبت ناک احوال دیکھ کر قبر کھودنے والے پر وبال آجاتا ہے وہ پاگل یا بے چین ہوجاتا ہے اس لئے ہرگز قبر نہ کھودی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

= أحمد، أحاديث عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث : ٢٢٢٧٨): ٦/٤٣١، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"ولأحمد من حديث عبادة بن الصامت نحو حديث جابر بن عتيك رضى الله تعالىٰ عنه، ولفظه: "و فى النفساء يقتلها ولدها جمعاً شهادة" .... هذه كلها ميتات فيها شدة، تفضل الله على أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم و زيادةً فى أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء". (فتح البارى، كتاب الجهاد والسير، باب الشهادة سبع سوى القتل : ٦/٥٤، ٥٥، قديمى)

(۱) اس لئے کہ خواب حجتِ شرعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے بعض مرتبہ نہیں: "ان أباقتادة الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه —وكان من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه— قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ٢/١٠٣٧، قديمى)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق فى قلب النائم اعتقادات كما يخلقها فى قلب يقظان، فإذا خلقها، فكأنه جعلها عَلَماً على أمور أخرى يخلقها فى ثانى الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان. و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر، وقد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملک، فيقع بعدها ما يُسرّ، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضرّ، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث فى حقيقة الرؤيا، ص: ٥٩، دار المعرفة، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح البارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ١ ٩): ١٢/ ٤٣٧، قديمى)

"ولا يخرج منه بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمى، الخ". (الدرالمختار). "(قوله : إلا لحق=

ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت

سوال [۴۴۰۵]: اگر کوئی شخص ایکسیڈنٹ سے مرجائے، یا کسی موذی جانور نے کاٹ لیا، یا کسی صورت سے اچانک موت ہوگی تو وہ شہید ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا مگر اس کو غسل وکفن دیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، کیم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

شہید کا غسل اور کفن

سوال [۴۴۰۶]: آج کل فرقہ وارانہ فسادات میں جس مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کردیا جاتا ہے، اس میں لوگ مقتول کو غسل دیتے ہیں اور جو کپڑے خون میں آلودہ ہیں ان کو نکال کر

= آدمی) احتراز عن حق الله تعالىٰ كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل : ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

(۱)"هو (أي الشهيد) من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً ؛ لأنه لومات حتف أنفه أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق، لايكون شهيداً: أى في حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/ ۳۴۳، باب الشهيد ، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۲/ ۲۵۲، باب الشهيد ، سعيد)

" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد ، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز ، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، سعيد)

دوسرے کپڑے میں تجہیز وتکفین کرتے ہیں۔ان کو غسل دلایا اور نئے کپڑے میں کفنایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان قتل کردیئے جاتے ہیں، اگر وہ مرتد نہیں ہیں اور عاقل وبالغ اور مُحدِث بحدثِ اکبر نہیں ہیں تو انہیں (چاہے مرد ہو یا عورت) اسی خون اور کپڑوں میں کفنا کر بغیر غسل دیئے نماز پڑھ کر دفنایا جائے، خون آلودہ تمام کپڑے نکال دینا مکروہ ہے، البتہ جو زائد از کفنِ سنت ہو اس کو نکال دیا جائے۔ مرد اگر جنبی ہے، یا عورت حائضہ یا نفساء ہے تو انہیں اور بچہ مجنون کو غسل دیا جائے:

"والشهيد من قتله أهل الحرب مباشرةً أو تسبيباً .... وكان قبل القضاء الحرب لايكون الشهيد مرتثاً". مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی، ص: ۳۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد ائخ۔

جنازۂ شہید پر نماز

سوال[۴۴۰۷]: شہید کے اوپر بحسب الفتویٰ نماز جنازہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا

---

(۱) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الشهيد، ص: ۶۲۵، ۶۲۶، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بقتلیٰ أحد أن ينزع عنهم الحديد والجلود، وأن يدفنوا بدمائهم وثيابهم". (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فی الشهيد يغسل: ۲/۹۱، إمداديه)

"وهو فی الشرع من قتله أهل الحرب والبغی وقطاع الطريق، أو وُجد فی معركة، وبه جرح .... أو غرق مسلم أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية .... وحكمه أن لا يغسل، ويصلی عليه، ويدفن بدمه وثيابه .... وينزع عنه ماليس من جنس الكفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوة والسراويل .... ويغسل إن قتل جنباً أو صبياً .... وكذا تغسل إن قُتلت حائضاً أو نفساء، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

کیا جواب ہوگا جن میں یہ ہے کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حدیثیں شرح نقایہ میں صفحہ: ۱۴۱ "ولنا" سے لے کر" فإن قيل" تک ہیں (۱)؟ اگر کسی حدیث سے عدمِ صلوۃ بھی ثابت ہو تو ساتھ اس کے رُواۃ پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی بحث ہے۔ مع حوالہ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی: "ودليله ماروى ابن عباس وابن زبير رضي الله تعالىٰ عنهم أنه عليه الصلوة والسلام صلى على شهداء أحد مع حمزة، وكان يؤتى بتسعةٍ تسعةٍ وحمزة عاشرهم، فيصلي عليهم". الحديث۔ وقد صلى عليه الصلوة والسلام على غيرهم، كماروى أنه عليه الصلوة والسلام أعطى أعرابياً نصيبه، وقال: "قسمته لك" قال: ماعلى هذا ابتعتك، ولكن ابتعتك على أن أرمى ههنا –وأشار إلى حلقه– فأموت وأدخل الجنة، ثم أتِي بالرجل، فأصابه سهم حيث أشار، وكفن في جبة النبي صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه". الحديث۔

وقال عقبة بن عامر رضي الله عنه: إنه عليه الصلوة والسلام خرج يوماً، فصلى على أهل أحد صلوته على الميت، ثم انصرف إلى الميت، متفق عليه". زيلعي، ص: ۲۴۸ (۲)۔

جس روایت میں نفی مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نفی اور مثبت میں جب تعارض ہو تو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے، حدیثِ مثبت متفق علیہ ہے (۳)۔ جواب ان کے ذمہ ہے جو منکر ہیں ان منقولہ

(۱) "لماروى البخاري وأصحاب السنن الأربعة .... عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قَتلىٰ أحد، وقال: "أيهما أكثر قرآناً" فإذا أشير إلى أحدهما، قدمه في اللحد، فقال: "أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة". وأمر بدفنهم في دمائهم، ولم يغسلهم". زاد البخاري والترمذي: "ولم يصل عليهم". قال الترمذي: حديث حسن صحيح. وقال النسائي: لا أعلم أحداً تابع الليث من أصحاب الزهري على هذا الإسناد، واختلف عليه فيه. انتهى".

(شرح النقاية للملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب الشهيد، ص: ۳۳۴، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۲، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج يوماً، فصلى على =

احادیث کا بھی اور شرح نقایہ کی راویت کا بھی۔ آثار سنن : ۲/۱۲۱ میں (۱)، نسائی (۲) طحاوی (۳)، ابن ماجہ (۴)، طبرانی (۵) اور ابوداؤد (۶) سے بھی روایات نقل کی ہیں، جن میں بعض کی اسانید محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، بعض کی اس سے کم درجہ کی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۷ھ۔

= اهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد: ۱/۱۷۹، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته: ۲/۲۵۰، قديمى)

(۱) (آثار السنن، أبواب الجنائز، باب في الصلاة على الشهداء، ص: ۳۳۲، ۳۳۳، مكتبه إمداديه)

(۲) "عن شداد بن الهاد رضى الله تعالىٰ أن رجلاً من الأعراب جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فآمن به واتبعه". وذكر الحديث. وفيه: أنه استشهد، فصلى عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه النسائي والطحاوي وإسناده صحيح". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۱/۲۷۷، قديمى)

(۳) (الطحاوی فی شرح معانی الآثار، فی كتاب الجنائز، الصلاة على الشهداء: ۱/۳۳۹، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: أتى بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد، فجعل يصلي عشرةً عشرةً، وحمزة هو كما هو، يرفعون، وهو كما هو موضوع". (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوة على الشهداء ودفنهم: ۱/۱۰۹، قديمى)

(والطحاوى فى شرح معانى الآثار فى كتاب الجنائز، باب الصلوة على الشهداء: ۱/۳۳۸، سعيد)

(۵) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب من زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على شهداء أحد: ۴/۱۲، اداره تاليفات اشرفيه)

(ونصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث الصلاة على الشهيد والاختلاف فى ذلك: ۲/۳۰۸، موسسة الريان مكتبة المكيه)

(۶) "وعن أبى مالك الغفارى رضى الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على قتلى أحد عشرةً عشرةً فى كل عشرة حمزة، حتى صلى عليه سبعين صلوةً". (مراسيل أبى داؤد، فى ماجاء فى الجنائز، فى الصلوة على الشهداء، ص: ۱۸، سعيد)

غیر مسلم کو "شہید مرحوم" لکھنا

سوال[۴۴۰۸]: اکثر اخبار والے غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھتے ہیں۔کیا غیر مسلم کو شرعاً شہید مرحوم لکھنا درست ہے؟ جواب مسئلہ کا بالتشریح وبحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

سائل:عبدالکمال عبدالمجید مظفر پوری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"شہید" ایک شرعی اصطلاح ہے اس کے لئے مسلم ہونا شرط ہے:"الشهيد هو كل مسلم طاهر قتل ظلماً، الخ"(۱)، جس میں یہ شرط نہ ہو وہ شریعت کے اعتبار سے شہید نہیں ہوسکتا،اس کو شہید کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، سعيد)

"أما الأول فمبنيٌّ على شرائط الشهادة وهي أنواع .... ومنها كون المقتول مسلماً، الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل بيان من يكون شهيداً ومن لايكون: ۲/۶۲، ۶۸، رشيديه)

"ولوأريد تصويره على رأى أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، قيل: كل مسلم مكلف لاغسل عليه قتل ظلماً من أهل الحرب، الخ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۴۳ مصطفى البابي الحلبي، مصر)

کتاب الزکاۃ

جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم

سوال[۴۴۰۹]: عمر کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے مگر نہ تو وہ زکوۃ دیتا ہے اور نہ خیرات کرتا ہے اور بہت ہی کنجوس ہے اس کے برابر میں اس کا پڑوسی زید رہتا ہے جو کہ بالکل غریب ہے بلکہ ایک دو وقت کا اس پر فاقہ گزر جاتا ہے، عمر کو اس کا ایسی حالت میں ہونا معلوم ہے مگر وہ اس کی کوئی امداد نہیں کرتا۔ عمر میں اور ایک عادت بُری ہے کہ نماز روزہ بھی ادا نہیں کرتا۔ عمر جب کہ معلوم ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ بڑا بے مروت اور سخت گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله، .... فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (التوبة: ۳۴)

"عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال أعرابی: أخبرنی عن قول الله تعالی: ﴿والذین یکنزون الذهب والفضة﴾ قال ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: "من کنزها فلم یؤدّ زکاتها، فویلٌ له إنما کان هذا قبل أن تنزل الزکاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال".

"عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من آتاه الله مالاً فلم یؤد زکاته، مُثّل له ماله یوم القیامة شجاعاً أقرع، له زبیبتان یطوقه یوم القیامة، ثم یأخذ بلهزمتیه یعنی بشدقیه، ثم یقول: أنا مالک أنا کنزک، ثم تلا: ﴿ولا تحسبن الذین یبخلون﴾ الآیة......... ﴿بما آتاهم الله من فضله هو خیراً لهم، بل هو شر لهم﴾ الخ". (صحیح البخاری: ۱/۱۸۸، قدیمی) .... =

جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم

سوال[۴۴۱۰]: اکثر کھیتی کرنے والے جب کہ وہ غلہ اکٹھا کرتے ہیں اور حکم ہے کہ دس من غلہ سے ایک ایک من غلہ زکوۃ نکالیں اور وہ زکوۃ نہیں نکالتے تو کیا ایسے مال سے کوئی نیک کام مثل قربانی، عقیقہ یا میت کے لئے ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر کر سکتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص واجب نہیں ادا کرتا تو وہ گنہ گار ہے(۱) لیکن اس سے وہ غلہ حرام نہیں ہوتا، اس کا استعمال اپنی ذاتی ضروریات میں بھی درست ہے اور اور عبادت میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

جو زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا

سوال[۴۴۱۱]: جو لوگ اپنے حلال مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ زکوۃ فرض ہے تو وہ سخت گناہگار ہے(۲)، زکوۃ اس کے ذمہ دین ہے مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا، اس کا ہدیہ تحفہ، دعوت قبول کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

= (وسنن أبی داؤد: ۲۱۸/۱، باب الکنز ما هو الخ. دار الحدیث، ملتان)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۳) "أهدیٰ إلی رجل شیئاً أو أضافه إن کان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن یعلم بأنه حرام، فإن کان الغالب هو الحرام، ینبغی أن لا یقبل الهدیة و لا یأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلالٌ ورثته أو استقرضته من رجل، کذا فی الینابیع". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۴۲/۵، الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات، رشیدیه)

زکوۃ کو جمع رکھنا

سوال[۴۴۱۲]: ماہِ رمضان میں جو زکوۃ کا روپیہ جمع کیا ہے کیا وہ زکاۃ کا روپیہ عید کو نماز سے پہلے (حقدار تک) یعنی ضرورتمند نہ ملنے پر سال کے آخر تک یا ایک عرصہ تک کسی اَور امدادی مصرف کے لئے جمع رکھا جاسکتا ہے، مندرجہ بالا سوال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ''کوئی مسلم انجمن'' کا سکیٹری ہوں، پچھلے دوسال سے ہماری انجمن نے ماہ رمضان میں زکوۃ کے نام پر کل ایک سوستر ہیرے جمع کئے تھے، اس مال میں سے صرف ۲۵/ ۳۷/ دوضرورت مندوں کو دیئے گئے تھے اور باقی رقم ۷۵/۱۳۲/ ابھی تک انجمن کے پاس جمع ہیں۔

اس سال پھر انجمن ماہ رمضان میں زکوۃ کا روپیہ جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، میں نے بحیثیت سیکریٹری انجمن کے اس ارادے کی مخالفت کی انجمن عاملہ کے چند ممبران میری اس مخالفت کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ روپیہ ہم اپنے پاس رکھ کر کسی اور امدادی مصرف کے لئے صرف کر سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوۃ کا روپیہ عید کی نماز سے پہلے ضرورت مندوں کو دیدیا جائے۔ لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جب ہماری انجمن کے ممبران میں کوئی ایسا ضرورت مند نہیں ہے جو حقیقی زکوۃ کا حقدار ہے تو جب تک کہ پہلے جمع شدہ زکوۃ کا روپیہ حقیقی حقداروں کو نہ پہنچ جائے اس سال زکوۃ جمع نہ کی جائے، جو ممبران زکوۃ دینے کی حیثیت رکھتے ہیں یا زکوۃ دینا چاہتے ہیں وہ اپنے قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا محلّہ کی مسجد میں دیدیں۔ اب آپ ہی ہماری اس الجھن کو اسلام کی روشنی میں سلجھائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مستحق کو زکوۃ جلد از جلد پہونچا دینا بہتر ہے تاکہ فریضہ جلد ہی ادا ہوجائے (۱) مگر یہ ضروری نہیں کہ عید

---

(۱) (وافتراضها عمريٌّ): أي على التراخي، وصححه الباقاني وغيره (وقيل: فوري): أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر". "(قوله: فيأثم بتأخيرها، الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل: لما في البدائع عن المنتقى -بالنون-: إذ لم يؤد حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قديمي)

کی نماز سے پہلے ہی دیدی جائے، اگر مستحق موجود نہ ہوں تو تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن سال بھر پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کردی جائے، کسی اَور مد میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں، انجمن کے پاس جب زکوٰۃ کے صحیح مصرف موجود نہیں ہیں تو زکوۃ وصول نہ کرے بلکہ اس کے سب ممبر اپنے قریبی مستحق رشتہ داروں: بھائی بہن، خالہ، پھوپی، چچا، ماموں اوران کی اولاد کو خود ہی حسب صوابدید دے دیا کریں، اس امانت کو محفوظ رکھنے اور اس کو مستحقین پر صرف کرنے کی ذمہ داری نہ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

زکوۃ دے کر احسان جتانا

سوال[۴۴۱۳]: میں نے زکوۃ فرض میں سے بیس روپے ایک بیوہ عورت کو دے دیئے مگر ایک مرتبہ غصہ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ "زکوۃ کھا کر مقابلہ کرتی ہے" ان الفاظ سے زکوۃ باطل ہوجائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ پارہ "تلك الرسول" کے الفاظ ہیں: ﴿يـأيها الذين امنوا لا تبطلوا صدقاتكم بالمن والأذى﴾ (۱) اور اب اس روپے کی مقدار دوبارہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز یہ واقعہ زکوۃ دینے سے تقریباً ایک سال بعد کا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس زکوۃ کا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں کیونکہ فریضہ ادا ہوگیا ہے، البتہ اس پر رضائے خداوندی مرتب نہیں ہوگی اس کے لئے معافی مانگنے اور اس کو خوش کرنے کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (البقرہ: ۲۶۴)

(۲) "أخبر الله تعالىٰ في هذه الأيات أن الصدقات إذا لم تكن خاصةً لله عاريةً من منّ وأذى، فليست بصدقة؛ لأن إبطالها هو إحباط ثوابها، فيكون فيها بمنزلة من لم يتصدق .... و ما لم يخلص لله تعالىٰ من القرب فغير مثاب عليه فاعله الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۶۳۳، باب الامتنان بالصدقة، قديمی)

(و كذافي تفسير ابن كثير: ۱/۴۲۵، مكتبه دار السلام، رياض)

(و كذا في الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۲۰۵۹، باب ما يحرم و يكره و ما يستحب في الصدقة، رشيديه)

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوٰۃ کا بیان)

صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوبِ زکوٰۃ

سوال[۴۴۱۴]: حامد ۳۰/شعبان/۱۳۸۷ھ کو صاحبِ نصاب تھا اور یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو بھی صاحبِ نصاب ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ شعبان میں اس کے پاس پانچ سو روپئے تھے اور یکم رمضان المبارک کو تین سو روپئے ہیں۔ اب کس قدر روپیہ زکوٰۃ لگائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے پر جتنے مال کا وہ مالک ہے اس کی زکوٰۃ لازم ہوگی، مثلاً صورتِ مسئولہ میں اس کے پاس سال پورا ہونے پر صرف تین سو روپیہ ہے تو بس اسی مقدار پر زکوٰۃ (ساڑھے سات روپے) لازم ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۴۴۱۵]: بندہ سابقہ رمضان المبارک کی کسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا

---

(۱) "قال حسن بن عمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح، ص: ۷۱۴، كتاب الزكوة، قديمي)

(وكذا في الدرالمختارشرح تنوير الأبصار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكوة، رشيديه)

وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكوة، دار الكتب العلمية بيروت)

کردیا کرتا تھا اس کے بعد سال تمام کے لئے رمضان المبارک کی بیس تاریخ معین کر کے زکوۃ ادا کرنے لگا، لیکن اب تجارت میں شرکت کی وجہ سے رمضان شریف میں حساب کرنا بہت دشوار ہے، دشواری اس لئے بھی ہے کہ سرکاری انکم ٹیکس وغیرہ کا حساب انگریزی سال سے ہوتا ہے، اسی لئے تمام کمپنیوں وغیرہ میں انگریزی سال تمام تر لاکھوں روپیہ کے آمد وخرچ وقرض اور موجود مال وغیرہ کا حساب کیا جاتا ہے جس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے اور یہ حساب کا کمائی شرکاء کمپنی میں سے صرف ایک کی مرضی پر نہیں ہوسکتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ہمیشہ آخر دسمبر میں حساب کے بعد اس کے مطابق زکوۃ ادا کیا کریں؟ اسلامی سال تقریباً ۳۶۰/ دن کا اور انگریزی سال ۳۶۷/ دن کا ہوتا ہے، پس گنجائش ہونے کی حالت میں انگریزی سال کے سات دن زائد کا حساب کس طرح کیا جائے، نیز یہ کہ ہمیشہ ۲۰/ رمضان کو حساب کیا کرتا تھا اور اب اس کے بعد آخر ماہ دسمبر میں حساب کرنے کی حالت میں ڈیڑھ دو ماہ اور ہوجائیں گے، پس اس ڈیڑھ دو ماہ زائد مدت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"فی القنية: العبرة فی الزکوة للحول القمری". بحر: ۲۱۹/۲ (۱)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شرعاً زکوۃ میں قمری سال کا اعتبار ہوتا ہے لہذا مقدار واجب میں تو قمری سال ہی کا اعتبار کیا جائے، البتہ ادائے زکوۃ میں تقدیم وتاخیر کی بھی گنجائش ہے، مثلاً رمضان کی ۲۰/ تاریخ کو سال پورا ہوا اس تاریخ کی مالیت مقدار واجب میں معتبر ہوگی، لیکن ادا کرنے کے لئے اس وقت روپیہ موجود نہیں بلکہ وہ ایک یا دو ماہ بعد ملا ہے تو روپیہ ملنے پر ادا کردیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ زکوۃ اب واجب ہوئی بلکہ زکوۃ تو ۲۰/ رمضان کو واجب ہوچکی تھی مگر اس کی ادائیگی اب ہوئی، یہ روپیہ کچھ عرصہ پہلے ہی مل گیا ہوتا تو زکوۃ پہلے ہی ادا کردی جاتی۔ بہتر تو یہ ہے

---

(۱) (البحر الرائق: ۳۵۶/۲، کتاب الزکوة، رشیدیه)

"و منها حولان الحول على المال، العبرة في الزكاة للحول القمرى، كذا في القنية".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۷۵/۱، الباب الأول في تفسير ها و صفتها الخ، رشيديه)

"(قوله: هو نسبة للحول): أى الحول القمرى لا الشمسى". (ردالمحتار: ۲۵۹/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

کہ ۲۰/ رمضان کو بہر صورت زکوۃ ادا کر دی جائے اور حساب ہونے پر ۲۰/ رمضان کی مالیت کو دریافت کرکے کمی بیشی کے فرق کو پورا کر دیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۶/۲/۶۰ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وسطِ سال کی آمدنی بھی سال تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی

سوال[۴۴۱۶]: زید ہر سال شعبان میں زکوۃ نکالتا ہے، شعبان کے بعد اس کے پاس جو روپیہ آیا اس پر تو حولانِ حول نہیں ہوا، اب جو اگلا شعبان آئے گا تو اس وقت درمیانی سال والے روپیہ جس پر سال نہیں گزرا ہے، اس کی زکوۃ نکالے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس روپیہ پر سال گزر چکا ہے اس کے تابع یہ روپیہ ہو کر مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوگی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

مالِ زکوۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال[۴۴۱۷]: ایک شخص صاحبِ نصاب نے زکوۃ یا خیرات کی مد میں کچھ روپیہ نکال کر رکھ دیا اور تقسیمِ غرباء کے بعد اس رقم میں سے کچھ روپیہ آئندہ پورے ایک سال تک بچا رکھا رہا تو کیا سال آئندہ اس بچے ہوئے روپیہ پر بھی زکوۃ واجب ہوگی یا یہ کہ یہ رقم زکوۃ سے مستثنیٰ ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ رقم فقراء یا ان کے کسی وکیل کی ملک اور قبضہ میں نہیں پہونچی ہے بلکہ صاحبِ نصاب ہی کی ملک

---

(۱) "المستفاد في أثناء الحول، فيضم إلى مجانسه، ويزكى بتمام الحول الأصلي". (مراقي الفلاح، ص: ۷۱۴، كتاب الزكوة، قديمي)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۹۳، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۶۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زكاة الذهب والفضة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں رہی، گو سال پھر گزر جانے سے اس دوسری مملوک رقم کی طرح زکوۃ واجب نہ ہوگی گو محض علیحدہ رکھدینے سے یہ رقم نہ اس کی ملک سے خارج ہوئی نہ فقراء کے ملک میں داخل ہوئی (۱)، آئندہ سال اس رقم کو ہٹا کر کے زکوۃ ادا کی جائے اور اس رقم کو گذشتہ زکوۃ واجبہ شمار کر کے مستقلاً ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، یکم/ ربیع الاول۔

مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوۃ کا حکم

سوال [۴۴۱۸]: کاشتکار جو کہ سرکاری لگان بھی دیتا ہے، کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے کیونکہ لگان جبراً ناجائز طور پر لے جاتی ہے، اگر ہے تو کتنا اور کس مقدار میں اور کتنے غلہ پر وجوب ہوتا ہے؟ اگر ایک شخص نوکری کرتا ہے اور ہمیشہ پچاس روپے ملتے ہیں تو زکوۃ واجب ہے یا نہیں اور جو شخص کھیت والا ہے یعنی بطورِ قبالہ یا بطورِ رہن ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں اور صدقۃ الفطر اور قربانی ایسے شخص پر واجب ہوگی یا نہیں؟

زیور اگر ہو تو اس کا وزن وجوب کے لئے کتنا ہونا چاہئے، اگر بعضے زیور غالب چاندی نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور وہ ایک شخص کے ہوں مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اپنی بہو کو دیدیا ہے حالانکہ ابھی اس کے لڑکے کی شادی بھی نہیں ہوئی، یا کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کو دے دیا اور رکھتا ہے اپنے ہی پاس تو واجب ہوگی یا نہیں؟ نقودِ مروجہ کو

---

(۱) چونکہ یہ فقراء کا حق ہے اور وہ اب تک مالک نہیں بنے اور ان پر زکوۃ نہیں "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي". (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: "فلا زكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك". (كتاب الزكاة: ۲/۲۵۹، سعيد)

(۲) "وشرطه صحة أدائها ...... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۳۰، كتاب الزكوة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمي)

چاندی کا حکم ہے یا عروض کا، یا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو غلہ غیر عشری زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں عشر نہیں ہوتا، غلہ میں عشر ہوتا ہے زکوۃ نہیں ہوتی بشرطیکہ عشری زمین میں ہو(۱) اور جس شخص کے پاس مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اتنی قیمت کا تجارتی مال ہو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بشرطیکہ سال پورا گزر جائے (۲)، پس اگر ماہوار یہ تنخواہ ختم کر دیتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں اور اگر کچھ مقدار نصاب کے پورا ہونے کے بعد وسطِ سال میں زیادتی رہتی ہے تو ختم پر موجودہ رقم کی زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اخیر میں بھی مقدارِ نصاب موجود ہو(۳)۔

جو جائیداد پیسے سے خریدی ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے، رہن کی صورت میں قرض جو روپیہ دیا گیا ہے اس پر زکوۃ ہے مگر اس کی ادائیگی بعد وصولی ہے (۴)، بقدرِ ضرورت اگر جائیداد ہے تو اس سے صاحبِ نصاب نہیں

---

(۱) "وأما شرائط المحلية: فأنواع: منها أن تكون الأرض عشريةً، وإن كانت خراجيةً، يجب فيها الخراج". (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۵، فصل في شرائط المحلية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۵، الباب السادس في زكوة الزرع و الثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۰، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر و فيمن لا يجب، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل".

(الدرالمختار: ۲/۲۹۵، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۳۶، باب زكاة المال، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط: ۱/۱۷۴، باب زكاة المال، حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب في حوله وحكمه: أي في حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكاة أيضاً، فمن ملك مائتي درهم و حال الحول و قد حصلت في أثنائه أو في وسطه مأة درهم يضمها إليه و يزكي عن الكل". (مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، زكوة الذهب والفضة، دار إحياء التراث، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "قسّم أبو حنيفة الدّين على ثلاثة أقسام: قويٌّ: و هو بدل القرض و مال التجارة، ومتوسط .... =

ہوتا، نہ اس پر زکوۃ وصدقہ وقربانی واجب ہوئی ہے۔

زیور کا نصاب بھی وہی ہے جو پہلے بتلایا گیا ہے، جس زیور میں چاندی غالب ہو وہ چاندی کے حکم میں ہوگا ورنہ جو چیز غالب ہوگی اس کے حکم میں ہوگا۔ نقودِ مروجہ جن میں چاندی غالب ہے وہ چاندی کے حکم میں ہیں ورنہ وہ مستقل اپنا حکم رکھتے ہیں (۱)۔ جب ہبہ ابھی تک موجود نہیں ہے تو اس کے لئے وہ ہبہ نہیں ہوا، اس کی زکوۃ دینی واجب ہے، چھوٹی لڑکی کو اگر دے دیا ہے خواہ اپنے پاس رکھے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دَینِ مہر کیا مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے؟

مندرجہ ذیل مسائل میں مفتیٰ بہ قول کیا ہے:

سوال[۴۴۱۹]: ۱...... زوجہ کا مہر زوج کے لئے مانع زکوۃ ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ مہر مؤجل ومعجل ہر دو کا حکم بیان فرمادیں۔

= ففي القوی تجب الزکاة إذا حال الحول و يتراخی القضاء إلى أن يقبض أربعين درهماً الخ ".

(البحرالرائق: ۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۳۸/۱، الفصل السادس فی الديون، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۱) " ويكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب، و نصاب الذهب بنصاب الفضة، و بعروض التجارة أيضاً، إلا أن عند أبی حنيفة يكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب باعتبار القيمة". (فتاویٰ قاضی خان: ۲۵۰/۱، فصل فی مال التجارة، رشيديه)

وكذا فی البحر الرائق: ۴۰۰/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وماغلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۳۰۰/۲، سعيد)

(۲) "و شرط افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲۵۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱۹۲/۱، كتاب الزكاة، دار إحياء التراث العربی بيروت)

کیا عورت کے دَینِ مہر پر زکوۃ لازم ہے؟

سوال[۴۴۲۰]: ۲.....مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں تو زوجہ کے ذمہ اس مہر کی زکوۃ لازم ہوگی یا کہ نہیں؟ دَین کی زکوۃ دَین دینے والے پر ہوتی ہے، یہ حکم یہاں اس صورت میں لگے گا یا کہ نہیں؟ جب کہ دَینِ مہر کو زوج نے دین مستغرق نصاب قرار دیا ہے؟

مسائلِ مذکورہ میں الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دیار میں دَینِ مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں کرتے ہیں، اس لئے زوجہ کے ذمہ مہر کی زکوۃ قبل قبض نہیں سمجھتے ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے:"وفرع محمد على هذا فقال: إذا تزوج امرأة على نصاب، وله نصاب من الغنم و نصاب من الدراهم، يصرف الدين إلى الدراهم، حتى لو حال عليها الحول تجب الزكوة عنده في نصاب الغنم، و لا تجب على الدراهم"۔ بین السطور میں ہے:"لكونها مستغرقة بالدين"۔ اورحاشیہ پر ہے:"و هو نصٌّ على أن دَين المهر يمنعه، معجلًا كان أو مؤجلًا"(۱)۔

اس قاعدہ سے کہ:"وہ دَین جس کا مطالبہ عبد کی جانب سے ہو مانعِ زکوۃ ہے"، مہر کو مانعِ زکوۃ ہونا چاہئے کیونکہ زوجہ کو حقِ مطالبہ ہے اور جب مہر مانعِ زکوۃ ہے تو زوجہ کے ذمہ اس کی زکوۃ ہونی چاہئے حالانکہ فقہائے کرام مہر کے دَین کو دینِ ضعیف قرار دیتے ہیں۔حضرت امام صاحب اس کا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد قبض حولانِ حول ہونے پر مہر کی زکوۃ عورت ادا کرے۔امید کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....زوج کے ذمہ دَینِ مہر واجب ہے، اگر وہ معجّل ہے یعنی جس وقت بھی زوجہ طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے، یا مؤجل ہے لیکن زوج خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تا کہ ادا کرے تو ایسا دَین مانع عن وجوب زکوۃ ہے، اس مقدار دَین کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اگر زوج ادا کرنے کی فکر وسعی میں لگا ہوا نہیں بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا

(۱) (أصول الشاشي مع الحواشي، بحث الحقيقة والمجاز، ص: ۳۱، المكتبة الغفورية العاصمية، كراتشي)

نہیں کرنا ہے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوۃ نہیں ہے، کذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار (۱)۔

۲.....شوہر کے ذمہ یہ دین مانع ہو یا نہ ہو بہرصورت زوجہ پر اس کی زکوۃ لازم نہیں، وجوبِ زکوۃ کے لئے ملک لازم ہے اور دَینِ مہر پر ابھی ملک ہی زوجہ کی متحقق نہیں ہوئی ہے، جب وصول ہو کر اس کی ملک ثابت ہوجائے گی اور اس پر سال بھر گزر جائے گا تب زوجہ کے ذمہ زکوۃ لازم ہوگی (۲) محض نکاح ہوجانے سے مہر پر ملک زوجہ ثابت نہیں ہوجاتی ہے صرف استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ ابھی معرضِ زوال میں رہتا ہے، مثلاً اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر طلاق دیدے تو نصف مہر کا استحقاق بھی ختم ہوجاتا ہے اور زوجہ کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے حرمت وتفریق ہوجاوے تو کل مہر ساقط ہوجاتا ہے، یہ شواہد ہیں کہ ابھی زوجہ کی ملک تو کیا ثابت ہوتی استحقاق بھی مؤکد نہیں ہوا۔

---

(۱) "(قوله: المؤجل) و قيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً، بخلاف المعجل، و قيل، إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۹۱، دارالمعرفة بيروت)

" فإن كان عنده مال آخر للتجارة، يصير المقبوض من الدين الضعيف مضموناً إلى عنده، فتجب الزكاة وإن لم يبلغ نصاباً، الأولىٰ أن يقول، الخ". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۴۱۱، دارالمعرفة بيروت)

"المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً، بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعدّ ديناً، كذا في غاية البيان". (البحر الرائق: ۲/۳۵۷، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۱۹۳، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة .... و عند قبض مائتين مع حولان الحول بعده: أی بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غير مال كمهر و دية و بدل كتابة و خلع، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۰۶، زكاة المال، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۳، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۱۹۵، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۸، الفصل السادس فی الديون، امجد اكيڈمی لاهور)

اور جب کہ فقہاء نے دین کی تین قسمیں لکھ کر دَینِ مہر کا حکم لکھ دیا ہے کہ وہ وصول ہونے کے بعد سال بھر گزر جائے تب اس پر زکوۃ لازم ہوگی تو یہ مسئلہ بے غبار ہوگیا، ہاں اس میں بحث ہے کہ جس کا دَینِ مہر زوج پر لازم ہے اور وہ بقدرِ نصاب ہے تو آیا وہ مصرف زکوۃ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے پاس فی الحال مقدارِ نصاب مانع عن اخذ زکوۃ موجود نہیں، علامہ ابن نُجیم لکھتے ہیں:

"وفی فتح القدیر: و لو دفع إلی فقیرۃٍ لها مهر دین علی زوجها یبلغ نصاباً، و هو موسرٌ بحیث لو طلبت أعطاها، لا یجوز. وإن کان بحیث لا یعطی لو طلبت، جاز، اه، و هو مقید لعموم ما فی الخانیة: والمراد من المهر ما تعورف تعجیله؛ لأن ما تعُرف تأجیله، فهو دینٌ مؤجل لا یمنع أخذ الزکوة، و یکون فی الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، و یفرق بینه و بین سائر الدیون بأن رفع الزوج للقاضی مما لا ینبغی للمرأۃ بخلاف غیره، لکن فی البزازیة: وإن کان موسراً والمعجل قدر النصاب، لا یجوز عندهما، و به یفتی للاحتیاط، وعند الإمام یجوز مطلقاً، الخ". البحر الرائق، المصرف(۱)۔

دَینِ مہر اور دیگر دیون میں کچھ فرق بھی ہے جس کو عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے، دَینِ مہر کے حق زوج مانع عن وجوب الزکوۃ ہونے اور بحق زوجہ موجب الزکوۃ ہونے میں تلازم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

مقروض پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت

سوال[۴۴۲۱]: زید سات ہزار روپیوں کا نو مہینوں سے مالک ہے اور قرضہ بھی تین ہزار روپیہ کا ہے وا جب رمضان کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس مہینہ میں زکوۃ دینا چاہتا ہے تو اب کتنی زکوۃ دینی چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ سات ہزار کا مالک ہے اور تین ہزار کا مقروض ہے اور ابھی صرف نو ماہ ہوئے ہیں، تو ابھی زکوۃ کا

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۲۰، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۴۲، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

ادا کرنا واجب نہیں، لیکن اگر ابھی زکوۃ ادا کردی جائے تب بھی ادا ہو جائے گی (۱)، صرف چار ہزار کی ادا کردے اور تین ہزار قرض میں منہا ہو جائیں گے، پھر سال ختم ہونے پر حساب کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۸/۹۰ھ۔

مقروض پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں

سوال [۴۴۲۲]: حامد کاروباری آدمی ہے کمپنی میں بطور ضمانت اس کا روپیہ ہے، لیکن جس قدر ضمانت ہے، اس سے زیادہ وہ مقروض ہے، کیونکہ قرض خواہ کو اس پر اعتماد ہے اس لئے تقاضا نہیں ہے تو ضمانت والے کا کیا ہوگا، زکوۃ دے یا نہیں؟ اگر دیتا ہے تو پہلے قرض دے اور قرض دیتا ہے تو کچھ نہیں رہتا، کمپنی سے روپیہ لینے پر کاروبار معطل ہو جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "يجوز التعجيل بعد ما ملك النصاب، ولا يجوز قبله". (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۶، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۶۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الأصلية". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "و من كان عليه دين يحيط بماله، و له مطالب من جهة العباد سواء كان من النقود أو من غيرها، وسواء كان حالاً أو مؤجلاً، فلا زكاة عليه". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي، مصر) .... =

مالکِ زمین مقروض پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۳]: ایک شخص کے پاس اسّی نوے بیگہ زمین ہے وہ اس کا مالک ہے، لیکن چار پانچ ہزار روپے کا مقروض ہے اور وہ اس زمین کی پیداوار سے بمشکل تمام اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ بچتا ہے اس کو وہ بسلسلۂ قرض، قرض خواہوں کو دیدیتا ہے۔ تو ایسا انسان شرعی طریقہ پر صاحب نصاب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے شخص پر زکوۃ قربانی وغیرہ واجب نہیں بلکہ وہ خود مستحق زکوۃ ہے:" و لا زکوة فی ثیاب البدن وأثاث المنزل ودور السکنیٰ ونحوها کالحوانیت والعقارات". درمختار شامی: ۱۰/۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

مقروض دوالیہ پر وجوبِ زکوۃ وقربانی کا حکم

سوال[۴۴۲۴]: زید آج سے پہلے دس ہزار کا مقروض تھا اور قرض خواہوں نے حکومت میں مقدمہ دائر کرادیا تھا مگر زید کے پاس کوئی ایسی ملک نہ تھی کہ حکومت کے قانون کے موافق قرض خواہوں کو دی جاتی، اس وجہ سے حکومت کا قانون زید سے اٹھ گیا۔ اب زید فی الحال کچھ رقم یعنی پانچ ہزار کا مالک ہوا ہے مگر قرض خواہوں کو رقم ادا کرنے میں وہ رقم پوری نہیں ہوسکتی، ایک قرض خواہ کو کچھ رقم دے تو دوسرا قرض خواہ پریشان کرتا ہے اور

= (وکذا فی الدر المختار: ۲۶۳/۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۴/۲، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیۃ: ۲۸۷/۲، الفصل العاشر فی بیان ما یمنع وجوب الزکاۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۳/۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۳/۲، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۳۸/۱، الفصل الخامس فی زکاۃ المال، امجد اکیڈمی، لاہور)

(وکذا فی النہر الفائق: ۴۱۵/۱، کتاب الزکاۃ، إمدادیہ)

زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ سب کو ادا کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ زید اس پانچ ہزار کی زکوۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ ادا کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید سمجھتا ہے کہ قرض ادا کرنا مقدم ہے مگر رقم کافی نہ ہونے کی بنا پر اور قرض خواہوں کے پریشان کرنے کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟ اور زکوۃ ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانونِ سرکاری کی رو سے اگر کوئی قرض خواہ قرض وصول نہ کر سکے تو زید شرعاً سبکدوش نہیں ہوا بلکہ زید کے ذمہ حتی الوسع اس کی ادائیگی فرض ہے اور جب تک قرض سے فاضل مقدارِ نصاب نہ ہو، زکوۃ فرض نہیں ہوگی (۱)، لہذا زید کو چاہئے کہ اولاً جس ترکیب سے مناسب اور مصلحت ہو قرض خواہوں کا قرض ادا کرے، پھر اگر فرض ہو، زکوۃ ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

حرام مال پر زکوۃ نہیں

سوال[۴۴۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں دیکھا تھا، یاد نہیں وہ کون سی کتاب تھی کہ حرام مال میں بھی زکوۃ واجب ہے البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال جس پر ملکیت ہی حاصل نہیں ہوتی اس میں زکوۃ لازم نہیں، بلکہ اس مال کی واپسی یا اس کا

---

(۱) "سببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد".

(الدر المختار: ۲/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۷۲، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في العناية على فتح القدير: ۲/ ۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تصدق لازم ہے جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں ہے (۱)۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یا کتاب سامنے ہوتو اس میں غور کیا جائے کہ کیا ارشاد فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۵ھ۔

مال حرام پر زکوۃ

سوال [۴۴۲۶]: اصل مال مثلاً ایک ہزار روپے میں سود کے ایک سو شامل ہوکر گیارہ سو روپے ہوگئے، کیا سود کی رقم کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ ایک مرتبہ مرادآباد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تھا: حرام، چوری، رشوت وغیرہ کیا ان اموال میں زکوۃ دینی ہوگی؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ (جہاں تک مجھے یاد ہے) جب مال ہیں تو زکوۃ دینی ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال اگر جدا ہو مخلوط نہ ہو تو اس پر ملکیت ثابت نہیں اس پر زکوۃ بھی نہیں لیکن اگر وہ حرام مال حلال مال کے ساتھ مخلوط کردے تو یہ استہلاک ہے جو کہ موجبِ ملک ہے، غالباً حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا جواب اسی بنیاد پر مبنی ہے لیکن جب کہ مقدار حرام مال کا تصدق واجب ہے تو پھر اس پر زکوۃ ہونے کا کوئی مطلب نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حرام مال کا ربع عشر بھی ادا کرے اور کل کو بھی صدقہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و لو خلط السلطان المال المغصوب بماله الخ .... هذا إذا كان له مال غير مستهلك بالخلط الخ .... وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعديه". (الدرالمختار).

وفي ردالمحتار: "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في البزازية: ۱/۸۶، كتاب الزكاة، الثاني في المصرف، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵، الفصل التاسع الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۹، ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (تقدم تخريجه. تحت عنوان: ''حرام مال پر زکوۃ نہیں'')

سنیما کی آمدنی پر زکوۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۴۴۲۷]: مسجد یا مدرسہ میں سنیما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سنیما ہاؤس مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کر کے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنیما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے، غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سنیما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر ملک ثابت نہیں اس پر زکوۃ نہیں بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۴۲۸]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی، سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ

---

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لا من مال الوقف فإنه حرام". (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف، مطلب: كلمة "لابأس" دليلٌ علىٰ أن المستحب غيره، سعيد)

(۲) "لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في البزازية: ۱/۸۶، الثاني في المصرف، رشيديه)

(و كذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۵، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمي، لاهور)

واجب ہوگی یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ یامسجد کے پاس جب رقم بقدرِ نصاب ہوتو اس میں زکوۃ لازم نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''فقیر'' قوم پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۹]: زید تجارت کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے مگر قوم سے فقیر ہے، اب بھی وہی پیشہ کرتا ہے تو زید پر زکوۃ وقربانی فرض ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کی فرضیت کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہوگا اس پر قاعدہ شرعی کے موافق زکوۃ فرض ہوجائے گی خواہ وہ کسی قوم سے ہو، جب زید کو اللہ تعالیٰ نے مالدار بنادیا ہے تو اس پر زکوۃ لازم ہے (۲) اوراس کو مانگنا جائز نہیں ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك". (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وسبب افتراضها ملك نصاب حوليّ، تامٍ، فارغٍ عن دَينٍ له مطالب من جهة العباد، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۳٦، كتاب الزكاة، قديمى)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمى)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "ولا يحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

قوم فقیر پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۰]: بکر کاشتکار ہے مگر قوم سے فقیر ہے، مانگنے کا پیشہ بھی کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے اور ساتھ ہی مزار کے چڑھاوے کا استعمال بھی کرتا ہے، بکر کہتا ہے کہ چونکہ ہماری قوم فقیر ہے اس لئے ہم پر زکوٰۃ اور قربانی کرنا فرض نہیں ہے۔ کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ بکر صاحبِ نصاب ہے تو اس کے ذمہ بھی زکوٰۃ لازم ہے، قوم فقیر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ معاف نہیں (۱)، مزار پر چڑھاوا جو کہ صاحبِ مزار پر چڑھایا جاتا ہے اس کا چڑھانا بھی ناجائز ہے اور اس کا کھانا بھی ناجائز ہے، بکر کو ہرگز نہیں کھانا چاہئے (۲)۔ مالدار ہونے کی وجہ سے قربانی بھی اس کے ذمہ لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۴ھ۔

ہبہ پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۱]: آج سے تقریباً ایک سال ہوا ہے بیرونِ ہند سے میرے پاس رقم بھیجی تھی اور خط

---

(۱) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) "ولايجوز أن يصرف ذلك لغني غير محتاج ولالشريف منصب؛ لأنه لايحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً .... ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق ولاينعقد ولاتشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيديه)

(۳) "(فتجب) التضحية (على مسلم مقيم موسر) يسار الفطرة. اهـ". (الدرالمختار: ۶/۳۱۲-۳۱۴، سعيد)

میں یہ لکھا کہ اس میں میرے اور زید وبکر کے ہیں، خیال ہوا کہ ان تین حضرات کی امانت ہے کہ اس قسم کی امانتوں کا سلسلہ ناچیز کے پاس رہتا ہے۔ ابھی چند دنوں پر میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ کی اس رقم کی ابھی تک تفصیل معلوم نہیں ہوئی ہے، زید وبکر میرے یہاں تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی مطالبہ نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رقم ہم تین کے لئے ہدیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ رقم کب سے میری ملک شمار ہوگی؟ میں اپنی زکوۃ کا سال ابتدائے رمضان سے شمار کر کے ابتدائے رمضان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی زکوۃ ادا کرتا ہوں، اب ربیع الاول میں معلوم ہوا کہ یہ رقم میری ملکیت ہے۔ کیا اس گذشتہ سال کی اس رقم کی زکوۃ مجھ پر ہوگی؟ جب رقم آئی تھی، نہ انہوں نے لکھا کہ یہ ہدیہ ہے اور نہ مجھے معلوم ہوا۔ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہبہ کے لئے قبول لازم ہے، قبول کے بعد سے موہوب پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے قبول نہیں کیا، آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی، جس وقت قبول کرلیا اس وقت سے آپ مالک ہیں (۱)۔ اسی وقت سے اس پر زکوۃ کا حساب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۹۰ھ۔

بیوہ پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۲]: بیوہ عورت کے پاس تخمیناً دوسو روپے مع زیور کے ہوئے اور اپنی گذر اوقات اپنے حقیقی لڑکے کے یہاں کرتی ہے اور لڑکا نان ونفقہ وعلاج اپنی ذاتی آمدنی سے کرتا ہے۔ تو ایسی عورت پر معمولی رقم

---

(۱) "و تصح بقبول: أی فی حق الموهوب له، أما فی حق الواهب فتصح بالإیجاب و حده ؛ لأنه تبرع". (الدرالمختار). "(قوله: و تصح بقبول): أی و لو فعلاً، الخ. و ما فی المحيط من أنها تدل علی أنه لا يشترط فی الهبة القبول مشكل. قلت: و يظهر أنه أراد بالقبول قولاً، و عليه يحمل كلام غيره الخ. نعم القبول شرط لو كان الموهوب فی يده". (ردالمحتار: ۵/ ۲۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۲۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "وشرطه: أی شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فی ملكه". (الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۶۷، سعيد)

پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

وکالت کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۳]: موجودہ وقت کے پیشِ نظر وکالت سے جو رقم زکوٰۃ کے نصاب کو پہونچ جاتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں اور اس رقم سے حج واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حوادث الفتاویٰ حصہ ثانیہ، ص:۱۵۳(۲) میں کچھ توجیہات کی ہیں جن سے پیشۂ وکالت کا جواز بعض

---

(۱) "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام". (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الخلاصة: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۲) **سوال:** "لیکن اگر وکالت کی فیس واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے، بلکہ مثل نفقہ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں اور اگر تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے کیونکہ غایت ما فی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا، باوجود اس کے وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عندالشرع ہوسکتا ہے اس میں بھی کسی قدر اس کی تائید ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے، چلے جاتے ہیں اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کر دیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں مگر فیس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے =

قیود کے ساتھ مستفاد ہوتا ہے، لیکن وہ قیود عامۃً ملحوظ نہیں ہوتی، اس لئے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول، ص:۵۳(۱) میں لکھا ہے کہ ''اس زمانہ کی وکالت اور محنتانہ حلال نہیں (۲)، ان کا کھانا بھی اچھا نہیں مگر بتاویل۔ پس اگر محض ناجائز وکالت کی آمدنی ہے تو اس پر نہ زکوٰۃ ہے نہ حج بلکہ واجب الرد ہے، ارباب اموال کو واپس کرے، وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کو دیا جائے، اگر اربابِ اموال کا علم نہ ہو تو غرباء پر صدقہ کردی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے نجات دے:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل ويتصدق به بنية صاحبه". ردالمحتار: ۲/ ۱۳۰(۳)۔

اگر مال مخلوط ہو کچھ حرام ہو اور کچھ حلال تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مال پر زکوٰۃ بھی فرض اور حج بھی، بشرطیکہ مقدارِ حلال بقدرِ نصاب ہو، مقدارِ حرام کا ضمان ادا کرنا لازم ہے:"لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلطه، صار ملكاًله حتى وجبت عليه الزكاة، الخ". فتح القدير: ۱/ ٤٨٢(٤)۔

اگر مال حرام سے حج کیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر حج قبول نہیں ہوگا:"ويجتهد من تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبةً،

= ورنہ ان کو کچھ ملنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کہ آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

الجواب: سائل نے جو توجیہات اس کے جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعۃ مختص بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم مجملہ طاعات کے ہے پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا حاصل یہ کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔ ۲۷/ رمضان المبارک/ ۱۳۳۲ھ (حوادث الفتاویٰ، اولیٰ، ص:۱۵۳)

(وکذا فی امداد الفتاوی: ۳/ ۳۱۹، دارالعلوم)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص: ۳۴۷، إدارہ اسلامیات)

(۲) ''محنتانہ: محنت کا صلہ، وکیل کی فیس''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۱۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورّث مالاً حراماً: ۶/ ۹۹، سعيد)

(۴) (فتح القدير، كتاب الزكاة: ۲/ ۱۵۴، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ولا تنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج". فتح القدير: ۲/۲۱۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۷۰ھ۔

جو روپیہ نابالغ کو دیدیا اس پر زکوۃ نہیں

سوال [۴۴۳۴]: زید نے پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ سے مندرجہ ذیل طریقہ سے روپیہ خرچ کیا:

۱- مکان خریدا جس کا کرایہ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔

۲- پانچ ہزار روپیہ اپنی لڑکی کی تمام شادی کے لئے جمع کردیئے، لڑکی زیر تعلیم ہے۔

۳- پانچ تولہ سونے کے زیور لڑکی کو بنوادیئے۔

۴- چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے لڑکے کے نام جو کہ ابھی زیر تعلیم ہے، بینک میں جمع کرادیئے۔

اب زید کو سوا سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی ہے اور سو روپیہ مکان کا کرایہ آتا ہے جس سے وہ اپنے، اپنی اہلیہ کے اور دونوں بچوں کے اخراجات اٹھاتا ہے، اس کی بیوی کے پاس شادی کے وقت کے پانچ تولہ، ۸/ ماشہ سونے کے اور ۴۵/ تولہ چاندی کے زیور ہیں اس کے پاس نقد بارہ سو روپے ہیں۔ اس صورت میں صرف اہلیہ کے زیورات پر زکوۃ فرض ہے یا ان رقوم اور زیورات پر بھی زکوۃ فرض ہے جو اس کے بچوں کے نام ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو روپیہ اور زیور زید نے اپنی ملک سے نکال کر دوسرے لڑکے لڑکی وغیرہ کی ملک میں دے کر اس کا اس پر قبضہ کرادیا (یعنی ہبہ شرعی کردیا) اس کی زکوۃ زید کے ذمہ نہیں، نابالغ کا قبضہ ضروری نہیں صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے یہ روپیہ یا زیور اس کو دیدیا ہے، اتنا کہنے سے بھی ہبہ صحیح ہوجاتا ہے۔ نابالغ کے مال میں زکوۃ نہیں ہے (۲)، جب وہ بالغ ہوجائے تب لازم ہوگی۔ اور کرایہ کے مکان میں بھی زکوۃ نہیں، کرایہ کا

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۷، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "و شرط افتراضها عقل و بلوغ". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة، و ليسا مخاطبين بها، وإيجاب النفقات والغرامات لكونها من حقوق العباد =

روپیہ جو سالانہ خرچ ہوجاتا ہے سال بھر باقی نہیں رہتا اس میں بھی زکوۃ نہیں (۱)۔ بیوی کے مال میں زکوۃ بیوی کے ذمہ ہے، اس کی اجازت سے شوہر دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۲)۔ بالغ اولاد کے مال میں خود اولاد کے ذمہ زکوۃ ہے، اس کی اجازت سے والد دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۳)۔ بارہ سو روپیہ جو زید کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہیں اس کی زکوۃ زید کے ذمہ ہے۔ زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یعنی بارہ سو روپیہ کی زکوۃ

= والعشر الخ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۵۸، مطلب في أحكام المعتوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "و ملك نصاب حولي فارغ عن الدين، وحوائجه الأصلية، نام، ولو تقديراً". (البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۳، كتاب الزكاة، إمداديه)

(وكذا في المبسوط: ۱/۲۲۵، الجزء الثاني، كتاب الزكاة، المكتبة الغفاريه)

(۲) "من أدى زكاة مال غيره من مال نفسه بأمر من عليه الزكاة، جاز، بخلاف ماإذا أدى بغير أمره، ثم أجاز، شرح الطحاوي. ولو تصدق عن غيره بغير أمره، جازت الصدقة عن نفسه ولاتجوز عمانوى عنه وإن أجازه ورضي به. وهذا إذا كان المال الذي تصدق به مال نفسه، فأما إذا كان المال مال المتصدق عنه فإن أجازه جاز، إن كان المال قائماً، وإن كان المال هالكاً جاز عن التطوع". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲/۲۸۴، كتاب الزكوة، المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

"رجل أدّى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك، فإن كان المال قائماً في يد الفقير جاز، وإلافلا، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في شرائط الركن: ۲/۲۶۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "ومثل هذه الولاية لاتتأدى بها العبادات بخلاف ماإذا وكل بالأداء بعد البلوغ، فتلك نيابة عن اختيار، وقد وجدت النية والعزيمة منه، وبه فارق صدقة الفطر، فإن وجوبها لمعنى المؤنة حتى تجب على الغير بسبب الغير، وفيه حق للأب، فإنا لولم فوجب في ماله، احتجنا إلى الإيجاب على الأب كما إذا لم يكن للصبي بخلاف الزكاة". (المبسوط للسرخسي: ۲/۲۱۹، كتاب الزكوة، غفاريه)

تیس روپے ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک میں جمع روپے پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۵]: ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں اور ان روپیوں پر ابھی ایک سال نہیں گزرا کہ زکوۃ اس پر فرض ہوجائے بلکہ چھ ماہ یا نو ماہ ایک سال سے کم کم ہے اور اس نے اس روپے کو بینک یا مسلم فنڈ میں جمع کردیا ہے، بقیہ ماہ سال کے پورے ہوتے ہیں، لہٰذا جب بینک میں پہونچ کر ایک سال پورا ہوجائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوجائے گی یا نہیں؟ یا اپنے پاس رہنا شرط ہے جب کہ وہ روپیہ بینک میں جمع شدہ اپنی ملکیت ہے یا ملکیت سے خارج ہوجاتا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب بینک میں جمع کیا ہے تو اس کو ہر وقت لینے پر قدرت ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اپنے پاس ہوتا، پس اس کی زکوۃ ادا کرتا رہے، جتنے ماہ سال پورا ہونے میں باقی ہیں جب وہ پورے ہوجائیں تو زکوۃ ادا کردے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

---

(۱) "والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أى: ۲،۵٪ من قيمتها مع بحرما في نهاية كل عام على مالكها الذى حال عليه الحول بعد تملكها". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۸۳۶/۳، كتاب الزكوة، زكاة الأوراق النقدية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، كتاب الزكوة، باب زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۲) "و شرط افتراض أدائها حولان الحول، و هو في ملكه، و ثمنية المال كالدارهم والدنانير، الخ". (الدرالمختار). "(و هو في ملكه): أى والحال أن نصاب المال في ملكه التام كما مر، الخ".

(ردالمحتار: ۲۶۷/۲، كتاب الزكاة، سعيد) ....=

نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

زید نے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ روپیہ نصاب سے زیادہ ہے تو اب اس روپے کی زکوۃ زید دیگا، یا اس کا نابالغ لڑکا دے گا، یا نہیں دے گا؟ اور ڈاکخانے والے اس روپیہ کا سود بھی دیتے ہیں، اگر نہ لیا جائے تو وہ اپنے مشن وغیرہ میں لگا دیتے ہیں، اگر سود لے کر کسی غریب وغیرہ کو دیدیا جائے اور ثواب کی امید نہ رکھی جائے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں وہ نابالغ لڑکا اس روپیہ کا مالک ہوگیا، نابالغ پر زکوۃ واجب نہیں لہذا اس کی زکوۃ نہ زید دے گا نہ وہ نابالغ لڑکا(۱)۔ سود کے نام پر جو کچھ وہاں سے ملے اس کو وصول کرلیا جائے۔ پر احتیاط یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، جب لڑکا بالغ ہوجائے تو وہ خود ہی وہ روپیہ غریبوں کو دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۹۰، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المال، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط افتراضها عقل و بلوغ وإسلام .... سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام، اهـ".

(الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱/۲۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وتصرف الصبي ..... إن كان نافعاً ..... صح ..... وإن ضاراً كالطلاق ..... والصدقة والقرض، لا".

(الدرالمختار). "(قوله: وإن ضاراً الخ): أي من كل وجه: أي ضرراً دنيوياً وإن كان فيه نفع أخروي كالصدقة والقرض .... وإن أذن به وليهما، لاشتراط الأهلية الكاملة، وكذا لو أجازه بعد بلوغه، إلا إذا كانت بلفظ يصلح لابتداء العقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون: ۶/۱۷۳، سعيد)

"الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم ..... ويتصدق بنية صاحبه ..... إذلو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله، الخ".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۷]: ایک شخص کے نام اس کا باپ گورنمنٹ کے بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے، روپیہ جمع کرنے کی شرط اور وصول کرنے کے پہلے استفتاء میں مذکور ہوچکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کے نام اس کے باپ نے اس کے بچپن میں روپیہ جمع کیا اس میں زکوۃ ہے تو کس پر؟ اس شخص کے نام روپیہ جمع ہونا بند بھی ہوسکتا ہے۔ اس شخص کی ضروریات شادی وغیرہ میں روپیہ نکالنے کا حق باپ ہی کو رہتا ہے نکالتے وقت مقدار نقد گورنمنٹ کے یہاں سے منظور کرانی پڑتی ہے پھر دینا ہوتی ہے، پنشن یا موت سے پہلے نہ باپ نکال سکتا ہے اور نہ بیٹا، یہ شخص فی الوقت نادار بھی ہے اور محتاجِ تصدق، اس کے لئے احکام شرعیہ تفصیلاً بیان ہوں۔

عبیداللہ بلیاوی مظاہری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں روپیہ بچہ کی ملک نہیں بلکہ باپ ہی کی ملک ہے لہذا باپ ہی پر زکوۃ واجب ہے(۱)، جب بچہ بڑا ہو کر روپیہ پر قبضہ کرلے گا اس کی زکوۃ بعد حولانِ حول خود اس پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۱ھ۔

جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۸]: ایک جہاز میں بہت سے مسافر سوار تھے، راستے میں جہاز گر گیا اور سارے مسافر مر گئے، اب ان کے ورثاء کو کمپنی نے چالیس ہزار روپیہ رقم دی ہے، بیمہ وغیرہ نہیں کیا تھا بلکہ کمپنی نے اپنے قانون کے تحت یہ رقم دی ہے۔ کیا سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ پڑے گی؟

---

(۱) "سبب افتراضها ملك نصاب حولي نام فارغ عن دينٍ له مطالب. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۲، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم کمپنی نے جس کو دی ہے وہ اس کی ملک ہے(۱)، دوسرے مملوکہ مال کی طرح اس کی بھی زکوۃ لازم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۹]: جتنی مقدار کرایہ جہاز میں حج کے لئے جا چکا ہے جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے، کیا اس کی زکوۃ دی جائے جب کہ سال پورا نہیں ہوا؟ سال ماہِ رمضان میں پورا ہوتا ہے، روپیہ پہلے جا چکا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو روپیہ حج کے ٹکٹ کے لئے دے دیا اور اس کا ٹکٹ خرید لیا اور اس پر سال پورا نہیں ہوا تھا تو اس روپیہ کی زکوۃ لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) "(هي) لغة: التفضل على الغير ولو غير مال. وشرعاً (تمليك العين مجاناً): أي بلاعوض (فحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم) فله الرجوع والفسخ". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۳۷۴/۴، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "بینک میں جمع رقم پر زکوۃ")

(۳) "إذا أمسكه لينفق منه كل مايحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكي ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول، بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها، الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۶۲/۲، سعيد)

جو روپیہ کھیت میں لگا اس پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۴۴۰]: ایک مقام پر عامۃ الناس ہزاروں روپیہ لگا کر کھیتی کرتے ہیں، تقریباً چھ ماہ تک وہ روپیہ کھیت میں لگا رہتا ہے پھر چھ ماہ تک اپنے پاس رہتا ہے، ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روپیہ کا سامان (بیج وغیرہ) خرید کر جب کھیت میں لگا دیا تو روپیہ ختم ہو گیا، کھیت تیار ہونے کے بعد جب غلہ فروخت کیا اس کی قیمت کا روپیہ وصول ہوا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور نقد موجود نہیں اور اس روپیہ پر سال بھر نہیں گزرا بلکہ اس سے پہلے ہی کھیت کے کام میں خرچ ہو گیا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۸ھ۔

حج کے روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۴۱]: ہم لوگ نصف رمضان تک زکوۃ نکال دیتے ہیں لیکن اس سال ہمارے والد صاحب رمضان سے قبل حج کو جا رہے ہیں تو اس روپیہ کی بھی زکوۃ نکالنی ہو گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم والد صاحب لیکر حج کو جائیں گے اگر اس پر سال پورا ہو چکا ہے تو اس کی زکوۃ چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اگر سال بھر پورا ہونے سے قبل وہ خرچ میں آجائے تو اس پر زکوۃ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "سبب افتراضها ملك نصاب حولي، نسبة حولٍ لحولانه عليه". (الدر المختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۵۵، كتاب الزكاة: مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التبيين الحقائق للزيلعي: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ کھیتی سے جو پیداوار حاصل ہو جائے اس پر عشر یا نصف عشر لازم ہے۔

(۲) "في المعراج في فصل زكوة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسك للنماء أو للنفقة". =

مکان کے لئے جمع رقم پر زکوۃ

سوال[۴۴۴۲]: انڈیا کا ایک آدمی انگلینڈ میں ہے اس کے پاس ۸/ ہزار روپے بنک میں جمع ہے، اب اس شخص کا ارادہ وہاں مکان بنانے کا ہے، ممکن ہے کچھ قرض بھی ہو جائے تو اب اس جمع کردہ پیسوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خرچ کرنے سے پہلے جب اس جمع شدہ روپیہ پر سال بھر گزر گیا تو اس پر زکوۃ فرض ہوگئی، زکوۃ ادا کر کے پھر مکان وغیرہ بنائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر

سوال[۴۴۴۳]: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس رمضان ۹۲ھ کی پہلی تاریخ کو دو ہزار روپے تھے، دو مہینہ تک ایک دو ہزار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ دو مہینے بعد اس میں زیادتی ہوئی تجارت کے وسیلہ سے، یہاں تک کہ ۹۳ھ کی پہلی تاریخ کو مبلغ پانچ ہزار روپے ہوگئے اور مجھ پر زکوۃ صرف دو ہزار پر واجب ہے یا پورے پانچ ہزار پر؟ مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال فرمائیں۔

= (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاۃ، قدیمی)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاۃ، رشیدیہ)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ"۔)

"الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاۃ، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمية، بیروت)

(وکذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاۃ، إدارة القرآن، کراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں پانچ ہزار کی زکوۃ لازم ہوگی، درمیانِ سال میں جس قدر آمدنی میں اضافہ ہو ختمِ سال پر اس تمام پر زکوۃ ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حیلۂ عدمِ وجوبِ زکوۃ

سوال[۴۴۴۴]: کوئی شخص سال آنے پر اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کردے پھر جب دوسرا سال آنے لگے تو بیٹا باپ کو ہبہ کردے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے اور کیا یہ بھی حیلہ بازی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ زکوۃ فرض نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے:

"وإذا فعله حيلةً لدفع الوجوب كإن استبدل نصاب السائمة باٰخر أو أخرجه عن ملكه، ثم أدخله فيه، قال أبو يوسف: لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب، لا إبطال حق الغير. و في المحيط: إنه الأصح. و قال محمد رحمه الله تعالى: يكره، و اختاره الشيخ حميدالدين الضرير؛ لأن فيه إضراراً بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً، و كذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها، وقيل: الفتوىٰ في الشفعة على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، و في الزكوة على قول محمد رحمه الله تعالىٰ، و هذا تفصيل حسنٌ، شرح درر البحار". (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "المستفاد ولو بهبةٍ أو إرثٍ وسطَ الحول يضمّ إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل".

(الدر المختار: ۲/۲۸۸، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۴، سعيد) .... =

زکوۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ

سوال[۴۴۴۵]: زکوۃ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا مال دوسرے کی طرف منتقل کردے کسی امام کے نزدیک جائز ہے اور آیا امام شافعی یا ان کے علماء نے امام مذکور بالا پر لعن طعن کی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس مسئلہ میں امام صاحب کی جو اس کے جواز کے قائل نہیں تکذیب کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز تکذیب کے کیا معنی ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"قال في البحر: اعلم أنه لو وهب النصاب في خلال الحول، ثم تم الحول و هو عند الموهوب له، ثم رجع الواهب بعد الحول بقضاء أو بغيره، فلا زكوة على واحد منهما، كما في الخانيه. و هي من حيل إسقاط الزكوة قبل الوجوب. و في المعراج: و لو باع السوائم قبل تمام الحول بيوم فراراً عن الوجوب قال محمد رحمه الله تعالىٰ: يكره، و قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يكره، و هو الأصح. ولو باعها للنفقة، لا يكره بالإجماع، و لو احتال لإسقاط الواجب يكره بالإجماع، و لو فر من الوجوب بخلاً لا تأثّما يكره بالإجماع، اهـ". طحطاوی ص:٤٢٢(١)۔

= قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ومنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم". (الدر المختار).

وقال ابن عابدينؒ: "هذه المسئلة من حيل إسقاط الزكوة، بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلاً، ثم يرجع في هبته بعد تمام الحول، والظاهر أنه لورجع قبل تمام الحول يسقط عنه الزكوة أيضا، لبطلان الحول بزوال الملك، تأمل. وقد منا الاختلاف في كراهية الحيلة عند قوله: ولا في هالك بعد وجوبها بخلاف المستهلك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، مطلب في وجوب الزكوة في دين المرصد: ٢/٣٠٨، سعيد)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٧١٨، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٣٨٣، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢/١٩١، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجتہدین کے نزدیک بعض صورتوں میں حیلہ درست ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک درست ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک مکروہ ہے۔ لعنت کرنا کسی مسلمان پر درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع ہے۔ اگر تکذیب کا مطلب یہ ہے کہ بعض مجتہدین کی طرف اس مسئلہ کا انتساب غلط ہے تب تو یہ ناواقفیت پر مبنی ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے یعنی حیلہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے تو یہ بعض مجتہدین کے قول کے موافق صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی صورت میں حیلہ درست نہیں تو غلط ہے کیونکہ بعض صورتوں میں بالاجماع ایسا کرنا درست ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۶ھ۔

کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟

سوال [۴۴۴۶]: کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ:

ایک آدمی کے پاس نصابِ شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اگر لڑکی کے والدین اپنی دختر کو سفید ہاتھوں بیاہ دیں تو دولہا اور اس کی قوم کی نگاہوں میں وہ لڑکی کس قدر ذلیل وخوار ہوتی ہے بلکہ تمام عمر لڑکی کی زندگی برباد ہوتی ہے اور نیز نرینہ اولاد کے واسطے ظاہری اسبابِ معاش بھی نہیں ہیں۔ غالباً کسی صحیح حدیث شریف کا مضمون بھی ہے کہ اولاد کو لوگوں کا دست نگر نہ چھوڑو (۱)۔ ضروریات مذکورہ بالا حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ بحوالہ آیت مقدسہ یا صحیح حدیث شریف یا روایاتِ فقہیہ حنفیہ۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد پر خود ہے،

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إنک إن تذر ورثتک أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول: ۱/۲۶۵، قديمی)

(والصحيح للبخاری، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأصل: ۲/۸۰۶، قديمی)

اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں صرف عدمِ بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ واجب ہوتا ہے وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں اتنا مال نہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا:

"تجب النفقة والكسوة عليه لأولاده الصغار الفقراء، لقوله تعالىٰ: ﴿و على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ والمولود له هو الأب، فأوجب عليه رزق النساء لأجل الأولاد، فلأن تجب عليه نفقة الأولاد بالطريق الأولى .... : و بقيده بالطفل والفقير يفيد عدم وجوبها إذا كان الولد غنياً أو كبيراً، و هذا صحيح، اهـ". زيلعي: ۶۲/۳(۱)۔

حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ اولاد کی تمام عمر کا انتظام کر کے مَر و اور صدقاتِ واجبہ بھی ادا نہ کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد کے پاس مال نہیں ہے اور یہ احتمال قریب ہے کہ تمہارے بعد وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے گی تو تمہارے لئے صدقاتِ نافلہ میں خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے رہنے دو اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اولاد صالح ہو، اگر یہ خیال ہو کہ بعد میں اولاد فسق و فجور اور معصیت میں خرچ کرے گی تو اپنی زندگی میں تمام مال مصارفِ خیر پر صرف کرے تو بہتر ہے:

"ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير و يحرمه من الميراث، هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة". عالمگیری، ص: ۱۶۰(۲)۔

اور صورتِ مسئولہ میں اگر اس نقد روپیہ پر ایک سال پورا گزر چکا ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے: "إنه كان

(۱) (تبيين الحقائق: ۳۲۵/۳، باب النفقة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴۱۰/۴، فصل: و نفقة الأولاد الصغار الخ: مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۴۶/۴، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، غفاريه كوئته)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۱/۴، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في الخلاصة: ۴۰۰/۴، جنس آخر في الهبة من الصغير، امجد اكيڈمی لاهور)

تجب في النفقة كيفما أمسكه للنماء أو النفقة". ردالمحتار: ۲/۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی! السلام علیکم

جیسا کہ آپ جناب کو علم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلے پر غور کررہی ہے۔ زکوۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے، کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنائت فرمائیں گے، چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے، لہٰذا درخواست ہے کہ آپ جناب ۳۱/ اگست/ ۱۹۴۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔

والسلام! وقار احمد سیکرٹری زکوۃ کمیشن وزارتِ مالیات حکومتِ پاکستان۔

زکوۃ کی تعریف

[۴۴۴۷]: ا...... زکوۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟

[۴۴۴۸]: ۲...... کن کن لوگوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں عورتوں، نابالغوں، مسافروں، فاتر العقل افراد، مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

وجوبِ زکوۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟

[۴۴۴۹]: ۳...... زکوۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیے؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۵، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان)

وجوبِ زکوۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت

[۴۴۵۰]: ۴..... زکوۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے؟

زکوۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟

[۴۴۵۱]: ۵..... کیا کمپنیوں کو زکوۃ ادا کرنی چاہیے، یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً زکوۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے؟

اداروں پر زکوۃ

[۴۴۵۲]: ۶..... کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے۔

قابلِ انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوۃ ہے یا بیچنے والے پر؟

[۴۴۵۳]: ۷..... جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخصِ زکوۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوۃ واجب ہوگی، خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر؟

کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۵۴]: ۸..... کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالات کے پیشِ نظر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ بالخصوص ان چیزوں کے بارے میں یا ان (مندجہ ذیل) سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی؟

(الف) نقدی سونا، چاندی، زیورات اور جواہرات۔

(ب) دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

(ج) بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ رکھی ہوئی چیزیں، لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے، مرہونہ جائیداد اور ایسی جائیداد جو قابلِ ارجاع نالش ہو۔

(د) عطیات۔

(ہ) بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

(و) مویشی، شیر خانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل اور پھول۔

(ز) معدنیات۔

(ح) برآمد شدہ دفینہ۔

(ط) آثارِ قدیمہ۔

(ی) جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

(ک) مچھلی، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

(ل) پیٹرول۔

(م) درآمد برآمد۔

دورِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوٰۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ

[۴۴۵۵]:۹......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم) نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

نِکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوٰۃ

[۴۴۵۶]:۱۰...... کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو سکے رائج نہیں رہے جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں ان کا بھی اس سلسلے میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں؟

مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوٰۃ

[۴۴۵۷]:۱۱......مالِ ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے؟ اس سلسلہ میں بینکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے؟

مالِ نامی کے حدود

[۴۴۵۸]:۱۲......اغراضِ زکوٰۃ کے لئے مالِ نامی (نمو پذیر) کے حدود بیان کیجئے؟ کیا صرف مالِ نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوۃ کے قواعد

[۴۴۵۹]: ۱۳..... جو مکان، زیورات، دوسری چیزیں کرایہ پر دی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

کن کن مملوکہ جانورں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۶۰]: ۱۴..... کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوۃ نقدی کے شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جاسکتی ہے؟ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہونی چاہیے؟

اموالِ زکوۃ پر زکوۃ کی شرح

[۴۴۶۱]: ۱۵..... جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوۃ کس شرح سے لی جائے؟

کیا دورِ خلفائے راشدین میں بعض اموالِ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟

[۴۴۶۲]: ۱۶..... خلفائے راشدین کے دور میں نقدی سکوں، مویشیوں، سامانِ تجارت زرعی پیداوار پر زکوۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی وجوہ بیان کیجئے۔

دوسو نقرئی درہم، بیس طلائی مثقال کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوۃ

[۴۴۶۳]: ۱۷..... نقدی کی صورت میں اگر زکوۃ دوسو نقرئی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے، اناج کی صورت میں (صاع ووسق) پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

موجودہ حالات کے پیشِ نظر شرحِ زکوۃ میں تبدیلی

[۴۴۶۴]: ۱۸..... کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

مختلف اثاثوں پر وجوبِ زکوۃ کی مدت

[۴۴۶۵]: ۱۹..... مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوۃ ہے؟

[۴۴۶۶]: ۲۰..... اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

ادائے زکوۃ میں شمسی وقمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین

[۴۴۶۷]: ۲۱..... زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہیے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر رہنا چاہیے؟

زکوۃ کے مصارف

[۴۴۶۸]: ۲۲..... زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیے؟

مصارف کے حدود اور "فی سبیل اللّٰہ" کا مفہوم

[۴۴۶۹]: ۲۳..... قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی حدود بیان کیجئے بالخصوص اصطلاح "فی سبیل اللّٰہ" کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کیجئے؟

تمام زکوۃ کو تمام مصارف میں یا متعین حصہ متعین مصرف میں صَرف کیا جائے؟

[۴۴۷۰]: ۲۴..... کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے، یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے؟

مستحقینِ زکوۃ کے استحقاق کے حالات اور بنی ہاشم کو زکوۃ کا حق

[۴۴۷۱]: ۲۵..... مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے، پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ سیدوں بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے؟

9

مصرفِ زکوۃ افراد ہیں یا ادارے؟

[۴۴۷۰]:۲۶......کیا زکوۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اورمحتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے؟

غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوۃ

[۴۴۷۳]:۲۷......کیا زکوۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے؟

زکوۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صَرف کرنا

[۴۴۷۴]:۲۸......کیا زکوۃ کی رقم رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظِ مذہب وملت فائدہ اٹھا سکے۔

زکوۃ کی رقم بطورِ قرض دینا

[۴۴۷۵]:۲۹......کیا زکوۃ کی رقم کسی شخص کو قرضۂ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

مصرفِ زکوۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟

[۴۴۷۶]:۳۰......کیا یہ ضروری ہے کہ زکوۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسی میں صَرف کی جائے، یا اس علاقے سے باہر، یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے، یا آفاتِ ارضی وسماوی مثلاً زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

ترکۂ میت سے زکوۃ لینا

[۴۴۷۷]:۳۱......متوفی کے ترکہ سے زکوۃ وصول کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

عدمِ وجوبِ زکوۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر

[۴۴۷۸]:۳۲......ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرسکیں؟

تحصیلِ زکوۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟

[۴۴۷۹]: ۳۳...... زکوۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا صوبوں کے ہاتھ میں، اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہیں؟

زکوۃ کے نظم ونسق کا طریقہ اور وصولِ زکوۃ کے لئے الگ محکمہ

[۴۴۸۰]: ۳۴...... آپ کی نظر میں زکوۃ کے نظم ونسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

زکوۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟

[۴۴۸۱]: ۳۵...... کیا زکوۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے، یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے؟

دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوۃ وغیرہ

[۴۴۸۲]: ۳۶...... کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے، اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا؟

اسلامی ممالک میں وصولیٔ زکوۃ کا طریقہ

[۴۴۸۳]: ۳۷...... اسلامی ملکوں میں زکوۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے؟

انتظامِ زکوۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟

[۴۴۸۴]: ۳۸...... کیا زکوۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے، یا کوئی مجلسِ اُمناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

منتظمینِ زکوۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط

[۴۴۸۵]: ۳۹...... زکوۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں،

الاؤنس، پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور شرائطِ ملازمت کیا ہیں؟

نوٹ: حکومت پاکستان نے ۳۹ سوالات پر مشتمل استفتاء دارالافتاء مظاہر علوم میں بھیجا، حضرت والا دامت برکاتہم نے جوابات تحریر فرمائے، مگر افسوس کہ سوالات دستیاب نہ ہوسکے اس لئے صرف جوابات کو درج کیا جارہا ہے (☆)۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم:

۱...... مالِ مخصوص (نصاب کا چالیسواں حصہ، یا جو شرعاً اس کے قائم مقام ہو جیسے جانوروں میں زکوۃ کا متعینہ حصہ) کا شخصِ مخصوص (مصرف) کو مالک بنادینا اور اس میں اپنی کوئی منفعت نہ ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو:

"هي تمليك مال مخصوص و هو ربع عشر النصاب أو ما يقوم مقامه من صدقات السوائم لشخص مخصوص، اهـ". مراقي الفلاح و طحطاوي(۱)۔ "أي مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ، اهـ". درمختار(۲)۔

۲...... جو شخص عاقل، بالغ مسلم، حر (آزاد) مالکِ نصابِ نامی ہو (جس پر سال بھر گزر چکا ہو اور وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد اور دیونِ انسانی سے فارغ ہو) اس پر زکوۃ فرض ہے۔ عورتوں، قیدیوں، مسافروں، مستأمنوں میں اگر یہ صفات موجود ہوں تو ان پر بھی فرض ہے۔ نابالغوں پر فرض نہیں۔ وہ مجنوں جس کو افاقہ نہ ہو اس پر فرض نہیں، جس کو افاقہ بھی ہوتا ہو اس میں تفصیل ہے، کتبِ فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ فاتر العقل یعنی کم عقل پر حسبِ شرائط فرض ہوگی:

"و شرطُ افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية، والعلم به و لو حكماً لكونه في دارنا. وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دينٍ له مطالب من جهة

(☆) الحمدللہ! ہمیں خیر الفتاویٰ سے وہی سوالات مل گئے اور شروع میں منسلک کردیئے ہیں۔

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمي)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۵۶، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

العباد، وعن حاجته الأصلية، اهـ". در مختار۔ "(قوله: عقل و بلوغ) فلا تجب علی مجنون و صبی، اهـ". شامی(۱)۔

۳..... پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا حکم ہوجائے گا، اس سے قبل اگر علاماتِ بلوغ ظاہر ہوں تو علامات کے ظہور کے وقت سے بالغ تصور کیا جائے گا:

" بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء، فمتیٰ يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتیٰ، اهـ". درمختار(۲)۔

۴..... سونے چاندی کے زیورات میں اوران میں جن میں سونا چاندی غالب ہو زکوۃ فرض ہوگی جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہوں اگر چہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں:

"و لو كانت الفضة أو الذهب حلياً أو غيره، تجب فيهما الزكاة، اهـ". زیلعی(۳)۔

"واللازم فی كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا، و لو للتجمل، والنفقة ربع عشر، اهـ". در مختار بحذف۔ "(قوله: أو حلياً) ما تتحلی به المرأة من ذهب أو فضة. (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأوانی مطلقاً و لو من فضه. (قوله: ولو للتجمل): أی التزين بهما فی البيوت من غير استعمال، اهـ". شامی(۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۵۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا فی النهر الفائق: ۴۱۲/۱، كتاب الزكاة، امداديه)

(و كذا فی تبيين الحقائق: ۱۹/۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۱۵۳/۲، بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد)

(كذا فی فتح القدير: ۲۷۰/۹، فصل فی حد البلوغ، مصطفى البابی الحلبی، مصر)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۶۱/۱، الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۸۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (الدرالمختار: ۲۹۸/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا فی تبيين الحقائق: ۷۲/۲، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(و كذا فی مجمع الأنهر: ۳۰۵/۱، كتاب الزكاة، دارالكتب العلميه بيروت)

۵......اگر حصہ داروں نے کمپنی کوادائے زکوۃ کا وکیل بنادیا ہے تو کمپنی ادا کردے ورنہ حصہ داران ادا کریں(۱)۔

۶......جس کا حصہ خود یا اس کے دوسرے مالِ زکوۃ کے ساتھ مل کر مقدار نصاب ہو اس پر زکوۃ فرض ہوگی، لیکن مشینری اور سامان جو کارخانہ چلانے کے لئے ہے، تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ نہیں:

"وشرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير أو السوم أو نية التجارة فى العروضِ إما صريحاً و لا بد من مقارنتها لعقد التجارة، أو دلالةً بأن يشترى عيناً بعرض التجارة. اهـ". در مختار (۲)۔

۷......اگر مالک نے سال بھر گزرنے پر فروخت کیا ہے تو فروخت کرنے والے پر زکوۃ فرض ہوگی، اگر اس سے پہلے فروخت کیا ہے تو اس پر فرض نہیں بلکہ خریدنے والے پر فرض ہوگی جب کہ اس کی ملک میں سال بھر پورا ہو جائے، یا اس کے پاس کوئی اور مال بقدرِ نصاب ہو تو اس مالِ سابق کا سال پورا ہونے پر اس کے ساتھ اس خرید کردہ حصہ پر بھی زکوۃ ہوگی (۳)۔

۸......سونا چاندی رائج الوقت سکے، سوائم، زمین کی پیداوار:

---

(۱) "و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً". (الدرالمختار). "وأما المقارنة للدفع إلى الوكيل فهى من الحكمية."(ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۸، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۶۶، الفصل السابع فى أداء الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/۱۶۹، كتاب الزكاة، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۶۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۲۸۷، فصل فى حولان الحول، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "ولا فى هالک بعد وجوبها .... والمستفاد و لو بهبة أو إرث وسط الحول، يضم إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصلي الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۸۸، فصل فى زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۵۶، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۳۸۰، فصل فى الغنم، رشيديه)

(الف) نقدی سونا چاندی کے زیورات، وہ زیورات جن میں سونا چاندی غالب ہو،ان میں بہرصورت زکوۃ فرض ہوگی، خواہ یہ تجارت کے لئے ہوں خواہ کسی اَورغرض کے لئے ہوں (۱)۔ جواہرات اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں:

"لا زكوة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً، إلا أن تكون للتجارة، والأصل أن ما عدا الحجرين والسائم إنما يزكى بنية التجارة، اهـ". در مختار (۲)۔

(ب) جن سکوں میں سونا چاندی غالب ہواور دوسری دھات مغلوب ہو، وہ خالص چاندی سونے کے حکم میں ہے اور جو سکے دوسری دھات کے ہوں یا ان میں دوسری دھات غالب ہوان میں قیمت کے اعتبار سے زکوۃ فرض ہوگی یعنی اگران کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں اور نوٹ میں اس کے روپیوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

"غالب الفضة والذهب فضة وذهب، اهـ". در مختار۔ "الفلوس إن كانت أثماناً رائجةً أو سلعةً للتجارة، تجب الزكوة في قيمتها، و إلا فلا، اهـ". شامی (۳)۔

(ج) جو امانت بینک یا کسی دوسری جگہ محفوظ ہواس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، جو قرض کسی سے لیا ہو اس پر زکوۃ نہیں، جو قرض کسی کو دیا ہواس پر واجب ہے، مگر وصول سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں (۴)۔ مرہونہ

---

(۱) "واللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً .... غالب الذهب والفضة فضةٌ وذهبٌ ما غلب غشه يقوّم كالعروض، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، الفصل الأول في الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة رقمها: ۱)

(۴) " فتجب زكاتها إذا تم نصاباً أو حال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهمًامن الدين =

جائیداد کی زکوۃ راہن پر نہیں (۱)۔ متنازعہ فیہ جائیداد کا فیصلہ جس کے حق میں ہوگا اس پر زکوۃ ہوگی بشرطیکہ وہ اموالِ زکوۃ میں سے ہو، زمینِ کاشت پر زکوۃ نہیں۔

(د) اگر عطیات ان اموال میں سے ہوں جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور معطیٰ لہ کو مالک بنادیا گیا ہوتو شرائطِ زکوۃ کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

(ہ) پراویڈنٹ فنڈ میں جو حصہ تنخواہ سے جمع کیا جاتا ہے اس کی زکوۃ شرائط کے مطابق واجب ہوگی اور جو گورنمنٹ خود جمع کرتی ہے اس پر ابھی واجب نہیں، وصول ہونے کے بعد شرائط کے مطابق واجب ہوگی (۳)۔ بیمہ پالیسیاں کی ہمیں تحقیق نہیں کیا ہے (۴)۔

= القوی کقرض و بدل التجارة، الخ". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۰۵/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانية: ۳۰۰/۲، باب زکاة الديون، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیرية: ۱۷۵/۱، کتاب الزکاة، رشيديه)

(۱) "ومن موانع الوجوب الرهن إذا کان فی يد المرتهن لعدم الملک إليه". (البحرالرائق: ۳۵۵/۲، کتاب الزکاة، رشيديه)

(وکذا فی الدر المختار: ۲۶۳/۲، کتاب الزکاة، سعيد)

(وکذا فی التاتارخانية: ۳۰۶/۲، المال الذی يتوی ثم يقدر عليه، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "الزکاة واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم إذا بلغ نصابًا ملکاً تاماً، وحال عليه الحول. الملک التام أن يکون ملکه ثابتاً من جميع الوجوه، و لا يتمکن النقصان فيه بوجهٍ کما فی المديون والمکاتب، الخ". (التاتارخانية: ۲۱۷/۲، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدير: ۱۵۳/۲، کتاب الزکاة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۳۵/۱، کتاب الزکاة، مجد اکيڈمی، لاهور)

(۳) "یہ ظاہر ہے کہ یہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آیا، لہٰذا وہ محکمہ کے ذمہ ملازم کا "دَین" ہے۔ زکوۃ کے معاملہ میں فقہاء نے دَین کی تین اقسام کی ہیں جن میں سے بعض پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور بعض پر نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے یہ دَین کی کون سی قسم کا ہے؟ اس کے بعد ہی اس مسئلہ کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اس دین پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔ دین کی تین قسمیں فقہاء کی تصریح کے مطابق یہ ہیں:

دینِ قوی: وہ دین ہے جو کسی مالِ تجارت کے بدلہ میں کسی پر واجب ہو، مثلاً زید نے کچھ سامانِ تجارت عمرو کے ہاتھ =

....

=فروخت کیا۔ عمرو کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگئی یہ قیمت جب تک وصول نہ ہو عمرو کے ذمہ زید کا دَین قوی ہے۔ اس دین کا حکم یہ ہے کہ اس کی زکوۃ دائن پر واجب ہوتی ہے یعنی جب یہ رقم اسے وصول ہو جائے گی اس وقت اس پر اس تمام عرصہ کی زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا جس میں وہ مدیون کے ذمہ دین تھی، نقد رقم جو کسی کو قرض دی گئی ہو، اس کا حکم بھی یہی ہے۔

دینِ متوسط: وہ دین ہے جو کسی غیر تجارتی مال کے بدلہ میں کسی پر واجب ہوا ہو، مثلاً زید نے اپنے استعمال کے کپڑے عمرو کو بیچ دیئے، اس کی قیمت جب تک وصول نہ ہو عمرو کے ذمہ دینِ متوسط ہے۔ اس دَین کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں:

صاحب بدائع وغیرہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ رقم جب تک دائن کو وصول نہ ہو جائے اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور جتنے عرصہ یہ وصول نہیں ہوئی اس عرصہ کی زکوۃ وصول یابی کے بعد بھی دینی نہیں پڑے گی (کما هو مصرح في آخر عبارة البدائع الآتية)

دینِ ضعیف: اس دَین کو کہتے ہیں جو یا تو کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو جیسے وراثت یا وصیت کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال، یا معاوضہ تو ہو لیکن کسی مال کا معاوضہ نہ ہو، جیسے عورت کا دَین مہر، اور بدل خلع وغیرہ۔ اس دَین کا حکم بھی یہ ہے کہ جتنے عرصہ یہ رقم وصول نہیں ہوئی، اس عرصہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تین قسمیں علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں زیادہ تفصیل سے بیان کی ہیں............اھ۔

خلاصہ. اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ پراویڈینٹ فنڈ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ دَین متوسط ہو اور دوسرے یہ کہ اُسے دَینِ ضعیف قرار دیا جائے اور دین ضعیف ہونے کا احتمال راجح ہے، لہٰذا اس راجح احتمال کی بنیاد پر تو اس پر زکوۃ واجب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور اگر اُسے دَین متوسط قرار دیا جائے تب بھی امام کرخیؒ، صاحب بدائع اور صاحبِ غایۃ البیان کی تصریح کے مطابق اصح روایت یہی ہے کہ اس پر سنینِ ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی، علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ شامی: ۳۶/۲، ومنحة الخالق: ۲۳۲/۲۔ البتہ صاحبِ بحر نے دینِ متوسط پر زکوۃ کے وجوب کو ترجیح دی ہے، لیکن اجرتِ عبد کے مسئلہ میں انہوں نے ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اگر عبد تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی اجرت پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، تاوقتیکہ اس پر قبضہ ہو کر سال نہ گزر جائے اور جب خدمتِ عبد کی اجرت پر انہوں نے یہ حکم لگایا ہے تو پھر خدمتِ حُر پر یہ حکم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق پراویڈینٹ فنڈ پر زکوۃ سالہائے گزشتہ کی واجب نہیں ہوتی''۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ، تالیف مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، عنوان: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا مسئلہ، ص: ۴، ۵، دارالاشاعت، کراچی)

(۴) دیکھئے رسالہ: (بیمہ زندگی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیعؒ) .... =

(و) سائمہ جانور اور تجارتی اشیاء پر زکوۃ واجب ہے، شیر خانہ کی مصنوعات جو تجارتی ہوں ان میں ان کی قیمتوں کا اعتبار ہوگا۔ زرعی پیداوار اور پھلوں میں عشر ہے یا نصفِ عشر بشرطیکہ زمین عشری ہو۔ سبزیات اور پھلوں کی تفصیلات کتبِ فقہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں، بعض میں عشر ہے بعض میں نہیں:

"ویجب العشر فی ثمرة جبل وفی مسقی سماء وسیح بلا شرط نصاب و بقاء، اهـ". در مختار (۱)۔

(ز) جو چیز پگھلنے، ڈھلنے والی ارضِ خراجی یا عشری سے ملے اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوگا:

"وجد مسلم أو ذمی معدن نقد و حدید فی أرض خراجیة أو عشریة، خمّس، اهـ" درمختار (۲)۔

(ح) جس دفینہ پر اسلام کی علامت نہ ہو اس میں بھی خمس ہے اور جس پر اسلامی علامت ہو وہ لقطہ ہے:

"ولو وجد دفین الجاهلیة خمّس، و ما علیه سمة الإسلام من الکنوز فلقطة، و ما علیه سمة الکفر خمّس". در مختار (۳)۔

(ط) اس کا مفہوم واضح نہیں ہوا۔

= "وسببه: أی سبب افتراضها ملک نصاب حولی". (الدرالمختار). "فلا زکوة فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۵۹، سعید)

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، کتاب الزکاة، باب العشر، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زکاة الخارج، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۱۸، باب الرکاز، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۲/۲۳۲، باب فی المعادن، الخ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۹۳، باب فی المعادن والرکاز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۲۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۱۱، باب الرکاز، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۵۳۶، باب المعادن و الرکاز، غفاریه کوئٹه)

(ی) اس میں بھی عشر ہے جب کہ خراجی زمین نہ ہو: "یجب العشر فی عسل أرض غیر الخراج، اھـ". درمختار (۱)۔

(ک) ان میں عشر نہیں البتہ موتی وغیرہ تجارت کے لئے ہوں تو حسبِ شرائط زکوۃ واجب ہوگی: "و لا فی لؤلؤ وغیرہ، وکذا جمیع ما یستخرج من البحر، اھـ". در مختار (۲)۔

(ل) اس میں عشر نہیں، اگر تجارت کے لئے ہو تو شرائط کے موافق زکوۃ ہوگی: "و لا فی عین قیر و نفط اھـ". درمختار (۳)۔

(م) مسلمان تاجر سے زکوۃ لیجائے گی اور ذمی سے نصف عشر لیا جائے گا اور غیر ملکی کافروں سے ان کے ملک کا معاملہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا یعنی وہ جتنا مسلمان سے لیتے ہیں اسی قدر لیا جائے گا، مگر کل مال نہیں لیں گے، ہمارا معاملہ بہرحال بہتر ہونا چاہئے (۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعید)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۱۰۱/۲، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۸۶/۱، الباب السادس فی زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۳۲۲/۲، باب الركاز، سعيد)

(وكذا فی الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳۱۶/۱، باب الركاز، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۴۱۲/۲، باب الركاز، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار: ۳۳۱/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا فی النهر الفائق: ۴۵۷/۱، باب العشر، امداديه ملتان)

(وكذافی فتح القدير: ۲۵۸/۲، باب العشر، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۴) "وأما القدر المأخوذ مما يمرّبه التاجر على العاشر، فالمار لا يخلو: إما إن كان مسلمًا أو ذميًا أو حربيًا، فإن كان مسلمًا يؤخذ منه فی أموال التجارة رُبعُ العشر؛ لأن المأخوذ منه زكاة، فيؤخذ على قدر الواجب. وأصله ما روينا عن عمر رضی الله عنه أنه كتب إلى العشار فی الأطراف أن خُذوا من المسلم رُبعَ العشر، ومن الذمی نصف العشر، من الحربی العشر، الخ". (بدائع الصنائع: ۴۵۵/۲، فصل فی بيان القدر الماخوذ مما يمر به، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الدرالمختار: ۳۱۴/۲، باب العاشر، سعيد) .... =

۹......اموالِ زکوۃ کی تفصیل احادیثِ مرفوعہ میں موجود ہے، خلفائے راشدین نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا (۱)۔

۱۰......سونے چاندی کے سکے یا وہ سکے جن میں سونا چاندی غالب ہے ان میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ وہ رائج ہوں یا نہ ہوں، یا کسی دوسری حکومت کے ہوں سب کا ایک ہی حکم ہے، ایسے سکوں کے علاوہ دوسرے سکے اگر رائج ہوں تو قیمت کے اعتبار سے زکوۃ ہوگی، اگر رائج نہ ہوں تو زکوۃ نہیں، کما مر (۲)۔

۱۱......مالِ ظاہر کہتے ہیں گائے، بکری وغیرہ بقدرِ نصاب کو اور اس مالِ تجارت کو جس کو تاجر لیکر عاشر پر گزرے۔ مالِ باطن جو اس کے علاوہ ہو جیسے سونا چاندی اور وہ مالِ تجارت جو مکان یا دوکان میں ہو، بینک میں جمع شدہ رقوم مالِ باطن کے حکم میں ہیں:

"مال الزكوة نوعان: ظاهر: وهو المواشي و ما يمر به التاجر على العاشر، و باطن: وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، اهـ". شامي (۳)۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۶، باب العاشر، امداديه)

(۱) "أموال الزكاة أنواع ثلاثة: أحدها: الأثمان المطلقة، و هي الذهب والفضة، والثاني: أموال التجارة، وهي العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم". (بدائع الصنائع: ۲/۴۰۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۸۱۹، أنواع الأموال، رشيديه)

(۲)" وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وما غلب غشه منهما يقوّم كالعروض، و يشترط فيه النية، إلا إذاكان يخلص منه ما يبلغ نصابًا أو أقل، و عنده ما يتم به أو كانت أثماناً رائجةً وبلغت نصابًا من أدنى، فقد تجب زكاته فتجب، وإلا لا". (الدرالمختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۳۱۰، باب العاشر، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۰۳، باب العاشر، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۴۸، فصل في مَن له المطالب بأداء الوجوب، دارالكتب العلمية، بيروت)

۱۲.....صرف مالِ نامی پر زکوۃ واجب ہوگی، نامی کے معنی بڑھنے والا، اس کی دوصورتیں ہیں. ایک حقیقۃً جیسے مویشی کہ ان کی نسل بڑھتی ہے اور مالِ تجارت۔ دوسرے تقدیراً، اس کا مصداق سونا چاندی اور وہ سکہ جو رائج ہو:

قال ابن عابدینؒ: "النماء في اللغة: الزيادة، وفي الشرع: هو نوعان: حقيقي و تقديري، فالحقيقي الزيادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقديري تمكنه من الزيادة بكون المال في يده أو يد نائبه، اهـ". شامي (۱)۔

"هو قسمان: خلقي و فعلي، فالخلقي الذهب والفضة؛ لأنها تصلح للانتفاع بأعيانها: أي في دفع الحوائج، فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية لتعيينها لها بأصل الخلقة، فتجب الزكوة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلاً أو نوى النفقة. والفعلي فيماسوى الذهب والفضة، وإنما يكون الإعداد للتجارة فيه بالنية إذا كانت عروضاً أو بنية الإسامة إن كانت سائمةً، اهـ". طحطاوی(۲)۔

۱۳.....سونے چاندی کے زیورات پر بہرصورت زکوۃ ہے، کرایہ کو دخل نہیں، دوسری کرایہ کی چیزوں پر زکوۃ نہیں، اگر وہ کرائے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، جو چیزیں کرائے پر چلتی ہیں ان کی آمدنی پر شروط کے موافق زکوۃ ہوگی (۳)۔

۱۴.....جو جانور تجارت کے لئے ہوں ان پر زکوۃ ہوگی، جو جانور شوقیہ، نسل یا دودھ کے لئے ہوں ان میں سے اونٹ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، دُنبہ پر زکوۃ ہوگی جب کہ یہ جانور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرنے پر

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۳۶۲، کتاب الزکاۃ، رشیدیہ)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۹۱، کتاب الزکاۃ، دارالمعرفۃ، بیروت)

(۳) "و لا (زكوة) في ثياب البدن .... و دور السكنى و نحوها: أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها كالحوانيت والعقارات". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۱۶۲، کتاب الزکاۃ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاۃ، رشیدیہ)

اکتفا کرتے ہوں، بقیہ مرغیوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں۔ تجارتی جانوروں کی زکوۃ قیمت لگا کر چالیسواں حصہ ادا کردی جائے، نسل کے جانوروں کی زکوۃ کا طریقہ تفصیل سے کتب فقہ میں مذکور ہے، ایسے جانوروں کا کم از کم نصاب یہ ہے، اونٹ پانچ، گائے بھینس تیس، بکری چالیس (۱)۔

۱۵......سونے چاندی کے نصاب سے چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے یہی حساب مالِ تجارت کی زکوۃ کا ہے (۲)۔ جانوروں کی زکوۃ میں بہت تفصیل ہے۔ زمین کی پیداوار کی زکوۃ بعض صورتوں میں دسواں حصہ ہے، بعض میں بیسواں، یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں (۳)۔

۱۶......کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، جو احکام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرمادیئے خلفائے راشدین نے ان پر عمل کر کے مستحکم کردیا، احکام منصوصہ بالخصوص مقادیر میں تبدیلی ہو بھی نہیں سکتی (۴)۔

۱۷......نہ سکوں کی تفصیل معلوم نہ اوزان کی، لہٰذا جواب سے معذوری ہے۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۵، ۲۹۵، کتاب الزکاۃ، سعید)

(ومجمع الأنهر: ۱/۲۹۲، ۳۰۳، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والنهر الفائق: ۱/۴۲۰، ۴۳۵، کتاب الزکاۃ، امدادیه)

(۲) "نصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم کل عشرة ...... أو فی عرض تجارة قیمة نصاب من ذهب و ورق مقوّماً بأحدهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۵، باب زکاۃ المال، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاۃ المال، إمدادیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، باب زکاۃ الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳) "یجب العشر فی ثمرة جبل أو مفازة ....وتجب فی مسقی سماء وسیح کنهر بلاشرط نصاب وبلا شرط بقاء .... یجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، ۳۲۸، باب العشر، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۲۶، باب النصاب بوجوب العشر، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۴۲، باب زکاۃ الزروع والثمار، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) "بأن نصب المقادیر بالرأی، لایجوز". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان: ۳/۴۹۱، سعید)

۱۸......کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ مقادیر توقیفی ہیں، اجتہادی اور قیاسی مسائل پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کسی کو یہ حق نہیں کہ احکامِ وحی کو منسوخ کرسکے: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ الآیة (۱)۔

۱۹......ہر قسم کے مالِ زکوۃ پر سال بھر گزرنے سے زکوۃ ہوگی: "لا زکوة في المال حتی یحول علیه الحول". (۲)۔ زمین کی پیداوار اور معدنیات کے لئے سال گزرنا شرط نہیں۔

۲۰......اگر زمین پر خراجِ موظف ہے تو وہ صرف ایک مرتبہ واجب ہوگا، اگر خراجِ مقاسمہ ہے یا عشر ہے تو وہ ہر فصل پر واجب ہوگا: "ولا یتکرر خراج الوظیفة بتکرار الخارج، بخلاف خراج المقاسمة والعشر؛ لأنهما یتکرران، اهـ". مجمع الأنهر (۳)۔

۲۱......قمری سال متعین ہے، کسی خاص مہینہ کی تعیین نہیں، بلکہ جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے اسی وقت سے سال بھر پورا ہونے پر زکوۃ پوری ہوگی: "و حولها (أي الزکوة) قمريٌّ لا شمسيٌّ، اهـ". درمختار (۴)۔

۲۲......مسلم فقیر، مسکین، عامل، مکاتب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل، لقوله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ الآیة (۵)۔ بشرطیکہ یہ لوگ ہاشمی نہ ہوں اور جس مسافر کے ساتھ مال نہ ہو اس کو بقدرِ

---

(۱) [المائدہ: ۳]

(۲) (الهدایة: ۱/۱۸۵، کتاب الزکاة، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱/۶۶۹، باب العشر والخراج، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الدرالمختار: ۴/۱۹۲، باب العشر والخراج والجزیه، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۲۳۸، باب السابع في العشر والخراج، رشیدیه)

(۴) (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا في الدر المنتقی: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاة دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۴، کتاب الزکاة، امدادیه)

(۵) (سورة التوبة: ۶۰)

حاجت زکوۃ دی جائے (۱) غیر مسلم زکوۃ کا مصرف نہیں (۲)۔

۲۳......فقیر: جو قدر نصاب سے کم کا مالک ہو۔ مسکین: جس کی ملک میں کچھ نہ ہو۔ عامل: جس نے اپنے نفس کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے فارغ کرلیا ہو جیسے عاشر اور ساعی، بقدر عمل اس کو زکوۃ دیجائے۔

مکاتب: جس غلام کا مولی سے معاملہ ہوگیا ہو کہ اتنی مقدار ادا کردو، آزاد ہوجاؤگے بشرطیکہ اس کا مولی ہاشمی نہ ہو۔

غارم: مقروض جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ قرض ادا کرکے بقدر نصاب بچ جائے۔

"في سبيل الله" کے مصداق تین ہیں: ۱- منقطع الغزاۃ، ۲- منقطع الحاج، ۳- طلبۂ علم دین۔

ابن السبیل: جس کے ساتھ مال نہ ہو اگرچہ وطن میں مال ہے، كذا في الشامي (۳)۔

۲۴......کسی ایک پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے، تمام مصارف پر صرف کرنا ضروری نہیں: "و يصرف على كلهم و بعضهم و لو واحداً من أيّ صنف كان، اهـ". در مختار (٤)۔ کسی مصرف کو اس قدر

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ الخ [التوبة: ٦٠]

"مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، و هو من له أدنى شيء: أى دون صاحب نصاب أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة. ومسكين مَن لا شيء له. وعامل. فيعطى و لو غنياً، لا هاشمياً، بقدر عمله، و مكاتب، و مديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دَينه و في سبيل الله وابن السبيل، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۳۹-۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱۱، باب المصرف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۷، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) "و لا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ". (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۳) (راجع حاشية رقم: ۳۸)

(۴) (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۴، باب المصرف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

زکوۃ دینا مکروہ ہے جس سے کہ وہ خود صاحبِ نصاب ہو جائے (۱)۔

۲۵......مصارفِ زکوۃ کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، بنو ہاشم اور ان کے موالی کو لینا جائز نہیں، ایسے حضرات کی خدمت غیر زکوۃ سے کیجائے، حکومتِ اسلام کو چاہئے کہ احترام کے ساتھ بیت المال کے دوسرے مدات سے ان کی خدمت کرتی رہا کرے اور اس کا خاص طور پر اہتمام رکھے: "لا إلی بنی هاشم و موالیهم، اهـ". در مختار (۲)۔مزکی کو اختیار ہے کہ حسبِ صوابدید جس کو چاہے دے۔

۲۶......زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، اگر اداروں کے منتظمین کو زکوۃ دی جائے اور وہ مصارفِ زکوۃ پر تملیکاً صرف کردیں تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، اگر تعمیر وغیرہ دوسرے مصارف پر صرف کریں تو جائز نہیں:

"لا یصرف إلی بناء نحو مسجد کبناء القناطیر والسقایة وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل ما لا تملیك فیه، اهـ". شامی (۳)۔

۲۷......دیا جاسکتا ہے جب تک وہ مصرف رہیں۔

۲۸......ایسے موقع میں خرچ کرنا درست نہیں، لما مر من أنه لاتملیك فیها۔

۲۹......نہیں دی جاسکتی (۴)۔

---

(۱) "وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر، إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً، أو کان صاحب عیال لو فرّقه علیهم لا یخص کلا، الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۲، باب فی بیان المصارف، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/ ۴۶۸، باب المصرف، امدادیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۰، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۲۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/ ۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(۳) (الدرالمختار: ۲/ ۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/ ۲۴۳، الباب الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/ ۱۲۰، باب المصرف، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۴) "رجل دفع إلی رجل عشرة دراهم، وأمره أن یتصدق بها، فأنفقها الوکیل، ثم تصدق عن الآمر

٣٠......بہتر یہ ہے کہ جس بستی کی زکوۃ ہو اسی بستی میں خرچ کی جائے، بلاضرورت دوسری بستی میں بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر دوسری بستی میں زیادہ حاجتمند ہوں، یا لڑکی کے رشتہ دار ہوں، یا زیادہ دیندار ہوں، یا طلبائے علمِ دین ہوں تو مکروہ نہیں: "و کره نقلها من بلد إلى بلد اٰخر إلاإلى ذی قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع"(١)۔ پاکستان سے باہر بھی بوقتِ حاجت بھیجنا درست ہے بشرطیکہ مصرف میں خرچ کی جائے۔

٣١......متروکہ سے جبراً زکوۃ وصول نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر متوفی نے وصیت کی ہے اور مالِ ظاہر کی زکوۃ ہے تو وصول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں، اگر مالِ باطن ہو اور وصیت کی ہو تو حسبِ شرائط ورثہ اس وصیت کو پورا کریں(٢)۔

٣٢......زکوۃ کے فضائل اور ترکِ زکوۃ کی وعید کی تدریس، تعلیم، تذکیر کا اہتمام انشاءاللہ مفید ہے، جائز

= بعشرة دراهم من ماله، لايجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمةً، فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوکالة، الباب العاشر فی المتفرقات: ٣/٦٤٤، رشیدیه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتار خانیه، کتاب الزکاة، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة: ٢/٢١٤، ٢١٥، قدیمی)

(١) (الدرالمختار: ٢/٣٥٣، باب المصرف، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ١/١٩٠، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ٢/١٣١، باب المصرف، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "إذا مات مَن عليه زكوة، سقطت الزكاة عنه بموته، حتى أنه إذا مات عن زكاة سائمة، فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء .... و لو أوصى بأدائها، لا تسقط بالاتفاق، و لو أوصىٰ بأداء الزكاة يجب تنفيذ الوصية من ثلث ماله". (التاتارخانية: ٢/٢٩٦، من جملة الأسباب المسقطة للزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ٢/٤٥٥، من جملة الأسباب المسقطة للزكاة، غفاريه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ١/٢٥٦، فصل في مال التجارة، رشيديه)

تدابیر بھی اختیار کی جاسکتی ہیں۔

۳۳...... مقامی اہلِ علم اہلِ اصلاح و ورع کے مشورہ سے مرکز انتظام کرے اور حسبِ ضرورت دوسرے صوبوں اور علاقوں میں صَرف کا انتظام کیا جائے، مگر یہ انتظام ان ہی اموال کے متعلق ہے جن کی زکوۃ وصول کرنے کا حکومت کو حق ہے۔

۳۴...... بیت المال کا محکمہ علیحدہ ہونا چاہئے جس میں دیندار، اہلِ تقوی مسائلِ زکوۃ وغیرہ سے واقف کام کرنے والے ہوں اور یہ شعبہ کسی مخصوص شیخ الاسلام کے تحت ہو۔

۳۵...... زکوۃ حقِ فقراء ہے حقِ حکومت نہیں، حکومت کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ اغنیاء سے وصول کرکے مستحقین پر اپنے انتظام سے صرف کردے اور وہ بھی اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ وصول کرسکتی ہے اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ اہلِ اموال پر اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے جبر کرسکتی ہے، ہاں اہلِ اموال کے ذمہ خود ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔ زکوۃ سرکاری محصول نہیں، یہ حقِ فقراء ہے(۱)۔

۳۶...... وقتی ضروریات وحوادث کے لئے چندہ کی ترغیب دی گئی ہے، بطورِ محصول کوئی چیز وصول نہیں کی گئی بعض دفعہ کسی مالک کی ضرورت سے زائد مال بطورِ عاریت لیا گیا ہے، مثلاً کسی کے پاس دو گھوڑے ہیں تو جہاد کے لئے اس کا ایک گھوڑا مستعار لیا گیا جو پھر واپس کردیا گیا، باقی ضروریاتِ عامہ جزیہ، خراج وغیرہ سے پوری کی جاتی تھیں:

"و مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي و هديتهم للإمام، و ما أخذ منهم بلا حرب مصالحنا كسد ثغور، و بناء القنطرة، والجسور، وكفاية العلماء والمتعلمين، والقضاة، و رزق المقاتلة، وذراريهم، اهـ". درمختار (۲)۔

---

(۱) "صحح الولوالجي عدم الجواز في الأموال الباطنة، قال: و به يفتى؛ لأنه ليس للسلطان و لاية الزكاة في الأموال الباطنة، فلم يصح الأخذ، اهـ". (البحر الرائق: ۲/۳۹۰، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۳، فصل في الغنم، امداديه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۱۷، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

۳۷...... پہلے زمانے میں عامل، ساعی، عاشر، مصدق مقرر تھے، ان کے ذریعہ سے صدقات وصول کئے جاتے تھے اور اربابِ اموال کے اموال کی حفاظت کی جاتی تھی، بیت المال کی حدود مقرر تھیں، ان کے مصارف مقرر تھے۔ موجودہ حکومتوں کا حال حکومتِ پاکستان معلوم کرسکتی ہے(۱)۔

۳۸......اس کا جواب نمبر:۳۳و۳۴سے واضح ہے۔

۳۹......تنخواہ مدِ زکوۃ سے اس محکمہ کو دی جاسکتی ہے جب کہ وہ ہاشمی نہ ہوں۔ سب سے اعلیٰ شرط دیانت داری سے کام کرنا ہے، بقدرِ عمل تنخواہ دی جائے جو عامل کو اور اس کے اہل وعیال کو توسط کے ساتھ کافی ہو جس میں حسبِ عمل وضرورت کمی وبیشی ہوتی رہے گی اور جب خیانت کا ثبوت ہوجائے علیحدگی لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

جوابات صحیح ہیں: بندہ منظور احمد عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

مجھے ان جوابات سے کامل اتفاق ہے، محمد اسعد اللہ غفرلہ، الجواب صحیح: زکریا کاندھلوی۔

صحیح: جمیل احمد تھانوی، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۴۸۵/۲، كتاب الجهاد والسير، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، فصل فيما يوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: "إنك ستأتي قومًا أهل الكتاب، فإذا جئتهم .... إن الله قد افترض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم، و تُردّ على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لك بذلك، الخ". (صحيح البخاري: ۲۰۳/۱، باب أخذ الصدقة من أغنيائهم، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۳۶۳، رقم الحاشية: ۱)

باب الزکوٰۃ فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے چاندی اورنوٹ پرزکوۃ کابیان)

زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۸۶]: ۱...... ہندہ اوراس کاشوہر ہندہ کے خسر کی شرکت میں زندگی بسر کررہے ہیں،اگر ہندہ اوراس کا شوہراس شرکت کے بجائے الگ ہوکرزندگی بسر کریں توگزراوقات مشکل ہےیعنی دونوں وقت کھانااورکپڑابھی مشکل سے میسرآئے گا۔ہندہ کے پاس کوئی شکل آمدنی کی نہیں ہےمگراس کوشادی کے موقعہ پر اپنے والدکی جانب سے جہیز میں تقریباًایک ہزارروپیہ کازیورملاہےاورنصف ہزارکی مالیت کےقریب خسر سے ملا ہےمگربوجہ روزی تنگ ہونے کےزکوۃ نہیں نکال سکی۔اس کاخسرباوجودمقدورہونے کےادانہیں کرتا،اس حالت میں ہندہ کوکیاکرناچاہئے؟

۲...... ہندہ کوجوزیوراس کےخسر سے ملاہےوہ ہندہ ہی کےقبضہ میں ہےاورابتدائی زمانہ میں اس کو استعمال بھی کیامگراب بوجہ زکوۃ ادانہ ہونے کےاس کااستعمال ترک کردیالیکن قبضہ ہندہ ہی کاہے،اس صورت پر اس کی زکوۃ کس پرواجب ہےآیاہندہ پریااس کےشوہرپر؟اگرہردوصورت میں زکوۃ ہندہ پرواجب ہےتوادائیگی کی کیاصورت ہے؟ہندہ کوکسی قسم کی آمدنی نہیں اورشوہر میں اس قدروسعت نہیں۔حکم شرع سےمطلع فرمائیں۔ فقط والسلام۔

احقر:الناس محمداحسن کوچہ آتشبازاں،سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... جب کہ وہ زیوراستعمال کے لئے ہےاوراس لڑکی کی ملک ہےاوراسی کےقبضہ میں ہےتواس کی زکوۃ بھی اسی کےذمہ ہےاس کےخسر کےذمہ نہیں ہے،اگرادانہیں کرےگی توگناہگارہوگی(۱) خواہ حساب کر

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدي منها حقها إلا اذا كان=

کے زیور زکوۃ میں دے یا کوئی اَور چیز زکوۃ میں دے:

"لم يختلفوا أن الحلى إذا كان فى ملك الرجل تجب فيه الزكوة، فكذالك إذا كان فى ملك المرأة كالدراهم و الدنانير، و أيضاً لا يختلف حكم الرجل والمرأة فيما يلزمها من الزكوة، فوجب أن لا يختلفا فى الحلى، اهـ". أحكام القرآن: ۳/۱۳۳(۱)۔

۲......اگر ہندہ اپنا زیور اپنی ملک سے نکال کر اپنے شوہر کو دیدے تو شوہر کے ذمہ زکوۃ ہوگی ورنہ ہندہ کے ذمہ ہوگی خواہ زیور زکوۃ میں دے خواہ اسے فروخت کرکے اس کے پیسے وغیرہ دیدے، یا اس کی قیمت کی کوئی اَور شئے خرید کردے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/۵۵ھ۔

جس زیور میں پتھر جُڑے ہوں ان پر زکوۃ

سوال[۴۴۸۷]: قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کی زکوۃ کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہئے؟ اور کیا اس پر زکوۃ واجب ہے؟

= يوم القيامة صُفِحت له صفائحُ من نار، فأُحمِيَ عليها فى نار جهنم فيُكوىٰ بها جَنبُه وجبِينُه وظهرُه" الخ (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۳۱۸، قديمى)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۵۸، باب زكاة الحلى، قديمى)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۳، الفصل الثانى فى زكاة المال، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، الفصل الأول فى زكاةالمال والفضة، رشيديه)

(۲) "ولو كان له إبريق فضة، وزنه مائتان، و قيمته لصياته ثلث مأة إن أدّى من العين يؤدّى ربع عشره، و هو خمسة قيمتها سبعة و نصف، وإن أدّى خمسةً قيمتها خمسة، جاز، و لو أدّى من خلاف جنسه يعتبر القيمة إجماعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الأول فى زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے پتھروں پر زکوۃ واجب نہیں (۱) ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

چاندی کا نصاب

سوال [۴۴۸۸]: ایک شخص کے پاس دوسو پچاس تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا ہے اب جب کہ ۸/ تولہ چاندی اور ۳۷/ روپیہ تولہ سونے کا نرخ ہے، زکوۃ کی کیا رقم ادا کرنا چاہئے، کتنے روپیہ زکوۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کے وجوب اور ادا میں رقم کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے لہذا ایک تولہ سونے کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے کہ کتنے میں آتی ہے پھر اسی ایک تولہ سونے کو اتنے تولہ چاندی کے قائم مقام مان کر مجموعہ میں سے زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے (۲) مثلاً اگر اس ایک تولہ سونے سے چاندی خریدنا چاہیں تو پچاس تولہ چاندی آتی ہے (رقم خواہ کسی قدر ہو) پس یہ سونا بمنزلہ پچاس تولہ چاندی کے ہو کر مجموعہ تین سو تولہ

---

(۱) "و أما الیواقیت واللآلی والجواھر، فلا زکاۃ فیھا، وإن کانت حلیاً، إلا أن تکون للتجارۃ".

(الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۸۰، الفصل الأول فی زکاۃ الذھب والفضۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۲۷۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۲۴۵، باب زکاۃ عروض التجارۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "والمعتبر وزنھما أداءً و وجوباً و لا قیمتھما". (الدر المختار). "أی من حیث الأداء، یعنی یعتبر أن یکون المؤدی قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانی، و قال زفر: تعتبر القیمۃ، واعتبر محمد الأنفع للفقراء، فلو أدی عن خمسۃ جیدۃ خمسۃً زیوفاً الخ". (۲/۲۹۷، باب زکاۃ المال، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۷۴، باب زکاۃ المال، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۱۲، فصل فی مقدار الواجب، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

چاندی ہوگئی اور تین سوتولہ چاندی کا چالیسواں حصہ ساڑھے سات تولہ چاندی ہے، اب یا تو اتنی چاندی دیدی جاوے یا اس قیمت کی چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز کسی غریب کی ضرورت کے موافق دیدی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

چاندی کی زکوۃ

سوال[۴۴۸۹]: میری بیوی کے پاس نہ تو ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور نہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، دونوں کو ملا کر دیکھا جاوے، سونے کی قیمت چاندی میں بدل کر دیکھیں تو اتنا وزن ہوجاتا ہے، چاندی کی قیمت کو سونے میں بدل کر دیکھیں تو ساڑھے سات تولہ نہیں ہوتا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ البتہ تعداد میں سچا گوٹہ اور ٹھپا بھی آتا ہے یا نہیں؟ سب کو ملا کر سونے کی قیمت اور سب سامان کی قیمت قریب قریب ٹھیک ہوجاتی ہے۔

میرے پاس نقد روپیہ چار سو ہے اور ایک ہزار روپیہ ایک سال سے ادھار رکھا ہے، سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے فنڈ میں ایک ہزار روپیہ سے زیادہ جمع ہے جس میں آدھا روپیہ تنخواہ میں سے کٹا ہے اور آدھا حکومت نے دیا ہے، دونوں ملا کر پانچ روپیہ فی صد سود لگا دیا جاتا ہے، یہ روپیہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ملتا ہے۔ کیا میں ان روپیوں کے اوپر زکوۃ ادا کروں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو بھی ملا کر چاندی تصور کرلیں یعنی اس سونے کے عوض جتنی چاندی ملتی ہو تو یوں سمجھیں کہ یہ

---

(۱) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، مسائل شتىٰ: ۱/۱۸۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما صفة الواجب في سوائم: ۲/۳۳، سعيد)

چاندی ہے پھر مجموعہ کی زکوۃ ادا کریں (۱)۔ چاندی سونے کے گوٹے ٹھپے کی بھی زکوۃ ہوگی (۲)۔ جو نقد روپیہ آپ کے پاس ہے اس کی زکوۃ لازم ہے (۳)، جو روپیہ ادھار دے رکھا ہے اس کے وصول ہونے پر لازم ہوگی، جو روپیہ فنڈ سے ملے گا اس کی زکوۃ اس وقت دوسرے نصاب چاندی سونا، نقد کے ساتھ اس کو بھی زکوۃ لازم ہوگی ابھی لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، و قالا: بالأجزاء. الخ". (الدرالمختار).
"إن ما ذكر من وجوب الضمّ إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل، الخ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۱، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشةً، فإن كان الغالب هو الفضة، فهي كالدراهم الخالصة: (أي فتجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ......... وإن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة، فينظر: إن كانت رائجة أو نوى التجارة، اعتبرت قيمتها، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/ ۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البدائع: ۲/ ۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) " و شرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام، والحرية، و ملك نصاب حولي، فارغ عن الدين وحاجته الأصلية، نام ولو تقديراً، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه،بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "وأما على قولهما، فالديون كلها سواء، و هي نصاب كله، تجب فيه الزكاة قبل القبض إذا حال =

سونا چاندی مخلوط کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۰]: اگر کسی شخص کے پاس ساٹھ تولے یا ستر تولے چاندی اور دو تولے یا ایک تولہ سونا ہوتو سونے کی زکوۃ چاندی میں تول کردی جائے یا سونے کی قیمت لگا کر زکوۃ دی جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سونے کی قیمت لگا کراس قیمت کو چاندی میں شامل کرکے زکوۃ دی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ دینا

سوال[۴۴۹۱]: زید کے پاس چاندی زائد از نصاب اور سونا سات مثقال سے کم موجود ہے اس صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

چاندی کے ایک نصاب کی تو مستقل زکوۃ ادا کردی جائے، بقیہ جتنی مقدار ایک نصاب سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے، اگر اس کی قیمت اتنے سونے کی مساوی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سونے کا نصاب پورا ہوسکتا

= الحول، و لكن لا يجب الأداء قبل القبض، وإذا قبض شيئاً منه يجب الأداء بقدر ما قبض قليلاً كان أو كثيراً. الخ". (التاتارخانية: ۲/۳۰۰، في زكاة الديون، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مراقي الفلاح: ص: ۷۱۶، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۷، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. الخ: أي من جهة القيمة، فمن له مأة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مأة عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۸۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

ہے تو مجموعہ کو سونے کا نصاب قرار دے کر زکوۃ دینا واجب ہے(۱)، اگر اس صورت سے سونے کا نصاب پورا نہیں ہوسکتا تو سونے کی قیمت اگر اتنی چاندی کے مساوی ہے کہ بقیہ چاندی میں ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہوسکتا ہے تو چاندی کا نصاب اس مجموعہ کو قرار دے کر اس کی زکوۃ دینا واجب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۵/۱۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

سونے اور چاندی کی زکوۃ الگ الگ دیجائے

سوال[۴۴۹۲]: ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھنے والے پر فطرہ، زکوۃ، قربانی، حج لازم وضروری ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوۃ الگ الگ کر کے دی جائے یا کس طریقہ سے نکالا جائے؟ مالِ تجارت میں کس طرح زکوۃ ادا کرے؟

---

(۱) "وفي الينابيع: ولو فضل من النصابين أقل من أربعة مثاقيل وأقل من أربعين درهماً، فإنه يضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى حتى يتم أربعين درهماً أو أربعة مثاقيل". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن، كراچي)

"ويضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا .... ويقوّم الدراهم بالدنانير، فإن بلغت قيمتها عشرين مثقالاً، تجب فيها الزكاة". (التاتارخانيه، زكاة المال، كتاب الزكاة: ۲/۲۳۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "هذا إذا كان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، فأما إذا كان له الصنفان جميعاً، فإن لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن كان له عشرة مثاقيل و ماة درهم؛ فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا .... و هذا الذي ذكرنا كله من وجوب الضمّ، إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن قلّ من النصاب، فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً و لم يكن زائداً عليه، لا يجب الضم، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب: ۲/۴۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۲، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/۱۷۹، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلياً:

فطرہ، قربانی، زکوۃ کے لئے تو اتنا نصاب کافی ہے مگر حج کے لئے یہ کافی نہیں بلکہ پورے سفرِ حج کا معہ نفقہ واجبہ کی مقدار کا ہونا ضروری ہے(۱)۔ چاندی، سونا دونوں الگ الگ بقدرِ نصاب ہوں تو دونوں کی زکوۃ بھی چالیسواں حصہ الگ الگ کر کے ادا کریں، مجموعہ کی زکوۃ یکجائی بھی ادا کرنا درست ہے(۲)۔ مالِ تجارت کی زکوۃ صرف نفع میں نہیں بلکہ اصل مال اور نفع کا کل مجموعہ چالیسواں ادا کرے(۳)۔ زیور پر بھی زکوۃ لازم ہوگی، جس کی ملک ہو اسی کے ذمہ واجب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (سورة آل عمران)

"هو (أي الحج) فرض على مسلم حر مكلف صحيح بصير ذي زادٍ وراحلة فضلاً عما لا بدمنه وفضلاً عن نفقة عياله إلى حين عوده الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحج: ۲/۴۵۴، ۴۶۳، سعيد)

(۲) "فلو كان كل منهما نصاباً تاماً بدون الزيادة، لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد زكاته، فلو ضمّ حتى يؤدّى كله من الذهب والفضة، فلا بأس به عندنا، و لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجاً، وإلا يؤدى من كل منهما ربع عشرة". (ردالمحتار: ۲/۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البدائع: ۲/۴۱۴، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۳) "واعلم أن نية التجارة في الأصل تعتبر ثابتة في بدله وإن لم يتحقق شخصها فيه، وهو ما قوبض به مال التجارة، فإنه يكون للتجارة بلا نية به؛ لأن حكم البدل حكم الأصل، وكذا ...... أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح (وفي عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغ نصاباً من أحدهما)". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۴) " واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً .... ربع عشر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، ۲۹۹، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب الزكاة، باب زكاة عروض التجارة: ۲/۲۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

لڑکی کے زیور پر زکوۃ

سوال[۴۴۹۳]: جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لئے بنایا جاتا ہے یا بنوا کر رکھا جاتا ہے، لڑکی کے ایسے زیور پر اس کے والدین پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا بعد بلوغ کے لڑکی کے مال پر اس کے والدین کے ذمہ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ زیور لڑکی کی ملک کر دیا ہے تو اس پر زکوۃ قبل از بلوغ فرض نہیں نہ لڑکی پر نہ والدین پر، بعد از بلوغ خود لڑکی پر فرض ہوگی (۱)۔ اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پر زکوۃ فرض ہوگی، کذا قال الحصکفی فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

مرہون زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۴]: کسی کے پاس کچھ سونے کا زیور رہن رکھا ہوا ہے اور مدتِ معینہ سے بھی زائد وقت گزر گیا، اس صورت میں زکوۃ کون دے گا؟

---

(۱) "(وشرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام) خرج المجنون والصبي، فلا زكاة في مالهما .... وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة كالصبي إذا بلغ، يعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ". (البحر الرائق: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۳۷۸، فصل في شرائط الفرضية، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "واللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا و لو للتجمل و النفقة؛ لأنهما خلقا أثماناً، فيزكيهما كيف كانا، الخ". (الدر المختار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۰، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کی زکوۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کردیا جائے گا تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوۃ مالک کے ذمہ لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہر کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال [۴۴۹۵]: دینِ مہر نکاح کی زکوۃ مرد عورت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ اور مہر ادا نہیں ہوا، لہٰذا کسی صورت سے ہومہر کے اوپر زکوۃ کا ہونا لازم ہے یا نہیں؟

محمد ابراہیم مغل مزرعہ پرگنہ، سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مرد جب دینِ مہر عورت کو دیدے اور وہ مقدارِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تب عورت کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اگر وہ مقدارِ نصاب نہیں بلکہ اس سے کم ہے اور عورت کے پاس اتنی مقدار موجود ہے جس کو مہر کے ساتھ ملا کر پورا نصاب ہوسکتا ہے تو اس کو ملا کر زکوۃ ادا کی جائے گی، اگر نصاب پورا نہیں ہوسکتا تو اس پر زکوۃ نہیں اسی طرح وصول ہونے سے پہلے زکوۃ واجب نہیں:

"و عند قبض مأتين مع حولان الحول بعده: أی بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غير مال كمهر، ودية، و بدل كتابة، و خلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف".

درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۵۳/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) "(و لا: أی لايجب الزكوة فی مرهون بعد قبضه): أی لا على المرتهن لعدم ملک الرقبة، و لا على الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن، لا يزكی عن السنين الماضية." (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار. ۲/۳۰۶، مطلب فی وجوب الزكاة فی دين المرصد، سعيد) ....=

زیور کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال[۴۴۹۶]: چاندی اور سونے کا زیور پورے بھاؤ سے تو فروخت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ پرانا ہوتا ہے اور نصف قیمت پر فروخت ہوتا ہے تو اب جو زکوۃ ادا کی جائے گی وہ نئے حساب سے یا پرانے حساب سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی اور سونے کے زیور میں قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، نئے اور پرانے سب کا یہی حکم ہے۔ چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہے، مثلاً اگر دوسو تولہ چاندی کا زیور ہے تو زکوۃ پانچ تولہ لازم ہے خواہ چاندی دے خواہ پانچ تولہ کے بازار کے بھاؤ سے قیمت دے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

ادائے زکوۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۴۹۷]: سونا چاندی کے زیورات کی زکوۃ کس حساب سے دی جائے جب کہ خرید کے وقت سونا چاندی کی قیمت اس وقت کے حساب سے بہت کم تھی، چنانچہ خرید کے زمانہ میں سونا ۲۴/ روپیہ بھر کے حساب سے ملتا تھا اور اب ۱۱۵/ روپیہ بھر ملتا ہے۔

المستفتی: حکیم حبیب الرحمن، گورنمنٹ رجسٹرڈ نمبر: ۶۱، ماٹ لین دھرم تلہ کلکتہ۔

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۳۰۰، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۸، الفصل السادس في الديون و مسائلها، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۷۵، الباب الأول في تفسيرها، وصفتها الخ، رشيديه)

(۱) "والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً لا قيمتهما". (الدر المختار). وفي ردالمحتار: "و هذا إن لم يؤد من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً كماعلمت". (كتاب الزكاة: ۲/ ۲۹۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونا چاندی دونوں وزنی چیز ہیں، ان میں نصاب اور ادائے زکوۃ ہر دو کے لئے وزن کا اعتبار ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دونوں کا نصاب کامل ہو تو دونوں کی زکوۃ میں چالیسواں حصہ دیدیا جائے، خواہ قیمت کچھ ہو، البتہ اگر سونا چاندی زکوۃ میں دینا مقصود نہ ہو تو ادا کرتے وقت جو قیمت قدر زکوۃ کی ہو اس کی کوئی اور شی دیدی جائے مثلاً اگر قدر زکوۃ دو تولہ سونا واجب ہو تو یا دو تولہ سونا دیا جائے یا اتنی مالیت کی کوئی دوسری چیز دی جائے۔ غرض مستحق زکوۃ کے پاس دو تولہ سونے کی مالیت کا پہونچنا ضروری ہے تب زکوۃ ادا ہوگی، خریدتے وقت سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں:

"والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً، لا قيمتهما، اهـ". در مختار۔ "أى من حيث الأداء يعتبر أن يكون المودى قدر الواجب وزناً، و أجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، اهـ". شامی: ۲/ ۱۴۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ شوال/ ۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ شوال/ ۶۵ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال [۴۴۹۸]: میں چاندی کو لیکر دکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے تو اب کس حساب سے زکوۃ دیں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی نہیں دیتے بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۹۸، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/ ۷۴، باب زکاۃ المال، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۹۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، رشیدیه)

ہوگی اس قیمت کا اعتبار ہوگا(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٨٩/١/٩ھ۔

بذریعۂ قیمت سونے چاندی کی زکوۃ

سوال[٤٤٩٩]: عرض یہ ہے کہ میری زکوۃ میں اب تک دو غلطی ہوتی رہیں: ایک تو دو چار تولہ سونے کو چاندی کے وزن میں شمار کرتا رہا، سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں لگایا، اب تک جتنے سالوں کی زکوۃ دی ہے سونے کا مختلف بھاؤ رہا ہے، اب کس صورت سے پچھلی زکوۃ ادا کی جائے؟ دوسرے چاندی کے زیور کی چاندی کا وزن لگا کر اس کی قیمت لگا کر قیمت دی ہے اور چاندی کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کیا زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

ایک اشکال یہ ہے کہ چاندی کی زکوۃ میں چاندی منگا کر دینے میں لینے والوں کو اور دینے والوں کو دونوں کو دقت ہے، لینے والوں کو ضرورت تو ہے پیسوں کی اور دی جائے چاندی وہ کہاں بیچتے پھریں گے۔

بیشگی زکوۃ میں کوئی شرط ہے، آیا کل ادا کی جائے یا جتنی چاہے وقتِ ضرورت دے سکتا ہے؟ فقط والسلام۔

کریم علی خان از ڈسنہ میرٹھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سونے کو قیمت لگا کر چاندی کے اعتبار

---

(١) "و تعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذي المالُ فيه، و لو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدرالمختار). "(قوله: وهو الأصح): أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعاً هو الأصح، فإنه ذكر في البدائع أنه قيل: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل: يوم الأداء، اهـ. وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح اهـ. فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، عليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ٢/٢٨٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٤٠٠، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير ٢/٢١٩، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے چاندی فرض کرلی جاوے، مثلاً کسی کے پاس ایک تولہ سونا ہے باقی چاندی ہے اوراس ایک تولہ سونے کی قیمت بازار میں ساٹھ تولہ چاندی ہے تو سونے کو ساٹھ تولہ چاندی فرض کر کے دوسری چاندی کے ساتھ مجموعہ کی زکوۃ ادا کی جائے، ایک تولہ سونے کو بلا حساب قیمت کے ایک تولہ چاندی فرض کر کے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (۱)، لہٰذا غور وفکر کر کے گذشتہ ایام کی زکوۃ کی تصحیح کردی جائے اور جب قلب شہادت دیدے کہ بس اس سے زیادہ میرے ذمہ باقی نہیں رہی تو ذمہ داری پوری ہوجائے گی، پھر بھی اگر کچھ کوتاہی رہے تو اللہ پاک سے توقع ہے کہ معاف فرمادیں گے۔

چاندی کے زیور کی قیمت لگا کر اگر زکوۃ میں چاندی ہی دی جائے تو اس میں وجوبِ زکوۃ اور ادائے زکوۃ دونوں میں وزن کا اعتبار کرنا ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں، تاہم جب دونوں جانب میں قیمت کا اعتبار کرلیا ہے تو حساب برابر ہی ہوگیا (۲)، اگر چاندی کے علاوہ کوئی اَور چیز دی جائے مثلاً سلور کی ریزگاری پیسے، غلہ وغیرہ تو اس میں قدرِ واجب کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۳) اوراس میں لینے والے اور دینے والے دونوں کو سہولت رہے گی۔

پیشگی زکوۃ جب کہ نصاب موجود ہو ہر طرح ادا ہوجاتی ہے چاہے یکمشت ادا کردے چاہے تھوڑی

---

(۱) "و یضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، وقالا: بالأجزاء، فمن له مأة درهم وخمسة مثا قيل قيمتها مأة، عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً و وجوباً، لا قيمتهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۷، باب زكوة المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في الزكاة، فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلي أو وزني ...... وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۷۵، سعيد) .... =

تھوڑی اس میں کوئی فرق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال[۴۵۰۰]: زید کے پاس ۳۳/تولہ چاندی ہے اور ساڑھے چار تولہ سونا اب زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ سونے کو بازار سے معلوم کرلیا جائے کہ یہ کتنی چاندی کا ہے، پھر اسی چاندی کے مقام اس سونے کو قرار دیکر ۳۳/تولہ چاندی سے ملا کر مجموعہ کا چالیسواں حصہ حسبِ قواعدِ شرع زکوۃ میں ادا کر دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۰۱]: ملمع شدہ چیزوں کی زکوۃ کس طرح دی جائے مثلاً ایک زیور بنوایا، نیچے چاندی اوپر

---

(۱) "ولو عجّل ذو نصاب زكوته لسنين أو لنصب صحّ، لوجود السبب". (الدرالمختار: ۲/۲۹۳، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۸، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، وقالا: بالأجزاء، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۸۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

سونے کا پانی یا پتھر چڑھوایا، آیا چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ دیں گے یا سونے کے ساتھ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا زیور بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرنے سے وہ زیور سونے کا نہیں ہوگیا، وہ پانی اس سے جدا نہیں ہوسکتا تو وہ کالعدم ہے، چاندی ہی کی زکوۃ لازم ہوگی (۱) اگر سونے کے پتھری چڑھوا دیئے ہیں جو کہ جدا ہوسکتے ہیں تو ان پتھروں کی زکوۃ سونے کے حساب سے ہوگی، سنار یا صرّاف سے وزن کرالیا جائے وہ بتادے گا کہ سونا کس قدر ہے اور چاندی کس قدر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۳ھ۔

نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے

سوال [۴۵۰۲]: نصاب زکوۃ چاندی سے کیا ہے؟ ساڑھے باون تولہ چاندی جو مشہور ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ درہم کی کیا مقدار ہے جس سے ساڑھے باون تولہ درست ہو جاوے اور اس کا ماخذ کیا ہے اور آج کل روپیہ جس میں چاندی تھوڑی سی رہتی ہے اور زیادہ تر تانبا رہتا ہے اس کا نصاب کیا ہے؟ بحوالۂ کتب تحریر فرماویں۔

---

(۱) "وإن لم ینوها فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصاباً وحدها أو لا تبلغ، لكن عنده مايضمه إليها ...... وإن لم يخلص فلا شئ عليه ؛ لأن الفضة هلكت فيه ...... والذهب المخلوط بالفضة ...... وإن بلغت الفضة نصابها فزكاة الفضة، لكن إن كانت الغلبة للفضة". (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲۱۳/۲، ۲۱۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة.......... وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً به؛ لأن كل واحد منهما يخلص بالإذابة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۳۰۲/۲، سعيد)

"لا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة، فتجب الزكاة فيها سواء كانت دراهم مضروبةً أو نقرة أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة إذا كانت تخلص عند الإذابة إذا بلغت مائتي دراهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: أما الأثمان المطلقة: ۱۶/۲، ۱۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا نصاب دوسودرہم ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے:"ليس فيما دون خمس أواقٍ صدقةٌ، والأوقية أربعون درهماً". بخاری(۱) ومسلم(۲) سے اس حدیث کی تخریج امام زیلعی نے نصب الرایہ:۲/۳۶۳(۳) میں کی ہے، پھر اس مقدار کو علمائے ہندوستان نے وزن سے اعتبار کیا تو ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ زائد ہوئی بعض کے حساب سے کچھ کم۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس کی مقدار چھبیس روپیہ سکہ دہلی تحریر فرمائی ہے اور محشی نے سکوں کے اختلاف سے کچھ تفاوت بھی لکھا ہے(۴) ایک درہم کی مقدار ستر جَو دُم بُریدہ ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۱۲ میں لکھا ہے(۵) تو درہم بھی مختلف ہوئے اور جَو بھی مختلف، لہٰذا نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف ہوا۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے نصاب کی مقدار بہت ہی کم تحریر فرمائی ہے(۶)۔ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کچھ تخطیہ کیا ہے، منشائے خطا اگر دیکھنا ہو تو العرف الشذی ص:۲۷۶ دیکھئے(۷)، آج کل کے روپیہ کا نصاب قیمت سے ہوگا وزن سے نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، بابٌ: ليس في مادون خمس ذودصدقة: ۱/۱۹۶، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة: ۱/۳۱۵، ۳۱۲، قديمي)

(۳) (نصب الراية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۷۳، حقانيه پشاور)

(۴) أقول: إن هذا لايصلح ردًّا على مانقل البيهقي، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه أقوال: منها أنه مائتان وسبعون تولجة، وأحسن ماصنف في صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن عبدالغفور السندي –رحمه الله– وقال فيها: إن فلس السلطان عالمكير مساوٍ لمثقال شرعي ....
قال القاضي ثناء الله الباني بتي: إن نصاب الفضة اثنان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات ونصفها. والقاضي المرحوم من خداقنا". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي: ۱/۲۰، أبواب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

(۵) (فتاویٰ رشیدیه، صدقہ فطر کا بیان: ۴۴۶، سعید)

(۶) (عمدة الرعاية، كتاب الزكاة، باب زكاة الأموال، (رقم الحاشية: ۵): ۱/۲۲۹، سعيد)

(۷) "ولقد أخطأ مولانا عبدالحيؒ في نصاب الفضة والذهب، فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهو أربع شعيرات". (العرف الشذي على جامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمُدّ: ۱/۲۰، سعيد)

نوٹ پر زکوۃ

سوال[۴۵۰۳]: (الف) آج کل روپیہ دوروپیہ کے نوٹ کا رواج عام ہوگیا ہے، چاندی کا روپیہ نہیں رہا، بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ زکوۃ تو سونے چاندی یا اس کے سکے پر ہے، ہمارے پاس سونا چاندی یا اس کا سکہ نہیں ہے نوٹ ہیں جو وجوبِ زکوۃ کے حکم میں نہیں۔ نیز یہ کہ زکوۃ ادا کرتے وقت علماء فرماتے ہیں کہ چاندی کے روپے یا سکہ دھات وغیرہ سے نوٹ بدل کر زکوۃ ادا کرو، جب نوٹ سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی تو پھر اس پر زکوۃ کیسے واجب ہوتی ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اور نوٹ سے زکوۃ ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا نوٹ کو دوسرے سکہ دھات وغیرہ سے بدل کر زکوۃ ادا کریں شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) بعض حضرات علماء فرماتے ہیں کہ نوٹ دراصل سکہ نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، اگر پھٹ جائے یا خراب ہوجائے تو نمبر دکھانے سے دوسرا مل جاتا ہے، اس کا روپیہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے جو گورنمنٹ کے ذمہ ہوگیا اور چونکہ رسید ہے سکہ نہیں ہے اس لئے اس سے بھی زکوۃ ادا نہ ہوگی، چونکہ زکوۃ میں نوٹ دینا مال دینا نہ ہوا، رسید دینی ہوئی۔ اس جواب پر مندرجہ ذیل شبہات پیدا ہوتے ہیں:

۱- نوٹ کے ساتھ یہ تخصیص کہ اگر خراب ہوجائے یا پھٹ جائے تو نمبر دکھانے سے مل جاتا ہے، اسی طرح روپیہ نقرئی بھی اگر خراب ہو یا ٹوٹ جائے تو گورنمنٹ اس کے بدلنے کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس لئے صرف نمبر دکھا کر بدلنے کو رسید قرار دینا کیونکر درست ہوا؟ جب کہ چاندی کے روپے خراب ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں بھی دوسرا مل جاتا ہے؟ اس صورت میں یا تو روپیہ کو بھی رسید قرار دیا جائے ورنہ نوٹ کو بھی سکہ رائج الوقت قرار دیکر زکوۃ کا لین دین مثل چاندی سونے کے درست قرار دیا جائے۔

۲- یہ کہ گورنمنٹ کا کوئی اس طرح اعلان نہیں جس سے یقین کرلیا جائے کہ نوٹ واقعی رسید ہے سکہ نہیں، بلکہ حکومت کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ بجائے نوٹ کے مٹی یا گارے یا کپڑے وغیرہ کے سکے چلادے، اگر بالفرض ومُحال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے تو گورنمنٹ کے قرض کی ذمہ دار اس کی رعایا ہوا کرتی ہے، جیسے ہندوستان سے کروڑہا روپیہ قرض کا وصول کیا جاتا ہے تو جب بہر صورت رعایا ہی مقروض ہوتی ہے تو پھر مسلمان رعایا کے پاس خواہ چاندی ہو یا سونا یا نوٹ، مقروض ہونے کی صورت میں اس پر زکوۃ بھی فرض نہ ہونا چاہئے۔

۳-اب جب کہ بعض علمائے کرام نوٹ کو رسید قرار دے چکے تو ادائیگی زکوۃ کی صورت ملاحظہ فرمائیں کہ روپیہ لیکر ریزگاری میں یا نوٹ سے غلہ کپڑا وغیرہ خرید کردیں یا کہ مال دیا جائے تب زکوۃ، فطرہ، صدقہ، قربانی کی کھال کی قیمت ادا ہوگی جس کی آسان صورت یہ بتلائی گئی کہ اگر کسی شخص کو دس روپیہ کے نوٹ زکاۃ میں دینا ہے تو اس روپیہ کا کوئی مال خرید کر رکھ لے مثلاً کپڑا، غلہ، کتابیں وغیرہ مسکین کو دیدیں، اس سے کہو کہ اس کو تم بازار میں فروخت کروگے تو اگر تمہارا جی چاہے تو ہمیں فروخت کردیں تو دس روپے کے نوٹ دیکر اس کو خرید لیں اس کو نوٹ دیدیں وہ شی پھر سے قبضہ میں آگئی۔

اس فرمان عالی پر عرض ہے کہ موجودہ روپے یا سابق چاندی کا روپیہ یا ریزگاری کا اتنا قحط ہے کہ شہر اور دیہات میں کسی زائد قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوسکتی، اب صرف نوٹ ہیں، اس شکل میں خواص کا تو ذکر ہی نہیں عام مسلمان جو پہلے سے تنگدلی کے ساتھ زکوۃ ادا کرتے ہیں اس قدر احتیاط کس طرح کر سکتے ہیں تو اس صورت میں ادائیگی میں خطرات ہیں کہ کہیں عام مسلمان زکوۃ دینا ترک نہ کردیں۔

۴-ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنے یا چودہ آنہ دینا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جب کہ قانوناً ہر نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنے مقرر ہیں تو حکم شرعی کیا ہے؟ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل سمجھا جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

(الف) نوٹ خود چاندی یا سونے کا سکہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی رسید ہے جو گورنمنٹ یا بینک کے ذمہ بطور قرض موجود اور اس کی وصولیابی پر اس نوٹ کے ذریعے قدرت حاصل ہے لہٰذا درحقیقت اس مال پر زکوۃ واجب ہے بہتر یہ ہے کہ اس کی یا اس کی قیمت کی کوئی شئے غلہ، کپڑا وغیرہ زکوۃ میں ادا کریں تا کہ بالیقین زکوۃ ادا ہوجائے، اگر زکوۃ میں نوٹ دیا اور مصرفِ زکوۃ فقیر نے اس کے عوض سکہ غلہ وغیرہ کوئی مال حاصل کرلیا تب بھی زکوۃ ادا ہوگئی لیکن اگر وہ نوٹ فقیر سے ضائع ہوگیا مثلاً جل گیا، گھل گیا، گم ہوگیا، یا اس نے کسی کرایہ، اجرت وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کردیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

(۱) دورِ حاضر کے اکثر علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہوگیا ہے کہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی ''فقہی مقالات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: =

(ب)۱-روپیہ میں فی حدذاتہ خود مال موجود ہے، اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کے بدلنے کی ذمہ داری نہ ہوتو اس کی قیمت ہی کچھ نہیں، لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ آج کل چھوٹے نوٹ پر ایسی عبارت درج نہیں، بڑے نوٹ پر اب بھی درج ہے۔

= ''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوۃ واجب ہو جائے گی اور چونکہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہونگے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، وجوبِ زکوۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطورِ زکوۃ کے دیے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضے میں لے گا اسی وقت اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوۃ فی الفور ادا ہو جائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوۃ کی ادائیگی موقوف نہیں رہے گی''۔ (فقہی مقالات: ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

"وفي الشرنبلالية: الفلوس إن كانت أثما ناً رائجةً أو سلعاً للتجارة، تجب الزكاة في قيمتها، وإلا فلا اهـ". (الدر المختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

"وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، و نقد الثمن، و لم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود". (المبسوط للسرخسي: ۲۲/۷، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، الجزء الثاني، الغفاريه، كوئٹه)

"إن الزكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم الناس في الزمن الأول، وإنما يعتبر في كل زمان عادة أهل ذلك الزمان، ألا ترى أن مقدار المائتين لوجوب الزكاة من الفضة إنما تعتبر بوزن سبعة الخ". (البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشيديه)

"(وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب) يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً، يعتبر فيهما الأنفع أيهما كان، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

"ويجوز دفع القيم في الزكاة والعشر والخراج، الخ". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في الخيار، دارالكتب العلمية بيروت)

۲-یہ فرضِ محال نہیں بلکہ حقیقتِ نفس الامری ہے، گورنمنٹ کے ذمہ رعایا کا قرض ہے(۱) جس کی رسید نوٹ ہے اوراس کے ذریعہ سے رعایا کو گورنمنٹ قرض دیکر وصول کرتی ہے، یہ نہیں کہ رعایا کے ذمہ گورنمنٹ کا کوئی قرض ہے جس کی وجہ سے رعایا کے ذمہ سے زکوۃ ساقط کردیا جائے اور جنگ کا روپیہ جو گورنمنٹ لیتی ہے وہ بھی قرض لیتی ہے، بعد اختتامِ جنگ اس کی واپسی کا وعدہ کرتی ہے، اس سے رعایا مقروض نہیں ہوئی پھراس کے ذمہ سے زکوۃ کیوں ساقط ہوئی۔

۳-اگر ہر شخص کو یہ صورت سہل نہیں جس قدر زکوۃ واجب ہے اس کا کوئی مال خرید کر فقیر کو دیدیا جائے(۲)، ریز گاری اگر نہیں ملتی تو مال تو ملتا ہے اس میں کیا اشکال ہے، نوٹ کے ذریعہ سے بازار میں بہت مال ملتا ہے۔

۴-نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں (۳)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے، ریز گاری روپے خالص بیع صرف نہیں، البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری جانب بھی ایسا ہی ہوتو

---

(۱) دیکھئے: (فقهي مقالات لمولانا المفتي محمد تقي العثماني دامت فيوضه ''کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم'': ۱/۱۳، ۲۳، میمن اسلامک پبلشرز''۔

(وفقهي مسائل لخالد سيف الله رحماني: ۱/۱۱۷، المصباح)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلا إذا دفع إليه المطعوم)؛ لأنه بالدفع إليه بنية الزكاة يهلكه، فيصير آكلاً من ملكه .... (قوله: إلا إذا حكم عليه بنفقتهم) .... قلت: هذا إذا كان على طريق الإباحة دون التمليك كما يشعر به لفظ الإطعام، ولذا قال في التاتارخانية عن المحيط: إذا كان يعول يتيما ويجعل مايكسوه ويطعمه من زكاة ماله، ففي الكسوة لاشك في الجواز لوجود الركن وهو التمليك، وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۳) ''موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے، کسی زیادتی کے ساتھ نہیں''۔ (فقہی مقالات، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۷، میمن اسلامک پبلشرز)

مساوات شرط ہے (۱) ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ یا دوسری دھات کے مقابلہ میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع درست ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

نوٹ کی زکوۃ

سوال [۴۵۰۴]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا نوٹ ہے تو اس کی زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی تولہ چاندی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اَور شی دیدے سب جائز ہے (۳)۔ فقط۔

نوٹ سے زکوۃ کا حکم

سوال [۴۵۰۵]: ا......مدِ زکوۃ کے روپے مدرسہ کے غریب فنڈ میں جس سے غریب طلبہ کی خرچ برداری کی جاوے داخل کردینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں، یا کہ حیلہ کرنا ہوگا؟ آپ کے مدرسہ میں اس کا

---

(۱) "فإن كان الغالب الذهب في الدنانير والفضة في الدراهم فهما كالذهب الخالص والفضة الخالصة اعتباراً للغالب........، وإذا كان كالخالصين، فلا يجوز بيعهما بالخالص مع الذهب والفضة إلا متساويين في الوزن، وكذا بيع بعضها ببعض". (فتح القدير، كتاب الصرف: ۱۵۲/۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وإن كان الغالب عليهما الغش، فليسا في حكم الدراهم والدنانير .... فإن بيعت بجنسها متفاضلاً، جاز صرفاً للجنس إلى خلاف الجنس، فهي في حكم شيئين: فضة وصفر، الخ". (الهداية، كتاب الصرف: ۱۰۹/۲، شركت علميه، ملتان)

(۳) اب نوٹ کا حساب زکوۃ قیمت کے اعتبار سے ہوگا یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر جس قدر نوٹ ہوں، ان پر زکوۃ واجب ہوگی اور اس کے چالیسواں حصہ کی جو قیمت ہو اتنے نوٹ واجب ہونگے۔

(تقدم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پر زکوۃ")

کیا طریقہ ہے؟

۲.....امداد الفتاوی میں مرقوم ہے کہ زکوۃ، فدیہ، فطرہ وغیرہ میں نوٹ دینے سے ادا نہیں ہوتی بوجہ حوالہ ہونے کے، کیونکہ نوٹ عین روپیہ نہیں بلکہ سند ہے، جب بیت المال میں اس کو داخل کردے، روپیہ مل جاوے(۱)۔اس پر موجودہ حالت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب تو یہ نوٹ بعینہ روپیہ ہوگا بوجہ اس کے کہ اس نوٹ کو بیت المال میں داخل کرنے سے بھی چاندی کے روپیہ یا موجودہ لیکن کے روپیہ نہیں ملتا ہے۔ غایۃ الامر اتنا ہوتا ہے کہ زیادہ رقم کے نوٹ دینے سے وہ ایک روپیہ والا نوٹ دے دیتا ہے اس معذوری کی وجہ سے نوٹ سے زکوۃ و غیرہ ادا ہونے کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱.....ہمارے مدرسہ میں جو نوٹ زکوۃ میں آتے ہیں وہ بعینہ طلباء کو نہیں دیئے جاتے یا ان کو بھنا کر ریز گاری نقد وظیفہ کی صورت میں دیتے ہیں، یا کپڑا خرید کر، یا جوتہ خرید کر، یا غلہ خرید کر اس کی روٹی پکا کر، یا کتابیں خرید کر دیتے ہیں اس سے بلا شبہ زکوۃ ادا ہو جاتی ہے(۲)۔

۲.....نوٹ خود روپیہ نہیں بلکہ حوالہ ہے جیسا کہ امداد الفتاوی میں ہے اس لئے نوٹ کی کوئی شئے خرید کر زکوۃ میں دی جائے تا کہ زکوۃ ادا ہو جائے، اگر نوٹ زکوۃ میں دیا گیا تو اس سے زکوۃ ادا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فقیر اس نوٹ کے عوض کوئی مال حاصل کرلے تب زکوۃ ادا ہوگی اگر فقیر سے وہ نوٹ کسی طرح ضائع ہو گیا، یا

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الزکوۃ والصدقات: ۲/۴،۵۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال العلامة زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "وقيد بالتملك احترازاً عن الإباحة، ولهذا ذكر الولواجي وغيره أنه لو عال يتيماً، فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده، يجوز أيضا لهذ العلة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: /۲۵۷، سعيد)

لیکن اس صورت میں زکوۃ اس لئے ادا ہو جائے گی کہ زکوۃ میں دفع القیمت جائز ہے:(کما مرّ تحت عنوان: ''چاندی کا نصاب''، وتحت عنوان ''سونے چاندی کی زکوۃ بذریعہ قیمت''۔)

اس نے کسی ڈاکٹر کی فیس، یا کرایہ ریل وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے قرض ادا کیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الأولی/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۶]: اگر کسی نے زکوۃ میں نوٹ ادا کئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مدارسِ عربیہ میں اکثر لوگ بذریعہ ڈاک یا دوسرے ذرائع سے زکوۃ میں نوٹ ہی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں زکوۃ کیسے ادا ہوگی جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے آنے والے فتاویٰ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے حوالہ اور سند ہے (مال نہیں) لیکن اس دور میں تقریباً روپیہ معدوم ہے، سب کاروبار نوٹ سے ہی ہوتا ہے اور سب جگہ نوٹ ہی بلاتر دد روپیہ کے قائم مقام بلکہ روپیہ سے زیادہ قابلِ قدر شمار ہوتا ہے اس لئے اب نوٹ کے ذریعہ سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۰/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۸ھ۔

نوٹ کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۷]: ملفوظات حصہ ہفتم، ص: ۳۰۵، رسالہ المبلغ نمبر: ۸، جلد نمبر: ۱۳، بابت ماہ جمادی الاولی/ ۶۱ھ، ملفوظ نمبر: ۴۴۶، ایک نواب صاحب نے بذریعہ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آج کل روپیہ تو ملتا نہیں صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کس طرح ادا کی جائے؟ حضرت اقدس

---

(۱) اصل حکم نوٹ کا یہی ہے لیکن اب اس کا رواج اور تعامل بالکل روپے (درہم) کی طرح ہے اور یہی اب نقد کے حکم میں ہوگیا، حوالہ نہیں رہا اب نوٹ سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ''۔)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ'')

نے تحریر فرمایا کہ زکوۃ غلہ و دیگر اشیاء سے بھی ادا ہو سکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اشکال: ا......اب تک زکوۃ کے ادا کرنے کا یہ عمل رہا ہے کہ بذریعۂ منی آرڈر مدارس میں دوسری جگہ زکوۃ ارسال کی گئی اور نوٹ ڈاکخانہ میں آ گئے اور وہاں ڈاکخانہ سے نوٹ وصول کئے گئے تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو گذشتہ عمل کے درستی کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور آئندہ کس صورت سے زکوۃ ادا کرنی چاہئے، یا جس شخص نامستحق زکوۃ کو اصالۃً زکوۃ دی گئی اور اس کو نوٹ دیا گیا اور اس کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ بمدِ زکوۃ ہے کیونکہ بتلانا مناسب نہیں تھا۔ اب اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس کی درستی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۲......ہم ملازمین کو تنخواہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور نوٹ ہی ہم لوگوں کی جائیداد ہے، چاندی یا سونا یا روپیہ نہیں ہے تو نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

۳......آج کل جو روپیہ ملتا ہے اس میں بھی چاندی نہیں ہوتی ہے تو اس کا حکم مثلِ نوٹ کے ہے یا مثلِ چاندی کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......نوٹ روپیہ نہیں بلکہ رسید اور حوالہ ہے، نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ فقیر سے ضائع نہ ہو بلکہ وہ اپنے تحصیلِ مال میں صرف کرے خواہ اس کا روپیہ بنا لے یا اس کے ذریعہ سے کوئی اَور شی خرید لے، اگر خود نوٹ فقیر سے ضائع ہو گیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی (۱)، لہٰذا اگر کسی مقام پر یہ علم ہو جائے کہ فلاں فقیر سے زکوۃ میں دیا ہوا نوٹ ضائع ہو گیا ہے تو اتنی مقدار زکوۃ کو دوبارہ دی جائے ورنہ گذشتہ ادا کی ہوئی زکوۃ کی تجدید کی ضرورت نہیں۔

۲......نوٹ اگرچہ خود روپیہ نہیں لیکن ایسے قرض کی رسید ہے جس پر ہر وقت قدرت ہے لہٰذا اس پر زکوۃ

---

(۱) یہ حکم اس وقت کا ہے جب نوٹ کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا، اب نوٹ ہی بمنزلۂ روپے کے ہے، لہٰذا اس کے ذریعے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (تقدم تفصيله تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ''۔)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان: ''نوٹ سے زکوۃ کا حکم''۔)

واجب ہے(۱) جوادائیگی کی صورت دوسرے مال میں زکوٰۃ کی ہے وہی نوٹ میں ہے۔

۳......اس روپیہ میں اگر چاندی کم ہے لیکن قیمت میں بالکل چاندی کے برابر ہے لہٰذا جوحکم خالص چاندی کے روپیہ کا ہے وہی اس کا ہے قیمت کے اعتبار سے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۸/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/شعبان/۶۱ھ

نوٹ اور ریزگاری سے زکوٰۃ

سوال[۴۵۰۸]: زید کے پاس ایک ہزار روپیہ کے نوٹ ہیں وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے پہلا روپیہ جس میں چاندی غالب تھی نہیں ملتا، ذیل کی چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاسکتی ہے:

۱- زکوٰۃ نوٹ سے ہی ادا کردی جائے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہوگی تو کیا پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا کسی قید کے ساتھ؟

(نوٹ) نوٹوں کی اور دیگر مال مثل نقدی یا زیور وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہے یا مطلقاً زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

۲- نیا سکہ جو اب جاری ہوا (اس میں چاندی محض چار آنہ بھری ہوتی ہے) اس سے زکوٰۃ ادا کرے

---

(۱) (دیکھئے: فقہی مقالات "کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ": ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

(۲) "وما غلب غشه منهما يقوّم كالعروض، وحاصله أن مايخلص منه نصاب أو كان ثمناً رائجاً، تجب زكاته، سواء نوىٰ التجارة أو لا، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار. كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكاة في الغطريفية والعادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب، فصار فلوساً فوجب اعتبار القيمة فيه، لا الوزن، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۷۷، عباس احمد الباز)

توزکوۃ ادا ہوگی یانہیں؟ اس سے زکوۃ پہلے روپیہ کی طرح بلاقید ادا ہوگی یا مشروط طریق سے اور وہ شرائط کیا ہیں؟ کیااس روپیہ سے زکوۃ مطلق ادا ہوجائے گی یا بموجب جنس مال (یعنی نوٹ، زیور، نقد) زکوۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہوگا اور وہ فرق کیا ہے؟

(**نوٹ**) اس روپیہ سے زکوۃ ادا کرنے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ یہ روپیہ چاندی نہیں کیونکہ اس میں صرف چار آنہ کی مقدار چاندی ہے اور باقی دوسری دھات یعنی کھوٹ اور چاندی، اگر غیر چاندی سے مل جائے اور غیر چاندی کا عنصر غالب ہو تو مرکب پر چاندی کا حکم نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ وہ اسباب کے حکم میں ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ نیا روپیہ پہلے کھرے روپیہ کی قیمت کا ہی نہیں بلکہ اس سے کم قیمت ہے، اگر کہا جائے کہ نیا روپیہ سرکاری طور پر پہلے کھرے روپیہ کا قائم مقام ہے پہلے اسے کھرے روپیہ کی قیمت سمجھ کر اس کو زکوۃ میں دینا درست ہوگا تو اسی طرح نوٹ بھی تو سرکاری طور پر کھرے روپیہ کی قیمت قرار دیا گیا ہے پس زکوۃ میں روپیہ کے بجائے اگر نوٹ دیدیا جائے تو زکوۃ ادا ہوجانی چاہئے، اگر اندریں صورت بھی نوٹ سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس مروجہ روپیہ میں اور نوٹ میں کیا فرق ہے؟

۳-پیسوں سے یا غیر چاندی اِکنیوں، دونیوں، چونیوں سے زکوۃ ادا کرے، اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی ادائیگی بلاقید طریقہ سے ہے اور قیود کیا ہیں اور اس میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہونگیں جو نئے روپئے کی بحث میں گزرا، اس میں اور نئے روپئے میں فرق ہے تو کیا؟

۴-چاندی خرید کر زکوۃ ادا کرے، اس میں مشکل یہ ہے کہ چاندی خریدنے کے لئے اور کھری چاندی میں فرق دشوار ہے ہر شخص نہیں کرسکتا، زکوۃ لینے والے کو بھی نقصان۔ براہِ مہربانی تمام صورتوں پر غور فرمایا جائے اور بالوضاحت جواب تحریر فرمایا جائے مع حوالۂ کتب۔

نوٹ یا ریزگاری کی صورت میں اگر مال جمع ہو تو اس پر زکوۃ کیوں واجب ہے جب کہ براہ راست نوٹ یا ریزگاری سے زکوۃ دے تو ادا نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱-نوٹ روپیہ نہیں مگر روپیہ کی سند ہے لہذا نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا ہوجائے گی بشرطیکہ مصرف کے پاس پہونچکر مصرف اس کو اپنے کام میں صرف کرلے، اگر اس سے پہلے پہلے وہ نوٹ ضائع ہوگیا اور مصرف اس

کو اپنے کام میں نہیں لا سکا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ نوٹ اور ہر قسم کے مال کی زکوۃ نوٹ کے ذریعہ سے ادا کرنا بشرط مذکور صحیح ہے(۱)۔

۲- نیا سکہ جو کہ اب جاری ہوا ہے اس میں چاندی مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے لیکن بحیثیت ثمنیت ورواج پہلے روپیہ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا جس طرح پہلے روپیہ سے زکوۃ ادا کرنا درست ہے اسی طرح اس سے بھی بلا تامل درست ہے اور جس طرح پہلے روپیہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس پر بھی واجب ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے روپیہ میں چاندی غالب ہونے کی وجہ سے وجوباً واداءً وزن کا اعتبار ہوگا اور نئے روپیہ میں قیمت کا اعتبار ہوگا:

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكوة في الغطريفية بقيمته، و العادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب فصارا فلوساً، و وجب اعتبار القيمة فيه لا الوزن، الخ". زيلعي شرح كنز ۱/۲۷۹(۲)۔

قال الشلبي في هامشه: "روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أن الزكوة تجب في الجياد، و من الدراهم والزيوف والنبهرجة، قال: لأن الغالب فيها كلها الفضة و ما تغلب فضته على غشه، يتناوله اسم الدرهم مطلقاً، والشرع أوجب باسم الدراهم وإن كان الغالب هو الغش، والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت رائجةً أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي دراهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة، وهي التي الغالب عليها الفضة، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا، اه". بدائع"(۳)۔

وإن لم تكن رائجةً ولا معداً للتجارة، فلا زكوة فيها، إلا أن يكون مافيها من الفصة يبلغ مائتي دراهم بأن كانت كبيرةً الخ"۔ والمسئلة مذكورة في الدرالمختار

(۱) (تقديم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پر زکوۃ"۔)

(۲) (تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۷۷، عباس احمد الباز)

(۳) حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۷۲، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۸، فصل في بيان النصاب، دارالكتب العلميه، بيروت)

وردالمحتار: ۲/ ٤٧(١)، والدر المنتقى ومجمع الأنهر: ١/ ٢٠٦(٢)،والفتاویٰ العالمكيرية: ١/ ١٧٩(٣)۔

اس روپیہ میں اورنوٹ میں فرق یہ ہے کہ یہ روپیہ سرکار اور رعایا سب کے نزدیک روپیہ اور سکہ ہے جس کی قیمت سولہ ہے اورنوٹ کسی کے نزدیک بھی روپیہ اور سکہ نہیں نہ اس کی قیمت سولہ ہے بلکہ یہ تو ایک سند اور رسید ہے جس کے ذریعہ سے حکومت یا بینک سے حسب معاہدہ تحریر نوٹ سولہ وصول ہوسکتے ہیں اس لئے نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ مشروط بالشرط بالمذکور ہے اور روپیہ کے ذریعہ سے بلا شرط ہی ادا ہوجاتی ہے۔

۳- زکوۃ ادا ہوجائے گی اور اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر چاندی وزن کے اعتبار سے لازم ہو اس کی قیمت جس قدر اِکنیاں وغیرہ ہوں، دیدی جائے، مثلاً اگر دو تولہ چاندی لازم ہو اور بازار میں دس تولہ چاندی فروخت ہوتی ہے تو بیس اِکنیاں یا دس دونیاں ادا کریں زکوۃ ادا ہوجائے گی: "واجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة، الخ". رد المحتار ۲/ ٤٥(٤)۔

۴- چاندی خرید کر اس کے ذریعہ سے بھی زکوۃ دینا درست ہے نوٹ کے ذریعہ زکوۃ ادا ہوجاتی ہے کمامر۔ قربانی کی کھال کی قیمت اپنی بیٹی کو دینا درست نہیں ہے بلکہ کسی اَور مستحق زکوۃ کو دیدی جائے کیونکہ اس کا تصدق واجب ہے: "فإن بدل اللحم، والجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله، الخ". مجمع الأنهر ۲/ ٥٢١(٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۵/ ۱۲/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (رد المحتار على الدرالمختار: ۲/ ۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(٢) (مجمع الأنهر مع هامشه الدر المنتقى: ١/ ٣٠٦، باب زكاة الذهب والفضة، والعروض، دارالكتب العلمية، بيروت)

(٣) (الفتاویٰ العالمكيرية: ١/ ١٧٩، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(٤) (ردالمحتار: ٢/ ٢٩٧، باب الزكاة والفضة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٢/ ٧٤، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/ ٣٩٦، باب زكاة المال، رشيديه)

(٥) (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ٢/ ٥٢١، دارإحياء التراث العربي بيروت)

غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوۃ

سوال[۴۵۰۹]: فرانسیسی سکۂ مروجہ کو"فرانک" کہا جاتا ہے،زید کے ذمہ زکوۃ فرض ہے،زید اپنی زکوۃ ہندوستان میں مستحقین اور مساکین ذوی القربیٰ کو ادا کرنا چاہتا ہے چونکہ فرانک ہندوستان میں رائج نہیں ہے اس لئے اس کا تبادلہ یہاں کے انگریزی (ہندی) روپیہ سے کرنے کی دو مختلف صورتیں ہیں:

۱- وہاں کی حکومت سے تبادلہ۔

۲- وہاں کے تُجّار کو دیکر ان سے چیک لے کر اس چیک کو یہاں ہندوستان بنک میں بُھنا کر۔صورتِ اولیٰ میں حکومت چالیس فرانک کے عوض ہندوستانی ایک روپیہ دیتی ہے اور وہ بھی اس شخص کے اہل وعیال کی طرف سے یہاں کے حکام کی تصدیق کے ساتھ درخواست کئے جانے پر اور وہ بھی صرف نان نفقہ کے لئے یعنی ادائے زکوۃ یا بخشش وغیرہ کے لئے وہاں کی حکومت تبادلہ نہیں کرتی۔

صورتِ ثانیہ میں وہاں کے تُجّار بعوض ستر فرانک ایک روپیہ ہندوستانی کے حساب سے چیک حوالہ کرتے ہیں۔بس قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ زید نے تُجّار سے چیک لے کر یہاں پر زکوۃ ادا کی،اب چونکہ وہاں کی سرکاری قیمت فی روپیہ چالیس فرانک ہے (مگر تبادلہ متعذر ہے کما ذکر آنفا) اور تاجرانہ قیمت فی روپیہ ستر ہے جو ممکن ہے،لہٰذا اگر زید نے تاجرانہ قیمت سے فرانک کے روپیہ بنا کر ہندوستان میں زکوۃ ادا کی تو بہ نسبت سرکاری قیمت فی روپیہ تیس فرانک زائد خرچ ہوئے،پس اس مزید خرچ کے حساب کا کیا حکم ہوگا یعنی مُزکّی خود متحمل ہوگا یا زکوۃ کی رقم مؤدّیٰ میں سے خرچ کی جائے گی؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل،مقام تاراپور ضلع کھیڑا گجرات،۲۹/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ مقدارِ واجب مستحقین کے پاس پہونچ جائے اور اس پہونچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا،اس کا متحمل خود مزکی ہوگا،زکوۃ کی رقم سے اس کا وضع کرنا درست نہیں،ورنہ مقدارِ واجب میں نقصان رہ جائے گا اور زکوۃ پوری ادا نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) "درمختار میں ہے:"ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي اقرب الأمصار اليه".

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"فلو بعث عبداللتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذي فيه=

جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس بٹہ کا ہے جو تُجار لیتے ہیں، یہ اس وقت ہے کہ چاندی کے سکہ کا چاندی کے سکہ سے تبادلہ کیا جائے جس میں وزناً کمی زیادتی جائز نہیں (۱)۔ اگر چاندی کے سکہ کا تبادلہ کسی اور شئے سے کیا جائے تو اس میں وزناً برابری لازم نہیں، وہاں زیادتی کمی درست ہے (۲)، پس اگر فرانک چاندی کا سکہ ہے اور ہندوستانی روپیہ سے اس کا تبادلہ ہو تو اس میں جس قیمت پر بھی تبادلہ ہو جائے درست ہے کیونکہ اس روپیہ میں چاندی بالکل نہیں، یا اگر ہے تو اس قدر مغلوب ہے کہ کالعدم ہے۔ تُجار کو بھی درست ہے کہ ستر فرانک کے حساب سے معاملہ کریں یا جس طرح چاہیں اس صورت میں مزکی پر کوئی مزید ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

روپے کی زکوۃ وزن سے ہے یا قیمت سے؟

سوال [۴۵۱۰]: علم الفقہ جلد چہارم، ص: ۳۲، میں تحریر ہے کہ روپیہ کی زکوۃ گنتی سے دینا خلافِ

= العبد. اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے، خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم"۔ (خیر الفتاویٰ، کتاب الزکاۃ: ۳/ ۴۸۰، جامعۃ خیر المدارس، ملتان، پاکستان)

(وكذا في الفتاوىٰ الحقانيه، كتاب الزكوة، باب العشر: ۳/ ۵۷۷، جامعة دار العلوم حقانيه، اكوڑه خٹک)

"ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه) فلو بعث عبداً للتجارة في بلد آخر، يقوم في البلد الذي فيه العبد". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۸۶، سعيد)

(۱) "فإن باع فضةً بفضة أو ذهباً بذهب، لايجوز إلا مثلاً بمثل". (الهداية، كتاب الصرف: ۷/ ۱۳۴، شركة علميه)

(۲) "ويجوز بيع الذهب بالفضة مجازفةً، وكذا سائر الأموال الربَوية بخلاف جنسها؛ لأن المساواة غير مشروطة فيه". (الهداية مع فتح القدير، كتاب الصرف: ۷/ ۱۴۰، ۱۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

احتیاط ہے(۱) تو کیسے دینا چاہئے؟ اس قسم کی عبارت دوسری کتابوں میں بھی دیکھنے میں آئی، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نصابِ زکوۃ میں روپے کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں جو وزن کے اعتبار سے سو تولہ ہوتے ہیں جن کا چالیسواں حصہ ڈھائی روپیہ ہوا جن کا وزن ڈھائی تولے ہوا، ایسی صورت میں ڈھائی تولہ چاندی دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا ڈھائی روپے دینے چاہئیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ کا وزن کر لیا جائے اور پھر اس کا چالیسواں حصہ وزن ہی کے اعتبار سے ادا کر دیا جائے (۲) خواہ چاندی (۳) روپیہ پورا تولہ کا نہیں ہوتا بلکہ کچھ کم کا ہوتا ہے، نیز ہر روپیہ برابر نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

چاندی کی زکوۃ میں قیمت دینا

سوال[۴۵۱۱]: اگر صورت مذکورہ میں ڈھائی روپیہ دینا ضروری نہیں بلکہ ڈھائی تولہ چاندی دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی تو ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہئے یا اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے یعنی دونوں صورت

---

(۱) (علم الفقه، كتاب الزكاة، حصه چهارم، چاندی سونے اور تجارتی مال کا نصاب، ص: ۴۹۰، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عندالإمام والثاني .... وأجمعو أنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة .... قوله: ووجوباً: أي من حيث الوجوب، يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصاباً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۷، قديمي)

(وفي الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في زكاة الذهب: ۱/۱۷۸، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح ...... فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۵، ۲۸۶، سعيد)

جائز ہیں یا ایک صورت؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب ڈھائی تولہ چاندی واجب ہوتی تو اس میں اختیار ہے خواہ چاندی یا زیور وغیرہ دے خواہ روپیہ، اٹھنی چونی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اور شی کپڑا وغیرہ دیدے سب درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

نصابِ زکوٰۃ روپے کے اعتبار سے

سوال [۴۵۱۲]: کم سے کم کتنے روپے پر زکوٰۃ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفینہ پر زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا

سوال [۴۵۱۳]: ایک بڑھیا نے پہلے زمانہ میں چار ہزار روپیہ دفن کئے اور لڑکوں سے کہہ دیا تھا

---

(۱) "(جاز دفع القيمة فى الزكاة) فلا تعتبر القيمة فى نصاب كيلى، أو وزنى .... و هذا إذا أدى من جنسه، و إلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، لتقوم الجودة فى المال .... ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۸۵، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا فى المبسوط للسرخسى: ۱/۲۱۰، الفصل الثالث، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل فى زكاة الخيل، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت أثماناً رائجةً أو كان يمسكها للتجارة، يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتى درهم من أدنى الدراهم التى تجب فيها الزكاة وهى التى الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكاة، وإلافلا". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل فى بيان صفة النصاب: ۲/۴۰۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

میرے بعد نکال لینا، اب بڑھیا کے انتقال کے بعد بھائیوں نے اس مدفون کو نکالا، وہ سکہ بارہ ہزار کا ہوا۔ اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ لے لیا، باقی تینوں نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا جس سے مسجد کا صحن بنوایا گیا تو اب اس مدفون پر زکوٰۃ واجب تھی یا نہیں؟ اور اس صحن پر نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خود اس بڑھیا کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے مالک ہوئے (۱)، اس وقت سے سال بھر گذرنے پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ ان کے ذمہ واجب ہوگی۔ اس فرشِ صحن میں نماز درست ہے، سال سے پہلے مسجد میں دینے سے زکوٰۃ واجب نہیں (۲)۔

دَینِ قوی اور دَینِ ضعیف

سوال [۴۵۱۴]: ہمارے یہاں نیپالی لوگ آتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں، قیمت کبھی کبھار تو آٹھ دس سال تک دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ معلوم ہے کہ سوداگری کے مال کی قیمت قرضِ قوی کی صورت ہے، جیسا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ جب وہ روپے وصول ہو جائیں تو سب برسوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی حساب سے، لیکن ہمارے یہاں صورت یہ ہے کہ نیپالی لوگ دوسری حکومت کے رہنے والے ہیں جن پر نہ ہم دعویٰ کر سکتے ہیں نہ کوئی کچہری عدالت کر سکتے ہیں اور وہ لوگ دس دس، بارہ بارہ، چودہ چودہ دن کا سفر کر کے آتے ہیں اس لئے ہم خود وہاں جا کر وصول نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض وہاں پہونچ بھی جائیں تو اخلاقی طریقہ پر وصول کر سکتے ہیں، لیکن غیر حکومت ہونے کی وجہ سے کوئی زبردستی نہیں کر سکتے۔ اب ان کی مرضی ہے دیں یا نہ

---

(۱) "إذا مات من عليه زكاة، سقطت عنه بموته، حتى انه إذا مات عن زكاة سائمة فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء". (التاتارخانية: ۲/۲۹۲، الأسباب المسقطة للزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۵۵، الأسباب المسقطة للزكاة، غفاريه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۵۶، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۲) "وسبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه تام، الخ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۸۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

دیں، ہم اتنے کمزور ہیں کہ ان سے جبراً وصول نہیں کرسکتے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہمارا قرض قرضِ ضعیف کی صورت ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ اگر وصول شدہ قرض بقدرِ نصاب ہے اور اس پر سال وصول کے وقت سے گزر جائے تب زکوۃ فرض ہوگی یا قرضِ قوی کی صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دَین اس صورت میں بھی دَینِ قوی ہے، اس کے وصول ہونے کا آپ کو پورا اطمینان ہے (اگر چہ دیر میں ہو) ورنہ آپ ان لوگوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت نہ کرتے اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو دَینِ قوی کا ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۲ھ۔

قرض پر زکوۃ

سوال [۴۵۱۵]: ایک شخص نے کسی کو دو ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا ہے اور اس کی ادا کرنے کی امید ہے لیکن چار سال سے اب تک کچھ بھی پیسے قرض میں ادا نہیں ہوئے، آیا جس شخص نے قرض دیا ہے اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ دینا ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قرض کے وصول ہونے پر اس کی زکوۃ دینا لازم ہوگا، جتنے سال میں وصول ہو ہر سال کی زکوۃ دے گا، كذا في رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة، الخ".

(الدر المختار: ۲/۳۰۵، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۹۹، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، ادارة القرآن كراچی)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۸، الفصل السادس في الديون، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "دینِ ضعیف وقوی"۔)

قرض کی زکوۃ

سوال[۴۵۱۶]: ایک شخص نے اپنے زیورات قریب ایک ہزار روپیہ کی ملکیت کے ایک قریبی رشتہ دار کو جب کہ وہ بہت مصیبت میں مبتلا تھا اس کے اصرار پر دیدیئے، آج چھ سال سے زائد ہو چکے ہیں مگر وہ زیورات یا اس کی رقم واپس نہ کر سکا، تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا، متوفی کے لواحقین اور اولا دفی الحال اس قابل نہیں کہ ان زیورات کی رقم ادا کر سکیں گویا کہ زیادہ تر مایوسی نظر آتی ہے۔ کیا اس صورت میں زیورات کے مالک پر زکوۃ واجب الاداء ہے اور بعد ادائیگی کے مالک کو گذشتہ ایام چھ سال کی ادائیگی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فی الحال اس کی زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں، اگر وصول نہ ہو تو اس کی زکوۃ بالکل ساقط ہو جائے گی۔ اگر وصول ہو جائے تو زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، اگر یکدم وصول نہ ہو تو کم از کم بقدر چالیس درہم (ایک نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہونے پر اتنی مقدار کی زکوۃ لازم ہے اور گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، ہر سال کی زکوۃ ادا کرنے پر بقیہ رقم کو دیکھا جائے گا اس پر زکوۃ لازم ہوگی۔ تمام سالوں کی اس مجموعہ ایک ہزار پر زکوۃ لازم نہ ہوگی بلکہ اس مجموعہ پر صرف ایک سال کی لازم ہوگی۔ اور جس قدر لازم ہوگی اس کو منہا کرنے کے بعد جو رقم بچی ہے ایک سال کی اس پر لازم ہوگی اور بقدر لازم منہا کر کے بقیہ پر تیسرے سال کی لازم ہوگی اسی طرح تمام سالوں کی زکوۃ کا حساب ہوگا:

"و تجب عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، فكل ما قبض أربعين درهماً يلزم درهم، اهـ" درمختار۔ "رجل له ثلث مأة درهم دين، حال عليها ثلاثة أحوال، فقبض مائتين، فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يزكي للسنة الأولى خمسةً، و للثانية والثالثة أربعةً أربعةً عن مأة و ستين، و لا شيء عليه في الفضل، لأنه دون الأربعين". ردالمحتار: ۲/ ۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکوة المال: ۲/ ۳۰۵، سعید)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال[۴۵۱۷]: زید کا ایک ہزار روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں گورنمنٹ کے یہاں جمع ہے اور یہ روپیہ نوکری چھوڑنے پر ملتا ہے، نیز اس پر سات سو روپے کا قرض بھی ہے تو اب اس ایک ہزار روپے پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب وہ روپیہ مل جائے گا تو اس پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں ہوگی (۱) اور آئندہ جس قدر قرض سے فاضل بچے گا اس پر زکوۃ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۱۸]: پراونڈنٹ فنڈ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اس میں نصف رقم مالک کی ہوتی ہے اور نصف ادارہ شامل کرکے اس کو محفوظ کردیتا ہے مگر مالک کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا ہے اگر زکوۃ ہے تو مجموعہ پر ہے یا صرف اپنی رقم پر؟ نیز بعد القبض سے زکوۃ کا حکم ہوگا یا سال کے سال اپنی باقی رقوم کے ساتھ اس کا حساب شامل رکھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی مقدار ادارہ شامل کرتا ہے اس پر ابھی تو ملک ہی ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اس پر تو ابھی زکوۃ نہیں،

---

(۱) "روی ابن أبی شیبة فی مصنفه عن عمرو بن میمون قال: أخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من أهل الرقة یقال له: أبوعائشة عشرین ألفاً، فألقاها فی بیت المال، فلما وُلّی عمر بن عبد العزیز، أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إلیه، فکتب إلی میمون أن: ادفعوا إلیهم أموالهم وخذوا زکوة عامهم هذا". (فتح القدیر: ۱۶۶/۲، کتاب الزکاة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"وفی الضعیف لا تجب ما لم یقبض نصاباً، و یحول الحول بعد القبض علیه". (البحر الرائق: ۳۶۳/۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار: ۳۰۵/۲، باب زکاة المال، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۵/۱، کتاب الزکاة، رشیدیه)

جتنی مقدار تنخواہ سے وضع کی گئی ہے اس پر بھی زکوۃ لازم نہیں (۱)، بحث وتحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اگر ہر سال اپنی وضع شدہ رقم کی زکوۃ ادا کردی جائے تو یہ احتیاط وتقویٰ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پراویڈنٹ فنڈ اور زرِ ضمانت پر زکوۃ

سوال [۴۵۱۹]: پراویڈنٹ فنڈ اور ضمانت کی رقوم جو زید کو کئی سال کے بعد ملی ہیں اور اب تک اس کے قبضہ میں نہیں تھیں ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس طریقہ سے نکالی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زرِ ضمانت پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ زکوٰۃ گذشتہ زمانۂ وصول سے قبل کی بھی لازم ہوگی (۲)، تنخواہ جمع شدہ پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں (۴) وہ تو ایسی رقم ہے کہ گویا اب وصول ہونے پر ملک میں آئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختمِ ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوۃ

سوال [۴۵۲۰]: زید ایک مسلمان کے فرم میں عرصہ ۲۳/ سال سے کام کر رہا تھا، افسران اور منتظمین

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ"۔)

(۲) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھ کر اس کی تصریح وتصویب فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہٰذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اس کے خلاف سے رجوع کرتا ہوں"۔ (امداد الفتاوی: ۲/۴۸، فصل: در تنقیح وجوب یا عدمِ وجوبِ زکوۃ بر پراویڈنٹ الخ: دار العلوم کراچی)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "دین قوی وضعیف"۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ"۔)

کی نیت خراب ہوئی اس کو نکالنا چاہا، چنانچہ ایسے حالات پیدا کردیئے گئے کہ زید سخت کش مکش میں مبتلا ہوگیا۔ زید کا تبادلہ ۲۳/ سال کے بعد ایک دم دہلی سے ہزار میل دور کردیا گیا، اس نے بہت کوشش کی کہ تبادلہ منسوخ ہو جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ زید جب اس جگہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام نہیں ہے اور آپ واپس جائیں، چنانچہ زید چلا آیا، دو ماہ بعد زید کا تبادلہ اس سے بھی دور ۱۲۰۰/ میل کردیا گیا، پھر زید نے عدمِ تبادلہ کی بے انتہا کوشش کی مگرنا کام ہی رہا، کیونکہ افسران و منتظمین کی نیت دور بھیجنے کی ہی تھی۔

چنانچہ زید کو مجبور کیا گیا کہ یا تو دہلی چھوڑ کر باہر چلے جاؤ ورنہ استعفیٰ دیدو۔ زید نے بہت سارے اعذار پیش کئے کہ میری عدم موجودگی میں جو میرے بچے دہلی میں رہتے ہیں وہ برباد ہوجائیں گے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کون کرے گا؟ لیکن سب عذر بیکار ہوئے اور مجبوراً زید کو استعفیٰ دینا پڑا۔ چنانچہ زید نے اپنے واجبات کی مکمل فوری ادائیگی کا مطالبہ کیا، جواب ملا کہ ایک سال میں کی جائے گی اور اگر یکمشت فوراً چاہئے تو ۸۰۰/ روپیہ کم کرکے ادا کئے جاسکتے ہیں، چنانچہ زید نے منظور کرلیا۔ چونکہ شدید مالی پریشانی میں تھا، زید کی کل رقم کا میزان ۱۱۸۹۲/ روپیہ ہوتا ہے، اس رقم سے خوشامد کرنے کے بعد ۵۰۰/ نقد لیکر جب چیک دیا گیا حساب کتاب میں ۳۰۰/ کم لگاتے ہیں، اس طرح زید کی کل رقم سے ۸۰۰/ روپیہ کم کردیا گیا اور اپنے فرم کے حساب میں رقم کی ادائیگی مکمل دکھائی گئی، یہ رقم جو غصب کرلی گئی وہ زید کی محنتِ شاقہ اور اس کے بال بچوں کا حق تھا۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم ان افسران کے لئے کیا ہے؟

زید کو جو رقم ملی ہے اس میں ۳۰۰/ منافع بھی شامل ہیں، اس رقم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ یا جو رقم ۵۰۰، ۳۰۰، ۸۰۰/ افسران نے زبردستی بےکسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نقد حاصل کیا ہے اس کو زکوۃ کی حد میں سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کا نصاب چاندی میں ساڑھے باون تولہ ہے اور سونا میں ساڑھے سات تولہ ہے، پس جس رقم سے اتنی چاندی خریدی جاسکے اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس رقم پر ایک سال گزر جائے اور ایک سال کے ختم پر رقم بقدرِ نصاب موجود ہو اگرچہ وہ نصاب والی رقم درمیانِ سال میں بقدرِ نصاب نہ رہے بلکہ کچھ کم ہوجائے اور ذمہ میں اتنا دَین بھی نہ ہو کہ دین کی ادائیگی میں کمی آجائے:

"وسببه ملك نصابٍ حولي، تام، فارغ عن دَين له مطالب من جهة العباد، و فارغ عن حاجته الأصلية، وشرط كمال النصاب في طرفي الحول، فلا يضر نقصانه بينهما". كذا في الدرالمختار على هامش رد المحتار: ۲/۵،۶ (۱)۔

ظاہر ہے کہ فرم کے افسران و منتظمین نے زید کا مال ناحق اور باطل طریقہ پر لیا جس کی حرمت نصوصِ شرعیہ میں موجود ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارةً عن تراضٍ منکم﴾ الآیة(۲)۔

حرام مال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک لقمہ حرام بھی جو منہ تک پہونچ جاتا ہے اس کے وبال سے ۴۰/ روز تک اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی، اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم بھی چار آنے کی مقدار بھی حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے جو چھوڑ جائے وہ اس کو دوزخ میں لے جانے کے لئے رہبر بن جاتا ہے اور جو بدن مالِ حرام سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا:

"عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "لا يدخل الجنة لحمٌ نبت من السحت، و كل لحم نبت من السحت فالنار أولى به"۔

"وعن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يدخل الجنة جسدٌ غُذي بالحرام"۔

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما:" من اشترى ثوباً بعشرة دراهم، و فيه درهم

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۲/۲۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۵، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(۲) (النساء: ۲۹)

قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "قد انتظم هذا العموم النهي عن أكل مال الغير بالباطل، وأكل مال نفسه بالباطل، وذلك؛ لأن قوله تعالىٰ ...... نهى كلَّ أحد عن أكل مال نفسه و مال غيره بالباطل، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۴۴، باب التجارات و خيار البيع، قديمي)

حرام، لم يقبل الله تعالىٰ صلوةً مادام عليه. ثم أدخل إصبعيه في أذنيه، وقال: صمّتا إن لم يكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعته يقوله". كذا في المشكوة: ص:٢٤٢، ٢٤٣(١)۔

جو رقم افسران اور منتظمین نے زبردستی لی ہے اس کو زکوۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا، افسران اور منتظمین کے حق میں خداوند تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ ان کو ایسے افعالِ شنیعہ سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے:

"أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية، فلو سماها هبةً أو قرضاً. وإلى أن الساعي لو أخذها منه كرهاً، لا يسقط الفرض عنه في الأموال الباطنة بخلاف الظاهرة، هو المفتي به". كذا في الشامي، ص:٢/١١(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کسور پر زکوٰۃ اور اس کی مثال

سوال[۴۵۲۱]: کسور میں بھی زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ مثال دیکر بیان فرمادیں تو باعثِ شکریہ ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو کسر خُمسِ نصاب تک پہونچ جائے اس میں بھی زکوۃ آئے گی، یہ تو بالاتفاق ہے۔ جو کسر خُمس سے کم رہ جائے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک اس میں بھی زکوۃ ہے، مثلاً

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ۱/۲۴۳، قديمي)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمي)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کا خُمس چالیس ہے، پس اگر کسی کے پاس دوسو چالیس درہم ہوں تو اس پر بالاتفاق چھ درہم زکوۃ ہوگی، اگر کسی کے پاس دوسوبیس درہم ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دوسو درہم پر زکوۃ ہوگی یعنی پانچ درہم، اور بیس ایسی کسر ہے جو خُمس سے کم ہے وہ معاف ہے اس کی زکوۃ نہیں آئے گی اور صاحبین کے نزدیک ان بیس پر بھی نصف درہم واجب ہوگی، یعنی دوسوبیس درہم پر ساڑھے پانچ درہم زکوۃ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "و في كل خمس بحسابه، ففي كل أربعين درهماً درهم، و في كل أربعة مثاقيل قيراطان، و ما بين الخمس إلى الخمس عفوٌ، وقالا: و ما زاد بحسابه، و هي مسألة الكسور". (الدرالمختار: ۲/۲۹۹، باب زكاة المال، سعيد)

" ذكر البيهقي في باب فرض الصدقة، وهو كتابه عليه السلام الذي بعثه إلى اليمن مع عمرو بن حزم، وفيه: "وفي كل خمس أواقٍ من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففي كل أربعين درهماً درهم". ودلالته هذا الحديث والذي بعده على أنه لازكاة على زيادة النصاب من الفضة حتى تبلغ تلك الزيادة إلى أربعين درهماً، فإذا بلغت ففي أربعين درهماً درهم واحد ظاهرةٌ، وهو مذهب إمام الأمصار إمام الأقطاب أبي حنيفة وأرضاه، خلافاً لصاحبيه رحمهما الله تعالىٰ .... وأيضاً فقد ذكر عبدالحق في أحكامه: روى أبو اويس .... عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كتب هذا الكتاب ...... وفيه:

"ليس فيها (الفضة) صدقة حتى تبلغ مائتي درهم ففيها خمسة دراهم، وفي كل أربعين درهماً درهمٌ، وليس فيما دون الأربعين صدقة". (إعلاء السنن، كتاب الزكاة، باب ماجاء في كسور الذهب والفضة: ۹/۴۷، ۴۸، إدارة القرآن كراچي)

"ولو زاد على نصاب الفضة شئ فلا شئي في الزيادة حتى تبلغ أربعين فيجب فيها درهمٌ في قول أبي حنيفة، وعلى هذا أبدًا في كل أربعين: درهم. وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي: تجب الزكاة في الزيادة بحساب ذلك قلت: أو كثرت حتى لوكانت الزيادة درهماً يجب فيه جزءٌ من الأربعين جزأ من درهم". الخ (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الأثمان المطلقة فصل: وأما صفة هذا النصاب: ۲/۱۷، ۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۷، باب زكاة المال، امداديه ملتان)

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

سامانِ تجارت پر زکوۃ

سوال[۴۵۲۲]: ہمارا اپنا پریس ہے، اپنی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور دوسروں کے کام بھی اجرت لے کر کرتے ہیں، کتابوں کی فروخت اور چھپائی کے بل وصول ہوتے ہیں تو روپیہ آجاتا ہے، کاغذ وغیرہ ہم خود خریدتے ہیں اور اس کا ذخیرہ ہمارے پاس رہتا ہے مگر اس میں سے وہی بچتا ہے جو چھپائی سے رہ جائے، کتب خانہ میں کتابوں کا ذخیرہ رہتا ہے۔ مذکورہ بالا روپیہ کچھ تعمیری کاموں میں صرف ہوجاتا ہے اور کچھ ذاتی اخراجات ہیں، جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہوتی ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا بھی ہمارے ذمہ ہے، انکم ٹیکس والے کل آمد کو خرچ معلوم کرکے ایک رقم نفع کی متعین کردیتے ہیں اور اس پر ٹیکس لگادیتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی روپیہ نفع کا جمع نہیں رہتا۔ اس حالت میں زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟ کیا انکم ٹیکس والے جو نفع متعین کرتے ہیں اسی کو نفع سمجھ کر اس کے حساب سے زکوۃ دے دی جائے یا کوئی اَور شکل کی جائے اور وہ کیا شکل اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ نے تحریر کیا ہے کہ ”جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا ہمارے ذمہ ہے“۔ اس مال سے مراد روپیہ ہے یا کل سامانِ تجارت، اگر روپیہ مراد ہے تو اس روپیہ کے ساتھ کل سامانِ تجارت کو ملا کر دیکھئے کہ یہ مجموعہ قرض کے مجموعہ سے زیادہ ہے یا برابر یا کم ہے، اگر برابر یا کم ہو تب اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، اگر زیادہ ہو اور مقدارِ نصاب سے زیادہ ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔ نقد روپیہ کو قرض میں محسوب کیا جائے اور جس قدر قرض اس کے بعد بچے اس کو سامانِ تجارت سے منہا کرکے بقیہ پر

زکوۃ فرض ہوگی (۱)۔ نفع کی رقم معین کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل سامانِ تجارت (بعد منہائی مقدارِ فرض) کا حساب کرکے اور قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے (۲)۔ اگر اس مال سے مراد کل سامان تجارت ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

سامان تجارت کی زکوۃ

سوال[۴۵۲۳]: اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا مالِ تجارت ہے تو زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

عرضگذار: محمد عبد الرؤف، مقیم حال سلطان پور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ڈھائی روپیہ دے یا اس کی قیمت کی چاندی وغیرہ، نیز مالِ تجارت کا چالیسواں حصہ دینا بھی درست ہے (۳)، لیکن اگر اس کے پاس صرف سو روپیہ کا سامانِ تجارت ہے اور نقد، چاندی، سونا کچھ اس کے پاس نہیں تو

---

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸٦، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲٦۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح: ص: ۷۱۴، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب: يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً إلى آخره". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت) =

اس پر زکوۃ ہی واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

مالِ تجارت میں زکوۃ

سوال [۴۵۲۴]: میں نے صرف پچاس روپیہ کے سرمایہ سے کتب خانہ شروع کیا، جوں جوں فروختگی ہوتی رہی یوں یوں دینی، درسی، تبلیغی کتابیں، اردو، ہندی، عربی، فارسی و گجراتی ۱۰۰، ۱۰۰/ روپے کی ادھار خریدتے گیا، فروختگی پر کتابیں منگواتا رہتا ہوں، پانچ پچیس کا مال، کبھی قرآن شریف ہے تو کبھی کتابیں، اس طرح درسی کتب سال دو سال جمع رہتی ہیں، فی الحال جملہ مال دو ہزار روپے تک کا جمع ہو جاتا ہے اور ماہ دو ماہ میں ختم ہو جاتا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا مال تیس پچاس کا طلب کرتا رہتا ہوں۔ تو اس ہیئت میں زکوۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت آپ کا سرمایہ (نقد کتابیں، زیور) بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا) ہو گیا اس وقت سے سال بھر گزرنے پر آپ کے ذمہ اس کی زکوۃ لازم ہوگئی، بشرطیکہ ختمِ سال پر نصاب سے کم نہ رہ جائے (۲) درمیان میں کم ہو کر پھر پورا ہو جائے تو زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۷، الفصل الثالث في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) چونکہ یہ مقدار نصاب سے کم ہے اس وجہ سے اس میں زکاۃ نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، تقوم بما هو أنفع للفقراء و تضم قيمتها إليهما .... نقصان النصاب في أثناء الحول لا يضر إن كمل في طرفيه؛ لأن في اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، و في آخره للوجوب". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مختصر الطحاوي: ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير شرح الهداية: ۲/۲۱۸، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

9

ایضاً

سوال[۴۵۲۵]: بکر نے کپڑے کی دوکان کی ہے اور مال قرض مہاجن کے یہاں سے لاتا ہے اور مال بیچ کر تھوڑا تھوڑا روپیہ مہاجن کو دیتا ہے(۱)۔ تو ایسے مالِ تجارت میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی زکوۃ کیسے ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کے پاس کپڑا یا روپیہ بقدرِ نصاب زکوۃ (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت) قرض سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو اس کی زکوۃ (چالیسواں حصہ) واجب ہے ورنہ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۵۲۶]: تجارتی مال کی زکوۃ کا طریقہ کیا ہے، سال کے آخر میں موجودہ مال کی قیمت لگا کر ادا کردے یا کوئی اور طریقہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوۃ

---

(۱) ''مہاجرین: سوداگر، بیوپاری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''فلا زكاة على مكاتب، ومديون للعبد بقدر دينه فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ''. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

''وفي مضروب كل ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً) .... (أو) في (عروض التجارة قيمته، نصاب) .... (من ذهب أوورق) .... (ربع عشر)''. (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۹۸، ۲۹۹، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر، إدارة القرآن، كراچی)

ادا کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بعض مالِ تجارت فروخت ہوجائے اور بعض رہ جائے تو زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟

سوال[۴۵۲۷]: مال تجارت یعنی ایک دوکان میں بیس ہزار روپے کا سامان ہے مگر بعض فروخت ہو چکا ہے اور بعض موجود ہے، اب زکوۃ کس حساب سے دی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنا مال موجود ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے یا اس کی قیمت دیدے، جتنا روپیہ ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۲۱ھ۔

مالِ تجارت کی زکوۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا

سوال[۴۵۲۸]: زید نے تجارت کی غرض سے یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ کو دو ہزار قلم بنوائے جن کی مجموعی قیمت چار ہزار روپے ہوتی ہے، اب ظاہر ہے کہ زید صاحبِ نصاب ہے اور یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۸ھ کو اس مال پر زکوۃ واجب ہوجائے گی جس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مگر زید یہ چاہتا ہے کہ وہ زکوۃ کو تدریجی طور پر ابھی سے ادائیگی شروع کردے اور صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے اس لئے اس نے ۴/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ، سے ہی مختلف مقامات پر ضرورت مند طلباء کو زکوۃ کی نیت سے ایک ایک دو دو قلم بھیجنا شروع

---

(۱) "و شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي، وأما المستفاد في أثناء الحول، فيضم إلى مجانسه، و يزكى بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث". (مراقي الفلاح، ص: ۴۱۷، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۳۰۲/۲، فصل في زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في مختصر الطحاوي، ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سامان تجارت کی زکوۃ".)

کر دیئے اور یہ ارادہ کرلیا کہ آخر سال میں رأس المال کا حساب لگا کر جو کچھ رہ جائے گا اس کو ادا کر دے گا۔

اصل نیت زکوۃ ادا کرنے کی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح قلموں کے بھیجنے سے قلموں کی شہرت ہوتی ہے اور اس شہرت سے زید کی تجارت کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید حصولِ منفعت کے شائبہ کی پروا کئے بغیر قلم اسی طرح زکوۃ میں بھیجتا رہے یا بند کر دے؟ اگر بند کر دے تو جو قلم وہ بھیج چکا ہے وہ زکوۃ میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح قلم دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس شائبہ سے ادائے زکوۃ میں نقصان نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مالِ تجارت میں کس قیمت پر زکوۃ ہوگی؟

سوال [۴۵۲۹]: کتابوں کی بکری پر کمیشن وغیرہ نکال کر ہمیں بیس پچیس روپے فی سیکڑا بچ رہتا ہے۔ تو کتابوں کے اسٹاک میں اس لاگت پر زکوۃ واجب ہوگی جو ہمارا ان پر خرچ ہوا ہے، یا جس قیمت پر ہم کتابوں کو فروخت کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ ادائے زکوۃ یعنی سال بھر پورا ہونے پر جس قدر کی مالیت موجود ہو اس قدر پر زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوۃ کس قیمت سے ادا کرے؟

سوال[۴۵۳۰]: مالِ تجارت کی قیمت زکوۃ کے لئے کس حساب سے لگائی جائے گی، آیا اصل مصارف پر یا مع منافع؟ مثلاً زید نے تجارت کے لئے ایک کتاب کے دو ہزار نسخے چھپوائے، ہر نسخہ پر اصل مصارف بغیر منافع کے ایک روپیہ آیا یعنی کل مال کی اصل قیمت دو ہزار روپے ہوئی، مگر زید نے اس کتاب پر بازار کے لئے تین روپے قیمت مقرر کی اور خود اس کو دوسرے تاجروں کو دو روپے فی کتاب کے حساب سے فروخت کرنا شروع کیا۔ اپنے کاروبار کے لئے زید نے ملازم بھی رکھے، دوکان وغیرہ کا کرایہ بھی دیا، جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس اسی کتاب کے آٹھ سو نسخے باقی تھے، نقد کچھ نہ تھا۔ درمیانِ سال میں ملازم کی تنخواہ، دوکان کے کرایہ وغیرہ میں چار سو روپے بھی خرچ کئے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا رأس المال کیا ہے؟ زید اگر زکوۃ اصل کتاب ہی دینا چاہے تو ہر کتاب کی قیمت کیا لگائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سال بھر گزرنے پر زید کے پاس تجارتی کتاب کے آٹھ سو نسخے ہیں اس کے علاوہ ایسا کوئی مال نقد وغیرہ نہیں جس میں زکوۃ واجب ہو تو اب زکوۃ کتاب کے موجودہ نسخوں ہی میں واجب ہوگی (۱)، نہ کہ کل مال میں جس کو صَرف کر کے کتاب چھپوائی، نہ خرچ کردہ تنخواہ وغیرہ میں، نہ فروخت شدہ وخرچ شدہ قیمت میں، لہٰذا آسان صورت یہ ہے کہ بیس نسخے زکوۃ میں ادا کرے پھر مصرفِ زکوۃ ان نسخوں کو چالیس روپے میں فروخت کرے یا ساٹھ میں اس کو اختیار ہے، یا جس قیمت میں خود فروخت کرتا ہے بیس نسخوں کی وہ قیمت دیدے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۷، الفصل الخامس في زكاة المال، امجد اكيڈمي لاهور)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۹، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان)

چھپائی کے کاغذ پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۱]: جو کاغذ کتابیں چھاپنے کے لئے ہمارے یہاں رہتے ہیں آیا اس کی قیمت میں زکوۃ ہے؟ یہ واضح ہے کہ وہ کاغذ تجارت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس پر کتابیں چھاپ کر بیچی جاتی ہیں، سادہ کاغذ ہم فروخت نہیں کرتے۔

نوٹ: اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو مہربانی فرما کر دریافت فرمائیں، یا کسی چیز کی تشریح کی ضرورت ہو۔ بہر حال مفصل ومشرح جواب تحریر فرمائیں تا کہ ہم عنداللہ ماخوذ نہ ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کاغذ پر زکوۃ فرض ہوگی، یہ کتابوں کے حکم میں ہے مشینوں کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

آلاتِ تجارت پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۲]: آلاتِ تجارت پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ مثلاً پن چکی یا ٹریکٹر جس کے ذریعہ سے تجارت کی جاتی ہے یعنی پیسہ کمایا جاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، اگر ان کے ذریعہ سے کاشت کی

---

(۱) "و أما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفراً أو زعفراناً ليصبغ ثياب الناس بأجر، و حال عليه الحول، كان عليه الزكاة إذا بلغ نصاباً، و كذا كل من ابتاع عيناً ليعمل به، و يبقى أثر في المعمول كالعفص و الدهن لدبغ الجلد، فحال عليه الحول، كان عليه الزكاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها و صفتها و شرائطها، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۰۴، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

جاوے یا آٹا پیسا جاوے خود ان کو فروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

سامانِ مَطَب میں زکوۃ

سوال [۴۵۳۳]: میں حکیم ہوں، دوائی خانہ بھی رکھتا ہوں، مجھ پر دواؤں کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ دوائیں جن شیشیوں میں رکھی ہیں ان کی زکوۃ، وہ شیشیاں جو مریضوں کو دوائیں دینے کے لئے رکھی ہیں، نیز میز، کرسی، الماری جو مطب کی آرائش کے لئے ہے ان میں سے کس کس کی زکوۃ دی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو سامان مطب کی آرائش کے لئے ہے یا دوائیں رکھنے کے لئے اس میں زکوۃ نہیں (۲)، جو سامان فروخت کے لئے ہے جیسے دوائیں یا شیشیاں وغیرہ تو اس میں زکوۃ فرض ہے جب کہ وہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

---

(۱) "فليس في دور المسكنى .... و سلاح استعمال زكاةٌ ...... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۴، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "أصل هذا أنه ليس على التاجر زكاة مسكنه و خَدَمه و مركبه و كسوة أهله و طعامهم ...... العطار إذا اشترى قوارير فهو هكذا، الخ". (التاتارخانية: ۲/۲۴۰، الفصل الثالث في زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثالث في العروض، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

پریس کی مشین پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۴]: چھاپنے کی مشینوں کی اصل لاگت میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مشینوں پر بھی زکوۃ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

شیئرز کی بیع اور ان کی زکوۃ

سوال[۴۵۳۵]: ۱...... ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خرید ے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی مگر جب اس کو بیچتے ہیں اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانہ ماضی کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲...... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوۃ ادا کرنی چاہئے یا چھ ہزار کی جب کہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴...... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سود کی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''آلاتِ تجارت پر زکوۃ'')

اور اس کا کاروبار سود کا ہو اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو(۱)۔

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے، اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بناپر) بری الذمہ ہو جاوے گا، صرف نفع کی زکوۃ باقی رہ جاوے گی وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی براۃ میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲......اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے۔

---

(۱) **سوال (۱۶۳)** ''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہوکر کمپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کردیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ، اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصوں کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خرید کرنا شرعاً جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب: تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اسی لئے ایسی کمپنیوں میں شرکت ناجائز ہے، اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور دست بدست نہیں اس لئے جائز نہیں، اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی''۔(امداد الفتاویٰ: ۳/۱۳۰، ۱۳۲، مکتبہ دار العلوم)

(وأیضاً فقهي مقالات: ۱/۱۴۴)

(۲) " فمن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه، ضمّه إلى ماله وزكاه، سواء كان المستفاد من نمائه أولا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۵، رشيديه)

(۳) "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". =

۳...... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوۃ بھی اتنے ہی روپے کی ہوگی (۱)، اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے۔

۴...... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کر کے یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں مسلم ہو یا غیر مسلم سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم

سوال [۴۵۳۶]: زید نے بکر کو تجارت کے لئے روپیہ دیا کہ روپیہ زید کا اور محنت بکر کی اور نفع نصف نصف، اب اس روپیہ کی زکوۃ زید کو دینا چاہئے یا دونوں کو نصف نصف؟ دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اطلاع کے زکوۃ دے دیوے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل روپیہ زید کا ہے اس کی زکوۃ بھی زید کے ذمہ ہے بکر کے ذمہ نہیں، اگر زید کی اجازت سے بکر اصل

= (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول: ۱/۲۴۵، قديمي)

(۱) "(وسببه): أي سبب افتراضها: أي الزكاة (ملك نصاب حولي)". (الدرالمختار). "(قوله: ملك نصاب) فلازكاة في سوائم الوقف ...... لعدم الملك". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۰۸/۳، سعيد)

(۲) " أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هوالحرام ينبغي أن لايتقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثتُه أو استقرضتُه من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲۹۲/۲، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان بهامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۳، ومايكره اكله وماله يكره وما يتعلق بالضيافة، رشيديه)

روپیہ کی زکوۃ ادا کردے گا تو ادا ہوجائے گی، بغیر اجازت کے ادانہیں ہوگی (۱) اور ضمان بکر کے ذمہ لازم ہوگا (۲)۔ نفع میں بکر بھی نصف کا شریک ہے وہ اپنے حصہ نفع کی زکوۃ دیگا (۳) اور زید کی اجازت سے زید کے حصۂ نفع کی زکوۃ دینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مضاربت میں زکوۃ

سوال [۴۵۳۷]: ایک تجارت ہے جس کے اندر تین شریک ہیں اس طریقہ سے کہ رقم ایک آدمی اور باقی کی صرف محنت ہے اور نفع برابر برابر مثلاً تین ہزار کا سالانہ نفع ہوا اور اصل رقم چالیس ہزار تھی باقی شرکاء کا نفع زکوۃ ایک ایک ہزار کا نکالیں گے۔ اب جس کی اصل رقم ہے وہ اکتالیس ہزار کی نکالے گا یا ایک ہزار کی صرف نفع ہی کی زکوۃ نکالے گا تو باقی شرکاء تو نفع میں رہے اور اس کا گھر سے بھی گیا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ مضاربت کی صورت ہے، زکوۃ اصل مال اور نفع کے مجموعہ پر واجب ہوتی ہے، جس شخص کا رأس

---

(۱) "لأنه: أى المضارب ليس بمالك، و لا نائب عنه فى أداء الزكاة، إلا أن يكون فى المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً، فيؤخذ منه؛ لأنه مالك له". (الهداية: ۱/۱۹۸، باب فى من يمر على العاشر، مكتبه شركة علميه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۲/۳۱۶، باب العاشر، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۹۱، باب العاشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لو أدى زكوة غيره بغير أمره فبلغه، فأجاز، لم يجز، لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنه ملكه، ولم يصر نائباً عن غيره فنفذت عليه". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۸۴، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن، كراچى)

(۳) " لأنه [أى المضارب] ليس بمالك ولانائب عنه فى اداء الزكاة إلا أن يكون فى المال ربح يبلغ نصيبه نصاباً فيؤخذ منه؛ لأنه مالك له. قال ابن الهمام: بخلاف حصة المضارب؛ لأنه يملكها فيؤخذ منه عنها".

(الهداية مع فتح القدير: ۲/۲۳۱، كتاب الزكاة، باب فيمن يمر على العاشر، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

المال چالیس ہزار ہے اور ایک ہزار اس کا نفع ہوا تو اکتالیس ہزار کی زکوۃ اس کے ذمہ لازم ہے، دوسرے دو شرکاء مضارب کی ملک میں اگر اس نفع کے علاوہ کچھ نہیں تو جب سے مقدارِ نصاب کے مالک ہوئے اس وقت سے سال بھر پورا ہو جانے کے بعد اس کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگئی ہے(۱)۔

رہا یہ سوال کہ تجارت کا نفع کیا ہوا؟ تو خود غور کر لیں کہ سال بھر کے اخراجات بھی اس تجارت سے پورے کئے ہوں گے، اگر تجارت نہ کرتا تو وہ اخراجات چالیس ہزار سے منہا کئے جاتے پھر حساب لگا کر دیکھتا کہ کیا نفع ہوا، نیز سال بھر کی زکوۃ مزید ہوتی یعنی تجارت کی برکت سے سال بھر کے اخراجات حاصل ہوئے اور زکوۃ میں صرف رأس المال (چالیس ہزار روپیہ) میں سے پچیس روپیہ ادا کرنے کی نوبت آئی، تجارت نہ ہوتی تو سال بھر کے اخراجات اس چالیس ہزار سے نکلتے اور زکوۃ بھی اس میں سے ادا ہوتی، نیز دوسرے دونوں شرکاء کو ایک ایک ہزار اس تجارت کی بدولت ملا اور تجارت کی ساکھ قائم ہوگئی، باقی آئندہ کتنا نفع ہوگا، اس کا علم اللہ کو ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹/۱۴/۹۰ھ۔

جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۸]: زید کے پاس دو سو من دھان موجود ہیں (۲) اس پر حولان حول بھی گزر گیا لیکن تجارت کی نیت نہیں، کیا اس دھان پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر زید کے پاس دوسرا روپیہ موجود ہو اس دھان کے علاوہ تو اس صورت میں بھی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ وہ دھان تجارت کے لئے نہیں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں خواہ اس پر حولان حول ہو یا نہیں، اس کے علاوہ جو روپیہ موجود ہے وہ اگر مقدار نصاب ہے تو اس روپیہ میں زکوۃ واجب ہوگی (۳)، دھان پر روپیہ

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم''۔)

(۲) ''دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاہور)

(۳) ''و شرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير والسؤم و نية التجارة في العروض''.

(تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۲/۲۶۷، کتاب الزکاة، سعید) .... =

کیسا تھ بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

گھر کے سامان میں زکوۃ

سوال[۴۵۳۹]: زید کہتا ہے کہ زکوۃ صرف زیور پر واجب ہے سونے کی شکل میں ہو یا چاندی کی صورت میں، لیکن بکر کہتا ہے کہ زیور پر، کپڑوں پر چاہے استعمال کے ہوں یا نئے رکھے ہوں اور برتنوں پر جو کہ استعمال میں آرہے ہیں، یا وہ برتن جو یوں ہی رکھے ہوئے ہیں، یا گھر کے استعمال کی الماریاں ہوں، یا صندوق غرضیکہ جو بھی اشیاء ہوں سب پر زکوۃ واجب ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی، سونا، نقد (نوٹ) اور مالِ تجارت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، گھر کے استعمالی سامان: کپڑوں، برتنوں، صندوقوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں، اگرچہ وہ ویسے ہی رکھے ہوں استعمال میں نہ ہوں:

"(قوله: فارغ عن حاجته الأصلية) و فسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديراً: أي فسر المشغولة بالحاجة الأصلية، والأولىٰ فسرها، و ذلك حيث قال: و هي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة و دور السكنىٰ وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد، أو تقديرًا كالدّين وكآلات الحرفة وأثاث المنزل و دواب الركوب و كتب العلم لأهلها، اهـ". درمختار و شامی: ۶/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۳۹۵/۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۳۵/۱، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۱) "ولو وجد من أرضه حنطة تبلغ قيمتها قيمة نصاب، نوى أن يمسكها و يبيعها، فأمسكها حولاً، لا تجب فيها الزكاة، حتى ينفد ثمنها و يحول الحول". (التاتارخانية: ۲۴۴/۲، باب زكاة عروض التجارة، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۲۵۱/۲، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۲۶۲/۲، كتاب الزكاة، سعيد) .... =

گھڑی کی زکوۃ

سوال[۴۵۴۰]: ہاتھ کی گھڑی اور گھر میں رارم گھڑی کی زکوۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر گھڑی چاندی سونے کی نہیں اور تجارت کے لئے بھی نہیں تو اس کی زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

کرایہ کے مکانات پر زکوۃ

سوال[۴۵۴۱]: ہماری اپنی رہائش اور پریس کے مصرف میں جو مکان ہے اس کے علاوہ جو مکانات ہیں اس کا کرایہ درجِ آمدنی ہوجاتا ہے اور تقریباً اس کے قریب قریب دوسرے مکانوں کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے جو پریس کی ضروریات کے لئے کرایہ پر لینے پڑتے ہیں، نیز یہ کہ مکانات سال بھر تک کرایہ پر چڑھتے نہیں رہتے بلکہ کبھی چڑھ گئے اور کبھی خالی بھی رہتا ہے کہ ایک مکان سال بھر تک چڑھا رہے، بہر حال متعین نہیں۔ایسی صورت میں زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟

= "وأما كونه فارغاً عن الدين و عن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة وأثاث المنازل و آلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها، فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم". (تبيين الحقائق: ۲۳/۲، كتاب الزكاة ' دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۴۵/۲، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۲/۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) "فليس في دور السكنى .... وسلاح استعمال زكاة......... وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المتحرفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولايبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱۷۲/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۵/۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۱۶۴/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مکانوں پر زکوۃ واجب نہیں (۱) ان کی آمدنی کا روپیہ اگر مقدارِ نصاب کو پہونچ کر اس پر سال بھر گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/۶/۶۰ھ۔

سَلَم کے روپیہ اور زمین پر زکوۃ

سوال [۴۵۴۲]: اہلِ نصاب کے پاس جو زمین ہے اس زمین کی قیمت لگا کر زکوۃ دینا ہے یا صرف جمع شدہ روپے کی زکوۃ دینا پڑیگی؟ اور جو روپیہ لوگوں کے پاس بطور قرض کے ہے اس شرط پر کہ شوال کے ماہ قرض میں دیا ہے اور ربیع الاول کے ماہ میں ہر روپے کے بدلے میں ایک من؟ یا نصف من دھان دینا پڑے گا؟ اس طریقے پر مبلغ ساٹھ روپے قرض دیا ہے؟ اب اس روپیہ کی زکوۃ دینا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمین اگر کاشت کے لئے ہے تجارت کے لئے نہیں تو اس زمین کی زکوۃ نہیں خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو، اس کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا اگر وہ زمین عشری ہو (۳)، روپیہ بقدر نصاب اگر موجود ہو اور

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "إذا أجر داره أو عبده بمائتي درهم لاتجب الزكوة مالم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعدالحول، كان عليه درهمٌ بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة في الصحيح من الرواية". (فتاوىٰ قاضي خان بهامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۵۳، كتاب الزكوة، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۳) "و قد أورد الزيلعي أيضاً ما إذا اشترى أرض عشر و زرعها، أو اشترى بذراً للتجارة و زرعه، فإنه يجب فيه العشر و لا تجب فيه الزكاة؛ لأنهما لا يجتمعان، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۸، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے (۱)، طریق مذکور پر جو روپیہ دیا ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہو گیا اب اس روپیہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس روپے کے عوض دھان خرید چکا ہے، دھان لینے کا حقدار ہے لہذا اس روپیہ پر زکوۃ فرض نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

کارخانہ کی زمین و مشین پر زکوۃ

سوال [۴۵۴۳]: میں نے ایک زمین خرید کر اس پر اپنا کارخانہ تعمیر کرایا، چنانچہ اس کارخانہ میں میری مشینیں چل رہی ہیں، اب اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱..... کیا اس سرزمین اور تعمیرات میں زکوۃ واجب ہے؟

۲..... جو مشینوں سے اس کارخانہ میں کام لیا جا رہا ہے کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ زمین و تعمیرات و مشین خود فروخت کرنے کے لئے نہیں، بلکہ آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، تو اُن پر زکوۃ لازم نہیں (۳)، ان سے حاصل شدہ آمدنی حسبِ ضابطۂ شرعیہ دیگر نقود کی طرح زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۲/۲۱۸، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يقوّم يوم حال عليها الحول بالغةً ما بلغت بعد أن كانت قيمتها في أوّل الحول مائتين، ويزكي عن مائتي درهم خمسةَ دراهم". (التاتارخانية: ۲/۲۳۸، باب زكوة عروض التجارة، إدارة القرآن)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۱۵، فصل في نصاب اموال التجارة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(۲) "قيد بكونها للتجارة؛ لأنها لو كانت للغلة فلا زكاة فيها؛ لأنها ليست للمبايعة". (البحر الرائق: ۲/۳۹۸، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "فليس في دُور السكنى .... وسلاح الاستعمال زكاة .... وكذا كتب العلم إن كان من أهل، وآلات المتحرفين، وهذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة: ۱/۱۷۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

باب زكاة المواشي

(جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان)

بھینس پر زکوٰۃ ہے یا دودھ پر؟

سوال [۴۵۴۴]: ہماری بھینس جو کہ تجارت کی غرض سے ہے جس کا دودھ فروخت کیا جاتا ہے لیکن اس کی گھاس اور مختلف قسم کے دانے تیل وغیرہ کا انتظام خود کیا جاتا ہے وہ چرتی نہیں ہے۔ تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بھینسوں کی بھی تجارت ہوتی ہے تب تو دیگر مالِ تجارت کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ لازم ہوگی یعنی سال بھر گذرنے پر جتنی قیمت کی بھینس موجود ہوگی اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ درمیانِ سال جو کچھ ان کو کھلایا پلایا، یا ان سے کما کر کھایا، خرچ کر ڈالا اس کا کوئی حساب زکوٰۃ میں نہیں ہوگا۔ اگر تجارت بھینسوں کی نہیں بلکہ ان کے دودھ کی تجارت ہوتی ہے تو بھینسوں پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، بلکہ دودھ کی قیمت کا جو روپیہ سال پورا ہونے پر موجود ہو اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

---

(۱) "وإن كانت للتجارة، فحكمها حكم العروض، يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً، سواء كانت سائمةً أو علوفةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۷۸/۱، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۷/۲، باب زكوٰة المال، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۳۸/۲، باب زكوٰة المال، رشيديه)

"وينظر في السائمة إلى كمال النصاب.....وينظر إلى قيمتها إن أراد بها التجارة، فإن كانت أقل من مائتي درهم، لم تجب الزكوٰة، وإن كان العدد كاملاً، الخ". (المبسوط للسرخسي: ۲۳۸/۱، الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ

سوال[۴۵۴۵]: ایک شخص نے تجارت کے لئے بکرے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ خریدے، یہ جانور ایک سال میں کئی دفعہ بک جاتے ہیں اور خریدے بھی جاتے ہیں تو اب ان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ سال ختم ہونے پر ادا کیا جائے، پھر چاہے قیمت دیدی جائے اور چاہے اس قیمت کا جانور دیدیا جائے (۱)۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

نصاب سے کم جانوروں میں زکوٰۃ نہیں

سوال[۴۵۴۶]: زید کے پاس ۳۵/ بھیڑ اور دو گائے ہیں اور ایک بھینس بھی ہے، کل ۴۰/ عدد ہیں، جنگل میں چرایا جاتا ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے ادا کی جاوے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کے پاس بھیڑ: ۳۵/، گائے: ۲/، بھینس: ۱/ اس مجموعہ میں زکوٰۃ واجب نہیں، کسی کا بھی نصاب پورا

---

(۱) "وتجب الزكوٰة أيضاً في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، الخ". (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۶، باب زكوٰة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۷۷، باب زكوٰة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقول: "في كل مال يدار في عبيد، أو دواب، أو بز التجارة، تدار الزكاة فيه كل عام". رواه عبد الرزاق بإسناد صحيح". دراية: ۱۶۳". (إعلاء السنن: ۹/ ۶۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچي)

"لا يجب في العلوفة.........حتى لو كانت العلوفة للتجارة، كان فيها زكاة للتجارة". (النهر الفائق: ۱/ ۴۶۸، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۶، الباب الثاني في صدقة السوائم، رشيديه)

نہیں (۱) اور ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ ہاں اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ واجب ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ليس في أقل من أربعين من الغنم السائمة صدقة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الرابع في زكاة الغنم: ۱/۱۷۸، مكتبه رشيديه)

"وفي فتح القدير: والضأن والمعز سواء: أي في تكميل النصاب". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۷۸، رشيديه)

"ليس في أقل من ثلاثين من البقر صدقة، ...... والجاموس كالبقر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في زكاة البقر: ۱/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۲) "وأما السوائم إذا اختلف أجناسها، لايضم البعض إلى البعض لتكميل النصاب". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن كراچى)

"والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه". (الدرالمختار). "(قوله: جنسه) سيأتي أن أحد النقدين يضم إلى الآخر، وأن عروض التجارة تضم إلى النقدين للجنسية باعتبار قيمتها، واحترز عن المستفاد من خلاف جنسه كالإبل مع الشياه، فلا تضم". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الزكاة، فصل: وأما صفة نصاب السائمة، ...... ومنها أن يكون الجنس فيه واحد من الإبل والبقر والغنم الخ: ۲/۳۰، سعيد)

(۳) "أما التي نوى بها التجارة، فتجب فيها زكاة التجارة". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۲، سعيد)

"ويضم بعض العروض (أي عروض التجارة) إلى بعض وإن اختلف اجناسها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض: ۱/۱۸۰، رشيديه)

"يجب ربع العشر في عروض التجارة إذا بلغت نصاباً من أحد هما .... وكل شئ فهو عرض سوى الدراهم والدنانير .... فيدخل الحيوان". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۸، رشيديه)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

قرآن کریم سے عشر کا ثبوت

سوال[۴۵۴۷]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر زمین کے بارے میں قرآن پاک میں خداتعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں کیا، کیا یہ حکم: ﴿یا أیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنا لکم من الأرض﴾ الآیة، پارہ: ۳، رکوع: ۵ " سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے "احکام القرآن" ۱۲/۳ میں امت کا اتفاق نقل کیا ہے اس بات پر کہ آیت: ﴿ واتوا حقه یوم حصاده ﴾ میں عشر مراد ہے(۱) بعض ائمہ نے: ﴿أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنالکم من الأرض﴾ سے بھی وجوب عشر پر استدلال کیا ہے، کذا فی أحکام القرآن: ۱/۵٤٤" (۲)، والزیلعی ۱/۲۹۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۱۰/۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شوال/۶۴ھ۔

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص: ۱۶/۳، ذکر خلاف فی الموجب فیه، قدیمی)

(۲) "﴿ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾، عموم فی إیجابه الحق فی قلیل ماتخرجه الأرض و کثیره فی إیجابه العشر فی قلیل ما تخرجه الأرض ....اهـ". (أحکام القرآن: ۱/۶۲۵، باب المکاسبة، قدیمی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۴۹۳/۲، فصل فی زکاة المزروع، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی روح المعانی: ۳۸/۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی ردالمحتار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعید)

(۳) "ولأبی حنیفة قوله تعالیٰ: ﴿أنفقوا من طیبات ماکسبتم وممّا أخرجنالکم من الأرض﴾ [البقرة: ۲۶۷]،=

وجوبِ عشر

سوال[۴۵۴۸]: ہندوستان کی ایسی زمین کہ جس کی پیداوار ماءالسماء پر ہوں اور صاحبِ زمین گورنمنٹ کو خراج بھی دیتا ہو، تو کیا ایسی زمین کا عُشر نکالنا واجب ہے، اگر واجب نہیں تو سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو کس درجہ کی مدلل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عشری ہے تو اس کی پیداوار میں عشر نکالنا واجب ہے(۱) اور گورنمنٹ جو خراج لیتی ہے وہ عشر میں محسوب نہ ہوگا، کیونکہ وہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی، هكذا أفتیٰ مولانا گنگوهی المرحوم(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

عشر کا نصاب

سوال[۴۵۴۹]: ۱..... پیداوار کی زکوۃ کا کیا نصاب ہے؟

مقدارِ عشر

سوال[۴۵۵۰]: ۲..... پیداوار میں زکوۃ کب اور کس حساب سے نکالی جائے؟

ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۴۵۵۱]: ۳..... ربیع یا خریف کی زکوۃ کا حکم یکساں ہے یا جداگانہ؟ کیونکہ کبھی کبھی بارش اور

= وهو بعمومه يتناول جميع مايخرج من الأرض". (تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب العشر: ۲/۱۰۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(و) يجب العشر في (مسقى السماء) : أى مطر (وسيح) كنهر". (الدرالمختار، باب العشر: ۲/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب زكاة الزروع والثمار: ۱/۲۰۱، مكتبه شركت علميه)

(۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زمینیں زمینداروں کی ملک تھیں، ملکِ سرکار نہیں تھیں، خاتمۂ زمینداری کے بعد سے عُشر =

ٹیوب ویل دونوں قسم کے پانی سے سینچائی ہوتی ہے، ایک ہی قسم کی پیداوار میں، لہٰذا ایسی صورت میں زکوۃ کا حساب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک صاع (سوا تین سیر) بھی پیدا ہو تب بھی عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، کذا فی رد المحتار: ۲/۴۹(۱)۔

۲......عشری زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالا جائے گا جب کہ وہ زمین بارانی ہو، اگر آپ پاشی کرنی پڑتی ہے تو نصف عشر واجب ہوگا، حولانِ حول شرط نہیں، شامی (۲)۔

۳......دونوں فصلوں کا حکم یکساں ہے، اگر بارش کا پانی غالب ہے اور ٹیوب ویل کی اتفاقیہ معمولی نوبت آتی ہے تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائے گا ورنہ نصف عشر دینا ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۳ھ۔

= واجب نہیں رہا۔ فقط۔

(راجع فتاویٰ رشیدیہ، باب عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۲۶، ۳۲۷، إدارۃ اسلامیات، لاھور)

(۱) "(قوله: بلا شرط نصاب) و بقاء، فيجب فيمادون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، و قيل: نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، و هذا قول الإمام، وهو الصحيح، كما في التحفة". (ردالمحتار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد).

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۵۳، باب العشر، امداديه)

(۲) "وتجب في مسقي سماء: أي مطر و سيح كنهر بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء و حولان حولٍ .... يجب العشر. ويجب نصفه في مسقي غرب: أي دلو كبير ودالية: أي دولاب لكثرة المؤنة".

(الدرالمختار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۰۱، ۱۰۲، باب العشر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الهداية: ۱/۲۰۱، ۲۰۲ باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه ملتان)

(۳) "ولو سقي سيحاً وبآلة، اعتبر الغالب: أي أكثر السنة كما مر في السائمة والعلوفة، الخ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۰۲، باب العشر. دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

عشر

سوال [۴۵۵۲]: زید ایک عالم ہے اس کے علاقہ میں غلہ کی پیداوار سے زکوۃ عام طور سے ادا کی جاتی ہے اور زکوۃ ادا نہ کرنے والوں پر لعن طعن ہوتی ہے۔ کیا یہ برتاؤ عندالشرع درست ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ زکوۃ غلہ صاحب نصاب ہی لوگ دیتے ہیں۔ زید آج ڈھائی برس سے آسام کے ایک علاقہ میں دینی کام انجام دے رہا ہے، اس سلسلے میں حفظِ قرآن پاک کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ دیکھ کر غلہ کی زکوۃ لوگوں کو گراں معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ اگر دھان (چھلکوں والا چاول) کی فقط زکوۃ مسلمانوں کی طرف سے نکال کر اکٹھا کرلیا جائے تو عمدہ طور سے مدرسہ کے لئے طلبہ کے واسطے طعام وقیام کا نظم ہو سکے جب کہ زید کو کسی قسم کی تنخواہ ومعاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ طلب کرتا ہے۔

آسام یا پورے ہندوستان کی زمینوں پر گورنمنٹ کا ٹیکس وصول کرلیا جاتا ہے تو کیا "کلما أخرجت الأرض ففيه العشر" پر عمل ہو جاتا ہے؟ دھان یا غلہ جس مقدار میں پیدا ہوا اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟ مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔ نیز اگر زکوۃ یہاں کی زمینوں پر واجب نہیں ہے تو پھر زید کا یہ عمل کیسا ہے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا دینی مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا قابلِ صد تحسین ہے، اللہ پاک اس کی کوشش کو بار آور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

زمین کی پیداوار میں زکوۃ وعشر واجب ہونے کے لئے اس زمین پر ملکِ مسلم قائم ہونا ضروری ہے، خاتمۂ زمینداری کے بعد یہاں کی زمینوں پر عموماً ملکِ مسلم قائم نہیں رہی، لہٰذا ایسی زمینوں کی پیداوار میں زکوۃ عشر واجب نہیں، البتہ بطورِ صدقۂ نافلہ اور دینی خدمت کے لئے جس قدر بھی دیدیں اور اس سے مدرسہ چلایا جائے، موجبِ خیر وبرکت اور باعثِ اجر وثواب ہے جو لوگ عشر نہ دیں ان پر لعن طعن درست نہیں، بات صرف ترغیب تک رکھی جائے:

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۲۶، النصاب لوجوب العشر، إدارة القرآن كراچی)

"وانقسمت بين المسلمين لا يوظف إلا العشر، وإن سقيت بماء الأنهار، فلهذا قال في التبيين: هذا في حق المسلم، أما الكافر فيجب عليها الخراج من أيّ ماءٍ سقي؛ لأن الكافر لا يبتدأ بالعشر، الخ". مجمع الأنهر: ١/٦٧١(١)۔

"و خراج إن اشترى ذميٌّ أرضاً عشريةً من مسلم: أي يجب الخراج؛ لأن في العشر معنى العبادة، والكفر ينافيها، الخ". ٢/٢٣٨ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

آبی اور بارشی زمین میں عشر

سوال[۴۵۵۳]: آبی زمین میں عشر کتنا فرض ہے اور بارش والی زمین میں کتنا فرض ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عشری اور خراجی زمین

سوال[۴۵۵۴]: ہندوستان کی زمین خصوصاً نئی آبادی مثلاً ملتان، منٹگمری وغیرہ کے علاقہ کی زمین

---

(١) (مجمع الأنهر: ١/٣٢١، باب زكاة الخارج، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "وخراج إن اشترى ذمي أرضاً عشريةً من مسلم: أي يجب الخراج إن اشترى ذمي غير تغلبي أرضاً عشريةً من مسلم، الخ". (تبيين الحقائق: ٢/١٠٧، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ٢/٢٥٦، باب العشر، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٤١٧، باب العشر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٨٦، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(٣) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "مقدارِ عشر"۔)

عشری ہے یا خراجی؟ اس کی صحیح تعریف تحریر کرنے کے بعد یہ بیان فرمایئے کہ ان زمینوں کی پیداوار کی زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟ ذرا مفصل تحریر فرمایئے کہ عشر کیسی زمین پر واجب ہے اور اس کا کیا حکم ہے، کچھ عشری خراجی زمین کی بھی تقسیم ہے یا عام ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو زمین اسلامی حکومت کے وقت سے مسلمان کے پاس ہے اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے وہ عشری ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے(۱)۔ زمین کی متعدد قسمیں ہیں:

"والأرض إما عشريةٌ أو خراجيةٌ أو تضعيفيةٌ، والمشترون: مسلمٌ و ذميٌّ و تغلبيٌّ. فالمسلم إذا إشترى العشرية أو الخراجية بقيت على حالها، أو التضعيفية فكذالك عند الإمام ومحمد، وقال أبو يوسف: ترجع إلى عشر واحد. وإذا اشترى التغلبيّ الخراجيةَ بقيت خراجيةً أو التضعيفية فهي التضعيفية، إذا العشرية من مسلم، ضُوعف عليه العشر عندهما خلافاً لمحمد. وإذا اشترى ذمي غير تغلبي خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، أو عشريةً صارت خراجيةً إن استقرت في ملكه عنده، اهـ". طحطاوی: ۱/۴۱۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "كل أرض أسلم اهلها أو فتحت عنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به، لما فيه من معنى العبادة ...... في جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوةً فوصل إليها ماء الأنهار، فهي أرض خراج، و مالم يصل ماء الأنهار واستخرج منها عين، فهي أرض عشر .... فيعتبر السقي بماء العشر أو بماء الخراج". (الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه)

(و كذا في ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (اسلام کا نظام عشر وخراج، ادارۃ القرآن) (واسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت)

(۲) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۴۱۹، باب العشر، دار المعرفة، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۱۶، باب العشر، رشيديه) ....

مال گذاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال[۴۵۵۵]: صوبہ بنگال کی زمین جس میں گورنمنٹ مالگذاری بھی لیتی ہے، آیا یہ مالگذاری لینا خراج شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس زمین پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ عشری زمین ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا، مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ عفا اللہ عنہ۔

باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوۃ

سوال[۴۵۵۶]: زید ڈیڑھ سو بیگہ زمین کا زمیندار یا کاشتکار تھا اس کے پاس مالگذاری سال وار ضروری اخراجاتِ خانگی کے بعد ہزاروں من غلہ بچتا تھا، اسی طرح معمولی کمی بیشی کے ساتھ ہر سال بچت ہوتی ہے۔ وہ غلہ فروخت بھی نہیں کرتا، خانگی ضرورت کے لئے کبھی فروخت کرتا ہے تو بقدرِ ضرورت سالوں کا پرانا غلہ اس کے پاس فروختگی کے بعد کئی کئی نصاب کی قیمت کا موجود ہے۔ تو کیا اس حالت میں اس کے اوپر غلوں میں زکوۃ ہے؟ اسی طرح ضرورت سے زائد اس کے پاس باغ ہیں جن کی قیمت کئی نصابوں کو پہنچتی ہے، آیا ان باغات میں بھی زکوۃ واجب ہوگی تو کس صورت سے؟

= (وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۲۹، باب العشر، سعيد)

(۱) "أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره، ولا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير الخراج". (الدرالمختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۹۳، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل في زكاة الخيل، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو غلہ تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنی بھی مقدار میں ہو، یہی حال زمین، کھیت، باغ کا ہے(۱)۔ البتہ زمین اور باغ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اگر وہ عشری ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی پیداوار ہو اور اس کی قیمت کتنی ہی ہو(۲)۔ البسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیو بند

زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلۂ عشر

سوال[۴۵۵۷]: تھوڑا عرصہ ہوا کہ سفر میں لوگوں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دکھلایا، اس مجمع میں واقف کار لوگوں نے جوابی استدلال پر اظہارِ تعجب بھی کیا، جواب کی نقل ارسال ہے، صورتحال یہ ہے کہ

---

(۱) "ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية". (الدرالمختار).

"قوله : ولا تصح نية التجارة؛ لأنها لاتصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي، ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملك يثبت فيه بالنبات ولا اختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصاباً ونوى أن يمسكها ويبيعها، فامسكها حولاً، لاتجب فيها الزكاة كما في الميراث". (ردالمحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۴، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(۲) "قال أبو حنيفة: في قليل ما أخرجتْه الأرض و كثيرِه العشر، سواء سقى سيحاً أو سقته السماء، الخ". (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه)

(وكذا ردالمحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في امداد الفتاوىٰ: ۲/۵۷، عشر در باغات، دار العلوم كراچي)

زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کی ملک قرار پائی ہو یا نہ پائی ہو، زمین پر قبضہ اور تصرف کا حق رکھنے والوں کے حقوق میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں، یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ زمانہ سابق میں زمین کا مالک کاشتکار تھا یا زمین دار یا حکومت، بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ زمینداری ختم ہونے سے پہلے جس زمین پر جو متصرف تھا وہ آج بھی ہے اگر اس پر پہلے عشر تھا تو آج بھی ہونا چاہئے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر تو یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب حکومت نے زمینداری ختم کرنے کے بعد زمینوں کے مالکوں کی ملکیت منسوخ کر کے اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا ہو اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے زید، عمر، سیتارام اور تاراسنگھ وغیرہ کو زمین دی ہو لیکن ایسا واقعہ نہیں ہے، حکومت نے جن جن صورتوں میں زمین داری ختم کی اور زمین دار کی جگہ خود وہاں کوئی نئی ہندوبستی عمومی طریقے پر نہیں کی گئی، اس لئے یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد جو زمین حکومت کی ملک قرار پا گئی اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمین دی ہو۔ اس حالت میں عرض ہے کہ جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور اس عاجز کی اور ساتھ ہی ساتھ ہزاروں اہل علم کی تشنگی جو اس جواب سے پیدا ہوئی دور فرمائی جائے۔ والسلام۔

محمد عارف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملکِ حکومت قرار پا گئی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصفِ عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصفِ عشر ادا کر دے تو موجبِ خیر و برکت ہے، جس قدر بھی وہ زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۸۷ھ۔

الجواب ھوالموفق للصواب:

وجوبِ عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ مِلک پر ہے یعنی وجوبِ عشر کے لئے شرط یہ ہے کہ زمین مسلمانوں کی مِلک ہو اور جب سے مسلمانوں نے اس مُلک کو فتح کیا ہو اس کی زمین غانمین میں تقسیم ہوئی ہو اور اس وقت سے آج تک برابر مسلمانوں کی ہی ملک چلی آ رہی ہو:

"إرثاً أوشراءً وغير ذلك. أما شرط الأهلية فنوعان: أحدهما الإسلام، وإنه شرط ابتداء هـذا الحق، فلا يبدأ بهذا الحق إلاعلى مسلم بلا خلاف؛ لأن فيه معنى العبادة، والكافر ليس من أهل وجو بها ابتداءً، فلا يبدأ عليه". (بدائع الصنائع: ۲/۵٤، في بيان العشر(۱)۔

درمیان میں کسی کافر کی ملک میں نہ چلی گئی ہو اور اگر درمیان میں کسی کافر کی ملک میں چلی گئی ہوگی تو عشری نہ رہے گی، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارتیں اسی کی تصریح کرتی ہیں: "واشترى ذمیٌّ أرضاً عشريةً من مسلم، فعليه الخراج". ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۲۱۷(۲)۔ ہدایہ میں ہے: "ولو كانت الأرض لمسلم باعها لنصرانيّ -يريد به ذمياً غير تغلبيّ- وقبضها، فعليه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنه أليق بحال الكافر". هدايه: ۱/۱۷۵(۳)۔

فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں: "وإذا اشترى ذميٌّ غير تغلبيّ خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، لو اشترى عشريةً من مسلم فعند أبي حنيفة رحمه الله تصير خراجيةً إن استقرت في ملكه". فتح القدير: ۲/۱۹٦(٤)۔ علامہ جلال الدین خوارزمی شارحِ ہدایہ فرماتے ہیں: "كذميّ اشترى أرض عشر من مسلم، ففيه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله". كفاية مع الفتح: ۲/۱۹۸(۵)۔ من مسلم كنزالدقائق، ص: ٦۳(٦)۔ علامہ شامی حاشیہ بحرالرائق میں تحریر فرماتے ہیں: "ولو أن كافراً اشترى أرضاً عشريةً، فعليه الخراج في قول أبي حنيفة رحمه الله". منحة

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في شرائط الفرضية: ۲/٤۹٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج: ۱/۲۱۷، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۱/۲۰۳، مكتبه شركت عليمه ملتان)

(٤) (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب الزروع والثمار: ۲/۲۵۳، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۵) "كذمي اشترىٰ أرض عشر من مسلم ففيه الخراج". (الكفاية مع الفتح، باب زكاة الزروع والثمار: ۲/۱۹۸، رشيديه)

(٦) (كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب العشر، ص: ٦۳، رشيديه)

الخالق حاشیہ البحر الرائق: ۲/۲۳۹(۱)۔

اب اس کے بعد اگر اس کافر سے مسلمان نے خریدی یا کسی اور طریقہ سے مسلمان کی ملک میں آئی تو یہ زمین عشری نہ بنے گی: "فصار شراء المسلم من الذمیّ بعد ماصارت خراجیةً فتصیر علی حالها، ذکره التمرتاشی، کما إذا أسلم هو واشتراها منه مسلم اٰخر". فتح القدیر: ۲/۱۹۷(۲)۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ خاتمہ زمینداری سے پہلے زمین کس کی ملک تھی، تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ زمین سرکاری ملک میں ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے، گو دلائل کے اعتبار سے یہ بات کچھ قوی نہ ہو۔ اس احتمال پر زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار کو چونکہ کاشتکاروں سے براہِ راست لگان وصول کرنے میں دشواری رہتی ہے اس لئے اس نے خطے بنا کر زمینداروں میں تقسیم کردیئے کہ یہ لوگ یعنی زمیندار کاشت کاروں سے لگان وصول کرلیا کریں اور سرکار میں پہونچا دیا کریں تا کہ سرکار کو اس کی وصولیابی میں دشواری نہ ہو تو گویا زمیندار مالکِ زمین نہیں ہوتے تھے بلکہ مالک تو سرکار ہی تھی، زمیندار تو کاشتکار اور سرکار کے درمیان لگان کی وصولیابی کا واسطہ تھے اور جو کچھ ان کو ملتا تھا وہ ان کی اجرت تھی۔

بہر حال زمیندار کی حیثیت اس صورت میں ایک اجیر سے بڑھ کر نہ تھی، ان کو جو کچھ اختیارات بھی دیئے گئے تھے وہ محض اسی حیثیت سے تھے، اب جب کہ سرکار بدلی اور انگریز کی جگہ نئی سرکار نے لی تو اس نے زمینداروں کی اس حیثیت کو ختم کردیا اور چونکہ انہوں نے اتنی مدت تک سرکار کی خدمت کی تھی اس لئے اس کے عوض کے طور پر اور ان سے جو اختیارات چھین لئے گئے اس کی اشک شوئی کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم بھی بونس کی شکل میں دی، یہ ایسا ہے جیسے پنشن کہ سابقہ خدمت کے عوض کردی جاتی ہے۔

ان اختیارات کو ختم کرنے کا نام "خاتمۂ زمینداری" ہے تو اس صورت میں زمین زمیندار کی ملک تھی ہی نہیں بلکہ سرکار کی ملک تھی، اس میں وجوبِ عشر کا سوال ہی نہیں اس لئے کہ سرکار اور حکومت اگر مسلمان ہو تو اس وقت بھی عشر واجب نہیں ہوتا، چنانچہ الدار المنتقی میں ہے: "وهذا نوعٌ ثالثٌ یعنی لا عشریة ولا خراجیة

---

(۱) (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العشر: ۲/۴۱۷، رشیدیه)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الزکاة، باب زکاة الزروع والثمار: ۲/۲۵۴، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

من الأراضي تسمى أراضي المملكة، ص: ۲/۶۷۱(۱)۔ چنانچہ جب سرکار مسلم ہو اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت بطریقِ اَولیٰ یہ حکم ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین، زمیندار ہی کی ملک تھی جیسا کہ اکثر علمائے کرام کی تصریحات ہیں اور دلائل کے اعتبار سے بھی اقرب واظہر ہے تو اس صورت میں ختمِ زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین زمیندار سے خرید لی گئی، گو جبراً ہی صحیح اور کاشتکار کے ہاتھ فروخت کردی گئی اور کاشتکار کو خریدنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ جو دس گنا ادا کرے وہ لے لے۔ کاشتکار نے براہِ راست زمیندار سے خریدی نہ ہو، اس لئے کہ ان دونوں میں خرید وفروخت ہوتی ہی نہیں۔ لامحالہ سرکار نے زمیندار سے خریدی اور کاشتکار کو فروخت کی تو اس میں ملک کافر کا تخلل ہوگیا اور عشر ساقط ہوگیا(۲)۔

کتبِ فقہ: خانیہ(۳)، بحر(۴)، طحطاوی(۵)، عالمگیری(۶) وغیرہ تقریباً سبھی میں یہ مسائل بصراحت موجود ہیں جو اہلِ علم حضرات کی نظر سے مخفی نہیں، پھر تعجب ہے کہ اس عاجز کے جواب سے ہزاروں اہلِ علم کو تشنگی کیوں پیدا ہوئی، کیا یہ سب کتابیں تشنگی دفع کرنے کے لئے کافی نہیں، غالباً جواب مختصر ہونے اور استدلالی عبارات جواب میں نقل نہ کرنے اور اہلِ علم کی وسعتِ نظر پر اعتماد کرنے سے ایسا ہوا۔ تاہم اگر اسکے خلاف کتبِ مذہب میں دلائلِ قویہ موجود ہوں اور اس عاجز نے سمجھنے میں غلطی کی ہو تو دینی بات میں اصرار نہیں،

---

(۱) (الدرالمختار، المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ، باب العشر والخراج: ۲/۲۶۲، المکتبة الغفارية)

(۲) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومتِ ہند نے کسی کو ابتداءً دیدی ہو تو وہ بھی بوجہِ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی''۔ (اسلام کا نظامِ اراضی، ص: ۱۸۰، عشر وخراج کے احکام، دارالاشاعت کراچی)

(وکذا فی امداد الفتاوی: ۲/۶۰، فصل فی العشر والخراج، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۶/۱۹۱، چھٹا باب عشر، امدادیہ ملتان)

(۳) (الخانية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في العشر والخراج: ۱/۲۷۰ - ۲۷۱، رشیدیه)

(۴) (البحر الرائق، باب العشر: ۲/۴۱۲-۴۱۸، رشیدیه)

(۵) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار، باب العشر: ۱/۴۱۷ - ۴۲۲، دار المعرفة بيروت)

(۶) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار: ۱/۱۸۵ - ۱۸۷، رشیدیه)

سمجھ میں آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ رجوع سے دریغ نہ ہوگا۔حق تعالیٰ ضد اور ہٹ سے محفوظ رکھے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/۲/۸۸ھ۔

نقد، زمین وغیرہ میں زکوۃ

سوال[۴۵۵۸]: ۱......جس زمین کی مالگذاری فی بیگہ دوروپیہ، تین روپیہ، چارروپیہ تک سالانہ ہو اس زمین کی بھی زکوۃ نکالنی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوۃ اس میں نکالنا فرض ہے تو کیا زمین کی قیمت لگا کر، اگر زمین کی پیداوار کی زکوۃ نکالنا ہے تو کتنا پیدا ہونے سے زکوۃ فرض ہوتی ہے؟ کیا اس وقت زکوۃ پیداوار کی نکال دینی چاہئے یا سال بھر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد اور مالگذاری ادا کرنے کے بعد زکوۃ نکالنی چاہئے؟

۲......زید کی دال کی ایک مشین ہے اس مشین کی قیمت لگا کر زکوۃ نکالنی چاہئے یا جو نفع سال بھر میں ہو وہ اپنی ضروریات میں صَرف کرنے کے بعد جو روپیہ باقی رہے اس میں زکوۃ واجب ہوگی؟

۳......جو سکہ ہندوستان میں انگریزی رائج ہے اس میں زکوۃ کس حساب سے نکالی جائے، سینکڑہ میں کتنی زکوۃ نکالنی پڑے گی؟

۴......زید کے پاس کچھ نقد روپے ہیں اور کچھ زمین ہے، رمضان کا مہینہ زکوۃ کے لئے مقرر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نقد روپیہ میں تو زکوۃ رمضان میں نکالیں گے، باقی زمین کی پیداوار میں زکوۃ فی الحال نکالی جائے گی، یا اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد جو غلہ بچ جائے گا وہ رمضان میں فروخت کرکے قیمت نقد روپیہ میں ملا کر زکوۃ نکالی جاوے؟

۵......جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، چند کفار کی زمین زید کے پاس مرہون ہے، زکوۃ زمین کی پیداوار سے نکالی جاوے گی یا جو روپیہ باقی ہے اس کی زکوۃ نکالی جاوے گی؟

۶......زید کا کچھ روپیہ بقدرِ حساب لوگوں کے پاس باقی ہے جس کے وصول ہونے کے بہت کم امید ہے۔کیا زید پر اس روپیہ کی زکوۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا...... ہندوستان کی جوزمین کفار کے قبضہ میں تھی یا ہے اس میں زکوۃ واجب نہیں اور سلطنتِ اسلامیہ کے زمانے سے جوزمین برابر مسلم کے قبضہ میں آرہی ہے وہ عشری ہے اس کی پیداوار کی زکوۃ بہرصورت واجب ہے(۱) خواہ مالگذاری کتنی ہی دینی پڑتی ہو، خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو اس کا کوئی حساب متعین نہیں اور نہ سال گزرنا یا سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے، اس میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا (بغیر مالگذاری اور بیج کی قیمت اور ملازمین کی تنخواہ اور جانوروں کی خوراک اور اپنا خرچ منہا کئے) دسواں حصہ (جب کہ کھیتی بارش کے پانی سے یا نہری پانی سے ہوتی ہو) پہلے ہی علیحدہ کر کے مستحقین کو دیدیا جاوے۔ اور کنویں کے پانی سے ہر ٹ پرس وغیرہ کے ذریعہ سے کھیتی ہوتی ہے تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ پہلے ہی نکال دیا جاوے اس کے بعد میں اپنے خرچ میں لانا چاہئے۔

۲...... اس مشین پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالِ تجارت نہیں ہے(۲)، البتہ سونے اور چاندی پر جب کہ بقدرِ نصاب ہو اور حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے زکوۃ واجب ہے خواہ اس مشین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو یا کسی اَور ذریعہ سے(۳)۔

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/ ۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۲۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "فليس في دور السكنى .... و سلاح استعمال زكاةٌ ...... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/ ۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۱۶۴، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "مال التجارة نوعان: أحدهما ماخلق ثمناً وهو الذهب والفضة، ففي الذهب في كل عشرين مثقال =

۳......سو روپیہ میں اڑھائی روپیہ یا اڑھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اَور شی نکالنی چاہئے (۱)۔

۴......اس کا جواب پہلے نمبر میں آچکا ہے۔

۵......اس زمین میں زکوۃ نہیں ہے اور روپیہ کی زکوۃ جب روپیہ تمام یا بقدرِ نصاب یا خمس نصاب وصول ہو تب گذشتہ تمام سالوں کی ادا کردے۔

۶......واجب ہے لیکن کم از کم خمس نصاب وصول ہو جانے پر اس کی ادائیگی واجب ہوگی پھر جب دوسرا خمس وصول ہو تو اس کی زکوۃ ادا کردے (۲)۔

= ذهب نصف مثقال، مضروباً كان أولم يكن، مصوغاً أو غير مصوغ، حلياً كانت للرجال أو للنساء، تبراً كان أو سبيكة، يعتبر في الذهب وزن المثاقيل وفي الدراهم وزن سبعة". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۷، كتاب الزكوة، الفصل الخامس في زكوة المال، امجد اكيڈمي لاهور)

"ليس فيما دون مائتي درهم صدقة .... فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم؛ لأنه عليه السلام كتب إلى معاذ رضي الله تعالىٰ عنه: أن خُذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال .... ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال". (الهداية : ۱/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، شركت علميه)

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸٦، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۲٦۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۰۵، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۹۹، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، ادارة القرآن كراچي) .... =

۷..... جب زید کے روپیہ کے برابر اس زمین سے وصول ہوجائے تو زید زمین چھوڑ دے اور اصل مالک کے حوالے کردے کہ میں اپنا مطالبہ وصول کر چکا ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

زکوٰۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق

سوال[۴۵۵۹]: ۱..... زمینی پیداوار کی زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یا بیسواں حصہ؟ اور کن شرائط کے ساتھ یعنی کیا موجودہ حکومت کا لگان اور مال گزاری دینے کی حالت میں بھی زکوۃ کی وہی مقدار ادا کرنی پڑے گی جو اسلام نے اسلامی حکومت میں مقرر کی ہے؟

۲..... زمینی پیداوار میں صرف غلہ مثلاً گیہوں اور چنا وغیرہ کا شمار ہے، یا اُدرک اور آلو وغیرہ بھی زمینی پیداوار میں شامل ہے؟

۳..... زمینی پیداوار کی زکوۃ کب فرض ہوتی ہے حاصل ہونے کے ساتھ ہی یا سال بھر تک کھانے پینے سے اگر بچے اس وقت؟

۴..... پیدوار کی زکوۃ پوری حاصل شدہ پیداوار میں نکلے گی یا مزدوری اور دیگر ضروری اخراجات نکال کر جو باقی بچے اس میں سے زکوۃ نکلے گی؟

۵..... مقروض پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں، اگر فرض نہیں ہے تو صرف سونے چاندی کی فرض نہیں ہے یا پیدوار کی بھی زکوۃ اس پر فرض نہیں ہے؟

۶..... اگر کوئی شخص مقروض ہے لیکن اس کے پاس اتنی جائیداد بصورتِ زمینداری موجود ہے، جس کی قیمت قرض کے بارسے زائد ہے، اور مقروض اس جائیداد کا پورا مالک ہے، فروخت اور رہن سب کچھ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، ایسی حالت میں اس کے لئے سونے چاندی اور زمینی پیداوار کا کیا حکم ہے یعنی ان چیزوں کی زکوۃ اس پر فرض ہے کہ نہیں؟

۷..... اگر کہیں مسلمانوں نے مل کر اپنا ایک قومی بیت المال قائم کر لیا ہو وہاں کوئی شخص زکوۃ نکال کر

= (وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۸، الفصل السادس في الديون، امجد اكيڈمی لاهور)

بیت المال میں نہ بھیجے بلکہ بطورِ خود تقسیم کردے تو یہ زکوۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟

۸......کیا زکوۃ کی رقم وجنس ایسے مکاتب میں لگائی جاسکتی ہے جو تعلیم قرآن پاک کے لئے قائم کئے گئے ہوں؟

۹......کیا زکوۃ کی رقم کسی ایسے جلسہ میں خرچ ہوسکتی ہے جو تبلیغِ اسلام کے خیال سے منعقد کئے جائیں؟ مثلاً بارہ ربیع الاول کا جلسۂ میلادالنبی جس میں غیر مسلمین کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے دعوت دی جاتی ہے کہ ان کے سامنے اسلام اور شارحِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل پیش کئے جائیں اور وہ اس کا کوئی بہتر اثر قبول کرسکیں۔

۱۰......اگر سونے چاندی اور پیداوار کی زکوۃ نہ نکالی جائے تو اس کے استعمال کے متعلق کیا حکم ہے یعنی اس سونے چاندی یا غلہ کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو کس مرتبہ میں یعنی صرف ناجائز ہے یا حرام؟

۱۱......زیور کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

۱۲......عام خیرات وزکوۃ ایسے لوگوں کو جو............اور دیگر ذرائع آمدنی رکھتے ہیں، روپے اور غلہ کے خود مالک ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے یا نہیں جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہیں یعنی محنت کرنے کے قابل ہیں لیکن بلا وجہ محنت نہیں کرتے؟ نیز یہ بھی ارشاد ہو کہ ان دونوں قسموں کے لوگوں کو خیرات اور زکوۃ کی رقم وجنس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۳......موجودہ فقیر جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط یا کھیت اور روپے وغیرہ کے مالک ہیں لیکن بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ذات کے فقیر ہیں۔ان کو از روئے شریعت بھیک دینا جائز ہے کہ نہیں اور ان کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کیا اسلام میں فقیر کی کوئی ذات ہے کہ نہیں؟

۱۴......اگر نمبر:۱۳ میں درج شدہ لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے تو اس زکوۃ وخیرات کا کوئی ثواب بھی دینے والے کو ملے گا یا نہیں؟

۱۵......جو لوگ اپنے کو ذات کا فقیر کہتے ہیں لیکن پیداوار اور سونے چاندی کے مالک ہیں ان پر زکوۃ فرض ہے کہ نہیں؟ ازراہِ عنایت مذکورہ بالا مسائل کے متعلق بالتفصیل قرآن پاک واحادیث نبوی وفتاوی فقہیہ کے

حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں اور ہر نمبر کا علیحدہ علیحدہ بالترتیب جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں اور خدا سے اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے مستحق بنیں۔

المستفتی: سکریٹری کمیٹی قاضی پورہ نواب گنج گونڈہ یوپی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جو غلہ وغیرہ عشری زمین سے پیدا ہو خواہ اس کی پیداوار بارش کے پانی سے ہوئی ہو یا قدرتی نہر وغیرہ کے پانی سے بلا قیمت ہوئی ہو، اس میں زکوۃ واجب ہے اور وہ پیداوار کا دسواں حصہ ہے:

"قال أبو حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه: و في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقىٰ سيحاً أو سقته السماء". هدايه، ص: ۱۸۱ (۱)۔

اور اگر چرس (۲) یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سے اس میں کاشت کی گئی ہے تو اس کی زکوۃ پیداوار کا بیسواں حصہ ہے:

"و يسقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين". هدايه (۳)۔

مالگذاری اور لگان دینے سے یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

۲...... یہ چیزیں بھی پیداوار میں شمار ہیں ان میں بھی زکوۃ مذکورہ لازم ہے: "فيما سقته السماء أو سقىٰ سيحاً أو أخذه من ثمر جبل العشرُ، قل أو كثر" (۴)۔

---

(۱) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(و كذا في مختصر الطحاوي: ص: ۴۶، باب زكوة الثمار والزروع، سعيد)

(۲) "چرس: چمڑے کا بڑا ڈول"۔ (فیروز اللغات، تحت لفظ چ - ر، ص: ۵۲۶، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في التبيين: ۲/۱۰۶، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۱۹، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زكاة الخارج، دار الكتب)

"يجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير =

۳......حاصل ہونے کے ساتھ ہی لازم ہوجاتی ہے سال بھر گزرنا لازم نہیں: "بلا شرط نصاب و بقاء و حولان حول". سکب الأنهر (۱)۔

۴......پوری پیداوار میں سے لگائی جائے گی مزدوری وغیرہ کو اس سے منہا نہیں کیا جائے گا: "و کل شيء أخرجته الأرض عما فيه العشر لا يحتسب أجرة العمال و نفقة البقر اه"(۲)۔

۵، ۶......قرض کی ادائیگی کے بعد اگر سونا یا چاندی بقدرِ نصاب اس کے پاس بچے تو اس پر زکوۃ فرض ہے ورنہ نہیں (۳) زمین کی پیداوار میں بہر صورت زکوۃ یعنی عشر واجب ہے۔

= والدخن والأرز و أصناف الحبوب، والبقول والرياحين والأوراد والرطاب و قصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء و الخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۸۶/۱، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲۰۱/۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳۲۵/۲، باب العشر، سعيد)

(۱) "بلا شرط نصاب، و بلا شرط بقاء و حولان حول؛ لأن فيه معنى المؤنة". (الدر المختار: ۳۲۶/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۳۱۷/۱، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۵۳/۱، باب العشر، امداديه ملتان)

(۲) (الهداية: ۲۰۲/۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

"(بلا رفع مؤن) يجب العشر في الأول و نصف في الثاني بلا رفع أجرة العمال و نفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ و نحو ذلك". (ردالمحتار: ۳۲۸/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۲۰/۱، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۶/۲، باب العشر، رشيديه)

(۳) "و من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه وإن كان أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً، الخ". (فتح القدير: ۱۶۰/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۲/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

۷......ادا ہو جائے گی (۱) اگر بیت المال کے ذمہ دار منتظم اسے صحیح مصرف پر صرف کرتے ہیں تو وہاں دینا بھی درست ہے۔

۸......زکوۃ سے غریب لڑکوں کو جو کہ سیّد نہ ہوں وظیفہ اور کپڑا وغیرہ تملیکاً دینا واجب ہے (۲)، مکتب کی تعمیر میں لگانا یا معلم کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوۃ دیجائے اور وہ اس پر قبضہ کرکے اپنی طرف سے مکتب کے متولی اور مہتمم کو دیدے تو پھر معلم کی تنخواہ وغیرہ میں دینا بھی درست ہوگا (۳)۔

۹......ادائے زکوۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی غریب مسلم غیر سید کو بلا کسی معاوضہ ومنفعت کے برائے خدا تملیکاً دی جاوے اور ایسے جلسوں میں یہ صورت نہیں ہوتی، لہذا جلسہ میں خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی:

"الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي و لا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المَمَّلك من كل وجه للّٰه تعالىٰ". زيلعي (٤)۔

۱۰......زکوۃ اگر فرض ہو اور کوئی ادا نہ کرے تو وہ سخت گنہ گار، فاسق اور مردود الشہادۃ ہے مگر اس مال میں حرمت نہیں آتی (۵)، اگرچہ غلہ کا کھانا قبل ادائے زکوۃ منع ہے (۶)۔

---

(۱) "في المال الظاهر الأفضل أن يؤدي الزكاة بنفسه؛ لأنهم لا يضعون مواضعها". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۱، جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۳۷، باب العشر، سعيد)

(۲) "ولو أدى من خلاف جنسه، تعتبر القيمة بالإجماع". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، و كذا في تعمير المسجد، و تمامهٗ في حيل الأشباه". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱. كتاب الزكاة، سعيد)

(۴) (تبيين الحقائق: ۲/۱۲۱، كتاب الزكوة، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۵۶، كتاب الزكاة، سعيد)

(۵) "عن محمد: أن من لم يؤد الزكاة، لم تقبل شهادته". (بدائع الصنائع: ۲/۳۷۴، في كيفية فرضها، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۸، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(۶) "و لا يأكل من طعام العشر حتى يؤدي العشر، وإن أكل ضمن عشره". (الدرالمختار: ۲/۳۳۲، باب العشر، سعيد) =

۱۱......جس طرح چاندی سونے میں زکوۃ ضروری ہے اسی طرح چاندی سونے کے زیور میں بھی زکوۃ ضروری ہے:

"یجب فی مائتی درهم و عشرین دیناراً ربع العشر و لو تبراً أو حلیاً، اهـ. و دلیل وجوب الزکوة فی الحلی أحادیث فی السنن: منها قوله علیه السلام لعائشة رضی الله تعالیٰ عنها لما تزینت له بالفتخات: "أتؤدین زکوتهن"؟ قالت: لا، قال: "هو حسبك من النار، اهـ". بحر: ۲/۲۲۹(۱)۔

۱۲......جو شخص ایک زکوۃ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی اور شی رکھتا ہو اور وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اگرچہ اس پر سال بھر نہ گزرا ہو اور اگرچہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو، ایسے شخص کو زکوۃ ہرگز نہ دیجائے ورنہ زکوۃ ادا نہ ہوگی، شرعاً ایسا شخص غریب اور فقیر نہیں اور ایسے شخص کو زکوۃ لینا حرام ہے اور اس قدر مالیت اس کے پاس نہیں تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس میں کمانے کی قدرت ہو:

"(المصرف) هو الفقیر، وهو من یملك لا یبلغ نصاباً و لا قیمة من أیّ مال کان، و لو صحیحاً مکتسباً، اهـ". مراقی الفلاح، ص:۴۱۷(۲)۔

تاہم بہتر یہ ہے کہ جو شخص زیادہ حاجت مند ہے اور کمانے سے عاجز ہے اس کو دی جائے، جس کے پاس کھیت کی آمدنی اس قدر نہیں کہ اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کافی ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے اگرچہ کھیت کی قیمت زائد ہو۔

۱۳......جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو سوال کرنا اور بھیک مانگنا حرام ہے، کذا فی

= (وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۵۱۷، فصل فی وقت الوجوب، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۳۳، معرفة وجوب العشر عند ظهور الخارج، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاة المال، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاة المال، امدادیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۴۷ باب المصرف، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح، باب المصرف، ص: ۷۱۹، قدیمی)

الطحطاوی، ص: ٤٢٠(١)، ایسے لوگوں کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر کسی شخص کے متعلق علم نہ ہو کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یا اس کے غریب اور عاجز ہونے کا علم نہیں تو اس کو دینا درست ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں سوال کو منع فرمایا ہے لہٰذا جب تک بغیر سوال کیے ضرورت پوری ہو جائے سوال کرنا حرام ہے، پس فقیر بننا اور باوجود صاحبِ مال و وسعت ہونے کے مانگنے کا پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔

۱۴......ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور دینے کا گناہ ہوگا کہ اعانتِ معصیت ہے۔

۱۵......اگر بقدرِ نصاب سونا یا چاندی ہے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے نیز اس پر سال بھر گزر چکا ہے تو زکوٰۃ فرض ہے اور پیداوار میں بھی زکوٰۃ لازم ہے:

"فرضت علی حر، مسلم، مکلف، مالك لنصاب من نقد و لو تبراً أو حلیاً أو زینةً أو ما یساوی قیمته من عروض تجارة فارغٍ عن الدین، و عن حاجته الأصلیة، نامٍ و لو تقدیراً. وشرط وجوب أدائها حولان الحول علی النصاب الأصلی، اهـ". (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) "ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، و یأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ٤٢٢، باب المصرف، قدیمی)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۳۶، باب المصرف، رشیدیه)

(٢) "الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً نامیاً حولاً کاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

اراضیٔ ہند سے متعلق تفصیل

سوال[۴۵۶۰]: یہ رسالہ کبھی نظروں سے نہیں گزرا، جواب سے بڑی تشفی ہوئی، ذرا اس کی وضاحت فرمائیں جو زمین مِلکِ مسلم نہ ہو، ہمارے قبضہ میں جو زمین ہے جو سرکار سے بندوبست کرلی ہے، کیا اس زمین پر ہماری ملکیت نہیں خاتمۂ زمینداری کے بعد تمام زمینوں کی مالک حکومت ہوگی، ہمارے پاس جو زمین ہے، ہم اس کے عارضی مالک ہیں۔

نور الہدیٰ قاسمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانونِ زمینداری کی جو تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوتی تھیں ان میں واضح کردیا گیا تھا کہ زمیندار مالک نہیں رہا اس کو معاوضہ دیا جائے گا، مالک حکومت ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے۔ پھر اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) ''حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ''ضبط کرنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں ہیں۔ دوسرا قبضہ مِلکانہ وحکیمانہ ومنتظمانہ (اور احقر کے نزدیک قرائنِ قویہ سے اسی کو ترجیح ہے) اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو زمین دی سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی، یہ دونوں فتاوی امداد الفتاوی میں ہیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی میں بھی اسی مضمون کے شاہد و مؤید ہیں۔ (اسلام کا نظام اراضی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، =

ہندوستانی زمین کا حکم

سوال[۴۵۶۱]: ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں مِلکِ سرکار ہیں تو نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی: "هذا نوع ثالث لا عشرية و لا خراجية من الأراضي، تسمى أراضي المملكة وأراضي الحوز، اهـ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال[۴۵۶۲]: ہندوستان کی زمین (خواہ بہار کی ہو یا یوپی وغیرہ کی) عشری ہے یا خراجی؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی: محمد سعداللہ بخاری، پیش امام جامع مسجد مونگیر، ۲۳/۱۱/۵۰ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو زمین بادشاہِ اسلام کے وقت سے مسلم کی مِلک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جو زمین اس وقت مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہو کر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بناء بر استصحابِ حال ان پر قبضۂ مسلم مستمر مان کر ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہو سکتا ہے لیکن عشر کے حق میں محسوب نہیں ہو سکتا، فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)،

ے ص: ۱۷۹، دارالاشاعت کراچی)

(و كذا في امداد الفتاوى: ۲/۲۰، فصل في العشر والخراج، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(و كذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: ۶/۱۹۱، چھٹا باب عشر، امداديه)

(۱) (رد المحتار: ۴/۱۷۸، مطلب: أراضي المملكة والحوز لا عشرية و لا خراجية، سعيد)

(وراجع أيضاً عنوان: "اراضی ہند سے متعلق تفصیل")

(۲) (فتاوىٰ رشيديه، ص: ۳۶۶، عشر وخراج کے احکام کا بیان، اداره اسلاميات لاهور)

ایسا ہی عزیز الفتاویٰ: ۱/۲/۷۶،۷۷، وتتمہ جلد اول (۱) امداد الفتاویٰ، ص: ۵۰ (۲) وحوادث الفتاویٰ، ص: ۱۹ میں بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناء پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی مؤنتوں: عشر وخراج سے مستثنیٰ کردیا ہے:

"وما أسلم أهله طوعاً أو فتح عنوةً وقسم بين جيشنا والبصرة بإجماع الصحابة عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم، الخ". در مختار۔ "(و قوله: وقسم بين جيشنا) احترز به عما إن أقسم بين قوم كافر غير أهله، فإنه خراجي، كما في النتف، و لو قال: بيننا، لَشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين، فإنه عشري؛ لأن الخراج لا يؤظف على المسلم ابتداءً". شامی: ۲۵۴/۳(۳)۔

"لا يؤخذ العشر من الخارج ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له، جاز عند الثاني، وحل له لو مصرفاً وأن لا تصدق، به يفتىٰ. و لو ترك العشر، لايجوز إجماعاً، ويخرجه بنفسه للفقراء، الخ". در مختار۔

" و كذا لو كانت عشريةً، لايؤخذ منها خراج؛ لأنهما لا يجتمعان. (قوله: لا يجوز إجماعاً) لعل وجهه أن العشر مصرفه مصرف الزكوة؛ لأنه زكوة الخارج، ولا يكون الإنسان مصرفاً لزكوة نفسه، بخلاف الخراج، فإنه ليس زكوة، و لذا يوضع على أرض الكافر". ملخصا(٤)۔

حکومت اگر ارضِ عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ

---

(۱) (عزیز الفتاویٰ: ۱/۲۱۸، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/۷۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۳) (ردالمحتار علی الدرالمختار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج والجزية، سعید)

(وكذا في الهداية: ۲/۵۹۱، باب العشر والخراج، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية: ۴/۱۹۲، ۱۹۳، سعيد)

حکومت مصرفِ زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۸/۴/۷۰ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۰/۴/۷۰ھ۔

اراضیٔ ہند میں عشر وخراج کا حکم

سوال[۴۵۶۳]: ۱...... ما قولکم فی مسئلة وجوب العشر و عدمه فی الأراضی التی كانت مقبوضةً فی أیدی النصاریٰ كأرض الهند، والفنجاب، والفشاور وغیره، فإن كان واجباً فبأیّ دلیل واضح و سند ساطع، وإن كان غیر واجب، فلعدم وجوبه كونها أراضی دار الحرب كافیة أم لا؟

۲......وإذا وضعت النصاریٰ علی الأراضی المملوكة المذكورة ثمناً مخصوصاً و نقداً معلوماً الذی یسمی فی عرف عامة الخلائق بمالیة المال، هل هذا خراج شرعی أم لا؟ وفی صورة عدمه موجب لسقوط العشر أم لا؟

۳...... والأراضی التی تستقیٰ بماء الأنهار حفرتها النصاریٰ، و و ضعوا لاستعمال مائها طرقاً مختلفةً وثمنًا متفرقةً حسب الفصول والبقول، والعامل فی مائها خلاف قوانینهم یكون مجرماً عندهم، هل یجب فیها العشر أو نصف العشر؟ بینوا بحوالة الكتب المعتبرة۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......فیه قولان: أحدهما: وجوب العشر إذا ملك المسلم مستمراً علیها من زمن

(۱) "أخذ البغاة والسلاطین الجائرة زكاةَ الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة علی أربابها إن صرف المأخوذ فی محله الآتی ذكرُه، وإلا یصرف فیه، فعلیهم فیما بینهم و بین الله إعادة غیر الخراج". (الدر المختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل فی الغنم، رشیدیه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل فی زكوة الخیل، دار الكتب العلمیة بیروت)

(وكذا فی الهدایة: ۱/۱۹۳، فصل فی الغنم، مكتبه شركة علمیه ملتان)

السلطنة المسلمة انتقلت إليه، وهو لا يعلم أنها من مسلم انتقلت أو كافر، هذا ما اختاره الشيخ رشيد أحمد المحدث الگنگوهي في فتاواه(۱)، و مولانا أشرف على التهانوی، و مبناه عدم القطع بكونه دار الحرب لا سيماً في بعض الأحكام (۲)۔

والقول الثاني: عدم وجوب العشر والخراج، واختاره مولانا محمد أعلى التهانویؒ في رسالته حيث قال: إن أراضي الهند ليست بعشرية و لا خراجية، بل هي أراضي الحوز: أي أراضي بيت المال والمملكة، وصرح الشامي بعدم وجوب العشر والخراج من مثل تلك الأراضي (۳)۔

۲...... الأصح أن الثمن المذكور أجرة الأراضي، والعشر لا يسقط به إذا كانت الأرض عشريةً، أما إذا كانت خراجيةً فهذا الثمن ينوب عن الخراج، كذا في الفتاوى الرشيدية (٤)۔

۳...... إذا كانت الأرض مسقيةً بماء الأنهار المذكورة الماخوذ بالثمن، ففيها نصف العشر (٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳٦۷، ۳٦۸، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/۶۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوةً وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۱۷٦، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ٦٦۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تاليفات رشيديه، ص: ۳٦٦، عشر وخراج کے احکام، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ہندوستانی زمین کا حکم"۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی")

(۵) "و ما سقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين؛ لأن المؤنة تكثر فيه الخ". =

اراضیٔ ہند میں عشر کا حکم

سوال[۴۵۶۴]: اراضیٔ ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، آخر عوام کیا کریں عشر نکالیں یا نہیں؟ زمین کی مالگذاری پانی کا جو حکومت نے پبلک پر عائد کردیا ہے یہ عشر کے غلہ سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آم، امرود، لیموں، سبزی، ترکاریوں میں عشر ہے یا نہیں؟ اور اس کے دینے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

المرسل: محمد نور الہدیٰ القاسمی ضلع سہرسامہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج نہیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے - جو خلیفۂ خاص تھے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے - اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ ''اراضیٔ ہند'' ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اور ان کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ جو زمین مِلکِ مسلم نہ ہو جیسے کہ خاتمۂ زمینداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے اس میں عشر واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستانی زمینوں میں عشر

سوال[۴۵۶۵]: ہندوستان کی وہ زمینیں جو حکومتِ اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں

= (الهداية: ۱/۲۰۲، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، باب زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۲۶، الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر و ما لا يجب، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اراضیٔ ہند کے متعلق تفصیل''۔)

ہیں اوران کی کاشت میں ہیں تو کیاان پرعشرواجب ہوگا؟مشہور یہ ہے کہ جو مال گذاری حکومت کودی جاتی ہے یہ قائم مقام عشر کے ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟اگر زمین دوسرے کوکاشت کے لئے دیدی جائے توعشر کس پر واجب ہوگا؟

افتخارالحسن کاندھلہ،۲/رجب/۶۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی زمینوں پرعشرواجب ہے(۱)،حکومت کی مالگذاری عشر کے قائم مقام نہیں ہوتی جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے(۲)۔عشری زمین اگر کاشت پردی جائے تو مالک اورمزارع پرحصہ دارعشرواجب ہوگا،جوزمین نقدکرایہ پردی جائے اس میں اختلاف ہےامام صاحب کے نزدیک مالک پرعشر ہوگا،صاحبین کے نزدیک مستاجرپرہوگا:

"والعشر على المؤجر كخراج مؤظّف، وقالا: على المستاجر كمستعير مسلم. و في الحاوى: و بقولهما نأخذ. وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه، و لو من العامل فعليهما بالحصة". در مختار- "و قال: حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستاجر، كما في الأشباه، و كذا حامد آفند العمادى، و قال في فتاواه: قلت: عبارة الحاوى القدسى لا تُعارض عبارة غيره، فإن قاضي خان من أهل الترجيح، فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر، و قد قدّم قول الإمام، فكان هوالمعتمد، وأفتى به غير واحدٍ، منهم: زكريا آفندى شيخ

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عَنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، ص: ۳۶۶، عشروخراج کےاحکام،ادار اسلاميات لاهور)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۲/۶۰، فصل في العشر والخراج، دار العلوم كراچى)

الإسلام و عطاء الله آفندی شیخ الإسلام، و قد اقتصر علیه فی الإسعاف والخصاف، اهـ".

ردالمحتار، باب العشر: ۷۵/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ۔

کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟

سوال[۴۵۶۶]: عشر کے متعلق آپ حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد اراضی ہندوستان موجودہ حکومت کی ملکیت میں آ گئی، لہٰذا عشر واجب نہیں لیکن رسالہ دار العلوم (مولانا فضل الرحمٰن مونگیری کا) کے پرچہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں عشری زمین موجود ہے، رسالہ دار العلوم دیوبند میں اس کے خلاف ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مونگیری حضرات کی رائے عشر کے متعلق وہی ہے کہ واجب ہے، وہ حضرات امارتِ شرعیہ کو ایک نوع کی اسلامی امارت قرار دیتے ہیں اور دار العلوم میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی صحیح ہے مگر وہ خاتمۂ زمینداری سے پہلے کا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۳۴/۲، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۸۷/۱، باب زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۳/۲، باب العشر، رشيديه)

(۲) ان حضرت کی رائے ہے جب کہ ہمارے دوسرے اکابر حضرات نے دونوں (خاتمہ اراضی سے قبل وبعد) میں کوئی فرق نہیں کیا لہٰذا عشر واجب ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں عنوان "اراضی ہند سے متعلق تفصیل"، وعنوان: "ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی"؟

9

عشروخراج اوراراضی ہند

سوال[۴۵۶۷] : ۱......قبیل رمضان المبارک دارالاسلام ودارالحرب کی تعریف میں چندالفاظ میں احقر کوشبہ ہوا تھا، جناب کے ذریعہ سے بندے نے انہی الفاظ کوحل کیا تھا،لیکن بندے نے غلطی سے ”نظر والحکم من البعض برسم التتار“ کےعلاوہ”بنی قریظة باليهوديه“ پرنمبرنہیں دیا تھا،اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا،لہٰذا ثانیاً حضورکوتکلیف دیتا ہوں،امید ہے کہ حضوراس تکلیف کوگوارہ فرمائیں۔

۲......دیگر یہ کہ احقر کا زعم تھا کہ تحقیقات الفاظ سے ملکِ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب حل ہوجائے،لیکن چونکہ حضوروالا نے معنیٰ اجزائے احکام کفرکی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ”کافراپنی مملکت میں مستقل طورسے حکم جاری کرے“،یعنی”مراد اجرائے احکام کفر ایں کہ در مقدمۂ ملک داری وبندوبستِ رعایا وحدِّ خراج وباج وعشرِ اموالِ تجارت وسیاست وقطع الطریق وسراق وفصلِ خصومات سزائے جنایات کفار بطورِ خد حاکم باشند“. سوہندستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، بندہ کواس میں شبہ پیدا ہوگیا، کیونکہ ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ اہلِ اسلام اور ہندوؤں کولے کرحکم کرتا ہے،پس ان احکامِ مذکورہ کا اجراء انگریز بطورِخودنہیں کرتے ہیں۔

۳......حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کے کسی ایک رسالہ میں بندے نے دیکھا ہے کہ حضرت موصوف نے تحریر فرمایا کہ ہے”جواراضی عشری ہے اس سے عشرادا کرنا واجب ہے،اور جو خراجی ہے اس سے خراج ادا کرنا واجب ہے“۔لیکن ہندوستان میں سرکارکوخراج دیا جاتا ہےاور چونکہ یہ خراج اپنے مصرف میں خرچ ہوتا نہیں،سوجس مقدارروپے سرکارکودیا جاتا ہےاس مقدارروپے یااس مقدارغلہ کسی دینی مدرسہ میں یافقراءکودیدیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

اب اس میں یہ شبہ ہے کہ جوخراج سرکارمیں ادا کیا جاتا ہے یہ بعوضِ حفظِ جان ومال ہے،جب کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین الامت کا تسلط جس وقت اہلِ شام پر ہوا تھا،اس اثناء میں جب آپ مع لشکر دوسرے شہر میں محاصرہ کے قصد سے گئے تھے توشام کے بعض شہر کی حفاظت نہیں ہوسکی،اس بناء پرآپ نے

اس شہر والوں کے خراج کو- جواُن لوگوں نے ادا کی اتھا- واپس کر دیا تھا۔ پس جو خراج انگریز کو دیا جاتا ہے یہ حفظِ جان و مال کے لئے ہے، پھر فقراء کو دینا ضروری کیوں ہے۔ البتہ عشری اراضی کا عشر فقراء کو دینا واجب ہے، کیونکہ یہ حق فقراء کا ہے اور خراج کے مستحق لشکر ہیں۔ پس خراج کا حقدار مدرسہ یا فقراء ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۴...... فتح میں مرقوم ہے کہ وصول مصر فی زماننا اجرت ہے یعنی کرایہ ہے، عشر یا خراج نہیں۔ اب دریافت اس بات کی ہے کہ مصر کی اراضی جس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس پر عشر واجب ہوگا یا سوائے کرایہ کے کچھ دینا ضروری نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اصل عبارت فتاویٰ بزازیہ کی ہے، مگر مولانا عبدالحیؒ نے کچھ اختصار کے ساتھ نقل کی ہے اور کہیں کہیں کچھ کتابت کی غلطی بھی ہے، چنانچہ عبارتِ مسئولہ میں منشاءِ عدم فہم یہی کتابت کی غلطی ہے۔ عبارت اس طرح ہے اور "إعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس والحكم من البعض برسم التتار کإعلان بني قريظة بالتهود، وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب، الخ". بزازیہ، ص: ۲۱۴ (۱)۔ ہندیہ، ج:۲۔

جن بلاد پر اس زمانہ میں کفار کا تسلط ہوگیا تھا مگر تدریس، افتاء، جمعہ، عیدین وغیرہ حکومت نے جبراً نہیں روکا تھا، ان کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ وہ دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے، کیونکہ اسلام کے آثار واحکام ہنوز کچھ باقی ہیں۔ اس پر اشکال وارد ہوتا تھا کہ خلافِ اسلام بھی تو بہت سی اشیاء علی الاعلان کی جاتی ہیں جیسے بیع الخمور وغیرہ، نیز بعض لوگ کفار کے طریقہ پر حکم کرتے ہیں، اسلام کے طریقہ پر نہیں کرتے، پھر ان بلاد کے دارالاسلام ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب دیا ہے کہ یہ "اعلان بیع الخمور" وغیرہ اور "حکم من البعض برسم الکفار" - یہ لفظ "من بعض" ہے "من البعض" نہیں- ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں بنو قریظہ اپنے یہودی ہونے کا اعلان کرتے تھے، اخفاء نہیں کرتے

---

(۱) (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الثالث فی الحظر والإباحة: ۳۱۲/۶، رشیدیه)

تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم طلب کر کے اس کی پیروی کرتے تھے اور پھر بھی اس کو دارالحرب نہیں کہا گیا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا۔

۲......مولانا عبدالحیؒ نے ہندوستان کو دارالاسلام مانا ہے اور عبارات بزازیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہندوستان کو دارالحرب فرماتے ہیں اور اجزائے احکام کی تفصیل وہی بیان فرماتے ہیں جو اس سے قبل نقل کی گئی تھی اور آپ نے بھی اب اس کو سوال میں نقل کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد پر آپ کا یہ اشکال کہ ''ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر حکم کرتا ہے'' حکم کے معنی نہ سمجھنے کی بناء پر ہے، اس لئے کہ جو ہندو یا مسلمان کسی جگہ ڈپٹی وغیرہ حکام انگریز کی طرف سے مقرر ہے وہ قطعاً حکم انگریز کے تابع ہیں، ذرا بھی خلاف نہیں کرسکتے، تو درحقیقت یہ اجرائے حکم انگریز کا آگر اور ذریعہ ہے، مستقل طور پر حکم صرف انگریز کا ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں، اپنے قوانین ان لوگوں کے حوالے کردیئے کہ ان کے ماتحت حکم کرتے رہو، ان کے خلاف یہ لوگ ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک ہے۔ اور مولانا عبدالحیؒ چونکہ دارالاسلام مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بعض احکام اسلام کا بقاء کافی ہے جیسا کہ عبارتِ بزازیہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرض کہ ہندوستان کا دارالاسلام اور دارالحرب ہونا ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

۳......حضرت حکیم الامت مدت فیوضہم کی وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی، لہٰذا اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کرسکتا، البتہ یہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں مذکور ہے، دیکھ لیجئے (۱)۔

۴......''فتح'' سے کیا مراد ہے، فتح القدیر، یا فتح الباری، یا فتح المعین، یا فتح الملہم، یا فتح المنان وغیرہ، اصل عبارت سے حوالۂ کتاب وجلد و باب وصفحہ نقل کیجئے تاکہ اس عبارت پر غور کیا جاسکے، صرف اتنا لکھ دینا کہ ''فتح میں مرقوم ہے'' کافی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹/۱۰/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، ادارۃ اسلامیات)

باب أداء الزكاة

(زکوٰۃ کی ادائیگی کا بیان)

زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟

سوال[۴۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں آیا زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجتماعی طور پر ادا ہو تو اطمینان کی صورت کیا ہوگی؟

عبدالرحمٰن وکیل۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ فرمانا: ''میں اس منبر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ صرف یہ ہی نہیں کہ یہ زکوۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور اصح یہ ہے کہ وہ زکوۃ ہی نہیں، کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے زکوۃ کا نام نہیں دیا جاسکتا''، تصریحات مذہب اور جمہور علمائے امت کے خلاف ہے، غالباً اس کا منشاء یہ ہے کہ زکوۃ کے وصول کرنے کا مخاطب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:﴿خذ من أموالهم صدقة﴾ الآية(۱) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک یہ ہی معمول رہا کہ اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کی زکوۃ امام کا مقرر کردہ ساعی وصول کرتا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی حالت میں تغیر پایا تو پھر اموالِ باطنہ کی زکوۃ کے لئے اربابِ اموال کو خود ادا کرنے کے لئے فرمایا اور اب تک یہ ہی معمول ہے، یہ امر کہ یہ حکم کیا تھا اور اس کے خلاف کیوں کیا گیا، اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن وحدیث کو خوب سمجھتے تھے، انہوں نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ حق ہے، اس لئے اس قسم کے ظواہر نص سے استدلال کرنا اور اجماع اصحاب کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داری پر لوگوں کو عمل

(۱) (التوبة: ۱۰۳)

کی تلقین کرنا عوام کے لئے نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اَور نقدۂ عطیہ کا دروازہ کھولنا ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اس وقت ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زکوۃ صاحب مال خود ادا کرے یا امام کا آدمی اس سے وصول کرے، بہر صورت ادا ہو جاتی ہے اور انفرادی طور سے عدمِ جواز کا فتویٰ اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے:

قال المحقق في الفتح: ۱/۴۸۷، تحت قول صاحب الهداية: "(وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل)": .... و لأبي يوسف في الثاني على ما روى عنه، لأن له مطالباً و هو الإمام، وذلك أن ظاهر قوله تعالى: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية، توجب حق أخذ الزكوة مطلقاً للإمام، و على هذا كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخليفتان بعده، فلما وُلّي عثمان، وظهر تغير الناس، كره أن تفتش السعاةُ على الناس مستور أموالهم .... ولم تختلف الصحابة عليه في ذلك، و هذا لا يسقط طلب الإمام أصلاً، و لذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زكوتهم، طالبهم بها. الخ "(۱)۔

بلکہ موجودہ زمانہ میں خود ہی ادا کرنا افضل ہے: "و في الظهيرية: ألافضل لصاحب المال الظاهر أن يؤدي الزكوة إلى الفقراء بنفسه؛ لأن هؤلاء لا يضعون الزكوة مواضعها". بحر: ۱/۲۲۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۵۲۹]: ایک شخص کے پاس مال وزیور ہے جس کی زکوۃ سالانہ ۱۲۰/ روپیہ ہے، اس کی

---

(۱) (فتح القدير: ۲/۱۶۲، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۳۹۰، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۷، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الخلاصة: ۱/۲۴۱، الفصل الثاني في أداء الزكاة، امجد)

آمدنی یکشت زکوۃ ادا کرنے کے قابل نہیں اور بارِ گراں ہے اور بعض اوقات یکشت زکوۃ ادا کرنے کی طاقت بھی نہیں ہوتی، ایک دفعہ ادا کرنا گراں بھی گزرتا ہے، آیا تھوڑا تھوڑا ماہانہ زکوۃ دے سکتا ہے یا خاص رمضان ہی میں ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تھوڑا تھوڑا دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا

سوال[۴۵۷۰]: ۱...... ایک شخص ماہ رمضان آتے ہی اپنے مال اور روپیہ کا حساب کر کے رقم کتاب میں درج کر لیتا ہے، مثلاً دو سو روپیہ، اور سال آئندہ تک بتفریق خرچ کرنے لگتا ہے، کچھ اسی رمضان میں فوراً اور کچھ آئندہ مہینوں میں جس وقت مستحقین نظر آویں اور کچھ ماہوار مقررہ مسکینوں کو بطور وظیفہ، کسی کو ماہوار دو روپیہ کسی کو ایک علیٰ ہذا القیاس۔ اس مذکورہ بالا طریق سے زکوۃ ادا ہو سکتی ہے یا کل مبلغ فوراً رمضان ہی میں صرف کرنا ہوگا؟

۲...... بعض دفعہ بسبب نہ ملنے مستحقین کے کچھ رقم بچ رہتی ہے اور دوسرا رمضان آتا ہے تو یہ شخص عادت کے موافق زکوۃ درج کر لیتا ہے، مثلاً گذشتہ سال کی بچت تیس روپیہ، موجودہ سال کی دو سو، جملہ دو سو تیس روپیہ ہوئے اور اب جیسا نمبر: ۱ میں ذکر ہوا ویسا خرچ کرنے لگتا ہے۔ کیا یہ درست ہے، کسی صورت سے ممنوع تو نہیں؟

---

(۱) " وشرط صحة أدائها نية مقارنة أي للأداء ولو .... حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء ". (الدر المختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، الباب الأول في تفسيرها و صفتها و شرائطها، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۳۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

۳......اگر کسی وجہ سے زکوۃ کی رقم حساب سے زیادہ صرف ہوگئی بجائے دوسو کے دوسوبیس خرچ ہوگئے، کیا یہ بیس روپیہ آئندہ سال کی زکوۃ میں سے وضع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......کل رقم کا فوراً رمضان میں صرف کرنا ضروری نہیں بلکہ طریقۂ مذکورہ سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے، البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے(۱) اور جلد ادا کرنا احوط ہے۔

۲......یہ بھی درست ہے لیکن ادائے زکوۃ میں دیر مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے(۲)۔

۳......اگر آئندہ بھی اتنا نصاب ہے تو یہ زائد رقم آئندہ سال کی زکوۃ میں شمار کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کرکے ادا کرنا

سوال[۴۵۷۱]: کسی نے زکوۃ کا حساب کیا مگر جو رقم واجب الادا ہوتی پوری موجود نہیں تو ایسی صورت میں کیا طریقہ ادائیگی زکوۃ کا ہوگا؟ آیا کما کر تھوڑی تھوڑی رقم ادا کرتے رہنے سے ادا ہوجائے گی؟

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نية مقارنة له و لو حكماً، أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه".
(الدرالمختار: ۲۶۸/۲، کتاب الزکاة، سعید)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۹۰/۱، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمية بيروت)
(و كذا في النهر الفائق: ۴۱۸/۱، کتاب الزکاة، امدادیه)

(۲)" و يأثم بتأخيرها بلا عذر". (الدرالمختار: ۲۷۱/۲، کتاب الزکاة، سعید)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۷۰/۱، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)
(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱۸/۲، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمية بيروت)

(۳)" و لو عجل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح لوجود السبب". (الدرالمختار: ۲۹۳/۲، کتاب الزکاة، سعید)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، قديمي)
(وكذا في المبسوط: ۲۳۶/۱، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نصابِ زکوۃ پر سال گزر گیا تو اس نصاب کی زکوۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے اور اگر متفرق طور پر مثلاً سال کے اندر فقراء کو تھوڑا تھوڑا بنیتِ زکوۃ دیدیا جائے تو یہ بھی درست ہے:

"وقیل: فوريّ: أي واجب على الفور، و عليه الفتوى، .... فيأثم بتأخيرها بلا عذر الدرالمختار، ظاهراً لإ ثم بالتأخير و لو قلّ كيوم أو يومين .... و قد يقال: المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل". شامی: ۲/۱۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوۃ دینا

سوال[۴۵۷۲]: ۱..... زکوۃ کے سالانہ حساب سے بے غم رہنے کی غرض سے اگر زکوۃ کی نیت سے مساکین کو نقد اور غیر نقد اتنا دیا جاتا رہے جو زکوۃ کے حساب سے بگمانِ غالب بلکہ یقیناً زیادہ ہو تو کیا اس طرح بھی ادائیگی زکوۃ سے سبکدوشی ہوسکتی ہے؟

غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۷۳]: ۲..... غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی کی بہت سی ایسی صورتیں ذہن میں آتی ہیں جن کو پوچھنا ضروری ہے، مثلاً بیمار کو دوا دیدی، یا کسی مسکین کو کھانا یا مٹھائی یا پھل کھلا دیا، نیا پرانا کپڑا دیدیا، دستکار کو اوزار دے دیئے، کسی مسکین کو ایسی کوئی چیز دی جس کا وہ بذاتِ خود ضرورت مند ہے۔ تندرست کو دوا، یا ان پڑھ کو کتاب، نیز بعض قیمتی اشیاء ایسی ہیں جن کو زندگی کی اصل اور حقیقی ضروریات سے کچھ تعلق نہیں جیسے پان، چھالیہ، کتھہ، چونا، سگریٹ، بیڑی یا بچوں کے کھیل کھلونے وغیرہ تو غیر نقد سے ادائیگی زکوۃ کے لئے اگر شرعاً حدود ہوں تو تحریر فرمائیں۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۱، ۲۷۲، کتاب الزکوۃ، سعید)

(وکذا فی فتح القدير: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، کتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وکذا فی التاتارخانية: ۲/۲۱۷، کتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۲۷۳، کتاب الزكاة، فصل في كيفية فرضيتها، دار الكتب العلمية بيروت)

مستعمل چیز زکوۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟

سوال[۴۵۷۴]: ۳...... غیر نقدشئی اگر نئی ہو تب تو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر پرانی یا استعمال شدہ ہو تو اس کی قیمت لگانے میں دشواری ہے کہ مثلاً دس روپے کی جوتی جس کو تین ماہ پہنا گیا اور وہ اتنی مضبوط کہ کم از کم دو سال چلے تو اس کو فروخت کا ارادہ کیا جائے تو نصف یا نصف سے بھی کم قیمت ملتی ہے اور از روئے انصاف کم از کم آٹھ روپے کی بکنی چاہئے تو زکوۃ کے حساب کے لئے کون سی قیمت لگائی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... جس قدر بنیتِ زکوۃ غرباء کو وقتاً فوقتاً دیا جائے اور مجموعہ زکوۃ واجب ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱)، بار بار اگر حساب میں الجھن ہوتی ہو تو ایک دفعہ حساب لگا کر مقدارِ واجب کو الگ الگ رکھ لیا جائے اس میں سے دیدیا کریں، حساب نہ کرنے سے اندیشہ ہے کہ اگر کبھی کمی ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوگا۔

۲...... ان صورتوں میں جب مقدارِ واجب مستحق کو بنیتِ زکوۃ تملیکاً دیدی جائے تو ادا ہو جائے گی (۲)، تاہم تندرست کو دوا اور اَن پڑھ کو کتاب دینا زیادہ کار آمد نہیں، یا تو وہ ضائع کردے گا یا بہت کم قیمت پر کسی کو دے گا، مستحق کی حاجت کو پورا کرنا بھی زکوۃ کا بڑا مقصد ہے وہ اس سے پوری طرح سے حاصل نہیں ہوگا (۳)۔

---

(۱) "و لو عجل ذو نصاب لسنين أو لنصب، صح، أما الأول، فلأنه أدى بعد سبب الوجوب، فيجوز لسنة أو لسنين كما إذا كفّر بعد الجرح". (البحر الرائق: ۲/۳۹۰، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً" (الدر المختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتار خانيه: ۲/۲۷۷، باب من توضع الزكاة فيه، رشيديه)

(۳) "قال محمد: المعتبر ما هو أنفع للفقراء، فإن كان اعتبار القدر أنفع، فالمعتبر هو القدر، كما قال أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالىٰ، وإن كان اعتبار القيمة أنفع، فالمعتبر هو القيمة كما قال زفر رحمه الله تعالىٰ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۶۲، فصل فيما يرجع إلى المؤدى، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۱۹، فصل في العروض، المصطفى البابي الحلبي)

(وكذا في المبسوط: ۱/۲۵۶، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

۳...... مالیت تو وہ ہے جو اہلِ تجربہ قیمت تجویز کریں، وہ اگر اس جوتی کو تین روپیہ کی تجویز کریں تو یہی قیمت معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

زکوۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں

سوال[۴۵۷۵]: زید نے مہتمم کے نام زکوۃ کا روپیہ بھیجا اور مہتمم نے جب زکوۃ کا روپیہ وصول کر کے اپنے رجسٹر میں جمع کرلیا تو وصول کر کے جمع کے بعد معطی کی زکوۃ ادا ہوگئی یا جب مہتمم رسید دے جب ادا ہوگی؟ اور اگر کسی وجہ سے ایک مرتبہ رسید نہ دیں بلکہ علیحدہ علیحدہ سالانہ رسید دے تھوڑی تھوڑی کی بھجوادے تو رسید سے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ وصول کر لینے کے بعد معطی زکوۃ دینے والا ہی ہوگیا، یا جب کُل رسیدات پہونچے گی جب زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگی اور وصول یابی مہتمم کے کرنے سے ادا نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کا ادا ہونا رسید پر موقوف نہیں ہے، مہتمم مصالحِ مدرسہ کے تحت رسید چاہے یکدم دے یا تدریجاً دے بلکہ معطی نے جب مہتمم کو رقم زکوۃ دے کر اپنی ملک ختم کردی اور مہتمم نے وصول کرلی تو معطی بری ہوگیا اور اس کے ذمہ سے زکوۃ ادا ہوگئی اور معطی مستحقِ ثواب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "و يقوّمها المالك في البلد الذي فيه المال، حتى لو بعث عبداً للتجارة إلى بلد آخر فحال الحول، تعتبر قيمته في ذلك البلد، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۲، زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "و لايخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء". (الدرالمختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۹، كتاب الزكاة، امداديه)

زکوۃ کے روپیہ کی تقسیم

سوال[۴۵۷۶] : زکوۃ کا روپیہ یکمشت تقسیم کر دینا چاہئے یا کسی مدت تک؟ زکوۃ کا مستحق کون شخص ہے؟ فقط۔

خادم خدا بخش خان، از تنگھ تھلہ، ضلع حصار، ۱۴/فروری/۳۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

یکدم تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا دینا بھی درست ہے اس میں کوئی تحدید نہیں، لیکن جس کو دے کم از کم اتنا دے کہ اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے اور اتنا زیادہ نہ دے کہ وہ مالکِ نصاب بن جائے جس کو بالفعل خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، جو مالکِ نصاب نہ ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے، مالک نصاب اور سیّد کو دینا درست نہیں:

"وكره الإغناء، و هو أن يفضل للفقير نصاب بعد قضاء دينه، و بعد إعطاء كل فرد من عياله دون نصاب من المدفوع إليه، و إلا فلا يكره، و ندب غناء ه عن السوال". مراقي الفلاح"۔ قال الطحطاوي: "ولايحل أن يسئل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل، أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ". طحطاوي ص: ۴۱۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱۲/۵۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ذی الحجہ/۵۴ھ۔

کیا زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟

سوال[۴۵۷۷] : ادائے زکوۃ کے لئے فقہائے احناف نے –جزاهم الله خير الجزاء– شرط

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قديمي)

"كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيالٍ، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

لگائی ہے کہ زکوۃ جس شخص کو دی جائے اس کو مالِ زکوۃ کا پورا مالک قرار دیا جائے اور اسی لئے رفاہِ عام کے کاروبار میں جو سرمایہ داخل کیا جاتا ہے اور مختلف ضرورتوں میں حسبِ مصلحت خرچ کیا جاتا ہے وہاں مالِ زکوۃ دینے سے روکا جاتا ہے مثلاً خیراتی مدارس مذہبی میں جہاں نادار طلباء درس حاصل کرتے ہیں اور ان کے واسطے مدارس میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہو جو طلباء عاریۃً لیتے ہیں اور بعد فارغ ہونے مدرسہ کو واپس کردیتے ہیں، یا طلباء کی خوراک کے واسطے کوئی سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ بسرِ اوقات کرتے ہیں، ایسے موقعوں پر زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں کرتے۔

ایک اور مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے اس میں جہاد کے آلاتِ جنگ اور گھوڑے دیئے جاتے ہیں تو وہ بھی جس شخص کے مصرف میں دیا جاتا ہے اس کو اسی چیز کا مالک قرار دیتے ہیں اور گھوڑا ہتھیار لینے والا اختیار رکھتا ہے کہ وہ جہاد میں صَرف کرے یا تجارت کے کاروبار میں استعمال کرے یا فروخت کردے اور ایسی صورتوں میں مال کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فائدہ کم رہ جاتا ہے، اس کے بجائے اگر سامانِ جنگ خود اسلامی حکومت کی ملک قرار پائے اور اغراضِ جہاد میں صرف کرنے کے لئے اسے خزانہ میں محفوظ رکھیں تو زیادہ فائدہ پہونچائے کہ یہ شرط لگانے اور شرط کے ساتھ سختی سے اس کی پابندی کرنے کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس شرط کی بنا کس دلیل پر اور کب رکھی گئی؟

قرآن پاک میں زکوۃ کا ذکر بار بار اور تاکید سے آیا ہے اس کے مصارف بھی معین فرمائے گئے ہیں اور نبوت کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے دیہات اور قریوں میں زکوۃ وصول کرنے والے دورہ کرتے تھے، وصول کرنے والوں کا بھی قرآن مجید میں "عاملین"(۱) کے نام سے ذکر ہوا ہے اور انہیں اسی سرمایۂ زکوۃ سے اجرت دی جاتی تھی، وہ تمام ہمسروں سے زکوۃ وصول کرتے تھے اور دینے والے انہیں دے کر فریضہ سے فارغ البال ہوجاتے تھے۔

مال عاملین زکوۃ باہر سے لاکر داخلِ خزانہ کرتے تھے تو کارکنانِ خزانہ بھی زکوۃ کے مالک قرار نہیں پاتے تھے، پھر حاکم یا اس کے مشیروں کے قبضہ سے زکوۃ صرف ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی بھی مالک قرار نہیں پاتا تھا، مگر مفصلات کے زکوۃ دینے والے اپنے فریضہ سے انہی غیر مالکوں کو دے کر بری الذمہ ہوجاتے تھے اور

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

جن لوگوں کی ضرورتوں میں مال صرف ہوتا ہوگا انہیں مالک سمجھیں تو سمجھیں ورنہ حاکمِ وقت سے لے کر عاملین تک مال سب مالکوں کی طرف سے بطورِ وکیل کے تصرف کرتے تھے۔

پس یہ وکیل بننے کا اختیار جو حاکمِ وقت کو اور اس کے ماتحتوں کو دیا گیا ایسا ہی اختیار مہتممانِ مدارس اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے کس بنا پر روک لیا گیا ہے؟ مہتممانِ مدارس خود مالک قرار نہ پائیں مگر سرمایہ کو مدرسہ کی ملکیت قرار دیں، اسے اپنے ذاتی تصرف میں کام نہ لائیں اور کتب خانہ، خوراکِ طلباء اور تنخواہِ مدرسین پر صرف کریں، اسی طرح منتظمانِ جنگ و جہاد حکومتِ اسلامیہ کو مالک تصور فرما کر اغراضِ جنگ کا سامان مہیا رکھیں اور کتابوں کو طلباء کی ملکیت اور گھوڑوں کو سواروں کی ملکیت قرار دے کر رفاہ عام کا مدعا زیادہ استقلال اور دیر تک پورا کر سکیں۔

پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوۃ کا حکم صادر ہونے میں جس شکل سے اس کی تعمیل زکوۃ سے ہے اور باوجودِ تتبع کے کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملا جس سے معلوم ہو کہ عہدِ نبوت یا عہدِ خلفائے راشدین یا دیگر شاہان اسلام (جن کا قول و فعل ائمہ فقہائے مجتہدین کے نزدیک قابلِ استدلال ہو) کے زمانہ میں مال زکوۃ کو مستعار دے کر ادائے زکوۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہو اور تملیک ضروری قرار نہ دی گئی ہو، اگر آپ کی نظر میں کوئی جزئیہ ایسا ہو تو ضرور مطلع فرمایئے۔

آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ عاملین اور حکامِ وقت سب کے سب مالکوں کی طرف سے وکیل ہوتے تھے مگر مہتممانِ مدرسہ اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے یہ اختیار کس بناء پر روک لیا گیا؟ ہم تو نہیں سمجھتے کہ اختیار روکا گیا ہے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ان حضرات کو اب بھی اختیار ہے اور جس شخص کی ضرورت میں کھانا کپڑا وغیرہ دے کر صرف کریں گے وہ مالک بن جائے گا اور یہ دینا بطورِ تملیک ہوگا نہ کہ بطورِ عاریت کہ کپڑا دے کر واپس لے لیا جائے اور کتاب دے کر واپس لے لی جائے، نہ ہی آپ نے کوئی ایسی نظیر لکھی جس سے معلوم ہو کہ حکامِ وقت بطورِ عاریت دے کر زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے تھے، مالک بننے کی صلاحیت ذی روح ذی عقل میں ہوتی ہے۔

سرمایہ کو مدرسہ کی ملک قرار دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ ملازمین و طلباء سب مالک ہیں تو رفاہِ عام میں ان کی مِلک خرچ کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ کوئی مہتمم جو کہ زکوۃ ادا کرنے کے لئے محض وکیل ہے اس بات کا

مجاز نہیں کہ کسی طالب علم کی مِلک ہیں-خواہ اس کو وہ کسی طرح حاصل ہوئی ہو-کوئی تصرف بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے۔ جب آپ نے اس مالِ زکوۃ کو طلباء کی ملک قرار دیا تو طلبہ کو اپنی ملک میں بیع، ہبہ وغیرہ کا پورے طور پر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا، مہتمم وغیرہ کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، یہی کیفیت سواروں کی اور قرنِ اوّل میں ہوتی اور اسلامی حکومت کے تمام زمانۂ قیام میں ہوتی رہی، اس سے یہ شرط کب استنباط ہوتی ہے کہ لینے والے کو زکوۃ کا مالک قرار دینا ضروری ہے؟ اور جس حدیث میں زکوۃ کی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ ''اغنیاء سے لی جائے اور فقراء کو دی جائے'' (۱) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ جس صورت میں فائدہ زیادہ ہو وہی بہتر ہونی چاہئے، اور انتظام کرنے والوں کو اس میں مصلحت دیکھنے کا اختیار ہونا چاہئے۔

پس استدعا ہے کہ علمائے اسلام اس عقدہ کو حل فرمانے کی زحمت برداشت کریں اور اس دشواری کو اسلامیوں کے دماغ سے دور کرنے کا ثواب لے کر رفاہ عام کے کام کو سہل اور مفید تر بنائیں۔ فقط۔

المستفتی: عاجز محمود علی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدارس میں طلباء کی خوراک و بسرِ اوقات کے لئے کس نے زکوۃ کو منع کیا؟ آج بھی جگہ جگہ مدارسِ اسلامیہ میں زکوۃ کا روپیہ آتا ہے اور اس سے مستحق طلباء کو کھانا، کپڑا، جوتہ، نقد وظیفہ دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطورِ تملیک ہوتا ہے، لہذا اس پر تو اشکال بے محل ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تملیک من کل وجہ کس شرط پر مبنی ہے اور کس وقت سے؟ تو ہمارے فقہائے کرام نے لفظ ''آتــو'' سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانی ابن علی زیلعی ''تبیین، ص:۲۵۱، میں فرماتے ہیں:

''لأن الزكوة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء من قوله تعالىٰ: ﴿ واٰتو الزكوة ﴾ يقتضي التمليك، و لا تتأدى بالإباحة، حتى لو كفل يتيماً فأنفق عليه ناوياً للزكوة، لا يجزيه،

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن فقال: .... ''إن الله قد فرض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم، فتردُّ على فقرائهم''. الحديث. متفق عليه''. (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، الفصل الأول: ۱/۱۵۵، قديمي)

بخلاف الکفارة لو کساه، تجزیه لوجود التملیك، اهـ" (۱)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے "تفسیر احکام القرآن" میں منتخب مقامات پر لفظ "إیتـاء"، "إعطاء" اورلفظ "راداً" اورلفظ "إغناء" وغیرہ سے (جوکہ احادیث میں وارد ہیں) استدلال کیا ہے (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وقتِ فرضیت منتظمانِ جنگ و جہاد کی ہوگی۔ اگر مراد یہ ہے کہ عمارتِ مدرسہ سرمایہ کی مالک ہوتو اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں:

"و لا یبنی بها مسجدٌ، و لا یکفن بها، لانعدام التملیك، و هو الرکن، اهـ". هدایه۔

"ولقائل أن یقول: قولکم: "التملیك رکن "دعویٰ مجردة، إذ لیس فی الأدلة النقلیة المنقولة فی هذا الباب ما یدل علی ذلك ما خلافه قوله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ وأنتم جعلتم اللّامَ للعاقبة دون التملیك؟ والجواب أن معنی قولهم للعاقبة أن المقبوض یصیر ملکالهم فی العاقبة فهم مصارف ابتداءً لامستحقون ثم یحصل لهم الملك فی العاقبة: بدلالة اللام، فلم تبق دعوی مجردة، اهـ". عنایة: ۲/ ۲۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوۃ ہے؟

سوال[۴۵۷۸]: اگر کوئی صاحب مسجد کے امام صاحب یا مؤذن صاحب کو ماہِ رمضان المبارک

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکاة، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(۲) "فلا تجوز أن یکون ذلک مجریًا من الصدقة؛ إذ شرط الصدقة وقوع الملک للمتصدق علیه .... فوجب بظاهر الآیة جواز دفع المال الکثیر من الزکاة إلی واحد من الفقراء من غیر تحدید لمقداره وأیضاً، فإن الدفع والتملیک یُصادِ فانِه وهو فقیر، فلا فرق بین دفع القلیل والکثیر لحصول التملیک". (أحکام القرآن: ۳/ ۱۸۴، ۱۰۴، قدیمی)

(۳) (العنایة علی الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/ ۲۶۷، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه الخ، مصطفی البابی الحلبی مصر) .... =

میں روپیہ یا کپڑا تحفہ دیا، مگر یہ نہیں کہا کہ یہ زکوۃ کا مال ہے۔ اب تحفہ لینے والے کو کیا حکم ہے، وہ تحفہ بلا تحقیق لیں یا تحقیق کریں؟ اگر وہ مالِ زکوۃ ہی تھا اور لینے والا اس کا مستحق نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر امام یا مؤذن کو رمضان المبارک میں جوڑا بنا کر جو لوگ دیتے ہیں زکوۃ کے پیسہ کا نہیں ہوتا، جب تک یہ ظنِ غالب نہ ہو کہ یہ زکوۃ کا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوۃ کے لئے

سوال [۴۵۷۹]: زید پر عمر کا قرض ہے، زید فی الحال مستحق زکوۃ ہے، اگر عمر زید سے کہدے کہ میں نے رقم تجھ کو دیدی تو اس صورت میں عمر زکوۃ کی نیت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم بطور قرض واجب الاداء ہو، اس سے مقروض کو بری کر دینا ادائے زکوۃ کے لئے کافی نہیں، البتہ اگر مقروض کو زکوۃ کی رقم دیدی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کر لی جائے تو درست ہے (۲)، کسی غریب مستحقِ زکوۃ کو اگر قرض کے نام سے دیدی جائے تب بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے (۳) مگر پھر اس کو واپس نہ لے جس کا قرض ذمہ میں ہو اور وہ اب مستحقِ زکوۃ ہو تو اس کو بھی زکوۃ دینا درست ہے لیکن اس سے اس کا قرض ختم نہیں ہوگا وہ بدستور باقی اور واجب الأداء رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/ ۲/ ۸۹ھ۔

= (و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۱۸، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "فأما الصدقة على وجه العلة والقطوع، فلا بأس به، وكذالك يجوز النفل للغني". (التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۲۵۶، المتصدق عليه، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا"۔)

(۳) "(نوى الزكاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز) في الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان". (الدر المختار: ۶/ ۷۳۳، مسائل شتى، سعيد)

9

قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا

سوال[۴۵۸۰]: زید نے عمر کو دوسو روپیہ قرض دیئے اب زید قرض کو معاف کرنا چاہتا ہے، لیکن اس طرح کہ زید کے ذمہ دوسو روپیہ زکوۃ ہے تو ہر سال ۲۵، ۲۵/ روپیہ عمر کے ذمہ سے قرض ساقط ہو جائے اور وہی ۲۵/ روپیہ زکوۃ کے طور پر ادا ہو جائیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی بلکہ دوسو روپیہ یکدم یا متعدد بار اس کو دے کر اپنے قرض میں اس سے وصول کرے، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور قرض بھی وصول ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا

سوال[۴۵۸۱]: زکوۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہنچایا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اور ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی قیمت کا رسالہ مفلس کے پاس پہنچے گا، اتنی زکوۃ ادا ہو جائے گی، ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو پھر ہماری طرف سے وکیل ہو کر وہ رسالہ فلاں شخص کو دیدو، یا خود خرید کر فلاں شخص کے قبضہ کے لئے وکیل بنانا ہے اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوۃ کا ادا کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ۔

---

(۱) "و حيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه، و لو امتنع المديون مَدّ يده و أخذها لكونه ظفر بجنس حقه، الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) " و كيل المزكي .... فيصح و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۵، باب المصرف، قديمي) .... =

فقیر کو کھلانے سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۸۲]: زکوۃ کے پیسوں سے اناج خرید کر تو مساکین کو دے سکتے ہیں، کیا اس اناج کو پکا کر بھی کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھلا سکتے ہیں، جتنی مقدار کا ان کو مالک بنا کر کھلا دیں گے اتنی زکوۃ ادا ہو جاوے گی، اگر بغیر مالک بنائے ہوئے بطورِ حاجت کے اس طرح کھلائیں گے جس طرح عامۂ دعوت میں کھلایا جاتا ہے تو اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی:

"(الزکوۃ هی تملیك مال مخصوص، الخ). وأخرج بالتملیك الإباحة، فلاتكفی فیها، فلو أطعم یتیماً ناویاً به الزکوۃ لاتجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم، اهـ". طحطاوی، ص: ۳۸۹(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/۶۲ھ۔

زکوۃ میں کھانا دینا

سوال[۴۵۸۳]: زکوۃ میں اگر کوئی طالب علم کو دو وقت یا ایک وقت کھانا دے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا زکوۃ کا شعار سال بھر میں ایک دفعہ ہونا ضروری ہے یا بس ایک دفعہ کے بعد اندازہ کافی ہے؟ اور سو روپیہ کی مالیت کی کیا زکوۃ ہوئی؟ فقط۔

= (وکذا فی ردالمحتار: ۲۶۸/۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۰/۱، الباب الأول فی تفسیرها الخ، رشیدیه)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۴، کتاب الزکاۃ، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار: ۲۵۷/۱، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲۸۴/۲، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیه بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی زکوۃ واجب ہے اگر اتنا سامان خورد ونوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالب علم کو دیدیا جائے، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱)۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب تو ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے، اگر ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کر لینا کافی ہے اس کے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوۃ ادا کر دی جائے۔

زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ واجب ہوئے، اب اس کو اختیار ہے کہ خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی دیدے یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اور چیز دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۷ھ۔

چوری کی ہوئی رقم کو زکوۃ میں شمار کرنا

سوال [۴۵۸۴]: اگر رقم چوری ہو جائے بعد میں پتہ چل جائے مگر رقم کی ادائیگی سے عاجزی ظاہر کی تو کیا اس رقم کو زکوۃ میں محسوب شمار کیا جا سکتا ہے؟

---

(۱) "هی تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۳، کتاب الزکاۃ رشیدیه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاۃ، امدادیه)

(۲) "فإذا بلغ الذهب عشرين مثقالاً أو الورق خمس أواقٍ، ففيه ربع عشره بعد أن يحول الحول عليه قبل ذلك". (مختصر الطحاوی، ص: ۴۷، باب زکاۃ الذهب والورق، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۰، باب زکاۃ المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاۃ المال، امدادیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چوری کی ہوئی رقم میں اب زکوۃ کی نیت کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، زکوۃ کے لئے حکم ہے: ﴿اٰتوا الزکوۃ﴾ اور اس صورت میں "إیتاء" نہیں پایا گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

زکوۃ کی رقم چوری ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

سوال [۴۵۸۵]: ایک شخص نے اپنے مال وغیرہ کا حساب لگا کر جتنی زکوۃ اس پر واجب ہوتی تھی نکال کر علیحدہ کر دی، اب اس کی جیب کسی نے کاٹ لی یا کسی طرح اس کی زکوۃ کی رقم ضائع ہوگئی، اس شکل میں اس کی زکوۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ ادا کرنا ہوگی؟ اسی طرح فطرہ کی گم شدہ رقم کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادا نہیں ہوئی نہ فطرہ ادا ہوا، زکوۃ اور فطرہ ادا کریں، شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مقدارِ نصاب سے زائد کسی کو زکوۃ دینا

سوال [۴۵۸۶]: ایک مستحقِ زکوۃ کو بیک وقت زکوۃ، فدیہ روزہ ونماز میں سترہ اٹھارہ ہزار کی رقم یا اسی قیمت کا کوئی مکان دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) (راجع الحاشیة الآتیة)

(۲) "ولا یخرج عن العهدة بالعدل". (الدر المختار). "قوله (ولا یخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزکاة". (رد المحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۷۰، سعید)

"رجل عزل زکوة ماله، و وضعها فی ناحیة بیته، فسرقها سارق، لا یقطع یده للشبهة، وعلیه أن یزکیها". (خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس فی زکوة المال، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۶۳، باب أداء الزکاة، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ اتنی مقدار میں کسی کو دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے، کذا فی الدر المختار۔ پس اگر اس شخص کے ذمہ سترہ اٹھارہ ہزار قرضہ ہے یا اتنا قرضہ ہے کہ یہ رقم بمدِ زکوۃ اس کو دیدی جائے اور وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کردے تو مقدارِ نصاب نہ بچے گا تو یہ دینا بلا کراہت درست ہوگا، اسی طرح اگر وہ شخص عیالدار ہے، بے گھر ہے، اگر اس روپے سے گھر خرید کر اس کی ملک میں دیدیا جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب نہ ہوجائے جب بھی مکروہ نہ ہوگا بلکہ بہتر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۸۹ھ۔

اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی کیا آئندہ سال دوسال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟

سوال [۴۵۸۷]: اگر ایک نصاب کا مالک سال پورا ہوجانے کے باوجود زکوۃ ادا نہیں کی دوسرا سال بھی پورا ہوگیا تو اب ایک سال کی زکوۃ ادا کرے یا دوسال کی؟ اسی طرح اگر چار سال ہوجائیں تو صرف سالِ اول کی زکوۃ واجب ہوگی یا ہر سال کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسال کی ادا کرے اگر ایک سال کی ادا کرنے کے بعد بھی مقدارِ نصاب باقی رہے، ورنہ صرف ایک سال کی واجب ہوگی یعنی جب کہ اس کے پاس صرف ایک نصاب ہے اس سے زائد نہیں، تو اس میں سے بقدرِ زکوۃ سال پورا ہونے پر دَین ہوگیا اور سالِ آئندہ کے لئے نصاب باقی نہیں رہا تو سالِ آئندہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی:

---

(۱) " و کره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر، إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً، أو کان صاحب عیال بحیث لو فرقه علیهم لا یخص کلاً، أو لا یفضل بعد دینه نصاب، فلا یکره". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/ ۲۷۸، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه الخ، المصطفی البابی الحلبی، مصر)

"ومديون العبد بقدر دينه، فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً. الخ". درمختار۔ "(قوله: ومديون العبد) الأولى "ومديون بدين يطالبه به العبد" ليشمل دين الزكوة والخراج؛ لأنه لله تعالى مع أنه يمنع؛ لأن له مطالباً من جهة العباد، كما مر". شامی: ۲/۷(۱)، چارسال کاحکم اسی سے ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

ادائے زکوۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا

سوال[۴۵۸۸]: ایک کتب فروش نے مثلاً دس ہزار کتابیں فی سیکڑہ دس روپے کے حساب سے ایک ہزار روپے میں طبع کرائیں یا خریدیں، اب اس نے فی سیکڑہ چار روپے نفع لینا طے کر کے اس کو فروخت کرنا شروع کیا، سال بھر میں پانچ ہزار کتابیں (جن کی اصل قیمت پانچ سو روپے ہے) فروخت ہوئیں، جن پر چار روپے سیکڑہ کے حساب سے دوسو روپے نفع ملا اور پانچ ہزار کتابوں کا اسٹاک اس کے پاس موجود ہے، اختتامِ سال پر زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں فروخت شدہ پانچ ہزار کتابوں کی اصل قیمتِ خرید جو کہ پانچ سو روپے ہے اس کے ساتھ نفع کی رقم دوسو روپے بھی شامل کر کے کل سات سو روپے کی زکوۃ ادا کی، اب باقی ماندہ پانچ ہزار کتابوں کا جو اسٹاک اس کے پاس موجود ہے جس کی اصل قیمتِ خرید پانچ سو روپے ہے اور فی سیکڑہ چار روپے نفع کے حساب سے قیمتِ فروخت سات سو روپے ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں موجودہ اسٹاک کی اصل قیمتِ خرید پانچ سو روپے اور قیمتِ فروخت سات سو روپے میں سے کونسی قیمت شرعاً معتبر ہوگی؟ اگر اس وقت قیمتِ فروخت ہی معتبر اور ضروری ہو تو کتب فروش پر دگنا بوجھ پڑے گا کیونکہ آئندہ سال کے اختتام پر مذکورہ اسٹاک کے فی سیکڑہ

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکوۃ، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۷، كتاب الزكوة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۲/۱۶۰، كتاب الزكوة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في إعلاء السنن: ۹/۱۳، باب من كان عليه الدين لازكوة عليه، إدارة القرآن كراچی)

چار روپے نفع سے فروخت ہوجانے کی صورت میں اسے قیمتِ فروخت (سات سو روپے) ہی کے حساب سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے اس سال موجودہ اسٹاک کی زکوۃ اصل قیمتِ خرید (پانچ سو روپے) کے اعتبار سے ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال ختم ہونے پر بازاری نرخ سے (نہ کہ اصل خرید کے اعتبار سے) جتنی قیمت کا مال موجود ہو اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی (۱)، بہتر یہ ہے کہ اسی نرخ کے اعتبار سے زکوۃ میں چالیسواں حصہ کتابیں ہی دیدے تاکہ اصل مال اور زکوۃ کا نرخ کی وجہ سے تناسب قائم رہے، وھذا ظاھر لا یخفی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۲ھ۔

صرفہٴ ڈاک زکوۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا

سوال [۴۵۸۹]: زید جو ہندوستان میں تجارت کرتا ہے، ہندوستان کے اکثر مسلمان زید کی معرفت غربائے حرمین اور وہاں کے مہاجرین کی مالی خدمت کیا کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زید جو روپیہ ہندوستان کے اہلِ خیر کا جمع کرتا تھا اس کی دہانید (۲) حرمین کے تاجروں کو بھیج دیا کرتا تھا اور وہ تاجر غرباء و مہاجرین کو تقسیم کردیا کرتے تھے اور حرمین شریفین کے تاجر وہ روپیہ جو دہانید میں ادا کرتے تھے حوالہ ہندی کے ذریعہ ہندوستان میں وصول کرایا کرتے تھے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے سونے کی قیمت بڑھ جانے سے اور شرحِ تبادلہ ایکسچینج کے فرق کی وجہ سے وہ حضرات اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اب مجبوراً زید نے یہ صورت اختیار کی کہ یہ زائد رقم جو اہلِ خیر صدقات بھیجتے ہیں ان سے ہی وصول کر کے مثلاً جو لوگ سو روپیہ بھیجتے ہیں ان سے ایک سو دس وصول کر کے بھیجتا

---

(۱) "وتعتبر القیمة عند حولان الحول بعد أن تکون قیمتها فی ابتداء الحول مائتی درهم من الدراهم الغالب علیها الفضة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، الباب الثالث، الفصل الثانی فی العروض: ۱/۱۷۹، رشیدیه)

(۲) "دہانیدن: دینا، دلانا"۔ (فرہنگ فارسی، ص: ۳۶۲، دارالاشاعت)

ہے تا کہ وہ زائد رقم اسی سے وصول کرلی جائے اوراس طرح حرمین کے غرباء ومہاجرین کو پوری رقم مل جائے اور وہاں کے تاجروں کو بھی نقصان نہ پہونچے۔ زید کا ایسا کرنا درست ہے یانہیں؟ حرمین کے غرباء کو دہانید میں سونے یا چاندی کا سکہ دیا جاتا ہے اور زید وہ رقم حرمین کے تاجروں کو نوٹوں کی شکل میں ادا کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

زید سو روپے کے بجائے ایک سو دس لیکر بھیجے تا کہ اس کو نقصان نہ پہونچے (یہ درست ہے)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا

سوال[۴۵۹۰]: مہتمم مدرسہ کو بوجہ وکیلِ قوم ہونے کے ادارہ کے خادم کو مدرسہ سے زکوۃ کے روپیہ سے قرض دینا درست ہے یانہیں؟ جب کہ معطی یہ بھی لکھدے کہ اگر مناسب ہو تو قرض دیدیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

معطی کی اجازت کے بعد مہتمم کو حسب صوابدید زکوۃ کا روپیہ قرض میں دینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) ''بشرطیکہ جو دس روپے لے رہا ہے وہ زکاۃ کے نہ ہوں، اگر زکوۃ ہی کے ہیں تو چونکہ وہ مستحق کو نہیں ملیں گے، لہٰذا وہ زکاۃ میں شمار نہیں ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں تصریح ہے کہ: ''یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈر فقراء کو نہیں ملتی اس لئے وہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوگی''۔ (فتاوی دار العلوم ديوبند: ۳۳۵/۲، متفرق مسائل زكوة، إمداديه ملتان)

''و لا يخرج المزكي عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء''. (الدر المختار: ۲۷۰/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۳۶۸/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۳۰/۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ''رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم وأمره أن يتصدق بها فأنفقها الوكيل ثم تصدق عن الآمر بعشرة =

زکوۃ کی رقم بطورِ قرض لے کر خرچ کرنا

سوال[۴۵۹۱]: یہ بات تو ظاہر ہے کہ صدقات وغیرہ کا مصرف صرف یتیم ومسکین ہیں تو کیا کوئی شرعاً ایسی صورت بھی ہے کہ جس مدرسہ میں کھانے والے بچے نہ پڑھتے ہوں اس مدرسہ میں ان مدّات کو خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ مدرسہ بطورِ قرض کے لے کر خرچ کرے اس میں کوئی گناہ نہیں؟ اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقم واجب التملیک میں مالکوں کی طرف سے خلط وتصرف کی اجازت ہو تو وقتِ ضرورت ان کو بطورِ قرض دوسرے مدات میں خرچ کیا جاسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا

سوال[۴۵۹۲]: اگر مالِ زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں، کیونکہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' (۲) میں لکھا ہے کہ ''روپیہ بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجنا چاہئے اس میں سود کا شائبہ ہے'' اور ''در

= دراهم من ماله، لايجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمةً فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية ، كتاب الوكالة، الباب العاشر في المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل التاسع في مسائل المتعلقة بمعطى الزكاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قديمي)

(۱) "وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه، وله أن يستقرض من أحدهما ليصرفه للآخر، ويعطي بقدر الحاجة والفقه والفضل، فإن قصر كان الله عليه حسيباً". (الدر المختار: ۲۱۹/۴، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، سعيد)

(۲) ''سوال: منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخل ربوا ہے، اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے''۔

(فتاویٰ رشیدیه للمحدث العلامة مولانا رشید احمد گنگوهی رحمه الله تعالیٰ ، بیوع، سود کے مسائل کا بیان، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، سعید)

مختار'' میں لکھا ہے کہ ''اگر وکیل روپیہ زکوۃ کو قبل از ادا خرچ کر لیوے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی'' (۱) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر وکیلِ زکوۃ دو موکلوں کو خلط کرے گا تو وکیل خائن ہوگا یعنی زکوۃ ادا نہ ہوگی'' (۲)۔ گو شامی لکھتا ہے کہ ''زکوۃ مخلوط باعتبار عرف کے اگر مالک کو علم ہوا ادا ہو جائے گی، مگر یہ صورت صرف خلطِ زکوۃ موکلوں میں گفتگو ہے نہ کہ عام مخلوط مال میں''۔

پس ان صورتوں سے معلوم ہوا کہ اگر زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جاوے تو ادا نہ ہوگی کیونکہ اول تو وہ اصل روپیہ جاتا نہیں، دوسرے وہ روپیہ اسی وقت دیگر اقوام میں مخلوط ہو جاتا ہے، تیسرے قبل از پہنچنے منی آرڈر یہ روپیہ مرسلہ زکوۃ اسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے اور نہ اس میں وکیل کی کچھ نیت ہے اور نہ اس کو علم ہے، چوتھے یہ وکیل آئندہ تقسیم کنندہ کو بلانیت وکیل کرتا ہے، سو یہ بھی چیز درست ہے۔ بروے کتب معتبرہ مفصل تحریر فرماویں تاکہ طمانینت ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ کے سوال میں دو امر غور طلب ہیں: اول یہ کہ منی آرڈر نا جائز ہے، دوم یہ کہ منی آرڈر سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی جس کی وجوہ کا خلاصہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ادائے زکوۃ کے لئے وکیل ہے اور وہ منصبِ وکالت کے خلاف کرتی ہے۔

سو امر اول کے متعلق عرض ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی مذکور ہے کہ منی آرڈر نا جائز ہے اور مولانا تھانوی مدظلہم کے پہلے فتاویٰ میں بھی یہی ہے لیکن بعد کے ایک فتویٰ میں جواز تحریر فرمایا ہے، چنانچہ حوادث الفتاوی حصہ ثانیہ ص: ۵۵ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے کہ ''منی آرڈر مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ آپس میں ابتلائے عام

(۱) ''بخلاف ما إذا أنفقه أولاً علی نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع''. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۷۰/۳، سعيد)

(۲) ''ولو خلط زكاة موكليه ضمن، وكان متبرعاً''. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع: ۲۶۹/۲، سعيد)

ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے"(۱)۔

امر ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ جو روپیہ منی آرڈر کے متعلق سے بھیجا جاتا ہے، سرکار اس روپیہ کے حق میں وکیل نہیں جیسا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روپیہ کو قرض فرمایا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور اس کو امانت میں تصرف کا حق نہیں ہوتا:

"المال الذی قبضه الوکیل بالبیع والشراء وإیفاء الدین واستیفاء ہ، و قبض العین من جهة الوکالة فی حکم الودیعة فی یده، اهـ". مراۃ المجلة: ۲/۲۷۰(۲)۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فرض ہے کہ روپیہ بھیجنے والا مصرفِ زکوۃ کو فارم کے ذریعہ سے امر کرتا ہے کہ سرکار سے میرے اس دین پر قبضہ کرلو اور خود اس میں ادائے زکوۃ کی نیت کرلیتا ہے۔ اور مال موجودہ کی زکوۃ اس طرح ادا کرنا درست ہے جیسا کہ فقہاء نے اس جزئیہ کی تصریح کی ہے:

"لو أمر فقیراً لقبض دینٍ له علی اٰخرٍ عن زکوة عین عنده، جاز، اهـ". البحر الرائق: ۲/۲۱۱(۳)۔

نیز ادائے زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور تسلیط بھی تملیک کی ایک صورت ہے جو کہ منی آرڈر میں یقیناً متحقق ہے پس بوقتِ منی آرڈر ادائے زکوۃ کی نیت کافی ہے:

"تملیك الدین لمن لیس علیه الدین باطل، إلا فی ثلث: حوالة، و وصیة، وإذا سلّطه: أی سلطه غیر المدیون علی قبضه: أی الدین، فیصح حینئذ، و منه مالو وهبت من ابنها علی أبیه، فالمعتمد الصحة للتسلیط، اهـ". درمختار۔

قال الشامی: "قال السائحانی: و حینئذ یصیر وکیلاً فی القبض عن الآمر، ثم أصیلاً فی

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، باب الربا: ۳/۱۴۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (شرح المجلة، کتاب الزکاة: ۳/۷۸۴، لمادة: ۱۴۶۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۳۷۰، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها الخ، رشیدیه)

القبض لنفسه، و مقتضاه صحة عزله عن التسليط قبل القبض، وإذا قبض بدل الدراهم دنانير، صح؛ لأنه صار الحق للموهوب له، فملك الاستبدال، وإذا نوى في ذلك التصدق بالزكوة أجزأه، كما في الأشباه، اهـ". رد المحتار: ۷۱۷/۲(۱)۔

اس صورت میں اصل رقم کا مصرف کے پاس نہ پہونچنا بلکہ اس جگہ مخلوط اور خرچ ہو جانا کچھ مضر نہیں۔

گورنمنٹ کو ادائے زکوۃ کے لئے وکیل قرار دینے میں جس قدر اشکالات تھے وہ سب مرتفع ہو گئے، اگر منی آرڈر کو جائز نہ کہا جاوے بلکہ ناجائز ہی مانا جائے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں ہے تب بھی زکوۃ کے ادا کرنے میں کوئی تامل نہیں۔

تنبیہ: ۱- ادائے زکوۃ کے لئے وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں بلکہ صرف مؤکل کی نیت کافی ہے:

"أو نوى عند الدفع للوكيل، ثم دفع الوكيل بلانية، أو دفعها لذمي ليدفعها للفقراء، جاز؛ لأن المعتبر نية الأمر". اهـ. در مختار(۲)۔

تنبیہ: ۲- جب وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں تو وکیل الوکیل کی نیت اور علم بطریقِ اَولیٰ ضروری نہیں، نیز وکیل کو یہ بھی جائز ہے کہ دوسرے شخص کو وکیل بنادے: "للوكيل بدفع الزكوة أن يؤكل بلا إذن، و لا يتوقف اهـ". بحر: ۲۱۲/۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۷۰۸/۵، المسائل المتفرقة من الهبة، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۲۶۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۷۱/۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۸/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق: ۲۷۱/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۳۵۵/۳، فصل في المسائل المتفرقة من الأضحية، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۷۰/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا

سوال[۴۵۹۳]: اپنے قرب وجوار اور شہر کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص محض اس خیال اور نیت سے دوسرے شہر اور مدارسِ اسلامیہ کی امداد کرے کہ وہ چند حیثیت سے بہتر نظر آتا ہو تو حق تلفی کے گناہ کا مرتکب تو نہ ہوگا، مثلاً بڑا اور قدیمی مدرسہ فیض بخش سمجھ کر یا تعلیم اور انتظام اور دیانتداری کی خوبی سمجھ کر یا صحیح عقائد، عمدہ تعلیم اور فرقہ بندی کے جھگڑوں سے اس پر زوال آجانے کے سبب سے دور کے مدارس کی امداد کی جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان وجوہِ ترجیح کی بنا پر دور کے مدارس میں بھیجنا گناہ نہیں، ایک شہر سے دوسرے شہر میں بلا کسی معتبر وجہ ترجیح کے زکوۃ نقل کرنی مکروہ ہے، یہ کراہت سال پورا ہونے کے بعد میں ہے، اگر کوئی سال پورا ہونے سے پیشتر زکوۃ ادا کرنا چاہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیج دے تو وہ مکروہ نہیں، کذا فی الطحطاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

زکوۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا

سوال[۴۵۹۴]: ا...... کسی مدرسہ میں مدرسہ کی طرف سے زکوۃ وصدقات کا مال وصول کرنے والا

---

(۱) "و كره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب أو أحوج و أورع و أنفع للمسلمين بتعليم، والأفضل وصرفها للأقرب، الخ". (مراقي الفلاح). "و كره نقلها: أي تحريماً، ولو إلى مادون مسافة القصر بعد تمام الحول، أما المعجلة و لو لفقير غير أحوج .... أما نقلها للقريب، فلا كراهة فيه؛ لأن الدفع إلى الفقير منهم فيه صلة و صدقة .... التصدق على العالم الفقير أفضل من الجاهل الفقير، الخ". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمي)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۸۱، باب من توضع فيه الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

درصورتیکہ محصّل محتاج ہواور مصرفِ زکوۃ ہو، اگر اپنی اجرت سے زائد کچھ روپیہ خرچ کر ڈالے پھر اس کو اپنی آمدنی سے بعد میں پورا کردے، کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۲.....زکوۃ کا مال مدرسین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا بغیر تملیک کے جس مدرسہ میں مطبخ ہو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....مدرسہ کی طرف سے جو شخص محصل مقرر کیا گیا ہے وہ امین ہے، جتنا روپیہ زکوۃ وصدقات وصول کرتا ہے وہ امانت ہے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں، ایسی صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱) اور لازم ہے ہو گا کہ اس کا ضمان معطی کو دے اور کہدے کہ آپ کا دیا ہوا روپیہ میں نے خرچ کرلیا، زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اس لئے یہ روپیہ بطور ضمان دے رہا ہوں، ہاں اگر معطی کی طرف سے صرف کرنے کی اجازت ہو تو بطور قرض اس کو صرف کرسکتا ہے پھر قرض مدرسہ کو واپس کرکے مصارف زکوۃ پر صرف کردیا جائے۔

۲.....تنخواہ میں زکوۃ کا روپیہ لینا دینا جائز نہیں اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا

سوال[۴۵۹۵]: زید کو خالد نے مبلغ سو روپے دیئے کہ یہ روپے فلاں مدرسہ کو بمدِ زکوۃ دیدینا، زید نے کہا کہ منی آرڈر کردوں گا، خالد نے کہا کہ ہاں منی آرڈر کردینا۔ اب زید اپنی کسی مجبوری سے یا بداطواری سے کچھ رقم یا پورے روپے کو خود خرچ کرلے اور زید کو کہدے کہ میں نے وہ روپے تمہارے کہنے کے مطابق مدرسہ کو

---

(۱) "و للوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه، إلا إذا قال: ربها: ضعها حيث شئت".

(الدرالمختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق. ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "امام کو زکوۃ دینا"۔)

منی آرڈر کردیئے۔اب ایک عرصہ کے بعد زید کو حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور پچھلے کئے پر نادم ہے اور چاہتا ہے کہ وہ روپے جو خالد نے کسی مدرسہ کے واسطے دیئے تھے وہ ادا کردے اور آہستہ آہستہ ادا کردے، چونکہ بیک دم ادا کرنے کی سکت نہیں ہے تو کیا اب وہ روپیہ اس مدرسہ کو ادا کرسکتا ہے؟

''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''اگر زکوۃ کا روپیہ کسی کو دیا اور اس نے وہ خرچ کردیا تو وہ جواب روپیہ دیگا، اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور زکوۃ کا روپیہ اگر خرچ نہ کیا اور دوسرا روپیہ اپنے پاس سے دیدیا تو زکوۃ ادا ہوجائے گی''(۱) تو اب اس میں کیا کیا جائے؟ اگر اس روپیہ کو ظاہر کرے تو زید کی عزت وتوقیر ختم ہوجانے کا قوی احتمال ہے، اس حق کو کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب حق تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی نیت ہے تو بات صاف صاف بتادے اور روپیہ دینے والے سے اجازت لے لے کہ میں اب وہ روپیہ آپ کی طرف سے ادا کرتا ہوں، بغیر جدید اجازت کے زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)، اس لئے آپ گذشتہ کوتاہی کو معاف کردیں اور اب اجازت دیدیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے توقیر ختم نہیں ہوگی بلکہ عنداللہ وعندالناس یہ شخص مستحسن ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۶ھ۔

وکیل خود مستحق زکوۃ ہو تو کیا وہ زکوۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟

سوال[۴۵۹۶]: زکوۃ یا صدقہ کوئی کسی کو اس واسطے دے کہ جہاں مصرف ہو اور جس کو مستحق دیکھے دیدے، درحقیقت وہ جن کو ادائیگی کے لئے دی جاتی ہے وہ خود مستحق ہے لیکن اس دینے والے کو اس کے مستحق اور

---

(۱) (بهشتی زیور، حصه سوم، ص: ۲۲۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "(قوله: و لو تصدق الخ): أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ". (ردالمحتار: ۲۶۹/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۸۴/۲. فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

مصرف ہونے کا علم نہیں، کیا وہ مستحق رقم زکوۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں، یا صرف دوسرے مستحقین پر تقسیم کردے؟ اس بات کا اس کو اختیار تھا کہ جس کو چاہے دے اور جتنا دے لیکن مستحق کو دے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں اس کو خود رکھنا درست نہیں: " لو قال لرجل: ادفع زكاتي إلى من شئت، أو أعطها من شئت، فدفعها لنفسه، لم يجز. و في جوامع الفقه: جعله قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى و قال: عند أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز. و لو قال: ضعها حيث شئت، جاز و ضعها في نفسه ". شلبي هامش زيلعي: ۱/ ۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کی رقم خود رکھنا

سوال[۴۵۹۷]: ۱......ایک شخص مسمی حمید جو صاحبِ نصاب ہے اس نے مالِ مملوکہ کی زکوۃ ایک سال گذشتہ کی یا ایک سال آئندہ کی بطورِ پیشگی کئی سو یا کئی ہزار کی رقم نکال کر ایک غیر ذی نصاب مسمی رشید مفلس کے حوالہ یہ کہہ کر دی ہے کہ یہ تمام رقم جو میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں مدِ زکوۃ کی ہے، اس رقم کا کوئی جز کسی ذی نصاب کی ملکیت میں ہرگز نہیں پہونچنا چاہئے، اور بھائی رشید صاحب! آپ بھی چونکہ غیر ذی نصاب ہیں حد

---

(۱) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/ ۳۲، كتاب الزكوٰة، دارالكتب العلمية، بيروت)

"سئل البقالي عمن أعطى رجلاً دراهم يتصدق بها عن زكاة الآمر، فتصدق المأمور بدراهم نفسه، هل تقع الزكاة عن الآمر ؟ فقال: إذا تصدق بذلك على نية الرجوع، جاز، و سئل عنها الوبري؟ فقال: هذا على وجهين: إن كان صرف المال الذي دفعه الآمر في حاجته، ثم دفعه من مال نفسه، فهذا لا يجوز؛ لأنه لما أنفقه صار مضموناً عليه، فلا يبرأ إلا بالأداء إلى المالك. الخ ". (التاتارخانية: ۲/ ۲۸۴، فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/ ۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

شریعت کے اندر آپ بھی اس رقم میں سے لے سکتے ہیں۔

پس مسمی رشید مفلس نے وہ رقم زکوۃ کئی سو یا کئی ہزار کی اپنے قبضہ میں لے لی اور پچاس روپیہ اس رقم زکوۃ میں سے خود لے کر اپنی زوجہ کو جو پہلے سے وہ صاحبِ نصاب تھی اس کو ہبہ کر دیئے، اس کے بعد باقی ماندہ رقم زکوۃ میں سے پھر پچاس روپیہ رشید نے خود لے کر اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کر دیئے اور بایں صورت اس رقم زکوۃ میں سے بار بار مسمی رشید پچاس پچاس روپیہ خود لیتا رہا اور ہر بار اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کرتا رہا اور یہ کام ایک ہی دن میں بیک وقت رقم زکوۃ کو ختم کر دینے کا رشید نے پورا کر کے تمام رقم زکوۃ اپنی زوجہ کی حوالگی میں بصورتِ مذکورہ بالا دے دی اور مسمی حمید رقمِ زکوٰۃ کو رشید کے سپرد کر دینے کے وقت خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میں مسمی رشید کو جس قدر زکوۃ کی رقم سپرد کروں گا اس رقم میں رشید ایسا عمل کرے گا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

پس رشید ایسا عمل کرنے کے بعد اپنی زوجہ کی ہمراہ بنیتِ ہجرت یا بلانیتِ ہجرت حرمین شریفین چلا گیا یا پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں دریافت طلب یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مسمی حمید جو صاحب نصاب ہے اس کی زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر زکوۃ ادا ہوگئی تو اس ادائیگی میں کراہتِ شرعیہ داخل رہی یا بلا کراہت حمید کی زکوۃ ادا ہوگئی؟

۲......اگر صورتِ مذکورہ میں زکوۃ کی ادائیگی میں کوئی کراہت باقی رہ گئی ہو تو وہ کراہت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ ہے یا حضرات صحابہ کرام یا حضرات تابعین یا حضرات تبع تابعین کی بتلائی ہوئی ہے، یا ائمۂ اربعہ: یعنی حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارشاد کردہ ہے؟

المستفتی: فیض الحسن از خورجہ، ۲۹/صفر/۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......زکوۃ تو ادا ہوگئی مگر یہ فعل فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

۲...... یہ کراہت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے، حضرت سلیک غطفانی

رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب صحاح میں مذکور ہے(۱) وہ اس کراہت کا ماخذ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

وکیل کا مؤکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوۃ دینا

سوال[۴۵۹۸]: مرسلِ زکوۃ نے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ پہلے کاشتکاروں کو اس طرح دیئے جائیں کہ میری زکوۃ ادا ہوجائے، نمبر تین کے کارندوں (دوکان چلانے والے، زمین بڑھانے والے، جوخود کو قرضدار سمجھتے ہوں) کو یہ پیسے عمداً دیئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو یہ گناہ کس کے ذمہ ہوگا؟ تفصیل سے لکھیں۔

---

(۱) "عن عياض بن عبدالله قال: سمعت أبا سعيد الخدري يقول: جاء رجل يوم الجمعة –والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب– بهياءةٍ بذّةٍ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أصليت"؟ قال: لا، قال: "صل ركعتين"، وحث الناس على الصدقة، فألقوا ثيابهم، فأعطاه منها ثوبين، فلما كانت يوم الجمعة الثانية، جاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب، فحث الناس على الصدقة، قال: فألقى أحد ثوبيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جاء هذا يوم الجمعة بهياءةٍ بذّةٍ، فأمرت الناس بالصدقة، فألقو اثياباً، فأمرت له منها بثوبين، ثم جاء الآن، فأمرتُ الناس بالصدقة، فألقى أحدهما"، فانتهره، وقال: "خذثوبك". (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب حث الإمام على الصدقة يوم الجمعة في الخطبة: ۲۰۸/۱، قديمي)

"عن جابر بن عبدالله قال بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخطب يوم الجمعة إذ جاء رجل فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أصلّيت"؟ قال: لا، قال: "فقم، فاركع".

"(قوله: رجل) هو سليك بن هدية الغطفاني وأطنب الحافظ ههنا ورد على خصومة والجواب المشهور منا ان هذا الرجل كان في هيأة بذة وكان غرضه عليه السلام ان يجمع له المتفرقات من الناس وأنه عليه السلام امهل خطبته وأما كونه في هيئة بذة فثابت في حديث الباب والنسائي الصغرىٰ .... واما الحض على الصدقات له فمذكور في النسائي والطحاوي". (الحواشي المفيدة على جامع الترمذي، ابواب الجمعة، باب ماجاء في الركعتين والإمام يخطب: ۱۱۵/۱، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے، ہدایتِ مؤکل کے خلاف تصرف کرنے کا اس کو حق نہیں، خلاف کرنے سے وکیل کے ذمہ ضمان لازم آئے گا اور زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

وکیل کا زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا

سوال [۴۵۹۹]: زید نے عمر کو سو روپیہ زکوۃ کے دیئے کہ ان کو تقسیم کردے مگر عرصہ دس سال گزر گیا عمر نے تقسیم نہیں کئے بلکہ استعمال کر لئے، اب عُمر ان کو تقسیم کرنا چاہتا ہے تو کیا صرف سو روپیہ زکوۃ کے نکالدے یا کچھ جرمانہ وغیرہ بھی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر کو از خود سو روپیہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ذمہ ضمان لازم ہے جو زید کو واپس کرنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کرنا

سوال [۴۶۰۰]: میں، میرے والد صاحب اور تین بھائی پانچوں مل کر تجارت کرتے ہیں، تمام مال

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (التاتارخانية: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "(قوله: و لو تصدق، الخ): أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل، و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴، فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

اور حساب وکتاب میرے پاس ہی رہتا ہے اور نفع نقصان کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ہو وہ تجارت میں ہی لگا دیتے ہیں، اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیدیتے ہیں باقی تمام مال کو تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ جب زکوۃ کا نصاب آتا ہے تو نصاب کے مطابق زکوۃ دینے کو والد صاحب اور باقی تینوں بھائی تیار نہیں، اس حال میں بندہ مجبور ہے اور حکمِ خداوندی کو پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے میں پورے دوسال سے مال کی زکوۃ نکال کر دے رہا ہوں، حالانکہ ان کا بھی حق ہے۔ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے چھپا کر زکوۃ نکالنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اصل رقم والد صاحب کی ہے، اس سے تجارت شروع کی گئی ہے تو کل مال کے مالک والد صاحب ہیں ان کے ذمہ زکوۃ ہے، آپ چاروں بھائی شریک اس کے مالک نہیں، بلکہ والد صاحب کے معاون ہیں اس مال میں چاروں پر زکوۃ واجب نہیں، بغیر والد صاحب کی اجازت کے آپ کو اس کی زکوۃ دینا جائز نہیں اور اس طرح زکوۃ ادا بھی نہیں ہوتی (۱)۔

آپ کو چاہئے کہ بہت نرمی اور ادب واحترام سے والد صاحب کو بتائیں اور سمجھائیں کہ زکوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اس کے ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، مال محفوظ رہتا ہے ضائع نہیں ہوتا، اور جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوگا، کاٹے گا، نیز اس سونے چاندی کو تپا کر پیشانی پر، پہلو پر، کمر پر داغ دیا جائے گا (۲) کتاب ''فضائل صدقات'' ان کو سنائیں اور دعاء بھی کریں، حق تعالیٰ دل

(۱) "و لو أدى زكاة غيره بغير أمره، فبلغه فأجاز، لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنها ملكه و لم يصر نائباً عن غيره، فنفذت عليه". (البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴. فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها الخ، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من آتاه الله مالاً فلم يؤد زكاته مُثّل له ماله يوم القيمة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيمة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۱۸۸، قديمي)

میں اس کا احساس پیدا فرمائے اور زکوۃ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

زکوۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کر کے خیرات کرنا

سوال[۴۶۰۱]: عمر بہت مالدار آدمی ہے مگر زکوۃ خیرات ادا نہیں کرتا، زید نے اس کا تمام روپیہ چوری کر کے خیرات کر دیا اس میں عمر اور زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر ترکِ فرض کا گناہگار ہے اور زکوۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے(۱) اور زید چور ہے، اگر حکومتِ اسلامی ہو اور شرعی شہادت سے ثبوت ہو جائے تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والسارق والسارقة، فاقطعوا أيديهما جزاءً بما كسبا نكالاً من الله، و الله عزيز حكيم﴾(المائدة)

اگر مالِ مسروقہ زکوۃ ہی ہو، اصل مال نہ ہو تو اس صورت میں قطعِ ید کی سزا نہیں دی جائے گی:

"لو عزل الرجل زكاة ماله، و وضعه في ناحيةٍ من بيته، فسرقها منه سارق، لم تقطع يده للشبهة، و قد ذكر في كتاب السرقة من هذا الكتاب أنه يقطع السارق غنياً كان أو فقيراً، اهـ. بلفظه. .... وإن أخذ، كان لصاحب المال أن يسترده إن كان قائماً، و يضمنه إن كان هالكاً".

(البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذافي خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۵، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمى لاهور)

سفیہ کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۲۰۲]: نابالغ جس وقت شرعاً بالغ ہو جائے لیکن دنیاوی معاملات میں نابالغ رہے، مثلاً یہ کہ اگر اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے تو اضاعت کا اندیشہ ہے وغیرہ تو اس کے مال کی زکوۃ کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقدارِ زکوۃ حساب کر کے اس کو دے دیا جائے کہ وہ مصرفِ زکوۃ پر صرف کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف۔

زکوۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی

سوال[۴۲۰۳]: ۱...... ہمارے یہاں قصبہ اَبُو پورہ میں ایک اسلامی مکتب ہے، مکتب کے نام پر ایک دوسری جگہ سے مبلغ چار سو چھتیس روپیہ زکوۃ کے مہتمم کے پاس آئے، مکتب میں زکوۃ کا مصرف نہ تھا لہذا مہتمم نے یہ ۴۳۶/ روپیہ زکوۃ کا ایک دوسرے شخص زید کو بطورِ تملیک کے دیدیا اور کہا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ میں دیا اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، مہتمم نے روپیہ زید سے نہیں لیا اور کہا کہ تم ہی رکھو ضرورت پڑنے پر تم سے ہم لیتے رہیں گے۔ ضرورت کے موقع پر زید نے اس میں سے مبلغ ۲۹۰/ روپیہ مدرسہ کو دیدئے اور باقی ۱۴۶/ روپیہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کر لیا، مہتمم مدرسہ اس باقی ماندہ رقم کو زید سے طلب کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ ۱۴۶/ روپے زید کے ذمہ مدرسہ میں دینا واجب ہے یا اس کو پورا اختیار ہے کہ دے یا نہ دے؟

۲...... نہ دینے کی صورت میں زید گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "ویخرج الزکاة من مال السفیه ..... إلا أن القاضي یدفع قدر الزکاة إلیه لیصر فها إلی مصر فها".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الأول: ۵/۵۸، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الحجر، فصل في بیان حکم الحجر: ۱۰/۸۶، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الاکراه، باب الحجر: ۸/۱۴۸، رشیدیه)

۳......زید کے ذمہ واجب نہ ہونے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم جبراً یہ روپیہ زید سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

۴......زید سے یہ باقی ماندہ روپیہ لینے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم گناہ گار یا فاسق ہوگا یا نہیں؟

۵......زید کے ذمہ ان روپیوں کے واجب الادا ہونے کی صورت میں اگر زید سے مدرسے کے مہتمم ناراض ہوں اور دل میں کسی قسم کی کشیدگی و کدورت رکھیں تو مہتمم اس کشیدگی و ناراضی سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱،۲......جب یہ روپے مکتب کے نام مہتمم صاحب کے پاس آئے تو مہتمم صاحب کو حق نہیں تھا کہ کسی غیر آدمی کو دیدیں، غیر آدمی کو دینے کی وجہ سے ان کے ذمہ ضمان لازم ہے (۱) پھر جتنا روپیہ اس نے دیا اس کا مکتب میں صَرف کرنا اس دینے والے کی طرف سے درست ہے، جو باقی رہ گیا اس کا ابھی مدرسہ میں دینا معتبر نہیں، اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اس کو چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے اور بقیہ روپیہ دیدے، بلاوجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۲)۔

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلی الآخر مالاً فقال له: هذا زکاة مالي فادفعها إلی فلان، فدفعها الوکیل إلی الآخر، هل یضمن؟ فقال: نعم، له التعیین". (التاتارخانیة: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۳۷۱، کتاب الزکاة، رشیدیه)

" و قدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء، و هل له أن یخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار). "وقال: لأنه مقتضی صحة التملیک، قال الرحمتی: الظاهر أنه لا شبهة فیه؛ لأنه ملکه إیاه عن زکاة ماله، و شرط علیه شرطاً فاسداً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیه)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وعن عبدالله بن عامر قال: دَعَتْنِيْ أمي یوماً ورسول الله صلی الله علیه وسلم قاعد فی بیتنا، فقالت: =

۳......جبراً اس سے لینے کا مہتمم کو حق نہیں (۱)۔

۴......مہتمم اس کو روپیہ ناحق دیکر گنہگار ہو چکا اب اس سے لینے کا حق نہیں کہ وصول نہ کرنے کی وجہ سے مستقل گناہ گار ہو۔

۵......زید کے ذمہ دیانۃً وعدہ کر لینے کی وجہ سے اس کا دینا واجب ہے (۲)، زید تو اپنی طرف سے کہہ چکا تھا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ کو دیا، اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، اگر اس کہنے کے بعد وہ روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ مدرسہ کا ہو جاتا (۳) پھر مہتمم زید کو دیتا تو یہ امانت ہوتا اور مہتمم کو ان کا واپس لینا قضاءً و قانوناً بھی برحق ہوتا اور واپس نہ لینے کی وجہ سے وہ گناہگار بھی ہوتا، مگر چونکہ اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے زید کی ملک ختم نہیں ہوئی لہٰذا یہ دینا وعدہ کے درجہ میں رہ گیا۔ زید کو اور مہتمم کو مسئلہ سمجھا دیا جائے تاکہ دونوں اس کے موافق عمل کریں اور کشیدگی اور ناراضگی کو ختم کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۲ھ۔

حیلۂ تملیک

سوال[۴۲۰۴]: اگر اہلِ برادری زکوۃ کا روپیہ فقیر مدرسہ ومکانات احاطۂ مسجد میں صَرف

= ها تعال! أعطيك، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماأردت أن تُعطيَه"، قالتْ: أردتُ أن أعْطيَه تمرًا، فقال لها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أمَا أنكِ لوتعطيه شيئاً، كُتِبتْ عليكِ كَذِبَةٌ". رواه أبوداؤد والبيهقي في شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمي)

(۱) "عن أبي حُرّة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفسٍ منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان والدار قطني في المجتبى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۱/ ۲۵۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

(۳) "(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع وحينئذٍ (لاتصح غير مقبوضة) اهـ". (الدرالمختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/ ۷۰۹، سعيد)

کرنا چاہتے ہیں اس کی صورت یہ تجویز کرتے ہیں کہ مہتمم مدرسہ جو صاحبِ قرض ہیں اور صاحبِ نصاب نہیں ہیں زکوۃ کا پیسہ ان کو دیدیا جائے اور وہ پھر اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں فی الحال یا جب ضرورت ہو صَرف کردیں، یا مہتمم صاحب اگر صاحبِ نصاب ہیں تو وہ اس پیسے کو کسی غیر صاحبِ نصاب کو دیدیں وہ پھر مہتمم صاحب کو دیدے، پھر مہتمم صاحب اس کی طرف سے مذکورہ بالا مصرف میں صرف کردے یا کوئی اور صورت جواز کی ہو کہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادا ہوجائے گی: "من علیه الزکوة لو أراد صرفها إلی بناء المسجد والقنطرة، لا یجوز، فإن أراد الحیلة، فالحیلة أن یتصدق به المتولی علی الفقرآء، ثم الفقراء یدفعونه إلی المتولی، ثم المتولی یصرف إلی ذلك، کذا فی الذخیرة، اهـ". عالم گیری ۲/۴۷۳(۱)۔

لیکن مہتمم یا کسی دوسرے مصرف کو مجبور کرنا اور اس پر دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

حیلۂ تملیک

سوال[۴۶۰۵]: کسی صاحب مال کو کسی اسلامی ادارہ میں کثیر رقم خرچ کرنی ہے، صاحبِ مال یہ حیلہ کرتا ہے کہ کسی مستحقِ زکوۃ کو وہ رقم اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ مستحقِ زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس کرے تو یہ حیلہ کیسا ہے، زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور وہ مستحق زکوۃ جس نے مال اسلامی ادارہ میں واپس کیا ہے اس کو کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط قطعاً ناجائز ہے، صاحبِ مال کو کسی طرح جائز نہیں کہ مستحقِ زکوۃ کو اس اسلامی ادارہ میں اس رقم

---

(۱) (الفتاویٰ العالکمیریة: ۲/۴۷۳، مطلب: یجوز وقف البناء وحده فی مسئلة القنطرة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، کتاب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قدیمی)

کے دینے پر مجبور کرے، اگر باوجود شرط کے مستحق زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس نہ دے اب بھی صاحب مال کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں رہا، جب مستحق کو رقم کا مالک بنادیا اور اس کے حوالہ کردی تو زکوۃ ادا ہوگی، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے صرف کرے، چاہے اسلامی ادارہ میں دے چاہے اپنے کسی اَور کام میں لاوے۔ جب ثواب کی جگہ میں صرف کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا، ایسی صورت میں شرط اور جبر کا تو حق نہیں ہے صرف تلقین کرسکتا ہے کہ اس ادارہ میں ضرورت زیادہ ہے اور اس میں دینے سے ثواب بھی زیادہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب: صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۹ھ۔

تملیک کی صورت

سوال [۴۲۰۶]: ۱..... تملیک کی صورت کیا ہے؟ کیا ان غریب الوطن یا مقیم طلباء سے جن کے اولیاء غنی ہیں، لیکن وہ خود نصابِ زکوۃ کے مالک نہیں ہیں تملیک کرائی جاسکتی ہے؟ نیز کیا تملیک شدہ مال کو تعمیرِ مساجد جیسے دیگر مصارف میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ چرم قربانی کی رقم کی بھی تملیک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۲..... تملیک کے لئے مملک کا بالغ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲..... کسی مستحقِ زکوۃ سے کہا جائے کہ ہمارے مدرسہ میں تعمیر یا تنخواہ یا خریداری مال و کتب وغیرہ کی ضرورت ہے، پیسہ موجود نہیں ہے تُو مدرسہ کی امداد کردو، وہ کہے گا کہ میں خود غریب مستحقِ زکوۃ ہوں میرے پاس پیسہ نہیں میں کہاں سے دونگا؟ اس سے کہا جائے گا کہ تم کسی سے مثلاً زید سے قرض لے کر دیدو، اللہ تعالیٰ تمہارا

(۱) "والحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، فتكون لرب المال ثواب الزكاة، وللفقير ثواب هذا التقرب، ذكره في البحر. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

قرض ادا کردے گا، اس کی ذات سے امید ہے، وہ شخص زید سے قرض لاکر مدرسے میں دیدے، اس سے تنخواہ، تعمیر وغیرہ کی ضرورت پوری کرلی جائے، پھر اس کو مذکورہ رقم دی جائے جس سے وہ قرض ادا کردے۔

جو طالب علم بالغ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو اس سے بھی تملیک کرائی جاسکتی ہے اگرچہ اس کے ولی غنی ہوں، نابالغ سے تملیک نہ کرائی جائے۔ جمیع صدقاتِ واجبہ، چرمِ قربانی وغیرہ میں یہ صورت ہوسکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲ھ۔

حج کے لئے حیلۂ تملیک

سوال [۴۲۰۷]: احقر کو میراثی ترکہ سے حصہ ملا ہے، کل تین سو روپیہ ہیں، وہ اس طرح کہ مرحومہ بیوی کے حصہ میں باپ کا ترکہ کل نوصد روپیہ آیا جس کے حسب وصیتِ مرحومہ تین حصہ کئے گئے: ایک حصہ مرحومہ کی بہن کو ملا اور ایک احقر کو اور ایک حصہ مرحومہ کے ایصال ثواب کا نکال کر ڈیڑھ سو میرے پاس ہیں اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن کے پاس ہیں، گویا ڈیڑھ سو ایصالِ ثواب میں میں صرف کروں گا اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن صرف کرے گی۔

چونکہ مرحومہ کی بیماری میں روپیہ بھی دوا کے لئے بھیجے تھے جو مرحومہ کی کچھ دوا میں لگ گئے باقی ماندہ کچھ مرحومہ اپنے ہاتھ سے خیرات کرگئی، کچھ میں نے ایصال ثواب میں لگادیئے، وہ پچاس روپیہ بہن نے اس کے تین تہائی حصہ میں وضع کرکے احقر کو کل چار سو روپیہ دیئے جس میں تین سو میرے حصے کے ہیں اور ایک سو مرحومہ کے حصہ کے ہیں، اب میں کل تین سو کا مالک ہوں اس کے علاوہ میں نے جو اپنے سرمایہ کا حساب دیکھا تو قرض وغیرہ ادا کرکے کل پچاس روپیہ کا حساب ہے جس میں پچاس سے زیادہ ادھار میں ہیں جن کی عند

---

(۱) "لا تدفع الزكاة لبناء المسجد .... و كذا بناء القناطير و إصلاح الطرقات .... و إن أريد الصرف إلى هذه الوجوه، صرف إلى فقير، ثم يأمره بالصرف إليها، فيثاب المزكي و الفقير". (مجمع الأنهر: ۳۲۸/۱، باب المصرف دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱۲۱/۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۲/۲، الفصل الثالث في مسائل الآبار من الحيل، رشيديه)

الضرورت وصولیت کی پختہ امید نہیں اور ایامِ حج کے چھ سات مہینے باقی ہیں، نہ معلوم اتنے دن اگر رہا ان میں سے کچھ گھٹے گا یا بڑھے گا اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیا صورت ہوگی، مذکورہ رقم میں سے پچاس روپیہ ادھار دیدیئے۔

جب احقر کو بہت تنگی ہوئی اور گزارہ مشکل ہونے لگا تو ادھار بھی ایسا ہے کہ وقت پر نہ ملے۔ احقر کے سرمایہ کی یہ صورت ہے اور فریضہ حج کی ادائیگی ذمہ ہے، اس لئے عرض کیا تھا کہ مرحومہ کے حصہ کے جو یک صد روپیہ باقی ہے اگر ان کی اجازت مل گئی تو ساڑھے تین سو کے قریب روپیہ قبضہ میں آجائے گا، حج کا ارادہ کرلوں گا، گو اتنا روپیہ بھی مجھ معذور کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معیت کے لئے ہر وقت ایک مستقل آدمی کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سفر تو دور دراز کا ہے، اگر قریبی سفر میں جاتا ہوں بغیر معیت دوسرے آدمی کے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

سہارنپور جب گیا بازار میں تانگا موٹر کی بھیڑ میں کئی دفعہ چوٹ سے بچا اور مغرب کے بعد تو اندھیرے میں کہیں آنے جانے کی بہت ہی دقت ہوتی ہے حتی کہ دن کو مکان میں بیٹھا ہوا آدمی بہت دیر میں پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اپنے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب اور مولانا الیاس صاحب چھوٹے مدرسہ کی سہ دری میں تشریف فرماتھے، صبح کے وقت جب میں گیا تو پہچان نہیں سکا، یوں ہی السلام علیکم کی، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس وقت مصافحہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ یک صد روپیہ کسی غریب کو برائے ایصالِ ثواب دیدیا جائے وہ اگر اپنی خوشی سے آپ کو دے دے تو پھر آپ اس کو اپنے صرف میں لاسکتے ہیں، مرحومہ نے آپ کو اس روپیہ کے مصرفِ خیر پر صرف کرنے کا وکیل بنایا ہے خود رکھنے کی اجازت نہیں دی اس لئے بغیر تملیک کے آپ کو خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشئي ملكه، فله أن يهدى به إلى غيره. الخ". وهو معنى قول =

صدقۂ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلۂ تملیک

سوال[۴۶۰۸]: ہمارے مدرسہ میں نافلہ کی مد میں بھی کچھ روپیہ باقی رہتا ہے مگر زکوۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، کیا صدقاتِ نافلہ جب تک بالکل ختم نہ ہوجائے اس وقت تک حیلۂ تملیک جائز نہیں؟ ان مفاد کے پیشِ نظر زکوۃ کی رقم کو حیلۂ تملیک کے ساتھ نافلہ بنایا جاتا ہے کہ مرکز کی زکوۃ جلد از جلد ادا ہوجاتی ہے اور عوام الناس اور مجہول الحال لوگوں پر صَرف کرنے میں دل کو خدشہ باقی رہتا ہے کہ کہیں یہ صاحبِ نصاب تو نہیں، نیز تملیک کے بعد یہ وسعت ہوجاتی ہے، زکوۃ کی مد میں صَرف کرسکتے ہیں اور نافلہ کی مد میں بھی (حسبِ ضرورت) وغیرہ۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عواقب کے پیشِ نظر اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سیّد سے تملیکِ زکوٰۃ

سوال[۴۶۰۹]: سید جبکہ غریب ہو اس سے مدرسہ کی تملیک کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

= ابن ملک: فیحل التصدق علی من حرم علیه بطریق الهدیة". (مرقاة المفاتیح: ۴/۳۳۸، باب من لاتحل له الصدقة، رشیدیه)

"والحیلة لمن أراد ذلک أن یتصدق ینوی الزکاة علی فقیر، ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلی هذه الوجوه، فیکون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب هذا الصرف، وإن ملک المال من الحاج لیحج عن نفسه دون المالک، جاز لوجود التملیک من الفقیر". (التاتارخانیة: ۲/۲۷۲، الفصل الثامن بمن توضع الزکاة فیه، غفاریه)

(۱) "و کل حیلة یحتال بها الرجل، لیتخلص بها عن حرام، أو لیتوصل بها إلی حلال، فهی حَسنةٌ، والأصل فی جواز هذا النوع من الحِیَل قول الله تعالیٰ: ﴿خذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولاتحنث﴾ (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۳۹۰، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل و عدم جوازها، رشیدیه)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۳/۵۶۲، فصل: سورة، صٓ، قدیمی)

الجواب حامداومصلیاً:

سادات کرام کی خدمت پورے ادب اور احترام کے ساتھ زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ دوسرے طُرق سے کی جائے، صدقات واجبہ ان کے لئے جائز نہیں (۱) ان سے تملیک بھی نہ کرائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

کیا مہتمم مدرسہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال [۴۲۱۰]: گزارش ہے کہ احقر کو ایک مسئلہ درپیش ہے اور چونکہ اس میں زید (عالم) کی طرف سے چند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اس لئے احقر آپ سے تحقیق کی غرض سے ملتمس ہے کہ آیا زید نے جو عبارات تحریر کی ہیں وہ مفتیٰ بہا اور معمول بہا ہیں یا نہیں؟ درصورتِ ثانیہ وجہِ متروکیت ذکر فرما کر عنایت فرمادیں، اولاً مسئلہ مبتلیٰ بہا ذکر کرتا ہوں بعد ازیں زید کی پیش کردہ عبارات درج کروں گا۔

مسئلہ: احقر ایک مدرسہ کا رکن ہے اس لئے حصولِ چندۂ مدرسہ کا کام بھی انجام دینا ہوتا ہے، زید نے مجھ سے کہا کہ تم نے جو چندہ فراہم کیا اس پر مدِ زکوٰۃ اور دونوں رقوم کو نیز رقوم مزکین مختلطین کو اگر باہم اختلاط

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۵۱، سعید)

"ولایدفع إلی بني هاشم، وهم آل عليّ وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب..... هذا في الواجبات کالزکاة، والنذر، والعشر، والکفارات، فأما التطوع فیجوز الصرف إلیهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹ الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البدائع: ۲/۴۸۲، فصل الذي یرجع إلی المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في فتح القدیر: ۲/۲۷۲، فصل: الذي یرجع إلی المؤدی إلیه، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا في مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵، باب لا تحل له الصدقات، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بیان أحکام المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، إمدادیه)

کردیا ہوتو مزکین کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی اور تم اس رقم زکوۃ کے ضامن ہوئے اور تمہاری طرف سے مدرسہ میں تبرع ہوا، چنانچہ احقر نے بناءً علی حسن الظن بالعلماء یہ جواب دیا کہ اکثر و بیشتر مدارس کی طرف سے جو محصّلین دورہ کرتے ہیں یا تو وہ خود بھی عالم ہوتے ہیں یا مرسل من المہتمم العالم ہوتے ہیں، نیز علمائے دیوبند وسہارنپور جیسے معتبر ومعتمد حضرات اس مسئلۂ اختلاط سے واقف ضرور ہوں گے اور جانتے ہیں کہ اختلاطِ رقوم میں ضمان آتا ہے اور باوجود اس کے ساکت ہیں لہذا کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔

زید نے کہا سکوت محض اثباتِ جواز کے لئے ناکافی ہے جب کہ عالمگیری، بزازیہ، شامی وغیرہ میں عدمِ جواز کی تصریح ہے، البتہ حسنِ ظن بھی قائم رہ سکتا ہے، بایں وجہ ممکن ہے دیوبند وسہارنپور کے سفیر اختلاط سے اجتناب کرتے ہوں، یا ممکن ہے کتبِ مذکورہ کے خلاف فقہاء کا کوئی راجح، اقویٰ اور مفتیٰ بہ قول ان کے پیش نظر ہو جو مثبتِ جوازِ اختلاط ہو، لیکن پھر بھی جب تک اس قولِ راجح کی تصریح ہمارے پاس نہ ہو اس وقت تک کتبِ مذکورہ بالا پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ پس احقر ملتمس ہے کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ فاحکم بیننا بالحق۔

عبارات کتب:

"رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى رجل ليؤدي عنه، فخلط مالهما، ثم تصدق، ضمن الوكيل، وكانت الصدقة عنه". عالمگیری، جلد اول، مسائل متفرقة من كتاب الزكاة (۱)۔

"رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى واحد يتصدق به عن زكوته إلى فقير، فخلط قبل الدفع .... يجب الضمان على الكل". بزازية على هامش العالمگیریه (۲)۔

"ولو خلط زكوة مؤكليه، ضمن وكان تبرعاً درمختار۔ "(قوله: ضمن وكان تبرعاً)؛ لأنه ملكه بالخلط، وصار مؤدياً مال نفسه. وقال في التاتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان. ثم قال في التتارخانية: أو وجدت دلالة الإذن بالخلط، ويتصل بهذا العالم إذا سئل

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، مسائل متفرقة: ۱/۱۸۳، رشیدیه)

(۲) (البزازیة، کتاب الزکاة، ۴/۸۶، رشیدیه)

للفقراء شيئاً و خلط، يضمن. قلت (والقائل العلامة الشامي): و مقتضاه أنه لو وجد العرف، فلا ضمان، لوجود الإذن حينئذ دلالةً، والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف، ليكون إذناً منه دلالةً". شامي ملخصاً(۱)۔

"قال زيد مستفتياً: هل يجعل الاختلاط الواقع في المسئله المسئولة مأذوناً عرفاً أم لا؟ فإن الواقع باختلاط للشتة، و لكن لا يعلم مسئلة الاختلاط، و لا يخطر بباله قط أنه يتغير الأحكام بالاختلاط، و عدمه لكونه جاهلاً، فيسكت و لا يمنع من الاختلاط، فهل يجعل سكوته في هذه الصورة إذناً له دلالةً أم لا يشترط علم بمسئلة الاختلاط؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

ضلع کھیڑہ (گجرات) مورخہ ۱۲/ ذی قعدہ/ ۶۵ھ، مطابق ۹/ اکتوبر/ ۴۶ء۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مدرسہ کا مہتمم وکیل ہوتا ہے طلبہ (فقراء) کی طرف سے کہ اربابِ اموال سے زکوۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلاشبہ مختلف اربابِ اموال کی زکوۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے، درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو اربابِ اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی:

" خلط زكوة موكليه ضمن و كان متبرعاً، إلا إذا وكّله الفقراء، اهـ". در مختار۔ "لأنه كلما قبض شيئاً ملكوه و صار خالطاً مالهم بعضه من بعض، اهـ". شامي ۲/ ۱٤. (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۱۱/ ۵۶ھ۔

آج کل اہلِ مدارس اور اربابِ چندہ کا عرف اختلاط ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے خلط کی صورت میں زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، ہاں اگر کسی کو معلوم نہ ہو یا وہ خاص طور سے خلط سے روک دے تو پھر زید کا قول صحیح ہے،

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۲۶۹، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۲۶۹، سعید)

لیکن صورتِ مسئولہ میں کسی کا عدمِ علم یا صراحۃً منع کرنا معلوم نہیں ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے۔ فقط۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/ ۶۵ھ۔

سوال متعلقہ سوال وجواب بالا

[۴۲۱۱]: بعدہ احقر غلام رسول بن حاجی اسماعیل عرض گزار ہے کہ آپ کی طرف سے جواب موصول ہوا، پڑھ کر واقف ہوا۔ زید نے کہا کہ واقعی عرف کے تحقق کی وجہ سے تم پر ضمان واجب نہیں مگر جہاں تک جواب کا تعلق ہے مزید تنقیح کی غرض سے ذیل کے معروضہ کی طرف حضرات مجیبین کی طرف توجہ منعطف کرنا مناسب ہوگا۔

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل۔

مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات، ۱۱/ ذی الحجہ/ ۱۳۶۵ھ۔

معروضة: تتعلق هذا المسئلة بأمور: ١-**الأول** منها أن الروايات المذكورة مفتى بها أم لا؟ ٢-**والثاني**: أن المهتمم هل يعد وكيلاً من المزكين أم من الفقراء (الطلباء)؟ ٣-**والثالث**: هل يجعل الخلط المبتلى به المسئول عنه مأذوناً عرفاً أم لا؟ ٤-**والرابع**: أنه لوفرض عدم جريان العرف، فسكوت المزكي الجاهل هل هو إذن منه دلالةً أم لا؟ ٥-**والخامس**: أنه إن تحقق العرف فلأجل اشتراط الشامي علم المالك بهذا العرف ماشان الوكيل فيما إذا كانا شاكاً في علم المالك بهذا العرف؟ قال زيد: وبالله التوفيق، **أما الأول** فهو ظاهر لعدم التعرض له من أحد المجيبين.

وأما الثاني فإن المجيب (المعين المفتي) مدظلهم جعل المهتمم وكيلاً للفقراء وليس الأمر (في زعمي) كذالك، فلا يكون داخلاً تحت الاستثناء المذكورة في الدرالمختار. نعم لاشك أنه سائل وجامع للفقراء والحكم مذكور في الشامي صراحةً بقوله: "ويتصل بهذا العالم إذا سأل الخ" حيث جعله ضامناً مع أن العلامة ذكر بعد ذلك ليس له الخلط بلا إذنهم ..... وضمن للموكلين (الفقراء) والكلام في عدالتهم وكيلاً للفقراء والطلباء يحتاج إلى فكر عميق، فإن الطلبة ليسوا بألسنتهم وكنوه.

كيف وإن بعضهم يدخلون في المدرسة بعد تحصيل أموال الزكوٰة، ففي حين الحصول كيف يكون هذا المحصّل وكيلاً منهم، وإن بعضهم يتركون المدرسة ولا يمكثون فيها، فلا يصل إليهم مالهم الذي قبضه وكيلهم حين الإقامة فيها، وأنه لا يفرض إليهم مالهم محرزاً، لكن يأكلون الطعام مادا موا مقيمين فيها بشرط الفوز في الامتحان، فلو سلّم المهتمم وكيل الطلباء، بشكل هذا إلا أنه ليس للوكيل اشتراط الإقامة وغير ذلك، وإنما هو حق المؤكلين (الطلباء) مطلقاً وملك لهم (فليتأمل)۔

وأما الثالث فقد اعتبر المجيب (المفتي سعيد أحمد مدظلهم) جريان العرف، نعم والأمر كذلك مشاهد ومسلم ولا حاجة إلى علم المزكي بالمسئلة الاختلافية (ولكن يشترط علم المزكي بهذا العرف)۔

وأما الرابع ففي جعل سكوت الجاهل حينئذ إذناً منه دلالةً يشكل بأن علم الشئ مقدم على إذنه عقلاً فكيف يحصل بدونه؟

وأما الخامس فلعله يقال فيه: إنه لماتحقق العرف جعل المزكي كأنه العالم به. و الله أعلم بالصواب۔

الجواب وهو الموفق للسدادو الصواب حامداً ومصلياً:

یہ اشکال اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے، حضرت تھانوی نے بھی، حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کو دریافت فرمایا تھا اور جواب پر مکرر اشکال کیا تھا، امداد الفتاویٰ جلد رابع کے آخر میں یہ مُراسلہ منقول ہے، نہایت بہترین علمی مضامین پر مشتمل ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بھی اس کو دریافت کیا گیا تھا، وہ سوال وجواب تذکرۃ الرشید، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، سے نقل کرتا ہوں (۱):

"**سوال:** مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صَرف بالاستہلاک ناجائز ہے؟ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل، تو معطی چندہ اگر مرجاتا

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الوکالة: ۳/ ۳۱۶، دار العلوم دیوبند، کراچی)

ورثہ کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعدِ شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیے اور مستہلک ملکِ مستہلک ہوکر صَرف کیا جائے تو اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا، اگر یہ ہے تو اہلِ مدرسہ کے امیر انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے مشفی فرمائیں۔

جواب: مہتمم مدرسہ کا، نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسے امیر نائب جملہ عام کا ہوتا ہے، پس جو شئ کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذات ہوں مگر نائب معیّن ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی اس میں نہیں ہوسکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (۱)۔

اس مختصر سے جواب میں زید کے جملہ اشکالات کا حل موجود ہے بشرطیکہ فکرِ عمیق سے مطالعہ کیا جائے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۶۵ھ۔

دوبارہ جو تنقیحات اور ان کے جوابات زید کی طرف سے نقل کئے گئے ہیں ان کو دیکھا، ان کے دیکھنے کے بعد بھی اصل مسئلہ کے جواب میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لئے اب بھی بندہ کی رائے وہی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے، باقی وکالتِ مہتمم کا مسئلہ اختلافی ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کا اس میں اختلاف ہے (۲)، بعد میں بھی فقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی تحریر مفتی صاحب نے نقل کردی ہے اس لئے اس میں کلام کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

---

(۱) (تذكرة الرشيد، عنوان شبهات فقهيه ومسائل مختلف فيها، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، ادارة اسلاميات، لاهور)

(۲) "لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز، لم يجز ...... قال في البحر: ولو تصدق عنه بأمره، جاز، ويرجع بمادفع عند أبي يوسف. وعند (محمد) لايرجع إلا بشرط الرجوع، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

مہتمم سے مال زکوۃ ضائع ہوجانے پرزکوۃ کا حکم

سوال[۴۶۱۲]: زکوۃ کی رقم مہتمم مدرسہ یا اس کے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اور وجہ سے تلف ہوجائے تو کیا ضمان واجب ہوگا اور زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض زکوۃ ادا نہ ہوئی اور ضمان واجب ہوا اور ضمان کی ادائیگی مہتمم کے امکان سے باہر ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر باوجود حفاظت کے و پوری سعی وانتظام کے ایسا ہوجائے تو ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مہتمم کے پاس سے زکوۃ چوری ہوگئی

سوال[۴۶۱۳]: زید نے عمر کو پانچ روپیہ زکوۃ کے دے دیئے کہ وہ اپنے مدرسہ کے طلباء کو تقسیم کردے، عمر مہتمم مدرسہ ہے، اتفاق کی بات کہ وہ پانچ روپے عمر کے پاس اسی مدرسہ کے طلبہ نے چرا لئے۔ کیا اس طرح مالِ زکوۃ چوری ہونے سے زکوۃ ادا ہوگئی؟ اگر نہیں تو ان پانچ روپیہ مالِ مسروقہ کا ذمہ دار کون ہے زید یا عمر؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) چونکہ مہتمم امین ہوتا ہے اور امین سے امانت میں کوتاہی نہ ہونے کی صورت میں ضائع ہونے سے ضمان لازم نہیں آتا:

"فی النوازل: إذا قال المودع: سقطت الودیعة أو "بیفتاد از من" لایضمن. ولو قال: أسقطت أو بالفارسیة: "بیفکندم" .... ولو قال: لاأدری أضاعت أو لم تضع، لایضمن بالإسقاط. ولو قال: لاأدری أضعتها أو لم أضع، یضمن رجلٌ دفع إلی دلال ثوباً لیبیعه، ثم قال الدلال: وقع الثوب من یدی وضاع، ولا أدری کیف ضاع، قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: لاضمان علیه .... وفی الفتاویٰ: سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلی رجل لیبیعها، فقال القابض أنا أُریها تاجراً لأعرف قیمتها، فضاعت الجواهر قبل أن یریها، قال: إن ضاعت أو سقطت بحرکته، ضمن، وإن سرقت منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غیره لم یضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً لودیعة الخ، فیما یضمن المودع و ما لا یضمن: ۴/۳۴۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اباحت بھی کافی نہیں چہ جائیکہ مصرف کا چوری کر لینا۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر صرف معطی زکوۃ کا وکیل ہے تو صورت مسئولہ میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ پھر اگر بغیر تعدی مہتمم یعنی باوجود حفاظتِ تامہ کے چوری ہوگئی تو عمر پر ضمان لازم نہیں، زید دوبارہ زکوۃ ادا کرے، کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور امین کا یہی حکم ہے۔ اگر عمر کی طرف سے تعدی ہوئی یعنی حفاظت میں کوتاہی کی تو عمر پر ضمان لازم ہے۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر طلباء کا وکیل ہے تو اس کا قبضہ طلباء ہی کا قبضہ ہے، لہٰذا زکوۃ ادا ہوگئی، کسی پر ضمان لازم نہیں:

"(الزكوة: هي تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه بشرط أن يعقل القبض، اهـ". درمختار(١)۔ "(قوله: خرج الإباحة): أى فلا تكفى فيها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقيّدٌ بما إذا لم يكن أبوه غنياً؛ لأنه يعدّ غنياً لغنى أبيه .... ومنه علم أنه لايشترط فى المدفوع إليه البلوغُ بل ولا العقل؛ لأنّ تمليك الصبى صحيحٌ، لكن إن لم يكن عاقلاً فإنه يقبض عنه وصيّه أو أبوه أو مَن يعوله، قريباً أو أجنبياً أو الملتقط. وإن كان عاقلاً فقبض مَن ذُكر، وكذا قبضه بنفسه، اهـ". طحطاوى: ١/٣٨٨(٢)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/شعبان۔

مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال[۴۲۱۴]: مہتمم مدرسہ غرباء کا وکیل ہوتا ہے یا اربابِ اموال کا، اربابِ اموال اور غرباء کے

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ٢/٢٥٦، ٢٥٧، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانيه: ٢/٢٧٥، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ١/٢٨٤، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ٢/٢٢٤، باب المصرف، رشيديه)

(٢) (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/٣٨٨، دارالمعرفة، بيروت)

وکیل کی کیا تعریف ہے اور کیا حد ہے؟ ان دونوں کا وکیل کوئی کس طرح بنتا ہے، دونوں میں امتیازی فرق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتمم مدرسہ کو اربابِ اموال نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسبِ صوابدید مصارف میں صَرف کردیں، غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کرلیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرکے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کردیں۔ امداد الفتاویٰ جلد نمبر ۴ (۱) کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق سوال کیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے، نہایت مفید علمی سوال ہے اور ایسا ہی جواب ہے، جس سے شبہ مرتفع ہوجاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال [۴۶۱۵]: زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کے غریب فنڈ میں داخل کردینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپیہ طلبہ میں بتدریج تقسیم ہوگا اور مدت تک فنڈ میں جمع رہے گا، معطی زکوٰۃ کے ذمے سے بعد ادخال فی المدرسہ زکوٰۃ ساقط ہوگی یا بعد التقسیم بین الطلبہ؟ اگر ثانی صورت ہے تو قبل التقسیم اگر وہ بوجہ آفت یا چوری نقصان ہوجائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، تو یہ تاخیر کیونکر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اربابِ مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے تو یہ شبہ ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے، اگر اصحابِ اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الأمر میں زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہوجائے، لیکن اگر خدانخواستہ قبل تقسیم اضطراراً ضائع ہوگیا تو اربابِ مدرسہ پر ضمان لازم نہیں جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ: ۳/۶ا۳، دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، ص ۱۶۴، بعنوان ''شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا'')

اصحابِ اموال سے زکوٰۃ ساقط ہوجاوے گی۔ امداد الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس کی بحث ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ادارے میں زکوٰۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا

سوال[۴۶۱۶]: ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لئے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکوٰۃ، فطرہ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدارِ مقرر دی جاتی ہے۔ فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے۔ دریافت یہ کرتا ہے کہ اس طرح رقم زکوٰۃ، فطرہ کی جمع کر کے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو صرف کردی جائے؟ حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے کہ ان کی زکوٰۃ، فطرہ کو صحیح جگہ پر صرف کردیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے زکوٰۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا(۲)۔ ایسی رقوم پر سال بھر گزر جانا اچھا نہیں ہے اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گذشتہ رقم جو کچھ باقی ہو اس کو حسبِ ضرورت غرباء اور مستحق کو دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۹/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (امداد الفتاویٰ: ۴۵/۲، ۴۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(وامداد الفتاویٰ: ۵۳۴/۳، مکتبہ دار العلوم)

"بخلاف ما إذا ضاعت فی ید الساعی؛ لأن یدہ کید الفقراء". (ردالمحتار: ۲۷۰/۲، کتاب الزکوۃ، سعید)

(۲) "ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدر المختار). وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قولہ: ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنہ الزکاۃ، ولو مات کانت میراثاً عنہ، بخلاف ما إذا ضاعت فی ید الساعی؛ لأن یدہ کید الفقراء". (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ: ۲۷۰/۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوۃ: ۳۶۹/۲، رشیدیہ)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

فقیر کی تعریف

سوال[۴۲۱۷]: زید مسلکِ شافعیہ وحنفیہ کے اصول کے مطابق صاحبِ نصاب نہیں، زید پر زکوۃ واجب نہیں ہے، زید کو زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو زید کا شمار کس فرقہ میں ہوگا؟ اگر مساکین میں ہے تو مساکین کی تعریف وتشریح کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کا مالک نہ ہو وہ مستحق زکوۃ ہے، ایسے شخص کو شرعاً فقیر کہتے ہیں، بعض نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال[۴۲۱۸]: مسکین کی کیا تعریف ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "مصرف الزکوة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أى دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شئ له على المذهب". (الدرالمختار). "(قوله: على المذهب) من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل: على العكس، والأول أصح". (ردالمحتار: ۲/ ۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/ ۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/ ۲۶۱، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۴، باب فى بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس کچھ نہیں، کھانے اور بدن چھپانے کے لئے بھی سوال کی حاجت پیش آئے:

"مسكين من لا شيء له، فيحتاج إلى المسألة لقُوتِه و ما يوارى بدنه، الخ".

الدر المختار و الشامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱ شوال ۶۷ھ۔

مستحقِ زکوٰۃ کون ہے؟

سوال[۴۲۱۹]: خیرات لینا، دینا اور خیرات مانگنے کا کس کو حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر صاحبِ وسعت اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرسکتا ہے، وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا شرط ہے اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اس کو خیرات زکوٰۃ وغیرہ دینا درست ہے(۲) اور صدقۂ نافلہ مالکِ نصاب کے لئے بھی جائز ہے(۳)۔ جس

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المصرف: ۳۴۲/۲، سعید)

(۲) "ولا يحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ".

(الدر المختار: ۳۵۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۱/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۸/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۸۰/۲، فصل: الذي يرجع إلى المؤدي إليه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "الصدقة بمنزلة الهبة في المشاع وغير المشاع وحاجتها إلى القبض، إلا أنه لارجوع في الصدقة إذا تمت ويستوي إن تصدق على غني أو فقير في أنه لارجوع فيها. ومن أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ من يقول: الصدقة على الغني والهبة سواء، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني عشر في الصدقة: ۴۰۶/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۷۰۹/۵، سعيد)

کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو خیرات مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا درست ہے، بشرطیکہ کمانے پر بھی قادر نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

سب سے بہتر مصرفِ زکوۃ

سوال[۴۶۲۰]: زکوۃ کے روپیہ کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے؟ سنا جاتا ہے کہ دینی تعلیم اور اشاعت میں کرنا فی زمانہ بہتر ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوۃ کا بہترین مصرف اپنے دیندار اقرباء ہیں جبکہ وہ مستحقِ زکوۃ ہوں (۲) اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ دِین میں مشغول ہوں تو اس میں رشتہ داری اور تعلیمِ دین کی رعایت ہوسکتی ہے، فساق وفجار کو دینے سے تعلیم دین میں مشغول ہونے والوں کو دینا بہر حال افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ تعالیٰ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

---

(۱) اگر کمانے پر قادر ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "(ولا) يحل أن (يسأل) شيأ من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: " (قوله: كالصحيح المكتسب)؛ لأنه قادر بصحته واكتسابه على قوت اليوم". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

"ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲ جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸ باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء، بل هو أولىٰ؛ لأنه صلة =

مصارف زکوٰۃ

سوال[۴۶۲۱]: زکوٰۃ کن کن لوگوں کو دی جائے گی، اس کے بارے میں بھی واضح فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ ایسے مسلمانوں کو دی جائے جو غریب فقیر ہوں، سید نہ ہوں، اپنے عزیز قریب مقدم ہیں، لاوارث بچے، نادار طالب علم، بیوائیں سب مستحق ہیں (۱)، مگر اپنے والدین، دادا، دادی، نانا نانی، شوہر، بیوی کو نہ دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

= وصدقة، وفي الظهيرية: ويبدأفي الصدقات بالأقارب، ثم الموالي، ثم الجيران". (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف،سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱،الباب السابع في المصارف،رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۴۲۵/۲،باب المصرف،رشيديه)

(۱) "مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شيء، ومسكين من لاشئ له ......إن طالب العلم يجوز له أخذالزكاة ولو غنياًإذافرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة .... ولايصرف إلى بناء نحو مسجد......ولاإلى مَن بينهما وِلاد أوزوجية، الخ ". (الدرالمختار: ۳۳۹/۲، ۳۴۶، باب المصرف،سعيد)

(وكذافي النهر الفائق : ۴۵۸/۱، ۴۶۳،باب المصرف، امداديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۳۲۴/۱، ۳۲۹،باب في بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲)"أنه لايجوز دفع الزكاة إلى أولاده، أو أولاد أولاده من قِبل الذكوروالإناث وإن سفلوا،ولاإلى والديه وأجداده وجداته وإن علوامن قِبل الأباء والأمهات ......ولايجوز الدفع إلى بني هاشم ولاإلى مواليهم......ولايجوز الدفع إلى الغنيّ، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۲۴۲/۱،جنس آخر من أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱،الباب السابع في المصارف،رشيديه) .... =

مصارفِ بیت المال

سوال[۴۲۲۲]: ۱......ایک کمیٹی کے زیرِنگرانی ایک بیت المال قائم ہے،اس میں زکوۃ کی رقم اور کچھ عطیات جمع کرکے بوقتِ ضرورت حاجت مندوں کوقرض دینا اس سے زکوۃ ادا ہوجائے گی یانہیں؟

۲......اس جمع شدہ رقم میں سے مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟

۳......امام ومؤذن کی تنخواہ بھی زکوۃ میں دی جاسکتی ہے یانہیں؟

۴......یتیم طلباء یا غریبوں مسکینوں کے نابالغ بچے ان کا انتظام یا کھانا کپڑا وغیرہ یا کتب بیت المال سے دی جاسکتی ہیں یانہیں؟

۵......ان تمام بچوں کومصارف ودھلائی،سلائی وغیرہ دی جاسکتی ہے یانہیں؟

۶......کتابیں،غلہ،کپڑا کافی مقدار میں خرید کر بطورِ ذخیرہ رکھا جاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اس طرح زکوۃ ادانہیں ہوگی،سب کی زکوۃ تباہ وبرباد ہوگی اور وبال ذمہ میں باقی رہے گا۔زکوۃ جس مصرف (حاجتمند) کودی جائے بطور تملیک دی جائے،نہ کہ بطورِ قرض۔

۲......ان مواقع میں زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں (۱)،نہ قرض کے طور پر دینا درست ہے۔

۳......زکوۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔

۴......ان کوکھانا،کپڑا،کتاب زکوۃ سے دینا درست ہے مگر جوکچھ دیا جائے ان کواس کا مالک بنادیا جائے،پھران سے واپس نہ لیں۔

۵......رقم زکوۃ ان کودے دیں،پھر وہ دھلائی،سلائی،کرایہ آمد ورفت میں جہاں ضرورت ہو خرچ کریں(۲)۔

= (وكذافي الهداية: ۱/۲۰۶،باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركت علميه ملتان)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، ص: ۱۲۹، من لا تعطى لهم الزكاة، سعيد)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''رفاہ عام کے کام میں زکوۃ صرف کرنا'')

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''امام کوزکوۃ دینا''.)

۶.....درست ہے مگر جو کچھ زکوۃ میں مستحقین کو دیں اس کا مالک بنادیں۔ زکوۃ کے علاوہ صدقات اور عطیات سے مذکورہ بالا تمام مصارف میں صرف کرنا درست ہے، اس لئے بیت المال کے دونوں مد جُدا رکھے جائیں، نیز کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی رقم زکوۃ عطیہ بیت المال کو ہی دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیت المال

سوال[۴۶۲۳]: جب کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہت نازک ہیں روزانہ حالت خراب ہورہی ہے تو کیا ایسے وقت میں ایک بیت المال قائم کرلیا جائے جس سے غریب مسلمانوں کی حالت بہتر بنایا جاسکے جب کہ اسلام میں بیت المال کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیت المال قائم کیا گیا تھا۔ شرعی اعتبار سے بیت المال کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا اصول ہونے چاہئیں؟ اور کس قسم کا مال جمع ہوسکتا ہے؟ کیا زکوۃ وغیرہ کی اجازت ہے تاکہ غریب مسلمان پر خرچ ہوسکے، چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں مگر جو اس کے مستحق ہیں ان کو نہیں ملتی، بلکہ غیر لوگ حاصل کرلیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امیر المؤمنین خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو بیت المال تھا اس کے شرائط کا اس وقت یہاں وجود نہیں، ہاں مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے دفعیہ کے لئے ایک اجتماعی نظم اتفاق واتحاد سے ہوسکتا ہے اور کرنا چاہئے۔ اس کی نظیر بھی متعدد مقامات پر قائم ہے قریب تر مقام دیوبند ہے، مسلم فنڈ کے نام سے یہاں بھی یہی نظم ہے۔ بہتر یہ ہے کہ وہاں سے ضوابط اور طریق کار کے کاغذات منگالیں یا تکلیف کرکے ایک روز کے لئے تشریف لے آئیں اور پوری تفصیل اس کے ذمہ داروں سے سمجھ لیں۔ پھر اگر شرعی حیثیت سے کسی چیز پر اشکال ہو تو اس کو حل کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾. (النحل: ۴۳)

زکوۃ اورعشر کا مصرف

سوال[۴۶۲۴] : ۱...... زکوۃ وعشر کی رقم سے فسادزدہ مسلمانوں کی مدد کی جاسکتی ہے یانہیں؟

۲......کسی یتیم بچے کو میں اپنی پرورش میں رکھ لوں اور اس سے اپنی خدمت بھی کراؤں تو ایسے بچے کو زکوۃ اورعشر وغیرہ کی رقم سے کپڑا اورعلاج کراسکتا ہوں یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... زکوۃ کی رقم واجب التملیک ہے جولوگ مستحق زکوۃ ہیں تو ان کو تملیکاً دیدی جائے (۱) پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں، یا ان کو اس رقم کا سامانِ ضرورت خرید کر دیدیا جائے۔ اس طرح صَرف نہ کریں کہ ان کی ملک نہ ہوسکے، مثلاً اگر ان کا مقدمہ ہوتو عدالت کے اخراجات میں ان کی طرف سے ازخود خرچ نہ کریں قانون کے موافق ان اطراف میں زمینداروں کی ملک ختم کر کے سب زمین ملکِ حکومت قرار دیدی گئی ہیں اس لئے عشر واجب نہیں رہا، تاہم جو کچھ بھی دیدیں وہ باعثِ خیر وبرکت ہے، اس کے خرچ کرنے میں اتنی تنگی نہیں جتنی زکوۃ میں ہے۔

۲...... کپڑے بنا کر زکوۃ کی رقم سے اس کو دینا درست ہے، علاج کے لئے اس کو پیسے دیدیں کہ وہ خود چاہے دوا میں خرچ کرے، چاہے فیس وغیرہ میں دیدے یہ بھی درست ہے (۲)، مگر یہ یاد رہے کہ خدمت کے معاوضہ میں دے دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس لئے خدمت کا معاوضہ جداگانہ اس کو دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

(۱) "وهي تمليک جزء مال عيّنه الشارع، و هو ربع عشر نصاب حوليّ من مسلم فقير، غير هاشمي، و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالیٰ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، کتاب الزکاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، کتاب الزکاة، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمية بيروت)

(۲) "أما إذا أدى من خلاف جنسه، فالقيمة معتبرة اتفاقاً". (ردالمحتار: ۲/۲۸۶، باب الغنم، سعيد) =

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۲۵]: زید بزنس مین پچاس ساٹھ ہزار روپے کا قرض دار ہوگیا اور ساری پونجی ختم ہوگئی، اب بکر مدِ زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اور زید کے گھر میں تقریباً دس ہزار کا زیور بھی ہے، کیا بکر مذکورہ رقم ایسی صورت میں زید کو دے سکتا ہے؟

مشتاق احمد، بلٹ بیکر بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا اور قرض خود زید کے ذمہ ہے اس لئے زید مستحق زکوٰۃ ہے اور اگر خود وہ زیور زید کی مِلک ہو تب بھی وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد نہیں ہے، قرض اس سے بہت زیادہ ہے۔ تب بھی وہ مستحق زکوٰۃ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مقروض کب مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۲۶]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن وہ قرض دار ہے، وہ کسی مدرسہ میں پڑھتا ہے اس کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مقروض ہے اور مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ وغیرہ کا کھانا مدرسہ

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۶، باب زكاة المال، رشيديه)

(۱) "مديونٌ لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير".

(الدر المختار: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۳، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۶، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

سے نہ لے (۱) اگر مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لئے اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۲۷]: ۱...... جو کسان قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً کوئی تین ہزار کو، ئی پانچ ہزار کا قرضدار ہے، اب ایسے کسانوں کو زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے اور وہ فوراً اسی جگہ قبضہ کرکے سوسائٹی میں قرض کے عوض جمع کرادیں تو ایسا کرنے سے صاحبِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں جبکہ کاشتکار قبضہ کرکے اپنے ہی ہاتھ سے جمع کرائے گا؟

۲...... ایک قرضدار کو ایک دو تین نصاب کی مقدار مال دیا گیا، مثلاً ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چھ سو روپے اور چھتیس روپے کے قرضدار کو چاندی کے چھ نصاب کی مقدار مال دیا گیا تو آیا یہ جائز ہے؟

۳...... چند حضرات دوکان چلانے کے لئے یا زمین بڑھانے کے لئے یا مکانات بنانے کے لئے رقم صَرف کرتے ہیں اور خود کو قرضدار سمجھتے ہیں تو آیا ان کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مدیون کو اتنی زکوٰۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ دین ادا کردے پھر بقدرِ نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (۳)۔ مصرفِ زکوٰۃ اس پر مالکانہ قبضہ کرکے اپنا دین ادا کردے

---

(۱) "ومديون للعبد بقدر دينه، فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علمية)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۲۸۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا".)

(۳) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو =

9

اورسبکدوش ہوجائے۔

۲...... یہ بھی درست ہے(۱)۔

۳......ان کے حوائجِ اصلیہ دَین وغیرہ سے فاضل اگر مقدارِ نصاب ان کی ملک میں نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے

سوال[۴۲۲۸]: ۱......اسلم ایک دینی مدرسہ یا مسجد کا خادم ہے اس کی ضروریات اس کی تنخواہ سے پوری نہیں ہوتیں، اس صورت میں اسلم زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۲۲۹]: ۲......خالد ایک مسجد کا خادم تھا، اپنی سال بھر کی ضروریات جو تنخواہ سے پوری نہیں ہوسکتی تھیں، مالِ زکوٰۃ سے پوری کرتا تھا، اب ایک دینی مدرسہ میں اس کو خدمت کا موقع ملا، اب آمدنی کچھ بڑھ

= فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً، وإن دفع جاز". (الهداية: ۱/۲۰۷، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۳، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲)"ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصرف، رشيديه)

گئی، معمولی تنگی کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے مگر صاحبِ نصاب نہیں بنا، اس صورت میں خالد حسبِ معمول زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لے سکتا ہے مگر معاوضۂ خدمت میں نہ ہو(۱)۔

۲...... جب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت حاجتِ اصلیہ سے زائد اس کے پاس نہ ہو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے(۲)، مگر جب اللہ تعالیٰ نے آمدنی میں اضافہ فرمادیا ہے تو زکوٰۃ لینے سے بچنا بہتر ہے کہ اضافۂ آمدنی کا شکریہ ہے، اس سے مزید ترقی کی توقع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوۃ لینا

سوال[۴۶۳۰]: مسماۃ زاہدہ خاتون کے شوہر کا عرصہ چار سال قبل انتقال ہوا، مرحوم نے کوئی جائیداد از قسم مکان اور نقدی زیور کچھ نہیں چھوڑا، البتہ تین بچے دو بچیاں ان کی یادگار ہیں جو ابھی نابالغ ہیں۔ بیوہ اور بچوں کا خرچ مرحوم کے بڑے بھائی دو سو روپیہ ماہوار مرحوم کے بعد سے اب تک دے رہے ہیں، بیوہ اسی خرچہ سے تھوڑا تھوڑا کفایت کرکے اب تک اس غرض سے بچارہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں ہیں، رہنے کا کوئی مکان نہیں، یا ان کی تعلیم، بیاہ شادی وغیرہ کرنا ہے، لہذا اب تک دو ہزار روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ پس انداز کرچکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیوہ کو اس حالت میں زکوۃ لینا چاہئے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب بیوہ کو زکوۃ لینا جائز نہیں، بیوہ پر خود زکوۃ واجب ہوگئی (۳) اگر نابالغ بچوں اور بچیوں کو وہ روپیہ

(۱، ۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مقروض کو زکوٰۃ دینا''۔)

(۳) " و یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، لا یُصرف .... و لا إلی غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال کان، الخ ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(وکذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۷، باب من توضع الزکاة فيه، إدارة القرآن کراچي) .... =

دے کر اپنی ملک ختم کردے اور خود بطورِ محافظ وامین اپنے قبضہ میں رکھے تو بیوہ پر زکوۃ نہیں ہوگی اور وہ مستحقِ زکوۃ رہے گی اور بالغ ہونے سے پہلے ان بچوں بچیوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

جس کا گذر تنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟

سوال[۴۶۳۱]: بکر کی آمدنی کم ہے، تنگی سے گذر اوقات ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بکر زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

گداگروں کو زکوۃ

سوال [۴۶۳۲]: دیہاتوں میں جو فقیر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١٨٩/١، باب المصارف، رشيديه)

(١) "و شرط افتراضها عقل و بلوغ)فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة و ليسا مخاطبين بها". (ردالمحتار: ٢٥٨/٢، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ١٩/٢، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ٤١٢/١، كتاب الزكاة، إمداديه)

(٢) "ويجوز دفعها إلى مَن يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً، كذا في الزاهدي".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ١٨٩/١، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٤١٩/٢، رشيديه)

"(مصرف الزكوة والعشر .... هو فقير، وهو مَن له أدنىٰ شيئي) :أي دون نصاب، قدر نصاب غيرنام مستغرق في الحاجة (ومسكين) مَن لا شئ له، الخ". (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٣٣٩/٢، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ٧١٩، كتاب الزكوة، باب المصرف، قديمي)

ہیں۔ ایسے لوگوں کو زکوۃ وغیرہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان کو دینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

زکوۃ لے کر اپنے باپ کو دینا

سوال[۴۶۳۳]: بالغ اولاد زکوۃ لے کر زید (باپ) کو دے اور زید اپنی اولاد کے مصرف میں لائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بالغ اولاد مصرفِ زکوۃ ہے تو اس کو لے کر خود استعمال کرنا اور والد کو یا کسی دوسرے غیر مستحق زکوٰۃ کو دینا درست ہے (۲) اور پھر اُن کو لے کر خود استعمال کرنا اور اولاد وغیرہ کے صرف میں لانا بھی درست ہے۔ فقط و اللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۳۴]: موجودہ رسم ورواج کے پیشِ نظر آج کل لڑکی کی شادی پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوجاتے ہیں، اب ایک شخص جو کہ صاحبِ نصاب نہیں ہے شادی کے لئے چندہ فراہم کر کے صاحبِ نصاب

---

(۱) "ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً: أيّ مال كان: دنانير أو دراهم .... فاضلاً عن حاجته في جميع السَنَة". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيديه)

(۲) "قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشئي ملكه، فله أن يهدى به إلى غيره الخ، وهو معنى قول ابن ملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية". (المرقاة: ۳/۳۳۸، رقم الحديث: ۱۸۲۷، باب من لاتحل له الصدقة، رشيديه)

ہوجاتا ہے یا قبل ہی سے صاحبِ نصاب ہے مگراس کے باوجود اسبابِ شادی کی تکمیل کے لئے چندہ مانگ رہا ہے تو کیا اس کو زکوۃ کی رقم دینا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کو چندہ مانگنا اور دوسروں کا اس کو اس حالت میں زکوۃ دینا درست نہیں، لأنہ لیس بمصرف للزکوۃ کما فی کتب الفقہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عالم کی اولاد کے لئے زکوۃ

سوال[۴۶۳۵]: زید ایک عالم ہے، اس کی بالغ اولاد کو زکوۃ لینا جائز ہے، اور اولاد خود اپنے خرچہ میں لائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اولاد مصرفِ زکوۃ ہے تو اس کو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

امام اور عالم کو صدقاتِ واجبہ دینا

سوال[۴۶۳۶]: ایک شخص بستی والوں کی طرف سے امامِ مسجد مقرر ہوا ہے، درس دیتا ہے، بستی والے اس کو مقرر کر دیتے ہیں کہ تمام صدقات، خیرات، مثلاً صدقۂ فطر شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود صاحب نصاب ہے، زکوۃ اس پر فرض ہے، لے لے تو دینے والوں کی زکوۃ ہو جائے گی یا نہیں؟ کتاب

---

(۱) "لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، و یأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۹، باب المصرف، امدادیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶، ۴۳۷، باب المصرف، رشیدیه)

(۲) (سیأتی تخریجه تحت المسئلة الآتیة)

"سلطان الفقه" صفحہ:۱،جلداول میں لکھا ہے:إذا عیّنوا لإمامهم شیئاً من الأوقاف والصدقات والهدایا وغیرها، لزمهم أداء ها"، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر، چرمِ قربانی امامِ معین لے سکتا ہے۔

گذشتہ زمانوں میں علماء اور قاضیوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور وہ بیت المال زکوٰۃ وغیرہ کے روپے اور اجناس کا فراہم شدہ مال ہوتا تھا، اس میں سے قاضی اور عالم جو خود بھی صاحبِ نصاب ہوتے تھے لیتے تھے، جب وہ بیت المال کے جمع شدہ روپے سے وظائف لیتے تھے تو اب بھی زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ کا روپیہ کسی امامِ معین کو دیدیا جائے تو منع کیوں ہے؟

"فتویٰ جوهر" ص:۲۴۶،جلداول میں لکھا ہے:"من اشتغل بتعلم العلم، علی المسلمین کفافه، وإذا کان العالم والمتعلم فی بلدٍ لیس له من بیت المال وظیفة، یجب علی أغنیاء تلك البلدة نفقته وکسوته". یعنی عالم اور متعلم کو کفاف دینا اہلِ قریہ پر واجب ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نصاب ہو یا نہ ہو امامِ معین صدقہ وغیرہ لے سکتا ہے۔ اور اگر امامِ معین اراضی اور مالِ نامی رکھتا ہے لیکن اس اراضی کی پیداوار اور مال کی آمدنی اس کو کفایت نہیں کرتی، عوام کو بھی اس کے مستحق ہونے کا علم نہیں اور وہ خود اپنے اس حال قرض وغیرہ تنگی معاش کو لوگوں سے چھپاتا ہے۔

المستفتی نور احمد بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ وغیرہ کا لینا درست نہیں، اگر کسی نے ان کو زکوٰۃ وغیرہ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اول شخص میں عدمِ جواز کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ وہ غنی صاحبِ نصاب ہے اور هدایه، درمختار، زیلعی، مجمع الأنهر، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ جملہ کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ "لا تدفع إلی غنی، اھ "(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳۴۶/۳، رشیدیه)

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصرف: ۱۸۹/۱، رشیدیه)

(مجمع الأنهر، باب فی بیان أحکام المصرف: ۲۲۳/۱، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(فتاویٰ قاضی خان، فصل فیمن توضع فیه الزکاۃ: ۲۶۶/۳، رشیدیه) .... =

دوم وجہ یہ ہے کہ اس کو امامت وتدریس کے عوض اجرت میں زکوۃ دی جارہی ہے اور زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ بشرط: "قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالىٰ "ہو(۱)۔

دوسرے شخص میں اول وجہ موجود نہیں البتہ دوسری وجہ موجود ہے "أحصروا فی سبیل اللّٰہ" کے مصداق کو بھی اجرت میں دینا درست نہیں۔

سلطان الفقہ میرے پاس موجود نہیں، اگر یہ کوئی معتبر کتاب ہے اور اس کے مسائل قابلِ اعتماد ہیں تب بھی عبارتِ مذکورہ استدلال کے لئے کافی نہیں کیوں کہ اس میں صرف "الصدقات" ہے، "واجبہ" کی قید نہیں اور چونکہ دیگر کتبِ معتبرہ میں صدقاتِ واجبہ کے عدم جواز کی تصریح ہے، لہٰذا یہاں صدقاتِ غیر واجبہ مراد ہوں گے۔

بیت المال سے جو وظائف علماء اور قضاۃ کو ملتے تھے وہ زکوۃ سے نہیں بلکہ خراج اور جزیہ وغیرہ سے ملتے تھے:

"والنوع الثالث: الخراج والجزية، ومايؤخذ من صدقات بني تغلب، وما يأخذ العاشر من أهل الذمة، ومن أهل الحرب إذا مرّوا عليه، فهذا نوع مصروف إلى نوائب المسلمين. ومنها: إعطاء المقاتلة كفايتهم، وكفاية عيالهم؛ لأنهم فرغوا أنفسهم للجهاد، ولدفع شرّ المشركين عن المسلمين، فيعطون الكفاية من أموالهم، ومن هذا النوع إيجاد الكراع والأسلحة، وسد الثغور، وإصلاح القناطر والجسور، وسد البثق، وكرى الأنهار العظام. ومنه رزاق القضاة والمفتين والمحتسبين والمعلمين، وكل مَن فرغ نفسه لعمل من أعمال المسلمين على وجه الحسبة، فكفاته في هذا النوع من المال، اهـ". مبسوط :۱۸/۳(۲)۔

= (الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز: ۲۰۷/۱، شركة علمية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۴۷۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الزكاة: ۱۷/۳، غفاريه، كوئٹه)

(۱)(سيأتي تخريجه تحت عنوان: "تبلیغی جماعت کو زکوۃ دینا".)

(۲) (المبسوط للسرخسي، باب مايوضع فيه الخمس: ۲۲/۲، الجزء الثالث، غفاريه، كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۹/۳، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۱۹۰/۱، ۱۹۱، فصل: مايوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

فتاویٰ جواہر کی عبارت میں تو صدقاتِ واجبہ دینے کا اشارہ تک بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۰ھ۔

امام کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۷]: محلہ کے بلا تنخواہ کے اماموں کو اہل محلہ مل کر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اس نیت سے دیں کہ نماز پڑھاویں، کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اور فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاوضۂ امامت ہے اس سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ صدقۂ فطر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شریکِ مکان کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۸]: ۱...... زید اور بکر ماموں بھانجے ہیں ایک ہی مکان میں جو بکر کی ملک ہے دونوں رہتے ہیں، بکر نادار اور غریب ہے، کیا اسی مکان کی مرمت میں- جبکہ مرمت میں دونوں کا فائدہ ہے- زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے اور بکر اس رقم کو مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے؟

۲...... زید اور بکر دونوں کا کھانا مشترک تیار ہوتا ہے، کیا زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم سے خورد ونوش کا سامان منگوا سکتا ہے اور دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بھانجا اگر ماموں کو زکوٰۃ دے تو شرعاً درست ہے بشرطیکہ کسی دباؤ سے نہ ہو، پھر ماموں کو اختیار

---

(۱) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالى". (الدر المختار: ۲/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

ہے کہ مکان کی تعمیر وغیرہ میں جہاں چاہے صَرف کرے(۱)۔

۲......اگر زکوٰۃ کا پیسہ بکر کو دے دیا پھر اس نے سامان خریدا اور زید کے ساتھ مشترکہ طور پر وہ کھانا پکایا گیا تو شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نابالغ کو زکوٰۃ

سوال[۴۶۳۹]: زکوٰۃ کا پیسہ اگر نابالغ یتیم بچے کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ یتیم قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی وہ غنی ہاشمی وغیرہ نہ ہو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۲۵/۲/۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) (سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سے سب سے مقدم مستحق زکوٰۃ''۔)

(۲)'' إذادفع الزکاة إلی الفقیر، لا یتم الدفع مالم یقبضها، الخ''. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، من توضع الزکاة فیه، غفاریه)

(۳) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: ''ولا إلیٰ من بینهما ولادأوزوجیة'' (الدرالمختار مع تنویر الأبصار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: ''وقید بالولاد لجوازه لبقیة الأقارب کالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء''. (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۱، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)=

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کی صورتیں

سوال[۴۶۴۰]: ایک شخص مسمیٰ عیدو قوم جولاہا فوت ہوگیا اور ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ گیا، عیدو کے تین چچازاد بھائی ہیں مگر حقیقی کوئی نہیں ہے۔ عیدو مذکور کی وفات کے بعد اس کی بیوہ نے گھر کا تمام اثاثہ جو صرف زیور ہی تھا برباد کر دیا، لڑکی کا متوفی کے چچازاد بھائیوں نے نکاح کر دیا یعنی اس کی شادی کر دی اور بیوہ نے ایک دوسری جگہ خاوند کر لیا۔ متوفی کا لڑکا تا حال اپنی ماں کے پاس رہتا ہے۔ متوفی کے پاس سوائے زیور کے اَور تو کوئی جائیداد نہ تھی زیور عورت نے برباد کر دیا، اب متوفی کا لڑکا بالکل حالتِ ناداری میں ہے لیکن اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ہاں رہتا ہے، لیکن اس غریب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ایسی حالت میں عموماً ہوا کرتا ہے یعنی بدسلوکی۔

۱......اب سوال یہ ہے کہ یتیم مذکور کے ہر سہ چچا کم وبیش زکوٰۃ دینے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کے روپے اس یتیم کو کیوں نہ دے دیں جبکہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ: ﴿ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل﴾ یعنی پہلا حق رشتہ داروں کا ہے، آپ تحریر فرمادیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ قریبی بھی ہے اور یتیم بھی؟

۲......اس (یتیم) کو روپیہ دینے کی صورت کیا ہو سکتی ہے، اگر اب اس کو دیا جاوے تو وہ نابالغ ہے، اگر اس کی ماں کو دیا جاوے تو وہ وہی سلوک کرتی ہے جو اپنے خاوند کے زیور پر کیا تھا، اگر سوتیلے باپ کو بطورِ امانت دیا جائے تو کسی کا آج کل کیا اعتبار ہے۔ اب اگر اس کو دیا جائے تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اس یتیم کے حصہ کا روپیہ علیحدہ ایک جگہ جمع کر کے ایک شخص اپنے پاس جمع بطورِ امانت جمع کر لے یعنی دینے والا خود اپنے پاس ہی علیحدہ بطور امانت رکھ لیوے، جس کو خرچ خود بالکل نہ کرے، کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

۳......یا اس کے حصہ کے روپے کو سیونگ بینک، ڈاکخانہ میں اس کے ہی نام سے جمع کرا دیا جائے، لہٰذا اس کا وہ شخص جس نے زکوٰۃ دی ہے سرپرست مقرر کر دیا جائے، جب بالغ ہو جائے گا، اپنے روپیہ کا حقدار ہو جائے گا وصول کر لیوے۔ کیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

۴......اگر یتیم کے واسطے زرِ زکوٰۃ نمبر:۳ یا نمبر:۲ کسی طرح جمع کیا جائے تو کیا زکوٰۃ دینے والے کے

= (وکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فی اداء الزکاۃ، امجد اکیڈمی، لاھور)

زکوٰۃ دینے میں تو کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا اگرچہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس ہی امانت ہوگی مگر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

۵...... اگر وہی نمبر: ا کا یتیم لڑکا اپنے ایک چچا کے پاس بود و باش کرنے لگ جاوے اور وہ ہی زکوٰۃ دیتا ہو، اب وہ بالکل اپنے پاس جمع کر سکتا ہے یا نہیں، جو بصورتِ بالغ ہونے کے اس کو ادا کر دیا جائے؟

۶...... اگر یتیم بچہ ایک چچا کے پاس رہتا ہے اور زکوٰۃ دینے والے کے پاس نہیں ہے، کیا زکوٰۃ دینے والا اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو ایک ہزار دو سو بصورت بالغی اس کو ادا کر دے؟

۷...... ایک شخص کے پاس صرف بارہ بیگھہ جائیداد ہے اور وہ بارہ سو روپے کا مقروض بھی ہے اور نہایت خستہ حال اور غریب ہے، کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور قوم سے راجپوت ہے، دستِ سوال دراز نہیں کر سکتا ہے۔ جواب باصواب سے جلد از جلد مطلع فرمادیں۔

امام الدین، ہیڈ ماسٹر سکول تلاکور، ڈاکخانہ مصطفیٰ آباد، ضلع انبالہ، مؤرخہ ۳/۱۲/۴۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ اس لڑکے کو دینا درست ہے بلکہ اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار مستحقِ زکوٰۃ موجود نہ ہو تو اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا افضل ہے:

"والأفضل في الزكوة والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم، الخ". عالمگیری: ۱/۱۸۷(۱)۔

۲...... اگر وہ لڑکا سمجھدار ہے روپیہ پر قبضہ کر سکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے، پھر اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطورِ امانت لیکر رکھ سکتا ہے اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اور طرح ضائع کر دیگا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لئے دے دیا جائے، اگر وہ قابل

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

اعتماد نہ ہوتو پھر کوئی سا چچا اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش کرنیوالے کا قبضہ کراکے بطورِ امانت رکھ سکتا ہے(۱)۔

۳.....لڑکے کو خرچ کی ضرورت اس وقت ہے جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، بنک میں جمع کرنے سے وہ وقتی ضرورت کیسے پوری ہوگی لیکن اگر زائد ہوتو بعض علماء کے نزدیک لڑکا سمجھدار ہواور پرورش کرنے والا اگر ناسمجھ ہو قبضہ کراکے بنک میں جمع کرنا درست ہے۔

۴.....اگر ولی نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں رکھا ہے تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ خود ولی نے زکوٰۃ کا نکالا ہے وہ جب تک بطورِ تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کرے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۵.....اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے تو اس کو فی الحال ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر ناسمجھ ہے تو چچا اس کی ضروریات میں صرف کرسکتا ہے بطورِ تملیک بلوغ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے(۲)۔

---

(۱)"وإذا دفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير مَن له ولاية عليه نحو الأب، والوصي يقبضان للصبي ....ولو قبض الصغير، وهو مراهق، جاز، وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي ولا يخدع عنه، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكوة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: بشرط أن يعقل القبض) قيد في الدفع والكسوة كليهما. وفسره في الفتح وغيره بالذي لايرمي به ولايخدع عنه، فإن لم يكن عاقلاً فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه، صح، كما في البحر والنهر. وعبر بالقبض؛ لأن التمليك في التبرعات لايحصل إلا به، فهو جزء من مفهومه، فلذا لم يقيّد به أولاً، كما أشار إليه في البحر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۷، سعيد)

"لأن تمليك الصبي صحيح، لكن إن لم يكن عاقلاً، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو المتقط، كما في الولوالجية. وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر أو قبضه بنفسه". (البحر =

۶......جس چچا کے پاس لڑکا رہتا ہے اس کو دینا بھی درست اور خود بھی لڑکے کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے اور کچھ روپیہ بچ گیا تو اس کو امانت رکھنا بھی درست ہے۔

۷......اگر آمدنی جائیداد کی اتنی نہیں ہے کہ قرض ادا کر کے ایک نصاب موافق بچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ،۶/ رمضان/۵۳ھ، صحیح:عبد اللطیف عفا اللہ عنہ،۱۱/ رمضان/۵۳ھ۔

بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۱]: زکوٰۃ کا روپیہ زکوٰۃ کے مستحق بچوں کو دیکر اسے مالک بنادینے سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ قبضہ مالکانہ کرنے کے اہل ہوں اور سمجھدار ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۰/۹۰ھ۔

= الرائق، کتاب الزکوۃ: ۳۵۳/۲، رشیدیه)

(۱)"ومديونٌ لا يملک نصاباً فاضلاً عن دينه ....الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير". (الدرالمختار: ۳۴۳/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳۲۵/۱، باب فی بیان أحکام المصارف، دار الکتب العلمية بيروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۲۲/۲، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "فی التمليک إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبی غير مراهق .... ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاوىٰ العالمکيرية: ۱۹۰/۱ الباب السابع فی المصارف، رشيديه)

(وکذا فی التاتارخانية: ۲۷۳/۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وکذا فی فتح القدير: ۲۷۰/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابی الحلبی مصر)

اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۲]: اگر کسی کا حقیقی بھائی اس قدر غریب ہو کہ جس قدر غریب ہونے پر دینا جائز ہوتا ہے تو کیا بھائی کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں تو اپنے کنبہ میں سے کس کس کو دینا جائز ہے؟ برائے مہربانی تحریر فرمائیں۔ المستفتی محمد یونس ۲۱/ رمضان مبارک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ وہ مستحق ہو اور اصول وفروع وزوجین کے علاوہ سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا درست ہے جبکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہوں: "ولا إلیٰ من بینهما ولاد أوزوجية". تنویر۔ وقال ابن عابدین الشامی: "وقید بالولاد لجوازه لبقیة الأقارب کالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء". ص: ۶۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ۔

رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ

سوال[۴۶۴۳]: زید زکوٰۃ کا مبلغ بجائے انفرادی شکل میں پانچ دس روپیہ تقسیم کرنے کے کسی ایک رشتہ کے مستحق لڑکے کو چن کر مستقل طور سے اس کی پڑھائی کی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں رشتہ داروں میں کس کا بیٹا یا بیٹی پہلے مستحق قرار پائے گی؟ از روئے شریعت بھائی کا یا بہن کا، خالو کا یا ماموں کا؟ تفصیل سے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاجت میں اور نوعیتِ تعلیم میں سب مساوی ہوں تو بھائی کا لڑکا مقدم ہے، پھر بہن کا، پھر خالہ اور

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار: ۳۴۶/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲۷۱/۲، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲۷۰/۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

ماموں کا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۴]: زید اپنے داماد بکر کو انگریزی تعلیم دلوانا چاہتا ہے اور ان کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے پورا کرنا چاہتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ ایک سو روپیہ دینا چاہتا ہے تو آیا اس طرح زید اپنے داماد کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد اگر غریب ہے یعنی صاحبِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت نقد کا مالک) نہیں ہے نیز سیّد نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "الأفضل صرف الزكوتين: يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلىٰ أحد هؤلاء السبعة الأول: إخوته الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم ثم إلىٰ أعمامه الفقراء، ثم إلىٰ أخواله وخالاته، ثم ذوى الأرحام الفقراء، الخ" (التاتار خانية: ۲/۲۷۱، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن فى أداء الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۲۵، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه، وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذافى التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشيديه)

کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟

سوال[۴۶۴۵]: زید صاحبِ نصاب ہے اور اس کے نانا غریب ہیں، تو نانا کو یا ماموں، چچا کو زید زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانا غریب ہونے کے باوجود مصرفِ زکوٰۃ نہیں (۱)، ماموں، چچا اور ان کی اولاد اگر غریب ہوں تو ان کو دے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۶/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ، فطرہ دینا

سوال[۴۶۴۶]: زید اپنے لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ لڑکا مفرور ہے، چار بچے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی بیوی کو اگر زکوٰۃ، فطرہ دے تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۱/۱۱ھ۔

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۷]: کیا اپنے حقیقی غریب بھائی کو خوشحال بھائی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے؟

---

(۱)(سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا''۔)

(۲)(سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ''۔)

(۳)''ویجوز دفعها لزوجة أبیه وابنه وزوج ابنته الخ''. (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف، سعید) (وأیضاً تقدم تخریجه تحت عنوان: ''داماد کو زکوٰۃ دینا''۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ وہ غیروں سے مقدم ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ

زکوٰۃ بھائی اوراس کی اولاد کو

سوال[۴۶۴۸]: ہم دو بھائی چچا تایا کے ہیں اور ایک دادا کی اولاد ہیں، ہمارے دونوں بھائیوں کے علیحدہ علیحدہ بچے ہیں اور ہماری تیسری نسل ہے، ہم میں ایک کی اولاد تنگدست ہے اور ایک کی اولاد زکوٰۃ نکالتی ہے تو وہ زکوٰۃ کے روپے جوکہ تنگدست ہیں ان کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کے مطابق آپ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسے بھائی کو اور بھائی کی اولاد کو دینا درست ہے جبکہ وہ مستحق ہوں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زکوٰۃ کی رقم ماموں، سالے اوران کی اولاد کو دینا

سوال[۴۶۴۹]: زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑے کی قیمت نانی، ماموں، سالے یا ان تینوں کی اولاد کو بھی دی جاسکتی ہے؟ اگر ان کا گزرِ اوقات بمشکل ہوتا ہے، احکامِ شرعیہ مع دلائل سلیس اردو میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانی کو تو جائز نہیں، ماموں اور سالے کو جائز ہے، ان دونوں کی اولاد کو بھی جائز ہے نانی کی اولاد میں سے والدہ کو جائز نہیں، خالہ، ماموں اوران کی اولاد کو جائز ہے:

"(وقوله: أصله) بالجر: أي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده وإن علا، وفيه إشارة إلى أن

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ"۔)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوٰۃ"۔)

هٰذا الحكم لا يخص الزكوٰة، بل كل صدقة واجبة، لا يجوز دفعها لهم كأحدا لزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وفيه: بأصله وفرعه؛ لأن مَن سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهٰذا قال في الفتاوىٰ الظهيرية: ويبدأ في الصدقات بالأقارب، اهـ". بحر: ٢٤٣/٤ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

پھوپھی زاد بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۰]: ۱.....اگر زید نے اپنے پھوپھا اور پھوپھی کے انتقال ہوجانے کے بعد اپنی پھوپھی زاد بہن کو بطور پرورش اپنے مکان پر رکھ لیا ہو اور زید اپنی نابالغ بہن کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہے تو بدیں صورت صحیح معنیٰ میں ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

۲.....سوتیلی ماں کی طرف سے لڑکی کے حصہ کا روپیہ مل جانے کے بعد نابالغی یا بالغی ہر دو صورت میں لڑکی مذکور زکوٰۃ کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

مرسلہ: حاجی عنایت اللہ، از کھیڑہ افغان، ۱۹/ جنوری/ ۴۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲.....اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہے یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے(۲)۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۴۲۵/۲، باب المصرف، رشیدیہ)

وراجع للتفصيل عنوان: "اقرباء کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۷۸/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۸/۲، باب المصرف، رشيديه)

اوراس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب ہے جو کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے تو زکوٰۃ دینا درست نہیں (۱)، اس مسئلہ میں بالغ اور نابالغ سب کا ایک حکم ہے، نابالغ کا باپ اگر زندہ ہو اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو ایسے نابالغ کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

اگر وہ لڑکی نابالغ ویتیم ہے تو زکوٰۃ دینا اس کو جائز ہے لیکن اس پر اول مال پر قبضہ کرانا ضروری ہے، محض اپنے گھر کھانا کھلانا کافی نہیں ہے، إلّا یہ کہ کھانا دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے (۳)۔

نمبر: ۲ میں جو ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حصہ میں کچھ روپیہ موجود ہے، اگر وہ بقدر نصاب اور جلد وصول ہوسکنے کی امید ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۱/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "الزكوة هي تمليك مال مخصوص اهـ. أخرج بالتمليك الإباحة، فلاتكفي فيها، فلو أطعم يتيماً ناوياً به الزكوة، لاتجزيه، إلا إذا رفع إليه المطعوم، اهـ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، ص: ۷۱۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكوة: ۲۸۴/۲، بيروت)

(۲) "(ولا إلى طفله): أي الغني، فيصرف إلى البالغ ولو ذكراً صحيحاً، قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكراً كان أو أنثىٰ، في عيال أبيه أو لا، على الأصح، لما أنه يُعدّ غنياً بغناه".

(ردالمحتار: ۳۴۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۶۵/۱، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳۳/۲، باب المصرف، غفاريه)

(۳) "تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياًالزكاة لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كان بشرط أن يعقل إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار: ۲۵۷/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۷۵/۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۱۲/۱، كتاب الزكاة، امداديه)

(۴) "وفي الفتح : دفع إلى فقيرة لها مهر دين على زوجها يبلغ نصاباً وهو موسر بحيث لوطلبت أعطاها =

دوا کے ذریعہ زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۲۵۱]: زید گھر پر دوا فروخت کرتا ہے، عمر اور دوسرے لوگ دوا کے لئے آتے ہیں جو مستحق زکوۃ ہیں، تو کیا زید اُن کو دوا بہ نیتِ ادائیگی زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قیمت بالکل نہ لے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دے سکتا ہے، مگر ان پر ظاہر کردے تو اچھا ہے کہ یہ زکوۃ کی مد سے ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوٰۃ سے طبی امداد

سوال[۴۲۵۲]: دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف اس طبی امدادی فنڈ میں لگایا جاسکتا ہے

= لایجوز، وإن کان لایعطی لوطلبت، جاز". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، کتاب الزکوة، باب المصرف،سعید)

"ولوکان الدین علی مقرّ ملیئ أو معسر تجب الزکوة لإمکان الوصول إلیه ابتداء أو بواسطة التحصیل". (الهدایة: ۱۸۷/۱، کتاب الزکوة، شرکت علمیه)

(۱) "ویجزیه أن یعطی من الواجب جنساً آخر من المکیل والموزون أو العروض أوغیر ذلک بقیمته. وهذا عندنا وقد بیّنّاه". (کتاب المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوة، باب العشر: ۲۷۰/۱، الجزء الثاني،غفاریه کوئٹه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة البقر: ۲۸۶/۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الزکوة، باب زکوة المال: ۳۹۶/۲، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، الفصل الثاني في العروض: ۱۷۹/۱، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الزکوة، باب زکوة المال: ۴۳۸/۱)

(**سوال**): زکوۃ کے روپے میں سے مستحق زکوۃ کو اگر کپڑے بنا کر دیئے جائیں تو جائز ہے یا نقد دینا ضروری ہے؟

(**الجواب**): زکوۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جاویں، تو یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکوة، مسائل مصارف الزکوة، (سوال نمبر: ۳۱۵): ۱۹۶/۶، مکتبه امدادیه ملتان)

یا نہیں؟ اس کا اشتہار یہ ہے:

طبی امدادی فنڈ: ہمارے شہر بھٹکل کی آبادی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور بیماریوں کی بھی کثرت ہو رہی ہے، ڈاکٹروں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور میونسپلٹی کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے، بعض مسلمان ڈاکٹر غریب اور مزدوروں پر رحم کھا کر یا تو ادھار دوا دے دیتے ہیں یا ان پر مہربانی کرتے ہیں، مگر ہمارے شہر میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے جہاں پر غریب عوام بیماری میں دوا دارو کے لئے کچھ اعانت طلب کرسکیں۔ بعض ایسے مریضوں کو بھی دیکھا گیا ہے جن کو ڈاکٹری مشورے کے مطابق بھٹکل سے باہر جا کر علاج کرنا چاہیے مگر بغیر خرچ اور دوسرے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے گھٹتے رہتے ہیں۔

مجلسِ اصلاح وتنظیم نے اس سلسلے میں بہت غور کیا اور ایک مرتبہ ڈاکٹروں کو بلا کر مشورے بھی کیے، آخر ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ مجلس کے زیر اہتمام ایک طبی امدادی فنڈ قائم کیا جائے تاکہ قوم کے امیر لوگ تعاون کر کے مجبور اور غریب مریضوں کو کچھ سہارا دے سکیں، ابھی ہم لوگوں کو اور بھی ضرورت ہے تاکہ اپنی عورتوں کی پریشانیوں کا کچھ مداوا کرسکیں۔

۱- اس فنڈ سے غریب مریضوں کو ان کی دوا دارو کے لئے ان کی مدد کی جائے گی۔

۲- مریضوں کے لئے ضروری چیزیں خرید کر رکھی جائیں گی اور ضرورت پر ان کو استعمال کے لئے دی جائیں گی۔

۳- غریب مریض کے لئے ڈاکٹروں کے دیئے ہوئے مشورے پر عمل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴- امکان میں ہوا تو مسلمان ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے غریبوں کے لئے خیراتی دواخانہ کی صورت پیدا کی جائے گی۔ یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جب ہمارے طبی امدادی فنڈ میں دل کھول کر اپنا عطیہ عطا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوائیں بنا کر جن کی قیمت مقدار واجب (زکوٰۃ) ہو، غرباء ومستحقین کو تملیکاً دیدی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہی حکم صدقۃ الفطر اور قیمتِ چرمِ قربانی کا ہے (۱)۔ ہسپتال میں مستحق اور غیر مستحق دونوں قسم کے

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد ....إن =

آدمی آتے ہیں، دوا بھی اکثر اوقات تملیکاً نہیں دی جاتی، ان دونوں باتوں کی رعایت اگر کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہونے میں تردد نہیں رہے گا۔ اگر ہسپتال میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا گیا اور اس سے ذمہ داروں نے دوا منگانے، بنوانے کی مزدوری دی تو اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرض ادائے واجب کے لئے معاملہ کی پوری تفتیش لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۸ھ۔

تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۳]: زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہنا کہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف تبلیغی جماعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے(۱)، لیکن مصرفِ صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۸/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۰/۲ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳۳/۲، الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(۱)" هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير، غير هاشمي، ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزكوٰة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۷/۲، كتاب الزكوٰة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(۲)"أما قوله تعالىٰ: ﴿و في سبيل الله﴾[التوبة: ۶۰] عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعىٰ =

نادار طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۵۴]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں، لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مدِ زکوٰۃ سے قاعدہ، پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔

مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً". (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۱، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۱، باب المصرف، امداديه)

(۱) "في التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ...... ويصرف إلى مراهق يعقل =

نادار طلبہ کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۵۵]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے، اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کرسکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خوددار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر اگر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو، تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں، یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوۃ کو بیواؤں لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں۔ تاہم نادار طالبِ علم کو زکوۃ کا پیسہ یا مدّ زکوۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو، بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوۃ

= الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰ الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "(الزکوة: هی تملیک) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیماً ناویاً الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لوکساه بشرط أن یعقل القبض، اهـ". (الدرمختار). "(قوله: خرج الإباحة): أی فلا تکفی فیها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقیّدٌ بما إذا لم یکن أبوه غنیاً؛ لأنه یعدّ غنیاً لِغنیٰ أبیه .... ومنه علم أنه لایشترط في المدفوع إلیه البلوغُ بل ولا العقل؛ لأنّ تملیک الصبي صحیحٌ، لکن إن لم یکن عاقلاً فإنه یقبض عنه وصیّه أو أبوه أو مَن یعوله، قریباً أو أجنبیاً أو الملتقط. وإن کان عاقلاً فقبض مَن ذُکر، وکذا قبضه بنفسه، اهـ". .... =

آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لا چاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۵۶]: کسی شخص کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی ہوگئی ہے تو اب اس لڑکی پر اپنے ماں باپ کا نفقہ تو واجب ہے نہیں تو لڑکی اپنے باپ یا ماں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے جبکہ اس کے ماں باپ محتاج ہوں؟ اگر زکوٰۃ نہیں دے سکتی تو کیا اس لڑکی کے ذمہ امداد واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے(۱) اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کا نفقہ بھی واجب ہے، صلہ رحمی کے طور پر بھی امداد کی جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۴۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) "ولا يدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا". (الهداية: ۱/۲۰۶، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة على المزكي، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزكاة، رشيديه)

البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے: .... =

والد اور سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۷]: ایک صاحب نصاب ہے وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہے، والد اس کے ضعیف ہیں اور روزگار کچھ نہیں ہے، والد صاحب کے دوسری بیوی سے ۶، ۷/ بچے ہیں جن میں سے صرف ایک بالغ ہے وہ بھی جاہل اور بے روزگار ہے، ذریعۂ آمدنی کچھ نہیں۔ کیا ایسی صورت میں بیٹا والدین کو یعنی والد اور سوتیلی ماں کو جو کہ سادات سے نہیں اگرچہ والد سید ہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ زکوٰۃ کے علاوہ جو پیسہ بمدِ خیرات اپنی کمائی میں سے نکالتا ہے وہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کو زکوٰۃ دینا تو کسی حال میں درست نہیں (۱)، سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب اور سیدنہ ہو درست ہے (۲)۔ خیراتِ غیر واجبہ دونوں (والدین) کو دینا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

= "وأما صدقة التطوع: فيجوز دفعها إلى هؤلاء والدفع إليهم أولىٰ؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۳، فصل فی الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "ویجوز دفعها لزوجة أبیه وابنه وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزکاة، رشیدیه)

(۳)"فلا تدفع الزکاة إلی الوالدین وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة علی المزکی، الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزکاة، رشیدیه) .... =

جن اقرباء وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال[۴۲۵۸]: زکوٰۃ جن لوگوں کو نہ دی جائے ان کے نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیاً:

''اصول''ماں: باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ۔''فروع'': بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔''زوجین'': شوہر بیوی، ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے (۱)، بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، سادات کرام کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے، نیز صاحب نصاب کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۹۲ھ۔

سادات کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۹]: سیدوں کو زکوٰۃ، عشر، صدقاتِ واجبہ مثل فطرہ، نذرونیاز دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

جائز نہیں:

"ولا إلیٰ بني هاشم، وجازت التطوعات من الصدقات، الخ"۔ "قید بها لیخرج بقیة الواجبات كالنذر والعشر والكفارات"۔ درمختار، شامی (۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے:

"وأما صدقة التطوع: فیجوز دفعها إلی هؤلاء والدفع إلیهم أولیٰ؛ لأن فیه أجرین: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ"۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۸۴، فصل في الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۳، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مصارفِ زکوٰۃ''۔)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۱، باب المصرف، سعید) .... =

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۰]: سید کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے جبکہ آج کل ہندوستان بھر میں کہیں بھی بیت المال کا سلسلہ نہیں تو ان کی امداد کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ بیچارے کہاں جاویں، کیا وہ اس صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیاً:

اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنا چاہئے، زکوٰۃ تو میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے اَرفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے:

"ولاتدفع إلى بني هاشم لقوله عليه السلام:" يا بني هاشم! إن الله قد حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم، اهـ". هدايه: ١/١٨٦(١)۔

قال في البحر:"أطلق الحكم في بني هاشم، ولم يقيد بزمان ولا بشخص للإشارة إلى

= "ولايدفع إلى بني هاشم، وهم آل علي، وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبدالمطلب........ هذافي الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأماالتطوع، فيجوزالصرف إليهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٨٩، الباب السابع في المصارف،رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ٩/٩٣،باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع: ٢/٣٨٢، فصل: الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ٢/٢٧٢ باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٤٢٩،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ٤/٢٣٥،باب من لا تحل له الصدقات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١/٣٣٠،باب بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ٢/٢٧٤،باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٤٦٥،باب المصرف،امداديه)

(١) (الهدايه: ١/٢٠٦ باب من يجوز دفع الصدقة إليه ولايجوز، شركت علميه) ....=

الرد علی روایة أبی عصمة عن الإمام أنه یجوز إلی بنی هاشم فی زمانه، وللإشارة إلی الرد علی روایة أنه یجوز للهاشمی أن یدفع زکوته إلی مثله؛ لأن ظاهر الروایة المنع مطلقاً، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/۱۰/۵۶ھ۔

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۱]: ۱......اس زمانہ میں سیّدوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......کیا حضرت امام ابوجعفر وامام فخر الدین رازی نے اپنے زمانوں میں سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز کردی تھی یا نہیں؟ شرح ترمذی میں کہیں لکھا ہے یا نہیں؟

۳......کیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت شامی وفتح القدیر میں سیدوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز میں ہے یا نہیں؟

۴......"من لم یکن عالماً بعرف زمانه فهو جاهل"، یہ کوئی فقہ حنفیہ میں بنیادی یا اصولی مسئلہ ہے، زمانۂ حال کے بموجب ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجتہد یا مفتی بعض احکام میں ردوبدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے قبل مجتہدوں ومفتیوں نے کچھ احکام میں ردوبدل کیا ہے؟

۵......اگر کسی شخص نے بعض مفتی علماء کے کہنے پر سیدوں کو زکوٰۃ دیدی اور کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں تو وہ دی ہوئی زکوٰۃ کو دوبارہ دے یا نہ دے اگر نہ دے، تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے علماء جیسے مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ودیگر علماء: مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین، مولوی محمد معصوم صاحب، مولوی عبد الغفور صاحب مدنی جیسے حضرات نے سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز فرمائی تو اس کو دی ہوئی زکوٰۃ کو لوٹانا واجب ہے یا

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۱ باب المصرف، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۵۰ باب المصرف، سعید)

نہیں؟ اگر نہ لوٹائے تو بتایئے گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

۶.....بہشتی زیور(۱) میں یہ مسئلہ ہے کہ ''ایک شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تھی، پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا سید ہے، یا اندھیری رات میں کسی کو دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو میری ماں یا میری لڑکی تھی یا اَور کوئی رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دیدی جس کو دینا درست نہ تھا، ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی، دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں۔ اگر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے وہ کافر ہے تو زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔ درمختار: ۱۰۸/۲ (۲)، ہدایہ: ۱۸۹/۱ (۳)۔

المستفتی: حافظ محمد سعید (دہلی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں: "أوهاشمي: أی لایجوز دفعها إلی بنی هاشم لقوله علیه السلام: "إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس، وإنها لاتحل، لمحمد ولالآل محمد". رواه مسلم. وقال علیه الصلوة والسلام: "نحن أهل بیت، لا تحل لنا الصدقة". رواه البخاری. ا هـ" زیلعی: ۳۰۳ (٤)۔

۲.....جی ہاں ''عقد الجید'' سے نقل کیا ہے (۵) لیکن ابو جعفرؒ نے ''شرح معانی الآثار'' میں تین ورق

---

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، ص: ۲۴۹، کتاب الزکوۃ، جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے ان کا بیان، المکتبة المدینة، لاهور)

(۲) "دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربی ولو مستأمناً أعادها". (الدرالمختار: ۳۵۲/۲، کتاب الزکوة، باب المصرف، سعید)

"والحق المنع فقد قال فی غایة البیان مغریاً إلی التحفة: "وأجمعوا أنه إذا اظهر أنه حربی ولو مستأمناً لایجوز". (البحر الرائق: ۴۳۲/۲، کتاب الزکوة، باب المصرف، رشیدیه)

(۳) (الهدایة: ۲۰۷/۱، کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیة، ملتان)

(۴) (تبیین الحقائق: ۱۲۶/۲، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۵) "باب کراهیة الصدقة للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته وموالیه المسئلة متفق علیها الخ. وأما النافلة ففیها اختلاف، قال الزیلعی شارح الکنز: إنها لایجوز للهاشمی، وتبعه ابن الهمام، وأما غیره=

کے قریب بنی ہاشم کے لئے زکوۃ کے ناجائز ہونے پر تحریر فرمائے ہیں (۱) اور اسی شرح ترمذی میں ہے، ص:۲۹۲"باب کراهة الصدقة للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته وموالیه، المسئلة متفق علیها"(۲) اور امام رازیؒ شافعی المذہب ہیں (۳)۔

۳......فتح القدیر (۴) اور شامی (۵) وغیرہ میں ابوعصمۃ کی روایت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی نقل کی ہے جو کہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے (۶)۔

۴......اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کا مدار عرف پر ہوتا ہے وہ عرف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا مفتی کو عرف کا پہچاننا ضروری ہے تا کہ اس کے موافق خود عمل کرے اور دوسروں کو بتلائے، اگر عرف کو نہیں پہچانے گا تو غلطی کا احتمال زیادہ ہے، اس کی نظیریں زمانہ گذشتہ اور موجودہ میں بکثرت موجود ہیں (۷)۔

= فیجوّز ها له ......اهـ".

"وفي عقد الجید: افتی الطحاوی من الحنفیة وفخر الدین الرازی من الشافعیة بجواز الزکاة للهاشمی في هذه الصورة، وأما النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فلاتجوز له النافلة أیضاً". (العرف الشذی علی هامش الترمذی، باب کراهیة الصدقة للنبی صلی الله علیه وسلم: ۱/۱۴۳، سعید)

(۱) (شرح معانی الآثار، کتاب الزکوة، باب الصدقة علی بنی هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعید)

(۲) (راجع الحاشیة رقمها: ۱)

(۳) (راجع، ص: ۵۵۴، رقم الحاشیة: ۵)

(۴) (فتح القدیر: ۲/۲۷۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(۵) (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعید)

(۶) "ولایدفع إلی بني هاشم". هذا ظاهر الروایة وروی أبو عصمة عن أبي حنیفة أنه یجوز في هذا الزمان". (فتح القدیر: ۲/۲۷۲، کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۷) "واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إلیه في مسائل کثیرة حتی جعلوا ذلک أصلاً، فقالوا في الأصول، في باب ما تترک به الحقیقة: تترک الحقیقة بدلالة الاستعمال والعادة، هکذا ذکر فخر الإسلام". (رسائل ابن عابدین: ۲/۱۱۴، سهیل اکیڈمی) .... =

۶،۵......میں نے ان علماء کی کوئی تحریر اس مسئلہ میں ایسی نہیں دیکھی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سید کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، بلکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی عبارت جواب نمبر:۲ میں منقول ہے، تاہم اگر کسی ناواقف نے ان حضرات سے فتویٰ لے کر سید کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کا یہی اعتقاد ہے کہ ان حضرات نے صحیح بتایا ہے تو اس کے ذمہ اس زکوٰۃ کا اعادہ ضروری نہیں۔ رہا ان حضرات کا گناہ گار ہونا نہ ہونا تو یہ سائل کا سوال بے محل ہے، سائل کو اس سے کچھ غرض نہیں، یہ حضرات اپنے علم کے مطابق جو کچھ فتویٰ دیتے ہیں اپنی ذمہ داری پر دیتے ہیں۔

نمبر:۵ کا حکم مستقلاً معلوم ہوگیا، اس مسئلہ کو نمبر:۶ والے مسئلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ نمبر:۶ میں مسئلہ کا علم صحیح طور پر حاصل ہے، غلطی جو کچھ ہوئی وہ عمل میں ہوئی اور وہ تحری کے بعد عملی غلطی شرعاً معاف ہے اور نمبر:۵ میں علم و اعتقاد ہی غلط ہے اور عمل جو کچھ کیا ہے اعتقاد کے مطابق کیا ہے اور اعتقادی غلطی، نیز ایسی غلطی جو کہ اعتقادی غلطی پر مرتب ہو شرعاً معاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سیّد کی زکوٰۃ سیّد کو دینا

سوال[۴۲۶۲]: کیا سید مالدار اپنے غریب مسکین رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سید طالب علم سفر میں ہو تو کیا زکوٰۃ کے مال سے کچھ کھا پی سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے: "ولا إلى بني هاشم، ظاهر المذهب إطلاق المنع، وقول

= (وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۸، القاعدة السادسة العادة محكمة، إدارة القرآن كراچي)

نوٹ: بعینہ یہی سوال کفایۃ المفتی میں موجود ہے، مزید برآں جواز کے فتویٰ دینے والے علماء کرام کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (کفایۃ المفتی: ۴/۲۷۱، مصارف زکوٰۃ، دار الاشاعت)

9

العینی: "والهاشمی یجوز دفع زکوته لمثله". صوابه: "لایجوز، نهر" اهـ". درمختار: ۱۰۱/۲ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ سے سیّد کا قرض ادا کرنا

سوال [۴۲۲۳]: زید جونسباً سید ہے اور عمر کا مقروض ہے، بکر صاحبِ نصاب ہے، وہ اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے زید کا قرض ادا کردے اس طرح سے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دیدے اور زید کو اس کی خبر کردے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض تو ادا ہو جائے گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۳۵۰/۲، باب المصرف، سعید)

" وإطلاقه يفيد أنه لافرق بين دفع غيرهم لهم ودفعهم بعضهم بعضاً، وجوّز الثاني دفع بعضهم لبعض، وهو رواية عن الإمام، وقول العيني: "والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة خلافاً لأبي يوسف"، صوابه: "لايجوز". (النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، امدادیه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۳۳۱/۱، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲۷۲/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "وجازت التطوعات من الصدقات والأوقاف لهم أي لبني هاشم، سواء سماهم الواقف أو لا على ماهو الحق كما حققه في الفتح لكن في السراج وغيره إن سماهم جاز، وإلا لا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۵۱/۲، سعيد)

"ولايدفع إلى بني هاشم وهم: آل علي وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبدالمطلب..... هذافي الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأماالتطوع، فيجوز الصرف إليهم". (الفتاوى العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه) .... =

سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۴]: کیا اس زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ انگریزی تعلیم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیاً:

ابوعصمہ کی روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ "بیت المال سے حصہ (خمس الخمس) نہ ملنے کی وجہ سے بنوہاشم کے لئے زکوٰۃ درست ہے کذا فی الدرمختار: ۱/۹۱(۱)۔ امام طحاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص:۲۹۳(۲)، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ درست نہیں (۳)۔ اگر

= (وكذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳،باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۲۹،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۴/۲۳۵،باب لا تحل له الصدقات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰،باب بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵،باب المصرف،امداديه)

(۱) "وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بنى هاشم في زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم". (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(۲) "واختار الطحاوى دفعهالبنى هاشم، وكذا روى أبو عصمة عن الإمام: يجوز، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص: ۷۲۱، باب المصرف، قديمى)

(۳) "ولا يدع إلى بنى هاشم" هذا ظاهر الرواية". (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

مستحق کو تملیک کردیجائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو لیکن دیندار کو دینا افضل ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سادات کو بینک کا سود اور زکوۃ دینا

سوال[۴۶۶۵]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

سوال یہ تھا کہ بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلبہ کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء، بنانا بالکل درست نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بنک جو سود دیتا ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے یعنی بینک کا سود سود ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے، اگر بینک کا سود حرام ہے بلکہ اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "وکرہ نقلها إلا إلی قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين ......أو إلی طالب علم. وفی المعراج: التصدق علی العالم الفقير أفضل، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۴۳۶ باب المصرف، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس لئے وہ حرام ہے، بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ضرر ظاہر ہے، اس ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کر لیا جائے پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دے دیا جائے، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گزارے کی کوئی صورت نہ ہو وہ اس کے مستحق ہیں (۱)۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے اس لئے ان کو زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور شافعیہ میں سے امام رازیؒ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اَہون ہے، اگرچہ یہ قول ظاہر الروایت نہیں ہے اور عامۃً اس کو فتوے کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ ''فیض الباری'' (۲) اور ''العرف الشذی (۳)'' میں

---

(۱) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ٣٨٥/٦، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٤٩/٥، الباب الخامس في الكسب من الكراهية، رشيديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ٧٦/٨، كتاب الربوٰ، دار الإشاعت كراچي)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ١٨/٧، باب الربوٰ، سعيد)

(٢) "قلت: وأخذ الزكاة عندي أسهل من السوال، فأفتي به أيضاً". (فيض الباري: ٥٢/٣، باب مايذكر في الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وآله، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

(٣) (العرف الشذى على هامش جامع الترمذي: ١٤٣/١، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ =

منقول ہے۔تاہم جہاں تک ہو سکے سادات کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ وافضل ہے اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔اسکول کی تعمیر اور پیشاب پاخانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔مستحق کو مالک بنا کر دیدیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے جہاں چاہے خرچ کرے۔سابقہ فتوی نمبر: ۵۰۵۴، ۲۵/۱۱/۹۲ھ میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا

سوال[۴۶۶۶]: زید صاحبِ نصاب کسی مجبوری کی وجہ سے مدرسہ کا کھانا کھائے یہ نیت کر کے کہ میں بعد میں کسی لڑکے کو پڑھادوں گا اتنے سال جتنے کہ میں پڑھا ہوں۔یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مستحق باوجود نیتِ مسئولہ کے کھانا زکوٰۃ وغیرہ نہ کھائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

زکوٰۃ کی کتابیں صاحبِ نصاب کو دینا

سوال[۴۶۶۷]: کسی صاحبِ نصاب نے اپنے زکوٰۃ کے روپیہ سے کتب خرید کر دوسرے عالم

= علیه وسلم وأهل بيته ومواليه، سعيد)

(وشرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الزكوة، باب الصدقة على بني هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعيد)

(۱) "ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوة فيه، مكتبه غفاريه)

صاحبِ نصاب کو ہبہ کردیں، کیا صاحبِ نصاب عالم کے لئے ایسی کتب لینا درست ہے، نیز ایسی صورت میں مزکی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کا مصرف وہ ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۹ھ۔

زکوٰۃ جمعیۃ علمائے اسلام کو دینا

سوال [۴۶۶۸]: زکوٰۃ کی رقم جمعیۃ علمائے اسلام کے فنڈ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ غرباء ومساکین پر بطورِ تملیک صرف کریں تو اس کو دینا درست ہے ورنہ نہیں، مالک اگر خود کسی غریب کو دے دے اور وہ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد از خود جمعیۃ مذکورہ کو دے دے تو درست ہے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

---

(۱)" ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أیّ مال کان، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

(۲)"لايجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التمليك شرط فيها، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطير والسقايات ...... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب". (تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۴، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

دار الحرب میں حربی کو زکوٰۃ وصدقہ

سوال[۴۶۶۹]: ہندوستان اس وقت دار الحرب ہے یا کیا ہے؟ نیز ہندو حربی ہیں یا کیا ہیں؟ اور بہر صورت ہندو کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق دیر سے اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے دار الحرب قرار دیا ہے، یہی رائے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کی ہے اور اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں اور یہاں کے جملہ کفار کو حربی فرماتے ہیں، کذافی الفتاویٰ الرشیدیۃ، ج۳(۱)۔

دار الحرب کے متعلق تین قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

”وهمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح داده اند، وبریں تقدیر معمولۂ انگریزو اشباهِ ایشان بلا شبه دار الحرب است، اهـ“. فتاویٰ عزیزیہ:۱/۱۶(۲)۔

”ودر کافی می نویسد ”إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیها حکم إمام المسلمین، وتکون تحت قهره، وبلادُ الحرب بلاد یجری فیها أمر عظیمها، وتکون تحت قهره، انتهیٰ“۔

”دریں شهر (دهلی) حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است، ومراد از اجرائے احکام کفر ایں است که در مقدمۂ ملک داری، وبندوبستِ رعایا واخذِ خراج وباج وعشور، اموال تجارت، وسیاستِ قطاع الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزاء جنایات کفاربطورِ خود حاکم باشند آرے، اگر بعضے احکامِ اسلام را مثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنندنکرده

(۱)(تالیفات رشیدیہ:ص:۶۵۴''فیصلة الاعلام فی دار الحرب والإسلام"،ادارہ اسلامیات،لاهور)

(۲)(فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۱۱۱، سود گرفتن از انگریزاں، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یوپی)

باشند، لیکن اصل الاصول ایں چیزھا نزدِ ایشان ھدر است، زیراکہ مساجد را بے تکلف ھدم می نمایند، و ھیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمانِ ایشان دریں شہر و درنواحِ آں نمی تواند آمد، برائے منفعتِ خود ازواردین مسافرین وتجار مخالفت نمی نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان دریں بلاد داخل نمی توانند شد، وازیں شہر کلکتہ عملِ نصاریٰ ممتداست آرے در چپ وراست مثلِ حیدرآباد، لکھنؤ ورام پور احکامِ خود جاری نکردہ اندبسببِ مصالحت واطاعتِ آں ملک، اھ"۔ فتاویٰ عزیزیہ: ۱/۱۷(۱)۔

بعض علماء نے دارالاسلام فرمایا ہے جیسے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲)۔ یہاں کے ہنود کو حربی ماننے کی صورت میں (جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے) صدقۃ الفطر دینے کی گنجائش نہیں اوران کا ذمی نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، ذمی کے متعلق بھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اس کو دینا درست نہیں، درمختار نے حاوی قدسی سے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے قولِ طرفین کو ترجیح دی ہے:

"ولا تدفع (الزكاة) إلى ذمي، وجاز دفع غيرها وغيرالعشر والخراج إليه: أي الذمي ولو واجباً، كنذرٍ وكفارة وفطرة، خلافاً للثاني، وبقوله يفتىٰ، حاوی القدسی. وأماالحربی فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقاً، بحر عن العناية وغيرها، اھ". درمختار۔

"(قوله: وبقوله يفتى) الذي في حاشيةالبحر عن الحاوي وبقوله نأخذ، قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما، وعليه المتون، اھ". شامی: ۲/۹۲(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، مسئلۂ دارالحرب شدن دارالاسلام، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند یوپی)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ (اردو): ۱/۲۳۷، سعید)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف دارالکتب العلمیة، بیروت) .... ="

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

ابھی ہندوستان کے سابقہ حالات میں کوئی خصوصی تغیر نہیں ہوا ہے، نہ ابھی مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے، اس لئے سابقہ ہی احکام ہیں، ہاں آئندہ آزادی ملنے پر دستورِ جدید کی رو سے ممکن ہے کوئی تغیر پیدا ہو جائے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا

سوال[۴۶۷۰]: زکوٰۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے، اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

= (وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

ترجمۂ سوال: ’’اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے اور اسی تقدیر پر بلاشبہ انگریز کا زیرِ تسلط علاقہ دار الحرب ہے، اھ‘‘۔ (فتاویٰ عزیزیہ: ۱/۱۶)

’’کافی میں لکھا ہے کہ دار الاسلام سے مراد وہ شہر ہیں جن میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور اس کے قبضہ وتسلط میں ہوں اور دار الحرب سے مراد وہ شہر ہیں جن میں ان کے بڑے (سردار کفار) کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہوں انتہیٰ‘‘۔

’’اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے اور احکامِ کفر کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمات ٹیکس اور اموالِ تجارت سے عشر وصول کرنے، چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزا دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان، گائے ذبح کرنے سے تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان سے امن طلب کئے بغیر اس شہر (دہلی) اور اس کے اطراف میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کی خاطر آنے والوں سے، مسافروں سے، تاجروں سے تعرض نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً: شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کے حکم کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً: حیدر آباد، لکھنؤ، رام پور میں احکام اس ملک کی اطاعت ومصالحت کی بناء پر جاری نہیں کئے‘‘۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ دینا ہندو کو نا جائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: "لایجوز دفع الزکوۃ إلی ذمی، وصح دفع غیر الزکاۃ من الصدقات: أی الذمی کصدقۃ الفطر"۔ زیلعی: ۱/۳۰۰(۱)۔

مگر احتیاط یہ ہے کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۸۵ھ۔

حج کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۷۱]: اگر کوئی حج کو جا رہا ہے اور اس کے پاس پیسہ کم پڑ جائے تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس خرچ کم ہو اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"ولا تدفع إلی ذمي لحدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج إلیه أی الذمي ولو واجباً کنذر وکفارة وفطرة، خلافاً للثاني، وبقوله یفتی". (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، مکتبہ رشیدیہ)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیہ)

(۲) (الدر المختار، المصدر السابق)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا"۔)

زکوٰۃ کا پیسہ بقدرِ ضرورت لے لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۸۹ھ۔

زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا

سوال[۴٦۷۲]: مسمیٰ رحمت اللہ کا انتقال ہوا جو بالکل مفلس تھا، مسمیٰ احمد حسن نے کفن دیا اور نیت کی کہ زکوٰۃ دے رہا ہوں یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ یہ پوچھنا ہے کہ زکوٰۃ کا وقت ابھی نہ تھا یعنی رمضان میں زکوٰۃ واجب ہوتی اور حسن نے نیت کی کہ آئندہ زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، نہ گذشتہ نہ آئندہ، ادائے زکوٰۃ کے لئے مصرف کو مالک بنانا ضروری ہے اور میت میں مالک بننے کی اہلیت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زکوۃ فطرہ سے کفنِ میت

سوال[۴٦۷۳]: بیت المال میں جو زکوۃ فطرہ کی رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے کسی غریب میت کے کفن دفن کے لئے خرچ کرنا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) "﴿وفي سبيل الله﴾، وهو منقطع الغزاة، وقيل: الحاج". (الدرالمختار). "أي منقطع الحاج، قال في المغرب: الحاج كالسامر بمعنى السمار في قوله تعالىٰ: ﴿سامراً تهجرون﴾. وهذا قول محمد، الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۱٦، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۱، باب المصرف، غفاريه)

(۲) "(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التمليك منه، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲٦۷، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر) .... =

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقمِ فطرہ وزکوۃ براہِ راست میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

رفاہِ عام کے کام میں زکوۃ صرف کرنا

سوال [۴۶۷۴]: زکوۃ کی رقم رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کنواں بنا دینا، کاروان سرائے، طلباء کے رہنے کے لئے کمرہ وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ مواقعِ مذکورہ میں اپنی خوشی سے بعد قبضہ کے دیدے تو صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

= (وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التمليك منه، الخ". (الدرالمختار، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في التاتارخانية، باب من توضع الزكاة فيه: ۲/۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لايصرف إلى بناء نحو مسجد .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء، الخ". (الدرالمختار) .... =

قبرستان کے مقدمہ میں زکوٰۃ لگانا

سوال[۴۶۷۵]: حضرت مفتی صاحب! ضروری گذارش ہے کہ قبرستان پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے، چندہ ہو رہا ہے، مگر بعض حضرات زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں تو مقدمہ کے اخراجات میں زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبرستان کے مقدمہ میں خرچ کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں، کسی مستحق کو دیدی جائے وہ مالکانہ قبضہ کے بعد اگر دیدے تو یہاں بھی خرچ کرنا درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

قتل کے مقدمہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۷۶]: ایک مسلمان نے کسی کو عمداً قتل کردیا اور اس کو پھانسی کا حکم ہوگیا اس کے بھائی چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے اس کی اپیل کریں اور پھانسی سے بچالیں تو قاتل کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کرکے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی(۲) اگر زکوٰۃ کا روپیہ اس کو نہ دیا جائے بلکہ برادری جمع کرکے اس کے

= "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، و كل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، غفاريه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا"۔)

(۲) "إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، رشيديه) =

مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

قاتل جو ناحق قتل کرے وہ سخت گناہ گار ہے جیسا اور کبیرہ گناہ کرنے والے زانی وغیرہ کا حال ہے ویسا ہی اس کا حال ہے، دیندار کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو اعلیٰ درجہ ہے اگرچہ گناہ گار کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور گناہ میں خرچ کرنیوالے کی اعانت گناہ ہے (۲)۔

زکوٰۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال [۴۶۷۷]: ایک موضع میں قریب بارہ برس سے ایک مسجد تیار ہے مگر اس کی چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار نہ ہو سکا، علاوہ اس کے اب مسجد ہی منہدم ہو چکی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت نازک ہے جس کی وجہ سے وہ مسجد اب تک اسی حالت میں ہے، مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی ہمت پست ہوگئی ہے، اب رہا یہ کہ ان لوگوں کا مصمم ارادہ ہے کہ جو رقم مثلاً فطرہ وقربانی وزکوٰۃ وغیرہ کی ہو اس کو وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں اور اس رقم سے مسجد کی مرمت، چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار کروانا چاہتے ہیں۔ اب مفصل کیفیت سے مطلع فرمائیں کہ یہ رقم مسجد میں صَرف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ وغیرہ میں مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور برادری کے مصرف کی چیزیں مثلاً فرش وسیع بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر سامان بنوا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقومِ مذکورہ کا تصدق واجب ہے یعنی کسی غریب کو جو کہ سیّد نہ ہو مالک بنا دینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے مسجد یا عیدگاہ یا برادری کے لئے فرش وغیرہ میں صرف کرنا ناجائز ہے، اگر کسی غریب کو بطور تملیک دیدی جائے اور اپنے قبضہ کے بعد خود مواقع مذکورہ کے لئے دیدے تو پھر مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے:

"وكذا من عليه الزكوٰة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة، لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم

= (وكذا في التاتار خانية، من توضع فيه الزكاة: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، من توضع فيه الزكاة: ۲/۴۳۴، غفاريه كوئٹه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا'' حاشیہ رقم: ۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الآية. [المائدة: ۲]

المتولي يصرف إلى ذلك كذا في الذخيرة، ١هـ". عالمگیری: ٢/٤٧٣(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ٢٦/١٢/٥٩ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ٢٧/١٢/٥٩ھ۔

مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال[٤٦٧٨]: ایک شخص جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہیں، مقروض ہے، لیکن اراضی اور مالِ نامی از قسمِ جانوراں رکھتا ہے، لیکن وہ جانور نصاب کے برابر نہیں، البتہ ان کی قیمت نصابِ چاندی کے برابر ہے، اسی طرح اراضیٔ زرعی کی پیداوار فصلی بھی اس کو مکتفی نہیں، لیکن اس اراضی کی اگر قیمت کی جائے تو نصاب چاندی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا وہ شخص زکوٰۃ یا صدقۂ فطر یا چرمِ قربانی لے سکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ غریب بالکل تنگدست اور مفلس ہے، قرضہ کا بوجھ رکھتا ہے؟

دوسری صورت وہ شخص جو اراضی اور مالِ نامی کا مالک ہے لیکن مقروض اور تنگدست ہے اس کو سرکاری نوکری سے تین چار سو روپے یا اس سے کچھ زیادہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے، لیکن حالت نہایت تنگی کی ہے، کثیر العیال کی وجہ سے روزی اس کی پوری نہیں ہوتی، قرض دار رہتا ہے، نصاب سونا چاندی کی بھی کوئی چیز نہیں رکھتا۔ کیا وہ شرعاً زکوٰۃ یا صدقۂ فطر لے سکتا ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ مفلس غریب آدمی کے لئے اس کی اراضی ملکیت اور تنخواہ معین اس کو استحقاق زکوٰۃ میں مانع ہے یا نہیں جبکہ وہ صاحب تنخواہ بالکل غریب اور تنگدست مقروض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو صدقہ، فطرہ، چرمِ قربانی کی قیمت لینا درست ہے(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ٢/٤٧٣، رشيديه)

(وراجع للتفصيل عنوان: "جمعیت علماء اسلام کو زکوٰۃ دینا"۔)

(٢) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدر المختار: ٢/٣٥٣، باب المصرف، سعيد) =

کیا زمیندار مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۷۹]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن قرضدار نہیں ہے، اگر وہ مدرسہ میں پڑھنا چاہے اپنے خرچ سے تو اس کو زمین بیچنی پڑے گی اور جو مال ہے اس میں اس کا تکفل نہیں ہوگا۔ اب زید کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہوگا یا وہ زمین بیچ کر پڑھے گا، اس کے لئے کون سی صورت جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین کی پیداوار پر اس کا گذارہ ہے اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں اور سال بھر کے خرچ کے بعد پیداوار اور مقدارِ نصاب نہیں بچتی لیکن اور نصاب جداگانہ اس کے پاس رہتا ہے تو بھی زکوٰۃ کا کھانا مدرسہ سے لینا درست نہیں (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۰]: ایک شخص کی بہت سی زمین ہے مگر وہ آباد نہیں، تو اس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ ان زمینوں سے اس کی حوائج پوری نہیں ہوتیں اور وہ مالِ نامی بھی نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

(۲) "ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف، ولا يحصل منه ما يكفي له ولعياله، اختلف فيه، قال ابن مقاتل:=

جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال[۴۶۸۱]: ایک شخص صاحبِ نصاب تو نہیں لیکن آسودہ اور فارغ البال ضرور ہے، ذاتی مکان بھی ہے اور کھانے وکپڑے وغیرہ کی کل ضروریات با آسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ وصدقات دینا درست ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ جو شخص ایسے کو زکوٰۃ دے اس کی طرف سے ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے مگر مالکِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینا درست ہے اور خود اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض نہیں، آسودہ ہونے کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا لینا درست ہے اور خود اس پر زکوٰۃ فرض نہیں:

"والأولیٰ أن یفسّر الفقیر بمن له ما دون النصاب، کما فی النقایة أخذاً من قولهم: یجوز دفع الزکوٰة إلیٰ من یملك ما دون النصاب، أو قدر نصاب غیر نام، وهو مستغرق فی الحاجة. اهـ". بحر: ۲۵۸/۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۴/۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= یجوز صرف الزکاة إلیه". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۸۵/۴، الثانی فی المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۸۹/۱، الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق: ۴۱۹/۲، باب المصرف، رشیدیه)

"ویجوز دفعها إلی من یملک أقل من النصاب وإن کان صحیحاً مکتسباً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۸۹/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲۷۸/۲، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۲۸/۲، باب المصرف، رشیدیه)

جس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں کیا وہ مستحق زکوۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۲]: خالد جو مستحق زکوۃ تھا زکوۃ لیتا تھا، اب اس کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کی خدمت میں جو ہوتی ہے کس طرح پوری ہوسکتی ہے، اب اگر وہ مال زکوۃ لے کر اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے تو جو لوگ اس کو دیتے ہیں وہ بلا مانگے دیتے ہیں اب وہ لے کر دوسرے مستحقین زکوۃ کو پہونچا سکتا ہے یا نہیں (یعنی جو لوگ پہلے سے دیتے آئے ہیں وہ دیتے ہیں خالد لے کر اپنے استعمال میں نہیں لایا، دوسرے جو مستحق ہیں ان کو پہونچا دیا) ایسا کرنا خالد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب بغیر زکوۃ لئے اس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں تو اچھا ہے کہ زکوۃ دینے والوں سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری ضروریات اب پوری ہوجاتی ہیں آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں (۱)۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

تعمیرِ اسکول میں زکوۃ

سوال[۴۶۸۳]: ایک پرائمری اسکول ہے جہاں اکثر یتیم وغریب بچے پڑھتے ہیں، سرکاری نصاب کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے، حکومت کی طرف سے اس کی تعمیر کے لئے کوئی امداد نہیں ملتی۔ ایسے اسکول کی تعمیر کے لئے عشر وصدقات وغیرہ دینا اور خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کو براہِ راست تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صدقۂ جاریہ میں زکوۃ کا مصرف

سوال [۴۶۸۴]: مالِ زکوۃ اصل میں تو غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت کرنے کے لئے شریعت نے مالداروں کو مالکِ نصاب کو مجبور کیا ہے کہ بحسابِ شریعت زکوۃ دے کر ان کی حاجت روائی کریں۔ اب صدقۂ جاری ہیں، مال زکوۃ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں اکثر غریبوں کے لڑکے پڑھتے ہیں اور راستہ اور سراؤں میں مسافر وغیرہ کے اندر صَرف ہوتے ہیں جیسے مکتب اور اسکول تیار کرتے ہی خرچ کرنا، یا مکتب اور اسکول میں خرچ کرنا، راستہ بنانا، پانی کے لئے کنواں کھدوانا وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے مستحق کو مالک بنادینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے زکوۃ ادا نہ ہوگی (۲)۔ کنواں، راستہ، اسکول، مکتب میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، لہٰذا تعمیر کے لئے ان مواقع میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے، البتہ اگر غریب مستحق طلباء کو مالک بنادیا جائے خواہ روپیہ دے کر خواہ کتاب دے کر، خواہ کپڑوں وغیرہ دے کر تو ادا ہوجائے گی۔ اگر غریب مستحق کو بطورِ ملک زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں

---

(۱) "لایجوز أن یبني بالزکوۃ؛ لأن التملیک شرطٌ فیها، ولم یوجد، وکذا لایبنی بها القناطیر والسقایات .... اهـ". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیه، باب من توضع الزکوۃ فیه: ۲/۲۷۴، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکوۃ فیه، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامر". (الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۱، باب المصرف، دارالکتب العلمیة بیروت)

صرف کردے تو درست ہے براہِ راست کی گئی تنخواہ اور معاوضہ میں دینا صحیح نہیں:

"زكوة هي تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص، الخ". مراقي الفلاح، ص: ٤١٤(١)۔ "ولا يجوز أن يبنى بالزكوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك منه، الخ". فتاوىٰ عالمگیری: ١/١٨٨(٢)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (حاشية الطحطاوي، كتاب الزكوة، ص: ٧١٣، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسيرها .... ١/١٧٠، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ١/١٨٨، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٤٦٢، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٢/١٢١، دار الكتب العلمية، بيروت)

"أن الحيلة أن يتصدق على فقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٢/٣٤٥، سعيد)

فصل فی صرف الزکوٰۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان)

مدارس میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۵]: ۱......اہلِ مدارس، مدارس کے جملہ اخراجات کے لئے مدرسہ کے نام و پتہ کی چھپی ہوئی رسیدوں پر زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرتے ہیں یہ ان کا خودساختہ نواں مصرف ہے۔

۲......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، روداد، کارڈ کے سہارے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی وصولی کا مروجہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

۳......اس جدید اختراعی طریقۂ وصولی کو بروئے کار لانے کے لئے علماء وفقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہیں اجماع نہیں ہوا، اس پر عمل کرنے والے جو یہ نہیں جانتے کہ کس کی سنت ہے؟

۴......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا تعلیمی مشغلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵......زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے لئے طلبائے علمِ دین کی حیثیت بالکل غیر منصوص ہے۔

۶......مدارس ومکاتیب نہ بیت المال ہیں نہ مثلِ بیت المال اور نہ ان کے محصلین "عاملین علیہا" ہیں۔

۷......مدارس کے محصلین زکوٰۃ دہندگان پر مسلط کئے گئے وکیل ہوتے ہیں۔

۸......معطیانِ زکوٰۃ پر وکیل مسلط کرنا غیر شرعی ہے، یہ تجارتی نقطۂ نظر ہے۔

۹......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، کارڈ، وغیرہ کی طباعت بھی تجارتی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے اور ان کی طباعت میں قوم کا ہزاروں روپیہ فضول خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۰......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی آدھی رقم مدارس کے مقررہ غیر شرعی وکیل اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔

۱۱......یہی رقم مدرسین کی تنخواہوں میں، دارالاقامہ ومدارس کی تعمیر ومرمت میں کلینڈر، چارٹ، رسیدوں

وغیرہ کی طباعت میں مقدمات اور مہمان نوازی وغیرہ میں صَرف کی جاتی ہے، جب کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۱۲......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم کا بہ مشکل دسواں حصہ ہی غریب طلباء پر خرچ ہوتا ہے۔

۱۳......اہلِ مدارس اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مستحق طلباء کو مالک نہیں بناتے اور زکوٰۃ جب تک مستحق کی ملکیت میں نہیں دی جاتی، ادا نہیں ہوتی۔

۱۴......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرمادیا کرتے تھے(۱) اہلِ مدارس زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم سالہا سال تحویل میں رکھتے ہیں، نہ جانے یہ کس کا طریقہ ہے؟

۱۵......کسی مستحق کو زکوٰۃ کی رقم اتنی دی جائے کہ وہ صاحبِ نصاب نہ بن جائے، اہلِ مدارس اتنی رقوم جمع کر لیتے ہیں کہ اگر وہ مستحق طلباء میں تقسیم کی جائے تو وہ سب ہی صاحب نصاب بن جائیں اور کثیر رقم بچ جائے۔

۱۶......ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا مکروہ ہے، اہلِ مدارس دور دراز شہروں سے زکوٰۃ وصول کراتے ہیں۔

۱۷......اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گار اور مشرک وکافر کا بھی ایک دن کے لئے کھانا بند نہیں کرتے، لیکن اہلِ مدارس اِنہیں مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا مہینوں بند رکھتے ہیں جب کہ وہ امتحان میں کم نمبر پاتے ہیں، جب کہ اُنہیں کا نام لے کر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں۔

۱۸......ان مدارس میں بعض ایسے محصّل بھی ہوتے ہیں جو وصول کم اور خرچ زیادہ کرتے ہیں، اپنے خرچ کی بقیہ رقم مدرسہ کی تحویل سے لیتے ہیں۔

۱۹...... کلامِ الٰہی اتنا مطہر ہے کہ مومن پاک ہونے پر بھی بلا وضو چھو نہیں سکتا، اس علمِ نبوت کے حاصل کرنے اور کرانے والے کے لئے میل کچیل کا استعمال علمِ مطہر کی توہین ہے۔

---

(۱) "عن ابن أبي ملكية أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (صحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

۲۰..... زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کے مطلق آٹھ مصارف ہیں (سورۂ توبہ رکوع: ۱۴)

۱-فقراء جن کے پاس کچھ نہ ہو۔۲-مساکین جن کو بقدرِ ضرورت میسر نہ ہو۔۳-عاملین علیہا جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات پر مامور ہوں۔

۴-مؤلفۃ قلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مصرف باقی نہیں رہا۔۵-رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرانے میں۔۶-غارمین یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ آپڑا اور وہ مقروض ہوگئے۔۷-فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ جانے والے کو۔۸-ابن السبیل وہ مسافر جو بحالتِ سفر مالکِ نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔

محی الدین سنگاہی کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے، تقریباً بتیس آیات میں اقامتِ صلوۃ کے ساتھ ایتاء زکوۃ کا بھی حکم ہے(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ (الآية)(۲)۔

زکوۃ کے مصارف بھی بتائے گئے ہیں: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ (الآية)(۳)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوۃ وصول کرنے کے لئے اپنی طرف سے آدمی مقرر کر کے بھیجے ہیں (۴)، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تو

(۱) "قرنها بالصلوة من اثنين وثمانين موضعاً في التنزيل دليل على كمال الاتصال". (الدر المختار).
"(قوله: في اثنين وثمانين موضعاً) كذا عزاه في البحر إلى مناقب البزازية، وتبعه في النهر والمنح. قال ح: وصوابه اثنين وثلاثين كما عده شيخنا السيد رحمه الله تعالى". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵٦، سعيد)

(۲) (التوبة: ۱۰۳)

(۳) (التوبة: ٦۰)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل: منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس .... الخ". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۵٦، كتاب الزكوة، الفصل الأول، قديمي)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال کا عزم فرمایا جیسا کہ صحاح کی روایت میں موجود ہے (۱) زکوٰۃ کے لئے ترغیب دینا، آدمیوں کے ذریعے پیغام بھیجنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے صاف صاف منقول ہے (۲)۔

دینی مدارس کے غیر مستطیع طلبہ جو کہ سید نہ ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں اور فقراء ومساکین میں داخل ہیں (۳) اس نوع کو نویں قسم قرار دینا غلط ہے، علم دین کی تحصیل کوئی جرم نہیں کہ جس کی وجہ سے فقر ومسکنت کے با

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبو بكر بعده .... فقال أبوبكر: والله لأقاتلنّ من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكوة حق المال، والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، قديمي)

(۲) "عن أبي حميد الساعدي رضي الله تعالىٰ عنه قال: استعمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلاً من الأسد على صدقات بني سليم يُدعى ابن اللتبية، فلما جاء حاسبه". (صحيح البخاري: ۱/۲۰۳، باب قول الله تعالىٰ والعاملين عليها الخ، قديمي)

"أجمع المسلمون في جميع الأعصار على وجوب الزكاة، واتفق الصحابة رضي الله تعالى عنهم على قتال مانعها، فمن أنكر فرضيتها كفر وارتد إن كان مسلماً، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۹۲، فرضية الزكاة، رشيديه)

(۳) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجهٍ، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

"ان طالب العلم يجو له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى مالا بدمنه". (الدرالمختار).

"وفي المبسوط لايجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج لقوله عليه الصلاة والسلام: "لايجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة" ...... =

وجود زکوٰۃ دینا منع ہو۔

معترض صاحب نے جو اپنے ہینڈبل کے نمبر: ۲۰ میں تلقین کی ہے کہ ''کسی طالب علم کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ براہ راست دیجئے''۔ تو انہوں نے یہ نیا مصرف کہاں سے نکالا؟ نیز اسی ہینڈبل میں نمبر: ۲۰ میں یہ بھی گلہ کیا ہے کہ ''طلباء پر رقم زکوٰۃ کی کم خرچ کی جاتی ہے اور ان کو مالک نہیں بنایا جاتا''، اگر یہ مصرف نیا اور نواں ہے جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے پھر گلہ کیوں ہے؟ معترض صاحب کے ہینڈبل کے نمبر: ۱۴ میں یہ لکھنا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم کر دیا کرتے تھے''(۱) اور اس کو کلیہ سمجھنا حدیث پاک اور سیرتِ مبارکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ''صدقہ کی حفاظت کے لئے ایک صحابی کو مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی، رات کا وقت تھا، ایک چور آیا اس نے اس میں سے کچھ لیا، انہوں نے نیت توڑ کر اس کو پکڑ لیا کہ چل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس نے معذرت کی کہ آمدنی کم ہے اور عیال زیادہ اس لئے میں نے ایسا کیا آئندہ نہیں کروں گا، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو جب حاضر خدمت ہوئے تو یہ واقعہ پیش ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جھوٹا ہے پھر آئے گا''۔ چنانچہ دوسری اور تیسری رات جب انہوں نے خدمت اقدس میں لے جانے پر زور دیا تب اس نے کہا کہ میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جہاں اس کو پڑھ دیں گے وہاں نہ آؤں گا اور اس نے آیت الکرسی بتلائی، پھر صبح کو خدمت اقدس میں حاضری ہوئی قصہ بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جھوٹا مگر

= والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لاغنى له عنها، فحينئذٍ إذا لم يجز له قبول الزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ماعنده ومكث محتاجاً، فينقطع عن الإفادة والاستفادة، فيضعف الدين لعدم من يتحمله .... قلت: وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب إذ بدونه لايحل له السؤال". (ردالمحتار: ۲/۳۴۰، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(۱) "عن ابن أبي مليكة أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر، فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (الصحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

بات سچی بتا گیا، وہ شیطان تھا'' (۱)۔

اگر تمام صدقات سونے سے پہلے تقسیم فرمادینے کا حتمی معمول تھا تو آخر اس کی نوبت کیوں آئی، نیز اہل عرینہ کا واقعہ بھی بخاری شریف اور دیگر صحاح میں مذکور ہے کہ ''ان کو مدینہ کا پانی موافق نہیں آیا مریض ہو گئے تو ان کو ایک جگہ بھیج دیا کہ ''وہاں صدقہ کے اونٹ چرتے ہیں، وہاں جاکے رہو سہو'' چنانچہ وہ گئے اور کچھ روز تک رہے تندرست ہو گئے، راعی کو قتل کیا، مثلہ کیا، اونٹوں کو بھگالے گئے، جس وقت خبر پہنچی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے کے لئے آدمی بھیجے، وہ پکڑے ہوئے آئے'' (۲) اگر سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیتے تھے تو اتنے روز تک یہ صدقے کے اونٹ کیسے باقی رہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقات واجب التملیک کی حفاظت کا مستقل انتظام فرما رکھا تھا، وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ومصلحت مستحقین کو دیتے تھے (۳)۔ صحابہ کرام تمام امت سے افضل

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: وكّلني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحفظ الزكاة رمضان، فأتاني اٰتٍ، فجعل يحثو من الطعام فأخذته، فقلت: لأرفعنك إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقصّ الحديث فقال إذا أويت إلى فراشك فاقرأ آية الكرسي لن يزال من الله حافظا ولا يقربك شيطان حتى تصبح وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدقك وهو كذوبٌ ذاك الشيطان".
(صحيح البخاري: ۲/۷۴۹، فصل البقرة، قديمي)
(وجامع الترمذي: ۲/۱۱۵، باب ماجاء في سورة البقرة، وآية الكرسي، سعيد)

(۲) "عن قتادة أن أنساً رضي الله تعالىٰ عنه حدثهم أن ناساً من عكل وعرينه قدموا المدينة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وتكلموا بالإسلام، فقالوا: يا نبي الله! إنا كنا أهل ضرع ولم نكن أهل ريف، واستوخموا المدينة، فأمرهم رسول الله بذود راعي، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها فانطلقوا ناحية الحرة كفروا بعد إسلامهم وقتلوا راعي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستاقوا الذود فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فبعث الطلب في آثارهم فأمربهم فسمّروا أعينهم وقطعوا أيديهم وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم". (صحيح البخاري: ۲/۶۰۲، باب قصة عكل وعرينة، قديمي)

(۳) "وقد بلغ من عدل عمر أنه كان يحرص كل الحرص على دفع أعطيات المسلمين إليهم في مواعيدها لافرق بين عامة وخاصة .... وكذلك كان أحرص الناس على اموال المسلمين =

تھے (۱)، اصحاب صفہ کا ایک خاص مقام تھا کہ قرآن کریم اور علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے تھے، اہل وسعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صدقات ان کو دیا کرتے تھے (۲) تو قرآن کریم وعلم دین حاصل کرنے کے لئے آدمی کا طاہر ومطہر ہونا ضروری ہے تو یہ صدقات ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرے صحابہ کی طرف سے کیوں دیئے جاتے تھے؟

= ومصالحهم، فكثيرما كان يرى وهويد هن إبل الصدقة وكان عمر رضى الله تعالىٰ عنه يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه والفضل، والأخذبهذا في زماننا أحسن، الخ". (ردالمحتار: ۴/۲۱۹، مصارف بيت المال، سعيد)

(۱) "عن عبدالله عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير أمتى قرنى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم".

قال النووى رحمه الله: اتفق العلماء على أن خير القرون قرنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمراد أصحابه، وقد قدمنا أن الصحيح الذى عليه الجمهور أن كل مسلم راى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولو ساعةً فهو من أصحابه. ورواية "خير الناس" على عمومها، والمراد منه جملة القرن". (الصحيح للإمام مسلم مع شرحه للإمام النووى: ۲/۳۰۸، ۳۰۹، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم .... الخ، قديمى)

"قال القاضى: ويؤيد هذا ما قدمناه فى اول باب فضائل الصحابة عن الجمهور من تفضيل الصحابة كلهم على جميع من بعدهم". (شرح الصحيح لمسلم للنووى: ۲/۳۱۰، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة، قديمى)

"والصحابة كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتدبه".

"فى شرح السنة قال أبو منصور البغدادى: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، ومن له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذٰلك السابقون الأولون". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۱/۳۵۵، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين، حقانيه)

(۲) "قال عليه الصلوة والسلام: "أهل الصفة أضاف الإسلام: لايأوون على أهل ولامال ولا على أحد، إذا أتته صدقة بعث بها إليهم ولم يتناول منها شيئا، وإذا أتته هدية أرسل إليهم وأصاب منها وأثرلهم فيها". =

ایک شہر سے دوسرے شہر کو زکوۃ بھیجنا یا منتقل کرانا اگر ہر صورت میں مکروہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف بستیوں میں جاتے تھے (۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا انتظام فرمایا تھا کہ دوسرے شہروں میں سے زکوۃ منگوائی جاتی تھی (۲)، اگر اپنے عزیز رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو وہاں بھیجنا بھی مکروہ نہیں، اسی طرح زیادہ دیندار دوسری جگہ ہوں تو بھیجنا مکروہ

= قال الحافظ: "وتقدم في "باب علامات النبوة" وغيره حديث عبد الرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة وكانوا ناساً فقراء وأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث". (فتح الباري: ۱۱/۲۸۱-۲۸۶، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي وأصحابه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "الحادي عشر: في قوله "تؤخذ من أغنيائهم" دليل على أن الإمام يرسل السُّعاة إلى أصحاب الأموال لقبض صدقاتهم، وقال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن الزكوة كانت ترفع إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإلى رسله وعُمّاله وإلى من أمر بدفعها إليه". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۸/۳۴۳، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، رشيديه)

"وقال غيرهم: إنه يجوز مع كراهة لماعلم بالضرورة أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يستدعي الصدقات من الأعراب إلى المدينة، ويصرفها في فقراء المهاجرين والأنصار، كما أخرج النسائي من حديث عبدالله بن هلال الثقفي قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فقال: كدت أقتل بعدك في عناق أو شاة من الصدقة، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لولا أنها تعطى فقراء المهاجرين ما أخذتها. ولِمَا أخرج البيهقي وعلّقه البخاري عن معاذ أنه قال لأهل اليمن: ائتوني بكل خميس وليس آخذه منكم مكان الصدقة، فإنه أرفق بكم وأنفع للمهاجرين والأنصار بالمدينة".
(نيل الأوطار: ۴/۲۱۵-۲۱۶، كتاب الزكوة، أبواب تفرقة الزكاة في بلدها، دار الباز مكه مكرمه)

"ومن الثاني حديث محمد بن مسلمة أنه يعمل لصدقة في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فكان يأمر الرجل إذا جاء بالفريضة أن يأتي بعقالها وقرانها". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

(۲) "وقال ابن الأثير: قد جاء في الحديث مايدل على القولين، فمن الأول حديث عمر أنه أخّر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وائتني بالآخر يريد به =

نہیں، کتب فقہ، البحر الرائق (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، مجمع الانہر (۴) میں یہ مسائل مذکور ہیں، تو اگر دور دراز سے لوگ دینی مدارس میں زکوٰۃ بھیجیں جن کے رشتہ دار پڑھتے ہیں اور جہاں زیادہ حاجت مند ہیں اور جہاں زیادہ اہل دین ہیں تو کوئی کراہت نہیں (۵)۔

= صدقة عاملين". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

"عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه، فعمل به أبوبكر حتى قبض، ثم عمل به عمر حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، كتاب الزكوة، باب زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء هلال أحدُ بني مُتعانَ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعشور نحل له وكان سأله أن يحمي وادياً يقال له: سلبة، فحمى له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذلك الوادي. فلما وُلّي عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، كتب سفيانُ بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك، فكتب عمر: إن أدّى إليك ما كان يؤدي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من عشور نحله فأحمِ له سلبة، وإلا فإنما هو ذباب غيث يأكله من يشاء". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۳، كتاب الزكوة، باب زكاة العسل، امداديه ملتان)

(۱) "وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين أجري الصدقة والصلة وللأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج، فمن كان أحوج كان أولى، وليس عدم الكراهة منحصراً في هاتين؛ لأنه لونقلها إلى فقير في بلد آخر أورع وأصلح كما فعل معاذ رضي الله عنه، لايكره، ولهذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل، كذا في المعراج". (البحرالرائق، باب المصرف: ۲/۴۳۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، سعيد)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۴) (مجمع الأنهر، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "وكره نقلها، إلا إلى قرابة أو أحوج أو أورع أو أنفع للمسلمين، أومن دارالحرب إلى دارالإسلام، أو إلى طالب علم أوإلى الزهاد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۳۵۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳،باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۳۵،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

البتہ زکوٰۃ کا مستحق کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے خواہ اس کو نقد دیا جائے یا اس کی ضرورت کے مطابق گرمی سردی کے کپڑے دیئے جائیں یا کتابیں دی جائیں یا ان کو کھانا دیا جائے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہوں میں، تعمیر میں، کلینڈر، رسید وغیرہ طبع کرانے میں خرچ کرنا درست نہیں ہے(۱) جوار باب مدارس ایسا کرتے ہیں ان کو اس کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

اللہ پاک نے براہ راست ﴿آتوا الزکوۃ﴾(۲) کا خطاب فرمایا ہے پھر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حکم دیا یعنی مسلط فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾(۳) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسلط فرمایا، یمن کے دو ڈویژن تھے ایک پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلط فرمایا وغیرہ وغیرہ (۴) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عاملین کو مقرر فرمادیا اور جنہوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا، ان سے قتال کے لئے آمادہ ہوگئے پھر ان کے بعد دیگر خلفاء نے اس سلسلہ کو باقی رکھا (۵)۔

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مرّ، لايصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) (سوره البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة التوبة: ۱۰۳)

(۴)" عن أبي بردة قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبا موسى ومعاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنهما اليمن، قال: بعث كل واحدمنها على مخلاف، -قال: واليمن مخلافان-، ثم قال:" يسّرا ولاتعسرا"......... فانطلق منهما إلى عمله". (صحيح البخاري: ۲/۶۲۲، باب بعث أبي موسى ومعاذبن جبل إلى اليمن، قديمي)

(والسنن لأبي داؤد: ۱/۲۲۲، باب زكاة السائمة، سعيد)

(وكذافي المحيط البرهاني: ۲/۴۴۱، الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه، غفّاريه)

(۵) "عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه فعمل به أبوبكر حتى قبض ثم عمل به حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، =

آج تسلیط کی قوت نہیں، ترغیب وترہیب کا وقت ہے یہ سلسلہ جاری ہے، جس طرح کسی آدمی کے ذریعہ زبانی پیغام دے کرزکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح خط، اشتہار وغیرہ کے ذریعہ ترغیب دی جاتی ہے، اس پراعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ریل اور جہاز میں سوار ہوکر حج کرنا کہاں سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اونٹ پرسوار ہوکر مسافت طے فرمائی ہے، ریل اور جہاز سے سفر نہیں فرمایا؟ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل ناسمجھی کا ہے۔

اگر تربیت وتہذیب کے لئے کوئی سزا مناسب تجویز کی جائے جو حدودِ شرع کے اندر ہوتو اس میں کیا مضائقہ ہے، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کافر ومشرک کا کھانا بند نہیں کرتے تو مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا کیوں بند کیا جاتا ہے؟ یہ بھی ناسمجھی پر مبنی ہے، کسی شخص سے زنا کا صدور ہوجائے اس کو سنگسار کیا جاتا ہے یا کوڑے مارے جاتے ہیں، اگر کوئی سوال کرنے لگے کہ کافر ومشرک کفر وشرک میں مبتلاء ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نہ سنگسار کرتے ہیں نہ کوڑے مارتے ہیں تو مسلمان کو یہ سزا کیوں دی جاتی ہے۔ کوئی شخص تہذیب سکھانے کے لئے اپنے بچے کی کمر پر چپت ماردیتا ہے جس سے اس کی غلطی پر تنبیہ ہو اگر وہ بچہ مطالبہ کرے کہ جو غلطی میں نے کی اس سے بڑی غلطی کافر کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو انہیں چپت نہیں مارتا، آپ نے مجھے چپت کیوں ماری؟ ظاہر ہے کہ اس کا قول ناسمجھی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اس میں بات سمجھنے کی اہلیت وصلاحیت ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الزكوة، باب في زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لما توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبوبكر بعده، وكفر من كفر من العرب .... فقال أبوبكر: والله! لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله! لومنعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۳، كتاب الزكوة، امداديه)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس الخ، قديمي)

"فمن الأول حديث عمر أنه أخر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وأئتني بالآخر" يريد به صدقة عامين. وحديث معاوية: أنه بعث ابن رضية عمرو بن عتبة بن أبي سفيان على صدقات كلب". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا

سوال[۴۶۸۶]: کیا صدقۂ فطر، قربانی کی کھال اور زکوٰۃ وغیرہ دینی مدارس میں دے سکتے ہیں، اسی طرح کیا انہیں مساجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

یہ چیزیں براہ راست مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے کسی ملازم کی تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ دینی مدارس کے مستحق طلباء پر صرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا

سوال[۴۶۸۷]: ایک بہت بڑا موضع مسلمانوں نے آباد کیا ہے مگر وہاں کے لوگ بہت جاہل اور لاعلم ہیں، عام طور سے غیر مستطیع ۸۵/ فیصد ہیں، شرعی و مذہبی رسم ورواج سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہاں پر ایک مکتب جاری کیا گیا، بے حد کوشش کی گئی کہ مکتب میں کوئی رقم ماہانہ دی جائے لیکن لوگوں نے نہیں دیا، مکتب بار بار مع عمارت کے ختم ہوتا گیا لیکن لوگوں نے توجہ نہیں کی۔ یہاں کے لوگ وعظ و پند کی کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مکرّر، سہ کرّر لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن برابر ناکامی رہی، یہ دیکھ کر ایک صاحب نے کوشش کر کے چالیسواں حصہ غلہ، فطرہ، زکوٰۃ، کچھ معمولی رقم بیرونی حضرات سے اعانت لے کر مدرسہ چلانا شروع کیا اور عمارت بھی بنوایا، ابھی بن رہا ہے۔

اب مدرسہ میں مدرسین ہیں، علاوہ دینیات کے ہندی اور جغرافیہ حساب وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اب نادار طلبہ کو مدرسہ سے کتابیں دی جاتی ہیں مگر اب تک گاؤں کے لوگوں نے اس پر توجہ نہیں کی اور نہ کچھ مدد کرتے ہیں صرف چالیسواں غلہ سے کچھ مدد کر دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عموماً جاہل اور بخیل ہیں، مذہبی قانون سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، یہاں مدرسہ اسلامیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ بحالتِ مجبوری ہر قسم کی

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''مدارس میں زکوٰۃ دینا''۔)

(وکذا فی الفتاوىٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف الزکاۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳/۱۹۵۸، مصارف الزکاۃ، رشیدیہ)

9

رقوم سے مدرسین کی تنخواہ دے جاسکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن رقوم (زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی، نذر، کفارۂ یمین وصوم وغیرہ) میں تملیک ضروری ہے، ان کو تعمیر یا تنخواہ میں براہ راست صرف کرنا جائز نہیں (۱)، ایسا کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ غریب طلباء پر بصورتِ لباس، طعام وغیرہ تملیکاً صَرف کرنا ضروری ہے (۲)، البتہ نفلی خیرات وصدقات کو تعمیر وتنخواہ میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے (۳)۔

جو حضرات اہلِ دین مدارس چلاتے ہیں اور طریق سے واقف ہیں، نیز اللہ پاک نے ان کو خشیت اور تقویٰ بھی عطا فرمایا ہے ان کے وعظ کرائیں اور ان سے مشورہ لیں، اپنی بستی کی حالت ان کو دکھائیں، وقتاً فوقتاً بستی کے لوگوں کو دیگر مقامات پر دینی مدارس کا معائنہ کرائیں، کہ کس طرح وہ مدارس چلاتے ہیں اور ان کی کیسی کیسی علمی وعملی واخلاقی ترقیات ہوتی ہیں اور ان سے مخلوق کو کس قدر ہدایت ہوئی ہے اور فیض پہونچتا ہے، اس سے ان کے دلوں میں بھی شوق اور علمِ دین کا جذبہ پیدا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا۔'')

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزكاة، ادارة القرآن)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امداديه)

(۳) "فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به. وفي الفتاوىٰ العتابية: وكذلك يجوز النفل للغني الخ". (التاتارخانية: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۴، باب المصرف، امداديه)

بچیوں کے مدرسہ میں زکوۃ دینا

سوال[۴۶۸۸]: ایک بچیوں کا مدرسہ قائم ہوا جس میں دینی تعلیم ہو رہی ہے لیکن اس کی مالی حالت کمزور ہے اس لئے دریافت طلب امر یہ کہ:

(الف)......کیا اس مدرسہ میں زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور اگر دی جاسکتی ہے تو دینے والا کس کو دینے کی نیت کرے؟ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ زکوۃ میں تملیک شرط ہے تو کیا غریب اور نابالغ بچیوں کی نیت سے زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

(ب)......زکوۃ کی رقم مدرسہ کے ذمہ دار کو دی جائے گی اور وہ ذمہ دار بچیوں کو دے کر حیلۂ تملیک کرے گا تو کیا بچیاں اس سے مدرسین کی تنخواہیں ادا کرسکتی ہیں؟

(ج)......کیا بچیوں کو دے کر پھر اس رقم کو ان سے بطور فیس واپس لے کر مدرسہ کے حساب میں جمع کیا جاسکتا ہے اور پھر اس سے تنخواہیں دی جاسکتی ہیں؟

(د)......نیز اس طرح صدقات، خیرات، فطرہ، عید قربانی پر کھال کی قیمت، عقیقہ پر بکرے کی کھال کی قیمت، فدیہ وغیرہ بھی ان بچیوں کی نیت سے دیگر ذمہ دار مدرسہ بحیلۂ شرعی اس کو ان سے لے کر عطیہ میں جمع کر سکتے ہیں اور ان سے تنخواہیں وغیرہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس دینی مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نہ کوئی وقف کی آمدنی ہے، نہ چندہ ہوتا ہے، نہ فیس وصول ہوتی ہے تو بدرجۂ مجبوری رقم واجب التملیک کو اس طرح صرف کرنا درست ہے کہ مستحق زکوۃ لڑکیوں کو تملیکاً دیدیں اور وہ مالک وقابض ہونے کے بعد مقررہ فیس میں ذمہ دار کو دیدیں، پھر ذمہ دار اس رقم کو تنخواہ یا دیگر ضروریات میں صرف کردے۔

لڑکیاں اگر چھوٹی ہوں اور ان کے اولیاء مستحق زکوۃ ہوں تو زکوۃ ان کے اولیاء کو بھی اس مقصد کے لئے دی جاسکتی ہے اور ذمہ دارِ مدرسہ، معلّمہ وغیرہ کو بھی دی جاسکتی ہے اس تشریح کے ساتھ کہ یہ زکوۃ ہے،

زکوٰۃ، فطرہ، قیمت چرمِ قربانی، نذر وغیرہ سب کا حکم یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/۹/۱۳۸۸ھ۔

نیم سرکاری مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۹]: گنگوہ میں ایک مدرسہ اسلامی محض قرآن کی تعلیم نیز ضروری حساب واردو کی تعلیم کے لئے کھولا گیا تھا جس کے اخراجات کی یہ صورت تھی کہ مسلمانوں سے کسی قدر بطور چندہ لیا جاتا تھا، جب اس چندے سے مدرسہ کا خرچ نہ چلا تو زکوٰۃ کی مد سے نیز چرم قربانی کا روپیہ لوگوں سے حاصل کر کے بحیلہ جواز مدرسہ میں صَرف کرنے لگے، چند روز اسی طرح کاروائی کی گئی بعد میں سرکاری امداد بھی اس قدر امداد کا مطالبہ کیا، چنانچہ اس وقت تک سرکاری امداد بھی اس قدر مل رہی ہے جو اخراجاتِ مدرسہ کو کافی ہے یعنی مدرسہ ھٰذا میں چار مدرس ہیں ان کی تنخواہوں کو کافی ہے۔ رہا مدرسہ کا کرایہ یا سامان وغیرہ کا خرچ وہ بھی چندہ وغیرہ طلبہ سے وصول کر کے پورا کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ مدرسہ مجبوری کی وجہ سے سرکاری ضابطہ کے ماتحت کاروائی کرنے پر مجبور ہوگیا جس میں جبریہ تعلیم کی زد سے بچوں کی تعلیم میں رخنہ اندازی بھی ہورہی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ مدرسہ خالص اسلامی تو رہا نہیں سرکاری سرپرستی میں آگیا پس اس مدرسہ میں بصورتِ متذکرہ بالا زکوٰۃ اور چرم قربانی کا روپیہ بحیلۂ جواز لگانا درست ہے یا نہیں جب کہ اس مدرسہ کا خرچ معلموں کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے؟ نیز مدرسہ کے روپیہ کو مہتمم اپنے ذاتی کام میں بطورِ قرض تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ جب مستحق کے پاس پہنچ گئی تو وہ ادا ہوگئی، اب اس نے جس کام کے لئے وہ روپیہ مدرسہ میں دیا

---

(۱) "یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیرمراهق إلا إذاقبض لهمامن یجوزله قبضه کالأب والوصی وغیرهما".

(ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۹۰/۱، الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)

(وکذافی المحیط البرهانی: ۴۳۴/۲، الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارةالقرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

ہے اس کی ہدایت کے موافق خرچ کرنا درست ہے اور یہی حال قیمتِ قربانی کا ہے(۱)۔مدرسہ کا روپیہ مہتمم کے پاس امانت ہے اپنے ذاتی کام میں صرف کرنا درست نہیں، اگر صرف کرے گا تو وہ قرض ہو جائے گا امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۵/۵۶ھ۔

جب مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہیے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لئے غرباء اور طلبائے مدارسِ اسلامیہ اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں(۳)۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

مدرسہ میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا

سوال[۴۶۹۰]: دینی مدارس میں زکوٰۃ دینے والے مہتمم مدرسہ کو اس طرح دیتے ہیں کہ وہ صحیح

---

(۱) "لا يجوز الزكاة، إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز قبضه له، لولايته عليه كالأب والوصي، الخ". (التاتار خانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۳۳۴، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) "الوديعة لاتودع ولاتعار ولاتوجر ولا ترهن، فإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة: ۴/۳۳۸، رشيديه)

(۳) "التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف، كتاب الزكاة: ۱/۱۸۷، رشيديه)

"وبهذا التعليل يقوى مانسب للواقعات من أن طالب العلم يجوزله أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلىٰ مالا بدمنه". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۳/۳۳۵، رشيديه)

مصرف میں خرچ کرے، گویا مہتمم صاحب وکیل ہوتے ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ طلباء کی خوراک پوشاک میں بایں طور دینا جائز ہے کہ نہیں کہ زکوٰۃ کے روپے کا گندم وسالن وغیرہ خرید کر عام مطبخوں کی طرح تیار کرا کے تقسیم کردیا جائے، یا روپیہ ہی کا طلباء کو مالک بنا دیا جائے؟

عبداللطیف، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ، ضلع مظفرنگر، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے روپے سے غلہ خرید کر مطبخ میں کھانا پکا کر مستحقین طلباء کو کھانے کا مالک بنا کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور نقد روپیہ دینے سے بھی ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۳ھ۔

فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال [۴۶۹۱]: زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے إبقاء اور ارتقاء اور استحکام کے پیشِ نظر بطورِ پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لی جاتی ہے۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی تو نہیں؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کر کے حیلۂ تملیک کرے اور پھر حسب مصالح صَرف کرتا ہے تو حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ لینے سے انکار کردے تو وقت ضرورتِ زکوٰۃ ملنا دشوار ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے بقاء وارتقاء اور استحکام کے لئے صورتِ مسئولہ اختیار کرنا درست ہے، تملیک سے زکوٰۃ فوراً

---

(۱) "هي تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/ ۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

ادا ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں مصرفِ زکوۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو وہاں زکوۃ دینا

سوال [۴۶۹۲]: مدرسہ میں صرف ایک مدرّس ہیں، وہی مہتمم ہیں، بوجہ فقر مصرفِ زکوۃ ہیں، مدرسہ بہت خستہ حالت میں ہے، کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، مدرسہ میں مقامی طلباء ہیں مگر گردونواح کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں، بعض مصرف زکوۃ ہیں بعض نہیں ہیں لیکن مدرسہ سے امداد نہیں چاہتے۔ تو اس صورت میں یہ مہتمم بحیثیتِ مہتمم ہونے کے بلانیت اپنی تملیک کے محض مدرسہ کے واسطے زکوۃ کا روپیہ بقدرِ نصاب یا نصاب سے زیادہ بیک وقت کرسکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس خیال سے کہ آئندہ کوئی مصرف زکوۃ طالب علم آجائے اور خود کو بھی ضرورت ہوگی، امدادی روپیہ بہت ہی کم آتا ہے۔ برائے مہربانی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ وہاں زکوۃ کا مصرف موجود نہیں، اگر ہے بھی تو زکوۃ لینے کے لئے آمادہ نہیں، تو محض اس خیال سے کہ شاید آئندہ کبھی کوئی مصرف زکوۃ آجائے اور وہ زکوۃ کے لئے آمادہ بھی ہوجائے، زکوۃ وصول کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا بہت بڑی ذمہ داری کو سر رکھنا اور اہل (مستحقین) کو محروم کرنا ہے، اس لئے انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مہتمم اگر حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوۃ لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے (۲)، اگر مصرفِ زکوۃ ہونے کی وجہ

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''بچیوں کے مدرسہ میں زکوۃ دینا''۔)

(۲) "لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة فی هذه الأشیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هذه القرب". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۲۰۴، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی التاتار خانیة: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

سے لیتا ہے اور خدمت مدرسہ کے عوض تنخواہ لیتا ہے یا حسبۃً للہ خدمت کرتا ہے تو اس کے لئے درست ہے لیکن بقدر نصاب مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ لینا درست نہیں اگر چہ آئندہ ضرورت پیش آنے کا گمان غالب ہو(۱)۔ یہ بات کہ وہ حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے یا نہیں، اس طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کو زکوٰۃ بالکل نہ دی جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ مدرسہ کی خدمت حسب سابق کرتا ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرمِ قربانی

سوال[۴۶۹۳]: ہمارے یہاں ایک مکتب اسلامیہ درجہ چہارم تک قائم ہے جس میں دو مدرسین کام کرتے ہیں، سڑک بورڈ ضلع میرٹھ سے مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار بطورِ امداد مقرر ہے، تعداد طلبہ ۲۷/ ہے، مکتب مذکور ضلع کے خاص مکتبوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں کے مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور ہے، مکتب والے مالی امداد سے مجبور ہیں، طلباء سے فیس وغیرہ قطعاً نہیں لی جاتی اور غریب طلباء کے لئے کتابوں کا انتظام بمشکل چندہ سے کیا جاتا ہے۔ مکتب میں درجہ تین وچار میں فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے، دینیات میں رسالہ ہائے تعلیم الاسلام مصنفہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب پڑھائے جاتے ہیں، ایک حافظ قرآن کا اضافہ کر کے حفظ کلام جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسی صورت میں چرم قربانی، نیز زکوٰۃ کا روپیہ اس مکتب کی امداد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ اور چرم قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب وقرآن شریف خریدنے میں صرف کرنا جائز نہیں،

---

(۱)" وکره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلايكره". (الدر المختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۵/۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۰/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳۹/۲، الفصل الثامن من توضع زكوٰة فيه، غفاريه)

البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دیئے جائیں۔ اگر مکتب متولی یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان زکوٰۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنا دیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صَرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دیکر قبضہ کرادیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لئے دیدے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی کا (۲)۔ اگر مالکان قیمت نہیں بلکہ خود چرمِ قربانی کا مہتمم مکتب کو مالک بنا دیں تو اس کے لئے مہتمم کا غریب اور مستحقِ زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ مالدار ہونے کی حالت میں بھی اس کو حسبِ ضرورت صرف کر

---

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امدادیه)

(۲) "(تملیکاً لا إباحة کما مرّ)، فلایکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاً للزکاة لاتکفی الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشیدیه)

اس کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخلِ مدرسہ کرکے مذکورہ کاموں کو کیا جائے: "وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن، فیکون الثواب لهما وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۹۲، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیه)

(وکذافی کفایة المفتی: ۴/۲۹۳، کتاب الزکاة، دارالاشاعت)

(وکذافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۰۸، کتاب الزکاة)

سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/۵/۵۷ھ۔

مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف

سوال[۴۲۹۴]: ۱......زکوٰۃ کے روپیہ سے غریب ونادار طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے بنانا، آلات دستکاری خریدنا، مدرسہ کے کتب خانہ کیلئے کتابیں خرید کر ایک وقت مقررہ کے لئے طلبہ کو مستعار دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......زکوٰۃ کے روپے سے اگر کوئی مکان اس لئے خریدا جائے کہ اس کی آمدنی سے غریب طلباء کو امدادی وظائف دیئے جائیں گے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳......زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسین اور معلمین دستکاری کو تنخواہیں دینا درست ہے یا نہیں؟

براہ کرم جملہ امور کا جواب بحوالۂ کتب مسلک احناف کے مطابق مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط والسلام۔

المستفتی: قاضی خلیق احمد، کنگ روڈ، ہرنا گڈ، کاٹھیاواڑ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زکوٰۃ کے روپیہ کے لئے تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، حجرے بنانے، آلات اور دستکاری خریدنے اور کتب خرید کر مستعار دینے میں تملیکِ مستحق نہیں، لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ایسے مواقع میں صرف کرنا درست نہیں، البتہ اگر آلات اور کتب وغیرہ خرید کر بطورِ تملیک دیدیں تو درست ہے۔ نیز کسی مستحق کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ حجرے بنوادے یا کتب وغیرہ خرید کر مدرسہ میں وقف کردے تب بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی:

---

(۱) "يتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة ودلو، أو يبدل بما ينتفع به باقياً .... فإن بيع اللحم أو الجلدبه أو بدراهم تصدق ثمنه، الخ". (الدر المختار: ۳۲۸/۶، باب الأضحية، سعيد)

(وكذا في الجوهرة النيرة: ۲۷۱/۲، كتاب الأضحية، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۷۸/۸، كتاب الأضحية، رشيديه)

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". درمختار، ص: ۱۳ (۱)۔

۲......اس صورت میں زکوۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیکِ مستحق نہیں پائی گئی، بعد تملیک مکان وغیرہ بنوانا درست ہے (۲)۔

۳......مدرسین اور معلمین دستکاری وغیرہ کی تنخواہ زکوۃ کے روپیہ سے دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی غریب مستحق کو زکوۃ دیدی اور وہ مدرسہ میں دیدیں تو اس سے تنخواہ دینا درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۸/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۹/شعبان/۵۳ھ۔

ایضاً

سوال [۴۶۹۵]: صدقۂ فطر، چرم قربانی، زکوۃ، صدقات اور عشر سے مندرجہ ذیل مصارف جائز ہیں یا ناجائز:

۱......طلباء کے لئے درجات: عالم، فاضل، درس نظامی وغیرہ کی کتابیں خرید کر طلباء کو مستعار دینا۔ ۲......مدرسہ کی ملکیت میں جو کتب ہیں ان کی جلد بندی۔ ۳......عمارتِ مدرسہ کا کرایہ۔ ۴......غیر مستطیع طلباء جو امتحان عالم و فاضل، منشی وکامل میں شرکت کریں ان کی فیس اور کرایہ ریل آمد ورفت۔ ۵......مدرسہ کے لئے ضروری سامان چٹائی میز کرسی وغیرہ۔ ۶......طلباء کو بطورِ انعام از قسم نقد یا کتب۔ ۷......طلباء عربی کو وظیفہ علاوہ خوراک ولباس وغیرہ۔ ۸......معلم قرآن وتجوید وقراءۃ کی تنخواہ۔ ۹......اگر مدرسہ کی ذاتی عمارت نہ ہوتو مدرسہ کی تعمیر۔ ۱۰......مدرسہ عربیہ کی ملکیت میں کتب مذہبی وادب وغیرہ۔

محمد وسیم الحق چشم رحمت اورنٹیل کالج غازی پور۔

---

(۱) (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۲۷۱، سعید)

(۲، ۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کتب میں زکوۃ اور قیمت چرم قربانی"۔)

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱......ناجائز ہے،البتہ صدقاتِ نافلہ کو جمیع مصارف مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے۔۲......ناجائز، ۳......ناجائز۔۴......اگر وہ طلباء سید نہ ہوں تو خود ان کو دیدینا جائز ہے۔ ۵......ناجائز۔۶......جائز ہے بشرطیکہ وہ مستحق ہوں اور سید نہ ہوں۔۷......جائز ہے بشرط مذکور۔۸......ناجائز ہے۔ ۹......ناجائز ہے۔ ۱۰......ناجائز ہے۔

اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ،صدقۂ فطر، چرم قربانی کی قیمت دیدی جاوے اور وہ خود اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو جمیع مصارف مذکورہ بالا میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی،۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح:عبداللطیف عفا اللہ عنہ،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۲/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۶۹۶]: میں ایک ہندو محلّہ میں متوکلاً امام ہوں عرصہ بارہ سال سے،الحمدللہ میری گذر اوقات اچھی ہورہی ہے۔کوئی ذاتی غرض نہیں ہے،محض مسجد کی آبادی کے لئے کچھ میرا خیال ہے کہ چند طلباء بیرونی رکھ لئے جائیں جو دین سیکھیں گے بصورتِ مدرسہ کے،ان کی سب ضروریات کے انتظام کا مالِ زکوٰۃ سے بعض احباب نے وعدہ کیا ہے،اس واسطے یہ مسائل دریافت کئے گئے ہیں،اگر مسئلہ کا جواب حوالہ جات سے تحریر فرمائیں تو نوازش ہوگی ورنہ ویسے بھی معتبر ہوں گے۔

عبدالعزیز امام مسجد نور، جالندھر شہر۔

---

(۱)"مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله......... قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أو إلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ....اهـ". (الدرالمختار). "فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۰، ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

الجواب حامداومصلیاً:

مستحق طلباء کی ضروریات بصورتِ تملیک پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ وغیرہ کا صرف کرنا شرعاً درست ہے اوراس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اس میں کسی حیلہ کی ضرورت نہیں (۱)، جس جگہ حیلہ کی ضرورت ہو اس کو تحریر کرکے دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۶۲ھ۔

صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال[۴۶۹۷]: طلباء میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو نصاب شرعی کے مالک ہیں جن پر صدقۃ الفطر وقربانی واجب ہوتی ہے اور سوال کرنا حرام ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود طلبہ اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتے اُس وجہ سے دارالعلوم سے امداد لیتے ہیں، بعض دورانِ تعلیم مقروض ہوجاتے ہیں، لوگ صراحۃً زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں وہ لے کر اپنا قرض ادا کرتے ہیں، کیا ایسے طلباء امداد لے سکتے ہیں اور زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ لے کر اپنی ضروریات لے کر اپنی ضرویات قرض وغیرہ میں کام لا سکتے ہیں؟ اور دینے والوں کی زکوٰۃ وصدقات ادا ہوجاتے ہیں اور اگر ادا نہیں ہوتے تو ان طلبہ کی تکمیلِ تعلیم کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداومصلیاً:

جو طلبہ اپنے وطن میں صاحبِ نصاب ہیں اور یہاں نہیں اور اپنے وطن سے منگا بھی نہیں سکتے وہ زکوٰۃ،

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۱ ۴۱، كتاب الزكاة، إمداديه)

وراجع للتفصيل عنوان: "طلباء کو یکجا بٹھا کر کھانا کھلانا"۔)

(۱) "مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله .... قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أوإلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً .... اهـ". (الدرالمختار).

"فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۰، ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكوة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

قیمتِ چرمِ قربانی، صدقۃ الفطر کے مصرف ہیں ان کو یہ چیزیں اگر دی جائیں اور یقیناً دی جائیں اور یقیناً دی جاتی ہیں تو واجب ادا ہو جاتا ہے (۱)۔ داخلہ کے وقت ان کے ساتھ اگرچہ ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اور اس دن کے لئے ان کے لئے سوال کرنا جائز ہو، لیکن وہ صرف اس دن کے لئے سوال نہیں کرتے نہ ان کا سوال اس دن پورا کر دیا جاتا ہے بلکہ وہ تمام سال قیام کا ارادہ کرتے ہیں اور تمام سال کے مصارف ان کے ساتھ موجود نہیں اور کسی دوسری جگہ سے آمدنی کی توقع بھی نہیں، اس لئے ان کا حکم وہ نہیں جس کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا

سوال [۴۲۹۸]: جس مدرسے میں زکوٰۃ کے پیسے دیئے جاتے ہیں تو مستحق زکوٰۃ کو مطبخ سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ امیر غریب سب کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۱ ۴، كتاب الزكاة، امداديه)

(۱) "وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلى مالا بد منه، الخ". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۰، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۶، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۵۹، مصارف الزكاة، رشيديه)

(۲) " ولا يحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ولو سأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد، أو طلب العلم جاز، أو محتاجاً". (الدر المختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۳۷، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۶۹، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المنتقى: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ کا کھانا مستحق کو بطورِ تملیک دینا لازم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے خواہ میں کھاؤں یا فروخت کروں یا کسی کو کھلاؤں (۱) اور ایک ساتھ سب کو بٹھا کر کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مطبخ سے بمدِ زکوٰۃ طلبہ کو کھانا دینا

سوال[۴۲۹۹]: حضرت مفتی صاحب زید مجدکم العالی! السلام علیکم

آپ کا مرسلہ جواب موصول ہوگیا، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوراکِ طلبہ کے سلسلہ کے دیگر اخراجات کی طرح تنخواہِ باورچی بھی ایک خرچ ہے یعنی تنخواہ باورچی کی نوعیت درج ذیل اخراجات سے مختلف مثلاً طلبہ کے لئے راشن لانے کا صرفہ، گندم کی پسائی، سوختہ کی خریداری اور اس کی چرائی وغیرہ، کیا ان اخراجات کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اگر نہیں ہے تو ان سب کا مدِ زکوٰۃ سے دینا ناجائز ہوگا اور اگر ہے تو کیا اور کیوں؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے۔ فقط زید۔

---

(۱) "(تمليكاً لا إباحةً كما مرّ) فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهرالفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(ھی تملیك) خرج الإباحة (جزء مال) خرج المنفعة، فلو أسكن .... فقيراً داره سنةً ناوياً، لايجزيه، اھ".

"(قوله: فلو أسكن) في البحر إلى الكشف الكبير، وقال قبله: والمال صرح به أهل الأصول، يتمول ويدخر للحاجة وهو خاص بالأعيان فخرج تمليك المنافع، اھ". در محتار وشامی(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادائے زکوۃ کے لئے تملیکِ مال ضروری ہے محض تملیکِ منافع سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، گندم پسائی اور سوختہ کی چرائی وغیرہ میں بھی مدِ زکوۃ سے صَرف کرنا درست نہیں، یہی حال تنخواہ باورچی کا ہے، ان مواقع پر صرف کرنے سے طلبہ کی ملک میں مال نہیں پہنچتا بلکہ ان کو منافع حاصل ہوتے ہیں، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

اگر جواز کی صورت مطلوب ہے تو اس طرح کیا جائے (کہ) مدرسہ اپنی طرف سے غلہ سوختہ وغیرہ خرید کر کھانا تیار کرائے اور اس میں مدِ زکوۃ سے صرف نہ کرے پھر تیار شدہ کھانے کی قیمت لگا کر یا طلبہ کے ہاتھ فروخت کرے اور طلبہ کو بصورتِ نقد مدِ زکوۃ سے وظیفہ دے کر کھانے کی قیمت ان سے وصول کرلے یا وہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوۃ کے جمع شدہ روپیہ سے بدل کر مدرسہ اپنا خرچ شدہ روپیہ (جس میں پسائی، چرائی، تنخواہ باورچی وغیرہ سب داخل ہیں) وصول کرلے اور اس زکوۃ میں یہ کھانا طلبہ کو دیدے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مد زکوۃ کا روپیہ منافعِ طلبہ میں خرچ ہوا بلکہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا دینا یقیناً تملیک المال ہے(۲) تملیک المنفعۃ نہیں، لہٰذا ادائے زکوۃ میں خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/۲۸۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوۃ سے کھانا کھلانا"۔

غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوٰۃ کو صرف کرنا

سوال[۴۷۰۰]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر دیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں و تنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کر دیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مدِ زکوٰۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

زکوٰۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۱]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ عربیہ عرصہ سے قائم ہے جس میں دینی تعلیم دیجاتی ہے

---

(۱) "في التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ......ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۰ الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي) .... =

اورغریب ونادارطلبہ کے قیام وطعام لباس اوردیگرضروریات سے امدادواعانت کی جاتی ہے۔مدرسہ مذکورہ میں کئی قسم کی آمدنیاں ہیں،قسم اول:منافعِ جائیدادموقوفہ،چندہ عمومی،خصوصی امدادِسرکاری،صدقاتِ نافلہ۔قسم دوم: صدقات مثلِ زکوٰۃ وقیمتِ کھال وغیرہ وغیرہ۔

آمدنی قسم اول تنخواہِ مدرسین وملازمین ودیگرمصارفِ دفتر وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے اورقسمِ دوم خوراکِ طلبہ وپوشاک ودیگرضروریاتِ طلبہ میں خرچ کی جاتی ہے کیونکہ آمدنی قسم اول مصارفِ قسم اول کے لئے ناکافی اوراراکینِ مدرسہ میں بعض ایسے خیال کے حضرات بھی ہیں جوحیلۂ شرعی کوپسندنہیں کرتے۔اس لئے دریافت طلب امریہ ہے کہ آیاآمدنی قسم دوم میں سے محصل ومحررومحاسب جواس مدرسہ میں بھی کام کررہے ہیں اوران کی اجرت یاتنخواہ بحصۂ ہنراس میں سے دے دیاجائے توجائزہے یانہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کومصارف(فقراء وغیرہ)پربطورِتملیک بلاعوض صَرف کیاجائے لہٰذاتنخواہ میں دیناجائزنہیں،اگرکارکنانِ مدرسہ بغیرشرعی حیلے کے تنخواہ میں دیں گےتوزکوٰۃ وغیرہ ادانہیں ہوگی(۱)اوراصل معطی کے حق میں یہ لوگ ضامن ہوں گے،ھکذافی کتب الفقہ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ۔

= (وكذا في فتح القدير : ٢٧٠/٢، باب من يجوز دفع الصدقة إليه وما لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(١) "(تمليكاً لا إباحة كما مرّ) فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار : ٣٤٤/٢، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ٢٧٥/٢، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٢٨٤/١، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ٤٢٤/٢، باب المصرف، رشيديه)

اس کی صورت یہ اختیارکی جائے کہ اوّل نقدروپیہ یااجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے،پھراس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھاناطلبہ کوکھلایاجائے:"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون =

زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۲]: ایک مدرسہ ہے جس میں بیرونی طلبہ بہت کم ہیں، غریب مدرسہ ہے، اگر طلباء کو روپیہ دیدیں تو ممکن ہے کہ لے کر بھاگ جائیں، آخر مدرسین کی تنخواہ کس طرح دی جائے؟ مدرسین مالِ زکوٰۃ لیں یا نہ لیں؟ فقط۔

الجواب حامداومصلیاً:

صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کا غرباء پر تملیکاً صرف کرنا بلا معاوضہ ضروری ہے، مدرسین وغیرہ کی تنخواہ میں براہ راست دینا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی (۱)، لڑکوں پر تعلیمی فیس تجویز کردی جائے اس سے ملازمین کی تنخواہ ادا کی جائے، جو لڑکے غریب ہوں ان کو زکوٰۃ سے وظیفہ دیا جائے وہ اس سے فیس دیدیا کریں، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور تنخواہ کا انتظام بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوٰۃ سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۳]: قومی فنڈ جہاں عشر وصدقات وغیرہ جمع ہوتے ہیں اس سے بچوں اور طالب علموں کو پڑھانے والے استاد کو تنخواہ یا خرچ دینا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں اور آج کل بڑے بڑے مدارس میں جہاں زکوٰۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، بغیر کسی حیلے کے اساتذہ کو تنخواہیں دیتے ہیں۔

= الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/ ۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۴/ ۲۹۳، كتاب الزكاة، دارالإشاعت كراچی)

(وكذافي فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند: ۶/ ۱۰۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "زکوٰۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا"۔)

الجواب حامداومصلیاً:

جورقوم واجب التملیک ہیں ان کو براہ راست اساتذہ کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، پڑھنے والے مستحق طلبہ کی ضروریات طعام، لباس، کتاب وغیرہ کو اِن رقوم سے تملیکاً پورا کرنا درست ہے(۱)، اربابِ مدارس کو اس کا اہتمام وانتظام لازم ہے کہ وہ قوم کے امین ہیں اور مسائلِ شرعیہ پر عمل کے بڑے ذمہ دار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۴]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں ہے کہ زکوۃ اور عطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں بلکہ گڈمڈ ہوں اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوۃ کی رقموں میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(تملیکاً لا إباحة کما مرّ) فلایکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاً للزکاة لاتکفی، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲۷۵/۲، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۲۸۴/۱، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحرالرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشیدیه)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے: "وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار: ۲۷۱/۲، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۲/۶، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، امدادیه)

(وکذافی کفایة المفتی: ۲۹۳/۴، کتاب الزکاة، دارالإشاعت کراچی)

(وکذافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۸/۶، کتاب الزکاة، امدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم کا تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے، مخلوط میں سے جتنی زکوۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے(۱)۔ معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوۃ خود ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

مالِ زکوٰۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا

سوال[۴۷۰۵]: یہاں اکثر مدارس میں مدرسین کی تنخواہیں خوردونوش کے علاوہ متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خوردونوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ میں بمدِ زکوٰۃ وصدقات کوئی مال آئے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اساتذہ کھانے کی قیمت ادا کر رہے ہیں؟

---

(۱) "ولو دفعها المعلّم خليفته إن كان بحيث يعمل له لم يُعطِه، صح، وإلا لا". (الدرالمختار). "(قوله: إلا لا): أى لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض، الخ". (ردالمحتار، باب المصرف: ۳۵۶/۲، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

"سئل عن معلّمٍ له خليفةٌ فى المكتب يعلّم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشيئٍ معلومٍ وما اشترط شيئاً، والمعلّم يعطيه فى الأحايين دراهم بنية الزكاة، هل يجوز عن زكاة؟ قال: نعم، إلا أن يكون بحيث لولم يُعطِه، لم يعمل له ذالك فى مكتبه". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۰۹/۲، ۲۱۰، كتاب الزكوة، قديمى)

(۲) "أما إذا ظهر أنه غنىٌّ .... لا يجوز، وعليه أن يعيدها بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

"لولم يتحرّ ولم يشك فظهر أنه ليس مصرفاً، أعاد إجماعاً، الخ". (النهر الفائق: ۴۶۷/۱، باب المصرف، رشيديه)

"فى الحديث المذكور ثلاثة أشياء، فما وجه الترجمة فى التصدق على الغنى؟ قلت: على الغنى لايجوز على كل حال، حتى إذا أعطى زكاته لغنيّ يظنّه فقراً، ثم بان له أنه غنيٌّ، يُعيد زكاته، الخ". (عمدة القارى: ۴۱۱/۸، بابٌ: إذا تصدق على غني وهو لايعلم، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

جتنی مقدار اساتذہ جزوِتنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ ادانہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے، اسی طرح دیگر ملازمین وغیر مستحق پر صرف کرنے کا حال ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ادائے زکوٰۃ بغیرِ تملیک کے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال [۴۷۰۶]: اگر مہتمم مدرسہ بغیر تملیک کے مدرسین کو تنخواہ دیتا ہے، جبکہ مہتمم سے کہہ دیا گیا ہو جو کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے مال کا صَرف کرنا جائز نہیں تو اس صورت میں مدرسین کے اوپر تو کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا؟

الجواب حامداومصلیاً:

اگر مدرسین کو معلوم ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دیا جارہا ہے تو وہ لینے سے انکار کردیں، تاہم اگر لے لیں گے تو زکوٰۃ ادانہیں ہوگی اور مہتمم کے ذمہ ضمان لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال [۴۷۰۷]: ایک مدرسہ اسلامیہ مقروض ہے اور چندہ کے پیسہ سے چلتا ہے، اس کی مالی حالت بہت کمزور ہے، کیا زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرضہ ادا کیا جاسکتا ہے جبکہ مدرسہ میں کوئی طالب علم یتیم نہیں ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "زکوٰۃ سے تنخواہ دینا"۔)

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، جبکہ ملازمینِ مدرسہ ومعلمین کو تنخواہ بطور معاوضہ کے دی جاتی ہے جو تملیک بلاعوض نہیں: "ولو دفعها [أي الزكوة] المعلّم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا".

(الدر المختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في كفاية المفتي: ۴/۲۸۷، كتاب الزكاة، دار الإشاعت كراچي)

مدرسہ بہت قرض دار ہے۔

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی غریب مستحق کو اس کا مالک بنادیا جائے (۱)، پس جو پیسہ مدرسہ میں زکوٰۃ کا دیا گیا ہے، اگر براہ راست اس سے مدرسہ کا قرض ادا کردیا جائے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا ضمان لازم ہوگا۔

نوٹ: زکوٰۃ کا پیسہ براہ راست تنخواہ وتعمیر میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(تمليكاً لا إباحةً كما مرّ) فلايكفي فيها الإ طعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لاتكفي، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوٰۃ

سوال[۴۷۰۸]: دارالعلوم دیوبند میں جتنی بھی انجمنیں ہیں مثلاً پورنیہ والوں کی الگ ہے، چمپارن کی الگ ہے، ہر ضلع کی الگ الگ ہے۔ ان انجمنوں سے طالب علم مالی وکتابی ہر صورت کا فائدہ اٹھاتے ہیں جس کو آپ بخوبی جانتے ہوں گے، ایسی انجمنوں میں زکوٰۃ کا مال یا صدقۃ الفطر یا چرم قربانی یا صدقہ وغیرہ جتنے بھی ایسے مال ہوں جو صاحبِ نصاب پر واجب ہو رہے ہوں، ان مالوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

محمد سلیم الدین پورنوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرم قربانی کا غریبوں پر صدقہ کردینا واجب ہے، پس جو انجمن صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا انتظام کرے اس کو دینا درست ہے، محض قرض دینے یا مستعار کتابیں دینے سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، ایسے پیسہ سے غریب مستحق طلباء کو کھانا کپڑا دینا درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۴ھ۔

اسکول میں زکوٰۃ وصدقۂ فطر

سوال[۴۷۰۹]: ۱...... یہاں ایک اردو اسکول مسلمانوں کی طرف سے جاری ہے جس کے اجراء کے وقت دینیات اور کلامِ مجید کی تعلیم کے لئے مسلمانوں کو اطمینان دیدیا گیا مگر عملاً دینیات اور کلام مجید کی تعلیم نفی کے برابر ہے اور اردو وانگریزی کی تعلیم گورنمنٹ نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں غرباء اور یتیم بچوں کے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے اور مقامی بیوگان اور یتامیٰ ضرورت سے زیادہ حاجت مند

---

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امدادیه)

ہیں۔ایسی صورت میں فطرہ،صدقہ،زکوۃ،خیرات،چرم قربانی وغیرہ اس اسکول میں دیا جانا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس اسکول کے لئے کافی ذرائع دیگر آمدنی کے ہوں؟

۲......موجودہ زمانہ میں ناخواندہ مسلمانوں کو دینیات سے باخبر کرنے کی غرض سے مدرسہ شبینہ جاری کر کے اردو پڑھانے پر خرچ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا انگریزی تعلیم پر خرچ کرنا فرض ہے؟ چرم قربانی،زکوۃ، فطرہ کا بیت المال میں براہ راست استفادہ مقامی بیواگان و یتامی کرنا ثواب ہے یا انگریزی پر؟ امید ہے کہ مستفسرہ سوالات کے تمام وکمال شرعی احکام سے علماء کرام مطلع فرما کر داخل حسنات ہوں۔

الجواب حامداً وصلیاً:

۱......اگر ان یتیم وغریب مستحق بچوں کو زکوۃ،صدقہ،فطرہ،چرم قربانی کی قیمت دی جائے تو شرعاً درست ہے(۱) لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی کسی اَور ضرورت میں خرچ کرنا جائز نہیں (۲)۔ جبکہ اسکول کا خرچ دوسرے طریقے سے ملتا ہے اور یتیم بچوں کے لئے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں تو پھر اسکول والے اس زکوۃ وغیرہ کو کس جگہ صرف کرتے ہیں، بظاہر صحیح مصرف میں نہ صرف کرتے ہوں گے اس لئے وہاں اس قسم کے روپیہ وغیرہ نہیں دینا چاہیے اور جبکہ مقامی بیوگان و یتامیٰ زیادہ حاجت مند ہیں تو پھر انہیں کو دینا

(۱)"یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیرمراهق إلا إذاقبض لهمامن یجوزله قبضه کالأب والوصی وغیرهما".
(ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف،سعید)
(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰،الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)
(وکذافی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴،الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارةالقرآن کراچی)
(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۴۲،الفصل الثامن فی أداء الزکاة،امجد اکیڈمی لاهور)
(۲)"لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة فی هذه الأشیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هذه القرب". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)
(وکذا فی الهدایة: ۱/۲۰۴، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)
(وکذا فی التاتار خانیة: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)
(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

چاہیے اسکول میں نہیں دینا چاہیے(۱)۔

۲......مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے جس قدر روپیہ خرچ کریں گے سراسر عبادت اور ثواب ہے، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو دین سے واقف کرانے کے لئے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے جتنا بھی مال صرف کریں اس میں اجرِ عظیم ہے خواہ یہ معلومات کی تحصیل عربی کے ذریعہ ہو یا فارسی، اردو کے ذریعہ ہو۔

موجودہ زمانہ میں انگریزی تعلیم کے نتائج مذہبی حیثیت سے بہت ہی خراب نکلتے ہیں جیسا کہ شب وروز مشاہدہ ہے اور جو کچھ مذہب سے ناواقفیت ہے وہ بھی ظاہر ہے، اس لئے اہل اسلام کے ذمہ فرض ہے کہ حتی الوسع خود بھی مذہب اسلام سے واقفیت پیدا کریں اور دوسروں کو بھی واقف بنائیں اور جب تک مذہب میں اعتقاداً وعملاً پختگی نہ ہو جائے اس وقت تک ہرگز انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو شخص مذہب کی پوری واقفیت کے ساتھ پختگی رکھتا ہے اس کو کسی ضرورت سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں مضائقہ نہیں، اس سے پہلے پہلے احتیاط واجتناب لازم ہے۔

جس تعلیم کے نتائج اس قدر خراب ہوں کہ عقائد واعمال سب کچھ بدل جاتے ہوں اور بگڑ جاتے ہوں اس کا حاصل کرنا اور اس پر روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ زکوٰۃ اور فطرہ کا ایسی جگہ خرچ کرنا، اس لئے مستحقین غرباء ویتامیٰ وبیوگان پر اس روپیہ کو صرف کرنا واجب ہے۔ چرمِ قربانی مالدار کو بھی دینا درست ہے لیکن اگر اس کو فروخت کردیا جائے تو قیمت کسی غریب کو دینا واجب ہے نہ تو خود رکھنا جائز ہے نہ مالدار کو دینا جائز ہے، پس اس کا حکم زکوٰۃ کا سا ہوجاتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "کره نقلها، إلا إلى قرابة ....أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين، الخ." (الدر المختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۹ باب المصرف، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۱، من توضع الزكاة فيه، ادارة القرآن)

(۲) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أى بمستهلك أو بدر اهم، تصدق ثمنه". (الدر المختار: ۶/۳۲۸، سعيد)

"وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

"ويتصدق بجلدها؛ لأنها جزء منها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال". (الجوهرة النيرة: ۲/۲۷۱، كتاب الأضحية، قديمى)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

نصاب صدقۃ الفطر

سوال[۴۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

بہشتی زیور، ص:۳۶، تیسرا حصہ، حاشیہ اول میں ذکر کیا گیا ہے(۱) جس کا حوالہ مراقی الفلاح علیٰ حاشیۃ الطحطاوی، ص:۳۹۴ کہ:

"صدقة الفطر تجب علىٰ حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول، عند طلوع فجر يوم الفطر، ولم يكن للتجارة، فارغ عن الدين، و حاجته الأصلية، وحوائج عياله. والمعتبر فيها الكفاية لاالتقدير، وهى مسكنه وأثا ثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة "(۲)۔

تو مضمون ہذا سے ہماری عقل میں بہت کم لوگوں پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔

۱......ذیل میں جتنی اشیاء ذکر کی گئی ہیں وہ سب ہماری حوائج الاصلیہ اور حوائج عیالیہ ہیں: مسكنه ثيابه، اثاثة المنزل، فرسه، ودابة للركوب، سلاحه، كتابه. اس کے سوا آباد کرنے کے لئے بیل یعنی ہل جوتنے کیلئے اور دودھ پینے کیلئے، بوجھ ڈھونے کیلئے، زمین، دھان، گیہوں وغیرہ، لہذا بہشتی زیور نمبر:۲ کے مسئلہ کے اعتبار سے یہ ہر ایک اگرچہ ہزاروں روپیہ کی قیمت کا ہوا اور ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو صدقۂ فطرہ واجب نہیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

۲......ہمارے سامنے شریف الدین اور امیر الدین کے درمیان مخاصمت ہوئی، شریف الدین کہتا ہے

---

(۱)(بہشتی زیور، ص:۲۵۰، تیسرا حصہ، صدقہ فطر کا بیان، المکتبۃ المدنیۃ، لاہور)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ص: ۷۲۳، کتاب الزکوة، باب صدقة الفطر، قديمى)

کہ اوپر میں جو ذکر کیا گیا ہے حوائجِ اصلیہ اور حوائجِ عیالیہ اگر وہ سب اشیاء عید الفطر کے روز موجود نہ ہوں جتنا ہی قیمت کا ہو صدقہ فطر واجب ہوگا۔

امیر الدین کہتا ہے ہرگز نہیں، جتنا اشیاء اوپر میں ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضروری اسباب ہیں اس کے سوا اگر کوئی اور اسباب موجود ہوں جو نصاب تک ہو سکے جیسے کریم الدین کے پاس عید الفطر کے روز تین سو من دھان یا گیہوں موجود ہے، موسم فصل آتے وقت اس کو دو سو من دھان یا گیہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی ایک ایک سو من دھان یہ نصاب میں شامل ہوگا اور اسی کو فاضل عن الضرورۃ کہتا ہے۔

میں نے کہا کہ عید الفطر کے روز حوائجِ عیالیہ پر جتنے دھان یا گیہوں کی ضروورت ہوتی ہے باقی دھان حوائج عیالیہ یا حوائج اصلیہ نہیں۔ تو ان میں سے کس کی بات معتبر ہوگی؟

۳......زید مزدوری کر کے کھاتا ہے، ایک بیگہ زمین بھی نہیں صرف اس کے پاس ایک گائے موجود ہے اور گائے کا دودھ بچوں کو پلاتا ہے، اس کی طاقت نہیں کہ بازار سے دودھ خرید کر بچوں کو پلا دے حالانکہ اس کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟

۴......زکوۃ اور صدقہ کے نصاب میں کیا فرق ہے اور کس شخص پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، نیز زمین والا غریب جو یہاں لوگوں کو دھان یا روپیہ قرض دیتا ہے اور موسم فصل میں ادا کرتا ہے تو یہ زکوۃ کے نصاب میں شامل ہوگا یا نہیں؟

۵......صدقۂ فطر، قربانی کے چرم کی قیمت اور زکوۃ کا پیسہ مدرسہ میں حیلہ کر کے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

خادم القوم محمد منصب، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ساکن سندر کھاتہ، ڈاکخانہ کھوگا کھوڑی، باڑی، ضلع رنگپوت، پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسئلہ اسی طرح ہے دیگر کتب فقہ بحر، بدائع وغیرہ میں بھی مذکور ہے، ایسے شخص پر صدقہ فطر واجب نہیں (۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۳۵۸/۲، باب صدقة الفطر، سعيد) .... =

۲......صرف عید الفطر کے روز کی حوائج کا اعتبار نہیں کہ اس روز کی حاجت سے جو زائد مقدار ہو اس پر صدقہ فطر واجب کر دیا جائے:

"وإن لم يكن النصاب نامياً وكدار لاتكون للسكنىٰ، ولا للتجارة، ولوكان له داروا حدة يسكنها، وفضلت عن مسكنه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصاباً، وكذا مافضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف، وعن فرسين للغازي، وفرس وحمار للغير، وعن نسخة واحدة من مصنف من كتب الفقه لأهلها، واثنين من التفسير والحديث، الواحد من المصاحف. وفي الخلاصة: لو كانت له كتب، إن كانت كتب الطب والنجوم والأدب يعتبر نصاباً،........... ولو كانت له دور وحوانيت للغلة، وهي لاتكفي عياله، فهو من الفقرآء على قول محمد، خلافاً لابي يوسف........... ،ولا يعتبر ماقيمته نصاب من قوت شهر بلاخلاف عندنا، وقال الشافعي: تجب على كل من يملك زيادة على قوة يومه لنفسه وعياله، اه". مجمع الأنهر: ۱/۲۲٦(۱)۔

۳......محض اس گائے کی وجہ سے صدقۃ الفطر واجب نہ ہوگا(۲)۔

۴......مقدارِ نصاب میں صدقۃ الفطر کے لئے نقدین کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نقدین کے برابر کوئی اور چیز قیمۃً ہو تب بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور زکوۃ جب واجب ہوگی کہ نقدین ہوں یا نقدین کے قائم مقام سوائم یا مالِ تجارت ہو، الحاصل مقدار تو برابر ہی ہے لیکن زکوۃ کے لئے نامی اور حولی ہونا ضروری ہے حولی ہونا یعنی سال بھر کا گزرنا(۳)۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷۰، باب صدقة الفطر، امداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۲٦، ۲۲۷، باب صدقة الفطر، دار إحياء التراث العربي)

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۲۲٦، ۲۲۷، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۳، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع، ص: ۶۱۴، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "تجب .... على كل حر مسلم و لو صغيراً مجنوناً ذى نصاب فارغ عن حاجته الأصلية كدينه وحوائج عياله وإن لم ينم كمامر، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۵۹، صدقة الفطر، سعيد) ....=

۵.....یہ چیزیں واجب التملیک ہیں، اگر مستحق کو تملیکاً دی جائیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بلاکسی دباؤ کے بخوشی دیدے تو مصالحِ مدرسہ میں یعنی تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے۔ بلاتملیک درست نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۴۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ٦/ ذی الحجہ۔

مصرفِ فطرہ وفدیہ

سوال[۴۷۱۱]: استفتاء: مخدومی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱.....صدقۂ فطر کے مصرف اور فدیہ کے مصرف میں قول راجح پر کوئی فرق ہے یانہیں؟

۲.....کئی ایام کے فدیہ صوم وصلوۃ کی رقم کسی ایک شخص کو ایک دم دی جاسکتی ہے یانہیں؟ درمختار سے مثل صدقۂ فطر حکم سمجھ میں نہیں آتا ہے، شامی کی عبارت سے تردد ہوگیا ہے، لہٰذا آپ سے قول راجح کی تحقیق مطلوب ہے۔فقط۔

ابرار الحق، ۱۳/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۷۱، باب صدقة الفطر، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا تجب هذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغني أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه، وإن كان يساوي مالاً عظيماً و ثيابه و أثاثه، الخ". (التاتارخانية: ۲/ ۴۱۸، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد .... ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۴۳۳، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه) ....=

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......دونوں کا مصرف ایک ہے(۱)۔

۲......کئی ایام کے صوم وصلوۃ کے فدیہ کی رقم شخص واحد کو دینا درست ہے اس میں تعدد شرط نہیں:

"فدية كل صلوة .... كصوم يوم، و هو الصحيح، .... ولا يشترط هنا تعدد المساكين". سكب الأنهر(۲)۔ "ثم إن شاء أعطىٰ في أول رمضان، وإن شاء أعطى في آخره، و لا يشترط في المدفوع إليه العدد، اهـ". طحطاوى على مراقى الفلاح(۳)۔

شامی کی جس عبارت سے آپ کو تردد پیدا ہوا اس سے کچھ پہلے دیکھیے:

"وفدى لزوماً عنه: أى عن الميت وليّه الذى يتصرف في ماله كالفطرة قدراً". درمختار۔ "(قوله: قدراً): أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذلايشترط التمليك هنا، بل تكفى الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس و جواز أداء القيمة. وقال القهستانى: وإطلاق كلامه يدل على أنه لو دفع إلى فقير جملةً جاز، ولم يشترط العدد و لا المقدار، لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، و به يفتى، اهـ". شامى(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "و لو مات عليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة". (الدرالمختار: ۲/۷۲، كتاب الصلوة باب قضاء الفوائت، سعيد)

"و مصرف الزكاة والعشر .... وهو أيضاً كصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار: ۲/۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها و من يأخذها، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(۲) (الدرالمنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر: ۱/۲۵۰، فصل: يباح الفطر لمريض، كتاب الصوم، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص:۶۸۸، فصل في العوارض، قديمى)

(۴) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۲۴، فصل في العوارض، سعيد)

صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۷۱۲]: مایقول العلماء فی صدقة الفطر هل هو واجب أم غیره ؟وإن کا ن الأول فما صورة إعطا ئه ؟ورجل فی یوم الفطر تصدق بصدقة الفطر فی هذه الصورة: أعنی یطبخ الطعام واللحم کما هو دأب الفنجاب، وهو أن یعطوا الطعام کثیراً لاالرغیفین کما هو فی الهند أوفی بعض علاقة الفنجاب، فیأکلون ما هو فی قسمتهم، ثم یعطون بقیة إلی مالکه، فهذه الصورة لإ عطاء صدقة الفطر جائزأم لا؟ إن کان الأول فما معنیٰ التملیك؟ و کما ذکر فی کتب الفقه، و التملیك شرط حرروا بحوالة الکتب مع الصفحات بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقة الفطر واجبة صرح به الحصفکی فی الدرالمختار حیث قال:

"وصورة إعطاء ه أن یعطی نصف صاع من برأودقیقة أو سویقة أو صاع تمر أو زبیب أو شعیر إلی مصرف الزکوة، و یجوز دفع القیمة و هی أفضل عند وجدان ما یحتاجه؛ لأنها أسرع بقضاء حاجة الفقیر، وإن کان زمن شدة فالحنطة والشعیر وما یؤکل أفضل من الدراهم. و وقت الوجوب عند طلوع فجر یوم الفطر، و یستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی، و صح لو قدم أوأخر والتأخیر مکروه. و یدفع کل شخص فطرته بغیر واحد، واختلف فی جواز تفریق فطرة واحدة علی أکثر من فقیر، و علی الجواز أکثر، و به جزم فی الخانیة والبدائع والزیلعی، فکان هو المذهب. و یجوز دفع ما علی،جماعة لواحد علی الصحیح ":۵۱۲/۲(۱)۔ وکذا فی مراقی الفلاح و حاشیتها للطحطاوی ،ص:۳۹۵ (۲) والصورة المسئولة صورة الإباحة لا التملیك۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) (الدرالمختار مع ردا لمحتار: ۳۶۳/۲، باب صدقة الفطر، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص:۷۲۴،باب صدقة الفطر، قدیمی)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۷/۲ ، صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة بیروت) .... ـ

نصابِ صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف

سوال[۴۷۱۳]: علم الفقہ مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ میں صدقہ فطر کے متعلق ایک روایت اٹھارہ چھٹانک کی بھی ہے، فتاویٰ دارالعلوم میں اس کی تغلیط کی ہے اور تحریر ہے کہ جس نے مذکورہ حساب سے ادا کیا اس کی ادائیگی صحیح نہیں ہوئی، باقی کا نکالنا ضروری ہے۔ اس تعارض کے دفعیہ کے لئے علامہ کی تحریر کردہ روایت کی کیا توجیہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ احمر (رتی) دوقسم کی ہے: ایک عندالفقہاء، دوسری عندالاطباء، دونوں کے وزن میں تفاوت ہے، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ایک وزن کو معتبر مانا اور دیگر اکابر نے دوسرے وزن کو(۱)، مصنف علم الفقہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے مولانا عبدالحئیؒ کا اتباع کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل

سوال[۴۷۱۴]: کسی امام کے نزدیک صاع ۲۵۲ تولہ کا ہے جس کو مولانا روح الامین مرحوم نے

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۲، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئته)

(۱) "صاع انگریزی سیر کے حساب سے جو کلدار اسی روپیہ کا ہوتا ہے، سوا دوسیر نو تولہ سات ماشہ کا ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دوسیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔ غرض کہ پانچ ماشہ کی کمی کوئی کمی نہیں، ایک صاع کو دوسیر ڈیڑھ پاؤ سمجھنا چاہیے، کیونکہ حسب تصریح محققین ایک صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور ہر درم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا۔ پس صاع میں دو ہزار دو سو چھتر ماشے ہوئے اور ان ماشوں کے ایک سو نواسی تولے سات ماشے ہوئے، اور ان تولوں کے بحساب اسی تولہ فی سیر دوسیر ایک پاؤ نو تولے سات ماشے ہوئے"۔ (علم الفقہ، حصہ چہارم، زکوۃ، ص: ۴۸۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) "وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً يعني سبعين شعيرةً، فتحصل في درهم سبعة عشر ونصف أحمر، وهوماهجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتي درهم ستاوثلثين تولجة ونصف الماهجة". (عمدة القارى على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۲۹، كتاب الزكوة، بيان نصاب الذهب والفضة، سعيد)

"واعتبر بأحمر الأطباء وهي أربعة شعيرات". (العرف الشذى على هامش الترمذى: ۱/۲۰، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

اپنی فتاویٰ کی کتاب میں لکھا ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب مطالعہ کی گئی اس میں ۲۷۰/تولہ کا حساب ہے۔ ۲۵۲/تولہ صاع نہیں ملا ہے۔۲۵۲/تولہ کے صاع کے حساب سے فطرہ ادا کرنے سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاع کے وزن کو جب تولہ اور سیر میں منتقل کیا جاتا ہے تو حساب سے کچھ فرق نکلتا ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ ومظاہر حق کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے(۱) اس لئے احتیاطی پہلو یہ ہے کہ جو وزن زائد ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ صاع بھی مختلف تھے اور سیر بھی مختلف تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۹ھ۔

فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟

سوال[۴۷۱۵]: ۱......صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سا اناج، یا کون سے اناج کی قیمت ادا کرنا چاہیے؟ ایک تو یہ کہ سرکاری اناج کی (کنٹرول) دوکانوں پر جو اناج مثلاً گیہوں جوار ملتا ہے وہ یا بازاری عام دکانوں کا اناج زیادہ بھاؤ کا ہوتا ہے اور سرکاری اناج کی کنٹرول دوکانوں کے اناج پر تو کبھی عام بازاری دوکان کا بھاؤ کم ہوتا ہے، لیکن روزانہ کا استعمال کبھی سرکاری دوکان کے اناج پر ہوتا ہے۔

۲......فی الحال گیہوں نہ سرکاری اناج کی کنٹرول دکان پر ملتے ہیں اور نہ بازاری عام دوکانوں سے ملتے ہیں، ایسی حالت میں صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سے دوکان کے اناج کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا اناج وغیرہ دینا چاہیے؟ آیا سرکاری اناج کی کنٹرول دوکان کے بھاؤ سے یا عام بازاری اناج کی دوکانوں کے بھاؤ سے ہونا چاہیے؟

---

(۱) راجع: (بهشتي زيور، تيسرا حصة، ص: ۳۶، صدقه فطر كا بيان، إمداديه)

(وفتاویٰ رشیدیه، ص: ۴۴۶، صاع اور مُد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں)

(وامداد الفتاوىٰ: ۲/۸۴، ۸۵، صاع کے وزن کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(ومظاهر حق جديد: ۱/۲۰۵-۲۰۷، صدقہ فطر کی مقدار، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کنٹرول سے سب کی ضروریات پوری نہیں ہوتی مجبوراً عام بازاری شرح سے خرید کر پوری کی جاتی ہے اس لئے سلئے عام بازاری نرخ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے گا، نصف صاع گیہوں کی قیمت کا کوئی اور غلہ جوار، چناوغیرہ بھی دے سکتے ہیں، اگر جو دینا چاہیں تو ایک صاع دیں (۱)۔

۲......جو نرخ عام بازاروں میں ہے خواہ اس نرخ سے دیدیں خواہ قریب تر جگہ جہاں عام گیہوں ملتا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

صدقۂ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۷۱۶]: صدقۂ فطر بمقدار نصفِ صاع گیہوں ہوتا ہے، اب نصف صاع کی قیمت بعض

---

(۱) "یجب......... نصف صاع من بر أو دقیقة أو سویقة أو زبیب أو صاع تمر أو شعیر و لو ردیئاً، ومالم ینص علیه کذرة و خبز، یعتبر فیه القیمة، ودفع القیمة: أی الدراهم أفضل من دفع العین علی المذهب، اما فی الشدة فدفع العین أفضل، کما لا یخفی". (الدر المختار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۱، الباب الثامن فی صدقة الفطر، رشیدیه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۲۰۴۴، المبحث الثالث، جنس الواجب و صفته و مقداره، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۵۹۰، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر، غفاریه کوئٹه)

(۲) " و یقوّم العرض بالمصر الذی هوفیه حتی لو بعث عبداً للتجارة فی بلد آخر یقوم فی ذلک الذی فیه العبد، إن کان فی مفازة، تعتبر قیمته فی أقرب الأمصار إلی ذلک الموضع ". (البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زکاة المال، رشیدیه)

(وکذافی فتح القدیر: ۲/۲۱۹، باب زکاة المال، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۰، الفصل الثانی فی العروض، رشیدیه)

شہر میں/۴ آنہ ہوتے ہیں اور بعض جگہ/۲ آنہ اور بعض جگہ/۶ آنے، اب جو اختلاف اماکن کی وجہ سے قیمت میں فرق ہوگیا ہے، کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مخصوص کسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا ہر جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یا جس جگہ کی پیداوار ہو اس جگہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس جگہ صدقۂ فطر ادا کرنا ہے اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۶ھ۔

فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال [۴۷۱۷]: بری وغیرہ میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی اور گیہوں فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں قدر قلیل آٹا اور آٹا اور میدہ بکثرت، نیز بسکٹ فروخت ہوتے ہیں، میدہ کی قیمت آٹا اور گیہوں سے بہت مہنگا لگتا ہے۔ ایسی صورت میں میدہ کی قیمت کے حساب سے کر کے دام دیئے جائیں یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کر کے قیمت ادا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گیہوں، میدہ، آٹا تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ ادا ہو جائے گا: "الفطرة نصف صاع من بر أود قيق، الخ". هداية: ١/١٩٠(٢).

گیہوں سے آٹا دینا افضل اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے: "والدقيق أولى من البر،

---

(١) "وتعتبر القيمة يوم الوجوب، و قالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذى المال فيه، و لو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار: ٢/٢٨٦، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وقد تقدم التفصيل تحت عنوان: ''فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟'')

(٢) (الهداية: ١/٢١٠، باب صدقة الفطر، شركة علميه ملتان)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ١/٢٧٥، الفصل السابع في صدقة الفطر، امجد اكيڈمى لاهور

(و كذا في النهر الفائق: ١/٤٧٤، باب صدقة الفطر، إمداديه)

والدراهم أولى من الدقيق". هداية: ١/١٩٠(١).

جس قریب کی جگہ گیہوں، آٹے کی فروخت ہوتی ہے وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جاوے(۲)، اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور جب آپ کے یہاں میدہ کی خرید فروخت بکثرت ہے تو خود میدہ یا اس کی قیمت دینا چاہیے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے، ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کر کے قیمت دینا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟

سوال[۴۷۱۸]: بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخ بازار معتبر ہے یا کنٹرول ریٹ؟ جس کو دیا جانا مقصود ہے اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو اتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس لئے بازاری نرخ سے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۴۷۱۹]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے۔ اگر دلّال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرول ریٹ کے دام

---

(۱) الهداية، باب صدقة الفطر: ۱/۲۱۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟")

(۳) "ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۸۶، باب زكاة الغنم، سعيد)

سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو(۱) (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے(۲)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "والإسلام يحرم الغش والخداع بكل صورة من الصور، في كل بيع وشراء، وفي سائر أنواع المعاملات الإنسانية. والمسلم مطالب بالتزام الصدق في كل شؤنه، ونصيحة في الدين أعلى من كل كسب دينوي......... وكذلك كان سلف المسلمين يفعلون .... ولا يكذبون، وينصحون ولايغشون .... ونشتد الحرمة إذا أيد غشه بمبين كاذبة، وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التجار عن كثرة الحلف بعامة وعن الحلف الكاذب بخاصة. وقال: "الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة". (الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوي، ص: ۲۱۴، ۲۱۵)

(۲) حکومت کے مقرر کردہ نرخ اگر ظالمانہ ہوں تو اس صورت میں اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے کی گنجائش ہے:

"نرى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين غلا السعر على عهده، فقالوا: يارسول الله! سعّر لنا. قال: "إن الله هو المسعّرُ القابضُ الباسطُ الرازقُ، وإني لأرجو أن ألقى الله وليس أحدٌ منكم بمظلمةٍ في دمٍ ولامالٍ" .... فليس معنى الحديث السابق حظر كل تسعير، ولو كان من ورائه دفع ضرر أمنع ظلم فاحش، بل قرر المحققون من العلماء أن التسعير: منه ماهو ظلم محرم، ومنه ماهو عدل عاجز: إذا تضمّن ظلم الناس وإكراههم بغير حق على البيع بثمنٍ يرضونه، أو منهم مما أباح الله لهم، فهو حرام. وإذا تضمّن العدل بين الناس، مثل إكراههم على مايجب عليهم من المعاوضة بثمن المثل، ومنعهم مما يحرم عليهم من أخذ الزيادة على عوض المثل، وهو جائز، بل واجب. وفي القسم الأوّل جاء الحديث المذكور، فإذا كان الناس يبيعون سلعهم على الوجه المعروف من غير ظلم منهم، وقد ارتفع السعر، إما لقلّة الشيء أو لكثرة الخلق -إشارة إلى قانون العرض والطلب- فهذا إلى الله، فإلزام الناس أن يبيعوا بقيمة بعضها إكراه بغير حق. أما الثاني فمثل أن يمتنع أرباب السلع من بيعها مع ضرورة =

چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی صورت

سوال[۴۷۲۰]: چاول سے صدقۂ فطر ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیرِ ثانی سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں گیہوں وجَو وغیرہ نہیں ہوتے اور نہ ان کی قیمت ہم کو معلوم ہوتی ہے، ہاں البتہ بڑے بڑے شہروں اور گیہوں والے ملکوں میں کسی کو بھیج کر یا خط کے ذریعے سے ان کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے اور اس میں کس قدر تکلیف ہے، وہ مخفی نہیں، اور نیز چاول بھی گیہوں اور جَو کی طرح طعام ہی ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ چاول سے صدقۂ فطر ادا نہیں کیا جاسکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاول سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے، لہٰذا اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا اس طرح اقرب مواضع میں گیہوں یا جَو کی قیمت معلوم کر کے اس قیمت کے موافق چاول دیدیئے جائیں:

"و ما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، اهـ". درمختار۔ قال الشامي: "(قوله: وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح، لعدم ورودالنص به، فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يردبها نص وكالأ قطّ. بحر". ردالمحتار: ۱۱۷/۲(۱)۔

= الناس إليها لإلزامهم بقيمة المثل، والتسعير هنا إلزام بالعدل الذى ألزامهم الله به". (الحلال والحرام في الإسلام للشيخ يوسف القرضاوي، ص: ۲۰۹، ۲۱۱)

"ولا يسعّر حاكم لقوله عليه السلام: "لاتسعّروا، فإن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق، الخ" أقول: وفيه تأمل ؛ لأنه مثل ماقالوا فيمن صادره السلطان بمال، ولم يعين بيع ماله فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه؛ لأنه غير مكروه على البيع، وهنا كذالك". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۹۹/۶، ۴۰۰، فصل في البيع، سعيد)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۶۴/۲، ۳۶۵، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

جب گیہوں کی روٹی گیہوں پر قیاس کرنا درست نہیں تو چاول کو گیہوں یا جو پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، ۵/۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال[۴۷۲۱]: اگر کوئی شخص فطرہ گیہوں کے چاول میں ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں اور انگریزی تول کے حساب سے کتنے سیر گیہوں یا چاول دینے ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادا ہو جائیگا، گیہوں کی قیمت لگا کر اس کے عوض چاول جتنے بھی بازار میں فروخت ہوتے ہوں اس قدر چاول دیدے، وزن کے اعتبار سے گیہوں کے برابر نہ دے: "ومالم ينص عليه كذرة وخبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ". در مختار: ۲/ ۱۲۲(۱)۔

سہارنپور کی تول سے ایک صدقۃ الفطر کی مقدار ڈیڑھ سیر پختہ گیہوں ہے، احتیاطاً کچھ زائد پونے دو سیر دے دیئے جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہوں، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟

سوال[۴۷۲۲]: ماقولکم رحمکم اللہ! پوسٹ آفس وتھانہ بوسیدنگ، ضلع اکیاب ملک برما ہے، ہمارے ملک میں فطرہ کا جو اشیائے خمسہ منصوص علیہا ہے یہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ ہماری غذا ہے اور نہ اس کا عین میسر ہوتا ہے اگرچہ شہر اکیاب اور بوسیدنگ میں گیہوں کا آٹا مل جاتا ہے، لیکن چاول سے جو ہماری

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/ ۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۲، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۸، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

غذا ہے آٹا کی قیمت از حد گراں ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چیز کا بھاؤ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے مثلاً اس موسم میں آٹا کا بھاؤ اگر شہرا کیاب میں بحساب فی روپیہ چھ سیر ہے تو بوسیدنگ میں فی روپیہ چار سیر ہوتا ہے اور ہمارے چاول کا بھاؤ عام طور پر فی روپیہ انیس بیس سیر ہے اور گیہوں کا بھاؤ ہندوستان میں فی روپیہ بارہ تیرہ سیر ہے۔

اب غور کا مقام ہے کہ جو چیز ارزاں وآسان ہوتا ہے اس کی طرف لوگوں کا زیادہ میلان ہوتا ہے، لہذا گذشتہ زمانہ کی طرح دلیل پکڑتے ہیں کہ جیسا ہندوستانی وغیرہ کیلئے گیہوں عام طعام ہے اور ارزاں وآسان بھی ہے ویسا ہی ہمارے لئے چاول عام طعام اور ارزاں وآسان بھی ہے۔ پس اس صورت میں ہم لوگ حدیث:

"انه سمع أبا سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يقول: كنا نخرج زكوة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعير أو صاعاً من تمر أو صاعاً من أقط أو صاعاً من زبيب".(۱) پر عمل کر کے نصف صاع چاول سے یعنی صرف ڈھائی سیر چاول سے فطرۂ صوم ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

برتقدیر ثانی کیا اشیائے خمسہ منصوص علیہا کی قیمت دریافت کی بابت ہر اہل بلد اور ہر اہلِ قریہ کے لئے بلاد عام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو صدقۂ فطر کے بارے میں جو عبارت منصوص علیہ ہے: "تدخرون فی بلادكم" آیا ہے۔ اس کی مراد کیا ہے؟

اگر خاص ہے تو صدقۂ فطر کی قیمت اشیائے منصوص علیہا کا جہاں اس کا پیداوار ہے (مثلاً ہندوستان) وہاں سے دریافت کیا جاوے یا ہمارے بلاد سے جہاں اس کا پیداوار نہیں اور "عبارت اقرب بلاد" کا اعتبار کیا جاوے آیا ہے، دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ اور خصوصاً ہم اہلِ قریہ کے لئے سراغ بالا پر جو ترتیب وار خط کشیدہ جگہ کا نام نشان ہے اس میں سے خاص اقرب بلاد کا اعتبار کس پر معتبر ہوگا آیا تھانہ بوسیدنگ ہے؟ مگر اس میں اتنا آٹا میسر نہیں ہو سکتا، جو ہر اہل قریہ کو کفایت کر سکے اور اگر کفایت کرنا ضروری نہیں تو جو عبارت اشیائے خمسہ میں منصوص علیہ میں سے اتنی ہونی چاہیے جو اس کی اہل کفایت ہو سکے آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی

(۱) (صحيح البخاری: ۲۰۴/۱، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر صاع من طعام، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۳۱۷/۱، كتاب الزكوة، باب زكوة الفطر، قديمی)

(ومشكوة المصابيح: ۱۶۰/۱، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، الفصل الأول، قديمی)

دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ بحوالہ کتب حدیث وفقہ حنفیہ تحریر فرمائیں، مع تعین صفحہ جات واسامی مطابع۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ استدلال بہت ہی غلط اور لغو ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: "صاعاً من طعام" ہے اور آپ اس پر عمل کرتے ہوئے نصفِ صاع چاول سے بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، لفظ "طعام" کے معنی میں عطا کے اقوال مختلف ہیں: ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ طعام سے مراد گیہوں ہے جس کو "قمح، حنطة، بر" بھی کہتے ہیں اور اس کی تائید میں لغت، عرف اور دیگر احادیث صریحہ پیش کرتے ہیں:

"اختلفوا فی المرادبالطعام فی هذا الحدیث، والمعروف أن الطعام علی الإطلاق یطلق علی الحنطة، وفی المجمع: قال الخلیل: إن الغالب فی کلام العرب أن الطعام هو البر، و حکی الخطابی أن المراد بالطعام ههنا الحنطة و هو اسم خاص له، قال: ویدل علی ذلك ذکر الشعیر و غیره من الأقوات، والحنطة أعلاها فلا بد أنه أرادها بذلك مکان ذکرها عند التفضیل کثیرة من الأقوات ولا سیما حیث عطفت علیها بحرف "أو" الفاصلة، و قال هو وغیره: و قد کانت لفظة" الطعام" تستعمل فی الحنطة عند الإطلاق حتی إذا قیل: اذهب إلی سوق الطعام منهم، منه سوق القمح، وإذا غلب العرف نزل اللفظ علیه، اهـ". أوجز المسالك۳/۲۸٤ (۱)۔ وفتح الباری: ۳/ ۲۹۰(۲)۔ "قالوا: والطعام هو البر بدلیل ذکر الشعیر، غایة، اهـ". شلبی حاشیه زیلعی: ۱/۳۰۸(۳)۔

بعض علماء نے لفظ "طعام" کو عام کہا ہے کہ گیہوں اور دیگر غلہ جات سب کو شامل ہے حتیٰ کہ زبیب کو بھی شامل ہے لفظ "طعام" خواہ "حنطة" کے ساتھ مخصوص ہو یا سب کو شامل ہے، بہرکیف جن حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ پورا صاع واجب کہتے ہیں۔

---

(۱) (أوجز المسالک: ۳/۲۸۴، زکوٰة الفطر، المکتبة الیحیویة سهارنپور)

(۲) (فتح الباری: ۳/۴۷۵، کتاب الزکوٰة، باب صدقة الفطر، قدیمی)

(۳) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/۱۳۷، باب صدقة الفطر، دارالکتب العلمیة، بیروت)

گیہوں میں بھی اور شعیر وغیرہ میں بھی اس حدیث سے استدلال کرکے نصف صاع واجب کسی نے نہیں کہا پھر اس حدیث سے جب کہ اس میں لفظ ''صاع'' موجود ہے نصف صاع کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہوجانے پر کیسے استدلال درست ہے:

''صدقة الفطر نصف صاع من بر، أو دقيقة أوسويقة، أو زبيب، أو صاع من تمر، أو شعير. وقال الشافعي: من جميع ذلك صاع، ولا يجزى نصف صاع من بر لقول أبي سعيد الخدري: "كنا نخرج على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صاعاً من طعام، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من أقط، أوصاعاً من زبيب". و في بعض طرقه: ذكر صاعاً من دقيق. و لنا قوله عليه السلام في خطبته: "أدّوا عن كل حر أوعبد، صغير و كبير نصف صاع من بر، أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير". الحديث ''.تبيين الحقائق ۳۰۸/۱(۱)۔

''قال: روى الطحاوي أحاديث كثيرةً عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، وعن أصحابه، وعن تابعيهم في أن صدقة الفطر من الحنطة نصف صاع، و مما سوى الحنطة صاع، ثم قال: ما علمنا أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا من التابعين روى عنه خلاف ذلك، فلا ينبغي لأحد أن يخالف ذلك إذ كان قد صار إجماعاً في زمن أبي بكر و عمر و عثمان و علي رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين إلى زمن من ذكر نا من التابعين''. أوجز:۲۸۵/۳)(۲)۔

اشیائے منصوصہ پر غیر منصوص کو قیاس کرنا درست نہیں بلکہ غیر منصوص میں قیمت کا اعتبار ہوگا: ''و ما لم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ''. درمختار: ۱۱۷/۲(۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۱۳۷/۲، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۴۰/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۴۱۹/۲، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) (أوجزالمسالک: ۲۷۵/۳، زكوة الفطر، المكتبة اليحيوية)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد) .... =

پس اگر غیر منصوص سے کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو منصوص کی قیمت لگا کر دراہم یا دنانیر دیدے، یا اتنی قیمت کی کوئی اور شئے ثوب وغیرہ دیدے:

"ودفع القيمة إلى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتي به، وهذا في السعة، أما في الشدة، فدفع العين أفضل كما لا يخفى". درمختار۔ "(قوله: أي الدراهم) ربما يشعر أنها المراد بالقيمة مع أن القيمة تكون أيضاً من الفلوس والعروض، كما في البدائع والجوهرة، اهـ". ردمحتار(۱)۔

"قوله: أي الدراهم مثلها الفلوس والعروض كمافي المنح، اهـ". طحطاوی (۲)۔

اقرب بلاد کا اعتبار اس عبارت فقہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے: "ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه". درمختار(۳)۔ جس روز صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اس روز کی قیمت معتبر ہوگی: "و تعتبر القيمة يوم الوجوب، اهـ". درمختار: ۳۳/۲(٤)۔

مقامات خط کشیدہ میں سے جو مقام آپ کے زیادہ قریب ہو اور وہاں اشیائے منصوصہ ملتی ہوں وہیں کے نرخ کا اعتبار کرلیا جاوے۔ جملہ "تدخرون في بلاد کم "خط کشیدہ اور" مسئلہ کفایت" کس کتاب میں ہے؟ پورا حوالہ دیا جائے ﴿تدخرون في بيوتكم﴾ تو قرآن شریف میں بھی آیا ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۸/۲، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۶۶/۲، مطلب في مقدار الفطرة بالمدالشامي، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۴۳/۲، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار: ۴۳۷/۱، باب صدقه الفطر، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲۸۶/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۴) (الدرالمختار، المصدر السابق آنفاً)

(۵) (آل عمران: ۴۹)

صدقۃ الفطر وغیرہ کیلئے بیت المال

سوال[۴۷۲۳]: ہماری بستی میں الحمدللہ بیت المال قائم ہے، ہم ہر سال عید الفطر پر صدقۂ فطر گھر گھر سے وصول کر لیتے ہیں اور عید کے بعد مجلسِ منتظمہ یہ طے کرتی ہے کہ بستی کے کن کن مستحقین کو کتنا روپیہ ماہانہ یکمشت دیدیا جائے۔ اس قسم کے نظم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا صدقۂ فطر یوم عید سے قبل وصول کیا جا سکتا ہے؟ کیا جمع شدہ صدقہ فطر نیز زکوۃ وغیرہ سال کے اندر یا بروقت ہی تقسیم کیا جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۃ الفطر کا ایسا انتظام کرنا کہ سبھی ادا کریں کوئی باقی نہ رہ جائے اور صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے، بہت مناسب ہے مگر اس میں جبر کی صورت اختیار نہ کی جائے کہ ہر شخص صدقۂ فطر لازمی طور پر بیت المال ہی کو دے اور بیت المال کے لوگ اس پر جاکر مسلط ہو جائیں کیونکہ یہ بیت المال شرعی بیت المال نہیں بلکہ نام کا بیت المال ہے، اس لئے اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ بھی جبراً وصول کرنے کا حق نہیں چہ جائیکہ صدقۃ الفطر، پھر اس کا وجوب عید الفطر کی صبح صادق پر ہوتا ہے حتی کہ شبِ عیدین میں اگر کوئی مرجائے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں، اگر کسی سے پیشگی وصول کر لیا جائے اور مستحق کو دینے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ کی طرف اس کی واپسی لازم ہوگی۔ نیز صدقۃ الفطر میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے (۱)، اس کو وصول کر کے محبوس کر لینا کہ یہ سال بھر تک کسی وقت ادا کر دیا جائے اس کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله علیه السلام، وصح أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعید)

(وکذافی النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امدادیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "والواجب علی الأئمة أن یوصلوا الحقوق إلی أربابها، و لا یحبسونها عنهم، و لا یحل للإمام وأعوانه من هذه الأحوال إلا ما یکفیهم و عائلتهم، و لا یجعلونها کنوزاً، و ما فضل من هذه الأحوال قسّم بین المسلمین، فإن قصر الأئمة فی ذلک فوَباله علیهم، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریه: ۱/۱۹۱، فصل: ما یوضع فی بیت المال، رشیدیه) .... =

فقیر، مسکین اور صدقہ فطر کا مصرف

سوال[۴۷۲۴]: ا......فقیر، مسکین اور غریب کی شرعی تعریف فرماتے ہوئے یہ بتائیے کہ صدقۂ فطر کا شرعی مستحق کون ہے؟ یعنی قاضی یا مرشد یا استاذ ہی ہیں یا فقیر اور مسکین اور قریبی رشتہ دار (جن کی آمدنی خرچ کیلئے ناکافی ہے) بھی ہیں، افضلیت کس میں ہے؟

فطرہ کا مصرف ہمیشہ کیلئے متعین کرنا

سوال[۴۷۲۵]: ۲......قاضی یا مرشد (اس) کا مجاز ہے کہ اپنے تابعین سے بوجۂ غربت یہ کہدے کہ تم لوگ ہمیشہ (نسلاً بعد نسل) فی کس ۲۵، ۳۰/ روپیہ صدقۂ فطر میں دیدیں تو کافی ہے؟ کیا اس صورت میں پورا صدقہ ادا ہو جاویگا یا نہیں؟ بصورتِ ثانی کیا کہا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......جس کی مِلک میں کچھ نہ ہو یا مقدار نصاب سے کم ہو اس کو اصطلاحِ شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں، وہ زکوٰۃ اور فطرہ اور زکوۃ کا مستحق ہے(۱)، خواہ قاضی، مرشد استاذ بھی ہو یا کوئی اَور ہو مگر کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا درست نہیں (۲)، اپنے عزیزوں کو اور ان میں بھی جو زیادہ دیندار ہوں ان کو دینا افضل ہے، مگر

= (وكذا في ردالمحتار: ۲/ ۲۱۹، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/ ۱۹۹، باب العشر والجزية والخراج، رشيديه)

(۱) " هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أى دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة، ومسكين من لاشيء له على المذهب، الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۲۶۱، من يجوز دفع الصدقة اليه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۷، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) " تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غيرهاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۱۱، كتاب الزكاة، إمداديه)

جوعزیز مصرفِ زکوۃ نہیں جیسے والدین اوراولا دوغیرہ ان کو نہ دیا جائے، کذافی ردالمحتار (۱)۔

۲...... یہ پابندی عائد کرنا غلط ہے اور مرشد کے منصب کے لئے بھی عیب کی چیز ہے اور صدقۃ الفطر حساب سے ادا کرنا لازم ہے (۲) کمی رہ جائے گی تو واجب باقی رہ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

صدقۂ فطر کیا امام کا حق ہے؟

سوال [۴۷۲۶]: امام مسجد مسکین ہے مگر لوگ صدقۂ فطر سے امام مسجد کو کچھ نہیں دیتے بلکہ ہنود اور ایسے فقیروں کو جو کہ مالدار ہیں محض اس لئے کہ ان کا حق ہے بانٹ دیتے ہیں، امام مسجد کو صدقۂ فطر سے کچھ حصہ دینا چاہیے یا نہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام مسجد کو مسکین ہوتے ہوئے کیا صدقۂ فطر سے کچھ نہ لینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اکثر جگہ امام مسجد صدقۃ الفطر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نماز پڑھاتا ہے اس صورت میں امامت کا معاوضہ ہو جاتا ہے اس لئے امام کو نہیں دینا چاہیے۔ غیر مسلم کو صدقۂ فطر نہیں دینا چاہیے بلکہ وہ مسلم مساکین وفقراء کا حق ہے:

"ولا تدفع (الزكوة) إلىٰ ذمي، وجاز دفع غيرها و غير العشر و الخراج إليه: أي الذمي

---

(۱) "ولا يجوز الدفع إلى أصوله: وهم الأبوان والأجداد والجدات من قِبل الأب والأم وإن علوا، و لا إلى فروعه: و هم الأولاد وأولاد الأولاد وإن سفلوا إلى آخر ما ذكر .... و كذا بين الزوجين .... و كذا جميع الصدقات كالكفارات و صدقة الفطر و النذور، الخ". (تبيين الحقائق: ۱۲۲/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳۲/۲، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۸۴/۲، فصل الذي يرجع الى المؤدى اليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب، وجعلاه كالتمر أو صاع تمرٍ أو شعير، الخ".

(ردالمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۱/۱، صدقة الفطر، مكتبه رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۱۳۷/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

ولو واجباً كنذر و كفارة و فطر، خلافاً للثاني، و بقوله يفتي، حاوی القدسی، اهـ". درمختار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/۶۷ھ۔

کیا پوتہ کا صدقۂ فطر دادا پر ہے؟

سوال[۴۷۲۷]: زید صاحب نصاب ہے اور اس کے ایک لڑکا ہے اور زید کے ایک پوتا ہے جس کا باپ مر گیا اور زید اور اس کے لڑکے پوتہ کا خورد ونوش یکجائی ہے، پس اس صورت میں زید کے پوتہ کو زکوۃ دیجا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز زید کے اوپر اس پوتے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ زید کا پوتہ ابھی نابالغ ہے لیکن قریب البلوغ ہے اور زید کی کفالت میں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید اپنے پوتہ کو شرعاً اپنے مال سے زکوۃ نہیں دے سکتا: "ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل، كذا في الكافي، اه". عالمگیری: ۱/۱۸۸(۲)۔

اگر زید کا پوتا صاحب نصاب ہے تو کوئی اور شخص بھی زکوۃ نہیں دے سکتا لیکن اگر وہ صاحب نصاب نہیں تو دوسرے لوگ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، زید کا صاحب نصاب ہونا پوتے کے لئے موجب غنا نہیں، جیسا کہ ماں کے غنی ہونے سے بیٹا غنی نہیں ہوتا کیونکہ دادا پر اصالۃً پوتے کا نفقہ واجب نہیں، هكذا يفهم مما في باب المصرف وباب النفقة من كتب المذهب الحنفي.

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط: ۲/۱۴، باب عشر الارضين، دار الكتب العلمية بيروت)

ظاہر الروایہ میں دادا کے ذمہ پوتے کا صدقہ فطر واجب نہیں:

"و ليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذاكان الأب حياً باتفاق الروايات، و كذا لو كان الأب ميتاً في ظاهر الروايات؛ لأن ولاية الجد يثبت بواسطة الأب، فكانت ناقصةً بعد وفات الأب دون حال حياته، و على الرجل أن يؤدى عن أولاده الكبار وإخوانه الصغار، و لا عن قرابته وإن كانوا في عياله و لا عن والديه وإن كانا في عياله، اهـ".

فتاوی قاضي خان على هامش هنديه: ۱/۲۲۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ رجب/ ۶۴ھ۔

جب تک جزئیہ نہ ملے، اصول کے مطابق دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام اور مولوی کیلئے صدقۂ فطر

سوال[۴۷۲۸]: ۱......اگر کوئی مولوی یا امام مسجد مالدار ہے تو اس کیلئے صدقہ فطر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲......صورت مذکورہ میں لینے والا دینے والا اور دینے والے کا حکم عند الشرع کیا ہے، نیز ایسے مولوی اور امام جو کہ مالدار ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۳......صورت بالا میں مولوی صاحب اور امام صاحب جو کہ مالدار ہیں اور صدقۂ فطر لیتے ہیں اور اگر

---

(۱) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۲۸، فصل في صدقة الفطر، رشيديه)

" ولا يؤدى الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا في عياله، و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن عليه الأداء عنهم بعد موت الأب، وهذه أربع مسائل يخالف الجد فيها الأب في ظاهر الرواية، ولا يخالف في رواية الحسن، الخ ". (المبسوط: ۲/۱۱۶، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۲۳، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۲، باب صدقة الفطر، رشيديه)

9

ان کوکوئی روکے کہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، جواب دیتے ہیں کہ ہم فقیر مسکین کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو صدقۂ فطر کا مالک بنا کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ لیکر فقیر مسکین کو دے بھی دیں تو دینے والے کا صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......ناجائز ہے: ''وصدقة الفطر كالزكوة فى المصارف، اهـ''. بحر: ۲/۲۵۶(۱)۔

۲...... لینے والا گناہگار ہے دینے والے کا صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا، دوبارہ ادا کرنا چاہئے اگر دیتے وقت اس کا علم تھا کہ یہ مالدار ہے (۲)، اگر ایسے امام سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو تو دوسرے آدمی کو امام بنانا چاہئے اور ناحق صدقۂ فطر لینے والے کو امام بنانا مکروہ ہے (۳)۔

۳......ایسی صورت میں صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا یا لوگ خود کسی مسکین مستحق کو دیں (۴)، یا ان امام

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۴۶، باب صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا فى الفقه الإسلامى و أدلته: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها أو من يأخذها، رشيديه)

(۲) "مصرف الزكاة ...... هو فقير، وهو من له أدنى شئ .... ومسكن من لاشئ له". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

"وهى تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير......اهـ. ولا [يصرف] إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من اى مال كان، الخ". (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۳۴۷، سعيد)

(۳) "(قوله: يكره إمامة عبد أو أعرابى أو فاسق): أى من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى و اكل الربا و نحوذلك". (ردالمحتار: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۸۵، باب الإمامة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۱۶۳، فصل فى الجماعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "ويشرط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحةً، كمامر". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

صاحب کو مالک نہ بنائیں، یہ کہہ کردیں کہ آپ کو وکیل بنایا ہے آپ یہ صدقۂ فطر کسی غریب مستحق کو دیدیں خود نہ رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۵/۱۶ھ۔

نابالغ کو فطرہ دینا

سوال[۴۷۲۹]: فطرہ غریب ویتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر غریب کے بچے نابالغ ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لئے سرپرست کو دینا جائز ہے، اگر وہ بچے سمجھدار ہوں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے، اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ فی الدر المختار: ۲/۱۲۷: "و صدقة الفطر كالزكوة فى المصارف"(۱)۔

"و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً"۔ قال الشامی: "وفى التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون و صبى غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب و الوصى وغيرهما، و يصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". ۲/۱۵۵(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ ذی الحجہ/۵۱ھ۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۵۱/۱۲/۲۷ھ۔

عید کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟

سوال[۴۷۳۰]: تعلیم الاسلام میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ عیدین کے دن نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعید)

(وأيضا تقدم تخريجه تحت عنوان "امام اور مولوی کے لئے صدقۃ الفطر"۔)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

کرنا بہتر ہے، اگر نماز کے بعد ادا کرے تو بھی جائز ہے، جب تک ادا نہ کرے گا اس کے ذمہ واجب رہے گا، اگر کوئی شخص ایک سال دوسال میں ادا کرے تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس وقت بھی ادا ہی شمار ہوگا قضا نہیں کہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۲ھ۔

صدقۃ الفطر وزکوۃ غیر مسلم کو دینا

سوال [۴۷۳۱]: زکوۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زکوۃ دینا ہندو کو ناجائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: " لا يجوز دفع الزكوة إلى ذمي، و صح دفع غير الزكوة من الصدقات إلى الذمي كصدقة الفطر" . زيلعي: ۱/۲۰۰(۲)۔

مگر احتیاط یہ کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۷/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله عليه السلام، وصحّ أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدر المختار: ۳۶۷/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۴۷۴/۲، باب صدقة الفطر، امداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۳۳۷/۱، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق: ۱۱۹/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وأيضاً راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "صدقۃ الفطر کیا امام کا حق ہے؟")

(۳) "(قوله: وصح غيرها): أي صح دفع غير الزكاة إلى الذمي واجباً كان أو تطوعاً كصدقة الفطر =

فطرہ اور چرمِ قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا

سوال [۴۷۳۲]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو ایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کو ایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے آپ کو اس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کو انجام دے رہے ہیں تو زید صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کر کے اس پیش امام صاحب کو اس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے لئے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے، اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کر کے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے، نابالغ سے تملیک کرانا غلط ہے بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے (۱)۔

= والكفارات والمنذور لقوله تعالىٰ ﴿ لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلو كم في الدين﴾ (الممتحنة: ٨) وخُصت الزكاة لحديث معاذ، وفيه خلاف أبي يوسف، ولا يرد عليه العشر؛ لأن مصرفه مصرف الزكاة كما قدمناه فلا يدفع إلى ذمي والصرف في الكل إلى فقراء المسلمين أحب". البحر الرائق. "(قوله: خلاف أبي يوسف) أي في جواز دفع غير الزكاة إليه خلاف أبي يوسف. قال الرملي في الحاوي القدسي: وبه نأخذ". (منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٤٢٣، ٤٢٤، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٣٥١، ٣٥٢، سعيد)

(١) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، و لا إلى كفن =

بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحق زکوۃ سے کہا جائے کہ مدرس کو تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کرادیگا، وہ کسی سے قرض لاکر دیدے اس سے تنخواہ ادا کردی جائے، پھر کسی وقت زکوۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے اس سے قرض ادا کردے۔فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے۔قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کردے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں، ہاں اگر وہ لوگ چرم قربانی کو فروخت کرکے اس کی قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= میت .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه ألاشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۶۲/۱، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۱/۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب).......... (أو يبدله بما ينتفع به باقياً).......... (فإن بيع اللحم أو الجلد به): أي بمستهلك (أو بدراهم تصدق بثمنه)". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

غنی کوصدقہ دینا

سوال[۴۷۳۳]: کسی صاحبِ استطاعت آدمی کو دونوں وقت برابر کھلانے میں اجر ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اجر تو ضرور ملتا ہے(۱) مگر صدقاتِ واجبہ اس سے ادا نہیں ہوتے (۲)، غریب و مسکین کو کھلانے کا اجر زیادہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

صدقہ وخیرات میں فرق

سوال[۴۷۳۴]: صدقہ وخیرات میں کیا فرق ہے اور صدقہ کس کو کہتے ہیں، کیا کسی سید کو اس نیت سے کھانا دیا جا سکتا ہے کہ اس کا ثواب مُردوں کی روح تک پہنچے؟

---

(۱)" فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، و كذلك يجوز النفل للغني ". (التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۵۶، المتصدق عليه، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۶، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "و لا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية أيّ مال كان، كمن له نصاب سائمة لا تساوي ماة درهم الخ ". (الدر المختار: ۲/۳۴۷، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۳، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۷، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ میں بھی ثواب کی نیت ہوتی ہے اور خیرات میں بھی اس میں دونوں برابر ہیں، البتہ صدقہ کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً نذر مان لینے سے، یا میت کی طرف سے اس کے وصیت کرنے پر، یا کسی کے پاس حرام مال آجائے اور مالک تک، یا اس کے ورثاء تک پہونچانا متعذر ہو تو اس کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور اس اخیر کی صورت کو نیت سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے یعنی اس میں ثواب کی نیت نہیں کی جاتی ہے کہ اللہ پاک اس مال حرام کے وبال سے مجھے بچائے، زکوۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں جو فرض ہے، اسی طرح صدقۂ فطر ہے جو کہ واجب ہے۔ خیرات کا اطلاق ہمارے عرف میں صدقۂ نافلہ پر ہوتا ہے، صدقۂ نافلہ سید کو دینا درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے سید کو کھانا کھلایا اور ثواب کی نیت میت کے واسطے کرلی تو درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں، کفارہ واجب تھا یا نذر واجب تھی اور اس نے وصیت کی تو سید کو کھلانا درست نہیں:

"قوله: و بنی هاشم و موالیهم، وقال المصنف فی الکافی: و هذا فی الواجبات کالزکوة والنذر والعشر والکفارة، أماالتطوع والوقف فیجوز الصرف إلیهم، اهـ". بحر: ۲/۲٤٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

زکوۃ کے علاوہ صدقہ خیرات

سوال[۴۷۳۵]: آمدنی کا وہ حصہ جو زکوۃ دینے کے بعد بچ رہا، کیا اس رقم میں سے بھی دس فی صدی

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۰، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب فی بیان أحکام المصرف، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه)

تناسب سے خیرات کرنا واجب یا سنت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب یا سنت مؤکدہ (جس کے ترک پر عقاب یا عتاب ہو) تو نہیں، مواقعِ ضرورت میں ایثار وہمدردی کے پیشِ نظر اپنے حوصلہ اور وسعت کے موافق خرچ کرنا مکارمِ اخلاق میں سے ہے(۱) دس فیصد ہو یا کم وبیش ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۸ھ۔

کفارہ کی رقم، فقیر قاضی یا استاذ کو یکبارگی دینا

سوال[۴۷۳۶]: اگر کوئی شخص کفارہ یا ساٹھی کی جملہ رقم ایک دن ایک ہی وقت یا دن کے مختلف گھنٹوں میں کسی ایک فقیر یا قاضی یا استاذ یا مرشد کو دیدے تو پورا کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کفارہ کا مستحق مرشد یا قاضی ہی ہے گو وہ صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارہ کا مستحق وہ ہے جو زکوۃ کا مستحق ہے(۲) جس کفارہ میں تعدد شرط ہے اس میں ایک دفعہ ایک

---

(۱) "صدقة التطوع مستحبة في جميع الأوقات، وسنة بدليل الكتاب والسنة، أما الكتاب، فقوله تعالىٰ: ﴿من ذا الذي يقرض الله قرضاً حسناً، فيضاعفه له أضعافاً كثيرةً﴾ [البقرة ۲۴۵] وأمر الله سبحانه بالصدقة في آيات كثيرة. وأما السنة فأحاديث عديدة منها .... "إن العبد إذا تصدق من طيب، تقبلها الله منه، وأخذها بيمينه، فربّاها كما يربى مُهره أو فصيله، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۵۱، حكم صدقة التطوع، رشيديه)

"اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته و كفاية من يمونه .... والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم و لا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار: ۲/۳۵۷، الأفضل على أن ينوى الصدقة لجميع المؤمنين والمؤمنات، سعيد)

(۲) "إذا لم يستطع المظاهر الصيام، أطعم ستين مسكيناً، .... الفقير والمسكين سواء فيها، ....

ولا يجزيه أن يعطى من هذه الكفارة من لا يجزيه أن يعطيه من زكاة المال إلا فقراء أهل الذمة، فإنه =

شخص کو دینا کافی نہیں (۱) جس قسم کے کفارہ کے متعلق دریافت کرنا ہے اس کو تعیین کے ساتھ دریافت کیا جائے، فتاوی عالمگیری میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۴ھ۔

للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال

سوال [۴۲۳۷]: صدقۂ نافلہ، کفارۂ قسم، کفارۂ ظہار کے نام سے جو رقمیں یا اشیاء موصول ہوں ان کو تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارۂ قسم اور کفارۂ ظہار کی رقموں کا مستحق زکوۃ کو مالک بنادینا ضروری ہے، معلمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، جو غلہ وغیرہ اس مد میں آئے اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)، جو اشیاء محض تحصیلِ ثواب کے لئے دی جائیں کسی واجب کا ادا کرنا ان سے مقصود نہ ہو ان کو تنخواہ میں دینا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۳ھ۔

= يعطيهم من هذه الكفارة في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۷۹/۳، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۸۰/۴، كتاب الطهارة، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۱) "كما جاز لو أطعم واحداً ستين يوماً لتجدد الحاجة، و لو أباحه كل الطعام في يوم واحد دفعةً أجزأ عن يومه ذلک فقط اتفاقاً، وكذا إذا ملكه الطعام بدفعات في يوم واحد على الأصح، ذكره الزيلعي، لفقد التعدد حقيقةً و حكماً الخ". (الدرالمختار: ۴۷۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۸۴/۴، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا کفارہ مفتی کا حق ہے؟" حاشیہ رقم: ۱)

(۳) "وهذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم". =

پیداوار میں سے زکوۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ

سوال[۴۷۳۸]: چالیس من میں ایک من غلہ زکوۃ سمجھ کر دیتے ہیں اس غلہ کی رقم مدرسہ میں اور مدرس کی اجرت میں دینا درست ہے یا نہیں؟ کچھ عالم کہتے ہیں کہ یہ زکوۃ نہیں ہے، یہ صدقۂ نافلہ ہے اس رقم کو ہر کار خیر میں خرچ کر سکتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صدقۂ نافلہ ہے ہر کار خیر میں خرچ کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حرام مال کا صدقہ

سوال[۴۷۳۹]: زنا کار مرد و عورت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، یا ناچ باجا، سارنگی طبلہ، ڈھولک، مجیرا، ہارمونیم سے کماتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول نہیں (۲)، بنیت ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا بھی سخت گناہ اور خطرناک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۵۱، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۶، كتاب الزكوة، باب المصرف، امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لندری گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال"۔)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ايها الناس، إنا الله طيب لا يقبل إلا طيبا". (مسند الإمام احمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۸۱۴۸): ۲/۶۲۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۶۷، قديمي)

(۳)" إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي: أى مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله كما مر، فافهم". =

پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا

سوال[۴۷۴۰]: اکثر فقیر اہلِ نصاب ہوتے ہوئے خیرات اور صدقات کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اسی بناء پر وہ عید الاضحیٰ میں قربانی بھی نہیں کرتے کہ ہمارے یہاں تو مانگنے میں کافی گوشت آجائے گا، صدقات، خیرات اور عید کی قربانی کا گوشت جب لوگ انہیں دیتے ہیں تو ان کی عادت میں اور پختگی آتی ہے، اگر لوگ ایسے صاحب نصاب فقراء کو مصلحۃً اگر صدقات وخیرات اور عید الاضحیٰ میں قربانیوں کا گوشت نہ دیں تو بری بات تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے لوگ صدقات کے مستحق نہیں، ایسے لوگوں کو سوال کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو صدقۂ فطر یا زکوۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ دے گا تو اس کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا اور کھلانا شرعاً جائز ہے اس کے لئے غریب ہونا ضروری نہیں، البتہ جب وہ صاحب نصاب ہیں تو ان پر تو خود اپنی قربانی واجب ہے، اگر قربانی نہیں کریں گے تو گناہگار ہونگے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۷/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ رجب/ ۶۴ھ۔

= (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۲/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۰۵۸/۳، التصدق من المال الحرام، رشيديه)

(۱) "ولا يحل أن يسأل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدر المختار: ۳۵۴/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۳۳/۱، في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "غنی کو صدقہ دینا۔")

(۳) "تجب الأضحية) على حر، مسلم، مقيم، موسر عن نفسه، الخ". (تبيين الحقائق: ۴۷۳/۲، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الدر المختا مع رد المحتار: ۳۱۵/۶، كتاب الأضحية، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۷۷/۲، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۲/۵، كتاب الأضحية، رشيديه)

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال[۴۷۴۱]: مردہ کے اوپر جو کپڑا بطورِ پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اَولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں دے سکتے ہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

خیرات کے لئے چندہ کرکے خود کھالینا

سوال[۴۷۴۲]: بیماری کے اندر بستی میں کچھ خیرات کیلئے اکٹھا کیا۔ وہ پکا کر انہوں نے کھالیا وہ خیرات مشروع یا نامشروع؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیرات نہیں۔ بلکہ خیرات یہ ہے کہ غریب اور حاجتمند کو دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً إذا كانت الورثة بالغين، فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۴، رشيديه)

"يكره اتخاذ الضيافة من الطعام .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب".

(الدرالمختار: ۲/ ۲۴۰، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هي، وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء، فهو خير لكم﴾. (البقرة: ۲۷۱)=

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال [۴۷۴۳]: ایک شخص سوروپیہ سے تجارت کررہا ہے اور چھ سوروپیہ کا مقروض ہے، کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یانہیں۔ یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے۔ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے(۱) اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور قرض کی تاخیر پر بازپرس بھی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا، درست نہیں (۲) البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہیئے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے

سوال [۴۷۴۴]: ایک مسلمان شخص بسلسلہ چک بندی اپنے چک میں کنواں بنوانا چاہتا ہے اور نیت ومقصد خالص یہ ہے کہ اپنا بھی آب پاشی کا کام لیوے نیز اور دوسرے لوگ بھی جن کے کھیت ہیں آب پاشی

= "الهبة على الفقير صدقة، والصدقة يراد بها وجه الله، والصدقة على الغني هبة". (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع في الصدقة: ۶۹۸/۵، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، ص: ۲۵۱، قديمي)

قال القاري: "مطل الغني": أي تأخيره أداء الدين من وقت إلى وقت". (مرقاة المفاتيح: ۱۱۹/۶، رشيديه)

(وصحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب إذا استأجر فمات أحدهما: ۳۰۵/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ . (سورة الزلزال)

(۳) (راجع رقم الحاشية : ۱)

کریں کیونکہ ایک کنواں بہت دور ہے جس سے بہ مشکل آب پاشی ہوسکتی ہے، نیز عام لوگ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھائیں تو آیا یہ کنواں صدقۂ جاریہ میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا یا نہیں جب کہ عوام کو بہت زیادہ آب پاشی کا فائدہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یقیناً صدقہ جاریہ ہے اس سے ثواب ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقۂ نفلیہ دینا

سوال [۴۷۴۵]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه، أنه قال: يا رسول الله! ان أم سعد ماتت فأیّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" قال: فحفر بيراً، وقال: هذه لأم سعد". (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب في فضل سقي الماء: ۱/۲۴۳، امداديه)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال:" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سبع يجرى للعبد أجرها بعد موته وهو في قبره: مَن علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، او ورث مصحفاً أو ترك ولداً يستغفر له بعد موته". (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي، باب ما ينفع الميت في قبره ص: ۲۹۶، دار المرفة)

(۲) "و يستحب أن لا يتصدق مَن عليه دين، أو مَن تلزمه نفقة لنفسه أو عياله، حتى يؤدى ما عليه .... لأنه حق واجب، فلم يجز تركه بصدقة التطوع، فيقدم الدين؛ لأن أداءه واجب، فيقدم على المسنون". (الفقه الإسلامي و أدلته: ۲۰۵۸/۳، صدقة المديون و من عليه نفقة، رشيديه)

تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا

سوال[۴۷۴۶]: زید نے پچاس روپے ماہوار اپنے کسی نیک کام کے لئے کٹوانا شروع کیا مقررہ مدت کے بعد زید کو اس رقم پر ۳۵/ فیصد روپے زائد ملے تو یہ روپے زید کے حق میں کیسے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب اصل تنخواہ میں سے ماہانہ کٹواتا ہے اور اس کو کسی نیک کام میں خرچ کرنے کی نیت ہے تو یہ زائد رقم ہی اپنے کام میں کیوں لاتا ہے اس کو بھی غرباء پر صدقہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب المتفرقات

زکوۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا

سوال[۴۷۴۷]: زکوۃ کا مال اقرباء کو دینا افضل ہے، مگر اس کے صلہ میں وہ کوئی چیز چھپا کر یا ظاہر کر کے دے تو اس کے اندر کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاوضۃ تو لینا ناجائز ہے، لیکن اگر قریب مصرفِ زکوۃ ہے اور اس کو زکوۃ دیتا ہے، پھر وہ کوئی شئی ہدیۃً اس زکوۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ .... وأفاد بقوله: بشرط أن الدفع إلى أصوله وإن علوا وإلى فروعه وإن سفلوا وإلى زوجته وزوجها وإلى مكاتبه ليس بزكوة. وأشار إلى أن الدفع إلى كل قريب ليس بأصل ولافروع جائزٌ، وهو مقيّد بما في الولوالجية: رجلٌ يعون أخته أو أخاه أو عمّه فأراد أن يعطيه الزكوة، فإن لم يفرض القاضي عليه النفقة، جاز؛ لأن التمليك بصفة القربة يتحقق من كل وجهٍ، وإن فرض عليه النفقة لزمانته إنما لم يحتسب من نفقتهم، جاز، وإن كان يحتسب لايجوز، اهـ". بحر: ۲/۲۰۱، ۲۰۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

زکوۃ میں مبیع کی قیمت کم کر دینا

سوال[۴۷۴۸]: صاحبِ نصاب شخص نے ایک غریب آدمی کو کوئی چیز فروخت کی جس کی قیمت تین

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الزکوۃ، رشیدیہ)

(وکذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۷، ۱۸، کتاب الزکوۃ، دارالکتب العلمية، بيروت)

9

روپے ہوتی تھی، غریب آدمی نے اللہ واسطے اپنی غربت کی وجہ سے کچھ چھوٹ مانگی، اس شخص نے اللہ واسطے ایک روپیہ چھوڑ دیا صرف دو روپے لے لئے، اب وہ صاحب کیا اس ایک روپے کو زکوۃ میں شمار کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ میں شمار کرنا جائز نہیں (۱) بلکہ اس چیز کے دو حصے کرے ایک حصہ دو روپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے بلا قیمت لئے زکوۃ میں دیدے، یا وہ شی تین روپے میں فروخت کر کے تین روپے وصول کرے اس کے بعد ایک روپیہ زکوۃ میں دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا

سوال [۴۷۴۹]: ایک عورت نے کتنے ہی سال سے اپنے زیور کی زکوۃ ادا نہیں کی، اکنوں سال بقیہ کی زکوۃ ادا کرنے سے دشواری ہوئی، لہٰذا ان کی بعض محبین نے ان سے کہا کہ آپ کی زیور میں سے کچھ زیور بنیتِ زکوۃ ان کو دیدیں وہ قبضہ کر کے نصف قیمت سے اس عورت کو بیچ ڈالا۔ اب اس صورت میں اس کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ معطی کی کوئی ذاتی منفعت بجز فریضہ کے نہ ہو، پس اگر اس شرط پر وہ اس عورت کو زکوۃ دیتا ہے کہ وہ شخص اس زیور کو اس عورت کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا معطیٰ لہ کے ذمہ ضروری نہیں، تاہم اس شرط پر بھی مستحق کو دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس کے بعد معطیٰ لہ کو اختیار ہے خواہ اس عورت کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے:

---

(۱) " و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أي للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً كما لو دفع بلا نية، ثم نوى والمال قائم في يد الفقير .... ولذا لو قال: هذا تطوع أو عن كفارتي، ثم نواه عن الزكاة قبل دفع الوكيل صح، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"هي: أي الزكوة تمليك جزء من المال معين شرعاً من فقير مسلم غيرها شمي و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملِّك –بكسر اللام، وهوالدافع– من كل وجه لله تعالىٰ، اهـ". مجمع الأنهر: ١/١٩٢(١)۔ "وهكذا هبة الصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح، و يبطل الشرط اهـ". فتاوى عالمگيرى: ٣/٤٩٧(٢)۔

اس کے بعد اس عورت کا اپنے دیئے ہوئے زیور کو نصف قیمت سے خریدنا منع ہے، اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، كذا في أبي داؤد: ١/٢٢٥(٣)۔ اگر خرید لیا ہے تو بہتر ہے کہ قیمت پوری دے، بیع کا ختم کرنا واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/۲/۵۲ھ، سعید احمد غفرلہ۔

تحفہ میں زکوۃ ہونے کا شک

سوال [۴۷۵۰]: تحفہ لینے والے کو شک تھا، کہ شاید مال زکوۃ ہے، اس صورت میں تحفہ تحائف میں کیا حکم ہے؟

---

(١) (مجمع الأنهر: ١/٢٨٣، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٣٥٢، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ٢/٢٥٦، كتاب الزكاة، سعيد)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/٣٩٦، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ٦/٩٢، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه حمل على فرس في سبيل الله، فوجده يُبَاعُ، فأراد أن يبتاعه، فسأل رسولَ الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: "لاتبتاعه، ولا تَعُدْ في صدقتك". (سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، باب الرجل يبتاع صدقة: ٢/٢٣٢، رقم الحديث: ١٥٩٣، مكتبه امداديه)

(وجامع الترمذي: ١/١٤٥، وباب ما جاء في كراهية العود في الصدقة، سعيد)

(وصحيح البخاري: ١/٢٠١، هل يشترى صدقة، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کی عادت یا دیگر قرائن سے معلوم ہو کہ یہ تحفہ زکوۃ سے دیتا ہے اس کی تحقیق کرلی جائے ورنہ ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

جو رقم بقصدِ زکوۃ الگ رکھدی گئی اس میں تصرف کا حکم

سوال[۴۷۵۱]: زکوۃ یا عشر کے لئے ایک رقم متعین کرکے الگ رکھدی اب اگر اس سے دوسرا سکہ بدلنا چاہے، یا چھوٹا سکہ ہے اس کے عوض بڑا رکھنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ منشاء یہ ہے کہ جو رقم الگ کی ہے بالتعیین اس کی علیحدگی تو ضروری نہیں ہے؟ فقط۔

نجم الحسن عفی عنہ از خیرآباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ یا عشر کی رقم علیحدہ رکھدینے سے مِلک سے خارج نہیں ہوتی، لہذا اس میں تغیر و تبدل کا تصرف جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ رمضان/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "(وافتراضها عمريٌّ): أي على التراخي، وصححه الباقاني وغيره. (وقيل: فوريٌّ): أي واجب على الفور (وعليه الفتوى)، كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخرها) بلا عذر". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فيأثم. بتأخيرها الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى –بالنون–: إذ لم يؤد حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قديمي)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الصوم	
۱	جہاں دن اٹھارہ گھنٹے کا ہو، وہاں روزہ کی صورت	۳۲
۲	مطلع میں ۲۴/ گھنٹے کا فرق ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے؟	۳۳
۳	مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے	۳۳
۴	رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر	۳۵
۵	روزہ میں مسواک سنت ہے	۳۶
۶	ستائیسویں رات کو شب قدر کی تعیین	۳۶
۷	مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کرکے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے	۳۷
۸	مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت	۳۸
۹	حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم	۳۹
۱۰	فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا	۳۹

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

۱۱	روزہ کا سبب رویتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)	۴۰
۱۲	رویت ہلال سے متعلق "كتاب القاضي إلى القاضي" کی تفصیل	۴۷
۱۳	ہلالِ رمضان اور عید کے لئے ریڈیو کی خبر	۵۵
۱۴	ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟	۵۷
۱۵	ٹیلیفون کی خبر کا حکم	۶۴
۱۶	آلاتِ جدیدہ سے رویتِ ہلال کا ثبوت	۶۶
۱۷	ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟	۶۹
۱۸	ایضاً	۷۰
۱۹	اختلافِ رویتِ ہلال کا سوال	۷۰
۲۰	ثبوتِ رویت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ	۷۲
۲۱	رویتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟	۷۶
۲۲	ریڈیو کے ذریعہ رویتِ ہلال کا ثبوت	۷۷
۲۳	ریڈیو کے اعلان کی حیثیت	۸۰
۲۴	ریڈیو کا اعلان	۸۲
۲۵	ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر	۸۴
۲۶	شہادت دیر سے پہونچنے پر نمازِ عید کو مؤخر کرنا	۸۴
۲۷	ریڈیو پر اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید	۸۵
۲۸	ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت	۹۰
۲۹	ہلالِ رمضان وعید اور ریڈیو کی اطلاع	۹۳
۳۰	رویتِ ہلال کمیٹی اگر فتویٰ کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟	۹۴

۳۱	بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں........................	۹۵
۳۲	بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا........................	۹۵
۳۳	رؤیتِ ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے........................	۹۸
۳۴	رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی........................	۱۰۰
۳۵	ریڈیو کی اطلاع پر روزہ........................	۱۰۱
۳۶	ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا........................	۱۰۳
۳۷	ہلال عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا........................	۱۰۴
۳۸	مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا........................	۱۰۵
۳۹	ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید........................	۱۰۵
۴۰	ریڈیو کے ذریعہ شہادت........................	۱۰۶
۴۱	ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا........................	۱۰۷
۴۲	ریڈیو کی خبر، شہادت........................	۱۰۹
۴۳	تار اور ٹیلی فون کی خبر........................	۱۱۰
۴۴	تار، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان........................	۱۱۱
۴۵	اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے........................	۱۱۲
۴۶	رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار........................	۱۱۵
۴۷	"أمۃ أمیۃ" کی تحقیق اور رؤیتِ ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کا قول........................	۱۱۶
۴۸	رؤیتِ ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبولِ شہادت کی صورتیں........................	۱۱۹
۴۹	جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہو، وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو؟........................	۱۲۴
۵۰	کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانعِ رؤیتِ ہلال ہے؟........................	۱۲۵
۵۱	اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت........................	۱۲۷
۵۲	زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا........................	۱۲۸
۵۳	کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رؤیت ہلال کے لئے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے؟........................	۱۳۳

۵۴	تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا..............................	۱۳۴
۵۵	ہلالِ فطر کا ثبوت..............................	۱۳۴

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

۵۶	ندی میں غسل کرتے ہوئے پانی پی لیا..............................	۱۳۸
۵۷	سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا..............................	۱۳۸
۵۸	ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟..............................	۱۳۹
۵۹	احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟..............................	۱۴۰
۶۰	انگلی ڈال کر پائخانہ نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟..............................	۱۴۰
۶۱	عورت کے اندام نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟..............................	۱۴۱
۶۲	کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟..............................	۱۴۲
۶۳	حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل..............................	۱۴۳
۶۴	روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل اور لمس..............................	۱۴۴
۶۵	لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم..............................	۱۴۴
۶۶	استمنا بالید کے بعد بیوی سے جماع کرلیا..............................	۱۴۵
۶۷	روزہ میں انجکشن..............................	۱۴۶
۶۸	ایضاً..............................	۱۵۲
۶۹	ایضاً..............................	۱۵۲
۷۰	روزہ میں خوشبو کا حکم..............................	۱۵۳
۷۱	روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہوا لینا..............................	۱۵۴
۷۲	ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا..............................	۱۵۵
۷۳	روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ واستنشاق..............................	۱۵۵

٩٤	پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں....................	١٧٤
٩٥	کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں، یا الگ الگ؟....................	١٧٤
٩٦	کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلباء کو کھانا کھلانا....................	١٧٤
٩٧	کفارۂ صوم ادا ہونے کی آسان صورت....................	١٧٥
٩٨	صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار، اس کا مستحق....................	١٧٦
٩٩	نماز روزہ کا فدیہ....................	١٨٠
١٠٠	فدیۂ صوم وصلوٰۃ....................	١٨١
١٠١	مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ....................	١٨٥
١٠٢	مریض پر فدیۂ صوم....................	١٨٦
١٠٣	فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟....................	١٨٩
١٠٤	فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے....................	١٨٩
١٠٥	فدیۂ صیام شروع رمضان میں دے یا اخیرِ رمضان میں؟....................	١٨٩
١٠٦	ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف....................	١٩٠
١٠٧	کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا....................	١٩١

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

١٠٨	ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتداء....................	١٩٢
١٠٩	صرف دس محرم کا روزہ رکھنا....................	١٩٣
١١٠	صوم یومِ عاشوراء....................	١٩٣
١١١	یومِ عرفہ نحر میں شک....................	١٩٣

۷۴	روزہ میں اگربتی	۱۵۶
۷۵	روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا	۱۵۷
۷۶	لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم	۱۵۸
۷۷	نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم	۱۵۹
۷۸	جلق مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟	۱۵۹
۷۹	سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم	۱۶۰
۸۰	صبح صادق سے ایک دومنٹ بعد سحری کھائی	۱۶۱

باب قضاء الصوم وكفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

۸۱	رمضان میں جبراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا	۱۶۲
۸۲	روزوں کی قضائے عمری	۱۶۳
۸۳	روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ	۱۶۴
۸۴	رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا	۱۶۵
۸۵	ایضاً	۱۶۵
۸۶	ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم	۱۶۶
۸۷	استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضاء	۱۶۷
۸۸	حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم	۱۶۹
۸۹	روزہ توڑنے کا کفارہ	۱۶۹
۹۰	کسی اَور کا تھوک نگلنے سے کفارہ	۱۷۱
۹۱	روزے کا کفارہ	۱۷۱
۹۲	مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟	۱۷۳
۹۳	کفارۂ صوم میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟	۱۷۳

۱۱۲	ہمیشہ روزہ رکھنا	۱۹۵
۱۱۳	تنہا جمعہ کا روزہ	۱۹۶
۱۱۴	کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟	۱۹۷
۱۱۵	یوم الشک کا روزہ	۲۰۰
۱۱۶	صومِ یوم الشک	۲۰۱
۱۱۷	چند مخصوص تاریخوں کا روزہ	۲۰۱
۱۱۸	گرمی کے روزے کا ثواب زیادہ ہے	۲۰۲
۱۱۹	بعد عصر نہ کھانے سے روزے کا ثواب	۲۰۳
۱۲۰	پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا	۲۰۳

فصل فی التسحر والإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

۱۲۱	سحری کے لئے اذان	۲۰۵
۱۲۲	سحری وافطاری کے وقت ڈھول بجانا	۲۰۶
۱۲۳	سحر وافطار کی اطلاع بذریعۂ سائرن	۲۰۸
۱۲۴	جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا	۲۰۸
۱۲۵	غروبِ شمس کی علامت کیا ہے؟	۲۰۹
۱۲۶	روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے اور نمک وادرک سے افطار کرنا	۲۱۰
۱۲۷	بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار	۲۱۱
۱۲۸	نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد ہو؟	۲۱۲
۱۲۹	افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں	۲۱۳
۱۳۰	افطار کے وقت اجتماعی دعاء کرنا	۲۱۳

باب المتفرقات

۱۳۱	تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا	۲۱۵
۱۳۲	بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ	۲۱۶
۱۳۳	صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت	۲۱۷
۱۳۴	سحری کھانے کے بعد تاخیر سے غسلِ جنابت	۲۱۸

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

۱۳۵	اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟	۲۱۹
۱۳۶	کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟	۲۱۹
۱۳۷	اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟	۲۲۰
۱۳۸	کیا اعتکاف ہر مسجد، ہر شہر میں ضروی ہے؟	۲۲۱
۱۳۹	عورت کا اعتکاف گھر میں نفلی ہے یا سنت؟	۲۲۲
۱۴۰	ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گناہگار ہے؟	۲۲۲
۱۴۱	نابالغ کا اعتکاف	۲۲۳
۱۴۲	اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء	۲۲۳
۱۴۳	ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رُکنے کی اجازت نہ ہو	۲۲۴
۱۴۴	اعتکاف سے روکنا	۲۲۵
۱۴۵	مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا	۲۲۵
۱۴۶	بستی کی مختلف مسجدوں میں کسی ایک جگہ اعتکاف	۲۲۶
۱۴۷	جو مسجد وقف نہ ہو، اس میں اعتکاف	۲۲۶
۱۴۸	ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف	۲۲۷

۱۴۹	مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف	۲۲۸
۱۵۰	مسجد بارش سے ٹپکتی ہو تو معتکف کیا کرے؟	۲۲۹
۱۵۱	دوسرے محلہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی	۲۳۰
۱۵۲	امام کے ذریعہ سنتِ اعتکاف کی ادائیگی	۲۳۰
۱۵۳	معتکف بیت الخلاء کے لئے نکل کر کتنا کام کرسکتا ہے؟	۲۳۱
۱۵۴	معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے اعتکاف سے نکلنا درست ہے؟	۲۳۱
۱۵۵	معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا	۲۳۲
۱۵۶	معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لئے جانا	۲۳۳
۱۵۷	ایضاً	۲۳۳
۱۵۸	معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا	۲۳۵
۱۵۹	کیا معتکف سحر وافطار اور استنجا اپنے مکان پر کرے	۲۳۶
۱۶۰	مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کرلے	۲۳۷
۱۶۱	وضو، اذان، سگریٹ کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا	۲۳۸
۱۶۲	بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا	۲۳۹
۱۶۳	معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا	۲۴۰
۱۶۴	دیہاتی معتکف کو نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا	۲۴۱
۱۶۵	معتکف کو نمازِ جنازہ کے لئے باہر نکلنا	۲۴۱
۱۶۶	جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟	۲۴۲
۱۶۷	غسلِ سنت وتبرید کے لئے معتکف کا خروج	۲۴۳
۱۶۸	اعتکاف میں غسل	۲۴۳
۱۶۹	اعتکاف میں حدث	۲۴۴
۱۷۰	بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح	۲۴۵
۱۷۱	معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا	۲۴۵

۱۷۲	معتکف کے لئے تمبا کو کھانا	۲۴۶
۱۷۳	معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا	۲۴۶
۱۷۴	معتکف کے لئے امورِ مباحہ	۲۴۷
۱۷۵	ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا	۲۴۸
۱۷۶	معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا	۲۴۸
۱۷۷	ایضاً	۲۴۸
۱۷۸	معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا	۲۴۹
۱۷۹	اعتکاف کی حالت میں تقبیلِ وجہ	۲۴۹
۱۸۰	معتکف کا مسجد میں چار پائی بچھانا	۲۵۰
۱۸۱	عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا	۲۵۱
۱۸۲	معتکف کا حوض سے پانی لینا	۲۵۱
۱۸۳	معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائیک باہر مجمع کو خطاب کرنا	۲۵۲
۱۸۴	مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا	۲۵۲
۱۸۵	معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا	۲۵۳
۱۸۶	معتکف کا قرآن پاک پڑھانا	۲۵۴
۱۸۷	اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء	۲۵۴
۱۸۸	عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء و اداءِ اعتکاف ایک ساتھ	۲۵۵
۱۸۹	اعتکاف میں غسلِ میت کے لئے نکلنا، مستورات کے اعتکافِ مسنون ٹوٹ جانے پر قضاء کا حکم	۲۵۶
۱۹۰	نفلی اعتکاف	۲۵۷
۱۹۱	نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں	۲۵۷
۱۹۲	نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے، لفظوں میں اعتکاف کی نیت	۲۵۸
۱۹۳	نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں	۲۵۹

۱۹۴	فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کر کے لیٹنا	۲۵۹
☆	**اعتکاف کے چند ضروری مسائل**	۲۶۰
۱۹۵	معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟	۲۶۰
۱۹۶	معتکف کا خارجِ مسجد اذان پڑھنا	۲۶۰
۱۹۷	معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا	۲۶۰
۱۹۸	ایضاً	۲۶۰
۱۹۹	اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟	۲۶۰
۲۰۰	**اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل**	۲۶۲
۲۰۱	اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر کرے؟	۲۶۲
۲۰۲	ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم	۲۶۲
۲۰۳	کتاب یا قرآن پاک پڑھنے کے لئے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا	۲۶۲
۲۰۴	ایضاً	۲۶۳
۲۰۵	معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا	۲۶۳
۲۰۶	گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا	۲۶۳
۲۰۷	گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا	۲۶۳
۲۰۸	پانی لانے کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا	۲۶۳
۲۰۹	حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا	۲۶۳
۲۱۰	ابتدائے اعتکاف کا وقت	۲۶۳
۲۱۱	**اعتکاف کے ۶۴/ مسائل**	۲۶۶
۲۱۲	عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم	۲۶۷
۲۱۳	معتکف کون کون ہو سکتا ہے؟	۲۶۷
۲۱۴	معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم	۲۶۷
۲۱۵	عورت کے اعتکاف سے مَردوں سے سقوطِ اعتکاف	۲۶۷

۲۱۶	مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف	۲۶۷
۲۱۷	کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟	۲۶۷
۲۱۸	۲۴/ رمضان کو معتکف کا انتقال ہو جائے	۲۶۸
۲۱۹	دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت	۲۶۸
۲۲۰	معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود	۲۶۸
۲۲۱	قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت	۲۶۸
۲۲۲	معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا	۲۶۸
۲۲۳	مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا	۲۶۸
۲۲۴	مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا	۲۶۸
۲۲۵	حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم	۲۶۹
۲۲۶	قضائے حاجت کے لئے گھر جا کر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم	۲۶۹
۲۲۷	حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا	۲۶۹
۲۲۸	حالتِ اعتکاف میں پاگل ہو جانے اور مسجد سے بمجبوری نکلنے کا حکم	۲۶۹
۲۲۹	حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت	۲۶۹
۲۳۰	معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا	۲۶۹
۲۳۱	معتکف کا شادی میں شرکت کرنا	۲۷۰
۲۳۲	معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا	۲۷۰
۲۳۳	پانی نہ ہو تو غسلِ جنابت میں تیمم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟	۲۷۰
۲۳۴	معتکف کا سحری یا افطاری لینے گھر جانا	۲۷۰
۲۳۵	کیا معتکف مقدمہ کے لئے جا کر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟	۲۷۰
۲۳۶	معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا	۲۷۰
۲۳۷	حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا	۲۷۰
۲۳۸	وعظ کے لئے معتکف کا کسی مجلس میں جانا	۲۷۱

۲۳۹	معتکف کا میٹنگ میں جانا	۲۷۱
۲۴۰	معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۱	معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۲	معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۳	معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لئے لے جانا	۲۷۱
۲۴۴	معتکف کی حکومت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے؟	۲۷۱
۲۴۵	صلح کرانے کے لئے معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟	۲۷۱
۲۴۶	معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا	۲۷۲
۲۴۷	معتکف کا روزانہ دوا لینے شفاخانہ جانا	۲۷۲
۲۴۸	معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا	۲۷۲
۲۴۹	مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا	۲۷۲
۲۵۰	مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گزارے؟	۲۷۲
۲۵۱	گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا	۲۷۲
۲۵۲	معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا	۲۷۲
۲۵۳	معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا	۲۷۳
۲۵۴	معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا	۲۷۳
۲۵۵	معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا	۲۷۳
۲۵۶	معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا	۲۷۳
۲۵۷	بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم	۲۷۳
۲۵۸	معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا	۲۷۳
۲۵۹	معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا	۲۷۳
۲۶۰	کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا	۲۷۳
۲۶۱	معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا	۲۷۴

۲۶۲	قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا	۲۷۴
۲۶۳	قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا	۲۷۴
۲۶۴	معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا	۲۷۴
۲۶۵	معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا	۲۷۴
۲۶۶	ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا	۲۷۴
۲۶۷	معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا	۲۷۵
۲۶۸	معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا	۲۷۵
۲۶۹	مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا	۲۷۵
۲۷۰	قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعاء پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟	۲۷۵
۲۷۱	بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم	۲۷۵
۲۷۲	معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے نکلنا	۲۷۵
۲۷۳	ایضاً	۲۷۵
۲۷۴	پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم	۲۷۶
۲۷۵	جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم	۲۷۶

کتاب الحج

باب فرضية الحج و شرائطه و أركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

۲۷۶	بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟	۲۸۷
۲۷۷	شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا	۲۸۷
۲۷۸	ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے	۲۸۸

۲۷۹	صاحب وسعت پر حج فرض ہے	۲۸۹
۲۸۰	روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟	۲۹۰
۲۸۱	لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج؟	۲۹۱
۲۸۲	ایضاً	۲۹۲
۲۸۳	استطاعت سے پہلے حج کا حکم	۲۹۲
۲۸۴	حجِ اکبر	۲۹۴
۲۸۵	حج مبرور اور مقبول میں فرق	۲۹۵
۲۸۶	بیوی کو حج کے لئے ساتھ لے جانا کب ضروری ہے؟	۲۹۶
۲۸۷	حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لے جائے؟	۲۹۸
۲۸۸	بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ، کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟	۲۹۸
۲۸۹	کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہوجائے گا؟	۲۹۹
۲۹۰	روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی	۳۰۰
۲۹۱	حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج	۳۰۱
۲۹۲	قحط کی حالت میں حج	۳۰۱
۲۹۳	قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے؟	۳۰۲
۲۹۴	مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟	۳۰۳
۲۹۵	ایضاً	۳۰۳
۲۹۶	کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟	۳۰۴
۲۹۷	حج کے ارکان	۳۰۵
۲۹۸	حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دو دن پہلے حج	۳۰۵
۲۹۹	سرکاری روپیہ سے حج	۳۰۷
۳۰۰	والدہ کے روپیہ سے حج	۳۰۸

۳۰۱	سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا	۳۰۹
۳۰۲	کافر کے روپے سے حج کرنا	۳۱۰
۳۰۳	مالِ حرام سے حج	۳۱۰
۳۰۴	جائز وناجائز مخلوط مال سے حج	۳۱۱
۳۰۵	ناجائز آمدنی سے حج کرنا	۳۱۴
۳۰۶	حج کے لئے رقم ناکافی ہوتو اپنا دوسرا انتظام کرنا	۳۱۵
۳۰۷	غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا	۳۱۶
۳۰۸	حرام آمدنی والے کو بوقتِ حج اپنے گروپ میں شامل کرنا	۳۱۷
۳۰۹	حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے یا حلال آمدنی ہے تو کیا اس کا قول معتبر ہے؟	۳۱۷
۳۱۰	فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں	۳۱۸
۳۱۱	حج سے گناہ کی معافی	۳۱۹
۳۱۲	حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں	۳۲۰
۳۱۳	کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہوجائیں گی	۳۲۰
۳۱۴	حجِ ثانی کے لئے پانچ سال کی قید	۳۲۱
۳۱۵	حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا	۳۲۲
۳۱۶	حج عرضی میں یہ قید کہ ''میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا''	۳۲۳
۳۱۷	جھوٹا اندراج کرکے حجِ ثانی کرنا	۳۲۶
۳۱۸	دروغ حلفی کرکے حجِ ثانی کرنا	۳۲۷

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

۳۱۹	بغیر محرم کے بڑھیا کو سفرِ حج کرنا	۳۲۹
۳۲۰	بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا	۳۳۰

۳۲۱	عورت کو بلا محرم سفرِ حج کرنا	۳۳۰
۳۲۲	کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا	۳۳۱
۳۲۳	رضاعی بھائی کے ساتھ حج	۳۳۴
۳۲۴	اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا	۳۳۵
۳۲۵	بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا	۳۳۶

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

۳۲۶	وقوفِ مزدلفہ	۳۳۸
۳۲۷	ایضاً	۳۳۸
۳۲۸	منیٰ سے روانگی	۳۳۹
۳۲۹	متمتع اور قارن پر کیا دو دم ہیں؟	۳۴۲
۳۳۰	احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈوانا	۳۴۳
۳۳۱	حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے	۳۴۴
۳۳۲	عورتیں حلال ہونے کے لئے کتنے بال کہاں کے کاٹیں؟	۳۴۵
۳۳۳	محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا	۳۴۶
۳۳۴	وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط	۳۴۶
۳۳۵	کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟	۳۴۷
۳۳۶	دوگانۂ طواف اوقاتِ مکروہہ میں	۳۴۸
۳۳۷	دوگانۂ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا	۳۴۸
۳۳۸	طوافِ زیارت بحالتِ احرام	۳۴۹
۳۳۹	نفل طوف کے بعد استیلام	۳۴۹
۳۴۰	متعدد طوافوں کے بعد نفل	۳۵۰

۳۴۱	ایامِ معلومات کی تشریح	۳۵۱
۳۴۲	یوم القر کی تشریح	۳۵۳

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

۳۴۳	استلام حجرِ اسود کا ثبوت	۳۵۷
۳۴۴	حجرِ اسود کا استلام	۳۵۸
۳۴۵	حجرِ اسود کہاں سے آیا؟	۳۵۹
۳۴۶	رکنِ یمانی کی تعریف	۳۶۰
۳۴۷	حجرِ اسود کا استلام	۳۶۱
۳۴۸	مقاماتِ اجابت	۳۶۲
۳۴۹	میزابِ رحمت کے نیچے دیوار کا التزام	۳۶۳
۳۵۰	منجاء میں وقوف شعارِ روافض ہے	۳۶۳
۳۵۱	طواف میں شاذ وران کو مس کرنا	۳۶۳
۳۵۲	آبِ زمزم	۳۶۵
۳۵۳	غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کر لانا	۳۶۶
۳۵۴	خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ	۳۶۷

بابٌ فی أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

۳۵۵	مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟	۳۶۹
۳۵۶	کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟	۳۶۹

۳۵۷ حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظمہ میں مقیم ہے یا مسافر؟ ۳۷۰
۳۵۸ حالتِ حیض میں طواف کرنا ۳۷۱
۳۵۹ حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوٰۃ وسلام ۳۷۲

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

۳۶۰ یلملم سے احرام ۳۷۵
۳۶۱ کسی ضرورت کے لئے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لئے کیا احرام ضروری ہے؟ ۳۷۸
۳۶۲ پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟ ۳۷۹
۳۶۳ ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟ ۳۸۱
۳۶۴ میقات سے بلا احرام گزرنا ۳۸۱
۳۶۵ احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا ۳۸۴
۳۶۶ کیا جدہ میقات ہے؟ ۳۸۵
۳۶۷ میقات کا علم نہ ہو تو تحری کرے ۳۸۵
۳۶۸ مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے یا نہیں؟ ۳۸۵

باب القِران والتمتع

(حجِ قران اور تمتع کا بیان)

۳۶۹ حج کی افضل صورت ۳۸۸
۳۷۰ مفرد اور قارن کے لئے سعی ۳۸۸
۳۷۱ استفتاء متعلق سوال بالا ۳۹۰
۳۷۲ متمتع کا مدینہ طیبہ جانا، پھر عمرہ کرنا ۳۹۰
۳۷۳ ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟ ۳۹۳

۳۷۴	اشہرِ حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا	۳۹۴
۳۷۵	قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے	۳۹۵
۳۷۶	عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے؟	۳۹۶
۳۷۷	حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ	۳۹۶
۳۷۸	صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ	۳۹۷

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

۳۷۹	حجِ بدل	۴۰۱
۳۸۰	ایضاً	۴۰۱
۳۸۱	ایضاً	۴۰۳
۳۸۲	والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حجِ بدل کرانا	۴۰۴
۳۸۳	حجِ بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا	۴۰۵
۳۸۴	کیا حجِ بدل میں نام لینا ضروری ہے؟	۴۰۵
۳۸۵	حجِ بدل کے لئے ذوالحلیفہ سے احرام	۴۰۶
۳۸۶	مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا	۴۰۷
۳۸۷	حجِ بدل والے کو مدینہ طیبہ پہلے جانا	۴۰۹
۳۸۸	حجِ بدل میں پہلے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری	۴۱۰
۳۸۹	حجِ بدل میں تمتع	۴۱۱
۳۹۰	ایضاً	۴۱۴
۳۹۱	ایضاً	۴۱۵
۳۹۲	حجِ بدل میں افراد ہو یا قران؟	۴۱۶
۳۹۳	بیمار کا حجِ بدل کرانا	۴۱۸

۳۹۴	ایضاً	۴۱۹
۳۹۵	حجِ بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا، تو دوبارہ حج فرض نہیں	۴۲۰
۳۹۶	میت کی طرف سے بلاوصیت حجِ بدل	۴۲۰
۳۹۷	والد مرحوم کی طرف سے حجِ بدل	۴۲۲
۳۹۸	بیوی کو اپنے حج سے پہلے حجِ بدل کرانا	۴۲۳
۳۹۹	حجِ بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کر کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا اور خود اپنا حج کرنا	۴۲۴
۴۰۰	حجِ بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے؟	۴۲۶
۴۰۱	حجِ صرورہ	۴۲۶
۴۰۲	بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود کسی سے اس کا حجِ بدل کرانا	۴۲۸
۴۰۳	مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حجِ بدل کا؟	۴۲۸
۴۰۴	حجِ بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں	۴۲۹
۴۰۵	حجِ بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان	۴۳۰

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

۴۰۶	طوافِ وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم	۴۳۲
۴۰۷	رمی اور قیامِ منیٰ کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟	۴۳۳
۴۰۸	رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم	۴۳۴
۴۰۹	قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم	۴۳۴
۴۱۰	رمی اور طوافِ زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم	۴۳۵
۴۱۱	رمی کا بدل آئندہ سال	۴۳۵
۴۱۲	حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت	۴۳۶
۴۱۳	حالتِ احرام میں رضائی اوڑھنا	۴۳۷

۴۱۴ حالتِ احرام میں کیا عورت منہ کھولے رکھے؟ ۴۳۷
۴۱۵ حالت احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا ڈالنا ۴۳۹
۴۱۶ کیا دمِ جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟ ۴۳۹

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

۴۱۷ سفرِ مدینہ کی نیت ۴۴۱
۴۱۸ مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں ۴۴۱
۴۱۹ حرمین میں پہلے کہاں جائے؟ ۴۴۲
۴۲۰ حرمِ مدینہ کی حدود ۴۴۳
۴۲۱ عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ۴۴۳
۴۲۲ زیارتِ روضۂ پاک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ادب ۴۴۴

باب المتفرقات

۴۲۳ حاجیوں کو خلافِ قانون سامان لانا ۴۴۸
۴۲۴ حاجیوں کا داخلی میں کچھ دینا رشوت ہے ۴۴۸
۴۲۵ ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا ۴۴۹
۴۲۶ سوال کر کے حج کو جانا ۴۵۰
۴۲۷ تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا ۴۵۱
۴۲۸ حج میں تجارت ۴۵۲
۴۲۹ ایضاً ۴۵۳
۴۳۰ حاجی کے گلے میں ہار ۴۵۴
۴۳۱ حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار ۴۵۵

۴۳۲	حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا..............	۴۵۷
۴۳۳	حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا..............	۴۵۷
۴۳۴	حج کا ولیمہ..............	۴۵۸
۴۳۵	حاجی کا خطاب..............	۴۵۹
۴۳۶	مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج..............	۴۶۰
۴۳۷	کیا ہر حج میں نو لاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟..............	۴۶۱

کتاب النکاح

۴۳۸	شرعاً نکاح کی حقیقت..............	۴۶۳
۴۳۹	نکاح کی تعریف، غرض اور اس کا طریقہ..............	۴۶۵
۴۴۰	نکاح کا مسنون طریقہ..............	۴۶۸
۴۴۱	ایضاً..............	۴۶۹
۴۴۲	نکاح کا شرعی طریقہ..............	۴۷۱
۴۴۳	نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟..............	۴۷۱
۴۴۴	نکاح کا حکم وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟..............	۴۷۲
۴۴۵	نکاح کے فرائض، واجبات، مستحبات..............	۴۷۴
۴۴۶	اعلانِ نکاح کے مصالح..............	۴۷۵
۴۴۷	نکاح کا اعلان..............	۴۷۶
۴۴۸	بذریعۂ دف نکاح کا اعلان..............	۴۷۷
۴۴۹	نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا..............	۴۷۸
۴۵۰	اشکال بر جواب مذکورہ بالا..............	۴۷۹
۴۵۱	زوجین کی عمر میں تناسب اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض اور اس کا حکم..............	۴۸۱
۴۵۲	کثرتِ ازدواج کی حکمت..............	۴۸۲

۴۵۳	نکاح کے لئے پیر، جمعرات، جمعہ کی فضیلت	۴۸۵
۴۵۴	نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے	۴۸۵
۴۵۵	اندیشۂ تقسیمِ وراثت کی وجہ سے نکاح نہ کرنا	۴۸۶

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

۴۵۶	ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟	۴۸۸
۴۵۷	نکاح کے لئے ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے	۴۹۱
۴۵۸	مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول	۴۹۱
۴۵۹	ایجاب کے وقت ذہن موقع پر حاضر نہ ہو اور قبول کے وقت حاضر ہو تو کیا نکاح درست ہوگا؟	۴۹۴
۴۶۰	نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت	۴۹۵
۴۶۱	تین دفعہ ایجاب وقبول	۴۹۷
۴۶۲	لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا	۴۹۸
۴۶۳	ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول	۵۰۱
۴۶۴	ختنہ سے پہلے نکاح	۵۰۲
۴۶۵	کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟	۵۰۳
۴۶۶	رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر	۵۰۴
۴۶۷	نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا	۵۰۵
۴۶۸	قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی	۵۰۶
۴۶۹	نومسلم کا نکاح	۵۰۶
۴۷۰	عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح	۵۰۷
۴۷۱	نومسلمہ کا نکاح	۵۰۸
۴۷۲	ایضاً	۵۰۸

۴۷۳	بچوں کے نکاح کا طریقہ	۵۱۱
۴۷۴	جولڑکی سنی ہوجائے، اس سے نکاح کرنا	۵۱۱
۴۷۵	کیا نومسلمہ کو چھ مرتبہ حیض کے بعد نکاح کی اجازت ہے؟	۵۱۲
۴۷۶	بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند ہو اور سہیلی کا انگوٹھا لگانا	۵۱۳
۴۷۷	حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح	۵۱۴
۴۷۸	نابینا بہرے کا نکاح	۵۱۵
۴۷۹	گونگے کا نکاح	۵۱۵
۴۸۰	جو مرد اور عورت کبھی نماز نہیں پڑھتے، ان کا نکاح	۵۱۶
۴۸۱	کیا دو عورتوں سے طلاق کے بعد دو دفعہ نکاح کرنا چار کے حکم میں ہے؟	۵۱۶
۴۸۲	جس عورت کے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟	۵۱۸
۴۸۳	ایک سے چار تک نکاح کی اجازت	۵۲۰
۴۸۴	بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح	۵۲۱
۴۸۵	غلط رسوم کے ساتھ کئے گئے نکاح کا حکم	۵۲۱
۴۸۶	تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں ہے	۵۲۲
۴۸۷	تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح	۵۲۳
۴۸۸	ایضاً	۵۲۵
۴۸۹	بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی	۵۲۶
۴۹۰	نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا	۵۲۶
۴۹۱	نکاح میں شرطیں لگانا	۵۲۷
۴۹۲	دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ مغلظہ کی شرط پر نکاح	۵۲۹
۴۹۳	نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا	۵۳۱
۴۹۴	شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر	۵۳۳
۴۹۵	جو عورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح	۵۳۴

۴۹۶	کیا عورت کا یہ کہنا کہ ''میں بغیر شوہر کے ہوں'' معتبر ہے؟	۵۳۵
۴۹۷	دس سالہ لڑکی کا نکاح ۳۰/ سالہ آدمی کے ساتھ	۵۳۵
۴۹۸	ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟	۵۳۶
۴۹۹	نکاحِ ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ	۵۳۷
۵۰۰	بیوی کو طلاق دے کر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح	۵۳۷
۵۰۱	دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں	۵۳۸
۵۰۲	بلا اجازتِ زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی	۵۳۹
۵۰۳	ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت	۵۳۹
۵۰۴	کیا کنیسہ میں نکاح ہوجائے گا؟	۵۴۱
۵۰۵	جوئے میں بیوی کو ہار گیا تو نکاح باقی رہا یا نہیں؟	۵۴۱
۵۰۶	مہر میں معجل اور مؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا	۵۴۲
۵۰۷	مہر وسعت سے زیادہ ہو، تب بھی نکاح درست ہے	۵۴۷
۵۰۸	زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں	۵۴۷
۵۰۹	حالتِ نفاس میں نکاح	۵۴۸
۵۱۰	زنا کا حمل پیدا ہونے کے بعد حالتِ حمل میں نکاح	۵۴۹
۵۱۱	عورت کے زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا	۵۵۰
۵۱۲	ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا	۵۵۱
۵۱۳	لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا	۵۵۲
۵۱۴	نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا	۵۵۳
۵۱۵	دوسرے کی بیوی کو لے کر بھاگ جانا، اور طلاقِ شوہر کے بعد عدت نکاح	۵۵۵
۵۱۶	جو عورت ایک سال تک ہندو کے ہاں رہے، اس کا نکاح	۵۵۶
۵۱۷	فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح	۵۵۷
۵۱۸	فرار شدہ عورت کے لڑکے سے نکاح	۵۵۹

۵۱۹	مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح	۵۶۱
۵۲۰	نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے	۵۶۲
۵۲۱	غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی، تو دوبارہ نکاح کے لئے استبرائے رحم	۵۶۵
۵۲۲	کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح	۵۶۷
۵۲۳	مشتبہ الخلقت (کہ خنثیٰ ہے یا صحیح) سے نکاح	۵۶۸
۵۲۴	اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل	۵۶۹
۵۲۵	ضمیمۂ استفتاء ماقبل	۵۷۱
۵۲۶	نکاحِ خفیہ	۵۷۵
۵۲۷	ایضاً	۵۷۶
۵۲۸	سِول میرج	۵۷۹
۵۲۹	طلاق کے بعد نکاحِ ثانی	۵۸۱
۵۳۰	طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حقِ وراثت	۵۸۲
۵۳۱	مطلقہ بیمار کو گھر میں رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح	۵۸۳
۵۳۲	آنکھوں پر پٹی باندھ کر نکاح کرنا	۵۸۴
۵۳۳	جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی، ان کے کہنے سے نکاح پر اثر	۵۸۵
۵۳۴	طلاق نامہ دیکھے بغیر نکاحِ ثانی	۵۸۵
۵۳۵	باپ اور بھائی کے ڈر سے کئے ہوئے نکاح سے منکر ہو جانا	۵۸۶

فصل فی خطبة النكاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

۵۳۶	نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟	۵۸۹
۵۳۷	نکاح میں خطبہ کی حیثیت	۵۸۹
۵۳۸	خطبۂ نکاح سنت ہے، فرض نہیں؟	۵۹۰

۵۳۹	خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر	۵۹۰
۵۴۰	ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح	۵۹۰
۵۴۱	دو نکاح کے لئے ایک خطبہ	۵۹۱
۵۴۲	خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا	۵۹۱
۵۴۳	خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہوکر؟	۵۹۲
۵۴۴	خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر	۵۹۳
۵۴۵	نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟	۵۹۴
۵۴۶	کیا نابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے؟	۵۹۴
۵۴۷	برہمن سے نکاح پڑھوانا	۵۹۵
۵۴۸	شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا	۵۹۶
۵۴۹	مقررہ امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا	۵۹۷

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندراج کرنے کا بیان)

۵۵۰	نکاح میں شرکت کے لئے غیر مسلموں کو مسجد میں لانا	۵۹۹
۵۵۱	مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال لگا کر نقش ونگار کرنا	۵۹۹
۵۵۲	نکاح کو رجسٹر میں درج کرنا	۶۰۰
۵۵۳	نکاح کا رجسٹر میں اندراج	۶۰۱
۵۵۴	کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟	۶۰۱
۵۵۵	دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت	۶۰۳
۵۵۶	مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھوانا	۶۰۳
۵۵۷	غلط رسموں کے ساتھ نکاح	۶۰۵

10

۵۵۸	مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا....................	۶۰۵
۵۵۹	بغیر کلمہ پڑھائے نکاح....................	۶۰۶
۵۶۰	نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا....................	۶۱۰
۵۶۱	نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا....................	۶۱۱

فصل فی الشھود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

۵۶۲	نکاح میں خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا....................	۶۱۳
۵۶۳	خدا اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا....................	۶۱۴
۵۶۴	اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا....................	۶۱۶
۵۶۵	ایک مرد، دو عورتوں کی گواہی نکاح میں....................	۶۱۶
۵۶۶	نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟....................	۶۱۷
۵۶۷	باپ، بھائی کی شہادت سے نکاح....................	۶۱۸
۵۶۸	نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی....................	۶۱۹
۵۶۹	صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح....................	۶۲۰
۵۷۰	تعیینِ گواہان کے بغیر مجمع میں نکاح....................	۶۲۱
۵۷۱	تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے....................	۶۲۲
۵۷۲	بھائی و بہنوئی کی گواہی اور گواہوں کے بیان میں اختلاف....................	۶۲۳
۵۷۳	نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم....................	۶۲۵
۵۷۴	بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں اور بعض منکر، تو کیا کیا جائے؟....................	۶۲۷
۵۷۵	قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح....................	۶۲۸

۵۷۶	ایک عورت پر دو شخصوں کا دعویٰ نکاح	۶۳۸

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

۵۷۷	مار پیٹ اور آبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا	۶۴۰
۵۷۸	نکاح بذریعۂ اکراہ	۶۴۲
۵۷۹	جبراً نکاح	۶۴۳
۵۸۰	ضمیمہ	۶۴۴
۵۸۱	ایضاً	۶۴۶
۵۸۲	بیوہ کا زبردستی نکاح	۶۴۷
۵۸۳	ایضاً	۶۴۹
۵۸۴	لڑکی کا جبراً نکاح	۶۵۰
۵۸۵	بالغہ کا نکاح جبراً	۶۵۲
۵۸۶	جبراً اقرارِ نکاح	۶۵۳
۵۸۷	بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا	۶۵۴

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

۵۸۸	ایجاب وقبول کے الفاظ	۶۵۶
۵۸۹	اشارۂ سر یا لفظِ ''منظور'' سے قبولِ نکاح	۶۵۶
۵۹۰	''لڑکی خدا کے واسطے دے دی'' کہنے سے نکاح کا حکم	۶۵۷
۵۹۱	لفظِ اجرت سے نکاح	۶۵۸
۵۹۲	لفظ ''جان بخشی'' سے نکاح، غیر عادل لوگوں کی گواہی نکاح میں	۶۶۲

۵۹۳	عورت کا یہ قول کہ "میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی" نکاح نہیں	۶۶۶
۵۹۴	الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟	۶۶۶
۵۹۵	انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح	۶۶۷
۵۹۶	شربت پر پھونک مار کر ایک گھونٹ پینے سے نکاح	۶۶۹
۵۹۷	حمائل پر ہاتھ رکھ کر اقرار سے نکاح نہیں ہوتا	۶۶۹

فصل فی النکاح بالکتابة و الهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون سے نکاح کرنے کا بیان)

۵۹۸	نکاح بذریعۂ خط	۶۷۴
۵۹۹	خط کے ذریعہ نکاح	۶۷۵
۶۰۰	نکاح بذریعۂ تحریر	۶۷۷
۶۰۱	کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت "نکاح" کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟	۶۷۸
۶۰۲	ٹیلیفون کے ذریعہ سے نکاح	۶۸۰

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

۶۰۳	آنٹہ سانٹہ کا نکاح	۶۸۱
۶۰۴	آنٹہ سانٹہ میں نا اتفاقی ہوگئی	۶۸۱
۶۰۵	ہمشیرۂ داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح	۶۸۲

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتاب الصوم

جہاں اٹھارہ گھنٹہ کا دن ہو، وہاں روزہ کی صورت

سوال[۴۷۵۲]: جہاں دن اٹھارہ گھنٹے سے زیادہ بھی کا ہوتا ہے اور رات چھ گھنٹے یا اس سے کم، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ کیا روزہ دن کے تناسب سے رکھا جائے گا یا کوئی دوسرا حساب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے قوی مزاج لوگ اتنے بڑے دن کا عموماً تحمل کرتے ہیں، اس لئے وہاں خود ان کا ہی دن معتبر ہوگا، کسی دوسرے حساب کی ضرورت نہیں، جیسا کہ مجموعة الفتاویٰ : ۱/ ۶۹۶ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''صوم وصلوۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لئے ہر شہر اور ہر زمانہ میں عام ہیں، لہٰذا اختلافِ اقالیم اور طولِ نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا اور یہ خیال کرنا کہ ''جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ ہلاکت کا باعث ہے'' غلط ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی احکام کو عام کر رکھا ہے اسی طرح جہاں روزہ رکھنا طاقتِ بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے، وہاں ابن آدم کا مسکن نہیں بنایا.........اھ۔

اور بلغار میں زمانہ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروبِ شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے، وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے مرتا نہیں''۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۱/ ۲۹۶، کتاب الصلوۃ، سعید)

'''لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أوبعده بزمان، لايقدر فيه الصائم على أكل مايقيم بنيته، ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاك، فإن قلنا بوجوب الصوم، يلزم القول بالتقدير. وهل يقدّر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً، أم يقدرلهم بما يسع الأكل والشرب، أم يجب عليهم القضاء فقط=

مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۷۵۳]: ہوائی جہاز سے ہوائی کھیل ایجاد ہے، وہاں سے کھلاڑی گیند کھیلتے ہیں تو گیند اسی جگہ لڑھک کر جاتا ہے، وہاں کے مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہو جاتا ہے۔ اگر ہوائی والے شنبہ کو روزہ رہیں تو کیا قریبی ملک والے کو اُسی دن روزہ رکھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہاں رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے تو دن میں روزہ کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے؟

سوال[۴۷۵۴]: شرعاً کتنے فاصلے پر واقع بلاد کا مطلع ایک سمجھا جاتا ہے اور کتنے بُعد میں مطلع بدل جاتا ہے؟ مسئلہ کی پوری شرح فرمائیں۔ جن دو شہروں یا ملکوں کا مطلع ایک ہو اور رُؤیت کی خبر صحیح ہو تو اس رؤیت

= دون الأداء؟ كل محتمل، فليتأمل.

ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها؛ لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب، وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم، هذا ماظهرلي، والله تعالىٰ اعلم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، سعيد)

(۱) "وفي القدوري: (إذا كان بين البلدتين تفاوتٌ لايختلف المطالع، لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع) لم يلزم حكم إحدى البلدتين البلدة الأخرى. وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين، يلزمهم حكم أهل هذه البلدة". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يتعلق برؤية الهلال: ۲/۲۶۹، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

کی اطلاع پر دوسرے شہر والے روزہ یا عید مناسکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی اگر رُویت کی کہیں سے غلط خبر نشر ہوگئی تو پھر کبھی وہاں کے رؤیت کی خبر کو قبول نہیں کی جائے گی۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں جو غروبِ آفتاب کے اوقات لکھے ہوتے ہیں اس کے کتنے دیر بعد اذانِ مغرب دی جائے؟ منٹ کی وضاحت کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہزار میل کے بُعد پر مطلع بدل جاتا ہے (۱)۔ اگر رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے تو روزہ اور عید کا حکم ہوگا ورنہ نہیں (۲)۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں خود ہی اختلاف رہتا ہے۔ آج کل عامۃً طلوع غروب استقراء کا مشاہدہ کر کے جنتریوں کو مرتب نہیں کیا جاتا ہے، زیادہ تر نقل ہی پر اعتماد ہوتا ہے، پھر مرتب کرنے والے اپنے مزاج کے اعتبار سے احتیاط کی بھی رعایت رکھتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ گھڑیوں میں سستی اور تیزی کا

---

(۱) "وقدّر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر، وقد نبه التاج التبریزی علی أن اختلاف المطالع لا یمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً، وأفتی به الوالد، والأوجه أنها تحدیدیة، کما افتی به أیضاً". (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب اختلاف المطالع: ۲/۳۹۳، سعید)

(۲) "ولو صام أهل بلد ثلاثین یوماً، وصام أهل بلد آخر تسعةً وعشرین، فإن صوم أهل ذلک البلد برؤیة الهلال، وثبت ذلک عند قاضیهم أوعدّوا شعبان ثلاثین یوماً، ثم صاموا رمضان، فعلی أهل البلد الآخر قضاء یوم؛ لأنهم أفطروا یوماً من رمضان .... هذا إذا کانت المسافة بین البلدین قریبةً لاتختلف فیها المطالع". (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(وقُبل بلادعوی) و بلا لفظ "أشهد" وبلا حکم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لاشهادة (للصوم مع علة کغیم) وغبار (خبرُ عدل) .... (ولو) کان العدل (قناً أو أنثی أو محدوداً فی قذف تاب) .... اهـ. (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصابُ الشهادة ولفظ "أشهد") وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد، لکن (لا) تشترط (الدعوی) .... (و) بلاعلة جمعٌ عظیمٌ یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد)". (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/۳۸۵-۳۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، رشیدیه)

فرق ہوتا رہتا ہے، اس لئے کوئی حتمی تعین نہیں کی جاسکتی، بس اتنا ہے کہ غروب متعین ہونے کے بعد اذان کا وقت ہے، نہ یہ کہ ہر جگہ ہر موسم پر گھڑی کا پابند کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر

سوال [۴۷۵۵]: رمضان المبارک کے متعلق کچھ ہدایت فرمائیں، دنیوی تفکرات سے قلب کو یکسوئی حاصل ہونے کا حضرت والا کوئی علاج بتلائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنا نظام الاوقات بنا کر تمام اوقات کو کام میں مشغول رکھیں، کوئی وقت ضائع نہ ہونے دیں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کریں (۲)، فضائلِ رمضان اپنے مکان پر یا مسجد میں سننے یا سنانے کا اہتمام کریں، اس سے رمضان کی عظمت دل میں پختہ ہوکر اعمالِ صالحہ کی رغبت میں اضافہ ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ یکسوئی میسر ہوگی،

---

(۱) "وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إذا أقبل اللیل من ھھنا وأدبر من ھھنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم". متفق علیہ". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصوم، الفصل الأول: ۱/۱۷۵، قدیمی)

"قلت: ومقتضی قولہ: (لابأس بالفطر بقول عدل) أنہ لایجوز إذا لم یصدقہ، ولا بقول المستور مطلقاً .... فلا بد حینئذ من التحری، فیجوز؛ لأن ظاہر مذھب أصحابنا جواز الإفطار بالتحری، کما نقلہ فی المعراج عن شمس الأئمۃ السرخسی؛ لأن التحری یفید غلبۃ الظن، وھی کالیقین .... وفی البحر عن البزازیۃ: ولایفطر مالم یغلب علی ظنہ الغروب وإن أذن المؤذن".

(ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ: ۲/۴۰۷، سعید)

(۲) "فان لایتکلم إلابخیر .... ویلازم التلاوۃ والحدیث والعلم وتدریسہ وسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإخبار الصالحین وکتابۃ أمور الدین". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۴۵۰ باب الاعتکاف، سعید)

(ومراقی الفلاح، ص: ۷۰۴، ۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

خدا دین ودنیا کی ترقیات سے نوازے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں مسواک سنت ہے

سوال[۴۷۵۶] : ماہ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

درست بلکہ سنت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۱۳۹۰ھ۔

ستائیسویں رات کوشب قدر کی تعیین

سوال[۴۷۵۷] : شب قدر کو رمضان شریف کے اخیر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو ہی شب قدر منانا اور اسی شب کو قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یانہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادتیں کرنا، تلاوت قرآن شریف اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا اسلاف اور کسی حدیث سے ثابت ہے کیا؟ اور کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شب قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیس کو ترجیح دی ہے کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے، لیکن اس پر یقین نہیں، اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی کردی جائے، ظنِ غالب کی بناپر اگر ستائیس کو ختم قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه رضي الله تعالیٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يستاك، وهو صائمٌ". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۲۹، كتاب الصوم، باب السواك للصائم، إمداديه ملتان)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۵۹، كتاب الصوم، باب السواك الرطب واليابس للصائم، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۴، كتاب الصوم، باب ما جاء في السواك للصائم، سعيد)

افضل ومستحب ہے، کذا فی البحر الرائق(۱)۔

یقینی طور پر اسی رات کو شب قدر کہنا اور دوسری راتوں کی نفی کردینا غلط ہے، ختم کا بھی اس شب میں التزام نہ کیا جائے، عبادت، تلاوت، نماز وغیرہ کے لئے مساجد میں اس رات یا کسی اَور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت ومکروہ ہے، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کرکے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے

سوال[۴۷۵۸]: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کرکے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ پہونچ جائے، مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے۔ کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟ علی ہذا مکہ سے روزہ افطار کرکے یا عید کی نماز ادا کرکے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزہ سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے۔ اب کیا کرے، روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا و

---

(۱) "والجمهور على أن السنة الختم مرةً، فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر". (البحر الرائق: ۱۲۰/۲، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۴۶/۲، باب الوتر والنوافل، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۸/۱، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، رشيديه)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد و غيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا أصحابه، فأنكر أكثر العلماء من أهل الحجاز و قالوا: ذلك كله بدعة".

(مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۴۰۲، فصل في تحية المسجد الخ، قديمي)

مکمل ہو چکا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت

سوال[۴۷۵۹]: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہو گیا، سفر کافی طویل ہے۔ کیا زید اس روزے کو توڑ سکتا ہے؟

حاجی عبدالحی لکھنؤ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مشقت ہے، پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑ سکتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "هل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟ .... واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود في مصلاها وهو تشبه بالصلوة. (قوله: ولو شرعت تطوعاً فيهما): أى في الصلوة والصوم". (ردالمحتار: ۱/۲۹۱، سعيد)

"وقال: يتشبه بالمصلين وجوباً، فيركع ويسجد، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: وقالا: يتشبه بالمصلين): أى احتراماً للوقت .... (قوله: كالصوم): أى في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسک تشبهاً بالصائم لحرمة الشهر .... وكذا المسافر إذا أفطر فاقام". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۸۶، رشيديه)

(۲) "الأعذار التي تبيح الإفطار منها السفر الذي يبيح الفطر .... فلو سافر نهاراً، لايباح له الفطر في ذلک اليوم. وإن أفطر، لاكفارة عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۶، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۳۱، فصل في العوارض، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۸۳، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچی)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۷۶۰]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا، اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے، البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پئے نہیں: "یجب الإمساك بقیة الیوم علی من فسد صومه، وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا

سوال[۴۷۶۱]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا(۲)، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا(۳)، لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم اهـ، فصل: یجب الإمساک، ص: ۶۷۸، قدیمی)

(۲) "عن سهل بن معاذ، عن أبیه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "من أعطی لله تعالیٰ، ومنع لله تعالیٰ، وأحب لله تعالیٰ، وأبغض لله تعالیٰ، وأنکح لله تعالیٰ، فقد استکمل إیمانه". (مسند الإمام أحمد، : ۴۶۲/۴، (رقم الحدیث: ۱۵۱۹۰)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الصِّیام جُنَّة فلا یَر فُثْ ولا یَجهل، فإنِ امرأ قاتَله أو شاتَمه فلیقل: إنی صائم" مرتین "والذی نفسی بیده! لَخلوف فم الصائم أطیبُ عند الله من ریح المسک، یترک طعامه وشرابه وشهوته من أجلی، الصیام لی وأنا أجزی به، والحسنة بعشر أمثالها". (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم: ۲۵۴/۱، قدیمی)

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مَطالع کا بیان)

روزہ کا سبب رؤیتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)

سوال[۴۷۶۲]: رویتِ ہلال رمضان میں سب کا اتفاق ہے اس پر کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہوجاتا ہے، بعض نے حدیثِ حضرت کُریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلیل بنایا اور بعض دوسری دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض اسی کو حق اور مطابقِ نصِ قرآنی بتاتے ہیں، کیونکہ قرآن شریف میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۱) أي رمضان الخ". اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "جوشخص ماہ رمضان پاوے، یا داخل ہو، اس پر روزہ واجب ہے" اور یہی مذہب حق اور ٹھیک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اگر مشرق والا ہلالِ رمضان کی خبر دے اہلِ مغرب کو تو اہل مغرب پر روزہ واجب ہوگا یا اس کا عکس۔ یہ مذہب کے خلاف حدیث اور نص قرآنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کبھی یہ صورت واقع ہوگی، ایک ملک میں آج شعبان ہے تو دوسرے ملک میں رمضان جیسے امریکہ میں رات اور یہاں دن، بلکہ لندن اور ہندوستان میں بھی بہت فرق ہے کیونکہ معظم کا خبرِ انتقال یہاں ہندوستان کو دیا ہے۔ ایک جگہ رات کے دس بجے ایک جگہ دن کے دس بجے۔ اور بلغار کی خبر مشہور ہے اور فقہ کی کتاب میں ہے کہ اہل بلغار پر صلوۃ عشاء واجب نہیں ہے، مغرب کے بعد فجر ہوجاتی ہے۔

الغرض جس پر ماہ رمضان حاضر ہوئے پھر اس پر روزہ واجب کس طرح ہوتا ہے؟ کیونکہ وجوبِ صوم کا سبب حاضر ماہ رمضان میں ہونا، یا ماہ رمضان میں پانا ہے اور ہرگاہ مشرق میں رویتِ ہلال ہوا ہے، اہلِ مغرب حاضر ماہِ رمضان نہیں ہے پھر وہاں کی خبر سے روزہ کس طرح واجب ہوگا؟ مثلاً: اگر ایک ملک میں وقتِ ظہر ہوا ہے اور دوسرے ملک میں وقت فجر ہوا ہے، اگر کوئی خبر ظہر کی وہاں سے لاوے تو اس وقت دوسرے ملک کے

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۵)

باشندوں پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا یا فجر پڑھنا واجب ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے ماخذ قرآنی اور حدیث اور قیاس اور اجماع ہے۔ الغرض رویتِ ہلال کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے کہ رویتِ ہلال کے مسئلہ کے مطابق شریعتِ غراء اور ملتِ بیضاء ہے؟ دلائل سے مزین فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کہنا کہ علمائے مجتہدین سب کے سب رویتِ ہلال رمضان شریف کے بارے میں متفق ہیں کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہوجاتا ہے، ان کے مذہب سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ان کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

"نیل المآرب" فقہ حنبلی میں لکھا ہے:

" يجب صوم رمضان برؤية هلاله على جميع الناس، و حكم من لم يره حكم من رآه، ولو اختلفت المطالع، اهـ".(١)۔ فقہ حنبلی کی دوسری کتاب "الروض المربع" میں اور زیادہ واضح طور پر ہے: "إذا رآه أهل بلد: أى متى ثبتت رؤيته ببلد، لزم الناس كلهم الصوم، لقوله عليه السلام: "صوموا لرؤيته". وهو خطاب للأمة كافةً، فإن رآه جماعة ببلد، ثم سافروا لبلد بعيد، فلم ير الهلال به فى الشهر، أفطروا" اهـ(٢). یہ تو حنابلہ کا مذہب ہوا۔

---

(١) "قوله: (وإذا رأى الهلال أهل بَلَدٍ، لزم الناس كلهم الصوم).

لاخلاف فى لزوم الصوم على من رآه، وأما من لم يره، فإن كانت المطالع متفقةً، لزمهم الصوم أيضاً، وإن اختلفت المطالع، فالصحيح من المذهب لزوم الصوم أيضاً.

قدمه فى الفروع، والفائق، والرعاية، وهو من المفردات. وقال فى الفائق: والرؤية ببلد تلزم المكلفين كافةً .... وقال فى الرعاية الكبرى: يلزم من لم يره حكم من رآه .... قوله: ويقبل فى هلال رمضان قول عدل واحد". (الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف: ٢٧٣/٣، كتاب الصيام، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(وكذا فى المغنى، كتاب الصيام: ٥/٣، دارالفكر بيروت)

(٢) (الروض المربع، كتاب الصوم: ١٣٧/١، دارالكتب العلمية بيروت)

فقہ مالکیہ کی "شرح کبیر الدردیر" میں ہے: "عم الصوم سائر البلاد قریباً أو بعیدًا، و لا یراعی فی ذلك مسافة قصر، ولا اتفاق المطالع و لا عدمها، فیجب الصوم علی کل منقول إلیه (إن نقل) ثبوته (بهما): أی بالعدلین أو بالمستفیضة (عنهما): أی عن العدلین، اهـ"(۱)۔

یہ مالکیہ کا مسلک ہوا۔ اور حنفیہ کا قولِ راجح معلوم ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنے میں ائمۂ ثلاثہ متفق ہیں، حنفیہ منفرد نہیں۔ شافعیہ البتہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں (۲)، لیکن ان کے یہاں بھی یہ تفصیل ہے:

"و ثبتت الرؤیة فی حق من لم یره: أی ممن مطلعه موافق مطلع محل الرؤیة، بأن یکون غروب الشمس والکواکب و طلوعها فی البدلین فی وقت واحد، فإن غرب شیء من ذلك، و طلع فی أحد البلدین قبله فی الآخر أو بعدُ، لم یجب علیٰ من لم یره برؤیة البلد الآخر، حتی لو سافر من أحد البلدین فوجدهم صائمین أو مفطرین، لزم الشهر موافقتهم، سواء فی أول الشهر أو اخره. و هذا أمر مرجعه إلی طول البلد و عرضها، سواء قربت المسافة أو بعُدت، و لا نظر إلی مسافة القصر و عدمها، نعم! متی حصلت الرؤیة للبلد الشرقی لزم رؤیته فی البلد الغربی، و علیه کما فی مکة المشرفة و مصر المحروسة، فیلزم من رؤیته بمکة لا فی عکسه، اهـ". حاشیة شرح اقناع (۳)۔

---

(۱) (الشرح الکبیر، بابٌ ذُکر فیه حکم الصیام وما یتعلق به: ۱/۵۱۰، دارالفکر بیروت)

(۲) "و أما الشافعیة فقالوا: إذا رُؤی الهلال ببلد لزم حکمه البلد القریب لا البعید، بحسب اختلاف المطالع فی الأصح، و اختلاف المطالع لا یکون فی أقل من أربعة و عشرین فرسخاً". (الفقه الإسلامی و أدلته: ۳/۱۶۵۹، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشیدیه)

(۳) "ماوجدنا حاشیة شرح الإقناع، لکنّ الأستاذ الدکتور وهبة الزحیلی بیّن تفصیل هذه المسئلة فی مذهب الشافعیة حیث قال: "وإذا لم نوجب علی البلد الآخر وهو البعید، فسافر إلیه من بلد الرؤیة من صام به، فالأصح أنه یوافقهم وجوباً فی الصوم آخراً، وإن کان قد أتم ثلاثین؛ لأنه بالانتقال إلی بلدهم صار واحداً منهم فیلزمه حکمهم .... الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۶۵۹، کتاب الصیام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشیدیه)

تو درحقیقت ائمۂ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور شافعیہ ایک طرف۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعی "رحمة الامة فی اختلاف الأئمة" میں لکھتے ہیں:

"واتفقوا علی أنه إذا رُئی الهلال فی بلد رؤيةً فاشيةً، فإنه يجب علی سائر أهل الدنيا، إلاأن أصحاب الشافعی صحّحوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البلد البعيد، اهـ"(۱)۔

یہاں تک تو مذاہب معلوم ہوئے، رہا دلائل کا قصہ: سو مقلد عامی کو دلائل کی ضرورت نہیں، نہ دلائل اس کی سمجھ میں آئیں گے اور نہ کچھ نفع ہوگا، بلکہ عجب نہیں کہ قصورِ فہم اور عدمِ علم کی بنا پر کچھ الجھن پیدا ہو، لہذا اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر جو مسائل استخراج کیے ہیں ان پر عمل کرلینا کافی ہے، البتہ اہلِ علم کو اگر تحقیق اور اضافۂ معلومات کا شوق ہو تو ان کے لئے دلائل کا ذخیرہ کتب میں کافی موجود ہے۔ جن شافعیہ نے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے آیت سے استدلال نہیں کیا، بلکہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا ہے:

میں اولاً آیت کا مطلب لکھتا ہوں، اس کے بعد حدیث کے متعلق عرض کروں گا:

اس میں شک نہیں کہ روزہ کی فرضیت موقوف ہے شہودِ شہرِ رمضان پر: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے: "صوموا لرؤيته". الحديث(۲)۔

---

(۱) (رحمة الأمة فی اختلاف الأمة، كتاب الصيام، ص: ۹۴، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ذكر رمضان، فضرب بيديه، فقال: "الشهر هكذا وهكذا" ثم عقد إبهامه فی الثالثة: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمی عليكم فاقدروا له ثلثين".

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غمی عليكم فأكملوا". (الصحيح للإمام مسلم: ۱/۳۴۷، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال الخ، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا"، قديمی) .... =

اس لئے جمع کی صورت یہ ہے کہ شہودِ شہر کو موقوف کیا جائے رؤیتِ ہلال پر، اب رویتِ ہلال کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہر شخص کے حق میں خود اسی کی رؤیت معتبر ہو، کسی دوسرے کی رؤیت کافی نہ ہو، تب تو اندھے ضعیف البصر، مستورات جو کسی بلند مقام سے پہلی شب کو چاند نہ دیکھ سکیں، ابر وغبار و دخان والی جگہ کے رہنے والے یہ سب لوگ صوم سے مستثنیٰ ہو جائیں گے، بعض کچھ وقت کے لئے، بعض مدت العمر کے لئے۔ اس کا بطلان تو بدیہی اور مجمع علیہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کی رؤیت سب کے حق میں معتبر اور کافی ہو جائے (بشرطیکہ شرعی طریق پر قابلِ قبول شہادت حاصل ہو جائے) یہی حق ہے۔ اب جس کو بھی رؤیت کا علم (شرعی شہادت سے) حاصل ہو گیا۔ دیکھنے والے کی طرح اس کے حق میں بھی شہودِ شہر ہو گیا۔

یہ کہنا کہ "مشرق کی رؤیت سے (باوجود شرعی شہادت پہنچنے کے) مغرب میں شہودِ شہر نہیں ہوا" غلط ہے، جس طرح نزدیک کی شہادت پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں اسی طرح دور کی شہادت پر بھی جاری ہوتے ہیں، دور و نزدیک کی تفریق حدود و قصاص (جن کو ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر ساقط کر دینے کا حکم ہے) میں بھی نہیں، بلکہ شریعت میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

پس مذہبِ حنفیہ نصِ قطعی یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے بالکل خلاف نہیں، بلکہ عین موافق ہے۔

التفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہے: "﴿فمن شهد﴾: أي علم ﴿منكم الشهر﴾ باستكمال شعبان أو برؤية عدل الهلال ﴿فليصمه﴾ اهـ(۱)۔ صاوی شرح جلالین میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ إن كان المراد به الأيام، فالمعنى: شهد بعضه، وإن كان المراد به الهلال فالمعنى: علمه، إما أن يكون رآه أو ثبت عنده، اهـ"(۲)۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دیتے ہیں۔ حدیثِ کریب جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، یہ ہے:

= (وجامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، سعيد)

(۱) لم اجده

(۲) (حاشية الصاوي على تفسير الجلالين: ۱۱۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"حدثنا موسى بن إسماعيل، نا إسمعيل يعنى ابن جعفر، أخبرنى محمد بن أبى حرملة، أخبرنى كريب رضى الله تعالىٰ عنه: أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، فقال: قدمت الشام فقضيت حاجتها، فاستهل رمضان وأنا بالشام، فرأينا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة فى اخر الشهر، فسألنى ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال: "متى رأيتم الهلال"؟ قلت: رأيته ليلة الجمعة. قال: " أنت رأيته"؟ قلت: نعم، و رآه الناس وصاموا وصام معاوية. قال:" لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه". فقلت:" أفلا نكتفى برؤية معاوية و صيامه"؟ قال: لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(١).

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ:"واعلم أن الحجة إنما هى فى المرفوع من رواية بن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، لا فى اجتهاده الذى فهم عنه الناس. والمشارإليه بقوله: "هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". وهو قوله: "فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين". والأمر الكائن من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، و لا تفطروا حتى تروه، فإن غُمّ عليكم فأكملوا العدة ثلثين". و هذا لا يختص بأهل ناحية على جهة الانفراد، بل هو خطاب لكل من يصلح له من المسلمين، فالاستدلال به على لزوم رؤية أهل بلد لغيرهم من أهل البلاد أظهرُ من الاستدلال به على عدم اللزوم؛ لأنه إذا رآه أهل بلد، فقد رآه المسلمون، فيلزم غيرهم ما لزمهم.

ولو سُلّم توجه الإشارة فى كلام ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد اخر، فكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع، و عدم عمل ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما برؤية أهل الشام مع عدم البُعد الذى يمكن معه الاختلاف عمل بالاجتهاد، و ليس بحجة. و لو سُلّم عدم لزوم التقييد بالعقل، فلا يشك عالم أن الأدلة قاضية بأن أهل الأقطار يعمل بعضهم بخبر بعض و شهادته فى

(١) (سنن أبى داؤد: ١/٣٢٦، باب: إذا رؤى الهلال فى بلد قبل الآخرين بليلة، إمداديه ملتان)

جميع الأحكام الشرعية، والرؤية من جملتها. و سواء كان بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع أم لا، فلا يقبل التخصيص إلا بدليل، ولو سلم صلاحية حديث كريب رضي الله تعالىٰ عنه هذا للتخصيص، فينبغي أن يقتصر فيه على محل النص إن كان النص معلوماً، أو على المفهوم منه إن لم يكن معلوماً لوُروده على خلاف القياس.

ولم يأت ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما بلفظ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا بمعنى لفظه، حتى تنظر في عمومه وخصوصه، إنما جاء نا بصيغةٍ مجملةٍ أشار بها إلى قصةٍ هي عدم عمل أهل المدينة برؤية أهل الشام على تسليم أن ذلك المراد، و لم نفهم منه زيادةً على ذلك، حتى نجعله تخصيصاً لذلك العموم، فينبغي الاقتصار على المفهوم من ذلك الوارد على خلاف القياس، و عدم الإلحاق به، فلا يجب على أهل المدينة العمل برؤية أهل الشام دون غيرهم، و يمكن أن يكون في ذلك حكمة لا نعقلها، اهـ"(۱)۔

معلوم ہوا کہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شوکانیؒ کے نزدیک بھی قابلِ استدلال نہیں اور حنفیہ جو جوابات دیتے ہیں ان کو، نیز حنفیہ کے نقلی و عقلی استدلالات کو مفصلاً دیکھنا ہو تو "أوجز المسالك شرح موطأ إمام مالك" جلد ثالث دیکھئے (۲)۔

اوقاتِ صلوٰۃ اور بلغار کا تذکرہ سوال میں استطراداً آیا ہے، اصل مقصود، رویت ہلالِ رمضان کا ہے اور استدلال آیت: ﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ اور حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ پس نفسِ مسئلہ اور اس کا استدلال اچھی طرح واضح ہوگیا اور حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بقدرِ ضرورت جواب دیدیا گیا۔ امورِ استطرادیہ کو بھی بالقصد اگر دریافت کرنا ہو تو تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔ صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (نيل الأوطار للشوكاني: ۴/۲۶۸، ۲۶۹، باب الهلال إذ رآه أهل بلدة هل يلزم بقية البلاد الصوم، دار النشر والتوزيع مكة المكرمة)

(۲) (أوجز المسالك، باب ماجاء من الروايات والآثار في رؤية الهلال: ۳/۳-۱۵، إداره تاليفات أشرفيه، ملتان)

رؤیتِ ہلال اور کتاب القاضی الی القاضی کی تفصیل

سوال [۴۷۶۳] : ۲۹/ رمضان المبارک/ ۶۹ھ، یوم یکشنبہ کو خیرآباد مطلع پر اَبر محیط تھا، اس لئے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف ونواح سے شہادت بھی نہ گزری، البتہ لکھنؤ میں ثبوت رؤیت ہوجانے کی وجہ سے ۱۲/ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کردیا گیا۔ سیتاپور (جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے) کے ذمہ دار حضرات نے فون سے معلوم کرکے رات ہی کو بذریعۂ موٹر دوثقہ آدمی روانہ کردیئے جو علی الصباح مفتی صاحب فرنگی محلی کی تحریر لے آئے جس کی بنا پر سیتاپور میں عید کا اعلان کردیا گیا۔ خیرآباد میں جہاں کا نظامِ افتاء سیتاپور سے علیحدہ ہے، جب صبح ۶/ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دوآدمی فوراً لکھنؤ روانہ کئے جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل لکھنؤ کا خط لائے جس کے بعد فوراً روزہ توڑنے کا اعلان کردیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔

یہاں سے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی اعلان کردیا جائے، لیکن یہاں کے مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی صاحب کے نام تھا ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا، اس لئے کہ کتب فقہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب خط عام نہ ہو، مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابلِ عمل نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی، شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کتاب القاضی الی القاضی جب کہ کسی خاص قاضی کے نام ہو دوسرے کے لئے قابلِ عمل اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کردیا گیا ہو جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے: "و كـــذا بموت المكتوب إليه و خروج من الأهلية"۔ قال الشامي: " إلا إذا عمم بأن قال: إلى فلان قاضي بلد كذا و إلى كل من يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم" (۱)۔

یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا ہے، یا جس جگہ بھی یہ خط مع ان گواہوں کے پہونچ جائے کافی ہے؟ نیز "و حكامهم" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی وہی درجہ

---

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۴۳۸/۵، کتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

حاصل ہے جو قاضی کو ہے جب عموم کر دیا جائے۔

۲...... سیتاپور کے مفتی صاحب کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے، اب اگر سیتاپور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ "لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادتِ شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادتِ رویتِ ہلال گزر گئی ہے"۔ اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے سیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر- جو ثبوتِ رؤیت پر نہیں، بلکہ جس مفتی کے پاس ثبوت رؤیت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق ہے- قابلِ عمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا، یا تیسرے کو چوتھے علی ہذا القیاس سلسلہ بسلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے؟ کتب فقہ میں کوئی اس کی نظیر یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہے تو بحوالۂ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

۳...... فتاویٰ شامی میں ہے:"وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: إن كان في مكان لو غدا لأداء الشهادات لا يستطيع أن يبيت في أهله، صح الإشهاد و الكتابة"(۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر:۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتاپور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیرآباد یا کوئی دوسرا مقام جو سیتاپور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے جس کا عبارتِ مذکورہ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی؟ نیز خود اگر سیتاپور میں شہادت علی الرؤیۃ گزر جائے تو خیرآباد کا مفتی وہاں کے مفتی کے بیان پر کس طرح عمل کرے؟ جب کہ قولِ مفتی بہ مسافتِ مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے، قال في الدر المختار:"وجوّزهما الثاني إن بحيث لا يعود في يومه، وعليه الفتوى"(۲)۔ یہ بھی تحریر فرمایئے کہ شہادت علی القضاء کے لئے تو مسافت شرط نہیں ہے؟

۴...... مفتی خیرآباد نے اعلانِ عید کے بارے میں لکھنؤ کے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا۔ یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط؟ اور بغیر اس کے محض سیتاپور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کر دینا (جب کہ یہاں کا نظامِ افتاء

---

(۱) (ردالمحتار: ۴۳۷/۵، باب کتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع و الصراف والسمسار، سعید)

(۲) (الدرالمختار: ۴۳۷/۵ کتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

جداگانہ ہے) جائز تھا یا نہیں؟

۵...... خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر روزہ توڑ ڈالا، یا نماز عید ادا کی، یہ گنہ گار ہوئے یا نہیں؟ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

۶...... خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے وہاں کے اتباع میں انہوں نے نماز بھی ادا کی، روزہ بھی توڑا۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

۷...... بعض باشندگانِ خیرآباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ خیرآباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا؟

۸...... پاکستان اور حیدرآباد میں ۲۹/ کی رؤیت رمضان کی ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل روزہ رکھا تھا، بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آگئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا، اس لئے انہیں روزہ رکھنا چاہئے تھا یا ترک کر دینا چاہئے تھا؟

۹...... رؤیتِ ہلال میں تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہئے؟

۱۰...... اگر جس قاضی کے پاس شہادت گزری ہے، مفتی خود جائے یا اپنا نائب بنا کر بھیج دے، تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی، قاضی خود آکر مفتی سے زبانی کہہ دے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کر لی۔ بلاشہادت یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۱۱...... سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رؤیت سے نہیں ہوئی ہے، اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آکر عید ہونا بیان کر دیں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر دیکھ آئیں اور مفتی سے آکر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دینے کے لئے کافی ہے یا نہیں جب کہ فقہاء نے مجرد شیوع کو بے اصل قرار دیا ہے؟

۱۲...... عید میں جب شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں؟ حالانکہ شہادتِ اہل الشرق لاہل الغرب کو رؤیت میں معتبر مانا گیا ہے، اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں، صرف تعداد کافی ہے کیونکر معتبر

ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر۔ جب کہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان عملہ کی زیرِ نگرانی ہو۔ کیوں غیر معتبر ہے؟

۱۳......اگر ہلالِ رمضان محض ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے عید کرنا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ مطلع صاف ہو اور تیس کو چاند نظر نہ آئے؟ بینوا توجروا۔

پوری توجہ اور غور وفکر کے بعد جواب تحریر فرمائیے گا، معاملہ بہت اہم اور وقت نازک ہے۔ مورخہ ۲۲/شوال/ ۶۹ھ۔

رشید احمد بھینڈ ہ ضلع حیدر آباد، سندھ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

آج کل شرعی قاضی تو یہاں موجود نہیں اور مفتی وقاضی میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، یعنی اول مخبرِ حکم ہے اور ثانی ملزم ہے، جس جگہ حاکمِ ملزم نہ ہو وہاں مفتی کا فتویٰ ہی عامی کے حق میں بمنزلۂ حکمِ حاکم کے ہے، اس بناء پر مفتی کی تحریر کو کتاب القاضی کا حکم دیا جاتا ہے: "و لا فرق بين المفتي والحاكم إلا أن المفتي مخبر بالحكم والقاضي ملزم به، اهـ". شرح عقود رسم المفتي(۱)۔

۱...... اگر قاضی کاتب نے کسی خاص قاضی مکتوب الیہ کے نام خط لکھ کر عموم کر دیا ہو تو تمام قضاۃ وحکام کے لئے وہ قابلِ عمل ہے، اگر ابتداءً ہی عموم کر دیا ہو تب بھی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابلِ عمل ہے اور بہت سے مشائخ کے نزدیک بھی وہ قابلِ عمل ہے، یہ ہی اوجہ ہے، اسی پر عمل ہے۔ مسائلِ قضاء وشہادت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے:

"إلا إذا عمّم بعد تخصيص اسم المكتوب إليه بخلاف مالو عمّم ابتداءً، وجوزه الثاني، وعليه العمل، خلاصه، اهـ". درمختار۔

"(قوله: بخلاف ما لو عمم) بأن قال: إلى كل ما يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم. (قوله: وجوزه الثاني)، و كذا الشافعي وأحمد، فتح. (قوله: وعليه العمل) قال الزيلعي: واستحسنه كثير من المشايخ، و في الفتح: وهو أوجه؛ لأن إعلام

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۷، سعيد)

المكتوب وإن كان شرطاً فبالعموم يُعلم كما يعلم بالخصوص، و ليس العموم من قبيل الإجمال والتجهيل، فصار قصديته و تبعيته سواء. نهر، اهـ". شامي(١)۔

"وفي القنية من باب المفتي: الفتوىٰ على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ فيما يتعلق بالقضاء .... زادفي شرح البيري على الأشباه: إن الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أيضاً في الشهادات، اهـ". شرح عقود رسم المفتي(٢)۔

اگر کسی خاص شہر کے قضاۃ کومکتوب الیہم قرار نہیں دیا، بلکہ عموم رکھا ہے تو کسی خاص شہر کی تعیین نہیں ہوگی اور مفتی کی طرح ہر وہ شخص اس صورت میں مکتوب الیہ سمجھا جائے گا جس کی طرف عوام ایسے مسائل میں رجوع کرتے ہوں اور وہ ذمہ دار ہو، بشرطیکہ شہادتِ شرعیہ کے ساتھ یہ تحریر اس کے پاس پہونچ جائے۔

۲...... یہ جزئیہ اور اس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں: "و يجوز للقاضي المكتوب إليه أن يكتب كتاباً إلى قاضي آخر إذا تعذر حضوره عنده، و كذا للمكتوب إليه ثانياً أن يكتب إلى اخر ما لا يتناهى؛ لأن الشهادة الواقعة عند الأول صارت منقولةً إلى المكتوب إليه حكماً، فصاروا كأنهم شهدوا عنده حقيقةً، فجاز له أن ينقلها إلى غيره، إذِ الحاجةُ إلى نقلها مراراً ماسةٌ، و هي المجوزة للنقل، اهـ". زيلعي شرح كنز(٣)۔

"[فرع]: لو سمع الخصم بوصول كتاب القاضي إلى قاضي بلدة، فهرب إلى بلدة أخرىٰ، كان للقاضي المكتوب إليه أن يكتب إلى قاضي تلك البلدة مما ثبت عنده من كتاب

---

(١) (رد المحتار: ۴۳۷/۵، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۸۷/۴، باب كتاب القاضي إلى القاضي، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۶۷/۲، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، بيروت)

(٢) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۱، مطلب في قواعد الترجيح التسعة، الفتوى على قول أبي يوسف في القضاء و ما يتعلق بها، مير محمد كتب خانه)

(٣) (تبيين الحقائق: ۱۰۵/۵، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

القاضی، کما جوزنا للأول الکتابة نجوّز للثانی والثالث و هلم جراً للحاجة، اهـ". فتح القدیر(۱)۔

۳......امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے قاضی ہونے کی بناپر مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی اور بعض فقہاء نے امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے:

"ثم لا بد من مسافة بین القاضیین حتی یجوز کتاب القاضی. و اختلفوا فی تلك المسافة، منهم من قال: هی معتبرة بالشهادة علی الشهادة، وهی مسیرة ثلاثة أیام فی ظاهر الروایة. وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه إن کان فی مکان لو غدا لأداء الشهادة لا یستطیع أن یبیت فی أهله، صح الإشهاد. وعن محمد رحمه الله تعالیٰ أنه تجوز الشهادة علی الشهادة، وإن کان الأصل صحیحاً فی المصر. و ذکر الکرخی رحمه الله تعالیٰ فی اختلاف الفقهاء: أن کتاب القاضی إلی القاضی مقبول وإن کان فی مصر واحد، فکأنهما اعتبراه بالتوکیل، و فی الظاهر اعتبر بالعجز، اهـ". زیلعی(۲)۔

"فی الخصاف: وروی عن محمد أنه قال فی مصرٍ فیه قاضیان فی کل جانب قاضی، یکتب أحدهما إلی الآخر کتاباً: یقبل کتابه، ولو أتی أحدهما إلی صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه، لم یقبل قوله؛ لأن فی الوجه الأول کان الأول خاطبه فی موضع القضاء، وفی الثانی خاطبه فی غیر موضع القضاء، اهـ". شامی(۳)۔

اس قول کی بناپر مسافتِ مذکورہ فی الدر المختار سے کم کی صورت میں بھی تحریر قابلِ عمل ہو سکتی ہے۔

(۱) (فتح القدیر: ۲۹۵/۷، کتاب القاضی إلی القاضی، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) (تبیین الحقائق: ۱۰۳/۵، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۱۰۳/۵، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴۳۷/۵، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، مطلب فی دفتر البیاع والصراف والسمسار، سعید)

۴...... مفتی خیرآباد کا عمل صحیح رہا، روزہ توڑنا جائز نہیں تھا۔

۵...... یہ روزہ توڑنا اور عید پڑھنا خلافِ شرع ہوا، پھر اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے نمازِ عید پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت نہیں ہوا تو اس کو آئندہ روز جب کہ اَور آدمیوں نے ثبوت ہونے پر پڑھی ہے ان کے ساتھ پڑھنا چاہیے، پہلی دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں اور اگر یہ سمجھتے ہوئے پہلی دفعہ پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت ہوگیا تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں: "صلى الفرض و عنده أن الوقت لم يدخل، فظهر أنه كان قد دخل، لا يجزيه؛ لأنه عنده إن فعله غير جائز، اهـ". کبیری (۱)۔

۶...... نہیں، کوئی حرج نہیں۔

۷...... ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

۸...... ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیے جیسے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھ لے، مگر اس کا قول قبول نہ کیا جائے تو اس کو عید کرنا درست نہیں بلکہ روزہ رکھنا چاہیے، تاہم اگر روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں (۲)۔

۹...... جن مسائل میں شہادتِ شرعیہ ضروری ہے ان میں تار، ریڈیو، ٹیلفون کی اطلاع معتبر نہیں خواہ پاکستان سے یہ اطلاع آئے خواہ عربستان سے۔ اور جن مسائل میں خبر بھی کافی ہے، ان میں اگر متعدد تار، ریڈیو، ٹیلفون کی اطلاع سے ظنِ غالب حاصل ہو جائے تو ان مسائل میں معتبر ہے خواہ پاکستان سے اطلاع ملے خواہ کسی اَور جگہ سے۔ پاکستان کی اسلامی حکومت کا ہندوستان پر ایسے مسائل میں کوئی اثر نہیں جیسے کہ عرب وغیرہ کی حکومت کا کوئی اثر نہیں۔

۱۰...... جواب نمبر: ۳ کے اخیر میں شلبی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاضی خود آکر دوسرے قاضی سے معاملہ بیان کرے تو اس کا قول قبول نہیں، والعلة مذكورة ثَمّ۔

۱۱...... جب کہ خیرآباد کا نظامِ افتاء جداگانہ ہے، سیتاپور کے ماتحت نہیں تو صورتِ مسئولہ میں عید کا حکم

---

(۱) (الحلبی الکبیر، الشرط الرابع، ص: ۲۲۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً".

(الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/ ۳۸۴، سعيد)

صحیح نہیں۔

۱۲......جی ہاں! مستورالحال کی شہادت رؤیتِ ہلالِ عید کے متعلق معتبر نہیں، شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے، خواہ وہ مقامی ہو خواہ باہر سے آنے والا ہو، جو فائدہ شہادت سے حاصل ہوتا وہ فائدہ خبرِ مستفیض سے بطریقِ اتم حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے یہاں بھی خبرِ مستفیض معتبر ہے:

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ" درمختار۔ "كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". شامی(۱)۔

"وقُبل بلا علةٍ جمعٌ عظيم يقع العلم الشرعي، وهو غلبة الظن بخبرهم، اهـ". درمختار۔ "(قوله : وقبل بلا علة): أي إن شرط القبول عند عدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، اهـ. (قوله: و هو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل، اهـ". شامی(۲)۔

ریڈیو اور ٹیلیفون اور تار کی شہادت کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، دو چار خبریں اگر آ بھی جائیں تو وہ حدِ استفاضہ تک نہیں پہونچتی، ریڈیو کا نظام مسلمان عملہ کے زیرِ نگرانی اگر ہو تب بھی اس کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاتا (۳) "لأن النغمة تشبه النغمة" ہر مسلمان عادل مقبول الشہادۃ ہی نہیں ہوتا۔

۱۳......ایسی صورت میں عید کرنا جائز نہیں: "وإذا تم العدد: أي عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد برؤيته، ولم ير هلال الفطر، والسماء مصحية، لايحل الفطر اتفاقاً على ما ذكره شمس الأئمة، و يعزر ذلك الشاهد، كذا في الدر. و في التجنيس: إذا لم ير هلال شوال، لا يفطرون حتى يصوموا يوماً اخر. و قال الزيلعي: والأشبه أن يقال: إن كانت السماء مصحيةً لايفطرون

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار : ۳۹۳/۲، ۳۹۴، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، سعيد)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار : ۳۸۷/۲-۳۸۸، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، سعدی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱۹۸/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

لظهور غلطه، و إن كانت متغيمةً يفطرون لعدم ظهور الغلط، اهـ". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

ہلالِ رمضان وعید کے لئے ریڈیو کی خبر

سوال[۴۷۶۴]: اسلامی سلطنت میں خواہ والی ملک کی جانب سے یا مسلمانانِ شہر کی جانب سے ایک محکمہ رؤیتِ ہلال کے متعلق ایسا قائم کیا جائے کہ جب چاند ۲۹/ کا نظر آ جاوے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں تار یا ریڈیو کے ذریعہ خبر پہونچا دیں اور اس تار یا ریڈیو کی خبر معتبر سمجھی جا کر روزہ رکھیں یا روزہ افطار کریں یا عید کریں۔ لہذا علمائے کرام سے عرض ہے کہ کیا اس محکمہ کی تار یا ریڈیو کی خبر از روئے شرع معتبر سمجھی جائے گی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا شرعاً درست ہوگا؟ جو حکم ہو تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: بابو عبد الغفور غزالی بیاوری، ڈونگری والے بیاور، ضلع اجمیر شریف۔

الجواب حامداً مصلياً:

اگر وہ محکمہ رؤیتِ ہلال کی شرعی طور پر تحقیق کر کے والی ملک کے امر سے تار یا ریڈیو کے ذریعہ رؤیت کا اعلان کردے تو خاص اس شہر میں نیز ان مقامات میں جو اس شہر کے تابع ہوں جیسے قرب وجوار کے قصبات اس اعلان کا اعتبار کر کے عمل کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو شہر یا قصبات اس کے تابع نہیں، وہاں یہ اعلان کافی نہیں، جیسے ایک قاضی کی قضا دوسرے قاضی کے شہر میں نافذ نہیں ہوتی۔ جن مقامات پر اس اعلان کو معتبر مانا جائے گا وہاں بھی بہت سے علماء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کی صحت وصدق کا غلبۂ ظن حاصل ہو، حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ضروری ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جعلی کارروائی نہ کرنے پائے:

---

(۱) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۵۵، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/ ۱۹۸، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "ریڈیو کی خبر کب معتبر ہے؟")

"في تعبير المصنف كغيره "بالظن" إشارة إلى جواز التسحر والإفطار بالتحرى، وقيل: لا يتحرى في الإفطار وإلى أنه يتسحر بقول عدل، و كذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنىٰ، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه، كما في الزاهدي، وإلى أنه لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانّين أنه يوم العيد، وهو لغيره لم يكفّروا، كما في المنية، قهستاني.

قلت: و مقتضى قوله: لا بأس بالفطر بقول عدل صدقه أنه لا يجوز إذا لم يصدقه، و لا بقول المستور مطلقاً، و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره، و لأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحرى فيجوز؛ لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحرى، كما نقله في المعراج عن شمس الأئمة السرخسي؛ لأن التحرى يفيد غلبة الظن، و هي اليقين، كما تقدم. فلو لم يتحر، لا يحل له الفطر لما في السراج وغيره: لو شك في الغروب لا يحل له الفطر؛ لأن الأصل بقاء النهار، اهـ".

"وفي البحر عن البزازية: و لا يفطر مالم يغلب على ظنه الغروب، وإن أذن المؤذن، اهـ. و قد يقال: إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم اخر النهار، فيعين له وقت ضربه و يعينه أيضاً للوزير وغيره، وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير و أعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن لهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، و إلا لزم تأثيم الناس، وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر و لا غلبة ظن"(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١٧/شوال/٦٧ھ۔

---

(١) (رد المحتار: ٢/٤٠٧، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب في جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٥، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه و تقسيمه، رشيديه)

(و كذا في المحيط البرهاني: ٢/٥٤٣، الفصل الأول في بيان وقت الصوم و ما يتصل به، غفاريه)

یہ حکم محض اعلان کا ہے جیسے بھنگی کے ذریعہ حکومت کوئی اعلان کرادیتی ہے نفسِ ثبوت رؤیت یا شہادت کے حق میں سب طریقہ شرعاً معتبر نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال[۴۷۶۵]: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہندو بیرونِ ہند مسلمانوں کے دینی معاملات میں رہبرِ اکبر مانے جاتے ہیں اور مسلم قوم کو دینی امور میں آپ پر کامل بھروسہ ہے، اس لئے آپ کو بھی یہ سمجھنا اور دیکھنا ہوگا کہ بوقت موجودہ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے، آج کے حالات میں اس کو ٹھیک طریقہ سے سمجھانے کا کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر وقت کو نہیں سمجھا یا گیا اور مسائل دینی کو پندرہ سو سال پرانے طور پر ہی سلجھانے کی کوشش کی تو اس طرح عوام کا اطمینان حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ساتھ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ زمانہ کو دیکھ کر آپ نمازوں کے اوقات گھٹادیں، زکوۃ کم کردیں، ایک آدھ بار شراب کی چھوٹ دیدیں، یا ایک بیوی تک شادی کا مسئلہ طے کردیں، اس لئے کہ بنیادی چیزوں پر تبدیلی کی توجہ دلانا بھی دین محمدی سے انحراف ہے، لیکن جہاں احادیث کے مسائل ہیں وہاں وقت کی ضرورت کو سمجھ کر مسائل حل کرنا ضروری ہے، میرا مقصد رؤیتِ ہلال سے ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا مسئلہ ہے، لفظ ''دیکھنے'' کی بات چیت کہی گئی ہے۔

اس وقت انسان کے پاس جو ذرائع تھے وہ صرف دیکھنے کے تھے، اللہ تعالیٰ کی طویل وعریض زمین اور اس پر طلوع وغروب کی حالت ایک ملک سے دوسرے ملک کے جداگانہ ہے اور اس اعتبار سے دیکھ کر عمل کرنا بہترین ضابطہ ہے، لیکن آج وقت نے ایسی تبدیلیاں کھڑی کی ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لاسکی پیغامات تک ہم نے جو دلیلیں چاند کے معاملے میں آپ کے سامنے رکھی تھیں وہ لائق قبول نہیں، اس لئے عوام میں تار اور ٹیلیفون ایجاد ہونے تک بھی بحث نہیں چھڑی، لیکن یکایک برقی بے تار طاقت نے ایک نیا ماحول سامنے رکھدیا ہے اور وہ ہے ٹیلی ویژن، ریڈیو۔ ان آلوں نے ملکوں اور قوموں کی موت وبقاء تک اپنا دسترس حاصل کرلیا ہے۔

اگر مشرقی بنگال میں کوئی حادثہ ہوا تو اس کی خبر فی الوقت دینے والے یہی آلے اور انہیں جیسی برقی طاقت کے آلے ہیں جن پر بھروسہ کر کے دفاع یا حملہ وغیرہ کا انتظام ہوتا رہتا ہے، کیا ان سے انکار کرنا اللہ تعالیٰ

کے انعامات سے منکر ہونا نہیں ہے؟ اگر مسلمان کسی شی کو حاصل نہ کر سکا تو کیا اس بنا پر ان انعامات کو جھٹلانا، ان میں تاویلیں پیدا کرنا مناسب ہے؟ ہمارے علماء میں کثرت ان کی ہے جو دینِ محمدی کو محض ایک گھیرے میں دکھا کر عوام کو اس سے باہر جانے نہیں دینا چاہتے، لیکن ان علماء کو جھٹلانے سے کثرت والی پارٹی کیا عوام میں مقبول ہوگی جنہوں نے علامہ اقبال کی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے دقیق مطالعہ نے زمین کے ساتھ آسمانوں تک انسان کی دسترس کو قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے، قرآن حکیم کے ان رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے جن کو سمجھنے میں علماء کی عقل نے ساتھ نہیں دیا؟

نشر و اشاعت پر ہندوستان میں بھی اختیار دے رکھا ہے، جہاں مسلم حکومتیں ہیں وہاں سب آپ ہی ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ ایران، پاکستان، مکہ، مدینہ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے بذریعہ ریڈیو کے اس اعلان کی مخالفت کرتے ہیں جو رمضان المبارک کے چاند سے بطور خاص متعلق ہے؟ اور اگر اس کتاب کے مضمون کو پڑھا جائے جو ''فتاویٰ دار العلوم دیوبند'' کے نام سے موسوم ہے اور جو حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھی ہے۔ اور جہاں ''کشف الظنون فی حکم الخط والتلفون'' کی سرخی دیکھ کر ہلال پر بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھی حق اور ظاہر پر قطعی فیصلہ نہ کر کے عوام کو الجھن میں ڈالا ہے، ایسے مضامین جن کے پڑھنے کے بعد بھی انسان قطعی فیصلہ پر نہ پہونچے کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

کیا شہادت زیادہ قابل یقین ہے؟ جب کہ وہ شاہد جس کی تعریف کی گئی ہے اس جمہوری دور میں غائب ہیں جیسے کبھی نہ تھے اور کیا اسلامی ممالک کے ریڈیو کی نشریات پر شبہ ظاہر کرنا مناسب ہے؟ علماء کے رویہ سے مسلم عوام کس طرح مستفید ہوں؟ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال دو دو دن مسلمانوں کے رمضان اور عید ہورہی ہے گویا اس طرح تفریق کی دعوت دی جارہی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اتنی اتنی چھوٹی بات سے مسلمانوں کو دو اور تین روز تک علیحدہ علیحدہ رمضان اور عید کے جھگڑے سے بچائیں اور اس ریڈیو پر اظہار اطمینان کریں جو ملکوں اور قوموں کے تحفظ کی ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ فقط والسلام۔

نوٹ: اگر طبیعت پر ناراضگی آئے تو حقائق پر نظر رکھ کر معاف فرمائیں۔

محمود خان قصبہ تال۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ!

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینِ اسلام اوراس کے بنیادی احکام وہی ہیں جو پندرہ سوسال پہلے عطا ہوئے اور احکم الحاکمین نے زبردست سند عطا فرمائی: ﴿أليوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الإسلام ديناً﴾(۱) نیز ارشاد فرمایا: ﴿و من يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه، وهو في الأخرة من الخاسرين﴾(۲)۔ جس کی تفصیلات وتشریحات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ بنیادی طور پر پختگی سے قائم ہیں اور کسی ترمیم کے روادار نہیں، بلکہ ترمیم کو دین سے انحراف تصور کرتے ہیں، اللہ پاک مزید استعانت عطا فرمائے۔ اتنا تو ذہن نشین رکھیں کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اصل بنیادیں تو وہی ہیں جن پر پندرہ سوسال گزر چکے، حق تعالیٰ نے ان بنیادوں میں ایسی گہرائی رکھی ہے کہ نئے مسائل کے لئے ان سے خوب روشنی ملتی ہے اور علمائے امت نے ہمیشہ اسی روشنی سے نئے مسائل کو حل کیا ہے، ٹرین پلین میں نماز (۳)۔ ایک نماز مثلاً: مغرب پڑھنے کے بعد جب ہوائی جہاز سے سفر کیا، دیکھا

---

(۱) (المائدة: ۳)

ترجمہ: ''آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا''۔ (بیان القرآن)۔

(۲) (آل عمران: ۸۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا، وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہوگا'' (بیان القرآن)۔

(۳) اس کی نظیر فقہائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ ایسی سواری جسے جانور کھینچ کرلے جائے اور اس کا کوئی حصہ جانور کے جسم پر رکھا ہوا نہ ہو، کو ''سریر'' یعنی تخت کے درجے میں رکھا ہے اور بلاعذر اس پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: ''أما الصلوٰة على العجلة، إن كان طرف العجلة على الدابة، وهي تسير أو لا تسير، فهي صلوٰة على الدابة، تجوز حالة العذر، ولا تجوز في غيرها. وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة، جاز، وهي بمنزلة الصلوٰة على السرير''. (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۷۱، باب صلاة المسافر، رشیدیه)

کہ آفتاب موجود ہے تو اس وقت اس پڑھی ہوئی نماز کا حکم اور وہاں غروب ہونے پر دوبارہ پڑھنے کا حکم (۱)،

(۱) مفتی نظام الدین دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "نام رسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی حجر علی رضی الله تعالیٰ عنه حتی غربت الشمس، فلما استیقظ ذكر له أنه فاتته الصلوة فقال: "أللهم إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك فارددها عليه". فرددت حتى صلى العصر، فكان ذالك بخيبر". (شامي: ١/٣٦٠، سعيد)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے جب ہی تو ان کے لئے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے۔ وقت کی اسی اہمیت کی بناء پر فقہاء نے اس کو سببِ وجوب کہا ہے جیسا کہ مشہور ہے: "وسببها أو قاتها عند الفقهاء". (البحر الرائق) لیکن اگر ایسا ہے تو واقعۂ دجال کے متعلق کیا کہا جائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر واندازہ کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی .... علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ وقت سببِ وجوب نہیں ہے، صرف علامت ہے، محقق ابن الہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "جعل علامةً على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر" (فتح القدير) .... ان وجوہات کی بنا وقت کو سببِ وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں۔ اگر وقت سببِ وجوب نہیں تو کیا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ہمام کی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں: "كجعل الوقت علامةً على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر" .... البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوبِ نماز کا علم کس طرح حاصل ہو، علامہ شامیؒ نے اس کا حل تجویز فرمایا کہ: "إنا لا نسلم لزوم وجوب السبب حقيقةً بل يكفي تقديره كما في أيام الدجال". (شامي: ١/٢٦٦) .... بنابریں احقر کی رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں یا لینین گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ١٢/ گھنٹے کے دن اور ١٢/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہئیں۔

الجواب .... وبالله التوفيق

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو اخیر میں بایں الفاظ: "ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ میں ہوں، یا ہوائی جہاز میں، یا لینین گراڈ یا ماسکو میں ہر جگہ کو ١٢/ گھنٹے کے دن اور ١٢/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہئیں" تحریر فرمایا، اسے ہمیں پورا اتفاق اور وہ بالکل صحیح ہے .... نماز پنجگانہ میں اصل علت وجوب حکم باری تعالیٰ عزاسمہ ہے اور وہ حکم ان اوقات پنجگانہ میں متوجہ ہوتا ہے، لیکن انتہائی خفی ہوتا ہے، اس لئے اس پر شریعتِ غراء اور دربارِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے کچھ اسباب وعلامات مقرر فرما کر رہبری فرمادی ہے جن سے حکم خداوندی (جو اصل علت وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثال امر سہل ہوجاتا ہے۔

پھر بعض کتبِ مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے، محض تعبیر =

پیٹرول سے کپڑے دھونے کا حکم (۱)، انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو گابھن کرانے اور عورتوں سے بچہ پیدا کرانے کا حکم (۲) وغیرہ وغیرہ سارے ہی مسائل کا حل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ سب مسائل بھی دائرے کے اندر آ گئے ہیں، دائرہ سے خارج نہیں۔

حق تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں کے احکام کو بیان کر کے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿تلك حدود الله﴾ اور ان حدود اللہ سے خارج ہونے پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه﴾ (۳)۔ رہا عوام کا اطمینان، ان بیچاروں میں اتنی صلاحیت اور استعداد کہاں ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی گہرائی تک پہونچ سکیں۔ اکثریت کا فیصلہ کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہوتا: ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلّوك عن سبيل الله، إن يتبعون إلا الظن﴾ الآية (٤)۔

= وعنوان کا فرق ہے"۔ (نظام الفتاویٰ: ۱/۵۲، ۵۷، رحمانیہ)

"(قوله: في حديث: "صوموا لرؤيته" بخلاف أوقات الصلوة) فيه أن الخطاب عام أيضاً في أوقات الصلوة مع أنه اعتبر فيها كل قوم بحسبها مثلاً الدلوک جعله الله تعالیٰ سبباً للظهر، وعلّق وجوبه به، ومع ذالک إنما خوطب كل قوم بالدلوک الواقع عندهم لا بما عند غيرهم". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۱۴۸، سعيد)

وقت کو نماز میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ بعض علماء کے نزدیک وجوبِ صلوٰۃ کے لئے سبب ہے، چنانچہ ان کے ہاں جن مقامات میں اوقاتِ صلوٰۃ نہ پائے جاتے ہوں، ان پر نماز فرض نہیں اور نماز کو دوبارہ پڑھنے میں کوئی قباحت بھی نہیں لہٰذا احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمين غروب ہونے پر دوبارہ مغرب کی نماز پڑھی جائے اگر چہ اس کا فریضہ مکمل ادا ہو چکا ہے۔ (فضل مولیٰ ابن القاضی)

(۱) "ويجوز تطهيرها بالماء، وبكل مائع يمكن إزالتها كالخل وماء الورد". (الهداية: ۱/۵۴، باب الأنجاس، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "انجکشن کے ذریعے توالد وتناسل اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ اس پر انسان کا وجود اور اس کی بقا موقوف ہو، اس لئے مذکورہ طریقہ کار یقیناً اسلامی اصول کے خلاف ہے"۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۵۲، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید کے احکام)

(۳) (الطلاق: ۱) **ترجمہ**: "اور جو شخص احکامِ خداوندی سے تجاوز کرے گا، اس نے اپنے اوپر ظلم کیا"۔ (بیان القرآن)۔

(۴) (الأنعام: ۱۱۶) **ترجمہ**: "اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں، تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں"۔ (بیان القرآن)۔

پورے انتظامات اہل اسلام کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود بھول چوک غلطی سے تحفظ کا کیا اطمینان ہے، چندسال ہوئے پاکستان میں مولانا احتشام صاحب نے ریڈیو کو ایک تقریر ریکارڈ کرائی تھی جس میں اہل پاکستان کو عید کی مبارک باد اور پھر اس کے متعلق ہدایات دی تھیں، ریڈیو کے ذمہ داروں کو غلط فہمی ہوئی، انہوں نے رؤیتِ ہلال سے پہلے ہی اس کو نشر کر دیا جس سے تمام پاکستان میں ہیجان پیدا ہو گیا، پھر ریڈیو کو اپنی غلطی پر معذرت کرنے کی نوبت آئی۔

اسمبلی میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ریڈیو سے آنے والی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ ان لوگوں نے اس پر اطمینان نہیں کیا۔ عدالتوں، کچہریوں (میں) ریڈیو اور ٹیلیفون سے شہادت نہیں قبول کی جاتی، شاہد خود حاضر عدالت ہو یا پھر اس کے پاس کمیشن جائے تب وہ شہادت معتبر ہوتی ہے، شرعاً بھی پسِ پردہ کی شہادت معتبر نہیں: "النغمة تشبه بالنغمة" (۱)۔ کوئی شخص اپنی تحریر بذریعہ ڈاک بھیج دے وہ بھی شرعاً کافی نہیں: "الخط یشبه الخط" (۲)۔

جن بلادِ اسلامیہ کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، کیا ان میں ٹیلی ویژن کی شہادت پر مقدمہ فیصل کر دیا جاتا ہے؟

چاند کا نکلنا سب مقامات پر بیک وقت نہیں ہے، بلکہ اس میں قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، کہیں ایک دن پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے۔ اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے اور دو عادل شاہد بذریعہ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں جہاں اس روز اٹھائیس تاریخ ہو تو شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود ان کی شہادت قابلِ سماعت نہیں ہوگی۔

شہادت کے لئے محل ہونا ضروری ہے، اس کا محل یوم الشک ہے، یعنی ۲۹/ تاریخ اور ۲۸/ تاریخ کو تو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کاذب قرار دیا جائے گا۔ اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کے پاس

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الشهادات، الباب الثانی: ۳/۴۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الشهادة: ۷/۳۸۳، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یعتمد علی الخط إلا فی مسائل: ۴/۴۱۳، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الشهادة: ۷/۳۸۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

آلہ ہی موجود نہیں بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں پر حدّ قذف جاری ہوگی (۱)۔

آفتاب غروب ہونے پر مغرب کا وقت ہو جاتا ہے، مغرب کی نماز کا پڑھنا فرض ہو جاتا ہے، اگر ٹیلی ویژن سے معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر آفتاب غروب ہو گیا تو کیا اس کی وجہ سے ایسی جگہ پر بھی نماز کا حکم کیا جائے گا جہاں سورج سامنے ہو؟ اسی طرح ٹیلی ویژن کے ذریعہ رؤیتِ ہلال ثابت ہونے پر کیا دو روز پہلے حج کا بھی حکم کر دیا جائے گا؟

یہ چاند سورج کا اختلاف قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جو مسائل چاند و سورج سے متعلق ہیں ان میں بھی اختلاف ظاہر ہو کر رہے گا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ "علماء تفریق کی دعوت دیتے ہیں" یہ سوئے ظن ہے، یا مسائل سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے۔

اطمینانِ قلبی حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کی گہرائی تک آدمی پہونچ جائے تو وہ بہت جلد سمجھ جائے گا کہ یہ مسئلہ کس اصل پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قلب میں اسلام اور اس کے احکام کی انتہائی عظمت ہو تب اطمینان حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر ہر شخص اپنی عقل کی کسوٹی بنا کر ہر مسئلہ کو اس پر پرکھنے کی کوشش کرے یا دوسروں کو دعوت دے تو اس کی سعی لا حاصل ہے، عقلاً، شرعاً، عرفاً کسی طرح بھی درست نہیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ کبھی صراطِ مستقیم پر قائم نہیں رہے "ضلوا فأضلوا"۔ ممکن ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کے کچھ نمونے ہوں، ممکن کیا ضرور آپ کے سامنے بھی نمونے ہیں۔

جو شخص تحقیقِ حق کے لئے مسئلہ دریافت کرے اس پر ناراض ہونا بے محل ہے، اگر چہ وہ حقیقت سے ناواقف ہو، نامناسب بھی لکھدے تو وہ معذور ہے، اس کا علاج ناراضگی نہیں بلکہ نرمی وشفقت سے افہام وتفہیم ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ افہام وتفہیم میں کوئی جملہ سائل کے مزاج کے خلاف آگیا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، معاف فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولو شهدوا على زناها ولكن هي بكر ...... لم يُحدّ أحدٌ، وكذا لو شهدوا على زناه فوجدوه مجبوباً". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۴۳/۴، سعيد)

ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال[۴۷۶۶]: ۱.....خبر ٹیلیفون جب کہ کسی معتبر شخص کی طرف سے ہو مفید ظن ہے اور غلبہ ظن عمل کے لئے حجت ہے، پس خبرِ ٹیلیفون جب کسی معتمد علیہ عالم کی طرف سے ہو اس پر صوم وافطار درست ہے یا نہیں؟

۲.....فقہ کی کتابوں میں کتاب القاضی اِلی القاضی کو مشابہ خطاب القاضی الی القاضی بنا کر حجت مانتے ہیں تو ٹیلیفون قاضی شہر، مثلاً یہ قاضی کو ہاٹ خود جو کہ بعینہ خطاب القاضی الی القاضی ہے کیونکر حجت نہ ہوگی؟

۳.....اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدمِ اعتبار کے تحت میں قولِ فقہاء کہ:"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب" کا محمل اگر خبرِ ٹیلیفون قرار دیا جائے تو اس میں کیا خرابی یا مخالفتِ روایات ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱.....محض ٹیلیفون کی خبر پر صوم وافطار درست نہیں۔

۲.....کتاب القاضی الی القاضی کو شرعاً معاملات میں حجت مانا ہے نہ کہ جمیع امور میں اور یہ بھی خلافِ قیاس حجت ہے۔ اور اس کے لئے جس قدر شروط ہیں کیا تمام ٹیلیفون میں موجود ہیں؟:

"يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجةً شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزوّر، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، ولكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط: البينة، حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه، الخ". فتاویٰ عالمگیری:۳/۳۸۱(۱)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۶۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۹۶،۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے علاوہ اَور بھی شرائط ذکر کیے ہیں، ان میں سے کیا کیا شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں؟ کم ازکم اس ایک شرط پر غور کرلیا جائے، کیا شرعی بینہ اس بات پر قائم ہے کہ یہ ٹیلیفون قاضی شہر ہی دے رہے ہیں؟ ٹیلیفون کو خطاب بعینہ قرار دے کر حجت سمجھنا تفقہ سے بعید ہے:

وفي التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة"(١)، دیکھئے! پس پردہ آواز سن کر شہادت دینا درست نہیں، مگر اس شرط سے: "إلا إذا كان في الداخل وحده، و علم الشاهد أنه ليس فيها غيره، ثم جلس على المسلك، و ليس له المسلك غيره، فسمع إقرار الداخل و لا يراه؛ لأنه يحصل به العلم"(٢)۔

اس کے بعد بھی اگر شاہد نے قاضی کے یہاں پوری تفصیل وتفسیر کے ساتھ یہ شہادت دی تو قاضی قبول نہیں کرے گا:"و ينبغي للقاضي إذا فسر له أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة"(٣)۔ پس پردہ سے اگر کوئی شخص بولے اور دو گواہ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں اور کسی اَور شخص کے سامنے یہ دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے بولا ہے تو جس نے فقط پس پردہ سے آواز سنی ہے اس کو بغیر دیکھے محض آواز سن کر باوجود دو گواہوں کی گواہی کے اس بولنے والے کے متعلق گواہی دینا درست نہیں:

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لا يجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، و شهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآى شخصها حال ماأقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها، اهـ". مجمع الأنهر: ١٩١/٢(٤)۔

---

(١) (تبيين الحقائق: ١٢٠/٥، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(٢) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(٣) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(٤) (مجمع الأنهر: ١٩١/٢، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١٥٨/١٠، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة =

۳.....خرابی یہ ہے کہ عبارتِ مذکورہ کے بعد کچھ اور بھی عبارت ہے جس کو آپ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، كما مر". اس کی شرح اس طرح کی ہے:

"كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". رد المحتار: ١٤٨/١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

آلاتِ جدیدہ سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال[۴۷۶۷]: ۱.....ہمارے شہر دہرہ دون سے کوہ منصوری چودہ میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کی بلندی سے قدرتی طور پر چاند دیکھنے کی آسانی ہے، لہذا اگر منصوری کی جامع مسجد کا امام مع دیگر متشرع مسلمانوں کے ۲۹/ شعبان، ۲۹/ رمضان اور ۲۹/ ذیقعدہ کو دیکھ کر چاند ہونے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون دے تو ممبرانِ رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون ان کی رویت ہلال کو مستند سمجھ کر اعلانِ رؤیت ہلال کریں یا نہیں؟

۲.....اگر صدر رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون اپنے کسی متشرع ممبر کو بغرضِ رؤیتِ ہلال منصوری بھیجے اور وہ ممبر مع دیگر مسلمانانِ منصوری چاند دیکھ کر ہمیں بذریعۂ ٹیلیفون اطلاع دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا وہ ممبر بذاتِ خود منصوری سے واپس دہرہ دون آکر چاند دیکھنا بیان کرے اور ثبوت میں امامِ جامع مسجد منصوری ودیگر مسلمانانِ منصوری کی تحریریں تصدیق کے ساتھ اور چاند دیکھنا بیان کرے تو ایسی صورت میں رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کی اعلان رؤیت ہلال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳.....بذریعۂ تار یا خطوط دیگر اضلاع مثلاً: بمبئی، کراچی، مراد آباد، دہلی، سہارنپور سے رؤیت ہلال کی مستند خبر آئے تو کیا حکم ہے جب کہ تار دہندہ وخط نویسندہ جانتے بھی ہیں، یا دریافت کرنے پر انہوں نے تار دیا

= وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ٤٦٨/٥، كتاب الشهادات، سعيد)

(١) (ردالمحتار على الدر المختار: ٣٩٤/٢، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ٣١٤/٢، فصل في رؤية الهلال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١٩٨/١، ١٩٩، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

ہے یا خط لکھا ہے؟

۴......ریڈیو کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی خبر کا کیا حکم ہے؟

۵......اگر بعد تصدیقِ شرعی ممبرانِ رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کے اعلان کو امام عیدگاہ یا امام جامع مسجد قبول نہ کرے تو ایسی حالت میں ممبران رؤیت ہلال کمیٹی کیا کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع ملنے پر اگرچہ امام جامع مسجد نے اطلاع دی ہو اعلان اطلاع رؤیت ہلال کرنا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۲......اس پر بھی عمل درست نہیں (۲)۔ وہ ممبر اگر ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے تو رمضان شریف کے چاند کے مطابق اس کا تنہا آکر شہادت دینا بھی کافی ہے جیسا کہ کوئی اَور ثقہ شہادت دیتا تو وہ کافی ہوتی (۳)، غیر رمضان کے لئے ایک شخص کی شہادت کافی نہیں ہوتی، ہاں! اگر جامع مسجد کے امام صاحب اور دیگر مسلمانان

---

(۱) "إذا سمعه من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية بيروت)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لايجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها". (مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، فصل: يشهد بكل ما سمعه أورآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱/۱۵۷، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها، والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

(۲) (راجع رقم: ۱)

(۳) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً، ذكراً أو أنثى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۵، كتاب الصوم، مكتبه شركة علميه ملتان)

کم از کم شرعی دوشہادتیں قلمبند کر کے کم از کم دو معتبر مسلمانوں کے ہاتھ بھیجیں اور وہ اپنے ساتھ لکھوا کر بحفاظت لائیں تو پھر اعلانِ رؤیت درست ہوگا(۱)۔

۳......تار، یا بذریعۂ ڈاک سرکاری آئے ہوئے خطوط سے رؤیت درست نہیں، خواہ وہ تار یا خط مرسل نے ازخود روانہ کیا ہو، خواہ دریافت کرنے پر(۲)۔

۴......ریڈیو کے ذریعہ سے بھی شرعی شہادت حاصل نہیں ہوتی(۳)۔

۵......شرعی شہادت کا قبول کرنا واجب ہے، ممبرانِ کمیٹی کو چاہیے کہ امام عیدگاہ اور امام جامع مسجد کے سامنے اپنے ذرائع تصدیق بیان کریں، اگر وہ ان ذرائع میں کوئی شرعی نقص بتائیں تو ان کا تدارک کریں، اگر باوجود شرعاً قابلِ قبول ہونے کے وہ قبول نہ کریں اور کوئی شرعی نقص بھی نہ نکال سکیں تو پھر ممبران کو رؤیت ہلال کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، مثلاً: اگر رمضان شریف کا چاند تھا تو روزہ رکھیں، مگر فتنہ وفساد سے حتی الوسع پرہیز کریں(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وإذا كان بالسماء علة، لم يقبل في هلال الفطر إلا شهادة رجلين أو رجل و امرأتين". (الهداية: ۳۲۵/۲، فصل في رؤية الهلال، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۸/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱۹۶/۱، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا يعمل بالخط إلا في مسألة كتاب الأمان، و يلحق به البراءات". (الدرالمختار). "عبارة الأشباه: لا يعتمد على الخط، و لا يعمل بمكتوب الوقف الذي عليه خطوط القضاة الماضين. قال البيري: المراد من قوله: (لا يعتمد): أي لا يقضي القاضي بذالك عندالمنازعة؛ لأن الخط ما يزوّر و يفتعل". (ردالمحتار: ۴۳۵/۵، كتاب القضاء، مطلب: لا يعمل بالخط، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۳۶، رقم الحاشية: ۱)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، ولاتفطروا حتى تروه، فإن غمّ عليكم فاقدروا له". وفي رواية قال: "الشهر تسع وعشرون ليلةً، فلا تصوموا حتّى تروه، فإن غمّ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلثين". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۷۴، باب رؤية الهلال، قديمي)

ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟

سوال[۴۷۲۸]: امسال ہمارے یہاں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ بدلی کی وجہ سے اطراف ہی کے کسی گاؤں سے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، ریڈیو نے ملک کے مختلف حصوں میں چاند دیکھنے اور عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی اطلاع دی، ریڈیو پر اعتماد کر کے ہمارے گاؤں میں عید پڑھ لی گئی، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ریڈیو کے اعتماد پر عید کی نماز پڑھنا شرعاً غلط ہے۔ اب جناب والا ہی بتائیں کہ ریڈیو پر اعتماد کر کے عید کی نماز ادا کرنا صحیح تھا یا غلط؟ اور اگر صحیح نہیں تھا تو کیا اس معاملہ میں کسی شکل سے بھی ریڈیو پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفاصیل ہوں تو تحریر فرمادیں تاکہ اس طرح کے موقع پر صحیح مسئلہ پر عمل کیا جا سکے۔ فقط۔

محمد طیب سلطانپوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر حاکم مسلم یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف اور متبعِ شریعت ہوں، ثبوت رؤیت کے بعد (شہادت لیکر) ریڈیو پر اعلان کرے یا اعلان کرائے اس طرح پر کہ ہم نے شہادت لی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہو گیا ہے لہذا فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو اتنی دور تک کہ اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے اور ۳۱/ کا نہ ہو جائے، یہ اعلان شرعاً قابلِ تسلیم ہوگا جب کہ رؤیت یوم الشک یعنی ۲۹/ شعبان میں ہو اور مطلع نہ صاف ہو(۱)۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل كما صرحوا به". (ردالمحتار: ۲/۳۸۶، بحث في صوم يوم الشک، سعيد)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديو بندي رحمه الله: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے =

ایسے اعلان پر بھی عوام کو پیش قدمی نہیں چاہئے، بلکہ ریڈیو کے اعلان کی پوری تفصیل ذمہ دار اہلِ علم کے سامنے رکھدیں، وہ تحقیق وتفتیش سے اطمینان کرلیں تو ان کی ہدایت پر عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۷۶۹]: عید یا رمضان کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس صورت سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور متعدد ریڈیو سے چاند کی خبر آئے جس سے ظنِ غالب ہوجائے تو ثبوتِ رمضان کے لئے اتنا بھی کافی ہے، لیکن ثبوتِ عید کے لئے شہادت ضروری ہے، پس اگر ۲۹/ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور مسلم حاکم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی جو کہ ذی علم اور دیانتدار افراد وارکان پر مشتمل ہوں باقاعدہ شرعی شہادت حاصل کر کے اعلان کرے، یا ریڈیو پر اس طرح اعلان کرائے کہ فلاں مقام پر رؤیتِ ہلال کمیٹی کے پاس شرعی شہادت پہونچ گئی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہوگیا ہے، اب وہ رؤیت ہلال کمیٹی اعلان کراتی ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے یا ۳۱/ کا نہ ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اختلافِ رؤیتِ ہلال کا سوال

سوال[۴۷۷۰]: گذارش خدمت یہ ہے کہ پاکستان میں ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے قائم ہے، وہ کمیٹی بذریعۂ ریڈیو چاند دیکھنے کا اعلان کرے تو ہندوستان والوں کو ان کی خبر کو ماننا چاہیے یا نہیں؟

ہندوستان کے ریڈیو سے دہلی کے مقامی مفتی صاحب جو اعلان کرتے ہیں وہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں

=اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

(و کذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ریڈیو کی خبر کب تک معتبر ہے؟"

اوراس کو مانا جائے یانہیں؟

اس زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹیلی فون کا زمانہ ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے، نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان کمیٹی خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، راولپنڈی اسلام آباد کی ہو، بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یانہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے قابلِ حجت بن سکتی ہے یانہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر نشر کر کے لکھنؤ، کان پور، دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہوتو تسلیم کی جاسکتی ہے یانہیں؟ اور نیز مطلع فرماویں کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا، یا سنیچر کو ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند کے مسئلے میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرونِ مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دَور میں بھی یہ رہا۔ اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لئے کہ پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی ۲۹/ کو نظر آتا ہے، کبھی ۳۰/ کو۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ کا مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف، کہیں غبار آلود، اس لئے کہیں نظر آیا، کہیں نظر نہ آیا۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عینِ مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی سب کی نظر ایک نہیں، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔ ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہو جائیں جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔ آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں، نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی اس کے تمام ارکان مسائلِ شرع کے ماہر واحکامِ سنت کے پابند نہیں۔ دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ پابندی عائد کی جاسکے کہ اعلان کی جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ عالم کو اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف

بتائیں گول مول نہیں جس سے سب کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات آٹھ ذی الحجہ ہو اور مکہ معظمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے(۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل ایک رسالہ ہے(۲)، ریڈیو کے مسئلہ پر بھی مدد مل سکتی ہے۔ یہاں ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جمعہ کو روزہ نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ جمعہ کے روزہ کی قضا بعد عید لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ

سوال[۴۷۷۱]: **استفتاء**: آپ کا ادارہ دار العلوم دیوبند اور اس کا شعبۂ دار الافتاء عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کے فیصلے اور فتوے ہند اور بیرونِ ہند بھی ہر جگہ مقبول و مسلّم ہیں، ساری نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہیں، اس کی بنا پر اگر آپ کی سمع خراشی نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ گستاخی کی معافی بھی

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف، کراچی)

(وكذا جواهر الفقه: ۱/۳۹۷، دار العلوم كراچی)

(ایضاً راجع احسن الفتاویٰ، كتاب الصوم، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/۴۰۹، سعيد)

(ورسالة: رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دار الكتب، كراچی)

(۲) (تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان (رسائل ابن عابدين): ۱/۲۳۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

ہوتی چلے تو چند باتیں عرض کرنے کی آپ سے جرأت کررہا ہوں، امید ہے کہ توجہ دیں گے اور اس کا اولین فرصت میں معتبر اور معتمد اور معقول جواب دیتے ہوئے دل کو مطمئن فرمائیں گے:

رؤیت ہلال رمضان المبارک میں اور عید الفطر میں اکثر گڑبڑ ہوتی ہے اور کوئی صحیح فیصلہ اس بارے میں علمائے کرام کی جانب سے صادر نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی معقول انتظام ہوتا ہے۔ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اس قدر ذرائع شائع ہیں کہ عوام ان ہی کی خبروں پر اعتماد اور اعتبار کرلیتے ہیں اس وقت مقامی علماء کی کوئی نہیں سنتا، مجبوراً مقامی علماء کو بھی عوام کے فیصلہ شدہ نظریہ کی طرف جھکنا پڑتا ہے، اسی اختلاف میں دو دو [۲،۲] عیدیں ہوجاتی ہیں اور پہلا روزہ افطار، عدمِ افطار کی کشمکش میں پڑجاتا ہے۔ علمائے کرام سے اگر فتویٰ منگایا جاتا ہے تو وہ ایسی گول مول بات لکھ کر شروط سے مقید کردیتے ہیں کہ خود مستفتی اور عوام صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اب موجودہ دور کا حال یہ ہے کہ کہیں دہلی سے مفتی صاحب کا اعلان آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا جارہا ہے تو کہیں لکھنؤ فرنگی محلی سے اعلان شائع کیا جارہا ہے، ادھر کانپور سے کوئی صاحب بول رہے ہیں اور دیکھئے ریڈیو کا بینڈ بدل کر پاکستان لگایا جارہا ہے اور وہ وہاں سے اور کراچی کی موجودہ ہلال کمیٹی کی جانب سے چاند ہوجانے کی خبر دی جارہی ہے، ادھر فتاوی عبدالحیٔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، بہشتی زیور جیسے معتبر فتاویٰ کھنگالے جارہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر ہلال رمضان ہلال عید کی معتبر نہیں ہے اور اگر معتبر بھی ہے تو بایں شرط کہ اعلان کرنے والا معتبر مسلمان ہو یا عالم۔

اس وقت نہ کوئی عالم بولتا ہے نہ مفتی، بلکہ ان کی جانب سے اعلان یہ اعلان کئے جاتے ہیں۔ خود بولنے والے کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہے یا کوئی اَور قوم، اگر مسلمان بھی ہے تو قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔ بہر نوع! کوئی صحیح پوزیشن اعلان کرنے والے کی واضح اور ظاہر نہیں ہوتی۔ اب اس صورت میں مقامی علماء اور عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے، جو جس پر غالب آجائے بس وہی فیصلہ قابلِ تسلیم ہوتا ہے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

علمائے کرام کو خود اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے خود ریڈیو اسٹیشن آکر رؤیت ہلال کی اطلاع دیتے ہوئے شرعی فیصلہ سنائیں تاکہ عوام اس پر کاربند ہوں اور قبل اعلان اپنا تعارف کرائیں اور اگر اعلان کرنے والا عالم کے علاوہ کوئی اَور مسلمان ہو تو اس کو اپنا تعارف کرانا چاہئے تاکہ ان کی خبروں پر اعتماد کیا جاسکے۔

اب عرض مدعا یہ ہے کہ اس بارے میں موجودہ دور کے مطابق جب کہ لوہا لنگر (ریڈیو، ٹیلیفون) کا دور

ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے، جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے۔

نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان ہلال کمیٹی، خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، راولپنڈی کی یا اسلام آباد کی بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر لیے کر کے لکھنؤ، کانپور، یا دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہو تو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اب اخیر میں یہ عرض کرنا ہے کہ امسال بھی یہی گڑبڑ رہا، اگر تصدیق ہوگئی ہو تو براہ کرم اطلاع دیجائے کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا یا شنبہ کو؟

نــــوٹ: اگر واقعی ریڈیو کی خبر معتبر نہیں تو برائے کرم آل انڈیا جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ چاند کی خبر ریڈیو سے نشر نہ کی جائے کہ عوام گڑبڑ میں پڑجائیں، صرف رؤیتِ دہلی پر اعتماد کریں۔

المستفتی: اختر علی، مقام کرست ضلع اناؤ، یوپی، ۲۹/نومبر/ ۶۸ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرون مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لئے کہ پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف کہیں غبار آلود، اس لئے کہیں نظر آیا کہیں نہ آیا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا کبھی باریک کبھی موٹا۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عین مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سب کی یکساں نہیں ہوتی، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے، کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں ہوتے، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہوجائیں جس کا شکوہ

آپ کو بھی ہے۔

آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی ہر جگہ اس کے تمام ارکان مسائل شرعی کے ماہر اور احکام سنت کے پابند نہیں۔

اور دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ ان پر پابندی عائد کی جائے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ کے عالم کو اس کا مکلف کیا جا سکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آ کر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیش نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف صاف بتائیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلاف مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ اور مکہ مکرمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے (۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے، میری درخواست ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے اس میں بھی کافی تفصیل موجود ہے جس سے ریڈیو کے مسئلہ پر مدد مل سکتی ہے (۲)۔ یہاں انتیس ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی، جمعہ کو روزہ رکھنا نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے، جمعہ کے روزے کی قضاء بعد عید لازم ہو گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (آلات جدیدہ، ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، إدارة المعارف، کراچی)

(۲) ("تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان، (مجموعه رسائل ابن عابدين): ۱/ ۲۳۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

رویتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟

سوال[۴۷۷۲]: رمضان المبارک میں عید، بقرعید کی رویت ہلال سے متعلق ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں، خواہ ریڈیو ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، عرب کا یا مصر کا، اس کا کیا حکم ہے؟ امسال مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعض مقامات پر پاکستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ چاند ہوگیا اور اس کا اعلان ریڈیو پر ہوا، اس کو مان کر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا کیسا ہے؟ آپ تفصیلی جواب لکھیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، پسِ پردہ آواز سن کر شہادت قبول نہیں کی جائے گی لہذا ریڈیو پر جو شہادت سنی جائے وہ قبول نہیں، نہ نزدیک سے نہ دور سے یعنی نہ ہندوستان سے نہ پاکستان سے نہ مصر، نہ مکہ مکرمہ سے۔ پس اگر ریڈیو پر کوئی شخص شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس شہادت پر عید کرنا درست نہیں اگر چہ یہ شاہد ثقہ اور متدین ہو، ریڈیو پر اگر اس طرح خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا فلاں جگہ عید ہے تو یہ خبر بھی کافی نہیں(۱)۔ اگر باقاعدہ شرعی شہادت ذمہ دار حضرات حاصل کریں، مثلاً: قاضی شرعی، مسلمان وزیر، رؤیت ہلال کمیٹی، جمعیۃ العلماء، اِمارتِ شرعیہ جب کہ ان کے افراد باعلم اور متبعِ سنت ہوں اور پھر ان کی طرف سے ریڈیو پر اس طرح اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس چاند دیکھنے والے ثقہ گواہوں نے شہادت دی ہے اور ان کی شہادت سے رؤیت ہلال تسلیم کر لی گئی ہے، لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک سے متعلق مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگا(۲) خواہ ہندوستان کا اعلان ہو یا کسی

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر=

اور جگہ کا، جس مقام پر اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ دن کا رہ جائے یا ۳۱/ دن کا ہو جائے وہاں یہ اعلان تسلیم نہ ہوگا۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی اس قسم کا ایک دو اعلان کافی نہیں ہوگا تاوقتیکہ خبرِ مستفیض کے درجہ تک نہ پہونچ جائے۔

جن صورتوں میں یہ اعلان معتبر ہوگا ان صورتوں میں بھی عوام کو جلدی اور پیش قدمی نہیں چاہئے کہ جیسے ہی اعلان سنا فوراً روزہ توڑ کر عید الفطر منانا شروع کردیں، بلکہ اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ دینی حدود و قیود کو پوری طرح سمجھتے ہیں، ایسے اعلان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اعلان کرنے والا خود بھی مقبول الشہادۃ ہو، بلکہ ذمہ دار مقبول الشہادۃ حضرات کی طرف سے اگر غیر مقبول الشہادۃ شخص اعلان کردے تو وہ بھی کافی ہے جیسا کہ منادی کا حال ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اس میں آپ کے جملہ سوالات کا جواب مل جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کے ذریعہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال [۴۷۷۳] : ہم لوگ مشرقی یوپی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلع صاف ہوتا ہے مگر چاند نظر نہیں آتا، زمانہ کی ترقی اور ریڈیو کی ایجاد نے پوری دنیا کو ایک محلّہ بنا دیا ہے، رؤیت ہلال نہ ہونے کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ کبھی پٹنہ، کبھی حیدرآباد، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور سے اطلاع آتی ہے کہ ان جگہوں میں کسی جگہ یا تمام جگہوں میں چاند ہوگیا وہاں کل عید ہے اور اطلاع یہ دی جاتی ہے کہ وہاں کے قاضی نے یا وہاں کے جامع مسجد کے امام نے رؤیت ہلال کا اعلان کردیا ہے۔ بتایا جائے کہ ایسی اطلاع پر ہم لوگوں کا عید کر لینا

= اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے" (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں جو روزہ رکھ لیتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے یا غیر مناسب، مثلاً: اسی سال راقم السطور نے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے سنا کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام صاحب نے اعلان کیا ہے کہ چاند کا ثبوت ہو چکا ہے کل عید ہے، حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی نے چاند کی رؤیت تسلیم کرلی ہے اور کل عید ہے۔

ریڈیو کی ان خبروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آج کل ریڈیو کی خبروں پر بہت سے کام ہوتے ہیں، چاند کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن فساداتِ انتخابات کے موقعوں پر ممبران کی کامیابی یا ناکامی کی اطلاع، حکومت بننے کے بعد عہدوں کی تقسیم کا اعلان، کسی بڑے آدمی کے انتقال کی خبر اگر ریڈیو پر آجاتی ہے تو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے، پھر بھلا کسی کی جانب سے خصوصاً مفتی اور قاضی کی طرف سے رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کیونکر قابل تسلیم نہیں ہے؟

یا ایسا ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقہ کے لئے کسی علاقہ کی خبر نا قابل تسلیم ہے، مثلاً: حجاز مقدس میں عید ہمیشہ یہاں سے پہلے ہوتی ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی علاقہ ایسا ہی ہو کہ اس میں عید یہاں سے پہلے ہی ہوتی ہو، اگر ایسا ہو تو اس کی نشاندہی کا آرزومند ہوں، ہم کم پڑھے لکھے لوگ تو بہشتی زیور (جو معتبر کتاب اور اہل دیوبند کے نزدیک قابل اعتبار ہے، نیز اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے تمام مسائل کو مدلل کردیا گیا ہے) دیکھتے ہیں اس میں یہ ملتا ہے کہ: ''ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر انتہائے مشرق کے رہنے والوں پر پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا''۔ (بہشتی زیور حصہ یازدہم)(۱)۔

نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم صرف روزہ کے بارے میں ہے یا عید کے بارے میں بھی۔ حاشیہ پر عبارت ملتی ہے:

"واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذاهب، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب". درمختار: ۱/۱۴۹(۲)،

---

(۱) (بهشتی زیور، ص: ۸۱۹، حصه یاز دهم، تتمه حصه سوم، دار الإشاعت کراچی)

(۲) (الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

عالمگیری:۱/۱۹۷(۱) بحر:۲/۲۷۰(۲)۔

بہت سے معتبر علماء کی رائے میری نگاہ سے ایسی بھی گزری کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی اطلاع ریڈیو پر آجائے کہ فلاں جگہ کے مفتی یا قاضی یا امام یا رؤیت ہلال کمیٹی نے رویت ہلال کا اعلان کردیا ہے تو اس صورت میں اس کو تسلیم کرلینا چاہئے اور اس پر کاربند ہونا چاہئے ،لیکن اگر یہاں کے صاحب علم اور اہلِ وجاہت اسے تسلیم نہ کریں تو میرے لئے روزہ رکھنا یا افطار کرلینا شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسائل دوقسم کے ہیں: ایک وہ کہ جن میں خبر معتبر بھی کافی ہے، دوم وہ کہ ان میں شہادت ضروری ہے۔ ریڈیو پر خبریں تو آپ سنتے اور معتبر مانتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ایسی خبروں کو معتبر مانا ہے، مگر کبھی یہ بھی دیکھا اور سنا ہے کہ کسی مجسٹریٹ نے کسی مقدمہ میں گواہی ریڈیو پر لے لی ہو اور اس پر فیصلہ کردیا ہو، یا کسی قاضی نے مرد وعورت کا ایجاب وقبول ریڈیو پر کرادیا ہو اور وہاں گواہ موجود نہ ہوں اور شرعاً وہ نکاح معتبر مان لیا گیا ہو۔علاوہ ازیں دو باتیں اَور بھی غور طلب ہیں: ایک یہ کہ جب مطلع صاف ہوگیا اس وقت بھی ایک دو آدمی کی خبر یا گواہی کافی ہے یا جمِ غفیر کی رؤیت ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جس مقام پر رؤیت ہوگئی ہے، وہاں سے خبر طریقِ موجب کے ساتھ پہونچنا ضروری ہے، جیسا کہ آپ نے عالمگیری کے حوالہ سے بہشتی زیور سے نقل کیا ہے۔

خبروں کا حال خاص کر ہنگاموں کے وقت مثلاً: الیکشن اور جنگ وغیرہ کے وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنے حریف کو شکست دینے کے لئے جو تدبیر مناسب سمجھتا ہے اختیار کرلیتا ہے، پھر بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ فلاں فلاں خبر غلط تھی، اہلِ تدبیر وتجربہ شروع ہی سے بتلادیتے ہیں کہ فلاں خبر غلط ہے، بعض دفعہ وہ بھی فریب میں آجاتے ہیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھ جاتے ہیں، یہ آئے دن کا حال ہے۔

پس کلیۃً یہ رائے قائم کرلینا کہ ریڈیو کی ہر خبر معتبر اور کافی ہے صحیح نہیں ہے۔عید کے لئے خبر محض کافی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیۃ الهلال، رشیدیہ)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۴۷۱، کتاب الصوم، رشیدیۃ)

نہیں، بلکہ شہادت ضروری ہے، یا خبر مستفیض ہو(۱)، اس کے شرائط، شامی، بحر وغیرہ میں مذکور ہیں۔

خبر یا شہادت قبول کرنے کا محل بھی ذہن میں رکھیں وہ ۲۹/ تاریخ ہے، اگر حجازِ مقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں آ کر گواہی دیں کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے جو کہ ہمارے حساب سے ۲۸/ تاریخ تھی، تو ان کی گواہی سنی بھی نہیں جائے گی کیونکہ اس کے اعتبار سے ہمارا مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ مہینہ ۳۰/ کا ہوتا ہے یا ۲۹/ کا (نہ ۲۸/ کا ہوتا ہے نہ ۳۱/ کا) امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد آپ کے اشکالات کا جواب واضح ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

ریڈیو کے اعلان کی حیثیت

سوال [۴۷۷۴]: ۱..... پاکستان ریڈیو سے یا ہندوستان ریڈیو سے اگر چاند کی خبر آوے تو وہ معتبر ہے یا نہیں؟ جب کہ ریڈیو پاکستان مسلمانوں کی ریڈیو ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی خبر معتبر نہ مانی جائے؟

۲..... صبح کو ہی جب بمبئی سے چاند ہونے کی خبر امام صاحب جامع مسجد دلی کے پاس آ گئی تو اس وقت انہوں نے بمبئی کی بات کیوں نہیں مانی اور بعد میں ایک بجے کیوں افطار کرایا؟ عجیب معمہ ہے، یہ سب واقعات ریڈیو سے معلوم ہوتے رہے، لہذا صحیح جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص ریڈیو پر شہادت دے کہ میں نے عید کا چاند دیکھا ہے تو یہ شہادت سننے والوں کے حق میں

---

(۱) "وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد" .... وقُبل: بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم". (الدرالمختار). "والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأى الإمام: إن وقع في قلبه صحةُ ما شهدوا به و كثرت الشهود، أمر بالصوم". (ردالمحتار: ۳۸۶/۲، ۳۸۸، مبحث في صوم يوم الشک، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۸/۲، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

معتبر نہیں (۱)، نہ بمبئی کی ریڈیو سے نہ لاہور کی ریڈیو سے نہ کسی اَور اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے۔قبولِ شہادت کے لئے شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا شرط ہے،وهو مصرح في كتب الفقه (٢)۔

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا عید ہے تو یہ خبر کافی نہیں، اس میں بھی سب جگہ کا ریڈیو برابر ہے، اگر مسلم باشرع رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی یا حاکم مسلم باقاعدہ شہادت لے کر ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہوگیا، اس بنا پر اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں یعنی ۲۹/ رمضان کے بعد والے دن کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں معتبر مانا جائے گا، جہاں اس کے مان لینے سے مہینہ ۲۸/ یا ۳۱/ کا نہ ہونے پائے، وہ ریڈیو کسی جگہ کا ہو سب کا یہی حکم ہے، ایسے ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا اور نمازِ عید ادا کرنا درست ہوگا (۳)۔

ضلع سہارنپور میں متعدد مقامات پر لوگوں نے چاند دیکھا اور ان کی باقاعدہ شہادت لی گئی، اس پر عید کا حکم کیا گیا اور یہ حکم بھی رات میں ہی کر دیا گیا تھا، بعض جگہ اس کی اطلاع دن میں پہونچی، اس شہادت پر اتوار کو

---

(١) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ١٦٠/٥، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١٩١/٢، فصل: يشهد بكل ماسمعه أوراه، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١٥٧/١٠، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، الخ، غفارية)

(٢) "فيشترط لجوازها شروط: الأول أن تكون الشهادة عند قاضي عدل عالم". (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ١١١/٧، رشيديه)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: شرائط مكانها واحد): أي مجلس القضاء، منح ....

ومايرجع إلى مكانها واحد وهو مجلس القضاء" (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٤٦٢/٥، سعيد)

(٣) قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي رحمہ اللہ تعالیٰ: ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے''۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴۲۱/۴، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

عید ہوئی، کسی ریڈیو پر عید نہیں کی گئی۔ جس وقت بھی عید کے چاند کا ثبوت پہونچ جائے گا خواہ دوپہر سے پہلے یا بعد، اسی وقت روزہ افطار کر دیا جائے گا، عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر ثبوت نہ پہونچا اور روزہ رکھ لیا گیا تو گناہ نہیں ہے، اگر محض ریڈیو یا کسی اَور تار وغیرہ کی ایسی خبر پر روزہ افطار کر دیا گیا کہ جو شرعاً کافی نہیں تو گناہ ہوا، لیکن اگر پھر ثابت ہو گیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس روزہ کی قضا یا کفارہ بھی لازم نہیں (۲)۔

بمبئی اور دوسرے شہروں کی پوری تفصیل ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں شہادت پر عید کی گئی یا کس طرح۔ چاند سے متعلق آپ کے سوالات کا جواب تحریر بالا میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۵ھ۔

ریڈیو کا اعلان

سوال [۴۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ:

دہلی میں جو ہلال کمیٹی ہے اس کا اعلان جو آل انڈیا ریڈیو دیتی ہے اس کی حیثیت کیا ہے، آیا اس خبر پر عمل کیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ کمیٹی کے صدر یا اس کا کوئی بھی رکن ریڈیو سے اعلان نہیں کرتا بلکہ صرف خبروں میں کمیٹی کے صدر کا حوالہ دیا جاتا ہے، اسی طرح پاکستان میں بھی ہلال کمیٹی ہے، اس کا صدر عام طور پر خود ریڈیو پاکستان پر چاند کا اعلان فرماتے ہیں۔ آیا اس اعلان کا اطلاق صرف پاکستان پر لاگو ہوگا یا ہندوستان والے اس

---

(۱) "وأقسامه فرض و واجب و مسنون و مندوب و نفل و مكروه .... ومكروه تحريماً أيام التشريق والعيدين". (فتح القدير: ۲/۳۰۳، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۴۰، فصل في صفة الصوم و تقسيمه، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً، إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدر المختار، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ۲/۴۲۸، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في العوارض، ص: ۱۹۱، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۲۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

اعلان پرعمل کر سکتے ہیں؟ شرعی حیثیت کے مطابق آپ مع حوالہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں اور اس رمضان کی پہلی تاریخ اور دن سے بھی مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اگر ہلال کمیٹی جس کے افراد اہل علم واہل دیانت ہو شرعی قاعدے کے مطابق ثبوتِ رویت ہلال حاصل کر کے ریڈیو کے ذمہ دار کو تحریر لکھ کر دیدیں کہ ہمارے پاس شرعی شہادت ہے، فلاں روز رؤیت ہلال کا ثبوت ہوگیا ہے، اس بناء پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل فلاں دن روزہ رکھا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو۔

اعلان کرنے والا ریڈیو پر اگر چہ غیر مسلم ہو لیکن جب اس کا پورا اعتماد ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر صاحب نے اس کو یہ تحریر دی ہے جس کا اس نے ان کی طرف سے یہ اعلان کیا ہے تو یہ اعلان معتبر ہے جیسے سرکاری حکم، اعلان کوئی بہت چھوٹا آدمی بذریعۂ منادی کرتا ہے اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ اعلان نہیں کر رہا ہے، بلکہ سرکاری تحریر کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے اعلان کا اعتبار کرلیا جاتا ہے، جہاں تک اس ریڈیو کے اعلان تسلیم کرنے سے مہینہ اٹھائیس کا نہ رہ جائے یا اکتیس کا نہ بن جائے وہاں تک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، یہی حال پاکستان کے اعلان کا ہے کہ اگر وہ باضابطہ شرعی شہادت کے بعد کیا گیا ہے تو معتبر ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں ان میں دلائل بھی مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) ”والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل“. (ردالمحتار: ۳۸۶/۲، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: ”البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ =

ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر

سوال[۴۷۷۶]: ۱......رؤیت ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لے کر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟ بمبئی میں جب چاند ہو گیا تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

شہادت دیر سے پہونچنے پر نماز عید کو مؤخر کرنا

سوال[۴۷۷۷]: ۲......زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عید گاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہو سکتا، وضو وغیرہ میں بھی کچھ وقت لگتا ہے تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں، بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......عید کے چاند کے لئے یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے(۱)، خبرِ محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی، نہ تار کی، نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے وہ بھی کافی نہیں(۲)۔ البتہ اگر رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی باقاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کر کے اعلان کرے، یا کرائے کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ

= ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہوائی رؤیتِ ہلال کی شرعی حیثیت)

(وکذا في أحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) "وشرط للفطر بلاعلة جمعٌ عظیمٌ یقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد علی المذهب، وعن الإمام أنه یکتفي بشاهدین". (الدرالمختار) "وینبغي العمل علی هذه الروایة في زماننا؛ لأن الناس تکاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۲/۳۸۷، ۳۸۸، کتاب الصوم، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۴۶۸، کتاب الصوم، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۱)، گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سو دو سو میل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ سے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔ بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جاکر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔

۲.....اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضو کر کے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کر سکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز کے لئے نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضو کر کے نماز کے لئے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لئے مؤخر کر دیا جائے:

"و تؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". درمختار۔ "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام، و أما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال، اهـ". شامي: ۷۸۳/۱ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو کا اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید

سوال[۴۷۷۸]: فخر الاماثل مفتی صاحب دامت برکاتہم!　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت! یہاں پر امسال عید کے موقع پر ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا اور ہمیشہ سے یہاں کے لوگ اس

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے"؟)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ("آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام"، ص: ۱۷۷) (واحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(و كذا في الهداية: ۱/۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركة علميه ملتان)

فتنہ میں مبتلا ہیں، چنانچہ حضوروالا کے تائیدی جواب کے بعد انشاء اللہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہوجائے گا۔

آسمان ابر آلود ہے اور یہاں کے برادری کے منتظمین نے اپنے قدیم غیر شرعی دستور ونظام کے موجب انتیس رمضان ۶۹ھ کو ایک بالکل فاسق فاجر مزدور لڑکے کو- جو نہ تو کبھی نماز پڑھتا ہے، نہ کبھی روزہ رکھتا ہے بلکہ ہمیشہ فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے-سورت کے ایک تاجر کے پاس پرچہ دے کر بھیجا کہ اگر وہاں چاند ہوا اور عید ہو تو اس مزدور لڑکے کے ہاتھ چٹھی لکھ کر بھیج دینا، اس پر ہم عمل کریں گے۔

یہ لڑکا صبح چار بجے کے قریب ان تاجر صاحب کی چٹھی لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ یہاں عید کا نقارہ پٹ گیا اور صبح عید کی عید مبارک۔ مجھے جب اس کی اطلاع پہونچی تو میرے پاس حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا فتویٰ موجود تھا جو میں نے پہلے ہی منگا رکھا تھا، اس فتویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ ''باہر سے خبر یا تحریر لانے والے دو عادل مسلمان ہونے ضروری ہیں خواہ وہ ہلال رمضان ہو یا عیدین''۔ سو میں نے یہاں کے لوگوں کو مذکورہ فتویٰ کی بناء پر روکا، بعض نے افطار نہیں کیا اور دوسرے دن میرے ہمراہ عید منائی اور یہاں کی اکثریت نے افطار بھی کرلیا اور عید بھی منالی۔

اب سورت کی شہادت کا حاصل کیا ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

میں نے یہاں تین ثقہ اشخاص کو- جن میں دو عالم ایک متشرع مستور الحال ہیں- راندیر بھیجا تاکہ ان کی شہادت پر عمل کیا جائے، یہ لوگ راندیر کے علماء سے ملے، چنانچہ انہوں نے ان حضرات سے کہا اور تحریر بھی لکھدی جس پر مولوی عبدالرحیم صادق صاحب اور حافظ صالح صاحب کے جو وہاں کے ایک مسلم بزرگ ہیں دستخط تھے۔

زبانی روئیداد یہ بیان کی کہ یہاں کے شہر قاضی نے بھی نقارہ پیٹ دیا تھا، مگر ہم ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس شہر سورت سے جن چاند دیکھنے والوں کے نام آئے ہیں ان کے نام ہم کو دو اور اپنی موٹر بھی دو، ہم ابھی تحقیق کرکے آتے ہیں اور چنانچہ یہ حضرات سورت گئے اور نام بنام سب سے دریافت کرنا شروع کیا تو سب ہی نے کہا کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا، ہمارا نام کسی نے غلط اڑایا ہے۔

بہر حال یہ راندیر کے علماء رات بارہ بجے سے تین بجے تک موٹر میں گھومے اور شہر کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ چھان مارا اور جن جن لوگوں کے نام لئے گئے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور بعض نے کہا کہ صاحب! ہم ٹھیک تو نہیں کہہ سکتے مگر ایک سیکنڈ کے لئے کچھ سفیدی سی معلوم ہوگئی۔ اخیر میں ایک شخص ایسا ملا جس

نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا ہے اور شہر قاضی نے بھی دیکھا ہے، چنانچہ یہ حضرات سورت کے شہر قاضی کے پاس گئے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس شہادت کی بنا پر شہر میں عید کا اعلان کرایا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے کچھ لوگ دو چار لوگوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ آدمی اچھے ہیں جھوٹ نہیں بولتے، ان لوگوں نے چاند دیکھا ہے، میں نے ان کے دستخط لے لئے اور عید کا نقارہ پٹوا ڈالا۔

ا...... ان حضرات نے قاضی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام بھی لیتے ہیں کہ قاضی صاحب نے چاند دیکھا ہے، جواباً کہا کہ حاشا وکلا، وہ جھوٹے ہیں میں نے ہرگز چاند نہیں دیکھا، صرف ان لوگوں کے کہنے سے نقارہ پٹوا ڈالا۔ ان حضرات نے کہا کہ یہ حضرات تو انکار کرتے ہیں کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا اور یہ دستخط بھی ہمارے نہیں ہیں۔ اس پر قاضی صاحب خاموش ہوگئے مگر عید تو صبح کو قاضی صاحب کے حکم سے ہو ہی گئی، راندیر والوں نے نہیں کی۔

بہر حال جس شہر کی شہادت کی بنا پر یہاں کٹھور میں عید منائی گئی اس شہادت کا یہ حشر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ سورت میں شرعاً عید درست ہوئی یا نہیں، صرف ایک بالکل فاسق وفاجر لڑکے کے وہاں کے کسی تاجر کی تحقیق لانے پر صرف یہاں والوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کی دوگانہ ادا کر لی گئی۔ سو اگر جن لوگوں کو روزہ توڑنے سے پہلے میں نے روکا اور مسئلہ بتلایا ایسے لوگوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کر لی تو آیا ان لوگوں پر روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں ہیں یا نہیں؟ نیز وہ دوگانہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز جن لوگوں کو اس مسئلہ کا علم ہی نہیں ہوا اور اس غیر شرعی شہادت پر روزہ توڑ ڈالا اور عید منائی ان کے قضاء اور کفارہ اور اعادہ عید کا کیا حکم ہے؟

۲...... پاکستان ریڈیو سے اعلان ہوا ہے کہ آئندہ رمضان اور عیدین کے موقع پر پاکستان ریڈیو سے ایک ثقہ عالم رؤیت ہلال کی اطلاع دیدیا کریں گے، جن کا نام پروگرام میں بتلایا جائے گا، سو اس اطلاع کی بنا پر تمام مسلمان عمل کرلیا کریں، اول تو ریڈیو کی اطلاع، پھر وہ بھی بولنے والا صرف ایک ہی، کم از کم دو بھی نہیں، اس خبر پر عمل کر کے صوم وافطار کا حکم دیا جا سکتا ہے؟

۳...... یہاں قاضی شرعی تو کوئی ہے نہیں صرف نکاح خواں اور فاتحہ خواں شخص کو یہاں عرفاً قاضی کہتے ہیں جو علاوہ جاہل ہونے کے ان میں عدالت تو کجا مستور الحال ہونے کی بھی اہلیت نہیں، سو ایسی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر رؤیت یا شہادت کی تحریر لانے کے باب میں کتاب القاضی الی القاضی کی تو

گنجائش ہے نہیں تو جس مقام سے تحریر منگائی جاتی ہے اس مقام کا بذریعۂ تحریر خبر دینے والا شخص کس قماش کا ہونا چاہیے؟ نیز تنہا ایک ہی شخص کی تحریر اور دستخط دو عادل اور ثقہ آدمی لے کر یا اس تحریر پر دو شخصوں کے دستخط ہونے چاہئیں، نیز تحریر کے شاہدین عادلین کا حضور اس محرر کے سامنے ضروری ہے یا نہیں، نیز ان شاہدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ یہ تحریر فلاں فلاں حضرات نے ہمارے حضور میں لکھی ہے؟ امید کہ جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔

مولوی محمد عبدالرحیم حوالدار بدات، محلّہ کٹھور، ضلع سورت۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......سورت کی اس شہادت اور قاضی صاحب کی حالت اور کٹھور کی پبلک کے (باوجود منع کرنے کے) روزہ توڑنے اور عید منانے پر حسرت وافسوس ہے، اللہ پاک صلاحیت عطا فرمائیں اور احکامِ شرع پر عمل کی توفیق دیں۔ دیانات میں فاسق کی خبر معتبر نہیں (۱)، شہادت کا درجہ خبر سے بڑھ کر ہے، وہ کیسے معتبر ہوگی۔ سورت کے قاضی صاحب کو جب تحقیق ہوگئی کہ چاند نہیں ہوا اور ان کے سامنے جو بیانات دیئے گئے تھے وہ غلط تھے تو ان کے ذمہ لازم تھا کہ فوراً اعلان کراتے کہ عید کے لئے جو نقارہ پٹوایا گیا ہے وہ غلط ہے، اس نقارہ کی بناء پر کل ہرگز عید نہ کی جائے، اور بھی جن لوگوں کو اس غلط بیانی کی اطلاع ہوئی ان کو لازم تھا کہ وہ روزہ رکھتے اور عید کی نماز اس روز نہ پڑھتے اور جب وہاں ثبوتِ رؤیت نہیں ہوا تو اس روزہ کی قضا لازم ہے۔ دوگانۂ عید کی نماز لازم نہیں، اعادہ بھی نہیں، روزہ کا کفارہ بھی لازم نہیں، کفارہ شبہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے:

"لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانّين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفّروا، كما في المنية، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۲۹ (۲)۔

---

(۱) "و لا يقبل شهادة الكافر و الفاسق". (المحيط البرهاني: ۵۴۷/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۵، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي) .... =

۲......اگر حکومت رؤیتِ ہلال کا انتظام معتبر ومعتمد علماء کے سپرد کرے کہ وہ باقاعدہ شہادت لیں، اس کے بعد حکومت کی طرف سے ذمہ دارانہ حیثیت سے کوئی عالم ریڈیو پر بطورِ اعلان نشر کردے اور اس امر کا پورا پورا انتظام ہو کہ کوئی دوسرا شخص اعلان نہ کرے اور بغیر شہادتِ شرعیہ کے اعلان نہ کیا جائے، غرض کسی قسم کی تلبیس نہ ہو تو اس علاقہ کے لوگوں کو بحیثیتِ اعلانِ حکومت اس اعلان کا اعتبار کرنا ہوگا جیسے کہ دیگر اعلاناتِ حکومت بذریعۂ منادی کئے جاتے ہیں جن کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو مسلمان اس علاقہ کے رہنے والے نہیں وہ اس اعلان کے بھی پابند نہیں (۱)۔

۳......اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امورِ دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا تنہا کا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر ان کے حوالہ کر دینا کافی ہے، وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کرلیا کریں (۲) اور اگر ان قاضی صاحب پر عام مسلمین کو اس قدر اعتماد نہیں تو تنہا کا لکھنا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/ ۶۹ھ۔

= (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۴۰۷، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن كراچي)

(۱) ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی)

اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادت شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي، صار حجةً شرعاً في المعاملات بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل و يزوَّر والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، ولكن =

ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت

سوال[۴۷۷۹]: ریڈیو،ٹیلیفون،تار برقی کی اطلاع پر کیا رویت ہلال یا عیدین کے چاند ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، درآنحالیکہ حکومت خود ان ایجادات کو اس درجہ میں معتبر نہیں سمجھتی ہے کہ اس کی آواز پر کوئی عدالت کسی مقدمہ کا فیصلہ کردے؟ ان ایجادات کے جو موجد ہیں، جب ان کی نگاہوں میں یہ چیزیں اتنا اعتبار نہیں رکھتی ہیں تو پھر کیا شریعتِ مطہرہ کے احکامات پر یہ ایجادات حاکم ہوسکتی ہیں؟ اور تمام علمائے متقدمین ومتاخرین کے طریق کار اور تحقیق کو لغو، فضول، دقیانوسی اور بیکار جیسے الفاظ سے یاد کیا جاسکتا ہے؟ رؤیتِ ہلال کے مسئلہ کی تحقیق کس طرح کی جائے؟ شریعتِ مطہرہ نے اس کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے؟ اور ان آلات وایجادات کے اعتبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہ عنایت جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں تاکہ رفع فتنہ ہو۔ بینوا توجروا۔

محمد احمد عفی عنہ رحمانی لدھیانوی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

عیدین کے چاند کے لئے شہادت ضروری ہے(۱)، مثلاً: اگر ۲۹/ رمضان المبارک کو مطلع صاف نہ ہو تو

= إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، و من جملة الشرائط: البينة حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه". (الفتاوىٰ العالمكيرية :۳/ ۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر :۲/ ۱۶۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق :۵/ ۹۶، ۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع :۹/ ۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة و لفظ أشهد". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/ ۱۹۶، الفصل الاول في رؤية الهلال، رشيديه)

آئندہ دن کو ۳۰/ رمضان مانتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، الّا یہ کہ چاند دیکھنے کی شہادت حاصل ہوجائے اور وہ شہادت اصولِ شرعیہ پر قابلِ قبول ہو جس کے لئے ایک امر یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد مجلسِ شہادت میں (جہاں پر شہادت قبول کی جارہی ہو اور شاہد پر جرح کی جاسکتی ہو) حاضر ہو(۱)، پسِ پردہ کی شہادت یعنی غائبانہ آواز پر حکمِ شہادت نافذ کرکے احکامِ شرعیہ کو جاری نہیں کیا جائے گا، اس سے ریڈیو، ٹیلیفون، تاربرقی کا حکم سمجھ میں آگیا ہوگا(۲)۔

رمضان المبارک کے چاند کے لئے شہادت ضروری نہیں، صرف خبر کافی ہے، پس اگر ریڈیو، ٹیلیفون، یا تار سے خبریں آجائیں اور ان پر وثوق ہو یعنی خبر دینے والے رؤیت کی خبریں دیں اور یہ پورا امن ہو کہ کوئی دوسرا شخص نہیں بول رہا ہے، نہ دوسرے شخص نے تار دیا ہے بلکہ بولنے والے اور تار دینے والے خوب اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور وہ ثقہ ہے مجروح نہیں ہے (تار میں تو یہ چیز ممکن ہی نہیں) تو اگر ایسی خبروں سے صدق کا ظنِ غالب ہوجائے تو ان کو معتبر مان لیا جائے گا۔ اگر مطلع صاف ہو تو اس میں ان آلات میں سے کوئی آلہ بھی کارگر نہیں بلکہ جمِ غفیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو خواہ عیدین کا ہو:

"والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم، بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيدٌ؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادةً في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان".

---

(۱) "(الشهادة) فهو إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۳، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۴۶۱/۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ماسمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، كتاب الشهادات، الفصل الأول في تحمل الشهادة وحل أدائها والإمتناع عن ذلك، غفارية)

ردالمحتار(۱)۔

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ: "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد". درمختار۔ "(قوله: مع العلة): أي من غيم وغبار ودخان. (قوله: لتعلق نفع العبد) علةٌ لاشتراط ماذكر في الشهادة على هلال الفطر بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر دينيٌّ، فلم يشترط فيه ذلك، أما الفطر فهو نفع ديني للعباد فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيه مايشترط فيها". ردالمحتار(۲)۔

"الشهادة هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي". درمختار(۳)۔ "(قوله: في مجلس القاضي) خرج به إخباره في غير مجلس، فلا يعتبر". طحطاوی(٤)۔

البتہ اگر باقاعدہ شرائط کے ساتھ رؤیت کا ثبوت ہوجائے اور حکومتِ مسلم کے انتظام سے (جس میں کسی غلطی یا تلبیس کا احتمال نہ ہو) اس رؤیت کا اعلان کیا جائے تو ماتحت علاقہ میں یہ اعلان قابلِ قبول ہوگا جیسے کہ دوسرے اعلانات قابلِ قبول ہوتے ہیں اگرچہ یہ اعلان ریڈیو ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو(۵)، مگر ذمہ دار حکومت کے ریڈیو اور انتظام اور اعلان کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں:

قیاس کن ز گلستان من بہارِ مرا؟

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (الدر المختار: ۴۶۱/۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(۴) (حاشيه الطحاوي على الدر المختار، كتاب الشهادات: ۲۲۷/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۵) "البتہ جس شہر میں قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷)

ہلالِ رمضان وعید اور ریڈیو کی اطلاع

سوال[۴۷۸۰]: رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور شعبان کا ۲۹/ کا چاند دیکھنے کے بارے میں شہر بھر میں اور اطراف شہر کے کسی نے چاند نہیں دیکھا اور نہ قصبہ میں دیکھا گیا، لیکن لوگوں نے صرف جنتری کے حساب سے گاؤں اور دوسرے بہت سے قصبوں میں بغیر چاند دیکھے روزہ شروع کر دیا ہے، یہ روزہ رمضان کا ہے یا نہیں؟ شہر سے ایک شخص نے پچاس میل دور ۲۹/ شعبان کے چاند دیکھنے کی خبر دی ہے، باقی دیکھنے والے ہندو تھے، صرف اکیلا ایک مسلمان شہادت دیتا ہے اور اس شخص کی نمازیں قضاء ہوتی رہتی ہیں اور چاند دیکھنے کی حالت اس طرح بتلاتا ہے کہ کبھی کہتا ہے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ ایک ہندو نے دیکھا ہے اور اس نے مجھے بتلایا اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے موٹر روک کر خود دیکھا ہے اور یہ بات عشاء سے پہلے ایک دو شہر کی مسجد والوں سے بتلائی اور ایک دو مسجد میں تراویح بھی ہوئی۔

ہم سے جب اس ڈرائیور نے آ کر خبر دی اور اس نے بذریعۂ خط ہم کو خبر دی، لیکن لکھی ہوئی عبارت کی وجہ سے ہم لوگوں نے اس شخص کی خبر معتبر طریقہ سے نہیں معلوم کی، اس لئے ہم نے ۲۹/ شعبان کا روزہ نہیں رکھا اور کچھ لوگوں نے شہر میں روزے کا اعلان کر دیا۔ آپ مطلع فرماویں کہ ایک مسلمان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اور چاند ۲۹/ شعبان کا ہوا ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ عید مبارک کے چاند کا کیا مسئلہ ہے؟ فاسق، فاجر، ہندو، کافر، غلام وغیرہ کی شہادت ان مسائل میں معتبر ہے یا نہیں؟ ٹیلی فون، ٹیلی گرام، ریڈیو، مشرق وسطی کے ریڈیو کی خبریں جو رؤیتِ ہلال سے متعلق ہوں وہ معتبر ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک مسلمان کا چاند دیکھ کر بیان کر دینا بھی کافی ہے بشرطیکہ وہ ظاہر الفسق نہ ہو(۱)۔ امسال یہاں بھی ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعد میں متعدد مقامات سے چاند

---

(۱) "و قُبل بلا دعوی و بلا لفظ: "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور .... لا فاسق اتفاقاً". (الدرالمختار). "و قول الطحاوی: أو غير عدل محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن ....أما مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا". (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، مبحث فی صوم يوم الشک، سعيد)=

ہونے کی اطلاع آئی اور دیکھنے والے معتبر گواہوں نے خود جمعرات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اس وجہ سے یہاں جمعہ کو یکم تاریخ رمضان کی قرار پائی اور جن لوگوں نے جمعہ کو روزہ نہیں رکھا، ان کو ایک روز بعد میں روزہ رکھنے کا حکم کردیا گیا اور اس چیز کو بذریعۂ اعلان طبع کرا کر شائع کرادیا گیا۔ جن لوگوں نے محض جنتری دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا انہوں نے ٹھیک نہیں کیا، یہ شرعی حکم نہیں کہ محض جنتری دیکھ کر روزہ رکھا جائے یا عید کی جائے، تاہم ان کا روزہ صحیح ہوگیا اور ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق بڑی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں معتبر ہوتی ہے بعض میں نہیں، رسالہ آلاتِ جدیدہ اور ریڈیو کے متعلق احکام میں وہ تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

رؤیتِ ہلال کمیٹی اگر فتویٰ کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۴۷۸۱]: رؤیت ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبۂ آراء میں دب کر رہ جائے اور خلافِ فتوائے مفتی رؤیت ہلال کمیٹی شہر کی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیت ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتویٰ کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلانات شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالمِ دین کی بات- جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو- تسلیم نہ کرے تو عالمِ دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہوکر اعلان کردینا چاہئے کہ یہ لوگ حکمِ شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علیحدہ

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۶، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۶۰، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملے میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف)

ہوتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں

سوال[۴۷۸۲]: ۱...... اگر کوئی شخص بلا چاند دیکھے صرف ریڈیو کی خبر پر ۳۰/ رمضان کو عید کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا

سوال[۴۷۸۳]: ۲...... قریبی شہر کلکتہ سے بذریعۂ ریڈیو اگر یہ خبر پہونچے کہ اگر چہ کلکتہ میں چاند نہیں دیکھا گیا لیکن چونکہ ڈھاکہ، دہلی وغیرہ شہر سے چاند کی خبریں بذریعہ ریڈیو آرہی ہیں اسی بنا پر کلکتہ میں عید ہورہی ہے، اس خبر پر کلکتہ والوں کو اور کلکتہ کی خبر پر دیہاتوں میں عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳...... اگر ۳۰/ رمضان کو ایسی خبر پر عید کرے اور بعد کو اگلے روز چاند ہونے کی تحقیق ہوجائے تو ان کو عید بلا تحقیق کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

۴...... اور اگر چہ بعد میں چاند کی تحقیق ہوئی، لیکن چونکہ وہ لوگ ۳۰/ رمضان کو آٹھ بجے تک روزہ میں تھے، ریڈیو کی ایسی خبر پر کلکتہ کے مسلمان آکر دیہات میں کہیں اور وہ لوگ روزہ توڑ کر عید کرلیں تو قضاء و کفارہ یعنی ۶۰/ روزے لازم ہوں گے؟

۵...... یا صرف ایک روزہ رکھے؟

۶...... یا کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟

۷...... اور جو لوگ ایسی خبروں کو غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کرکے پورا ۳۰/ روزہ رکھ کر اگلے دن عید کریں تو وہ حق پر تھے یا نہیں؟

۸...... اگر چہ بعد میں ۲۹/ رمضان کے چاند کا تحقق ہو تب بھی کیا ہوگا؟

۹...... چونکہ صرف ریڈیو کی خبر تھی جس کے مشتہر غیر مسلم ہوتے ہیں۔

۱۰...... یا ڈھاکہ کی خبر جو مسلمین دے رہے ہیں ان کے احوال معلوم نہیں کہ متقی ہیں یا نہیں؟

۱۱......اور دہلی چونکہ کلکتہ سے قریب ہزار میل ہے جس کا طلوع وغروب کلکتہ کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا کہ وہاں ۲۹/ رمضان کو چاند ہوا ہو اور یہاں نہیں، اس لئے اس کو غیر معتبر سمجھ کر۔

۱۲......اور چونکہ کلکتہ والے خود چاند نہیں دیکھے صرف ڈھاکہ یا دہلی کی خبر پر عید کر رہے ہیں۔

۱۳......لہٰذا اس خبر کو بھی غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کریں بلکہ روزہ رکھیں تو ان کا یہ روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہوگا؟

۱۴......نیز امسال دیوبند وسہارن پور میں روزہ کتنے ہوئے؟

۱۵......عید کب ہوئی؟

۱۶......اچھا! شریعت میں کوئی ایسی حد متعین ہے کہ اگر مثلاً پانچ سو میل کے اندر والے کے لئے حجت ہو، اس سے اگر دور ہو تو حجت نہیں؟

یہ کل سولہ سوالات ہیں، امید ہے کہ ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، حقیقت میں سوال ایک ہی ہے اس لئے آپ کے قانون کے خلاف نہیں ہوا۔

ضروری گزارش: چونکہ اس مسئلہ پر پوری مغربی بنگال میں اختلاف ہے اور شدید اختلاف ہے اس لئے برائے کرم ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، کیونکہ اس کا ہر سوال حقیقی اور واقعی ہے مخترعہ نہیں، جس کا جواب نہیں آئے گا، پھر اسی کو لے کر جھگڑا ہوگا، ۲۲/ شوال کو ہمارا ایک اجلاس ہوگا جس میں یہی مسئلہ لے کر گہری بات ہوگی، لہٰذا قبل اس تاریخ کے اگر جواب پہونچے تو بڑا احسان ہوگا، خط پہونچنے میں چھ روز لگتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اگر ۲۹/ کو مطلع صاف ہو کر نہ بادل ہو، نہ غبار، نہ دھواں، نہ بارش ہو، نہ سرخی ہو تو محض کسی ریڈیو کی اتنی خبر پر کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ۳۰/ رمضان کا عید کرنا درست نہیں (۱)۔

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل يشهد بكل ما سمعه أو راٰه، دارالكتب العلمية بيروت) ...... =

۲......اتنی خبر بھی کافی نہیں (۱)۔

۳......بلاتحقیق عید کرنا جائز نہیں تھا اگر چہ بعد میں تحقیق سے حجت کا علم ہو جائے۔

۴......جب تک شرعی طور پر تحقیق نہ ہو جائے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں لیکن بعد میں تحقیق ہونے پر کہ اسی روز عید تھی، قضاء وکفارہ کا وجوب نہ ہوگا (۲)۔

۵،۶......نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلاتحقیق روزہ توڑنے پر استغفار کرے۔

۷...... جب تک تحقیق نہ ہو جائے روزہ رکھنا ہی لازم ہے، عید کرنا درست نہیں لہذا انہوں نے ٹھیک کیا (۳)۔

۸......انھوں نے ٹھیک کیا، وہ گنہگار نہیں۔

۹-۱۲......محض یہ خبر کہ چاند ہو گیا یا عید ہے کسی کی بھی معتبر نہیں اگر چہ ریڈیو پر خبر دینے والے مسلم متقی ہوں۔

۱۳......آپ کی تحریر کردہ صورت میں وہ لوگ گنہگار نہیں۔

۱۴......۲۹/ ہوئے۔

= (وكذا في المحيط البرهاني : ۱۰/۱۵۸، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۶، رقم الحاشية : ۱)

(۲) "لزم نفلٌ شرع فيه قصداً أداءً و قضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع؛ فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۴۲۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۱۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع : ۲/۲۲۶، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وإذا لم تكن بالسماء علة، لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية، ص: ۲۱۵، كتاب الصوم، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني : ۲/۵۴۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفارية)

۱۵......عید سنیچر کو ہوئی۔

۱۶......ایک قول میں اس کا بھی اندازہ کیا گیا ہے:"وقدر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر فأكثر على ما في القهستاني". ردالمحتار(۱)۔ شامی نے اس کی دلیل کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

رؤیتِ ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے

سوال[۴۷۸۴]: امسال ہندوستان میں ۲۹/ رمضان کو چاند نہیں دیکھا گیا، مگر ریڈیو پاکستان نے آٹھ بجے شب میں خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے، اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں، انہوں نے روزہ توڑا اور دوسروں سے بھی تڑوا دیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صرف ریڈیو پاکستان کی خبر یا شہادت پر روزہ افطار کرنے والوں نے کیسا فعل کیا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، ان لوگوں کا فعل کیسا ہے؟ مولوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان مسلم حکومت ہے وہ غلط خبر نہیں دے گی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

"صورت مسئولہ میں ریڈیو کی خبر کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، پاکستانی ہو یا ہندوستانی یا عربی۔ جن مولوی صاحب نے پاکستان کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے تڑوا دیا انہوں نے سخت غلطی کی اور قضاء لازم ہے(۳) اور جن لوگوں نے پاکستان کی ریڈیو کی خبر پر روزہ

(۱) (ردالمحتار: ۳۹۳/۲، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(۲) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ولا يخفى ما في هذا الاستدلال .... وقد نبه التاج التبريزي على أن اختلاف المطالع لا يمكن في أقل من أربعة وعشرين فرسخاً، وأفتى به الوالد، والأوجه أنها تحديدية، كما أفتى به أيضاً". (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۹۳/۲، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(۳) "لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانّين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفّروا، كما في المنية". (ردالمحتار: ۴۰۷/۲، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد) .... =

نہیں توڑا شریعت کے حکم کے مطابق کیا''۔

مفتی عبدالجبار الحنفی مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ۲۵/شوال المکرّم/۸۶ھ۔

الجواب: ''ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، اس پر جن لوگوں نے روزہ توڑا ان پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگیا جس میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں اور روزہ تڑوانے کی وجہ سے تمام روزہ توڑنے والوں کا گناہ بھی اس کے سر عائد ہوگا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا انہوں نے بالکل درست کیا۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم''۔

حررہ ابوالقاسم محمد عتیق غفرلہ فرنگی محلی ۴/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۶ھ۔

سوال: امسال بھی عید کے چاند میں بہت گڑبڑ ہوگئی، ابر کی وجہ سے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا گیا، مگر آٹھ بجے رات کے بعد ریڈیو پاکستان (بمبئی واحمد آباد) حیدرآباد سے چاند کی خبر ملی، وہاں کے مولوی صاحب نے آپ کے فتویٰ کے پیش نظر ریڈیو پاکستان کی خبر مانتے ہوئے چاند کا اعلان کرادیا اور جمعرات کو نماز عید ادا کی، ہمارے پاس تین جگہ کے فتاویٰ موجود ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہے کہ کس کو مانا جائے، بلیاء کے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک الگ حکومت ہے وہاں کی خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں اور ہندوستان میں کوئی وزیر یا قاضی اعلان کرتا ہی نہیں اس لئے یہاں کی بھی خبر معتبر نہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دارالعلوم کے فتویٰ محررہ ۸۶/۳/۲۷ھ میں شروع ہی میں بتادیا گیا ہے کہ آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے تو اس خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں اور فرنگی محل لکھنؤ اور مفتاح العلوم مئو کے فتاویٰ منقولہ کی بنیاد بھی یہی چیز ہے، اس لئے اتنی بات میں ہر سہ فتاویٰ متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ دارالعلوم کے فتوے میں ایک دوسری شق بھی مذکور ہے جس سے ریڈیو کی خبر محض خبر کے درجہ سے نکل کر ذمہ دارانہ اعلان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اس کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور بعض جگہ کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ ''پاکستان کی

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۶۷۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں'' یہ تو بالکل بے بنیاد ہے، اگر ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو اور دو مقبول الشہادۃ مرد آ کر گواہی بھی دیں تو ان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ الگ حکومت کے آدمی ہیں ہرگز صحیح نہیں، اختلافِ دارین کو فقہاء نے موانعِ ارث میں تو شمار کیا ہے وہ بھی بحقِ اہل اسلام نہیں، مگر قبول شہادت کے موانع میں شمار نہیں کیا۔ لاہور اور امرتسر دو شہر قریب قریب ہیں مطلع بھی متحد ہی ہے، اگر ایک جگہ رؤیت ہو جائے اور چاند دیکھ کر دوسری جگہ شرعی شہادت پہونچ جائے تو یقیناً قابلِ قبول ہوگی، اگر اختلافِ مطالع کی بحث کو نہ لایا جائے تو فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر بھی یہی حکم لازم ہو جائے گا جب کہ رؤیت بطریقِ موجب ثابت ہو جائے:

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ". درمختار۔ "(قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهد على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". الدر المختار: ۲/۱۳۲ (۱)۔

مشرق و مغرب سب جگہ ایک حکومت اس وقت بھی نہیں تھی جب یہ مسئلہ فقہاء نے تحریر فرمایا تھا۔ بلیا کے علمائے کرام کے قولِ مذکور کا ماخذ ان سے دریافت کر کے ہم کو بھی مطلع فرمائیں تو احسان ہوگا اور مزید غور کا موقع ملے گا۔ رؤیت ہلال پر علامہ شامی کا مستقل رسالہ ہے جس میں مفصل بحث ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی نادانستہ غلطی سے کراچی کے

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۴، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان، من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۲۳۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے بتایا گیا ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لئے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی، لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے، چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کر دیا ہے جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہو گیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔

اخبار روزنامہ سیاست کانپور، ۱۸/ مارچ/ ۵۹ء۔۸/ رمضان/ ۷۸ھ۔

تار کا یہ حال ہے کہ روزانہ اس میں غلطی ہوتی ہے، ڈاکخانہ کے کہنہ مشق کچھ کا کچھ لکھتے ہیں اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں، چنانچہ ایک تار آیا ''کتا بے دین'' ڈاکیہ تلاش کرتا پھرتا ہے، اس نام کا کوئی نہیں ملتا اور جس سے پڑھوایا سب نے یہی ''کتا بے دین'' پڑھا، یہ ناس مارا گیا تھا ''قطب الدین'' کا۔

غرض ان آلات وایجادات پر خود ان کے استعمال کرنے والوں کا جس قدر اعتماد ہے وہ سائل کے علم میں ہے، پھر ان کے مقابلے میں شرعی احکام واصول پر اس نوع کا کلام کرنا شرعی احکام سے بے خبری اور ان کی بے وقعتی ہے اور آلات مذکورہ کی صحیح حیثیت سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، اگر اصل حقیقت سے واقفیت ہو تو ایسے کلام کی جرأت نہ ہو سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ

سوال[۴۷۸۵]: گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات نے آج تک رؤیتِ ہلال کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں فرمایا، اور احکامِ رمضان المبارک جو دار العلوم سے شائع ہوا ہے، اس میں بھی آپ نے یہی لکھا ہے کہ اس کو مستند اور غیر مستند ہونے کے متعلق علماء سے معلوم کر لیا جائے۔ اگر آپ ریڈیو کو لے کر دیتے ہیں کہ خبر فلاں فلاں شکل میں معتبر ہو گی تو ہم لوگوں کو آسانی ہو جائے گی۔ امام صاحب دہلی نے گذشتہ عید الفطر کے موقع پر اعلان کر کے ہر جگہ روزہ کو افطار کرا کر عید دوسرے دن منائی۔ اس مرتبہ میں بھی وہ جمعہ کے روزہ کا اعلان کر چکے ہیں اور جا بجا عمل اس پر ہو رہا ہے اور ہر جگہ روزہ جمعہ و ہفتہ کا ہوا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی سعود صاحب باجازتِ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ

علیہ اور سید عبدالقادر فرنگی محل لکھنؤ، مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی وغیرہ ان سب حضرات نے اس کو غیر معتبر فرمایا ہے اور آپ نے صرف خبرِ مستفیض کی بحث چھیڑ دی۔ ہندوستان میں بنگلور اور پٹنہ کی روایت کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچتی ہے۔ اور پاکستان میں ہمیشہ چاند ۲۹/ کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بذریعۂ ہوائی جہاز اور دُوربین تلاش کر لیتے ہیں، پھر بھی ان میں اختلاف رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۲۱/ دسمبر اور ۲۹/ شعبان اور ۳۰/ شعبان پاکستان بروز سنیچر اگر مطلع ابر آلود ہو اور چاند نہ دیکھا گیا ہمارے قرب وجوار میں، اور ریڈیو میں یوپی سے اطلاع ملے تو اس ریڈیو کی خبر پر ہم لوگ عید کریں یا نہ کریں؟ ریڈیو کی اور چاند کی خبر کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں اختلاف کا ہونا قدرت کی طرف سے ہے، وہ یہ کہ چاند ہمیشہ ۲۹/ کو نظر نہیں آتا، بلکہ ۳۰/ تاریخ کو نظر آتا ہے۔ مطلع ہمیشہ صاف نہیں رہتا، کبھی ابر آلود رہتا ہے، ہر شخص کی نظر صاف نہیں دیکھ سکتی۔ اختلاف تو ہمیشہ سے چل رہا ہے، البتہ اس کو خلاف قرار دینا - جو کہ نتیجہ ہے عناد کا، جس کا ثمرہ فساد ہے - شرعاً وعقلاً ہر طرح سخت مذموم اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والے خبروں کے متعلق تفصیل سے کلام کیا اور اس کو شائع کیا ہے کہ کس صورت میں ایسی چیزیں معتبر ہوں گی، کس صورت میں معتبر نہیں ہوں گی (۱)، یہاں سے بھی چند شرائط کے ساتھ معتبر ہونے کو لکھا جاتا ہے، نہ یہ بات ہے کہ ہر حال میں ان کو معتبر مانا جائے، نہ یہ ہے کہ کسی حال میں معتبر نہ مانا جائے، جیسے کہ بغیر ریڈیو کی خبر نہ معتبر ہوتی ہے نہ غیر معتبر ہوتی ہے۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دہلی سے اس کی تفصیل عرصہ ہوا شائع کر دی ہے۔

ہمارے پاس امسال معتبر آدمیوں نے خود اپنا دیکھنا اور جمعہ کو روزہ رکھنا بیان کیا ہے، ان کے بیان کو

---

(۱) (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ادارۃ المعارف کراچی)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/ ۳۹۷، دار العلوم کراچی)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الصوم، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/ ۴۰۹، سعيد)

(ورسالة: رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دار الكتب جنيد نشين، کراچی)

یہاں معتبر تسلیم کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو پہلا روزہ ہے جن لوگوں نے رکھ لیا ہے وہ بَری ہو گئے، جنہوں نے نہیں رکھا وہ بعد عید ایک روزہ کی قضاء کریں۔ دہلی، بنجور وغیرہ متعدد مقامات پر ۲۹/ کی رویت ہوئی ہے، اب کوئی تردُّد نہیں رہا۔ آئندہ روزہ کا حکم اسی پر مرتب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال[۴۷۸۶]: امسال بلیا میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا، ہندوستان اور پاکستان کے تمام ریڈیو سے ۲۹/ رمضان کو خبر دی کہ کہیں چاند نہیں، لیکن ۱۲/ بجے رات کے پاکستان ریڈیو اور بمبئی ریڈیو نے خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں انہوں نے بھی روزہ توڑ دیا، لیکن عید کی نماز دوشنبہ کو پڑھائی حالانکہ نماز کا وقت تھا اس لئے کہ سحری کے وقت تک خبر معلوم ہو چکی تھی اور شہر بلیا اور اس کے قرب وجوار کے تمام لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور نماز عید نہیں پڑھی- حالانکہ وقت تھا- ان لوگوں نے کیسا فعل کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا ان کا فعل کیسا ہے جب کہ عینی شہادت مفقود تھی؟

حشمت اللہ پرمنداپور، بلیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا یا فلاں جگہ عید ہے، نہ یہ خبر کہ چاند کس نے دیکھا ہے، ایک دو نے یا زائد نے، مطلع صاف تھا یا نہیں، چاند دیکھنے والے مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، رؤیت ہلال کمیٹی نے شہادت قبول کر کے اعلان کیا ہے، یا ویسے ہی یہ اعلان حکومت مسلم کی طرف سے ہے، یا محض ریڈیو کے منتظمین کی طرف سے وغیرہ وغیرہ تو ایسی خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں (۱)۔ اگر وہ اعلان

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان مسئلہ ''ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعے چاند کا ثبوت'')

ریڈیو پراس طرح ہو کہ فلاں جگہ شرعی شہادت کے ذریعہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی (جس کے ذمہ دار مسائلِ شرع سے واقف اور مقبول الشهادة آدمی ہیں) یا حکومتِ مسلم (قاضی یا وزیر وغیرہ) کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ خبر معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی نے مستقل رسالہ میں بیان فرمائی ہے(۱)۔

اگر عید کے چاند کا ثبوت واعلان ایسے وقت ہو جائے کہ نماز روزہ والوں کو خبر پہنچ جائے اور وہ نماز عید وقت پر (زوال سے پہلے) ادا کر سکیں تو آئندہ روز کے لئے بغیر کسی شرعی مجبوری (بارش شدید وغیرہ) کے نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں (۲)۔ آپ اپنے یہاں کے حالات کو اس مسئلہ کی روشنی میں خود سمجھ لیں اور مولوی صاحب سے دریافت کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا

سوال[۴۷۸۷]: عید الفطر کا چاند ۲۹/ کو عام نہیں ہوا، ۳۰/ تاریخ کو شہادت کی وجہ سے دوپہر کو روزہ افطار کئے گئے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے عید اس روز مانی جائے گی جس روز روزے افطار کئے گئے ہیں یا اگلے دن جب نماز ہوئی ہے عید مانی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹/ رمضان کو چاند نظر نہیں آیا اس بنا پر روزہ رکھا گیا، یہ تصور کرتے ہوئے کہ ۳۰/ رمضان ہے، مگر بعد شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا اور روزہ افطار کر دیا گیا اور ثابت ہو گیا

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعے چاند کا ثبوت")

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۲۶، باب صلوة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت)

کہ یکم شوال ہے تو وہی دن عید کا دن ہے اسی دن عید کی نماز پڑھی جائے، لیکن اگر شہادت دیر میں پہونچی اور عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تو نماز عید ۲/ شوال کو پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۵ھ۔

مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال[۴۷۸۸]: کیونکہ متعدد خبریں غلط واقع ہوئیں کہ ۲۹/ کو چاند ہوا، اور یہ خبر کسی نے نہیں دی کہ چاند دیکھا، مشکوک خبر پر روزے افطار کئے گئے۔ لہٰذا اس روزہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ صحیح چاند ۳۰/ کا مانا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سہارنپور میں شرعی شہادت سے ۲۹ کو عید کا چاند ثابت ہوا اور ۲۹/ روزے ہوئے، لہٰذا اس روزے کی قضاء نہیں۔ دوسری جگہوں کا تفصیلی حال معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید

سوال[۴۷۸۹]: ہمارے یہاں بہت سے آدمیوں نے ریڈیو کی خبر کے مطابق آج ۲۳/ جنوری/ ۶۶ء بروز اتوار ساتھ آٹھ بجے دن کو روزہ افطار کر لیا ہے اور عید الفطر کی نماز بھی ادا کر لی ہے، لیکن ہمارے یہاں اور گردونواح کی کسی بھی جگہ سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر نہیں سنی، سب جگہوں سے بدستور روزہ رکھنے کی اور ۲۴/ جنوری کو عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی خبر ہے، لہٰذا جن آدمیوں نے ۲۳/ جنوری کو روزہ افطار کر لیا اور عید الفطر کی نماز ادا کر لی، ان کے لئے اسلام کی رو سے کیا حکم ہے؟

---

(۱) "و تؤخر بعذر إلى الزوال من الغد فقط" (الدرالمختار). "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام و ما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال". (رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركت علميه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض ریڈیو کی خبر پر کہ فلاں جگہ عید ہے روزہ توڑ دینا اور عید پڑھنا درست نہیں (۱)، لیکن اگر رؤیتِ ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی با قاعدہ شرعی شہادت لے کر اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت ہو گیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ بعد میں ثابت ہو گیا کہ اتوار کیم شوال تھی (۲) جو روزہ اس روز توڑا گیا تھا اس کی قضاء لازم نہیں اور جو نمازِ عید الفطر پڑھ لی گئی ہے اس کی بھی قضاء لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند، ۸۵/۱۰/۲۳ھ۔

ریڈیو کے ذریعہ شہادت

سوال [۴۷۹۰]: عید کا چاند یا کسی اور مہینہ کا چاند دکھائی نہ دے اور پاکستان، بمبئی سے ریڈیو سے اگر خبر ملے تو اس کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں روزہ توڑنا مناسب ہے یا نہیں؟ حالانکہ اکثر کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو کی خبر معتبر نہیں، ہاں اگر اعلان کرنے والے کی آواز پہچان لی جائے تو معتبر ہے، نیز یہ کہ اگر چاند کے متعلق ریڈیو سے یہ اعلان کیا جائے کہ بمبئی سے جمعیۃ العلماء اور دہلی سے فلاں جماعت نے

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لا حتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: "البتہ جس شہر میں با قاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴۲۱/۴، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

اعلان کیا ہے کہ چاند کی تصدیق ہوگئی ہے اور اس پر عمل کیا جائے تو عام مسلمانوں کو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص چاند دیکھ کر ریڈیو پر خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس کی یہ خبر شہادتِ شرعیہ نہیں، اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا بلکہ اس کو لغو کہا جائے گا(۱)۔ اگر رویت ہلال کمیٹی جس میں ذی علم اور قابلِ اعتماد لوگ ہوں باقاعدہ چاند کی شہادت حاصل کر کے اعلان کریں یا کرائیں کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۲)، لیکن عوام کو چاہئے کہ اس اعلان پر اپنے یہاں کے اہلِ علم حضرات کی طرف رجوع کریں اور وہ اس کو معتبر مانتے ہوئے روزہ افطار کرنے اور نمازِ عید ادا کرنے کا حکم دیدیں، یہی احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا

سوال[۴۷۹۱]: ۱……ریڈیو کی خبر دیانات و معاملات میں شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ دیانات میں خصوصاً رؤیت ہلال رمضان و عید الفطر میں؟

۲……آگرہ میں ۱۷/ اگست کو مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت نہ ہوسکی، ۱۸/ اگست کو سب نے روزہ رکھا، مگر دوپہر کو بعض افراد نے یہ کہہ کر کہ ''پاکستانی ریڈیو کی خبر سے ہمارا دل گواہی دے رہا ہے کہ آج عید

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، غفارية)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان مسئله: ''ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟'')

ہے" روزہ افطار کیا اور دوسروں سے یہ کہہ کر افطار کرایا کہ آج شیطانی روزہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو ان لوگوں پر قضاء ہے یا قضاء مع الکفارۃ یا کچھ نہیں، اگر کچھ نہیں تو کیوں؟

۳......فقہاء کے نزدیک اختلافِ مطالع کا کہاں تک اعتبار مانا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: چونکہ میں ایک طالب علم ہوں اس لئے دلائل سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

۶/ستمبر ۴۷ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ریڈیو کی خبر حجت نہیں، محض ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کر کے عید کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ ناجائز اور معصیت ہے(۱)، لیکن اگر بعد میں شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے ثبوت ہو جائے تو قضاء یا کفارہ کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا(۲)۔

رمضان کے متعلق اختلافِ مطالع شرعاً معتبر نہیں، یہی ظاہر مذہب ہے:

"و اختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ، كأ ن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". درمختار وشامی، ص: ۱۳۲(۳)۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "ریڈیو کے ذریعہ شہادت")

(۲) شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے عید کا ثبوت ہو جانے کے بعد قضاء یا کفارہ کا حکم اس لئے نہیں لگایا جائے گا کہ اس نے جو روزہ توڑا تھا وہ اپنے محل (شوال) میں توڑا تھا جس کی مزید تائید پھر شہادت یا خبر مشہور سے ہوئی، لیکن اگر شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے روزے کا ثبوت ہوتا تو اس صورت میں صرف اس دن کی قضاء لازم ہوتی، کفارہ پھر بھی نہ ہوتا: "رأى مكلف هلال ...... الفطر، ورد قوله بدليل شرعي ...... فإن أفطر قضىٰ فقط، الخ". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۴، سعيد)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه) ...... =

تار، ٹیلیفون، خط، ریڈیو وغیرہ کی خبر کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک رسالہ مستقل تالیف کیا ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کو دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/۶۶ھ۔

ریڈیو کی خبر، شہادت

سوال[۴۷۹۲]: ریڈیو پر اگر چاند کی خبر آوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خبر حجتِ ملزمہ اور شہادتِ شرعیہ نہیں، لہذا دیانات میں مقبول نہیں، کیونکہ مخبر حاضر نہیں بلکہ غائب ہے اور پسِ پردہ سے بات کرتا ہے جس سے وقتِ اخبار نہ اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ صفات کی، تاکہ عادل (مقبول الشہادۃ) اور فاسق (مردود الشہادۃ) ہونا متعین ہو جائے، محض آواز سے پہچاننا شرعاً معتبر نہیں "لأن النغمة تشبه النغمة"۔

ریڈیو پر جو شخص بولتا ہے اگر دو عادل شخص اس کے متعلق شہادت دیں کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان دو شاہدوں کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے کسی ثالث کو شہادت دینا کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے جائز نہیں اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، ریڈیو پر اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے اور دو شاہد اس کو سنتے ہوں تو ان کی شہادت سے نکاح منعقد نہیں ہوگا:

"و لا يشهد على محجب بسماعه منه إلا إذا تبيّن القائل بأن لم يكن في البيت غيره، لكن لو فسر لا تقبل -درر-، أو يُرى شخصها: أي القائلة مع شهادة اثنين بأنها فلانة بنت فلان ابن فلان، اهـ" درمختار۔ "(قوله: فسر): أي بأنه شاهد على المحجب. (قوله: شخصها) في

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ"، ادارۃ المعارف، طبع ۱۳۹۹ھ)

الـملتقـط: إذا سـمـع صـوت المرأة و لـم ير شخصها، فشهد اثنان عنده أنهافلانة، لايحل له أن يشهـد عـليـه، وإن رأى شـخـصـهـا وأقرت عنده فشهد اثنان أنهافلانة، حل له أن يشهد عليها، بحر. اهـ". شامی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

تار اور ٹیلیفون کی خبر

سوال [۴۷۹۳]: خبر رؤیت ہلال بذریعۂ ریڈیو یا تار ٹیلیفون شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ خبر شہادت شرعیہ کے حکم میں نہیں؛ "لأن الخط يشبه الخط، والنغمة تشبه النغمة" خاص کر جب کہ تار وغیرہ کا واسطہ غیر مسلم ہوں اور مطلب سمجھنے میں بھی غلطی اکثر ہوتی ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۴/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۶/شعبان/۶۶ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۴۶۸/۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة و حل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان

سوال[۴۷۹۴]: ۱......موجودہ زمانہ میں اگر کسی شہر یا ملک میں رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف ذریعہ تار برقی، ٹیلگراف، ٹیلیفون، ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابق مذہب احناف اس شہر والوں پر جہاں رؤیتِ ہلال نہیں ہوئی ہے روزہ رکھنا یا رکھوانا، افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے، یا اس قسم کی خبر واطلاع پر عمل کرنا ضروری ہے؟

۲......امسال رؤیتِ ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے ذریعہ ریڈیو ۲۹/ رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلالِ عید الفطر کی رؤیت ہوگئی ہے اور کل عید ہے۔ کیا اس خبر کو صحیح باور فرما کر جناب نے شنبہ ۸/ ستمبر/ ۱۹۴۵ء کو یوم الفطر قرار دیا تھا یا نہیں؟

۳......بصورتِ معتبریٔ خبرِ ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے اس کو دعویٰ، شہادت، قضائے قاضی، خبرِ مستفیض کی شقوں میں سے کس شق میں داخل سمجھا جاوے؟ از روئے شرع شریف معہ دلائل وحوالۂ کتبِ معتبرہ حنفی سے مستفیض فرما کر داخل اجرِ عظیم ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبداللہ عفی عنہ بھوپال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......آلاتِ مذکورہ کے ذریعہ جو خبر حاصل ہو، وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں، کیونکہ شاہد کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کا علم واقعی طور پر حاصل ہونا دشوار ہوتا ہے: "لأن النغمة تشبه النغمة، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم". كذا في شرح الملتقى(۱)، لہذا ایسی خبر پر عید کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ عید کے لئے شہادتِ عدلین شرط ہے(۲)۔

---

(۱) (شرح الملتقى: ۱۶۵/۲، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و شرط للفطر ...... بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقديرٍ بعددٍ على المذهب، و عن الإمام أنه يكتفى بشاهدين". "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۳۸۷/۲، كتاب الصوم، سعيد) .... =

جب کہ آسمان پر بادل وغیرہ ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو ثبوتِ رمضان کے لئے ایسی صورت میں قولِ واحد کافی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ واحد عدل ہو یا مستور ہو(۱)۔ اگر متعدد تار برقی یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف خبریں حاصل ہوں اور قرائنِ قویہ سے ان کی صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو جاوے تو وہ خبر شہود کے حکم میں ہوگی اور اس پر روزہ رکھنا صحیح ہوگا:

"وإذا كان بالسماء علةٌ تمنع الرؤية، قُبل في هلال رمضان خبرُ عدل أو مستور في الأصح، لا فاسق -خلافاً للطحاوي- ولو عبداً أو أنثىٰ أو محدوداً في قذف تاب؛ لأنه خبر لا شهادة، و لهذا لا يشترط لفظ الشهادة. وقُبل في هلال الفطر شهادةُ حرين، أو حر و حرتين بشرط لفظ الشهادة و عدم الحدّ في القذف، اهـ". سكب الأنهر(۲)۔

۲......اس خبر پر یہاں شنبہ ۸/ستمبر کو عید الفطر قرار نہیں دی گئی، بلکہ ۳۰/رمضان یوم شنبہ ۸/ستمبر/۴۵ء کو رؤیتِ عامہ ہو کر ۹/ستمبر/۴۵ء، یوم یکشنبہ کو عید الفطر قرار دی گئی۔

۳......نہ یہ قضائے قاضی ہے، نہ شہادتِ شرعیہ ہے، نہ خبرِ مستفیض ہے کچھ بھی نہیں، بلکہ خبرِ مستور ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "القول الكافي في حكم الخبر التلغرافي" ہے، اس میں تفصیل موجود ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے

سوال[۴۷۹۵]: فقہ حنفی کی رو سے ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لئے حجت

= (وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۶۸، كتاب الصوم، رشيديه)

(۱) "وقُبل بلا لفظ دعوى و بلا لفظ أشهد للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور ....لا فاسق اتفاقاً". (الدر المختار). "وقول الطحاوي: أو غير عدلٍ محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن ....أما مع تبيّن الفسق، فلا قائل به عندنا". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، تحت قوله: "إذا كان بالسماء علةٌ، قُبل في هلال رمضان خبر عدلٍ: ۱/۲۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا فاصلہ کیوں نہ ہو، ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا، در مختار ردالمحتار (۱)۔ ابتدائے مغرب کی رؤیت انتہائے مشرق کے لئے حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟

۲.....عرب ملک کی خبر چاند کی جو ریڈیو کے ذریعہ سے سرکاری طور پر ساری دنیا میں پہونچا دی جاتی ہے تو کیا ہمارے لئے وہ خبر حجت ہوگی؟ مشرق میں اس دن رؤیت ممکن ہی نہیں۔

۳.....رؤیت کی شہادت یا خبر کس حد تک معتبر ہے ریڈیو سے یا ٹیلیفون سے؟

۴..... پاکستان ریڈیو کی سرکاری خبر ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شہر والے اپنے اپنے مطلع کے مکلّف ہیں جیسے کہ اوقاتِ نماز کا حال ہے ایسے ہی صوم وافطار کا حال ہے: "صوموا لرویته، وأفطروا لرویته" . الحدیث (۲)۔ یوم الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس دن پورے کرنے کا حکم ہے۔ یوم الشک ۲۹/ تاریخ کے بعد والا دن ہے جس میں احتمال ہے کہ اسی مہینہ کا تیسواں دن ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کا پہلا دن ہو، اس دن کی جو رات ہوتی ہے یعنی ۲۹/ تاریخ کے بعد والی شب، یہ لیلۃ الشک ہے، کیوں کہ احتمال ہے کہ یہ اسی مہینہ کی تیسویں شب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کی پہلی شب ہو۔

لیلۃ الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں کسی جگہ چاند نظر نہ آیا اور دوسری جگہ نظر آ گیا، وہاں سے جب بھی لیلۃ الشک میں یا رات گزرنے کے بعد یوم الشک میں شہادت پہونچے گی جو کہ قواعدِ شرعیہ

(۱) "(فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب". (الدرالمختار). (قوله: فيلزم) فاعلهٗ ضميرٌ يعود إلى ثبوت الهلال: أى هلال الصوم أو الفطر، وأهل المشرق مقوله .... بطريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذار أوه؛ لأنه حكاية". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع: ۲/۳۹۴، سعيد)

(۲) (الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان الخ، قديمى)

(ومشكوٰة المصابيح: ۱/۱۷۴، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، قديمى)

کے مطابق مکمل اور قابل قبول ہے تو وہ شہادت قبول کرلی جائے گی خواہ نزدیک سے آئے یا دور سے حتی کہ مغرب کی شہادت مشرق میں اور بالعکس سب جگہ تسلیم کرلی جائے گی (۱)۔

تنبیہ: قبولِ شہادت کے لئے ضروری ہے کہ یوم الشک میں ایسا نہ ہو کہ شہادت قبول کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے یا ۳۱/ کا ہو جائے، ایسی صورت میں محل شہادت ہی نہیں، بدائع، زیلعی، بحر (۲)۔

اگر عرب ممالک یا کسی اور جگہ سے ۲۸/ کی رؤیت کی شہادت آئے گی تو وہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ صرف ۲۸/ کا رہ جائے گا۔ شہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد حاضر ہو کر شہادت دے، لہذا ریڈیو، تار، ٹیلیفون، خط کے ذریعہ سے آنے والی خبر شرعی شہادت نہیں (۳)۔

اگر کسی جگہ رویت ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی یا حاکم مسلم ذی علم باشرع شہادتِ شرعیہ باقاعدہ حاصل کر کے ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے، لہذا فلاں روز عید ہے تو مذکورہ بالا طریق پر یہ اعلان قابلِ تسلیم ہوگا (۴)، مگر اس اعلان پر عوام کو چاہئے کہ خود جلدی سے عمل نہ کریں،

---

(۱) (الدر المختار مع تنویر الأبصار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۶۴، کتاب الصوم، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) "وقد روی عن ابن مسعود رضی الله عنه أنه قال: لأن أفطر یوماً من رمضان، ثم أقضیه أحب إلیّ أن أزید فیه مالیس منه". (بدائع الصنائع، کتاب الصوم: ۲/۵۲۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

وفیه أیضاً: "لأن الشهر قدیکون ثلاثین یوماً، وقد یکون تسعةً وعشرین یوماً؛ لقول النبی صلی الله علیه وسلم: "الشهر هکذا وهکذا". وأشار إلی جمیع أصابع یدیه، ثم قال: "الشهر هکذا وهکذا" ثلاثاً، وحبس إبهامه فی المرة الثالثة، فثبت أن الشهر قدیکون ثلاثین یوماً وقدیکون تسعةً وعشرین".

(بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی شرائطها: ۲/۵۷۹، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصوم: ۲/۱۵۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم: ۲/۴۶۱، رشیدیه)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان "تار و ٹیلیفون کی خبر")

(۴) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "رؤیت هلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟")

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت) =

بلکہ اہل علم اور ذمہ دار حضرات کی طرف رجوع کریں جب وہ شرعی قواعد کے موافق اس کو قابلِ اطمینان سمجھ کر تسلیم کرلیں تب عوام اس پر عمل کریں، اس لئے کہ عوام پوری حدود وقیود کا نہ علم رکھتے ہیں نہ پابندی کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۵ھ۔

رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار کرنا

سوال [۴۷۹۶]: ہمارے یہاں رمضان المبارک کا اول روزہ پنجشنبہ کا ہوا اور جب پنجشنبہ کو ۲۹/ رمضان المبارک ہوا تو ابر ہونے کی وجہ سے نہ شہر بیاور میں چاند نظر آیا اور نہ شہر اجمیر شریف میں، اور بروز جمعہ تیسواں روزہ کل مسلمانانِ شہر اجمیر و بیاور نے رکھا، مگر تیس رمضان المبارک بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے چار پانچ آدمیوں نے کسی شہر سے آکر اجمیر شریف میں ایک مولوی صاحب نے ایک مجمع میں یہ شہادت دی کہ ہم نے کل بروز پنجشنبہ بچشم خود فلاں شہر میں چاند دیکھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے ایک مجمع میں حکم دیا کہ روزہ افطار کرلو، سب نے اجمیر شریف میں روزہ افطار کرلیا۔ اس مجمع میں دو آدمی شہر بیاور کے بھی موجود تھے، انہوں نے بھی بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے اسی مجمع میں روزہ افطار کرلیا۔

جب یہ دونوں شخص شہر بیاور میں آنے لگے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم بیاور والوں سے کہہ دینا کہ روزہ افطار کرلیں، ان دونوں آدمیوں نے بیاور میں آکر بوقتِ جمعہ جامع مسجد میں آکر کہا کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرلو، اس کہنے پر زید نے روزہ افطار کرلیا اور زید نے کہا کہ جب مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اور اجمیر میں روزہ افطار کرلئے ہیں تو شرعاً سب کو یہاں بھی روزہ افطار کرلینا چاہئے، مگر بکر نے افطار نہیں کیا اور بکر نے زید پر اعتراض کیا کہ جو مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ ان دو آدمیوں کو مولوی صاحب نے تحریری سند دی ہے، یا درگاہ شریف کی مہر لگی ہوئی کوئی سند لائے ہیں، یا ان ہر دونوں نے خود چاند دیکھا ہے۔ لہذا علمائے کرام سے یہ عرض ہے کہ زید کا قول معتبر ہے یا بکر کا؟ اور ایسی صورت میں روزہ بیاور

= (وکذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

والوں کو افطار کر لینا چاہئے تھا یا نہیں؟ جو حکم ہو خلاصہ تحریر فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر بیاور کے لوگ ان مولوی صاحب کی طرف اپنے مسائل اور معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور وہ مرجع الفتویٰ ہیں (۱) اورانہوں نے جن دو شخصوں کی معرفت روزہ افطار کرنے کا حکم و پیغام بھیجا ہے، وہ دونوں معتبر ومقبول الشہادۃ ہیں، نیز مولوی صاحب نے شرعی طریق پر شہادت حاصل کر کے پیغام بھیجا ہے تو وہ معتبر ہے اس پر روزہ افطار کر دینا چاہئے، ایسی حالت میں بکر کا یہ مطالبہ کہ کیا مولوی صاحب نے کوئی تحریری سند دی ہے بیکار ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں کوئی تحریر لاتے اور وہ بکر کے نزدیک معتبر ہوتی تو زبانی پیغام کے غیر معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اگر ان کے توسط کی وجہ سے زبانی پیغام غیر معتبر ہوتی اور اس میں بھی احتمال ہوتا کہ شاید جعلی تحریر بنالئے ہوں، "لأن الخط يشبه الخط، اهـ" (۲)۔ غرض بکر کا زبانی پیغام نہ ماننا اور تحریر کو ماننے کے لئے آمادہ ہونا بے دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"أمة أمية" کی تحقیق اور رؤیتِ ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کا قول

سوال[۴۷۹۷]: ۱......زید کہتا ہے کہ اہل عرب ستاروں کی چال سے ناواقف تھے، اس لئے رسولِ

---

(۱) "ولا يخلوا الوجود عمن يميز هذا حقيقةً لاظناً، وعلى من لم يميز أن يرجع لمن يميز لبراءة ذمته". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وعبر بعلى المفيدة للوجوب للأمر به في قوله تعالىٰ: ﴿فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾". (ردالمحتار، مقدمه: ۷۸/۱، سعيد)

"إما أن يكون المفتي ليس له معرفة بقواعد الفقه وأصولها، أو يكون عالماً متبحراً عارفاً بالقواعد والأصول، فالأول لايفتي في هذه الحالة بل يقول: لاأدري، ويحول المستفتي إلى مفتٍ آخر .... وإن كان المفتي له معرفةٌ بالأصول والقواعد ونظرٌ في أدلة القرآن والسنة بحيث جعله أهلا للاجتهاد في المسائل، فإنه يجوز له أن يفتي في تلك الحادثة بقياسها على نظيرتها المذكورة في كتب المذهب أو من القواعد والضوابط المحررة فيه: أي في المذهب اهـ". (اصول الإفتاء، الإفتاء في النوازل، ص: ۷۶، ۷۷)

(۲) (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رؤیتِ ہلال سے مہینوں کی ابتدا مانی جائے، چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "نحن أمةٌ أميةٌ لا نكتب و لا نحسب، الشهر هكذا و هكذا" يعني مرةً تسعةً وعشرين، و مرةً ثلاثين". بخاری شریف، کتاب الصوم(۱)۔

اب زید کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ مہینوں کی ابتداء کو رؤیتِ ہلال پر موقوف مانتے ہیں، وہ در اصل رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کے منشاء اور غایت وغرض سے ناواقف و بے خبر ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ستاروں کی چال سے اور ان کے حساب سے خوب واقف ہیں، لہذا زید کا یہ قولِ مذکورہ آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

۲...... "أمةٌ أميةٌ" کے کیا معنیٰ ہیں، اَن پڑھ یا جاہل یا کچھ اَور؟

۳......"أمةٌ أميةٌ" سے کون لوگ مراد ہیں؟

۴......اہل عرب کیا جاہل تھے اور ان میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا؟ اور ان میں کچھ لوگ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے تو" أمةٌ أميةٌ" سے اہل عرب مراد لینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

۵...... بقولِ زید اگر اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر ان کو کیوں نہیں تعلیم فرمائی؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے کے عرب کوتاہ عقل تھے تو العیاذ باللہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادی مسائل سب ناقابلِ اعتبار ہو جائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......"ولا عبرة بقول المؤقتين ولو عَدولاً على المذهب، الخ". در مختار۔ "أي في وجوب الصوم على الناس، بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه. و في النهر: فلا يلزم بقول المؤقتين أنه: أي الهلال يكون في السماء ليلة

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : "لانكتب ولا نحسب": ۱/۲۵۶، قديمي)

كذا، وإن كانوا عدولاً في الصحيح، كما في الإيضاح، الخ". ردالمحتار: ۱۴۵/۲(۱)۔

احکام وارکانِ اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا ہے جن کے سمجھنے کے لئے بڑے آلات وتکلفات کی ضرورت پیش آئے، اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی بھی وحی آتی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔ علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے مگر خود شوافع: ابن حجر، رملی، شہاب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ہی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں (۲)۔

۲......مجمع بحارالانوار: ۴۹/۱، میں اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے: "يعني على أصل ولادة أمهم لم يتعلموا الكتاب والحساب، فهم على جبلتهم الأولىٰ"(۳)۔

جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو وہ اُمّی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اُمی تھے یعنی آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی تمام ضروری اشیاء اور شانِ نبوت کے لائق اتنے علوم عطا فرمائے کہ کسی کو نہیں ملے، لہٰذا اس موقع پر امی کا ترجمہ ''جاہل'' کرنا جہالت ہے۔

۳......"﴿بعث في الأميين رسولاً﴾ قيل: نسبة إلى أم القرىٰ، فإن قلت: العرب فيهم

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۷/۲، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا عبرة بقول الموقتين .... بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع .... و للإمام السبكي الشافعي رحمه الله تعالىٰ تأليفٌ مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي .... قلت: ما قاله السبكي رده متاخروا أهل مذهبه: منهم ابن حجر و الرملي في شرح المنهاج". (رد المحتار: ۳۸۷/۲، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۱۰۷/۱، باب الهمزة مع الميم، مكتبه دارالإيمان المدينة المنورة)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۹۳، الهمزة المقصورة، الصدف پبلشرز)

الكاتب وأكثرهم كانوا يعرفون الحساب، قلت: إن أكثرهم أميون، والحساب حساب النجوم، وهم لا يعرفونه، الخ". مجمع بحار الأنوار: ۱/۴۹ (۱)۔

۴......ان میں پڑھے لکھے بھی تھے اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کو لکھوا دیا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، حدیثیں بھی وہ حضرات لکھا کرتے تھے مگر اس کا عمومی رواج نہیں تھا (۲)۔

۵......اس کا جواب نمبر: ا میں آ گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

رؤیت ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبولِ شہادت کی صورتیں

سوال [۴۷۹۸]: ا......جب کہ مطلع صاف نہ ہو تو ایسی صورت میں عیدین کے ہلال کے لئے مجمع

---

(۱) (مجمع بحار الأنوار، باب الهمزة مع الميم: ۱/۱۰۷، دار الإيمان مدينة المنورة)

(۲) "وفي حديث كعب بن مالك الذي رواه الإمام مسلم تصريحٌ بأنه كان كاتباً، حيث قال: .... إذا نبطيٌّ من نبط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدلّ على كعب بن مالك؟ قال فطفق الناس يشيرون له إليّ حتى جاء ني فدفع إليّ كتاباً من ملك غسان وكنت كاتباً فقرأته".
(الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك: ۲/۳۶۲، قديمي)

"أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، فالزبير، وعامر بن فهيرة، وعمرو بن العاص، وأبي بن كعب، وعبدالله بن الأرقم، وثابت بن قيس بن شماس، وحنظلة بن الربيع الأسيدي، والمغيرة بن شعبة، وعبدالله بن رواحة، وخالد بن الوليد، وخالد بن سعيد بن العاص. وقيل: إنه أول من كتب له معاوية بن أبي سفيان، وزيد بن ثابت، وكان ألزمهم لهذا الشان وأخصّهم". (زاد المعاد، فصل في كتّابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۵، دار الفكر بيروت)

"قيل: إنما سُمّوا أميين؛ لأنهم كانوا لايكتبون ولا يقرأون الكتابة، وأراد الأكثر الأعمّ وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۲۶۳، قديمي)

"أكثر هم لايكتبون ولا يقرأون". (روح المعاني: ۳۰/۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المرقاة شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ۴/۴۶۴، رشيديه)

(وكذا في تفسير أبي السعود: ۵/۳۲۷، مكتبة الرياض)

کثیر کی شہادت لی جائے گی یا دو چار شخصوں کی؟

۲......اگر دو چار شخصوں کی شہادت لی جاسکتی ہے تو ان کا عادل وثقہ ہونا ضروری ہے یا جس طرح کے لوگ میسر آویں ان کی شہادت قابلِ قبول ہوگی؟

۳......عدل وثقاہت کی تعریف اور اس کے معنیٰ کیا ہیں؟ عادل وثقہ کے الفاظ جو کتب احادیث وفقہ میں بکثرت آئے ہیں، ان سے کیسے لوگ مراد ہیں؟

۴......موجودہ زمانہ میں عادل وثقہ لوگ بہ آسانی مل سکتے ہیں یا نہیں؟

۵......شریعت نے جن لوگوں کو عادل کہا ہے، اگر وہ نہ ملیں تو کیا غیر عادل وغیر ثقہ کی گواہی رؤیتِ ہلال کے باب میں جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو عید اور رمضان دونوں کے لئے یا کسی ایک کے لئے؟

۶......(الف) مجمعِ کثیر سے کم از کم کتنے لوگ مراد ہیں؟

(ب) اگر دو تین بستیوں سے ایک ایک آدمی رؤیتِ ہلال کی گواہی دیں تو ایسی صورت میں مجمعِ کثیر کا اطلاق ان پر ہوگا یا نہیں؟ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ان کی گواہی کافی ہے یا نہیں؟

۷......کیا ایسی صورت میں (جب کہ دروغ گو، مفتری اور منافق لوگوں کی موجودہ زمانہ میں کثرت ہے اور اہلِ ایمان اور بے ایمان میں تفاوت مشکل ہے) شریعت نے قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر دریافت اور تحقیقِ حال جس کو چاہے عادل وثقہ سمجھ لے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی اس پر اور اس کی شہادت پر اعتماد کلی کرتے ہوئے ۲۹/ کی رؤیت ہلال کی اعلان کردے؟

۸......اگر کسی قصبہ یا شہر کے باشندوں نے ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے ۲۹/ کو چاند نہیں دیکھا اور قاضی نے ۳۰/ کے چاند کا اعلان کیا تو ایسی صورت میں جنہوں نے ۲۹/ کو چاند دیکھا ہے، عیدین کی نماز اپنی رؤیت کے اعتبار سے پڑھیں یا قاضی کے حکم کے مطابق ۳۰/ کے حساب سے نماز ادا کریں؟

۹......(الف) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیتِ ہلال عید اضحیٰ کے لئے پورا پورا اہتمام کرنے کے باوجود دُور ونزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵، ۶/ تاریخ کو ۲۹/ کی رؤیتِ ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز وقربانی ادا کیا تو ایسی صورت میں فریضۂ صلوٰۃ واضحیہ ادا ہوجاویں گے یا نہیں؟

(ب) اور اگر بعد کو بالتحقیق معلوم ہوا کہ چاند ۳۰/ کو ہوا تو ۲۹/ کے حساب سے صلوۃ واضحیہ کرنے والوں کے صلوۃ واضحیہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(ج) اور اعلانِ قاضی کا وثوق نہ کرکے ۳۰/ کے چاند کے مطابق صلوٰۃ واضحیہ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مجمع کثیر کی "قُبل بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم".

درمختار۔ "(و قوله: قبل بلا علة): أی إن شرط القبول عندعدم علة فی السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، كما فی الإمداد، اهـ". ردالمحتار: ۱۴۷/۲(۱)۔

۲......عادل ثقہ ہونا ضروری ہے: "لا يقبل خبر فاسق اتفاقاً". درمختار(۲)۔

۳...... "العدل فی اصطلاح الفقهاء: من اجتنب الكبائر، ولم يُصرّ على الصغائر، و غلب صوابه، واجتنب الأفعال الخسيسة كالأكل فی الطريق والبول، اهـ". تعريفات الجرجانی، ص:۹۸(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۸۷/۲، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، كتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۶/۱، الفصل الأول فی رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(و كذا فی المحيط البرهانی: ۳۸۵/۲، الفصل الثانی فيما يتعلق برؤية الهلال، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (كتاب التعريفات للجرجانی، ص: ۱۰۲، باب العين، مير محمد كتب خانه كراچی)

(و كذا فی ردالمحتار: ۳۸۵/۲، بحث فی صوم يوم الشک، سعيد)

(و كذا فی القاموس الفقهی، ص: ۲۴۴، حرف العين، إدارة القرآن، كراچی)

٤...... "الثقة هي التي يعتمد عليها في الأقوال والأفعال، اهـ". تعريفات الجرجاني، ص ٤٩ (١)۔

۵...... غیر عادل اگر مستور الحال ہو تو اس کی گواہی (موقع خبر واحد میں) مقبول ومعتبر ہے، اگر ظاہر الفسق ہو تو معتبر نہیں: "و قول الطحاوي: "أو غير عدلٍ" محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن؛ لأن المراد بالعدل مَن تثبت عدالته، و لا ثبوت في المستور، أما مع تبيّن الفسق فلا قائل له به عندنا، اهـ". شامي: ۲/۱۴۵ (۲) رمضان وعیدین سب کا یہی حکم ہے۔

٦...... (الف) مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی عدد متعین نہیں، بلکہ رائے امام پر محمول ہے: "وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب". در مختار (۳)۔

(ب) اس کا جواب "الف" سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷...... بس اتنا اختیار ہے کہ زیادہ کنج وکاؤ نہ کرے (۴)، بلکہ ظاہر عدالت یا ستر حال پر اکتفاء کرے، فاسق کو عادل قرار دینا درست نہیں جیسا کہ جواب نمبر: ۵ میں گزرا، لیکن اگر قرائن سے صدق معلوم ہو تو اس کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے (۵)۔

---

(۱) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۵۳، مير محمد كتب خانه)

(۲) (ردالمحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير: ۳۲۲/۲، ۳۲۳، فصل في رؤية الهلال، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) (الدر المختار: ۳۸۸/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۲۳۲/۱، كتاب الصوم، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "کنج وکاؤ: تفتیش"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۸۴، لفظ: کاؤ، فیروز سنز، لاہور)

(۵) "والشرط هو العدالة الظاهرية عند أبي حنيفة رحمه الله، وأما الحقيقية وهي الثابتة بالسؤال عن حال الشهود بالتعديل، والتزكية ليست بشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۳، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه)

۸......اگر یہ قصبہ یا شہر جس میں ۲۹/ کی رؤیتِ عامہ ہے اس دوسری جگہ (جس میں قاضی نے ۳۰/ کا اعلان کیا ہے) کے تابع نہیں بلکہ مستقل ہے تو یہاں کے لوگوں کے ذمہ قاضی کے اعلان کی پابندی لازم نہیں (۱)۔

۹......(الف) اگر شہادتِ شرعیہ پر قاضی نے اعلان کیا ہے تو نماز وقربانی سب صحیح ہوگی۔

(ب) سب درست ہوگئی، کسی کا اعادہ واجب نہیں، کیونکہ یہ اختلافِ مطالع پر مبنی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ رؤیت ہوئی ہو، دوسری جگہ نہ ہوئی ہو۔ اور مسائلِ اضحیہ اور صلوٰۃ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے، کما فی ردالمحتار: ۱۵٤/۲، قبیل مفسدات الصوم (۲)۔

(ج) جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار رہوں گے (۳) اور جو قربانی ایامِ اضحیہ کے بعد کی ہے، وہ

= (وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار: ۳٦٦/٥، ۳٦٧، كتاب الشهادات، سعيد)

"وإذا أخبر رجلان في هلال شوال في السواد، والسماء متغيمة، وليس فيه وال و لا قاض، فلا بأس للناس أن يفطروا، كذا في الزاهدي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۱) ''اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہاداتِ شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے۔ حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شئ لو ظهر أنه رؤى في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوٰة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر، وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". (ردالمحتار: ۳۹۳/۲، ۳۹۴، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "أمرُ السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". (الدرالمختار). "أي يتبع ولاتجوز مخالفته .... أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار: ٤٢٢/٥، مطلب: إطاعة الإمام واجبة، سعيد)

درست نہیں، اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے (۱)۔ اس حساب سے ۱۰/ ذی الحجہ کو اگر نماز عید ادا نہیں کی، بلکہ گیارہ کو ادا کی تو وہ ادا ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الأولیٰ/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہے وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو؟

سوال [۴۷۹۹]: جہاں آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے، چاند نظر نہیں آتا، سورج سال کے مخصوص مہینے میں نظر آجاتا ہے وہاں کے باشندے: "لا تصوموا حتی تروه، ولا تفطروا حتی تروه" حدیث کے مطابق روزہ رکھیں گے (۳)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مہینوں کا تعین جنتری اور قریبی مقامات کی تحقیق سے ہوسکتا ہے جہاں چاند نظر آتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "فإن فات وقتها قبل ذبحها ولو لم يضح ما أوجب على نفسه .... لزم التصدق بعين المنذورحية ...... ولو أكل فعليه قيمة ما أكله؛ لأن سبيلها التصدق". (مجمع الأنهر: ۵۱۹/۲، كتاب الأضحية، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۶/۵، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان أو الزمان، رشيديه)

(۲) "لكن هنا: أي في الأضحى يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة".

(ردالمحتار على الدر المختار: ۱۷۶/۲، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال: ۱۷۴/۱، قديمي)

(۴) "خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے ملک میں بھی دنیا کے ہر گوشہ سے ریڈیو کے اعلانات برابر آتے ہوں گے، بس آپ کے وہاں کی ۲۹/ تاریخ کو ان مذکورہ بالا ضابطوں کے مطابق مذکورہ بالا الفاظ میں دنیا کے جس خطہ سے ریڈیو پر یہ اعلان آجائے کہ شرعی ثبوت سے رؤیت ہلال ثابت ہونے کی بنیاد پر اعلان کیا جاتا ہے تو ان اعلانوں کے مطابق بلا تردد عمل کر لیا جائے، البتہ یہ شق رہ گئی کہ دنیا =

کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانعِ رؤیتِ ہلال ہے؟

سوال[۴۸۰۰]: رؤیتِ ہلال کے متعلق حیلولة الجبال علةٌ فی السماء کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیتِ ہلال کے متعلق احکام مختلف ہیں، شعبان، رمضان، عیدین میں اختلافِ کثیر ہے، حیلولۃ الجبال وغیرہ کو بعض احکام میں اختلافِ مطالع کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے:

"و حکی عن أبی عبد الله بن أبی موسیٰ الضریر أنه استُفتِی فی أهل الأسکندریة أن الشمس تغرب بها، ومَن علی منارتها یری الشمس بعد ذلك بزمان کثیر؟ فقال: یحل لأهل البلد الفطر، و لا یحل لمن علی رأس المنارة إذا کان یری غروب الشمس؛ لأن مغرب الشمس یختلف کما یختلف مطلعها، فیعتبر فی أهل کل موضع مغربه، اهـ". بدائع: ۸۳/۲(۱)۔

"وأما إذا جاء من مکان آخر خارج المصر، فإنه تقبل شهادته إذا کان عدلاً ثقةً؛ لأنه یتیقّن فی الرؤیة فی الصحاریٰ ما لم یتیقن فی الأمصار، لما فیها من کثرة الغبار. وکذا إذا کان

= کے کسی ایک خطہ میں ۲۹/ تاریخ کو کبھی چاند نظر ہی آتا ہو وہاں کا مطلع ہمیشہ ناصاف ہی رہتا ہو تو وہاں ۲۹/ تاریخ کا تعین کس طرح کریں گے پھر اس اعلان شرعی پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟

اس کا حل یہ ہے کہ ۲۹/ شعبان یا ۲۹/ رمضان کو جس ملک کے ریڈیو سے مذکورہ بالا شرعی اصول وضوابط کے مطابق اعلان ہوتا ہو اس ملک کے ریڈیو سے اعلان کی تلاش ہر ماہ میں جاری رکھیں اور جس تاریخ کا وہ اعلان کریں، وہی تاریخ اپنے یہاں متعین رکھیں تو ۲۹/ شعبان خود بخود متعین ہوتی رہے گی اور عمل کرنا آسانی سے ہوتا رہے گا۔ ۲۹/ شعبان کو شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ہوجانے کا اعلان ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردیں، ورنہ ۳۰/ دن پورے کرکے روزے رکھنا شروع کریں۔ پھر ۲۹/ رمضان کو اگر چاند ہونے کا اعلانِ شرعی مذکورہ ضابطہ کے مطابق آجائے تو عید منالیں"۔(نظام الفتاویٰ، کتاب الصوم، عنوان: محض سائنسی یا حسابی تخمینے کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا درست نہیں: ۱۳۱/۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

"(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب، کمامر". (الدر المختار، کتاب الصوم، قبیل باب مایفسد الصوم ومالایفسده. ۳۹۴/۲، سعید)

(۱) (بدائع الصنائع: ۲۲۵/۲، کتاب الصوم، اختلاف المطالع، دارالکتب العلمیة بیروت)

فی المصر فی موضع مرتفع ". البحر الرائق :۲/ ۲۶۹(۱)۔

"وذكر الطحاوی أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر، وكذا إذا كان على مكان مرتفع". كذا فی الهداية(۲)۔

"و على قول الطحاوی اعتمد الإمام المرغينانی و صاحب الأقضية والفتاوی الصغریٰ، لكن فی ظاهر الرواية: لا فرق بين خارج المصر والمصر، كذا فی معراج الدراية". فتاویٰ عالمگیری :۱/ ۱۹۶(۳)۔

علت فی السماء کے وقت ہلالِ رمضان واحد عدل کی خبر سے ثابت ہوجاتا ہے اور ہلالِ عید عدلین حرین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے(۴)۔ جن حضرات کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں ان کے نزدیک ایک جگہ کا ثبوت سب جگہ کے لئے کافی ہے، لہذا اگر پہاڑ کے اوپر یا کسی ایسی جگہ حیلولۃ الجبال نہ ہو، ثبوتِ ہلال ہوجائے تو دامنِ کوہ میں رہنے والوں کے لئے بھی ثبوت کا حکم دیا جائے گا۔

اور جن مشائخ کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر ہے جیسے صاحبِ تجرید وغیرہ(۵) ان کے نزدیک ثبوت نہ ہوگا، زیلعی نے اس کو اَشبہ کہا ہے(۶) اور اول ظاهر الرواية ہے، شیخ ابن ہمام نے اس کو احوط کہا ہے

---

(۱) (البحر الرائق : ۲/ ۴۷۰، كتاب الصوم ، رشيديه)

(۲) (الهداية : ۱/ ۲۱۶، كتاب الصوم ، مكتبه شركت علميه،ملتان)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية : ۱/ ۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(۴) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحدعلى هلال رمضان مقبولةً إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أوعبداً (إلى قوله فی الفطر) وإن كان بالسماء علة، لاتقبل إلا شهادة رجلين أورجل وامرأتين".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۷، ۱۹۸، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۱۹۶، الفصل الأول فی رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۵، ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(۵) "ومختار صاحب التجريد وغيره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع". (فتح القدير: ۲/ ۳۱۴، كتاب الصوم ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۶) "والأشبه أن يعتبر (اختلاف المطالع)؛ لأن كل قوم مخاطبون بماعندهم وانفصال الهلال عن =

اورخلاصہ میں ہے:"ظاهر المذهب، و علیه الفتوی" (۱) فتح :۲/۵۳(۲) وبحر :۲/۲۷۰(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم،۱/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح:عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم،۷/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت

سوال[۴۸۰۱]: ایک گاؤں میں دس آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ ہم نے مورخہ ۲۸/ رمضان المبارک/ ۵۷ھ شام کو چاند بچشم خود دیکھا ہے،لوگوں کے روزے چھڑوائے اور جو آدمی چاند دیکھنے والے ہیں، ان میں پانچ بالغ اور پانچ نابالغ،ایک چمار،باقی نومسلم ہیں،گاہے گاہے نماز پڑھتے ہیں لیکن ہیں مسلمان۔چاند دیکھنے والوں کا کیا حکم ہے اور مفطرین کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مہینہ ۲۹/ روز کا ہوتا ہے یا تیس کا،اٹھائیس کا نہیں ہوتا،وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں،جب نمازی نہیں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں،فاسق ہیں،ان کی شہادت ہرگز مقبول نہیں:

"و قُبل بلا دعوى و بلا لفظ "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور على ماصححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية، لا فاسق اتفاقاً بين أهل المذهب، و ما نسبه الأكمل إلى الطحاوي من أن شهادة الفاسق في هلال رمضان تقبل، فهي نسبة غير صحيحة، كما أوضحه صاحب النهر، و في البحر: قول الفاسق في الديانات: التي يمكن تلقيها من العدول

= شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار". (تبيين الحقائق : ۲/۱۶۵، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصوم، الفصل الأول في الشهادة على هلال رمضان ومايتعلق به: ۱/۲۴۹، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۲) "والأخذ بظاهر الرواية أحوط". (فتح القدير : ۲/۳۱۴، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) (البحر الرائق : ۲/۴۷۱، كتاب الصوم، رشيديه)

غير مقبول كالهلال، و رواية الإخبار و لو تعدد كفاسقين فأكثر". درمختار و طحطاوی: ۱/٤٤٦(۱)۔

ایسے لوگوں کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ افطار کرنا ہرگز درست نہیں، خصوصاً جب کہ چاند کا عمل بھی نہیں جس میں شک اورشبہ کی گنجائش ہو، لہٰذا جن لوگوں نے ان کے کہنے سے روزہ نہیں رکھا، ان کے ذمہ قضاء لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/شوال/ ۵۷ھ۔

زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کردینا

سوال[۴۸۰۲]: اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے رکیاب میں ابر کی وجہ سے انتیس رمضان کو رؤیتِ ہلال نہ ہوئی، مگر تیس تاریخ کو چھ سات بجے تقریباً دوسری جگہ سے ٹیلیفون اور تار آیا اور قریب دس بجے چاند بھی دیکھا گیا، بناءً علیہ بعض لوگوں نے صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے رؤیتِ ہلال کے اعلان سے قبل روزہ توڑ ڈالا اور بعضوں نے چاند دیکھ کر توڑا مگر قبل زوال اور بعضوں نے چاند دیکھ کر بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے چاند دیکھا قبل زوال اور روزہ بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے اپنی خوشی سے رکھ لیا تھا، مگر کسی مولوی صاحب کے کہنے پر توڑا۔

---

(۱) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار : ۱/۴۴۲، کتاب الصوم ، دارالمعرفة، بیروت)

(وكذا فى الدرالمختار: ۳۸۵/۳، كتاب الصوم،سعید)

"اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهادة، وفي الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسقاً مطلقاً، لاتقبل شهادته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۶/۳، الفصل الثانی فيمن لاتقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير : ۳۲۲/۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "لوأفطر أهل الرستاق، لم يُكفّروا". (ردالمحتار: ۴۰۷/۲، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری،سعید)

(وكذا فى التاتارخانيه : ۳۹۵/۲، الفصل التاسع فيما يصير شبهة فی إسقاط الكفارة، رشيديه)

چاند کے یقین تار ٹیلیفون پر اعتماد کر کے کہ انتیس پر چاند ہوا اور آج عید کا دن ہے، عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے، پھر ایک دو روز کے بعد یقینی طور پر ثابت ہوگیا کہ انتیس تاریخ کو چاند ہوا ہے۔ اب ان لوگوں کا روزہ توڑنا بحکم شرع شریعت صحیح ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کفارہ بھی ہے یا صرف قضاء ہے، ہر ایک فرقہ کا حکم بالدلیل تحریر فرمائیں بحوالۂ کتب معتبرہ کے تعین صفحہ جات۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعی شہادت نہیں، لہذا اس پر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے(۱)۔ قریب ۱۰/ بجے چاند دیکھنا بھی روزہ توڑنے کے لئے ظاہر مذہب کے موافق شرعی حجت نہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑنا بھی منع ہے:

"و رؤيته نهاراً قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب، و عليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. بحر عن الخلاصة". درمختار۔ "ومعنى عدم اعتبارها أنه لا يثبت بها حكم من وجوب صوم أو فطر، فلذا قال في الخانية: فلا يصام له ولا يفطر". ردالمحتار: ۱۴۸/۲(۲)۔

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواہ چاند قبل الزوال دیکھا جاوے خواہ بعد الزوال، دونوں صورتوں میں اس دن کے حق میں یہ رؤیت معتبر نہ ہوگی، لہذا دونوں صورتوں میں روزہ توڑنا درست نہ ہوگا خواہ روزہ قبل الزوال توڑے خواہ بعد الزوال، ہر حال میں ممنوع ہوگا، یہی قول مختار اور مفتی بہ ہے، والمسئلة مبسوطة في

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أوراه، داراحياء التراث العربي، بيروت)
(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)
(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۹۳/۲، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۰/۲، كتاب الصوم، رشيديه)
(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۵۷، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

ردالمحتار: ۲/۱٤٦(۱)۔

صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے روزہ توڑنا نہ خود جائز ہے، نہ کسی دوسرے مولوی صاحب وغیرہ کے کہنے سے جائز ہے یہ صحیح ہے کہ عید کے روزہ رکھنا حرام ہے، لیکن عید کا روز چاند دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، یا رمضان شریف کے یقینی طور پر تیس دن گزرنے سے، یا شرعی شہادت مہیا ہوجانے سے (۲)۔ اور صورتِ مسئولہ میں چاند دیکھا نہیں ہے، رمضان شریف کے پورے تیس دن ہوئے نہیں، شرعی شہادت موجود نہیں، پھر عید کا روز ہونا کیسے ثابت ہوا؟ البتہ جس نے ناواقفیت کی بنا پر کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے وہ گنہگار نہیں۔

جن لوگوں نے چاند دیکھ کر قبل الزوال توڑا ہے یا قبل الزوال دیکھ کر بعد الزوال توڑا ہے اس کے ذمہ کفارہ نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چاند قبل الزوال دیکھا جاوے تو وہ شبِ گزشتہ کا ہوگا، لہٰذا یہ دن اس قول کے مطابق عید کا دن ہے، گو اس مسئلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے، تاہم اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا:

"(ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقاً): أى سواء رؤى قبل الزوال أو بعده. (وقوله: على المذهب): أى الذى هو قول أبى حنيفة و محمدٌ. قال فى البدائع: فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما، و قال أبو يوسف: إن كان بعد الزوال فكذلك، وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان. وعلى هذا الخلاف هلال شوال، فعندهما يكون للمستقبلة مطلقاً و يكون اليوم من رمضان، و عنده لو قبل الزوال يكون للماضية و يكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يُرى قبل الزوال عادةً إلا أن يكون لليلتين، فيجب فى هلال رمضان كون اليوم من

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۹۲، كتاب الصوم، مطلب فى رؤية الهلال نهاراً، سعيد)

(۲) "(يثبت رمضان برؤية هلاله) لقوله صلى الله عليه وسلم: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (أوبعد شعبان ثلاثين يوماً) ....(وإذا كان بالسماء علة من غيم أوغبار ونحوه) قبل القاضى بمجلسه (خبر واحد عدل) (أو) خبر (مستور)". (مراقى الفلاح على نور الإيضاح، ص: ٦٤٢، ٦٥٢، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/٤٥٩، ٤٦٥، كتاب الصوم، رشيديه)

رمضان، و فی هلال شوال کونه یوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤیته نهاراً ....

والمختار قولهما، اهـ". شامی :۲/۱٤٦(۱)۔

چونکہ ان دونوں فریقوں نے قبل الزوال چاند دیکھ لیا ہے، لہذا اگر یہ عادل ہیں اور شہادت دیں تو ان کا دیکھنا گویا کہ سب کا دیکھنا ہے اور ان کے حق میں شبہ پیدا ہوتا ہے، پس جس فریق نے بعد الزوال چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو درحقیقت اس نے بھی اسی چاند کو دیکھا ہے جس کو دو فریق نے قبل الزوال دیکھا ہے کوئی نیا چاند نہیں دیکھا تو جو اثر پہلے دو فریق جنہوں نے چاند نہیں دیکھا نہ قبل الزوال نہ بعد الزوال، بلکہ کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے یا صرف تار ٹیلیفون پر اعتبار کر کے توڑا ہے، سو اُن دونوں کا حکم بھی وہی ہے جو پہلے ان تین فریق کا ہے، کیونکہ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لئے ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہیں۔

اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا تو پہلے دو فریق کی رؤیت سب کے حق میں کافی ہوتی یعنی وہ ان سب کے حق میں عید کا دن ہوتا اور سب کو روزہ توڑنا واجب ہوتا، ہر ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہ تھا، لہذا ان دونوں فریق پر بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز بعد میں اس روز کا روزِ عید ہونا یقینی طور پر ثابت بھی ہوگیا:

"رآی مکلف هلال رمضان أو الفطر، و رُدّ قوله بدلیل شرعی، صام مطلقاً و جوباً، وقیل: ندباً، فإن أفطر قضی فقط فیهما لشبهة الرد". "علةٌ لما تضمنه قوله: (فقط من عدم لزوم الکفارة): أی أن القاضی لمّا ردّ قوله بدلیل شرعی أورث شبهةً، و هذه الکفارة تندرئ بالشبهات، هدایة. و لا یخفی أن هذه علة لسقوط الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال الفطر فلکونه یوم عید عنده، کما فی النهر وغیره، و کأنه ترکه لظهوره (واختلف فیما إذا أفطر قبل الرد لشهادته) وکذا لو لم یشهد عند الإمام، فصام ثم أفطر کما فی السراج. (والراجح عدم وجوب الکفارة، وصححه غیر واحد؛ لأن ما رآه یحتمل أن یکون خیالاً، لا هلالاً) إنما یصلح تعلیلاً لعدم الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال شوال، فإنما لا تجب؛ لأنه یوم عید عنده

---

(۱) (ردالمحتار: ۳۹۲/۲، کتاب الصوم، مطلب فی رؤیة الهلال نهاراً، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۹۷/۱، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

علی نسق ما تقدم". درمختار: ۲/۹۰ مکتبہ نعمانیہ، وشامی: ۲/۱۳۸ (۱)۔

دیکھئے اس صورت میں ایک شخص نے خود اپنی آنکھ سے رمضان شریف کا یا عید کا چاند دیکھ لیا، لیکن قاضی نے اس کے قول کو فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کر دیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا (گو ایسی حالت میں روزہ رکھنا چاہئے) تو اس کے ذمہ کفارہ واجب نہیں، اگر رمضان شریف کا چاند دیکھ کر ایسا کیا ہے تو اس نے ایسا روزہ توڑا ہے جو اس کے نزدیک رمضان کا روزہ ہے۔ اور اگر عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو قاضی اور تمام اہلِ شہر کے نزدیک وہ رمضان کا روزہ ہے اور اگر قاضی کے رد کرنے سے پہلے روزہ توڑا ہے، یا قاضی کے پاس شہادت ہی نہیں دی اور پھر روزہ رکھ کر توڑ دیا تب بھی راجح یہ ہی ہے کہ کفارہ واجب نہیں، ہلال رمضان میں قاضی کے رد کرنے یا واقعۃً اس کے ہلال نہ ہونے بلکہ خیال ہونے سے اور ہلال عید میں خود اس کے نزدیک یوم عید ہونے سے شبہ پیدا ہو گیا اور اتنا شبہ سقوطِ کفارہ کے لئے کافی ہے:

"قال فی البحر: و إنما لم تجب الکفارة بإفطاره عمداً بعد أکله أو شربه أو جماعه ناسیاً؛ لأنه ظن فی موضع الاشتباه بالنظیر وهو الأکل عمداً؛ لأن الأکل مضاد للصوم ساهیاً أو عامداً، فأورث شبهةً، و کذا فی شبهة اختلاف العلماء، فإن مالکاً رحمه الله تعالیٰ یقول بفساد صوم من أکل ناسیاً، وأطلقه فشمل ما لو علم أنه لم یفطره بأن بلغه الحدیث أو الفتویٰ أو لا، وهو قول أبی حنیفة، وهو الصحیح. و کذا لو ذرعه القئ و ظن أنه یفطره، فأفطر فلا کفارة علیه، لوجود شبهة الاشتباه بالنظیر، فإن القیء والاستقاء متشابهان؛ لأن مخرجهما من الفم، کذا لو احتلم للتشابه فی قضاء الشهوة، وإن علم أن ذلك لا یفطره فعلیه الکفارة؛ لأنه لم توجد شبهة الاشتباه، و لو شبهة الاختلاف". ردالمحتار، ص: ۱۵۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار وردالمحتار: ۲/۳۸۴، ۳۸۵، کتاب الصوم، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲/۴۶۳، ۴۶۴، کتاب الصوم، رشیدیه)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲/۳۲۱، ۳۲۲، کتاب الصوم، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۴۰۱، ۴۰۲، کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، سعید) .... =

کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رویتِ ہلال کے لئے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے؟

سوال[۴۸۰۳]: عیدین یا رمضان یا کسی دوسرے مہینہ کے چاند دیکھنے والوں پر یہ لازم ہے کہ مفتی کے پاس آکر گواہی دیں یا خود مفتی کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ محلہ محلّہ، گھر گھر، بلکہ دیہات جا کر گواہیاں حاصل کرے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خود مفتی کے فرائض میں سے ہے، مفتی کا بیان یہ ہے کہ جب عام طور سے گواہی کا وجوب لوگوں کو بتلا دیا گیا ہے تو اب خود لوگوں کا فرض ہے کہ وہ آکر گواہی دیں۔ بحوالۂ کتاب تحریر کیا جائے کہ کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

نجم الحسن خیرآبادی، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مفتی کا بیان صحیح ہے، یہاں تک کہ اگر صرف کوئی پردہ دار چاند دیکھے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ آکر گواہی دے:

"ویجب علی الجاریة المخدرة أن تخرج فی لیلتها بلا إذن مولاها و تشهد، اهـ".

درمختار۔ "(قوله: و یجب علی الجاریة المخدرة): أی التی لا تخالط الرجال، و کذا یجب علی الحرة أن تخرج بلا إذن زوجها، و کذا غیر المخدرة والمزوجة بالأولیٰ. قال: والظاهر أن محل ذلك عند توقف إثبات الرؤیة علیها، وإلا فلا، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۱۲۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۱۱/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (و کذا فی البحر الرائق: ۲/ ۵۰۸، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، رشیدیه)

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۳۸۶، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۹۷، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(و کذا فی المحیط البرهانی: ۲/ ۵۴۸، الفصل الثانی فیما یتعلق برؤیة الهلال، غفاریه کوئته)

تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا

سوال[۴۸۰۴]: شرعی شہادت کی بناء پر قاضی شہر نے رؤیتِ ہلال کی تصدیق کردی اور عام اعلان بھی کردیا اور اس اعلان کے مطابق عوام وخواص نے روزے رکھنا بھی شروع کردیئے، تیس روزے پورے ہونے کے بعد جب تیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی نوبت آئی تو مطلع بالکل صاف تھا مگر اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صبح عید منائی جائے یا نہیں؟

حافظ محمد حمید اللہ، خطیب مسجد ہمایوں کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ہلال رمضان کی رؤیت کے وقت مطلع صاف نہیں تھا، بلکہ ابر تھا اور قاضی کے پاس دو گواہوں نے اپنی رؤیت بیان کی جس پر قاضی نے ثبوتِ رمضان کا اعلان کردیا اور تیس روزے پورے ہونے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود عید کا چاند نظر نہیں، حالانکہ یہ اکتسویں شب ہے تو عید نہ کی جائے بلکہ روزہ رکھا جائے، اگر ایک شخص کی خبر پر ثبوتِ رمضان کا اعلان کیا گیا تھا، پھر تیس روزے ہوجانے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اس شخص کو جس کی خبر پر رمضان کا اعلان کیا گیا تھا شرعی سزا دیجائے، کیونکہ اس نے ہلال رمضان کی خبر غلط دی تھی، ردالمحتار: ۲/۹۴ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ فطر کا ثبوت

سوال[۴۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹/ رمضان کو

---

(۱) "وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حل الفطر .... ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لايحل". (الدرالمختار).

"قلت: وفي الفيض الفتوىٰ على حل الفطر ووافق المحقق ابن الهمام .... لوقال قائل: إن قبلهما في الصحو: أي في هلال رمضان وتم العدد، لايفطر، وإن قبلهما في غيم أفطروا .... (قوله لايحل): أي الفطر إذا لم ير الهلال، قال في الدرر: ويعذّر ذلك الشاهد: أي لظهور كذبه".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، مبحث صوم يوم الشك: ۲/۳۹۰، ۳۹۱، سعيد)

بہت زیادہ ابر تھا، باوجود پوری کوشش کے چاند نظر نہیں آیا، اس لئے جملہ مساجد میں تراویح پڑھی گئی، پھر ریڈیو سے بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ چاند نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد نصف شب گزر جانے پر قاضی شہر کے پاس چار شخصوں نے بیان دیا: ایک نوجوان مستور الحال نے کہا کہ میں نے بازار میں قبل از مغرب ایک سکنڈ چاند دیکھا، ابر آجانے سے دوسروں کو دکھا نہیں سکا، دوسرے نوجوان داڑھی منڈے نے کہا کہ میں نے لکیر سی دیکھی ہے غالباً وہ چاند تھا، تیسرے شخص نے جو رافضی ہے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، چوتھے شخص نے جو مولوی ہے کہا کہ چاند دیکھنے والے معتبر ہیں۔ ان بیانات پر قاضی نے اعلانِ عید کر دیا اور اہلِ شہر نے عید منالی، قرب وجوار کے قصبات اور گاؤں میں سے بعضوں نے اس کو تسلیم کیا، اور بعضوں نے تسلیم نہیں کیا، بعض بستیوں میں نصف لوگوں نے عید منائی اور نصف نے نہیں منائی، بعض نے روزے رکھے بعض نے نہیں رکھے اور بعض نے رکھ کر توڑ دیئے بعض نے نہیں توڑے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ میں قاضی کو کیا فیصلہ دینا تھا؟ کیا جو فیصلہ دیا ہے وہ از روئے شرع صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ روزے کی قضاء ہے یا نہیں؟ اطراف کے لوگوں نے محض سورت کے فیصلہ کی خبر پر عید منائی اور روزہ نہیں چھوڑا اور نہیں توڑا، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ بڑا انتشار اور اختلاف پیدا ہوگیا ہے، لہٰذا جلد تفصیلی جواب مرحمت فرماویں تاکہ شائع کر دیا جائے اور عوام وخواص مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہوجاویں تاکہ آئندہ اس قسم کی بات اور اختلاف رائے نہ ہو۔ بعض نے منگل کو عید کی ہے، بعض مقامات کی اطلاع ہے کہ بعض اشخاص نے دونوں روز عید کی نماز پڑھی، پہلے روز ایک پارٹی کے ساتھ دوسرے روز دوسری جماعت کے ساتھ۔

یہ سارا اختلاف دراصل دیکھا جائے تو رمضان کے چاند کے بارے میں پاکستان کے ریڈیو نے اطلاع دی تھی اس بنا پر ہوا ہے۔ بعضوں نے روزہ بھی رکھ لیا تھا اور تراویح بھی باجماعت ادا کر لی تھی، ان کے چونکہ تیس روزے ختم ہو رہے تھے اس لئے ان کو بھی سعی یہ تھی کہ دوشنبہ کی عید ہوجانی چاہئے کہ کراچی میں بھی اسی روز عید تھی۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہلالِ عید کے لئے شہادتِ شرعیہ ضروری ہے۔ جو بیانات سوال میں نقل کئے گئے ہیں ان کی حیثیت

مجموعی طور پر شرعی شہادت کی نہیں، صرف پہلا نوجوان صرف ایک سکنڈ چاند دیکھنے والا مستور الحال ایسا ہے کہ بعض احکام میں اس کا بیان شہادت کہلانے کا مستحق ہے، مگر نصاب تام نہ ہونے کی بنا پر صرف اس کے بیان پر ثبوت ہلال کا حکم نہیں دیا جاسکتا (۱)۔ دوسرا نوجوان اولاً: داڑھی منڈا ہونے کی وجہ سے عادل نہیں، مستور الحال نہیں، مقبول الشہادۃ نہیں (۲)، ثانیاً: اس کو چاند کا یقین نہیں بلکہ لکیری دیکھی ہے۔ تیسرا شخص رافضی ہے جو مردود الشہادۃ ہے (۳)۔ چوتھے شخص مولوی نے خود چاند دیکھنا بیان نہیں کیا، بلکہ دیکھنے والوں کی توثیق کی ہے، اس لئے قاضی صاحب کا فیصلہ ان بیانات پر درست نہیں (۴)۔

عید پڑھنا درست نہیں، روزہ نہ رکھنا درست نہیں، روزہ کی قضاء لازم ہے، جنہوں نے توڑ دیا ہے ان

---

(۱) "وإن كان بالسماء علة، لاتقبل إلا شهادة رجلين أورجل وامرأتين، ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني، في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۴۷، الفصل الثاني فيمايتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "ولا تقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني: ۲/۵۴۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "و لا تقبل شهادة مَن يظهر سب السلف الذين هم الصحابة والتابعون و أبو حنيفة و أصحابه رضى الله عنهم أجمعين". (الفتاویٰ العالمكيرية :۳/۴۶۸، الفصل الثاني: من لا تقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۴۸۳، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه، سعيد)

(۴) "فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب". (الدرالمختار). "كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أويستفيض الخبر، بخلاف ماإذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية". (الدر المختار مع ردالمحتار : ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، قبيل مايفسد الصوم وما لايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۹، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

کے ذمہ بھی قضاء لازم ہے (۱)۔ جنہوں نے اس فیصلہ پر روزہ نہیں توڑا اور عید نہیں منائی انہوں نے درست کیا، جنہوں نے دومرتبہ عید پڑھی انہوں نے بھی بیجا حرکت کی۔ ہمارے اطراف میں انتیس روزے ہوئے پھر اکثر مقامات پر رؤیت ہوئی اور دہلی سے بھی بذریعہ ریڈیو اطلاع آ گئی مگر سہارنپور میں ابر تھا، ریڈیو کی اطلاع کو شرعی شہادت قرار نہیں دیا گیا، کچھ دیر میں شرعی شہادت پہونچی حتی کہ بہت سی مساجد میں تراویح بھی ہوئی اور دوشنبہ کو بالاتفاق عید ہوئی:

"و شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، و لفظ "أشهد" اه". درمختار (۲)۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لوافطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره، لم يُكفّروا".

(ردالمحتار: ۲/۴۰۷، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری، سعید)

(وكذا فی التاتار خانیه: ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فیما یصیر شبهة فی إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (الدرالمختار شرح تنویر الأبصار: ۲/۳۸۶، کتاب الصوم، سعید)

باب ما یفسد الصوم و مالا یفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

ندی میں غسل کرتے ہوئے پانی پی لیا

سوال[۴۸۰۶]: ۱......ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ندی پر غسل کرنے کے لئے گیا تو ایک آدمی اس کو پکڑ کر ندی کے اندر لے گیا تیرنا سکھانے کے لئے تو اس نے ندی میں ڈوبتے ہوئے پانی پی لیا کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟

سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال[۴۸۰۷]: ۲......ایک شخص نے صبح کو ۱۰/ بجے دن کو روزہ کی حالت میں اپنے سر پر بھول کر تیل رکھ لیا تھا، کیا روزہ ٹوٹ گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ٹوٹ گیا(۱)۔

۲......باقی رہا، ٹوٹا نہیں، اگر جان کر رکھ لے گا تب بھی نہیں ٹوٹے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "لو أكل مكرهاً أومخطأً، عليه القضاء دون الكفارة......... المخطئ هو الذاكر للصوم غير القاصد للفطر". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۰۱، ۴۰۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم أوقبّل أو احتلم ....لم يفطر". (الدر المختار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰، =

ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۰۸]: ایک آدمی کودائمی ناک کی بیماری ہے (ناک ہمیشہ بند رہتی ہے) جس کی وجہ سے دواؤں کا استعمال کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اب روزے کی حالت میں اس شخص مذکور کو ناک میں دوا ڈالنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ نہ ڈالنے کی صورت میں بے حد تکلیف ہوتی ہے اور اکثر منہ سے سانس لینی پڑتی ہے جس سے گلہ اور منہ سوکھ جاتا ہے اور درد ہونے لگتا ہے، ناک کے اندر مادہ جم جاتا ہے اور دوا ڈالنے کی وجہ سے وہ صاف ہوجاتا ہے۔ براہ کرم جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

اگر حالتِ صوم میں ناک میں دوا ڈالی اور وہ دوا جوفِ دماغ میں پہونچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں: "أو استعط في أنفه شيأً .... فوصل الدواء .... حقيقةً إلى جوفه ودماغه". (الدرالمختار). "(قوله: فوصل الدواء حقيقة) أشار إلى أن ماوقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبنيٌّ على العبارة من أنه يصل، وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول، الخ". كذا في الشامي: ۲/ ۱٤۰(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

= كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۵، الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۰۲، ۴۰۳، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۴، الباب الرابع: فيما يفسد وما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۰، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۰۹]: اگر روزہ رکھا ہوا ہے اور سوتے میں حاجتِ غسل ہوجائے، یا دیدہ ودانستہ صحبت کرلے تو روزہ رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو کیسا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۱)، ہاں عمداً صحبت کرنے سے فاسد ہوجاتا ہے اور کفارہ وقضاء ذمہ میں لازم ہوتے ہیں (۲)۔ اگر رمضان کے علاوہ کا روزہ ہو تو صرف قضاء لازم آئے گی، کفارہ لازم نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

انگلی ڈال کر پاخانہ نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۱۰]: ایک آدمی کو قبض کی شکایت ہے، اس نے روزہ کی حالت میں تھوڑی سی انگلی ڈال

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم أو قبل أو احتلم........ لم يفطر". (الدرالمختار: ۲/ ۳۹۵، ۴۰۰، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، سعيد)

(وكذافي النهر الفائق: ۲/ ۱۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، امداديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۶۱، باب في بيان مالا يفسد الصوم، قديمي)

(۲) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان ۱/ ۲۱۲، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/ ۴۰۹، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "من غير كفارة .... وهي إذا أكل الصائم .... أوأفسد صوم غير أداء رمضان بجماع، أو غيره، لعدم هتك حرمة الشهر، وهي إنما وجبت لهتك حرمته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۱، ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۴۰۴، ۴۰۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

کرخشک پائخانہ نکالا تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اگر فاسد ہوگیا تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر خشک انگلی سے یہ کام لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

عورت کے اندامِ نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۱۱]: اگر کسی شخص نے اجنبی عورت کے اندامِ مخصوص میں خواہشاتِ نفسانی کی بناء پر رمضان کے روزہ میں انگلی ڈالی جس سے عورت کے اندامِ مخصوصہ سے خون جاری ہوگیا اور مرد کے اندامِ مخصوص سے صرف مذی کا اظہار ہوا تو اس صورت میں مرد کا روزہ ٹوٹا یا نہیں، بصورت ٹوٹنے روزے کے صرف قضاء لازم آئیگی یا کفارہ بھی؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے جماع نہیں کیا اور اس کی منی بھی خارج نہیں ہوئی، صرف مذی نکلی ہے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا (۲)۔ اور اگر جماع تو نہیں کیا لیکن ہاتھ وغیرہ لگانے سے انزال ہوگیا یعنی منی خارج ہوگئی تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا لیکن کفارہ لازم نہیں ہوا، بلکہ صرف قضاء لازم ہے (۳)۔ اور اگر جماع کیا ہے تو کفارہ بھی

---

(۱) "ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها، لا يفسد، وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن، فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۴، کتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالا يفسد، رشیدیه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۳۹۷، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعید)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قدیمی)

(۲) "لأنه لو قبلها بشهوة فأنزل، فسد صومه، لوجود معنى الجماع، بخلاف ما إذا لم ينزل حيث لايفسد، لعدم المنافي صورةً ومعنىً". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد: ۲/۴۷۶، رشیدیه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه ملتان)

(۳) "أو أنزل بتفخيذ أو بتبطين أو عبث بالكف أو أنزل من قبلة أو لمس لا كفارة عليه". (مراقي الفلاح،=

لازم ہے خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ھکذا فی مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالےٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/۵۶ھ۔

کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟

سوال [۴۸۱۲]: روزے کی حالت میں بغرض صفائی اگر کوئی تر انگلی مقعد میں داخل کرے تو اس سے روزے کے فساد کا حکم ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محلِ حقنہ تک تر انگلی پہونچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا:

"إذا دخل إصبعه مبلولةً .... فی دبره، أو استنجی، فوصل الماء إلی داخل دبره أو فرجها الداخل بالمبالغة فيه. والحد الفاصل الذی يتعلق بالوصول إليه الفساد قدرُ المحقنه، وقلما يكون ذلك، اهـ". مراقی الفلاح، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، الطحطاوی، ص: ۲۰۸ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۹ھ۔

= ص: ۶۲۲، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا فی النهر الفائق: ۲/۲۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۱) "إذا فعل الصائم شيئاً منها طائعاً متعمداً غير مضطر، لزمه القضاء والكفارة، وهی الجماع فی أحد السبيلين .... وإن لم ينزل". (مراقی الفلاح، ص: ۶۶۳، ۶۶۴، باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء، قديمی)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/۴۰۹، ۴۱۱، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی) =

حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل

سوال[۴۸۱۲]: سحری کھانے کے بعد بیوی سے صحبت کرنا یا شرمگاہ میں انگلی ڈالنا یا وہ خود ڈالے، روزہ میں کیسا ہے؟ یا یہ سب کرنے سے روزہ میں کوئی فرق آتا ہے یا قضاء واجب ہے یا کیا؟ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق سے پہلے تو ان چیزوں سے بلکہ صحبت سے بھی روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اس لئے کہ روزہ صرف سحری کھالینے سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے(۱)، اس لئے پہلے روزہ ہی نہیں، صبح صادق کے بعد اگر بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی یا بیوی نے خود داخل کی، اگر وہ انگلی خشک ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا، اگر تر تھی تو فاسد ہو گیا، قضاء لازم ہوگی (۲)۔

بوسہ اگر اس طرح لیا کہ اس کی رال لعاب میں نکل گیا تو روزہ فاسد ہو گیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا (۳)، اگر بغیر

= (وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴،الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "هو إمساك عن المفطرات حقيقةً أوحكماً في وقت مخصوص، وهواليوم". (الدرالمختار).

قال الشامي: "أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب". (ردالمحتار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۳۱، ۶۳۲، كتاب الصوم، قديمي)

(۲) "أو أدخل إصبعه اليابسة فيه: أي دبره أو فرجها، ولو مبتلّةً، فسد". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴ كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۶، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۳) "ولو أكل ورق شجر إن كان مما يؤكل عادةً، وجبت، وإلا وجب القضاء فقط. وكذا لوخرج البزاق من فمه ثم ابتلعه، وكذا بزاق غيره؛ لأنه مما يعاف منه، ولوبزاق حبيبه أو صديقه وجبت؛ لأنه =

اس کے لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔ جس کو جماع یا انزال کا اندیشہ ہو اس کو یہ سب نہیں کرنا چاہئے، جس کو اندیشہ نہ ہو اس کے لئے بوسہ لینے میں مضائقہ نہیں، مگر اس طرح نہ لے کہ روزہ فاسد ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل ولمس

سوال[۴۸۱۴]: ۱…… روزہ کی حالت میں زید نے اپنی زوجہ کو گود میں لیا، بوسے لئے، روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟

لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم

سوال[۴۸۱۵]: ۲…… روزہ کی حالت میں زید نے اپنی بیوی سے دور سے بات کی اور ہاتھ پکڑا کہ انزال ہو گیا۔ روزہ رہا یا ٹوٹ گیا، یا کوئی خامی ہوئی؟

ظفر محمد خان، موضع سرسی پوسٹ درا، ضلع کان پور۔

= یتلذذبه ………… كما قاله في أواخر الكنز، فصار، ملحقاً بما فيه صلاح البدن". (ردالمحتار: ۲/۴۱۰، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب: جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

"ومنه ابتلاع بزاق زوجته أو بزاق صديقه؛ لأنه يتلذذ به". (مراقى الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۶۷، مايفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "ولو قبل امرأة، لايفسد صومه يريد به إذا لم ينزل لعدم المنافى صورةً ومعنىً". (الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه)

(۲) "ولا بأس بالقبلة إذا أمن على نفسه: أى الجماع أو الإنزال، ويكره إذا لم يأمن؛ لأن عينه ليس يفطر، وربما يصير فطراً بعاقبته فإن امن يعتبر عينه و أبيح له، و إن لم يأمن تعتبر عاقبة". (الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفاره، شركة علميه)

(وكذا فى الدرالمختار على: ۲/۴۱۷، كتاب الصوم باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا فى النهر الفائق: ۲/۲۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مكتبه امداديه ملتان) =

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......روزہ نہیں ٹوٹا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کہ مبادا نوبت آگے تک پہونچے (۱)۔

۲......روزہ ٹوٹ گیا، قضاء لازم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

استمناء بالید کے بعد بیوی سے جماع کرلیا

سوال[۴۸۱۶]: زید نے رمضان کا روزہ رکھنے کی حالت میں قصداً ہاتھ سے ذکر کو حرکت دے کر انزال کردیا پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً بیوی سے جماع کیا اور کھایا پیا تو کیا زید پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ اور بیوی کے قرینہ سے یہ پتہ چلا کہ پہلے تو راضی نہیں تھی، مگر اپنے اصرار پر قائم نہ رہی، بلکہ زید کو قدرت دیدی خفیف طریقہ سے زید کا ڈر کرتے ہوئے۔ تو بیوی پر قضاء لازم آئیگی یا کفارہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روزۂ رمضان کی حالت میں جماع کرتا تو اس پر کفارہ لازم ہوتا مگر رمضان کا روزہ تو پہلے ہی ختم کرچکا جس کی وجہ سے قضاء لازم ہوگئی (۳)، ایسی حالت میں جماع کرنے سے اس پر کفارہ لازم نہیں، البتہ اس

= (وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۷۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیہ)

(۱) "وکرہ قبلة ولمس ومعانقة ومباشرة إن لم یأمن المفسد، وإن أمن لابأس". (الدرالمختار: ۲/۴۱۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۲۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۷۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۴۰۴، ۴۰۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۲۱۷، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارة، شرکت علمیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۷۶، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۵۵۸، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، مکتبه غفاریه)

(۳) "واحترز به عما لو فعل مایظن الفطر به، کما لو أکل أو جامع ناسیاً، أو احتلم أو أنزل بنظر أو ذرعه=

کی بیوی پر قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہے، ردالمحتار: ۲/۱۰۸(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۲ھ۔

روزہ میں انجکشن

سوال [۴۸۱۷]: میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں اپنی تسکین کرلوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بذاتِ خود تکلیف وتوجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک میں شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب کی جانب سے ہے اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف دو استثناء کئے گئے ہیں:

۱- اگر زخم کرکے پانی پیٹ میں لیجایا جائے۔

= القنی، فظن أنه أفطر، فأكل عمداً، فلاكفارة للشبهة". (ردالمحتار: ۲/۴۱۱، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۶۷۴، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۶، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، النوع الثاني، ومما يتصل بذلك مسائل، رشيديه)

(۱) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولايشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية. وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعةً، وإن كانت مكرهةً فعليها القضاء دون الكفارة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، النوع الثاني مايوجب القضاء والكفارة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فيما يفسد الصوم مع الكفارة: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصوم، نوع آخر: ۴/۱۰۲، رشيديه)

۲- یا براہ راست دماغ میں دوا لے جائی جائے، بقیہ انجکشن کو عمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے، اس میں مجھے شبہ گذرتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کا محتاج ہے۔

اسی رسالہ میں روزے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''۔ ایک زمانہ میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستہ سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستہ سے پیٹ میں ڈالا جائے، مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جاکر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے، لہذا ایسے مریضوں کو جو منہ سے کھا نہیں سکتے رگوں کے انجکشن کے ذریعہ کھانا پہونچایا جاتا ہے، بلکہ براہ راست خون بھی رگوں میں پہونچادیا جاتا ہے اور عرصہ تک اسی طرح وہ مریض کو وہ جوہر رگوں میں پہونچا کر جو کھانے کا مقصد ہے بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح پانی پینے کا بھی ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے، ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے اور اگر وہ موجود نہ رہے تو انسان مرجائے گا، اس لئے ہیضہ کا مرض پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستہ اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے: رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے، واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی پیٹ میں نہیں ڈالا جاتا ہے بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے، اگر ناک کے ذریعہ ٹیوب ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے تو ڈالا جاسکتا ہے مگر معدے میں سوئے ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا مریض ختم ہو جائے گا، لہذا براہ راست پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا، بعض پینے کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لئے حسبِ ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے:

(الف) گلوکوز کا ۲۵، ۵۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰/سی سی کا رگوں کے ذریعہ انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(ب) رگ کو کاٹ کر دو سیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے، یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(ج) رگوں کے ذریعہ خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کر کے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں۔ اور عمومیت کے پیشِ نظر سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب جائز

ہیں؟اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰/سی سی گلوکوز انجکشن لے لے،کھانے کا مقصد حل ہو جائے گا اور بلا روزہ کا مقصد پورا کئے روزہ دار کہلائے گا۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرمادیں،میں جناب والا کی اس عنایت وکرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔والسلام۔

خادم: قاضی محمد عدیل عباسی ایڈووکیٹ بستی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزے کی نقل کردہ تعریف:''کھانے،پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''(۱)۔انجکشن سے-چاہے وہ ۵۰/سی سی کا ہو،یا اس سے کم زائد کا-اس تعریف میں خلل نہیں آتا۔

کھانا،پینا بدیہی ہے انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا،رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا۔وہ فائدہ گو پورا نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے،اس میں غوطہ لگانے،ایرکنڈیشنڈ میں داخل ہونے،سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے،سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہونچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے،اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)۔شدتِ گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالتِ صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی

---

(۱)"أما تفسيره، فهو عبارة عن ترک الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى غروب الشمس بنيةالتقرب من الأهل". (الفتاویٰ العالمكيرية : ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳/۵۱، كتاب الصوم، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "أوادهن أواكتحل، وإن وجد طعمه في حلقهِ". (الدرالمختار). "لأن الموجود في حلقه أثرداخل من المسام الذى هو خلل البدن، والمفطر إنماهو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في النهرالفائق: ۲/۱۷، كتاب الصوم ،باب مايفسد الصوم ومالايفسد الصوم، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية : ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۱)، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں (۲) جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورتِ اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوفِ معدہ میں پہونچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقۂ علاج طبِ قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں۔

فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسدِ صوم قرار نہیں دیا۔

آج اس سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "سبحان اللہ، الحمد للہ" کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ یہ یقین اور اعتقاد بہت زیادہ قوی ہے۔ سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسدِ صوم قرار دیا جائے گا، غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: ﴿أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه﴾ الآيه(۳) اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث

(۱) "أبو بكر بن عبدالرحمن قال: حدثني من رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في يوم صائف يصيب على رأسه الماء من شدة الحر والعطش وهو صائم". (المؤطا للإمام مالك، باب ماجاء في الصيام في السفر، ص: ۳۳۴، مير محمد كتب خانه)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصيام، باب الصائم يصلب عليه الماء من العطش: ۱/ ۳۲۹، إمداديه ملتان)

(۲) "بھپارا: جوش کی دوا، بھپارا دینا: کسی جوش کی ہوئی چیز سے سینکنا یا بھاپ دینا"۔ (نور اللغات: ۱/ ۶۸۵، سن میل پبلیکیشنز، لاہور)

(۳) (الحجرات: ۱۱)

شریف میں مذکور ہے(۱)، کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۂ اکل وشرب ہے مگر مقصدِ اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً: کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا(۲) اور اگر بھول کر کھاپی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا، لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا(۳)۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی، مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً: کسی روزے دار کو تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ

---

(۱) "عن أنس أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر الناس أن یصوموا یوماً ولایفطرنّ أحدٌ حتی أذن له، فصام الناس، فلما أمسوا جعل الرجل یجئ إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیقول: ظللت منذ الیوم صائماً فائذن لی فأفطر، فأذن له. ویجئ الرجل فیقول ذلک، فیأذن له حتی جاء رجل فقال: یارسول الله إن امرأتین من أهلک ظلتا منذ الیوم صائمتین، فائذن لهما فلیفطرا، فأعرض عنه، ثم أعاد، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ماصامتا وکیف صام من ظل یأکل من لحوم الناس؟ اذهب فمرهما إن کانتا صائمتین أن یستقیئا". ففعلتا فقاء ت کل واحدة منهما علقةً، فأتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فأخبره، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لو ماتتا وهما فیهما لأکلتهما النار". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۷۴، سورة الحجرات، دارالفیحاء)

(۲) "إذا ابتلع سمسمة بین أسنانه، لایفسد صومه؛ لأنه قلیل. وإن ابتلع عن الخارج یفسد". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فیما یفسدومالایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار علی تنویر الأبصار: ۲/۴۱۵، باب مایفسدالصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۴۸، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(۳) "إذا أکل الصائم أوشرب أوجامع ناسیاً، لم یفطر، ولافرق بین الفرض والنفل". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فیمایفسد ومالایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۷، الفصل الخامس فیمالایفسدالصوم، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۷۳، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشدیه)

فاسد ہوگیا(۱)۔ سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا(۲)۔

سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصرِ نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافر سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی(۳)، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کریگا، یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کردیا جائیگا، یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کرسکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کردی گئی ہے اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کرکے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر

---

(۱) "(أو طعن برمح فوصل إلى جوفه)وإن بقي في جوفه، كما لوالقى حجر في الجائفة أونفذالسهم من الجانب الآخر، ولوبقي النصل في جوفه، فسد". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۸۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد،رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۶۶،الفصل الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "أوادّهن أواكتحل أواحتجم أوقبل ولم ينزل، او احتلم أو أنزل بنظر أوبفكر .... لم يفطر".

(الدرالمختارعلى تنويرالأبصار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية ۱/۲۰۴،الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۷۱،الفصل الرابع في مايفسد الصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "من خرج من عمارة موضع إقامته مسيرة ثلاثة أيام ولياليهابالسيرالوسط.......... صلى الفرض الرباعي ركعتين". (الدرالمختار: ۲/۱۲۱،۱۲۳، باب صلوٰةالمسافر، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲،كتاب الصلوٰة، صلوٰةالمسافر، إدارة القران كراچي)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۶۵، كتاب الصلوة، باب صلوٰة المسافر، شركت علميه)

حدودِ جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے، بلکہ ۲۵/ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصدِ قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں، سو میں نے ۲۵/ پیسے خرچ کر دیئے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہو گا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۸]: بحالتِ صوم انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۹]: زید کو رمضان شریف میں انجکشن کی ضرورت ہے بوجہ بیماری، بخار ہو یا پھوڑا یا اور کوئی صورت ہو تو انجکشن لگوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر حدیث "الفطر مما دخل، وليس مما خرج". شرح وقایہ، جلد اول: ۱۹۷(۲) سے تعارض ہوگا کہ نہیں؟

شاہ انوار الرحمٰن صاحب۔

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدر المختار). "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لايفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وفيما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "وقد قال ابن عباس وابن مسعود وعلي رضي الله تعالىٰ عنهم: إن الفطر مما دخل وليس مما خرج".=

الجواب حامداًومصلیاً:

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا(۱)۔"الفطر ممادخل ولیس مماخرج"اول:تو کلیہ نہیں، بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے، کما یظهر بأدنیٰ تأمل ۔ دوسرے: حصر کے لئے نہیں (۲)۔تیسرے: جومنفذ سے داخل ہووہ مفطر صوم ہے:"والمفطر إنماهوالداخل من المنافذ، اه". شامی:۱۳٤/۲ (۳)۔چوتھے: مطلقاً داخل بھی مفطرِ صوم نہیں، بلکہ جوفِ معدہ میں جو داخل ہووہ مفطر ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۸۵/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۸۵/۹/۱۵ھ

روزہ میں خوشبو کا حکم

سوال[۴۸۲۰]: ہومیو پیتھک میں ایک اصولِ معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھدیتے ہیں، جب گولیاں خشک ہوجائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں، ایک یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے۔اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

حفیظ اللہ صاحب کھیری، لکھیم پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے-خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً-روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگربتی ،عطر، دوا سب کا ایک حکم ہے(۴)، البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا

= أخرجه البيهقي وابن أبي شيبة وعبدالرزاق". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۲۴۷/۱، كتاب الصوم، باب موجب الإفساد، سعيد)

(۱) مرتخريجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن"۔

(۲)"وهو مخصوص بحديث الاستقاء، أوالفطر فيه باعتبارأنه يعود شئ وإن قل حتى لايحس به".

(البحرالرائق: ۴۸٦/۲،باب مايفسد الصوم ومالايفسد ،رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۳۹۵/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسده،مطلب: يكره السهر الخ، سعيد)

(۴) "وكذا إذا أدخل الدخان أوالغبارأوريح العطرأوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضی خان: =

مفسدِ صوم ہے، کذافی مراقی الفلاح والطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہوا لینا

سوال[۴۸۲۱]: فرض روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں ہوا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)، اِلّا یہ کہ جوفِ معدہ میں دوا پہونچائی جائے (۳)۔ ہوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگر چہ پمپ سے پہونچائی جائے (۴) جبکہ کے اس میں کوئی اَور

= ۲۰۸/۱، الفصل الخامس فيما لايفسدالصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۲۰، باب مالايفسد الصوم، قديمي)

(۱) "(أو دخل حلقه دخانٌ بلاصنعه) لعدم قدرته على الامتناع عنه، فصار كبللٍ بقي في فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم. وفيما ذكرنا إشارة إلى انه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأيّ صورة كان الإدخال، فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما، حتى من تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكراً لِصومه، أفطر، لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶۰، كتاب الصوم، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۵/۳، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۷۱۱/۳، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده، رشيديه)

(۲) (مرتخريجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن")

(۳) "وفي دواء الجائفة والآمّة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ، لالكونه رطباً أويابساً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰۴/۱، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۴۰۶،۴۰۲/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۴) "أودخل حلقه غبارٌ ولوكان غباردقيق من الطاحون، أو دخل حلقه ذباب، أودخل أثر طعم الأ دوية=

چیز نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا

سوال[۴۸۲۲]: ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۳ھ۔

روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ واستنشاق

سوال[۴۸۲۳]: ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنے ہاتھ پر سرسوں کے تیل کی مالش کی، پھر وضو کیا، ہاتھوں پر چکناہٹ کا اثر باقی تھا، ایسی ہی چکناہٹ سے انگلیوں سے ناک میں پانی لگایا اور ناک صاف کر کے وضو کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی محسوس ہوا کہ زبان پر بھی چکناہٹ کا اثر محسوس ہوتا تھا، نیز حلق کے اندر

= فیہ فلایفسد الصوم فیھا". (مراقی الفلاح، ص: ۲۲۰، ۲۲۱، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیہ)

البتہ آج کل کے جو پمپ استعمال ہوتا ہے، اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اوران اجزاء کا معدہ میں پہونچنا یقینی ہوتا ہے، لہٰذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

(۱) "فکذا إذا دخل الدخان أو الغبار أوریح العطر أو الذباب حلقه، لایفسد الصوم". (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم، رشیدیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۲۰، باب فی بیان مالا یفسد الصوم، قدیمی)

بھی اور زبان پر بھی اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر بھی چکناہٹ گئی ہے۔اس کے علاوہ جب سر میں تیل لگاتا ہے تو حلق اور زبان پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ایسی حالت میں حلق یا زبان پر چکناہٹ محسوس ہوتی ہے تو روزہ میں اس سے کیا خرابی اور فرق ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے روزہ میں فرق نہیں آتا ہے، بعض دفعہ چکناہٹ بہت تیز ہوتی ہے، بغیر کلی اور بغیر ناک میں چکنے ہاتھ سے پانی داخل کئے ہوئے بھی محض سانس کے اندر پہونچ کر سر اور حلق کو متاثر کر دیتی ہے اور جب کہ پانی حلق کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ دماغ میں پہونچا تو روزہ پر اثر کیوں پڑے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲۰ھ۔

روزہ میں اگربتی

سوال[۴۸۲۴]: رمضان شریف میں جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں ایک روزہ دار شخص نے کچھ اگربتیاں اس مقصد سے سلگائیں کہ تمام مسجد میں خوشبو پھیلے، اگربتیاں جلتی رہیں اور خوشبو پھیلتی رہے، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اچھی خوشبو ہونے کی وجہ سے لمبا سانس لے کر خوشبو سونگھی، کسی نے جلتی ہوئی اگربتیوں کو قریب لے کر نہیں سونگھا اور نہ اس کے پاس سونگھنے بیٹھا، تمام مسجد میں خوشبو پھیل رہی تھی، اس خوشبو کو لمبا سانس لے کر سونگھا، ایسی حالت میں کیا روزہ دار اور نمازیوں کے روزے ٹوٹ گئے؟ اور جنہوں نے خوشبو کو لمبی سانس لے کر سونگھا تھا ان کے روزے کیا ٹوٹ گئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی کا دھواں اگر قصداً سانس لے کر دماغ میں پہونچایا ہے تو روزہ فاسد ہوگیا، اگر دھواں دماغ میں نہیں پہونچا، صرف خوشبو سونگھی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا (۱)۔ روزہ کی حالت میں اگربتی نہ

---

(۱) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۸/۱، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۳۶۰، باب مالايفسد الصوم، قديمي)

سلگائی جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا

سوال[۴۸۲۵]: صائم- رمضان یا غیر رمضان ہے- بحالتِ روزہ اگربتی یا لوبان کا دھواں سونگھے یا سینٹ تو روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سینٹ یا کسی بھی عطر کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۲)۔ اگربتی یا لوبان کا دھواں بالقصد حلق کے راستے سے اندر پہونچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، صرّح به الشامي وغيره في ردالمحتار وغيره من كتب الفقه:

"لوأدخل حلقه الدخان، أفطر أيّ دخان كان، اهـ". درمختار: "أي بأيّ صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمّه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عنه، وهذامما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشمّ الورد ومائه والمسك، لوضوح الفرق بين

---

(۱) "أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكراً استحساناً، لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لوأدخل حلقه الدخان أفطر أيّ دخان كان، ولو عوداً أو عنبراً، لوذاكراً لإمكان التحرز عنه، فليتنبه له، كمابسطه الشرنبلالي". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۱۱، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۲) "وكذا إذادخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

"لايكره للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوه ممالايكون جوهراً متصلاً كالدخان".

(مراقي الفلاح، ص: ۶۵۹، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

هواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله، إمداد. وبه علم حكم شراب الدخان، ا ھ". شامی: ۱۳۳/۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم

سوال [۴۸۲۶]: بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا (۲)۔ کیا یہ حکم لوبان ہی کے لئے ہے یا اگربتی وغیرہ ہر دھوئیں کے لئے ہے؟ بعض حضرات روزہ میں اگربتی جلا کر سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو خوشبودار چیز ہے اور خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لوبان وغیرہ غرض جو بھی دھواں خوشبو کے لئے سونگھ کر حلق یا دماغ میں پہونچایا جائے اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا (۳) محض خوشبو (عطر) سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کذا فی الطحطاوی (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۳۹۵/۲، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۶۰، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۷۱۱/۳، باب مايفسد الصوم ومالايفسد)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۰۹، باب ہفتم، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے ان کا بیان، دارالاشاعت کراچی)

(۳) "أودخل حلقه دخان بلاصنعه، لعدم قدرته على الامتناع عنه. وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأيّ صورة كان الإدخال، فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أوغيرهما".

(مراقي الفلاح على نور الايضاح، ص: ۲۶۰، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۳۹۵/۲، باب مايفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۷۱۱/۳، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(٤) "لايكره للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوه ممالايكون جوهراً متصلاً كالدخان". (مراقي =

نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم

سوال[۴۸۲۷]: روزہ کی حالت میں ایک قسم کا منجن جو تمبا کو اور پرانے گڑ سے تیار کیا جاتا ہے ،استعمال کرتا ہے، جس کی اسے عادت پڑی ہوئی ہے، اس کے استعمال سے اس کو تسکین بھی ہوتی ہے، اس منجن میں نشہ بقدرِ تمبا کو ہے۔ کیا ایسے منجن کا روزہ کی حالت میں استعمال جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے پورا پرہیز کرے، اکثر اس کا کچھ حصہ حلق کے اندر پہونچ جاتا ہے، نشہ کا ہونا مستقل وجہ منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۹۴ھ۔

جلق مُفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۲۸]: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں نہیں لگی تو اس صورت میں صرف اعضائے تناسل دھولینا کافی ہے یا غسل واجب ہے؟ اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

= الفلاح، ص: ۶۵۹، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

"وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۰۸، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۵۶، الفصل الرابع فيمايفسد الصوم ومالايفسد)

(۱) "أوذاق شيئاً بفمه وإن كره، لم يفطر". (الدرالمختار). "إن كره إلا لعذر كما يأتي". (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۰، كتاب الصوم، سعيد)

"وكره له ذوق شئ، وكذا مضغه بلاعذر، وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا فيفطر". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۴۱۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۴، الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۹، الباب الثالث فيمايكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جلق سے اگر منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔ اگر مذی نکلی ہے تو عضو کا دھولینا اور وضو کرلیا کافی ہے، غسل واجب نہیں، نہ روزہ فاسد ہوا(۲)۔ اگر منی نکلی ہے تو روزہ بھی فاسد ہوگیا اور غسل بھی واجب ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۷ھ۔

سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۲۹] : کیا سانپ، بچھو کے کاٹنے اور انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

---

(۱) "(قوله: الاستمتاع بالكف): أى كونه لايفسد، لكن هذا إذا لم يُنزل، أما إذا أنزل فعليه القضاء، كما سيصرح به، وهو المختار". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فى حكم الاستمناء بالكف: ۳۹۹/۲، سعيد)

(۲) "(لا) عند (مذى أو ودى) بل الوضوء منه .... اه". (الدرالمختار). "(قوله: بل الوضوء منه، الخ): أى بل يجب الوضوء منه: أى من الودى ومن البول جميعاً". (ردالمحتار: ۱۶۷/۱، كتاب الطهارة،سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع فى مايفسد الصوم ومالايفسد : ۲۸۱/۲ ،قديمى)

(۳) "الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنى، يجب عليه القضاء، وهو المختار". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده: ۴۷۵/۲، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد: ۳۶۰/۱، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، مطلب فى حكم الاستمناء بالكف: ۳۹۹/۲، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع مايفسد الصوم ومالايفسد: ۱۸۱/۲، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ نہیں ٹوٹتا(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صبح صادق کے ایک دومنٹ بعد سحری کھانا

سوال[۴۸۳۰]: سحری کا آخری وقت مثلاً پانچ بجے ہے، ایک شخص مثال کے طور پر چار بج کر پچیس منٹ پر سوکر بیدار ہوا، اس نے جلدی جلدی دو چار لقمے کھائے، جس وقت وہ کھا کر پانی پینے لگا اس وقت پانچ بجکر ایک منٹ یا دومنٹ زیادہ ہوگئے۔ اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو یہ چاہئے کہ اس روزہ کو پورا کرے پھر بعد رمضان ایک روزہ جداگانہ اس کے عوض رکھے:

"أو سحر أو جامع شاكاً في طلوع الفجر وهو طالع، لا كفارة عليه للشبهة؛ لأن الأصل بقاء الليل ويأثم إثم ترك التثبت مع الشك، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ٣٦٩، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) "أو ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (ردالمحتار: ٢/٣٩٥، ٣٩٦، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٢٠٣، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ٢/١٧، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(٢) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح: ص: ٦٧٥، باب ما يفسد الصوم و يوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٢٠٣، الباب الرابع فيما يفسد و ما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ٢/٤٠٥، ٤٠٦، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ١/٢٢٥، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركة علميه)

باب قضاء الصوم و کفارته و فديته

(روزے کی قضاء اور اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

رمضان میں جہراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا

سوال[۴۸۳۱]: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے، علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں، رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مریض اور مسافر کو عذرِ شرعی کی بنا پر (حائضہ ونفساء کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہئے سراً کھائیں۔ بلا عذرِ شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے سخت جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے، مگر سزا دینا ہر ایک کے بس میں نہیں: "و لو أكل عمداً جهراً بلا عذر يقتل، اهـ". طحطاوی ص:٣٦٣(١)۔

"يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر، وعلى صبي بلغ، وكافر أسلم بحرمة الوقت بالقدر الممكن، اهـ. أما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك، ولكن لا يجب الإمساك على المريض والمسافر، ولكن لا يأكلون جهراً بل سراً، اهـ". طحطاوی مختصراً، ص:٣٧(٢)۔

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٦٦٣، كتاب الصوم، باب مايفسد به الصوم، اهـ، قديمي)

(٢) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٦٧٨، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح الإمساك، قديمي)

سزا کے لئے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے جو کہ امیر المؤمنین کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

جن پر روزہ فرض ہے ان کو کھانا ہوٹل وغیرہ میں کھلانا بھی معصیت اور تعاون علی الاثم ہے: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآية(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۱ھ۔

روزہ کی قضائے عمری

سوال[۴۸۳۲]: ایک شخص کے فرض روزے باقی ہیں بالغ ہونے کے بعد بہت سے روزے متواتر اور بہت سے غیر متواتر روزے نہیں رکھے، تو روزے اور نمازیں کس طرح قضاء کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جب بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی قضاء کرے۔ اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزے سے رمضان کی تعیین کرے مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اور روزے کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں ہے، هكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح (۳)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً". (الدرالمختار). "(وقوله: قادراً): أي على تنفيذ الأحكام وإنصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحماية البيضة وحفظ حدود الإسلام وجر العساكر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرى: ۱/۵۴۸، سعيد)

(۲) (المائدة: ۲)

(۳) "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوة، فإذاأراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله ...... وكذاالصوم الذي عليه من رمضانين إذاأرادقضائه، يفعل مثل هذا". =

روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ

سوال[۴۸۳۳]: ایک شخص کے ذمہ فرض روزے باقی ہیں یعنی جب سے بالغ ہوا تھا، روزے فرض نہیں رکھتا تھا، کئی سال متواتر نہیں رکھے، اب چھ سات سال بالغ ہونے کے بعد سے رکھنے لگا ہے تو ان فرض روزوں کے رکھنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے سال کی عمر کی فرض نمازیں اور فرض روزے اس پر رکھنے فرض ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جیسے بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی نماز قضاء کرے اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزہ میں رمضان کی تعیین کردے، پہلے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں۔ اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اس کے بعد دوسرے رمضان کے، اسی طرح رکھے۔ یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو بھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں، هكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۵۹(۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۱۱/۹ھ۔

= (مراقي الفلاح). قال الطحطاوي: "وأما إذا كان من رمضان واحد، فلا يحتاج إلى التعيين اتفاقاً".

(حاشيه الطحطاوي، ص: ۴۴۲، باب قضاء الفوائت، قديمي)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۷۶/۲، ۷۷، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "وإذا كثرت الفوائت، يحتاج لتعيين كل صلاة يقضيها التراحم الفروض والأوقات كقوله: أصلي ظهر الاثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهذا فيه كلفة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته لم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصله يصير أولاً، فيصح بمثل ذالك وهكذا .... إن شاء فيقول: أصلي اخر ظهر أدركته ولم أصلّه بعد، فإذا فعل كذلك فيما =

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا

سوال[۴۸۳۴]: یہ جو بہت سے لوگوں نے اتوار کے روزے توڑے ہیں یہ رکھے جائیں گے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو یکم شوال تھی تو ایسے روزوں کی قضاء لازم نہیں (۱) اگرچہ بلاتحقیق وتصدیق توڑنا منع تھا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ

سوال[۴۸۳۵]: رمضان المبارک کی انتیسویں شام میں مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آیا اور شب کے ساڑھے نو بجے ریڈیو سے بھی یہ اطلاع ملی کہ ریاست میسور اور بھارت کے دوسرے حصوں میں ہلال نظر نہ آیا۔ رمضان المبارک ۳۰/ کی صبح کو یہ خبر ملی کہ بمبئی میں عید منائی جارہی ہے تو یہاں کے بہت سارے روزہ داروں نے روزہ توڑ دیا اور بہت ساروں نے روزہ نہ توڑا، عید کی نماز دوسرے دن پڑھی گئی، برائے مہربانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

= يليه يصير آخر بالنظر لما قبله، فيحصل التعيين ، وكذا (الصوم الذى عليه من رمضانين) إذا أراد قضائه يفعل مثل هذا، الخ." (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح ، ص: ۴۴۲، كتاب الصلوٰة،باب قضاء الفوائت،قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۷۶،۷۷،باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً إلا فى العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم، لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهى، الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/ ۴۲۸، كتاب الصوم، فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی افواہ پر بغیر تحقیق وتصدیق کے ۳۰/ رمضان کو روزہ توڑنا درست نہیں، لیکن اگر بعد میں تحقیق ہوجائے کہ وہ تاریخ ۳۰/ رمضان کی نہیں بلکہ یکم شوال تھی تو اس روزہ کی قضاء یا کفارہ کچھ لازم نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم

سوال[۴۸۳۶]: ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ توڑا ان لوگوں پر صرف قضاء لازم ہے یا نہیں؟ یا کفارہ بھی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا تو یہ کافی نہیں (۲)، البتہ اگر یہ اعلان آئے کہ فلاں جگہ قاضی شرعی یا حاکم مسلم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی نے جس کے افراد باعلم اور متبع شریعت ہوں شرعی شہادت لے کر اعلان کردیا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں ایسے مقامات پر معتبر مانا جائیگا کہ اس کے تسلیم کرنے

---

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاءً إلافي العيدين وأيام التشريق، فلايلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۴۲۸/۲، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نورالإيضاح، ص: ۶۹۱، فصل في العوارض المبيحة، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۶/۲، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولوسمع من وراء حجاب كثيف لايشف من ورائه، لايجوز له أن يشهد، ولوشهد وفسّره للقاضي بأن قال: سمعته باع ولم أرشخصه حين تكلم لايقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة، إلا إذا أحاط بعلم ذلك؛ لأن المسوغ هوالعلم". (فتح القدير: ۳۸۴/۷، كتاب الشهادات، فصل: يتعلق بكيفية الأداء ومسوغه، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

سے مہینہ ۲۸/ دن یا ۳۱/ دن کا نہ ہو جائے۔

امسال جن لوگوں نے تیسواں روزہ محض ریڈیو کی خبر پر بغیر تحقیق شرائط توڑ دیا ہے انہوں غلط کیا، ان لوگوں کو اس میں جلدی سے کام لینا نہیں چاہیے تھا، لیکن جب بعد میں یہاں شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس دن کے روزہ کی قضاء لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضاء

سوال [۴۸۳۷]: گذارش ہے کہ ترجمہ منیۃ المصلی صلوۃ الرحمٰن، فصل باب الحیض کے آخری مسئلہ میں یہ عبارت البحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "جو عورت بسبب خون استحاضہ کے بھول گئی، گنتی حیض کی اور وقت حیض الخ..........اور حکم روزے کے واسطے اس کے یہ ہے کہ روزہ رکھے رمضان کے تمام مہینے میں، کیوں کہ ہر روز پاک ہونے کا گمان ہے اور بعد رمضان کے قضاء کرے بیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بائیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے جس کو حیض ہر مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہو اور اگر دو دفعہ آتا ہو یعنی اول مہینہ میں اور آخری مہینہ میں تو وہ عورت قضاء کرے تیس روزے اور نزدیک بعضوں کے چھتیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے"۔ فقط۔

یہ عبارت سلیس حضور فرمادیں کہ طہر کی مدت تو پندرہ روز ہے، پھر قضاء بیس روزوں کی کیونکر اور بائیس کی کیونکر کرے، اگر دس روز حیض میں شمار ہوئے تو دو روز زائد کیسے، اور کل رمضان تو ۲۹/ یا ۳۰/ دن کا ہوتا ہے تو قضاء ۳۲/ دن یا چھتیس دن کی کیونکر ہوئی، اگر تمام مہینہ ناپاکی میں شمار ہوا تو طہر کا زمانہ کب ہوا یعنی

---

(۱) "لزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلايلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۴۲۸/۲، فصل في العوارض المبيحة، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۶/۲، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۲۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

پاکی کتنے روز رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترجمہ منیۃ المصلّی صلوۃ الرحمن میرے پاس موجودنہیں، البتہ بحرشرح کنز میں ۱/۲۱۰ پر یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں کچھ دوسرے اقوالِ فقہاء بھی درج ہیں مگر چونکہ آپ نے صرف چار اقوال نقل کرکے ان کی وجہ دریافت کی ہے اس لئے انہیں چار کی وجہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض دس روز ہیں اور احتیاطاً دس روز ماہ رمضان میں حیض کے شمار ہوں گے اور بعد رمضان دس روز کا اعادہ ہوگا، پھر جب انتیس کے ماہ میں دس روزوں کا اعادہ کیا تو اس احتمال کی بنا پر کہ شاید دس روز حیض کے دوسرے دس روزوں کا حکم دیا گیا، لہٰذا بیس روزوں کی قضاء ہوگئی، یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کو یہ علم ہو کہ حیض کی ابتدا رات میں ہوئی، اگر ابتدا دن میں ہوئی ہو تو بائیس روزوں کا اعادہ کرے اس لئے کہ اس صورت گیارہ روزوں کا اَور حکم دیا جائیگا، یہ کل تیس روزے ہوگئے۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں کہ قضاء مسلسل ہو یا ایک ہی ماہ میں ہو:

"وأما الصوم ههنا تصوم كل شهر رمضان، لاحتمال طهارتها كل يوم، وتعيد بعد رمضان عشرين يوماً، وهو على ثلاثة أوجه: الأول: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالليل، فإنها تقضي عشرين يوماً بجواز أن حيضها في كل شهر عشرة أيام، فإذا قضت عشرةً يجوز حصولها في الحيض، فتقضي عشرةً أخرى. والثاني: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالنهار فتقضي اثنين وعشرين يوماً؛ لأن أكثره مافسد صومها صومها في الشهر أحد عشر يوماً، فتقضي ضعفه احتياطاً، اهـ. ولا يخفى أنه يظهر فيما إذا قضته موصولاً أو مفصولاً، ولكن في شهر واحد، اهـ". بحر (۱)۔

اگر دو دفعہ حیض آتا ہو اور حیض کی ابتدا دن میں ہوئی ہو تو ہر ماہ کے پندرہ روز طہر کے رہیں گے پندرہ روز حیض کے، مگر چونکہ طہر کی ابتداء دن میں بھی ہو سکتی ہے، ایسی حالت میں طہر کے چودہ ہی روز رہ گئے تو گویا کہ رمضان شریف میں چودہ ہی روزے صحیح گئے اور سولہ روزہ فاسد، پس سولہ کی قضاء کرے گی آئندہ ماہ میں، مگر اس

(۱) (البحر الرائق: ۱/۲۶۴، ۲۶۵، کتاب الطہارۃ، باب الحیض، رشیدیہ)

میں بھی اسی طرح کے سولہ کے فساد کا احتمال ہے۔

لہذا دوسرے سولہ کا حکم دیا جائے گا تو کل بتیس ۳۲/ ہو جائیں گے: "وإن علمت أن ابتداء حيضها كان بالنهار يقضي اثنين وثلثين يوماً إن قضت موصولاً برمضان؛ لأن أكثر مافسد من صومها عن الشهر ستة عشر يوماً"(۱)۔ اور چھتیس کا قول بحر میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

حائضہ پاک ہو جائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۳۸]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجنے سے قبل پاک ہو جائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پئے نہیں: "يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

روزہ توڑنے کا کفارہ

سوال[۴۸۳۹]: خباثتِ نفس کی وجہ سے شادی کے بعد رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں

(۱) (البحر الرائق: ۱/۳۶۶، كتاب الطهارة، باب الحيض، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۸، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، فصل فيمن يجب عليه التشبه و من لا يجب، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۲۵، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه شركة علميه ملتان)

مباشرت کرلی، ایک مولوی صاحب کے بتلانے پر ۱۲۰/خوراکوں کا حساب لگا کر نقد دوغریبوں کو یکمشت دیدیا، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک دم ادا کرنے سے ادا نہیں ہوا، ۳۰/ یوم یا تو کھانا کھلائے یا پونے دو سیر گندم یا اس کے برابر قیمت دینی چاہئے تب کفارہ ادا ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اگر ضعف یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ غریبوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلائے خواہ دو دن ایک وقت کھلائے، خواہ ایک غریب کو دووقت ساٹھ روز تک کھلائے، خواہ ساٹھ غریبوں کو کھانا دیدے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر یا اس کی قیمت دیدے، ان سب صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا (۱)۔

جس میں ساٹھ روزے مسلسل رکھنے کی طاقت ہو اس کے لئے کھانا کھلانا یا غلّہ یا قیمت دینا درست نہیں بلکہ وہ روزہ ہی رکھے گا تب ہی کفارہ ادا ہوگا (۲)۔ غلّہ یا قیمت (صدقۃ الفطر کے برابر) ساٹھ غریبوں کو دینے کے بجائے اگر دوغریبوں کو مجموعہ دیدیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا، اٹھاون کو اور دیدے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر

---

(۱) "إن أباهريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينمانحن جلوس عندالنبي صلّى الله عليه وسلم إذجاءه رجل فقال: يارسول الله! هلكتُ .... "هل تجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخاري: ۱/۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

"أكل عمداً، قضى، وكفّر كفارة المظاهر: أي كذا في الترتيب، فيعتق أولاً، فإن لم يجدصام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۴۱۱، ۴۱۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(۲) "وأمافي كفارة الظهار وكفارةالإفطار في شهر رمضان إذاعجز عن الإعتاق لفقره، وعجز عن الصوم لكبره، جاز له أن يطعم ستين مسكيناً؛ لأن هذاصاربدلاً عن الصيام بالنص". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

دے تب ادا ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۳ھ۔

کسی اور کا تھوک نگلنے سے کفارہ

سوال[۴۸۴۰]: اگر کوئی روزہ دار آدمی اپنے دوست یا اپنی بیوی کا لعاب یا تھوک نگل گیا اس کی وجہ سے قضاء یا کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاء بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا: "ومنه ابتلاع بزاق زوجته أوصديقه؛ لأنه يتلذذبه، ولاتلزم الكفارة ببزاق غيرهما؛ لأنه يعافه، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۳۶۵(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۲ھ۔

روزے کا کفارہ

سوال[۴۸۴۱]: ایک شخص اپنے فرض روزہ کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آدمی کو دونوں وقت کھانا دیتا ہے، اپنے سامنے بٹھا کر نہیں کھلاتا، ساٹھ دن برابر دیتا ہے یا فطرہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی دیتا ہے

---

(۱) "لو أعطى مسكيناً واحداً كله في يوم واحد، لايجزيه إلا عن يومه ذلك .... ولو أعطى ثلاثين مسكيناً كل مسكين صاعاً من حنطة، لايجوز إلا عن ثلاثين، وعليه أن يعطي ثلاثين مسكيناً أيضاً كل مسكين نصف صاع من حنطة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة: ۵۱۳/۱، رشيديه)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۶۶۷، باب مايفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۱۰/۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰۳/۱، الباب الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، رشيديه)

یعنی کسی دن فطرہ کسی دن کھانا دیتا ہے، ہر صورت سے اس کا کفارہ ادا ہوجاتا ہے یا نہیں، یا کیا صورت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ کا کفارہ اولاً غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہوتو دو ماہ تک مسلسل روزہ رکھنا، اگر اس کی قدرت نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا (۱)۔ اگر ایک فقیر کو کھانا دے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ اپنے سامنے بٹھا کر کھلائے سو اس میں کوئی مقدار متعین نہیں وہ جتنا بھی کھالے صرف اتنی شرط ہے کہ فقیر بالغ ہو یا بلوغ کے بالکل قریب ہو اور پہلے سے کھانا کھائے ہوئے نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کھانا یا غلہ وغیرہ دیدے سو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک وقت کا کھانا ایک فطرہ سے کم نہ ہو، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يظاهرون منكم من نسآئهم.......... فتحرير رقبة .... فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا، فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً﴾ (سورة المجادلة: ۳، ۴)

"أكل عمداً قضى وكفر ككفارة المظاهر: أى مثلها في الترتيب: فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

"أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن جلوس عند النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل، فقال: يا رسول الله! هلكتُ .... "هل نجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخارى: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، باب: إذا جامع في رمضان، قديمى)

(۲) "والشرط أن يغديهم ويعشيهم غدآءً وعشآءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته، أو يغديهم غدآئين من يومين .... ولو أباح الطعام أن يشبعهم. ولو بخبز البر من غير أدم والشعير لابد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لايكفي. أو يعطى كل فقير صاع تمر أو صاع شعير أو زبيب =

مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۲]: ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ایک عورت کے ہاں گیا اس کی چھاتی اور اس کے کلّے (۱) کو اپنے ہاتھ سے مس کیا اور اسی حالت میں انزال ہوگیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ ٹوٹ گیا، مگر صرف قضاء لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

"أو أنزل بتفخيذ أوتبطين أوعبث الكف، أو أنزل من قبلة أو لمس، لا كفارة عليه".

مراقی الفلاح، ص: ۳۹۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة"(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور۔

کفارۂ روزہ میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۳]: ایک شخص نے کفارہ کے انسٹھ روزے مسلسل رکھے، ساٹھویں روزہ رکھنے کے دن وہ بیمار پڑ گیا تو کیا از سر نو ساٹھ روزے رکھے یا بعد صحت صرف ایک روزہ رکھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پھر سے ساٹھ روزے مسلسل رکھے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاولیٰ/۱۳۹۰ھ۔

= أو يعطي قيمته". (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۱) "کلّا: جبڑا، گال"۔ (نور اللغات، حصہ سوم، ص: ۸۱۰)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۲۶۶، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(۳) "اعلم أن الصيامات اللازمة فرضاً ثلاثة عشر، سبعة منها يجب فيها التتابع: وهي رمضان و كفارة =

پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں

سوال[۴۸۴۴] : زید ایک غریب کو ایک سال سے کھانا کھلا رہا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر زید نے رمضان میں روزے کی حالت میں ایسے فعل کیے جس سے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوتا ہے مثلاً: قصداً کھانا کھایا یا جماع کر لیا تو کیا اگر زید یہ نیت کرے کہ جو میں نے غریب کو کھلایا ہے اس میں دو مہینہ کفارہ کا ہے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی یا دو ماہ پھر کھلانا پڑے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پہلے کا کھلایا ہوا اب کفارہ میں محسوب نہیں ہوگا جیسے حنث سے پہلے کفارۂ یمین کا ادا کرنا معتبر نہیں، اِفسادِ صوم کے بعد کفارہ کا ادا کرنا ضروری ہے، نیز نیتِ متأخرہ عملِ مقدم میں کافی نہیں، اس کے ذریعہ سے واجب ادا نہیں ہوتا: "لا عبرة بنية متأخرة، اهـ". درمختار (۱) ۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۹۱ھ۔

کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں یا الگ الگ؟

سوال[۴۸۴۵] : ۱......روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مساکین کو دو وقت (دن رات) کھانا کھلایا جائے گا، یا تیس کو دو وقت کھانا کھلا کر ساٹھ پورے کئے جائیں گے؟ نیز دونوں وقت کھانا کھانے والے ایک ہی ہوں گے یا دن میں اَور رات کو اَور ہو سکتے ہیں؟

کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلباء کو کھانا کھلانا

سوال[۴۸۴۶] : ۲......دینی مدرسہ کے مقیم طلباء کو جن کے خورد ونوش کا مدرسہ ذمہ دار ہے، روزہ

= القتل ...... و كفارة الإفطار". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۵، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير: ۲/۳۴۰، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كفر ككفارة المظاهر". (الدرالمختار). "فلو أفطر و لو لعذر استأنف إلا لعذر الحيض".

(ردالمحتار: ۲/۴۱۲، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب في الكفارة، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعيد)

کے کفارہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے؟

کفارۂ صوم ادا کرنے کی آسان صورت

سوال[۴۸۴۷]: ۳.....اگر دینی مدرسہ کے مقیم طلباء روزہ کے کفارہ کا کھانا نہیں کھا سکتے ہیں دیگر مساکین ہیں تو ان میں تمیز دشوار ہوگی کہ مسکین کون ہیں اور پیشہ ور فقیر کون؟ نیز وقتِ واحد میں جس کا اجتماع دشوار ہوگا، ساٹھ کا دشوار تر، اور اس دشواری میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ اگر دونوں وقت کے کھانے کی شرط ہے کہ مساکین وہی ہیں جو صبح کو کھا چکے ہیں۔ اس حالت میں آسان صورت کیا ہے روزہ کے کفارہ ادا ہونے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے، دونوں وقت وہی ہوں گے (۱)۔

۲.....وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو کھلا سکتے ہیں، مگر ان کو بٹھا کر کھلایا جائے، یہ نہ ہو کہ دو روٹی دے کر چلتا کر دیا جائے، بیٹھ کر دو روٹی کھائیں یا کم زیادہ جتنے میں سیر ہو جائیں (۲)۔

۳.....مدرسہ میں ایسے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھلانا دشوار نہیں، اس سے بھی زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ ایک مسکین کو تجویز کر لیا جائے اس کو دونوں وقت بٹھا کر کھلا دیا جائے، جب ساٹھ دن (ایک سو بیس وقت)

---

(۱) "أطعم ستين مسكيناً أو فقيراً، ولا يشترط اجتماعهم، والشرط أن يغديهم أو يعشيهم غداءً وعشاءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته أو يغديهم غدآئين من يومين أو يغشيهم عشآئين من ليلتين بشرط أن يكون الذين أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أوّلاً، حتى لو غدى ستين، ثم أطعم ستين غيرهم، لم يجز حتى يعيد الإطعام لأحد الفريقين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٦٧٠، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۲) "والشرط إذا أباح الطعام أن يشبعهم، ولو بخبز البر من غير أدم، والشعير لا بد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لا يكفي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٦٧٠، فصل في الكفارة، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ٣٨٧/٢، الفصل السابع: الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ٢٠٣/١، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

مسلسل کھالے گا تو کفارہ ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق

سوال [۴۸۴۸]: ۱...... ایک شخص کا انتقال ہوا جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضاء ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

۲...... مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضاء ہوگئے ہیں جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضاء ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

۳...... ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

۴...... اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے یا محض فقیروں کو دینا چاہئے؟

۵...... اگر کسی میت کے ورثاء غریب ومفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقط۔

عبدالکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ عبداللہ صاحب مدرس درجہ قرآن شریف، جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر ایسی حالت میں نمازیں قضاء ہوئی ہیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی بلکہ اسی حالت میں انتقال ہوگیا تو اس پر ان نمازوں کی قضاء فرض نہیں، نہ اس کی

---

(۱) "ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزأه؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

طرف سے ان نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه، وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة، سقط القضاء عنه، وإن كان يفهم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوىٰ". درمختار: ۱/۷۹۵(۱)۔ قال الشامي: "فلو مات ولم يقدرعلى الصلوٰة، لم يلزمه القضاء، حتى لايلزمه الإيصاء بها". شامی: ۱/۵۱۰(۲)۔

۲......ایسی حالت میں روزہ کی قضاء بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں: "لاقضاء للصوم على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أوالإقامة". بحر: ۲/۲۸۳(۳)۔

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے: "يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذاحكم الوتروالصوم". درمختار: ۱/۷۶۶(٤)۔

۳......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے: "ولو أدى الفقير أقل من نصف صاع، لم يجز". درمختار: ۱/۷۶۸(۵)۔ البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دینا جائز ہے: "ولو أعطاه

---

(۱)(الدرالمختار، باب صلوٰة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب صلوٰةالمريض: ۲/۲۰۳،۲۰۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في صلوٰة المريض: ۱/۱۳۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(۳) (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم في بيان وجوه الأعذار المبيحة للإفطار ومايتعلق بها: ۱/۲۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۵)(الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد) .... =

الکل، جاز" (۱)۔ اسی طرح کئی روزوں کا فدیہ بھی ایک کو دینا جائز ہے:"ويجوز إعطاء فدية صلوة وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملةً". مراقي الفلاح، ص: ۲۵۵ (۲) اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں (۳)۔

گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے،قال الشامي: ۷٦٦/۱ تحت قول الدر: "(نصف صاع من بر): أي أو من دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أوزبيب أو شعير أوقيمته، وهي أفضل عندنا، لإسراعها لسدّ حاجة الفقير"(٤)۔

۴......غریب مسکین لوگ اس فدیہ کا مصرف ہیں (۵)، مسجد کی مرمت میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں،

= (وكذا في البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ۱٦۱/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الصلوٰة، في قضاء الفائتة: ۷۷۱/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱۲۵/۱، رشيديه)

(۲) (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في إسقاط الصلوٰة والصوم، ص: ۴۳۹، قديمي)

(۳) (راجع،ص: ۱۷۷، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۴، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر: ۵۹۰/۲، المكتبة الغفارية)

(۵) قال العلامة الحصكفيؒ: "مصرف الزكاة والعشر .... هو فقير .... ومسكين .... وعامل .... ومكاتب ومديون .... وفي سبيل الله". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذروغير ذلك من الصدقات الواجبة". (رد المحتار: ۳۳۹/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطورِ تملیک دیدینا جائز ہے(۱) اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے(۲) بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں، مالدار نہ ہوں، فقیروں کو دینا بھی جائز ہے(۳)۔

۵......اگر ورثۂ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصف صاع کسی فقیر کو دیدیں اور قبضہ کرادیں اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطورِ ہبہ اس کو دیدے اور ورثہ اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا(۴)۔ جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحةً كما مر. (لا) يُصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لاإلى (كفن ميت وقضاء دينه)". (الدرالمختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، على ملتقى الأبحر، كتاب الزكوٰة، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه، بشرط أن يعقل القبض". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۳) "مصرف الزكاة والعشر فقيرٌ، وهو مَن له أدنى: أى دون نصاب، ومسكين مَن لاشئ له على المذهب ...... وصدقة الفطر كالزكاة في المصرف". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، ۳۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۴، رشيديه)

(۴) "(وإن لم يف ماأوصى به) الميت (عماعليه) أو لم يكف ثُلث ماله، أو لم يوص بشيئ، وأراد أحدٌ التبرع بقليل لايكفي، فحيلته لإبراء ذمة الميت عن جميع ماعليه أن (يدفع ذلك المقدار) اليسير بعد تقديره لشئى من صيام، أو صلاة أو نحوه، ويعطيه (للفقير) بقصد إسقاط مايرد عن الميت (فيسقط عن الميت بقدره، ثم) بعد قبضه (يهبه الفقير للولي) أو للأجنبي (ويقبضه) لتتم الهبة وتملك، (ثم يدفعه) الموهوب له (للفقير) بجهة الإسقاط متبرعاًبه عن الميت (فيسقط) عن الميت (بقدره، ثم يهبه الفقير للولي) أو للأجنبي (ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير) متبرعاً عن الميت، وهكذا يفعل مراراً (حتى يسقط =

نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو وہ نصف صاع اگر فقیر کو دیا تھا تب تو اسی کو دیدیں اگر کسی سے قرض لیا تھا تو اس کو واپس کردیں(۱)۔ انشاء اللہ امید ہے کہ میت کی برآءت ہوجائے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطورِ احسان وتبرع ہوگا، کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورتِ مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بَری ہے، کیونکہ نماز قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا، هكذا في كتب الفقه نحو مراقي الفلاح، ص: ۲٥٤(۲)، وشامی: ۱/۷٦۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۲/ رجب/۵۲ھ۔

نماز روزہ کا فدیہ

سوال[۴۸۴۹]: ایک شخص کی بحالت بیماری دووقت کی نمازیں قضاء ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضاء ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دیدیا جاوے یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر، والصوم". درمختار: ۱/۱۰۱(٤)، وفي الشامي: ۱/۷٦٦: "أي أو من دقيق أو سويق أو صاع تمر أو زبيب أو شعير

= ما كان) بظنه (على الميت من صلاة وصيام) ونحوهما مما ذكرنا من الواجبات، وهذا هو المخلص في ذالک إن شاء الله بمنه وكرمه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۹، قديمي)

(۱) "ولو لم يترک مالاً يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳۶، فصل في إسقاط الصلوٰة، قديمي)

(۳) راجع، ص: ۱۷۷، رقم الحاشية: ۱،۲، وايضاً، ص: ۱۸۶، رقم الحاشية: ۱،۲)

(۴) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۷۲،۷۳، باب قضاء الفوائت، سعيد) .... =

أوقيمته، وهى أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير"(۱).

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہیں جو صدقۃ الفطر میں دی جاتی ہیں اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی، لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں: "ولو أدى إلى الفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". درمختار على الطحطاوى: ۱/۳۰۸(۲)۔ "ولوأعطى فقيراً واحداً جملةً، جاز" بحر: ۲/۹۱(۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۷/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمان غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذی الحجہ/۹۰ھ۔

فدیہ صوم وصلوۃ

سوال[۴۸۵۰]: ا...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سنِ بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہو جائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو یا غریب فاقہ کش، سب کے لئے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر

= (وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۱۶۰. كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۷۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، مطلب فى إسقاط الصلوٰة عن الميت، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۴۴۷، قديمى)

وكذا فى المحيط البرهانى: ۲/۵۸۹، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر، غفاريه)

(۲) (باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵. باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية: ۱/۷۷۱. الفصل العشرون فى قضاء الفائته، إدارة القرآن كراچى)

(۳) (البحرالرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية: ۱/۷۷۱، الفصل العشرون فى قضاء الفائتة، إدارة القرآن كراچى)

چڑھا کر جنازہ کے آگے کردیتے ہیں۔ بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیر کر کے دس بارہ فقیر اور ملاں بیٹھ کہ حیلہ کرتے ہیں۔ حیلہ کے وقت ملاں صاحب اس طرح فرماتے ہیں: ''صوم وصلوۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا''۔

دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں۔ پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملاں صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔ حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے، بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملاں صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے۔ اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ بس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارت فقہ مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں وعند الناس مشکور ہوں تا کہ ان بدعات سے باز آئیں۔

۲......ہبہ میں قبضہ شرط ہے یا اشارہ بھی کافی ہے، جائیداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

۳......موافق شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوۃ کا حساب ضروری ہے؟

۴......ولی میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچا دیتا ہے وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

۵......دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا، بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا و توجروا۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

طریقۂ مذکورہ بدعت وناجائز ہے، اصل بلکہ خلافِ اصول شرع ہے(۱)۔ نفسِ ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وروزہ وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعثِ راحتِ میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز روزہ عبادات

(۱) ''حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرطِ صحتِ نیتِ ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیلِ دنیائے دنیہ کا ہے''۔ (فتاوی رشیدیه، کتاب البدعات، ص: ۱۴۰، اداره اسلامیات لاهور)

کر کے، یا غرباء مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دیکر، یا مسجد مدرسہ کنواں وغیرہ بنا کر ہو(۱)۔ اور طریقۂ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالانکہ جن شی کا استحباب شریعت سے ثابت ہو اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شی ممنوع ہو جاتی ہے چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا:

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة"(۲)۔ "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، اهـ". سعاية (۳)۔

دوم یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے حالانکہ نفسِ غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کیے ہوتا ہے حالانکہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں (۴)۔

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا، حالانکہ صدقہ کے لئے قبضہ شرط ہے (۵)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلک عند أصحابنا، للكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (السعاية المصدر السابق: ۲۶۳/۲)

(۴) "ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة .... إلا بإجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶۵۶/۶، سعيد)

(۵) "وتمامها كرهن وصدقة؛ لأن القبض شرط تمامها". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۹۱/۵، سعيد)

پنجم: غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

ششم: یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے حالانکہ بعض اوقات صوم، صلوۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ حساب کے اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے، کیونکہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے(۱)۔

ہفتم: عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے اسی لئے حساب نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ مقدار مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ میت کے ذمہ صوم وصلوۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو یا نہ ہو۔ نیز اگر ہو تو کم ہو یا زیادہ ہو، قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے:

"و في البزازية: ويكره نقل الطعام في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء ة للختم. وأطال ذلك في المعراج و قال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ، ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، اهـ". ردالمحتار(۲)۔

"فيحترز تقسيم كردن نقد غله وغيره بعد ميت از تركۂ آن بمحتاجاں به نيتِ ثواب جائز است بشرطيكه وارثانش كبار باشد و راضي باشند بدادن، و اگر ورثۂ ميت صغار اند، بدون تقسيمِ تركه تصدق جائز نيست. و بدون ايں چيزها همراهِ جنازه رسم جاهليت است، از شرع شريف ثابت نيست، و چيزے كه نظيرش در اصلِ شرع يافته نمي شود كردن آں چيز مكروه است يا حرام. اَما دادنِ تصدق بفقراء و مساكين برائے ثوابِ ميت بے آنكه همراهِ جنازه برند، جائز است، زيرا كه برائے ثوابِ ميت چيزيكه بمحتاجاں

(۱) "و لو مات وعليه صلوات فائتة، و أوصى بالكفارة، يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، و كذا حكم الوتر والصوم، و إنما يعطى من ثلث ماله". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوة عن الميت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

میدهند، مستحب آنست که بے روی و ریا و بے تعینِ وقت و روز باشد، اِلّا بدعت می گردد. و دریں صورت دادنِ ایشاں خالی از کراهت نخواهد شد. ﴿والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم﴾ ۔رسائل اربعین، ص:۵۱،۵۰، مطبوعه درمطبع محمدی ماه صفر ۱۱۶۱/ھ(۱)۔

کفارۂ صوم وصلوٰۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگر اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے، اسی طرح ہر روزہ کے عوض، اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے۔ اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہو جائے تب تو خیر، ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے- بشرطیکہ وہ بالغ ہوں- ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جاسکتا ہے بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے دیں تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ

سوال[۴۸۵۱]: اگر مریض بسببِ مرض روزہ نہ رکھ سکے اور صحت کی قطعاً نوبت نہیں آئی تو ایسی صورت میں اس پر صدقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ باوجودیکہ صدقہ کے لئے صحت ضروری ہے تاکہ انہیں ایام کے اعتبار سے صدقہ کی وصیت کر جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا مریض تھا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تھا اور مرض ہی میں انتقال ہو گیا، روزہ رکھنے کے قابل صحت میسر نہیں ہوئی تو اس کے ذمہ فدیہ کی وصیت لازم نہیں، نہ ورثہ کو فدیۂ صوم دینا واجب ہے: "وکذا حکم الصوم

(۱) (لم أطلع علی هذا الکتاب)

(۲) (راجع، ص: ۱۸۳، رقم الحاشیة: ۴، و، ص: ۱۸۴، رقم الحاشیة: ۱)

فی شهر رمضان إن أفطر فیه المسافر والمریض وماتا قبل الإقامة والصحة، لعدم إدراکهما عدةً من أیام أخر، فلایلزمهما الإیصاء به؛ لأنهما عذرا فی الأداء، فلأن یعذرا فی القضاء أولی"۔زیلعی"(۱)۔ وإذا لم یلزمهما القضاء لایلزمهما الإیصاء به". مراقی الفلاح ۔ مختصراً، ص: ۲٦۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مریض پر فدیۂ صوم

سوال[۴۸۵۲]: اگر کوئی شخص اختلاطی دورہ میں مبتلا ہو، کیفیت ان کی یہ ہو کہ بغیر دوا کے صحت نہ ہوتی ہو اور نماز میں کبھی اس کی کیفیت یہ ہو کہ چار کی جگہ پانچ اور دو سجدوں کی جگہ تین سجدے، یا چار سجدے کرتا ہو اور رمضان کے روزے میں حالت اس کی غیر ہوتی ہو حتی کہ ہوش وحواس بھی مختل ہو جاتے ہیں۔ اندریں صورت اس کو رمضان کے روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ روزے رکھنے کی طاقت بالکل نہیں ہے اور روزوں کی ادائیگی کی کیا شکل ہونا چاہیے؟ نیز کفارہ کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اگر روزہ رکھے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہے تو اس کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے، بلکہ صحت یاب ہو کر قضاء کرے(۳)۔

---

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۱۹۱/۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۳۷، فصل فی اسقاط الصلوٰة والصوم، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۷۲/۲، کتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۲۴۹/۱، کتاب الصوم، فصل فی الأعذار المبیحة للإفطار ومایتعلق بها، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۹۵/۲، فصل فی العوارض، رشیدیه)

(۳) "(منها المرض) المریض إذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو، یفطر بالإجماع. وإن خاف =

اگر حالتِ مرض میں ہی مرگیا، صحت یاب نہیں ہوا تو اس پر قضاء، فدیہ کچھ واجب نہیں (۱)۔ اگر صحت یاب ہوکر روزوں کی قضاء نہیں کی اور مرگیا تو مرتے وقت اس پر وصیت واجب ہے، ورنہ اس کی طرف سے ایک ثلثِ ترکہ میں سے اس کے روزوں کا فدیہ دیں (۲)۔ ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی مسکین، غریب کو دیں یا پیٹ بھر کھانا کھلا دیں (۳)۔ اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ کچھ

= زيادة العلة وامتداده، فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۲۲، ۴۲۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "(فإن ماتوا فيه): أى في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية، لعدم إدراكهم عدةً من أيام أخر". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۵۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۲۹۲، قديمی)

(۲) "(ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدةً من أيام أخر. (وفدى) لزوماً (عنه): أى عن الميت (وليُّه) الذى يتصرف في ماله (كالفطرة) قدراً (بعد قدرته عليه): أى على قضاء الصوم (وفوته) (بوصيته من الثلث)". (الدرالمختار). "(قوله: من الثلث): أى ثلث ماله بعد تجهيزه وإيفاء ديونه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۳) "(فيُطعم عنه وليُّه لكل يوم كالفطرة): أى وجب على الوليّ أن يؤدى فدية مافاتها من أيام الصيام كالفطرة عيناً أو قيمةً". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱/۳۶۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض، غفاريه كوئٹه) ...... =

واجب نہیں (۱)۔

اور جو شخص اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور یہ بھی توقع نہیں کہ آئندہ اس میں اس قدر طاقت آئے گی، بلکہ روز بروز حالت کمزور ہی ہو رہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب آ گیا تو ایسے شخص کے لئے شرعاً حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں روزوں کا فدیہ دے دے (۲)، اس کی ضرورت نہیں کہ مرتے وقت وصیت کرے اور بعد میں اس کے ورثہ فدیہ دیں۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں فدیہ نہ دیا اور وصیت کی تو طریقۂ مذکورہ کے مطابق فدیہ دے دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۴۲۲/۲، سعيد)

(۱) "وإن لم يوص فتبرع به الورثة، جاز. وإن لم يتبرعوا، لم يلزمهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲۶۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲۹۳/۲، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۲۰۷/۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: وللشيخ الفاني، وهو يفدى فقط): أى له الفطر، وعليه الفدية، وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع، لعدم وُرود نصٍ فيهم، ووروده في الشيخ الفاني، وهو الذى كل يوم في نقص إلى أن يموت، ويسمى به (أى يسمّى الشيخ الفاني شيخاً فانياً) إما لأنه قرب من الفناء؛ أو لأنه فنيت قوته". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۵۰۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي يبيح الإفطار: ۲۰۷/۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۳۱/۲، رشيديه)

(۳) "أو مريض خاف الزيادة الفطر وقضوا ماقدروا بلا فدية ولاءً، وقدم الأداء على القضاء، فإن ماتوا فيه فلا تجب الوصية بالفدية. ولو ماتوا بعد زوال العذر، وجبت، وفدى عنه وليُّه كالفطرة بعد قدرته عليه وفوته بوصية من الثلث. وإن تبرع وليُّه به، جاز. وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى". =

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟

سوال[۴۸۵۳]: ۱......بغرضِ ادائے فدیہ روزہ اور فطرۂ عید نرخِ بازار معتبر ہے؟ یا کنٹرول ریٹ جس کو دیا جانا مقصود ہے، اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے، بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو اتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگائی جائے۔

فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے

سوال[۴۸۵۴]: ۲......فدیہ یا فطرہ کسی عالم دیندار شخص کو- جو صاحبِ حاجت ہوں، لیکن خرچ سے پریشان ہوں- دینا اَنسب ہے یا بالکل مسکین کو؟

فدیہ صیام شروعِ رمضان میں دے یا اخیرِ رمضان میں؟

سوال[۴۸۵۵]: ۳......آیا فدیہ رمضان شریف شروع ہوتے ہی ادا کرنا ضروری ہے یا رمضان کے کچھ دن گذرنے پر بھی دے سکتے ہیں؟ نیت پہلے سے کرلی جائے کہ دوں گا؟ میرے گھر میں اور والدہ دونوں بے حد کمزور ہیں اور بیمار ہیں صحت وقوت بہت کم ہے اور نہ اس کے عود کرنے کی کوئی امید ہے۔

عبدالجلیل اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں، اس لئے بازاری نرخ سے دیں (۱)۔

۲......دیندار حاجت مند کو دینا افضل ہے (۲)۔

= (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۲-۴۲۷، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید)

(۱) "وجاز دفع القیمةفي زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة .... ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولوفي مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار: ۲/۲۸۵، ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۲) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أوأحوج أوأصلح، أوأورع، أوأنفع للمسلمين. وفي المعراج: التصدق =

۳......شیخِ فانی کوفدیہ دینا شروعِ رمضان میں بھی درست ہے، اخیر میں بھی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف

سوال[۴۸۵۶]: اگر فدیہ کی اجازت ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر روزہ کا فدیہ روزانہ ہی ادا کیا جائے یا پورے ماہ کے روزوں کا فدیہ یکمشت ختمِ رمضان پر یا پیشگی ہی ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو ختمِ رمضان پر پورے ماہ کے فدیہ کے لئے کس قدر غلّہ دینا ضروری ہے؟ آیا بازاری بھاؤ کے اعتبار سے اس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر قیمت ادا کی جاسکتی ہے تو آیا اس کا غرباء کو ہی تقسیم کرنا ضروری ہے یا کسی غریب عزیز کو بھی دیا جاسکتا ہے یا کسی مدرسہ کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس صورت میں فدیہ کا حکم ہے تو فدیہ یکمشت قبل رمضان اور بعد رمضان اور روزانہ جس طرح دل چاہے ادا کیا جاسکتا ہے، کوئی خاص پابندی نہیں۔ ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر غلّہ یا اس کی قیمت ہے، جو بازار کا عام بھاؤ ہو اس سے قیمت لگائی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

= على العالم الفقير أفضل". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۳۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوباً ولو في أول الشهر: أي يخيّر بين دفعها في أوله أو آخره، كما في البحر". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۷، فصل في العوارض الخ، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۶۸۸، فصل في العوارض، قديمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

(۲) "وفدىٰ لزوماً عنه وليُّه الذي يتصرف في ماله كالفطرة قدراً بعد قدرته عليه، وفوته بوصيته من الثلث، الخ". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۲/۴۲۴، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

"ثم إن شاء أعطى الفدية في أول رمضان بمرة وإن شاء أخرها إلى آخره". (الفتاوىٰ العالمكيرية: =

کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا

سوال[۴۸۵۷]: کئی روزوں کے فدیہ کا اناج یا قیمت ایک فقیر کو دینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جائز ہے:"ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت، وفدى عنه وليه كالفطرة قدراً، اه". "(قوله: قدراً): أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذلا يشترط التمليك هنا، بل تكفى الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز أداء القيمة. وقال القهستانى: وإطلاق كلامه يدل على أنه لودفع إلى فقير جملةً، جاز، ولم يشترط العدد، ولاالمقدار، لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، وبه يفتى". شامى: ۱/۱۶۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ۱/۲۰۷، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار، رشيديه)

"لكل يوم نصف صاع من بر أو قيمته بشرط دوام عجز الفانى.......... ثم إن شاء أعطى فى أول رمضان، وإن شاء أعطى فى آخره، ولايشترط فى المدفوع إليه العدد". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۴۲۴، فصل فى العوارض، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(وكذا فى التاتارخانيه: ۲/۳۸۶، الفصل السابع الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القران كراچى)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتداء

سوال[۴۸۵۸]: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے یا دو رکھنے چاہئے اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزے رکھنا بہت ثواب ہے اور نویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے (۱)۔ مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے اس سے پہلے نہ کھائے، لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ یا ناجائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من أيام الدنيا أيام أحب إلى الله سبحانه أن يتعبد له فيها من أيام العشر، و إن صيام يوم فيها ليعدل صيام سنة، وليلة فيها بليلة القدر". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۴، أبواب ماجاء في الصيام، باب صيام العشر، قديمي)

(جامع الترمذي: ۱/۱۵۸، أبواب الصوم، باب ما جاء في صيام العشر، سعيد)

(مشكوة المصابيح: ۱/۱۲۸، باب في الأضحية، قديمي)

(۲) "وفي الكبرى: الأكل قبل الصلوة يوم الأضحى هل هو مكروه؟ فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره، لكن يستحب له أن لا يفعل". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۰، الباب السابع عشر في صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۸۴، باب صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۱۷۶، ۱۷۷، باب العيدين، سعيد)

صرف دس محرم کو روزہ رکھنا

سوال[۴۸۵۹]: محرم کے دو روزے جو کہ مسنون ہیں، بجائے دو کے اگر ایک ہی رکھے تو کیا ناجائز ہے یا جائز؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ تنزیہی ہے:"وأما القسم السادس و هو المکروه، فهو قسمان: مكروه تنزيهاً ومكروه تحريماً: الأول الذى كره تنزيهاً كصوم يوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادى عشر، اهـ". مراقی الفلاح، ص: ۳۵۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صوم یومِ عاشورا

سوال[۴۸۶۰]: عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے، لیکن مکروہ ہونے کے ساتھ ثواب بھی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ کے فقط ایک روزہ پر کفایت کرنا مکروہ ہے، لیکن ثواب اس کا بھی ملے گا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

یومِ عرفہ ونحر میں شک

سوال **استفتاء** [۴۸۶۱]: اوائلِ ذی الحجہ میں مختلف جگہوں سے ۲۹/ کے چاند کی خبر معلوم ہوئی،

---

(۱) (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح: ۶۴۰، فصل فی صفة الصوم، قديمی)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره و ما لا يكره، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/ ۳۷۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "وأما القسم السادس و هو المكروه، فهو قسمان: مكروه تنزيهاً و مكروه تحريماً، الأول الذى كره تنزيهاً كصوم يوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادى عشر". (مراقی الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۴۰، فصل فی صفة الصوم، قديمی)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره و ما لا يكره، رشيديه) ...... =

لیکن شرعی ثبوت نہ ہوا، پس اس صورت میں ۹/ ذی الحجہ جس کے متعلق یوم عرفہ ویوم نحر ہونے کا شک ہے، نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز وافضل ہے، لمافی الفیض وغیرہ: "لو وقع الشك فی أن الیوم عرفة أو یوم النحر، فالأفضل فیه الصوم". شامی: ۲/۸۷(۱)۔

اورعمر کہتا ہے کہ مکروہ ہے، لـمـا فی مجالس الأبرار: "ما تردد بین البدعة والسنة یترکه؛ لأن ترك البدعة لازم و أداء السنة غیر لازم". ص: ۱۲۹، مجلس ثامن عشر(۲)۔

"أو کان فی شیء وجوه کثیرة یوجب الحل و الجواز، ووجه واحد یوجب الحرمة وعدم الجواز، یرجح جانب الحرمة احتیاطاً". مجالس، ص: ۵۵۱، مجلس: ۹۶(۳)۔

نیز عمر یہ بھی کہتا ہے کہ قربانی اس صورت میں دو دن تک کی جائے، تیسرے دن نہ کی جائے، بخلاف زید کے کہ وہ کہتا ہے کہ بلا تردد تین دن تک کی جائے اور خالد کہتا ہے: بہتر یہ ہے کہ عرفہ مشکوکہ میں روزہ رکھا جائے اور تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ کس کا قول صحیح ہے؟ جواب مدلل بحوالۂ کتب وعبارت عنایت ہو۔ فقط۔

مولوی محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، فقہاء نے ہلالِ رمضان کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کو معتبر نہیں مانا۔ ذی الحجہ کے متعلق جو احکام ہیں جیسے: حج، صوم، عرفہ، اضحیہ ان میں معتبر ہے، جب ثبوتِ رؤیت کے باوجود ان مسائل میں صحت کا حکم ہے تو محض شک کی صورت میں نفلی روزہ اور اضحیہ کی ممانعت نہ کی جائے گی۔

"[تنبیه]: یفهم من کلامهم فی کتاب الحج أن اختلاف المطالع فیه معتبر، فلا

= (وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۷۵، کتاب الصوم، سعید)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، بحث فی صوم یوم الشک، سعید)

(۲) "إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة، کان ترک السنة راجحاً علی فعل البدعة مع أنه یمکن التسویة قبل الشروع". (رد المحتار: ۳/۶۴۲، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب إذا تردد الحکم، سعید)

(۳) "القاعدة الثانیة: "إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام".

"فمن فروعها: ما إذا تعارض دلیلان، أحدهما یقتضی التحریم والآخر الإباحة، قدّم التحریم".

(الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۱، النوع الثانی من القواعد، القاعدة الثانیة الخ، دارالفکر بیروت)

یلزمهم شيء لو ظهر أنه رؤي في بلدة أخرىٰ قبلهم بيوم. وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر".

شامی: ۲/۳۹۶(۱)۔

اگر کوئی شخص جانبِ احوط وتنزہ کو اختیار کرے اس کی ممانعت نہیں، مگر روزہ یا اضحیہ کی ممانعت کا حکم نہیں کیا جاسکتا محض شک سے حلت وحرمت کے احکام صادر نہیں ہوتے۔ مجالس الابرار کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مسئلۂ واحدہ میں دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہوں تب یہ حکم ہوگا، اس قسم کی عبارات شامی وبحر وغیرہ میں بھی موجود ہیں(۲)، مگر صورتِ مسئولہ میں تو عدمِ حرمت پہلے سے متعین ہے اور جو دلیلِ حرمت میں شک ہے:

"واليقين لا يزول بالشك "(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

ہمیشہ روزہ رکھنا

سوال[۴۸۶۲]: ایک شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے، جائز ہے یا نہیں اور اس کو ہمیشہ رکھنے کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

الہ بخش محلہ بازداران سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ہمیشہ روزہ رکھنا اس طرح کہ ایامِ منہیہ میں بھی روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے(۴)، اگر ایامِ منہیہ میں

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(۲) "إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام". (الدر المختار: ۱/۱۷۶، كتاب الطهارة، سعيد)

(۳) "القاعدة الثانية: اليقين لا يزول بالشك". (الأشباه والنظائر، ص: ۶۰، دار الفكر، بيروت)

(۴) "ويكره صوم يوم العيدين و أيام التشريق، وإن صام فيها كان صائماً عندنا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

"ويكره أن يصوم يومين لا يفطر بينهما، وكذا صوم الوصال، و هو أن يصوم السنة و لا يفطر =

روزہ نہ رکھے اور تمام سال روزہ رکھے تو اس میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ عادت ہوجاتی ہے عبادت نہیں رہتی، یا اس سے ضعف زیادہ ہوجاتا ہے، کما مر فی مراقی الفلاح، ص: ۳۷٤(۱) بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی مختار ہے، لہٰذا ثواب ہوگا، کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۱۹۹(۲)۔

صومِ داؤد علیہ السلام افضل ہے، وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھے، دوسرے دن افطار کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۳/محرم/۵۴ھ۔

تنہا جمعہ کا روزہ

سوال[۴۸۶۳]: یہ جو مشہور ہے کہ صرف جمعہ کے روز نفل روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس سے پہلے یا

= فی الأیام المنهیة". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۵، الفصل الرابع فیما یکره للصائم و ما لا یکره، رشیدیه)

(۱) "و کره صوم الدهر؛ لأنه یضعفه أو یصیر طبعاً له، ومبنی العبادة علی مخالفة العادة". (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۴۱، فصل فی صفة الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۷۶، کتاب الصوم، سعید)

(۲) "ویکره صوم الوصال و هو أن یصوم السنة کلها، ولا یفطر فی الأیام المنهی عنها، و إذا أفطر فی الأیام المنهیة المختار أنه لا بأس .... والأفضل أن یصوم یوماً و یفطر یوماً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فیما یکره للصائم، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۵، الفصل الرابع فیما یکره للصائم و ما لا یکره، رشیدیه)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یا عبد الله! .... "قال: صم أفضل الصوم صوم داود: صیام یوم وإفطار یوم، واقرأ فی کل سبع لیال مرةً، ولا تزد علی ذالک". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۹، قدیمی)

بعد کا دن ملالیا جائے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، بعض روایات میں صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے، اس لئے اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد بھی ملالینا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/ ۶۸ھ۔

کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟

سوال[۴۸۶۴]: شعبان کے چاند کا پتہ نہ چلا کہ ۲۹/ کا ہوا یا ۳۰/ کا، بوجہ ابر غلیظ ہونے کے، اس وجہ سے شہادت دو ہوئی، بعض نے پیر کو ۲۹/ کا چاند شمار کر کے کیا اور بعض نے منگل کو ۳۰/ شمار کیا اور ابر کی وجہ سے رمضان میں بھی اختلاف ہوا، جس کے اعتبار سے پیر کی شب برات ہوئی ان کے اعتبار سے بدھ کی ۳۰/ ہوئی اور منگل والوں کے لئے جمعرات کی ۳۰/ ہوئی، ایک عالم کے پاس گئے جمعرات کے روزہ کے واسطے دریافت کرنے کے لئے، انہوں نے کہا میں بدھ کو روزہ رکھوں گا تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو یا نہ رکھو اور میں بحیثیتِ مفتی ہونے کے یوم شک میں روزہ رکھوں گا۔

اب اس شخص کو اطمینان نہ ہوا اور دوسرے عالم کے پاس گیا کہ کوئی اطمینان بخش جواب دیں، انہوں نے شعبان کا چاند بوجہ عدم رؤیت پورے ۳۰/ دن رجب کے شمار کر کے شعبان کے ایام شمار کئے گئے تو بدھ کی ۲۹/ اور جمعرات کی ۳۰/ ہوئی اور شعبان کی رویت کا ۲۹/ یا ۳۰/ کا ثبوت نہیں ملا اور نہ باہر سے شعبان کے چاند کی رؤیت کی خبر ملی اس وجہ سے شعبان ۳۰/ دن شمار کئے، اب حساب سے بدھ کی ۲۹/ ہوتی ہے، اس عالم نے

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده". متفق عليه". (مشكوة المصابيح : ۱/ ۱۷۹، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، قديمي)

(وصحيح البخاري : ۱/ ۲۶۶، كتاب الصوم، باب صوم يوم الجمعة، قديمي)

(والصحيح لمسلم : ۱/ ۳۶۰، كتاب الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم الخ، قديمي)

جمعرات کو یوم شک قرار دیکر اوراس چاند کو پوراتیس دن کا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ چاند کا کوئی ثبوت نہیں ملا بوجہ ابر کے، لہذا اس وجہ سے عالم نے جمعرات کے روزے سے منع کردیا اوراس کو مکروہ تحریمی قرار دیا، اس نے عالم سے دلیل مانگی تو عالم نے یہ عبارت پڑھی:

" و ينبغي للناس أن يلتمسوا الهلال في اليوم التاسع والعشرين من شعبان، فإن غمّ عليكم الهلال، أكملوا العدة الشعبان ثلاثين يوماً، ثم صاموا. لا يصام يوم الشك، لقوله عليه السلام:" من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم". فإن علم ليلة الشك لايصام. "لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن حال بينكم و بينه سحاب، فأكملوا العدة ثلاثين، ولا ستصالوا العدة الشهر استقبالاً"۔

لہذا ان دلائل کی وجہ سے عالم نے رمضان کا روزہ جمعرات کے دن مکروہ تحریمی قرار دیا اور حکم دیا کہ لوگوں سے منادی کرائی جائے کہ جمعرات کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ اب عالم نمبر:۱، وعالم نمبر:۲، کے اختلاف کی بنا پر بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھ کر دن میں توڑ دیا عالم دوم کے کہنے پر۔ عالم اول کا کہنا ہے کہ گناہ ہوا اوراس کی کوئی حد نہیں ہوسکتی، عالم دوم نے کہا نہ قضاء ہے نہ کفارہ، وہ دن ہی رمضان کا نہیں۔ اس حالت میں یوم الشک قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ فقط۔

خاکسار عبدالحمید ضلع بجنور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے جب چاند نظر نہ آئے، نہ شرعی شہادت حاصل ہو تو مہینہ ۳۰/ کا شمار کرنا چاہئے، محض احتمال کی وجہ سے اگلے روز آئندہ ماہ کی یکم قرار دینا درست نہیں، یہ حکم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ ہر ماہ کے لئے عام ہے۔ عالم نمبر:۱، نے صورتِ مسئولہ میں جو مفتی ہونے کی حیثیت سے یوم الشک میں روزہ رکھا ہے درست ہے اور یہ بھی حکم شریعت کا ہے، لیکن یہ روزہ رمضان کا نہیں، بلکہ خالص نفلی روزہ ہے۔ عالم نمبر:۱، سے دوقسم کی کوتاہی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے عوام کو بتایا نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے جس سے عوام سمجھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے کہ انہوں نے یوم الشک میں عوام کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا، حالانکہ عوام کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ زوال تک انتظار کرلیں کہ ممکن ہے کہ کہیں سے شہادت آجائے

پھر اگر زوال تک شہادت نہ آئے تو اس وقت کھائیں پئیں۔ نیز عالم نمبر:ا کو اپنے روزہ کا اولاً اخفاء کرنا چاہئے تھا، اگر اظہار کی ضرورت پر اظہار کرتے تو رمضان ہونے کا شبہ نہ ہوتا۔

عالم نمبر:۲ نے یوم الشک کے روزہ کو مکروہ تحریمی فرمایا یہ صحیح ہے، مگر دو قسم کی کوتاہی ان سے بھی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کیسا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عالم نمبر:ا نے جو روزہ رکھا ہے وہ بھی مکروہ تحریمی ہے، حالانکہ جمعرات کو زوال کے وقت تک انتظار کا حکم دینا چاہئے تھا، اگر شہادت نہ آتی تب کھانے پینے کا حکم دیتے۔ نیز عالم نمبر:۲ نے یہ بھی تفصیل نہیں کی کہ مفتی کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی نہیں (کیونکہ وہ خالص نفلی روزہ رکھتا ہے) اور عوام کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ وہ اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھتے ہیں جب کہ ثبوت رمضان کا نہیں ہوا۔ اور لوگوں نے روزہ توڑ دیا خواہ خود توڑ دیا یا عالم نمبر:۲ کے کہنے پر توڑا تو عالم نمبر:ا نے ان کے ذمہ قضاء و کفارہ کا لزوم کس دلیل سے کیا، ان سے مطالبہ کیا جائے:

"و كره فيه: أي يوم الشك كل صوم من فرضٍ و واجب و صوم ردّد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفلٍ جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم آخر، فإنه لا يكره لحديث السرار إذا كان على وجه لا يعلم العوام ذلك ليعتادوا صومه. و إن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كانت، وهو ما إذا ظهر أنه من رمضان فإنه يجزئ عنه، فكأنه لم يشرع ملتزماً بل مسقطاً من الوجه، فلا قضاء عليه لو أفسده. والمختار أن يأمر المفتي العامة بإظهار النداء بالتلوم: أي بالانتظار بلا نية صوم في ابتداء يوم الشك، ثم يأمر العامة بالإفطار إذاذهب وقت إنشاء النية، ولم يتبين الحال، ويصوم فيه نفلاً المفتي والقاضي، اهـ". مراقي الفلاح و طحطاوي مختصراً، ص:۳۵۵(۱)۔

"و لا يصام يوم الشك إلا نفلاً، و يكره غيره، ولو جزم أن يكون عن رمضان، كره تحريماً، والتنفل فيه أحب إن وافق صوماً يعتاده، وإلا يصومه الخواص و يفطر غيرهم بعد

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۵۰، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

الزوال، به يفتى، اهـ". درمختار: ۲/۱۳٤(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ۔

یوم الشک کا روزہ

سوال [۴۸۱۵]: ۲۹/ شعبان کو مطلع صاف تھا بالکل اور چاند نظر نہیں آیا، ۳۰/ شعبان کو زید نے اس نیت سے روزہ رکھا کہ اگر شہادت کی بنا پر روزہ ہو گیا تو فرض ورنہ نفل۔ بکر نے ۳۰/..... شعبان کو بلا تردد نفل روزہ رکھا، کچھ روز بعد شرعی شہادت سے ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید، بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

رمضان شریف کا روزہ دونوں سے ادا ہو گیا، بکر کا بلا کراہت اور زید کے روزہ میں اس تردد کی وجہ سے کچھ کراہت آ گئی، تاہم قضاء کسی کے ذمہ نہیں:

"وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كان ....

وأما كراهية النفل مع التردد، فلأنه ناوٍ للفرض من وجه، وهو أن يقول: إن كان غداً من رمضان فعنه، وإلا فتطوع، الخ". مراقی الفلاح، ص: ۳۷۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۹/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۶، ۲۰۷، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

(۲) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۴۸، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم، رشيديه)

(وكذا في فتاوی قاضی خان: ۱/۲۰۶، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

صوم یوم الشک

سوال[۴۸۶۶]: امسال رمضان میں جن لوگوں نے رمضان شریف کا روزہ رکھا تھا یعنی ان کے زعم میں ۳۰/شعبان کو یکم رمضان ہو چکی تھی، لہذا اس حساب سے ان کے ۳۰/ یوم کے روزے پورے ہو گئے یا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیا ان کو بھی ایک روزہ مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اس روز روزہ نہیں رکھا تھا بعد میں بموجب فتویٰ دہلی رکھنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا چاند دیکھے محض شک کی بنیاد پر تیس شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے، تاہم جن لوگوں نے ایسا کیا، ان کے روزے مکروہ ہو گئے، اب ان کے ذمہ ایک روزہ کی قضاء لازم نہیں:

"و کره فيه: أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب و صوم ردد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفل، جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم اخر، فإنه لا يكره، وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كانت". مراقی الفلاح مختصراً، ص: ۳۷۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چند مخصوص تاریخوں کا روزہ

سوال[۴۸۶۷]: لوگوں میں مشہور ہے کہ سال بھر میں پانچ روزے ایسے ہیں جن کے رکھنے کا ثواب ایک ہزار برس کے روزوں کے برابر ہیں: ۱-۲۷/ رجب کو۔ ۲-۲۵/ ذی قعدہ کو۔ ۳-۱۸ ذی الحج کو۔ ۴-۲۲/محرم کو۔ ۵-۱۲/ ربیع الاول کو۔ براہ کرم اگر ان روزوں کا ثبوت ہو تب بھی، نہ ہو جب بھی نظام میں شائع

---

(۱) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ٦٤٧، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ٢/٣٨١، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٢٠٠، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالا يكره، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ١/٢٠٦، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

فرمادیں، کیونکہ اس مسئلہ میں ابوتراب کاکوریؒ کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی ہے، انہوں نے بغیر حوالہ کے لکھا ہے جس سے تشویش ہوتی ہے۔

الجواب حامداًو مصلیاً :

۲۷/ رجب، ۲۵/ ذی قعدہ، ۱۸/ ذی الحجہ، ۲۲/ محرم، ۱۲/ ربیع الاول، ان پانچ دن کے روزوں کے متعلق کوئی صحیح حدیث کتب حدیث میں مذکور نہیں، نہ فقہاء نے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔ عوام میں ۲۷/ رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے، مگر وہ غلط ہے، اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے "ماثبت بالسنة" وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

گرمی کے روزہ کا ثواب زیادہ ہے

سوال [۴۸۶۸]: کیا روزہ دار اس رمضان میں جس میں روزہ گرمیوں میں پڑے زیادہ ثواب کی امید کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گرمی کے ایام میں روزہ کا ثواب زیادہ ملنا تو اس کلیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: "أجرك على قدر تعبك". نیز افطار کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا فرمانا ثابت ہے: "كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا أفطر قال: "ذهب الظمأ، و ابتلّت العروق، وثبت الأجر إنشاء الله تعالى، اهـ". ابوداؤد شریف (۲)۔

---

(۱) "ثم اعلم أنا لم نجد في كتب الأحاديث لا إثباتاً ولا نفياً مااشتهر بينهم من تخصيص الخامس عشرين من رجب بالتعظيم والصوم والصلوة وتسميته صوم الاستفتاح و تسميته بِمَرْيَمْ روزه". (ماثبت بالسنة، ص: ۷۷)

(۲) (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۲۱، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، إمداديه ملتان)

(فيض القدير: ۹/ ۴۶۴۴، (رقم الحديث: ۶۵۸۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

روزہ میں جس قدر پیاس کی شدت ہوگی، رگیں خشک ہوجائیں گی اسی قدر اجر زیادہ ملے گا (انشاء اللہ)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بعد عصر نہ کھانے سے روزہ کا ثواب

سوال[۴۸۶۹]: کچھ آدمی عصر ومغرب کے درمیان بالکل کھانا پینا بند کردیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے اور کام کرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کا ثواب ملے گا، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بالکل جہالت ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا

سوال[۴۸۷۰]: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول الله تعالىٰ: (ألا من مستغفر فأغفرله، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا)، حتى يطلع الفجر". رواه ابن ماجه". مشكوة

(۱) "هو (أى الصوم) إمساك من المفطرات حقيقةً أو حكماً في وقت مخصوص وهو اليوم، من شخص مخصوص مع النية المعهودة". (الدرالمختار). "(قوله: و هو اليوم): أى اليوم الشرعى من طلوع الفجر إلى الغروب". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

شریف، ص: ۱۱۵(۱)۔ ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے(۲)۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

"ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لاتعلق له بالعقائد والأحكام، اهـ".

تدریب الراوی، ص: ۱۹۲(۳)۔

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (مشکوة المصابيح، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قديمي)

(۲) (ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في صلوة التسبيح، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تدريب الراوي، ص: ۲۵۲، قديمي)

فصل فی التسحر و الإفطار

(سحری اورافطار کا بیان)

سحری کے لئے اذان

سوال[۴۸۷۱]: سحری تناول کرنے سے پہلے ماہ رمضان شریف میں اذان جگانے اور سحری کھانے کے لئے دی جائے۔تو کیا یہ اذان بموجبِ شریعت جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقارہ وغیرہ کے ذریعہ سونے والوں کو جگادیا جائے، سحری تناول کرنے کے لئے اذان نہ دی جائے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۹/۲۶ھ۔

سحری اور افطاری کے وقت ڈھول بجانا

سوال[۴۸۷۲]: کیا سحری وافطار ونماز جمعہ وعیدین کے لئے جمع ہونے کے واسطے کوئی باجا، یا

---

(۱) "و لیس لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات و التراویح والعیدین أذان و لا إقامة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی فی الأذان : ۱/۵۳، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۳۷۲، کتاب الصلوة، فصل فی السنن ، سهیل اکیڈمی لاهور)

(واللباب فی شرح الکتاب : ۱/۷۴، باب الأذان ، قدیمی)

قال ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: " و عند أبی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ لا یؤذن فی الفجر قبله، لما رواه البیهقی أنه علیه الصلوة والسلام قال: "یا بلال! لا تؤذن حتی یطلع الفجر ".

(البحر الرائق : ۱/۴۵۷، کتاب الصلوة ، باب الأذان ، رشیدیه)

دف، یا نقارہ، یا ڈھول، یا بارود کا گولہ، یا گھنٹہ بجانا درست ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تمام باجے یا کوئی خاص باجا مثلاً دف اور جملہ امور شادی بیاہ بارات نکاح کے لئے جائز ہے، یا صرف وہی امور مثل مذکورہ بالا کے لئے جائز ہے؟ اور مسجد کی چھت یا مسجد کے فرش یا مینار یا برج پر بھی جائز ہے اور افطاری کے وقت قبل اذان یا بعد اذان بجانا چاہئے؟ بعض مقام ایسے ہی ہیں جس جگہ اہلِ ہنود اس رحمتِ عظمیٰ سے منع کرتے ہیں یعنی اذان بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے، اس جگہ یہ نقارہ وغیرہ بجادیا جائے یا عام جگہ؟ اور اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جو موافقت کرے غیر قوم کی، وہ انہیں میں سے ہے۔ تمام باجوں کے ساتھ شیطان ہے یا تمام کاموں کے واسطے فرمایا منادی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحری کا یا افطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بنانا درست ہے(۱) لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے، بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے، کیونکہ یہ چیز احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۲)۔ نماز کے لئے شریعت نے اذان مقرر فرمادی

---

(۱) "يتسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه ....و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره؛ ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحري فيجوز". (رد المحتار: ۲/۴۰۷، مطلب: جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

"وقد يقال: إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن المؤقت يذهب إلى دارالحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه آنفاً للوزير وغيره، وإذ اضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، وإلا لزم تأثيم الناس وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر ولا غلبة ظن، والله تعالىٰ أعلم". (ردالمحتار، مطلب في جواز الإفطار بالتحري: ۲/۴۰۷، سعيد)

(۲) قال القرطبي: "وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال؛ لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للرجل الذي دعا إلى الجمل الأحمر: "لاوجدت، إنما بنيت المساجد لِمَا بنيت له" .... =

ہے، لہٰذا اس کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں (۱)۔ نماز عید کے وقت کا پہلے سے اعلان کر دیا جائے جب کہ اذان کی ممانعت اس جگہ ہے تو اس قدر بلند آواز سے نہ کہی جائے جس سے ناقابلِ برداشت فتنہ پیدا ہو، لیکن بالکل ترک کرنا بھی نہیں چاہیے، بلکہ کسی قدر درست آواز سے کہہ لیا کریں، آخر تکبیر بھی تو کہتے ہی ہوں گے، اس سے کچھ اور بلند آواز سے کہہ لیں۔ نکاح کے اعلان کے لئے دُف بجانا بغیر ساز کے درست ہے (۲) اور کسی باجے کی کسی کام کے لئے قطعاً اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

= وهذا يدل على أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع احكام القرآن: ۱۷۹/۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"السادس أن لايرفع فيه الصوت من غير ذكر الله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(۱) قال العلامة النووي رحمه الله: "فقد صح في حديث عبدالله بن زيد بن عبد ربه في سنن ابي داؤد والترمذي وغيرهما أنه رأى الأذان في المنام، فجاء إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخبره به، فجاء عمر رضي الله تعالىٰ عنه فقال: يارسول الله! والذي بعثك بالحق! لقد رأيت مثل الذي رأى -وذكر الحديث- فهذا ظاهره أنه كان في مجلس آخر، فيكون الواقع الإعلام أولاً، ثم رأى عبدالله بن زيد الأذان فشرعه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد ذلك إما بوحي وإما باجتهاده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على مذهب الجمهور في جواز الاجتهاده وليس هو عملاً بمجرد المنام، وهذا مالاشك فيه". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۶۴/۱، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي)

(۲) قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ في شرح حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "واضربوا عليه بالدفوف":

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لاجلاجل له. كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۲۱۲/۶، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

(۳) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "ومما ذكرنا يعلم ما في الاستدلال بها على حرمة الملاهي كالرباب والجنك والسنطير والكمنجة والمزمار وغيرها من الآلات المطربة .... أنه صلى الله =

سحر وافطار کی اطلاع بذریعہ سائرن

سوال[۴۸۷۳]: شہر سہارنپور میں عرصۂ دراز سے رمضان المبارک میں سحر وافطار کے وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں، اب تقریباً آٹھ دس جگہ گولے چھوڑے جاتے ہیں اور ان میں تھوڑا لیٹ ٹائم میں فرق ہوجاتا ہے اور تقریباً چالیس روپے روزانہ خرچ ہوتے ہیں، جامع مسجد میں تین سو روپے ہر سال خرچ آتا ہے۔ اور گولا سبزی منڈی میں چھوڑا جاتا ہے، ایسی صورت میں کسی کو چوٹ آجانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ناحق جھگڑا کھڑا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر جامع مسجد کی طرف سے ایک سائرن خرید لیا جائے تو تمام شہر کو آواز پہونچ جائے اور سحر وافطار صحیح طریقہ پر ہوجائے اور رقم بھی بچ جائے۔ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہاں سحر وافطار کی اطلاع جامع مسجد کے ذمہ ہے تو موجودہ انتشار کا دفعیہ، جھگڑے سے تحفظ سائرن سے ہوجائے تو ذمہ دارانِ جامع مسجد کے مشورہ سے سائرن خرید سکتے ہیں، اس کو مسجد سے باہر کسی سہ دری وغیرہ میں رکھا جائے، اگر رائے متفق نہ ہو تو اہلِ وسعت اس کا انتظام کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ۔

جس لاؤڈاسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال[۴۸۷۴]: لاؤڈاسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یا نہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈاسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور

= تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليكونن في أمتي قوم يستحلون الخزّ والخمر والمعازف" وهو صريح في تحريم جميع ألآت اللهو المطربة". (روح المعاني: ۷٦/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "يتسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه .... و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره؛ ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحري فيجوز". (رد المحتار: ۴۰۷/۲، مطلب: جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۵/۱، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، رشيديه)

لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گانے گا کر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہٖ بھی ناجائز ہے، شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے (۱)، اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔

غروبِ شمس کی علامت کیا ہے؟

سوال [۴۸۷۵]: افطار غروبِ شمس کے بعد فوراً ہونا چاہئے، لیکن غروب شمس ہے کیا؟ کیا شمس کی طرفِ اعلیٰ کا آنکھ سے غائب ہونے کا نام ہے، یا کہ غروب شمس کے لئے ظلمت من المشرق بھی ضروری ہے جس طرح شامی جلد:۲، میں شرط لگائی ہے؟

---

(۱) "اختلفوا في التغني المجرد، قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً، والاستماع إليه معصية، وهو اختيار شيخ الإسلام .... قال رحمه الله تعالىٰ: السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوّفة في زماننا حرامٌ لايجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء .... وسئل أبويوسف رحمه الله تعالىٰ عن الدف أتكرهه في غير العرس بأن تضرب المرأة في غير فسق للصبي؟ قال: لا أكرهه، وأما الذي يجيء منه اللعب الفاحش للغناء، فإني أكرهه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف: ۵/ ۳۵۱، ۳۵۲، رشيديه)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثته أو استقرضتُه من رجل، كذا في الينابيع .... آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت جرمِ شمس غائب ہوتا ہے جب ہی مشرق سے ظلمت ظاہر ہوتی ہے، چونکہ ہر شخص کی نظر جرمِ شمس پر نہیں پڑتی اس لئے ظہورِ ظلمت کو اس کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک حسّی چیز ہے جس کو ہر شخص پہچان لیتا ہے، شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اور نمک و ادرک سے افطار کرنا

سوال[۴۸۷۶]: ہمارے یہاں لوگ نمک و ادرک سے یا چاول، ادرک و نمک سے افطار کرتے ہیں اور اس کو شریعت سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں جاتے ہیں اور لوٹنے میں راستہ میں افطار کرنا ہوگا، یہ سمجھ کر تھوڑا چاول و نمک باندھ لیتے ہیں۔ اسے ایک صاحب نے بے بنیاد اور بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ افضل خرما سے، پھر میٹھی چیز سے، پھر پانی سے افطار کرنا ہے۔ ان صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمک یا ادرک یا چاول سے افطار کو سنت یا مستحب سمجھنا اور اس کو حکمِ شرعی تصور کرنا غلط اور بے اصل ہے، ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا سنت سے ثابت ہے اور اگر کھجور میسر نہ آئے تو خشک چھوارے سے، وہ بھی نہ ہو تو پانی سے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "و يستحب السحور و تأخيره و تعجيل الفطر". (الدرالمختار). "أى إلا في يوم غيم، ولا يفطر مالم يغلب على ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن، بحر عن البزازية. و فيه عن شرح الجامع لقاضيخان: التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. قال في الفيض: و من كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر مالم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله".

(ردالمحتار ۲/ ۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "عن سلمان بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كان =

بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار

سوال[۴۸۷۷]: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر وبیشتر آم، وامرود، وبیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کھانا حرام یا مکروہ ہے، حضرت تھانویؒ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے، مگر دورِ حاضر کے علماء وصلحاء واتقیاء کی اکثریت اس قسم کے کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اس کو بلا تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوگئی ہے؟ نیز رمضان المبارک میں اس قسم کے پھلوں سے افطار کرنا کیسا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ: "رب صائم لیس له من صیامه إلا الجوع"(۱) کے تحت فضائل رمضان المبارک میں رقمطراز ہیں کہ: "اس سے مراد مالِ حرام سے افطار کرنا ہے" (۲)۔ کیا ثمراتِ مذکورہ سے روزہ افطار کرنا تو اس میں داخل نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بیع باطل ہے(۳)، جس پھل کے متعلق پختہ معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے، اس کا کھانا جائز

= أحدكم صائماً فليفطر على التمر، فإن لم يجد التمر فعلى الماء، فإن الماء طهور". (سنن أبي داود: ۱/۳۲۸، كتاب الصيام، باب ما يفطر عليه، إمداديه ملتان)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من وجد تمراً فليفطر عليه، و من لا، فليفطر على ماء، فإن الماء طهور". (جامع الترمذي: ۱/۱۴۹، كتاب الصوم، باب ما يستحب عليه الإفطار، سعيد)

(۱) (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الغيبة والرفث للصائم، كتاب الصيام: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۲) (فضائل أعمال، فصل أول، ص: ۲۶۰، كتب خانه فيضي لاهور)

(۳) قال ابن عابدين: "قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار: ۴/۵۵۵، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لايدخل، سعيد)

وفي التكملة: "أن تباع الثمار قبل ظهورها، و هذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل =

نہیں، نہ افطار میں نہ بغیر رمضان کے۔ حضرت تھانوی کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے، مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے۔ اگر کاشت کی زمین کو سال دو سال کے لئے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے(۱)، بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں، اس لئے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۰ھ۔

نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد

سوال[۴۸۷۸]: رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز کی جماعت میں کتنی دیر کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے لئے افطار کے فوراً بعد کھڑا ہونا چاہیے، کچھ کہتے ہیں کہ محلے کے لوگوں کے آنے کے بعد دس منٹ تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان و جماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابندِ جماعت افطار سے فارغ ہوکر کلی وغیرہ کرلیں اور شروعِ جماعت سے شریک ہوسکیں۔ جولوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں اور اپنے انتظار میں تمام حاضرینِ مسجد کو نہ روکے رہیں، آپس کی مصالحت سے وہاں کے

= أو لا". (تکملة فتح الملهم: ۱/۳۹۳)

"عن زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان الناس .... فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما كثرت عنده الخصومة في ذلك: "فأما لا، فلا تبایعوا حتی یبدوا صلاح الثمر". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۹، كتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل بدو الصلاح)

(۱) قال الشیخ المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: "اس کے جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپے ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں اور پھلوں کی جو آخری مدت ہے وہ اجارہ کے لئے متعین کی جائے تو اس طرح پھلوں کا درخت پر رکھنا جائز ہوگا"۔

(کفایت المفتی: ۸/۳۴، كتاب البیوع، باب بیع باطل و فاسد، دارالاشاعت)

اعتبار سے ۵، ۱۰/ منٹ جیسا مناسب ہو تجویز کر لیں، اس میں نزاع نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں ہے

سوال [۴۸۷۹]: بعض لوگ ماہِ رمضان المبارک میں افطار سے قبل ایک جگہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اوران میں سے ایک روزہ دار دعاء کراتا ہے اور سب لوگ آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رائج تھا، یا بعد کے بزرگوں نے رائج کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعاء کی جائے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اگر امام صاحب تعلیم کے لئے ایک دو دفعہ دعاء کرادیں پھر روزہ دار اپنی اپنی جداگانہ دعاء کرلیا کریں تو بہتر ہے اور اس اجتماعی دعاء کو ترک کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۰ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء کرنا

سوال [۴۸۸۰]: حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی کتاب فضائل رمضان، ص: ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ ”

---

(۱) مغرب کی نماز کو زیادہ دیر مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً: کھانا حاضر ہو، یا سفر کی حالت میں ہو تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا افطار کے وقت پانچ دس منٹ کا وقفہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے:

”(و) أخر (المغرب إلی اشتباک النجوم): أی کثرتها (کره): أی التأخیر لا الفعل؛ لأنه مأموربه (تحریماً) إلا بعذر کسفر، وکونه علی أکل“. (الدرالمختار).

”(قوله: وکونه علی أکل): أی لکراهة الصلوة مع حضور طعام تمیل إلیه نفسه. ولحدیث: ”إذا أقیمت الصلوة وحضر العشاء، فابدأوا بالعشاء“. رواه الشیخان“. (ردالمحتار، کتاب الصلوة. ۱/ ۳۶۹، سعید)

بعض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے'' اس وقت کی بعض دعاء مخصوص لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''کسی دعاء کی تخصیص نہیں، اجابتِ دعاء کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دعاء فرمائیں، یاد آجائے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے'' (۱)۔

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ ہم لوگ پورے گاؤں کے ۶۰، ۷۰/ آدمی ہیں جو ایک ساتھ جمع ہوکر مسجد میں ایک دسترخوان پر روزہ افطار کرتے تھے، اکثریت جاہلوں کی ہے جن کو صحیح طریقہ پر آدابِ رمضان بھی نہیں معلوم ہیں، روزہ افطار کی دعاء بھی سوائے دو چار آدمی کے کسی کو نہیں معلوم ہے اور سب اپنا اپنا افطار لے کر ٹھیک افطار کے وقت مسجد میں پہونچتے تھے۔ اسی حالت میں امام صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسا متبرک وقت دعاء کی مقبولیت کا ضائع ہوجائے عوام سے یہ کہہ کر کہ بھائی یہ وقت بہت متبرک ہے دعاء کرلو، اور دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ امام صاحب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا اور دل ہی دل میں دعاء مانگا اور عوام نے بھی آمین کہا، اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ امام صاحب نے محض اس خیال سے ایسا کیا تاکہ عوام کے ذہن نشین ہوجائے کہ اس وقت دعاء مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ لہٰذا تفصیل سے جواب دیا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ بتلانے کے لئے امام صاحب نے دعاء کرادی ٹھیک کیا ہے، مگر اجتماعی حیثیت سے اس دعاء کی پابندی نہ کریں، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو متنبہ کرتے رہا کریں کہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حاجت کے لئے دعاء مانگ لے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (فضائل أعمال، ص: ۲۵۴، کتب خانه فیضی، لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر .... الخ". (سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته: ۱/۱۲۶، مير محمد كتب خانه كراچي)

باب المتفرقات

تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا

سوال[۴۸۸۱]: ایک اشتہار ارسال ہے (اس کو دیکھ کر فتویٰ عطا کریں) شرعِ محمدی میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ جو مسلمان ماہِ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے وہ ہرگز مسلمان نہیں، وہ خنزیر سے بدتر ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کرنا چاہئے اور ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہئے۔ اس اشتہار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

رمضان المبارک کا روزہ اسلام کا عظیم الشان رکن ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے: ﴿كتب عليكم الصيام﴾ (۱) ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۲) بلا عذرِ شرعی کھلے بندوں رمضان المبارک میں سگریٹ پیتے پھرنا انتہائی جسارت اور رمضان المبارک کی حق تلفی اور اللہ پاک کی قانون شکنی ہے جس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی عذاب سخت ہے (۳)، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے بیان فرمودہ ارشادات سنائے جائیں اور نہایت شفقت و دلسوزی سے خوف دلایا جائے، اہلِ

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "فالله تعالىٰ أوجب علينا فرض الصيام بهذه الآية؛ لأن قوله تعالىٰ: ﴿كتب عليكم﴾ معناه فرض عليكم". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۲۴۲، باب فرض الصيام، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۱۸۵)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصةٍ رخصها الله له، لم يقض عنه صيام الدهر". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۳۳، كتاب الصوم، باب التغليظ فيمن أفطر عمداً، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۳، ۱۵۴ كتاب الصوم، باب ما جاء في الإفطار متعمداً، سعيد)

قلب حضرات کے وعظ کرائے جائیں جس سے ان کی اصلاح ہو سکے، لیکن اگر کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے اور ان پر لعنت کی جائے گی اور ان کو اسلام سے خارج مانا جائے گا تو اس سے اصلاح کی توقع نہیں اور یہ طریقہ قرآن وحدیث کے موافق نہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا (۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ایک مومن کی عزت اللہ پاک کے نزدیک خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے'' (۲) لہذا ایسا رویہ اختیار نہ کیا جاوے کہ وہ صرف کلمہ پر اکتفاء کر کے بیٹھ جاویں اور اسلام کے بقیہ ارکان کی بھی فکر نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاوے کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے، دونوں غلط طریقے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۹ھ۔

بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ

سوال [۴۸۸۲]: مولوی صاحب نے عید کے روز نماز پڑھانے سے قبل روزہ نہ رکھنے والے کو برا بھلا کہا اور نماز کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ بعد نماز مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ روزہ داروں کی نماز مکروہ ہوگی، یہ ہماری غلطی ہے کہ جس آدمی نے روزہ نہیں رکھا ہے اس کو پچھلی صف میں کھڑا کر دیتے، کیونکہ یہ لوگ روزہ نہیں رکھے، روزہ بھر انہوں نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (النحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسوله محمداً صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن یدعو الخلق إلی الله بالحکمة و قوله: ﴿وجادلهم بالتی هی أحسن﴾: أی من احتاج منهم إلی مناظرة وجدال، فلیکن بالوجه الحسن".

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۸۱، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: صعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع قال: "یا معشر من قد أسلم بلسانه و لم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین، ولا تعیّروهم، و لا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخیه المسلم تتبع الله عورته، و من یتبع الله عورته، یفضحه و لو فی جوف رحله". قال: و نظر ابن عمر یوماً إلی البیت أو إلی الکعبة فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک والمؤمن أعظم حرمةً عند الله منک". (جامع الترمذی: ۲/۲۳، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی تعظیم المؤمن، سعید)

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ بھی فرض ہے(۱) اور نماز بھی فرض ہے(۲)، اگر کسی موقع پر روزہ کا بیان کیا گیا ہے اور نماز کا نہیں کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر نماز میں روزہ دار پچھلی صف میں ہوں اور بے روزہ پہلی صف میں ہوں تو اس سے روزہ داروں کی نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ نماز یا روزہ یا کسی اَور دینی کام کے لئے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو نرم الفاظ میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے(۳)، سخت الفاظ کہنا مثلاً یہ کہ "بے روزہ لوگ خنزیر کھاتے رہے ہیں" اس سے اکثر اوقات اچھا اثر نہیں ہوتا، لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کی طبیعت میں نصیحت کرنے والے کی طرف سے غیظ پیدا ہوجاتا ہے اور جو کچھ نماز روزہ پہلے کرتے تھے وہ بھی ترک کردیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت

سوال[۴۸۸۳]: ایک شخص صحبت کرتا ہے اور سوجاتا ہے، سحری میں اٹھ کر ہاتھ دھوکر اور کلی غرارہ وغیرہ کرنے کے بعد کھانا کھالیتا ہے اور پھر سوجاتا ہے، صبح اٹھ کر نہالیتا ہے، اس صورت میں روزہ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور نہانے کا وقت کب تک رہے گا یعنی کس وقت نہانا افضل ہے؟ یہ بات عورت اور مرد کے لئے برابر ہے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام﴾ (البقرۃ:۱۸۳)

قال الجصاص: "فاللہ تعالیٰ أوجب علینا فرض الصیام بهذه الآیة؛ لأن قوله تعالیٰ: ﴿کتب علیکم﴾ معناه فرض علیکم". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۲۴۲، باب فرض الصیام، قدیمی)

"و أنواعه فرض و واجب و نفل، والفرض نوعان: معینٌ کرمضان، و غیر معین کالکفارات".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۴، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفه، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوٰة واٰتوا الزکاة وارکعوا مع الراکعین﴾ (البقرة: ۴۳)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (نحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسوله محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أن یدعو الخلق إلی اللہ بالحکمة، و قوله: ﴿وجادلهم بالتی هی أحسن﴾: أی من احتاج منهم إلی مناظرة و جدال، فلیکن بالوجه الحسن".

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۸۱، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

یا کوئی تفریق ہے؟ کیونکہ وہ کھانا وغیرہ پکاتی ہے۔

ناظم علی سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کا روزہ اس صورت میں صحیح ہے کوئی خرابی نہیں، نماز فجر سے پہلے پہلے دونوں نہالیں، نماز قضا نہ کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

سحری کھانے کے بعد تاخیر سے غسلِ جنابت

سوال[۴۸۸۴]: زید نے رمضان شریف میں سحری کھانے سے قبل اپنی اہلیہ سے قربت کی اور آٹھ بجے دن کو غسل کیا اور روزہ رکھا۔ کیا روزہ میں کوئی خامی ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ درست ہوگیا(۲) لیکن نماز قضا کرنے کا گناہ بہت بڑا ہوا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أو أدخل ذكره في بهيمة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها .... أو اصبح جنباً وإن بقي كل اليوم ...... لم يفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۹، ۴۰۰، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسد الصوم، سعيد)

(و كذا في مراقي الفلاح، باب في بيان مالا يفسد الصوم، ص: ۲۶۱، قديمي)

(و كذافي البحر الرائق: ۲/۴۷۵، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت"۔)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً و برهاناً و نجاةً يومَ القيٰمة. ومن لم يحافظ عليها، لم تكن له نوراً ولا برهاناً و لا نجاةً، و كان يوم القيٰمة مع قارون و فرعون و هامان و أبَيّ بن خلف". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۹، كتاب الصلوة، قديمي)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟

سوال[۴۸۸۵]: فرض اعتکاف، سنت اعتکاف، نفلی اعتکاف کی وضاحت فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض اعتکاف کوئی نہیں، نذر مان لینے سے واجب ہوتا ہے، رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، بقیہ جب دل چاہے نفلی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۶]: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے یا سنتِ مؤکدہ، اگر سنتِ مؤکدہ ہے تو اس میں روزہ رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ اگر معتکف نے رات سمجھ کر سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اس روز کا روزہ نہ ہوگا، اب جب کہ روزہ نہ ہوا تو کیا اعتکاف بھی فاسد یا ختم ہو جائے گا، اس پر اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "و ینقسم إلی واجب و هو المنذور تنجيزاً أو تعليقاً، و إلی سنة مؤكدة و هو في العشر الأخير من رمضان، و إلی مستحب وهو ما سواهما". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق : ۲/۵۲۳، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح علی نور الإيضاح، ص: ۷۰۰، ۷۰۱، باب الاعتكاف، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱) اگر بغیر روزہ کے یہ اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا، بلکہ نفل بن جائے گا، البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی، شامی: ۲/۱۲۹، ۲/۱۳۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۸۷]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کے لئے جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے معتکف وہاں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اعتکاف فاسد تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کے لئے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں میں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۳)۔ گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا اس

---

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "و مقتضى ذلك أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير، حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر ينبغي أن لا يصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية .... أما على قول غيره، فيقضي اليوم الذي أفسده، لاستقلال كل يوم بنفسه". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، ۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۱، باب الاعتكاف، قديمي)

(۳) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة، هو ما له إمام و مؤذن أديت فيه الخمس، أولا. و عن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد) ....=

کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آوے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا اعتکاف ہر مسجد ہر شہر میں ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۸] : کتنی آبادی پر ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، مثلاً: جیسے مدراس، کلکتہ، دہلی، بمبئی وغیرہ میں ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، یا کئی آدمیوں کو بیٹھنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ایک آدمی اعتکاف کرے(۲)۔ اس سنت علی الکفایہ کی طرف سے بہت غفلت ہے جو کہ بہت بڑی محرومی ہے، اگر محلّہ یا شہر میں ایک بھی معتکف ہے تو کافی ہوجائے گا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) ''معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لئے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لئے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔

(۲) اس مسئلہ کے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ علامہ شامی کی ایک تشبیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہونا چاہیے، انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لہٰذا جیسا کہ تراویح ہر مسجد میں ہوتی ہے ایسے ہی اعتکاف ہونا چاہیے:

"(وسنة مؤكدة) .... أي سنة كفاية". (الدرالمختار). "(قوله: أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

وقال: تحت قوله: "(والجماعة فيها سنة على الكفاية): أفاد أن أصل التراويح سنة عين .... وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول .... حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة وأساءوا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۴، باب التراويح، سعيد)

(۳) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة لأساؤا". (جامع =

عورت کا اعتکاف گھر پر نفلی ہے یا سنت؟

سوال[۴۸۸۹]: گھر پر عورت کا اعتکاف نفل ہوگا یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نفلی اعتکاف بھی کرسکتی ہے، سنت بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گنہگار رہے؟

سوال[۴۸۹۰]: اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گناہگار ہوں گے یا مرد، عورت، بالغ، نابالغ لڑکے بھی گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نابالغ مکلف نہیں (۲) اس پر گناہ نہیں، عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے، بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کر کے وہیں اعتکاف کرے (۳)۔ کسی نے بھی نہ کیا تو سب بالغ ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار

= الرموز: ۱/۲۷۶، فصل فی الاعتکاف، مطبع کریمیه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "و للمرأة الاعتكاف في بيتها، و هو محل عيّنته المرأة للصلوة فيه". (مراقي الفلاح، ص: ۲۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان. ۱/۲۲۱، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "و أما شروطه: و منها الإسلام، والعقل، والطهارة عن الجنابة والحيض". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵، كتاب الاعتكاف، فصل في شرائط صحته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "و للمرأة الاعتكاف في بيتها، و هو محل عيّنته المرأة للصلوة فيه". (مراقي الفلاح، ص: ۲۹۹، =

ہوں گے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا اعتکاف

سوال[۴۸۹۱]: نابالغ بچہ معتکف ہوا، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اعتکاف کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء

سوال[۴۸۹۲]: زید رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکافِ مسنون کرتا ہے، اگر اعتکاف کرنے سے قبل یہ نیت کرلے کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو ایک روز یا ایک شب کے لئے باہر سفر میں جاؤں گا اور جائے

= باب الاعتکاف ، قدیمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان : ۱/۲۲۱، فصل في الاعتكاف ، رشيديه)

(۱) " الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز : ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف ، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر : ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف ، فيصح من الصبي العاقل؛ لأنه من أهل العبادة، كما يصح منه صوم التطوع ". (بدائع الصنائع :۳/۵، فصل: شرائط صحته ، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار :۲/۴۴۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

اعتکاف سے نکلوں گا تو کیا اس صورت میں اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا اور اعتکاف سے باہر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا (۱) اور باہر نکلنے سے اعتکاف باقی نہیں رہے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رکنے کی اجازت نہ ہو

سوال [۴۸۹۳]: مسجد سرکاری احاطہ میں ہے، صرف نماز اذان کی اجازت ہے، وہاں رات کو رکنے کی اجازت نہیں ہے، ایسی صورت میں اعتکاف ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جب وہاں رات کو رہنے کی اجازت نہیں تو اعتکاف کیسے کرے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

(۱) "والصحیح أنه سنة مؤكدة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واظب عليه في العشر الأخير من رمضان، والمواظبة دليل السنة". (تبيين الحقائق: ۲/ ۲۲۰، باب الاعتكاف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۲۳، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) "وإن خرج من غير عذر ساعة، فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، سواء كان الخروج عامداً أو ناسياً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۲۲، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) تمام تر احکامِ شرعیہ کے لئے اپنا اپنا محل متعین ہے، لیکن جب محل صالح نہ ہو تو احکام شرعیہ (جو کہ حال ہیں) ان کا وقوع اور =

اعتکاف سے روکنا

سوال[۴۸۹۴]: کوئی جاہل معتکف صاحب کو ممانعت کرے اور کہے کہ اس مسجد سے چلے جاؤ، یہاں اعتکاف کی ضرورت نہیں۔ تو ایسے نامعقول کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے وجہ دریافت کر کے اس کا شبہ رفع کر دیا جائے، اگر وہ محض عناداً کہتا ہو تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں، اس کا شرعی حکم آپ نے خود ہی لکھ دیا کہ وہ جاہل نامعقول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا

سوال[۴۸۹۵]: اعتکاف میں مسجد کے دائیں رخ پر کھڑکی دریچہ نہیں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کی تنگی ہے اور بائیں طرف بڑے بڑے دروازے موجود ہیں جہاں ہوا اور روشنی کی کافی سہولت ہے تو معتکف دائیں سمت کو چھوڑ کر بائیں جانب اپنا حصار کا پردہ باندھنے میں افضل واَولیٰ کا معاملہ رہتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کافی توسع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

=لزوم متعذر ہو جاتا ہے، مثلاً: صومِ نذر وغیرہ کے لئے ماہ رمضان کے علاوہ تمام سال صالح ہے، لیکن اگر کسی نے رمضان کے مہینے میں روزہ کی نذر مانی تو وہ صحیح نہیں، کیونکہ ماہِ رمضان صومِ نذر کا محل نہیں، بلکہ اس کا اپنا وظیفہ ہے کہ اس میں روزہ اصالۃً فرض ہے، اسی طرح جب مسجد میں رات گذارنے کی اجازت نہیں تو وہ صالح للاعتکاف نہیں، کیونکہ اعتکاف میں دن کی طرح رات کا بھی مسجد کے اندر گذارنا ضروری ہے:

"هو لغةً: اللبث، وشرعاً: (لبث) .... (ذكر) .... في (مسجد جماعة) .... فاللبث هو الركن، والكونُ في المسجد والنيةُ شرطان". (الدرالمختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

(۱) "أما تفسيره فهو اللبث في المسجد مع نية الاعتكاف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد) .... =

بستی کی مختلف مسجدوں میں سے کسی ایک جگہ اعتکاف

سوال[۴۸۹۶]: موضع کرست ایک بڑی بستی ہے، زیادہ مسلم آبادی ہے، البتہ اس کے مزرعہ جات کافی ہیں جو اکثر ہندو آبادی ہے، بعض مزرعوں میں مسلم آبادی ہے اور وہ بھی مخلوط ہے، نیز یہ مزرعہ کرست سے کوئی ۶، ۷/فرلانگ، کوئی چار فرلانگ، کوئی دو فرلانگ پر آباد ہیں، اگر کرست میں کوئی معتکف ہو تو مسلم آبادی مزرعہ جات کی رمضان المبارک کے اعتکاف سے سبکدوش ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مزرعہ میں معتکف ہو تو خاص کرست اور مزرعہ جات سبکدوش ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ سب آبادیاں دیکھنے میں جداگانہ معلوم ہوتی ہیں تو ایک آبادی کا اعتکاف دوسری کے لئے کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں اعتکاف

سوال[۴۸۹۷]: جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں رمضان المبارک کا اعتکاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط کیسی ہے (۲)؟

= (وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۳، باب الاعتكاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں.......... باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔ (إمداد الأحكام: ۲/ ۱۴۵، باب الاعتكاف، عنوان: معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔)

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، و قيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/ ۳۷۲، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اعتکاف کے مسائل، ص: ۸۲۲، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف موقوفہ مسجد ہی میں کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف

سوال [۴۸۹۸]: ویران مسجد یا عیدگاہ میں ایک صاحب نے اعتکاف کیا، مسجد میں کوئی نہ بیٹھا۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جاتا ہے جہاں اذان، جماعت پنجگانہ کا اہتمام ہو، اگر ویران مسجد میں بھی

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأنتم عاكفون في المساجد﴾ (سورة البقرة: ۲/۱۸۷)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "و في تقييد الاعتكاف بالمساجد دليل على أنه لا يصح إلا في المسجد؛ إذ لو جاز شرعاً في غيره، لجاز في البيت وهو باطل بالإجماع .... و روى عن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه مختص بمسجدٍ له إمام و مؤذن راتب". (روح المعاني: ۲/۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان. قال نافع: و قد أراني عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه المكان الذي كان يعتكف فيه رسول الله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من المسجد". (أبوداود، كتاب الصيام، باب: أين يكون الاعتكاف: ۱/۳۳۴، دار الحديث)

"وأما شروطه: ومنها مسجد الجماعة، فيصح في كل مسجدٍ له أذان و إقامة، هو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

"أما حقيقته الشرعية، فهي اللبث المخصوص: أي في المسجد". (رد المحتار كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

اعتکاف کیا تو ہو جائے گا، عیدگاہ میں کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف

سوال [۴۸۹۹]: ایک مسجد جو نو تعمیر ہے اس کے پیچھے حصہ میں شمال کی جانب ایک تین کھونٹا (۲) چھوٹا کمرہ ہے جس کا دروازہ مسجد کے اندر ہی کو ہے۔ متولی مسجد نے بیان کیا: یہ مسجد تعمیر ہوتے وقت یہ حصہ مسجد ہی کی نیت سے تعمیر ہوا، مگر صف سیدھی کرنے کی وجہ سے مشیرانِ کمیٹی نے اس حصہ کو علیحدہ کر دیا اور طے ہوا کہ اس میں مسجد وغیرہ کا سامان رکھ دیا جایا کرے گا۔ اس حجرہ میں معتکف اعتکاف کے لئے بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی دروازہ باہر کو نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کو جو نماز کے لئے ہو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کر دینا اور نماز کو وہاں سے ختم کر دینا جائز نہیں، حجرہ کی بظاہر ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سے خارج ہے، مسجد نہیں ہے، امام یا متولی یا سامان کے لئے بنایا گیا ہے، اس لئے اس حجرہ میں اعتکاف نہ کیا جائے (۳)۔ ہاں! اگر دروازہ یا دیوار توڑ کر مسجد میں شامل کر لیں تو پھر وہاں اعتکاف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

---

(۱) "و روی الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: أنه لا یجوز إلا فی مسجد تصلی فیه الصلوات کلها". (بدائع الصنائع: ۱۸/۳، فصل فی شرائط صحته، دارالکتب العلمیه بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق: ۴۴/۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، امدادیه ملتان)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار: ۴۴۰/۲، باب الاعتکاف، سعید)

(۲) "کھونٹا: کونہ، گوشہ، زاویہ"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۰۶۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "(وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه): أی المسجد (جاز) کمسجد القدس (ولو جعل لغیرها أو) =

مسجد بارش سے ٹپکتی ہو تو معتکف کیا کرے؟

سوال [۴۹۰۰]: مسجد بارش سے بے حد ٹپکتی ہے جب کہ نماز پڑھنا ہی دشوار ہے، لوگوں کو ٹھیک کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے، اذان نماز ہوتی ہے، لیکن زور سے بارش ہوتی ہو تو معتکف کا سونا کجا گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھنا دوبھر ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی علاج تو یہ ہے کہ چھت درست کرائی جائے اور ہر مسجد و ہر محلہ میں اعتکاف کا انتظام کیا جائے، مسجد مذکور میں اعتکاف کی گنجائش نہ ہو تو دوسری مسجد میں منتقل ہو جائے، بحالتِ عذر اس کی اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه، لا) يكون مسجداً". (الدر المختار).

"(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: و إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد).

"في الهداية: الاعتكاف مستحب، والصحيح أنه سنة .... وهو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف، أما اللبث فركنه، والنية شرطه .... وجوازه يختص بالمساجد". (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف: ۴۱۰/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۹/۳، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۷/۲، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

دوسرے محلہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۹۰۱]: ۱...... ایک محلہ کا کوئی آدمی اگر دوسرے محلہ کی مسجد میں عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف کرے تو کیا اس کے اعتکاف کرنے سے اس مسجد کے محلہ والوں سے اعتکاف مسنون ادا ہو جائے گا، یا اس مسجد کے محلہ والوں ہی میں سے کسی کا معتکف بننا ضروری ہے؟

امام کے ذریعہ سنت اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۹۰۲]: ۲...... ایک محلہ کا کوئی آدمی دوسرے محلہ کا امام ہو تو ان امام صاحب کو اپنی امامت کے محلہ والوں میں سے شرعاً شمار کیا جائے یا نہیں؟ نیز ان کے لئے امامت کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس محلہ والوں سے اعتکافِ مسنونہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... جس محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہو جائے گی، مگر اہلِ محلہ کو چاہئے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلہ سے بلا کر اعتکاف کرا کے خود محروم نہ رہیں (۱)۔

۲...... یہ امام صاحب جس محلہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، بحقِ اعتکاف اسی محلہ کے شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "هذا كله لبيان الصحة .... وأما أفضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام، ثم في مسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم في المسجد الأقصى، ثم في الجامع. قيل: إذا كان يصلي فيه بجماعة، فإن لم يكن ففي مسجده أفضل، لئلا يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

معتکف بیت الخلاء کے لئے نکل کر کتنا کام کرسکتا ہے؟

سوال[۴۹۰۳]: معتکف کا بیت الخلاء کر کے گھر میں جانا، بیوی بچوں سے بات چیت کرنا، کوئی کتاب اٹھا کر لانا، کاغذات حساب وغیرہ کے اٹھا کر لانا، باہر سے آئی ہوئی ڈاک پڑھنا، مہمانوں سے بات چیت کرنا، جو باہر سے آئے ہوں سلام دعاء خیر وعافیت دریافت کرنا، کپڑے بدلنا، نہانا اور کپڑے دھونا، خطوط کے جواب لکھنا وغیرہ پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت الخلاء سے فارغ ہو کر ان کاموں کے لئے مستقلاً مکان پر نہ ٹھہرے، چلتے چلتے ضروری بات سلام ودعاء مہمان سے کرسکتا ہے، بقیہ اشیاء مکان سے لاسکتا ہے(۱)، ڈاک مسجد میں لا کر پڑھے، مسجد میں ہی جواب لکھے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے مسجد سے نکلنا درست ہے؟

سوال[۴۹۰۴]: بعض حالتوں میں معتکف کا مسجد سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے، ان حالتوں میں

---

(۱)"لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض أو لصلوة الجنازة من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحر الرائق: ۵۲۹/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۸/۳، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه: يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها، بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه". (البحر الرائق: ۵۳۰/۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۷/۲، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہوگی؟ معتکف کا انتقال ہوگیا، پاگل ہوگیا، پولیس پکڑ لے گئی، مسجد میں آگ لگ گئی، فساد ہوگیا، جان کے خوف سے مسجد سے بھاگ گیا، طبیعت خراب ہوگئی، پیشی مقدمات کی آگئی، بیوی یا بچہ کا انتقال ہوگیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہر مسجد ومحلہ میں اعتکاف کا اہتمام ہو اور کسی ایک کو اس قسم کا حادثہ پیش آجائے تو بقیہ کا اعتکاف تو پورا ہوجائے گا اور سنت علی الکفایہ ادا ہوجائے گی۔ مسجد میں آگ لگنے یا فساد ہونے سے اگر وہاں سے نکل کر فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا

سوال [۴۹۰۵]: معتکف بیت الخلاء کے لئے گھر جارہا تھا، راستہ میں دوستوں سے ہنسی مذاق کی بات چیت کھڑے ہوکر کی، یا چلتے چلتے کی۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لغو ہنسی مذاق کہیں بھی نہ کرے، ضروری بات چلتے ہوئے کرلے، خارجِ مسجد بات کرنے کے لئے کھڑا نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "و أما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف ....والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا =

معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لئے جانا

سوال[۴۹۰۶] : ۱......جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہوتو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتو اس صورت میں اس صحن میں تراویح پڑھتے وقت معتکف تراویح کے لئے صحن میں جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہوتو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔آیا صحیح ہے یا غلط؟

ایضاً

سوال[۴۹۰۷] : ۲......اور اگر نہیں نکل سکتا ہوتو تمام مصلی مسجد میں پڑھیں یا صحن میں؟ حالانکہ سخت گرمی کی حالت ہے اور مصلی اندر پڑھنے کی حالت میں بہت بے چین رہتے ہیں تو باہر پڑھنے میں کسی قسم کا نقص تو نہیں ہوگا؟

غلام محمد، حاجی یوسف، نورگت، موضع ترکیسر پوسٹ خاص، ضلع سورت۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر اعتکاف واجب ہے تو تراویح کے لئے ایسی جگہ جانے سے فاسد ہوجائے گا(۱)۔ ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ جانے کی نیت کرلیتا ہے تو پھر اجازت ہے(۲)۔ اور نفلی اعتکاف اس سے منتہی ہوجاتا ہے۔

= عند عدمها". (حاشية الطحطاوی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص:۷۰۵، قديمی)

(وكذا فی رد المحتار علی الدر المختار: ۴۵۰/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا فی النهر الفائق: ۴۸/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) "(وحرم عليه): أی علی المعتكف اعتكافاً واجباً (الخروجُ، إلا لحاجة الإنسان......... اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف: ۳۱۲/۲، قديمی)

(۲) "لو شرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم، جاز ذلك، فليحفظ". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۴۴۸/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف: ۳۱۲/۲، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فی الاعتكاف: ۲۱۳/۱، رشيديه)

اعتکاف مسنون کو بھی بعض فقہاء نے واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے(۱)۔

۲......تمام مصلی اگر صحن میں (جو کہ خارج مسجد قرار دیا ہے) پڑھیں گے تو ۲۷/ درجہ ثواب میں کمی رہے گی، مسجد میں پڑھنے سے نفسِ نماز کا ثواب مستقلاً ۲۷/ درجہ زیادہ ملے گا(۲) اور گرمی کے تحمل اور معتکف کی رعایت وغیرہ امور کا ثواب مزید ملے گا، یا صحن داخلِ مسجد کیا جائے یا پنکھے وغیرہ سے ہَوا کا انتظام کیا جاوے۔

---

(۱) سنت اعتکاف کا واجب اعتکاف کے ساتھ الحاق کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء نے نیت میں واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے، جیسے سوال کے جملہ: ''اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہو تو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں''۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب میں اسی مذکورہ جملہ کے جواب کہ: ''ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ کی نیت کر لیتا ہے تو پھر اجازت ہے''۔ سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر اعتکاف مسنون میں کسی جگہ کے لئے نکلنے کی نیت کرے تو بظاہر گنجائش ہے:

"(وحرم عليه) : أى على المعتكف اعتكافاً واجباً، أما النفل فله الخروج؛ لأنه منه لامبطل كما مر (الخروج الالحاجة الإنسان)". (الدرالمختار).

"(قوله: إما النفل): أى الشامل للسنة المؤكدة، قلت: قد مناما يفيد اشتراط الصوم فيها بناءً على أنها مقدر بالعشر الأخير، ومفاد التقدير أيضاً اللزوم بالشروع، تأمل. ثم رأيت المحقق ابن الهمام قال: ومتقضى النظر لوشرع في المسنون أعنى العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاءه .... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسف". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

"ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم، يجوز له ذلك". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف : ۲/۴۱۲، قديمى)

(۲) "(وإن صلى) أحد (في بيته بالجماعة) حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها، ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التى (في المسجد) لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام. (وهكذا في المكتوبات): أى الفرائض لوصلى جماعةً في بيت على هيئة الجماعة في المسجد، نالوا فضيلة الجماعة، وهي المضاعفة بسبع وعشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد".
(الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، باب ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

تراویح کا مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۰۸]: اگر معتکف کا وضو ٹوٹ جائے اور پانی مسجد سے باہر ہو اور کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گھر جا کر وضو کرے اور فوراً واپس آ جائے: "و لا بأس بأن يدخل بيته للوضوء، ولا يمكث بعد الفراغ". مجمع الأنهر(۲) لیکن یہ حکم واجب وضو کا ہے، مستحب وضو کے لئے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وأما سننها: فمنها الجماعة والمسجد، لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدر ما صلى من التراويح صلى بجماعة في المسجد، فكذا الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم صلوها بجماعة في المسجد، فكان أداؤها بالجماعة في المسجد سنةً.

ثم اختلف المشايخ في كيفية سنة الجماعة والمسجد أنها سنة عين أم سنة كفاية: قال بعضهم: إنها سنة على سبيل الكفاية، إذا قام بها بعض أهل المسجد في المسجد بجماعة، سقط عن الباقين". (بدائع الصنائع، كتب الصلوة، صلوة التراويح: ۱/۶۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مبحث الصلوة التراويح: ۲/۴۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، تراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"لا بأس بأن يدخل بيته، ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه) .... =

کیا معتکف سحر وافطار، استنجا اپنے مکان پر کرے؟

سوال[۴۹۰۹]: معتکف کا مکان مسجد سے چند قدم پر ہے، معتکف سحر وافطار، چھوٹا بڑا استنجا، غسل وغیرہ گھر کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹا بڑا استنجا تو بہر حال مسجد سے باہر ہی ہوگا(۱)۔ غسلِ جنابت بھی باہر کرے گا(۲)، سحر وافطار کی مسجد میں اجازت ہے اس کے لئے باہر نہ جائے (۳)، کوئی لانے والا نہ ہو تو مکان سے جا کر لے آئے (۴)۔

= (وكذا في التاتار خانيه: ۲/۴۱۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعةً كبول و غائط وغسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۲)"و لو احتلم المعتكف، لا يفسد اعتكافه ؛ لأنه لا صنع له فيه ، فلم يكن جماعاً ولا في معنى الجماع، ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوّث المسجد، فلا بأس به، وإلا فيخرج فيغتسل، و يعود إلى المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل في ركن الاعتكاف ، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية الآتية)

(۴) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد مَن يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

استنجا کے لئے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہو تو وہاں چلا جایا کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کر لے

سوال[۴۹۱۰]: مسجد میں وضو کے لئے پانی کا انتظام نہیں، قریب ۵۰، ۶۰/ قدم پر ندی ہے، سب لوگ ندی سے وضو کر کے آتے ہیں۔ معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرنے، غسل کرنے، کپڑے دھونے جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک دفعہ جائے آئندہ کے لئے پانی لیتا آئے، فرشِ مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کر لیا کرے، جب پانی ختم ہو جائے اور کوئی لانے والا نہ ہو تو خود چلا جائے، کپڑے بھی لا کر مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھوئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط وغسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد مَن يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

وضو، اذان، سگریٹ کے لئے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا

سوال[۴۹۱۱]: ۱......معتکف اذان دینے کے لئے مسجد کی حد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اور مسجد میں کسی برتن میں اس طرح وضو کرنے پر قادر ہونے کے باوجود کہ تلویثِ مسجد لازم نہ آوے، معتکف وضو کرنے کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......اور جو سگریٹ پینے کا عادی ہو وہ سگریٹ پینے کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مؤذن مینارہ پر چڑھ کر اذان دے اور اس کا دروازہ خارج مسجد ہو تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، کذا فی البدائع: ۱۱۵/۲(۱)، ورد المحتار: ۱۸۱/۲(۲)، والبحر: ۳۰۳/۲(۳)، والفتح: ۱۱۱/۲(٤)، لیکن حدِ مسجد سے باہر جا کر اذان دینے کا حکم میں نے نہیں دیکھا، البتہ سکب الأنہر: ۲۵۲/۱، میں خروج للأذان کی اجازت دی ہے اور منارہ کی قید نہیں لگائی (۵)۔

---

(۱) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد؛ لأن المئذنة من المسجد". (بدائع الصنائع: ۲۹/۳، فصل فی رکن الاعتکاف، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۲) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول، أو شرعيةً كعيد، وأذان لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد .... والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۴۵/۲، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) "و صعود المئذنة إن كان بابها في المسجد، لا يفسد الاعتكاف، وإن كان الباب خارج المسجد، فكذالك في ظاهر الرواية". (البحرالرائق: ۵۲۹/۲، باب الاعتکاف، رشیدیہ)

(۴) "و صعود المئذنة إن كان بابها من خارج المسجد، لا يفسد في ظاهر الرواية، وقال بعضهم: هذا في حق المؤذن؛ لأن خروجه للأذان معلوم، فيكون مستثنى، أما غيره فيفسد اعتكافه، و صحح قاضي خان أنه قول الكل في حق الكل". (فتح القدیر: ۳۹۶/۲، باب الاعتکاف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۵) "ولا يخرج المعتكف من معتكفه إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كالبول والغائط .... أو شرعيةً كالعيد والأذان". (سکب الأنہر علی ہامش مجمع الأنہر: ۲۵۲/۱، باب الاعتکاف، بیروت)

۲...... مسجد میں اس طرح وضو کرنے کے متعلق "لا بأس به" کا لفظ مذکور ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں، بلکہ باہر بھی جا سکتا ہے(۱)۔

۳...... اگر بغیر سگریٹ کے گذارہ نہیں تو اس کے لئے بھی جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے جائے تو یہ کام بھی کرے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کر کے آ جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۸۸ھ۔

بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

سوال[۴۹۱۲]: معتکف کو دست لگنے لگے، اس وجہ سے ۱۵، ۲۰/ بار دن میں گھر جانا پڑتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۹۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال ...... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار). "ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة ماكولاً أو غيره .... وكذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر أوبه جرح له رائحة". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۶۱، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

(۳) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط و غسل أو شرعيةً كعيد". .... =

معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا

سوال[۴۹۱۴]: معتکف کو شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض کے لئے اگر ضرورت ہوتو جائز ہے یا نہیں؟ اگر آتشزدگی ہوتو اس کو بجھانا جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہوتو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حالتِ اعتکاف میں شرکتِ جنازہ اور عیادتِ مریض کے لئے اگر مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، البتہ بغیر اس کے جائے کام نہ چلے تو گنہگار نہیں ہوگا: "یفسد لو لعیادۃ مریض أو شهود جنازۃ وإن تعین علیه، إلا أنه لا یأثم کما فی المرض". شامی: ۲/۱۳۳(۱)۔

اس کی مثال اس طرح سمجھے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سامنے کوئی نابینا ہے جو کنویں میں گرنے کے قریب ہے اور کوئی خبردار کرنے والا نہیں تو یہ نمازی فوراً جا کر بچائے یا آواز دے کر کہہ دے تو یہ گناہ گار نہیں ہوگا، البتہ نماز فاسد ہوجائے گی وہ باقی نہیں رہے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

= (الدرالمختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۴۴۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

"و لو خرج لجنازة یفسد اعتکافه، وکذا صلاتها و لو تعینت علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۲۲، کتاب الصوم، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "و کذا الأجنبی إذا خاف أن یسقط من سطح أو تحرقه النار، أو یغرق فی الماء، و استغاث بالمصلی، وجب علیه قطع الصلوة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۰۹، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوة، رشیدیه)

دیہاتی معتکف کونماز جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۱۴]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ موکدہ ہے یانہیں؟ اگر موکدہ ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے معتکف جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے وہاں جاکر نماز جمعہ پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ موکدہ اعتکاف ساقط تونہیں ہوگا؟

فرزند علی سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کے لئے شہر یا شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۱)۔ گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ موکدہ، لہٰذا اس کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ذی قعدہ/۵۷ھ۔

معتکف کونماز جنازہ کے لئے باہر نکلنا

سوال[۴۹۱۵]: معتکف مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے، اتفاقاً جنازہ حاضر ہوا، اب محلّہ والے بوجہ تبرک معتکف صاحب سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، ان میں سے کوئی اچھی طرح نماز پڑھانا نہیں جانتا۔ شرعی اعتبار سے معتکف نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یانہیں؟ فقط۔

محمد یونس سلہٹی، ۴/رجب/۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار على التنوير: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الايضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان "اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے: "ولو خرج لجنازة، يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه" . هنديه، ص: ۲۱۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/رجب/۵۶ھ۔

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۱۶]: جمعۃ الوداع جمعہ، عیدین کی نماز بالاخانوں، چھتوں، سیڑھیوں اور سڑکوں تک پر ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک چل پھر کر آ جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے وہ مسجد ہے، معتکف کو اس جگہ میں رہنے کا حکم ہے(۲) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۲۲۲/۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۵۷/۱، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "ثم الاعتكاف لايصح إلا في مسجد الجماعة لقول حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: "لااعتكاف إلا في مسجد جماعة" وعن أبي حنيفة رحمه الله: أنه لايصح إلا في مسجد يصلي فيه الصلوات الخمس؛ لأنه عبادة انتظار الصلوة فيختص بمكان تؤدى فيه". (الهداية: ۲۲۹/۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

غسلِ سنت وتبرید کے لئے معتکف کا خروج

سوال[۴۹۱۷]: معتکف کو غسلِ سنت یا غسلِ تبرید کے لئے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

ناکارہ خلائق کمترین: نجم الحسن غفرلہ، از تھانہ بھون، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا، ''اشعۃ اللمعات'' (۱) میں ''اورادِ احسانی'' سے مطلقاً خروج للغسل کو نقل کیا ہے، غسل واجب ہو یا سنت ہو، لیکن ''اورادِ احسانی'' بذاتِ خود ایک مجموعہ موضوعات ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسلِ تبرید یا غسلِ مسنون کے لئے مستقلاً نہ نکلے، بلکہ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو استنجا کرتے وقت غسل بھی کرلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

اعتکاف میں غسل

سوال[۴۹۱۸]: حالتِ اعتکاف میں آرام وٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا جائز ہے؟ اگر غسل کرے تو مسجد کے اندر یا باہر؟

(الف) کنواں، غسلخانہ، وضو کی جگہ مسجد کے حدود میں ہے یا باہر؟

---

(۱) "وکان لایدخل البیت إلا لحاجة الإنسان وبود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ برنمی آمد از مسجد، مگر برائے حاجتِ انسانی از بول وغائط، وهمچنیں غسل جنابت از جهت وجوب خروج از مسجد نزد جنابت، وهمچنیں برائے نماز جمعه، غسل جمع روایتے صریح درآں از اصول نمی یابم جز آنکه در شرحِ اوراد گفته است که بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل. متفق علیه".

(أشعة اللمعات، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۱۲۰، مکتبه نوریه رضویه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

غسل کرنا درست ہے، مسجد ہی میں کسی ٹب وغیرہ بڑے برتن میں لے کر(۱)، اگر غسل خانہ میں استنجا کرنے جائے تو وہاں بھی جلدی سے کرسکتا ہے(۲)۔

(الف) عامۃً یہ چیزیں حدود مسجد سے خارج ہوتی ہیں، بلاضرورت معتکف کو وہاں جانا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اعتکاف میں حدث

سوال[۴۹۱۹]: اعتکاف میں جاگتے اور سوتے بار بار حدث ہوتا ہوتو بار بار وضو کرنا ہوگا اور ایسی حالت میں تفسیر وفقہی کتب کا دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باوضو رہنا مستحب ہے(۳) واجب نہیں۔ تفسیر وفقہ کی کتب کا مطالعہ بھی باوضو مستحب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعيةً كبول وغائط وغسل لو احتلم، ولا يمكنه الاغتسال في المسجد". (الدرالمختار). "فلو أمكنه من غير أن يتلوّث المسجد، فلا بأس به: أى بأن كان فيه بركة ماء .... أو اغتسل في إناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في التاتار خانيه: ۲/۴۱۲، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به، وإلا فيخرج ويغتسل ويعود إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۳۲، باب الاعتكاف، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "(الوضوء) مندوب في نيف وثلاثين موضعاً .... فمنها عند استيقاظ من نوم والمداومة عليه".

(الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۸۹، كتاب الطهارة، سعيد)

(۴) "مندوب في أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية". قال الطحطاوى: "(قوله: كمس الكتب =

بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح

سوال[۴۹۲۰]: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، خروجِ ریح آواز اور بغیر آواز دونوں طرح سے ہوتا ہے تو اس حالت میں کیا میں اعتکاف کر سکتا ہوں؟ اگر اس بستی میں ایسے شخص کے سوا کوئی اور شخص اعتکاف سنت علی الکفایہ میں معتکف ہونے والا نہ ہو تب بھی اس کو اعتکاف کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، مسجد میں احداث مکروہ ہے(۲)، جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو تو اس کو احترام مسجد کے پیشِ نظر اعتکاف سے احتیاط چاہئے، خاص کر جب کہ کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۹ھ۔

معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا

سوال[۴۹۲۱]: معتکف اگر ہوا خارج کرنے کے لئے بیت الخلاء جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف فاسد نہیں ہوگا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۲ھ۔

= الشرعية) نحو الفقه والحديث والعقائد، فيتطهر لها تعظيماً. قال الحلواني: إنما نِلْنا هذا العلم بالتعظيم، فإني ما أخذتُ الكاغذ إلا بطهارة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۸۳، فصل في أوصاف الوضوء، قديمي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى ممايتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلاة، قديمي)

(۲) "و إذا فسافي المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(۳) "وإذا فسافي المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو =

معتکف کے لئے تمباکو کھانا

سوال[۴۹۲۲]: معتکف تمباکو پان مسجد میں کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھا سکتا ہے جب کہ بدبودار نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا

سوال[۴۹۲۳]: زید بیڑی سگریٹ کا بہت ہی عادی ہے، بغیر پئے رہ نہیں سکتا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہ حالتِ اعتکاف مسجد کے باہر بیڑی سگریٹ استعمال کرے یا مسجد میں رہ کر ہی؟ اور زید کے علاوہ مسجد میں معتکف بننے کو کوئی تیار نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو معتکف بنایا جائے یا ترک کر دیا جائے؟ نیز حاجتِ انسانی کے اندر کیا کیا چیزیں داخل ہیں؟ تفصیل درکار ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کی فضیلت بھی بہت ہے اور منفعت بھی بہت ہے، اس کی طرف اہتمام سے توجہ کی جائے۔ جب قضائے حاجت (پاخانہ پیشاب) کے لئے رات کے وقت مسجد سے باہر جائے تو وہاں یہ حاجت (بیڑی

= الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، کتاب الطهارة، یوم عرفة أفضل من یوم الجمعة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۱، کتاب الکراهیة، الفصل الخامس فی آداب المساجد، رشیدیه)

(۱) "ویکره...... وأکل ونوم إلا لمعتکف وغریب، وأکل نحو ثوم یمنع منه". (الدر المختار). "ویلحق بما نص علیه في الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولاً أو غیره، الخ". (ردالمحتار: ۱/۶۶۱، ۶۶۲، باب مایفسد الصلوٰة، أحکام المساجد، سعید)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أکل من هذه الشجرة المنتنة، فلا یقربنّ مسجدنا؛ فإن الملٰئکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس". (مشکوٰة المصابیح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قدیمی)

سگریٹ) بھی پوری کرتا آئے (۱) وضو اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے، بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۹۲ھ۔

معتکف کے لئے امورِ مباحہ

سوال [۴۹۲۴]: معتکف کو بھی پردہ سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانہ میں بھی نماز سنت ونفل و تلاوت قرآن یا کسی کتاب کا دیکھنا کیسا ہے اور جماعت خانہ میں کتاب کا سنانا، اذان دینا، تکبیر کا کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا ترجمہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب درست ہے، البتہ اذان بلند مقام پر کہنا مستحب ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبولٍ و غائط، و غسل لو احتلم، .... وشرعيةً كعيد، و أذان". (الدرالمختار: ۴۴۸/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۲/۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) "و أكل، و نوم (أي يكره)، إلا لمعتكف و غريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار).

"ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره ...... و كذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر، أو به جرح له رائحة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۶۱/۱، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۶۸/۱، باب المساجد و مواضع الصلوٰة، قديمي)

(۳) "ويكره تحريماً صمت وتكلم إلابخير كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سيرالرسول عليه السلام وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين وكتابة أمور الدين". (الدرالمختار:=

ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۴۹۲۵]: اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دسترخوان پر ہڈی یا کھجور کی گٹھلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد ہی سے گٹھلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا

سوال[۴۹۲۶]: باہر کے حضرات ملاقات کے لئے آئیں تو ان سے بات چیت خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کرسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۹۲۷]: بیت الخلاء جاتے ہوئے کسی کی خیریت پوچھ سکتے ہیں، اگر کوئی اپنی خیریت معلوم

= ۲/۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص:۷۰۸، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "ويكره تحريماً صمت وتكلم إلابخير وهو مالا إثم فيه، ومنه المباح عند الحاجة إليه لاعند عدمها، الخ". (الدر المختار: ۲/۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

کرے، سلام کا اشارہ کرے تو جواب دینا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آتے جاتے سلام کرنا جواب دینا خیریت بتانا پوچھنا سب درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا

سوال[۴۹۲۸]: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنواسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بنواسکتا ہے، البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

اعتکاف کی حالت میں تقبیل وجہ

سوال[۴۹۲۹]: معتکف نے محض دلداری کی خاطر بلاشہوت اپنی بیوی کے رخسار کو چوم لیا تو مطلق بوسہ لینا مفسدِ اعتکاف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اس سے نہ اعتکاف فاسد ہوا نہ روزہ فاسد ہوا، قضا بھی واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۱۷ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال المفتی رشید احمد رحمة اللہ علیہ: ''اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۵۰۶، باب الإعتکاف، سعید)

(۳) "و حرم الوطء و دواعیه، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تباشروهن و أنتم عاکفون فی المساجد﴾ فالتحق به =

معتکف کا مسجد میں چارپائی بچھانا

سوال[۴۹۳۰]: معتکف مسجد میں چارپائی بچھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز چارپائی پر لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مکانوں میں جو عورتیں اعتکاف کرتی ہیں وہ اپنے اعتکاف کرنے کی جگہ پر چارپائی بچھا سکتی ہیں یا نہیں اور بقیہ پورے مکان میں بغرضِ ضرورت آ جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتکف اپنے اعتکاف کی جگہ چارپائی بچھا سکتا ہے اور اس پر لیٹ سکتا ہے(۱)، مگر آج کل عرفاً مسجد میں چارپائی بچھانا خلافِ احترام سمجھا جاتا ہے، اس لئے احتیاط چاہئے۔ عورت کو اپنی اعتکاف کی جگہ یہ اشکال نہیں، عورت اگر بلاضرورتِ شرعیہ وطبعیہ اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل کر مکان میں کسی اور جگہ جائے گی تو اس کا اعتکاف باقی نہیں رہے گا:

"وللمرأة الاعتكاف في مسجد بيتها، و هو محل الصلوة فيه، و لا تخرج منه إذا اعتكفت، فلو خرجت بغير عذر، يفسد واجبه، و ينتهي نفله". كذا في مراقي الفلاح والطحطاوي (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

= اللمس، والقبلة؛ لأن الجماع محظور فيه، فيتعدى إلى دواعيه .... و لو أمنى بالتفكر أو بالنظر، لايفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، ۷۰۶، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۴۵۰/۲، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵۳۲/۲، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره و راء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۸، باب ما جاء في الاعتكاف ، باب في المعتكف يلزم مكاناً، مير محمد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۵/۲، ۴۶، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۱/۱، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا

سوال[۴۹۳۱]: امرأۃ معتکفہ مسجدِ بیت میں کھانا پکا سکتی ہے یا نہیں؟ اذان اور وضو کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے تو "کافی" کی اس عبارت کے خلاف ہے: "و یخرج لغائط أو بول أو جمعة". شامی، ج: ۲۔ جواب مع حوالات دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کا کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو تو مسجدِ بیت میں کھانا پکا سکتی ہے، مسجدِ بیت پر تمام احکام مسجد کے جاری نہیں ہوتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲ھ۔

معتکف کا حوض سے پانی لینا

سوال[۴۹۳۲]: اگر حمام مسجد کے فرش سے الگ ہو تو معتکف وضو کے لئے حوض سے پانی لے سکتا ہے یا نہیں، جب کہ مسجد کے اندر کوئی آدمی ہی نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی پانی لانے والا نہیں ہے تو لا سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۶ھ۔

---

(۱) چونکہ مسجدِ بیت دوسرے احکام میں مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں ہے اور چونکہ مسجدِ شرعی میں سونا، کھانا پینا وغیرہ معتکف کے لئے جائز ہے، اسی طرح اگر مسجدِ بیت میں کھانا پکایا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں:

"وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد".

(البحر الرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً". (الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثاني عشر في =

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائیک باہر مجمع کو خطاب کرنا

سوال[۴۹۳۳]: کیا معتکف مائیک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتا ہے جب کہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا

سوال[۴۹۳۴]: کیا وجہ ہے کہ معتکف اگر کاروبار کی یا دنیاوی باتیں کرتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا، لیکن حکیم صاحب مریضوں کو نبض دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں تو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لئے نہیں بنائی گئی، نہ مطب کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں، مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ ضرورت کے موقعہ پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں، اور مثلاً دوکاندار مسجد میں نماز کے لئے آیا اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوادو تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز

= الاعتکاف: ۲/۳۱۳، قدیمی)

(۱) "لکنه يلازم القرآن، والذكر والحديث والعلم و دراسته و سير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقصص الأنبياء عليهم السلام و حكايات الصالحين". (مراقي الفلاح، ص: ۴۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۹، ۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

کردی جوان کے مطب سے مل گئی تو مضائقہ نہیں، مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا

سوال[۴۹۳۵]: کیا معتکف کا مسجد میں پیشاب یا پاخانہ کی جگہ تک راستہ میں بات کرنا جائز نہیں، اگر بات کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، اگر ایک آدھ بات کر لی تو کیا اس صورت میں بھی اعتکاف کا بطلان لازم آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا: "و لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعية، أو طبعية: أي يدعو إليها طبع الإنسان، و لو ذهب بعد أن خرج إليها لعيادة مريض، أو صلوة جنازة من غير أن يكون لذلك قصداً، جاز، بخلاف ما إذا خرج لحاجة الإنسان و مكث بعد فراغه، فإنه ينتقض اعتكافه عند الإمام، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲/۴۳۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وقيّده في الظهيرية بأن يجلس لأجله، فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. و في صلاة الجلالي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد و إن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (الدرالمختار مع رد المحتار : ۱/۶۶۲، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف ، قديمي)

(و كذا في النهر الفائق : ۲/۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق : ۲/۵۲۹، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، قديمي)

(و كذا في الفقه الإسلامي و أدلته : ۳/۱۷۷۳ ، البحث الخامس آداب المعتكف ، رشيديه)

معتکف کا قرآن پاک پڑھانا

سوال[۴۹۳۶]: معتکف قرآن مجید ناظرہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ بچے پہلے سے بھی پڑھتے ہوں؟

محمد عاصم، مکتبہ اسلامیہ، ڈاکخانہ گجیز کچہری، کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

پڑھا سکتا ہے(۱) لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء

سوال [۴۹۳۷]: رمضان المبارک میں بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف شروع کردینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر چھوڑ دے تو قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ صلوۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہ نوافل شروع کردینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے، چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کہ عشرۂ اخیرہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وحضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے لئے خیمے مسجد میں لگادیئے تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام خیموں کو مسجد سے باہر کردیا اور توڑ دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما أنا بمعتكف". چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا لازم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ظاہر نظیر کا یہی تقاضا ہے جو آپ نے کہا، تاہم "الأشباه والنظائر" سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ مؤکدہ

---

(۱) "وأما آدابه .... ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم .... اهـ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدر المختار: ۱/۶۵۲، =

کوشروع کر کے اگر توڑ دے تو اس کی قضاء لازم نہیں (۱)، عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف بھی سنتِ مؤکدہ ہے، کوعلی الکفایہ ہے:

"و مقتضى النظير أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاء ه تخريجاً على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في الشروع في نفل الصلوٰة ناوياً أربعاً، لا على قولهما". فتح القدير: ۲/۱۰۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۸ھ۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء وادا اعتکاف ایک ساتھ

سوال [۴۹۲۸]: زید نے رمضان شریف میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، تین دن اعتکاف کے بعد اچانک خبر آ گئی کہ حج بیت اللہ کے سفر میں جانا ہے جس کی وجہ سے مجبوراً اعتکاف توڑ کر جانا پڑا، تو اب اس عشرہ کی قضاء کرنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز قضاء کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر امسال رمضان کے اخیر عشرہ میں قضا و ادا کو مدغم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احوط تو یہی ہے کہ بعد رمضان پورے عشرہ کا اعتکاف کر لے اور اس عشرہ کے روزے بھی رکھے، لیکن

= كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة و مايكره فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۱/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۹/۵، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

(۱) "إذا شرع في صلوٰة رقطعها قبل إكمالها، فإنه يقضيها إلا الفرض و السنن". (الأشباه والنظائر).

قال الحموي: "وأما في السنة، فلأنها وإن وجبت بالشروع إلا أنه أفسدها في الوقت فيؤديها ....أنه لو شرع في سنة من السنن أو التراويح، لا يلزمه المضي و لا قضاء ها إذا أفسد". (شرح الحموي: ۱۹/۲، كتاب الصلوة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (فتح القدير: ۳۹۳/۲، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

یہ حکم وجوبی نہیں، جس دن اعتکافِ مسنون توڑا ہے اس دن کی قضاء بھی کافی ہے(۱)۔ گذشتہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کو توڑے ہوئے مسنون اعتکاف کی قضاء کے لئے امسال رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کافی نہیں، وہ اس میں ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۸ھ۔

اعتکاف میں غسلِ میت کے لئے نکلنا، مستورات کا اعتکاف ٹوٹ جانے پر قضا کا حکم

سوال[۴۹۳۹]: میں ۲۰/ رمضان المبارک کو اعتکاف میں بیٹھ گئی، ۲۲/ رمضان المبارک کو ۱۱/ بجے دن میں میری بھتیجی کی وفات ہوگئی جس میں اپنے بھائی کے گھر جو چند گز کے فاصلہ پر ہے، چلی گئی اور بھتیجی کو غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ گھر سے چلا گیا واپس میں اپنے گھر چلی آئی اور پھر اعتکاف میں بیٹھ گئی، اپنے بھائی کے گھر جب تک رہی ان لوگوں کو صبر دلاتی رہی اور سمجھاتی رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ میرا اعتکاف صحیح ہوا کہ نہیں؟ یہاں کے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اعتکاف صحیح نہیں ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بھتیجے کے انتقال پر وہاں جا کر غسل وکفن کرنا اور ان لوگوں کو صبر دلانا بہت اجر وثواب کی چیز ہے، لیکن اعتکاف سے نکلنا اس مقصد کے لئے بھی درست نہیں (۲)، تاہم اعلیٰ بات یہ ہے کہ آپ دس روز کا اعتکاف

---

(۱) "و لو شرع فيه ثم قطع، لا يلزمه القضاء في رواية الأصل، و في رواية الحسن: يلزمه. و في الظهيرية: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه يلزم يوماً". (التاتارخانية: ۲/۴۱۴، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچي)

"فلو شرع في نفله ثم قطعه، لا يلزمه قضاءه .... و ما في بعض المعتبرات: أنه يلزم بالشروع مفرّعٌ على الضعيف". (الدر المختار: ۲/۴۴۴، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في الهداية: ۱/۲۲۹، باب الاعتكاف، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "فإن خرج ساعةً بلا عذر فسد...... و عن هذا فسد إذا عاد مريضاً، أو شهد جنازةً تعينت إلا أنه لا =

مستقل کرلیں، اس میں روزہ بھی رکھیں، حالات اس کی اجازت نہ دیں تو جس روز وہاں جانا ہوا، صرف ایک روز کا اعتکاف اور روزہ رکھ کر کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

نفلی اعتکاف

سوال [۴۹۴۰]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے، شامی: ۱۲۹/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں

سوال [۴۹۴۱]: اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایۃ میں جو پابندی یا حقوق ہیں وہ مستحب اعتکاف میں بھی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پابندیاں نفلی اعتکاف میں بھی ہیں، مگر ایک تو اس میں روزہ کی قید نہیں، اور اعتکافِ مسنون رمضان

= يأثم، بل يجب عليه الخروج ...... فالظاهر أن العذر الذي لا يغلب مسقطٌ للإثم لا البطلان". (النهر الفائق: ۴۷/۲، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۴۴۷/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۲۲۲/۱، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۵۷/۱، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء")

(۲) "هو لبث ذكرٍ في مسجد جماعة بنية، وهو ثلاثة أقسام ...... مستحب في غيره من الأزمنة، هو =

شریف کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے، اس میں روزہ بھی ہوتا ہے، دوسرے بلاضرورت جب مسجد سے معتکف نکلے گا تو نفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت معین نہیں کی تھی وہ ختم ہوجائے گا، فاسد نہیں ہوگا، اعتکافِ مسنون ایسی حالت میں فاسد ہوجاتا ہے، شامی : ۲/ ۱۳۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے لفظوں میں اعتکاف کی نیت

سوال[۴۹۴۲] : نفلی اعتکاف گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوجاتا ہے تو مسجد میں جاتے وقت یعنی داخل ہوکر کیا نیت کرنی چاہئے جو روزانہ اعتکاف کا ثواب مل جایا کرے۔ لفظوں میں نیت کا طریقہ بتلادیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

"میں جتنی دیر تک مسجد میں ٹھہروں اللہ کے لئے معتکف ہوں"۔ اس نیت سے مسجد میں داخل ہوجایا کرے، بس جتنی دیر تک وہاں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملے گا، گھنٹہ بھر ٹھہرے یا کم وبیش (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

= بمعنی غیر المؤکدة". (الدر المختار : ۲/ ۴۴۰، ۴۴۲، باب الاعتکاف ، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۱۱ ، کتاب الصوم ، الباب السابع فی الاعتکاف ، رشیدیہ)

(وکذا فی المحیط البرهانی : ۲/ ۵۸۴، الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف ، غفاریہ)

(۱) "(وشرط الصوم) لصحة (الأول): أی النذر اتفاقاً (فقط) ...... (وحرم علیه): أی علی المعتکف اعتکافاً واجباً، أما النفل فله الخروج؛ لأنه مُنهٍ له لا مبطل (الخروج إلا لحاجة الإنسان)". (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، ۴۴۵، باب الاعتکاف ، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف ، رشیدیہ)

(وکذافی التاتار خانیه: ۲/ ۴۱۰، ۴۱۳، الفصل الثانی عشرفی الاعتکاف ، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وأقله نفلاً ساعة من لیل أو نهار عند محمد، وهو ظاهر الروایة عن الإمام، لبناء النفل علی المسامحة، و به یفتی". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۳، کتاب الصوم ، باب الاعتکاف ، سعید) .... =

نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں

سوال[۴۹۴۳]: کیا اعتکاف نفلی بھی ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی مسجد میں جاوے اور یہ نیت کرلے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا میرا اعتکاف ہے، کیا اس کو نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا؟ کیا نفلی اعتکاف گھر میں بھی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اس طرح نیت کرنے سے نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا (۱)، مرد کو اس طرح گھر میں ثواب نہیں ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کر کے لیٹنا

سوال[۴۹۴۴]: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجہ کمزوری لیٹ جاتا ہوں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں (۳)، خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے، مگر اسی طرح ہو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في مراقي الفلاح، ص: ٤٠٢، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ٢/٤٥، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(١) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے لفظوں میں اعتکاف کی نیت")

(٢) "ومقتضاه أنه يندب للرجل أيضاً أن يخصص موضعاً من بيته لصلوته النافلة، أمّا الفريضة والاعتكاف فهو في المسجد كمالايخفى، الخ". (ردالمحتار: ٢/٤٤١، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(٣) "ورد في ذلك (أي الاضطجاع بعد ركعتي الفجر) مثل قول مالك: إن هذا الاضطجاع من =

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں کہ:

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟

سوال[۴۹۴۵]: ا......معتکف مسجد میں مخصوص ایک ہی جگہ بیٹھے یا ہر جگہ بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کا خارجِ مسجد اذان پڑھنا

سوال[۴۹۴۶]: ۲......معتکف مسجد میں یا خارج مسجد اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۴۷]: ۳......معتکف ایسے گاؤں میں ہے جس میں شرعاً جمعہ درست نہیں تو وہ نماز جمعہ کے لئے شہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۹۴۸]: ۴......اگر کوئی شخص شہر میں ایسی جگہ معتکف ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اسی شہر میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟

سوال[۴۹۴۹]: ۵......گاؤں اور شہر کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے یا فقط ایک ہی مسجد میں کافی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن

= سنن العادة له صلى الله عليه وسلم لامن سنن العبادة، فلا نرى به بأساً لمن فعله راحةً، ولو فعله اقتفاءً بعادته الشريفة صلى الله عليه وسلم، رجَونا له الأجر في ذلك، كماهو حكم سائر عاداته صلى الله عليه وسلم أنه لو فعله أحد اقتفاءً به في عاداته كان مأجورًا، ونكرهه لمن فعله استناناً وتحتماً". (إعلاء السنن: ۲۲/۷، كتاب الصلوة، باب النوافل والسنن، تتمة في حكم الاضطجاع بعد ركعتي الفجر، إدارة القرآن كراچی)

میں بھی آ سکتا ہے(۱)۔

۲......معتکف کواذان پڑھنے کی اجازت ہے، اگر وہ مؤذن ہے تو اذان کی متعینہ جگہ (خارج مسجد) بھی اذان پڑھ سکتا ہے(۲)۔

۳......جب کہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے تو اس کو اعتکاف کی جگہ سے نکل کر شہر میں جمعہ کے لئے جانے کی اجازت نہیں (۳)۔

۴......جو شخص شہر کی کسی مسجد میں معتکف ہو جہاں جمعہ نہیں ہوتا وہ جمعہ والی مسجد میں جمعہ کے لئے جائے اورنماز پڑھ کر واپس آ جائے بلاضرورت دیر نہ لگائے (۴)۔

۵......اچھا تو یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کیا جائے، ہر محلّہ میں کسی مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے تب

---

(۱) قال الشیخ المفتی عزیز الرحمن : ''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔(فتاوی دارالعلوم : ۶/۵۰۳، باب الاعتکاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں......باقی اوقات میں جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔(إمداد الأحکام: ۲/۱۴۵، باب الاعتکاف ، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف، و إن كان باب المئذنة خارج المسجد، والمؤذن وغيره فيه سواء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع فی الاعتکاف ، رشیدیه)

"وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط .... أو شرعيةً كعيد و أذان، لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد". (الدرالمختار مع رد المحتار : ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(و كذا فی النهر الفائق : ۲/۴۶، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف، إمدادیه ملتان)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ'')

(۴) "و يخرج لجمعة حين تزول الشمس، إن كان معتكفه قريباً من الجامع بحيث لو انتظر زوال الشمس، لا تفوته الخطبة والجمعة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم ، الباب السابع فی الاعتكاف، رشیدیه)

(و كذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعید)

(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان : ۱/۲۲۱، ۲۲۲، فصل فی الاعتكاف ، رشیدیه)

بھی کافی ہوگا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۹۰ھ۔

اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل

اعتکاف سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرمائیں:

اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر جائے؟

سوال[۴۹۵۰]: ۱.....اگر ریح کا غلبہ ہو تو اس کو خارج کرنے کے لئے معتکف مسجد سے باہر جائے یا احاطۂ مسجد ہی میں کرے؟

ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۵۱]: ۲.....اگر ایک قدم ہے مسجد کے اندر اور ایک دوسرا باہر تو اعتکاف ٹوٹ گیا یا نہیں؟

کتاب یا قرآن پاک پڑھنے کے لئے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا

سوال[۴۹۵۲]: ۳.....معتکف مسجد کا تیل کتاب یا کلام مجید پڑھنے کے لئے جلا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) اس کے لئے صریح جزئیہ تو نہیں ملا، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف بھی تراویح کی طرح ہر مسجد میں ہونا چاہئے: قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: سنة على الكفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض، سقط الطلب عن الباقين، فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر. ولو كان سنة عين، لأثموا بترك السنة إثماً دون إثم ترك الواجب". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

و قال أيضاً: "(قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية)، أفاد أن أصل التراويح سنة عين، .... و هل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة، أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول، واستظهر الثاني، و يظهر لي الثالث، لقول المنية: حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة، وأساءوا". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۹۵۳] : ۴......معتکف مسجد میں دیا سلائی سے چراغ روشن کرے یا چراغ جلانے کو باہر جائے؟

معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۵۴] : ۵......معتکف اپنا کھانا مکان پر جاکر کھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ لانے والا موجود نہ ہو؟

گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا

سوال[۴۹۵۵] : ۶......اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک تو گرم پانی لینے جاسکتا ہے یا نہیں؟

گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۶] : ۷......احاطۂ مسجد میں گرمی زیادہ ہے یا سردی زیادہ ہے تو وضو کے لئے باہر سایہ میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

۸......مسجد کی چٹائی یا دیواروں پر تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟

پانی لانے کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۷] : ۹......اگر پاس موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لاسکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا

سوال[۴۹۵۸] : ۱۰......کیا حالتِ اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں؟

ابتدائے اعتکاف کا وقت

سوال[۴۹۵۹] : ۱۱......۲۰/ تاریخ کو اذانِ مغرب ہو جائے تب بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

سعید احمد خان کھیڑوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حدودِ مسجد سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، كذا في الدر المختار: ۶۸۷/۱ (۱)۔

۲......نہیں: "قوله: الخروج الخ المراد بالخروج انفصال قدميه". طحطاوي، ص: ۴۷۵ (۲)۔

۳......اوقاتِ نماز میں جب تک چراغ جلنے کا عرف ہو، جلا سکتا ہے اور اس کے بعد تیل دینے والوں کی اجازت سے جلا سکتا ہے (۳)۔

۴......مسجد میں دیا سلائی جلانے کو فتاویٰ رشیدیہ: ۱۱۳/۲ میں حرام لکھا ہے (۴)۔ اگر بدبودار نہ ہو تو مضائقہ نہیں، فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۶ (۵)۔

---

(۱) "وإذا فسا في المسجد لم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (ردالمحتار: ۱۷۲/۱، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۱/۵، كتاب الكراهية، الفصل السادس في آداب المسجد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴۷۵/۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۵۳۰/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً في ذلك الموضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۰/۱، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوٰة ومالا يكره، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۰/۵، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴۲۲/۴، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۴) (فتاوىٰ رشيديه، ص: ۲۱۰، باب: مساجد کے احکام کا بیان، سعید)

(۵) مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"چراغ خارجِ مسجد روشن کر کے لے جاوے، یا موم کی دیا سلائی سے روشن کرے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۸)

۵.....کھاسکتا ہے، کذا فی البحر : ۲/۳۰۳، شرط مذکور کے ساتھ(۱)۔

۶.....اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقت ہوتی ہے اور حدوث مرض یا ازدیاد مرض کا اندیشہ ہے تو جاسکتا ہے(۲)۔

۷.....زیادہ دقت کی حالت میں جاسکتا ہے جب کہ تحمل نہ ہو(۳)۔

۸.....چٹائی پر اگر غبار ہو تو اس سے تیمم درست ہے(۴)، دیوار مسجد سے بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے(۵)۔

۹.....نہیں، هکذا یفهم ممافی البحر : ۲/۳۰۳۔ اگر دوسرے سے منگا سکتا ہے تو خود جانا جائز نہیں(۶)۔

---

(۱) "وفی الفتاوی الظهيرية: وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم ،باب الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نورالإيضاح، ص:۷۰۴، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۲) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولانهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، باب الاعتكاف ، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسجنة المنعقدة من الأرض.......... وبالحجر عليه غبار".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶، ۲۷، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان : ۱/۶۱، فصل فيما يجوز به التيمم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸، ۳۹، باب التيمم، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۶۵، باب التيمم، فصل في المسجد، رشيديه)

(۶) "وأكله وشربه ونومه ومبا يعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج =

۱۰...... بال بنواسکتا ہے(۱)، حجامت بنوانا- جس میں خون نکلتا ہے- منع ہے(۲)۔

۱۱...... غروب آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے، کیونکہ عین غروب کے وقت مہینہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہوجائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/تاریخ کو بعد غروب بنیتِ اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے اتنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہوجائے گا اور ایک عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/رجب/۵۷ھ۔

اعتکاف کے ۶۴/ مسائل

برائے کرم حسب ذیل مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کریں، تمام سوالات ماہِ رمضان المبارک کے

= لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لاضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعدالغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذالم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) قال المفتي رشيد احمد رحمة الله عليه: "اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۵۰۶، باب إلاعتكاف، سعيد)

(۲) "فلايجوز الاستصباح بدهن نجس فيه ولا البول والفصد". (الدرالمختار). "وأما الفصد فيه في إناء، فلم أره، وينبغي أن لافرق اهـ: أي لافرق بينه وبين البول". (ردالمحتار: ۱/۶۵۶، باب مايفسد الصلوٰة، سعيد)

(۳) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية". (الدرالمختار: ۲/۴۴۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف، قديمي)

آخری عشرہ کے اعتکاف کے بارے میں ہیں۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۶۰]: ۱.....رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض ہے یا سنت؟

معتکف کون کون ہوسکتا ہے؟

سوال[۴۹۶۱]: ۲.....معتکف، نیچے لکھے آدمیوں میں سے کون کون ہوسکتا ہے؟ ۱- غلام۔ ۲-کوڑھی۔ ۳- اندھا۔ ۴- اجہل۔ ۵- مخنث (ہیجڑا)۔ ۶- سدا سہاگن۔ ۷- بے نمازی۔ ۸- بے روزہ دار۔ ۹- گونگا، بہرہ۔ ۱۰- نیم پاگل۔ ۱۱- فقیر۔ ۱۲- مجذوب۔ ۱۳- مقروض۔ ۱۴- فاسق وفاجر۔ ۱۵- حاملہ جب کہ دن قریب ہوں۔

معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم

سوال[۴۹۶۲]: ۳.....معتکف کا مسجد میں بیٹھنا ضروری ہے یا مسجد ہوتے ہوئے گھر میں بھی بیٹھ سکتا ہے؟

عورت کے اعتکاف سے مَردوں سے سقوطِ اعتکاف

سوال[۴۹۶۳]: ۴.....کوئی صاحب مسجد میں معتکف نہ ہوئے ایک عورت گھر پر معتکف ہوگئی۔ کیا حکم ہے؟

مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف

سوال[۴۹۶۴]: ۵.....مسجد میں عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک مقرر ہے، اس حصہ میں ایک عورت معتکف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اعتکاف سے بستی کا بوجھ اتر جائے گا یا نہیں؟

کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟

سوال[۴۹۶۵]: ۶.....اعتکاف کیلئے مسجد، اذان، نماز جماعت شرط ہے یا جس مقام میں نہ ہو یا چند مسلمان نمازی روزہ دار ہوں یا گاؤں میں چند مکان مسلمانوں کے ہوں، نہ نماز پڑھتے ہوں، نہ روزہ رکھتے

ہوں، وہاں بھی اعتکاف ضروری ہے یا نہیں؟

۲۴/ رمضان کو معتکف کا انتقال ہو جائے

سوال [۴۹۶۶] : ۷..... معتکف کا ۲۴/ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا، کیا حکم ہے؟

دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت

سوال [۴۹۶۷] : ۸..... بغرض مجبوری دو صاحب پانچ پانچ یوم معتکف ہوئے کیا حکم ہے؟

معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود

سوال [۴۹۶۸] : ۹..... مسجد کا احاطہ کافی لمبا چوڑا ہے، معتکف کہاں تک چل پھر سکتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت

سوال [۴۹۶۹] : ۱۰..... پاخانہ آتے جاتے معتکف لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی دیر تک اور کس قسم کی بات چیت کر سکتا ہے؟

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال [۴۹۷۰] : ۱۱..... مسجد کے احاطہ میں پھل، پھول، سبزی لگی ہے معتکف اس کی دیکھ بھال کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا

سوال [۴۹۷۱] : ۱۲..... مسجد سے ملحق باغ ہے، معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے چلتے پھرتے باغ کی نگرانی کر سکتا ہے؟ پرندوں کو بھگانے کے لئے ڈوری کھینچ یا چلا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا

سوال [۴۹۷۲] : ۱۳..... تعمیرِ مسجد کا کام مسجد میں جاری ہے، معتکف مزدوری سے یا فی سبیل اللہ کام کر سکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم

سوال[۴۹۷۳]: ۱۴......عورت گھر پر معتکف تھی، ماہواری خون جاری ہوگیا، یا شوہر نے جبراً صحبت کرلی، نہا کر پھر معتکف ہوگئی کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے گھر جا کر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۷۴]: ۱۵......معتکف گھر پاخانہ کرنے گیا، پاخانہ میں اس کی عورت تھی اس کو دیکھ کر دماغی توازن کھو بیٹھا اور صحبت کرلی، بعد فراغت غسل کر کے معتکف ہوگیا۔ کیا حکم ہے؟ جب کہ دوسرا کوئی معتکف نہیں ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال[۴۹۷۵]: ۱۶......معتکف کی بیوی کھانا دینے مسجد میں آئی، معتکف نے بوسہ لے لیا۔ کیا حکم ہے؟

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے اور مسجد سے بمجبوری نکلنے کا حکم

سوال[۴۹۷۶]: ۱۷......معتکف ۲۴/ رمضان کو پاگل ہوگیا، کیا حکم ہے؟ معتکف پاخانہ، پیشاب کے علاوہ بہ حالتِ مجبوری کن کن حالات میں مسجد سے نکل سکتا ہے؟

حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت

سوال[۴۹۷۷]: ۱۸......معتکف کے قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا جنازہ میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا نماز جنازہ مسجد کے باہر ہورہی ہے، شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا

سوال[۴۹۷۸]: ۱۹......معتکف کی بیوی یا بچے کا انتقال ہوگیا تجہیز و تکفین کا انتظام معتکف کرتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا

سوال[۴۹۷۹]: ۲۰.....معتکف کی یا کسی عزیز کی یا لڑکی کی شادی ہے شرکت کرسکتا ہے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا

سوال[۴۹۸۰]: ۲۱.....مسجد میں پانی نہیں، معتکف وضو کرنے یا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

پانی نہ ہوتو غسلِ جنابت میں تیمّم کرے یا باہر جاکر غسل کرے؟

سوال[۴۹۸۱]: ۲۲.....معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی مسجد میں پانی نہیں ہے، کیا حکم ہے، تیمم کرے یا باہر جاکر غسل کرے؟

معتکف کا سحری یا افطاری لینے گھر جانا

سوال[۴۹۸۲]: ۲۳.....معتکف کا ایک دن سحر وافطار نہیں آیا، کھانا لینے گھر جاسکتا ہے یا نہیں؟

کیا معتکف مقدمہ کے لئے جاکر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۸۳]: ۲۴.....۲۸/ رمضان کو معتکف کی مقدمہ کی پیشی آگئی، کیا حکم ہے؟ کسی دوسرے کو بٹھا کر جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا

سوال[۴۹۸۴]: ۲۵... معتکف سخت بیمار ہوگیا علاج کو باہر جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا

سوال[۴۹۸۵]: ۲۶.....حافظ صاحب معتکف ہوگئے، تراویح پڑھانے دوسری مسجد میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

وعظ کے لئے معتکف کا کسی مجلس میں جانا

سوال[۴۹۸۶]: ۲۷..... عالم صاحب معتکف ہوگئے، وعظ کہنے دوسری مسجد یا دینی مجلس میں یا شارع عام پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

معتکف کا میٹنگ میں جانا

سوال[۴۹۸۷]: ۲۸..... معتکف سیاسی آدمی ہیں، ایک میٹنگ ہے کلام کرنا ہے اور ضروری ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۸]: ۲۹..... کیا معتکف رائے شماری میں ووٹ دینے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۹]: ۳۰..... معتکف کے پیر صاحب پاس والے گاؤں ریل یا موٹر سے گزر رہے ہیں، معتکف سلام ومصافحہ کو جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لئے جانا

سوال[۴۹۹۰]: ۳۱..... معتکف اپنے مقامی پیر صاحب سے ملاقات کو روزانہ، ہفتہ میں یا عشرہ میں جاسکتا ہے؟

معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لئے لے جانا

سوال[۴۹۹۱]: ۳۲..... معتکف کی بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی علاج کو لے جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کی حکومت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے؟

سوال[۴۹۹۲]: ۳۳..... معتکف کو حاکم یا افسر نے طلب کیا، کیا حکم ہے؟

صلح کرانے کے لئے معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟

سوال[۴۹۹۳]: ۳۴..... لڑائی جھگڑے میں صلح وصفائی کو جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جاسکتا ہے تو کتنی

دور اور کتنی دیر کو جاسکتا ہے؟

معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا

سوال[۴۹۹۴] : ۳۵...... معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہے، پاس والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے کاٹ لیا، لوگ بلانے آئے، جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزانہ دوا لینے شفا خانہ جانا

سوال[۴۹۹۵] : ۳۶...... معتکف روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفا خانہ جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا

سوال[۴۹۹۶] : ۳۷...... مسجد کے پڑوس میں آگ لگ گئی، معتکف آگ بجھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا

سوال[۴۹۹۷] : ۳۸...... مسجد میں آگ لگ گئی معتکف پانی ڈھونے آگ بجھانے کو کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گذارے؟

سوال[۴۹۹۸] : ۳۹...... مسجد کسی حادثہ میں شہید ہوگئی، معتکف باقی دن دوسری مسجد یا مسجد نہ ہوتو گھر پورے کرسکتا ہے؟

گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا

سوال[۴۹۹۹] : ۴۰...... معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں نقدی یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جاسکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا

سوال[۵۰۰۰] : ۴۱...... معتکف نے جوتے مسجد سے باہر اتار دیئے، چوری کئے جانے کا ڈر ہے

اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا

سوال[۵۰۰۱]: ۴۲..... معتکف چائے کا شدت سے عادی ہے، ایک دن گھر سے نہیں آئی، ہوٹل یا گھر چائے پینے جاسکتا ہے؟

معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا

سوال[۵۰۰۲]: ۴۳..... معتکف علمائے کرام کا وعظ سننے دوسری مسجد یا دینی مجلس یا شارع عام پر جاسکتا ہے؟

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۰۳]: ۴۴..... معتکف طالب علم ہے، سبق سنانے مدرسہ جاسکتا ہے؟

معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۵۰۰۴]: ۴۵..... معتکف کے گھر چوری ہوگئی، رپورٹ لکھانے جاسکتا ہے؟

بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۰۵]: ۴۶..... معتکف کثرت سے بیڑی پیتا ہے بار بار جانا پڑتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا

سوال[۵۰۰۶]: ۴۷..... معتکف نے کپڑے سوکھنے ڈالے، ہوا میں اڑ گئے، اٹھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا

سوال[۵۰۰۷]: ۴۸..... معتکف نہ تو روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے، کیا حکم ہے؟

کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا

سوال[۵۰۰۸]: ۴۹..... معتکف دن بھر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں لوگوں سے مسجد میں بات چیت

کرتا ہے، ویسے نماز روزہ کا پابند ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا

سوال[۵۰۰۹]: ۵۰.....معتکف نے مسجد میں فون لگوالیا ہے دن بھر اپنے کاروبار، بیوی بچوں سے باخبر رہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا

سوال[۵۰۱۰]: ۵۱.....معتکف گھر پاخانہ جاتے ہوئے دو بالٹی پانی گھر لے جاتا ہے، واپسی پر دو بالٹی مسجد میں لیتا آتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا

سوال[۵۰۱۱]: ۵۲.....معتکف صبح پاخانہ کرنے جاتا ہے تو راستہ میں اپنی دوکان کا تالہ کھول دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے، نوکر دن بھر کاروبار چلاتے ہیں، شام کو جب پاخانہ کرنے جاتا ہے تو نقدی سنبھال کر ڈال دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے۔

معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۱۲]: ۵۳.....مولانا صاحب معتکف ہیں لیکن بچوں کو عربی سبق دینے روزانہ مدرسہ ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا

سوال[۵۰۱۳]: ۵۴.....حکیم صاحب معتکف ہیں لیکن مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں۔

ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا

سوال[۵۰۱۴]: ۵۵.....ماسٹر صاحب معتکف ہیں، دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا

سوال[۵۰۱۵]: ۵۶...... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، مسجد میں چند بچوں کو ہندی یا انگریزی پڑھاتے ہیں۔

معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۵۰۱۶]: ۵۷...... معتکف صبح پاخانہ کرکے گھر سے واپس آیا تو بیلوں کو کھولتا لے آیا اور کھلیان میں رات میں بند کرکے مسجد آ گیا، شام کو پاخانہ جاتے وقت کھلیان سے لے گیا اور گھر باندھ کرکے پاخانہ کرکے مسجد آ گیا، کیا حکم ہے؟

مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا

سوال[۵۰۱۷]: ۵۸...... مسجد میں پاخانہ ہے، معتکف کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے گھر کے پاخانہ کے علاوہ کہیں پاخانہ نہیں اترتا، کیا معتکف اپنے گھر پاخانہ کرنے جاسکتا ہے؟

قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعا پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟

سوال[۵۰۱۸]: ۵۹...... معتکف پاخانہ پیشاب کو جب جب مسجد سے باہر نکلے، واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعاء پڑھے یا پہلے دن داخل ہوتے وقت کی دعاء آخر تک کافی ہے؟

بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۱۹]: ۶۰...... معتکف بھول سے مسجد سے باہر چلا گیا، کیا حکم ہے؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے نکلنا

سوال[۵۰۲۰]: ۶۱...... معتکف اپنے محلّہ کی مسجد میں بیٹھ گیا، نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد جاسکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۲۱]: ۶۲...... معتکف اپنے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ گیا وہاں جمعہ نہیں ہوتا بلکہ جمعہ پاس

والے دوسرے گاؤں میں ہوتا ہے نماز جمعہ ادا کرنے جاسکتا ہے یا نہیں؟

پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۲] : ۶۳..... معتکف کو پولیس یا کوئی آدمی کسی چکر میں جبراً پکڑ لے گیا، بعد دو گھنٹہ کے چھوڑ دیا، کیا حکم ہے؟

جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۳] : ۶۴..... مسجد کے قریب میں جھگڑا ہوگیا، معتکف کو جان کا خوف ہے، مسجد چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے دن امن ہوگیا تو معتکف اب معتکف رہا یا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۱..... سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱)۔

۲..... بدن سے اگر رطوبت نکلتی یا بدبو آتی ہے یا لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں تو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے، نہ وہ مسجد میں اعتکاف کرے(۲)۔

۵- اپنی حالت بدل کر توبہ کرے تو اعتکاف بھی مسجد میں کرے (۳)۔ ۶- کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) "و سنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أى سنة كفاية، كما في البرهان". (الدرالمختار: ۴۴۲/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۱/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفيؒ: "و يحرم فيه السؤال ..... و رفع صوت بذكر وأكل و نوم ..... و أكل نحو ثوم، ويمنع منه". (الدرالمختار). قال الشامي: "وكذالك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر أو به جرح له رائحة، و كذلك القصاب والسماك والمجذوم، والأبرص أولى بالإلحاق." (رد المحتار: ۶۵۹/۱، ۶۶۱، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب الغرس في المسجد، سعيد)

"فيفهم منه حكم النبات الذى شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه، و قد كرهه شيخنا العمادى في هديته إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولى". (الدرالمختار: ۴۶۰/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

(۳) "هل يصح (الاعتكاف) من الخنثى في بيته؟ لم أره، والظاهر لا، لاحتمال ذكوريته؛ لأنه على تقدير =

۷- جب مسجد میں اعتکاف کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا۔

۸- جب مسجد میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرے گا تو روزہ بھی رکھے گا(۱)۔

۱۰- اگر مسجد کا احترام نہ کرے تو مسجد میں نہ آئے نہ وہاں اعتکاف کرے (۲)۔۱۲- کا بھی یہی حکم ہے۔۱۴- مسجد میں فسق و فجور نہ کرے تو اعتکاف بھی کرلے۔

۱۵- گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے، باقی لوگوں کے اعتکاف میں کیا اشکال ہے (۳)۔

۳......مرد کا اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا وہ مسجد ہی میں ہوتا ہے (۴)۔

= أنوثته يصح في المسجد مع الكراهة، و على تقدير ذكورته لا يصح في البيت بوجه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) "و مقتضى ذلك، أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير" (رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "أخرجه المنذري مرفوعاً: "جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم، و بيعكم و شراء كم، و رفع أصواتكم، و سلّ سيوفكم، و إقامة حدودكم .... اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۵۶، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

قال الفقيه: " إنما يصير للعبد منزلة عند الله تعالىٰ إذا عظّم أوامره، وعظّم بيوته و عباده، والمساجد بيوت الله، فينبغي للمؤمن أن يعظّمها، فإن في تعظيم المساجد تعظيم الله تعالىٰ". (تنبيه الغافلين، ص:۱۶۷، باب حرمة المساجد، حقانيه)

(۳) "والمرأة تعتكف في مسجد بيتها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۱۱، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "الاعتكاف ..... و هو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف ..... والأفضل اعتكاف الرجل=

۴..... عورت کا اعتکاف صحیح ہو جائے گا لیکن مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہیں ہوگی (۱)۔

۵..... عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے بلکہ گھر میں کرے، لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہ ہوگی (۲)۔

۶..... اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جہاں اذان اور پنجگانہ جماعت کا اہتمام ہو، ویران جنگل کی مسجد یا عیدگاہ میں نہیں، جہاں بھی مسلمان ہوں ان کو اذان و جماعت کا اہتمام لازم ہے، جہاں مسجد نہ ہو وہاں اعتکاف مسنون نہیں (۳)۔

۷..... اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اس کی نیت پورے عشرہ کے اعتکاف کی تھی اس کا اس کو اجر ملے گا (۴)۔

= فی الجامع". (التاتارخانية: ۲/۴۱۰، ۴۱۱، فصل فی الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فی النهر الفائق: ۲/۴۳، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۱) "و لو خرجت و اعتكفت فی مسجد الجماعة، جاز اعتكافها ...... و عن أبی حنيفة: إن شاءت اعتكفت فی مسجد بيتها، و إن شاءت فی مسجد جماعة، إلا أن مسجد بيتها أفضل من مسجد حيّها".

(التاتارخانية: ۲/۴۱۱، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی النهر الفائق: ۲/۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) "هو (أی الاعتكاف) لُبث ذكر الخ". (الدرالمختار). "(قوله: ذكر) قيد به، وإن تحقق اعتكاف المرأة فی المسجد مَيلاً إلی تعريف الاعتكاف المطلوب؛ لأن اعتكاف المرأة فيه مكروه كما يأتی، بل ظاهر مافی غاية البيان أن ظاهر الرواية عدم صحته، الخ". (ردالمحتار، باب لاعتكاف: ۲/۴۴۰، سعيد)

(۳) "و أما شروطه ...... و منها مسجد الجماعة، فيصح فی كل مسجد له أذان وإقامة، هو الصحيح".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية: ۲/۴۱۰، الفصل الثانی عشر فی الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال فيما يروی عن ربه =

۸......اس طرح سنت ادانہیں ہوئی(۱)۔

۹...... جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے وہاں تک اجازت ہے، بلا وجہ وہاں بھی تفریح کرتا نہ پھرے(۲)۔

۱۰...... جب ضرورت ہو بات کرسکتا ہے، بات کرنے کے لئے نہ نکلے، نہ ٹھہرے، ایسی بات بھی نہ کرے جو مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہو(۳)۔

۱۱...... جو حصہ نماز کے لئے ہے وہ مسجد ہے وہاں سے پانی وغیرہ دیدے تو مضائقہ نہیں باہر

= تبارک و تعالیٰ: "إن ربكم عزوجل رحيم، من همّ بحسنة فلم يعملها، كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له عشر إلى سبعمأة أضعاف كثيرة. و من همّ بسيئة فلم يعملها كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له واحدة أو يمحوها الله عزوجل، و لا يهلك على الله إلا هالك". (تفسير ابن اكثير ۲/۲۶۳، جمعية إحياء التراث، ومكتبه دار الفيحاء دمشق)

(۱) "و ينقسم (أى الاعتكاف) إلى واجب ...... و إلى سنة مؤكدة، و هو في العشر الأخير من رمضان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱/۳۴۷، ۳۴۸، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(و لا يخرج منه) من معتكفه، فيشمل المرأة المعتكفة، إلا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين ...... أو حاجة طبعية كالبول والغائط" (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق ۲/۵۲۷، باب الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "و أما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف، والكلام المباح مكروه ...... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۳۸، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

نہ نکلے(۱)۔

۱۲...... مسجد میں چلانا منع ہے(۲)، بغیر چلائے نگرانی کرسکتا ہے(۳)۔

۱۳...... اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو کرسکتا ہے(۴)۔

۱۴...... پہلا اعتکاف ختم ہوگیا (۵)، دوسرا شروع ہوا، اگر عشرۂ اخیرہ میں ایسا ہوا تو سنت ادا نہ ہوئی(۶)۔

۱۵...... یہ بھی نمبر:۱۴کی طرح ہے۔

۱۶...... ایسا کرنا ممنوع ہے، مگر صرف اتنی بات سے اعتکاف ختم نہیں ہوا(۷)۔

۱۷...... وہ مکلّف نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے(۸)۔

---

(۱) "و أكل المعتكف و شربه و نومه و عقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله، لا تكون إلا في المسجد لضرورة الاعتكاف ، حتى لو خرج لهذه الأشياء، يفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص:۷۰۳، ۷۰۴، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۴۸، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية : ۲)

(۳) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية :۳)

(۴) (راجع رقم الحاشية : ۱)

(۵) "يحتمل أن تكون الزوجة معتكفةً في مسجد بيتها، فيأتيها فيه زوجها، فيبطل اعتكافها " (ردالمحتار :۲/۴۵۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق :۲/۵۳۲، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(۶) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية . ۱)

(۷) "وحرم الوطء و دواعيه .... فالتحق به اللمس والقبلة ". (مراقي الفلاح، ص:۷۰۵، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في البحرالرائق :۲/۵۳۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۸) "و أما شروطه ...... و منها الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض ". (الفتاوى العالمكيرية: =

۱۸......شرکتِ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۱۹......اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اعتکاف باقی نہ رہے گا اگرچہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا اس کے ذمہ لازم ہوا اور اس سے گنہگار نہ ہو(۱)۔

۲۰......نہیں(۲)۔

۲۱......جا سکتا ہے(۳)۔

۲۲......تیمّم کرکے باہر نکلے اور غسل کرے(۴)۔

۲۳......اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو جا سکتا ہے(۵)۔

= ۱/۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیہ)

(۱) "و عن هذا فسد إذا عاد مريضاً أو شهد جنازةً تعينت، إلا أنه لا يأثم، بل يجب عليه الخروج".

(النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۴۱، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً و لا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه" (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۴) "و لو احتلم المعتكف، لا يفسد اعتكافه؛ لأنه لا صنع له فيه، فلم يكن جماعاً ولا في معنى الجماع، ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به، و إلا فيخرج، فيغتسل، و يعود إلى المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(۵) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب =

۲۴......اگر جائے گا تو اعتکاف باقی نہ رہے گا اور دوسرے شخص کے بٹھانے سے اس کے اعتکاف میں پیوند نہیں لگے گا (۱)۔

۲۵......باہر جانے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا (۲)۔

۲۶......ان کا بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۲۷......ان کا بھی یہی حال ہے۔

۲۸......اس کا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

۲۹......مثل نمبر: ۲۸۔

۳۰......ایضاً

۳۱......ایضاً

۳۲......ایضاً

۳۳......ایضاً

۳۴......ایضاً

۳۵......ایضاً

= للأكل والشرب، و ينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/ ۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "و أما مفسداته. فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً و نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

۳۶......ایضاً

۳۷......ایضاً

۳۸......ایضاً

۳۹......دوسری مسجد میں اعتکاف پورا کرے(۱)۔

۴۰......اس کی بھی گنجائش ہے۔

۴۱......صحن کے متصل ہی تو ہوں گے، اٹھالے۔

۴۲......گنجائش ہے اگر کوئی اَور انتظام نہ ہو، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے لاکر مسجد میں پئے (۲)۔

۴۳......مثل نمبر:۲۸۔

۴۴......ایضاً

۴۵......ایضاً

۴۶......گنجائش ہے اگر بغیر اس کے گذارہ نہیں (۳)۔

۴۷......مثل نمبر:۲۸۔

۴۸......معتکف ترکِ فرض کی وجہ سے سخت گناہگار ہے (۴)۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد، أو اخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۲۸۱، رقم الحاشية: ۵)

(۳) صرف بیڑی سگریٹ کے لئے نکلنا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی حقانیہ: ۴/۲۰۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۵۰۵، میں ہے، البتہ کسی ضرورت سے نکلے راستے میں بیڑی وغیرہ کا استعمال کرے كما تقدم تخريجه تحت عنوان: "معتکف کو بیڑی سگریٹ پینا"۔

(۴) "عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بين العبد و بين الكفر =

۴۹......اعتکاف تو ہوجائے گا مگر اس کے اصلی منافع مرتب نہ ہوں گے(۱)۔

۵۰......حسبِ ضرورت باخبر رہنے سے مضائقہ نہیں (۲)۔

۵۱......درست ہے مگر مسجد کی بالٹی کو اس طرح گھر کے لئے استعمال نہ کرے(۳)۔

۵۲......گنجائش ہے، اگر کوئی اور انتظام نہیں (۴)۔

۵۳......مثل نمبر:۲۸۔

۵۴......ایضاً

۵۵......ایضاً

۵۶......اعتکاف تو فاسد نہیں ہوتا مگر منافعِ اعتکاف بھی پورے حاصل نہیں ہوتے (۵)۔

= ترک الصلوة". (مشكوة المصابيح: ۱/۵۸، كتاب الصلوة، الفصل الأول، قديمى)

"عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من افطر يوماً من رمضان من غير رخصة و لا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷۷، كتاب الصوم، قديمى)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۸، رقم الحاشية: ۳)

(۳) "و لا يحمل الرجل سراج المسجد إلى بيته، ويحمل من بيته إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۱۰، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلوة و ما لا يكره، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۴/۴۲۳، الفصل الرابع فى المسجد و أوقافه، رشيديه)

(۴) "لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض، أو لصلوة الجنازة، من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۳/۲۸، فصل فى ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمى)

(۵) "ويفسق معتاد المرود :: ومن علم الأطفال"

" الذى فى القنية: انه يأثم، ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحد القول به، ويمكن أنه بناء =

10

۵۷......گنجائش ہے اگر کوئی اور انتظام نہیں (۱)۔

۵۸......جاسکتا ہے (۲)۔

۵۹......پہلی دعاء کافی ہے، ہر دفعہ پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔

۶۰......اعتکاف ختم ہوگیا (۳)۔

۶۱......جاسکتا ہے (۴)۔

= علی أنه بالإصرار علیه یفسق". (ردالمحتار: ۴۲۸/۶، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۲۱/۶، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "و حرم علیه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعیةً کبول و غائط و غسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا یألف غیر بیته، فإذا کان لا یألف غیره بأن لا یتیسر له إلا فی بیته، فلا یبعد الجواز بلاخلاف". (ردالمحتار: ۴۴۵/۲، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۱۲/۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۴۶/۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(۳) "و إن خرج من غیر عذر ساعةً، فسد اعتکافه فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، سواء کان الخروج عامداً أو ناسیاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۱۲/۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۲۲۲/۱، کتاب الصوم، فصل فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۴۴۷/۲، باب الاعتکاف، سعید)

(۴) "و لا یخرج من معتکفه إلا لحاجة شرعیةً کالجمعة والعیدین، أوحاجة طبعیةً". (مراقی الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲۶/۳، فصل فی رکن الاعتکاف ومحظوراته، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الدر المختار: ۴۴۵/۲، باب الاعتکاف، سعید)

۶۲......نہیں (۱)۔

۶۳......مثل نمبر:۲۸۔

۶۴......ایضاً۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) جب معتکف کے گاؤں کی مسجد میں جمعہ ادا نہیں ہوتا تو گویا معتکف پر جمعہ فرض نہ ہوا، جب فرض نہیں ہے تو حاجتِ شرعیہ میں سے نہ ہوا اور معتکف کو بغیر حاجتِ شرعیہ اور طبعیہ کے نکلنا درست نہیں ہے:

"و أما مفسداته: فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ونهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمی)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

كتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟

سوال[۵۰۲۴]: بیوی پر حج فرض ہے یا نفل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شرائط موجود ہیں تو بیوی پر بھی حج فرض ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا

سوال[۵۰۲۵]: کیا عورتوں پر حج کرنا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جائیں؟

---

(۱) "شرائط الوجوب، و هي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا .... الإسلام، و بقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية، والبلوغ، والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الفساد، وعدم النية عن الغير". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد)

"فرض مرةً على الفور بشرط حرية و بلوغ وعقل و صحة وإسلام و قدرة زادٍ و راحلة فضلت عن مسكنه". (كنزالدقائق، كتاب الحج، ص: ۷۳، رشيديه)

"(شرائط الوجوب) و هي التي إذا وجدت جميعها وجب الحج على صاحبها، وإذا فقد واحد منها، لا يجب أصلاً". (إرشادالساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب شرائط الحج، النوع الأول، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، جب وہ خود مالدار ہوگی تب حج فرض ہوگا، شوہراس کوازخود کرادے تو اس کا احسان ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۵/۹۱ھ۔

ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے

سوال[۵۰۲۶]: زید ایک چھوٹا زمیندار تھا، زمینداری ختم ہونے کے بعد معاوضہ میں اس کو کچھ روپیہ کے پونڈ ملے تھے، جس کو اس نے فروخت کرکے نقد روپے کی صورت میں اپنے پاس محفوظ کرلیا ہے۔اس کے پاس چند بیگھے کاشتکاری بھی ہے جس کی پیداوار اسی کے خوردونوش کے لئے بمشکل کفایت کرتی ہے، بقیہ تمام ضروریاتِ زندگی کے اخراجات کے لئے نقد روپیہ میں سے کفایت اور تنگی ترشی کے ساتھ خرچ کرتا رہتا ہے۔زید ضعیف آدمی ہے اس کے لڑکے پاکستان میں ہیں، جو اس کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔اس کی بیوی اور یہ دونوں اپنے مکان میں رہتے ہیں۔فی الحال زید کے پاس اس قدر رقم ہے کہ وہ حج کے اخراجات کو برداشت کرسکتا ہے اور زکوۃ

---

(۱) "قال المزني: قال الشافعي: فرض الله تبارک و تعالیٰ الحج علی کل حر بالغ استطاع إلیه سبیلاً بدلالة الکتاب والسنة". (الحاوی الکبیر، کتاب الحج: ۳/۵، المکتبه التجاریه مصطفی أحمد الباز)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعید)

(وکذا في إرشاد الساري إلی مناسک الملا علی القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مکتبه مصطفی محمد صاحب المکة التجاریة الکبری بمصر)

"ویجوز الدفع لزوجة الغني الفقیرة، الخ". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، باب المصرف من کتاب الزکوة، ص: ۷۲۰، قدیمي)

"ویدفع إلی امرأة غني إذا کانت فقیرةً". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشیدیه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غنائے زوج کی وجہ سے زوجہ غنی نہیں ہوتی، لہذا شوہر کے غنی ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھی ادا کرسکتا ہے اگر اس کے اوپر عائد ہوتی ہے، مگر یہ بات کہ اس کے پاس جو رقم ہے اس کی مثال ایک ایسے حوض کی سی ہے کہ جس میں پانی آنے کا راستہ نہ ہو مگر نکلنے کا راستہ ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر جلد پانی باہر خارج ہوجائے گا اتنا ہی جلد حوض خشک ہوجائے گا۔

زید کی ضعیف العمری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی امید نہیں کہ وہ کوئی کمائی کرسکتا ہے، بس یہ پسماندہ رقم اس کی زندگی کا ظاہری سہارا ہے، اگر موت نے اسے جلدیاد نہ کیا تو جس قدر روپیہ جلد ختم ہوجائے گا اتنا ہی جلد وہ قوم وملت پر ناخوشگوار بوجھ بن کر رہ جائے گا اور اگر روپیہ ختم ہونے سے پہلے انتقال کرگیا تو بقیہ روپیہ اس کے ورثاء کے حصہ میں آجائے گا، دونوں صورتوں کا امکان ہے، معلوم نہیں کیا پیش آئے۔ بہرحال ان احوال میں کیا زید پر حج فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں اس پر حج فرض ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۶ھ۔

صاحبِ وسعت پر حج فرض ہے

سوال[۵۰۲۷]: زید کے گھر میں کافی دولت ہے مگر حج کو نہیں جاتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اوپر ذمہ داری بہت ہے، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"و من كان صحيح البدن، قادراً على المشي، و له زاد، فقد استطاع إليه سبيلاً، فيلزمه فرض الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۵۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن مسكنه و ما لا بد منه، و عن نفقة عياله إلى حين عوده". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱۶۴/۱، قديمي)

(و كذا في الهداية، كتاب الحج، ص: ۲۳۱/۱، ۲۳۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کے پاس اتنی دولت ہے جس سے اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟

سوال[۵۰۲۸]: کہ ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے، مگر پھر بعض دقتوں کی وجہ سے اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کر لی، اب وہاں چونکہ مکان بنانا پڑا اس لئے وہ روپیہ خرچ ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر اس وقت جب کہ اس کے پاس کافی روپیہ موجود تھا اس وقت اس کے ذمہ حج فرض ہوگیا تھا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان کی ضرورت حج سے پہلے ہی پیش آ گئی اور اس مجبوری کی وجہ سے مکان بنالیا گیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اگر وقتِ حج یعنی جس وقت کہ لوگ آس پاس سے حج کے لئے جارہے تھے اس وقت تو مکان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ بعد میں ضرورت پیش آئی اور اس میں روپیہ خرچ کر لیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا:

قال ابن نجيم: "لولم يكن له مسكن و لا خادم وعنده مال يبلغ ثمن ذلك و لا يبقى بعده قدر ما يحج به، فإنه لا يجب عليه الحج؛ لأن هذا المال مشغول بالحاجة الأصلية، إليه

---

(۱) "و عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة أو سلطان جائر أو مرض حابس، فمات و لم يحج، فليمت إن شاء يهودياً وإن شاء نصرانياً". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۲۲۰، كتاب المناسک، الفصل الثالث، قديمي)

"وعن علي رضي الله عنه: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ملک زاداً و راحلةً تبلغه إلى بيت الله، ولم يحج، فلا عليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۲۲۲، كتاب المناسک، الفصل الثاني، قديمي)

(و جامع الترمذي: ۱/ ۱۶۷، باب ما جاء من التغليظ في ترک الحج، سعيد)

أشار فی الخلاصة، اهـ". بحر: ۲/۳۱۳(۱)۔ "هذا محمول علی ماقبل حضور الوقت الذی یخرج فیه أهل بلده، فلو حضر تعین أداء النسك علیه، فلیس له أن یدفعه عنه إلیه، کماذکره ملا علی قاری فی شرحه علی باب المناسك". منحة الخالق: ۳۱۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، صحیح عبداللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج؟

سوال[۵۰۲۹]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا مگر اس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی ہے تو اس صورت میں پہلے حج کرے یا لڑکی کی شادی؟ جب کہ شادی کرنے میں حج کو ملتوی کرنا پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی وجہ سے حج کو مؤخر یا ملتوی نہ کرے، آج کل کے رسم ورواج نے شادی کے لئے جو پابندیاں

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۴۹، رشیدیه)

(۲) (منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الحج: ۲/۵۴۹، رشیدیه)

"ثم ماذکر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغیر ذلک، یعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلیٰ مکة، حتی لو ملک الزاد والراحلة فی أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن یخرج أهل بلده إلیٰ مکة، فهو فی سعة من صرف ذلک إلیٰ حیث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا یجب علیه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فیلزمه التأهب، فلا یجوز له صرفه إلیٰ غیره، فإن صرفه إلیٰ غیر الحج أثم، وعلیه الحج، کذا فی البدائع". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المناسک، الباب الأول فی تفسیر الحج و فرضیته و وقته و شرائطه، الخ: ۱/۲۱۹، رشیدیه)

"والذی رأیته فی الخلاصة هکذا: وإن لم یکن له مسکن و لا شیء من ذلک، و عنده دراهم تبلغ به الحج و تبلغ ثمن مسکن و خادم و طعام و قوت، وجب علیه الحج، وإن جعلها فی غیره أثم، اهـ. لکن هذا إذا کان وقت خروج أهل بلده، کما صرح به فی اللباب . أما قبله، فیشتری به ما شاء؛ لأنه قبل الوجوب". (رد المحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۶۲، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرائط فرضیته: ۳/۵۳، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان)

لازم کردی ہیں وہ اکثر ایسی ہیں جو شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعاً ناجائز ہیں۔ شادی کا مسنون طریقہ تحفۃ الزوجین وغیرہ اردو رسائل میں دیکھنا چاہیے، اگر طریقۂ مسنونہ پر شادی کی جائے تو حج کو ملتوی یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال [۵۰۳۰]: بالغ لڑکی بغیر شادی شدہ گھر میں موجود ہو اور والدین حج کو جانا چاہتے ہیں تو بالغہ کی شادی کرنا افضل ہے یا حج کو جانا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حج فرض ہے اور لڑکی کی حفاظت کا انتظام بھی ہے تو اس کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

استطاعت سے پہلے حج کا حکم

سوال [۵۰۳۱]: ایک مسکین نے مسکینی کی حالت میں کسی طرح حج کرلیا اب وہ مالدار ہوگیا تو کیا

---

(۱) "وفي الينابيع: إن كان له مقدار ما يحج به و عزم على التزوج، ذكر ابن شجاع عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه يحج و لا يتزوج". (التاتارخانية: ۲/۳۳۳، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب، إدارة القرآن كراچی)

قال العلامة الحصكفي: "و في الأشباه: معه ألف و خاف العزوبة، إن كان قبل خروج أهل بلده، فله التزوج، و لو وقته لزم الحج". (الدر المختار: ۲/۴۶۲ كتاب الحج، سعيد)

"إذا وجد ما يحج به و قد قصد التزوج، يحج به و لا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالىٰ على عبده، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج")

حج فرض دوبارہ ادا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپنی ہی طرف سے حج کیا ہے تو اب مالدار ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں (۱)۔ اگر حج بدل کیا ہے تو اب مالدار ہو کر اپنا حج کرنا ضروری ہے، البحر : ۳۳۵/۲، ۷٤/۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و قد قدمنا من الشرائط: الوقت، أعنى أن يكون مالكاً لما ذكر فى أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان فى سعة من صرفها إلى غيره، و أفاد هذا قيداً فى صيرورته ديناً إذا افتقر، هو أن يكون مالكاً فى أشهر الحج، فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك فى غيرها و صرفها إلى غيره، لا شىء عليه، كذا فى فتح القدير". (البحر الرائق: ۵۵۰/۲، كتاب الحج، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج: من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة فى أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو فى سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب. وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا فى البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۹/۱، كتاب المناسك، الباب الأول فى تفسير الحج، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۴۰۹/۲، كتاب الحج، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "ثم الصحيح من المذهب فى من حج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه، و لهذا لا يسقط به الفرض عن المأمور، و هو الحاج، كذا فى التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۵۷/۱، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۲۴/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دارالكتب العلميه بيروت)

"لو حج الفقير نفلاً، يجب عليه أن يحج حجاً ثانياً". (البحر الرائق: ۱۲۳/۳، باب الحج عن الغير، رشيديه)

حج اکبر

سوال[۵۰۳۲]: قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وأذانٌ من اللّٰہ و رسولہ إلی الناس یوم الحج الأکبر، أن اللّٰہ بریء من المشرکین و رسولُہ﴾(۱) اس آیت کریمہ میں حج اکبر سے کیا مراد ہے؟ کیا اس میں اقوال مختلف ہیں قول راجح کیا ہے؟ یوم عرفہ، وجمعہ کو حج اکبر کا سمجھنا کیا کسی امام فن کا قول ہے یا محض شیخ اکبر کا قول؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یوم الحج الأکبر" کی تعیین میں مفسرین کے دوقول ہیں: ایک یہ کہ اس سے یوم عرفہ مراد ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے یوم النحر مراد ہے، کما فی الإکلیل: ۳/ ۳۳٤(۲)۔ حافظ عماد نے اپنی تفسیر میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "قال: یوم الحج الأکبر الیوم الثانی من یوم النحر" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ: "یوم الحج الأکبر أیام الحج کلها" تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۳۵(۳)۔

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے: "العمرۃ الحج الصغری" أحکام القرآن: ۳/ ۹۹(٤) جس کا حاصل یہ ہے کہ "الأکبر" کی قید احتراز عن العمرۃ کے لئے

---

(۱) (سورۃ التوبۃ: ۳)

(۲) الإکلیل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ردالمحتار کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے:

"قال العلامة نوح في رسالته المصنفة في تحقيق الحج الأكبر: قيل: إنه الذي حج فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو المشهور، وقيل: يوم عرفة جمعةً أو غيرها، وإليه ذهب ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وغيرهم -رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين-، و قيل: يوم النحر، وإليه ذهب عليّ وابن أبي أوفىٰ والمغيرة بن شعبة -رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين- و قيل: إنه أيام منى كلها، و هو قول مجاهد، وسفيان الثوري، الخ". (ردالمحتار، باب الهدي، مطلب في الحج الأكبر: ۲/ ۲۲۲، سعید)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، سورۃ التوبۃ: ۲/ ۳۳۵، سہیل اکیڈمی لاہور)

(٤) "يوم الحج الأكبر لما كان يوم عرفة أو يوم النحر، و كان الحج الأصغر العمرة، وجب أن يكون أيام الحج غير أيام العمرة، فلا تفعل العمرة في أيام الحج .... (الحج عرفة) و هذا يدل على أن يوم الحج الأكبر هو يوم عرفة، و يحتمل أن يكون يوم النحر؛ لأن فيه تمام قضاء المنسك والتفث، ويحتمل أيام منى على ما روى عن مجاهد. و خصه بالأكبر؛ لأنه مخصوص بفعل الحج فيه دون العمرة الخ".=

ہے،اسی لئے ایامِ حج میں عمرہ منع ہے۔

جس دن پر قرآن پاک میں "يوم الحج الأكبر" کا اطلاق کیا گیا ہے مفسرین کی بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا، مگر اس کا یہ مطلب کہ ہر وہ حج جو جمعہ کے روز ہو وہ حجِ اکبر ہے جیسا کہ مشہور ہے میں نے ائمۂ مجتہدین کے اقوال میں نہیں پایا، البتہ جو حج جمعہ کے روز ہو اس کی فضیلت کسی اور دن کے حج پر ستر ۷۰/درجہ ہے اس کی تصریح طحطاوی، ص: ٤٠٣ (١)، زیلعی: ٢٦/٢ (٢) اوراوجز، ص: ٢٢٧ (٣) وغیرہ میں مذکور ہے۔عوام جمعہ کے روز والے حج کو حجِ اکبر کہتے ہیں،العرف الشذی، ص: ٣٤٠، میں اس کی تردید موجود ہے (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررالعبدمحمودگنگوہی غفرلہ۔

حجِ مبروراور مقبول میں فرق

سوال[۵۰۳۳]: حجِ مبروراور حجِ مقبول میں کیا فرق ہے؟اور حجِ نفل مقبول یا مبرور ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مقبول ومبرور کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے،مبرور وہ ہے کہ جس حج میں کوئی جنایت نہ

= (أحكام القرآن، للجصاص، سورة براءة: ۱۲۰/۳، قديمى)

(۱) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل: العمرة سنة، ص: ۴۰۷، قديمى)

(۲) "عن طلحة بن عبيد الله أنه عليه الصلاة والسلام قال: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (تبيين الحقائق، باب الإحرام: ۲۹۲/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (أوجز المسالك، باب حج يوم الجمعة هل له مزية: ۲۲۷/۳، المكتبة اليحيويه سهارنفور يوبى هند)

(۴) "الحج الأكبر فى عرف الحديث هو الحج، وأما الحج الأصغر فالعمرة، لا ما هو متعارف فى عامة الناس من أن الحج الأكبر الذى يكون يوم عرفة فيه يوم الجمعة". (العرف الشذى على جامع الترمذى: ۱۸۹/۱، سعيد)

کی جس سے دم یا کفارہ لازم آئے (۱)، مقبول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (۲)۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنایت کے باوجود قبول ہوجائے تو وہ مقبول ہے مبرور نہیں ہے، کبھی جنایت سے پاک وصاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا ہے مثلاً ناجائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے مقبول نہیں (۳)۔ مقبول ومبرور کا جمع ہونا ظاہر ہے کبھی ایک دوسرے کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۴ھ۔

بیوی کو حج کے لئے ساتھ لیجانا کب ضروری ہے؟

سوال[۵۰۳۴]: زید حج بیت اللہ کے لئے جارہا ہے اس کی بیوی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں جو کرایہ وغیرہ کے لئے کافی ہوگا مگر زادِ راہ کا روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، اس کی بیوی زید سے تقاضا

---

(۱) "وهو (أي الحج المبرور) مالاجناية فيه". (فيض الباري، باب فضل الحج المبرور: ۶۲/۳، خضر راه بک ڈپو دیوبند الهند)

"فعلى هذا يخرج الحج من أن يكون مبروراً بارتكاب الجناية عمداً مرةً بعد اخرى وإن كفّر عنها صاحبها .... و من فعل شيئاً مما يحكم بتحريمه، فقد أخرج حجه ان يكون مبروراً". (البحر الرائق، باب الجنايات: ۲۳/۳ رشيديه)

(۲) "والقبول المترتب عليه الثواب يبتنى علىٰ أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلى مرائياً أوصام و اغتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(۳) "ولذا قال في البحر: و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنها يسقط الفرض عنه معها، و لا تَنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

"و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(۴) "المبرور المقبول، و قال غيره: الذي لايخالطه شيء من الإثم، و قال القرطبي: الأقوال التي ذكرت في تفسيره متقاربة المعنىٰ". (فتح الباري، باب فضل الحج المبرور: ۳۸۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

کرتی ہے کہ آپ گھر رہنے کی صورت میں میرے نان ونفقہ کا انتظام کریں گے وہی روپیہ مجھے دیدیجئے تاکہ آپ کے ہمراہ میں بھی حج کو چلوں۔ تو کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی پر حج فرض ہوجاتا ہے؟ کیا زید کی بیوی اپنے مطالبۂ نان ونفقہ میں حق بجانب ہے؟ کیا زید پر واجب ہے کہ بیوی کے زادراہ کا انتظام کرکے اپنے ہمراہ حج کے لئے لیجائے؟ اگر زید زحمت کی وجہ سے بیوی کو ساتھ لیجانے سے گریز کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید حج کو جارہا ہے اور بیوی کے پاس خرچ راہ اور کرایہ آمدورفت موجود ہے تو بیوی کا نان ونفقہ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر بیوی نہ جاتی تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کو نان ونفقہ دیکر جاتا، البتہ ساتھ جانے کی صورت میں وہ نان ونفقہ لازم ہوگا جو حضر میں لازم ہوتا۔ سفر کی وجہ سے جس قدر نان ونفقہ زائد خرچ ہوگا اس کی ذمہ داری زید پر نہیں۔ زید کے ذمہ لازم ہے کہ اس کو ساتھ لیکر جائے جب کہ بیوی کا حج فرض ہو:

"ولو حجت معه فلها نفقة الحضر لا السفر .... وعن الثاني لو أرادت حجة الإسلام يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها كما في المحيط، اهـ" سكب الأنهر: ١/٤٩٨ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) "(ولو حجت معه) فرضاً أو نفلاً (فلها نفقة الحضر) بالاتفاق؛ لأنها كالمقيمة في منزله، فما زاد علىٰ نفقة الحضر يكون في مالها؛ لأنه بإزاء منفعة لها، لا نفقة السفر ولا الكراء .... وعن الثاني: لو أرادت حجة الإسلام، يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها، كما في المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ٢/١٨١، باب النفقة، المكتبه الغفاريه كوئته)

"وأما إذا حج الزوج معها، فلها النفقة إجماعاً، و تجب عليه نفقة الحضر دون السفر، ولا يجب الكراء. أما إذا حجت للتطوع فلا نفقة لها إجماعاً إذا لم يكن الزوج معها، هكذا في الجوهرة النيّرة. وإن حجت مع زوجها حجةً نفلاً كانت لها نفقة الحضر لا نفقة السفر، هكذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: ١/٥٤٦، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٢/٤٣٨، باب النفقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لیجائے؟

سوال[۵۰۳۵]: میں حج کو جارہاہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی والدہ، بیوی اور والد میں سے کس کو اپنے ہمراہ لے جانے کا پہلے حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے، خدا جانے پھران کو ساتھ جانے کے لئے محرم میسر آئے یا نہ آئے (۱)۔ ویسے آپ والد صاحب اور اہلیہ میں سے جس کو دل چاہے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۱ھ۔

بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟

سوال[۵۰۳۶]: سائل نے اپنی بیوی سے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو حج کرادے گا، لیکن بیوی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مروجہ قانون کے مطابق اس کو اجازتِ سفر مل جائے تو کیا یہ امر سائل کے حج میں مانع ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کا اس پوزیشن میں نہ ہونا آپ کے لئے حج سے مانع نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرةؓ قال: "جاء رجل إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أمك" قال: ثم من ؟ قال: "ثم أبوك".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة: ۲/۸۸۳، قديمي)

(و كذا في الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين أيهما أحق به: ۲/۳۱۲، قديمي)

(۲) "قال المزني: قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: فرض الله تبارك و تعالىٰ الحج علىٰ كل حر بالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۵/۳، المكتبه التجاريه، مصطفى احمد الباز)

"شروط الوجوب: و هي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، و إلا فلا". (رد المحتار، =

کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہو جائے گا؟

سوال[۵۰۳۷]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا تھا مگر کسی طرح اس کا مال ضائع ہو گیا جس سے حج کو جانے کی طاقت جاتی رہی تو اب حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے پاس مال بقدرِ حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جا رہے تھے بلکہ ابھی وقتِ حج میں دیر تھی اور وقتِ حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہو گیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر زمانۂ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا مگر بغیر اس کے اختیار کے مال ضائع ہو گیا تب بھی اس کے ذمہ حج نہیں، اگر اس نے خود اپنے اختیار سے ایسی جگہ خرچ کر دیا جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا امر نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہو گیا، بحر: ۳۳۸/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة)

(۱) "وقد قدمنا أن من شرائط الوقت أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك مابه الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره . وأفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل البلدة إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً . وإن ملك في غيرها وصرفها إلى غيره، لاشئ عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۰/۲، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لوملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن أهل بلده لايجب عليه الحج . فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره فإن صرفه إلى غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱۹/۱، رشيديه) .... =

روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی

سوال[۵۰۳۸]: عرصہ ۲۶/سال کا ہوا جب زید پر حج فرض ہوا، اس رقم سے زید نے کھانڈ (چینی) خرید لی، چونکہ حج کے جانے میں زیادہ دن تھے، قسمت کی بات کہ اس دوران میں کھانڈ سرکاری گرفت میں آ گئی اور جو روپیہ تھا وہ سب ختم ہوگیا اور زید حج سے محروم رہ گیا۔ اب قدرت نے پھر موقع عنایت فرمایا ہے، لڑکے اپنے پیسے سے حج بیت اللہ کو بھیج رہے ہیں، اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جو زید کی حج کی فرضیت ماضی میں ہو چکی تھی وہ پیسہ ختم ہونے کے بعد فرضیت ختم ہوگئی یا باقی رہے گی؟ اور اگر باقی رہی تو کیا لڑکوں کے حج کرانے سے وہ فرضیت ختم ہوجائے گی یا نہیں؟ تو پھر کیا صورت اختیار کیا جائے کہ جس سے حج بھی ہوجائے اور فرضیت بھی نہ رہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روپیہ محفوظ نہیں رکھا، تجارت میں لگادیا جس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگیا، اس لئے فریضۂ حج ختم نہیں ہوا، بلکہ ذمہ میں باقی ہے، لڑکے اگر پیسے دے رہے ہیں اور اس سے حج کریگا، فریضۂ حج ادا ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "و قد قدمنا أن من الشرائط الوقت: أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلىٰ غيره . و أفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج . والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبُعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً . وإن ملك في غيرها و صرفها إلىٰ غيره لا شيء عليه، كذا في فتح القدير".
(البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۰، رشيديه)

"بخلاف ما لو ملكه مسلماً، فلم يحج حتى افتقر، حيث يتقرر الحج في ذمته ديناً عليه".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيديه)
(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج

سوال[۵۰۳۹]: سائل کی مالی حیثیت اتنی ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اور اہل وعیال کے خرچہ کے بعد بہ آسانی حج کے اخراجات پورے ہوسکتے ہیں، تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے، گو کہ حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں حج فرض ہوگا:

"تلك القدرة الفاضلة عن نفقته ونفقة عياله إلى حين عوده، و قيل: بعده، وقيل: بشهر". طحطاوی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۶ھ۔

قحط کی حالت میں حج

سوال[۵۰۴۰]: عبدالرشید کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے، لیکن داماد لڑکی کو بہت زدوکوب کرتا ہے، ہر چند سمجھایا مگر باز نہیں آیا۔ اب عبدالرشید حج کو جانا چاہتا ہے مگر ڈر یہ ہے کہ سفرِ حج میں اگر کچھ ہوگیا تو لڑکی یتیم ہو جائے گی اور اس کی زندگی بھیانک گزرے گی، اسی طرح اس علاقہ میں قحط پڑ رہا ہے تو پھر حج کو چلا جاوے یا اس وقت ملتوی کردے، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لڑکی کی مذکورہ حالت کی بناء پر حج فرض کو ترک ہرگز نہ کرے، اسی طرح بارش نہ ہونے کی وجہ سے ترک نہ کرے(۲)، إلا یہ کہ وقتِ حج سے پہلے پہلے اپنا روپیہ غرباء کو صدقہ کردے تاکہ قحط زدہ غریبوں کی امداد

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، ص: ۴۲۸، قديمي)

"لأن الشرط في وجوب الحج زاد و راحلة، و نفقة أهله في ذهابه و عوده، و لا اعتبار بما بعده". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۱۷/۵، المكتبة التجاريه، مصطفى أحمد الباز)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱۲۴/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷) ....=

ہوجاوے تو حج خود ہی امسال لازم نہیں رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے؟

سوال[۵۰۴۱]: فرم کا قرضہ حج سے مانع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مانع نہیں، بلکہ مالی حیثیت یہ ہے کہ اہل وعیال کا خرچہ ادا کرنے کے بعد حج کا خرچہ پاس ہو (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۶ھ۔

= "والحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن، الخ". (الهداية، كتاب الحج: ۲۳۱/۱ مكتبه شركة علميه ملتان)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد)

(۱) "السابع: الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها، فلا يجب إلا على القادر فيها أو في وقت خروجهم، فإن ملكه: أي المال قبل الوقت، فله صرفه حيث شاء، ولا حج عليه. وإن ملكه فيه، فليس له صرفه إلى غير الحج، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۱۹/۱، رشيديه)

(۲) "(فضلاً عمالا بدمنه) كما في الزكاة". (الدرالمختار). "(قوله: كما مر في الزكاة): أي من بيان ما لابد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته وآلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته، كما في اللباب وغيره. المراد قضاء ديون العباد، ولذا قال في اللباب أيضاً: وإن وجد مالاً، وعليه حج وزكاة يحج به، قيل إلا أن يكون المال من جنس ماتجب فيه الزكوة فيصرف إليها".

(ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۶۱/۲، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿و لله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"شروط الوجوب، وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب في من حج بمال حرام. ۴۵۸/۲، سعيد)

"و لذا قلنا: لا يستقرض ليحج إلا إذا قدر على الوفاء، كما مر". (ردالمحتار، كتاب الحج، =

مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟

سوال[۵۰۴۲] : ۱...... مثلاً کئی بھائی مشترکہ زندگی گزارتے ہیں اور سب کماتے ہیں کوئی تجارت سے، کوئی زراعت سے مگر تجارت کرنے والے بھائی زیادہ کماتے ہیں کہ سب کا اخراجات مشترکہ اٹھانے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ گھر کا ہر فرد حج کرسکتا ہے۔ اور مشترکہ گھر جس میں نصاب سے کم کماتے ہیں حسبِ ذیل قسم کے لوگ شامل ہیں: اس تاجر کے بھائی اور ان کی بیویاں اور اس کے والدین اور اس تاجر کے بالغ لڑکے غیر شادی شدہ۔ تو شرعاً ان میں کس پر حج فرض ہوگا اور کس پر نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۴۳] : ۲...... خاندان مشترکہ میں سوال نمبر ۱ کی نوعیت کے لوگ شامل ہوں اور روپیہ صرف تین یا چار آدمی کے ہوں کہ حج کے لئے کفیل ہوتا ہو اور سب کے لئے کفالت نہیں کرتا تو کیا ان میں چار آدمیوں پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خاندان کے کن لوگوں کو پہلے جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب سب بھائی الگ الگ کماتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا مالک ہے، جس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ حج روپیہ ہو اس پر حج فرض ہے(۱)۔ ان کا ایک ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا یہ آپس کی ہمدردی ہے۔ جن کا کمایا ہوا روپیہ ہے اگر وہ پہلے حج کرلیں پھر نمبروار دوسروں کو حج

= مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۲، ۴۶۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة، دون الإعارة والإباحة ...... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر مايبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذاقدروا على الزاد والراحلة، فاضلاً عن المسكن وما لابد منه". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۶۲، قديمي)

کرائیں تو سب کو یہ سعادت حاصل ہوجائے گی۔ نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر وہ حج کرلیں تو ثواب کے وہ بھی مستحق ہوں گے، مگر بالغ ہونے پر اگر فرض ہوا ہو تو پھر ادا کرنا ہوگا(۱)۔

۲.....نمبر:ا سے ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟

سوال[۵۰۴۴]: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لئے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے، مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہئے، بعد میں خود کرے۔ اب اس کو کیا کرنا چاہئے جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جاسکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو خود اپنا حج کرنا چاہئے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے تو عینِ سعادت ہے۔ یہ بات کہ ''جب تک والد کو حج نہ کرائے، اپنا حج بھی نہ کرے'' شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) ''فمنها البلوغ، و منها العقل، فلا حج على الصبي، والمجنون: لأنه لا خطاب عليهما، فلا يلزمهما الحج، حتى لو حجا، ثم بلغ الصبي وأفاق المجنون، فعليهما حجة الإسلام، و ما فعله الصبي قبل البلوغ يكون تطوعاً، و قد روي عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "أيما صبي حج عشر حجج، ثم بلغ، فعليه حجة الإسلام". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۴۴/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسك، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، ۴۵۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

''والقدرة زاد وراحلة)........ ولو لم يكن له زاد و لا راحلة، لا يجب عليه''. (حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق: ۲۳۵/۲، كتاب الحج، دارالكتب العلميه بيروت)

حج کے ارکان

سوال[۵۰۴۵]: اگر کسی مسلمان نے حج کی نیت سے احرام کی چادریں باندھیں، عرفات میں وقوف کیا اور طوافِ زیارت بھی کرلیا تو کیا اس کا حج ہوگیا؟ اور اس کو حج کا پورا پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کے دو رکن ہیں: وقوفِ عرفات اور طواف زیارت، بحالتِ احرام ادا کرلینے سے حج ادا ہوجائے گا(۱)۔ بقیہ امورِ حج میں واجب، سنت اور مستحب ہیں جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا تو ثواب میں کمی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دو دن پہلے حج

سوال[۵۰۴۶]: اس سال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو رویتِ ہلال بروز پنجشنبہ اور یکم ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی، اس حساب سے یومِ عرفہ سنیچر کو تھا یہی دن وقوفِ عرفات یوم الحج تھا، کیا یہ حج صحیح ہے؟ ۱۰/ ذی الحجہ کو منیٰ میں

---

(۱) "قال الإمام ابن الهمام: الظاهر أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف والوقوف في وقته محرماً بنية الحاج سابقاً: أي على الأفعال". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۱۷، مكتبه مصطفى محمد مصر)

"(هو الإحرام) و هو شرط للحج من وجه، و لذا يجوز قبل الوقت، و ركن له من وجه".

...... "و هو شرط للحج: أي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، و عند الأئمة الثلاثة هو ركن ......

(والوقوف بعرفة): أي في وقته و لو ساعةً (وأكثر طواف الزيارة): أي في محله و هما ركنان للحج".

" قوله و هما ركنان، إلا أن الوقوف أقوى من الطواف .... فإنه لا وجود للحج إلا بوجود ركنيه". (مناسك الملا علي القاري، فصل في فرائضه، ص: ۶۲، مكتبه إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۳۸، رشيديه)

جوقربانیاں دی گئیں، صحیح ہوئیں؟ کیاان حجاج کا فریضۂ حج جوان پرفرض تھاادا ہوگیا؟ یہ اَور بات ہے کہ بہ نیتِ حج ابتدائے سفرہی سے یہ حجاج ثواب کے مستحق ہوگئے؟ اگر یہ حج نہیں ہوا کیونکہ حکومتِ سعودیہ کے حکم پرخاص یومِ حج سے دودن پہلے ہواتو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومتِ سعودیہ میں جہاں تک مجھے علم ہے رؤیت ہلال کا خاص کرحج سے متعلق بہت اہتمام کیا جاتا ہے، جہاں بھی رویت ہوئی فوراً محکمہ میں شہادت لی جاتی ہے اورتمام علاقہ کے قضاۃ ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھراس ثبوت وشہادت پر پوری جرح اور گفتگو ہوتی ہے، پھرسب کوسامنے رکھ کرملکرخود فیصلہ کرتے ہیں اور باضابطہ اس کی اطلاع دی جاتی ہے اوراعلان کیا جاتا ہے، خطبات دیئے جاتے ہیں، منیٰ،عرفات،مزدلفہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں، اس اہم فریضہ کی اس کی شان کے مطابق اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۸/ ذی الحجہ کومنیٰ روانگی ہوتی ہے، ۹/ ذی الحجہ کوعرفات میں وقوف ہوتا ہے، آفتاب غروب ہونے پر وہاں سے واپسی ہوتی ہے،مزدلفہ میں مغرب وعشاء پڑھتے ہیں، پھر۱۰/ ذی الحجہ کوفجربھی وہیں غلس میں ادا کی جاتی ہے، پھرمنیٰ میں آکررمی، اضحیہ،حلق کرتے ہیں پھرطوافِ زیارت ۱۰/کویا۱۱/کویا۱۲/کوجب جب موقع ہوکرتے ہیں۔اضحیہ کا سلسلہ بھی تین دن جاری رہتا ہے یہ عام نظم ہے، اپنے کسی ملک کی رویت اگراس سے مختلف ہوتواس کی وجہ سے تمام حجاج کے حج اورقربانی کوغلط کہنا، یااس کومداخلت فی الدین قرار دیناغلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "و لاعبرة باختلاف المطالع، و قيل: يعتبر......... والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما أن دخول الوقت و خروجه يختلف باختلاف الأقطار، حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، بل كلما تحركت الشمس درجةً، فتلك طلوع فجر لقوم، و طلوع شمس لآخرين، وغروب لبعض، ونصف ليل لغيرهم". (تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۱/۳۲۱، مكتبه امداديه ملتان)

"و قيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد و غيره، كما إذا زالت =

سرکاری روپیہ سے حج

سوال[۵۰۴۷]: حکومتِ ہند موسمِ حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے ویلفئیر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کر کے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اور اس کے لئے بقدرِ ضرورت تمام رقم پیشگی دیدیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔ اس کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیتِ حج میں شمار ہوگا یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحبِ نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کوئی شخص خود صاحبِ نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں مگر وہ پیدل پہونچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے، یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا جس سے وہ وہاں پہونچ گیا اور حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا(۱)، پھر غنی ہو جانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا(۲)۔

= الشمس عند قوم و غربت عند غيرهم، فالظهر على الأولين لا المغرب، لعدم انعقاد السبب في حقهم".

"(قوله: واختار صاحب التجريد) و هو الأشبه و إن كان الأول أصح، كذا في السيد. قوله: (كما إذا زالت، الخ) قال في شرح السيد: لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما في دخول الوقت و خروجه، حتى إذا زالت الشمس في المشرق، لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر و غروب الشمس، بل كلما تحركت درجةً، فتلك طلوع الفجر لقوم وطلوع الشمس لآخرين، و غروب لبعض و نصف ليل لآخرين، و هذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، عيني". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب، فصل فيما يثبت به الهلال، ص: ۲۵۶، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصوم، رؤية الهلال: ۳۵۵/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۵۷/۳، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲) "والفقير إذا حج ما شياً ثم أيسر، لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۷/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی) =

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لئے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں، بلکہ جب ان کا حصول ہو جائے خواہ کسی طریقے سے ہو تو بھی کافی ہے، مثلاً: نماز کے لئے طہارت شرط ہے، ایک شخص بلا اختیار نہر میں گر گیا، پانی اس کے بدن پر پہونچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا، اس لئے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

والدہ کے روپیہ سے حج

سوال [۵۰۴۸]: میں خیریت سے رہ کر اس سال فریضۂ حج کے لئے اپنی والدہ محترمہ کا محرم بن کر ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میری عمر غالباً ۱۸/ سال ہے، مجھ سے بڑے ایک بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً ۲۱/ سال ہے۔ میرے اس مسئلہ کا حل فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خرچ کا روپیہ آپ کی ملک کر دیا جائے، یا پہلے سے آپ کے پاس اتنا ہو کہ جس میں آپ حج کر سکیں تو پھر والدہ محترمہ کے ساتھ جانے اور حج کرنے سے آپ کا حج ادا ہو جائے گا۔ اگر والدہ محترمہ اپنے روپیہ سے آپ کو ساتھ لے جائیں اور حج کرلیں تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔ اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑے بھائی نے حج نہیں کیا تو میں کیسے حج کرلوں، آپ کا حج ہر حال میں ادا ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(۱) "إنما يراعى حصولها (أي شرائط) لا تحصيلها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ۱/۱۳۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"أما إذا كان شرطاً لحكم، لا تشترط النية في هذا الشرط؛ لأن الشرط يراعى وجوده مطلقاً، لا وجوده قصداً .... انه لو سال عليه المطر، فغسل أعضاء وضوءه أو جميع البدن أجزأه عن الوضوء والغسل". (الأشباه والنظائر، لاثواب إلا بالنية: ۱/۶۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۲) "(و منها القدرة على الزاد والراحلة) "بطريق الملك، والإجارة دون الإعارة، والإباحة، سواء=

سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا

سوال[۵۰۴۹]: زید ایک سرکاری ہسپتال میں کمپونڈر ہے، اس سال حکومتِ ہند کی جانب سے وہ بحیثیتِ ملازم سعودی عرب چار ماہ کے لئے بھیجا جارہا ہے، اس مدت میں اس کو تنخواہ کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی حکومت کی طرف سے حاصل رہے گی، مثلاً سفرخرچ وغیرہ۔ زمانۂ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا۔ تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا؟ یا صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا تب بھی فریضۂ حج ادا ہوجائے گا (۱)، پھر

= كانت الإباحة من جهة مَن لا منّة له عليه كالوالدين والمولودين، أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"(قوله: ذي زاد و راحلة) أفاد أنه لا يجب إلا بملك الزاد وملك أجرة الراحلة، فلا يجب بالإباحة أو العارية، كما في البحر. و سيُشير إليه". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۸، رشيديه)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۲، رشيديه)

"فإذا تحمل الحرج وقع موقعه كالفقير إذا حج، والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلى مكة، صار كأهل مكة، فيلزمه الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۷، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"في اللباب: الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات، فهو كالمكي .... و نظيره ماسنذكره في باب الحج عن الغير من أن المأمور بالحج إذا واصل إلى مكة، لزمه أن يمكث ليحج حج الفرض عن نفسه، لكونه صار قادراً على ما فيه، كماستعلمه إن شاء الله". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۶۰، سعيد)

صاحبِ استطاعت ہونے سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۸۹ھ۔

کافر کے روپیہ سے حج کرنا

سوال [۵۰۵۰]: کافر کے روپیہ سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے ہبہ کردیا ہے تو کرسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

مالِ حرام سے حج

سوال [۵۰۵۱]: مالِ حرام سے حج کرنا چاہئے کہ نہیں؟

---

(۱) "والفقير إذا حج ما شيأ ثم أيسر لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۷ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۶، رشيديه)

(۲) "وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، و قبول هداياهم كل ذلك جائز إذا كانوا ذمةً لنا، وكذالك إذا كانوا أهل حرب، الخ". (إعلاء السنن، باب الهدية للمشركين و قبول الهدية منهم: ۱۶/۱۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"قال العبد الضعيف: إن الهبة والصدقة والهدية والعطية معانيها متقاربةٌ". (إعلاء السنن، باب في قبول الهبة: ۱۶/۶۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

" وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، تاہم اگر کرلیا جائے گا تو فریضہ ادا ہوجائے گا لیکن حجِ مقبول کا ثواب حاصل نہ ہوگا(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

جائز وناجائز مخلوط مال سے حج

سوال[۵۰۵۲]: ایک شخص نے ارادۂ حج بیت اللہ شریف کے لئے پونجی جمع کی جو اس وقت حج کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس نے چند ایک کتب دینیات مطالعہ کیں جس سے اس نے اپنی غلطیاں محسوس کیں اور اس کو شک ہے کہ ایسی پونجی سے حجِ بیت اللہ شریف شاید واجب نہ ہو، لہٰذا معلوم ہو کہ پونجی جمع شدہ ایسی رقوم سے ہے:

۱-شخصِ مذکور آج سے ۷، ۸/ سال پہلے کمیٹی گھر میں ملازمت لال ٹین جلانے کی ۶، ۷/ سال کرتا رہا اس میں حسبِ دستور سب ملازم تیل کی بچت کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور تیل فروخت کرکے رقم جمع کرتا رہا، لیکن معلوم نہیں ہے کہ ایسی کتنی رقم اس نے جمع کی ہے، لیکن رقم تیل فروخت شدہ تنخواہ سے زائد ہوا کرتی تھی۔

---

(۱) "ویجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقه الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافِيَ بين سقوطه وعدمه قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج". (ردالمحتار: ۲/۴۵۶، مطلب في من حج بمال حرام، سعيد)

"و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقةالحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبةً، كذا في فتح القدير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج و فرضيته الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

"و قدرة زاد و راحلة .... فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام، لكن لو حج به، جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات، فإذا أتى بها لا يقال: إنها غير مقبولة، كما في مكروهات صلاة الخزانة. ذكره القهستاني". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۲- نیز یہ شخص حافظِ قرآن شریف ہے جو عرصہ ۱۶، ۱۷/ سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے، بعد ختمِ قرآن کریم پر رسم کے طور پر لوگوں سے معقول رقم حاصل کرتا ہے جس کی بچت وہ جمع کر کے اسی پونجی میں جمع کر لیتا ہے۔

۳- یہ شخص تمام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج تک جمع رکھتا ہے جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے جو اصل رقم میں شامل ہو جاتا ہے۔

۴- انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیوارات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائشی بھی بنایا ہے۔ لہذا کیا ایسے پیسہ سے حجِ بیت اللہ شریف واجب ہے؟ اگر نہیں تو ایسی رقم کا صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے؟

۵- اور کیا وہ شخص نمبر ۲ یعنی قرآن کریم کا سنانا اور اس پر بغیر طلب کئے اجرت کا حصول ہو جائے فی سبیل اللہ تو لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مل جانے پر صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے، یا انکار لازمی ہے؟ والسلام۔

نور محمد، دفتر جنگلات لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، و يورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفه رحمة الله عليه، وقوله أرفق؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب. و هذا إذا كان له مال غيرها استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعدية، اهـ“. الدرالمختار: ۳۸/۲(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مال ناجائز طریقہ سے جمع کیا ہے اس کو منہا کرنے کے بعد اگر حج کے لئے کافی ہو تو حج فرض ہوگا، ورنہ حج فرض نہ ہوگا۔ اور جو مال حرام جمع کیا ہے اس کا اصل مالک کو، اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر نہ مالک موجود ہوں، نہ اس کے ورثہ موجود ہوں تو بہ نیتِ گلوخلاصی

(۱) (الدر المختار، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذالك أداء الزكاة إليه: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، سعيد)

اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔

رقم نمبرا: چوری ہے(۲)۔رقم ۲: بھی ناجائز ہے کہ یہ قرآن شریف رمضان شریف میں سنانے کی اجرت ہے(۳)۔رقم:۳، اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے(۴)، تاہم اس کی واپسی ڈاکخانہ میں ہرگز جائز نہیں، اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو غرباء پر اس کو صدقہ کردیا جائے(۵)، ورنہ اپنے پاس رکھنے میں بھی گنجائش ہے۔۴: یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ رقم ناجائز کا ضمان ادا کردیا جائے(۶)۔

۵: قرآن کریم سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے،لأن المعروف كالمشروط، البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی غرض سے سناتا ہو اور اس کے ذہن

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۲) "هي لغةً أخذ الشيء من الغير خفيةً". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۳) "أقول: المفتي به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة، كما صرح به في التاتارخانية". (ردالمحتار، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل و نحوه: ۶/۵۶ سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱/۱۳، ۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "قوله: لا رِبوا بين أهل الحرب، أقول: قد طال النزاع في هذه المسئلة قديماً و حديثاً، فقال إبراهيم النخعي، وأبو حنيفة، والثوري، ومحمد: إنه لا ربوا بين أهل الحرب و أهل الإسلام في دار الحرب، وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد و مالك بخلافه". (إعلاء السنن، باب الربوا في دار الحرب بين المسلم والحربي: ۱۴/۳۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۵) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكفالة: ۳/۱۲۳، إمداديه ملتان)

(۶) "إذ لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بَدَلَه، كما حققناه قبيل باب زكاة المال، فتأمل". (ردالمحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

میں بھی نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص ازخود کچھ خدمت کردے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کر کے حافظ کو دینے کا جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں، لینے والا اور دینے والا سب گناہ گار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

ناجائز آمدنی سے حج کرنا

سوال[۵۰۵۴]: ہندہ کے پاس صرف ایک پختہ عمارت جس کی قیمت تقریباً ۱۶/ ہزار روپیہ ہے حلال اور حرام پیسے سے عمارت کی تعمیر ہوئی ہے یعنی رشوت اور غیر رشوت کے پیسے سے رشوت کا روپیہ ۳/ گنا لگا ہے۔ اس صورت میں عمارتِ مذکور بیچ کر حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ حوالۂ حدیث مع کتب مدلل تحریر فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کو چاہئے کہ کسی سے قرض لیکر اسی سے حج کرے (کسی محرم کے ساتھ)، پھر عمارتِ مذکورہ کی قیمت سے وہ قرض ادا کردے تاکہ حج بلاشبہ حلال مال سے ادا ہو (۲)، لیکن عمارتِ مذکورہ کی قیمت بلکہ خالص حرام مال

---

(۱) "(و يجبر المستأجر على دفع ماقبل) فيجب المسمى بعقد وأجر المثل إذا لم تذكر مدة، شرح وهبانية من الشركة. (ويجس به) به يفتي (ويجبر على) دفع (الحلوة المرسومة) هي ما يهدى للمعلم على رءوس بعض سور القرآن سميت بها؛ لأن العادة إهداء الحلاوى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "وقال العيني في شرح الهداية: والآخذ والمعطي آثمان". (مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل، الخ: ۵۶/۲، سعيد)

(۲) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۲۰/۱ رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، المقدمه، الفصل الأول، مكتبه مطصفى محمد بيروت)

سے بھی اگر حج ادا کیا تو فریضہ ساقط ہوجائے گا اور حرام مال اس میں خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔

"قال في البحر: و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تَنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يُثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارك الحج، اهـ". رد المحتار: ۱۹۱/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

حج کے لئے رقم ناکافی ہو تو اپنا دوسرا انتظام کرنا

سوال [۵۰۵۴]: زید نے فریضۂ حج ادا کرنے کی نیت کی ہے، یہ سفر رمضان سے ۵/ ماہ قبل کا ہوگا، حکومت سے ۱۵۷۵/ روپے ملیں گے جس کے ۹۲۹/ ریال ملیں گے جب کہ صرف حج کا خرچہ ۹۴۶/ ریال بتلایا گیا ہے، یہ رقم سفر میں بالکل ناکافی ہے۔ کیا اس کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ سعودی عرب میں اخراجات کی کفایت کے لئے اپنے طور پر کوئی دوسرا انتظام کرے؟ برائے کرم فوری جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے طور پر دوسرے انتظام کی اجازت ہے، مگر قانونی تحفظ کا لحاظ کرلیا جائے کہ کوئی مصیبت نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۲۶۱/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: "﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾" فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، و قد ذكرنا ما روى فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن، للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳۴۵/۳، قديمي) .... =

غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا

سوال[۵۰۵۵]: خالد نے عمر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے تو اگر خالد حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زمین کے غصب کا گناہ مستقل ہے(۱) مگر حج ادا ہو جائے گا، اگر حرام روپیہ سے حج کیا ہے تو وہ مقبول نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= "و ككراهيتهم في التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ .... ﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿تبتغوا فضلاً من ربكم﴾: أي تبتغوا رزقاً بالتجارة في الحج. و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلك". (حجة الله البالغة، كره الجاهلون التجارة في موسم الحج: ۱۴۸/۲، قديمي)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبعين أرضين". متفق عليه" (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(۲) "و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدرالمختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص الخ......... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون الفعل صلاةً؛ لأن الفرض لا يمكن اتصافه بالحرمة، و هنا كذالك، فإن الحج في نفسه مأمور به، وإنما يحرم من حيث الإنفاق، و كأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه، فإن الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه، و لذا قال في البحر: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، و لا تنافي بين سقوطه و عدم قبوله. فلا يثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارك الحج، الخ". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد) .... =

1

حرام آمدنی والے کو بوقت حج اپنے گروپ میں شامل کرنا

سوال[۵۰۵۶]: ۱.....ایک شخص ریاست نیپال میں چمڑا اور شراب کی بھٹی وغیرہ کا ٹھیکہ لیتا ہے وہ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتا ہے، کچھ لوگ اسی گاؤں یا آس پاس کے ہیں وہ بھی جارہے ہیں، ان لوگوں کا شخص مذکور سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے نہ کاروبار کا نہ رشتہ کا۔ شخص مذکور یا اس کی اہلیہ اس گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے یا چاہتی ہے اس کی اہلیہ کا محرم اس کا بھائی ہے وہ بھی اس گروپ میں ہے اور بھائی کا اپنی بہن کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گروپ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ سفر قیامِ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کھانا و رہائش وغیرہ ایک ساتھ ہو، کیا ایسے گروپ میں شامل ہو کر حج کیا جاسکتا ہے؟

حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے یا حلال آمدنی ہے تو کیا اس کا قول معتبر ہے؟

سوال[۵۰۵۷]: ۲.....اگر شخص مذکور یہ کہتا ہے کہ وہ حج حلال کمائی سے کر رہا ہے حرام کی کمائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو کیا اس کی اس بات کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور پھر اس کو گروپ میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حج ادا ہو جائے گا(۱) مگر حرام مال ان کی شرکت میں نہ کھائیں (۲)۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشيديه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناجائز اور حرام چیز کے ارتکاب سے نفس حج میں کوئی خرابی نہیں آتی بلکہ حج ادا ہو جائے گا لیکن دوسرے ناجائز فعل کا گناہ مستقل ہوگا۔

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه يسقط الفرض معها، وإن كانت مغصوبةً، كذا في فتح القدير" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام. ۲/۴۵۶، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لا يأكل، و يسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، فصل في البيع: ۶/۳۸۲، سعيد) .... =

۲......اگراس کے پاس حلال آمدنی کا ذریعہ بھی ہے یا وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ قرض لیا ہے تو اس کا قول صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۱۴ھ۔

فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں

سوال[۵۰۵۸]: زید کے پاس صرف مکہ معظمہ تک جانے آنے کا خرچ ہے تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوگا، یا مدینہ طیبہ کے سفر خرچ ہونے تک حج کو ملتوی رکھے، پھر جب بھی حرمین تک کا خرچ میسر آجائے اس وقت جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس مکہ معظمہ تک جانے اور آنے اور حج کرنے کا خرچ موجود ہو اس کے ذمہ حج لازم ہوگا، بحر: ۲/۳۳٤(۲)، پھر مدینہ طیبہ کے لئے کوشش کرے اور اللہ سے دعاء کرے، اگر گنجائش ہو جائے تو وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرے، حج کو اس انتظار میں مؤخر نہ کرے کہ جب مدینہ طیبہ کا خرچ بھی پاس ہوگا تب حج کرے گا(۳)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه و غالب ماله حرام، لا يقبل و لا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات: ۱/۳۴۳، رشيديه)

(۱) "فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايات والضيافات: ۱/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۵۴۴، كتاب الحج، رشيديه)

(۳) "(و منها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك .... و تفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، و هو ما سوى مسكنه و لبسه و خدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً و جائياً وراكباً، لا ماشياً، و سوى ما يقضي به ديونه و يمسك لنفقة عياله و مرمة مسكنه و نحوه إلى وقت انصرافه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷ كتاب المناسك، رشيديه) ...... =

حج سے گناہ کی معافی

سوال[۵۰۵۹]: جس پر حج واجب ہو چکا اور اس نے حج کیا تو حدیث شریف کے لحاظ سے اس کے لئے شفاعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب ہو جاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسے کہ ماں کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہو، حج کے بعد جو کچھ گناہ بقیہ عمر میں ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اسی سے باز پرس یعنی حساب وکتاب پیدائش سے تا موت کا ہوگا یا حج کے بعد سے موت تک جتنے گناہ کئے محض اس کی سزا بھگتنی ہوگی اور پیشتر کے گناہ بوجۂ حج کے معاف ہو جائیں گے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جن گناہوں کے معافی کی بشارت حج کرنے پر دی گئی ہے حج کرنے سے ان کی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ وہ معاف ہو چکے ہیں اور بعد حج جو گناہ کئے ہیں ان کی معافی گذشتہ حج سے کسی حدیث میں مذکور نہیں، لہذا اگر توبہ نہیں کی تو ان کی باز پرس ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

= (و كذا في بدائع الصنائع: ۵۲/۳، كتاب الحج، دارالكتب العلميه بيروت لبنان)

(۱) "قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين، ولو حقاً لله تعالىٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخذ كل حقه". (الفقه الإسلامي و أدلته، و هل الحج أفضل من الجهاد؟: ۱۲/۳، مكتبه حقانيه)

"وأما قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قضى نسكه، وسلم من لسانه و يده، غفر له ما تقدم من ذنبه". (مناسك الملا على القاري، باب المتفرقات، ص: ۴۸۷، إدارة القرآن كراچي)

"وعنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال لابن عمر: "أما علمت أن الإسلام يهدم ما قبله، و أن الهجرة تهدم ما قبلها، و أن الحج يهدم ما قبله". رواه مسلم ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۱۹، مصطفى محمد بمصر)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حج سے قبل کئے ہوئے گناہ حج سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حج کے بعد کئے گئے =

حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

سوال[۵۰۶۰]: میری بیوی نیک صالح اوروفا شعار ہے، میں حج کو گیا تھا، بیوی کو کہا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا وہ ایک دفعہ سینما گئی، ایک دفعہ عرس میں گئی اور ایک دفعہ کہیں اور میرے بھائی نے اس کو بہت مارا، میری حج سے واپسی پر مجھے قصہ سنایا، اس کا بھائی مجھے لینے بمبئی آئے تھے، میں نے اس سے کہا کہ اپنی بہن کو اپنے گھر لے جا، وہ اس کو لے گیا، ۸،۹/ ماہ سے اپنی زوجہ کی شکل نہیں دیکھی، اس کو میں نے کہا بھیجا ہے کہ تو حج کو جا کر آجا تب میں تجھے گھر میں رکھوں گا، اس سے پہلے تو گھر میں نہیں آسکتی اور تو میری صورت نہیں دیکھ سکتی اور میں تیری صورت نہیں دیکھ سکتا، میرا یہ حج کی شرط لگانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ حج کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس پر حج فرض ہے تو ضرور حج کو بھیجنا چاہیے (۱)، اگر یہ توقع ہو کہ حج کے ذریعے سے ہی اس کی اصلاح ہوگی بغیر اس کے اصلاح نہ ہوگی تو پہلے حج کرالیا جائے، اگر اس کو ندامت ہے اور اپنی غلطی پر شرمندہ ہے تو حج سے پہلے بھی بلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔

کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہوجائیں گی؟

سوال[۵۰۶۱]: زید نے اپنی عمر میں بہت سی نمازیں چھوڑ دیں اب وہ حج کرنے جارہا ہے تو کیا حج کرنے سے اس کی نمازیں (جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں) معاف ہوجائیں گی؟ ہمارے بعض احباب تو یہی کہتے ہیں اور ثبوت میں حدیث پیش کرتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حج کرنے سے دَین معاف نہیں ہوتا، نہ اللہ کا دَین اور نہ بندے کا دَین، مثلاً اگر کسی ذمہ کسی قرض ہو تو

= گذشتہ حج سے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی۔

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (آل عمران: ۹۷)

حج کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی کے ذمہ کچھ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں یا فرض زکوٰۃ ہو تو حج کرنے سے یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ کچھ بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ اللہ کا دین ہے(۱) دین کا معاف نہ ہونا حدیث شریف میں موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ ثانی کے لئے پانچ سال کی قید

سوال[۵۰۶۲]: حکومتِ ہند نے حج کے سلسلہ میں یہ قید لگا رکھی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی حج کرنے کے بعد پانچ برس تک حج کو نہیں جا سکتا ہے، ایسی قید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک حلف نامہ بھرنا پڑتا ہے

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: جاء رجل إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ! إن أمی ماتت وعلیها صوم شهر، أفأ قضیه عنها؟ قال: "نعم، فدین اللہ أحق أن یقضی".

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم: ۱/۲۶۲، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصوم، باب قضاء الصوم عن المیت: ۱/۳۶۲، قدیمی)

(۲) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. "القتل فی سبیل اللہ یکفر کل خطیئة" فقال جبریل: إلا الدین، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إلا الدین".

(جامع الترمذی، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی ثواب الشهید: ۱/۲۹۳، سعید)

"قال فی البحر الرائق: فلیس معنی التکفیر کما یتوهمه کثیر من الناس أن الدین یسقط عنه، و کذا قضاء الصلاة، والصوم، والزکاة؛ إذ لم یقل أحد بذلک". (ردالمحتار، مطلب فی تکفیر الحج الکبائر: ۲/۶۲۳، سعید)

"قال القاضی عیاض: أجمع أهل السنة أن الکبائر لا یکفّرها إلا التوبة، و لا قائل بسقوط الدین ولو حقاً للہ تعالیٰ کدین الصلاة والزکاة، فالحج یغفر الذنوب و یزیل الخطایا، إلا حقوق الآدمیین، فإنها تتعلق بالذمة، حتی یجمع اللہ أصحاب الحقوق، لیأخذ کلٌّ حقه". (الفقه الإسلامی وأدلته، باب: و هل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۲، حقانیه پشاور)

(وکذا فی مناسک الملاعلی القاری، باب المتفرقات: ۲۸۶، إدارة القرآن کراچی)

کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ پانچ برس میں سے کسی سال بھی حج کو نہیں گیا ہوں۔ کیا اس پابندی میں توریہ کی کوئی شکل ہوسکتی ہے؟ یہ شخص گذشتہ دو سال پہلے حج بدل میں جاچکا ہے، اب اپنا حج فرض ادا کرنا چاہتا ہے، مگر یہ حلف والی شرط درپیش ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی پابندی لگانے کا کوئی شرعاً حق نہیں۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹے حلف نامہ پر دستخط کرنا گناہ ہے(۱)، اگر توریہ میں یہ نیت کرے کہ گذشتہ پانچ سال میں اپنے حج فرض کو نہیں گیا تو نیت صحیح ہوسکتی ہے جب کہ اپنا حج فرض ادا نہیں کیا(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۹ھ۔

حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا

سوال[۵۰۶۴]: حج کے درخواست فارم میں اس بات کا بھی اقرار ہوتا ہے کہ پانچ سال کے اندر حج نہ کیا ہو، اگر کوئی شخص جاچکا ہے تو کیا یہ شخص دھوکا دینے والا کہلائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف على يمين صبر وهو فيها فاجر، يقتطع بها مال امرئ مسلم لقى الله يوم القيامة وهو عليه غضبان". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور: ۹۸۷/۲، قديمي)

(وكذا في جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء فيمن حلف على سلعته كاذباً: ۲۳۰/۱، سعيد)

(۲) "(قوله: ويورّى) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها ههنا اطمئنان القلب، و أن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (رد المحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد، و زوائده مضمونة بالتعدى: ۱۳۴/۶، سعيد)

"والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۲۴۱/۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کیا شبہ ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

حج عرضی میں یہ قید کہ ''میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا''

سوال [۵۰۶۴]: گذشتہ چند سالوں سے حکومت کے حج بیت اللہ کمیٹی کوٹہ مقرر کردینے کی وجہ سے مغل لائن لمیٹڈ نے حج کے فارم میں ایک دفعہ اس طرح بڑھادی ہے کہ ''اس سے قبل آپ نے کسی سال حج کیا تھا''؟ فارم بھرنے سے قبل زندگی میں جس نے ایک مرتبہ حج بھی کیا ہو (خواہ نفلی ہو یا حج فرض) اب اگر وہ خانہ پری کے وقت صحیح حقیقت کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے قبل فلاں سال حج کر چکا ہوں تو پھر مغل لائن والے ایسی عرضی کو ہر سال قرعہ ایسے اندر پہلے سال والی عرضیوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں، اب ہر سال ہر صوبہ سے اس کے مقرر کوٹہ سے زیادہ عرضیاں آتی ہیں جو ہر سال واپس کی جاتی ہیں۔

چنانچہ وہ عرضیاں جو کہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہیں ان کو قرعہ اندازی میں ستر فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا ہے (بشرطیکہ عرض میں مذکورہ بالا دفعہ اس طرح پر کی گئی ہو کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا ہے'') اور جس عرضی میں صحیح حقیقت لکھ دی گئی ہو ایسی عرضی کو اگر چہ وہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہو تب بھی پہلے سال والوں کو فہرست میں ڈال کر قرعہ اندازی میں بیس تیس فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا

---

(۱) ''من غش فلیس منا''. قال العلامة المناوی: ''من غش'': أی خان، والغش ستر حال الشیء ''فلیس منا'': أی من متابعینا''. (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۸۷۹): ۱۱/ ۵۹۲۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکة المکرمة، الریاض)

''(قوله: و نهینا عن غدر) عدل عن قول الهدایة و غیره، و ینبغی للمسلمین أن لا یغدروا؛ لأن المشهور عند المتأخرین استعمال ''ینبغی'' بمعنی: یندب، الخ''. (ردالمحتار، کتاب الجهاد، مطلب: لفظ: ینبغی یستعمل فی المندوب وغیره عند المتقدمین: ۴/ ۱۳۰، سعید)

''وأصل الخدع أظهار أمر وإضمار خلافه''. (فتح الباری، باب الحرب خدعة: ۶/ ۱۵۸، دارالمعرفة بیروت)

ہے جس کی بنا پر ان کی عرضی منظور ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا ہے۔

علاوہ ازیں اب تو یہ بھی سنا جارہا ہے کہ جو ایک مرتبہ حج کر چکا ہو اس کی عرضی کو قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اس صورت میں تو ہمیشہ کے لئے اس کی عرضی کی نامنظوری قطعی اور یقینی ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر اکثر لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ حج کر چکے ہیں وہ اپنے فارم میں یہی لکھ دیتے ہیں کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا''۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کے پیشِ نظر اگر یہ صورت اختیار نہیں کرتا تو اس کے لئے دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کی اور کوئی دوسری شکل نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس طرح عذر بیانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنی گاڑھی کمائی سے رقم بچا کر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے جانا ایک مسلمان کا خالص مذہبی معاملہ ہے، مگر حکومت نے زرِمبادلہ بچانے کے لئے کوٹہ سسٹم کر کے پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہی بات ہے کہ یہ کوٹہ سسٹم اور اس طرح کی پابندیاں تو شریعتِ اسلامیہ کے بالکل مخالف ہے، لہٰذا دوبارہ زیارتِ حرمین شریفین کی تمنا اور شوق میں صحیح حقیقت چھپا کر اس طرح خانہ پری کی شرعاً اجازت اور گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج عظیم عبادت ہے جس کے ذریعہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۱)۔ جھوٹ گناہ ہے، عبادت کے

---

(۱) ''قال: سمعت أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: قال: سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حج لله فلم يرفث ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه".

قال العلامة العينى: ''من حج أو اعتمر'' وفى رواية الترمذى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: ''تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفى الكير خبث الحديد والذهب والفضة، و ليس لحج المبرور ثواب دون الجنة'' .... قوله: ''رجع كيوم ولدته أمه'': أى رجع مشابهاً لنفسه فى البراء من الذنوب''. (عمدة القارى، باب فضل الحج المبرور: ۹/۱۳۵، ۱۳۶، إدارة الطباعة المنيرية)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۱، ۳۸۲، رشيديه)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته، باب: وهل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۱، ۱۲، حقانيه پشاور)

لئے گناہ کی اجازت نہیں (۱)، ویسے بھی خلافِ قانون چیز کا ارتکاب اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو قرینِ دانشمندی نہیں (۲)۔ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے اور ان کا روپیہ واپس نہیں ہوا، بلکہ معلوم ہونے پر جرم کی وجہ سے ضبط ہوگیا اور ان کا نام مستقلاً درج کرلیا گیا کہ یہ دروغ حلفی کے مجرم ہیں، سخت قوانین بننے کی وجہ بھی ہماری ہی اعمال وسیئات ہیں۔

اگر حج کو جانے والے واقعۃً حج وعبادت ہی کی نیت سے جائیں اور وہاں کے آداب کی رعایت رکھیں تو غالباً سخت گیری کی نوبت نہ آئے، مگر جب وہاں سے خلافِ قانون سامان چھپا کرلائیں اور رشوت کے باوجود مخبری ہوکر کسٹم پر پکڑے جاتے ہیں تو بڑی ذلت ہوتی ہے اور دوسرے حجاج بھی بدنام ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة، قدم رفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، و لذا قال عليه السلام: "إذا أمرتكم بشئ فأتوا منه مااستطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه". وروى في الكشف حديثاً: "لَترك ذرةٍ مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين". ومن ثَمّ جاز ترك الواجب دفعاً للمشقة، و لم يسامح في الإقدام على المنهيات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۳۰)، ص: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۳۳)، ص: ۸۱، الصدف پبليشرز كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾ .... و إنما أشار لهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دارالمعرفة، بيروت)

(كذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر: ۲/۲۹۸، قديمی)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، و في ط، عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبةٌ، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

جھوٹا اندراج کر کے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۶۵]: سائل نے ۱۹۴۰ء میں حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، امسال پھر حج کی خواہش ہے، ارادہ ہے کہ کلکتہ سے جہاں میرے ایک چچازاد بھائی بسلسلۂ تجارت مقیم ہیں، وہاں سے حج کی درخواست دوں، مگر ایک دشواری یہ ہے کہ درخواست کے فارم میں ایک سوال یہ چھپا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی حج کیا ہے"؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو درخواست منظور ہونے میں دشواری ہوتی ہے، بلکہ منظور ہونے کی امید ہی نہیں رہتی ہے، اگر نفی میں جواب دیں تو یہ جھوٹ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حج کا شرف حاصل کرنے کے لئے اتنا جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں معذور قرار دیا جاسکتا ہوں جب کہ جھوٹ کو جھوٹ اور غلط سمجھتا ہوں؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سوال مذہبی معاملات میں مداخلت ہے، لہذا اس سوال کے آگے (x) نشان اس نیت سے بنادے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دیتا، وہ سمجھیں گے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔

حاجی عبدالجلیل صاحب، مدن پورہ، ۱۴۸/۱۳۱، ہاؤس: D/۳۱/۱۴۸، بنارس یوپی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عمر بھر کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ پانچ سال کا سوال ہوتا ہے، آپ نے پانچ سال میں حج نہیں کیا ہے، پس آپ کا اس میں انکار لکھ دینا صحیح ہوگا، جھوٹ نہیں۔ نیز جب آپ کلکتہ سے جارہے ہیں تو وہاں سے آپ نے کبھی بھی حج نہیں کیا، یہ بات بھی صحیح ہے، جھوٹ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) "(قوله: و يورّى) التورية أن يظهر خلاف ماأضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (ردالمحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد و زوائده مضمونة بالتعدى: ۱۳۴/۶، سعيد) .... =

دروغ حلفی کر کے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۶۶]: حج کے لئے یہ پابندی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک وہ حج کے لئے نہیں جاسکتا، حکومت نے اس سلسلہ میں ایک حلف نامہ بھی جاری کیا ہے اگر ان پابندیوں کے باوجود کسی صورت میں ہم حج کے لئے چلے جائیں تو گناہ تو نہیں ہوگا اور حج ادا ہوگا کہ نہیں؟ حلف نامہ میں غلط بیانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد کلیم، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دروغ، زبانی ہو یا تحریری، بہرحال دروغ ہے اور دروغ حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح اور شنیع ہے(۱)، حجِ بدل کے لئے ایسے آدمی بھی بسہولت مل سکتے ہیں جن کے لئے حلفیہ دروغ بیانی کی ضرورت نہیں اور قانونی رکاوٹ بھی ان کے لئے نہیں ہوگی۔

= "والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۹/ ۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية، النية في اليمين: ۶/ ۵۹۲، حقانيه پشاور)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الصدق برٌّ، وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الكذب فجورٌ، وإن الفجور يهدي إلى النار". (الصحيح لمسلم، باب قبح الكذب و حسن الصدق و فضله: ۲/ ۳۲۵، قديمي)

"قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الكبائر أو سئل عن الكبائر، فقال: "الشرك بالله، وقتل النفس، و عقوق الوالدين". فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ قال: "قول الزور". (صحيح البخاري، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۲/ ۸۸۴، قديمي)

پھر قانون کی مخالفت تو اور بھی خطرناک ہے، جعل کھل جانے پر مال، عزت دونوں کا خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا قرینِ دانشمندی نہیں (۱)۔ تاہم حج فرض ادا ہو ہی جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أى يتبع و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولى الأمر، و فى ط عن الحموى: إن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الأحكام، باب: السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۲۳/۱۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى أحكام القرآن، للعلامه الجصاص رحمه الله تعالىٰ عليه، باب فى طاعة أولى الأمر: ۲۹۸/۲، قديمى)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بغیر محرم کے بڑھیا کو سفر حج کرنا

سوال[۵۰۶۷]: ۱......ایک ساٹھ سالہ بوڑھی عورت حج کو جانا چاہتی ہے، مگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، ایک بڑے میاں جو اس عورت کے محرم تو نہیں مگر ان کی عمر بھی ساٹھ سے زیادہ ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت ان بڑے میاں کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲...... مذکورہ بالا صورت میں اگر بڑے میاں عورت کو ساتھ لیجانے سے انکار کردیں مگر وہ عورت دورانِ سفر میں ان بڑے میاں کے قافلے کے ساتھ لگ جائے تو اب ایسی صورت میں بڑے میاں کو اس عورت کی خبر گیری کرنی چاہئے، یا اس کو کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر یا کسی محرم کے سفر نہیں کرنا چاہئے، بحر: ۲/۳۳۹(۱)۔

۲...... جب وہ ساتھ لگ ہی گئی ہے تو اس کی خبر گیری لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و يشترط في حج المرأة من سفر زوج، أو محرم بالغ ...... وأطلق المرأة، فشمل الشابة والعجوز، لإ طلاق النصوص". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۲، رشيديه)

"وسواء كانت المرأة شابةً أو عجوزاً ؛ أنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم، لأن ما روينا من الحديث لا يفصل بين الشابة والعجوز، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی) ...... =

بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا

سوال[۵۰۲۸]: مسماۃ ہندہ عمر ۵۵/ سالہ ہے، پردہ نشین بیوہ ہے، وارثوں میں صرف ایک لڑکا جو کہ ملازم ہے، لڑکے کی ایک لڑکی جو کہ غیر شادی شدہ ہے اس کے علاوہ دو بچے چھوٹے و بیوی بھی موجود ہے۔ اس صورت میں ہندہ غیر کفو کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز نہیں جب تک کوئی محرم ساتھ نہ ہو، حج کے لئے بھی سفر کرنا گناہ ہے، تاہم اگر حج کیا تو حج بھی ادا ہوجائے گا: "الرابع: المحرم، أو الزوج لامرأة بالغة، و لو عجوزاً، ومعها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين، اهـ". غنية المناسك: ١٠(١)- "أشار به إلى أن ما استفيد من المقام من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج أو محرم خاصٌّ بالحرة، اهـ". رد المحتار(٢)-

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

عورت کو بلا محرم سفر حج کرنا

سوال[۵۰۲۹]: زید اپنی والدہ کو حج میں بلانا چاہتا ہے جس میں زید کی والدہ کو صرف بمبئی سے جدہ تک بذریعۂ ہوائی جہاز بغیر محرم سفر کرنا ہوگا اور واپسی میں زید خود ساتھ رہے گا۔ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴٦۴، سعيد)

(١) (غنية الناسک، باب شرائط الحج، وأما شرائط وجوب الأداء خمسة على الأصح، ص: ٢٦، إدارة القرآن كراچی)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴٦۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ شرعی (۴۸ میل) کے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے عورت کو اجازت نہیں، خواہ کسی سواری سے ہو، ہے تو وہ سفرِ شرعی ہی، اس پر احکامِ شرعی مرتب ہوتے ہیں مثلاً نماز کا قصر کرنا وغیرہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا

سوال [۵۰۷۰]: میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ جن کی عمر پچاس برس کی ہے اور ان پر حج فرض ہو چکا ہے، فریضۂ حج ادا کرنے کی تڑپ رکھتی ہے، لیکن میں ایک خاص عذر کی وجہ سے مجبور ومعذور ہوں، ان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی محرم موجود ہے جو ان کے ساتھ سفرِ حج کر سکے۔ حسنِ اتفاق سے نواب بسالت جاہ حیدر آبادی مدظلہ العالی اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کی والدہ محترمہ حج کو جا رہے ہیں۔ آیا بصورتِ ہذا ان بزرگوں خواتین کے ساتھ میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ سفرِ حج کو جانا چاہتی ہیں؟ میں اس پر راضی ہوں۔ آیا بصورت ہذا از روئے شرع شریف اپنا فریضہ حج ادا کر سکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از مدرسہ حقانیہ بنگلور

الجواب حامداً ومصلیاً:

واضح ہو کہ سفرِ حج چونکہ مہتم بالشان اور مقدس سفر ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يخلون رجل بامرأة، و لا تسافر امرأة إلا و معها محرم". متفق عليه (٢)۔

---

(١) "والمراد سفر خاص، و هو الذى تتغير به الأحكام من قصر الصلاة، وإباحة الفطر، وامتداد مدة المسح إلى ثلاثة أيام، و سقوط وجوب الجمعة، والعيدين، والأضحية، وحرمة الخروج على الحرة من غير محرم، عن العناية". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ٢/ ١٢٠، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر: ١/ ١٣٨، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب المسافر: ٢/ ٢٢٦، رشيديه)

(٢) (مشكوة المصابيح، كتاب المناسک، الفصل الأول، ص: ٢٢١، قديمى) .... =

اور ہدایہ میں ہے: "و يعتبر في المرأة أن تكون لها محرمٌ تحج معه، أو زوج، و لا يجوز لها أن تحج بغيرهما، إذا كان بينها و بين مكة ثلاثة أيام" (۱)۔

اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے: "ولهذا قال أبو حنيفة وأحمد رحمهما الله تعالى. و قال مالك رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها جماعة النساء. وقال الشافعي رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها امرأة ثقة. و قال الشمني: مذهب مالك: إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة، لزمها الحج؛ لأنه سفر مفروض كالهجرة. و مذهب الشافعي: إذا وجدت سفرة ثقات، فعليها أن تحج معهن" (۲)۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عورت مطلق سفر یا سفرِ حج اس وقت کرسکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا کوئی محرم موجود ہو"۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر معتبر عورتیں یا ایک عورت ساتھ ہو اور امن ہو تو عورت بلا محرم بھی حج کرسکتی ہے۔

اب صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ صاحبہ اگر مضطرب ہیں اور مضطر ہیں اور شوہر کی اجازت ہے مگر وہ خود جا نہیں سکتا اور کوئی محرم بھی نہیں ہے تو ازروئے قرآن شریف حالتِ اضطراری میں جائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فمن اضطر غير باغ و لا عاد فلا إثم عليه﴾ (۳)۔ اس صورت میں فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کسی مسئلہ میں تنگی ہو اور امام مالک کے مذہب میں تنگی نہ ہو تو مذہبِ مالک پر عمل کرنے کی اجازت خود فقہ حنفی دیتا ہے، بلکہ اس پر فتویٰ حنفی دے سکتا ہے جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں مذہبِ حنفی کے خلاف مذہبِ مالکی پر فتویٰ حنفی علماء دیتے ہیں، دیکھو رد المحتار، باب الرجعة میں ہے:

= (والصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره: ۱/۴۳۴، قديمی)

(۱) (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۳۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (سورة البقرة: ۱۷۳)

"فالأولى الجمع بين مذهبين: مذهب أبي حنيفة و مذهب مالك رحمهما الله تعالىٰ؛ لأنه كالتلميذ لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، لذا مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله تعالى ضرورةً"(۱)۔

اورایک جگہ ہے:"وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك "(۲)۔

غرض تقلیدِ مالکیہ میں صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحب عالی جناب نواب بسالت جاہ مدظلہ کی والدہ محترمہ اوران کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ فریضۂ حج کی غرض سے سفر کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابوالکمال محمد حبیب اللہ باقوی ندوی حنفی قادری، مفتی دارالافتاء مدرسہ حقانیہ عربیہ بنگلور۔

(دار العلوم دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے پاس اگر اپنے حج کے لئے روپیہ کافی ہو اور شوہر یا کوئی محرم بھی جانے والا ہو تب تو اس کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوتا ہے ورنہ فرض نہیں ہوتا، بلکہ حجِ بدل کے لئے وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے جس کی تنفیذ ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوتی ہے، عورت بوڑھی ہو یا جوان اور قافلہ میں دوسری عورتیں ہوں یا نہ ہوں سب کا حکم یہی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

دوسرے بعض حضرات نے ہجرت واسارت پر قیاس کرتے ہوئے عورت کو دوسری قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کی اجازت دی ہے، مگر حنفیہ نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جس کی اجازت نہیں ہے اور قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے جو شرعاً حجت نہیں ہے۔ اضطرار کا یہاں کوئی محل ہی نہیں کہ حرام شئی کی حرمت مرتفع ہو جائے اس لئے کہ اضطرار جان کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے، یا ایمان کے تحفظ، یہاں حج کے لئے نہ جانے میں جان کا کوئی خطرہ نہیں، نہ ایمان میں کوئی نقص آتا ہے، کیونکہ محرم نہ ہونے کی وجہ سے جانا

---

(۱) (ردالمحتار، باب الرجعة، مطلب: مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالک رحمه الله تعالىٰ ضرورة: ۴۱۱/۳، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالک في زوجة المفقود: ۲۹۶/۴، سعید)

فرض نہیں، بخلافِ زوجۂ مفقود کے کہ وہاں نفقہ کا انتظام نہ ہونا اور در بدر بھیک مانگنا، نامحرموں کی ملازمت کرنا، عصمت کا محفوظ نہ رہنا، حرام کاری میں مبتلا ہونا، دین اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کرنا، یہ امور قبیحہ، شنیعہ ضرور ایسے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے سے ان سب کا سدِ باب ہوجاتا ہے۔

صورت مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کو سفرِ حج نہ کرنے سے کسی امر قبیح شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے، سب سے حفاظت ہے۔ ہاں! سفر کرنے سے حدیث پاک کی مخالفت ہے، اپنے امام کے مذہب کی مخالفت ہے اور سفر بھی سفرِ حج ہے جس کی بنیاد ہی گناہوں کو معاف کرانا ہے، گناہ معاف کرانے کے لئے مستقلاً گناہ کا راستہ اختیار کرنا ویسے بھی دانشمندی سے بعید تر ہے:

"(ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أي ونشرط محرم إلى آخره، كما في الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا و معها محرم". وزاد مسلم في رواية: "أو زوج". و روى البزار: "لاتحج امرأة إلا و معها محرم". فقال رجل: يا رسول الله! إني كتبت في غزوة وامرأتي حاجة؟ قال: "ارجع، فحج معها". فأفاد هذا كله أن النسوة الثقات لاتكفي قياساً على المهاجرة و المأسورة؛ لأنه قياس مع النص، و مع وجود الفارق، فإن الموجود في المهاجرة والمأسورة ليس سفراً؛ لأنها لا تقصد مكاناً معيناً، بل النجاة خوفاً من الفتنة، حتى لو وجدت مأمناً كعسكر المسلمين، وجب أن تقر، ولأنه يخاف عليها الفتنة، و تزاد بانضمام غيرها إليها، ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية، وإن كان معها غيرها من النساء......... وأطلق المرأة، فتشمل الشابة والعجوز، لإطلاق النصوص".

كذا في البحر الرائق: ۲/۳۱٤، ۳۱٥(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

رضاعی بھائی کے ساتھ حج

سوال[۵۰۷۱]: رسولن اور خلیل دودھ شریک بھائی بہن ہیں اور رشتہ میں بھی چچازاد بھائی بہن ہیں، رسولن کا کوئی محرم نہیں کہ جس کے ساتھ وہ حج کو جائے۔ کیا وہ خلیل کے ہمراہ حج کو جاسکتی ہے؟

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۵۱، ۵۵۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاسکتی ہے، در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا

سوال [۵۰۷۲]: میری ہمشیرہ میرے خسر اور ساس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ان کا کوئی محرم نہیں ہے، کیا یہ ہمشیرہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ ان کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خسر آپ کی ہمشیرہ کا محرم نہیں، ان کے ساتھ سفر حج کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "(و) مع (زوج أو محرم) ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع". (الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

"قوله: (ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أى و بشرط محرم إلى آخره، لما في الصحيحين: "لا تسافرا المرأة، إلا و معها محرم .... والمحرم مَن لايجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو مصاهرة ". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۱، رشيديه)

(بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "(ومع زوج أو محرم) و هو مَن لا يحل له نكاحها على التأبيد للمرأة، و لو عجوزةً، إن كان بينها وبين مكة مسافة سفر، وإلا فلا يحتاج، و لا تحج بلا أحدهما فإن حجت، جاز مع الكراهة". (الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/۲۶۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"إنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم .... ثم صفة المحرم: أن يكون ممن لا يجوز نكاحها على التأبيد، إما بالقرابة أو الرضاع أو الصهرية، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دارالكتب العلميه بيروت) .... =

بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۰۷۳]: زید کی عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف امسال حج کو جانے پر بضد ہے اور اس کے حقیقی برادر بھی حج کو جارہے ہیں، زید اپنے خانگی حالات کی وجہ سے اس سال اجازت دینے سے روکتا ہے، یعنی زید کی بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادانہیں کرتی ہے۔ زید کی بہن نے بھی اپنے حج کی درخواست دے رکھی ہے اگر خدا کو منظور ہوتو زید کا مکان تنہا رہ جائے گا اور اس کے مکان پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی قابلِ اطمینان آدمی نہیں ہے۔ تو زید کی بیوی اپنے برادر کے ساتھ زید کی بلا اجازت حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

اور زید کی بیوی اپنے حقوق کا اور خداوندی حقوق یعنی صوم وصلوۃ میں پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتی ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور کے پانچویں حصہ میں صفحہ:۶۳ تا ۷۰ میں تحریر فرمایا ہے اور دیگر حوالہ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ کے صفحہ:۶۷/ میں نامحرم بہنوئی ونندوئی وغیرہ وغسل آنے پر ہفتہ تا چالیس یوم تک بغل وغیرہ کے بال دور کرنا، بدن کو صاف ستھرا کرنا، سخت تحریر فرمایا ہے۔ جب اس عورت کو دو دو، تین تین ماہ ہوجاتے ہیں بغیر کسی مجبوری کے تو اس عورت پر کیسا گناہ ہوا، صغیرہ یا کبیرہ؟ اب اس کو حج کے لئے اس صورت میں اجازت دی جائے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں اس کے ساتھ اس کے بھائی وغیرہ جو اس کے ساتھ حج کو جائیں گے تو ان کا یہ حج ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس عورت کی ملک میں اتنا روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہوجائے اور ساتھ جانے والا محرم بھی موجود ہے تو اس کو ضرور اجازت دیدی جائے، شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس حالت میں وہ حج سے اس کو روکے(۱)۔ وہ

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۴۶۴/۲، سعيد)

(۱) "ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا، وعندالشافعي: ليس لها أن تخرج بغير إذن زوجها .... و لنا أنها إذا وجدت محرماً، فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلاً؛ لأنها قدرت على الركوب والنزول، و أمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها". =

اگر ناپاکی سے پاک نہیں ہوئی، خدا اور شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے(۱) اور اس کی فہمائش کی جائے اور وعید سنائی جائے اور بتایا جائے کہ خدا کے گھر جانے کے لئے پاکی کا اہتمام کرے، نماز وغیرہ کی پابند ہوجاوے، شوہر کی نافرمانی چھوڑ دے۔ امید ہے کہ وہ سفرِ حج کی برکت سے اس کی مزید اصلاح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۵۵/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"وإذا وجدت محرماً، و لا يأذن لها زوجها أن تخرج، فلها أن تخرج بغير إذنه في حجة الإسلام دون التطوع". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۲۶۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويستحب حلق عانته و تنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشر، و كره تركه و راء الأربعين". (الدرالمختار).

"(قوله: و كره تركه): أي تحريماً، لقول المجتبى: "و لا عذر فيما وراء الأربعين، و يستحق الوعيد". (رد المحتار، فصل في البيع: ۴۰۶/۶، ۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار: ۳۵۷/۵، ۳۵۸، رشيديه)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

وقوفِ مزدلفہ

سوال[۵۰۷۴]: ا......اگر ہجوم کی وجہ سے عورتیں اور ضعیف مرد- جسے ہجوم کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ہو- مزدلفہ کا قیام نہ کریں تو دم واجب نہیں ہوگا، مگر یہ بھی مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفہ میں ملاکر عشاء کے وقت پر پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہوں تو نہیں ہے۔ کیا بالکل ہی مزدلفہ نہ جائیں؟ اور جہاں مغرب کا وقت ہو مغرب کی نماز پڑھیں اور عشاء کے وقت عشاء کی نماز پڑھیں تو کیا یہ بلاکراہت جائز ہے؟

ایضاً

سوال[۵۰۷۵]: ۲......اگر تندرست مرد عورتوں اور بوڑھے مَردوں کیساتھ کسی وجہ سے مزدلفہ نہ ٹھہریں تو اس کو دم دینا ہوگا، ایسی صورت میں عورتیں اور بوڑھے مرد کس طرح تنہا عرفات سے منیٰ اپنے خیمہ میں جاسکتے ہیں؟ اگر دوسرے تندرست آدمی بھی ان معذوروں کو لیکر عرفات سے منی جاکر ان کو وہاں چھوڑ کر واپس آنا چاہیں تو آج کل بہت ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ میں آنا اور قیام کرنا مشکل ہو جائے گا اور دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔ بہتیری عورتیں تنہا منیٰ میں رہیں گی، آج کل فتنہ کے زمانہ میں ان کی عزت و آبرو کا ڈر ہے، بعض عورتیں تنہائی میں گھبراتی ہیں اور عورتوں اور بوڑھے مَردوں کو جس طرح بھی ہو مزدلفہ کا قیام کرانا چاہئے۔ اور اگر ان کو منی میں پہنچانا ضروری ہو تو پھر ساتھی تندرست مرد اور عورت بھی مزدلفہ کا قیام بوجۂ مجبوری ترک کردیں۔

کیا یہ ترکِ قیامِ مزدلفہ مجبوری میں جائز ہوگا؟ ورنہ معذور اور غیر معذور سب ایک ہی جگہ مزدلفہ میں رہیں اور صبح صادق میں قیام کر کے مزدلفہ سے روانہ ہو جائیں۔

منیٰ سے روانگی

سوال[۵۰۷۶] : ۳......اس کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے بوڑھے ضعیف مردوں اورعورتوں کے لئے ،لہذا دس ذی الحجہ کوضعیف مرداورعورت رات میں -جبکہ ہجوم کم ہوجاتا ہے- قیام کریں صبح صادق سے پہلے پہلے تک ،اس طرح گیارہ، ذی الحجہ کو قیام مغرب کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کوتقریباً سب ہی حجاج کرام منی سے واپس ہوجاتے ہیں، اگر مستورات کا ساتھ ہوتو مناسب بھی یہی ہے کہ بارہ ذی الحجہ میں منیٰ کو واپس جائے۔

اکثر معلمین خیمے بناتے ہیں، دوردور کہیں ایک خیمہ نظر آتا ہے جو تیرہ ذی الحجہ کو قیام کرنے والوں کے لئے رہ جاتا ہے۔بارہ ذی الحجہ کواول اپنے خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مستورات کو لے کر جائیں اس وقت ہجوم کم ہوجاتا ہے اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ چھوڑ دیتے ہیں ورنہ صبح صادق سے پہلے تک منیٰ چھوڑنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر مستورات یا ضعیف مردوں کی وجہ سے آفتاب غروب ہوجائے تو ایسی صورت میں مکروہ وقت خیال نہ کریں اس سے فارغ ہوتے ہی روانہ ہوجائیں ۔کیا یہ مناسب اور درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذراسی دیر بھی وقوف کرلیا خواہ سوتے یا جاگتے بلکہ وہاں سے گزرنے سے بھی وقوف ہوکر واجب ادا ہوجائے گا(۱)، صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا اور ترکِ واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔اگر رات کو مزدلفہ نہیں پہنچ سکا حتی کہ صبح صادق ہوگئی اس وقت ہی پہنچا تو اس پر دم لازم ہے(۲)۔

---

(۱) "وأما ركنه: فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، بأن كان محمولاً وهو نائم أو مغمى عليه، أو كان على دابة لحصوله كائناً بها". (بدائع الصنائع، فصل في الوقوف بمزدلفة: ۸۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما ركنه فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو فعل غيره، بأن كان محمولاً بأمره أو بغير أمره، وهو نائم أو مغمى عليه أو مجنون أو سكران، إن نواه أو لم ينو، علم بها أو لم يعلم" (ردالمحتار، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۵۱۱/۲، سعيد)

(۲) "و هذا الوقوف من الواجبات عندنا و ليس بركن، حتى لو تركه أصلاً يلزمه الدم، و لكن يجزيه=

سورج نکلنے میں جب دو رکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے اس وقت تک ٹھہرنا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن ضعیف مرد اور عورت اگر صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے تو ان کے لئے اجازت ہے، بلکہ جو زیادہ ضعیف ہو اور برداشت نہ کر سکیں وہ اگر اندھیرے ہی میں صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہو جائیں تو ان پر عذر کی وجہ سے دم لازم نہیں آئے گا (۱)۔ اگر وقوفِ مزدلفہ نہ کرنا ہو تو نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے جمع نہ کی جائے (۲)۔

۲... بہتر یہی ہے کہ سب مزدلفہ میں قیام کریں، ضعیفوں کی وجہ سے زیادہ نصرت ہوگی: "هل تنصرون إلا بضعفائكم" (۳)۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو ان ضعیفوں کی نگرانی وحفاظت کی خاطر جو تندرست

= الحج .... فقال: إذا أسفر النهار بحيث لم يبق إلىٰ طلوع الشمس إلا مقدار ما يصلي ركعتين يذهب. و في الخلاصة: و من لم يكن هذه الليلة بالمزدلفة، عليه دم إن لم يأتها قبل طلوع الشمس جبراً للنقصان". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحج، الوقوف بمزدلفة، والذهاب إلىٰ منى: ۲/۴۵۹، ۴۶۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"فمن دفع من جمع قبل نصف الليل و لم يعد في الليل، فعليه دم .... والمستحب الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المبيت إلى أن يصبح، ثم يقف حتى يسفر". (أوجز المسالك، الوقوف بعرفة والمزدلفة: ۳/۵۷۲، المكتبة اليحيوية سهارنفور يو بي، هند)

(۱) "قال الحنفية: إن فات الوقوف، فإن كان لعذر فلا شيء عليه؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قدم ضعفة أهله، و لم يأمرهم بالكفارة، وإن كان فواته لغير عذرٍ فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر، وأنه يوجب الكفارة". (الفقه الإسلامي و أدلته، حكم فوات الوقوف بالمزدلفة عن وقته: ۳/۸۹ ا، المكتبة الحقانية بشاور)

(۲) "والحاصل أن من عزم علىٰ عدم المرور بالمزدلفة تلك الليلة، فعليه أن يصلي كل صلاة في وقتها لعدم استكمال شروط الجمع، اهـ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، فصل في الجمع بين الصلاتين بها، يستحب التعجيل في هذا الجمع، ص: ۱۴۵، مصطفى محمد صاحب المكة)

(۳) "عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم". (الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب: ۱/۴۰۵، قديمي)

اس وقوف سے پہلے (رات ہی میں) چلا جائے تو وہ دم دیدے(۱)۔

۳......ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن دم واجب نہیں ہوگا اور مستورات وضعفاء کی رعایت سے کراہت میں بھی تخفیف ہو جائے گی (۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۳۳۹، رقم الحاشیہ: ۲)

"و قالت الأحناف: الواجب هو الحضور بالمزدلفة قبل فجر يوم النحر، فلو ترك الحضور لزمه دم، إلا إذا كان له عذر، فإنه لا يجب عليه الحضور، و لا شئ عليه حينئذ". (فقه السنة، المبيت بالمزدلفة والوقوف بها: ۱/ ۷۲۵، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الوقوف بمزدلفة و لزوم الدم بفواته بلا عذر الخ: ۱۰/ ۱۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(۲) "يرجع من منىٰ إلىٰ مكة قبل غروب الشمس من اليوم الثانى عشر بعد الرمى عند الأئمة الثلاثة، وعند الأحناف: يرجع إلىٰ مكة مالم يطلع الفجر من اليوم الثالث عشر من ذى الحجة، لكن يكره النفر بعد الغروب لمخالفة السنة، و لا شئ عليه". (فقه السنة، متى يرجع من منى: ۱/ ۷۳۶، دارالكتاب العربى بيروت)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما كان يصلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح بمنى، ثم يغدو إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة".

"ثم يغدو إذا طلعت الشمس من منىً إلى عرفة" قال الباجي: و هو السنة. و قدروى ابن المواز عن مالك: يغدو الإمام والناس إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة إلا من كان ضعيفاً .... وقال محمد بعد أثر الباب: هكذا السنة، فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء الله تعالىٰ، و هو قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ" (أوجز المسالك، باب الصلوٰة بمنى يوم التروية والجمعة بمنى و عرفة: ۳/ ۲۲۰، ۲۲۱، المكتبة اليحيويه سهارنفور)

(وكذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، فصل: فإذا دخل مكة: ۱/ ۲۸۲، دار إحياء التراث العربى بيروت لبنان)

متمتع اور قارن پر کیا دودم ہیں؟

سوال[۵۰۷۷]: قارن ومتمتع کو ایک ہی قربانی واجب ہے یا دو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک قربانی تو دمِ قران، یا دمِ تمتع واجب ہے(۱)، پھر اگر وہاں پہونچ کر مقیم ہوجائے اور صاحبِ نصاب ہوتو ایک قربانی صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "دم القارن شاة أو بدنة، أو سبع بدنة، و هودم شكر لتوفيق الجمع بين العبادتين". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع في القارن: ۲/۵۲۶، إدارة القرآن كراچی)

"و يجب الدم على المتمتع شكراً لما أنعم الله تعالىٰ عليه بتيسير الجمع بين العبادتين، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشيديه)

"وعلى المتمتع دم إذا وجد ذلك ...... أدناه شاة وإنه دم شكر، الخ". (التاتارخانية، الفصل العاشر في المتمتع: ۲/۵۳۱، إدارة القرآن كراچی)

"اتفق العلماء على أن المتمتع والقارن يلزمهما إذا أحرما بالحج الهدى ... ودم القران والتمتع شكراً، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب دم التمتع والقران: ۳/۲۲۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملاعلى القاري، المعروف بالمنسك المتوسط، فصل في هدى القارن والمتمتع: ۲۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأما الأضحية فإن كان مسافراً، فلايجب عليه، و إلا كالمكي، فتجب كما في البحر". (ردالمحتار، مطلب في رمي الجمرة العقبة: ۲/۵۱۵، سعيد)

"(وإنما تجب) التضحية دون الأضحية ...... (على حر) ...... (مسلم) ...... (مقيم)، فلا تجب على المسافر ...... موسر؛ لأن العبادة لاتجب إلا على القادر، و هوالغني دون الفقير، ومقداره ماتجب فيه صدقة الفطر". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/۵۱۶ دار إحياء التراث العربي بيروت)

احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈانا

سوال[۵۰۷۸]: ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد ارکانِ حج میں دس ذی الحجہ کے بعد اور متمتع اور قارن کو قربانی کرنے کے بعد مرد کو سارے سر کے بال استرے سے منڈوانا چاہئے، یا سارے سر کے بال انگلی کے ایک پور کے برابر کٹوانا ہوں گے؟ اگر سر کے بال انگلی کے ایک پور یعنی انملہ کے برابر بڑے نہیں تو سارے سر کے بال کو کم از کم چوتھائی سر کے بالوں کو استرے سے منڈوانا پڑے گا تاکہ احرام اتر جائے اور ممنوعاتِ احرام حلال ہو جائیں، مگر آج کل لاکھوں کی تعداد حج میں ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ سر کے بال کے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، لہٰذا نہ تو ان کا احرام اترتا ہے اور نہ بیوی کے لئے حلال ہوتے ہیں جس کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، کثرت سے مرد اس میں مبتلا ہیں۔ تو کیا کسی امام کے نزدیک اس طرح سر کے چند بال کاٹنے سے مرد کا احرام اتر جاتا ہے اور بوجہ مجبوری حنفیہ بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ ورنہ یہ کوتاہی عام ہے اور کوئی مانتا نہیں، لہٰذا اکثریت کا گناہِ عظیم سے بچانے کے لئے کوئی گنجائش ہو سکتی ہو تو ان کے لئے بتلا دیا جائے تاکہ وہ بال منڈوانے کو غیر ضروری نہ سمجھیں بلکہ اس گنجائش پر عمل کریں اور حلال ہو جائیں، یہ رواج ہو گیا کہ چند بال کٹواتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رواج غلط ہے اور خلافِ شرع ہے، اس چیز کے اختیار کرنے پر عوام کو کس نے مجبور کیا، خاص کر جبکہ فقہاء نے اس سلسلہ میں بہت وسعت دی، مثلاً: چوتھائی سر کے بال منڈوانا، یا کتروانا بھی کافی ہے، ایک انگل سے کچھ زیادہ بال کٹادینا بھی کافی ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جڑ ہی سے کاٹا جائے یعنی احرام سے ان صورتوں میں بھی حلال ہو جائے گا اگرچہ صرف چوتھائی سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔ اگر کسی دوا، صابون وغیرہ سے سر کے بال کو ختم کر دے تب بھی کافی ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہیں تو صرف استرہ پھیر لینا بھی کافی ہوگا، اگر سر پر زخم ہو تو استرہ بھی نہ پھر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے (حلق وقصر)(۱)۔

---

(۱) "(قوله: و حلقه أفضل): أى هو مسنون، و هذا فى حق الرجل، و يكره للمرأة؛ لأنه مثلة فى حقها كحلق الرجل لحيته. و أشار إلى أنه لو اقتصر علىٰ حلق الربع جاز كمافى التقصير، لكن مع الكراهة لتركه السنة، فإن السنة حلق جميع الرأس أو تقصير جميعه، كما فى شرح اللباب و القهستانى. قال فى النهر: و إطلاقه- أى إطلاق قول الكنز: (والحلق أحب) يفيد أن حلق النصف أولىٰ من التقصير، ولم أره اهـ. =

ان سب کے باوجود اگر عوام غلط راستہ بلا کسی مجبوری کے اختیار کرلیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں ان کی وجہ سے حکمِ شرعی کو نہ بدلا جائے گا، مثلاً: داڑھی منڈانے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، سود لینے، سود دینے کا عام رواج ہوجائے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ وعیدات وترغیبات کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی ورنہ شریعت عوام کے لئے کھلونا بن جائے گی۔ (العیاذ باللہ)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے

سوال[۵۰۷۹]: قصر میں پورے سر کے بال چھوٹے کرانے ضروری ہیں یا ربعِ رأس کا قصر کافی ہے، اگر کسی کے سر پر پٹھے ہوں تو وہ بال کتنے چھوٹے کرائے، جو شرعی قصر کا مصداق بن سکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ربعِ رأس بھی کافی ہے، ایک انگلی بال کٹانے سے قصر معتبر ہوجائے گا، حلق افضل ہے: "ثم یحلق أو یقصر، والحلق أفضل، و یکفی فیه الربع. والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". مراقی الفلاح، ص: ٤٤٣ (١)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

= قلت: إن أراد أنه أولىٰ من تقصير الكل، فهو ممنوع لما علمت، أو من تقصير النصف أو الربع فهو ممكن" (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرة العقبة: ۲/ ۵۱۲، سعيد)

"ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل، و يكفي فيه ربع الرأس، والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۲، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب في الحلق: ۳/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الحج، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۲، قديمي)

"ثم يحلق، و هو أفضل من تقصير، أو يقصر بأن يأخذ من شعره قدر الأنملة وجوباً، وتقصير =

عورتیں حلال ہونے کے لئے کتنے بال کہاں کے کاٹیں؟

سوال[۵۰۸۰]: حج کے بعد قربانی کے وقت مرد سر منڈاتے ہیں اور عورتیں اپنی انگلی کے پھیر کے اتنے بال تراشتی ہیں تو جب عمرہ کرتے ہیں تو حج کے بعد جتنے بال کاٹتے ہیں اتنے بال عمرہ کے بعد بھی کاٹنا چاہئے یا اس سے بھی کم بال کاٹ سکتے ہیں؟ اور یہ کہ نیچے کے بال کاٹے جائیں یا پیشانی کے بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک انگلی کے برابر یعنی ایک انگلی کی تہائی کی مقدار تمام سر کے بال کاٹ دیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الكل مندوب، والربع واجب". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/۲۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب في الحلق: ۳/۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "و لا حلق على المرأة، لما روى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ليس على النساء حلق، وإنما عليهن تقصير". و روت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، أنه نهى المرأة أن تحلق رأسها". و لأن الحلق في النساء مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، و لكنها تقصر، فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة، لما روى عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أنه سئل فقيل له: كم تقصر المرأة؟ فقال: "مثل هذه". وأشار إلى أنملته". (بدائع الصنائع، فصل في أحكام الحلق والتقصير: ۳/۱۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما المرأة، فلا حلق عليها، و لكنها تقصر بأخذ شيء من أطراف الشعر مقدار أنملة، والأفضل لها أن تقصر من كل شعرة مقدار أنملة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك الحلق والتقصير: ۲/۵۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الحلق أو التقصير في الحج والعمرة: ۱۵/۱۷۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا

سوال[۵۰۸۱]: محرم اپنا احرام کھولنے کے وقت حلق یا قصر خود کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام سے باہر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سر کا حلق یا قصر کسی غیر محرم کے پاس کرائے۔

محمد یونس افریقی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلق یا قصر خود بھی کر سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۳۰ھ۔

وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط

سوال[۵۰۸۲]: "اشتراط الإحلال بغير ذبح عند الإحرام وقت الإحصار"۔ مفتی بہ قول کے مطابق صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟ بصورتِ مذکورہ احصارِ شرعی پیش آگیا تو ہدی ذبح کئے بغیر احرام سے حلال ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط کارآمد نہیں، بغیر ہدی ذبح کئے حلال نہیں ہوگا:

"مالم يذبح لا يحل، و هو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح

---

(۱) "(و إذا حلق): أى المحرم (رأسه) أى رأس نفسه (أو رأس غيره): أى و لو كان محرماً (عند جواز التحلل) أى الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك (لم يلزمه شيء) -الأولى: لم يلزمهما شيء- وهذا حكم يعم كل محرم في كل وقت". (مناسک الملا على القارى، فصل فى الحلق والتقصير، ص: ۲۳۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

" و إذا حلق: أى المحرم رأسه أو رأس غيره و لو كان محرماً عند جواز التحلل: أى الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك، لم يلزمه شيء". (إرشاد السارى إلى مناسک الملا على القارى، فصل فى واجباته، ص: ۵۰، مطبعة مصطفى محمد مصر)

عند الإحصار أو لم يشترط، و يجب أن يواعد يوماً معلوماً يذبح عنه، فيحل بعد الذبح و لا يحل قبله، اهـ". فتاویٰ عالمگیریة(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟

سوال[۵۰۸۳]: حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کر کے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کر کے جانا ضروری ہے یا بغیر طواف کے بھی جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طواف فرض یا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الإحصار: ۱/۲۵۵، رشیدیه)

"و ما لم يذبح لا يحل، و هذا قول عامة العلماء، سواء كان شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح عند الإحصار او لم يشترط .... و يجب أن يواعدهم يوماً معلوماً يذبح فيه، فيحل بعد الذبح، ولايحل قبله". (بدائع الصنائع، فصل في حكم الإحصار: ۳/۱۹۱-۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في اللباب في شرح الكتاب، باب الإحصار: ۱/۱۹۱، قديمی)

(۲) "وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن المتمتع إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله، فإن شاء طاف وسعى قبل أن يأتي إلى منى وهو أفضل. وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعى، لابأس به، ووجه ذلك أن هذا الطواف ليس بواجب، بل هو سنة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج والترتيب، اهـ: ۲/۱۲۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب المتمتع: ۲/۵۳۸، سعيد)

"(السابع: طواف التطوع): أي النافلة، و إلا فطواف التحية أيضاً تطوع، و هو لا يختص بوقت: أي بزمان دون زمان لجوازه في أوقات كراهة الصلاة عندنا أيضاً، الخ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب: أنواع الأطوفة، ص: ۹۷، مكتبه مصطفى محمد مصر)

دوگانہ طواف اوقات مکروہہ میں

سوال[۵۰۸۴]: طواف کے بعد دورکعت کا پڑھنا کیا ہروقت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن اوقات میں نمازِ فرض کا پڑھنا منع اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے: سورج نکلتے وقت، جس وقت سورج سر پر ہو، سورج ڈوبتے وقت، صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے، مغرب کی نماز سے پہلے، خطبہ کے وقت، جماعت شروع ہوجانے کے بعد، ان اوقات میں ان دورکعت کا پڑھنا بھی منع ہے، بحر: ۱/۲۶۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دوگانہ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا

سوال[۵۰۸۵]: اگر طواف کے بعد دورکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے تب یاد آئے تو کیا کرے؟ آیا اس دوسرے طواف کو چھوڑ کر دورکعت پڑھے یا دوسرا طواف بھی پورا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو اس کو چھوڑ کر دورکعت پڑھ لے۔اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے تو یہ طواف پورا کرلے، اس کے بعد دورکعت پہلے طواف کے لئے پڑھے اور

---

(۱) "و يدخل في الواجب ركعتا الطواف، فلا تصح في هذه الأوقات الثلاثة، اعتبرت واجبةً في حق هذا الحكم و نفلاً في كراهتها بعد صلاة الفجر والعصر احتياطاً فيهما". (البحر الرائق: ۱/۴۳۴، كتاب الصلاة، رشيديه)

(وأيضا البحر الرائق: ۲/۵۸۵، باب الإحرام، رشيديه)

"ثم صلى شفعاً في وقت مباح". (الدر المختار). "لما مر في أوقات الصلاة من أن الواجب و لو لغيره كركعتي الطواف والنذر، لا تنعقد في ثلاثة من الأوقات المنهية: أعني الطلوع والاستواء والغروب". (ردالمحتار: ۲/۴۹۹، مطلب في طواف القدوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۲۶، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، رشيديه)

دورکعت دوسرے طواف کے لئے ،منحہ: ۲/۲۵٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طوافِ زیارت بحالتِ احرام

سوال[۵۰۸٦]: دسویں ذی الحجہ کورمی اور قربانی کے بعد اگر دیر ہونے کے سبب حجامت نہ بنوائے یا حجام نہ ملے تو ایسی صورت میں طوافِ زیارت کو جاسکتا ہے، احرام کے ساتھ یا بلا احرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس نے حجامت نہیں بنوائی، یعنی نہ حلق کیا نہ قصر تو وہ احرام سے حلال نہیں ہوا، بحالتِ احرام ہی طوافِ زیارت کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نفل طواف کے بعد استلام

سوال[۵۰۸۷]: کیا حجرِ اسود کا استلام دورکعت طواف کے بعد بھی کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طواف کے بعد سعی ہے اس کی دورکعت کے بعد استلام کے لئے جاتے وقت حجرِ اسود کا استلام کیا

---

(۱) "فروع: طاف ونسي ركعتي الطواف، فلم يتذكر إلا بعد شروعه في طواف آخر، فإن كان قبل تمام شوط، رفضه. وبعد إتمامه، لابل يتم طوافه الذي شرع فيه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۵۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۵۸۱/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ۴۹۹/۲، سعيد)

(۲) "ولو لم يحلق حتى طاف بالبيت، لم يحل له شيء حتى يحلق، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۲۳۲/۱، رشيديه)

"لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۵۵/۲، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، باب شرائط طواف زيارة: ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

جائے گا اور جس کے بعد سعی نہیں اس کی دو رکعت کے بعد استلام بھی نہیں، منحہ: ۲/۲۵۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

متعدد طوافوں کے بعد نفل

سوال[۵۰۸۸]: اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لئے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت کا پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر بعد میں ہر طواف کے لئے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں، منحہ: ۲/۳۵۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "قال فی شرح اللباب: والأصل أن کل طواف بعده سعی، فإنه یعود إلی استلام بعد الصلوة، ومالا فلا، علی ماقاله قاضی خان فی شرحه: إن هذا الاستلام لإفتتاح السعی بین الصفا والمروة، فإن لم یرد السعی بعده، لم یعد علیه". (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فی السعی بین الصفا والمروة: ۲/۵۰۰، سعید)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الإحرام، ص: ۲۷۶، ۲۷۷، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) "قال فی السراج: و یکره الجمع بین أسبوعین أو أکثر من غیر صلوة بینهما عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ، سواء انصرف عن وتر او شفع . و قال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ: لا یکره إذا انصرف عن وتر نحو أن ینصرف عن ثلاثة أسابیع أو خمسة أو سبعة".

"قوله: (و لم أر، الخ) قال فی اللباب فی فصل مکروهات الطواف: والجمع بین اسبوعین أو أکثر من غیر صلاة بینهما إلا فی وقت کراهة الصلاة، و هو مؤید لما قاله المؤلف أیضاً، تأمل". (منحة الخالق علی البحر الرائق: ۲/۵۸۱، کتاب الحج، باب الإحرام، رشیدیه) ....=

ایامِ معلومات کی تشریح

سوال[۵۰۸۹]: "و قد روی ابن أبی شیبة من وجه اخر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: أن المعلومات یوم النحر وثلثة أیام بعده. ورجح الطحاوی هذا، لقوله تعالیٰ: ﴿ ویذکروا اسم اللہ فی أیام معلومات علی ما رزقهم ﴾الخ". فتح الباری: ۲/۲۲۶۔ ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے، پوری سند تحریر فرمادیں۔

امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ملتا، امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے، یہ بیان امام طحاوی کا کونسی کتاب میں ہے؟ اس کتاب کا نام وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں مصنف ابن ابی شیبہ کا مکمل نسخہ موجود نہیں، نہ مطبوعہ، نہ قلمی، جس قدر ہے اس میں یہ روایت موجود نہیں (۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ کی کونسی کتاب سے یہ روایت لی، معلوم نہیں ہوسکا، تلاش سے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

اغلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو خلط ہوا، وہ اس طرح کہ "أیام معلومات" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

= "و یکره له الجمع بین الأسبوعین بغیر صلاة بینهما فی قول أبی حنیفة و محمد رحمهما اللہ تعالیٰ، سواء انصرف عن شفع أو وتر، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۲۷، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۴۴۹، کتاب المناسک، تعلیم أعمال الحج، السعی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(۱) قد تتبعت فلم أجده فی مصنف ابن أبی شیبة.

لکن رواه العلامة ابن حزم فی محلاه فقال: "روینا من طریق محمد بن المثنی، ناعبید اللہ بن موسیٰ، نا ابن أبی لیلی عن الحکم ابن عتیبة عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: "الأیام المعلومات یوم النحر، وثلاثة أیام بعده". (المحلی بالآثار، کتاب الأضاحی، مسألة: ۹۸۲، اختلاف العلماء فی تحدید وقت الأضحیة ونهایة: ۶/۴۱، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الأضاحی: ۱۷/۲۳۸، إدارة القرآن کراچی)

ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر و ثلثة أیام بعده" اس سے ذہن اس طرف چلا گیا کہ یہی ایامِ ذبح بھی ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے أحکام القرآن: ۲۸۷/۳ میں لکھا ہے:

"فروی عن عليّ وابن عمر رضی الله عنهم: أن المعلومات یوم النحر و یومان بعده، واذبحْ فی أیها شئت. قال ابن عمر رضی الله عنهما: المعلومات أیام النحر، والمعدودات أیام التشریق. وذکر الطحاوی عن شیخه أحمد ابن أبی عمران عن بشر بن ولید الکندی القاضی قال: کتب أبوالعباس الطوسی إلی أبی یوسف یسئله عن أیام المعلومات، فأملی علی أبی یوسف جواب کتابه: اختلف أصحاب رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فیها، فروی عن علی و ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم أنها أیام النحر، وإلی ذلك أذهب؛ لأنه قال: ﴿علی ما رزقهم من بهیمة الأنعام﴾ وذلك فی أیام النحر۔

وعن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما والحسن وإبراهیم رحمهما الله تعالیٰ أن المعلومات أیام العشر، والمعدودات أیام التشریق. وروی معمر عن قتادة مثل ذلك. و روی ابن أبی یعلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿واذکروا الله فی أیام معلومات﴾ یوم النحر وثلثة أیام بعده. وذکر أبو الحسن الکرخی أن أحمد القاری روی عن محمد عن أبی حنیفة أن المعلومات العشر. وعن محمد أنها أیام النحر الثلثة: یوم الأضحی و یومان بعده، اهـ"(۱)۔

علاوہ ازیں اور بھی بعض امور ایسے ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ تصانیفِ طحاوی میں موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس موجود ہے، غالباً کسی دوسرے نے لکھا ہے، اس کے اتباع میں حافظ نے بلا تحقیق کے نقل کر دیا ہے۔

ایامِ ذبح کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر ثلثة أیام بعده" اس کے استدلال میں جبیر بن مطعم کی روایت پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:"إن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال: "کل فجاج منیٰ منحر، فی کل أیام التشریق ذبح"۔

---

(۱) (أحکام القرآن، للجصاص، باب الأیام المعلومات: ۳۴۵/۳، ۳۴۶، قدیمی)

مگر جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبدالرحمٰن بن ابی حسین روایت کرتے ہیں اور بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے: "لم يلق ابن أبي حسين جبير ابن معطم فيكون منقطعاً" ۔ اسی روایت کو سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے، مگر بیہقی نے لکھا ہے: "سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن مطعم، فيكون منقطعاً"۔

ابن عدی نے کامل میں دوسری سند سے لیا ہے: "عن معاوية بن يحيىٰ الصدفي عن الزهري عن ابن المسيب عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح" مگر نسائی، ابن معین، علی ابن المدینی نے معاویہ بن یحییٰ کی تضعیف کی ہے، حتی کہ ابن ابی حاتم نے "كتاب العلل" میں فرمایا ہے: "قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد". یہ سب بحث عینی: ۱۰/۶۳، میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

یوم القر کی تشریح

سوال[۵۰۹۰]: "إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". مشکوۃ شریف، ص: ۲۳۲، جب کہ قربانی کے تین دن ہیں تو لفظ "يوم القر" کا کیا مطلب ہے؟ کیا حاجیوں کے لئے قربانی کے تین دن نہیں ہیں؟ اگر ہیں، لفظ "يوم القر" کیوں فرمایا؟ اس حدیث سے تو صاف یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کا صرف ایک ہی دن ہے، دوسرا دن آرام کرنے کا۔

---

(۱) "العبارة المذكورة بأسرها: "ورواه البزاز في مسنده، وقال: ابن أبي حسين لم يلق جيربن مطعم، فيكون منقطعاً؛ لأنه يرجحه فإن قلنا: أخرجه أحمد أيضاً والبيهقي عن سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن معطم، فيكون منقطعاً، فإن قلت: أخرج ابن عدي في الكامل عن معاوية بن يحيى الصَّدَفي عن الزهري عن ابن المسيب رضي الله تعالىٰ عنه عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح". قلت: معاوية بن يحيى ضعّفه النسائي وابن معين وعلي ابن المديني، وقال ابن أبي حاتم في كتاب العلل: فإن هذا حديث موضوع بهذا الإسناد". (البناية في شرح الهداية للعيني، باب الأضحية: ۱۱/۳۰، ۳۱ رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

"إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". مشكوة شريف، ص: ۲۳۲(۱)۔
اس میں تو حصر نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک روز ہی ہو سکتی ہے اس کے بعد درست نہیں۔ "یوم القر" کو یوم القر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قال ابن المنظور الأفريقي في لسان العرب:٣٩٦/٦۔

"ويوم القر اليوم الذي يلي عيد النحر؛ لأن الناس يقرون في منازلهم. و قيل: لأنهم يقرون بمنىٰ عن كراع: أي يسكنون ويقيمون .... و قال أبو عبيد: أراد بيوم القر الغد من يوم النحر، و هو حادي عشر ذي الحجة، سُمّي يوم القر؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنىٰ، فسمي يوم القر، اهـ"(۲)۔

مجمع البحار: ۱۳۱/۲، میں علامہ پٹنی نے لکھا ہے:"أفضل الأيام يوم النحر، ثم يوم القر وهو حادي عشر ذي الحجة؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى: أي يسكنون و يقيمون، اهـ"(۳)۔ ایسا ہی تقریباً تاج العروس في شرح القاموس: ۳۸۷/۳ میں ہے(۴)۔
شروح مشکوٰۃ:مرقاۃ: ۲۳۷/۳، لمعات (۵) طيبي: ٤٣٤/٣(٦) میں بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے:

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، باب الهدى، الفصل الثاني، ص: ۲۳۲، قديمي)

(۲) (لسان العرب: ۸۲/۵، دارصادر بيروت)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۲۴۵/۴. مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن الهند)

(۴) و في الحديث: "أفضل الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". و هو الذي يلي يوم النحر؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى عن كراع. وقال غيره : لأنهم يقرون في منازلهم. وقال أبو عبيد: و هو حادي عشر ذي الحجة، سمي به؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قرّوا بمنى، فسمي يوم القر". (تاج العروس في جواهر القاموس: ۳۹۴/۱۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (أشعة اللمعات، كتاب المناسك، باب الهدى، الفصل الثاني: ۳۵۶/۲ مكتبه نوريه رضوية سكهر)

(۶) (شرح الطيبي، باب الهدى: ۳۰۶/۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

" يوم القر بفتح القاف و تشديد الراء: أي يوم القرار، بخلاف ما قبله و ما بعده من حيث الانتشار. قال بعض الشراح: هو اليوم الأول من أيام التشريق، سمي بذلك؛ لأن الناس يقرّون يومئذ في منازلهم بمنىٰ، و لاينفرون عنه بخلاف اليومين الأخيرين اهـ "(۱)۔

وجہ تسمیہ سے دور کا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قربانی کا صرف ایک دن ہے۔

یوم الترویہ میں مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ پہنچے، یومِ عرفہ میں منیٰ سے چل کر عرفات گئے، بعد غروب وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے، شب میں ٹھہر کر یوم النحر میں منیٰ آئے، وہاں رمی جمرۂ عقبہ، اضحیہ، حلق سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آئے، طواف زیارت اور سعی کر کے جب ہی اسی روز منیٰ پہونچ گئے، یہ تین روز مسلسل چلنا پھرنا ہوا، درمیان میں کوئی دن قرار کا نہیں ملا، ۱۱/ کو منیٰ میں قرار پکڑا کہ نہ مکہ مکرمہ جانا ہے، نہ مزدلفہ میں، نہ عرفات میں، اس لئے یہ دن یوم القر ہے۔ امام طحاویؒ نے حدیث روایت کی ہے: "بسنده:

"عن عبد الله بن قُرط رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أحب الأيام إلى الله عزوجل يوم النحر، ثم يوم القر". فقدمت إلىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدنات خمساً أو ستاً، فطفقن يزدلفن إليه، فلما وجبت جنوبها، قال كلمةً خفيةً لم أفقهها، فقلت للذي كان إلىٰ جنبي: ماقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: قال: "من شاء اقتطع، اهـ". مشكل الآثار: ۲/۱۳۲(۲)۔

ابوداود شریف میں بھی بتغیر بعض الالفاظ (۳)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی حضرت نبی کریم صلی

(۱) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الهدى: ۵/۵۳۰، رشيديه)

(۲) (شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من قوله: "من انتهب فليس منا". (رقم الحديث: ۱۳۱۹) : ۳/۳۶۰ مؤسسة الرسالة بيروت)

(۳) "عن عبد الله بن قرط رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". و هواليوم الثاني، قال: و قرب لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدنات خمس أو ست، فطفقن يزدلفن إليه بأيتهن يبدأ، فلما وجبت جنوبها، قال: فتكلم بكلمة خفية لم أفهمها فقلت: ماقال؟ قال: "من شاء اقتطع". (سنن أبي داؤد، باب الهدى إذا عطب قبل أن يبلغ: ۱/۲۴۵، دار الحديث ملتان)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم القر میں فرمائی ہے۔

سیوطیؒ نے اس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان میں زیادہ وضاحت ہے: "أخرج الطبراني وأبو نعيم والحاكم و صححه عن عبد الله بن قرط قال: قدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في يوم القر بدنات خمس أو ست، فطفقن يزدلفن إليه، بأيتهن يبدأ. اهـ". خصائص کبریٰ: ۳۹/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (الخصائص الكبرى، باب ما وقع في حجة الوداع من الآيات والمعجزات: ۶۲/۲، المكتبة الحقانيه پشاور)

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

استلام حجرِ اسود کا ثبوت

سوال[۵۰۹۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا حج کے موقع پر نہ مسنون ہے نہ واجب نہ فرض، کلام پاک میں بھی اس کا ذکر نہیں، نہ حدیث میں وارد ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے، بلکہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ کیا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حجر اسود کو بوسہ دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ ان صاحب کا انکار کرنا حدیث، فقہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، تمام کتب فقہ میں جہاں بھی حج کا ذکر کیا گیا ہے، حجر اسود کو بوسہ دینا مذکور ہے:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين يقدم مكة إذا استلم الركن الأسود أول ما يطوف يخبّ ثلاثة أطواف من السبع". بخاری: ۲۱۸/۱(۱)۔

"إن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال للركن: أما والله! إني لأ علم أنك حجر، لا تضر ولا تنفع، لولا أني رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استلمك ما استلمتُك فاستلمه". بخاری: ۲۱۸/۱(۲)۔ "واللفظ له". لمسلم، ص: ۴۱۲/ ۴۱۳(۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة أول ما يطوف و يرمل ثلثاً: ۲۱۸/۱، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، باب الرمل في الحج والعمرة: ۲۱۸/۱، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف: ۴۱۲/۱، ۴۱۳، قديمي)

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الحجر: "واللّٰہ! لیبعثنہ اللّٰہ یوم القیامة لہ عینان یبصر بہما، و لسان ینطق بہ، یشہد علیٰ من استلمہ بحق". رواہ الترمذی(۱) وابن ماجہ(۲) والدارمی". مشکوة، ص: ۲۲۷(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجر اسود کا استلام

سوال[۵۰۹۲]: سنگِ اسود جو پتھر کعبہ شریف میں نصب ہے، اس کے کیا خواص ہیں؟ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے بنیادِ کعبہ ڈالی تب پتھر تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کہاں سے آیا؟ اس کا بوسہ لینا اور چومنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پتھر جنت سے آیا ہے(۴)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، اس وقت اس

---

(۱) (جامع الترمذی، کتاب الحج، باب: ۱/۱۹۰، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجة، أبواب المناسک، باب استلام الحجر، ص: ۲۱۱، قدیمی)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قدیمی)

(۴) "وعنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة، و ھو أشد بیاضاً من اللبن، فسوّدتہ خطایا بنی آدم". "رواہ أحمد والترمذی، و قال: ھذا حدیث حسن صحیح".

قال الملا علی القاریؒ: "و فی روایة أحمد عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و النسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: "الحجر الأسود من الجنة". و فی روایة میمونة عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "الحجر الأسود من حجارة الجنة". وفی روایة أحمد وابن عدی، والبیھقی، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: "الحجر الأسود من الجنة، و کان أشد بیاضاً من اللبن حتی سوّدتہ خطایا أھل الشرک". و فی روایة الطبرانی عنہ: "الحجر الأسود من حجارة الجنة، و ما فی الأرض من الجنة غیرہ، و کان أبیض کالماء، و لولا مسہ من رجس أھل الجاھلیة ما مسہ ذوعاھة، إلا برئ". (مرقاة المفاتیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی: ۵/۲۶۹، ۲۷۰، (رقم الحدیث: ۲۵۷۷)، رشیدیہ)

"و قد وردت فیہ أحادیث: فمنھا: حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ =

پتھر کو اس جگہ نصب کیا تھا، اس کا بوسہ لینا ثواب ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

حجرِ اسود کہاں سے آیا؟

سوال [۵۰۹۳]: سنگِ اسود کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا جو دیوارِ ملتزم کعبہ پر نصب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا ہے، جس وقت آیا تھا نہایت روشن تھا، بنی آدم کی

= مرفوعاً: "إن الحجر والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة، طمس الله نورهما، و لو لا ذلک لأضاءا مابين المشرق والمغرب". .... ومنها: حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسوّدته خطايا بني آدم". (فتح الباري، باب ما ذكر في الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دارالمعرفة بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في فضل الحجر الأسود والركن والمقام: ۱/۱۷۷، ايچ ايم سعيد كمپني كراچي)

(۱) "و عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الحجر: "والله! ليبعثنه الله يوم القيامة، له عينان يبصر بهما، و لسان ينطق به، يشهد على من استلمه بحق". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي". (مشكوة المصابيح للتبرزي، كتاب الحج، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، ص: ۲۲۷، قديمي كتب خانه كراچي)

"و في صحيح ابن خزيمة أيضاً عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "إن لهذا الحجر لساناً و شفتين يشهدان لمن استلمه يوم القيامة بحق". (فتح الباري، باب ما ذكر في الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دارالمعرفة بيروت)

"و قد علمت أن استلام الحجر والركن اليماني يعم التقبيل، فقد دل علىٰ سنية استلامه". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۵۷۹، رشيديه)

خطاؤں نے اس کو سیاہ کردیا۔اخبار مکہ (۱)، شروحِ حدیث: فتح الباری (۲) وغیرہ اور کتبِ تفسیر میں تفصیل مذکور ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رکنِ یمانی کی تعریف

سوال [۵۰۹۴] : ا...... رکن یمانی کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا؟

۲...... معبودِ حقیقی کے خلیفہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سنگِ اسود کو جنت سے لائے تھے، یا جہاں بیت اللہ شریف بنا ہے، یا زمین کی نشانی کے واسطے آسمان سے خدائے برتر نے یہ پتھر پھینکا کہ اس جگہ تعمیر کعبہ کی جائے۔کیا حقیقت ہے؟

---

(۱) "عن عبد الله بن لبيد قال: بلغني أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما أهبط الله سبحانه آدم عليه السلام إلى الأرض أهبطه إلى موضع البيت الحرام وهو مثل الفلك من رعدته، ثم أنزل عليه الحجر الأسود يعني الركن وهو يتلألأ من شدة بياضه فأخذه فضجه إليه أنساً به .... اهـ". (أخبار مكه، ذكر هبوط آدم إلى الأرض و بناء ه الكعبة: ۱/ ۳۹، دار الثقافة مكة المكرمة)

(۲) "ومنها حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسودته خطايا بني آدم". (فتح الباري: ۳/ ۵۹۰، كتاب المناسك، باب ما ذكر في الحجر الأسود، قديمي)

(وكذا في مشكاة المصابيح: ۱/ ۲۲۷، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "فلما بنيا القواعد فبلغا مكان الركن، قال إبراهيم لإسماعيل: يا بنيّ! اطلب لي حجراً حسناً أضعه ههنا .... فانطلق يطلب له حجراً، فجاء ه بحجر .... و جاء جبريل بالحجر الأسود من الهند، وكان أبيض ياقوته بيضاء مثل الثغامة، وكان آدم هبط به من الجنة، فاسودّ من خطايا الناس .... اهـ".

(تفسير ابن كثير: ۱/ ۲۴۵، ۲۴۶، سورة البقرة، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في جامع البيان في تفسير القرآن (تفسير الطبري): ۱/ ۴۳۱، سورة البقرة، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جنت سے آیا ہے (۱)۔

۲......اس کا جواب نمبر: ۱، میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حجرِ اسود کا استیلام

سوال [۵۰۹۵]: ۱......سنگِ اسود کے معاملہ میں جھگڑا تھا جس کو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طے فرمایا۔ سنگِ اسود کو بوسہ دیا، کیا یہ سنت قیامت تک جاری رہے گی؟ بوسہ دینے کی وجہ کیا تھی؟

۲......مشہور روایت ہے: اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب کہ سنگ اسود کے پاس بڑا ہجوم آپس میں دھڑ و پکڑ وغیرہ میں مصروف تھا کہ: ''سنگِ اسود! تو ایک پتھر ہے، اگر اللہ کے محبوب نے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بوسہ نہ دیتا'' کیا توحید پر کچھ اثر ہو رہا تھا؟

۳......دیگر قوم کا کہنا ہے کہ قومِ مسلم سنگِ اسود کو چومتی ہے اور ہمارے پتھر چومنے کو برا کہتی ہے، سوال کرنے والے کو کیا دلیل پیش کی جائے جب کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بزرگوں کی قبر چومتا ہے اور سر جھکاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اللہ و رسولہ اعلم۔

۲......تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ نافع یا ضار ہے، جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار

---

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما مررت بالركن اليماني إلا وجدت جبريل عليه قائماً"......... وأخبرني جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي و قد مررنا قريباً من الركن اليماني و نحن نطوف دونه، فقلت: ما أبرد هذا المكان؟ فقال: قد بلغني أنه باب من أبواب الجنة". (أخبار مكة، استيلام الركن اليماني و فضله: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

"وكان الله عزوجل استودع الركن أبا قبيس حين غرق الله الأرض زمن نوح، و قال: إذا رأيت خليلي يبني بيتي فأخرجه له". (أخبار مكة، ما ذكر من بناء إبراهيم عليه السلام الكعبة: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

سمجھتے تھے(۱)۔

۳......محض چومنا اس عقیدت کے ساتھ جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اظہار فرمادیا، ہرگز پرستش نہیں، بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار سمجھتے ہیں اوران کو سجدہ کرتے ہیں (۲)۔ جو گروہ قبروں کو چومتا اوران کے سامنے سر جھکاتا ہے، وہ غلط کار ہے، خلاف شرع کرتا ہے، وہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

مقاماتِ اجابت

سوال[۵۰۹۶]: حج میں کون کون سے خاص مقامات ہیں جہاں دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

ملتزم کے پاس، تحت المیزاب، بیت اللہ میں، زمزم پیتے وقت، مقام ابراہیم کے پیچھے، صفاومروہ پر، سعی میں، عرفات میں، مزدلفہ میں، رمی کے وقت، بیت اللہ پر نظر پڑتے وقت، بحر: ۲/ ۳۷۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: رأیت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قبّل الحجر ثلاثاً، ثم قال: إنک حجر لا تضر و لا تنفع، و لولاأنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قبّلک ما قبّلتُک، ثم قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فعل مثل ذلک". قال الطبری: إنما قال: ذلک عمر؛ لأن الناس کانوا حدیثی عهدٍ بعبادة الأصنام فخشی عمر أن یظن الجهال أن استیلام الحجر من باب تعظیم بعض الأحجار کما کانت العرب تفعل فی الجاهلیة، فأراد عمر أن یعلّم الناس أن استیلامه اتباع لفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، لا لأن الحجر ینفع و یضر بذاته کما کانت الجاهلیة تعتقده فی الأوثان". (فتح الباری: ۳/ ۵۹۰، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، قدیمی)

(۲) (راجع المصدر السابق من فتح الباری)

(۳) "وفی رسالة الحسن البصری التی أرسلها إلی أهل مکة: أن الدعاء هناک یستجاب فی خمسة=

میزابِ رحمت کے نیچے دیوار کا التزام

سوال[۵۰۹۷]: ۱..... حطیم میں بیت اللہ شریف کی دیوار جو میزاب رحمت کے نیچے ہے اس کا بھی التزام جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات اس کو مشروع کہتے ہیں، بحوالہ قرة العین:۲۳۶۔

منجاء پر وقوف شعارِ روافض ہے

سوال[۵۰۹۸]: ۲..... اسی طرح مکانِ منجاء جو کہ پشتِ کعبہ میں رکنِ یمانی سے بائیں طرف چار ہاتھ کی مقدار تک ہے، اس کا التزام بھی مکروہ ہے، اگر چہ ایسا کرنا روافض کا شعار ہو گیا ہے، وہ اس جگہ دعاء کے لئے وقوف کرتے ہیں۔ بہر حال جائز تو ہے اور اکثر کے علم میں نہیں ہے کہ یہ روافض کا شعار ہے۔ لہٰذا کیا ہم حنفی اس جگہ التزام بلا کراہت کر سکتے ہیں؟

طواف میں شاذ وران کو مس کرنا

سوال[۵۰۹۹]: ۳..... بیت اللہ شریف کے تین طرف کی دیوار کے نیچے (سوائے حطیم کی طرف کے) ایک انچ کے برابر پشتہ بنا ہوا ہے جس کو "شاذ وران" بھی کہتے ہیں، ہم حنفیوں کے نزدیک بیت اللہ شریف

= عشر موضعاً: في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب، وفي البيت، وعند زمزم، و خلف المقام، و على الصفا، وعلى المروة، و في السعي، و في عرفات، و في مزدلفة، و في منى، و عند الجمرات الثلاث. و زاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۷۱۲، رشيديه)

"و هو من مواضع الإجابة، و هي بمكة خمسة عشر نظمها صاحب النهر، فقال:

دعاء البرايا يستجاب بكعبة ... وملتزم والموقفين كذا الحجر

طواف و سعي مروتين و زمزم ... مقام و ميزاب جمارك نعتبر

زاد في اللباب: و عند رؤية الكعبة، و عند السدرة، والركن اليماني، و في الحجر، و في منى في نصف ليلة البدر". (الدر المختار، مطلب في إجابة الدعاء: ۲/۵۰۷، ۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۷، ۷۳۸، قديمي)

سے باہر ہے، مگر امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ میں داخل ہے۔

اگر بیت اللہ میں شاذوران داخل ہے تو رکنِ یمانی کو چلتے ہوئے ہاتھ لگانے سے اتنا حصہ بیت اللہ کے اندر طواف کرتے وقت ہوگا، لہٰذا طواف بھی نہیں ہوگا، یا کوئی عضو شاذوران کے اوپر سے گھوم جائے تو اس عضو کی طواف میں کوئی نقص رہے گا، یا ہم حنفیہ کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ لہٰذا یہاں ٹھہر کر ہاتھ لگانا چاہئے یا چلتے ہوئے ہی رکنِ یمانی پر ہاتھ لگائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱..... میزابِ رحمت کے نیچے حطیم میں دعاء مقبول ہونا قوی کتب فقہ میں منقول ہے(۱) مگر اس جگہ کا التزام اس طرح منقول نہیں، ترک احوط ہے(۲)۔

۲..... جو امر فی نفسہ مندوب ہو مگر وہ روافض کا شعار بن جائے تو اس سے بھی اجتناب چاہئے (۳)۔

---

(۱) "وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة: أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة عشر موضعاً: في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب و في البيت .... وزاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو: تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۶۱۷/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۶، ۷۴۲، قديمي)

(۲) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رُفعت عن رتبتها". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲۳۸/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعيد)

(۳) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". رواه أحمد و أبو داؤد". قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار. ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، حقانيه) =

۳......اس سے طواف میں نقص نہیں آئے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

آبِ زمزم

سوال[۵۱۰۰]: آبِ زمزم کو دوسرے پانیوں سے کچھ امتیاز حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں اس کی فضیلت وارد ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے کی جگہ سے شدید

= قال العلامة المناویؒ: "وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية من الاعتقادات وإرادات وأمور خارجية من أقوال وأفعال، قد تكون عبادات و قد تكون عادات .... فأمر بمخالفتهم في الهدى الظاهر في هذا الحديث .... و قد يحمل منهم في القدر المشترک الذی شابههم فيه، فإن كان كفراً أومعصيةً أوشعاراً لها، كان حكمه كذالک، الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۵۷۴۳/۱۱، نزار مصطفى البابي مكة المكرمة)

(۱) "والمكان و هو حول البيت داخل المسجد: أى و لوعلى السطح لا خارجه، و لو لم يكن حجاب جدار .... ولا مفسد للطواف، وإنما يبطله الردة". (مناسک الملا علی القاری، فصل فی شرائط صحة الطواف، ص: ۲۳۳، إدارة القرآن كراچی)

"مكانه أن يقع حول البيت في المسجد بقوله تعالى: ﴿وليطّوّفوا بالبيت العتيق﴾ والطواف بالبيت هو الطواف حوله، فيجوز الطواف في المسجد الحرام قريباً من البيت أو بعيداً عنه بشرط أن يكون في المسجد، فلو طاف من وراء زمزم قريباً من حائط المسجد، أجزأه بوجود الطواف بالبيت. ولو طاف حول المسجد و بينه و بين البيت حيطان المسجد، لم يجز؛ لأن حيطان المسجد حاجزة فلم يطف بالبيت، لعدم الطواف حوله. ويطوف من خارج الحطيم؛ لأن الحطيم من البيت على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب شروط الطواف و واجباته: ۱۵۳/۳، ۱۵۴، مكتبه حقانيه پشاور)

پیاس کے دفعیہ کے لئے اس کا ظہور ہوا(۱)۔شقِ صدر کے وقت قلب مبارک کواس سے دھویا گیا، اور بھی امتیازات حاصل ہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۱/۵/۹۶ھ۔

غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کر لانا

سوال[۵۱۰۱]: حاجی لوگ حج کرنے جاتے ہیں اور بہت سامان لاتے ہیں،ضرورت کے علاوہ بھی اور بعض غلافِ کعبہ کو توڑ کر لاتے ہیں اور بعض پھاڑ کر لاتے ہیں۔ یہ افعال جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

غلافِ کعبہ کو توڑ کر نوچ کر لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بزرگ کے بدن پر کُرتا ہو اور اس کو توڑ کر لانا، یہ سخت بے ادبی ہے، ہرگز اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہ وقف کا مال بھی ہے، بلا اذنِ واقف ومتولی اس کے لینے کا کسی کو حق نہیں(۳)، اگر کوئی کنکر یا پتھری معمولی طور پر تبرک کی نیت سے لے آئے تو اس کی گنجائش ہے،

---

(۱)"وغمز بعقبه على الأرض قال: فانبثق الماء، فدهشت أم إسمعيل، فجعلت تحفر، قال: فقال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: "لو تركته، كان الماء ظاهراً". قال: "فجعلت تشرب من الماء ويدر لبنها على صبيها". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلاً﴾ الخ: ۱/۴۷۳، قديمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الأنبياء: ۶/۴۹۲، قديمی)

(۲)"كان أبو ذر رضى الله تعالىٰ عنه يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "فرج سقفي وأنا بمكة، فنزل جبرئيل ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمةً وإيماناً فأفرغها في صدري ثم أطبقه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ماجاء في زمزم: ۱/۲۲۱، قديمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الحج: ۳/۶۲۹، قديمی)

(ومناسک الملا علی القاری رحمه الله، باب الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۶۲۳، إدارة القرآن کراچی)

(۳)"لكن في البحر الزاخر: أنه لا يجوز قطع شيء من كسوة الكعبة، و لا نقله، و لا بيعه، و لا شراؤه، و لا وضعه في أوراق المصحف، و من حمل شيئاً من ذالک، فعليه ردّه .... أو على أن أصل الكسوة=

جس سامان کے لانے کی قانوناً اجازت نہیں، اس کو لانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ

سوال [۵۱۰۲]: احقر نے کئی بار یہ محسوس کیا کہ مجھے یہ ہدایت ہورہی ہے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ نورِ خداوندی سفید اور نور محمدی کا رنگ سبز ہے تو علمائے حق کو غلافِ خانہ کعبہ کے سیاہ رنگ کی طرف کیوں توجہ نہیں، کیونکہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن رنگوں کا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا وہ سرخ، سفید یا سبز رنگ کے تھے۔ نیز یہ بات بھی احقر کے دل میں ہے کہ یہ رنگ تصوف میں عیسائیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کا استعمال غلافِ کعبہ پر اول اول کس نے دیا، یہ تو احقر کو معلوم نہیں، امید ہے کہ جناب اس بارے میں اپنی گراں قدر رائے اور احادیث کی روشنی میں حوالوں سے احقر کو یہ بتائیں کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ اور میں اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کروں؟

= من الأوقاف، فيعمل على وفق شرط الواقف، و ليس فيه التصرف لسلطان و لا لغيره". (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، ص: ۴۹۵، ۴۹۶، إدارة القرآن کراچی)

(و كذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علی القاری، فصلٌ، مطلب في كسوة الكعبة المشرفة، ص: ۳۳۰، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة التجاريه الكبرى بمصر)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۲۲۴ مطلب في استعمال كسوة الكعبة، سعيد)

(۱) "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أي يُتبع، و لا يجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، و في ط عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تكن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر: ۲/۲۹۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت اللہ شریف کا غلاف مامون الرشید نے دیباجِ ابیض کا سب سے پہلے ڈالا۔ دیر تک یہ سلسلہ رہا، پھر محمود بن سبکتگین نے دیباجِ اصفر کا ڈالا۔ پھر ناصر عباسی نے دیباج اخضر کا ڈالا، پھر اسی نے دیباجِ اسود کا ڈالا جواَب تک جاری رہا(۱)۔ عباسیوں کا درباری لباس اور خصوصی شعار بھی سیاہ تھا۔ وہ اس کو عزت وعظمت کا لباس تصور کرتے تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسود عمامہ احادیث میں مذکور ہے، غالبًا اسی وجہ سے عباسیوں نے اسود کو انتخاب کیا۔ غلاف کعبہ کے متعلق تفصیل فتح الباری: ۳۶۲/۳، عینی: ٤/٦٠٠(۲)، أوجز المسالك: ٥٤٣/٢، میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وذكر الفاكهاني أن أول من كساها الديباج الأبيض المأمون بن الرشيد واستمر بعده .... وكساها محمد بن سبكتكين ديباجاً أصفر، وكساها الناصر العباسي ديباجاً أخضر، ثم كساها ديباجاً أسود فاستمر إلى الأن". (فتح الباری، کتاب الحج، فصل فی معرفة بدء کسوة البیت: ۵۸۷/۳، قدیمی)

(۲) (عمدة القاری، باب کسوة الکعبه: ۳۳۸/۹، دارالکتب العلمیه بیروت)

بابٌ فی أحکام الحج
(حج کے احکام کا بیان)

مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال[۵۱۰۳]: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا یا مقیم؟ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے، یا پندرہ یوم کی نیت کر لینے سے مقیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا (۱)، دس روز تو ضابطہ میں قیام ہوتا ہے، اس کے بعد ایک روپیہ روزانہ دینا پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟

سوال[۵۱۰۴]: عرفات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں قصر کر سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پوری نماز ادا کی جائے، کیونکہ وہاں سے مکہ کا فاصلہ چھ میل ہے جو قصر کرنے کے فاصلہ سے کم ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ کم از کم پندرہ روز مکہ معظمہ میں مقیم رہے پھر منیٰ گئے اور عرفات گئے وہ وہاں پوری نماز پڑھیں

---

(۱) "و لا یزال علیٰ حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشیدیه)

"ثم لا یزال المسافر علیٰ حکم السفر حتی یدخل وطنه أو ینوی إقامة خمسة عشر یوماً بموضع واحد بمصر، الخ". (الحلبی الکبیر، فصل فی صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۱۶۶، باب صلوة المسافر، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

گے اور جولوگ اس سے کم مکہ شریف میں رہے وہ نماز قصر کریں گے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظّمہ میں مقیم ہے یا مسافر؟

سوال [۵۱۰۵]: جو شخص یکم ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچے اور بیس روز قیام کی نیت کرے اور حج سے فارغ ہوکر اکیس کو مدینہ طیبہ جانے کا قصد کرے تو وہ شخص قیامِ مکہ معظمہ میں نماز پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ ایسا شخص مقیم ہے یا مسافر؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ شخص مقیم نہیں بلکہ مسافر ہے، اس کو چاہئے کہ مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرے اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی قصر کرے (۲)۔ البتہ اگر مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا، بلکہ اتمام کرے گا جیسا کہ ہر مسافر کا

---

(۱) "فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج، إلى منى و عرفة، فصار كنية الإقامة فيغير موضعها وبعد عوده من منى تصح". (الدر المختار).

"(قوله: فلو دخل، الخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام، فإنه يصير مقيماً حكماً وإن لم ينو الإقامة، و هذا مسافر حكماً و إن نوى الإقامة، لعدم انقضاء سفره ما دام عازماً على الخروج قبل خمسة عشر يوماً". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۶، سعيد)

"ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا تصح؛ لأنه لا بدّ له من الخروج إلى عرفات، فلا يتحقق الشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/ ۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رشيديه)

(۲) "و ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا يصح، لأنه لا بد له من الخروج إلىٰ عرفات، فلا يتحقق الشرط". (البحر الرائق، ۲/ ۲۳۲، باب المسافر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۴۰، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه) .... =

حال ہوتا ہے، بحر: ۱۴۳/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حالتِ حیض میں طواف کرنا

سوال[۵۱۰۶]: ۱.....بعض حضرات مع اپنی بیوی کے اسی ملک میں قیام کرتے ہیں ملازم ہیں، صرف دس بارہ یوم کی رخصت بڑی مشکل سے ملتی ہے لہذا عینِ وقت پر حج کو آتے ہیں۔ کبھی کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا ہے کہ بیوی یا لڑکی کو حیض شروع ہو جاتا ہے، ایسا فتنہ ہے کہ بیوی کو تنہا جائے ملازمت پر چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے ہیں اور وہ خود حج کے آنے کے جذبہ میں ہوتی ہے، لہٰذا اس مجبوری میں طوافِ زیارت حیض کی حالت میں ہی کر کے جانا ہو سکتا ہے۔ شوہر بیوی کو تنہا مکۃ المکرمہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا ہے اور نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑا جا سکتا ہے اور خود کو چھٹی بہت کم ملتی ہے، لہذا مجبوری میں واپس جانا ہوتا ہے۔

تو اس مجبوری کی صورت میں عورت حیض کی حالت میں طوافِ زیارت اور سعی کر لے، کیونکہ حیض کی حالت میں بوجہِ مجبوری طوافِ زیارت کیسا ہے؟ اور ایک اونٹ یا گائے یا بیل حدودِ حرم میں ذبح کر دے تاکہ مرد کے لئے حلال ہو جائے، حج مکمل ہو جائے، حیض کی حالت میں طواف کرنے کے گناہ کے لئے توبہ استغفار کر لے کہ بالکل مجبوری کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ طوافِ زیارت جان بوجھ کر حالتِ حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اونٹ یا گائے کے ذبح کرنے کی جزا اس پر لازم ہے۔

ساتھ ہی مندرجہ بالا مجبوری لاکھوں عورتوں کے مجمع میں صرف چند کو پیش آتی ہے اور اس حالت سے بچنا مستورات کے بس کا نہیں، اگر جلد واپسی ضروری نہ ہو تو کبھی کوئی عورت اتنا بڑا گناہ نہیں کرے گی۔ بالکل مجبوری کی حالت میں حالتِ حیض میں طواف کیا جائے تاکہ حج مکمل ہو جائے اور مرد کے لئے حلال ہو جائے۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۵۱۲/۱، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن اقتدى مسافرٌ بمقيم، أتم أربعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۴۳/۱، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۴۷/۱، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲۳۵/۲، رشيديه)

ایک صاحب کی اہلیہ کو ایسا ہی معاملہ پیش آیا، ان کے میاں نے بیوی سے کہا کہ ہم تمہارا حج فسخ کراتے ہیں، لہذا تم اپنے کو حاجی ہی مت سمجھنا مجبوری ہے۔ لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح حج فسخ نہیں ہوتا، مگر نہیں مانے اور واپس بھی چلے گئے۔ بعض عورتیں حیض والی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے ذکر مت کرو اور خوب اطمینان سے ایسی حالت میں طوافِ زیارت کرو، چنانچہ بعض عورتیں ان کے کہنے پر عمل کرتی ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتیں اور نہ جزا دیتی ہیں۔

حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوٰۃ وسلام

سوال[۵۱۰۷]: ۲......اسی طرح مکۃ المکرمہ میں یا مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں عورت یا جوان لڑکی کو حیض شروع ہوگیا، عزت وآبرو کی وجہ سے مرد اپنی بیوی یا اپنی لڑکی کو تنہا قیام گاہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے اور وقت کم ہوتا ہے، خود حرم شریف میں جاکر نمازیں ادا کرنا چاہتا ہے، طواف کرنا چاہتا ہے اور مدینہ منورہ میں نمازیں ادا کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنا چاہتا ہے۔

بعض عورتیں ایسی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے کہو نہیں، نمازیں بھی پڑھو، طواف بھی کرو، سلام بھی عرض کرو۔ یہ صریحاً گناہ ہے، مگر ایسی مجبوری میں مرد اپنی بیوی کو اور لڑکی کو حیض کی حالت میں حرم شریف میں اور مسجد نبوی میں کسی ایک جگہ لاکر بٹھادے تاکہ وہ خاموش بیٹھے بیٹھے توبہ استغفار کرے، درود شریف پڑھتی رہے، نمازیں ادا نہیں کرے اور نہ طواف کرے۔ تو کیا ایسا کرنے میں بوجۂ مجبوری کوئی گناہ نہیں؟ جب مرد مسجد سے یا حرم شریف سے باہر نکلے تو بیوی کو ساتھ لے لے اور کیا بوجۂ مجبوری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھی عرض کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناپاکی کی حالت (حیض، نفاس، جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اسکو گناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے(۱)۔

---

(۱) "و یمنع الطواف: لأن الطواف فی المسجد. قیل: إذا کان الطواف فی المسجد، یکون الحکم معلوماً من قوله: و دخول المسجد، فلِمَ ذکره؟ أجیب بأن المفهوم منه عدم جواز شروع الحائض للطواف؛ إذ یلزمها الدخول فی المسجد حائضاً، و لا یفهم منه أنه لو حاضت بعد الشروع فی الطواف لا یجوز لها الطواف؛ إذ حینئذ لا یوجد منها الدخول فی المسجد حائضاً، وإنما یفهم ذلک من هذه =

طوافِ زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے(۱)۔ تاہم اس گناہ کے باوجود فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، سعی ایسی حالت میں بھی درست ہے، دم واجب نہیں ہے(۲)۔

۲......مسجد میں داخل نہ کیا جائے(۳)، مسجد کے متصل خارجِ مسجد بٹھا دے تاکہ وہ تسبیح واستغفار میں

= المسئلة، فاحتيج إلىٰ ذكرها". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و منها حرمة الطواف لهما بالبيت وإن طافتا خارج المسجد" (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۳۸، قديمي)

(۱) "والثاني: إذا طاف للزيارة جنباً، أو حائضاً أو نفساء، فإن الواجب في هٰذين الموضعين البدنة". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، باب الجنايات، ص: ۷۴۱، قديمي)

"و لاتجب البدنة إلا إذا طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساء، أو جامع بعد الوقوف بعرفة وقبل الحلق". (فقه السنة، متى تجب البدنة: ۱/۷۳۴، دار الكتاب العربي)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في طواف الزيارة: ۲/۵۱۹، سعيد)

(۲) "و إن سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء، فسعيه صحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف والسعي والرمل و رمي الجمار: ۱/۲۴۷، رشيديه)

"وأما الطهارة عن الجنابة والحيض فليست بشرط، فيجوز سعي الجنب والحائض". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز السعي: ۳/۸۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مبسوط السرخسي، باب السعي بين الصفا والمروة: ۲/۵۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "يمنع (أي الحيض) صلاةً و صوماً، فتقضيه دونها، و دخول مسجد والطواف و قربان ما تحت الإزار و قراءة القرآن". (النهرالفائق، باب الحيض: ۱/۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، مكتبه امداديه ملتان)

"و هو: أي الحيض يمنع الصلاة والصوم، و تقضيه لزوماً دونها، للحرج. و يمنع دخول المسجد والطواف بالبيت". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

مشغول رہے، صلوۃ وسلام بھی وہیں پڑھتی رہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قالوا: لا تقرأ الحائض و لا الجنب من القرآن شيئاً إلا أطراف الآية والحرف و نحو ذلک، ورخصوا للجنب والحائض في التسبيح والتهليل". (إعلاء السنن، باب: إن الحائض والنفساء والجنب لا يقرأون شيئاً من القرآن: ۱/ ۲٦٧، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

"و لا بأس لحائض و جنب بقرأة أدعية و مسها وحملها، وذكر الله تعالىٰ، و تسبيح". (الدر المختار، باب الحيض: ۱/ ۲۹۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۳، قديمی)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

یلملم سے احرام

سوال[۵۱۰۸]: زید نے جہاز میں یلملم پر احرام نہیں باندھا حالانکہ دوسرے عوام اور اہلِ علم نے وہیں احرام باندھا اور زید کو بھی کہا لیکن زید نے جدہ پہونچ کر احرام باندھا۔ تو کیا ایسی حالت میں احرام کے میقات سے مؤخر ہونے کی وجہ سے زید پر دم یا فدیہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا لازم ہوگا اور اس کو ہندوستان ہی میں ادا کرنا کافی ہوگا یا حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ علمائے اہلِ ہند یلملم پر احرام باندھنے کو لازم فرماتے ہیں۔ میقات سے بغیر احرام گزر جانا حاجی کے حق میں جنایت ہے جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۱) یعنی ایک بکری کی قربانی کی جائے گی اور یہ قربانی ہندوستان میں کافی نہیں، بلکہ روپیہ دے کر کسی کو ذمہ دار بنادیا جائے کہ وہ حرم میں قربانی کردے، یہی

---

(۱) "من جاوز المیقات الذی یجب علیه الإحرام منه غیر محرم ثم أحرم، لزمه دم". (الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الحج، باب مجاوزة المیقات بلا إحرام: ۱/۳۰۲، ۳۰۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"فإن أحرم بالحج أو بالعمرة قضاء لماعلیه من ذلک لمجاوزته المیقات، ولم یرجع إلی المیقات، فعلیه دم؛ لأنه جنی علی المیقات، لمجاوزته إیاه من غیر إحرام، و لم یتدارکه، فیلزمه الدم جبراً، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بیان مکان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب المناسک، ما یلزم لمجاوزة المیقات بغیر إحرام: ۲/۴۷۵، إدارة القرآن کراچی)

احوط ہے(۱)، اگر چہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ جدہ پہونچ کر احرام باندھنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے کہ ہندوستان سے جاتے وقت نہ یلملم درمیان میں آتا ہے، نہ یلملم کی محاذات ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "و لا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم؛ لأن الهدي اسمٌ لما يهدى إلى مكان، و مكانه الحرم". (الفقه الإسلامي و أدلته، خامساً: مكان ذبح الهدي و زمانه: ۲۳۶۸/۳، رشيديه)

"قال: (والكل بالحرم): أي كل دم يجب على الحاج يختص بالحرم، لقوله تعالى: ﴿هدياً بالغ الكعبة﴾ الخ". (تبيين الحقائق، باب الهدي: ۴۳۴/۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في الهداية، باب الهدي: ۳۰۱/۱، شركة علمية، ملتان)

(۲) "اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقہ سے نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے......... پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے"۔(زبدة المناسك، مواقيت الإحرام، حج اور عمرے کا بیان، ص: ۶۲، سعيد)

(ومعلم الحجاج، ص: ۱۰۳ إدارة القرآن كراچي)

(وقرة العينين في زيارة الحرمين، ص: ۴۹، ۵۰، شہزادہ ٹرسٹ)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند کے حجاج کرام کے میقات "یلملم" میں اسی قسم کا اختلاف نقل کیا ہے اور جن حضرات کی عبارات نقل کی ہیں اس سے احتیاطی پہلو یہی نکل آتا ہے کہ یلملم کے محاذات سے پہلے ہی احرام باندھا جائے، البتہ اگر بغیر احرام ہی کے گذر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر دم لازم نہیں ہے، لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے کو بہر حال پہلے ہی سے احرام باندھنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال: ۱- "جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

۲- اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بينوا و توجروا"۔

الجواب: ۱- "ہندوستان (یا پاکستان) والوں کی میقات یلملم ہے، لہٰذا جو حجاجِ کرام مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے =

....

= ہیں، ان کو یلملم یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں وہ جدہ تک احرام مؤخر کرسکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لئے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جہتِ حرم میں نہیں ہے''۔ لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے، موجب دم نہیں۔ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھیؒ اور حضرت مولانا محمود منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذاتِ میقات سے تجاوز کرکے حدودِ حِلّ میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے ہندوستان وپاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گذرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

> ''ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحلِ جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسب تصریح فقہاء محلِ اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔
>
> اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظوراتِ احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظوراتِ احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کرلینا چاہیے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے'' (جواہر الفقہ: ۱/۴۸۹)۔ ....=

کسی ضرورت کے لئے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لئے کیا احرام ضروری ہے؟

سوال[۵۱۰۹]: اگر جدہ کو میقات مانا جائے تو مکہ سے جو لوگ کام کاج کے لئے جدہ آتے ہیں، جدہ سے مکہ واپس ہوتے وقت احرام لازم نہ ہونا جواب تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ کیا یہ ہے کہ میقات میں رہنے والا اور جواُن کے حکم میں ہو کسی ضرورت کے لئے مکہ جائے تو احرام ضروری نہیں ہوتا؟ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جب میقات پر واپس آ گیا ہے تو پھر سے احکام دخول مکہ کے لئے دوسرا احرام ضروری ہوگا۔ مہربانی فرما کر دونوں مسئلوں کا جواب روانہ فرمائیں۔

= اس اختلاف رائے کی بناء پر بہتر صورت وہی ہے جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، لیکن اگر کسی نے غلطی سے یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا، مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔ فقط۔

۲- جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں، ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہیے، جدہ تک مؤخر کرنا جائز نہیں، اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا، اس لئے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدود میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن و مستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

"آج کل ان ممالکِ مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں: ایک ہوائی، دوسرا بحری۔ ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہِ "قرن المنازل" ہوتا ہے، ہوائی جہاز "قرن المنازل" اور "ذات عرق" دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اول حِل میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہے۔ اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا، اس لئے اہل پاکستان و ہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہو جائے گی۔ اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں"۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۷۴، ۴۷۵) (عمدۃ الفقہ: ۴/۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب"۔

(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۶/۷۳، ۷۴، دار الاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام سے بغیر احرام کے آگے حرم کی طرف جانا جائز نہیں، اس مقام سے خروج کے بعد بغیر احرام دوبارہ مکہ معظمہ جانا درست نہیں۔ اگر جدہ کو بالفرض میقات تسلیم کیا بھی جائے تو جب جدہ سے نکل جائے گا پھر دوبارہ داخل ہونا پایا جائے گا تو دوبارہ احرام باندھنا لازم ہوگا، محض جدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، میقات سے تجاوز جب ہوگا کہ جدہ سے دوسری طرف نکل جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟

سوال [۵۱۱۰]: ہندوستان سے پانی کے جہاز سے جانے والے حجاج کو بمطابق شرع احناف احرام کہاں سے باندھنا چاہئے؟ کس جگہ سے واجب ہے اور کس جگہ سے فرض؟ احناف کا فتویٰ کس پر ہے؟ بندہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، حرم کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے جہاز سے جانے کے لئے جو قدیم ایام سے راستہ تھا تو یلملم کی محاذات پر پہونچ کر احرام باندھا جاتا تھا، یہی ہندوستان کے اکابر علماء فقہاء کا معمول رہا، اب بھی احوط یہی ہے، اگرچہ موجودہ اہلِ جغرافیہ کا قول یہ ہے کہ اب راستہ میں نہ یلملم آتا ہے اور نہ اس کی محاذات آتی ہے، بلکہ جدہ سے احرام باندھنا لازم

---

(۱) "فإن جاوزه، فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام؛ لأنه صار آفاقياً". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۶۰، رشيديه)

"والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له، فلم يجاوز الوقت، فله أن يدخل مكة بغير إحرام، وإن جاوز، لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام، لما بيّنا أن من قصد إلى موضع فحاله في حكم الإحرام كحال أهل ذالك الموضع". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/ ۱۵۵، حبيبيه كوئٹه)

"ونظيره المكي إذا خرج منها أو جاوز الميقات، لايحل له العود بلا إحرام". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/ ۴۷۸، سعيد)

ہے، مگر احتیاط کا تقاضا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، وہاں جہاز سیٹی دیتا ہے اور عامۂ حج کو جانے والے احرام باندھتے ہیں، حدودِ حرم جدہ سے آگے چل کر شروع ہوتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ "معلم الحجاج" ساتھ رکھیں اس میں مسائلِ حج اور مواقیت کی پوری تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "المواقيت التي لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة: لأهل المدينة ذو الحليفة، و لأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوك أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

"كذا روى في الحديث: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقّت لأهل المدينة ذاالحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن، و لأهل اليمن يلملم، و لأهل العراق ذات عرق .... فأما إذا قصدها من طريق غير مسلوك، فإنه يحرم إذا بلغ موضعاً يحاذي ميقاتاً من هذه المواقيت ؛ لأنه إذا حاذى ذلك الموضع ميقاتاً من المواقيت، صار في حكم الذي يحاذيه في القرب من مكة و لو كان في البحر". (بدائع الصنائع، فصل. وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۵۹، ۱۶۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، رشيديه)

"جب بحری راستہ سے کوئی جدہ میں آئے تو چونکہ جدہ مکہ مکرمہ سے دو منزل دور ہے اور اس سے آگے محاذ معلوم نہیں ہے، حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے بھی یہی فرمایا ہے، امداد الفتاویٰ کے خامسہ حصہ کے ص:۱۵۱، پر حضرت مہاجر مدنی کی تحریر درج ہے، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے: "وان يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين. اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں معلوم ہوئی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے .... پھر اس سے آگے وہ محاذ بحرہ اور جدہ سے اوپر جدہ کی طرف مائل ہو کر جحفہ (رابغ تک چلا جاتا ہے)، پرانی کتابوں میں اسی کو اہل ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے۔ (زبدة المناسك، ص: ۶۲ سعيد)

لیکن مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ علیہ کی تحقیق علی حسب النقول اس سے مختلف ہے، كما تقدم تحت عنوان: "یلملم سے احرام"، ص:۳۷۶، رقم الحاشية : ۱) .... =

ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟

سوال[۵۱۱۱]: یلملم پہاڑی جو ہندوستان کے لئے میقات ہے وہاں کے بجائے جدہ پہونچ کر احرام باندھنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کہتے ہیں جدہ بھی حرم سے باہر ہے، لہٰذا وہاں سے احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر افضل واحسن کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

افضل واحوط یہی ہے کہ یلملم سے احرام باندھا جائے، اَسلاف کا معمول بھی یہی رہا ہے، گو اب جغرافیہ کی رو سے بعض حضرات نقشے دیکھ کر یہ بتلاتے ہیں کہ جہاز میں یلملم کی محاذات بھی نہیں آتی، لہٰذا جدہ سے قبل احرام باندھنا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۱ھ۔

میقات سے بلا احرام گزرنا

سوال[۵۱۱۲]: ایک شخص ہندوستان سے حج کا ارادہ کرکے چلتا ہے، اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جانا چاہے، یا ایک شخص مکہ کے قصد سے یہاں سے چلتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ کچھ روز جدہ ٹھہر کر تجارت کرے، اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہو تو اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اہل ہند کی میقات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں، خواہ اس کا حج عمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیر، تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو (۲)، اگر گزر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر

= (وقرة العينين في زيارة الحرمين، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹، ۵۰ شہزادہ ٹرسٹ)

(۱) (راجع، ص: ۳۷۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وكذلك لو أراد بمجاوزة هذه المواقيت دخول مكة، لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرماً، سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: =

جا کر احرام باندھے ورنہ اس پر دم واجب ہوگا (۱)۔ اگر کسی کا قصد اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لئے جائے تو اس کے لئے احرام لازم نہیں، بلا احرام حل میں جا سکتا ہے، پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے بشرطیکہ ادائے نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر ادائے نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو۔ اگر میقات پر گزرتے وقت قصدِ اوّلی تو ادائے نسک ہو یا دخولِ مکہ ہو، لیکن مُرور فی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں، یہ تمام جزئیات کتب فقہ میں صراحۃً مذکور ہیں:

"و حرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن: أي للآفاقي قصد دخول مكة، يعني الحرم و لو لحاجة غير الحج. أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل بها التحق بأهله، فله دخول مكة بلا إحرام، و هو الحيلة لمريد ذلك. وحل لأهل داخلها، يعني لكل من وجد في داخل المواقيت دخول مكة "الخ". درمختار۔

"(قوله: وحرم الخ) فعليه العود إلى ميقات منها وإن لم يكن ميقاته". رد المحتار: ۲/۲۱۱ (۲)۔

= وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۰، دارالكتب العلميه بيروت)

"و لا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا، و لو دخلها فعليه حجة أو عمرة، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۲، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "فإن دخل مكة قبل أن يحرم فأحرم منها، فعليه أن يخرج من الحرم فيلبي، فإن لم يفعل حتى يطوف بالبيت فعليه دم؛ لأنه ترك الميقات المعهود في حقه للإحرام، الخ". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۳، حبيبيه كوئٹه)

"فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات، فعليه دم لترك حق الميقات".

(التاتارخانية، باب ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام. ۲/۴۷۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۷، سعيد) .... =

غنية الناسك، ص: ۲۷ میں یہ حیلہ لکھا ہے اور مسئلہ کو زیادہ واضح کردیا، چنانچہ عبارات متعددہ نقل کرکے لکھا ہے:

”وفي الطوالع: و ذكر السيد مير غني في حاشيته على التبيين: أن من كان في خاطره أنه إذا فرغ من بيعه و شرائه دخل مكة، وجب عليه الإحرام عند الميقات، لكونه قاصداً مع دخول جدة الحرم، وإن كان قصد دخول جدة سابقاً على قصد دخول الحرم، اهـ“(۱)۔

جس شخص کے راستہ میں میقات واقع نہ ہو اس کو میقات کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے، جس کے راستہ میں دو میقات واقع ہوں اس کو میقاتِ اَبعد عن الحرم سے باندھنا افضل ہے، اقرب سے بھی درست ہے(۲)۔ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے (۳)، حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام کی ضرورت ہوتی ہے، جدہ حرم سے خارج ہے، لہٰذا جو شخص پہلے مدینہ طیبہ کا قصد کرے، اس کے لئے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۷/۲، رشيديه)

(۱) (غنية الناسک، باب المواقيت، فصل الثالث، ص: ۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”و من سلک ميقاتاً من هذه المواقيت، أحرم منه، لما روينا، وإن سلک بين ميقاتين في البحر أو البر اجتهد، وأحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، و أبعدهما أولى بالإحرام منه“. (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲۴۲/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، فصل في مواقيت الصنف الأول، ص: ۵۲، مكتبه مصطفى محمد بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۲۲۱/۱، رشيديه)

(۳) ”المواقيت التي لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة: لأهل المدينة ذو الحليفة، ولأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، و لأهل نجد قرن، و لأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوک، أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي“.

(الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۲۲۱/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۱۵۹/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۵/۲، رشيديه)

یلملم سے احرام ضروری نہیں، بلکہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی پر ذوالحلیفہ سے احرام باندھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ

احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا

سوال[۵۱۱۳]: ایک آفاقی شخص میقات پر پہونچ کر احرام پہنتا ہے اور نیتِ حج یا عمرہ کرتا ہے، مگر جدہ پہونچ کر احرام کی حالت میں میقاتِ مدینہ ذوالحلیفہ سے بھی باہر ہو کر مدینہ شریف جاتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے محرم کو جس نے میقات پر پہونچ کر احرام پہنا اور نیت کی ہے قبل حج یا عمرہ دوسری آفاقی میقات سے باہر نکل جانا درست ہے، کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ میقات ہی سے جو اس نے احرام پہنا ہے اس سے تو بظاہر لازم آتا ہے کہ وہ سوائے مکہ کے کہیں نہ جائے نہ کہ آفاقی میقات سے گزر جانا۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) قرۃ العینین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: ”جو آدمی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو، اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جائے، پھر واپسی کے وقت وہاں کے میقات ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کر حج کرے گا تو جائز ہے کہ وہ آدمی اپنے میقات یلملم سے احرام نہ باندھے، کیونکہ اس کو اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال حدِ حرم میں جانے کا ارادہ نہیں ہے، الخ“۔ (قرة العينين في زيارة الحرمين، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹، ۵۰، شهزاده ٹرسٹ)

معلم الحجاج میں ہے: ”جو آفاقی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہا ہو، اسے ذوالحلیفہ یعنی بیر علی سے احرام باندھنا چاہئے“۔ (معلم الحجاج ص: ۱۰۴، إدارة القرآن کراچی)

”(قوله: كمكي يريد الحج، الخ) أما لو خرج إلى الحل لحاجة فأحرم منه ووقف بعرفة، فلا شيء عليه، كالآفاقي إذا جاوز الميقات قاصد البستان، ثم أحرم منه. الخ“ (ردالمحتار، مطلب: لايجب الضمان بكسر آلات اللهو: ۲/ ۵۸۱، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/ ۴۷۶، ادارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس پر بھی کوئی کفارہ نہیں، ممنوعاتِ احرام سے بچنا رہے، بغیر حج یا عمرہ کئے احرام سے حلال نہ ہو، یہی احرام کا احترام ہے۔ میقات سے خارج ہوجانا احرام کے منافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ رجب/ ۶۶ھ۔

کیا جدہ میقات ہے؟

سوال [۵۱۱۴]: ۱.....جدہ کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ آیا اس کا میقات میں شمار ہے یا نہیں؟

میقات کا علم نہ ہو تو تحرّی کرے

سوال [۵۱۱۵]: ۲.....آفاقی اگر حرمِ مکہ کا قصد کرے، دخول کے وقت وہ مواقیتِ خمسہ سے داخل نہیں ہوتا، بلکہ مواقیت کے مابین جو محاذاۃ ہے وہاں سے داخل ہوتا ہے تو ایسا شخص احرام کہاں سے باندھے؟ اور ایسے شخص کے لئے محاذات شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو آدمی کس طرح کرے گا، کیونکہ اس کے لئے تو کوئی علامت موجود نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ محاذات کی تعریف شرعاً کیا ہے؟

مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۵۱۱۶]: ۳.....مکی یا وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے ایسا شخص اگر جدہ چلا جائے تو مکہ عود

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والثاني أنه إذا أتم الإحرام بحج أو عمرة، لا يخرج عنه، إلا بعمل ما أحرم به وإن أفسده". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والأصل: لا يخرج عنه في حالة من الأحوال بعمل من الأعمال إلا بعمل". (ردالمحتار، فصل في الإحرام: ۲/ ۴۸۰، سعيد)

"الأول أنه إذا تم الإحرام للحج أو للعمرة، لايخرج عنه إلا بعمل النسك الذي أحرم به وإن أفسده الخ". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/ ۵۲۰، رشيديه)

(وكذا في معلم الحجاج، باب: حکم احرام، ص: ۱۱۳، إدارة القرآن كراچي)

کرتے وقت اس کے لئے احرام باندھنا واجب ہے یا نہیں؟

سائل: ابراہیم میاں، جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جس کے راستہ میں مواقیتِ مخصوصہ واقع نہ ہوں، یا ان کی محاذات کا علم نہ ہو اور بحری راستہ سے آرہا ہو تو اس کے حق میں جدہ میقات ہے:

"من سلك: أى طريقاً ليس فيه ميقات معين براً أو بحراً، اجتهد إذا حاذى ميقاتاً منها: أي من المواقيت المعروفة. وإن لم يعلم المحاذاة، فعلى رحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر، اهـ". شرح المنسك المتوسط(۱)۔

۲...... جو میقات مکہ مکرمہ سے اَبعد ہے اس کی محاذات سے احرام افضل ہے، اقرب کی محاذات بھی درست ہے۔ اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو تحری کرلے:

كما مرّ انفاً من قوله: "اجتهد". "و من حذو الأبعد أولى، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، و هو الطرف الأ بعد من مكة حتى لا يمر شئ يسمى ميقاتاً غير محرم. ولو أحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". شرح المنسك المتوسط(۲)۔

---

(۱) (مناسک الملا على القارى المسمى بالمنسک المتوسط، فصل فى مواقيت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۲، ۵۵۷ رشيديه)

(۲) (مناسک الملا على القارى المسمى بالمنسک المتوسط، فصل فى مواقيت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن كراچى)

"اجتهد .... و من حذو الأبعد أولىٰ، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، وهو الطرف الأبعد من مكة، حتى لا يمر بشيء ممايسمى ميقاتاً غير محرم. و لوأحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". (إرشاد السارى إلى مناسک الملا على القارى، فصل فى مواقيت الصنف الأول، ص: ۵۲، مكتبه مصطفى محمد بيروت)

"وإن سلک بين ميقاتين فى البحر أو البر، اجتهدو أحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، و أبعدهما =

۳......جدہ کو بعض احوال میں ضرورۃً میقات تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ جواب نمبر: ا میں ہے، ورنہ وہ درحقیقت حل میں ہے، مکی آدمی اگر حل میں جائے تو اس کو مکۃ المکرمہ جانے کے لئے احرام کی ضرورت نہیں:

"أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل به، التحق بأهله، كما مر انفاً بشرط أن لا يجاوز ميقات الآفاقي". ردالمحتار: ۲/۱۵۵(۱)۔

البتہ اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو اہلِ حل کو بھی بلا احرام دخولِ مکہ ممنوع ہے: "من أراده من أهل الحل لا يدخل مكة بلا احرام، اهـ". (الدرالمختار).

"والمراد بالمكي من كان داخل الحرم، سواء كان بمكة أولا، سواء كان من أهلها أولا، يشمل الآفاقي المفرد بالعمرة والمتمتع والحلال من أهل الحل، اهـ". شامی: ۲/۱۵۵(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أولى بالإحرام منه". (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲/۲۴۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب من حاذى الميقات: ۳/۲۷ مكتبه حقانيه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"وقيدنا بقصد مكة؛ لأن الآفاقي إذا قصد موضعاً من الحل كخليص، يجوز له أن يتجاوز الميقات غير محرم، وإذا وصل إليه، التحق بأهله". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"(ولداخلها الحل) .... وإنما كان الحل ميقاته؛ لأن خارج الحرم كله كمكان واحد في حقه كالميقات للآفاقي، فلا يدخل الحرم عند قصد النسك إلا محرماً. و أما عند عدم هذا القصد، فله الدخول بغير إحرام للحاجة والضرورة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۹ رشيديه)

باب القِران والتمتع

(حجِ قران وتمتع کا بیان)

حج کی افضل صورت

سوال[۵۱۱۷]: حرم سے باہر رہنے والوں کے لئے حج کی کونسی صورت افضل ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قران افضل ہے، بحر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مفرد اور قارن کے لئے سعی

سوال[۵۱۱۸]: ۱.....مفرد اور قارن کو طوافِ قدوم میں سعی کرنا چاہئے یا نہیں؟

۲.....طواف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا خلفائے راشدین سے کون سی دعائیں منقول ہیں؟ طواف کرنے والا اپنی زبان میں جو دعاء چاہے پڑھے جائز ہے یا نہیں؟

سید شاکر علی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....طوافِ قدوم میں سعی کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ طواف کیا جاتا ہے مسجد حرام میں اور

(۱) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "هو (أى القران) أفضل، ثم التمتع، ثم الإفراد". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/۶۲۵، رشيديه)

"القران فى حق الآفاقى أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع فى حقه أفضل من الإفراد، و هذا هو المذكور فى ظاهر الرواية، وكذا فى المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فى القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، باب القران: ۲/۵۲۹، سعيد)

سعی کی جاتی ہے خارجِ مسجد، صفا ومروہ کے درمیان۔

۲...... بہت سی دعائیں ایسے موقعہ پر پڑھنے کے لئے علماء نے لکھی ہیں، مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، ایک دعاء جو حدیث شریف میں آئی ہے یہ ہے: "اللهم إني أسألك العفو، والعافية في الدنيا والأخرة، ربنا اتنا في الدنيا حسنةً، و في الأخرة حسنةً، و قنا عذاب النار"(۱)۔

یہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جاتی ہے، دعاء اپنی زبان میں بھی درست ہے (۲)۔ لیکن جس شخص کو عربی کی دعاء یاد نہ ہو اس کے لئے "سبحان الله، والحمد لله، و لا إله إلا الله، والله أكبر، ولاحول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم" پڑھنا بہتر ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، وكذا في شرح سفر السعادة، ص: ۳٤۱(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) (نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۱۲۰/۵، مكتبه عباس احمد الباز مكة المكرمة)

(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۲۱۲/۳، قديمي)

(۲) "والدعاء يجوز بالعربية، و بغير العربية، والله سبحانه يعلم قصد الداعي و مراده وإن لم يقوم لسانه، فإنه يعلم ضجيج الأصوات باختلاف اللغات على تنوع الحاجات". (مجموعة الفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية، باب صفة الصلاة: ۲۸۷/۲۲، مكتبة العبيكان سعوديه)

"و ظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الأولى، وإن الكراهة فيه تنزيهية". (رد المحتار، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۵۲۱/۱ سعيد)

(۳) (شرح سفر السعادة للشيخ عبدالحق الدهلويؒ، فصل در حج، پيغمبر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، ص: ۳۴۱، مطبع نامی منشی نول كشور)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يقول: "من طاف بالبيت سبعاً، و لا يتكلم إلا سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر، ولاحول ولا قوة إلا بالله، محيت عنه عشر سيئات، و كتب له عشر حسنات، ورفع له بها عشر درجات". رواهما ابن ماجة".

(نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۱۲۰/۵، ۱۲۱ مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۲۱۲/۳، قديمي)

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۵۱۱۹]: جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی عم فیضہ! سلام مسنون۔

میرے استفتاء کا جواب ملا مگر تشفی نہیں ہوئی، میں نے عرض کیا تھا کہ ’’مفرد اور قارن طواف کے بعد سعی کرے یا نہیں‘‘؟ آپ نے لکھا ہے کہ ’’میری سمجھ میں نہیں آیا‘‘ حالانکہ موٹی بات ہے، عرض یہ ہے کہ جس طرح تمتع والا طواف کر کے صفا و مروہ جا کر سعی کرتا ہے ان دونوں کو بھی سعی کرنا چاہئے یا نہیں، یا کب سعی کریں؟ اب یہ عرض بھی ہے کہ مفرد اور قارن طوافِ قدوم میں عمرہ کی نیت کرے یا طوافِ قدوم کی اور مفرد و قارن سعی کب کرے گا؟

سید شاکر علی، از شاہ پور، ضلع فتحپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ دوبارہ اپنے خط کو دیکھئے اس میں لکھا ہے: ’’مفرد اور قارن طواف میں سعی کرے گا یا نہیں‘‘؟ موٹی سی بات ہے کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور سعی بین الصفا والمروۃ ہوتی ہے، پھر طواف میں سعی کرنے کا مطلب کیسے سمجھ میں آئے۔ اب آپ نے مطلب کی وضاحت کی ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ جا کر سعی کرنا چاہئے، قارن اول عمرہ کے لئے طواف کرتا ہے پھر عمرہ ہی کے لئے سعی کرتا ہے اس کے بعد حج کے لئے طوافِ قدوم کرتا ہے، پھر سعی بھی اسی کے لئے کرتا ہے، درمیان میں حلال نہیں ہوتا، پھر بقیہ ارکانِ حج ادا کرتا ہے اور یوم النحر میں ذبح کے بعد ممنوعاتِ احرام حلال ہو جاتے ہیں، کذا فی مجمع الأنہر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/محرم/۷۰ھ۔

---

(۱) "فإذا دخل مكة، ابتدأ بالعمرة، فطاف للعمرة سبعة أشواط، يرمل الثلاثة الأُوَل، و يصلي بعد الطواف ركعتين، و سعى بين الصفا والمروة، و يهرول بين الميلين الأخضرين، ولا يتحلل، و لو تحلل بأن حلق أو قصر، كان جنايةً على إحرام الحج وإحرام العمرة؛ لأن تحلل القارن من العمرة إنما هو يوم النحر". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(و كذا في الفتاوى الخانية، فصل في القران: ۱/۳۰۱، رشيديه) .... =

متمتع کا مدینہ طیبہ جانا پھر عمرہ کرنا

سوال[۵۱۲۰]: ۱......ایک شخص آفاقی اَشہرِ حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ کیا پھر حج کا احرام مکہ سے باندھا۔ کیا اس کا تمتع صحیح ہے یا نہیں؟

۲......اس پر دمِ تمتع ہے یا نہیں؟

۳......کیا اس پر کوئی دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۴......تمتع پہلے عمرہ یا دوسرے عمرہ سے ادا ہوا؟

۵......آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اَشہرِ حج میں صحیح ہے یا نہیں؟

۶......مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام باندھا تو اس کا تمتع ادا ہوگا یا نہیں؟

۷......کیا اس پر دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۸......آفاقی حاجی کا اَشہرِ حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

۹......ان صورتوں میں بہتر کونسی صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"اَشہرِ حج میں اگر کوئی شخص عمرہ کر کے مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر وہاں سے واپسی کے بعد صرف حج کا احرام باندھ کر آیا تو تمتع صحیح ہوگا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، بخلافِ صاحبین رحمہما اللہ کے، ان کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہوگیا، ہاں اگر پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور پھر حج کرے تو ان کے نزدیک تمتع ہوجائے گا، مگر امام صاحب کے نزدیک ایسا نہ کرے"۔ معلم الحجاج، ص: ۲۱۸، میں مولانا شیر محمد کے حاشیہ کے حاشیہ نمبر: ۱، سے یہ عبارت لی گئی ہے(۱)۔ اس عبارت سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات صراحۃً یا اشارۃً

= (وكذا في الهداية، باب القران: ۱/۲۵۸، شركت علميه، ملتان)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۲۵۲، إدارة القرآن كراچي)

(وقرة العينين في زيارة الحرمين، ص: ۲۶۰ - ۲۶۳، شهزاده ٹرسٹ)

(وزبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۳۰۹-۳۱۸، سعيد) .... =

نکل آئے، اب نمبر وار جوابات لیجئے:

۱......صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے۔

۲......ان کے نزدیک دمِ تمتع واجب ہے۔

۳......میقات سے باہر چلے جانے کی وجہ سے اس کا پہلا تمتع باطل ہوگیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر دمِ جبر واجب ہو۔

۴......دوسرے عمرہ سے تمتع منعقد ہوا۔

۵......اس میں اختلاف ہے، معلم الحجاج، ص:۲۲۱، پر یہ مسئلہ مذکور ہے اور حاشیہ نمبر:۱، پر اختلاف نقل کیا ہے(۱)۔

۶......امام صاحب کے نزدیک اس کا تمتع ادا ہو جائے گا۔

۷......اس پر دمِ جبر واجب نہیں۔

= "(قوله: لبقاء سفره) أما إذا أقام بمكة أو داخل المواقيت، فلأنه ترفق بنسكين في سفر واحد في أشهر الحج، و هو علامة التمتع. وأما إذا أقام خارجها، فذكر الطحاوي أن هذا قول الإمام، وعندهما لا يكون متمتعاً؛ لأن المتمتع من كانت عمرته ميقاتية، وحجته مكية، و له أن حكم السفر الأول قائم ما لم يَعُدْ إلى وطنه، و أثر الخلاف يظهر في لزوم الدم. وغلطه الجصاص في نقل الخلاف، بل يكون متمتعاً اتفاقاً؛ لأن محمد ذكر المسئلة، و لم يحك فيها خلافاً . قال أبو اليسر: هو الصواب. وفي المعراج: إنه الأصح. الخ". (ردالمحتار، باب التمتع: ۵۴۲/۲، سعيد)

(وكذا في التبيين، باب التمتع: ۳۴۹/۲، ۳۵۰، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب المناسك، باب الجمع بين الإحرامين: ۱۲۸/۲، مكتبه حبيبيه كوئته)

(۱) متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے: "قال في اللباب: ولا يعمر قبل الحج. وقال القاري في الشرح: و هذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة، أيضاً، قد سبق أنه غير صحيح، بل أنه ممنوع من التمتع والقران، و هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة، فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة كالطواف" (لباب المناسك مع المسلك المتقسط في المنسك المتوسط لملا على القاري، ص: ۳۱۹، دارالكتب العلميه بيروت)

۸......نامناسب ہے۔

۹......بہتر صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ سے فقط حج کا احرام باندھ کر آئے، عبادات میں بروقتِ اختلاف امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟

سوال[۵۱۲۱]: ایک شخص جو رمضان سے پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ کر کے حلال ہو کر مقیم رہا اور اشہر حج وہیں شروع ہوگئے، پھر شوال میں مدینہ منورہ گیا، مدینہ سے واپسی کے وقت بہتر بات یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کر آئے لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر آنے میں گنجائش ہے، یہ گنجائش مذکورہ دونوں صورتوں والوں کے لئے ہے یا فرض ہے؟ اور اجازت کی وجہ کیا یہی ہے کہ یہ حاجی آفاقی ہے اور حقیقی طور پر مکی نہیں ہے؟ دوسرا وہ جو اشہر حج میں عمرہ کے احرام سے مکہ معظمہ جا کر حلال ہوا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے اَشہر حج میں عمرہ کرلیا ہے اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا، پھر اس سال حج کر کے وطن واپس ہوگا، امام صاحب کے نزدیک وہ شخص متمتع ہے، اس کو ایک عمرہ کر لینے کے بعد حج سے پہلے مدینہ سے چل کر عمرہ کرنے سے امام صاحب منع فرماتے ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک مدینہ طیبہ چلے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا، اب اگر دوبارہ وہ عمرہ کرے گا تو تمتع صحیح ہوجائے گا۔ جس شخص نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا -اگر چہ اس سے پہلے کیا ہو- وہ مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہو کر جب حج کے لئے آئے اور احرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) سوالات کو تفصیلی جوابات کے ساتھ دیکھئے: (فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۳۹۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "فأما إذا عاد إلی غیر أهله، بأن خرج من المیقات، ولحق بموضع لأهله القران والتمتع کالبصرة =

اشہر حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا

سوال[۵۱۲۲]: حج میں اگر حاجی ایامِ حج سے پہلے حجِ تمتع میں عمرہ کا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوا اور عمرہ کے سب کام کرے تو اس کا حجِ تمتع ہو جائے گا، یا اس کو پھر ایامِ حج میں عمرہ کرنا پڑے گا تب حج تمتع درست ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے اگر عمرہ کیا اور پھر حج کیا تو وہ تمتع نہیں ہوگا (۱)، اشہرِ حج میں عمرہ کر کے حلال ہو کر پھر حج کے لئے احرام باندھ کر حج کرنے

= مثلا أو نحوها، و اتخذ هناک داراً، أولم يتخذ هناک داراً، توطن بها أو لم يتوطن، ثم عاد إلى مكة، و حج من عامه ذلک، فهل يكون متمتعاً؟ ذكر في الجامع الصغير أنه يكون متمتعاً، ولم يذكر الخلاف. وذكر القاضي أيضاً أنه يكون متمتعاً، في ق لهم. وذكر الطحاوي: أنه يكون متمتعاً في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وهذا و ما إذا أقام بمكة، و لم يبرح منها سواء. و أمافي قول أبي يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ: فلا يكون متمتعاً، ولحوقه بموضعٍ لأهله التمتع والقران، و لحوقه بأهله سواء.

وجه قولهما: أنه لما جاوز الميقات، ووصل إلى موضع لأهل التمتع والقران، فقد بطل حكم السفر الأول، و خرج من أن يكون من أهل مكة ؛ لوجود إنشاء سفر آخر، فلا يكون متمتعاً كما لو رجع إلى أهله. و لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أن وصوله إلى موضعٍ لأهله القران والتمتع لايُبطل السفر الأول ما لم يَعد إلى منزله: لأن المسافر ما دام يتردد في سفره، يعدّ ذلک كله منه سفراً واحداً، ما لم يَعدْ إلى منزله، و لم يعد ههنا، فكان السفر الأول قائماً، فصار كأنه لم يبرح من مكة، فيكون متمتعاً، و يلزمه هدى المتعة". (بدائع الصنائع، فصل: و أما بيان ما يحرم به: ۱۷۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب التمتع: ۵۴۲/۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب القران والتمتع: ۲۹۰/۱، ۲۹۱، دار إحياالتراث العربي بيروت)

(۱) "لا يسمى تمتعاً إذا كان أحدهما في غير أشهر الحج، والآخر في أشهر الحج". (تبيين الحقائق، باب التمتع: ۳۳۸/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"وعلم من هذا أن الاعتمار في سنة قبل أشهر الحج مانع من التمتع في سننه، الخ". (البحر الرائق.=

سے تمتع ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۱۷ھ۔

قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے

سوال[۵۱۲۳]: قارن قران کے شکر میں قربانی دینے کے بعد وہ اور بھی قربانی جو اپنے وطن میں کرتا تھا وہاں کرے یا اپنی اولاد کو وطن میں قربانی کرنے کو کہہ دے۔ کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی طرف سے اس کی اولاد قربانی کردے گی اس کے کہنے کے مطابق، تو اس کی قربانی درست ہوجائے گی (۲)، لیکن حرم محترم میں قربانی کا اجر بہت زیادہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= باب التمتع: ۶۴۵/۲، رشیدیه)

"الثامنة: واختلفوا فيمن أنشأ عمرةً في غير أشهر الحج، ثم عمل لها في أشهر الحج، فقال مالك: عمرته في الشهر الذى حل فيه، يريد إن كان حل منها في غير أشهر الحج، فليس بمتمتع، وإن كان حل منها في أشهر الحج، فهو متمتع، إن حج من عامه". (تفسير القرطبي، (سورة البقرة، آيت: ۱۹۶) : ۲۶۴/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) "أما المتمتع فالمعروف أنه الاعتماد في أشهر الحج، ثم التحلل من تلك العمرة، والإهلال بالحج في تلك السنة". (فتح الباري، باب التمتع والقران والإفراد بالحج، و فسخ الحج لمن لم يكن معه هدى: ۵۳۹/۳، قديمى)

(وكذا في نيل الأوطار، باب التخيير بين التمتع والإفراد والقران و بيان أفضلها: ۳۹/۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في الدر المنتقىٰ شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۲۸۹/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا لك لولم يوص وأمر رجلاً أن يضحى عنه ولم يسم شيئاً، فهو جائز". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات، رشيديه)

(۳) "وجاء ت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها في الثبوت ليست =

عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے؟

سوال[۵۱۲۴]: ۱..... زید جدہ میں ملازم ہے، تقریباً ہر ہفتہ عمرہ کرتا ہے، عمرہ کے بعد باریک مشین سے بال کٹوا دیتا ہے، استرہ سے نہیں مونڈتا ہے کیونکہ اس نے معلم الحجاج میں پڑھا ہے کہ بال کتروانے کی اجازت ہے اگر چہ مونڈوانا افضل ہے، ہر ہفتہ عمرہ کے بعد بال رگڑ کر مشین سے کٹوا دیتا ہے، اسی طرح بہت سے عمرے کر چکا ہے۔ اس دفعہ عمرہ کے بعد کسی شخص نے بتایا کہ اس طرح جائز نہیں، بال منڈوانا لازم ہے۔ برائے مہربانی مجھے مطلع فرمائیں کہ یہ شخص تو اب تک اسی طرح بیسیوں عمرے کر چکا ہے، اب وہ کیا کرے؟ اس کا کیا علاج کرے جو کہ وہ کر چکا ہے؟

حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ

سوال[۵۱۲۵]: ۲..... کیا حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے؟ معلم الحجاج والے بزرگ کہتے ہیں کہ جائز ہے، لیکن کئی دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ صحیح جواب کا انتظار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر مشین ایسی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا بال بھی کاٹ دیتی ہے تو اب کسی تدارک کی ضرورت نہیں، سب عمرہ درست ہوگئے، البتہ ایسی حالت میں احتیاط یہ ہے کہ استرہ پھیر دیا کریں (۱)۔

۲..... عمرہ صرف ایام حج میں نہیں ہے بقیہ تمام سال جائز ہے (۲)، البتہ جو شخص تمتع کرے یعنی اشہرِ حج

= كأحاديث الصلاة فيها". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في مضاعفة الصلاة بمكة: ۵۲۵/۲، سعيد)

(۱) "فإن حلق رأسه بالنورة أجزأه، والموسىٰ أفضل، أما الجواز فلحصول المقصود، وهو إزالة الشعر، و أما أفضلية الحلق بالموسىٰ، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في أحكام الحلق والتقصير: ۹۹/۳، ۱۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۶۰۶/۲، رشيديه)

(۲) "اتفق العلماء على أن العمرة تجوز في أى وقت من أوقات السَّنَة في أشهر الحج وغيرها، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب وقت العمرة: ۲۶/۳، المكتبة الحقانيه پشاور) .... =

میں عمرہ کرکے حلال ہوجائے پھراسی سال حج کرے تو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے اگر عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہوجائے گا، مگر دوسرے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب دوسرا عمرہ کیا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہوجائے گا، علیٰ ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا اخیر عمرہ کے ذریعہ تمتع ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۳ھ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ

سوال[۵۱۲۶]: حج کی اقسامِ ثلاثہ سے تمتع کے اندر آدمی افعالِ عمرہ سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ میں ایامِ حج تک حلال ہوکر اپنے علاقائی لباس، وضع قطع، ہیئت، نیز خاندانی اور قومی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ رہتا ہے، چونکہ اس صورت میں حجاج کرام میں باہمی علاقائیت کے جذبات ابھرنے، تخریب، گروہ بندی، نیز قومی خاندانی، ملکی عصبیت کے جذبات پیدا ہونے کا قوی امکان بلکہ یقین ہے جو مقصدِ حج یعنی اتحاد بین المسلمین، باہمی یگانگت مساوات وغیرہ کے منافی ہے، اس لئے دورِ خلافتِ راشدہ میں حضرات شیخین رضی اللہ

= "وقت العمرة السنة: أى أيامها كلها وقت لها: أى لجوازها، إلا أنه: أى الشأن يكره تحريماً: أى كراهة تحريم إحرامها فى الأيام الخمسة: أى المذكورة سابقاً، الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب العمرة، فصل فى وقتها، ص: ۴۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس فى العمرة: ۱/۲۳۷، رشيديه)

(۱) "لو أحرم لعمرة قبل أشهر الحج فقضاها و تحلل و أقام بمكة، فأحرم بعمرة، ثم حج من عامه ذلك، لم يكن متمتعاً، فإن كان حين فرغ من الأولىٰ خرج، فجاوز الميقات قبل أشهر الحج، فأهلّ منه لعمرة فى أشهر الحج، و حج من عامه فهو متمتع. وإن كان جاوز الميقات فى أشهر الحج، لم يكن متمتعاً، إلا إذا خرج من أهله، ثم اعتمر، ثم حج من عامه عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وعندهما: هو متمتع جاوز الميقات قبل أشهر الحج أو بعدها، كذا فى محيط السرخسى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فى القران والتمتع: ۱/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا فى البدائع، فصل: و أما بيان ما يحرم به: ۳/۱۷۲، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فى البحر الرائق مع منحة الخالق، باب التمتع: ۲/۶۴۵، رشيديه)

تعالیٰ عنہما نے اپنے خلافت کے زمانہ میں تمتع پر بالکلیہ پابندی لگا رکھی تھی اور قطعاً کسی کو تمتع کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، لیکن پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تیسیر أعلی الناس تمتع کی اجازت دیدی اور لوگوں نے تمتع کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مفاسد (علاقائیت کے جذبات، تخریب، گروہ بندی وغیرہ وغیرہ) امکان سے فعل میں آ گئے، لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف میٹنگیں کیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں خود یا صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے ان کے علم اور اجازت سے کبھی تمتع نہیں کیا؟ مذکورہ بالا خیال تاریخ، اقوال وآثار اور عملِ صحابہ ان کی روشنی میں صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس کی تائید کی روایات اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ بطورِ مثال تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

۲...... اگر یہ خیال صحیح نہ ہو بلکہ حضراتِ شیخین کے دور میں تمتع معمول بہ ہو اور اس پر عام پابندی ونکیر نہ ہو، تو اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ اس کی تائید میں حوالہ کے ساتھ نقل فرما کر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

۳...... حضرات شیخین کے دور میں قران یا اِفراد کی شکل میں حج ہوتا تھا اور طوافِ زیارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جبراً وکرہاً (حتی کہ دُرّے سے پٹائی کر کے) آفاقی حجاج کرام کو اپنے اپنے وطن واپس کر دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں قیام نہیں کرنے دیتے تھے کیونکہ اب وہ احرام سے حلال ہو کر اپنے اصلی وضع قطع اور لباس وغیرہ میں آ گئے ہیں، اس لئے کہ کہیں مذکورہ بالا مفاسد پیدا نہ ہو جائیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن بعض صحابہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی تین وجوہ حافظ ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھی ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ بھی مستقل عبادت ہے، اس کے لئے بھی مستقل سفر کیا جائے، جیسے کہ حج کے لئے کیا جاتا ہے، اس کو حج کے ضمن میں ادا کرنے سے اس کی استقلالی شان نہیں رہے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اوقاتِ حج میں زائرین وطائفین سے بیت اللہ معمور رہتا ہے اسی طرح غیر اوقاتِ حج میں بھی معتمرین سے معمور رہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حجاج ومعتمرین سب ہی ایک وقت میں جمع

ہوں تو ازدحام زیادہ ہو کر سب کو ضیق ہوتی ہے، اس سے حفاظت رہے اور مناسک بہ آسانی ادا ہوں، لہٰذا جو کچھ اختلاف ہے وہ حظر واباحت کا اختلاف نہیں بلکہ افضلیت کا اختلاف ہے:

"وقد روی عن أصحاب النبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم فی هذه المتعة روایاتٌ ظاهرها یقتضی الاختلاف فی إباحتها، وإذا حصلت، کان الاختلاف فی الأفضل، لا فی الحظر والإباحة". کذا فی أحکام القرآن: ۱/۲۸۲(۱)۔ "وذلك لمعان: أحدها: الفضیلة، لیکون الحج فی الأشهر المعلومة له، و یکون العمرة فی غیرها من الشهور. والثانی أنه أحب عمارة البیت ویکثر زواره فی غیرها من الشهور. والثالث: أنه رای إدخال الرفق علی أهل الحرم بدخول الناس إلیهم، فقد جاء ت بهذه الوجوه أخبار مفسرة عنه، اهـ". أحکام القرآن(۲)۔

پھر وہ اخبار بھی سند کے ساتھ نقل کی ہیں جن سے ان وجوہ پر استدلال مقصود ہے، اس کے بعد اپنی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہونچا کر لکھا ہے:

"عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما قال: سمعت عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه یقول: "لو اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم حججت لتمتعت". ففی هذا الخبر اختیاره للمتعة، فثبت بذلك أنه لم یکن ما کان منه فی أمر المتعة علی وجه النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، وإنما کان علی وجه اختیار المصلحة لأهل البلد تارةً و لعمارة البیت أخریٰ". أحکام القرآن: ۱/۲۸۵(۳)۔

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

(۲) (أحکام القرآن للجصاص، المصدر السابق)

"وزعم من صحح نهی عمر عن التمتع، أنه إنما نهی عنه، لینتجع البیت مرتین أو أکثر فی العام، حتی تکثر عمارته بکثرة الزوار له فی غیرالموسم، و أراد إدخال الرفق علی أهل الحرم بدخول الناس تحقیقاً لدعوة إبراهیم". (تفسیر القرطبی، (سورة البقرة، آیت: ۱۹۶) : ۲/۲۵۶، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

(ومصنف ابن أبی شیبة، باب فی المتعة من کان یراها أو یرخص فیها: ۳/۲۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق سنئے:

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: لأن اعتمر فی شوال، أو فی ذی القعدة، أو فی ذی الحجة فی شهر یجب علیّ فیه الهدی أحب إلیّ من أن أعتمر فی شهرٍ لا یجب علیّ فیه، اهـ". أحکام القرآن: ۱/۲۸۵(۱)۔

بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة *میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانۂ حصار ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عمرہ کے لئے جانا اور جب فتنہ کی وجہ سے بعض اولاد نہ جانے کا مشورہ دیا تو یہ فرمانا منقول ہے:*

"عن نافع أن بعض بنی عبد الله قال له: لو أقمت العام، فإنی أخاف أن لا تصل إلی البیت، قال: خرجنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فحال کفار قریش دون البیت، فنحر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هدایاه، وحلق، و قصر أصحابه، أشهِدُکم أنی أوجبت عمرةً، فإن خلی بینی و بین البیت، طفتُ، وإن حیل بینی و بین البیت، صنعت کما صنع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فسار ساعةً، ثم قال: ما أری شانهما إلا واحدة، أشهِدُکم أنی قد أوجبت حجةً مع عمرة، اهـ". بخاری شریف، ص: ۶۰۱(۲)۔

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد اشکال باقی نہیں رہے گا۔

تنبیه: *حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی ہے*، کما فی أحکام القرآن: ۱/۲۸۵(۳)۔ *فقط واللہ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

(وکذا فی حاشیة موطا الإمام مالک، باب ماجاء فی التمتع، ص: ۳۵۴ مکتبه میر محمد کراچی)

(۲) (صحیح البخاری، باب غزوة الحدیبیة، لقول الله تعالیٰ: ﴿لقد رضی الله عن المؤمنین إذیبایعونک تحت الشجرة﴾ الآیة: ۲/۶۰۱، قدیمی)

(۳) "وعن قتادة قال: سمعت جریّ بن کلیب یقول: رأیت عثمان ینهی عن المتعة وعلیٌّ یأبها، الخ". (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

حجِ بدل

سوال[۵۱۲۷]: جس شخص نے اپنا حجِ فرض پہلے ادا نہ کیا ہو، وہ دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ ہے، بحر: ۷٤/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۸]: زید کی تجارت اور کاروبار مدراس شہر میں تھا اور اصل مکان اور اہل وعیال مدراس سے ۷۵/میل کے فاصلہ پر ہے، زید مدراس سے ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ وطن آیا کرتا تھا، اس اثناء میں زید نے حج کا قصد کیا، حج کی تیاری سے فارغ ہوکر مکان سے رخصت ہوتے ہوئے مدراس پہنچا اور حج کے ٹکٹ بھی خرید لئے، بمبئی کے ریل پر سوار ہونے کے قبل دفعتاً بیمار ہوکر ایک ہفتہ کے عرصہ میں اس بیماری میں انتقال ہوگیا۔ ایسی صورت میں زید سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا بدل کرانا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ثم المصنف رحمه الله تعالیٰ لم يقيد الحاج عن الغير بشيء ليفيد أنه يجوز إحجاج الصرورة: و هو الذي لم يحج أولاً عن نفسه، لكنه مكروه، كما صرحوا به، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۲۳/۳، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۶۰۳/۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراسی سال زید کے ذمہ حج فرض ہوا تھا اوراس سے قبل زید میں اتنی وسعت نہ تھی کہ اس پر حج فرض ہوتا اوروقتِ حج آنے سے پیشتر زید انتقال کرگیا تو زید کے ذمہ میں حج نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ادائے حج کے لئے زید نے کوئی وقت نہیں پایا۔اس سال سے قبل حج فرض نہیں ہوا وسعت نہ ہونے کی وجہ سے،اس سال وسعت ہوئی،اورزید نے ارادہ ہی کرلیا مگر قضائے الٰہی سے وقتِ ادائے حج سے قبل انتقال ہوگیا۔

اگراس سے قبل اس کے ذمہ حج فرض ہوچکا تھا اوراس نے ادانہیں کیا،امسال یہ واقعہ پیش آیا تو زید کے ذمہ فرض باقی رہ گیا اورنہ کرنے سے گناہ گار رہا،اس کے ذمہ واجب تھا کہ مرنے سے پہلے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرتا،پس اگر وصیت کی ہے تو حسبِ وصیت تو اس کی طرف سے حج کرانا فرض ہے (۱)،لیکن اس کے ترکہ میں سے ایک ثلث مال سے اس کی وصیت کا پورا کرنا فرض ہے،اگرایک ثلث میں حج ہوسکتا ہے تب تو خیر،ورنہ اگرورثاء بالغ ہوں اوروہ اجازت دیں تب بھی حج کرادیا جائے۔

اگرایک ثلث میں حج نہ ہوسکتا ہواورورثاء نابالغ ہوں یا ورثہ بالغ ہوں،اگرایک ثلث سے زائد خرچ کرنے کی اجازت نہ دیں (۲) (ایک ثلث تو بغیر اجازت کے بھی خرچ کرنا ضروری ہے) تو جس جگہ ثلث میں سے حج ادا ہوسکے،حج کرانا کافی ہوگا (۳)۔

---

(۱) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۲/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ۲۵۸/۱، رشيديه)

(۲) "فإن أجازت الورثة و هم كبار، جاز، وإن لم يجيزوا، لا يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۲۵۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۵۵۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۶۱۳/۲، سعيد)

(۳) "الحادى عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، وإلا فمن حيث يبلغ، كماسيأتي بيانه".

(ردالمحتار، مطلب: شروط الحج عن الغير عشرون: ۶۰۰/۲، سعيد) .... =

اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ حج کرانا ضروری اور فرض نہیں، تاہم اگر بالغ ورثاء اپنے روپیہ سے (خواہ وہ روپیہ زید کے ترکہ سے ہی ملا ہو) حج کرادیں تو زید کو ثواب پہونچ جائے گا(۱)۔

"خرج المكلف إلى الحج، و مات في الطريق، وأوصى بالحج عنه، إنما تجب الوصية به إذا أخره بعد وجوبه، أما لو حج عن عامه فلا، فإن فسر المال أو المكان، فالأمر عليه: أي على ما فسره، و إلا فيحج عنه من بلده إن وفى به ثلثه، وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً".

در مختار: ۲/۳۷۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۹]: حاجی صاحبان کو چندہ کر کے یا کچھ لوگ اپنی خواہش سے اپنے صرفہ سے حج کے

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك الوصية بالحج: ۲/۵۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۹، رشيديه)

(۱) "و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، و أرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۶، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۴ سعيد)

"فيجب عليه أن يوصي به، فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته مع إمكان الأداء في الجملة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

لئے روانہ کریں تو اسکے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص حج کو نہ جاسکے وہ اپنی طرف سے یا کسی میت کی طرف سے حجِ بدل کو بھیجے تو یہ درست ہے، جس کی طرف سے حج کیا جائے گا اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۰ھ۔

والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حجِ بدل کرانا

سوال [۵۱۳۰]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اور اپنے ساتھ دو شخصوں کو اپنے سرمایہ سے لے جارہا ہے، اس کا خیال ہے کہ ان دونوں سے اپنے والد اور دادا کی طرف سے حج کراؤں مگر والد اور دادا کی طرف سے حج کی کوئی وصیت نہیں ہے، محض تبرعاً یہ ان کی طرف سے حج کرارہا ہے تو حجِ بدل کرانا اپنے والد اور دادا کا زیادہ بہتر ہے یا نفلی حج اپنی طرف سے کرنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنی طرف سے حجِ بدل کراکے والد اور دادا کو ثواب پہونچادے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "فمن عجز عن حج الفرض، فأحج غيره صح حجه، و يقع عنه: أي يقع عن الآمر أصل الحج". (الدر المنتقیٰ شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث بيروت)

"وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات، الخ". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"وإن أذن له الآمر بذلك: أى بدفع المال إلى غيره عند حصول عجزه، جاز: أى وقوع الحج عنه، أو جاز دفع المال إلى غيره ليحج عنه". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۳، مصطفى محمد مصر)

(۲) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً .... أو حجاً أو =

حج بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا

سوال[۵۱۳۱]: اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے میں عربی میں حجِ قران کی نیت، طواف کی نیت اور قربانی کے وقت منی کی جگہ پر ماں یا باپ کا نام لیا جائے، یا صرف یہ کہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے یا اپنی والدہ محترمہ کی طرف سے نیت کررہا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت تو اصالۃً دل سے ہوتی ہے، زبان سے عربی میں کہے یا اردو میں ہر طرح درست اور کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا حج بدل میں نام لینا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۳۲]: حج بدل میں لبیک پڑھتے وقت جس کی جانب سے حج بدل کیا جاتا ہے اس کا نام بھی لبیک میں ملانا ضروری ہے، اگر ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ پوری تفصیل سے لکھیں اور کس جگہ تلبیہ

= عمرةً أو غير ذلک .... والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير، و يفعله لنفسه، ثم بعد ذلک يجعل ثوابه لغيره". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، ۱۰۶، رشيديه)

"والأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مَا، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة". (الدر المختار، باب الحج عن الغير ۵۹۵/۲، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في مناسک الملا على القارى، باب الحج عن الغير، ص: ۴۳۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "(وينوى النائب عنه) الحج (فيقول: لبيک بحجة عن فلان) .... وإن اكتفى بنية القلب، جاز. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح". (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۸/۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"ويشترط نية الحج عنه: أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح، و تكفى نية القلب". (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۸/۲، سعيد)

(وكذا فى إرشاد السارى، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۲، مصطفى محمد مصر)

میں نام لیا جائے اور پورا تلبیہ لکھ کر بھیجیں تا کہ حجِ بدل صحیح ہو جائے۔ عام طور پر لوگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی حج کی طرح نسبت وغیرہ کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی ضروری نہیں ہے، دل میں یہ نیت کافی ہے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا ہوں۔ اگر احرام کے وقت اس کی طرف سے احرام کی نیت نہیں کی اور اعمالِ حج شروع کر دیئے تو حجِ بدل صحیح نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ بدل کے لئے ذوالحلیفہ سے احرام

سوال[۵۱۳۳]: حجِ بدل میں جانے والے کے لئے حج سے پہلے مدینہ جانا اور ذوالحلیفہ (بیرِ علی) سے احرام باندھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ آمر کی میقات سمندر میں محاذاتِ یلملم ہے۔ کیا اس میں آمر کا حج خراب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اِذنِ آمر سے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "وبشرط نية الحج عنه: أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح، وتكفى نية القلب". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدينؒ: "(قوله: ولو نسى اسمه ولو أحرم مبهماً: أى بأن أحرم بحجة وأطلق النية عن ذكر المحجوج عنه، فله أن يعينه من نفسه أو غيره قبل الشروع فى الأفعال، كما فى اللباب وشرحه". (ردالمحتار: ۵۹۸/۲، ۵۹۹، سعيد)

(وكذا فى ارشاد السارى، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۲، مكتبه مصطفىٰ محمد مصر)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱۲/۳، ۱۱۳، رشيديه)

(۲) "(الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت (وإن لم يتسع): أى الثلث=

مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا

سوال[۵۱۳۴]: (الف) حجِ بدل والے کو تمتع کرنا محتاط علماء منع کرتے ہیں، اب آج کل جہازوں

= (یحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو أوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلك المكان الوصى به (من مكة أو بعد) .... اهـ". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

وفي ارشاد السارى: "قوله من حيث يبلغ : أقول : فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالك، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما ستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلك، فلو أحرم المأمور من مكة، لايصح . وإطلاق المتن هنا يقتضي الجواز، ولم أر من تعرض لذلك، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا، كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، فصل في شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دار الكتب العلميه بيروت)

"میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دوتین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) اگر حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے، اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا:

"قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني بهذا المال كيف شئتَ، إن شئتَ حجةً، وإن شئت حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۷ . (زبدة المناسك: ۲/۱۵۸)

(وكذا في فتاوىٰ رحيميه، كتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والا کون سا احرام باندھے؟: ۸/۱۲۸، ۱۲۹، دار الإشاعت كراچى)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۵۲۳، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن كراچى)

کے ٹکٹوں کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کبھی بہت پہلے جانے کی صورت ہو جاتی ہے، اس لئے حج بدل میں جانے والے بعض ذی علم یہ صورت کرتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی میں ذوالحلیفہ سے حج بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھتے ہیں۔ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لئے بھی بھیجنے والے کی اجازت ضروری ہے؟

(ب) اسی طرح اگر بھیجنے والے کی اجازت سے حجِ بدل والا قبل از رمضان جاوے اور بیس پچیس رمضان تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر اشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے مدینہ چلا جاوے، پھر ابتدائے ذی الحجہ میں وہاں سے حجِ بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھ کر آئے تو جائز ہے یا نہیں؟

شبیر محمود سورتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے۔

(ب) یہ بھی اجازت سے درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت (وإن لم يتسع): أى الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو اوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما اوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلک المكان الوصى به (من مكة أو بعد) .... اهـ". (المسلک المتقسط فى المنسک المتوسط)

وفى ارشاد السارى: "(قوله: من حيث يبلغ): أقول: فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالک، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما يستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلک، فلو أحرم المأمور من مكة لايصح. وإطلاق المتن هنا يقتضى الجواز، ولم أر من تعرض لذلک، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلک عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا كما سيصرح به الشيخ رحمه الله يقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (ارشاد السارى إلى مناسک الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دارالكتب العلميه بيروت) .... =

حج بدل والے کو مدینہ طیبہ پہلے جانا

سوال[۵۱۳۵]: ہندوستان سے حج بدل کرنیوالے اگر جدہ سے سیدھے مدینہ شریف چلے جائیں اور حج کے قریب کے دنوں میں اِفراد کا احرام باندھ کر حج کریں تو کسی قسم کی قباحت تو نہیں؟ اگر ایسا حاجی رمضان سے پہلے والے جہاز سے سفر کرے اور سیدھا مکہ شریف جائے اور شوال آنے سے پہلے وہاں سے مدینہ شریف چلا جائے اور آخر میں اِفراد کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمر کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، دونوں صورتیں اختیار کرسکتا ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

= ’’میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دو تین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) اگر حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔

”قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني بهذا المال كيف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً“. (فتاوىٰ قاضي خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۷“. (زبدة المناسک: ۲/۱۵۸)

(وكذا في فتاوىٰ رحيميه، كتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والا کون سا احرام باندھے؟:۸/۱۲۸، ۱۲۹، دارالإشاعت كراچی)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۵۲۳، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۲۲۸ إدارة القرآن كراچی)

(۱) ”ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن“.

(الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا“.: ۲/۶۱۱، سعيد) =

حجِ بدل میں پہلے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری

سوال[۵۱۳۶]: ۲۸/شوال المکرّم کے جہاز سے میں حجِ بدل کے لئے روانہ ہورہا ہوں، جو ۵/ ذیقعدہ تک جدہ پہونچے گا۔ موسمِ سرما کی وجہ سے پہلے مدینہ منورہ جانے کے بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۃ المکرّمہ جانے کا خیال تھا، مگر معلوم یہ ہوا کہ بدل میں حج کرنے والا صرف افراد کرسکتا ہے، تمتع کی کوئی گنجائش نہیں، اگر ایسا ہے تو اولاً مدینہ منورہ جانا ناگریز ہوجائے گا، کیونکہ اس موسم میں ایک مہینہ دس روز تک حالتِ احرام میں رہنا تو بہت دشوار ہے، لہٰذا مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے۔ اگر جدہ سے مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کے حلال ہوجانے کی کوئی شرعی گنجائش ہو تو بتلادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ مبارک ہو

زھے سعادتِ بندہ کہ کرد نزول گھے بہ بیتِ خدا وگھے بہ بیتِ رسول

حق تعالیٰ بہت سہولت وعافیت کے ساتھ جملہ مناسک پورے کرائے اور ہر قسم کی جنایت سے محفوظ رکھے، مقاماتِ مقدس کے آداب کی رعایت پوری توفیق دے، بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ ترقیات سے نوازے۔ روزۂ اقدس پر اس سیاہ کار کی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام پیش فرمادیں۔

آپ جدہ سے اتر کر پہلے درِاقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری دیں، پھر وہاں کی شفاعت اور دعاء ساتھ لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوں، یہی اسلم وارجح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۱ھ۔

= (وكذا في جواهر الفقه: ۵۰۸/۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في فتاوی رحيميه: ۳۱۲/۸، ۳۱۳، دار الاشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوی: ۵۲۳/۴، سعيد)

(۱) جب کہ مذکورہ خدشات اور اعذار سامنے ہوں تو اس صورت میں حجِ بدل والا شخص زیارتِ مدینہ کو حج پر مقدم کرسکتا ہے:

"وزيارة قبره مندوبة، بل قيل واجبة لمن له سعة، ويبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لونفلاً، مالم =

حجِ بدل میں تمتع

سوال[۵۱۳۷]: مشہور واعظ حضرت شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین مفتی اعظم جمعیۃ العلماء بنگال جو کہ ایک زبردست اور محقق عالم گذرے ہیں، ان کی تصنیف کردہ کتاب مسائل حج، ص: ۱۳۰، میں انہوں نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

''منیب یا وصی اگر نائب کو پورا اختیار دے دے تو اس کے تمتع کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اس سے حج بھی ادا ہو جاتا ہے''۔

مگر حضور عالی کا لکھا ہوا فتویٰ جو کہ معلم الحجاج میں مرقوم ہے، اس کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے(۱)،

= مالم يمرّ به فيبدأ بزيارته لامحالة". (الدر المختار). "قال في شرح اللباب: وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إذا كان الحج فرضاً، فالأحسن أن يبدأ بالحج، ثم يثني بالزيارة. وإن بدأ بالزيارة، جاز، اهـ، وهو ظاهر؛ إذ يجوز تقديم النفل على الفرض إذا لم يخش الفوات بالإجماع". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الهدى، مطلب في تفضيل قبره المكرم -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- : ۶۲۷/۲، سعيد)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: إنها أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة. والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة. وإن كان نفلاً بالخيار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحج، خاتمة في قبر النبي صلى الله تعالىٰ تعالىٰ عليه وسلم مطلب: زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۶۵/۱، رشيديه)

قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: من أفضل، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة، روى الدار قطني، والبزاز عنه -عليه الصلوة والسلام-: "من زار قبري وجبت له شفاعتي، وأخرج الدار قطني أيضاً "من حج وزار قبري بعد موتي، كان كمن زارني في حياتي". هذا، والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة. وإن كان تطوعاً، كان بالخيار". (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: ۱۷۹/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آمر کی مخالفت نہ کرنا، اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان =

= دینا ہوگا۔ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دمِ قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں۔ اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا

(وفی حاشیته) ''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

امام الناسکین ملا علی القاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نور اللہ مرقدہ) نے زبدۃ المناسک میں عدمِ جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن أبی داؤد (برد اللہ مضجعہ) بھی عدمِ جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے۔

اس لئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے''۔ سعید احمد غفرلہ۔ (معلم الحجاج، حج بدل کے شرائط، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، إدارۃ القرآن کراچی)

[تنبیہ]: حج بدل میں قران اور افراد کا جواز محقق ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس میں تمتع کرے تو اس کی بھی گنجائش فقہائے کرام کی عبارات میں ہے، اردو فتاویٰ اور اسی طرح عربی فتاویٰ میں اس کا جواز ملتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتویٰ اور فتاویٰ اسعدیہ موجود نہیں، اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کرسکتا ہے............اھ۔

لیکن اس عدمِ جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھا جانا شرط تھا، بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہرِ حال کی دلالت سے مطلقِ حج کی آمر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کردیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع بلکہ =

بہر کیف جو قابلِ ترجیح بات ہو عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اور بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن ہمیں کتب فقہ: شامی، بحر، غنیہ وغیرہ سے وہی راجح معلوم ہوا جو معلم الحجاج میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۶۷ھ۔

= قران کو بھی مخالفتِ آمر کی مد شمار کیا ہے، حالانکہ قارن کا حج آفاقی ہے نہ کی:

"فیصیر مخالفاً بالقران أو التمتع، كما مر" (درمختار) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلافيصر مخالفاً، فيضمن، انتهى"، (درمختار: ۲/۲۱۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوگیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحج: ۴/۳۵، ۳۴۶، دار الاشاعت کراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الحج: ۴/۵۲۳، سعيد)

(۱) "(وينبغي للآمر أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني): أي بهذا (كيف شئتَ مفرداً أوقارناً أو متمتعاً) فيه أن هذا القيد سهوٌ ظاهرٌ؛ إذِ التفويض المذكور في كلام المشايخ مقيدٌ بالإفراد والقران لاغير، ففي الكبير: قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: إذا أمر غيره أن يحجّ عنه، ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجِّ عني بهذا كيف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ فاقرنْ. والباقي من المال وصية له، لكي لايضيق الأمر على الحاج، ولايجب عليه الرد إلى الورثة، انتهى كلامه.

وقد سبق أيضاً أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاتياً آفاقياً وتقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها ويكون حجه مكياً. وأما ما في قاضيخان من التخيير بحجة أو عمرة وحجة أو بالقران، فلا دلالة على جواز المتمتع؛ إذ الواو لاتفيد الترتيب، فيحمل على حج وعمرة بأن يحج أولاً عنه، ثم يأتي بعمرة أيضاً فتدبر؛ فإنه موضع خطرٍ". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

في إرشاد الساري "(قوله: إن هذا القيد سهو ظاهر) قال القاضي عيد في شرحه لهذا الكتاب: =

ایضاً

سوال[۵۱۳۸]: جیسا کہ معلم الحجاج میں ہے کہ ’’اگر زندہ ہو اور اس کی طرف سے تمتع کی اجازت ہو تو کرسکتا ہے‘‘۔ اور یہ کہ معلم الحجاج میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں، وہ مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں ہے۔ اب حضرت والا مزید اطمینان کے لئے تحریر فرمائیں۔ مولانا سعید احمد خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معلم الحجاج میں حج بدل کے مسائل کے تحت یہ تشریح وتفصیل نہیں ہے کہ: ’’اگر زندہ ہے تو یہ حکم ہے، مرگیا ہے تو یہ حکم ہے‘‘ بلکہ مطلقاً حجِ بدل میں تمتع کو منع کیا ہے اگرچہ آمر کی طرف سے اجازت ہو حتی کہ حاشیہ معلم الحجاج، ص: ۳۰۷ میں تصریح کی ہے:

’’حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ حجِ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے‘‘(۱)۔

ظاہرِ عبارت سے تو یہ استفادہ ہوتا ہے کہ آمر زندہ ہے، اگر زندہ نہ بھی ہو تب بھی اس کے امر کے بعد مرگیا ہو تو اس کے امر کی پابندی دونوں حالت میں مامور کو لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۹ھ۔

= ولایخفی أن هذا سهو منه، لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور، صح، ولايكون مخالفاً بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف، فيدبر". (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل في النفقة، ص: ۵۰۳، ۵۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن کراچی)

’’تنبیه: پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے‘‘۔ (زبدة المناسک مع عمدة المناسک، ص: ۴۵۶، سعید)

(وکذا فی جواهر الفقه: ۱/۵۱۶، دارالعلوم کراچی)

ایضاً

سوال [۵۱۳۹]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اور اپنے ساتھ والدین کی طرف سے بغیر وصیت کئے ہوئے حج بدل کے لئے دو شخصوں کو اپنے خرچ سے لے جارہا ہے، یہ دونوں شخص اگر حجِ بدل کریں بغیر کسی وصیت کے تو کیا ان کے لئے یلملم ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے؟ اگر یہاں سے احرام باندھا جائے تو بڑا لمبا زمانہ احرام کا ہوجائے گا، اس کی پابندیوں کا نبھانا مشکل ہے۔ اگر یہ دونوں جدہ سے مدینہ پاک سیدھے جائیں تو بھی جس مقصد کے لئے ان کو ساتھ لیا ہے، وہ فوت ہوجائے گا اور سب رفقاء کا سیدھے مدینہ جانا مشکل ہے۔ تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھیں اور مکۃ المکرّمہ جاکر عمرہ کے ارکان سے فارغ ہو کر احرام کھولدیں اور حج کا احرام یہ دونوں شخص جدہ آکر باندھیں؟

مولانا منظور نعمانی نے ''الفرقان'' کے شعبان ۸۷ھ دسمبر ۶۷ء کے پرچہ میں اپنی رائے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دوسرے حضرات کی رائے بھی نقل کی ہے کہ ''ہندوستان و پاکستان سے آنے والے حضرات کے لئے جدہ میں احرام باندھنا صحیح ہے، اس سے پہلے جہاز میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، وہاں سے یلملم کی محاذات ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے احرام ضروری ہو''۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو تو یہ آمر کی میقات ہوجائے گی تو کیا اس میں کچھ گنجائش ہے کہ روپیہ دینے والے کی اجازت سے یہ تمتع کا احرام باندھیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''الفرقان'' کی اس تحقیق کے بغیر بھی نفلی حج بدل میں (بلا وصیت) تمتع کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أوتمتع ولو للميت، لم يقع عنه ويضمن النفقة ...... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض. وأما النفل، فلا يشترط فيه شئ منها إلا الإسلام والعقل والتمييز". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۶۰۱، سعيد) ....

حجِ بدل میں اِفراد ہو یا قران؟

سوال[۵۱۴۰]: ۱......حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جائے جب کہ اس نے حج کی قسم سے کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو تو کون سی صورت مناسب ہے؟

۲......اگر حج بدل میں افراد کرنا ہو تو رمضان المبارک سے قبل والے جہاز سے روانہ ہو کر پھر ایامِ حج میں حج کا احرام میقات سے باندھنا کیسا ہے؟

۳......بمبئی سے جدہ اور جدہ سے مدینہ منورہ احرام کے بغیر جا کر پھر ایامِ حج میں حجِ بدل لے کر افراد کا احرام باندھ کر آنا کیسا ہے؟

۴......حجِ بدل میں تمتع اور قران کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ تمتع کی کوئی صورتِ جواز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......افراد کیا جائے (۱)۔

= (وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۹۶، دارالكتب العلميه بيروت)

"(وأما في الحج النفل فلا يشترط فيه شيء، الخ) قال العلامة الرافعي في تقريره على ردالمحتار: "الاقتصار على ماذكر من المستثنيات ظاهر فيما إذا حج عن غيره نفلاً مجاناً بلا أمر، أما إذا كان بأمر ومال، فينبغي أن يشترط عدم المخالفة أيضاً، والإنفاق من مال المحجوج عنه ليحصل له ثواب الإنفاق، الخ". (إرشاد الساري إلى المناسك الملا علي القاري على هامش المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على ردالمحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۱۷۱، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچي)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۸/۳۱۲، ۳۱۳، دار الاشاعت كراچي)

(۱) "(الثالث عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد): أي للحج أو العمرة (فقرن): أي عن الآمر، فهو مخالف ضامن عند أبي حنيفة، وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً. وأما لو نوى بأحدهما عن نفسه أو عن غيره، والآخر عن الآمر فهو مخالف ضامن إجماعاً، كذا في المحيط .... (أو تمتع): أي =

۲......درست ہے(۱)۔

۳......درست ہے(۲)۔

۴...... جب وصیت کے ماتحت بدل میں حج فرض ادا کرنا ہو تو تمتع نہ کیا جائے، قران کی گنجائش ہے لیکن دمِ قران مامور پر لازم ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

= بأن نوى العمرة عن الميت ثم حجه عنه، فإنه يصير مخالفاً إجماعاً على مافي البحر الزاخر، ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفر للحج عن الميت، فإنه الفرض عليه، وينصرف مطلق الأمر إليه". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار). "امره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، فقد خالف أمر الآمر فضمن". (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/ ۶۱۱، سعيد)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حج بدل میں افراد ہے ورنہ قران اور تمتع کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

معلم الحجاج میں ہے: "حج بدل والے کو تمتع کرنا جائز نہیں، بلکہ افراد کرنا چاہیے"۔ (معلم الحجاج، ص: ۳۲۸، ادارۃ القرآن کراچی) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: "حج بدل میں افراد کیا جائے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۲۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "أن الآفاقي الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلى الميقات وأحرم هل يصح عن الآمر؟ قيل: لا، وقيل: نعم .... قلت: وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات وأحرم. والجواب عن (قوله: لأن سفره حينئذ لم يكن للحج) أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياماً لبيع أو شراء مثلاً، ثم يدخل المكة، لم يخرج عن أن يكون سفره للحج، كما لو قصد مكاناً آخر في طريقه ثم النقلة عنه". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۷، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار، باب الحج عن الغير. مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/ ۶۱۱، سعيد) =

بیمار کا حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۴۱]: ایک شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کے لئے تیار بھی تھا، لیکن حج کرنے سے قبل ایک شدید مرض میں مبتلا ہوگیا کہ اطباء نے حکم دیا کہ چار چھ ماہ سے قبل اس کو شفاء ہونی مشکل ہے۔ تو کیا یہ شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیج سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی تو حج بدل کے لئے نہ بھیجے بلکہ علاج کرائے، اگر شفاء ہوجائے تو خود حج کرے ورنہ اخیر وقت میں جب خود جانے سے مایوس ہوجائے تو اس وقت حج بدل کی وصیت کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "وإنما وجب دم القران على المأمور .... وأطلق في القران، فشمل ما إذا أمره واحد بالقران فقرن". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۱۶/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۹/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

[تنبيه] (حج بدل میں تمتع ناجائز ہے، فلیراجع، ص: ۴۱۶، رقم الحاشية: ۱)

(۱) "وفي العبادات البدنية المعتبر الوسع، و لا يعتبر العجز للحال؛ لأن الحج فرض العمر، فيعتبر عجز مستغرق لبقية العمر ليقع بها اليأس عن الأداء بالبدن، فقلنا: إن كان عجزه بمعنى لا يزول أصلاً كالزمانة، يجوز الأداء بالنائب مطلقاً. و إن كان عارضاً يتوهم زواله بأن كان مريضاً أو مسجوناً، فإذا أدى بالنائب كان ذلك مراعى، فإن دام به العذر إلى أن مات تحقق اليأس عن الأداء بالبدن، فوقع المؤدى موقع الجواز. وإن برئ من مرضه تبيّن أنه لم يقع فيه اليأس عن الأداء بالبدن، فكان عليه حجة الإسلام، والمؤدى تطوع له". (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره: ۱۳۸/۴، حبيبيه كوئٹه)

"تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر". (الدر المختار). "(قوله: لأنه فرض العمر) تعليل لاشتراط دوام العجز إلى الموت: أي فيعتبر فيه عجز مستوعب لبقية العمر ليقع به اليأس عن الأداء بالبدن". (رد المحتار، باب=

ایضاً

سوال[۵۱۴۲]: زید مالدار ہے، حج اس پر فرض ہے، لیکن آنت اترنے کا عارضہ ہے اور بیماری ہے، آنکھ کی روشنی بھی کم ہے، زید چاہتا ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔ اب آپ فرمایئے کہ ایسی صورت میں زید کا حج بدل ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض کی وجہ سے زید خود جا کر ارکانِ حج ادا نہیں کرسکتا تو اس کے لئے درست ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرالے، لیکن اگر زید پھر خود حج کرنے کے قابل ہوگیا تو خود کرنا لازم ہوگا، یہ حج بدل کافی نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۹ھ۔

= الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الحج عن الغير: ۱/۵۴۷، دار المعرفة بيروت)

(ومعلم الحجاج، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات. أما إذا زال عجزه بعد ذلك، فلا يسقط عنه حج الفرض .... رجل أحجّ رجلاً و هو مريض، فلم يزل مريضاً حتى مات، فهو جائز عن حجة الإسلام. وإن صح، لايجزيه عن حجة الإسلام". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچي)

"(قوله: حتى تلزم الإعادة بزوال العذر): أي العذر الذي يُرجى زواله كالحبس والمرض، بخلاف نحو العمى، فلا إعادة لَو زال على مايأتي". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حج بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا، تو دوبارہ حج فرض نہیں

سوال[۵۱۴۳]: اگر کوئی نابینا شخص قائد نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرادے اور بعد کو قائد میسر آجائے تو کیا صاحبین کے قول کے مطابق دوبارہ حج ادا کرنا فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابینا نے اگر حج بدل کرادیا، پھر اس کا عذر زائل ہوگیا، مثلاً بینائی آگئی، تب بھی اس کے ذمہ اپنا حج خود کرنا لازم نہیں، قائد ملنے کا مسئلہ بھی اسی سے واضح ہوگیا:

"هذا: أی اشتراط دوام العجز إلی الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجی زواله: أی يمكن. وإن لم يكن كذلك كالعمی والزمانة، سقط الفرض بحج الغير عنه، فلا إعادة مطلقاً، سواء استقر به ذلك العذر، أم لا، اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۴ھ۔

میت کی طرف سے بلاوصیت حجِ بدل

سوال[۵۱۴۴]: "تکمیل القبور ترجمہ شرح الصدور" میں منجملہ چند احادیث کے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے: "بزار اور طبرانی نے بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے حجِ اسلام یعنی حج فرض ادا نہیں کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "مجھ کو یہ بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی

---

(۱) (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب فی الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۹/۲، سعيد)

"والعجز الدائم إلی الموت؛ لأنه فرض العمر حتی تلزمه الإعادة بزوال العذر إن كان يرجی زواله، وإن لم يرج كالأعمی والزمانة يجب عليه الإحجاج، كمافی القهستانی عن المحيط. ولا يعيد مطلقاً، كما فی البحر عن المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۷/۱، ۳۰۸، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۳۰۹/۱، فصل فی الحج عن الميت، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۸/۳، رشيديه)

کا قرضہ ہوتا، کیا اس کی جانب سے تُو ادا کرتا؟'' تو اس نے عرض کیا کہ: ہاں، ضرور کرتا، آپ نے فرمایا کہ: ''یہ بھی تو اس کے ذمہ قرض ہے، سو تو اس کو ادا کر'' (۱)۔ اور بھی کئی حدیثیں اس قسم کی ہیں۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ چھوڑ کر مرے جس سے حج ادا ہو سکتا ہے تو اس کے ورثاء کو لازم ہے کہ اس کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کرے، چونکہ حج بھی جس پر فرض ہوگیا ہے قرض ہی میں داخل ہے، لہذا اس کو بھی ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے اس کو ورثاء حسبِ حصہ تقسیم کریں۔

احقر کو اس میں یہ تشویش ہو رہی ہے کہ چچا پٹواری کا ترکہ جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت تھی، ہم لوگوں نے بلا اس کی طرف سے حج ادا کرائے سب ورثاء نے آپس میں تقسیم کرلیا تو ان کی حق تلفی کی گئی، اس کے سوا بہت سی جگہ ایسا معاملہ ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ قرضہ تو قرض خواہوں کی طلب پر ادا کر دیا جاتا ہے، لیکن حج مُردہ کا کوئی نہیں کراتا۔ اس کا مواخذہ ورثہ سے ہوگا یا کیوں کر؟ جواب صواب سے ممنون فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کی طرف سے حج کرانا اس وقت واجب ہے جب کہ اس نے وصیت کی ہو، وہ بھی ایک ثلثِ ترکہ سے، بغیر وصیت واجب نہیں، اگر بغیر وصیت کوئی وارث اپنے حصے سے حج ادا کرادے، یا اپنی طرف سے اپنے مال سے ادا کرادے تو امید ہے کہ وہ میت مواخذہ سے بری ہو جائے، حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ میت کو مواخذہ سے بچانے کے لئے حج ادا کردو، یہ مطلب نہیں کہ اگر حج نہیں کروگے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور ترکہ تقسیم کرنا ناجائز ہوگا، اگر آپ کے چچا نے وصیت نہیں کی تو آپ پر مواخذہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/۷/۶۴ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: أن رجلاً سأل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: هلك أبي ولم يحج، قال: "أرأيت لو كان على أبيك دَينٌ فقضيته عنه أيتقبل منه"؟ قال: نعم، قال: فاحجج عنه". (سنن الدار قطني، كتاب الحج: ۲/۲۶۰، دارنشر الكتب الإسلاميه لاهور)

(۲) "و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، و إن أحب أن يحج عنه حجَّ، و أرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۶۴، إدارة القرآن كراچي)

والدمرحوم کی طرف سے حجِ بدل

سوال[۵۱۴۵]: زید کے والد مرحوم پر حج فرض تھا مگر نادانی اور غفلت کی وجہ سے فریضۂ حج ادا نہیں کر سکے، یہاں تک کہ ان پر ایسا بھی وقت آ گیا کہ وہ بہت مقروض ہو گئے اور مقروض ہو کر انتقال کر گئے اور اپنے حج کی کوئی وصیت نہیں کی۔ وصال کے بعد زید نے والد مرحوم کا سب قرض ادا کر دیا، اب اس کے دل میں خیال گزرا کہ والد مرحوم کی جانب سے حجِ بدل کرادے اور اس فریضہ سے بھی ان کو سبکدوش کرادے، مگر اب زید پر بھی حج فرض ہے اور نقد روپیہ اتنا نہیں کہ خود بھی حج کے لئے جائے اور والد کا حج بدل بھی کرادے۔ تو اب مقدم کس کو کرے خود کو یا والد مرحوم کو؟ جس کو مؤخر کرے اگر اس کے لئے قرض لے کر ساتھ حج کرائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں، بہتر کیا ہے؟

نیز اس کے والد کا معیارِ زندگی بہت بلند تھا۔ اب زید چاہتا ہے کہ والد کے حجِ بدل کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجے جس کا معیارِ زندگی والد سے پست ہو، تاکہ کم سے کم روپیہ میں حج ہو جائے۔ تو کیا ایسا کرنے سے اس کے والد کا حج بدل درست ہو جائے گا اور وہ عند اللہ سبکدوش ہو سکیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے حج بدل کی وصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل کرانا فرض نہیں (۱) اور خود زید کے ذمہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۶، مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "ومن مات وعليه فرض الحج، ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حجَّ، وأرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۶۲، إدارة القرآن كراچی)

"فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته .... حتى لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته .... وإن أحب الوارث أن يحج عنه حجَّ، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، الخ".

(بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلميه بيروت) =

حج فرض ہے، لہذا اپنا حج فرض اول ادا کرے(۱)، پھر اگر وسعت ہوتو والد کی طرف سے بھی حج ادا کرادے، ان کو بھی ثواب پہونچ جائے گا۔ جس معیار کے آدمی سے جس قدر روپیہ بھی خرچ کر کے حج ادا کرادے گا اسی قدر ثواب پہونچ جائے گا۔ اگر انہوں نے وصیت کی ہوتی تو ادائے فرض کا حتمی حکم کیا جاتا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیوی کو اپنے حج سے پہلے حج بدل کرانا

سوال[۵۱۴۶]: میں اپنی مرحوم بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں، اب دوبارہ اپنی موجودہ بیوی کے ساتھ حج کا ارادہ ہے، لیکن بیوی کو حج بدل میں لیجانے کا ارادہ ہے اور اس نے اب تک حج نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے نام گذارے کے لئے پانچ ہزار روپیہ کے شیئر لکھ دیئے ہیں۔ پانچ ہزار روپیہ کے شیئر کا جو دیوان

= (وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۶ مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "فدل أنه لايجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض عليه، و حجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بماليس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل في التعرض لنبات الحرم، كتاب الحج: ۲۷۴/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"إن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضيق عليه في أول سني الإمكان، فيأثم بتركه". (ردالمحتار، مطلب في حج الصرورة: ۶۰۳/۲ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۲۳/۳، رشيديه)

(۲) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۲/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و إذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع شرائط الجواز". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۲۵۸/۱، رشيديه)

(آمدنی) ملے گا، وہ استعمال کرے گی، اس کے علاوہ اس کو نکاح کے وقت میں نے ڈیڑھ ہزار روپیہ کے زیور بھی دیئے ہیں اور قصبہ کے رواج کے مطابق جتنی قیمت کا زیور ہوتا ہے اتنی ہی قیمت کی مہر بھی لکھائی جاتی ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور حجِ فرض ہونے کی صورت میں حج فرض ادا کرنے سے قبل حج بدل کے لئے اس کو لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی موجودہ بیوی کی ملک میں اگر اتنا مال ہے کہ حج کے سفر کے لئے واپسی تک کافی ہوسکے تو اس پر حج فرض ہے اور جب کہ شوہر بھی سفرِ حج میں ہمراہی کے لئے موجود ہے تو اس کو بہت جلد اپنا فرض حج ادا کرنا چاہئے، حجِ بدل کے لئے اس وقت نہ جائے کہ پھر خدا جانے محرم یا شوہر کا ساتھ میسر آئے یا نہ آئے کہ جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، اگر وہ حج بدل کرے تو حج بدل ہو جائے گا، لیکن اعلیٰ بات یہ ہے کہ حج بدل ایسے شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کیا ہو، جس کے ذمہ خود اپنا حج فرض ہو اور اس کو موقع بھی ہو، اس سے حج بدل نہ کرایا جائے، کیونکہ وہ اپنا حج فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۶/۱۱ھ۔

حج بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کر کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا اور خود اپنا حج کرنا

سوال[۵۱۴۷]: حج بدل کرنے والا غریب ہے اور حاجی بھی نہیں، اب حج بدل جانے کے وقت حج

---

(۱) "فدل أنه لایجوز الحج عن غیرہ قبل أن یحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض علیه، و حجه عن غیرہ لیس بفرض، فلا یجوز ترک الفرض بمالیس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل فی التعرض لنبات الحرم، کتاب الحج: ۲۷۴/۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

"والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه". (البحر الرائق). "إن حج الصرورة عن غیرہ إن کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة، فهو مکروہ کراهة تحریم علیه؛ لأنه یتضیق علیه والحالة هذه فی أول سنی الإمکان، فیأثم بترکه". (منحة الخالق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، مطلب فی حج الصرورة: ۶۰۳/۲، سعید)

فرض ہوگا یا نہیں؟ حج بدل کرنے والا مالک کی اجازت سے مکہ مکرمہ پہونچ کر کسی دوسرے کو وہ حج بدل کرنے کو کہہ کر پھر خود اپنا حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ مالک یعنی بھیجنے والے نے صرف یہی کہا کہ مرنے والے کے لئے حج بدل کو تم کو بھیج رہا ہوں، یہ روپے ہیں، میرے باپ کا حج ادا ہونا چاہئے، اب تم کیسے بھی کرو۔ یہ مالک کی طرف سے اجازت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب آدمی (جس پر حج فرض نہیں) مگر دوسرے کے روپے سے حج بدل کے لئے جائے تو اسی کی طرف سے حج بدل کرے، وہاں پہونچ کر کسی اَور کو حج بدل کے لئے تجویز کر کے اپنا حج نہ کرے (۱)، وہاں حج بدل کے لئے پہونچ جانے کی وجہ سے خود اس غریب کے ذمہ حج فرض نہیں ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإذا مرض المأمور بالحج في الطريق، ليس له دفع المال إلى غيره ليحج ذلک الغير عن الميت، إلا إذا أذن له بذلک بأن قيل له وقت الدفع: اصنع ما شئت، فيجوز له ذلک مرض أولا؛ لأنه صار وكيلاً مطلقاً". (الدرالمختار).

"لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر، و يحج عنه، الخ".
(ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۴، سعيد)

"و ليس للمأمور أن يأمر غيره بما أمر به عن الآمر وإن مرض في الطريق، إلا أن يكون وقت الدفع قيل له: اصنع ما شئت، فحينئذ له أن يأمر غيره به وإن كان صحيحاً". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۳، رشيديه)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/۱۴، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

(۲) "ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه .... (أقول) وقد ألف سيدى عبد الغنى النابلسي رسالةً في ذلک، جنح فيها إلى عدم الوجوب". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/۱۳، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

"قلت: و قد أفتى بالوجوب مفتي دار السلطنة العلامة أبو السعود، وتبعه في سكب الأنهر، =

حج بدل میں روپیہ مامور کودیں یا اپنے پاس رکھے؟

سوال[۵۱۴۸] : ایک شخص خود حج کرنے جارہا ہے اور دو شخصوں کو اپنے والدین کی طرف سے حجِ بدل کرانے لے جارہا ہے تو اخراجات کے لئے روپیہ ان کو دیدینا زیادہ بہتر ہوگا یا اپنے پاس رکھ کر ان کی ضروریات میں خرچ کرنا؟ ان کو ہر ہر چیز کا پھر حساب بھی مشکل ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ اعتماد ہو کہ وہ روپیہ حفاظت سے رکھیں گے اور بے محل خرچ نہیں کریں گے اور مقصدِ وصیت بھی فوت نہیں ہوگا تو ان کو دیدینا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

حجِ صرورہ

سوال[۵۱۴۹] : ایک شخص کا انتقال ہوگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہے جس پر حج فرض تھا، اگر وہ

= وكذا أفتى به السيد أحمدبادشاه، وألف فيه رسالةً، وأفتى سيدى عبد الغني النابلسي بخلافه، وألف فيه رسالةً؛ لأنه في هذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر و يحج عنه، و في تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه و يترك عياله ببلده حرجٌ عظيمٌ، و كذا في تكليفه بالعود و هو فقيرحرجٌ عظيمٌ أيضاً". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۴، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(۱) "فإذا عرف ذلك فللمامور بالحج أن ينفق على نفسه بالمعروف ذاهباً و اٰباً و مقيماً من غير تبذير و لا تقتير، الخ". (البحرالرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۵، رشيديه)

زبدۃ المناسک میں ہے کہ: "جو عاجز ہوجائے وہ دوسرے شخص کو امرِ حج کردینے کا کرے اور خرچِ راہ اس کو دے اور جانے والا اس کے خرچ سے سوار ہوکر حج ادا کردے"۔(زبدۃ المناسک، ص: ۴۴۸، سعيد)

حج کرانا چاہے۔ تو کیا ایسے شخص کے ذریعہ کرا سکتا ہے کہ جس نے قبل اس کے کسی قسم کا حج نہ کیا ہو، مگر اس پر حج فرض نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تندرستی میں حج فرض ہوا تھا اور پھر بیمار ہوگیا حج نہیں کر سکا اور اس نے وصیت بھی کی ہے، نیز ترکہ میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ ثلثِ مال سے حج کرایا جاسکے تو اس کی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذریعہ حج کرایا جائے جس نے پہلے حج کرلیا ہو، اگر اس نے پہلے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو حج کرانا مکروہ ہے:

"یجوز إحجاج الصرورة، و یراد به الذی لم یحج عن نفسه حجة الإسلام. قال فی البدائع: إلا أن الأفضل أن یکون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غیره یصیر تارکاً لإسقاط الفرض عن نفسه، فیتمکن فی هذا الإحجاج ضرب کراهة، و لأنه أعرف بالمناسك و أبعد عن محل الخلاف، فکان أفضل، اهـ". غنیة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل فیما لیس من شرائط النیابة فی الحج، ص: ۳۳۷، إدارة القرآن کراچی)

"ثم المصنف لم یقید الحاج عن الغیر بشیء، لیفید أنه یجوز إحجاج الصرورة، و هو الذی لم یحج أولاً عن نفسه، لکنه مکروه کما صرحوا به، واختار فی فتح القدیر أنها کراهة تحریم، للنهی الوارد فی ذلک. و فی البدائع: یکره إحجاج المرأة والعبد والصرورة. والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه، و هو یدل أنها کراهة تنزیه، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(و کذا فی إرشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(و کذا فی رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی حج الصرورة: ۶۰۳/۲ سعید)

(والتاتارخانیه، کتاب المناسک، الحج عن الغیر: ۵۲۴/۲، إدارة القرآن کراچی)

بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود مکی سے اس کا حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۵۰]: رواج ہے کہ حج میں جاکر کسی شخص کو سو روپیہ دے کر حج بدل کراتے ہیں اپنی زوجہ کی طرف سے جس پر بھی حج فرض تھا، لیکن زوج زوجہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں تیری طرف سے بھی حج کراؤں گا یعنی کچھ روپیہ دیکر کسی غیر کی طرف سے افعالِ حج ادا کرانے سے حج کا ثواب ملتا ہے اور فرضیت حج ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا(۱)، سو روپیہ اگر کسی مستحق کو دیئے ہیں تو صدقہ دینے کا ثواب مل جائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حجِ بدل کا؟

سوال[۵۱۵۱]: میری والدہ پر حج فرض نہیں تھا اور وہ اس کی بہت زیادہ خواہشمند تھیں، مگر ان کا انتقال ہوگیا، میں ان کو ثواب پہونچانے کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں تو حجِ بدل کرانے میں زیادہ ثواب ملے گا یا

---

(۱) "تقبل النیابة عند العجز فقط، لکن بشرط دوام العجز إلی الموت". (الدرالمختار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی الفرق بین العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، سعید)

"ولجواز النیابة فی الحج شرائط: منها أن یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه و له مال، فإن کان قادراً علی الأداء بنفسه بأن کان صحیح البدن و له مال أو کان فقیراً صحیح البدن، لا یجوز حج غیره عنه، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر: ۱/۲۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر: ۲/۵۴۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب، و لا یقبل الله إلا الطیب، فإن الله یتقبلها بیمینه، ثم یربیها لصاحبها کما یربی أحدکم فلوّه حتی تکون مثل الجبل". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ۱۶۷، قدیمی)

ایک سسکتے ہوئے مکتب کی مدد کرنے میں جس مکتب کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ میت کے ذمہ حج فرض نہیں تھا اور ان کو ثواب پہونچانا مقصود ہے تو جس مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ مکتب ضرورت مند بھی ہے تو وہاں روپیہ دے کر مکتب کو سنبھالنے اور ترقی دینے میں ثواب زیادہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

حج بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں

سوال[۵۱۵۲]: زید فرض حج ادا کر چکا ہے، عمر اپنے کسی عزیز کی طرف سے زید کو حج بدل کرانے کو تیار ہو گیا اور رقم بھی دی مگر عمر سے پہلے بکر نے بھی زید کو حج بدل کرانے کے لئے تجویز کیا تھا، اتفاق وقت کہ بکر تو پہلے اس ارادہ سے پلٹ گیا اور عمر بھی اسی طرح پلٹ گیا، زید قانونی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہ جا سکا اور بھیجنے والوں کے دل بھی بدل گئے۔ بہر حال عمر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، زید میں دینے کی سکت نہیں، یہ جواب دے دیا کہ جو رقم داخل کمپنی کی گئی ہے واپس مل جائے تو ادا کر دوں گا، لیکن عمر کو یہ شک ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو ضبط بھی کر گئی ہے تو اگر یہ ضبطی عمل میں آ گئی تو زید کے ذمہ یہ ادائیگی ساقط ہو جائے گی، یا باقی رہے گی؟

---

(۱) "(ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً .... وإذا كان الفقير مضطراً". (ردالمحتار، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۲/۶۲۱، سعيد)

"قلت: قد يقال: إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لمايلزم الحاج غالباً من ارتكاب المحظورات، و مشاهدته لفواحش المنكرات، وشح عامة الناس بالصدقات، و تركهم الفقراء".

(البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الحج: ۲/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، المناسك، المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ عمر نے زید کو حج بدل کے لئے رقم دیدی اور اس نے حسب قانون ٹکٹ خریدنے کے لئے کمپنی میں بھیج دیا، اس کے بعد عمر کا ارادہ بدلا ہے تو زید کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی، اگر خدانخواستہ کمپنی نے رقم ضبط کرلی تو زید پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۴ھ۔

حج بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان

سوال [۵۱۵۳]: ۱...... زید نے اپنے والد مرحوم کا حج بدل کرانے کے متعلق اپنے بہنوئی کو تیار کیا اور اس نے متواتر دو سال درخواست دی مگر قرعہ میں نام نہ آسکا، کچھ رقم زید نے اپنے بہنوئی کو بہ سلسلۂ درخواست اور فارم بھرنے کے لئے دیا تھا جو تقریباً ایک ہزار ہے، وہ بہنوئی نے بغیر زید کے علم میں لائے اپنے بھانجے کو تجارت کے سلسلہ میں دیدی۔ اس کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ آیا وہ روپیہ جو زید کا تھا وہ زید کے بہنوئی نے جو خرچ کردیا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... زید کے پاس جو رقم حج بدل کے لئے جمع ہے، اگر تیسری بار بھی قرعہ میں نام نہ آیا تو وہ روپیہ کسی تجارت میں یا مکان بنانے کے لئے استعمال میں لاسکتا ہے اور کیا زید کے لئے جمع شدہ رقم جو ایک مرحوم کے حج بدل کی نیت سے تھی استعمال میں لانا علمائے دین جائز قرار دیتے ہیں اور جائز ہے تو کس حد تک؟ تفصیل دی جائے۔

(۱) "قال: والوديعة أمانة، فإذا تلفت بغير تفريط من المودع، فليس عليه ضمان .... و حكم عام يعطى قانوناً كلياً مقتضاه أن الوديعة أمانة لا ضمان فيها إلا أن يتعدى". (إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب: لا ضمان على المؤتمن: ۱۶/۶۲، إدارة القرآن كراچی)

"الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت، أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصير منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة، الباب الأول في أحكام عمومية تتعلق بالأمانات، (رقم المادة: ۷۶۸)، ص: ۴۲۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل في بيان حال الوديعة: ۸/۳۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

۳......اگر جمع شدہ رقم حج بدل والی زید اپنی ضروریات میں لانے کا حقدار نہ ہوتو وہ رقم کس استعمال میں لاسکتا ہے؟ کیا دینی مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......اگر والد مرحوم نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تھی، بلکہ زید خود ہی ان کی طرف سے حج بدل کرانے کی نیت کر چکا ہے اور اس مقصد کے لئے روپیہ رکھا ہوا ہے تو محض اس نیت کی وجہ سے حج بدل کرانا واجب نہیں ہوا، زید اس روپیہ کا مالک ہے، اس کو اختیار ہے کہ کسی بھی دینی کام میں لگا کر والد کو ثواب پہونچادے، مثلاً: کسی مسجد کی تعمیر یا پانی اور نل کا انتظام، یا دینی مدرسہ کی تعمیر، طلبہ کی خوراک، پوشاک یا دینی کتب خرید کر وقف، یا غریب بچوں کی پرورش، یا بیواؤں کی ضروریات میں خرچ کردے، ضرورت ہوتو اپنے ذاتی کام میں بھی صرف کرسکتا ہے، بہنوئی وغیرہ اقرباء کو بھی دے سکتا ہے(۱)۔

بہنوئی صاحب کا اس روپیہ کو جو کہ درخواست فارم وغیرہ کے لئے دیا گیا تھا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بھانجے کو تجارت کے لئے دینا بھی جائز نہیں، یہ خیانت ہے(۲)، ان کو لازم ہے کہ وہ زید کو روپیہ واپس کردیں اور اس سے معافی طلب کریں تاکہ وہ دنیا وآخرت میں بری الذمہ ہوسکیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كما في التلويح". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال: ۵/ ۵۱، سعيد)

"والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالک ما بدا له مطلقاً، لأنه متصرف في خالص ملكه". (ردالمحتار، باب: هذه مسائل شتى، مطلب: اقتسموا داراً و أراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۳۰)

وقوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتخونوا الله والرسول﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

(۲) "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/ ۲۰۰، سعيد)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه". (شرح المجلة، ص: ۶۱ رقم المادة: ۹۶، حنفيه)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

طوافِ وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم

سوال[۵۱۵۴]: ۱......زید بغیر طوافِ وداع کے چلا آیا، دم واجب ہوا تو جدہ میں قربانی کرے یا وطن پہونچ کر؟

۲......زاہد طوافِ وداع کے لئے تیار تھا، مگر تار آیا کہ جہاز تیار ہے، فوراً آؤ، حجاج لاری پر سوار ہوگئے، زاہد بھی سوار ہوگیا تو اس عذر سے دم ساقط ہوا یا نہیں؟

حاجی سید عبدالماجد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حرم میں قربانی کراوے: "وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، و خص الكل بالحرم لا بغيره و لا بمنى على الأصح. اهـ". سكب الأنهر (۱)۔

۲......ساقط نہیں ہوا۔

---

(۱) (سكب الأنهر، على مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۱۰، دارإحياء التراث العربي بيروت،

قال العلامة الكاساني: "وأما مكان هذا الدم: فالحرم، لا يجوز في غيره، لقوله تعالى: ﴿والهدى معكوفاً أن يبلغ محله﴾ و محله الحرم، والمراد منه هدى المتعة لقوله: ﴿فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى﴾ والهدى اسم لما يهدى إلى بيت الله الحرام: أى يبعث و ينقل إليه وأما زمانه فأيام النحر، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۱۸۳/۳. دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الإحصار: ۵۳۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

تنبیہ : طوافِ وداع کے لئے مخصوص نیت شرط نہیں، بلکہ منیٰ سے فارغ ہوکر جب مکہ مکرمہ میں آئے اور بہ نیتِ تطوع طواف کرلے تو وہ بھی طوافِ وداع کے حکم میں ہوجائے گا:

"فإذا أراد الظعن عنها: أي عن مكة، طاف للصدر، و يسمى طواف الوداع، وهو واجب، ولكن لا تشترط له نية معينة، حتى لو طاف بعد ماحل النفر و نوى التطوع، أجزأه عن الصدر". مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

رمی اور قیامِ منیٰ کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۵۱۵۵]: کیا حاجی کو رمی چھوڑنے پر اور قیامِ منیٰ چھوڑنے پر کوئی دم دینا ہوگا؟ اگر دم دینا ضروری ہے تو کیا، کب اور کہاں دینا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیا:

رمی چھوڑنے سے دم واجب ہوگا (۲) اور وہ حرم (منیٰ وغیرہ) میں ہی ذبح کرنا ہوگا (۳)، منیٰ میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، فصل: فإذا دخل مكة: ۲۸۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فأما تعيين النية فليس بشرط حتى لوطاف بعد طواف الزيارة لا يعين شيئاً، أو نوى تطوعاً، كان للصدر؛ لأن الوقت تعين له، فتنصرف مطلق النية إليه، كمافي صوم رمضان". (بدائع الصنائع، في طواف الصدر، فصل في شرائط جوازه: ۱۰۵/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب جزاء ترك الوداع: ۱۴۹/۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في رد المحتارمع الدر المختار، مطلب في طواف الصدر: ۵۲۳/۲، سعيد)

(۲) "رمي الجمار واجب كما عرفنا، فإن تأخر عن وقته، أو فات وجب دم". (الفقه الإسلامي وأدلته، سابعاً: تأخير الرمي عن وقته: ۲۰۱/۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في البدائع، فصل في حكمه إذا تأخرعن وقته أو فات: ۹۵/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مناسك الملاعلى القاري، فصل في الجناية في رمي الجمرات: ۳۵۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، وخص الكل بالحرم ولا بغيره، و لا بمنى على الأصح".=

قیام چھوڑنے سے دم واجب نہ ہوگا (۱)، استغفار کرنا ہوگا، رمی وغیرہ چھوڑنے سے بکری (شاۃ) واجب ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم

سوال [۵۱۵۶]: ۱...... حاجی عرفات سے واپسی پر رمی کئے بغیر قربان گاہ میں جاکر قربانی کردی۔

قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم

سوال [۵۱۵۷]: ۲...... ایک حاجی نے عرفات سے واپسی پر رمی کرنے کے بعد فوراً ہی بال کٹوادیے اور بعد میں قربانی کی۔

= (سکب الأنهر، علی مجمع الأنهر، باب الهدی: ۱/۰ ۳۱، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۱۸۳/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) "(ثم أتى منى) فيبيت بها للرمي". (الدرالمختار). "(قوله: فيبيت بها للرمي): أى ليالى أيام الرمى هو السنة، فلو بات بغيرها كره، ولا يلزمه شيء، لباب". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في حكم صلوة العيد والجمعة في منى: ۲/۰ ۵۲، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: رمى الجمار في منى، و حكم المبيت فيها: ۲۰۴/۳، حقانيه پشاور)

(۲) "والدم حيث ذكر في الجنايات، وجب شاة تجزىء في الأضحية والصدقة، إذا ذكرت يرادبها"

(مجمع الأنهر، باب الجنايات، الفصل الأول: ۲۹۷/۱، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"فالمراد الشاة، وهي تجزىء في كل موضع: أى من مواضع الجنايات إلا في موضعين".

(مناسک الملاعلی القاری، فصل فی أحكام الدماء و شرائط جوازها، ص: ۳۹۳، إدارة القرآن كراچی)

وكذا في الهداية، باب الجنايات: ۲۶۲/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

رمی اور طواف زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم

سوال[۵۱۵۸]: ۳.....ایک حاجی نے غلطی سے پہلے رمی کی اور پھر جا کر طواف زیارت کیا اور پھر آ کر قربانی کی اور پھر بال کٹوائے۔ ان تمام صورتوں میں حاجی پر شرعاً کیا واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر یہ قارن یا متمتع ہے تو اس پر دم واجب ہے۔

۲.....اس پر دم واجب ہے جب کہ یہ قارن یا متمتع ہو۔

۳.....اس پر دم واجب نہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

یہ تینوں حکم غنیة المناسك، المطلب العاشر فی ترك الترتیب بین الرمی والذبح میں مذکور ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۷ھ۔

رمی کا بدل آئندہ سال

سوال[۵۱۵۹]: اسلم نے حج کیا مگر اس سے رمی اُولیٰ ترک ہوگئی، عدمِ سہولت وعدمِ گنجائش کی بناء

---

(۱) "ولو حلق المفرد أو غیره قبل الرمي، أو القارن أو المتمتع قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمي، فعلیه دم عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ بترك الترتیب .... ولو طاف قبل الرمي والحلق لا شيء علیه، ویکره، تتمة". (غنیة المناسک، باب الجنایات، المطلب العاشر في ترک الترتیب بین الرمي والذبح والحلق: ۲۷۹ إدارة القرآن کراچی)

"ولو حلق المفرد أوغیره: أي من القارن والمتمتع قبل الرمي أوالقارن أو المتمتع: .... أو حلقا قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمي، فعلیه دم .... ولو طاف: أي المفرد وغیره قبل الرمي والحلق، لا شيء علیه، ویکره: أي لترکه السنة، وهي الترتیب بین الثلاثة، الخ". (مناسک الملا علي القاري، باب الجنایات، فصل في ترک الترتیب بین أفعال الحج، ص: ۳۵۸، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في رد المحتار، باب الجنایات: ۲/۵۵۵، سعید)

پراسی سال دم (قربانی) نہ دے سکا، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس سال دم دینا چاہے تو دے سکتا ہے؟ اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آئندہ سال بھی حدودِ حرم میں دم دینے سے بری ہو جائے گا، کسی کو وکیل بنادے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۹ھ۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

سوال [۵۱۲۰]: بحالتِ احرام خشکی کے شکار کی ممانعت ہے دریائی شکار کی نہیں، ایسا کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک نے ایسا ہی فرمایا ہے: ﴿أحل لكم صيد البحر و طعامه متاعاً لكم و للسيارة، وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرماً﴾ (۲)۔ اور وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اس کے نازل فرمائے ہوئے قانون میں کسی کو چوں وچرا (کیوں کا سوال) کا حق نہیں جو چاہے کرے ﴿لا يسئل عما يفعل﴾ (۳)۔

---

(۱) دم جنایات کے لئے مکان حرم کا ہونا شرط ہے نہ کہ تعیین زمانہ، یعنی بعد میں بھی آدمی دم جنایت ادا کر سکتا ہے: "و ما يختص بالمكان دون الزمان، و هو دم الجنايات". (مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الهدى: ۲/۴۳۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ رحيمية، دم جنایت کسی کے ذریعہ دلوا سکتا ہے یا نہیں: ۸/۲۹۹، دار الإشاعت كراچی)

(۲) (سورة المائده: ۹۶)

"إعلم أن صيد البر محرم على المحرم، و صيد البحر حلال، لقوله تعالىٰ: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾ إلى آخر الآية، الخ". (الهداية، باب الجنايات، الفصل الثاني: ۱/۲۷۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الصيد: ۱/۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في البدائع، فصل في أنواع الصيد: ۳/۲۳۲، ۲۳۳ دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (سورة الأنبياء: ۱۷/۲۳)

بندوں کا فریضہ اطاعت ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

حالتِ احرام میں رضائی اوڑھنا

سوال[۵۱۶۱]: حالت احرام میں روئی کی رضائی وغیرہ اوڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محرم کو حالتِ احرام میں سردی سے حفاظت کے لئے لحاف روئی دار اوڑھنا درست ہے مگر سر کھلا رکھے، باقی تمام بدن پر لحاف رہے تو مضائقہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱۱/۸۸ھ۔

حالتِ احرام میں کیا عورت منہ کھولے رکھے؟

سوال[۵۱۶۲]: اسلام میں ہر زیبائش کی جگہ کو چھپانے کا حکم ہے اور سختی سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر عورتیں جب حج کو جاتی ہیں تو عموماً چہرہ ہاتھ وغیرہ کھلا رکھتی ہیں کیوں کہ احرام کے زمانے میں چہرہ کو کپڑا لگانا سختی سے منع ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کھلا رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس طرح چہرہ کھلا رکھنا گناہ ہے اس لئے ایسا انتظام کریں کہ چہرے کے سامنے ٹٹی (۲) یا کسی قسم کا فریم لگا کر نقاب اوڑھا جائے تا کہ چہرہ ڈھکا ہوا

---

(۱) "(قوله: وبقية البدن): أي و بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه".
(ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام و مالا يحرم: ۴۸۸/۲، سعيد)

"ولو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، و كان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر محظورات الإحرام: ۲۳۲/۳، حقانيه پشاور)

"علاوہ سر اور منہ کے سب بدن کو ڈھانپنا، کان، گردن پیروں کو چادر، رومال وغیرہ سے ڈھانپنا جائز ہے"۔ (معلم الحجاج: ۱۳۰، باب مباحات احرام، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں وغیرہ کا بنا ہوا چھپر جو دروازوں یا کھڑکیوں پر لگاتے ہیں یا جن پر بیلیں چڑھاتے ہیں۔۲: آڑ، پردہ، اوٹ، حجاب"۔ (فیروز اللغات، ص:۴۱۳، فیروز سنز، لاہور)

رہے، بے پردگی نہ ہو، مگر اس سے عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، بلکہ ان کا دھیان مکمل طور پر عبادت کی طرف نہیں رہتا، بلکہ نقاب کی طرف رہتا ہے کہ نقاب ہٹنے نہ پائے تا کہ بے پردگی نہ ہو۔ کیا ایسی عبادت اور ایسا پردہ جائز ہے یا کھلے منہ جیسے عام طور پر چہرہ کھلا رکھ کر حج کیا جاتا ہے وہ جائز ہے اور اس قسم کے پردہ کے ساتھ حج کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے چہرے پر کپڑا نہیں ہونا چاہیے، پنکھا وغیرہ کوئی چیز اس طرح آڑ بنالی جائے کہ نقاب کا کپڑا چہرہ کو نہ لگے اور لوگوں کی نظر اس پر نہ پڑے، احرام کی حالت ایسی بے اطمینانی کی ہوتی ہے کہ مرد بھی سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، ہر وقت فکر رہتی ہے کہ جسم نہ کھل جائے، اس صورت سے وہ مناسکِ حج ادا کرتا ہے، عورت کو بھی بے اطمینانی ہو تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ بے اطمینانی اور پریشانی محبوب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "فلما روينا عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "إحرام المرأة فی وجهها". و عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أنها قالت: كان الركبان يمرون بنا، و نحن محرمات مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فإذا حاذونا أسدلت إحدانا جلبابها من رأسها علی وجهها، فإذا جاوزنا رفعنا. فدل الحديث علی أنه ليس للمرأة أن تغطی وجهها، وأنها لو أسدلت علی وجهها شيئاً، وجافته عنه، لا بأس بذلک الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان ما يحظره الإحرام وما لا يحظره: ۳/ ۲۱۰، دار الكتب العلميه بيروت)

"وقوله: إحرام المرأة فی وجهها .... وأجاز الشافعية والحنفية ذلک بوجود حاجز عن الوجه، فقالوا: للمرأة أن تسدل علی وجهها ثوباً متجافياً عنه بخشبة و نحوها، سواء فعلته لحاجة من حر، أو برد، أو خوف فتنة، و نحوها أو لغير حاجة، فإن وقعت الخشبة، فأصاب الثوب وجهها بغير اختيارها و رفعته فی الحال، فلا فدية الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته، البحث العاشر محظورات الإحرام الخ: ۳/ ۲۳۴، حقانيه پشاور)

(وكذا فی مناسک الملاعلی القاری المسمی المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، فصل فی تغطية الرأس والوجه: ۳۰۹، إدارة القرآن كراچی)

حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا ڈالنا

سوال[۵۱۶۳]: احرام کی حالت میں پیروں پر کپڑا لپیٹنا جائز ہے یا نہیں جب کہ سردی کی وجہ سے یا پیروں کے درد کی وجہ سے ہو؟ سردی یا کسی اور وجہ سے کان میں روئی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، پیروں کو چادر وغیرہ سے ڈھانکنا بھی (۱) اور کانوں کے اندر روئی رکھنا بھی (۲) مگر خوشبو کے استعمال کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا دم جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۶۴]: گذشتہ سال ایک صاحب نے دمِ جنایت منی میں دمِ شکر (دم قران، دم تمتع) کی

---

(۱) "و لا بأس بتغطية أذنيه و قفاه، و كذا بقية البدن، إلا الكفين والقدمين، للمنع من لبس القفازين والجوربين". (ردالمحتار، باب الجنايات: ۲/۵۴۹، سعيد)

"(قوله: و بقية البدن): أى و بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه".

(ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم: ۲/۴۸۸، سعيد)

"و لو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، وكان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر: محظورات الإحرام أو ممنوعاته و مباحاته: ۳/۲۳۲، حقانيه پشاور)

(۲) "ولا بأس للمحرم أن يغطي أذنيه أو من لحيته ما دون الذقن، الخ". (التاتارخانية، ما يحرم على المحرم وما لا يحرم، لبس المخيط: ۲/۴۹۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۲۸۹، فصل فيمايجب بلبس المخيط الخ، رشيديه)

(۳) "أما الطيب فيحرم على المحرم استعماله فى ثوب أو بدن". (الفقه الإسلامي وأدلته، الأصل الثاني: ترفية البدن بالطيب وإزالة الشعر الخ: ۳/۲۳۵، حقانيه پشاور)

"والمحرم ممنوع من استعمال الطيب فى بدنه". (بدائع الصنائع، وأما بيان ما يحظره الإحرام و مالا يحظره: ۳/۲۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

طرح صرف ذبح کرکے چھوڑ دیا، فقراء پر تقسیم نہیں کیا۔ کیا دمِ جنایت میں ذبح کے بعد تصدق علی الفقراء بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اب اس کی تلافی اور تدارک کی کیا شکل ہے، تاکہ اس سال جانے والے کسی حاجی سے اس کی تلافی کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنایت فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر اس وقت فقراء وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرکے وہیں چھوڑ دیا تب بھی کافی ہے، اب کسی تلافی کی ضرورت نہیں، کذا فی معلم الحجاج، ص: ۲۸٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''اگر فقیر موجود ہو تو صدقہ کا گوشت اس کو دے دینا خود نہ کھانا اگر فقیر موجود نہ ہو تو ذبح کرکے چھوڑ دینا کافی ہے''۔ (معلم الحجاج، باب شرائط جواز دم: ۳۱۰، إدارة القرآن کراچی)

''(والثامن عدم الاستهلاک، فلو استهلکه بنفسه بعد الذبح بأن باعه ونحو ذلک) بأن وهبه لغنی أو أتلفه أو ضیعه (ولم یجز، وعلیه قیمته): أی ضمان قیمته للفقراء فیتصدق بها علیهم بأن کان مما یجب التصدق به، بخلاف ما إذا کان مما لایجب علیه التصدق به، فإنه لایضمن شیئاً کما بیّنه بقوله: (إلا فی هدی القران والمتعة): أی التمتع (والتطوع فإنه لایجب): أی علی مستهلکه (فیها شیئ): أی من الضمان لابدله ولاقیمة (ولو هلک): أی المذبوح (بعد الذبح بغیر اختیاره بأن سرق سقط): أی الضمان (ولا شیئ علیه): أی فی النوعین السابقین''. (المسلک المتقسط فی المفسک المتوسط، فصل فی أحکام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحج، باب الجنایات: ۲/۵۶۴، سعید)

''(وإذا عطب) أی تعب (الهدی) الذی ساقه (فی الطریق): أی قبل وصوله إلی محله من الحرم أو زمانة المعین له (فإن کان): أی الهدی (تطوعاً نحره وصبغ قلاوتها بدمها وضرب بها صفحة سنامها) وقیل جانب عنقها لیعلم أنها هدی (ولیأکل منه الفقراء دون الأغنیاء ولیس علیه غیره): أی إقامة غیره بدله (ولم یأکل منه هو ولاغیره من الأغنیاء)''. (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، فصل فی أحکام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۵۲۱، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الحج، باب الهدی: ۲/۶۱۷، سعید)

باب زیارۃ المدینۃ المنورۃ

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

سفرِ مدینہ کی نیت

سوال[۵۱۶۵]: مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت مسجد نبوی کی زیارت کے قصد سے سفر کرے یا روضۂ أطہر کی زیارت کا قصد مقدم ہونا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روضۂ أطہر کی زیارت کا قصد مقدم رکھے، طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں

سوال[۵۱۶۶]: آیا مسجد نبوی میں ۴۰/ وقت کی نمازیں تواتر کے ساتھ ضروری ہیں یا نہیں؟ اگر کسی سبب سے تواتر ختم ہوگیا تو پھر سے پوری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چالیس نمازیں ادا کرنے پر جو وعدہ ہے، وہ مسلسل پر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "والأولیٰ في الزيارة تجريد النية لزيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب فضل في زيارة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۷۴۵، قديمي)

"والأولیٰ فيما يقع عند العبد الضعيف تجريد النية لزيارة قبره عليه السلام". (ردالمحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

(وكذا في إرشاد السارى مناسك الملا على القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفى محمد بيروت)

(۲) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من صلى في مسجدى أربعين صلوةً لاتفوته صلوة، كتب =

حرمین میں پہلے کہاں جائے؟

سوال[۵۱۶۷]: حج اورزیارت کے لئے ایک شخص گیا،اب اس کو پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری بہتر ہے یا پہلے حج کرے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر یہ پہلا حج ہے تو پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے، ورنہ پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری افضل ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفاءاللہ عنہ۔

= له براء ة من النار وبراء ة من العذاب وبراء ة من النفاق". (جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، باب ما جاء في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وزيارته، و معالم المدينة: ١/٥٣٣، مكتبه المدينة منورة)

"وفي حديث يبيّن فضل الصلاة في هذاالمسجد: "من صلى في مسجدي أربعين صلاةً لا تفوته صلاة، كتبت له براء ة من النار، و نجاة يوم القيامة". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب: ثانياً فضيلة المسجد النبوي: ٣/٣٣٣، مكتبه حقانيه پشاور)

(١) "و يبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لو نفلاً". (رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢/٦٢٧، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في زيارة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٧٤٥، قديمي)

"وفيه أيضا إشعار ببداء ة الحج ثم إتيان المدينة الزيارة، كمالا يخفى، وهو اختيار إمامنا أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ففي فتاوىٰ أبي الليث السمرقندي: روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة أنه قال: الأحسن للحاج أن يبدأ بمكة، فإذا قضى نسكه، مر بالمدينة، وإن بدأبها جاز .... واختلف السلف في أن الأفضل البداء ة بالمدينة قبل مكة أو بمكة قبل المدينة، وأن ممن اختار البداء ة بالمدينة علقمةُ والأسود وعمرو بن ميمون من التابعين، ولعل سببه عندهم -كما قال السبكي- إيثار الزيارة .... ولقد من الله على هذا العبد الغرق في الآثام بالعمل على قول الإمام مرتين وعلى قول علقمة والأسود وعمرو بن ميمون في هذه المرة، فحضرت مدينة النبي الكريم صلى الله تعالىٰ عليه=

حرمِ مدینہ کی حدود

سوال[۵۱۶۸]: حرمِ مدینہ منورہ کیا حدود کیا ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک مدینہ منورہ کا حرم نہیں، وہاں کا شکار وغیرہ درست ہے:"و لیس للمدینة المنورة حرم عندنا، فیجوز الاصطیاد فیها، و قطع حشیشها، و رعیه. اهـ". شرنبلالیه(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد، خادم دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/۵۵ھ۔

عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

سوال[۵۱۶۹]: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت منع ہے تو کیا روضۂ اطہر پر بھی جانا عورتوں کو منع ہے؟

= وسلم قبل الحج". (إعلاء السنن، کتاب الحج، أبواب الزیارة النبویة: ۱۰/۴۹۷، ۴۹۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیه، کراچی)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، باب: خاتمة في زیارة قبر النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۲۶۵، رشیدیه)

(۱) لم ألف علیه

"لا حرم للمدینة عندنا". (الدرالمختار). "(قوله: لاحرم للمدینة عندنا): أی خلافاً للأئمة الثلاثة، قال في الکافي: لأنا عرفنا حل الاصطیاد بالنص القاطع، فلا یحرم إلا بدلیل قطعي، لم یوجد .... لاجزاء علی قاتل صیده، و لا علی قاطع شجره، الخ". (ردالمحتار، مطلب في کراهیة الاستنجاء بماء زمزم: ۲/۶۲۶، سعید)

"تحریم صید المدینة و شجرها علی الحلال والمحرم کمکة عند الجمهور، خلافاً لأبی حنیفة، للحدیث السابق، الخ". (الفقه الإسلامي و أدلته، ثالثاً خصائل الحرم المدني: ۳/۳۳۵، المکتبة الحقانیه پشاور)

الجواب حامداًو مصلياً:

منع نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زیارتِ روضۂ پاک علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ادب

سوال[۵۱۷۰]: بہار شریعت، حصۂ ششم:۱۶۷، میں ہے کہ ’’امام محمد بن الحاج مکی مدخل میں اور امام محمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور ائمۂ دین فرماتے ہیں:

’’لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ، لا خفاء فيه . انتهى‘‘(۲)۔

کیا مدخل اور مواہب لدنیہ میں یہ لکھا ہے اور یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟مفصل جواب مرحمت ہو ضرورت ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

بہار شریعت یہاں موجود نہیں ہے، معلوم نہیں کہ اس میں اس عبارت سے کیا استدلال کیا ہے۔ یہ

---

(۱) ’’هل تستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء؟ الصحيح: نعم بلا كراهة، بشروطها‘‘. (ردالمحتار، مطلب في تفصيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۶۲۷/۲، سعيد)

’’هل يستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء أو يكره؟ فالصحيح أنه يستحب بلا كراهة، إذا كانت بشروطها‘‘. (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري، المسمى المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۰۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ’’لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم ونياتهم وعزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ لاخفاء فيه. انتهى‘‘. (بهار شريعت حصه ششم: ۱۴۷، مكتبه تاجران كتب لاهور)

عبارت مدخل میں موجود ہے(۱)، اسی طرح مواہب لدنیہ: ۳/ ۵۰۸، میں موجود ہے(۲)۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر زیارت کے لئے حاضر ہو اس کو چاہیئے کہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کھڑا ہو، ظاہری احترام کے ساتھ قلب کی بھی نگہ داشت رکھے کہ کوئی خیال جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ گرامی کے خلاف نہ آنے پائے، غرض جس طرح آپ کی حیات میں آداب ظاہری و باطنی کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح مزار مبارک پر حاضری کے وقت بھی ضروری سمجھے کیونکہ آپ کی حیات برزخی قوی دلائل سے موجود و ثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جو شخص مجھ پر پاس کھڑا ہو کر درود بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں۔ اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے، وہ مجھ کو سنایا جاتا ہے''(۳)۔

آپ کی حیات میں منافقین جب حاضر ہوتے تھے تو بسا اوقات آپ کو وحی کے ذریعہ نفاق پر اطلاع ہو جاتی تھی (۴)، اسی طرح اگر مزار مبارک پر خلاف شانِ اقدس کوئی خیال کیا جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ

---

(۱) ''و یحتاج إلی الأدب الکل فی زیارته علیه السلام، وقد قال علماء نا رحمهم الله تعالیٰ: الزیارة یشعر نفسه بأنه واقف بین یدیه علیه الصلوة والسلام کما فی حیاته ؛ إذ لا فرق بین موته و حیاته، الخ''. (المدخل لابن الحاج، فصل: وأما فی زیارة سید الأولین والآخرین صلوات الله علیه وسلامه: ۱/ ۲۵۲، مصطفی البابی الحلبی بیروت)

(۲) ''وینبغی أن یقف عند محاذاة أربعة أذرع، و یلازم الأدب والخشوع والتواضع، غاض البصر فی مقام الهیبة کما کان یفعل بین یدیه فی حیاته، و یستحضر علمه بوقوفه بین یدیه وسماعه لسلامه کما هو الحال فی حال حیاته، إذ لا فرق بین موته و حیاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نیاتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلک عندهم جلی لاخفاء فیه. الخ''. (شرح العلامة الزرقانی علی المواهب اللدنیة، الفصل الثانی فی زیارة قبره الشریف و مسجده المنیف: ۱۲/ ۱۹۵، مکتبه عباس أحمد الباز مکة المکرمة)

(۳) ''وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''من صلی علیّ عند قبری سمعته، و من صلی علیّ نائیاً أبلغته''. رواه البیهقی فی شعب الإیمان''. (مشکوة المصابیح، باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص: ۸۷، قدیمی)

(۴) ''﴿ولو نشاء لأریناکهم فلعرفتهم بسیماهم﴾ یقول عزوجل: ولو نشاء یا محمد، لأریناک -

تبارک وتعالیٰ اس پر بھی مطلع فرمادیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں (۱)، اگر وہاں حاضر ہونے والوں کے عزائم وخواطر بھی پیش کردیئے جائیں تو کیا استبعاد ہے۔ مدخل کی عبارت اس سے پہلے یہ ہے:

"و یحتاج إلی الأدب الکلی فی زیارته علیه السلام، و قد قال علماء نا رحمهم الله تعالیٰ: أن الزائر یشعر نفسه بأنه واقف بین یدیه علیه الصلوة والسلام کما فی حیاته؛ إذ لا فرق

= أشخاصهم فعرفتهم عیاناً، ولکن لم یفعل تعالیٰ ذالک فی جمیع المنافقین ستراً منه علی خلقه، وحملاً للأمور علی ظاهر السلامة، ورداً للسرائر إلی عالمها .... عن أبی مسعود وعقبة بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهم: قال: خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خطبةً، فحمد الله تعالیٰ و أثنی علیه، ثم قال: "إن منکم منافقین، فمن سمیت، فلیقم". ثم قال: "قم یا فلان، قم یا فلان. قم یا فلان". حتی سمی ستةً و ثلاثین رجلاً، ثم قال: "إن فیکم أومنکم منافقین، فاتقوا الله، الخ". (تفسیر ابن کثیر، (سورة محمد، پ: ۲۶): ۱۸۰/۴)

(وکذا فی التفسیر المنیر وهبة الزهیلی: ۲۶/ ۱۲۵، ۱۲۶، دارالفکر، بیروت)

(وکذا فی الخصائص الکبری، باب إخباره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالمنافقین: ۱۷۴/۲، حقانیه پشاور)

(۱) "وعنه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "تعرض أعمال الناس فی کل جمعة مرتین: یوم الإثنین، و یوم الخمیس، فیغفر لکل عبد مؤمن إلا عبد بینه و بین أخیه شحناء".

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "رواه الطبرانی عن أسامة بن زید بلفظ: "تعرض الأعمال علی الله یوم الإثنین والخمیس .... و تعرض علی الأنبیاء وعلی الآباء والأمهات یوم الجمعة، فیفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بیاضاً وإشراقاً، الخ". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول، کتاب الآداب: ۷۶۳/۸، ۷۶۴، رشیدیه)

(وکذا فی المدخل لابن الحاج، فصل: وأما فی زیارة سیدالمرسلین الخ: ۲۵۳/۱، مصطفی البابی الحلبی مصر بیروت)

بین موته و حیاته الخ"۔

تنبیہ: صاحب مدخل مذہباً مالکی ہیں اور صاحب مواہب لدنیہ شافعی المذہب ہیں اور مجموعی حیثیت سے دونوں کتابیں مالکیہ وشافعیہ کے یہاں معتبر ہیں، لیکن مذہب اور فتوے کی کتابیں نہیں ہیں، بلکہ سیرت اور آداب کی حیثیت رکھتی ہیں، پس جب مذہب اور فتویٰ سے ٹکرائیں گی تو ان دونوں مذہب والے کو چھوڑ دیں گے اور فتوی اور مذہب کی کتابوں پر عمل کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/۱۲/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

﴿ولله على الناس حج البيت
من استطاع إليه سبيلا﴾

(آل عمران: ۹۷)

باب المتفرقات

حاجیوں کو خلافِ قانون سامان لانا

سوال[۵۱۷۱]: بہت سے لوگ حج سے واپسی پر سستے ہونے کی وجہ سے سونا وغیرہ خرید کر لاتے ہیں جب کہ سعودی حکومت کے قانون کے مطابق بہت سی چیزیں ایک خاص مقدار سے زائد ملک سے باہر لیجانے کی ممانعت ہے۔کیا اس قانون کی رعایت نہ کرنے سے گنہگار ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب سعودی حکومت میں کوئی شخص داخل ہو تو اس کو سعودی قانون کی پابندی لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاجیوں کا داخلی میں کچھ دینا رشوت ہے

سوال[۵۱۷۲]: خدامِ کعبہ بلا کچھ لئے خانہ کعبہ کے اندر نہیں جانے دیتے تو ایسی صورت میں ان کو کچھ دینا کیسا ہے، یہ رشوت تو نہیں ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم ﴾ .... و إنما أشار نهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية: ۱۳/۱۲۳، دارالمعرفة، بيروت)

(و كذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولى الأمر: ۲/۲۹۸، قديمي)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، و في ط عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رشوت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا

سوال[۵۱۷۳]: کوئی شخص ہندوستانی ہے وہ پاکستان سے پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا حج درست ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله، لقوله في شرح اللباب: و يحرم أخذ الأجرة ممن يدخل البيت، أو يقصد زيارة مقام إبراهيم عليه السلام بلا خلاف بين علماء الإسلام وأئمة الأنام، كما صرح به في البحر وغيره، اهـ. وقد صرحوا بأن ما حرم أخذه، حرم دفعه إلا لضرورة، ولا ضرورة هنا؛ لأن دخول البيت ليس من مناسک الحج". (ردالمحتار، باب الهدى، مطلب في دخول البيت: ۲/۶۲۴، سعيد)

"فيستبيح أخذ الأجرة على دخول البيت الحرام، أو زيارة مقام إبراهيم عليه السلام، فإنه لا خلاف بين علماء الإسلام و أئمة الأنام في تحريم ذلک، كما صرح به في البحر الزاخر وغيره".

"(قوله: لأنه لا خلاف، الخ) قال في هداية السالک إلى المذاهب الأربعة في المناسک: وإنه من أشنع البدع وأقبح الفواحش، و هذه اللفظة وإن صحت فيستدل بها على إقامة الحرمة؛ لأن أخذ الأجرة ليس من المعروف........ (قوله: في تحريم ذالک، الخ)". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ۵۴۶، دارالفكر بيروت)

(۲) حج تو صحیح ہو جائے گا لیکن قوانین حکومت کی خلاف ورزی کی بناء پر گناہ ہوگا۔ قبول حج کے نظائر میں سے یہ ہے:

"و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدرالمختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص .... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون =

سوال کرکے حج کو جانا

سوال[۵۱۷۴]: ایک شخص پر حج فرض نہیں ہے مگر وہ لوگوں سے سوال کرکے حج کو جانے کا ارادہ کرتا ہے اور حج کرتا ہے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اس طرح سوال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں: "لا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة". طحطاوی، ص: ۳۹۳(۱)۔

اور ایسے شخص کو دینا بھی درست نہیں: "ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". طحطاوی(۲)۔

= الفعل صلاةً؛ لأن الفرض لا یمکن اتصافه بالحرمة، و هنا کذالک، فإن الحج فی نفسه مأمور به، وإنما یحرم من حیث الإنفاق، و کأنه أطلق علیه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فیه، فإن الحج عبادة مرکبة من عمل البدن والمال کما قدمناه، و لذا قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل بالنفقة الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، و لا تَنافِیَ بین سقوطه و عدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، و لا یعاقب عقاب تارک الحج، الخ ". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المناسک، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشیدیه)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

"ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". (الدر المختار، مطلب فی الحوائج الأصلیة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المصرف: ۱/۲۲۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکوة، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

اس طرح حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر سوال کرنے کا گناہ بھی ہوگا، کذا فی رد المحتار: ۲/۱۰٤ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۶/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۶/۳۰ھ۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۱۷۵]: زید کا خیال ہے کہ جب حج بیت اللہ کو روانگی ہو تو کسی تبلیغی جماعت میں شامل ہوں۔عمر نے جب یہ سنا کہ زید کا خیال یہ ہے کہ "جماعت میں شامل ہو جاؤں" تو انہوں نے یہ فرمایا کہ جماعت میں شامل ہونے سے بیت اللہ شریف میں جو نمازیں پڑھو گے اس سے محروم ہو جاؤ گے، اس وجہ سے کہ جماعت تو محلّہ در محلّہ مسجدوں میں گشت کرے گی اور وہیں نماز پڑھے گی تو ظاہر بات ہے کہ اس ثواب سے محروم رہو گے۔

تو زید نے یہ جواب دیا کہ دوسروں کو دین کی بات پہنچانا ہی بڑی چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، بات یہاں آکر ٹھہری کہ فتویٰ منگا لیا جائے جیسے مفتی صاحبان کی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں جا کر اصول کے موافق کام کرنے سے نیت کی درستی کا اہتمام ہوتا ہے، قلب میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، نماز باجماعت کی پابندی ہوتی ہے، تہجد کی توفیق ہوتی ہے، ذکر سے زبان، قلب کو انس پیدا ہوتا ہے، حج کے زمانے کی جماعت میں حج کے موافق سنت ادا کرنے کی تعلیم ہوتی ہے، حرم محترم اور اہلِ حرم کے حقوق معلوم ہوتے ہیں، لایعنی باتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اگر یہ سب چیزیں میسر آئیں تو پھر حج کی قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب حج کو صحیح طریقہ پر ادا

---

(۱) کوشش کے باوجود اس قسم کی عبارت رد المحتار میں نہیں ملی، بلکہ بدائع میں ہے:

"ثم إذا حج بالسوال من الناس، يجوز ذلک عن حجة الإسلام، حتى لو أيسر لا يلزمه حجة أخرى؛ لأن الاستطاعة بملک الزاد والراحلة، ومنافع البدن شرط الوجوب؛ لأن الحج يقام بالمال والبدن جميعاً". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۴۵، دار الكتب العلميه بيروت)

کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاوے تو جماعتوں کے ساتھ جانا بھی حج ہی کے لئے جانا شمار ہوگا، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی معیت میں حج ادا کیا جائے (۱) اور وہاں بھی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر کام کیا جائے، تبلیغ کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑی تعداد میں حرمین شریفین سے باہر سفر فرمائے ہیں، وہ حضرات بھی جانتے تھے کہ نمازِ حرم کا مقام کس قدر بلند ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۹۱ھ۔

حج میں تجارت

سوال [۵۱۷۶]: ایک شخص نفع کی غرض سے کچھ تجارتی سامان لے کر حج کو جاتا ہے' ی طرح وہاں سے بھی لاتا ہے۔ ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کوئی خلل تو نہ ہوگا، جب کہ ان چیزوں کو لے جانے اور لانے کی ممانعت بھی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب میں تو کمی نہیں ہوگی لیکن یہ سفر مبارک اگر تجارت سے بالکل ہی خالی رہے تو زیادہ اچھا ہے:

"وتجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر، لا ينقص ثوابه. اهـ". بحر: ۳۳۳/۲ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا". (مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۲۲۰، قديمي)

"شروط الوجوب وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۱/۲، رشيديه) .... =

ایضاً

سوال[۵۱۷۷]: حج کے لئے جورقم کا تبادلہ گورنمنٹ کرتی ہے وہ محدود ہے، اس لئے حاجی مدراسی لنگی، عطر، صندل، لکھنوی کرتے وغیرہ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ان پر حکومت کی کوئی پابندی نہیں ہے، تاکہ ان سے تجارت کرکے اطمینان سے خرچ کرسکیں، یا وہاں سے وہ سامان حج پر حکومتِ سعودیہ کی کوئی پابندی نہیں ہے، مثلاً: لونگ، جائفل، دارچینی اور دوسری جڑی بوٹیاں، یہاں پر سونے چاندی کا سوال نہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس سامان کے یہاں سے لے جانے اور وہاں سے لانے پر کوئی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیر حاجی سب کے لئے جائز ہے(۱)، ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آتی(۲)۔

= "وتجريد السفر عن التجارة أحسن، و لو اتجر، لا ينقص ثوابه كالغازى إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الحج: ۱/۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول فى تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ فجعل ذلک رخصةً فى التجارة فى الحج، و قد ذكرنا ما روى فيه فى سورة البقرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الحج، باب التجارة فى الحج: ۳/۳۴۵، قديمى)

"و ككراهيتهم فى التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ (حجة الله البالغة). "﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿فضلاً من ربكم﴾: أى تبتغوا رزقاً بالتجارة فى الحج، و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلک". (حاشية حجة الله البالغة، باب كره الجاهلون التجارة فى موسم الحج: ۲/۱۴۸، قديمى)

(۲) "و تجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتّجر لا ينقص ثوابه كالغازى إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الحج: =

لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان پھر تجارت میں اٹکا رہتا ہے(۱)، اس لئے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو اور روپیہ کی کمی کو دور کر کے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت میں اجر وثواب بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۸۹ھ۔

حاجی کے گلے میں ہار

سوال[۵۱۷۸]: حاجی کے گلے میں لوگ گری اور مکھانے (۲) اور کپڑے کے پھولوں اور گلاب کے پھولوں کا ہار بنا کر ڈالتے ہیں اور گلاب اور گیندے وغیرہ کے ہار پھول حاجی کے اوپر پھینکتے ہیں۔ یہ سب از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ سب طریقے خلافِ سنت ہیں اور غلط قابلِ ترک ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۱/۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۱) "(والبيع والشراء والحديث إذا كان يشغله) قيد للثلاثة، والمعنى: يشغله عن الحضور، و يدفعه عن الذكر والدعاء، أو يمنعه عن الموالاة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في مكروهاته، الركوب من غير عذر، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، مصطفى محمد صاحب المكة بمصر)

(۲) ''گری: ڈور کی رسی لپٹنے کی چرخی''۔ (فیروز اللغات، ص:۹۴)

''مکھانے: کنول کا بیج جو بھون کر کھایا جاتا ہے، تال مکھانا، ایک قسم کی مٹھائی''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۷۸)

(۳) زبدۃ المناسک میں ہے:

''آج کل یہ رواج ہوگیا ہے کہ جو شخص حج پر جاتا ہے تو دوست واحباب خوشبودار پھولوں کے ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ ایک تو یہ رسم کافروں اور فیشن پرست لوگوں نے ایجاد کی ہے، ان میں ہی =

حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار

سوال[۵۱۷۹]: پندرہ بیس سال سے یہ رواج ہو گیا ہے کہ حجاج کو رخصت کرتے وقت اور واپسی میں ان کے استقبال کے وقت لوگ پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ زید اس فعل کو بدعت، مکروہ اور ریاکاری ونمائش پر محمول کرتے ہوئے ناجائز سمجھتا ہے اور بکر اسے فعل مباح اور نعرۂ تکبیر کو مستحسن اور بلندیٔ شعائر اسلام سے سمجھتا ہے۔ دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ابتداءً نعرۂ تکبیر بلندیٔ شعائرِ اسلام کے لئے تجویز ہوا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنا، ابوجہل کا مقتول ہونا، قلعۂ انطاکیہ کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی مواقع پر نعرۂ تکبیر کا ثبوت ملتا ہے(۱)،

= مروج ہے۔ دیندار وعلماء فضلاء اس کو پسند نہیں کرتے نہ ان کا عمل ہے بلکہ ان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر سفر میں جانے والا حج یا عمرہ کے احرام میں ہوگا تو ان کے خوشبودار پھولوں کے ہار وغیرہ گلے میں ڈالنا یا سونگھنا ممنوع ہے، اگرچہ فقط اس سے کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا، بلکہ مکروہ ہے، کیونکہ پھولوں کی خوشبو کو لگانے کا حکم نہیں ہے.......... اھ"۔ (زبدۃ المناسک، ص: ۳۴۹، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، متفرقات الحج، حجاج کرام کی دعوت، ہدیہ کالین دین..........اھ: ۱۴۳/۸، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "ذکره أسامة بن زيد عن أبيه، عن جده أسلم قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أتحبون أن أعمالكم كيف كان بدء إسلامي؟ .... حتى بلغت إلى قوله: ﴿إن كنتم مؤمنين﴾ قال: فقلت: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله". قال: فخرج القوم يتبادرون بالتكبير، استبشاراً بما سمعوه منی". (أسد الغابة، عمر بن الخطاب، (رقم الترجمة: ۳۸۲۴): ۶۴۴/۳، دارالفكر بيروت)

"قال: ثم احتززت رأسه فجئت به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: هذا رأس عدوالله أبي جهل، فقال: "والله الذي لا إله إلا الله هو". فحلف له، ويقال: مر ابن مسعود على أبي جهل =

مگراب تو محض نمائش ہی ہے، خاص کر ہندی لوگوں کے لئے بلکہ اکثر مواقع میں لہو ولعب کی صورت ہو جاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے(۱)۔

پھولوں کا ہار ڈالنا سلف صالحین سے کہیں ثابت نہیں، مشرکین اپنے بتوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور مبتدعین ان کی حرص میں قبور اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، اب ایک قدم اَور آگے بڑھا کر زندہ لیڈروں اور عازمینِ حج یا حجاج پر چڑھانے لگے، اس سے زیادہ اَور کوئی اس کی اصل معلوم نہیں ہوتی۔ اگر سونگھنے کے لئے کسی کو پھول یا کلی اَور خوشبو دی جائے تو وہ بہتر ہے جس کا رد کرنا بھی خلافِ سنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= فقال: الحمدلله الذی أخزاک وأعز الإسلام، فقال أبوجهل: أتشتمني يارويع هذيل؟ فقال: نعم والله! وأقتلک، فحذفه أبوجهل بسيفه، وقال: دونک هذا إذاً، فأخذه عبدالله فضربه حتى قتله، وجاء به إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال: يارسول! قتلت أباجهل، فقال: "الله الذی لا إله إلا هو". فحلف له، فأخذه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده ثم انطلق معه حتى أراه إياه، فقام عنده، وقال: "الحمدلله الذی أعز الإسلام وأهله". ثلاث مرات". (عمدة القاری، كتاب المغازی، باب قتل أبی جهل: ۱۴/۱۷، دارالكتب العلميه بيروت)

"عن أيوب، عن محمد، عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: صبّح النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيبر، و قد خرجوا بالمساحی على أعناقهم، فلما رأوه قالوا: محمد والخميس، محمد والخميس! فلجئوا إلى الحصن، فرفع النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه، و قال: "الله أكبر". (فتح الباری، كتاب الجهاد، باب التكبير عند الحرب: ۶/۱۳۴، دار المعرفة بيروت)

"فلما دخل القرية قال: "الله أكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين". قالها ثلاث مرار". (الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة خيبر: ۲/۱۱۱، قديمی)

(۱) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها". (فتح الباری، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۲) راجع: (فتاوی رحيميه: ۱۰/۱۸۳، دار الإشاعت كراچی)

(وكذا فی زبدة المناسک: ۳۴۹، سعيد)

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

سوال[۵۱۸۰]: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً مسٹر جناح کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بلند آواز سے روانگی کراتے وقت تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک نمائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذیقعدہ/۶۱ھ۔

حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا

سوال[۵۱۸۱]: حج کرنے والے کے پیچھے عورتیں جوان و بوڑھی اسٹیشن پر پہنچنے جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنے اور اسٹیشن پر جانے کی ضرورت نہیں، ان کو باز آنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "﴿الذين هم يراؤن﴾ الناس، فيعملون حيث يروا الناس و يرونهم طلباً للثناء عليهم". (روح المعاني، سورة الماعون: ۲۴۲/۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع": أى من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره ليسمع الناس به، و يمتدِحُوه "سمّع الله به": أى شهره الله بين أهل العرصات، وفضحه على رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۱۷۷/۹، رشيديه)

(۲) "و من منكراتهم أيضاً خروج النساء عند ذهابهم و عند مجيئهم، فإن الواجب على المرأة قعودها في بيتها و عدم خروجها من منزلها. وعلى الزوج منعها عن الخروج، و لو أذن لها و خرجت، كانا =

حج کا ولیمہ

سوال[۵۱۸۲]: لوگ حج سے واپس آنے پر اپنے خاندان والوں کی دعوت کرتے ہیں، یہ دعوت اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے اور بہت بڑی نعمت ہے اس کی ادائیگی پر اگر کوئی شخص شکریہ کے طور پر غرباء ومساکین اوراعزہ واحباب کو کھانا کھلائے یا کچھ ہدیہ دے تو شرعاً درست ہے(۱)، لیکن بعض جگہ اس میں

= عاصيين، والإذن قد يكون بالسكوت فهو كالقول؛ لأن النهي عن المنكر فرض. وإن خرجت بغير إذن زوجها يلعنها كل مَلَكٍ في السماء وكل شيء يمر عليه إلا الإنس والجن، و قد جاء في الحديث أنه عليه السلام قال: "ما تركت بعدي فتنةً أضر من النساء".

فخروج النساء في هذا الزمان من بيوتهن من أكثر الفتن، لا سيماً الخروج المحرم كخروجهن خلف الجنازة، و لزيارة القبور، و عند خروج الحجاج و مجيئهم. والخير لعودهن في بيوتهن و عدم خروجهن عن منزلهم، ألا ترى أنه تعالیٰ أمر خير نساء الدنيا، و هن أزواج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بعدم الخروج من بيوتهن فقال: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ وهذا النظم الكريم وإن نزل فيهم إلا أن حكمه يعم الجميع، لما تقرر أن خطابات القرآن تعم الموجودين وقت نزوله، ومَن سيوجد إلى القيامة". (مجالس الأبرار، ص: ۱۴۵، مجلس نمبر: ۲۰)

﴿وقرن في بيوتكن﴾: أي ألزمن فلا تخرجن لغير حاجة .... عن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". وأقرب ما تكون بروحة ربها و هي في قعر بيتها .... و روى البزار بإسناده المتقدم، و أبوداؤد أيضاً عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "صلاة المرأة في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، و صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب، آيت: ۳۳): ۲۳۶/۳، ۲۳۷، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا في روح المعاني، سورة الأحزاب: ۶/۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي سعيد رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: قال: "فاطعموا طعامكم الأتقياء وأولوا معروفكم المؤمنين". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الضيافة، =

ریا اور فخر کی شان ہوتی ہے اور گویا کہ اپنے حج کا اعلان ہوتا ہے کہ حج کر کے آئے ہیں۔ اور بعض جگہ پر کھانا لازم اور ضروری تصور کیا جاتا ہے، حتی کہ اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہو تو قرض لے کر کھلایا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کے لئے سودی قرض لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے، اس طرح کھلانے سے اور ایسا کھانا کھانے سے بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

حاجی کا خطاب

سوال[۵۱۸۳]: حجاج کرام جب حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو انہیں حاجی کا خطاب دیا جاتا ہے اور کچھ لوگ خود ہی حاجی لکھنے لگتے ہیں۔ عوام کو حاجی کے خطاب سے پکارنا درست ہے یا نہیں؟ یہاں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حج کئے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ہی حج کیا، لیکن کہیں بھی حاجی کا خطاب نظر نہیں آتا، شرع سے اس کی تفصیل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "حاجی" کے لفظ سے خطاب نہیں کیا جاتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مناقب وفضائل بے شمار تھے اور حج تو وہاں کے مشرک بھی کرتے تھے۔ ہمارے یہاں جس غریب کے پاس کوئی فضائل ومناقب نہیں اس کو حاجی کہہ کر کچھ تعظیم

= الفصل الثاني: ۳۲۹، قديمي)

(۱) "قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذ ارُفعت عن رتبتها، الخ". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۳۳۸/۲، دارالمعرفة، بيروت)

"وأما إذا سجد بغير سبب، فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلوت مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنةً أو واجبةً، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، هكذا في الزاهدي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعيد)

وتکریم کرلی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن حاجی کو اس کا منتظر رہنا، یا خواہشمند رہنا، یا خود اس کی تشہیر کرنا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، یہ زیبا نہیں، وہ اپنے حج کی نمائش ہرگز نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۶ھ۔

مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج

سوال[۵۱۸۴]: سیاست اخبار مورخہ ۲/دسمبر/۶۰ء میں سفر حج کا جو طریقہ درج ہے، کیا شرع شریف میں اس طریقہ سے حج بیت اللہ شریف جائز ہے؟

فرحت اللہ، مسلم یتیم خانہ پریڈ، کان پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کان پور سے اجمیر شریف تک کا ٹکٹ خرید کر اس کے ذریعہ دہلی، اجمیر، آگرہ، جے پور، فتح پور سیکری، بمبئی، بصرہ، بغداد، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریف، کوفہ، بیت المقدس، جدہ، مکہ معظمہ، طائف شریف، مدینہ منورہ کی زیارت بہت سستی اور آسان ہے، بظاہر تو بہت بڑے کارِ خیر کا دروازہ کھل کر شائقین حج وزیارت پر احسانِ عظیم کیا گیا ہے، بہت مسلمان روپیہ کی کمی کی وجہ سے محروم تھے اب ان کو بھی آسانی ہوگی۔ غالباً اس اعلان پر بے شمار ٹکٹ خریدے جائیں گے اور بے شمار روپیہ بھی جمع ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کا ٹکٹ برآمد ہوگا اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا اور حسرتیں خاک میں مل جائیں گی۔

---

(۱) "﴿الذین هم یراؤن﴾ الناس، فیعملون حیث یروا الناس و یرونهم طلباً للثناء علیهم". (روح المعانی، سورة الماعون: ۲۴۲/۳۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"وعن جندب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمّع": أی من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره لیسمع الناس به، و بمتدِحُوه "سمع الله به": أی شهره الله بین أهل العرصات، وفضحه علی رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۱۷۷/۹، رشیدیه)

نیز دیکھئے: (معلم الحجاج ص: ۴۰۷، ادارة القرآن کراچی)

یہ درحقیقت جوا اور قمار ہے، جیسے قسم قسم کے معمے حل کرنے کے لئے دفتر کھلے ہوئے ہیں اور لاٹری کے ذریعہ کاروبار کئے جارہے ہیں اسی کا ایک شعبہ یہ بھی کھولا گیا ہے، اسی میں کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارت کا وعدہ کر کے اہلِ تشیع کو دعوت دی گئی ہے، اہلِ سنت والجماعت کو بھی ان کے خصوصی مذہبی شعار میں شرکت کا موقع مل سکے گا تاکہ یہ بیچارے تعزیہ داری اور ماتم ہی پر قناعت نہ کریں بلکہ قدم آگے بھی بڑھائیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس کی شرکت کو تو اس میں اصل ہی قرار دیا گیا ہے کہ جو بیچارے بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارتِ مسنونہ پر کفایت کرتے اور مشروع طریق پر ایصالِ ثواب کر لیتے تھے وہ طواف اور سجدۂ مزار شریف سے بھی نہ بچ سکیں گے اور وہاں کی ہر قسم کی خرافات، شرکیات میں برابر کے شریک ہو جائیں گے، سیر وتفریح کے دیگر مقامات بھی دکھائے جائیں گے۔ غرض محض حج وزیارت کی نیت سے یہ سفر اصالۃً نہ ہو سکے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

کیا ہر حج میں نو لاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟

سوال[۵۱۸۵]: عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ کعبۃ اللہ کا جب حج ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ نو لاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے (۹،۹۹،۹۹۹) آدمی اس میں شامل ہوتے ہیں، اگر کمی ہوتی ہے تو فرشتے پوری

---

(۱) قال العلامہ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ "ھو (أی الحج) بفتح الحاء و کسرھا، لغۃً: القصد إلی معظم، لا مطلق القصد کما ظنہ بعضھم. و شرعاً: زیارۃ مکان مخصوص: أی الکعبۃ و العرَفۃ فی زمن مخصوص". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "فھو قصد مقترن بھذہ الأفعال لا مجرد القصد .... ولما کان الحج لغۃً ھو مطلق القصد إلی معظم، خصّصوہ بکونہ قصداً إلی معظم معین بأفعال معینۃ، و لو جعل اسماً للأفعال المعینۃ إصالۃً لباین المعنی اللغوی المنقول عنہ". (ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/۴۵۴، سعید)

"أن الحج بفتح الحاء و یکسر، لغۃً: القصد المطلق، أو بقید التکرار، أو قصد المعظم، و ھو المختار". فی شرحہ: "أی یقصدونہ معظمین إیاہ". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، باب =

کردیتے ہیں۔آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ عدد میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= شرائط الحج، ص: ۱۷، مکتبہ مصطفی محمد صاحب مصر)

(وکذا فی مناسک الملا علی القاری، باب شرائط الحج، ص: ۲۷، إدارۃ القرآن کراچی)

کتاب النکاح

شرعاً نکاح کی حقیقت

سوال [۵۱۸۲]: سوال بے حد طویل ہے، خلاصۂ سوال، جواب سے ظاہر ہے۔ سائل نے مطبوعہ نکاح نامہ رجسٹر کا ایک صفحہ نقل کر کے سوال کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے (☆)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک طرف سے ایجاب ہو جائے دوسری طرف سے قبول۔ اور یہ دو گواہوں کے سامنے ہو، جو دونوں مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے ہوں۔ اس طرح شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا(۱)۔

جو صورت سوال میں مذکور ہے نکاح اس طرح بھی ہو جائے گا، مگر یہ تمام کیفیت نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، ہاں خطبہ پڑھنا مسنون ہے(۲)۔ اگر لڑکی بالغہ نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی نکاح کریگا(۳) اور

(☆) اصل استفتاء کی یہی عبارت ہے، اس کے علاوہ مزید کچھ نہیں۔

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجابٍ من أحد هما وقبولٍ من الآخر، وشرط حضور شاهدين حرين، أوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۲/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهدايه، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة العلمية ملتان)

(۲) "و يندب إعلانه و تقديم خطبته". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة، جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما يستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "و للولي إنكاح الصغير والصغيرة". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: =

اگر بالغہ ہو تو اس کی اجازت سے نکاح کیا جائے (۱) اور اپنی طرف سے وکیل بھی بنا سکتی ہے (۲)، گواہوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی کے محرم ہوں، نہ وکیل کیلئے محرم ہونا ضروری ہے، غیر شخص کو بھی بنانے کا حق ہے، مثلاً چچا زاد بھائی۔ خطبہ کیلئے کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں اور "النکاح من سنتی" (۳) وغیرہ احادیث اگر نہ پڑھی جائیں تب بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔

تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانا زائد بات ہے، ایجاب ایک دفعہ بھی کافی ہے۔ طلوع، زوال، غروب کے وقت بھی نکاح صحیح ہے۔ رجسٹر میں درج کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، طریقۂ مذکورہ پر (وکیل، گواہ وغیرہ کے نام لکھنا) یہ قانونی چیز ہے کہ بوقتِ ضرورت عدالت میں کام دے سکے اور نزاع کو ختم کرنا آسان ہو جائے، نفسِ

= ۳/ ۶۵، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء ....اھ: ۳/ ۲۰۸، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/ ۵۰۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی وعليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستامر، ولا تنكح البكر حتى تستاذن، الخ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولی فی النكاح واستيذان المرأة، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قديمی)

"قال فی المحيط: والسنة أن يستأمر البكر وليها قبل النكاح بأن يقول: إن فلاناً يخطبک أو يذكرک، فسكتت. وإن زوجها بغير استئمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، اهـ. وهو محمل النهی فی حديث مسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۹، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء و الأكفاء: ۲/ ۴۹۵، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس فی الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/ ۲۹۴، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانيه، كتاب النكاح، الوكالة بالنكاح: ۳/ ۲۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) " عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتی، فمن لم يعمل بسنتی، فليس منی". الحديث. (سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، باب ماجاء فی فضل النكاح: ۱/ ۱۳۳، قديمی)

نکاح بغیر اندراج رجسٹر کے بلاتکلف درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح کی تعریف، غرض اور اس کا طریقہ

سوال[۵۱۸۷] : ا...... نکاح کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کیا غرضیں ہیں؟ اور کیا غایت ہے؟

۲...... بنیادِ نکاح کیا ہے؟ اور کیسے اور کس طرح ہوسکتا ہے یعنی نکاح ہو جانے کا کیا حکم ہے؟ اس کی کیا صورت ہے؟

۳...... نکاح میں گواہ کی شرط ہے یا نہیں اور گواہ کتنے شرط ہیں، کیا عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح ہوسکتا ہے؟

۴...... نکاح میں عورت کے وکیل ہونے کی شرط ہے ایک یا دو یا اس سے بھی زائد؟

۵...... نکاح میں قاضی یعنی نکاح پڑھانے والے کی شرط ہے یا نہیں؟ قاضی ایک یا دو یا زائد بھی ہوسکتے ہیں، یا کبھی قاضی کی بھی ضرورت نہیں؟

۶...... گواہ کا مطلب اردو کلام میں کیا ہے؟ اور وکیل کا مطلب کیا ہے اور کیا کام ہے؟ اور یہ سب کام غیر مسلم مرد عورت بھی ادا کر سکتے ہیں یا مسلمان ہونا گواہ اور وکیل کا شرط ہے یا سرپرست بن سکتے ہیں؟

۷...... نکاح کرنے والا مسلم عورت کا سرپرستِ حقیقی اس کا عزیز رشتہ دار ہی ہوسکتا ہے، یا کوئی غیر بھی، یعنی گواہ یا وکیل یا غیر بھی؟

۸...... نکاح کے معاملہ کو رجسٹر پر لکھ لینا ضروری یا شرط ہے یا کہ نہیں؟ اور اگر ایسا نہ ہو تو کیا نکاح نہ ہوگا؟ اگر رجسٹر میں گواہ بھی تین اور قاضی بھی تین سرپرست وکیل بھی تین ہیں؟ اور عورت انکار کردے تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳،۴،۵،۶،۷،۸...... نکاح ایک عقد ہے جس کے ذریعہ مرد کو عورت سے حقِ جماع حاصل ہوتا ہے اور اس کے لوازمات مرتب ہوتے ہیں۔ عورت کے لئے مہر، نفقہ، سکنیٰ، نیز اولاد ہونے پر ثبوتِ

نسب وغیرہ (۱)۔عورت اگر بالغہ ہوتو وہ خود بھی بغیر سرپرست کے اور بغیر کسی وکیل کے براہ راست عقدِ نکاح کرسکتی ہے،مگراس کے لئے اتنی شرط ہے کہ اپنے کفو میں مہرِ مثل پر نکاح کرے،اپنے سے گرے ہوئے مرد سے نکاح نہ کرے جس سے اس کے خاندان کو عار لاحق ہو (۲)۔اس کا سرپرست ولی بھی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کرسکتا ہے اور یہی بہتر ہے۔ولی نے اگر بغیر اس سے اجازت حاصل کئے اس کا نکاح کردیا اور وہ معلوم ہونے پر خاموش ہوگئی یعنی رضامند رہی تب بھی نکاح معتبر ہوجائے گا (۳)۔

نکاح کے لئے کم ازکم دو مسلمان مَردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، بغیر گواہوں کے یا صرف عورتوں کی گواہی پر یا غیر مسلمان کی گواہی پر ایجاب وقبول کرنے سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا (۴)۔عورت اگر خود ایجاب وقبول نہ کرے، نہ اس کا ولی اس کا عقد کرے، بلکہ عورت کسی کو اپنی طرف

(۱) "هو عقد يفيد ملك المتعة: أي حل استمتاع الرجل. الخ". (الدرالمختار). "(قوله: أي حل استمتاع الرجل): أي المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي. وفي البدائع: إن من أحكامه ملك المتعة، و هو اختصاص الزوج بمنافع بضعها و سائر أعضائها استمتاعاً أوملك الذات والنفس في حق التمتع، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۳، ۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۶، ۱۸۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها .... ولكن للولي الاعتراض في غيرالكفوء". (فتح القدير، كتاب النكاح ۳/۲۵۶، ۲۵۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، ۳۲۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازتها، جاز، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، ۳/۲۶۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(۴) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول .... اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه الاسلام: "لا نكاح إلا بشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان) ...... =

سے وکیل بنادے، اوروہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تب بھی صحیح ہے اگر چہ وہ وکیل کوئی عورت ہی ہو۔ وکیل بنانے کے لئے یا عورت سے نکاح کی اجازت کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مسلم عورت کا ولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔ غیر مسلم کو نکاح میں وکیل بھی نہ بنایا جائے (۱)۔

قاضی یا کوئی بھی ایجاب وقبول کرادے اس طرح درست ہے، بہتر یہ ہے کہ مجمع میں نکاح کیا جائے (۲)، اگر بغیر قاضی کے صرف دوگواہوں کے سامنے مرد اور عورت نکاح کرلیں تب بھی نکاح ہوجائے گا، اور نکاح کے ثبوت کے لئے گواہوں کا سننا بھی کافی ہے (۳)۔ نکاح کی مجلس منعقد ہونا بھی ضروری نہیں، جب کسی کے متعلق مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے اور وہ اس کی بیوی ہے اور عورت انکار کرے اس کے باوجود وہ اس کی بیوی ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(۱) "و لا ولاية لكافر على مسلم، لقوله تعالىٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾".

(الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۸/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب الأوليا والأكفاء: ۲۸۵/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأوليا والأكفاء: ۲۱۷/۳، رشيديه)

(۲) "و يندب إعلانه: أي إظهاره، والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذي: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المسجد، واضربوا عليه بالدفوف" الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۸۹/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(۳) "فالحاصل أنه يشترط سماعهما معاً مع الفهم على الأصح. الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۶/۳، رشيديه)

"والصحيح اشتراط السماع؛ لأنه المقصود من الحضور، وسيأتي تمامه. الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخٌ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۴۵۱/۵، سعيد) ..... =

نکاح کا مسنون طریقہ

سوال[۵۱۸۸]: نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے یعنی کس طرح ایجاب وقبول کرائے اور کیا خطبہ پڑھے؟

محمد بشیر، ۲۴/ پرگنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

" الحمد لله نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا، من يهدى الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له، وأشهد أن محمداً عبده و رسوله. و يقرأ ثلث ايات: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته، و لاتموتن إلا و أنتم مسلمون﴾۔

اور دوسری آیت: ﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة، وخلق منها زوجها، و بث منهما رجالاً كثيراً و نساءً، واتقوا الله الذى تساء لون به والأرحام، إن الله كان عليكم رقيباً﴾۔

تیسری: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله، و قولوا قولاً سديداً، يصلح لكم أعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم، و من يطع الله ورسوله، فقد فاز فوزاً عظيماً﴾۔

رواه أحمد والترمذى وأبو داؤد والنسائى وابن ماجه والدارمى. وفى جامع الترمذى: فسر الأيات الثلاثة سفيان الثورى. وزاد ابن ماجة بعد قوله: "إن الحمد لله" "نحمده" وبعد قوله: "من شرور أنفسنا". "ومن سيأت أعمالنا". والدارمى بعد قوله: "عظيماً" "ثم يتكلم بحاجته". و روى فى شرح السنة عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فى خطبة الحاجة من النكاح وغيره". مشكوة، ص: ۲۷۲ (۱)۔

= "و جحدُ العقد لايرتفع العقد". (الفروق للكرابيسى: ۱/۱۳۱، كويت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانى، ص: ۲۷۲، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۳۷۱۲)، مسند عبدالله بن مسعود: ۱/۶۳۸، دارإحياء التراث بيروت) =

خطبہ مذکورہ پڑھنے کے بعد عورت کا نام مع ولدیت لے کر مرد سے کہے کہ: ''میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ بعوض مہر مبلغ اتنے روپیہ کیا، کیا تم نے قبول کیا''؟ وہ مرد جواب میں کہے: ''میں نے اس کو قبول کیا''۔ بس نکاح ہوگیا، اس کے بعد دعاء کرے: "بارك الله لك، و بارك الله عليك، وجمع بينكما في خير"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۵۱۸۹]: شرعی شادی کا کیا طریقہ ہے؟ مختصراً بیان کیا جائے تاکہ عمل میں لایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شادی کرنے کا ارادہ ہو بلا کسی خاص برات اور بری (۲) وغیرہ کے اہتمام کے چند آدمیوں میں

= (وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۱/۲۹۶، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، مايستحب من الكلام عندالنكاح: ۲/۷۸، قديمي)

(وابن ماجة، ابواب النكاح، باب خطبة النكاح: ۱/۱۳۶، قديمي)

(والدارمي، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۲/۱۹۱، قديمي)

(وكذا في عمل اليوم والليلة لأبي بكر السني، باب خطبة النكاح، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، نور محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

(۱) (عمل اليوم والليلة، باب مايقول الرجل إذا تزوج، باب خطبة النكاح، ص: ۲۰۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

(وصحيح البخاري، باب: كيف يُدعى للمتزوج: ۲/۷۷۴، ۷۷۵، قديمي)

(۲) ''بری: ساچق کا سامان، بیوہ پارچہ جات وغیرہ، جو دولہا کی جانب سے دلہن کے ہاں بھیجے جاتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۸، فیروز سنز، لاہور)

ایجاب وقبول کرادیا جائے (۱)، اگر وسعت ہو تو چھوہارے تقسیم کرادیے جائیں (۲)، دلہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے، جو کچھ چیز دلہن کو بطورِ صلہ رحمی دینا منظور ہو بلا کسی خاص شہرت اور نمود کے خواہ بعد میں بھیج دیا جائے خواہ جب ہی اس کے ساتھ کردیا جائے۔ اور مہر حسبِ استطاعت ہو، شریعت نے اس کی ادنیٰ مقدار دس درہم قرار دی ہے، اس سے کم جائز نہیں (۳) اور زیادہ کی شریعت نے مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ وسعت سے زیادہ ہونا اچھا نہیں۔ زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو بہشتی زیور چھٹا حصہ دیکھیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول .... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجلٍ وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹ - ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵ رشيديه)

(۲) "(أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حضر في املاك (أي نكاح) فأتِيَ بطباق عليها جوزٌ ولوزٌ وتمرٌ، فنثرت، فقبضنا أيدينا، فقال: "ما بالكم لا تأخذون"؟ فقالوا: لأنك نهيت عن النهبى، فقال: "فما نهيتكم عن نهبى العساكر، خذوا على اسم الله". فجاذَبَنا و جاذبناه". (إعلاء السنن، باب استحباب الوليمة و كون وقته بعد الدخول: ۱۱/۱۱، إدارة القرآن كراچى)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ نکاح چھوارے تقسیم کرنا سنت ہے۔

(۳) "أقله عشرة دراهم، لحديث البيهقي وغيره: "لامهر أقل من عشرة دراهم". ورواية الأقل تحمل على المعجل". (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في أقل المهر. ۳/۴۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۴)(بهشتى زيور، باب: مہر زیادہ بڑھانے کا بیان، حصه ششم، ص: ۳۳۵، دار الاشاعت كراچى)

نکاح کا شرعی طریقہ

سوال[۵۱۹۰]: نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ خود عورت یا اس کے ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے سامنے عقد کرلیا جائے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۳/۱۵ھ۔

نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟

سوال[۵۱۹۱]: شادی میں نکاح پڑھانے کے وقت امام صاحب نکاح قبول نہیں کراتے، بلکہ وکیل ہی قبول کراتے ہیں، یہ حق وکیل کا ہے یا امام صاحب کا؟ نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل ولی، امام، قاضی کوئی بھی گواہوں کے سامنے کہے کہ ”میں نے فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دی“، لڑکا کہے کہ ”میں نے اس کو قبول کیا“۔لڑکی خود بھی گواہوں کی موجودگی میں اپنے متعلق یہ کہہ دے اور لڑکا قبول کرلے تب بھی درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۸/ ۵/ ۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) ”و ینعقد متلبساً بایجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر، لیتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین، الخ“. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذافی النهر الفائق، کتاب النکاح: ۲/۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) ”(وینعقد) متلبساً (بایجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضی) .... (کزوجت) نفسی أو بنتی أو موکلتی منک (و) یقول الآخر: (تزوجت)“. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب النکاح، ۲/۵، ۷، دار المعرفة بیروت) .... =

نکاح کا حکم: وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟

سوال[۵۱۹۲]: مسئلہ احکامِ نکاح سے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ نکاح کا حکم مطلق ہے یا اس کا حکم حال کے مطابق بدلتا رہتا ہے؟ از راہ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے۔ جس پر شہوت غالب ہو کہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا مظنہ ہو اور وہ مہر ونفقہ پر قادر ہو، اس کے ذمہ نکاح کرنا فرض ہے، نکاح نہیں کرے گا تو گناہگار ہوگا، اتنی بات بلا اختلاف ہے، چنانچہ ملک العلماء نے لکھا ہے:

"لا خلاف أن النكاح فرضٌ حالة التوقان، حتى أن من تاقت نفسه إلى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن، وهو قادرٌ على المهر والنفقة و لم يتزوج، يأثم، اهـ". بدائع: ۲/۲۲۸(۱)۔

جس پر ایسا غلبۂ شہوت نہ ہو، اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں: اصحاب ظواہر کے نزدیک نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع وشراء کی طرح مباح ہے، احناف میں سے بعض نے مندوب ومستحب کہا ہے، بعض وجوب علی الکفایہ کے قائل ہیں، بعض وجوب علی العین کے۔ ان سب اقوال کے دلائل بدائع میں مذکور ہیں۔

راجح یہ ہے کہ اعتدالِ شہوت کے وقت یعنی جب کہ ابتلائے معصیت کا مظنہ بھی نہ ہو بلکہ صبر وضبط پر قدرت ہو، ادائے حق زوجیت پر قدرت ہو اور ادائے نفقہ ومہر پر بھی قدرت ہو، سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ نکاح کی وجہ سے ترکِ فرائض وسنن کا خوف نہ ہو، نیز خوفِ جور نہ ہو، اس حالتِ اعتدال میں اگر نہیں کرے گا تو ترکِ سنت مؤکدہ کے وبال میں ماخوذ ہوگا، اگر حالت اس اعتدال سے گری ہوئی ہو تو اس کے حق میں سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ اس حالت میں اگر ادائے مہر ونفقہ پر قدرت نہ ہو، یا جور میں مبتلا ہو جائے، یا اس کی وجہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳/۳۱۱، دار الكتب العلميه بيروت)

سے فرائض وسنت ترک کرنے کی نوبت آجائے تو گنہگار ہوگا، ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہوگا، بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ ہوگا اور بعض میں حرام ہوگا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: " و صفته فرض وواجب و سنة و حرام و مكروه و مباح. اه". بحر: ۷۹/۳(۱)۔

پھر ہر نوع کا محمل بیان کیا ہے اور مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

"أما الأول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج، بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلىٰ ترك الحرام إلا به، يكون فرضاً. وأما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة؛ إذ ليس الخوف مطلقاً مستلزماً بلوغه إلى عدم التمكن، و به يحصل التوفيق بين قول مَن عبّر بالافتراض و بين من عبّر بالوجوب. وكلٌّ من هذين القسمين مشروط بشرطين: الأول: ملك المهر والنفقة، فليس من خافه إذا كان عاجزاً عنهما اثماً بتركه، كما في البدائع.

الثاني: عدم خوف الجور، لو تزوج قدم الثاني، فلا افتراض بل مكروه، كما أفاده في فتح القدير، ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد، والمنع من الزنا من حقوق الله تعالىٰ، وحق العبد مقدم عند التعارض، لاحتياجه، و غنى المولىٰ تعالىٰ۔

وأما الثالث فعند الاعتدال و سيأتي بيانه. وأما الرابع فبأن يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم و يرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح، لرجحان هذه المفاسد. وأما الخامس فبأن يخاف لا بالحيثية المذكورة، و هي: كراهية تحريم. ومن أطلق الكراهة عند خوف الجور، فمراده القسم الثاني من القسمين. وأما السادس فبأن يخاف العجز من الإيفاء بمواجبه –كذا في المجتبىٰ– يعني في المستقبل. وأما محاسنه، فكثيرة". بحر: ۷۹/۳(۲)۔

حالتِ اعتدال میں نکاح کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، شرائط پائے جانے کے باجود سنت موکدہ کا

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۰/۳، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

ترک کرنا گناہ ہے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و هو سنة، وعند التوقان واجب، فالمراد به السنة المؤكدة على الأصح، و صرح في المحيط أيضاً بأنها مؤكدة، ومقتضاه الإثم لو لم يتزوج؛ لأن الصحيح أن ترك السنة المؤكدة مؤثم، كما علم في الصلوة، والمراد بها حالة القدرة على الوطي، والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور و ترك الفرائض والسنن، فلولم يقدر على واحد من الثلاثة، أوخاف واحداً من الثلاثة، فليس معتدلاً، فلا يكون سنةً في حقه، كما أفاده في البدائع، اهـ". ۳/۸۰(۱)۔

فتح القدير (۲) مبسوط (۳) وغیرہ کتبِ احناف میں یہی تفصیل مذکور ہے، لہذا سب پر ایک حکم لگا دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۰/۶/۸۹ھ۔

نکاح کے فرائض، واجبات، مستحبات

سوال[۵۱۹۳]: نکاح میں کتنے فرض، کتنی سنت، کتنے مستحب ہیں اور کیا کیا ہیں؟ اور کتنی باتوں اور کاموں سے نکاح درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایجاب وقبول فرض ہے، بغیر اس کے نکاح ہی نہیں ہوتا (۴)، دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے (۵)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، مكتبه مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۴/۲۱۵، غفاريه كوئٹه)

(۴) "وأما ركنه، فالإيجاب والقبول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۵) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان) =

نکاح کا اعلان اور اس سے پہلے خطبہ اور اس کا مسجد میں ہونا اور جمعہ کا دن ہونا مندوب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۵ھ۔

اعلانِ نکاح کے مصالح

سوال[۵۱۹۴]: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد اعلان ہو"۔ اعلان ہونا سخت خطرناک امر ہے، خاکسار کی تو یہی عرض ہے کہ خفیہ نکاح کی اطلاع خاص قاضی اور دو گواہوں کو ہو، اور کسی بچہ تک کو بھی نہ معلوم ہو سکے، کیونکہ پوشیدہ نکاح سے لوگوں سے کسی قسم کا فتنہ فساد نہیں ہوتا ہے، اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں اطلاع دی جاوے تو سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ صرف خادم کی یہ عرض ہے، نکاح کی اطلاع اعلان تازندگی معلوم نہ ہو۔ آپ یہ فرماویں کہ تازندگی کے لئے خفیہ نکاح جائز ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح صرف دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو جاتا ہے(۲)، البتہ اس کا اعلان کرنا مستحب ہے(۳)،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(۱) "ويندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳-۲۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحائق، كتاب النكاح: ۴۵۲/۲، ۴۵۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) "وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي". .... =

اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ کہیں چلا گیا یا مر گیا اور عورت نے نکاح سے انکار کر دیا تو قضاءً ثبوت میں دشواری ہوگی، اولاد کے نسب میں بھی اشکال ہوگا، جن لوگوں کو نکاح کا علم نہیں وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے، زوجین کے تعلقات کو حرمت اور زنا وغیرہ پر محمول کریں گے۔ اہلِ تجربہ سے یہ اشیاء مخفی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم/۵۷ھ۔

نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۵]: بوقتِ نکاح اعلان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر بارات کے آدمی کثرت سے موجود ہوں پھر بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور کس چیز سے شریعت میں اعلان کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی میں گانے بجانے کے ساز و باز جو برات مروج ہے، ان سے اعلان کرایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا اعلان مندوب ہے: "ویندب إعلانه، اه". درمختار: ۲/۴۰۴(۱)۔ اعلان کے لئے

= قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "أعلنوا هذا النكاح": أی بالبينة، فالأمر للوجوب، أو بالإظهار والاشتهار، فالأمر للاستحباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی: ۶/۳۱۲، رشيديه)

"ويندب إعلانه". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

"وروى الترمذی عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا فی فتح القدير".

(البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيديه) .... =

بوقتِ عقد محض دف بجادینا کافی ہے اور طریقۂ مروجہ پر ساز وغیرہ بجانا جیسا کہ سوال میں درج ہے جائز نہیں:

"وكره كل لهو: أى كل لعب وعبث، والثلاثة بمعنى واحد كما فى شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والرباط والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زى الكفار. واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، اهـ". شامى: ٥/٢٧٩(١)- "وعن الحسن: لا بأس بالدف فى العرس ليشتهر. وفى السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب، اهـ". شامى: ٥/٢٤٧(٢)- فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۲]: گانا بجانا اور سننا عامۃً جب حرام ہے تو دف باجا کس طرح حلال ہوا؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "اعلانِ نکاح اس سے کیا جاوے" اس سے دف کے باجے کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے اعلان کا حکم ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر دف بجایا جائے، اگر اعلان بلا دف کے ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور دف بھی وہ جس میں جلاجل نہ ہو، جلاجل کے ساتھ مکروہ ہے:

= (ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة، اهـ، الفصل الأول: ٢/٢٧٢، قديمى)

(١) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ٦/٣٩٥، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية)

(٢) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٥٠، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا فى البحرا الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٣، رشيديه)

"وروی الترمذی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا في فتح القدير، و الذخيرة"(١)۔

اور محض ضرب دف اور ضرب غربال جس میں کوئی تطریب نہ ہو، صرف صوت مسموع ہو، اس میں کوئی لذت اور حظ نہیں ہے جیسا کہ سحری کی اطلاع کے لئے نقارہ بجادیا جائے، یا مدرسہ کے وقت کے لئے گھنٹہ بجادیا جائے۔

العرف الشذی میں ہے:"(قوله: الدف، الخ) ما يكون مجلداً من جانب واحد، وصرح الفقهاء بعدم جواز ذي جلاجل، أقول: تدل المسائل على التوسيع وجواز ما يقال له: الدهل، وجواز النقارة والطبل، فإنه لا ذوق ولا حظ في هذه الأشياء"(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۱ھ۔

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا

سوال[۵۱۹۷]: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو بغیر دیکھے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ لڑکی کو دیکھا جائے؟ جواب مع حوالجات سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاف صاف مطالبہ کرنا کہ مجھے دکھاؤ، میں خود دیکھوں گا تو مناسب نہیں، ہاں! کہیں موقع مل جائے

(١) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ١٤٣/٣، رشيديه)

(والحديث أخرجه الترمذي في سننه في باب ما جاء في إعلان النكاح: ٢٠٧/١، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ٤٤٧/٢، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح: ٨/٣، سعيد)

(٢) (العرف الشذي، باب إعلان النكاح: ٢٠٨/١، سعيد)

"قال الفقهاء. المراد بالدف مالا جلاجل له، كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ٢١٢/٦، رشيديه)

چھپ چھپا کر دیکھنے میں مضائقہ نہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إذا خطب أحدكم المرأة، فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها، فليفعل". أبو داود شريف(۱)، بذل المجهود: ۲/۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اشکال بر جوابِ مذکورہ بالا

سوال[۵۱۹۸]: مندرجہ بالا سوال کے..... جواب سے مطمئن نہیں ہوا، مزید چند سوالات اسی سے متعلق جو ذہن کو بُری طرح کریدر ہے ہیں، پیش خدمت ہیں، براہ کرام واضح طور پر جواب ارسال فرماویں۔

لفظ "مناسب نہیں" اور "شرعاً جائز ہونے" میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود "شرعاً جائز نا جائز ہونے" میں ہے، یہ سب اسی لئے کہ پردہ کا عمل مانع ہوا ہے، لہٰذا اگر صحیح طور پر پردہ کیا جائے تو چھپ چھپا کر دیکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا، اس طرح اگر دیکھنے کا موقع میسر آتا ہے تو پردہ پر عیب آتا ہے اور اگر پردہ سخت وصحیح ہے تو دیکھنا ممکن نہیں۔

دوسری چوری سے دیکھنا کریکٹر کے خلاف ہے، دیگر چھپ چھپا کر دیکھنے میں قطعی ممکن نہیں کہ صرف مطلوبہ کو ہی دیکھا جاوے اس کے عوض دیگر مستورات پر نگاہ پڑنا فطری وقدرتی بات ہے، لہٰذا دوسروں کی بیوی اور بہو، بیٹیوں کو نگاہیں ڈالنا نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے شرافت سے بھی پرے ہے یہاں تک کہ گناہ ہے۔

کیا اس مذہب میں شریفانہ طریقہ پر دیکھنے کا موقع ان فریقین کو حاصل نہیں ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر کا معاہدہ کرتے ہیں؟ اس دور میں صورت کا قبول ہونا ایک خاص جزو بن چکا ہے اور ایک طرف شرعی

---

(۱) (سنن أبي داؤد، باب الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها: ۱/۲۸۴، مكتبة دار الحديث، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، باب الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها: ۳/۱۹، ۲۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني: ۶/۲۸۰، رشيديه)

طور پر دونوں فریقین ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لئے قطعی خود مختار ہیں، لہٰذا اس صورت میں کیا جائز اور صحیح نہیں ہوگا کہ دیکھنے کا موقع میسر کیا جائے۔

''نمائش'' اور ''دیکھنے'' میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود صرف دیکھنے سے ہے نمائش سے نہیں ہے۔آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیجئے، چونکہ بعض جگہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جس سے عقدِ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک سے پہلے ایک نظر اس کو دیکھ لے تو اس کی شریعت نے گنجائش دی ہے۔اگر زید کی کوئی محرم (خالہ، پھوپی، نانی، دادی، وغیرہ) اپنے مکان پر زید کی منسوبہ کو پردہ کے ساتھ بلالیں اور زید وہاں کسی کمرہ میں ہو جس کا منسوبہ کو علم نہ ہو اور وہاں سے دیکھ لے تو یہ درست ہے۔اس صورت پر آپ کے پیش شدہ اشکالات وارد نہیں ہوں گے۔

اگر ہر شخص صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے تو نہیں معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کرنے کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، ایک ناپسند کرے گا، اس کی بھی شہرت ہوگی، اس سے احباب ناپسندیدگی کی وجہ دریافت کریں گے وہ اس کا حلیہ پوری تفصیل سے بتائے گا، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہوجائے گی کہ گاہک آتے ہیں دیکھتے ہیں ناپسند کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شادی عمر بھر کے ساتھ کی نیت سے کی جاتی ہے (چھوڑنے کی نیت سے نہیں کی جاتی)، لیکن ساتھ کا نباہ صرف صورت پر نہیں، بسا اوقات صورت اچھی ہونے کے باوجود خانہ داری کا سلیقہ نہیں ہوتا، تعلیم نہیں ہوتی، اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی، گفتگو شستہ نہیں ہوتی، اَور بھی امور ہیں جن کو نباہ میں بڑا دخل ہے اور محض صورت دیکھ کر ان کے متعلق رائے صحیح قائم کرنا دشوار ہے، پھر منسوبہ کو بھی قلبی تعلق ہوگا یا نہیں۔

اس قسم کے امور کی وجہ سے ایک قوم نے مستقل انٹرویو شروع کر دیا کہ تنہا کمرہ میں اپنی منسوبہ سے ملاقات کرکے ہاتھ ملا کر دیر تک گفتگو اور خوش طبعی کرکے طرفین اندازہ کرلیں۔ایک قوم نے یہ روش اختیار کی کہ لڑکے اور لڑکی کو خاندان والے واحباب کسی جگہ ساتھ رہنے وزندگی کا کچھ حصہ مل کر گذارنے کے لئے تجربہ کے طور پھر بھیج دیں کہ دونوں اپنے اپنے خاندان سے علیحدہ ہوکر کاروبار کریں اور سال دو سال کے بعد اگر اندازہ ہوجائے کہ نباہ ہوجائے گا تو پھر شادی کر دی جائے، ورنہ تجربہ کے لئے لڑکے کے لئے دوسری لڑکی تجویز کی

جائے اورلڑکی کے واسطے دوسرالڑکا تجویز کیا جائے۔اس سب کے باوجود پھر بھی موافقت نہیں ہوتی اور متارکت کی نوبت آتی ہے۔جو جذبات قلب میں آج موجود ہیں،کوئی ذمہ داری نہیں کہ کل بھی موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں، پس جتنی بات کی شریعت نے گنجائش دی ہے اس پر اکتفاء کیا جائے، شادی کے بعد صبر وتحمل سے کام لیا جائے،ہاں اگر صورتِ حال قابلِ برداشت نہ رہے تو شریعت نے خلع اورطلاق کا باب بھی رکھا ہے تا کہ زندگی اجیرن نہ ہوجائے اور حقوق بھی تلف نہ ہوں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ،دارالعلوم دیو بند،۲۸/۲/۹۰ھ۔

زوجین کی عمر میں تناسب،اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پراعتراض اوراس کا حکم

سوال[۵۱۹۹]: آج کل بعض مسلمان بوجہ اپنی جہالت وکم فہمی کے لڑکے لڑکی کی شادیوں میں باہمی رنجشوں اور عداوتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو نقصان وزک پہونچانے کے لئے جھوٹی درخواستیں عدالتوں اورتھانوں میں گذار کر شادیاں رُکوادیتے ہیں اوراحکامِ خداورسول کو بالکل پسِ پشت ڈالتے ہیں،اس طرح بندگان کو ناحق لٹواکر اپنا مطلب نکالتے ہیں اور جائز کو نا جائز کرکے گنہ گار ہوتے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک ہمراہ حضرت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وقت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۰/سال کی اورام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چند سال کی تھی۔تو اس کی بیشی عمر پر نافہم لوگ اعتراض کرتے ہیں۔تو کیا بعض مسلمانوں کی یہ کارروائی شرعاً درست وجائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو ایسے شخص یا اشخاص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آپس میں لڑائی رکھنا اورایک دوسرے کو نقصان پہونچانا،جھوٹی درخواستیں دے کر شرعاً ناجائز اور گناہ ہے،حدیث شریف میں ایسی چیزوں کی سخت ممانعت آئی ہے(۱)۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام میں

---

(۱) "لاضرر ولا ضرار". لاضرر: أي لايضر الرجل أخاه فينقصه شيئاً من حقه ...... رواه الحاكم والدارقطني عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه: وزاد: "من ضر ضره الله، ومن شق شاق الله عليه". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۸۹۹): ۱۲/۲۴۸۴، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، رياض)

عیب نکالنا اور تحقیر کرنا کفر ہے، ایسی چیز سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)۔ شریعت کی طرف سے نکاح میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن مصالح اور معاشرت کی وجہ سے طرفین کی عمر میں تناسب کی رعایت رکھی جائے تو بہتر ہے(۲)۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل میں شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ کا ہر فعل مصالح سے پُر تھا، اس نکاح میں بھی بے شمار مصالح تھیں جیسا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں بہت سی مصلحتیں تھیں جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵/ سال تھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

کثرتِ ازدواج کی حکمت

سوال[۵۲۰۰]: کیا وجہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے لئے نویا سات ازواجِ مطہرات کو جائز قرار دیا اور عام امت کے لئے بیک وقت چار کی قدغن لگادی؟ واضح باد کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وذات مبارک میں- معاذ اللہ- کوئی تنقید وتنقیص نہیں ہے، بلکہ یہ کوئی کافر کا اعتراض ہوسکتا ہے، اس کی تشفی کے لئے وضاحت مطلوب ہے۔

محمد محمود کلیمی، گلبرگہ میسور اسٹیٹ۔

---

(۱) "ومن استخف بسنة أو حديث من أحاديثه عليه الصلاة والسلام، أو رد حديثاً متواتراً، أو قال: سمعناه كثيراً بطريق الاستخفاف، كفر". (مجمع الأنهر، باب أحكام المرتدين، ثم إن الفاظ الكفر أنواع، الثانى فى الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: ۱/ ۶۹۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام، أو عاب نبياً بشئ، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/ ۴۷۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ما يتعلق بالأنبياء: ۲/ ۲۶۳، رشيديه)

(۲) "وكونها دونه سناً". (الدر المختار). "(قوله: دونه سناً) لئلا يسرع عقمها، فلا تلد". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جذباتِ نفسانی کا غلبہ اور تسکین نہیں ہے جیسا کہ حالتِ ذیل میں غور کرنے سے بغیر کسی کے سمجھائے، ایک سلیم الفطرت آدمی خود بخود سمجھ سکتا ہے:

پہلی شادی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵/ سال کی عمر میں کی جب کہ قوتِ نامیہ کی ترقی ختم ہوجاتی ہے اور ایسی عورت سے جس کی ایک سے زائد شادیاں پہلے ہوچکی تھیں او وہ بیوہ تھیں اور عمر چالیس سال تھی، پچاس سال سے عمر متجاوز ہونے تک ایک ایسی عورت پر کفایت کی، اس کے انتقال کے بعد پھر ایک نکاح کیا۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد نو دس سال کی مدت میں تریسٹھ سال کی عمر تک زیادہ نکاح کئے۔ ان شادیوں میں کنواری صرف ایک تھیں، بقیہ سب بیوہ تھیں، یہ بات بھی نہیں کہ کنواری لڑکیوں کی آپ کے لئے کچھ کمی تھی، اگر جذباتِ نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے یہ شادیاں کی جاتیں تو جوانی میں کی جاتیں، کنواریوں سے کی جاتیں۔

بات اصلی یہ ہے کہ دینِ اسلام عورتوں اور مردوں سب کے لئے آیا ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً: حیض ونفاس، ان مسائل کو عورتوں تک پہونچانے کے لئے عورتیں ہی مناسب ہیں، مَردوں سے متعلق مسائل تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست بیان فرمادیتے تھے اور عورتوں سے متعلق مسائل کی تلقین وتعلیم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعہ ہوتی تھی، اس طرح پر تعلیم وتلقین کی تکمیل کی گئی (۱)۔

---

(۱) "والحكمة في كثرة ازواجه أن الأحكام التي ليست ظاهرة يطّلعن عليها، فينقلنها، وقد جاء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها من ذلك الكثير الطيب، ومن ثم فضّلها بعضهم على الباقيات". (فتح الباري، كتاب الغسل، بابٌ: إذا جامع ثم زار، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/ ۴۹۹، قديمي)

"ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه فيهن أشياء: الأول: زيادة في التكليف حتى لايلهو بما حبب إليهن عن التبليغ. الثاني: ليكون مع من يشاهدها، فيزول عنه مايرميه به المشركون من كونه ساحراً. الثالث: الحث لأمته على تكثير النسل. الرابع: لتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم. الخامس: لكثرة العشيرة من جهة نسائه عوناً على أعدائه. السادس: نقل الشريعة التي لايطلع عليها الرجال. السابع: محاسنه الباطنة، فقد تزوج أم حبيبة وابوها في ذلك الوقت عدوه، وصفية بعد قتل أبيها تزوجها. فلو لم تطّلع من باطنه على أنه أكمل الخلق، لنفرن منه". (تلخيص الحبير، فصل في=

اگر دوسرے مردوں پر قیاس کرکے شادی کا اعتبار کیا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی، ایک مرد کے لئے چار کی اجازت ہے، اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر شادی کرتے تو آپ کے لئے ایک سو ساٹھ کی گنجائش تھی۔ نیز چالیس مردوں کی جو قوت عطا ہوئی تھی وہ اس دنیا کے چالیس مرد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت تھی اور جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے ایک سو مردوں کے برابر ہے(۱)۔

اس لحاظ سے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر کمال ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی قوت کے باوجود آپ اپنے نفس پر کس قدر قابو یافتہ تھے کہ اتنی کثیر قوت اور گنجائش کے باوجود کس قدر قلیل پر کفایت فرمائی۔ یہ تحقیقی جواب منصف مزاج کے لئے ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= التخفيف في النكاح: ۳/۱۱۴۲، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

"وكان للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن ينكح ماشاء، وذلك؛ لأن ضرب هذا الحد إنما هو لدفع مفسدة غالبية دائرة على مظنة، لا لدفع مفسدة عينية حقيقية. والنبي صلى الله عليه وسلم قد عرف المئنة فلا حاجة له في المظنة، وهو مأمون في طاعة الله وامتثال أمره دون سائر الناس". (حجة الله البالغة، باب الحكمة في تحديد عدد الزوجات: ۲/۳۵۳، قديمي)

(۱) "قال: كنا نتحدث أنه أعطى قوة ثلثين". (صحيح البخاري، بابٌ: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/۴۱ قديمي)

"وفي صفة الجنة لأبي نعيم من طريق مجاهد مثله: "وزاد من رجال أهل الجنة"، ومن حديث عبد الله بن عمرو رفعه: "أعطيتُ قوة أربعين في البطش والجماع". وعند أحمد والنسائي، وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه: "إن الرجل من أهل الجنة ليعطىٰ قوة مأة في الأكل، والشرب، والجماع، والشهوة". فعلىٰ هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف". (فتح الباري، كتاب الغسل، بابٌ: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/۴۹۸، قديمي)

(وكذا في إرشاد الساري: ۱/۵۰۵، ۵۰۶)

(وكذا مرقاة المفاتيح: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول، رشيديه)

نکاح کے لئے پیر جمعرات جمعہ کی فضیلت

سوال[۵۲۰۱]: جیسے مہینوں میں مہینہ شوال کا نکاح کے لئے مسنون یا مستحب بیان کیا جاتا ہے اس طرح دنوں میں کوئی دن بھی مسنون یا مستحب بھی مشروع ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ، جمعرات، پیر کو فضیلت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱ھ۔

نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے

سوال[۵۲۰۲]: قمری تاریخوں میں کس ماہ، کس دن اور کس تاریخ میں نکاح ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی ماہ کی کوئی تاریخ اور کوئی شب یا کوئی دن ایسا نہیں جس میں نکاح ناجائز ہو، ہر رات، ہر دن، ہر

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد" الحديث. (قوله: "واجعلوه في المساجد". هو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان. وينبغي أن يراعي أيضاً فضيلة الزمان، ليكون نوراً على نور، وسروراً على سرور. قال ابن الهمام: يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد، لكونه عبادةً، وكونه في يوم الجمعة، اهـ. وهو إما تفاؤلًا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب، أو لأنه يحصل به كمال الإعلان". (مرقاة المفاتيح: ۳۱۲/۶، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

"ويندب .... كونه في مسجد يوم الجمعة". "(قوله: يوم الجمعة)؛ لأنه أشرف أيام الأسبوع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۵/۲، كتاب النكاح، دارالمعرفة، بيروت)

"(ويوم الجمعة ولو منفرداً) .... إن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالإثنين والخميس .... وكذ في المحيط معللاً بأن لهذه الأيام فضيلةً". (رد المحتار: ۳۷۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

تاریخ میں نکاح جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

اندیشۂ تقسیمِ وراثت سے نکاح نہ کرنا

سوال[۵۲۰۳]: دولڑکیوں کا باپ پہلے مرگیا تھا اور سوائے لڑکیوں کے اَور کوئی لڑکا نہیں تھا، اس کی عورت ابھی زندہ تھی تو وراثت کا شریعت کے اعتبار سے پنجاب میں رواج نہیں ہے تو خاوند نے زمین اور گھر چھوڑا، اس کی مالکہ اس کی عورت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اب صرف دولڑکیاں رہ گئیں، وہ عاقلہ اور بالغہ ہیں، ان کی منگنی والدہ نے اپنے بھائیوں کے لڑکوں کے ساتھ کردی تھی۔

اب والدہ کے مرنے کے بعد والدہ کے بھائیوں نے ہی لڑکیوں کو کہہ دیا کہ تم شادی نہ کراؤ اور خاوند کی طرف سے جو لڑکیوں کے چچا وغیرہ ہیں ان کے کہنے پر بھی شادی نہ کراؤ، اگر شادی کرالوگی تو شریعت کے اعتبار سے تو وہاں تقسیم نہیں ہے اور قانون کے اعتبار سے اب لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ اب جب تک وہ لڑکیاں شادی نہ کراویں گے تب تک تو وہ مالک ہیں، اگر شادی ہوگئی تو دوسرے چچا وغیرہ کو جائیداد مل جائے گی۔

تو وہ چچا کہتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کو قانون کی طرف سے اگر کسی طرح شادی کرانے پر مجبور کریں تو شریعت کے اعتبار سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟ ہماری نیت نیک ہے تاکہ ہر گناہ سے بچ جاویں، کیونکہ آج کل فتنہ کا زمانہ ہے اور وہ بائیس وپچیس برس کی ہیں۔ پھر انھوں نے زمین مزارعت پر دوسروں کو دے رکھی ہے جو کہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور وہ ان کے سامنے آتی جاتی ہیں، ہم کو شرم اور غیرت آتی ہے اور صرف ماموں کے کہنے پر شادی سے انکار کرتی ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعی یہی ہے تو ماموں کی نیت صحیح نہیں، لڑکیوں کو ماموں کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو

---

(۱) نکاح کے بارے میں قرآن، حدیث اور فقہ کی عبارات مطلق ہیں، کسی معین دن اور تاریخ کی تخصیص نہیں اور مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ "المطلق یجری علی إطلاقه. (شرح المجلة: ۱/۴۵، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی قواعد الفقه للمفتی محمد عمیم الإحسان، ص: ۱۲۴، الصدف پبلشرز)

چاہیے کہ وہ سنت کے موافق نکاح کرلیں (۱)، پھر اگر قانونی حیثیت سے لڑکیوں کا حصہ اُنہیں نہ ملتا ہو، چچا کو ملتا ہو تو چچا کو لازم ہے کہ ان کا حصہ ان کے حوالہ کردیں اس کو خود رکھنا حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لقد قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر واحصن للفرج" .... عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتى، فمن لم يعمل بسنتى، فليس منى، اهـ". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى فضل النكاح: ۱۳۴، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ والمراد من الأكل ما يعم الأخذ والاستيلاء، وعبر به؛ لأنه أهم الحوائج، و به يحصل إتلاف المال غالباً .... والمراد من الباطل الحرام كالسرقة والغصب و كل ما لم يأذن بأخذه الشرعُ". (روح المعانى، (سورة البقرة): ۶۹/۲، ۷۰، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان ". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۲۵۵/۱، قديمى)

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟

سوال[۵۲۰۴]: زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ غیر شادی شدہ بعمر ۱۷/ سال جوان عمر ہے، ایک مرتبہ خالد نے عمر کو زید کی لڑکی ہندہ مذکورہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو خالد کے جی میں شبہ ہوا کہ یہ ایک اجنبیہ لڑکی سے کیوں تخلیہ میں باتیں کررہا ہے؟ خالد نے ہندہ کے والد اور اہل محلّہ کے معتبرین سے ذکر کیا تو عمر سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب اور دیگر متعدد آدمیوں سے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ ”خدا تعالیٰ کی قسم! ہندہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری اپنی لڑکی، خدا کرے میرا روسیاہ ہو جو میں جھوٹ بولتا ہوں میں تو اس کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا ہوں“۔ نیز عمر کی زوجہ نے محلّہ کے اکثر گھروں میں جاکر بیان کیا کہ میں بقسم کہتی ہوں کہ میرا خاوند ہندہ کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا رہتا ہے اور یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔

اس واقعہ کے بعد زید اور عمر کی مصالحت کردی گئی، بعدازاں جب عرصہ چار ماہ کا گزر چکا تو ایک روز عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب سے بیان کیا کہ زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ سے میرا دو سال کا میرا خفیہ طور پر نکاح پڑھا ہوا ہے، نکاح کا کاغذ لکھا ہوا ہے، دو گواہ بھی ہیں، نکاح خواں میں خود ہی ہوں۔ تین مرتبہ اس عرصہ میں ہندہ کو حمل ہو چکا جس کو دوائی پلاکر خود ہی ضائع کراتا رہا ہوں۔ اب ہندہ کو میرا ہی حمل ٹھہرا ہوا ہے، آپ عمر سے کہہ دیں کہ مجھ سے فیصلہ کرلیوے اور یہ لڑکی مجھے دیدیوے، اس کے عوض مجھ سے میری ہمشیرہ اور میری حقیقی لڑکی کا نکاح اپنے لئے اور اپنے لڑکے کے لئے لے لیوے۔

مولوی صاحب مذکور نے یہ تمام قصہ زید سے بیان کیا، زید نے جواب دیا کہ آپ اس نکاح کے کاغذ اچھی طرح تحقیق کرلیجئے، یہ شخص بہت مکار اور جھوٹا ہے، ہمیشہ جھوٹی قسمیں اٹھایا کرتا ہے اور نہایت چالاک شخص ہے، اگر واقعی اس کے پاس نکاح کا صحیح طور پر کاغذ موجود ہے اور بات اس طرح پر ہے کہ پھر باہمی مشورہ کرکے بات کریں گے۔ مولوی صاحب نے عمر کو بلواکر فرمایا کہ آپ وہ نکاح کا کاغذ لے آویں تاکہ میں اس کو دیکھ کر غور

کروں، اسکے دیکھنے کے بعد آپ کے گواہ بھی بلواؤں گا۔ عمر نے کہا کاغذ تو کسی دوسرے گاؤں میں ہے، یہاں پر نہیں ہے، اگر فرماؤ تو گواہ حاضر کردیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ گواہ تو آج کل ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ میں مل جاتے ہیں تم پہلے وہ کاغذ دکھاؤ۔ اس نے کاغذ دکھانے سے بالکل انکار کردیا اور کہا کہ کاغذ میں نہیں دکھاتا۔ عمر کے ایک دوست نے بیان کیا کہ کاغذ تو اس نے کوئی لکھوایا ہی نہیں ہے، کون بکواس بکتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب تم ہمیں کاغذ نہیں دکھاتے ہو تو اب ہمارے پاس تحقیق کا ذریعہ صرف لڑکی مسماۃ ہندہ ہی ہے، دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، چنانچہ ہندہ سے دو مولوی صاحب نے جو سند یافتہ عالم ہیں ہندہ کے حقیقی ماموں کی موجودگی میں دریافت کیا کہ عمر کہتا پھرتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ سے عرصہ دو سال سے خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو پڑھا گیا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز تو از روئے ایمان ہمیں بتلا بلا کسی کے اجبار وخوف کے: آیا عمر سے تیرا خفیہ طور پر نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلا کسی خوف کے دلیری سے بیان کیا کہ میں ایمان سے کہتی ہوں کہ عمر بالکل جھوٹ بولتا ہے، میرا اس سے کوئی خفیہ نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ مولوی صاحبان نے فرمایا کہ تو سر پر کلام مجید رکھ کر یہ کہو کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے کلام مجید سے ماری جاؤں، اس نے اسی طرح بیان کیا اور کہا کہ میرا عمر سے کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے وہ جھوٹ بولتا ہے، تین چار مرتبہ یہی کلمات دہراتی رہی۔

اس کے بعد عمر سے کہا گیا کہ تم جھوٹے ہو، عمر نے کہا کہ میں آپ کو دو اس قسم کے نشانات بتلاتا ہوں جن کو یا تو وہ جانتی ہے یا میں جانتا ہوں، وہ نشان اس اکیلی کے آگے ظاہر کرکے میرے نکاح کے متعلق دریافت کیا جائے، اگر پھر بھی انکار کرے تو میں جھوٹا اور کاذب ہوں۔ چنانچہ بالکل تنہائی کی جگہ مولوی صاحبان نے دریافت کیا تو ہندہ نے بدستور سابق نکاح سے بالکل انکار کردیا اور کہا کہ اگر میرا نکاح عمر سے پڑھا گیا ہوتا تو میں کلام مجید سر پر رکھ کر کیوں انکار کرتی، عمر سے میرا قطعاً کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ یونہی مجھ پر بہتان لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد محلہ کے مولوی صاحبان نے زید سے کہا کہ عمر نکاح کے متعلق غلط کہتا ہے۔ چنانچہ اسی شب کو ہندہ کا نکاح خالد سے کردیا گیا۔ قبل از نکاح ہندہ سے پھر گواہوں کے روبرو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ کیا خالد سے تیرا نکاح کردیا جائے؟ ہندہ نے بآواز بلند کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ ہندہ

مذکورہ کا نکاح خالد سے کردیا گیا اور ہندہ وخالد کا نکاح درج رجسٹر کرادیا گیا اور دونوں کے نشانِ انگشت نکاح کے رجسٹر پر لگادیئے گئے، نکاح خواں اور گواہان کے دستخط بھی کرادیئے گئے، نکاح کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح خالد سے شرعی طور منعقد ہوگیا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح خالد سے صحیح نہیں ہوا ہے۔ نیز عمراب کہتا پھرتا ہے کہ ہندہ سے میرا نکاح ہے۔ خالد کے نکاح میں شرعی طور پر کوئی نقص آیا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب ارشاد فرمادیں تاکہ اطمینان ہوجاوے، جواب جلد دیویں۔ فقط۔

نور محمد طالب علم از ابوہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ثبوت اولاً گواہوں سے ہوتا ہے(۱)، اگر عادل، ثقہ، معتبر کم از کم دو گواہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر زوجین کی تصدیق کافی ہوتی ہے(۲)، اگر ایک انکار کردے تو نکاح کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دو عادل ثقہ گواہ موجود ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر عمر کے پاس دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کا قول معتبر نہیں اور خالد سے جو

---

(۱) "ومنها العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا نكاح إلا بشهود". وقوله: "لا نكاح إلا بشاهدين". الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۴۰۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط العدد فلاينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: و لا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق؛ لأن المراد هنا أن الإقرار لايكون من صيغ العقد، والمراد من قولهم: إنه يثبت بالتصادق، أن القاضي يثبته به: أي بالتصادق، ويحكم به، أبو السعود عن الحانوتي". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۱۳/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۹/۳، رشيديه)

نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور اگر عمر کے پاس دو عادل گواہ موجود ہیں تو اس کا قول معتبر ہے اور خالد کا نکاح صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے

سوال [۵۲۰۵]: نکاح کے گواہوں میں ایک گواہ وکیل (قاضی) کے ساتھ ایجاب سنے اور دوسرا گواہ لڑکی سے اجازت لے اور قبول کے وقت دونوں گواہ ایک ساتھ وکیل کے ایجابی جملہ کیساتھ قبول بھی سنیں تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی نکاح صحیح ہوجائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول

سوال [۵۲۰۶]: کوئی شخص کسی عورت سے کہدے کہ "میں نے تجھ سے نکاح کیا" اور عورت بھی

---

(۱) "(فإن أحضرها): أي فإن أحضر المدعي البينة على وفق دعواه، قضى بها: أي قضى القاضي بالبينة، لانتفاء التهمة عنها: أي عن الدعوى، لترجح جانب الصدق على الكذب بالبينة. الخ". (فتح القدير، كتاب الدعوى، ۸/۱۶۸، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الدعوى: ۳/۲۰۱، شركت علميه ملتان)

(۲) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۲/۳۲۲، شركت علميه ملتان)

"ثم إذا تولّى طرفيه قال المصنف: فقوله: زوجت فلانة من نفسي، يتضمن الشطرين، فلا يحتاج إلى القبول بعده، وكذا ولي الصغيرين القاضي وغيره. والوكيل من الجانبين يقول: زوجت فلانة من فلان". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۳/۳۰۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

مذاق میں کہہ دے کہ "میں نے قبول کیا"۔ اور ایسے ہی خرید وفروخت میں بھی اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز مذاق کے طور پر فروخت کردے اور دوسرا بھی مذاق سے قبول کرلے، تو کیا یہ بیع منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر کردیں کہ کونسی چیزیں مذاق سے واقع ہو جاتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ایجاب وقبول اگر مذاق میں گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا (۱)۔ اگر بیع کا ایجاب وقبول مذاق میں کیا ہے، حقیقۃً بیع کرنا مقصود نہیں تھا اور بائع ومشتری دونوں کو اس کا اعتراف ہے تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی (۲)۔ آپ کو جس جس چیز کے متعلق دریافت کرنا مقصود ہو تو اس کو متعین کرکے دریافت کرلیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو "نور الأنوار" دیکھ لیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة. "(النكاح) فمن زوج ابنته هازلاً، انعقد النكاح وإن لم يقصده". (فيض القدير، ٢ / ٤٨٠٢، (رقم الحديث: ٣٤٥١)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲) "ولم ينعقد (أى البيع) مع الهزل، لعدم الرضاء بحكمه معه". (الدر المختار). "والهازل يتكلم بصيغة العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لايختار ثبوته الحكم ولا يرضاه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ٤/٥٠٧، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٣ / ٢٠٩، كتاب البيوع، الباب العشرون، مطلب: بيع التلجئة، رشيديه)

(۳) "والهزل: وهو أن يراد بالشئ ما لم يوضع له، ولا ماصلح له اللفظ استعارةً، وهو ضد الجد .... وأنه ينافي اختيار الحكم والرضاء به ولاينافي الرضاء بالمباشرة .... فصار الهزل بمعنى خيار الشرط أبداً في البيع، لعدم الرضاء بحكم البيع، لابعدم الرضاء بنفس البيع، ولكن بينهما فرق من حيث أن الهزل يفسد البيع وخيار الشرط لايفسده. وشرطه: أى شرط الهزل أن يكون صريحاً مشروطاً باللسان بأن يذكرا العاقدان قبل العقد أنهما يهزء؛ لأن في العقد ولا يثبت ذلك بدلالة الحال فقط، إلا أنه لم يشترط ذكره في العقد بخلاف خيار الشرط .... فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع .... ثم جاء=

1

....

= ا واتفقا على البناء .... يفسد البيع ولايوجب الملك وإن اتصل به القبض .... كالبيع بشرط الخيار أبدا .... وإن اتفقا على الإعراض .... فالبيع صحيح والهزل باطل، وإن اتفقا على أنه لم يحضر هما شئ عند البيع .... أو اختلفا في البناء والإعراض، فالعقد صحيح عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لهما، فجعل أبو حنيفة رحمه الله صحة الإيجاب أولى .... وهما اعتبرا المواضعة المتقدمة .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض كان الثمن ألفين .... وإن اتفقا على أنه لم يحضر هما شئ، أو اختلفا فالهزل باطل والتسمية صحيحة عنده، وعندهما العمل بالمواضعة واجبٌ والألف الذى هزلا به باطلٌ .... وإن اتفقا على البناء على المواضعة، فالثمن ألفان عنده وإن كان ذلك في الجنس .... فالبيع جائز على كل حال من الأحوال الأربعة .... وإن كان في الذى لامال فيه كالطلاق والعتاق واليمين، فذلك صحيح والهزل باطل بالحديث، وهو قوله عليه السلام: "ثلث حدهن جدوهزلهن جد: النكاح والطلاق واليمين" وفي بعض الروايات: "النكاح والعتاق واليمين" .... وإن كان المال فيه تبعاً كالنكاح .... فإن هزلا بأصله فالعقد لازم والهزل باطل .... وإن هزلا في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض فالمهر ألفان بالاتفاق .... وإن اتفقا على البناء فالمهر ألف بالاتفاق .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، فالنكاح جائز بألف في رواية محمد عن أبي حنيفة، وقيل: بالفين في رواية أبي يوسف عنه ...... وإن كان في الجنس ...... فإن اتفقا على الإعراض فالمهرما سميا وإن اتفقا على البناء، واتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، يجب مهر المثل في الصور الثلث .... وإن كان المال فيه مقصوداً كالخلع والعتاق على مال والصلح عن دم العمد، فإن المال مقصود في كل واحد من هذه الأمور .... فإن هزلا بأصله .... واتفقا على البناء على المواضعة بعد العقد، فالطلاق واقع والمال لازم عندهما .... لأن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما، ولايختلف الحال بالبناء أو بالإعراض أو بالاختلاف .... وعنده لايقع الطلاق بل يتوقف على اختيار المال، سواء هزلا بأصله أو بقدره أو لجنسه .... وإن أعرضا: أى الزوجان عن المواضعة .... وقع الطلاق، ووجب المال إجماعاً .... وإن اختلفا فالقول لمدعي الإعراض، وإن سكتا فهو لازم إجماعاً .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على البناء .... فعندهما=

ایجاب کے وقت ذہن موقع پر حاضر نہ ہوا اور قبول کے وقت حاضر ہو تو کیا نکاح درست ہوگا؟

سوال[۵۲۰۷]: ایک طالب علم دین کا نکاح بطریق مسنونہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، نکاح ہو جانے کے دو تین روز بعد اس طالب علم نے یہ کہا کہ جب میرا نکاح خطبۂ مسنونہ کے ساتھ شروع ہوا تو فوراً میرے پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے میرا ذہن موقع پر حاضر نہ رہا اور جب وکیل نے لڑکی اور اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں! جب وکیل نے کہا کہ قبول کیا تو میں نے حضورِ ذہن کے ساتھ کہا کہ میں نے قبول کیا۔ تو کیا اس صورت میں (جبکہ لڑکی اور اس کے باپ کا نام پہلے معہود فی الذہن ہے) نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

خطبۂ نکاح کے وقت اگر حواس درست نہ رہیں اور پہلے سے تمام باتیں طے ہیں اور قبول کرتے وقت بھی حواس درست ہوگئے اور سمجھ کر قبول کی نوبت آئی ہے، خود قبول کیا ہو یا وکیل نے کیا ہو تو نکاح درست ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاه العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۹ھ۔

= الطلاق واقع والمال لازم كله، لما مرأن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما وإن كان مؤثراً في المال ..... وعنده يجب أن يتعلق الطلاق باختيارها .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ وقع الطلاق، ووجب المال اتفاقاً .... وإن كان في الجنس يجب المسمى عندهما بكل حال .... وعنده: إن اتفقا على الإعراض، وجب المسمى، لبطلان الهزل بالإعراض. وإن اتفقا على البناء، توقف الطلاق على قبولها المسمى؛ لأنه هو الشرط في العقد. وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، وجب المسمى ووقع الطلاق، لرجحان جانب الجد. وإن اختلفا، فالقول لمدعي الإعراض، لكونه هو الأصل. وهذا كله في الإنشاءات، وإن كان ذلك: أي الهزل في الإقرار بما يحتمل الفسخ كالبيع .... وبما لايحتمله كالنكاح والطلاق .... فالهزل يبطله .... والهزل في الردة كفر، اهـ". (نور الأنوار، ص: ۳۰۲-۳۰۸، فصل في بيان الأهلية، بحث تعريف الهزل و الجد، سعيد)

(۱) اگر اس وقت اس کی حالت اس طرح تھی کہ نکاح کو سمجھ رہا تھا تو نکاح صحیح ہوا اور اگر نکاح کو سمجھ نہیں رہا تھا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے:

"وأما الذي يجن ويفيق فحكمه كمميز، نهاية .... ومن عقد عقداً يدور بين نفع وضرر =

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت

استفتاء [۵۲۰۸]: ۱......زید کہتا ہے کہ سوال نمبر ۱، ۲ میں روبرو گواہان دے کر یعنی دختر بکر کو و نیز اس کی کفالت کو تین مرتبہ قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی ہر دو سوال کے اندر زید کی زوجیت روبرو گواہان قبول کی ہے، ورو برو بکر کے زید کہتا ہے کہ میں نے دختر بکر کے نفس کو جیسا کہ نکاح کے اندر قبول کرتے ہیں تین مرتبہ ہر دو سوال میں روبرو گواہان قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی روبرو گواہان سوال نمبر ۱ و ۲ میں زید کی زوجیت میں جانا قبول کیا ہے اور زوجیت میں رہنا قبول کیا ہے۔

۲......ہر دو سوال کی شکل میں نکاح منعقد ہوا تھا، زید و دختر بکر و گواہان کو معلوم تھا کہ نکاح ہے۔

۳......ہر دو سوالات کے اندر گواہان موافق شریعت تھے۔

۴......زید کا اور دختر بکر کا ایجاب وقبول جیسا کہ نکاح کے اندر ہوتا ہے ہر دو جانب سے ویسا ہی ہوا ہے، ہر دو نے نکاح کو قبول کیا ہے۔

۵......ایک ہی مجلس میں ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول ہوا ہے روبرو گواہان۔

۶......بکر و زید ایک ہی برادری سے ہیں، نیز دختر بکر بالغہ عاقلہ ہے۔

= كما سيجيء في المأذون منهم من هؤلاء المحجورين وهويعقله .... أجاز وليه أو ردّ. وإن لم يعقله، فباطل". (الدرالمختار).

"أقول: والذي يحل عقدة الإشكال ماقدّمناه عن ابن الكمال، فإنه إن أريد بالمغلوب من غلب على عقله: أي الذي لايعقل أصلاً، فيراد بالذي يجن ويفيق ناقص العقل وهو المعتوه .... والمعتوه في تصرفاته كمميز .... وإن أريد به من لايفيق من جنونه الكامل أو الناقص، فيحترز به عمن يفيق أحياناً: أي يزول عنه مابه بالكلية، وهذا كالعاقل البالغ في تلك الحالة". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱۴۴/۶-۱۴۶، سعيد)

"و أما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳۱۷/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، امداديه ملتان)

۷..... دختر بکر کے نکاح کے اندر ایک مرد عاقل وعورت عاقل چودہ سالہ لڑکی بالغہ مسلمان شہادت میں ہیں علاوہ بکر کے۔ کیا ان سوالات سے بروئے شرع نکاح ہو گیا ہے؟

شیخ غلام محمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مسلمان مرد اور دو عورت کے سامنے اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے تو شرعاً نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور ان کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔ چودہ سالہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو اس کی گواہی بھی شرعاً نکاح میں معتبر ہے(۱)۔ لڑکی جب بالغہ ہے تو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور ولی کو بغیر اس کی مرضی کے جبراً نکاح کر دینے کا حق نہیں، بلکہ وہ اپنے نکاح میں خود مختار ہے اپنی مرضی سے اپنی برادری میں مہر مثل پر بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کر سکتی ہے(۲)۔ پس اگر بکر نے اپنی مرضی کے موافق کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں

---

(۱) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علميه، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(۲) "وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وإن لم يعقد عليها ولي، بكراً كانت أو ثيبةً عند أبي حنيفة. الخ". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۳/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۲/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا يمكن نقضه، وهذا يمكن رجعه إذا كان من غير كفؤ. وأما حديث: "أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها، فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل". وحسّنه الترمذي. وحديث: "لانكاح إلا بولي". رواه أبوداؤد وغيره، فمعارضٌ بقوله صلى الله عليه وسلم: "الأيم أحق بنفسها من وليها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ. والأيم من لا زوج لها، بكراً أولا، فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به. ويترجح هذا بقوة السند و الاتفاق=

کے سامنے زید سے یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''میں نے اپنی فلاں دختر کا نکاح تیرے ساتھ کردیا، یا اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دیدی'' اور زید نے اس کے جواب میں کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو قبول کیا، تمہاری لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کیا'' تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا۔

یا زید نے اور دختر بکر نے کم ازکم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ مثلاً دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دے دیا، یا تمہاری زوجیت میں دے دیا''۔ اس کے جواب میں زید نے کہا کہ ''میں نے اس کو قبول کرلیا''۔ یا زید نے کہا کہ ''میں نے تم سے نکاح کرلیا'' اس کے جواب میں دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو، یا تمہاری زوجہ بننے کو قبول کیا'' تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا(۱)، اب یہ بلا وجہ شرعی نہیں ٹوٹ سکتا، بکر کو اس کے فسخ کرانے کا حق نہیں۔ اس سے پہلے سوال میں بکر کا مقولہ تو نقل کیا تھا، لیکن اس کے جواب میں زید کی طرف سے نکاح کے قبول کرنے کا کوئی ذکر نہ تھا، اس لئے اس کا حکم اس وقت لکھدیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

تین دفعہ ایجاب وقبول

سوال[۵۲۰۹]: ایجاب وقبول تین دفعہ کرانا اور گواہوں کا نام تین مرتبہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟

= على صحته بخلاف الحد يثين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال، "لخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/۵۵، ۵۶، سعيد)

(۱) "و ينعقد: أي النكاح بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك، و يقول الآخر: تزوجت". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین دفعہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، ایک دفعہ ہی کافی ہے(۱)۔ گواہوں کا نام لینا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا

سوال[۵۲۱۰]: ۱..... ایک بالغہ عاقلہ نے برضاورغبت حسبِ منشاء باپ کے گھر سے ہم کفو پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ آکر ایک مولوی صاحب اور اس کی بیوی اور صاحب کا ایک بالغ لڑکا اور ناکح والدین اور ایک بالغ بھائی اور منکوحہ کی دادی کے سامنے مہر متعینہ پر ایجاب وقبول کرلیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ ایسے ہی ایجاب وقبول سے دونوں کا نکاح شرعاً منعقد ہو جائے گا؟

۲..... بلا اجازتِ ولی ایجاب وقبول ہوجانے میں ولی چاہتا تھا کہ حدیث: "أیما امرأة یتزوج بغیر إذن ولی، فنکاحها باطل باطل باطل"(۳)۔ پر عمل کر کے نکاح فسخ وباطل کرسکتا ہے؟

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، ۱۴۴/۳، رشیدیه)

(۲) "وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۲/۳، ۲۳، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

(۳) حدیث میں مذکور بعینہ ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی، البتہ کتبِ حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل =

۳......اگر موافقِ مذہب حنفیہ دونوں کا نکاح منعقد ہوگیا تو: "وعند محمد ينعقد النكاح موقوفاً (أي على إجازة الولي)"(۱). جبکہ نکاح ہوجانا اجازتِ ولی پر موقوف رہتا ہے تو ولی اجازت نہ دے کر اس بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح دوسرے کسی کے ساتھ کردینا شرعاً جائز ہے؟ حالانکہ صاحب ہدایہ نے: "ويروى رجوع محمد إلى قولهما". لکھا ہے، "إلى قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ"(۲).

۴......اگر امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق کوئی گنجائش نہیں ہے تو امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق نکاح فسخ وباطل کرنے کی کوئی صورت بن سکتی ہے؟

۵......خود منکوحہ اور ولی منکوحہ مذہب حنفیہ کے مقلد ہیں اور منکوحہ بروقتِ نکاح مذہب حنفیہ کے مقلد رہے، اب ولی اپنی ضد کو برقرار رکھنے کی غرض سے صرف اس مسئلہ کے بارے میں امام شافعی کا مقلد بن کر یعنی تبدیلی مذہب کر کے اس عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردینا جائز ہے؟

۶......تبدیلی مذہب کسی خاص غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا، لیکن جس لڑکی کے سر پر باپ موجود ہو اس کو ایسا اقدام کرنا مناسب نہیں: "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضى ولي". درمختار (۳)۔

= من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء لانكاح الإبولي: ۱/۲۰۸، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في الولي: ۱/۲۹۱، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركت علميه ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۳/۳۱۴، شركت علميه ملتان)

(۳) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/۵۵، سعيد)

"يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة". (ردالمحتار: ۳/۵۵، سعيد)=

۲......جبکہ یہ نکاح کفو میں مہر مثل پر ہوا ہے تو ولی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں (۱)، غیر کفو میں ہو تا تو حکم کچھ اور ہوتا۔

۳...... "أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق، وتوارث وغيرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا يمكن نقصه، وهذا يمكن رجعه إذا كان من غير كفؤ. وأما حديث: "أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها، فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل". وحسّنه الترمذي. وحديث: "لانكاح إلابولي" رواه أبوداؤد وغيره، فمعارضٌ بقوله صلى الله عليه وسلم: "الأيم أحق بنفسها من وليها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ. والأيم من لا زوج لها بكراً أولا، فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به. ويترجح هذا بقوة السند و الاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال، الخ". شامي: ۲۹۶ (۲)۔

۳......ولی کو اختیار نہیں کہ اس نکاح کی اجازت نہ دیکر دوسری جگہ اس کا نکاح کر دے، یہ نکاح اجازت پر موقوف نہیں رہا (۳)۔

۴......ان کا مسلکِ مختار مجھ کو معلوم نہیں۔ حنفی کو اس مسئلہ میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء و الأكفاء: ۳/۱۹۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۲/۲۶، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "فإذا تزوجت المرأة رجلاً خيراً منها، فليس للولي أن يفرق بينهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ۱/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في مبسوط السرخسي، كتاب النكاح، باب الأكفاء: ۳/۲۸، الجزء الخامس، غفارية)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/۵۵، ۵۶، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۴۹۹، رقم الحاشية: ۱)

اجازت نہیں(۱)۔

۵......اس کا جواب:۳،۴، میں آ گیا۔

۶......جس مجتہد کے مذہب کو حق تصور کر کے اختیار کیا ہے، اس کے مذہب کو بلا مجبوری چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا درست نہیں: "و في الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان اثم يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى انتهى". حموی، ص: ۲۵٦(۲)۔

"ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب، ويستوي فيه الحنفي و الشافعي. وقيل لمن انتقل إلى مذهب الشافعي ليزوج له: أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانته بالدين لجيفة قذرة". قنية، ص: ۱۵۵۔ "الرجوع عن التقليدبعد العمل باطل اتفاقاً، وهو المختار في المذهب". درمختار: ۵۱/۱(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول

سوال[۵۲۱۱]: جبکہ لڑکا لڑکی نابالغ ہیں تو ولی ایجاب وقبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ خود ایجاب وقبول کر سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ ان کو معلوم ہو کہ نکاح کے فوائد کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی درست ہے کہ ولی نابالغ لڑکے لڑکی کیلئے ایجاب وقبول کرلے، اور یہ بھی درست ہے کہ ولی کی اجازت سے نابالغ ایجاب وقبول کرلے، كذا في الشامي: ۳۱٤/۲(٤)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۷/۲/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (أنظر الحاشية: ۲، ۳)

(۲) (الحموي شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحدود: ۷۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (مقدمة الدرالمختار، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه: ۷۵/۱، سعيد)

(۴) "نعم لو كان لها أب أوجد، وزوجت نفسها، كذلك توقف؛ لأن له مجيزاً وقت العقد؛ لأن الأب والجد يملكان العقد بذلك و الصغير كالصغيرة". (ردالمحتار: ۸۰/۳، كتاب النكاح، باب الولي، =

ختنہ سے پہلے نکاح

سوال[۵۲۱۲]: مسمی گامی پسر جمہ کا نکاح مسمات بیان دختر سے ہوا، بوقتِ نکاح لڑکے کی عمر چار سال تھی اور وہ بغیر ختنہ کے تھا اور مسمات کی عمر ایک سال تھی، دونوں میں ایجاب وقبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، صرف طرفین سے والدین کی رضامندی سے نکاح ہوا تھا، جب طرفین بالغ ہوئے تو بعد از بلوغ ازدواجی زندگی خوشی سے گزارنی شروع کردی، اس وقت لڑکے کی عمر ۲۶/ سال ہے اور لڑکی کی عمر ۲۲/ سال ہے۔ اب بعض کہتے ہیں کہ نکاح چونکہ بدونِ ختنہ کے ہوا ہے لہذا یہ سنت کے خلاف ہے اس لئے ان دونوں کا نکاح درست نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی خوش نہیں ہیں، لڑکی شوہر کے گھر رہنا نہیں چاہتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مسئلہ مذکورہ کو تفصیل سے جواب مطلع فرمائیں اور باہم بڑھتے ہوئے نزاع کو ختم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار سال کی عمر میں والد نے جو نکاح کردیا وہ بلاشبہ صحیح ہوگیا (۱)، ختنہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو غلط کہنا

= مطلب: لایصح تولیة الصغیر الخ، سعید)

"الصبی إذا تزوج، یتوقف علی إجازة الولی فی حالة الصغر". (فتح القدیر: ۳/ ۳۰۹، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة با لنکاح، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"للولی الصغیر و الصغیرة أن ینکحهما وإن لم یرضیا بذلک، سواء کانت بکراً أو ثیباً".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۲ / ۲۸۵ کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/ ۲۰۸، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۶۵، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۱) "وینعقد: أی النکاح: ای یثبت و یحصل انعقاده بالإیجاب والقبول". (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

"وأما رکن النکاح فهو الإیجاب والقبول". (بدائع الصنائع، فصل فی رکن النکاح: ۳/۳۱۷، دارالکتب العلمیه بیروت)

"ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

اور شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرانا صحیح نہیں، ان کو آپس میں ملنے سے ہرگز نہ روکیں (۱)۔ ختنہ سنت ہے (۲) اور اس کی تاکید ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۸۸ھ۔

کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟

سوال [۵۲۱۳]: کیا نکاح میں بوقتِ ایجاب وقبول دولہا دولہن کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ بشق اول اگر نام نہیں لیا سہواً یا عمداً تو کیا نکاح پھر سے دوبارہ پڑھنا پڑے گا؟ بشقِ ثانی ولد الزنا یا لقطہ کا نکاح کس طرح پڑھا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر والد کا نام لیے قاضی اور گواہ سب پہچان لیں کوئی اشتباہ نہ رہے تو بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، مثلاً: دونوں مجلس میں سامنے موجود ہوں اور گواہوں کے سامنے وہ خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، یا ان کا ولی کہہ دے کہ اس کا نکاح اس سے کردیا، یا خاندان کے سامنے نکاح ہو وہ خود جانتے ہیں، والد کا نام لینے سے مقصود تعارف ہوتا ہے، وہ جس طرح بھی ہو جائے صحیح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، دیوبند، ۳/۴/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "والثاني: أنه نهى الأولياء عن المنع عن نكاحهن أنفسهن من أزواجهن إذا تراضى الزوجان. الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ولاية الندب: ۳/۳۷۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "والأصل أن (الختان سنة) كما جاء في الخبر (و هو من شعائر الإسلام)". الخ. (الدرالمختار، مسائل شتى: ۶/۷۵۱، سعيد)

"واختلفوا في الختان، قيل: إنه سنة، وهو الصحيح، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية، باب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان، الخ: ۵/۳۵۷، رشيديه)

(۳) "والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفةً عند الشهود، على قول ابن الفضل. وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفةً عندهم، وإلافلا. وبه جزم =

رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۱۴]: ایک شادی کے رجسٹر میں دولہا کی ولدیت میں لڑکے کے ماموں کا نام لکھا گیا، اس صورت میں یہ شادی درست ہوگی یا نہیں؟ چونکہ لڑکا بچپن میں اپنے ماموں کی تربیت میں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ لڑکی دولہا کے یہاں جاتی ہے اور گواہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو انعقادِ نکاح کیلئے اتنی بات کافی ہے، رجسٹر میں بالکل ہی اندراج نہ ہو تب بھی نکاح صحیح ہے(۱)۔ والد کے نام کی جگہ ماموں کا نام لکھ دیا گیا ہو، کیونکہ وہ ماموں کی تربیت میں تھا۔ بھی نکاح میں خرابی نہیں آئی، والد کے نام کی ضرورت رفعِ جہالت کیلئے ہوتی ہے جو حاضر میں موجود نہیں، کذا فی رد المحتار، ص: ۲۷۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۴ھ۔

= صاحب الهداية في التجنيس، وقال: لأن المقصود من التسمية التعريف، وقد حصل، الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۱/۳۲۴، رشيديه)

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح. ۲/۳۰۵، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(قوله: ولا المنكوحة مجهولة) قلت: و ظاهره أنها لوجرت المقدمات على معينة وتميز عند الشهود أيضاً، يصح العقد، وهي واقعة الفتوى؛ لأن المقصود نفي الجهالة، وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها ...... فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها، كفى ذكر اسمها، وإلالابد من ذكر الأب والجد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۵، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۰، رشيديه)

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا

سوال[۵۲۱۵]: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے، لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب نے قیصر جہاں ہی نام لیکر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کرایا، اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے۔ ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں کوئی کوثر حسین کہتا ہے کوئی قیصر جہاں، تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے وہ نام نہیں ہے اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۹۵ھ۔

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے زوجہ کو نہ پہچانا ہو لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہو اور پھر نام لینے میں غلطی ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا:

"غلط وكيلها في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وغلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها، فيصح". (الدرالمختار). (قوله: إلاإذا كانت حاضرةً) راجع إلى المسئلتين: أي فإنها لو كانت مشاراً إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها، لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية، لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها كمالوقال: اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو، فإنه يصح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۶، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، ۱/۳۲۲، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۰، رشيدية)

"أولم تكن ووقع في قلبه صدقها، فلا بأس بأن تزوجها، الخ". (الدرالمختار، كتاب المطلق،=

قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۱۶]: ایک مسماۃ عیسائی اپنے کو یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر تو مرگیا اب میں مسلمان سے شادی کر کے رہنا چاہتی ہوں۔ ایسی صورت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرلے، عدت گذرچکی ہو تو کسی مسلمان سے شادی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۱/۴ھ۔

نومسلم کا نکاح

سوال[۵۲۱۷]: زید کا لڑکا عمر عیسائی ہے، بکر کی لڑکی فریدہ مسلمان ہے، بالغہ ہے، عمر اگر مذہب اسلام قبول کرلے تو کیا فریدہ کا نکاح عمر سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

= باب الطلاق: ۵۲۹/۳، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن، ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"لايجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا بلغن أجلهن، فلاجناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف﴾ (البقرة: ۲۳۴) "وعن المسور ابن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت" (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ہوسکتا ہے(۱) مگر اس کا بھی اطمینان کرلیا جائے کہ یہ قبولِ اسلام کہیں نکاح ہی کی خاطر تو نہیں، کبھی نکاح کے بعد کہیں لڑکی کا دین بھی تباہ ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۸ھ۔

عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۸]: ایک غیر مسلم لڑکی تھی جو شادی شدہ تھی، ایک مسلم کا اس سے تعلق ہوگیا اور لڑکی نے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کرلیا، ایک سال سے وہ لڑکی اس مسلمان کے ساتھ رہ رہی ہے ابھی تک انہوں نے نکاح نہیں کیا، لڑکی چاہتی ہے کہ نکاح ہو جائے۔ کیا دونوں کا نکاح درست ہوگا، اور اس لڑکی کے لئے عدت بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرنے کے بعد سال بھر گزر چکا ہے تو اب اس کی شادی اس شخص سے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث. المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

(۲) "ولو أسلم أحدهما ثمة ...... لم تبن حتى تحيض .... أو تمضي ثلاثة أشهر .... و ليست بعدة .... و هل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لاعدة على الحربية. وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، بدائع وهداية. وجزم الطحاوي بوجوبها. قال في البحر: و ينبغي حمله على اختيار قولهما. الخ". (الدرالمختار مع =

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۹]: ایک عورت غیر مسلمہ کی شادی اپنے مذہب کے اعتبار سے سات سال کی عمر میں ہو چکی تھی، لیکن بلوغ تک نہ شوہر کے گھر گئی، نہ اس سے کچھ تعلق پیدا کیا، اس کے بعد وہ ایک مسلمان کے گھر رہنے لگی اور مسلمان ہو کر اسی دن اس سے شادی کر دی، اس کے بھائی اس کی شادی دوسری جگہ کر دینا چاہتے تھے، شادی کے بعد اس کا ایک لڑکا چار سال بعد ہوا۔ تو کیا قبولیتِ اسلام کے بعد کیا ہوا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر والی عورت (مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) جب دار الحرب میں اسلام قبول کرے تو تین حیض گذرنے پر اس کا نکاح فسخ ہوتا ہے، پھر اگر غیر مدخولہ ہو تو اس پر عدت واجب نہیں ہوتی بلکہ نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کا نکاح درست ہو جاتا ہے وصورت مسئولہ میں اسلام قبول کرتے ہی اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا، یہ درست نہیں ہوا، تین حیض کا انتظار لازم تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۲۰]: ہندوستان میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا خاوند کفر پر ہے، اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو فرقت کے لئے تین حیض ضروری ہے، کیونکہ اسلام عدمِ ولایت کی وجہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا، مگر یہاں بعض دفعہ میں پیش کیا جا سکتا ہے بعض دفعہ نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دار الامن ہے تو مذکورہ صورت کا کیا حل ہے، آیا مہاجرۃ النساء کی صورت ہے؟ غرضیکہ جیسی تحقیق ہو تحریر ہو، مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرقت تین حیض سے لکھی ہے۔ کیا وہ بھی صورت ہے جو

= ردالمحتار، باب نکاح الکافر: ۳/ ۱۹۱، ۱۹۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب نکاح الکافر: ۳/ ۳۷۰، رشیدیہ)

(وکذا فی النھر الفائق، باب نکاح الکافر: ۲/ ۲۸۸، امدادیہ ملتان)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند، باب: وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/ ۱۹۲، إمدادیہ ملتان)

(۱) (راجع، ص: ۵۰۷، رقم الحاشیۃ: ۲)

ہندوستان میں باقی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ اسماعیل صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو دارالحرب فرمایا ہے، مولانا عبدالحیٔ صاحب اور نواب صدیق صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے۔ طرفین اہل تحقیق اس میں اور اپنے دعوے پر دلیل بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ (۱) اور فتاویٰ عزیزی میں موجود ہے (۲) اور یہ اختلاف درحقیقت دارالحرب کے آثار اور علامات میں اکابر ائمہ کے اختلاف پر مبنی ہے، مبسوط (۳)، عالمگیری (۴)، شامی (۵) وغیرہ میں ان اکابر کے اقوال دارالحرب کی تعریف کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوی: ۱/۲۳۷، کتاب الصلاة، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، سعید)

(۳) "والحاصل أن عند أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ إنما تصير دارهم دار الحرب بثلاثة شرائط: أحدها أن تكون متاخمة أرض الترك ليس بينها و بين أرض الحرب دار المسلمين. والثاني أن لا يبقى فيها مسلم آمن بإيمانه و لا ذمي آمن بأمانه. والثالث أن يظهروا أحكام الشرك فيها. وعن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ: إذا أظهروا أحكام الشرك فيها، فقد صارت دارهم دارحرب؛ لأن البقعة إنما تنسب إلينا وإليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب . وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين، ولكن أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ يعتبر تمام القهر والقوة؛ لأن هذه البلدة كانت في دارالإسلام محرزةً للمسلمين، فلا يبطل ذلك الإحراز إلا بتمام القهر من المشركين، وذلك باستجماع الشرائط الثلاث". (مبسوط السرخسي، باب المرتدين: ۱۰/۹۳، مكتبه حبيبيه كوئته)

(۴) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، مطلب فيما تصير به دار الحرب دار إسلام و عكسه: ۲/۲۳۲، رشيديه)

(۵) (رد المحتار على الدر المختار، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس: ۴/۱۷۴، سعيد)

اسی اختلاف کی بنا پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمانا احوط ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین حیض کے گذرنے کے بعد ایسی عورت کا نکاح منقطع ہوگا اور پھر تین حیض اور عورت کو انتظار کرنا چاہیے، غرض چھ حیض کے بعد اس کو نکاحِ ثانی کی اجازت ہوگی، یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر عدت واجب نہیں، لہٰذا صرف تین حیض گزر جانے پر نکاحِ ثانی درست ہوگا، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوسع ہے۔

ہندوستان میں بلکہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے محض قبولِ اسلام کی بناء پر مہاجرۃ النساء کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

"ولو أسلم أحدهما ثمة: أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثاً أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة قيام السبب، و ليست بعدة لدخول غير المدخول بها". قال الشامي: "(قوله: وليست بعدة): أي ليست هذه المدة عدةً؛ لأن غير المدخول بها داخلة تحت هذا الحكم، ولو كانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. و هل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لاعدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذالك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، الخ". ردالمحتار: ۲/ ۳۹۱، مطبوعه نعمانيه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۷/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ رجب/ ۶۲ھ۔

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/ ۱۹۱، ۱۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/ ۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/ ۲۲۱، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/ ۲۸۸، إمداديه ملتان)

بچوں کے نکاح کا طریقہ

سوال[۵۲۲۱]: ۶/سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی طرف سے ان کے لئے ان کے والد ایجاب وقبول کرلیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

جولڑکی سنی ہوجائے اس سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۲۲]: میں شیعہ لڑکی سے محبت کرتا ہوں، اس لڑکی کی عمر ۳۰/ یا ۳۲/ سال ہے اور میری عمر ۲۸/ سال ہے، اس کی والدہ بمبئی میں گذر گئی تھیں، اس کی دادی نے اس کو پالا ہے، اس کی دادی آٹھ سال سے پاگل ہے اور والد گونگے اور بہرے ہیں، وہ لڑکی اپنے والدین کی اکیلی ہے اور وہ لڑکی بیمار بھی ہے اور وہ لڑکی بہت غریب ہے اور میرے گھر والے اس رشتے کے خلاف ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی سے شادی کرلوں اور وہ لڑکی بھی میرے سے شادی کیلئے تیار ہے اور میرے پاس شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ لڑکی اپنا شیعہ مذہب چھوڑ کر سنی ہوجائے گی اور اس لڑکی نے کہا ہے کہ اگر وہ شادی نہیں کرے گا تو وہ خودکشی کرے گی۔ اس لئے آپ سے فتوی چاہتا ہوں، مہربانی کرکے جواب سے جلد از جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ اس کے حقوق ادا کرسکتے ہیں تو اس سے شادی کرلیں، حقوق میں کھانا کپڑا رہنے کیلئے مکان بھی داخل ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وللولی إنکاح الصغیر والصغیرۃ". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۶۵/۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲۰۸/۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۵۰۳/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءة، فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج". (مشکوة المصابیح، =

کیا نومسلمہ کو چھ مرتبہ حیض کے بعد نکاح کی اجازت ہے؟

سوال[۵۲۲۳]: ایک عورت جو غیر مسلمہ اور شادی شدہ ہے اور اس عورت کے غیر مسلم شوہر سے اولاد بھی ہے لیکن ایک مسلمان اس عورت کے ساتھ اور عورت بھی اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ عورت کا کہنا کہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلم، مگر ٹیکا لگاتی ہے یعنی اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ اور اس مسلمان نالائق نے بھی جمعہ تک کی نماز چھوڑ دی، اس نے اس غیر مسلمہ کے خاوند کو طلاق پر آمادہ بھی نہ کیا، نہ وہ مسلمان ہوئی، نہ یہ پورا مرتد ہوا۔ غرض دونوں کو شرعاً کس طریقہ سے الگ کرنا یا ملانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دونوں ملے ہوئے ہیں تو ان کو فوراً الگ الگ کرا دیا جائے (۱) اور عورت اسلام قبول کرلے، ٹیکہ وغیرہ مشرکانہ چیزیں چھوڑ دے (۲)۔ جب اسے چھ مرتبہ ماہواری آجائے تو اس مسلمان سے اس کا نکاح کر دیا جائے (۳)، اس وقت تک عورت کسی دوسری عافیت کی جگہ رہے۔ کلمہ اور نماز وغیرہ آہستہ آہستہ سیکھتی رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

= كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/ ۲٦۷، قديمي)

"(و) يكون (سنةً) مؤكدةً في الأصح، فيأثم بتركه .... (حال الاعتدال): أي القدرة على وطء ومهر ونفقة". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۷، سعيد)

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكراً، فليغير بيده". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/ ٤۳٦، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألا تكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة". (بدائع الصنائع، فصل في نكاح المشركة: ۳/ ٤۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فقه السنة، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، زواج المشركة: ۲/ ۹۳، دارالكتاب العربي)

(۳) تین ماہواریوں کے بعد اس کا سابق نکاح ختم ہوگا: "ولو أسلم أحدهما ثمه، لم تبن حتى تحيض ثلاثاً قبل =

بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند نہ ہو اور سہیلی کا انگوٹھا لگانا

سوال[۵۲۲۴]: ایک لڑکی کا نکاح ہونے لگا، نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی، بلکہ اس کی والدہ نے اجازت دے دی اور رجسٹر میں بھی اس کی سہیلی نے انگوٹھا لگا دیا، البتہ لڑکی رضامند تھی اور لڑکی بالغ بھی تھی۔ اس حالت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے بعد عقد اس کو منظور کر لیا ہو قولاً ہو یا فعلاً تو یہ نکاح صحیح ہوگا (۱)، سہیلی کا انگوٹھا لگانا بیکار ہے جبکہ اس کا ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= إسلام الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/۴۲۱، ۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اور باقی تین ماہواریاں اختتامِ نکاح کی عدت ہیں، قال الله تعالى: ﴿والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

(۱) "و منها رضا المرأة إذا كانت بالغة، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

"و تثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل، كذا في البحر الرائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/۲۹۹، رشيديه)

"و من شرائط الإيجاب والقبول .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما". (الدر المختار). "(قوله : ليتحقق رضاهما): أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا؛ إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۴ - ۲۱، سعيد)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح

سوال[۵۲۲۵]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا، خلوتِ صحیحہ کا بھی ثبوت ہے، مگر چار سال کے بعد ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہندہ مرد کے قابل نہیں حیض آتا ہے نہ ثدیین ابھرے ہوئے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا یا نہیں؟ بصورتِ نکاح مہر کا لزوم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثدیین کے نہ ابھرنے اور حیض نہ آنے کے باوجود اگر اس کے محلِ جماع ہے تو زید اس کے پاس جا کر ہمبستری کر سکتا ہے اور نکاح بھی صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۳ھ۔

جواب صحیح ہے: چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے مہر بھی پورا لازم ہوگا (۲)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة: أى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي، فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ". (الدرالمختار). "وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضاها استمتاعاً .... فخرج الذكر والخنث المشكل: أى أن إيراد العقد عليهما لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له، الخ". (ردالمحتار: ۳/۳،۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار: ۳/۹، سعيد)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شئ بعد ذلك إلا بالإبراء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان مايتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دارالكتب العلميه بيروت)

نابینا بہرے کا نکاح

سوال[۵۲۲۶]: زید کہتا ہے میرا بھائی نابینا بھی ہے اور بہرا بھی، اس کا نکاح کس طریقہ سے پڑھایا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح اور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور اس سے دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح بھی کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۵ھ۔

گونگے کا نکاح

سوال[۵۲۲۷]: کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے گونگے مرد کے ساتھ کردیا اور گونگے نے (قبولیت کے لئے) اشارۃً ہی سر ہلا دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ گونگے کا اشارۃً نکاح کو قبول کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گونگا اگر اشارہ سے قبول کرے تو نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۱/ ۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وينبغي أن لايختلف في انعقاده بالأصمين إذا كان كل من الزوج والزوجة أخرس؛ لأن نكاحهما -كما قالوا- ينعقد بالإشارة حيث كانت معلومةً". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به، كتاب النكاح: ۳/ ۲۳، سعيد)

"و كما ينعقد النكاح بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس، إذا كانت إشارته معلومةً الخ".

(بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"ففي كافي الحاكم الشهيد مانصه: فإن كان الأخرس لا يكتب، و كان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه و شرائه وبيعه، فهو جائز، الخ". (رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج: ۳/ ۲۴۱، سعيد)

(۲) "(إيماء الأخرس وكتابته كالبيان) باللسان". (الدرالمختار، مسائل شتى: ۶/ ۷۳۷، سعيد) ......=

جو مرد اور عورت کبھی نماز نہیں پڑھتے ان کا نکاح

سوال[۵۲۲۸]: لڑکا اور لڑکی دونوں کلمہ تو جانتے ہیں مگر کبھی نماز نہیں پڑھتے تو کیا ان دونوں کا نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو صحیح ہوگا(۱) مگر ترکِ فرض کا گناہ کچھ ہلکا گناہ نہیں، اس کا اہتمام بہت ضروری ہے، نماز ترک کرنا معمولی گناہ نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا دو عورتوں سے طلاق کے بعد دو دفعہ نکاح کرنا چار کے حکم میں ہے؟

سوال[۵۲۲۹]: ۱.....ایک مسلمان جو کہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتا ہے، قرآن وسنت کا پابند ہے،

= "ثم قال في النهر: وينبغي ألا يختلف في انعقاده بالأ صمين إذا كان كل من الزوج و الزوجة أخرس؛ لأن نكاحه –كما قالوا– ينعقد بالإشارة حيث كا نت معلومةً". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: الخصا ف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/۲۳، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۱۸۲، أمداية ملتان)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، و ذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "من ترک صلاةً، لقي الله و هو عليه غضبان". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۸۵، رياض)

"من ترک الصلاة متعمداً، فقد كفر جهاراً". (فيض القدير: ۱۱/۵۷۳۷، ۵۷۳۸، (رقم الحديث: ۸۵۸۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۲، سعيد)

میرا قریبی بھائی ہے، اس نے پہلے ایک نکاح کیا ہے ''الف'' کے ساتھ، پھر اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلی ''ب'' کے ساتھ، ایک سال کے بعد اس کے ساتھ بھی ان بن ہوگئی اور ''ب'' کو بھی طلاق شرعی لکھ کر عدالت سے دیدی، نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت کہتی ہے۔ کچھ عرصہ ۸/ ماہ ہوئے تو یہ عورت ''ب'' نادم ہوکر آئی اور اس نے شادی کرنی چاہی، وہ دونوں عدالت میں گئے اور وہاں ایک بیان حلفی پبلک نوتری سے تصدیق کراکے شادی دوبارہ رچالی اور کوئی خطبۂ نکاح انجام نہ پایا۔

اسی دوران اس عورت کو حمل ٹھہرا اور ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ پھر اس عورت ''ب'' کو فحش کلامی کی بنا پر اس مرد نے دوبارہ عدالت سے طلاق نامہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کردیا ہے اور تقریباً آٹھ سال سے الگ ہے، عورت ''ب'' نے دوسری شادی کر کے دوسرے مرد سے دو بچے حاصل کئے۔

عرض یوں ہے کہ جو لڑکا عورت ''ب'' کے پہلے مرد سے سمجھے یعنی میرے بھائی سے ہوا ہے، کیا وہ شرعاً مرد کا ہے یا عورت کا؟ حتیٰ کہ وہ لڑکا اس وقت نو سال کا ہے اور امی جان کے پاس رہتا ہے، کیا یہ شرعی طور پر باپ کا وارث کہلائے گا؟ مجھے شک ہے کیوں کہ شادی شرعی طور پر انجام نہیں پائی تھی تو یہ بچہ کس کا ہے؟ صحیح قرآنی وشرعی فیصلہ دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

۲......اب یہ جو مرد ہے یعنی میرا بھائی اس نے دوسری دفعہ پہلے والی عورت ''الف'' سے دوبارہ شادی کی ہے اور اس کے تین بچے ہیں، اس طرح سے اس نے چار دفعہ نکاح کیا ہے جبکہ بیویاں صرف دو ہیں۔ تو کیا ایسے مرد پر شرعی حد یعنی چار نکاح کا ہونا عمل میں آیا ہے، یا یہ کہ وہ اگر چاہے شریعت کی رو سے تیسری بیوی کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......شخص مذکور نے ''ب'' کو جو طلاقِ شرعی لکھ کر دی ہے، وہ بعینہ یا اس کی نقل ارسال کریں اس کو دیکھ کر معلوم ہو سکے گا کہ پھر اس نے جو دوبارہ نکاح کیا ہے اس کی اجازت شرعاً تھی یا نہیں؟ نیز بتائیں کہ دوبارہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے ہوا یا پہلی طلاق سے رجعت کی ہے اور پہلے نکاح ہی کو باقی رکھا گیا ہے؟

نوٹ: جب بچہ نو سال کا ہوگیا ہے تو آج اس کی تحقیق کی کیا ضرورت پیش آئی؟ پہلے سے اتنی مدت

میں مسئلہ دریافت کیوں نہیں کیا؟ کیا محض وراثت کی بناء پر دریافت کرنا ہے؟ اور وہ شخص خود کیا انتقال کر گیا ہے یا زندہ ہے؟

۲.....عورتیں تو دو ہی اس کے نکاح میں آئی ہیں اگر چہ ان سے بار بار نکاح کی نوبت آئی، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ چار نکاح کر چکا ہے اس کی چار بیویاں موجود ہیں، اب اگر کسی اَور سے نکاح کرے گا تو وہ پانچویں بیوی ہوگی جو کہ ناجائز ہوگی، بلکہ وہ تیسری ہوگی اور جائز ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود، دار العلوم دیو بند، ۲۵/۲/۱۴۰۶ھ۔

جس عورت کے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال [۵۲۳۰]: ہمارے پڑوس میں ایک عورت تھی، جب ہمارا پڑوسی اس عورت کا نکاح کر کے لایا تھا جب ہی سے سنا تھا کہ اس عورت کا پچھلا خاوند زندہ ہے، جب ہمارا پڑوسی اس کا خاوند مرگیا تو اکثر یہ عورت ہمارے گھر بیٹھا کرتی تھی، کیونکہ ہمارے گھر کے پاس اس کا گھر ہے، درمیان میں صرف ایک دیوار ہے۔ اس عورت کی ایک نابالغ لڑکی تھی جس روز اس نابالغ لڑکی کا نکاح ہونے لگا تو میں نے انکار کر دیا کیونکہ سن رکھا تھا کہ اس لڑکی نابالغ کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے۔

انکار کر کے جب گھر میں آیا تو میں نے گھر میں کہا کہ میں نے تو اس لڑکی کے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے، کہنے لگی کہ کیوں انکار کر دیا؟ میں نے کہا کہ اس کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے سنا کرتے ہیں، کہنے لگی

---

(۱) "و للحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر .... وإذا تزوج الحر خمساً على التعاقب، جاز نكاح الأربع الأُوَل، و لا يجوز نكاح الخامسة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۱/۲۷۷، رشيديه)

"أما الجمع في النكاح فنقول: لا يجوز للحر أن يتزوج أكثر من أربع زوجات من الحرائر، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في الجمع بين الأجنبيات: ۳/۴۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۱۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

مذکور بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت اگر کسی کے نکاح میں چار بیویاں موجود ہوں تو پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر دو عورتوں سے دو دفعہ نکاح کرتا ہے تو وہ چار کے حکم میں نہیں ہونگی، بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے مزید دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

وہ تو کئی کئی عورتوں کے سامنے ہمارے گھر بیٹھ کر کہا کرتی تھی کہ جس سے میرا پہلا بیاہ ہوا وہ تو مرگیا، دوسرے مرد سے نکاح کیا، میرا اس سے اتفاق نہیں رہا، پھر وہ ہمارے گھر چھوڑ گیا اور پھر لینے نہیں آیا، پھر تیسرا نکاح کیا، اس نے بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ ملازم تھا جب وہ چھٹی آیا تو میں گھر پر نہیں ملی کیونکہ میری عادت پاس پڑوس میں بیٹھنے کی ہے، جب گھر پر نہ ملی تو اس نے کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی کیونکہ میرے گھر پر نہیں ملی۔ پھر میں نے غسل کیا اور کپڑے بھی بدلے، پھر بھی کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی، پھر اس نے بھی چھوڑ دیا۔ میں اپنے گھر چلی آئی۔

پھر یہ ہمارا پڑوسی نکاح کرکے چار سو روپے میں لے آیا۔ طلاق کا کبھی بھی ذکر نہیں کیا کہ مجھ کو طلاق بھی دیدی تھی، یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ میرا دوسرا تیسرا نکاح عدت کے بعد یا عدت کے اندر ہوا ہے، جب ہمارا پڑوسی مرگیا تو پھر ایک دوسرے مرد سے نکاح کرلیا پھر وہ بھی مرگیا، پھر موضع بھاگلہ کا ایک مرد نکاح کرکے لے گیا، سنا ہے وہ عورت اب بھی زندہ ہے۔

جس عورت کی بابت یہ باتیں مشہور ہوں کہ اس کے کئی نکاح ہوئے ہیں، نہ عدت کا پتہ ہے نہ طلاق کا اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا پچھلا خاوند زندہ ہے تو شرعاً ایسی عورت کا نکاح یا ایسی عورت کی نابالغ لڑکی کا نکاح بغیر تحقیق کے کرنا چاہئے یا نہیں؟ یا انکار کردینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے معلوم ہوجائے کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے اور دونوں میں شرعی علیحدگی ہوکر عدت نہیں گزری تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں (۱) اور نکاح پڑھانے والا بھی گنہ گار ہوگا (۲)۔ اگر تحقیق ہوجاوے کہ دونوں میں شرعی علیحدگی ہوچکی ہے تو پھر نکاح جائز ہے۔ اگر دونوں باتوں میں سے کسی کی تحقیق نہ

---

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)
(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، کتاب النکاح، فصل فی شرط الاتکون منکوحة الغیر، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال العلامة الآلوسی فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾: "فیعم النهی کل ماهومن مقولة الظلم والمعاصی، ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی: ۶/۵۷، مبحث فی ﴿وتعاونوا علی البرو التقوی﴾ دارإحیاء التراث العربی بیروت)

ہوتو پھر اگر وہ عورت شرعاً عادلہ ہے اور اس کی شہادت مقبول ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نکاح پڑھانا بھی درست ہے۔ اگر عادلہ نہیں بلکہ فاسقہ ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں تو پھر تحری کی جاوے یعنی اگر غور وفکر کے بعد غالب گمان ہو جاوے کہ عورت سچی ہے جب تو نکاح درست ہے، اگر غور وفکر کے بعد معلوم ہو کہ عورت جھوٹی ہے کیونکہ اَور باتوں میں بھی جھوٹ بولتی ہے اور حرام وحلال اور دوسرے احکامِ شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتی بلکہ اغراضِ نفسانی کے درپے رہتی ہے، اس سے غالب گمان اگر ہو کہ اس امر میں بھی جھوٹ بولتی ہے پھر اس سے نکاح نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح نکاح پڑھنے سے اجتناب چاہئے:

"و لو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها، وإن كانت فاسقةً، تحرى و عمل بما وقع تحريه، كذا في الذخيرة". عالمگیری: ۵/۳۱۳(۱)۔

اور اس کی نابالغ لڑکی کے نکاح میں یہ تفصیل ہے کہ بغیر شرعی ولی کے نکاح موقوف رہے گا یعنی اگر کسی نے اس کا نکاح کردیا تو وہ ولی شرعی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر ولی شرعی نے اجازت دیدی تب تو نافذ ہوگا ورنہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لڑکی کے باپ نے اگر اس کی ماں کو طلاق دے دی تو اس سے اس کی ولایت سلب نہیں ہوئی، البتہ اگر اس کا انتقال ہوگیا ہو تو پھر جو کوئی اس کا ولیِ اقرب ہو اس کی اجازت نکاح کے لئے درکار ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۶/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ربیع الاول/۵۳ھ۔

ایک سے چار تک نکاح کی اجازت

سوال[۵۲۳۱]: ہمارے بھارت سرکار نے یہ قانون نافذ کردیا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا ہے۔ کیا ہم بھارتی مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ اسلامی شریعت کے مطابق ایک شخص بیک وقت چار بیوی رکھ سکتا ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شریعت نے حسبِ استطاعت ایک مرد کو چار عورتوں تک اجازت دی ہے(۱)۔ اس اجازت کو کوئی بھی ضبط نہیں کرسکتا (۲)، البتہ جو شخص مساوات کا برتاؤ نہ کرسکے، اس کو ایک سے زیادہ کی اجازت خود شریعت نے نہیں دی، بلکہ اس کو تاکید کی ہے کہ ایک ہی پر کفایت وقناعت کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۱۲/۲۶ھ

بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح

سوال[۵۲۳۲]: ۱.....زید کا نکاح مشتری کے ساتھ منعقد کیا گیا، قاضی ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس داڑھی نہیں ہے اور وہ نکاح پڑھا چکا ہے نکاح ہوا یا نہیں؟

غلط رسوم کے ساتھ کیا گیا نکاح کا حکم

سوال[۵۲۳۳]: ۲.....زید کو نکاح میں جوڑا پہنایا گیا، ہاتھوں میں مہندی لگائی گئی۔ اسکا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....قاضی بغیر داڑھی کا ہو تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح درست ہو جائے گا (۴)۔

۲.....نکاح کے وقت لڑکے کے ہاتھوں پر مہندی لگانا اور دیگر غلط رسوم کرنا ناجائز ہے (۵)، مگر نکاح

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع﴾ الآیة (النساء: ۳)

(۲) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل اللہ لک﴾ الآیة (التحریم: ۱)

(۳) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا، فواحدةً﴾ الآیة (النساء: ۳)

(۴) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(و کذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیه ملتان)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، رشیدیة)

(۵) "ولاینبغی للصغیر أن یخضب یده بالحناء؛ لأنه تزین، وإنه یباح للنساء دون الرجال". (خلاصة الفتاوی، =

اس حالت میں منعقد ہوجائے گا(۱) اور غلط کاموں پر گناہ بھی ہوگا، نکاح کو سنت طریقہ پر کرنا لازم ہے(۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں

سوال[۵۲۴۴]: ایک شخص ایک مسجد میں امام ہے، دو آدمی امام کے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ امام صاحب! ہمارے یہاں چل کر ایک لڑکی کا نکاح پڑھا دیجئے، جس پر امام نے یہ تحقیق کی کہ بیوہ عورت کا نکاح ہے یا کنواری لڑکی کا؟ انہوں نے کہا کنواری لڑکی کا نکاح ہے اور قسم کھا کر دونوں شخص کہنے لگے: امام صاحب! گھبراؤ نہیں، یہ نکاح اس لڑکی کا پہلا نکاح ہے۔ اس کے برخلاف صورت یہ تھی کہ اس لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر میں پہلے کسی دوسرے سے ہو چکا تھا، جس کا علم امام صاحب کو نہیں تھا، اس بیان پر امام صاحب نکاح پڑھانے کیلئے چل دیئے۔

جب مکان پر پہونچے تو وہاں ۱۰، ۱۵/آدمی موجود تھے، امام صاحب نے ان سے بھی دریافت کیا کہ لڑکی مطلقہ ہے یا غیر مطلقہ؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ کنواری لڑکی ہے اور اس لڑکی کا یہ پہلا نکاح ہے، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔

= کتاب الکراهية، الفصل السابع في اللبس: ۴/۳۷۳، امجد اکیڈمی لاهور)

"لا يديه ولا رجليه؛ لأنه مكروه للتشبه للنساء". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۲، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۱، رقم الحاشية: ۴)

(۲) تمام کاموں میں طریقۂ مسنونہ اختیار کرنا ضروری ہے اور امورِ مبتدعہ سے اجتناب ضروری ہے: قال الله تعالیٰ: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الأحزاب: ۲۱)

"وعن العرباض بن سارية رضي الله تعالیٰ عنه قال صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظةً بليغةً .... اهـ". "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب و السنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

تین دن کے بعد امام صاحب کو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو چکا تھا اور وہاں سے طلاق بھی نہیں ہوئی۔ اب بتلائے کہ امام صاحب کا جرم مانا جائے گا یا نہیں جبکہ امام صاحب بالکل بے خبر تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے تحقیق کی، متعدد آمیوں سے دریافت کیا کہ جب اطمینان ہوگیا تب نکاح پڑھایا، اس لئے امام صاحب مجرم نہیں (۱)، البتہ وہ نکاح صحیح نہیں ہوا جبکہ اس لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے اور وہاں سے طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۳۹۵ھ۔

تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح

سوال [۵۲۳۵]: میاں بیوی میں کسی بات پر تکرار ہوگیا، عورت بچوں کو لیکر میکے چلی آئی، گاؤں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا﴾

"تنبیه علی أنه إذا کان الخبر شیئاً عظیماً وماله قدر، فحقه أن یتوقف فیه، وإن علم أوغلب صحته علی الظن حتی یعاد النظر فیه ویتبین فضل تبین". (روح المعانی: ۱۴۵/۲۶، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وفی الآیة دلیل علی فساد قول من قال: إن المسلمین کلهم عدول حتی تثبت الجُرحة؛ لأن الله تعالیٰ أمر بالتثبت قبل القبول ولامعنی للتثبت بعد إنفاذ الحکم فإن حکم الحاکم قبل التثبت، فقد أصاب المحکوم علیه بجهالة". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۲۰۱/۱۶، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۲۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط ألاتکون منکوحة الغیر: ۴۵۱/۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذافی الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۶۶۴۶/۹، رشیدیه)

والوں کے کہنے پر پھر بچوں کو لے کر شوہر کے گھر گئی، وہاں بچوں کو چھوڑ کر چلی آئی، لڑکی کی ماں پھر لڑکی کو ہمراہ لیکر شوہر کے پاس چلی، راستے میں شوہر اور چند گاؤں کے آدمی مل گئے، بات چیت ہوئی مگر شوہر رکھنے کیلئے اور گھر لے جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور بیوی کو مارا، بیوی نے شوہر کو مارا۔ آخر میں شوہر نے کہا کہ ''میں نے تجھے تین طلاق سچے دل سے اللہ کو گواہ بنا کر دی'' اور عورت نے بھی کہا کہ ''میں نے بھی خدا کو گواہ بنا کر طلاق قبول کی'' اور میکے چلی آئی، اس کے بعد لڑکے کے باپ بھائی لڑکے سے نکاح کرنے پر مصر ہیں عورت تیار نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

طلاقِ مغلظہ ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی (۱)۔ اب اس کو کوئی شخص مجبور نہیں کرسکتا کہ فلاں شخص سے نکاح کر، اس کا دل چاہے تو عدت گزار کر اپنے خاندان میں اپنی مرضی کے موافق نکاح کرسکتی ہے (۲)۔ حلالہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أتحل للأول ؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قديمي)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و لا تجبر بكر بالغة على النكاح: أي لا ينعقد عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا". (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کے بعد طلاق دینے والے سے بھی نکاح درست ہو سکے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۲۳۶]: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اور گھر سے نکال دیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر چلی آئی، پھر لڑکے کا ماموں آیا اور خوشامد کرکے لڑکی کو لے گیا، لڑکے نے پھر اس کو نکال دیا اور اس کے ماموں کے یہاں چلی آئی۔ لڑکی کچھ دنوں کے بعد پھر شوہر کے مکان پر پہونچ گئی تو لڑکے نے کہا کہ ''جب میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں تو بار بار میرے مکان پر آنے کی کیا ضرورت ہے''؟ جو بچہ تھا وہ زید نے رکھ لیا۔ اب لڑکی تنہا اپنے باپ کے گھر پر ہے، اب لڑکی کا والد اس کو دوسری جگہ نکاح کر کے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر کو طلاق کا اقرار ہے وہ رکھنے پر تیار نہیں، وقتِ طلاق سے تین حیض گذرنے پر دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۲۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال الله تعالى: : ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ الاية (البقرة: ۲۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلّقت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء، قوله تعالى: ﴿والمطلّقت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۳۷]: زید کی عورت بیوہ ہوگئی وہ یہ چاہتی ہے کہ میں اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاردوں یعنی نکاحِ ثانی نہ کروں، یہ ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں ماخوذ نہ ہوں چونکہ وہ جانتی ہے کہ نکاحِ ثانی کرنا سنت ہے۔فرمایئے اس صورت میں جب کہ وہ صوم وصلوۃ پر قائم ہے بوجۂ نکاحِ ثانی نہ کرنے کے مستحقِ عذاب ہوگی یا نہیں؟

محمد یامین، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں بلکہ اطمینان سے زندگی بسر کرسکتی ہے تو اس کے ذمہ نکاحِ ثانی ضروری نہیں اور نکاحِ ثانی نہ کرنے سے مستحقِ عذاب نہ ہوگی، تاہم اگر سنت سمجھ کر کرلے گی تو ثواب کی مستحق ہوگی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ رجب المرجب/ ۵۶ھ۔

نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا

سوال[۵۲۳۸]: مسافر سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ جب تم اپنے وطن جاؤ گے تو طلاق دے کر جانا ہوگا۔تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح صحیح ہوجائے گا اور محض وطن جانے کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، ۱۷/ ۵/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ویکون واجباً عند التوقان وسنةً عند الاعتدال". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۶، ۷، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح: ۲/ ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/ ۱۴۲، رشیدیہ)

(۲) "ولکن لایبطل النکاح بالشرط الفاسد، وإنما یبطل الشرط دونه الخ". (الدرالمختار، فصل فی =

نکاح میں شرطیں لگانا

سوال[۵۲۳۹]: الف:عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے قبل از رخصتی اپنے داماد زید کے سامنے یہ شرطیں رکھیں:

۱......اگر زید نے اس لڑکی کی حیات میں دوسری شادی کی تو اس کی منکوحہ ثانیہ پر طلاقِ مغلظہ۔

۲......مہر بغیر عمر کی مرضی کی معاف نہ ہوگا۔

۳......اگر لڑکی پر ظلم وتعدی کیا گیا تو عمر لڑکی کو از خود طلاق دے سکتا ہے (وغیرہ)۔

ب: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ پہلی شرط کا وقوع کیا زید کے دستخط کرنے سے ہو جائے گا؟ نیز کسی ایسی شرط کا یا شرط لگانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ کبیرہ کا مرتکب ہوگا یا صغیرہ کا؟

ج: اگر زید کی وجہ سے مثلاً طلاق وغیرہ کا خطرہ ہے تو کیا یہ شرط اور شرط لگانے والا ان دونوں پر کسی گناہ کا اندیشہ ہے؟

د: زید کا شرائطِ بالا یا صرف شرطِ اول پر دستخط کرنا کیسا ہے؟ دستخط کرنے کے بعد پہلی شرط سے نجات کی کیا صورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیسے کرے گا؟

ھ: پہلی شرط کو جائز سمجھنے والا کیسا ہے؟ شرط نمبر:۲ پر زید کے دستخط کے بعد اس کا وقوع بھی ہوگا یا نہیں؟ یعنی کیا معافی مہر کا اختیار عمر کو رہے گا یا اس کی لڑکی کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاقِ مغلظہ دینا دلوانا گناہ کبیرہ ہے، اس کی شرط کرنا اور شرط کو منظور کرنا بھی گناہ کبیرہ ہوگا۔ زید کا شرط مذکور پر دستخط کر دینا اس کی رضامندی کے لئے کافی ہے۔ اور اب اگر زید اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاحِ ثانی کرے گا تو اس کی زوجہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ پڑ جائے گی:"(قوله: ثلاثاً في طهر أو بكلمة بدعي)

= المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته: ۳/۵۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۵۰، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"لأنه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر، فإنه جائز؛ لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً، وبطل الشرط". (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

والمراد بها هنا المحرمة؛ لأنهم صرحوا بعصيانه". كذا في البحر: ۳/ ۲۳۹ (۱)-

زید کا اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ زید نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے بلکہ کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے یہ شرط لگادی ہے کہ میں اگر زوجۂ اُولیٰ کی حیات میں نکاح کروں تو زوجۂ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہو اور مجھ کو نکاحِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اور اس کی شرعاً یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی آدمی بلا میری اجازت نکاح کردے اور مجھ کو خبر کردے میں اس کو سن کر عملاً جائز رکھوں تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور زوجۂ ثانیہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، پھر وہ فہیم آدمی کسی مناسب جگہ اس طرح نکاح کردے تو درست ہوگا:

"وفي البحر نقلاً عن البزازية: والتزوج أولىٰ من فسخ اليمين في زماننا، و ينبغي أن يجيء إلى عالم و يقول له ما حلف و احتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً، ويجيز بالفعل فلا يحنث، اهـ". كذا في الشامي: ۲/۶۸۳ (۲)-

۲...... مہر لڑکی کا حق ہے، اس کی معافی کا تعلق لڑکی ہی سے ہے، بالغہ ہونے پر خود لڑکی اور اس کی اجازت سے اس کا باپ بھی معاف کرسکتا ہے، بغیر لڑکی کی اجازت کے اور رضامندی کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہیں اور نابالغہ کی اجازت غیر معتبر ہے:

"(و صح حطها) و قيّد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، و لو كبيرةً توقف على إجازتها و لا يدين رضاها، اهـ". كذا في الشامي: ۲/٤٦٤ (۳)-

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۱۷، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ۲/۳۵۵، شركة علميه ملتان)

(و كذا في فتح القدير، باب طلاق السنة: ۳/۴۶۸، ۴۶۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) (ردالمحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمن المضافة إلى الملك: ۳/۳۴۸، سعيد)

(۳) (ردا لمحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الزيادة في المهر، والحط عنه: ۱/۳۱۳، رشيديه)

۳..... عمر کا زید سے مذکورہ شرط لگانا درست ہے اور عمر کو زید کے ظلم وتعدی کے وقت اپنے لڑکی کو زید کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا: "وإذا وجدت الحاجة المذكورة، أبيح". كذا في الشامي: ۵۷۲/۲(۱)۔

مگر طلاقِ مغلظہ نہ ہو، بلکہ طلاقِ بائن غیر مغلظہ کا اختیار ہوگا: "رجل قال لآخر: إنّ أمر امرأتي بيدك إلى سَنة، صار الأمر بيده إلى سنة، حتى لو أراد أن يرجع لا يملك، وإذا تمت خرج الأمر من يده، كذا في التجنيس". كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۷۰/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ مغلظہ کی شرط پر نکاح

سوال[۵۲۴۰]: مسمیٰ غلام محمد ولد غلام رسول زرگر نے بھاگ بھری دختر محمد یار سے شادی کرنا چاہی تو اس کے والدین نے مندرجہ ذیل شرائط لکھ کر اس سے دستخط کروائے:

اگر میں اس کے ساتھ نا اتفاقی کا برتاؤ کروں گا تو اس کے عوض مسماۃ مذکورہ کو ماہواری خرچہ مبلغ (......) بلا عذر دوں گا اور مسماۃ مذکورہ کی حینِ حیات میں دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ ثلاثہ مغلظہ ہوگی۔ یہ شرائط مذکورہ میں نے اپنی خوشی کے ساتھ منظور کر لئے ہیں، ان میں میرا کوئی عذر نہ ہوگا۔ دستخط غلام محمد بقلم خود۔

اب طرفین میں ناچاکی ہو چکی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱..... غلام محمد دوسری عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... اگر نہیں کر سکتا تو پہلی عورت مسماۃ بھاگ بھری کو طلاق دینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

۳..... صرف ایک نکاح کرنے پر ثانی منکوحہ مطلقہ متصور ہوگی یا جو نکاح بھی مسماۃ مذکورہ کی زندگی میں کرتا رہے گا وہ مطلقہ ہوتی رہے گی؟

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الطلاق: ۲۲۸/۳، سعید)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في الأمر باليد: ۳۹۳/۱، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱..... یہ لفظ کہ ''دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کوطلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگی'' اگرمحض وعدہ ہے یعنی طلاق دیدوں گا تب تو دوسری شادی سے طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک طلاق نہیں دے گا (۱)۔ اگر یہ تعلیق ہے تو دوسری شادی سے منکوحہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہوجائیگی (۲)۔

۲..... چونکہ تحریر میں ''حینِ حیاتِ زوجۂ اُولیٰ'' کی قید ہے، لہٰذا بعد طلاق بھی شادی کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی، اگر حینِ حیات کی قید نہ لگاتا تو یہ بات نہ ہوتی، هكذا يفهم ممافي البحر:

''و لا تطلق في: إن نكحتها عليك فهي طالق، فنكح عليها في عدة البائن، يعني لا تطلق امرأته الجديدة فيما إذا قال للتي تحته: إن تزوجت عليك امرأةً فأمرها بيدك، أو قال: ما دامت امرأتي، ثم طلقها بائناً أو خالعها و تزوج أخرىٰ في عدتها، ثم تزوج بالأولىٰ، لايصير الأمر بيدها؛ لأن المراد حال المنازعة في القسم، و لم يوجد وقت الإدخال. وإن قال: إن تزوجت امرأةً، فأمرها بيدك، فأبانها، ثم تزوج أخرىٰ، صار الأمر بيدها، اهـ''. بحر المطبوعة العلمية بمصر: ٣٩٠/٤(٣)۔

---

(١) ''بخلاف قوله: (ساطلق) كنم؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية: ٣٨٣/١، رشيديه)

''أو أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعدٌ، جوهرة''. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب تفويض الطلاق: ٣١٩/٣، سعيد)

''قال: طلقي نفسك، فقالت: أنا أطلق، لم يقع''. (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ٥٣٥/٣، رشديه)

(٢) ''و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، الخ''. (الدر المختار، باب التعليق: ٣٥٥/٣، سعيد)

''وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، الخ''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ''إن وإذا'' وغيرهما: ٤٢٠/١، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ١١٥/٣، دار الكتب العلميه بيروت)

(٣) (البحرالرائق، باب التعليق: ٥٩/٤، رشيديه) .... =

۳......ظاہر تو یہ ہے کہ صرف ایک شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہوگی اور قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ اس میں ایسا عموم کا لفظ موجود نہیں ہے جس سے ہر ہر شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہو(۱)۔تاہم احتیاط یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح (بغیر اس کے امر کے) کردے اور یہ اس کو فعلاً نافذ کردے، اس طرح کہ مثلاً مہر زوجہ کے حوالے کردے، قولاً نافذ نہ کرے بلکہ خاموش رہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ سہارنپور، ۱۵/ جمادی الثانیہ/ ٦٦ھ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا

سوال[۵۲۴۱]: شریعت کا حکم اس مسئلہ میں کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے اس لڑکے کا نکاح تم کو کرنا پڑھے گا، جیسا کہ آجکل ہندوستان میں رواج ہے

= (وكذا في النهر الفائق، باب التعليق: ۲/ ۴۰۰، امداديه ملتان)

(۱) "و فيها كلها تنحل: أى تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مطلقاً، إلا في "كلما" فإنه ينحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الأفعال". (الدر المختار، باب التعليق، مطلب ما يكون في حكم الشرط: ۳/ ۳۵۲، سعيد)

"إذا وجدت الشرط، انتهت اليمين (لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغةً، فبوجود الفعل مرةً يتم الشرط، وإذا تم وقع الحنث، فلا يتصور الحنث مرةً أخرى إلا بيمين أخرى .... إلا في "كلما" الخ". (مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/ ۴۱۸، ۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/ ۱۱۵، ۱۱۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "والتزوج فعلاً أولى من فسخ اليمين في زماننا، و ينبغي أن يجيء إلى عالم، و يقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً و يجيز بالفعل، فلا يحنث". (رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين المضافة إلى الملك: ۳/ ۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، باب التعليق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة "كل وكلما": ۱/ ۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/ ۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کہ بدلہ کرتے ہیں جس کے پاس ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے پاس بھی اسی طرح سے ہوتی ہیں تو اس میں وہ لڑکی اس کو دے دیتا ہے اور وہ اس کو غرض اس شرط پر اس شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا کہ اگر میری لڑکی کا نکاح کرو تو میں اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے لڑکے کے ساتھ کرتا ہوں، لڑکے والے نے یا اس کے وکیل نے منظور کرلیا کہ لکھ دو کہ بعد میں تمہارے لڑکے کا بھی کردیں گے۔

چند دنوں کے بعد اس لڑکے والے نے جواب دے دیا کہ میرے پاس لڑکی نہیں ہے، نہ میں نے تم سے کوئی شرط کی۔ آیا اس صورت میں اس لڑکی کا نکاح جو کہ لڑکی کے والدین نے اس شرط پر کیا تھا وہ شرط اس نے پوری نہیں کی اب وہ نکاح صحیح درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ درست ہے تو لڑکی بالغ ہونے پر اس کو فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ شرط پوری نہ کرنے پر لڑکی کے والدین بھی ناراض ہیں اور لڑکی کا نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرط پوری نہ کرنا ایک قسم کا دھوکہ بازی معلوم ہوتا ہے، اگر یہ دھوکہ نہ دیا جاتا تو لڑکی والے کی مرضی نہیں تھی کہ نکاح کرتا اور وہ لڑکی والا کچھ بے عقل سا آدمی تھا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح صحیح ہوگیا، اب نہ لڑکی فسخ کراسکتی ہے نہ لڑکی کا والد (۱)، البتہ لڑکے والے نے جو وعدہ خلافی کی ہے اس سے وہ گناہ گار ہوا، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا (۲)۔ لڑکی والے کے بے عقل ہونے کا کیا مطلب

---

(۱) "و للولي إنكاح الصغير والصغيرة ...... و لزم النكاح". (الدر المختار، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

"فإن زوجهما الأب و الجد يعني الصغير والصغيرة، فلا خيار لهما بعد بلوغهما". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۵، دار إحياء التراث العربي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾. (سورة المائدة: ۱)

و قال الله تعالىٰ: ﴿أوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة بني اسرائيل: ۳۴)

"الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة، (رقم القاعدة: ۱۲): ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچی)

ہے؟ کیا وہ دیوانہ ہے؟ اور اس کے کس کس فعل میں بے عقلی ظاہر ہوتی ہے؟ اگر لڑکے والا عوض میں نکاح کر دیتا تو کیا پھر بھی لڑکی والے کو بے عقل کہا جاتا۔ اگر لڑکے کے یہاں لڑکی نہیں جانا چاہتی اور لڑکا بالغ ہے تو کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرے، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۷/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ رجب/ ۶۴ھ۔

شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر

سوال [۵۲۴۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی لڑکے کے ساتھ اس شرط پر کرتا ہے کہ اس لڑکے کو اس کے گھر پر ہی رہنا ہوگا، لڑکے نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہوگیا۔ اب یہ باپ پانچ ماہ کے بعد اس لڑکے سے کہتا ہے کہ تو تو میرے گھر نہیں رہتا اور لڑکا اس کے گھر پر رہتا ہے، مگر اس کے کہیں بھی جانے کو یہ کہتا ہے کہ تُو تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور اس بات کو عذر بنا کر اس نے اپنی لڑکی کو طلاق مان کر دوسری جگہ نکاح کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ آپ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں یہ تحریر کیجئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پہلے شوہر کا رشتۂ زوجیت ٹوٹ گیا یا قائم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے طلاق نہیں ہوئی، پہلا نکاح ہی باقی ہے، دوسرے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، اگر دوسرا نکاح کر دے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی جس کا وبال سخت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) بغیر طلاق حاصل کئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم السادس في المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة انفاً) .... =

جو عورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح

سوال[۵۲۴۴]: بنگلہ دیش سے کچھ عورتیں آتی ہیں، جن کے ساتھ آتی ہیں وہ آدمی اِدھر اُدھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اب عورتیں اِدھر اُدھر مانگتی کھاتی پھرتی ہیں اور اپنے کو بیوہ بتلاتی ہیں۔ ان کے بیوہ بتلانے کے مطابق ادھر کے آدمی ان سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ صحیح تحقیق نہیں کہ وہ بیوہ ہیں یا نکاح شدہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دل گواہی دے کہ وہ عورتیں بیوہ ہیں اور ان کی عدت ختم ہو چکی ہے تو ان سے نکاح کرنا درست ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

یہ اس وقت ہے جب کہ تحقیق ممکن نہ ہو، اور اگر ان کے وطن سے تحقیق ممکن ہو، تو پھر تحقیق کے بعد ہی نکاح کرنا چاہیے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ اس کا عام ابتلاء ہو رہا ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کاروبار بنا رکھا ہے۔

= (وكذا في ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكذا لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي، فلابأس أن ينكحها". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لابأس أن ينكحها) قالت: ارتد زوجي بعد النكاح، وسعه أن يعتمد على خبرها و يتزوجها، وإن أخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذالك، فإن كانت ثقةً أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها لابأس بأن يتزوجها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۳/ ۵۲۹، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/ ۳۱۳، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۲۰، ۴۲۱، سعيد)

کیا عورت کا یہ کہنا کہ ''میں شوہر کے بغیر ہوں'' معتبر ہے؟

سوال[۵۲۴۴]: ایک عورت مسلمہ اجنبیہ غیر علاقہ کی شادی شدہ اور جس کی گود میں تین سال کی ایک لڑکی ہے، وہ عورت اہلِ اسلام کے روبرو یہ بیان دیتی ہے کہ میں بیوہ ہوں، لاوارث ہوں۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ محض اس اجنبیہ عورت کے بیان پر شرعاً اس کا عقد کردیا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی بلکہ اس کے صدق کا ظن غالب ہے تو اس کا نکاح کردینا درست ہے، مگر اس سے دوبارہ تفصیلاً دریافت کرلیا جائے کہ تیرا شوہر مر گیا ہے، یا اس نے طلاق دے دی ہے۔ اگر اس کے کذب کا ظن غالب ہو تو اس کے نکاح سے احتراز کیا جائے:

"ولو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها. وإن كانت فاسقةً، تحرى وعمل بما وقع تحريه عليه، كذا في الذخيرة، اهـ". فتاوى عالمگيري: ۳۱۳/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ

سوال[۵۲۴۵]: اگر قاضی صاحب دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ پڑھا دیں تو کیا نکاح صحیح ہے؟ اور قاضی صاحب کا یہ عمل صحیح ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۸/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۵۹/۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴۶۷/۴، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی کی اجازت سے پڑھایا ہے تو صحیح ہے (۱)۔ ولی کو خود سوچنا چاہئے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں (۲)، اگر لڑکی بالغ ہو تو خود اس کی رائے بھی معتبر ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو، اس سے نیچے اتر کر نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟

سوال [۵۲۴۶]: زید پردیس میں مقیم ہونے کی حالت میں اسکی بیوی نے ۳،۲/ ماہ کا ناجائز حمل ساقط کرادیا تو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کتنے شرعی گواہ کی ضرورت ہے؟ ثابت ہوجانے پر زید کی بیوی نکاح میں ہے یا فسخ ہوگیا؟ فسخ ہونے کی صورت میں دوبارہ رکھنا چاہئے تو کس صورت میں جائز ہوگا؟

---

(۱) "القاضی إنما یملک إنکاح من یحتاج إلی الولیّ إذا کان ذلک فی عهده ومنشوره، وإن لم یکن ذلک فی عهده لم یکن ولیاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۸۴/۱، کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

"رجل قال لغیره: زوج ابنتی هذه رجلاً یرجع إلی علم و دین بمشورة فلان، فزوجها رجلاً هذه الصفة من غیر مشورة .... جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۹۷/۱، کتاب النکاح، الباب السادس من الوکالة بالنکاح وغیرها، رشیدیه)

(۲) "عن عبد الله بن بریدة عن أبیه قال: خطب أبوبکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنه فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إنها صغیرة، فخطبها علیّ، فزوجها منه". (سنن النسائی: ۲۹/۲، کتاب النکاح، باب تزوج المرأة مثلها فی السن، قدیمی)

(۳) "(نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی)؛ لأنها تصرفت فی خالص حقها، وهی من أهله، لکونها عاقلةً بالغةً .... وروی الحسن عن الإمام أنه إن کان الزوج کفئًا نفذ نکاحها، وإلا فلم ینعقد". (البحر الرائق: ۱۹۲/۳ - ۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۳۱۳/۲، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیة)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵۵/۳، ۵۶، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز حمل باقی رہے یا ساقط ہو جائے اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، پہلا ہی نکاح باقی ہے اس لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اس کی فکر نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۵/۹۶ھ۔

نکاح ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ

سوال [۵۲۴۷]: ایک بیوی ہے، تو اس پر نکاح کرنے میں اس بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً تو ضروری نہیں مگر نباہ اس سے کرنا ہے، اگر اس کا مشورہ نہیں ہوگا تو دشواری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو طلاق دیکر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح

سوال [۵۲۴۸]: میری بیوی قریب ۱۲،۱۴/ سال سے ٹی بی کی مریض ہے، اس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اسکے دولڑکے بھی ہیں اور بچوں کی کوئی محبت نہیں ہے۔ اس لئے میری بیوی یہ چاہتی ہے کہ مجھے آزاد کر کے میری چھوٹی بہن بیوہ سے عقدِ نکاح کرلیں، اس سے کام کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ یہ نکاح جائز

---

(۱) ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنى وثلث وربع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ (النساء: ۳)

"وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والأماء وليس له أن يتزوج أكثر من ذالک، لقوله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾". (الهداية، فصل في المحرمات: ۲/ ۳۱۱، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في المحرمات: ۳/ ۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكـذا فـي فتـاوى دار العـلوم ديـوبـنـد: بـاب، وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/ ۲۲۵، مكتبة امداديه، ملتان)

ہوسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کی خودخواہش ہےاوراس کی تیمارداری نیز بچوں کو پرورش کوضرورت ہے کہ مریضہ بیوی کو طلاق دیکر بعدعدت اس کی بیوہ بہن سے نکاح کرلیں تو شرعاً اجازت ہے(۱)، پہلی بیوی سے پھر پردہ لازم ہوجائے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹۲/۱/۶ھ۔

دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دیناضروری نہیں

سوال[۵۲۴۹]: ایک شخص نے شادی کی اورکسی وجہ سے بیوی کوچھوڑ دیااورطلاق بھی نہیں دیا، پھر دوسری شادی کرلی توبلاطلاق کے مردکودوسری شادی کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مردکودوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دیناضروری نہیں، بلکہ بیک وقت چارتک کی اجازت ہے،لقوله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾ الأية(۳)۔ البتہ پہلی بیوی کے حقوق ادانہ کرنااوراس کوویسے ہی بلاطلاق ڈالے رکھنا گناہ اورظلم ہے(۴)،اس کامعاملہ صاف کیا

---

(۱) قال العلامه المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وإذاطلق إمرأته طلاقاً بائناً أورجعياً، لم يجزله أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳۰۹/۲، ۳۱۰، شركة علمية ملتان)

(وكذافي فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۸۰/۳، رشيديه)

(۲)چونکہ بعدازعدت وہ اجنبیہ بن گئی،لہٰذا جس طرح عام اجنبی عورتوں سے پردہ ضروری ہےاسی طرح سابقہ بیوی سے بھی پردہ ضروری ہے،قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، ذالك أزكى لهم، إن الله خبير بما يصنعون. وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن و يحفظن فروجهن، ولايبدين زينتهن إلا ماظهر منها﴾. الخ. (سورة النور: ۳۱)

(۳) (سورة النساء: ۳)

(۴) ﴿ ولو حرصتم، فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة﴾ الآية (النساء: ۱۲۹)

جائے، یا اس کو شریفانہ طریقہ پر آباد کیا جائے، یا طلاق دیکر آزاد کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۵ھ۔

بلا اجازتِ زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی

سوال [۵۲۵۰]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی رضامندی یا اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرلے تو کیا دوسرا نکاح نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے نکاح کی وجہ سے پہلا نکاح منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ بیوی سے بغیر اجازت لئے کیا ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۱۳۹۴ھ۔

ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت

سوال [۵۲۵۱]: ایک شخص شادی شدہ نے بغیر علمِ والدین واعزاء واہلیہ دوسری شادی جوان لڑکی سے کرلی، نہ اس لڑکی کو علم ہوا کہ یہ شادی شدہ ہے، نکاح کے کافی دنوں بعد لڑکی کو معلوم ہوا کہ پہلی بیوی بھی ہے اور اس کے بچے بھی ہیں، مکان میں لانے پر دونوں میں گزارہ اور نباہ مشکل ہوگیا، یہ مسئلہ تمام اعزاء کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ اب یہ لڑکی اپنے والدین کے پاس سترہ ماہ سے مقیم ہے، شوہر نہ آتا جاتا ہے، نہ نان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان .... ومن یتعد حدود اللہ، فاولئک هم الظالمون﴾. (البقرة: ۲۲۹)

(۲) کیونکہ مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورابع﴾. (النساء: ۳)

قال فی البزازیة: "له امرأة أو جاریة فأراد أن یتزوج أخری، فقالت: أقتل نفسی، له أن یأخذ ولا یمتنع؛ لأنه مشروع، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل اللہ لک تبتغی مرضاة أزواجک، واللہ غفور رحیم﴾". (الفتاویٰ البزازیة، کتاب النکاح، نوع آخر: مباشرة النکاح فی المساجد مستحب: ۱۵۵/۴، سعید)

نفقہ دیتا ہے، نہ کسی خط کا جواب دیتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، ان تمام حالات سے لڑکی پریشان ہے۔ کیا ان حالات میں لڑکی دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابھی دوسرے نکاح کی اجازت نہیں (۱)، لڑکی کو چاہیے کہ شوہر کے ساتھ رہے اور اس کے حقوق ادا کرے، اگر شوہر نہ رکھے اور حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے تو اس سے طلاق حاصل کرلے یا خلع کرے یعنی بیوی مہر معاف کردے اور شوہر طلاق دے دے۔

اگر یہ صورت بھی نہ ہوسکے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت سے شرعی فیصلہ کروائے۔ اگر ایسا حاکم نہ ہو تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت سے جس میں کم سے کم ایک معاملہ شناس عالم بھی شریک ہو، الحیلۃ الناجزۃ میں تحریر کردہ طریقہ کے موافق تحریر کروائے (۲) تو پھر بعد عدت (تین حیض) کے دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ابھی چونکہ وہ اس شوہر کے نکاح میں ہے اور فی الحال شوہر سے مطالبۂ طلاق و فسخ کا کوئی سبب بھی موجود نہیں، کیونکہ نفقہ کا نہ دینا جو مذکور ہے وہ عورت کی اپنی تعدی اور تجاوز کی وجہ سے ہے:

"لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، کذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم السادس: المحرمات التي یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تکون منکوحة الغیر: ۳/۴۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النکاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعید)

(۲) "اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو، وہ معاملہ کے شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم خود تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے"۔

(حیلۂ ناجزہ، باب حکم زوجہ متعنت، ص: ۷۳، دار الإشاعت، کراچی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸) .... =

کیا کنیسہ میں نکاح ہوجائے گا؟

سوال[۵۲۵۲]: هل يصح النكاح في الكنيسه؟ و هل يجوز في المواضع المرتفعة الخاصة له مشهور بين الناس المبني على يد السياسية؟

الجواب حامداً ومصلياً:

النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول في أيِّ مكانٍ حصل له(۱)، ولا يختص بمكان دون مكان، ولكن يندب كونه في المسجد وينبغي الخطبة قبله؛ لأنه قربة"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوے میں بیوی کو ہار گیا تو نکاح باقی رہا یا نہیں؟

سوال[۵۲۵۳]: زید ایک جواری شخص ہے اس نے اپنی بیوی کو جوے میں ہار کر جواریوں کے سپرد کردی، انہوں نے ایک دن اور ایک رات کسی نامعلوم جگہ میں غائب رکھی۔لڑکی کے والدین نے زید پر سختی کی تو اس نے تلاش کیا، تلاش کرنے پر کہیں جنگل میں ملی، والدین اپنے گھر لے آئے، لڑکی اس وقت اپنے باپ ہی

= وقال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ (سورة البقرة: ۲۳۲)

"و تحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۳۹۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(وكذافي الهداية، كتاب النكاح: ۲ /۳۰۵، شركة علميه ملتان)

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲ /۴۴۷، دارالكتب العلميه بيروت)

کے گھر پر ہے۔زید کہتا ہے کہ میں رکھوں گا۔والدین کہتے ہیں کہ جب تو جوے میں اپنی بیوی کو ہار گیا تو تیرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے یا نہیں؟ یا زید ہی کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جوا حرام ہے(۱)،جوے میں اگر بیوی ہار گیا تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوا،لیکن حیا اور شرافت بالکل ختم ہوگئی،آئندہ بھی اس سے کیا توقع ہے؟ بعوضِ مہر یا کسی اَور طرح کا لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لینا لڑکی کے حق میں مفید ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

مہر میں معجّل ومؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا

سوال[۵۲۵۴]: ایک شخص زید ایک مسماۃ خیرن کے ساتھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۴ء تک زندگی گذارتا رہا، اس عرصہ میں مسماۃ مذکورہ سے نو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں،ان میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں اور خود مسماۃ مذکور بقیدِ حیات ہیں۔۱۹۲۵ء میں زید کے والد نے ان واقعات کے علم کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ اگر زید مسماۃ خیرن سے نکاح کرے گا تو وہ اپنے کو عاق سمجھے ورنہ زید کو خاندان سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔۱۹۵۶ء میں زید کے پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے سے دونوں ٹانگیں(کھولے سے نیچے تک)قطعی بیکار ہوگئیں۔لہذا زید نے بقیہ زندگی اپاہج کی طرح پلنگ پر پڑے پڑے گذاری،خود سے اٹھنا بیٹھنا وبیت الخلاء وپیشاب وغیرہ نہ ہو سکا،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يـأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾. (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاقا الزوجان وخافا ألا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها بمال يخلعها به، فإذا فعل ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال، كذا فى الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن فى الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، شركة علمية ملتان)

چونکہ عمر بھی ستر سال سے اوپر تھی۔

اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں خیرن نے اپنے کو منکوحہ کہلانے اور ثابت کرنے کیلئے زید کو مجبور کیا اور اس کا اقرار واظہار اس طور پر کہ اپنا مہر تیس ہزار تعین کر کے ایک لاکھ روپے کی جائیداد بعوض مبلغ سولہ ہزار منجملہ تیس ہزار کے اپنے نام منتقل کرائی اور دستاویزات رجسٹری کرائی، اور دستاویزات میں یہ تحریر کرلیا کہ مسماۃ خیرن کا مہر تیس ہزار روپے ہے اور اسی کے منجملہ سولہ ہزار میں جائیداد اس کے مہر میں دی گئی اور چودہ ہزار مہر باقی رہا (مسماۃ خیرن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی تھا اور ہے) اور اس پر مہر کا تعین تیس ہزار روپیہ کیا گیا۔

زید کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد اولاد جو کہ منکوحہ بیویوں سے ہوئی ہے اس نے اپنے حقوق کی دادرسی چاہی۔ اس پر خیرن نے ایک نکاح نامہ تحریر کردہ مورخہ ۱۹/ اپریل ۱۹۲۸ء پیش کیا، اس تحریر میں سے تعدادِ رقم مٹادی گئی، اور آگے نصف جس کے تحریر ہے اسکے بعد جو رقم تحریر ہے اس پر روشنی ڈال کر معدوم کردیا گیا ہے۔ اس تحریر پر نکاح نامہ مہرِ معجّل وموجل قطعی تحریر نہیں، اور اس نکاح نامہ پر مسماۃ خیرن کا نہ انگوٹھا ہے نہ دستخط، صرف نکاح خواں کے اور گواہوں کے اور وکیل کے دستخط ہیں اور جس جگہ مسماۃ کا نام تحریر ہے اس پر بھی روشنائی پڑی ہے بایں طور کہ صحیح نام پڑھنا دشوار ہے۔ حق وراثت جس کا دعویٰ مسماۃ مذکور کرتی ہے۔

(الف) خیرن اپنے کو منکوحہ زید بتلاتی ہے۔ (ب) قمر الدین عرف چھنو بڑا لڑکا خیرن کا۔ جس کی پیدائش ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ بقیدِ حیات پاکستان میں ہے، اس کو مسماۃ نہ اپنی اولاد تسلیم کرتی ہے نہ وارث، جبکہ ایک فوٹو تمام بچوں کا ۱۹۴۰ء کا موجود ہے جس میں یہ لڑکا بھی موجود ہے۔ (ج) غلام قادر اس کی پیدائش ۲۷ء میں ہوئی، یعنی نکاح نامہ کی تحریر سے ایک سال چار ماہ قبل، اس کو وارث مان کر حق وراثت طلب کرتی ہے۔ (ح) سراج الدین لڑکا بقیدِ حیات پیدائش بعد ۳۳ء، معین الدین بقیدِ حیات پ بعد ۳۵ء، کنیز فاطمہ لڑکی بقیدِ حیات پ ۲۸ء، الٰہی بخش فوت پ بعد ۲۸ء، عزیز فاطمہ بقیدِ حیات، نذیر فاطمہ بقیدِ حیات پ بعد ۲۸ء، عدن لڑکا بقیدِ حیات پ بعد ۲۸ء، غلام قادر لڑکا بقیدِ حیات پیدائش بعد ۱۹۲۸ء۔ یہ سب ۱۹۲۸ء کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پ بعد ۲۸ء سب کو وارث بتاتی ہے۔

۱...... نکاح نامہ جس میں معجّل وموجل تحریر نہ ہو، جو نکاح بلا صراحت معجّل وموجل پڑھایا گیا ہو کیا شرعی

طور سے واضح نہیں کرتا کہ اقرارِ مہر مابین زید وخیرن نہیں ہوا؟ اسی لئے تحریر میں وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ نکاح شرعی ہوایانہیں؟ ایسے کاغذات کی تحریر شرعاً معتبر ہے یانہیں؟

۲......وہ اولاد جس کا مکمل ثبوت خود خیرن پیش کردہ نکاح نامہ سے ہے کہ اس تحریر سے ڈھائی سال قبل پیدا ہوا ہے، کیا شرعاً وارث ہوسکتا ہے؟

۳......بلا تفصیلِ مہر معجّل ومؤجل کے کیا اقرار مہر شرعاً جائز ہے؟ اور تکمیلِ نکاح ہوسکتی ہے؟

۴......ان حالات میں شرعی فیصلہ جبکہ نکاح نامہ معجّل ومؤجل بذاتِ خود مشکوک ومشتبہ ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ سب کچھ نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور انتقالاتِ جائیداد مالیتی ایک لاکھ کا بعوض سولہ ہزار روپیہ مہر کی رقم میں منتقل کیا جانا بتلا رہا ہے کہ جبر وتشدد اور مجبور کرنے پر یہ کرایا گیا ہے، اور نکاح کا قاضی نہ وکیل، نہ گواہ، نہ اہلِ خاندان کا کوئی فرد نہ، اہل محلہ کا کوئی ہمسایہ اس نکاح کی اور نکاح نامہ کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی اس کا ان میں سے کسی کو کسی طرح کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں اس تحریری نکاح نامہ کی حیثیت کیا ہے؟

۵......ان حالات کے پیش نظر جو بالکل صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جبر وتشدد سے کرایا گیا ہے اور صرف اس مشکوک تحریر پر نکاح قابلِ تسلیم ہے یانہیں؟

۶......زید کے والد کا اعلان کہ ''اگر خیرن سے نکاح کیا تو عاق سمجھا جائیگا اور جائیداد کی وراثت براہ راست اولاد زید جو کہ منکوحہ بیویوں سے موجود ہے ملے گی اور وہی جائیداد کے شرعی وارث ہوں گے''۔ اس اعلان عام کے بعد اب شرعی حکم اس متروکہ جائیداد کیلئے کیا ہے جو زید کے والد نے چھوڑی ہے؟

شیخ فخر الدین لال کرتی میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر نکاح کا ایجاب وقبول شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس میں مہر معجّل یا مؤجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۱)۔

---

(۱) ''النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر''. (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علميه ملتان) .... =

۲...... جو اولاد ایجاب وقبول سے پہلے پیدا ہو وہ ثابت النسب نہیں (۱)، وہ صرف ماں سے وراثت پا سکتی ہے، باپ سے وراثت نہیں پائے گی، کیونکہ شرعاً وہ باپ نہیں، نہ وہ اولاد اس کی شرعی اولاد ہے (۲)۔

۳...... اگر ایجاب وقبول کر کے گواہوں کے سامنے نکاح کر لیا گیا تو وہ صحیح ہو گیا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ عورت ومرد نے یہ کہا کہ ہم دونوں شوہر بیوی ہیں حالانکہ پہلے نکاح نہیں کیا گیا تو محض اس کہنے اور اقرار کرنے سے مختار قول کی بناء پر نکاح منعقد نہیں ہوا:

"رجل وامرأة أقرّا بالنكاح بين يدى الشهود، وقالا بالفارسية: "مازن و شوئيم"، لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار، كذا فى الخلاصة". عالمگیری: ۲/۲۸۰ (۳)۔

۴، ۶...... اگر گواہوں کے سامنے شرعی طور پر ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو وہ عند اللہ معتبر ہے (۴)۔

= (وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: قام رجل فقال: يا رسول الله! إن فلاناً ابنى عاهرت بأمه فى الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا دعوة فى الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمى)

(۲) "والنبى صلى الله عليه وسلم ألحق ولد الملاعنة بأمه، فصار كشخص لا قرابة له من جهة الأب، فوجب أن يرثه قرابة أمه ويرثهم". (ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل فى العصبات: ۲/۷۷۷، سعيد)

"أما إن قال: إنه منى عن الزنا، فلا يثبت نسبه ولا يرث منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به النكاح: ۱/۲۷۲، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الأول فى جواز النكاح: ۲/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الالفاظ التى ينعقد به النكاح: ۲/۵۸۸، إدارة القرآن)

(۴) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

اگر چہ اس وقت نہ گواہ زندہ ہوں، نہ وکیل، نہ قاضی، بلکہ کوئی تحریر بھی موجود نہ ہو، اگر بغیر نکاح کے تعلق رہا اور اولاد ہوئی تو سخت معصیت ہوئی، اور ایسی اولاد مستحقِ میراث بھی نہیں۔ خالی نکاح نامہ وہ بھی اس مشکوک حالت میں؟ ثبوتِ نکاح کیلئے قضاء کافی نہیں بلکہ اس کیلئے گواہوں کی ضرورت ہے۔

زید کے ناگفتہ بہ حالت کے ساتھ ہی غور طلب ہے کہ اتنی مدت تک منکوحہ بیویوں اور ان کی اولاد نے زید پر کوئی سوال نہیں اٹھایا کہ وہ بغیر نکاح کے ایک عورت خیرن کو رکھے ہوئے ہے اور اس سے ناجائز اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ خاص کر زمانہ علالت و مجبوری میں کہ وہ زمانہ بھی کافی ہے، اسکی وجہ کیا ہے، اس کو کیسے برداشت کیا گیا؟

زید کے والد کا یہ اعلان کہ ”اگر زید خیرن سے نکاح کریگا اور بیوی بنائے گا تو پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا اور بعد نکاح خیرن سے پیدا شدہ اولاد محروم رہے گی، اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا“۔ یہ بھی زیادتی اور خلافِ شرع اعلان ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ زید کی منکوحہ بیویوں کو اولاد ترکۂ پدری پورا وصول کرنے اور خیرن کی اولاد کو نیز خیرن کو محروم کرنے کیلئے اپنے والد کو زانی قرار دینا چاہتے ہوں اور اس بات کے مدعی ہوں کہ ان کے والد نے آخیر عمر زنا کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ کئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اور جو جائیداد ان کو ملنے والی تھی وہ حرام کاری کے معاوضہ میں ناحق ایک فاحشہ عورت کو دے دی اور اپنی اصل اولاد کو محروم کر دیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو انتہائی اذیت اور تکلیف کی چیز ہے جس کو کوئی شریف انسان برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اس کا ارتکاب کرے۔

جو شخص شرعاً مستحقِ میراث ہو اور مورث اس کو عاق یعنی محروم الارث کرنا چاہے تو محروم نہیں کر سکتا محروم کرنا مورث کے اختیار میں نہیں، وہ کتنا ہی محروم کرے اور اعلان کر دے یا لکھ بھی دے تب بھی شرعاً میراث ملتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۶ھ۔

---

(۱) ”عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم: ”من قطع میراث وارثہ، قطع =

مہر وسعت سے زیادہ ہو تب بھی نکاح درست ہے

سوال[۵۲۵۵]: زید کی تنخواہ ایک سوتیس روپے ہے، شادی سے قبل مہر پندرہ سو روپے طے ہوا تھا، لیکن عین موقع پر خسر نے چار ہزار روپیہ پر اصرار کیا اور زید نے چار ہزار دو اشرفی دین مہر قبول کرلیا۔ اب زید کو شک ہے کہ یہ تو وسعت سے زیادہ ہوگئے، کیا شرع کے مطابق یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو صحیح ہوگیا اب یا تو مہر کے ادا کرنے کی تدبیر کرے یا معاف کرائے: "وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر: أى بالغاً ما بلغ، فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان". درمختار وشامی: ۲/۳۳۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۱ھ۔

زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں

سوال[۵۲۵۶]: زید کی منکوحہ بیوی شریفہ ہے اور منکوحہ ہوتے ہوئے پھر اگر زید زنا کرے ہندہ کے ساتھ تو کیا زید کا نکاح شریفہ کے ساتھ قائم رہے گا یا نکاح خارج ہوجائے گا؟ اور منکوحہ بیوی شریفہ سے جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی یا حلالی؟ اور صرف زید گنہ گار ہوگا؟

= الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۱/۲۶۶، قديمى)

"الإرث لايسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوىٰ الحامديه، كتاب الإقرار: ۲/۵۴، المطبعة الميمنية مصر)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

"فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شئى منه بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، فصل فى بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۶، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۵۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نکاح منقطع نہیں ہوگا(۱)، گناہ ہوتا ہے، اولاد حرامی نہیں ہوگی بلکہ ثابت النسب ہوگی (۲)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حالتِ نفاس میں نکاح

سوال[۵۲۵۷]: ۱...... زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جب کہ وہ حالت نفاس میں تھی اور اس کی گود میں بچہ ۲۶ یوم کا تھا۔ اس حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

۲...... نفاس کی کم سے کم مدت کیا ہے؟ نفاس سے فراغت کے بعد کب نکاح درست ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس عورت کا شوہر مرگیا یا اس نے طلاق دے دی تو بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت ختم ہوگئی (۳)۔ حالت نفاس میں نکاح درست ہے مگر صحبت درست نہیں، اس کے لئے

---

(۱) ''زنا سے شوہر سے بیوی کا نکاح منقطع نہیں ہوگا کیونکہ نکاح جن طریقوں سے ختم ہوتا ہے، ان میں زنا نہیں:

"و شرعاً رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص، هو ما اشتمل على الطلاق، فخرج الفسوخ خيار عتق و بلوغ وردة، فإنه فسخ لا طلاق .... الثالث أنه كان ينبغي تعريفه بأنه رفع عقد النكاح بلفظ مخصوص و لو مآلا". (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۲۲۶/۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره: ۳۴۸/۱، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الطلاق: ۴۶۳/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) "قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأولىٰ النكاح الصحيح و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۵۳۶/۱، رشيديه)

"لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد، و بالوطی عن شبهة و بملك اليمين، الخ". (الهداية، باب ثبوت النسب: ۴۳۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "وعدة الحامل أن تضع حملها، كذا في الكافي .... وسواء كانت عن طلاق أو وفاة، الخ". =

نفاس ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، اگر بغیر شادی کے اس کو حمل تھا تب بھی نکاح درست ہوگیا(۱)۔

۲.....نفاس کی کم سے کم مدت کچھ نہیں، جب بھی ختم ہو جائے۔ بعض کو بالکل ہی نفاس نہیں آتا، ختم ہونے پر کچھ مزید انتظار ضروری نہیں۔ انتہائی مدت چالیس روز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

زنا کا حمل پیدا ہونے کے بعد حالتِ حمل میں نکاح

سوال[۵۲۵۸]: ایک کنواری لڑکی کے زنا کے ذریعے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا نکاح مسنونہ ایام نفاس ختم ہونے سے قبل کیا جاتا ہے اور وہ لڑکی قاضی جو کہ محلّہ کی مسجد کے امام بھی ہے ان ہی کے گھر میں وہ لڑکی رہتی ہے اور زنا اور ولادت کا واقعہ قاضی صاحب کی اہلیہ اور دوسرے آدمیوں کا چشم دید ہے۔ اب ایسی صورت

= (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث عشر فی العدة: ۱/ ۵۲۸، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، باب العدة: ۴/ ۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويحرم بالحيض والنفاس الجماع والإستمتاع بما تحت السرة إلى تحت الركبة، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ الخ" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱۴۵، قديمي)

حالت حیض اور نفاس کے جو ممنوعات ہیں ان میں نفسِ نکاح کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ وطی ماتحت الازار کی ممانعت ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض اور نفاس میں نکاح کرنا ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے۔

(كذا في البحر الرائق، باب الحيض: ۱/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في التبيين، باب الحيض: ۱/ ۱۶۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وأقل النفاس لاحد له .... وأكثره أربعون يوماً، الخ". (الهداية، فصل في النفاس: ۱/ ۷۰، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الحيض: ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحيض: ۱/ ۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں اس لڑکی کا نکاح پڑھانا کیسا ہے؟ آیا قاضی کو مکمل علم ہوتے ہوئے پھر نکاح پڑھانا اس پر کوئی گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور وہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے اسکو اس واقعہ کا بالکل علم نہیں ہے۔ اب ایسی صورت میں لڑکا بیوی کے پاس شب زفاف کیلئے جائے گا جو بحالت نفاس حرام ہے۔ تو اس حرام کاری کا ذمہ دار قاضی ہوگا یا نہیں؟ چونکہ وہی اس کا سبب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالت نفاس میں نکاح جائز ہے، البتہ صحبت ناجائز ہے جیسے کہ حالت حیض میں ناجائز ہے (۱)، جب لڑکا اس کے پاس آئے گا تو بتادے کہ اس حالت میں صحبت درست نہیں، لیکن اگر لڑکے کو یہ بتایا گیا کہ یہ لڑکی باکرہ ہے نہ اس کے اولاد ہوئی ہے اور نہ نکاح ہوا ہے تو یہ بتانا غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ ایسا بتانے والے گنہگار ہوئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

عورت کی زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال [۵۲۵۹]: زید کی بیوی نے بکر کے ساتھ زنا کیا جس کا ثبوت موجود ہے اور دونوں نے اپنے اس فعلِ بد کا اقرار بھی کیا ہے۔ تو زید کی بیوی نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟ زید اس کو دوبارہ رکھنے پر تیار ہے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ویسئلونک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ (البقرة: ۲۲۲)

"ولا یأتیها زوجها، لقوله تعالی: ﴿ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ اهـ". (الهدایة، کتاب الطهارة، باب الحیض والاستحاضة: ۱/ ۶۴، شرکة علمیه ملتان)

"وحکمه کالحیض فی کل شیء إلا فی سبعة ذکرتها فی الخزائن". (الدر المختار، باب الحیض، مطلب فی حکم المستحاضة ومن بذکره نجاسة، ۱/ ۲۹۹، سعید)

(۲) "عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/ ۱۰، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق، ۱/ ۵۶، قدیمی)

(وکذا فی تنبیه الغافلین، باب الزجر عن الکذب، ص ۸۲، المکتبة الحقانیة پشاور)

شرعی حکم کیا ہے؟ مع حوالہ معتبرہ وضاحت فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس حرکت سے نکاح ختم نہیں ہوا، زید اگر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی سے توبہ واستغفار کرالے اور آئندہ کو اس سے ایسی حرکت نہ کرنے کا عہد لے لے، درمختار میں ہے:"و لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة". ٥/٢٧٤"(١)۔ اورشامی میں ہے:"والفجور يعم الزنا وغيره". اس کے لئے استدلال میں حدیث بھی نقل کی ہے:"وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم لمن زوجته لا ترد يد لامسٍ، و قد قال: إني أحبها: "استمتع بها". ردالمحتار: ٥/٢٧٤(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال[۵۲۶۰]: اگر کوئی عورت اپنے معالج سے جو کافر بھی ہو خلا ملا پیدا کرے، اس سے تخلیہ کرے، اس کے ساتھ بالکل بے حجاب ہو جائے، اس کے ساتھ خط وکتابت کرے، اس کو تحفۃً دستیاں کشیدہ نکال کردے جس میں اپنا اور اس کا نام ایک جگہ کشیدہ میں نکالے۔ تو کیا ان افعال سے نکاح ٹوٹ گیا؟ اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو حسبِ تحریر شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی بحاشیۂ آیت ایک، رکوع ایک، پارہ پانچ جملہ مہر

---

(١) (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٢٧، سعيد)

(٢) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٢٧، سعيد)

"له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر، لا يجب تطليقها، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ٥/٣٧٢، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٤/٢١١، دارالمعرفة بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن امرأتي لا تمنع يد لامس، قال: "غربها إن شئت" قال: إني أخاف أن تتبعها نفسي، قال: "استمتع بها". (سنن النسائي: كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع: ٢/١٠٧، قديمي)

ساقط نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان افعال کے ناجائز اور گناہ ہونے میں شبہ نہیں، مگر ان سے نکاح نہیں ٹوٹتا، کذا فی مجموعة الفتاوی (۱)، لہٰذا مہر بھی ساقط نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۵/۹۲ھ۔

لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا

سوال [۵۲۶۱]: ایک گاؤں کا لڑکا دوسرے گاؤں کے ایک بوڑھے اور بڑھیا کے پاس رہنے لگا، کچھ دنوں کے بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوگیا، وہ لڑکا اب تک اس بڑھیا کے پاس ہے۔ اس بڑھیا کی لڑکی کی ایک لڑکی بالغ ہے، اس لڑکی کے والدین نے لڑکے سے کہا: تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ہم اپنی لڑکی سے کردیں گے، لیکن دو چار ماہ انتظار کرنا ہوگا۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ جب شادی کرنی ہے تو اسی ماہ میں کردیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں میں جھگڑا ہوگیا اور جھگڑا کے بعد اس لڑکی کے والدین نے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اور لڑکی کو جب انکار کا علم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ جب تم لوگوں نے شادی کی بات کرلی تو انکار نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر اس کے والدین شادی پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تو لڑکی

---

(۱) **سوال**: ''اگر زید کی زوجہ نے زنا کی تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں؟

جواب: ''نہیں''۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب النکاح: ۱۷/۲، سعید)

''و لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة .... والفجور یعم الزنا و غیرہ''. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۴۲۷/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۳۷۲/۵، رشیدیه)

(۲) ''والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة .... حتی لا یسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالإبراء''. (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثاني فیما یتأکد به المهر: ۳۰۳/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل في بیان ما یتأکد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذافی ردالمحتار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعید)

بھاگ کر لڑکے کے پاس آئی اور شادی کرلی۔ تو کیا یہ نکاح درست ہوا؟ گواہ سات لوگ بیٹھے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ لڑکی بھاگ کر آئی تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف دو آدمی نکاح کے وقت بچے: ان میں سے ایک کی داڑھی تھی اور ایک کی نہیں تھی، یہی دو آدمی نکاح کے شاہد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کے والدین نے سخت غلطی کی کہ بات چیت طے کرلینے کے باوجود اپنے جھگڑے کی وجہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا اور لڑکی کے توجہ دلانے سے بھی آمادہ نہیں ہوئے، اس غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا۔ انا للہ۔ الخ اڑکی اور لڑکے نے بھاگ کر بہت نالائقی کا ثبوت دیا کہ خاندان کی عزت کو داغ لگایا، خلافِ شرع کام کرکے گنہگار ہوئے۔ تاہم جب دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا(۱) اگرچہ ایک گواہ کے داڑھی نہیں، انعقادِ نکاح ایسے لوگوں کے سامنے بھی ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دیوبند، ۹۲/۵/۲۳ھ۔

نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا

سوال[۵۲۶۲]: ا...... زید کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے پچھلے سال ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی، یہ طے ہوا تھا کہ رخصتی اگلے سال ہوگی۔ نکاح کے نو یا دس ماہ کے بعد لڑکی اپنے ایک ملازم چمار کے ساتھ بھاگ گئی، یا وہ بھگا لے گیا، بعد تلاش کے چار دن بعد لڑکی بہرائچ میں اس نوکر کے ساتھ ملی۔ لڑکی کے باپ اس کو

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدين حرين أو حر أو حرتين مكلفين سامعين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، ۲۲، سعيد)

(وكذافي الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۱، ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "و يصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الاول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۲۳، سعيد)

اپنے گھر لائے اور زید کو بلا کر روپیہ پیسہ سامان کا لالچ دیکر لڑکی کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ زید کے والدین کو ان واقعات کا علم ہوگیا تھا تو جب زید اپنی بیوی کو لے کر اپنے گھر آیا تو والدین نے مکان سے نکالدیا، مجبوراً زید اپنی بیوی کو لیکر کہیں چلا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ والدین گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

۲......زید کے حق میں وہ عورت حلال رہی یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ضابطہ میں بالغ لڑکے اور اس کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہیں (۱) جبکہ لڑکا محتاج نہ ہو، خود کماتا ہو، اس لحاظ سے ان کو نکالدینا جرم نہیں۔ نیز اس کو چاہیئے تھا کہ جب اس کا نکاح اس کے والد نے کیا تھا تو رخصتی بھی ان کے مشورے وسرپرستی میں کر کے لاتا، اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی تنبیہ کیلئے نکال دینا بھی جرم نہیں۔ تاہم آج کل ایسی طبائع کم ہیں جو ایسی تنبیہات سے اصلاح پذیر ہوں، بلکہ دیگر خطرات بھی ہوتے ہیں جن کا سدِ باب اہم ہوتا ہے، جیسے یہی لڑکی ملازم چمار کافر کے ساتھ چلی گئی تھی۔

۲......اس نالائق حرکت کے باوجود وہ عورت اس کی بیوی ہے اور حلال ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "ولذا عبر به؛ لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول: ۱/۴۹۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ان رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول! إن امرأتي لا تدفع يد لامسٍ، فقال عليه السلام: "طلقها" فقال: إني أحبها و هي جميلة، فقال عليه السلام: "استمتع بها". وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لايجب على الزوج تطليق الفاجرة، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۸، رشيدية)

(وكذافي ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

دوسرے کی بیوی کولیکر بھاگ جانا اور طلاقِ شوہر کے عدت کے بعد نکاح

سوال[۵۲۶۳]: ۱...... زید کسی کی بیوی سے محبت کرکے اس کولیکر بھاگ گیا، اپنی بیوی کی طرح استعمال کیا، اس عورت کا شوہر اس بدسلوک کو دیکھ کر اسے تین طلاق دیا، ادھر وہ عورت اس نے زید کے گھر پر تین حیض گذارے، زید نے بعد قضائے عدت اس سے شادی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عدت گذارنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

۲...... بغیر توبہ کئے ہوئے دونوں کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور شرعاً ومعاشرۃً کیا سزا ہونی چاہئے، جبکہ ہندوستانی دار القضاء ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

۳...... نکاح پڑھانے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ اگر نکاح پڑھانے والا امام ہو تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو خلاف اولیٰ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... کسی کی بیوی لیکر بھاگ جانا معصیتِ کبیرہ اور سخت حرام ہے(۱)، جب شوہر نے طلاق دیدی اور اس کے بعد تین ماہوار گذری گئی اگر چہ کہیں گذری ہو تو عدت پوری ہوگئی، پھر دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت ہوگئی (۲)، یہاں تک کہ اگر عورت کو طلاق کا علم بھی نہ ہو تب بھی عدت پوری ہونے پر کہا جائے گا کہ عدت ختم ہو

---

(۱) "رجل خدع امرأة إنسا ن، وأخرجها، و زوّجها من غيره، أو صغيرة، يحبس إلى أن يحد ث توبته أو يموت؛ لأنه سعى في الأرض بالفساد، كذافي قضا ء الولوالجية". (الأشباه والنظائر، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثاني، الفوا ئد: ۲ /۷۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: العامي لامذهب له: ۸۱/۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقد ة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقا ت يتربصن بأنفسهن ثلا ثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸).

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثةُ قروءٍ: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلا ثة قرو ء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱ /۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

گئی:"وانقضاء ه بدون علمها". بحر: ٤/١٢٤ (١)۔

۲......اس کمینہ اور حرام حرکت سے توبہ بہرحال لازم ہے، دونوں توبہ کریں، نادم ہوں (۲)، نکاح کرا دیا جائے۔ معاشرہ کو آج کس سزا پر قدرت ہے؟

۳...... بعد عدت نکاح پڑھا دیا تو ٹھیک کیا، دونوں کو معصیت سے بچالیا۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے (۳)۔ معاشرہ کو اگر قدرت تھی تو دونوں کو اس معصیت سے روکنا لازم تھا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۸ھ۔

جو عورت ایک سال تک ہندو کے ہاں رہے اس کا نکاح

سوال[۵۲۶۴]: ایک عورت جو کہ صوبہ بہار کی رہنے والی ہے، اس کو دھوکہ سے ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا تھا، عورت کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہندو ہے جہاں مجھے فروخت کیا گیا۔ وہ اپنا ایمان بچانے کیلئے

---

(۱) "ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت يعني ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها، سواء علمت بالطلاق والموت أولم تعلم، حتى لولم تعلم ومضت مدة العدة فقد انقضت؛ لأن سبب وجوبها الطلاق أو الوفاة، فيعتبر ابتداؤها من وقت وجود السبب". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲۴۳/۴، رشيديه)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ".

(شرح النووي على صحيح مسلم، باب التوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت الآية: ﴿ياأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸ /۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) نکاح پڑھانا کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے اس کی امامت متاثر ہو، لہٰذا مذکورہ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔

(۴) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمي)

(وفيض القدير، رقم الحديث: ۸۶۸۷، ۱۱/۵۸۰۰، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

مسلمانوں سے ملتی رہی اور حد درجہ کوشش کرتی رہی کہ کسی صورت سے ایمان بچا رہے، لیکن کسی مسلمان نے اس عورت کی مدد نہیں۔ اس جستجو میں وہ عورت اس ہندو کے یہاں ایک سال رہی، یہ عورت کا حلفیہ بیان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت ایک مسلمان کے ساتھ ہوگئی اور حلفیہ یہ کہتی ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ اس صورت میں اس عورت کا نکاح اس مسلمان سے جس کے ساتھ وہ ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ عورت کہتی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں بیچنے سے وہ کسی مسلمان کے نکاح میں یا عدت میں نہیں تھی اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس بات میں سچی ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ ایک آزاد عورت کو فروخت کرنا درست نہیں، اس سے مملوکہ نہیں بن جاتی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۲۶۵] : ایک مسلم فاحشہ عورت ہے، اس کی دو لڑکیاں ہیں، ان کے نام عمر النساء اور مہر النساء ہیں، ان لڑکیوں کا شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں کیا درجہ ہے؟ کیا ان سے نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ میرا ایک دوست ہے جو اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ میرے خیال سے اسلام میں حرام خوری جائز نہیں ہے اور

---

(۱) "قلت: وحاصله: أنه متى أخبرت بأمر محتمل، فإن ثقة أو وقع في قلبه صدقها، لا باس بتزوجها، وإن بأمر مستنكر، لا، مالم يستفسرها". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۱/۶، سعید)

(أيضاً الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۵۲۹/۳، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۲) "وكذابيع الميتة والدم والحرّ باطل؛ لأنها ليست أموالاً، فلا تكون محلاً للبيع". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ۵۳/۳، امدادية، ملتان)

(وكذافي فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۰۲/۶، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲۳۸، كتب خانه رشيديه دهلي)

حرام چیز کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے، اس کی رگوں میں حرام خون دوڑ رہا ہے، اس لحاظ سے اس سے شرعی اعتبار سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن میرے دوست کا کہنا کہ اگر سماج نے لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بھی وہی راستہ اختیار کرے گی جو اس کی ماں نے کیا، اور پھر اس کی ماں کے گناہوں کی سزا اس کی اولاد کو کیوں ملے؟

نیز میرے دوست کا کہنا کہ: ''ایک غیر مسلم فاحشہ عورت ہے اس کے بھی لڑکی ہے اور اس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جب ایک غیر مسلم سے اسلام قبول کرنے کے بعد نکاح کر سکتے ہیں تو میرے خیال سے مسلم لڑکی سے بدرجۂ اُولیٰ نکاح کر سکتے ہیں''۔ یہ باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، آپ ہی اس تعلق سے فتویٰ دیں۔

۲...... اسلام میں شراب حرام ہے، فرض کرو: ایک شخص بہت نشہ کرتا ہے اور نشہ کی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے، اس سے لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس لڑکی کا اسلام میں کیا درجہ ہے جبکہ اسلام میں شراب حرام ہے، لیکن اس کے باوجود بھی سماج سے لوگ اس لڑکی کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟

ان تینوں مسائل کی منزل ایک ہی ہے لیکن راستہ الگ الگ ہے۔ اب آپ تشفی بخش اور شرعی اعتبار سے جواب دیں، آپ کے فیصلہ پر ہی میرا دوست شادی کیلئے ٹھوس اقدام کرے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... جو لڑکی مسلمان ہو، خواہ پیدائشی مسلمان ہو یا اسلام قبول کرے، اس کی ماں کا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بہر صورت اس کا نکاح مسلمان سے درست ہے(۱)، باپ یا ماں نے اگر کفر کیا، یا حرام کام کیا تو اس کی وجہ سے لڑکی کے نکاح کو ناجائز وحرام نہیں کہا جائے گا(۲)۔

۲ ..... ماں باپ کی اس معصیت کی وجہ سے لڑکی کو نکاح سے محروم نہیں کیا جائے گا، لڑکی کا نکاح درست

---

(۱) "ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۴۲۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ (فاطر: ۱۸)

ہوگا، شراب پینے کی سزا کا مستحق باپ ہے نہ کہ لڑکی (۱)۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کافر کے گھر میں مسلمان پیدا فرمادیتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

فرارشدہ عورت کے لڑکے سے نکاح

سوال[۵۲۶۶]: عبدالجبار کا وحیدن سے نکاح ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی، لڑکی کو زیادہ تکلیف دینے پر لڑکی کے گھر والے آکر لے گئے۔ پھر لڑکی کی طرف سے طلاق نامہ کا سوال پیدا ہوا، کئی مرتبہ سوال وجواب اور بات چیت ہوئی لیکن لڑکا طلاق دینے کو تیار نہیں ہوا اور نہ لڑکی کو رکھنے پر آمادہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد لڑکا اپنے کام کے سلسلہ میں کلکتہ چلا گیا، کچھ دنوں بعد لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے ہوا۔ اس نکاح کے متعلق موضع کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خط کے ذریعہ طلاق نامہ آگیا تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے نہیں آیا تھا، اس کی مکمل صفائی نہیں ہو پارہی ہے، کیونکہ لڑکی کے والد اور ایک شخص جو اس کام میں شریک تھے انتقال ہو چکا ہے۔ چند مہینوں کے بعد پہلے نکاح والا لڑکا عبدالجبار بھی انتقال کر گیا ہے، اس کے بعد وہی لڑکی عدت پوری کر کے اور اس شخص سے (جس سے دوبارہ نکاح ہونا بتایا جاتا ہے) نکاح ہوا، اس کے بعد کئی لڑکے پیدا ہوئے۔

---

(۱) "﴿ولا تزر وازرة﴾: أی لاتحمل نفس آثمة ﴿وزر أخرى﴾: أی اثم نفس أخرى، بل تحمل كل نفس وزرها". (روح المعانی: ۱۸۴/۲۲، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿تخرج الحيّ من الميت﴾ الآية

قال العلامة القرطبی: "واختلف المفسرون فی معنی قوله تعالیٰ: ﴿وتخرج الحی من الميت﴾: فقال الحسن: معناه تخرج المؤمن من الكافر والكافر من المؤمن، وروی نحوه عن سلمان الفارسی. وروی معمر عن الزهری أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم دخل علی نسائه، فإذا بامرأة حسنة الهيئة قال: "من هذه" قلن: إحدى خالاتک، قال: "ومن هی؟" قلن: هی خالدة بنت الأسود بن عبد يغوث، فقال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "سبحان الذی يخرج الحی من الميت". وكانت امرأة صالحة، وكان أبوها كافراً". (الجامع لأحكام القرآن: ۴۱/۴، دارإحياء التراث العربی. بيروت)

دوسرے نکاح والا شوہر بھی مر چکا ہے، لیکن عورت ابھی زندہ ہے۔ اس عورت سے جو لڑکے پیدا ہوئے ہیں ان میں کوئی خرابی پائی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ اس لڑکے اور میری لڑکی سے بات طے ہو چکی ہے، بعد طے ہونے کے یہ سب باتیں ان کے موضع سے سننے میں آرہی ہیں۔ تو کیا میں اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے شرعاً کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب لڑکوں کے نسب میں بحث کرنا بے محل اور غلط ہے، وہ ثابت النسب ہیں (۱)، اپنی اور لڑکی کی مرضی سے اپنی لڑکی کا رشتہ آپ ان میں سے جس سے مناسب سمجھیں، کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۸ھ۔

---

(۱) شوہر اول عبدالجبار کے انتقال کے بعد عورت نے عدت پوری کر کے دوسری جگہ شادی کر لی تو وہ نکاح صحیح ہوا، جب نکاح صحیح ہوا تو بچے ثابت النسب ہو گئے: "عن عائشة زوج صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنها قالت: ...."الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب القضاء علی الغائب: ۲/۱۰۶۵، قدیمی)

"یقام النکاح مقامه (ای الدخول) فی إثبات النسب ولهذا قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" وكذا لو تزوج المشرقی بمغربیة، فجاء ت بولد یثبت وإن لم یوجد الدخول حقیقیةً لوجود سببه، وهو النکاح قال النبی صلی الله علیه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وكذالو تزوج المشرقی بمغربیة". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی ثبوت النسب: ۳/۲۰۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وكذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، باب النسب: ۳/۲۷۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) ﴿وأحل لكم ما وراء ذالكم﴾ "أی ما عدا من ذُكرن من المحارم من لكم حلال" (تفسیر ابن كثیر: ۱/۴۷۴، (پاره: ۴) سهیل اکیڈمی لاهور)

(وكذافی التفسیر المنیر: ۵/۶، دارالفكر بیروت)

(وكذا فی التفسیر المظهری: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئته)

مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح

سوال[۵۲۶۷]: شوکت علی صاحب مسلمان سے قادیانی ہوگئے، تقریباً آٹھ برس تک قادیانی رہے، علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مناظرہ ہوا، پھر وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے، جس کا اعلان اخبارات میں کردیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس عرصہ میں جو اولاد ہوئی، اس کیلئے حکمِ شرعی کیا ہے؟ وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان سے رشتہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مرتد ہوجائے (نعوذ باللہ) اور پھر حق تعالیٰ کی توفیق سے اسلام قبول کرے، اس کا اسلام قبول ہے (۱)، اس کی جو اولاد حالتِ ارتداد میں پیدا ہوئی، وہ اگر نا سمجھ ہے تو اس کے قبولِ اسلام سے وہ اولاد بھی مسلمان شمار ہوگی، اور جو اولاد حالتِ اسلام میں پیدا ہوئی، وہ بھی مسلمان ہے۔ جو ارتداد سے قبل کی ہے وہ بھی اب مسلمان ہے، اِلّا یہ کہ بالغ اولاد (خدانخواستہ) خود ہی قادیانیت کو اختیار کرلے (۲)۔ ہر مسلم سے شادی بیاہ

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك و شبهة بحكم الوعد بالنص: أي قوله تعالى: ﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده﴾ الخ". (الفقه الأكبر مع شرحه للملا على القاري، باب، مطلب: يجب معرفة المكفرات لاجتنابها: ١٦٠، قديمي)

﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده، ويعفوعن السيئات﴾: أي يقبل التوبة في المستقبل، ويعفو عن السيئات في الماضي، الخ". (تفسير ابن كثير، (سورة الشورى: ٢٥)، ٤/١٤٦، دارالفيحاء بيروت)

(٢) "والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار ولو حكماً، بأن كان صغيراً في دارنا والأب ثمه، بخلاف العكس". (الدرالمختار). "(قوله: والولد يتبع خير الأبوين ديناً) هذايتصور من الطرفين في الإسلام العارض، بأن كانا كافرين فأسلم أو أسلمت، ثم جاء ت بولد قبل العرض على الآخر والتفريق، أو بعده في مدة يثبت النسب في مثله. أو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما، فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلماً، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ٣/١٩٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ٣/٣٦٤، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ٢/٦١٣، دارالكتب العلمية بيروت)

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ کا دماغی توازن صحیح نہیں

سوال[۵۲۲۸]: زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، گھریلو پریشانیاں بڑھ گئیں، جس کے باعث عقدِ ثانی کی ضرورت پیش آئی، جس کے بارے میں زید نے اعزہ سے تذکرہ کیا۔ ان حضرات نے چند دنوں میں کوشش کرکے کافی دوری پر ایک رشتہ مطلقہ عورت تلاش کیا۔ صاحبِ رشتہ حضرات سے زید بالکل ناواقف و ناآشنا تھا۔ اعزہ خاص نے اس رشتہ پر ایسی خوشی ظاہر کی کہ جس سے زید اس رشتہ کے جوڑے پر آمادہ ہوگیا، باوجودیکہ پھر بھی دور دراز ہونے کی وجہ سے زید نے اپنے ہمدرد اعزہ سے کہا کہ بھائی! سارے معاملات اور حالات کو بخوبی معلوم کرلیا جائے۔ جس پر ان حضرات نے جواب دیا کہ ایسا نہیں کہ ہم لوگوں کو سمجھ بوجھ کر غلط رشتہ سے پھنسادیں، ہم لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے، تمہارے لئے یہ رشتہ بدرجہا بہتر ہے۔ بہرکیف! زید اُن حضرات کی اس خوش بیانی پر مطمئن ہوگیا۔

بعدازاں یہ حضرات صاحبِ رشتہ کے یہاں پہونچے اور اس مطلقہ عورت کے والدین سے گفتگو کرکے وہیں سے بذریعۂ تار زید کو اطلاع دی کہ تم معہ سامان عقد فوراً چلے آؤ، حالانکہ زید کی خواہش تھی کہ اس عورت مطلقہ پر بذاتِ خود بھی نظر ڈال لے، جس کا اظہار ان اعزہ پر بھی کردیا، مگر ان حضرات نے زید کی اس خواہش کو پسِ پشت ڈالدیا اور زید کو کوئی ایسا موقع نہیں دیا گیا یا نہ ملا کہ وہ خود دیکھ لے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۴۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/۲۸۲، رشيديه)

بہر حال! اس اچانک موصول شدہ تار کی خبر پر زید سامانِ عقد لے کر صاحبِ رشتہ کے مکان پر پہونچ گیا۔ اور اسی دن شب کو مجلسِ عقد منعقد ہوئی اور قاضی صاحب تشریف لائے اور اپنے نکاح نامہ رجسٹر کیا، خانہ پری کرنے لگے۔ عینِ وقت پر جب مہر کا مسئلہ آیا تو اس مطلقہ عورت کے والد نے دس ہزار روپے کی آواز دی، زید نے قاضی صاحب سے کہا کہ خلافِ حیثیت زائد ہے، اتنے میں زید کے اعزہ خاص نے درمیان سے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، ہم کو کوئی اعتراض نہیں، زید نے ان ہمدردان اعزہ کی طرف سے کوششوں کے تحت خیال کر کے خاموشی اختیار کی۔ قاضی صاحب نے فوراً اجازت لے کر خطبۂ نکاح دیا، ایجاب وقبول کراتے وقت کہا کہ پانچ ہزار سکہ رائج الوقت مؤجل اور پانچ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت غیر مؤجل قبول کیا۔ تو زید اس وقت انتہائی تذبذب میں پھنس گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ قبل ازیں کوئی تفصیل مؤجل وغیر مؤجل کی سامنے نہ آئی، اور یہ قبول کر رہے ہیں۔

بہر کیف! زید نے غیر معجل ہی تصور کر کے دلی جبر وکراہت کے ساتھ کہا کہ قبول کیا۔ ۵/ ہزار معجل کی رقم زید سے لی گئی، اور نہ اس بارے میں کوئی ذکر آیا اور نہ زید کو ادا کرنے کی طاقت تھی، لیکن قاضی صاحب نے رجسٹر نکاح میں اندراج ضرور کر لیا۔ بعد ازاں یہ مجلس نکاح برخاست کر دی گئی اور اسی شب میں فوراً رخصتی کر دی گئی۔ بوقتِ رخصت لڑکی کے والدین نے کسی قسم کا زیور وسامان نہیں دیا، صرف لڑکی کو زید ہی کے زیور اور کپڑے پہنا کر رخصت کر دیا۔ جب زید رخصت کرا کر اپنے مکان پر واپس آیا اور جب بیوی سے قربت حاصل کی اور بات چیت شروع کی تو کوئی بات کا صحیح طور پر جواب نہ ملا، دیگر ادھر ادھر کی فضول باتیں یا فلمی گانے سنانا شروع کی، اور یہ کہا کہ میں تو شادی کرنا نہیں چاہتی تھی، میرے والدین نے زبردستی شادی کر دی، جس سے زن وشوہر کے تعلقات انتہائی دشوار گذار نظر آ رہے ہیں۔

یہ حالات سامنے آنے پر زید سناٹے میں آ گیا اور خیال کیا کہ کم از کم چار چھ یوم میں صحیح پتہ چلے گا۔ بہر حال! ایک ہفتہ گذرنے پر تمام حالات کا جائزہ لیا تو کسی وقت بھی دماغی توازن صحیح نہیں پایا، وہی فضولیات، بکواس اور رات کو تنہا اٹھ کر کہیں زبانی تلاوت اور کہیں فلمی گانے گانا، ایک ہفتہ گذرنے پر زید اپنے ان ہمدرد اعزہ کے پاس گیا اور تمام حالات نقل کئے جنہوں نے جواب دیا کہ میاں! کم از کم ایک دو ماہ تو ان حالات کو دیکھو کیا کیفیت رہتی ہے۔

ان حضرات کے اس جواب سے زید نے پھر سکوت اختیار کیا اور ایک ماہ انتظار کیا، اب ایک ماہ گذرنے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ایک ہوشیار مستند طبیب کو بھی دکھلایا۔ جنہوں نے بتایا کہ واقعی دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اس پاگل پن کی وجہ سے غلاظت وگندگی کے باعث اس کے ہاتھ کے چھوئے ہوئے برتن میں پانی پینے تک کو جی نہیں چاہتا۔

ان حالات سے زید کو بے انتہا پریشانی ہے، زید کی طبیعت کسی صورت سے اس کی طرف مائل نہیں ہوئی، یہ تمام واقعات درمیانی ہمدرد واعزہ کو بھی تحریر کئے ہیں، مگر ان حضرات نے اب تک کوئی خبر نہیں لی۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اندراج کئے ہوئے حالات وواقعات کے تحت یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید اس معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرے؟ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کے حل سے جلد سے جلد مستفیض فرمائیں۔

خلیل احمد جلد ساز پہانوی ہردوئی، ۱۹/ستمبر/۱۹۷۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بیان میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں جس کی وجہ سے نکاح کو غیر صحیح کہا جائے۔ زید کو چاہیئے کہ خوش اخلاقی اور نرمی سے آہستہ آہستہ اصلاح کرتا رہے، اگر حالات ایسے ہوں کہ نباہ دشوار ہو اور حقوقِ زوجیت ادا نہ ہوسکیں تو اس کو طلاق دے کر آزاد کردینے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اگر وہ اتنی سمجھ رکھتی ہے کہ مہر کو اور مہر کی معافی کو سمجھتی ہے اور وہ مہر معاف کردے تو مہر معاف بھی ہوسکتا ہے (۲)، اگر مہر کی معافی کی تحریر ہو اور اس پر گواہوں کے دستخط ہوں تو قانونی تحفظ بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾. (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

(۲) "(قوله: وصح حطها) الحط: الإسقاط، كما في المغرب. وقيد بحطها (لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، ولابدمن رضاها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد) .... =

غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی تو دوبارہ نکاح کیلئے استبرائے رحم

سوال[۵۲۶۹]: ۱...... زید نے لتا سے کورٹ میرج (عدالتی نکاح) کرلیا۔ ایک عرصہ تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار سال گذرنے کے بعد ایک دن لتا نے زید اور داڑھی اور ٹوپی والے دو مسلمانوں کے روبرو کہہ کر کہ میں نے مذہبِ اسلام کو اپنے مذہب کے طور پر کیا آج سے میں مسلمان ہوں اور کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده ورسوله" پڑھ کر قبول کرلیا، پھر اسی مجلس میں مسلمانوں کے روبرو زید نے لتا سے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا اور لتا نے کہا میں نے یہ بات منظور کرلی اور مہر کی ایک رقم متعین کردی گئی۔ اس وقت ان دونوں کے دو بچے موجود تھے اور ایک تیسرے کا حمل بھی تھا۔ تو اس صورت میں لتا کا ایمان عنداللہ مقبول سمجھا جائیگا یا نہیں؟

۲...... یہ نکاح (یعنی جواب ہوا) عنداللہ درست ہوگیا یا نہیں؟

۳...... صورت مذکورہ سے نکاح ہونے کے بعد زید کا لتا سے وضعِ حمل سے پہلے ہمبستری کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴...... وضعِ حمل کے بعد پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وجہِ اشکال یہ ہے کہ وہ جو ایک حکم استبراء کا ہے، نومسلمہ کے لئے غیر منکوحہ ہونے کی صورت میں وہ ابتداءِ صورتِ مذکورہ میں نکاح سے قبل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ خیال کر کے یہاں لتا کے شکم میں جو کچھ بھی ہے اسی زید کا ہے، کیونکہ عرصہ مذکورہ سے یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

۵...... صورتِ مذکورہ سے لتا کے ایمان قبول کرنے اور لتا و زید کے نکاح میں اگر عنداللہ وعند الشریعۃ کوئی خامی رہ گئی ہے تو درست ہونے کی صحیح صورت بتائی جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کرلیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اس نے صدقِ دل سے یہ کہا ہے تو اس کا ایمان مقبول ہے، کذا فی شرح الفقہ الأکبر (۱)۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/ ۲۶۴، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المهر: ۱/ ۳۴۹، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شک وشبهة بحکم الوعد =

۲......اس طرح نکاح صحیح ہے، کذافی الہندیہ (۱)۔

۳......درست ہے، کذافی الدر المختار (۲)۔

۴......دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی عورت حاملہ ہو زنا سے (اس کا شوہر نہ ہو) اور خود اسی سے نکاح کیا جائے جس سے وہ حمل ہے تو استبراء کی حاجت نہیں، بلکہ ہمبستری اور نکاح سب درست ہے۔ اور اگر کسی اَور سے نکاح ہو تو نکاح درست ہوگا مگر وطی وغیرہ سے قبل وضع حمل منع کیا جائے گا، کذا فی الدر المختار (۳)۔ غیر مسلمہ اگر شادی شدہ ہو تو اس پر استبراء نہیں۔

۵......کوئی خامی نہیں۔ گذشتہ غلطیوں سے سچی توبہ کر کے احکامِ اسلام کی خوب پابندی کریں (۴)۔ حق

= بالنص: أي قوله تعالیٰ: ﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده﴾ الاية". (الفقه الأكبر، باب، مطلب: يجب معرفة المكفرات لاجتنابها، ص: ۱۶۰، قديمی)

"﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده، ويعفو عن السيئات﴾: أي يقبل التوبة في المستقبل، ويعفو عن السيئات في الماضي، الخ". (الشوریٰ: ۲۵، تفسیر ابن كثیر: ۱۴۲/۴، دارالفيحاء بيروت)

(۱) "حتى لو أسلما يقرّان على ذلك عند علماء نا الثلاثة، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح: الباب العاشر في نكاح الكافر: ۳۳۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافرة: ۳۶۰/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲۰۹/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وصح نكاح حبلىٰ من زنى لاحبلى من غيره وإن حرم وطؤها و دواعيه، حتى تضع".

(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتا ب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۲۹/۱، دار إحيا التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة انفاً)

(۴) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ".

(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی) .... =

تعالیٰ اخلاص اور استقامت بخشے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح

سوال [۵۲۷۰]: کنیز اسلام میں جس عورت کو کہتے ہیں اس سے بلا نکاح کے مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ دلائلِ فقہیہ سے واضح فرمائیں۔ نیز ''اجودھا بائی'' جو اکبر کی بیوی تھی جس سے سلیم پیدا ہوا، وہ ولد الزنا ہے یا نہیں؟ اس کو دلیل سے وضح فرمائیں۔ اجودھا بائی غیر مسلم تھی اور آخر تک وہ اپنے دین پر قائم رہی، پھر ایسی صورت میں جبکہ اکبر نے اس سے نکاح نہیں کیا تو اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ شرعاً ولد الزنا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کنیز مملوکہ سے مالک کو بغیر نکاح کے صحبت درست ہے، بلکہ وہ خود اس سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی مملوکہ نہیں، غیر کی مملوکہ تھی اور اس سے نکاح کرلیا، پھر وہ اس کی ملک میں آگئی تو اس سے نکاح ختم ہوگیا:

"وحرم نکاح المولی أمته". درمختار۔ "قال في الفتح: لأن النکاح ما شرع إلا مثمراً ثمرات مشترکة في الملك بين المتناکحين، منها ما تختص هي بملکه کالنفقة والسکنی والقسم والمنع من العزل إلا بإذن. ومنها مايختص هو بملکه کو جوب التمکين، والقرار في المنزل والتحصن عن غيره. ومنها ما يکون الملك في کل منها مشترکاً کالاستمتاع مجامعةً ومباشرةً، والولد في حق الإضافة، والمملوکية تُنافي المالکية". ردالمحتار: ۲/۲۸۸(۱)۔

= (وکذا في روح المعاني تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبو إلی الله توبةً نصوحاً﴾ ۲۸/ ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال الله تعالیٰ: ﴿و من يعمل سوء اً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب علی کل مسلم أن يتوب إلی الله حين يصبح و حين يمسي". (تنبية الغافلين: ۶۰، باب آخر من التوبة، مکتبة حقانية پشاور)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۴۳، ۴۴، سعيد) .... =

اکبر اور اجودھا بائی کی صحیح قابلِ وثوق تاریخ موجود نہیں، جو تاریخیں شائع ہے ان میں رطب ویابس سب کچھ بھرا ہوا ہے اور تضاد بھی بہت ہے۔ شرعی مسائل کیلئے شرعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، شرعی دلائل کے خلاف کسی کا فعل حجت نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿ولا تنکحوا المشرکات﴾ (الآیة) (۱) حضرت مجدد صاحبؒ نے دینِ اکبری پر مستقل رد فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اب سلیم کے یا کسی کے بارے میں بحث کرنا امورِ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۳ھ۔

مشتبہ الخلقت (کہ خنثیٰ ہے یا صحیح) سے نکاح

سوال [۵۲۷۱]: ایک شخص کا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کا مقامِ خاص تنگ ہے، نیز صرف سوراخ کی طرح معلوم ہوتا ہے اور سینہ بھی تھوڑا سا ابھرا ہوا ہے باوجودیکہ عورت جوان تندرست ہے، تندرستی کے اعتبار سے سینہ نہیں ہے اور ماہواری کی طرح خون بھی آتا ہے بلا تخصیص وتعینِ ایام۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صفات والے کو مؤنث شمار کریں یا خنثیٰ شمار کریں؟ اگر خنثیٰ ہے تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں ہوا تو خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے شوہر پر کچھ دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح صحیح ہوا تو چھٹکارہ کے لئے پورا مہر دینا ہوگا؟ خنثیٰ کے تمام اقسام کی تعریف کے ساتھ ساتھ جواز وعدمِ جوازِ نکاح کا حکم مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنثیٰ تو وہ ہے جس میں مرد وعورت دونوں کی علامت پائی جائے اور یہاں مرد کی کوئی علامت آپ

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/۴۷۵، ۴۷۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۱) (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألا تكون المرأة مشركةً إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة: ۳/۴۵۸، دار الكتب العلميه بيروت)

نے نہیں لکھی، عورت ہونے کی علامت ظاہر ہے، صرف یہ کہ اس میں کچھ نقصان ہے اس لئے نہ تو اس کو مرد کہا جائے گا نہ خنثی، بلکہ وہ عورت ہے، اس سے نکاح درست ہوگیا(۱)۔ اگر بذریعۂ علاج اصلاح ہوسکتی ہو تو علاج کرالیا جائے، آپریشن سے کشادگی ہوجائے گی، ممکن ہے کہ سینہ میں بھی فرق آجائے، ورنہ شوہر کو طلاق کا حق تو حاصل ہے ہی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل

سوال[۵۲۷۲]: زید بکر کی لڑکی اغوا کرلیتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد یوں زید و بکر میں صلح ہوجاتی ہے کہ زید و بکر کی لڑکی کا نکاح آپس میں باندھا جاتا ہے، زید کا بھائی اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ باندھ دیتا ہے اس کے علاوہ سات سو روپیہ نقد بھی بکر کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ پھر زید کے بھائی کی لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو بکر چاہتا ہے کہ فسخِ نکاح کرلیا جائے؟ تو زید اور اس کا بھائی لڑکی سے دعویٰ کروا کر عدالت سے مذکورہ لڑکی کا نکاح فسخ کروالیتے ہیں۔

اب وہی مولوی صاحب عدالت سے فسخ شدہ نکاح کو فسخ مان کر اس لڑکی کا نکاح ایک مرد سے پڑھا دیتے ہیں اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح کرتے وقت وکالت لڑکی کے والد نے کی تھی جو مشرک ہے اور مشرک کی وکالت مردود ہے، اس لئے لڑکی کا سابقہ نکاح بھی باقی نہیں۔ جب کہا گیا کہ لڑکی کا والد مشرک کیسے مانا تو جواب دیا گیا کہ ایک روز اس نے مجھے کہا تھا کہ ''مولوی صاحب! آپ اور آپ کے

---

(۱) "ولا يتخير أحدهما: أي الزوجين بعيب الآخر فاحشاً كجنون وجزام وبرص ورتق وقرن، اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: رتق) -بالتحريك- انسداد مدخل الذكر، كما أفاده في المصباح. (قوله: وقرن) كفلس: لحم ينبت في مدخل الذكر كالغدة، وقديكون عظماً". (ردالمحتار، باب العنين وغيره: ۳/۵۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العنين وغيره: ۴/۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب العنين وغيره: ۲/۴۷۳، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب العنين وغيره: ۱/۴۶۳، ۴۶۴، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

سارے مقتدی وہابی ہیں، اس سے سمجھا گیا کہ وہ مشرک ہے اور مشرک کا نکاح کیسا؟ یعنی مشرک کی وکالت مردود ہے۔ نیز ویسے بھی مندرجہ بالا نکاح چھوٹی لڑکی والا درست نہیں اس لئے کہ روپیہ پیش کئے گئے ہیں اور زید کے بھائی نے اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے، اس صورت میں شرعی طور پر بھی لڑکی باپ کا نکاح فسخ کراسکتی۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا بکر کی لڑکی کو اغوا کرنا تو حرام ہوا، لیکن اس کے بعد نکاح کرلیا تو صحیح ہوگیا۔ زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے وہ بھی صحیح ہے(۱)، لیکن جو سات سو روپیہ نقد دیئے ہیں ان کی واپسی لازم ہے، کیونکہ یہ خالص رشوت ہے: "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". ردالمحتار: ۲/ ۵٦۰ (۲)۔

بلا وجہ شرعی عدالت کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرانا ظلم ہے، کسی شرعی وجہ سے اگر حاکم مسلم بااختیار نے نکاح فسخ کیا ہے تب تو یہ فسخ معتبر ہے اور بعد فسخ دوسری جگہ نکاح درست ہے، اور اگر حاکم غیر مسلم ہے تو یہ فسخ معتبر نہیں ہوا، بلکہ کالعدم ہوا ہے(۳)، اور دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، ہاں اگر شوہر طلاق دیدے تو دوسری

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الأخر وضعا للمضي، الخ".

(الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۷٦، امداديه ملتان)

(۲) (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/ ۱۵٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/ ۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثاني عشر في المهر: ۴/ ۱۳٦، رشيديه)

(۳) "صرف پانچ عیوب کی بنا پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے: ایک اس وقت جب کہ شوہر پاگل ہوگیا ہو، دوسرے جب کہ وہ نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے وہ بالکل لاپتہ ہو، پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی فقہ میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں بنتی"۔ (الحلية الناجزة، ص: ۲۴۳، عنوان "قاضی کی تفریق بین الزوجین"، دارالإشاعت کراچی)

جگہ درست ہوگا۔ ان مولوی صاحب کا لڑکے کے باپ کو محض اس وجہ سے کہ اس نے مولوی صاحب کو اوران کے مقتدیوں کو وہابی کہا ہے، مشرک کہنا درست نہیں، بلکہ جہالت ہے، لہذا محض اسی بناء پر سابقہ نکاح کو غیر معتبر کہنا درست نہیں۔ روپیہ کا لینا ناجائز ہے، لیکن اس سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/صفر/۶۰ھ۔

ضمیمۂ استفتاء ماقبل

سوال [۵۲۷۳]: نقلِ فتویٰ مولوی صاحب جو جوازِ نکاح کے لیا گیا یعنی وہ مولوی جس نے نکاح پر نکاح باندھا تو یہی فتویٰ لیا گیا ہے کہ مولوی صاحب کا نکاح درست ہے، اس کو دیکھ کر جواب دیا جائے:

ایک شخص نے ایک عورت کو اغواء کرلیا اور پھر اغواء کرنے والے کے بھائی نے عورت کے ساتھ فساد کرنے کے لئے سات سو روپیہ نقد دیا، عورت کے بھائی صغیر نے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح کردیا، پس بموجبِ قانون سرکاری لڑکی کا نکاح جو پہلے ہوا تھا عدالت میں فسخ کرایا گیا، ایک مولوی صاحب نے اس لڑکی کا نکاح اور شخص کے ساتھ پڑھا دیا، اس نکاح خواں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

''فتح القدیر'' میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاحِ صغیرہ کا کرنا ناجائز ہے، منعقد نہیں ہوتا، ابن شبرمہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اَب وجدّ کو اختیار ہے کہ صغیرہ کا نکاح کردے اور بعد بلوغ اس کو فسخ کرنا درست نہیں، بغیر اب وجد کا نکاح جائز نہیں، شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب کہ اب وجد کو بھی نکاح جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ کے خیارِ فسخ حاصل نہیں اور غیرِ اب وجد کے بھی صغیرہ کا نکاح کرنا جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ خیار فسخ حاصل ہے (۱)۔

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولياء والأکفاء: ۳/۲۷۴، ۲۷۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

اور شامی میں ہے کہ اب وجد کو ولایتِ نظریہ ہے، اگر یقین ہو کہ خیر خواہی صغیرہ کے واسطے نکاح نہیں باندھا تو باجماعِ امت نکاح منعقد نہیں ہوا(۱)۔ کتاب مسمّی "بحیلة الناجزة" میں بہت صورتیں مجتہد فیہ ہیں، برخلافِ حنفیہ فسخِ نکاح کا حکم دیدیا جس میں دستخط مولانا اشرف علی وغیرہ علماء کے ہیں۔

پس یقین ہے کہ نکاحِ صغیرہ برائے خیر خواہی نہیں ہوا تو فسخِ نکاح عدالت کے بعد مولوی نکاح خواں کو حکم دینا کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، یہ غلط ہے، بالکل یہ حکم خلافِ شرع ہے، حکم دینے والے نے خدا سے خوف نہیں کیا۔

نوٹ: اگر وہ شخص کہ جس کا فسخ کرایا گیا عقیدۂ فاسدہ رکھتا ہو تو فرض ہے جمیع مسلمانوں پر کہ اس کو عورت نہ دیں کہ قرآن پاک میں سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿فلا ترجعوهن إلى الكفار، لاهن حل لهم ولاهم﴾ الأية (۲) پھر خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا جناح عليكم أن تنكحوهن﴾ (۳)۔ غیر اللہ کو پکارنا اس عقیدہ سے کہ وہ میری پکار سنتا ہے ہر وقت، شرک ہے، سورۂ جن میں ہے: ﴿قل إنما أدعو ربي﴾ الخ (٤)۔

یعنی: "میں کسی کو نہیں پکاروں گا شرک نہیں کروں گا حق تعالیٰ اپنے غیب سے واقف کسی کو نہیں کرتا مگر نبیوں کے لئے فرشتے مقرر ہیں واسطے وحی پہنچانے کے اور دفعِ شیاطین کے"۔ اور جس نے یہ حکم نامہ نہیں مانا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿ومن يعص الله ورسوله، فإن له نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ (۵) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب النكاح ،باب الولي: ۳/۶۷،سعيد)

(۲) (الممتحنة: ۱۰)

(۳) (الممتحنة. ۱۰)

(۴) (الجن. ۲۰)

(۵) (الجن: ۲۳)

1

وسلم فرماتے ہیں کہ میرا فرض ہے بتانا اگر میں نہ بتاؤں تو اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

الراقم: عظمت اللہ شاہ کشمیری۔

''یہ جو کہا گیا، اس میں کوئی اہل اسلام منصف مزاج شبہ نہیں کرے گا، جس کو خوفِ خدا نہیں اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ آفریں صد آفریں شاہ صاحب پر! کہ کیا مسئلہ منقح لکھا، اب بھی اگر شبہ کرے ایسے دلائلِ قرآن وحدیث وفقہ شریف پر، کیا لکھے وہ محض ضد ہوگی۔

مولوی محمد نذیر بقلم خود ومولوی محمد عبدالخالق بقلم خود۔

آپ کے فتویٰ کا فائدہ مزید یہ ہوگیا کہ جو لوگ پہلے خیالاتِ فاسدہ کے مرتکب تھے اور مندرجہ بالاقسم عقیدہ رکھتے تھے اب راہِ راست پر آرہے ہیں اور جو بھی فتویٰ دیکھتا ہے، کہتا ہے کون مغیباتِ کلی اور مساوی وغیرہ کا قائل ہے اور یہ باعثِ مسرت ہے، توقع ہے کہ ایسی زن جو نکاحِ ثانی کے جواز کے حق میں ہیں، آئیں گی اور معاملہ یہی تھا جو آپ کی خدمت میں لکھ کر عرض کیا گیا، اگر وہ اس کے خلاف کوئی بات کہہ کر فتویٰ حاصل کرلے تو اس کی نقل آنجناب ضرور لکھ کر رکھ لیں۔ اس قسم کا فتویٰ دیوبند اور ڈابھیل سے منگوایا گیا ہے، دونوں وصول ہوئے انہوں نے بھی نکاح کے بارے میں آپ سے اتفاق کیا ہے، باقی امور کے بارے میں وضاحت نہیں کی، ایک ان میں سے واپس برائے وضاحت کے گیا ہے۔

راقم الحروف سلطان محمود ہیڈ مدرسہ اسکول اوکھڑی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کی تحریر میں یہ امور جواب طلب ہیں:

۱...... جو شخص مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے کو کافر نہ سمجھے وہ خود کیسا ہے، مسلم ہے یا کافر؟

۲...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے متعلق کلی علم غیب اور ہر وقت ہر جگہ سے فریادرسی کا اعتقاد رکھنے والے کی علماء نے تو تکفیر کی ہے، مگر تم اے اہل مظاہر علوم! اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یعنی دیگر علمائے حق کی موافقت کرتے ہو، یا اس مسئلے میں اہلِ حق کے مخالف ہو، یا کچھ جداگانہ مسلک رکھتے ہو؟

۳..... جو امام ناجائز نکاح پڑھائے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے اور اس سے بہتر دوسرا آدمی امامت کے لائق موجود نہ ہو تو پھر بھی امام مذکورہ کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟

۴..... باپ دادا نے اگر صغیرہ کا نکاح کر دیا ہو تو وہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اب ترتیب وار جواب سنیئے۔

أقول وبالله التوفيق وبيده أزمة الحق والتحقيق:

۱..... وہ شخص اس مشرکانہ عقیدہ کو بہتر سمجھتا ہے اور اس کے معتقد کو مشرک نہیں سمجھتا، بلکہ مسلم سمجھتا ہے تو اس سے دریافت کیا جائے کہ مشرکانہ عقیدہ کے باوجود وہ مسلم کیسے رہ سکتا ہے؟

۲..... اہلِ حق کے فتویٰ کے خلاف اہلِ مظاہر علوم کا مسلک نہیں۔

۳..... ایسی مجبوری کی حالت میں کراہت نہیں۔

۴..... صغیرہ کا نکاح اگر اب وجدّ کے غیر نے کیا ہو تو اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً نکاح سے ناراضگی کا اظہار کر دے اور پھر عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرالے۔ اگر اب وجد نے کیا ہو تو اس میں خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا، البتہ جبکہ غیر کفو یعنی لڑکی کی قوم سے گھٹ کر نیچے کی قوم میں کر دیا ہو، یا صالح کا نکاح فاسق سے کر دیا ہو، یا مہر میں غبنِ فاحش ہوا اور اس نکاح سے قبل اب وجد کا سیّئ الاختیار ہونا معروف ہو تو ایسی صورت میں خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، اگر کفو میں کیا ہے تو پھر باوجود سیّئ الاختیار ہونے کے بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً، ولزم النكاح ولوبغبن فاحش، أوغير كفو إن كان الولي أباً أوجداً لم يعرف منهما سوء الاختيار، وإن عرف لايصح النكاح اتفاقاً، الخ". درمختار۔

"والحاصل أن المانع هوكون الأب مشهوراً باختيار السوء قبل العقد، فإذا لم يكن مشهوراً بذلك، ثم زوّج بنته من فاسق، صح. وإن تحقق بذلك أنه سئ الاختيار واشتهر به عند الناس، فلوزوج بنتاً أخرى من فاسق، لم يصح الثاني؛ لأنه مشهور بسوء الاختيار قبله، بخلاف الأول، لعدم وجود المانع قبله.

ولوكان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار، لزم إحالة المسئلة، أعني قولهم: ولزم النكاح ولوبغبن فاحش أوبغير كفو إن كان الولي أباً أوجداً. ثم اعلم أن مامر عن

النوازل من أن النكاح باطل، معناه: أنه سيبطل، كما في الذخيرة .... وماذكرنا من ثبوت الخيار للبنت إذا بلغت: أي هوفي الصغيرة، الخ". شامي: ٢/ ٤٧٠(١)۔

زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کیا ہے، اگر یہ کفو میں کیا ہے اور مہر میں غبنِ فاحش نہیں تو یہ نکاح بلا تردد درست ہے، اور اس میں خیار بلوغ حاصل نہیں اور عدالت کے ذریعہ اس کو فسخ کرانا بھی درست نہیں اگر چہ اس نکاح سے مصالحت اور دفعِ فساد بھی حاصل ہوگیا اور پھر دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح بھی درست نہیں جب تک کہ شوہر طلاق نہ دیدے۔

اگر غیر کفو میں کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ زید کا بھائی سیٔ الاختیار مشہور نہ ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے یعنی نکاح درست ہوگیا اور خیارِ بلوغ حاصل نہیں اور عدالت سے اس نکاح کا فسخ کرانا بھی درست نہیں، بغیر شوہر سے طلاق لئے اس کا نکاحِ ثانی بھی ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زید کا بھائی سیٔ الاختیار ہونے میں مشہور ہے تو اس صورت میں البتہ خیار بلوغ حاصل ہے اور آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی ناراضی ظاہر کرکے عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ سے نکاح فسخ کراکے نکاحِ ثانی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نکاحِ خفیہ

سوال [۵۲۷۴]: ایک مرد وعورت آپس میں دو گواہوں کے روبرو نکاح کرنا چاہیں اپنے رشتہ داروں کی پوشیدگی سے تو شرعاً یہ نکاح کیسا ہے؟

حافظ عبداللہ پیش امام محلّہ خرادیان چھچروی۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ٦٥/٣، ٦٧، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ٢٣٧/٣، رشيدية)

(وفتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ٣٠٣/٣-٣٠٥، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں مسجد میں کیا جائے (۱) اور جائز دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہو جاتا ہے، جب کہ وہ دونوں گواہ مرد مسلمان بالغ عاقل ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

خفیہ نکاح

سوال [۵۲۷۵]: ایک شخص یعنی غلام نبی ولد غلام محمد ایک عورت کے ساتھ عورت کے ورثاء سے خفیہ نکاح کرتا ہے جس کا نام خدیجہ بی بی بنت سردار خان ہے، عورت بیوہ ہے رشتہ دار اس شخص یعنی غلام نبی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عورت سے علیحدہ ہو جا چونکہ شبہ ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ عورت میری ماں بہن کی طرح

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح: ۱/۲۰۷، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۱، قديمي كتب خانه كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

(۲) "النكاح ينعقد بإيجاب أحدهما و قبول من الآخر، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتسأهل في إطلاق المستحب على السنة: ۹/۳، سعيد)

"و شرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً، الخ"

(ردالمحتار، مطلب الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۲۱/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دار إحيا التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

ہے۔حالانکہ دوتین سال ہو چکے ہیں خفیہ نکاح ہوئے۔عام مجلس میں اقرار کر کے بری ہونے کے چند دن بعد دونوں نکاح ظاہر کرتے ہیں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بائیکاٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وشرط شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح فاهمين أنه نكاح على المذهب، اهـ". در مختار (۱)۔

"أمر الأب رجلاً أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا. و لو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد، جاز إن كانت بنته حاضرةً؛ لأنها تجعل عاقدةً، و إلا لا، اهـ". درمختار(۲)۔

"و يندب إعلانه و خطبته وكونه فى مسجد، اهـ". درمختار(۳)۔

عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے کم ازکم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اور اعلان کیساتھ نکاح کرنا مستحب ہے۔پس اگر مسمی غلام نبی نے دو گواہوں کی موجودگی میں خدیجہ سے نکاح کیا ہے تو وہ شرعاً صحیح اور منعقد ہوگیا، بشرطیکہ کوئی اَور بھی مانع حرمت مصاہرت وعدم کفاءت وغیرہ نہ ہوں، البتہ اعلان نہ کرنے سے مستحب کا تارک ہوا،لیکن ترکِ مستحب پر بائیکاٹ کرنا جائز نہیں (۴) (اور خاص کر جب کسی مصلحت سے مستحب کو ترک

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳ رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح مطلب فى عطف الخاص على العام: ۲۴/۳، ۲۵، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق كتاب النكاح: ۱۶۰/۳، ۱۶۱ رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳ رشيديه)

(وكذا فى التبيين: كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۴) قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "تركه لا يوجب إساءة و لا عتاباً كترك سنة الزوائد". =

کیا ہو) اور اگر دو گواہ بھی وقت نکاح موجود نہیں تھے تو یہ نکاح فاسد ہوا اور اس کا حکم یہ ہے متارکت لازم ہے(۱) اور اس کے بعد عدت گذار کر اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ باقاعدہ نکاح کریں، اگر غلام نبی متارکت پر تیار نہ ہو اور مسئلہ سمجھانے کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کا بائیکاٹ کردیا جائے (۲)۔

نکاح صحیح ہونے کی صورت میں لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ ''یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے'' کنایاتِ ظہار سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے ظہار یا طلاق کی نیت کی ہے تو وہ نیت معتبر ہے اور حسبِ نیت ظہار یا طلاق کا حکم جاری کیا جائے گا، اگر کرامت کی نیت کی ہے، یا کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑھے گا:

"وإن نوى بأنتِ عليّ مثل أمي أو كأمي، و كذا لو حذف "علي" -خانية- براً أو ظهاراً أو طلاقاً، صحت نيته، و وقع ما نواه؛ لأنه كناية، وإن لم ينو شيئاً أو حذف الكاف، بأن قال: أنت أمي، تعين الأدنى: أي البر يعني الكرامة، اهـ". در مختار(۳).

= (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب آداب الصلاة: ۱/۴۷۷، سعید)

علامہ شامیؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ترک مستحب کا حکم بیان کیا ہے کہ ترکِ مستحب والا شخص ملامت اور سزا کے لائق نہیں، لہٰذا ترکِ مستحب والے شخص سے بائیکاٹ بھی درست نہیں۔

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد و هو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار). "(قوله: بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا".
(ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، ۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، مكتبه رشيديه كوئٹه)

(۳) (الدر المختار، باب الظهار: ۳/۴۷۰، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الظهار: ۱/۴۴۹، دار احياء التراث العربي بيروت) =

اور اگر اس کہنے کے بعد باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

سول میرج

سوال [۵۲۷۶]: ملک افریقہ میں ''ربون'' نامی حکومت، فرانس کے تابع ایک جزیرہ ہے، وہاں عقدِ نکاح حکومتِ فرانس کے قانون کے مطابق کرنا ہوتا ہے، اس کو سول میرج کہتے ہیں۔ وہاں حکومت شریعتِ اسلامیہ کے موافق عقدِ نکاح کا اعتبار نہیں کرتی یعنی عورت کو غیر منکوحہ قرار دیا جاتا ہے اور اولاد کو میراث کی تقسیم میں مشکل درپیش ہوتی ہے، نیز اولاد کے وہاں کی پیدائش کے حقوق کو نقصان پہونچتا ہے۔

اگر کسی شخص نے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عقدِ نکاح کرنے سے پہلے یا بعد میں حکومت کے قانون کے موافق بھی نکاح کرلیا تو اب اس کو حکومت منظور کرے گی، مگر اس صورت میں اس شخص پر حکومتی عقد کے احکام عائد ہوں گے، مثلاً:

۱- اب وہ شخص دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔

۲- تقسیمِ میراث شریعتِ اسلامیہ کے موافق نہیں، بلکہ وہاں کے قانون کے موافق کرنی ہوگی، مثلاً: زوجہ کو ثُمن کے بجائے نصف دیا جائے گا۔

ہندوستان سے جو مسلمان وہاں پر تجارت وغیرہ کے لئے مقیم ہیں ان میں سے بعض اہلِ اغراض نکاحِ شرعی کے قبل یا بعد نکاحِ قانونی مذکور کرلیتے ہیں۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کیا اس کو بوجہِ عقدِ قانونی خارج عن الاسلام سمجھا جائے گا اور کیا اس کو دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نفسِ نکاح جائز اور مشروع طریق پر ہو اور اس میں کوئی کام اعتقاداً وعملاً وقولاً خلافِ شرع نہ کرنا پڑے، مثلاً ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے، ایسی عورت نہ ہو جس سے شرعاً نکاح

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار: ۱۶۵/۴، رشيديه)

حرام ہوتا ہے، مثلاً: اس کی محرم نہ ہو، منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر نہ ہو، مشرکہ نہ ہو، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کتب فقہ باب المحرمات میں تفصیل مذکور ہے(۱) تو یہ قانونی نکاح کرانے سے آدمی خارج عن الاسلام نہیں ہوگا، اگرچہ اس نکاح پر جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی خلافِ شرع ہوں گے، مگر وہ اَہون ہوں گے ان نتائج سے جو بغیر قانونی نکاح کے مرتب ہوتے ہیں: "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما"(۲)۔ ان خلافِ شرع نتائج سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کر لی جائے، وہ یہ کہ: ورثہ کو اپنی زندگی میں حسبِ حصصِ شرعیہ دیدے اور ان کو مالک بنادے(۳) اور نکاحِ ثانی کو اعتقاداً جائز سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "أسباب التحريم أنواع: القرابة، والمصاهرة، والرضاع، والجمع، وعدم الدين السماوي، والتنافي، وإدخال الأمَة على الحرة، فهي سبعةٌ ذكرها المصنف على هذا الترتيب، وبقي المطلقة ثلاثاً، والمحرمة لحق الغير من نكاح، أو عدة، الخ". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المحرمات: ۳/ ۲۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/ ۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "من ابتلي ببليتين وجب أن يختار أقلهما محظوراً، كما في غاية البيان". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۱، قديمي)

"ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين وهما متساويتان، يأخذ بأيتهما شاء. وإن اختلفا، يختار أهونهما". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، : ۱/ ۲۶۱، إدارة القرآن كراچی)

"إذا تعارض مفسدتان، يختار أهونهما". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۴۰۵)، ص: ۱۴۰ ناشر الصدف پبلشرز)

(۳) "ثم قال في الظهيرية قبيل المحاضر والسجلات عند الكلام على كتابة صك الوقف: إن أراد الوقف على اولاده يقول: للذكر مثل حظ الأنثيين، وإن شاء يقول: الذكر والأنثى على السواء، ولكن الأول أقرب إلى الصواب ..... فهذا نص صريح في التفرقة بين الهبة والوقف، فتكون الفريضة الشرعية =

طلاق کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۷۷]: ہندہ کا بیان ہے کہ میرا شوہر جوئے باز آوارہ ہے، اس نے مجھے تین دفعہ کہا کہ ''میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا''۔ پھر وہ چلا گیا، عرصہ ایک سال کا ہوگیا، میرے پاس دو بچے بھی ہیں، میرے نان ونفقہ کی کوئی صورت نہیں، اب میں اپنا نکاحِ ثانی کرسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر اس طرح کہہ کر بے تعلق ہوگیا اور اپنا حقِ زوجیت ختم کر چکا تو پھر گواہی کی بھی

= في الوقف هي المفاضلة، فإذا أطلقها الواقف انصرفت إليها؛ لأنها هي الكاملة المعهودة في باب الوقف. وإن كان الكامل عكسها في باب الصدقة فالتسوية بينهما غير صحيحة، على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. وصرح الأصوليّون بأن العرف يصلح مخصصاً، والعرف العام بين الخواص والعوام أن الفريضة الشرعية يراد بها المفاضلة: وهي إعطاء الذكر مثل حظ الأنثيين، ولذا يقع التصريح بذلك لزيادة التأكيد في غالب كتب الأوقاف بأن يقول: يقسم بينهم على الفريضة الشرعية للذكر مثل حظ الأنثيين، ولا تكاد تسمع أحداً يقول على الفريضة الشرعية: للذكر مثل حظ الأنثى؟ لأنه غير المتعارف بينهم". (ردالمحتار، مطلب مهم في قول الواقف على الفريضة الشرعية: ۴۴۴/۴، سعید)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں حسبِ فریضۂ شرعیہ مال کو تقسیم کرنا درست ہے۔

"قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثى في حالة الحياة أقوى وأرجع من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته، لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبةً في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث، فلو قسم رجل في مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الأنثيين على قول الإمام أحمد، ومحمد بن الحسن رحمهما الله، فالظاهر أن ذلك يسع له، ولم أر ذلك صريحاً في كلام الفقهاء، غير أنه لايبد خارجاً عن قواعدهم". (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة: ۷۵/۲، مكتبة دارالعلوم كراچی)

ضرورت نہیں (۱)، ایک سال میں تین حیض آچکے ہوں گے، نکاحِ ثانی کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حقِ وراثت

سوال [۵۲۷۸]: جس عورت سے میں نے نکاح کیا، وہ اپنے کردار و وفاداری میں ناکام ہی، میں نے اس کو دوبارہ ۳/ طلاق شرعی لکھ کر دیا اور نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جب پہلی دفعہ طلاق ہوئی تو اس وقت پہلے ایک طلاق بائن لکھی گئی، پھر ایک طلاق کاٹا گیا اور طلاق لکھا گیا۔ اب جو نکاحِ ثانی ہوا وہ صرف ایک سال قائم رہا اور اس دوران ایک لڑکا تولد ہوا اور جو دوسری طلاق ہوئی وہ سہ طلاق دیکر لکھی گئی اور لڑکا ماں کے پاس رہائش پذیر ہے۔ چونکہ اس وقت جوانی کے زور نے مجھے اندھا بنادیا اور عدالت میں جاکر نکاح خوانی کی یعنی بیان حلفی پر دستخط کئے گئے اور کوئی خطبہ نکاح نہ ہوا۔

جو لڑکا تولد ہوا وہ ماں کے پاس ہے اور اس کا نام اور ولدیت بھی اس کی ماں نے تبدیل کی ہے۔

تو میرے مرنے کے بعد لڑکے کو کوئی حق میری وراثت میں ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۳/۲۸۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۳/۲۹۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضائها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في جواز شرائط الرجعة: ۴/۲۹۶، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آپ نے پہلی دفعہ ایک یا دو طلاق زبانی دی یا تحریر لکھ کر بھیجی اس کے بعد پھر آپ نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا یعنی کم ازکم دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اگرچہ اس میں خطبہ نہ ہوا ہو(۱)، پھر اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے(۲)، وہ آپ کا لڑکا ہے، آپ کے بعد آپ کی وراثت کا حقدار ہے۔ ماں نے اگر اس کا نام بدل دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے جب تک وہ خود کھانے پینے استنجا کرنے کے قابل نہ ہوجائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مطلقہ بیمار کو گھر رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۷۹]: زید نے اپنی بیوی کو اس کی صحت کی خرابی کی بناء پر طلاق دے دی۔ بعد عدت گذرنے مطلقہ بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، مطلقہ بیوی بہت بیمار ہے، اور والدین بوجہ غربت کے اس کے نفقہ سے مجبور ہیں۔ اس لئے زید کا اس مطلقہ بیوی کو بھی اپنے گھر ٹھہرائے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۲۱، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۲۶۷، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۰۶، كتاب النكاح، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وإذا تزوج الرجل المرأة .... وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه عنه، اعترف به الزوج أو سكت". (الهداية: ۲/۴۳۲، باب ثبوت النسب، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۵۳۶، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۸۲، ۲۸۳، باب ثبوت النسب، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمّ، إلا أن تكون مرتدةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۹۲، باب الحضانة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۸۹، حكم الولد عند افتراق الزوجين، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی ہمدردی اور اعانت کے لئے درست ہے، مگر پردہ پورا رہے اور سامنا نہ ہو، نیز تنہائی بھی نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکاح کرنا

سوال [۵۲۸۰]: زید نے ہندہ سے دو گواہوں کے سامنے نکاح کیا، لیکن ہندہ نے اپنی آنکھوں پر حیاءً پٹی باندھ لی۔ تو کیا یہ پٹی نقاب کے حکم میں ہوگی جس کے بارے میں ''ردالمحتار'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ چہرہ پر نقاب نہ ہو؟ یا نقاب کے حکم میں نہیں اور نکاح مع جملہ احتیاطوں کے منعقد ہوجائے گا؟

امیر علی صاحب، معرفت حامد میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہوجائے تو نکاح درست ہوتا ہے اگر چہ عورت مجلسِ عقد میں حاضر نہ ہو، محض اس کا نام لیا ہو اور اگر چہ گواہ نابینا ہوں اور اگر چہ عورت نقاب پوش ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر گواہ جانتے اور پہچانتے ہیں تو پٹی باندھنا مضر نہیں، خواہ صورت وشکل سے پہچانتے ہوں، یا باپ دادا کے نام سے، یا محلہ اور بستی کے پتہ سے، یا کسی اَور ذریعہ سے۔ اگر پٹی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے اور جہالت باقی ہے، کوئی اَور ذریعہ بھی شناخت کا نہیں تو احتیاط کے خلاف ہے اگر چہ حکم عدمِ صحت کا نہیں دیا جاسکتا، هكذا يستفاد من رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "تنبيه: أشار بقوله فيمامر: "ولا المنكوحة مجهولة" إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله: ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة، فإن كانت حاضرةً متنقبة كفى الإشارة إليها، والاحتياط كشف وجهها، الخ". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۱، سعيد) =

جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی، ان کے کہنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۸۱]: زید نے بکر سے لڑکی کے رشتے کے متعلق کہا، بکر نے کہا کہ ''اگر میں اپنی لڑکی کا رشتہ تمہارے یہاں کروں تو اپنی ماں کو قبر سے نکال کر بھی تم کو دوں اور اپنی بیوی بھی تمہیں دوں''۔ یہی الفاظ بکر کے لڑکے نے بھی کہے۔ بعد میں بکر نے اپنی لڑکی کا رشتہ بھی کر دیا اور نکاح بھی کر دیا۔ تو یہ نکاح صحیح ہوا یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیہودہ قسم شرعی قسم نہیں (۱)، اس سے یہ نکاح حرام نہیں ہوا، بلکہ جو نکاح شرعی قواعد کے موافق کیا گیا وہ صحیح ہو گیا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۶/۹/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۶/۹/۶ھ۔

طلاق نامہ دیکھے بغیر نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۸۲]: ۱۹۵۵ء میں مجھے طلاق ہو گئی تھی، طلاق نامہ میرے بھائیوں کے قبضے میں ہے، وہ لوگ اس کو دینا نہیں چاہتے اور میرے عقدِ ثانی سے بھی وہ متفق نہیں ہیں۔ میں بالغ ہوں اور اپنا نفع نقصان

= "فإن كان الشهود يعرفونها، فذكر مجرد اسمها، جاز، وإن لم يعرفونها فلا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها. أما لو كانت حاضرةً متنقبة، فقال: تزوجت هذه وقبلت، جاز؛ لأنها صارت معروفةً بالإشارة، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشيديه)

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: " لا تحلفوا بالطواغي ولا بآبائكم". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الأيمان و النذور، الفصل الأول: ۲۹۶/۲، قديمي)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

سمجھتے ہوئے عقدِ ثانی کرنا چاہتی ہوں، لیکن قاضی ومولوی صاحبان طلاق یا کوئی چشم دید شہادت چاہتے ہیں اور یہ بھائیوں کی وجہ سے نہیں ہو پارہا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ایسا بن سکتا ہے کہ میں اپنا عقدِ ثانی کرسکوں؟ اگر ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی اگر طلاق نامہ نہیں دیتے اور بغیر اس کو دکھائے آپ کا دوسرا نکاح نہیں ہورہا تو یہ بھائیوں کی طرف سے ظلم ہے(۱)۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو آپ کے کہنے پر اعتماد ہو اور بغیر طلاق نامہ دیکھے وہ نکاح پر راضی ہو تو اس سے نکاح درست ہوجائے گا۔ اگر آپ کے شوہر کا طلاق دے دینے کا اقرار ہو تو طلاق نامہ کسی کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلا طلاق نامہ دیکھے نکاح درست ہوجائے گا جبکہ عدت بھی گزر چکی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

باپ اور بھائی کے ڈر سے کیے ہوئے نکاح سے منکر ہوجانا

سوال[۵۲۸۳]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ مسمی عبدالحمید اور مسماۃ وحیدن اپنا نکاح اپنی مرضی سے ازخود کرنا چاہتے تھے۔ ایک روز مسماۃ وحیدن نے اپنے والد کے مکان پر روبروایک مسلمان بالغ مرد اور دو مسلمان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، و من يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

"وإذا طهرت من الحيض الأخير: أي من الحيضة الأخيرة التي تنقضي العدة بها و هي الحيضة الثالثة إن كانت حرةً". (مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/۴۳۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاء ها بانقضاء الحيضة الثالثة، و قد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

بالغ عورتوں کے عبدالحمید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا" عبدالحمید نے جواب میں کہا کہ "میں نے قبول کیا"۔

یہ سوال وجواب ایک ہی جگہ ہوئے جس کو گواہوں نے سنا۔ وحیدن نے اپنے ہاتھوں سے شکر گھر میں سے لے کر تقسیم کردی کہ یہ میرے نکاح کی شیرینی ہے جس کو گواہوں نے کھایا اور عدالت سے بیان حلفی تصدیق کرالی۔ جب باپ اور بھائی کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔

اب مسماۃ وحیدن بوجہ خوف اپنے باپ اور بھائی کے اس واقعہ سے منکر ہے جبکہ عبدالحمید کے ساتھ خفیہ طور پر ازدواجی زندگی گذار چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب مسماۃ وحیدن دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح حسبِ طریقہ تحریر درست ہوگیا تھا یا نہیں؟ اور اب باپ اور بھائی کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے جب نکاح کا ایجاب وقبول ہوا (۱) اور یہ نکاح کفو میں ہوا تو وہ شرعاً معتبر اور لازم ہوگیا (۲)، لڑکی کے والدین یا کوئی اور اس کو غیر معتبر نہیں کہہ سکتے، اب لڑکی کا انکار بھی شرعاً معتبر نہیں، اس کے بعد مسماۃ وحیدن کا نکاح کسی اور شخص سے نہیں ہوسکتا (۳)۔ اس کے باپ بھائی کو چاہیے کہ

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدین حرین، أو حر و حرتین مکلفین سامعین قولهما معاً، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹-۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولی ......روی الحسن: إن کان الزوج کفئاً، نفذنکاحها، وإلا فلم ینعقد أصلاً". (البحر الرائق: ۳/۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والاکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، ۳/۳۱۳، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۵۵، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۳) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ =

عبدالحمید کے ساتھ اس کو رخصت کردیں اور کوئی ہنگامہ برپا نہ کریں، ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی مدت تک مسماۃ حرام کاری کرتی رہی، یا پھر دوسری جگہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی۔ غرض باپ اور بھائی راضی ہوجائیں اور مسماۃ اصل واقعہ کی منکر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط ألاتکون منکوحة الغیر: ۳/ ۴۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذافی رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعید)

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۵۲۸۴]: ا.....کیا نکاح صرف قاضی ہی پڑھا سکتا ہے، اور کوئی علم دان شخص نہیں پڑھا سکتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی کی تخصیص نہیں، بلکہ عورت اور مرد خود بھی گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کر سکتے ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

نکاح میں خطبہ کی حیثیت

سوال[۵۲۸۵]: خطبۂ نکاح دو ہیں: اول، دوئم، جو شخص نکاح میں صرف خطبہ ثانی پڑھے نکاح درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ حدیث شریف تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خطبہ ایک ہی کافی ہے اور خطبہ مستحب ہے، لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔نکاح نام ہے ایجاب

---

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

"وأما ركنه، فالإيجاب والقبول، كذا في الكافي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علميه ملتان)

وقبول کا اور بس، لہٰذا خطبہ فرض کے درجہ میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

خطبۂ نکاح سنت ہے فرض نہیں

سوال [۵۲۸۶]: ۱...... خطبۂ نکاح فرض ہے یا سنت؟ یہ بیٹھ کر پڑھنے سے بھی درست ہوجاتا ہے یا نہیں؟

خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر

سوال [۵۲۸۷]: ۲...... ایجاب وقبول کے درمیان نان ونفقہ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور بغیر اس کے نکاح ہوگا یا نہیں؟

ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح

سوال [۵۲۸۸]: ۴...... خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... خطبہ سنت ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے (۲)۔ خطبہ

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ دار العلوم ديوبند، عنوان: "بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں": ۷/۱۵۹، إمداديه ملتان)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج أومايستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ويندب إعلانه و تقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما يستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشيدية)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

نکاح بیٹھ کر پڑھنے سے بھی نکاح بلاشبہ ہوجاتا ہے۔

۲......ان چیزوں کا تذکرہ نکاح میں ضروری نہیں، بغیر ان کے ذکر کے بھی نکاح درست ہو جاتا ہے(۱)۔ یہ چیزیں تو بغیر ذکر کئے بھی لازم ہوجاتی ہیں (۲)۔

۴......خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

دونکاح کیلئے ایک خطبہ

سوال[۵۲۸۹]: ۱......اگر ایک ہی مجلس میں دو شخص کا نکاح پڑھانا ہوتو اس کیلئے الگ الگ دو خطبے پڑھنا چاہیئے یا ایک ہی خطبہ کافی ہے؟

خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۵۲۹۰]: ۲......خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے؟ یا کھڑے ہوکر؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک خطبہ بھی کافی ہے(۴)۔

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(۲) "تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة و الغنية، دخل بها أولم يدخل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۱/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب النفقة: ۱/۴۸۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع، ص: ۵۹۰، رقم الحاشية: ۲)

(۴) "ويندب إعلانه و تقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول". (الدرالمختار). =

۲......اس خطبہ کا کھڑا ہوکر پڑھنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بیٹھ کر پڑھنے کا معمول ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ

خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال[۵۲۹۱]: شادی کے اندر خطبہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا بغیر خطبہ کے شادی نہیں ہوسکتی؟ اگر خطبہ ضروری ہے تو بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہوکر؟ جب کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں تو اس کو بھی کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط یا رکن نہیں، بلکہ مندوب ہے: "ویندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". درمختار: ۲/۴۰۲(۲)۔ بعضے حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعضے

= "وأطلق الخطبة فأفاد أنها لاتتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بماورد، فهو أحسن، الخ".

(ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح، ۴/۱۰، دارالفكر بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح، باب، مسائل متعلقات نكاح: ۷/۱۴۸، مكتبه إمداية ملتان)

(۱) خیر الفتاویٰ میں ہے: "ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے، لیکن کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہوکر خطبات پڑھنے کی تھی"۔ (کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۴/۵۹۱، ملتان پاکستان)

(۲) (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس مندوبات عقد الزواج: ۹/۶۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح "بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟": ۷/۱۵۹، دارالاشاعت)

بیٹھ کر، کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے۔ عقدِ بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لئے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبہ نکاح کا بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۹ھ۔

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر

سوال[۵۲۹۲]: ہمارے شہر میں ایک امام صاحب تشریف لائے ہیں، اور خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پڑھنا مسنون ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی خطبے دیئے ہیں وہ سب کھڑے ہوکر دیئے ہیں، جبکہ خطبۂ نکاح حدیث میں کہیں بھی بیٹھ کر دینا ثابت نہیں ہے۔ تو کیا کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا جواز ملتا ہے؟ کیا خطبۂ نکاح خطبۂ جمعہ واستقاء کے مشابہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو کھڑے ہوکر بھی پڑھنا ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی ہے۔ جو شخص کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح کو پڑھنا مسنون کہے، دلیل اس کے ذمہ ہے، وہ حدیث وفقہ سے ثبوت پیش کرے۔ متعدد مواقع پر حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے، مسلم شریف، الادب المفرد میں حدیثیں موجود ہیں (۱)۔ شراح نے اس جگہ لکھا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ نہیں تھا، اس کا کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے (۲)۔ خطبۂ نکاح کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۸/۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: جلس رسو ل الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حو له فقال: "إن مما أخاف عليكم بعدي، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحذير من الاغترار بزينة الدنيا ومايبسط منها: ۱/۳۳۶، قديمي)

(۲) "أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس ذات يو م على المنبر، وجلسنا حوله". فإن الجلو س في حديث أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه ليس خطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غيرها، وإنما هو لموعظة وتذكير، ولم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم الجلوس للخطبة، وإنما خطب قا ئما، ولذا ذهب بعضهم =

نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟

سوال[۵۲۹۳]: ایک شخص ریش بُریدہ جوصوم وصلوۃ کا بھی پابندنہیں مگر موروثی نکاح خوانی کی وجہ سے خودکونکاح خوانی کا مستحق سمجھتا ہے اس سے نکاح پڑھایا جائے، یا جوشخص عالمِ دین صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے جامع مسجد کاامام ہے، اس سے پڑھوانا بہتر ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعاً پورا اختیار ہے جس کے ذریعہ دل چاہے نکاح پڑھوالیا جائے، کسی خاص نکاح خواں کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا جوشخص دیندار اور مسائلِ نکاح سے واقف ہواس سے پڑھوایا جائے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۸ھ۔

کیا نابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے؟

سوال[۵۲۹۴]: اندھا آدمی اگر خطبہ پڑھادے یادکرکے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس نے نہ وکیل کودیکھا نہ دولہا کواور نہ گواہان کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایجاب وقبول کے گواہ آنکھ والے موجود ہیں تو نکاح درست ہوجائے گا اگرچہ خطبہ پڑھانے

= إلى اشتراط القيام لها، وإن كان الاشتراط على خلاف رأى الجمهور". (معارف السنن، باب فى الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب: ۴/ ۳۶۶، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً: ۲/ ۵۰۹، ۵۱۰، قديمى)

(۱) "وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۸۹، مصطفى البابى الحلبى مصر)

والا اندھا ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۵/۶/۸۹ھ۔

برہمن سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۹۵]: مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ "اگر برہمن (۲) نکاح پڑھا دے تو جائز ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا"۔کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص نکاح پڑھاتا ہے وہ شرعی قاضی نہیں، لہٰذا اس میں قاضی کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، وہ شخص محض ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے (۳)۔ زوجین خود گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۹/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "وينعقد: أى النكاح: أى يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا فى ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "برہمن: پنڈت، عالم، ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات"۔(فیروز اللغات،ص:۱۹۷، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوّجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز .... ولنا أن الوكيل فى النكاح معبّر وسفير". (الهداية، كتاب النكاح، باب فى الأولياء والأكفاء، فصل فى الوكالة بالنكاح، ۳۲۲/۲، مكتبه شركة علميه)

"الوكيل فى باب النكاح ليس بعاقد، بل هو سفير عن العاقد ومعبر عنه". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى ركن النكاح: ۳۲۴/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۴) (راجع، رقم: ۱)

جواب صحیح ہے، غیر مسلم کے ایجاب وقبول نکاح کر دینے سے اگرچہ حقیقۃً نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر ایسا کرنا سخت بے غیرتی اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے(۱)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۲/۱۲/۸۵ھ۔

شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۹۲]: اگر اہل سنت والجماعت کا نکاح کوئی شیعہ یا غیر مسلم پڑھ دے یعنی خطبہ وایجاب وقبول کوئی شیعہ یا غیر مسلم کرائے تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کا نکاح اس طرح پر ہوتا ہے کہ زاہد شیعہ نکاح خواں ہے، عمرو بکر لڑکی کی طرف سے گواہ ہیں، زاہد عمرو بکر سے دریافت کرتا ہے کہ ان کا کیا بیان ہے، وہ (عمرو بکر) بیان کرتے ہیں کہ فلاں لڑکی اور فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر زید کے نکاح میں دی۔ زاہد (نکاح خواں) زید سے دریافت کرتا ہے کہ آپ کو قبول ہے، یہ اقرار کرتا ہے، اس اقرار کے بعد زاہد خطبہ پڑھتا ہے۔ زید اور لڑکی بالغ ہیں، اہل سنت والجماعت ہیں، گواہ بھی اہل سنت والجماعت ہیں، لیکن زاہد شیعہ ہے۔ تو کیا یہ نکاح عقائدِ احناف کے مطابق درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل ایجاب وقبول شوہر اور بیوی نے کیا، کوئی شیعہ یا غیر مسلم محض خطبہ پڑھے یا اس ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرے تو اس سے نفسِ نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی (۲)، تاہم مستحب اور بہتر یہی ہے کہ کسی

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة ...... بعاقد رشيد". (الدرالمختار). "فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب. كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

(۲) نکاح خوان کی حیثیت محض ترجمان اور معبر کی ہوتی ہے، لہٰذا غیر مسلم کی نکاح خوانی نفسِ نکاح کی صحت پر اثر انداز نہ ہوگی: "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول". (الهداية: ۳۰۵/۲، شركة علميه ملتان)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

دیندار صالح آدمی سے خطبہ پڑھوایا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقرر امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا

سوال [۵۲۹۷]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب نکاح وجنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، چنانچہ ایک آدمی دوپہر کے بعد آیا اور کہا کہ شام ۴/ بجے تشریف لائیں نکاح ہوگا۔ امام صاحب احتیاطاً ایک آدمی کو ساتھ لیکر چلے، کیونکہ رات کو واپس آنا تھا، اندھیری رات ہے، وہ لوگ بھی سواری لئے منتظر تھے، دونوں آدمی سواری میں بیٹھ کر وہاں مغرب میں پہونچے، پھر وہ لوگ اپنے گھر لے گئے، معلوم ہوا یہاں مسجد بھی ہے، امام بھی موجود ہیں، ہمارے امام کو شک ہوا کہ یہ نکاح کیسا ہے؟ ان لوگوں نے اطمینان دلایا کہ طلاق شدہ ہے اور کاغذ لائے تو دیکھا کہ فتویٰ دیوبند موجود تھا جس کا نمبر وغیرہ ہمیں یاد نہیں، ان لوگوں کے پاس مستند با مہر فتویٰ تھا، پھر بھی امام صاحب نے نکاح نہیں پڑھا اور دوسرا آدمی جو ساتھ گیا تھا نکاح پڑھوا دیا۔ ان لوگوں نے نکاح خوانی گھر پہنچادی جس کو امام نے نصفا نصف کر دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خود کیوں نہیں پڑھا؟ اور شک تھا تو نکاح خوانی کیوں لی؟ اس وجہ سے امام صاحب نے وہ پیسہ ایک بیوہ عورت کو دے دیا، پھر بھی کچھ آدمی خلاف ہیں، اس پر ہمارے امام پر کیا ہونا چاہئے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب نے تحقیق کر لی اور فتویٰ دیکھ لیا کہ یہ نکاح صحیح ہے، پھر اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ تم نکاح پڑھا دو، ساتھی نے پڑھ دیا، تب بھی امام صاحب پر اعتراض کرنا بیجا ہے اور غلط ہے (۲)، کسی مصلحت

---

(۱) "ویندب إعلانه وتقدیم خطبة ...... بعاقد رشید". (الدر المختار). "فلا ینبغي أن یعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غیر عدول". (ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب: کثیراً مایتساهل في إطلاق المستحب علی السنة: ۸/۳، سعید)

(۲) وکیلِ نکاح اگر کسی اور کو نکاح کا وکیل بنائے اور خود بھی حاضر ہو تو اس دوسرے شخص کا نکاح کرانا جائز ہے، لہٰذا نکاح کے خطبہ وغیرہ میں بھی توکیلِ وکیل جائز ہے:

"الوکیل بالتزویج لیس له أن یوکل غیره، فإن فعل فزوج الثاني بحضرة الأول، جاز". =

سے آدمی خود نکاح نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوادے تو یہ بھی درست ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (الفتاویٰ العالمكيرية: كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيره: ۱/۲۹۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوكالة، فصل في التوكيل بالنكاح والطلاق: ۱/۳۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في الوكالة بالنكاح: ۳/۲۴، إدارة القرآن)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندراج کا بیان)

نکاح میں شرکت کے لئے غیر مسلموں کو مسجد میں لانا

سوال[۵۲۹۸]: مسجد میں نکاح ہونے پر غیر قوم کو بھی شرکت کی دعوت دینا، مسجد کے اندر ہی لاکر بٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال لگا کر نقش ونگار کرنا

سوال[۵۲۹۹]: مسجد کے اندر اور باہر نکاح کے وقت ہندو مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں، اس نکاح کی

---

(۱) غیر مسلم چونکہ اکثر آدابِ مسجد سے ناواقف ہونے کی بناء پر آدابِ مسجد کی رعایت نہیں کرتے جس سے بے حرمتی ہوتی ہے، اس وجہ سے مفتی صاحب نے ان کے داخل ہونے کو نامناسب لکھ دیا، اگر چہ فی نفسہ ان کے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے:

"وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، مطلب: هل يجوز دخول المشرك المسجد: ۳/ ۱۳۱، قديمي)

"قلت: في البحر عن الحاوي: ولا بأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات، ومفهومه أن في دخوله لغير مهمة بأساً، وبه يتجه ماهنا، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۴/ ۳۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۰، رشيديه)

زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال ڈالنا، کپڑوں سے نقش ونگار کرکے اس کو سجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، البتہ سادہ طریقہ پر مسجد میں نکاح کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

سوال[۵۳۰۰]: مسجد میں نکاح نہ ہونے پر گھر میں نکاح کرنے والوں کو نکاح کا رجسٹر نہ دینا، مسجد میں نکاح کرنے والوں کو ہی نکاح کا رجسٹر دینا، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کو درج رجسٹرڈ کرنا شرعاً لازم نہیں (۲)، اگر ضرورت ہو تو مسجد میں سادہ طور پر نکاح کرادیا جائے (۳) اور پھر درج کرادیا جائے یا مکان پر نکاح کرکے رجسٹر میں لکھوادیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي". (مشكوٰة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۲، قديمي)

چونکہ طریقۂ مذکورہ کو اختیار کرنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے: "وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما أمرت بتشييد المساجد". قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: "لتزخرفنّها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثاني: ۶۹/۱، قديمي)

(۲) قال المفتي كفايت الله رحمه الله: "اگر ایجاب وقبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہوگیا، دستخط ہوں یا نہ ہوں"۔(كفايت المفتي: ۱۰۵/۵، كتاب النكاح، پانچواں باب ایجاب وقبول، دار الاشاعت)

(وكذا في خير الفتاوىٰ: ۲۵۷/۴، ۲۵۸، كتاب النكاح، مكتبه الخير ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ حقانيه: ۳۱۴/۴، ۳۱۵، كتاب النكاح، نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت، دار العلوم حقانيه)

(۳) (راجع، رقم الحاشية: ۱)

نکاح کا رجسٹر میں اندراج

سوال[۵۳۰۱]: نکاح کا اندراج رجسٹر سرکاری میں نہیں ہوا، کیا اندراج ضروری ہے؟

منظور احمد تحصیل رڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً ضروری نہیں، البتہ قانون کی روک تھام کے لئے ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟

سوال[۵۳۰۲]: مسمّی غلام حیدر کا نکاح جبکہ اس کی عمر ۱۳، ۱۴/ سال کی تھی، مسماۃ مریم ولد ستار شیخ کے ساتھ جبکہ اس کی عمر ۱۰، ۱۱/ سال کی تھی بہ اجازتِ والدین ہو گیا تھا۔ نکاح درجِ رجسٹر زوجین کے نابالغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، اس نکاح پر ۴، ۵/ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

اب جبکہ مسمّی غلام حیدر اپنے سسر سے لڑکی کی رخصت کے لئے کہتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ کوئی نکاح نہیں ہوا، اور اس نے اپنی لڑکی مریم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے جبکہ اس کی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ ایسی حالت میں یہ نکاحِ ثانی درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور جس مولوی صاحب نے یہ نکاحِ ثانی پڑھایا ہے ان کے بارے میں شرعی طور پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ستار شیخ نے اپنی نابالغہ لڑکی مسماۃ مریم کا نکاح غلام حیدر کے ساتھ گواہوں کے سامنے کر دیا تو وہ شرعاً

---

(۱) نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، تاہم آج کل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لئے نکاح کا اندراج رجسٹر میں مستحسن ضرور ہے: "النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول یعبر بهما عن الماضي .... ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبة شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في البحر الرائق کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب النکاح: ۲/۱۷۶، ۱۸۱، إمدادیة ملتان)

منعقد اور لازم ہوگیا، اب اس کے بالغ ہونے پر لڑکی شوہر کے مکان پر بھیجنا اور اس کے شوہر کا مطالبۂ رخصتی پورا کرنا لازم ہے، محض رجسٹر میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح نہیں ہوا تھا، ایسی حالت میں اگر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کیا جائے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی، لڑکی بھی معصیت میں مبتلا ہوگی اور جس سے نکاح کیا جائے وہ بھی معصیت میں مبتلا ہوگا، باوجود علم کے جو شخص اب نکاح پڑھائے گا وہ بھی سخت گنہگار ہوگا(۱) اور جو لوگ ایسے نکاح میں شرکت کریں گے وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے(۲) اور قہرِ خداوندی اس سے جوش میں آئے گا، اس لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

اگر اس کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہے تو لڑکی کو لازم ہے کہ ہرگز اس نکاح کو قبول و منظور نہ کرے، اس کی ہرگز اجازت نہ دے اور رخصت ہوکر ہرگز اس دوسرے شخص کے پاس نہ جائے؛ لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم (إلى قوله تعالیٰ) والمحصنات من النساء﴾. (الآية) (۳) "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ۶ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والفتوى على الترديد إن استعمل مستحلاً كفر، وإلا لا، فإن ارتكب من غير استحلال، فسق".

(شرح الملا علی القاری علی الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۸، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (الأنعام: ٦٨)

قال الجصاص الرازی الحنفی: "وذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك وأهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعاً .... فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترك النكير، سواء كانوا مظهرين في تلك الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهي عام عن مجالسة الظالمين". (أحكام القرآن للجصاص، باب النهي عن مجالسة الظالمين: ۳/ ۲، دار الكتاب العربي)

(۳) (النساء: ۲۳، ۲۴)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت) .... =

دوپلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت

سوال[۵۳۰۳]: جب بارات جاتی ہے تو سر پر دوپلی ٹوپی (۱) اور عمامہ ضرور رکھا جاتا ہے، اگر کوئی ترک کردے تو اس کو تارکِ سنت کہہ کر ملامت کرتے ہیں۔ تو کیا قبولیت کے وقت عمامہ کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمامہ اور دوپلی ٹوپی ایک پسندیدہ لباس ہے(۲) مگر اس کو مستقلاً سنتِ نکاح قرار دینا درست نہیں (۳)۔ جیسے دیگر اوقات یا نماز کی حالت میں یہ لباس پسندیدہ ہے ایسے ہی وقتِ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۶ھ۔

مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھانا

سوال[۵۳۰۴]: جس نکاح میں رسوماتِ بدعیہ ہوں جیسے گانا بج رہا ہو، دولہا کے پاس راکھی (۴) ہو، ہاتھ میں کنگن ہو، سر پہ سہرا اور چہرہ پر آنچل ڈالا ہو، ایسے دولہا کا نکاح پڑھانا خاص کر ایسے شخص کو جو عالمِ دین

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، الفصل الثالث، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(۱) ''دوپلی: ایک قسم کی ہندوستانی وضع کی ٹوپی''۔ (نوراللغات، ص: ۸۸، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "قال النبي صلى الله عليه وسلم. "عليكم بالعمائم، فإنها سيماء الملائكة، وأرخوها خلف ظهوركم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثالث، ص: ۳۷۷، قديمي)

(۳)قال العلامة عبد الحي اللكنوي: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر: ۳/۳۹۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵ سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶)، ۳/۳۱، رشيديه)

(۴) ''راکھی: ہاتھ رکھشا یعنی محافظت کرنے والا ڈورا، ہندو یہ رنگین ڈورا سلونو کے تہوار میں کلائی پر باندھتے ہیں۔ رکھڑی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۹، فیروز سنز، لاہور)

ہو، لوگوں کو وعظ ونصائح کرتا ہو اور ایسے رسومات مروجہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہو۔ اور ایسی محفلِ عقد میں شریک ہونا مسلمانوں کو از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی محفل میں جانا اور نکاح پڑھانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے، خاص کر مقتدیٰ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ الآية(۱)، تاہم جو نکاح پڑھا جائے گا ان قبائح کے باوجود وہ منعقد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲۹/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲۹/ ۸۹ھ۔

---

(۱) (سورة الأنعام: ۶۸)

"رجل اتخذ ضيافةً للقرابة وليمة، واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صالحاً إلى الوليمة، قالوا: إن كان بحالٍ لو لم يذهب لا يتركون الفسق ويتركون عند حضوره، كان عليه أن يذهب؛ لأنه نهيٌ عن المنكر. وإنِ الرجلُ بحالٍ لو لم يُجب لا يمنعهم عن الفسق، لا بأس أن يجيب ويطعم وينكر معصيتهم وفسقهم؛ لأن إجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا يمتنع بمعصية اقترنت بها. أما استماع صوت الملاهي كالضرب بالقصب وغير ذالك حرامٌ ومعصية، لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسوق". (فتاوى قاضي خان، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۴۰۶، رشيديه)

"وإن علم أولاً باللعب لا يحضر أصلاً، سواء كان ممن يقتدى به أولا؛ لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور لا قبله". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية: ۴/۴۵۳، امدادية ملتان)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۷/۸۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "إنما ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

غلط رسموں کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۰۵]: شادی بیاہ میں کنگن پہننا، منڈوا گاڑنا، مقنعہ ڈالنا، سہرا باندھنا ہتھیلی یا زور بند باندھنا، غرضیکہ تمام کام خلاف شریعت ہوں تو نکاح صحیح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز افعال کا گناہ مستقل ہے(۱) لیکن نکاح پھر بھی درست ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا

سوال[۵۳۰۶]: مشرقی یوپی کے بعض مقامات پر دولہا اور دولہن کو اکٹھا بٹھا کر نکاح پڑھواتے ہیں، دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرواتے ہیں اور دولہن سے بھی اسی طرح ایجاب وقبول کراتے ہیں، اگر دولہن سے ایجاب وقبول نہ کرائیں تو کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لوگ کہتے ہیں جس طرح طلاق تین دفعہ ہے اسی طرح نکاح میں ایجاب وقبول بھی تین دفعہ ہے۔ اور نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طریقے کی پابندی کرنا کوئی شرعی حکم نہیں، مجلسِ عقد میں دولہن موجود نہ ہو، اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی یا وکیل قاضی وغیرہ ایجاب وقبول کرلے تب بھی درست ہے(۳)۔ ایک دفعہ بھی ایجاب وقبول

---

(۱)''منڈوا: ایک ادنیٰ قسم کا غلی۔ تھیٹر، تماشا گاہ، پنڈال، شامیانہ''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۹۳، فیروز سنز، لاہور)

مقنعہ: وہ باریک کپڑا جو دلہن کے سہرے کے نیچے باندھتے ہیں۔ باریک چادر جو عورتیں پردے کے لئے چہرے پر ڈالتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۷۵، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ...... كزوجت نفسي أو بنتي =

کافی ہے(۱)۔طلاق کی کئی قسمیں ہیں، ایک دفعہ دینے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۲)، تین دفعہ دینے سے بھی ہوجاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۳)، نکاح کی یہ قسمیں نہیں، پس طلاق پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔کلمہ پڑھوانا بھی ضروری نہیں وہ تو خود پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۶ھ۔

بغیر کلمہ پڑھائے نکاح

سوال [۵۳۰۷]: مورخہ ۱۵/ جون ۱۹۸۶ء کو محمد محمود ولد علی کی شادی مقرر تھی جس میں میرے والد کو نکاح خوانی کے لئے جانا تھا لیکن بوجہ بزرگی وہ نہ جاسکے، بندہ گھر پر موجود تھا، مجھے انہوں نے کہا کہ آپ جاکر نکاح کرائیں، بندہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چلا گیا۔ وہاں ڈھول وغیرہ گانے بجانے کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہ مجھے دیکھ کر جانے لگے۔

میں نے دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور ۴، ۵/ سال کے بچے ڈانس کررہے ہیں، بڑا دکھ ہوا کہ مسلمان

= أو مؤكلتي منك". (الدرالمختار). "(قوله: كزوجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلاً أو ولياً أو وكيلاً". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۲۹۴/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳۲۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد بالإيجاب والقبول ...... فإذا قال لها: أتزوّجك بكذا فقالت: قد قبلتُ، يتم النكاح".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح: ۲۷۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية ملتان)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعيةً أو رجعتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(۳) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوى العالمكيرية ۳۵۵/۱، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۹۴/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

کا بچہ بسم اللہ پڑھتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے ماں باپ کو بخش دیتے ہیں اور آج یہ بچے شیطان کے شیدائی ہیں۔ بندہ نے جا کر سلام کیا اور ڈھول بند کرا کر بچوں کو ڈانٹا، تمام بچوں کے والدین کو طلب کیا، جس کی شادی تھی اسے بھی طلب کیا، مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ اسے بند کیا جائے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی تو جانتے ہیں لیکن بند نہیں کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے خدائی حکم سنانا تھا، ہدایت اللہ دے سکتا ہے میں نہیں، لیکن میں آپ کی ڈھول والی برات کے ساتھ نہیں جاؤں گا، میں یہ کہہ کر چلا آیا۔ چند آدمی جو اسلامی قدر جانتے تھے وہ مجھے واپس بلا کر لے گئے اور کہنے لگے: اس سے قبل ۴/ افراد نے اس ماہ ڈھول بجایا ہے اگر آپ ان پر اسلامی تعزیرات لگائیں گے تو ہم ابھی ڈھول واپس کردیں گے، میں نے کہا انشاء اللہ، اگر آپ لوگوں کا ساتھ ہوا تو ضرور ان پر تعزیرات لگائی جائے گی۔

جب علی محمد گھر واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر صرف دو ڈھول اور ایک آدمی جائے گا تب بھی ڈھول بجا کر جاؤں گا، اس پر محلہ کے لوگوں کو جوش آیا کہ ایک طرف امام صاحب قرآن وحدیث کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے تو اس پر لوگوں کو جوش آیا، اعلان کیا کہ جو لوگ قرآن وحدیث پر چلنے والے ہیں وہ امام صاحب کے پیچھے اور جو لوگ شیطان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وہ ڈھول کے ساتھ جاؤ۔ اس پر ۴/ افراد امام صاحب کے ساتھ اور ۲۲/ افراد ڈھول والی بارات کے ساتھ چلے گئے، ۲۲/ کے بارے میں امام صاحب نے اعلان کیا کہ اب ان کا نکاح کوئی مسلمان نہیں پڑھ سکتا ہے۔

جب لڑکی والے کے گھر بارات گئی تو عقدِ نکاح کے لئے کوئی مسلمان تیار نہ ہوا، انہوں نے کہا جب امام صاحب کا اعلان ہے تم نہیں پڑھا سکتے، اس پر وہاں کا قاضی جو دور موجود تھا وہاں بھی گئے، اس نے کہا کہ امام صاحب کو بلا کر لاؤ اور ڈھول بند کرو، ہم تحقیقات کریں گے، پھر نکاح پڑھا جائے گا۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تمام واقفیت کرائی۔ تب تک محمد رفیق ولد فیروز الدین نکاح پڑھانے لگا، نہ ہی اس نے چھ کلمے سیکھے، صفتِ ایمان، دعائے قنوت اور نہ ہی نماز کا سبق آتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی نکاح کے ارکان جانتا ہے۔ اس نے نکاح کی رسم ادا کی اور لڑکی کو لے کر لڑکے کے گھر چلے گئے۔

بندہ نے ۱۶/ جون کو اپنے گاؤں کے اسلامی آدمیوں کی کمیٹی طلب کی، جس میں نوٹس جاری کی گئی کہ یہ

۲۴/ افراد آ کر صفائی پیش کریں ورنہ ان لوگوں کے ساتھ اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا، جن پر مورخہ ۱۷/ کو ان میں ۱۴/ افراد حاضر ہوئے، انہوں نے آ کر ۲۲/ افراد کی طرف سے غلطی مان لی، اس اسلامی کمیٹی میں قاضی و چند مولوی صاحب تھے۔

ڈھول بجانے والے کو ۲۰۰/ روپے جرمانہ باقی جو لوگ بارات کے ساتھ گئے تھے، ۶۰/ روپیہ جرمانہ ڈال کر توبہ وغیرہ کرائی، جرمانہ ادا ہو گیا، مسکینوں کو پیسہ دیا گیا اور نکاح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو لڑکے کے باپ نے کہا نکاح کیا تھا۔ ایسے ہی اس لڑکے نے کاپی دیکھ کر کلمہ وغیرہ پڑھائے تھے جب کہ اسے آتے ہی نہیں تھے۔ ہم نے دریافت کیا کہ لڑکا نماز کا پابند ہے یا نہیں؟ کہا لڑکا نماز جانتا ہی نہیں، لڑکا روزے رکھتا ہے کہ نہیں؟ کہا نہیں۔ تو اس پر علمائے کرام نے کہا پھر اس لڑکے کا نکاح نہیں ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور یہ نکاح علی محمد کے لڑکے کا آپ جا کر کرائیں۔

بندہ نے باقاعدہ صفائی لے کر کہ اس نے ازدواجی زندگی تو اختیار نہیں کی ہے، جب حلفی شہادت مل گئی، بندہ نے نکاح پڑھا، محمد رفیق ولد فیروز الدین کو نوٹس جاری کیا کہ مورخہ ۲۲/ جون کو اپنی صفائی پیش کریں، کیونکہ آپ کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، لیکن وہ یہ سن کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

بندہ کے پاس محمد رفیق کا سسر آیا، بندہ نے اس سے کہا آپ محمد رفیق کو لاؤ اس سے بیان لے کر تحقیق کی جائے گی۔ جب لڑکا آیا تو اس کی جگہ غلط بحث کرنے کے لئے صوفی سید محمد اور محمد رشید تیار ہو گئے کہ لڑکے کا نکاح نہیں ٹوٹا ہے۔ بندہ نے کہا کہ اگر نہیں ٹوٹا ہے تو عالم کو فتویٰ لکھو جو حکم وہ قرآن وحدیث سے دیں اس پر عمل کرنا ہوگا، لیکن پھر بھی غلط باتیں کہتے رہے۔

آخر کار بندہ نے بھری مجلس میں کہا کہ لڑکے کو لاؤ، چھ کلمے، صفت ایمان، دعائے قنوت اگر لڑکا محمد رفیق سنادے تو پھر اس کا نکاح نہیں ٹوٹا بلکہ میرا ٹوٹ گیا ہے، میرا پھر دوبارہ نکاح پڑھو، کیونکہ میں نے نوٹس جاری کیا ہے کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، کیونکہ جب اعلان تھا ایک طرف اسلام اور کفر کا اور اس نے بھی کفر کا ساتھ دیا ہے، دوسرے اسلام سے واقفیت بھی نہیں ہے۔

لڑکا حاضر ہوا پہلا کلمہ بھی نہیں سنایا، اس پر باقی مسلمانوں نے کہا کہ اب اس پر جرمانہ لگایا جائے۔ بندہ نے کہا جرمانہ تو لگائیں گے لیکن اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھنا ہے۔ اس پر بندہ نے ۵۰/ روپیہ محمد رفیق پر لگائے

اور صوفی سید محمد کو کہا کہ اگر آپ کو میرے نکاح پڑھنے سے شرم آتی ہے تو خود جا کر پڑھائیں اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ لڑکے کو چھ کلمے اور صفت ایمان اور دعائے قنوت اور نماز کا سبق پڑھائیں، اسے الحمد کی قسم بھی دی تھی۔ سننے میں آیا کہ وہ لوگ مولود والوں کے پاس سے فتویٰ لائے ہیں کہ نکاح نہیں ٹوٹا ہے اس لئے انہوں نے نکاح دوبارہ نہیں پڑھوایا ہے، جب توبہ جرمانہ وغیرہ ادا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں اور صوفی سید محمد اور محمد رشید جو کہ غلط بحث کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے علمی اور جہالت کی باتیں پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ مسلمان کلمہ اور صفت ایمان سے بھی واقف نہیں، پھر اور مسائل کا کیا ذکر۔ صورتِ مسئولہ میں اگر نکاح کا ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں کرادیا گیا تو وہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا، اگرچہ ایجاب وقبول کرنے والا خود کلمے اور نماز وغیرہ سے ناواقف ہو(۱) اور نکاح پڑھانے والے یا انکار کرنے والے یا تقریر کرنے والے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا نکاح اپنی جگہ برقرار ہے۔ مالی تعزیر شرعاً درست نہیں، جس جس پر تعزیر کی گئی وہ غلط کی گئی، کذا فی البحر الرائق(۲)۔ باجہ وغیرہ بھی ممنوع ہے(۳)۔ نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دیا جائے جو کہ ایجاب وقبول سے دو

---

(۱) "و ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر، لیتحقق رضاهما، و شرط حضور شاهدین حرین مکلفین، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، ۱۸۲، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۲/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(۳) "و فی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب و نحوه حرام، لقوله علیه السلام: "استماع =

گواہوں کے سامنے منعقد ہوجاتا ہے(۱)۔ خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور نکاح بغیر خطبہ کے بھی درست ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۸ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

سوال[۵۳۰۸]: اس طرف امام صاحب بوقتِ نکاح دولہا ودولہن کو ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں دلہن بالغہ ہو یا نابالغہ، بعض آدمی اس پر معترض ہوئے کہ بالغہ سے کلام نہ کرنا چاہئے، امام صاحب نے کہا اس میں کیا نقصان ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ دونوں کو پڑھانا چاہئے یا صرف دولہا کو؟ اگر صرف دولہا کو تو دولہن کو پڑھانا ثواب ہے یا گناہ؟ مع دلیل تحریر فرمائیں۔

از بیاور ضلع اجمیر، عبدالوہاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ عقدِ نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور صحابہ اور مجتہدین سے منقول نہیں، البتہ اگر دولہا ودولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں خلافِ شرع ہیں تو جس کے عقائد خلافِ شرع ہوں ان کو تجدیدِ ایمان کے لئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد موافقِ شرع ہوں اس کو ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے، خاص کر جب کہ دولہن کو کلمہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو اس کی آواز کی وجہ سے، یا لوگوں کی بدگمانی اور اعتراض کی وجہ سے۔

= صوت الملاهي معصية، الخ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۸۰/۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۶۰۹، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "و يندب إعلانه و تقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب: متعلقات نکاح: ۱۵۹/۷، مكتبه امداديه ملتان)

اور اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم نہ ہو، بلکہ بظاہر اس کا عقیدہ درست معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرادیا جائے، ہاں اگر اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے، ایسی حالت میں بالغہ کو بھی زور سے اس طرح کلمہ پڑھانا چاہئے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی کم از کم ضرور سن لیں، نابالغہ کو پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر احتیاطاً بلا التزام وبلا مفاسد پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانا ضروری نہیں آہستہ کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال[۵۳۰۹]: اگر کسی شخص نے کلمہ نہیں پڑھا ہے اور اس کی شادی ہورہی ہے تو کیا نکاح پر بھی کوئی اثر پڑسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: نفسِ ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے گا۔ البتہ اس کے درجات بہت ہیں۔ ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے ان کو نہ پڑھنا نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے۔

ب: شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہو تو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے، اور یہ افضل الذکر ہے، کما ورد فی الحدیث.

---

(۱) "عن إسمٰعيل بن إبراهيم، عن رجل من بني سليم قال: خطبت إلى النبي صلى الله عليه وسلم أمامة بنت عبد المطلب، فانكحني من غير أن يتشهد". (سنن أبي داؤد، باب في خطبة النكاح: ۱/ ۲۸۹، امدادیه ملتان)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کلمہ پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے نہ مسنون"۔ (کفایت المفتی، الباب الثامن، کتاب النکاح، عنوان: نکاح کا شرعی طریقہ: ۵/ ۱۵۱، دارالاشاعت کراچی)

ج: کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں۔ پڑھا دیا جائے تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

فتاوی محمودیہ

ارباب فتاویٰ، اہل علم اور شائقین مطالعہ کے لئے

مفتی اعظم ہند مولانا محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے

فتاویٰ کے دس ہزار سے متجاوز جزئیات پر حاوی ایک انمول تحفہ!!!

فضل مولی ابن القاضی فضل خالق

فصل فی الشهود فی النكاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

نکاح میں خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا

سوال[۵۳۱۰]: فتاوی عالمگیری :۲/۸۴۳(۱) میں ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں خدااور رسول کو گواہ بنایااور اس طرح کہامیں نے خدااور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنایا، تو کافر ہو جائے گا۔اور اگر اس نے کہا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا۔دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فتاوی عالمگیری کی عبارتِ مسئولہ یہ ہے:"رجل تزوج امرأةً، ولم يحضر الشهود، قال: "خدائے را و رسول را گواه کردم" أو قال: "خدائے را وفرشتکان را گواه کردم" كفر. ولو قال: "و فرشتۂ دستِ راست گواه کردم، وفرشتۂ دستِ چپ را گواه کر دم" لايكفر، كذا في الفصول العمادية". عالمگیری مصری، ص: ۲٦٦، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتد(۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے، کسی اور فرشتہ یا پیغمبر کے لئے بھی یہ ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ شرک ہے۔جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہاں کوئی گواہ سامنے نہیں تھا، بلکہ خدااور رسول کو گواہ بنایا تو اس نے رسول (کو) خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، یا تمام فرشتوں کو گواہ بنایا تو ان کو خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، لہٰذا یہ مشرک ہوگیا۔اگر داہنے یا بائیں ہاتھ کے کاتبِ اعمال

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام الخ: ۲/۲٦٦، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس سے مشرک نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں، خدائے پاک کی طرف سے مسلط ہیں، دوسرے کسی فرشتہ کی یہ شان نہیں۔ تو نکاح دونوں صورتوں میں نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خدااور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

سوال[۵۳۱۱]: زید ایک بیوہ عورت کو لے کر وطن سے دوسری جگہ دور چلا گیا اور وہاں پہونچ کر بیوہ عورت نے زید سے راضی خوشی میں کہا کہ میں بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں، زید نے خدااور رسول کو گواہ قرار دیکر بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر بیوہ عورت کو قبول کیا (منظور کرلیا)۔ نکاح کے وقت زید اور بیوہ عورت ان دونوں فرد کے سوا اور دوسرا کوئی فرد نہیں تھا اور دونوں ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد اس سے بچہ پیدا ہوا۔ بچے کو حلالی قرار دیا جائے گا یا حرامی؟ زید کا نکاح ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوتا(۲)، انعقادِ نکاح کیلئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا مجلسِ عقد میں بطورِ گواہ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے(۳)، تنہائی میں نکاح نہیں ہوتا۔ خدااور رسول کو گواہ بنا کر

---

(۱) "ومن تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لايجوز النكاح، كذا في التجنيس و المزيد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۲) "رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۱/۳۳۴، رشيديه)

(۳) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل =

نکاح کرنے سے ایک قول پر ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، کتبِ فقہ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس طرح نکاح کرنے سے آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے خدائے پاک کی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو بھی حاضر ناظر اور عالم الغیب اعتقاد کیا۔

ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو، اس کے ثابت النسب اور غیر ثابت النسب ہونے کو کیا دریافت کرتے ہیں۔ اس مرد اور عورت کو سچی توبہ کرا کے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا جائے:

"رجل تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله. وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر"(١)۔

"ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط"(٢)۔

اس کے بعد گواہوں کے سامنے باقاعدہ نکاح کرایا جائے، اور جو اولاد پہلے نکاح سے پیدا ہو چکی ہے اس کو اولادِ زنا کہنے سے بھی احتیاط کیا جائے۔ یہی صورت احوط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ٣٠٦/٢، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ٢١/٣، ٢٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ١٥٥/٣، رشيديه)

(١) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ٣٣٤/١، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ٢٦٨/١، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ٣٢٠/٣، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ١٥٥/٣، رشيدية)

(٢) (مجمع الأنهر، باب المرتد: ٦٨٨/١، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر: ٢٨٣/٢، رشيديه)

اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال [۵۳۱۲]: عنایت اللہ نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور اس کو اپنے گھر لے آئے، لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اور نکاح کرلیا ہے، لال محمد نے نکاح پڑھایا جو مر چکے، گواہ اللہ میاں تھے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت مسلمان ہونے کا اقرار کرتی ہے تو وہ مسلمہ ہے، لیکن وہ عنایت اللہ کی بیوی نہیں، عنایت اللہ کا نکاح اس سے منعقد نہیں ہوا: "و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين". هدايه(۱)۔

نکاح کے لئے دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورت کا موجود ہونا ضروری ہے، صرف اللہ میاں کی گواہی صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں (۲)، اللہ میاں تو ہر چیز کو دیکھتے ہیں حلال ہو یا حرام۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں

سوال [۵۳۱۳]: ایک بالغہ عورت نے شوہر کے ماں باپ اور بہن کو شاہد بنا کر اپنے دیور سے شادی کرلی ہے۔ تو شرعاً یہ شہادت معتبر ہے یا نہیں، جبکہ عورت کے کسی رشتہ دار کو نکاحِ ثانی کا بالکل علم نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بہن بالغہ ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، کیونکہ بالغہ کو اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار

---

(۱) (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و من تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لا يجوز النكاح، كذا في التجنيس والمزيد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

حاصل ہے(۱) اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۸ھ۔

نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟

سوال[۵۲۱۴]: ۱......اگر کوئی مقام کفرستان ہو اور مسلمان دور دراز فاصلہ پر ہوں، محض ایک ہی مسلمانوں کا گھر ہو، نیز لڑکی جوان العمر عاقلہ بالغہ ہو اور لڑکا بھی جوان ہو، وہ ہر دو روبرو ایک مرد اور ایک عورت کے اپنا نکاح کرلیں، مجبوری و مسلمان نہ ہونے و اندیشہ نیز حرام سے بچنے کی غرض سے۔ کیا نکاح جائز ہے؟

۲......ہر دو گواہاں مرد و عورت کے ہمراہ ایک لڑکی مسلمان چودہ سالہ جس کو کئی مرتبہ حیض آچکا ہے وہ بھی بوقتِ نکاح موجود ہوتی ہے، کیا لڑکی کی شہادت از روئے شرع معتبر ہے؟ حضرت مولانا حافظ محدث اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو استفتاء موافق چھ سوالات از روئے شرع محمدی نکاح ہوگیا ہے، یہ نہیں ٹوٹ سکتا؟ مگر بکر کہتا ہے کہ مدرسہ سہارنپور کا فتویٰ بمعہ آیات قرآن و احادیث مستفسرہ، معہ مہر مدرسہ ہونا چاہئے۔

۳......اگر بکر دوسری جگہ دختر کو دیدے تو جو افعال حرام ہوگا اس کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا دوسری جگہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کم از کم دو عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہونا

---

(۱) "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه و مالا: أي للولي ...... الاعتراض في غير الكفو، الخ". (الدرالمختار، باب الولي: ۳/۵۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: باب الأولياء والأكفاء: ۳/۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

ضروری ہے، ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے ایجاب وقبول نکاح باقاعدہ سنا ہے تو ان کی شہادت معتبر ہے، اور چودہ سالہ لڑکی کی جب کہ وہ بالغہ ہے شہادت معتبر ہے(۱)۔

۳......تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ نکاح شریعت کے موافق منعقد ہوا یا نہیں، اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا، اگر نکاح کے منعقد ہونے کی صرف یہی صورت ہے جو کہ پہلے سوال کے نمبر:۱و۲ میں مذکور ہے تو شرعاً نکاح نہیں ہوا، بکر کو جائز ہے کہ اپنی دختر کا نکاح اس کی رضامندی سے دوسری جگہ کردے، ہاں اگر دختر دوسری جگہ رضامند نہ ہو تو زید ہی سے دوبارہ باقاعدہ نکاح کردے، دختر بالغہ کی مرضی کے خلاف بکر کو کسی جگہ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور پہلے سوال نمبر:۱و۲ میں جو الفاظ ہیں وہ کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہمارے سامنے نہیں، معلوم نہیں وہاں کیا سوال لکھا گیا ہے؟ اور انہوں نے کیا جواب مرحمت فرمایا ہے؟ اس لئے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ جمادی الاولیٰ/۱۳۵۶ھ۔

باپ بھائی کی شہادت سے نکاح

سوال[۵۳۱۵]: اگر کسی عقد میں لڑکی کا والد اور بالغ بھائی گواہ کی حیثیت سے ہوں اور قاضی صاحب نے بھائی کے ایک دوست کی موجودگی میں نکاح پڑھایا ہو اور قاضی صاحب نے مذکورہ اشخاص کی موجودگی میں پردہ کی آڑ سے لڑکی سے ایجاب وقبول کرایا ہو تو کیا شرعاً عقد درست ہو جائے گا؟ جبکہ عقد کے

---

(۱) قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۱۵۵/۳، رشيديه)

وقت صرف ایک بھائی، لڑکی کا باپ اور قاضی اور بھائی کا ایک دوست موجود تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہوجائے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی

سوال[۵۳۱۶]: ایک مرد اور ایک اجنبیہ عورت میں تعلق قائم ہوا، جب ایک مرتبہ لڑکی کا خط پکڑا گیا تو تعلق ظاہر ہوا، اب لڑکی کہتی ہے کہ میری شادی ۱۵/ رمضان رات میں بارہ بجے ہوچکی ہے۔ میرے باپ اور بھائی گواہ ہیں۔تو اس کا نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والد اور بھائی کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول ہوا تو یہ بھی صحتِ نکاح کیلئے کافی ہے(۲)،

---

(۱) "(أمر) الأب (رجلاً أن يزوّج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين) والحال أن (الأب حاضر صح)؛ لأنه يجعل عاقدًا حكماً (وإلا، ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد، جاز)".

(الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: الخاص على العام: ۳/ ۲۴، سعيد)

وانظر أيضاً: (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۷، شركة علمية)

(وكذا البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۶۱، ۱۶۹، رشيديه)

(۲) "(ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمين أو رجل و امرأتين عدولاً) أما اشتراط الشهادة، فلقوله عليه الصلاة والسلام: "لانكاح إلابشهود، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع: آراء الفقهاء في اشتراط الشهادة: ۹/ ۶۵۵۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/ ۴۵۲، ۴۵۳، دارالكتب العلميه بيروت)

دوسرے لوگ اب تجسس نہ کریں، دونوں کی گواہی پر اکتفا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح

سوال[۵۳۱۷]: زید محلہ کی مسجد میں بلا اجرت امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، محلہ کی نکاح خوانی بھی اسی کے سپرد ہے، معتبر ذریعہ سے پتہ چلا ہے کہ عرصہ ہوا زید نے اپنا خود نکاح ایک بیوہ عورت سے چار عورتوں کی گواہی سے پڑھ لیا۔ پہلی بیوی دوسرے مقام پر رہتی ہے، دوسری بیوی ساتھ رہتی ہے۔ ایسے شخص کا امامت کرنا اور اس سے نکاح پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض عورتوں کی گواہی سے (اگر چہ وہ چار ہوں) نکاح صحیح نہیں ہوتا (۱)، جس نے ایسا کیا غلط کیا، اس کو لازم ہے کہ اپنی اس غلطی پر توبہ واستغفار کرے (۲) اور کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرے (۳)۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابر ادا کرے، یہ طریقہ ایک کو

---

(۱) "ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، ۲۶۸، رشیدیه)

"ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، الخ". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، و أنها واجبة علی الفور لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أوکبیرةً، الخ". (شرح العلامة النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی، تحت آیة: ﴿یاأیها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "جب نکاح سابق صحیح نہیں ہوا تو سنت طریقہ سے دوبارہ ایجاب وقبول کردے"۔ (کما تقدم فی الحاشیة رقمها: ۱)

10

الگ ڈال کر اس کے حقوق سے دست کش ہو کر دوسرے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے ناانصافی اور ظلم ہے(۱)۔ اگر یہ شخص اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، پھر اچھا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

تعیینِ گواہاں کے بغیر مجمع میں نکاح

سوال[۵۳۱۸]: یہاں پر ایک بارات مسجد میں آئی، نماز مغرب کے بعد نکاح ہونا تھا، نکاح خواں نے کہا کہ گواہ لاؤ، لڑکی کے باپ نے کہا کہ خدا کے گھر میں بیٹھے ہیں، گواہ کی کیا ضرورت ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔ اس وقت لڑکی کی اجازت بھی کوئی ظاہر نہیں کی گئی تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مجمع کے سامنے ایجاب وقبول کرایا گیا ہے تو وہی سب گواہ ہیں، مستقلاً مقرر کر کے گواہ بنانا ضروری نہیں (۳)۔ اگر لڑکی کے والد نے پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کر رہا ہوں اور لڑکی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من كانت له امرأتان، فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲/۶۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۱، رشيديه)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ". (الدرالمختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق و هو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا و نحو ذلك .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۳) "(ولو بعث) مريد النكاح (أقواماً للخطبة، فزوجها الأب) أوالولي (بحضرتهم، صح)، فيجعل المتكلم فقط خاطباً والباقي شهوداً، به يفتي". (الدرالمختار). "وعليه الفتوىٰ؛ لأنه ضرورة في جعل =

نے انکار نہ کیا ہو تو بھی اجازت ہے، اگر پہلے نہ کہا ہو اور نکاح کے بعد جا کر خبر کردے اور لڑکی خبر سن کر اس کو منظور کرے بلکہ خاموش رہے تب بھی وہ نکاح پختہ اور لازم ہو جاتا ہے(۱)، ہاں! خبر سن کر فوراً اس نے انکار کر دیا کہ مجھے منظور نہیں تو وہ جب ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۰ھ۔

تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے

سوال[۵۳۱۹]: احتیاطاً اگر نکاح کو دہرانا ہے تو اس وقت بھی کیا شاہد ومہر کی ضرورت ہے یا میاں

= الكل خاطباً، فيجعل المتكلم فقط، والباقي شهود". (ردالمحتار: ۳/۷۷، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

"رجل زوّج ابنته من رجل في بيت وقومٌ في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منها، تقبل شهادتهم .... رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلى والدها، فقال الأب: زوّجت، وقبل عن الزواج واحدٌ من القوم، لايصح النكاح، و قيل: يصح، وهو الصحيح، وعليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶۸، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ، رشيديه)

(۱) "(فإن استأذنها هو: أي الولي -وهو السنة- (أو وليه أورسوله أوزوجها) وليها وأخبرها رسوله أوفضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة أو ضحكت غيرمستهزأة، الخ". (الدرالمختار: ۳/۵۸، ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۲۹۶، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "بالغة زوّجها أبوها، فبلغها الخبر، فقالت: لا أريد، أو قالت: لاأريد فلاناً، فالمختار أنه رد في الوجهين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۹۲، كتاب النكاح، فصل في الخياربين الزوجين، دارالكتب العلمية بيروت)

"لأن الفرقة بالخيار فسخ للعقد، والعقد إذا انفسخ، يجعل كأنه لم يكن". (ردالمحتار: ۳/۷۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

بیوی دونوں کا نکاح وایجاب قبول کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بھی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، صرف شوہر و بیوی کا تنہائی میں ایجاب وقبول کافی نہیں (۱)۔مہر بھی متعین کیا جائے گا، گذشتہ مہر کافی نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶ محرم ۶۸ھ۔

بھائی وبہنوئی کی گواہی کے بیان میں اختلاف

سوال[۵۳۲۰]: ۱...... زید عمرو کا حقیقی بھائی ہے، زید عمرو کے حق میں اس کے نفع کی شہادت دیتا ہے، نہ نقصان کی، آیا زید کی شہادت عمرو کے حق میں نفع کے واسطے شرعاً قبول ہے یا نہیں؟

۲...... منگنی کی مجلس کے چار گواہ دیندار معزز رئیس اور دو گواہ معمولی تھے، چار گواہاں کہتے ہیں کہ ایجاب کے بعد قبول نہیں سنا اور دو گواہ معمولی ایک حقیقی بھائی مدعی کا دوسرا بہنوئی مدعی کا یعنی رشتہ دار کہتے ہیں قبول مدعی نے کیا ہے۔آیا یہ اختلاف شہادت میں ہوا یا نہیں، اس اختلاف کی وجہ سے یہ شہادت شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ نیز بہنوئی کی شہادت بوجہ رشتہ دار ہونے کے شرعاً مقبول ہے یا مردود؟

۳...... جو گواہ مدعیٰ علیہ کی طرف سے مختار ہے وہ ہی گواہ ہمراہ مدعی متفق ہو کر مدعیٰ علیہ کے ساتھ مخاصمت کرتا ہے اور مدعی کے ساتھ مدعیٰ علیہ کے برخلاف اس کے حقوق کو پامال کرنے کیلئے مشورہ کرتا ہے۔کیا اس کی شر

---

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین". (الهدایة: ۳۰۶/۲، کتاب النکاح، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في الشهادة: ۳۹۴/۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

(۲) "المهر یتکرر بالعقد مرةً وبالوطئ أخری .... والطلاق بعد الدخول یعقب الرجعة ویوجب کمال المهر". (فتاویٰ قاضي خان، کتاب النکاح، فصل في تکرار المهر: ۳۹۲/۱، ۳۹۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الفصل الثالث في تکرار المهر: ۳۲۳/۱، رشیدیه)

عاً شہادت مقبول ہے یا مردود؟ لہٰذا عنداللہ جواب بعباراتِ فقہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی واقعہ کا جواب مدعی ومدعیٰ علیہ وگواہان کے بیان دیکھ کر اور حسبِ ضرورت تنقیحات کر کے پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے، اس مرتبہ جو سوالات کیے گئے ہیں صرف ان کا جواب دیا جاتا ہے:

۱...... بھائی ہونا گواہی قبول ہونے سے مانع نہیں: "شهادة الأخ لأخية وأولاده جائز. اهـ". فتاوی عالمگیری: ۳/ ٤٥ (۱)۔

۲...... یہ شہادت میں اختلاف نہیں کیونکہ چار گواہ اپنے سننے کی نفی کرتے ہیں، نفسِ قبول کی نفی نہیں کرتے، پس اگر مدعی کا بھائی اور مدعی کا بہنوئی عادل ہیں اور مدعی کیطرف سے قبول کرنے کی شہادت دیتے ہیں تو شرعاً ان کی شہادت قبول ہوگی، محض بھائی اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جا سکتی (۲)۔

رہی یہ بات کہ ان کی اس شہادت سے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے یا محض منگنی کی پختگی پر محمول کیا جائے، تو یہ موقوف ہے مدعی اور مدعیٰ علیہ اور گواہی کے پورے بیان اور مجلس کی پوری کیفیت سامنے ہونے پر جس کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

۳...... اگر مدعیٰ علیہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا تھا اور وکیل یہ کہتا ہے کہ مجھے نکاح کا وکیل بنایا تھا اور میں نے عقد کر دیا ہے اور مدعی وکیل بنانے کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن عقد کا انکار کرتا ہے تو اس سے وکالت تو ثابت

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الثالث فيمن لاتقبل شهادته للتهمة الخ، كتاب الشها دات: ۳/ ٤۷۰، رشيديه)

"أما سائر القرابات كالأخ والعم و الخال ونحوهم، فتقبل شهادة بعضهم لبعض، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/ ۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرا لرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شها دته ومن لاتقبل: ۷/ ۱۵۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الثانی فی الشهادات: ۴/ ۵۹، امجد اكيڈمی لاهور، پاكستان)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة انفاً)

ہوجائیگی، لیکن عقد کیلئے مستقل شہادت درکار ہے (۱) اگر لڑکی بالغہ ہے تو عقد کیلئے اس کی اجازت اور رضا بھی ضروری ہے (۲) اور شرعاً وکیل ہونا بھی شہادت کے رد کا سبب نہیں، اور بلا وجہ کسی کی مخالفت کرنا اور اس کو اذیت پہونچانا، پامال کرنا سخت گناہ ہے، اس سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا، فقد احتملوا بهتاناً وإثماً مبیناً﴾ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم

سوال [۵۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحاملان شرع متین زادهم الله شرفاً ومجداً مُباحثۂ ذیل میں:

۱...... زید کہتا ہے کہ بموجب کتب متداولہ نزد احناف، مثلاً: قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، هدایہ، ردالمحتار، درمختار، درالمنتقی، مجمع الأنهر، فتاویٰ هندیه، فتح القدیر، البحر الرائق، خانیه، وغیرہ بوقتِ انعقادِ نکاح دو مرد یا ایک مرد دو عورت گواہ- خواہ عادل ہوں یا فاسق- کافی ہیں۔ اور اس

---

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین. اعلم أن الشهادة شرط فی باب النکاح، لقوله علیه الصلوة والسلام: "لانکاح إلا بشهود". (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح: ۱۹۹/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها، بکراً کانت أو ثیباً، الخ".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۲۸۷/۱، رشیدیه)

"ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح: أی لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها". (البحر الرائق، باب الأولیاء والاکفاء: ۱۹۴/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۳۱۴/۲، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(۳) (سورة الأحزاب: ۵۸)

صورت میں فاسق کی شہادت سے نزد احناف نکاح صحیح ہے، اس لئے کہ حدیث شریف جو کہ فتح القدیر وغیرہ کتب میں مذکور ہے وہ مقیّد بقیدِ عدالت نہیں ہے۔

اور نزد احناف یہ قاعدہ اصولِ فقہ میں طے شدہ ہے کہ "مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے" بایں روایت "المطلق یجری علی إطلاقه" ارشاد نبوی ہے: "لانكاح إلا بشهود". اس حدیث شریف میں لفظ "شہود" بوجہ قاعدہ مسلمہ فاسق وعادل ہر دو قسم شاہد کو شامل ہے۔

البتہ بوقتِ نزاع نزدِ قاضی بدیں طور کہ مثلاً زوج مدعی نکاح ہے اور عورت منکرہ ہے، یا بالعکس گواہان انعقاد نکاح - جو کہ فاسق ہیں - صرف ان کی شہادت سے نزد قاضی یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ صریح فرمان واجب الاذعان بابت گواہ مقبول الشہادت یہ ہے: ﴿وأشهدوا ذوى عدل منكم﴾. ﴿ذواعدل منكم﴾. ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾" اور اس صورت میں فیصلۂ شرعیہ بموجب حدیث شریف "واليمين على من أنكر" حلف پر ہے اور بصورت مذکورہ بوقتِ نزاع نزد قاضی گواہان فاسق شرعاً ہیچ ہیں۔

اور عمر یہ کہتا ہے کہ جب کہ گواہان فاسق کی شہادت سے انعقادِ نکاح صحیح ہے اور بوقتِ انعقادِ نکاح ان کی شہادت مانی جاتی ہے تو بوقتِ نزاع بھی ان کی گواہی معتبر کیوں نہیں رکھی جاتی، اس لئے کہ مقصود از گواہان انعقاد نکاح اظہار نکاح بوقتِ نزاع ہے اور جب یہ مقصود فوت ہوگیا تو گواہان مذکورہ لا طائل ثابت ہوں گے تو گویا نکاح بغیر شہود ہوا جو کہ نزدِ احناف ناجائز ہے۔

زید اس کے جواب میں علاوہ دلائلِ نقلیہ مذکورہ یہ کہتا ہے کہ گواہان فاسق لا طائل نہیں، بلکہ کارآمد ہیں، اس لئے کہ بوجہ گواہان مذکورہ مواخذۂ اخروی زنا سے بریت ہے۔ نیز مواخذۂ دنیاوی جو کہ حد ہے وہ ساقط ہے، بموجب حدیث شریف: "الحدود تندرأ بالشبهات".

اور اہلیتِ شہادت اور اداء اور مقبولیتِ شہادت نزد قاضی میں بڑا فرق ہے جس سے کتب فقہ مملو اور مشحون ہیں، منفی نزد قاضی مقبولیت شہادت ہے نہ اہلیت، پس محلِ نفی واثبات وسلب وایجاب علیحدہ ہے اور یہ مردودیت شہادت زجراً بوجہ فسق ہے۔ خانگی معاملات غیر نزاعی اور قضائی معاملات نزاعی میں فرق نہیں ہے۔

۲...... زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا، یا قبضہ سے کم رکھنا موجب گناہ ہے اور بوجہ ارتکاب فعل، مذکورہ

شخص عادل قابل قبول شہادت شرعاً نہیں ہے گو کہ صوم وصلوۃ اور امور کا پابند ہو اور دیگر منہیاتِ شرعیہ سے بھی مجتنب ہو، بموجب حدیث شریف جو کہ متفق علیہ شیخین ہے:

"عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "خالفوا المشركين أو فروا اللحی أحفوا الشوارب". وفي روايته: "انهكوا الشوراب واعفوا اللّحی" متفق علیه".

اور یہ قاعدہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے، خصوصاً جب کہ وہ مقرون بالوعید ہو۔ وبروایتِ ردمختار، دربارۂ قطع لحیہ: "فلم یُبحه أحد".

اور اس روایت سے باجماع خیرالقرن سلف صالحین تا خلف صالحین عدمِ اباحتِ قطعِ لحیہ ثابت ہے۔ اور بصورتِ قطعِ لحیہ خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے جو کہ موجبِ فسق ومخلِ عدالت شاہد ہے، اس لئے کہ اجماع فی نفسہ مستقل حجتِ شرعیہ قابلِ عمل ہے۔ اور گواہ عادل کے معنی یہ ہیں کہ "گناہ کبیرہ واصرارِ صغیرہ سے محترز ہو" اور بصورتِ مذکورہ عدمِ احترازازگناہ مذکورہ ثابت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ دورِ حاضرہ میں ڈاڑھی منڈوانا، یا ایک قُبضہ سے کم رکھنا عام رواج ہے اور اس میں اکثر بلکہ قریب قریب تمام عالم مبتلا ہیں، اب اگر یہ فعل مخلِ قبولِ شہادت ہے تو گواہ ڈاڑھی دار کا ملنا زمانِ مشاہد میں قریب ناممکن عادی ہے اور اس قید کی وجہ سے شب وروز حلف کاذب فریق منکر دلیرانہ ادا کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دروازۂ حق تلفی حقوق العباد بجائے بستہ ہونے کے وا ہو جائے گا، کیونکہ نہ ڈاڑھی دار گواہ موافقِ معیارِ شرعی دستیاب ہوں گے اور نہ حق رسی صحیح طریق پر ہو سکے گی۔ اس لئے یہ فعل مذکور بلحاظ ضرورت شدیدہ دورِ حاضر میں مخلِ عدالتِ گواہ نہیں ہے، کیونکہ بموجبِ روایتِ فقہیہ بوجہٗ اختلافِ زمانہ حکم بدل جاتا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے: "الحكم يختلف باختلاف الزمان"۔

علاوہ ازیں اگر یہ فعل شرعاً موجبِ فسق اور مخلِ قبولِ شہادت ہے تو نزد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فاسق صاحبِ مروت اور وجیہ کی شہادت قابلِ قبول ہے، چنانچہ روایت کتبِ فقہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح موجود ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا ایک قبضہ سے کم رکھنے والا لائق قبولِ شہادت نہ ہو؟

اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الیوم

أکملت لکم دینکم﴾ الآیۃ نصوصِ صریحہ اور اجماع اور سنتِ متوارثہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے یہ فعل ناجائز ثابت ہے۔

لہٰذا اب دورِ حاضرہ میں کسی طرح احکام متقررہ شرعیہ قابلِ ترمیم اور تنسیخ نہیں ہیں اور نہ ہوں گے اور تردید روایت امام ابو یوسف بمقابلہ نصِ صریح خود کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

اور دیگر روایت پیش کردہ احکام متقررہ منصوصہ شرعیہ پر ہرگز ہرگز حاوی نہیں ہے، اس پر "الف لام الحکم الخ" شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ضرورتِ دوَرِ حاضرہ بمقابلۂ احکامِ متقررہ شرعا ہیچ ہے اور رواج دین متقررہ پر ہرگز غالب نہیں ہوسکتا۔

"الإسلام یعلو ولا یعلی" صریح فرمان ہے، ہر مسلمان پر اتباع دین لازم اور ضروری ہے اور دین کو اپنی ضروریات اور خواہشات کے تابع کرنا محلِ خطرہ ہے۔ پس بموجبِ فرمانِ والاشان: ﴿فاسئلوا أهل الذکر﴾ الآیۃ۔ علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مُباحثۂ زید وعمرو پر نظرِ عمیق شرعی فرما کر بالتفصیل بحوالۂ روایات معتبرہ اظہار فرمائیں کہ زید حق پر ہے یا عمرو، تاکہ نزاع موجودہ طے ہوجائے؟ واللہ اعلم واحکم۔

المستفتی: احمد احسن ابن سید ابوالحسن، از ٹونک راجپوتانہ، محلہ قافلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید وعمر کا مباحثہ پڑھا، عمر کا کہنا کہ "جب شہادتِ فاسق سے انعقاد صحیح ہے تو بوقتِ نزاع بھی اس کا اعتبار ہونا چاہیے" قیاس مع الفارق اور اصول وفروع فقہ وحدیث کے خلاف ہے اور بوقتِ نزاع اس شہادت کا اعتبار نہ کرنے سے اصل انعقاد میں بھی اعتبار نہ کرکے اس کو معدوم اور لاطائل سمجھ کر انعقاد بلا شہادت (جو کہ ناجائز ہے) ماننا بھی غلط ہے اور عدمِ تفقہ پر مبنی ہے، جیسا کہ امور ذیل سے واضح ہے:

الامر الاول: شاہد کی دو حالتیں ہیں جو اپنی شرائط اور آثار کے اعتبار سے بالکل متمیز ہیں: ایک حالتِ تحمل، دوسری حالتِ ادا:

"إن للشاهد حالتين: حالة التحمل وحالة الأداء، وإن من شرط الأداء الحرية والبلوغ والإسلام، فيشترط وجود ذلك عند الأداء، اهـ" معين الحكام، ص: ۸۱(۱)۔

---

(۱) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البيّنات، الفصل الرابع، ص: ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر) =

اس سے معلوم ہوا کہ حریت، بلوغ، اسلام سے قبل تحملِ شہادت کر کے بعد میں ادا کر دینا درست اور شرعاً معتبر ہے جیسا کہ روایت حدیث کے متعلق بھی یہی قاعدہ ہے:

"یصح التحمل قبل وجود الأهلية، فيُقبل روايةُ مَن تحمل قبل الإسلام وروى بعده، وكذا رواية مَن سمع قبل البلوغ وروى بعده، اه". مقدمه ابن صلاح، ص: ۵۸(۱)۔

الامر الثانی: جس عارض کی وجہ سے شہادت رد کر دی جاتی ہے اس کے مرتفع ہونے سے اہلیت پیدا ہو کر شہادت قبول کر لی جائے گی، مثال کے طور پر چند جزئیات نقل کرتا ہوں:

"إذا شهد الصبي في حادثة فردت، ثم أعادها بعد البلوغ، تُقبل. وكذا العبد إذا شهد في حادثة فردت، ثم أعادها بعد العتق، تقبل. وكذا الذمي إذا شهد على حكم فردت، ثم أعادها بعد الإسلام، تقبل. وكذا الأعمى إذا شهد فردت، ثم أعادها بعد ما أبصر، تقبل، اه". معين الحكام، ص: ۸۱(۲)۔

الامر الثالث: فاسق میں شہادت کی اہلیت ہے، کسی عارض کی وجہ سے اس کی شہادت قبول کرنے کو منع کر دیا گیا، اگر اس میں نفی اہلیت نہ ہوتی تو اس کی شہادت نہ قبول کرنے کا حکم "نہی عاجز" کے قبیل سے ہوتا جو کہ

= "وأما الشرائط في الأصل فنوعان: نوع هو شرط تحمل الشهادة، ونوع هو شرط أداء الشهادة .... وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة، فليست من شرائط التحمل، بل من شرائط الأداء، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۵۰۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

(۱) (علوم الحديث لابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون: معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه، ص: ۱۲۸، دارالفكر، بيروت)

(۲) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البينات، الفصل الرابع، ص. ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

شارع سے محال ہے، کما تقرر فی کتب الأصول(۱)۔ اور جو عارض "فسق" مانع عن القبول ہے وہ لازمِ ذات نہیں، بلکہ قابلِ انفکاک ہے "بطریق توبہ"، اسی لئے تحت حکم الحاکم داخل نہیں۔ پس اگر تحملِ شہادت تو بحالتِ فسق ہے اور ادا بعد التوبہ ہو تو شرعاً یہ تحمل بھی معتبر اور ادا بھی معتبر (۲)۔

الامر الرابع: اگر فاسق بحالتِ فسق بھی شہادت دے اور قاضی کو تحری سے اس میں صدق راجح معلوم ہو تو اس پر حکم نافذ کرنا درست ہے، کیوں کہ بسا اوقات فاسق مختلف کبائر میں مبتلا رہتا ہے، لیکن کذب سے اجتناب کرتا ہے اور اسی کی یہاں ضرورت ہے:

"وكذا ينعقد النكاح بشهادة الفاسقين عندنا، وعنده لاينعقد. وجه قول الشافعي رحمه الله تعالىٰ أن مبنى قبول الشهادات على الصدق، ولايظهر الصدق إلا بالعدالة؛ لأن خبر مَن ليس بمعصوم عن الكذب يحتمل الصدق والكذب، ولايقع الترجيح إلا بالعدالة، واحتج في انعقاد النكاح هكذا في الأصل والظاهر في عدم النكاح بقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلا بولي وشاهدي عدل".

ولنا عمومات قوله تعالىٰ: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ الآية. وقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكح إلا بشهود". والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ قسّم الشهود إلى مرضيّن وغير مرضيّن، فيدل على كون غير المرضيّ -وهو الفاسق-

---

(۱) "ونحن نقول: إن النهي يراد به عدم الفعل مضافاً إلى اختيار العباد، فإن كفّ عن المنهي عنه باختياره، يثاب عليه، وإلايعاقب عليه. وإن لم يكن ثمه اختيار، سمي ذلك الكف نفياً ونسخاً، لانهياً، كما إذا لم يكن في الكوز ماء ويقال له: لاتشرب، فهذانفي. وإن قيل له ذلك بوجود الماء، سمي نهياً، فالأصل في النهي عدم الفعل بالاختيار، الخ". (نورالأنوار، باب النهي، ص: ۶۳، سعيد)

(۲) "بل من شرائط الأداء حتى لوكان وقت التحمل صبياً عاقلاً أو عبداً أو كافراً أو فاسقاً، ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق، فشهدوا عند القاضي، تقبل شهادتهم". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۸/۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

شاهداً أولأن حضرة الشهود في باب النكاح لدفع تهمة الزنا، لاللحاجة إلى شهادتهم عند الجحود والإنكار؛ لأن النكاح يشتهر بعد وقوعه، فيمكن دفع الجحود والإنكار بالشهادة بالتسامع، والتهمة تندفع بحضرة الفاسق، فنعقد النكاح بحضرتهم.

وأما قوله: الركن في الشهادة هو صدق الشاهد، فنعم، لكن الصدق لايقف على العدالةلامحالة، فإن من الفَسقة مَن لايبالي بارتكابه، هكذا في الأصل. والظاهر أنواعاً: أنواع من الفسق ويستنكف عن الكذب والكلام في فاسق تحرى القاضي الصدق في الشهادة، فغلب على ظنه صدقه. ولو لم يكن كذلك، لايجوز القضاء بشهادته عندنا. وأما الحديث فقدروى عن بعض نَقَلة الحديث أنه قال: لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومن يثبت فلا حجة له فيه". بدائع صنائع: ۶/۲۷۰(۱)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی شہادت بالکلیہ ہر حال میں مردود نہیں، بلکہ بعض اوقات میں مقبول بھی ہے۔

الامر الخامس: فاسق کی شہادت مقبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قاضی کے ذمہ اس کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کو (بعد تحری) قبول کرنا صحیح بھی نہیں ہے:

"باب القبول وعدمه: أي من يجب قبول شهادته ومن لم يجب، لامن يصحّ قبولها أو لايصح، لصحة الفاسق مثلاً". درمختار۔ "أي لصحة القضاء بشهادته: أي وقد ذكره مما لايقبل". طحطاوی: ۳/۲۳۹(۲)۔

الامر السادس: بعض مشائخ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ "جو شخص نکاح میں ولی بن سکتا ہے، وہ شاہد بھی بن سکتا ہے" اور حنفیہ کے نزدیک فسق مانعِ ولایت نہیں، پس اس کی شہادت بھی درست ہے:

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الشهادة: ۹/۲۸، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ۳/۲۳۹، مکتبه دارالمعرفة بیروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۲، سعید)

"ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ: إنه لاولاية لفاسق مع قول أبي حنيفة ومالك رحمهما الله تعالىٰ: إن الفسق لا يمنع الولاية". میزان شعرانی :۱۱۶/۲(۱)۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس عقد کو خود قبول کر سکتا ہے، اس کی موجودگی میں وہ عقد درست ہوتا ہے اور فاسق عقدِ نکاح کو خود قبول کر سکتا ہے، لہٰذا اس کی موجودگی.......... (کافر بسبب نص کے اس حکم میں داخل نہیں)۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کی شہادت پر بعض فقہاء کے نزدیک حکم کرنا صحیح ہے اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور فاسق کی شہادت پر حکم کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ امرِ رابع میں گذرا، پس اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے:

"من مشايخنا من أصّل في هذا أصلاً، فقال: كل من صلح أن يكون ولياً في النكاح بولاية نفسه، يصلح شاهداً فيه، وإلافلا. وهذا الاعتبار صحيح؛ لأن الشهادة من باب الولاية؛ لأنها تنفيذ القول على الغير، والولاية هي نفاذ المشيئة. ومنهم من قال: كل مَن يملك قبول عقد نفسه، ينعقد ذلك العقد بحضوره، ومن لافلا. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الشهادة من شرائط ركن العقد، وركنه وهو الإيجاب والقبول، ولا وجود للركن بدون القبول، فكما لا وجود للركن بدون القبول حقيقةً لاوجود له شرعاً بدون الشهادة.

وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه أصّل فيه أصلاً، وقال: كل من جاز الحكم بشهادته في قول بعض الفقهاء، ينعقد النكاح بحضوره، ومن لايجوز الحكم بشهادته عند أحد، لايجوز.......... بحضوره. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الحضور لفائدة الحكم بها عند

---

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۱۰۹/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب مالم يكن متهتكاً". (الدرالمختار، باب الولي: ۵۴/۳، سعيد)

"والفسق لايسلب الولاية على المشهور، الخ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۸/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الأداء، فإذا جاز الحکم بها في الجملة، کان الحضور مفیداً". بدائع مختصراً: ۲۵۳/۲(۱)۔

انعقادِ نکاح بشہادۃ الاعمیٰ کی دلیل یہی کلیات ہیں، بدائع: ۲۵۵/۲(۲)۔

الامر السابع: دراصل "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت "اثبات النکاح عند الجحود" نہیں کہ مقبول الشہادۃ کی شہادت ضروری اور غیر مقبول الشہادۃ کی شہادت لاطائل اور کالعدم ہے، بلکہ علت کچھ اور ہے، کما سیجیٔ۔ البتہ مقبول الشہادۃ ہونا افضل ہے، ضروری نہیں، تاکہ بوقتِ جحود ثبوت میں سہولت رہے اور شہادتِ نکاح حضور عند العقد پر موقوف بھی نہیں، کما سیجی فی الأمر الثامن۔ لہٰذا انعقاد ایسے گواہ کی گواہی سے بھی ہوجائے گا جس کی شہادت قطعاً مقبول نہیں:

"وکذا کون شاهد النکاح مقبول الشهادة علیه لیس بشرط، لانعقاد النکاح بحضوره، وینعقد النکاح بحضور مَن لاتقبل شهادته علیه أصلاً، کما إذا تزوج امرأة بشهادة ابنیه منهما، وهذا عندنا، وعند الشافعیؒ: لاینعقد. وجه قوله أن الشهادة في باب النکاح للحاجة إلی صیانته عن الجحود والإنکار، والصیانة لاتحصل إلا بالقبول، فإذا لم یکن مقبول الشهادة لاتحصل الصیانة.

ولنا أن الإشهاد في النکاح لدفع تهمة الزنا لالصیانة العقد عن الجحود والإنکار،

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في صفات الشاهد: ۳۹۵/۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

"وفي شرح الطحاوي: کل من یصلح أن یکون ولیاً في النکاح بولایة نفسه، یصلح أن یکون شاهداً في النکح، ومن لافلا. إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی، الخ".

(خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس في الشهود: ۱۴/۲، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب في عطف الخاص علی العام: ۲۴/۳، سعید)

(۲) "وکذا بصرُ الشاهد لیس بشرط، فینعقد النکاح بحضور الأعمی، لما ذکرنا، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في شرط الشهود: ۴۰۳/۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

"إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی". (خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس في الشهود، کتاب النکاح: ۱۴/۲، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشیدیه)

والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى الصيانة يحصل بسبب حضورهما وإن كان لاتقبل شهادتهما؛ لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما، فإذا ظهر واشتهر، تقبل الشهاة فيه بالتسامع، فتحصل الصيانة. وكذا إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه لامنها، أو ابنيها لامنه، يجوز، لِمَا قلنا.

ثم عند وقوع الحجر والإنكار ينظر: إن وقعت شهادتهما لواحد من الأبوين، لاتقبل، وإن وقعت عليه تقبل؛ لأن شهادة الابن لأبويه غير مقبولة وشهادتهما عليه مقبولة". بدائع: ۲/۲۵۵(۱)۔

الامر الثامن: اگر "اثبات النکاح عندالجحود" کو "اشتراط الشهود فی النکاح" کی علت ہی کہا جاوے، فائدہ اور منفعت کے درجہ میں نہ مانا جائے، تب بھی گواہانِ انعقاد کا عادل ہونا لازم نہیں، کیونکہ ثبوت عندالقاضی شہودِ انعقاد کی شہادت پر موقوف نہیں، لیکن بابِ نکاح میں بطریق استفاضہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہوتی ہے اوراس پر ائمہٴ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نفسِ شہادت کو بھی ضروری نہیں مانتے، بلکہ اعلان وتشہیر کو ضروری اور کافی سمجھتے ہیں:

"ومن ذلك قول أبي حنيفة: إنه تجوز الشهادة بالاستفاضة في خمسة أشياء: في النكاح، والدخول، والنسب، والموت، وولاية القضاء، مع قول أصحاب الشافعي رحمه الله تعالىٰ في الأصح من مذهبه جواز ذلك في ثمانية أشياء: في النكاح، والنسب، والموت، وولاية القضاء، والملك، والعتق، والوقت، والولاء. ومع قول أحمد رحمه الله تعالىٰ: إنه تجوز في تسعة أشياء، الثمانية المذكورة عند الشافعية، والتاسعة: الدخول، اه". ميزان: ۲/۲۰۵(۲)۔ "ومن

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۴۰۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (ميزان الشعراني، كتاب الشهادات: ۲/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولايشهد أحد بمالم يعاينه بالإجماع، إلا في عشرة على مافي شرح الوهبانية: منها العتق والولاء عندالثاني، والمهر على الأصح، بزازية. النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف، الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۷۰، ۴۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۹، دارالكتب العلميه بيروت)

ذلك قول الأئمة الثلاثة: إنه لايصح النكاح إلا بشهادة مع قول مالك رحمه الله تعالىٰ إنه يصح من غير شهادة، إلا أنه يعتبر فيه الإشاعة وترك التراضي بالكتمان". ميزان: ۱۱۸/۲(۱)۔

الامر التاسع: قضاء اور دیانت میں فرق کثیر ہے، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کی بے شمار جزئیات اس کی شاہد اور اس پر متفرع ہیں، کما لایخفی علی من طالع کتب الفقة، ولا إلا من لم برزق التفقه(۲)۔

الامر العاشر: یہ تمام گفتگو اس وقت ہے کہ زید وعمر دونوں مقلد اور حنفی ہوں اور قولِ امام کو حجت کو سمجھتے ہوں اور خود منصبِ اجتہاد کے مدعی نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو نزاع بیکار ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ ان کے لئے کسی عالم، مفتی، مجتہد، غوث، صحابی، کا قول وفعل حجت ہے خواہ وہ نصِ قرآنی یا حدیثِ صحیح پر ہی کیوں نہ مبنی ہو، بلکہ حدیث کا ترجمہ اور روایت بالمعنی کیوں نہ ہو، نہ کسی کتاب فقہ کی نقل کافی ہے بلکہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے گا وہ کریں گے خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو اور خواہ کسی طرح سمجھا ہو ﴿والله يهدي من يشا إلى صراط مستقيم﴾۔ لہٰذا ان کو اولاً مسئلۂ تقلید کا فیصلہ ضروری ہے، کیونکہ یہ اسی پر مبنی ہے: ﴿تلك عشرة كاملة﴾۔

۲...... داڑھی منڈوانا یا ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا بلاشبہ ممنوع اور ناجائز ہے، روایاتِ حدیث وفقہ اس پر صراحۃً دال ہیں، ملاعلی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

"قص اللحية كان صنيع الأعاجم، وهو اليوم كثيرٌ من أهل الشرك وعَبَدة الأوثان كالإفرنج والهنود ومَن لاخلاق لهم في الدين من الفرقة الموسومه بالقلندرية في زماننا،اھ"(۳)۔

---

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۱۱۱/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو نوى الطلاق: أي بقوله: أنت طالق عن وثاق، لم يديَّن في القضاء؛ لأنه خلاف الظاهر، إلا أن يكون مكرهاً، ويديّن فيما بينه وبين الله تعالىٰ؛ لأنه يحتمله. ولو نوى به الطلاق عن العمل، لم يديّن في القضاء ولافيما بينه وبين الله تعالىٰ .... ولو صرح فقال: أنت طالق من هذا لعمل، صدق ديانةً لاقضاءً، الخ". (فتح القدير، باب إيقاع الطلاق: ۶/۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب إيقاع الطلاق: ۳۵۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول: ۹۱/۲، رشيديه)

جس امر کے متعلق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نصِ صریح موجود ہے اور اس پر اجماع بھی ثابت ہے، آج اس کے خلاف اعتقاد رکھنا، یا فتویٰ دینا درحقیقت اس کو منسوخ کرنا اور دعوائے نبوت کرنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اختلافِ زمان سے بعض احکام بدل جاتے ہیں، لیکن احکامِ منصوصہ کبھی نہیں بدلتے، اگر ایسے تبدیل کا حکم عام ہو جائے تو آج پابندِ صلوۃ و جماعت بھی بہت کم دستیاب ہوتے ہیں، اسی طرح غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کے بہت امر ونواہی اس نوع کے ملیں گے کہ جن پر عمل کرنے والے خال خال ہیں، اسی طرح کتنی سنتیں رہی ہوں گی جو مردہ ہو چکی ہیں۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ان احکام کو بسط سے بیان کیا ہے جو اختلافِ زمان سے مختلف ہو گئے ہیں(۱)۔

رہا عمرو کا یہ کہنا کہ حقیری کا دروازہ بند ہو جائے گا تو یہ عذر کوئی مقبول عذر نہیں، کتنے مقدمات ہیں جو مطابقِ شریعت طے ہوتے ہیں اور کتنے خلافِ شریعت، کوئی عدالت اور حکومت دنیا میں علی منہاج النبوۃ نہیں۔ ان حالات کے پیشِ نظر تو عمرو کے قول کے موافق بیشتر و اکثر بلکہ باستثنائے بعض قلیل (کالعدم) تمام احکام کا بدل جانا کچھ غیر مناسب نہیں، لہذا دینِ اسلام کیا ہوا، جو کچھ وقت پر مناسب سمجھا وہی ہوا قطع نظر اس سے کہ شرع کا یہ حکم دائمی ہے یا وقتی ہے، پس داڑھی کا حکم تو وہی رہے گا جو کہ منصوص ہے۔

رہا شہادتِ فاسق کا مسئلہ تو اس کے متعلق پہلے جواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ بغیر تحری کے حکم نافذ کرنا ناجائز ہے اور تحری کے بعد اگر صدق کا غلبۂ ظن ہو جائے تو حکم جائز ہے، مطلقاً اس کی شہادت کا قبول کرنا ممنوع نہیں، عادل کو اس کے مقابلہ میں یقیناً ترجیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

= (وكذا في بذل المجهور، باب السواك من الفطرة: ۱/ ۳۳، إمداديه ملتان)

(۱) "فكثيرٌ من الأحكام تختلف باختلاف الزمان، لتغير عرف أهله، أو لحدوث ضرورة، أو فساد أهل الزمان، بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه، أولاً، لَلزم منه المشقة والضرر بالناس ولَخالف قواعد الشرعية المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد، لبقاء العالم على أتم نظام وأحسن أحكام، ولهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناها على ما كان في زمنه، لعلمهم بأنه لو كان في زمنهم، لَقال بما قالوا به أخذاً من قواعد مذهبه، الخ". (رسائل ابن عابدين، =

10

بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں بعض منکر تو کیا کیا جائے؟

سوال[۵۳۲۲]: ۱......ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ لڑکی دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا ہے، اب دونوں کے والدین کو خبر نہیں۔ نکاح کے ایک کاغذ پر وکیل کے دستخط اور دولہا دولہن کے دستخط اور قاضی کے دستخط ہیں، ان سبھوں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے۔ جب نکاح کا چرچا ہوا تو بعض لوگوں کی ڈر سے ایک گواہ اور قاضی دونوں انکار کررہے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا ہے اور انکار کرنے والوں کے دستخط بھی ہیں، دستخط کر کے بھی انکار کررہے ہیں۔ ابھی دولہا اور دولہن اور ایک گواہ اور وکیل یہ چاروں کہہ رہے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ اب بتایئے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اب لڑکا اور لڑکی کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں؟

۲......دولہا اور دولہن اور وکیل اور ایک گواہ یہ چاروں قرآن مجید کی حلف لینے کیلئے تیار ہیں کہ نکاح ہوا ہے، اور ایک گواہ اور قاضی دونوں دستخط کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی حلف لینے کے لئے تیار ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لہٰذا من جانب پنچایت حلف دلوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ از روئے شرع مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور بالغ ہیں اور ایک گواہ اور وکیل کا بیان یہ ہے کہ ہمارے سامنے لڑکے سے یہ کہا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے نکاح میں دے، اور لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا اور لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود تھی تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا(۱)، کسی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں، دونوں کے والدین کو اعتراض

= نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۱۲۵/۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "وعلى هذا إذا زوّج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد، إن كانت حاضرةً ،جاز وإن كانت غائبةً، لم يجز، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۷/۲، شركة علميه ملتان)

وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۶/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۵/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۵۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

نہیں ہے تو اپنے اطمینان کیلئے دوبارہ ایجاب وقبول کرادیں، بات کو طول نہ دیں، انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۲۳]: اگر قاضی، گواہ، نوشہ(۱) بے شرع ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحیح ہوجاتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک عورت پر دو شخصوں کا دعوائے نکاح

سوال[۵۳۲۴]: تجمل علی اور عبدالنور نامی دو شخصوں نے ایک عورت پر زوجیت کا دعویٰ کر کے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے کے دعویٰ پر شاہد پیش کیا۔اس عقد کی شہادت طلب کی گئی تو تجمل علی نے ایک وکیل اور ایک شاہد پیش کیا اور دوسرے شاہد نے باوجود طلب کے شہادت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایک مرتبہ پنچایت میں شہادت دے چکا ہوں، دوبارہ مقررہ حاکم کے پاس شہادت نہیں دونگا۔عبدالنور نے ایک وکیل اور ایک شاہد اپنے بہنوئی اور شاہد اُن کے باپ کو پیش کیا اور عورت بالغہ ہے۔لہٰذا عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میرا نکاح پہلے عبدالنور سے ہوا ہے،اس کے چندروز بعد جبراً تجمل علی کے ساتھ نکاح کردیا گیا۔

---

(۱) ''نوشہ: دولھا، نوجوان بادشاہ''۔(فیروز اللغات، اردو،ص:۱۳۲۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) نکاح دراصل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا سوال میں مذکورہ تینوں کے بے شرع ہونے کی وجہ سے نکاح پرکوئی اثر نہیں پڑے گا، نکاح صحیح ہوجائے گا: ''وینعقد ملتبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ''.

(الدرالمختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

''ویصح بشهادة الفاسقین والأعمیین، کذا فی فتاوی قاضی خان''. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشیدیه)

''وجاز کونهما فاسقین أو محدودین فی قذف أو أعمیین، الخ''. (مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۳۲۱/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

میرے شوہر عبدالنور مجھ کو لے آئے، لہٰذا اب تین سال سے میں اطمینان سے اپنے شوہر کے پاس ہوں اور میرے دو اولاد ہیں۔ ایک عالم نے بھی عبدالنور کے نکاح کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا، ایک مفتی نے بھی عبدالنور کا نکاح صحیح ہونے کا فتویٰ دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے (۱)، البتہ اگر زوجین میں سے کوئی منکر ہو تو باپ کی شہادت اولاد کی موافقت میں قضاءً معتبر نہیں ہوتی (۲)، صورتِ مسئولہ میں کوئی منکر نہیں، لہٰذا اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ عبدالنور کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "أمر الأب رجلاً أن يزوّج صغيرته، فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، و إلا لا". (الدرالمختار). "فاندفع ما أورده في النهاية: من أنه تكلف غير محتاج إليه، فإن الأب يصلح شاهداً". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۴/۳، سعيد)

"قال في النهاية: هذا تكلف غير محتاج إليه في المسئلة الأولى؛ لأن الأب يصلح أن يكون شاهداً في باب النكاح، فلا حاجة إلى نقل المباشرة من المأمور إلى الآمر حكماً، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۶/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۸۴/۲، امداديه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن الهمام: "وأما الأخوان بأن يزوج الأب ابنته بشهادة ابنيه، فأنكر الزوج وادّعاه الأب والبنت كبيرة، أو المرأة فشهد، لاتقبل. ولوكان الزوج هو المدعي والمرأة منكرة، أو الأب، قبلت، هذا قول أبي يوسف. وعند محمد: تقبل وإن كان المدعي الأب أو المرأة أيضاً، والأصل أن كل شئ يدعيه الأب فشهادتهما فيه باطلة وإن لم يكن فيه منفعة له لشبهة الأبوة عند أبي يوسف، لثبوت منفعة نفاذ كلامه. وقال محمد: كل شئ للأب فيه منفعة حجدا وادعاء، فشهادة ابنيه فيه باطلة، وكذا كل شئ وليه ممايكون خصماً فيه كالبيع ونظائره". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۵/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۵۲۸/۵، ۵۲۹، رشيديه)

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

مارپیٹ اورآبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا

سوال[۵۳۲۵]: میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے فرزند غلام رسول کا مسماۃ نورانی کے ساتھ ناجائز تعلق مشہور تھا، مسماۃ نورانی کے سسر اور خاوند سدا نے مشورہ کیا کہ ایک رات نورانی کو میرے گھر روانہ کردیا جائے، میں اس وقت موجود نہ تھا۔ جب نورانی میرے فرزند کے پاس آکر بیٹھی تو فوراً محمد نور مسماۃ نورانی کا سسر بھی پہنچ گیا، محمد نور نے آکر غلام رسول اور نورانی دونوں کو پکڑا اور شوروغل مچایا، میرا فرزند تو بھاگ گیا، نورانی کو لے کر وہ گھر چلے گئے، لوگ بھی سن کر جمع ہوگئے، چرچا ہوگیا۔

صبح سویرے محمد نور اور اس کی برادری کے تمام لوگ ہتھیار ڈنڈے لیکر میرے گھر پر حملہ کردیئے اور ہم کو آکر پکڑلیا اور شہر کا نمبردار بھی ان کے ساتھ ہوگیا تھا، تمام دن ہم کو قید رکھا اور بُرا بھلا کہتے رہے اور کہا: یا فرزند ہمارے حوالہ کرو چاہے ہم اس کو قتل کریں یا جو ہماری مرضی ہو، فرزند صاحب تو ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ پھر انہوں نے کہا: یا اپنی دختر کا محمد نور کے پوتا محمد اسلام سے نکاح کردو، یا تمہاری عورت اور دختر کو ہم جبریہ اٹھاتے ہیں اور تم اگر مقابلہ کروگے تو قتل کردیئے جاؤگے، نمبردار نے تو ہم کو مارا بھی ہے۔ میں اکیلا تھا، گھبرایا، تب ہم نے ڈر اور پیٹ کی وجہ سے کچھ سوچے بغیر اپنی دختر معصومہ کا جس کی عمر تقریباً چار سال ہے نکاح کردیا اور میرے گواہ موجود ہیں اور یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہوچکی ہے۔

بیانِ گواہ حسین بخش

''میں مسجد میں بیٹھ کر اور بقبلہ رو بیٹھ کر کلمۂ ''اشھد'' کہہ کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ بخش کے گھر پر محمد نور وغیرہ تمام برادری نے بمع ہتھیار حملہ کرکے اللہ بخش کو پکڑلیا اور تمام دن قید رکھا اور تقاضا کیا کہ یا فرزند

ہمارے حوالہ کرو، ہم اس کو قتل کرتے ہیں، وہ غلام رسول تو کہیں بھاگ گیا اور یا تو دختر کا نکاح کردو، یا پھر ہم جبریہ لے جائیں گے"۔

بیانِ گواہ محمد بخش

"میں مسجد میں بیٹھ کر روبقبلہ بیان کرتا ہوں"............ کچھ اضافہ کے ساتھ وہی بیان۔

جناب مفتی صاحب! اس معاملہ کو ایک عالم فاضلِ دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تو ان فاضل نے یہ تحریر کردیا کہ یہ نکاح محض بد اور ناعاقبت اندیشی اور سوئی خیار اور ظلم بدتمیزی سے کیا گیا ہے جو باتفاقِ ائمۂ اربعہ اصلاً باطل ہے اور جس پاداش میں یہ نکاح ہوا، اس میں اللہ بخش اور معصومہ کا کیا قصور ہے، اگر ایسے نکاح درست قرار دیئے جائیں تو پھر غریب کی تو جگہ بھی دنیا میں نہیں۔ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس ظلم اور تشدد کے باوجود نکاح منعقد ہوگیا اور لازم ہوگیا: "والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدةٌ عندنا، إلا أن مايحتمل الفسخ منه كالبيع والإجارة يفسخ، و مالا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر فهو لازم، كذا في الكافي". و فتاوی عالمگیری: ۳/ ۵۹۰ (۱)۔

جیسے کہ ظلم وتشدد سے مجبور ہوکر کوئی طلاق دیدے تو واقع ہوجاتی ہے۔ ناعاقبت اندیش اور سوئے خیار وہ ہوتا کہ لالچ میں کہیں غیرِ کفو میں نکاح کردیا جاتا، جس سے سوئے اختیار ثابت ہوکر آئندہ اس کا کیا ہوا نکاح

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۵/ ۳۵، رشيديه)

"إذا أكره على أن يعقد عقداً من العقود، فهو على وجهين: إن كان عقداً لا يبطله الهزل مثل الطلاق والنكاح والعتاق، جاز العقد، ولا يبطل بالإكراه. وإن كان عقداً يبطله الهزل مثل البيع والشراء والإجارة وغيرها، فإنه لا يجوز، ويبطل، الخ". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإكراه: ۲/ ۱۵۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/ ۱۳۶، رشيديه)

محلِ کلام ہوتا جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں تفصیل سے بیان کیا ہے(۱)، صورتِ مسئولہ اس میں داخل نہیں۔ غریب کے متعلق جو اشکال نکاح پر ہے وہ ہی مسئلۂ طلاق پر بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۸۹ھ۔

نکاح بذریعۂ اکراہ

سوال[۵۳۲۶]: زید کی ایک لڑکی ہے اس کو دس آدمی مل کر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو اور اگر نہیں کرتے تو ہم تم کو ماریں گے۔ اب اگر لڑکی کا باپ بخوفِ جان بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح کردے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا وجہ اس طرح جبر کرنا گناہ اور ناجائز ہے، مگر نکاح اس صورت سے بھی منعقد ہوجاتا ہے: "نکاح المكره صحيح، اهـ". شامي: ۲/۳۷۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه، لا يجوز عقده إجماعاً، الخ". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۶۶، ۶۷، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوزت: ۳/۲۱، سعيد)

"والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدة عندنا، إلا أن مايحتمل الفسخ منه، كالبيع والإجارة، يفسخ. ومالا يتحمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر، فهو لازم، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۵/۳۵، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإكراه: ۲/۱۵۲، مكتبه ميمنيه مصر، ومكتبه تاجران كتب بازار قندهار، افغانستان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/۱۳۶، رشيديه)

جبراً نکاح

سوال[۵۳۲۷]: ہندہ کا عقدِ نکاح بزمانۂ بلوغ ہندہ، زید کے ساتھ اس کے والدین نے کردیا، ہندہ اس نکاح پر قطعی رضامند نہ تھی اور نہ بروقتِ ایجاب وقبول ہندہ سے اجازت نکاح لی گئی، ہندہ نے اس مقام پر بہت آہ وفغاں کر کے اظہار ناراضگی بھی کیا مگر حسبِ رواجِ ہندوستان ہندہ کی والدہ، نانی وغیرہ نے ہندہ کو چُپ کر کے دبالیا اور کہا کہ تو بڑی بے حیالڑکی ہے، ننگ خاندان وغیرہ کہہ کر آہ وفغاں سے روک دیا۔ علاوہ ازیں ہندہ کو اس وقت یہ علم بھی یقینی طور پر نہ تھا کہ بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف والدین وغیرہ نہیں کرسکتے ہیں، اس وجہ سے بھی ہندہ بصدرنج وملال خاموش ہوکر زید کے یہاں چلی گئی۔

ہندہ کے والدین ناخواندہ اور حکم شرع سے ناواقف تھے، اس وجہ سے ان کو ہندہ کے انکار کی اہمیت نہ ہوئی اور ہندہ کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ جب ہندہ زید کے یہاں چلی گئی، حسبِ رواج ہندہ اور زید تنہا مکان میں رہے۔ چونکہ یہ نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف منعقد ہوا تھا اس وجہ سے زید وہندہ میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، اگر زید ہندہ کی طرف بڑھا تو ہندہ نے اس کی دست درازی کو روک دیا، غرض کہ زید وہندہ میں کوئی تعلقِ زن وشوئی کا پیدا نہ ہوا۔ اسی ردوکد میں زید نے ہندہ کو اکثر نہایت بے دردی سے یہاں تک مار پیٹ کیا کہ ہندہ کی تندرستی بھی خراب ہوگئی، مگر ہندہ نے اس کی مقاربت کو کبھی گوارہ نہ کیا۔ ہندہ بخوفِ جان اپنے میکے میں چلی آئی، زید نے ہندہ کو جبراً لیجانا چاہا مگر ہندہ خود نہیں گئی۔

زید وہندہ کے رشتہ داروں میں نہایت جھگڑے، فساد، مار پیٹ ہوئی یہاں تک کہ آپس میں مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ ہندہ کی طرف سے دعویٰ استقرارِ طلاق، دینِ مہر۔ زید کی طرف سے دعویٰ دخلِ زوجیت عدالت منصفی میں رجوع ہوگیا۔ ہندہ کے رشتہ داروں نے زید کو پیغام دلوایا کہ فریقین میں تنازعہ طویل ہوگیا، آرام کے ساتھ زندگی بسر ہونے کی کوئی توقع نہیں، بہتر ہے کہ تو ہندہ کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کردے، ہندہ تجھ کو ایک ہزار روپے دین مہر کا معاف کرتی ہے، مگر زید اس کے لئے آمادہ نہیں۔ بالآخر مقدمہ بازی ہوکر زید کا دعویٰ خارج ہوگیا اور ہندہ کا دعویٰ زید پر ڈگری ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں کیا حکم ہے؟ نکاح متذکرہ جائز ہوا یا نہیں؟ اور عدت ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح منعقد ہوگیا تو اس سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

المستمس: شمشاد خان، ماموں حقیقی ہندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے عقد کے بعد اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو وہ رد ہو گیا تھا، اگر رد نہیں کیا بلکہ سکوت کیا اور شوہر کے گھر چلی گئی (اگر چہ خوشی سے نہ گئی ہو) اور وہاں پہونچ کر شوہر کے سامنے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس کے بعد سختی سے تنگ آ کر مقدمہ کی نوبت آئی اور مسلمان حاکم نے شوہر کی سختیوں کی تحقیق کر کے تفریق کر دی ہے تو شرعاً یہ تفریق معتبر ہے۔ اب اس کو عدتِ طلاق تین حیض گزار کر نکاح کرنا جائز ہوگا۔

یہ سب حکم اسی وقت ہے کہ حاکم مسلمان ہو، اگر حاکم غیر مسلم ہے تو اس کی تفریق معتبر نہیں، کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے تفریق کا حکم حاصل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

بہتر یہ ہوتا کہ فیصلہ کی نقل اور مدعی اور مدعیٰ علیہ کا بیان استفسار کے ساتھ آتا، تاکہ تمام پہلوؤں پر غور کیا جاسکتا۔ سوال مجمل اور مبہم ہے جو کچھ اس سے متبادر ہوتا ہے اس کے مطابق جواب صحیح ہے، مگر احتیاط یہ ہے کہ کاغذاتِ مقدمہ مفتی صاحب کو دکھلا کر دوبارہ تحقیق کی جائے۔ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

ضمیمہ:

سوال جو بجواب تنقیح مکرر آیا، چنانچہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، سائل نے حسبِ طلب مقدمہ کی مسل روانہ کی جو حسب ذیل کاغذات پر مشتمل تھی:

۱- عرضی دعویٰ: جس میں مدعیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ شوہر نے مجھے طلاق دے دی۔

۲- بیان تحریری مدعیٰ علیہ: جس میں اس نے تحریر کیا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

۳- نقلِ فیصلۂ حاکمِ مسلم: جس میں حاکم نے بوجۂ عدم پیروی وغیر حاضریٔ مدعیٰ علیہ یکطرفہ مدعیہ کا دعویٰ ڈگری کر دیا۔

۴- نقل عرضی دعویٰ خاوند برائے دخلِ زوجیت۔

۵- فیصلۂ حاکم: جس میں مدعی کے دعویٰ کو خارج کر دیا ہے اور عورت کو آزاد اور فیصلۂ حاکمِ اول کو بحال رکھا گیا ہے۔

ان کاغذات کے ملاحظہ کے بعد حسب ذیل جواب دیا گیا:

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ سروری بیگم مدعیہ ہے اور دعویٰ یہ نہیں کہ ''شوہر تنگ رکھتا ہے، لہذا تفریق کردی جائے'' بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ ''شوہر نے طلاق دے دی ہے''۔ اصولِ شرع کے موافق مدعیہ کے ذمہ ضروری تھا کہ اپنے دعوی کے ثبوت میں دو عادل گواہ پیش کرتی، اور گواہ موجود نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ شوہر سے قسم لی جاتی کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اگر مدعیہ گواہ پیش کردیتی، یا گواہ موجود نہ ہونے کی حالت میں مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کردیتا تب عورت کے حق میں مقدمہ فیصل کیا جاتا۔ مگر کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے نہ مدعیٰ علیہ سے قسم لی گئی، بلکہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی وجہ سے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔

یہ فیصلہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، اس کا نفاذ شرعاً درست نہیں، اولاً: اس وجہ سے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے۔ ثانیاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی گئی۔ ثالثاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں فیصلہ کیا گیا۔ جو کہ قضا علی الغائب ہے اور قضاء علی الغائب ایسی صورت میں ناجائز ہے:

"فإذا صحت الدعوى، سأل المدعىٰ عليه عنها، فإن أقرأ وأنكر، فبرهن المدعي قضى عليه، وإلا حلف و طلبه". بحر(١)۔ "ولا يقضىٰ على غائب وله: أي لا يصح بل و لا ينفذ على المفتي به، بحر. إلا بحضور نائبه. الخ". درمختار(٢)۔

دوسرا دعویٰ شوہر کا دخلِ زوجیت کے متعلق جو خارج کیا گیا ہے اس کے خارج کرنے کی بناء پر زیادہ تر مسماۃ سروری بیگم کے دعوی کی کامیابی بیان کی گئی ہے اور اس کی شرعی حیثیت اوپر معلوم ہوچکی۔ اب تمام صورت کا شرعی جواب اسی قدر ہے کہ اگر ہندہ نے بعد عقد اس نکاح کو رد کردیا تھا، تب تو رد ہوگیا، اگر رد نہیں کیا بلکہ اجازت دیدی تو جائز ہوگیا(٣)۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الدعوى: ٣٤٥/٧، ٣٤٦، رشيديه)

(٢) (الدر المختار، فصل في الحبس، مطلب في أمر الأمير و قضائه: ٤٠٩/٥، سعيد)

(٣) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً. فإن =

پس اگر نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہے تو اس طرح دعویٰ کرنا چاہئے کہ "شوہر سختی کرتا ہے، اس لئے نکاح فسخ کردیا جائے" اور یہ دعویٰ حاکم مسلم کی عدالت میں ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۵۳۲۸]: ہندہ کا نکاح جبراً اس کے بھائیوں نے زید سے کردیا، باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ہندہ عاقل بالغ تھی، رخصتی بھی جبراً کی گئی، اس حالت میں ایک سال ہوا، شاید دو مرتبہ اسی سال میں بیوی کی ملاقات ہوئی۔ اس طریقہ سے ہندہ زید سے ہرگز خوش نہیں اور نہ نکاح کو مانتی ہے۔ اس حالت میں ہندہ زید کی زوجہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تفریق کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے صاف صاف انکار کردیا تھا اور پھر بھی بھائیوں نے اس کا نکاح کردیا اور نکاح ہو جانے کی خبر سن کر ہی ہندہ نے انکار کردیا اور اس نکاح کو نامنظور کردیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، پھر اس کا زید کے ساتھ

= فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی وهو السنة". (الدر المختار). "وإن زوجها بغیر استیمار، فقد أخطأ السنة، و توقف علی رضاها، بحر عن المحیط. الخ". (ردالمحتار، باب الولی: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۴، رشیدیه)

(۱) "وأهله أهل الشهادة: أی أدائها علی المسلمین......... و به علم أن تقلید الکافر صحیح، وإن لم یصح قضاء ه علی المسلم حال کفره، الخ". (الدر المختار، مطلب الحکم الفعلی: ۵/۳۵۴، سعید)

"فیشترط أهلیة القضاء، ولا یجوز تحکیم الکافر، الخ". (الهدایة، باب التحکیم: ۳/۱۴۳، امدادیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، باب التحکیم: ۷/۳۱۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

رخصت ہونا اور ملاقات کرنا سخت گناہ ہوا، ایسی صورت میں وہ زید کی زوجہ نہیں (۱)۔ اگر ہندہ نے نکاح ہو جانے کی خبر سن کر خاموشی اختیار کی اور پھر زید کے ساتھ رخصت ہو کر چلی گئی اور زید کو اپنے اوپر قابو دے دیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا (۲) اگر چہ دل میں اس سے ناخوش ہو، اب ہندہ زید کی بیوی ہے، دوسری جگہ نکاح کا اس کو اختیار نہیں جب تک زید طلاق نہ دیدے، اس کو چاہئے کہ زید کے ساتھ رہ کر اس کے حقوق ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۸۸ھ۔

بیوہ کا زبردستی نکاح

سوال [۵۳۲۹]: ایک بیوہ عورت ہے، اس کے ہمراہ ایک لڑکی بھی ہے، بیوہ ہونے کے بعد تقریباً سال بھر اپنے میکے میں رہ کر گزر بسر کیا۔ بعد ازاں اس کے باپ نے ایک جگہ نکاح کی بات چیت کی، نکاح ہونے کی خبر سن کر اس کا پہلا خسر اس کے میکے میں آیا اور کہا کہ تم میرے یہاں چلو، میں اپنے دوسرے لڑکے کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں گا، مگر وہ عورت جانے کے لئے کسی بھی طرح رضامند نہ ہوئی۔

آخر کار عورت کی لڑکی کو اس کا خسر گود میں لے کر اپنے گھر چلا گیا، لڑکی کو لینے کے لئے عورت نے

---

(۱) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، و إن ردته بطل، كما في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

"و لا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية على البلوغ، فإن استأذنها هو: أي الولي وهو السنة". (الدرالمختار). "و إن زوجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها، بحر عن المحيط". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

(۲) "و لو كانت البكر قد دخل بها زوجها، ثم قالت: لم أرض، لم تصدق على ذلك، وكان تمكينها إياه من الدخول بها رضا، إلا إذا دخل بها و هي مكرهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۹، رشيديه)

(و كذا في المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح البكر: ۳/۷، غفاريه)

اصرار کیا مگر وہ نہ مانا، لہٰذا مجبوراً عورت لڑکی کی محبت سے اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ گھر جا کر اس کے خسر نے نکاح کی مجلس منعقد کی جب عورت سے نکاح کی منظوری لی گئی، اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میرے باپ اور بھائی کو بلوالو، چنانچہ اس کا خسر گالی گلوچ دینے لگا، عورت اٹھ کر دوسرے گھر چلی گئی، اس کے خسر نے نکاح پڑھادیا، پھر بچہ کے ساتھ کچھ دنوں تک وہ عورت اس پہلے خسر کے یہاں رہی۔

نکاح کے چھٹے مہینے اس عورت کی لڑکی پیدا ہوئی جس کی بنا پر عورت کو نکال دیا اور کہا کہ جس کے نطفہ سے ہو لے کر جاؤ، یہ تمہارا بچہ ہمارے کام کا نہیں، لہٰذا عورت نے اپنے باپ کو بلوایا اور باپ کے ہمراہ اپنے میکے میں چلی آئی اور وہاں سے ایک مسلم شخص کو بتایا کہ فلاں کے نطفے سے ہے، چنانچہ اب وہ عورت اس کے یہاں مقیم ہے۔ آیا اس عورت کا نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟ اور دوسرے شخص سے اس کو نکاح کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ یہ بھی ارشاد ہو کہ جب کہ نکاح پڑھانے والے لوگ کہتے ہیں کہ عورت نے منظور کیا تھا اور عورت ہر حال میں بیان کرتی ہے کہ میں نے نہیں منظور کیا، میں دوسری جگہ چلی گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے بعد بھی عورت نے انکار کیا ہے تو شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا، اور اگر نکاح کے بعد انکار نہ کیا، بلکہ اجازت دیدی خواہ دوسروں کے برا بھلا کہنے ہی سے اجازت دی ہو تو نکاح صحیح ہوگیا۔ پہلی صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے، دوسری صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے اور عدت نہ گذر جائے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں:

قال في الفتاوى الهندية: "لا يجوز نكاح أحدٍ على بالغة صحيحة العقل من أب، أو سلطان بغير إذنها، بكراً أو كانت ثيباً، فإن فعل ذلك، فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته، جاز. وإن ردته، بطل. اهـ". هنديه: ۱/ ۲۸۷(۱)۔ قال في الفتاوىٰ الهندية: "لايجوز

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/ ۲۸۷، رشيديه)

"(و لا تجبر بكر بالغة على النكاح): أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا، الخ".

(البحرالرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۴، رشيديه)

"وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، بحر عن المحيط". =

للرجل أن يتزوج زوجة غيره. اهـ". هنديه: ۱/۲۸۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال[۵۳۳۰]: ایک بیوہ عورت کا نکاح زبردستی ایک نابالغ سے کردیا گیا بغیر اس کی رضامندی کے، اور اس کا نشانی، انگوٹھا بھی درج کرلیا، مگر وہ یہ کہتی رہی کہ مجھ کو ساری کو بھی نہ لگا لو تب بھی اس کے یہاں نہ رہوں گی۔ پھر اسی کے مکان پر ایک سال گزر بسر کرتی رہی، کیونکہ بیوہ اسی کے بھائی کی عورت تھی یعنی جس کے ساتھ نکاح ہوا، جنھوں نے جبراً نکاح کیا تھا، انھوں نے اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کردیا جہاں وہ رضامند تھی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر نکاح کے بعد بھی اس نے انکار کردیا تھا اور وہ راضی نہ تھی تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا اور پھر جس جگہ اس کی رضامندی سے نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔

اور اگر نکاح ہوجانے پر وہ رضامند ہوگئی تھی تو نکاح صحیح اور لازم ہوگیا تھا(۲) پھر دوسری جگہ جو نکاح

= (ردالمحتار، باب الولی: ۵۸/۳، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التی يتعلق بهاحق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(۲) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع فی الأولياء: ۲۸۷/۱، رشيديه)

"و لا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی، وهو السنة". (الدرالمختار). " وإن زوجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها".

(ردالمحتار، باب الأولياء: ۵۸/۳، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۴/۳، رشيديه)

ہوا، وہ صحیح نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۵/۹/۵۹ھ۔

لڑکی کا جبراً نکاح

سوال[۵۳۳۱]: ۱......ایک بارہ سالہ لڑکی کو کسی ظالم نے عداوۃً زبردستی باہر جنگل سے اٹھا کر اور بلا رضامندی لڑکی کے بلا اجازت وارثین کے اس کا نکاح کردیا گیا، یہاں تک کہ اس لڑکی کے والدین و وارثین کو کچھ خبر تک بھی نہیں ہے بلکہ وہ شب وروز اس گمشدہ لڑکی کے متلاشی ہیں۔ اس صورت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا دوسرے کسی امام کے نزدیک یا حدیث وقرآن کی رو سے یہ نکاح صحیح و درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک مولوی صاحب نے پانچ روپیہ کے عوض باوجود حالات معلوم ہونے کے دو گواہوں کے روبرو نکاح پڑھادیا۔ از روئے شریعت اس نکاح پڑھانے والے کی بھی کوئی گرفت ہے یا نہیں؟

اور بروقتِ نکاح جس وقت لڑکی سے اجازت طلب کی گئی تو اس نے صاف انکار کردیا کہ میں یہاں نکاح نہیں کرتی تو لوگوں نے اس لڑکی کو کاغذ پر انگوٹھا لگانے پر مجبور کیا، مگر لڑکی نے صاف انکار کردیا اور انگوٹھا بھی نہیں لگایا۔ پھر اس جگہ سے لڑکی کو اٹھا کر دوسرے ضلع میں لے گئے، وہاں پر دو آدمیوں نے مارنے کی دھمکی دی اور زبردستی پکڑ کر انگوٹھا لگوایا۔ اب یہ انگوٹھا نکاح ہونے کی حجت ودلیل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اس کا جواب مفصل مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۲......وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......شرعاً یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جس شخص نے باوجودِ علم کے یہ نکاح پڑھایا ہے وہ سخت گناہ گار ہے، لڑکی

---

(۱) اگر نکاح پر رضامند ہوگئی تو اب منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے نکاح ثانی درست نہیں ہوا:

"لایجوز للرجل أن یتزوج زوجۃ غیرہ، کذا فی السراج الوھاج". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرط الا تکون منکوحۃ الغیر: ۳/۴۵۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، باب المھر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعید)

اگر بالغہ ہوتو اس پر جبر کا حق کسی کو حاصل نہیں "لاتجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، اھ". درمختار: ۲/۴۸۹(۱)۔

اگر نابالغہ ہوتو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے: "الولی شرط صحة نكاح صغير، اھ". درمختار۔ "الموصوف محذوف: أى شخص صغير، الخ. فيشمل الذكر والأنثى". شامى: ۲/۴۸۵(۲)۔

بہکا کر لے جانے والے، زبردستی نکاح پڑھانے والے، انگوٹھا لگانے والے اور جو لوگ اس میں شریک ہوئے اور باوجود قدرت جن لوگوں نے اس حرکت سے نہیں روکا سب گنہ گار ہیں، سب کے سب توبہ کریں سب کے ذمہ توبہ لازم ہے(۳) اور ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو لڑکی کو اس کے اولیاء کے پاس پہنچائیں۔

۲...... وعدہ خلافی کرنا شرعاً گناہ ہے مگر یہ کہ کوئی مانعِ قوی پیش آجائے یا وہ وعدہ ہی خلافِ شرع ہو، كذا في الحموى شرح الأشباه(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، جواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/رجب/۶۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي النهر الفائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۲۰۲، امداديه ملتان)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب الولي: ۲/۲۶، دار المعرفة بيروت)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمى)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يآيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۴) "الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". قال العلامة الحموى: "وأما من عزم على=

بالغہ کا نکاح جبراً

سوال[۵۳۳۲]: ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر زید سے کر دیا اور نکاح سے قبل لڑکی زید کے یہاں جانے سے انکار کرتی رہی اور نکاح کے بعد رخصتی کے وقت اس نے صراحت کے ساتھ کہا کہ میں زید کے ساتھ نکاح کرنا نہیں چاہتی، لیکن جب والد صاحب نے بالجبر اس کو گھر سے رخصت کرنا چاہا تو وہ صدمہ سے بے ہوش ہوگئی اور ایسی حالت میں اس کو زید کے یہاں بھیجدیا گیا۔ لڑکی دینی تعلیم یافتہ اور پابندِ شرع ہے اور زید اور اس کا گھرانہ جاہل ہے، بلکہ شریعت سے استہزاء وتمسخر کا عادی ہے۔ لڑکی کے تنفر کا بڑا سبب یہی ہے کہ زید کے بارے میں پہلے سے بدستور مشہور تھا کہ وہ آوارہ اور آزاد طبع ہے۔

چنانچہ رخصتی کے بعد بھی لڑکی نے حتی الامکان زید کو اپنے اوپر قابو نہیں دیا حتی کہ اس کی ساس نے اس کے ہاتھ وغیرہ باندھ کر شوہر کو اس کے پاس حق زوجیت ادا کرنے کیلئے بھیجا۔ زید نے لڑکی کے ساتھ جب بھی قربت کی اسی جبر وقہر کی حالت میں کی۔ نکاح کو بارہ سال گذر چکے ہیں، اس دوران میں بار بار زید کے مکان سے فرار ہوکر اپنے عزیزوں کے یہاں جاتی رہی اور اب اس سے تین بچے بھی ہوگئے، مگر لڑکی کی نفرت وکراہت کا وہی عالم ہے۔ اس صورت میں کیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ ظلم وستم بارہ سال سے ہو رہا ہے اور تین بچے بھی ہو چکے ہیں تو اتنی مدت تک مسئلہ کیوں دریافت نہیں کیا، حرام وحلال کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ جب اس قسم کا نکاح کیا گیا فوراً دریافت کیا جاتا کہ یہ نکاح صحیح

= الوفاء، ثم بدأله فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". وقيل: عليه، فيه بحث فإن أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث، على ما إذا منع مانع من الوفاء، الخ". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، (رقم القاعده: ۱۲)، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۶۱۵/۸، رشيديه)

10

ہوا یا نہیں، لڑکی کو رخصت کرنا حلال ہے یا حرام ہے، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شوہر کو زبردستی اس پر مسلط کرنا جائز ہے یا معصیت ہے؟ ان سب حوادث کے بعد آج دریافت کرنا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اب شوہر سے طلاق لی جائے یا بذریعۂ شرعی کمیٹی تفریق کرائی جائے (۱)، پھر جب عدت گذر جائے تب نکاحِ ثانی کے اقدام کی گنجائش ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً اقرارِ نکاح

سوال [۵۳۳۳]: مسماۃ راحت النساء اپنی پھوپھی کے گھر گئی تھی، کچھ لوگ وہاں پہونچے اور لڑکی سے کہا کہ تمہارے والد تم کو فلاں جگہ بلاتے ہیں۔ لڑکی ان کے ساتھ چلی، راستہ میں ایک جنگل میں ان لوگوں نے لڑکی سے کہا کہ تم اقرار کرو کہ تمہارا عقد فلاں کے ہمراہ کردیا گیا، اگر تم اقرار نہیں کرتی تو ہتھیار دکھلا کر کہا کہ ختم کردیا جائے گا۔ لڑکی نے جان کے خوف سے ہاں کردی اور عقد ہوگیا۔ پھر لڑکی کسی طرح بہانہ کرکے وہاں سے بھاگ کر آگئی۔ اب وہ نکاح ہوگیا تھا یا نہیں؟ لڑکی نہ پہلے راضی تھی نہ اب راضی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی پر یہ بہت بڑا ظلم ہوا، ایسا کرنے والے سب لوگ سخت گنہگار ہوئے، اس کے باوجود یہ نکاح منعقد ہوگیا (۳)۔ لڑکی صبر کرے اور منتظر رہے کہ ظالموں پر کیسا وبال آتا ہے، اگر برداشت نہیں کرسکتی تو کسی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"ويجب لوفات الإمساك بالمعروف". (الدرالمختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإذابلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "طلاق وإيلاء وظهار ورجعة ونكاح .... يشمل ما إذا أكره الزوجة أو الزوج على عقدالنكاح كما هو مقتضى إطلاقهم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه: ۳/۲۳۶، سعيد)

"(قوله: يستحق رضاها): أي يصدر ما من شانه أن يدل على الرضاء؛ إذ حقيقية الرضاء غير =

طرح خوشامد کرکے مہر معاف کرکے طلاق لے لے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا

سوال[۵۳۳۴]: آج کل پنجاب میں یہ مرض عام پھیل گیا ہے کہ عموماً کنواری لڑکیاں محض فساق سے خفیہ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی ہیں، کئی دنوں کے بعد وہ فساق ان کو والدین کے گھر سے کوئی موقع پا کر لے بھاگتے ہیں، اور کسی اَور علاقہ میں جا کے نکاح کر لیتے ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باکرہ کا نکاح بغیر اجازتِ ولی جائز ہے جس سے فساق نے ناجائز نفع اٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے فساد برپا ہو رہا ہے۔

کیا آج کل انسدادِ فتنہ کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدمِ جوازِ نکاح باکرہ بغیر رضائے ولی پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، اور اس پر عمل جائز نہیں جبکہ دیگر ائمہ بھی امام شافعی کے متفق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مرض کا علاج یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے (کہ) بعد بلوغ لڑکیوں کی شادی میں اپنے رواج، یا قومی مصالح، یا ذاتی منافع کی بناء پر تاخیر نہ کی جائے، نیز شادی

= مشروط في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۲۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲/۱۰، دار المعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جدّ، و هزلهن جد: النكاح والطلاق، والرجعة". (مشكوٰة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲/۲۸۴، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيديه)

سے قبل لڑکی سے استیذان کیا جاوے تاکہ اس کی رضا وعدمِ رضا کا بھی اندازہ ہو جائے۔ یہ علاج مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق اور احادیث سے ثابت ہے، دیگر ائمہ بھی اسی میں متفق ہیں۔ جبکہ متفق علیہ اور مسنون طریقہ موجود ہے پھر مذہب کو چھوڑنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے(۱)۔ دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا اس مسئلہ میں درست نہیں (۲)۔

نــــوٹ: اگر بالغ لڑکی غیر کفو میں اپنا نکاح خود کرے تو امام صاحبؒ کے ایک قول کے مطابق اس کا نکاح ہی درست نہیں ہوتا اور یہی قول مفتیٰ بہ بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، عبد اللطیف، ۲۶/۱۱/۱۳۶۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "في التوراة مكتوب: من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنةً، ولم يزوجها فأصابت إثماً فإثم ذلك عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲/۲۷۱، قديمي)

"وقال صلى الله عليه وسلم: "ولا تنكح البكر حتى تستأذن". (مشكوة المصابيح، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قديمي)

"(قوله: وهو السنة) بأن لها فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت، وإن زوّجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(وانظر أيضاً البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۹، رشيديه)

(۲) "وفي الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان، آثم، يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى". (الحموي شرح الأشباه، كتاب الحدود و التعزير، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن كراچي)

(وانظر أيضاً ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه: ۴/۸۰، سعيد)

(۳) "(ويفتي) في غير الكفؤ (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركة علمية)

(وكذا في ملتقى الابحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۴۸۸، ۴۹۰، غفاريه)

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

ایجاب وقبول کے الفاظ

سوال[۵۳۳۵]: ان لفظوں سے نکاح ہوتا ہے کہ نہیں کہ کسی نے گواہوں کے روبرو کہا: ''میں نے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کیا''۔ آیا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

اشارۂ سر، یا لفظِ ''منظور'' سے قبولِ نکاح

سوال[۵۳۳۶]: ہندہ باکرہ ہے اور وہ جب گواہوں کے سامنے آئی تو استحیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ ''قبلت'' یا کسی اَور لفظ سے نہیں دیا بلکہ خاموش رہی، یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا، یا بجائے ''قبلت'' کے ''منظور ہے'' کا لفظ کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

امیر علی، صاحب معرفت حامد میاں مدرسہ شاہی مرادآباد۔

---

(۱) ''وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضي؛ لأن الماضي أدل على التحقيق، کزوجت نفسي أو بنتي أو موکلتي منک، ویقول الآخر: تزوجت، الخ''. (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۹، ۱۰، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۳/ ۳۲۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ ''منظور ہے'' کہنے سے منعقد ہو جائے گا:

"وینعقد بإیجاب وقبول، وضعا للمضی، و بما وضع أحدهما له والأخر للاستقبال. كزوجني، فإذا قال: زوجت أو قبلت أو بالسمع والطاعة، اھ، بزازیه، اھ. نص عبارتها: قال: زوّجي نفسكِ منی، فقالت: بالسمع والطاعة، صح، اھ. ونقل هذا الفرع فی البحر عن النوازل ونقله فی موضع اٰخر عن الخلاصة، فافهم". درو شامی مختصراً (۱)۔

"الإشارة إنّما تعتبر إذاصارت معهودةً، وذلك فی الأخرس دون المعتقل، ولأن الضرورة فی الأصل لازمة، و فی العارضی علی شرف الزوال، اھ". مجمع الأنهر: ۲/۷۳۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

''لڑکی خدا کے واسطے دیدی'' کہنے سے نکاح کا حکم

سوال[۵۳۳۷]: زید نے اپنی دختر ہندہ۔جس کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی ہے۔زید نے اپنے ہوش و عقل کے ساتھ یہ الفاظ کہے۔کہ ''میں نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے''۔خالد نے اسی مجلس میں اپنے پسر کے لئے قبول کیا۔آیا عندالشرع صورت مسئولہ میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ الفاظ کہ ''میں نے اپنی دختر ہندہ کو خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے''، کنایاتِ نکاح میں سے ہیں،

---

(۱) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: کثیراً ما یتساهل فی إطلاق المستحب علی السنة: ۳/۱۰، سعید)

(وکذا فی البزازية علی هامش الفتاوی العالمکیرية، کتاب النکاح، الفصل الأول: ۴/۱۰۹، رشیدیه)

(۲) (مجمع الأنهر، مسائل شتی: ۲/۷۳۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

اگر بنیتِ نکاح یہ الفاظ کہے ہیں یا کوئی دوسرا قرینہ وغیرہ نکاح پر موجود ہے اور اس مجلس کو مجلسِ عقدِ نکاح سمجھا گیا ہو اور گواہوں نے بھی یہی سمجھا ہو کہ ان الفاظ سے مقصود نکاح ہے تو شرعاً نکاح منعقد ہو گیا ورنہ نہیں:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريحان، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة وتمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار وصلح و صرف. وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". درمختار: ۲/۴۱۳(۱)۔ فقط۔

"والحاصل أن كناياته على ثلثة أنواع، ما ينعقد به إجماعاً، اهـ". زيلعي. قال الشلبي: "وذلك كالتمليك والهبة والصدقة و نحوها"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۲/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبد اللطیف۔

لفظ "اجرت" سے نکاح

سوال [۵۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اور مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ ہندہ نے جو کہ عاقلہ بالغہ ثیبہ بیوہ ہے اور عمر اس کی بیس سال سے متجاوز ہے، زید نے ایک مختصر سا کام کیا، زید نے بعد انجام وہی ہندہ سے مذاقاً کہا کہ "مجھ کو اس کی اجرت چاہیے جو خاص خصوصیت رکھتی ہو" اس وقت ہندہ نے بہت خوش ہو کر کہا کہ "اس صلہ میں مجھ کو لے لیجیے، میں نے اپنے ہی کو آپ کے حوالہ کیا"۔

تب زید نے کہا کہ خوب مضبوط ہو کر کہو پھر ہندہ نے اور بھی مستعدی اور مضبوطی سے پُر زور الفاظ میں کہا اور زید نے اس قول کو ہندہ سے بار بار کہہ کر تین چار دفعہ کہلوایا اور ہندہ نے ہر بار اقرار کیا اور زید قبول کرتا

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بارسال کتاب: ۳/۱۶، ۱۷، سعید)

(۲) (تبيين الحقائق مع حاشية العلامة الشلبي، كتاب النكاح: ۲/۴۵۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"و ما ينعقد به النكاح، فهو نوعان: صريح و كناية، فالصريح لفظ النكاح والتزويج، وماعداهما و هو ما يفيد ملك العين في الحال كناية، كذا في النهر الفائق ناقلاً عن المبسوط، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح و ما لا ينعقد به: ۱/۲۷۰، رشيديه)

رہا اور یہ واقعہ تین چار عورتوں اور ایک مرد کے مواجہہ میں ہوا، پھر دوسرے دن بھی زید نے اس معاملہ کو دوبارہ تجدید وتصدیق ہندہ سے کی، چنانچہ اسی طرح ہندہ اپنی ذات کو زید کے سپرد کرتی رہی اور زید قبول کرتا رہا۔ پھر زید نے کہا کہ: اس قول سے پھر تو نہ پلٹوگی؟

ہندہ نے کہا کہ نہیں اور ہندہ نے محبت واخلاص سے اور محبت وصداقت سے کہی، اس میں کوئی بناوٹ یا مذاق کا پہلو نہ تھا، اور حقیقۃً ہندہ نے محبت واخلاص سے واقعی طور پر کہا تھا۔ تب پھر زید نے کہا کہ دیکھو اب تو رجسٹری ہوگئی، ہندہ نے اسے بھی تسلیم کرلیا۔ پس ایسی حالت میں زید اور ہندہ کا باہم عقد ومناکحت شرعاً منعقد ہو گیا یا نہیں؟ بحوالۂ کتبِ فقہ جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

اور صورت عقد مناکحت ہوجانے کے مہر کیا قرار پائیگا، شوہر کے خاندان کا لیا جاوے گا (زید) یا زوجہ یعنی مسماۃ ہندہ کے خاندان کا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد خلیل مقیم درگاہ شریف، کچھوچھہ، ضلع فیض آباد، یوپی۔

تنقیحات

باسمہ تعالیٰ

۱- وہ مختصر سا کام کیا تھا (اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟)

۲- جس وقت ہندہ نے زید سے اس کام کیلئے کہا تھا اس وقت اجرت کا کوئی تذکرہ آیا یا نہیں؟ اگر آیا تو کیا اجرت قرار پائی؟ اگر نہیں تو کیا دونوں کے ذہن میں لینے دینے کا ارادہ تھا یا نہیں؟ یا محض تبرعاً واستحساناً کام کیا؟ اور دل میں کوئی اجرت کی نیت نہ تھی؟ مہر میں اجرت کا ذکر آیا۔

۳- ہندہ نے بعینہ یہی الفاظ کہے یا کچھ اور؟ اس کے جواب میں زید نے کن الفاظ سے قبول کیا؟

۴- ہندہ نے یہ الفاظ بنیتِ نکاح کہے یا کچھ اور؟ اس کو زید نے بنیتِ نکاح قبول کیا یا کسی اور نیت سے؟

۵- حاضرین مرد اور عورتوں نے بھی اس کلام کو نکاح سمجھا یا کچھ اور؟

اولاً جواب لکھا تھا لیکن تشقیقات کے باعث محلِ اشکال وتامل تھا، اس لئے بعد میں مناسب معلوم ہوا کہ تشقیقات واغلاقات کو سائل سے حاصل کرلیا جائے تاکہ جواب صاف اور بے تردد ہو، لہٰذا امورِ مذکورہ بالا کو حل کردیجئے، پھر انشاء اللہ جواب واضح تحریر کردیا جائے گا۔

از دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم۔

جوابات تنقیح

۱-وہ کام یہ تھا کہ ہندہ نے زید کو دو سیر کی مٹھائی دی اور کہا کہ اس کو فلاں بزرگ کے نام فاتحہ پڑھ دو، اس نے پڑھ دیا تھا۔ پس واقعۃً اجرت لینا مقصود بھی نہ تھا۔

۲-اس کام کی نہ کوئی اجرت ہوسکتی ہے، نہ کوئی تذکرہ تھا، نہ ضرورت ہی تھی، نہ لینا مقصود تھا، دونوں کے ذہن میں اجرت لینے دینے کا بالکل خیال نہ تھا، یہ کام تو تبرعاً واحساناً کیا، بعد میں محض مذاقاً اجرت کو کہا تھا، نہ اجرت ٹھہری تھی، نہ ذکر آیا تھا، نہ نیت تھی، نہ موقع ہی تھا۔ صورت یہ تھی کہ ۸/ رجب کو ملّا نے فاتحہ دیتے ہیں، پیسہ روپیہ چراغی کے نام سے لیتے ہیں، اسی بنا پر زید نے کہا کہ ہماری چراغی ملنی چاہیے ورنہ اجرت کیسی؟ اور چراغی بھی مقصود نہ تھا نہ زید کا یہ پیشہ ہے۔

۳-ہندہ نے بعینہ وہی الفاظ کہے تھے (اور اس کا اصل منشاء یہ ہی ہے کہ میں من کل الوجوہ اپنے اوپر زید کو کلی اختیار دیتی ہوں، اس کا لب ولہجہ اور عنوانِ محبت واخلاص وہی تھا جو لکھا ہے۔ زید نے کہا کہ "میں بسروچشم قبول کرتا ہوں مگر مضبوط رہنا"، اس نے کہا کہ "ہاں ہاں میں مضبوط ہوں" اور پھر دوسرے دن رجسٹری والا مضمون پیش آیا اور ہندہ نے بھی تسلیم کیا۔

۴-ہندہ نے بنیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے مگر زید نے بنیتِ نکاح ہی قبول کیا اور خیال کیا کہ علماء سے دریافت کرکے جیسا ہوگا ویسا ہی کیا جائے گا۔

۵-حاضرین میں چند عورتیں تھیں ایک مرد بھی تھا، اس کلام کو نکاح نہیں سمجھا مگر مذاقاً یہ طنز لگایا، مگر نکاح نہ سمجھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے وہ دو قسم پر ہیں: اول صریح، دوم کنایہ۔

"اس صلہ واجرت میں آپ مجھ کو لے لیجیے" کنایاتِ نکاح میں سے ہے صریح نہیں، اور کسی کام کی اجرت میں نکاح کردینا یعنی عورت کو اجرت قرار دینا شرعاً درست ہوتا ہے گو اس کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول: ادائے الفاظ کے وقت نکاح کی نیت ہو (ہندہ نے بہ نیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے)۔

دوم: حاضرین اور گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو (یہاں ایسا نہیں ہوا)۔

سوم: کوئی قرینہ بھی ارادۂ نکاح پر ہو (اس صورت میں یہ بھی نہیں)۔

چہارم: باقاعدہ اجارہ کیا گیا ہو اور عورت کو ایسے کام کی اجرت قرار دیا گیا ہو کہ اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہو (صورت مسئولہ میں یہ بھی مفقود ہے)۔ پس یہ نکاح شرعی نکاح نہیں ہوا بلکہ لغو اور بیکار ہے اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية، غير المقيدة بالحال، كهبة و تمليك و صدقة و عطية وقرض وسلم و استيجار و صلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". در مختار (۱)۔

"(قوله: وسلم واستيجار) و هذا إذا جعلت المرأة رأس مال السلم أو جعلت أجرةً، فينعقد إجماعاً، و قال تحت (قوله: بشرط نية أو قرينة) بعد بسط الكلام و ملخصه: إنه لا بد في كنايات النكاح من النيةمع قرينة أو تصديق القابل للموجب و فهم الشهود والمراد أوإعلامهم به". درمختار: ۲/۴۱۵، ۴۱۶ (۲)۔

شرط کا معدوم ہونا جواب تنقیح سے واضح ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۸/ ۵۷ھ۔

اس سوال کی تنقیح مع جواب تنقیح نقل کی گئی ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۱۶ – ۱۸، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۱۸/۱، ، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۲، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۷، ۱۸، سعيد) .... =

لفظ ''جان بخشی'' سے نکاح، غیر عادل لوگوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۳۳۹]: احمد ابراہیم ایک لڑکی مسلمہ باکرہ مسماۃ حافظہ بی بی کو بہکا کر کسی گاؤں میں لے گیا اور اس گاؤں کے امام مسجد سے کہا کہ ہم دونوں کا نکاح پڑھا دیجئے، امام موصوف نے انکار کیا کہ میں ایسے جھگڑے کے نکاح نہیں پڑھاتا ہوں۔ چنانچہ امام صاحب کے اس انکار کی وجہ سے مذکورہ لڑکی نے دو مرد اور دو عورت کے سامنے احمد ابراہیم صوفی کو اپنے جان بخشی کردی، مگر مہر کا ذکر اور تسمیہ اس مجلس میں نہیں ہوا۔ منجملہ ان دو مردوں کے ایک ان میں سے ناکح احمد ابراہیم کا پھوپھی زاد بھائی ہے اور دوسرا رشتہ سے سالا یا بہنوئی ہے اور مذکورہ دو عورتیں ان میں سے ایک ناکح کی پھوپھی ہوتی ہے، نیز یہ بھی فرض کر لیجیے کہ شہودِ مذکورہ غیر عدول یعنی فاسق ہی ہیں۔

اب عقد مذکورہ کی جب کہ لڑکی کے والدین کو اطلاع ہوئی تو وہ اپنی لڑکی کو گاؤں سے واپس لے آئے اور بھری مجلس میں مثلاً زید سے لڑکی مذکورہ کا نکاح پڑھا دیا۔ چنانچہ احمد ابراہیم صوفی نے مسماۃ حافظہ بی بی اور زید ناکح ثانی کے خلاف عدالت میں نالش دائر کردی ہے(۱) تو لڑکی نے اپنے تحریری بیان میں یہ بیان دیا کہ ''نہ تو مجھے احمد ابراہیم نے کسی گاؤں میں مجھے بہکایا اور نہ ہی میں نے ذات بخشی کی'' یعنی یہ واقع ہی سراسر جھوٹ ہے اور من گھڑت ہے (چونکہ لڑکی اس وقت والدین اور زید ناکح ثانی کے قبضہ میں ہے اس وجہ سے لڑکی سے یہ بیان تحریری دلوایا) چنانچہ اب گذارش ہے کہ:

(الف): حافظہ بی بی مذکورہ کے انکار اور جحود کی بنا پر نیز قطع نظر اس سے قضائے قاضی کیلئے اس مدعی احمد ابراہیم کے ذمہ مذکورہ شہود نکاح پر شہادتِ عدولی کی بینہ عدول کی مزید ضرورت ہو یا نہ ہو ذات بخشی کے وقت مہر کے عدم ذکر اور عدم تسمیہ کے باوجود نیز شہود مذکورہ کے غیر عدول ہونے کے باوجود نفسِ عقدِ اول یعنی ذات بخشی والا عقد کنائی صحیح اور عقدِ ثانی یعنی زید کا عقد غیر صحیح ہوگا یا نہیں؟

= ''(قوله: وسلم) أطلقه، وفيه تفصيل: إن جعلت المرأة رأس مال السلم، فإنه ينعقد إجماعاً .... (قوله: واستيجار) .... فإن جعلت المرأة أجرةً، صح، الخ''. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/ ۱۹، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاہور)

(ب): نیز احمد ابراہیم صوفی کے ذمہ آیا یہ ضروری ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے علاوہ شہودِ نکاح کے جنہیں غیر عدول فرض کیا گیا ہے کسی اَور بینہ عدول کو پیش کرے یا یہی شہود نکاح غیر عدول رشتہ مذکورہ کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کیلئے کافی ہیں؟

(ج): نیز پھوپھی زاد بھائی اور حقیقی پھوپھی کا رشتہ کسی ادائے شہادت میں خواہ وہ شہادتِ نکاح ہو یا غیر نکاح ہو مدعی کے خلاف اثر انداز ہوسکتا ہے؟ نیز ادائے شہادت میں کسی قسم کا رشتہ اور قرابت قابلِ قبول نہیں؟

(د): اگر مدعی احمد ابراہیم صوفی کے ذمہ دعویٰ مذکورہ کے ثبوت کے لئے علاوہ شہودِ نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اور شہود نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اَور شہود عدول کی مزید ضرورت ہو اور وہ میسر نہ آئیں تو مذکورہ عقد اول اور ثانی دیانۃً اور قضاءً کس قسم کے ہونگے؟ صحیح یا غیر صحیح؟

(ہ): اگر شہودِ نکاح میں سے ایک مرد عادل یا مستور الحال ہو تو مدعی کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کے لئے اس ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: واضح ہو کہ یہ دونوں عقد کفو میں ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف): کسی لڑکی کو بھگانا بڑی بے غیرتی اور کمینہ پن ہے۔ سوال میں عقدِ نکاح کے متعلق محض ''جان بخشی'' کا تذکرہ ہے، اگر محض لڑکی نے اپنی جان بخشدی اور احمد ابراہیم نے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ سکوت اختیار کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اگر باقاعدہ طرفین سے ایجاب وقبول ہوا ہے اگرچہ بجائے لفظ نکاح کے ''جان بخشی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو نکاح منعقد اور صحیح ہوگا (۱)۔ مہر کا ذکر صحتِ نکاح کے لئے ضروری نہیں بغیر ذکر و تسمیۂ مہر بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۶۴، رقم الحاشیہ: ۲)

(۲) "وإن تزوجها و لم يسم لها مهراً، أو تزوجها على أن لا مهر لها، فلها مهر مثلها، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے(١)، البتہ اگر مقدمہ عدالت میں پہنچے گا تو قاضی غیر عدول کی شہادت کو رد کردیگا، اس صورت میں عقد کے صریح اور کنائی ہونے میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا صریح کو کنائی پر کوئی فوقیت نہیں ہوگی (٢)۔

(ب): عدالت میں دعویٰ پیش کرنے کے لئے شہود کا عدول ہونا ضروری ہے، غیر عدول کی شہادت کو قاضی قبول نہیں کرے گا، الّا یہ کہ صحتِ واقعہ مشہود لہا کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے (٣)۔

---

(١) "ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ١/٢٦٧، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٦، مكتبه شركة علمية)

(٢) "وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة و تمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار و صلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة، و فهم الشهود المقصود، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/١٦-١٨، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ٢/٨ ٩، دار المعرفة بيروت)

(وأيضاً النهر الفائق، كتاب النكاح: ٢/١٧٦، إمداديه ملتان)

(٣) "و منها: العدالة لقبول الشهادة على الإطلاق، فإنها لا تقبل على الإطلاق بدونها، لقوله تعالىٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والشاهد المرضيّ هو الشاهد العدل، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ٩/١٥، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم، فتح، إلا أن يمنع منه: أي من القضاء بشهادة الفاسق الإمام، فلا ينفذ، الخ". (الدر المختار). "(قوله: بشهادة فاسق نفذ) قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته، تقبل، وإلا فلا. فقال: و في الفتاوى القاعدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه، و هو مما يحفظ، درر، أول كتاب القضاء. و ظاهر قوله: و هو مما يحفظ اعتماده، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الشهادات: ٥/٤٦٦، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ٣/١٥٥، مكتبة شركة علمية ملتان)

(ج): یہ رشتہ مانع قبول شہادت نہیں (۱)۔

(د): اگر عدالتِ قاضی میں ثبوت نہ ہو اور قاضی کو صحتِ واقعہ کا شہادت سے غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو وہ عقد کو غیر معتبر مانے گا، ایسی صورت میں قاضی کو چاہیے کہ ناکح کو کہے کہ تم طلاق دے دو، احتیاط کا تقاضہ یہی ہے، اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی خود نکاح کو فسخ کردے (۲)۔

(ہ): صرف ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت پر قضاء جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/ ٦۷ھ۔

---

(۱) "وأما ماعدا هؤلاء من الأقارب، فتقبل شهادة أحدهم للآخر، فتقبل شهادة الربيب، و شهادة الأخ لأخيه، و أخته، وأولادهما، و كذا الأعمام و أولاده، و الأخوال والخالات، و العمات، و تقبل شهادة الرجل لأم امرأته و أبيها و لزوج ابنته و لامرأة أبيه و لأخت امرأته". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط الشهادة الأساسية، (رقم المادة: ۱۷۰۰)، ص: ۱۰۳۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته و من لا تقبل، الفصل الثالث: ۴۷۰/۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۳۵/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) جیسا کہ حاشیہ نمبر: ۵ سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی کو ظن غالب سے اس کی صداقت پر یقین ہو شہادت کو قبول کرے گا، ورنہ نہیں اور شہادت قبول نہ کرنے کی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا: "وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضي التفريق بينهما. الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۱/۳، ۱۳۳، سعيد)

(۳) "و ما سوى ذلك من الحقوق، يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية و نحو ذلك، الخ". (الهداية، كتاب الشهادة: ۱۵۳/۳، ۱۵۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۴۵۱/۳، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الأول في الشهادة، الفصل الأول، (رقم المادة: ۱٦۸۵)، ص: ۱۰۳۰، مكتبه حنفيه كوئٹه)

عورت کا یہ قول کہ ''میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی'' نکاح نہیں

سوال[۵۳۴۰]: اگر کوئی عورت صرف دو مردوں کے سامنے کہہ دے کہ میں ہمیشہ فلاں مرد کے ساتھ رہوں گی، اگر وہ مرد موجود نہ ہو تو اس طرح نکاح ہوا یا نہیں جبکہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کہنے سے خواہشِ نکاح کا اظہار ہوا، لیکن نکاح منعقد نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/ ۸۸ھ۔

الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟

سوال[۵۳۴۱]: ۱..... نکاح منعقد ہونے کیلئے کتنے الفاظ کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر نکاح جائز نہ ہو؟

۲..... ناکح ایجاب وقبول کے الفاظ کو صرف ایک بار کہے یا تین بار کہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... دو لفظ: ایک ایجاب، دوسرا قبول ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے(۲)۔

---

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علميه، ملتان)

۲......ایک بار کہنا کافی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح

سوال[۵۳۴۲]: ہندہ اور زید کے درمیان تین چار سال سے محبت کا خط خطوط تھا اور ہندہ نے بعض خطوں میں یہ لکھا تھا کہ ''میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی'' اور بعض میں یہ کہ ''آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں'' اور اکثر خطوں میں اس نے زید کو خاوند سے تعبیر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ اظہار بھی کیا ہے کہ ''آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے'' کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ جو خطوط اس نے زید کے پاس بھیجے تھے ان کو زید نے دو تین بالغ آدمیوں کے سامنے پڑھ کر اس کو تین بار آدمیوں کے سامنے قبول کر لیا ہے، یہ کہہ کر کہ ''میں اس کو اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں''۔

اب ہندہ کے باپ نے ان تمام باتوں کا علم ہو جانے اور ہندہ کے بہت سے خطوط ہاتھ لگ جانے کے باوجود بھی اس کو دوسری جگہ شادی میں دے دیا اور اس نے بھی خواہ اپنے والدین کے خوف سے یا دنیوی طمع کی خاطر اپنے نکاح کی اذن دے دی۔ اب صورتِ اُولیٰ میں مذہب حنفی کے مطابق نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ برتقدیر اول نکاحِ ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور اس جرم کا مرتکب کون؟ اور اس کی کیا سزا؟ مع الادلۃ الشریفۃ بینوا توجروا۔

شہر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۱، ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر وضعا للمضي كزوجت، ويقول الآخر: تزوجت، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

"و ينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضي، أو وضع أحدهما للمضي والآخر لغيره مستقبلاً .... فإذا قال لها: أتزوجك بكذا، فقالت: قد قبلت يتم النكاح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح و ما لا ينعقد به: ۱/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظ بالا: ''میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی، آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں، آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے'' نکاح کے لئے ایجاب نہیں۔ پہلے اور دوسرے الفاظ سے خواہش ظاہر کی ہے، تیسرے الفاظ سے اقرار کیا ہے جو کذب ہے، انشائے عقد کے لئے کوئی لفظ نہیں، نیز خاوند سے تعبیر کرنا بھی ایجاب کے لئے کافی نہیں۔

اگر ہندہ نے یہ ہی الفاظ لکھے ہیں اور زید نے انہی کو گواہوں کے سامنے پڑھ کر قبول کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوا، والدین نے جو ہندہ کی اجازت سے اس کا نکاح کیا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے۔ لیکن اگر ہندہ نے کچھ ایسے الفاظ بھی لکھے ہیں جو ایجاب کے لئے کافی ہیں اور زید نے ان کو سنا کر گواہوں کے سامنے قبول کیا ہے تو وہ صحیح اور معتبر ہے اور والدین کا کیا ہوا نکاح معتبر نہیں، والبسط فی ردالمحتار: ۴۰۹/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ واعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/شعبان/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "(قوله: فتح) فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب".

"وصورة: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إنَّ فلاناً كتب يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لولم تقل بحضرتهم سوى: زوجت نفسي من فلان، لاينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح، وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين، بخلاف ما إذا نفيا". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، سعيد)

"ولا بكتابة حاضربل غائب، بشرط إعلام الشهود، بما في الكتاب، و ما لم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين، فتح. ولا بالإقرار على المختار، خلاصة. كقوله: هي إمرأتي؛ لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت و ليس بإنشاء". (الدرالمختار). (قوله: المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد، الخ" (ردالمحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، ۱۳ سعيد) .... =

10

شربت پر پھونک مار کر ایک گھونٹ پینے سے نکاح

سوال[۵۳۴۳]: چھوٹے چھوٹے بچوں کو کلمہ پڑھ کر شربت پر پھونک مار کر پلا دینے سے نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے نکاح نہیں ہوجاتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۹۴ھ۔

حمائل پر ہاتھ رکھ کر اقرار سے نکاح نہیں ہوتا

سوال[۵۳۴۴]: میرا نام زہرہ خاتون ہے، والد کا نام نذیر محمد خان ہے، ساہوا گاؤں ضلع چورو کی رہنے والی ہوں، میری ایک بڑی بہن مقصودہ بانو ہے جو میری ہی طرح طلاق کے بعد تعلیم حاصل کر کے رتن گڑھ میں ملازم ہے۔ ہم دونوں بہنوں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی اور ۱۴، ۱۵/ سال کی عمر میں ہوئی تھی، ہم دونوں سسرال پہونچ گئیں، دونوں آٹھویں اور دسویں پاس تھیں۔ ہم لوگ گاؤں اور پچھڑے ہوئے قصبے میں پلے ہیں، نہ ہم میں اسلامی شعور تھا اور نہ ہم مذہب کی الف ب سے واقف تھے، صرف کلمہ طیبہ آتا تھا، حلال وحرام، نکاح

= "وفي الفتاوى: رجل وامرأة أقرا بالنكاح بين يدي الشهود، و قالا بالفارسية: "مازن وشوئیم" لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح: ۴/۲، مكتبه امجد اكيڈمی)

(و كذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۹۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا، بغیر ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہیں ہوتا: "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"سئل فيما إذا خطب زيد لابنه الصغير بنتَ عمرو الصغيرة، وقرأ الفاتحة ولم يجر بينهما عقد شرعي، فهل لا يكون مجرد القرأة نكاحاً؟ الجواب: نعم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل منثورة من أبواب النكاح: ۲۹/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

وطلاق کی اہمیت یا فرق سے ذرا بھی واقف نہیں تھے، والدین نے بہت ناز سے پیار سے پالا تھا، والد سرکاری کمپاؤنڈر رہتے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد پریکٹس کررہے ہیں۔

غرض یہ کہ سسرال سے میری والدہ کنیز فاطمہ کا قریبی رشتہ تھا، لہٰذا گھر کی ایک دوعورتوں نے خاصا پیار دیا مگر میرا شوہر دو چار دن بعد سے ہی جھگڑے اور گالیاں پر آمادہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور اب وہ میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا، وہ سامنے رہنے والی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں (میں) گھر آگئی، والدین نے میرے شوہر اور سسرال والوں کو بہت نوازا، بہت سمجھایا مگر جو جھگڑے، گالی گلوچ، مار پیٹ شروع ہوچکی تھی وہ کم نہ ہوسکی بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

میرے ہی کمرے میں میرا شوہر محمد شفیع اپنی محبوبہ سے سبھی کچھ کرتا رہا، میرا خاموش رہنا ضروری تھا، میں خاموشی پر بھی گالیاں کھاتی اور پٹتی رہی: ''طلاق دیدوں گا، طلاق دے کر ہی رہوں گا، تُو تو تیرے باپ کے گھر ہی اچھی لگتی ہے''۔

مجھے گھر روانہ کردیا گیا اور والدین نے فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر سسرال واپس کردیا، میرے شوہر نے پھر جھگڑا کیا کہ ''تو طلاق کے قابل ہے، میں تجھے دیدوں گا اور سفید چادر اوڑھا کر گھر سے ذلیل کر کے نکالوں گا''۔ ایک روز بہت جھگڑا ہوا، جب میں مقابلہ میں تھک گئی تو دو تین عورتوں نے بیچ بچاؤ کیا تو اُور غضب ہوگیا: ''نکال دو اس رانڈ کو، میں نے اسے طلاق دی، اسے دھکے دے کر نکالو''۔ میں والدین کے ہاں بھجوادی گئی، والدین نے سارا ماجرا سن کر نرس کی ٹریننگ میں ڈالدیا، اب میں ہوسٹل میں ٹریننگ کرنے لگی اور اپنے کو طلاق شدہ سمجھنے لگی۔

میرے والد کے بھائی جناب نور محمد خان کی سالی کے لڑکے جن کا نام واجد حسین خان ہے۔ یہ جے پور میں رہتے ہیں۔ ان کی خالہ نور محمد خان کی اہلیہ نے میری شادی سے پہلے ان کے پیغام میرے نام اشارۃً بھجوائے تھے، چونکہ میری شادی میری والدہ کی رشتہ داری میں ہونا طے ہوگئی تھی اس لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ غرضیکہ واجد حسین خان مجھ سے ملنے ہوسٹل آتے رہتے تھے اور گھنٹوں باتیں ہوتی رہتی تھیں، اخلاقی طور پر ہم ایک دوسرے کے بہت ہی قریب تھے، ان کے گھر بھی آنا جانا تھا، میری ٹریننگ بھی ختم ہوچکی تھی۔

ایک دن واجد صاحب مجھے گھر لے گئے دنیاداری کی باتیں ہوتی رہیں، مجھے رات میں واجد صاحب

کے گھر میں قیام کرنا پڑا، اس رات ہم دونوں میں یہ بھی طے ہوگیا کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کرلیں گے'' ہم دونوں نے ہی حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ ہم دونوں شادی کرلیں گے''۔ اور اسی رات ہم ایک دوسرے میں ضم ہوگئے، میرے بطن سے واجد حسین صاحب کا نطفہ قرار پایا اور ایک دو دن انہیں کے گھر رہ کر اپنے گاؤں چلی آئی۔

مجھے سروس کرنا تھی، میری سسرال کے کچھ معتبر لوگ میرے گھر آئے اور والدین سے کہا کہ لڑکا کہتا ہے کہ ''میں نے طلاق نہیں دی، لڑکی کو بھیج دو''، لہٰذا مجھے سسرال بھیج دیا گیا، وہاں جاکر میں نے اپنے کو ہر طرح محفوظ رکھا اور اس جال سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ میرا شوہر جو مجھے طلاق دے چکا تھا اب وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ شادی اس لڑکی سے کرے اور نوکری مجھ سے کرائے اور خدمت بھی میں کروں، لیکن وہ جھگڑے بھی برابر کرتا رہا اور آنگن میں بیٹھ کر کہتا ہے: ''جانِ من نوکری کرو نوکری، طلاق دے چکا تو کیا ہوا، تجھے اس گھر سے جانا ہے''۔

میری زبان تو کھل ہی چکی تھی لہٰذا ایک سوال کے چار جواب دیتی اور پٹتی، چنانچہ ایک دن بہت بڑا ہنگامہ ہوا، اگر چند عورتیں نہ بیچ بچاؤ کرتیں تو شاید مار ہی ڈالتا۔ جھگڑے اور طلاق کی اطلاع میرے والدین کو پہونچی تو میرے بڑے بھائی محمد بشیر مجھے لینے آئے، پھر جھگڑا ہوا، میرے شوہر نے کہا کہ طلاق دیدی تو کیا ہوا میں اس بدمعاش رانڈ کو نہیں بھیجوں گا۔

غرضیکہ میں اپنے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ والدین کے گھر آ گئی، میرا رجحان تعلیم کی طرف ہوگیا۔ میں نے واجد صاحب کے نطفے سے ایک لڑکے کو جنم دیا، جو اس وقت گیارہ سال کا ہے۔ میں واجد حسین خان صاحب کو اپنا شوہر ۱۹۷۴ء سے تسلیم کرتی ہوں، اس طرح وہ بھی مجھے اپنی بیوی تسلیم کرتے ہیں ''ہم دونوں نے حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے کو زن وشوہر تسلیم کیا ہے، لیکن نکاح کے دو بول نہیں پڑھے یا سنے''۔

۱۹۷۵ء میں میں نے لڑکے کو جنم دیا، اردو پڑھی، عربی پڑھی اور دینیات سے واقفیت حاصل کی، ان دنوں میں جے پور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کررہی ہوں۔ بچہ میرے پاس رہتا ہے، اردو، دینیات اور انگلش کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ واجد ایک عدد بیوی کے شوہر اور ایک بچی کے باپ ہوچکے ہیں، اب وہ مجھے اور بچے کو

نوازنا چاہتے ہیں، وہ کثیر تعداد کو روشناس کرا چکے ہیں کہ میں ۱۹۷۴ء سے ان کی بیوی ہوں اور یہ بچہ جن کا نام انہوں نے خود ہی رکھا تھا یعنی آصف کے وہ والد ہیں یا آصف ان کا بیٹا ہے۔

لہٰذا کیا واجد حسین خان صاحب سے میرا نکاح ہو چکا ہے یا مجھے نکاح پڑھنا ہوگا؟ اگر نکاح پڑھنا ہوگا تو بچہ کی ہیئت کیا رہے گی؟ یہ بچہ تو انہیں کے نطفے سے ہے؟ مجھے میرے پہلے شوہر سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلے شوہر کے طلاق دینے کے گواہ موجود ہیں (۱) یا خود شوہر کو طلاق کا اقرار ہے اور اس اقرار کے گواہ ہیں تو طلاق ہوگئی (۲)۔ وقتِ طلاق سے تین مرتبہ ماہواری آنے پر عدت ختم ہوگئی اور دوسرے نکاح کا آپ کو حق ہوگیا (۳)۔ لیکن حمائل شریف ہاتھ میں رکھ کر دونوں کا عہد کر لینا کافی نہیں، بلکہ گواہوں کے سامنے

---

(۱) "والشرط فیها شهادة رجلین أو رجل وامرأتین، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال کالنکاح والطلاق والعتاق والوکالة والوصایة و نحو ذلک مما لیس بمال، کذا فی التبیین". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/۴۵۱، رشیدیه)

(و کذا فی الهدایة، کتاب الشهادة: ۳/۱۵۳، امدادیه، ملتان)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الشهادة: ۵/۴۶۵، سعید)

(۲) "ان من أقر بطلاق سابق، یکون ذلک إیقاعاً منه فی الحال؛ لأن مِن ضرورة الاستناد الوقوع فی الحال، وهو مالک للإیقاع غیر مالک للاستناد". (مبسوط السرخسی: ۴/۱۰۹، مکتبه حبیبیه کوئته)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الطلاق: ۳/۲۹۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق: ۳/۴۲۸، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقت یتربصن بأنفسهم ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸)

"و هی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة أقراء، سواء کانت الحرة مسلمةً أو کتابیةً". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث عشر فی العدة: ۱/۵۲۶، رشیدیه)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحیضة الثالثة، وقد انقضت بیقین". (بدائع الصنائع، فصل فی شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۶، دار الکتب العلمیه بیروت)

ایجاب وقبول لازم ہے، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ واجد حسین خان صاحب کے ساتھ جو تعلق ہوا وہ زنا کاری ہے اور زنا سے بچہ پیدا ہوا، اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوگا (۲)۔ گذشتہ زندگی سے تائب ہو کر واجد حسین صاحب سے نکاح کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱، ۲۲ سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص أن ابن وليدة زمعة مني ... ... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هولك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش و للعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۲/ ۲۸۷، قديمي)

"قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأول: النكاح الصحيح، و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، و لا ينتفي بمجرد النفي، وإنما ينتفي باللعان، فإن كانا ممن لا لعان بينهما، لا ينتفي نسب الولد، كذا في المحيط ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر، في ثبوت النسب: ۱/ ۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع والعشرون في ثبوت النسب: ۴/ ۷۸، إدارة القرآن كراچی)

فصل فی النکاح بالکتابة والهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون کے ذریعے نکاح کا بیان)

نکاح بذریعۂ خط

سوال[۵۳۴۵]: دولہا افریقہ میں اور دولہن ہندوستان میں اور نکاح پڑھانا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلہن یا اس کا ولی دولہا یا اس کے ولی کو بذریعۂ خط اجازت دیدے اور اس خط کے پہنچنے پر دولہا یا اس کا ولی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالے، مثلاً دلہن نے لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتی ہوں، تم میرا نکاح اپنے سے کرلو''۔ اس پر دو گواہوں کے سامنے کہے کہ ''فلانۃ بنت فلاں نے مجھے اپنی طرف سے اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے، میں نے اس سے اپنا نکاح کرلیا''۔ یا دلہن کے ولی (باپ) نے دولہا کے ولی (باپ) کو لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری فلاں لڑکی کا نکاح تم اپنے لڑکے سے کرلو''۔ اس پر وہ گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ ''میں نے فلاں کی لڑکی فلاں کا نکاح اپنے لڑکے فلاں سے کردیا'' بس نکاح ہوجائے گا، ایک ہی شخص کا کہنا ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

---

(۱) "فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغ الكتاب، أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوّجت نفسي من فلان، لا ينعقد". (ردالمحتار، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، كتاب النكاح، دارإحياء التراث العربي، بيروت) .... =

خط کے ذریعہ نکاح

سوال[۵۳۴۶]: فاطمہ نے لکھنؤ سے رفیق مقیم کلکتہ کے پاس رجسٹری خط بذریعہ ڈاکخانہ بھیجا جس میں تحریر کیا کہ ''بھائی رفیق صاحب میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں اس لئے میں نے اپنے کو آپ کی زوجیت میں دے دیا، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے''، پھر دستخط کر دیا۔ جب رفیق کے پاس یہ خط پہونچا تو دس پانچ روز اپنے پاس خط ڈالے رہے پھر دو آدمیوں کو گواہی کے لئے بلایا کہ ''میری حقیقی پھوپھی زاد بہن مسماۃ فاطمہ بنت حبیب خان نے لکھنؤ سے میرے پاس بذریعہ ڈاک رجسٹری خط بھیجا ہے جس کا مضمون یہ ہے''۔

اس کے بعد فاطمہ کا ایجاب نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور وہ خط بھی گواہوں کو دکھایا، پھر کہا کہ ''آپ لوگ گواہ رہیں میں نے فاطمہ کی بات منظور کر لی اور اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور اس کا نکاح اپنے سے کر لیا''۔ اب کیا اس صورت میں نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بارے میں دارالعلوم دیوبند سے کل فتویٰ نمبر: ۴۸۸ آیا ہے، اس کی نقل یہ ہے۔

''مذکورہ صورت میں جبکہ رفیق نے دو گواہوں کے سامنے جب فاطمہ کا خط سنا کر ان کے سامنے ہی اس نکاح کو قبول کر لیا اور فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کیا اور پھر بحیثیتِ زوج قبولِ نکاح کیا اور اس ایجاب وقبول پر دو گواہ بنا لئے تو یہ نکاح صحیح ہوگا''۔ اس فتویٰ میں فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کی قید لگی ہوئی ہے، درمختار: ۲/۳۶۴، میں ہے۔ اور مولانا احمد علی سعید صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کی تالیف کردہ کتاب ''عورت اور اسلام'' ص: ۴۲ بعنوان ''خط کے ذریعہ نکاح'' بنقل عبارت فتح القدیر پر جو تحریر ہے اس میں اس وکالت کی قید مذکور نہیں ہے۔ پس صورتِ مسئولہ کا فیصلہ از خود مشکل ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ رفیق کو تو یہ کچھ معلوم تھا نہیں کہ خط سنانے کے ساتھ ہی فاطمہ کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب کرنا، پھر بحیثیتِ زوج قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں، اس نے خالی الذہن کے ساتھ وکیل ہونے یا نہ ہونے کی نیت کئے بغیر عورت کے ایجاب نامہ کو سنا کر بحیثیت زوج قبول کر لیا، اس پر دو گواہ بنا لئے۔ تو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيديه)

اب کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح ہوگیا تو فبہا، اگر صحیح نہیں ہوا تو ایسے نکاح کے بعد جو رفیق نے اپنی منکوحہ سے وطی کی ہے، پھر اس فاطمہ کو طلاقِ مغلظہ دی ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا اس نکاح ووطی وطلاق مغلظہ کو کالعدم قرار دیا جائے؟ اور رفیق بلا عدت گزارے اور بلا حلالہ کے دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ یا فاطمہ عدتِ طلاق گذار کر اور پھر رفیق یا کسی اَور شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے؟ صحیح نکاح نہ ہونے کی صورت میں رفیق اگر دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرنا چاہے تو حلالہ کی ضرورت تو نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے وطی کے بعد تین طلاق دی ہے؟

اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ جواب تشفی بخش طور پر فی الفور براہ راست عطا فرمائیں تا کہ دس روز تک مل جائے، بڑی ہی عنایت ہوگی۔ اس سے قبل قریب ہی میں ایک خط حضرت والا کی خدمت میں برائے دعاء ارسال کر چکا ہوں، امید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں وکالت کے علاوہ دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے اور اس سے بھی نکاح درست ہوسکتا ہے:

" ينعقد النكاح بالكتاب، كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب، أحضرت الشهود، و قرأته عليهم، وقالت: زوجتُ نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجتُ نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجتُ نفسي من فلان، لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح .... قد سمعوا الشطرين بخلاف ما إذا انتفيا". شامي: ٢/٣٦٤(١)۔

اس لئے رفیق نے فاطمہ کو جو تین طلاق دی ہیں وہ معتبر ہونگی اور بغیر حلالہ کے فاطمہ کے ساتھ رفیق کا

---

(١) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ١٢/٣، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول في تفسیره الخ: ٢٦٩/١، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ١٤٨/٣، رشیدیه)

نکاح دوبارہ جائز نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۸۶ھ۔

نکاح بذریعۂ تحریر

سوال[۵۳۴۷]: ایک نابالغ لڑکی نے جو برادری کے اعتبار سے انصاری ہے اس نے بنا کسی جبر ودباؤ اور لالچ کے بخوشی ایک بالغ شادی شدہ لڑکے صدیقی کے پاس یہ تحریر بھیجی کہ ''میں فلاں بنت فلاں نے اپنا نفس فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دیدیا''۔ لڑکے نے لڑکی کی اس تحریر کو دو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنائی اور کہا کہ ''یہ تحریر فلاں بنت فلاں نے اپنے نکاح کے لئے میرے پاس بھیجی ہے'' اور گواہوں کے روبرو لڑکے نے لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کرلیا۔ کیا یہ نکاح صحیح درست ہوگیا؟

بعد نکاح وہمبستری لڑکی اپنے عزیز واقارب کے دباؤ یا خوف دلانے یا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوکر شوہر کی طرف سے بدظن ہوکر اپنی تحریر سے انکار کردے، یا یہ کہدے کہ یہ تحریر مجھ سے دھوکا دے کر لکھوائی ہے اور شوہر کو اپنا بھائی بھی کہدے تو کیا ایسی صورت میں نکاح میں کوئی فرق آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شرعاً یہ نکاح صحیح (اور درست) ہوگیا (۲)۔ نکاح اور ہمبستری کے بعد (اس) لڑکی کا اپنی تحریر سے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها: "أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۳، ۱۶۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب مالم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين" (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

"والأصل في ذلک أن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر .... و لو قرأت =

انکار شرعاً معتبر نہیں (۱)۔شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت ''نکاح'' کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

سوال [۵۳۴۸]: مسمی زید کی سوتیلی ماں مع اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ مکان میں رہتی ہے اور ان کے تعلقات مسمی بکر کے گھرانے سے خوشگوار تھے اور بکر کا لڑکا جس کے دوستانہ مراسم زید کے سبب سے سوتیلے بھائی سے تھے۔اور کچھ دنوں تک اس کو ٹیوشن بھی پڑھایا تھا جس کی وجہ سے کثرت سے آمد ورفت رہتی تھی، اور اسی سبب سے دونوں گھرانوں میں پردہ کا بھی اہتمام نہ تھا۔

چند ماہ قبل مسمی بکر کا لڑکا جب ٹیوشن پڑھا چکا تو اس نے چال چلی کہ معمہ حل کرانے کے بہانے سے ان کے گھر آکر یہ معمہ لڑکی سے حل کرانے لگا (۳)، جس میں یہ تحریر تھی: ''میں جاوید سے ....کر رہی

= الكتاب على الشهود، أو قالت: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه، صح النكاح". (خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ۴۸/۲، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۸/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب: ۵۴/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۴۵۱/۵، سعيد)

(۲) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن نور الله مرقده: ''اس صورت میں نکاح قائم ہے،عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا''۔(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲۱۱/۱، باب الظهار)

"قال أصحابنا: لا يصح ظهار المرأة من زوجها، وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي". (أحكام القرآن للجصاص: ۶۳۳/۳، باب في ظهار المرأة من زوجها، قديمي)

(وكذا في الفتاوى الحقانيه، باب الظهار: ۵۲۰/۴، حقانيه)

(۳) ''معمہ حل کرنا: مخفی، پوشیدہ، مبہم، پہیلی، چیستان، پیچیدہ بات، الجھا ہوا مسئلہ حل کرنا''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۲۶۵، فیروز سنز، لاهور)

ہوں اور یہ............میری مرضی سے ہو رہا ہے، اس پر کسی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ لڑکی نے کہا تم ہی حل کرلو، مگر اس نے سمجھایا کہ یہ تو معمہ ہے اس کو حل کرنے میں کیا حرج ہے؟ جو الفاظ ان دو جگہوں پر فٹ ہوں وہ ان میں لکھنا ہے۔

بہر حال! کافی غور کرنے کے بعد لڑکے نے ''نکاح'' خالی جگہوں پر لکھوا لیا اور اس کو بِناء بَنا کر جعلی وفرضی دستخط وکیل وگواہ بنا کر نکاح نامہ واقرار نامہ مرتب کرالیا۔ جب اس کا علم زید کو ہوا تو زید نے ہمشیرہ سے دریافت کیا کہ واقعہ کیا ہے؟ پرچہ لکھ کر دینے اور معمہ وغیرہ کا لڑکی نے اقرار کرلیا اور کہا کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے، اور نہ میرے وہم وگمان میں تھا اور نہ میں کسی قاضی کے پاس گئی اور نہ ہی وکیل سے کچھ کہا اور نہ ہی کوئی گواہ آیا اور نہ تو میں نے کاغذ پر دستخط کئے اور میں حلفیہ کہتی ہوں کہ پرچہ لکھتے وقت میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اب اس صورت پر کیا پابندی عائد ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جعل سازی سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا، نکاح کیلئے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، یہاں تحریر لکھتے اور دستخط کرتے وقت کوئی سامنے موجود ہوتے اور برضا ورغبت لڑکی تحریر لکھتی جس سے واقعۃً نکاح کرنا مقصود ہوتا اور لڑکا بھی اس پر دستخط کردیتا اور گواہ بھی دستخط کردیتے مگر زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادا نہ کئے جاتے اور سب کاروائی تحریری ہوتی، اور اس مجلس میں لڑکا لڑکی گواہ سب موجود ہوتے تب بھی اس تحریر سے شرعاً نکاح منعقد نہ ہوتا۔ ردالمحتار میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ تحریر غائب کے حق میں چند شرائط کے ساتھ معتبر ہوتی ہے، حاضر کے حق میں تحریر سے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۸/۱۶ھ۔

---

(۱) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب". "(قوله: ولا بكتابة حاضر) فلو كتب: تزوجتک، فكتبت: قبلتُ، لم ينعقد بحر. والأظهر أن يقول: فقالت: قبلت؛ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبه، تأمل. (قوله: بل غائب) الظاهر أن المراد به الغائب عن المجلس وإن كان حاضراً في البلد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۱۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۸/۳، رشيديه) ....=

ٹیلیفون کے ذریعہ سے نکاح

سوال[۵۳۴۹]: ایک شخص امریکہ میں تعلیم پارہا ہے وہ شادی کرنا چاہتا ہے، ہندوستان آنے کے لئے بہت روپیہ اور وقت خرچ ہوگا اس لئے وہ چاہتا ہے کہ بذریعۂ ٹیلیفون یا دوسرے ذریعہ سے نکاح کرے تو امریکہ میں چند معتبر لوگوں کے سامنے بذریعۂ ٹیلیفون قبول کرسکتا ہے۔ کیا اس طرح نکاح درست ہوگا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص امریکہ میں ہے وہاں بذریعۂ ٹیلیفون یا دیگر ذرائع (خط تار وغیرہ) سے کسی کو ہندوستان میں اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کے نکاح کو قبول کرلے، پھر یہاں مجلسِ نکاح منعقد کی جائے اور قاضی صاحب یا لڑکی کے والد وغیرہ جو بھی نکاح پڑھائیں وہ کہیں کہ ''میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے جو کہ امریکہ میں ہے کیا'' اور وکیل کہے کہ ''میں نے اس لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا''، پس اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور صحیح ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۳/۲۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲ /۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المبحث الثاني، رابعاً: انعقاد الزواج بالكتابة والإشارة، الناطق في حال الغيبة: ۶۵۳۱/۹، رشيديه)

(۱) ''بعض ٹیلیفون سیٹ ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف ایک ہی بندہ سن سکتا ہے، باقی شرکاء مجلس نہیں سن سکتے، اور بعض ایسے سیٹ ہوتے ہیں جن میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ تمام شرکاء مجلس بات کو سن سکتے ہیں، لہٰذا جس ٹیلیفون میں یہ سہولت موجود ہو تو اس میں عقدِ نکاح درست ہوگا اور جس میں یہ سہولت میسر نہ ہو اس میں عقدِ نکاح درست نہیں ہوگا، راجع للتفصیل: (خیر الفتاویٰ، کتاب النکاح، عنوان: ''فون پر ایجاب وقبول کا حکم'': ۴/۳۶۹، ۳۷۰، ملتان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

آنٹہ سانٹہ کا نکاح

سوال[۵۳۵۰]: زید نے اپنی بہن کی شادی بکر کے ساتھ کردی اور بکر نے اپنی لڑکی کی شادی زید کے ساتھ کردی، بکر کی یہ لڑکی پہلی عورت کی ہے تو کیا اس طرح شادی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

آنٹہ سانٹہ میں نااتفاقی ہوگئی

الاستفتاء [۵۳۵۱]: دو نکاح ہوئے آنٹہ سانٹہ میں، جس میں چند سال بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی اور انھوں نے اس کی لڑکی چھوڑ دی اور دوسرے نے بھی ان کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ ایک لڑکی دوبارہ راضی ہوکر اپنے خاوند کے پاس چلی گئی اور دوسرے کی دوسری جگہ پر شادی کردی، اس لڑکی کے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۱) "قال ابن الهمام: وإنما قيد به، ؛ لأنه لو لم يقل على أن يكون بضع كل صداقاً للأخرىٰ أو معناه، بل قال: زوّجتک بنتي على أن تزوجني بنتک، ولم يزد عليه، فقبل، جاز النكاح اتفاقاً، ولا يكون شغاراً، أو لو زاد قوله: على أن يكون بضع بنتي صداقاً لبنتک فلم يقبل الآخر بل زوجه ابنته ولم يجعل صداقاً، كان نكاح الثاني صحيحاً اتفاقاً، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الأول، ۶/۳۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في نكاح الشغار: ۳/۱۰۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ۲/۲۴۲، امداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس لڑکی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اوراس کی عدت چار مہینہ دس روز گذر گئے تو اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے(۱)۔ جولڑکی پھر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اس نے بھی ٹھیک کیا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں شوہروں نے اپنی اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو، اگر طلاق دے دی ہو اور عدت بھی گذر گئی ہو تو پہلے شوہر کے پاس جانے کا حق نہیں رہا اور جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اگر اس کو بھی طلاق دیدی تھی اور اس کی عدتِ طلاق گزر چکی تھی تو پھر انتقالِ شوہر کے بعد کوئی عدتِ وفات لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

ہمشیرۂ داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح

سوال[۵۳۵۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اس طریق پر کہ جس سے نکاح اپنی لڑکی کا کرتا ہے اس کی حقیقی ہمشیرہ سے خود نکاح کرنا چاہتا ہے، لڑکا مسمی عبداللہ اور لڑکی ہمشیرہ پر دونوں کی والدہ ایک

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾. (سورة البقرة: ۲۳۲)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، باب العدة: ۲/ ۴۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها . وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به: ۱/ ۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/ ۹۴، ۹۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/ ۳۹۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/ ۴۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

اور باپ دو ہیں۔ یہ صورت جائز ہے یانہیں؟

میاں جی نورالحسن امام مسجد بہاری گڑھ، سہارنپور، ۸/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی اَور مانعِ شرعی نہ ہوتو اس نکاح میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلاشبہ جائز ہے، لقولہ تعالیٰ:

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۱۱/۱۱۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ إشارة إلى ما تقدم من المحرمات: أى أحل لكم نكاح ما سواهن الخ". (روح المعاني: ۴/۵، دار الفكر بيروت)

"أى ما عدا من ذكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

دار الافتاء جامعة فاروقية كراچى

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	بقية كتاب النكاح	
	باب النكاح الفاسد	
	(نکاحِ فاسد کا بیان)	
۲۷	نکاحِ فاسد اور اس کے احکام	۱
۲۹	نکاحِ فاسد و باطل	۲
۳۲	قبول سے پہلے لڑکا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟	۳
۳۳	"ایجاب" کے بعد "قبول" کے بغیر نکاح کا حکم	۴
۳۶	مجلسِ عقد میں قبول سے انکار کے بعد قبول	۵
۳۷	اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردینے کے بعد بالغ ہونے پر دوسری جگہ نکاح کردینا	۶

۷	بیویوں کا تبادلہ ہوگیا، تین بچے ہونے پر علم ہوا	۳۸
۸	رشتہ چھوٹی لڑکی سے ہوا اور رخصت بڑی کو کردیا	۳۹
۹	دو بہنوں کا دو بھائیوں سے عقد، رخصتی میں ادل بدل	۴۰
۱۰	نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا	۴۰
۱۱	بیوی کی جگہ دوسری لڑکی کا نام لیا	۴۲
۱۲	نام بدل کر نکاح کرنا	۴۳
۱۳	نکاح کے ایجاب وقبول میں نام بدلا گیا	۴۴
۱۴	نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا	۴۶
۱۵	نکاح میں بجائے مخطوبہ کے شادی شدہ لڑکی کا نام لینے سے نکاح	۴۷
۱۶	طلاقِ رجعی میں دو حیض کے بعد نکاح	۴۸
۱۷	ساس سے نکاح	۵۰
۱۸	ہندہ کا نکاح دوسری عورت کی اجازت سے	۵۱
۱۹	بلا نکاح میاں بیوی کی طرح رہنا	۵۲
۲۰	بلا نکاح عورت کو اپنے پاس رکھنا	۵۳
۲۱	بیوی کو فروخت کرکے عدت پوری ہونے پر خریدار کا زبردستی نکاح کرنا، کورٹ کے فیصلہ کے	☆
☆	بعد زید کے حوالہ کرنے سے نکاح کا حکم	۵۵

فصل فی النکاح الموقّت

(نکاحِ موقت کا بیان)

۲۲	نکاحِ متعہ کے احکام	۵۹
۲۳	اگر منکوحہ کو مرد کی نیتِ توقیت کا علم نہ ہو، تو کیا نکاح موقت ہوگا؟	۶۰

فصل فی نکاح زوجة المفقود و الغائب

(مفقود الخبر اور غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا بیان)

۲۴	زوجۂ مفقود کے نکاحِ ثانی کے بعد زوجِ اول کا جوگی بن کر آنا	۶۳
۲۵	زوجۂ مفقود الخبر کے نکاحِ ثانی کے بعد کسی شخص پر شوہرِ اول کا شبہ	۶۴
۲۶	شوہر کے لاپتہ ہونے پر اس کو مردہ سمجھ کر اس کی بیوی سے نکاح	۶۵
۲۷	زوجۂ مفقود کا نکاحِ ثانی اور بچہ	۶۶
۲۸	زوجۂ غائب کے نکاح کی صورت	۶۸

فصل فی نکاح منکوحة الغیر

(منکوحۂ غیر سے نکاح کا بیان)

۲۹	شوہر والی عورت کا بغیر طلاق کے نکاح	۷۱
۳۰	بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح	۷۳
۳۱	ایک شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے سے نکاح کرانا	۷۵
۳۲	منکوحۂ غیر سے نکاح	۷۷
۳۳	دوسرے کی منکوحہ سے نکاح	۷۹
۳۴	زوجۂ غیر سے نکاح	۸۲
۳۵	نکاح پر نکاح	۸۳
۳۶	ایضاً	۸۵
۳۷	ایضاً	۸۶
۳۸	ایضاً	۸۸
۳۹	ایضاً	۸۹
۴۰	فاسق وفاجر شخص کی بیوی کا بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح	۹۰

۴۱	نکاح بلا تطلیق	۹۱
۴۲	غیر مطلقہ ناشزہ کے لئے دوسرا نکاح	۹۳
۴۳	بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کردینا	۹۴
۴۴	بغیر طلاقِ زوجِ ثانی، زوجِ اول سے نکاح	۹۶
۴۵	نکاح کے بعد رخصتی سے قبل نکاحِ ثانی	۹۷
۴۶	نکاح کے بعد فرار ہوکر دوسرے سے نکاح کرنا	۱۰۰
۴۷	شوہر کی دوسری شادی پر بیوی کا بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی	۱۰۱
۴۸	شوہر کے پاکستان جانے پر دوسرا نکاح اور طلاق پر نزاع	۱۰۲
۴۹	نکاح کے بعد نکاح خواں اگر انکار کردے، تو دوسرے نکاح کا حکم	۱۰۵
۵۰	تبدیلِ مذہب کے بعد عورت کا دوسرا، تیسرا نکاح	۱۰۷
۵۱	فیصلۂ عدالت کے بعد نکاحِ ثانی	۱۰۸
۵۲	عدالت سے اجازت لے کر نکاح	۱۱۰
۵۳	عدالت سے دوسرے کا نکاح ناحق فسخ کرا کے خود نکاح کرنا	۱۱۲

فصل فی نکاح الحاملة والمزنیة

(حاملہ اور زانیہ کے نکاح کا بیان)

۵۴	حاملہ سے نکاح	۱۱۴
۵۵	ایضاً	۱۱۵
۵۶	ایضاً	۱۱۵
۵۷	نفاس اور حیض میں نکاح	۱۱۶
۵۸	مزنیہ سے نکاح	۱۱۸
۵۹	حاملہ مزنیہ سے نکاح	۱۱۹
۶۰	مزنیہ حاملہ کا نکاح	۱۲۰

۶۱	حاملہ من الزنا سے نکاح	۱۲۱
۶۲	حاملہ مزنیہ کا جبراً نکاح	۱۲۳
۶۳	زنا سے حاملہ سے نکاح	۱۲۳
۶۴	زانی کا مزنیہ حاملہ سے جبراً نکاح	۱۲۳
۶۵	مزنیہ حاملہ سے نکاح اور وطی	۱۲۵
۶۶	زانیہ کا نکاح زانی سے	۱۲۶
۶۷	معتدہ مزنیہ کا عدت کے بعد زانی سے نکاح	۱۲۷
۶۸	زنا سے پیدا شدہ لڑکی کا نکاح	۱۲۸
۶۹	نکاحِ ولد الزنا	۱۲۹

فصل فی نکاح المعتدة

(عدت میں نکاح کا بیان)

۷۰	عدت میں نکاح	۱۳۱
۷۱	ایضاً	۱۳۳
۷۲	ایضاً	۱۳۵
۷۳	ایضاً	۱۳۶
۷۴	ایضاً	۱۳۹
۷۵	عدت میں نکاح اور صحبت سے ممانعت	۱۴۰
۷۶	طلاق کے بعد عدت میں نکاح	۱۴۱
۷۷	طلاق کے بعد عدت میں نکاح اور تجدیدِ نکاحِ سابق	۱۴۳
۷۸	نکاحِ معتدہ	۱۴۴
۷۹	ایضاً	۱۴۷
۸۰	ایضاً	۱۴۸

۸۱	مطلقہ کا نکاح بلا عدت	۱۵۰
۸۲	مطلقہ بائنہ کا عدت میں نکاحِ ثانی	۱۵۰
۸۳	مزنیہ منکوحہ سے زانی کا بلا عدت نکاح	۱۵۱
۸۴	نومسلمہ کا نکاح قبل عدت	۱۵۲

باب وعد النکاح

(منگنی کا بیان)

۸۵	منگنی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۱۵۴
۸۶	مجلسِ وعدۂ نکاح، کیا نکاح ہے؟	۱۵۵
۸۷	وعدۂ نکاح سے نکاح نہیں ہوتا	۱۵۷
۸۸	منگنی کرکے نکاح سے انکار کرنا	۱۵۸
۸۹	وعدۂ نکاح کرکے اس کے خلاف کرنا	۱۵۹
۹۰	ایضاً	۱۶۱
۹۱	قول وقرار سے نکاح کا حکم	۱۶۲
۹۲	پیغامِ نکاح نکاح نہیں	۱۶۴

باب المتفرقات

۹۳	نکاح کے وقت کن چیزوں سے آگاہ کرنا چاہیے؟	۱۶۵
۹۴	خرافات ومنکرات کا انعقادِ نکاح پر اثر	۱۶۵
۹۵	کسی مقصد کے لئے عقدِ نکاح کا جھوٹا انکار	۱۶۶
۹۶	ایک مجلس میں متعدد نکاح ہوں، تو ان میں افضل کون سا ہے؟	۱۶۸
۹۷	بیس بچوں کے بعد کیا تجدیدِ نکاح ضروری ہے؟	۱۶۹
۹۸	تجدیدِ نکاح کی کب ضرورت ہوتی ہے؟	۱۶۹

۹۹	کیا ہر ماہ تجدیدِ نکاح کی جائے؟	۱۷۰
۱۰۰	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تجدیدِ نکاح ہوا تھا یا نہیں؟	۱۷۱
۱۰۱	بچوں کے نکاح کا طریقہ	۱۷۱
۱۰۲	شادی میں چھوارے کون لائے؟	۱۷۲
۱۰۳	جو شادی قرض لے کر کی جائے، اس میں شرکت	۱۷۲
۱۰۴	رشتہ کے متعلق ایک غلط رسم اور اس کی اصلاح	۱۷۳
۱۰۵	خنزیر کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ	۱۷۵
۱۰۶	تین لڑکوں کی شادی ایک ساتھ کرنے سے کیا طلاق ہو جاتی ہے؟	۱۷۶
۱۰۷	مرحومہ بیوی کی منع کردہ جگہ پر نکاح	۱۷۷
۱۰۸	نکاحِ ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ	۱۷۷
۱۰۹	بیوی کو آٹھ ماہ تک نہیں دیکھا	۱۷۸
۱۱۰	بیوی کو بچوں سے نہ ملنے کی سزا دینا	۱۷۹
۱۱۱	بیوی کے قصور پر دوسرا نکاح ہو جائے تو مساوات ضروری ہے	۱۷۹
۱۱۲	باپ شادی میں باجہ وغیرہ پر مصر ہو تو لڑکا کیا کرے؟	۱۸۰
۱۱۳	بھتیجے کی مطلقہ سے نکاح کی وجہ سے ترکِ تعلق	۱۸۰
۱۱۴	بلا نکاح کے عورت کو اپنے پاس رکھنا	۱۸۱
۱۱۵	رشتہ خراب ہونے پر بچولیے کو برا بھلا کہنا	۱۸۳

باب مایتعلق بالرسوم عند الزفاف

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

۱۱۶	منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین	۱۸۵
۱۱۷	خلافِ شرع رسم کی پابندی	۱۸۶

۱۱۸	منگنی میں باجہ....................	۱۹۰
۱۱۹	منگنی پر کچھ رقم لینا....................	۱۹۰
۱۲۰	منگنی کے موقع پر لڑکے کے والد کا مجمع کو سلام کرنا....................	۱۹۱
۱۲۱	منگنی میں کپڑا بدلتے وقت لڑکے کو چاول، پان، چھالی چھانا....................	۱۹۱
۱۲۲	شادی سے پہلے گھر کو لیپنا اور انگلیوں کے نشانات لگانا....................	۱۹۲
۱۲۳	لڑکے کو مہندی ابٹن لگانا....................	۱۹۲
۱۲۴	دولہے کو نہلانے کا انتظام، عورت کا ساڑی کی گور ڈالنا....................	۱۹۲
۱۲۵	سسرال پہنچنے پر دولہے کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ....................	۱۹۲
۱۲۶	دولہے سے دولہن کے سر پر سیندور ڈلوانا....................	۱۹۲
۱۲۷	کنبہ والوں کو کپڑے دکھلانا، جہیز کی نمائش اور اس کی فہرست....................	۱۹۳
۱۲۸	شادی میں اسراف....................	۱۹۵
۱۲۹	شادی ۳، ۱۳، ۲۳/ کی تاریخ میں نہ کرنا....................	۱۹۶
۱۳۰	شادی کی رسوم....................	۱۹۶
۱۳۱	ایضاً....................	۱۹۸
۱۳۲	شادی کی بعض رسوم....................	۱۹۹
۱۳۳	شادی وغیرہ میں رسومِ مروجہ....................	۲۰۲
۱۳۴	نکاح میں ایک جوڑا دے یا دو جوڑے؟....................	۲۰۲
۱۳۵	شادی میں دلہن کے لئے سرخ جوڑا....................	۲۰۲
۱۳۶	شادی میں روپیہ لینے کی شرط....................	۲۰۳
۱۳۷	نکاح کے بعد مصافحہ....................	۲۰۴
۱۳۸	نکاح کے وقت جھک کر چلنا....................	۲۰۴
۱۳۹	نکاح کے وقت سلام کرنا....................	۲۰۴
۱۴۰	نکاح کے بعد دلہن کا منہ دکھلانا....................	۲۰۴

۱۴۱	دربانی روپیہ	۲۰۴
۱۴۲	نکاح سے پہلے زیور، کپڑے دکھلانا	۲۰۴
۱۴۳	نکاح سے پہلے دلہن کا زیور وغیرہ استعمال کرنا	۲۰۵
۱۴۴	اہلِ مجلس سے قبول کرانا	۲۰۵
۱۴۵	نکاح کے اعلان کے لئے آتش بازی	۲۰۷
۱۴۶	شادی میں بھات	۲۰۸
۱۴۷	دولہا کی طرف سے دلہن کے لئے تحفہ کا التزام	۲۰۹
۱۴۸	شادی کے موقع پر انعامات	۲۱۰
۱۴۹	دولہا، دلہن کے لئے پالکی کی سواری	۲۱۰
۱۵۰	سہرا	۲۱۱
۱۵۱	شادی میں سہرا، گجرا وغیرہ رسمیں	۲۱۲
۱۵۲	سہرا باندھنا	۲۱۳
۱۵۳	سیندور و مہندی لگانا	۲۱۴
۱۵۴	سلامی و رونمائی	۲۱۴
۱۵۵	نکاح میں دف کا حکم	۲۱۵
۱۵۶	نکاح میں دف اور گولہ	۲۱۷
۱۵۷	نکاح میں دولہن یا دولہا کا جوڑا	۲۱۸
۱۵۸	شادی میں اشعار، باجہ، دف	۲۱۹
۱۵۹	بارات میں ڈھول	۲۲۰
۱۶۰	شادی میں گانا بجانا	۲۲۰
۱۶۱	باجے والی بارات میں شرکت	۲۲۳
۱۶۲	شادی میں قوالی	۲۲۴
۱۶۳	نکاح میں باجہ	۲۲۷

۱۶۴	شادی میں باجہ اور اس میں شرکت	۲۲۸
۱۶۵	شادی میں تالا، قینچی، سروطہ دینا	۲۲۸
۱۶۶	بارات کا کھانا	۲۲۹
۱۶۷	شادی میں داماد سے زیور وغیرہ لینا	۲۳۲
۱۶۸	شادی کے لئے قومی قوانین	۲۳۴
۱۶۹	دولہا والوں سے جبراً مٹھائی وغیرہ وصول کرنا	۲۳۵
۱۷۰	رخصتی کے وقت شوہر سے روپیہ لینا	۲۳۷
۱۷۱	نوید اور دعوت میں فرق	۲۳۸
۱۷۲	شادی میں برادری کو کھانا کھلانا	۲۳۹
۱۷۳	شادی، ختنہ میں لڑکے کو سجانا، اور پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا	۲۴۰
۱۷۴	ختنہ کے موقع پر اناج لوٹا بھر کر دینا	۲۴۱
۱۷۵	شادی میں نیوتہ	۲۴۱
۱۷۶	شادی میں رنگین کاغذ کے گیٹ بنوانا	۲۴۲
۱۷۷	شادی میں چودھریوں کے حقوق	۲۴۳
۱۷۸	سوتے ہوئے چودھریوں کو نکاح کے لئے سلام کرنا	۲۴۵
۱۷۹	جس شادی میں رسومات ہوں، اس میں علماء کی شرکت	۲۴۶
۱۸۰	جس شادی میں منکرات ہوں، اس میں شرکت	۲۴۷
۱۸۱	شادی میں لڑکے کے مطالبات اور ان کی خرابیاں	۲۴۹
۱۸۲	شادی میں لڑکے کی فرمائشیں	۲۵۲
۱۸۳	نکاح میں غیر شرعی رسوم	۲۵۳
۱۸۴	شادی وغیرہ رسوم کی اصلاح	۲۵۴
۱۸۵	سنت کے خلاف رسم ورواج کی پابندی کی جائے یا نہیں؟	۲۵۵
۱۸۶	کیا گدی نشین کا نکاح جرم ہے؟	۲۵۶

۱۸۷	زیادتِ مہر، جہیز اور بھات وغیرہ مٹانے کے لئے کمیٹی کی بعض تجاویز	۲۵۶

باب من یحل نکاحه

(جس سے نکاح جائز ہے)

۱۸۸	پھوپھی کی لڑکی سے نکاح	۲۵۹
۱۸۹	پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکی سے نکاح	۲۵۹
۱۹۰	خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح	۲۶۰
۱۹۱	خالہ اور چچا وغیرہ کی لڑکیوں سے نکاح	۲۶۱
۱۹۲	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح	۲۶۲
۱۹۳	چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح	۲۶۴
۱۹۴	بیوہ کا نکاح دیور سے	۲۶۴
۱۹۵	بھابھی کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح	۲۶۵
۱۹۶	بیوہ کا نکاح امام سے	۲۶۵
۱۹۷	بیوی کی چچازاد بہن سے نکاح	۲۶۶
۱۹۸	بہن بھائی کے لڑکے لڑکی کا آپس میں نکاح	۲۶۶
۱۹۹	ساس کی ماموں زاد ہمشیرہ سے نکاح	۲۶۷
۲۰۰	والد کی ماموں زاد بہن سے نکاح	۲۶۷
۲۰۱	والد کے پھوپھی زاد بھائی سے نکاح	۲۶۸
۲۰۲	سوتیلی ساس سے زنا، پھر نکاح	۲۶۹
۲۰۳	سوتیلی خالہ سے نکاح	۲۷۰
۲۰۴	سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح	۲۷۱
۲۰۵	سوتیلی والدہ کی حقیقی بہن سے نکاح	۲۷۲

۲۰۶	سوتیلے ماموں سے شادی	۲۷۲
۲۰۷	چچی سے نکاح	۲۷۳
۲۰۸	ایضاً	۲۷۴
۲۰۹	چچی اور ممانی سے نکاح	۲۷۵
۲۱۰	بھائی کی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح	۲۷۵
۲۱۱	زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی نواسی سے	۲۷۶
۲۱۲	زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۷۶
۲۱۳	زانی، زانیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۷۷
۲۱۴	زانیہ کی لڑکی کا نکاح شریف لڑکے سے	۲۷۸
۲۱۵	سمدھی، سمدھن کا نکاح	۲۷۸
۲۱۶	بھائی کی بیوی کی بیٹی سے نکاح	۲۷۹
۲۱۷	بیوی کی بیٹی سے شوہر کے بھائی کا نکاح	۲۸۰
۲۱۸	ایک بھائی سے لڑکی، دوسرے بھائی سے ماں کے نکاح کا حکم	۲۸۱
۲۱۹	شوہر کے لڑکے اور بیوی کی لڑکی کا نکاح	۲۸۱
۲۲۰	شوہر کی لڑکی کا نکاح بیوی کے لڑکے سے	۲۸۲
۲۲۱	باپ اور بیٹے کا نکاح دو بہنوں سے	۲۸۲
۲۲۲	ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کا نکاح ایک شخص سے	۲۸۳
۲۲۳	شوہر کی لڑکی اور بیوی کے لڑکے کا نکاح	۲۸۴
۲۲۴	بھائی سے حلالہ کروانے کے بعد دونوں بھائیوں کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۸۵
۲۲۵	ماں کے بیٹے سے نکاح	۲۸۶
۲۲۶	بیوی کی چچیری بھانجی اور ماں کی چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح	۲۸۷
۲۲۷	بیوی کی بھتیجی سے نکاح	۲۸۸
۲۲۸	بھتیجے کی بیوی سے نکاح	۲۸۹

۲۲۹	بہن کی سوکن کی لڑکی اور علاتی بھائی بہن کا نکاح	۲۹۰
۲۳۰	ربیبہ اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا	۲۹۱
۲۳۱	زوجۂ ربیب سے نکاح	۲۹۲
۲۳۲	جس لڑکے سے لواطت کی ہو، اس کے نکاح میں اپنی لڑکی دینا	۲۹۳
۲۳۳	شاگردہ سے نکاح	۲۹۴
۲۳۴	دیوبندی اور بریلوی کے درمیان مناکحت	۲۹۵
۲۳۵	دیوبندی لڑکی کا نکاح بریلوی لڑکے سے	۲۹۶
۲۳۶	اہلِ حدیث لڑکی کا نکاح، دیوبندی حنفی سے	۲۹۷

باب المحرمات

الفصل الأول في المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کا بیان)

۲۳۷	امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور دیگر محرمات میں فرق	۲۹۸
۲۳۸	محرمات کی تفصیل	۲۹۹
۲۳۹	عورت کے محارم کون کون ہیں؟	۳۰۰
۲۴۰	بھانجی اور بھتیجی سے نکاح	۳۰۰
۲۴۱	بھانجہ کی لڑکی سے نکاح حرام ہونے کی وجہ	۳۰۱
۲۴۲	ایضاً	۳۰۱
۲۴۳	بھانجی کی لڑکی سے نکاح، ایسی اولاد کا نسب، حقِ وراثت، مہر، ان دونوں کا ایک مکان میں	☆
☆	رہنا، ایسی عورت کا حقِ وراثت	۳۰۳
۲۴۴	سگے بھانجے کی لڑکی سے نکاح	۳۰۸
۲۴۵	اخیافی بہن سے نکاح	۳۰۹

۲۴۶	باپ شریک بہن کے ساتھ نکاح	۳۰۹
۲۴۷	باپ اور ماں شریک بہن سے نکاح کی حرمت	۳۰۹
۲۴۸	چچا سے بھتیجی کا نکاح	۳۱۰
۲۴۹	سوتیلے ماموں سے نکاح	۳۱۱
۲۵۰	ماں کے ماموں سے نکاح	۳۱۳
۲۵۱	پھوپھی سے نکاح	۳۱۳
۲۵۲	موطوءۃ الجد سے نکاح حرام ہے	۳۱۵
۲۵۳	سوتیلی والدہ سے نکاح	۳۱۵
۲۵۴	بہو سے نکاح	۳۱۶
۲۵۵	نواسی سے نکاح	۳۱۷
۲۵۶	بیوی کی لڑکی سے نکاح	۳۱۷
۲۵۷	منکوحہ فاسدہ کی بیٹی سے نکاح	۳۱۸
۲۵۸	داماد سے نکاح	۳۱۹
۲۵۹	خونی رشتے اور حرمتِ نکاح	۳۲۰

الفصل الثانی فی المحرمات من الرضاع

(حرمتِ رضاعت کا بیان)

۲۶۰	رضاعی بھائی کی نسبی بہن اور ماں سے نکاح	۳۲۱
۲۶۱	رضاعی بہن سے نکاح کا حکم	۳۲۱
۲۶۲	ایضاً	۳۲۲
۲۶۳	رضاعی بہن کی نسبی بہن سے نکاح	۳۲۳
۲۶۴	باپ شریک رضاعی بہن سے نکاح	۳۲۴

۲۶۵	نکاح کے وقت حرمتِ رضاعت سے خاموشی، پھر بعد میں اظہار............	۳۲۸
۲۶۶	حرمتِ رضاعت کا علم ہونے پر نکاح کا حکم............	۳۲۹
۲۶۷	رضاعی بہن سے نکاح............	۳۳۰
۲۶۸	ایضاً............	۳۳۱
۲۶۹	ایضاً............	۳۳۱
۲۷۰	ایضاً............	۳۳۲
۲۷۱	ایضاً............	۳۳۳
۲۷۲	بھول سے رضاعی بہن سے نکاح............	۳۳۴
۲۷۳	رضاعی اور سوتیلی بہن سے نکاح............	۳۳۵
۲۷۴	دودھ شریک بہن کی بہن سے نکاح............	۳۳۶
۲۷۵	بھائی کی رضاعی بھانجی سے نکاح............	۳۳۷
۲۷۶	رضاعی خالہ سے نکاح............	۳۳۸
۲۷۷	رضاعی بھائی سے نکاح............	۳۳۹
۲۷۸	رضاعی بھتیجی سے نکاح............	۳۴۰
۲۷۹	ایضاً............	۳۴۱
۲۸۰	رضاعی بھانجی سے نکاح............	۳۴۲
۲۸۱	رضاعی بھتیجی کا حکم............	۳۴۳
۲۸۲	رضاعی ماں کی اولاد سے نکاح............	۳۴۵
۲۸۳	رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں............	۳۴۶
۲۸۴	رضاعی چچا سے نکاح............	۳۴۷
۲۸۵	تبدیلی جنس سے پہلے اور بعد کی اولاد میں مناکحت............	۳۴۸

الفصل الثالث فی حرمة المصاهرة

(حرمتِ مصاہرت کا بیان)

۲۸۶	حرمتِ مصاہرت	۳۵۰
۲۸۷	ایضاً	۳۵۱
۲۸۸	ایضاً	۳۵۲
۲۸۹	ایضاً	۳۵۳
۲۹۰	ایضاً	۳۵۴
۲۹۱	حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت	۳۵۵
۲۹۲	زانی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے مزنیہ کی اولاد کا نکاح	۳۵۷
۲۹۳	غلطی سے بیٹی کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے سے بیوی حرام کیوں ہوجاتی ہے؟	۳۵۸
۲۹۴	حرمتِ مصاہرت دعوائے زنا سے	۳۶۰
۲۹۵	حرمتِ مصاہرت کے اقرار سے رجوع	۳۶۱
۲۹۶	کیا حرمتِ مصاہرت حلالہ سے ختم ہوجاتی ہے؟	۳۶۸
۲۹۷	حرمتِ مصاہرت سے متعلق بیانات	۳۷۰
۲۹۸	حرمتِ مصاہرت محض ظن سے	۳۷۴
۲۹۹	حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا، زوجین میں تفریق ضروری ہوتی ہے	۳۷۵
۳۰۰	حرمتِ مصاہرت کے لئے مرد کا اقرار	۳۷۶
۳۰۱	حرمتِ مصاہرت اور وجوبِ حدِ زنا میں فرق	۳۷۸
۳۰۲	نواسہ کی بیوی سے بوس وکنار کی بناء پر حرمت	۳۸۱
۳۰۳	بیٹے کی بیوی سے ناجائز تعلق کی بناء پر حرمت	۳۸۲
۳۰۴	ایضاً	۳۸۴
۳۰۵	بیٹے کی بیوی سے بوسہ وغیرہ لینے سے حرمت	۳۸۵

۳۰۶	خسر کا اپنی بہو کے سینہ کو اپنے سینے سے ملانا	۳۹۰
۳۰۷	خسر کا اپنی بہو کو بدکاری کے لئے لہنا	۳۹۲
۳۰۸	بیٹی کو باشہوت چھونے سے حرمتِ مصاہرت کے بعد اپنی بیوی کو مجبوراً گھر میں رکھنا	۳۹۴
۳۰۹	ایضاً	۳۹۷
۳۱۰	اپنی لڑکی کو شہوت سے چھونے سے حرمت	۳۹۸
۳۱۱	لڑکی سے بوس وکنار کا اثر سوتیلی ماں پر	۳۹۹
۳۱۲	سوتیلی ماں کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا، حرمتِ مصاہرت کی وجہ	۴۰۰
۳۱۳	سوتیلی ماں سے حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت	۴۰۲
۳۱۴	ساس کا بدن دبانے سے حرمت	۴۰۳
۳۱۵	ساس کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۵
۳۱۶	ماں، ساس، بیٹے کی بیوی کو مس کرنے سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۵
۳۱۷	بھاوج سے زنا	۴۰۸
۳۱۸	چچی سے زنا سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۸
۳۱۹	سالی سے زنا اور حرمتِ مصاہرت	۴۰۹
۳۲۰	زنا سے رشتہ کا ثبوت	۴۰۹
۳۲۱	مزنیہ کی لڑکی سے نکاح	۴۱۰
۳۲۲	ایضاً	۴۱۱
۳۲۳	مزنیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح	۴۱۲
۳۲۴	لامس اور ملموسہ کی اولاد کا نکاح	۴۱۳
۳۲۵	خط بابت استفتاء بالا	۴۱۳
۳۲۶	بحالت نابالغی سالی کا بوسہ لینے سے حرمت	۴۱۵
۳۲۷	چھوٹی بچی کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی	۴۱۶
۳۲۸	بیوی کی دادی، پھوپھی، چچی پر رات میں لاعلمی سے ہاتھ پڑ گیا	۴۱۷

۳۲۹ رات کو غلطی سے بہن کے پاس پہونچ گیا ۴۱۷
۳۳۰ بھائی کو شوہر سمجھ کر ہاتھ لگانے سے حرمت نہیں ہوتی ۴۱۸
۳۳۱ غیر کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرنے سے ثبوتِ حرمت ۴۱۹
۳۳۲ دائی کا ہاتھ لگانے سے حرمت کا حکم ۴۲۰
۳۳۳ بغیر شہوت چہرہ ٹٹول کر پہچاننے سے حرمتِ مصاہرت نہیں ۴۲۲
۳۳۴ دوسرے کا خون دینے سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا ۴۲۲
۳۳۵ اندیشۂ مصاہرت والے نکاح میں شرکت ۴۲۳

الفصل الرابع فی المحرمات بالجمع

(محرمات کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

۳۳۶ پھوپھی، بھتیجی کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا ۴۲۵
۳۳۷ خالہ، بھانجی ایک نکاح میں جمع کرنا ۴۲۶
۳۳۸ بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح ۴۲۶
۳۳۹ ایضاً ۴۲۸
۳۴۰ مفلوج بیوی کی بہن سے نکاح ۴۲۹
۳۴۱ بیوی کی بھانجی سے نکاح ۴۳۰
۳۴۲ ایک عورت سے نکاح کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرنا ۴۳۱
۳۴۳ سالی کی لڑکی سے نکاح ۴۳۲
۳۴۴ سوتیلی سالی سے نکاح ۴۳۳
۳۴۵ علاتی سالی سے نکاح ۴۳۴
۳۴۶ ربیب کی ماں کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح ۴۳۵
۳۴۷ غلط طریقہ پر پیدا شدہ لڑکی اور علاتی سالی کی لڑکی سے نکاح ۴۳۷

۳۴۸	بیوی کے لاپتہ ہونے سے موت کا حکم اوراس کی بہن سے نکاح	۴۳۸

الفصل الخامس فی المحرمات بالشرک

(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

۳۴۹	غیر مسلم سے نکاح	۴۳۹
۳۵۰	مسلم اور غیر مسلم کا نکاح	۴۴۰
۳۵۱	غیر مسلم کا قبولِ اسلام اوراس کا نکاح	۴۴۱
۳۵۲	نومسلم جو اپنے اسلام کو مخفی رکھتا ہے، اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے	۴۴۴
۳۵۳	دھوکہ دے کر کافر سے نکاح	۴۴۵
۳۵۴	بیٹی کا بلاتحقیق غیر مسلک میں نکاح	۴۴۶
۳۵۵	غیر مذہب لڑکے سے نکاح	۴۴۸
۳۵۶	ہریجن کے ساتھ بھاگنے سے نکاح کا حکم	۴۴۹
۳۵۷	کتابیہ سے نکاح	۴۵۰
۳۵۸	بحالتِ مجبوری اہلِ کتاب سے نکاح	۴۵۲
۳۵۹	عیسائی لڑکی سے نکاح	۴۵۳
۳۶۰	یہود ونصاریٰ عورتوں سے نکاح	۴۵۴
۳۶۱	بے خبری میں شیعہ تبرائی سے نابالغہ کا نکاح ہوگیا	۴۵۴
۳۶۲	سنیہ کا نکاح شیعہ سے	۴۵۵
۳۶۳	شیعہ سے نکاح	۴۵۷
۳۶۴	رضاخانی عورت سے نکاح	۴۵۸
۳۶۵	رافضی مرد، عورت سے نکاح اوران کے عقائد	۴۵۸
۳۶۶	قادیانی سے نکاح اور ثبوتِ نسب	۴۶۰
۳۶۷	مغل بادشاہوں کا غیر مسلمہ سے نکاح اوراولاد کا حکم	۴۶۱

۳۶۸	انگریزی پڑھے ہوئے کا نکاح مسلمان لڑکی سے	۴۶۲

باب ولایة النکاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

۳۶۹	بہنوئی اور باپ شریک بھائی دونوں میں سے ولایت کا حق کس کو ہے؟	۴۶۳
۳۷۰	ولایتِ نکاح	۴۶۴
۳۷۱	جو شخص شرعی باپ نہیں، وہ ولی بھی نہیں	۴۶۴
۳۷۲	ماں اور دادی میں ولی نکاح کون ہے؟	۴۶۵
۳۷۳	والد اور حقیقی نانی میں سے ولایتِ نکاح کس کو ہے؟	۴۶۶
۳۷۴	اپنے بچہ کا نکاح بغیر اپنے باپ کی اجازت کے	۴۶۷
۳۷۵	نابالغ بچی کا بذریعۂ والد ایجاب وقبول	۴۶۸
۳۷۶	تین برس کی بچی کا نکاح	۴۶۹
۳۷۷	باپ نے نکاح کر دیا، تو حقِ فسخ نہیں ہے	۴۷۰
۳۷۸	سوتیلے والد کا کیا ہوا نکاح	۴۷۱
۳۷۹	بھائی اور چچا میں سے ولایت کس کو ہے؟	۴۷۲
۳۸۰	باپ کی موجودگی میں دادا کو ولایتِ نکاح	۴۷۳
۳۸۱	دادا کو نکاح کا اختیار باپ نے دے دیا	۴۷۴
۳۸۲	ولایتِ نکاح بھائی کو ہے، ماں کو نہیں ہے	۴۷۵
۳۸۳	ولایتِ نکاح ماں کو ہے یا سوتیلے بھائی کو؟	۴۷۵
۳۸۴	ماں کو ولایتِ نکاح	۴۷۷
۳۸۵	ایضاً	۴۷۹
۳۸۶	سوتیلی والدہ کو ولایت اور بلوغ کی علامت	۴۸۰

۳۸۷	نابالغہ کا نکاح بغیر باپ کے پوچھے بہنوئی نے کردیا	۴۸۱
۳۸۸	چچا کو حقِ ولایت	۴۸۲
۳۸۹	چچا کی موجودگی میں ماموں کو ولایتِ نکاح نہیں	۴۸۴
۳۹۰	چچا کو بالغہ پر ولایتِ نکاح	۴۸۵
۳۹۱	بالغہ کے نکاح کا حق بڑے تایا کو ہے یا چھوٹے تایا کو؟	۴۸۵
۳۹۲	شاردا ایکٹ کے خلاف نکاح کا حکم	۴۸۶
۳۹۳	بچوں کی پرورش کرنے والا ولی نکاح نہیں	۴۸۷
۳۹۴	ربیبہ کے نکاح کی ولایت	۴۸۷
۳۹۵	ولایتِ مجنون	۴۸۸
۳۹۶	بالغہ پر ولایت	۴۹۰
۳۹۷	ولایت میں شافعیہ کے قول پر فتویٰ	۴۹۱
۳۹۸	ولایتِ نکاح سے متعلق وصیت کا حکم	۴۹۲
۳۹۹	بالغہ کا نکاح بغیر ولی کے، اور نابالغ کے ولی کی طلاق	۴۹۳
۴۰۰	بغیر ولی کی اجازت کے بالغہ کا نکاح	۴۹۴
۴۰۱	بالغہ کا نکاح بلا اجازت کرنا	۴۹۵
۴۰۲	بغیر ولی کے نکاح	۴۹۷
۴۰۳	غیرِ ولی کا کیا ہوا نکاح	۴۹۹
۴۰۴	ایضاً	۵۰۱
۴۰۵	ولی کی اجازت کے بغیر بالغہ کا نکاح اور مبسوط کی عبارت	۵۰۲
۴۰۶	نکاحِ صغیر بغیر ولی	۵۰۴
۴۰۷	نابالغ کا نکاح غیر ولی نے کیا، ولی نے طلاق دی، پھر نکاح ثانی ہوا	۵۰۵
۴۰۸	نابالغہ کا نکاح ولی نہ کرے، تو کون کرے؟	۵۰۷
۴۰۹	ولیِ اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح	۵۰۸

۴۱۰	ولی سے جبراً اجازتِ نکاح	۵۰۹
۴۱۱	ولی سے اجازت کی ایک صورت	۵۱۱
۴۱۲	ولی کی موجودگی میں غیر ولی کو حقِ نکاح	۵۱۱
۴۱۳	والدین سے چھپ کر نکاح کرنا	۵۱۳
۴۱۴	والدین کے ذمہ اولاد کا نکاح	۵۱۴
۴۱۵	تبرع کا مطلب، ضمیمۂ سوالِ گذشتہ	۵۱۵
۴۱۶	میرا نکاح والدین ایک جگہ چاہتے ہیں، میں دوسری جگہ، کیا کرنا چاہیے؟	۵۱۸
۴۱۷	والدین کا لڑکے کو اس کی ناپسند جگہ نکاح کے لئے مجبور کرنا	۵۱۹
۴۱۸	والد کا بیٹے کو فاجر، شرابی کی بیٹی سے نکاح کرنے پر مجبور کرنا؟	۵۲۱
۴۱۹	نکاح سے اگر تعلیم میں حرج ہو، مگر والدین مجبور کریں	۵۲۲
۴۲۰	والدین کے اصرار کے باوجود دینی مشغولی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا	۵۲۳
۴۲۱	نکاح میں والدین کی اطاعت	۵۲۳
۴۲۲	نکاح میں کس کی اطاعت کی جائے، باپ کی یا ماں کی؟	۵۲۴
۴۲۳	نکاح میں والدین کی پسند کا لحاظ رکھنا	۵۲۵
۴۲۴	والد کی مرضی کے بغیر بالغ لڑکے کا نکاح	۵۲۵
۴۲۵	سابقہ مطلقہ سے بضرورت دوبارہ نکاح، مگر والدین ناراض ہیں	۵۲۷
۴۲۶	مغالطہ سے ناپسند لڑکی سے نکاح	۵۲۸

فصل فی التوکیل بالنکاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

۴۲۷	نکاح میں ایک شخص کا اصیل اور وکیل ہونا	۵۲۹
۴۲۸	نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس نے پڑھایا؟	۵۳۰
۴۲۹	نکاح بذریعۂ وکیل یا بذریعۂ خط	۵۳۲

۴۳۰	توکیل واجازتِ نکاح کے بعد دستخط سے مکر جانا	۵۳۳
۴۳۱	اجازت ودستخط کے بعد انکار	۵۳۴
۴۳۲	وکالت نامۂ نکاح	۵۳۶
۴۳۳	کیا قادیانی نکاح کا وکیل ہوسکتا ہے؟	۵۳۸
۴۳۴	قادیانی کی وکالت سے نکاح	۵۳۹
۴۳۵	نکاح غائب میں توکیل کی صورت	۵۴۰
۴۳۶	بیرون ملک میں مقیم لڑکے کا نکاح کے لئے اپنے والد کو مختار بنانا	۵۴۱
۴۳۷	قاضی ووکیل کا الگ الگ ہونا، اور خطبہ پہلے ہو یا ایجاب وقبول؟	۵۴۲
۴۳۸	سکران کی طرف سے اجازتِ نکاح	۵۴۳
۴۳۹	نکاح فضولی یمینِ طلاق کی صورت میں	۵۴۵
۴۴۰	نانا کو نکاح کا وکیل بنانا	۵۴۶
۴۴۱	لڑکی کا لڑکے کو وکیلِ نکاح بنانا	۵۴۷
۴۴۲	توکیلِ نکاح کے لئے شہادت کا حکم	۵۴۸

باب استیمار المرأة للنكاح

(عورت سے اجازتِ نکاح طلب کرنے کا بیان)

۴۴۳	نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ	۵۵۰
۴۴۴	بالغہ سے نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ	۵۵۱
۴۴۵	بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے کیا جائے	۵۵۳
۴۴۶	بالغہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے	۵۵۵
۴۴۷	لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح	۵۶۰
۴۴۸	بیوہ کا نکاح بلا اذنِ صریح	۵۶۲

۴۴۹	عورت اجازتِ نکاح کی منکر، مرد مدعی، کس کے گواہ معتبر ہیں؟	۵۶۴
۴۵۰	نکاح کی اجازت تحریراً کا شوہر مدعی ہے، عورت منکر، تو کیا حکم ہے؟	۵۶۵
۴۵۱	لڑکی کا نکاح کی اجازت دینے کے بعد انکار	۵۶۶
۴۵۲	لڑکی کے انکار کے باوجود اس کا نکاح پڑھ دینا	۵۶۸
۴۵۳	اجازتِ نکاح میں دل کی خواہش کا اعتبار ہے یا زبان کا؟	۵۷۱
۴۵۴	عورت کی طرف سے اجازتِ نکاح کا سننا	۵۷۲
۴۵۵	اجازتِ نکاح بالفعل	۵۷۳
۴۵۶	نامحرم وکیل یا گواہوں کا اجازت کے لئے لڑکی کے پاس جانا	۵۷۴
۴۵۷	استیذان پر کسی اور کا اقرار کرلینا اور اذن کی صورتیں	۵۷۵
۴۵۸	کس کس کے استیذان پر سکوت اذن ہے؟	۵۷۷
۴۵۹	غیر ولی کے استیذان میں سکوت اذن نہیں	۵۸۰
۴۶۰	استیذانِ ولی کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں	۵۸۱

باب خیار البلوغ وحدّہ

(خیارِ بلوغ اور اس کی حد کا بیان)

۴۶۱	خیارِ بلوغ	۵۸۳
۴۶۲	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ نہیں	۵۸۴
۴۶۳	ڈیڑھ سال بعد خیارِ بلوغ	۵۸۵
۴۶۴	نابالغہ کا نکاح ولی نے کیا، شوہر بداخلاق ہے، راہِ نجات کیا اختیار کیا جائے؟	۵۸۷
۴۶۵	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ	۵۸۹
۴۶۶	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں شرط کے خلاف ہونے پر بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں	۵۸۹
۴۶۷	چچا کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ	۵۹۰

۴۶۸	صغیرہ کے لئے خیارِ بلوغ	۵۹۲
۴۶۹	نابالغہ کا جبراً نکاح اور خیارِ بلوغ کی تفصیل	۵۹۳
۴۷۰	بلوغ کی حدِ شرعی	۵۹۵
۴۷۱	حدِ بلوغ	۵۹۶
۴۷۲	ایضاً	۵۹۶
۴۷۳	ایضاً	۵۹۷
۴۷۴	علامتِ بلوغ اور اجازتِ نکاح	۵۹۸
۴۷۵	علامتِ بلوغ	۵۹۹
۴۷۶	مدتِ بلوغ	۶۰۰

باب الکفاءۃ

(کفاءت کا بیان)

۴۷۷	مسئلۂ کفاءت	۶۰۲
۴۷۸	ایضاً	۶۰۶
۴۷۹	کفاءت کیا غیر اسلامی نظریہ ہے؟	۶۱۰
۴۸۰	کیا کفاءت شرعی حکم نہیں؟	۶۱۲
۴۸۱	ہندوستان میں کفاءت	۶۱۴
۴۸۲	غیر کفو میں نکاح	۶۱۵
۴۸۳	ایضاً	۶۱۷
۴۸۴	غیر کفو میں نکاح اور نکاح فاسد میں عدت	۶۱۸
۴۸۵	غیر سید کا سیدہ سے نکاح کرنا	۶۲۲
۴۸۶	سیدہ کا نکاح غیر کفو میں	۶۲۳

۴۸۷	ایضاً	۶۲۴
۴۸۸	سیدہ کا نکاح پٹھان سے	۶۲۶
۴۸۹	صالح لڑکی کا نکاح فاسق وفاجر سے کرادینا	۶۲۶
۴۹۰	شیخ اور خان باہم کفو ہیں	۶۲۷
۴۹۱	ترک اور انصاری کفو ہیں یا نہیں؟	۶۲۸
۴۹۲	برات، برادری اور کفاءت	۶۲۹
۴۹۳	حرفت میں کفاءت	۶۳۱
۴۹۴	گوت میں نکاح کرنا	۶۳۲
۴۹۵	گوت نہ ملنے پر داماد سے ملازموں کی طرح خدمت لینا	۶۳۳
۴۹۶	ایسی تقریبات میں میانجی اور معلم کی شرکت	۶۳۳
۴۹۷	اپنے خاندان میں نکاح نہ کرنا (گوت بچانا)	۶۳۶
۴۹۸	باپ کا اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرنا	۶۳۹
۴۹۹	بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کرنا	۶۴۰
۵۰۰	بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں	۶۴۲
۵۰۱	لڑکی اور ولی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح ہوا، تو برادری کو ترکِ تعلق کا حق نہیں	۶۴۳
۵۰۲	کفاءت زائل ہوجانے کے بعد نکاح کا حکم	۶۴۴
۵۰۳	لڑکی کا نکاح غیر برادری میں	۶۴۵
۵۰۴	نداف کی لڑکی کو پٹھان لے کر بھاگ گیا، ان کا نکاح	۶۴۷
۵۰۵	بنجارے اور رنگریز ایک دوسرے کے کفو ہیں یا نہیں؟	۶۵۰
۵۰۶	نومسلم کی کفاءت	۶۵۰
۵۰۷	والدین کی چوری سے بالغ لڑکے، لڑکی کا کفو میں نکاح	۶۵۲
۵۰۸	عورت کا اپنا نکاح خود کرنا	۶۵۳
۵۰۹	نانی کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے نواسہ کفو ہے یا نہیں؟	۶۵۴

بقية كتاب النكاح

باب النكاح الفاسد

(نکاحِ فاسد کا بیان)

نکاحِ فاسد اور اس کے احکام

سوال[۵۳۵۳]: ۱...... زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا دو گواہوں کے سامنے، مگر ان میں ایک بالغ ہے، دوسرا نابالغ مگر سمجھدار۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

۲...... ہندہ مذکورہ بیوہ ہے اس نے نکاح کی قبولیت اقرار سے نہیں ظاہر کی، بلکہ کنواری کی طرح سکوت کیا، ہاں اس کے بعد مباشرت وغیرہ میں رضا متحقق ہوئی۔ یہ نکاح صحیح ہے یا فاسد؟

۳......اگر دونوں گواہ انکار کر دیں کہ ہمارے سامنے نکاح نہیں ہوا تو نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟

۴......اس نکاح کے بعد زید نے کئی مہینہ ہندہ کو پاس رکھا اور مجامعت کی، اس جماع کو زنا کہیں گے یا مشتبہ قابل عفو؟ اور مہر مسمی واجب ہوگا یا نہیں؟

۵......مہر کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......یہ نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ دونوں گواہوں کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے: "و شرط في الشاهد أربعة أمور: الحرية والعقل والبلوغ والإسلام". عالمگیری: ۲/۲۷۵(۱) اور ایک گواہ کالعدم ہے۔

۲......قول اور فعل دونوں سے رضا متحقق ہو جاتی ہے: "فإن استأذنها (أي البكر) غير الأقرب

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، ۳۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

كـأجنبي أوولي بعيد فلا عبرة لسكوتها، بل لا بد من القول كالثيب البالغة، لافرق بينهما إلا في السكوت؛ لأن رضاهما يكون بالدلالة كما ذكره بقوله: أو ما هو معناه من فعل يدل على الرضا كطلب مهرها و نفقتها و تمكينها من الوطي". ص:٤٦٥(١)۔

لیکن فقط رضا کا متحقق ہونا کافی نہیں، گواہوں کا نصاب بھی شرط ہے اور وہ موجود نہیں، لہذا نکاح نہیں ہوا۔

۳......اگر گواہ اقرار بھی کریں تب بھی یہ نکاح صحیح نہیں، علیحدگی واجب ہے، یا از سرِ نو نکاحِ صحیح کیا جاوے تکمیلِ شہادت کے ساتھ (۲)۔

۴......اس مجامعت کو زنا موجبِ حد نہیں کہا جاوے گا: "وإن كـان النكاح مختلفاً فيه كالنكاح بلا شهود أو بلا ولي، فلا حد عليه اتفاقاً، لتمكن الشبهة عند الكل". عالمگیری: ۲/۷۵٦(۳)۔

مہرِ مسمی اور مہرِ مثل میں سے اقل واجب ہوگا: "وإن كـان قد دخل بها، فلها الأقل مما سمي لها ومن مهر مثلها"(٤)۔

۵......ہندہ کے سامنے رکھدے، وہ اٹھائے یا نہ اٹھائے، زید بری ہوجائے گا، یا کسی ذریعہ سے اس تک پہونچا دیوے خواہ اس کو علم ہو دینِ مہر ہونے کا یا نہ ہو (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، سہارنپور ۲۰/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) ایک گواہ نابالغ ہے جس کی شہادت درست نہیں ہے (فليراجع، ص: ۲۷، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۲/۱۴۹، رشيديه)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب الوطء الذي يوجب الحد، مطلب في بيان شبهة العقد: ۴/۲۴، سعيد)

(۵) "التخلية تسليمٌ إلا في مسائل". (الأشباه والنظائر، كتاب البيوع، الفن الثاني: ۲/۱۴۶، إدارة القرآن كراچی) .... =

نکاحِ فاسد و باطل

سوال[۵۳۵۴]: ایک شخص کی زبان سے کلمۂ کفر نکلا، اس کے بعد اس نے تجدید ایمان کیا، مگر نکاح کی صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کے سامنے اپنی اہلیہ سے یہ کہا کہ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، تمہیں نکاح منظور ہے؟ عورت نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے۔ الفاظِ ایجاب وقبول اس شخص نے سنے اور اس شخص نے مسجد میں جا کر دو گواہوں کے روبرو کہا کہ عورت نے میرے سامنے کہا ہے کہ مجھے مثلاً زید سے نکاح منظور ہے اور ہاں راضی ہوں، چنانچہ اس شخص نے ان ہی دو گواہوں کے سامنے زید کا نکاح کردیا۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو نکاح فاسد ہوا یا باطل؟ اور اس حالت میں جو بچہ پیدا ہو جائے تو ثابت النسب ہوگا یا نہیں، حلالی ہوگا یا حرامی؟

پھر کچھ مدت کے بعد اس شخص کو مسئلہ معلوم ہوا کہ اس طرح نکاح صحیح نہیں ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ عورت اگر کسی کو وکیل بنادے کہ میرا نکاح تو روبروان دو گواہوں کے اپنے سے کرلے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اس شخص نے دو گواہوں کے سامنے یہ کہا کہ عورت نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ میرا نکاح اپنے سے کرلو، چنانچہ اس شخص نے عورت کا وکیل بنتے ہوئے کہا کہ میں نے اس سے اپنا نکاح کرلیا، تم گواہ رہو، اور گواہ بالکل اجنبی ہیں۔ کیا گواہوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زوجین کو جانتے ہوں؟ یا کم از کم دو گواہوں کا تحقق ضروری ہے خواہ وہ پہچانیں یا نہ؟ اب اس شخص نے اپنا نکاح دو اجنبی گواہوں کے سامنے کیا تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو نکاح کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہے؟

مفصل جواب مرحمت فرمائیں، براہ کرم کچھ مثالیں نکاحِ باطل وفاسد کی تحریر فرماویں، نیز یہ کہ مہر کس نکاح میں ثابت ہوگا؟

= "وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة .... و في نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض. وفي نحو بقر في مرعى. فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض. و في نحو ثوب، فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض. وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض. (قوله: بلا مانع) بأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً ومالا يدخل، مطلب في شروط التخلية: ۴/۵۶۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں عورت نے نکاح کی اجازت دے دی ہے گویا کہ اس مرد کو نکاح کا وکیل بنا دیا ہے تو وکیل بالنکاح کیلئے شہادت شرط نہیں، کمافی رد المحتار: ۲/ ۴۱۹(۱)۔ پس جن گواہوں کے روبرو نکاح پڑھایا گیا، اگر وہ اس عورت کو پہلے سے پہچانتے ہیں تو شرعاً نکاح صحیح ہوگیا، یا ان کے سامنے عورت کا نام اور اس کے باپ کا نام اس طرح لیا گیا ہو جس سے وہ متمیز ہوگئی تب بھی درست ہوگیا۔

اگر گواہ پہچانتے نہیں وہ ان کے نزدیک مجہولہ ہے، نہ عورت کا نام لیا گیا نہ باپ دادا کا، بلکہ اس طرح کہا گیا کہ ایک عورت مجھ سے نکاح کرنے پر رضامند ہے اور اس نے مجھے نکاح کی اجازت دیدی ہے، میں اس کا وکیل ہوں، پھر ایجاب وقبول ہوا ہے تب بھی خصاف، قاضی خان، حاکم شہید کے نزدیک نکاح درست ہوگیا، مگر مفتیٰ بہ قول کے مطابق درست نہیں ہوا، یا عورت سامنے ہو یا گواہ اس کو پہچانتے ہوں تب نکاح درست ہوگا (۲)۔

---

(۱) "واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل، وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة، إذا خيف جحد المؤكل إياها، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح: ۹۵/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، الفصل الثاني: ۲۴۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في الوكالة بالنكاح: ۶۹/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ثم قال في البحر: وإن كانت غائبةً و لم يسمعوا كلامها بأن عقد لها وكيلها، فإن كان الشهود يعرفونها، كفى ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها. وإن لم يعرفوها، لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها. وجوّز الخصاف النكاح مطلقاً، حتى لو وكلته فقال بحضرتها: زوّجت نفسي من مؤكلتي، أو من امرأة جعلت أمرها بيدي، فإنه يصح عنده. قال قاضي خان: والخصاف كان كبيراً في العلم، يجوز الاقتداء به، و ذكر الحاكم الشهيد في المنتقى، كما قال الخصاف اهـ.

قلت: في التتارخانية عن المضمرات: أن الأول هو الصحيح، وعليه الفتوى، وكذا قال في البحر في فصل الوكيل والفضولي: إن المختار في المذهب خلاف ما قاله الخصاف وإن كان الخصاف كبيراً".

(رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۲۲/۳، سعيد) ...... =

صورتِ مسئولہ میں اگر عدمِ جواز کی کوئی شق ہو تب بھی جو بچہ پیدا ہوگا، وہ ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ یہ نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ فاسد ہوگا، نکاحِ فاسد میں جو اولاد ہوتی ہے وہ حرامی نہیں کہلاتی بلکہ ثابت النسب ہوتی ہے(۱)۔

بعض علماء اس کے قائل ہیں کہ نکاح میں فاسد اور باطل دونوں ایک ہیں کچھ فرق نہیں، بعض علماء فرق کرتے ہیں کہ نکاحِ باطل پر وجوبِ مہر کا، ثبوتِ نسب، وجوبِ عدت، وغیرہ احکام مرتب نہیں ہوتے، اور فاسد پر قبل الدخول مرتب نہیں ہوتے، بعد الدخول مرتب ہوجاتے ہیں۔

نکاح فاسد اُسے کہتے ہیں جس کی صحت کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے مثلاً: بلا گواہ ہونے کے نکاح کرلیا، یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کیا، یا چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرلیا، یا حرہ پر اَمہ سے کرلیا۔ یہ سب انکحہ فاسدہ ہیں۔ بعض نے یہ تعریف کی ہے: ''جس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے وہ فاسد ہے اور جو بالاجماع حرام ہے وہ باطل ہے''۔ پس منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر سے باوجود علم کے نکاح کرنا باطل ہوگا کیونکہ وہ زنائے محض ہے(۲)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، الفصل الثاني: ۲۲۱/۳، رشيديه)

(۱) "و يثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳۳۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في النكاح الفاسد: ۲۱۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۲۲۸/۳، غفاريه كوئٹه)

(۲) "و يجب مهر المثل في نكاح فاسد، وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود، الخ". (الدر المختار). "(قوله: كشهود) ومثله تزوج الأختين معاً، ونكاح الأخت في عدة الأخت، و نكاح المعتدة، والخامسة في عدة الرابعة، والأمة على الحرة .... أن نكاح المحارم باطل أو فاسد .... و فسر القهستاني هنا الفاسد بالباطل .... أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۱/۳، ۱۳۲، سعيد)

نکاح مذکورہ مسئولہ میں اگر گواہ عورت کو پہچانتے تھے، یا ان کے سامنے عورت موجود تھی، یا اس کا پورا نام مع ولدیت بتایا گیا ہے تب تو وہ نکاح صحیح ہے، اگر گواہ جانتے نہیں تھے تو مختار قول کی بنا پر وہ نکاح فاسد ہوا(۱)۔ بعد دخول مہر لازم ہوگا اور وہ مہر مثل اور مہر مسمّی میں سے اقل لازم ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف۔

قبول سے پہلے لڑکا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟

سوال[۵۳۵۵]: محمد تقی (بالغ) ولد محمد شفیع کی بارات بنارس آئی، نیاز احمد صاحب (محمد شفیع کے بڑے بھائی) سے لوگوں نے کہا کہ ماسٹر صاحب! آپ کو نکاح پڑھانے کیلئے تلاش کر رہے تھے۔ لوگوں نے دو گواہ اور لڑکی کی طرف سے ایک وکیل دے کر نیاز احمد کو لڑکی کے نکاح کے لئے بھیجا، لڑکی سے قبولیت کرائی۔ بعدہ محمد تقی کے پاس نیاز احمد نے خطبہ پڑھا اور چند کلمات محمد تقی کو پڑھایا، قبولیت باقی تھی کہ محمد تقی اٹھ کر جھگڑے والوں میں چلا گیا، بعدہ بارات واپس ہوگئی، بعدہ افضل ولد محمد عمر صاحب سے لڑکی کا نکاح ہوگیا۔ علماء کے دو طبقے ہیں: ایک طبقہ محمد تقی کے نکاح کو درست کہتا ہے، اور دوسرا طبقہ افضل کے نکاح کو۔ کون سا نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد تقی قبول کرنے سے پہلے اٹھ کر چلا گیا تو نکاح نہیں ہوا(۳)، افضل ولد محمد عمر سے نکاح کے لیے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: الخصاف کبیر فی العلم یجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۱، سعید)

(۲) "وإن كان قد دخل بها، فلها الأقل مما سمي لها و من مهر مثلها، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/ ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في النكاح الفاسد: ۳/ ۲۱۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۱، سعيد)

(۳) "ومن شرائط الإيجاب و القبول: اتحادُ المجلس لو حاضرين وإن طال كمخيرة، الخ". (الدر المختار). "(قوله: اتحاد المجلس) قال في البحر: فلو اختلف المجلس لم ينعقد، فلو أوجب أحدهما فقام الآخر أو اشتغل بعمل آخر، بطل الإيجاب، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: =

لڑکی نے اجازت نہیں دی نہ اس کو خبر ہے، تو نکاح کی خبر سن کر اگر لڑکی نے نامنظور کردیا تو وہ بھی نکاح نہیں ہوا۔ اگر لڑکی نے منظور کرلیا تو نکاح صحیح ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۳۹۶ھ۔

ایجاب کے بعد قبول کے بغیر نکاح کا حکم

سوال[۵۳۵۶]: ۱...... زید بکر کی دختر کی نکاح کی نسبت بکر سے جا کر سوال کرتا ہے کہ اپنی دختر کا نکاح میرے ہمراہ کردو اور بکر سن کر کہتا ہے کہ ہم لوگ سب خوش ہیں، تُو دوسری مرتبہ آنا یا نہیں، خود آدمی بھیج کر بلوالوں گا، مشورہ بھی کرلوں گا، زید واپس چلا آتا ہے، عرصہ بیس یوم کے بعد بکر ایک مرد مسلمان کو بھیج کر زید کو بغرضِ عقدِ دختر طلب کرتا ہے، زید ہمراہ بکر چلا آتا ہے۔

بکر زید سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقرآن شریف کو ضامن دے کر، و حاضر و ناظر جان کر سامنے گواہوں کے کہتا ہوں کہ میں نے لڑکی تجھ کو دیدی ہے۔ بعد ازاں زید دختر بکر کی رضامندی دریافت کرتا ہے کہ تُو بھی رضامند ہے یا نہیں؟ دختر بکر عاقل و بالغ سترہ سالہ طلاق شدہ جواب دیتی ہے کہ مجھ کو قبول ہے اور زید سے اپنی کفالت وخرچ وغیرہ کا حلفیہ اقرار روبروگواہان کے لے لیتی ہے۔ کیا یہ عقد اس طرح بروئے شرعِ محمدی جائز ہے؟

۲...... چند یوم کے بعد منکر ہوجاتا ہے کہ میں اپنے پیر سے دریافت کرلوں، بعد ازاں یہ شرط قائم

= التزوج بارسال كتاب: ۳/ ۱۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۹، رشيديه)

(۱) "لايجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أوسلطان بغير إذنها بكراً كانت أوثيباً، فإن فعل ذلك، فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء والأكفاء: ۱/ ۲۸۷، رشيديه)

"وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/ ۵۸، سعيد)

کردی، خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن شریف کا کوئی پاس نہ رہا، بلکہ پیر کی ذات پر انحصار رہا، جب کہ ایجاب وقبول ہوگیا تھا تو اب اجازت کی کیا ضرورت رہی؟ دوسرے دختر بکر عاقل بالغہ ہے بااختیار ہے، شرعاً اس پر بدعہدی کا کیا حکم ہے؟

سوال نمبر: ا میں تو کوئی فرق نہیں آتا، یا آتا ہے، جب زید کو دختر بکر کو بکر کے منکر ہونے کا حال معلوم ہوا تو زید نے دختر بکر کے پاس جا کر دریافت کیا ہے: تیری کیا رائے ہے اور تُو رضامند ہے؟ دختر بکر کہتی ہے کہ میں تو بہت خوش ہوں اور پہلے بھی میں نے تو خوش ہوتے ہوئے قبول کیا تھا اور اب بھی تجھ سے خوش ہوں۔ اور قبول کرتی ہوں، بلکہ آپس میں حلفیہ ایجاب وقبول کر کے زید کہتا ہے کہ بہت بہتر ہے۔ دختر بکر زید کے ہاتھ پر قرآن شریف رکھ کر روبرو گواہان کہتی ہے کہ تجھ کو میری ہر بات کا کفیل ہونا پڑے گا، تجھ کو قبول ہے؟ زید تین مرتبہ قبول کرتا ہے۔

بعد از اں دختر بکر جب کہ عاقلہ بالغہ سترہ سالہ طلاق شدہ ہے روبرو گواہان اپنے ہاتھ پر کلام الٰہی رکھ کر اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اور گواہان کا نام لے کر کہتی ہے کہ مجھ کو قبول اور منظور ہے کیونکہ میں بااختیار ہوں، قسم ہے خداو رسول وقرآن شریف کی اور حاضر وناظر جان کر کہتی ہوں اور اپنے باپ کو کہہ دونگی کہ ہم نے اپنا ایجاب وقبول کرلیا ہے، یہی شرائط نکاح کے اندر ہوتی ہیں وہ پوری ہوگئیں اور میں اپنا نکاح سوائے زید کے دوسری جگہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر باپ جبراً زید کو نہیں دے گا تو نکاح ہو چکا ہے، مکان ہی پر تمام عمر گزار دینی ہے، حرام نہیں کھانا ہے کیونکہ دوسری جگہ نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔

۳... کیا شرعاً نکاح ہوگیا یا نہیں؟

۴... اگر زید نکاح تصور کرتے ہوئے دختر بکر سے ہمبستری کرے یا کرلی ہو تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۵...... کیا سترہ سالہ عاقلہ بالغہ طلاق شدہ لڑکی بااختیار ہوتی ہے، شرع محمدی میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... عبارت مذکورہ میں لڑکی کے باپ بکر کا قول کہ ''میں نے لڑکی تجھے دیدی ہے'' تو مذکور ہے، لیکن اس کے جواب میں زید کا کوئی قول نہیں مذکور ہے، نہ معلوم زید نے اس کے جواب میں قبول کیا ہے یا نہیں؟ اگر زید نے قبول نہیں کیا تو شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا، اگر قبول کیا ہے تو اس کے الفاظ لکھ کر دریافت کیجئے کیونکہ

نکاح صرف ایک کے قول سے منعقد نہیں ہوتا، بلکہ ایک ہی مجلس میں ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول گواہوں کے سامنے ضروری ہوتا ہے(۱)۔ خدا کے سوا کسی کو حاضر وناظر جاننا بہت بڑا گناہ اور شرک ہے(۲)۔

۲..... نمبر:۲ کا جواب متفرع ہے نمبر:۱ کی تنقیح پر۔ البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے(۳)، لیکن محض وعدۂ نکاح سے نکاح نہیں ہوتا(۴)۔

۳..... اگر دونوں نے گواہوں کے سامنے یہی الفاظ کہے ہیں جو سوال میں تحریر ہیں تو اس سے نکاح نہیں ہوا، کیونکہ زید نے نکاح کو قبول نہیں کیا، نہ لفظ نکاح کا ذکر آیا، بلکہ ہر بات کا کفیل ہونے کو قبول کیا ہے جس کا دختر بکر کے کلام میں ذکر ہے اور اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر کچھ اور الفاظ کہے ہیں تو وہ لکھ کر دریافت کیا جائے(۵)۔

---

(۱) "ومن شرائط الإیجاب والقبول: اتحاد المجلس .... وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر لیتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معا ، الخ". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۱۴، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۱/۳۱۷-۳۲۰، داراحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "قال علماؤنا: من قال: أرواح المشایخ حاضرة، یکفر. الخ". (الفتاوی البزازیة، الفصل الثاني فیما یکون کفرا من المسلم وما لا یکون، الفصل الثاني فیما یتعلق بالله تعالى: ۶/۳۲۶، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، رشیدیه)

(۳) "﴿یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾، (أوفوا بالعقود) قال: هي عقدة النکاح والبیع والحلف والعهد. الخ". (أحکام القرآن للجصاص، سورة المائدة، مطلب في عقود الجاهلیة وعقود الإسلام: ۲/۴۱۶، قدیمي)

(۴) "لو قال: هل أعطیتنیها؟ فقال: نعم، وإن کان المجلس للوعد فوعد، وإن کان للعقد فنکاح". (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۷، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: کثیرا ما یتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۱۲، سعید)

(۵) [illegible]

۴.....نمبر:۴ کا جواب متفرع ہے نمبر:۱،اور۳ کی تنقیح پر۔

۵.....سترہ سال کی لڑکی خود مختار ہوتی ہے،شرعاً اس کا نکاح جب کہ وہ اپنی برادری میں مہر مثل پر کرے باپ کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا بلکہ خود کرسکتی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۳/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

مجلسِ عقد میں قبول سے انکار کے بعد قبول

سوال[۵۳۵۷]: زید کی بارات عمر کے گھر گئی،قاضی نے نکاح پڑھنا شروع کیا،مہر کی زیادتی کی وجہ سے لڑکے نے انکار کردیا،اس کے والد نے سمجھایا تو وہ راضی ہوگیا۔قاضی صاحب بھی اس دوران ان میں اٹھ کر چلے گئے تھے،پھر واپس آکر لڑکی کے والد کو بلایا کہ نکاح پڑھوالیجئے،اس نے کہا کل فیصلہ ہوگا۔اب سوال یہ ہے کہ لڑکے نے دوبارہ آکر قبول کرنے کا اقرار کرلیا،لڑکی کے والد نے قاضی کو بالکلیہ اختیار دیدیا تھا۔یہ نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قاضی صاحب نے نکاح کا ایجاب لڑکی کی طرف سے لڑکے کے سامنے پیش کیا،اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا،پھر لڑکے کے والد صاحب وہاں سے اٹھ کر دوسری مجلس میں اس کو لے کر گئے،ادھر قاضی صاحب مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو پہلا ایجاب بیکار ہوگیا، اب لڑکے کے قبول کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، جب تک لڑکی کی طرف سے اعادہ نہ ہو۔غرض ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے (۲)۔طرفین کی

---

(۱) "وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيبةً عند أبي حنيفة رحمه الله، الخ". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲)"ومن شرائط الإيجاب والقبول: اتحاد المجلس لو حاضرين". (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۴، سعيد) .... =

رضامندی ہوتو دوبارہ ایجاب وقبول کرادیا جائے گا، نکاح درست ہوجائے گا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۵ھ۔

اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردینے کے بعد بالغ ہونے پر دوسری جگہ نکاح کردینا

سوال [۵۳۵۸]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ مسمی انوار نے اپنی نابالغ لڑکیوں کا عقد کردیا تھا، لیکن آنٹے سانٹے کی وجہ سے لڑکیاں جب بالغ ہوگئیں تو کلکٹر سے اجازت لے کر اور رقم لے کر دوسری جگہ نکاح کردیا۔ پھر تقریباً تین چار سال بعد جبکہ ان کے دو بچے بھی پیدا ہوچکے تھے، برادری کے لوگوں نے جمع ہوکر جہاں پہلے نکاح ہوا تھا وہیں پر بھجوادی اور ہر سہ فریقین پر جرمانہ کیا اور سزا بھی دی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ انوار کی دونوں لڑکیاں کس کیلئے جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب انوار اپنی دونوں نابالغ لڑکیوں کا خود نکاح کرچکا تھا تو وہ صحیح اور لازم ہوگیا تھا (۱)، پھر ان کے بالغ ہونے پر کلکٹر سے بلاوجہ اجازت لے کر دوسری جگہ نکاح کردیا وہ غلط اور گناہ کیا، دوسرا نکاح ہرگز درست نہیں ہوا (۲)، برادری کو اس وقت لازم تھا کہ اس دوسرے نکاح کی پوری مخالفت کرتی (۳)، اب وہاں سے علیحدہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، الباب الأول، الخ: ۳/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

(۱) "(وللولي إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً، ولزم النكاح)". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۴۹۴، غفاريه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۷، شركة علمية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿حرمت عليكم أمهتكم .... والمحصنات من النساء﴾ الآية. (سورة النساء: ۲۳، ۲۴)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

کر کے پہلی جگہ دونوں کو بھجوادیا یہ ٹھیک کیا۔ سب کو اپنی غلط حرکت پر توبہ واستغفار لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۴/۱۲/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیویوں کا تبادلہ ہو گیا تین بچے ہونے پر علم ہوا

سوال [۵۳۵۹]: بکر کی شادی پانچ کوس کے فاصلہ پر شمیمہ خاتون سے ہوئی، اب لڑکی والوں نے شمیمہ نام کی دوسری لڑکی کو بکر کے یہاں رخصت کر دیا ہے۔ بکر کو اس وقت معلوم ہوا جبکہ تین بچے ہو گئے تھے تو اب بکر کیا کرے؟ اور بکر والی شمیمہ زید کے یہاں بھیج دی۔ اس کے بچے ہوئے تو اب دونوں کو بدلہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اور جو بچے ہیں وہ حرامی کہلائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اور بکر دونوں اپنی اپنی اصل منکوحہ شمیمہ کو طلاق دیدیں، پھر جو شمیمہ جس کے پاس غلطی سے پہونچادی گئی اور ہر ایک کے بچے ہو گئے ہیں دونوں اسی شمیمہ سے نکاح کرلیں (۲)۔ باقی یہ بہت حیرت کی بات ہے کہ صرف پانچ کوس کے فاصلہ پر شادی ہوئی اور ایک شمیمہ دوسری شمیمہ سے بدل گئی اور تین بچوں کی ماں ہونے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً﴾ (التحریم: ۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و من یعمل سوءً ا أو یظلم نفسه، ثم یستغفر اللہ، یجد اللہ غفوراً رحیماً﴾ (النساء: ۱۱۰)

(۲) "وکان أبو حنیفة –رحمه اللہ تعالی– فی ولیمة فی الکوفة، و فیها العلماء والأشراف، وقد زوّج صاحبها ابنیه من أختین فغلطت النساء، فزفت کل بنت إلی غیر زوجها و دخل بها، فأفتی سفیان بقضاء علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنهما علی کل منهما المهر، وترجع کل إلی زوجها. فسئل الإمام، فقال: علیّ بالغلامین، فأتی بهما، فقال: أیحب کلٌّ منکما أن یکون المصاب عنده؟ قالا: نعم، فقال لکل منهما: طلّق التی عند أخیک ففعل، ثم أمر بتجدید النکاح. فقام سفیانؒ، فقبّل بین عینیه". (الأشباہ والنظائر، الفن السابع: الحکایات والمراسلات: ، ص: ۴۱۵، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: حکایة أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ فی الموطوءة بشبهة: ۳/۵۰۷، سعید)

پر پتہ چلا، اس سے پہلے خبر ہی نہیں ہوئی کہ جس سے نکاح کیا تھا وہ نہیں ہے، کیا دونوں کے والد کا نام بھی ایک ہی تھا! اور کیا دونوں کی شادی بھی ایک ہی روز ہوئی تھی، یا لڑکی والوں نے عمداً ایسا کیا ہے؟

اگر انہوں نے اپنی لڑکی کو بغیر نکاح کئے ایک اجنبی شخص کے حوالہ کردیا اور اس کو حرام کاری میں مبتلا کیا تو وہ پرلے درجہ کے دیوث اور بے غیرت ہیں۔ بہر حال وہ اولاد مستحق میراث نہیں ہوگی، لأن الأولاد للفراش وهو ليس بثابت۔ لاعلمی کی وجہ سے شوہر کو زانی قرار دیکر مستحقِ رجم نہیں کیا جائے گا، اور واقعۃً فراش ثابت نہ ہونے کی بناء پر ان بچوں کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۰ھ۔

رشتہ چھوٹی لڑکی سے ہوا اور رخصت بڑی کو کردیا

سوال[۵۳۶۰]: زید کی دو لڑکیاں تھیں، دونوں بالغ تھیں، اسے اپنی ایک لڑکی کی شادی کرنی تھی، جو عمر کے لحاظ سے بڑی تھی۔ نکاح کے وقت غلطی سے چھوٹی لڑکی کا نام لیا گیا اور پھر رخصت بڑی ہی لڑکی کو کردی۔ تو ایسی صورت میں نکاح میں کون سی لڑکی رہے گی؟ اور میاں بیوی سے مخالطت سے گنہگار تو نہیں ہوئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکی کو شوہر نے قبول کیا ہے، نکاح اسی سے ہوا یعنی چھوٹی لڑکی سے (۱)، پھر بڑی لڑکی کو رخصت کرنا اور اس سے تعلق زوجیت قائم کرنا بہت بڑی غلطی ہے، اس سے توبہ واستغفار کریں (۲)، اب بہتر صورت

---

(۱) "غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشاره إليها فيصح. ولو بنتان أراد تزوج الكبرى فغلط فسماها باسم الصغرى، صح للصغرى". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۶/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۳۲۴/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۰/۳، رشيديه)

(وكذا في خير الفتاوى، كتاب النكاح: ۲۷۲/۴، خير المدارس ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ وقال أبو الليث السمرقندي: فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسي". (تنبيه الغافلين، =

یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی جس کو قبول کیا ہے طلاق دے دے اور بڑی لڑکی سے دوبارہ ایجاب وقبول کرا کے نکاح کرادیا جائے اور چھوٹی لڑکی کو قبول کرتے وقت جو مہر تجویز کیا گیا وہ لڑکی اپنا مہر بعوضِ طلاق کے معاف کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۵ھ۔

دو بہنوں کا عقد دو بھائیوں سے رخصتی میں ادل بدل

سوال [۵۳۶۱]: دو بہنوں کا عقد دو بھائیوں سے ہوا، ایک ہی ساتھ ہوا اور غلطی یہ ہوگئی کہ جس لڑکے کی شادی جس لڑکی سے ہوئی، وہ لڑکی دوسرے لڑکے کے پاس رد کرآپس میں شوہر و بیوی کے تعلقات ہوگئے اور دوسری کے تعلقات دوسرے لڑکے سے زن وشوہر کے ہوئے، صبح کو معلوم ہوا کہ عقد جس لڑکے سے ہوا تھا، غلطی سے ادل بدل ہوگئی۔ اس بارے میں حکم شرعی بتلایئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس غلطی کی اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس سے عقد ہوا ہے اس کو اس سے طلاق دلوادی جائے اور ہر ایک اپنا مہر معاف کردے، پھر جو جس کے پاس غلطی سے پہونچ گئی اور مغالطہ میں تعلق بھی ہوگیا اس کا اس سے عقد کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا

سوال [۵۳۶۲]: انوار احمد کا نکاح صفیہ بیگم سے ہونا تھا مگر بوقتِ نکاح منجانبِ ولی اندراجِ رجسٹر

= باب آخر من التوبة : ۶۰، مكتبة حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح المسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنو توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "بیویوں کا تبادلہ ہوگیا تین بچے پیدا ہونے کے بعد علم ہوا".)

میں بجائے صفیہ بیگم کے ذکیہ بیگم لکھایا گیا اور اسی نام سے ایجاب وقبول ہوگیا۔ بعد ایجاب وقبول رجسٹر میں صفیہ بیگم نے اپنا نام لکھا تو لوگوں کو تنبہ ہوا۔ وکیلِ عقد نے آکر بتایا کہ یہ غلطی ہوگئی ہے، لہذا قاضی نکاح خواں نے رجسٹر میں بھی اصلاح کردی اور بغرضِ تصحیح نوشہ کو بھی بتلایا کہ ذکیہ بیگم نہیں بلکہ صفیہ بیگم زوجہ کا نام ہے اور عوام کو بھی بروقت اس کی تصحیح کی اطلاع کردی گئی۔ تو اس نکاح میں کوئی خلل تو واقع نہیں ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صفیہ بیگم کی جگہ ذکیہ بیگم کا نام لیکر ایجاب وقبول کرادیا گیا اور یہ دونوں بہنیں ہیں تو نکاح ذکیہ بیگم کا ہوا ہے صفیہ بیگم کا نہیں ہوا، ایسی حالت میں صفیہ بیگم سے تعلقِ زوجیت قائم کرنا جائز نہیں (۱)، اگر صفیہ بیگم سے تعلق قائم کرنا ہے تو انوار احمد کو چاہئے کہ وہ ذکیہ بیگم کو طلاق دیدے، بعد طلاق صفیہ بیگم سے ایجاب وقبول کرایا جائے (۲)۔ یہ طلاق اگر خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی دیدی ہے تو ذکیہ بیگم پر عدت واجب نہیں اور فوراً بعد صفیہ بیگم سے نکاح جائز ہوگا (۳)۔

---

(۱) "ولو له بنتان أراد تزوج الكبرى فغلط، فسماها باسم الصغرى، صح للصغرى". (الدر المختار: ۲۶/۳، كتاب النكاح، مطلب: عطف الخاص على العام، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۳۲۴، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۵۰/۳، كتاب النكاح، رشيديه)

(وكذا في خير الفتاوى: ۲۷۲/۴، كتاب النكاح، خير المدارس، ملتان)

(۲) "يحرم على الرجل .... والجمع بين الأختين نكاحاً ولو في عدة .... حتى يحرم الأخرى، فإن كانت منكوحةً فحرمتها بالطلاق أو الخلع أو الردة مع انقضاء العدة". (مجمع الأنهر: ۴۷۵/۱، ۴۷۹، غفارية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۴۰/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

(۳) "الخلوة بلا مانع حسي و طبعي و شرعي ..... كالوطئ .... في .... العدة وحرمة نكاح أختها، اهـ". (الدر المختار: ۱۱۴/۳ – ۱۱۸، كتاب النكاح، مطلب في أحكام الخلوة، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها﴾ (الأحزاب: ۴۹)

اگر زکیہ بیگم کوئی صفیہ بیگم کی بہن نہیں ہے تو ایجاب وقبول لغو ہوگا، صفیہ بیگم سے ایجاب وقبول مستقلاً کرایا جائے، بعد کو محض اطلاع کرنا کافی نہیں، نہ رجسٹر میں نام کی تصحیح کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۶ھ۔

بیوی کی جگہ دوسری لڑکی کا نام لیا

سوال [۵۳۶۳]: میری شادی کی منگنی معروف طریقہ پر ہوئی، پھر مقررہ تاریخ میں بارات گئی۔ ہمارے خسر طفیل احمد صاحب کی دولڑکیاں ہیں: بڑی لڑکی مسماۃ رخسانہ خاتون جو قریب البلوغ ہے جس سے میری شادی کی نسبت طے ہوئی تھی، دوسری چھوٹی لڑکی کا نام عمرانہ ہے۔ نکاح خواں نے بوقتِ نکاح ولی سے اجازت نہیں لی اور نہ کسی وکیل کا پتہ چلا، بلکہ مجمع میں سے ایک دو آدمیوں نے کہا کہ نکاح پڑھاؤ۔ نکاح خواں نے بوقتِ قبولیت بجائے ''رخسانہ خاتون بنت طفیل احمد'' کہنے کے ''ریحانہ بنت طفیل احمد'' کہا اور میں نے قبول بھی کرلیا، حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ اس لڑکی کا نام رخسانہ خاتون ہے ریحانہ نہیں ہے، نکاح خواں کی آواز پست ہونے کے سبب دو تین احباب نے ہی سنا، لیکن بعد میں کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور نہ کوئی تنازعہ ہے، بلکہ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد اسی طور پر بیوی رخصت ہوکر میرے مکان پر بھی آگئی۔ صورت مسئولہ میں میرا یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی منگنی رخسانہ خاتون سے طے ہوئی تھی، مگر اس کا آپ سے ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا تو اس

---

(۱) ''یجب أن لاینعقد العقد علی إحداهما؛ لأنه لیس له ابنة کبری بهذا الاسم''. (ردالمحتار: ۲۶/۳، کتاب النکاح، الباب الأول، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۲۷۰، کتاب النکاح، الباب الأول، رشیدیه)

''رجل له ابنة واحدة واسمها عائشة، فقال الأب وقت العقد: زوّجت منک ابنتی فاطمة، لاینعقد النکاح بینهما''. (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۳۲۶، کتاب النکاح، الباب الأول، الفصل الأول، رشیدیه)

کا آپ سے نکاح نہیں ہوا(۱)، اگر وہ رخصت ہوکر آپ کے یہاں آئی تو غلط آئی، آپ اس سے الگ رہیں، یہاں تک کہ کم ازکم دو آدمیوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجائے تو آپ کا اس سے شرعاً نکاح درست ہوجائیگا۔ عمرانہ سے نہ آپ کی منگنی ہوئی، نہ ایجاب وقبول ہوا، نہ وہ رخصت ہوکر آئی (۲)، وہ اپنی جگہ پر جہاں تھی ویسی ہی ہے، ریحانہ نام کی کوئی بچی نہیں جس کو آپ نے قبول کیا، تو یہ قبول کرنا بیکار ہوگیا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

نام بدل کر نکاح کرنا

سوال[۵۳۶۴]: زید نے گواہوں کو اس لڑکی ہندہ کا نام خالدہ بنت ولید بتلایا حالانکہ وہ ہندہ بنت بکر تھی، یا یہ کیا کہ ہندہ بنت بکر کا نام زینب بنت بکر بتایا یعنی اس کے نام کے بجائے اس کی بہن کا نام لیا اور گواہ چونکہ نہ ہندہ سے واقف تھے اور نہ زینب وخالدہ سے اس لئے وہ کچھ نہ جان سکے کہ کون ہے؟ البتہ چونکہ ہندہ

---

(۱) "ولو له بنتان أراد تزويج الكبرىٰ فغلط، فسماها باسم الصغرى، صح للصغرى". (الدرالمختار).

"هذا إذا لم يصفها بالكبرى، أما لو قال: زوّجتك بنتي الكبرى فاطمة، ففي الولوالجية: يجب أن لا ينعقد العقد على إحداهما؛ لأنه ليس له ابنة كبرى بهذا الاسم". (ردالمحتار: ۳/۲۶، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶۰، كتاب النكاح، الباب الأول، رشيديه)

"رجل له ابنة واحدة واسمها عائشة، فقال الأب وقت العقد: زوّجت منك ابنتي فاطمة، لاينعقد النكاح بينها". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۲۲، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر .... (وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حرّ وحرتين، الخ".

(الدرالمختار: ۳/۹، ۲۱، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶۷، كتاب النكاح، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۱۳۶، كتاب النكاح، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

سامنے بے نقاب یا آنکھوں پر پٹی باندھ کر آئی تھی اس لئے اس کے کل یا بعض چہرہ کو پہچان گئے تھے اور انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ تو کیا ایسی صورت میں نکاح کا انعقاد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

امیر علی صاحب، معرفت حامد میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گواہوں نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا ہے تو نکاح صحیح ہے، زوجہ یا اس کے والد کا نام غلط لینے سے کوئی اثر نہیں ہوگا:

"غلط وكيل بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً، وأشار إليها فيصح، اهـ". درمختار۔ "(قوله: إلا إذا كانت حاضرةً، الخ) راجعٌ إلى المسئلتين أي: فإنها لو كانت مشاراً إليها و غلط في اسم أبيها أو اسمها لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوىٰ من التسمية لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها، كما لو قال: اقتديت بزيدهذا، فإذا هو عمرو، فإنه يصح، اهـ". شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نکاح کے ایجاب وقبول میں نام بدلا گیا

سوال [۵۳۶۵]: مقصود احمد ولد اشفاق احمد سے سلمیٰ بیگم دختر امیر احمد کا رجسٹر قاضی میں نکاح لکھا گیا

(۱) (ردالمحتار، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/ ۲۶، سعيد)

"غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح، وكذا لو غلط باسم بنته، ولو كانت حاضرةً، صح. الخ". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲/ ۱۲، دار المعرفة بيروت)

ہے۔ جس وقت وکیل اور گواہان سلمیٰ بیگم کے پاس قبولیت کیلئے گئے تو وکیل عباس احمد اور گواہان منظور احمد اور شکور احمد نے سلمیٰ بیگم کے سامنے تفصیلات بتلانے کے وقت مقصود احمد کا نام بتلانے کے بجائے افضال احمد بتلایا، نکاح جو پڑھایا گیا وہ مقصود احمد سے پڑھایا گیا ہے جس سے طے پایا تھا، افضال احمد جو صاحب معلومات پہونچنے پر پتہ لیا کہ مقصود احمد کا بھائی ہے، اب وکیل اور گواہان کو افضال احمد کا نام زبان پر کیوں آیا۔

جس وقت وکیل نے رجسٹر نکاح پر دستخط کئے تو افضال احمد کا نام لکھا ہوا، ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ لڑکے کا نام افضال احمد ہے جبکہ شاہد افضال احمد ایک گواہ کی حیثیت سے ان کا نام رجسٹر نکاح میں ہے۔ یہ بات کھینے کا سبب یہ ہے کہ سلمیٰ بیگم کے پاس دو لڑکیاں جو کہ بالغ تھیں، وہ مقصود احمد کی طرف سے ہیں۔

نکاح سے فارغ ہونے کے بعد مقصود احمد کی بہن شرما بیگم نے ظاہر کیا کہ یہ نکاح مقصود احمد سے نہیں بلکہ افضال سے ہوا ہے، مگر وکیل اور گواہان مغالطہ میں تھے اور لڑکی کے دماغ میں مقصود احمد ہی ہے، نام صرف زبان سے نکل گیا۔ اس صورت میں نکاح افضال احمد سے ہوا یا مقصود احمد سے یا کسی سے بھی نہیں ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی نے نکاح کی اجازت دی افضال احمد کیلئے، اور نکاح ہوا مقصود احمد سے، پھر معلوم ہونے پر اگر لڑکی نے اس مقصود احمد کے نکاح پر رضامندی ظاہر کردی تو نکاح مقصود احمد سے صحیح ہوگیا۔ اگر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ وہ اپنے نزدیک افضال احمد سے ہی نکاح پر قائم ہے تو یہ مقصود کا نکاح صحیح نہیں ہوا (۱) اور افضال احمد سے تو ایجاب وقبول کرایا ہی نہیں گیا، اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا (۲)۔ اب اگر لڑکی کی رضامندی بھی افضال

---

(۱) "وتزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف. فإن أجاز المولى جاز، وإن رده بطل. وكذلك لو زوج رجل امرأةً بغير رضاها أو رجلاً بغير رضاه، و هذا عندنا. فإن كل عقد صدر من الفضولي، وله مجيز، انعقد موقوفاً على الإجازة". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح: ۳۲۲/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۲۹۹/۱، رشيديه)

(۲) لأن ركن النكاح الإيجاب والقبول، و هو مفقود، كما في الدر المختار "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/[illegible]، رشيديه) =

احمد سے ہوتو اس سے ایجاب وقبول کرادیا جائے بشرطیکہ افضال احمد بھی اس نکاح پر آمادہ ہواور کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا

سوال[۵۳۲۶]: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب سے قیصر جہاں ہی نام لیکر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کرایا، اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے۔ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں، کوئی کوثر حسین کہتا ہے کوئی قیصر جہاں، تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے وہ نام نہیں ہے اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

= (وكذا في الهداية ، كتاب النكاح : ۲/ ۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے زوجہ کو نہ پہچانا ہو، لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہواور پھر نام لینے میں غلطی ہوتو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا، جیسا کہ اس مسئلہ کی تفصیل عنوان: ''نام بدل کر نکاح'' کے تحت گزر چکی ہے، وأيضاً قال العلامة الحصكفي: "غلط وكيلها في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وغلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها فيصح". (الدر المختار). "(قوله: إلا إذا كانت حاضرةً) راجعٌ إلى المسئلتين: أي فإنها لو كانت مشاراً إليها و غلط في اسم أبيها أو اسمها، لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية، لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها، كمالوقال: =

نکاح میں بجائے مخطوبہ کے شادی شدہ لڑکی کا نام لینے سے نکاح

سوال[۵۳۶۷]: زید کے یہاں دولڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کا عقد پہلے ہو چکا تھا، مگر شوہر کی نالائقی کی وجہ سے قریباً آٹھ سال سے بڑی لڑکی بھی ماں باپ کے یہاں ہے۔ اب زید نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کیا مگر سہواً نکاح خوانی کے وقت وکیل اور گواہان کو جو نام بتلایا گیا وہ بجائے چھوٹی کے بڑی لڑکی کا بتلادیا اور ناکح نے یہی نام لے کر ایجاب وقبول دولہا کو کروادیا۔ نکاح خوانی کے رجسٹر پر جس وقت دولہن نے دستخط کئے تو اس غلطی کا احساس ہوا کہ نام صحیح نہیں۔ اس صورت میں یہ نکاح چھوٹی لڑکی کا بکر کے ساتھ صحیح ہو گیا کہ نہیں؟ "خلاصۃ الفتاوی" کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور بڑی کا نکاح ہو گیا، دولہا دلہن میں خلوت بھی ہو چکی، نکاح چھوٹی لڑکی کا دوبارہ پڑھانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے وقت بڑی لڑکی کا نام لے کر قبول کرایا گیا جس کا کہ پہلے نکاح ہو چکا ہے اور اب والد کے گھر پر ہے تو یہ نکاح کسی کا بھی نہیں ہوا، بڑی کا تو اس لئے کہ وہ محلِ نکاح ہی نہیں کیونکہ وہ شادی شدہ ہے (۱)،

= اقتديت بزيد هذا، فإذا هو عمرو، فإنه يصح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۶، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۲، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۰، رشيديه)

"أولم تكن، ووقع في قلبه صدقها، فلا بأس بأن تزوجها، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۵۲۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(۱) "ومنها المحل القابل و هي المرأة التي أحلها الشرع بالنكاح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح: ۱/۲۶۷، رشيديه)

"لا يجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاوى العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه) .... =

چھوٹی کا اس لئے کہ اس کا نام لے کر قبول نہیں کرایا گیا اس لئے دوبارہ نکاح کرایا جائے، اس کے لئے چند گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کافی ہے، رجسٹر نکاح میں بھی اندراج صحیح کرایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۸ھ۔

طلاقِ رجعی میں دوحیض کے بعد نکاح

سوال[۵۳۶۸]: زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دی تھی، صرف دوحیض عورت کو آئے تھے کہ لڑکی کے ولی نے دوسری شادی کردی، کیونکہ گھر والوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی شادی ہوگئی ہے، حالانکہ پہلا نکاح اگرچہ پوشیدہ ہوا تھا لیکن ایسے دوگواہوں کے سامنے ہوا تھا جو لڑکے والوں کو جانتے ہیں، اورلڑکی کے گھر والوں کو ایک گواہ اچھی طرح جانتا ہے، دوسرے گواہ کو مقام وغیرہ کا نام اورلڑکی کے باپ کا نام بتا کر شناخت دیدی گئی تھی، لہٰذا وہ بھی واقف ہوگیا۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ نکاحِ اول ہوا یا نہیں؟ اورلڑکے نے محبت میں آکر اس خیال سے شادی

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، ما يجوز من الأنكحة و ما لا يجوز: ۳/ ۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لوغلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً، و أشار إليها، فيصح". (الدرالمختار). "(قوله: و لو له بنتان، الخ): أي بأن كان اسم الكبرىٰ مثلاً عائشة، والصغرى فاطمة، فقال: زوّجتک بنتي الكبرىٰ فاطمة، وقبل، صح العقد عليها وإن كانت عائشة هي المرادة. و هذا إذا لم يصفها بالكبرىٰ، أما لو قال: زوّجتک بنتي الكبرى فاطمة، ففي النزلوالجية: يجب أن لا ينعقد على إحداهما؛ لأنه ليس له ابنة كبرى بهذا الاسم". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/ ۲۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح الفصل الأول: ۲/ ۵، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيديه)

کرلی کہ یہ جنت میں میرے ساتھ رہے گی، اگر چہ اس کو معلوم تھا کہ کچھ روز بعد یہ لڑکی الگ ہوسکتی ہے بوجہ لاعلمیٔ والدین کے، اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید کوئی صورت ساتھ رہنے کی بن جائے۔ یہ نکاح کیا حکم رکھتا ہے؟ اگر یہ جائز ہوا تو دوسرا نکاح عدت کے اندر جو ہوا وہ باطل ہوگیا یا نہیں؟ اور مہر وغیرہ کا بغیر احکام نکاح کیا حکم ہے؟ اپنی عزت بچانے کیلئے نہ لڑکی نے بتلایا نہ لڑکے نے، حالانکہ لڑکا دینی تعلیم سے قدرے واقف ہے اور خوف خدا بھی ہے۔ اب آپ شریعت کی روشنی میں کوئی صورت بتلائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلا نکاح دو گواہوں کے سامنے کفو میں ہوا تو وہ صحیح ہوگیا (۱)، پھر اگر بعد وطی کے طلاقِ رجعی دی تو اسکی عدت (تین حیض) لازم تھی (۲)، صرف دو حیض آنے پر دوسرا نکاح غلط ہوا، فاسد ہوا (۳) دونوں میں علیحدگی لازم ہے (۴)، جب تیسرا حیض آجائے تب اس دوسرے شخص سے دوبارہ نکاح کیا جائے۔ نکاح فاسد میں وطی

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض للطلاق أو الفسخ أو الرفع .... ثلاثة قروء: أي حيض لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(أنظر أيضاً الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۲۲، شركة علمية ملتان)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

کی صورت میں مہر لازم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

ساس سے نکاح

سوال[۵۳۲۹]: ایک شخص بمبئی میں رہتا ہے اس نے ایک شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنا کر وطن بھیج دیا، وکیل نے نکاح کرادیا، اس کے بعد اس نے بمبئی سے طلاق دیدی بغیر خلوت کے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ شخص اپنی غیر مدخولہ مطلقہ زوجہ کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح بالتوکیل صحیح ہے اور نکاحِ صحیح کے بعد زوجہ کی ماں حرام ہوجاتی ہے، خلوت سے پہلے طلاق دی ہو یا بعد میں کما فی القرآن ﴿وأمهات نسائكم﴾. الآیة(۲)۔ وکما فی الحدیث. "أیما رجل نكح امرأةً، فلا يحل له أن ينكح أمها، دخل بها أو لم يدخل بها". مشکوۃ شریف، ص: ۳۷۵(۳)۔ "وحرم بالمصاهرة بنت زوجته الموطوءة وأمّ زوجته و جدّتها مطلقاً بمجرد العقد الصحيح، وإن

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۲۸، مكتبه غفارية كوئثة)

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، ۳/۱۳۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في النكاح الفاسد: ۳/۶۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد و أحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲) (سورة النساء: ۲۳)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الثالث، ص: ۲۷۵، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالمصاهرة: ۳/۴۱۲، ۴۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

لم تؤطأ الزوجة". شامی: ۳۷۸/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندہ کا نکاح دوسری عورت کی اجازت سے

سوال [۵۳۷۰]: ہندہ کا نکاح بغیراس کی اجازت کے کیا گیا، وکیل اور گواہ سب اجازت لینے کے لئے گئے تو ہندہ کی بجائے دوسری عورت نے کہہ دیا کہ نکاح پڑھا دیا جائے۔ بعدہ اس شخص کے ہمراہ چلی گئی اور صرف دورات وہاں رہی۔ اس بات کو تقریباً دو سال ہوگئے ہیں۔ اب ہندہ وہاں جانے کیلئے تیار نہیں، کہتی ہے کہ میرا نکاح اس سے نہیں ہوا تھا، میں نے اجازت نہیں دی تھی۔ تو کیا عندالشرع ہندہ کا نکاح معتبر ہے یا بغیر اجازت نکاح ہوا ہی نہیں تھا؟ جبراً دورات وہاں گذاری تھی۔ نیز ہندہ کو دوسرا نکاح کرنے سے پہلے زوج سے طلاق کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ہندہ نے نکاح کے وقت اجازت نہیں دی بلکہ دوسری عورت نے اجازت دی تو وہ اجازت معتبر نہیں، پھر نکاح ہونے کے بعد جب ہندہ کو خبر ہوئی اور اس نے انکار کردیا اور کہہ دیا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں تو شرعاً وہ نکاح نہیں ہوا (۲)، پھر اگر اس کو ظلماً وزبردستی بھیجا گیا اور وہ انکار کرتی رہی اور وہاں پہنچ کر بھی ہندہ نے کہہ دیا کہ میں نے اس نکاح کو نامنظور کردیا، میرا نکاح نہیں ہوا تو یہ اس کو زبردستی بھیجنا بہت بڑا ظلم ہے اور سخت

---

(۱) (الدرالمختار، فصل فی المحرمات: ۳۰/۳، کتاب النکاح، سعید)

(۲) "لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها، بکراً کانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فی الأولیاء: ۲۸۷/۱، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی، وهو السنة". (الدرالمختار). "وإن زوجها بغیر استیمار، فقد أخطأ السنة، و توقف علی رضاها، بحر عن المحیط، الخ". (رد المحتار، باب الولی: ۵۸/۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیا والأکفاء: ۱۹۴/۳، رشیدیه)

گناہ ہوا، اب وہاں اس کو ہرگز نہ بھیجا جائے، دوسری جگہ اس کی مرضی کے موافق نکاح کردیا جائے۔ جن لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا وہ بھی سب گناہ گار ہوئے سب کو توبہ کرنا ضروری ہے(۱)۔

اگر ہندہ نے اجازت لینے کے وقت تو خاموشی اختیار کی مگر نکاح ہوجانے پر اس کو نامنظور نہیں کیا اور نہ رخصتی کے وقت نامنظوری کا اظہار کیا بلکہ خاموشی سے رخصت ہوگئی تو شرعاً وہ صحیح اور لازم ہوگیا، اب انکار سے کچھ نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

بلا نکاح میاں بیوی کی طرح رہنا

سوال [۵۳۷۱]: ایک مرد اور عورت میں تعلق قائم ہوا، جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو کہتی ہے کہ میری شادی ہوچکی ہے، دوچار بچے بھی ہوچکے ہیں، مگر اب وہ شخص کہتا ہے کہ ہم نے تو جھوٹ بول دیا تھا۔ اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً نکاح نہیں ہوا بلکہ جھوٹ بولا ہے تو فوراً ایجاب وقبول کم از کم دو گواہوں کے سامنے کرلیں (۳) اور اپنے گناہوں سے توبہ کریں (۴)، اب تک سخت معصیت میں پھنسے رہے۔ جب خدا کے

---

(۱) مذکورہ لڑکی جب نکاح پر رضامند نہیں تو اس لڑکی کو وہاں زبردستی بھیجنا درست نہیں:

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من مهمات الإسلام والقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(۲) "ولو كانت البكر قد دخل بهازوجها، ثم قالت: لم أرض، لم تصدق على ذلك، وكان تمكينها إياه من الدخول بها رضا، إلا إذا دخل بها وهي مكرهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۹، رشيديه)

(وكذا في مبسوط السرخسي، باب نكاح البكر: ۳/۷، غفاريه كوئٹه)

(۳) "وينعقد بإيجاب وقبول ... عند حرين أو حر وحرتين عاقلين بالغين ... ولنا قوله عليه الصلوة السلام: "لانكاح إلابشهود، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۸، ۴۵۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه) .... =

سامنے آدمی صدق دل سے توبہ کرتا ہے، روتا ہے، نادم ہوتا ہے، معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما لیتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

بلا نکاح عورت کو اپنے پاس رکھنا

سوال [۵۳۷۲]: ایک صاحب نے ایک عورت کو اپنی زوجیت میں بلا نکاح عرصہ تک رکھا جس سے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ اس کی بیوی ہے، لیکن حال ہی میں اس عورت نے کسی دوسرے سے زنا کیا جب اس کے موجودہ شوہر کو پتہ چلا تو اس نے زدوکوب کیا۔ بعد میں اس عورت نے کہا کہ میں ان کے پاس نہیں رہوں گی بلکہ اس کے ساتھ رہوں گی، اس سے بڑا چرچا ہوا، موجودہ شوہر نے اس کو اجازت دیدی کہ تمہاری جہاں مرضی ہو رہو۔ کچھ دیر کے بعد لوگوں نے نکاح پڑھوانے کے لئے امام صاحب کو بلایا، لیکن امام صاحب نے کہا کہ جب تک عورت عدت نہ گذارے گی نکاح درست نہیں ہوگا، شوہر نے کہا کہ میں نے اس کو بلا نکاح اپنی زوجیت میں اب تک رکھا تھا، پھر امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔ تو اب اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر عدت ضروری تھی تو پھر وہ نکاح درست نہ ہوا، اب کیا کریں؟ بتلایا جائے۔ فقط۔

= (وكذافي الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، شركة علميه ملتان)

(۴) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذافي روح المعاني، تحت آية ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿غافر الذنب وقابل التوب شديد العقاب﴾ (سورة المؤمن: ۳). ﴿غافر الذنب وقابل التوب﴾: أي يغفر ماسلف من الذنب ويقبل التوبة في المستقبل لمن تاب إليه وخضع لديه، وقوله جل وعلا: ﴿شديد العقاب﴾ الخ". (تفسير ابن كثير: ۹۰/۴، سورة غافر، دارالفيحاء بيروت)

(وكذافي روح المعاني: ۴۲/۲۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا نکاح کئے یہ کہنا کہ ''اپنی زوجیت میں رکھا'' مفہومِ زوجیت کا استہزاء ہے جو کہ خطرناک ہے، ایسی باتوں سے کلی پرہیز کیا جاوے، یہ زوجیت نہیں بلکہ زنا کاری ہے جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، زوجیت کی ترغیب اور بعض صورتوں میں وجوب ہے، سنتِ متواترہ سے ثابت ہے (۱) اور زنا کرنا حرام ہے ممنوع ہے، اس پر سخت سزا ہے (۲)۔ ہر دو کو توبہ استغفار لازم ہے کہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں (۳)۔ جب وہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں ہے تو اس کا نکاح درست ہے، عدت زنا سے لازم نہیں ہوتی بلکہ نکاح کے بعد خاص اسباب کے تحت لازم ہوتی ہے (۴)۔

اگر عورت زنا سے حاملہ ہو تو اس کا نکاح اس حالت میں بھی درست ہے، پھر اگر اس شخص سے نکاح ہو جس کا وہ حمل ہے تو اس کو صحبت بھی درست ہے، اگر دوسرے سے ہو تو وضعِ حمل سے پہلے صحبت وغیرہ درست نہیں ہے (۵)۔ جو بچہ نکاح سے چھ ماہ گذرنے پر پیدا ہوا وہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا، اگر چھ ماہ گذرنے سے

---

(۱) "وهو سنة، وعند التوقان واجب -بيانٌ لصفته- أما الأول، فالمراد به السنة المؤكدة على الأصح". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳/۳۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً مايتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۷، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتقربوا الزنى إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة بني إسرائيل: ۳۲)

(۳) "اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، الخ". (روح المعاني، سورة التحريم: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۴) "(قوله: لتمحضه زنا)؛ لأنه لاشبهة ملك فيه، بل سقط الحد لظنه فضلاً من الله تعالىٰ، وهو راجع إليه: أي إلى الواطي، لا إلى المحل، فكان المحل ليس فيه شبهة حل، فلايثبت النسب، بهذا الوطء ولذا لاتثبت به عدة؛ لأنه لاعدة من الزنا". (ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب: الحكم المذكور في بابه أولىٰ، الخ: ۴/۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد، الخ: ۵/۳۰، رشيديه)

(۵) (راجع ص: ۵۵، رقم الحاشية: ۲)

پہلے پیدا ہوا تو وہ اپنی ماں کا ہوگا، اس شوہر سے نسب ثابت نہ ہوگا (۱)۔

"وصح نكاح حبلى من زنا، وإن حرم وطؤها حتى تضع. لونكحها الزاني، حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له، اهـ". درمختار۔ "(قوله: والولدله): أي إن جاء ت بعد النكاح لستة أشهر، فلولأ قل من ستة أشهر من وقت النكاح، لايثبت النسب، ولا يرث منه، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۲۲ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۴/ ۹۰ھ۔

بیوی کو فروخت کر کے عدت پوری ہونے پر خریدار کا زبردستی نکاح کرنا، کورٹ کے فیصلہ کے بعد زید کے حوالہ کر دینے سے نکاح کا حکم؟

سوال [۵۳۷۳]: ایک لڑکی مسماۃ خالدہ کا اس کے والد نے بقاعدۂ شرعی رشید سے نکاح کر دیا، رشید نے کچھ مدت کے بعد اپنے دوست بکر سے کچھ روپیہ لیکر لڑکی کو بکر کے حوالہ کر دیا، بکر نے جس وقت روپیہ ادا کیا رشید نے لڑکی کو فارغ خطی لکھدی۔ لڑکی نے اپنی عدت مقررہ بکر کے گھر پوری کی، اس کے بعد بکر کے وکیل اور گواہ نے لڑکی سے اجازت مانگی کہ وہ بکر سے نکاح کرلے، لیکن لڑکی کی رضامندی نہیں تھی، اس کو رضامند کرنے کیلئے بکر نے اس لڑکی پر جبر وتشدد کیا، مار پیٹ تک کی نوبت آئی، لڑکی نے اپنی جان بچانے کی خاطر بلاارادہ اجازت دیدی اور بکر سے بقاعدۂ شرعی نکاح ہوگیا۔ لڑکی موقعہ پا کر کسی بھی صورت سے بکر کے یہاں سے نکل کر اپنے باپ کے گھر آ گئی۔ باپ نے بکر پر عدالتی کارروائی کی، عدالت نے اپنے قانون کے مطابق لڑکی کو بکر

---

(۱) (سیأتی فی رقم: ۲)

(۲) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المحرمات، مطلب مهم فی وطئ السراری الخ: ۳/ ۴۸، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق: ۱/ ۵۳۶، رشیدیه)

(وکذافی فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/ ۳۵۸، ۳۵۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۹، دارإحیاء التراث بیروت)

سے الگ کیا اور اس کو نکاحِ ثانی کی اجازت دے دی۔

لڑکی کے باپ نے تیسرے شخص زید کے یہاں بلا نکاح لڑکی کو بھیج دیا، لڑکی تقریباً چھ سال سے زید کے یہاں رہتی ہے اور زید سے دو بچے بھی ہیں جو کہ اس لڑکی سے پیدا ہوئے۔ یہ چھ سال کی مدت جو لڑکی نے گذاری، یہ اس طرح سے دو سال مقدمہ کے دوران جو بکر سے چلتا رہا اس وقت رہی، اور چار سال مقدمہ سے فراغت کے بعد بھی اب تک رہتی رہی، اور ایک بچہ پہلے دو سال میں پیدا ہوا اور دوسرا اس چار سال کے عرصہ میں پیدا ہوا اب یہ لڑکی اس زید سے اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ زید سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ عدالتی کاروائی سے جدا ہونا شرعی طور پر جائز ہوا یا نہیں؟ اور اب اتنی مدت یعنی چھ سال کا عرصہ گذرنے کے بعد اب زید سے نکاح (باوجود نسب زید سے ثابت ہونے کے) ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورتِ حال نہایت افسوسناک اور بے غیرتی کا مظاہرہ ہے، اس میں پہلا ظلم رشید کا ہے، دوسرا ظلم بکر کا ہے۔ رشید نے جب طلاق دی تو اس نے اپنا حقِ زوجیت قطع کردیا، تیسرا ظلم والدین کا ہے کہ ان کی لڑکی کو بے غیرت داماد نے فروخت کر کے اجنبی آدمی کے حوالہ کردیا اور انہوں نے اس کی خبر نہ لی بعد عدت بکر نے اس پر ظلم وتشدد کر کے اس سے اجازت لے کر نکاح کرلیا تو اس ظلم وتشدد کے باوجود نکاح منعقد ہوگیا (۱)۔ چوتھا ظلم لڑکی کا

---

(۱) "طلاق وإیلاء وظهار ورجعة ونكاح". "یشمل ما إذا أكره الزوج أو الزوجة على عقد النكاح كما مقتضى إطلاقهم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه: ۲۳۶/۳، سعيد)

"(قوله: ليتحقق رضاهما): أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا؛ إذ حقيقة الرضا غير مشروط في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۲۱/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۱۰/۲، دارالمعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة". (مشكوٰة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲۸۴/۲، قديمي)

ہے کہ وہ غیر محرم کے مکان پر فروخت ہوکر رہی اور اس نے وہاں الگ ہونے کی کوشش نہیں کی اور جب بقاعدۂ شرعی اس کا نکاح ہوگیا تو وہاں سے نکل کر اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی، باپ ایسا دیوث نکلا کہ اس نے بغیر نکاح کے لڑکی کو زید کے حوالہ کردیا، لڑکی کو یہاں بلا نکاح رہتے ہوئے کوئی غیرت نہیں آئی۔

زید بھی ایسا کمینہ ہے کہ غیر عورت کو بلا نکاح چھ سال تک استعمال کرتا رہا جس سے دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ یہ سب معاشرہ میں غضبِ الٰہی کا مورد ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے ہی حلیم ہیں جو غضب نازل نہیں فرماتے۔ اب اگر اپنی اصلاح چاہتے ہیں تو یہ سب کے سب افراد خدا کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، توبہ کریں (۱) اور لڑکی کو زید سے علیحدہ کردیا جائے (۲)، کوئی تعلق نہ رہے تاوقتیکہ اس سے بکر کا تعلق زوجیت منقطع ہوکر اس کی عدت پوری نہ ہوجائے، اس کے بعد زید سے نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔ معلوم ہوتا ہے کہ بکر اس

---

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبةٌ، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ : ۲۸/۱۵۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، غفارية)

(۳) "ومنها ألا تكون معتدة الغير (أيضاً) لقوله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ [البقرة:۲۳۵]: أي ما كتب عليها من التربص، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

....

کو جدا کرنا نہیں چاہتا، اسی لئے دو سال تک مقدمہ چلا، جب شوہر حقوقِ زوجیت ادا کرے تو بیوی کو تفریق کا حق نہیں (۱) اور ایسی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں دی جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"حتى لو عجز عن حق النفقة، لا يثبت لها حق المطالبة بالتفريق". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فيما يبطل به الخيار: ۳/۲۰۳، بيروت)

(۲) کیونکہ منکوحۃ الغیر ہے اور منکوحۃ الغیر سے نکاح درست نہیں: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

فصل فی النکاح الموقّت

(نکاحِ موقّت کا بیان)

نکاحِ متعہ کے احکام

سوال[۵۳۷۴]: اگر کوئی عالم نکاح متعہ کررہا ہے، جانتے ہوئے بھی کہ نکاحِ موقت حرام ہے، پھر اس سے وطی کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر حدزنا ثابت ہونی چاہیئے۔ پھر اس سے نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور منجانبِ شریعت حدزنا کے علاوہ کوئی دوسرا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"نكاح المتعة باطل لا يفيد الحل ولايقع عليها طلاق، ولا إيلاء ولا ظهار، ولا يرث أحدهما من صاحبه، هكذا في فتاوى قاضي خان. في ألفاظ النكاح، وهوأن يقول لامرأة خالية من الموانع: أتمتع بك كذا مدةً: عشرة أيام مثلاً، أو يقول: أياماً، ومتعني نفسك أياماً أو عشرة أيام،أولم يذكره أياماً بكذا من المال، كذا في فتح القدير". فتاوى عالمگيری:۲/۳۲۰(۱)۔

نکاحِ متعہ باطل ہے، اس سے عورت حلال نہیں ہوگی اور اس پر نکاح کے شرعی احکام مرتب نہیں ہوں گے۔ حدزنا جاری کرنے کیلئے جو شرائط ہیں، وہ یہاں موجود نہیں (۲)، اگر ترکِ تعلقات اصلاح کیلئے مفید ہو تو وہ

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات ومما يتصل بذلك مسائل: ۲۸۲/۱، ۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۸۹/۳، ۱۹۰، رشيدية)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۵۱/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲۴۶/۳، بيروت)

(۲) شرائطِ حدود میں سے ایک شرط قاضیٔ مختار اور قاضی شرعی ہونا اور دارالاسلام کا ہونا بھی ضروری ہے، لیکن چونکہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لئے دارالحرب ہونے کی وجہ سے یہاں پر حدودِ زنا جاری نہیں کی جاسکتیں:قال رحمه الله: =

بھی ایک سزا ہے (۱)۔ عالم سے بعید ہے کہ وہ نکاحِ باطل اور حرام کو ختیار کرے، تحقیق ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۸ھ۔

اگر منکوحہ کو مرد کی نیت توقیت کا علم نہ ہو تو کیا نکاح مؤقت ہوگا؟

سوال[۵۳۷۵]: زید نے ایک عقد خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو کیا، اور عقد کے وقت ارادہ کرلیا کہ اس عقد کو اس وقت تک کیلئے کرتا ہوں جب تک کہ منکوحہ کا اچھا پیام دوسری جگہ سے آوے، کیونکہ اس عقد کا حال بوجہ خفیہ ہونے کے معلوم نہ ہوگا تو کوئی نہ کوئی ضرور پیام بھیجے گا اور اس شرط پر عقد کے مؤقت کو ایک گواہ کے سامنے تو بیان کیا اور دوسرے گواہ نے اس شرط کو ثقلِ سماعت یا عدمِ توجہی یا بُعدِ مقام کی وجہ سے نہیں سنا حالانکہ وہ وہاں موجود تھا مگر وہ گواہ اس شرط کو سننے کا منکر ہے (پھر بھی یہ شرط عقدِ مؤقت اس منکر گواہ کو دوسرے

= "(وبزنا في دار حرب أو بغي): أي لا يجب الحد بزنا في دار الحرب أو في دار البغي ...... لقوله عليه الصلاة والسلام: "لاتقام الحدود في دار الحرب". (تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد و الذي لا يوجبه: ۵۸۰/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

دوسری وجہ: مستاجرہ پر حدِ زنا جاری نہیں کی جاتی جبکہ نکاحِ متعہ بھی ایک قسم کا اجارہ ہے: "ولا حد بالزنا بالمستأجر له: أي للزنا، والحق وجوب الحد.

(الدرالمختار، كتاب الحدود باب الوطى الذي يوجب الحد والذي لايوجبه. مطلب لاتكون اللواط في الجنة، ۲۹/۴، سعيد)

تیسری وجہ: اقامتِ حد کیلئے امام شرط ہے جبکہ دورِ حاضر میں اسلامی حکومت نہیں ہے: "و ركنه إقامته الإمام أو نائبه في الإقامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(۱) "قال الخطابيُ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، لقلّته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة و الرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب البر والصلة، باب الهجرة: ۲۲۱/۲۲، دارالكتب العلميه بيروت)

موقع پر تنہائی میں سنادی گئی تھی)۔خیر! تو یہ شرط عقدِ موقت ایک گواہ کو سنادی گئی، تو اس کے بعد بغیر تبدیلِ مقام دو گواہوں کے روبرو زید مذکورہ ولی مستورہ کے مابین ایجاب وقبول ہو گیا، مگر عینِ ایجاب وقبول میں یہ کوئی شرط مذکور نہیں ہوئی۔ تو از راہ کرم آگاہ فرمایئے کہ یہ عقد از روئے شریعت منعقد ہو گیا یا نہیں؟ نیز منکوحہ کی والدہ زید کی محرم ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سائل نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس مخفی شرط کو مخطوبہ یا ولی مخطوبہ کے سامنے بھی پیش کیا ہے یا نہیں، اگر مخطوبہ کے سامنے اس شرط کو پیش کیا اور اس نے اس کو قبول کیا، یا اس کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کے ولی کے سامنے پیش کیا اور اس نے قبول کیا تو شرعاً یہ عقد صحیح نہیں ہوا، بلکہ باطل ہوا، اس پر نکاح کے احکام مرتب نہیں ہوں گے اور محض عقد کی وجہ سے بغیر ہمبستری کے اسکی والدہ محرم نہیں ہوگی: "وبطل نکاح متعة وموقت وإن جهل المدة". در مختار (۱)۔

اور اگر مخطوبہ اور ولی مخطوبہ کے سامنے یہ شرط پیش نہیں کی، وہ اس سے بالکل بے خبر ہے تو محض نیت کرنے یا خفیہ طور پر گواہوں سے کہہ دینے کی بناء پر یہ نکاح مؤقت نہیں ہوا، بلکہ نکاح درست ہو گیا، جیسے کوئی اس نیت سے نکاح کرے کہ میں اتنی مدت کے بعد اس کو علیحدہ کر دوں گا، یہ نکاح مؤقت میں داخل نہیں بلکہ یہ نکاح صحیح ہے اور اس صورت میں اس کی والدہ محض نکاح کی وجہ سے بغیر ہمبستری کے بھی زید کی محرم ہو جاوے گی اور اس کے اوپر کل نکاح کے احکام مرتب ہوں گے:

"ولیس منه مالو نکحها علی أن یطلّقها بعد شهر أو نوی مکثه معها مدةً معینةً". در مختار (۲)۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/ ۵۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۱۸۹، ۱۹۰، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱/ ۳۳۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(۲) (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/ ۵۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۱۹۰، رشیدیه) .... =

"وحرم المصاهرة بنت زوجته الموطوءة وأمّ زوجته وجدتها مطلقاً بمجرد العقد الصحيح وإن لم توطأ الزوجة، لما تقرر أن وطئ الأمهات يحرم البنات، ونكاح البنات يحرم الأمهات". درمختار (۱)۔

"(قوله: بمجرد العقد) أی: بالعقد المجرد عن الوطئ، وقدبيّن ذلك بقوله: وإن لم توطأ أخرج بالصحيح العقدَ الفاسدة، فإن أمها لاتحرم بمجرده بل بالوطئ أوما يقوم مقامه من المس بشهوة ونظر الشهوة". طحطاوی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۱۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱ /۳۳۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳ /۳۰، ۳۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳ /۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲ /۴۶۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲ /۱۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲ /۱۴، دارالمعرفة بيروت)

فصل فی نکاح زوجۃ المفقود و الغائب

(مفقود الخبر اور غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا بیان)

زوجۂ مفقود کے نکاحِ ثانی کے بعد زوجِ اول کا جوگی بن کر آنا

سوال[۵۳۷۶]: آمنہ کا نکاح منظور احمد سے ہوا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد منظور احمد لا پتہ ہوگیا، تقریباً ۹/ سال کے بعد آمنہ نے دارالعلوم دیوبند سے استفسار کرنے کے بعد عقدِ ثانی کرلیا۔ اب نکاحِ ثانی کے ۱۶/ سال بعد ایک شخص جوگی کی حالت میں آیا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا گمان ہے کہ یہی منظور احمد ہے، منظور احمد اس وقت بحالتِ جوگی زندگی گذار رہا ہے۔ گاؤں کی عورتیں آمنہ سے کہتی ہیں کہ تم زوجِ ثانی کیلئے جائز نہیں رہی، جس سے آمنہ بہت پریشان ہے، زوجِ ثانی سے تین چار بچے بھی ہیں، اس لئے جواب سے جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جوگی سے دریافت کرلیا جائے کہ وہ واقعۃً منظور احمد ہی ہے یا اور کوئی ہے؟ اور کیا اس نے مذہب اسلام ترک کرکے نعوذ باللہ کفر اختیار کرلیا ہے، اگر ایسا ہے تو کتنی مدت سے؟ اگر خدانخواستہ یہی صورت پیش آئی ہے اور اس کی تبدیلی مذہب کے بعد اس کی بیوی نے قاعدۂ شرعی کے موافق دوسرا نکاح کیا ہے تو وہ صحیح ہے اور اولاد بھی سب صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

---

(۱) اگر واقعتاً شوہر مرتد ہوگیا ہے تو مذکورہ عورت کا بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے: "وارتداد أحدهما أي: الزوجين فسخٌ، فلا ينقص عدداً عاجلٌ بلا قضاء: أي بلا توقف على قضاء القاضي". (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/۱۹۳، ۱۹۴، سعید)

(وکذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۱/۳۳۹، رشيديه) ... =

زوجۂ مفقود الخبر کے نکاحِ ثانی کے بعد کسی شخص پر شوہر اول کا شبہ

سوال[۵۳۷۷]: منظور احمد قبل تقسیم ملک مشرقی پاکستان چلا گیا تھا اور وہیں بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہو گیا تھا، جس کی اطلاع ایک آدمی نے وہاں سے آکر دی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد خط وکتابت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا، جب خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہوا تو اس نے گھر پر اپنے زندہ ہونے کا کوئی خط تحریر نہیں کیا۔ اس پر نو سال کا عرصہ گذر گیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند سے استفسار کیا گیا، دارالافتاء نے جواب دیا کہ:'' معاملہ سے واقف پانچ آدمیوں کی ایک پنچایت مقرر کی جائے جس میں ایک عالم بھی ہو، اور وہ اخبار وغیرہ میں اشتہار دیں کہ منظور احمد جہاں کہیں بھی ہو فوراً گھر آؤ، یا اپنی خیریت سے مطلع کرو، ورنہ تمہیں مردہ تصور کر کے تمہاری بیوی عدتِ وفات گذار کر دوسرا نکاح کرے گی''۔ چنانچہ اس پر عمل کرنے کے بعد آمنہ نے دوسرا نکاح کر لیا۔

۱۷/ سال بعد ایک شخص منظور احمد نامی بحالتِ جوگی آیا، جس کے بارے میں لوگوں کو شبہ ہے کہ یہ آمنہ کا پہلا شوہر ہے، لیکن خود اس جوگی نے گاؤں کے معزز آدمیوں کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں آمنہ کا شوہر نہیں ہوں، لیکن جب دوسرے لوگوں نے کہا کہ پہلے تو تم کہتے تھے میں آمنہ کا شوہر ہوں، تو جواب دیا کہ کسی مجبوری پر قسم کھا لیا تھا۔ منظور احمد کے والد فیض اللہ صاحب شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ میرا لڑکا ہے۔ منظور احمد پھر لا پتہ ہو گیا، اس لئے مزید اس سے کچھ پوچھا نہیں جا سکتا۔ اگر مان لیا جائے کہ وہ منظور احمد ہی تھا اور اسلام ترک نہیں کیا تو آمنہ دوسرے شوہر کیلئے جائز رہی یا نہیں، جبکہ پنچایت کے فیصلہ کے بعد عقدِ ثانی کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ منظور احمد نہ ہو، کیونکہ نہ اس نے اقرار کیا، نہ اس کو قطعی طور پر کسی نے پہچانا، حتی کہ اس کے والد نے بھی صرف شبہ ظاہر کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ منظور احمد ہو، اور اس نے اسلام ترک کر کے جوگ اختیار کیا ہو، اسی وجہ سے اس نے قسم کھائی ہو کہ میں آمنہ کا شوہر نہیں ہوں، غرض احتمالات کی بناء پر آمنہ کے

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱/۳۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۳، رشيديه)

دوسرے نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا کیونکہ شرعی فتوے اور فیصلہ کے بعد ہوا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۳ھ۔

شوہر کے لاپتہ ہونے پر اس کو مردہ سمجھ کر اس کی بیوی سے نکاح

سوال[۵۳۷۸]: زید اپنی بیوی سے ناراض ہو کر چلا گیا، چار سال ہو گئے۔ زید کے بھائی بکر نے یوں خیال کر کے کہ شاید زید مر گیا ہو، زید کی عدم موجودگی میں بھاوج سے خود شادی کر لی۔ جب زید کو معلوم ہوا تو زید نے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا، جب بکر کو معلوم ہوا تو زید سے کہا کہ چونکہ تم موجود ہو اس لئے تم اس کے مالک ہو، میں چھوڑ دیتا ہوں۔ اب یہ کس طرح نکاح میں ہے، حلالہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس بھائی نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں نکاح کیا تھا یہ جائز نہیں تھا(۲)، پھر اس کی زندگی معلوم ہونے پر اس نے اس کی بیوی کو چھوڑ دیا تو اس سے اصلی نکاح ختم نہیں ہو گیا تھا، اس لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ تین طلاق لکھ کر بھیج چکا ہے تو طلاق مغلظہ ہوگئی(۳)، اب بغیر حلالہ کے اس کے لئے جائز نہیں ہو سکتی(۴)،

---

(۱) (قد مر تخريجه تحت عنوان: ''زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کے بعد زوجِ اول کا جوگی بن کر آنا''۔)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإن كانت مرسومةً يقع الطلاق، نوى أو لم ينو. ثم المرسومة لا تخلو: إما إن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة: ۱/۳۷۸، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة: ۳/۲۴۶، سعيد)

(۴) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه) ………… =

اس صورت میں اس بھاگ جانے والے کے بھائی کو چاہیئے کہ بعدعدت اس عورت سے نکاح کرلے، یہ نکاح جائز ہوجائے گا(۱) اور جو بچے پیدا ہوچکے ہیں ان کی پرورش کا بھی انتظام ہوجائے گا۔

اگر اصلی شوہر نے تین طلاق لکھ کر نہیں بھیجی بلکہ طلاق رجعی بھیجی ہے تو عدت کے اندر اس کو رجعت کا حق حاصل ہے (۲)، بعدعدت بائنہ ہوجائے گی، پھر طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہوگی، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ ۲۴/۵/۸۸ھ۔

زوجۂ مفقود کا نکاحِ ثانی اور بچہ

سوال[۵۳۷۹]: بندہ کے خاوند زید نے برائے طلبِ روزی جہاز کا سفر کیا تھا، آج تین سال

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۱/۴۳۸، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الرجعة، ۱/۴۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الطلاق، مسائل المحلل وغيرها، الفصل الثالث والعشرون: ۳/۲۰۳، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۴۱۳، ۴۱۴، إمداديه ملتان)

(۳) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۴۲۰، ۴۲۱، امداديه ملتان)

گذر گئے زید کا کچھ پتہ نہیں آیا، زید زندہ ہے یا مردہ، لیکن غالب گمان ہے کہ زید زندہ نہیں۔ اور ہندہ نے شدتِ خوف، ابتلائے معاصی وغیرہ کے دوڈھائی سال انتظار کر کے بدونِ حکمِ حاکم گورنمنٹ، بدونِ حکم پنچایت زوجِ آخر سے نکاح کیا اور چھ مہینہ میں ہندہ کے بطن سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید شرعاً مفقود ہے یا نہیں؟ اگر مفقود ہے تو ہندہ کا بدونِ پنچایت وبدونِ حکم حاکم فسخِ نکاح میں خود مختار ہو کر مدتِ مذکورہ بالا میں زوجِ آخر سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اب شرعاً ان پر کیا حکم ہے؟ نیز اس بچہ کا کیا حکم ہے؟ واضح ہو کہ زوج آخر کو بھی زید کے لاپتہ ہونے کا علم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ زید کا کوئی پتہ نہیں تو وہ مفقود ہے:"هو (أی المفقود) غائب لم يدر أحيٌّ هو فيتوقع، أم ميت، أودع اللحد، اه". تنویر: ٣/ ٥٠٧(١)۔ ہندہ کا صورتِ مسئولہ میں نکاح زوجِ آخر سے شرعاً صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے اور اس نکاح کا فسخ اور مفارقت ومتارکت واجب ہے اور یہ بچہ شبہۃ العقد یا شبہۃ المحل کی وجہ سے ثابت النسب ہے، مگر زوجِ ثانی سے میراث کا مستحق نہیں:

"ولا حد بشبهة العقد عنده كوطء مَحرَم نكحها، وحرر في الفتح أنها من شبهة المحل، وفيها يثبت النسب، اه". درمختار۔ "(قوله: كوطء محرم نكحها) أي: عقد عليها، أطلق في المحرم نسباً ورضاعاً وصهرية، وأشار إلى أنه لو عقد على منكوحة الغير أو معتدته .... فإنه لا حد بالاتفاق، اه". ردالمحتار مختصرا: ٢/ ٢٣٦(٢)۔

"ويجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطء لا بغيره......... ولكل واحد منهما

(١) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ٢٩٢/٤، كتاب المفقود، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ٣٩/١٣، كتاب المفقود، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ٣٦/١١، كتاب المفقود، غفاريه كوئٹه)

(٢) (رد المحتار على الدر المختار: ٢٣/٤، ٢٤، كتاب الحدود، مطلب: الحكم المذكور في بابه أولى من المذكور في غير بابه، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ١٩/٥، ٢٥، كتاب الحدود، باب الوطئ، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١٤٧/٢، كتاب الحدود، الباب الرابع في الوطئ الخ، رشيديه)

فسخه.......... وتجب العدة .... من وقت التفريق أو متاركة الزوج، ويثبت النسب احتياطاً، وتعتبر مدته وهي ستة أشهر من الوطء، اه". در مختار مختصراً۔ "أما الإرث فلا يثبت فيه (قوله: احتياطاً): أي في إثباته لإحياء الولد، اه". شامی: ۲/۵۷۷(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۴ھ۔

زوجۂ غائب کے نکاح کی صورت

سوال[۵۳۸۰]: زید نے نابالغہ لڑکی کا نکاح بعمر چھ سال کرویا تھا، اس وقت لڑکے کی عمر دس سال کی تھی۔ جب لڑکی بالغہ ہوئی اور لڑکا بھی بالغ ہوگیا تو بغیر اطلاع کئے وہ لڑکا کہیں فرار ہوگیا، جب تین سال گزر گئے تو لڑکے کے والد نے کہا کہ شاید میرا لڑکا مرگیا، تم اپنی لڑکی کی شادی کہیں اور کردو۔ چار سال میں ایک ماہ کم تھا کہ دوسری جگہ نکاح پڑھادیا۔ اب وہ لڑکی دوسرے شوہر کے گھر ایک ہفتہ سے تھی کہ پہلا شوہر آگیا، لیکن اب وہ لوگوں کے بہکانے سے طلاق نہیں دیتا۔ لڑکی نہایت شریف ہے۔ ایسی صورت میں یہ عورت کون سے شوہر کی ہے؟ جو لوگ دوسرے نکاح میں تھے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۱......دوسرا نکاح درست تھا یا نہیں؟

۲......دوسرے شوہر کی عدت ہوگی یا نہیں جب کہ صحبت بھی ہوچکی ہو؟

۳......یہ عورت کون سے شوہر کی ہے؟

۴......جس نکاح خواں نے دوبارہ نکاح پڑھایا اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا(۲)۔

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۱۳۱-۱۳۴، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۳۰، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه: ۳/۱۱، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۰، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه) .... =

۲......اگر دوسرے شوہر کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا نکاح کسی اور سے ہو چکا، نہ اس نے طلاق دی ہے، نہ تفریق شرعی کرائی گئی، نہ شوہر کے انتقال کی تحقیق ہے تو اس سے جدائی کراکے لڑکی کی عدت بھی پوری کرائی جائے (۱)۔

۳...... یہ عورت پہلے شوہر کی بیوی ہے (۲)۔

۴......اس کی عورت نکاح سے خارج نہیں ہوئی، البتہ اگر اس نے باوجود علم کے ایسا کیا تو وہ گناہ گار ہے، اس کو توبہ لازم ہے۔ جو لوگ دوسرے نکاح میں تھے ان کو بھی دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، پہلا نکاح سب

= (وكـذا فـي بـدائع الصـنـائع، كتـاب الـنـكـاح، فـصـل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳۵۱/۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۱۳۲/۳، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

(وكذافي التاتارخانيه: ۱۱/۳، كتاب النكاح، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "لـو كـان الـنـكـاح فـاسـداً، فـفـرق القاضي، إن قبل الدخول، لا تجب العدة .... وإن فرق بعد الـدخـول، كـان عـليهـا الاعـتـداد مـن وقـت التـفـريـق، وكـذا لـو كـانـت الـفـرقة بغيرقضاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۵۴۹/۱، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه: ۱۱/۳، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وقد صح رجوعه (أي رجوع عمر رضي الله تعالىٰ عنه) إلى قول علي رضي الله عنه، فإنه كان يقول: تـرد إلى زوجها الأول، ويفرق بينها وبين الآخر، لها المهر بما استحل من فرجها، ولا يقربها الأول حتى تـنـقضي عدتها من الآخر. بهذا كان يأخذ إبراهيم رحمه الله، وبه نأخذ أيضاً؛ لأنه تبين أنها تزوجت وهي مـنـكـوحـة، ومنكوحة الغير ليست من المحللات، بل هي من المحرمات في حق سائر الناس". (مبسوط السرخسي: ۴۰/۱۱، كتاب المفقود، غفاريه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۶۲/۱۳، باب: إذا قدم المفقود الخ، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۰۰/۲، كتاب المفقود، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانيه: ۲۱۲/۵، الفصل الأول في تفسير المفقود، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الحيلة الناجزة، ص: ۶۷ - ۶۹، واپسیٔ مفقود کے اَحکام، دارالاشاعت کراچی)

کا باقی ہے، توبہ سب کو لازم ہے(۱)۔

پہلے شوہر کو لازم ہے کہ اس کو شرعی طور پر آباد کرے، اس پر کوئی تہمت نہ لگائے، ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ اگر اس کو آباد کرنا منظور نہیں تو طلاق دیدے تاکہ اس کی زندگی تباہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۵۴، كتاب التوبة، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۲۸/۱۵۹، مبحث في: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ [التحريم: ۸]، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"يجب (الطلاق) لَوْ فاتَ الإمساك بالمعروف". (الدر المختار: ۳/۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

فصل فی نکاح منکوحة الغیر

(منکوحۂ غیر سے نکاح کا بیان)

شوہر والی عورت کا بغیر طلاق کے نکاح

سوال[۵۳۸۱]: ۱......ایک نکاح بغیر طلاق کے ہوا اور دلہن بھی تخمیناً چار ماہ سے مطلقہ ہوئی ہے۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

۲......اگر دولہا سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا نکاح حرام ہوا تو وہ کہتا ہے کہ سب کا نکاح ناجائز اور میرا جائز ہے۔ اب آیا اس کے کہنے کا کچھ تدارک بھی ہے یا نہیں، جب کہ وہ کہنے پر سرکشی کرتا ہے؟

۳......جو باراتی اس نکاح میں شامل تھے ان کے نکاح میں کچھ فرق آیا یا نہیں، جب کہ سمجھتے تھے کہ دلہن مطلقہ بھی نہیں ہے؟

۴......بعض باراتیوں کو بالکل علم نہیں تھا کہ نکاح ہوا ہے یا نہیں، اب اس میں عمداً یا سہواً کا فرق لگایا جائیگا یا نہیں؟ دلہن کے گاؤں کے پیش امام صاحب نے نکاح بھی نہیں پڑھایا، بلکہ دوسرے گاؤں کے آدمی کو رشوت دے کر نکاح پڑھوایا۔ کچھ جہلاء کا یہ خیال یہ سمجھ کر کوشش کی، کچھ لوگ حقیقۃً مکروہ سمجھتے تھے مگر اس قدر مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کسی دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دیدے اور مدخولہ ہونے کی صورت میں عدت نہ گذر جائے (۱)۔

---

(۱) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وكذلک المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

۲.....حرام کو حلال کہنا سخت گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام کہنا جرمِ عظیم ہے(۱)، ایسا کہنے والے کو توبہ کرنا لازم ہے اور تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح بھی کرلینا چاہیے(۲)۔

۳.....باوجودِ علم کے اور مکروہ سمجھ کر ایسا کرنا گناہ عظیم ہے جو شخص کسی حرام قطعی کو حلال اعتقاد کرے اس کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا لازم ہے، كما صرح به في البحر و ردالمحتار و غير هما من الكتب الفقهية"(۳)۔

۴.....جس کو عورت کے غیر مطلقہ ہونے کا علم نہیں تھا اس کا نکاح نہیں ٹوٹا اور گناہ بھی نہیں ہوا اور جس کو علم تھا پھر بھی وہ شریک ہوا اس کا بھی نکاح نہیں ٹوٹا مگر وہ گنہ گار ہوا ہے اس کو توبہ کرنا چاہیے(۴)۔ اور جو اس حرام

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث، المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة : ۶۶۴۲/۹، رشيديه)

(وكذافي التفسير المظهري، (پ: ۵) : ۶۴/۲، حافظ كتب، خانه كوئته)

(۱) "والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لا يكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً كفر، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين : ۲۰۶/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه ، مطلب: إذا استحل المحرم على وجه الظن الخ : ۲۴/۴، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، باب المرتد ، مطلب: جملة من لا يقتل إذا ارتد : ۲۴۶/۴، ۲۴۷، سعيد)

(۲) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح بينه وبين امرأته، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر ، باب المرتد : ۶۸۸/۱ ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"مايكون كفراً اتفاقاً، يبطل العمل والنكاح، وأولاده أولاد زنا. وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۴۶/۴-۲۴۷، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية رقمها: ۱، ۲)

(۴) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح لمسلم، ۳۵۴/۲، كتاب التوبة، قديمي) ...... =

نکاح کو حلال قطعی اعتقاد کر کے شریک ہوا ہے اس کو دوبارہ نکاح کرنا چاہیے، اور تجدید ایمان بھی کر لے(۱)۔ اور اس عورت کو اس شخص سے علیحدہ کرنا ضروری ہے، تاوقتیکہ اس کو طلاق ہو کر عدت نہ گذر جائے(۲)، جب طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے تو دوبارہ نکاح کر کے رکھنا درست ہے(۳)۔ اور اس بات کو نہ مانے تو اس سے قطع تعلق کر دیا جائے(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۳/۲۷ھ۔

بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح

سوال[۵۳۸۲]: لڑکی کی شادی گاؤں میں ہوئی تھی، لڑکی جب شوہر کے گھر گئی تو شوہر نے بیوی کی

= قال الله تعالیٰ: ﴿ومن یعمل سوءً ا أو یظلم نفسه، ثم یستغفر الله، یجدالله غفوراً رحیماً﴾ "قالوا: یجب علی کل مسلم أن یتوب إلی الله حین یصبح وحین یمسی". (تنبیه الغافلین، ص: ۲۰، باب آخر من التوبة، مکتبه حقانیه پشاور)

(۱) (راجع ،ص: ۷۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "بل یجب علی القاضی التفریق بینهما، الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمکیریة ، کتاب النکاح، الباب الثامن فی النکاح الفاسد وأحکامه : ۳۳۰/۱، رشیدیه)

(وكذا فی المحیط البرهانی، الفصل السادس عشر فی النکاح الفاسد وأحکامه : ۲۴۸/۳، غفاریه کوئٹه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة : ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التی تحیض ثلاثة قروء: أی حیض، لقوله تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة : ۴۶۴/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

قال الله تعالیٰ :﴿ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب أجله﴾ (سورة البقرة : ۲۳۵)

(۴) "قال الخطابی : رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حقٍ من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات ما لم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع و اتباع العورات ،الفصل الأول ، (رقم الحدیث : ۵۰۲۷) : ۷۵۸/۸، رشیدیه) ....=

طرف توجہ نہیں کی، پتہ چلا کہ لڑکے کا تعلق بھاوج سے ہے، لڑکی کو اس بارے میں جب پورا اطمینان ہوگیا تو اس نے روکنے کی تدبیر کی مگر کامیاب نہ ہوئی، مجبوراً لڑکی جب اپنے گھر آئی تو والدہ سے یہ قصہ بیان کیا۔ داماد کو بلایا گیا، سمجھایا گیا مگر وہ باز نہیں آیا۔

لڑکی نے سسرال جانے سے انکار کردیا، کئی مرتبہ لڑکے والے لینے کیلئے آئے مگر لڑکی قطعاً تیار نہیں ہوئی، پنچایتیں ہوئیں، طے پایا کہ لڑکا بھی یہیں رہے گا جس کے لئے لڑکا تیار نہیں ہوا۔ لڑکے نے بدمعاش کے ذریعہ لے جانے کی سعی کی۔ لڑکی غریب گھرانے کی تھی، ذرائع نہ بنے، پریشان ہوکر ایک دوسری جگہ انتظام کردیا۔ لڑکے نے وہاں بھی سعی کی، بذریعہ پولیس گرفتاری کی سعی کی، مگر لڑکی پر قابو نہیں پاسکے۔ لڑکا نہ طلاق دینے کے لئے تیار ہے نہ فیصلے کے لئے۔ لڑکی کا باپ کل سامان بھی واپس کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیا ان تمام مجبوریوں میں جہاں وہ لڑکی ہے نکاح ہوسکتا ہے؟

منشی نذیر احمد مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کردیا ہے تو نکاح بالکل درست نہیں ہوا، فوراً ان کو علیحدہ کردیا جائے، جب تک شوہر طلاق نہ دے، یا شرعی طور پر تفریق نہ ہوجائے دوسری جگہ نکاح نہیں ہوسکتا (۱)۔ اگر لڑکا تعلقِ زوجیت رکھنے اور حقوق ادا

= (وکذا فی عمدة القاری، کتاب البر والصلة، باب ما ینهی عنه من التحاسد والتدابر: ۲۲/۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) ﴿والمحصنات من النساء﴾ عطف علی أمهاتکم یعنی حرمت علیکم المحصنات من النساء: أی ذوات الأزواج، لا یحل للغیر نکاحهن ما لم یمت زوجها أو یطلقها وتنقضی عدتها من الوفاة أو الطلاق". (التفسیر المظهری: ۲/۶۴، حافظ کتب خانه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعید)

کرنے کا وعدہ کرے تو اس کے پاس بھیج دیا جائے، پھر لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ مودت وموافقت کرکے اپنی طرف مائل کرسکتی ہے۔ اگر بالکل توقع نہ ہو تو بعوضِ مہر طلاق حاصل کرلی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۶/ ۸۷ھ۔

ایک شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے سے نکاح کرانا

سوال[۵۳۸۳]: زید بہمراہ چند اشخاص بکر کے گھر آیا اور مقصد بیان کیا، جواباً بکر نے کہا کہ ''میں نے اپنی دختر فلانی تیرے لڑکے کو دے دی'' تو زید نے اپنے پسر کیلئے قبول کی، مٹھائی تقسیم ہوگئی۔ بعد انقضائے مدت بروز جمعہ مولانا عبداللطیف صاحب جامع مسجد کے خدمت میں مع زید کے روبرو درخواست پیش کی کہ میں نے اپنی لڑکی زید کے پسر کو دی تھی اب میری رضا نہیں، کیا میں اپنی لڑکی دوسری جگہ دے سکتا ہوں؟ مولانا موصوف بموجبِ شریعت حکم دیں مجھے منظور ہے۔ مولانا موصوف نے ہر دو کے حلفیہ بیان لئے، ہر دو نے مثلِ سابق بیان دیئے اور رشتہ داروں نے تصدیق کی۔ مولانا موصوف نے فرمایا کہ شرعاً یہی نکاح ہے، دوسری جگہ لڑکی دینے کی شرعاً اجازت نہیں۔ بکر بخیر رہا۔

بعد انقضائے مدت مولانا موصوف نے بغیر فیصلہ زید کے وہی لڑکی خود شامل ہوکر عمر کو نکاح کردی۔ مولانا موصوف نے کئی مواضعات میں انجمن کی صورت میں حلفاً عہد وقرار لیا کہ آئندہ شادی پر گانے گانا، ڈھول بجانا، آتشبازی کرنا بند ہے، جو اس عہد کو توڑے گا اس پر بطور شریعت وبرادری ڈنڈ لگایا جائے گا، چنانچہ اس پر عمل درآمد بھی ہوا۔ الحاصل ایک شادی میں شریک ہوئے اور از اول تا آخر شریک رہے، مگر عہد وپیمان کا کچھ خیال نہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة : ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة و لزمها المال". (الفتاویٰ العالمكيرية ، الباب الثامن في الخلع ، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيديه)

(وكذا في الهداية ، باب الخلع : ۲/ ۴۰۴ ، مكتبه شركة علميه ملتان)

کیا، آتش بازی کرائی، اس عہد شکنی سے لوگوں کو رنج ہوا۔ اب استدعا یہ ہے کہ حسبِ شریعت مولانا موصوف واہلِ مجلس وحواریین کو کیا حکم ہے؟

محمد ایوب خان، سکنہ ریالہ، ڈاک خانہ کوبالہ، تحصیل ایبٹ آباد، ضلع ہزارہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک جگہ نکاح صحیح ہو جانے کے بعد دوسری جگہ درست نہیں، نکاح جائز نہیں جب تک شوہر سابق سے علیحدگی، طلاق وخلع وغیرہ کے ذریعہ سے نہ ہو جائے اور عدت نہ گذر جاوے: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذا المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". عالمگیری: ۲۷/۲، رحیمیہ (۱)۔

بکر کے الفاظ جو کہ سوال میں درج ہیں کنایاتِ نکاح میں سے ہیں صریح نہیں، نکاح اور رشتہ دونوں کے لئے مستعمل ہیں، پس اگر گواہوں کے سامنے مہر وغیرہ کا ذکر ہوا اور یہ الفاظ نکاح کے لئے کہے گئے اور اس مجلس کو مجلسِ نکاح سمجھا گیا تب تو نکاح ہوا ورنہ نہیں، بلکہ محض وعدہ ہے (۲)، لہٰذا اگر حسبِ تفصیلِ سابق پہلا نکاح صحیح ہو گیا تھا تو دوسرا نکاح صورتِ مسئولہ میں صحیح نہیں ہوا، باوجودِ علم کے اس میں شرکت کرنے والے گناہ گار ہوئے، سب کو عموماً اور مولوی صاحب کو خصوصاً علی الاعلان توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۲۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، باب فی المحرمات: ۳۶۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعید)

(۲) "وإنما یصح بلفظ تزویج و نکاح؛ لأنهما صریح، وما عداهما کنایة. هو کل لفظ وضع لتملیک عین کاملة، فلا یصح بالشرکة فی الحال، خرج الوصیة غیر المقیدة بالحال، کهبة و تملیک و صدقة و عطیة و قرض وسلم واستیجار و صلح و صرف. وکل ما تملک به الرقاب بشرط نیة أو قرینة و فهم الشهود المقصود، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۱۶/۳، ۱۷، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح: ۱۷۹/۲، إمدادیه ملتان)

(۳) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة وأنها واجبة علی الفور لایجوز تأخیرها، سواء =

1

آتشبازی اور گانا ڈھول بجانا وغیرہ ناجائز ہیں اس سے اجتناب ضروری ہے(۱)، البتہ مال کا جرمانہ ایسے مجرموں کو نہیں کرنا چاہیے:"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". بحر: ۵/۴۱(۲)۔ بلکہ ترک تعلقات وغیرہ دوسری سزائیں مقرر کی جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ، ۱۵/محرم/۵۳ھ۔

منکوحۂ غیر سے نکاح

سوال[۵۳۸۴]: زید نے مثلاً منکوحۂ عمر سے نکاح ناجائز کیا، زید کو عمر نے متعدد بار مختلف ذرائع سے مثلاً: خط وکتابت، زبانی، اشتہار عام سے اطلاع دی کہ زید میرے (عمر) کے ساتھ شریعت کرلے، مگر زید روپوش ہوکر منکوحۂ عمر کو ساتھ لے کر کراچی چلا گیا۔ اب اس صورت میں جبکہ زید نے منکوحۂ غیر سے نکاح کرکے اس کو حلال جانا، نیز شریعت سے انکار وانحراف کیا۔ زید کے لئے کیا حکم ہے؟

عمر الدین، شمس آباد۔

= كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يآيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويكره استماع صوت اللهو والضرب به، والواجب على الإنسان أن يجتهد ما أمكن حتى لا يسمع، الخ". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۸۰/۸، رشيديه)

"والتغني حرام .... وأما الرقص، والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار والبوق الذي يفعله بعض من يدعي التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها زيّ الكفار، الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتب الصلوة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۹/۶، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۲/۴، سعيد) .... =

الجواب حامداً ومصلیاً:

منکوحۂ غیر سے نکاح کرنا حرام ہے، لہذا زید کا نکاح منکوحۂ عمر سے صحیح نہیں ہوا: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلك المعتدة، کذا في السراج الوهاج، اهـ". الفتاوی العالمکیریة: ۲۸۰/۱(۱)۔

اگر زید کو علم ہے کہ یہ نکاح حرام ہے اور پھر اس نے حرام نکاح کیا تو شرعاً اس پر حد واجب ہے، اگر حد کے شرائط متحقق ہوں تو اس پر حد جاری کی جائے بشرطیکہ حکومتِ اسلامی موجود ہو:

"أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته، فالدخول فیه لایوجب العدة .... ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونه زنا، کما في القنیة وغیرها، اهـ". شامی (۲)۔

شریعت کرے اور شریعت کرنے سے انحراف کا مطلب اگر یہ ہے کہ شریعت کے موافق فیصلہ کرنے سے انکار کیا تو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی وہ حرام کا مرتکب اور سخت گنہگار ہے، اس کے ذمہ توبہ کرنا لازم ہے۔ اگر شرائط موجود نہ ہوں تو اس سے سب کو قطع تعلق واجب ہے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے (۳) اور

= (وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس المحرمات التي یتعلق بها حق الغیر: ۲۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۶۶۳۶/۹، رشیدیه)

(وکذا في التفسیر المظهري [پ: ۵]: ۶۴/۲، حافظ کتب خانه کوئته)

(۲) (رد المحتار، باب العدة، مطلب في النکاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب العدة: ۲۴۲/۴، رشیدیه)

(۳) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران في حق من حقوق الله تعالی، فیجوز فوق ذلک .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مرّ الأوقات ما لم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشیدیه) =

اس عورت کو واپس کردے۔ اگر کچھ اور مطلب ہے تو اس کو واضح کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۶/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

دوسرے کی منکوحہ سے نکاح

سوال [۵۳۸۵]: بختاور نامی ایک بیوہ عورت سے اُبّن نامی ایک شخص نے اس شرط پر نکاح کیا کہ بختاور کے لڑکے نابالغ مسمیٰ نور محمد کو کوئی بازو لگا دیا جائے گا، چنانچہ اُبّن نے اسی شرط کو منظور کر کے اپنی بھانجی مسماۃ واجدل نابالغہ کے والد مسمیٰ ولی محمد سے کہہ کر نور محمد کا نکاح واجدل نابالغہ سے بولایت والدش ولی محمد پڑھوا دیا اور اپنا نکاح بختاور مذکورہ سے پڑھوالیا۔ ہر دو نکاحوں کے وقت مجمع کثیر معتبر اشخاص کا موجود تھا، اس واقع کو عرصہ پندرہ سولہ سال کا گزر چکا ہے، بختاور تا حال اُبّن کے گھر آباد ہے۔

یاداشت ریکارڈ کے لئے ریاست ہذا میں اس وقت رجسٹر نکاحات میں نکاح کا اندراج ضروری ہے، لیکن قاضی نکاح خواں نے ان ہر دو نکاحوں کا اندراج نہ کرائے۔ عرصہ ۱۵، ۱۶/ کے بعد جب نور محمد اور مسماۃ واجدل عرصہ تین سال سے بالغ ہیں، نور محمد نے اپنی منکوحہ کو اس کے ورثہ سے طلب کیا برائے شادی تو انھوں نے جواب دیا: اگر ہمارے کسی لڑکے کیلئے کوئی دوسری لڑکی دوگے تو ہم واجدل کی شادی تمہارے ساتھ کردیں گے ورنہ نہیں۔

سابقہ نکاح سے جو مسماۃ واجدل کے والد ولی محمد نے اُبّن کے عوض نور محمد سے کردیا تھا، ولی محمد والد لڑکی اور اس کے دیگر رشتہ داران منحرف ہوگئے اور انکار کردیا کہ ہم نے کوئی نکاح نہ کیا تھا اور نور محمد مذکورہ کی طرف سے دوسری لڑکی نہ ملنے پر انھوں نے واجدل لڑکی کا دوسرا نکاح کسی دوسری جگہ پر کردیا ہے۔ سابقہ ہر دو نکاح کے گواہ چشم دید تیس سے چالیس معتبر وحلفیہ زندہ ہیں، مقدمہ عدالت میں دائر ہے، عدالت کاغذ نکاح کا طلب کرتی ہے، قاضی نکاح خوان فوت ہو چکا۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

۱ مسماۃ واجدل کا پہلا نکاح جو اس کے لڑکے نے بختاور کے لڑکے نور محمد کیساتھ اس وقت کیا تھا جب کہ ہر دو نابالغ تھے اور جس کے ثبوت میں تیس چالیس گواہ حلفیہ بیان دینے والے اور معمر موجود ہیں جائز ہے یا

= وکذا فی عمدۃ القاری، کتاب البر والصلۃ، باب الھجرۃ: ۲۲/ ۲۲۱، مکتبہ خیریہ بیروت)

اندراجِ رجسٹر نہ ہونے کے باعث ناجائز ہے؟

۲......مسماۃ واجدل کا دوسرا نکاح جو اَب اس کے رشتہ داروں اور والد نے دوسری جگہ پر کردیا ہے حلال ہے یا حرام؟ اور اس نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

۳......دوسرے نکاح کا پڑھنے والا اور ہر دو گواہاں جو نکاح میں موجود تھے آیا بہ روئے شرع شریف قابلِ تعزیر ہیں؟ اس مقدمہ کی پیشی مورخہ ۱۰/ فروری/ ۱۹۴۲ء ہے اور یہ فتویٰ عدالت میں ۱۰/ تاریخ کو پیش کرنا ہے۔ مفصل بالتشریح مع حوالۂ کتب وحدیث وفقہ اور صاف خوشخط ہو، تاکہ پڑھنے میں دقت نہ ہو اس لئے کہ اسلامی معاملہ ہے اسلامی ریاست کا مقدمہ ہے، عقبیٰ میں باعث تکلیف نہ ہو۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......مسماۃ واجدل کا پہلا نکاح نور محمد کے ساتھ شرعاً صحیح ومعتبر ہوگیا، رجسٹر میں اندراج شرعاً ضروری نہیں، جو دو مجلس نکاح میں موجود تھے ان کی گواہی کافی ہے۔

تنبیہ: عوض میں نکاح کرنے کا مطلب اگر یہ ہے کہ اس نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا بلکہ بجائے مہر کے یہ نکاح کردیا گیا تو یہ شرط شرعاً ناجائز ہے، لیکن ایسی شرط سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا، بلکہ یہ شرط غیر معتبر ہوتی ہے اور نکاح درست ہوجاتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے:

"و ينعقد أي: النكاح متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضي، كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك، و يقول الآخر: تزوجت". درمختار، ص: ۲/۳۰۶(۱)۔"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً و لزم النكاح، اهـ". درمختار: ۲/۴۶۹(۲).

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، ۱۹۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الدرالمختار، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

"و يجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجها الولي بكراً كانت الصغيرة أو ثيباً، والولي هو العصبة، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۰۸، رشيديه)

"و وجب مهر المثل في الشغار، هو أن يزوجه بنته على أن يزوجه الآخر بنته أو أخته مثلاً معاوضة بالعقدين، وهو منهي عنه؛ لخلوه عن المهر، فأوجبنا منه مهر المثل، فلم يبق شغاراً، اهـ". درمختار: ۲/۵۱٤(۱)۔

۲...... مسماۃ واجدل کا جو دوسرا نکاح ہوا ہے زنا کے حکم میں ہے، وہ شرعاً بالکل ناجائز وحرام ہے، جس سے دوبارہ نکاح ہوا ہے زنا کے حکم میں ہے، اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہیں ہوگا:

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، و كذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج، اهـ". عالمگیری: ۱/۲۸۰(۲)۔"(أما نكاح منكوحة الغير و معتدته) والدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، و لهذا يجب الحد مع العلم بالفرقة؛ لكونه زنا، كما في القنية وغيرها، اهـ". شامی: ۲۳۸/۳(۳)۔

۳...... مسماۃ واجدل اور اس کا والد اور جس سے دوسرا نکاح ہوا ہے، وہ اور نکاح خواں، نیز جملہ شرکائے مجلس اور جو لوگ اس نکاح سے خوش تھے، یا باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکا سب گناہ گار ہوئے، سب کو لازم ہے کہ توبہ کریں اور جس شخص کو پہلے نکاح کا علم نہیں بلکہ ناواقفیت کی وجہ سے اس دوسرے نکاح میں شریک ہوا وہ اس درجہ قابلِ ملامت نہیں، توبہ اس کو بھی چاہیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۶۱/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۶۱/۱/۲۵ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب المهر، مطلب: نكاح الشغار: ۱۰۶/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۸، دار احياء التراث العربي)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۷، مكتبه شركة علميه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، باب في المحرمات: ۱/۳۶۶، رشيديه)

(وكذا في البدائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۳۵۱، دار الكتب العلمية)

(۴) قال النووي: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز=

زوجۂ غیر سے نکاح

سوال[۵۳۸۶]: ایک شخص نے اپنی لڑکی کی شادی اسلام سے کی، اس کے بعد لیاقت نے اپنی بددیانتی سے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہت سے کپڑے اور سونے چاندی کا سامان جو اسلام نے نکاح کے وقت بری میں دیا تھا وہ ضبط کرلیا(۱)۔ دوسرے یہ کہ اس بددیانت شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح دوسرے شخص کے لڑکے سے کردیا اور اپنے دولڑکوں کی شادی اس شخص کی دولڑکیوں سے کرلی۔

لڑکی کے نکاحِ ثانی کی نوعیت یہ ہوئی کہ لڑکی کے باپ نے قاضی کو جھوٹ کہا کہ اسلام نے لڑکی کو طلاق دیدی ہے اور اس جھوٹ پر فتوی بھی لے لیا ہے کہ چونکہ اس نے طلاق دے دی، لہذا اب نکاحِ ثانی کیا جاسکتا ہے، حالانکہ شوہر اول اسلام نے طلاق نہیں دی ہے، جس کے لئے وہ حلفیہ بیان دے سکتا ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کے بارے میں کوئی گفتگو ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح ثانی درست ہوا یا نہیں؟ نکاحِ اول باقی رہا یا نہیں، جبکہ شوہر اول نے اب تک طلاق نہیں دی ہے اور نہ دینا چاہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب قاعدۂ شریعت کے مطابق نکاح ہوجائے تو دونوں شوہر و بیوی بن جاتے ہیں اور اس بیوی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے جائز نہیں ہوتا بلکہ حرام ہوتا ہے:

"ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". الفتاوی عالمگیری: ۲۸۰/۱(۲)۔

= تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "بری: ساچق کے روز دولہا کی طرف سے دلہن کے کپڑے، زیورات، میوہ، مٹھائی، ایک پاپوش زنانہ"۔ (نور اللغات: ۵۸۸/۱، سنگ میل لاہور)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه) .... =

لہٰذا اس نے جو اپنی لڑکی کا دوسرا نکاح کر دیا ہے یہ جائز نہ ہوگا اور ثبوتِ طلاق کے لئے صرف اس کا دعویٰ کافی نہیں ہے، یا شرعی شہادت موجود ہو(۱) یا شوہر اقرار کرے(۲)۔

مفتی کے سامنے جیسا سوال بیان کر کے پیش کیا جائے گا وہ اسی کے موافق حکمِ شرعی بتلا دے گا، سوال کا صحیح طور پر پیش کرنا سائل کی ذمہ داری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/صفر/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/صفر/۸۹ھ۔

نکاح پر نکاح

سوال[۵۳۸۷]: ایک عورت نے جس کا خاوند یک سال سے گھر سے چلا گیا تھا اور اس کا کچھ پتہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۲، رشيديه)

(وكذافي التفسير المظهري [پ: ۵]: ۲/۶۴، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(۱) "ونصابها (أي نصاب الشهادة) لغيرها من الحقوق، سواء كان الحق مالاً أوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ... رجلان أو رجل وامرأتان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الشهادة: ۵/۴۶۵، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۳/۱۴۲، كتاب الشهادة، قديمي)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۳/۱۵۳، ۱۵۴، امداديه ملتان)

(۲) "أن من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي، باب الطلاق: ۶/۱۰۹، حبيبه كوئته)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق: ۳/۲۳۶، سعيد)

نہیں کہ آیا وہ مرگیا یا کہ زندہ ہے، اس عورت نے ایک میانجی کو بلا کر اپنا نکاح کسی اَور سے کرلیا اور سوائے اس عورت کے کہ اس نے میاں جی سے کہا کہ میرا خاوند مرگیا ہے اور کسی محلہ والے نے نہ کچھ کہا اور نہ عورت کا چال چلن درست ہے۔ صبح کو محلّہ والوں کو علم ہوا کہ اس عورت نے اپنا نکاح کرلیا ہے، میانجی کو بلا کر دریافت کیا گیا: تم نے نکاح کس طرح پڑھایا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے محض عورت کے کہنے سے نکاح پڑھایا ہے۔ اس میانجی کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر میاں جی کو اس کے شوہر کے زندہ ہونے کا حال نہیں معلوم تھا اور عورت کے کہنے سے یقین کرکے نکاح پڑھادیا تو اس سے میانجی کی امامت میں نقصان نہیں آیا، نہ میانجی کا نکاح ٹوٹا۔ اور جس شخص سے نکاح ہوا، ہے اگر اس کو بھی علم نہیں تھا اور عورت کی بات کا یقین کرکے اس سے نکاح کیا ہے تو گناہ نہیں ہوگا (۱)، البتہ تاوقتیکہ پہلے شوہر سے شرعی طریق پر موت، خلع اور طلاق کے ذریعہ سے جدائی ہوکر عدت نہ گزر جائے دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا۔ مفارقت ومتارکت لازم ہے، کما فی ردالمحتار (۲)۔

---

(۱) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً" (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۲/۳۵۴، کتاب التوبة، قدیمی)

(۲) "أما نکاح منکوحة الغیر و معتدته، فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر؛ لأنه لم یقل أحد بجوازه، فلم ینعقد أصلاً، ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنا، کما فی القنیة وغیرها.......... بل یجب علی القاضی التفریق بینهما". (رد المحتار، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۳/۱۳۲، ۱۳۳، سعید)

" لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذافی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط ألا تکون منکوحة الغیر: ۳/۴۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفقه الإسلامی و أدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشیدیه)

اور اگر اس کے نکاح کا علم تھا اور پھر نکاح پڑھا دیا تو وہ شخص اور میانجی دونوں گنہ گار ہوں گے، دونوں کو توبہ کرنا ضروری ہے، نکاح کسی کا بھی نہیں ٹوٹا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/شعبان/۱۳۵۵ھ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۱/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

ایضاً

سوال [۵۳۸۸]: زید نے دختر نابالغہ کا نکاح بکر سے کردیا تھا پھر بکر سے بلا طلاق دلوائے خالد سے کردیا ہے۔ اب یہ نکاح دوسرا جائز ہے یا نہیں اور ایسا کرنے والے کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ دوسرا نکاح شرعاً ناجائز ہے، اگر خالد کو معلوم ہے کہ جس لڑکی سے زید نے میرا نکاح کیا ہے اس کا نکاح پہلے بکر سے کرچکا ہے اور بکر نے اس کو طلاق نہیں دی تو شرعاً خالد بھی گنہ گار ہوا، اگر صحبت کریگا تو یہ زنا ہوگا، جس کا گناہ خالد کے ساتھ زید کو بھی ہوگا (۲) اور جو لوگ نکاح میں شریک ہوئے وہ سب گنہ گار ہیں (۳)۔ خالد کے ذمہ واجب ہے کہ زید کی لڑکی سے علیحدہ رہے اور زید کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی لڑکی کو بکر کے پاس بھیجے اور لڑکی کو حرام ہے کہ خالد کے ساتھ مباشرت کرے۔ اور جو لوگ نکاح میں شریک ہوئے یا ان کو قدرت ہے تو حسب

---

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً" (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۵۴، كتاب التوبة، قديمي)

(۲) "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنا، كما في القنية وغيرها".

(ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) توبہ کرنا ہر گناہ سے چاہے چھوٹا گناہ ہو یا بڑا واجب اور ضروری ہے، اس میں تاخیر کرنا درست نہیں، بلکہ گناہ کے سرزد ہوتے ہی توبہ کی جائے، كما تقدم في رقم: ۱

استطاعت سب کے ذمہ ضروری ہے کہ زید کی لڑکی کو بکر کے گھر بھجوائیں اور خالد کے پاس نہ رہنے دیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/محرم الحرام ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۵۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین در بارۂ مسائلِ ہذا، مسائل حسب ذیل میں:

زید کی شادی ایک عورت سے ہوئی کہ زید کی ہمشیرہ ان کی بیوی کے رشتہ دار منسوب کی جاتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد زید کی ہمشیرہ حالتِ بلوغت میں ہو جاتی ہے اور ان ایام میں زید کی بیوی بھی اپنے والدین کے یہاں ہے۔ زید کی ہمشیرہ بخوشی خود دوسری جگہ اپنا نکاحِ ثانی کر لیتی ہے، مگر اس میں زید کے سسرال والے زید کی ہمشیرہ کے اس نکاح ثانی کے خلاف ہے، حالانکہ زید کی ہمشیرہ بالغ ہے۔ اس ناراضگی میں چند آدمی زید کی بیوی کو زید کے گھر آنے سے منع کرتے ہیں جس پر زید عدالتی چارہ جوئی کر کے حقوقِ زوجیت کا دعوی دائر کرنے کے بعد ڈگری حاصل کر لیتا ہے، مگر بعد حاصل کرنے ڈگری بھی زید کی بیوی اس کے گھر نہیں آتی ہے، بیوی تو آنے پر رضا مند ہے مگر چند گمراہ اشخاص کی سازش سے ایسا نہیں ہوتا ہے۔

بعد میں زید کی بیوی ان کے والدین کے گھر ہی فاحشہ ہو جاتی ہے اور بچہ ولد الحرام پیدا ہوتا ہے، زید پھر ایک دعویٰ عدالت میں اسی شخص کے خلاف دائر کرتا ہے جس شخص سے زید کی بیوی نے حرام کیا ہے، اس کو چھ ماہ قید اور پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ بعد ازاں زید کے سسرال والے زید کی بیوی کا حرام ایک نکاح دوسری جگہ کر دیتے ہیں، وہاں زید کی بیوی چند یوم رہ کر اپنے جدید خاوند کی رضامندی سے زید کے گھر آ جاتی ہے۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۴۳۶/۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا نکاح جب شریعت کے موافق صحیح اور نافذ ہوگیا اور پھر نہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، نہ قاضی نے تفریق کی تو زید کے سسرال والوں نے جو زید کی بیوی کا نکاح دوسرے شخص سے کردیا تو وہ نکاح ناجائز ہے:

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۸۸(۱)۔

اب جب کہ زید کی بیوی زید کے پاس آ گئی تو زید کو مواصلت کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، البتہ زید کی بیوی پر عدت واجب ہوگی اگر وہ شخص جس سے زید کی بیوی کا نکاح ہوا نہیں جانتا تھا کہ جس سے میں نکاح کر رہا ہوں یہ زید کی بیوی ہے اور زید کے نکاح سے خارج نہیں اور اس نے زید کی بیوی کے ساتھ جماع کیا ہے یا خلوت صحیحہ کی ہے، لیکن اگر جانتا تھا کہ یہ زید کی بیوی ہے اور زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی تو عدت واجب نہیں:

"ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لايعلم أنها منكوحة الغير، فوطئها، تجب العدة، وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير، لاتجب حتى يحرم على الزوج وطئها. كذافي فتاوى قاضي خان". عالمگیری: ۲/۲۸۸(۲) وخلاصه: ۲/۱۱۸ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۱/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(۳) (خلاصة الفتاوى، كتاب الطلاق، الفصل الثامن في العدة: ۲/۱۱۸، امجد اكيدمي، لاهور) =

ایضاً

سوال[۵۳۹۰]: ایک لڑکی کوشوہراس کی ماں کے یہاں چھوڑ کر بمبئی چلا گیا اور خط میں لکھا کہ میں دوماہ کے بعد آرہا ہوں، مگر لڑکی آٹھ دس روز بعد ہی گھر سے نکل گئی اور اس نے عدالت میں جا کر کسی دوسرے سے نکاح کرلیا، نہ اس کے شوہر نے طلاق دی اور نہ وہ بمبئی سے ابھی تک آیا ہے۔ تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ معلوم ہے کہ شوہر موجود ہے، خط وکتابت بھی کرتا ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی، پھر بھی دوسرا نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، عورت سے اگر صحبت ہوئی تو وہ حرام ہوئی، عورت بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں موجود ہے، فوراً اس شخص سے علیحدہ ہو جانا چاہیے، اگر علیحدہ نہیں ہوگی حرام کاری میں مبتلا رہے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۸/۳/۶ھ۔

= (وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب المحرمات: ۱/۳۶۶، رشيديه)

(۱) "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً، و لهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا، كذا في القنية وغيرها......... بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۱۳۲، ۱۳۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء إلخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۳۶، رشيديه) .... =

ایضاً

سوال[۵۳۹۱]: اگر کوئی شخص اپنی لڑکی شادی شدہ کا نکاح دوسری جگہ کردے جبکہ شوہر سابق خود نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے، تو ایسے شخص اور شریکِ نکاح اور نکاح خواں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ شوہر نے طلاق نہیں دی اور ضروریات ونفقہ کا کفیل ہے اور حقوقِ زوجیت ادا کرتا ہے تو پھر دوسری جگہ نکاح کا کوئی حق نہیں ہے، لڑکی کے والد نے ایسی حالت میں جو نکاح کیا ہے تو یہ شرعی نکاح نہیں بلکہ زنا اور حرام کاری ہے، یہ معصیتِ کبیرہ اور انتہائی بے غیرتی ہے(۱)۔ علم کے باوجود جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ سب گنہگار ہوئے، سب کو صاف صاف توبہ لازم ہے(۲)۔

لڑکی کو اس بات میں والد کی اطاعت ناجائز ہے(۳)، فوراً دونوں میں جدائی کرادی جائے، ہرگز ایک

=(وكذا في التفسير المظهري (پ :۵) : ۲/ ۶۴، حافظ كتب خانه كوئته)

(۱) ایسا نکاح اگر باوجود علم کیا جائے تو بشرطِ حکومتِ اسلامیہ ایسے شخص کو حد لگائی جائے گی: "أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحدٌ بجوازه أصلاً، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا، كما في القنية وغيرها". (ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد و الباطل: ۳/ ۵۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/ ۲۴۲، رشيديه)

"لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً" (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/ ۳۵۴، كتاب التوبة، قديمي)

(۳) "وعن النوّاس بن سمعان رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۲/ ۳۲۱، قديمي)

"عن علي رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة في معصية، =

جگہ نہ ہونے دیا جائے (۱)، لڑکی اپنے اصلی شوہر کے پاس جا کر رہے۔ جس نے نکاح پڑھایا ہے اگر اس کو اصل حقیقت معلوم تھی تو وہ بھی گنہگار ہے، اس کو بھی توبہ لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

فاسق وفاجر شخص کی بیوی کا بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۳۹۲]: ایک لڑکی کی شادی دس سال کی عمر میں ہوجاتی ہے (یہ شادی والدنے کی) جس کو عرصہ سات سال کا ہوگیا، لڑکی ابھی تک رخصت نہیں ہوئی۔ شوہر چور، بدمعاش اور شرابی ہے۔ لڑکی کہتی ہے کہ میں اس چور کے ہاں ہرگز نہیں جاؤں گی، اگر مجھے زبردستی بھیجا گیا تو میری جان وعزت کو زبردست خطرہ ہے، میرا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے۔ اس صورت میں نکاح دوسری جگہ ہوسکتا ہے یا نہیں، جبکہ خطرہ ہے کہ شوہر عصمت فروشی کرے، یا بیچ دے، یا مارڈالے، یا ناک کان کاٹ لے۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا جس سے شادی کی جارہی ہے وہ چور ہے، بدمعاش ہے، یا کیا ہے، تاہم نابالغہ کا نکاح جب اس کے والد نے کردیا ہے تو وہ صحیح اور لازم ہوگیا، لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل نہیں (۳)۔

= إنما الطاعة في المعروف". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۳۱۹/۲، قديمي)

(۱) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳۳۸/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً" (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۳۵۴/۲، كتاب التوبة، قديمي)

(۳) "فإن زوجها الأب أو الجد يعني: الصغير والصغيرة، فلا خيار لهما بعد بلوغهما، الخ". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۳۱۷/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲۱۱/۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۹/۲، مكتبه امداديه ملتان)

اگر یہ صحیح بھی ہو کہ شوہر چور، بدمعاش ہے تو ہر چور، بدمعاش سے یہ خطرہ کہ وہ عصمت فروخت کردے گا، یا بیچ ڈالے گا، یا جان سے ماردے گا، یا ناک کان کاٹ ڈالے گا صحیح نہیں ہے، لڑکی کو اس کے یہاں بھیجنے پر راضی کیا جائے۔

اگر شوہر کی طرف سے کچھ خطرہ ہو تو معزز آدمیوں کو درمیان میں ڈال کے اطمینان کرلیا جائے (۱)۔ اگر شوہر آباد کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اس کو طلاق کے لئے آمادہ کیا جائے، اگر وہ نہ آباد کرے، نہ طلاق دے تو حاکم مسلم بااختیار سے یا شرعی کمیٹی سے تفریق کرالی جائے، تفریق کا طریقہ رسالہ "الحیلة الناجزة" میں مذکور ہے (۲) اس کو سامنے رکھ کر اس کے موافق تفریق ہوسکتی ہے، پھر دوسری جگہ شادی ہوسکے گی، اس کے قبل اس کا کوئی سوال نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۸ھ۔

نکاح بلا تطلیق

سوال [۵۳۹۳]: میرے ایک رشتہ دار نے اپنی دختر کی شادی-عرصہ تقریباً گیارہ سال گزرا جب

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما، فابعثوا حَكَماً من أهله وحَكَماً من أهلها، إن يريدا إصلاحاً، يوفق الله بينهما، إن الله كان عليماً خبيراً﴾ (سورة نساء: ۳۵)

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: "صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے"۔ (حیلہ ناجزہ، باب: حکم زوجۂ متعنت، ص: ۷۳، ۷۴، دارالاشاعت کراچی)

(۳) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم السادس، المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، باب في المحرمات: ۱/۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

کہ لڑکی کی عمر ۹، ۱۰/ سال کی تھی۔ ایک لڑکے کے ساتھ کردی تھی، جب سے اب تک نہ تو وہ لڑکی اپنے شوہر کے گھر میں آباد ہوئی ہے اور نہ اب تک اس نے اپنے شوہر کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور نہ ابھی اس کے شوہر نے اپنی بیوی کو کسی قسم کا کھانا خرچہ وغیرہ دیا ہے، کیوں کہ وہ لڑکا بذاتِ خود شرابی وزانی اور بدمعاش ہے اور لڑکی نہایت ہی ٹھیک چلن، شریف اور پڑھی لکھی ہوئی ہے۔ اب جب کہ لڑکی کو ہوش آئی تو اس کے شوہر کی بدچلنی وبرائی کی وجہ سے بالکل نفرت پیدا ہوگئی ہے اور وہ اس کے گھر میں آباد ہونا بالکل نہیں چاہتی، والدین کے ہر چند زور دینے پر بھی وہ بجائے اپنے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے زہر کھالینا اچھا سمجھتی ہے، یا والدین کے گھر اپنا منہ کالا کرنے پر ترجیح دے رہی ہے۔

لہذا اے بزرگوار صاحب! ہماری مشکل کشائی میں حضور سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کوئی ایسا مسئلہ بھی ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جائے، کیونکہ وہ لڑکا طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اور لڑکی اس کے گھر آباد ہونے سے انکار کرتی ہے؟ لوگوں کی جان زحمت میں ہے بلکہ کھانا پینا بھی حرام ہوگیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں چونکہ خود باپ نے نکاح کیا ہے اس لئے لڑکی کو بعد بلوغ اس کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہے، باپ دادا کے علاوہ اگر کوئی اور ولی نابالغی کی حالت میں نکاح کردے تو اس میں خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر بالغ ہوتے ہی فوراً دو گواہوں کے سامنے اس نکاح سے ناراضی ظاہر کردے تو اس کے بعد حاکم مسلم بااختیار کے ذریعہ سے نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے، لیکن یہاں پر خود باپ نے نکاح کیا ہے، ایسی حالت میں نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل نہیں (۱)، اب جب تک شوہر طلاق نہ دے لڑکی کا دوسری جگہ

---

(۱) "ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء : أي للصغير والصغيرة إذا بلغا .... بخلاف ما إذا زوجهما الأب والجد، فإنه لاخيار لهما بعد بلوغهما، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء : ۳/ ۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الأولياء والأكفاء : ۲/ ۳۱۷، شركة علميه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الولي، مطلب مهم: هل للعصبة تزويج الصغير امرأةً غير كفء له: ۳/ ۷۰، سعيد)

نکاح نہیں ہوسکتا۔

اگر کسی طرح سمجھا کر، یا ڈرا کر رضامندی سے، یا زور ڈال کر شوہر سے طلاق حاصل کرلی جائے گی تو پھر لڑکی کا نکاح دوسرے سے درست ہوگا، یا خلع کرلیا جائے یعنی لڑکی اپنے حقوق مہر وغیرہ ساقط کردے خواہ لڑکی کی طرف سے کچھ روپیہ دے کر شوہر سے خلع کرلیا جائے (۱) بغیر اس کے دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۹ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور ۲۴/محرم/ ۵۹ھ۔

غیر مطلقہ ناشزہ کے لئے دوسرا نکاح

سوال [۵۳۹۴]: کسی شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کردیا اور لڑکی اس کے یہاں کچھ دنوں آتی رہی اور اب وہ اس کے یہاں جانا نہیں چاہتی اور وہ شخص لینے آتا ہے اور اس کے ماں باپ نہیں بھیجتے اور عرصہ ۸/ سال کا ہوگیا ہے۔ لڑکی اپنی اجازت سے یا اپنے ماں باپ کی اجازت سے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان و خافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به، فإذا فعلا ذلک، وقعت تطلیقة بائنة و لزمها المال". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشیدیه)

(و کذا فی الهدایة، باب الخلع: ۲/۴۰۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، و کذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط أن لاتکون منکوحة الغیر: ۳/۴۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی الفقه الإسلامی و أدلته، الفصل الثالث، المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں کرسکتی جب تک شوہر طلاق نہ دے(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کردینا

سوال[۵۴۹۵]: ہندہ کی بچپن کی حالت میں برضائے والدین ایک گاؤں میں شادی ہوگئی تھی، پھر بوجہ جھگڑا ہونے کے والدین نے یہ کہا کہ ہم نہیں بھیجیں گے، پھر پھوپھی زاد بھائی کیساتھ والدین نے نکاح پڑھا دیا بغیر طلاق لئے، اس کے دوسال بعد ان سے لڑائی کرکے طلاق لی پھر نکاحِ ثانی نہیں ہوا، پھر زوجِ ثانی نے ہندہ کو مار پیٹ کر باہر نکال دیا، پھر اس نے زبردستی ہندہ کو پکڑ کر گھر میں بٹھالیا کیونکہ اس کا والد فوت ہوچکا تھا، اس مجبوری میں پھر رات کو اس کے ساتھ ہمبستر ہوا، پھر اس کے سات بچے پیدا ہوئے وہ اسی طرح گاہے گاہے مارتا رہا اور طلاق بھی دیتا رہا، اب کی بار روکے جب عورت نے کہا کہ کسی مولوی سے دریافت کرو کہ یہ ناجائز ہے تو اس نے اس کو مار پیٹ کر ہمبستری کی اب کی طلاق پر، پھر عورت باہر نکل آئی کہ چاہے مجھے قتل کردے میں تیرے گھر میں نہیں رہنا چاہتی۔

پہلے عورت لاعلم تھی، اب اس نے چار بچوں کی ماں ہونے کی حالت میں قرآن شریف پڑھا، اب اس کو معلوم ہوا کہ یہ ناجائز حرکت ہے اور اس مرد نے منع کیا کہ میرے گھر میں قرآن شریف نہ پڑھو۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغی کی حالت میں جب والدین نے نکاح کردیا تھا تو وہ لازم ہوگیا تھا(۲) اس کے بعد بلا طلاق جو

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمحصنت من النساء إلا ماملکت أیمانکم کتاب اللہ علیکم﴾ (النساء: ۲۴)

"ومنها: أن لاتكون منكوحة الغير؛ لقوله تعالىٰ: ﴿والمحصنات من النساء﴾ معطوفاً على قوله عزوجل: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم﴾ .... ﴿والمحصنات من النساء﴾ وهن ذوات الأزواج .... اهـ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل بيان عدم جواز نكاح منكوحة الغير: ۲/۵۴۸، رشيديه)

(۲) "ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء: أي للصغير و الصغيرة .... =

نکاحِ ثانی کردیا گیا وہ قطعاً ناجائز ہوا، بلکہ بدستور پہلے شوہر کا نکاح برقرار رہا۔ اور جب شوہر اول نے طلاق دی تب اس کی زوجیت سے علیحدہ ہوگئی لیکن نکاحِ ثانی قبل از طلاق ہوا ہے وہ کسی طرح جائز نہیں ہوا اور پھر بعد میں بھی نکاحِ ثانی کی تجدید نہیں کی گئی، لہٰذا شوہر ثانی شرعی شوہر نہیں، جس طرح بھی ممکن ہو اس سے علیحدہ رہنا واجب ہے۔ اتنے زمانے تک جو شوہر ثانی نے رکھا ہے یہ بھی ناجائز طریقہ پر رکھا ہے، اس کی طلاق کی بھی حاجت نہیں۔

اگر شوہر ثانی کو نکاح کرتے وقت یہ علم تھا کہ یہ عورت دوسرے کے نکاح میں ہے اور اس نے طلاق نہیں دی تو یہ نکاح بالکل باطل ہوا، اب اس کے لئے عدت کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو عورت اس سے علیحدہ ہوکر دوسری جگہ نکاح کرے، یا اسی سے نکاح کرے اگر اس کو علم نہ تھا اس سے علیحدگی کے بعد تین حیض عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے:

"أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زناً، كما في القنية وغيرها، اهـ". رد المحتار مختصراً، باب العدة: ۹۳۸/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

= بخلاف ما إذا زوّجهما الأب والجد، فإنه لا خيار لهما بعد بلوغهما". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۱۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الأولياء والأكفاء: ۳۱۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (رد المحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲۴۲/۳، رشيديه)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت) ....

بغیر طلاقِ زوجِ ثانی زوجِ اول سے نکاح

سوال[۵۳۹۶]: زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق بائن دیدی اور عورت مطلقہ نے پونے دوماہ کے بعد عمرو سے نکاح کرلیا۔ اس کے چندروز کے بعد اول خاوند زید کے پاس چلی گئی اور زید سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ اب زید کہتا ہے کہ میں اس عورت کو از روئے شرع شریف حلال کر کے رکھنا چاہتا ہوں، فلہذا علمائے دین اس کی صورت مع حوالہ کتبِ معتبرہ بتائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بغیر عمرو سے طلاق حاصل کئے زید سے نکاح نہیں ہوسکتا، زید سے جو تعلق اس مدت میں رہا وہ مطلقاً حرام اور زنا ہے، اوران تین لڑکوں کا نسب بھی زید سے شرعاً ثابت نہیں، پونے دوماہ میں عدت طلاق (تین حیض) گذرسکتی ہے: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۰/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في رد المحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعيد)

"﴿والمحصنات من النساء﴾ عطف على ﴿أمهاتكم﴾ يعني حرمت عليكم المحصنات من النساء: أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها وتنقضي عدتها من الوفات أو الطلاق". (التفسير المظهرى: ۶۴/۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث، المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۶۶۴۶/۹، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرءة المتزوجة: ۶۶۴۶/۹، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذوالحجہ/ ۶۷ھ۔

جواب صحیح ہے لیکن یہ شرط ہے کہ عورت نے انقضائے عدت کا دعویٰ بھی کیا ہو(۱)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذوالحجہ/ ۶۷ھ۔

نکاح کے بعد رخصتی سے قبل نکاحِ ثانی

سوال[۵۳۹۷]: دو نکاح ۶۸ء، میں ہوئے: ایک نکاح جناب مست عرف عبدالحمید صاحب پسر جناب مولی بخش صاحب، ساکن قرول کا ہمراہ مسماۃ رشیدہ بانو دختر چاند محمد، ساکن جے پور کا ہوا، یہ نکاح جے پور میں ہوا۔ دوسرا نکاح جناب ولی محمد صاحب پسر جناب چاند محمد صاحب، ساکن جے پور کے ہمراہ مسماۃ روشن جہاں دختر جناب مولی بخش، ساکن قرول سے ہوا، یہ نکاح قرول میں ہوا۔ یہ دونوں نکاح آٹے ساٹے کے تھے یعنی روشن جہاں عبدالحمید کی بہن تھی اور رشیدہ بانو ولی محمد کی بہن تھی۔ روشن جہاں کی رخصتی نکاح کے بعد کردی گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے ایک بچی کو جنم دیا مگر رشیدہ بانو کی رخصتی نکاح کے بعد عمل میں نہیں آئی اور پانچ چھ سال کی مدت گزرگئی یعنی یہ لڑکی سسرال نہیں گئی۔

اس پانچ چھ سال کی مدت میں دونوں پارٹیوں میں نفاق پیدا ہوگیا، اس نفاق کی وجہ سے روشن جہاں سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اپنے نانا ماموں کے پاس ہی ہے، اس دوران میں دونوں پارٹیوں میں مقدمہ بازی بھی ہوگئی ہے، جے پور والوں نے جے پور میں اور قرولی والوں نے قرولی میں مقدمے کئے۔ دورانِ مقدمہ مست عرف عبدالحمید ولد مولی بخش نے تین خط جے پور لکھوائے جو الگ الگ شخصوں کے نام تھے، تینوں خط کا مضمون ایک ہی ہے جن کی فوٹو اسٹیٹ کاپی خدمت میں بھجوا رہا ہوں، خط کی عبارت اس طرح سے ہیں:

''از قرول'' جناب چاند محمد صاحب کو قرولی سے مولیٰ بخش کا سلام معلوم ہو، بعد سلام کے معلوم ہو کہ

---

(۱) "قالت: مضت عدتي والمدة تحتمله، وكذبها الزوج قبل قولها مع حلفها، وإلا فلا".

"(قوله: مضت عدتي) إعلم أن إنقضاء العدة لا ينحصر في إخبارها بل يكون به وبالفعل بأن تزوجت باخر بعد مدة تنقضي في مثلها العدة، فلو قالت بعده: لم تنقض، لم تصدق؛ لأن الإقدام عليه دليل الإقرار". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: وطء المعتدة بشبهة: ۵۲۳/۳، سعيد)

ہم سب یہاں خیریت سے ہیں اور آپ سب لوگوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتے ہیں، دیگر احوال یہ ہے کہ: ہم نے آپ کو کئی بار لکھا، کوئی جواب نہیں آیا، لہذا درخواست یہ ہے کہ ہمارے لڑکے کو آپ کی لڑکی سے نکاح ہوئے قریب آٹھ نو سال ہوگئے، آپ نے ہم کو ابھی تک وداع نہیں دی۔ اور جب ہم اپنی لڑکی روشن جہاں کو لینے آپ کے یہاں گئے جب ہم نے آپ سے وداع کا کہا تھا، جب آپ نے ہم کو وداع کے بارے میں صاف انکار کر دیا کہ ہم آپ کو وداع نہیں دیتے ہیں، آپ کو منظور ہے۔ جب ہم نے آپ سے کہا کہ ہاں ہم کو منظور ہے اور یہ رشتہ لڑکے کو بھی نامنظور ہے، اس لئے آپ اب اپنی لڑکی کا انتظام اور کسی دوسری جگہ دیکھ لینا اور ہم بھی اپنے لڑکے کا انتظام دوسری جگہ دیکھ لیں گے، اس لئے ہمارا تمہارا جو رشتہ ہے آج سے ختم ہے اور ہم نے ایک خط میاں جی یسین محمد اور ایک خط بندو جی کو بھی لکھ دیا ہے''۔

مقدمہ دونوں جانب کا چل رہا ہے اس ہی دوران میں مست عرف عبدالحمید نے اپنی دوسری شادی دوسری جگہ کر لی، اس شادی کو قریب آٹھ نو سال ہوگئے اور بچے بھی ہیں۔ برخلاف اس کے ۱۹۸۲ء میں کورٹ نے رشیدہ بانو کے حق میں فیصلہ دے دیا کیونکہ عبدالحمید کا وصول خارج کر دیا۔ ستمبر ۱۹۸۵ء میں چاند محمد نے رشیدہ بانو کا دوسرا نکاح دوسرے لڑکے سے کر دیا۔ برائے کرم شرعی احکام سے آگاہ کریں کہ کیا رشیدہ بانو کا نکاح درست ہے یا خلافِ شرع ہے؟ اگر خلافِ شرع ہوا تو اس نکاح کا عذاب وثواب کس پر عائد ہوتا ہے آیا والد پر، قاضی صاحب پر، وکیل پر، گواہان پر؟ مندرجہ بالا خطوط جو مولی بخش نے لکھوائے تھے قاضی صاحب نے دیکھ لئے تھے۔ فقط۔

حاجی عبدالرحیم جے پور، ۲۰/۹/۱۹۸۵ء

الجواب حامداً ومصلیاً:

رشیدہ بیگم کے شوہر نے اگر طلاق نہیں دی اور عدالت نے یک طرفہ بیان پر تفریق کر دی تو اس سے شرعاً نکاح ختم نہیں ہوا(۱) اور دوسری جگہ نکاح درست نہیں ہوا(۲)۔ اگر باوجود علم کے دوسرا نکاح کیا گیا ہے تو

(۱) ''حقیقت یہ ہے کہ خلع کے فقہی مفہوم ہی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی سے انجام پائے، اس کے سوا کوئی اور شکل نہیں''۔ (حیلہ ناجزہ، ص: ۲۴، اسلام میں خلع کی حقیقت، دارالاشاعت کراچی)

(۲) ''أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فلم ينعقد أصلاً. فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة، =

خود رشیدہ بیگم اور اس کے ولی اور نکاح کے شاہد اور وہ شخص جس سے نکاح کیا گیا ہے، سب گنہگار ہیں، جو لوگ علم کے باوجود اس نکاح میں شریک ہوئے، یا اس سے خوش ہوئے سب کو توبہ کرنا لازم ہے (۱) اور واجب ہے کہ رشیدہ بیگم کو اس دوسرے شخص سے علیحدہ کردیں (۲) اور اس کے اصلی شوہر سے جب تک طلاق نہ ہو جائے دوسری جگہ نکاح نہ کیا جائے (۳) اور جب کہ اس کے اصلی شوہر نے دوسری شادی بھی کر لی تو اس کو چاہئے کہ

= ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا". (ردالمحتار، باب العدة، مطلب فی النكاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲۳۲/۴، رشيديه)

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳۳۰/۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۲۲۸/۳، غفاريه كوئٹه)

(۳) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۶۶۴۶/۹، رشيديه)

رشیدہ بیگم کو طلاق دے کر آزاد کردے تاکہ اس کو دوسری جگہ نکاح کا حق ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۲/۳ھ۔

نکاح کے بعد فرار ہو کر دوسرے سے نکاح کرنا

سوال [۵۳۹۸]: ہندہ حنفیہ سنیہ ہے اس کی شادی زید اہلِ حدیث یعنی غیر مقلد کے ساتھ ہوئی تھی اور اس شادی کو تقریباً ایک سال ہوا، اس دوران ہندہ کے پاس شوہر کی آمد و رفت بھی رہی۔ پھر بکر جو کہ حنفی سنی ہے وہ ہندہ کو لے کر فرار ہو گیا اور ہندہ بکر کے ساتھ تقریباً ایک مہینہ غائب رہی، پھر ایک مہینہ کے بعد بکر کے ساتھ مکان واپس آئی اور بکر کے ساتھ شادی کر لی، حالانکہ زید نے ہندہ کو طلاق نہیں دی ہے، تو اس بات کو لوگوں سے پوچھا تو کہا کہ یہ شادی جائز ہے، اس لئے حقیقت میں ہندہ کے ساتھ زید کی شادی ہی نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ ہندہ مقلدہ ہے اور زید غیر مقلد ہے۔ تو اب علمائے سنی و حنفی سے سوال ہے کہ یہ شادی بغیر طلاق کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اہلِ حدیث آمین بالجہر و رفع یدین کا اہلِ حدیث ہے کہ ائمۂ مجتہدین کو گالیاں نہیں دیتا اور علمائے مقلدین کو مشرک نہیں کہتا تو ہندہ کا نکاح اس کے ساتھ صحیح ہو گیا (۱)، پھر ہندہ کا بکر کے ساتھ فرار اختیار کرنا اور اس کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں، یہ شرعی نکاح نہیں، جب تک زید اس کو طلاق نہ دے اور پھر عدت نہ گزر جائے اس کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۹ھ۔

---

(۱) "ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر". (كفايت المفتى، كتاب النكاح: ۱۹۶/۵، دار الاشاعت كراچى)

(وكذا فى خير الفتاوىٰ، كتاب النكاح: ۳۲۳/۴، جامعه خير المدارس ملتان)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: ۴۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه) .... =

شوہر کی دوسری شادی پر بیوی کا بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی

سوال[۵۴۹۹]: مسماۃ سلمہ کا نکاح عبداللہ سے ہوا تھا، دونوں کی زندگی خوشگوار تھی، دو بچے بھی ہوئے۔ عبداللہ کلکتہ میں تھا، فسادات کے دوران جان بچانے کے لئے ڈھاکہ چلا گیا، معلوم ہوا کہ وہاں اس نے دوسری شادی بھی کر لی ہے، اس بات کو چھ سال کا عرصہ گزر گیا، بچوں اور سلمہ کی پرورش کا کوئی سہارا نہیں۔ تو اب سلمہ دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ابھی موجودہ حالت میں سلمہ کی دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے(۱)، جب شوہر کا پتہ معلوم ہے تو اس کو خط لکھا جائے کہ تم نے وہاں دوسری شادی کر لی ہے، یہاں تمہاری بیوی پریشان ہے، نہ تم آسکتے ہو نہ اس کو بلا سکتے ہو، لہذا اس کو طلاق دے دو تا کہ وہ اپنا دوسرا انتظام کر سکے، جب وہ طلاق دیدے تو عدت تین حیض گزار کر سلمہ کو دوسری شادی کا حق ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(۱) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(وكذافي التفسير المظهري [پ: ۵]: ۲/۶۴، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸) .... =

شوہر کے پاکستان جانے پر دوسرا نکاح اور طلاق پر نزاع

سوال[۵۴۰۰]: زید اور ہندہ کی شادی بحالتِ نابالغی ہوئی، چند سال بعد زید نے اپنے باپ کے ساتھ پاکستان جاکر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، اب دونوں بالغ ہوچکے ہیں، ایسی کوئی صورت نہیں کہ ہندہ زید کے پاس پاکستان جاسکے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک تحریر عمر کی اپنے بھائی امین کے پاس آئی کہ "میں نے اپنے زید کو ذیقعدہ میں شادی مقرر کرلی، لہذا بھائی امین کو معلوم ہو کہ ہندہ کے باپ خالد سے اپنے زیورات وغیرہ وصول کرلینا"۔ ایک تحریر پاکستان سے خالد کے پاس اس کے بھائی بکر کی آئی کہ "عمر نے اپنے لڑکے زید کی شادی کرلی ہے اور میں نے راضی نامہ لے لیا ہے، لہذا آپ اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح کوئی اچھا رشتہ تلاش کرکے دوسری جگہ کردینا، راضی نامہ میرے پاس ہے"۔

یہ دونوں تحریریں دوسرے ملک کے ذریعہ وصول ہوئی تھیں، امین وخالد نے یہ دونوں تحریریں چند علماء کے سامنے پیش کیں، تو فیصلہ دیا کہ ان تحریروں سے طلاق کا ثبوت نہیں ملتا، جب تک یہ بات ثابت نہ ہوجائے کہ واقعی زید نے طلاق دیدی ہے، ہندہ کا نکاحِ ثانی جائز نہ ہوگا۔ امین کے پاس خالد کی طرف سے چند لوگ یہ تحریر لینے کے لئے آئے، لیکن امین نے یہ خط دینے سے انکار کردیا جس کو امین اپنی سمجھ کے مطابق طلاقنامہ سمجھے ہوئے تھا، حالانکہ لڑکی کے متعین خط میں مندرجہ بالا الفاظ کے علاوہ عمر نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ ان چند لوگوں میں سے چار آدمی دہلی مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب کے پاس پہونچے، انہوں نے حلفیہ بیان دیا کہ ہم نے زید کے چچا کے پاس طلاق نامہ دیکھا ہے، نیز مفتی صاحب کے سامنے تحریر کی کہ زید اور اس کے باپ نے پاکستان سے لکھا ہے (حالانکہ زید کی کوئی تحریر نہیں تھی) کہ ہم نے شادی کرلی ہے، تم لوگ زیور وغیرہ وصول کرلو، اور یہ طلاق کے بعد ہی وصول کیا جاتا ہے۔ ہماری قوم میں دستور ہے کہ بغیر طلاق دیئے ہوئے دوسرا آدمی اپنی لڑکی نہیں دیتا۔

= "عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثة قروء أي: حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

جب ان لوگوں نے تحریر وتقریر سے مفتی صاحب کو اعتماد دلایا کہ تحریر ہے تو مفتی صاحب نے ہندہ کو مطلقہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے نکاحِ ثانی کو جائز قرار دیدیا، یہاں آتے ہی ان لوگوں نے ہندہ کا نکاح ثانی کردیا۔ خالد اور امین کے پاس جو تحریر تھی مندرجہ بالا تحریروں کو لفظ بلفظ لکھ کر چند آدمیوں نے علمائے دہلی اور علمائے دیوبند کے پاس پہونچا کر فتوی طلب کیا، دونوں جگہ سے یہی فتوی ملا کہ زید کے باپ ہندہ کے چچا کی تحریر عند الشرع قابلِ تسلیم نہیں، اور ثبوتِ طلاق کے لئے یہ تحریریں ناکافی ہیں، لہذا ہندہ کا نکاح ناجائز وحرام ہے، زید کے چچا امین کا تحریر دینے سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ہندہ کے نکاح کے بعد قوم میں دو فریق ہوگئے: فریقِ اول مفتی صاحب کے فتوی پر جمع ہوئے ہیں، وہ سوال کی غلطی جہالت وضد کی وجہ سے نہیں مانتے، بس کہتے ہیں کہ مفتی صاحب نے لکھدیا تو نکاح ہوگیا۔ فریقِ ثانی اصل تحریر کے مطابق جو فتوی ہے ان کو تسلیم کرتے ہوئے ہندہ کے نکاح کو ناجائز کہتے ہوئے آج تک اس کو زنا قرار دیتے ہیں۔

ہندہ کے نکاحِ ثانی کے چند ماہ بعد بذریعۂ کویت پاکستان سے سرکاری اسٹامپ پر تحریر شدہ طلاق نامہ پانچ گواہوں کی شہادت وزید کے دستخط شدہ آیا، اس میں مندرجہ تاریخ سے چار ماہ قبل ہندہ کا نکاح ہو چکا تھا۔ نیز زید کے باپ نے پاکستان سے لکھا کہ اصل طلاق نامہ یہی ہے، اگر کوئی ہماری طرف سے دوسری تحریر طلاق نامہ کی صورت میں کوئی بھیجے تو اسے جعلی تسلیم کرنا، ہم نے اس سے قبل طلاق نہیں دی ہے۔ فریقِ اول کے پاس آج تک کوئی ایسا ثبوت نہ مل سکا جس کو زید نے اپنے نکاح کے وقت تحریراً دیا ہوگا، بقولِ ہندہ کے چچا کے کہ میرے پاس طلاق نامہ ہے، لیکن ہندہ کے چچا نے آج تک وہ طلاق نامہ فریقِ اول کے پاس نہیں بھیجا جس میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہوگیا۔

فریقِ ثانی کے ایک دو آدمی حجِ بیت اللہ کے لئے گئے تھے، ان لوگوں کا دعوی ہے کہ مکہ مکرمہ میں پاکستانی حاجیوں سے ملاقات ہوئی تھی اور ان سے مفصل گفتگو اس سلسلے میں ہوئی ہے۔ پاکستانی حاجی جو زید کے نکاح کے وقت موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاحِ ثانی سے قبل زید نے طلاق دیدی تھی، اور ان حاجیوں نے بطورِ شہادت اپنی طرف سے یہ تحریر حاجی صاحبان ہندہ کو دیدی کہ زید کا نکاح فلاں سن میں ہوا تھا اور اس نے اسی وقت طلاق نامہ تحریر کردیا تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عند الشرع ان حاجیوں کی تحریر کا اعتبار ہوگا جو نکاح بعد الطلاق ثابت کرتے ہیں، یا زید کی تحریر کا جس سے نکاح قبل از وقت ثابت ہوتا ہے؟ اب اگر بالفرض کوئی تحریر زید کی طرف سے ایسی دستیاب ہو جس سے یہ احتمال نکاح بعد الطلاق ثابت ہو جائے تو کیا یہ ثبوت عند الشرع قابل تسلیم ہوگا، اور یہ نکاح باقی رہے گا، کیا نکاح ہندہ کا ہر حال میں دوبارہ ہوگا؟ فریق اول بضد ہے کہ ہم نے جائز سمجھ کر نکاح کیا تھا، وہ ہمارے لئے اب بھی جائز ہے، فریقِ ثانی نکاح کو ناجائز اور زید کی تحریر ملنے کے بعد نکاحِ جدید کو لازم بتاتا ہے، اس قصے کو لے کر قوم میں اختلافِ شدید پیدا ہوگیا، اور یہ احتمال ہے کہ حدودِ شرعیہ کے خلاف ورزی کسی ضد میں نہ کر بیٹھیں، لہذا شریعتِ مطہرہ کے مطابق حقیقت کو واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفتی صاحب کے پاس جس طرح سوال پہونچے گا، اس کے مطابق جواب لکھ دیا جائے گا، واقعہ کے مطابق صحیح سوال کرنا سائل کے ذمہ ہے، اگر کوئی شخص مردار کا گوشت لائے اور مفتی صاحب سے کہے کہ میں بکری کا گوشت لایا ہوں جو کہ عبدالرحمان مسلمان نے میرے سامنے خرید کر "بسم اللہ، اللہ اکبر" پڑھ کر ذبح کی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ مفتی صاحب کا جواب یہی ہوگا کہ یہ جائز ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس فتویٰ کی وجہ سے وہ مردار کا گوشت حرام ہی رہے گا، حلال نہیں ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد سنئے: طلاق کا اختیار شوہر کو ہوتا ہے(۱)، شوہر کے والد کے زبانی یا تحریری طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، الّا یہ کہ شوہر نے ہی اپنے والد کو طلاق دینے کا وکیل بنا دیا ہو۔ صورتِ مسئولہ میں جب اس کا کوئی پختہ ثبوت نہیں کہ ہندہ کا نکاح ثانی شوہر اول کے طلاق کے بعد ہوا ہے بلکہ اس کے خلاف ثبوت ہے اور نکاح ثانی کا مدار صرف طلاق نامہ قرار دیکر لیا گیا، حالانکہ وہ طلاق کے لئے کافی نہیں ہے۔

اور جو طلاق نامہ شوہر کے دستخط سے آیا ہے اس کی تحریر سے پہلے ہی نکاح ثانی کر دیا گیا تھا، تو اب

(۱) "وأهله (أی الطلاق) زوج عاقل بالغ مستيقظ ...... الطلاق لمن أخذ بالساق". (الدرالمختار).

"كناية عن ملك المتعة". (ردالمحتار: ۳/ ۲۳۰، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۱۸۰، كتاب الطلاق، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

دوبارہ ایجاب وقبول کرادیا جائے تاکہ نکاح بالیقین صحیح ہوجائے (۱)، شک وشبہ نہ رہے، باہمی نزاع بھی ختم ہوجائے، حرام سے بچنے کے لئے یہی صورت اختیار کی جائے۔ حاجی صاحبان کا بیان بھی زید سے مل کر یا زید کی طرف سے طلاق نامہ دیکھ کر نہیں ہے، جیسا کہ انہوں نے سنا ویسا ہی بیان کردیا، اس لئے ان کا بیان بھی شرعی شہادت کے درجہ میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح کے بعد نکاح خواں اگر انکار کردے تو دوسرے نکاح کا حکم

سوال [۵۴۰۱]: ایک عورت نے برضا ورغبت خویش ایک شخص سے بحضور شاہدین نکاح کرایا، دو گواہوں کے علاوہ نکاح پڑھنے والا ایک تیسرا آدمی تھا کہ عرصہ کے بعد چار پانچ عامی آدمیوں نے (جو کہ نہایت غضب وغصہ میں تھے) نکاح خواں سے ڈرا کر پوچھا کہ تُو نے اس عورت کا نکاح فلاں شخص سے پڑھایا ہے؟ ان کی غصہ بھری حالت کو دیکھ کر نکاح خواں نے جواب میں کہا کہ نہیں، صرف نکاح خواں کے اتنا کہنے پر انہوں نے اس عورت کا نکاح دوسری جگہ پڑھ دیا۔ کیا اس عورت کا پہلا نکاح صحیح اور درست ہوا یا نہ؟ اگر صحیح ودرست ہوا تو کیا ان چار آدمیوں کے سامنے نکاح خواں کا نکاح پڑھنے سے انکار کردینے پر نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہ؟ حالانکہ وہ عدالت قانونی یا شرعی میں اپنی نکاح خوانی کی شہادت پر بدستور ثابت وقائم ہے۔

اگر پہلا نکاح حسبِ شریعت صحیح منعقد ہوچکا ہے اور نکاح خواں کے اتنا کہنے پر فسخ نہیں ہوا تو اس عورت کا نکاح جو دوسری جگہ پڑھایا گیا ہے اس کا کیا حکم اور نکاح پڑھنے والے اور نکاح کرنے والا اور مجلسِ نکاحِ ثانی میں شامل ہونے والوں سے شرعاً کیا برتاؤ کیا جائے؟ بینوا بالدلیل، توجروا من الرب الجلیل۔

الراقم ابوالمحمود محمد امام غزالی کان اللہ لہ، از مّن، ضلع اٹک پنجاب، ۲۲/محرم الحرام/۱۳۵۴ھ۔

---

(۱) "وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضي". (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۳/۹، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۶۷، کتاب النکاح، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایه: ۲/۳۰۵، کتاب النکاح، مکتبه شرکة علمیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زوجین اپنے نکاح پر قائم ہیں اور دو گواہ عاقل وبالغ ومسلم موجود ہیں کہ ہمارے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے تو وہ نکاح صحیح ہے اور اس حالت میں عورت کا دوسرا نکاح درست نہیں ہوا۔ نکاح خواں ایجاب وقبول کے لئے محض وکیل ہوتا ہے، اصیل مقر ہے اور گواہ بھی رکھتا ہے تو پھر وکیل کا انکار معتبر نہیں ہے، خصوصاً جب کہ عدالت شرعی وقانونی میں اپنی نکاح خوانی کی شہادت پر بدستور قائم بھی ہے، پھر کسی مجلس میں اس کا انکار کچھ مفید نہیں۔ اور اگر نکاح خواں کو ایجاب وقبول کے لئے وکیل ہی نہ بنایا ہو، محض خطبہ یا اعلان نکاح اس کے ذریعہ سے کرایا گیا تو اس کی اتنی بھی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ بہر حال نکاح اول درست ہو گیا اور نکاح ثانی درست نہیں ہوا:

"و شرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما فاهمين مسلمين، الخ". الدر المختار مختصراً: ۲/۴۱۹(۱)۔ "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة". الفتاوى العالمكيرية: ۲/ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱/۵۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۲، رشيديه)

تبدیلِ مذہب کے بعد عورت کا دوسرا، تیسرا نکاح

سوال [۵۴۰۲] : ایک عورت کسی کے ورغلانے سے یا یوں ہی کسی خاص مقصد کے لئے عدالت میں جا کر کہتی ہے کہ میں مذہب عیسائی وغیرہ ہوگئی ہوں، اب میری اور میرے خاوند کی موافقت نہیں ہوسکتی تو عدالت نے اس کے خاوند کو بلوایا تو وہ جب پہلی تاریخ پر حاضر عدالت ہوا تو عدالت نے تاریخ ڈالدی تو دوسری تاریخ میں حاضر نہیں ہوا تو عدالت نے عورت کو کہا: جا جہاں چاہ بیٹھ جا، لیکن اس کے خاوند نے نہ زبان سے طلاق دی ہے اور نہ کاغذ وغیرہ لکھا ہے تو پھر مذکورہ عورت کی ماں نے روپیہ کے لالچ میں آکر اپنی لڑکی کا دوسرا خاوند بنادیا۔

اب اس کا خاوند ثانی مرگیا، ابھی اس کے دوماہ گذشتہ ہوئے ہیں تو مذکورہ عورت کی ماں نے نقدی کی لالچ میں آکر تیسرے خاوند کی تیاری کردی۔ غرض روپیہ کے طمع میں آکر ایک میاں جی نے تیسرے خاوند کے ساتھ نکاح کردیا۔ آپ سے فتوی دریافت کیا جاتا ہے کہ حاضرینِ نکاح اور میاں جی کو کوئی تعزیر ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا؟ اگر تعزیر سے انکار ہو تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اور وہ کون ہیں اور ہم ان کو کیا کہیں؟ اپنے فتوی کے ساتھ بیان کریں اور ایسے نکاح کرنے والے کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدالت میں جا کر عیسائی مذہب اختیار کرنے یا اس کا اقرار کرنے سے مفتی بہ قول پر نکاح فسخ نہیں ہوا، لہٰذا دوسرا اور تیسرا نکاح شرعاً ناجائز ہے، عورت کے ذمہ واجب ہے کہ اپنے پہلے شوہر کے پاس رہے۔ اس دوسرے اور تیسرے نکاح سے عورت اور اس کی ماں دونوں کو سخت گناہ ہوا، اور جن سے نکاح کیا ہے اگر ان کو اس کا علم ہے کہ شوہر اول نے طلاق نہیں دی اور ہمارے لئے یہ عورت حرام ہے تو وہ بھی سخت گنہ گار ہوئے، اب سب کے ذمہ توبہ لازم ہے۔ اور یہ بھی واجب ہے کہ کوشش کرکے عورت کو اس کے شوہر اول کے پاس پہنچادیں جس طریقہ سے عورت نے عدالت کے ذریعہ سے دوسرے نکاح کی اجازت لی ہے وہ اجازت شرعاً بالکل ناقابلِ اعتبار ہے اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا:

"لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلك المعتدة، کذا فی السراج الوهاج".

فتاویٰ عالمگیری مصری : ۱/ ۲۸۰ (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۲/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، ۱۱/۲/ ۵۹ھ۔

فیصلۂ عدالت کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۴۰۳]: ایک عورت عدالت میں دعویٰ پیش کرتی ہے جس نے اپنے خاوند پر ایک عورت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی ہے اور ساتھ ہی اس بات کی بھی کہ مجھے میرا شوہر بُری طرح مارتا پیٹتا ہے اور مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے، مگر شوہر ان دونوں باتوں سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے نہ اس کو مار پیٹ کی، نہ کوئی تہمت لگائی ہے اور جس کے متعلق یہ مجھ پر تہمت لگاتی ہے وہ میری نکاح کی ہوئی بیوی ہے۔ اور یہ مدعیہ خود بھی یہ دعویٰ کرنے کے وقت اس عورت کو اپنے شوہر کے نکاح میں ہونے کا اقرار کرتی ہے اور مدعیہ اپنے اس دعویٰ کی بنا پر کہ مجھے مار پیٹ کرتا ہے اور مجھے بدچلن ہونے کی تہمت لگاتا ہے، عدالت سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ میں طلاق لینے کی حقدار ہوں، اس لیے عدالت مجھے طلاق دلوادے۔

عدالت کا مجسٹریٹ ایک غیر مسلم شخص ہے، خاوند کی غیر حاضری میں یہ حکم کردیا: ”مذکورہ سببوں کی بنا پر یہ دعویٰ منظور کیا جاتا ہے اور مدعیہ کی طلاق عدالت تسلیم کرتی ہے اور مدعیہ کو مدعیٰ علیہ کی بندش سے رہا کیا جاتا ہے“۔ عدالت کے اس حکم کے بعد اسی روز عورت مذکورہ کے باپ و چچا وغیرہ نے مل کر ایک دوسرے شخص سے اس کا نکاح کردیا اور عدالت سے یہ فیصلہ ہوتے ہی اسی روز عورت مذکورہ کے اصلی شوہر کی طرف سے اس

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة ، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر : ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل : ۳/ ۵۱۶، سعید)

(وکذافی بدائع الصنائع ، کتاب النکاح، فصل فی شرط ألا تکون منکوحة الغیر : ۳/ ۴۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب النکاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة : ۹/ ۶۶۴۶، رشیدیه)

فیصلہ کورد کرنے کے لئے عدالت میں اپیل بھی دائر کردی گئی اور وہ اس کو یعنی مدعی علیہا اپنے بیوی کو گھر لے جانے کے مطالبہ پر مُصر ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ:

۱.....صورتِ مذکورہ بالا میں عدالت میں دی ہوئی طلاق ہوئی یا نہیں؟

۲.....عورت مذکورہ کا جو دوسرا نکاح کیا گیا وہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو کن کن وجہ سے؟

۳.....یہ نکاح کرنے والے اور کروانے والے شرع میں کیا حکم رکھتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....شرعاً یہ طلاق قطعاً غیر معتبر ہے(۱)، اس مذکورہ طلاق کی وجہ سے اپنے شوہر کے نکاح سے نہیں نکلی بلکہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ غیر مسلم حاکم نہ تو کسی مسلم کا نکاح فسخ کرسکتا ہے اور نہ اس کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ غرض یہ کہ اس کا حکم صورت مسئولہ میں کسی طرح نافذ نہیں: "أهله أي: أهل القضاء أهل الشهادات، فلا تصح تولية كافر وصبي، الخ". بحر: ۶/۲۶۰(۲)۔

۲.....جبکہ پہلا نکاح فسخ نہیں ہوا اور نہ طلاق واقع ہوئی تو یہ نکاح ثانی کیسے درست ہوسکتا ہے؟ نکاح ثانی شرعاً بالکل باطل ہے اور اس سے جو صحبت ہوگی وہ بالکل حرام ہوگی: "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فلم ينعقد أصلاً، فعلى هذا يفرق بين فاسده و باطله في العدة، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا، الخ". درمختار: ۲/۹۳۸(۳)۔

---

(۱) "وأهله (أي أهل الطلاق) زوج عاقل بالغ مستيقظ، الخ". (الدر المختار، كتاب الطلاق، مطلب طلاق المدور: ۳/۲۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه: ۱/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، الفصل الأول: ۲/۳۵۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۳۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب القضاء: ۲/۱۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب القضاء: ۵/۸۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (رد المحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

۳.....وہ عورت اور وہ شخص جس سے نکاحِ ثانی ہوا ہے اور اس نکاح میں تمام شرکت کرنے والے اور اس سے خوش اور راضی رہنے والے اور باوجود قدرت کے اس کو نہ روکنے والے سب کے سب گنہ گار ہیں، سب کے ذمہ واجب ہے علی الاعلان توبہ کریں (۱) اور عورت کو پہلے شوہر کے پاس پہنچانے کی کوشش کریں (۲)، البتہ جن لوگوں کو پورا حال معلوم نہیں بلکہ ناواقفیت سے نکاح میں شریک ہوئے وہ گنہگار نہیں ہوئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور۔

عدالت سے اجازت لے کر نکاح

سوال [۵۴۰۴]: دو بہنیں تھیں ان دونوں کا نکاح ہوگیا، بڑی کی رخصتی کردی، چھوٹی کی نہیں، پانچ سال بعد چھوٹی لڑکی کے شوہر نے کہا کہ رخصت کردو تو لڑکی والوں نے منع کردیا۔ اس کے بعد مقدمہ بازی شروع ہوگئی، مقدمہ لڑکے والے جیت گئے، مگر لڑکی والوں نے جب بھی نہیں بھیجا۔ اس کے بعد لڑکی والے نے دوسرا نکاح کردیا اور یہ کہہ دیا کہ ہم نے سرکار سے طلاق لے لی۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ منع کرنے والوں نے بہت منع کیا مگر لڑکی والے نہیں مانے اور اس کے بارے میں پنچایت بھی ہوئی، پنچوں نے فیصلہ لڑکے کے حق میں دے دیا، لڑکی والے سے کہا کہ لڑکی بھیج دو، لڑکی والے نے کہا پنچ تمہارے رشتہ دار ہیں اس لئے یہ ایسا فیصلہ کیا ہے۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح و حين يمسى". (تنبيه الغافلين، ص: ۲۰، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانية پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی بہن جب رخصتی کے قابل ہوگئی تھی اور اس کا شوہر رخصتی کا مطالبہ کر رہا تھا تو رخصتی کرنا لازم تھا، انکار کرکے عدالت سے اجازت لے کر دوسری جگہ اس کا نکاح کر دینا صحیح نہیں ہوا (۱)، اس کے شوہر پر بڑا ظلم ہوا، یہ نکاح شرعی نکاح نہیں، بلکہ حرام کاری کا دروازہ ہے، فوراً لڑکی کو وہاں سے علیحدہ کریں (۲) اور اصلی (پہلے) شوہر کے پاس رخصتی کردیں اور توبہ واستغفار کریں (۳)۔ اپنی غلطی اور حماقت کا اقرار کریں ورنہ دنیا و

---

(۱) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي و أدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(وكذافي التفسير المظهري: [پ: ۵]: ۲/۶۴، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، غفاريه كوئٹه)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

آخرت میں سخت وبال ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ شعبان/ ۹۲ھ۔

عدالت سے دوسرے کا نکاح ناحق فسخ کرا کے خود نکاح کرنا

سوال [۵۴۰۵]: آج سے کئی سال پہلے میں نے مسماۃ رضی سے شادی کی تھی۔ شادی کے وقت رضی کے والد نے مجھ سے ایک تحریر لی تھی، جس میں یہ تھا کہ میں سسرال میں رہ کران کی خدمت کروں گا اور بلا کسی وجہ کے گھر سے نہیں نکلوں گا۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک ماسٹر محمد جمیل کی ڈیوٹی گھر کے پاس والے اسکول میں تھی۔ ماسٹر مذکور انتہائی شریر اور کمینہ رذیل خصلت آدمی ہے، اس نے میرے سسر کے ساتھ خفیہ تعلق بڑھا کر میرے خلاف کیا۔ اب سسر ہر وقت مجھے گھر سے چلے جانے کا حکم دینے لگا، گالم گلوچ شروع رکھا۔

مجبور ہوکر چند روز کے واسطے کاروبار کے لئے سسر کو اطلاع کر کے چلا گیا۔ کام پر مجھے عرصہ چھ ماہ گذر گیا۔ جب گھر واپس پہونچا تو ماسٹر مذکور نے میری منکوحہ سے تعلق پیدا کر کے اس کو بھی میرے خلاف کیا اور میری اس تحریر کو شرطیہ طلاق بنا کر سرینگر کے ایک رشوت خور مفتی بشیر سے پانچ سو روپیہ دے کر فتوی حاصل کرلیا۔ مفتی نے کہا: عدالت سے فیصلہ کرالو، میں بھی لکھ کر دیتا ہوں۔

چنانچہ ماسٹر مذکور نے مسماۃ رضی کو لے کر عدالت سے تنسیخ نکاح کی درخواست دلائی جس پر جج نے نکاح فسخ کردیا اور ماسٹر نے رضی کو اپنے نکاح میں لے لیا اور ازدواجی زندگی بسر کرنی شروع کی۔ ماسٹر کی اس سیاہ حرکت سے سب مسلمان برہم ہیں اور چونکہ اس فتوی میں سیاہ کارنامہ درج ہے اس لئے وہ کسی کو دکھلاتا نہیں ہے۔

ہم نے علمائے دیوبند سے انفرادی طور پر دریافت کیا، سب نے کہا وہ تمہاری بیوی ہے، ماسٹر زنا کا مرتکب ہورہا ہے۔ اب مرکز دیوبند سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ کیا میری اس تحریر سے میری منکوحہ کو طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا فریقین کی حاضری کے بغیر قاضی فیصلہ نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بات اتنی ہی ہے تو آپ کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی ہے، بلا وجہ شرعی نکاح فسخ کرنے سے فسخ نہیں

ہوتا۔اوردوسرے نکاح کی اجازت نہیں (۱)۔مفتی صاحب کا فتوی یہاں بھیجیں تو اس کے متعلق کچھ کہا جائے۔
جیسا سائل سوال کرتا ہے،مفتی کا جواب اسی کے موافق ہوتا ہے۔فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۴/۱/۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱)"ولایجوز نکاح منکوحة الغیر، عند الکل، ولو تزوج بمنکوحة الغیر وهو لا یعلم أنها منکوحة الغیر فوطئها [تجب العدة، وإن کان یعلم أنها منکوحة الغیر فوطئها] لاتجب العدة حیث لایحرم علی الزوج وطؤها". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب النکاح، الفصل الثامن فی بیان مایجوز من الأنکحة ومالایجوز: ۸/۳، قدیمی)

فصل فی نکاح الحاملة والمزنیة

(حاملہ اور زانیہ کے نکاح کا بیان)

حاملہ سے نکاح

سوال[۵۴۰۶]: زید نے ہندہ سے نکاح کیا، نکاح کے بعد ٹھیک پانچ ماہ آٹھ دن میں ہندہ سے لڑکی پیدا ہوئی، کیا یہ لڑکی زید کی ہے؟ زید کا نکاح درست ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس لڑکی کا نسب زید سے نہیں ہے(۱)، یہ نکاح درست ہو گیا (۲)، آئندہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ زید کی شمار کی جائے گی (۳)۔ فقط۔

---

(۱) "وإذا تزوج الرجل امرأةً، فجاء ت بالولد، لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها، لم يثبت نسبه. وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۲، ۲۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۳۵۸، ۳۵۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۲، شركة علمية ملتان)

(۲) "وقال أبوحنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى: يجوز أن يتزوج امرأةً حاملاً من الزنا، ولا يطأها، حتى تضع. وأيضاً قال: وفي مجموع النوازل: إذا تزوج امرأةً قد زنى هو بها، وظهر بها حبلٌ، فالنكاح جائز عندالكل، وله أن يطأها عند الكل، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع الحاشية رقمها: ۱)

ایضاً

سوال[۵۴۰۷]: زانیہ عورت کا نکاح جب کہ وہ زنا سے حاملہ ہو بحالتِ حمل ایسے شخص سے جس سے وہ حاملہ نہیں ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح جائز ہے لیکن وضع حمل سے پہلے صحبت جائز نہیں: "وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیره وإن حرم وطؤها ودواعيه حتی تضع". درمختار مختصراً: ۲/ ۶۵۰ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۱۰/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ شوال/ ۵۳ھ۔

ایضاً

سوال[۵۴۰۸]: ایک کنواری لڑکی نے زنا کرایا اور اس کو زنا کرانے سے حمل رہ گیا اور یہ بات مشہور ہوگئی، پھر اس لڑکی کا نکاح اس حمل ہی کے زمانہ میں ہوگیا اور جس کے ساتھ نکاح کیا گیا اس کو بھی اس کا علم ہے اور اس نے اس کے ساتھ وطی بھی کی ہے تو آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اب اس کے بچہ پیدا ہو چکا ہے، اس کا پہلا نکاح ہی کافی ہے یا دوبارہ نکاح کرایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عورت زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح مفتی بہ قول پر درست ہے اور جس سے وہ حمل ہے اگر اسی سے نکاح ہو تو وطی بھی درست ہے، اور اگر کسی دوسرے سے نکاح ہو تو وضع حمل سے پہلے وطی درست نہیں، تاہم اگر وطی کر لی ہے تب بھی دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں پہلا ہی نکاح کافی ہے:

"صح نکاح حبلی من زنا عند الطرفین، وعلیه الفتوی لدخولها النص. وفیه إشعار بأنه

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب النکاح باب المحرمات: ۳/ ۴۸، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

لونكح الزاني، فالوطئ جائز بالإجماع خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالى قياساً على الحبلى من غيره. ولاتوطئ الحبلى من الزنا أي: يحرم الوطؤ وكذا دواعيه، ولاتجب النفقة إلى أن تضع الحمل اتفاقاً؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يسقين ماءه زرع غيره" يعني إتيان الحبالى، خلافاً للشافعي رحمه الله تعالىٰ. وفي الفوائد عن النوازل: أنه يحل الوطؤ عند الكل وتستحق النفقة. كذا في النهاية، اهـ". مجمع الأنهر: ۳۲۹/۱(۱)۔

اگراس نکاح کی تجدید کر لی جائے تو بھی ناجائز نہیں بلکہ اس صورت میں سب کے نزدیک نکاح درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/شعبان۔

نفاس اور حیض میں نکاح

سوال[۵۴۰۹]: نفاس کے اندر نکاح جائز ہے یا ناجائز اور حیض میں نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں تجدید نکاح حالتِ حیض اور حالتِ نفاس دونوں میں درست ہے(۲) اورصورت

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۲۹/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸۵/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه طلق امرأته وهي حائض فذكر ذلك عمر رضي الله تعالىٰ عنه للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "مره فليراجعها ثم ليطلقها طاهراً أو حاملاً". (الصحيح لمسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها وأنه لو خالف وقع الطلاق ويؤمر برجعتها: ۴۷۶/۱، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب الطلاق، بابٌ: إذا طلقت الحائض يعتد بذلك الطلاق: ۷۹۰/۲، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الخلع والطلاق: ۲۸۳/۲، قديمى)

مسئولہ کے علاوہ میں بھی حیض اور نفاس نکاح سے مانع نہیں (۱) بشرطیکہ عورت عدت میں نہ ہو، عدت میں ہونا البتہ مانع نکاح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/شعبان۔

---

(۱) عن المسور بن مخرمة أن سُبَيعة الأسلمية نُفِست بعد وفاة زوجها بليال، فجاء ت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فاستاذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت". (صحيح البخاری، كتاب الطلاق، باب: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾: ۲/۸۰۲، قديمی)

قوله: "نفست" بضم النون وفتحها وكسر الفاء من النفاس بمعنى الولادة، وقال الهروی: "إذا حاضت فالفتح لاغيره".

قوله: "بليال" قيل خمس وعشرون ليلة، وقيل: أقل من ذلك، ووقع فی رواية الزهری: "فلم تلبث أن وضعت". وعند أحمد "لم أمكث إلاشهرين حتى وضعت". وفی الرواية الماضية فی تفسير الطلاق: فوضعت بعد موته بأربعين ليلة، وعند النسائی، بعشرين ليلة، وعند أبی حاتم: بعشرين أو خمس عشرة، وعند الترمذی والنسائی: بثلاثة وعشرين يوماً أو خمسة وعشرين يوما، وعند ابن ماجة: ببضع وعشرين". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، كتاب العدة، باب قوله تعالیٰ: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾: ۲۰/۴۳۴، ۴۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثامن فی بيان مايجوز من الأنكحة ومالايجوز: ۳/۸، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فی شرط الأتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفقه الاسلامی وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء الخ، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۶، رشيديه)

(وكذا فی التفسير المظهری (پ:۵): ۲/۶۴، حافظ كتب خانه)

"حدثنی أبو الطاهر وحرملة بن يحيی وتقار بافی اللفظ .... عن ابن شهاب قال حدثنی=

مزنیہ سے نکاح

سوال[۵۴۱۰]: زید کی شادی ہوگئی اور تین چار لڑکے ہوگئے، پھر زید نے دوسری عورت سے جس کا خاوند مرگیا ہے اس سے اس نے بغیر نکاح کیے صحبت کی بہت دنوں تک، اور بعد میں نکاح کیا ٦، یا ۷/ ماہ بعد، نکاح ہوا یا نہیں؟ جواب عنایت فرماویں۔

بندہ غوث میسوری عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس عورت کی عدت گذر چکی تھی اس کے بعد اس سے زید نے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے(۱) بشرطیکہ کوئی اَور مانعِ شرعی نہ ہو۔ نکاح سے قبل صحبت کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن مانعِ نکاح نہیں: "إذا تزوج امرأة قد زنى بها، وظهر بها حبل، فالنكاح جائز عند الكل، الخ". عالمگیری: ۱/ ۲۸۵(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ رجب/ ۵۳ھ۔

= عبيدالله بن عبدالله بن عتبة أن أباه كتب إلى عمر بن عبدالله بن الأرقم الزهري .... فلما قال لي ذلك، جمعت عليَّ ثيابي حين أسيت فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فسألته عن ذلك فأفتاني بأني قدحللت حين وضعت حملي وأمرني بالتزوج إن بدالي. قال ابن شهاب: فلا أرمى بأساً أن تتزوج حين وضعت وإن كان في دمها غير أنه لايقربها زوجها حتى تطهر". (الصحيح لمسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء العدة المتوفى عنها وغيرها بوضع الحمل: ۱/ ۴۸۶، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثةُ قروء: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه) .... =

حاملہ مزنیہ سے نکاح

سوال[۵۴۱۱]: ۱.....زید کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا اور عورت زید کے نطفہ سے حامل ہوگئی، اور اس سے بچہ پیدا نہیں ہوا، ایسی صورت میں زید کا نکاح اس عورت سے جائز ہے یا نہیں؟ عورت کہتی ہے کہ میرے پیٹ میں زید کا نطفہ ہے۔

۲.....جائز ہے تو کس حدیث کی رو سے؟ مع آیات قرآنی مفصل ہونا چاہیئے۔

۳.....اگر ناجائز ہے تو کس حدیث کی رو سے؟ مع آیات قرآنی۔

۴.....عورت تعلق ناجائز ہونے سے پیشتر غیر شادی شدہ یعنی کنواری تھی، عورت اور مرد ایک مکان میں رہتے ہیں اور عورت پردہ نشین نہیں ہے۔ عام طور سے باہر نکلتی ہے، عورت مرد کا تعلق ناجائز ہو جاتا ہے اور عورت بیان کرتی ہے کہ نطفہ اسی مرد کا ہے اور ابھی بچہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیاً:

۱،۲،۳،۴.....جائز ہے: ''رجل تزوج حاملاً من زنا منه، فالنكاح صحيح عند الكل، ويحل وطؤها عندالكل، اهـ". شلبی: ۲/۱۱۳(۱)۔ ناجائز تعلق مطلقاً حرام ہے، اس سے ہمیشہ کے لئے توبہ لازم ہے، لقوله تعالى: ﴿ولاتقربوا الزنا إنه كان فاحشةً﴾ (۲)۔ اور چہرہ کھول کر بے پردہ باہر نکلنا

= (وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/۴۸۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (سورة بني إسرائيل: ۳۲)

بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ٦٦ھ۔

مزنیہ حاملہ کا نکاح

سوال[۵۴۱۲]: اگر مطلقہ عورت کو ایامِ عدت میں حمل من الزنا ہو جائے تو اس کی عدت کیا ہوگی؟ نیز زانی مزنیہ سے زمانۂ عدت میں نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے دنیاوی معاملہ کرنا کیسا ہے مثلاً: سلام وکلام، کھانا، پینا وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة، سواء کان من المطلق أو من زنا". شامی: ٢/٦٠٤(٢)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس کی عدت وضعِ حمل ہوگی، عدت میں نکاح کرنے کی زانی کو اجازت نہیں، زنا بھی حرام ہے اور حالتِ عدت میں مزنیہ سے نکاح بھی حرام ہے۔ ایسے نکاح کی وجہ سے معاملات (سلام، کلام، کھانا، پینا وغیرہ) تو سائل کے نزدیک تحقیق طلب ہے، مگر نفسِ زنا کا حکم کیا کچھ ہلکا ہے کہ اس کے متعلق دریافت نہیں کیا؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن، ذالک أدنی أن یعرفن فلایؤذین، وکان اللہ غفوراً رحیماً﴾ (سورة النور: ۵۹)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم ویحفظوا فروجهم، ذالک أزکی لهم، إن اللہ خبیر بما یصنعون. وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارهن، ویحفظن فروجهن، ولایبدین زینتهن إلا ما ظهر منها﴾ الخ (سورة النور: ۳۰، ۳۱)

(۲) (رد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی عدة الموت: ۳/۵۱۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۲۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۷۹، امدادیه ملتان)

اگر ترکِ تعلق اصلاح کے لئے مفید تو ترکِ تعلق کردیا جائے: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلك المعتدة، کذا فی السراج الوهاج، سواء کانت العدة عن طلاقٍ أو وفاةٍ". فتاویٰ عالمگیری، جلد: ۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۸ھ۔

حاملہ من الزنا سے نکاح

سوال [۵۴۱۳]: ۱......زید عمرو کے گھر دو تین سال سے رہتا ہے، عمرو کی ایک لڑکی ہندہ ہے، اس سے زید کی شادی طے پائی تھی لیکن ابھی ہندہ اور زید کا نکاح نہیں ہوا تھا، صرف ہندہ اور زید کے والدین نے بات چیت مکمل کررکھی تھی، اس کی معلومات ہندہ اور زید دونوں کو تھی، چنانچہ دونوں زید و ہندہ ایک ہی گھر میں (عمرو کے یہاں) رہتے تھے جب کہ زید کا عمرو چچا لگتا ہے، اس کی وجہ سے زید عمرو کے یہاں رہتا تھا، اسی اثناء میں زید نے ہندہ سے جماع کرلیا اور اس جماع کے نتیجہ میں حمل قرار پاگیا تو اس صورت میں زید کا ہندہ سے نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

۲......نکاح کے بعد زید ہندہ سے پھر دوبارہ جماع کرسکتا ہے یا نہیں؟

۳......اس کے حمل کا کیا حکم ہے، کیا حرامی کہلائے گا؟

۴......زید اور ہندہ کے لئے شرعاً کیا حکم نافذ ہوگا؟ جواب سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زید کا اسی حالت میں ہندہ سے نکاح کردیا جائے (۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم الثانی: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعید)

(۲) "وصح نکاح حبلی من زنا وإن حرم وطؤها اتفاقاً، والولد له". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعید) .... =

۲.....کرسکتا ہے(۱)۔

۳.....اس کے دریافت کرنے کا ابھی وقت نہیں جب بچہ پیدا ہوجائے، اس وقت یہ لکھ کر دریافت کریں کہ نکاح سے اتنے روز بعد بچہ پیدا ہوا ہے۔

۴.....اگر ثبوتِ شرعی ہوجائے تو احکام بہت سخت ہیں، مگر ان کے شرائط یہاں موجود نہیں، اس لئے توبہ واستغفار پر کفایت کی جائے (۲)۔ اور نکاح ہونے سے پہلے ان کو ہرگز ایک جگہ نہ ہونے دیا جائے، فوراً پردہ کرایا جائے اور تمام خاندان کو عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ پردہ شرعی نہ ہونے کی وجہ سے کس قدر مفاسد اور فتنے پیدا ہوتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الحافظ ابن الهمام: "رجلٌ تزوج حاملاً من زنا منه، فالنكاح صحيحٌ عندالكل، ويحل وطؤها عند الكل". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(۲) "اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة". (روح المعاني، سورة التحريم: ۲۸/۱۵۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونسآء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن، ذالك أدنى أن يعرفن، فلا يؤذين، وكان الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم، ويحفظوا فروجهم، ذلك أزكى لهم، إن الله =

حاملہ مزنیہ کا جبراً نکاح

سوال[۵۴۱۴]: ۱...... ہندہ ایک بیوہ عورت ہے اس کے منکوحہ خاوند سے تین بچے ہیں، اپنے شوہر کے انتقال کے بعد گذرِ معاش کے لئے باغات اور بڑے گھروں میں جاکر مزدوری کرتی تھی اور اسی حالت میں اس کو ناجائز حمل قرار پا گیا جس کو وہ آٹھویں ماہ تک چھپائے رہی۔ چونکہ وہ باغات میں مزدوری کرتی تھی اس لئے اس کی حالت تمام کو ظاہر ہوگئی، جب اس کی رشتہ دار خواتین نے اس سے دریافت کیا تو پہلے وہ اپنے حاملہ ہونے کی تردید کرتی رہی، پھر جب اس کا طبی معائنہ ہوا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا ناجائز حمل بکر سے تھا۔

بکر اس کے گھر میں کرایہ پر تھا اور ایک شادی شدہ سرکاری ملازم تھا جب لوگوں نے بکر سے دریافت کیا تو اس نے خدا اور رسول کی گواہی دے کر ہندہ کے بیان کی تردید کی اور آخر تک انکار کرتا رہا اور آج بھی انکار کرتا ہے، مگر مسجد کی کمیٹی نے بکر کے بیان کو بالائے طاق رکھدیا اور اس کی بے جا بے رخی کرنے اور ملازمت پر ڈاکہ ڈالنے کی دھمکی دے کر ایامِ حمل میں ہندہ کا نکاح بکر سے کردیا، ہندہ کا نکاح بکر سے بالکل جبراً ہوا ہے یہاں تک کہ جب بکر نے ہندہ کے بیان کو غلط قرار دیا تو ایک شخص نے چند اشخاص کی موجودگی میں بکر کو مارا پیٹا بھی۔ ازروئے شرع ارشاد فرماوے کہ ہندہ کے حالتِ حمل میں بکر کا جبراً نکاح جائز ہوا ہے یا نہیں؟

زنا سے حاملہ سے نکاح

سوال[۵۴۱۵]: ۲...... کمیٹی نے بکر کا نکاح ہندہ سے کرنے کو عوام میں اپنی فتح سمجھی تھی، جس سے بکر واقف ہوگیا اور کہا کہ اگر کمیٹی اس کو اپنا طرۂ امتیاز سمجھتی ہے تو وہ ہندہ سے نکاح کرے گا مگر ایامِ حمل میں نہیں بلکہ اسقاطِ حمل اور غسلِ نفاس کے بعد جسے کمیٹی نے مقرر کردیا۔ کیا بکر کا یہ طرزِ عمل ازروئے شرع درست تھا یا نہیں؟

زانی کا مزنیہ حاملہ سے جبراً نکاح

سوال[۵۴۱۶]: ۳...... اگر رشیدہ کو زید کا ناجائز نطفہ ٹھہر گیا تو کیا زید کے لئے یہ لازم ہوگیا کہ وہ

= خبیر بما یصنعون. وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارهن، ویحفظن فروجهن، ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها﴾ الآیة (سورة النور: ۳۰، ۳۱)

رشیدہ سے جبراً نکاح کرلے؟ اگر نہیں تو ایسی حالت میں شرعی اصول کیا ہے؟ اگر لازم ہے تو کیونکر؟ اس صورت کی تفصیل فرمائیں شرعی بنیاد پر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حالاتِ مذکورہ کے پیشِ نظر کسی کو جبر کرنے کا حق نہیں تھا (۱)، تاہم جب کہ ہندہ اور بکر نے اس نکاح کو تسلیم کرلیا اور ایجاب وقبول کرلیا، خواہ جبراً ہی سہی شرعاً یہ نکاح معتبر ہوگیا، مگر جبر کرنے والے اس جبر سے گنہگار ہوئے (۲)، حالتِ حمل میں بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، پھر اگر اسی شخص سے نکاح ہو جس کا حمل ہے تو اس کو صحبت بھی درست ہوتی ہے، اگر کسی اور سے ہو تو وضعِ حمل سے پہلے صحبت کی اجازت نہیں ہے، کذا فی فتح القدیر (۳)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۲۵، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال ابن عابدینؒ تحت (قوله: مایصح مع الإکراه): "فقال: طلاق وإیلاء وظهار ورجعة، ونکاح یشمل ما إذا أکره الزوج أو الزوجة علی عقد النکاح، کما هو مقتضی إطلاقهم". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الإکراه: ۳/۲۳۶، سعید)

وقال تحت (قوله: یستحق رضاهما): "أی یصدر منهما مامن شانه أن یدل علی الرضا، إذحقیقة الرضاء غیر مشروط فی النکاح، لصحته مع الإکراه، والهزل". (ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ۳/۲۱، سعید)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ثلٰث جدهن جد، وهزلهن جد: النکاح، والطلاق، والرجعة". رواه الترمذی وأبوداؤد". (مشکوٰة المصابیح، باب الخلع، والطلاق، الفصل الثانی: ۲/۲۸۴، قدیمی)

(۳) "فإن تزوج حبلی من زنا، جازالنکاح، ولایطأها حتی تضع حملها". (الدرالمختار). "(قوله: فإن تزوج حبلی من زنا)من غیره جاز النکاح خلافاً لأبی یوسف، أمالو کان الحبل من زنا منه، جاز النکاح بالاتفاق .... رجل تزوج حاملاً من زنا منه، فالنکاح صحیح عند الکل، ویحل وطؤهاعند الکل، الخ". (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة. کتاب النکاح، القسم السادس، المحرمات التی یتعلق بها حق =

۲......بکر کو اس نکاح کی اجازت نہ دینے اور اس پر راضی نہ ہونے کا پورا حق تھا، کذافی الدر المختار(۱)۔

۳......لازم تو نہیں مگر رشیدہ کو اس پر رضامند ہو جانا چاہیے کہ وہ زید سے نکاح کرے، اس میں بہت سے فتنوں سے حفاظت ہے، کذافی الزیلعی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

مزنیہ حاملہ سے نکاح اور وطی

سوال[۵۴۱۷]: ایک شخص نے کسی اجنبیہ سے زنا کیا اسے حمل رہ گیا، ان دونوں کا یہ فعل اس شہر یا گاؤں میں مشہور ہو گیا، مگر لوگوں نے جب زانیہ سے دریافت کیا کہ تیرے ساتھ یہ شخص زنا کرتا ہے تو زانیہ عورت نے بالکل صاف انکار کر دیا، بلکہ ایک غیر شخص کی طرف اس قول کو منسوب کیا۔ اب نکاح کے متعلق فکر ہوا تو لوگوں نے اس ہی غیر شخص سے اس کا نکاح حمل ہونے کی حالت میں پڑھوا دیا، اول شخص جو کہ زانی تھا اس کو کچھ سزا وغیرہ نہیں دی گئی۔ ثانی شخص یعنی جس نے اس زانیہ سے نکاح کیا ہے اسی حالت میں وطی کرنا کیسا ہوگا؟ عند الشرع کس سزا کا مستوجب ہوگا؟

= الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیہ)

(۱) "ولاتجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استأذنها هو أي: الولي وهو السنة، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۵۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۴/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۴۹۵/۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "قال: وحبلى من زنا، لا من غيره أي: حل تزوج الحبلى من الزنا، ولايحل تزوج الحبلى من غيره .... لأن هذا الحمل محترم حتى لايجوز إسقاطه، والامتناع في المجمع عليه لحرمة الحمل، وصيانته عن سقيه بماء الغير لالصاحب الماء .... بخلاف ما إذا تزوجت بالزاني الذي حبلت منه؛ لأن الأحكام مرتبة عليه من حل الوطء، ووجوب النفقة، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۸۵/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/ ۴۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ غیر شخص بھی زنا کا اقرار کرتا ہے یا نہیں، اگر اقرار کرتا ہے تو اس سے نکاح جائز ہے اور وطی بھی جائز ہے، اگر انکار کرتا ہے تو نکاح جائز ہے، مگر وطی وضعِ حمل سے پہلے جائز نہیں، کذا فی الفتاوی الهندیه: ۲/۲۸۸، کتاب النکاح (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم ۲/ ربیع الآخر/۵۸ھ۔

زانیہ کا نکاح زانی سے

سوال [۵۴۱۸]: زانی مرد کا نکاح زانیہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر زانیہ حاملہ ہو جائے تو اس زانی مرد کا نکاح اس سے کس وقت ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زانی کا زانیہ کو حمل ہو تب بھی اس سے زانی کا نکاح درست ہے اور صحبت بھی درست ہے، زانیہ نہ کسی کے نکاح میں ہو نہ عدت میں تب بھی اس کا نکاح درست ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "وقال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ يجوز أن يتزوج امرأةً حاملاً من الزنا، ولا يطأها حتى تضع. وقال أبو يوسفؒ: لا يصح، والفتوى على قولهما .... وفي مجموع النوازل: إذا تزوج امرأةً قد زنى هو بها، وظهر بها حبل، فالنكاح جائز عند الكل، وله أن يطأها، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وصح نكاح حبلىٰ من زنا لا حبلى من غيره حتى تضع، لو نكحها الزاني حلّ له وطؤها اتفاقاً، والولد له". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت) =

معتدہ مزنیہ کا عدت کے بعد زانی سے نکاح

سوال[۵۴۱۹]: ہندہ کو اس کے شوہر نے تین طلاق دیدی، یا ہندہ کا شوہر مر گیا تو زید نے ہندہ سے ایامِ عدت میں زنا کرلیا (العیاذ باللہ) تو کیا ہندہ عدت گذرنے کے بعد زید (زانی) سے نکاح کرسکتی ہے؟ یا زید کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی؟ اور ہندہ کی عدت میں کوئی خلل تو نہیں واقع ہوا؟ عوام میں مشہور ہے کہ عدت میں زنا کرنے والے پر وہ عورت مزنیہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ عدت میں اگر زنا کرالیا تو دوبارہ عدت گذارنی پڑے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس معصیتِ کبیرہ کی وجہ سے نہ مزنیہ اس زانی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہے (۱) نہ اس پر دوسری عدت واجب ہوتی ہے (۲)، بلکہ پہلی عدت ختم ہونے تک دونوں الگ الگ رہیں، پھر جب عدت ختم ہوجائے تو

= (وكـذافـي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ١/٢٨٠، رشيديه)

(١) (قـولـه: "أوزنا"): أي وحل تزوج الموطوءة بـالـزنـاء. أي الزانية، لورأى إمراة تزني فتروجها جاز، ولـلـزوج أن يـطأها بغير استبراء، وقال محمد: لاأحب له أن يطأها من غير استبراء .... وهذاصريح في جواز تزوج الزانية". (البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣/١٨٨، رشيديه)

"وصـح نـكـاح حبلى من زنا لاحبلى من غيره، الخ". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣/٤٨، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٢/٤٨٥، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذافي البحرالرائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ٣/١٨٧، رشيديه)

(٢) "فـظهـر أن الـحـامـل مـن الـزنـا لاعدة عليها أصلاً، الخ". (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ٤/٢٢٩، رشيدية)

"لاتـجـب الـعـدة على الزانية، وهذا قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ١/٥٢٦، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، باب العدة، مطلب: عشرون موضعاً يعتد فيها الرجل: ٣/٥٠٣، سعيد)

نکاح کرلیں (۱)، گناہ سے توبہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۱/۹/۹۳ھ۔

زنا سے پیدا شدہ لڑکی کا نکاح

سوال [۵۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت منکوحہ اپنے خاوند کو چھوڑ کر اس کی بلامرضی بازار میں بیٹھ گئی اور فحش پیشہ کرنے لگی، عورت ومرد کی قوم میں مسمّی زید ایک شخص نے قومی غیرت وشرم سے اس عورت کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور قوم نے تعلقات اس بناء پر ترک کردیئے۔ اسی حالت میں اس کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، بعد میں جرمانہ داخل کرنے کے بعد اور معافی مانگ لینے سے زید قوم میں داخل ہوگیا، مگر وہ عورت اسی طرح اس کے پاس ہے۔ تو اب اس لڑکی (جو کہ حرام نطفہ سے ہے) سے نکاح کردینا اور اس کو اپنے گھر لے جانا درست ہے یا نہیں؟

فضل الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسرے سے صحیح ہوجاتا ہے بشرطیکہ اور کوئی مانعِ شرعی

---

(۱) "ومنها: ألاتكون معتدة الغير (أيضاً)؛ لقوله تعالىٰ: ﴿ولاتعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵) أي: ماكتب عليها من التربص". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذافي روح المعاني، تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

نہ ہو، اسی طرح اس کا نکاح بھی پڑھنا پڑھانا درست ہے (۱)۔ مال کا جرمانہ جائز نہیں (۲)۔

تنبیہ : اگر شرعی ضرورت ہو، دوسرے طرق مقاطعہ وغیرہ سے کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبدالرحمٰن عفی عنہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم الحرام/۵۲ھ۔

نکاح ولد الزنا

السوال [۵۴۲۱] : یا أیها الأساتذة الكرام والمفتيون العظام! هل ترون جواز تزوج ولد الزنا مع غير ولد الزنا، فإن كان رأيكم فيه إيجاباً كان أوسلباً، فهل لكم في شفائي بأن بينوا مأخذه، وتوضحوا مخارجه؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

إن كان السوال عن نفس الجواز، فلا إشكال فيه، وإن كان عن الكفاءة، فجوابه يفهم مما قال الحصكفي فيما علّقه على الملتقى: "لوتزوّجته على أنه حر، فإذاهوعبد، أوعلى أنه فلان

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴)

"أي ماعدامن ذُكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، النساء: ۲۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذافي التفسير المنير: ۵/۲، دار الفكر بيروت)

(وكذافي التفسير المظهرى: ۲/۶۲، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذلايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحدبغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حدالقذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

"لايأخذ مال في المذهب" (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

بن فلان فإذا هو لقيطٌ أو ابن زنا، أو على أنه سني فظهر أنه بدعيّ، أو على أنه قادر على المهر أو النفقة فإذا هو عاجزٌ، فإنه يثبت لها الخيار" (١)۔

وإن أشكل عليه ابن عابدين في حاشيته على الدر المختار حيث قال: "لكن ظهر لي الآن أن ثبوت حق الفسخ لها للتغرير، لا لعدم الكفاءة، بدليل أنه لوظهر كفوء، يثبت لها حق الفسخ؛ لأنه غرّها ولايثبت للأولياء؛ لأن التغرير لم يحصل لهم، وحقهم في الكفاءة، وهي موجودة، وعليه فلايلزم أن ثبوت الخيار لها في هذه المسائل ظهوره غير كفوء" (٢)۔

قلت: هذاممكن، لكن فيما لم يثبت فيه التصريح من الفقهاء لعدم الكفاءة، وأما ماصرحوافيه بعدم الكفاءة، فالتعليل فيه شيئان: التغرير، وعدم الكفاءة. قال في الدر المختار: "وتعتبر الكفاءة نسباً، وديانةً، ومالاً، بأن يقدر على المعجل، ونفقة شهر، اهـ". (٣)۔

قال البزازي: "مجهول النسب لايكون كفوءاً لمعروف النسب، اهـ" (٤)۔ "وسئل شيخ الإسلام عن مجهول النسب، هل هو كفوء لامرأة معروفة النسب؟ قال: لا، كذافي المحيط. اهـ". هندية (٥)۔

والكفاءة حق المرأة وحق الأولياء، ولاحقهم فقط دونها، كمانص عليه التمرتاشي، وردالشامي مستظهراً لعبارة الذخيرة، والظهيرية، والبحر (٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ربیع الاول/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(١) (الدر المنتقى، كتاب الطلاق، باب العنين: ٢/ ١٤١، غفاريه كوئته)

(٢) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب العنين وغيره، مطلب في طبائع فصول السنة الأربعة: ٣/ ٥٠٢ - ٥٠٣، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العنين: ٢/ ٢١٣، دار المعرفة بيروت)

(٣) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ٣/ ٨٦ - ٩٠، سعيد)

(٤) (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ٤/ ١١٦، رشيديه)

(٥) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ١/ ٢٩٣، رشيديه)

(٦) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ٣/ ٨٥، سعيد)

فصل فی نکاح المعتدة

(عدت میں نکاح کا بیان)

عدت میں نکاح

سوال [۵۴۲۲]: ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس وقت اس کو امید نہ تھی، دو ماہ کے بعد ایامِ عدت میں امید ہوگئی، عدت کے بعد عورت نے اپنا نکاح اس مرد سے پڑھالیا جس سے امید تھی یعنی بچہ پیدا ہونے سے قبل۔ آیا نکاح درست ہوگا یا نہیں اور بچہ کیسا قرار پائے گا؟ ایامِ عدت میں ایسا کرنے کی وجہ سے مرد وعورت دونوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

بندہ حسن محلہ قاضی خان۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عدتِ وفات ختم ہونے کے بعد اگر نکاح کیا ہے تو وہ صحیح ہے اور نکاح سے کم از کم چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ ہوا ہے تو وہ اس ناکح سے ثابت النسب نہ ہوگا اور عدتِ وفات اس صورت میں صحیح قول پر چار ماہ دس روز ہی رہے گی، وضعِ حمل کو عدت نہیں قرار دیا جائے گا:

"والصحيح ما ذكره محمد أن عدة المتوفى عنها زوجها لا تتغير بوجود الحمل بعد الوفاة، و لا تنتقل من الأشهر إلى وضع الحمل، و يعلم كون الحمل من الزنا بولادتها قبل ستة أشهر من حين العقد". شامي: ۲/۹۳٤(۱)۔

(۱) ردالمحتار میں اصل عبارت اس طرح ہے: "والذي ذكره محمد أن هذا في عدة الطلاق، أما في عدة الوفاة فلا تتغير بالحمل، وهو الصحيح، كذا في البدائع، اهـ .... وإنما العدة لموت الزوج أو طلاقه، قال الرحمتي: و يعلم كون الحمل من زنا بولادتها قبل ستة أشهر من حين العقد". (رد المحتار، باب العدة، مطلب في عدة الموت: ۳/۵۱۱، سعيد) .... =

اگر زنا کا شرعی ثبوت ہو جائے اور شرائطِ رجم موجود ہوں تو حکومت اسلامی دونوں کو رجم کرادے، اگر شرائطِ رجم موجود نہ ہوں تو سوسو کوڑے لگوائے (۱)، حکومتِ اسلامی جس جگہ موجود نہ ہو تو وہاں یہ حدِ زنا جاری نہیں کی جائے گی (۲)، ایسی جگہ ترکِ تعلقات وغیرہ کی سزادی جائے تاکہ وہ دونوں تنگ آکر توبہ کرلیں اور آئندہ دوسروں کو عبرت ہو (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العدة: ۲/ ۲۱۹، دار المعرفة بيروت)

"والصحيح ما ذكره محمد: أن عدة المتوفى عنها زوجها لا تتغير بوجود الحمل بعد الوفاة ولا تنتقل من الأشهر إلى وضع الحمل بخلاف عدة الطلاق". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في انتقال العدة: ۴/ ۴۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإذا وجب الحد وكان الزاني محصناً، رجمه بالحجارة حتى يموت؛ لأنه عليه السلام رجم ماعزاً وقد أحصن. وقال في الحديث المعروف وزنا بعد الإحصان، وعلى هذا إجماع الصحابة .... وإن لم يكن محصناً وكان حراً فحده مأة جلدة، لقوله تعالىٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة﴾ الخ".
(الهداية، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد وإقامته: ۲/ ۵۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/ ۱۰، ۱۳، سعيد)

(۲) "وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام". (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/ ۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"تجب على الإمام إقامتها يعني بعد ثبوت السبب". (مجمع الأنهر، كتاب الحدود: ۱/ ۵۸۴، دار إحياء التراث العربي)

(۳) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى منه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/ ۷۵۸، رشيديه) .... =

ایضاً

سوال [۵۴۲۳]: ہندہ بیوہ ہوگئی، عدتِ وفات ابھی اس کی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کا نکاح اس کے متوفی شوہر کے بھائی کے ساتھ کردیا گیا، حالانکہ مسماۃ مذکورہ رضامند نہ تھی، اس واسطے وہ تین روز گھر سے بے گھر رہی، تیسرے دن اس نے شخصِ مذکور کو جس کے ساتھ نکاح کردیا گیا تھا، مجبور کیا طلاق دینے پر، چنانچہ اس نے طلاق دیدی، سرکاری کاغذ پر بموجب قانون انگریزی طلاق نامہ لکھ دیا، اس کے بعد اب مسماۃ ہندہ اسی شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کا نکاح اس شخص کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ پہلا نکاح تو بسبب عدت میں ہونے کے صحیح نہ ہوا، پھر طلاق کس بات کی ہے؟ اگر دوبارہ نکاح جائز ہو تو کیا مزید عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ پہلا نکاح عدت کے اندر اگر دانستہ کرایا گیا ہے تو نکاح پڑھانے والا اور شرکائے مجلس گناہ گار ہوئے یا نہیں؟ شرعاً ان کی تادیب وتنبیہ اور ان کی نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اگر نکاح پڑھانے والا پیش امام بھی ہے، حکمِ شرعی کا منکر ہو اور بے جا تاویلات سے کام لے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ مفصل تحریر ہو۔

خاکسار: سید عطاء الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت میں نکاح جائز نہیں (۱)، نکاح کرنے والا اور نکاح پڑھنے والا اور تمام شرکائے مجلس، نیز جو لوگ اس نکاح کے روکنے پر قادر تھے پھر خاموش رہے اور نہیں روکا تو یہ سب کے سب گناہگار ہوئے (۲)، سب کو تو بہ

= (وكذا في عمدة القاري، كتاب البر والصلة، باب الهجرة: ۲۲/۱۴۲، خيريه بيروت)

(۱) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (فيض القدير (رقم الحديث: ۳۳۸۵): ۲۷۳۶/۵، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمي) =

لازم ہے(۱) امام اگر توبہ نہ کرے تو اس کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے بشرطیکہ اس سے بہتر امامت کے لائق کوئی دوسرا آدمی موجود ہو، نیز اس کی علیحدگی میں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو(۲)، اگر توبہ کرلے تو پھر اس کی امامت میں بھی کوئی مضائقہ نہیں (۳)۔

عدت میں نکاح ہوا ہے وہ باطل ہے، کیونکہ عورت اور مرد ہر دو کو اس کے ناجائز اور حرام ہونے کا علم تھا، اس لئے اس نکاح کے بعد اگر صحبت کی ہے تو وہ حرام اور زنا کے حکم میں ہے، جو طلاق دی ہے وہ بھی بیکار، اس

= قال العلامة المناوی: "من رای" یعنی منکم معشرَ المسلمین المکلفین القادرین! ...... "منکراً": أی شیئاً قبحه الشرع فعلاً أو قولاً ولو صغیرةً "فلیغیره": أی فلیُزِله وجوباً شرعاً ...... "فإن لم یستطع" ذلک بلسانه لوجود مانع کخوف فتنة أو خوف علی نفس أو عضو أو مال محترم أو شهر سلاح "فبقلبه" ینکره وجوباً، الخ". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۶۸۷): ۱۱/۵۸۰۰، مکتبه نزار مصطفی الباز مکة المکرمة)

وقال الملا علی القاریؒ: "أضعف الإیمان": أی شعبه أو خصال أهله، والمعنی أنه أقلّها ثمرةً، فمن غیّر المراتب مع القدرة کان عاصیاً". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، الفصل الأول: ۸/۸۶۱، (رقم الحدیث: ۵۱۳۷)، رشیدیه)

(۱) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح المسلم: ۲/۳۵۴، کتاب التوبة، قدیمی)

(۲) "ویکره إمامة عبد و أعرابی و فاسق و أعمی ومبتدع لایکفر بها، وإن کفر بها فلایصح الاقتداء به أصلاً، و ولد الزنا، هذا إن وجد غیرهم، و إلا فلا کراهة، الخ". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، ۶۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤکدة: ۱/۱۰۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۳۳۸۵): ۵/۲۷۳۲، مکتبه نزار مصطفی الباز مکة المکرمة)

طلاق کی وجہ سے عدت لازم نہیں، محض عدتِ وفات گزرنے کے بعد نکاح درست ہے:

"وأما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، و لهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا، كما في القنية وغيرها، اهـ". رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۶/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ جمادی الثانیہ/۶۲ھ۔

ایضاً

سوال [۵۴۲۴]: ایک عورت کو اس کے شوہر نے خلوت کے بعد میں طلاق دی، اس عورت نے ایک دوسرے شخص سے اسی تاریخِ طلاق کی شب کو بغیر عدتِ طلاق پوری کیے ہوئے نکاح کرلیا اور آٹھ ماہ دس یوم بعد بچہ پیدا ہوگیا۔ آیا یہ نکاح کرنا اس کا جائز ہے یا نہیں اور یہ عورت اس موجودہ شخص کی بیوی قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر بیوی قرار نہیں دی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت کے اندر نکاح ناجائز ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

"لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الجواز: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، =

ایضاً

سوال[۵۴۲۵]: متوفی زید کی بیوی ہندہ نے بعد انتقال زید کے تین مہینہ پانچ دن کے عمرو سے نکاح کرلیا اور بعد نکاح دو تین روز کے عمرو کو یہ معلوم ہوا کہ اس نے عدت ہی کے اندر نکاح کیا، بعد معلوم ہوجانے کے بھی عمرو نے ہندہ مذکورہ کو تفریق یا متارکت وفسخ کچھ بھی نہیں کی اور اس طرح دونوں باہم زندگی بسر کرنے لگے یعنی وطی بھی کرنے لگے۔ اس حالت پر آٹھ مہینے گزرنے کے بعد عمرو نے کسی ملا صاحب کے ذریعہ سے صرف نکاح دہرالیا، بعد نکاح اس آٹھ مہینہ کے اندر تفریق، متارکت، فسخ ان تینوں میں سے کسی ایک کو ایک لحظہ کے لئے بھی اختیار نہ کیا۔ اب عمرو نے جس طرح نکاح دہرالیا، از روئے شرع عمرو کے لئے نکاح جائز ہوگا یا نہیں، اگر عمرو کے لئے نکاح مذکورہ جائز نہ ہوتو از روئے شرع جائز ہونے کی کیا صورت ہے؟ کتب معتبرہ و حدیث صحیحہ سے مع عبارت ونام کتاب تحریر فرمائیں، روز جزا میں اس کا اجر ملے گا۔

نوٹ: اس کے بعد سائل نے مجموعہ فتاوی جلد اول:۳۱۱، باب النکاح سے استفتاء:۲/۲۹۶، مع جواب نقل کر کے لکھا ہے (۱) کہ سوال دوم کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا نکاح صرف دہرانے سے صحیح نہیں ہوا۔

الجواب حامداً مصلیاً:

عدتِ وفات غیر حاملہ کے لئے چار ماہ دس روز ہے (۲)، عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح ناجائز

= الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(۱) (مجموعة الفتاوى (اردو): ۲/۲۶، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يتوفون منكم و يذرون أزواجاً، يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر و عشراً﴾ (سورة البقرة: ۲۳۴)

"(قوله: و للموت أربعة أشهر و عشراً) أي: عدة المتوفى عنها زوجها بعد نكاح صحيح إذا =

ہے، اگر عمرو کو علم ہو کہ ہندہ کی عدت پوری نہیں ہوئی تو یہ نکاح باطل اور زنائے محض ہوا ہے، آٹھ ماہ بعد جب دوبارہ نکاح کیا ہے تو وہ صحیح ہے، جب پہلا نکاح قطعاً باطل ہوا تھا تو دوبارہ نکاح کے لئے مستقل عدت کی ضرورت نہ تھی۔تفریقِ قاضی متارکت، فسخ کی ضرورت بھی شبہ کے موقع پر ہوتی ہے اور جہاں خالص زنا ہو وہاں ان اشیاء کا محل ہی نہیں، بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر معتدۃ الغیر سے باوجود علم کے نکاح کرے تو حدِ شرعی یعنی حدِ زنا واجب ہے (جب کہ شرائط متحقق ہوں)۔

اگر عمرو کو علم نہیں تھا تو پہلا نکاح جو کہ بحالتِ عدت کیا ہے وہ فاسد ہوا، اس سے متارکت واجب ہے، جب تک متارکت نہ ہو جائے نکاح صحیح نہیں، لہٰذا بغیر متارکت جو آٹھ ماہ بعد نکاح کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں۔اب جواز کی شکل یہ ہے کہ عمرو متارکت کرے یعنی زبان سے ایسے الفاظ کہے جس سے مضمونِ ترک سمجھا جائے، مثلاً یہ کہے کہ ''میں نے تجھ کو علیحدہ کردیا، چھوڑ دیا، میرا تیرا کوئی تعلق نہیں'' وغیرہ وغیرہ، یا طلاق دیدے، اس کے بعد عدت تین حیض گزارے اور اس مدت میں عمرو ہندہ بالکل علیحدہ رہیں، وطی، خلوت وغیرہ کچھ نہ ہو، جب یہ عدت پوری ہو جائے تب ازسرِنو نکاح کریں:

''وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً فلا عدة في باطل، والموطؤة بشبهة، ومنه تزوج امرأة الغير غير عالم بحالها. .... الحيض للموت و غيره كفرقة أو متاركة؛ لأن عدة هؤلاء لتعرف براءة الرحم وهو بالحيض، ولم يكتف بحيضة احتياطاً، اهـ''. در مختار مختصراً۔

''(قوله: نكاحاً فاسداً) هي المنكوحة بغير شهود، و نكاح امرأة الغير بلا علم بأنها متزوجة، و نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما. (قوله: فلا عدة في باطل) أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، فعلى هذا يفرق بين فاسده و باطله في العدة، و لهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لكونه زنا.

= كانت حرةً أربعة أشهر وعشرة أيام؛ لقوله تعالىٰ: ﴿والذين يتوفون﴾ الخ''. (البحر الرائق، باب العدة: ۲۲۲/۴، رشيديه)

(و كذا في الهداية، باب العدة: ۴۲۳/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(قوله: الحيض) جمع حيضة: أي عدة المذكورات ثلاث حيض. (قوله: كفرقة) الأول كتفريق: أي تفريق القاضي، وسيأتي أن ابتداء العدة في الموت من وقت الموت، وفي غيره من وقت التفريق والمتاركة: أي إظهار العزم من الزوج على ترك وطيها بأن يقول بلسانه: تركتها بعد وطئه ونحوه، ومنه الطلاق. اهـ". در مختار (۱)۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ بغیر عدت گزارے بعد متارکت کے نکاح کرلیں لیکن اگر عمرو کے علاوہ کسی اور سے ہندہ نکاح کرنا چاہے تو متارکت کے بعد عدت گزارنا ضروری ہے بغیر عدت گزارے نکاح درست نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۳/۲۶ھ۔

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، سواء كانت العدة عن طلاق، أو وفاة، أو دخول في نكاح فاسد، أو شبهة نكاح .... ويجوز لصاحب العدة أن يتزوجها، كذا في محيط السرخسي، اهـ". فتاوی عالمگیری (۲)۔

نقل فتوی مسئلہ اس کے حق میں ہے، جب کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اس صورت میں بغیر عدت گزارے نکاح درست نہیں (۳)۔صورت مسئولہ میں خود صاحب عدت (عمرو) سے نکاح کرنا بعد متارکت بلا عدت گزارے بھی درست ہے (۴)۔محمود بقلم خود۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر سہارنپور، ۲۲/ ربیع الثانی/۵۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب العدة، مطلب: عدة المنكوحة فاسداً والموطوءة بشبهة: ۳/۵۱۲-۵۲۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العدة: ۲/۲۲۱-۲۲۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۴) "إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوى العالمكيرية، =

عدت میں نکاح

سوال[۵۴۲۶]: طلاق کے کتنے مہینے کتنے دن کے بعد دوسرے لڑکے سے نکاح کرنا چاہئے؟ طلاق دیئے ہوئے پانچ مہینے ہوئے اور ایک سال کا لڑکا ہے اور مہینہ (ماہواری) نہیں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عدت پوری ہونے پر نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق کے بعد جب تین مرتبہ ماہواری آ جائے تب عدت ختم ہوگی اور دوسرا نکاح درست ہوگا(۱)، بچہ گود میں ایک سال کا ہے اور طلاق کو پانچ مہینے ہوئے اور ماہواری نہیں ہو رہی ہے تو ابھی نکاح کی اجازت نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

= الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/ ۴۷۲، رشيديه)

"وينكح مبانته بما دون الثلاث". (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة: ۳/ ۴۰۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/ ۱۷۶، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثة قروء: أي حيض، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۶، رشيديه)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/ ۲۴۴، رشيديه)

عدت میں نکاح اور صحبت سے ممانعت

سوال[۵۴۲۷]: متوفی کے ورثا نے امامِ مسجد سے کہا کہ ہمیں عورت کے اغواء ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کسی طرح جلد از جلد اس کا نکاح ہمارے خاندان کے فلاں آدمی سے کردو، امام مسجد نے ایک اور مولوی صاحب سے مشورہ لیا جس نے کہا عدت گذرنے سے پہلے نکاح نہیں ہوسکتا، مگر عورت کو ڈرانے کے لئے آپ نکاح پڑھ دیں اور عورت کو کہہ دیں کہ بس اب تیرا نکاح ہوگیا ہے، مگر خاوند کو اس مدت میں صحبت سے منع کردیں تاکہ وہ زنا کا مرتکب نہ ہو۔ پھر جب عدت گذر جائے گی تو از سرِ نو نکاح پڑھنا اور اس کے بعد عورت خاوند پر حلال ہوگی۔ چنانچہ امام مسجد نے نکاح کردیا اور خاوند کو صحبت سے منع کردیا، لیکن خاوند نے اس پابندی کی کوئی پرواہ نہیں کی اور عورت سے تعلقاتِ زن وشوہر قائم کرلئے۔

اسی دوران عورت کو پتہ چل گیا کہ اس کا نکاح نہیں ہوا، تو وہ ایک شخص کے ساتھ بھاگ گئی۔ ازروئے شریعتِ مطہرہ ہر ایک کا حکم تحریر فرمائیں، امام مسجد، شرکائے نکاح اور امام کو مشورہ دینے والے پر کیا کیا تعزیر ہے؟ عورت کا نکاح کس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے؟ نکاح مذکورہ کے بعد صحبت کرنے والے پر کیا حکم ہے؟ اور اغوا کنندہ پر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ عدت میں نکاح کی بات اور وعدہ لینا بھی جائز نہیں، قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے(۱)، قرآن کریم کی قدر نہ کرتے ہوئے اپنی مصالح کو پیشِ نظر رکھ کر یہ غلط کام کیا گیا جس کے نتیجے میں مرد اور عورت حرام کاری میں مبتلا ہوئے اور مصلحت بھی فوت ہوگئی۔ جس نے یہ غلط مشورہ دیا وہ بھی توبہ کرے اور جو اس غلط نکاح میں شریک و معاون ہوئے سب توبہ و استغفار کریں (۲)۔ اجنبی کے ساتھ بھاگ جانا بھی مستقل

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء أو أکننتم فی أنفسکم، علم الله أنکم ستذکرونهن، و لکن لا تواعدوهن سراً، إلا أن تقولوا قولاً معروفاً، ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب أجله﴾. (البقرة: ۲۳۵)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و من یعمل سوءً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر الله یجد الله غفوراً رحیماً﴾ فالواجب علی کل مسلم أن یتوب إلی الله حین یصبح و حین یمسی". (تنبیه الغافلین، باب التوبة: ۲۰، قدیمی) =

معصیت ہے، بھگا کر لے جانے والا بھی سخت گنہ گار ہے (۱)۔ تعزیر کے لئے اپنے علاقے کے اہلِ علم سے دریافت کریں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۹/۱۳۹۵ھ۔

طلاق کے بعد عدت میں نکاح

سوال [۵۴۲۸]: حسن محمد خان نے اپنی منکوحہ بیوی مسماۃ سردارنی کو بوجہ بے اتفاقی اورزبان درازی کے جنوری ۱۹۴۲ء میں ایک طلاق دیدی، پھر اس کو سمجھایا گیا، نہ سمجھنے پر ایک ماہ بعد اس کو دوسری طلاق دیدی گئی، بعد ازاں ۱۹۴۳ء میں اس کو تیسری طلاق تحریری دیدی۔ اب میری برادری مسماۃ سردرانی کو میرے گھر آباد کرنا چاہتی ہے۔ اب کیا کریں؟ فقط۔

حسن محمد خاں، قصبہ بھرائی، ریاست بنگالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری طلاق کے بعد رجعت کرلی ہے یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے طلاق واپس لے کر شوہر و بیوی کی طرح رہنا شروع کردیا تھا اور پھر تیسری طلاق دی ہے، یا دوسری طلاق کے عدت ختم ہونے سے قبل

= "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، على الفور، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وفي الأشباه: خدع امرأة إنسان وأخرجها وزوّجها، يحبس حتى يتوب أو يموت لسعيه في الأرض بالفساد". (الدرالمختار). "(قوله: حتى يتوب أو يموت) عبارة غيره حتى يردها. وفي الهندية: وغيرها: قال محمد: أحبسه أبداً حتى يردها أو يموت". (ردالمحتار، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مطلب: العامي لا مذهب له: ۸۱/۴، سعيد)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحدود و التعزير: ۷۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

تیسری طلاق دی ہے تو اب وہ مغلظہ ہوگئی ہے(۱)، اس عورت کو رکھنا حرام ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہونے پر عورت کسی شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور وہ ہمبستری کے بعد یا طلاق دے یا مرجائے تو عدت گذار کر آپس میں نکاح درست ہوگا، اس سے قبل درست نہیں (۲)۔ اگر دوسری طلاق کی رجعت نہیں کی یہاں تک کہ عدت ختم ہوگئی، پھر تیسری طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ بیکار گئی (۳)، اس صورت میں اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح درست ہے بغیر نکاح کے رکھنا پھر بھی درست نہیں لیکن اس نکاح کے بعد اگر پھر طلاق دے گا تو ایک طلاق سے مغلظہ ہوجائے گی (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۶/ ۷/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۸/ رجب/ ۶۲ھ۔

---

(۱) "الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة". (الدر المختار). "(قوله: بشرط العدة) الشرط لابد منه في جميع صورة اللحاق". (ردالمحتار: ۳/ ۳۰۶، باب الكنايات، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويد خل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۱/ ۴۷۳، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۱، باب الرجعة، رشيديه)

(۳) "ومحله المنكوحة". (الدر المختار). "أي ولو معتدةً عن طلاق رجعي أوبائن غير ثلاث في حرة".
(ردالمحتار: ۳/ ۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۴) "وإذاكان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجهاوبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، فصل فيماتحل به المطلقه، رشيديه)

(وكذافي تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/ ۴۰۷، باب الرجعة، سعيد)

(وكذافي الهداية: ۲/ ۳۹۹، فصل فيماتحل به المطلقة، مكتبه شركت علميه ملتان)

طلاق کے بعد عدت میں نکاح اور تجدیدِ نکاحِ سابق

سوال[۵۴۲۹]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق بائن دی، پھر دوسرا ایک مرد عدت کے اندر عورتِ مطلقہ سے نکاح کر کے برابر جماع کرتا تھا اور بی بی ہمیشہ اس کے پاس رہتی تھی، یہاں تک چار حیض اس کے نکاح میں رہی، پانچ حیض کے بعد مرد نے تجدید کر لیا، کیا نکاحِ ثانی صحیح ہوا اور عدت کے اندر نکاح کیا معصیت ہوئی، اس لئے شرعاً اس کی کیا سزا ہونی چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کس لفظ سے تین طلاقِ بائن دی، لہٰذا جواب میں بائن اور مغلظہ کے متعلق کوئی حکم نہیں تحریر کیا جاتا، صرف آپ کی مزعومہ صورت (وقوعِ مغلظہ) کا حکم بیان کیا جاتا ہے: اگر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی تھی تو عورت کے ذمہ (بشرطیکہ وہ مدخولہ ہو) واجب تھا کہ عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے شریعت کے موافق نکاح کرتی اور پھر بعد صحبت کے وہ شخص اگر فوت ہو جاتا یا طلاق دیدیتا تو عدت گزار کر شوہرِ اول سے نکاح درست ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں وقوعِ طلاق کے بعد عدت کے اندر دوسرے شخص سے نکاح ہوا ہے، اگر دوسرے شخص کو معلوم تھا کہ یہ عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح ناجائز ہے، تب تو یہ نکاح قطعاً باطل اور زنا محض ہوا (۱) اور حلالہ کے لئے نکاحِ صحیح لازم ہے نکاحِ فاسد سے حلالہ نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اس نکاح کے بعد طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا شوہرِ اول نے جو دوبارہ نکاح کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہوا (۲)۔ جس نے عدت کے اندر

---

(۱) "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير، و يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا، كذا في القنية وغيرها". (ردالمحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲۴۲/۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴۸۰/۲، ۴۸۱، امداديه ملتان)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس =

نکاح اور جماع کیا ہے اس کے ذمہ توبہ واستغفار لازم ہے، حکومتِ اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ذیقعدہ/۵۸ھ۔

نکاح معتدہ

سوال[۵۴۳۰]: زید وبکر حقیقی بھائی تھے، ہندہ اور زبیدہ حقیقی بہن تھیں، دونوں کی شادی دونوں بھائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی ہندہ کی زید کے ساتھ اور زبیدہ کی بکر کے ساتھ، مگر زید عرصہ آٹھ سال کا ہوا کہ فوت ہوگیا، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑا۔ اب ہندہ مع اپنے لڑکا ولڑکی کے بکر اپنے دیور کے ساتھ پرورش پاتی رہی۔ اس کے بعد بکر نے اپنی بیوی زبیدہ کو طلاق دے دیا، مگر مطلقہ زبیدہ کو گھر سے نہیں نکالا اور طلاق کے تین چار روز بعد ہندہ اپنی بھاوج ونیز سالی سے نکاح کرلیا بغیر گواہ وشادی کے قاضی کے سامنے کرلیا، صبح کو قاضی نے بکر وہندہ کے نکاح کا اعلان کردیا۔

اب دونوں میں زن وشوئی کا برتاؤ ہونے لگا اور مطلقہ زبیدہ بھی اسی مکان میں رہتی تھی، مگر پھر ڈیڑھ سال بعد ہندہ سے نکاح کرلیا، اس نکاح میں بہت سے لوگوں نے شرکت کی۔ اس واقعہ کو ڈیڑھ ماہ ہوئے اور زبیدہ بھی اب تک بکر کے مکان میں رہتی ہے اور کچھ لوگ بکر کے ساتھ میل جول خورد ونوش رکھتے ہیں اور کچھ لوگ بائیکاٹ کئے ہوئے ہیں۔ اب دریافت طلب چند امور ہیں جو ذیل میں مذکور ہیں:

۱..... بکر نے زبیدہ کو طلاق کے بعد رکھا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲..... جو بکر نے زبیدہ کو طلاق دینے کے چار پانچ روز بعد اس کی بہن ہندہ سے نکاح کرلیا یہ جائز ہے

= فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۴۲۱، ۴۲۲، امدادیه ملتان)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۱) "فإن کان فی دار الحرب أو فی دار البغی، فلا یوجب الحد؛ لأن المقیم للحدود هم الأئمة".

(بدائع الصنائع، کتاب الحدود، فصل فیما یرجع إلی المقذوف فیه: ۹/۲۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

یانہیں؟

۳...... بکر نے ہندہ کو طلاق دینے کے بعد دوبارہ ڈیڑھ سال بعد نکاح کیا جائز ہے یانہیں اور جولوگ شریک ہوئے بعد کے نکاح میں اس کا کیا حکم ہے؟

۴...... جولوگ بکر کی حمایت کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

۵...... جولوگ بائیکاٹ کئے ہیں یہ کیسا ہے؟

چودھری محمد فاروق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب اس کو طلاق دے کر تعلق زن وشوئی منقطع کر چکا ہے تو اب اس کو اپنے مکان میں رکھنا ناجائز ہے، اس کو علیحدہ کرنا واجب ہے (۱)۔

۲...... یہ نکاح ناجائز ہوا: "ولا یجوز أن یتزوج أخت معتدته، سواءٌ کانت العدة من طلاق رجعی أو بائن أو ثلث أو عن نکاح فاسد أو عن شبهة، اهـ". عالم گیری: ۲۸۷/۲ (۲)۔

جب تک زبیدہ کی عدت پوری نہ ہو جائے، اس کی بہن سے بکر کو نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر نکاح کے وقت بکر اور ہندہ نے صرف قاضی کے سامنے ایجاب وقبول کیا ہے اور کوئی شخص موجود نہ تھا تو یہ شہادت بھی تام

---

(۱) "وطلاق البدعة أن یطلقها ثلاثاً بکلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، وإذا فعل ذلک وقع الطلاق، وبانت منه، وکان عاصیاً". (اللباب في شرح الکتاب، کتاب الطلاق: ۱۲۸/۲، قدیمی)

"وطلاق البدعة أن یطلقها ثلثاً بکلمة واحدة أو ثلثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق، وکان عاصیاً .... ولنا أن الأصل في الطلاق هو الحظر لما فیه من قطع النکاح الذي تعلقت به المصالح الدینیة والدنیاویة، والإباحة للحاجة إلی الخلاص، ولاحاجة إلی الجمع بین الثلث، وهي في المفرق علی الأطهار ثابتة نظراً إلی دلیلها، والحاجة في نفسها باقیة فأمکن تصویر الدلیل علیها، والمشروعیة في ذاته من حیث أنه إزالة الرق لاتنافي الحظر لمعنیً في غیره". (الهدایة، کتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ۳۵۵/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث في بیان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۲۷۹/۱، رشیدیه)

نہیں، شرعاً نکاح کے لئے کم ازکم دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کا حاضر ہونا ضروری ہے، بغیر اس کے نکاح فاسد ہوتا ہے، کذافی الدر والهندیه وغیرهما(۱)۔

۳..... ہندہ نے جو دوبارہ نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح صحیح اور معتبر ہے، جائز نکاح میں شرکت جائز اور ناجائز میں ناجائز۔ ناجائز کام میں امداد ناجائز ہے، بکر کو سمجھانا چاہیے کہ وہ پہلی مطلقہ یعنی زبیدہ کو علیحدہ کردے، اگر مان جائے تو خیر ورنہ (اگر مفید ہوتو) اس سے ترکِ تعلق کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ شعبان/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۷/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "ویشترط العدد فلا ینعقد النکاح بشاهد واحد، هکذا فی البدائع. ولا یشترط وصف الذکورة حیث ینعقد بحضور رجل وامرأتین، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الأول: ۱/ ۲۶۷، رشیدیه)

"وشرط حضور شاهدین حرین أوحر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معاً -علی الأصح- فاهمین أنه نکاح علی المذهب -بحر- مسلمین لنکاح مسلمة ولو فاسقین أو محدودین فی قذف .... أمر الأب رجلاً أن یزوج صغیرته فزوجها عند رجل أو امرأتین والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه یجعل عاقداً حکماً". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۲۳، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/ ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فقال أبو سعید رضی الله تعالیٰ عنه: أما هذا فقد قضی ماعلیه سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من رای منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإیمان". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان: ۱/ ۵۱، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿لعن الذین کفروا من بنی إسرائیل علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون، کانوا لایتناهون عن منکر فعلوه لبئس ماکانوا یفعلون﴾. (سورة المائدة: ۷۸، ۷۹)

نکاحِ معتدہ

سوال[۵۴۳۱]: ایک لڑکی جو اپنے شوہر سے نااتفاقی کی وجہ سے تقریباً تین سال سے تین میل دور اپنے شوہر سے علیحدہ رہ رہی تھی، بسیار پریشانی کے بعد طلاق حاصل کی گئی، آج طلاق کا صرف ایک ہی ہفتہ ہوا ہوگا کہ خاموشی سے اس کا نکاحِ ثانی کر دیا گیا ہے۔ یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر رخصتی اور خلوتِ صحیحہ ہو چکی تھی، اس کے بعد نااتفاقی ہو کر تین سال تک علیحدہ رہنے کے باعث طلاق حاصل کی گئی ہے تو عدت تین حیض ہے(۱)۔ عدت ختم ہوئے بغیر خاموشی کے ساتھ نکاحِ ثانی کر دیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا، اس نکاح کی بناء پر صحبت وغیرہ درست نہیں بلکہ دونوں میں تفریق لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثة قروء: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(۲) "﴿و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ يعني انقضاء العدة عام ...... و منع غيره: أي غير الزوج في العدة لاشتباه النسب بالعلوق". (رد المحتار، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة: ۳/۴۰۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الرجعة: ۲/۱۷۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰ رشيديه)

ایضاً

سوال [۵۴۳۲]: ایک شخص نے اپنی زوجہ بالغہ صحبت کی ہوئی کو تین طلاقِ بائن دیدی تھی، دوحیض گذرنے کے بعد دوسرے ایک مرد نے نکاح کرلیا ہے۔ یہاں کا عبداللطیف قاری کہتا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اس لئے پھر سات مہینے کے بعد اس کے ساتھ نکاح دہرایا گیا۔ دہرانے کے بعد ۹/ مہینے کے اندر اسی سے حاملہ ہوگئی۔ کیا زوجِ ثانی کا نکاح جائز ہوا یا نہیں اور زوجِ اول کی عدت کس طرح ادا کرے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صریح الفاظ میں تین طلاق دی ہے تو وہ مغلظہ ہوگئی (۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذمہ تین حیض عدت گذارنا واجب ہے (۲)، صرف دوحیض گذرنے پر جو نکاح کرلیا ہے وہ درست نہیں ہوا، اگر باوجود مسئلہ جاننے کے یہ نکاح کیا ہے تو یہ زنا ہے۔ اس کی وجہ سے دوبارہ عدت واجب نہیں (۳)، بلکہ دوحیض پہلے گذر چکے،

---

(۱) "کرر لفظ الطلاق، وقع الکل، وإن نوی التاکید دُیّن". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها، مطلب فیما قال: امرأته طالق وله امرأتان الخ: ۳/ ۲۹۳، سعید)

"وإذا قال لامرأته: أنت طالق و طالق وطالق، ولم یعلّقه بالشرط، إن کانت مدخولة طلقت ثلاثاً، وإن کانت غیر المدخولة طلقت واحدةً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/ ۳۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الطلاق، باب تکرار الطلاق و إیقاع العدد: ۳/ ۲۸۸، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال الله تعالی: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التی تحیض ثلاثة قروء: أی حیض، لقوله تعالی: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة: ۱/ ۵۲۶، رشیدیه)

(۳) "أما نکاح منکوحة الغیر و معتدته، فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر؛ لأنه لم یقل أحد بجوازه، فلم ینعقد أصلاً. فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة، ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونها زنا، کما فی القنیة وغیرها". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی النکاح =

ایک حیض اور گذارنا واجب ہے، پس دوبارہ نکاح جو سات ماہ بعد ہوا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اتنی مدت میں ایک حیض اور آچکا ہوگا، لہذا یہ نکاح صحیح ہے۔ اگر اتنی مدت میں کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایک حیض نہیں آیا تو یہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا، ایک اور حیض آنے پر نکاح صحیح ہوگا(۱)۔ (اگر حیض آنے سے پہلے پہلے حمل ہوگیا تو عدت وضع حمل ہے، وضع حمل کے بعد نکاح ہونا چاہیے)(۲)۔

اگر یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا تو تین حیض مستقل طور پر عدت واجب ہے، پس سات ماہ میں اگر تین حیض آچکے تھے تو دوبارہ نکاح صحیح ہوگا، ورنہ وہ بھی صحیح نہیں ہوا(۳)، وضعِ حمل کے بعد کرنا چاہیے۔ اگر صریح الفاظ میں طلاق نہیں دی تو الفاظ طلاق لکھنے سے حکم معلوم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ۔

= الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۱۴۸، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "وعدة الحامل وضع الحمل مطلقاً" (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في عدة الموت: ۳/۵۱۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۸، رشيديه)

(۳) "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا، كما في القنية وغيرها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق =

مطلقہ کا نکاح بلا عدت

سوال[۵۴۳۳]: ماقولکم رحمکم اللہ! إن الرجل طلق امرأته طلاقاً ثلاثاً، و تزوجت برجل اخر بلا انقضاء العدة بدليل أن الطلاق وقع بعد العقد قبل الزفاف، والحضار عند عقد الثاني يسئلونهما عن الدخول الآن، فيقول الزوج الأول بالحلف: إن الخلوة الصحيحة وقعت بيننا بلا مانع، وتقول المرأة: إن الزوج الأول جامعني، و يقولان: إن سكوتنا عن هذا الأمر عند العقد الثاني لعدم العلم. فالمطلوب أن عقد الثاني صحيح أم باطل؟

الجواب حامداً و مصلياً:

العقد الثاني ليس بصحيح، فعلى الثاني أن يفارقها، وعليها أن تعتد للأول، والجهل ليس بعذر بينهما، إلا أن حد الزنا لا يجب لعدم العلم بالمسئلة: "أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير، و يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا، كذا في القنية وغيرها، اهـ". ردالمحتار: ۲/۹۳۸(۱)۔

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". هندية(۲)۔ وبعد مضى العدة لا يكفي العقد السابق بل يجب العقد الجديد۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۱/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

مطلقہ بائنہ کا عدت میں نکاحِ ثانی

سوال[۵۴۳۴]: عورت موطوءہ جس کو طلاقِ بائن دی گئی ہے، کسی اور شخص سے عدت کے اندر نکاح

= بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه) ......=

کرسکتی ہے یا نہیں؟ بشرطِ اثباتِ صحبت حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نکاح کرنا حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مزنیہ منکوحہ سے زانی کا بلاعدت نکاح

سوال[۵۴۳۵]: ایک شخص کسی دوسرے کی عورت کو لاتا ہے، چار پانچ سال اپنے گھر رکھتا ہے، اس سے بچے بھی پیدا ہوگئے، اب اس کو طلاق بھی ہوگئی۔ تو کیا اب بغیر توبہ واستغفار وعدت اس زانیہ مطلقہ سے اس زانی کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بغیر عدت کے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح زنا کرنا حرام ہے اسی طرح طلاق کے بعد عدت میں نکاح کرنا بھی حرام ہے، اگرچہ وہ عورت اپنے شوہر سے کتنی ہی مدت سے الگ اور زنا میں مبتلا ہو، ایسی ہٹ بہت خطرناک ہے، اس کو لازم ہے کہ اس عورت کو فوراً جدا کردے اور توبہ واستغفار کرے(۲)۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "أما نكاح منكوحة الغير و معتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة. ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة، لكونه زنا، كما في القنية وغيرها". (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/ ۲۴۲، رشيديه)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، =

جب طلاق کے بعد عدت تین ماہواری ختم ہو جائے، تب اس سے نکاح کرے، ورنہ سخت قہر میں گرفتار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نومسلمہ کا نکاح قبل عدت

سوال [۵۴۳۶]: ہندہ نے اسلام قبول کیا اور اسلام میں داخل ہونے کے فوراً بعد کہتی ہے کہ میرا نکاح زید (جو خاندانی مسلمان ہے) سے ہو جائے اور زید بھی راضی ہے، مگر شرعاً تین حیض گزارنے کے بعد ہی نکاح کی اجازت دی گئی ہے تو اس صورت میں قاضی وقت ان دونوں کے اصرار پر نکاح پڑھا دے تو نکاح بلا کراہت درست ہوگا، اگر صحیح بھی ہو جائے تو کیا ترکِ عدت کا گناہ ان دونوں کے ذمہ عائد ہوگا؟ کیا قاضی صاحب بھی گنہ گار رہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کا شوہر موجود ہے تو فوراً اس کا نکاح درست نہیں اس سے وہ بھی گنہ گار ہوگی اور مرد بھی گنہ گار ہوگا اور قاضی صاحب بھی گنہ گار رہوں گے۔ قبول اسلام کے بعد (اگر شوہر مسلمان نہ ہو) تین حیض گزرنے پر وہ بائنہ

= الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار لابن عابدين الشامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثة قروء: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

ہوگی، پھر اس کے بعد تین حیض بطورِ عدت لازم ہوں گے، پھر نکاح درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو أسلم أحدهما ثمة أي: في دار الحرب، لم تبن حتى تحيض ثلاثاً أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة قيام السبب، وليست بعدة لدخول غير المدخول بها". (الدرالمختار).

قال الشامي: "(قوله: وليست بعدة) أي: ليست هذه المدة عدة؛ لأن غير المدخول بها داخلة تحت هذا الحكم. ولو كانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لاعدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة، فخرجت إلينا، فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده خلافاً لهما كما سيأتي، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع طلاق الخ: ۱۹۱/۳، ۱۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳۷۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب نكاح أهل الشرك: ۲۲۱/۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲۸۸/۲، إمداديه ملتان)

باب وعد النکاح

(منگنی کا بیان)

منگنی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال[۵۴۳۷]: زید مع چند کس واسطے ناطہ مانگنے اپنے فرزند بالغ کے بکر صاحب دختر کے گھر گیا، دختر نابالغ تھی، بکر صاحب دختر نے اپنے بھائی حقیقی احمد اللہ کو جواب دینے کے لئے اجازت دی، احمد اللہ مذکور نے اپنی طرف سے خالد کو- جو کہ زید کا بہنوئی ہے- جواب دینے کے واسطے مختار بنایا۔ امام صاحب نے --جن کو خود زید اپنے ساتھ لایا تھا- کہا کہ زید ناطہ اپنے فرزند کے واسطہ مانگتا ہے تو خالد- زید کے بہنوئی- نے جواب دیا کہ ہم نے دے دیا تو امام صاحب نے دعاء فرمائی جو کہ خود امام صاحب کے بیان سے عیاں ہے۔ اسی طرح باقی گواہان کا بیان ہے۔

صرف زید کا حقیقی بھائی اور خالد زید کا بہنوئی بیان دیتے ہیں کہ ایجاب بھی ہوا قبول بھی، زید نے کہا جو کہ سراسر غلط ہے، بلکہ ان دو گواہان کے لئے بکر صاحب دختر نے کہا تھا کہ قرآن شریف ہاتھ میں لو، مگر انکاری ہو گئے ہیں اور مجلس داہنداری یعنی منگنی کے سب کے سب مانتے ہیں، اسی وجہ سے مہر کا ذکر یا خطبہ نہیں پڑھا گیا کیونکہ مجلس داہنداری کی تھی۔ پس صورتِ بالا میں نکاح ہوا یا نہیں؟ عند اللہ جواباً مشکور فرمائیں وعبارت فقہ درج فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

تنقیح:

جو لوگ ایجاب اور قبول دونوں کو بیان کرتے ہیں ان سے وہ الفاظ لکھوا کر بھیجئے جن سے ایجاب وقبول ہوا ہے، ایجاب کے الفاظ علیحدہ ہوں اور قبول کے لئے علیحدہ ہوں تب جواب دیا جائے گا، نیز اس سے پہلے بھی

پیغام بھیجا ہے یا یہ گفتگو اول ہی مرتبہ ہوئی ؟ اوران بیانات کو بھی ہمراہ بھیجئے (☆)۔

از: دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شعبان/۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عبدالرحمٰن مدعی کے بیان میں بھی تصریح ہے کہ ''مجلس داہنداری بود'' اسی طرح عبداللہ، احمداللہ، غلام رسول، احمد جونیہ، عزیز جو، چودھری وجے جو سب اس کے مقر ہیں کہ ''مجلس رشتہ اور منگنی کی تھی'' اس کا کوئی اقرار نہیں کرتا کہ ''مجلس نکاح کی تھی'' اور ہمارے عرف میں مجلسِ نکاح اور ہوتی ہے اور مجلسِ رشتہ اور، اور منگنی ہمارے یہاں صرف وعدۂ نکاح کا نام ہے، صرف وعدہ سے نکاح نہیں منعقد ہوتا بلکہ نکاح کے لئے مستقلاً دوسری مجلس منعقد کی جاتی ہے، لہٰذا اگر وہاں کا عرف بھی یہی ہے تو صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا:

''کتزوّجني نفسك إذا لم ينوا الاستقبال، أي الاستيعاد أي: طلب الوعد .... قال في شرح الطحاوي: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعدٌ وإن كان للعقد فنكاح، اهـ''. شامي: ۲/۴۰۸ (۱)-

نیز امام صاحب کے الفاظ کہ ''زید ناطہ اپنے فرزند کے واسطے مانگتا ہے'' صریح ہیں کہ رشتہ کی درخواست کی جارہی ہے اور جواب میں خالد کا کہنا کہ ''ہم نے دے دیا'' بھی رشتہ ہی پر محمول ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/شوال/۵۵ھ۔

مجلسِ وعدۂ نکاح کیا نکاح ہے؟

سوال [۵۴۳۸]: ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کو اس کے چچازاد بھائی کے لڑکے سے شادی کرایا، اوران دونوں بھائیوں نے وعدہ کیا کہ ''ہم دوسرے سے شادی نہیں کرائیں گے''۔ کچھ دن کے بعد لڑکے کے

(☆) اس تنقیح کا جواب تنقیح اصل کتاب میں موجود نہیں۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۱، ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۸، إمداديه ملتان)

باپ غریب ہوگئے اور وہ روزی کے لئے باہر چلے گئے، اور لڑکی کے باپ نے اپنی لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردی۔ اس دوران وہ لڑکے کا باپ آپہونچا، اوران کے پہونچنے کی خبر سن کر لڑکی کا باپ آیا اور اپنی معذوریت پیش کرکے کہا کہ میں نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے، اس کو آپ معاف فرمایئے، میں مجبور ہوں۔ تو لڑکے کے باپ نے جواب دیا کہ اگر میں زندہ رہوں تو دیکھوں گا کس طرح آپ دوسری جگہ شادی کراتے ہیں، اگر میں زندہ رہا تو بندوق سے تیری جان نکالوں گا اور اگر مرگیا تو قیامت میں اس کا جواب دینا ہوگا اللہ کے دربار میں۔ مسجد میں اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرایا گیا۔ اب یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مجلس عقد نکاح کی مجلس تھی اور گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا گیا تو وہ نکاح صحیح ہوگا (۱)، پھر دوسری جگہ شادی کا حق نہیں رہا، وہ نکاح ثانی غلط ہے (۲)۔ اگر پہلی دفعہ نکاح کا ایجاب وقبول نہیں کیا گیا بلکہ رشتہ کیا گیا جو وعدۂ نکاح ہے (۳)، تو بلاوجہ وعدۂ خلافی کرنا گناہ ہے، لیکن اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہے

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(۲) "لا يجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الخامس: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۴۲، رشيديه)

(۳) "كتزوّجني نفسك إذا لم ينو الاستقبال: أي الاستيعاد: أي طلب الوعد ...... قال في شرح الطحاوي: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد، وإن كان للعقد فنكاح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۱، ۱۲، سعيد) ...... =

کہ اس جگہ نکاح نہ کیا جائے بلکہ دوسری جگہ کردیا جائے تو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے۔ اس بات پر بندوق مارنے کا حق ہرگز نہیں اور قیامت میں بھی عذاب نہیں ہوگا۔ لڑکی کی مصلحت کو ملحوظ رکھنا چاہئے، یہ ولی کی ذمہ داری ہے۔ مسئلۂ وعدہ الأشباہ والنظائر میں(۱)، اور مجلسِ نکاح کی بحث شامی میں مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۹۶ھ۔

وعدۂ نکاح سے نکاح نہیں ہوتا

سوال[۵۴۳۹]: زید نے اپنے دوست بکر سے مذاقاً کہا کہ ''تمہاری لڑکی فاطمہ کا عقد اور رشتہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۷/۳، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۸/۲، امداديه ملتان)

(۱) "الخلف في الوعد حرام .... "إذا وعد الرجل أخاه و من نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". (انتهى) وقيل: عليه، فيه بحثٌ، فإنّ أمر: ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۶۱۴/۸، ۶۱۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير (رقم الحديث: ۸۹۴): ۸۹۱/۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

"كتزوّجني نفسك إذا لم ينوا الاستقبال أي الاستيعاد أي: طلب الوعد .... قال في شرح الطحاوي: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد، وإن كان للعقد فنكاح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۱۱/۳، ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۷/۳، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۸/۲، امداديه ملتان)

میرے لڑکے خالد کے لئے مطلوب ہے" بکر نے جواباً کہا کہ "ہاں! مجھے منظور ہے، میں راضی ہوں"۔ اس کے بعد دونوں فاطمہ اور خالد کو بہو اور داماد کہنے لگے۔ مذکورہ الفاظ کا تکرار متعدد مجلسوں میں ہوتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ فاطمہ اور خالد کم سن (ایک سال یا اس سے بھی کم عمر کے تھے)۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان مذکورہ الفاظ سے کیا شرعاً نکاح منعقد ہو گیا؟ اور کیا یہ ایجاب وقبول میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صرف (رشتہ) خطبہ ہے، جو کہ وعدۂ نکاح کے درجہ میں ہے، نکاح نہیں، لہٰذا ابھی نکاح منعقد نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

منگنی کر کے نکاح سے انکار کرنا

سوال[۵۴۴۰]: چودھری عطامحمد کے لڑکے کی منگنی ہوئی چودھری علی محمد کی لڑکی کے ساتھ جس کا نام شریفاں بی بی ہے، لیکن اب وہ انکار کرتا ہے کہ شادی نہیں کروں گا۔ ہمارے یہاں کا رواج ہے کہ جب کوئی رشتہ مانگتا ہے تو برادری بٹھا کر صلاح کر کے لڑکی کے ماں باپ پھر زبان رشتہ کی دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ فلاں دن آ کر لڑکی کو کپڑے لگا کر چلے جائیں تو اسے ہم "کپڑا مائی" کہتے ہیں یا "منگنی"۔ تو بارات لڑکے کے گھر سے جاتی ہے، اور لڑکی والے بھی اپنے رشتہ داروں کو دعوت میں بلاتے ہیں اور لڑکی کو کپڑے وغیرہ لگائے جاتے ہیں اور اس کے بعد مٹھائی وغیرہ استعمال کی جاتی ہے۔ ایسا طریقہ چودھری محمد یونس ولد عطامحمد کے لڑکے کا ہوا، لیکن اب چودھری علی محمد اور اس کے رشتے دار شادی دینے سے انکار کرتے ہیں۔ اب فتویٰ صادر فرمائیں کہ شرع محمدی میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) "قال في شرح الطحاوي: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد، وإن كان للعقد فنكاح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۱، ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۸، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

منگنی کے لئے یہ چیزیں شرعاً لازم نہیں، بغیر ان کے بھی درست ہے، منگنی ایک وعدہ ہے، بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا شرعاً بہت برا ہے: "والخلف في الوعد حرام"، كذا في الدر المختار (۱) کوئی واقعی عذر ہو تو منگنی کو توڑ نا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، چھتہ مسجد دارالعلوم دیو بند، ۱۲/ ۱۰/ ۱۴۰۶ھ۔

وعدۂ نکاح کر کے اس کے خلاف کرنا

سوال [۵۴۴۱]: ا... زید وہندہ کے والدین نے زید وہندہ کا نکاح ان کے بچپن میں طے کر رکھا تھا، زید کے والد کے انتقال ہونے پر اس کی والدہ نے اپنا دوسرا نکاح ہندہ کے بڑے والد (یعنی ہندہ کے والد کے بڑے بھائی) سے کرلیا۔ اب تقریباً دو سال سے زید کے دونوں ذمہ داروں نے ہندہ سے نکاح کرنے کا کسی مصلحت سے انکار کردیا، یہ بات ہندہ کے والدین کے لئے تکلیف کا سبب بنی۔ کہتے ہیں کہ ہمارا ان لوگوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہندہ کے والد کا یہ انتقام کہ اپنے بڑے بھائی سے ترک تعلق مذکورہ بالا وجہ سے کرلیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح دوسرے بھائیوں پر ان کا دباؤ ڈالنا کہ بڑے بھائی سے اس بنیاد پر مقاطعہ رکھیں تو

---

(۱) لم أجده

"الخلف في الوعد حرام ...... "إذا وعد الرجل أخاه و من نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". (انتهى) وقيل: عليه، فيه بحث فإن أمر: ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/ ۲۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۸/ ۶۱۲، ۶۱۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير (رقم الحديث: ۸۹۴): ۲/ ۸۹۱، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلث: .... إذا حدث كذب، إذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان". (مشكوة المصابيح، باب الكبائر و علامات النفاق، الفصل الأول: ۱/ ۱۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/ ۱۰، قديمي)

جائز ہے یا نہیں؟

۲......ہندہ کے والد اوران کے دوسرے چچاؤں کو اپنے بڑے بھائی سے مذکورہ بالا وجہ سے کس طرح معاملہ رکھنا چاہئے، حسن مدارات کا یا نزاع وجھگڑا وفساد کا؟

۳......نکاح کے بچپن سے طے ہونے کے باوجود کسی مصلحت سے انکار کردینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......نکاح بیوہ بعدعدت شرعاً مستحسن ہے(۱)۔ وجہ مذکورہ کی بناء پر مقاطعہ کرنا اور مقاطعہ پر دوسروں کو آمادہ کرنا غلط اور خلافِ شرع ہے، جن پر دباؤ ڈالا جارہا ہے وہ ہرگز دباؤ میں نہ آئیں، مقاطعہ کی ممانعت نہایت قوی ہے، اس کی نحوست کی وجہ سے مغفرت سے محرومی ہوتی ہے، كما في الحديث(۲)۔

۲......جھگڑے سے حتی الوسع پرہیز کریں(۳)، ملاطفت وشفقت سے فہمائش کریں(۴)۔

---

(۱) ﴿وأنكحوا الأيامىٰ منكم﴾ الآية. هذا أمر بالتزويج ...... والأيامىٰ جمع أيم، ويقال ذلك للمرأة التي لازوج لها وللرجل الذي لا زوجة له، وسواء كان قد تزوج ثم فارق، أو لم يتزوج واحدٌ منهما، الخ". (تفسير ابن كثير، [پ: ۱۸]، سورة النور: ۳/۲۸۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في روح المعاني: ۱۸/۱۴۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح: ۷/۴۴، إمداديه ملتان)

(۲) "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه ..... اهـ ..... وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يفتح أبواب الجنة يوم الاثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبد لايشرك بالله شيئاً، إلا رجل كانت بينه وبين أخيه شحناء، الخ". (مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۴) قال الملا علي القاريؒ: "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۱۳۷): ۸/۸۲۳، رشيديه)

۳.....اگر وہاں نکاح کرنا مصلحت کے خلاف ہو اور لڑکی کی زندگی دینی اور خوشگوار متوقع نہ ہو تو انکار کرنا بھی درست ہے۔ حموی میں خلفِ وعدہ کے تحت اس قسم کے وعدوں کی بحث کی ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

نکاح کا وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا

سوال [۵۴۴۲]: ایک شخص نے بوقت شادی طفل خود اس بات کا وعدہ کیا کہ "وہ اپنی لڑکی- جو اس وقت خوردسالہ اور نابالغہ ہے- کا ناطہ عوض معاوضہ کر دے گا"۔ مگر اب لڑکی عرصہ سے بالغ ہو چکی ہے اور لڑکا ابھی نابالغ نادار اور ذریعۂ معاش نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں منجانبین سخت کشیدگی اور حالات مکدر ہو چکے ہیں اور ناطہ کرنے کی صورت میں مضرت لڑکی کا یقینِ غالب ہے۔ اندریں حالات اس دورِ فتن میں اگر وعدہ کنندہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے تو وہ شرعی نقطۂ نگاہ سے قابلِ گرفت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس کا دفعیہ کس صورت میں ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وعدہ کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنے سے گناہ ہوتا ہے اور وعدہ کرتے وقت اس نیت سے وعدہ کرنا کہ بعد میں مخالفت کروں گا سخت گناہ ہے، ہاں! اگر وعدہ کرتے وقت تو وعدہ پورا کرنے کی نیت تھی لیکن بعد میں کچھ ایسے عوارض پیش آ گئے کہ وعدہ پورا کرنا دشوار ہے یا مصالح کے خلاف ہے تو پورا کرنا واجب نہیں، اس کے خلاف کرنا درست ہے، كما صرح به الحموي في شرح الأشباه والنظائر

---

(۱) "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي، فلم يف، فلا إثم عليه". (انتهى). "وقيل: عليه، فيه بحث، فإن أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۶۱۵/۸، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۹۴): ۸۹۱/۲، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

نقلاً عن العقد الفرید، ص: ۴۵۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۴/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۵/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

قول وقرار سے نکاح کا حکم

سوال [۵۴۴۳]: عمر وفاطمہ دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں، عمر کی دو لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں اور فاطمہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے ہیں۔ دونوں بھائی بہن آپس میں اپنے بچوں کے متعلق ایک دوسرے سے شادی کے قول وقرار کرتے ہیں، چنانچہ بچوں کے بڑے ہونے کے بعد عمر اپنی بڑی لڑکی کی شادی اپنی بہن فاطمہ کے بڑے لڑکے سے کر دیتا ہے باقاعدہ شرعی نکاح کے ساتھ، چنانچہ دونوں خوش وخرم ہیں۔ اس کے بعد فاطمہ اپنے بھائی سے کہتی ہے کہ میرا چھوٹا لڑکا عرصہ دس سال سے بھاگ گیا ہے، اس لئے بھائی! تم اپنی لڑکی کی شادی کسی اور جگہ کردو، چنانچہ عمر نے دوسری جگہ شادی کردی ہے۔

اس کے بعد بعض لوگوں نے - واللہ اعلم - دشمنی سے یا کسی اور وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ اس لڑکی کا نکاح فاطمہ کے چھوٹے لڑکے سے بچپن میں ہو چکا ہے، چنانچہ فاطمہ کو بھی

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". (الأشباه والنظائر) "(قوله: الخلف في الوعد حرام) قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب إيفاء. وقال صاحب القعد الفريد في التقليد: إنما يوصف بما ذكر أي: بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزمَ على الخلف، كما في قوله المذكورين في آية: ﴿لئن أخرجتم لنخرجن معكم﴾ فوصفوا بالنفاق لإبطانهم خلاف ما أظهروا. وأما من عزم على الوفاء، ثم بدا له، فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عن أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي، فلم يف، فلا إثم عليه". (انتهى). وقيل: عليه، فيه بحث، فإنّ أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (غمز عيون البصائر للحموي، كتاب الحظر والإباحة: ۳/ ۲۳۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الوعد، الفصل الثاني: ۸/ ۶۱۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۹۴): ۲/ ۸۹۱، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

لوگوں نے بہکالیا ہے وہ بھی ایسا ہی کہتی ہے۔ اب کیا ہم اس پہلے نکاح کو جب کہ وہ نکاح ہی نہیں تھا، بلکہ آپس میں قول وقرار تھا اور شاید گواہ بھی نہیں ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس چھوٹے لڑکے اور لڑکی کے متعلق صرف وعدہ ہوا تھا کہ ان کی شادی کردیں گے اور نکاح نہیں کیا گیا تھا، نہ نکاح پڑھنے والا کوئی موجود تھا، نہ گواہ موجود تھا، تو محض وعدہ کر لینے سے نکاح نہیں ہو گیا اور عمر نے دوسری جگہ جو شادی کردی ہے وہ صحیح اور معتبر ہے(۱)۔ دشمنی کی وجہ سے غلط بات کہنا اور بہکانا سخت مذموم ہے(۲)۔ فاطمہ کو بھی چاہئے کہ اصل حقیقت کو نہ چھپائے۔ وعدہ اَور ہے اور شادی اَور ہے، دونوں ایک چیز نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۳۸۹ھ۔

---

(۱) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر ...... (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر و حرتين (مكلفين سامعين قولهما معاً، الخ)". (الدر المختار: ۳/۹-۲۱، كتاب النكاح، سعيد)

"(وأما شروطه) .... و منها الشهادة. قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶۷، كتاب النكاح، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، كتاب النكاح، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "ما من امرئ مسلم يخذل امرأً مسلماً في موضع ينتهك فيه حرمته وينتقص فيه من عرضه إلا خذله الله تعالى في موطن يحب فيه نصرته".

"وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ......"من رمى مسلماً بشيء يريد به شينه، حبسه الله على جسر جهنم حتى يخرج مما قال". (الحديث) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قديمي)

(۳) "إن المجلس للنكاح فنكاح، وإن للوعد فوعد". (الدر المختار: ۳/۱۲، كتاب النكاح، سعيد)

پیغامِ نکاح، نکاح نہیں

سوال[۵۴۴۴]: زید نے اپنے لڑکے کا عمر کی لڑکی کے لئے شادی کا پیغام دیا، عمر نے بعد مشورۂ عزیزان، زید کے لڑکے کے لئے قبول کرلیا۔ دینِ مہر کے شرائط بھی طے ہوگئے۔ زید نے اپنے لڑکے کو جولندن میں زیرِ تعلیم ہے اس رشتہ کی منظوری سے مطلع کردیا، زید نے قبول کرلیا۔ اس کے بعد رسمِ منگنی تقریباً پچاس اشخاص کی موجودگی میں ادا ہوگئی۔ لہذا شرعی نقطۂ نظر سے اس ایجاب وقبول کی بابت کیا حکم ہے؟

۲......زید کے ایک پرانے دوست نے ان واقعات کے علم ہونے کے باوجود اس لڑکی سے اپنے لڑکے کا پیغام دیدیا۔ کیا شرعی نقطۂ نظر سے ایسا کرنا جائز تھا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......بیانِ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نکاح کا ایجاب وقبول نہیں ہوا، بلکہ یہ خِطبہ ہے اور اس کی حیثیت وعدہ کی ہے، اس سے ابھی طرفین شوہر و بیوی نہیں ہیں، حاضرینِ مجلس نے بھی اس کو خطبہ ہی سمجھا ہے(۱)۔

۲......اس طرح خِطبہ ہوجانے کے بعد دوسرے شخص کے خِطبہ سے حدیث میں ممانعت آئی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ربیع الثانی / ۸۸ھ۔

---

(۱) "كتزوجني نفسك إذا لم ينو الاستقبال: أي الاستيعاد: أي طلب الوعد ...... قال في شرح الطحاوي: لو قال: هل أعطيتنيها؟ فقال: أعطيت، إن كان المجلس للوعد فوعد، وإن كان للعقد فنكاح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۱۱، ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۷۸، إمداديه ملتان)

(۲) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يبيع الرجل على بيع أخيه، ولا يخطب على خطبة أخيه، إلا أن يأذن له". (مشكوة المصابيح، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، ص: ۲۴۷، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب تحريم الرجل على بيع أخيه الخ: ۲/ ۳، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب البيوع، باب: لايبيع على بيع أخيه ولا يسوم على سوم أخيه الخ: ۱/ ۲۸۷، قديمي)

باب المتفرقات

نکاح کے وقت کن چیزوں سے آگاہ کرنا چاہئے؟

سوال[۵۴۴۵]: نکاح پڑھانے سے قبل امام کوکون کون سی شرط سے آگاہ کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بات کی اس وقت ضرورت ہو اس کو بتادیں، دینی اخلاق واعمال کی تعلیم کی سب کو ہی ضرورت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۳۹۴ھ۔

خرافات ومنکرات کا انعقادِ نکاح پر اثر

سوال[۵۴۴۶]: جس شادی میں خرافات مثلاً رت جگا(۱) کہ جس میں مستورات تمام شب گاتی بجاتی ہیں اور غیر محرموں کو اپنی آواز سناتی ہیں، بارات کے موقعہ پر انگریزی باجہ اور دوسرے باجے، نیز دیگر سامانِ رقص وسرود بھی ہوتا ہے۔اس موقعہ پر اہلِ شادی محض مرتکبِ گناہ ہیں یا نکاح ہی نہیں ہوتا، جیسا کہ زید نے ایک وعظ میں حکایت بیان کی کہ ایک شخص نے غصہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دیدی۔ بعد میں علمائے کرام سے طالب ہوا کہ اس کی زوجہ بدون دوسرے کے نکاح میں جائے اور بعد طلاق اس پر حلال ہوجائے مگر باریاب نہ ہوسکا۔ اگر کسی عالم نے فرمایا کہ تمہارا نکاح نہیں ہوا، بلکہ اس دوران میں تم نے زنا کیا ہے، پس نکاح دوبارہ پڑھو، نیز ایسی شادیوں میں شرکت کرنا اور کھانے میں شریک ہونا کیسا ہے؟

---

(۱) ''رت جگا: شب بیداری، خوشی یا عبادت میں رات بھر جاگنا، ایک قسم کی خوشی کی نیاز جو عورتیں دلواتی ہیں، ہندوؤں کی ایک عبادت جو رات بھر جاگنے اور کھا کے ذریعے سے کی جاتی ہے''۔(فیروز اللغات، مادہ(ن)، ر،ت، ص:۷۰۴، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرافاتِ مذکورہ ممنوع اور ناجائز ہیں، ایسی شادی میں شرکت بھی درست نہیں، لیکن انعقادِ نکاح پر اس سے اثر نہیں پڑتا، اگر شریعت کے مطابق ایجاب وقبول ہو چکا ہے تو نکاح صحیح ہوگیا" وینعقد بإیجاب وقبول". تنویر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۶/۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

کسی مقصد کے لئے عقدِ نکاح کا جھوٹا انکار

سوال[۵۴۴۷]: ہندہ نے نکاحِ ثانی زید سے پچاس ساٹھ برادری کے مسلمانوں میں کرلیا، بعد نکاح زوجِ سابق کے رشتہ داروں نے جائیداد کا جھگڑا کر کے مقدمہ عدالت میں دائر کردیا، فریقین نے وکیل کرلئے۔ ہندہ کا ایک ہندو وکیل ہے جس نے یہ رائے دی ہے کہ ہندہ نکاحِ ثانی سے انکار کردے تو زوجِ سابق کی جائیداد پر قابضہ رہ سکتی ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے ہندہ اور اس کا ایک متبنیٰ لڑکا دونوں نکاح سے انکاری ہوگئے، عدالت میں جواب دعویٰ میں لکھادیا کہ نکاح نہیں ہوا۔ برادری کی تھوک بندی (۲) کی وجہ سے چند اہلِ برادری نے بھی یہ کہدیا کہ نکاح نہیں ہوا، حالانکہ وہ پچاس ساٹھ مسلمان اب تک بھی کہتے ہیں کہ نکاح ہوا اور ہم مجلسِ نکاح میں شریک تھے۔

ایسی حالت میں صرف جائیداد کی وجہ سے زوجہ اور زوج کا نکاح سے انکار کرنا قابلِ تسلیم ہوگا یا نہیں؟ اور جو مسلمان اس کا ساتھ دے رہے ہیں وہ کیسے ہیں؟ اور مسلمانوں کے مجمع میں شرعی نکاح کو جو بوجہ مقدمہ وسخن پروری انکار کرتے ہیں وہ از روئے شرع شریف کیسے ہیں؟ عدالت میں مقدمہ دائر ہے اور چند مسلمانوں کی گواہی بھی ہو چکی ہے کہ نکاح ہوگیا اور ایک اسٹامپ پر سرکاری فرائض نویس کا نکاح نامہ لکھا ہوا بھی ہے جس پر

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الهداية، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبه شرکت علمیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، رشیدیه)

(۲) "تھوک بندی: اقرار نامہ، جو گاؤں کے برابر تقسیم کرنے پر لکھ جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات ص: ۳۲۲، فیروز سنز، لاہور)

برادری والوں کی شہادت ثبت ہے۔ باوجودان تمام باتوں کے پھر نکاح سے انکار کرنا مقدمہ کی وجہ سے کیسا ہے اور ساتھ دینے والے کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ بولنا شرعاً حرام اور کبیرہ گناہ ہے، لیکن اپنا حق وصول کرنے اور ظلم دفع کرنے کے لئے جب کوئی دوسری صورت قابو میں نہ ہو، تعریضاً کذب جائز ہے، صراحۃً اس وقت بھی جائز نہیں ہے(۱)۔ اگر وہ جائیداد ہندہ کی نہیں بلکہ زوجِ سابق کے دیگر ورثاء کی ہے اور ہندہ اپنا مہر اور حصۂ وراثت لے چکی یا معاف کرچکی ہے تب تو کسی طرح ہندہ کو جھوٹ بولنا جائز نہیں، قطعاً حرام ہے، جو لوگ اس کے ساتھ اس کبیرہ گناہ میں شریک ہیں، وہ بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں، سب کو توبہ کرنا فرض ہے۔ اگر وہ جائیداد ہندہ کی ہے خواہ بعوضِ دَینِ مہر ہو یا وراثت یا کسی اَور طرح وہ ہندہ کی ملک ہے اور زوجِ سابق کے ورثاء ہندہ کو نہیں دیتے اور ہندہ کسی دوسری طرح اس جائیداد کو وصول نہیں کرسکتی تو ہندہ کو تعریضاً کذب جائز ہے اور اس معاملہ میں جو لوگ اس کی اعانت میں ہیں وہ بھی گنہگار نہیں:

قال الله تعالیٰ: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۲)۔

اور ہندہ کے انکار کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور زوج نے اگر یہ الفاظ کہے ہیں کہ میں نے ہندہ سے نکاح نہیں کیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی:

"وفي الفتاوی: رجل قال لامرأته: تو مرا چیزے نباشی، هو خمسة ألفاظ: أحدها ما ذکرنا، الثاني: إذا قال، لم یکن نکاح، الثالث: إذا قال لها: لم أتزوجك، فلا یقع الطلاق في هذه

---

(۱) "الکذب مباح لإحیاء حقه، و دفع الظلم عن نفسه، والمراد التعریض؛ لأن عین الکذب حرام، قال: وهو الحق" (رد المحتار، فصل في البیع: ۴۲۷/۶، سعید)

"ویکره التعریض بالکذب إلا لحاجة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السابع عشر في الغناء واللهو و سائر المعاصي والأمر بالمعروف: ۳۵۲/۱، رشیدیه)

(وکذا في فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۶۲۲۶): ۴۴۵۲/۹، مکتبه نزار مصطفی محمدالباز ریاض)

(۲) (سورة المائدة: ۲)

الألفاظ الثلثة وإن نوی". خلاصة، ص:۹۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شعبان/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/شوال/۵۴ھ۔

ایک مجلس میں متعدد نکاح ہوں، تو ان میں افضل کون سا ہے؟

سوال[۵۴۴۸]: تبلیغی اجتماع میں تین آدمیوں کی شادیاں ہوئیں، اس میں بکر نے اپنا نکاح سب سے پہلے پڑھوایا، زید نے بکر سے کہا کہ تم نے غلطی کی، اپنا نکاح سب سے بعد میں پڑھواتے: "سید القوم خادمھم"۔ بکر نے جواب دیا: دعویٰ ایران کا، دلیل توران کی، جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا: ﴿فاستبقوا الخیرات﴾(۲)۔ زید کا کہنا کہ "غلطی کی" درست ہے یا نہیں؟ نیز ان کی دلیل دعویٰ کے مطابق ہے یا نہیں؟ ایک تو ہے جواز، ایک ہے افضلیت تو اس میں افضل بات کیا ہے، نکاح پہلے پڑھوانا یا بعد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت ومصلحت تقدیم میں ہو تو تقدیم افضل ہے، تاخیر میں ہو تو تاخیر افضل ہے: "سید القوم خادمھم" یہاں چسپاں نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۹/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) (خلاصة الفتاوی، کتاب الطلاق، باب الکنایات، الجنس الأول: ۲/۹۷، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا في التاتارخانیة، باب الکنایات، نوع آخر في قوله: لست لي بامرأة و ما یتصل به الخ: ۳/۳۲۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البزازیة علی هامش العالمکیریة، باب الکنایات، نوع آخر في إنکار النکاح: ۱/۱۹۶، رشیدیه)

(۲) (سورة البقرة: ۱۴۸)

(۳) "عن سهل بن سعد رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سید القوم في السفر خادمهم، فمن سبقهم بخدمة لم یسبقوه بعمل إلا الشهادة". (مشکوة المصابیح، کتاب الجهاد، باب آداب السفر، الفصل الثالث، ص: ۳۴۰، قدیمی)

تین بچوں کے بعد کیا تجدیدِ نکاح ضروری ہے؟

سوال [۵۴۴۹]: یہ جو مشہور ہے کہ جس عورت کو ایک شوہر سے تین بچے ہوں اس کو دوبارہ نکاح کرنا چاہئے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بے اصل اور غلط ہے، اس سے نکاح ختم نہیں ہوتا، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۹۰ھ۔

تجدیدِ نکاح کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

سوال [۵۴۵۰]: اس بارے میں حکمِ شرع سے مطلع فرمائیں جس کا حوالہ ب نمبر: ۹۲۱، مؤرخہ ۱۷/۹/۸۸ھ ہے۔ اس میں مزید یہ پوچھنا ہے کہ جن صاحب اور جماعت نے عمداً یہ نکاح کیا اور کرایا، ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ صرف توبہ واستغفار کے مستحق ہیں یا تجدید نکاح بھی کرنا ہے؟ علانیہ توبہ واستغفار کے علاوہ تجدید نکاح کا بھی حکم دیا جائے؟ اس کے بارے میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی عدت میں نکاح ثانی جائز نہیں ہے: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". از فتاوی عالمگیری(۱)۔

لہٰذا جو نکاح اس طرح کردیا گیا وہ شرعاً معتبر نہیں ہوا، بلکہ گناہ ہوا، مرد وعورت میں علیحدگی کرادی جائے، عدت ختم ہونے پر دوبارہ نکاح کیا جائے، جن لوگوں نے یہ نکاح کرایا ہے، وہ گنہگار ہوئے، ان کو توبہ واستغفار لازم ہے۔ اور اس بات کو پورے طور پر ظاہر کردیا جائے کہ یہ نکاح غلط ہوا، اس کے باوجود ان لوگوں پر

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

اپنے نکاح کی تجدید لازم نہیں، گناہ اگرچہ کبیرہ ہو، اس سے تجدیدِ نکاح لازم نہیں ہوتی، البتہ اگر خدانخواستہ کفر کا صدور ہوجائے تو ایمان کے ساتھ نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے پھر تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح لازم ہوتی ہے(۱)۔

جس مسئلہ میں اختلاف ہو کہ اس سے کفر ہوا یا نہیں ہوا، وہاں احتیاطاً تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کا امر کیا جاتا ہے: "ما كان في كونه كفراً اختلاف، يؤمر قائله بتجديد النكاح والتوبة، الخ"(۲)۔

کبیرہ گناہ کی وجہ سے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک نہ کفر ہوتا ہے، نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے، كذا في شرح الفقه الأكبر(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۸ھ۔

کیا ہر ماہ تجدیدِ نکاح کیجائے؟

سوال[۵۴۵۱]: میں نے سنا ہے کتاب "شامی" میں لکھا ہے کہ ہر ماہ میں تجدیدِ نکاح احتیاطاً کرلیا جائے۔ "واللہ أعلم"۔ تو ایسی صورت میں دو گواہوں کے موجود ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جو صورت ہو، بیان فرمایا جائے۔ تجدید نہ کرنے میں کوئی خلاف تو نہیں؟ جیسا کہ اکثر لوگ اس کے متعلق گوش آشنا بھی نہیں

---

(۱) "ما كان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح، وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط ...... ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع، قبيل باب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاما أو كفراً أو خطأً، الفصل الثاني، النوع الأول في المقدمة: ۶/۳۲۲، رشيديه)

(۳) "ولا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان". (شرح الفقه الأكبر للقاريّ، الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ۱۷، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية، باب قضية التكفير، ص: ۲۳۲، الجامعة الستارية بكراتشي)

چہ جائیکہ عمل کریں!۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سے آپ نے سنا ہے ان سے "شامی" کی اصل عبارت مع حوالہ جلد و باب لکھوا کر بھیجیں، اس کو دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ جواب پیش کیا جائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تجدیدِ نکاح ہوا تھا یا نہیں؟

سوال[۵۴۵۲]: حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا تجدید نکاح ہوا تھا، آخر میں ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ یا پہلے والا نکاح قائم تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے والا نکاح قائم تھا، کذا فی اللمعات شرح مشکوٰۃ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بچوں کے نکاح کا طریقہ

سوال[۵۴۵۳]: ۶/ سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی طرف سے ان کے لئے ان کے والد ایجاب وقبول کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

---

(۱) "عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: "رد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابنته زينب علی أبي العاص بالنكاح الأول ولم يحدث نكاحاً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الثاني: ۶/۳۳۶، رشيديه)

(وكذا في شرح الطيبي علی مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الثاني: ۶/۲۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في التعليق الصبيح علی مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الثاني: ۴/۳۰۲، طبع، حيدر آباد دكن)

(۲) "وللولي إنكاح الصغير والصغيرة". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۶۵، سعيد) =

شادی میں چھوارے کون لائے؟

سوال [۵۴۵۴]: شادی میں جو چھوارے لائے جاتے ہیں، وہ لڑکی والا لائے یا لڑکے والا؟ کون سی صورت افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہے، لے آئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۱۳۹۱ھ۔

جو شادی قرض لے کر کی جائے اس میں شرکت

سوال [۵۴۵۵]: زید کی لڑکی جوان ہے، زید غریب آدمی ہے، جہاں سے بھی بات ہوتی ہے سب کہتے ہیں کہ ہم گھڑی لیں گے، سائیکل لیں گے، اور بہت سی چیزیں مانگتے ہیں۔ گھر میں کوئی مرد نہیں رہتا، اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں بدنامی نہ ہو جائے، ادھر لڑکی جوان، ادھر غربت۔ مجبوراً زید نے قرض لے کر شادی کر دی۔ گاؤں کے بہت سے مولوی حضرات زید کے خلاف ہو گئے اور اس شادی میں شرکت کو منع کرتے ہیں۔ اس میں زید کہاں تک خطاوار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس تقریب میں کوئی خلاف شرع چیز: ناچ باجہ وغیرہ نہیں تو محض قرض لینے کی وجہ سے شرکت ممنوع نہیں، سب شریک ہو سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۵۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿فاستبقوا الخيرات﴾ (البقرة: ۱۴۸)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا دُعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها". وفي رواية لمسلم: "فليجب" عرساً كان أو نحوه ... ومن الأعذار المسقطة للوجوب أو الندب أن يكون في الطعام شبهه ... أو هناك منهي كالخمر أو اللهو أو فرش الحرير وغير ذلك". =

رشتہ کے متعلق ایک غلط رسم (گوت (۱)) اوراس کی اصلاح

سوال[۵۴۵٦]: ہم لوگ قدیم مسلم راجپوت ہیں، راجپوتوں میں بہت سی ذاتیں ہوتی ہیں، مثلاً: چوہان، گوتم، بیس وغیرہ۔ ہم گوتم ہیں اور بیسوں کے یہاں ہماری نانیہال ہے۔ ہندوؤں میں یہ دستور ہے کہ جس کی لڑکیاں لاتے ہیں اس ذات میں اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے، ہمارے یہاں بھی یہی ذہن بنا ہوا ہے، مگر کچھ رشتے اس سے قبل اس کے خلاف ہو چکے ہیں۔

احقر نے بھی اپنی لڑکی کو اپنے ماموں زاد بھائی کے لڑکے کے ساتھ جو فارغ دارالعلوم بھی ہیں، منسوب کرنا چاہا، اس پر اہل خاندان کو اعتراض ہوا، کچھ کا کہنا تھا کہ یہ رشتہ الٹا ہے اور کچھ کہتے تھے: وہ ہم سے نیچے ہیں، ان کو لڑکی نہیں دی جاسکتی۔ اس بناء پر انھوں نے احقر کا مقاطعہ (سماجی بائیکاٹ) کر دیا، نکاح میں بھی شرکت نہیں کی، اور جو شریک ہونا چاہتے تھے انھیں بھی روکا۔ قاضی صاحب نے اس بناء پر نکاح پڑھانے سے انکار کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ لڑکا عالم ہے، میں اس کا نکاح نہیں پڑھا سکتا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

۱......کیا یہ میرا رشتہ کرنا اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے؟

۲......جن لوگوں نے یہ رشتہ کرنے کی وجہ سے بائیکاٹ کر دیا ہے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ صحیح راستہ پر ہیں؟

۳......قاضی صاحب جنہوں نے نکاح نہیں پڑھایا ہے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسلمانوں میں بہت سی غیروں کی رسمیں پھیلی ہوئی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے (۲)۔ شادی

= (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول: ٦/٣٧٠، ٣٧١، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب النكاح، باب جواز الوليمة إلى أيام إن لم يكن فخراً: ١١/١٣، إدارة القرآن كراچي)

(والصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة: ١/٤٦٢، قديمي)

(۱) "گوت: خاندان، گھرانہ، حسب، نسب، قوم، قبیلہ، فرقہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ "گ، و"، ص:۱۱۱۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذالك أضعف =

کے سلسلہ میں ماموں زاد، خالہ زاد، چچازاد بھائی سے پرہیز کرنا غلط اور غیر اسلامی رواج ہے، شرعاً یہ رشتہ ناجائز نہیں، بلکہ ان سے عقد نکاح درست ہے(۱)، ان کو حرام سمجھنا اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ خطرناک عقیدہ ہے، جو شخص اس غلط رسم کو توڑ کر عقد کردے گا وہ بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا، اس کی مدد کرنے والے بھی مستحق ثواب ہوں گے(۲)۔ اور جو شخص مدد کے بجائے ایسے عقد میں رکاوٹ ڈالے گا وہ غیر اسلامی عقیدہ کا مددگار ہوکر سخت گنہگار اور مجرم ہوگا، اس کو اپنی حرکت سے باز آنا اور توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے(۳)۔ قاضی کا منصب بلند ہے اس کو سنت کی اشاعت ضروری ہے، اس کا رکاوٹ ڈالنا اور محض غلط رواج کی بناء پر نکاح پڑھانے سے انکار کردینا شریعت کی نظر میں بہت قبیح اور مذموم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

= الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب لأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

(وفيض القدير لعبد الرؤوف المناوي رحمه الله تعالى، (رقم الحديث: ۸۶۸۷): ۱۱/ ۵۸۰۰، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل لكم ماوراء ذالكم﴾. (النساء: ۲۴)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/ ۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/ ۲، دارالفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهرى: ۲/ ۶۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداد والانتقام". (روح المعاني: ۶/ ۵۷، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرة". (النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾: ۲۸/ ۱۵۹، داراحياء التراث بيروت)

خنزیر کے بال کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ

سوال[۵۴۵۷]: میرے ایک عزیز کی بہن کا ایک جگہ کان پور میں رشتہ طے ہوگیا ہے، لڑکے والے اور خود لڑکا اشیاء کی درآمد برآمد کا کام کرتے ہیں۔ ابھی چند دنوں پیشتر جب شادی کی تاریخ متعین کرنے کے لئے قدم اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے پاس کہیں باہر سے برش بنوا کر بھیجنے کا آرڈر آیا ہوا ہے اور وہ تیار کرا کر باہر بھیج رہے ہیں، لیکن برش خنزیر کے بالوں کے بنوائے جاتے ہیں اور بھیجے جاتے ہیں۔ یہ معلوم ہو کر لڑکی والے فکرمند ہیں کہ ایسی صورت میں ان لوگوں کا کاروبار درست ہے یا نہیں؟ نیز طے شدہ رشتے کو باقی رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قولِ صحیح کے مطابق خنزیر کے بال نجس ہیں (۱)، ان کی بیع بھی ناجائز ہے جیسا کہ کتب فقہ، درمختار، شامی (۲)، بحر وغیرہ میں موجود ہے (۳)، لیکن یہ چیز محتاجِ تحقیق ہے کہ برش خنزیر کے بال سے بنتے ہیں، کیوں

---

(۱) "وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق: ۱/۱۹۱، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۴، فصل في الأنجاس، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۷۲، كتاب البيوع، مطلب في التداوى بلبن البنت، سعيد)

قال الجصاص رحمه الله: "واللحم وإن كان مخصوصاً بالذكر، فإن المراد جميع أجزائه ...... كذلك خص لحم الخنزير بالنهي تأكيداً لحكم تحريمه وحظراً لسائر أجزائه، فدل على أن المراد بذلك جميع أجزائه وإن كان النص خاصاً في لحمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۷۴، باب تحريم الخنزير، قديمى)

(۲) "وشعر الخنزير لنجاسة عينه، فيبطل بيعه، ابن كمال". (الدرالمختار). "(قوله: لنجاسة عينه): أى عين الخنزير أى: بجميع أجزائه". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في التداوى بلبن البنت: ۵/۷۱، ۷۲، سعيد)

(۳) "وشعر الخنزير أى: لم يجز بيعه إهانةً له، لكونه نجس العين كأصله، فالبيع هنا لو جاز لكان إكراماً، وفي الخمر والخنزير كذلك لو جاز لكان إعزازاً، وقد أمرنا بالإهانة". (البحر الرائق: ۶/۱۳۲، =

کہ مجھ سے ایک صاحب نے کہا تھا کہ یہ تو ایک گھاس ہے اس سے بنتے ہیں، برش میں بال کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ہوتی ہیں جو متقوم ہیں، مناسب یہ ہے کہ استخارۂ مسنونہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۱۴۰۱ھ۔

تین لڑکوں کی شادی ساتھ کرنے سے کیا طلاق ہو جاتی ہے؟

سوال[۵۴۵۸]: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر تین لڑکوں کی شادی ایک ساتھ کروگے تو اچھا نہیں ہے، طلاق ہو جاتی ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وشعر الخنزير ينتفع به للخرز) أي: لايجوز بيع شعره". (تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، باب البيع الفاسد طبع دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱۷۵/۱، باب تحريم الخنزير، قديمى)

خنزیر کے بالوں سے انتفاع کو ضرورت کی وجہ سے امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے ایک قول میں جائز قرار دیا گیا ہے، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ نے بدائع اور اختیار کے حوالے سے خنزیر کے بالوں کے نجس ہونے کو اصح قرار دیا ہے: "هو ظاهر الرواية أن شعره نجس، وصححه في البدائع، ورجحه في الاختيار". (ردالمحتار: ۲۰۶/۱، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(۱) اس قسم کی باتیں جو مشہور ہوتی ہیں، یہ اکثر طور پر بدشگونی، نحوست اور بدفالی کی بنیاد پر کہی جاتی ہیں اور چونکہ تمام امور کا وقوع اور عدم وقوع اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے، لہٰذا نیک شگونی وبدشگونی کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں:

"وسئل نفع الله بعلومه: السؤال عن النحس والسعد وعن الأيام والليالي التي تصلح لنحو السفر والانتقال مايكون جوابه؟

"فأجاب رضي الله عنه: من يسأل عن النحس ومابعده، لايجاب إلا بالإعراض عنه وتسفيه مافعله ويبين له قبحه، وأن ذلك من سنة اليهود لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم وبارئهم =

مرحومہ بیوی کی منع کردہ جگہ پر نکاح

سوال[۵۴۵۹]: میری بیوی مرحومہ مرنے سے پہلے مجھے نصیحت کرتی رہتی تھی کہ میرے مرنے کے بعد تُو فلاں جگہ شادی نہ کرنا، اور جہاں چاہے شادی کر لینا، اب اس کا انتقال ہوگیا ہے اور میرا رشتہ وہیں سے پکا ہورہا ہے۔ اب اس بارے میں تحریر کریں کہ میں رشتہ قبول کروں یا نہ کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے منع کردینے سے وہ عورت آپ پر حرام نہیں ہوئی (۱)، شادی کریں گے تو نکاح درست ہوجائے گا (۲)، آپ کو اختیار ہے اپنی مرحومہ بیوی کا کہنا مانیں یا اپنے دل کا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۳ھ۔

نکاحِ ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ

سوال[۵۴۶۰]: ایک بیوی ہے، تو اس پر نکاح کرنے میں اس بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

= الذين لايحسبون وعلى ربهم يتوكلون. وما ينقل من الأيام المنقوطة ونحوها عن علي كرم الله وجهه باطل كذب لا أصل له، فليحذر من ذلك، والله أعلم". (الفتاوى الحديثية لابن الحجر الهيثمي، مطلبٌ في الجواب عن الأيام والليالي وسعيدها ونحيسها، ص: ۴۱، ۴۲، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ماوراء ذالكم﴾ (النساء: ۲۴)

وقال ابن كثير تحت هذا الآية:" أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۲، دارالفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۲۶، حافظ كتب خانه كوئته)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

شرعاً تو ضروری نہیں مگر نباہ اس سے کرنا ہے، اگر اس کا مشورہ نہیں ہوگا تو دشواری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو آٹھ ماہ تک نہیں دیکھا

سوال[۵۴۶۱]: ۱…… میری بیوی نیک ہے، وفا شعار ہے، نو بچے ہیں، ۲۰/ برس شادی کو گذر گئے، کبھی ناراضگی کی نوبت نہیں آئی۔ میں ۱۹۶۸ھ میں حج کو گیا تھا اور بیوی سے کہہ کر گیا تھا کہ ’’گھر سے باہر مت نکلنا‘‘ لیکن وہ ایک دفعہ سینما گئی، پھر ایک دفعہ عرس میں گئی، پھر کسی اور جگہ گئی، جس پر میرے بھائی نے اس کو بہت مارا۔ جب میں حج سے واپس آیا تو یہ واقعہ مجھے بتلایا۔

حج سے آنے پر میرے سالے صاحب بھی مجھے بمبئی لینے آئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی بہن کو اپنے گھر لے جائیں، انھوں نے ایسا ہی کیا، مگر سب محلہ والوں نے میری عورت کو بے قصور کہا، لیکن مجھے شک رہا۔ اب میں نے ۸،۹/ ماہ سے اپنی زوجہ کی شکل نہیں دیکھی، ویسے ہی نفقہ برابر دے رہا ہوں، بچے میرے ساتھ ہیں۔ میرا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز میرا ارادہ ہے کہ اب دوسری شادی کرلوں، کیونکہ گھر میں پکانے کی بہت دقت ہے، میرا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ (النساء:۳)

’’وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والإماء، وليس له أن يتزوج أكثر من ذلك، لقوله تعالیٰ: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾‘‘. (الهداية: فصل في المحرمات: ۲/۳۱۱، شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في المحرمات: ۳/۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: باب: وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/۲۲۵، مكتبة إمداديه، ملتان)

بیوی کو بچوں سے نہ ملنے کی سزا دینا

سوال[۵۴۶۲]: ۲..... اس کو گھر میں ابھی تک نہیں لایا اور بچوں سے نہیں ملوایا، یہ سزا کافی ہے یا نہیں؟

بیوی کے قصور پر دوسرا نکاح ہو جائے تو مساوات ضروری ہے

سوال[۵۴۶۳]: ۳..... میرا خیال ہے کہ دوسری شادی کے بعد بھی میری پہلی عورت حج کو جا کر آ گئی تو میں دونوں کو سنبھال لوں گا۔ تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... غلطی انسان کے ساتھ لگی ہوتی ہے، مرد ہو یا عورت سب سے ہی کچھ نہ کچھ چھوٹی بڑی غلطی ہو جاتی ہے، غلطی پر نادم ہو کر سچے دل سے توبہ کرنے سے اللہ پاک بھی معاف فرما دیتے ہیں(۱)۔ آٹھ مہینے تک آپ نے اس کو الگ رکھا، یہ سزا بہت کافی ہے، اس مدت میں آپ اس کو خرچ دیتے رہے یہ مزید احسان کیا۔

۲..... بچوں سے ملوانا چاہیے، اتنی طویل جدائی اچھی نہیں (۲)۔

۳..... بلاضرورت دوسری شادی کرنے میں اکثر پریشانی ہوتی ہے، دونوں میں اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے، جو شخص دونوں کا حق ادا کر دے اور انصاف سے رہے تو اس کی اجازت بھی ہے (۳)۔ آپ خود ہی غور

---

(۱) "عن أبي ذرّ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ماروى عن الله تبارك وتعالىٰ أنه قال: "ياعبادي! إنكم تخطؤن بالليل والنهار وأنا أغفر الذنوب جميعاً، فاستغفروني أستغفرلكم........ اهـ".

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار، الفصل الثاني، ص: ۲۰۴، قديمي)

(۲) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لعن الله من فرق بين الوالدة وولدها". (فيض القدير: ۵۰۰۴/۱۰، (رقم الحديث: ۷۲۸۱)، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة)

(۳) قال الله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ (سورة النساء: ۳)

کرلیں، حق تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور سب معاملاتِ دینی و دنیاوی میں بہترین طریقہ پر مدد فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

باپ شادی میں باجہ وغیرہ پر مصر ہو تو لڑکا کیا کرے؟

سوال [۵۴۶۴]: ایک لڑکا بالغ اپنی شادی سنتِ نبوی کے مطابق کرنا چاہتا ہے، مگر اس کے والد کہتے ہیں کہ شادی مع مراسم ہوگی (باجہ وغیرہ بھی شامل ہوگا)۔ ایسی صورت میں وہ لڑکا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے، والد کو کسی بزرگ کے ذریعہ تفہیم کرائے، اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۳ھ۔

بھتیجے کی مطلقہ سے نکاح کی وجہ سے ترکِ تعلق

سوال [۵۴۶۵]: ایک شخص مرگیا ہے، اس نے ایک بھائی اور ایک لڑکا چھوڑا، یہ لڑکا شادی شدہ ہے، اس نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، بعد عدت اس کے چچا نے خود اس سے نکاح کرلیا ہے۔ پس یہ نکاح درست ہے یا کہ نہیں؟ اگر درست ہے تو پھر گاؤں یا خاندان والوں کا اس بنا پر اس سے ترکِ تعلق درست ہے یا کہ نہیں؟ اور ترکِ تعلق بھی ایسا کہ اگر اس کے خاندان میں کوئی مرگیا ہے تو نماز جنازہ کوئی نہیں پڑھے گا، اور نہ اس کا کھانا مہیا کریں گے، پس اس مسئلہ کا تشفی بخش جواب دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھتیجے کی بیوی سے اگر کوئی دوسرا رشتہ حرمت کا نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے، جب طلاق

---

(۱) "[فرع]: في فصول العلامي: إذا رأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، فإن قبلا فبها، وإن كرها سكت عنهما، واشتغل بالدعاء والاستغفار، فإن الله تعالیٰ يكفيه ما أهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، فصل في التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ۴/۷۸، سعيد)

کے بعد عدت گذار کر نکاح کیا ہے تو اس پر اعتراض کرنا غلط ہے (۱) اور اس کی وجہ سے ترکِ تعلق کر دینا ظلم ہے (۲) اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنا گناہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۱ھ۔

بلا نکاح کے عورت کو اپنے پاس رکھنا

سوال [۵۴۲۶]: ایک صاحب نے ایک عورت کو اپنی زوجیت میں بلا نکاح عرصہ تک رکھا جس سے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ اس کی بیوی ہے، لیکن حال ہی میں اس عورت نے کسی دوسرے سے زنا کیا، جب اس کے موجودہ شوہر کو پتہ چلا تو اس نے زدوکوب کیا۔ بعد میں اس عورت نے کہا کہ میں ان کے پاس نہیں رہوں گی بلکہ اس کے ساتھ رہوں گی جس سے بُرا چرچا ہوا، موجودہ شوہر نے اس کو اجازت دیدی کہ تمہاری جہاں مرضی ہو رہو۔ کچھ دیر کے بعد لوگوں نے نکاح پڑھوانے کے لئے امام صاحب کو بلایا، لیکن امام صاحب نے کہا کہ جب تک عورت عدت نہ گذارے گی نکاح درست نہیں ہوگا۔ شوہر نے کہا کہ میں نے اس کو بلا نکاح اپنی زوجیت میں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم﴾ الآية (سورة النساء: ۲۴)

قال العلامة عماد الدين في تفسير هذه الاية: "أي ماعدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، رشيديه)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر، ص: ۴۲۷، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد: ۲۲/۱۳۷، مطبعة خيريه، بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، الفصل الأول، ص: ۱۳۳، قديمي)

اب تک رکھا تھا، پھر امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔ تو اب اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر عدت ضروری تھی تو پھر وہ نکاح درست نہ ہوا، اب کیا کریں؟ بتلایا جائے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا نکاح کئے یہ کہنا کہ اپنی زوجیت میں رکھا مفہومِ زوجیت کا استہزاء ہے جو کہ خطرناک ہے، ایسی باتوں سے کلی پرہیز کیا جاوے، یہ زوجیت نہیں بلکہ زنا کاری ہے جو کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، زوجیت کی ترغیب اور بعض صورتوں میں وجوب ہے، سنتِ متواترہ سے ثابت ہے(۱) اور زنا کرنا حرام ہے ممنوع ہے، اس پر سخت سزا ہے(۲)۔ ہر دو کو توبہ استغفار لازم ہے کہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں (۳)۔ جب وہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں ہے تو اس کا نکاح درست ہے۔ عدت زنا سے لازم نہیں ہوتی بلکہ نکاح کے بعد خاص اسباب کے تحت لازم ہوتی ہے(۴)۔

---

(۱) "وهو سنة، وعند التوقان واجب -بيانٌ لصفته- أما الأول، فالمراد به السنة المؤكدة على الأصح". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۲/۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳۱۱/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب كثيراً مايتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۷/۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿ولاتقربوا الزنى، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة بني إسرائيل: ۳۲)

(۳) "اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، الخ". (روح المعاني، پاره: ۲۸، التحريم: ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(والصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۴) "(قوله: لتمحضه زنا)؛ لأنه لاشبهة ملك فيه، بل سقط الحد لظنه فضلاً من الله تعالىٰ، وهو راجع إليه: أي إلى الواطي، لا إلى المحل، فكان المحل ليس فيه شبهة حل، فلايثبت النسب بهذا الوطئ، ولذا لاتثبت به عدة؛ لأنه لاعدة من الزنا". (ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب: الحكم المذكور في بابه أولى الخ: ۲۳/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد الخ: ۳۰/۵، رشيديه)

اگر عورت زنا سے حاملہ ہوتو اس کا نکاح اس حالت میں بھی درست ہے، پھر اگر اس شخص سے نکاح ہو جس کا وہ حمل ہے تو اس کو صحبت بھی درست ہے، اگر دوسرے سے ہو تو وضع حمل سے پہلے صحبت وغیرہ درست نہیں ہے۔ جو بچہ نکاح سے چھ ماہ گذرنے پر پیدا ہوا وہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا، اگر چھ ماہ گذرنے سے پہلے پیدا ہوا تو وہ اپنی ماں کا ہوگا، اس شوہر سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

"وصح نكاح حبلىٰ من زنا، وإن حرم وطؤها حتى تضع. ولو نكحها الزاني، حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له، اهـ". درمختار۔ "(قوله: والولد له): أي إن جاء ت بعد النكاح لستة أشهر، فلولأ قل من ستة أشهر من وقت النكاح، لايثبت النسب، ولا إرث منه، اهـ". ردالمحتار: ۲/۲۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

رشتہ خراب ہونے پر بچولے کو برا بھلا کہنا

سوال[۵۴۶۷]: عرض یہ ہے کہ لڑکی کا رشتہ ہو یا لڑکے کا رشتہ ہو، اور وہ رشتہ دار غلط ہو جائیں، لڑکی کی طرف سے یا لڑکے کی طرف سے بات خراب ہو جائے تو وہ بچولیوں کو برا کہتے ہیں (۲) اور اس کے بچوں کو بددعا دیتے ہیں۔ لہٰذا دو چار رشتہ جو کئے وہ مناسب نہیں ہوئے، بگاڑ کی صورت آ گئی۔ اب بچولیا کہتا ہے اللہ کی

---

(۱) (ردالمحتار للعلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ، كتاب النكاح، باب المحرمات، مطلب مهم في وطئ السراري الخ: ۳/۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، كتاب الطلاق: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۳۵۸، ۳۵۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ''بچولیا: دلال، ضامن، فیصلہ کرنے والا، نزاع دور کرنے والا''۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۸۳، فيروز سنز، لاهور)

طرف سے جوڑی کا سنجوگ ہے(۱)۔لڑکی کے والد اور لڑکے کے والد یہ کہتے ہیں کہ دیو بند سے فتویٰ منگا دو تو مجھ کو صبر آئے گا کہ خطا بچولے کی ہے یا دوسرے کی؟ لڑکے کے مقدر پھوٹے ہیں، یا اللہ کی طرف سے جوڑی سنجوگ ہے؟ اس فتوے کا جواب بھیج دیں تاکہ لڑکی والے اور لڑکے والے کو تسلی اور سکون ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوڑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہوتا ہے، دنیا میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ خیر خواہی کے لئے درمیان میں واسطہ بن جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے وہ مستحقِ اجر وثواب ہے۔ اگر بعد میں موافقت نہ ہو تو بچولے کو برا بھلا کہنا غلط ہے۔ ہاں! اگر بچولیا خود ہی بدخواہی کرے اور جان بوجھ کر غلط جگہ پھنسانے کے لئے رشتہ کرادے تو وہ گنہگار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱۱/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''سنجوگ: دوستی، ملاقات، میل ملاپ''۔(نور اللغات: ۳/۳۶۸، سنگ میل لاهور)

سنجوگ: میل ملاپ، اتفاقی ملاقات، موقع، اتفاق، نصیب، قسمت''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۱۷، فیروز سنز، لاهور)

باب مایتعلق بالرسوم عندالزفاف

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین

سوال [۵۴۶۸]: ۱.....قبل ازعقدِ مناکحت لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے مٹھائی وغیرہ کا لینا بالشرط یا بلاشرط عرف کی بناء پر اور لڑکے والوں کا دینا طیبِ خاطر سے یا مجبوری کی وجہ سے کیا حکم رکھتا ہے؟

۲.....ڈالی مقرری کا جواز ہے یا نہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب جانبین سے لڑکا و لڑکی والے راضی ہوجاتے ہیں تو ایک دن مقرر کیا جاتا ہے اور اس دن لڑکے والے چند اشخاص کچھ مٹھائی وغیرہ اور لڑکی کے لئے کپڑے اور پان چھالیاں لے کر لڑکی والے کے ہاں پہنچتے ہیں اور وہاں لڑکی والے کے برادری وغیرہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے ایک ڈالی میں کچھ پان چھالیاں اور کچھ نقد رکھ کر لڑکی کی والدہ یا دادی وغیرہ کے پاس بھیجی جاتی ہے، وہ سب چیزیں لے لیتی ہے اور چند پان، چند چھالیاں واپس کردیتی ہے، بعدہ موجودہ لوگوں کو پان چھالیاں تقسیم کردیے جاتے ہیں۔ اور بعض جگہ کا یہ بھی رواج ہے کہ اس ڈالی کو لے کر مسجد میں بھی عورتیں جاتی ہیں اور کہیں کہیں تو مزارات بلکہ ہندوؤں کے معبد میں سلام وغیرہ کرنے کو جاتی ہیں۔

اب ان صورتوں میں کیا ایک ہی حکم ہوگا، یا کیا صورت ہوگی؟ کیا جواز کی بھی کوئی صورت کسی حالت میں نکل سکتی ہے؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

۳.....جبر کرکے ڈالی مقرری کے دن یا بارات کے دن ابواب یعنی حمام وغیرہ دیگر اخراجات کے لئے روپیوں کا لڑکے والوں سے لینا کیسا ہے؟

۴.....قبل ازعقد ڈالی مقرری کے دن لڑکے والوں سے کپڑے لے کر لڑکی والوں کو پہنانا کیسا ہے؟

۵.....اگر مذکورہ بالا امور کے بغیر ارتکاب کئے کہیں شادی نہ ہوتی ہو، یا بڑی مشکل ہوجاتی ہو تو ایسی

صورت میں کیا کیا جاوے؟ کیا کوئی جواز کی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں اور تقویٰ کیا ہوگا؟ اور ایسے موقعوں پر مقتدایانِ قوم کو کیا کرنا چاہیے جب کہ بصورتِ عدم پابندی رسومِ شادی قریب غیر ممکن یا عادۃً محال ہو جاتی ہے؟

خلافِ شرع رسم کی پابندی

سوال [۵۴۲۹]: ۶..... اگر کوئی کہے کہ ہم کو ان امور کے جائز یا ناجائز سے کوئی واسطہ نہیں، ہم وہی کریں گے جو باپ دادا نے کیا ہے تو اس شخص کا کیا حکم ہے، آیا کلمۂ کفریہ ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ سب جوابات مفصل مع حوالۂ کتبِ متعددہ بہت جلد تحریر فرما کر ممنون فرمایا جائے۔

عبدالرزاق از پورنیہ بہار۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". درمختار۔ وقال الشامي: "(قوله: عند التسليم): أى بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، وكذا لو أبى أن يزوجها، فللزوج الاسترداد قائماً أو هالكاً؛ لأنه رشوة، بزازية". شامی: ۲/۳۶۵(۱)۔

"لو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". بحر: ۳/۸۷(۲)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ رشوت ہے، اگر شرط نہ کی جائے اور لڑکے والے بطیبِ خاطر مگر بناءً علی المعروف دیتے ہیں تب بھی بقاعدہ "المعروف كالمشروط" ناجائز ہے۔ اگر شرط کر لی جائے اور مجبوری

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۳/۱۵۶، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل قول الكنز: "ولو نكح ذمي ذمية بميتة الخ": ۳/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثاني عشر في المهر، نوع آخر تزوجها بمهر سر أو بشيء علانية: ۴/۱۳۶، رشيديه)

دیں تو اس کا ناجائز ہونا بالکل اظہر ہے، ہاں! اگر کہیں عرف نہ ہو اور بلا طلب و بلا شرط بطیب خاطر دیں تو یہ ہدیہ ہوگا اس کا لینا درست ہے:

"قال في الوسيلة الأحمدية شرح الطريقة المحمدية: و لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الراشي والمرتشي، و من الرشوة ما أخذه وليّ المرأة قبل النكاح إذا كان بالسؤال أو كان إعطاء الزوج بناءً على عدم رضائه على تقدير عدمه. أما إذا كان بلا سؤال و لا عن عدم رضائه، فيكون هديةً، فيجوز". مجموعة الفتاوى: ۲/ ۲۱۶(۱)۔

۲......اس ڈالی میں دو امر قابل غور ہیں: اول ان اشیاء کا حکم جولڑکے والے لڑکی والوں کو دیتے ہیں۔ دوم: اس ہیئت مخصوصہ کا حکم۔ سو اول میں تو وہی تفصیل ہے جو کہ جواب نمبر: ا میں گزری۔ دوم کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً بے اصل ہے کہ محض ایک رسم ہے، جس کا التزام کر رکھا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے(۲)، نیز اس میں فخر اور ریاء ہے اور اس وجہ سے یہ رسم کی جاتی ہے، لہذا شرعاً ممنوع ہے۔ اس قسم کے رسوم کے مفاسد کو اور مضرات کو "اصلاح الرسوم" میں نہایت بسط سے بیان کیا ہے(۳)۔

۳......قطعاً ناجائز ہے:

"ولايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. كذا في البحر".

---

(۱) (مجموعة الفتاوى، مترجم لمولانا عبدالحی اللکنوی، کتاب الحظر والإباحة، (استفتاء نمبر: ۷۲): ۲/ ۲۳۰، سعید)

(۲) "وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، وجاء في حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "إن الله عزوجل يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، (رقم الحديث: ۹۳۶)، رشيديه)

"الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حدّ الكراهة". (السعاية، كتاب الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (إصلاح الرسوم، لشيخ المشايخ مولانا أشرف على التهانوى رحمه الله تعالى)

ص:۴۱، عالمگیری:۲/۷۷۸(۱)۔ فی ردالمحتار: "و من السحت ما یأخذ الصهر من الختن بسبب بنته"(۲)۔

و فی الخانیة: "رجل خطب امرأةً و هی تسکن فی بیت أختها، و زوج أختها لا یرضی بنکاح هذا الرجل إلا أن یدفع إلیه دراهم، فدفع الخاطب دراهم، کان له أن یسترد ما دفع إلیه؛ لأنه رشوة"(۳)۔

وفی الهندیة: "خطب امرأةً فی بیت أخیها أن یدفعها حتی یدفع إلیه دراهم فدفع و تزوجها، یرجع بما دفع؛ لأنه رشوة، کذا فی القنیة"(۴)۔

۴......اس کا جواب نمبر:۱میں گزرا، اس میں اتنی وسعت اَور ہے کہ اگر ان کپڑوں کومہر میں شمار کرلیا جائے تو شرعاً درست ہے، لیکن اس مخصوص رسم کا عدمِ جواز جواب نمبر:۲میں گزر چکا ہے۔

۵......جو امور شرعاً ناجائز اور منع ہیں وہ شادی کی رعایت سے جائز نہیں ہوسکتے، انسان کو چاہئے (کہ) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اپنے دین اور شرعی احکام پر پختہ رہے، انشاء اللہ کوئی مجبوری پیش نہ آئے گی: ﴿ومن یتوکل علی الله فهو حسبه﴾(۵)۔ اور مقتدا کو تو ایسے مواقع میں خصوصاً احکامِ شرعیہ پر نہایت سختی سے جما رہنا چاہئے، کیونکہ اس کی شرکت سے عوام کی طبائع میں ان امورِ قبائحہ کا مستحسن ہونا محتمل ہے۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(والبحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۶۸، رشیدیه)

و قد ذکره سلیم رستم بازبلفظ: "لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی". (شرح المجلة: ۱/۲۲، المادة: ۹۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، ذکر الفروع: ۶/۴۲۴، سعید)

(۳) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، فصل فی حبس المرأة نفسها بالمهر: ۱/۳۹۱، رشیدیه)

(۴) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع أحکام فی المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، منها ما یتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشیدیه)

(۵) (سورة الطلاق: ۳)

۲......ایسا سخت گناہ اور نہایت خطرناک ہے حتی کہ بعض فقہاء نے ایسا کہنے والے کی تکفیر کی ہے، لہٰذا ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی ضروری ہے، جس قول کے قائل اور جس فعل کے مرتکب کی تمام فقہاء نے تکفیر کی ہو اس کو بالاتفاق تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہے اور جس کی بعض نے تکفیر کی ہو اس کے کفر و ایمان کے حق میں اگرچہ عدمِ کفر کی روایت کو ترجیح دی جائے گی، لیکن تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح اس کو بھی احتیاطاً ضروری ہے:

" إذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع فى هذه الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: "**من برسم كا رميكنم نه بشرع**" يكفر عند بعض المشايخ". عالمگیری: ۲/ ۸۹۱(۱)۔

"سئل الحاكم عبد الرحمان عمن قال: "**برسم كارميكنم نه بحكم شرع**". هل هو كفر؟ قال: إن كان مراده فساد الحق و ترك الشرع و اتباع الرسم لا رد الحكم، لايكفر، كذا فى المحيط". عالمگیری: ۲/ ۸۸۱(۲)۔

"ماكان فى كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح و بالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط" (۳) .... "إذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه واحد يمنع، فعلى المفتى أن يميل إلى ذلك الوجه، كذا فى الخلاصة (٤)۔ "فى البزازية: إلا إذا صرح بإرادة توجب الكفر، فلا ينفعه التأويل، كذا فى البحر الرائق"(۵)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، موجبات الكفر انواع، منها مايتعلق بالعلم و العلماء: ۲/ ۲۷۱، ۲۷۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بذات الله تعالىٰ و صفاته و غير ذلک: ۲/ ۲۵۸، رشيديه)

(۳) (العبارة المذكورة من أولها إلى آخرها من الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة: ۲/ ۲۸۳، رشيديه)

(۴) (خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثانى فى ألفاظ الكفر ما يكون كفراً الخ أما الأول فى المقدمة: ۴/ ۳۸۲، رشيديه)

(۵) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۱۰، رشيديه)

(و كذا فى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الثانى فيما يكون كفراً من المسلم الخ: ۶/ ۳۲۰، رشيديه)

"ثم إن كان نية القائل الوجه الذي يمنع الكفر، فهو مسلم، وإن كان نيته الوجه الذي يوجب التكفير، لاينفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه وبين امرأته". كذا في المحيط والبحر(۱) وغير ذلك من كتب الفقه۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۷/ ذیقعدہ/۵۴ھ، جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ۔

منگنی میں باجہ

سوال[۵۴۷۰]: منگنی میں باجہ لے جانا ضروری ہے، والدین بھی کہتے ہیں کہ اگر میں باجہ نہیں لے گیا تو لوگ مجھے دھوکہ باز کہیں گے، اب میرے لئے مشکل ہے، اس لئے والدین مجبور کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

باجہ بجانا اور سننا اور باجہ جس محفل میں ہو اس میں شرکت کرنا سب منع ہے(۲) اور ناجائز کام میں کسی کی اطاعت نہیں، والدین ہوں یا کوئی اور ہو: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". الحديث۔ مشکوۃ شریف(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

منگنی پر کچھ رقم لینا

سوال[۵۴۷۱]: یہاں گاؤں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کی شادی کی جب بات چیت ہوتی ہے تو لڑکے والے آکر گاؤں کے برادری والوں کو بلاتے ہیں جب سب جمع ہوتے ہیں تو لڑکے والے سے دس پانچ

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/ ۲۰۹، ۲۱۰ رشيديه)

(۲) "قال رحمه الله تعالى: السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام، لا يجوز القصد إليه و الجلوس عليه، و هو والغناء و المزامير سواء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، الباب السابع عشر في الغناء واللهو الخ: ۵/ ۳۵۲، رشيديه)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، ص: ۳۲۱، قديمی)

روپیہ خرچ لیتے ہیں، اس لئے لیتے ہیں کہ برادری کو بلانے کے لئے حجام جاتا ہے تو اس میں کچھ پیسہ اس کو دیا جاتا ہے اور جو لوگ آتے ہیں ان کی تواضع چائے، پان وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ تو برادری والوں کا یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کو مسجد میں دیدیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لڑکی کی بات چیت پختہ کرنے کے موقعہ پر لڑکے والے سے کچھ رقم لینا کہ نائی کو دیجائے گی اور برادری کو جمع کرکے چائے پان میں خرچ کی جائے گی، یہ غلط رسم ہے(۱)، اس کو ختم کیا جائے، نہ نائی کی ضرورت ہے نہ برادری کو جمع کرنے کی، بلکہ گھر کے بڑے جس طرح مناسب ہو ایک دو آدمی سے مشورہ کرلیں۔ ایسی جمع کردہ رقم جس سے لی ہے اس کو واپس کردیں، وہ اپنی خوشی سے مسجد میں دیدے تو مسجد میں خرچ کردینا بھی درست ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

منگنی کے موقع پر لڑکے کے والد کا مجمع کو سلام کرنا

سوال [۵۴۷۲]: بوقتِ منگنی جب جوڑا وغیرہ دیا جاتا ہے تو لڑکے کے والد پورے مجمع کو سلام کرتے ہیں۔ یہ سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سلام شرعی نہیں، رسم ورواج کا سلام ہے جو قابلِ ترک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۹ھ۔

منگنی میں کپڑا بدلتے وقت لڑکے کو چاول، پان، چھالی چُمانا

سوال [۵۴۷۳]: ۱...... منگنی میں جب لڑکے کو کپڑا پہنایا جاتا ہے تو عورتیں گھر بلا کر لے جاتی ہیں اور چراغ، چاول، پان کا پتہ، گھاس، چھالی وغیرہ سے لڑکے کو چماتی ہیں، جس میں محرم، وغیر محرم سب عورتیں ہوتی ہیں۔

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان ''منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین''۔

شادی سے پہلے گھر کو لیپنا اور انگلیوں کے نشانات لگانا

سوال [۵۴۷۴] : ۲.....شادی سے دو چار دن پہلے گھر کو لیپنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور انگلیوں کے نشانات اور رنگ کے چھینٹے وغیرہ دیواروں پر دیئے جاتے ہیں۔

لڑکے کو مہندی، اُبٹن لگانا

سوال [۵۴۷۵] : ۳.....شادی سے کچھ دن پہلے لڑکے کو مہندی لگاتے ہیں اور ابٹن لگاتے ہیں (۱) اور ابٹن دانا جلا کر بنایا جاتا ہے مثلاً جو۔

دولہے کو نہلانے کا انتظام، عورت کا ساڑی کی گور ڈالنا

سوال [۵۴۷۶] : ۴.....لڑکے کو سسرال جاتے وقت نہلانے کے لئے خاص انتظام کرتے ہیں، گڑھا کھود کر اوپر سے تختہ ڈال کر لڑکے کو بٹھاتے ہیں اور اس کے سر پر ایک محرم عورت اپنی ساڑی یا دوپٹہ کا کور ڈالے ہوئے ہوتی ہے اور کپڑا پہناتے وقت تک ڈالے رہتی ہے اور پھر لڑکے کو مسجد میں لے جاتے ہیں اور کثیر تعداد میں عورتیں اس کے ساتھ گیت گاتی جاتی ہیں، اس میں اکثر حصہ فحش کلام کا ہوتا ہے۔

سسرال پہونچنے پر دولہے کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ

سوال [۵۴۷۷] : ۵.....سسرال جانے پر لڑکے کو فوراً لڑکی کے گھر لے جاتے ہیں اور وہاں بھی چومنا ہوتا ہے اور لڑکے کو اس کی سالیاں وغیرہ شربت پلاتی ہیں جس میں جونک وغیرہ کے پانی کا غلبۂ ظن ہوتا ہے اور تمام عورتیں گیت گاتی ہوتی ہیں جس میں لڑکے کے ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کو بہت سی گالیوں سے بھی نوازا جاتا ہے اور لڑکے کو تمام لوگوں کے سامنے مجلس میں گھر کے کل کپڑے کو نکال کر سسرال کا کپڑا پہنایا جاتا ہے جس میں نظریۂ سحر وغیرہ کا غلبۂ ظن ہوتا ہے۔

دولہے سے دولہن کے سر پر سیندور ڈلوانا وغیرہ

سوال [۵۴۷۸] : ۶.....پھر لڑکے کو کھانا کھلاتے وقت آدمی متعین ہوتے ہیں جو کچھ باقی رہنے کے

(۱) "ابٹن: ایک خوشبودار مصالحہ جو جسم کو صاف اور ملائم بنانے کے لئے مَلا جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱، فیروز سنز، لاهور)

ساتھ لڑکے کے آگے سے پلیٹ اٹھا لیتے ہیں اور لڑکی کو باعثِ تبرک سمجھ کر کھلاتے ہیں اور لڑکے کو گھر بلایا جاتا ہے جس میں محرم وغیر محرم سب عورتیں ہوتی ہیں اور لڑکے کے سامنے لڑکی کے چہرہ کو کھول کر بٹھا دیتے ہیں، اس کے سر پر سیندور ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور ایک ٹیبل پر چھالی رکھ کر جسے تیل سے بھگوئے ہوتے ہیں سل کے پتھر سے توڑنے کو کہتے ہیں، وہ اڑ جاتا ہے تو لڑکے کو بہت گالیاں دیتی ہیں اور دو باپ کا کہا جاتا ہے اور کچھ لڑکیاں پان کے پتے کو گراتی جاتی ہیں اور لڑکے سے اس کے اٹھانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

کنبہ والوں کو کپڑے دکھلانا، جہیز کی نمائش اور اس کی فہرست

سوال [۵۴۷۹]: ۷..... لڑکا اور لڑکی کے کپڑے کو تمام کنبہ والے کو دکھا کر رکھا جاتا ہے اور ضروری سمجھا جاتا ہے اور جہیز کے سامان کو تمام لوگوں کے سامنے شمار کیا جاتا ہے اور ایک فہرست لکھ کر لڑکے والے کو دیتے ہیں اور ایک ایک اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ ان سب کا حکم کتاب وسنت کی روشنی میں نوازیں اور ان کے ثبوت کو پیش کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... یہ رسم خلافِ شرع ہے، اس کو بند کرنا لازم ہے (۱)۔

۲..... صفائی کے لئے گھر کو لیپنے میں تو مضائقہ نہیں، مگر انگلیوں کے نشانات وغیرہ لگانا غلط رسم ہے، اس کو بند کیا جائے (۲)۔

---

(۱) غیر محرموں کے ساتھ اختلاط شرعاً مذموم وممنوع ہے اور چونکہ اس رسم میں اس کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہر ایسا فعل جس میں ارتکابِ منہیات ہو، اس کو ترک کرنا اور بند کرنا لازم ہے:

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: "وخلاصة الكلام: من أبصر ما أنكره الشرع "فليغيره": أي بأن يمنعه بالفعل بأن يكسر الآلات و يريق الخمر، الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/ ۸۲۱، رشيديه)

(۲) انگلیوں کا یہ نشان غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے:

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". رواه أحمد وأبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

....

۳..... یہ بھی کوئی شرعی چیز نہیں، قابلِ ترک رسم ہے، اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ بھی ہے جس کی ممانعت آئی ہے(۱)۔

۴.....اس رسم کو بالکل بند کردیا جائے (۲)۔

۵.....اس کو بھی بند کیا جائے (۳)۔

= وقال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: "أی من شبّه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار .... قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: هذا عام فی الخَلق والخُلق والشعار .... قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غیر". (مرقاة المفاتیح: ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(۱) "وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: لعن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المخنثین من الرجال، والمترجلات من النساء، وقال: "أخرجوهم من بیوتکم" رواه البخاری".

"وعنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال" رواه البخاری". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول ص: ۳۸۰، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحت الحدیثین: "فی الزی واللباس والخضاب والصوت والصورة والتکلم و سائر الحرکات والسکنات .... فهذا الفعل منهیٌّ؛ لأنه تغیر لخلق الله .... ففی شرعة الإسلام: الحناء سنة للنساء، و یکره لغیرهن من الرجال، إلا أن یکون لعذر؛ لأنه تشبه بهن .... والعجب من أهل الیمن فی أن رجالهم یتحنون مع أن هذا شعار الرافضة أیضاً .... والثانی: من یتکلف أخلاق النساء و حرکاتهن و سکناتهن و زیّهن، فهذا هو المذموم الذی جاء فی الحدیث لعنه". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول: ۲۱۶/۸، ۲۱۷، رشیدیه)

نیز یہ روافض کا شعار بھی ہے جیسا کہ اوپر کی عبارت میں تصریح ہے۔

(۲) "و یکره .... إنشاد ضالة أو شعر، الخ" (الدر المختار). "و قد أخرج الإمام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ فی شرح مجمع الآثار أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی أن تُنشد الأشعار فی المسجد ثم وفق بینه و بین ما ورد أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وضع لحسان منبراً ینشد علیه الشعر بحمل الأول علی ما کانت علی قریش تهجوه به، و نحوه مما فیه ضرر". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة و ما یکره فیها، مطلب فی إنشاد الشعر: ۶۶۰/۱، سعید)

(۳) ایسے اشعار کہنے سے شریعتِ مطہرہ نے منع کیا ہے جن میں کسی مسلمان کی تحقیر ہو، اور مسلمان کے محترم ہونے کی بنا پر اس کی =

۶......اس کو بھی بند کیا جائے۔

۷......سامان اس طرح اعلان کے ساتھ دینا اور سب کو دکھانا غلط طریقہ ہے، اس کو بند کیا جائے۔ دیتے ہوئے سامان کی فہرست بنا کر دینا اور اپنے پاس رکھنا درست ہے، مگر حیثیت سے بڑھ کر قرض وغیرہ لے کر سامان دینا بھی غلط ہے۔ ان رسوم کی تفصیل اور ان کے مفاسد "اصلاح الرسوم" میں درج ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

شادی میں اسراف

سوال [۵۴۸۰]: جس کے پاس پانچ سو روپیہ ہوں اور تمام کو تقریب شادی میں خرچ کردے تو یہ اسراف بیجا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے محل خرچ کرنا اسراف میں داخل ہے اور اسراف ممنوع ہے: ﴿ولا تسرفوا إنه لايحب المسرفين﴾ (۱) اگر سب مال خرچ کرنے کے بعد محتاج ہوگیا اور اس کے پاس پھر کچھ نہیں رہا تو اسراف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم۔

=شان میں ایسے اشعار کہنا حرام ہے:

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان الخ، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يمتلىء جوف رجل قيحاً يريه خيرٌ من أن يمتلي شعراً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب البيان والشعر من كتاب الآداب، الفصل الأول، ص: ۴۰۹، قديمي)

"قلت: الظاهر الإطلاق .... و لعل وجه تخصيصه بالذكر تنبيةٌ على أنه أقبح أنواعه، أو إشعارٌ بأن الشعر مذموم؛ لأنه قد يؤدي إلى ذلك". (مرقاة المفاتيح: ۵۴۶/۸، رشيديه)

(۱) (سورة الأعراف: ۳۱)

شادی ۳/۱۳/۲۳ تاریخ میں نہ کرنا

سوال[۵۴۸۱]: عام رواج ہے کہ شادی بیاہ کے موقعہ پر لوگ تاریخ رکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہینہ کی ۳، ۱۳، ۲۳/ تاریخ نہ ہونا چاہئے اور باقی تاریخیں کوئی بھی رکھی جائیں۔ اگر کبھی ۲/ تاریخ یا ۷/ تاریخ وغیرہ مقرر ہوگئی تو یہ ہوتا ہے کہ نکاح دن میں ہوجائے ۳/ یا ۸/ نہ ہونے پائے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ رواج شرعاً بے اصل ہے۔ اس کی پابندی لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

شادی کی رسوم

سوال[۵۴۸۲]: ضلع اٹک کے دیہات کے مسلمانوں میں بوقتِ شادی رسوماتِ ذیل ہوتی ہیں:

نکاح سے ایک روز پہلے برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور دولہا کے دائیں ہاتھ میں چاندی کا ایک کڑا پہنایا جاتا ہے اور اس ہاتھ میں ایک رنگین ڈورا بھی باندھا جاتا ہے جس کو وہ ''گانا'' کہتے ہیں، اس میں ایک چھلہ لوہے کا پڑا ہوتا ہے۔ پھر میراثی گانا شروع کرتے ہیں، اس کے گانے کے ساتھ برادری کی عورتیں ناچتی ہیں، اور برابر ڈھولکی وغیرہ بجتی رہتی ہے۔ پھر شام کو دولہا اور برادری کے مرد اور عورتیں ان کے آگے میراثی ہوتے ہیں، یہ لوگ گاتے ہوئے گاؤں کا چکر لگاتے ہیں، اس کو وہ لوگ ''چانولہ'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد واپس

---

(۱) دنوں کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا کہ فلاں فلاں دن منحوس ہے، یہود کا عمل اور طریقہ ہے:

''سئل نفع الله بعلومه: السؤال عن النحس والسعد وعن الأيام والليالي التي تصلح لنحو السفر والانتقال ما يكون جوابه؟ فأجاب رضي الله تعالىٰ عنه: من يسأل عن النحس و ما بعده، لا يُجاب إلا بالإعراض عنه، و تسفيه ما فعله، و يبيّن له قبحه، وأن ذلك من سنة اليهود لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم و بارئهم، الذين لا يحسبون و على ربهم يتوكلون. وما ينطق من الأيام المنطوقة و نحوها عن علي كرم الله وجهه باطلٌ كذبٌ، لا أصل له، فليحذر من ذلك، والله تعالىٰ أعلم''.

(الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي رحمه الله تعالىٰ، مطلب في الجواب عن الأيام .... و سعيدها ونحيسها، ص: ۴۱، ۴۲، قديمي)

جا کر دلہن کو مرد اور عورتیں مہندی لگاتے ہیں، پھر صبح نکاح کیا جاتا ہے۔ لہذا علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ یہ رسوم شرعاً درست ہیں یا نہیں؟ ان عورتوں کے مرد دیوث ہیں یا نہیں؟

کیا وہاں کے علمائے کرام کا فرض نہیں ہے کہ ان رسوم کے چھڑانے میں کوشش کریں؟ و نیز کیا علماء کو حق ہے کہ ان رسوم میں ان کے ساتھ شریک رہیں، و نیز کیا علماء کا فرض نہیں کہ ایسی منہیات سے روکیں؟ اگر وہ باز نہ آویں تو کیا علماء کو جائز ہے کہ ان کا نکاح نہ پڑھاویں اور نہ ان کی دعوت میں شریک ہوں؟ چنانچہ ایک مرتبہ ایک عالم کے سمجھانے پر سب نے ان بدعات سے بچنے پر عہد و پیمان کیا اور یہ طے پایا کہ جو شخص ان محرمات کا مرتکب ہوا، امام اس کی دعوت قبول نہ کرے اور نہ نکاح پڑھاوے، لیکن امام صاحب جو اس عہد و پیمان میں شریک ہیں بعد میں انہوں نے عہد شکنی کی اور ایسے شخص کے یہاں نکاح بھی پڑھایا اور دعوت بھی کھائی۔ لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ رسوم خلافِ شرع اور ناجائز ہیں۔ مرد کو چاندی کا زیور پہننا حرام ہے (۱)۔ ڈھولکی بجا کر اس طرح گانا، ناچنا (۲) اور گاؤں کا طواف کرنا، عورتوں کا نامحرموں کے ساتھ آنا سب بے حیائی اور جہالت کی رسمیں ہیں،

---

(۱) "و لا یتحلی الرجل بذهب و فضة مطلقاً" (الدر المختار). "أی لا یتزیّن .... سواء كان فی حرب أو غیره". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۸، ۳۵۹، سعید)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع". رواه البیهقی فی شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح، کتاب الأداب، قبیل باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، ص: ۴۱۱، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: "قال النووی فی الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مکروه، و سماعه مکروه، وإن کان سماعه من الأجنبیة، کان أشد کراهة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب البیان والشعر، الفصل الثالث (رقم الحدیث: ۴۸۱۰): ۸/۵۵۷، رشیدیه)

"و کره کل لهو". (الدرالمختار). وقال ابن عابدینؒ: "والإطلاق شامل لنفس الفعل و استماعه، کالرقص والسخریة والتصفیق .... فإنها کلها مکروهة؛ لأنها زیّ الکفار". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۵، سعید)

ان کومٹانے کی کوشش ہر شخص کے ذمہ حسبِ حیثیت لازم ہے، خاص کر علماء کے ذمہ یہ فریضہ زیادہ ہے۔ جس مجلس میں رسومِ مذکورہ ہوتی ہیں اس میں شرکت ممنوع ہے، خاص کر ائمہ اور علماء کو بہت زیادہ ایسی مجلس کی شرکت سے اجتناب لازم ہے(۱)۔

خاص کر جب کہ وہاں کے عوام کو علماء کے ساتھ اس قدر تعلق ہو کہ ان کے کہنے سے اصلاح کی بہت زیادہ توقع ہے تو ان کو ہرگز ہرگز ایسی مجالس میں شریک نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ نکاح پڑھنے اور شریک ہونے کے لئے اولاً شرط کر لی جائے کہ ان رسوم کو ترک کر کے توبہ کرو اور شریعت کے مطابق شادی کرو تو ہم شریک ہوں گے ورنہ نہیں، جو شخص اس قسم کا عہد کر کے بلا کسی مجبوری کے عہد شکنی کرے وہ گناہ گار ہے، اس کو توبہ لازم ہے(۲)، ایسے رسوم کے پابند عوام کی نماز ایسے عہد شکن امام کے پیچھے درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

شادی کی رسوم

سوال [۵۴۸۳]: ہمارے یہاں شادیوں میں بارات کا طریقہ ہے جو گھوڑا جوڑا توڑا سہرا گولا، فوٹو کشی وغیرہ کرتے ہوئے لڑکی والوں کے یہاں جاتے ہیں اور اعلانِ نکاح گولا باریوں سے ہوتا ہے، سہرا بھی لفظ ''سہرا'' کی صراحت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ دولہا اپنے چند دوستوں کو لڑکی کے گھر لے جاتا ہے، نامحرموں سے

---

(۱) "من دُعي إلى وليمة، فوجد ثمة لعباً أو غناءً .... إذا كان (مقتدى به) ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج و لا يقعد. ولو كان ذلك على المائدة، لا ينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به، وهذا كله بعد الحضور، و أما إذا علم قبل الحضور، فلا يحضر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني في الهدايا و الضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان".

"وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أربعٌ مَن كنّ فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

ہنسی مذاق وغیرہ کیا کیا ہوتا ہے، سہیلیاں رومال آئینہ وغیرہ دیتی ہیں۔ جہیز بھی ایک نمائش اظہارِ مالداری غریب لڑکیوں کی دل آزاری ہی دے دیا جاتا ہے۔

لڑکی والے کے یہاں شادی کے موقع پر اکثر جہیز لے کر آتے ہیں تب ہی دکھاتے ہیں۔ جہیز کپڑا، غلہ یا پیسے کی شکل میں ہوتا ہے جو صورۃً تعاون حقیقۃً قرضہ ہوتا ہے جو دینے والے کو اس کی بیٹی کی شادی کے موقع پر وصول ہو جاتا ہے۔ ایسی شکل میں بارات جانے اور لڑکی والوں کے یہاں شادی کے موقع پر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح ایک شرعی حکم ہے جس کو ادائے سنت کے لئے ماثور طریقہ پر کرنا چاہئے، اور جو کچھ آپ نے سوال کیا ہے یہ مجموعۂ خرافات وغلط رسومات اس قابل نہیں کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ ایسی بارات میں شامل ہونا بھی غلط ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۴۰۶ھ۔

شادی کی بعض رسوم

استفتاء [۵۴۸۴]: ہماری برادری میں حسبِ تفصیل امور پنچایت محلہ پلکھن تلہ سہارنپور نے اس طرح پر مقرر کیے ہیں:

۱...... یہ کہ جب کسی کی شادی ہو تو منڈھے کا ہونا لازمی ہے، اہلِ شادی کو لازم ہوگا کہ منڈھے کی تقریب میں بجائے مکانیہ کھانا کھلانے کے بوڑھے، بچہ، مرد، عورت کا کھانا بطور رہبہ کے ہر شخص کے مکان پر پہنچادے اور کھانے کی رکابی میں کھانا، چاول، پلاؤ وغیرہ فی کس ڈیڑھ سیر پختہ وزن...... گھی سے کم نہ ہو اور یہ بھی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن هذا صراطي مستقيماً، فاتبعوه و لا تتبعوا السبل، فتفرق بكم عن سبيله﴾ الآية. (سورة الأنعام: ۱۳۴، ۱۳۵)

قال العلامة الآلوسي تحتها: " إشارة إلى شرعه عليه الصلوة والسلام ﴿ولا تتبعوا السبل﴾: أى الضلالات......... و أخرج ابن المنذر و عبد بن حميد وغيرهما أنها البدع والشبهات". (روح المعاني: ۵۶/۸، ۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قرار دیا ہے کہ اہل شادی کو لازم ہوگا کہ اگر کھانا پلاؤ کا ہوگا تو پلاؤ میں فی دیگ ڈھائی سیر پختہ گھی اور زردہ میں پانچ سیر گھی، دال میں سوا سیر پختہ گھی، شوربہ میں سوا سیر سے کم نہ ہوگا، یہ امر ضروری ہے۔ اور یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ جس شخص کے یہاں اہل شادی کھانا پہنچائے گا اس شخص کو لازم ہوگا کہ وہ اہل شادی کے یہاں نوتہ ضرور دے، اس وجہ سے کہ اہل شادی نے قرضہ لے کر کھانا تقسیم کیا ہو تو وہ نوتہ لے کر اپنا قرض ادا کر دے۔

۲...... ہر شخص اہل برادری کو لڑکا یا لڑکی کی شادی کرنے سے پہلے بھاجی کا ایک مرتبہ کرنا لازمی ہے، بھاجی کا طریقہ یہ ہے کہ فی کس مرد، عورت، بچہ، بوڑھا کے لئے وزنی آدھ سیر پختہ چاول خام اور آدھ پاؤ پختہ دال خام دینی ہوگی۔ اگر پکے ہوئے کھانے کی تقسیم کرے گا تو مطابق سوال نمبر: ا کے کھانا دینا ہوگا۔

۳...... ایک رسم بری کی ہے جو لڑکے والے کی طرف سے لڑکی کے یہاں دی جاتی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سہاگ پڑہ	کھانڈ پونڈ	ہندی	ڈوری	کھیلیں	میوہ	کنگھی	سرمہ دانی	شکر	برے پان	عطر	جوڑہ کپڑے
ایک	ایک	۱/ماء	۲/ماء	۵/ماء	۵/ماء	ایک	ایک	۲۵/سیر پختہ	۱۰۰/عدد	ایک شیشی	۱۱/عدد

میں نے بوجہ جنگ وجدال بروقت پنچایت ان امور مندرجہ بالا میں کچھ دخل نہیں دیا، جب کہ ان امور کا ایک شادی میں اجرائے حسب دستور مقررہ ہو تو میں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا تو مجھ کو اہل برادری نے علیحدہ کر دیا اور میری ایذا رسانی کے درپے ہیں۔ تو شرعاً جملہ برادری کا ان امور کو لازمی قرار دینا کیسا ہے اور میرا ان امور پر عمل نہ کرنا کیسا ہے؟ فقط۔

مشتاق احمد خان، اسسٹنٹ سپرنڈنٹ ٹیکہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امور مذکورہ کی پابندی شرعاً کسی پر واجب نہیں، جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے اس میں برادری یا کسی اَور کی اطاعت جائز نہیں: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (۱)۔ یہ امور بدعت

---

(۱) (فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۹۰۳): ۱۲/ ۶۳۸۶، مكتبه نزار مصطفى الباز، مكة مكرمة)

"وعن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق". الحديث. رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، =

ناجائز اور گناہ ہیں(۱)، ان پر اصرار گناہ پر گناہ ہے(۲)۔ ایسی دعوت کا کھانا کسی طرح جائز نہیں:

"لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، کذا فی البحر".

عالمگیری(۳)۔

جو شخص برادری کے اس قانون کو توڑے گا وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۳ھ۔

= الفصل الثانی ص: ۳۲۱، قدیمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحت الحدیث: "و قال محمد بن الحسن: لا یسع المأمور أن یفعله حتی یکون الذی أمره عدلاً، و حتی یشهد عدلٌ سواه علی أن علی المأمور ذلک ...... عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: دعانی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ...... قال: فقال: علی کرم الله تعالیٰ وجهه: ..... ولکنی أعمل بکتاب الله و سنة رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ما استطعت له، فما أمرتکم من طاعة الله، فحقٌ علیکم طاعتی فیما أحببتم أو کرهتم، و ما أمرتکم بمعصیة الله أنا أو غیری، فلا طاعة لأحد فی معصیة الله، إنما الطاعة فی المعروف" حدیث حسن رواه الحاکم فی صحیحه، وقال: صحیح الإسناد ولم یخرجاه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی: ۷/۲۷۴، ۲۷۵، رشیدیه)

(۱) "وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه، فهو ردٌّ". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قدیمی)

(۲) کسی مندوب یا مستحب کام پر اصرار اور اس کو لازم سمجھنے سے کراہت کی حد تک پہنچ جاتی ہے، چہ جائے کہ کوئی کام سرے سے ثابت ہی نہ ہو:

"الإصرار علی أمر مندوب یبلغه إلی حد الکراهة، فکیف إصرار البدعة التی لا أصل لها فی الشرع". (السعایة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

شادی وغیرہ میں رسوم مروجہ

سوال[۵۴۸۵]: الرسوم المروجة في النكاح والعقيقة و سائر الأفراح مخالفة المأثور عن السلف الصالحين المختلفة باختلاف عادات الناس كلها باطلة، يجب قلعها و قمعها وردها إلى ما هو المتوارث عن السلف۔

الجواب حامداً و مصلياً:

البدعات والرسوم الغير الثابتة التي يلتزمونها مثل العبادات باطلةٌ، يجب ردها وقلعها، سواء كانت متعلقة بالعبادات أم بالمعاملات والمعاشرات وغيرها(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۸ھ۔

نکاح میں ایک جوڑا دے یا دو جوڑے؟

سوال[۵۴۸۶]: نکاح میں ایک جوڑا لے جانا ضروری ہے یا دو جوڑے اور جوڑے کے ساتھ زیور کون سا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کچھ بھی ضروری نہیں، ضروری سمجھنا غلط ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شادی میں دلہن کے لئے سرخ جوڑا

سوال[۵۴۸۷]: بعض جگہوں کا دستور ہے کہ شادی میں شوہر کی طرف سے دلہن کے لئے سرخ

---

(۱) "وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرأة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية

رنگ کا پورا جوڑا یعنی دوپٹہ، پائجامہ، قمیص سب سرخ رنگ ہی کا ہوتا، جس دن شادی ہوتی ہے تو عورت کو وہی کپڑا پہنایا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں افضل یہی ہے کہ کوئی دوسرا؟ جو افضل ہو اس کو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دستور التزام مالا یلزم ہے، افضلیت کی تصریح نہیں دیکھی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۱۳۹۱ھ۔

شادی میں روپیہ لینے کی شرط

سوال[۵۴۸۸]: ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ایک لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہے، مگر وہاں پر والد صاحب نے اس لئے شادی کرنے سے انکار کردیا کہ کچھ اَن بن ہوگئی، حالانکہ پہلے وہاں رشتہ کیا تھا۔ دوسری جگہ جہاں لڑکے کو آٹھ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا ہے بات کر لی، لڑکے نے ان آٹھ ہزار روپوں کو ٹھکرا دیا اور پہلی جگہ اپنی مرضی سے شادی کر لی جب کہ والد صاحب اصرار وضد کی وجہ سے ناراض ہوگئے۔ تو مذکورہ صورت میں لڑکا والد کا نافرمان ہوگا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہوگا تو کیوں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹھ ہزار روپے لڑکے کے لئے شرط قرار دینا غلط ہے، ناجائز ہے۔ ناجائز کام میں والد کی اطاعت نہیں، اگر لڑکے نے اس غلط روپے سے بچنے کے لئے اپنی شادی خود کر لی تو وہ نافرمان نہیں ہوا:

"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". الحدیث (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "نعم الجهر المفرط ممنوع شرعاً .... أو التزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعة رسائل اللكهنوی، سباحة الفكر فی الجهر بالذكر: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراتشی)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب فی الدعاء فی التشهد، (رقم الحديث ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی: ۲/۳۲۱، قديمی)

نکاح کے بعد مصافحہ

سوال[۵۴۸۹]: ا...... ہمارے اطراف میں رواج ہے کہ جب نکاح پڑھا کر ختم کرتے ہیں تو بعد میں فوراً دولہا حاضرینِ مجلس سے مصافحہ کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص اس کو بدعت سمجھ کر نہ کرے تو اس کو بے ادب اور برا بھلا کہنا اور یہ کہنا کہ یہ بدعت حسنہ ہے، یا جائز ہے یا نہیں؟

نکاح کے وقت جھک کر چلنا

سوال[۵۴۹۰]: ۲...... لوگوں کے سامنے تعظیماً اوندھا ہو کر چلنا اور تکلفاً آہستہ آہستہ چلنا، خصوصاً دولہا کے لئے رسم سمجھ کر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اوندھا ہو کر نہ چلے اور اپنی روش پر چلے تو اس کو بے ادب اور برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

نکاح کے وقت سلام کرنا

سوال[۵۴۹۱]: ۳...... نکاح کے بعد فوراً کھڑا ہو کر سلام کرنا دولہا کے لئے جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی شخص رسم سمجھ کر نہ کرے تو اس کو برا بھلا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

نکاح کے بعد دلہن کا منہ دکھلانا

سوال[۵۴۹۲]: ۴...... آج کل رواج ہے کہ نکاح کے بعد سب کو دلہن کا منہ دکھلاتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

دربانی روپیہ

سوال[۵۴۹۳]: ۵...... آج کل رواج ہے کہ دولہا سے دربانی روپیہ لیا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دولہا جس راستہ سے جائے گا، وہاں پر ایک شخص کھڑا ہو جاتا ہے، اگر روپیہ نہ دے تو جانے نہیں دیتا اور برا بھلا کہتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

نکاح سے پہلے زیور کپڑے دکھانا

سوال[۵۴۹۴]: ۶...... نکاح سے پہلے وطن کے زیورات اور کپڑے حاضرینِ مجلس کو دکھلانا جائز

ہے یانہیں؟

نکاح سے پہلے دلہن کا زیور وغیرہ استعمال کرنا

سوال[۵۴۹۵]: ۷.....ایجاب وقبول سے پہلے اس زیورات کو دلہن کو پہنانا جائز ہے یانہیں؟

اہلِ مجلس سے قبول کرانا

سوال[۵۴۹۶]: ۸.....آج کل رواج ہے کہ نکاح کے بعد دلہن کے ہاتھ میں ایک کپڑا دیتا ہے اور اس کی دوسری طرف حاضرینِ مجلس (من طرف الزوج) پکڑ لیتا ہے اور دلہن کا وکیل یہ الفاظ کہتا ہے کہ اتنے دن تک میں نے اس کو کھلایا پلایا، اس وقت اس کو آپ لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، پھر حاضرینِ مجلس اس کو قبول کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یانہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحة توجروا عند الله بفرائد الجنة۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....اس مصافحہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، لہذا بے اصل اور بدعت ہے اور مصافحہ نہ کرنے والے کو برا کہنا کسی طرح درست نہیں، اس سے اجتناب چاہئے کیونکہ یہ بدعتِ سیئہ ہے۔ بدعتِ حسنہ کی اصل شرع میں موجود ہوتی ہے، اس کی اصل شرع میں موجود نہیں، لہذا یہ بدعتِ حسنہ نہیں (۱)۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص:۲۷، قديمي)

قال الملا على القاري تحت هذا الحديث: " قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل و انتهى. وشاع و ظهرظهور المحسوس بحيث لا يخفى على كل ذى بصر و بصيرة، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضي .... فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار واستنباط الأحكام منها .... (و قال بعد صفحة): قال الشافعي رحمه الله تعالى: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع، فهو ضلالة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول (رقم الحديث: ۱۴۰): ۱/۳۶۶، ۳۶۸، رشيديه)

۲...... اس طرح چلنے اور کسی کے سامنے ادباً جھکنے کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے: "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رجل: یا رسول الله! الرجل منا یلقی أخاه أو صدیقه أینحني له؟ قال: "لا" الحدیث. مشکوٰۃ شریف، ص: ٤٢ (١)۔

لہٰذا ایسا نہ کرنے والے کو برا کہنا درست نہیں بلکہ گناہ ہے۔

۳...... اس سلام کا بھی شریعت میں ثبوت نہیں، لہٰذا رسم ہے، اس کے تارک پر ملامت ناجائز ہے۔

۴...... یہ بھی ایک رسم بے اصل ہے، نامحرموں کو منہ دکھلانا ہرگز جائز نہیں (۲)۔

۵...... یہ بھی رسم ہے ناجائز ہے، یہ روپیہ مانگنا اگر دولہا شرم یا جبر سے دیدے تو اس کی واپسی ضروری ہے اور روپیہ نہ دینے پر برا کہنا سخت گناہ ہے (۳)۔

۶...... یہ نمائش اور شہرت کی غرض سے دکھایا جاتا ہے، شرعاً ممنوع ہے (۴)۔

---

(١) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ٤٠١، قدیمی)

قال الملا علي القاري: "أینحني له" من الانحناء، و هو إمالة الرأس والظهر تواضعاً و خدمةً. قال: "لا"، أي: فإنه في معنی الرکوع، و هو کالسجود من عبادة الله سبحانه ". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني (رقم الحدیث: ٤٦٨٠): ٤٦١/٨، رشیدیه)

(٢) "و تمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین الرجال ...... لخوف الفتنة کمسه وإن أمن الشهوة". (الدرالمختار). "والمعنی: تمنع من الکشف لخوف أن یری الرجال وجهها، فتقع الفتنة؛ لأنه مع الکشف قد یقع النظر إلیها بشهوة". (ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ٤٠٦/١، سعید)

(٣) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان، والدار قطني في المجتبی". (مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ٢٥٥، قدیمي)

"لا یجوز لأحدٍ من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ٦٨/٥، رشیدیه)

(٤) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أنه سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من سمّع الناس بعمله سمّع الله به أسامع خلقه، وحقّره و صغّره". رواه البیهقي في شعب الإیمان". =

۷......اگر شوہر کا دیا ہوا زیور ہے اور اس نے تملیکاً دیا ہے تو ظاہر ہے اس نے اسی لئے دیا ہے کہ شادی کے وقت استعمال کیا جائے، لہذا شادی کے وقت ایجاب وقبول سے کچھ پہلے کچھ بعد اس کا استعمال درست ہے اور اس سے پہلے بلا اجازتِ شوہر منع ہے، یہی صورت عاریۃً کی بھی ہے۔لیکن اگر دولہا کے باپ نے دیا ہے اور تملیکاً دیا ہے تو دولہن کو جب وہ چاہے استعمال درست ہے اور اگر عاریۃً دیا ہے تو اس میں باپ کی اجازت درکار ہوگی۔

۸......نکاح ایجاب وقبول سے ہو جاتا ہے، سوال میں جو صورت درج ہے وہ ایک لغو اور بے اصل رسم ہے، زوج اور زوجہ یا ان کے طرف سے وکیل کا ایجاب وقبول کافی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

نکاح کے اعلان کے لئے آتش بازی

سوال[۵۴۹۷]: نکاح میں آتش بازی اس نیت سے کہ لوگوں کو نکاح کی خبر ہو جائے نہ کہ تماشہ کی نیت سے، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحة توجروا عند الله بفرائد الجنة۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ناجائز ہے، ہاں دف کے ذریعہ سے اعلان کرنا جائز ہے: "في الغياثية: ضرب الدف في النكاح إعلاناً و تشهيراً سنة"(۲)۔

= (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، الفصل الثاني، ص: ۴۵۴، قديمي)

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "سواء كان المتقدم كلام الزوج أو كلام الزوجة". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

"والوكالة كما تثبت بالصريح تثبت بالسكوت، و لذا قال في الظهيرية: لو قال ابن العم الكبير: إني أريد أن أزوجك من نفسي، فسكتت، فزوجها من نفسه، جاز". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، فصل: ۲۴۱/۳، رشيديه)

(۲) "ضرب الدف في النكاح إعلاناً وتشهيراً سنة، لقوله عليه الصلوة والسلام: "أعلنوا النكاح ولو =

وفي الخلاصة لا بأس بالدف ليلة العرس الخ " (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولیٰ/۱۳۵۶ھ۔

شادی میں بھات

سوال[۵۴۹۸]: ہندوستان میں بھانجی کو بھات دیا جاتا ہے یعنی شادی کے موقعہ پر سامان ماموں اپنی ہمت کے موافق بھانجی کو دیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کونسی صورت بھانجی کو اشیاء دینے کی ہے۔

سعید احمد کیرانوی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بھانجی وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا امر مباح بلکہ مستحسن ہے، لیکن جس طرح پر ہندوستان میں بھات دینے کا رواج ہے وہ محض ہندوانہ رسم ہے (۲) اور نمائش ہے، جو اصل مقصود یعنی صلہ رحمی ہے اس کا ذہن میں

= بالدف". وإنما أمر بالإعلان لانتفاء تهمة السفاح بالكلية، ويجب أن يكون بلا سنجات و جلاجل".

(الغياثية، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الضيافات والولائم، ص: ۱۰۹، مكتبه اسلاميه)

وقال ابن عابدين الشامي رحمه الله تعالىٰ في حاشيته: "إذا كان الطبل لغير اللهو، فلا بأس به كطبل الغزاة والعرس لما في الأجناس: و لا بأس أن يكون ليلة العرس دف يضرب به، ليعلن به النكاح".

(ردالمحتار حاشية ابن عابدين على الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل، نوع منه: ۳۵۸/۴، رشيديه)

وقال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن الملك ...... المراد الترغيب إلى إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد، فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف، و أصوات الحاضرين بالتهنئة". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، اهـ: ۶/۳۱۴، (رقم الحديث: ۳۱۵۳)، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، : ۲/۵۵۹، مكتبه دارالحديث ملتان) =

تصور تک نہیں آتا، بلکہ نام ونمود کی امید اور خلقت کی طعن وتشنیع اور برادری میں ناک کٹنے کے خوف سے دیا جاتا ہے، اگر پاس موجود نہ ہو تو قرض لے کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات قرض لے کر ہی دیا جاتا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔

اگر امور مذکور نہ ہوں بلکہ محض صلہ رحمی کی نیت سے کوئی شخص دے تب بھی چونکہ عام رواج پڑچکا ہے اس لئے اس طرز پر نہیں دینا چاہئے، بلکہ شادی سے پہلے یا کسی دوسرے وقت ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جس شئے کی ضرورت ہو نقد یا جنس غلہ وغیرہ بلا ریاکاری اور بلا کسی کو اطلاع کئے ہوئے دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الاول/۵۴ھ۔

دولہا کی طرف سے دلہن کے لئے تحفہ کا التزام

سوال [۵۴۹۹]: شادی میں لڑکے والا کچھ توشہ لے کر لڑکی کے یہاں جاتا ہے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تطییبِ قلب وتحابب کے لئے اہداء، تہادی مستحب ہے(۱)، التزام مالا یلزم لازم الترک ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۱۳۹۱ھ۔

= "قال الطيبي: هذا عام في الخلق و الخُلق والشعار، و لمّا كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)۸/۱۵۵، رشيديه)

(۱) "عن عطاء الخراساني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "تصافحوا يذهب الغل، وتهادوا تحابوا، وتذهب الشحناء". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب المصافحة و المعانقة، الفصل الثالث: ۲/۴۰۳، قديمي)

(۲) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعة =

شادی کے موقع پر انعامات

سوال[۵۵۰۰]: شادی جب ہوتی ہے تو لوگوں کو خوشی ہوتی ہے، عموماً ایسے وقت میں بہنیں اور نائی وغیرہ کچھ مطالبات کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارا حق دو، حق کا مطلب یہ ہے کہ خوشی ہونے پر ہمیں خوش کرو، جیسے کہ مٹھائی وغیرہ کا لوگ مطالبہ کرتے ہیں، نائی وغیرہ کے لئے تو یہ ہوتا ہے کہ ان کا ماہ جب طے ہوتا ہے کہ شادی والا شادی وغیرہ کے موقع پر ان کو اتنا ملے گا۔ تو ایسی صورت میں ان کے مطالبات کے مطابق دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مطالبات شرعی مطالبات نہیں، البتہ خدمت گار امیدوار رہتے ہیں اور دعا گو بھی ہوتے ہیں، ان کو ناامید نہ کیا جائے تاکہ وہ شکر گذار رہیں اور آئندہ خدمت مستعدی سے کریں کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش احباب" کا تقاضہ بھی بر بنائے تعلق ومحبت ہوتا ہے، اگر جبر واکراہ(۱) اور التزام مالا یلزم نہ ہو اور مطالبہ پورا کر دیا جائے تو گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۱۳۹۱ھ۔

دولہا دلہن کے لئے پالکی کی سواری

سوال[۵۵۰۱]: ا......ہماری طرف دستور ہے کہ شادی میں لڑکا اور لڑکی اپنی سسرال پالکی میں بیٹھ

= رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراچي)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعادية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة، ۹۷)، ص: ۲۲، مكتبة حنفية كوئٹه)

(۲) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعه رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراچي)

کر جاتے ہیں جس کو آدمی اپنے کاندھے پر لیکر چلتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز اور بہتر کیا ہے؟ لڑکا اور لڑکی دونوں کا حکم ایک ہے یا جداگانہ؟

سہرا

سوال [۵۵۰۲] : ۲.....شادی میں سہرا پڑھنا کیسا ہے، اگر جائز ہے تو اولیٰ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... یہ ایک غیر ثابت رسم ہے، اس کی پابندی عملی طور پر التزام مالا یلزم اور ایک رسم محض ہے، اس کو ترک کردینا چاہئے (۱)۔ اگر اس میں قربت کا تصور بھی ہے تو رسم سے بڑھ کر بدعت بھی ہے (۲)۔

۲.....سہرا باندھنا ہندوستانی غیر مسلموں کی مذہبی رسم ہے، ان کے اثر سے بعض بے علم یا بے عمل مسلم خاندانوں میں بھی آ گئی، یا باقی رہ گئی (۳)، پھر بعض نے اس پر سہرا پڑھنے کا اضافہ کیا اور بعض نے سہرا پڑھنے کو

(۱) "الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف اصرار البدعة اللتي لا أصل لها في الشرع". (السعايه، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرأة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال الملا على القاري تحت هذا الحديث: " قال القاضي: المعنى من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل و انتهى، وشاع و ظهرظهور المحسوس بحيث لا يخفى على كل ذي بصر و بصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضي .... فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار واستنباط الأحكام منها .... (و قال بعد صفحة): قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع، فهو ضلالة". (مرقاة المفاتيح: ۱/۳۶۶، ۳۶۸، رشيديه)

(۳) "سہرا ہندوانہ رسم ہے، انہیں سے لی گئی ہے، وہ تاروں کا بناتے ہیں، مسلمانوں نے پھولوں کا بنانا شروع کردیا ہے، مگر رسم انہیں کی ہے، اور قابلِ ترک ہے"۔ (كفايت المفتي، كتاب الحظر والإباحة، تيسرا باب: رسوم مروجہ: ۹/۸۸، دارالاشاعت کراچی) =

سہرا باندھنے کا بدل قرار دیا۔ اول (اضافہ) ضغث علی ابالہ ہے۔ ثانی (بدل) شرعاً بے اصل بلکہ خلافِ اصل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

شادی میں سہرا گجرا وغیرہ رسمیں

الاستفتاء [۵۵۰۳]: شادی کے موقعہ پر نوشہ کے سر پر سہرا باندھنا اور ہاتھوں اور گلے میں گجرے پہنانا اور اس کو سواری پر لے جانا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوشہ کے سہرے اور گجرے وغیرہ اصالۃً ہندوستان کے ہندوؤں کی رسمیں ہیں جو کہ بے علم اور بے عمل اور نو مسلم خاندانوں میں باقی رہ گئی ہیں (۱) اور ان کی صحبت سے دوسرے اس قسم کے غیر پابند اور غیر محتاط مسلمانوں میں سرایت کر گئی ہیں، اس لئے یہ واجب الترک ہیں۔ ہندوستانی علماء وفقہاء نے ان کو تشبہ کی بنا پر منع فرمایا ہے (۲)، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) اور حضرت مفتی عزیز الرحمان

= نیز اس رسم میں ہندوؤں سے مشابہت ہے اور غیر مسلموں کی مشابہت سے شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فھو منھم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ: ۲/۵۵۹، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

قال العلامۃ المناوی تحتہ: "أی تزیا فی ظاھرہ بزیھم، وفی تعرّفہ بعرفھم، وفی تخلقہ بخلقھم، و سار بسیرتھم و ھدیھم فی ملبسھم و بعض أفعالھم .... و بأبلغ من ذلک صرّح القرطبی فقال: لو خص أھل الفسوق والمجون بلباس، منع لبسہ لغیرھم، فقد یظن بہ من لا یعرفہ أنہ منھم، فیظن بہ ظن السوء، فیأثم الظان و المظنون فیہ بسبب العون علیہ". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱۱/۵۷۴۳، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض)

(۱) (تقدم تخریجہ عن فیض القدیر تحت عنوان: "سہرا"۔)

(۲) (تقدم تخریجہ عن حدیث أبی داؤد تحت عنوان: "سہرا"۔)

(۳) (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحۃ، تیسرا باب: رسوم مرجہ: ۹/۸۸، دار الإشاعت کراچی) =

صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)، حضرت مولانا اشرف علی صاحب (۲)، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں ان کی ممانعت موجود ہے۔ ان سب کے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی ان کو منع کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

سہرا باندھنا

سوال[۵۵۰۴]: سہرا باندھنا شادی کے موقعہ پر یا غیر شادی کے جائز ہے یا نہیں؟ اثبات ونفی کے دونوں پہلوؤں کو مدلل فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سہرا باندھنا اصالۃً ہندوانہ رسم ہے، جو کہ ہندوستان کے بے علم یا بے عمل خاندانوں میں بھی ان کے اختلاط سے باقی رہ گئی، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ ہندوستان کے اکابر علماء: حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (۳)، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (۴)، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث: "من تشبه بقوم فهو منهم". رواه ابوداؤد(۵) کی رو سے اس کو منع فرمایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

= (فليراجع لعبارة كتاب المفتي، ص: ۲۱۱، رقم الحاشية: ۳)

(۱) (فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب النكاح، دوسرا باب مسائل متعلقات نکاح: ۱۵۱/۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "اور سہرا چونکہ کافروں کی رسم ہے، اس لئے اس حق کا نام "چوتی" سہرے سے مقرر کرنا بے شک بُرا اور کافروں کی رسم کی موافقت ہے، اس لئے یہ بھی خلاف شرع ہوا"۔ (بہشتی زیور، چھٹا حصہ، ص: ۲۵، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۴) (راجع، ص: ۲۱۱، رقم الحاشية: ۳)

(۵) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمی)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۹/۲، مكتبه دار الحديث ملتان)

سندور و مہندی لگانا

سوال [۵۵۰۵]: سندور لگانا (۱)، جو عورتیں شادی کے وقت لگاتی ہیں، یا اس کے علاوہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سندور لگانا بھی اسی حکم میں شامل ہے بلکہ کچھ بڑھ کر ہے، عورتوں کو مہندی لگانا درست ہے، بلکہ ان کے لئے مخصوص ہے کہ ہاتھ، پیر کو لگائیں، مردوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنا درست نہیں: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء" مشکوۃ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

سلامی و رونمائی

سوال [۵۵۰۶]: دولہا کو سلامی اور دولہن کو رونمائی دینا، انوار ساطعہ، ص: ۲۳۲، مطبوعہ جمال پریس دہلی، میں بحوالہ مولانا اسحاق صاحب قدس سرہ جائز لکھا ہے اور صاحبِ براہین قاطعہ نے "تهادوا و تحابوا" اس روایت کو پیش کر کے اصل موجود ہونے پر تسلیم کر لیا۔ کیا مسئلہ ایسا ہے، حالانکہ سلام عبادت ہے اور رونمائی فتحِ بابِ فحش کے مرادف ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رونمائی کا مقصد اگر یہ ہو کہ نامحرموں کو دلہن اپنا چہرہ دکھائے تو یہ فتحِ بابِ فحش کا مرادف ہوگا (۳)، لیکن

---

(۱) "سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وعنه (ابن عباس) قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لعن .... الحديث". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمى)

(و صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال: ۸۷۴/۲، قديمى)

"يستحب للرجل خضاب شعره و لحيته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لا يديه و رجليه، فإنه مكروه للتشبه بالنساء". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۲/۶، سعيد)

(۳) "و تمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لالأنه عورة، بل لخوف فتنة". (الدرالمختار). =

اگر دولہن کی ساس وغیرہ اپنی لائی ہوئی دولہن کو خوش ہو کر ہدیہ دیں کہ وہ تازہ تازہ میکہ چھوڑ کر آئی ہے اس کی دلجوئی ہو جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اسی طرح اگر دولہا ہدیہ دیں اور اس کا نام سلامی رکھ دیں تو کیا حرج ہے، یہ تو صرف ہدیہ دینے کا ایک عنوان ہوا۔ تاہم اگر اس عنوان میں کوئی فتنہ ومفسدہ ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے جیسا کہ بعض جگہ کے حالات سے معلوم ہوا ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نکاح میں دف کا حکم

سوال[۷۰۵۵]: نکاح کے وقت دف بجانے کا یعنی دھپڑا بجانا جو کہ بھنگی بجاتا ہے اکثر فقہاء کے کلام سے جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے اور تکملۂ فتح القدیر سے طبل کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے(۱)، اس میں قولِ فیصل کیا ہے، ایسی شادی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ طبل کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اصل مقصود اعلانِ نکاح ہے اور دُف اس کا ایک ذریعہ ہے، بعد حصولِ مقصود ذریعہ کی تحصیل بے سود ہوتی ہے۔ کتبِ فقہ وحدیث میں دف کی اسی حیثیت سے اباحت یا ترغیب مذکور ہے۔ اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک اعلان لازم ہے، بغیر اس کے نکاح صحیح نہیں ہوتا، مگر ان کے نزدیک گواہ شرط نہیں اور حنفیہ نے گواہ شرط ہونے کی وجہ سے اعلان کو مستحب قرار دیا ہے کہ زبانِ طعن کشادہ نہ ہو اور ظنون میں فساد نہ آئے، اور یہ بھی مقید

= قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها، فتقع الفتنة؛ لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ۱/۴۰۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(۱) لم أجد في نتائج الأفكار تكملة فتح القدير إلا بلفظ: "والنوع الثاني مباح: وهو الدف في النكاح، وفي معناه ما كان من حادث سرور، ويكره". (كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل: ۷/۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وعين هذه العبارة أيضاً في فتح القدير في هذا الباب: ۷/۴۱۰، ولا يوجد فيها ذكر الطبل.

فقط والله تعالىٰ أعلم.

ہے اس قید کے ساتھ کہ جلاجل نہ ہو اور ہیئتِ تطرب پر نہ بجایا جائے:

"قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالى بعد نقل الأقوال والدلائل: "أما الدف الذي يضرب في زماننا هذا مع الفنجات والجلاجل ينبغي أن يكون مكروهاً بالاتفاق، وإنما الاختلاف في الدف الذي كان يضرب في الزمن المتقدم، والله أعلم" بستان، ص: ۱۱۹(۱)۔

"قال الشامي رحمه الله تعالى: جواز ضرب الدف فيه خاص بالنساء لما في البحر عن المعراج بعد ذكره أنه مباح في النكاح و ما في معناه من حادث سرور، قال: وهو مكروه للرجل على كل حال للتشبه بالنساء". ردالمحتار: ٤/٥٣٠، كتاب الشهادة، باب القبول و عدمه: ٤/٥٢٠(۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دف کا مصداق یہ ہے کہ بچیاں دھپڑی بنا کر کچھ دیر کے لئے بجالیں اور بس:

"الدف هو بالضم والفتح معروف: أي الذي يطبل به. والمراد في الحديث بضرب الدف على النكاح إعلان النكاح" مجمع البحار: ۱/٤١٥(۳)۔

"طبل" کا لفظ "دُف" سے عام ہے: "طبل بالفتح دهل یک رویه باشد یا دو رویه".

منتهى الأرب: ۳/۱۱۱۱(٤)۔

جس جگہ عرس میں طبل کا جواز معلوم ہوتا ہے وہاں ایک رویہ مراد ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) (بستان العارفين للسمرقندي، الباب الثالث والثمانون في ضرب الدف، ص: ۲۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۸۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۷/۱۴۹، رشيديه)

(۳) (باب الدال مع الفاء من مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل و لطائف الأخبار لمحمد طاهر الفتني الكجراتي: ۲/۱۸۸، مطبع مجلس دائرةالمعارف حيدر آباد دكن)

(۴) (منتهى الأرب: ۳/۳٦، باب الطاء، فصل الباء، مطبوعه اسلامي سٹيم پريس لاهور، ۱۹۲٦ء)

کسی تحریر میں اس کو مدلل کیا ہے۔ جس مجلس میں دف یا طبل ممنوع موجود ہو اس میں شرکت ممنوع ہے، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ۔

نکاح میں دف اور گولہ

سوال [۵۵۰۸]: بیاہ وشادی میں دو چار گولہ اور دف کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں کے بعض علماء فرماتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر اس وقت یہ ہے کہ عوام کس کے قول پر عمل کریں؟ اگر بالکل ناجائز ہو اور کوئی شخص اس فعل کا مرتکب ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کس مقدار تک جائز ہے اور کب تک بجا سکتا ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمادیں۔

بندہ مجاہد الدین۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعلانِ نکاح کے لئے دف بجانا بشرطیکہ اس میں جلاجل نہ ہو، نیز ہیئتِ تطرب پر نہ بجایا جائے، محض اعلان اور تشہیر کے لئے بجایا جائے شرعاً درست ہے، گولہ کا استعمال اضاعتِ مال اور ناجائز ہے:

"لا بأس بالدف ليلة العرس، يجب أن يكون بلا سنجاب و جلاجل، اهـ". مجموعة الفتاوى (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "دعى إلى وليمة وثمة لعب أو غنا .... فلو على المائدة، لاينبغي أن يقعد بل يخرج معرضاً، لقوله تعالى: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ .... فإن كان مقتدى و لم يقدر على المنع، خرج ولم يقعد؛ لأن فيه شين الدين". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۶/ ۳۴۷، ۳۴۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس: ۸/ ۳۴۶، رشيديه)

(۲) (مجموعة الفتاوىٰ مترجم لمولانا عبدالحی الكنوی، كتاب النكاح، (استفتاء نمبر: ۳۱)، ۳۲: ۲/ ۳۸، سعيد)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

دف بھی صرف عورتوں کو بجانا جائز ہے، مروجہ طریقہ ناجائز ہے: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نکاح میں دلہن یا دولہا کا جوڑا

سوال [۵۵۰۹]: شادی میں دولہا کی طرف سے دولہا والا دلہن کا کپڑا اور دلہن کی ماں کا کپڑا لیجاتا ہے اور دلہن کی طرف سے دلہن والا دولہا کا کپڑا دیتا ہے، جو کپڑا قبل نکاح کے زیب تن کرلیا جاتا ہے۔ تو کیا یہی طریقہ مسنونہ ہے یا بدعتِ سیئہ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دولہا والوں کی طرف سے دولہن کو کپڑے وغیرہ کچھ دینا، یا دلہن والوں کی طرف سے دولہا کو کچھ دینا فی نفسہ مباح اور جائز ہے، اس میں کوئی بات ناجائز نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ شہرت اور ریاکاری کے لئے دیا جاتا ہے کہ اگر نہیں دیں گے تو برادری والے لعن طعن کریں گے، نیز اس کو ایسا لازم سمجھا جاتا ہے کہ اگر وسعت نہ ہو تب بھی قرض لیکر اور بسا اوقات سودی قرض لے کر دیا جاتا ہے تو جس شی کو شریعت نے ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اتنا ضروری قرار دینا اور اس کے لئے قرض لینا، یا سود دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)۔

پس عوارضِ مذکورہ کی بنا پر اس سے اجتناب لازم ہے اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں کوئی مضائقہ

---

(۱) قال العلامة الشاطبي في الاعتصام: "فصل: إذا ثبت هذا الدخول في عمل على نية الالتزام له إن كان في المعتاد بحيث إذا داوم عليه أوْرَثَ مللاً، ينبغي أن هذا الالتزام مكروه ابتداءً، إذ هو مؤدٍ إلى أمور جميعُها منهيٌّ عنه: أحدها: أن الله تعالىٰ و رسوله أهدى في هذا الدين التسهيل والتيسير، و هذا الملتزم يشبه من لم يقبل هديته، و ذلك يضاهي ردها على مهديها، و هو غير لائق بالمملوك مع سيده، فكيف يليق بالعبد مع ربه. والثاني: خوف التقصير أو العجز عن القيام بما هو أولى و آكد في الشرع ...... والواجب أن يعطي كل ذي حق حقه. وإذا التزم الإنسان أمراً من الأمور المندوبة أو أمرين أو ثلاثة، فقد يصده ذلك عن القيام بغيرها، أو عن كماله على وجهه، فيكون ملوماً". (باب في أحكام البدع الحقيقية والإضافية والفرق بينهما: ۱/ ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، دار المعرفة بيروت لبنان)

نہیں۔تاریخ الخمیس،ص:۲۶۴، میں اس کا ذکر ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

شادی میں اشعار، باجہ، دف

سوال[۵۵۱۰]: شادی اور خوشی کے موقع پر دف کے ساتھ مستورات کچھ شعر واشعار گا سکتی ہیں یا نہیں اور بارات کے موقع پر انگریزی باجہ یا ڈھپڑے یا تاشے وغیرہ میں سے کوئی باجہ بجوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان میں سے اعلانِ نکاح کے لئے صرف دف بجانا جائز ہے(۲)، اور کوئی چیز جائز نہیں(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "روی ابن شهاب الزهری أنه قیل لخویلد بن أسد: هذا ابن أخیک محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب یخطب خدیجة وقد رضیت، فدعاه، فسأله عن ذلک فخطب إلیه فأنکحه فخلّقت خدیجة أباها وحلت علیه حلةً، ودخل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بها، فلما صحا الشیخ من سکرته، قال: ماهذا الخلوق وماهذه الحلة؟ قالت ابنته أخت خدیجة: هذه حلة کساکها ابن أخیک محمد بن عبدالله .... فقالت خدیجة لأبیها: إن محمد بن عبدالله یخطبنی فزوّجها إیّاه فخلّقته وألبسته حلةً".

.... وکذلک کانوا یصنعون إذا زوجوا نسائهم، خرجهما الدولابی". (تاریخ الخمیس، بحث: تزوجه علیه السلام الخدیجة: ۱/۲۶۴، مؤسّسة شعبانه، بیروت)

(۲) "جواز ضرب الدف فیه خاص بالنساء لمافی البحر عن المعراج بعد ذکره أنه مباح فی النکاح، ومافی معناه من حادث السرور، قال: و هو مکروه للرجال علی کل حال للتشبه بالنساء". (رد المحتار، کتاب الشهادة، باب القبول و عدمه: ۵/۴۸۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۷/۱۴۹، رشیدیه)

(۳) "و مغنیة ولو لنفسها، لحرمة رفع صوتها". (الدر المختار، کتاب الشهادة، باب القبول و عدمه: =

بارات میں ڈھول

سوال[۱۱ ۵۵]: ہمارے گاؤں میں شادی وغیرہ کی تقاریب پرڈھول بجانا منع قرار دیا گیا ہے اور سب بزرگانِ گاؤں ڈھول بجانے کے خلاف ہیں، مگر ایک آدمی کے بھائی کی شادی تھی اور اس آدمی نے دعوت والے دن ڈھول نہیں بجایا اور جب بارات دلہن لانے کے لئے روانہ ہوئی تو صاحبِ خانہ نے ڈھول ناچ وغیرہ شروع کرایا اور دلہن واپس لانے تک جاری رکھا۔ ایسی صورت میں صاحبِ خانہ اور ان لوگوں کے لئے جو شاملِ بارات ہوئے تحت شریعت کیا جرم لازم ہے؟ اگر کوئی مولوی اس بارات میں شامل ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے ڈھول اور ناچ وغیرہ کرایا اس نے گناہ کیا، برادری کے قانون کو بھی توڑا اور شریعت کے قانون کو بھی توڑا، اور جس نے اس کا ساتھ دیا وہ بھی گناہ میں مددگار رہا، سب کو اپنی غلطی کا اقرار اور توبہ لازم ہے، ورنہ ایسا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو اپنی تقریبات میں شریک نہ کیا جائے، نہ اس کی تقریبات میں شرکت کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۱۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

شادی میں گانا بجانا

سوال[۱۲ ۵۵]: شادی بیاہ میں گانا اور دف کا بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا

= ۵/ ۴۷۹، سعید)

"وفي المضمرات: الغناء حرام في جميع الأديان". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/ ۳۶، رشيديه)

"وفي السراج: و دلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۶/ ۳۴۸، سعيد)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "شادی میں اشعار، باجہ، دف" و عنوان "شادی کی رسوم"۔)

مطلب ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوا في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي". مشكوة شريف، ص:۲۷۲(۱)- "يا عائشة! ألا تغنين، فإن هذا الحي من الأنصار يحبون الغناء". مشكوة شريف: ص:۲۷۲(۲)- بينوا توجروا-

عبدالغفور مظاہری، صوبہ آسام سلہٹ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

چھوٹی بچیاں خوشی کے وقت کچھ گیت گایا کرتی تھیں جو کہ قواعدِ موسیقی کے طور پر نہیں ہوتے تھے، ان میں کوئی فتنہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اوران کا مضمون بھی خراب نہیں ہوتا تھا اور جو مضمون خراب ہوتا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو منع فرمادیتے تھے جیسا کہ

"وفينا نبيٌّ يعلم مافي غد"

کو منع فرمادیا تھا، كذا في شرح البخاري (۳)-

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، الفصل الثاني، ص: ۲۷۲، قديمي)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كانت عندي جارية من الأنصار، زوّجتُها، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا عائشة" ....الحديث . (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۳) "قالت الربيّع بنت معوذ بن عفرآء رضي الله تعالىٰ عنها: جاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فدخل حين بُني عليّ، فجلس على فراشي كمجلسك مني، فجعلت جويرياتٌ لنا يضربن بالدف، و يندبن من قُتل من آبائي يوم بدر إذ قالت إحداهن: و فينا نبيٌّ يعلم ما في غدٍ، فقال: "دعي هذه، و قولي بالذي كنت تقولين". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح و الوليمة: ۲/۷۷۳، قديمي)

قال العلامة العيني: "قوله: (إذ قالت إحداهن) .... قوله: قال: "دعي": أي قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لتلك الجارية التي قالت: و فينا نبي يعلم ما في غد: "دعي": أي أتركي هذا القول؛ لأن مفاتيح الغيب عند الله تعالىٰ لا يعلمها إلا هو. قوله: "وقولي بالذي كنت تقولين" يعني اشتغلي بالأشعار التي تتعلق بالمغازي والشجاعة و نحوها". (عمدة القاري، كتاب النكاح، باب ضرب =

اس قسم کے گیت کی اب بھی اجازت ہے(۱)، بایں ہمہ اس کو آپ نے شیطان کا اثر بھی فرمایا(۲)۔ ممانعت کی روایت کثیر اور بڑھ کر ہیں (۳)۔ فقہاء کی جزئیات ممانعت میں مصرح ہیں، لہٰذا متعارف گانا بجانا قطعاً ناجائز ہے:

”و فی النهاية: التغنی والتصفيق والربط والدف و ما يشبه ذلك كله حرامٌ ومعصيةٌ. روى الطبرانی عن عمر الفاروق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ”ثمن القينة سحت، و غناؤها حرام، والنظر إليها حرام، و ثمنها ثمن الكلب، وثمن الكلب سحت،

= الدف فی النكاح والوليمة: ۲۰/۱۳۵، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

وكذا فی مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة: ۶/۳۰۱، رشيديه)

(۱) ”المراد الترغيب على إعلان أمر النكاح بحيث لا يخفى على الأباعد، فالسنة إعلان النكاح بضرب الدف، و أصوات الحاضرين بالتهنئة أو النغمة فی إنشاد الشعر المباح“. (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح: ۶/۳۱۴، رشيديه)

(۲) ”وعنه (أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه) أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ”الجرس مزامير الشيطان“. (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، باب آداب السفر، ص:۳۳۸، قديمی)

(۳) ”عن نافع رحمه الله تعالىٰ قال: كنت مع ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما فی طريق، فسمع مزماراً فوضع أصبعيه فی أذنيه، وناءَ عن الطريق إلى الجانب الآخر، ثم قال لی بعد أن بَعُد: يا نافع! هل تسمع شيئاً؟ قلت: لا، فرفع أصبعيه من أذنيه، قال: كنت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسمع صوت يَراع، فصنع مثل ما صنعت. قال نافع: فكنت إذ ذاك صغيراً“. رواه أحمد و أبوداؤد“. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۱، قديمی)

”حدثنی أبو عامر أو أبو مالك الأشعری –والله ما كذبنی– سمع النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: ”ليكوننّ من أمتی أقوام يستحلون الحر و الحرير والخمر والمعازف .... فيبيتهم الله، ويضع العلم، و يمسخ آخرين قردةً وخنازير إلى يوم القيامة“. (صحيح البخاری، كتاب الفتن، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر و يسميه بغير اسمه: ۲/۸۳۷، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب العقوبات، ص: ۲۹۰، قديمی)

وإن نبت لحمه على السحت، فالنار أولى به"(۱)۔

دف کی اجازت اعلان کے لئے دی گئی ہے، بشرطیکہ ہیئۃ الطرب پر نہ ہو اور بغیر جلاجل کے ہو، کما فی ردالمحتار (۲)۔ اور جب اعلان بغیر دف کے ہو جائے تو پھر دف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۴ھ۔

باجے والی بارات میں شرکت

سوال[۵۵۱۳]: ایک عالم صاحب ہیں وہ کسی بھی بارات میں جہاں باجہ وغیرہ ہوتا ہے شرکت نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تقریب میں جا کر کھانا کھاتے ہیں، ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ ان کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب ان پر معترض ہیں کہ بڑے بڑے علماء کو باجہ والی بارات میں کھانے کھاتے دیکھا ہے، لیکن وہ ان باتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے ہیں اور شرکت سے صاف منع کر دیتے ہیں۔ ایسے شخص کو قوم اپنا پیشوا مان سکتی ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص تعظیم کے قابل ہے یا نہیں؟

---

(۱) لم أطلع على هذه العبارة، قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(وكره كل لهو) .... واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق و ضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار. واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، وإن سمع بغتةً يكون معذوراً، و يجب أن يجتهدأن لا يسمع". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۹۵، سعيد)

(۲) "وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر. وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل، ولم يضرب على هيئة التطرب، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۶/ ۳۵۰، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح، الفصل الثاني: ۶/ ۳۱۲، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان عالم صاحب کی روش بہت ٹھیک ہے، ایسا ہی چاہیے، ایسا ہی عالم پیشوا ماننے کے لائق ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔

شادی میں قوالی

سوال[۵۵۱۴]: شادی کے موقع پر قوالی ایسی صورت میں کرانا جس کے اندر سارنگی وطبلہ وغیرہ بھی ہوتو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کس درجہ میں یعنی مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی، یا حرام قطعی؟ ایسے کرنے والوں پر جو وعیدیں ہیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں، تحریر فرمادیں۔ نیز یہ تحریر فرمادیں کہ پنچایت کے جو افراد اور سر برآوردہ اشخاص جن کو اس قسم کے افعال کے روکنے کا حق واختیار حاصل ہے، ان کو نہ کرنے کا خصوصیت سے کچھ زیادہ گناہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قوالی حرام ہے، اگر پہلے سے اس کا علم ہوتو ایسی شادی میں شرکت ناجائز ہے۔ جولوگ اس کو روکنے پر قادر ہوں ان کے ذمہ روکنا واجب ہے، خصوصاً ذی اثر لوگ اگر نہیں روکیں گے تو زیادہ گنہ گار ہوں گے۔ اگر پہلے سے اس قوالی کا علم نہ ہو اور شریک ہونے پر مجلس میں جانے کے بعد قوالی کا علم ہوتو فوراً واپس آجانا چاہیے۔ اگر روکنے کی قدرت ہوتو روکنا لازم ہے:

---

(۱) "و من دُعي إلى وليمة و ثمة لعب و غناء، يقعد و يأكل". (كنز الدقائق). وقال ابن النجيمؒ: "يعني إذا أحدث اللعب و الغناء بعد حضوره، يقعد و يأكل. اهـ .... و لو علم قبل الحضور، لايقبله ...... فإن كان ممن يُقتدى به، فلم يقدر على منعهم، خرج و لم يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، و فتح باب المعصية على المسلمين". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس: ۸/۳۴۵، ۳۴۶، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"دُعی إلی ولیمة و ثمة لعب أو غناء، قعد وأکل لو المنکر فی المنزل، فلو علی المائدة لا ینبغی أن یقعد بل یخرج معرضاً، لقوله تعالی: ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین﴾. فإن قدر علی المنع، فعل، و إلا یقدر صبر إن لم یکن ممن یُقتدی به. فإن کان مقتدیٰ و لم یقدر علی المنع، خرج و لم یقعد؛ لأن فیه شیناً للدین. وإن علم أولاً باللعب، لایحضر أصلاً، سواء کان ممن یُقتدی به أولا؛ لأن حق الدعوة إنما یلزمه بعد الحضور، لاقبله۔

و فی السراج: ودلت المسئلة أن الملاهی کلها حرام، و یدخل بلا إذنهم لإنکار المنکر. قال ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: "صوت اللهو والغناء یُنبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات". قلت: و فی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب و نحوه حرام لقوله علیه السلام: "استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق، والتلذذ بها کفرٌ، اهـ". درمختار: ۵/۲۴۵(۱)۔

"و کره کل لهو لقوله علیه السلام: "کل لهو المسلم حرامٌ" الخ. والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه کالرقص والسخریة والتصفیق و ضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها کلها مکروهة؛ لأنها زیّ الکفار. و استماع ضرب الدف والمزمار و غیر ذلك حرام". شامی: ۵/۲۷۹(۲)۔

"وعن الحسن: لا بأس بالدف فی العرس یشتهر. و فی السراجیة: هذا إذا لم یکن له جلاجل، ولم یضرب علی هیئة التطرب". اهـ. ردالمحتار: ۵/۲۴۷(۳)۔

﴿ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم و یتخذ ها هزواً، أولٰئك لهم عذاب مهین﴾ الآیة(۴)۔ فی معالم التنزیل: "عن عبد الله بن مسعود وابن عباس

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی اللبس: ۶/۳۴۷-۳۴۹، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۵، سعید)

(۳) (ردالمحتار، المصدر المتقدم، قبیل فصل فی اللبس: ۶/۳۵۰، سعید)

(۴) (سورة اللقمان: ۶)

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم والحسن و عکرمۃ و سعید بن جبیر رحمھم اللّٰہ تعالیٰ قالوا: لھو الحدیث الغناء والمزامیر والمعازف، اھـ"(۱)۔ "وفی تفسیر التی لھو الحدیث الغناء وتعلم الموسیقات وما یتغن بہ کالدف والبربط و الطنبور والتصفیق و ما یشبہ ذلک، فکل ذلک حرام وفسق، والجلوس علیھا معصیۃ، والتلذذ بہ کفرٌ، اھـ"(۲)۔

﴿واستفزز من استطعت منھم بصوتک﴾. الأیۃ(۳)۔ "صوت الغناء والمزامیر". کذا فی المدارک، اھـ"(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "لم أجده فی معالم التنزیل باللفظ المذکور، وقد ذکره العلامة البغوی فی المعالم بلفظ: "عن عبدالله بن مسعود وابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم، والحسن وعکرمة وسعید بن جبیر رحمهم الله تعالیٰ قالوا: ﴿لهو الحدیث﴾ هو الغنا، والأیة نزلت فیه، ومعنی قوله: ﴿یشتری لهو الحدیث﴾: أی یستدل ویختار الغناء والمزامیر المعازف علی القرآن. قال أبو الصباء الکبری: سألت ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه عن هذه الأیة فقال: هو الغناء، والله الذی لا إله إلا هو -یرددها ثلاث مرات- وقال إبراهیم النخعی: الغناء ینبت النفاق فی القلب، وکان أصحابنا یأخذون بأفواه السکک یخرقون الدفوف. وقیل: الغناء رقیة الزنا. وقال قتادة: هو کل لهو ولعب ﴿لیضل عن سبیل الله بغیر علم﴾ یعنی یفعله عن جهل". (تفسیر البغوی المسمی بمعالم التنزیل (سورة لقمان: ٦): ۳/۰۹ ۴، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(۲) "واستماع صوت الملاهی حرام کالضرب بالقصب وغیره قال علیه الصلوة والسلام: "استماع الملاهی معصیة، والجلوس علیها فسق، والتلذذبها کفر". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۸/۳۴۶، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الاستحسان والکراهیة، الفصل الثامن عشر فی الغناء، واللهو، وسائر المعاصی، والأمر بالمعروف: ۶/۱۱۲، رشیدیه)

(۳) (سورة الإسراء: ۶۴)

(۴) (تفسیر المدارک المسمی بمدارک التنزیل و حقائق التاویل، (الإسراء: ۶۴): ۱/۲۱۷، قدیمی)

نکاح میں باجہ

سوال[۵۵۱۵]: شادی کے موقع پر باجا بجانا درست ہے یا نہیں؟ ترمذی، نسائی، ابوداؤد، بخاری شریف وغیرہ میں باجے کا جواز ملتا ہے۔ رمضان میں افطار وسحری کے وقت بجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باجا بجانا شادی کے موقع پر بھی درست نہیں، ترمذی وغیرہ میں اعلان کا حکم ہے کہ نکاح کا اعلان کردیا جائے (۱)، مثلاً چار آدمیوں کی مجلس میں نکاح کیا گیا اور کسی کھال وغیرہ پر لکڑی مار کر اعلان کردیا گیا، جس سے بہت سوں کو معلوم ہوگیا، بس اتنا کافی ہے۔ اور جب بڑی مجلس میں نکاح کیا جائے تو یہ خود ہی اعلان ہے۔ نیز جو صورت باجہ کی اختیار کی جاتی ہے اس کی کہیں اجازت نہیں، البحرالرائق میں بالکل ممانعت لکھی ہے (۲)۔

---

(۱) "قالت الربيع بنت معوذ بن عفرآء رضی الله تعالیٰ عنها: جاء النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فدخل حین بُنی علیّ .... فجعلت جویریاتٌ لنایضربن بالدف" .... الحدیث". (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة: ۲/۷۷۳، قدیمی)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أعلنوا هذا النکاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی إعلان النکاح: ۱/۲۰۷، سعید)

(وکذا فی سنن النسائی، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح بالصوت و ضرب الدف: ۲/۹۰، قدیمی)

(۲) "و فی المعراج: الملاهی نوعان: محرم، وهو الآلات المطربة من غیر الغناء کالمزمار، سواء کان من عود أو قصب کالشبابة أوغیره: کالعود والطنبور، لما روی أبو أمامة أنه علیه السلام قال: "إن الله بعثنی رحمةً للعالمین. و أمرنی بمحق المعازف والمزامیر". و لأنه مطرب مصد عن ذکر الله تعالیٰ".

(البحر الرائق، کتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۷/۱۳۹، رشیدیه)

"و یکره استماع صوت اللهو والضرب به، والواجب علی الإنسان أن یجتهد ما أمکن حتی لا یسمع". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۸/۳۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، قبیل باب ما یفسد الصلوة، ص: ۳۰۹، قدیمی)

سحری وافطار کی اطلاع کے لئے نقارہ کی اجازت ہے(۱)، تاہم افطار کے وقت اذان ہوتی ہے وہ بھی کافی ہے، اس لئے اذان پر ہی کفایت کرنا انسب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۵/۱/۹۴ھ۔

شادی میں باجہ اور اس میں شرکت

سوال[۵۵۱۶]: آج کل جیسے شادیاں ہوتی ہیں جن میں باجہ وغیرہ بھی بجاتے ہیں، یا یہ کہ وہ ڈھپرہ وغیرہ بھی بجاتے ہیں۔ ایسی شادی میں شرکت کرنا اور وہاں کھانا وغیرہ کھانا کیسا ہے؟ باجا بجانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ نیز باجا بجانے والے کی روزی کیسی ہے؟ ایک مسجد کے امام صاحب باجا بجانے کی نوکری کو درست بتلاتے ہیں۔ ایسے شخص کو مسجد میں مؤذن بھی رکھ سکتے ہیں یا نہیں، جو باجا بجانے والے کے یہاں نوکری باجہ میں شرکت کے لئے رکھتا ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باجا بجانا اور بنانا اور اس کی نوکری کرنا سب ناجائز ہے، اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے(۲)، اس شادی میں شرکت بھی منع ہے جس میں باجا بجایا جاتا ہے، وہاں جاکر کھانا کھانا منع ہے(۳)۔ جو شخص ناجائز نوکری کرتا ہے اس کو مؤذن بناکر نہ رکھا جائے(۴)۔ ڈھپڑوں کا حکم اتنا شدید نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

شادی میں تالا، قینچی، سروطہ دینا

سوال[۵۵۱۷]: جہیز میں تالا قینچی، سروطہ دینے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) "أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور، كبوق الحمام". (ردالمحتار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

(۲) "لا تصح الإجارة لأجل المعاصي، مثل الغناء والنوح والملاهي". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(۳) (قد تقدم تخريجه تحت عنوان "شادی میں قوالی وغیرہ"۔)

(۴) "ويكره أذان جنب ...... وفاسق". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۹۲، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان اشیاء کا دینا نہ منحوس ہے (۱) نہ لازم ہے، حسبِ ضرورت دینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲/۴/۹۵ھ۔

بارات کی اصل اور باراتیوں کو کھانا کھلانا

سوال [۵۵۱۸]: بعض مسلمان برادریوں میں شادی کے موقع پر یہ طریقہ رائج ہے کہ لڑکے والے جو بارات لے کر دلہن کے گھر جاتے ہیں تو ان تمام براتیوں کو بشمول عورت و مرد کھانا کھلایا جاتا ہے، جس کو عرف عام میں ''بارات کا کھانا'' کہتے ہیں۔ کچھ لوگ بارات کا کھانا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر برادری میں ان کی قدر و منزلت نہ رہے گی، یا بدنامی ہوگی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسم بند ہونی چاہئے، یہ اسرافِ بیجا اور غیر شرعی فعل ہے اور اس رسم کے بند ہوجانے سے ان لوگوں کی بھی پردہ پوشی ہوگی جو کہ بارات کا کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتے، لیکن اس رسم کی مجبوری سے قرض وغیرہ کی مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں، لیکن بعض کا فرمانا ہے کہ یہ فعل مہمان نوازی میں داخل ہے۔

کیا بارات کا کھانا کھلانے کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا دیگر بزرگانِ دین سے یہ فعل صادر ہونا ثابت ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا اس فعل کو بند کرنے کی کوشش کرنی چاہئے؟ نیز کوشش کرنے والے مستحق اجر ہوں گے یا نہیں؟

عبدالاحد، مدرس دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "سئل نفع الله بعلومه: السؤال عن النحس والسعد و عن الأيام والليالي التي تصلح لنحو السفر و الانتقال ما يكون جوابه؟ فأجاب رضي الله تعالىٰ عنه: من يسأل عن النحس و ما بعده، لا يجاب إلا بالإعراض عنه، و تسفيه مافعله، و يبيّن له قبحه، و أن ذلک من سنة اليهود لا من هدى المسلمين المتوكلين على خالقهم و بارئهم، الذين لا يحسبون و على ربهم يتوكلون. وما ينقل من الأيام المنطوقة و نحوها عن علي كرم الله تعالىٰ وجهه باطلٌ كذبٌ، لا أصل له، فليحذر من ذلک. والله تعالىٰ أعلم".

(الفتاوى الحديثية: مطلب في الجواب عن الأيام و الليالي و سعيدها و نحيسها، ص: ۴۱، ۴۲، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں شادی کی یہ شان نہیں تھی جو آج کل رائج ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا، بلکہ خبر تک بھی نہیں کی (۱)۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے (۲)۔

بارات کا یہ طریقہ بڑے بوڑھوں نے اس لئے رائج کیا تھا کہ لڑکی کو جہیز کثیر مقدار میں دیا جاتا تھا اور ایک ایک جہیز کی پوری نمائش کی جاتی تھی، سفر عام طور پر بیل گاڑی کا ہوتا تھا، ڈاکہ کے حادثات پیش آتے تھے، اس لئے بڑی بارات جایا کرتی تھی کہ جہیز وغیرہ کی پوری حفاظت ہوسکے۔ بارات کی کثرت مستقل فخر کی چیز شمار ہوتی تھی، شادی والا دوسروں سے بڑھ کر اپنے فخر کے لئے بارات کو کھانا کھلاتا ہے، جگہ جگہ اس کا چرچا کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، نہ حیثیت سے زیادہ جہیز کی ضرورت ہے، نہ اس کی حفاظت کے لئے بڑی بارات کی ضرورت ہے۔ جو کھانا فخر کے لئے کھلایا جائے اس کے کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے (۳)۔ سواریوں کا انتظام بھی ہوگیا، ریل، بس وغیرہ کا بہت عام رواج ہوگیا جو کہ پہلے اتنا عام نہ تھیں، اس

---

(۱) "عن أنس أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی علی عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنه أثر صفرة، فقال: "ما هذا؟" قال: إني تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب، قال: "بارک الله لک، أولم و لو بشاة". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الأول، ص: ۲۷۷، ۲۷۸، قدیمی)

(و صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب الولیمة و لو بشاة: ۲/۷۷۷، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب النکاح، باب الصداق و جواز کونه تعلیم قرآن و خاتم حدید الخ: ۱/۴۵۸، قدیمی)

(۲) "حدثنا محارب قال: سمعت جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه یقول: تزوجت، فقال لي رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ماتزوجت"؟ فقلت: تزوجت ثیباً، فقال: "مالک وللعذاری ولعابها". الحدیث. (صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات: ۲/۷۶۰، قدیمی)

(۳) "عن أبي هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المتباریان =

لئے بھی جولوگ اس رسم کو بند کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے بہت قابلِ قدر ہے۔

دولہا کے ساتھ اگر ان کے خاص آدمی، باپ بھائی وغیرہ کچھ آجائیں تو مہمان کی حیثیت سے ان کو کھلانا احترام کا تقاضا ہے، بڑی بارات بلاکر قرض لیکر کھلانا جو شاید سودی بھی ہو ہرگز شرعاً پسندیدہ نہیں (۱) سودی قرض لینا شرعاً جائز بھی نہیں، سود کے معاملہ پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے (۲)۔ جولوگ شادی کے غلط طریقہ کی اصلاح کر کے اس کو سنت کے طریقہ پر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یقیناً اجرِ عظیم کے مستحق ہیں،

= لایجابان، و لا یوکل طعامهما". قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً و ریاءً". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(۱) بسا اوقات ایسے غیر لازم کاموں سے کئی غیر مناسب امور کا وجود لازم آتا ہے، منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی آسانی مشکل اور تنگی میں تبدیل ہوتی ہے، ایک غیر اہم کے لئے اہم کو چھوڑا جاتا ہے، بعض اوقات ایک مندوب پر التزام کی وجہ سے حرام کا ارتکاب ہوتا ہے اور واجبات وفرائض کا ترک لازم آتا ہے، بعض اوقات نفس اس کام سے کراہیت محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ نہ کرتا تو بہتر ہوتا اور نتیجہ ان سب کاموں کا ملال ہی ہے:

قال العلامة الشاطبی رحمه الله تعالیٰ: "فصل: إذا ثبت هذا، فالدخول فی عمل علی نیة الالتزام له إن کان فی المعتاد بحیث إذا داوم علیه، أورث مللاً ینبغی أن یعتقد أن هذا الالتزام مکروه ابتداءً؛ إذ هو مؤدٍ إلی أمور جمیعها منهیٌ عنه: أحدها: أن الله ورسوله أهدیٰ فی هذا الدین التسهیل والتیسیر، وهذا الملتزم یشبه من لم یقبل هدیته، وذلک یضاهی ردّها علی مهدیها وهو غیر لائق بالمملوک مع سیده، فکیف یلیق بالعبد مع ربه. والثانی: خوف التقصیر أو العجز عن القیام بما هو أولیٰ وآکد فی الشرع .... والواجب أن یعطی کل ذی حق حقه. وإذا التزم الإنسان أمراً أو أمرین أو ثلاثةً، فقد یصده ذلک عن القیام بغیرها .... فیکون ملوماً. والثالث: خوف کراهیة النفس لذلک العمل الملتزم؛ لأنه قد فرض من جنس مایشق الدوام علیه .... والنفس تشمئزّ منه وتَوَدّ لولم تعمل، أو تتمنی لولم تلتزم". (الاعتصام للشاطبی، باب فی أحکام البدع الحقیقیة والإضافیة، ص: ۲۴۷-۲۴۹، دار المعرفة، بیروت)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربا و موکله و شاهدیه و قال: "هم سواء". (الصحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۷، قدیمی)

حق تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے۔ اصلاح الرسوم (۱) اور بہشتی زیور (۲) میں تفصیل مذکور ہے، اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۴ھ۔

شادی میں داماد سے زیور وغیرہ لینا

سوال [۵۵۱۹]: تقریباً پورے صوبہ گجرات میں یہ رواج ہے کہ جب منگنی ہوتی ہے، تو اس وقت لڑکی کے لئے زیور اور کپڑا بنانے کے لئے ایک رقم طے ہوتی ہے، وہ رقم لڑکا یا اس کا ولی دیتا ہے اور اس کو ''لیجے'' اور ''پلہ'' کہتے ہیں۔ وہ رقم حسب حیثیت جانبین دو سو، چار سو، ہزار، دو ہزار، بلکہ اس سے بھی زائد تک طے ہوتی ہے، اور اس کے بغیر منگنی قبول نہیں ہوتی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس رقم کے طے کرنے میں جانبین کا اتفاق نہ ہو تو منگنی قبول نہیں ہوتی اور انکار کر دیا جاتا ہے، اگر لڑکے اور اس کے ولی کے پاس پیسہ نہ ہو تو اس کے لئے سودی قرضہ تک لیا جاتا ہے۔ اور مہر اس کے علاوہ ہے اور وہ عموماً ایک سو ساڑھے ستائیس روپے ہے۔ بعض جگہ اس سے زائد بھی ہے۔ مذکورہ بالا رقم مدت سے چلی آتی ہے، لیکن اس پیسے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی کہ یہ مہر معجّل ہے، یا ہبہ ہے، یا عاریت ہے۔ اور بعض جگہ پیسے کے بجائے زیور اور گھڑی بھی دیئے جاتے ہیں، لیکن عموماً پیسے دیئے جاتے ہیں۔

لڑکی کا باپ آزاد ہوتا ہے، چاہے سب خود کھالے، یا نکاح کے وقت کھانے وغیرہ میں صرف کرے، یا کہ زیور اور کپڑے بنائے۔ اگر خود کھائے یا کھلانے وغیرہ میں صرف کرے کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا، نہ مطالبہ کرتا ہے، نہ قانونی کاروائی کرتا ہے، لیکن کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، زیور کپڑوں میں صرف کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ اگر لڑکی کے باپ نے خود کھالیا یا کھلانے میں صرف کر دیا تب تو کچھ نہیں، اور اگر اس کا زیور بنا دیا اور لڑکی اس کو لے کر خاوند کے یہاں چلی گئی تو اس کا مالک خاوند سمجھا جاتا ہے، چنانچہ لڑکی کے مرنے پر یا طلاق پر لڑکا اس کا مالک سمجھا جاتا ہے، بغیر اجازت وقتِ ضرورت وہ اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے، رہن بھی رکھ سکتا ہے۔ اور بعض جگہ لڑکی کا باپ اس پر قبضہ کر لیتا ہے اور خاوند کو نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں اس طریقہ سے لڑکے والے

---

(۱) (اصلاح الرسوم، لحکیم الأمة التهانوی رحمة الله علیه)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ ششم، بیاہ کی رسموں کا بیان، ص: ۲۶، مکتبہ امدادیہ ملتان)

سے روپیہ یا زیور لینا جائز ہے یا نہیں؟ قرونِ اُولیٰ میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر یہ مہر معجّل ہے، یا ہبہ، یا عاریت، خصوصاً جب کہ سودی قرض لیکر ادا کیا جائے؟

بندہ احمد بنات غفرلہ، از ترکیسر، ضلع سورت، ۱۴/ جولائی/ ۳۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کے ذمہ مہر اور نان نفقہ کپڑا واجب ہوتا ہے(۱)، زیور وغیرہ شرعاً واجب نہیں اور نکاح سے قبل یا رخصتی سے قبل جو بعض جگہ لڑکے یا اس کے ولی سے کچھ لینے کا دستور ہے کہ بغیر اس کے رخصتی نہیں کرتے اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں، یہ لینا ناجائز ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے۔ رخصتی کے بعد لڑکی اپنی مرضی سے اگر زوج کو زیور دے یا روپیہ پیسہ دے تب بھی جائز ہے، لیکن لڑکی کے باپ وغیرہ جو لڑکے سے وصول کرتے ہیں یہ ناجائز ہے اور سودی روپیہ لینا اور لڑکی کے باپ کو دینا یا خود لڑنا یہ ناجائز ہے(۲)۔

"و من السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به، اهـ". رد المحتار: ۵/ ۳۰۱ (۳)۔ "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة، اهـ". شامي، ص: ۵٦۵ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲٦/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فما استمتعتم به منهن فآتوهن أجورهن فريضة﴾ الأية. (سورة النساء: ۲۴)

"المهر واجب شرعاً إبانةً لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۲۴۹، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا و موكله و شاهديه، و قال: "هم سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/ ۲۷، قديمي)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ذكر الفروع: ٦/ ۴۲۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في حبس المرأة نفسها بالمهر: ۱/ ۳۹۱، رشيديه)

(۴) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۳/ ۱۵٦، سعيد) =

شادی کے لئے قومی قوانین

سوال[۵۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

ہماری قوم کے لوگوں نے ذیل کے قوانین پاس کئے ہیں، آیا شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہیں؟ لڑکی کی شادی کریں تو لڑکے والے سے تین سو پچاس روپیہ کا زیور لینا چاہئے اور یہ زیور مہر سے علاوہ اور زیور کا حق خاوند کا ہے، اس سے زیادہ زیور لڑکی والے لیویں اور لڑکے والے دیویں تو ان دونوں کا جرمانہ کیا جاتا ہے اور جرمانہ نہ دیویں تو اس کے ساتھ سب قوم کے آدمی ترکِ موالات کرتے ہیں۔ اس بات میں چند سوالات ہیں شریعت کا کیا حکم ہے:

۱...... تین سو پچاس سے زائد کا زیور لیویں تو اس کا جرمانہ کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اگر کوئی آدمی جرمانہ نہ دیوے تو لوگ اس کے ساتھ ترکِ موالات کرتے ہیں اور لین دین اور جمیع کاروبار اس کے ساتھ بند کرتے ہیں اور شادی دعوت وغیرہ تقریبات میں شرکت نہیں کرتے۔ اس سے ترکِ موالات کا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

۳...... جماعت کے اخراجات کے لئے ہر سال ہماری قوم کے ہر مکان پر چار آنہ فیس ادا کرنا لازم کیا ہے اور فیس نہ دینے پر مناسب سزا دینے کا حق صدر صاحب کو ہے۔ آیا لازمی وفرضی فیس کا لینا شریعت سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

غلام محمد داؤد جی ٹبل، مقام جیتال، مورخہ: ۲۷/ ربیع الثانی / ۵۸ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... کسی شخص کو کسی زیور کے لئے مجبور کرنا درست نہیں، بلکہ اس کی اور زوجہ کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور کسی جرم پر مال کا جرمانہ کرنا شرعاً ناجائز ہے: "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". بحر: ۵/ ۴۱(۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل قول الكنز: "و لو نكح ذمي ذمية بميتة الخ": ۳/ ۳۲۵، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/ ۶۸، رشيديه) .... =

۲..... جب جرمانہ کرنا ہی ناجائز تو جرمانہ ادانہ کرنے پر ترکِ موالات بھی ناجائز ہے، خلافِ شرع کام کی وجہ سے ترکِ موالات درست ہے (۱)۔

۳..... یہ فیس بظاہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک چندہ ہے، بہتر صورت ہے کہ سب مل کر قوم کی اصلاح کریں، خرابیوں، بُری رسموں اور آپس کے جھگڑوں کو اٹھا کر اتحاد و اتفاق سے شریعت کے موافق زندگی بسر کریں، اس کام کے لئے چندہ دینا اور لینا درست ہے (بشرطیکہ وہ صحیح مصرف پر صرف ہو)، لیکن کسی پر جبر کرنا اور زبردستی چندہ لینا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص اس اصلاحی جماعت میں شریک نہیں ہونا چاہتا بلکہ علیحدہ رہنا چاہتا ہے، تو اس سے جبراً چندہ وصول نہ کیا جائے (۲)۔ اگر یہ چندہ صحیح مصرف پر شریعت کے موافق صرف نہیں ہوتا تو اس کا لینا اور دینا ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

دولہا والوں سے جبراً مٹھائی وغیرہ وصول کرنا

سوال [۵۵۲۱]: کسی جگہ شادی کی رسم یہ ہے کہ دولہا اپنے گھر سے مع بارات دلہن کی بستی کی طرف

= "و عند أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، و عندهما وباقي الأئمة: لايجوز .... إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، فصل في التعزير: ۵/۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "قال الخطابي رحمه الله تعالیٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلّته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر الخ، الفصل الأول (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدارقطني في المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

جاتے ہیں، راستہ میں جو کئی بستیاں واقع ہوتی ہیں، ان کے باشندگان دولہا والوں سے انہیں پکڑ کر مٹھائی وغیرہ لینے کے لئے سخت زور لگاتے ہیں، نہ دینے کی صورت میں پالکی وغیرہ توڑ دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں، دولہا والے مارے شرم کے مجبوراً باشندگان کو مٹھائی وغیرہ دے کر چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔

ان باشندگان کا کہنا ہے کہ دولہا والوں سے اس قسم کی مٹھائی وغیرہ لینا ہمارا ملکی رسم ورواج ہے۔ خدا خدا کر کے دولہا والے جب دلہن کے مکان پر پہونچتے ہیں تو دلہن والے آکر انہیں گھیر لیتے ہیں اور اپنے حسبِ عادت ان سے مٹھائی وغیرہ لینے کا سخت مطالبہ کرتے ہیں، نہ دینے کی صورت میں دلہن کے مکان میں جانے سے روک لیتے ہیں۔

دلہن والوں کی دوسری اور ایک عادت ہے کہ قبل عقد دولہا والوں سے اپنے پبلک فنڈ کے لئے کچھ معین نقود کا مطالبہ کرتے ہیں، عدمِ ادائیگی کی صورت میں عقدِ نکاح نہ کرنے کا خوف دلاتے ہیں۔ دولہا والے مجبوراً مطلوبہ روپیہ دیتے ہیں، مگر اس میں سے نصف روپیہ پبلک فنڈ میں رکھ کر باقی روپیوں کی مٹھائی خریدتے ہیں۔ اور اگر کوئی دیندار آدمی بستی والوں اور دلہن والوں سے یہ کہے کہ اس قسم کی مٹھائی اور روپیہ شرعاً جائز نہیں ہے تو یہ لوگ نہایت بے باکانہ جواب دیتے ہیں کہ ایسا لینا ہماری قدیم رسوم میں سے ہے، ہم ضرور اس کی پابندی کریں گے، اگرچہ اس کا ارتکاب حرام ہی کیوں نہ ہو۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دولہا والوں کا مجبوراً ایسا دینا اور بستی ودلہن والوں کا ایسا لینا اور ملکی رسم ورواج کی اس قدر سختی سے پابندی کرنا کہ ارتکابِ حرام کی پرواہ بھی نہ ہو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

عرضگذار: محمد قاری حفیظ الرحمٰن سلہٹی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ رسم اور نقد ومٹھائی وغیرہ لینا اور جبر کرنا شرعاً ممنوع ہے اور ناجائز ہے:

"لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث(۱)۔ "لا یجوز لأحد من

(۱) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه: قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئی إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقی فی شعب الإیمان، والدار قطنی فی المجتبی".
(مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، اھـ". بحر: ٥/٤٤(١)۔ "أخذ أھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم، فللزوج أن یستردہ؛ لأنه رشوۃ، اھـ". در مختار: ٢/٥٠٣(٢)۔

شرعی حکم کے مقابلہ میں رسم کی پابندی کرنا اور شرعی حکم کو نہ ماننا سخت گناہ ہے، بلکہ یہ مقابلہ بہت خطرناک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٣/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٥/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

رخصتی کے وقت شوہر سے روپیہ لینا

سوال[٥٥٢٢]: منگنی اور شادی کے وقت لڑکی والا جو روپیہ لیتا ہے اگر اس کی حسب مرضی روپیہ نہ دیں تو وہ شادی سے ہی انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح لین دین درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ بطورِ قرض لیا جائے تو حسبِ ضرورت تراضیٔ طرفین سے قرض کا لین دین درست ہے، مگر اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ شادی کے دباؤ اور اثر سے نہ ہو۔ اگر یہ قرض نہیں بلکہ شادی ہی کے اثر سے لیا جاتا ہے تو یہ رشوت اور حرام ہے، اس کی واپسی ضروری ہے، درمختار میں ہے:

"لو أخذ أھل المرأۃ عند التسلیم، فللزوج أن یستردہ؛ لأنه رشوۃ". (الدرالمختار)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "(قوله: عند التسلیم): أی بأن أبی أن یسلمها أخوها أو نحوہ حتی یأخذ شیئاً، وکذا لو أبی أن یزوجها، فللزوج أن یستردہ قائماً أو ھالکاً؛ لأنه

---

(١) (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ٥/٦٨، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ٢/١٦٧، رشیدیه)

(٢) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، قبیل مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عاریة: ٣/١٥٦، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق. کتاب النکاح، باب المهر، قبیل قول الکنز: "و لو نکح ذمی ذمیةً بمیتة الخ": ٣/٣٢٥، رشیدیه)

رشوة، بزازية". ردالمحتار، ص: ٣٣٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نوید اور دعوت میں فرق

سوال[۵۵۲۳]: ا...... ہمارے یہاں کے لوگ ''نوید'' ضروری سمجھتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ شادی کے موقع پر اپنے تمام رشتہ داروں کو''نوید'' بھیجتے ہیں، وہ رشتہ دار تاریخ مقررہ پر نائی کے ہمراہ چاول، دہی، دھوتی، یا صرف روپیہ لیکر اس شخص کے دروازہ پر حاضر ہوتے ہیں، اس سامانِ مذکورہ کو شادی والا اپنے رجسٹر میں درج کر دیتا ہے۔ پھر جب اس کے رشتہ دار کے گھر شادی پڑے تو اس شخص کو ویسا ہی کرنا پڑے گا، خواہ سامان یا روپیہ میں زیادتی کر کے لائے یا نہ لائے، لیکن لانا پڑے۔ گا جتنا ہو سکے، اگر نہیں لایا تو اس پر لعن طعن کی جاتی ہے۔ اگر وسعت نہیں ہے تو قرض لیکر پورا کرتا ہے تاکہ رسوانہ ہونا پڑے۔ اس کے متعلق نوید لینے والے اور دینے والے کا کیا حکم ہے؟

۲...... اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ولیمہ کی دعوت دی جائے، پھر وہ اس طرح کا سامان لائے یعنی روپیہ یا دھوتی وغیرہ تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ دعوت اور نوید میں ہمارے یہاں فرق ہے: نوید اس کو کہتے ہیں کہ سامانِ مذکور لائے اور دعوت صرف کھانا کھالینا ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... یہ طریقہ اور اس کا التزام غیر شرعی رسم ہے جس کا ترک کرنا لازم ہے، بلاضرورت اور بلا طلب

---

(١) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ٣/١٥٦، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني عشر في المهر، نوع آخر: تزوجها بمهر سر أو بشيء علانية الخ: ٤/١٣٦، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، باب في ذكر مسائل المهر، قبيل فصل في تكرار المهر: ١/٣٩١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، آخر باب المهر: ٣/٣٢٤، ٣٢٥، رشيديه)

قرض ہے، بغیر ادا کئے مطالبہ ذمہ میں باقی رہے گا، کسی غریب کی مدد بغیر رسم ونمائش اور بغیر اس امید کے کہ یہ ہماری مدد اسی طرح کرے گا، نیز خوش کرنے کے لئے بلا حاجت بھی ہدیہ کے طور پر دینا مستحسن ہے، مگر مذکورہ مسئولہ طریقہ کی یہ صورت نہیں۔

۲......ولیمہ سنت سے ثابت ہے جب کہ اس میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو، حدیث شریف میں ہے:"أَوْلِمْ ولـو بشـاة"(۱)۔ اس کے قبول کرنے کی بھی ترغیب، بلکہ بلا عذر قبول نہ کرنے پر نکیر آئی ہے جس میں: "فقد عصی" کا لفظ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۵ھ۔

شادی میں برادری کو کھانا کھلانا

سوال[۵۵۲۴]: ایک شخص اپنے لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے اور برادری میں یہ رسم ہے کہ شادی میں اگر پوری برادری کو کھانا کھلا دے تو وہ برادری میں رہ سکتا ہے ورنہ نہیں، حالانکہ بعض وقت شادی کرنے والے کی حیثیت اتنی بھی نہیں ہوتی کہ پانچ ہی آدمی کو کھانا کھلا دے۔ آیا ایسی صورت میں اس کو قرض دام لیکر کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں، جب کہ قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت بھی نہیں؟ جو حکم ہو ایسے کھانا کھلانے کا یعنی شرعاً مباح ہے یا واجب یا حرام؟ تفصیل سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی حالت میں کھانا کھلانا اور اس کا کھانا شرعاً ناجائز ہے، یہ کھانا خوش دلی کے ساتھ نہیں کھلایا جاتا،

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رأی علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة، فقال: "ما هذا"؟ قال: إني تزوجت امرأةً علی وزن نواةٍ من ذهب. قال: "بارک الله لک، أَوْلِمْ و لو بشاة". (صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب الولیمة ولو بشاة: ۲/۷۷۷، قدیمي)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من دُعي فلم یجب، فقد عصی الله و رسوله". الحدیث ...... رواه أبو داؤد". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قدیمي)

بلکہ برادری کے جبر وتشدد سے مجبور ہوکر کھلایا جاتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: " لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه، اھ". مشکوۃ شریف، ص: ۲۵۵ (۱)۔

یعنی کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی دلی کے حلال نہیں۔ ایسی رسموں کو توڑنا واجب ہے اور "اصلاح الرسوم" میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی رسموں کی شرعی ودنیوی قباحتیں خوب تفصیل سے بیان فرمائی ہیں، بیاہ شادی کے موقع پر خصوصیت سے اس کا دیکھنا بے حد ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۵/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شادی، ختنہ میں لڑکے کو سجانا اور پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا

سوال [۵۵۲۵]: ۱ ... شادی یا ختنہ کے موقع پر لڑکے کو سجاتے ہیں یعنی پھول کے ہار گلے یا سر پر سجاتے ہیں اور نقاب ڈالتے ہیں اور کمر میں پٹکہ ڈالتے ہیں۔ تو یہ سب جائز ہے یا نہیں؟

۲ ... قدرتی پھولوں کا ہار دولہا کے گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱ ... شادی یا ختنہ کی خوشی کے موقع پر اچھے عمدہ کپڑے پہنانا حدودِ شرع میں رہتے ہوئے درست ہے (۲)، ہار گلے میں نہ ڈالیں، سہرا بھی نہ باندھیں (۳)، نقاب بھی چہرہ پر نہ ڈالیں، پٹکہ جو کہ ہندوانہ رسم ہے

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه: قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان، والدار قطني في المجتبی". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۲) شادی چونکہ خوشی کا موقع ہے اور خوشی کے مواقع میں حدودِ شرع کے اندر تزئین جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ عید اور جمعہ کے دن فقہاء نے خوشبو اور نیا لباس پہننے کو مندوب لکھا ہے: "و ندب یوم الفطر .... و تطیبه بما له ریح لا لون، ولبسه أحسن ثیابه و لو غیر أبیض". (الدر المختار). "قال في البحر: و ظاهر کلامهم تقدیم الأحسن من الثیاب في الجمعة والعیدین و إن لم یکن أبیض". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب العیدین، مطلب یطلق المستحب علی السنة و بالعکس: ۲/ ۱۶۸، سعید)

(۳) یہ ہندوانہ رسم ہونے کی بنا پر بوجہ تشبہ بالکفار کے بھی منع ہے، (کما في بہشتی زیور، حصہ ششم، بیاہ کی رسموں کا بیان، ص: ۲۶، =

اس سے بھی پرہیز کریں(۱)۔

۲......وہ بھی گلے میں نہ ڈالیں، خوشبو کے لئے اس کو دیدینے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختنہ کے موقع پر اناج لوٹا بھر کر دینا؟

سوال[۵۵۲۶]: ختنہ کے وقت کچھ اناج لوٹے میں بھر کر مسجد میں لاتے ہیں، وہ کس کا حق ہے؟ اور بھی اس قسم کی چیزیں آتی ہیں، ان کو کیا کرنا چاہئے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختنہ وغیرہ کے وقت اگر رسم کے طور پر لازم سمجھ کر مسجد میں کچھ دیا جائے تو نہ لیا جائے (۲)، اگر خوشی کے طور پر امام یا مؤذن کو کچھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں، جس کو دیا جائے اسی کا حق ہے۔ اگر مسجد کے لئے کوئی چیز دی جائے تو وہ مسجد کا ہی حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

شادی میں نیوتہ

سوال[۵۵۲۷]: اس ملک کا رواج ہے کہ دولہا کی جب بارات چلنے لگتی ہے تو دولہا کے آگے ایک

= مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۱) "وفيه أن من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) ایسی رسوم میں اکثر طور پر لینا دینا بغیر طیبِ خاطر رسم سے مجبور ہو کر ہوتا ہے جو کہ درست نہیں:

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدار قطني في المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

برتن رکھا جاتا ہے اور اس میں ہر شخص کچھ رقم رکھتا ہے، اس کو ''نیوتہ'' کہا جاتا ہے۔ پھر یہ رقم دولہا یا اس کے ورثہ لیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے، نیز اس کی اصل شریعت میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدترین گناہ کہا ہے، اور یہ مولوی صاحب اس رسم کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے اور ایسے عالم صاحب کا کیا حکم ہے جو خود کریں اور عوام جہلاء کو ایسی بدعات کا حکم دیں، ایسے عالم صاحب کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ جوابات ارقام فرما کر عند اللہ ثواب حاصل کریں۔

المستفتی: مفتی محمد عظیم اللہ خان غفرلہ (کشمیر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ بطریقِ اعانت کے ہو اور ریاکاری نام و نمود وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست بلکہ مستحسن ہے، مگر طریقہ مروجہ کی حیثیت سے بجز رسم و رواج کے کچھ نہیں۔ اور بسا اوقات برادری کے زور یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے، بلکہ اگر پاس نہ ہو تو قرض یا سودی لے کر دیا جاتا ہے، اس لئے ناجائز ہے(۱)۔ اور اگر بطورِ قرض دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے تو اس میں بھی مفاسد ہیں: "لا یحل مال امریء إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقی". مشکوۃ، ص: ۲۵۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ محرم الحرام/ ۶۳ھ۔

شادی میں رنگین کاغذ کے گیٹ بنوانا

سوال[۵۵۲۸]: شادی میں گیٹ رنگین کاغذ کے بنوانا کیسا ہے؟

---

(۱) سود حرام ہے، اس کے کھانے والے، کھلانے والے اور گواہوں پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربا و موکله و شاهدیه، وقال: "هم سواء". (الصحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۷، قدیمی)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

شادی میں محض نمائش وفخر کے ہر کام سے بچنا چاہئے، مروجہ طریقہ پر گیٹ بنوانا بھی اس میں داخل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۰ھ۔

شادی میں چودھریوں کے حقوق

استفتاء [۵۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین شریف سوالات مفصلہ تفصیل ذیل میں:

۱......ایک مجمع برادری کا ہے اس میں چند اشخاص چودھری واسطے انتظام غمی وشادی مقرر ہیں، تقریب غمی میں تو کچھ حاصل نہیں ہوتا، مگر جب کہ تقریب شادی ہوتی ہے مثلاً: کسی آدمی نے تمام برادری کی ضیافت کی، وہ لوگ حاضر ہوئے، کھانا کھا گئے، چودھریوں نے بھی کھانا کھایا اور بلا اطلاع اور اجازت میزبان کی اپنے گھر لے جانے کو علیحدہ چاول پختہ اور ترکاری دال پختہ ومٹھائی وگھی وغیرہ بلکہ پوشیدہ رکھ لیتے ہیں۔

پیشتر بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جو چودھری ہوتا ہے اس کا یہ دستور ہوتا ہے کہ سب برادری کے ساتھ کھانا کھالیا اور ایک خوراک اپنے گھر لے گئے، جس کا نام "بخشی دوہرہ حصہ" ہے، اب مثلاً دس چودھری ہیں، فی کس کم از کم دس آدمیوں کی خوراک ٹوکرہ بھر کر لے جاتا ہے، اور ایک ہانڈی دال کی ہمراہ ہوتی ہے، ظاہر اور خفیہ دونوں طریقہ سے لے جاتے ہیں، صاحبِ خانہ تکرار کی وجہ سے خاموش رہتا ہے، اس کا ذکر میزبان اپنے دوست واحباب سے بعد میں شکایت بھی کرتا ہے۔ ایسا فعل چودھریوں کو جائز ہے یا نہیں، ان کو یہ لے جانا حلال بھی ہوگا یا نہیں؟

۲......دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کل برادری نے اتفاق کر رکھا ہے کہ جو شخص جدید آکر برادری میں شامل

---

(۱) "وأخرج ابن عساكر عن سالم بن عبدالله قال: اعترست (لعل الصواب: أعرست) في عهد أبي، فدعا أبي الناس، فكان فيمن دعا: أبو أيوب، وقد ستروا بيتي بجا دي أخضر، فجاء أبو أيوب، فطأطأ رأسه، فنظر فإذا البيت ستر، فقال: يا عبدالله، تسترون الجُدُر؟ فقال أبي -واستحي-: غلبنا النساء يا أبا أيوب! فقال: من خشيت أن تغلبه النساء فلم أخش أن يغلبنك! لا أدخل لكم بيتاً، ولا أطعم لكم طعاماً. كذا في كنز العمال". (حياة الصحابة للعلامة يوسف الكاندهلوي، الباب الثامن، إنكار أبي أيوب على ابن عمر الخ: ۲/۳۰۵، دار القلم دمشق)

ہونا چاہیے، وہ خشک چاول کل برادری میں مردوں کے فی کس آدھا سیر چاول اور دو چھٹانک دال ماش تقسیم کردے، بعد میں جس قدر چودھری ہیں وہ دھڑی دھڑی چاول لے جاتے ہیں، جو شخص شامل ہوتا ہے اس کو رنج ہوتا ہے، علاوہ اس کے بعض بعض آدمیوں کو بھی برا معلوم ہوتا ہے۔ یہ چودھریوں کی زبردستی ہے، سب برادری کی اجازت نہیں ہے۔ یہ فعل چودھریوں کا جائز ہے یا نہیں، اگر برا ہے کس درجہ کا: حرام ہے یا حلال ہے، مؤاخذہ طلب ہوں گے یا نہیں؟ اگر چودھریوں کا حصہ کل برادری بالاتفاق مقرر کردے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

۳......یہ رواج اور دستور چلا آتا ہے کہ جو نوشہ دولہا بارات لے کر بیاہنے آتا ہے، بعد نکاح ہونے کے بیٹی والا دولہا سے خرچہ لیتا ہے، وہ خرچہ یہ ہے کہ جو کھانا پکاتا ہے اس کی محنت و قیمت ظروف مٹی و رکابیاں وغیرہ دھوبی سقہ وغیرہ دلاتا ہے جس کا نام ''پٹہ'' رکھا ہوا ہے۔ یہ رواج شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۴......کسی شخص نے مثلاً زید کو اپنا نکاح کرنے کی ضرورت ہے، زید نے عمرو سے سوال کیا کہ اپنی دختر سے میری شادی کردو، عمرو نے جواب دیا کہ مجھے سو یا دو سو روپے کی ضرورت ہے۔ عمرو نے زید سے روپیہ لے لیا اور زید کا نکاح اپنی دختر سے عمرو نے کردیا۔ یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمدی، متولی مسجد محلہ ٹوپیہ سرائے، یکم/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......بغیر مالک کی خوشی اور اجازت کے جائز نہیں، کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿و لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾(۱) یعنی ''ایک دوسرے کا مال ناحق اور برے طریقہ سے مت کھاؤ''۔

۲......اس کا جواب بھی یہی ہے یعنی بغیر مالک کی خوشی کے اور اجازت کے جائز نہیں کہ اس کا مال لیا جاوے، یہ فعل حرام ہے، کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یحل مال امرئی إلا بطیب نفس منہ" أو کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم(۲).

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۱۸۸)

قال العلامة الآلوسي تحت الآية: "والمراد من "الأكل" ما يعم الأخذ والاستيلاء، و عبّر به؛ لأنه أهم الحوائج .... والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض". (روح المعاني: ۲۹/۲، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدار قطني في المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

بغیر اجازت کے مال لینے سے مؤاخذہ ہوگا۔ اگر مالکان خوشی سے بغیر زبردستی کچھ چودھریوں کو دیدیں تو جائز ہے۔

۳.....دولہا کی طرف سے اگر روپیہ خوشی سے بلا جبر دیا جاتا ہے، نیز اس کو لازم نہیں سمجھا جاتا، بلکہ بطور ہبہ اعانت کی غرض سے دیا جاتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے یا بلا رضامندی دولہا سے لیا جاتا ہے تو درست نہیں: "لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، کذا فی البحر الرائق". فتاوی عالمگیری: ۲/۷۷۸ (۱)۔

۴.....اگر قرض لیا ہے اور واپس دینے کا قصد ہے تو جائز ہے، اگر نکاح کا عوض لیا ہے تو نکاح تو صحیح ہے، لیکن روپیہ واپس دینا ہوگا (۲)۔ البتہ اگر زید بخوشی ہبہ کردے اس روپیہ کو اور واپس نہ لے تو مضائقہ نہیں۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۲/۵۱ھ۔

سوتے ہوئے چودھریوں کو نکاح کے لئے سلام کرنا

سوال[۵۵۳۰]: ہمارا ایک بڑا محلہ ہے، اس میں بارہ چودھری ہیں۔ یہاں پر یہ رسم ہے کہ جب شادی ہوتی ہے تو دولہا ان کو رات کو سوتے ہوؤں کو جگا کر سلام کرتا پھرتا ہے، ورنہ یہ لوگ نکاح میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ کیا یہ حکم شریعت سے ثابت ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(۲) "أخذ أهل المرأة شیئاً عند التسلیم، فللزوج أن یسترده؛ لأنه رشوة". (الدر المختار). "(قوله: عند التسلیم): أی بأن أبیٰ أن یسلمها أخوها أو نحوه حتی یأخذ شیئاً، و کذا لو أبی أن یزوجها، فللزوج الاسترداد قائماً أو هالکاً؛ لأنه رشوة". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، قبیل مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عاریة: ۳/۱۵۶، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الثانی عشر فی المهر، نوع آخر: تزوجها بمهر سر أو شیء علانیة الخ: ۴/۱۳۶، رشیدیه)

(والبحر الرائق، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۳۲۵، رشیدیه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس رسم کا قرآن پاک، حدیث شریف اور فقہ میں کہیں وجود نہیں، یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، خالص جہالت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد" متفق عليه"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۸ھ۔

جس شادی میں رسومات ہوں اس میں علماء کی شرکت

سوال [۵۵۳۱]: جس شادی میں سہرا باندھنا، آتش بازی اور دیگر رسوماتِ بدعت ہوں، اس میں علماء کی شرکت اور نکاح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں شادی میں یہ ممنوعات موجود ہیں تو اس میں شرکت سے انکار کردیا

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالى: "من أحدث": أي جدّد وابتدع، أو أظهر واخترع "في أمرنا": أي في دين الإسلام .... "فهو": أي الذي أحدثه "رد": أي مردود عليه. .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كَمُل و انتهى، و شاع و ظهر ظهور المحسوس، بحيث لا يخفى على كل ذي بصر و بصيرة، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضي؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً، فهذا الشخص ناقص مردود عن جنابنا، مطرود عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار، واستنباط الأحكام منها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۴۰): ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير للعلامة المناوي رحمه الله تعالى: ۱۱/۵۵۹۲، (رقم الحديث: ۸۳۳۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

جائے خاص کر مقتداء (عالم، امام وغیرہ) کو شریک نہیں ہونا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

جس شادی میں منکرات ہوں اس میں شرکت

سوال [۵۵۳۲]: ۱..... کسی شادی میں ناچ طوائف، بقال، باجہ کے ساتھ ہو، اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ اگر کسی رشتہ دار کا شامل ہونا ضروری ہے اور وہ محفلِ ناچ میں شرکت نہ کرے، صرف شادی کے دیگر کاروبار میں شامل ہو جاوے، کھانے میں شرکت کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

۲..... اگر کسی شادی میں صرف باجہ ہو اس میں شرکت کرنا کھانے وغیرہ میں شامل ہونا کیسا ہے اگرچہ اس کی نیت باجہ سننے کی نہیں ہے، وہ کس طرح شامل ہو سکتا ہے اور اس کھانے میں کچھ حرج ہے یا نہیں اور ان صورتوں میں نکاح جائز مطابق شریعت ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... اگر وہ رشتہ دار ایسا ہے کہ اس کے شریک نہ ہونے سے شادی والوں کو رنج ہوگا اور توقع ہے کہ وہ ناچ گانا وغیرہ بند کر کے اس کو شریک کریں گے، یا اس کی شرکت سے دوسروں کو استدلال کا موقع ملے گا اور دوسرے لوگ بھی ان کاموں کو کریں گے تب تو شرکت ناجائز ہے، بالکل انکار کر دے اور صاف صاف کہہ دے کہ ان ناجائز چیزوں کو بند کرو تب تو شریک ہوں، ورنہ میں شریک نہیں ہوتا۔ اگر وہ رشتہ دار ایسا نہیں بلکہ چاہے وہ شریک ہو، چاہے نہ ہوں، کسی کو اس کی پرواہ نہیں تب شادی کے ناجائز کاموں کو روکنے کی کوشش بہر حال حسبِ وسعت ضروری ہے (۲)۔

۲..... اس کا بھی حکم یہی ہے۔ مگر نکاح دونوں صورتوں میں صحیح ہو جائے گا، ناجائز کاموں کا گناہ بھی ہوگا، پہلی صورت میں زیادہ دوسری صورت میں اس سے کم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۵۷ھ۔

---

(۱) (قد مضى تخريجه تحت عنوان ''شادی میں قوالی''۔)

(۲) ''دُعي إلى وليمة و ثمة لعب أو غناء، قعد وأكل لو المنكر في المنزل، فلو على المائدة لا ينبغي أن =

....

= يقعد بل يخرج معرضاً، لقوله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾. فإن قدر على المنع، فعل، و إلا يقدر صبر إن لم يكن ممن يُقتدى به. فإن كان مقتدىً و لم يقدر على المنع، خرج و لم يقعد؛ لأن فيه شيناً للدين. وإن علم أولاً باللعب، لايحضر أصلاً، سواء كان ممن يُقتدى به أولا؛ لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور، لاقبله.

و في السراج: ودلت المسئلة أن الملاهي كلها حرام، و يدخل بلا إذنهم لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "صوت اللهو والغناء يُنبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". قلت: و في البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب و نحوه حرام، لقوله عليه السلام: "استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفرٌ، اهـ". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس: ۶/۳۴۸-۳۴۹، سعيد)

"وكره كل لهو، لقوله عليه السلام: "كل لهو المسلم حرامٌ" الخ. والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق و ضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار. و استماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلک حرام". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۵، سعيد)

"وعن الحسن رحمه الله تعالىٰ: لا بأس بالدف في العرس يشتهر. و في السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل، ولم يضرب على هيئة التطرب، اهـ". (ردالمحتار، المصدر المتقدم، قبيل فصل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغيرعلم و يتخذ ها هزواً، أولئک لهم عذاب مهين﴾ الآية (سورة اللقمان: ۶)

قال العلامة البغوي في المعالم: "عن عبدالله بن مسعود وابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم، والحسن وعكرمة وسعيد بن جبير رحمهم الله تعالىٰ قالوا: ﴿لهو الحديث﴾ هو الغنا، والآية نزلت فيه. ومعنى قوله: ﴿يشترى لهو الحديث﴾: أى يستبدل ويختار الغناء والمزامير المعازف على القرآن. قال أبو الصباء الكبرى: سألت ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه عن هذه الآية فقال: هو الغناء، والله الذي لا إله إلا هو -يرددها ثلاث مرات- وقال إبراهيم النخعي: الغناء ينبت النفاق في القلب، وكان أصحابنا يأخذون بأفواه السكک يخرقون الدفوف. وقيل: الغناء رقية الزنا. وقال قتادة: هو كل لهو =

شادی میں لڑکے کے مطالبات اوران کی خرابیاں

سوال[۵۵۳۳]: عرض خدمت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں شادی کے موقعہ پر ہنود کے رسم ورواج کی طرح لین دین کا سوال پیدا ہوگیا ہے، معمولی پڑھا لکھا نوجوان لالچ کے سبب لڑکی والوں سے مطالبات کرتا ہے جن کو دیکھ کر دینی تعلیم یافتہ نوجوان بھی مال وزر کے لالچ سے اس برائی میں پھنس گئے، اور امیروں نے نام ونمود کی خاطر ان کا سوال پورا کر کے اس کو رواج بنالیا، حتی کہ اب ہر گھر میں اس کا چرچا ہے، لیکن غریب لڑکی والے پر یہ سوال مصیبت بن گیا ہے۔ وہ مطالبات یہ ہیں: ریڈیو، سونے کا نگینہ، سونے کے زیورات، سائیکل، گھڑی وغیرہ۔

اس کے علاوہ لڑکی والے کو اتنا سونا، اتنی چاندی، جائیداد، پوشاک وغیرہ اور شوہر کے گھر میں گذر کرنے کا کل سامان دینا پڑے گا۔ اکثر لڑکے والے اس پر اٹل ہیں کہ جب تک یہ سب سامان نہ ملے شادی نہ کرائیں گے، چاہے بدکاری میں عمر گذر رے۔ اور اس سوال کے سامنے لڑکی کے نان ونفقہ کی کوئی حقیقت نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شادی برادری میں نہ ہونے کے سبب برادری ترک، بیوی کو طلاق، بیوی کے دیئے ہوئے مال میں کوئی حق نہیں۔

جنہوں نے چار سال قبل شادی کی تھی اور ان کے اولاد بھی ہوگئی وہ بھی سوال کرتے ہیں کہ بیوی کا

= ولعب ﴿ليضل عن سبيل الله بغير علم﴾ يعني يفعله عن جهل". (تفسير البغوي المسمى مصالح التنزيل (سورة لقمان: ٦): ۳/۴۹۰، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

وقال الله تعالیٰ: ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتک﴾. الآية (سورة الإسرا: ۶۴)

"واستماع صوت الملاهي حرام كالضرب بالقصب وغيره قال عليه الصلوة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذبها كفر". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۲۴۶، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الثامن عشر في الغناء، واللهو، وسائر المعاصي، والأمر بالمعروف: ۶/۱۱۲، رشيديه)

﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتک﴾ "صوت الغناء والمزامير". (تفسير المدارك المسمى بمدارک التنزيل و حقائق التأويل، (الإسراء: ۶۴): ۱/۷۲۱، قديمي)

وارث ہمارا سوال پورا کرے تو خیر، ورنہ تو بیوی کو طلاق، ورنہ بیوی کا نان نفقہ بند، چاہے جدھر جائے۔ اس رسم سے بہت سی برائیاں ظاہر ہوئیں: زنا کاری، حمل بند کردینا، حمل گرادینا، لڑکی پیدا ہو تو مار ڈالنا، لڑکی کا خودکشی کرلینا، لڑکی والے کا شرم کی وجہ سے خودکشی کرلینا وغیرہ خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ علمائے دین اس طرف توجہ فرمائیں، یہاں جو دینی تعلیم حاصل کرکے آتے ہیں وہ بھی لالچ میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے سوال کرتا ہوں کہ شریعت میں اس رسم کی کیا اصلیت ہے؟ جواب سے آگاہ فرمائیں تاکہ عوام کو آسانی ہو۔

۱.....شادی میں یہ رسم اور اس طرح کا لین دین سراسر گمراہی ہے یا نہیں؟

۲.....جس شادی کی مجلس میں ڈھول، باجا، آتش بازی ہو، اور بیوی کا حق حقوق نہ ہو، شریعت کی عزت نہ ہو، جس کے انجام میں اتنی برائیاں ہوں، ایسی مجلس میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

۳.....ایسے رسم ورواج کو نکالنے والے، اس پر مدد کرنے والے، سوال کرنے والے، نام ونمود کی خاطر سوال کو پورا کرنے والے مسلمان ہیں یا نہیں؟

۴.....ایسی غیر شرعی مجالس میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

۵.....تونگر لڑکے والے کا غریب لڑکی والے پر سوال کرنا ظلم ہے یا نہیں؟

۶.....یہ رسم ورواج کافر مشرک کا طریقہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح ایک عبادت ہے(۱) جس طرح دوسری عبادت کو حکمِ خداوندی اور ذریعۂ قربتِ الٰہی تصور کرتے ہوئے کیا جاتا ہے اور اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر عبادت کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ادا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني". (سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح، ص: ۱۳۲، قديمي كتب خانه)

"وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا تزوج العبد، فقد استكمل نصف الدين، فليتق الله في النصف الباقي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۶۸، قديمي)

کیا جائے، اسی طرح نکاح کو بھی عبادت تصور کرتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ادا کرنا چاہئے تب ہی اس کی اصلی خیر و برکت حاصل ہوگی (۱)۔

دوسری قوموں کے طریقے پر کرنے سے اس کی عبادت کی شان باقی نہیں رہے گی، جتنی جتنی چیزیں اس میں دوسروں کی آتی چلی جائیں گی اسی قدر یہ نکاح عبادت اور سنتِ نبویہ سے نکل کر محض رسوم ورواج اور وہ بھی غیر قوموں کا رسم ورواج بنتا چلا جائے گا۔ پھر اس میں جو پابندیاں بے جا لگائی جائیں گی ان کی مضرتیں مستقل اثر انداز ہوں گی، جس قدر اس میں ظلم ہوگا اسی قدر اس میں بجائے خیر و برکت کے نحوست پیدا ہوگی (۲)۔ جو مفاسد سوال میں موجود ہیں وہ تو کچھ کم ہی ہیں، اس سے بھی زائد پیدا ہو سکتے ہیں۔

۱......تعلیمِ اسلام کے خلاف ہے، غیر قوموں کا طریقہ ہے۔

۲......ان مفاسد والی شادی میں ہرگز شرکت نہ کی جائے (۳)۔

۳......اس رسم کو ایجاد کرنے والے، اس کی اعانت کرنے والے، اس میں شرکت کرنے والے، اس

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة﴾. (الأحزاب: ۲۱)

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "أما بعد! فإن خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الهدی هدی محمد، وشر الأمور محدثاتها". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قدیمی)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: " إن أعظم النکاح برکةً أیسره مؤنةً". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الثالث، ص: ۲۶۸، قدیمی)

"وقال: ماأحدث قوم بدعةً إلا رُفع مثلها من السنة، فتمسک بسنة خیر من إحداث بدعة".

(مشکوٰة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث، ص: ۳۱، قدیمی)

(۳) "دعی إلی ولیمة وثمة لعب أوغنا ...... (وإن علم أولاً) باللعب (لا یحضر أصلاً)". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحظر والإباحة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/۳۴۳، رشیدیه)

(والهدایة، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۴/۴۵۳، إمدادیه ملتان)

سے خوش رہنے والے حسبِ حیثیت سب گنہ گار ہیں(۱)، سب کو توبہ کرنا اور نکاح سنت طریقہ پر لانا ضروری ہے(۲)۔

۴.....نفسِ نکاح تو ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے(۳)، مگر ان امور کا گناہ بھی ہوتا ہے، وہ بھی معمولی نہیں۔

۵.....بالکل ناحق مطالبہ ہے جو کہ ظلم ہے، جبراً لینا تو ناجائز ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث(٤)۔

۶.....یہ غیر قوموں کا طریقہ ہے جو کہ اسلامی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۳۹۱ھ۔

شادی میں لڑکے کی فرمائشیں

سوال[۵۵۳۴]: آج کل شادی میں لڑکوں کی طرف سے فرمائش ہوا کرتی ہے، طرح طرح کی چیزیں مانگتے ہیں، لینا اور پھر ضد کر کے لینا کیسا ہے؟ اور دینے والا تو مجبور ہے، لیکن پھر بھی دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ضد اور فرمائش غلط ہے، بیجا ہے، ہرگز نہیں چاہئے، لڑکی کے والد بھی شرعاً مجبور نہیں(۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۶ھ۔

---

(۱) "قال النبي صلی الله علیه وسلم: "من سن في الإسلام سنةً سيئةً، كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيءٌ". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۳، قديمي)

(۲) "قال النبي صلی الله علیه وسلم: "إن الناس إذا رأوا منكراً فلم يغيروه، يوشك أن يعمهم الله بعقابه". (مشكوة المصابيح، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳٦، قديمي)

(۳) "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علمية)

(۴) "قال النبي صلی الله علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه".

(مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۵) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

نکاح میں غیر شرعی رسوم

سوال[۵۵۳۵]: زید اور اس کا پورا خاندان معتقد ہے مراسمِ نامشروع اور رواجِ کافرانہ کا، اسی وجہ سے عقد و نکاح کے سلسلہ میں ناچ، گانا، باجہ، منڈھا، مہندی، کلدوہ، سہرا اور تیل اتارنے کے نام سے جلتے چراغوں کا ایک تھال دولہا اور دولہن کے سروں پر گھمایا جاتا ہے، چاول اور تیل وغیرہ سروں پر نچھاور کیے جاتے ہیں، کوئی نکاح خاندانِ زید میں بغیر ان رسموں کے نہیں ہوتا، کیونکہ مذکورہ بالا رسموں کو وہ لوگ برا نہیں سمجھتے ہیں، اور باوجود سمجھانے کے بھی ان تمام رسموں کو حلال ہی جانتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید کا نکاح مذکورہ اعتقاد اور رسم و رواج کافرانہ کے ساتھ ہو تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اور شرکائے مجلس یعنی وکیل و گواہ اور نکاح خواں وغیرہ پر کوئی الزام شرعی وارد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر زید مذکورہ معتقدات اور رسمیات کے ساتھ ہونے والی منکوحہ کو طلاق دے بیٹھے تو اس منکوحہ مذکورہ کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کے لئے حلالہ ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انتہائی جہالت اور پرانی رسم کی وجہ سے زید ان چیزوں میں شریک ہے اور کفر نہیں سمجھتا اور سارے خاندان ہی کا یہ حال ہے، إنا لله۔ تاہم زید اور اس کے خاندان کو کافر و مرتد نہیں قرار دیا جائے گا اور اسلام سے خارج مان کر کافروں کے احکام نہیں دیے جائیں گے (۱)۔ اس لئے اس نکاح کو بھی درست کہا جائے گا، اور اس پر پورے شرعی احکام جاری ہوں گے۔ اگر وہ تین طلاق دے گا تو پھر بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت نہیں ہوگی۔ عقائد و اعمال کی اصلاح بہر حال لازم ہے، اس کی پوری کوشش کی جائے (۲)۔ شرکائے مجلس، وکیل،

---

(۱) "إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، و وجهه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم، ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم".

(التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر اهـ: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۲) "والذي صرح به أئمتنا أنه يجب على كل أحد وجوباً عيناً أن يعرف صحيح الاعتقاد من فاسده".

(الفتاوى الحديثية، باب في أصول الدين، مطلب: يتعين على ولاة الأمور اهـ، ص: ۲۷۵، قديمي)

گواہ، نکاح خواں کے لئے صرف شرکتِ مجلس کے مسائل دریافت کرنے پر قناعت نہ کی جائے، جب سارا خاندان ہی ایک رنگ میں رنگا ہوا ہے تو سب کی اصلاح لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شادی وغیرہ رسوم کی اصلاح

سوال [۵۴۲۶]: اسلامی انجمنوں نے دستور العمل بنایا ہے تاکہ اس نازک وقت میں رسوماتِ بد ترک ہوں بحکم خدا اور بفرمودۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمان ہر ایک کام انجام لائے۔ کمیٹی نے مختلف لوگوں کو دستور العمل کی کاپیاں بھی دیں، خط کے نقول بھی روانہ کئے، کمیٹی کی جانب سے وفد بھی گئے تاکہ فضول خرچی نہ کریں، یہ سب شیطانی کام ہے اور قوم اس سے روز بروز غربت اور مشکل میں پڑتی ہے۔

کئی بزرگوں نے اس پر لبیک کہا، قرآن وحدیث نبوی پر عمل کیا، کچھ جاہل لوگ ایسے بھی ہیں جن کو دولت حرام ملتی ہے، لوگوں کا خون چوستے ہیں، شیطانی کام کرتے ہیں۔ اگر دستور العمل او خط ملنے کے باوجود انہوں نے اس پر عمل نہ کیا تو صرف قرآن وحدیث کے مطابق ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ باقی لوگ بھی عبرت حاصل کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

فضول خرچی، غلط رسوم، ناجائز حرکات کی اصلاح ضروری ہے، شادی اور نکاح درحقیقت ایک عبادت ہے جو کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے(۱)۔ اس نیت

---

(۱) حدیث پاک میں ارشاد ہے: "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج؛ فإنه أغض للبصر، و أحصن للفرج، و من لم يستطع فعليه الصوم، فإنه له و جاء". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول، ص: ۲۶۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال بعضهم: هو واجب بالإجماع؛ لأنه يغلب على الظن أو يخاف الوقوع في الحرام .... قيل: فرض كفاية. وقيل: واجب على الكفاية. وقيل: مستحب. وقيل: سنة مؤكدة، وهو الأصح. وهو أقرب إلى العبادة حتى إن الاشتغال به أفضل من التخلي عنه لمحض العبادة". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۶/ ۲۶۱، رشيديه)

سے شادی کی جائے اور وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار کیا ہے اور کتبِ فقہ، نیز شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں اس کی پوری تشریح فرمادی اور جو جو رسم غیر شرعی رائج ہوگئی ہے ان کو بھی لکھ دیا ہے۔

اگر سب برادری جمع و متفق ہو کر اس پر عمل کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت سی خرابیوں سے حفاظت رہے گی، اور یہ شادی گناہوں اور خرافات سے پاک ہو کر عبادت اور قربت بن جائے گی، اس کا نفع دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا۔ جو لوگ خلافِ شرع اور ناچ گانا بجانا وغیرہ اپنی شادی میں کریں ان کی شادی میں شرکت نہ کی جائے اور آئندہ ان کے یہاں شادی سے بھی پرہیز کیا جائے، ان کی دعوت بھی قبول نہ کریں تاآنکہ وہ توبہ کرلیں اور ہر کام شریعت کے مطابق کرنے کا وعدہ کرلیں۔ نیز جہاں تک ہوسکے تشدد نہ کیا جائے، کوئی جسمانی یا مالی سزا نہ دی جائے، بلکہ شفقت و فہمائش سے کام لیا جائے، اللہ پاک مدد فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سنت کے خلاف رسم ورواج کی پابندی کی جائے یا نہیں؟

سوال[۵۵۳۷]: اس وقت ہر ہر بستی میں اتنی قیود و پابندی ہے کہ ایک لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے تو بمشکل کرسکتا ہے، کیونکہ بستی کے رسم ورواج میں فضول خرچی اور سراسر سنت کے خلاف ہو رہا ہے۔ آیا اس کا ساتھ دیا جائے یا نہیں؟ اگر ساتھ نہیں دیتے ہیں تو بستی والے بائیکاٹ کردیتے ہیں، اس وقت ہم کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنی حد وسعت تک نبھانا ہی چاہئے، اور حسنِ تدبیر و حسنِ اخلاق سے سمجھایا جائے (۱)، حضرت نبی

---

(۱) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، (رقم الحديث: ۵۱۳۷)، رشيديه)

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک حالات اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ودیگر اکابر کے حالات سنانے کا اہتمام کیا جائے، جس سے اپنے طریق کا غلط ہونا معلوم ہو، اوران کے اتباع کی رغبت پیدا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۳۸۶ھ۔

کیا گدی نشین کا نکاح جرم ہے؟

سوال[۵۵۳۸]: اگر خانقاہوں میں تعزیہ بنتا ہے اور چادر چڑھائی جاتی ہے اور وہاں کا یہ دستور ہے کہ جو گدی نشین ہو وہ نکاح نہ کرے، اگر نکاح کرے تو گدی سے اتار دیا جائے گا، لیکن اگر زنا کرے تو گدی سے نہ اتارا جائے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ انتہائی جہالت وضلالت ہے کہ سنت پر عمل کرنا تو جرم قرار پائے اور حرام کاری جرم نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

زیادتِ مہر، جہیز اور بھات وغیرہ مٹانے کے لئے کمیٹی کی بعض تجاویز

سوال[۵۵۳۹]: مسلم چھیپی ایسوسی ایشن ضلع بجنور نے اپنی ایک سماجی تنظیم بنائی ہے جس میں انہوں نے اپنی شادیوں میں زیور، کپڑا، رسم منگنی اور رخصتی وغیرہ کے اخراجات میں کمی کی ہے، وہیں مہر، جہیز پر بھی پابندی عائد کر دی ہے۔

۱...... نکاح کے لئے طے کیا ہے کہ نکاح صرف مہر فاطمی پر ہوگا، پانچ برتن سے زائد نہیں دے سکتا، نقد اکاون روپیہ سے زائد نہیں دے سکتا، اس کے علاوہ سلائی مشین، گھڑی، سائیکل، پلنگ، پیڑھا، اگر توفیق ہو تو دے سکتا ہے۔ کیا یہ پابندی شرعاً جائز ہے، اس پر عمل کرنے والے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

---

(۱) زنا تمام ادیان میں حرام ہے اور اس سے اس کی قباحت کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، کیونکہ بہت سی چیزیں اسلام میں حرام ہیں، لیکن دوسرے ادیان میں جائز ہیں مثلاً شراب، لیکن زنا چونکہ نسلِ انسانی کے تحفظ اور تشریف کے لئے ہادم اور نافی ہے اس وجہ سے تمام ادیان کے اندر حرام کیا گیا ہے: "الزنا حرام في جميع الأديان والملل". (ردالمحتار، كتاب الحدود: ۴/۲، سعيد)

۲...... بھات اور دسیاری (۱) کی رسم کو سابق رواج کے مطابق رکھا گیا ہے، کیا یہ رسم شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اقتصادی، معاشی، معاشرتی سدھار کے لئے قوم پر توجہ کرنا اور انتظام کرنا بہت مناسب ہے تاکہ غلط طریقے اور غلط اخراجات بند ہو کر صحیح طریق پر سنت کے مطابق نکاح کی تقریب انجام پائے، مہر کی مقدار شریعت نے کم سے کم دس درہم تجویز کی ہے جو تقریباً ۳/تولہ چاندی ہے (۲)، زیادہ کی مقدار مقرر نہیں کی، لیکن اتنی بڑی مقدار تجویز کر دینا جو شوہر کے قابو سے بالکل باہر ہو جائے، اور ادا کرنے کی کبھی بھی نوبت نہ آئے بہت غلط طریقہ ہے، اس کی ممانعت آئی ہے (۳)۔

اسی طرح جہیز کی ایسی پابندی کہ قرض لے کر دیا جائے اور وہ بھی سودی، جس کی وجہ سے بسا اوقات زمین، مکان، زیور پر آفت آجاتی ہے، یہ سب غلط طریقہ ہے، مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہوتی اور سب کے

---

(۱) بھات: جو سامان بطور امداد بھائی کی طرف سے بہن کے ہاں کسی تقریب میں بھیجا جائے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۹، فیروز سنز، لاہور)

دسیاری: امداد، مدد، بچاؤ، حفاظت، قوت، طاقت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۲۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: "سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، باب: لا مهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع فی المهر، الفصل الأول فی أدنی مقدار المهر: ۱/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

(۳) "قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه: "ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ماعلمت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نكح شيئاً من نسائه و لا أنكح شيئاً من بناته علی أكثر من ثنتی عشرة أوقيةً"، هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، كتاب النكاح، باب ما جاء فی مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وسنن أبی داؤد، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

(وكذا فی حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة فی الصداق: ۲/۳۴۳، قديمی)

لئے ایک حد بھی تجویز نہیں کی جاسکتی۔ تاہم جولوگ مہر فاطمی کی رعایت سنت سمجھ کر کریں گے وہ مستحق اجروثواب ہوں گے۔ اگر وقتِ نکاح جہیز نہ دیا جائے، یا برادری کی تنظیم کے موافق دیا جائے، زیادہ نہ دیا جائے تو اس صورت میں تنظیم بھی برقرار رہے گی اور بعد میں جو کچھ دل چاہے لڑکی کو دیتے رہیں، اس میں رکاوٹ نہیں ہوگی، اپنی لڑکی کو کبھی کبھی کچھ دینا منع نہیں (۱)۔

۲...... بھات وغیرہ کی رسم غیر شرعی ہے (۲) اس کو بند کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۰/ ۷/ ۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: جهّز رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فاطمة في خميل و قربة و وسادة حشوها إذخر الفرش". (سنن النسائي، كتاب النكاح، باب جهاز الرجل ابنته: ۲/ ۹۲، قديمي كتب خانه)

(وكذا في الإصابة، كتاب النساء، حرف الفاء: ۸/ ۲۶۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

(۳) قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من رای منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/ ۵۱، قديمي)

باب من یحل نکاحه

(جس سے نکاح جائز ہے)

پھوپھی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۴۰]: ایک شخص اپنے لڑکے کا عقد اپنی سگی بہن کی لڑکی سے کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پھوپھی کی لڑکی سے نکاح درست ہے، جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان میں یہ داخل نہیں ہے:
﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۴۱]: پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکیوں سے شادی اسلام کی نگاہ میں درست ہو جاتی

---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

قال ابن كثير رحمه الله تعالى تحت هذه الآية: "أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

"أي أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

قال الله تعالىٰ﴿ وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾: أي ما سوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة". (التفسير المظهرى: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے، لیکن ایک غیر مسلم ہندو اس کو بُرا گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اپنی بہن لڑکی کی مانند ہے، اسلام اس سے شادی درست قرار دیتا ہے اور جائز سمجھتا ہے اور بہن کی لڑکی سے کوئی مذہب شادی بیاہ کو درست نہیں سمجھتا ہے۔ لہذا اس اعتراض کا جواب بھی بجائے نقل کے عقل سے دیا جائے تا کہ مخالف اور باطل کو اس کے اعتراض کا جواب کافی شافی مل جائے اور مطمئن ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتب فقہ میں ایسے نکاح کی اجازت موجود ہے اور کتب حدیث میں زمانۂ خیر القرون میں ایسے نکاح کا ثبوت مذکور ہے۔ قرآن کریم سورۂ احزاب میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنے کو حلال فرمایا گیا ہے: ﴿یا أیها النبی إنا أحللنا لك﴾ اھ. اس میں ﴿وبنات عمك وبنات عماتك﴾ اھ (۱) بھی مذکور ہے۔ اور امت کے لئے محرمات کو شمار کرا کے سورۂ نساء میں کلیہ بیان فرما دیا گیا ہے ﴿وأحل لکم ما وراء ذلکم﴾ الآیة (۲)۔

غیر مسلم کے نزدیک جب نفسِ اسلام ہی باطل ہے تو پھر ان مسائل میں اس کو بحث کرنا ہی بیکار ہے، وہ اسلام کی عقلیت کو نہیں سمجھ پاتا تو اس کے فرعی مسائل کی عقلیت کو کیسے سمجھ پائے گا، وہ عقل سے اس قدر بعید بلکہ محروم ہے کہ بہن کے معنی ومقصود کو بھی نہیں سمجھتا، جو جو رعایت حقیقی بہن کے ساتھ ہے کیا وہی چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد بہن کے ساتھ بھی ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۵۴۲]: ۱…… اپنی خالہ زاد بہن کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سورة الأحزاب: ۵۰)

(۲) (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۲۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

۲......اپنی ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خالہ زاد بہن کی لڑکی سے نکاح درست ہے۔

۲...... پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہن کی لڑکی سے بھی نکاح درست ہے۔جس جس عورت سے نکاح حرام ہے اس کی تفصیل چوتھے پارہ کے آخر میں قرآن پاک میں بیان فرمادی گئی ہے، اس میں ان مذکورتین عورتوں کوشمار نہیں کیا گیا ہے(۱)، تفصیل کے بعد فرمادیا گیا:﴿و أحل لكم ما وراء ذلكم﴾(۲) یعنی ''ان محرمات کے علاوہ عورتوں سے نکاح درست ہے''۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خالہ اور چچا وغیرہ کی لڑکیوں سے نکاح

سوال[۵۵۴۳]: خالہ کی لڑکی اور پھوپھی کی لڑکی اور تائی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالہ کی لڑکی اور پھوپھی کی لڑکی اور تائی کی لڑکی سے نکاح کرنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے، اگر کوئی اور وجہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم، و بناتكم، و أخواتكم، وعماتكم، وخالاتكم، وبنات الأخ، و بنات الأخت، و أمهاتكم الّتی أرضعنكم، وأخواتكم من الرضاعة، وأمّهٰت نسائكم، وربائبكم الّتی فی حجوركم من نسائكم الّتی دخلتم بهن، فإن لم تكونوا دخلتم بهن فلاجناح عليكم، وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم، وأن تجمعوا بين الأختين إلا ماقد سلف، إن الله كان غفوراً رحيماً﴾ (سورة النساء : ۲۳)

(۲) (سورة النساء : ۲۴)

''أی ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال''. (تفسير ابن كثير : ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا فی التفسير المنير : ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا فی التفسير المظهری : ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فی بيان بعض المحرمات : ۳/۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

حرمت ہو مثلاً مصاہرت یا رضاعت تو دوسری بات ہے، ورنہ صرف مذکورہ فی السوال رشتہ مانع نکاح نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح

سوال[۵۵۴۴]: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، ہر مسلمان کو فرض ہے کہ سنت کی پیروی کرے، لیکن میری عمر ۷۷/ برس کی ہوئی، ایسا عقد میری نظر سے نہیں گذرا، نہ آپ کے یہاں کوئی عقد ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن قرابتوں سے نکاح حرام ہوتا ہے ان کی تفصیل قرآن پاک (۲) اور حدیث شریف (۳) اور کتب فقہ میں مذکور ہے (۴)، چچازاد بھائی ان قرابتوں میں نہیں (۵)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان "پھوپھی کی لڑکی سے نکاح"۔)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم امهتکم وبنتکم وأخواتکم وعمتکم وخلتکم وبنت الأخ وبنت الأخت وأمهتکم الّتی أرضعنکم وأخواتکم من الرضاعة وأمهات نسائکم وربائبکم الّتی في حجورکم من نسائکم﴾ الخ. (سورة النساء: ۲۳)

(۳) "عن ابن عباس رضی الله عنه قال: حرم من النسب سبعٌ ومن الصهر سبعٌ، ثم قرأ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم﴾ رواه البخاري". قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "حرم من النسب سبع": أی نسوة وهن: الأم، والبنت، والأخت والعمة، والخالة، وبنت الأخ، وبنت الأخت". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب المحرمات، الفصل الثالث: ۶/۳۴۰، رشیدیه)

(۴) "لایحل للرجل أن یتزوج بأمه ولاجداته من قبل الرجال والنساء، لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم وبناتکم﴾ الجدات أمهات ...... ولا ببنته لما تلونا، ولا ببنت ولده وإن سفلت للإجماع، ولا بأخته ولا ببنات أخته ولا ببنات أخیه ولا بعمته ولا بخالته ..... وتدخل فیها العمات المتفرقات والخالات المتفرقات وبنات الإخوة المتفرقین؛ لأن جهة الاسم عامة". (الهدایة، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۲/۳۰۷، مکتبة شرکة علمیة ملتان)

(۵) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ماوراء ذالکم﴾ (سورة النساء: ۲۴) .... =

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دینا بذریعۂ وحی تھا، اس پر شبہ کی گنجائش نہیں (۱) اور اس کی نظیر تلاش کرنا لاحاصل ہے، کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ۷۷/ سال سے زائد بھی عمر ہوجائے تب بھی اس فکر میں نہ پڑیں۔ البتہ حقیقی بھائی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے، جیسے قرآن پاک میں ہے ﴿وبنات الأخ﴾ (۲)، عینی، علاتی، اخیافی سب کا یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "ماعدا من ذکرن من المحارم هن لکم حلال". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "وعن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطب أبوبکر وعمر فاطمة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "إنها صغیرة" ثم خطبها عليّ فزوجها منه". رواه النسائی".

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: "ثم إن الله تعالیٰ أمرنی أن أزوّج فاطمة بنت خدیجة من عليّ بن أبی طالب، فاشهدوا أنی قد زوجته علی أربعمائة مثقال فضة إن رضی بذلک علی بن أبی طالب". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، باب مناقب علی بن أبی طالب رضی الله عنه، الفصل الثالث: ۱۵/۴۷۶، ۴۷۷، رشیدیه)

"عن عبدالله بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطب أبوبکر وعمر رضی الله تعالیٰ عنهما فاطمة، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إنها صغیرة" فخطبها عليٌّ فزوجها منه". (سنن النسائی، کتاب النکاح، تزوج المرأة مثلها فی السن: ۲/۶۹، قدیمی)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: حرم من النسب سبعٌ ومن الصهر سبعٌ، ثم قرأ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم﴾ رواه البخاری". قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "حرم من النسب سبع": أی نسوة وهن: الأم، والبنت، والأخت والعمة، والخالة، وبنت الأخ، وبنت الأخت". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، باب المحرمات، الفصل الثالث: ۶/۳۴۰، رشیدیه)

"لایحل للرجل أن یتزوج بأمه ولاجداته من قِبل الرجال والنساء، لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم وبناتکم﴾ الجدات أمهات ...... ولا ببنته لما تلونا، ولا ببنت ولده وإن سفلت للإجماع، ولا بأخته ولا ببنات أخته ولا ببنات أخیه ولا بعمته ولا بخالته ..... وتدخل فیها العمات المتفرقات والخالات المتفرقات وبنات الإخوة المتفرقین؛ لأن جهة الاسم عامة". (الهدایة، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۲/۳۰۷، مکتبة شرکة علمیة ملتان)

چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۴۵]: دو بہن بھائی ہیں، بھائی کا ایک لڑکا ہے اور بہن کے لڑکے کی لڑکی ہے، رشتہ سے بھائی کا لڑکا اس لڑکی کا چچا ہوتا ہے۔ تو ان دونوں کی آپس میں شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رشتہ ایسی قرابت نہیں ہے جس کی وجہ سے نکاح حرام ہو، حقیقی بھائی، بہن کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہوتا ہے۔ پھوپھی زاد، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد بہن کی لڑکی سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۶/۳/۸۸ھ۔

بیوہ کا نکاح دیور سے

استفتاء [۵۵۴۶]: ایک شخص اپنی منکوحہ بیوی اور لڑکی و والدین حقیقی و تین برادر نابالغ چھوڑ کر انتقال کر گیا، مرحوم کے والدین مرحوم کی بیوی سے اپنے دوسرے لڑکے خوردسال کی شادی یا نکاح کرنا چاہتے ہیں، مرحوم کی بیوی اور بیوی کے ورثاء بھی اس نکاح سے ناراض ہیں۔ شرعاً بصورت مذکورہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کی بیوی جب کہ بالغہ ہے تو کوئی شخص جبراً اس کا نکاح نہیں کرسکتا(۲)، جہاں نکاح کرنا ہو اس کی مرضی سے کریں، اگر اپنے دیور سے رضامند ہو، اور بھی کوئی مانع نہ ہو تو اس سے بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذوالحجہ/۵۶ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح''۔)

(۲) ''و لا تجبر البالغة البكر على النكاح''. (الدر المختار، باب الولي: ۵۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۴/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۴۹۵/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾. (النساء: ۲۴) .... =

بھابھی کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۴۷]: نقشۂ مذکورہ کے مطابق ہندہ کا نکاح سعید سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید مرچکا ہے، خالدہ نے نکاح ثانی عبداللہ سے کیا ہے۔

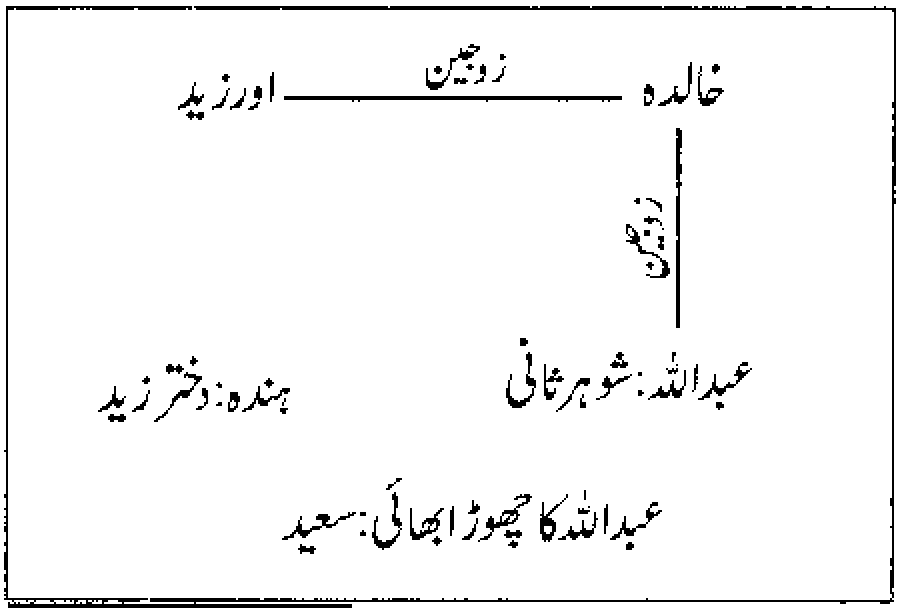

بانی: عرفان ابن نعیم مغل

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... ایسی صورت میں عبد اللہ کا چھوٹا بھائی سعید ہندہ سے عقد کرسکتا ہے اس لئے کہ وہ محرم نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۲/۲۹ھ۔

بیوہ کا نکاح امام سے

سوال[۵۵۴۸]: ہندہ اور اس کے بچے مسلمان ہوگئے تھے، ان میں سے بڑی لڑکی کی شادی مسلمان سے کردی گئی تھی، اب وہ لڑکی بیوہ ہوگئی ہے تو اس بیوہ کا نکاح بعد عدت امام سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ لوگ اس میں شک کررہے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی۔

= "أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أي أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

قال الله تعالىٰ ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾: أي ما سوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة". (التفسير المظهرى: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، بہن کی لڑکی سے نکاح")

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾(۱)۔ جب وہ لڑکی مسلمان ہے اور اس کی عدت بھی ختم ہو چکی تو مسلمان مرد سے اس کی شادی بلا تکلف درست ہے(۲)، جو شخص اس سے نکاح کرے گا اس نکاح کی وجہ سے اس کی امامت میں کچھ خرابی نہیں آئے گی، بلا شک وشبہ اس کی امامت درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۲/۱۷ھ۔

بیوی کی چچازاد بہن سے نکاح

سوال[۵۵۴۹]: اپنی بیوی کی چچازاد بہن سے شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی اس کی چچازاد بہن سے عقد نکاح درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۹ھ۔

بہن، بھائی کے لڑکے لڑکی کا آپس میں نکاح

سوال[۵۵۵۰]: ایک ماں باپ سے دو بھائی بہن ہیں تو بھائی کا لڑکا اور بہن کی لڑکی ان دونوں کا

---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أي أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح"۔)

نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی کے لڑکے کا نکاح بہن کی لڑکی سے کرنا جائز ہے، نکاح کرنے میں کوئی وجہ حرمت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۸ھ۔

ساس کی ماموں زاد ہمشیرہ سے نکاح

سوال [۵۵۵۱]: زید کی ساس کی ماموں زاد ہمشیرہ ہے، زید اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ساس کی ماموں زاد ہمشیرہ سے نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۴۰۱ھ۔

والد کی ماموں زاد بہن سے نکاح

سوال [۵۵۵۲]: حقیقی بہن کے بڑے پوتے سے اپنی حقیقی لڑکی کا نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقی بہن کے پوتے سے اپنی حقیقی لڑکی کا نکاح کرنا شرعاً درست ہے، یہ ان رشتوں میں سے نہیں جن

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، بہن کی لڑکی سے نکاح"۔)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۲۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

کوشریعت نے حرام قرار دیا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۸ھ۔

والد کے پھوپھی زاد بھائی سے نکاح

سوال[۵۵۵۳]: لڑکی کے والد اور لڑکا آپس میں ماموں، پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں، جس سے نکاح ہو رہا ہے وہ چچا لگتا ہے۔لڑکی کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پھر ماں باپ کی غیر موجودگی میں نکاح کرادیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح شرعاً جائز ہے، حقیقی چچا سے ناجائز ہے، لیکن یہ حقیقی چچا نہیں بلکہ اس کے والد کا پھوپھی زاد بھائی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم، و بناتكم، وأخواتكم، وعماتكم، وخالاتكم، وبنات الأخ، و بنات الأخت، و أمهاتكم الّتي أرضعنكم، وأخواتكم من الرضاعة، وأمّهٰت نسائكم، وربائبكم الّتي في حجوركم من نسائكم الّتي دخلتم بهن، فإن لم تكونوا دخلتم بن فلاجناح عليكم، وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم، وأن تجمعوا بين الأختين إلا ماقد سلف، إن الله كان غفوراً رحيماً........وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

سوتیلی ساس سے زنا، پھر نکاح

سوال[۵۵۵۴]: ایک شخص نے اپنی سوتیلی ساس سے زنا کیا جس سے حمل بھی ہوگیا اور اس حمل کی حالت میں اس سے نکاح کرلیا۔ آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کے متعلق جس نے اپنی سوتیلی ساس سے زنا کیا ہو پھر حمل کی حالت میں اس سے نکاح کرلیا ہو، قرآن مجید احادیث صحیحہ اور فقہ اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کرنا قطعاً حرام ہے(۱)، اگر شرعی طریق پر زنا کا ثبوت ہوجائے تو حکومتِ اسلامیہ میں زانی اور زانیہ پر حدزنا جاری کرنا لازم ہے(۲)، اپنی سوتیلی ساس یعنی اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے خواہ بیوی زندہ ہو، خواہ مرچکی ہو: "بخلاف الجمع بين امرأة و بنت زوجها، فإنه يجوز، اهـ". مجمع الأنهر (۳)۔ ایسی حاملہ سے بھی نکاح درست ہے، اگر وہ حمل اس نکاح کرنے والے کا ہے (زنا سے) تب تو اس کو صحبت بھی جائز ہے اور اگر کسی اور کا ہے تو وضعِ حمل سے پہلے صحبت وغیرہ ناجائز ہے اور نکاح جائز ہے:

"وصح نكاح حبلى من زنا عند الطرفين، و عليه الفتوى لدخولها تحت النص، و فيه إشعار بأنه لو نكح الزاني، فإنه جائز بالإجماع، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالى قياساً على الحبلى من غيره. و لا توطىء الحبلى من الزنا: أي يحرم الوطي، و كذا دواعيه، و لا تجب النفقة

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿و لا تقربوا الزنى إنه كان فاحشةً و ساء سبيلاً﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

(۲) "ويثبت بشهادة أربعة في مجلس واحد بلفظ الزنا، لا الوطء والجماع، فيسألهم الإمام عنه: ما هو؟ و كيف هو؟ و أين هو؟ و متى زنا؟ و بمن زنا؟ فإن بينوه وقالوا: رأيناه و طئها في فرجها كالميل في المكحلة، وعُدلوا سراً وعلناً، حكم به وجوباً". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۸، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث: وأما الجمع بين ذوات الأرحام: ۱/۲۷۷، رشيديه)

حتی تضع الحمل اتفاقاً، اھـ". مجمع الأنھر(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/۱۱/۵۵ھ۔

سوتیلی خالہ سے نکاح

سوال[۵۵۵۵]: پہلی بیوی کا لڑکا اور دوسری بیوی کی بہن، ان کا ایک دوسرے سے نکاح جائز ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو بہنیں ہوں، ان میں سے ایک سے ایک آدمی نکاح کرے اور دوسری سے اس کا لڑکا نکاح کرے تو شرعاً اجازت ہے(۲)، یعنی سوتیلی والدہ کی بہن، حقیقی خالہ کی طرح حرام نہیں، بلکہ اس سے نکاح جائز ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند،۱۲/۳/۱۳۹۱ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنھر، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بھاحق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط أن لایکون بھا حمل من آخر: ۳/۴۵۳، دار الکتب العلمیة ملتان)

(۲) "لا بأس بأن یتزوج الرجل امرأة، و یتزوج ابنه ابنتھا أو أمھا، کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی المحرمات، القسم الثانی: المحرمات بالصھریة: ۱/۲۷۷، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷۳، رشیدیه)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و أحل لکم ما وراء ذلکم﴾ (النساء: ۲۴) .... =

سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح

سوال[۵۵۵۱]: زید کی دو بیویاں ہیں: زینب اور کلثوم۔ پہلی بیوی زینب سے ایک لڑکا خالد ہے، دوسری بیوی کلثوم کی ایک بہن رقیہ ہے۔ واضح رہے کہ کلثوم اور رقیہ بھی آپس میں سوتیلی بہن ہیں۔ تو خالد کا نکاح رقیہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ لڑکی بھی سوتیلی ماں کی سوتیلی بہن ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خالہ سے نکاح حرام ہے، مگر خالہ وہ ہے جو حقیقی والدہ کی بہن ہو(۱)، سوتیلی والدہ، والد کی دوسری بیوی کی جو بہن ہے وہ خالہ نہیں اس سے نکاح حرام نہیں، لہٰذا زید کے لڑکے خالد کا نکاح زید کی دوسری بیوی کلثوم کی حقیقی بہن سے درست ہے اگر کوئی اور رشتہ حرمت ورضاعت وغیرہ کا نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= "أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم، و بناتكم، وأخواتكم، و عماتكم، وخالاتكم و بنات الأخ، و بنات الأخت﴾ الآية (سورة النساء: ۲۳)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۴، رشيديه)

(۲) "أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة، الخ". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿و أحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)=

سوتیلی والدہ کی حقیقی بہن سے نکاح

سوال[۵۵۵۷]: حاجی عبدالرحمٰن کی دو بیویاں: مریم بی اور زیب النساء ہیں، پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، اس سے دو لڑکے: شبیر احمد اور رحمت احمد ہیں، دوسری بیوی اپنی حقیقی بہن سے شبیر احمد کا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ تو یہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خالہ سے نکاح کرنا حرام ہے(۱)، مگر خالہ وہ ہے جو والدہ کی بہن ہو، سوتیلی والدہ کی بہن خالہ نہیں، اس سے نکاح جائز ہے۔ شبیر احمد کی اپنی والدہ مریم بی کا انتقال ہوگیا، شبیر احمد کے والد کی دوسری بیوی زیب النساء ہے جو کہ شبیر احمد کی حقیقی والدہ نہیں بلکہ سوتیلی والدہ ہے، زیب النساء کی بہن شبیر احمد کی خالہ نہیں، لہذا ان دونوں کا نکاح جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۹۰/۴/۱۹ھ۔

سوتیلے ماموں سے شادی

سوال[۵۵۵۸]: زید کی دو بیٹی جوان ہیں مگر بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، زید نے دوسری شادی کرلی۔

= (وكذا في التفسير المنير : ۶/۵، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري : ۲/۲۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات : ۴۳۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم و بناتكم وأخواتكم و عماتكم و خالاتكم و بنات الأخ و بنات الأخت﴾ الآية (سورة النساء : ۲۳)

(وراجع: صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يحل من النساء و ما يحرم : ۷۶۵/۲، قديمي)

(وبدائع الصنائع للعلامة الكاساني، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات : ۴۰۵/۳، ۴۰۶ دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء : ۲۴)

(وأيضاً راجع للتخريج المسئلة السابقة)

اب دوسری بیوی کے بھائی سے زید کی بیٹی کی شادی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی لڑکی کی شادی اس کے ماموں سے درست نہیں، مگر یہاں زید کی دوسری بیوی کا بھائی زید کی پہلی بیوی سے جو بیٹی ہے اس کا ماموں نہیں۔ یہ نکاح شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چچی سے نکاح

سوال [۵۵۵۹]: میں نے نکاحِ ثانی کیا ہے جو رشتہ میں میری چچی لگتی ہے، سگی چچی نہیں ہے، لیکن اب کچھ لوگ اس پر شبہ کرتے ہیں۔ حضور والا کا فتویٰ مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سگی چچی بھی ہو اور کوئی دوسرا رشتہ اس سے حرمت والا نہ ہو، اور وہ بیوہ ہو کر عدت گزر جائے تو اس سے بھی نکاح شرعاً درست ہے، کوئی شبہ نہ کریں (۲)۔ لیکن جب بیویاں دو ہوں تو دونوں کے حقوق برابر ادا کرنا لازم ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک طرف جھک جائے اور دوسری کی پرواہ نہ کرے کہ یہ ظلم ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح"۔)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "و منها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن ..... فإن كان له أكثر من امرأة، فعليه العدل بينهن في =

چچی سے نکاح

سوال[۵۵۶۰]: زید کی زوجہ مسماۃ ہندہ کا نکاح زید کے طلاق دینے یا انتقال کے بعد زید کے حقیقی بھائی کے بیٹے عمرو کے ساتھ جائز ہے یا نہیں، نیز ہندہ کے بطن سے زید کے اولاد بھی موجود ہے۔ نیز ہندہ زید کی زوجیت میں ہوتے ہوئے عمرو سے مثل اجنبی پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چچی سے بھتیجے کا نکاح شرعاً درست ہے بشرطیکہ کوئی اور مانع: مصاہرت ورضاعت وغیرہ نہ ہو(۱)۔ چچی اور بھتیجے آپس میں محرم نہیں بلکہ اجنبی ہیں، ان میں پردہ ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱/۶۴ھ۔

= حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة، و هو التسوية بينهن في ذلك .... والأصل فيه قوله عزوجل: ﴿وإن خفتم أن لا تعدلوا فواحدةً﴾ [النساء: ۳] .... ﴿ذلك أدنى ألا تعولوا﴾: أي تجوروا، والجور حرام، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في وجوب العدل بين النساء: ۳/۶۰۸، ۶۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۷۹، رشيديه)

(وكذا في فقه السنة، الكفاءة في الزواج، الحقوق الواجبة للزوجة على زوجها: ۲/۱۴۲، دار الكتب بشاور)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة)

(۲) "عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء". أي غير المحرمات على طريق التخلية أو علىٰ وجه التكشف: فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ .... قال ابن الملك: أي أخبرني عن دخول الحمو عليهن......... و هم أقارب الزوج غير آباءه وأبناءه. قال القاضي: الحمو قريب الزوج كابنه وأخيه ....، قال: "الحمو الموت، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة و بيان العورات، الفصل الأول: ۶/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: (رقم الحديث: ۲۹۱۸): ۵/۲۴۵۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

چچی اور ممانی سے نکاح

سوال[۵۵۲۱]: بھتیجا یا بھانجا اپنی چچی یا ممانی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رشتہ نکاح سے مانع نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۶۳ھ۔

بھائی کی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۲۲]: ۱.....زید کے ناجائز (زنا) کے تعلقات ماموں کی بیوی سے ہیں تو زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح ماموں کی بیوی کی لڑکی سے جائز ہے یا حرام؟ ماموں بھی زندہ ہیں۔

۲.....اگر زید کے ماموں کی بیوی خود تسلیم کرے کہ یہ میری لڑکی میرے شوہر کے نطفہ سے ہے تو نکاح حرام ہے یا حلال؟

۳.....اس فیصلہ کے بعد بھی زید اپنی ممانی سے برابر زنا کررہا ہے۔

۴.....اگر لڑکی نے اپنی ماں کو اس بُرے فعل میں مبتلا دیکھ لیا ہو تو پھر بھی اس کا نکاح جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....زید کی ان نالائق حرکتوں اور معصیتوں کی وجہ سے جو اس نے ماموں کی بیوی سے کی ہیں اس کے چھوٹے بھائی کا نکاح ماموں کی لڑکی سے ناجائز نہیں ہوگا۔

۲.....یہ نکاح جائز ہے۔

۳.....اس نکاح پر اس سے بھی اثر نہیں پڑے گا۔

۴.....اس سے بھی یہ نکاح حرام نہیں ہوگا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''پھوپھی کی لڑکی سے نکاح۔)

(۲) ''و یحل لأصول الزاني و فروعه أصول المزنیٰ بها و فروعها''. (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل =

زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی نواسی سے

سوال[۵۵۶۳]: زید نے ایک بنگالی عورت سے زنا کیا، زنا کے بعد عقد بھی ہو گیا تھا۔ ہندہ کی بیٹی عابدہ ہے اور عابدہ کی بیٹی فاطمہ ہے۔ زید کے لڑکے بکر کا عقد فاطمہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کی اس کمینہ حرکت کی وجہ سے اس کے لڑکے بکر کا عقد نکاح ہندہ کی لڑکی کی لڑکی سے ناجائز نہیں بلکہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح

سوال[۵۵۶۴]: مسمی عبداللہ شیخ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مسماۃ فضلی سے زنا کیا جب کہ دونوں ہی شادی شدہ تھے، عرصہ کے بعد مسماۃ فضلی کے اپنے خاوند کی موجودگی میں لڑکی پیدا ہوئی اور میرے لڑکا پیدا ہوا، ان دونوں کا ہم نے آپس میں نکاح کر دیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عبداللہ شیخ اور فضلی کی معصیت کی وجہ سے ان دونوں کے لڑکے لڑکی کا نکاح آپس میں ناجائز نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر عبداللہ شیخ اور فضلی آپس میں نکاح کرلیں جب کہ فضلی نہ کسی کے نکاح میں ہو نہ عدت میں،

= في المحرمات : ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات : ۳/۳۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات : ۱/۳۲۶، دار إحياء التراث العربي)

(۱) "ولا تحرم أصولها و فروعها على ابن الواطي و أبيه، كما في المحيط السرخسي". (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۶، دار إحياء التراث العربي. بيروت)

"و يحل لأصول الزاني و فروعه أصولُ المزنيّ بها و فروعها". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات : ۳/۱۷۹، رشيديه)

تب بھی دونوں کی مذکورہ اولاد کا نکاح صحیح ہوگا: "لا بأس بأن یتزوج الرجل المرأة و یتزوج ابنه ابنتها أو أمها". فتاوی عالمگیری: ۲/۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۴ھ۔

زانی، زانیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح

سوال[۵۵۲۵]: ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا، پھر مرد کا نکاح کسی اَور عورت سے اور عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے ہو جائے، پھر ان دونوں سے اولاد ہو تو ان (اولاد) کا نکاح آپس میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرد ایک عورت سے غلط طریقہ پر صحبت کرے مگر اس مرد کی شادی کسی اَور عورت سے ہوئی جس سے لڑکا پیدا ہوا، عورت کی شادی کسی اَور مرد سے ہوئی اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۱۳۹۹ھ۔

= (و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۳۲، سعید)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثانی: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۷، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷۳، رشیدیه)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"وأما بنت زوجة ابیه (أی المتزوج) أو ابنه فحلال". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۳۱، سعید)

(۲) "ولا تحرم أصولها و فروعها علی ابن الواطیء وأبیه، کما فی محیط السرخسی". (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"و یحل لأصول الزانی و فروعه أصولُ المزنیّ بها و فروعها". (البحر الرائق، کتاب النکاح،

زانیہ کی لڑکی کا نکاح شریف لڑکے سے

سوال[۵۵۶۶]: ایک شریف اور اچھے گھرانے کی لڑکی کے ناجائز حمل قرار پاجاتا ہے (جس سے حمل قرار پایا وہ مرد کافر تھا)، لیکن اس لڑکی کی شادی بچی پیدا ہونے کے چھ ماہ بعد ایک شریف لڑکے سے ہوجاتی ہے، اس وقت اس ناجائز طرح سے پیدا ہونے والی لڑکی کی عمر ۱۶، ۱۷/ سال ہے، لڑکی سمجھدار، پڑھی لکھی، نمازی ہے، دیندار ہے، اسلام کو سمجھتی ہے۔ کیا ایسی لڑکی سے کوئی بھی شریف اور اچھے گھرانے کا لڑکا شادی کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لڑکی اپنی ماں کی غلطی کی وجہ سے غلط (ناجائز) صورت حال سے پیدا ہوئی اور اب وہ بالغ ہوکر نیک، دیندار، شریف ہے اور اس سے کوئی شریف لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو شادی کرنا درست ہے، ماں کی غلطی کی وجہ سے اس لڑکی کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۱۳۹۱ھ۔

سمدھی، سمدھن کا نکاح

سوال[۵۵۶۷]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد زید کی ماں نے ہندہ کے باپ سے شادی کرلی۔ کیا یہ شادی درست ہے؟ اگر شادی درست ہے تو پھر زید کی ماں ایک واسطے سے ساس ہوگئی جو ناقابلِ فہم ہے۔

= فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذُكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهری: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سمدھی سمدھن (۱) کا نکاح ہے جو کہ جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۱۵ھ۔

بھائی کی بیوی کی بیٹی سے نکاح

سوال [۵۵۶۸]: بڑے بھائی نے جس عورت سے نکاح کیا ہے، اس کی ایک لڑکی پہلے شوہر سے ہے۔ کیا اس لڑکی سے چھوٹے بھائی کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت بغیر طلاق کے ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عورت کی اس لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے جائز ہے جس کے بڑے بھائی کے گھر میں وہ عورت ہے (۳)۔ اس عورت کے شوہر نے اگر طلاق نہیں دی ہے تو بڑے بھائی کا اس عورت کو اپنے گھر میں رکھنا اور تعلقِ زوجیت قائم کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۷/۱۴ھ۔

---

(۱) ''سمدھی: دولہا اور دولہن کے باپ آپس میں سمدھی ہوتے ہیں۔ سمدھن: دولہا اور دلہن کی مائیں آپس میں سمدھن کہلاتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص ۸۰۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وأما بنت زوجة أبيه (اى المتزوج) أو ابنه فحلال". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۳۱، سعيد)

"لا بأس بأن يتزوج الرجل المرأة ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث، كتاب النكاح، =

بیوی کی بیٹی سے شوہر کے بھائی کا نکاح

سوال[۵۵۲۹]: ہندہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتی ہے اور اس نے زید سے شادی کرلی، زید شافعی مسلک سے تعلق رکھتا ہے، چند سال بعد زید کا انتقال ہوگیا۔ اس اثناء میں ہندہ کے بطن سے دو بچے ہوئے: ایک لڑکی اور ایک لڑکا۔ عدت گزرنے کے بعد ہندہ نے نکاحِ ثانی کرلیا، ثانی شوہر کا ایک بھائی ہے، اب ہندہ کی لڑکی سنِ شعور کو پہونچ چکی ہے، ہندو کا موجودہ شوہر اپنے سگے بھائی سے ہندہ کی لڑکی سے شادی کرانا چاہتا ہے۔ از روئے شرع مطلع کیجئے کہ رشتہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ ہندہ کے موجودہ شوہر اور مرحوم شوہر میں کوئی خونی رشتہ نہیں، دونوں مسلمان ہیں اور شافعی مسلک کے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ کا نکاحِ ثانی ایک شخص سے ہوا، اس کی لڑکی جو کہ پہلے شوہر مرحوم سے ہے، اس کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر کے بھائی سے ہو، شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

= القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم .... وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (پ: ۵، سورة النساء: ۲۳، ۲۴)

"قال الخير الرملي ...... ولا تحرم بنت زوج الأم و لا أمه و لا أم زوجة الأب و لا بنتها".
(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/ ۳۱، سعيد)

"فلذا أجاز التزويج بأم زوجة الابن و بنتها، و جاز للابن التزوج بأم زوجة الأب و بنتها". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/ ۲۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/ ۲۷۷، رشيديه) =

ایک بھائی سے لڑکی، دوسرے بھائی سے ماں کے نکاح کا حکم

سوال[۵۵۷۰]: ہندہ اور ہندہ کی لڑکی کانپور آئے بغرضِ شادی لڑکی کی شادی، زید کے بڑے بھائی سے ہوگئی، کچھ دنوں بعد لڑکی کی ماں نے زید سے شادی کچھ تعلق ہو جانے پر کرلی۔ دونوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس لڑکی کی شادی زید کے بھائی سے ہوئی اور لڑکی کی والدہ کی شادی زید سے ہوئی تو دونوں صحیح ہیں(۱)۔ فقط۔ والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

شوہر کے لڑکے اور بیوی کی لڑکی کا نکاح

سوال[۵۵۷۱]: زید کی زوجہ ثانیہ کی جو لڑکی خاوندِ اول سے ہے، زید کے اس لڑکے سے جو پہلی بیوی سے ہے۔ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۳/۳، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''بیوی کی بیٹی سے شوہر کے بھائی کا نکاح''۔)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم .... وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۳، ۲۴)

''فلذ أجاز التزويج بأم زوجة الابن و بنتها، و جاز للابن التزوج بأم زوجة الأب و بنتها''. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲۱۱/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۲۷۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۳/۳، رشيديه)

''وأما بنت زوجة أبيه (أي المتزوج) أو ابنه فحلال''. (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۱/۳، كتاب النكاح، سعيد)

شوہر کی لڑکی کا نکاح بیوی کے لڑکے سے

سوال [۵۵۷۲]: ہندہ مرگئی اس نے ایک لڑکا چھوڑا، لڑکے کے باپ نے دوسری شادی کرلی اور آنے والی عورت کے ساتھ ایک لڑکی آئی۔ تو اس لڑکی سے ہندہ کے لڑکے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کی لڑکی پہلے شوہر سے ہے اور شوہر کا لڑکا پہلی بیوی سے ہے تو ان دونوں کا نکاح شرعاً درست ہے، دونوں آپس میں بہن بھائی نہ ہوئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

باپ اور بیٹے کا نکاح دو بہنوں سے

سوال [۵۵۷۳]: دو حقیقی بہنوں کا نکاح دو حقیقی باپ بیٹے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ پہلے ان کا رشتہ ان عورتوں سے کچھ نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اور مانعِ شرعی موجود نہ ہو تو یہ نکاح جائز ہے، ایک عورت اگر کسی مرد کے نکاح میں ہو تو اس عورت کی لڑکی اس مرد کے باپ پر حرام نہیں ہوتی تو اس کی بہن بطریقِ اولیٰ حرام نہ ہوگی: "وأما بنت زوجة

---

(۱) "وأما بنت زوجة أبيه (أي المتزوج) أو ابنه فحلال". (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۱، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۴، دار المعرفة بيروت)

"لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً و يتزوج ابنُه ابنتها أو أمها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

أبيه أو ابنه فحلال". در مختار علی الشامی: ۲/ ۴۳۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/ ۹/ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ رمضان/ ۱۳۵۴ھ۔

ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کا نکاح ایک شخص سے

سوال [۵۵۷۴]: عورت مع اپنی سوتیلی ماں کے ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہو سکتی ہے: "ويجوز الجمع بين امرأة و بنت زوجها، اهـ". عالم گیری: ۱/ ۲۷۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۲/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۲/ ۶۱ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۱۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/ ۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/ ۲۱۸، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الرابع: المحرمات بالجمع: ۱/ ۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۴۶۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/ ۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/ ۲۱۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

شوہر کی لڑکی اور بیوی کے لڑکے کا نکاح

سوال[۵۵۷۵]: زید نے ایک عورت سے نکاح کیا مثلاً ہندہ سے، اور اس عورت کے ساتھ پہلے خاوند مثلاً عمر سے ایک لڑکا ہے اور عمر کے انتقال کے بعد زید نے یہ نکاح کیا ہے، اب زید نے دوسری عورت سے نکاح کیا ہے اور پہلی عورت کے نکاح کے بعد اس دوسری عورت سے زید کے نطفہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ تو آیا اس لڑکے کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ یعنی وہ لڑکا عمر کے نطفہ سے ہے، مگر عمر کے انتقال کے بعد اس لڑکے کی والدہ زید کے نکاح میں آگئی اور زید کی پہلی عورت سے ایک لڑکی ہے تو ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

اور اس لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں دوسری جگہ ہوا تھا، مگر نابالغی کی حالت میں بیوہ ہوگئی اور اب لڑکی قریبِ بلوغ ہے تو اس نکاح میں صرف والد کی اجازت کافی ہے یا لڑکی کی اجازت چاہئے اور لڑکا اور لڑکی کے والدین علیحدہ علیحدہ ہیں اور آیا جب اس جگہ پہلے اس کا نکاح ہوا تھا، اس سے بھی اجازت لینی پڑے گی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح جائز ہے، اگر لڑکی بالغہ ہو تو خود اس کی اجازت بھی کافی ہے بشرطیکہ نکاح برادری میں مہرِ مثل پر ہو۔ اگر نابالغہ ہے یا نکاح غیر برادری میں ہو، یا مہرِ مثل سے کم پر ہو تو لڑکی کے ولی کی اجازت ضروری ہے(۱) اور صورتِ موجودہ میں باپ ولی ہے لڑکی کے پہلے خسر سے اجازت کا کوئی تعلق نہیں (۲)۔

---

(۱) "هو أي الولي شرط صحة نكاح صغير و مجنون و رقيق لا مكلفة، فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله، تصرف في نفسه، وما لا فلا". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۴، ۵۵، ۵۶، سعيد)

(۲) "و للولي إنكاح الصغير والصغيرة، والولي العصبة بترتيب الإرث .... يعني أولاهم الابن وابن الابن وإن سفل .... ثم الأب وأب الأب، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/۵۰۳، ۵۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۰۶ - ۲۱۱، رشيديه)

"وأما بنت زوجة أبيه وابنه، فحلال، اهـ". درمختار(۱)۔ "لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً، و يتزوج ابنُه ابنتها، اهـ". هندية: ۱/ ۲۷۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

بھائی سے حلالہ کروانے کے بعد دونوں بھائیوں کی اولاد کا آپس میں نکاح

سوال[۵۵۷۶]: محمد شاہد و محمد زاہد دونوں حقیقی بھائی ہیں، دونوں ہی شادی شدہ ہیں۔ محمد شاہد نے اپنی بیوی مسماۃ جمیلہ کو- جو کئی بچوں کی ماں ہے- غصہ میں تین طلاق دیدی، عدت کے بعد محمد زاہد سے نکاح کردیا، ۱۲،۱۳/ دن کے بعد محمد زاہد نے مسماۃ جمیلہ کو تین طلاق دیدی۔ عدت کے بعد پھر مسماۃ جمیلہ کا نکاح محمد شاہد سے ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ محمد شاہد محمد زاہد کی اولاد کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محمد شاہد اور محمد زاہد کی اولاد کا آپس میں نکاح درست ہے، محمد شاہد کی بیوی کا نکاح بعد طلاق وعدت محمد زاہد سے ہوجانے کی وجہ سے ان کی اولاد کے نکاح میں رکاوٹ اور حرمت پیدا نہیں ہوگی:

"لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً ويتزوج ابنُه ابنتها أو أمها، كذا في محيط السرخسي، اهـ". عالمگیری: ۱/ ۲۷۷(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، فصل في المحرمات: ۲/ ۱۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/ ۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/ ۲۱۸، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/ ۲۷۷، رشيديه) =

مزنیہ کے بیٹے سے زانی کی بیٹی کا نکاح

سوال [۵۵۷۷]: ایک عورت شادی شدہ ہے، اس کا زید سے ناجائز تعلق ہوگیا، بعد میں زید کی شادی ہوگئی اور ان دونوں کا ناجائز تعلق ختم ہوگیا۔ اب زید کے بچے ہوئے اور اس عورت کے بھی بچے ہیں ناجائز تعلق سے پہلے بھی اور اس زمانہ کے بعد بھی جس زمانہ میں ناجائز تعلق رہا، اور بعد کے بھی جب کہ ناجائز تعلق ختم ہوگیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ عورت اور زید اپنے بچوں کی آپس میں شادی کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس عورت کے لڑکے سے جو اسی زمانہ کی پیدائش ہے جس زمانہ میں ناجائز تعلق تھا، زید اپنی لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس زمانہ کے پہلے یا بعد کے بچوں سے شادی کی جا سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس عورت کی جتنی بھی اولاد ہے وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب ہوگی، کسی کا نسب بھی زید سے ثابت نہیں ہوگا (۱)، لہٰذا زید اور اس عورت کی اولاد میں حرمت ثابت نہیں ہوئی، ان کا آپس میں نکاح درست

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۳/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲۱۸/۳، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالى: "وقوله: الولد للفراش الخ". قد اقتضى معنيين: أحدهما إثبات النسب لصاحب الفراش، والثاني أن من لا فراش له، فلا نسب له". (أحكام القرآن للجصاص، سورة النور [پ: ۱۸]، تحت آية ﴿والذين يرمون أزواجهم﴾ الآية: فصل: اتفاقهم أن الولد قد ينفى من الزوج باللعان: ۳/۳۴۶، قديمى)

"ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى: إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لما فيها من إشاعة الفاحشة، فلم يثبت النفقة والإرث لذلك، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۷/۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لايكون بها حمل من آخر: ۴۵۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

ہوگا، خواہ ناجائز تعلق رہنے کے وقت کی اولاد ہو یا پہلے کی یا بعد کی، وهكذا يفهم مما في الفتاوى العالمكيرية: ٢/٦:

"لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً ويتزوج ابنُه ابنتها أو أمها، كذا في محيط السرخسي". (١)۔ والبسط في رد المحتار، فصل في المحرمات: ٣٨١/٢(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۰/۱۹ھ۔

بیوی کی چچیری بھانجی اور ماں کی چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۵۷۸]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی اور اس سے ایک لڑکا بدر پیدا ہوا، اس کے بعد ہندہ کی وفات ہوگئی، پھر زید کی دوسری شادی سلطانہ سے ہوئی جو اپنے ساتھ اپنے پہلے شوہر قمر کا ایک لڑکا جعفر کو زید کے یہاں لے کر آئی ہے۔ سلطانہ حیات ہے، سلطانہ کے سگے چچا، یا سگے بڑے باپ کی لڑکی رضیہ ہے اور رضیہ کی شادی فرقان سے ہوئی تھی۔ رضیہ کے بطن سے تین لڑکیاں ہیں، جن کا نام نرگس، ریحانہ، نجمہ ہے۔ ان تینوں لڑکیوں کا نکاح زید، بدر، جعفر سے جائز ہے یا نہیں جب کہ سلطانہ حیات ہو؟ زید سلطانہ کی موجودگی میں یہ نکاح کرنا چاہتا ہے اور زید کا لڑکا بدر ہے، جعفر سلطانہ کے بطن سے ہے، زید کی رضیہ چچیری سالی بھی لگتی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

= "والزنا المحض سبب لإيجاب العقوبة، فلا يصلح سبباً لإيجاب الحرمة والكرامة، ألا ترى أنه لا يثبت به النسب والعدة، الخ". (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، ٢٢٨/٤، مكتبه غفاريه)

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ٢٧٧/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ١٧٣/٣، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ٢١٨/٣، ٢١٩، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣١/٣، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

رضیہ زوجۂ فرقان کی تین لڑکیاں ہیں: نرگس، ریحانہ، نجمہ ان میں سے ایک کی شادی رضیہ کی چچا زاد بہن سلطانہ کے شوہر زید سے ہوجائے اور ایک کی شادی زید کے لڑکے بدر سے ہوجائے اور ایک کی شادی زید کی زوجہ سلطانہ کے لڑکے جعفر بن قمر سے ہوجائے تو شرعاً درست ہے، ان میں کوئی حرمت کا شبہ نہیں: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ الآية (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۲/۵ھ۔

بیوی کی بھتیجی سے نکاح

سوال [۵۵۷۹]: زید نے جس عورت سے شادی کی تھی اس کا انتقال ہوچکا ہے اور اس نے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑی ہیں اور زید اپنی مرحومہ کے بھائی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمائے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اور مانع شرعی نہ ہو تو شرعاً یہ نکاح درست ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (۲)۔ البتہ اس مرحومہ کی حیات میں یہ نکاح درست نہ ہوتا، کیونکہ پھوپھی اور بھتیجی ایک شخص کے نکاح

---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة النساء: ۲۴)

(أيضاً راجع للتفصيل رقم الحاشية: ۱)

ہیں ایک وقت میں رہنا ممنوع ہے، کذا فی نصب الرایة (۱)، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

بھتیجے کی بیوی سے نکاح

سوال [۵۵۸۰]: دو بھائی سگے ہیں: بندہ اور کمالو، جس میں سے بندہ کا انتقال ہوگیا ہے اور بندہ کی عورت سے کمالو کا نکاح ہوگیا ہے اور بندہ کا ایک لڑکا تھا اور اس کا بیاہ ہوگیا تھا جس میں اس کی عورت اس سے رضامند نہیں ہے، کمالو سے رضامند ہے اور لڑکا میرے نہیں ہے، اس کی عورت مجھ کو چاہتی ہے اور میرے بھتیجے کو نہیں چاہتی اور چار دفعہ وہ بھاگ چکی ہے۔ اس کے ساتھ میرا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

السائل: کمال، ۹/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کا بھتیجہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزر جائے، نیز کوئی اور بھی مانع نہ ہو تو شرعاً آپ کا اس بھتیجے کی بیوی سے نکاح درست ہے (۲)۔

---

(۱) "قال علیه السلام: "لا تنكح المرأة على عمتها، ولا على خالتها، ولا ابنة أخيها، ولا على ابنة أختها، الخ". (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، ۳/۱۶۹، المكتبة المكية بيروت)

(والحديث أيضاً أخرجه البخاري، كتاب النكاح، بابٌ لا تنكح المرأة على عمتها: ۲/۷۶۶، قديمي)

(وكذا في النسائي في سننه في كتاب النكاح، باب الجمع بين المرأة و عمتها: ۲/۸۰، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾. (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

بغیر طلاق کے اس سے آپ کا نکاح درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

بہن کی سوکن کی لڑکی اور علاتی بھائی بہن کا نکاح

سوال[۵۵۸۱]: زید کی دو بیویاں ہیں، زوجۂ اُولیٰ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کے انتقال کے بعد زید نے نکاحِ ثانی کیا، اس نکاح سے دو اولادِ نرینہ پیدا ہوئی اور زوجۂ ثانیہ کے ایک حقیقی بھائی بکر نے زوجۂ اولیٰ کی لڑکی سے نکاح کرلیا۔ آیا یہ نکاح ازروئے شریعت درست ہے؟ نیز زوجۂ ثانیہ کی اولادِ نرینہ زوجۂ اولیٰ کی اولادِ اناثہ سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجۂ ثانی کے حقیقی بھائی بکر نے جو زید کی زوجۂ اولیٰ کی لڑکی سے نکاح کیا ہے تو یہ شرعاً درست ہے (۲)، اس سے حرمتِ مصاہرت نہیں، نہ نسبی حرمت ہے، اگر کوئی حرمتِ رضاعت ہو تو امرِ آخر ہے۔

= (وكذا في التفسير المنير: ۶/۵، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۶۲/۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذافي تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۶۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "لا يجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ماعدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۴۷۴/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

=

دوسری صورت میں زوجۂ ثانیہ اور زوجۂ اولیٰ کی اولاد باپ میں شریک ہیں، لہذا یہ علاتی بھائی بہن ہیں، ان کا نکاح آپس میں درست نہیں، لقولہ تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم و بناتکم وأخواتکم﴾ الخ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ربیبہ اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵۵۸۲]: بکر کی منکوحہ ہندہ کے بطن سے ایک دختر زبیدہ ہے اور لڑکی کا نکاح زید سے کیا گیا اور زید کی اس منکوحہ زبیدہ کے بطن سے دو طفل ہوئے۔ اسی دوران میں بکر کی منکوحہ ہندہ فوت ہوگئی، اس نے سکینہ سے نکاح کرلیا اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ بکر کے فوت ہوجانے کے بعد زید نے زبیدہ کی موجودگی میں سکینہ سے نکاح کرلیا اور ایک ماہ بعد سکینہ کے کہنے پر زبیدہ کو طلاق دیدی۔ کیا از روئے شرع یہ نکاح جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو نکاح خواں اور گواہانِ حضورِ نکاح کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ نکاح جائز ہے، در مختار بر حاشیہ شامی، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/۴۳۹ میں ہے: "فجاز الجمع بین امرأة و بنت زوجها، اھ"(۲)، پس جائز ہے نکاح

= (وکذا فی التفسیر المنیر: ۵/۶، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۲/۶۶، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

(راجع صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یحل من النساء و ما یحرم: ۲/۷۶۵، قدیمی)

(وبدائع الصنائع للعلامة الکاسانی، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۶۴، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۳۹، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، دار الکتب العلمیة بیروت) =

میں جمع کرنا ایک عورت کو اور اس کے شوہر کی لڑکی کو۔ زبیدہ صورت مسئولہ میں سکینہ کے شوہر (بکر کی) لڑکی ہے، زید نے ہر دو کو نکاح میں جمع کرلیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۲۹ھ۔

زوجۂ ربیب سے نکاح

سوال [۵۵۸۳]: ا...... زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے، زید نے اس لڑکے کا بھی نکاح کردیا، اس کے بعد وہ عورت و لڑکا فوت ہوگیا۔ تو زید سوتیلے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

۲...... اگر اس لڑکے کی والدہ زندہ زید کے نکاح میں ہو جب بھی زید اپنے اس سوتیلے لڑکے کی بیوی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

عبدالرحیم، امام مسجد جامع مظفر آباد، ضلع سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... اگر کوئی اور مانع شرعی موجود نہیں تو کرسکتا ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ما وراء ذلکم﴾ (۱)۔ سوتیلا بیٹا شرعی بیٹا نہیں کہ اس کی بیوی سے نکاح ناجائز ہو۔

۲...... اس صورت میں بھی یہ نکاح جمع جائز ہے، اگر اس لڑکے کی والدہ اور اس کی بیوی میں کوئی اور

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/۲۱۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئته)

مانعِ نکاحِ رشتہ داری نہ ہو:"فجاز الجمع بین امرأۃ و بنت زوجھا أو امرأۃ ابنھا الخ".

درمختار: ۱/۱۸۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ، ۳/ رجب/ ۵۲ھ۔

جس لڑکے سے لواطت کی ہو اس کے نکاح میں اپنی لڑکی دینا

سوال[۵۵۸۴]: ایک شخص نے ایک لڑکے سے اغلام بازی کی اور اب اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کرنا چاہتا ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کمینہ حرکت اور سخت معصیت کی وجہ سے اس شخص کی لڑکی اس لڑکے پر حرام نہیں ہوئی بلکہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل فی المحرمات، کتاب النکاح: ۳/ ۳۹، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان بعض المحرمات: ۳/ ۴۳۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۴۶۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۲۱۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ما وراء ذلکم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أی ما عدا من ذکرن من المحارم، ھن لکم حلال". (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۷۴، سھیل اکیڈمی لاھور)

(وکذا فی التفسیر المنیر: ۵/ ۲، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی التفسیر المظھری: ۲/ ۶۲، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/ ۴۱۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

شاگردہ سے نکاح

سوال[۵۵۸۵]: حامد اپنی شاگردہ کو زوجیت میں لانا چاہتا ہے، حامد شادی شدہ ہے، ایک یا دو بچے ہیں، مگر پہلی زوجہ اجازت دے رہی ہے اور حامد اس قابل بھی ہے کہ دونوں کا نباہ کر سکتا ہے۔ اصول شرع کے مطابق براہ کرم تفصیل سے واضح تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ضرورت ہو، شرع کے مطابق حقوق ادا کرنے کی قدرت ہو تو چار عورتوں کو بھی ایک وقت میں نکاح میں رکھنا درست ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و رباع﴾(۱)۔ شاگردہ ہونا نکاح سے مانع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (سورة النساء: ۳)

"ومنها: وجوب العدل بين النساء في حقوقهن ...... فإن كان له أكثر من امرأة فعليه العدل بينهن في حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة، وهو التسوية بينهن في ذلك، حتى لو كانت تحته امرأتان حرتان أو أمتان يجب عليه أن يعدل بينهما في المأكول والمشروب، والملبوس، والسكنى والبيتوتة، والأصل فيه قوله عزوجل: ﴿وإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدة﴾ [النساء:۳] عقيب قوله تعالىٰ: ﴿فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنىٰ وثلاث ورباع﴾ [النساء: ۳]: أى إن ختفم أن لاتعدلوا في قسم والنفقة في نكاح المثنى والثلاث والرباع ﴿فواحدة﴾ ندب سبحانه وتعالىٰ إلى نكاح الواحدة عند خوف ترك العدل في الزيادة، وإنما يخاف على ترك الواجب، فدل أن العدل بينهن في القسم والنفقة واجب". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في وجوب العدل بين النساء: ۳/۲۰۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فقه السنة، المحرمات من النساء، باب وجوب العدل بين الزوجات: ۲/۱۰۳، دارالكتب پشاور)

(۲) "أى ماعدا من ذكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهرى: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئٹه) .... =

دیوبندی اور بریلوی کے درمیان مناکحت

سوال[۵۵۸۶]: رضاخانی عقائد والوں کے یہاں سے شادی میں لڑکی لینا اور یا ان کے یہاں اپنی لڑکی دینا ہمارے لئے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ:''وہابی سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں، مرد ہو یا عورت۔ اپنی لڑکی وہابی کو دینا ایسا ہے جیسے کتے کو دیدینا، یہ نکاح نہیں بلکہ جس نے اپنی لڑکی وہابی کو دیدی اس نے زنا کے واسطے دی ہے، سب اولاد حرامی ہوگی۔ وہابی کی لڑکی لینا بھی حرام اور گناہ ہے۔ وہابی کی نماز نہیں، ان کو اپنی مسجد میں مت آنے دو، ان کے ساتھ کھانا پینا سب گناہ ہے، ان کے جنازہ کی نماز مت پڑھو۔ وہابی کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، بالکل کافر و مرتد ہیں''۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کے فتوے میں یہ سب باتیں موجود ہیں۔

اکابرِ دیوبند جیسے: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ اسرارہم سب کے نام لے کر سب کو بریلیوں کے سرغنہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے کافر و مرتد لکھا ہے (نعوذ باللہ منہ)۔

اب خود ہی غور کرلیا جائے کہ جس کے یہ عقائد و خیالات ہوں اس کے ساتھ نکاح کرنا کیسا ہوگا، اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ اگر وہ اپنی لڑکی دے گا تو کتا سمجھ کر دے گا۔ زنا کے واسطے دے گا، اگر لڑکی لے گا تو حرام کاری کے واسطے لے گا۔ غرض دونوں صورت میں ان کے نزدیک اولاد حرام ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۵ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

دیوبندی لڑکی کا نکاح بریلوی لڑکے سے

سوال[۷۵۵۱]: زید علمائے دیوبند کے مسلک پر عمل پیرا ہے اور اس نے اپنی لڑکی کی شادی لاعلمی میں ایک بریلوی مسلک لڑکے کے ساتھ کردی ہے جب کہ اس کے یہاں میلاد، فاتحہ، قیام وسلام ہوتا ہے، مزاراتِ بزرگاں پر جاتا ہے، رسول کے لئے علم غیب مانتا ہے اور یا رسول اللہ کا نعرہ لگاتا ہے، یا غوث المدد کا وظیفہ جپتا ہے اور رسول کو حاضر و ناظر مانتا ہے، علمائے دیوبند کی برائی بیان کرتا ہے اور انہیں خارج از ایمان کہتا ہے۔ تو ایسے لڑکے کے ساتھ نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟ ابھی اس لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی ہے اور زید اپنی لڑکی کو اس بریلوی کے یہاں رخصت نہیں کرنا چاہتا ہے، طلاق کا خواہش مند ہے، لیکن وہ لڑکا طلاق نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ساری عمر طلاق نہیں دوں گا۔ ایسی صورت میں عندالشرع اس سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ زید کا اور زید کی لڑکی کا مسلک وہی ہے جو علمائے دیوبند کا مسلک ہے اور اس مسلک کی وجہ سے وہ لڑکا علمائے دیوبند کو خارج از اسلام سمجھتا ہے تو اس کے نزدیک زید بھی خارج از اسلام ہے اور زید کی لڑکی بھی خارج از اسلام ہے۔ پس اس کا نکاح ہی اس کے نزدیک صحیح نہیں ہوا۔ اس جہت سے طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ اگر رخصتی کردی جائے گی تو بھی چونکہ اس لڑکے کے نزدیک زید کی لڑکی مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے تو اس سے صحبت کرنا حرام اور زنا ہوگا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتابوں: "فتاوی رضویہ" "الملفوظ" وغیرہ میں صاف صاف یہ موجود ہے۔ حاصل یہ کہ خود اس شخص سے تحقیق کی جائے کہ وہ علمائے دیوبند اور زید کو مسلمان سمجھتا ہے یا کافر۔ اگر کافر سمجھتا ہے تو نکاح کیسے درست ہوا؟ اگر مسلمان سمجھتا ہے تو اقرار کرلے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) اگر بریلوی کے عقائد کفریہ ہوں تو ان سے نکاح جائز ہی نہیں اور اگر محض بدعتی ہے تو ان سے نکاح کرنے سے نکاح تو ہوجاتا ہے لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن و لأمة مؤمنة خير من مشركة و لو أعجبتكم، ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا و لعبد مؤمن خير من مشرك﴾. (سورة البقرة: ۲۲۱)

"و منها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالى: ﴿و لا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ و لأن في إنكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر، اهـ". =

اہلِ حدیث لڑکی کا نکاح دیوبندی حنفی سے

سوال[۵۵۸۸]: اگر کسی اہلِ حدیث لڑکی کا نکاح کسی حنفی دیوبندی لڑکے سے کردیا جائے تو لڑکی کو اپنے عقیدہ ومذہب پر قائم اور اس کے مطابق عمل کرنے کا حق باقی رہتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفی و دیوبندی اور اہلِ حدیث کے درمیان رفعِ یدین، آمین بالجہر، تورّک، قنوت، تعدادِ وتر، تعدادِ تراویح، جمعہ فی القری، قراءۃ خلف الامام وغیرہ فروعی مسائل میں اختلاف ہے، دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ بحث دلائل کی قوت وضعف میں ہے، ترجیح ونسخ میں ہے۔ ان میں سے بعض میں تو اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے، بعض میں واجب وغیر واجب کا اختلاف ہے۔ بایں ہمہ عقیدہ ایمانیہ جو کہ حدیثِ جبرئیل میں مفصل مذکور ہے، اس پر سب ہی متفق ہیں۔ پھر عقیدہ تبدیل کرنے کا کیا سوال ہے؟

اگر اختلاف عقیدہ کی کوئی چیز ہے، مثلاً: لڑکی کا عقیدہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید شرک ہے اور حنفی دیوبندی مشرک ہیں، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے کہ ایسی اہلِ حدیث لڑکی کا حنفی دیوبندی سے نکاح بھی صحیح ہوا یا نہیں؟ تبدیلِ عقیدہ سوال بعد کا ہے۔ جیٹھ، دیور وغیرہ نامحرم ہیں، ان سے شرعی پردہ لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی عدم نکاح الکافر المسلمة: ۳/ ۴۶۵، دار الکتب العلمية بيروت)

"و منها ألا تكون المرأة مشركةً إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة: ۳/۴۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

باب المحرمات

الفصل الأول فی المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کا بیان)

امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور دیگر محرمات میں فرق

سوال[۵۵۸۹]: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، مثلاً: بہن، ماں، ساس، ان سے پردہ کرنا ہوگا یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ ساس سے پردہ نہ کیا جائے، لیکن اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے، لیکن ارشادِ باری یہ بھی ہے کہ ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ تو ساس سے پردہ نہ کرنا اور ازواجِ مطہرات سے پردہ کرنا دونوں متعارض معلوم ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ازواجِ مطہرات کی کچھ خصوصیات بھی ہیں، ان کو امہات المؤمنین فرمایا گیا: ﴿وأزواجه أمهاتهم﴾ (الآیة)(۱)، لیکن اگر حقیقی ماں قرار دیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے پردہ نہ ہو، حالانکہ آیتِ حجاب ان کے لئے مستقلاً نازل ہوئی۔ نیز ان کو حقیقی ماں قرار دینے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ کسی (بھی) مرد کا کسی (بھی) عورت سے نکاح جائز نہ ہو، کیونکہ سب بھائی بہن ہو جائیں گے، حالانکہ نکاح کا بکثرت واقع ہونا اس زمانہ میں بھی پیش آیا، اس لئے ان دونوں مسئلوں میں ان پر وہ احکام نافذ نہیں ہوں گے جو حقیقی ماں پر ہوتے ہیں۔ البتہ جس طرح اپنی ماں سے نکاح حرام ہے، اسی طرح ازواجِ مطہرات سے بھی کسی امتی کا نکاح جائز نہیں: ﴿ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبداً﴾ (الآیة)(۲)۔ غرض ازواجِ مطہرات کو دیگر مستورات پر قیاس کر کے جملہ

---

(۱) (سورة الأحزاب: ٦)

(۲) (سورة الأحزاب: ٥٣)

احکام کونافذ کرنا درست نہیں:﴿یا نساء النبیّ لستن کأحد من النساء﴾ الآیة (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

محرمات کی تفصیل

سوال [۵۵۹۰]: مرد کے لئے کون کون سی عورتیں حرام ہیں، اسی طرح عورت کے لئے کون کون سے مرد حرام ہیں؟ مفصل تحریر فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصول: ماں، نانی، دادی وغیرہ۔ فروع: بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ۔ اصلِ قریب کی فروع: بہن، بھانجی، بھتیجی وغیرہ۔ اصلِ بعید کی صلبی اولاد: خالہ، پھوپھی۔ رضاعی ماں اور اسکی اولاد، رضاعی بہن اور اس کی اولاد۔ رضاعی ماں کے اصول: نانی، دادی وغیرہ۔ بیوی کی ماں، نانی، دادی۔ مدخولہ بیوی کی بیٹی، پوتی، نواسی۔ باپ دادا کی بیوی، مزنیہ کی ماں، بیٹی وغیرہ یعنی اصول وفروع بیٹے، پوتے۔ نواسے کی بیوی۔ مشرکہ، کافرہ۔

یہ عورتیں تو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور کچھ عورتیں ایسی بھی ہیں جو خاص محدود حالات میں حرام ہیں، وہ حالات نہ رہیں تو ان کی حرمت نہ رہے گی جیسے: بیوی کی خالہ، پھوپھی، بہن اس وقت تک حرام ہیں جب تک بیوی نکاح میں ہے، اگر وہ مرجائے یا اس کو طلاق ہوجائے اور عدت گزر جائے تو ان کی حرمت نہیں رہے گی۔ اور اگر کسی کے نکاح میں چار بیویاں ہوں تو پانچویں سے نکاح درست نہیں لیکن اگر کوئی سی مرجائے یا اس کو طلاق ہو جائے اور اس کی عدت گزر جائے تو پانچویں سے نکاح حرام نہ ہوگا۔

مردوں کے جن رشتوں سے عورتوں کے نکاح درست نہیں، اگر ان رشتوں کو مردوں کی طرف منسوب کیا جائے تو عورتوں کا نکاح ان مردوں سے بھی درست نہیں ہوگا، مثلاً: کسی عورت کا نکاح اپنے اصول: باپ، دادا، نانا وغیرہ اور فروع: بیٹے، پوتے، نواسے وغیرہ سے درست نہیں ہوگا۔ مزید تفصیل کتب فقہ، شامی (۲)،

---

(۱) (سورة الأحزاب: ۳۲)

(۲) "أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملک، شرک، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة ...... وتعلق حق الغير بنكاح أو عدة ذكرهما في الرجعة، حرم على المتزوج ذكراً كان أو أنثیٰ، نكاح أصله وفروعه، علا أو نزل. وبنت أخيه وأخته، وبنتها ولو من زناً، وعمته وخالته، فهذه السبعة مذكورة في آية: =

فتاویٰ عالمگیری میں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عورت کے محارم کون کون ہیں؟

سوال[۵۵۹۱]: عورت کے لئے محرم کون کون شخص ہیں؟ اور نامحرم کون ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جس سے نکاح ناجائز ہے وہ محرم (۲) اور جس جس سے نکاح جائز ہے وہ نامحرم ہے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند، ۲۸/ ۵/ ۹۲ھ۔

بھانجی اور بھتیجی سے نکاح

سوال[۵۵۹۲]: سگی بھانجی اور سگی بھتیجی کے ساتھ اسلام کی نظر میں شادی جائز ہے یا نہیں؟

محمد جمیل۔

= ﴿حرمت علیکم أمهاتکم﴾ ویدخل عمة جده وجدته، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/ ۲۸ – ۳۰، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الأول الخ: ۱/ ۲۷۳، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۴۵۸ – ۴۶۰، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم وبنتکم وأخوتکم وعمتکم وخلتکم وبنت الأخ وبنت الأخت وأمهاتکم الّتی أرضعنکم وأخوتکم من الرضاعة وأمّهت نسآئکم وربآئبکم الّتی فی حجورکم من نسائکم الّتی دخلتم بهن﴾ (سورة النساء: ۲۳)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ما وراء ذلکم﴾. (النساء: ۲۴)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سگی بھانجی (بہن کی لڑکی) اور سگی بھتیجی (بھائی کی لڑکی) سے نکاح کرنا حرام ہے، اس کی حرمت قرآن کے چوتھے پارے کے اخیر میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

بھانجے کی لڑکی سے نکاح حرام ہونے کی وجہ

سوال[۵۵۹۳]: بھانجے کی لڑکی سے نکاح کس وجہ سے حرام ہے اور اس کا ثبوت کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرمتِ قرابت کی بناء پر ممنوع ہے: "فتحرم بنات الإخوة والأخوات، وبنات أولاد الإخوة والأخوات وإن نزلن، اھ". شامی، ج: أول فصل فی المحرمات(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۵۵۹۴]: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چودہ عوتوں کی تخصیص فرمائی ہے اور ماسواان چودہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم وبناتکم وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ (سورۃ النساء: ۲۳)

"وتحرم علیه بنات الأخ وبنات الأخت، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۴۵۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۲۸، سعید)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/۴۵۹، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الأول: ۱/۲۷۳، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

عورتوں کے جن جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، ان سب کی تشریح حدیث میں صراحۃً بیان فرمائی ہے، اب ﴿أحل لکم ما وراء ذلکم﴾ سے چودہ عورتوں کے سوا جتنی عورتیں ہیں، سب سے نکاح کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں "بنات الأخ وبنات الأخت" کی حرمت آئی ہے یعنی بھانجی سے نکاح کرنے کی حرمت آئی ہے، بھانجی کی لڑکی سے نکاح کرنے کی حرمت کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟ اگر بھانجی کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے تو عم، عمۃ، خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہونا چاہیے۔ چونکہ معطوف اور معطوف علیہ کا ایک حکم ہوتا ہے اور فقہاء کے قول میں اختلاف واقع ہوا ہے: بعض فقہاء نے "وإن سفلن" کی قید لگائی ہے جیسا کہ صاحب درمختار اور بعض فقہاء نے "وإن سفلن" کی قید نہیں لگائی ہے، بلکہ سکوت کیا جیسا کہ صاحب ہدایہ۔

المستفتی: نادر حسین فرید پوری، ۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

الجواب صالحاً مصلیاً:

"وتحرم علیه بنات الأخ بالنص، وهو قوله تعالی: ﴿وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ وإن سفلن بالإجماع". بدائع: ۲/ ۵۷ (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھانجی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے اور یہ حرمت اجماع سے ثابت ہے۔

"ویحرم بنة أخته لأب وأم، أو لأحدهما لقوله تعالیٰ: ﴿وأخواتکم﴾. وفیها لقوله تعالی: ﴿وبنات الأخت﴾. وابنة أختیه لأب وأم أو لأحدهما، لقوله تعالیٰ: ﴿وبنات الأخ﴾ وإن سفلن، لعموم المجاز أو دلالة النص أو الإجماع". مجمع الأنهر، ص: ۳۲۳(۲)، اس سے معلوم ہوا کہ بھانجی کی لڑکی کی حرمت عموم مجاز سے بھی نکلتی ہے اور "دلالة النص" سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

رہا بعض فقہاء کا سکوت تو اس سے جواز ثابت نہیں ہوتا "لأن الناطق مقدم علی الساکت" اور

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/ ۴۱۰، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۴۵۹، عباس احمد الباز مکة المکرمة)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

اس کو اختلاف نہیں کہتے، اگر بعض جواز لکھتے اور بعض حرمت تب اختلاف ہوتا۔ رہا عم، عمہ، خالہ کی لڑکی کو بھانجی کی لڑکی پر قیاس کر کے حرمت کا تقاضہ کرنا، سو یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ نص میں: "بنات الأخ وبنات الأخت" مذکور ہیں اور "بنت" کا اطلاق جس طرح سے لڑکی پر آتا ہے، لڑکی کی لڑکی پر بھی آتا ہے اور "عمہ" کا اطلاق پھوپھی پر آتا ہے مگر پھوپھی کی لڑکی پر نہیں آتا۔ نیز اس کے متعلق کوئی اجماع منعقد نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

بھانجی کی لڑکی سے نکاح، ایسی اولاد کا نسب، حقِ وراثت، مہر، ان کا ایک مکان میں رہنا، ایسی عورت کا حقِ وراثت

سوال[۵۵۹۵]: زید نے اپنی سگی بہن کی بیٹی یعنی اپنی سگی بھانجی کی بیٹی سے نکاح کر دیا جس میں دو آدمی گواہ تھے، اور حالتِ نکاح میں زید اور اس کی بھانجی کی بیٹی دونوں بالغ تھے اور زید مذکورہ اپنی سگی بہن کی بیٹی سے نکاح کرنا شرعاً حلال سمجھتا ہے اور قیاس بھی کرتا ہے: جیسا کہ اپنی پھوپھی سے نکاح کرنا حرام مگر اس کی بیٹی سے حلال ہے:

وقال رجلٌ آخر: جاء في تفسير خازن: "قوله تعالى: ﴿وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ اهـ". [پارہ لن تنا]، ص: ۳٤۰(۱)۔

وفي الدرالمختار على حاشية ردالمحتار: "حرم على المتزوج ذكراً كان أو أنثى نكاح أصله وفروعه، عَلَا أو نزل، اهـ" عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنی بھانجی کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

استفتاء ان باتوں کا ہے:

۱.....زید مذکور کا نکاح اپنی سگی بھانجی کی بیٹی سے شرعاً درست ہوا یا نہیں؟

۲.....ان دونوں کی جفتی سے جو اولاد ہوئی اس کا نسب زید سے ثابت ہوا یا نہیں، مگر زید اس کو اپنا لڑکا

---

(۱) (تفسیر الخازن: ۱/۳٦۲، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

لڑکی ثابت کرتا ہے؟

۳......زید کے مرنے کے بعد یہ لڑکا لڑکی عصبہ بن کر اس کے مال کی وارث بنیں گے یا نہیں؟

۴......زید پر اس عورت کا مہر واجب ہے یا نہیں؟

۵......زید کے مرنے کے بعد اس کے مال سے یہ عورت ثمن کی وارث ہوگی یا نہیں؟

۶......زید مذکور کی سگی بھانجی کی بیٹی سے جو لڑکے زید کی جفتی سے پیدا ہوئے اگر وہ عورت اپنے لڑکا لڑکی کو لیکر زید کے مکان کے باہر دوسری جگہ سکونت کرے تو ہر قسم کی دشواری وسختی وبے غیرتی پیش آتی ہے، اس تقدیر پر اگر وہ عورت اپنے بال بچے لیکر زید کے مکان میں علیحدہ گھر بنوا کر سکونت اختیار کرے اور زید سے نزدیکی نہ کرے، مگر ایک دوسرے کو گھر کے باہر آمد ورفت کے وقت دیکھتا ہے کیونکہ ایک مکان میں ایک دوسرے کو ضرور دیکھ لیا کرتا ہے، مگر بدکاری سے دور رہتے ہیں، مگر امکان سے خالی نہیں، شیطان ہر شخص کے ساتھ ہے اور زید مذکور بظاہر فاسق ہے، علامت فسق کی اس میں پائی جاتی ہے۔ تو ایک مکان میں دونوں کا علیحدہ علیحدہ رہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۷......زید اور اس کی بھانجی کی بیٹی دونوں سے فرزند پیدا ہوئے، اب زید اور اس کی بھانجی کی بیٹی پر کونسی سزا شرع کی رو سے وارد ہے، زنا کی یا اور کسی قسم کی؟ مفتیٰ بہ قول بیان فرمادیں۔

۸......زید اپنی بھانجی کی بیٹی سے نکاح وجماع کرنے کے بعد جو لڑکی پیدا ہوئی اور اس لڑکی سے دوسرے نیک شریف النسب آدمی کا نکاح کردیں تو اس میں شرعاً کوئی عیب تو نہیں ہوگا؟ زید بھی شریف النسب آدمی ہے۔

۹......زید کی بھانجی کی بیٹی سے جو زید کے لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو شرعاً "ولد الزنا" کہلائے جائیں گے یا نہیں؟

۱۰......اگر وہ لڑکا بالغ عالم ہونے کے بعد امامت کرے تو اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ ہر سوال کے جواب کو ادلہ سے زیور پہنا کر تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ نکاح ناجائز ہے، متون، شروح، فتاویٰ سب میں عدمِ جواز مصرح ہے، کسی کتاب میں اس کا

جواز نہیں ہے۔

۲..... باوجود نکاح حرام ہونے کے اس نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ زید سے ثابت النسب ہوگی، نکاحِ محارم سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت النسب ہوتی ہے:

"ولا حد إن كان بشبهة العقد: أي عقد النكاح عنده: أي الإمام، كوطء محرم نكحها. وقالا: إن علم الحرمة، حُدّ، وعليه الفتوى، خلاصة. لكن المرجح في جميع الشروح قول الإمام، فكان الفتوى عليه أولى، قاله قاسم في تصحيحه. لكن في القهستاني عن المضمرات: على قولهما الفتوى. وحرر في الفتح أنها من شبهة المحل، وفيها يثبت النسب، كمامر، اهـ". درمختار کتاب الحدود۔

"(قوله: كوطء محرم نكحها): أي عقد عليها، أطلق في المحرم فيشتمل المحرم نسباً ورضاعاً وصهريةً، اهـ. (قوله: و قالا، الخ) مدار الخلاف على ثبوت محلية النكاح للمحارم وعدمه، فعنده هي ثابتة على معنى أنها محل نفس العقد لا بالنظر إلى خصوص عاقد بقبولها مقاصده من التوالد .... فأورث شبهةً ونفياً على معنى أنها ليست محلاً يعقد هذا العاقد فلم يورث شبهةً. وتمامه في الفتح والنهر، اهـ". ردالمحتار: ۳/۳۳٦(۱)۔ والمسئلة مذكورة في ردالمحتار: ۲/ ۵۷٤،۹۹۹(۲)۔

۳..... نسب تو ثابت ہے، احتیاطاً میراث کا استحقاق نہیں ہوگا: "وأما الإرث فلا تثبت فيه، اهـ". طحطاوی: ۲/ ٦۰(۳)۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في بيان شبهة العقد: ۴/ ۲۳، ۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۲/ ۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/ ۲۵، ۲٦، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/ ۲۸، ۲۹، سعيد)

(۳) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب المهر: ۲/ ۲۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۴، سعيد)

۴......واجب ہے:"ويجب مهر المثل في نكاح فاسد، وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود بالوطء في القبل لا بغيره، ولم تزد على المسمى. ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه، دخل بها أولا في الأصح، اهـ". در مختار:۲/۵۷۴۔ "(قوله: كشهود) ومثله تزوج الأختين معاً، ونكاح الأخت في عدة الأخت، الخ". شامی(۱)۔

عبارتِ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہرِ مثل واجب ہوگا اور مسمی سے زائد نہیں ہوگا اور طرفین پر اس نکاح کا فسخ کرنا واجب ہے، دخول کی نوبت آئی ہو یا نہیں آئی ہو۔

۵......اگر زندگی میں نکاح فسخ نہیں کیا تب بھی عورت کو میراث نہیں ملے گی، کما مرّ فی، ص:۳(۲)۔ (اس نکاح کا فسخ واجب ہے)۔

۶......اس میں فتنہ کا قوی احتمال ہے، لہٰذا قطعاً علیحدگی اور متارکت کر کے عورت کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے، زید کے لئے اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۳)۔ دنیا میں ناسمجھ لوگوں میں اگر بے عزتی ہوتی ہے تو آخرت کے عذاب سے انشاء اللہ نجات ہوگی، جس کے مقابلہ میں دنیا کی بے عزتی کوئی شئ نہیں اور اہلِ فہم لوگ دنیا میں بھی بے عزتی نہیں کریں گے۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، سعيد)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في النكاح الفاسد: ۳/۵۱۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد واحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲) (جواب نمبر:۴ مراد ہے)

(۳) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسده: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر، في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئته)

۷......حدِ زنا واجب نہیں(۱)، تعزیر واجب ہے(۲) بشرطیکہ اسلامی حکومت ہو(۳)، ورنہ باہمی متارکت تامہ کرکے ہردو توبہ کرلیں(۴)۔

۸......اولاد کا اس میں کیا قصور ہے، دوسرے لوگ اگر اس اولاد سے نکاح کرلیں تو شرعاً درست ہے(۵)۔

۹......"ولد الزنا" نہیں، بلکہ ثابت النسب ہیں(۶)۔

---

(۱) (راجع رقم: ۳)

(۲) "الحاصل أن كل من ارتكب معصيةً ليس فيها حد مقرر، وثبت عليه عند الحاكم، فإنه يجب التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب التعزير: ۵/۷۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۸، رشيديه)

(۳) "وركنه (أي الحد) إقامة الإمام أو نائبه في الاقامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۱/۱۴۳، رشيديه)

(۴) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر: ۲۲/۱۳۷، مطبعه خيرية بيروت)

(۵) "والولد محترم مكرم داخل تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنا بني آدم﴾ [الإسراء: ۷۰] فليس فيه صفة القبح؛ لأنه مخلوق بخلق الله تعالىٰ، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۴، رشيديه)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۶) "و يثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه) .... =

۱۰.....اگر اس میں امامت کی اہلیت ہے تو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبد اللطیف، ۲۷/ربیع الثانی/۶۴ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۶۴/۲/۲۷ھ۔

سگے بھانجے کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۵۹۶]: سگے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہن اور بہن کی اولاد کسی سے بھی نکاح جائز نہیں، بھانجے کی لڑکی سے بھی نکاح جائز نہیں: ﴿وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ کے تحت اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند،۸۹/۹/۴ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع للعلامة الكاساني، كتاب النكاح، فصل في النكاح الفاسد: ۵/۳ ۱ ۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۲۴۸/۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "وولد الزنا إذا كان أفضل القوم، فلا كراهة إذا لم يكونا محتقرين بين الناس، لعدم العلة للكراهة، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۰ ۶ ۶: رشيدية)

"وولد الزنا، هذا إن وُجد غيرهم، وإلا فلا كراهة. بحر". (الدر المختار، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۲ ۶ ۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "نواسی سے نکاح"۔)

اخیافی بہن سے نکاح

سوال [۵۵۹۷]: ۱...... زید کا انتقال ہوگیا اور اس نے ایک لڑکا اور بیوی کو چھوڑا، بعد آں اس کی بیوی نے عمر کے ساتھ نکاح کرلیا اور عمر سے لڑکی ہوئی۔ اس صورت میں زید کے لڑکے کا نکاح عمر کی لڑکی کے ساتھ کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

باپ شریک بہن کے ساتھ نکاح

سوال [۵۵۹۸]: ۲...... بکر کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہوا تھا اور بکر کی بیوی کا انتقال ہوگیا، چنانچہ بکر نے دوسرا نکاح کرلیا، دوسری بیوی سے لڑکی ہوئی۔ کیا ان دونوں کا نکاح درست ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... صورتِ مسئولہ میں زید کے لڑکے اور عمر کی لڑکی کی ماں ایک ہے، پس یہ دونوں بہن بھائی ہوئے، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح درست نہیں۔

۲...... ان دونوں کا باپ ایک ہے لہٰذا ان کا نکاح بھی ناجائز ہے: "وتحرم أخته لأب وأم أولأحدهما، اھ". مجمع الأنهر، ص: ۳۲۳(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

باپ اور ماں شریک بہن سے نکاح کی حرمت

سوال [۵۵۹۹]: قرآن شریف میں جو رشتے نکاح یا پردہ کے متعلق ہیں وہ صرف سگے ہیں یا دور

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المحرمات، كتاب النكاح: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال رحمه الله: وأخته...... لأن حرمتهن منصوص عليها في هذه الآية، ويدخل الأخوات المتفرقات، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۰۹، دار الكتب العلمية بيروت)

کے بھی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن شریف میں بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی سے نکاح حرام ہے، اس میں بہن کی تینوں قسمیں مراد ہیں: ایک عینی یعنی ماں اور باپ دونوں میں شریک ہو جس کو سگی بہن کہتے ہیں۔ دوسرے علاتی: یعنی باپ ایک ہو اور ماں دو ہوں۔ تیسرے اخیافی: یعنی ماں ایک ہو باپ الگ الگ۔ ایسی تینوں قسموں کی بہن سے نکاح حرام ہے(۱)۔ ایسے ہی بھائی کی لڑکی اور بہن کی لڑکی سے بھی نکاح حرام ہے(۲)، باقی دور کے رشتہ کی اگر بہن ہو، مثلاً: پھوپھی کی لڑکی یا خالہ کی لڑکی یا ماموں کی لڑکی یا چچا کی لڑکی تو اس سے نکاح حرام نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چچا سے بھتیجی کا نکاح

سوال[۵۶۰۰]: کیا خاص چچا سے بھتیجی کا عقد جائز ہے یا نہیں؟ صورت دراصل یہ ہے کہ لڑکا لڑکی

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "باپ شریک بہن کے ساتھ نکاح"۔)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم وبناتکم وأخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ (سورة النساء: ۲۳)

قال العلامة الکاساني: "وتحرم علیه بنات الأخ وبنات الأخت بالنص، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۴۰۶/۳، ۴۱۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات: ۴۵۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ما وراء ذالکم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذکرن من المحارم هن لکم حلال". (تفسیر ابن کثیر: ۴۷۴/۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا في التفسیر المنیر: ۶/۵، دارالفکر بیروت)

(وکذا في التفسیر المظهري: ۶۶/۲، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في بیان بعض المحرمات: ۴۳۷/۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

بالغ وبالغہ باکرہ تقریباً ہم عمر ہیں، لڑکی کا اصرار یہ ہے کہ شادی ہوتو اس لڑکے سے، ورنہ بصورتِ دیگر خودکشی کرلوں گی۔اس مجبوری کی حالت میں شریعت میں جان بچانے یا خوشگوارزندگی کے لیے کچھ گنجائش ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چچا، بھتیجی کا نکاح حرام ہے، کسی صورت سے جائز نہیں، قرآن کریم میں ہے: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم وبنات الأخ﴾الأية(۱)۔ جس چیز کواللہ پاک نے خودحرام قراردیاہے اس کوحلال کرنے کی کس کی مجال ہے، اس طرح جان بچانے کی دھمکی سے کیا حقیقی بہن، بیٹی، والدہ کے نکاح کی بھی اجازت حاصل کی جائے گی؟ اور پھراگرکسی کے دل میں کفراختیارکرنے کا جوش پیداہواس کی بھی اجازت لی جائے گی؟ دین، ایمان کیا ہوگا، جی چاہتا کھلونا بن جائے گا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ۔

سوتیلے ماموں سے نکاح

سوال[۵۲۰۱]: ۱......زیدنے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے علاتی ماموں سے کردیا، علاتی ماموں اورحقیقی والدہ کاوالدایک ہےاوروالدہ مختلف ہیں۔شرعاًیہ نکاح جائزہے یانہیں؟

۲......اگرنہیں تونکاح کے موقع پرجولوگ واقف کارتھےاورنکاح میں موجودتھےان کے ساتھ شریعت کیاحکم رکھتی ہے؟

---

(۱)(سورة النساء: ۲۳)

قال العلامة الكاساني تحت آية: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ .... "وتحرم عليه بنات الأخ وبنات الأخت بالنص، وهو قوله تعالىٰ: ﴿وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۰۶، ۴۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۵۹، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث بيروت)

۳......زید کے ساتھ یا اس کی لڑکی کی اولاد کے ساتھ میل جول برتاؤ کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

۴......ہر چہار اماموں میں سے کسی امام صاحب کے مذہب میں درست ہو تو بھی مطلع فرمایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ نکاح شرعاً جائز نہیں: "ویحرم أخته لأب وأم أو لأحد هما لقوله: ﴿وأخواتكم﴾ وبنتها لقوله تعالى: ﴿وبنات الأخت﴾ وابنة أخيه لأب وأم، أو لأحدهما لقوله تعالى: ﴿بنات الأخ﴾ وإن سفلتا، لعموم المجاز، أو دلالة النص أو الإجماع، اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۳۲۳(۱)۔

۲......جو لوگ واقف ہونے کے باوجود اس نکاح میں شریک ہوئے، وہ سب گنہگار ہوئے سب کو توبہ لازم ہے(۲) اور ان دونوں میں تفریق ضروری ہے(۳)۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قوله: (وأخته وبنتها وبنت أخيه) ...... ودخل فيه الأخوات المتفرقات وبنتهن وبنات الإخوة المتفرقين، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة آلوسي البغدادي في تفسير هذه الأية: "فيعم النهي كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداد والانتقام". (تفسير روح المعاني: ۶/۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"واتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة سواء كانت المعصيته صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۳) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۲۸، المكتبة الغفارية كوئته)

۳......اگر زید اپنی لڑکی اور داماد میں تفریق نہ کرائے اور وہ دونوں متارکت نہ کریں تو ان سے تعلقات ترک کردیئے جائیں تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کریں(۱)۔

۴......عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۶۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۹/صفر/۶۳ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ماں کے ماموں سے نکاح

سوال[۵۶۰۲]: ماں کے ماموں محرمات میں داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داخل ہیں: "وکذا بنت الأخ والأخت وإن سفلن، اھ". عالمگیری: ۲/۲۷۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۶/۶۴ھ۔

پھوپھی سے نکاح

سوال[۵۶۰۳]: حقیقی پھوپھی یعنی باپ کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص حقیقی

---

(۱) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولا یجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق".

(مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشیدیه)

(وکذا فی عمدة القاری للعینی، کتاب الأدب، باب ما ینهی من التحاسد الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعه خیریة بیروت)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الأول: المحرمات بالنسب: ۲۷۳/۱، رشیدیه)

پھوپھی سے نکاح کرلے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

سائل مستری منیر احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقی پھوپھی سے نکاح کرنا قطعی حرام ہے(۱)، لہٰذا یہ نکاح کرنے والا اگر اس مسئلہ کو جانتے ہوئے نکاح کرے گا تو شرعی قاعدہ کے موافق صاحبین کے نزدیک اس پر حد جاری کیجائے گی اور تفریق ہر حال میں ضروری ہے(۲)۔"وعندهما إذا نكح نكاحاً مجمعاً على تحريمه، فليس ذلك بشبهة، ويحد إن علم بالتحريم، وإلا لا". عالمگیری: ۲/ ۷٥٤ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی، یکم/ ربیع الاول/ ۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۵۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم﴾ الخ. (سورة النساء: ۲۳)

"فلهٰذا تحرم العمات والخالات، وتحل بنات الأعمام والعمات، الخ". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۴۵۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن، في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/ ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر، في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/ ۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۲/ ۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، مطلب في بيان شبهة العقد: ۴/ ۲۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحدوالذي لايوجبه: ۱/ ۵۹۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

موطوءۃ الجد سے نکاح حرام ہے

سوال[۵۲۰۴]: ایک شخص کے سگے نانا ہیں ان کی دو بیویاں ہیں تو اس شخص نے اپنی سوتیلی نانی سے پہلے بدکاری کی، اس کے بعد اپنے نکاح میں لے لیا۔ کیا نواسہ کے لئے سوتیلی نانی سے نکاح کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدکاری تو بدکاری ہے ہی، مگر موطوءۃ الجد سے بھی نکاح حرام ہے، جد: دادا ہو یا نانا، ہر دو کی موطوءہ سے نکاح ناجائز ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا ما نكح اٰبائكم﴾ الاية(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۲/۲۴ھ۔

سوتیلی والدہ سے نکاح

سوال[۵۲۰۵]: زید اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت سے زید کے والد نے نکاح کیا وہ اس کی سوتیلی والدہ ہے، اس سے زید کا نکاح کسی طرح جائز نہیں، بالکل حرام ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "ولا بامرأة أبيه وأجداده، لقوله تعالىٰ ﴿ولا تنكحوا ما نكح آبائكم﴾. (الهداية، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۰۸/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۲۴/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۶/۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتنكحوا ما نكح آبائكم من النسآء إلا ما قد سلف، إنه كان فاحشةً ومقتاً وسآء سبيلا﴾ (سورة النسآء: ۲۲)

"أما منكوحة الأب، فتحرم بالنص وهوقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا مانكح آبائكم من النسآء﴾، والنكاح يُذكر ويراد به العقد، وسواء كان الأب دخل بها أولا؛ لأن اسم النكاح يقع على العقد". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۲۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۱۱/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر) =

بہو سے نکاح

سوال[۵۶۰۶]: عرصہ ہوا زید نے اپنی سگی بہو کے ساتھ عقد کرلیا ہے۔ ایسی صورت میں زید کے گھر کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز؟ عنداللہ اگر کوئی صورت ہو تو مطلع کریں کہ ہم لوگ اس کے یہاں کھا پی سکیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بیٹے کی بیوی سے عقد نکاح کرنا بالکل حرام ہے، لقوله تعالى ﴿وحلائل أبنائكم﴾ (الآية)(۱)۔ اور نکاح ہی منعقد نہیں ہوا (۲)، لہٰذا زید سے اس کو الگ کرائیں، پھر زید توبہ کرے تب زید کا گناہ معاف ہوگا (۳)، پھر اس کے گھر کھانے پینے کا معاملہ جاری کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۱/۱۳۹۲ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۴، رشيديه)

(۱) (سورة النسآء: ۲۳)

"وحليلة الابن (أي تحرم) نسباً أو سبباً". (التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/۲۱۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۶، رشيديه)

(۲) "نعم! في البزازية: حكاية قولين في أن نكاح المحارم باطل أو فاسد، والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح أهل الذمة: ۳/۵۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسي". (تنبيه الغافلين، باب آخر من التوبة، ص: ۹۰، مكتبه حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث بيروت)

نواسی سے نکاح

سوال[۵۲۰۷]: نواسی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح اپنی حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے، اسی طرح حقیقی بہن کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی سے بھی حرام ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالاتكم وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ الآية. وتحرم عليه بنات الأخ وبنات الأخت بالنص، وهو قوله تعالىٰ: ﴿وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ وبنات بنات الأخ والأخت، وإن سفلت بالإجماع". بدائع الصنائع: ۲/۲۵۷(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۸ھ۔

بیوی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۲۰۸]: زید نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکی بھی آگئی، اس عورت کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کی حقیقی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت سے زید نے نکاح کے بعد ہمبستری کی ہے، اس کی لڑکی سے جو کہ اس کے پہلے خاوند سے ہے زید کا نکاح کبھی بھی اور کسی حال میں بھی جائز نہیں، بالکل حرام ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۸۷/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع للعلامة الكاساني، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۰۶، ۴۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۵۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم .... وربائبكم التي في حجوركم من نسآئكم التي=

منکوحہ فاسدہ کی بیٹی سے نکاح

سوال[۵۶۰۹]: زید، جمیلہ بیوہ کے گھر سکونت پزیر ہے اور جمیلہ اپنے نفس کا واک اختیار زید کو دے دیتی ہے اور وہ زید مذکور قبول کر لیتا ہے اور جمیلہ مذکورہ کو اپنی بیوی جان کر اس کے ساتھ جماع کرتا رہتا ہے، مگر ایجاب وقبول کے وقت شاہد موجود نہیں ہیں، بعد میں یہ عورت لوگوں کو کہتی ہے کہ میں نے اپنے نفس کا واک زید کو دے دیا ہے۔ اب یہ نکاح بلا شہود فاسد ہے یا کہ صحیح؟ اگر فاسد ہے تو زید جب جمیلہ کے ساتھ جماع کرتا رہا ساتھ نکاح فاسد کے تو جمیلہ مذکورہ کی بیٹی سے جو بکر سے ہے زید مذکور نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نکاح کر لیوے تو نکاح بیٹی کا باطل ہوتا ہے یا کہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

ضلع ہزارہ محمد اکبر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا گواہوں کے نکاح جائز نہیں، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور اس جماع کی وجہ سے زید اور جمیلہ سخت گنہ گار ہوئے (۱)۔ ان دونوں کی علیحدگی اور متارکت واجب ہے (۲)۔ جب زید جمیلہ سے جماع کر چکا ہے تو جمیلہ

= دخلتم بهن﴾ الآية. (سورة النسآء: ۲۳)

"بنات الزوجة (أى تحرم) وبنات أولادها وإن سفلن بشرط الدخول بالأم، كذا في الحاوى القدسي، سواء كانت الابنة في حجره أولم تكن، كذا في شرح الجامع الصغير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الثانى المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۱، سعيد)

(۱) "وهو (أى النكاح الفاسد) الذى فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود، الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، سعيد)

"إعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه السلام: "لا نكاح إلا بشهود، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۴۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "بل يجب على القاضى التفريق بينهما". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۲۳۳، سعيد) =

کی اولاد خواہ کسی سے ہو زید پر حرام ہے، لہٰذا زید کا نکاح جمیلہ کی بیٹی سے جو بکر سے ہے ہرگز جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۶/ربیع الثانی/۵۸ھ۔

داماد سے نکاح

سوال [۵۲۱۰]: زینب نے اپنی لڑکی کا نکاح خالد کے ساتھ کیا اور بعد چندون کے زینب خالد یعنی اپنے داماد پر فریفتہ ہوگئی اور اپنی لڑکی کو اس سے طلاق دلا کر خود اپنے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ نکاح اس کا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد کا ساس سے نکاح حرام ہے: "ویحرم أم امرأته مطلقاً، دخل أولا إن كان العقد صحيحاً، اه". در منتقی، ص: ۳۲۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ذی قعدہ/۵۵ھ۔

=(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم .... وربائبكم الّتي في حجوركم من نسآئكم الّتي دخلتم بهن﴾ الآية. (سورة النسآء: ۲۳)

"بنات الزوجة (أي تحرم) وبنات أولادها وإن سفلن بشرط الدخول بالأم، كذا في الحاوي القدسي، سواء كانت الابنة في حجره أولم تكن، كذا في شرح الجامع الصغير". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۷۴، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۱، سعيد)

(۲) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

خونی رشتے اور حرمتِ نکاح

سوال[۵۱۱۱]: خون کا رشتہ کس کو کہتے ہیں اور اس کی اہمیت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رشتہ نسبی ہو جیسے بھائی بہن، پھوپھی، چچا، خالہ، ماموں وغیرہ یہ سب خونی رشتے ہیں، ان سے نکاح حرام ہے، قرآن کریم میں بھی حرمت مذکور ہے، چوتھے پارہ کا اخیر دیکھئے:﴿حرمت عليكم أمهاتكم﴾ الخ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۸/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۵/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۶۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

(راجع للتفصيل: فتح القدير، فصل في المحرمات: ۲۱۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(والفقه النافع، كتاب النكاح، (رقم القاعدة: ۲۵۹): ۵۰۲/۲، ۵۰۳، مكتبه بيروت)

الفصل الثانی فی المحرمات من الرضاع

(حرمتِ رضاعت کا بیان)

رضاعی بھائی کی نسبی بہن اور ماں سے نکاح

سوال [۵۲۱۲]: رضاعی بھائی کے بڑے یا چھوٹے بھائی سے اس رضاعی بھائی کی بہن یا ماں کی شادی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے اور ماں سے شادی جائز ہے جب کہ وہ اس کی خود کی رضاعی یا نسبی بہن یا ماں نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۱۲/۴ھ۔

رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال [۵۲۱۳]: مسماۃ ساجدہ اور مسماۃ صابی دونوں ایک مکان میں رہتی تھیں۔ ساجدہ کے یہاں عبدالرشید اور صابی کے یہاں محمد شریف پیدا ہوئے، دونوں لڑکوں کی ولدیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ عبدالرشید نے صابی کا دودھ پیا ہے اور محمد شریف نے ساجدہ کا دودھ پیا۔ اس وقت یہ دونوں جوان ہیں اور دونوں کی بالترتیب

---

(۱) "ویجوز أن یتزوج الرجل بأخت أخیه من الرضاع؛ لأنه یجوز أن یتزوج بأخت أخیه من النسب".

(الهداية، كتاب الرضاع: ۲/۳۵۱، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/۳۷۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الرضاع: ۳/۲۱۷، سعيد)

چھوٹی بہنیں بھی جوان ہیں۔تو عبدالرشید کا نکاح محمد شریف کی بہن سے اور محمد شریف کا نکاح عبدالرشید کی بہن سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

عبدالرحمٰن تحصیل اوڑی بارہ مولہ کشمیر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسمی عبدالرشید کا نکاح مسماۃ صابی کی کسی لڑکی سے جائز نہیں اور محمد شریف کا نکاح مسماۃ ساجدہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں، ہرگز ایسا ارادہ نہ کریں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۶۱۴]: جس عورت نے عوام میں زید کو دودھ پلانے کا اقرار کیا اور کرتی رہی اور اب وہ اپنی لڑکی کا نکاح زید کو دینے پر آمادہ ہوگئی۔اس کے اقرار عندالعوام سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بلکہ زید کا باپ بھی اس کا مقر ہے کہ میرے لڑکے نے اس کا دودھ پیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب لڑکی کی والدہ اور لڑکے کے والد صاحب کا اقرار ہے تو ان کو اپنی اولاد کا اس طرح کا نکاح

---

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲/۲۷۳، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب ما يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمي)

"فيحرم منه: أي بسببه ما يحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاعة: ۳/۲۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الرضاع: ۱۱/۱۲۳، إدارة القرآن كراچي)

کرنا حرام ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

رضاعی بہن کی نسبی بہن سے نکاح

سوال[۵۶۱۵]: ۱.....طاہرہ کی دولڑکیاں عائشہ وزینب عمر ایک سال اور منیرہ کے دولڑکے عبدالغنی اور حسام الدین۔کیا عبدالغنی اور زینب کا نکاح جائز ہے؟ ایسے ہی عبدالغنی اور عائشہ کا نکاح جائز ہے؟ اور حسام الدین وزینب اور حسام الدین وعائشہ میں نکاح ہوسکتا ہے؟

۲.....جب کہ حسام الدین بعمر ۲/ سال چھ ماہ ہونے کے بعد زینب نے حسام الدین کی والدہ، منیرہ کا دودھ پیا تھا، اور زینب کی عمر چار ماہ کی تھی تو کیا حسام الدین وزینب میں نکاح ہوسکتا ہے؟ ایسے ہی حسام الدین و عائشہ میں یا عبدالغنی وزینب میں یا عبدالغنی وعائشہ میں وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲.....زینب نے مدتِ رضاعت میں منیرہ کا دودھ پیا ہے، لہٰذا عبدالغنی اور حسام الدین دونوں زینب کے دودھ شریک بھائی ہوگئے، ان دونوں میں سے عائشہ کسی کی رضاعی بہن نہیں، لہٰذا عائشہ کا نکاح ان میں سے جس کے ساتھ مناسب ہو کردیا جائے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأخواتكم من الرضاعة﴾ الاية(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) "عن عقبة بن الحارث –قال: و قد سمعته من عقبة و لكني لحديث عبيد أحفَظُ –قال: "تزوجت امرأةً، فجائتنا امرأة سوداء، فقالت: إني قد أرضعتُكما، فأتيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأخبرته، فقلت: إني تزوجت فلانة بنت فلان، فجاءتني امرأة سوداء، فقالت: إني قد أرضعتُكما فأعرض عني، فأتيته من قِبل وجهه، فقلت: إنها كاذبة، قال: "وكيف بها و قد زعمت أنها قد أرضعتُكما، دعها عنك". (سنن النسائي، باب الشهادة في الرضاع: ۲/۸۴، قديمي)

(۲) (سورة النساء: ۲۳)

باپ شریک رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۱۶]: مسماۃ مردان دختر اللہ دتہ (زوجۂ تاجہ) نے اپنے حقیقی بھائی مسمّی محمد ولد اللہ دتہ کو اپنا دودھ پلایا۔ اور مسماۃ سرداران کے فوت ہوجانے کے بعد اس کے خاوند مسمّی تاجہ نے ایک دوسری عورت مسماۃ بانو کے ساتھ نکاح کیا، مسماۃ بانو کے بطن سے ایک لڑکی مسماۃ سرداران بنت تاجہ پیدا ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ سردارن بنت تاجہ کا نکاح مسمّی محمد ولد اللہ دتہ کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

نوٹ: ان کے پاس سرداران بنت تاجہ اور محمد ولد اللہ دتہ کے جواز نکاح کے لئے ذیل کی دلیل ہے:

"فأخرج الشافعي عن زينب بنت أبي سلمة أنها قالت: كان الزبير يدخل عليّ، وأنا أمتشط، أرى أنه أبي وأنّ ولده إخوتي؛ لأن امرأته أسماء أرضعتني، فلما كان الحرة، أرسل إليّ عبد الله بن الزبير يخطب ابنتي أم كلثوم على أخيه حمزة بن الزبير۔

وكان للكلبية، فقلت: وهل تحل له؟ فقال: إنه ليس لك بأخ، إنما إخوتك من ولدت أسماء، دون من ولد الزبير من غيرها. قالت: فأرسلت فسألت، والصحابة متوافرون، وأمهات المؤمنين، فقالوا: إن الرضاع لا يحرم شيئاً من قبل الرجل فأنكحتها إياه". نيل الأوطار للشوكاني: ۱۲۴، ۱۲۵ مطبع منيريه مصر(۱)۔

= "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲/۲۷۳، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمي)

"فيحرم منه: أي بسببه ما يحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاعة: ۳/۲۱۳، سعيد)

(وإعلاء السنن، كتاب الرضاع: ۱۱/۱۲۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (نيل الأوطار للشوكاني، باب: يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: ۷/۱۲۴، ۱۲۵، دارالجيل، بيروت)

نقشہ نمبر ۱

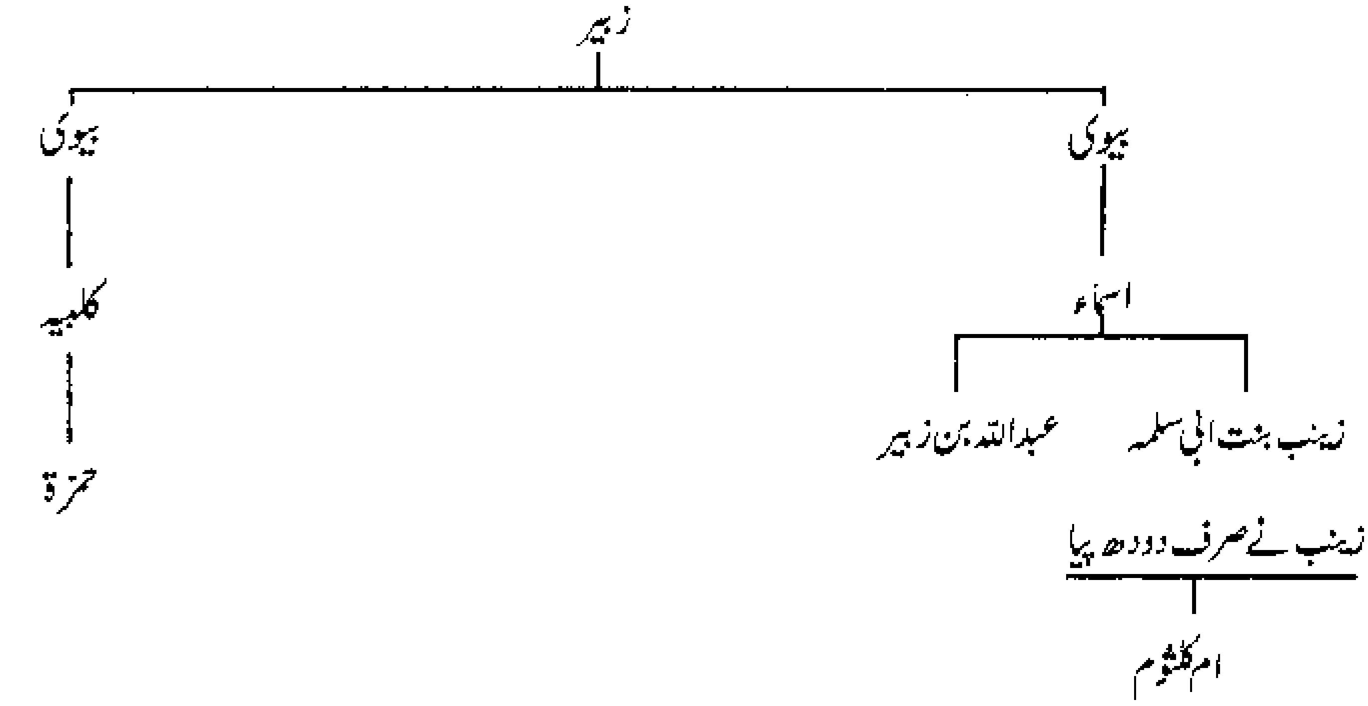

نقشہ نمبر ۲

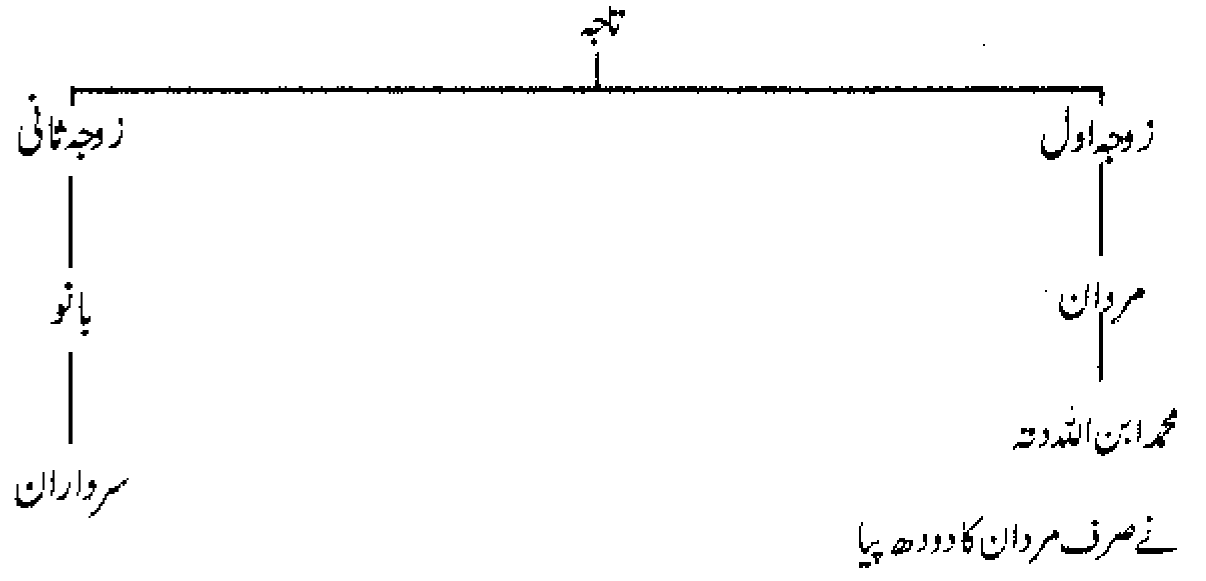

۱-ام کلثوم بنت زینب حمزہ پر حلال لیکن عبداللہ پر حرام ہے، اسی طرح عبداللہ پر حرام اور حمزہ پر حلال ہے۔

۲-اوپر کی شکل کے مطابق محمد کا نکاح سردارن کے ساتھ بلا شبہ ہوسکتا ہے اور مردان کا دودھ اپنی سوت کی اولاد کے لئے حرمت کا سبب نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسمی تاجہ مسمی محمد ولد اللہ دتہ کا رضاعی باپ ہے اور مسماۃ سرداران کا نسبی باپ ہے، پس محمد اور مسماۃ

سرداران دونوں بھائی بہن ہوئے، حنفیہ کے نزدیک ان کا آپس میں نکاح ناجائز ہے، بشرطیکہ مسماۃ مروان دختر اللہ دتہ زوجۂ تاجہ نے جو دودھ مسمی محمد کو پلایا ہے وہ مسمی تاجہ کی وطی سے اترا ہو:

"و لا حل بين رضيع و ولد زوج ولبنها: أى لبن المرضعة منه: أى من الزوج، بأن نزل بوطئه، فهو: أى ذلك الزوج أب الرضيع، وابنه: أى ابن زوج المرضعة أخٌ للرضيع وإن كان من امرأة أخرى، و بنته أختٌ للرضيع، وابن بنته من امرأة أخرى. اهـ". مجمع الأنهر: ٣٣٧/١ (١)۔

"نیل الاوطار" میں جس جگہ یہ روایت نقل کی ہے اسی جگہ اس کا جواب بھی ہے ملاحظہ فرمائیے:

"وأجيب بأن الاجتهاد من بعض الصحابة والتابعين لا يعارض النص، و لا يصح دعوى الإجماع لسكوت الباقين؛ لأنا نقول، الخ"(٢)۔ نیز اس سے چند سطر پہلے لکھا ہے:" و قد ذهب الأئمة الأربعة، إلى أنه يحرم نظير المصاهرة بالرضاع"(٣)۔

اور شروع باب میں روایت ہے جو اس کی دلیل ہے:

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أريد على ابنة حمزة رضى الله تعالى عنه فقال: "إنها لا تحل لى، إنها ابنة أخى من الرضاعة، و يحرم من الرضاعة ما يحرم من الرحم". وفى لفظ: "من النسب". متفق عليه". ميزان شعرانى: ١٤٣/٢ (٤)۔

شعرانی میں لکھا ہے: "اتفق الأئمة على أنه يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، اهـ"(٥)۔

---

(١) (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ٣٧٧/١، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(٢) (نيل الأوطار للشوكانى، باب: يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: ١٢٥/٧، دار الجيل بيروت)

(٣) (نيل الأوطار، المصدر السابق: ١٢٤/٧)

(٤) (نيل الأوطار، المصدر السابق: ١٢٣/٧)

(٥) (ميزان الشعرانى، كتاب الرضاع: ١٣٨/٢، مصطفى البابى الحلبى بمصر)

فتح الباری: ۹/ ۱۳۰ باب لبن الفحل میں ہے:"وفی الحدیث أن لبن الفحل یحرم فتنتشر الحرمة لِمَن ارتضع الصغیر بلبنه، فلا تحل له بنت زوج المرأة التی أرضعته من غیرها مثلاً" .

اس کے بعد جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض تابعین کا اختلاف ہے ان کے نام اور نقلِ استدلال ذکر کرکے لکھا ہے:

"واحتج بعضهم من حیث النظر، بأن اللبن لا ینفصل من الرجل، وإنما ینفصل من المرأة، فکیف تنتشر الحرمة إلی الرجل؟ والجواب: أنه قیاس فی مقابلة النص، فلا یلتفت إلیه، وأیضاً فإن سبب اللبن هو ماء الرجل و المرأة معاً، فوجب أن یکون الرضاع منهما، کالجد لمّا کان سبب الولد أوجب تحریم ولد الولد به، لتعلقه بولده. وإلی هذا أشار ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما لقوله فی هذه المسئلة: "اللقاح واحد". أخرجه ابن أبی شیبة، وأیضاً فإن الوطی یدر اللبن، فللفحل فیه نصیب۔

وذهب الجمهور من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، والتابعین، و فقهاء الأمصار کالأوزاعی فی أهل الشام، والثوری وأبی حنیفة وصاحبیه فی أهل الکوفة، وابن جریج فی أهل مکة، ومالك فی أهل المدینة، والشافعی وأحمد وإسحاق، وأبی ثور، وأتباعهم –رحمهم الله تعالیٰ أجمعین– إلی أن لبن الفحل یحرم، وحجتهم هذا الحدیث الصحیح .... قال القاضی عبد الوهاب: یتصور تجرید لبن الفحل برجل له امرأتان ترضع أحدهما صبیاً، والأخریٰ صبیةً، فالجمهور قالوا: یحرم علی الصبی تزویج الصبیة. اهـ"(۱)۔

یہ سب بحث استیذان أفلحؓ علی عائشةؓ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا جمہور صحابہ وتابعین وفقہاء

= "وهذه الحرمة کما تثبت فی جانب الأم، تثبت فی جانب الأب، و هو الفحل الذی نزل اللبن بوطئه، کذا فی الظهیریة. یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع وأصولهما و فروعهما من النسب، والرضاع جمیعاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، باب الرضاع: ۱/ ۳۴۳، رشیدیه)

(۱) (فتح الباری، باب لبن الفحل: ۹/ ۱۵۰، دار الفکر بیروت)

وائمہ اربعہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین- کا مذہب اور دلیل کیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۶/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۸ھ۔

نکاح کے وقت حرمتِ رضاعت سے خاموشی پھر بعد میں اظہار

سوال[۵۶۱۷]: سراج الدین ولد دلبر خان کی شادی چودہ سال قبل شاہ بیگم دختر کالا خان نمبر دار کو ذارہ کے ساتھ ہوئی، مسمی مذکور نے بارہ سال گزرنے کے بعد دوسری شادی مسماۃ حسن جان دختر کالا خان سے کی، پہلی بیوی سے تین لڑکیاں ہیں، اور سسر نے مسمی مذکور سے گیارہ ہزار بطور قرض حسنہ لئے تھے دوسری شادی ہونے کی وجہ سے، اور روپیہ دینے کی وجہ سے مسمی مذکور کے سسر اور ساس نے دودھ پینے کا مسئلہ بنالیا ہے اور مسمی مذکور کی بیوی شاہ بیگم کو ورغلا کر مسمی مذکور سے طلاق لینا چاہتے ہیں اور ایک دوسری جگہ نکاح کا منصوبہ بنارہے ہیں۔

دودھ پینے کا نہ کوئی گواہ ہے اور نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ مسمی مذکور کی شادی کے وقت کوئی جھگڑا تنازعہ تھا، دونوں فریقین کی مرضی وخوشی ورضا سے مسمی مذکور کی شادی ہوئی تھی، مگر آج دوسری شادی کرنے اور روپیہ مانگنے پر یہ جھگڑا بنایا ہے، کیونکہ اس سے قبل بارہ سال تک دودھ کی کوئی بات تک نہ تھی، تو آج کیسے مسمی مذکور کی ساس اور سسر بتاتے ہیں؟ شرعاً ان کے قول کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو اب دودھ پینے کا مسئلہ (حرمت رضاعت) بالکل بے محل ہے، جو لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرنے والے ہیں وہ نکاح کرتے وقت کیوں خاموش رہے اور کیوں نکاح کیا؟ اگر حرمتِ رضاعت تھی تو اس وقت کیوں نہیں کہا، اب ان کے قول کا شرعاً اعتبار نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/ ۱۲/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/ ۱۲/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "ومعناه أن يكون تحته صغيرة، و تشهد واحدة بأنها رضعت أمه، أو أخته، أو امرأته بعد العقد، ووجهه أن إقدامهما على النكاح دليل على صحته، فمن شهد بالرضاع المتقدم على النكاح، صار منازعاً =

حرمتِ رضاعت کا علم ہونے پر نکاح کا حکم

سوال[۵۶۱۸]: زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کو تقریباً تین سال ہو گئے اور اس دوران دو بچے ہندہ کے بطن سے پیدا ہوئے، تقریباً تین سال کے بعد معلوم ہوا کہ زید نے ہندہ کی والدہ کا دودھ مدت رضاعت میں پیا تھا، جن کے سلسلے میں علماء نے فتوی دیا ہے کہ دونوں یکجا نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد دونوں کو الگ الگ کر دیا لیکن زبانی طلاق نہیں ہو پائی اور اس کے بعد زید نے دوسری شادی بھی کر لی ہے۔ تو کیا زید سے الفاظ طلاق کہلوانا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کے جو دو بچے ہندہ کے بطن سے پیدا ہوئے، صاحبِ نسب ہیں یا نہیں؟ بغیر الفاظِ طلاق کے ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا ہندہ سے نکاح ایسی حالت میں ہوا کہ حرمتِ رضاعت کا علم نہیں تھا، لہذا یہ نکاح فاسد ہوا، جو بچے پیدا ہوئے وہ ثابت النسب ہیں، رضاعت کا علم ہونے پر زید زبان سے کہہ دے کہ میں نے ہندہ سے تعلقِ زوجیت ختم کر دیا، پھر عدت گزار کر ہندہ دوسری جگہ نکاح کرے:

"و بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح، الخ". در مختار۔ "النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل يفسد، اهـ. (قوله: إلا بعد المتاركة): أي وإن مضى عليها سنون، كمافي البزازية. وعبارة الحاوي: إلا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة، اهـ. و قد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد، و قد صرّحوا في النكاح بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتُكِ أو خليتُ سبيلكِ، اهـ". شامي، ص: ۲/۲۸۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۱۴۰۶ھ۔

= لهما؛ لأنه يدعي فساد العقد ابتداءً ...... وإنما يدعي حدوث المفسد بعد ذلك، و إقدامُهما على النكاح يدل على صحته، الخ". (البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۵، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني المحرمات بالصهرية، و ما يتصل بذلك مسائل: ۱/۲۷۷، رشيديه)=

رضاعی بہن سے نکاح

سوال[۵۲۱۹]: رحیم اور کریم دو بھائی ہیں، کریم کی ایک دودھ شریک بہن ہے، اس بہن کی شادی رحیم کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا یہ درست ہوگا؟ ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ: ''قادر اور ذاکر دو بھائی ہیں، ذاکر کی ایک دودھ شریک بہن ہے تو قادر کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے لیکن ذاکر کے ساتھ نہیں ہوسکتا''(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت (کریم کی والدہ) کا دودھ اس لڑکی نے پیا ہے، اس کی تمام اولاد سے اس لڑکی کے حق میں حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، کریم ورحیم کسی سے بھی اس کی شادی درست نہ ہوگی۔ بہشتی زیور کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک بھائی نے کسی غیر عورت کا دودھ پیا ہے اس کے لئے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی (۲)، لیکن جس بھائی نے اس کا دودھ نہیں پیا، اس کے حق میں ثابت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸/۲۸/ ۸۹ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(۱) (بهشتي زيور، حصه چهارم، دودھ پینے اور پلانے کا بیان: ۲۸۸، دار الإشاعت كراچي)

(۲) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲/۲۷۳، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمي)

"فيحرم منه: أي بسببه ما يحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاعة: ۳/۲۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الرضاع: ۱۱/۱۲۳، إدارة القرآن كراچي)

(۳) بہشتی زیور میں ہے: "و ضابطة ما في هذا البيت الفارسي، بيت:

از جانب شیرده همه خویش شوند وأز جانب شیر خوار زوجان و فروع".

(حصہ چہارم، باب دودھ پینے اور پلانے کا بیان، ص: ۲۸۸، دار الاشاعت کراچی)

"و تحل أخت أخيه رضاعاً". (البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۹۶، رشيديه) =

ایضاً

سوال [۵۶۲۰]: ہندہ کی گود میں ایک لڑکا تھا جو فوت ہوگیا، ہندہ نے اپنی بہن خالدہ کے لڑکے زید کو اپنا دودھ صرف ایک دن پلایا، اس کے بعد ہندہ کی ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو اب بالغ ہے۔ اس لڑکی کا عقد خالدہ کے بڑے لڑکے یعنی زید جس کو دودھ پلایا تھا اس کے بڑے بھائی مسمی بکر کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہن کے جس لڑکے کو ہندہ نے دودھ پلایا ہے وہ ہندہ کا رضاعی بیٹا ہوگیا، اس کا نکاح ہندہ کی کسی لڑکی سے درست نہیں (۱)۔ اس لڑکے کے دوسرے بھائی سے جس کو دودھ نہیں پلایا ہے، ہندہ کی لڑکی کا نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۳/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۳/۳۰ھ۔

ایضاً

سوال [۵۶۲۱]: ایک آدمی بالفرض زید اس کے دو بیٹے اور پہلے لڑکے سے ایک لڑکی ہے اور دوسرے سے ایک لڑکا، دوسرے لڑکے کے لڑکے نے اپنی دادی کی چھاتی سے دودھ پیا ہے اور پہلے لڑکے کی لڑکی نے دودھ نہیں پیا ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ کیا دونوں لڑکوں کی لڑکی ولڑکوں سے شادی ہو سکتی ہے یا نہیں، جب کہ دوسرے لڑکے نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے، کیا ان پر حکمِ رضاعت کی وجہ سے شادی ممنوع ہو سکتی ہے؟ یا حکم رضاعی کا اطلاق نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکے نے مدتِ رضاعت میں اپنی دادی کا دودھ پیا ہے وہ دادی اس کی رضاعی ماں ہوگئی ہے،

= (وکذا في الهداية، كتاب الرضاع: ۲/۳۵۱، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۳، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رضاعی بہن سے نکاح"۔)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رضاعی بہن سے نکاح"۔)

اب اس دادی کی اولاد اور اولاد کی اولاد کسی سے بھی اس لڑکے کی شادی شرعاً درست نہیں، چاہے کسی نے اس دادی کا دودھ پیا ہو یا نہ پیا ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۱۳/۱/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۵۲۲۲]: خالد کی ماں کی جانکنی کی حالت میں رشیدہ کی ماں نے خالد کو دودھ پلایا، اور رشیدہ کی ماں کی قریب المرگ حالت میں خالد کی ماں نے رشیدہ کو دودھ پلایا۔ آگے چل کر رشیدہ کی شادی افسر سے ہوگئی اور ایک نرینہ اولاد بھی ۴/ سالہ موجود ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ خالد کی شادی جمیلہ سے عنقریب ہونے والی ہے۔ صورتِ مسئولہ میں شرعی حکم کیا ہوگا؟ مطلع فرمائیں تا کہ اظہارِ حق ہو۔

نوٹ: رحیمہ بی بی کے دو شوہر ہوئے اور دونوں وفات پاگئے، ہر ایک سے ایک ایک بچی موجود ہے: رشیدہ و جمیلہ۔ نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

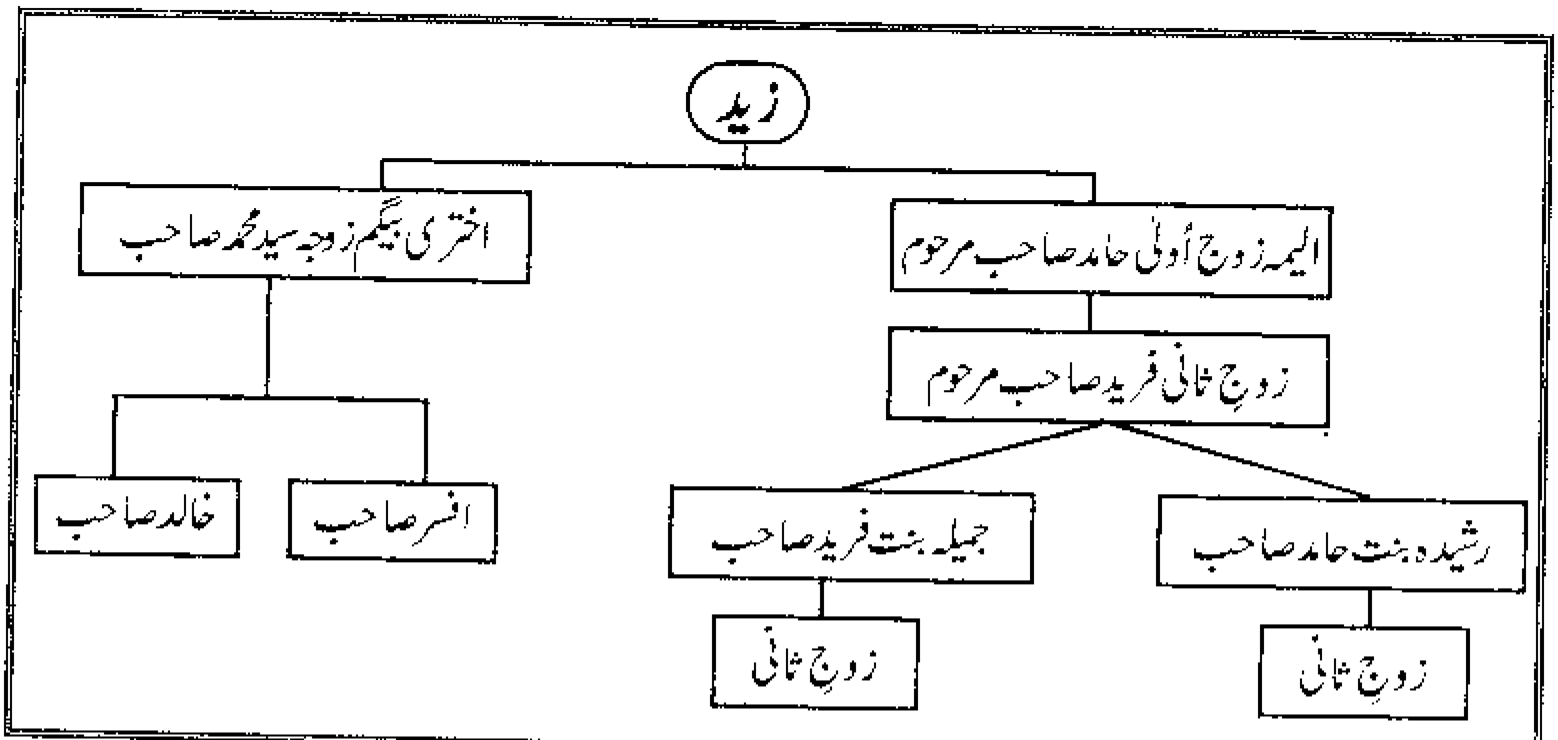

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالد نے جس عورت کا دودھ پیا وہ اس کی رضاعی ماں ہوگئی، اس کی کسی اولاد سے خالد کا نکاح درست

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان ''رضاعی بہن سے نکاح''۔)

نہیں:"و یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب". شامی: ۲/ ۳۳۰"(۱)۔

ایسے ہی اگر رشیدہ نے خالد کی ماں کا دودھ پیا جیسا کہ سوال کی ابتدائی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے تو وہ اس کی ماں ہوگئی، اس کی کسی اولاد سے رشیدہ کا نکاح درست نہیں ہوا۔ اگر افسر خالد کا بھائی ہے اور رشیدہ نے خالد کی والدہ کا دودھ پیا ہو تو افسر کا نکاح رشیدہ سے درست نہیں ہوا ان دونوں میں تفریق کرادینا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: صورتِ سوال بہت عمیق ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/ ۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۵۶۲۳]: ایک عورت ہندہ نے ایک لڑکے کبیرہ کے بطن سے جو تھا اس کو دودھ پلایا۔ اب کبیر کی لڑکی کا جو اس کے بطن سے ہے ہندہ کے لڑکے کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں، ان کا نکاح شرعاً درست نہیں ہے:"و لا حل بین رضیع

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:" یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة". رواہ البخاری". (مشکوۃ المصابیح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲/ ۲۷۳، قدیمی)

"فیحرم منه: أی بسببه ما یحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاع: ۳/ ۲۱۳، سعید)

"کل امرأة حرمت من النسب، حرم مثلها من الرضاع، و هن الأمهات .... و بنات الأخ وبنات الأخت". (إعلاء السنن، کتاب الرضاع: ۱۱/ ۱۲۳، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "بل یجب علی القاضی التفریق بینهما .... أو متارکة الزوج". (الدرالمختار). "(قوله: أو متارکة الزوج) فی البزازیة: المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لا تکون إلا بالقول کخلّیتُ سبیلک أو ترکتک، الخ". (ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/ ۱۳۳، سعید)

وولد مرضعته. اهـ". ملتقى الأبحر: ۳۷۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

بھول سے رضاعی بہن سے نکاح

سوال [۵۶۲۴]: ایک شخص کی شادی ہوگئی تھی، چند سال گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں یعنی داماد نے اپنی ساس کا دودھ پیا تھا۔ اس وقت دو تین بچے ہیں اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں اور بے خبری میں نکاح کرلیا گیا تھا تو فوراً اس کو طلاق دے کر تعلق نکاح ختم کردے، اور وہ مطلقہ بعد عدت دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرلے (۲)۔

---

(۱) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الرضاع: ۱/۳۷۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و لا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها، و ولد ولدها؛ لأنه ولد الأخ". (الدر المختار، باب الرضاع: ۳/۲۱۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۹۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأمهاتكم الّتي أرضعنكم و أخواتكم من الرضاعة﴾ (سورة النساء: ۲۳)

"يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، بابٌ: يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: ۱/۲۸۷، إمداديه ملتان)

"وبثبوت حرمة المصاهرة و حرمة الرضاع، لا يرتفع بهما النكاح، حتى لا تملك المرأة التزوج بزوج آخر إلا بعد المتاركة، وإن مضى عليه سنون". (البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

"بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۷، رشيديه)

رضاعی بھائی بہن میں پردہ نہیں ہے، بعد میں اس سے بہن کی حیثیت سے ملنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

رضاعی اور سوتیلی بہن سے نکاح

سوال [۵۶۲۵]: زید نے سوتیلی بہن سے نکاح کیا، اس لڑکی کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا جب کہ وہ پندرہ روز کی تھی، جب وہ تین ماہ کی ہوگئی تو اس نے زید کی ماں کا دودھ پستان سے پیا، تقریباً ایک سال تک دودھ پیا اور تقریباً پندرہ بیس آدمی گواہ ہیں۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جس نے نکاح پڑھایا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث سے حوالہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح حرام ہے، ہردو میں تفریق واجب ہے (۲)۔ زید اور اس کی بہن اور نکاح پڑھنے والا اور نکاح میں شریک ہونے والے اور اس سے نکاح سے راضی ہونے والے اور باوجود قدرت کے اس نکاح سے نہ روکنے والے سب گناہ گار ہوگئے، سب کو علی الاعلان توبہ ضروری ہے (۳)۔ نیز کوشش کر کے زید کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی رضاعی بہن کو چھوڑ دے اور طلاق دیدے۔ جو شخص توبہ نہ کرے اس سے تعلق نہ رکھا جائے اگر نکاح پڑھانے والا توبہ نہ کرے تو اس کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے (۴)۔ یہ اس وقت ہے کہ زید کی رضاعی بہن ہونا معلوم

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا یُبدین زینتھنّ إلا لبعولتھن .... أو بنی إخوانھنّ أو بنی أخواتھنّ﴾ (النور: ۳۱)

(۲) "بل یجب علی القاضی التفریق بینھما". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المھر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعید)

(وکذا فی المحیط البرھانی، الفصل السادس عشر فی النکاح الفاسد وأحکامہ: ۲۴۸/۳، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثامن فی النکاح الفاسد وأحکامہ: ۳۳۰/۱، رشیدیہ)

(۳) "واتفقوا أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی)

(۴) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، و لا یجوز فوقھا، إلا إذا کان الھجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک......... ما لم یظھر منه التوبة الخ". (مرقاة =

ہو، اگر معلوم نہ ہوتو پھر جس کو معلوم نہیں اس کو گناہ نہیں ہے تو بہ پھر بھی ضروری ہے:

﴿حرمت عليكم أمهاتكم و بناتكم وأخواتكم .... وأخواتكم من الرضاعة﴾الاية(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۷/۵۹ھ۔

صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

دودھ شریک بہن کی بہن سے نکاح

سوال[۵۲۲۶]: زید اور عمر دو حقیقی بھائی ہیں اور ہندہ ایک اجنبی لڑکی تھی، اس نے زید کے ساتھ دودھ پیا تو دودھ شریک بھائی ٹھہرا، اب اس لڑکی کا نکاح عمر سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کی بہن سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ عمر کا نکاح ہندہ کی بہن سے جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ کا نکاح نہ زید کے ساتھ درست نہ عمر کے ساتھ کیونکہ یہ دونوں کی رضاعی بہن ہیں، لیکن ہندہ کی بہن سے (جس نے کہ زید وعمر کی والدہ کا دودھ نہیں پیا) زید کا نکاح بھی درست ہے اور عمر کا نکاح بھی درست ہے:

"ولا حل بين رضيعي امرأة، لكونهما أخوين، وإن اختلف الزمن والأب. و تحل أخت أخيه رضاعاً ونسباً، اهـ". رد المحتار: ۲/۴۰۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲/۲۷۳، قديمى)

(وابن ماجة، باب ما يحرم من الرضاع وما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمى)

"فيحرم منه: أي بسببه ما يحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاعة: ۳/۲۱۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الرضاع: ۱۱/۱۲۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (الدر المختار، باب الرضاع: ۳/۲۱۷، سعيد) .... =

بھائی کی رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال [۵۶۲۷]: قمرالدین کے ساتھ اس کی چچازاد بہن نے دودھ پیا ہے اور پھر اس کے بعد چچا زاد بہن کی کسی کے یہاں شادی ہوگئی اور لڑکی پیدا ہوگئی۔ اب اس لڑکی سے قمرالدین کے بڑے بھائی لعل الدین کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیا رضاعت کا کوئی درجہ ان میں بھی ہوسکتا ہے؟ براہ کرم بالتفصیل جواب سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقی بھائی کی رضاعی بھانجی سے نکاح درست ہے، شرعاً جائز ہے، لہذا لعل الدین کی شادی قمرالدین کی رضاعی بہن کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے جب کہ چچازاد بہن نے لعل الدین کی والدہ کا دودھ نہ پیا ہو(۱)، بلکہ قمرالدین کے ساتھ کسی غیر عورت کا دودھ پیا ہو لیکن اگر قمرالدین کی والدہ کا دودھ پیا ہے، تو قمرالدین کی طرح وہ لعل الدین کی بھی بہن ہوگی اور لعل الدین سے اس لڑکی کا نکاح جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/۳۷۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الرضاع: ۹۶/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۶۳۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويجوز أن يتزوج الرجل بأخت أخيه من الرضاع؛ لأنه يجوز أن يتزوج بأخت أخيه من النسب، الخ". (الهداية، كتاب الرضاع: ۳۵۱/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۲۱۵/۳، ۲۱۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۳۴۳/۱، رشيديه)

(۲) "كل صبيين اجتمعا على ثدي امرأة واحدة، لم يجز لأحدهما أن يتزوج بالأخرى". (الهداية، كتاب الرضاع: ۳۵۱/۲، شركة علميه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۲۱۷/۳، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الرضاع: ۵۵۴/۱، غفاريه كوئٹه)

رضاعی خالہ سے نکاح

سوال[۵۱۲۸]: زید نے خالدہ سے نکاح کیا اور خالدہ کے دو بچے زید سے: نوازش علی اور زینب پیدا ہوئے، اس کے بعد خالدہ کا انتقال ہوگیا تو زید نے ہندہ سے نکاح کرلیا، ہندہ کے دو بچے: ایک نصیب علی اور طاہرہ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، زید کے انتقال کے تقریباً دس بارہ سال بعد نوازش علی کے ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئی۔ نوازش علی کی بیوی زبیدہ کے پیدا ہونے کے دس بارہ دن کے بعد انتقال کرگئی، اس کے بعد زبیدہ کو ہندہ نے جو کہ زبیدہ کی سوتیلی دادی ہے اس نے اپنا دودھ پلا کر پرورش کیا، قدرتی طور پر ہندہ کو دودھ اتر آیا۔ اب زبیدہ کی شادی زینب کے لڑکے صغیر احمد سے کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبیدہ نے جب اپنے دادا کی بیوی ہندہ کا دودھ ایامِ رضاعت میں پیا تو ہندہ رضاعی والدہ ہوگئی اور ہندہ کا شوہر یعنی زبیدہ کا دادا رضاعی والد ہوگیا، جس طرح نسبی والد کی اولاد در اولاد سب سے نکاح حرام ہوتا ہے اسی طرح رضاعی والد کی بھی اولاد در اولاد سب سے نکاح حرام ہوجاتا ہے، لہذا اس صورت میں نسبی نمبر: ا، کے اعتبار سے تو صغیر احمد نمبر: ا، نسبی پھوپی زاد بھائی ہے۔

زبیدہ کا اتنا ہی رشتہ ہوتا تو نکاح جائز ہوتا لیکن رضاعت کے اعتبار سے زبیدہ اپنے والد کی رضاعی بہن ہوگئی اور اپنی پھوپی کی بھی رضاعی بہن ہوگئی اور صغیر احمد اس کا بھانجہ ہوگیا اور وہ صغیر احمد کی خالہ ہوگئی، جس طرح کہ نسبی خالہ سے نکاح ناجائز ہے اسی طرح رضاعی خالہ سے بھی ناجائز ہے:

"و لا حل بين رضيع وولد مرضعته وإن سفل، وولد زوج لبنها منه ...... فهو أب للرضيع، وابنه أخ و بنته أخت وإن كانت من إمرأة أخرى". مجمع الأنهر: ۱/۳۷۷(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع ۱/۳۷۷، دار إحياء التراث العربي)

"قال: زوج مرضعة لبنها منه اب للرضيع، وابنه أخ، و بنته أخت، وأخوه عم، و أخته عمة، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۳۶، دارالكتب العلميه بيروت)

"عن عروة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أنها أخبرته أنه عمها من الرضاعة يسمى أفلح=

رضاعی بھائی سے نکاح

سوال [۵۶۲۹]: زید کی دو بیویاں (ہندہ اور زینب) ہیں، عمر نے ہندہ کا دودھ پیا اور زید کی ایک لڑکی خالدہ جو بطنِ زینب سے ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمر اور خالدہ کے درمیان رضاعت از روئے شرع ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں لبنِ ہندہ زید سے ہے، لہٰذا عمر زید کا رضاعی بیٹا ہوا اور خالدہ زید کی نسبی بیٹی ہے (اگرچہ بطنِ زینب سے ہے) پس عمر اور خالدہ دونوں بہن بھائی ہوئے ان کا نکاح آپس میں درست نہیں:

"(و) لا حل بين رضيع (و ولد زوج لبنها): أي لبن المرضعة (منه): أي من الزوج بأن نزل بوطئه (فهو): أي ذلك الزوج (أب للرضيع، وابنه): أي ابن زوج المرضعة (أخٌ) للرضيع، وإن كان من امرأة أخرى (و بنته أختٌ) للرضيع وإن كانت من إمرأة أخرى". مجمع الأنهر، ص: ۳۷۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

= استأذن عليها، فحجبته، فأخبرت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال لها: "لا تحتجبي منه، فإنه يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب". (الصحيح لمسلم، كتاب الرضاع: ۱/۴۶۷، قديمي)

(وأخرجه البخاري في صحيحه في باب: ﴿وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم﴾: ۲/۷۶۴، قديمي)

(وأخرجه ابن ماجة في سننه في باب: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمي)

"يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما و فروعهما .... وأخو الرجل عمه، وأخته عمته، وأخو المرضعة خاله، وأختها خالته، و كذا في الجد والجدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۳، رشيديه)

"ثم بلغنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب". فحكمنا فيه بحرمة جميع ما حرم من النسب من الأمهات والبنات، و الخالات، والعمات". (التفسيرات الأحمدية، والمحصنٰت، ص: ۲۵۴، حقانيه پشاور)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/۳۷۷، ۳۷۸، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

رضاعی بھتیجی سے نکاح

سوال[۵۶۳۰]: زید نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ دوسال کی عمر کے اندر پیا تو کیا اس کے حقیقی ماموں کی بیٹی سے نکاح صحیح ودرست ہے؟ اور اگر نکاح ہوگیا اور اولاد بھی ہوگئی۔ تو کیا اب اس کو اپنی زوجہ سے جدائی اور مفارقت کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور اس اولاد کی نسبت کیا حکم ہے، حلالی ہے یا حرامی؟

معرفت: عبدالحق ویروی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں زید اور اس کا ماموں رضاعی بھائی ہوگئے اور ماموں کی بیٹی زید کی رضاعی بھتیجی ہوئی، لہٰذا ان دونوں کا نکاح آپس میں ناجائز ہے، اگر نکاح ہو چکا ہے تو مفارقت ومتارکت لازم ہے: "و لا حل بین الرضیعة وولد مرضعتها، وولد ولدها؛ لأنه ولد الأخ. اهـ". در مختار (۱)۔

یہ نکاح فاسد ہے اور نکاحِ فاسد میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نسب ثابت ہوجاتا ہے:

قال العلامة المرغینانی رحمه الله تعالیٰ: "ودخل تحت النکاح الفاسد النکاح بغیر شهود و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل عند الإمام، خلافاً لهما"۔ "النسب کما یثبت

= "وفی الخلاصة: و یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع و أصولهما و فروعهما من النسب والرضاع جمیعاً". (التاتارخانیة، کتاب الرضاع: ۳۲۹/۳، إدارة القرآن کراچی)

"قال: زوج مرضعة لبنها منه أبٌ للرضیع، وابنه أخ، و بنته أخت، وأخوه عم، وأخته عمة، الخ". (تبیین الحقائق، کتاب الرضاع: ۶۳۶/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الرضاع: ۳۴۳/۱، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار، باب الرضاع: ۲۱۷/۳، سعید)

"وبین مرضعة وولد مرضعتها؛ لأنهما أخوان من الرضاعة أیضاً........... وولد ولدها: أی ولد التی أرضعت، لأنه ولد أختها". (تبیین الحقائق، کتاب الرضاع: ۶۳۷/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الرضاع: ۳۹۷/۳، رشیدیه)

بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد". هداية (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

رضاعی بھائی کی اولاد سے نکاح

سوال [۵۶۳۱]: محمد رمضان کی والدہ مسماۃ غلام فاطمہ کا دودھ شاہ محمد نے بھی پیا اور اس وقت شاہ محمد کی عمر چھ ماہ کی تھی کہ والدہ شاہ محمد فوت ہوگئی اور شاہ محمد کی حقیقی بہن غلام فاطمہ والدہ محمد رمضان ہے جس کا شاہ محمد نے دودھ پیا ہے۔ اب محمد رمضان چاہتا ہے کہ شاہ محمد اپنی دختر کا نکاح اور عقد میرے ساتھ کردے۔

کیا شرعاً محمد رمضان کا نکاح شاہ محمد کی بنت سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور جس وقت شاہ محمد، غلام فاطمہ والدہ محمد رمضان کا دودھ پیتا ہے اس وقت محمد رمضان غلام فاطمہ کو پیدا اور تولد نہیں ہوا تھا، بلکہ بعد آٹھ سال کے محمد رمضان تولد ہوتا ہے، لہٰذا محمد رمضان کا اور شاہ محمد کا اکٹھے دودھ پینا نہیں ہوا، بلکہ پس و پیش ہے۔ کیا کوئی صورت شرعاً ایسی نکل سکتی ہے کہ محمد رمضان کا نکاح شاہ محمد کی دختر سے درست ہو؟ دوسرے کیا شرع محمدی میں ہمشیرہ حقیقی کا دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رمضان ولد رحیم بخش، قوم: پٹھان، چک نمبر: ۲۶۹، ڈاکخانہ فورٹ بنک، بہاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد رمضان اور شاہ محمد نے اگرچہ ایک وقت میں غلام فاطمہ کا دودھ نہیں پیا ہے بلکہ پس و پیش پیا ہے، لیکن شریعت کی رو سے دونوں رضاعی بھائی بن گئے، جو حکم بیک وقت دودھ پینے پر مرتب ہوتا ہے وہی پس و پیش

(۱) ہدایہ میں یہ عبارت پوری اسی طرح نہیں بلکہ صرف یہ عبارت ہے "النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد". (الهداية، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد و أحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في النكاح الفاسد، كتاب النكاح: ۳/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، المكتبة الغفارية كوئته)

پینے پر مرتب ہوتا ہے، رضاعی بھائی کی اولاد سے نکاح حرام ہے، لہذا یہ نکاح صحیح نہ ہوگا:

"ولاحل بين الرضيعة و ولد مرضعتها: أي التي أرضعتها، وولد ولدها؛ لأنه ولد الأخ، اهـ". در مختار۔ "و شمل أيضاً بالولادة قبل إرضاعها للرضيعة، أو بعده و لو بسنين، اهـ". شامي: ۶۳۱/۲(۱)۔

"ولاحل بين رضيعي ثدي، وإن اختلف زمانهما، و لا بين رضيع و ولد مرضعته، وإن سفل، اهـ". مجمع الأنهر: ۲۷۷/۱(۲)۔

بوقتِ ضرورت بہن کا دودھ پینا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال [۵۶۳۲]: میرے ایک ملنے والے ہیں جن کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات کرنا چاہتا ہوں: یہاں پر ایک نکاح ہوا ہے اور بعد نکاح یہ معلوم ہوا کہ لڑکی نے شوہر کی حقیقی بہن کا دودھ بچپن میں ایک دو ماہ تک پیا، کیونکہ پیدائش کے بعد لڑکی کی والدہ بیمار ہونے کے سبب اس کو دودھ نہ پلا سکی اور اس کو شوہر کی بہن کا دودھ پلایا گیا۔ تو شریعت کے مطابق یہ نکاح ہوگیا ہے یا نہیں، اگر نکاح نہیں ہوا تو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رضاعی بھانجی سے نکاح حرام ہے (۴)، اگر غلطی سے ایسا کر دیا گیا تو فوراً ان دونوں میں جدائی کرادی

---

(۱) (الدر المختار، باب الرضاع: ۲۱۷/۳، سعید)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۲۷۷/۱، ۲۷۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۶۳۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳۹۷/۳، رشيديه)

(۳) عبارات فقہاء اس بارے میں مطلق ہیں، کسی رشتہ وغیرہ کی بناء پر کسی عورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے: "هو مص الرضيع من ثدي الآدمية في وقت مخصوص". (تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۶۳۷/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۴) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، باب المحرمات، الفصل الأول: ۲۷۳/۲، قديمي)

جائے اورشوہر کہہ دے کہ میں نے تعلق زوجیت ختم کردیا اور طلاق دیدی (۱)۔اس کے بعد عدت تین حیض گزار کرلڑکی کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے (۲)۔اگر دونوں میں خلوت نہیں ہوئی تو طلاق کے بعد عدت لازم نہ ہوگی (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

رضاعی بھتیجی کا حکم

سوال [۵۶۳۳]: میرے خسر کو میری والدہ نے بچپن میں دودھ پلایا تھا، لہذا میرے خسر میرے رضاعی بھائی ہوئے، اور جس لڑکی سے میرا عقد ہوا ہے وہ میری بھتیجی ہوئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی

= "فيحرم منه: أي بسببه ما يحرم من النسب". (ردالمحتار، باب الرضاع: ۲۱۳/۳، سعید)

"كل امرأة حرمت من النسب، حرم مثلها من الرضاع، و هن الأمهات .... و بنات الأخ وبنات الأخت". (إعلاء السنن، كتاب الرضاع: ۱۲۳/۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما .... أو متاركة الزوج". (الدرالمختار). "(قوله: أو متاركة الزوج) في البزازية: المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخلّيتُ سبيلك أو تركتك، الخ". (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (الهداية، باب العدة: ۴۲۲/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۵۲۶/۱، رشيديه)

(۳) "وإن كان الفساد لعجزه عن الوطء حقيقةً، لا يجب عليها العدة، وكذا لو طلقها قبل الخلوة". (فتاوىٰ قاضي خان، باب العدة: ۵۴۹/۱، رشيديه)

"والعدة تجب على المطلقة، وكذلك بالفرقة بالنكاح الفاسد .... و في الخلاصة: أو بالخلوة الصحيحة". (التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثامن والعشرون في العدة: ۵۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

کے ساتھ میرا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایامِ رضاعت میں جب دودھ حلق کے اندر اتر جائے تو رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، دودھ کم ہو یا زائد، ایک دفعہ ہو یا زائد، سب کا یہی حکم ہے(۱)۔ اگر یہ ثابت ہو کہ ایامِ رضاعت میں آپ کے خسر کو آپ کی والدہ نے دودھ پلایا ہے تو آپ کے خسر آپ کی والدہ کے رضاعی بیٹے اور آپ کے رضاعی بھائی ہوگئے اور جس لڑکی سے آپ کی شادی ہوئی وہ آپ کی رضاعی بھتیجی ہوئی، اور رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"(۲)۔

لیکن قابلِ غور یہ امر ہے کہ جس وقت آپ کی شادی ہوئی، کیا اس وقت رضاعت کا علم نہیں تھا، یا مسئلہ کا علم نہیں تھا؟ اگر لاعلمی میں ایسا ہوا تو فوراً متارکت لازم ہے، آپ اس سے تعلقِ زوجیت ختم کردیں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو سخت گناہ کیا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۳۸۷ھ۔

---

(۱) "و شرعاً (مص من ثدي آدمية في وقت مخصوص)". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۳/۲۰۹، سعيد)

"قليل الرضاع و كثيره سواء، إذا حصل في مدة الرضاع، يتعلق بها التحريم". (الهداية، كتاب الرضاع: ۲/۳۵۰، شركة علميه ملتان)

(و كذا في ملتقى الأبحر، كتاب الرضاع: ۱/۵۵۱. ۵۵۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب: يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: ۱/۲۸۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ﴿وأمهاتكم الّتي أرضعنكم﴾ و يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: ۲/۷۶۴، قديمي)

(۳) "و في البزازية: و بثبوت حرمة المصاهرة و حرمة الرضاع لا يرتفع النكاح، حتى لا تملك المرأة التزوج بزوج آخر، إلا بعد المتاركة، وإن مضى عليه سنون، و قدمنا أنه لا بد في الفاسد من تفريق القاضي أو المتاركة بالقول، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۴۰۰، رشيديه) .... =

رضاعی ماں کی اولاد سے نکاح

سوال[۵۶۳۴]: حکم شرع اس بارے میں کیا ہے؟ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(الف)	(ب)
۱-لڑکی انتقال کم عمری میں	۱-لڑکی مرحوم
۲-لڑکا	۲-لڑکی مرحوم
۳-لڑکا	۳-لڑکا
۴-لڑکی شادی شدہ	۴-لڑکا
۵-لڑکا	۵-لڑکی شادی شدہ
۶-لڑکی مرحوم	۶-لڑکا
۷-لڑکا	
۸-لڑکا	
۹-لڑکی	
۱۰-لڑکی	

''الف'' اور ''ب'' آپس میں رشتہ دار، ''الف'' بھاوج اور ''ب'' نند ہے، اور ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ ''ب'' کو ہمیشہ دودھ کی کمی رہتی تھی، ''الف'' نے باجازتِ شوہر ''ب'' کے بچوں کو حسبِ ضرورت وموقع دودھ پلایا ہے اور اب ''ب'' کے چوتھے لڑکے کا خیال ''الف'' کی دسویں لڑکی سے شادی کی نسبت طے کرنا ٹھہرا ہے۔ اور ''الف'' کی دسویں لڑکی کا دودھ ''ب'' کے چوتھے لڑکے نے نہیں پیا ہے، البتہ ''ب'' کے چوتھے لڑکے نے ''الف'' کے آٹھویں لڑکے کا دودھ پیا ہے۔ یہاں پر اختلاف واعتراض دودھ بھائی کا پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

= (وكذا في الدر المختار، باب المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

"إذا وقع النكاح فاسداً، فرق القاضي بين الزوج والمرأة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد و أحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ ''ب'' کے چوتھے لڑکے نے ''الف'' کا دودھ پیا ہے تو ''الف'' اس کی رضاعی والدہ ہوگئی، اور ''الف'' کی سب اولاد اس کے رضاعی بھائی بہن بن گئے، اس کی شادی ''الف'' کی کسی بھی لڑکی کے ساتھ جائز نہیں، بالکل حرام ہے، اس نے دودھ ''الف'' کے کسی لڑکے یا لڑکی کے زمانۂ شیرخوارگی میں پیا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس طرح چوتھے لڑکے کے علاوہ جس نے بھی ''الف'' کا دودھ پیا ہے اس کی شادی ''الف'' کی کسی بھی لڑکی سے درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں

سوال[۵۶۳۵]: نواسی کا نکاح رضاعی ماموں سے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہوگیا ہے، بعد میں اس کے رضاعی ماموں ہونے کا علم ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نکاح ہونے کے بعد جب عورت حاملہ ہو چکی ہے

(۱) ''یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع وأصولهماو فروعهما من النسب، والرضاع جمیعاً، حتی أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غیره، قبل هذا الإرضاع، أو بعده، أو أرضعت رضیعاً، أو ولدت لهذا الرجل من غیر هذه المرأة، قبل هذا الإرضاع أو بعده، أو أرضعت امرأة من لبنه رضیعاً، فالکل إخوة الرضیع و أخواته، و أولادهم أولاد إخوته و أخواته''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الرضاع: ۱/۳۴۳، رشیدیه)

''و یثبت أمومیة المرضعة للرضیع، و أبوّ ة زوج مرضعة، إذا کان لبنها منه له، و إلالا''. (الدرالمختار، باب الرضاع: ۳/۲۱۳، سعید)

''و عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: ''لا تنکح من أرضعته امرأة أبیک، و لا امرأة أخیک، و لا امرأة ابنک''. (بدائع الصنائع، کتاب الرضاع: ۵/۲۸، فصل فی المحرمات بالرضاع' دار الکتب العلمیة بیروت)

''والأصل فی هذه الجملة، قول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب''. (بدائع الصنائع، کتاب الرضاع: ۵/۶۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

اس کی نانی نے دورانِ گفتگو اس بات کا اقرار کیا کہ بچپن میں جب شوہر کی والدہ شدید بیمار تھیں تو میں نے اس وقت لڑکے کو دودھ پلایا تھا، اس بنا پر شوہر اپنی منکوحہ کا رضاعی ماموں ہوتا ہے۔ اس کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں، اور عنقریب جو بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ حلالی ہے یا حرامی؟ نکاح کے جواز اور عدمِ جواز کو اور بچہ کے حلال اور عدمِ حلال کو واضح کر کے مسئلہ مذکورہ کا جواب وضاحت کے ساتھ عنایت فرمائیں۔ عدمِ جواز کی صورت میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے عورت کے ساتھ کیا معاملہ برتا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کے نزدیک یہ بات صحیح ہے کہ اس کی زوجہ اس کی رضاعی بھانجی ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، فوراً اس کو علیحدہ کر دے، بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہ دریافت کیا جائے۔ اگر شوہر کے نزدیک یہ بات غلط ہے تو اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

رضاعی چچا سے نکاح

سوال [۵۲۳۶]: زید کی اہلیہ کا ایک لڑکا خالد ہوا، خالد کے ہوتے ہی زید کی اہلیہ مرگئی تو زید کی بڑی لڑکی سلمیٰ نے اپنا دودھ پلا کر اپنے بھائی خالد کی پرورش کی، اب خالد کے پاس ایک لڑکی شادی کے لائق موجود ہے۔ تو خالد اپنی بڑی بہن سلمیٰ کے سب سے چھوٹے لڑکے کے ساتھ اس کا عقد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں سلمیٰ کے لڑکے کا نکاح خالد کی لڑکی سے جائز نہیں، اس لئے کہ جب خالد نے سلمیٰ کا

---

(۱) "ولو تزوج امرأةً فقالت امرأة: أرضعتُكما، فهو على أربعة أوجه: إن صدّقاها فسد النكاح و لا مهر لها إن لم يدخل بها. وإن كذّباها، فالنكاح بحاله .... وإن صدقها الرجل و كذبتها المرأة، فسد النكاح، والمهر بحاله. وإن صدقتها وكذبها الرجل، فالنكاح بحاله". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الرضاع: ۳/۲۳۹، ۲۴۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۶، رشيديه)

دودھ پی لیا تو سلمیٰ اس کی رضاعی ماں ہوگئی اور سلمیٰ کا لڑکا خالد کا رضاعی بھائی ہوکر خالد کی لڑکی کا رضاعی چچا ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۳/۲۹ھ۔

تبدیلیٔ جنس سے پہلے اور بعد کی اولاد میں مناکحت

سوال[۵۶۳۷]: ایک عورت تھی وہ مرد بن گئی، عورت ہونے کے زمانہ میں اس کے ایک لڑکا تھا، اب مرد بننے کے بعد اس کے چند بچے پیدا ہوئے، ان میں ایک لڑکی بھی ہے۔ کیا عورت ہونے کے زمانہ میں جو لڑکا پیدا ہوا تھا اس کی شادی اس لڑکی سے جائز ہوگی جو مرد ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہے؟ نیز پہلے والے لڑکے اور بعد والی لڑکی کے درمیان بھائی چارہ کی کونسی نسبت ہوگی، وہ سگے بھائی بہن ہوں گے یا اخیافی وعلاتی؟ یہ واقعہ ابھی اٹلی میں وقوع پذیر ہو چکا ہے؟

محمد مصطفیٰ قاسمی، فیروز آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہی ذات سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوئے اگر چہ ہر ایک کی پیدائش پر اس کی صفت جداگانہ تھی، پھر بھی ایک ذات سے مولود ہونے کی بنا پر ان کے درمیان ازدواج کا تعلق درست نہیں۔ جس طرح عینی بہن سے نکاح حرام ہے اسی طرح علاتی اور اخیافی بہن سے بھی حرام ہے(۲)۔

---

(۱) "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". (الهداية، كتاب الرضاع: ۲/ ۳۵۱، شركة علمية ملتان)

"زوج مرضعةٍ لبنها منه، أبٌ للرضيع، وابنه أخٌ للرضيع، وإن كان من امرأة أخرى، وبنته أخت و أخوه عمٌ له، و أخته عمة له". (فتح المعين، كتاب الرضاع: ۲/ ۹۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/ ۳۹۳، رشيديه)

(و كذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۷۸، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "(قوله أي يحرم) أخته، و بنتها، و بنت أخيه، و عمته، =

ہر ایک کی تولید کے وقت جو مولود منہ کی صفت تھی اسی کے اعتبار سے رشتہ قائم کیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= و خالته، للنص الصريح، و دخل فيه الأخوات المتفرقات و بناتهن وبنات الإخوة المتفرقين".

(البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۶۴/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۶۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۲۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث فی حرمة المصاهرة

(حرمت مصاہرت کا بیان)

حرمتِ مصاہرت

سوال [۵۱۳۸]: ۱......عورت خوشحال کے رشتہ کے اعتبار سے زید کی چچی ہوتی تھی، زید کی عمر ۲۱، ۲۲/ سال کی تھی، زید غریب اور تنگدست تھا، وہ زید کو بلا کر اچھے کھانے کھلاتی تھی اور بہت خاطر کیا کرتی۔ اکثر زید کو پوچھتی تھی کہ تم مجھ کو کیا سمجھتے ہو؟ زید کہتا تھا کہ میں آپ کو اپنی ماں کے برابر سمجھتا ہوں، وہ خاموش ہو جاتی۔ حسبِ معمول ایک روز زید کو مکان سے بلا کر کھانا کھلایا اور اصرار کیا کہ یہیں آرام کرو، زید کھانا کھا کر اس کے کمرے میں سو گیا۔ اس کے بعد وہ کمرہ میں داخل ہو کر اندر کی کنڈی بند کر کے زید کا کپڑا چپکے سے اٹھا کر خود بھی برہنہ ہو کر زید کے اوپر چمٹ گئی، فوراً زید کی آنکھ کھل گئی، زید اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا، اور وہ زید سے بدکاری پر زور دیتی رہی، ترکیب بتلاتی کہ اس طرح کرو، زید گھبرا کر غصہ میں بھر گیا، کسی طرح اوپر ہو گیا اور پھر کنڈی کھول کر اپنے گھر چلا گیا، پھر کبھی اس کے جال میں نہیں پھنسا۔

۲......کچھ عرصہ کے بعد وہ زید کے گھر آئی، رات کو قیام کیا، سب گھر والے اور وہ بھی نیچے سوئی اور زید اوپر چھت پر سویا۔ رات کو دو بجے کے بعد وہ چھت پر پہونچ کر زید کو لپٹ گئی، زید کی آنکھ کھل گئی، زید نے غصہ ہو کر جھڑک دیا اور اتر کر دوسرے مکان میں جا کر سویا، اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی، کبھی کوئی حرکت نہیں کی۔

۳......اس کے دس سال کے بعد زید کی شادی اس عورت کی لڑکی سے ہو گئی جس کو آٹھ سال ہو گئے، تین بچے بھی ہو گئے۔ اب اس گزری ہوئی بات کا کیا مسئلہ ہے؟ اگرچہ میری خواہش کبھی اس سے بدکاری کی نہیں ہوئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نابکار نے اپنی اس کمینی حرکت سے اپنے لئے گناہ کا انبار جمع کر ہی لیا ہے، مگر آپ کی زندگی کو بھی تباہ کردیا، اگرچہ آپ کی نیت بالکل نہیں تھی۔ اور فرض کیجئے کہ جب وہ آپ کو آکر لپٹی اور بدن برہنہ کیا اور دخول کی پوری کوشش کی، اس وقت آپ کو شہوت نہیں ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی، مگر اس کو تو ضرور شہوت تھی، حرمتِ مصاہرت کے لئے ایک کی شہوت بھی کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"وتكفي الشهوة من أحدهما". قال الشامي: "هذا يظهر في المس، اهـ" درمختار (۱)۔

اس وجہ سے اس کی لڑکی سے آپ کی شادی حرام ہے، فوراً اس کو چھوڑ دیں اور تعلقِ زوجیت منقطع کردیں، صاف لفظوں میں کہہ دیں کہ میں نے تجھ سے تعلقِ زوجیت ختم کردیا، آئندہ اس سے بالکل علیحدہ رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۵ھ۔

ایضاً

سوال[۵۶۳۹]: زید نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا، سہواً کیا یا قصداً، بہرصورت اس کی بیوی حرام ہوگئی یا نہیں؟ اگر حرام ہوگئی ہے تو پھر دوبارہ شادی کرنے سے حلال ہوگی یا نہیں؟ اور اگر حرام نہ ہو تو اس بیوی کو طلاقِ صریح دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور بغیر طلاق کے وہ بیوی دوسرے مرد سے شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی زید پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، دوبارہ نکاح کرکے بھی حلال نہیں ہوگی، اس کو طلاق دیدے، یا کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، اس کے بعد اگر مدخولہ ہے تو عدت گزار کر

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۶/۳، سعيد)

"وكذا يوجبها المس .... من أحدالجانبين، و في المضمرات: أن شهوة أحدهما كافية إذا كان الآخر محل الشهوة". (مجمع الأنهر، كتاب النكاح باب المحرمات: ۳۲۷/۱، ۳۲۶، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۷/۳، رشيديه)

اور اگر غیر مدخولہ ہے تو بغیر عدت گزارے اس کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہوگا:

"من زنیٰ بامرأة حرمت علیه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت". فتاوی عالمگیری: ۱/۲۷٤ (۱)۔

"و بحرمة المصاهرة لا یرتفع النكاح، حتی لا یحل لها التزوج باخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، والمتاركة لا یتحقق الا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتك أو خلّیت سبیلك، أما غیر المدخول بها فقیل: تكون بالقول فیها، حتی لو تركها و مضیٰ علی عدتها سنون، لم یكن لها أن تتزوج باخر، فافهم". در مختار و شامی: ۲/٤۳۷ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا۔

ایضاً

سوال [۵۶۴۰]: زید کی بیوی زینب کے بطن سے ایک لڑکا ہے جس کی عمر تقریباً دس برس ہوگی، اب زینب اپنے شوہر زید سے کہتی ہے کہ یہ لڑکا آپ کے لڑکے خالد کے نطفہ سے ہے (خالد زینب کا سوتیلا لڑکا ہے)۔ زید نے اپنے لڑکے سے دریافت کیا مگر اس نے قسم کھا کر انکار کیا کہ میری سوتیلی ماں جھوٹ بول رہی ہے۔ خالد دیندار ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ زید پر زینب حرام ہوگئی یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریه کتاب النكاح، القسم الثانی، المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۴، رشیدیه)

(و كذا فی الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا فی فتح القدير، فصل فی المحرمات: ۳/۲۱۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(و كذا فی خلاصة الفتاوی، الفصل الثالث المحرمات بالصهرية: ۲/۸، امجد اكیڈمی لاهور)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المحرمات: ۳/۳۷، سعید)

(و كذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، باب المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(و كذا فی الفتاوی العالمكيريه، كتاب النكاح، القسم الثانی: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۷، رشیدیه)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زینب کے شوہر کے نزدیک زینب اپنے اس اقرار میں جھوٹی ہے تو وہ اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوئی، پھر دس برس تک اس نے برابر تعلق رکھا اور اتنی طویل مدت میں کبھی اظہار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اس اقرار میں خود ہی شرعاً متہم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۳/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۵۲۴۱]: مسمی عبدالوحید کی لڑکی دلربا کی شادی عرصہ ۷،۸/ سال ہوئے حقیقی بھتیجا عبدالرشید خان سے ہوئی اور تقریباً ڈیڑھ سال سے لڑکی اس بنیاد پر اپنے شوہر کے یہاں نہیں جاتی کہ عبدالرشید نے یہ طعنہ دیا کہ میں نے تو تیری ماں کو اپنی بیوی بنا کر رکھا، اس امر کی تصدیق کی گئی کہ عبدالرشید خان نے اپنی ساس یعنی چچی سے ناجائز تعلق رکھے تھے تو معلوم ہوا کہ شادی سے قبل واقعی عبدالرشید خان نے ساس سے زنا کیا۔ آپ تحریر فرمائیں کہ دلربا کا نکاح درست ہوا یا نہیں، یا معلوم ہونے پر نکاح ساقط ہوگیا؟ عبدالرشید سے طلاق دینے کو کہتے ہیں تو وہ آمادہ نہیں ہے، اور لڑکی شوہر کے یہاں جانے کو تیار نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبدالرشید کو اس کا اقرار ہے کہ اس نے دلربا کی والدہ کے ساتھ زنا کیا ہے تو اس کا نکاح دلربا سے صحیح

---

(۱) "رجل تزوج امرأةً على أنها عذراء، فلما أراد وقاعها، وجدها قد افتضت، فقال لها: من افتضك؟ فقالت: أبوك. إن صدقها الزوج بانت منه، ولا مهر لها. وإن كذبها، فهي امرأته".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/ ۲۷۶، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۶۷، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/ ۲۲۶، إدارة القرآن كراچی)

نہیں ہوا، یہ نکاح باطل ہوا طلاق دلوانے کی حاجت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۵۲۴۲]: زید اور بکر آپس میں باپ اور بیٹا ہیں، زید والد ہے اور بکر ولد، زید نے اپنے لڑکے بکر کی عورت سے ناجائز فعل یعنی زنا کیا، گواہ کوئی نہیں، صرف وہ عورت اقرار کرتی ہے کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا اور زید وبکر، کے آپس کے تعلقات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہے۔ تو آیا وہ عورت اب بکر کو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے والد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کی، اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا اس بات میں اپنی بیوی کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے باپ کو جھوٹا سمجھتا ہے تو شرعاً لڑکے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو چھوڑ دے اور کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، یا طلاق دیدے، اور اگر لڑکا اپنی بیوی کی تکذیب کرتا ہے اور اپنے باپ کو اس انکار میں سچا سمجھتا ہے تو پھر وہ حرام نہیں ہوئی بدستور نکاح باقی ہے:

"رجل تزوج امرأةً على أنها عذراء، فلما أراد وقاعها وجدها قد افتضت، فقال لها: من افتضك؟ فقالت: أبوك. إن صدقها الزوج، بانت منه، ولا مهر لها. وإن كذبها فهي امرأته، كذا

---

(۱) "ولو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما، والإصرار على الإقرار ليس بشرط، حتى لو رجع عن ذلك فقال: كذبت، فالقاضي لا يصدقه، ولكن فيما بينه و بين الله تعالىٰ، إن كان كاذباً فيما أقر، لا تحرم عليه امرأته". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/۶۲۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

فی الظهيرية، الخ". الفتاویٰ العالمکیریہ: ۱/۲۷۶(۱)۔

"وبحرمة المصاهرة لاير تفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة". الدر المختار: ۲/۴۷۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۸/۱۰/۶۱ھ

حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت

سوال[۵۶۴۳]: ۱...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی پیر جان ہمراہ زوجہ خود مسماۃ ہندہ چند دن اتفاقیہ آباد رہا، چنانچہ مذکورہ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بعدہ جب پیر جان نے دوسری شادی کی تو ہندہ نے ان سے بھاگنا شروع کیا جس میں اس بات کا چرچا پھیلا کہ پیر جان کا بھائی مسمی جموں خان شرارت کرتا ہے، اس لئے ہندہ بھاگتی ہے اور روپوش ہوجاتی ہے۔ اگرچہ فی الواقع جموں خان کی شرارت ضرور ہی ہے، لیکن نہ کبھی ہندہ کو لے بھاگا اور نہ اس کے ساتھ کبھی روپوش ہوا، اس اثنائے مخالفت فی مابین زوجین میں ہندہ کے بطن سے ایک لڑکا علی اختر خان پیدا ہوا، جس کی نسبت ولدیت کا پیر جان قائل ہے کہ علی اختر میرا ہی بیٹا ہے۔

جب علی اختر سال یا ڈیڑھ سال کی عمر کا ہوا تو اس کی والدہ ہندہ مذکورہ کو پیر جان نے طلاق دیدی، بعد انقضائے عدت ہندہ کے ساتھ جموں نے نکاح کرلیا۔ اب جموں خان کی لڑکی دوسری زوجہ مسماۃ فاطمہ کے بطن سے ہے اس کے ساتھ علی اختر خاں نکاح کرنا چاہتا ہے، مذکورہ کے لئے وہ لڑکی شرعاً درست ہے یا نہیں؟

---

(۱)(الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، وما يتصل بذلك: ۱/۲۷۶، رشديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، وما يتصل بذلك: ۱/۲۷۷، رشيديه)

۲......بوجہ قواعدِ فقہیہ صورتِ ہذا میں حرمتِ مصاہرت یہاں ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

۳......اور وہ جو فتح القدیر میں مرقوم ہے کہ کسی شخص نے منکوحۂ غیر باکرہ بالغہ کو حبس کرلیا تو بحالتِ حبس مذکور سے جو اولاد پیدا ہوئی تو اس کی نسبت ولدیت بطرفِ حابس منسوب ہے تو صورت مسئولہ میں یہ وجہ صادق آسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں علی اختر خان کا نسب مسمی پیر جان سے ثابت ہے، مسمی جموں خاں سے ثابت نہیں:

"قال أصحابنا: فی ثبوت النسب ثلث مراتب: أحدهما النکاح الصحیح، وما هو فی معناه من النکاح الفاسد، والحکم فیه أنه یثبت النسب من غیر دعوة و لا ینتفی بمجرد النفی، وإنما ینتفی باللعان، فإن کان ممن لا یلاعن بینهما، لا ینتفی نسب الولد، کذا فی المحیط". الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق(۱)۔ لہٰذا جموں خان کی دوسری زوجہ کی لڑکی سے علی اختر کا نکاح شرعاً درست ہے: "وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال". درمختار علی الشامی مصری، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریہ، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب، مطلب: الفراش علی أربع مراتب: ۳/۵۵۰، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الدعوی، الفصل الثامن والعشرون فی دعوی النسب: ۱۱/۳۰۸، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۳۱، سعید)

"لا بأس بأن یتزوج الرجل امرأةً و یتزوج ابنه ابنتها أو أمها، کذا فی محیط السرخسی".

(الفتاویٰ العالمکیریة، القسم الثانی: المحرمات بالصهریة، وما یتصل بذلک: ۱/۲۷۷، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷۳، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

اس حرمتِ مصاہرت کا اثر جموں خان کی لڑکی اور پیر جان کے لڑکے پر نہیں پڑے گا، بلکہ مسماۃ ہندہ کے اصول وفروع جموں خان پر حرام ہوجائیں گے(۱)۔ فتح القدیر کی عبارت مع حوالہ صفحہ وباب ومطبع کتاب نقل کی جائے تب اس کے متعلق کچھ لکھا جاسکتا ہے، سوال میں جو عبارت ہے فتح القدیر کی نہیں ہے، خدا جانے وہاں کی کس عبارت کا یہ مطلب سمجھ لیا گیا۔ اور اس مطلب پر بھی صورتِ مسئولہ منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں ''بکر'' کی قید ہے اور ہندہ بکر نہیں جیسا کہ سائل نے خود اقرار کرلیا کہ ''چنانچہ مذکورہ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں''۔

دوسرے اس میں حبس کی قید ہے اور صورت مسئولہ میں جموں نے ہندہ کو حبس نہیں کیا، جیسا کہ سائل نے لکھا ہے کہ ''لیکن نہ کبھی ہندہ کو لے بھاگا اور نہ کبھی اس کے ساتھ روپوش ہوا'' پھر تعجب ہے کہ فتح القدیر کی کس عبارت کے اس مطلب کو سامنے رکھتے ہوئے بھی علی اختر کے متعلق کیسے شبہ ہوا کہ اس کا نسب جموں خان سے ثابت ہوکر جموں کی لڑکی سے جو کہ دوسری زوجہ سے ہے جائز نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲/ رجب/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/ رجب/ ۵۴ھ۔

زانی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے مزنیہ کی اولاد کا نکاح

سوال[۵۱۴۴]: زید نے ہندہ سے زنا کیا تھا، ہندہ عمر کی منکوحہ تھی، پھر زید مرگیا، اس کے مرنے کے بعد ہندہ کے لڑکے نے جو عمر کے نطفہ سے تھا زید مذکور کی بیوی سے نکاح کیا۔ کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله تعالىٰ: "الثاني المحرمات بالمصاهرة، وهن فروع نسائه المدخول بهن وأصولهن و حلائل فروعه وحلائل أصوله". (البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۶۳/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق للعلامة الزيلعي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۵۹/۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۸/۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس زنا سے عمر کے لڑکے اور زید کی بیوی میں کوئی حرمت کا تعلق نہیں ہوا، لہذا یہ نکاح درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

غلطی سے بیٹی کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے سے بیوی حرام کیوں ہو جاتی ہے؟

سوال[۵۶۴۵]: ایک مسئلہ ہے مرد رات کو اپنی بیوی کو جگانے کے لئے اٹھا، مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا، ساس پر پڑ گیا اور بیوی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو وہ مرد اپنی بیوی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا، لازم ہے کہ یہ مرد اب اس عورت کو طلاق دیدے اس میں غلطی کی کوئی رعایت نہیں۔ جب منشائے دلی اس کا ایک فعل کا نہیں تھا تو ایسی سخت سزا کیوں دی جاتی ہے؟ پھر یہ کہ ''کرے کوئی بھرے کوئی''، ''نزلہ بر عضوِ ضعیف ریزد'' کا مضمون ہے۔ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی ہرن کے بندوق مارے اور کسی آدمی کے غلطی سے لگ جائے تو اس غلطی سے بالکل تو اس کی معافی نہیں ہو جاتی ہے، بلکہ خون بہا دلایا جاتا ہے اور وہ بھی مارنے والے کے اعزاء سے دلایا جاتا ہے، دیکھئے یہاں بھی اسی طرح ہے یعنی اگر جان کر مارتا تو قتل کیا جاتا، غلطی کی تو اتنی رعایت ہوئی کہ خون بہا سے جان بچ گئی نیز گناہ نہیں ہوا(۲)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أى ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أى أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (التفسير المنير: ۲/۵، دار الفكر بيروت)

قال اللہ تعالیٰ ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾: أى ما سوى المحرمات المذكورات فى الآيات السابقة". (التفسير المظهرى: ۲/۲۶، حافظ كتب خانه)

(۲) "والخطأ على نوعين: خطأ فى القصد و هو أن يرمى شخصاً يظنه صيداً، فإذا هو آدمىٌّ. أو يظنه =

صورتِ مسئولہ میں بھی اگر جان کر کرتا اور قاضی شرعی تک اطلاع پہونچتی تو وہ حسبِ صوابدید تعزیراً سزا دیتا، نیز گناہِ عظیم کا مرتکب قرار پاتا (۱) اور غلطی کی وجہ سے سزا اور گناہ دونوں سے بچ گیا۔

بسا اوقات ایک فعل کا اثر دوسرے پر بھی پہونچتا ہے جیسا کہ مثالِ مذکور میں اعزاء سے خون بہا دلایا جاتا ہے۔ اگر کوئی ناسمجھ بچہ کسی کا کوئی نقصان کردے تو اس کی ذمہ داری بھی بڑوں پر آتی ہے۔ غور کرنے سے مثالیں ملیں گی (۲)۔ اور یہ سب دنیوی احکام ہیں، آخرت میں بلا وجہ ایک کے فعل کا گناہ دوسرے کو بھگتنا نہیں پڑیگا (۳)۔ جان کر فعلِ مذکور کرنے سے جس قدر گناہ ہوتا ہے (حرمت تو بہر حال ہے) اس کے مقابلہ میں

= حربياً، فإذا هو مسلم .... وموجب ذلك الكفارة والدية على العاقلة لقوله تعالىٰ: ﴿فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله﴾ ولا إثم: يعني في الوجهين، الخ". (الهداية، كتاب الجنايات: ۵۵۷/۴، ۵۵۸، إمداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الجنايات: ۲۱۶/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنايات: ۱۳/۹، ۱۴، رشيديه)

(۱) "الحاصل أن كل من ارتكب معصيةً ليس فيها حدٌّ مقدرٌ وثبت عليه عند الحاكم، فإنه يجب التعزير من نظر محرم و مس محرم .... والأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً، أو آذى مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله، يجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۴۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۷۰/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحدود، الفصل الثامن في التعزير: ۱۴۱/۵، ۱۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وإن أتلفا شيئاً، لزمهما ضمانه إحياءً لحق المتلف عليه، وهذا لأن كون الإتلاف موجباً لا يتوقف على القصد الخ". (الهداية، كتاب الحجر: ۳۵۱/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر: ۱۴۳/۸، ۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحجر: ۲۵۸/۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) ﴿و لا تزر وازرة وزر أخرى﴾: أي لا يحمل أحدٌ ذنب أحد، ولا يجني جانٌ إلا على نفسه". (تفسير ابن كثير، سورة الإسراء: ۴۱/۳، مكتبه دار السلام بيروت)

(وكذا في روح المعاني، سورة بني اسرائيل: ۳۵/۱۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حرمت کس قدر ہے، ہلکی اور زم سزا ہے، غور کا مقام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱/۸۵ھ۔

آپ کے سوالات کا منشاء مسائلِ دینیہ سے ناواقفیت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ علماء کی صحبت اختیار کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ اس قسم کے شبہات پیدا نہ ہوں گے۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/صفر/ ۵۸ھ۔

حرمتِ مصاہرت دعوائے زنا سے

سوال[۵۶۴۶]: مسئلہ دریافت طلب ہے جس کے واقعات حسبِ ذیل ہیں:

۱- مسماۃ بوندی بیوہ تھی اس کا نکاح ثانی زید سے ہوگیا، ہر دو کی عمر بیس اور پچیس سال ہے، بعد نکاح معلوم ہوا کہ مرد خراب ہے، نکاح ہوکر عورت خاوند کے یہاں دو سال سے کم رہی ہوگی۔ عورت مسماۃ بوندی کے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی ہے جو زندہ ہے جس کی عمر تیرہ ماہ ہے اور ہمیشہ ان کے وہاں تکرار رہا۔ اب عورت مسماۃ بوندی اپنے باپ کے یہاں آگئی ہے، جب اس کے لینے کو سسرال کے لوگ گئے تو وہ کہتی ہے کہ میرا مالک تو بالکل خراب ہے، عورت کے قابل نہیں تو کیا مجھے میرے خسر کے ساتھ بھیج رہے ہو اور میرا خسر ہی مجھ کو خراب کرتا ہے اور چند مرتبہ میرے خسر نے مجھ کو خراب کیا ہے، یعنی مجھ سے بہت مرتبہ صحبت مباشرت کی ہے، میں ان کے یہاں نہیں جاؤنگی۔

گواہ ایسے واقع کے کوئی نہیں چشم دید، صرف مسماۃ بوندی کا بیان ہے اور ظاہر واقعات بھی واقع کی تائید کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں مسماۃ بوندی کو طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ وہ اپنا نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں، اس کا نکاح فسخ ہوگیا یا نہیں؟ مکمل جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو مسماۃ بوندی کے اس کہنے کا یقین ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے تو شرعاً مسماۃ بوندی زید پر حرام ہوگئی، زید پر واجب ہے کہ مسماۃ بوندی سے متارکت کرلے یعنی اس کو کہہ دے کہ میں تجھے چھوڑ چکا، یا طلاق دیدے اور ہمیشہ کے لئے اس سے علیحدہ ہوجائے، اس کے بعد عدت گزار کر مسماۃ بوندی کسی دوسری جگہ شریعت کے موافق نکاح کرلے۔ اگر زید کو مسماۃ بوندی کے کہنے کا یقین نہیں بلکہ وہ اس کی تکذیب کرتا ہے تو پھر حرمت

نہیں ہوئی بدستور دونوں شوہر اور بیوی ہیں (۱)۔

"یحرم کلٌّ من الزاني والمزنية على أصل الآخر و فرعه، اهـ". شامی (۲)۔ "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة، اهـ".
درمختار (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۵۸ھ۔

حرمتِ مصاہرت کے اقرار سے رجوع

سوال [۵۶۴۷]: آج سے ۴/سال پہلے صبرو بیگم زوجہ حسین خان نے اپنے شوہر حسین کی زندگی میں جب حسین خان کہیں دوسری جگہ مزدوری کرنے گیا ہوا تھا، صبرو بیگم نے اپنے دیور مسمی سموں خان کے برخلاف علاقہ کے قاضی صاحب وغیرہ معتبرانِ علاقہ سے اپنے چند کسان گواہوں کی موجودگی میں یہ دعویٰ پیش کیا کہ میرے دیور سموں خان نے آج رات مجھ پر ہاتھ ڈالا اور مجھے پکڑا اور میرے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ قاضی صاحب نے مسماۃ صبرو بیگم کے بیانات سن کر یک گونہ افہام وتفہیم کی اور معاملہ کی تدارک رئیسِ علاقہ راجہ اللہ داد خان کے سپرد کی اور اس رات کو سموں خان اپنے گھر سے کہیں بھاگ کر چلا گیا، اطلاع پانے پر حسین خان شوہر

---

(۱) "رجل تزوج امرأةً على أنها عذراء، فلمّا أراد وقاعها، وجدها قد افتضت، فقال لها: من افتضك؟ فقالت: أبوك، إن صدّقها الزوج، بانت منه و لا مهر لها، وإن كذبها فهي امرأته، كذا في الظهيرية".
(الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، وما يتصل بذلك: ۱/۲۷۶، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

صبر و بیگم گھر واپس آ گیا یعنی بیوی کو اس دعوی پر سچا جان کر معتبرانِ علاقہ سے شکایت کی کہ آپ نے میری بیوی کی تدارک نہ کی۔

خیر! بعد ازاں معاملہ ویسا ہی رہا، چار سال گزرنے کے بعد جب حسین خان مرگیا تو عدت گزرنے کے بعد صبر و بیگم بیوہ کے اس دیور سموں خان کے بیٹے مسکین خان نے صبر و بیگم کے ساتھ نکاح کرلیا۔ چونکہ پہلے قاضی صاحب مرحوم اس وقت فوت ہو چکے تھے، ان اب کی جگہ ان کا فرزند قاضی علاقہ مقرر کیا گیا ہے، نکاح ہونے کے بعد معاملہ ھذا نئے قاضی صاحب کے سامنے پیش ہوا تو نئے قاضی صاحب نے صبر و بیگم وغیرہ معتبرانِ علاقہ کو طلب کیا تو اب صبر و بیگم نے بیان کیا کہ بیشک میں نے پہلے قاضی صاحب کے سامنے اپنے دیور سموں خان کے برخلاف مجھے پکڑنے اور ہاتھ ڈالنے اور زنا بالجبر کرنے کا دعویٰ کیا تھا، مگر میں نے وہ دعوی اپنے دوسرے دیور مسمی دھاور خان کے ورغلانے پر کیا تھا اور میں نے اس وقت جھوٹ بولا تھا۔

راجہ اللہ داد خان رئیس علاقہ وغیرہ جن گواہوں کے روبرو صبر و بیگم نے پہلے قاضی صاحب مرحوم کے سامنے دعوی کیا تھا، ان سب نے حلفیہ شہادت دی کہ صبر و بیگم نے اپنے دیور سمو خان کے برخلاف پکڑنے اور ہاتھ ڈالنے اور زنا بالجبر کرنے کا دعویٰ ہمارے روبرو بڑے قاضی صاحب کے سامنے پیش کیا تھا۔ علاوہ ازیں سموں خان کا صبر و بیگم کو پکڑنا اور چھیڑنا اور صبر و بیگم پر ہاتھ ڈالنا اہلِ دیہہ اور علاقہ کے مرد اور عورت اور خورد و کلاں میں معروف و مشہور، مزید برآں یہ ہے کہ صبر و بیگم کا فاحشہ اور غیر محتاط ہونا کالشمس فی نصف النہار ہے۔

گواہانِ سابقہ اور باشندگانِ دیہہ و علاقہ سے تصدیق حاصل کرنے کے بعد جدید قاضی صاحب نے حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کے ماتحت حکم دیدیا کہ بوجہ حرمتِ مصاہرت فرزندِ سموں خاں کے مسمی مسکین خان کے لئے صبر و بیگم کا نکاح ناجائز اور حرام ہے اور فسخِ نکاح اور تفریق کا حکم دیدیا۔ قاضی جدید نے صبر و بیگم کے انکار بعد از اقرار کو غیر معتبر قرار دیا ہے، كما في تكملة الشامي: ۱/۳۹۲:

"الإقرار المتأخر يرفع الإنكار المتقدم، والإقرار المتقدم يمنع الإنكار المتأخر"(۱)۔
في العالمگيرية: ۲/۲۸۳: "ولو أقرت بحرمة المصاهرة يؤاخذ به، ويفرق بينهما. وكذلك إذا أضاف ذلك إلى ما قبل النكاح، الخ .... والاستمرار على هذا الإقرار ليس بشرط، حتى

(۱) (تكملة ردالمحتار، آخر كتاب الدعوى، مطلب واقعة الفتوىٰ: ۷/۵۰۶، سعيد)

لورجع عن ذلك وقال: كذبت، فالقاضي لا يصدقه "(١)۔

عبارتِ مذکورہ کے مطابق صبر وبیگم کا انکار بعد از اقرار غیر معتبر ہے اور قابلِ قبول نہیں اور اثباتِ حرمتِ مصاہرت کے لئے یہ دلائل ہیں: و فی العالمگیریة:

قال: "يثبت حرمة المصاهرة قيل: إن كان السائل والمسئول هازلين قال: لايتفاوت ولا يصدق أنه كذبٌ"(٢)۔

فتح القدیر میں ہے:" و لا فرق في ثبوت الحرمة باللمس بين كونه عامداً أو ناسياً أو مكرهاً أو مخطئاً أيضاً، فتح القدير"(٣)۔

"وتقبل الشهادة على الإقرار باللمس والتقبيل بشهوة"۔ در مختار میں ہے:" و تقبل الشهادة على الإقرار باللمس والتقبيل بشهوة، وكذا تقبل على نفس اللمس والتقبيل والنظر إلى ذكره أو فرجها من شهوة في المختار"(٤)۔

امامِ دیہہ نکاح خواں نے اس حکم اور انفساخ کے فیصلہ کو نافذ نہیں ہونے دیا اور خلاف استفتاء قائم کر کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے روڑہ اٹکا رکھا ہے۔

۱.....بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ چونکہ اقرار حجتِ قاصرہ ہے تو صبر وبیگم کے اقرار کرنے سے سموں خان یا اس کے بیٹے مسکین خان پر اس اقرار کا اثر نہیں پڑتا۔

۲.....بعض علماء کہتے ہیں کہ عورت کے قول کا سرے سے اعتبار ہی نہیں تو صبر وبیگم کے اقرار یا انکار کا کوئی اعتبار نہیں۔

۳.....بعض علماء کہتے ہیں کہ حرمت مصاہرہ کے ثبوت کے لئے فقہاء نے جو دلائل کتب فقہ میں بیان

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ١/٢٧٥، ٢٧٦، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

(٣) (فتح القدير، فصل في بيان المحرمات: ٣/٢٢٢، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٤) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣/٣٨، سعيد)

فرمائے ہیں، ان تمام عبارات میں صیغۂ مذکر کا استعمال کیا گیا ہے اور مذکر کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اس قسم کے افعال اقوال یا اقرار مرد اگر کرے تو حرمتِ مصاہرت کے ثبوت کا حکم دیا جائے گا۔ اگر عورت کی طرف سے اس قسم کے افعال، اقوال یا اقرار کا اعتبار ہوتا تو مؤنث کے صیغہ کے ساتھ بھی فقہاء عبارت پیش کرتے تو ثابت ہوا کہ عورت کی طرف سے اس قسم کے افعال، اقوال اور اقرار سے حرمتِ مصاہرت نہیں ثابت ہوتی۔ اور قاضی علاقہ کا کہنا ہے کہ مقامی واقعات اور گواہوں کی گواہی اور علاقہ کے عوام، خواص میں واقعہ کی شہرت اس مسئلہ کو نظر انداز نہیں کرسکتی باوجودیکہ معاملہ حلت وحرمت کا ہے تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔

الأشباہ والنظائر، ص: ۸۸ میں: "الأصل في الأبضاع التحريم، ولذا قال في كشف الأسرار شرح فخر الإسلام: الأصل في النكاح الحظر وأبيح للضرورة"۔ ۱۲۔ "فإذا تقابل في المرأة حلٌ وحرمةٌ غلبت الحرمة، ولهذا لا يجوز التحري في الفروج". ص: ۱۳۲(۱)۔ "إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام". ۱۲۔ "إذا تعارض دليلان: أحدهما يقتضي التحريم والآخر الإباحة، قدم التحريم"(۲). و لا يجوز التحري في الفروج؛ لأنه يجوز في كل ما جاز للضرورة، والفروج لا تحل بالضرورة انتهى"(۳)۔

ایک عورت کی شہادت اور قول کا شریعت نے بیسیوں جگہ اعتبار کیا ہے تو صبر و بیگم کا اقرار کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت اور مسئلہ کے اندر علماء کا اختلاف پیشِ خدمت روانہ کیا جاتا ہے، اصولِ شرعیہ اور دینِ اسلام کی رو سے جو حق فیصلہ ہو، رقم طراز فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مسماۃ نے اپنے دیور کے متعلق دعویٰ اور اقرارِ زنا کیا تو مسماۃ کے حق میں اس دیور کی اولاد کی

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية، ص: ۶۹، قديمي)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الأول، النوع الثاني من القواعد، القاعدة الثانية، ص: ۱۰۹، قديمي)

(۳) (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثالثة، ص: ۷۰، قديمي)

حرمت ثابت ہوگئی (۱)، اب اس کے لڑکے سے نکاح جائز نہیں (۲)۔ مسماۃ کا اب یہ کہنا کہ میں نے جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس نکاح کے حق میں قابلِ قبول نہیں، اقرار کا حجت قاصرہ ہونا مسلّم ہے، یہاں بھی مُقِرّہ کے حق میں اس اقرار کی وجہ سے حرمت ثابت ہوئی ہے (۳)۔ یہ کہنا کہ عورت کے قول کا سرے سے اعتبار ہی نہیں بالکل غلط اور لغو ہے، کتب فقہ میں جزئیاتِ واضحہ مصرحہ اس کی تردید کرتی ہے (۴)۔

اگر مذکر کا صیغہ اس نوع کے احکام میں ذکر کیا جائے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ عورتوں کے لئے یہ احکام ثابت نہیں، عامۂ قرآن کریم، حدیث شریف، کتب فقہ میں عبادات، معاملات وغیرہ کے مسائل میں مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، مؤنث کا صیغہ اس جگہ ذکر کرتے ہیں جہاں دونوں کے احکام میں فرق بتانا مقصود ہوتا ہے یا اور کوئی حکمت ہوتی ہے۔ تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ عورتوں کے لئے صرف وہ احکام ہیں جہاں مؤنث کا صیغہ مذکور ہے، باقی سب احکام مردوں کے لئے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ تمام احکام عام ہوتے ہیں:

"لأن النساء شقائق الرجال إلا أن يدل دليل خصوص" (۵)۔

---

(۱) "ولو أقرّ بحرمة المصاهرة، يؤاخذ به و يفرق بينهما. وكذلك إذا أضاف ذلك إلى ماقبل النكاح بأن قال لامرأته: كنت جامعت أمك قبل نكاحك، يؤاخذ به و يفرق بينهما .... والإصرار على هذا الإقرار ليس بشرط، حتى لو رجع عن ذلك فقال: كذبت، فالقاضي لا يصدقه، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، وما يتصل بذلك: ۱/۲۷۵، رشيديه)

(۲) "وكذلك المزنيّ بهاتحرم على أصول الزاني وفروعه، ويحرم الزاني على أصولها و فروعها". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، كتاب النكاح، سعيد)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۴) "أي يثبت الرضاع بما يثبت به المال و هو شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، وقال مالك: يثبت بشهادة امرأة واحدة، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۴۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) ﴿والذين هم لفروجهم حافظون﴾ يجوز أن يكون المراد عاماً في الرجال والنساء؛ لأن المذكر والمؤنث إذا اجتمعا غلب المذكر، الخ". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المؤمنون: ۳/۳۷۳، قديمي)

عالمگیری (۱) قاضی خان (۲) فتح القدیر (۳) وغیرہ میں ایسی جزئیات موجود ہیں جن میں عورت کے قول وفعل، اقرار کی وجہ سے حرمت کا حکم دیا گیا ہے، کہیں مطلقاً، کہیں مرد کی تصدیق کے ساتھ جیسا کہ مرد کے قول وفعل واقرار کی وجہ سے حرمت کا حکم کیا جاتا ہے کہیں مطلقاً کہیں عورت کی تصدیق کے ساتھ۔ ہدایہ میں ہے: "و من مسته امرأةٌ بشهوة، حرمت عليه أمها و بنتها" (٤)۔ یہاں دیکھئے عورت کے فعل پر حرمت مرتب ہوئی۔

فتح القدیر: ۳۶۶/۲ میں شیخ ابن ہمام اس کے ذیل میں فرماتے ہیں: "و مس امرأة كذلك" (٥)۔ معلوم ہوا دونوں کے فعل میں کوئی فرق نہیں: "و ثبوت الحرمة بمسها مشروطٌ بأن يصدقها أو يقع في أكبر رأيه صدقها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها" (٦)۔

نیز ایک جزئیہ امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے: "امرأة قبلت ابن زوجها، وقالت: كانت من شهوة، إن كذّبها الزوج، لايفرق بينهما، ولو صدقها وقعت الفرقة" (٧)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری: ۲۷۶/۱، میں ہے: "رجلٌ تزوج امرأةً على أنها عذراء، فلما أراد وقاعها، وجدها قد افتضت، فقال: لها من افتضك؟ فقالت: أبوك، إن صدقها الزوج، بانت منه

---

(۱) "وتقبل الشهادة على الإقرار بالمس والتقبيل بشهوة .... و هل تقبل الشهادة على نفس اللمس والتقبيل بشهوة؟ والمختار أنه تقبل". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، وما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۲۷۶/۱، رشيديه)

(۲) "وأما المحرمة بدواعي الوطء إذا مسها أو قبلها بشهوة، تثبت حرمة المصاهرة .... مسُّ المرأة الرجل في الحرمة كمس الرجل المرأة". (الخانية على هامش الهندية، باب في المحرمات: ۳۶۱/۱، رشيديه)

(۳) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۲۲/۳، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۴) (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۰۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۵) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۱/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۶) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۲۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۷/۳، رشيديه)

(۷) (فتح القدير، فصل في المحرمات: ۲۲۲/۳، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

ولا مهرلها. وإن كذبها، فهي امرأته، كذا في الظهيرية"(١)۔

اس کے کچھ بعد ایک جزئیہ عالمگیری میں نقل کیا ہے جس میں محض ایک جانب سے اقرار ہے پھر بھی حرمت کا حکم کیا گیا ہے:"تزوج بأمة رجل ثم إن الأمة قبّلت ابن زوجها قبل الدخول بها، فادعى الزوج أنها قبّلت بشهوة وكذبه المولى، فإنها تبين من زوجها لإقرار الزوج أنها قبلته بشهوة"(٢)۔

دیکھئے اس صورت میں فعل صادر ہوا عورت کی طرف سے اور اقرار کیا مرد نے پھر بھی حرمت ہوگئی، معلوم ہوا کہ عورت کے فعل پر بھی حرمت مرتب ہوتی ہے اور مُقِرّ ہ کے حق میں حرمت ہونا اس کے حجتِ قاصرہ ہونے کے منافی نہیں، بلکہ حجتِ قاصرہ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مقرّہ کے حق میں حرمت ثابت ہوجائے، یہاں مسماۃ مقرّہ ہے، لہذا اس کے حق میں حرمت ثابت ہوجائے گی۔ اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ مسماۃ کے حق میں تو حرمت ہو اور دیور کے لڑکے کے حق میں حلت باقی رہے، اگر مقر کے حق میں بھی ثابت نہ ہو تو پھر اقرار کی حجیت ہی ختم ہوجائے گی، بحر/۳/۱۰۸ میں ہے:

"لافرق بين الرجل والمرأة، فلو مست المرأة عضواً من أعضاء الرجال بشهوة أو نظرت إلى ذكره بشهوة، فثبتت الحرمة "(٣)۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني : المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلک، كتاب النكاح: ١/٢٧٦، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ٣/١٦٧، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلک، كتاب النكاح، ١/٢٧٦، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ٢/٦٢٥، إدارة القرآن كراچی)

(٣) (البحر الرائق، فصل في المحرمات: ٣/١٧٩، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، باب في المحرمات: ١/٣٦١، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ٢/٦٢٠، إدارة القرآن كراچی)

اقرار سے رجوع اور اپنے نفس کی تکذیب ایسے مسائل میں قضاءً معتبر نہیں، کذا فی البحر: ۲/۱۰۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴/۴/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۵/ ربیع الثانی/ ۶۶ھ۔

کیا حرمتِ مصاہرت حلالہ سے ختم ہوجاتی ہے؟

سوال[۵۶۴۸]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کے ساتھ وطی کرکے دونوں میاں بیوی ایک بستر پر سور ہے تھے، آخر اللیل میں ہندہ کی ماں داماد کے پاس سوگئی، داماد نے ساس کے ساتھ اپنی بیوی جان کر وطی بالشبہ کیا، قریب الانزال کے وقت معلوم ہوا کہ بیوی نہیں بلکہ اس کی ماں ہے، ساس کو دیکھ کر زید فوراً علیحدہ ہوگیا۔ بعدہ ایک شخص سے زید نے ذکر کیا کہ واقعہ یہ ہے، اس نے چند عالموں سے دریافت کرکے کہا کہ زید! تم پر ہندہ حرام ہوگئی ہے بوجہ طلاق کے، اگر تم چاہو تو بعد حلالہ کے ہندہ سے نکاح کرسکتے ہو۔ یہ بات سن کر زید نے بعد حلالہ ہندہ سے نکاح کرلیا، اس طرح دو سال گزر گئے۔

بعدہ ایک شخص نے کہا کہ بھائی زید! میں نے اور عالموں سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، لہٰذا زید نے ہندہ کو طلاق نامہ رجسٹری کراکر بھیجدیا۔ ان سب واقعات کے پہلے ایک لڑکی دو لڑکے تھے، انہوں نے اپنی ماں ہندہ کو لاکر دوسرے مکان میں رکھا۔ اب زید پر ہندہ کسی صورت میں حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر حلال نہ ہو تو زید ہندہ کی معیشت کا بندوبست کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور زید نے ہندہ کے ساتھ بعد وطی بالشبہ شخصِ مذکور کے قول کے مطابق نکاح کرکے وطی کیا۔ اس پر کیا حکم ہے، اور اس جاہل مفتی پر کیا حکم ہے؟ اور اس واقعہ کے شاہدوں سے وطی بالشبہ کا ثبوت نہ ہو بلکہ زنا کا ثبوت ہو تو اس پر کیا حکم ہے؟ فقط۔

---

(۱) "وفي الخلاصة: قيل لرجل: ما فعلت بأم امرأتك؟ قال: جامعتها، تثبت الحرمة، ولا يصدق أنه كذب وإن كانوا هازلين. والإصرار ليس بشرط في الإقرار لحرمة المصاهرة". (البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث، في حرمة المصاهرة: ۲/۱۰، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/۶۲۶، ادارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ زوجہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، کوئی صورت اس کے حلال ہونے کی نہیں، اس سے متارکت واجب ہے، ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ دے اور کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، پھر بعد عدت وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرلے۔ جس شخص نے یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ طلاق پڑگئی، حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح درست ہے، اس نے غلط بتلایا ہے۔ حرمتِ مصاہرت سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نکاح باطل نہیں ہوتا، البتہ نکاح فاسد ہوجاتا ہے اور عورت کو چھوڑنا واجب ہوجاتا ہے اور بعد حلالہ کے دوبارہ نکاح صحیح نہیں ہوتا:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "و بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، والوطأ بها لا يكون زناً، اهـ". درمختار۔

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ذكر محمد في نكاح الأصل أن النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع، بل يفسد، حتى لو وطيها الزوج قبل التفريق، لايجب عليه الحد اشتبه عليه أو لم يشتبه عليه. و قد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لاتتحقق إلا بالقول. قال في الحاوي: والوطي فيها لا يكون زنا؛ لأنه مختلف فيه، وعليه مهر المثل بوطيها بعد الحرمة، ولاحد عليه، ويثبت النسب، اهـ". ردالمحتار: ۲/۴۳۷(۱)۔

شخصِ مذکور پر اس وطی کی وجہ سے حدِ زنا لازم نہیں ہوگی اور اس کا گناہ مفتی مذکور پر ہوگا اور بغیر تحقیق کے فتویٰ دینا حرام ہے:

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار"۔
"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من أفتى بفتيا من

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۷، رشيديه)

غیر ماثبت، فإنما إثمه على من أفتاه. اهـ". دارمی، ص: ۲۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

حرمتِ مصاہرت سے متعلق بیانات

سوال[۵۲۴۹]: ایک شخص محمد عمر نے متوفی عنہا زوجہا سے جو حاملہ ہے قبل از وضعِ حمل نکاح کرلیا جس کی وجہ سے دیندار مسلمانوں نے قطع تعلق کیا۔ مزید براں یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کے ماموں نے کہا کہ اس محمد عمر کے چرواہے نے مجھے کہا کہ اس متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ اس ناکح کے جو پہلی عورت سے ہے اس سے زنا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے، میں گواہی جہاں کہو گے آ کر دوں گا، اسی طرح اس ناکح کی جو اگلی عورت ہے، اس نے بھی ایک دوسرے شخص سے کہا ہے کہ میں اپنے لڑکے کو جو محمد عمر کا لڑکا ہے اس نے بیسوں مرتبہ اس متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ زنا کیا ہے۔

اس بناء پر عمر تائب ہونے کو تیار ہوا بشرطیکہ یہ متوفی عنہا زوجہا جس سے حالتِ حمل میں میں نے عقد کیا ہے، صحیح نہیں ہوا تو دوبارہ مجھ سے عقد کرادو، گاؤں- والوں نے کہا کہ تمہارے لڑکے سے جب اس کے ساتھ زنا ہوا ہے تو دائماً تم اس سے عقد نہیں کرسکتے - اب دریافت کرنے پر اور مجبور کرنے پر وہ شرعی فیصلہ پر تیار ہوا اور مدعی مدعیٰ علیہ اور گواہوں کا بیان لیا گیا جو آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے:

مدعی نور احمد: "میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ عمر کے لڑکے قمر الدین نے اس عمر کی منکوحہ ثانی متوفی عنہا زوجہا سے زنا کیا ہے، قبل ایں عقد الخ"۔

---

(۱) (سنن الدارمي، باب الفتيا و ما فيه من الشدة: ۱/۶۹، قديمي)

"أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۱۸۳): ۱/۳۰۰، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۴۹۰): ۱۱/۵۲۸۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، ص: ۳۵، قديمي)

مدعیٰ علیہ قمرالدین ولدعمر: ’’میں حلفیہ بیان کہتا ہوں کہ مسماۃ دوران متوفی عنہا زوجہا سے میں نے زنا نہیں کیا‘‘۔

گواہ والدہ قمرالدین جوزوجہ اول عمر ہے: ’’میں نے اپنے لڑکے قمرالدین کو دوران کے ساتھ زنا کرتے نہیں دیکھا‘‘۔

گواہ دوم کمال الدین: ’’میں نے عمر کے لڑکے قمرالدین کو مسماۃ دوران کے ساتھ زنا کرتے نہیں دیکھا‘‘۔

اب سوال یہ ہے کہ نوراحمد سے پہلے گواہ دوئم نے رویتِ زنا کا اقرار کیا ہے۔

۲......عمر کی اول عورت اپنے بھائی سے پہلے اقرار کرچکی کہ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ میں نے اپنے لڑکے کو دیکھا ہے، اپنے ہاتھ سے ایک دوسرے کو علیحدہ کیا، لیکن اب گواہی کے وقت رویتِ زنا کی منکر ہے۔ جب پوچھا گیا کہ تم نے اپنے بھائی سے رویت زنا کی کیسے خبر دی؟ تب جواب دیا میرے شوہر نے دوسری شادی کر کے مجھے اذیت پہونچائی جس کی وجہ سے میں نے کہا۔

۳......ایک شخص نے خبر دی ہے ان بیانات کے بعد کہ ان گواہوں نے برادری کے بعض افراد کے دباؤ سے یہ گواہی بدلی ہے۔

۴......یہ حرمتِ مصاہرت دیانات میں سے ہے یا نہیں، اگر ہے تو عورت واحد یا مرد واحد کے خبر دینے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

۵......اور یہ حکم مفتی کے سامنے جب گواہی دے گا تب ہی اس کی گواہی معتبر ہوگی، یا اَور دوسرے کے لئے مانی جائے گی؟ اگر کہے گا تو اس کے حق اور دوسرے لوگوں کے حق میں بھی کہے گا تو مانی جائے گی۔

۶......لفظ ’’أشهد‘‘ یا اس کا ترجمہ گواہی کے وقت ادا کرنا ضروری ہے، كما في متون كتب الفقه۔

۷......ان گواہیوں کا حکم بھی تحریر فرمادیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سوال کچھ روز ہوئے پہلے بھی آیا تھا، پہلے بھی یہاں میں تدافع تھا، اب بھی تدافع ہے گواہوں کی طرف سے، مدعی ازخود تو رویتِ زنا کو نقل کرتا ہے اور جب ان کا بیان نقل کرتا ہے تو اس میں رویتِ زنا سے انکار

ہے۔شرعاً ثبوت زنا کے لئے چار عادل مَردوں کی شہادت ضروری ہے(۱)۔اگر اس میں کمی ہوتو گواہوں پر حدِ قذف جاری ہوتی ہے اور خود مدعی پر بھی اس باب میں عورت کی شہادت قطعاً معتبر نہیں،اگر شاہد بعد شہادت رجوع کرلیں تب بھی ان پر حدقذف جاری ہوگی(۲)۔

یہ سب باتیں اسلامی حکومت کی ہیں یہ سب تفصیل قضاءً ہے،لیکن دیانۃً حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے کے لئے چار گوہوں کی ضرورت نہیں، بلکہ اگر صرف ایک گواہ کے کہنے سے صدق کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے تب بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ قاضی،حکم یا مفتی کے سامنے گواہی دی جائے یا بصیغۂ"أشھد"بیان کیا جائے، بلکہ یہ قبیلۂ اِخبار سے ہے اور حرمتِ مصاہرت کے لئے حقیقی زنا شرط نہیں، بلکہ یہ حرمت مس بالشہوۃ اور تقبیل بالشہوۃ سے بھی ثابت ہوتی ہے(۳)۔

ان تمام بیانات میں مسماۃ دوران کا بیان درج نہیں کہ وہ اقرار کرتی ہے یا انکار،اگر وہ اقرار کرے اور اس کے اقرار سے مدعیٰ علیہ کو صدق کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے تب بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی:

---

(۱) "ونصابها للزنا أربعة رجال". (الدر المختار). "(قوله: أربعة رجال) فلا تقبل شهادة النساء".

(ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۴۶۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۱۰۱/۷، ۱۰۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۱۵۳/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "ويحد من رجع من الأربعة بعد الرجم فقط، لانقلاب شهادته بالرجوع قذفاً". (الدر المختار، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۳۴/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، الباب الخامس في الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۱۵۴/۲، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، كتاب الحدود: ۵۲۴/۲، شركة علمية ملتان)

(۳) "والزنا واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۳/۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۲۴/۳ دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۰۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"رجل تزوج امرأةً علـى أنهـا عَذراء، فلما أراد وقاعها، وجدها قد افتضت، فقال لها: من افتضك؟ فقالت: أبوك. إن صدقها الزوج، بانت منه ولامهر لها. وإن كذبها فهي امرأته، كذا في الظهيرية". وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه(۱)۔

"خبر الواحد يقبل في الديانات كالحل والحرمة والطهارة والنجاسة إذا كان مسلماً عدلاً ذكراً أو أنثىٰ حرًّا أو عبداً، محدوداً أولا. ولا يشترط لفظ الشهادة والعدد كذا في الوجيز للكردري، وكذا في المحيط السرخسي والهداية، اهـ". عالمگیری: ۲۷۶/۵(۲)۔ "إذا كانت الزوجة مشتهاةً، فأخبره رجل أن أبا الزوج و ابنه قبّلها بشهوة، ووقع في قلبه أنه صادق، له أن يتزوج بأختها أو أربعٍ سواها، بخلاف مالو أخبره بسبق الرضاع والمصاهرة على النكاح؛ لأن الزوج ثمة ينازعه في العارض لا ينازعه لعدم العلم، فإن وقع عنده صدقه وجب قبوله، وهكذا في الوجيز للكردري، اهـ". هنديه: ۳۱۲/۵(۳)۔

حالتِ عدت میں جونکاح کیا ہے وہ یقیناً ناجائز ہے، اس کا فسخ اور متارکت واجب ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۳/۹ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيريه، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، و ما يتصل بذلك: ۲۷۶/۱، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، الفصل الأول: ۳۰۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية: ۴۵۲/۴، إمداديه ملتان)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، الفصل الأول: ۳۱۲/۵، رشيديه)

(۴) "أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحدٌ بجوازه، فلم ينعقد أصلاً". (رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب النكاح، باب في المحرمات: ۳۶۶/۱، رشيديه)

حرمتِ مصاہرت محض ظن سے

سوال[۵۶۵۰]: ۱...... ہندہ ایک دفعہ اپنی ساس سے جھگڑتے ہوئے کہتی ہے: کل کو تو مجھے اور تہمت بھی لگادے گی، یعنی تیرا تعلق بکر سے ناجائز ہے، بکر اس بات کو سنکر مسکرایا۔

۲...... جب زید مع اپنی بیوی کے سفر میں تھا تو بکر یعنی زید کا باپ ملنے آیا، پندرہ بیس روز رہا، ہندہ خوب ان دنوں بکر کی خدمت کرتی رہی، بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتے رہتے، اور ہندہ خوب دنداسہ مل کر ہونٹوں کو سرخ کرتی اور آنکھوں میں سرمہ ڈالتی اور وہ دوپٹہ جو ۲۶، ۲۷/ سال کا بیاہ کا پڑا ہوا تھا اس نے نکال کر اپنے اوپر لے لیا، اس پر زید کو شک ہوا، چنانچہ زید رات کو اپنے پیشاب کے بار بار آنے کی تکلیف سے اٹھتا تو چارپائیاں ہندہ اور بکر کی جو دوسرے کمرہ میں تھیں (کیونکہ زید کو شک پہلے تھا ہی نہیں) چارپائی کے کھڑکھنے کی آواز آئی، اس پر زید کو شک ہوا۔

ایک دفعہ زید بہت جلدی سے اٹھ کر پہونچا تو ہندہ اپنی چارپائی کے پاس جھکی ہوئی تھی، اس پر زید ہندہ کو پکڑ کر فی الفور باہر لے گیا اور اس کے سر پر قرآن پاک رکھا اور کہا: سچ سچ بتا کہ تو کس چارپائی سے اٹھی ہے۔ ہندہ کہنے لگی کہ میں اٹھ کر اپنی چارپائی سے باہر چلی تھی، اگر اپنی چارپائی کے بغیر، اور کسی دوسرے چارپائی سے اٹھی ہوں یعنی بکر کی چارپائی سے تو مجھے مرتی دفعہ ایمان نصیب نہ ہو۔

۳...... دو تین موقع پر بکر اور ہندہ کو دیکھا گیا کہ رات کو چارپائیاں اس طرح بچھاتے ہیں، چارپائیوں کے سر قریب قریب رہیں۔

۴...... ہندہ اور بکر اکثر علیحدگی کی تلاش میں رہتے ہیں، اگر ہندہ کو کہا جاتا ہے کہ تو بُرائی سے واپس آجا تو کہتی ہے اگر میں بری ہوں تو مجھے مرتی دفعہ ایمان نصیب نہ ہو، یا جو حصہ غیر مرد نے چھوا ہے وہ دوزخ میں جلے۔ کبھی زید سے کہتی ہے کہ میرا فیصلہ خدا تعالیٰ تمہارے سامنے کرے۔ بکر بھی انکار کرتا ہے۔

کیا مندرجہ بالا حالات میں ہندہ زید پر حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو ہندہ کا یقین ہے کہ وہ اپنے بیان میں سچی ہے وہ زید پر حرام نہیں ہوئی، نکاح بدستور باقی ہے، مگر بکر سے اس قدر بے تکلفی اور اختلاط نہیں چاہئے، اس کے انتظام کی ضرورت ہے۔ اور اگر زید کو ہندہ کا یقین

نہیں، بلکہ اس کوظنِ غالب ہے کہ ہندہ کا تعلق بکر سے ناجائز ہے اور مس بالشہوۃ کی نوبت آئی ہے(۱) تو اس کو علیحدہ کردے یعنی طلاق دیکر تعلق منقطع کردے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/صفر/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/صفر/۶۳ھ۔

حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا، زوجین میں تفریق ضروری ہوتی ہے

سوال[۵۲۵۱]: إذا زنیٰ أحدٌ مع امرأته أو بنت امرأته، أو بنته: أی بنت الزوجة والزوج معاً، هل امرأته حلال أم حرام؟ وإذا كان حراماً هل يبقى طلاقها و نكاحها؟

الجواب حامداً ومصلياً:

من زنىٰ بإحدى من ذُكرت في السوال، حرمت عليه زوجته، ولكن لم يرتفع النكاح

---

(۱) "وثبوت الحرمة بلمسها مشروطٌ بأن يصدقها و يقع في أكبر رأيه صدقها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقها أو يغلب على ظنه صدقُها". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۷/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۲۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۳/۳، سعيد)

"رجل قبّل امرأة أبيه بشهوة أو قبّل الأب امرأة ابنه بشهوة، وهي مكرهة، وأنكر الزوج أن يكون بشهوة، فالقول قول الزوج، وأن صدقه الزوج، وقعت الفرقة، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۲۷۶/۱، رشيديه)

(۲) "و بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة والوطء بها، اهـ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۷/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷/۲، دار المعرفة بيروت)

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۲۷۷/۱، رشيديه)

بعد، فعليه أن يفارقها فراقاً تاماً، قال في الدر المختار: ۲/۲۷۹: "وحرم بالصهرية أصل مزنيته .... و بحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل له التزوج باخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، اهـ"(۱)۔ وقال الشامي: "قال في البحر الرائق: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه، وحرمة أصولها و فروعها على الزاني، كما في الوطىء الحلال، اهـ"(۲)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

حرمتِ مصاہرت کے لئے مرد کا اقرار

سوال[۵۶۵۲]: ایک آدمی پر الزام ہے کہ اس نے اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے، مگر کہیں سے اس

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)
(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۷، رشيديه)
(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)
(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۱۹۳، إمداديه ملتان)

ترجمۂ سوال وجواب

سوال: جب کوئی شخص اپنی عورت کی موجودگی میں اس کی بیٹی یا اپنی بیٹی یعنی بیوی کی اور اپنی سے زنا کرے تو کیا اس کی عورت حلال رہے گی یا حرام ہوجائے گی؟ اور جب حرام ہوجائے گی تو اس کے طلاق ونکاح (کا حکم) باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص ان میں سے کسی سے زنا کرے جن کا سوال میں ذکر ہے، اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی لیکن نکاح ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس شوہر پر اس کو پورے طور پر جدا کرنا لازم ہے، درمختار میں کہا ہے کہ صہریت کی وجہ سے اصلِ مزنیہ حرام ہوجاتی ہے (اس کے قول تک) اور حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا، حتی کہ اس کو دوسرے شخص سے نکاح بھی حلال نہیں ہوتا، مگر متارکت اور عدت ختم ہونے کے بعد اھ۔ اور شامی نے کہا ہے کہ بحر میں کہا ہے کہ حرمتِ مصاہرت سے حرمات اربع کا ارادہ کیا ہے: عورت کا زانی کے اصول اور اس کے فروع پر حرام ہونا اور عورت کے اصول وفروع کا زانی پر حرام ہونا جیسا کہ وطی حلال میں ہوتا ہے اھ۔ مختصراً۔

کا ثبوت نہیں ہے کہ کیا سچ ہے یا غلط ہے۔

گواہ نمبرا: اس آدمی کی زوجہ کہتی ہے کہ میں نے شوہر کا ذکر کھڑا دیکھا تو شک ہوا کہ یہ زنا کر کے آئے ہیں۔

گواہ نمبر۲: لڑکی بعمر ۹ سال اس کا بیان ہے کہ سب جھوٹ ہے کچھ نہیں ہوا۔ خود وہ شخص کہتا ہے کہ خدا گواہ ہے کچھ نہیں ہوا، جب کہ وہ پہلے ایک یا دو مولویوں کے سامنے زنا کا اقرار کر چکا ہے۔ دوسرے روز کہتا ہے کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں ہے کہ میں نے کیا کہا۔ اس صورت میں اس کی زوجہ حرام ہوگئی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کا جو کچھ بیان ہے وہ تو ثبوتِ زنا کے لئے بالکل کافی نہیں (۱)، لیکن مرد کا اقرار کر لینا حرمت کے لئے کافی ہوگا، یعنی جس نے دو مولویوں کے سامنے اقرار کیا ہے اور وہ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے اقرار کیا ہے کہ اس نے اپنی لڑکی کے ساتھ زنا کی ہے، اس پر اس کی عورت یعنی لڑکی کی ماں حرام ہوگئی (۲) اس سے علیحدگی ضروری ہے، صاف صاف کہہ دے کہ میں نے تعلقِ نکاح ختم کر دیا (۳)۔ اس کے بعد اس کی وہ عورت

---

(۱) "(قوله: أربعة رجال) فلا تقبل شهادة النساء". (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۴۶۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۱۰۲/۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۱۵۳/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "ولو أقر بحرمة المصاهرة، يؤاخذ به و يفرق بينهما، والإصرار على الإقرار ليس بشرط، حتى لو رجع عن ذلك فقال: كذبت، فالقاضي لا يصدقه، ولكن فيما بينه و بين الله تعالىٰ إن كان كاذباً فيما أقر، لا تحرم عليه امرأته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۲۷۶/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲۲۴/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۹/۳، رشيديه)

(۳) "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة، والمتاركة لا يتحقق إلا بالقول، الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۷/۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۱۷/۳، دار المعرفة بيروت) =

عدت تین حیض گزار کر دوسری جگہ اپنا نکاح کر لے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حرمتِ مصاہرت اور وجوبِ حدزنا میں فرق

سوال[۵۶۵۳]: زید و ہندہ کسی عالم کے آگے جا کر اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے زنا کیا ہے خواہ وہ عالم ان دونوں کا حَکَم ہو جائے یا نہ، کیا صورت مذکورہ میں مصاہرت عندالاحناف ثابت ہوتی ہے یا نہیں، یعنی بر تقدیرِ ثبوتِ زنا کے ہندہ کی ماں یا دختر کا نکاح زید کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ زنا کا ثبوت دو طرح پر ہے: ایک یہ کہ قاضی کے آگے جا کر چار گواہ عدول بدین طور اپنی شہادت ادا کریں کہ:" رأیناہ و طئها فی فرجها کالمیل فی المکحلة "۔

دوم یہ ہے کہ دونوں زنا کنندگان صریحاً قاضی کے آگے جا کر زنا کا اقرار چار مجلس میں کریں، اور مـا نحن فيه میں یہ دونوں صورتیں مفقود ہیں، کیونکہ یہاں شرعی قاضی موجود نہیں ہے اور عالم مذکور قاضی شرعی نہیں ہے، حَکَم ہو یا نہ ہو، پس بغیر دو صورتِ مذکورہ کے ثبوتِ زنا عندالحنفیہ نہیں ہے۔اور یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ عالم مذکور اگر چہ حَکَم بھی ہو وہ قاضی کے حکم میں ہے۔پس ما نحن فيه میں زنا ثابت نہیں ہو سکتا، جب زنا ثابت نہیں تو ثبوتِ مصاہرت کہاں، پس زید ہندہ کی ماں اور دختر کو نکاح میں لا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے'' فلا يثبت بعلم القاضي ولا بالبينة على الإقرار الخ"۔ "يثبت" کا فاعل ہے ردالمحتار میں اس کے تحت میں مرقوم ہے:" تصريح على ما فهم من حصر ثبوته بأحد شيئين: الشهادة

= (الفتاوى العالمكيريه، كتاب النكاح، القسم الثاني، المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾(سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، لقوله تعالىٰ: ﴿ والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء﴾ (الهداية، باب العدة: ۲/۴۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، الباب الثالث، عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

بالزنا أو الإقرار به. وقوله: و لا بالبينة على الإقرار بيان لفائدة تقييد الشهادة بأن تكون على الزنا، الخ" (۱)۔ پس ثابت ہوا کہ زنا سے ثبوت کے لئے یہی دوصورتیں ہیں، تیسری صورت بالکل کوئی نہیں۔ ثم کلام المفتی الفنجابی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثبوتِ زنا کی جوصورتیں سائل نے نقل کی ہیں وہ وجوبِ حد کے لئے ہیں کیونکہ حد شبہات کی بناپر ساقط کرنے کا حکم ہے: "ادرء وا الحدود ما استطعتم" الحدیث (۲)۔ ثبوتِ حرمتِ مصاہرت کے لئے ان صورتوں کی ضرورت نہیں ہے کہ نفس اقرار یا شہادت کافی ہے، اپنے اقرار پر اصرار بھی ضروری نہیں حتی کہ اگر اقرار سے رجوع کر کے اپنی تکذیب کردے تو شرعاً وہ تکذیب معتبر نہیں (۳)۔ اوراس حرمت کا ثبوت جس طرح زنا سے ہوتا ہے مس بالشہوۃ وتقبیل بالشہوۃ سے بھی ہوجاتا ہے (۴)۔ نیز عمد، نسیان، اکراہ، خطا، سب کا ایک حکم

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحدود، مطلب: الزنا شرعاً لا یختص بما یوجب الحد: ۴/۱۰، سعید)

(۲) والحديث بتمامه: "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ادرأوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم". (سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی درء الحدود: ۱/۲۶۳، سعید)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ادفعوا الحدود ما وجدتم له مدفعاً". (سنن ابن ماجة، باب الستر على المؤمن و دفع الحدود بالشبهات، ص: ۱۸۳، قدیمی)

(وكذا فی شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول، النوع الثانی، القاعدة السادسة: ۱/۳۳۶، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "لو أقر بحرمة المصاهرة، يؤاخذ به ويفرق بينهما. والإصرار على الإقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلک، فقال: كذبت، فالقاضي لايصدقه، ولكن مابينه وبين الله تعالىٰ إن كان كاذباً فيما أقر، لاتحرم عليه امرأته". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثانی: المحرمات بالصهرية ومايتصل بذالک: ۱/۲۷۵، رشیدیه)

(۴) "وكما تثبت هذه الحرمة بالوطأ، تثبت بالمس والتقبيل، الخ". (فتح القدير، کتاب النكاح، فصل فی المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفی البابی الحلبی مصر)

ہے اوران صورتوں میں حدزنا شرعاً جاری نہیں ہوتی ہے۔مسائلِ حلت وحرمت میں مفتی کافتویٰ عامی کے حق میں بمنزلۂ قضاء القاضی ہے:

"تثبت حرمة المصاهرة بالوطء، حلالاً كان أو عن شبهة أو زنا". كذا في فتاوىٰ قاضي خان(۱)۔ "من زنىٰ بامرأة، حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت. وكذا تحرم المزنيّ بها علىٰ آباء الزاني وأجداده وإن علوا، أو أبنائه وإن سفلوا". كذا في فتح القدير(۲)۔ "وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل، سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور. ثم لا فرق في ثبوته الحرمة بالمس كونه عامداً أو ناسياً أو مكرهاً أو مخطئاً". كذا في فتح القدير(۳)۔

"لو أقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما، والإصرار على الإقرار ليس بشرط، حتى لو رجع عن ذلك فقال: كذبت، فالقاضي لا يصدقه، ولكن ما بينه و بين الله تعالىٰ إن كان كاذباً فيما أقر لاتحرم عليه امرأته، اهـ". كذا في الفتاوىٰ العالمكيريه مختصراً"(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۶۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ربیع الاول/۶۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۶۳ھ۔

---

(۱) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب في المحرمات: ۱/۳۶۰، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(۳) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۷۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، ۱/۲۷۵، رشيديه)

نواسہ کی بیوی سے بوس وکنار کی بناء پر حرمت

سوال[۵۶۵۴]: زید نے اپنے نواسہ کی منکوحہ سے بوس وکنار کیا، یہ بیان صرف لڑکی کا ہے اور کوئی شہادت نہیں اور وہ لڑکی زید کی بھتیجی بھی ہوتی ہے۔ تو کیا وہ لڑکی زید کے نواسہ پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ نیز اگر نواسہ اپنی مذکورہ بیوی کو طلاق دیدے تو نانا اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ حرمتِ مصاہرت کے سلسلہ میں دادا اور نانا میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید (نانا) پر اس کے نواسہ کی منکوحہ تو اسی وقت حرام ہوگئی تھی جب کہ اس کے نواسہ نے اس سے نکاح کیا تھا اور زید نانا نے اپنے نواسے کی بیوی کو شہوت سے بوسہ دیا اور نواسہ نے اس کی تصدیق بھی کردی تو اب یہ نواسہ کی منکوحہ خود اپنے زوج پر بھی حرام ہوگئی، اب زوج پر لازم ہے کہ اس کو صاف صاف طلاق دیدے اور اپنے سے جدا کردے، کذا في البحر: "فتحرم حليلة ابن السافل على الجد الأعلىٰ، وكذا حليلة ابن البنت وإن سفل"(۱)۔

اس عبارت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دادا اور نانا حرمتِ مصاہرت کے باب میں برابر ہیں: "وثبوت الحرمة بلمسها مشروطٌ بأن يصدقها و يقع في أكبر رأيه صدقُها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لاتحرم على أبيه وابنه، إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقُه. ثم رأيت عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ما يفيد ذلك اهـ، بحر معزياً إلى الفتح، اهـ". شامي: ۲/ ۲۸۰(۲)۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/ ۲۲۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۹، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۲۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۴۶۲، ۴۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر) =

وبحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة، وانقضاء العدة". الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۲/۲۸۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیٹے کی بیوی سے ناجائز تعلق کی بناء پر حرمت

سوال[۵۲۵۵]: ہندہ نے نکاحِ ثانی زید سے کیا جو کہ نابالغ تھا، اس درمیان میں ہندہ کا تعلق اپنے خسر بکر سے ہو گیا، جب زید سنِ بلوغ کو پہنچا تو اس نے اپنے والد بکر کو اپنی زوجہ ہندہ سے زنا کرتے ہوئے دیکھا، وہ غیرت کا مارا اسی وقت اپنے وطن سے نکل گیا اور اب تک واپس نہیں آیا۔ اس کی عدم موجودگی میں ہندہ کے چند بچے پیدا ہوئے اور وہ بچے بعض بالغ ہیں، بعض آٹھ دس سال کے۔ برادری میں عام چرچا ہے کہ یہ سب بچے ولد الحرام ہیں، اب بکر ان بچوں کی شادی اپنے اخراجات سے کرنا چاہتا ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ مطابقِ شرع شریف ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی شادی میں شریک ہونا کیسا ہے اور جو لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں ان سے اور خود اس شخص سے ترکِ کلام، حقہ پانی بند کرنا کیسا ہے؟ مطابقِ شرع شریف حکم فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے(۲)۔ جب تک بکر ہندہ سے تعلق قطع

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷۷، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۳۷، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، القسم الثانی: المحرمات بالصهریة و ما یتصل بذلک: ۱/۲۷۷، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنی إنه کان فاحشةً و ساء سبیلاً﴾: أی بئس طریقاً و مسلکاً .... ما من ذنب بعد الشرک أعظم عند اللہ من نطفةٍ و ضعها رجل فی رحمٍ لا یحل له". (تفسیر ابن کثیر، (سورة الإسراء: ۳۲): ۳/۵۵، مکتبه دار السلام بیروت)

کرکے سچی توبہ نہ کرے اس کے ساتھ اختلاط، میل جول کرنا نہ چاہیے بلکہ اگر مفید ہو تو اس سے سب مل کر قطع تعلق کریں کہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے (۱)۔ نیز جب اس لڑکے نے بیوی کو اپنے باپ سے زنا کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بیوی اس شوہر پر حرام ہوگئی (۲)۔

تنبیہ: بلاشرعی ثبوت کے کسی کو ولدالزنا کہنا حرام ہے (۳)، اسی طرح کسی کو بلاشرعی شہادت کے زانی کہنا بھی حرام ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۰/۵۶ھ۔

---

(۱) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۲) "وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنية". (الدرالمختار). "(قوله: حرم الخ) أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزاني و فروعه نسباً ورضاعاً، وحرمة أصولها و فروعها على الزاني نسباً و رضاعاً". (ردالمحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۴، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية، أسباب التحريم: ۲/۲۱۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص .... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هو لك ياعبد بن زمعة! الولد للفراش و للعاهر الحجر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الموصي لوصيه: تعاهد ولدي الخ: ۱/۳۸۳، قديمي)

"(قوله: على مراتب) ضعيف .... وهو فراش المنكوحة و معتدة الرجعي، فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، فصل في ثبوت النسب: ۳/۵۵۰، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(۴) "وعُزر شاتمٌ بيا كافر .... يا حرام زاده، معناه: المتولد من الوطء الحرام، فيعم حالة الحيض، لايقال: =

ایضاً

سوال[۵۲۵۲]: ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی زوجہ سے بعدم موجودگی پسر خود فعلِ ناجائز کیا، اس عورت کو خسر کا حمل حرام ہوگیا، بیٹے کے پاس اس عورت کو بھیجا، اس نے یہ امر ظاہر ہونے پر اس کو واپس نکالدیا بعد گزرنے ایامِ حمل لڑکا پیدا ہوگیا۔ اس کے لڑکے نے آگے بڑا فساد پیدا کیا، اس کو طلاق کے واسطے کہا گیا اور مہر طلب کیا گیا تو مہر ۵۰۰/ روپیہ تھا، وہ ادائیگی کی وسعت نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے طلاق نہ دے سکا اور ملازمت پر چلا گیا۔ اس اثناء میں دوسرا بچہ اس خسر کا پیدا ہوگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت بے طلاق بیٹے کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں؟ یا اس کو طلاق دینا ضروری ہے؟ اور مہر اس کو ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ بہر دوصورت بعد گزرنے میعادِ عدت اس عورت مطلقہ کا نکاح اس خسر سے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں جب کہ اس کا امر ظاہر ہوگیا اہلِ محلّہ جو لوگ اس کے طرفدار ہوتے ہیں، ان پر بھی کوئی سزاءِ شرعی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔ مہربانی ہوگی!

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں لڑکے پر اس کی بیوی حرام تو ہوگئی، مگر نکاح کرنا اس عورت کو بلا تفریقِ قاضی یا بلا متارکت جائز نہیں، البتہ اگر شوہر کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دی یا قاضی تفریق کردے اور پھر عدت بھی گزر جائے تب عورت کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا:

"وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، والمتاركة لا يتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتُكِ أو خليت سبيلك، الخ". شامی(۱)۔

= في العرف لا يراد ذلك بل يراد ولد الزنا". (الدر المختار، باب التعزير: ۴/۶۹، ۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۷۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۳۷۳، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

اورمہرلڑکے کے ذمہ واجب ہے، کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة(۱)۔ متارکت بالقول یاتفریق قاضی کے بعد جب عدت گزرجائے، تب بھی عورت کوخسر سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائزنہیں، کذا فی الھندیة(۲)۔ ایسی حالت میں خسر کی طرفداری کرنااس معاملہ میں شرعاً گناہ ہے(۳)، بلکہ اگروہ توبہ نہ کرے تو اس سے تعلقات ترک کردیئے جائیں(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی غفرلہ۔

بیٹے کی بیوی سے بوسہ وغیرہ لینے سے حرمت

استفتاء [۵۶۵۷]: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں، ایک شخص نے مندرجہ ذیل سوالات کے حسب ذیل حلفی بیانات دیئے:

سوالات:

۱-خدائے پاک اورقرآن شریف کی قسم کھا کراوراپنے قلم سے لکھ کر بیان کروکہ کیاتم نے اپنے بیٹے کی

---

(۱) "و یجب المھر علی الزوج، و یرجع بذالک علی الذی فعل إن عمد الفاعل الفساد، وإن لم یتعمد لا یرجع". (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم الثاني: المحرمات بالصھریة و ما یتصل بذلک، کتاب النکاح: ۱/۲۷۶، رشیدیه)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، فصل فی المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بیروت)

(و کذا في التاتارخانیة، أسباب التحریم: ۲/۶۲۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "والثالثة حلیلة الابن و ابن الابن وابن البنت وإن سفلوا، دخل بھا الابن أم لا". (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم الثاني: المحرمات بالصھریة و ما یتصل بذلک، کتاب النکاح، ۱/۲۷۴، رشیدیه)

(و کذا في التاتارخانیة، أسباب التحریم: ۲/۶۱۸، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی بدائع الصنائع، فصل فی الفرقة الثالثة من المحرمات: ۳/۱۹/۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۴) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوقھا، إلا إذا کان الھجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک .... ما لم یظھر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، باب ما ینھی عنه من التھاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، ۷۵۹، رشیدیه)

بیوی کیساتھ سوتے وقت چھ سات روز تک متواتر یہ حرکتیں کیں کہ اس کی چھاتی کئی مرتبہ پکڑی، اس کو منہ کھول دینے پر مجبور کیا، اس کے گالوں پر دو مرتبہ بوسہ دیا یعنی چوما اور اس کا کمر بند کھولا یا کھولنا چاہا اور کہا کہ میری جان! میں تجھ پر عاشق ہو گیا ہوں۔

۲- جس وقت تم نے اس کا کمر بند کھولا تھا یا کھولنا چاہا تھا، اس وقت کیا تم کو شہوت بہت زیادہ ہو رہی تھی اور تمہارے اعضائے تناسل میں بہت تندی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے تم نے اس قسم کا بے ہودہ ارادہ کیا؟

۳- کیا تم اس سے صحبت کر سکے یا نہیں، اور تم کو اطمینان کے ساتھ انزال ہو گیا یا نہیں، اور صحبت تم نے اس عورت کی رضا مندی سے کی یا بلا رضا؟ بالکل سچ اور صحیح تحریر کرو ورنہ خدائے تعالیٰ تم کو بڑی سخت سزا دیں گے۔

۴- اگر تم صحبت نہیں کر سکے اور پاجامہ اس کا نہیں کھول سکے اور تندی تم کو نہیں ہو رہی تھی تو کیا تم کو اس کشاکشی میں بغیر صحبت کئے ہوئے انزال ہو گیا تھا یا نہیں؟ بات ہرگز مت چھپانا، اس میں بڑی باریک بات ہے، بالکل سچ بیان کرو۔

۵- سب سے آخر میں یہ لکھو یا بیان کرو کہ میں نے جو کچھ اوپر لکھا یا بیان کیا، بالکل سچ اور صحیح ہے، اگر میں نے کوئی بات اس میں جھوٹ کہی ہو تو اللہ تعالیٰ مجھ کو اسی وقت ہمیشہ کے لئے اندھا اور کوڑھی کر دے اور میں بھیک مانگ کر مروں۔

جواب سوالات جرح:

۱- خدائے پاک اور قرآن شریف کی قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ یہ شیطان کا کام ہے کہ وہ آدمی کو بہکاتا ہے اور ذلت میں ڈلواتا ہے، تین چار مرتبہ اس نے یہ حرکت کرائیں کہ اس کے بدن پر ہاتھ لگوایا، یعنی اس کے پستان کو پکڑا اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا، دو مرتبہ گالوں کو چوما، ایک دو مرتبہ اس کو منہ کھولنے کو بھی کہا، کمر بند اس کا نہیں کھولا، نہ کھولنے کا ارادہ کیا، نہ اس کے پلنگ پر بیٹھا۔

۲- کمر بند اس کا نہیں کھولا اور نہ کھولنا چاہا، نہ اس وقت مجھ کو شہوت ہو رہی تھی اور اعضائے تناسل پر تندی بھی نہیں ہو رہی تھی۔

۳- صحبت نہیں ہوئی، نہ رضامندی سے، نہ بغیر رضامندی اور نہ انزال ہوا۔

۴-انزال اس کو ہاتھ لگانے سے نہیں ہوا، نہ اعضائے تناسل پر تندی تھی، منی خارج نہیں ہوئی۔

۵-- یہ جو کچھ میں نے اوپر لکھا ہے، یا بیان کیا ہے، یہ سچ اور صحیح ہے، اگر کوئی جھوٹ لکھی ہو تو خداوند تعالیٰ اسی وقت ہمیشہ کے لئے اس کی سزا مجھ کو دے گا۔

اب سوال یہ ہیں:

۱......ایسی صورت میں حنفی مذہب کی رو سے عمر کی بیوی اس کے نکاح میں داخل رہی یا نہیں؟

۲......اگر حنفی مذہب کی رو سے کوئی صورت عمر کے نکاح میں داخل رہنے کی باقی نہ ہو تو کسی دوسرے امام کے مذہب پر ضرورۃً عمل کرنا موجبِ گناہ تو نہیں ہوگا؟ اور کس امام کے مذہب کے موافق عمر کی بیوی نکاح سے باہر نہیں ہوسکتی، ان کا نام بھی تحریر کیجئے۔

۳......اگر عندالاحناف عورت مذکورہ ہمیشہ کے لئے عمر پر حرام ہوگئی اور کسی امام کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوبارہ نکاح میں آنا جائز نہ ہوا تو کیا عورت مذکورہ بغیر کسی روک کے دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے؟

۴......عورت اپنے مہروں کا دعویٰ خسر پر کرے یا عمر (شوہر) پر؟

۵......عمر پر جس پر اس کے باپ نے اتنا بڑا ظلم کیا کہ اس کی بیوی کو ہمیشہ کے لئے حرام کردیا، کیا اب بھی اس پر باپ کے حقوق پدری باقی رہیں گے؟ یا ساقط ہوجائیں گے؟

سائل: نورالحسن، مقام دہرہ دون، نیو فارسٹ وڈ ورک شاپ سنکشن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صورتِ مسئولہ میں عندالاحناف عمر کے لئے اس بیوی کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، بلکہ اس سے متارکت ضروری ہے، کیونکہ مصاہرت کی وجہ سے اس پر حرام ہوگئی، یہ حرمت بلا انزال ثابت ہوجاتی ہے:

"ولو أخذ ثديها وقال: كان عن غير شهوة، لا يصدق". خلاصه(۱)۔

اور عالمگیری میں ہے:"لأن الغالب خلافه"(۲)۔

---

(۱) (خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث في حرمة المصاهرة: ۲/۹، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۶، رشيديه)

قال في الهندية: "و كان الشيخ الإمام الأجل ظهير الدين المرغيناني يفتي بالحرمة في القُبلة على الفم و الخد والرأس وإن كانت مقنعةً، وكان يقول: لايصدق في أنه لم يكن بشهوة". طحطاوی: ۲/۱۷(۱)۔

وفي البحر الرائق: "لأن الأصل في التقبيل و هو الشهوة"(۲)۔ شامی:۲/۴۶۲، میں ہے: "إن قبّل الفم، يفتى بها: أي الحرمة وإن ادعى أنه بلا شهوة، وألحق الخدّ بالفم"(۳)۔

۲......امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صورت مسئولہ میں حرمت ثابت نہیں ہوئی، "و عند الشافعي لا تثبت الحرمة بالزنا، فأولى أن لا تثبت بالمس و النظر بدون الملك". بدائع(٤)۔ لیکن حنفی کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ایسی صورت میں عمل کرنا جائز نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ اول تو حلت وحرمت کا مقابلہ ہے، لہذا حرمت کو ترجیح ہوگی (۵)۔ دوسرے ایسی صورتوں میں غیر کے مذہب پر عمل کرنے کی ہمارے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی (٦)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفه، بيروت)

(۲) (البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۸، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳٦، سعيد)

(۴) (بدائع الصنائع، فصل في المحرمات: ۳/۴۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۳، رشيديه)

(۵) "إذا اجتمع الحلال والحرام، أو المحرّم والمبيح، غلب الحرام والمحرم". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۴)، ص:۵۵، الصدف پبلشر کراتشي)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام: ۱/۳۰۱، إدارة القرآن كراچی)

(٦) "ارتحل إلى مذهب الشافعي، يعزر". (الدرالمختار). "(قوله: ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر): أي إذا كان ارتحاله لالغرضٍ محمودٍ شرعاً، لمافي التتارخانية: حكي أن رجلاً من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني، فأبى إلا أن يترك مذهبه، فيقرأ خلف الإمام و يرفع يديه عند الانحطاط و نحو ذلك، فأجابه فزوجه. فقال الشيخ بعد ما سُئل عن هذه وأطرق رأسه: النكاح جائز و لكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع؛ لأنه استخف بمذهبه الذي =

۳.....عمر کی بیوی کو عدت گزار کر عند الاحناف موافقِ شرع دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے جب کہ عمر نے کہہ دیا ہو کہ میں تجھے چھوڑ چکا یا حاکم مسلم نے دونوں میں تفریق کردی:

"وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لايحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة". درمختار على الشامي: ۲/۴۶۲(۱)۔

۴.....عورت مہر کا مطالبہ عمر سے کرے، اگر خلوت صحیحہ یا جماع کی نوبت عمر کے ساتھ آچکی ہے۔

"ويتأكد (للمهر) عند وطي أو خلوةٍ صحت من الزوج"(۲)۔ "وإذا تأكد المهر، لم يسقط وإن جاء ت الفرقة من قبلها". عالمگیری: ۲/۳۱۷(۳)۔

اگر ان حرکات سے عمر کے باپ کی نیت یہ تھی کہ عمر پر اس کی بیوی حرام ہوجائے تو مقدارِ مہر عمر اپنے باپ سے لے گا، اگر یہ نیت نہیں تھی تو عمر باپ سے نہیں لے گا، الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۸۴(۴)۔

۵.....حقوق پدری اب بھی باقی ہیں، ساقط نہیں ہوئے، جب تک کسی معصیت کا امر نہ کرے حتی الوسع

= هو حق عنده و تركه لأجل جيفة منتنة، الخ". (ردالمحتار، باب التعزير، مطلب فيما إذا إرتحل الى غير مذهبه: ۴/۸۰، سعيد)

(۱) "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة". (الدر المختار، باب المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيريه، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۱/۲۷۷، رشيديه)

(۴) "رجل قبّل امرأة أبيه بشهوة أو قبّل الأب امرأة ابنه بشهوة و هي مكرهة، وأنكر الزوج أن يكون بشهوة، فالقول قول الزوج، و إن صدّقه الزوج، وقع الفرقة. ويجب المهر على الزوج، ويرجع بذلك على الذي فعل إن تعمد الفاعل الفساد وإن لم يتعمد لا يرجع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

باپ کی اطاعت کرنی چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۷/۵۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۲۱/۵۱ھ، صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ۔

خسر کا اپنی بہو کے سینہ کو اپنے سینہ سے ملانا

سوال [۵۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ لعل میاں سارنگ اور اس کی بہو کے درمیان مندرجہ ذیل واقعات پیش آئے، اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوئی یا نہیں؟

حلفیہ بیان حلیمہ کا رُو برو عدالت:

پہلا واقعہ

تقریباً ایک مہینہ ہوا، ایک دن دوپہر سے پہلے میرے خسر صاحب کھیت یعنی زمین سے غسل کرنے کے واسطے حوض کے گھاٹ پر آئے تھے، میں اس وقت اندر مکان سے گھاس لا رہی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ میرا کپڑا لا دے، میں نے کپڑا لا دیا۔ پھر دوبارہ جب میں گھاس لائی، دیکھتی ہوں کہ وہ غسل کر کے ڈیوڑھی میں داخل ہوا، پھر مجھے کہا کہ حلیمہ تُو اس طرف آجا، میں نے عرض کی: کس لئے؟ اس نے کہا کہ جلدی آجا۔ میں مجبوراً ڈیوڑھی کے پوربی دروازے پر جا کر ٹھہری، اس نے کہا اندر آجا۔ میں نے کہا کہ آپ کا کیا کہنا ہے، فرمائیں؟ اس نے کہا کہ تُو میری ایک بات قبول کر میں تجھ کو اپنی جگہ زمین اور ٹین کے گھر دوں گا۔ میں نے کہا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کام کر، میں نے کہا وہ کام کیا ہے؟ اس نے کہا اندر داخل ہوجا، میں نے کہا ہرگز نہیں، آپ میرے خسر اور ماموں ہیں، آپ سے میرا یہ کام نہیں ہوسکتا۔ تب اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میں زور سے ہاتھ چھڑا کر مکان کی طرف بھاگ گئی۔

دوسرا واقعہ

دوسرے روز میں عصر کے وقت ڈیوڑھی کے سامنے صحن کو جھاڑو دیتی تھی، اس نے پیچھے سے آکر کہا تُو

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و قضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ و بالوالدین إحساناً﴾ (سورة بنی إسرائیل: ۲۳)

نے میری بات کو قبول نہیں کیا؟ میں نے جواب دیا آپ کی ایسی بات کو قبول نہیں کرسکتی، اس کے بعد وہ میرے دیور کو آتے ہوئے دیکھ کر دوسری طرف بھاگ گیا۔

تیسرا واقعہ

تیسرے دن دوپہر کو میں بیل گھر کے سامنے سرنگوں ہوکر گھاس جمع کررہی تھی، اس نے پیچھے سے آکر میری کمر پر ہاتھ لگایا، جس میں کپڑا حائل نہیں تھا اور کہا تو بارش میں کیوں بھیگتی ہے، پس میں اس سے الگ ہوگئی۔

چوتھا واقعہ

اس کے دس پندرہ دن کے بعد میں تائی کے گھر میں نیند کے لئے گئی تھی، تقریباً آدھی رات گزری ہوگی، میرے خسر نے مجھے اپنے حجرہ میں بلوایا، جب میں وہاں پہونچی، میری ساس نے کہا: اپنے خسر کو پنکھا کر، پس میں پنکھا کرنے لگی، اس نے کہا کہ میرے بدن میں تیل مل آکر، تو میں اس کے ہاتھ اور پیٹھ میں تیل ملنے لگی۔ اس اثنا میں وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایسا زور سے کھینچا جس سے میرا سینہ اس کے سینہ کے ساتھ مل گیا، میں اس سے چھوٹ کر بھاگ گئی۔

سوالِ عدالت و جوابِ حلیمہ

عدالت: جس وقت تم کو چمٹا لیا تھا اس وقت تیرے اور اس کے سینہ کے درمیان کپڑا حائل تھا یا نہیں؟

جواب حلیمہ: جس وقت مجھ کو چمٹالیا اس وقت میرے پیٹ اور سینہ سے کپڑا الگ ہوگیا تھا۔

سوال عدالت: اس کے سینہ پر کپڑا وغیرہ کچھ تھا یا نہیں؟

جواب حلیمہ: اس کا سینہ برہنہ تھا۔

سوال و جواب عدالت لعل میاں سارنگ خسر حلیمہ عمر پچاس سال

سوال عدالت: کیا تم اس فعل میں مجرم ہو یا نہیں؟

جواب لعل میاں: جب آپ لوگ مجرم کہتے ہیں تو میں مجرم ہوں۔

عدالت: ارے! ہم لوگوں کی بات چھوڑو، تم نے یہ فعل کیا ہے یا نہیں؟

جواب لعل میاں: میں اس فعل میں مجرم ہوں۔

عدالت: کیا تم نے یہ فعل کیا ہے؟

جواب لعل میاں: جی ہاں! کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حلیمہ کے اس بیان کی کہ "اس کو اس کے خسر نے شہوت سے ہاتھ لگایا ہے" حلیمہ کا شوہر تصدیق کرتا ہے اور اس کو حلیمہ کے سچا ہونے کا یقین یا ظنِ غالب ہے تو وہ اپنے شوہر کے اوپر حرام ہوگئی، متارکت لازم ہے اور متارکت کے بعد عدت گزار کر حلیمہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، خسر سے اس وقت بھی درست نہیں:

"وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدّقها، أو يقع في أكبر رأيه صدقُها. وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقها أو يغلب على ظنه صدقُها. ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك، اهـ". بحر: ۳/۱۰۰(۱)۔ "وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج باخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة". درمختار على الشامي: ۲/۴۳۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۴ھ۔

خسر کا اپنی بہو کو بدکاری کے لئے کہنا

سوال[۵۶۵۹]: ایک شخص نے اپنے سگے بیٹے کی بیوی سے بدنیتی سے کہا کہ میرے ساتھ صحبت کرالو، یہ بات ایک بار نہیں تین بار کہا۔ عورت نے مجبور ہو کر اپنے گھر والے کو کہہ دیا، گھر والے نے جواب دیا

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشيديه)

چپ رہ۔کئی دنوں کے بعد بدکاری کے لئے پھر کہا،عورت نے مجبوراً اپنے باپ اور دیگر رشتہ داروں سے کہہ دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکے کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خالی زبان سے کہا ہے، ہاتھ نہیں لگایا تو اس سے کچھ نہیں ہوا، اگر اس کے بدن کو ہاتھ لگایا کہ بدن کی گرمی محسوس ہوئی اور شہوت پیدا ہوگئی، یا پہلے سے شہوت تھی اس میں اضافہ ہوگیا(۱)،اور عورت کے شوہر نے اس کی تصدیق کی تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی (۲)،اس کے ذمہ لازم ہے کہ طلاق دے کر آزاد کردے (۳)۔اگر

---

(۱) "فمن زنى بامرأة، حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت، وكذا تحرم المزنيُّ بها على آباء الزاني و أجداده و إن علوا، وأبنائه وإن سفلوا .... و كما تثبت هذه الحرمة بالوطء، تثبت بالمس والتقبيل .... ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوب، أما إذا كان بينهما ثوبٌ، فإن كان صفيقاً لا يجد الماس حرارة الممسوس، لا تثبت حرمة المصاهرة وإن انتشرت آلته بذلك. و إن كان رقيقاً بحيث تصل حرارة المحسوس إلى يده، تثبت، كذا في الذخيرة". (الفتاوىٰ العالمكيريه، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲،۳۳، سعيد)

(۲) "وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، و يقع في أكبر رأيه صدقُها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه، إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقها. ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشيديه)

شوہر کے نزدیک یہ بات غلط ہے تو حرام نہیں ہوئی (۱)، لیکن اس کا انتظام کیا جائے کہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے کہ شکایت کا موقع ملے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۵ھ۔

بیٹی کو باشہوت چھونے سے حرمتِ مصاہرت کے بعد اپنی بیوی کو مجبوراً گھر میں رکھنا

سوال [۵۶۶۰]: زید نے اپنی بیٹی کو لاعلمی اور شبہ سے بالشہوۃ چھولیا تو کیا زید پر اپنی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، جیسا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے؟ مفتی حضرات اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، اگر زید اپنی بیوی کو علیحدہ نہیں کرتا تو وہ فی ما بینه و بین الله آثم ہوگا یا نہیں؟ اور اس صورت میں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ حرامی ہے یا نہیں؟ اور اگر ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو کچھ گنجائش بیوی کو رکھنے کی ہے یا نہیں؟ دوسرے جن لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ زید کو اس مسئلہ سے آگاہ کریں یا نہیں؟ اگر ایسی صورت میں کئی مجبوریاں ہوں تو دیگر ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ زوجۂ مفقود میں فتویٰ دیا جاتا ہے، مثلاً زید کے نکاحِ ثانی کی امید بالکل نہ ہو، نہ اس کی بیوی کے لئے نکاحِ ثانی کی امید ہو، نیز بچوں کی پرورش میں بڑی پریشانی پیش آئے، گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

دوسری بات یہ کہ اس عورت کے اعزہ زید کو مارنے پیٹنے کو تیار ہو جائیں۔ اور پھر عورت خود نان ونفقہ وسکنیٰ کی محتاج ہے، اس کا کوئی کفیل نہ ہو اور نہ خود کما کر اپنی گزر اوقات کر سکتی ہو۔ جواب عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ مفصل ومدلل ہونا بھی ضروری ہے، اختصار بالکل نہ ہو۔

محمد حسن راجستھانی، نمبر: ۹، فوقانی دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، و يقع في أكبر رأيه صدقُها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه و ابنه، إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقها. ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلک". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۷، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے اپنی قابلِ شہوت (بالغ یا قریب البلوغ) لڑکی کو بغیر کپڑے کے یا باریک کپڑے کے اوپر سے جو جسم کی گرمی محسوس ہونے سے مانع نہ ہو، ایسے طریقے پر ہاتھ لگایا ہے کہ اس کو ہاتھ لگانے سے شہوت پیدا ہوگئی، یا پہلے سے موجود تھی اس میں اضافہ ہوگیا تو اس لڑکی کی والدہ زید پر حرام ہوگئی (۱)، زید کے لئے واجب ہے کہ اس کو آزاد کردے اور تعلقِ زوجیت ختم کردے (۲)۔ اگر بیوی کے لئے اور کوئی ٹھکانہ نہیں، کہیں نہیں جاسکتی، نہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، نیز زید کو اولاد کی پرورش کے لئے اس کی ضرورت ہے تو مجبوراً اس کی بھی گنجائش ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ رہے اور زید اس کا خرچ برداشت کرتا رہے، مگر پورا پردہ ہونا لازم ہے، دونوں کبھی بھی تنہائی میں نہ ملیں، بے پردہ سامنے نہ آئیں، کوئی ہنسی بے تکلفی نہ ہونے پائے۔

اگر لڑکی نہ بالغہ ہے، نہ قریب البلوغ ہے، بالکل چھوٹی ہے، یا موٹے کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگایا گیا ہے کہ جسم کی گرمی محسوس نہ ہونے پائے، یا بغیر شہوت کے ہاتھ لگایا ہے، یا ہاتھ لگانے سے شہوت پیدا نہیں ہوئی، یا شہوت پہلے سے موجود تھی مگر اس میں اضافہ نہیں ہوا تو ان سب صورتوں میں حرمت نہیں ہوئی (۳)۔ حرمت

---

(۱) "وحرم أيضاً بالصهرية أصل ممسوسته بشهوة و لو لشعر على الرأس بحائل لا يمنع الحرارة .... هذا إذا كانت حيةً مشتهاةً، أما غيرها يعني الميتة وصغيرة لم تشته، فلاتثبت الحرمة بها أصلاً .... وكذا تشترط الشهوة في الذكر .... و لا فرق بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد و نسيان و خطأ وإكراه .... و في المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة .... و بنت سنّها دون تسع ليست بمشتهاة، به يفتى، وإن ادعت الشهوة، الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۲/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۵/۳-۱۷۹ رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۲۷۴/۱، ۲۷۵ رشيديه)

(۲) "(قوله: أو متاركة الزوج) في البزازية: المتاركة في الفاسد بعد الدخول لا تكون إلا بالقول كخليت سبيلك أو تركتك. و مجرد إنكار النكاح لا يكون متاركةً". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعيد)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

ثابت ہونے کی صورت میں بھی نکاح ختم نہیں ہوا، اس سے صحبت کرنا زنا نہیں، اگر چہ حرام اور سخت معصیت ہے، جیسے کہ بیوی سے حالتِ حیض میں صحبت کرنا زنا نہیں مگر حرام ہے(۱)۔ ایسی حالت میں بھی اگر خدانخواستہ صحبت کرلی تو اس سے پیدا شدہ اولاد کو ولد الزنا کہنا درست نہیں ہوگا(۲)۔ یہ سب تفصیل کتبِ فقہ بحر(۳) عالمگیری(۴) ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے(۵)۔

"وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج باخر، إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة. والوطى بها لايكون زناً، اهـ". درمختار۔ "قال في الذخيرة: ذكر محمد في نكاح الأصل أن النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل يفسد، حتى لو وطئها الزوج قبل التفريق، لا يجب عليه الحد، اشتبه عليه أو لم يشتبه عليه، اهـ". رد المحتار(٦)۔

لیکن حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے کے بعد اگر صحبت کرے گا تو سخت گنہ گار بھی ہوگا اور مہر بھی لازم ہوگا: "وعليه مهر المثل بوطئها بعد الحرمة، ولاحد عليه، ويثبت النسب، اهـ". ردالمحتار: ۲/۲۸۳(۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ويسئلونك عن المحيض، قل هو أذىً، فاعتزلوا النساء في المحيض، ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ (التوبة: ۲۲۳)

(۲) نکاح فاسد میں بچہ کے نسب ثابت ہو جانے کی وجہ سے اسے ولد الزنا کہنا درست نہیں ہے: "النكاح الصحيح و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(۳) (راجع البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۵-۱۷۹، رشيديه)

(۴) (راجع الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهريه، وما يتصل بذلك: ۱/۲۷۴، ۲۷۵، رشيديه)

(۵) (راجع ردالمحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(٦) (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(۷) (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

ایضاً

سوال[۵۶۶۱]: ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی زوجہ سے بعدم موجودگی پسر خود فعل ناجائز کیا، اس عورت کو خسر کا حمل حرام ہوگیا، بیٹے کے پاس اس عورت کو بھیجا اس نے یہ امر ظاہر ہونے پر اس کو واپس نکال دیا بعد گزرنے ایام حمل لڑکا پیدا ہوگیا۔ اس کے لڑکے نے آگے بڑا فساد پیدا کیا اس کو طلاق کے واسطے کہا گیا اور مہر طلب کیا گیا تو مہر ۵۰۰/ روپیہ تھا وہ ادائیگی کی وسعت نہ رکھتا تھا اس وجہ سے طلاق نہ دے سکا اور ملازمت پر چلا گیا اس اثناء میں دوسرا بچہ اس خسر کا پیدا ہوگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت بے طلاق بیٹے کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں یا اس کو طلاق دینا ضروری ہے اور مہر اس کو ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ بہر دوصورت بعد گذرنے معیادِ عدت اس عورت مطلقہ کا نکاح اس خسر سے جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں جب کہ اس کا امر ظاہر ہوگیا اہل محلّہ جو لوگ اس کے طرف دار ہوتے ہیں ان پر بھی کوئی سزا شرعی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں لڑکے پر اس کی بیوی حرام تو ہوگئی مگر نکاح کرنا اس عورت کو بلا تفریق قاضی یا متارکت جائز نہیں، البتہ اگر شوہر کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دی، یا قاضی تفریق کردے اور پھر عدت بھی گذر جائے تب عورت کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا:

"وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج باخر إلا بعد المتاركة، اهـ وقد علمت أن النكاح لايرتفع بل يفسد، وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لاتتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها، وكتركتك أو خليت سبيلك، الخ". شامی: ۲/۴۳۷(۱)۔

اور مہر لڑکے کے ذمہ واجب ہے، کذا فی الهندیه: ۲/۲۸۴(۲)، متارکت بالقول یا تفریق قاضی

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار، باب المحرمات: ۳/۳۷، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب المحرمات: ۲/۱۷، دارالمعرفة، بیروت)

(۲) "ويجب المهر على الزوج ويرجع بذلك على الذى فعل إن تعمد الفاعل الفساد، وإن لم يتعمد لايرجع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية، ومايتصل بذلك ۱/۲۷۶، رشيديه) =

کے بعد جب عدت گزر جائے تب بھی عورت کو خسر سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، کذا في الهندية: ۲۸۸/۲ (۱)۔ ایسی حالت میں خسر کی طرف داری کرنا اس معاملہ میں شرعاً گناہ ہے (۲) بلکہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس سے تعلقات ترک کر دیئے جائیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اپنی لڑکی کو شہوت سے چھونے سے حرمت

سوال[۵۲۲۲]: ایک شخص رات کے وقت اپنی نفسانی خواہش کے واسطے اپنی بیوی کی چارپائی کے پاس گیا، اس کی بیوی کے پاس اس کی لڑکی سوئی ہوئی تھی، اس کا ہاتھ لڑکی کو لگ گیا یعنی بازو وغیرہ کو تو اس کو اسی وقت معلوم ہو گیا کہ میری لڑکی ہے۔ اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کی بابت مولوی اشرف علی صاحب اپنے بہشتی زیور میں لکھتے: ''اس مرد کی عورت اس پر ناجائز ہو گئی، وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے''۔ میں آپ کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ غلطی اس سے ہوئی پھر اس کی عورت کا کیا قصور ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کو بہشتی زیور حصہ چہارم کے صفحہ ۶۹ (۴)

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب المحرمات: ۱۷/۲، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في التاتارخانيه، الباب التحريم: ۶۲۵/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "والثانية حليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا، دخل بها الابن أم لا". (الفتاوى العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۲۷۴/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في الفرقة الثالثة من المحرمات: ۴۱۹/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

(۳) قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ فيجوز فوق ذلك ...... مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۴) (بہشتی زیور، باب جن لوگوں سے نکاح کرنا حرام ہے، حصہ چہارم، ص:۳۱۷، دار الاشاعت کراچی)

پر تحریر فرماتے ہیں اور آپ کے اس شبہ کا جواب امداد الفتاویٰ کے تتمہ ثالثہ ص: ۳۴ میں دیا ہے، ان سے یہی سوال کیا گیا ہے اس کے جواب میں لکھا ہے:

''اس کا حرام ہونا کسی تصور کی وجہ نہیں، بلکہ جب سبب پایا جاتا ہے تو مسبب بھی پایا جاتا ہے یعنی جیسا کہ کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے، گناہ تو نہیں مگر مر تو جاوے گا یعنی: جیسا کہ خواہ بھول کر کھاوے خواہ جان کر اس کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح خواہ بھول کر جوانی کے جوش اور شہوت سے لڑکی کو ہاتھ لگاوے خواہ جان کر، بہر حال اس کا اثر تو ضروری ہے''(۱)۔

اگر وہ لڑکی بالغہ ہے اور اس کو شہوت سے ہاتھ لگایا ہے تو بیوی یعنی لڑکی کی والدہ اس پر حرام ہوگئی اس کو علیحدہ کرنا ضروری ہے:

"وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته، أراد بالزنا الوطي الحرام، وأصل ممسوسته بشهوة". درمختار۔ قال الشامي: "لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطي، فيقام مقامه في موضع الاحتياط، هداية. واستدل لذلك في الفتح بالأحاديث والآثار عن الصحابة والتابعين". ردالمحتار، ص: ۴۳۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

لڑکی سے بوس و کنار کا اثر سوتیلی ماں پر

سوال[۵۶۶۳]: ایک شخص اپنی لڑکی سے اگر زنا کا ارتکاب کر بیٹھے تو کیا اس کی بیوی جس سے وہ

---

(۱) (إمداد الفتاوی: ۳۲۶/۲، باب المحرمات وغیرها، دار العلوم کراچی)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۲/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۹/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۹/۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث في حرمة المصاهرة: ۸/۲، امجد اكيڈمی لاهور)

لڑکی پیدا ہوئی ہے اس شخص پر حرام ہو جائے گی؟ اور اگر اس لڑکی کی ماں انتقال کر چکی ہو اور اس کے باپ نے دوسرا نکاح کرلیا ہو تو اس دوسری بیوی کے متعلق کیا حکم ہے، حرام ہوگی یا نہیں؟ نیز اپنی لڑکی سے شہوت کی حالت میں بوس وکنار کرنے سے یا دواعیٔ وطی سے بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے اس فعلِ بد کی وجہ سے اس لڑکی کی حقیقی ماں حرام ہوگئی، سوتیلی ماں حرام نہیں ہوئی، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ شہوت سے اپنی لڑکی سے بوس وکنار یا دواعیٔ وطی کرے:

"وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنية وممسوسة بشهوة، اه". درمختار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

سوتیلی ماں کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا، حرمتِ مصاہرت کی وجہ

سوال[۵۱۲۴]: زید نے اپنی سوتیلی ماں کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا، مگر سوتیلی ماں نے اپنے کو پوری طاقت سے زنا بالجبر سے بچالیا۔ جب شوہر تھوڑی دیر کے بعد آیا تو عورت نے لڑکے کی گستاخی کا ذکر کیا۔ ماں نے یہ بھی کہا کہ اپنے کو بچانے کے لئے لڑکے کے چہرہ کو زخمی کر دیا، چنانچہ لڑکے کے چہرہ پر نشان شوہر کو دکھلا دیا۔ باپ اور بیٹے کی تھوڑی دیر بعد ملاقات ہوئی، تو باپ نے یہ کہا کہ تم آج سے یہاں نہ رہو، کہیں چلے جاؤ، چنانچہ وہ لڑکا اپنی ماں کے پاس چلا گیا اور یہ بات کسی کو معلوم نہ ہوئی، اس واقعہ کو تقریباً چار برس ہوگئے۔ سوال یہ ہے کہ عورت لڑکے کی اس حرکت کی وجہ سے اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے بغیر کپڑے کے سوتیلی ماں کے جسم کے کسی بھی حصہ کو شہوت سے ہاتھ لگایا ہے اور اس سے

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/ ۳۲، سعید)

(وکذا فی الهداية، کتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/ ۳۰۹، مکتبه شركة علمية ملتان)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۹، رشيديه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثالث في حرمة المصاهرة: ۲/ ۱۰۸، امجد اکیڈمی لاهور)

شہوت پیدا ہوگئی، یا شہوت میں اضافہ ہوگیا، یا کپڑے کے اوپر سے مس کیا مگر وہ کپڑا اتنا باریک تھا کہ جسم کی حرارت محسوس ہوئی، نیز زید کو انزال نہ ہوا ہو تو وہ زید کے والد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی (۱)۔ اس کو دوسرے سے ابھی نکاح کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ تعلقِ زوجیت ختم کردے، بلکہ صاف صاف طلاق دے کر اس کو بالکل چھوڑ دے، پھر وہ عدت گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کر سکے گی (۲)۔

یہ حکم اس وقت ہے کہ شوہر (زید کے والد) کو اپنی بیوی کے اس بیان پر اعتبار ہو اور وہ اس کو سچ سمجھے، ورنہ کوئی حرمت نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے پہلے کی طرح حلال ہیں (۳)۔ یہ مسئلہ درمختار، بحر (۴) فتح القدیر (۵) وغیرہ سب کتب میں مذکور ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مکان میں آگ لگ جائے تو اس

---

(۱) "فمن زنا بامرأة، حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت. وكذا تحرم المزنيُّ بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا، وأبنائه وإن سفلوا .... وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء، تثبت بالمس والتقبيل .... ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوبٌ، أما إذا كان بينهما ثوب إن كان صفيقاً لا يجد الماس حرارة الممسوس، لا تثبت حرمة المصاهرة وإن انتشرت آلته بذلك. وإن كان رقيقاً بحيث تَصِل حرارة الممسوس إلى يده، تثبت، كذا في الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/۲۷۴، ۲۷۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، ۳۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۹ رشيديه)

(۲) "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(۳) "وثبوت الحرمة بلمسها مشروط: بأن يصدقها، و يقع في أكبر رأيه صدقُها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما صدقه. ثم رأيت عن أبي يوسف ما يفيد ذلك". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۳، سعيد)

(۴) (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۷، رشيديه)

(۵) (فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

سے دوسرے کا مکان بھی جل جاتا ہے، اگرچہ دوسرا بےقصور ہے، قریب قریب اس مسئلہ کا بھی ایسا حال ہے، آخر لڑکے کے جرم کی وجہ سے بسا اوقات ماں باپ کو بھی تھانہ کچہری میں جانا پڑتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوتیلی ماں سے حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت

سوال[۵۶۶۵]: زید کی منکوحہ کو قبل نکاح زید کے لڑکے سے محبت تھی اور لڑکے کو منکوحۂ زید سے زید نے نکاح کے وقت دریافت کیا کہ تجھ کو میرے لڑکے سے محبت ہے اس کو تجھ سے، تو پھر میرا نکاح کیونکر جائز ہے، اس منکوحہ نے قسم کھائی اور بہت بڑی قسم کھائی اور کہا کہ مجھ کو اس سے اولاد والی محبت ہے۔ غرض نکاح اور ایک گھر میں رہنا سہنا ہوگیا، عرصہ ۴ سال سے دیکھتے رہے کہ اکثر حرکات وسکنات واشارۂ کنایہ سے ہے، مگر چشم دید مجامعت کا واقعہ نہیں۔ اس وقت لڑکے کی عمر ۲۲/ سال کی ہے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ جس مکان میں زید کی منکوحہ رہتی تھی اس میں سوائے زید کے اُور کوئی نہ سوتا تھا، اس روز لڑکے کو مکان میں دیکھ کر شبہ ہوا اور زید نے اپنے گھر کا دروازہ کھلوایا تب زید کو زوجہ کے پاس کسی غیر شخص کے موجود ہونے کا شبہ ہوا۔ مکان میں اندھیرا تھا، زید نے منکوحہ سے دیا سلائی طلب کی مگر اس نے کچھ سرسری سا جواب دیا، زید کو اور شبہ ہوگیا پھر تلاش کرتے کرتے زید پاخانہ میں گیا تو لڑکے کو چھپا ہوا پایا، اس پر پورا شک ہوگیا۔ ہر دو شخص فعل زنا کا اقرار نہیں کرتے اور اپنی صفائی پر قسم کھاتے ہیں۔ اب زید علیحدہ کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے اپنے لڑکے کو اپنی بیوی کے ساتھ جماع یا دواعی جماع میں نہ خود کبھی مبتلا دیکھا، نہ کسی اُور نے دیکھا، نیز زید کا لڑکا حلفیہ بیان دیتا ہے کہ زید کی بیوی کیساتھ نہ مجھے کبھی جماع کی نوبت آئی ہے، نہ دواعی جماع کی، یعنی کبھی شہوت سے بوسہ دینے یا مس کرنے کی نوبت نہیں آئی، اسی طرح زید کی بیوی حلفیہ بیان دیتی ہے اور زید کو دونوں کے حلفیہ بیان پر اطمینان ہے تو شرعاً اس پر بیوی کا الگ کرنا ضروری نہیں ہے، فتح القدیر: ۳/ ۳۶۷ میں تصریح ہے:

" وثبوت الحرمة بمسها مشروط: بأن يصدقها، أو يقع في أكبر رأيه صدقُها. وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه أو يغلب على ظنهما

صدق. ثم رأيت عن أبي يوسف أنه ذكر في الأمالي ما يفيد ذلك، قال امرأة: قبلت ابن زوجها، وقالت: كان عن شهوة، إن كذبها الزوج لا يفرق بينهما، ولو صدقها وقعت الفرقة"(۱)۔

البتہ اگر دونوں کے بیان پر اطمینان نہیں بلکہ شک باقی ہے اور طبعی تقاضا بھی بیوی کو الگ کرنے کا ہے تو احتیاطاً بیوی کو الگ کردے:"دع ما يريبك إلى ما لا يريبك"(۲)۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو اس لڑکے اور اس عورت کا مکان الگ کردینا چاہئے اور اس لڑکے کو ممانعت کردی جائے اس عورت کے پاس آنے کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۲۔

ساس کا بدن دبانے سے حرمت

سوال[۵۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

زید جوان مرد نے ہندہ کی بیٹی زینب سے نکاح کیا، زینب کے قبل بلوغ ہندہ کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ایک رات کہ-نصف کے قریب گزر چکی تھی- ہندہ کی چارپائی پر آ بیٹھا، اس حالت میں کہ ہندہ کپڑے وغیرہ اتار کر سوئی ہوئی تھی، لیٹنے کے وقت جو معمولی کپڑے پہنے جاتے ہیں وہی پہنے ہوئے تھی۔ زید بیٹھ کر ہندہ کا بدن دبانے لگا، ہندہ نے کہا کہ میں کوئی تھکی ماندی نہیں ہوں اور یہ وقت بدن دبانے کا نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب زید کو یقین ہوگیا کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو ہندہ شور مچائے گی، اس وقت چلا گیا۔

---

(۱) (فتح القدير، باب المحرمات: ۳/ ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۷، رشيديه)

(۲) (فيض القدير، (رقم الحديث: ۴۲۱۱): ۶/ ۳۲۴۵، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(وأخرجه أحمد بن حنبل، في مسند حسن بن علي بن أبي طالب، (رقم الحديث: ۱۷۲۵): ۱/ ۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وأخرجه البخاري في صحيحه في كتاب البيوع، باب تفسير المشبهات: ۱/ ۲۷۵، قديمي)

صبح زید کے بچھونے پر رطوبت کے نشانات بھی تھے۔ غرض! یہ بات تو ہندہ کی زبانی معلوم ہوئی۔ اور زید سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں تو کئی دن سے اس کے پاس بیٹھ کر بدن دباتا ہوں، مگر کوئی بُری نیت نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ زینب زید پر حرام ہوئی یا نہیں؟ شقِ اول پر طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں زید کا قول شرعاً معتبر ہوگا جب تک اس کے خلاف قرائنِ ظاہرہ سے یقین یا ظنِ غالب حاصل نہ ہو جائے اور زید کے بچھونے پر رطوبت کا صبح کو پایا جانا اس پر قرینۂ ظاہرہ نہیں کہ اس نے ہندہ کو شہوت سے مس کیا ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شب کو احتلام ہو گیا ہو، لہذا اس کی بیٹی زید پر حرام نہیں ہوئی۔ البتہ اگر ہندہ کو شہوت سے مس کرنے کا یقین یا ظنِ غالب ہے، یا خود ہندہ نے زید کو شہوت سے مس کیا ہے تو اس کی بیٹی زید پر حرام ہوگئی، متارکت ضروری ہے:

"وإذا قبلها، ثم قال: لم يكن بشهوة فقد ذكر الصدر الشهيد في التقبيل: يفتىٰ بثبوت الحرمة مالم يتبين أنه قبّل بغير شهوة. وفي المس والنظر إلى الفرج لا يُفتى بالحرمة، إلا إذا تبين أنه فعل بشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة، بخلاف المس والنظر، كذا في المحيط. هذا إذا كان المس على غير الفرج، وأما إذا كان على الفرج، لا يصدّق أيضاً، كذا في المحيط". عالمگیری: ۱/ ۲۸٤(۱)۔

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو شہوت سے مس کیا ہے اور پھر انکار کر کے ہندہ کی بیٹی سے نکاح برقرار

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني، المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك: ۱/ ۲۷٦، رشيديه)

(وكذا فتح القدير، باب المحرمات: ۳/ ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية، باب في المحرمات: ۱/ ۳٦۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الثالث عشر في بيان أسباب التحريم: ۳/ ۱۸۴، غفاريه كوئٹه)

رکھے گا تو حرام کا مرتکب ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، یکم/ ربیع الآخر/ ۵۴ھ۔

ساس کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے حرمتِ مصاہرت

استفتاء [۵۶۶۷]: زید گھر سے باہر جارہا تھا کہ اس کی نگاہ ننگی عورت کی شرمگاہ پر پڑی جو بعد غسل اپنے بدن کے کپڑے خشک کر رہی تھی۔ زید نے سمجھا کہ بیوی ہے، زید نے تھوڑی دیر بحالتِ شہوت اس کی شرمگاہ کو دیکھا، پھر اسی وقت زید کو معلوم ہوا کہ یہ تو خوشدامن ہے (۱)۔ اب زید کی بیوی زید کے نکاح میں باقی رہی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرمگاہ کے صرف اوپر (ظاہری) حصہ پر نظر پڑی ہے تو اس سے بیوی حرام نہیں ہوئی، دونوں بدستور شوہر بیوی ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

ماں، ساس، بیٹے کی بیوی کو مس کرنے سے حرمتِ مصاہرت

سوال [۵۶۶۸]: اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی ماں کو بیوی سمجھ کر شہوت سے ہاتھ لگائے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی؟ اور اس کو کتنا گناہ ہوگا؟ ایسے ہی اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی بیوی سمجھ کر ساس کو ہاتھ

---

(۱) ''خوشدامن: ساس'' (فیروز اللغات، ص: ۶۰۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''وحرم أيضاً بالصهرية .... المنظور إلى فرجها المدوّر الداخل، اختاره في الهداية، وصححه في المحيط والذخيرة. وفي الخانية: وعليه الفتوى. وفي الفتح: وهو ظاهر الرواية''. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية، باب في المحرمات: ۱/ ۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الثالث عشر في بيان أسباب التحريم: ۳/ ۱۸۴، غفاريه كوئٹه)

لگادے تو بیوی حرام ہونے پر کیا ساس سے نکاح ہوسکے گا؟ ایسے ہی بعض ملحدین اپنی اولاد کی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں تو کیا اولاد پر بیویاں حرام ہوجائیں گی اور خسر پر اس کا کتنا گناہ ہوگا؟ فقط۔

عبدالرحمٰن پیش امام، محلّہ بیوپاریان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی غلطی سے ماں کو بیوی سمجھ کر شہوت سے ہاتھ لگایا اور معلوم ہونے پر نادم ہوا تو اس سے گناہ نہیں ہوا، نہ اس سے بیوی اس پر حرام ہوئی۔ البتہ وہ ماں اس کے باپ پر حرام ہوجائے گی جب کہ باپ اس کی تصدیق کرے(۱)۔ ساس کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے بیوی حرام ہوجائے گی اگرچہ غلطی ہی سے ہاتھ لگایا ہو اور ساس سے بھی نکاح جائز نہ ہوگا۔ ایسے ہی اولاد کی بیوی خسر کے جماع کرنے سے اولاد پر حرام ہوجاوے گی (۲)، اور

---

(۱) "رجل تزوج امرأةً على أنها عذراء، فلما أراد وقاعها، وجدها قد افتضت، فقال لها: من افتضک؟ فقالت: أبوک، إن صدقها الزوج، بانت منه و لا مهر لها. وإن كذبها فهي امرأته، كذا في الظهيرة".
(الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلک، كتاب النكاح: ۱/۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲/۲۲۶، إدارة القرآن كراچی)

"وثبوت الحرمة بلمسها مشروط: بأن يصدّقها، أو يقع في أكبر رأيه صدقُها. وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لا تحرم على أبيه وابنه، إلا أن يصدّقها، أو يغلب على ظنها صدقُها".
(البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، كتاب النكاح، سعيد)

(۲) "وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته". (الدرالمختار). "(قوله: و حرم) أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزاني و فروعه نسباً و رضاعاً، وحرمة أصولها و فروعها على الزاني نسباً و رضاعاً". (ردالمحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلک، كتاب النكاح: ۱/۲۷۴، رشيديه)

اولاد پر طلاق یا زبانی متارکت لازم ہوگی (۱)، بعد میں عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۲)۔ خسر کا یہ فعل حرام اور کبیرہ گناہ ہے:

"قبّل أمّ امرأة، حرمت امرأته مالم يظهر عدم الشهوة وفي المس لا، مالم تعلم الشهوة". تنوير: ۲/۲۸۲ (۳)۔ "لايحل أن يتزوج بأم امرأته". هدايه: ۱/۲۸۷ (٤)۔ "و لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامداً أو ناسياً أو مكرهاً أو مخطئاً". فتح القدير، ص: ۳٦۷ (٥)۔ تحرم المزنيّ بها على اٰباء الزاني". عالمگيرية: ۲/۲۸۲ (٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ٦/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) "وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر، إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة"(الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۳/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (الهداية، باب العدة: ۲/۴۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲٦، رشيديه)

(۳) (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۵، ۳٦، سعيد)

(۴) (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۳۰۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۵) (فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(٦) (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح، ۱/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

بھاوج سے زنا

سوال[۵۶۶۹]: بڑی بھاوج سے جبراً صحبت کی اور کہا کہ ہم دونوں بھائی تجھ کو ہی رکھیں گے، چار آدمیوں نے جب اس کا تذکرہ ہوا تو باپ نے کہا کہ یہ کیا بات ہے دیور بھاوج میں ایسا ہوہی جاتا ہے۔

محمد حنیف، بلند شہر۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زنا حرام ہے، بھائی کی بیوی سے اور بھی قبیح ہے(۱)۔شوہر کے والد کا یہ جواب کہ "دیور بھاوج میں ایسا ہوہی جاتا ہے" یہ انتہائی بے غیرتی کا جواب ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند ۳/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند ۵/۶/۸۷ھ۔

چچی سے زنا سے حرمتِ مصاہرت

سوال[۵۶۷۰]: زید نے اپنی چچی ہندہ سے زنا کیا اور حمل مشکوک ہے کہ زید کا ہے یا زید کے چچا کا، یا ان دونوں میں سے ایک کے حمل کا یقین ہوگیا تو اب زید کی شادی ہندہ کے حقیقی بھائی کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اور ہندہ کی اس کمینی حرکت سے ہندہ کے بھائی کی لڑکی زید پر حرام نہیں ہوئی، اس سے شادی درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾.

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذٰلكم﴾(سورة النساء: ۲۴)

"أى ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور) .... =

سالی سے زنا اور حرمت مصاہرہ

سوال[۵۶۷۱]: اگر کسی نے اپنی سالی سے زنا کیا اور زنا بھول کر کیا اور ایسی حالت میں کہ اسے یہ محسوس ہورہا تھا کہ وہ میری بیوی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کی سالی تھی۔ اب بتائیے کہ اس کی بیوی اس کے نکاح میں برقرار رہی یا نکاح سے نکل گئی؟ مدلل تحریر کریں۔ اگر اس کو معلوم تھا کہ میری بیوی نہیں بلکہ سالی ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا نکاح تو باقی ہے، ختم نہیں ہوا، لیکن اگر اس سالی کو بیوی سمجھ کر وطی کی ہے تو یہ وطی بالشبہ ہے، ایسی حالت میں اس کو چاہئے کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، یہاں تک کہ سالی کو ایک حیض آجائے۔ اگر سالی کو سالی سمجھ کر وطی کی ہے تو یہ زنا ہے، سخت معصیت ہے، ایسی حالت میں بیوی سے کچھ بھی علیحدگی لازم نہیں:

"وفي الخلاصة: وطي أخت امرأته، لا تحرم عليه امرأته، اهـ". درمختار۔ "ووجهه أنه لا اعتبار لماء الزاني، قال في البحر: لو وطي أخت امرأته بشبهة، تحرم امرأته ما لم تنقض عدة ذات الشبهة، اهـ". شامی: ۲/۲۸۱ بتقدیم و تاخیر (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۵/۱۴۰۱ھ۔

زنا سے رشتہ کا ثبوت

سوال[۵۶۷۲]: ایک شخص اپنی بیٹی سے ملوث ہوگیا، نتیجہ میں لڑکی ہوئی جس کو ایک بیوہ نے پالا،

= "أي أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

"قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾: أي ما سوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة". (التفسير المظهري: ۲/۶۶، حافظ کتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ۲/۷، امجد اكيڈمي لاهور)

لڑکی بالغہ ہوگئی، شادی ہوگئی، اس سے لڑکی ہوئی۔ اب اس لڑکی کی جس سے منگنی ہورہی ہے وہ اس کا ماموں ہوتا ہے کہ زانیہ کی ماں نے ایک رنڈوے سے شادی کرلی تھی جس سے یہ لڑکا ہوا تھا۔ اب اگر معاملہ صحیح ظاہر کیا جاتا ہے تو بدنامی اور رسوائی ہے، اگر نہیں کیا جاتا تو کیا شرعاً حرج تو نہیں اور پھر ان واقعات کا ثبوت کارے دارد ہے اور نہ ہی شاہد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس لڑکے اور لڑکی کے درمیان ماموں بھانجی کا رشتہ شریعت کی رو سے تو موجود نہیں اور جو اس رشتہ کی بیان کاری ہے اس پر شرعی شہادت نہیں، لہذا اس رشتہ کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ جن صاحب کو اصل مخفی واقعہ معلوم ہے وہ شہادت نہیں دیتے، جیسا کہ آپ نے خود ہی لکھا ہے، اگر شہادت دیں بھی تو تنہا شہادت پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا (۱)۔ لڑکا اور لڑکی میں کوئی مدعی حرمت نہیں، لہٰذا اگر ان کے درمیان مناکحت ہوجائے تو وہ ناجائز نہیں (۲)۔ جن صاحب کو کچھ معلوم ہے وہ بہت سے بہت کہہ دیں کہ یہ نکاح نہ کیا جائے، تفصیل کچھ نہ بتائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مزنیہ کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۶۷۳]: زید نے خالدہ سے ناجائز تعلق قائم کیا اور اس تعلق کی بنیاد پر خالدہ سے زنا کیا،

(۱) "ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاً أو غيره كنكاح و طلاق و وكالة و وصية".

(الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۴۶۵/۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة، ۱۵۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۱۰۴/۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۴۷۴/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أي أبيح لكم من النساء سوى ما حرم عليكم". (تفسير المنير: ۶/۵، دار الفكر بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾: أي ما سوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة". (التفسير المظهري: ۶۲/۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

خالدہ سے زنا کرنے کے بعد خالدہ کی ماں سے بھی زنا کیا، ان بدبختیوں کے بعد زید کو ندامت ہوئی۔ اور اب وہ اپنی مزنیہ خالدہ سے عقدِ شرعی کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ حرام تعلق کو حلال سے بدل دے۔ سوال یہ ہے کہ خالدہ زید کے لئے جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ زید نے خالدہ سے کئی مرتبہ زنا کیا، اس کے بعد اس کی ماں سے زنا کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں زید کے لئے خالدہ اور اس کی ماں دونوں سے نکاح حرام ہے۔ ناجائز تعلقات قائم کرنے سے وہ گناہ گار ہو کر مرتکبِ کبیرہ ہوا، فوراً توبہ کرلے۔ زید کے لئے اب کوئی صورت ان دونوں میں سے کسی سے بھی نکاح کرنے کی نہیں رہی: "و من زنیٰ بامرأة، حرمت علیه أمها و بنتها". هدایه أولین، ص: ۲۸۹ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۵/ ۸۸ھ۔

ایضاً

سوال [۵۶۷۴]: اگر کسی لڑکے نے کسی عورت کے ساتھ ہمبستری کی جو ناجائز تھی، اب اس عورت کی لڑکی جوان ہے اور لڑکی اور لڑکے کے تمام رشتہ دار اس لڑکے سے شادی کرانا چاہتے ہیں، جس نے اس لڑکی کی والدہ سے ہمبستری کی تھی، اب اس حالت میں لڑکا منع نہیں کرسکتا، کیونکہ اگر لڑکا منع کرتا ہے تو اس کی بات نہیں چلتی، اور منع کرنے سے ایک رشتہ داری بالکل ختم ہو جائے گی۔ اور لڑکے سے سب آدمی کہتے ہیں کہ اس لڑکی سے شادی کرنے سے تم کو کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ تمہارے لائق ہے۔ ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ کچھ گنجائش ہے کہ لڑکا عیب چھپا سکے؟

---

(۱) (الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۲/ ۳۰۹، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، القسم الثانی: المحرمات بالصهریة و ما یتصل بذلک، کتاب النکاح: ۱/ ۲۷۴، رشیدیه)

(و کذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۲۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے والد سے اگر صاف نہیں کہہ سکتا تو کسی بڑے عالم کو سب بات بتادے، وہ اس کے والد صاحب کو بُلا کر کہہ دیں کہ شرعاً یہ نکاح درست نہیں، اگر یہ نکاح کیا جائے گا تو معصیت اور حرامکاری ہوگی (۱)، تم تفصیل تو دریافت کرو، اس نکاح کو ختم کر کے دوسری جگہ نکاح کردو۔ خدائے پاک ان کو اس کے قبول کرنے کی توفیق دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۱۶ھ۔

مزنیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح

سوال[۵۶۷۵]: زید مسماۃ ہندہ اور اس کی بیٹی دونوں کے ساتھ مرتکبِ فعلِ زنا ہوا، اب زید دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو عندالشرع ماں کے ساتھ نکاح جائز ہے یا بیٹی کے ساتھ، یا دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی جائز نہیں؟

سائل: رحیم الدین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں: "ومن زنیٰ بامرأة، حرمت علیه أمها

---

(۱) زانیہ اور مزنیہ جانبین کا اصول وفروع ایک دوسرے پر حرام ہیں، اس وجہ سے یہ نکاح ناجائز ہے: "وحرم أیضاً بالصهریة أصل مزنیته. قال: فی البحر الرائق: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة علی أصول الزانی و فروعه نسباً و رضاعاً، وحرمة أصولها و فروعها علی الزانی نسباً و رضاعاً". (ردالمحتار، فصل فی المحرمات: ۳۲/۳، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۴۶۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، القسم الثانی: المحرمات بالصهریة و ما یتصل بذلک، کتاب النکاح: ۲۷۴/۱، رشیدیه)

وبنتها". هدایه أولین: ۱/ ۲۸۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/۱۰/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ شوال/ ۵۲ھ۔

لامس اور ملموسہ کی اولاد کا نکاح

سوال[۵۶۷۶]: زید نے ہندہ کو لمس بالشہوت کیا تو لامس وملموسہ کی اولاد آپس میں مناکحت کر سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں (لامس اور ملموسہ) کی اولاد کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

جواب سوال نمبر ۲ منجانب قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور

جواب نمبر: ۲ میں لامس اور ملموسہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، حضرت مفتی صاحب کو اس میں سہو ہوا ہے، یا کچھ غلط فہمی ہوئی ہے: " ويحل لأصول الزاني و فروعه أصول المزنيّ بها و فروعها". شامی: ۲/ ۲۷۹(۲)۔

آپ اس استفتاء کو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں دوبارہ پیش کیجئے، اگر جواب پھر بھی یہی ہو تو مجھے بھی اطلاع دیجئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

خط بابت استفتاء بالا

سوال[۵۶۷۷]: مکرمی محترمی حضرت مفتی صاحب دامت عنایتہم وفیوضہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

---

(۱) (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/ ۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۱/ ۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/ ۲۹ ۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۲، سعيد)

اسی رمضان میں ایک استفتاء جناب کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تھا جس کا جواب وصول ہوگیا، اب پھر دوبارہ تکلیف دینے کی جرأت کررہا ہوں معاف فرمادیں۔

اس سلسلہ میں ضروری عرض یہ ہے کہ اس استفتاء کے سوال کے جواب میں جناب نے ارقام فرمایا کہ لامس وملموسہ کی اولاد آپس میں نکاح کرسکتی ہے، لیکن وہی استفتاء حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ کے پاس ارسال کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ "نکاح نہیں ہوسکتا"۔ حوالجات طرفین سے نہیں لکھے گئے، نہ جناب محترم نے، نہ حضرت مفتی اعظم صاحب نے۔ اب تردد ہے کہ کیا کیا جائے، کس پر عمل کریں، لہذا بعد تحقیق و حوالۂ کتب کے جواب سے مطلع فرماکر شکریہ کا موقع بخشیں وسوال کے جواب پر نظر ثانی فرمالیں تو بہتر ہے۔

نوٹ: جناب کا فتویٰ اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا ارسال خدمت ہے، برائے مہربانی مفتی اعظم صاحب کے جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکرمی زید مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

یہاں کے فتویٰ کے مسئلہ نمبر:۲ کا استدلال عبارات ذیل سے ہے:

"حرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته، اهـ". درمختار۔ "قال في البحر: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسباً ورضاعاً، وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً، كما في الوطء الحلال. ويحل لأصول الزاني و فروعه أصول المزنيّ بها وفروعها، اهـ". شامي: ۳۸٤/۲(۱)۔ "ولا تحرم أصولها و فروعها على ابن الواطي وأبيه، اهـ". مجمع الأنهر: ۳۲٦/۱(۲)۔

---

(۱) (رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۲/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، أسباب التحريم: ۲۲٦/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۳۲٦/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٤٥۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

اگر کسی شخص نے -جس کے لڑکا موجود ہے- ایسی عورت سے نکاح کیا جس کے پہلے شوہر سے لڑکی ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح سب کے نزدیک درست ہے، ماں باپ کے نکاح اور جماع سے ان کے حق میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی:

"وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال، اهـ". درمختار و شامی: ۲/۳۸۴(۱)۔ "لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً و يتزوج ابنه ابنتها أو أمها، كذا في محيط السرخسي، اهـ". عالمگیری (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۴/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

بحالتِ نابالغی سالی کا بوسہ لینے سے حرمت

سوال [۵۶۷۸]: زید نے نابالغی کی حالت میں اپنی سالی کا بوسہ لیا اور وہ سالی عمر میں زید سے بڑی یعنی بالغ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب زید کا تعلق اپنی بیوی سے کیسا ہوگا؟ فقط۔

خلیل الرحمٰن ایواڑوی، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی زید پر حرام نہ ہوگی، بلکہ بدستور سابق بیوی رہے گی، کیونکہ سالی کا تعلق بیوی سے جزئیت کا نہیں نہ اصلاً نہ فرعاً: "وثبوت الحرمة بالمس ليس إلا لكونه سبباً للجزئية". كذا

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۲/۱۷، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح، ۱/۲۷۷، رشيديه)

"لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً ويتزوج ابنه ابنتها أو أمها؛ لأنه لا مانع له". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۱۸، ۲۱۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۳، رشيديه)

في الغنية(۱)۔ نیز حرمتِ مصاہرت کے لئے بلوغ یا کم از کم مراہقت شرط ہے:"وكذا تشترط الشهوة في الذكر، فلو جامع غير مراهق زوجه أبيه، لم تحرم". در مختار: ۱/ ۱۸۸(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۳ھ

چھوٹی بچی کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال[۵۶۷۹]: میری بچی تین سال کی ہے، نیند کی حالت میں اس کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھا رہا، جب بیدار ہوا تو علم ہوا، بہت فکر مند ہوا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تین سال کی بچی کی شرمگاہ پر سونے میں ہاتھ رکھے جانے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اگر جاگتے میں رکھدے تب بھی کچھ نہیں ہوتا، اس کا استنجاء اور طہارت بھی کرانا ہوتا ہے، اس لئے بےفکر رہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) لم أجد

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۷/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۱۶/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۲۷۵/۱، رشيديه)

(۳) "ويشترط أن تكون المرأة مشتهاةً، والفتوى على أن بنت تسع سنين محل الشهوة لا ما دونها. قال الفقيه أبو الليث: ما دون تسع سنين لا تكون مشتهاةً، وعليه الفتوى، كذا في فتاوى قاضيخان. وقال فيه: فلو جامع صغيرةً لاتشتهي، لا تثبت الحرمة، وكذا تشترط الشهوة في الذكر". (الفتاوى العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۲۷۵/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۳۲۷/۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۷/۳، كتاب النكاح، سعيد)

بیوی کی دادی، پھوپھی، چچی پر رات میں لاعلمی سے ہاتھ پڑ گیا

سوال[۵۶۸۰]: ایک شخص اپنی بیوی کو لینے کے لئے سسرال گیا اور رات میں کھانے کے بعد بیوی سے الگ ہو کر دوسرے بستر پر سویا، لیکن جس کمرہ میں سویا اس میں اس کی بیوی کی دادی اور پھوپھی اور چچی اور اس کی بیوی چاروں ایک بستر پر سوئیں۔

نصف شب میں وہ شخص جنسی طغیانی اور قضائے حاجت کے لئے اپنے بستر سے اٹھا، کمرہ میں اندھیرا تھا، جس کی وجہ سے اٹھانے کے لئے بجائے بیوی کے دادی کا قدم پکڑ لیا، بیوی کی دادی نے جھٹک دیا اور دشنام طرازی بھی کی، اور یہ شخص خاموشی سے بستر پر چل دیا، لیکن جنسی طغیان اور ہیجان نے یہ معاملہ بیوی کی پھوپھی اور چچی کے ساتھ بھی کرا دیا۔ ادھر وہ معاملہ انہوں نے کیا جو کہ دادی نے کیا تھا، مگر یہ سب کچھ اس شخص کی لاعلمی کی وجہ سے ہوا۔ اس مذکورہ بالا صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی جب کہ بیوی کی دادی کا قدم غلطی سے پکڑا اور اس سے شہوت میں اضافہ نہیں ہوا، فوراً دادی نے جھٹک دیا اور معلوم ہوتے ہی یہ وہاں سے چلا گیا، علیحدہ ہو گیا (۱)۔ پھوپھی، چچی کی وجہ سے کوئی اثر نہیں ہوا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۱ھ۔

رات کو غلطی سے بہن کے پاس پہونچ گیا

سوال[۵۶۸۱]: ایک کمرہ میں سب سو رہے تھے، بھول کر رات کو بہن کی چارپائی کے پاس پہونچ

---

(۱) "والعبرة للشهوة عند المس والنظر لابعدهما، وحدها تحرك آلته أو زيادته". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۳، سعيد)

(۲) حرمتِ مصاہرت کا تعلق ممسوسہ کے اصول وفروع سے متعلق ہوتا ہے اور چچی و پھوپھی بیوی کے اصول وفروع میں سے نہیں:

"(و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته ..... (و) أصل (ممسوسة بشهوة وأصل ماسته وفروعهن) مطلقاً". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۳، سعيد)

گیا، جب ہاتھ لگا تو معلوم ہوا کہ بہن ہے، صحبت نہیں کی۔ تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر بہن کے پاس جانے سے اس کا نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا، بلکہ وہ معلوم ہونے پر فوراً واپس آ گیا اور جماع وغیرہ کچھ نہیں کیا تو گناہ بھی نہیں ہوا، تاہم استغفار بہر حال ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بھائی کو شوہر سمجھ کر ہاتھ لگانے سے حرمت نہیں ہوتی

سوال [۵۶۸۲]: مسماۃ رفیقا کا شوہر اور اس کا بھائی دونوں ایک چار پائی پر رات کو سورہے تھے، رفیقا نے اپنے بھائی کو اپنا شوہر سمجھ کر ہاتھ لگایا۔ کیا مسماۃ رفیقا اس غلطی کرنے سے اپنے خاوند کے نکاح سے باہر ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس غلطی سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا، نکاح بدستور قائم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۳/ ۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ [سورة النساء: ۱۱۰] فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح و حين يمسى". (تنبيه الغافلين، ص: ۲۰، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانيه پشاور)

قال الله تعالیٰ: ﴿والذين إذا فعلوا فاحشةً﴾ يعني: الكبائر ﴿أو ظلموا أنفسهم﴾ يعني دون الكبائر .... ﴿ذكروا الله﴾ يعني: خافوا الله عن المعصية ﴿فاستغفروا لذنوبهم، ومن يغفر الذنوب إلا الله، ولم يصروا على ما فعلوا﴾ الخ". (تنبيه الغافلين للسمرقندی، ص: ۵۸، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانيه پشاور)

(۲) حرمتِ مصاہرت تب ثابت ہوتی ہے کہ خاوند کے اصول وفروع میں سے کسی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے اور بھائی خاوند کے اصول وفروع سے نہیں ہے:

"فمن زنى بامرأة، حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت. وكذا تحرم المزنيُّ بها على آباء الزاني و أجداده وإن علوا، وأبنائه وإن سفلوا، كذا في فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية، =

غیر کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرنے سے ثبوتِ حرمت

سوال[۵۶۸۳]: کسی نے اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے کسی عورت سے صحبت کرلی تو کیا وہ حرام ہوگئی؟ اور عورت اپنے شوہر کے عقد سے خارج ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی عورت سے شادی ہوئی جس سے پہلے کوئی واقفیت نہ ہو، کبھی اس کو نہ دیکھا ہو اور پہلی شب میں کسی غیر عورت کو اس کے پاس پہونچادی جائے کہ یہ تمہاری بیوی ہے اور وہ اس کو بیوی سمجھ کر صحبت کرلے، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو بیوی نہیں تھی، بلکہ غیر تھی، تو امید ہے کہ اس پر پکڑ نہیں ہوگی (۱)۔ اور اس کے ذمہ واجب ہوگا کہ اس سے علیحدہ رہے اور نادم ہوکر توبہ واستغفار کرے (۲)۔ جس سے واقفیت ہو، اس میں اشتباہ مشکل

= القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۱/۲۷۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، كتاب النكاح، سعيد)

(۱) "ورأيت في الخانية: رجل زُفّت إليه غير امرأته، ولم يكن رآها قبل ذلك، فوطئها، كان عليه المهر، و لا حد عليه، الخ". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه، مطلب فيمن وطء من زفت إليه: ۴/۲۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحدو الذي لا يوجبه: ۱/۵۹۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۲/۱۵۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ [سورة النساء: ۱۱] فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح و حين يمسي". (تنبيه الغافلين: ۲۰، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانيه پشاور)

"واتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً الخ". (شرح النووي على صحيح المسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)=

ہے، بے احتیاطی کی حدتک یقیناً آدمی ماخوذ ہوگا۔

اگر کسی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کر لی اور وہ ایسی عورت ہے کہ اس سے صحبت کرنے کی وجہ سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، مثلاً بیوی کی والدہ ہے، یا بیوی کی لڑکی ہے (۱) تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوکر بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی، شوہر کے ذمہ واجب ہوگا کہ اپنی بیوی کو زوجیت سے خارج کرے، یا طلاق دیکر تعلقِ نکاح کو ختم کردے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

دائی کا ہاتھ لگانے سے حرمت کا حکم

سوال[۵۶۸۴]: ایک صاحب کی شادی کو آٹھ سال ہوچکے ہیں، ان کو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی

= (وكـذا في روح المعاني تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وحـرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيتـه، أراد بالزنا الوطي الحرام وأصل ممسوسة بشهوة". (الدر المختار). "لأن المس والنظر سبب داع إلى الوطي، فيقام مقامه في موضع الاحتياط، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳۰۹/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في المحرمات: ۱۷۹/۳، رشيديه)

(۲) "وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح، حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة. و قد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد، وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لاتتحقق إلا بالقول، إن كانت مدخولاً بها كتركتك أو خليت سبيلك، الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، فصل في المحرمات: ۳۷/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في المحرمات: ۱۷/۲، دار المعرفة بيروت)

(الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۲۷۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۴۰۰/۳، رشيديه)

شخص کسی لڑکی کی دائی کو (دودھ پلانے والی کو) شہوت سے ہاتھ لگائے تو اس لڑکی سے نکاح درست نہیں۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ دس سال پہلے ان کی بیوی کی دائی کے دماغ میں کچھ خلل واقع ہوگیا تھا، اس نے ان صاحب کو پکڑ لیا تھا اور ان کو شہوت بھی ہوگئی تھی، پھر اس دائی سے ہاتھ چھڑا کر بھاگے۔ اس صورت میں کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خرابیٔ دماغ کی حالت میں اس عورت نے ان کو پکڑا جس سے ان کو شہوت ہوگئی، مگر یہ فوراً ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئے تو اس سے ان کی بیوی حرام نہیں ہوئی (۱)۔ ہاں! اگر عورت نے شہوت سے ہاتھ پکڑا تھا اور اس کی شہوت میں اس پکڑنے سے اضافہ ہوگیا تو پھر ان کی بیوی ان پر حرام ہوگئی (۲)، اب اس سے تعلقِ زوجیت ختم کردیں، بلکہ صاف لفظوں میں طلاق دیدیں (۳)۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس دائی نے ان کی بیوی کو ایامِ رضاعت میں دودھ پلایا ہو اور وہ عورت دائی بیان کرے کہ اس نے شہوت سے ان کو پکڑا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(و في المس لا) تحرم (مالم تعلم الشهوة)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية و ما يتصل بذلك، كتاب النكاح: ۲۷۵/۱، رشيديه)

(۲) "والعبرة للشهوة عند المس والنظر، لا بعدهما، وحدّها فيهما تحرك آلته أو زيادته ....اهـ".

(الدرالمختار، فصل في المحرمات: ۳۳/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸۱/۱، ۴۸۲، غفاريه كوئٹه)

(وخلاصة الفتاوىٰ، كتاب النكاح، الفصل الثالث في حرمة المصاهرة: ۸/۲، ۹، رشيديه)

(۳) "في البزازية: المتاركة في الفاسد بعد الدخول لاتكون إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها.......... وكتركتك أو خليت سبيلك .... وقال أيضاً: اذهبي وتزوجي، كان متاركةً، والطلاق فيه متاركة". (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في النكاح الفاسد، باب المهر: ۱۳۳/۳، كتاب النكاح، سعيد)

بغیر شہوت چہرہ ٹٹول کر پہچاننے سے حرمتِ مصاہرت نہیں

سوال[۵۶۸۵]: کوئی شخص رات کو اپنی بیوی کو جگانے کے لئے اٹھا، بیوی کے بستر پر لڑکی بھی سوئی ہوئی تھی، جس کی عمر نو دس برس تھی یعنی نابالغ تھی، پہچان کرنے کے لئے دونوں کے چہروں کو ٹٹول کر دیکھتا رہا، آخر پہچان کر بیوی کو جگالیا۔ سوال یہ ہے کہ لڑکی کو ٹٹولنے کی وجہ سے کیا اس شخص کی بیوی اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی کے چہرے پر ہاتھ ڈالا اور فوراً ہٹالیا کہ یہ تو لڑکی ہے بیوی نہیں، تو اس صورت میں بیوی حرام نہیں ہوگی (۱)، اگر پہلے سے شہوت موجود ہو اور ہاتھ لگانے سے شہوت میں اضافہ ہو، یا شہوت پہلے سے نہیں تھی ہاتھ لگانے سے شہوت ہو، تب حرمت مصاہرت ہوتی ہے (۲)، وہ بھی جب کہ لڑکی بالغہ ہو یا بلوغ کے قریب ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

دوسرے کا خون دینے سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا

سوال[۵۶۸۶]: ایک مسلمان دوسرے مسلمان مرد یا عورت کو خون دے، تو ان دونوں کے درمیان رشتہ کس طرح ہوجاتا ہے، یعنی مرد کا خون مرد کو دیا جائے، تو کیا دونوں خون کے رشتہ سے بھائی ہوجاتے ہیں، یا مرد کا خون عورت کو دیں تو دونوں بھائی بہن ہوجاتے ہیں اور کیا دونوں کا نکاح جائز ہوتا ہے؟

---

(۱) "(و في المس لا) تحرم (مالم تعلم الشهوة)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۶، سعيد)

(۲) "والعبرة للشهوة عند المس والنظر، لا بعدهما، وحدّها فيهما تحرك آلته أو زيادته ....اهـ". (الدرالمختار، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۳، كتاب النكاح، سعيد)

(۳) "(أما غيرها) يعني: الميتة صغيرة لم تشته (فلا) تثبت الحرمة بها أصلاً". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين: "(قوله: مشتهاة) سيأتي تعريفها بأنها بنت تسع فأكثر .... اهـ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۳۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسکی وجہ سے ان میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا، جیسے پہلے تھے ویسے ہی رہیں گے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

اندیشۂ مصاہرت والی نکاح میں شرکت

سوال[۵۶۸۷]: زید جوڈاکٹر اور حکمت کرتا ہے اور ہندہ جودائی کا کام کرتی ہے اور ڈاکٹر مذکور کی اس میں مدد کرتی ہے، جس کی وجہ سے دونوں میں کافی اختلاط ہوتا رہتا ہے۔ ہندہ کی ایک جوان لڑکی ہے اور ہندہ ان کا نکاح زید سے کرنا چاہتی ہے۔ایک صاحب جومحتاط ہیں وہ اس نکاح میں شرکت نہیں کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان دونوں کا کہنا کہ ہم بُرائی سے بالکل بَری ہیں۔سوال یہ ہے کہ اگر دونوں سے حلف لیکر شرکت کرلیں تو کوئی حرج نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علاج ودوا میں مدد کرنے کی بناء پر جو اختلاط ہوتا ہے، اس کو ناجائز تعلق پر محمول کر کے متہم کرنا جائز نہیں۔اور جبکہ براءت پر وہ حلف بھی کرتے ہیں تو شرعاً اس کے نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، اور اس میں

---

(۱) "لا تثبت المصاهرة بإدخال الدم؛ لأن حرمة المصاهرة تثبت بثلاثة أشياء: بالنكاح الصحيح أو بالزنا أو بدواعيه، و إدخال الدم ليس من هذه الثلاثة"........... "وأما الذي يوجب حرمة المصاهرة فهو أربعة أمور: أحدها العقد الصحيح. ثانيها: الوطء، سواء كان بعقد صحيح أو فاسد، أو زنا. ثالثها: المس. رابعها: نظر الرجل إلى داخل فرج المرأة، و نظر المرأة إلى ذكر الرجل، الخ". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، مبحث فيماتثبت به حرمة المصاهرة: ۵۸/۴، دار الفكر بيروت)

"إذا وطيء الرجل إمرأةً بنكاح أو ملك أو فجور، حرمت عليه .... وكما تثبت هذه الحرمة بالوطء، تثبت بالمس والتقبيل والنظرإلى الفرج بشهوة، سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور". (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل الثالث عشر في بيان أسباب التحريم: ۱۸۲/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

شرکت ممنوع نہیں (۱)، اگرچہ مواقعِ تہمت سے بچنا بھی لازم ہے، لہذا اعلاج حدود کے اندر رہ کر کریں تاکہ بدگمانی کا موقع بھی نہ رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شهداء، فاجلدوهم ثمنين جلدةً ولاتقبلوا لهم شهادةً أبداً، وأولئک هم الفسقون﴾ (سورة النور: ۴)

قال العلامه الالوسیؒ: "شروع فی بیان حکم من نسب الزنا إلی غیره ...... قرینة علی المراد بناءً علی العلم بأنه لاشئ یتوقف ثبوت بالشهاده علی شهادة أربعة إلا الزنا". (روح المعانی، سورة النور: ۱۸/۸۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "اتقوا مواضع التهم". (کشف الخفاء ۱/۴۵، مؤسسة الرسالة بیروت)

الفصل الرابع فی المحرمات بالجمع

(محرمات کوایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

پھوپھی، بھتیجی کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا

سوال[۵۲۸۸]: زید نے اپنی حقیقی بہن ہندہ کا نکاح عمر کے ساتھ کر دیا تھا، بہن مذکورہ حیات ہے اور نکاح میں ہے، اب زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بھی عمر کے ساتھ کر دیا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ ماجد کہتا ہے کہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ماجد ٹھیک کہتا ہے کہ یہ نکاح ہرگز جائز نہیں، فوراً اپنی لڑکی کو اس سے علیحدہ کر دے ورنہ یہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ولا يجمع بين المرأة و عمتها أو خالتها أو ابنة أخيها أو ابنة أختها، لقوله عليه السلام: "لاتنكح المرأة على عمتها و لا على خالتها و لا على ابنة أخيها و لا على ابنة أختها." الخ". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۰۸/۲، ۳۰۹، متكبه شركة علمية ملتان)

(ونصب الرايه لأحاديث الهداية للزيلعي، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۱۶۹/۳، المكتبة المكية بيروت)

(الحديث رواه البخاري في صحيحه في كتاب النكاح، باب: لا تنكح المرأة على عمتها: ۷۶۶/۲، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۰/۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

خالہ، بھانجی ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال[۵۶۸۹]: عرصہ آٹھ سال ہوا کہ میرے شوہر نے میری حقیقی بھانجی سے جو کہ بیوہ ہے نکاح کرلیا ہے، سب ایک ہی ساتھ رہتے تھے۔ جب وہ ایک مرتبہ گھر میں آئے تو میں نے پردہ کرلیا۔ اب میں بہت سخت پریشان ہوں، کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالہ بھانجی کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، تو آپ کی بھانجی سے آپ کے شوہر نے جو نکاح کرلیا ہے وہ شرعی نکاح نہیں، بلکہ نکاح کے نام پر زنا ہے، حرام کاری ہے(۱)۔ تاہم آپ کا نکاح فسخ نہیں ہوا، آپ کو اپنے شوہر سے پردہ نہیں کرنا چاہئے، اپنی غلطی کے وہ خود ذمہ دار ہیں، ان کی غلطی میں ان کا ساتھ ہرگز نہ دیں، اور حقوقِ زوجیت اپنی طرف سے پوری طرح ادا کریں۔ حق تعالیٰ سے شوہر کے لئے دعاء کریں، اللہ پاک ان کی اصلاح فرمائے اور آپ کی پریشانی دور کرے، اور سکون عطا فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح

سوال[۵۶۹۰]: ا...... زید صاحبِ اولاد ہے، اس نے دوسری شادی کرنے کا بیوی سے اظہار کیا، بیوی نے کہا، اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو میری چھوٹی بہن سے ہی کریں، آخر کار زید نے نکاح کرلیا۔ اب

---

(۱) "ولا يجمع بين المرأة و عمتها أو خالتها أو ابنة أخيها أو ابنة أختها، لقوله عليه السلام: "لا تنكح المرأة على عمتها و لا على خالتها و لا على ابنة أخيها و لا على ابنة أختها". الخ". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۰۸/۲، ۳۰۹، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في نصب الرايه لأحاديث الهداية للزيلعي، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۱۶۹/۳، المكتبة المكية بيروت)

(والحديث رواه البخاري في كتاب النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها: ۷۶۶/۲، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

لوگوں نے اس نکاح کو ناجائز کہنا شروع کردیا، ایک قاضی صاحب سے معلوم کیا، انہوں نے بھی ناجائز کہا۔ آیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

۲.....نکاح کرنے سے سالی زوجیت میں آگئی یا نہیں؟

۳.....نصفِ مہر واجب ہوگا یا نہیں؟

۴.....اگر جماع کرلیا ہے تو پہلی بیوی نکاح میں باقی ہے یا نکاح فسخ ہوگیا؟

۵.....جماع کے بعد دونوں میں سے اول کو رکھ سکتا ہے یا ثانی کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....بیوی کی بہن سے نکاح حرام ہے(۱)۔ ہاں! اگر بیوی مرجائے یا اس کو طلاق دیدے اور عدت گزرجائے تو اس کی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے(۲)۔

۲.....وہ زوجیت میں نہیں آئی(۳)۔

۳.....کچھ بھی واجب نہ ہوگا، علیحدگی واجب ہوگی، ہرگز دونوں تنہائی میں جمع نہ ہونے پائیں(۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم .... وأن تجمعوا بين الأختين﴾. (سورة النساء: ۲۳)

(۲) (راجع، ص: ۴۲۸، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "(و) حرم (الجمع) بين المحارم (نكاحاً) ......(وعدةً و لو من طلاق بائن)". (الدرالمختار). "ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولى صحيحاً، فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعاً".

(رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳۸/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۷/۱، ۲۷۸، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۸۰/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، رشيديه)

(۴) "ويجب عليه أن يفارقها ولو علم القاضي بذلك، يفرق بينهما. فإن فارقها قبل الدخول، لايثبت شيء من الأحكام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۷/۱، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع، رشيديه)

"ويفرق بينه و بين الأخرى، ولاشيء لها؛ لأنه ظهر أنها المتأخرة، فيكون نكاحها باطلاً، وقد مر أن الباطل لا يجب فيه المهر إلا بالدخول". (رد المحتار: ۴۳/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

۴......سالی سے جماع کرنا حرام ہے، مگر اس سے اس کا پہلا نکاح فسخ نہیں ہوا۔

۵......اول تو پہلے ہی سے نکاح میں ہے، دوسری کو فوراً الگ کردے، پھر اگر پہلی کو طلاق دیدے گا اور عدت گزر جائے گی تو دوسری سے نکاح کی اجازت ہو سکے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۶۹۱]: زید نے ہندہ سے شادی کی، مگر چند دنوں کے بعد اس نے ہندہ کی حقیقی بہن سے شادی کرلی جب کہ ہندہ اس کے نکاح میں پہلے سے موجود تھی۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ نکاحِ ثانی درست ہوا یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہوا تو پہلی بیوی پر اس کا کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿وأن تجمعوا بين الأختين﴾ الآية (۲)۔

---

(۱) "فتحريم المنكوحة بالطلاق والخلع والردة مع انقضاء العدة". (رد المحتار: ۳/۴۰، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

"ولا يجوز أن يتزوج أخت معتدته، سواء كانت العدة عن طلاق رجعي أو بائن أو ثلاث، الخ".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۷۹، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع، رشيديه)

"يحرم على الرجل .... الجمع بين الأختين نكاحاً، ولو في عدة من بائن أو رجعي .... حتى يحرم الأخرى (أو رجعي) .... أما لو ماتت المرأة، فتزوج بأختها بعد يوم، جاز .... (الأخرى) فإن كانت منكوحةً، فحرمتها بالطلاق أو الخلع أو الردة مع انقضاء العدة". (مجمع الأنهر: ۱/۴۷۵، ۴۷۹، كتاب النكاح، غفاريه كوئٹه)

(۲) (سورة النساء: ۲۳)

"ويحرم الجمع بين الأختين نكاحاً". (مجمع الأنهر، باب المحرمات، كتاب النكاح: ۱/۳۲۴، دار إحياء التراث بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

صورتِ مسئولہ میں دوسرا نکاح باطل ہوا:"و لو تزوج أختين في عقدين و لم تعلم الأولىٰ ....
إذلو علمت، لبطل نكاح الثانية". سكب الأنهر: ۱/۳۲۵(۱)۔

زید پر لازم ہے کہ فوراً دوسری عورت سے علیحدگی اختیار کر کے صدقِ دل سے توبہ واستغفار کرے۔ اگر دوسری عورت سے زید نے مجامعت کر لی تو ہندہ سے اس وقت تک علیحدہ رہے جب تک دوسری عورت کو ایک حیض نہ گزر جائے:" ولو زنى بإحدى الأختين لايقرب الأخرى، حتى تحيض الأخرىٰ بحيضة".
مجمع الأنهر: ۱/۳۲۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مفلوج بیوی کی بہن سے نکاح

سوال[۵۲۹۲]: زید کی زوجہ ایک مدتِ دراز سے بعارضۂ فالج بیمار ہوگئی، گھر کا کوئی کام نہیں ہوسکتا، اس سے زید کو از حد مشکل ہوگئی، ایسے مشکل وقت میں زید کی سالی گھر کا کام چلاتی رہی، اس پر مشکل یہ پڑی کہ اس سالی سے ناجائز تعلق ہوگیا، اب یہ سالی زید کے گھر رہا کرتی ہے۔ ایسے وقت پہلی بیوی کو طلاق دینے کی سوچ رہا ہے اور وہ طلاق لینے کو ناپسند کرتی ہے اور اپنی بہن سے نکاح کر لینے سے رضامند ہے۔

فی الحال زید نے یہ تجویز کیا کہ پہلی عورت جو کسی کام کے قابل نہیں رہی، اس کا مہر اور رہائش کا جدا مکان اور نفقہ وغیرہ کی پوری صورت دے کر بغیر طلاق دیئے اس کی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے۔ شریعتِ

(۱) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۹، رشيديه)
(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۱۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)
(۲) (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، ۳/۱۷۰، رشيديه)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الجمع في اللفظ: عليك اليمين: ۳/۴۴۱، دارالكتب العلمية بيروت)

مطہرہ میں کوئی صورت ہوتو زید کی زندگی کی کوئی امید ہوگی، ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونے کا مسلّم خیال ہے۔

یکم/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ایک بہن نکاح میں ہے، دوسری بہن سے نکاح قطعاً حرام ہے، بلکہ اگر اس کو طلاق دے دی جائے تب بھی جب تک عدت نہ گزر جائے اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں :قال اللہ تعالیٰ ﴿وأن تجمعوا بین الأختین﴾ الآیة(۱)۔ "وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً: أی عقداً صحیحاً و عدة ولو من طلاق بائن، اھـ". درمختار: ۴۳۸/۲(۲)۔

زندگی سے ہاتھ دھونا کچھ آسان کام نہیں، دنیا اور آخرت دونوں منزلیں نہایت کٹھن ہیں، حرام موت کا انجام زید کو خود سوچ لینا چاہئے، اگر ناواقف ہو تو کسی عالم سے دریافت کرلے۔ زید زندگی سے ہاتھ دھوتا ہے اس لئے کہ جوشی اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادی ہے وہ اس کے لئے حلال کیوں نہیں، غور وفکر کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، اور یہ ضد خداوند تعالیٰ کا قانونِ عام توڑنے کی ضد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۳/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

بیوی کی بھانجی سے نکاح

سوال[۵۲۹۳]: اپنی بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

"ویحرم الجمع بین الأختین نکاحاً". (مجمع الأنھر، باب المحرمات، کتاب النکاح: ۳۲۴/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی الھدایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳۰۸/۲، مکتبہ شرکة علمیہ ملتان)

(۲) (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳۸/۳، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱۸/۲، دار المعرفة، بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۱۶۸/۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی مرجائے، یا اس کو طلاق دیکر عدت ختم ہوجائے تو بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح درست ہوگا (۱)، خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک عورت سے نکاح کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال [۵۶۹۴]: زیب النساء بیوہ سے شرف الدین نے نکاح کیا، ابھی صحبت نہیں ہوئی تھی کہ بیوی نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح شرف الدین سے کردیا جس پر برادری میں شور مچ گیا۔ یہ بات بالکل سچی ہے کہ ابھی خلوت پہلی بیوی زیب النساء سے نہیں ہوئی۔ تو اب کونسا نکاح درست ہے؟

---

(۱) "لو ماتت الزوجة .... فلزوجها التزوجُ بأختها یوم الموت". (سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"(قوله: لم یجز له أن یتزوج بأختها) حتی تنقضی عدتها، الخ". (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۲۲۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الرابع بین ذوات الأرحام: ۱/۲۷۹، رشیدیه)

"کذا لا یجوز أن یتزوج واحدةً من ذوات الأرحام التی لا یجوز الجمع بین اثنتین منهن" (الفتاویٰ العالمکیریة، المصدر السابق)

(۲) "ولا یجمع بین المرأة و عمتها أو خالتها أو ابنة أخیها أو ابنة أختها، لقوله علیه السلام: "لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها". (الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/۳۰۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۴۳۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والحدیث رواه البخاری فی صحیحه فی کتاب النکاح، بابٌ: لا تنکح المرأة علی عمتها: ۲/۷۶۶، قدیمی)

(والزیلعی فی نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۱۶۹، المکتبة المکیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں اور بیٹی کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے(۱)، لہذا جب زیب النساء سے نکاح ہو چکا ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں ہوا، مگر چونکہ ابھی زیب النساء سے صحبت اور تنہائی کی نوبت نہیں آئی، اس لئے اس کو اگر اس حالت میں طلاق دیدے گا تو اس کی لڑکی سے نکاح کی اجازت ہو جائے گی، لیکن یہ نکاح کافی نہیں ہوگا، دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔ پھر زیب النساء ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، خواہ اس کی لڑکی سے صحبت ہو یا نہ ہو۔ اگر زیب النساء سے صحبت وغیرہ ہوگی یا ہو جائے تو اس کی وجہ سے بھی اس کی لڑکی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱/۲۴ھ۔

سالی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۱۹۵]: سالی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وحرم الجمع بين امرأتين أيتهما فرضت ذكراً، لم تحل للأخرى أبداً، فجاز الجمع بين امرأة و بنت زوجها، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات : ۳۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات : ۱۷۲/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات : ۴۶۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيما رجل نكح امرأةً، فدخل بها، فلا يحل له نكاح ابنتها. فإن لم يكن دخل بها، فلينكح ابنتها. وأيما رجل نكح امرأةً، فدخل بها أو لم يدخل، فلا يحل له نكاح أمها" .... قالوا: إذا تزوج الرجل امرأةً، ثم طلقها قبل أن يدخل بها، حل له أن ينكح ابنتها. وإذا تزوج الرجل الابنة فطلقها قبل أن يدخل بها، لم يحل له نكاح أمها، لقول الله تعالىٰ: ﴿وأمهات نسائكم﴾". (جامع الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في من يتزوج المرأة ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، هل يتزوج ابنتها أم لا: ۲۱۲/۱، سعيد)

(والسنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح، باب ما جاء في قول الله تعالىٰ: ﴿وأمهات نسائكم و ربائبكم الّتي في حجوركم﴾: ۱۶۰/۷، نشر السنة، ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالمصاهرة: ۴۱۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام نہیں ہوتا(۱)، جمع حرام ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

سوتیلی سالی سے نکاح

سوال[۵۲۹۶]: میری شادی کو۲۲/ برس ہوگئے، کوئی اولاد نہیں ہوئی، اب میری بیوی کی خواہش ہے کہ میں اپنی سوتیلی سالی سے نکاح کروں۔ کیا سوتیلی سالی سے نکاح درست ہے جب کہ میری بیوی موجود ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، بالکل حرام ہے، دونوں بہنیں حقیقی ہوں یا سوتیلی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لکم ما وراء ذلکم﴾ (النساء: ۲۴)

"أی ما عدا من ذُکرن من المحارم، هن لک حلال". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی التفسیر المنیر: ۵/۹، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۲/۲۶، حافظ کتب خانه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولا یجمع بین المرأة و عمتها أو خالتها أو ابنة أخیها أو ابنة أختها، لقوله علیه السلام: "لا تنکح المرأة علی عمتها، ولا علی خالتها". الخ. (الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/۳۰۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۴۳۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والحدیث رواه الإمام البخاری فی صحیحه فی کتاب النکاح، بابٌ: لا تنکح المرأة علی عمتها: ۲/۷۶۶، قدیمی)

(والزیلعی فی نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات: ۳/۱۶۹، المکتبة المکیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان بعض المحرمات: ۳/۴۳۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

سب کا یہی حکم ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے، بیوی کی خوشی یا ناخوشی کو اس میں کوئی دخل نہیں، خدا کی حرام کی ہوئی چیز بیوی کے کہنے سے حلال نہیں ہوگی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

علاتی سالی سے نکاح

سوال[۵۲۹۷]: زید نے زبیدہ سے نکاح کیا جس سے چند لڑکے بھی پیدا ہوئے، بعدہ زید نے زبیدہ کی حیات میں زبیدہ کو طلاق دیئے بغیر اسکی علاتی بہن خدیجہ سے شادی کرلی۔ خدیجہ کے والدین اور گاؤں والوں نے بہت سمجھایا، لیکن خدیجہ اَور کہیں نکاح کے لئے آمادہ نہیں ہوئی، نہ زید زبیدہ کو طلاق دینے کو تیار ہوا، زبیدہ بھی طلاق لینے پر آمادہ نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں خدیجہ کا نکاح زید سے درست ہوا یا نہیں؟ کیا ان لوگوں سے قطع تعلق ضروری ہے، اگر نہ کیا جائے تو کیسا ہے؟ زید کی کمائی زبیدہ اوران کے خسر اور سالے وغیرہ کو کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح حرام ہے(۲)، لوگوں کو چاہئے کہ زید اور خدیجہ کے درمیان تفریق کرادیں(۳)، اگر وہ نہ

---

(۱) "والجمع بین الأختین نکاحاً .... فلقوله تعالیٰ: ﴿وأن تجمعوا بین الأختین﴾ (النساء : ۲۳)

"وأما الثاني فللحدیث: "من کان یؤمن بالله والیوم الآخر، فلا یجمعنّ ماء ه في رحم أختین"

.... و تفرع علی عدم الفرق بین الأختین نسباً و رضاعاً، الخ". (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات : ۱۶۸/۳، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في الجمع في اللفظ بملک الیمین : ۴۴۰/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات : ۳۲۴/۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن تجمعوا بین الأختین إلا ما قد سلف﴾ (سورة النساء :۲۳)

"عن أم حبیبة أنها قالت: یارسول الله! هل لک في أختي؟ قال: "فأصنع ما ذا"؟ قالت: تزوجها، قال: "فإن ذلک أحب إلیک"؟ قالت: نعم لست لک بمخلیة وأحب من یشرکني في خیر =

مانیں تو ان سے قطعِ تعلق کردیں، یہاں تک کہ وہ تنگ آکر توبہ کرلیں اور حرام سے کنارہ کش ہوجائیں، جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہ آئیں ان سے میل جول نہیں رکھنا چاہیے (۱)، خسر اور سالے وغیرہ کو خصوصیت سے اس معاملہ میں زور ڈالنے کی ضرورت ہے، یہ لوگ لین دین بالکل بند کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ربیب کی ماں کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح

سوال [۵۶۹۸]: ایک شخص نے اپنی بھاوج سے نکاح کیا، اس کے ایک بچہ بھائی کا دودھ پی رہا تھا، جب یہ بچہ جوان ہوگیا تو اس کی شادی کردی، اس لڑکے نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، تو پھر چچا نے اس کی بیوی

= أختي قال: "إنها لا تحل لي" قالت: فإنه قد بلغني أنك تخطب درة بنت أم سلمة، قال: "بنت أبي سلمة"؟ قالت: نعم، قال: "والله! لو لم تكن ربيبتي ما حلت لي أنها لابنة أخي من الرضاعة، فلا تعرضنّ عليّ بناتكن و لا أخواتكن الجمع". (سنن النسائي، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين الأختين: ۲/ ۸۰، قديمي)

"أما الكتاب، فقوله عزوجل: ﴿وأن تجمعوا بين الأختين﴾ والجمع بينهما في الوطي جمع، فيكون حراماً. وأما السنة، فما روى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يجمعنّ ماء ه في رحم أختين، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الجمع في اللفظ بملك اليمين: ۳/ ۴۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/ ۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/ ۲۴۸، غفاريه كوئٹه)

(۱) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول: ۸/ ۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر: ۲۲/ ۱۳۷، مطبعه خيريه بيروت)

سے بھی نکاح کرلیا، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ لڑکے کی ماں اس کے نکاح میں موجود ہے۔ لوگ اس کو زنا کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد فرض کیا جائے تو اس کا نکاح دوسری سے ناجائز ہو، یہاں یہ صورت ہے کہ اگر اپنی پہلی منکوحہ کو یہ شخص مرد فرض کرے تو اس کا نکاح لڑکے کی بیوی سے ناجائز ہوگا، کیونکہ وہ اس کے بیٹے کی بیوی ہوگی اور قرآن کریم میں ہے: ﴿وحلائل أبناء كم الذين من أصلابكم﴾(۱)۔ اگر اس لڑکے کی بیوی کو مرد فرض کریں تو اس کا نکاح اس پہلی منکوحہ سے ناجائز نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی حرمت کا رشتہ نہیں، ربیب کی بیوی سے نکاح جائز ہے:

"و لا تحرم زوجة الربيب و لا زوجة الراب، اهـ".(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "وحرمة الجمع بين امرأتين أيتهما فرضت ذكراً لم تحل للأخرى أبداً، فجاز الجمع بين امرأة و بنت زوجها أو امرأة ابنها أو أمة؛ لأنه لو فرضت المرأة أو مرأة الابن ذكراً، لم يحرم بخلاف عكسه، اهـ". درمختار: ۲۹٤/۲(۳)۔

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

"وأما الفرقة الثالثة، فحليلة الابن من الصلب وابن الابن وابن البنت وإن سفل، فتحرم على الرجل حليلة ابنه من صلبه بالنص، وهو قوله عزوجل: ﴿وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم﴾". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الفرقة الثالثة من المحرمات: ۴۱۹/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۷/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۶۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۱/۳، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۷/۳، ۱۶۸ رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳۸/۳، ۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۷۲/۳، ۱۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۶۷/۲، ۴۶۸ دار الكتب العلمية بيروت)

پس اس نکاح کو زنا کہنا غلط ہے، کیونکہ یہ نکاح جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۱ھ۔

غلط طریقہ پر پیدا شدہ لڑکی اور علاتی سالی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۶۹۹]: ﴿أن تجمعوا بين الأختين﴾(۱) کی زوجۂ ثانیہ کی اولاد سے انجان صورتِ حال یا جانکاری کی حالت میں ان کے اغیار سے جن کو ان کے رشتہ سے کوئی واسطہ نہیں، ایسی لڑکی سے ایک مومن کا عقد ومناکحت جائز ہے یا نہیں؟ باپ شریک سالی کی اولاد سے یعنی اس قسم کی سارھو کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی لڑکی غلط طریقہ پر پیدا ہوئی تو اس سے عقد نکاح حرام نہیں، جب کہ اس سے حرمت کا کوئی رشتہ نہ ہوا، جب تک بیوی نکاح میں رہے اس کی سوتیلی بہن کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۴/۱۲/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء : ۲۴)

"أى ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير : ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التفسير المنير : ۶/۵، دارالفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري : ۲/۲۶، حافظ كتب خانه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة : ۳/۴۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و لا يجمع بين المرأة و عمتها أو خالتها أو ابنة أخيها أو ابنة أختها، لقوله عليه السلام: "لا تنكح المرأة على عمتها، ولاعلى خالتها". الخ. (الهداية، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۳۰۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات : ۳/۱۶۹، المكتبة المكية بيروت) .... =

بیوی کے لاپتہ ہونے سے موت کا حکم اور اس کی بہن سے نکاح

سوال[۵۷۰۰]: ایک شخص کی بیوی کو پاگل ہوئے تقریباً سات آٹھ سال ہو چکے، اب سے دس ماہ پہلے گھر سے نکل گئی، گھر سے نکلنے کے دو ہفتہ بعد تک کچھ اس طرح پتہ چلتا رہا کہ کل یہاں تھی آج وہاں تھی، مگر تلاش کرنے پر وہ کہیں نہ مل سکی، اس کے بعد سے اب بالکل لاپتہ ہے، نہ معلوم کہ وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے۔ شروع میں پتہ دینے والے کا کہنا یہ ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں تھی اور حالت نازک تھی، اب اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اپنی پہلی بیوی کو مُردہ تصور کر کے دوسری بہن سے نکاح کرسکتا ہے؟ اگر نہیں کرسکتا ہے تو اگر اس کو طلاق دیکر دوسری بہن سے نکاح کرنا چاہے تو اس صورت میں مطلقہ کے لیے عدت ہوگی یا نہیں، اگر عدت ہوگی تو کیا ہوگی؟ اور اس عدت کا گزرنا کیسے معلوم ہوگا؟ بیوی کی بہن سے نکاح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلی بیوی سے تین بچے ہیں جس کی وجہ سے بچوں کی پرورش اچھی طرح ہو جانے کی امید ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کی موت وحیات کی تحقیق نہیں تو اس کو ابھی مُردہ تصور نہیں کیا جائے گا(۱) اس کو طلاق دیدے، پھر عدت تین ماہواری کا انتظار کر کے اس کی بہن سے نکاح کرلے(۲)، جتنی مدت میں اس کو تین حیض آیا کرتے تھے وہ مدت انتظار کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۹۰ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "هو لغةً المعدوم، وشرعاً: غائبٌ لم يُدرأحيٌّ هو فيتوقع قدومه، أم ميتٌ أودِع اللحد البلقع .... وهو في حق نفسه حيٌّ، فلا ينكح عرسه غيره ولا يقسم". (الدرالمختار، كتاب المفقود: ۴/۲۹۲، ۲۹۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب المفقود، ۱/۷۱۲، ۷۱۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذافي الهداية، كتاب المفقود، ۲/۶۲۰، ۶۲۲، شركة علمية، ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخول التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثةُ قروء: أي حيض، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/۴۶۳، دارإحياء التراث بيروت)

الفصل الخامس فی المحرمات بالشرک

(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

غیر مسلم سے نکاح

سوال[۵۷۰۱]: ایک غیر مسلم شخص نے ایک مسلم عورت سے نکاح کر رکھا تھا اور اپنا نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھ رکھا تھا۔ اس عورت کے کوئی اولاد نہیں ہوتی، تو وہ ایک روز میرے پاس آ کر کہنے لگی کہ تم اپنی لڑکی کی شادی میرے خاوند سے کردو، چنانچہ میں نے اس عورت کا اعتبار کر کے لڑکی کی شادی اس شخص سے کردی، تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ غیر مسلم ہے۔ لڑکی صرف دو یوم اس کے پاس رہی، اس کے بعد وہاں نہیں گئی۔ اب وہ شخص چار سال سے لاپتہ ہے، تلاش کے بعد بھی اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ کہاں ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے وہاں کفر وشرک دیکھا، مثلاً یہ کہ بت کو سجدہ کیا گیا تو شرعاً یہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا(۱)۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۲۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وكمالو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاذورة، فإنه يكفر وإن كان مصدقاً". (رد المحتار، باب المرتد: ۲۲۲/۴، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. (البقرة: ۲۲۱)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

آپ نے سخت غلطی کی کہ بلاتحقیق اپنی لڑکی کو ایسی جگہ جھونک دیا، اب باقاعدۂ شریعت کے مطابق جانی پہچانی مناسب جگہ اس کا عقد کردیں اور اس عورت کو بھی وہاں سے علیحدہ کرنے کی کوشش کریں جس نے اس نکاح کی سفارش کی تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۱۳۹۵ھ۔

مسلم اور غیر مسلم کا نکاح

الاستفتاء [۵۷۰۲]: کافر کی لڑکی اور مسلمان کا لڑکا دونوں کی شادی درست ہے یا نہیں اور اگر مسلمان ہونے سے پہلے دونوں کا نکاح ہوا تو اسلام لانے کے بعد دونوں کا پہلا نکاح کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکا اور لڑکی دونوں مسلمان ہوں تو ان کا نکاح درست ہوگیا، اگر ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو ان کا نکاح جائز نہیں (۱)۔ اگر اسلام لانے سے پہلے دونوں کا کفر کی حالت میں نکاح ہوا اور پھر وہ دونوں مسلمان ہوگئے تو ان کا وہی پہلا نکاح کافی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "ومنها: ألا تكون المرأة مشركةً إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة: ۴۵۸/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"و منها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿و لا تنكحوا المشركين حتى يومنوا﴾. [البقرة: ۲۲۱]. (بدائع الصنائع، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة، كتاب النكاح: ۴۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم السابع: المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

(۲) "أسلم المتزوجان بلا سماع شهود أو في عدة كافر معتقدين ذلك، أقرا عليه؛ لأنا أمرنا بتركهم ومايعتقدون". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب نكاح الكافر: ۱۸۶/۳، سعيد)

غیر مسلم کا قبولِ اسلام اور اس کا نکاح

سوال[۵۷۰۳] : ۱...... اگر ہندو قوم کی عورت مسلمان لڑکے پر فدا ہوکر اسلام قبول کرنا چاہتی ہو، اور اس کے اسلام قبول کرنے سے اس کی قوم وقانون کوئی معترض نہ ہو تو اس حالت میں کیا شرع اجازت دیتا ہے کہ اس عورت کو مسلمان کرلیا جائے؟

۲...... اگر مسلمان لڑکے نے نیچ قوم کے ہمراہ رہ کر حرام کھایا ہو، اس کے بعد اپنی حرکت سے نادم ہوکر توبہ کرے تو کیا یہ توبہ کرنا درست ہے، یا پھر سے شرع حکم دیتا ہے کہ دوبارہ مسلمان کیا جائے؟

۳...... اگر ہنود کی عورت مسلمان کے ہمراہ مدت تک رہ چکی ہو اور مدتِ دراز کے بعد اپنی سیاہ کاری سے نادم ہوکر اسلام قبول کرلے اور وہ حاملہ بھی نہ ہو، ایسی صورت میں بعد قبول کرنے اسلام کے لڑکے موصوف کے ہمراہ فوراً نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۴...... اگر بعد قبولِ اسلام کے خود لڑکے موصوف کے ہمراہ نکاح کیا جائے تو کیا وہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۵...... اور یہ کامل اندیشہ ہے کہ اگر فوراً نکاح نہ کرادیا جائے تو بعد قبولِ اسلام کے بھی جانبین سے ضرور گناہ سرزد ہوگا، اور لڑکے موصوف کے سوا اس لڑکی کی کہیں رہائش کی امید اور خورد ونوش کا کفیل کوئی نہیں ہوتا ہے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بعد قبولِ اسلام کے فوراً نکاح کرادیا جائے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

۶...... اگر مسلمان کسی نیچ قوم کو اپنی کسرِ شان سمجھ کر مسلمان کرنے سے انکار کردیں اور وہ اس بات کا شائق ہو تو کیا وہ مسلمان گنہگار رہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اس عورت کو مسلمان کرلیا جائے۔

۲...... حرام کام کرنے سے گناہ ہوتا ہے اور توبہ کرنا گناہ سے فرض ہے(۱) اور گناہ کرنے سے اسلام

= (وكذا في البحر الرائق، باب نكاح الكافر : ۳/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر : ۱/۳۶۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم : ۸)　=

سے خارج نہیں ہوتا، لہٰذا دوبارہ مسلمان کرنا یعنی تجدید اسلام کرنا فرض نہیں: ''و لا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن کانت کبیرةً إذا لم یستحلها، و لا نزیل عنه اسم الإیمان. اهـ''. شرح فقه أکبر، ص: ٧٦ (١)۔

۳......اگر عورت کافرہ ہے تو بغیر اسلام قبول کئے اس سے کسی مسلمان کا نکاح درست نہیں اور جس مسلمان نے اس سے ناجائز تعلق رکھا ہے وہ گنہگار ہے، اس کے ذمہ توبہ ضروری ہے، تجدید اسلام ضروری نہیں: ''لا یصح نکاح عابدة کوکب لا کتاب لها، والمجوسیة والوثنیة، اهـ''. درمختار: ٢/٤٤٨ (٢)۔

۴......اگر وہ ہندو عورت ایسی ہے کہ اس کا کوئی شوہر نہیں تو جب وہ اسلام قبول کرے، فوراً اس سے نکاح درست ہے، اگر اس کا شوہر موجود ہے تو پھر اس کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ بھی مسلمان ہو جائے تب تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اگر وہ شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو ان میں تفریق کردی جائے۔ اگر یہ عورت دار الحرب میں ہوتو اسلام قبول کرنے کے وقت سے تین حیض گزار کر اس کا نکاح ختم ہوگا، اگر حاملہ ہو تو وضعِ حمل پر اس کا نکاح ختم ہوگا، اس کے بعد عدت گزار کر نکاح کرنا چاہیے یہی احوط ہے: ''و لو أسلم أحدهما ثمة، لم تبن حتی تحیض ثلاثاً قبل إسلام الآخر. الخ''. در مختار: ٢/٦٠٣ (٣)۔

= ''عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه : قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''لله أشد فرحاً بتوبة أحدکم من أحدکم بضالته إذا وجدها''. قال النووی تحت هذا الحدیث : ''واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة. الخ''. (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی، کتاب التوبة :۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذافی روح المعانی (پ: ۲۷) : ۲۷/۱۵۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) (شرح الفقه الأکبر، الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الإیمان، ص: ۷۱، قدیمی)

''العصاة من أهل الکبائر لا یخلدون فی النار إذا ماتوا و هم موحّدون''. (شرح العقیدة الطحاویة، ص: ۲۹۱، مکتبه الغرباء)

(۲) (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات : ۳/۴۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات : ۲/۴۷۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات : ۳/۱۸۱، رشیدیه)

(۳) (الدر المختار، باب نکاح الکافر، مطلب: الصبی والمجنون لیسا بأهل لإیقاع طلاق الخ: =

۵...... ہندوعورت سے بلا اس کے اسلام قبول کئے کسی طرح نکاح درست نہیں ہے، لقولہ تعالیٰ:
﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ الآیة(۱)۔

۶...... جو شخص مسلمان ہونا چاہے اس کو مسلمان کرنے سے انکار کرنا اس کے کفر کے ساتھ راضی ہونا ہے، اور کفر سے راضی ہونا کفر ہے، اس کو فوراً مسلمان کرنا ضروری ہے:

"وفي الخلاصة: کافرٌ قال لمسلم: أعرض عليّ الإسلام، فقال: اذهب إلی فلان العالم، کفر؛ لأنه رضي ببقائه علی الکفر حین ملازمة العالم و لقائه. وقال أبو اللیث: إن بعثه إلی عالم، لا یکفر؛ لأن العالم ربما یحسنه و لا یحسن الجاهل، فلم یکن راضیاً بکفره ساعةً، بل کان راضیاً بالإسلام أتمّ و أکملَ. الخ". شرح فقه أکبر، ص: ۲۱۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر العلوم، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

= ۳/ ۱۹۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/ ۳۷۰، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲/ ۲۸۸، إمدادیه ملتان)

(وکذا في فتح القدیر، باب نکاح أهل الشرک: ۳/ ۴۲۱، ۴۲۲، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۱)

"منها أن لا تکون المرأة مشرکةً إذا کان الرجل مسلماً، فلا یجوز للمسلم أن ینکح المشرکة، لقوله تعالی: ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾. الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في نکاح المشرکة: ۳/ ۴۵۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في فقه السنة، المحرمات من النساء، زواج المشرکة: ۲/ ۹۳، دار الکتب بشاور)

(۲) (شرح الفقه الأکبر، فصل في الکفر صریحاً وکنایةً، ص: ۱۷۷، قدیمي)

(وکذا في خلاصة الفتاوی، الفصل الثاني في ألفاظ الکفر الخ، الجنس الرابع: ۴/ ۳۸۶، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، الباب التاسع في أحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر أنواع، منها ما یتعلق بالإیمان: ۲/ ۲۵۸، رشیدیه)

نومسلم جواپنے اسلام کومخفی رکھتا ہے اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے

سوال[۵۷۰۴]: زید تعلیم یافتہ ہے اور گورنمنٹ سروس میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہے، اس کا کہنا ہے کہ ان کے ہونے والے داماد "رام" نے اسلام قبول کرلیا ہے لیکن خفیہ طور پر، اور سوائے زید کے یہ اسرار اور کوئی نہیں جانتا اور کچھ مصلحت جائیداد وغیرہ کی بنا پر رام نے اپنا ہندو نام تبدیل نہیں کیا ہے۔ اب زید چاہتا ہے کہ ان کی لڑکی مسلمہ کا نکاح رام سے کردیا جائے۔ اب سوال یہ کہ ایک غیر مسلم اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنا پرانا ہندو نام رکھ سکتا ہے؟

رام کے سلسلہ میں یہ بات بھی واضح رہے کہ اس کے مسلمان ہونے کی شہادت صرف ایک ہی آدمی یعنی زید ہی دیتا ہے، اس کے ثبوت میں ان کے پاس نہ تو کوئی تحریری اعلان ہے اور نہ کوئی اور ثبوت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح اس کا کفر سب کو معلوم ہے وہ مخفی نہیں ہے، اسی طرح اس کے اسلام کا بھی اعلان ہونا ضروری ہے، خواہ اس طرح کہ وہ مجمع میں اسلام قبول کرے، یا اپنے مسلمان ہوجانے کا اعلان کرے، خواہ اس طرح کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کرے(۱)، مسئولہ طریقہ پر اس کے خفیہ اسلام کا سہارا لیکر اس سے مسلمان لڑکی کی شادی نہ کی جائے (۲)۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا نام اسلامی رکھا

---

(۱) "وفي الخامس بهما مع التبری عن کل دین یخالف دین الإسلام، بدائع وآخر کراهية الدرر".
(الدرالمختار). "أن اشتراط التبری لإجراء أحکام الإسلام .... ثم إن الذی فی البدائع : لو أتی بالشهادتين لا يحکم باسلامه حتی يتبرأ عن الدين الذی هو عليه. وزاد فی المحيط: لايکون مسلما حتی يتبرأ من دينه مع ذلک و يقرّ أنه دخل فی الإسلام لأنه يحتمل أنه تبرأ من اليهودية و دخل فی النصرانية".

(ردالمحتار، باب المرتد، مبحث فی اشتراط التبری مع الإتيان بالشهادتين : ۲۲۷/۴، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع للعلامة الكاسانی، كتاب السير، فصل فی أحكام المرتدين : ۵۳۱/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۶/۵، رشيديه)

(۲) "و منها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز نكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتی يؤمنوا﴾. [البقرة : ۲۲۱]. (بدائع الصنائع، فصل فی عدم نكاح الكافر =

جائے، پرانا ہندوانہ نام بدل دیا جائے۔ جائیداد وغیرہ کی مصلحت سے اسلام کو مخفی رکھنا اور اپنا پرانا نام باقی رکھنا اور مسلمان لڑکی سے شادی کر لینا خطرناک تلبیس ہے، اس سے بچنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱۲/۸۸ھ۔

دھوکہ دیکر کافر سے نکاح

سوال[۵۷۰۵]: ایک مسلمان شخص نے ایک کافر عورت کو رکھ لیا، پہلے شوہر سے اس کے دو لڑکے ہیں جو کافر ہی ہیں، اس مسلمان شخص کے دوست نے ایک غریب مسلمان لڑکی کو دھوکہ دیکر اس سے اس عورت کے کافر لڑکے سے نکاح کرادیا اور لڑکی کو رخصت کردیا، جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کا کافر لڑکے سے نکاح کیا گیا ہے تو لڑکی سخت بیزار ہوئی اور اس کافر کے پاس جانے کو تیار نہیں۔ اس صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اور جس نے یہ نکاح کیا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

= المسلمة، كتاب النكاح: ۴۲۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم السابع: المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آباء كم، فأحسنوا أسمائكم". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۳۲۸/۲، إمداديه ملتان)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: "أن بنتاً كانت لعمر يقال لها: عاصية، فسماها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جميلةً". رواه مسلم". قال الملا على القاري تحت هذا الحديث: "ثم رأيت التوربشتي قال: وإنما كان ذلك منه في الجاهلية، فإنهم كانوا يسمّون بالعاص والعاصية ذهاباً إلى معنى الآباء عن قبول النقائص والرضا، فلما جاء الله بالإسلام كره له ذلك" .... قال النووي رحمه الله تعالىٰ: وفيه استحباب تغيير الاسم القبيح كما يستحب تغيير الأسامي المكروهة إلى حسن". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأسامي، الفصل الأول: ۵۱۹/۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، لڑکی ہرگز اس خبیث کافر کے پاس نہ جائے (۱)۔ جس نے یہ فریب کیا ہے وہ انتہائی درجہ بے غیرت اور سخت گنہگار ہے (۲)، ہمیشہ اس کے فریب سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ جس نے کافر عورت کو رکھ لیا ہے وہ بھی زنا کاری میں مبتلا ہے اس سے اس عورت کو الگ کر دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیٹی کا بلا تحقیق غیر مسلک میں نکاح

سوال [۵۷۰۶]: میں نے اپنی لڑکی کی شادی نا آشنائی میں ایک جگہ کی، جس وقت میری لڑکی اپنی سسرال کوگئی تو پتہ چلا کہ وہ دوسرے مسلک کے آدمی ہیں، یہ بھی نہیں طے کر سکتا کہ وہ کونسا مسلک ہے جس کی وہ لوگ اقتدا کرتے ہیں۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ انہوں نے صبح کو میری لڑکی سے کہا کہ روزہ رکھو، میری لڑکی نے کہا ہم نے کہیں ایسا روزہ نہیں رکھا، ان لوگوں نے روزہ رکھا اور عصر کے بعد افطار کرلیا، میری لڑکی کو بہت زیادہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبدٌ مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾. (سورة البقرة: ۲۲۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿لا هن حل لهم و لا هم يحلون لهن﴾ (سورة الممتحنة: ۱۰)

(۲) "عن سفيان بن أسد الحضرمي رضي اللہ تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم يقول: "كبرت خيانةً أن تحدث أخاك حديثاً هو لك به مصدّقٌ و أنت به كاذب". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، الفصل الثاني، ص: ۴۱۳، قديمي)

وقال صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم: "ملعونٌ من ضارّ مؤمناً أو مكر به." (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

"وقال صلى اللہ تعالىٰ عليه وسلم: "المؤمن غرٌّ كريم، والفاجر خبٌّ لئيم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرفق والحياء و حسن الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۳۲، قديمي)

(۳) (راجع، ص: ۴۴۷، رقم الحاشية: ۲)

مطعون کیا۔ان کے بڑے بھائی کے گھر میں شیعہ کی لڑکی ہے، ان کا کوئی طریقہ مسلمانوں جیسا نہیں ہے، نماز کا آج تک ثبوت نہیں ملا کہ کبھی انہوں نے پڑھی ہے۔

اس کے بارے میں بہت زیادہ متفکر ہوں کہ میں کیا طریقہ اختیار کروں، جھوٹ بہت زیادہ بولتے ہیں۔اب عرض یہ ہے کہ اپنی لڑکی وہاں بھیجوں یا نہیں؟ یا یہی مناسب ہے جس طرح ہوگیا؟ خیال ایسا ہے کہ شاید نباہ نہ ہوسکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا تحقیق وتفتیش کے لڑکی کی شادی کردینا غیر دانشمندانہ فعل ہے جس سے لڑکی کی زندگی بھی تباہ ہوسکتی ہے، دین بھی خراب ہوسکتا ہے۔اب تحقیق کی جائے اگر شوہر کے عقیدے اسلامی عقیدے نہیں، نماز کو فرض نہیں کہتے، روزہ کو محض عصر کے بعد تک کہتے ہیں، غروب تک نہیں کہتے، تو ایسے شخص سے نکاح ہی درست نہیں (۱) لڑکی کو وہاں سے علیحدہ کرلیا جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. ولأن في إنكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع مؤمنة في الكفر، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۲۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السابع: المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱۳۳/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳۳۰/۱، رشيديه) =

غیر مذہب لڑکے سے نکاح

سوال[۷۰۷۵]: ایک شادی کی تصویر آپ کی خدمت میں ارسال ہے، ایسے مسلمان ماں باپ کو کیا کہا جائے یا مسلمان؟ جنہوں نے اپنی لڑکی خوشی کے ساتھ غیر مذہب لڑکے کے (سیول میرج کے ذریعہ) حوالے کی ہو؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان لڑکی کی شادی غیر مذہب والے سے قطعاً حرام ہے، یہ نکاح نہیں بلکہ حرام کاری اور زنا ہے(۱)، جو باپ اپنی لڑکی کی شادی اس طرح کردے وہ بے غیرت اور دیوث ہے(۲)، اس نے قرآن حکیم کے حکم کو توڑا ہے، صاف صاف قرآن کریم میں ہے:﴿لا هن حل لهم و لا هم يحلون لهن﴾(۳)۔

ایسے شخص سے بالکل قطع تعلق کردیا جائے (۴) تاکہ اس کی خباثت کے مہلک اثرات سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس لڑکے کو بزرگوں سے ملا دیا جائے اور اسلامی اخلاق کی تعلیم ومطالعہ کی اہمیت دی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ پاک اس کے دل میں اسلام کی محبت وعظمت پیدا فرمائے اور وہ اسلام قبول

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۲۴۸/۳، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿و لا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبدٌ مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

(۲) "هو (أي الديوث) من لا يغار على امرأته أو محرمه". (الدرالمختار، باب التعزير، مطلب في الحرج المجرد: ۷۰/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير، ۳۷۳/۲، غفاريه كوئٹه)

(۳) (سورة الممتحنة: ۱۰)

(۴) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد: ۱۳۷/۲۲، مطبع خيرية بيروت)

کرلے، پھران دونوں کا نکاح دوبارہ کردیا جائے، اس لڑکی اورلڑکے دونوں کی عاقبت درست ہوجائے گی اور دونوں تباہی وہزیمت سے بچ جائیں گے، ﴿وما ذلك على الله بعزيز﴾۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۴ھ۔

ہریجن کے ساتھ بھاگنے سے نکاح کا حکم

سوال[۵۷۰۸]: **الاستفتاء**: زید کی بیوی ساجدہ جوتین بچوں کی ماں ہے ایک ہریجن کے ساتھ بھاگ گئی، بکراوراس کی بیوی بھی اس کے بھگانے میں شریک رہے، بکراوراس کی بیوی نے تین یوم تک ساجدہ کوچھپائے رکھا۔تواب ساجدہ زید کے نکاح میں رہی یانہیں؟ اب ساجدہ پکڑی گئی ہے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرواقعہ اسی طرح ہے تو بکر بھی گنہگار ہے، اس کی بیوی بھی گنہگار ہے اور ساجدہ بھی گنہگار ہے، سب کو توبہ واستغفار لازم ہے (۱)۔ساجدہ اس خبیث حرکت کے باوجود زید کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی (۲)۔ اس نے خدانخواستہ وہاں جاکر بت کی پوجا وغیرہ بھی اگر کی ہوتو تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح بھی کرائی جائے (۳)، یہ بھی خیال رہے کہ شرعی پردہ نہ کرنے کو اس قسم کے واقعات میں زیادہ دخل ہے، اگر احکامِ اسلام کی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونو على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ .... "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله .... من دعا إلى ضلالة، كان عليه من الإثم مثل آثام من اتبعه إلى يوم القيامة. الخ". (تفسير ابن كثير، سورة المائدة، (پ: ٦) : ٢/٢، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في روح المعاني: ٦/٥٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة: ٢/٤٢٩، قديمي)

(۲) نکاح کے رفع ہونے کے اسباب میں سے کوئی سبب نہیں پایا گیا، لہٰذا نکاح بدستور قائم ہے: "فهو رفع قيد النكاح حالاً أو مآلاً بلفظ مخصوص". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول: ١/٣٤٨، رشيديه)

"وكما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً في قاذورة، فإنه يكفر وإن كان مصدقاً". (رد المحتار، باب المرتد: ٤/٢٢٢، سعيد)

(۳) "وما كان في كونه كفراً اختلاف، يؤمر قائله بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك". =

تعلیم اور پابندی ہوتو ایسی صورتیں نہ پیش آئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتابیہ سے نکاح

سوال[۵۷۰۹]: زید مسلمان ہے وہ کتابیہ سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کوئی شرط وغیرہ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عالم گیری میں ہے:"وکل من یعتقد دیناً سماویاً وله کتاب منزل کصحف إبراهیم وشیث وزبور داؤد علیه السلام، فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتهم وأکل ذبائحهم"(۱)۔ نیز درمختار:۲/۲۸۹ علی ہامش ردالمحتار میں ہے:"وصح نکاح کتابیة"(۲)۔ نیز قرآن مجید سے بھی ثابت ہے:﴿والمحصنات من الذین أوتو الکتاب﴾ الخ (پ: ۶، سورہ مائدہ)(۳)۔ مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان مرد کتابیہ (عیسائی ہو یا یہودی) سے نکاح کرسکتا ہے۔

"الحیلة الناجزة، ص:۱۶۵" میں لکھا ہے کہ:"اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ نصرانیہ وغیرہ ہوتو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے: اول یہ کہ وہ تمام اقوامِ یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب (دہریہ) نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ اصل سے یہودیہ ونصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔ جب

= (مجمع الأنهر، باب المرتد: ۱/۶۸۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السابع: المحرمات بالشرک: ۱/۲۸۱، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۴۵، سعید)

(وکذافی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۸۲، رشیدیه)

(۳) (سورة المائده: ۵)

یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہوجاتا ہے، لیکن بلاضرورتِ شدیدہ اس سے بھی نکاح مکروہ ہے اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے کو منع فرمادیا تھا، اور جب عہدِ فاروقی میں -کہ زمانۂ خیر تھا- ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں'' (۱)۔

بالخصوص موجودہ اقوامِ یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین ودنیا کو تباہ وبرباد کردینے والے ہیں جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس کے اثرات سے متأثر ہونے کا مظنہ غالب ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وکعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتابیہ سے نکاح کیا تو آپ خفا ہوگئے، خفگی کی وجہ ابن ہمام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألزم لأمه". فتح القدير، كتاب النكاح، ص: ۳۸۳ (۲)۔

نیز تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر غدر اور نقصان کیا ہے، لہٰذا سلامتی اسی میں ہے کہ ان سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے (۳)۔ اس کا بھی خیال رکھا جائے

---

(۱) (الحيلة الناجزة، رسالة حكم الازدواج مع اختلاف دين الأزواج، ص: ۱۰۴، دارالإشاعت كراچی)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۳۰، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) اکثر فقہائے کرام نے اہلِ کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے: "والأولى أن لا يتزوج كتابيةً، ولا يأكل ذبائحهم إلا لضرورة .... وفي المحيط: يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لا يأمن أن يكون بينهما ولد، فينشأ على طبائع أهل الحرب و يتخلق بأخلاقهم، فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۴۵، سعيد)

(وكذا في معارف القرآن، (سورة المائدة، پ: ۲): ۳/۲۰ تا ۲۴، إدارة المعارف كراچی)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، باب تزوج الكتابيات، سورة المائدة: ۲/۴۵۹، ۴۶۰، قديمی)

کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، کتابی ہو یا غیر کتابی (۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۸ھ۔

بحالتِ مجبوری اہلِ کتاب سے نکاح

سوال [۵۷۱۰]: یہودی اور عیسائی جو کہ اہلِ کتاب ہونے کا دعوی کرتے ہیں، ان کی لڑکیوں سے بغیر ان کو مسلمان کئے ہوئے کسی مسلمان کا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں مسلمان عورتیں نہ ہوں اور اس کو ابتلاء کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے اہل کتاب کی عورت سے نکاح کی اجازت ہے، اہلِ کتاب ہونے کے لئے ان کا دعوی بھی کافی ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے تصریح کی ہے (۲)۔ بغیر مجبوری کے ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۴ھ۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۶۶۵۲/۹، رشيديه)

(۲) "ففي الفتح: ويجوز تزوج الكتابيات، والأولىٰ أن لا يفعل و لا يأكل ذبيحتهم إلا لضروة، وتكره الكتابية الحربية إجماعاً، لافتتاح باب الفتنة ....اهـ". (الدرالمختار). "(قوله: مقرة بالكتاب) في النهر عن الزيلعي: واعلم أن من اعتقد ديناً سماوياً وله كتابٌ منزلٌ كصحف إبراهيم و شيث و زبور داؤد، فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم. قال في البحر: وحاصله أن المذهب الإطلاق لما ذكره شمس الأئمة في المبسوط من أن ذبيحة النصراني حلال مطلقاً، سواء قال بثالث ثلاثة أو لا، لإطلاق الكتاب هنا، الخ". (رد المحتار كتاب النكاح، باب المحرمات، مطلب مهم في وطء=

عیسائی لڑکی سے نکاح

سوال[۱۱۵۷۱]: دینِ اسلام کی رو سے اہل کتاب سے نکاح کی اجازت ہے، اس مسئلہ کی رو سے کیا ایک مسلمان عیسائی رومن کیتھولک لڑکی سے شادی کرسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں بچوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کو مذہب اسلام کی تعلیم پر اٹھایا جائے، لیکن لڑکی کو چرچ کی جانب سے شادی کی اجازت صرف اس وقت مل سکتی ہے جب کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ کم از کم بچوں کو بپتسمہ (مذہبی رسم) کیا جائے، ان بچوں کے مذہب اسلام پر اٹھانے پر چرچ کو اعتراض نہیں ہے۔ کیا یہ شرط منظور کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کی شادی کی گنجائش ہے(۱)، لیکن اس میں مفاسد ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے(۲)، اس لئے جہاں تک ہوسکے ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔ اگر کوئی

= السراری الخ : ۴۵/۳، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح، باب المحرمات : ۱۹۴/۲، ۱۹۵، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات : ۱۸۲/۳، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب﴾. (المائدة : ۵)

"وکل من یعتقد دیناً سماویاً، له کتابٌ منزلٌ کصحف إبراهیم وشیث وزبور و داؤد، فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتهم وأکل ذبائحهم". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث، القسم السابع: المحرمات بالشرک : ۲۸۱/۱، رشیدیه)

"وصح نکاح کتابیة". (الدرالمختار، فصل فی المحرمات : ۴۵/۳، کتاب النکاح، سعید)

(۲) "فمن المتزوجین حذیفة و طلحة و کعب بن مالک، وغضب عمر، فقالوا: نطلّق یا أمیر المؤمنین، وإنما کان غضبه لخلطة الکافرة بالمؤمن وخوف الفتنة علی الولد؛ لأنه فی صغره ألزم لأمه، الخ". (فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات : ۲۳۰/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"والأولیٰ أن لا یتزوج کتابیةً، ولا یأکل ذبائحهم إلا لضرورة......... وفی المحیط : یکره تزوج الکتابیة الحربیة؛ لأن الإنسان لا یأمن أن یکون بینهما ولد، فینشأ علی طبائع أهل الحرب ویتخلق بأخلاقهم، فلا یستطیع المسلم قلعه عن تلک العادة". (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل فی =

مسلمان کسی ایسے مقام میں ہو جہاں مسلم عورت نہ مل سکتی ہو اور دوسری جگہ سے بھی انتظام دشوار ہو اور اس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں تنگی نہیں۔ بچے مسلمان ہوں گے، چرچ کی جانب سے ان کے اوپر عیسائی ہونے کا شرعاً حکم نہ ہوگا، بلکہ یہ عمل بیکار ہوگا، شرط کریں یا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح

سوال [۵۷۱۲]: یہودی و نصرانی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہودی و نصرانی عورتوں سے نکاح کی گنجائش ہے، مگر اس میں مفاسد زیادہ ہیں، اس لئے پرہیز کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۱۲/۳۰ھ۔

بے خبری میں شیعہ تبرائی سے نابالغہ کا نکاح ہوگیا

سوال [۵۷۱۳]: ایک شخص نے سارو ہ بل کے ابتدائے زمانہ میں اپنی نابالغہ کا نکاح ایک شخص کے لڑکے نابالغ کے ساتھ کردیا تھا، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ یہ دوسرا شخص مذہباً شیعہ اور فرقہ تبرائیہ میں سے ہے اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس لڑکے کے یہاں گھر رہ کر بھی آئی ہے، لیکن لڑکے کو اتنا خبط الحواس پایا کہ جس سے توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ لڑکی کا پیٹ مانگ کر بھردے۔ اور قویٰ کے اعتبار سے اتنا ضعیف نہ گفتگو کرسکے اور

= المحرمات: ۱۸۲/۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، فصل فی المحرمات: ۴۵/۳، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی معارف القرآن، (سورۃ المائدۃ، پ: ٦): ۳/ ۲۰ - ۲۴، إدارۃ المعارف کراچی)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص، باب تزوج الکتابیات، سورۃ المائدۃ: ۴۵۹/۲، ۴۶۰، قدیمی)

(۱) (قد مر تخریجہ تحت عنوان "کتابیہ سے نکاح")

نہ بیوی سے جماع کر سکنے پر قادر ہے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح حالت نابالغیت میں لڑکے نابالغ سے جو مذہباً شیعہ اور فرقہ تبرائیہ میں سے ہے صحیح اور درست ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرقہ تبرائیہ کی تکفیر میں اکثر علماء کی تصریحات موجود ہیں (۱)، مگر بعض نے انکار بھی کیا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں زوجہ کو چاہیے کہ عدالتِ مسلمہ میں مقدمہ پیش کرے کہ یہ شخص میرے حقوق ادا نہیں کرتا، حاکم مسلم واقعات کی تحقیق وتفتیش کے بعد اگر زوجہ کا مطالبہ صحیح ثابت ہو تو شوہر سے طلاق دلا دے یا خلع کرا دے یا نکاح فسخ کر دے، رسالہ حیلہ ناجزہ میں تفریق اور فسخ نکاح کی صورت تفصیل سے درج ہے جس میں علمائے تھانہ بھون، دیوبند، سہارنپور کے متفقہ دستخط ہیں، اس کو بھی بغور دیکھ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاخری/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ جمادی الاخری/ ۶۱ھ۔

سنیہ کا نکاح شیعہ سے

سوال [۵۷۱۴]: ہندہ کا نکاح زید سے ہو چکا ہے اور اس کے والدین سنی المذہب اہل سنت والجماعت سے ہیں۔ مسماۃ مذکورہ اور اس کے باپ دونوں نیک اور صالح ہیں اور زید شیعی المذہب سب وشتم

---

(۱) "وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليّ، و أن جبرائيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر، لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة". (ردالمحتار: ۴۶/۳، كتاب النكاح، سعيد)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل جلیل القدر علماء نے ان کے عقائد کے مطالعے کے بعد انہیں کافر قرار دیا ہے:

إمام ابن حزم أندلسیؒ [۴۵۶ھـ] الفصل في الملل والاهواء والنحل: ۱۸۲/۳، دار المعرفة بيروت)

شيخ عبدالقادر جيلانیؒ [۵۶۱ھـ] غنية الطالبين، ص: ۱۶۳.

قاضي عياض مالكیؒ [۵۴۴ھـ] الشفاء : ۲۸۶/۲.

ملا علي القاریؒ: [۱۰۱۴ھـ]، مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۸۴/۴".

جماعت علمائے هند، فتاویٰ عالمگيری: ۲۶۸/۴.

(۲) (حيلهٔ ناجزه، حكم زوجه متعنت، ص: ۷۳، ۷۴، دار الإشاعت، كراچی)

کرنے والا ہے، اپنے مذہب میں غالی ہے۔ مسماۃ مذکورہ کے والدین اپنی لڑکی زید کو دینے کے لئے بوجہ اس کے شیعہ ہونے کے بالکل تیار نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ شیعہ اور سنیہ کا نکاح ہو سکتا ہے، یا اگر نکاح صحیح نہیں ہے تو لڑکی کے والدین بغیر فسخ کرائے دوسری جگہ نکاح کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فسخ کرانا ضروری ہے تو صورت فسخ کیا ہوگی؟ بالتفصیل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کفریہ عقائد رکھتا ہے، مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کا منکر ہے، یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کا معتقد ہے، یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق اعتقاد رکھتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وحی پہونچانے میں غلطی کی، یا اور کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے جو کہ صریح قرآن اور نصوصِ قطعیہ کے مخالف ہے تو وہ کافر ہے، اس سے ابتداہی سے ہندہ کا نکاح صحیح نہیں ہوا (۱)، لہٰذا فسخ کی بھی ضرورت نہیں۔

اگر زید صرف سب وشتم کرتا ہے تو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، بعض تکفیر کرتے ہیں بعض تکفیر نہیں کرتے، صرف تفسیق کرتے ہیں (۲)۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ رضامندی سے یا ڈرا کر یا لالچ دلا

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿و لا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۴۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك: ۱/۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث، المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۹/۶۶۵۲، رشيديه)

(۲) "نقل في البزازية عن الخلاصة: أن الرافضي إذا كان يسب الشيخين و يلعنهما، فهو كافر، وإن كان يفضل علياً عليهما فهو مبتدع.......... على أن الحكم عليه بالكفر مشكل لمافي الاختيار: اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع أجمع و تخطئتهم، وسبُّ أحدٍ من الصحابة و بغضه لا يكون كفراً لكن يضلل، الخ". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين: ۴/۲۳۷، سعيد)

کر زید سے طلاق حاصل کرلی جائے، یا خلع کرلیا جائے، اگر یہ نہ ہوسکے تو حاکم مسلم کی عدالت سے فسخ کرالیا جائے:

قال الشامی بعد نقل العبارات من الکتب المختلفة: "نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها، أو أنکر صحبة الصدیق، أو اعتقد الأولوهیة فی عليّ، أو أن جبرئیل علیه السلام غلط فی الوحی أو نحو ذلك من الکفر الصریح المخالف للقرآن، اھ". ردالمحتار: ٤/٤٥٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۹/۶۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شیعہ سے نکاح

سوال[۵۷۱۵]: زید مذہبِ شیعہ رکھتا ہے اور وہ تفضیلی شیعہ نہیں بلکہ جو لوگ سب وشتمِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کرتے ہیں۔ بینوا وتوجروا۔ مدلل مبرہن ہو۔

العارض: شاہ نواز خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا عقیدہ اگر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اللہ تعالیٰ کا حلول ہوا تھا، یا حضرت علی رضی

(١) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب فی حکم سب الشیخین: ۲۳۷/۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب المرتد: ۴۸۳/۲، دار المعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، منها ما یتعلق بالأنبیاء: ۲۶۴/۲، رشیدیه)

"و لا یجوز للمرتد أن یتزوج مرتدةً ولا مسلمةً ولا کافرةً أصلیةً، وکذلک لا یجوز نکاح المرتدة مع أحد، کذا فی المبسوط". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث: المحرمات بالشرک: ۲۸۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب نکاح الکافر: ۲۰۰/۳، سعید)

اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی آخر الزمان مان کر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وحی پہنچانے میں غلطی کا اعتقاد رکھتا ہے، یا قرآن شریف کو محرف مانتا ہے، یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگاتا ہے، یا شیخین کو کافر اعتقاد کرتا ہے، یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سب وشتم کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اگر شروع ہی سے اس کا عقیدہ ایسا ہے تب تو اس سے سنی عورت کا نکاح ہی صحیح نہیں ہوا(۱)۔ اگر نکاح کے بعد ایسا عقیدہ ہوگیا تو جب سے ایسا عقیدہ ہوا نکاح فوراً فسخ ہوگیا:

”لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في عليّ، أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن، اهـ“. رد المحتار، ص: ۴۵۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

رضا خانی عورت سے نکاح

سوال[۵۷۱۶]: ۱...... زید اپنا نکاح ایک رضا خانی عورت سے کرنا چاہتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب تسلیم کرتی ہے۔ یہ نکاح کرنا کیسا ہے؟

رافضی مرد، عورت سے نکاح اور ان کے عقائد

سوال[۵۷۱۷]: ۲...... رافضی عورت سے نکاح کا کیا حکم ہے، یا رافضی مرد کا سنیہ سے نکاح کرنا کیسا ہے، اور ﴿لا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ سے کیا مراد ہے؟ لیکن مشرکوں سے مسلمانوں کا نکاح نہیں ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر زید کو یہ توقع ہے کہ وہ اس عورت کے خیالات کی اصلاح کرلے گا تو اس سے نکاح کرسکتا

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ”سنیہ کا نکاح شیعہ سے“)

(۲) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب في حكم سب الشيخين: ۲۳۷/۴، سعيد)

ہے۔علم غیب کا یہ عقیدہ غلط ہے مگر "شرك فی الذات" نہیں، جس کی وجہ سے حقیقی ارتداد کا حکم کیا جائے۔ اگر زید کو یہ توقع نہیں بلکہ خود ہی اس کے خیالات کی طرف مائل ہوجانے کا خطرہ ہے تو اس سے ہرگز نکاح نہ کرے(۱)۔

۲...... جو رافضی ایسا عقیدہ رکھتا ہو جس پر کفر کا فتویٰ ہے، اس رافضی مرد وعورت سے کسی سنی العقیدہ مرد وعورت کا نکاح درست نہیں۔ جس کا عقیدہ کفریہ نہ ہو، ایسی عورت سے سنی مرد کے نکاح میں وہی تفصیل ہے جو نمبر:۱ میں ہے اور ایسے مرد سے سنی العقیدہ عورت کا نکاح بالکل نہ کیا جائے۔ اور اس میں بظنِ غالب خطرہ ہی خطرہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۶/۴/۵ھ۔

---

(۱) "تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے ازدواجی روابط پیدا نہ کئے جائیں"۔ (خیر الفتاوی، کتاب النکاح: ۲۶۴/۴، ملتان پاکستان)

(۲) قال العلامة الشامی رحمه الله تعالیٰ: " نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، أو أنکر صحبة الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه، أو اعتقد الألوهیة فی علیّ، أو أن جبرئیل غلط فی الوحی أو نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب مهم فی حکم سب الشیخین : ۲۳۷/۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، باب المرتد : ۴۸۳/۲، دار المعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، منها ما یتعلق بالأنبیاء : ۲۶۴/۲، رشیدیه)

قال الله تعالیٰ: ﴿لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا، ولعبدٌ مؤمن خیر من مشرک﴾. (البقرة : ۲۲۱)

"ومنها : ألا تکون المرأة مشرکةً إذا کان الرجل مسلماً، فلا یجوز للمسلم أن ینکح المشرکة. لقوله تعالیٰ : ﴿و لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی نکاح المشرکة، ۴۵۸/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"ومنها : إسلام الرجل إذا کانت المرأة مسلمةً". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی عدم نکاح الکافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

قادیانی سے نکاح اور ثبوتِ نسب

سوال[۵۷۱۸]: ۱.....بکر قادیانی کا نکاح ایک صحیح العقیدہ عورت زاہدہ سے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو ثبوتِ نسب کس سے متعلق ہوگا؟

۲.....صحیح العقیدہ سے زاہدہ اور بکر کا نکاح ہوگیا، اس کے بعد بکر قادیانی ہوگیا تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ ہر دو صورت میں نسب کا تعلق کس سے ہوگا؟

۳.....مندرجہ بالا ہر دو صورت میں جب کہ عورت زاہدہ صحیح العقیدہ ہے، نیز اس کا ایک لڑکا زید بھی صحیح العقیدہ ہے، ایک صحیح العقیدہ عورت عابدہ کا نکاح اس لڑکے سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲.....اہل سنت والجماعت کے فتووں کے مطابق قادیانی اسلام سے خارج ہیں (۱)، نہ مسلمان صحیح العقیدہ عورت کا نکاح کسی قادیانی سے درست ہوسکتا ہے، نہ بعد میں شوہر کے قادیانی ہوجانے سے وہ نکاح باقی رہ سکتا ہے، بلکہ قادیانی ہوتے ہی فوراً نکاح فسخ ہوجاتا ہے (۲)۔ اولاد مسلمان شمار ہوگی (۳)۔

---

(۱) "لكن صرح في كتابه المسايرة بالاتفاق على تكفير المخالف فيما كان من أصول الدين و ضرورياته". (رد المحتار، باب المرتد، مطلب: لا عبرة بغير الفقهاء يعني المجتهدين: ۲۲۳/۴، سعيد)

(۲) "وارتداد أحدهما: أي الزوجين فسخ -فلا ينقص عدداً- عاجلٌ بلا قضاء". (الدر المختار مع ردالمحتار، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع طلاق: ۱۹۳/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۳۳۹/۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل التاسع عشر في نكاح الكفار، نوع منه في نكاح المرتد: ۲۷۱/۳، مكتبة غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳۷۳/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب نكاح الكافر: ۳۷۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳)" والولد يتبع خير الأبوين ديناً". (رد المحتار، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ۱۹۶/۳، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳۶۶/۳، رشيديه) .... =

۳......شرعاً یہ نکاح صحیح ہوجائے گا(۱) مگراس کا خیال رہے کہ ماحول کے اثر سے کہیں اس لڑکی کے عقائد پر خلافِ شرع قادیانی اثر نہ پڑے، اس کا پورا انتظام کرلیا جائے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

مغل بادشاہوں کا غیر مسلمہ سے نکاح اور اولاد کا حکم

سوال[۵۷۱۹]: مغل بادشاہوں نے جو ہندو عورتوں سے نکاح کیا اور ان سے جو اولاد ہوئی وہ حلالی ہوئی یا حرامی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ کسی ہندو لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا، جب تک وہ اسلام قبول نہ کرے، بغیر قبولِ اسلام اس سے نکاح کرنا حرام ہے: ﴿و لا تنکحوا المشرکات﴾ الاية(۳)۔ اب یہ سوال اس طرز

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب العاشر في نكاح الكفار: ۱/ ۳۳۹، رشيديه)

(۱) "و ينعقد: أي يحصل و يتحقق النكاح في الوجود بإيجاب وقبول". (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، ۱/ ۳۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۷، رشيديه)

(۲) "عن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الاهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون، قال أيوب: وكان -والله- من الفقهاء ذوي الألباب. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار. وعن الحسن: لاتجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك". (الاعتصام للشاطبي، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، فصل: الوجه الثالث من النقل، ص: ۶۵، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (سورة البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألا تكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة ۳/ ۴۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

پر بے محل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

انگریزی پڑھے ہوئے کا نکاح مسلمان لڑکی سے

سوال[۵۷۲۰]: لڑکا انگریزی پڑھا ہوا ہے، مسلمانوں کا لڑکا ہے۔ اس لڑکے کا نکاح جو کہ انگریزی پڑھا ہوا ہے مسلمان لڑکی سے جائز ہے یا نہیں، ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انگریزی پڑھنے والے لڑکے کے اگر اعتقاد درست اور شریعت کے مطابق ہیں تو اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے درست ہے۔ اگر اس کے عقائد درست نہیں، بلکہ دہریہ ہے، دوسرے عقائد اسلام کے خلاف رکھتا ہے تو مسلمان لڑکی سے اس کا نکاح جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وحرم نکاح الوثنیة بالإجماع". (الدرالمختار). "ویدخل فی عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم ...... وفی شرح الوجیز: وکل مذهب یکفر به معتقده، اهـ". (رد المحتار، فصل فی المحرمات، مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی یؤخذن غنیمةً فی زماننا: ۳/۴۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، فصل فی المحرمات: ۳/۱۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۳۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

باب ولایة النکاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

بہنوئی اور باپ شریک بھائی دونوں میں سے ولایت کا حق کس کو ہے؟

سوال [۵۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: شریف احمد پسر امام الدین متوفی سنی المذہب کے لڑکے مسمی مطلوب الحسن کی ولایت میں متوفی کے برادر علاتی مسمی عبدالغنی اور متوفی کے بہنوئی مسمی محمد قاسم پسر شیر علی کے درمیان جھگڑا ہے کہ دونوں میں حنفی مذہب کے اعتبار سے کون شخص ولایت کا مستحق ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عبدالغنی پسر امام الدین ساکن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متوفی کے بہنوئی کو ولایت نہیں، علاتی بھائی ولی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اگر سوال ولایتِ نکاح سے ہے تو ولایت علاتی چچا کو ہے اور اگر مال کی ولایت کا سوال ہے تو اس میں اگر متوفی نے کسی کو وصیت کی ہے تو اس کو ولایت حاصل ہے اور اگر وصیت نہیں کی تو پھر حاکم کو اختیار ہے کہ وہ خود انتظام کرے، یا دیانت دار شخص کو منتظم مقرر کر دے، کذافی الدر المختار (۱)۔

سعید احمد غفرلہ، دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الاولیٰ/۵۴ھ۔

---

(۱) "الولي في النكاح لاالمال العصبة بنفسه، وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة .... على ترتيب الإرث". (الدرالمختار). "(قوله: لاالمال) فإنه الولي فيه الأب ووصيه، والجد ووصيه، والقاضي ونائبه فقط، الخ". (ردالمحتار: ۳/۷۶، باب الولي، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۸، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه، ملتان) .... =

ولایتِ نکاح

سوال [۵۷۲۲]: مسماۃ نصیبا کا نکاح اللہ بندے سے ہوا، اللہ بندے کا انتقال ہوگیا، اللہ بندے نے دواولاد چھوڑی: ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ مسماۃ مذکورہ نے دوسرا نکاح کرم الٰہی سے کیا، کرم الٰہی سے دولڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک لڑکی عمر کے لحاظ سے نابالغہ ہے اور وجود کے اعتبار سے بالغہ معلوم ہوتی ہے۔ کرم الٰہی کے ایک بہت دور کے رشتہ کا ایک بھائی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی لڑکی کی ولایت کا حق اس کے بھائی کو ہے یا نہیں جو اللہ بندے نے چھوڑا ہے۔ یا اس کی ماں کو ہے یا اس کے نانا کو ہے یا ماموں کو ہے یا کس کو ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دادھیال کی طرف سے کوئی بھی بھائی موجود ہے تو نابالغہ کے نکاح کی ولایت اسی کو حاصل ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۸ھ۔

جو شخص شرعی باپ نہیں وہ ولی بھی نہیں

سوال [۵۷۲۳]: ایک عورت اپنا خاوند چھوڑ کر دوسرے کے یہاں رہنے لگی، اس کے پاس ایک لڑکی اپنے خاوند کی بھی ہے اور اس کا نکاح نہیں ہوا، اس کے نکاح کو میاں جی انکار کرتے ہیں، گاؤں کے لوگ ناراض ہیں۔ تو اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا ولی اس کا والد ہے، بغیر اس کی اجازت کے اس کا نکاح

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۵۰۳، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "والولي هو العصبة". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۶، شركت علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء والأكفاء: ۱/۲۸۳، رشيديه)

درست نہیں(۱)۔جس شخص کے پاس اس کی والدہ ناجائز طریقے پر رہتی ہے وہ ولی شرعی نہیں(۲)،اس کا باپ نہیں،اس کو اس کے نکاح کرنے کا حق نہیں اور اس عورت کو دوسرے شخص کے پاس رہنا حرام ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

ماں اور دادی میں ولی نکاح کون ہے؟

سوال [۵۷۲۴]:ا.....ہندہ نے اپنی نابالغہ بچی جمیلہ کے رشتہ کے لئے لڑکا تلاش کرنے کے لئے ایک غیر ولی زید کو بھیجا،زید نے دوسرے گاؤں میں جا کر ایک لڑکا دیکھا اور اس سے کچھ رقم لے کر از خود اپنی جانب سے نکاح کردیا،حالانکہ زید کو نکاح کرنے کا اختیار بالکل نہیں دیا گیا تھا،اس نکاح سے لڑکی کی ماں اور دادی کوئی بھی راضی نہیں،باپ مرچکا ہے۔

۲.....اب مدت کے بعد جمیلہ کی دادی رضامند ہوگئی،تو کیا دادی کی رضامندی سے نکاح ہو جائے گا،جبکہ اس کی ماں رضامند نہیں ہے؟

۳.....جس لڑکے سے نکاح ہوا ہے اس نے دوسری شادی کر لی ہے،جمیلہ کو طلاق نہیں دیتا ہے،رقم مانگتا ہے اور جمیلہ کو بیوی تصور کرتا ہے۔

۴.....تو ان باتوں سے جمیلہ کا نکاح ہوا یا نہیں،اس سے رہائی کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا.....زید ولی نہیں اس کو نکاح کا اختیار نہیں(۳)،اس کا کیا ہوا نکاح لڑکی کی والدہ کی اجازت پر موقوف تھا،اگر اس نے اس کو نامنظور کردیا تو وہ بیکار ہوگیا(۴)۔زید نے جو رقم لی ہے وہ رشوت ہے،اس کو

---

(۱) "وولي المرأة في تزويجها أبوها، وهو أولى الأولياء". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن في نكاح الصغير والصغيرة: ۱۸/۲، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان "ولایت نکاح"۔)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ولایت نکاح"۔)

(۴) "وتزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف، فإن أجاز المولى جاز، وإن رده بطل. وكذلك =

واپس کرنا ضروری ہے۔

۲.....لڑکی کی والدہ کے انکار کرنے کے بعد دادی کی رضامندی بیکار ہے(۱)۔

۳.....جب لڑکی کی والدہ نے انکار کردیا تھا تو وہ نکاح ختم ہوگیا تھا، اب اس لڑکے کا جمیلہ کو اپنی منکوحہ سمجھنا غلط ہے، طلاق کی ضرورت نہیں۔

۴.....لڑکی کی والدہ کے نامنظور کردینے کے بعد لڑکی کا نکاح حسبِ صوابدید دوسری جگہ شرعاً درست ہوگا۔ لڑکے سے طلاق کو کہنا ہی بے محل ہے، اس کا کوئی اثر لڑکی پر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

والد اور حقیقی نانی میں سے ولایتِ نکاح کس کو ہے؟

الاستفتاء [۵۷۲۵]: والدہ نے اپنی دختر کے نام اپنے روپیوں سے مکان خریدا اور لڑکی فوت ہوگئی، متوفیہ کی تین نابالغ لڑکیاں زندہ ہیں۔ آیا شرعاً نانی حقیقی یا والدِ نابالغاں، ان میں سے کن کو حقِ ولایتِ نابالغاں حاصل ہے، خصوصاً جبکہ نانی قابض مکان ہے؟ اور مکان کس کی ملکیت ہوگا؟

= لوزوج رجل امرأةً بغير رضاها، أو رجلاً بغير رضاه، وهذا عند نا، فإن كل عقد صدر من الفضولي وله مجيز، انعقد موقوفاً على الإجازة". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء، فصل في الوكالة بالنكاح: ۳۲۲/۲، شركت علميه)

(وكذا في الدر المنتقىٰ، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۵۰۶/۱، غفاريه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح: ۹۷/۳، ۹۸، سعيد)

(۱) کیونکہ والدہ کا حق دادی پر مقدم ہے: "فإن لم يكن العصبة فالولاية لأم، ثم لأم الأب". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۷۸/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۴/۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن في نكاح الصغير والصغيرة: ۱۸/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان نابالغ لڑکیوں کی ولایتِ نکاح ان کے والد کو حاصل ہے نانی کو نہیں، اسی طرح ان کی ملک میں جو مال ہو اس پر بھی والد ہی کو ولایت حاصل ہوگی، کذا فی ردالمحتار (۱)، وہ مکان خریدنے والے کی ملک ہے، محض لڑکی کے نام خریدنے سے لڑکی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

اپنے بچہ کا نکاح بغیر اپنے باپ کی اجازت کے

الاستفتاء [۵۷۲۶]: ماں باپ کوئی شخص اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کسی سے نہیں کرتا، لیکن اگر لڑکے کے ماں باپ بھی راضی نہ ہوں کیونکہ ابھی بڑے بھائی بغیر شادی کے بیٹھے ہیں تو وہ خود بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ جب سرپرست بڑے موجود ہیں تو ان کے مشورہ سے ہی اپنی لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرنا چاہیے، لیکن نابالغ کے والد کو ولایتِ نکاح حاصل ہے، اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو ہر شخص اپنے لڑکے اور لڑکی کا نکاح بغیر اپنے والد سے دریافت کئے بھی کر سکتا ہے (۲)، اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو چھوٹے لڑکے کی شادی بڑے لڑکے سے پہلے بھی کرنا درست ہے اور جس کو خود ضرورت ہو وہ معصیت سے بچنے کے لئے خود بھی اپنی شادی کر سکتا ہے اگرچہ والدین نہ کریں (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "(قولہ: لاالمال) فإنہ الولی فیہ الأب ووصیہ، والجد ووصیہ، والقاضی ونائبہ فقط". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۷۶، سعید)

"وولی المرأة فی تزویجہا أبوہا وہو أولی الأولیاء". (خلاصة الفتاوی، کتاب النکاح، الفصل الثامن فی نکاح الصغیر والصغیرة: ۲/۱۸، رشیدیہ)

"والولی ہو العصبة". (الہدایة، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۱۸، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۰۸، رشیدیہ)

(۲) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ولایت نکاح"۔)

(۳) "ویکون واجباً عند التوقان، فإن تیقن الزنا إلابہ، فرض، نہایة. ویکون سنةً مؤکدةً فی الأصح، فیأثم =

نابالغ بچی کا بذریعۂ والد ایجاب وقبول

سوال[۵۷۲۷]: ۱.....میں نے اپنے چھوٹے کمسن بچے کیلئے ایک چھوٹی لڑکی (جس کی عمر لگ بھگ تین سال تھی) کا رشتہ طلب کیا تو لڑکی کے دادا نے لڑکی کے والد کی موجودگی میں میرے لڑکے کیلئے اس لڑکی کا رشتہ منظور کرلیا، اس امر کا گواہ ماسوا لڑکی کے والد، ماں اور میری بیوی کے اور کوئی نہ تھا۔ یہ ایجاب اور قبول صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ گواہ معتبر ہے یا نہیں؟ نیز یہ لڑکی بعد بلوغت اس لڑکے پر راضی ہے۔

۲.....اسی اثناء میں اس لڑکی کو ایک شخص نے جنگل کی طرف اغوا کرلیا اور جبریہ نکاح کرلیا، مگر لڑکی کچھ دنوں کے بعد بھاگ گئی اور اس معاملہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس واقعہ کے وقت لڑکی کی ماں کے بقول لڑکی نابالغ تھی ان وجوہات کی بناء پر جبریہ نکاح ثابت ہوا یا نہیں؟ براہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....رشتہ کرنا درحقیقت نکاح نہیں، وعدۂ نکاح ہے(۱)، اس کیلئے گواہی کی ضرورت نہیں، وعدہ پورا کرنا چاہئے جب تک کوئی مانع قوی نہ ہو(۲)۔

۲.....اگر لڑکی اغواء کے وقت نابالغ تھی تو اس کا ایجاب وقبول شرعاً معتبر نہیں، بلکہ وہ نکاح لڑکی کے والد کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس نے اس کو نامنظور کردیا تھا تو وہ جب ہی ختم ہوگیا تھا(۳)، اب

= بتركه ويثاب إن نوى تحصيناً وولداً". (الدرالمختار: ۶/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۳۶/۳، كتاب النكاح، رشيديه)

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلارضاولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه، ومالافلا". (الدر المختار: ۵۵/۳، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۷/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(۱) "إن المجلس للنكاح فنكاح، وإن للوعد فوعد". (الدرالمختار: ۱۲/۳، كتاب النكاح، قبيل مطلب التزوج بارسال كتاب، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾. (بني إسرائيل: ۳۴)

(۳) "الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازة، إذا كان لها مجيز حالة العقد جازت، وإن لم يكن، =

والد، دادا اور خود لڑکی سب ہی اس بچپن کے رشتہ پر رضامند ہیں تو ان حالات میں یہ نکاح کر دیا جائے (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۱ھ۔

تین برس کی بچی کا نکاح

سوال[۵۷۲۸]: زید وعمر میں دنیاوی معاملات میں جھگڑا وفساد ہو گیا، اس فساد میں زید کے ہاتھ سے عمر مارا گیا۔ بعدہ اس میں اتفاق کرنے کی غرض سے زید کے برادر سے اپنی لڑکی نابالغہ جس کی عمر تین سال یا چار سال ہوگی، عمر مقتول کے برادر خالد سے نکاح کروایا، اس واقعہ کو ۱۲/ سال کا عرصہ گزر گیا ہے اور لڑکی اپنے والدین کے ہاں موجود ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس نابالغہ لڑکی کا نکاح خالد مذکور کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو نکاح کے فسخ کی کیا صورت کی جائے؟ مہربانی فرما کر تمام شبہات کو دفع فرما کر مکمل جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح لازم ہو گیا، اس کو خیار بلوغ کے ذریعے بھی فسخ کرانا درست نہیں، البتہ اگر خالد طلاق دے

= تبطل .... الصبی إذا تزوج .... یتوقف علی إجازة الولی فی حالة الصغر". (فتح القدیر: ۳۰۸/۳، ۳۰۹، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة بالنکاح، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۴۲، کتاب النکاح، مطلب فی الوکیل و الفضولی فی النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/ ۲۴۲، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

(۱) "للولی الصغیر والصغیرة أن ینکحهما وإن لم یرضیا بذلک، سواء کانت بکراً أو ثیباً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۸۵، کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

"(وللولی إنکاح الصغیر و الصغیرة) جبراً (و لو ثیباً، ولزم النکاح)". (الدر المختار: ۶۵/۳، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲۰۸/۳، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

دے تب دوسری جگہ نکاح درست ہوگا: "إذا زوّجهما: أي الصغير والصغيرة الأبُ أو الجدُ، فإنه لا خيار لهما بعد بلوغهما". بحر: ۳/۱٤۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

باپ نے نکاح کردیا تو حقِ فسخ نہیں ہے

الاستفتاء [۵۷۲۹]: مسماۃ وہاب نوری کا عقد اس کے والد نے یونس لوہار سے کردیا، اس بات کو تین سال ہوگئے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ آج مسماۃ نوری کو وہ عقد نا منظور ہے، وجہ یہ بیان کرتی ہے کہ میں کسی اَور جگہ نکاح کروں گی، یونس لوہار مجھے پسند نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسماۃ مذکورہ کے اپنے باپ کے کئے نکاح کو کسی وقت بھی کالعدم کرانے یا کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سوال سے معلوم نہیں ہوسکا کہ مسماۃ وہاب نوری کا جس وقت اس کے والد نے عقد کیا تھا تو اس وقت مسماۃ کی عمر کیا تھی، وہ بالغہ تھی یا نابالغہ؟ ایک شق کو متعین کر کے لکھا جاتا ہے، وہ یہ کہ اگر مسماۃ وہاب نوری وقتِ عقد بالغہ تھی اور والد نے اس سے دریافت کیا کہ میں تمہارا عقد فلاں شخص سے کرتا ہوں، تم کو منظور ہے، اس پر مسماۃ نے اگر اجازت دیدی یا خاموش رہی، انکار نہیں کیا، یا والد نے دریافت ہی نہیں کیا بلکہ بغیر مسماۃ سے دریافت کئے اس کا عقد یونس لوہار سے کردیا اور مسماۃ نے اس عقد کی خبر معلوم ہونے پر اس کو رد نہیں کیا بلکہ خاموش رہی تو ان سب صورتوں میں نکاح لازم اور صحیح ہوگیا۔

---

(۱) (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۱۱، رشيديه)

"فإن زوّجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة، فلا خيار لهما بعد بلوغهما، الخ".

(الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۷، شركة علميه، ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۷۷، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

اب مسماۃ وہاب نوری محض شوہر ناپسند ہونے پر والد کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں رکھتی اور بغیر یونس سے طلاق حاصل کئے اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں:

"ولاتجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استاذنها هو: أى الوكيل –وهو السنة– أووكيله أوزوجها وليها وأخبرها رسوله، فسكتت عن رده مختارةً، فهو إذن إن علمت بالزوج، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوتیلے والد کا کیا ہوا نکاح

سوال [۵۷۳۰]: ......ایک لڑکی جو کہ مراہق تھی، اس کے والد کا انتقال لڑکپن میں ہوگیا تھا اور حقیقی چچا موجود تھا، اس کی موجودگی میں غیرولی نے لڑکی سے اجازت لے کر نکاح کردیا، یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ غیر ولی لڑکی کا سوتیلا باپ ہے، لڑکی نکاح سے چھ ماہ بعد بالغ ہوگئی، اب شوہر کے یہاں جانے سے منع کررہی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح چچا کی اجازت پر موقوف تھا، اگر چچا نے نہ اس کی اجازت دی نہ رد کیا تو یہ اس لڑکی کے بالغہ

---

(۱) (الدرالمختار: ۳/۵۸ ، ۶۱، باب الولی، سعید)

"لايجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أوثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل .... إن استاذن الولى البكر البالغة فسكتت، فذلك إذن منها .... وإذا قال لها الولى: أريد أن أزوّجك من فلان بألف، فسكتت، ثم زوجها، فقالت: لا أرضى، أو زوجها ثم بلغها الخبر، فسكتت، فالسكوت منها رضا فى الوجهين جميعاً إذاكان المزوّج هوالولى". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۷، الباب الرابع فى الأولياء، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۴۹۰، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

ہونے کے بعد خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا، اگر اس نے اس کو رد اور نامنظور کردیا تو یہ نکاح شرعاً ختم ہوگیا، اب دوسری جگہ لڑکی کی اجازت سے نکاح کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین۔

بھائی اور چچا میں سے ولایت کس کو ہے؟

سوال [۵۷۳۱]: ایک لڑکی ہندہ جو کہ ابھی تک بالغ نہیں ہوئی اور اس کے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور اس لڑکی کا ایک بھائی علاتی ہے اور چچا حقیقی ہے، ان دونوں میں سے ولی مقدم کون ہے؟ اور لڑکی کا بھائی یہاں موجود نہیں ہے، اگر حقیقی چچا اس لڑکی کا عقد کرائے تو عندالشرع یہ عقد منعقد ہوگیا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کے برادر کی اجازت ہی کی ضرورت۔ فقط۔

حاجی احسان الحق محلّہ قاضی، ۱۸/شوال/۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علاتی بھائی کی ولایتِ نکاح چچا کی ولایت پر مقدم ہے، کذا فی ردالمحتار: ۲/۴۸۱(۲)۔ اگر بھائی اتنی دور کسی جگہ ہے کہ اس کی رائے حاصل کرنے میں موقعہ نکل جانے کا اندیشہ قوی ہے تو چچا کو بھی نکاح

---

(۱) "وإن كان المزوج غير هما: أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب، إن كان من كفء وبمهر المثل صح، ولكن لهما: أي لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ، ولو بعد الدخول بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده لقصور الشفقة". (الدر المختار: ۳/۶۹، باب الولي، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۹، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۴، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "يقدم الأب ثم أبوه .... ثم ابن الأخ الشقيق، ثم لأب، ثم العم الشقيق، ثم لأب، ثم ابنه كذلك". (ردالمحتار: ۳/۷۶، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۳، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۷، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

کردینا درست ہے، ورنہ اگر چچا نے نکاح کربھی دیا تو وہ بھائی کی اجازت پر موقوف رہے گا(۱)۔ بہر صورت لڑکی کو وقتِ بلوغ خیار حاصل ہوگا، یعنی اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً نکاح سے ناراضی ظاہر کردے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت سے نکاح فسخ کرانے کا شرعاً اختیار ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۸/شوال/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۱۸/شوال/۵۵ھ۔

باپ کی موجودگی میں دادا کو ولایتِ نکاح

سوال [۵۷۳۲]: میرے والد صاحب نے میری دختر نابالغہ جس کی عمر ۳/ سال کی تھی اور میری اجازت نہیں لی تھی خود ہی دادا نے نکاح کردیا، نہ ایجاب وقبول لڑکے نے کیا اور نہ لڑکی نے اور نہ میں نے اجازت دی۔ اس صورت میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح آپ کی اجازت پر موقوف ہے، اس کا رد اور نفاذ آپ کے اختیار میں ہے: "الولي في النكاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثیٰ علی ترتیب الإرث والحجب". تنویر۔ "فلوزوّج الأبعد حال قیام الأقرب، توقف علی إجازته". درمختار (۳)۔

---

(۱) "فلوزوّج الأبعد حال قیام الأقرب، توقف علی إجازته". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولي: ۸۱/۳، سعید)

(وکذافي الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء: ۲۸۵/۱، رشیدیه)

(وکذافي الدرالمنتقی، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۴۹۹/۱، غفاریه)

(۲) "(قوله: فیفسخه القاضي)، فلا تثبت هذه الفرقة إلا بالقضاء؛ لأنه مجتهد فیه، وکل من الخصمین یتشبث بدلیل، فلاینقطع النکاح إلا بفعل القاضي". (ردالمحتار: ۵۶/۳، باب الولي، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۴۸۹/۱، باب الأولیاء والأکفاء، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذافي المحیط البرهاني: ۱۲۲/۳، الفصل التاسع في معرفة الأولیاء، غفاریة)

(۳) (الدر المختار: ۷۶/۳-۷۸، باب الولي، سعید)

"الأقرب لحصوله بولایة تامّة، نعم لوزوج الأبعد، وقد حضر الأقرب، توقف علی إجازته. =

پس اگر آپ نے صراحۃً یا دلالۃً رضامندی ظاہر نہیں کی تو آپ اس کو رد کر سکتے ہیں اور اگر رضامندی ظاہر کر چکے ہیں تو یہ نکاح نافذ ہو چکا، بشرطیکہ لڑکے کی طرف سے بھی باقاعدہ ایجاب وقبول ہوا ہو یعنی ولی کی اجازت سے ہوا ہو یا خود ولی نے کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

دادا کو نکاح کا اختیار باپ نے دے دیا

سوال [۵۷۳۳]: زید اپنے گھر سے فرار ہو گیا، نہ معلوم اب کہاں ہے؟ اس نے جاتے وقت اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کی اجازت اپنے والد اور بھائی اور بیوی کو دے دی تھی، پھر پرچہ کے ذریعہ بھی تحریری اجازت روانہ کی ہے، زید کے والد نابالغہ لڑکی کا عقد کرنا چاہتے ہیں تو کیا عقد ہو جائے گا؟ لڑکی کی عمر بارہ سال ہے، زید کے والد کی حالت پریشان کن ہے، وہ اس صورت سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں شرعاً نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح والد کو اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کا خود اختیار حاصل ہے، اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنی طرف سے دوسرے شخص کو اختیار دے دے(۱)، پس صورت مسئولہ میں لڑکی کے دادا اگر نکاح کر دیں تو وہ بھی شرعاً معتبر اور لازم ہو جائے گا، لیکن اپنے کفو میں کیا جائے اور مہر مثل سے کم پر نہ ہو، کذا فی ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۸ھ۔

= ولذا لو تحول الولاية بعد النكاح إلى الأبعد، لم يجز إلا بإجازته بعد التحول". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/ ۴۹۹، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲/ ۱۹، الفصل الثامن في نكاح الصغير والصغيرة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۳۵۶، باب الأولياء، رشيديه)

(۱) "يصح التوكيل بالنكاح، وإن لم يحضره الشهود". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۱/ ۲۹۴، رشيديه)

(۲) "وإن كان المزوج غيرهما: أي غير الأب وأبيه .... لايصح النكاح من غير كفء، أو بغبن =

ولایتِ نکاح بھائی کو ہے، ماں کو نہیں ہے

سوال [۵۷۳۴]: زید کی پہلی بیوی مرحومہ سے دو بچے ہیں، اس کے بعد زید نے دوسری شادی کی ہندہ سے، اس سے بھی زید کے دولڑکے اور ایک لڑکی خالدہ خاتون ہے، بعد انتقال ہندہ نے بکر سے شادی کرلی، خالدہ خاتون کی شادی نابالغی کی حالت میں چاروں بھائیوں کے علاوہ کسی اپنے آدمی نے باجازت والدۂ خالدہ کی، حالانکہ نکاح میں بھائی موجود نہ تھے نہ اس پر راضی تھے۔ کیا اس صورت میں یہ شادی درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیا خالدہ کا نکاح دوسری جگہ کراسکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں والدہ کو ولایتِ نکاح حاصل نہیں بلکہ بھائی ولی ہے، لہذا والدہ نے جو نکاح کرایا وہ بھائیوں کی اجازت پر موقوف ہے، اگر بھائیوں نے نکاح کی خبر سن کر اس کو رد (نامنظور) کردیا تو وہ نکاح کالعدم اور ختم ہوگیا، اب بھائی دوسری جگہ نکاح کراسکتے ہیں (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

ولایتِ نکاح ماں کو ہے یا سوتیلے بھائی کو؟

سوال [۵۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شادی کی تھی، اسی سے دولڑکے ہوئے تھے، اس کے بعد وہ بیوی مرگئی تو اس زید نے دوسری بیوی کی جس سے دو اولاد ہوئیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور زید انتقال کرگیا۔

= فاحش أصلاً". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۶۵-۶۷، سعید)

(وکذافی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ: ۳/۲۳۷، رشیدیہ)

(وکذافی فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ: ۳/۳۰۳-۳۰۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "فلوزوج الأبعد حال قیام الأقرب، توقف علی إجازتہ". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۸۱، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۵، رشیدیہ)

(وکذافی الدر المنتقی، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۴۹۹، غفاریہ)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی نابالغہ اور ایک اور لڑکا نابالغ کی ولایت نکاح کس کو حاصل ہے، اس کی والدہ کو یا اس کے بالغ سوتیلے بھائیوں کو؟ اور اگر اس لڑکی اور لڑکے کا نکاح اس کی حقیقی والدہ یا سوتیلی والدہ کردے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ لڑکا اور لڑکی نہ اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں، نہ ایک دوسرے کے ولی بن سکتے ہیں: "ولا ولاية لعبد ولاصغير ولامجنون؛ لأنه لاولاية لهم على أنفسهم، فأولى أن لايثبت على غيرهم". هداية: ۲/۲۹۸(۱)۔ سوتیلا باپ اگر قریبی رشتہ دار مثلاً چچا، تایا نہیں تو وہ بھی ولی نہیں بن سکتا: "ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لايملك تزويجهما، كذافي فتاوىٰ قاضي خان". عالمگیری: ۲/۲۹۲(۲)۔

جب کہ باپ دادا نہ ہوں تو حقیقی بھائی شرعاً ولی نکاح ہوتا ہے: "يقدم الأب، ثم أبوه، ثم الأخ الشقيق، ثم لأب". شامی: ۲/۴۲۸(۳)۔ اگر حقیقی بھائی ہو مگر نابالغ ہو، تب بھی سوتیلا بھائی ولی ہوتا ہے

(۱) (الهداية: ۲/۳۱۸، باب الأولياء والأكفاء، شركة علمية)

"(قوله: بشرط حرية وتكليف وإسلام، الخ) واحترز بالحرية عن العبد، فلاولاية له .... وبالتكليف عن الصغيرة والمجنونة". (ردالمحتار: ۳/۷۷، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۱۷، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "ولوكان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لايملك تزويجهما، كذافي فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۴، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

"والرجل الذي يعول الصغير أو الصغيرة، فلا ولاية له في إنكاحهما". (المحيط البرهاني: ۳/۱۵۸، الفصل التاسع في معرفة الأولياء، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۲۲، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۳۵۶، باب الأولياء، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۳/۷۶، باب الولي، سعيد)

"ثم الأب، ثم أبوه، ثم الأخ الشقيق، ثم لأب". (النهر الفائق: ۲/۲۰۹، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه ملتان)

اور ماں کو حق نہیں ہوتا ہے جب تک عصبہ موجود ہو: "الولي في النكاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثىٰ على ترتيب الإرث والحجب، فإن لم يكن عصبة، فالولاية للأم". تنویر: ۱/۱۹۳ (۱)۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر نابالغ لڑکے اور لڑکی کا دادا موجود نہیں تو ولایتِ نکاح سوتیلے بالغ بھائی کو ہوگی، اگر ماں نے نکاح کردیا تو وہ بھائی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر بھائی اجازت دے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں: "ولو زوجها الأبعد حال قيام الأقرب حتى توقف على إجازة الأقرب". عالمگیری: ۲/۲۹۳ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۳/۲/۵۳ھ۔

ماں کو ولایتِ نکاح

سوال [۵۷۳۶]: مسمات ہندہ کے والدین جبل پور میں رہتے تھے، ہندہ وہیں پیدا ہوئی۔ جب ہندہ کی عمر ۶/ ماہ کی ہوئی تو والد کا انتقال ہوگیا اور ہندہ کا نکاح بعمر تین سال لوگوں کے مشورہ سے اس کی والدہ نے شفیق الاسلام سے کردیا اور شفیق الاسلام کا نکاح ہندہ سے پڑھایا گیا اور رسمِ نکاح ادا کی گئی۔ بعد نکاح ہندہ اپنی والدہ کی معیت میں جبل پور میں دو سال تک اور رہی، لوگ ہندہ کی والدہ کو مجبور کرتے رہے کہ وہ اپنا نکاحِ ثانی کرلے مگر وہ انکار کرتی رہی، لوگ اصرار کرتے رہے حتی کہ اس کو جبل پور چھوڑ کر الہ آباد آنا پڑا، وہ یہاں آکر

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۷، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (تنوير الأبصار مع رد المحتار: ۳/۷۶، باب الولي، سعيد)

"والولي هو العصبة نسباً وسبباً على ترتيب الإرث .... فإن لم يكن عصبة، فللأم، ثم للأخت. الخ". (مجمع الأنهر: ۱/۴۹۷، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۱۸، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۵، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

"فلوزوّج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدر المختار: ۳/۸۱، باب الولي، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۳/۱۵۷، في معرفة الأولياء، غفاريه)

محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتی رہی۔

جب ہندہ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو والدہ ہندہ نے چند لوگوں کے کہنے سے شفیق الاسلام کے والد کے پاس پانچ یا چھ خطوط جبل پور روانہ کیے کہ تم شفیق الاسلام کو لے کر آؤ اور ہندہ کو رخصت کرا کر لے جاؤ، مگر شفیق الاسلام کے والد نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ مجبوراً والدۂ ہندہ نے تار روانہ کیا تو والدِ شفیق الاسلام نے الٰہ آباد آ کر رخصتی کے متعلق گفتگو کی۔

شفیق الاسلام کے والد نے کہا کہ شفیق الاسلام نے اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرلیا ہے، جب ہندہ نے یہ الفاظ سنے تو اس نے کہا کہ میں اب وہاں نہ جاؤں گی، والد شفیق الاسلام نے کہا کہ میں ایک ماہ کے اندر شفیق الاسلام کو لے کر آ جاؤں گا، مگر ایک سال تک پھر خبر نہ آئی۔ غرضیکہ والدۂ ہندہ نے ایک سال تک انتظار کیا تو اہلِ محلہ نے اس سے کہا کہ تم فتویٰ لے کر نکاحِ ثانی کردو۔ بنابریں الٰہ آباد کے علماء سے اس کا استفتاء کیا گیا، انہوں نے نکاحِ ثانی کی اجازت دے دی، لہٰذا ہندہ کا نکاح بکر سے کردیا گیا اور بکر سے چند لڑکے ہندہ کے پیدا ہوئے، جو اب تک بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟ اور ان بچوں کو حرامی کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ ہندہ نے بالغہ ہونے پر خیارِ بلوغ کے ماتحت اپنا نکاح جو کہ اس کی والدہ نے شفیق الاسلام سے کردیا تھا فسخ نہیں کرایا تو شرعاً وہ نکاح لازم ہوگیا، بغیر شفیق الاسلام کے طلاق دیئے دوسری جگہ ہرگز نکاح جائز نہیں بلکہ حرام ہوا، اور حرمت کا علم ہوتے ہوئے نکاح ثانی سے جو صحبت کی گئی ہے وہ زنا ہے: "أما منكوحة الغير ... . بالحرمة لكونه زنا، اهـ". ردالمحتار: ۲/۹۳۸(۱)۔

لہٰذا شفیق الاسلام کا نکاح ہندہ سے قائم ہے، اس لئے جب تک شفیق الاسلام اولاد کی نفی کر کے باقاعدہ لعان نہ کرے، ہندہ کی اولاد کو حرامی نہ کہا جاوے گا اور اولاد کا نسب اس دوسرے شخص سے ثابت نہ ہوگا، بلکہ وہ اولاد شفیق الاسلام کی طرف منسوب ہوگی۔ اگر والدہ سے قریب کوئی عصبہ ہندہ کا موجود تھا اور اس

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعید)

نے والدہ کے کئے ہوئے نکاح کو رد کردیا تھا تو وہ رد ہوگیا(۱) پھر بعد البلوغ ہندہ نے جو نکاح ثانی کیا وہ درست ہے اور اس صورت میں اولاد کا نسب اس دوسرے سے ثابت ہوگا، شفیق الاسلام سے ثابت نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رجب/ ۵۹ھ، سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۵۷۳۷]: شوہر کا انتقال ہوگیا، ایک لڑکی صغیرہ چھوڑ گیا، مریم بیوہ نے لڑکی کا نکاح اپنی صوابدید کے مطابق کردیا، لڑکی کا چچا شعبان اس کا نکاح اپنے لڑکے سے کرنا چاہتا تھا، لڑکی کی والدہ نے جہاں نکاح کیا ہے وہ اس نکاح سے خوش نہیں۔ شرعاً یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں، جبکہ چچا نے یتیم کی کوئی خبر گیری نہیں کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر اس لڑکی کا کوئی رشتہ دار چچا سے قریب موجود نہیں تو اس کا ولی نکاح شرعاً چچا شعبان ہے، مریم نے جو اپنی لڑکی کا نکاح بلا رضامندیٔ شعبان کیا ہے وہ شعبان کی اجازت پر موقوف ہے، اگر شعبان اجازت دے گا تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔ ماں کو ولایت، عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ہوتی ہے جب عصبہ موجود ہو تو وہ ولی ہوتا ہے، ماں کو ولایت نہیں پہنچتی: "الولي في النكاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثیٰ علی ترتيب الإرث". تنویر: ۲/ ۴۸۰۔ "فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم، فلوزوّج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف علی إجازته". درمختار: ۲/ ۴۸۶ (۲).

---

(۱) "فلوزوّج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف علی إجازته". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/ ۸۱، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/ ۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمنتقی، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/ ۴۹۹، غفاريه)

(۲) (الدر المختار: ۳/ ۷۶-۷۸، باب الولي، سعيد) .... =

یتیمہ کی خبر گیری نہ کرنے کی وجہ سے شعبان کی ولایت سلب نہیں ہوئی، کیونکہ ولایت کا سبب یہاں پر قرابت اور رشتہ داری ہے وہ موجود ہے۔ البتہ خواہ مریم کے کئے ہوئے نکاح کو شعبان جائز رکھے، خواہ اپنے لڑکے سے خود اس لڑکی کا نکاح کردے، دونوں صورتوں میں خیار بلوغ ہوگا، یعنی اگر لڑکی بالغ ہوتے ہی فوراً گواہوں کے سامنے ناراضی کا اظہار کردے، اس کے بعد حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں دعویٰ کرکے اس سے نکاح فسخ کرالے۔

اگر حاکم مسلم با اختیار نہ ہو یا وہ شرع کے موافق فیصلہ نہ کرے تو دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی اس نکاح کو فسخ کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالم بھی ہونا چاہئے۔ اور رسالہ ''حیلۂ ناجزہ'' کو بھی دیکھ لینا چاہیے، اس میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے وہ کتب خانہ یحیوی سے بھی ملتا ہے: "ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء". بحر: ۳/ ۱۱۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ شعبان/ ۵۴ھ۔

سوتیلی والدہ کو ولایت اور بلوغ کی علامت

سوال [۵۷۳۸]: میرے شوہر درگاہی میاں مرحوم نے میری موجودگی میں دوسری شادی کی ہے اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پھر چندروز کے بعد اس بیوی سے تعلق منقطع ہوگیا، لڑکا اپنے پاس رہا، اس کی پرورش ہم نے کی ہے فی الحال لڑکا چودہ سال کا ہے۔ حال میں اس کے والد کا انتقال ہوگیا، انتقال سے قبل لڑکے کا رشتہ کردیا تھا، نکاح کا بھی پختہ ارادہ تھا، مگر اچانک انتقال ہوگیا۔ اب لڑکی والے نکاح کے لئے زور دے رہے ہیں، علاوہ

= "والترتيب في ولاية النكاح كالترتيب في الإرث........ وإن لم يكن عصبة مطلقاً، انتقلت الولاية للأم، الخ". (بدائع الصنائع: ۳/ ۳۷۲، فصل في شرط التقدم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۸۳، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق: ۳/ ۲۱۱، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"وإن كان المزوج غيرهما: أي غير الأب وأبيه .... ولهما خيار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده. الخ". (الدر المختار: ۳/ ۶۷، ۶۹، باب الولي، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۵۰۵، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

از بس میں بھی بے حد ضعیفہ ہوں اور ہر وقت بیمار رہتی ہوں، اس لئے میں بھی چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی میں اس فریضہ سے سبکدوش ہو جاؤں۔ چونکہ لڑکا ابھی تک مکمل بالغ نہیں ہے، گو قریب البلوغ ہے، اس لئے میں ولی بن کر اس کا نکاح کراسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ تو ولی نہیں، آپ نے اگر نکاح کر دیا تو بے کار ہوگا (۱)، ہاں اگر لڑکے کو غسل کی حاجت ہوتی ہے تو اس کی اجازت سے اس کا نکاح کر دینا درست ہے، ورنہ ابھی انتظار کیجئے، جب بالغ ہو جائے یعنی اس کو غسل کی حاجت ہونے لگے، یا اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو اس وقت اس کا نکاح کیا جائے، اگر اس کا کوئی ولی عصبہ دادا پردادا وغیرہ کی اولاد سے ہو تو وہ اب بھی اس کا نکاح کر سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۱۳۹۶ھ۔

نابالغہ کا نکاح بغیر باپ کے پوچھے بہنوئی نے کر دیا

سوال [۵۷۳۹]: ہندہ کی سوتیلی ماں نے ہندہ کو بہت ستایا، ہندہ کا باپ بھی سوتیلی ماں کی ہی حمایت کرتا تھا اور اولاد پر اس ظلم کو اہمیت نہیں دیتا تھا، اس پر ہندہ اپنے بہن بہنوئی کے یہاں چلی گئی۔ ہندہ کی عمر اس وقت دس برس تھی۔ ان حالات کے پیش نظر ہندہ کا نکاح اس کے بہنوئی اور بہن نے ایک جگہ کر دیا۔ زید

(۱) "الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازة، إذا كان لها مجيزٌ حالة العقد، جازت. وإن لم يكن، تبطل". (فتح القدير: ۳/ ۲۰۸، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/ ۹۷، ۹۸، كتاب النكاح، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۲۴۲، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) "(وللولي إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً، ولزم النكاح .... إن كان الولي أباً أو جداً .... وإن كان المزوج غيرهما .... إن كان من كفء وبمهر المثل، صح. ولهما خيار الفسخ بالبلوغ". (الدر المختار: ۳/ ۶۵، ۶۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۵، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۲۰۸، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

باپ کو معلوم ہوا تو وہ اس بات سے بہت خفا ہوا، مگر رشتہ داری ہونے کی وجہ سے خاموش ہوگیا۔ مگر اس نکاح کو منظور بھی نہیں کیا، ہندہ کی رخصتی فوراً کردی گئی تھی۔ ہندہ بالغہ ہوگئی، مگر شوہر شرابی نکلا اور ہندہ کو بہت مارتا تھا، اس لئے اب ہندہ بہن کے گھر پر ہے۔ شوہر نہ آباد کرتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، ہندہ بھی جانا نہیں چاہتی۔ ایسی صورت میں شرعاً ہندہ کے لئے کیا حکم ہے؟ شرعاً تو یہ نکاح بھی درست نہ ہونا چاہئے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ہندہ کا نکاح کیا گیا اور اس کے والد سے اجازت نہیں لی گئی تو یہ بہت بڑی غلطی ہوئی، یہ نکاح اس کے والد کی اجازت پر موقوف تھا، وہ رد کردیتا تو جب ہی ختم ہوجاتا، اس نے رد نہیں کیا، اگرچہ منظور بھی نہیں کیا بلکہ ناخوش ہونے کے باوجود تعلقات ہونے کی وجہ سے خاموش ہوگیا، پھر لڑکی کو رخصت کردیا گیا اور اسی دوران لڑکی بالغ بھی ہوگئی اور شوہر کے مکان پر آتی جاتی رہی، لہٰذا اب اس نکاح کے متعلق اس سوال کا محل ہی نہیں رہا کہ شرعاً یہ نکاح بھی درست نہ ہونا چاہئے۔ البتہ جس طرح بھی شوہر سے طلاق حاصل کرلی جائے خواہ سمجھا کر، خواہ لالچ دے کر، خواہ مہر معاف کرکے، خواہ ڈانٹ کر زبردستی ہی سہی (۱)، اس کے بعد تین حیض گذار کر نکاحِ ثانی کی اجازت ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۶ھ۔

چچا کو حقِ ولایت

سوال [۵۷۴۰]: چند یتیم بچے ہیں اور ان کے دو تین حقیقی چچا ہیں تو ان پر حقِ ولایت حاصل ہے یا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألایقیما حدود اللہ، فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لایقیما حدود اللہ فلا بأس بأن تفتدی نفسھا منہ بمال یخلعھا بہ، لقولہ تعالیٰ ﴿فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ﴾". (الھدایۃ، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، مکتبہ شرکۃ علمیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسھن ثلثۃ قروء﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

"وإذا طلق الرجل امرأتہ طلاقاً بائناً أو رجعیاً أو وقعت الفرقۃ بینھما بغیر طلاق وھی حرۃ ممن تحیض، فعدتھا ثلاثۃ أقراء". (الھدایۃ، کتاب الطلاق، باب العدۃ: ۲/۴۲۲، شرکت علمیہ)

نہیں ؟اور جو بچے نابالغ ہیں ان کو بہن پر ولایت حاصل ہے یا نہیں؟اگر چچا شادی کردے تو لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے یا نہیں، یا نکاح چچا کا کیا ہوا لازم ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں چچا کو ولایت نکاح حاصل ہوگی (۱)، چچا اگر نیک نیت نہیں ہیں تو خیارِ بلوغ لڑکی کو حاصل ہوگا (۲) اور آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً دوگواہوں کے سامنے اس نکاح کو نامنظور کردے تو پھر عدالتِ مسلمہ یا شرعی کمیٹی کے ذریعہ فسخ نکاح کرانے کا حق حاصل ہوگا۔نابالغ بھائی کی ولایت نہیں (۳)،اگر وہ بعد میں بالغ ہو تو اس کے حق میں چچا کا کیا ہوا نکاح، نکاحِ فضولی نہیں ہوگا،اس کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "الولي في النكاح لاالمال العصبةُ بنفسه، وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة .... على ترتيب الإرث". (الدرالمختار). "(قوله: لاالمال) فإنه الولي فيه الأب ووصيه، والجدووصيه، والقاضي ونائبه فقط، الخ". (ردالمحتار: ۳/۷۶،باب الولي، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۸،باب الأولياء والأكفاء، إمداديه،ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۵۰۳،باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان المزوج غيرهما: أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب، إن كان من كفء وبمهر المثل صح، ولكن لهما: أي لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ، ولوبعد الدخول بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده لقصور الشفقة". (الدرالمختار: ۳/۶۹،باب الولي،سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۹،باب الأولياء والأكفاء، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۴،باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "اعلم أن الولي من كان أهلاً للميراث، وهو عاقل بالغ، لايثبت للصبي والمجنون ولايةٌ".

(حاشية الشلبي على التبيين: ۲/۴۹۳،باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۵۴،باب الولي،سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۲،باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

چچا کی موجودگی میں ماموں کو ولایت نکاح نہیں

سوال[۱۵۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

ایک لڑکی نابالغہ ہے جس کا نکاح چند سال ہوئے ہو چکا تھا، اتفاقاً اس کے خاوند کا انتقال ہوگیا تھا، جس کو بھی عرصہ گذر چکا، اور یہ نکاح اس لڑکی کے ننہال میں ہوا تھا اور اس کے والد نے نکاح کی اجازت خود دی تھی۔ بیوہ ہونے پر وہ لڑکی اپنے ننہال ہی چلی گئی اور اب تک ننہال میں ہی رہتی ہے، کیونکہ اس کے والد ووالدہ کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن اس کا حقیقی چچا موجود ہے، اور صرف وہ ہی ولی ہے اس کے سوا کوئی ولی نہیں ہے۔

اب اس کے ننہال نے بغیر اجازتِ ولی کے (واقف ہوتے ہوئے اور آگاہ بھی کر دیا تھا جان کر کے) اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ اپنی اجازت سے اس کے ماموں نے کر دیا ہے اور ولی اس نکاح پر رضامند نہیں ہے اور نہ ولی سے کچھ مشورہ ہوا ہے تو وہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور جو لوگ اس مجلسِ نکاح میں شامل ہوئے ان کے اوپر کوئی شرعی حکم نہیں لگتا؟ اور اگر لگتا ہے تو کیا شرعی قید لگائی جاوے؟ کیونکہ اس مجلس والوں کو معلوم تھا کہ اس کا اصل ولی زندہ اور قریب ہی کے گاؤں میں موجود ہے۔ جان بوجھ کر ایسا عمل کیا گیا ہے۔ جواب جلد مرحمت فرماویں تا کہ اس کا تدارک کیا جاوے۔ فقط۔

حداَدب: فقیر الدین نور محمد از سہنس پور، ڈاک خانہ خاص ضلع دہرہ دون، ۸/ جنوری/ ۳۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا ولی اس کا چچا ہے، ماموں کو چچا کی موجودگی میں نکاح کی ولایت حاصل نہیں(۱)، اس لئے اگر چچا نے اس نکاح کی اجازت نہیں دی تو وہ نکاح نہیں ہوا(۲)۔ جن لوگوں نے

---

(۱) "الولي في النكاح العصبة بنفسهٔ بلا توسط أنثى على ترتيب الإرث والحجب". (الدرالمختار، باب الولي: ۷٦/۳، سعيد)

(۲) " فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته. ولو تحولت الولاية إليه، لم يجز إلا بإجازته بعد التحول". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۸۱/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۵/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانيه، كتاب النكاح، الفصل الحادي عشر في معرفة الأولياء: ۳۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

بلا اجازت نکاح کیا ہے اور اس میں شریک ہوئے ان کو لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور اس کے چچا کے کہنے کے موافق نکاح کریں، یا اس کے بالغ ہونے کا انتظار کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف۔

چچا کو بالغہ پر ولایتِ نکاح

سوال [۵۷۴۲]: ایک آٹھ سالہ لڑکی کی منگنی اس کے چچا کی اجازت سے ہوگئی، جب لڑکی کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو لڑکی کے حقیقی بھائی نے انکار کردیا۔ تو اس لڑکی بالغہ پر چچا کو ولایتِ اجبار حاصل ہے یا نہیں؟ یا یہ لڑکی خودمختار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چچا کو بالغہ پر ولایتِ اجبار حاصل نہیں (۱)، جہاں نکاح کیا جائے، لڑکی کی اجازت سے کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

بالغہ کے نکاح کا حق بڑے تایا کو ہے یا چھوٹے تایا کو؟

سوال [۵۷۴۳]: ایک کنواری لڑکی بالغہ اس کے والدین وفات پا چکے ہیں، لڑکی کے دو تائے ابا

(۱) "ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركت علميه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(وملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۴۹۰، غفاريه)

(۲) کیونکہ وہ بالغہ ہے اور بالغہ پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہیں ہے:

"ولا تجبر البالغة الكبير على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدر المختار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

"ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا، الخ". (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۲، رشيديه)

ہیں: ایک بڑے اور ایک چھوٹے، اور ایک خالہ ہیں۔ اگر لڑکی کے برضا ورغبت ان کے بڑے تائے ابا نے نکاح کر دیا کسی لڑکے سے، جہاں وہ لڑکی چھوٹے تائے ابا کے یہاں رہتی ہے، اس سے کسی دوسری جگہ پر نکاح درست ہے یا نہیں؟ جبکہ لڑکی کی پرورش چھوٹے تائے ابا کے یہاں ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ وہ لڑکی بالغہ ہے اور اس کے والدین وفات پا چکے ہیں تو اس کی مرضی کے موافق اس کے بڑے تائے ابا نے جو نکاح کر دیا وہ صحیح ہو گیا(۱)، اگرچہ اس کی پرورش چھوٹے تائے ابا کے یہاں ہوئی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

شاردا ایکٹ کے خلاف نکاح کا حکم

سوال [۵۷۴۴]: شاردا ایکٹ قانون کے نکاح شرعاً کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نکاح شاردا ایکٹ کی مخالفت میں اولیاء نے شریعت کے موافق کئے ہیں وہ جائز اور نافذ ہیں، اگر ایسا نکاح باپ دادا نے کیا ہے تو وہ لازم ہے، اس میں کسی قسم کا خیار باقی نہیں۔ اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور شرعی ولی نے کیا ہے تو اس میں خیار بلوغ حاصل ہے یعنی لڑکا لڑکی اگر بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح کو رد کر دے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے اس نکاح کو فسخ کرایا جا سکتا ہے: "ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء" زيلعي: ۲/۱۲۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استاذنها هو: أي الوكيل -وهو السنة- أو وكيله أو رسوله، أو زوّجها وليها وأخبر رسوله، فسكتت عن رده مختارةً، فهو إذنٌ إن علمت بالزوج، اهـ". (الدر المختار: ۳/۵۸، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۷، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۰، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق: ۲/۵۰۵، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وأنظر أيضاً عنوان: "ماں کو ولایت نکاح"۔)

بچوں کی پرورش کرنے والا ولی نکاح نہیں

سوال [۵۷۴۵]: لڑکی کی پرورش ابتدا سے دوسرے شخص نے کی ہے اور ولی زندہ ہے۔ اب شرعاً لڑکی کا ولی کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض پرورش کرنے سے آدمی ولی نہیں بن جاتا، جس کو شریعت نے ولی مقرر کیا ہے وہ ہی ولی ہے:

"ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لايملك تزويجهما، كذا في فتاوى قاضي خان". عالمگیری: ۲۹۲/۲ (۱)۔ پس اس پرورش کرنے والے کو بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کردینے کا اختیار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۷ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔

ربیبہ کے نکاح کی ولایت

الاستفتاء [۵۷۴۶]: خالد نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا ہے جو اپنے ساتھ ایک نابالغ لڑکی لائی جو پہلے شوہر سے ہے۔ اب خالد نے اس نابالغہ صغیرہ کا نکاح کردیا ہے تو بالغ ہونے کے بعد اس لڑکی کو فسخِ نکاح کا حق ہے یا نہیں، اگر نابالغہ تو ہے لیکن صغیرہ نہیں ہے ہوشیار ہے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالد کو اپنی اس بیوی کی نابالغہ لڑکی پر ولایت نکاح حاصل نہیں جو کہ اس کے پہلے شوہر سے ہے:

"ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لايملك تزويجهما،

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۴/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

"والرجل الذي يعول الصغير أو الصغيرة، فلا ولاية له في إنكاحهما". (المحيط البرهاني: ۱۵۸/۳، الفصل التاسع في معرفة الأولياء، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۲/۳، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۳۵۶/۱، باب الأولياء، رشيديه)

کذافی فتاویٰ قاضی خان"۔ عالمگیری: ۲/۲۹۲ (۱) لہٰذا لڑکی بالغہ ہونے پر اگر اس سے ناخوشی ظاہر کردے اور کہہ دے کہ مجھے یہ منظور نہیں تو اس نکاح کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا، بلکہ کالعدم ہو جائے گا اور اس کے لئے عدالت یا پنچایت کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۶ھ۔

ولایتِ مجنون

سوال [۵۷۴۷]: لڑکی کا نام سکینہ ہے اور لڑکی کا باپ باؤلا ہے اور لڑکی کی ماں محنت کرتی ہے اور اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ جس وقت لڑکی کا نکاح ہوا تھا اس وقت لڑکی کی عمر ۴ یا ۵/ سال کی تھی، لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ نکاح شرع کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لڑکی بھی چاہتی ہے کہ وہاں نہ جاؤں، کیونکہ پانچ، سات آدمی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے لڑکی سے کہا تو لڑکی نے جواب دیدیا کہ میں اس گھر میں نہیں جاتی۔ اگر تم زیادتی کروگے تو ہم کنویں میں گر کر مرجائیں گے۔ اس لئے یہ فتویٰ طلب ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے وقت لڑکی کا باپ باؤلا نہیں تھا بلکہ ہوش میں تھا تو وہ نکاح صحیح اور لازم ہوگیا، اس کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں (۳)، جب تک شوہر طلاق نہ دے دوسری جگہ نکاح نہیں ہوسکتا (۴)۔ اگر لڑکی کا باپ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء: ۱/۲۸۴، رشیدیه)

(۲) "لهما: أي لصغیر وصغیرة وملحق بهما خیارُ الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعده لقصور الشفقة". (الدر المختار: ۳/۶۹، باب الولي، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۴، باب الأولیاء والأکفاء، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۹، باب الأولیاء والأکفاء، إمدادیه ملتان)

(۳) "اعلم أن الولي من کان أهلاً للمیراث، وهو عاقل بالغ، لایثبت للصبي والمجنون ولایة". (حاشیة الشلبي علی تبیین الحقائق: ۲/۴۹۳، باب الأولیاء والأکفاء، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في ردالمحتار: ۳/۵۴، باب الولي، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۲، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه) .... =

نکاح کے وقت باؤلا تھا اور اسی حالت میں اس نے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح اس کی والدہ کی اجازت پر موقوف تھا(۱)، اگر والدہ نے اجازت دیدی تو صحیح ہوگیا تھا(۲)، اگر والدہ نے اس سے ناراضی ظاہر کرکے انکار کردیا تھا تو وہ صحیح نہیں ہوا، اب لڑکی کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے برادری میں اپنا نکاح کرلے(۳)۔

اگر والدہ نے نکاح کی اجازت دیدی تھی تو اگرچہ اس وقت نکاح صحیح ہوگیا، مگر لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے یعنی جب بالغ ہونے کے آثار دیکھے فوراً دو آدمیوں کو گواہ بنائے اور کہہ دے کہ میں اس وقت بالغ ہوئی ہوں اور اس نکاح سے راضی نہیں ہوں۔ اور پھر کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ کرکے نکاح فسخ کرالے(۴)۔

= "بخلاف ما إذا زوجهما الأب والجد، فإنه لاخيار لهما بعد بلوغهما". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۱۱/۳، رشيديه)

(۴) ﴿والمحصنات من النساء إلا ما ملكت أيمانكم﴾ والمراد بهن على المشهور ذوات الأزواج أحصنهن التزوج أو الأزواج أو الأوليا: أى منعهن عن الوقوع فى الإثم". (روح المعانى: ۲/۵، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث فى المحرمات، القسم السادس: المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويثبت للأبعد التزويج بعضل الأقرب". (الدرالمختار: ۸۲/۳، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد)

(۲) "وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعدُ الأولياء، فإن كان الأقرب حاضراً .... وإن لم يكن من أهل الولاية بأن كان صغيراً أو كان كبيراً مجنوناً، جاز". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۵/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

(۳) "الولى (هو) .... (البالغ العاقل الوارث)". (الدرالمختار). "أن الصبى خرج بقوله: البالغ، والمجنون والمعتوه بالعاقل". (ردالمحتار: ۵۴/۳، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد)

(۴) "(وإن كان المزوج غيرهما): أى غير الأب وأبيه، ولو الأم .... وإن كان من كفء وبمهر مثل صح، و) لكن (لهما): أى لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيارُ الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده بشرط القضاء) للفسخ". (الدرالمختار: ۶۷/۳-۷۰، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد) .... =

اگر وقتِ بلوغ نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی تو پھر یہ اختیار حاصل نہیں (۱)۔ اگر لڑکی جانا نہیں چاہتی تو کسی صورت سے طلاق لے لے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۲۷ھ۔

درست ہے: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/صفر/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

بالغہ پر ولایت

سوال [۵۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کے: زید کی ایک لڑکی ہے جس کا رشتہ زید نے اپنی زندگی میں خالد سے کر دیا ہے۔ زید کا ایک چھوٹا بھائی بکر ہے، زید بکر سے سخت ناراض تھا، زید کا انتقال ہو گیا، اب بکر چاہتا ہے کہ زید کی لڑکی کا نکاح میرے لڑکے سے ہو اور زید کی بیوی اور لڑکی اس سے رضامند نہیں، کیونکہ وہ لڑکا نالائق اور بدچلن ہے۔ زید کی بیوی اور لڑکی خالد سے نکاح کرنے میں رضامند ہیں، کیونکہ زید اپنی زندگی میں خالد سے رشتہ کر چکا تھا۔ اب زید کی لڑکی بالغ ہے وہ اپنی مرضی کے موافق

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/ ۲۱، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

(۱) "ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكراً، ولايمتد إلى آخر المجلس حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر، بطل الخيار". (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/ ۲۸۶، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار مع ردالمحتار : ۳/ ۷۳، كتاب النكاح، باب الولي، مطلب في فرق النكاح، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألايقيما حدود الله، فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾ الآية (البقرة: ۲۳۰)

"ولابأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق)". (الدرالمختار). "أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم .... السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا، جاز الطلاق والخلع". (ردالمحتار : ۳/ ۴۴۱، كتاب الطلاق، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۲۱۱، كتاب الطلاق، باب الخلع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۸۸، كتاب الطلاق، الباب الثامن، رشيديه)

بغیر اجازت اپنے چچا صاحب کے خالد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، جب کہ لڑکی بالغ اور خود مختار ہے؟

سائل: ضمانت خاں محلہ لوہاری سرائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب لڑکی بالغہ ہے تو اس کا چچا بلا اس کی رضامندی کے ہرگز اس کا نکاح نہیں کر سکتا، جس جگہ لڑکی کے باپ نے لڑکی کا رشتہ اپنی زندگی میں کیا تھا، اگر وہاں لڑکی بغیر رضامندی اپنی چچا کے اپنا نکاح کر لے گی تو شرعاً یہ نکاح معتبر ہوگا اور چچا کو شرعاً اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا، بشرطیکہ وہ نکاح کفو یعنی اپنی برادری میں ہو اور مہر مثل سے کم پر نہ ہو: "ونفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضاء ولی، الخ". "ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح، اهـ". درمختار، باب الولی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۴/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ربیع الثانی/۵۴ھ۔

ولایتِ نکاح میں شافعیہ کے قول پر فتویٰ

سوال [۵۷۴۹]: امام شافعی کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور ہمارے علاقہ میں ایسا ہوتا چلا آرہا ہے، جو علماء ندوہ سے فارغ ہو کر آئے ہیں انہوں نے ایسے نکاحوں کی ممانعت کی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ مگر جن لڑکیوں نے فرار ہو کر بغیر ولی کے اپنا نکاح کر لیا ہے، صاحبِ اولاد بھی ہیں، ان کے بارے میں امام شافعی کے نزدیک کیا حکم ہے، نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب امام شافعی کے حوالہ سے تحریر کریں، ہمارے علاقہ میں دنیاوی علم بہت ہے اور دینی کم، اس لئے ایسے نکاح کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔

---

(۱) (الدر المختار: ۵۵/۳، باب الولی، سعید)

"نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی؛ لأنها تصرفت فی خالص حقها، وهی من أهله، لکونها عاقلةً بالغةً .... ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح: أی لاینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا. الخ".

(البحر الرائق: ۱۹۲/۳، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۸۷/۱، الباب الرابع فی الأولیاء، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنا تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح درست نہیں ہوتا(۱)، پھر ایسے نکاح اور ایسے نکاح سے اولاد کا حکم جو پوچھ دریافت کرنا ہو علمائے شافعیہ ہی سے دریافت کیا جائے، بمبئی جامع مسجد سے بھی حکم مذہبِ شافعیہ کا معلوم ہوسکتا ہے، آپ کے مقامی علمائے شافعیہ اگر خود نہ بتائیں تو بمبئی سے دریافت کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۱۴۰۶ھ۔

ولایتِ نکاح سے متعلق وصیت کا حکم

سوال [۵۷۵۰]: زید کی بیوی نے اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کے متعلق حالتِ تندرستی میں زید سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا ارادہ عمر کے یہاں کرنے کا ہے، زید نے کہا جو تمہارا ارادہ ہے وہی میرا بھی ارادہ ہے، زید کی بیوی نے کہا میں اس سے ناراض ہوں۔ اس کے بعد زید کی بیوی نے بوقتِ مرگ محض ایک عاقلہ بالغہ سے وصیت کی کہ لڑکی مذکورہ کی شادی عمر کے یہاں نہ کی جاوے، اگر ایسا کیا گیا تو میں حشر میں دامن گیر ہوں گی۔ اب اگر زید لڑکی مذکورہ کی شادی عمر کے یہاں کردے تو جائز ہے یا نہیں، جبکہ زید سے عمر کی قرابتِ قریبہ ہے؟

الجواب حامداو مصلیاً:

شرعاً اس وصیت کا کوئی اعتبار نہیں (۲)، زید کو اس لڑکی پر جس قسم کی ولایت کا حق پہلے حاصل تھا، ویسے

---

(۱) "الولی عن المرأة مطلقاً شرطٌ عند الشافعية لصحة أيِّ عقدٍ من عقود الزواج، فلا تزوّج امرأةٌ نفسها بإذن وليها، ولا غيرها بوكالة، ولاتقبل زواجاً لأحد". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۶۶۹۵/۹، أنواع الولاية عندالشافعيه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۹۳/۲، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۵۷/۳، فصل: الذي يرجع إلى المولى عليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وليس للوصي من حيث هو وصي أن يزوّج اليتيم مطلقاً، وإن أوصى إليه الأب بذلك على المذهب". (الدرالمختار: ۷۹/۳، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۱/۳، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۴/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

ہی اب بھی ہے، یعنی باپ ہونے کی حیثیت سے جس طرح بیوی کی زندگی میں اپنے اختیار سے بیوی کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کا مُجاز تھا اسی طرح اب بھی ہے(۱)۔ اگر وہ لڑکی زید کی نہیں بلکہ اس کی بیوی کی کسی دوسرے شوہر سے ہے اور زید کا اس سے کوئی رشتۂ عصبیت کا نہیں تو زید کو اس کی ولایت نہ پہلے حاصل تھی نہ اب حاصل ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۷/صفر/۶۰ھ۔

بالغہ کا نکاح بغیر ولی کے، اور نابالغ کے ولی کی طلاق

سوال[۵۷۵۱]: مسماۃ رمضانوں بنت نہتو بیوہ ہوگئی تھی، عدت ختم ہونے پر اس کے والد نے اس کے دیور مسمی جماعت علی سے نکاح کر دیا اور پھر اس لڑکی سے والد نے کہہ دیا کہ تمہارا نکاح مسمی جماعت علی سے کر دیا جو کہ نابالغ تھا یعنی اس وقت جماعت علی کی عمر دس برس کی تھی اور لڑکی بالغ تھی تو لڑکی نے اس بات پر اظہار ناراضگی کیا اور انکار کیا۔ اب تین سال کے بعد لڑکی کے والد نے جماعت علی کے والد سے کہدیا کہ اپنی بہو کو لے جا، تو تین طلاق دیدی ہے اور پہلے بھی کہدیا تھا کہ اپنی لڑکی کا نکاح جہاں چاہو کر دو، اب بھی کہتا ہوں کہ تم اپنی

---

(۱) "الولي في النكاح لاالمال العصبة بنفسه، وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة .... على ترتيب الإرث". (الدرالمختار). "(قوله: لاالمال) فإنه الولي فيه الأب ووصيه، والجدووصيه، والقاضي ونائبه فقط، الخ". (ردالمحتار: ۷۶/۳، باب الولي، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲۰۸/۲، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۳/۲، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "ولوكان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لايملك تزويجهما، كذا في فتاویٰ قاضي خان". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۸۴/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

"والرجل الذي يعول الصغير أو الصغيرة، فلا ولاية له في إنكاحهما". (المحيط البرهاني: ۱۵۸/۳، الفصل التاسع في معرفة الأولياء، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۲/۳، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۳۵۶/۱، باب الأولياء، رشيديه)

لڑکی کو جہاں چاہو نکاح کر دو۔ اور لڑکی خود بھی جانا نہیں چاہتی ہے اور لڑکا اب بھی نابالغ ہے یعنی تیرہ سال کی عمر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باپ کو جبراً بغیر اس کی مرضی کے نکاح کرنے کا حق نہیں، پس اگر نکاح کی خبر پا کر لڑکی نے اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو رد ہو گیا تھا، اب طلاق کی ضرورت نہیں، دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے۔ اگر اس نکاح کو رد نہیں کیا تھا بلکہ اجازت دیدی تھی تو وہ صحیح ہو گیا تھا، اب جب تک لڑکا بالغ ہو کر طلاق نہ دے دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ لڑکے کے باپ کو شرعاً لڑکے کی بیوی کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں، یہ طلاق بالکل بے کار ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

بغیر ولی کی اجازت کے بالغہ کا نکاح

سوال [۵۷۵۲]: ۱...... ایک بالغ لڑکی نے اپنے کفو میں اور خاندان کے بالغ لڑکے سے بغیر اپنے ولی کی اجازت کے نکاح کر لیا ایسی صورت میں ولی کو حق فسخ ہے یا نہیں؟

۲...... فسخ کی صورت کیا ہوگی؟ کیا قاضی یا کسی مسلمان حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے، یا پنچایت میں معاملہ رکھ کر نکاح فسخ کرا دیا جائے گا، یا خود ولی کے کہنے سے فسخ ہو سکتا ہے کہ ولی کہدے: فسخت بینکما، اور وہ فسخ ہو جائے؟

امیر علی، معرفت: حامد میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

---

(۱) "لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بكراً كانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنكاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاویٰ العالمكیریة: ۱/۲۸۷، الباب الرابع في الأولیاء، رشیدیه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۱، باب الأولیاء والأكفاء، دار الكتب العلمیة، بیروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۴، باب الأولیاء والأكفاء، إمدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مہرِ مثل پر نکاح کیا ہے تو ولی کو حقِ فسخ حاصل نہیں: "نفذ نکاح حرة مكلفة بلاولي، وله الاعتراض في غير الكفو، وروى الحسن عن الإمام عدم جوازه، وعليه فتوى قاضي خان، وهذا أصح وأحوط، والمختار للفتوى في زماننا، الخ". مجمع الأنهر(۱)۔

۲......فسخ کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

بالغہ کا نکاح بلا اجازت کرنا

سوال [۵۷۵۳]: میرے والدِ حقیقی محمد اسماعیل نے میری شادی میری مرضی کے خلاف مسمی خدا بخش ولد میاں خیر الدین ساکن امرتسر کے ساتھ کردی، میں کنواری اور بالغہ ہوں، مجھے اس نکاح کے متعلق کچھ خبر نہیں دی گئی اور نہ ہی میرے والد یا کسی نے مجھ سے اجازت لی اور نہ ہی ایجاب وقبول کرایا گیا۔ چونکہ خدا بخش مذکور فاسق، فاجر، زانی، بے روزگار اور معمر ہے، نیز تا حال میں سسرال یعنی خدا بخش کے گھر بھی نہیں گئی۔ میں نہ تو رضامند تھی اور نہ ہوں، نکاح معرضِ تحریر میں آچکا ہے جو منجانب خدا بخش ہے، میرے مشاہدہ سے نہ نکاح نامہ گذرا اور نہ گذارا گیا، میں خواندہ بھی ہوں، ولی، وکیل، اور شاہدان امورِ متذکرہ بالا کو تسلیم کرتے ہیں۔ پس

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۴۸۸، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

"فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضا ولي، وله: أي للولي إذا كان عصبةً الاعتراض في غير الكفو، فيفسخه القاضي، ويتجدد بتجدد النكاح". (الدر المختار: ۳/۵۶، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۲، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "(قوله: فيفسخه القاضي)، فلا تثبت هذه الفرقة إلا بالقضاء؛ لأنه مجتهد فيه، وكل من الخصمين يتشبث بدليل، فلاينقطع النكاح إلا بفعل القاضي". (ردالمحتار: ۳/۵۶، باب الولي، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۸۹، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي المحيط البرهاني: ۳/۱۲۲، الفصل التاسع: في معرفة الأولياء، غفارية)

درخواست ہے کہ بوضاحت فرمادیا جائے کہ آیا نکاح درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: عام طور پر لڑکی کی خاموشی کو اس پر دال کیا جاتا ہے کہ لڑکی رضامند ہے، مگر یہاں تو اتنی تکلیف بھی نہیں کی گئی کہ لڑکی کے پاس جائیں اور ایجاب وقبول کا تذکرہ کریں، نہ کوئی میرے پاس آیا اور نہ مجھ سے پوچھا گیا، میں کسی حالت میں بھی خدا بخش مذکور کی زوجیت قبول کرنے کو تیار نہیں۔

غلام بتول دختر محمد اسماعیل ساکن لاہور۔

تصدیق: ''میں اس بات کی بحیثیتِ ولی کے تصدیق کرتا ہوں کہ واقعی لڑکی کی اجازت نہیں طلب کی گئی''۔ العبد محمد اسماعیل ولد رحیم۔

بخدمت علمائے دین ومفتیان شرع متین!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔

''گذارش ہے کہ بندہ درمعاملہ ودرخواست متعلقہ نکاحِ مسماۃ غلام بتول دختر محمد اسماعیل حسبِ ذیل عرض کرتا ہے: اول یہ کہ جو درخواست مسماۃ غلام بتول مذکور کی طرف سے علمائے کرام کی خدمت میں ہے کہ اس کا مضمون درست ہے، بات یہ کہ غلام بتول مذکور کے نکاح نامہ پر میرے دستخط بذریعۂ وکیل کے ہیں جو کہ میں نے بذریعہ وے والد غلام بتول یعنی محمد اسماعیل کے کہنے پر وکیل بنا کر دستخط کیے، خود میں نے غلام بتول سے اجازت حاصل نہیں کی اور نہ ہی بعد میں ایجاب وقبول کرایا گیا، لہذا ملتمس ہوں کہ درخواست جو کہ مسماۃ غلام بتول نے گذاری ہے وہ بالکل درست ہے''۔

العبد حاجی قادربخش ولد میاں پیر، المرقوم، ۲۸/اکتوبر/۱۹۳۶ء۔

''جو کہ درخواست غلام بتول دختر محمد اسماعیل کی طرف سے علماء کی خدمت میں ہے اس درخواست کا مضمون درست ہے، کیونکہ میری موجودگی میں دختر محمد اسماعیل سے بذریعۂ وکیل وگواہان جن میں سے میں بھی موجود تھا، دختر محمد اسماعیل سے نہ اجازت حاصل کی گئی ہے اور نہ ایجاب وقبول کرایا گیا تھا، حالانکہ دختر محمد اسماعیل بالغہ تھی۔ میری گواہی شرعی کا عذر ضرور ہے، مگر وہ تکمیل حق ہی کے واسطے ہے، میرا بیان حلفیہ ہے''۔

العبد رحمت اللہ ولد میاں خیرالدین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کنواری بالغہ ہو اس پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہیں، یعنی کوئی شخص باپ وغیرہ اس کا نکاح جبراً بلا اس کی رضامندی نہیں کرسکتا، اگر کسی نے ایسا کیا بھی تو یہ نکاح اس بالغہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ پس اگر بوقتِ نکاح اجازت نہیں لی گئی اور بلا اجازت نکاح کردیا گیا ہے تو یہ نکاح تمھاری اجازت پر موقوف ہے، اگر تم نے اجازت دے دی تو جائز ہوگا، اگر اجازت نہیں دی، بلکہ رد کردیا اس طرح پر کہ "میں اس نکاح سے رضامند نہیں، میں نے اس نکاح کو رد کردیا" تو یہ نکاح رد ہوگیا۔ اب تمہارے والد کو تمھاری مرضی کے خلاف کسی جگہ نکاح کرنے کا حق نہیں:

"ولا تجبر البکر البالغة علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، اھ". درمختار، ص: ۴٦۱ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ عبد اللطیف، یکم/ رمضان۔

بغیر ولی کے نکاح

سوال [۵۷۵۴]: مسماۃ ہندہ بالغہ باکرہ نے بغیر اجازتِ والد خود نکاح کرلیا، کیونکہ اس کا والد دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا تھا، ہندہ وہاں رضامند نہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا ہندہ کا نکاح ہوا یا نہیں؟ غیر مقلد کہتے ہیں کہ دوسری جگہ پڑھایا جائے، اول نکاح درست نہیں۔

پیر محمد غوث، حضرت بابا فرید گنج شکر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ بالغہ نے اپنی برادری میں مہرِ مثل پر یا اس سے زیادہ پر نکاح کیا ہے تو شرعاً یہ نکاح حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے، اگر غیر برادری میں یعنی نیچے خاندان میں نکاح کیا ہے تو مفتی بہ قول کے موافق وہ صحیح نہیں ہوا،

---

(۱) (الدر المختار: ۵۸/۳، باب الولي، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب الأولیا والأکفاء: ۱۹۲/۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع في الأولیاء: ۲۸۷/۱، رشیدیه)

دوبارہ برادری میں کرے۔ اگر مہرِ مثل سے کم پر کیا ہے تو ولی یعنی باپ کو اختیار ہے کہ حاکم مسلم کے یہاں درخواست دے اور حاکم شوہر کو بلا کر کہے: یا تو مہرِ مثل پورا کرو ورنہ ہم نکاح فسخ کردیں گے، اگر شوہر نے مہرِ مثل پورا کردیا تب وہ نکاح برقرار ہے، اگر پورا نہ کرے تو حاکم مسلم نکاح فسخ کردے:

"تنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، وله إذا كان عصبةً الاعتراضُ في غير الكفوء مالم تلد منه، ويفتى في غير الكفؤ بعدم جوازه أصلاً، وهوالمختار للفتوى، ١ه". درمختار: ٢/٤٥٨ (١)۔

"ولونكحت بأقل من مهر المثل، فللولي العصبة الاعتراضُ حتى يتم مهر مثلها أو يفرق القاضي بينهما دفعاً للعار، ١ه"۔

"(قوله: الاعتراض) أفاد أن العقد صحيح، وتقدم أنها لو تزوجت غير كفؤ، فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لايصح العقد، ولم أرمن ذكرمثل هذه الرواية هنا، ومقتضاه أنه لاخلاف في صحة العقد، لعل وجهه أنه يمكن الاستدراك هنابإتمام مهر المثل بخلاف عدم الكفاءة. والله تعالىٰ أعلم، ١ه". درمختار مع ردالمحتار: ٢/٥٠٠ (٢)۔

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي، وقال مالك والشافعي رحمهما الله تعالىٰ: لاينفذ بعبارة النساء أصلاً؛ لقوله تعالى: ﴿فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾، فلولا أن له ولاية التزويج لَمَا مُنع عن العضل. وقال الشافعي: هي أبين اية في كتاب الله تعالى على اشتراط الولي. ولقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلابولي وشاهدي عدل". وقد رووا في كتبهم أحاديث كثيرةً ليس لها صحةٌ عند أهل النقل، حتى قال البخاري وابن معين: لم يصح في هذا الباب حديث يعني على اشتراط الولي۔

---

(١) (الدر المختار: ٣/٥٥، باب الولي، سعيد)

(٢) (الدر المختار مع ردالمحتار: ٣/٩٤، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ٢/٢٠٢–٢٢٣، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢٨٧–٢٩٤، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

ولنا قوله تعالى: ﴿فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن﴾. وقوله تعالى: ﴿فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ وقوله تعالى: ﴿حتى تنكح زوجاً غيره﴾. وقوله تعالى: ﴿فلا جناح عليهما أن يتراجعا إن ظنا أن يقيما حدود الله﴾. وهذه الآيات تصرح بأن النكاح ينعقد بعبارة النساء؛ لأن النكاح المذكور فيها منسوب إلى المرأة من قوله: ﴿أن ينكحن﴾ و﴿حتى تنكح﴾ وهذا صريح بأن النكاح صادر منها، اھ". زیلعی: ۱۱۷/۲(۱)۔

غیر مقلد اگر ذی علم ہے تو ان عبارات میں اس کے لئے دلیل موجود ہے، اگر ذی علم نہیں بلکہ عامی اور جاہل ہے تو علمی مسائل میں جاہل سے بحث فضول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

غیر ولی کا کیا ہوا نکاح

سوال [۵۷۵۵]: مسمی سلامت علی نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ وایک دختر حقیقی مسماۃ اختری کو مکمل قطع کر کے دوسرے موضع میں سکونت اختیار کر لی اور عرصۂ دراز تک دونوں زوجین اپنی اپنی جائے سکونت پر بالکل اجنبی کی طرح رہتے رہے۔ جب جانبین میں موافقت کی امید بالکل قطع ہو چکی تو ہندہ نے اپنا نکاحِ ثانی مسمی کرامت علی سے کر لیا اور خوب محبت وپیار سے رہتے سہتے رہے۔ نکاح کے بعد سلامت علی نے نہ دختر کو لے جانے کا قصد کیا اور نہ زوجہ کا دھیان دل پر لایا۔ ایک روز ہندہ نے اپنے خاوند کرامت علی سے کہا کہ مسماۃ اختری کا نکاح مسمی اصغر علی سے موضع ساہا میں کر دو۔ خاوند صاحب نے اختری کے بلا اجازت پوشیدہ طریقہ سے اپنے رشتہ دار کے مسمی حشمت علی سے کر دیا اور معاً رخصت بھی کر دیا۔ ان ایام میں اختری سن نابالغہ میں تھی۔

جب یہ تمام دغا بازی ہندہ کو معلوم ہوئی تو وہ خاوند پر بہت خفا ہوئی اور فوراً اپنی دختر کو اپنے پاس بلوالیا، بعدہ سالہا سال تک رخصتی کا نام تک نہ لیا، یہاں تک کہ اختری جوان ہوگئی اور اختری کا والد حقیقی فوت ہو گیا۔ بعد میں ہندہ نے سینہ سپر ہو کر اپنے شوہر کی رضا مندی کے خلاف اور حشمت علی کے طلاق دیئے بغیر صرف اپنی

---

(۱) (تبیین الحقائق للزیلعی: ۴۹۳/۲، باب الأولیاء والأکفاء، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۳۷۲/۳، فصل في ولایة الندب، دار الکتب العلمیة بیروت)

واختری کی رضامندی سے اسے سابق پسند کردہ لڑکے اصغرعلی سے نکاحِ ثانی کردیا اورحشمت علی کوصاف جواب دے دیا، وہ محروم ہوکر بیٹھ گیا۔ فی الحال دونوں اختری واصغرعلی ایک مکان میں خاوند وبیوی کی طرح رہتے سہتے ہیں۔اب بعض لاعلم اشخاص یہ کہتے ہیں کہ جونکاح اول کیا تھا وہی صحیح ہوگیا تھا، نکاحِ ثانی نہیں ہوا، اور بعض کہتے ہیں کہ نکاحِ ثانی صحیح ہواہے، کیونکہ یہ اختری واصغری کی والدہ کی رضا مندی سے ہواہے۔حضور والا سلیس اردو میں تحریر فرماویں کہ یہ عورت کون سے خاوند کوحلال ہے اورکس کوحرام ہے؟ بینواوتوجروا۔

مرسلہ: محمدابراہیم، متوطن قریہ ساہا، ضلع وتحصیل انبالہ، ۲۱/شعبان/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرسلامت علی نے ہندہ کوطلاق دیدی تھی اور ہندہ نے عدت گذار کرکرامت علی سے نکاح کیا تھا تب تو یہ نکاح صحیح ہے اوراگرطلاق نہیں دی تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا(۱)، سلامت علی کے انتقال کے بعدعدتِ وفات گذار کردوبارہ نکاح کرنا چاہیئے۔اورسلامت علی نے ہندہ کوطلاق تو دیدی تھی لیکن عدت پوری ہونے سے پہلے ہندہ نے کرامت علی سے نکاح کیا ہے تب بھی صحیح نہیں ہوا، عدتِ طلاق گذار کردوبارہ کرنا چاہیئے یہ حکم توہندہ کا ہے۔

اور ہندہ کی لڑکی اختری کا یہ حکم ہے کہ اس کا پہلا نکاح جوکرامت علی نے کیا تھا وہ ہندہ کے پہلے شوہر، یعنی اختری کے والدسلامت علی کی اجازت پرموقوف تھا، اگراس نے اجازت دیدی تھی تو نافذ ہوگیا تھا(۲)۔پھر اختری کوجواس کی والدہ نے بلالیا تھا اورپھررخصت نہیں کیا بلکہ اس کے جوان ہونے پردوبارہ اصغرعلی سے نکاح کردیا یہ ناجائز رہا، یہ نکاح درست نہیں ہوا۔حشمت علی کے گھراس کوبھیجنا ضروری ہے اوراگراختری کے والد

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، سواء کانت العدة عن طلاق أووفاة أودخول فی نکاح فاسد أوشبهة نکاح". (الفتاویٰ العالمکیریه: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، فصل فی شرط الزوجة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۳/۳، فی بیان مایجوز من الأنکحة الخ، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "فلوزوّج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته". (الدر المختار: ۳/۸۱، باب الولی، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۳/۱۵۷، الباب الرابع فی الأولیاء، غفاریه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۵، الباب الرابع فی الأولیاء، رشیدیه)

سلامت علی نے اس کے نکاح کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ رد کردیا تھا تو وہ رد ہوگیا تھا، اب حشمت علی کو کوئی حق نہیں رہا۔

اختری کے بالغہ ہونے پر جو اس کی رضامندی سے اس کی والدہ نے اصغر علی سے دوبارہ نکاح کیا ہے وہ صحیح اور نافذ ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ۸/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر علوم، یکم/ رمضان/ ۵۶ھ۔

ایضاً

سوال [۵۷۵۶]: میرے چچازاد بھائی محمد عمر خان کے لڑکے کلام الدین خان جو مرچکے ہیں ان کی دو لڑکیاں اور بیوی موجود ہیں: ۱- دختر سروری جس کی عمر چار پانچ سال ہے، ۲- دختر قیصری جس کی عمر ڈھائی سال ہے۔ ان دونوں لڑکیوں کا عقدِ نکاح ہوگیا، سروری کا نکاح محمد ظہیر خان نے ولی بن کر اپنی اجازت سے کیا، قیصری کا نکاح ثناء اللہ نے ولی بن کر اپنی اجازت سے کیا۔ یہ دونوں عقد کس کی اجازت سے ہونے چاہیے تھے؟ اور ولی کون ہوسکتا تھا؟

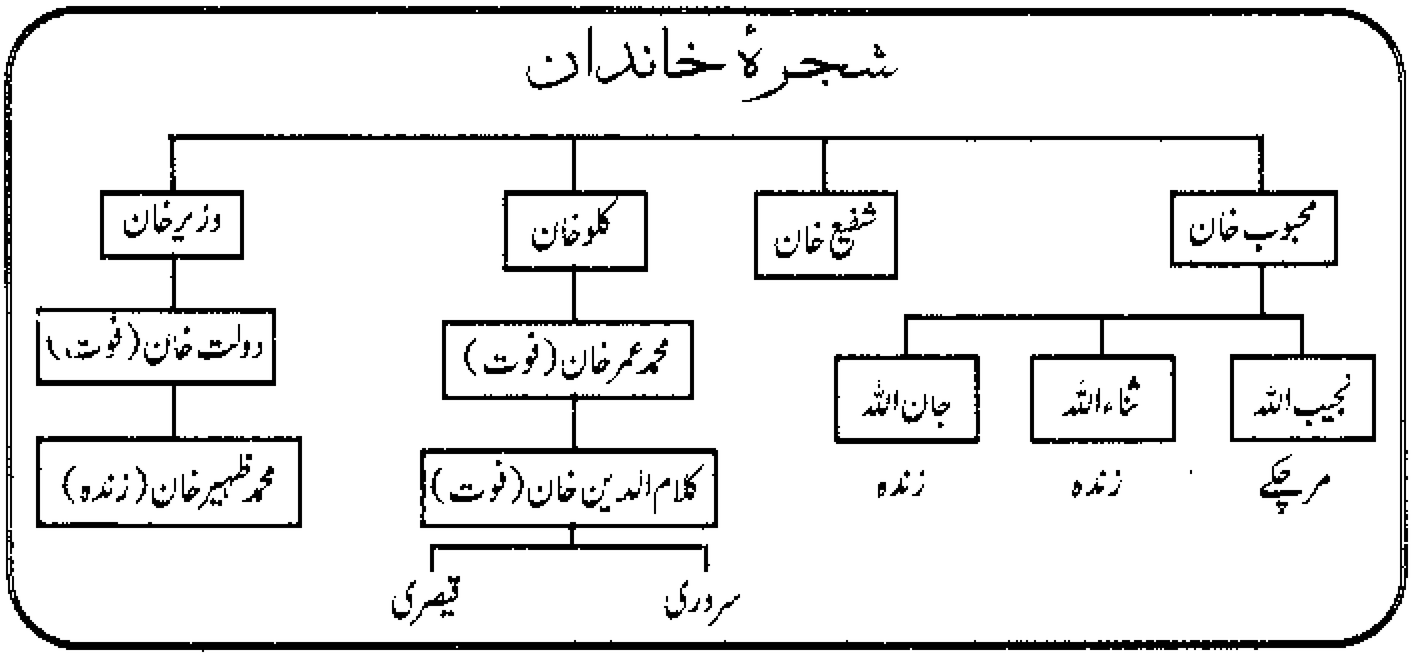

Designed by: Irfan Anwar Mughal

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثناء اللہ خاں نے جو قیصری کا نکاح کیا ہے وہ صحیح ہوگیا، اس کو شرعاً ولایتِ نکاح حاصل ہے(۱)۔ محمد

(۱) "فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: =

ظہیر خاں نے جو نکاح سروری کا کیا ہے، وہ ثناء اللہ اور جان اللہ کی اجازت پر موقوف ہے(۱)، اگر ان میں سے کسی نے بھی اس کو منظور کرلیا تو وہ درست ہوگیا، اگر کسی نے نامنظور کردیا تو وہ جب ہی بے کار اور ختم ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

ولی کی اجازت کے بغیر بالغہ کا نکاح اور مبسوط کی عبارت

سوال [۵۷۵۷]: اگر کوئی عورت باکرہ عاقلہ بالغہ بغیر رضائے ولی کے خفیہ نکاح کرلیتی ہے جس سے والدین، اولیاء کی عزت پر بہت بدنما دھبہ لگ گیا ہے، کیونکہ وہ شریف خاندان میں سے نہیں اور اس نکاح کو ہرگز جائز نہیں کہتے۔ تو کیا اس صورت میں حسبِ مضمون عبارتِ ''مبسوطِ سرخسی'' بغیر رضائے ولی یہ نکاح جائز قرار دیا جاسکتا ہے:

قال العلامة السرخسي رحمه الله تعالى: "ومن العلماء من يقول: إذا كانت غنيةً شريفةً، لم يجز تزوجها نفسها من غير رضاء الولي. وإن كانت فقيرةً خسيسةً، يجوز لها أن

= ۸۱/۳، سعید)

"(وإن كان المزوّج غيرهما: أى غير الأب وأبيه ....وإن كان من كفءٍ وبمهر المثل، صح". (الدر المختار: ۶۹/۳، باب الولي، سعید)

(۱) "الولي في النكاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثىٰ علىٰ ترتيب الإرث والحجب .... فلوزوّج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ تحته بعد عبارة: "فلايكون سكوته إجازةً لنكاح الأبعد وإن كان حاضراً في مجلس العقد مالم يرض صريحاً أو دلالةً، تأمل". (ردالمحتار: ۷۶/۳-۸۱، باب الولي، سعید)

"وإن زوّج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء، فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية، توقف نكاح الأبعد على إجازته". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۵/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۳/۳، الفصل الحادي عشر في معرفة الأولياء، إدارة القرآن كراچي)

تزوج نفسها من غير رضا الولي". مبسوط: ٥/ ١٠، باب النكاح (١)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح کفو میں مہرِ مثل پر کیا ہے تو شرعاً نافذ اور درست ہے (۲)، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابویوسفؒ کا قول ظاہر الروایہ میں یہی ہے اور انھوں نے قولِ اول سے رجوع کیا ہے جو یہ ہے کہ: ''بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا جبکہ اس کا کوئی ولی ہو''۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ''اگر کفو میں کیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں''۔ اس سے بھی رجوع کیا، اور فرمایا کہ زوج کفو ہو یا نہ ہو بہرصورت درست ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، پھر ان سے بھی شیخین کے قول کی طرف جو کہ ظاہر الروایہ ہے رجوع مروی ہے، لہذا ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا قول متفق علیہ یہی ہے کہ نکاح درست اور نافذ ہے، پھر اس متفق علیہ قول کے خلاف فتویٰ دینا شرعاً درست نہیں۔

مبسوط میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے، معلوم نہیں کہ وہ حنفی ہیں یا غیر حنفی، جیسے کہ آئندہ قول اصحابِ ظواہر کا درجہ ہے، پھر یہ کہ اس پر نہ کسی کا فتویٰ نقل کیا ہے نہ اس کو کسی دلیل سے مبرھن کیا ہے۔ ایسے قول پر فتویٰ دینا قواعدِ افتاء کے خلاف ہے، کماصرح به ابن عابدين في عقود رسم المفتي (۳)۔

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي، وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ في ظاهر الرواية. وكان أبويوسف أولاً يقول: إنه لاينعقد إلا بولي إذا كان لها وليٌ. ثم رجع وقال: إن كان الزوج كفواً لها جاز، وإلا فلا. ثم رجع وقال: جاز سواء كان الزوج كفواً لها أو لم يكن. وعندمحمد رحمه الله تعالىٰ: وينعقد موقوفاً على إجازة الولي، سواء كان الزوج كفواً

---

(١) (المبسوط: ٣/ ١٠، كتاب النكاح، باب النكاح بغير ولي، حبيبيه)

(٢) "ولاتجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ٣/ ٥٨، سعيد)

(٣) "أن الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه أويفتي غيره، أن يتبع القول الذي رجّحه علماء مذهبه، فلايجوز له العمل أوالإفتاء بالمرجوح". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ٣٥، مطلب: يجب اتباع الراجح ولايجوز العمل ولاالإفتاء بالمرجوح، الرشيدالوقف)

لها أولم يكن. ويروى رجوعه إلى قولهما، اھ". تبيين الحقائق: ۱۱۷/۲(۱)۔ "فاتفق عليه أصحابنا في الروايات الظاهر ة يفتى به قطعاً.......... وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهلٌ وخرق للإجماع". درمختار۔ "ومذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوع صار منسوخاً". شامی: ۵/۱(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

نکاحِ صغیر بغیر ولی

سوال [۵۷۵۸]: ایک نابالغ لڑکا ہے مگر عاقل ہے، اگر نکاح کے وقت اس سے ایجاب وقبول بغیر ولایتِ باپ کے کیا جائے تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، ایسے کئی نکاح ہو رہے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا ایجاب وقبول بغیر ولی کے کافی نہیں بلکہ وہ ولی شرعی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے: "الولي شرط نكاح صغير، اھ". درمختار: ۴۵۸/۲(۳)۔

"صغيرةٌ زوّجت نفسها من كفء، ولا وليَّ لها ولا قاضي في ذلك الموضع، ينعقد ويتوقف على إجازتها بعد بلوغها. وإذا زوجت الصغيرة نفسها، فأجاز الأخ الولي، جاز، ولها الخيار إذا بلغت، اھ". عالمگیری: ۲۸۶/۲(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۳ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۴۹۳/۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۹-۷۴، مقدمہ، مطلب: لايجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا، سعيد) (وكذا في أصول الإفتاء، لمحمد تقي العثماني، ص: ۴۹، القاعدة الحادية عشر في حكم الإفتاء بالروايات الضعيفة)

(۳) (الدر المختار: ۵۵/۳، باب الولي، سعيد)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۶/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه) ....

نابالغ کا نکاح غیر ولی نے کیا، ولی نے طلاق دی، پھر نکاحِ ثانی ہوا

سوال [۵۷۵۹]: ا......زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح مسمی عمر کے نابالغ لڑکے سے کردیا، مسمی بکر نے جو عمر کا حقیقی بھائی ہے اپنے بھتیجے کے لئے قبول کیا۔ عرصہ ایک سال بعد مسمی بکر نے - جو نابالغ کا باپ تھا - اپنے لڑکے نابالغ کی جانب سے طلاقِ ثلاثہ دیدی۔ طلاق کے بعد تقریباً ۴/ سال عرصہ گذرنے کے بعد اب مسمی زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح کسی دوسری جگہ کردیا۔ کیا عندالشرع نکاحِ ثانی جائز ہے؟

۲......اور طلاق مسمی عمر کی نابالغ لڑکے کی جانب سے درست ہے؟ جواب مدلل ہو۔

۳......اگر نہیں تو مسمی زید کی نسبت عندالشرع کیا سزا ہے؟

۴......اور جنہوں نے نکاح ثانی کیا ہے ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہ یاد رہے کہ نکاحِ ثانی لینے والوں کو یہ تو علم تھا کہ اس لڑکی کا نکاح پہلے ہوا تھا، مگر بچپن ہی میں مطلقہ ہوگئی، وہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے طلاق کو درست اور صحیح سمجھے۔

۵......نیز جو گواہان وغیرہ اب نکاحِ ثانی میں ہوئے ان میں سے کسی کو بھی پہلے نکاح یا طلاق کا کوئی علم نہ تھا۔ نکاح کے وقت منکوحہ کنواری لکھی گئی۔ اب نکاحِ ثانی کو بھی عرصہ سات ماہ کا ہو چکا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......اگر اول نکاح درست ہو چکا تھا یعنی عمر نے اس کی اجازت دے دی تھی (کیونکہ قبول عمر نے نہیں کیا جو کہ شرعی ولی ہے، بلکہ بکر نے کیا ہے، پس یہ قبول عمر کی اجازت پر موقوف ہے) تو یہ نکاح نافذ اور صحیح ہو گیا تھا(۱)۔ اور عمر نے جو طلاقِ ثلاثہ دی ہے وہ واقع نہیں ہوئی، جب طلاق واقع نہیں ہوئی تو نکاحِ ثانی درست نہیں

= "سئل القاضي بديع الدين عن صغيرةٍ تزوجت نفسها من كفؤ ولا ولي لها ولا قاضي في ذلك الموضع؟ قال: ينعقد ويتوقف بإجازتها بعد بلوغها". (التاتارخانية: ۳/۳۴، النكاح بغير الولي، إدارة القرآن كراچی)

"(نكاح حرة) احتراز عن الأمة؛ لأن نكاحها موقوف على إذن مولاها كتوقف نكاح الصغيرة والمجنونة والمعتوهة على إذن الولي". (مجمع الأنهر: ۱/۴۸۸، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "فلو زوّج الأبعدُ حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدر المختار: ۳/۸۱، باب الولي، سعيد)=

ہوا۔ اگر عمر نے اول نکاح کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ اس کو رد کر دیا تھا تو وہ اول نکاح نافذ اور لازم نہیں ہوا تھا بلکہ رد ہوگیا تھا، پس نکاحِ ثانی درست ہوگیا اور طلاق بے کار گئی، اس کی ضرورت بھی نہیں:

"الولي في النكاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثى على ترتيب الإرث والحجب، اهـ".

درمختار وشامی(۱)۔ "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". هنديه(۲)۔

۲.....نہیں، جیسا کہ جواب نمبر:۱ میں گذرا۔

۳.....اس نے اگر اول نکاح صحیح اور نافذ ہوجانے کے باوجود دوسرا نکاح کر دیا ہے تو وہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا اور ایسا کرنے سے زید گناہ گار ہوا، اس کو چاہیے کہ اپنے اس فعل سے توبہ کرلے اور لڑکی کو اس کا شوہر، شوہر اول کے پاس پہنچا دے۔ اگر اول صحیح اور نافذ نہیں ہوا تھا تب ایسا کیا ہے تو یہ موافق شرع ہے، اس سے گناہ گار نہیں ہوا۔

۴.....اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کیا ہے یعنی منکوحہ لڑکی (جس پر طلاق شرعاً نہیں واقع ہوئی) سے نکاح کرلیا تو وہ لوگ معذور ہیں، اب انہیں لڑکی کو واپس کر دینا چاہیے، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو سخت گناہ گار ہے۔ اگر پہلا نکاح صحیح نہیں ہوا تو دوسرا نکاح کرنے والے گناہ گار نہیں۔

۵.....ایسی حالت میں ان پر گناہ نہیں، اگر جان بوجھ کر ناجائز نکاح کے گواہ بنتے تو گناہ گار ہوتے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۷/۳، في معرفة الأولياء، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۵/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(۱) (الدر المختار: ۷۶/۳، باب الولي، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۷۶/۳، فصل في شرط التقدم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۶/۱، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۰/۱، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۵۱/۳، فصل في شرط الزوجة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۴/۳، في بيان مايجوز من الأنكحة ومالايجوز، إدارة القرآن كراچي)

نابالغہ کا نکاح ولی نہ کرے تو کون کرے؟

سوال [۵۷۶۰]: ایک نابالغہ لڑکی کے نکاح کی چندوجوہ سے نانی کوضرورت پیش آئی کہ ولی لڑکی کا حقیقی چچا ہے جو عرصہ دراز سے صریح دشمن ہے، جب نانی نے اجازت طلب کی تو اس نے کہا کہ ہم سے کوئی تعلق نہیں، ہم نہیں جانتے۔ علاوہ ازیں ایک اوردور کے رشتہ کے چچا ہیں اور ماں، تو ایسی صورت میں یا غیر حقیقی چچا کی طرف ولایت یا اختیار اجازت منتقل ہوگا یا نہیں؟ یا کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے کہ نابالغہ ہونے کی صورت میں نکاح ہو سکے جب کہ چچا کا یہ قول ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں جب لڑکی کا حقیقی چچا اس لڑکی کے نکاح کرنے کا منکر ہے اور نکاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اس کے نکاح کرنے کی یہ صورت ہے کہ کسی مسلمان بااختیار حاکم کے یہاں درخواست دی جاوے اور وہ حاکم اس لڑکی کا نکاح اپنی طرف سے کردے، شامی: عن المنتقیٰ:

"إذا كان للصغيرة أبٌ امتنع عن تزويجها، لاتنتقل الولاية إلى الجد، بل يزوّجها القاضي .... وأما مافي الخلاصة والبزازية من أنها تنتقل إلى الأبعد بعضل الأقرب، فالمراد بالأبعد القاضي؛ لأنه اخرالأولياء، الخ": ۲/۴۳۳(۱)۔ صورتِ مذکورہ میں ماں یا غیر حقیقی چچا کو خود اس لڑکی کے نکاح کرنے کا حق شرعاً حاصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۳/۳/۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۸۲، باب الولي، سعيد)

"وأجمعوا أن الأقرب إذاعضل، تنتقل الولاية إلى الأبعد. غاب الولي أوعضل، أوكان الأب أوالجدفاسقاً، فللقاضي أن يزوجهامن كفء". (الفتاویٰ العالمكيريه: ۱/۲۸۵، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۲۳، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۹، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت)

ولی اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح

سوال [۵۷۲۱]: ایک لڑکی نابالغ کے بڑے بھائی بالغ ہیں، بڑا بھائی مسافتِ منقطعہ پر نہیں تھا بلکہ اس سے دانستہ اس معاملہ کو چھپایا گیا اور چھوٹا بھائی گھر پر موجود تھا، لیکن اس نے کوئی اجازت نکاح خواں کو نہیں دی اور نہ قاضی صاحب نے چھوٹے بھائی سے طلب کی، کیونکہ ان کو بتلایا گیا ہے کہ لڑکی بالغہ ہے اور اجازت دادی صاحبہ نے دی اور یہ نکاح دادی کی رضامندی سے ہوا۔ لڑکی نابالغہ کے ہر دو بالغ بھائی بڑے باپ شریک بھائی ہیں۔ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ضمیر حسن، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا نکاح صورتِ مسئولہ میں بھائی کی اجازت پر موقوف ہے، خواہ کوئی بھائی اجازت دے، لڑکی یا اس کی دادی کی اجازت سے نکاح لازم نہ ہوگا اور بھائی کا سکوت معتبر نہیں یعنی جب تک صراحۃً یا دلالۃً رضا متحقق نہ ہو نکاح لازم نہ ہوگا:

فی التنویر: "الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلاتوسط أنثی علی ترتیب الإرث والحجب". فی الدر: "فلوزوّج الأبعد حال قیام الأقرب، توقف علی إجازته"۔

قال الشامی تحته بعد عبارة: "فلایکون سکوته إجازةً لنکاح الأبعد وإن کان حاضراً فی مجلس العقد مالم یرض صریحاً أو دلالةً، تأمل"(۱)۔

اگر کوئی سا بھائی بھی اجازت سے پہلے اس نکاح کو رد کر دے گا تو رد ہو جائے گا۔ فقط۔

محمود، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/ ۷۶-۸۱، باب الولی، سعید)

"وإن زوّج الصغیر أو الصغیرة أبعد الأولیاء، فإن کان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولایة، توقف نکاح الأبعد علی إجازته". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۸۵، الباب الرابع فی الأولیاء، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۳/ ۲۳، الفصل الحادی عشر فی معرفة الأولیاء، إدارة القرآن کراچی)

ولی سے جبراً اجازتِ نکاح

سوال[۵۷۶۲]: ۱......ایک لڑکی کے نکاح کی یہ صورت ہوئی جب کہ وہ نابالغ تھی، اس کے ولی کا بائیکاٹ کیا گیا اور اس پر جھوٹے معاملہ کا دعویٰ کر دیا گیا، عدالت میں وہ بہت پریشان ہوا اور چند آدمیوں نے اس کو پکڑ کر زبردستی نکاح کی اجازت لے لی، یہ اجازت باپ سے لی۔

۲......کیا اس صورت میں لڑکی کا نکاح ہو گیا یا نہیں؟

۳......کیا یہ عورت اپنا نکاح کسی دوسرے شخص سے اپنی مرضی سے کر سکتی ہے یا نہیں؟

۴......بالغ ہونے پر لڑکی نے نکاح سے انکار کر دیا تھا۔

شہاب الدین ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......صورت مسئولہ میں وہ نکاح صحیح ہو گیا: "زوجها أولياؤها وهم مكرهون، جاز النكاح". بدائع : ۷/۱۸۵ (۱)۔

۳......جب تک شوہر اس عورت کو طلاق نہ دے یا خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شرعی طریق سے جدائی نہ ہو جائے اس عورت کا دوسری جگہ نکاح جائز نہیں (۲)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۱۰/۱۲۳، کتاب الإكراه، فصل في حكم مايقع عليه الإكراه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۱، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوزت، سعيد)

(۲) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۰، كتاب النكاح، الباب السادس، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۹/۶۶۴۲، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة، رشيديه)

۴..... جب کہ باپ نے نکاح کی اجازت دی تھی (اگر چہ جبراً ہی دی تھی) تو عورت کو بالغ ہونے پر اس کے فسخ کا کوئی اختیار حاصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "هذه المسئلة مشتملة على الصور الثلاثة: الصورة الأولى: أن يكون الزوج كفئاً للمرأة، والمهر المسمى قدر مهر مثلها أو أكثر منه، فالنكاح جائزٌ نافذٌ لازمٌ ولاخيار للمرأة. الثانية: فإن كان المهر المسمى أقل من مهر مثلها، فالنكاح جائز، ويقال للزوج: أن يتم مهر مثلها وإلافرق بينهما إن لم ترض بالنقصان.

الثالثة: فأما إذا أكرهت المرأة، فإن كان المسمى في النكاح قدر مهر مثل أو أكثر منه، جاز النكاح ولزم. وإن كان المسمى أقل من مهر المثل، بأن أكرهت على النكاح بألف درهم ومهر مثلها عشرة آلاف فزوجها أولياءها وهم مكرهون، جاز النكاح ....ثم ينظر إن كان الزوج كفئاً يقال للزوج: إن شئت فكمّل لها مهر مثلها، وإلا فنفرّق بينكما، فإن فعل لزم النكاح، وإن أبى تكميلَ مهرِ المثل يفرق بينهما إن لم ترض بالنقصان؛ لأن لها في كمال مهرمثلها حقاً؛ لأنها تعير بنقصان مهر المثل فيلحقها ضرر العار". (بدائع الصنائع: ۱۰/ ۱۲۳، ۱۲۴، كتاب الإكراه، فصل في حكم مايقع عليه الإكراه، دارالكتب العلمية، بيروت)

"ولو أن المرأة هي التي أكرهت حتى يتزوجها الرجل على ألف درهم، ومهرمثلها عشرة آلاف درهم، فزوجها أولياؤها مكرهين، فالنكاح جائز ولاضمان على المكره. ثم هل للمرأة والأولياء حق الاعتراض على هذاالنكاح؟ فإن كان كفئاً لها وقد رضيت بالمسمى، كان للأولياء حق الاعتراض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعندهما: لا أصلاً........ فإن لم ترض بالمسمى، يُنظر: فإن كان الزوج كفئاً لها، فلها حق الاعتراض على هذاالنكاح بسبب نقصان المهر عندهم جميعاً، فإذا رفعت الأمر إلى القاضي يخيّر زوجها، فيقول له: أتِمّ لها مهرها وإلافرّقتُ بينكما، فإن أتم نفذ النكاح، وإن أبى يفرق بينهما، ولايكون لها مهر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۴۵، كتاب الإكراه، الباب الثاني فيما يحل للمكره الخ، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/ ۲۱، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو: تجوزت؟ سعيد) ....

ولی سے اجازت کی ایک صورت

سوال [۵۷۶۳]: بکر نے مولوی عمر سے کچھ نا اتفاقی کی وجہ سے اپنے لڑکے سے کہا مولوی صاحب سے کہہ دو میری لڑکی کا نکاح پڑھا دیں۔ یہ اجازت معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اجازت بھی معتبر ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۴ھ۔

ولی کی موجودگی میں غیر ولی کو حقِ نکاح

سوال [۵۷۶۴]: ایک بیوہ عورت نے اپنی لڑکی کے نکاح کا مختار اپنے بھائی کو بنایا اور اس کی معرفت

= "الثالثة: فزوجها أولياء ها وهم مكرهين فالنكاح جائز .... إن لم يكن الزوج كفئاً لها، فلها وللأولياء حق الاعتراض على هذاالنكاح، عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ لعدم الكفاء ة لنقصان المهر، وعندهما لها حق الاعتراض لذلك، وللأولياء لعدم الكفاء ة لاغير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۵، كتاب الإكراه، البا ب الثاني فيمايحل للمكره أن يفعل ومالايحل، رشيديه)

"إن لم يكن الزوج كفئاً، فللمرأة خيار التفريق، لانعدام الكفاء ة ونقصان مهر المثل أيضاً، وكذا الأولياء عند أبي حنيفةؒ، وعند هما: لهم خيار عدم الكفاء ة". (بدائع الصنائع: ۱۰/۱۲۴، كتاب الإكراه، فصل فيما يقع عليه الإكراه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(فإن وكل)الوكيل غيره (بدونهما) بدون إذن وتفويض (فَفَعَل الثاني)بحضرته أوغيبته (فأجازه) (الوكيل الأول، صح)". (الدر المختار: ۵/۵۲۸، كتاب الوكالة، فصل: لايعقد وكيل البيع والشراء والإجارة الخ، سعيد)

"(أمر) الأب (رجلاً أن يزوج صغيرته، فزوّجها عند رجل أو امرأتين، و)الحال أن (الأب حاضر صح)؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا". (الدرالمختار: ۳/۲۴، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶۸، كتاب النكاح، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۶۰، كتاب النكاح، سعيد)

اسی کے مکان پر نکاح ہوا۔ نکاح جس گاؤں میں ہوا وہ گاؤں بیوہ کی سکونت سے پانچ میل ہے۔ نکاح کی اطلاع دور نزدیک سب جگہ کی گئی تھی، بارات کئی سو آدمیوں کی آئی تھی جن کی موجودگی میں نکاح ہوا۔ کچھ پتہ کسی کو نہیں چلا کہ اس میں لڑکی کے تایا اور چچا کی اجازت ہے یا نہیں، کیونکہ تایا چچا کی طرف سے انکار معلوم نہیں ہوا، نہ یہ علم ہوا کہ وہ رضامند نہیں ہیں۔

لڑکی کی عمر اس وقت بارہ یا تیرہ سال تھی، بخوشی رخصت ہوکر خاوند کے یہاں گئی پندرہ روز رہی، اس کے بعد بخوشی میکے میں بھیج دی گئی، کسی کی جانب سے ناراضگی کا اظہار نہیں ہوا۔ اتفاق سے اس لڑکی کے خاوند نے ایک عورت سے نکاح کرلیا، دوسرے نکاح کی خبر پاکر لڑکی کے تایا چچا اس کے مکان پر پہنچے کہ ہم سے لڑکی اب نہیں رکھی جاتی، جوان ہوگئی ہے، تم لے آؤ اور اس عورت کو طلاق دیدو، طلاق نہ دے سکو تو ہم لڑکی کو نہیں بھیجیں گے۔ اس شخص نے طلاق نہ دی، اس پر انھوں نے اس بیوہ کی لڑکی کو دوسری جگہ بھیج دیا اور کہتے ہیں کہ ہم نے زبانی پوچھا کہ پہلا نکاح جائز نہیں ہے، مگر فتویٰ کوئی نہیں ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ سابق نکاح جائز ہے یا نہیں؟ تو ان لوگوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

احقر العباد: فقیر محمد، ساکن مورنہ اسکول، مظفرآباد، ضلع سہارنپور، ۳۱/۱/۴۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نکاح کے وقت بالغہ تھی تب تو اس نکاح میں کوئی تردد ہی نہیں، بلکہ بلا تامل صحیح ہے(۱)۔ اگر نابالغہ تھی تو اس کے ولی تایا چچا ہیں، ایسی صورت میں ماں کو یا ماموں کو ولایتِ نکاح حاصل نہیں (۲)۔ اور جب

---

(۱) "ونفذ نکاح حرة مکلفة بلارضا ولی، الخ .... ولاتجبر البالغة البکر علی النکاح، اھ".
(الدرالمختار، باب الولی: ۳/۵۵، سعید)

"نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی: لأنها تصرفت فی خالص حقها، وهی من أهله لکونها عاقلةً بالغةً ...... ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح: أی لاینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا. الخ".
(البحرالرائق: ۳/۱۹۲، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۷، الباب الرابع فی الأولیاء، رشیدیه)

(۲) "الولی فی النکاح لاالمال العصبة بنفسه، وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقة .... علی ترتیب الإرث". (الدرالمختار). "(قوله: لاالمال) فإنه الولی فیه الأب ووصیه والجدووصیه والقاضی ونائبه =

کہ نکاح لڑکی کے ماموں نے کیا ہے تو وہ تایا پچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ رد کر دیتے تو رد ہو جاتا، لیکن انہوں نے رد نہیں کیا بلکہ لڑکی کے شوہر سے اس کے نکاح ثانی کر لینے سے تقاضا کیا اور کہا: ''ہم سے لڑکی اب نہیں رکھی جاتی، جوان ہوگئی ہے، تم لے آؤ''۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس نکاح سے رضامند ہیں اور لڑکی کے ماموں نے جو نکاح کر دیا ہے اس سے خوش ہیں، لہذا شرعاً یہ نکاح لازم اور نافذ ہو گیا۔

اب اس لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کر کے بھیجنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، دوسری جگہ نکاح ہرگز درست نہیں ہوا۔ ان کے ذمہ واجب ہے کہ لڑکی کو اس جگہ سے بلا کر اسی شوہر کے گھر بھیجیں جس سے اولاً نکاح کیا ہے:

"فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته (الدرالمختار) فلايكون سكوته إجازةً لنكاح الأبعد، وإن كان حاضراً في مجلس العقد مالم يرض صريحاً أو دلالةً، تامل، اهـ". درمختار وشامی: ۲/ ۴۸۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

والدین سے چھپ کر نکاح کرنا

سوال [۵۷۲۵]: لڑکا اور لڑکی دونوں جوان ہیں، اگر اپنے ماں باپ سے چھپ کر دو انجان مسلمان گواہوں یا جاننے والے گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ پھر اس لڑکی کے ماں

= فقط، الخ". (ردالمحتار: ۳/ ۷۶، باب الولي، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۰۸، باب الأولياء والأكفاء، إمداديه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۵۰۳، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۸۱، باب الولي، سعيد)

"وإن زوّج الصغير أوالصغيرةَ أبعدُ الأولياء، فإن كان الأقرب حاضراً، وهومن أهل الولاية، توقف نكاح الأبعد على إجازته". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۸۵، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/ ۴۹۹، باب الأولياء والأكفاء، غفارية كوئته)

باپ اس کا نکاح کسی اونچے خاندان میں کرنا چاہیں، اس لئے کہ لڑکی کے ماں باپ کو معلوم نہیں ہوا کہ اس نے اپنا نکاح کرلیا ہے۔ اگر میں اس لڑکی کو طلاق دے دوں تاکہ بعد عدت اس کا نکاح دوسری جگہ ہوجائے۔ تو ایسا فعل شرعاً کرنا کیسا ہے؟

اقبال احمد سرسال اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ طلاق دیدے گا تو شرعاً طلاق واقع ہوجائے گی اور بعد عدت دوسری جگہ اس کا نکاح بھی درست ہوگا، مگر بلاوجہ شرعی طلاق دینا ناپسند ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

والدین کے ذمہ اولاد کا نکاح

سوال[۵۷۶۶]: والدین یا اَوراعزہ کے ذمہ اولادِ صغار یا کبار کا نکاح بہرحال سنت ہے یا واجب، خواہ رسوم وبدعات کے ساتھ ہو؟ اگر نکاح بطریق سنت نہ ملے اور مفاسد مروجہ کا انسداد محال ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولادِ صغار کا نکاح واجب یا سنت نہیں، بلکہ محض مباح ہے، اور امرِ مباح کے لئے بدعات کا ارتکاب خلافِ شرع وعقل ہے۔ اور کبار خود مکلّف ہیں، بذمۂ والدین ان کا نکاح شرعاً ضروری نہیں، محض تبرع ہے۔

اگر اس درجہ غلبۂ شہوت ہے کہ بلا نکاح ابتلائے زنا کا یقین ہے اور ادائے مہر ونفقہ پر قادر ہے تو نکاح فرض ہے، اگر قادر نہیں تو فرض نہیں۔ اور اعتدالِ شہوت کے وقت سنتِ مؤکدہ ہے اور خوفِ جور کے وقت مکروہ ہے:

---

(۱) "وإيقاعه (أى الطلاق) مباح، و قيل: الأصح حظره (أى منعه) إلا لحاجة". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "أبغض الحلال إلى الله الطلاق .... وإذا وجدت الحاجة المذكورة، أبيح".

(ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۲/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق: ۳/۴۶۴، ۴۶۵، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"فإن تيقن الزنا إلا به فرض، نهاية. وهذا إن ملك المهر والنفقة، وإلا فلا إثم بتركه، بدائع. ويكون سنة موكدةً في الأصح، فيأثم بتركه، ويثاب إن نوى تحصيناً وولداً حال الاعتدال .... ومكروهاً لخوف الجور" درمختار: ۲/ ۲۶۰ (۱)۔

اگر بدعات کے چھوڑنے کا پختہ عہد کرلیا جاوے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی اور طریقِ سنت کے موافق انشاء اللہ نکاح میسر ہوگا۔ اور جو بدعات ورسوم کہ شرعاً ناجائز ہیں، وہ برادری کے رواج کی وجہ سے جائز نہ ہوں گی بلکہ ناجائز رہیں گی، حتی الوسع محوِ رسوم کی بھی کوشش کرنی چاہئے، اگر باوجود امکانِ سعی کے پھر رسوم کی گئیں تو انشاء اللہ اس سعی کرنے والے سے مؤاخذہ نہ ہوگا: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۲/۱۲/۱۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

تبرع کا مطلب

(ضمیمۂ سوال سابق)

سوال [۵۷۶۷]: آنجناب نے تحریر فرمایا یعنی بجواب سوال نکاح اولاد کہ: "کبار کا نکاح والدین کے ذمہ شرعاً ضروری نہیں، محض تبرع ہے اور یہ کہ کبار اولاد خود مکلّف ہیں"۔ لہٰذا یہ عرض ہے کہ تبرع سے کیا مراد ہے، سنت مؤکدہ یا زائدہ عادیہ یا مستحب یا مندوب یا مباح یا کیا؟

نیز یہ کہ اگر والدین یا والد فقط، یا صرف والدہ، یا غیر والدین خود نکاح کا اہتمام کریں اور انجام کو پہونچائیں جیسا کہ رواج ہے، یا جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا اہتمام فرمایا تھا تو یہ لوگ متابعت سنت عامل بالسنہ ہوں گے یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی

---

(۱) (الدر المختار: كتاب النكاح: ۳/ ۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: كتاب النكاح: ۲/ ۴۴۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (سورة الفاطر: ۱۸)

اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا اہتمام فرمانا بطورِ سنتِ عادیہ کے تھا، یا صرف بطورِ مباح، یا بیانِ جواز کے لئے؟

نیز یہ کہ جو امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور بیانِ جواز ثابت ہو اس کو سنت کہیں گے یا مستحب یا مندوب یا مباح یا سنت کہیں گے، اور سنت کونسی؟ فقط۔

پہلا سوال و جواب آنے پر جواب دیا جائے گا۔ اس کا نمبر: ۲۹۲/۱۲ ہے۔

محمود گنگوہی، ۵/صفر/۵۳ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''نکاح اولاد کبار کا والدین کے ذمہ ضروری نہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نماز، روزہ وغیرہ عبادات فرضِ عین ہیں کہ نصِ قطعی سے ثابت ہیں ان کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے، ہر شخص خود ادا کرنے کا مکلف ہے، کسی دوسرے کے ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا، نکاح کی یہ شان نہیں، مگر نکاح میں ایک جہت عبادت کی بھی ہے جیسا کہ پہلے جواب میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اس لئے عبادت میں اعانت کرنے سے ثواب یقیناً ہوتا ہے، پھر جس درجہ کی عبادت اور اعانت ہوگی اسی درجہ کا ثواب بھی ہوگا، اگر اس عبادت میں فرضیت کی شان آجائے یعنی اولاد پر نکاح کرنا فرض ہو جائے اور بغیر نکاح کے معصیت میں مبتلا ہونے کا یقین یا ظنِ غالب ہو تو اس وقت اعانت بھی ضروری ہو جائے گی، لقوله تعالیٰ: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی﴾(۱)۔

اگر نکاح ممنوع ہے تو اعانت بھی ممنوع ہوگی، جب کہ نکاح میں عبادت کی جہت موجود ہے تو اعانت کو صرف سنتِ عادیہ نہیں کہا جائے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کرنا محض بطورِ عادت نہیں تھا، اسی طرح صرف بیان جواز کے لئے بھی نہیں تھا بلکہ بیانِ سنیت یا استحباب کے لئے تھا۔

جو امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محض بیانِ جواز کے لئے ثابت ہو، وہ صرف مباح ہوتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ کرنے والا ثواب اور نہ کرنے والا عقاب کا مستحق نہیں ہوتا (۲)۔ اور جس امر کا کرنے والا مستحق

(۱) (سورة المائدة: ۲)

(۲) ''المباح هو ما خيّر الشرعُ المكلف بين فعله وتركه .... وحكمه: أنه لا ثواب ولا عتاب على فعله أو تركه''. (الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الرابع: اصطلاحات الفقه والمؤلفين فيه: ۱/ ۶۹، رشيديه)

ثواب ہو اور نہ کرنے والا مستحقِ عتاب وعقاب نہ ہو وہ مستحب ہے، مندوب بھی اسی کو کہتے ہیں (۱)۔

اور جس کے نہ کرنے سے عتاب ہو وہ مسنون ہے (۲) اور جس کے نہ کرنے سے عقاب ہو، وہ واجب ہے اور منکر اس کا کافر نہیں ہوتا (۳)۔ اور جس کا منکر کافر ہو وہ فرض ہے (۴)، البتہ استخفاف واستہزاء اگرچہ فعلِ مندوب یا مسنون کا ہو موجبِ کفر ہے، هكذا في كتب الأصول والكلام (۵)۔

محمود گنگوہی، ۸/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۱۳۵۳ھ۔

---

(۱) "لافرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع". (الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الرابع: اصطلاحات الفقه والمؤلفين فيه: ۱/۲۸، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، مطلب: لافرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع: ۱/۱۲۳، سعيد)

"وحكمه أن يثاب على فعله ولا يلام على تركه". (المغني في أصول الفقه، باب النهي، فصل في العزيمة والرخصة: ۱/۸۲، مكتبة أم القرى، مكة المكرمة)

(وكذا في المذهب الحنفي، الفرع الثاني في بيان النفل وما يرادفه من الفاظ: ۱/۲۹۸، مكتبة الرشد الرياض، بيروت)

(۲) "وحكمها أن يطالب المرء بإقامتها من غير افتراض ولا وجوب". (المغني في أصول الفقه، باب النهي، فصل في العزيمة والرخصة: ۱/۸۵، أم القرى، مكة المكرمة)

(وكذا في المذهب الحنفي، المطلب الثالث: السنة والنفل، الفرع الأول: ۱/۲۹۶، مكتبة الرشد الرياض)

(۳) "وحكمه وجوب العمل لا الاعتقاد، حتى لايكفر جاحده، ويفسق تاركه". (المغني في أصول الفقه، باب النهي، فصل في العزيمة والرخصة: ۱/۸۴، ۸۵، أم القرى، مكة المكرمة)

(وكذا في المذهب الحنفي، المطلب الثالث: السنة والنفل، الفرع الثاني: ۱/۲۹۲، مكتبة الرشد الرياض)

(۴) "وحكمه لزوم الاعتقاد والعمل، حتى يكفر جاحده، ويفسق تاركه بلا عذر". (المغني في أصول الفقه، فصل في العزيمة والرخصة: ۱/۸۴، مكتبة أم القرى، مكة المكرمة)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الرابع: اصطلاحات الفقه والمؤلفين فيه: ۱/۲۷، مكتبة رشيديه)

(۵) "فإن كان على وجه الاستخفاف بالدين، ينبغي أن يكون كفراً عند الكل". (التاتارخانية، كتاب=

میرا نکاح والدین ایک جگہ چاہتے ہیں، میں دوسری جگہ، کیا کرنا چاہیے؟

سوال[۵۷۶۸]: اگر میں شادی نہ کروں تو گناہ ہے، میرا یہ مقصد نہیں کہ میں گناہ کی زندگی بسر کروں یعنی میں اپنے آپ کو قابو میں رکھوں۔ کیا پھر بھی مجھے گناہ ہوگا؟

میں اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہوں، میرے والدین راضی نہیں ہوتے، وہ کسی اور جگہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان سے انکار کردوں تو میں گنہ گار ہوں گا، جبکہ اسلام میں لڑکا لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کرنا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اعتدال کے وقت نکاح کرنا سنت ہے، قدرت اور ضرورت کے باوجود جو شخص نکاح نہیں کرتا وہ اس سنت سے محروم ہے، غلبۂ جذبات کے وقت نکاح کرنا واجب ہے، اگر ادائے حقوق پر قدرت نہ ہو، ظلم کا خطرہ ہو تو نکاح کرنا منع ہے، اس لئے سب کا حال یکساں نہیں (۱)۔

شریعت میں ایک ہدایت تو اولاد کے لئے ہے، وہ یہ کہ والدین کی اطاعت کریں (۲)، اگر والدین کا

= أحكام المرتدين، فيما يتعلق بالصلاة والزكاة، الخ: ۴۹۶/۵، إدارة القرآن، كراتشي)

"والاستهزاء بحكم من أحكام الشرع كفر". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، فصل في العلم والعلماء، ص: ۱۷۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد، الخ: ۲۸۱/۲، رشيدية)

(۱) "(ويكون واجباً عند التوقان، وسنةً) مؤكدةً في الأصح، فيأثم بتركه، ويثاب إن نوى تحصيناً وولداً (حال الاعتدال): أي القدرة على وطء ومهر ونفقة .... (ومكروهاً لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك". (الدرالمختار: ۶/۳-۷، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۲/۳، كتاب النكاح، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۶۷/۱، كتاب النكاح، غفاريه، كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه حسناً﴾. (العنكبوت: ۸)

"ولا يفرض (على صبي) وبالغ له أبوان أو أحدهما؛ لأن طاعتهما فرض عين". (الدر المختار: =

حکم ہو کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائے تب بھی اطاعت چاہئے (۱)۔ ایک ہدایت والدین کے لئے ہے کہ جب اولاد بڑی ہو جائے تو اس کی طبیعت کے خلاف اس پر جبر نہ کیا جائے، ہاں! مشورہ دیدیا جائے، پس اگر اولاد اور ماں باپ اپنے اپنے متعلق ہدایات پر عمل کریں تو صحیح زندگی گذرے، کوئی خلفشار نہ ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ اولاد نے تو وہ ہدایت یاد کی جو والدین کے حق میں تھی، اور والدین نے وہ ہدایت کہ جو اولاد کے حق میں تھی، اپنے اپنے متعلق ہدایت کو ہر ایک نے فراموش کر دیا، جس کی وجہ سے سکون ختم ہو گیا۔

بہر حال! اگر آپ والدین کی رضامندی کو اپنی خواہش پر مقدم رکھیں تو بہت بڑی سعادت ہے (۲)، اس کی برکت سے زندگی بھی خوشگوار ہوگی، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

والدین کا لڑکے کو اس کی ناپسند جگہ نکاح کے لئے مجبور کرنا

سوال [۵۷۶۹]: ۱...... ہمارے ایک عزیز ہیں، وہ اپنے لڑکے کی شادی اپنی عزیزہ کے یہاں کرنا چاہتے ہیں، اور لڑکا اس جگہ شادی کرنے کو آمادہ نہیں اور کچھ عزیز بھی وہاں کرنے کو اچھا نہیں خیال کرتے، مگر والدین معلوم نہیں کہ کس دباؤ لالچ میں آکر لڑکے کو زبردستی وہاں پھنسانا چاہتے ہیں۔ اگر لڑکا وہاں شادی کرنے کو منع کر دے تو لڑکے کو نافرمان تو نہیں کہا جائے گا؟ اور گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور لڑکا اپنی مرضی سے خود شادی کر سکتا

= ۴/۱۲۴، ۱۲۵، کتاب الجهاد، سعید)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كانت تحتي امرأة أحبها وكان عمر رضي الله تعالیٰ عنه يكرهها، فقال لي: طلقها، فأبيت. فأتى عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلقها". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۱، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً .... فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً، واخفض لهما جناح الذل من الرحمة﴾. الآية (سورة بني إسرائيل: ۲۳، ۲۴)

(۳) (سورة البقرة: ۲۸۶)

ہے یا نہیں، جبکہ والدین رضامند نہ ہوں؟

۲.....لڑکے کو اس کی مرضی پر چھوڑنا والدین نہ چاہتے ہوں اور اس کو عاق کرنے کا دباؤ ناجائز دے کر اپنی من مانی پر تلے ہوئے ہوں، لڑکے کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کو اپنی خوشگوار زندگی گذارنے کا حق حاصل ہے یا والدین کی تقلید ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....والدین کو راضی رکھنا اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھنا سعادت ہے(۱)، لیکن اگر وہ ایسی جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں جہاں لڑکے کی طبیعت بالکل آمادہ نہیں اور وہ جانتا ہے کہ حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکے گا، نباہ نہیں ہوگا جو کہ والدین کے لئے بھی کوفت کا سبب بنے گا، اس مجبوری سے وہ وہاں شادی سے انکار کردے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ نافرمانی کا گنہگار نہیں، مگر نرمی سے والدین کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے پوری بات ان کے سامنے پیش کردے، پھر بتادے کہ فلاں جگہ شادی کرنا مناسب ہے، گو خود بھی ایجاب وقبول سے نکاح ہوجائے گا(۲)، مگر والدین کے مشورہ سے اور ان کے انتظام سے ہو تو ان کے لئے زیادہ خوشی کی بات ہے۔

۲.....اس کو اپنی خوشگوار زندگی کی تدبیر اختیار کرنے کا پورا حق ہے، تدبیر اس کی نمبر ۱ میں آچکی ہے، والدین کو بھی لازم ہے کہ لڑکے کے جذبات کا خیال رکھیں، اس کی منشاء کے خلاف ضد نہ کریں۔ عاق کرنے یعنی وراثت سے محروم کرنے کا ان کو ہرگز حق نہیں، اگر وہ عاق کر بھی دیں گے تب بھی وہ محروم نہیں ہوگا(۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحساناً .... فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً کریماً، واخفض لهما جناح الذل من الرحمة﴾. الآیة (سورة بنی إسرائیل: ۲۳، ۲۴)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، شرکة علمیة، ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۴/۳، رشیدیه)

(۳) "وعن أنس رضی الله تعالیٰ عنه: قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من قطع میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة". رواه ابن ماجة". (مشکوٰة المصابیح، باب الوصایا، الفصل الثالث: ۲۶۶/۱، قدیمی)

"الإرث جبریٌّ لا یسقط بالإسقاط". (تکملة رد المحتار، کتاب الدعوی، مطلب: واقعة =

ان کو سوچنا چاہئے کہ اگر زبردستی اس کی شادی کردی گئی اور اس نے بیوی کی طرف رخ نہ کیا تو اس کو سنبھالنا کس قدر دشوار ہوگا، اور ایسی حالت میں طلاق یا خلع تک نوبت پہونچی تو پھر کیا ہوگا، دوسری شادی آسان نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

والد کا بیٹے کو فاجر شرابی کی بیٹی سے نکاح کرنے پر مجبور کرنا

سوال[۵۷۷۰]: زید کے والدین نے زید کا پیام بغیر زید کے علم واطلاع کے ایک فاجر شرابی کی لڑکی سے کردیا، یعنی ابھی شادی نہیں ہوئی، صرف ابتدائی بات چیت حسبِ رواج بالکل طے ہوگئی ہے جس کی مدت تقریباً تین سال ہوچکی ہے۔ بات چیت طے ہونے کے بعد زید کو معلوم ہوا تو زید نے ناراضگی کا اظہار کیا کہ ان کے ذرائعِ آمدنی حلال نہیں ہے، اس لئے اس جگہ مجھے شادی کرنے سے انکار ہے، مگر زید کے والدین وہیں پر شادی کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اب زید کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے کہ پورا پورا شریعت پر عمل ہوسکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدین مجبور کر رہے ہیں، کسی دوسری جگہ پر رضامند نہیں ہیں تو مجبوراً شادی کرلے(۱)، شراب کی آمدنی سے پورا پرہیز کرے، لڑکی کے والدین کو مشورہ دیا جائے کہ وہ کہیں سے حلال آمدنی قرض لے کر اس سے شادی کے مصارف پورے کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۸۹ھ۔

= الفتوی: ۱/۵۰۵، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۴، غفاریة کوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحساناً﴾ (بنی إسرائیل: ۲۳)

"حدثنا أبو الولید قال: حدثنا شعبة .... قال: سألت النبی صلی الله علیه وسلم: "أیّ العمل أحب إلی الله؟ قال: "الصلوة علی وقتها". قال: ثم أیّ؟ قال: "ثم بر الوالدین". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیه﴾: ۲/۸۸۲، قدیمی)

نکاح سے اگر تعلیم میں حرج ہو مگر والدین مجبور کریں

سوال[۱۱۵۷۷]: زید ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور زید عاقل بالغ ہے اور زید کے گھر والے مجبور کرتے ہیں شادی کرنے پر، اور زید ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا ہے، حتی کہ اس کے والدین اور دیگر احباب بھی زور شور کر رہے ہیں کہ زید کی شادی ہو جانی چاہیئے، لیکن زید چاہتا ہے کہ شادی مؤخر ہو جائے۔ ان حالات میں زید کیا کرے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر زید کو ابتلائے معصیت کا اندیشہ نہیں اور نکاح کے بعد اس کو تحصیلِ علم میں رکاوٹ کا ظنِ غالب ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ نکاح کو مؤخر کر دے(۱)۔ اگر والدین صرف نکاح پر اصرار کریں، رخصت کو مؤخر کر دیں تو زید کو چاہیئے کہ اس سے انکار نہ کرے(۲)۔ اگر ابتلائے معصیت کا اندیشہ ہے تو اس کو چاہیئے کہ نکاح کرلے(۳)، پھر حسبِ موقع تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے۔ زید کے سامنے تین چیزیں ہیں: تحصیلِ علم، حفاظتِ

---

(۱) قال الإمام البخاري: "وقال عمر رضي الله تعالیٰ عنه: "تفقهوا قبل أن تسودوا" .... وفسره شهر اللغوي بالتزوج، فإنه إذا تزوج صار سيد أهله، ولا سيما إن ولدله". (فتح الباری، كتاب العلم، باب الاغتباط في العلم والحكمة ۱/۲۱۹، ۲۲۰، قديمی)

"قال بشر الحافي: ضاع العلم في أفخاذ النساء". (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، حرف الضاد المعجمة، ص: ۱۲۰، (رقم: ۱۸۱)، سعيد)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وقضى ربک ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً﴾ (بنی اسرائيل: ۲۳)

"حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا شعبة .... قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم: أیّ العمل أحب إلى الله؟ قال: "الصلاة على وقتها". قال: ثم أیّ؟ قال: "ثم بر الوالدين". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب قوله: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه﴾: ۲/۸۸۲، قديمی)

(۳) "(ويكون [أی النكاح] واجباً عند التوقان)، فإن تيقن الزنا إلا به فرَضَ". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۶، سعيد)

(وكذا البحر الرائق، كتاب النكاح، ۳/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۶، سعيد)

نفس، اطاعتِ والدین، ان تینوں کو جمع کرنے کی صورت تحریر کردی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۹۶ھ۔

والدین کے اصرار کے باوجود دینی مشغولی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا

سوال [۵۷۷۲]: ایک شخص کی عمر اٹھائیس سال ہے اور اس کے ماں باپ نکاح کرنے پر زور دیتے ہیں، اور یہ شخص اپنے دینی کام میں مشغول رہتا ہے اور اتنا کما نہیں رہا ہے کہ بیوی بچوں کو پال سکے اور نفس پر بھی قابو ہے، شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جس سے اس کے ماں باپ ناراض ہیں۔ تو اس حالت میں مسئلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی شادی نہیں کی تو بچوں کی ضروریات پوری کرنے کا کیا سوال ہے؟ اگر اس شخص کی حالت شہوت کے اعتبار سے اعتدال پر ہے اور اس کو اتنی قدرت ہے کہ شادی کرکے بیوی کا نفقۂ واجبہ ادا کر سکے تو اس کو نکاح کرنا سنت ہے (۱)۔ اور جب والدین کا اصرار ہے اور نکاح نہ کرنے کی وجہ سے ناراض ہیں تو اس کا نکاح کرنا اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے، دوسرے دینی کاموں وغیرہ کی وجہ سے اس کو ترک نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۵/۱۳۹۰ھ۔

نکاح میں والدین کی اطاعت

سوال [۵۷۷۳]: لڑکا شادی شادہ ہے، مگر ایک لڑکی محبت کرتی ہے کہ مجھ سے آپ شادی کرلیں تو بہتر ہے، مگر ماں باپ ایسا نہیں کرنے دیتے، لڑکی بالغ ہے جائز کام کرنے کی اجازت چاہئے۔

احمد علی، گودھنا۔

---

(۱) "ويكون سنةً مؤكدةً في الأصح، فيأثم بتركه، ويثاب إن نوى تحصيناً وولداً حال الاعتدال: أي القدرة على وطء ومهر ونفقة، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳/۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۲۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس لڑکی کے کہنے سے والدین کو ناخوش نہ کیا جائے (۱)۔ فقط۔

نکاح میں کس کی اطاعت کی جائے باپ کی یا ماں کی؟

سوال [۵۷۷۴]: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بالکل چھوڑ دیا، زوجہ نے اپنی لڑکی اورلڑکے کی پرورش کی، جب لڑکا جوان ہوگیا تو باپ کہتا ہے کہ میں تیری اچھی جگہ شادی کروں گا۔ اگر باپ کے کہنے پر لڑکا دوسری جگہ شادی کرے تو ماں کی جدائی کا اندیشہ ہے۔ اب یہاں لڑکے کو کس کی بات ماننا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ نے جو حق تلفی کی ہے لڑکا اس کا انتقام نہ لے، بلکہ والد کی اطاعت کرے اور والد کے کہنے کے مطابق شادی کرلے، پھر والدہ کی بھی خدمت کرتا رہے، ان کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے، اگر والد منع کریں تو اس میں والد کی اطاعت لازم نہیں، بلکہ والدہ کے ساتھ ہمیشہ احسان وہمدردی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) والدین کی ناراضگی سے اللہ رب العزت ناراض ہوجاتے ہیں:

"عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "رضا الرب في رضا الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين: ۲/۱۲، سعید)

"رضا الرب في رضا الوالدين، وسخطه في سخطهما". (فیض القدیر، (رقم الحدیث، ۴۴۵۷): ۷/۲۴۰۱، مکتبة نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحساناً﴾. (سورة بني إسرائیل: ۲۳)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: جاء رجل إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: یا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمک". قال: ثم من؟ قال: "أمک" قال: ثم من؟ قال: "أمک" قال: ثم من؟ قال: "ثم أبوک، الخ". (کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة: ۲/۸۸۳، قدیمي)

نکاح میں والدین کی پسند کا لحاظ رکھنا

سوال[۵۷۷۵]: ایک شخص بالغ اور تعلیم یافتہ، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے اور ملازمت پر ہے، مگر اس کے والد اپنے سالے کی لڑکی سے نہ معلوم کس دباؤ کے تحت شادی کرنا چاہتے ہیں، یہ لڑکا عاقل بالغ ہونے کے باوجود اس لڑکی سے ناراضگی ظاہر کرتا ہے، اور دیگر لوگ بھی اس رشتہ سے ناخوش ہیں، مگر لڑکے کے والدین دباؤ ڈال کر زبردستی نکاح کرانے کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری نافرمانی نہ کرو، نیز عاق کرنے کو کہتے ہیں۔ کیا ایسی حالت میں جس نکاح کو لڑکا پسند نہیں کرتا کسی دباؤ کے تحت نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کو اپنے لڑکے سے طبعی محبت ہوتی ہے، وہ فطرۃً اس کے خیر خواہ ہوتے ہیں، اپنے نزدیک بہتر جگہ شادی کرتے ہیں، اس لئے بلاوجہ ان سے گمان خراب نہ کیا جائے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ لڑکے کی مرضی کسی دوسری جگہ ہو اور وہ اپنی پسند میں خیر سمجھتا ہو، والدین اپنے پسند میں خیر سمجھتے ہوں۔ لڑکے کی سعادت اس میں ہے کہ وہ والدین کی پسند کو اختیار کرے، لیکن اگر وہ مجبور ہو تو والدین کو اصرار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ لڑکے کی رغبت کو اختیار کرلیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ نباہ نہ ہو اور سب ذمہ داری والدین پر عائد ہو جائے، ایسی ضد نہ کریں۔

اگر والدین نہ مانیں تو لڑکے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ان کی اطاعت کرے(۱)، اللہ پاک اس میں خیر کریگا، پھر بھی اگر ایسی کوئی بات پیش آئے کہ دل نہ ملے اور حقوق ادا نہ ہو سکیں تو لڑکے کو شریعت نے بہت کچھ اختیار دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

والد کی مرضی کے بغیر بالغ لڑکے کا نکاح

سوال[۵۷۷۶]: زید (بالغ) نے بغیر والد کی رضامندی کے ہندہ (بالغہ) سے نکاح کرلیا ہے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحساناً﴾ (سورۃ بنی إسرائیل: ۲۳)

"عن أبی الولید قال: حدثنا شعبۃ ...... قال: سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أی العمل أحب إلی اللہ؟ قال: "الصلوٰۃ علی وقتها". قال: ثم أی؟ قال: "ثم بر الوالدین، الخ". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قولہ: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیہ﴾: ۲/۸۸۲، قدیمی)

گواہان وقاضی ونکاح، رسید سب کچھ موجود ہے۔اب چونکہ والدناراض ہیں، اس لئے مسئلہ دریافت طلب ہے۔

نوٹ: یہ سوال سائل نے ۶/۷/صفحات پر پھیلا دیا ہے، رسید نکاح بھی موجود ہے، اس کی پشت پر مفتی صاحب نے یہ جواب لکھا ہے:

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعات اسی طرح ہیں تو یہ نہایت خود غرضی، فریب دہی، جعلسازی ہے، خدائے پاک کے نزدیک مذموم وقبیح ہے، شریف معاشرہ کے نزدیک ناپسند اور موجبِ غضب ہے اور لائقِ ملامت ونفرت ہے، اور رجسٹر نکاح پر غلط اندراج پر قانونی گرفت بھی ہوسکتی ہے، لیکن لڑکا ماشاء اللہ عاقل بالغ ہے، برسرِ روزگار ہے، حالات وواقعات سے واقف ہے، اپنے والد کی اس عقد سے نارضامندی کو بھی جانتا ہے، اس سے بھی یقیناً کوتاہی ہوئی کہ اس نے بغیر والد کی موجودگی واجازت کے عقدِ نکاح کو قبول کرلیا، جب اس نے قبول کرلیا اور چندلوگوں کی موجودگی میں قبول کیا ہے جو کہ لڑکی سے بھی واقف تھے، اگرچہ معلوم نہیں تھے تو نکاح صحیح ولازم ہوگیا، والد کی عدمِ موجودگی باعثِ تنسیخ نکاح نہیں بن سکتی، هكذا في كتب الفقه: البحر(١) ورد المحتار(٢) والخانية(٣) والهندية وغيرها(٤)۔

اب مصالح کا تقاضا یہ ہے کہ تین سال سے زائد گذر چکنے کے بعد اس قصہ کو نہ اٹھایا جائے، بلکہ لڑکے کی زندگی درست وخوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے، اس اعتراض کا موقع بھی نہ دیا جائے کہ تین سال تک اس عقد کو کیوں برداشت کیا گیا، جبکہ یہ آپ کے نزدیک ناجائز تھا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۲۶ھ۔

---

(١) "(وينعقد بإيجاب وقبول وضعا للمضي أو أحدهما): أي ينعقد النكاح: أي ذلك العقد الخاص ينعقد بالإيجاب والقبول، حتى يتم حقيقةً في الوجود ..... عند حرين أو حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين ولو فاسقين، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ١٤٤/٣ – ١٥٥، رشيدية)

(٢) (رد المحتار، كتاب النكاح: ٩/٣ – ٢٣، سعيد)

(٣) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ٣٣٢/١، رشيديه)

(٤) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره، الخ: ٢٦٧/١، رشيديه)

سابقہ مطلقہ سے بضرورت دوبارہ نکاح مگر والدین ناراض ہیں

سوال[۵۷۷۷]: تیرہ سال قبل میں نے اپنے بڑے والد کی لڑکی سے شادی کی تھی، دو سال تک زندگی بہت خوشگوار گذری، مگر دو سال بعد ہی خاندانی نااتفاقی کی بناء پر طلاق دینی پڑی، طلاق کے وقت وہ میرے دوسرے بچے کی ماں بننے والی تھی، اب وہ دونوں بچوں کو اپنے ہی پاس رکھ کر زندگی بسر کرنے لگی۔ اس دوران میں نے دوسری شادی کرلی، اس کے والدین نے بھی اس کی شادی دوسری جگہ پر کردی، اسے اپنے بچوں کی فکر دامن گیر ہوئی اور اس پریشانی کے تحت وہاں سے بھی طلاق ہوگئی۔ اس دوران اس کے والد کا بھی انتقال ہوگیا، وہ بے سہارا ہوگئی، والد کے انتقال کے بعد بھائیوں نے بھی ساتھ دینا بند کردیا۔ اس درمیان اس نے مجھ سے اپنا دکھ درد بیان کیا اور دوبارہ نکاح کے لئے اصرار کیا، اور اس پر میں بھی اس کی یہ مجبوری دیکھتے ہوئے تیار ہوگیا۔

میری اپنی بیوی بھی ہے، وہ بھی اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے راضی ہوگئی ہے، مگر میرے والد ایسا نہیں چاہتے اور ان کے لئے پرانی دشمنی آڑ بنی ہوئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ایک بار گھر سے نکل گئی تو دوبارہ نہیں لانا چاہئے حالانکہ وہ لڑکی ہمارے والد کی سگی بھتیجی ہے۔ اس کی والدہ نے ہمارے گھر آکر بہت منت سماجت کیا، بہت سمجھایا، لیکن والدین کسی طرح تیار نہیں ہوئے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب یہ رشتہ ہوجائے گا تو زندگی بھی سنور جائے گی، اور دشمنی بھی ختم ہوجائے گی۔ اب مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ والدین بالکل تیار نہیں ہیں، حالانکہ میں والدین سے الگ ہوں، اپنا کاروبار ہے، مجھے یقین ہے کہ دونوں کو سکھ چین کی زندگی دے سکتا ہوں۔ ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ جواب سے جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ اس غریب کا دوسرے شوہر سے بھی تعلق ختم ہوگیا اور وہ بے سہارا ہوگئی، اور آپ کے ساتھ نباہ ہوسکتا ہے، نیز دونوں کے حقوق میں آپ برابری کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ بھی توقع ہے کہ اس سے نکاح ہونے پر خاندانی دشمنی ختم ہوکر میل ملاپ کی صورت پیدا ہوجائے گی تو آپ اس سے دوبارہ نکاح کرلیں (۱)، امید ہے کہ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن طلقها فلا جناح عليهما أن يتراجعا إن ظنا أن يقيما حدود الله، وتلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

اس کے نتیجے میں والدین بھی رضا مند ہوجائیں گے، اور آپ کے بچوں کی پرورش بھی آسان ہوجائے گی۔ حق تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۱۳۹۴ھ۔

مغالطہ سے ناپسند لڑکی سے نکاح

سوال [۵۷۷۸]: زید کی شادی ایک شخص کے یہاں طے ہوئی، اس شخص کے یہاں اس روز دوباراتیں آئی تھیں، جب نکاح ہوچکا تب معلوم ہوا کہ زید کا نکاح اس لڑکی سے ہوگیا ہے جس کو وہ نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی اس لڑکی سے زید کا نکاح طے ہوا تھا اب زید اس غلط شادی کی وجہ سے سخت پریشان ہے، اور وہ اس لڑکی کو طلاق دینا چاہتا ہے، کیا وہ طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکی سے نکاح نہیں چاہتا تھا، مغالطہ میں اگر اس سے ایجاب وقبول ہوگیا تو بہتر یہ ہے کہ اس پر صبر کرے اور اس کو آباد کرے، لیکن اگر اس سے نباہ ہی دشوار ہو یا اس سے نکاح میں دوسری مصالح مانع ہوں اور حقوق ادا نہ کرسکے تو اس کو طلاق دیدے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۲/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

فصل فی التوکیل بالنکاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

نکاح میں ایک شخص کا اصیل اور وکیل ہونا

سوال[۵۷۷۹]: رشید کی عمر ۵۰/ سال اور انیسن خاتون بیوی کی عمر تقریباً ۴۵/ سال ہے، شوہر کے انتقال کو تقریباً ۲۰/ سال ہوگئے۔ رشید نے انیسن سے نکاح کرنے کو کہا، وہ راضی ہوگئی اور کہا کہ نکاح تم کرلو، زید نے نکاح پڑھایا۔ نکاح پڑھانے والا اور وکیل نمازی نہیں۔ عمر بحیثیت گواہ ہے، وہ بھی نمازی نہیں۔ نکاح انیسن کی عدم موجودگی میں ہوا۔ بعد میں رشید نے انیسن سے کہا کہ تمہارے کہنے کے مطابق ہم نے نکاح کرلیا ہے اور انیسن نے بھی قبول کرلیا۔ تو کیا یہ نکاح جائز ہوا؟ کیا اس کو بیع فضولی پر قیاس کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ انیسن نے رشید کو نکاح کی اجازت دیدی کہ تم نکاح کرلو تو رشید اس کی طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہوگیا۔ زید اور عمر دونوں گواہ ہوگئے، جب رشید نے ان دونوں کے سامنے انیسن کو قبول کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہوگیا، نفسِ توکیل بھی کافی تھی، نکاح میں شخصِ واحد اصیل اور وکیل ہوسکتا ہے، پھر انیسن نے اس کی تنفیذ بھی کردی تو بالکل ہی بلاتردد لازم ونافذ ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أجمع أصحابنا أن الواحد يصلح وكيلاً في النكاح من الجانبين، ووليًا من الجانبين، ووليًا من جانب أصيلاً من جانب، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح: ۳/۹۶-۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، الفصل الثاني: ۳/۲۴۵، رشيديه)

نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس نے پڑھایا؟

سوال[۵۷۸۰]: نکاح پڑھانے کا جو مروجہ طریقہ ہے کہ ایک شخص لڑکی کی جانب سے وکیل ہوتا ہے جو ہر دو گواہوں کو اپنے ہمراہ لے کر لڑکی کے پاس جاتا ہے اور اس سے اس کے نفس کی بابت رضامندی اور مہر کی مقدار معلوم کر کے نکاح خواں کے پاس آتا ہے اور نکاح خواں دونوں گواہوں کی موجودگی میں وکیل سے برضا اجازتِ نفس اور مقدار مہر کا سوال کرتا ہے، جسے وکیل دو گواہوں کی شہادت کے ساتھ بیان کرتا ہے، پھر نکاح خواں نکاح پڑھاتا ہے۔

سارے ہندوستان میں یہی طریقہ جاری ہے، مگر ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے بلکہ خلافِ سنت ہے۔ اور سنت طریقہ یہ بتلاتے ہیں کہ لڑکی خواہ بالغ ہو یا نابالغ، باپ خود اپنی وکالت سے پورے حاضرین کو گواہ بنا کر نکاح خواں کو اجازت دے، حالانکہ اس صورت میں نہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی رضامند ہے یا نہیں، نہ ہی اس کی رضامندی پر کوئی شاہد ہوتا ہے، حالانکہ شریعت میں یہ بھی ہے کہ لڑکی سے معلوم کرو، اگر وہ ہنس پڑے یا خاموش رہے تو اجازت سمجھے، اگر رونے لگے تو اس کی ناراضگی تصور کرے۔ اور فقہ کا یہ مقولہ مشہور ہے: "السکوت یدل علی الإیجاب"۔

اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اسی طرح ہوا تھا کہ کوئی گواہ نہ تھا اور سنت طریقہ یہی ہے، ایسا ہی کرنا چاہیے۔

تو جواب طلب امر یہ ہے کہ نکاح خوانی کا صحیح طریقہ مسنون کیا ہے، اور طریقہ مروجہ مطابق شرع ہے یا نہیں؟ اور یہ شخص جو طریقہ نکاح خوانی کا بتلا رہا ہے وہ کس حد تک ٹھیک ہے؟ اگر اس شخص کے بتلائے ہوئے طریقہ پر نکاح ہوا جس میں نہ تو لڑکی کی طرف سے کوئی وکیل اور نہ اسکی رضامندی پر کوئی شاہد ہے تو یہ نکاح ہوا یا نہیں، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس طرح ہوا تھا؟ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح کس نے پڑھایا اور کیسے پڑھایا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی بالغہ ہو تو ولی اس سے کہہ دے کہ فلاں لڑکے سے تمہارا نکاح اتنے مہر پر کرتا ہوں، کیا تم کو منظور

ہے، انکار تو نہیں ہے؟ (۱) پھر گواہوں کے سامنے خود لڑکے سے ایجاب وقبول کرادے (۲)، یا نکاح خوان کے ذریعہ ایجاب وقبول کرادے بس اس سے نکاح درست ہوجاتا ہے۔ جو طریقہ مروجہ ہے یہ رجسٹر میں اندراج کی مصلحت سے ہے کہ اگر عدالت میں معاملہ جائے تو متعینہ گواہوں کے ذریعے ثبوت آسان رہے۔ لڑکی اگر انکار کردے صراحۃً یا دلالۃً تو وہاں نکاح نہ کیا جائے (۳)، اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کی منظوری کی بھی ضرورت نہیں (۴)، وکیل یا گواہ نامحرم ہوں تو ان کے سامنے لڑکی کا بے پردہ ہونا منع ہے (۵)۔

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ولا تنكح البكر حتى تستأذن" قالوا: يارسول الله! وكيف إذنها؟ قال: "أن تسكت". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۷۰، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳ / ۵۸، سيعد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳ / ۱۹۹، رشيديه)

(۲) "كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك (و) يقول الآخر: (تزوجت)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً مايتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۹، ۱۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲ / ۵، ۶، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "ولا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركة علمية)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء: ۱/۴۹۰، غفارية)

(۴) "(وللولي إنكاح الصغير و الصغيرة) جبراً (ولوثيباً، و لزم النكاح)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۴۹۳، غفارية)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۷، شركة علمية)

(۵) قال الله تعالى: ﴿وقل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن﴾ الآية (سورة النور: ۳۱) وقال﴿ يا أيها النبي قل لأزواجك وبنٰتك ونسآء المؤمنين يُدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"وعن أم سلمة رضي الله تعالى عنها أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة: إذ قبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "احتجبا منه". فقلت: =

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت نبی صلی اللہ صلی علیہ وسلم نے خود پڑھایا، جتنے حاضرین مجمع میں تھے، سب گواہ تھے، کذا في الخمیس(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

نکاح بذریعۂ وکیل یا بذریعۂ خط

سوال[۵۷۸۱]: لڑکا اور لڑکی اپنی مرضی سے خفیہ طور پر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا دونوں کا ایک ہی دن نکاح ہونا ضروری ہے، یا دو چار دن کا وقفہ ہو سکتا ہے، مثلاً ایک کا نکاح پیر کے دن ہوا اور دوسرے کا جمعرات کے دن ہو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مجلس میں دونوں موجود ہوں یا ایک موجود ہو اور دوسرے کی طرف سے کوئی وکیل موجود ہو تب بھی کافی ہے، دو مجلس کی ضرورت نہیں اور یہی صورت مناسب اور بہتر ہے، یا مثلاً لڑکی اپنی طرف سے لڑکے کو وکیل بنا دے کہ میرا نکاح اپنے سے اتنے مہر پر کرلیں اور لڑکا گواہوں کے سامنے کہے کہ فلاں لڑکی نے مجھے وکیل بنایا ہے، لہذا اس کا نکاح اپنے سے میں نے کرلیا تب بھی صحیح ہو جائے گا(۲)۔ اگر لڑکی نے خط کے ذریعے ایجاب

= یا رسول الله! ألیس هو أعمی، لا یبصرنا؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أفعمیاوان أنتما، ألستما تبصرانه"؟ (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثاني: ۲۶۹، قدیمی)

(۱) "وروی أن النبي صلی الله علیه وسلم خطب حین النکاح هذه الخطبة ..... اهـ .... زوج علی بفاطمة رضی الله تعالیٰ عنهما". (تاریخ الخمیس ۱ /۳۶۲، بیروت)

(۲) "وینعقد بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر ..... کزوجت نفسي أو بنتي أو مؤکلتي منک". (الدر المختار) "(قوله: کزوجت نفسي أشار إلی عدم الفرق بین ألا یکون الموجب أصیلاً أو ولیاً أو وکیلاً". (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب السادس في الوکالة بالنکاح: ۱/۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في رکن النکاح: ۳/۳۲۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

کیا اورلڑکے نے خط پہونچنے پر گواہوں کے سامنے وہ خط پڑھ کر سنایا اوران کے سامنے ہی قبول کرلیا، تب بھی صحیح ہوجائے گا(۱)۔ دونوں کا نکاح آپس میں ہوا، اور پھر دو تین دن کے وقفہ سے ہو، یہ صورت سمجھ میں نہیں آتی ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۴ھ ۔

توکیل واجازتِ نکاح کے بعد دستخط سے منکر جانا

سوال[۵۷۸۲] : ہندہ نے دوشوال/۱۳۶۲ھ، کی شب کو دوشاہدوں کے روبرو رجسٹر نکاح خوانی سرکاری پر انگوٹھا اپنی رضا سے لگادیا، بعدازاں جب ورثۂ ہندہ کو واقعہ معلوم ہوتا ہے تو حلفیہ بیان کرتی ہے کہ نہ میرا انگوٹھا ہے نہ کسی کاغذ پر دستخط کئے ہیں اور نہ نکاح کی اجازت دی ہے۔ تو کیا اس صورت میں اس کا انکار عند الاحناف معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جب شرعی گواہ موجود ہیں کہ ہندہ نے ہمارے سامنے رجسٹر نکاح خوانی پر دستخط کئے ہیں اور اس نکاح پر رضامندی ظاہر کردی تو اب اس کا انکار شرعاً معتبر نہیں:

"امرأة وكّلت رجلاً بأن يزوّجها من نفسه، فقال: زوّجتُ فلانةً من نفسي، يجوز. وإن لم تقل: قبلت، كذا في الخلاصة". ص: ۱/۲۹۵(۲)۔ "ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد

(۱) "فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود و قرأته عليهم، وقالت: زوّجتُ نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوّجت نفسي من فلان، لاينعقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/۲۹۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الحادى عشر في الوكالة بالنكاح: ۲/۳۰، امجد اكيڈمی لاهور) =

بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود و قرأته عليهم، و قالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان، لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح، و بإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين، بخلاف ما إذا انتفيا. قال في المصفى: هذا: أي الخلاف إذا كان الكتاب بلفظ التزوج، أما إذا كان بلفظ الأمر كقوله: زوّجي نفسكِ مني، لا يشترط إعلامها الشهود بما في الكتاب؛ لأنها تتولى طرفي العقد بحكم الوكالة، اهـ". رد المحتار: ۲/۱۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/صفر ۶۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، سہارنپور، ۱۴/صفر/۶۳ھ۔

اجازت و دستخط کے بعد انکار

سوال[۵۷۸۳]: ایک عاقلہ بالغہ عورت اپنے ایک رشتہ دار کو جس کو وہ چچا کہتی ہے کہ چچا جی! میرا نکاح فلاں سے کرادو، کیونکہ والدین کی طرف سے اس کے ساتھ میری نسبت کی ہوئی ہے، اب غیر جگہ جہاں میں منظور نہیں کرتی بطمع زر کرنا چاہتے ہیں۔ اس گفتگو کے تقریباً ۴/۳۰ گھنٹے بعد مسماۃ کے منسوب جس کے ساتھ وہ جہاں نکاح رکھتی ہے وہ اس کے پاس جاتا ہے اور اس حالت میں کہ وہ دونوں ہیں اور کوئی نہیں مسماۃ اس کو کہتی ہے کہ میں بخوشی اجازت دیتی ہوں کہ روبرو دو گواہوں کے نکاح کرلو اور یہی لفظ مرد تحریر کرتا ہے اور عورت دستخط

= (وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الثامن في الوكالة بالنكاح: ۳/۱۵۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۲، ۱۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ۲/۴۸، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة: ۳/۵۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيديه)

کردیتی ہے اور ایک پرچہ پر تحریر کرتا ہے کہ فلانی! کیا فلاں سے ۵۰/ روپے حقِ مہر میں منظور ہے تو روبرو دو گواہوں کے اپنے ساتھ نکاح کرلو، جس کے نیچے وہ تحریر کرتی ہے: فلانی دل سے راضی ہوں۔

اس کے بعد مسماۃ کے چچا کو جس کو وہ چچا کہتی ہے اور ایک دوسرے شخص کے سامنے اس نے دونوں کاغذ دکھلا دیئے اور کہا: میں اپنا نکاح کرتا ہوں ۵۵/ روپے بمدِ مہر ہیں اور قبول کرتا ہوں۔ تینوں مسماۃ کے گھر چلے گئے اور ناکح نے اندراج رجسٹر کرلیا اور شاہدین سے پوچھا تو اس نے کہا: ہاں میں نے اجازت دی ہے۔ مسماۃ نے نشان انگوٹھا لگادیا اور شاہدین نے دستخط کردیئے مگر جب مسماۃ کے ورثہ کو علم ہوا تو اس نے انکار کردیا کہ میں نے ہرگز اجازت نہیں دی اور نہ دستخط کئے۔ آیا یہ انکار معتبر ہے یا نہیں؟ ناکح شرعاً کیا کرسکتا ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد چچا اور دوسرے شخص نے پوچھا کہ نشان وغیرہ تم نے کیا، اس نے ہاں کہا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں جب کہ مسماۃ نے دو گواہوں کے سامنے اجازت ورضامندی کا اقرار کیا اور رجسٹر نکاح خوانی پر دستخط کردیئے ہیں تو شرعاً نکاح صحیح ہوگیا، اب انکار سے کچھ نہیں ہوتا (۱)۔ البتہ دو گواہ عادل نہ ہوں

---

(۱) "فإنه قال: ینعقد النكاح بالكتاب كما ینعقد بالخطاب، و صورته: أن یكتب إلیها یخطبها، فإذا بلغها الكتاب، أحضرت الشهود، و قرأته علیهم، و قالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ یخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان، لا ینعقد؛ لأن سماع شطرین شرط صحة النكاح، وبإسماعهم الكتاب أو التعبیر عنه منها قد سمعوا الشطرین، بخلاف ما إذا انتفیا. قال في المصفى: هذا: أي الخلاف إذا كان الكتاب بلفظ التزوج، أما إذا كان بلفظ الأمر كقوله: زوِّجيُ نفسک مني، لا یشترط إعلامها الشهود بما في الكتاب؛ لأنها تتولى طرفي العقد بحكم الوكالة، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۲، ۱۳، سعید)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ۲/۳۸، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانیة، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة: ۳/۵۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشیدیه)

اور شرعاً مردود الشہادۃ ہوں تو ان کی گواہی سے قضاءِ نکاح کا ثبوت نہیں ہوگا اور مسماۃ کا انکار اس وقت معتبر ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

وکالت نامۂ نکاح

سوال[۵۷۸۴]: ا......(نقل وکالت نامہ) دفترِ قضاءت شریعت حیدرآباد، آندھراپردیش میں سردار حامد حسین خاں شاکر ولد میر منور علی خاں صاحب عمر ۲۷/ سال، پیشہ طالب علم، ساکن بالٹی مور میاری لمیٹڈ اسٹیٹ، امریکہ بثبات عقل وہوش وحواس، بلاجبر واکراہ، برضا ورغبت خود لکھ دیتا ہوں، اس بات پر کہ میں بعض مجبوریات کی بناء پر حیدرآباد حاضر نہیں ہوسکتا، اور اس لئے اپنی جانب سے اپنے حقیقی والد میر منور خاں صاحب ابن میر غلام خاں صاحب مرحوم کو ولی مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ میرے غیاب میں مراسمِ عقد انجام دے سکیں۔

میرا عقد مسماۃ ثریا نفیس بنت محمد رفیع الدین صاحب مرحوم سے بمعاوضہ گیارہ ہزار سکے ہند مہر موجل طے پایا ہے اور میرے غیاب میں سارے مراسم کی تکمیل والد انجام دیں گے جو میرے لئے منظور وقبول ہے''۔

لہٰذا یہ چند کلمے بطور امانت کے لکھ دیئے ہیں، تاکہ آئندہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

سردار حامد حسین خاں

دستخط سالم محبوب۔

مذکورہ وکالت نامہ یا اجازت نامہ میں حسبِ ذیل امور قابلِ غور ہیں:

۱- وکالت نامہ یا اجازت نامہ حکومت، امریکہ کا مصدقہ نہیں ہے۔

۲- عاقد نے اجازت نامہ کے ذریعے زرِ مہر سکہ ہند میں قبول کیا ہے، برخلاف اس کے نکاح نامہ میں

---

(۱) "و لا المحدود فی القذف وإن تاب، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تقبلوا لهم شهادةً أبداً﴾ الخ". (الهداية، باب من يقبل شهادته و من لا يقبل: ۳/۱۶۰، إمداديه ملتان)

(و كذا في فتح القدير، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل: ۷/۴۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في البدائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۲۸، ۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

عاقد کی مرضی کے خلاف سکہ رائج الوقت لکھا گیا۔

۳-عقدِ نکاح کی اہم شرط دوگواہوں کے روبرو ایجاب وقبول لازمی ہے، عاقد نے ایک مرد گواہ اور ایک عورت گواہ سے مواجہ میں مہر وعاقدہ کو قبول کیا ہے، حالانکہ احکامِ ربانی کی رو سے ایک مرد اور دو عورت گواہاں کی موجودگی میں قبولیت لازمی تھی۔ براہ کرم شریعت کے احکام کی روشنی میں فتوی دیا جائے کہ یہ عقدِ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......عاقدہ بغیر کسی کارروائی کے نکاحِ ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکالت نامہ کیلئے کسی حکومت کا مصدقہ ہونا ضروری نہیں، صرف اتنا کافی ہے (کہ) سردار حامد حسین خاں شاکر صاحب کو اس سے انکار نہ ہو۔ نکاح ہندوستان میں ہوا، وہیں پر سکہ رائج الوقت لکھا گیا، اس لئے کوئی فرق نہیں ہوا۔ وکالت نامہ پر جو گواہ ہیں وہ عقدِ نکاح کے گواہ نہیں بلکہ وکالت کے گواہ ہیں، نفسِ وکالت کیلئے گواہوں کا ہونا شرط بھی نہیں (۱)۔ نکاح کے گواہ وہ ہیں جن کی موجودگی میں میر منور علی خاں نے ایجاب وقبول کیا، اور قاری النکاح سید محبوب حسین نے جب ان سے قبول کرایا۔ دوگواہوں کے نام سوال میں بھی درج ہیں: محمد رئیس الدین صاحب، احمد محی الدین صاحب ان کی موجودگی میں نکاح پڑھا گیا، لہذا:

۱......یہ عقدِ نکاح شرعاً جائز ہوگیا (۲)۔

۲......عاقدہ کا نکاح موجودہ حالت میں کسی دوسری جگہ نہیں ہوسکتا جب تک شوہر سے طلاق حاصل نہ

---

(۱) "أما الشهادة على التوكيل بالنكاح، فليست بشرط لصحته". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد بالألفاظ المصحفة نحو: تجوزت: ۳/۲۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۶، رشيديه)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ...... عند حضور شاهدين حرّين أو حرّ و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

کی جائے یا شرعی قاعدہ سے تفریق نہ کرائی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

کیا قادیانی نکاح کا وکیل ہوسکتا ہے؟

سوال [۵۷۸۵]: ہمارے اطراف میں نکاح کی مجلس اس طرح منعقد ہوتی ہے کہ لڑکی کا باپ یا چچا نانا وغیرہ میں سے کوئی ایک دوگواہوں کو لے کر لڑکی کے پاس جاتا ہے اور لڑکی سے یوں کہتا ہے کہ میں تمہارا وکیل بن کر فلاں کا لڑکا فلاں سے مبلغ اتنے مہر میں ان دوگواہوں کے روبرو نکاح کردوں، جب لڑکی ہاں کہہ دیتی ہے تو یہ وکیل اور دونوں گواہ مجلس میں آتے ہیں، بعدہ محلّہ کا پیش امام خطبۂ نکاح پڑھتا ہے اور وکیل سے کہتا ہے کہ یوں کہو کہ میں نے اپنی وکالت سے فلاں کی لڑکی فلانہ کو مبلغ اتنے مہر میں ان دوگواہوں اور حاضرین مجلس کے سامنے تمہارے عقد میں دیا، تم نے قبول کیا؟ تو وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔

صورتِ بالا پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر لڑکی کا نانا قادیانی مذہب کا ہے وہ وکالت کرتا ہے اور دونوں گواہ مسلمان اہلِ سنت والجماعت ہیں وہ قادیانی ایجاب وقبول کرتا ہے تو ایسی صورت میں نکاح ہوگیا یا نہیں؟ واضح ہو کہ ''بہشتی زیور'' میں ہے کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ولی نہیں بن سکتا ہے؟ لہٰذا برائے مہربانی اس صورت پر نظر فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی اور وکیل میں فرق ہے، نکاح میں وکیل کا کام صرف الفاظ کی تعبیر تک رہتا ہے، اصل ایجاب وقبول

---

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ، وکذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی المحرمات، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، کتاب النکاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة، ۹/ ۶۶۴۲، رشیدیة)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح فصل فی شرط أن لاتکون منکوحة الغیر: ۳/ ۴۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

زوجین کا ہوتا ہے۔ بیان کردہ صورت میں نکاح منعقد ہوگیا ہے، قادیانی کی وکالت بیکار گئی۔ اگر لڑکی کی طرف سے اصالۃً یا وکالۃً یا دلالۃً کسی کا ایجاب نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اس نکاح پر لڑکی کا راضی ہونا اور اس کے لوازمات کو بجالانا یہ اجازتِ فعلی ہے جو کہ شرعاً معتبر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قادیانی کی وکالت سے نکاح

سوال [۵۷۸۶]: ایک شخص اہل سنت والجماعت میں سے ہے، اس نے اپنی لڑکی کا نکاح بھی اہل سنت والجماعت میں کیا ہے، لیکن اپنی لڑکی کے نکاح کا وکیل ایک قادیانی کو بنادیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس قادیانی کی وکالت بالنکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثانی نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نابالغہ تھی اور مجلسِ عقد میں اس کا باپ موجود ہے، اس کی موجودگی میں قادیانی نے ایجاب وقبول کرایا تو عاقد باپ ہی کو قرار دیا جائے گا (۲) اور قادیانی کی وکالت بیکار ہے اور نکاح صحیح ہوگیا۔ اور اگر لڑکی

---

(۱) "ومن شرائط الإيجاب والقبول .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الاخر ليتحقق رضاهما". (الدرالمختار). "(قوله: ليتحقق رضاهما): أى ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضاء، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۴، ۲۱، سعيد)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، باب فى الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، باب فى الأولياء والأكفاء: ۳/۲۵۶، مطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "ومن أمر رجلاً بأن يزوج ابنته الصغيرة، فزوجها والأب حاضرٌ بشهادة رجل واحد سواهما، جاز النكاح؛ لأن الأب يجعل مباشراً لاتحاد المجلس، فيكون الوكيل سفيراً و معبّراً، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، ۲/۳۰۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۴، إمداديه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

بالغہ تھی اورلڑکی کی رضامندی سے عقد کرایا گیا تو بھی نکاح ہوگیا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۱/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۱/۵/۸۸ھ۔

نکاحِ غائب میں توکیل کی صورت

سوال[۵۷۸۷]:۱......زاہدامریکہ میں ہےاورزاہدہ افریقہ میں ہے،زاہدامریکہ میں رہتے ہوئے زاہدہ کی عدم موجودگی میں زاہدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔مجلس نکاح کیسے قائم کی جائے؟اور جواز کی کیا صورت ہے؟

۲......دوسرا مسئلہ اس کے برعکس ہے یعنی محمودہ امریکہ میں ہے اور محمود افریقہ میں ہے،مجلسِ نکاح کہاں پر قائم ہوگی،ایجاب وقبول کی طرفین میں کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زاہدزبانی یاتحریری کسی کواپناوکیل بنادے کہ وہ زاہدہ کواس کیلئے قبول کرے،پھرایک محفل منعقد کی جائے جس میں زاہدہ یااس کاولی یاوکیل موجود ہو،اس میں زاہدہ کی طرف سے ایجاب ہواورزاہدکاوکیل زاہدکیلئے قبول کرے،پس نکاح منعقد ہوجائے گا۔حاضرین مجلس گواہ ہوں گے۔شامی(۲)اورخانیہ میں تفصیل مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان : ''کیا قادیانی نکاح کاوکیل ہوسکتا ہے؟'')

(۲) "فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، وصورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب، أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه . أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان، لا ينعقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، سعيد)

(۳) (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول فيما يتعلق به انعقاد النكاح، الفصل الأول: ۱/۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۸/۳، رشيديه)

۲.....اس کی بھی یہی صورت ہے جو نمبر: امیں ہے، خواہ [مجلس] شوہر کے مقام پر ہو اور زوجہ کی طرف سے وکیل ہو یا اس کا برعکس ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۰/۳/۹۳ھ

بیرونِ ملک میں مقیم لڑکے کے نکاح کیلئے اپنے والد کو مختار بنانا

سوال [۵۷۸۸]: میں کنیڈا میں بوجہ تعلیم مقیم ہوں، میری شادی کے سلسلہ میں والد نے لکھا تو میں نے جواباً لکھا: بذریعہ ٹیلیفون نکاح کردو، جب کہ اور بہت سے لڑکوں کے ہوتے ہوئے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کے بتلانے پر کہ مختار نامہ منگا لیا جائے تو میں نے ایک بیرسٹر سے مختار نامہ لے کر اور پاکستانی ہائی کمشنر سے تصدیق کرا کر والد کو بھجوا دیا، میں نے اپنے والد صاحب کو لکھا کہ: نکاح پڑھنے کے بعد جب اقرار لیویں تو آپ میری طرف سے اقرار کرلیں کہ یہ رشتہ میرے لڑکے کو منظور ہے اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔

مذہب اور مختار نامہ کی رو سے مولوی صاحب نے نکاح پڑھنے کے بعد چند شہادتوں کے میرے والد سے قبولیت کا اقرار لیا، اور مجھے ابا جان نے ٹیلی گرام سے مبارکباد دی اور میرے والد صاحب نے بطورِ مختاری نکاح نامہ پر دستخط کئے، میرے گھر میں سے دس ۱۰/ کو کینیڈا پہونچ رہی ہیں۔ میری بیوی کے تایا کہتے پھرتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، کیونکہ لڑکا یہاں نہیں تھا براہ کرم بتلادیں کہ یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ آپ نے والد صاحب کو اپنی طرف سے مختار بنادیا، انہوں نے مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے آپ کی طرف سے قبول کیا تو نکاح بلا تکلف درست ہوگیا، کوئی شبہ اور تردد نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "ثم النكاح كما ينعقد بهذه الألفاظ بطريق الإصالة ينعقد بها بطريق النيابة بالوكالة والرسالة؛ لأن تصرف الوكيل كتصرف المؤكل، وكلام الرسول كلام المرسل. والأصل في جواز الوكالة في باب النكاح ماروى: "أن النجاشي زوّج رَسولَ الله صلى الله عليه وسلم أم حبيبة رضي الله عنها". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"(قوله: كز وجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلاً، أو ولياً أو وكيلاً". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد) .... =

قاضی ووکیل کا الگ الگ ہونا، اور خطبہ پہلے ہو یا ایجاب وقبول؟

سوال[۵۷۸۹]: یہاں پر پہلے ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے پھر خطبہ پڑھا جاتا ہے اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ایجاب وقبول واجب ہے اور خطبہ سنت ہے، اس لئے ایجاب وقبول پہلے ہونا چاہیے اور خطبہ بعد میں۔ نیز ایجاب وقبول اس طرح کرائی جاتی ہے کہ فلاں کی صاحبزادی فلاں صاحب کی وکالت اور فلاں فلاں کی شہادت میں اپنے نفس کو بعوض اتنے اتنے آپ کی زوجیت میں دیا، کیا آپ نے قبول کیا؟ (الف) سوال یہ ہے کہ سنت طریقہ کیا ہے کہ پہلے ایجاب وقبول ہو یا نہ ہو؟

(ب) کیا وکیل دوسرا ہو اور ناکح دوسرا؟ اور قاضی یہ کہے کہ فلاں کی وکالت سے اور قاضی صرف خطیب کی حیثیت رکھتا ہو، صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) پہلے خطبہ پڑھا جائے پھر ایجاب وقبول کرایا جائے (۱)۔ یہ بات کہ فرض پہلے ہو، سنت بعد میں ہو، قاعدۂ کلیہ نہیں، وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے، منہ (چہرہ) دھونا فرض ہے، سنت پہلے ادا کی جاتی ہے فرض بعد میں۔ فجر کی نماز میں سنت دو رکعت پہلے پڑھتے ہیں، فرض بعد میں پڑھتے ہیں۔

(ب) یہ صورت بھی درست ہے، قاضی بھی وکیل ہوسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۴/۹۴ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۱/۲۹۴، رشيديه)

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح: ۴/۱۰، دار الفكر بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۵، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج أوما يستحب له: ۹/۶۶۱۲، رشيديه)

(۲) "(ولو زوج بنته البالغة العاقلة) كونها بنته غير قيد، فإنها لو وكلت رجلاً غيره، فكذلك، كما في الهندية، =

سکران کی طرف سے اجازتِ نکاح

سوال[۵۷۹۰]: زید ایک شرابی کبابی آدمی تھا، اس کے یہاں کچھ مساکین کو کھلانے کی تقریب میں کافی چہل پہل تھی۔ اس میں زید کے بھائی عمر نے زید کو بہلا پھسلا کر الگ تھلگ لے جا کر شراب پلائی، پھر عمر کے چند ساتھی اس جگہ آئے اور ایک پڑھے لکھے شخص کو لے کر آئے، زید پی کر مست تھا تو زید سے زید کی نابالغہ لڑکی ہندہ کے نکاح کی اجازت اپنے لڑکے بکر سے مانگی۔ زید نے اجازت دی یا نہیں دی، بلکہ یوں ہی ''ہوگیا، ہوگیا''، کہا، واللہ اعلم۔ اس جگہ جہاں عمر کے چند ساتھی آئے تھے نکاح پڑھا دیا گیا۔ نکاح کے بعد زید کو ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ اس کی لڑکی ہندہ کا نکاح عمر کے لڑکے بکر کے ساتھ ہوگیا، زید یہ سن کر بھونچکا ہوگیا اور کہا مجھے کچھ معلوم نہیں، میں نے کوئی اجازت دی یا نہیں؟

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح شرعاً جائز ہوا یا نہیں، زید نے صاف کہا اور کہتا چلا آرہا ہے کہ میں نے کوئی اجازت نہیں دی ہے، مجھے معلوم نہیں کیا کہلوایا گیا ہے؟

مذکورہ بالا منکوحہ غیر موطوءہ کا شوہر کافی عرصہ سے پاگل ہے، عام طور پر ننگا بند کمرہ میں رہتا ہے، تقریباً چار سال کی مدت اس طرح گزر گئی۔ اب طلاق دینے یا خلع کرنے کا حق اس کے باپ کو ہے یا نہیں؟ لڑکی اپنا رشتہ کسی اور سے کرسکتی ہے یا نہیں؟ لڑکی تو پہلے ہی سے حالتِ صحت میں ناراض تھی، اب کس طرح راضی ہوسکتی ہے؟ صدر شرعی پنچایت نے کہا کہ ہم کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں ہے۔ آخر اس قسم کی منکوحہ کی زندگی کس طرح بسر ہو؟ کیا طلاق خود پڑ جائے گی؟ صاف لکھیں۔ اور جنون کی جتنی قسمیں ہوں سب کے احکام الگ

= وقيد بالبالغة؛ لأنها لو كانت صغيرةً لايكون الولي شاهداً؛ لأن العقد لايمكن نقله إليها، بحر". (الدر المختار).

"(قوله: لأنها تجعل عاقدةً) لانتقال عبارة الوكيل إليها، وهي في المجلس، فكانت مباشرةً ضرورةً، ولأنه لايمكن جعلها شاهدةً على نفسها (قوله: وإلا لا): أي وإن لم تكن حاضرةً، لايكون العقد نافذًا، بل موقوفاً على إجازتها، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/ ۲۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، ۲/ ۴۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، ۳/ ۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الگ تحریر فرمائیں۔ مذکورہ شوہر کا باپ لڑکی کا کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے سب جائیداد کے بدلہ خلع چاہے تو لڑکی کی شادی کس طرح ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شراب کے نشہ میں لڑکی کے باپ سے اجازت لی اور نکاح پڑھا دیا گیا تو اس سے شرعاً وہ نکاح لازم نہیں ہوا (۱) بلکہ اگر لڑکی بالغہ ہے تو یہ نکاح شرعاً اس کی اجازت پر موقوف ہے، معلوم ہونے پر لڑکی نے اس کو نامنظور کر دیا تو وہ جب ہی ختم ہو گیا (۲)۔ اگر لڑکی نابالغہ ہے تو یہ نکاح اس کے ولی (باپ) کی اجازت پر موقوف ہے وہ نشہ ختم ہونے پر جب اپنے ہوش میں آیا اس وقت اس کو نامنظور کر دیا تو جب ہی ختم ہو گیا (۳)۔ اب لڑکی کا نکاح خود اس کی اجازت ورائے سے دوسری مناسب جگہ کر دیا جائے، فسخ کرانے کی ضرورت نہیں، لہذا جنون کی قسمیں اور سب کی علامات اور سب کے احکام کا سوال بے محل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقاً، وكذا لو كان سكران فزوجها من فاسق". (الدر المختار، باب الولي : ۳/ ۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في الكفاءة : ۳/ ۲۳۹، رشيديه)

(۲) "لا يجوز نكاح أحد بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء : ۱/ ۲۸۷، رشيديه)

"و لاتجبر البالغة البكر على النكاح، الخ". (الدرالمختار). "وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها". (ردالمحتار، باب الولي : ۳/ ۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء : ۳/ ۱۹۴، رشيديه)

(۳) "و لو زوجها الأبعد حال قيام الأقرب حتى توقف على إجازة الأقرب، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء : ۱/ ۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الولي : ۳/ ۸۱، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء : ۱/ ۳۳۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نکاحِ فضولی یمینِ طلاق کی صورت میں

سوال[۵۷۹۱]: زید نے ایک آدمی کو مندرجہ ذیل قسم کھانے پر مجبور کیا کہ میں نے قسم کھائی کہ ''میں جب بھی شادی کروں تو میری عورت پر طلاق ہوگی'' اس کے بعد زید نے وہ کام کرلیا۔ چند سال بعد اس نے شادی کرلی اور ایک بچہ بھی پیدا ہوگیا۔ اب ایک شخص کے یاددلانے پر اسے اپنی قسم یاد آئی، جب سے شادی کی ہے، اب تک اسے قسم یاد نہیں آئی تھی۔ اب وہ کیا کرے؟

۱......عورت پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

۲......بچہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

۳......پھر سے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی کیا صورت ہے؟

۴......اس کے ساتھ اب تک جو میاں بیوی کے تعلقات رکھے اس میں گناہ ہوا یا نہیں؟

۵......اگر گناہ ہوا ہو تو اس کے کفارہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......طلاق ہوگئی (۱)۔

۲......شبہۃ العقد کی وجہ سے بچہ ثابت النسب ہے۔

۳......کوئی فضولی اس کا نکاح کردے اور یہ خاموش رہے، زبان سے قبول نہ کرے، بلکہ فعل سے اجازت دیدے، مثلاً اس طرح کہ اس کی عدم موجودگی میں فضولی گواہوں کے سامنے اس عورت سے ایجاب وقبول کرلے پھر اس (قسم کھانے والے) سے کہے کہ فلاں عورت کے ساتھ میں نے تمہارا عقد کردیا ہے اور اتنی رقم مہر معجل مثلاً بیس روپے مقرر کردیا ہے وہ بیس روپے لاؤ تاکہ تمہاری عورت کو دیدوں وہ خاموشی سے بیس روپے مہر کے اس کو دیدے بس نکاح ہوگیا۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقوله لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق: ۱/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الأيمان في الطلاق: ۲/۳۸۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

۴...... وہ قسم یاد نہ رہنے کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے، لہٰذا توبہ واستغفار کرے، اللہ پاک معاف کرے: "ولا فرق في وجوب الكفارة بين العامد والناسي، والمكره في الحلف والحنث. اهـ". ملتقیٰ، ص: ۵٤۹ (۱)۔

"حلف لايتزوج، فزوجه فضولي، فأجاز بالقول، حنث، وبالفعل لا يحنث، اهـ". ص: ۵۸۳ (۲)۔

"و يثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد. اهـ". هندية، ص: ۳٤٤ (۳)۔

جب تک طریقِ مذکور پر بذریعۂ فضولی دوبارہ نکاح نہ ہوجائے دونوں الگ الگ رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نانا کو نکاح کا وکیل بنانا

سوال [۵۷۹۲]: مجھ سائلہ کی عمر ۲۳/ سال ہے، میری کامل پرورش نانا نے کی ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، میرے والد نے کبھی کوئی ہمدردی مجھ سے نہ کی، اب وہ مجھے بلانا چاہتے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ میری زندگی وہاں پر خوشگوار نہ رہے گی، جو شخص (والد) میری والدہ کو نہ رکھ سکے وہ مجھ سے کیا ہمدردی رکھے گا؟ اب میں سائلہ بالغہ ہوں، کیا میں اپنے نکاح کی وکالت اپنے نانا صاحب کے سپرد کر سکتی ہوں؟ میں مذہباً شافعی مسلک

---

(۱) (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر مع سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأيمان: ۱/۵۴۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب: حلف لا يتزوج فزوجه فضولي: ۳/۸۴۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثاني في تعليق الطلاق: ۱/۴۱۹، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

"فيثبت نسب ولد معتدة الرجعي ولو بالأشهر لإياسها، بدائع. و فاسد النكاح في ذلك كصحيحه، قهستاني". (الدر المختار، فصل في ثبوت النسب: ۳/۵۴۰، سعيد)

ہوں، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نانا صاحب کو وکیل بنا دیں وہ آپ کا نکاح مناسب جگہ کردیں گے جس سے آپ کی زندگی خوشگوار گذرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لڑکی کا لڑکے کو وکیلِ نکاح بنانا

سوال [۵۷۹۳]: ہندہ زید کو جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، یہ الفاظ کہتی ہے کہ میں مسماۃ فلانی بعمر ۱۶/ سال بالغہ تم مسمیٰ فلاں کو اجازت اپنی رضا وخوشی سے دیتی ہوں کہ روبرو گواہاں میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو۔ زید نے بعینہ یہی الفاظ کاغذ پر تحریر کئے۔ ہندہ نے جو کہ کتاب ''بہشتی زیور'' وغیرہ کی تعلیم یافتہ ہے، پڑھ کر دستخط کردیئے اور ایک پرچہ میں زید نے یہ الفاظ تحریر کئے کہ مسماۃ فلانی دختر فلاں سکنہ فلاں کیا تم کو منظور ہے کہ میں مسمیٰ فلاں بن فلاں سکنہ فلاں تیرا نکاح بعوض اتنے روپیہ مہر پر اپنے ساتھ روبرو گواہاں کرلوں تو ہندہ نے یہ الفاظ تحریر کئے:

۷۸۶

''میں دل سے راضی ہوں، فلانی بقلم خود''

اس کے بعد زید نے ہندہ کے والد والدہ ودادا کے نام سے واقف اور ہندہ کے والد کے ملنے والے عاقل بالغ مردوں کے روبرو ہندہ کے زبانی کہے ہوئے الفاظ سنائے اور تحریر میں بھی دکھائے، شاہدوں نے خود پڑھا۔ بعدہ زید نے کہا کہ میں نے تمہارے روبرو فلانی بنت فلاں کا نکاح اپنے ساتھ کیا اور قبول کیا۔ یہ نکاح صحیح

(۱) "(ولا تجبر البالغة البكر على النكاح)لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدر المختار: ۵۸/۳، کتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۱۴/۲، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، شركة علمية)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگا(۱) بشرطیکہ زید ہندہ کا کفو ہو اور نکاح مہر مثل پر ہوا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۲/۶۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف سہارنپور، ۱۴/صفر/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/صفر/۶۳ھ۔

توکیلِ نکاح کے لئے شہادت کا حکم

سوال [۵۷۹۴]: کسی اجتماع میں ایک لڑکی کا ولی آکر مقرر سے کہتا ہے کہ میری لڑکی کا نکاح اس شخص سے اتنے مہر پر کر دیجئے، سینکڑوں ہزاروں کے مجمع میں واعظ صاحب لڑکے سے خطبۂ مسنونہ کے بعد کہتے ہیں بآواز بلند: فلانہ بنت فلاں کا نکاح میں نے تم سے پانچ ہزار مہر پر کیا، تم نے اس کو اپنے نکاح میں قبول کیا؟ لڑکا اقرار کرتا ہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں قبول کیا۔ ہزاروں کا مجمع اس ایجاب وقبول کو سنتا ہے، کیا اس قدر ایجاب وقبول کافی ہے اور بغیر کراہت کے جائز ہے، یا ناکح کا ولی سے یہ پوچھنا کہ تم نے لڑکی سے اجازت لی کہ نہیں اور اس کی شرعی اجازت کے گواہ کون کون ہیں؟ اور ان گواہوں سے پوچھا جائے کہ کیا تمہارے سامنے لڑکی نے اجازت دی ہے؟ کیا گواہوں کی اس گواہی کے بغیر نکاح نہ ہوگا؟

---

(۱) "كما للوكيل الذى وكلته أن يزوجها من نفسه، فإن له ذلك، فيكون أصيلاً من جانب وكيلاً من اخر". (الدر المختار مع رد المحتار: ۹۸/۳، باب الأكفاء، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۵/۱، الباب السادس فى الوكالة بالنكاح، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۴۰/۳، فصل: لابن العم أن يزوج بنت عمه، رشيديه)

(۲) "(قوله: فى غير الكفء): أى فى تزويجها نفسها من غير الكفء، وكذا له الاعتراض فى تزويجها نفسها بأقل من مهر مثلها حتى يتم مهر المثل أو يفرق القاضى". (ردالمحتار: ۵۲/۳، باب الولى، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۳۱/۳، ومما يتصل بهذا الفصل، مسألة النكاح بغير ولى، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى المحيط البرهانى: ۱۶۱/۳، الفصل التاسع: فى معرفة الأولياء، غفاريه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی نے لڑکی سے بالغہ ہونے کی حالت میں نکاح کی اجازت لی ہے اور اس نے اجازت دیدی یا سکوت کیا، پھر ولی نے ایجاب وقبول کے لئے اپنی طرف سے مقرر صاحب کو وکیل بنادیا اور وکیل نے ایجاب وقبول کرادیا جس کے گواہ موجود ہیں تو یہ نکاح درست ہوگیا۔ اگر ولی نے پہلے اجازت نہیں لی اور نکاح کے بعد لڑکی کو خبر کردی، لڑکی نے اس کو نامنظور نہیں کیا تب بھی نکاح صحیح ہوگیا۔ ولی جب لڑکی سے اجازت لے تو اس کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، نہ وکیل کے لئے اس کو دریافت کرنا ضروری ہے کہ تم نے کس کے سامنے اجازت لی گواہ لاؤ، کذافی ردالمحتار:

"أما الشهادة على التوكيل بالنكاح، فليست بشرط لصحته". شامی: ۲۷۲/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار: ۲۱/۳ کتاب النکاح، سعید)

"لايشترط الإشهاد على التوكيل، الخ". (البحر الرائق: ۱۴۶/۳، کتاب النکاح، رشیدیہ)

"ويصح التوكيل بالعبارة أو الكتابة، ولايشترط بالاتفاق الإشهاد عند صدور التوكيل، وإن كان يستحسن للوكيل أن يشهد على التوكيل، للاحتياط خوفاً من الإنكار عند النزاع". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۶۷۴۲/۹، حكم التوكيل بالزواج، رشیدیہ)

باب استیمار المرأة للنکاح

(عورت سے اجازتِ نکاح طلب کرنے کا بیان)

نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ

سوال[۵۷۹۵]: ۱.....اصولی طریقہ دولہن سے اجازت حاصل کرنے کا کیا ہے؟

۲.....اجنبی گواہوں کا اجازت لینے کے لئے عورتوں کے مجمع میں جانا شرعاً کیسا ہے؟

۳..... یہاں پر تو نکاح سے دو گھنٹہ قبل لڑکی کا ولی یا نامزد کردہ وکیل مع دو گواہوں کے اندر جاتا ہے اور عورتیں دو گھنٹہ تک پریشان کرتی ہیں، پھر لڑکی سے کہلواتی ہیں کہ ہاں کہدو۔ اس رسم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بالغہ لڑکی کا ولی (باپ) خود لڑکی کو اطلاع کردے کہ میں فلاں لڑکے سے اتنے مہر کے عوض تیرا نکاح کرتا ہوں، پھر اتنی دیر ٹھہر جائے کہ اگر لڑکی ہاں نہیں کا کوئی جواب دینا چاہے تو دے سکے، اس پر اصرار نہ کرے کہ جواب دے بلکہ خاموشی بھی کافی ہے، پھر مجمع میں چاہے خود اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے یا قاضی یا نکاح خواں کو وکیل بنادے اور وہ ایجاب وقبول کرے، شرعاً تو اتنا کرلینا کافی ہے(۱) اور جو طریقہ رائج ہے وہ

(۱) "و ینعقد بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر کزوجت نفسي أو بنتي أو مؤکلتي منک". (الدرالمختار). "(قوله: کزوجت نفسي) أشار إلی عدم الفرق بین أن یکون الموجب أصیلاً أو ولیاً أو وکیلاً". (ردالمحتار: ۳/۹، کتاب النکاح، سعید)

"ثم النکاح کما ینعقد بهذه الألفاظ بطریق الإصالة ینعقد بها بطریق النیابة بالوکالة والرسالة؛ لأن تصرف الوکیل کتصرف المؤکل". (بدائع الصنائع، فصل في رکن النکاح: ۳/۳۲۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب النکاح: ۲/۵، ۲، دارالمعرفة بیروت)

کچھ رسم کی پابندی ہے، کچھ قانونی رعایت ہے۔ اجنبی گواہوں کا جا کر اجازت لینا شرم وغیرت کے خلاف ہے، اس کو نیز دیگر خرافات کو حسنِ تدبیر سے روکنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۳/ ۸۷ھ۔

بالغہ سے نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ

سوال[۵۷۹۶]: کیا لڑکی سے اختیارِ نفس لینے کا ضروریاتِ نکاح سے ہے؟ اگر یہ اختیار نہ لیا جائے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ یہاں پر یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت شاہدین اور وکیل تین مرتبہ لڑکے لڑکی کے پاس آتے جاتے ہیں، اور تعداد مہر میں کمی کراتے ہیں، تیسری مرتبہ میں خواہ کتنا ہی مہر ہو، اور لڑکے کی حیثیت اس قابل ہو یا نہ ہو، مہر مقرر کر کے نکاح ہو جاتا ہے، اختیارِ نفس نہیں لیا جاتا۔ ایک تعلیم یافتہ صاحب کے گھر میں نکاح میں شریک تھا لڑکی بالغ تھی، وکیل شاہدین نے جا کر لڑکی سے دریافت کیا: فلاں لڑکے سے تمہارا نکاح کر رہے ہیں، تم اپنا مہر بتلاؤ، اس کی ماں نے مہر بتلایا۔

شاہدین نے لڑکے سے مرضی طلب کی، اس نے انکار کر دیا۔ دوسری مرتبہ گئے، مہر میں نصف کمی ہوگئی، جب لڑکے سے دریافت کیا گیا تو اس نے رضامندی ظاہر کر دی، حالانکہ وہ تعداد رقم بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، پس نکاح پڑھا دیا گیا۔ قاضی نے لڑکے سے نکاح قبول کرا کے خطبہ پڑھ دیا، لڑکی سے ایجاب نہیں کرایا گیا تھا، نہ اختیارِ نفس ہی لیا گیا تھا۔ کیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

---

(۱) "﴿وجادلهم بالتي هي أحسن﴾: أي مَن احتاج منهم إلى مناظرة وجدال، فليكن بالوجه الحسن برفق ولين وحسن خطاب". (تفسير ابن كثير سورة النحل: ۲/ ۷۸۱، مكتبه دار الفيحاء ودار السلام)

"﴿وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ بالطريقة التي هي أحسن طرق المناظرة والمجادلة من الرفق واللين واختيار الوجه الأيسر .... و منهم عوام أصحاب نفوس كدرة ضعيفة الاستعداد شديدة الألف بالمحسوسات قوية التعلق بالرسوم والعادات قاصرة عن درجة البرهان، لكن لا عناد عندهم، وهؤلاء يدعون بالموعظة الحسنة بالمعنى المتقدم، الخ". (روح المعاني، سورة النحل: ۱۴/ ۲۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی اگر بالغہ ہو اور اس کا ولی اس سے کہے کہ میں تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر کرتا ہوں، تم کو منظور ہے؟ اس کے جواب میں لڑکی اگر کہہ دے کہ منظور ہے، یا صرف ہاں کردے، یا خاموش رہے تو اتنا ہی کافی ہے، یہی اختیارِ نفس بھی ہے، نہ وکیل کی ضرورت نہ گواہوں کی (۱)، پھر گواہوں کے سامنے ولی خود یا اس کی اجازت سے قاضی لڑکے سے کہے کہ میں نے فلاں کی فلاں لڑکی کا نکاح تم سے اتنے مہر پر کیا، تم نے اس کو قبول کیا ہے تو وہ جواب میں کہہ دے کہ میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح منعقد صحیح ہو جائے گا (۲)۔

اگر ولی خود لڑکی سے اجازت طلب نہ کرے بلکہ کسی کو اپنی طرف سے اس کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیج دے اور وہ جا کر اس طرح لڑکی سے کہے کہ تمہارے والد نے مجھے بھیجا ہے، وہ تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر کرنا چاہتے ہیں، اس لئے میں تمہارے پاس ان کی طرف سے اجازت لینے کے لئے آیا ہوں، تم کو یہ نکاح منظور ہے؟ اس پر لڑکی منظوری کی اجازت دیدے یا خاموش رہے تب بھی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرا دینے سے نکاح منعقد ہو جائے گا (۳)۔

---

(۱) "(فإن استأذنها هو): أي الولي -وهو السنة- (أو وكيله .... فسكتت أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت، فهو إذن إن علمت بالزوج، لا) العلم (بالمهر)، وقيل: يشترط، وهو قول المتأخرين". (الدرالمختار: ۵۸/۳-۶۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"وإذا قال لها الولي: أريد أن أزوجك من فلان بألف، فسكتت .... فالسكوت منها رضا". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۷/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(۲) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول من الآخر)". (الدرالمختار: ۹/۳، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۵/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۴/۳، كتاب النكاح، رشيديه)

(۳) "الأول أن يقول: وكلتك تستأذن لي فلانة في كذا، والثاني أن يقول: اذهب إلى فلانة وقل لها: إن أخاك فلاناً يستأذنك في كذا ...... لكن رسول الولي قائم مقامه، فيكون سكوتها رضا عند استئذانه، كما في الفتح، والوكيل كذلك". (ردالمحتار، ۵۹/۳، ۶۲، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد) =

جوصورت آپ نے لکھی ہے اس صورت سے بھی نکاح درست ہوگیا، کوئی فکر اور شبہ نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے کیا جائے

سوال[۵۷۹۷]: محترم جناب شیخ الحدیث صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک عورت مسماۃ نور بیگم کا نکاح مسمی نورو کے ساتھ نور بیگم کے والدین کر دیتے ہیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد نورو اپنی زوجہ نور بیگم کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیتا ہے، نور بیگم اپنے والد نھو کے یہاں آجاتی ہے۔ عدت گزارنے کے بعد نور بیگم کا والد نھو نور بیگم کا نکاح دوسری جگہ مسمی عبدل کے ساتھ کر دیتا ہے، عبدل کے ساتھ حمل قرار پاتا ہے لیکن جب کہ حمل چار ماہ کا ہو چکتا ہے تو عبدل اور نور بیگم (میاں بیوی) میں سخت تنازع ہوتا ہے اور نور بیگم اپنے والد نھو کے گھر آجاتی ہے اور نھو کے یہاں ہی نور بیگم کے لڑکی پیدا ہوجاتی ہے، جب لڑکی ڈھائی سال کی ہو چکی ہے تو نھو اپنی لڑکی نور بیگم کو اس کے پہلے خاوند نورو کے یہاں بلا نکاح بٹھا دیتا ہے۔ چونکہ نور بیگم کے دوسرے خاوند عبدل نے طلاق نہیں دی تھی، اسی طرح اسے بلا نکاح مسماۃ نور بیگم نورو کے یہاں پندرہ سولہ سال رہتی ہے اور نہ ہی نور بیگم کے دوسرے خاوند عبدل نے اب تک طلاق دی ہے۔

عرصہ پندرہ سال میں نورو سے چار بچے ہو چکے ہیں جو کہ شرعی احکام کے مطابق حرام کے ہیں اور برادری ہماری ان سے سخت خلاف ہے، لیکن اب وہ لڑکی جو کہ عبدل سے ہے سولہ سال کی ہے، نیز بالغہ ہے۔ لڑکی کا نانا نھو اب لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن لڑکی کا والد عبدل جھگڑا اڑاتا ہے کہ میری لڑکی مجھے دیدی جاوے، میں نکاح کی اجازت نہیں دیتا، لڑکی بالغ ہے، کیا لڑکی کے نکاح میں جب کہ وہ بالغ ہے اس کے والد عبدل کی اجازت واجب ہے یا نہیں؟ (لڑکی کا نانا عبدل کو لڑکی اس وجہ سے نہیں دیتا کہ کہیں وہ اس کو ویسے ہی فروخت نہ کر دے)۔ دوسری بات اشد ضروری ہے کہ چوں کہ مسماۃ نور بیگم نورو کے یہاں بلا نکاح رہ رہی ہے اور نور بیگم اپنی والدہ کے مرجانے کی وجہ سے اپنے والد نھو کی روٹی پکا کر دیتی ہے، اب نھو اپنی دھیوتی کی شادی بجائے مسماۃ

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۲۸، كتاب النكاح، باب الولي، دار المعرفة بيروت)

نور بیگم کے یہاں ہونے کے اپنے مکان پر اپنی کمائی سے کرنا چاہتا ہے۔ چوں کہ برادری سخت خلاف ہے اس لئے شادی میں شریک ہونا نہیں چاہتی کہ یہ اپنی لڑکی جوحرام کار ہے، اس کی پکائی ہوئی روٹی کھاتا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے، اس کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

راقم: محمد صدیق، شہر انبالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالغہ لڑکی اگر اپنی برادری میں اپنا نکاح مہر مثل پر خود کرے تو وہ صحیح اور نافذ ہوجاتا ہے، اجازتِ والد پر موقوف نہیں رہتا(۱) اور والد کو شرعاً اجازت نہیں کہ بالغ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کسی جگہ کردے، لڑکی بالغہ کی رضامندی ہر حالت میں ضروری ہے(۲)۔

بغیر نکاح عورت کو اپنے گھر رکھنا اور عورت کو رہنا حرام ہے(۳) نتھو کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی لڑکی کو

---

(۱) "نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی". "(قوله: نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی)؛ لأنها تصرفت فی خالص حقها، وهی من أهله، لکونها عاقلةً بالغةً .... و روی الحسن أنه إن کان الزوج کفئاً، نفذ نکاحها، وإلا فلم ینعقد أصلاً .... والمختار للفتوی فی زماننا روایة الحسن". (البحر الرائق: ۳/۱۹۲، ۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۱۳، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳/۵۵، ۵۶، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۲) "ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولایة بالبلوغ". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۱۴، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۱۹۲، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنی، إنه کان فاحشةً وساء سبیلاً﴾ (بنی إسرائیل: ۳۲)

اگر نور بیگم سے نکاح کرے تب بھی جائز نہیں جب تک عبدل اسے طلاق نہ دے، اس لئے کہ منکوحۃ الغیر سے نکاح جائز نہیں ہے: "ولا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۸۰، کتاب النکاح، الباب السادس، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه) =

اس حرام کاری سے روکے (۱)، اگر وہ باوجود قدرت کے نہیں روکتا، یا اس کے اس فعل سے خوش ہے تو نتھو سے بھی ترکِ تعلق کرنا چاہئے (۲) اور جہاں تک ہوسکے نتھو اور اس کی لڑکی پر اور اس شخص پر جس کے گھر میں بغیر نکاح رہتی ہے، روک دیا جائے تاکہ حرام کاری بند ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/شوال/۵۷ھ۔

بالغہ کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے

سوال [۵۷۹۸]: بخدمتِ جناب مولانا مولوی شمس العلماء صاحب سہارنپور!

السلام علیکم و رحمة اللہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بابت مندرجہ ذیل مسائل بموجبِ فرمانِ الٰہی وارشاداتِ حدیثِ نبوی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کسی بالغہ لڑکی کی شادی بلا رضامندی اس کے اور اس کی والدہ کے، کی جائے یعنی صرف والدہ اپنے بیٹے کی خاطر اس مذکورہ بالا لڑکی کا بٹہ دے کر اپنے لڑکے کی شادی یعنی نکاح کرے اور وہ مذکور لڑکا

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۹/۶۶۴۲، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء باب المرأة المتزوجة، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رای منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب الأمر بالمعروف، ص: ۴۳۶، قديمي)

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق. الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري: ۲۲/۱۳۷، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد، مطبعه خيريه بيروت)

مذکورہ والدہ کے دولڑکوں کا سوتیلا بھائی و بیٹا ہواور نکاح کے صرف والد ہی ذمہ دار ہوں اورلڑکی اور والدہ لڑکی کو نکاح ہونے کے وقت بالکل پوچھا نہ گیا ہو، یہاں تک کہ لڑکی اور والدہ لڑکی کو مطلق علم نہ ہو کہ نکاح کس وقت بلکہ کب ہوا اور مہر کیا مقرر ہوا ہے؟ لڑکی کو بیس گھنٹہ بعد معلوم ہوا کہ میرا نکاح کر دیا گیا ہے اور دوروز کے بعد یہ معلوم ہوا کہ میرا مہر اتنا مقرر ہوا ہے۔ اب چھ ماہ کے بعد لڑکی سسرال کو بھیجی گئی، وہاں لڑکی نے بائیس روز گزارے جس میں سوائے لڑائی و نااتفاقی کے ہر دو فریقین اپنی زوجہ، خاوند میں اَور کچھ نہ ہوا اور خاوند کی بیوی سے زبردستی ایک دفعہ صحبت ہوئی ہے۔

سومہربانی کر کے بموجب شرع اصولِ حقانی اس مسئلہ کا حل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں کہ آیا یہ نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اب لڑکی ایک سال سے اپنے والدین کے گھر مقیم ہے، سسرال جانے سے قطعی انکار کرتی ہے، بلکہ یہ کہتی ہے کہ اگر زبردستی بھیجا گیا تو میں خودکشی کرلوں گی۔ فقط والسلام۔ مہربانی فرما کر اس کاغذ کی پشت پر جواب ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

محمد شفیع۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے والد کے کئے ہوئے نکاح کو اطلاع پانے پر رد نہیں کیا، بلکہ قبول کرلیا یا خاموش ہوگئی، مہر کی خبر پانے پر بھی رد نہیں کیا، بلکہ چپ ہوگئی اور سسرال جاتے وقت بھی نکاح سے ناراضی ظاہر نہیں کی تو شرعاً وہ نکاح لازم اور نافذ ہوگیا، اب لڑکی اس کو فسخ نہیں کر سکتی (۱)۔ اگر شوہر سے نباہ دشوار ہے، طبیعتوں میں اختلاف

---

(۱) "(أو زوجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارةً (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت فهو إذن)". "(وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارةً (عالمة أصل (النكاح)". (الدر المختار).

"(قوله: عن رده) قيد به إذ ليس المراد مطلق السكوت؛ لأنها لو بلغها الخبر فتكلمت بأجنبي، فهو سكوت هنا، فيكون إجازةً". (ردالمحتار: ۳/۵۹، ۷۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"وإن زوجها الولي بغير استيمار، ثم أخبرها بعد النكاح فسكتت، إن أخبرها بالنكاح ..... و إن ذكر الزوج والمهر فسكتت، كان رضا". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۸، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه) .... =

ہے، یا شوہر پریشان کرتا ہے، حقوق ادا نہیں کرتا تو چاہئے کہ کسی طرح سے شوہر سے طلاق حاصل کر لی جاوے یا خلع کر لیا جاوے (۱)، اس کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۲)۔ یا حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ شوہر سے کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اگر وہ کسی بات کو اختیار کر لے تو بہتر ہے ورنہ حاکم مسلم تفریق

= "وأما في حق البكر، فيبطل بمجرد السكوت". (البحر الرائق: ۲۱۵/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألاّ يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۳)

"وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى منه بمال يخلعها به".

"(قوله: إذا تشاق الزوجان): أى تخاصما (و خافا): أى علما". (فتح القدير: ۲۱۱/۴، كتاب الطلاق باب الخلع، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"(ولابأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق". (الدرالمختار). "(قوله: للشقاق): أى لوجود الشقاق و هو الاختلاف والتخاصم .... السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا، جاز الطلاق والخلع، اهـ". (ردالمحتار: ۴۴۱/۳، كتاب الطلاق، باب الخلع، سعيد)

(كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۸۸/۱، كتاب الطلاق، الباب الثامن فى الخلع، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

"أى غير الزوج فى العدة لاشتباه النسب بالعلوق، فإنه لا يوقف على حقيقته أنه من الأول أو الثانى .... ولا يجوز التزوج فى العدة لعلة أخرى هى إظهار خطر المحل أو هو حكم تعبدى".

(ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فى العقد على المبانة: ۴۰۹/۳، سعيد)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذا المعتدة .... سواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة أو دخول فى نكاح فاسد، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۰/۱، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التى يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۴۵۱/۳، كتاب النكاح، دار الكتب العلمية بيروت)

کردے(۱)۔اس کے بعد عدتِ طلاق تین حیض گذار کر دوسری جگہ نکاح جائز ہوگا(۲)۔

لیکن اگر وہ پریشان نہیں کرتا اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا تو پھر ایسی کارروائی کرنا ناجائز ہے(۳)۔عورت کے ذمہ واجب ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے(۴)۔اگر نکاح سے ناراضی تھی تو خبر پانے پر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ أمر عزوجل بالإمساک بالمعروف، و قد عجز عن الإمساک بالمعروف؛ لأن ذلک بإیفاء حقها في الوطء والنفقة، فتعین علیه التسریح، فإن فعل، وإلا ناب القاضي منابه في التسریح و هو التفریق". (بدائع الصنائع : ۳/۶۰۳، کتاب النکاح، فصل فیما یبطل به الخیار، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال الله تعالی: ﴿و لا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

"أی غیر الزوج في العدة لاشتباه النسب بالعلوق، فإنه لا یوقف علی حقیقته أنه من الأول أو الثاني .... ولا یجوز التزوج في المدة لعلة أخری هي إظهار خطر المحل أو هو حکم تعبدي".

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد علی المبانة : ۳/۴۰۹، سعید)

"لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذا المعتدة .... سواء کانت العدة عن طلاق أو وفاة أو دخول في نکاح فاسد، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة : ۱/۲۸۰، کتاب النکاح، القسم السادس: المحرمات التي یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع : ۳/۴۵۱، کتاب النکاح، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تؤذی امرأةٌ زوجها في الدنیا، إلا قالت زوجته من الحور العین: لا تؤذیه قاتلکِ الله، فإنما هو عندک دخیل یوشک أن یفارقک إلینا". (جامع الترمذي: ۱/۲۲۲، أبواب الرضاع والطلاق، باب إیذاء المرأة زوجها، سعید)

"عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أنه قال: خسفت الشمس علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... فقال ..... "رأیت النار فلم أرَ کالیوم منظراً قط، و رأیت أکثر أهلها النساء"، قالوا: لِمَ یا رسول الله؟ قال: "بکفرهن". قیل: یکفرن بالله؟ قال: "یکفرن العشیر". (الزوج)".

(صحیح البخاري : ۲/۷۸۳، کتاب النکاح، باب کفران العشیر، قدیمي)

(۴) "عن أبي هریرة عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا دعا الرجل امرأته إلی فراشه فأبت أن =

کیوں انکار نہیں کر دیا تھا(۱)، گو باپ کو چاہئے تھا کہ نکاح سے پہلے لڑکی کو اطلاع کر دیتا(۲)، لیکن اس صورت میں بھی نکاح لازم ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۴/ رجب/ ۵۷ھ۔

= تجيء، لعَنَتْها الملائكة حتى تصبح".

"وعنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا باتت المرأة مهاجرةً فراش زوجها، لعنتها الملائكة حتى ترجع". (جامع الترمذي: ۲/۲۸۲، باب: إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، سعيد)

"لما كانت المصلحة المرعية في النكاح تحصين فرجه، وجب أن تحقق تلك المصلحة .... و ذلك أن تؤمر المرأة بمطاوعته إذا أراد منها ذلك، و لو لا هذا لم يتحقق تحصين فرجه. فإن أبت فقد سعت في رد المصلحة. اهـ". (حجة الله البالغة: ۲/۲۶۱، حقوق الزوج، قديمي)

"وحقه عليها أن تطيعها في كل مباح يأمرها به". (الدر المختار). "ظاهره أنه عند الأمر به منه، يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعية به". (ردالمحتار: ۳/۲۰۸، كتاب النكاح، باب القسم، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۱۳، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "بالغة زوّجها أبوها فبلغها الخبر، فقالت: لا أريد، أو قالت: لا أريد فلاناً، فالمختار أنه يكون رداً في الوجهين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۸، كتاب النكاح، باب في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۹۲، فصل في الخيار بين الزوجين، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "(قوله: هو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح: فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت، الخ". (ردالمحتار: ۳/۵۸، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذافي حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۲۸، كتاب النكاح، باب الولي، دار المعرفة بيروت)

(۳) "(أو زوّجها) وليّها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارةً (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت، فهو إذن) .... (وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارةً (عالمة) أصل (النكاح)". (الدر المختار).

"(قوله: عن رده) قيد به إذ ليس المراد مطلق السكوت؛ لأنها لو بلغها الخبر فتكلمت =

لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح

سوال[۵۷۹۹]: زید نے اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح لڑکی کی عدم موجودگی میں جب کہ وہ گاؤں سے سو میل دور تھی بکر سے کر دیا، لڑکی کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے برجستہ کہا کہ "میں تو یہاں ہوں، میرا نکاح وہاں کیسے ہو گیا ہے"۔ تو نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اگر لڑکی کے گھر پہونچنے پر اس کے والد اس سے رضامندی کی اجازت لے لیں تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نکاح کی خبر سن کر برجستہ بطورِ فرطِ مسرت یہ کہا کہ میں تو یہاں ہوں میرا نکاح وہاں کیسے ہو گیا، یعنی اس پر خوشی کا اظہار کیا تو وہ نکاح لازم ہو گیا(۱)، اب نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے، نہ دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ہے(۲)، بس پہلا نکاح کافی اور صحیح ہے۔ اگر بطورِ ناراضی وغصہ کے فقرہ مذکور کہا ہے اور اس نکاح

= بأجنبي، فهو سكوت هنا، فيكون إجازةً". (ردالمحتار: ۳/ ۵۹، ۶۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"وإن زوجها الولي بغير استيمار، ثم أخبرها بعد النكاح فسكتت، إن أخبرها بالنكاح ..... وإن ذكر الزوج والمهر فسكتت، كان رضا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۸، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه)

"وأما في حق البكر، فيبطل بمجرد السكوت". (البحرالرائق: ۳/ ۲۱۵، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۱) "(أو زوّجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) .... (أو ضحكت غير مستهزئة.....اهـ". (الدرالمختار). "لأن الضحك إنما جُعل إذناً بدلالته على الرضا". (ردالمحتار: ۳/ ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۷، كتاب النكاح، باب في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/ ۱۹۶، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۰، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه) =

کو نامنظور کردیا ہے تو وہ نکاح بیکار اور کالعدم ہوگیا (۱)۔ اب اگر اس لڑکے سے عقد منظور ہے تو بھی لڑکی کی اجازت سے دوبارہ نکاح کیا جائے (۲)، دوسری جگہ منظور ہے تب بھی اجازت سے کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۴۵۱، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۹/ ۶۶۴۲ كتاب النكاح، باب المرأة المتزوجة، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، رشيديه)

(۱) "لأن الضحك ..... إذا لم يدل على الرضا، لم يكن إذناً". (ردالمحتار: ۳/ ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۹۸، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"(وكذا لو قالت: لا أرضى، أولا أصبر، أوأنا كارهة، عن أبي يوسف: أنه ردٌّ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۹، كتاب النكاح، باب في الأولياء، رشيديه)

(۲) "ولو زوّجها، وليّها فقالت: لا أرضى، ثم رضيت في المجلس، لم يجز". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۸، كتاب النكاح، باب في الأولياء، رشيديه)

"بخلاف مالو بلغها العقد، فردت، ثم قالت: رضيتُ، حيث لا يجوز؛ لأن العقد بطل بالرد. ولذا استحسنوا التجديد عند الزفاف فيما إذا زوج قبل الاستيذان إذ غالب حالهن إظهار النفرة عند فجاءة السماع". (البحرالرائق: ۳/ ۲۰۰، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۲۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(۳) "(ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدرالمختار: ۳/ ۵۸، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۷، كتاب النكاح، باب في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/ ۱۹۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۱۴، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، شركة علميه ملتان)

بیوہ کا نکاح بلا اذنِ صریح

سوال[۵۸۰۰]: عام طور پر بیوہ بالغہ سے نکاح کی اجازت باللسان لینے کا دستور نہیں ہے، اکثر بیوہ کی سسرال والے یعنی جیٹھ سسر وغیرہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق ہے، چاہے جہاں اس کا نکاح کریں یا بیٹھا رہنے دیں، چنانچہ زبانی پوچھنا تو کیا اس سے ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ دیور، جیٹھ وغیرہ اپنی اجازت سے نکاح پڑھادیتے ہیں، اکثر بیوہ کا دل اس جگہ نہیں چاہتا مگر انکار کی صراحت نہ ہونے کے باعث دل کی ناراضگی کے ساتھ شوہر کے یہاں رخصت کردینے پر چلی جاتی ہے۔

ایک واقعہ ایسا ہی ہوا، بالغہ بیوہ کا نکاح بغیر اجازتِ لسانی اور رضامندی کے جیٹھ نے اپنے اجازت سے نکاح پڑھوادیا، بیوہ کو جدید شوہر کے یہاں جانا پڑا، مگر عرف کے سبب وہ بیوہ اس کو نکاح سمجھتی رہی اور وہاں سے علیحدہ ہونے اور نکل بھاگنے کا موقع دیکھتی رہی۔ اب کسی بہانہ سے وہ اپنے بھائی کے یہاں چلی آئی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے ہم کفوٴ میں اپنی اجازت سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بغیر اجازت والے جیٹھ کے کئے ہوئے نکاح سے ناراض تھی، اور اس نکاح کے گواہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے بیوہ سے نہیں پوچھا گیا، بلکہ صرف بیوہ کے جیٹھ نے یہ کہہ دیا کہ میں نے اس سے اجازت لے لی ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ رواج کی وجہ سے خود بیوہ کو بھی یہ نہیں معلوم کہ بغیر میری اجازتِ لسانی کے نکاح نہیں ہوتا، اور نکاح کا ذکر سن کر انکارِ لسانی بھی ممکن نہیں، البتہ ناراضگی اور بیزاری اس نکاح سے اب تک ہے۔ اگر شرعاً اس بیوہ کو اپنی مرضی کے موافق نکاح کرنے کی اجازت ہو تو جیٹھ کے کئے ہوئے نکاح پر کوئی فتنہ بھی نہیں ہے، نہ وہ درج رجسٹر ہے کہ عدالتی کاروائی کا خطرہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالغہ عورت پر کسی کو ولایتِ اجبار حاصل نہیں تھی یعنی کوئی شرعی ولی باپ بھائی وغیرہ جبراً بغیر اس کی مرضی کے نکاح نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ جیٹھ۔ اگر کردے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ بیوہ کے نکاح کے لئے بھی اس کی رضامندی ضروری ہے، خواہ زبان سے رضامندی کا اظہار کرے خواہ کوئی اور فعل ایسا کرے جس سے اس کی رضامندی ظاہر ہوجائے مثلاً مہر کا مطالبہ کرے، یا قبضہ کرے، یا نفقہ کا مطالبہ کرے، یا قبول کرے، یا

مبارکباد کو قبول کرے اور فقہاء نے جماع پر قدرت دینے کو بھی علامتِ رضا لکھا ہے۔ پس اگر صورتِ مسئولہ میں بیوہ مذکورہ نے اس شوہر کو جس کے ساتھ جیٹھ نے نکاح کیا تھا اپنے اوپر جماع کی قدرت دیدی اور صحبت سے منع نہیں کیا، یا اور کوئی چیز علامت رضامندی کی پائی گئی تو شرعاً یہ نکاح نافذ ہوگیا، اب دوسری جگہ اس کو نکاح کرنا جائز نہیں (۱)۔ اور اگر کوئی علامتِ رضامندی نہیں پائی گئی اور شوہر کو اپنے اوپر قابو نہیں دیا یعنی شوہر نے صحبت نہیں کی، یا جبراً اور زبردستی صحبت کی اور شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی تھی لیکن زبردستی اس کو بھیجا گیا تو شرعاً یہ نکاح لازم نہیں ہوا، اب دوسری جگہ نکاح درست ہے:

"و لا تجبر البالغة البكر على النكاح، فإن استأذنها غير الأقرب فلا عبرة لسكوتها، بل لا بد من القول كالثيب البالغة لا فرق بينهما إلا في السكوت؛ لأن رضاهما يكون بالدلالة كما ذكره بقوله: أو ما هو في معناه من فعلٍ يدل على الرضا كطلب مهرها و نفقتها و تمكينها من الوطيء و دخوله بها برضاها و قبول التهنئة والضحك سروراً، و نحو ذلك كقبول المهر، والظاهر أنه مثله قبول النفقة، اهـ". در مختار و شامی مختصراً: ۲/۲۶۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۰، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۹/۶۶۴۶ كتاب النكاح، باب المرأة المتزوجة، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، رشيديه)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۴، حافظ كتب خانه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۶۲، ۶۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب و سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك، فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل .... وكان تمكينها =

عورت اجازتِ نکاح کی منکر، مرد مدعی کس کے گواہ معتبر ہیں؟

سوال [۵۸۰۱]: مسماۃ حلیمہ جو کہ اس وقت بالغہ ہے اس کے چچا نے بسبب ولایت بحالتِ صغر اس کی نسبت مسمیٰ زید سے کی، مگر بعدہ زید کو دینے سے انکاری ہوا، زید نے اس لڑکی کے چچا پر دعویٰ نکاح کر دیا اور دو شاہد پیش کر دیئے، چچا شور مچاتا ہوا پھرا کہ یہ نسبت تھی نکاح نہ تھا، کسی نے نہ سنی، قاضی نے مسمیٰ زید کے نکاح کا حکم کر دیا اور یہی کہا کہ چونکہ لڑکی نابالغہ ہے اور ولی اس کا چچا وغیرہ کو طلب کر کے بیاہ دینے کو کہا گیا، چچا وغیرہ نے شور مچایا کہ لڑکی اب تک نابالغہ ہے، ہرگز نہ دیں گے، لڑکی بھی فریاد کرتی رہی کہ مجھے یہ منظور نہیں، لڑکی کے چچا کو زیرِ حراست رکھا گیا اور لڑکی کا اقرارِ نکاح پر زبردستی انگوٹھا لگالیا گیا حالانکہ وہ انکار کرتی تھی۔

جب وہاں سے نجات پائی کچھ عرصہ بعد لڑکی نے بالغ ہوتے ہی فسخِ نکاح پر شاہد رکھے اور قاضی کے پاس جا کر فسخِ نکاح کے لئے پیش ہوگئی، چنانچہ قاضی نے حکم دیا: جا تیرا نکاح فسخ ہوگیا۔ اب زید نے دعویٰ کیا کہ بوقتِ بلوغ مسماۃ حلیمہ اقرار کرنے اور اجازت سے منکر ہے۔ دونوں کے پاس شاہد موجود ہیں، بینۂ مرد ثبوت اجازت کیلئے، اور بینۂ عورت مرد کیلئے، پس دریں صورت شرعاً کس کے بینہ اَولیٰ ارجح ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً، هو الملهم للصواب:

صورتِ مذکورہ میں حلیمہ کے شاہد معتبر ہوں گے نہ زید کے، خلاصۃ الفتاویٰ میں خصاف اور جامع کبیر سے منقول ہے: "في أدب القاضي للخصاف: لو أقام الزوج أو الأب البيّنة على الإجازة، والمرأة على الرد، فبيّنتُها أولى. وفي بيوع الجامع الكبير في باب المرابحة: القول قولها والبينة بينتها، اهـ". خلاصة: ٢/٤٤(١)۔

= إياه من الدخول بها رضا، إلا إذا دخل بها و هي مكرهة، فحينئذ لا يثبت الرضا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، ۱/۲۸۷- ۲۸۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳- ۲۰۵، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۹۵/۲- ۴۹۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الرابع عشر في دعوى النكاح: ۴۴/۲، امجد اكيڈمي لاهور)

"البالغة إذا أقامت البينة على رد النكاح بعد البلوغ، والزوج أقام البينة أنها سكتت بعد =

اس نقل سے قطع نظر کرکے تمام سرگذشت پر نظر ڈالی جائے تو منصف کے لئے ماننا پڑے گا کہ سربسر قصہ سے مسماۃ حلیمہ کا انکار ٹھیک رہا ہے، مفتی کے لئے ایسے موقع پر کمالِ حزم وتدبر سے کام لینا ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "علی المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع اهـ". ردالمحتار: ۸۵۳/۲(۱)۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: "المفتي في الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد و معرفة بأحوال الناس". رد المحتار: ۱۳۶/۲ (۲)۔ قاضی کے لئے تو بطریقِ اَولیٰ اس چیز کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد فاروق، از: اوستہ بلوچستان۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر واقعاتِ مندرجہ سوال صحیح ہیں تو روایتِ خلاصہ پر مفتی کو فتویٰ دینا درست ہے، کما أفتى به المفتي العلامة، وإن كان المذهب المشهور والرواية الظاهرة خلاف ذلك۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

نکاح کی اجازت تحریراً کا شوہر مدعی ہے عورت منکر، تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۸۰۲]: ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے فلاں عورت نے اجازت دی ہے کہ تم جا کر مجھ سے نکاح کرلو اور میں نے جا کر دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا، نیز کہتا ہے کہ اس نے مجھے اجازت کی تحریر دی ہے اور دستخط بھی کردیئے ہیں، مگر عورت ہر چیز سے انکار کرتی ہے کہ میں نے نہ اسے زبانی نکاح کرنے کی اجازت

= بلوغها، تقبل بينتها، كذا في الفصول الأسترشية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كاتب الدعوىٰ، الباب التاسع في دعوى الرجلين، الفصل الثاني في دعوى الملك في الأعيان: ۸۰/۴، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، مطلب: الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع: ۵۳۵/۳، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، مطلب مهم: ۳۹۸/۲، سعيد)

رئی ہے اور نہ ہی کوئی تحریر لکھ کر کے دی ہے، یہ شخص جھوٹا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کے پاس گواہ موجود ہیں اور وہ شرعاً مقبول الشہادۃ ہیں، جن کے سامنے عورت نے زبانی اجازت دی ہے یا تحریر لکھی ہے تب تو ان کی گواہی معتبر ہے اور نکاح صحیح ہے۔ اگر گواہ موجود نہیں یا وہ مقبول الشہادۃ نہیں تو عورت کا قول معتبر ہوگا مگر قسم کے ساتھ، اور یہ نکاح معتبر نہیں ہوگا، هکذا یفهم عما ذکره فی الدرالمختار: ۲/ ٤٦٧۔

"قال الزوج للبكر البالغة: بلغك النكاح فسكت، و قالت: رددت النكاح، ولا بينة لهما على ذلك، ولم يكن دخل بها طوعاً في الأصح، فالقول قولها بيمينها على المفتى به، وتقبل بينته على سكوتها. (قوله: فالقول قولها)؛ لأنه يدعي لزوم العقد و ملك البضع، والمرأة تدفعه فكانت منكرةً، اه". ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳٦۲/۱۲/۲٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کا نکاح کی اجازت دینے کے بعد انکار

سوال [۵۸۰۳]: زید کی لڑکی زینب کا نکاح عمر سے ہوا، لیکن نکاح کے وقت کسی بھی ذریعہ سے زینب کی مرضی دریافت نہیں کی گئی، بلکہ زید ہی نے مجلس نکاح میں اس کی طرف سے قبول کرلیا۔ زید کا کہنا ہے کہ ایک روز قبل میں نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا تھا تو وہ عمر سے نکاح پر راضی تھی، لیکن زینب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے کبھی آمادگی ظاہر نہیں کی اور زینب کو جس وقت اس نکاح کی اطلاع پہنچی، اس نے فوراً ہی اعلان کردیا کہ میں اس

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/ ٦۳، ٦۴، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۵۰۱، ۵۰۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۰٦، رشيديه)

نکاح پر راضی نہیں۔اب یہ مسئلہ ایک مقامی عالم صاحب سے (جو قاضی بھی ہیں) دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا نکاح نہیں ہوا، لہذا جناب والا فتویٰ صادر فرمائیں۔واضح رہے کہ زینب کی عمر ۱٦/ سال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی کنواری ہے اور باپ نے اس سے نکاح کے لئے کہا کہ فلاں لڑکے سے تیرا نکاح کرنا چاہتا ہوں تجھے منظور ہے؟ اس پر لڑکی نے آمادگی ظاہر نہیں کی، جیسا کہ اس کا بیان ہے، مگر انکار بھی نہیں کیا بلکہ خاموش رہی تو یہ بھی اس کی طرف سے اجازت ہے اب پھر اس کا انکار کرنا بیکار ہے (۱)۔ یہ اجازت دو روز قبل بھی لینا کافی ہے، عینِ وقت پر لینا ضروری نہیں۔

ہاں اگر اجازت لینے پر خاموش رہنے کے بعد ایجاب وقبول سے پہلے کہہ دیتی کہ میں اجازت نہیں دیتی تو باپ کو حق نہ رہتا (۲)۔ یا اگر باپ نے بالکل اس سے کہا ہی نہ، اور خود ہی نکاح پڑھوا دیا ہو، تو یہ نکاح

---

(۱) "وإذا قال لها الولي: أريد أن أزوجك من فلان بألف فسكتت، ثم زوّجها، فقالت: لا أرضى، أو زوّجها ثم بلغها الخبر، فسكتت، فالسكوت منها رضا في الوجهين جميعاً إذا كان المزوّج هو الولي".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، ۱/۲۸۷، رشيديه)

"(فإذا استأذنها هو) الولي .... (أو وكيله أو رسوله أو زوّجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارةً .... (فهو إذن): أي توكيل في الأول". (الدرالمختار).
"أي فيما إذا استأذنها قبل العقد حتى لو قالت بعد ذلك: لا أرضى، و لم يعلم به الولي فزوّجها، صح؛ لأن التوكيل لا ينعزل حتى يعلم". (ردالمحتار: ۳/۵۸، ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹٦، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "فللموكل العزل متى شاء ما لم يتعلق به حق الغير، بشرط علم القاضي". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۵/۵۳٦، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل، سعيد)
(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۶۳۷، كتاب الوكالة، الباب التاسع فيما يخرج به الوكيل عن الوكالة، رشيديه)
(وكذا في فتح القدير: ۸/۱۳۷، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل، مصطفى البابي الحلبي مصر)

لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا، خبر پانے پر لڑکی نامنظور کردے تو فوراً ختم ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۸ھ۔

لڑکی کے انکار کے باوجود اس کا نکاح پڑھ دینا

سوال[۵۸۰۴]: ایک لڑکی جس کی شادی ہوچکی ہے اس کی عمر ۲۲/ سال ہے، وہ اپنے ماں باپ کے یہاں تھی جب کہ اس کا شوہر انتقال کرگیا۔ اس اطلاع کے ملنے پر وہ سسرال آئی، جہاں پر اس نے اپنے شوہر کی مہر بخشی اور عدت کے دن پورے کئے۔ عدت پوری ہونے کے بعد اس لڑکی کو اس کے ایک دیور سے (جس کی عمر ۱٦/ سال ہے اور وہ شادی شدہ ہے) نکاح کرنے پر مجبور کیا، لیکن اس نے صاف انکار کردیا۔ مجبور کرنے والے لڑکی کے سسرال والے ہی تھے۔

لڑکی کا منشاء شوہر کے چچازاد بھائی سے نکاح کرنے کا تھا، لیکن ان آدمیوں نے لڑکی کی کوئی بات نہیں سنی اور امام صاحب سے کہا کہ رجسٹر لاکر زبردستی لڑکی کا انگوٹھا لگوالو اور اسی دن رات کے نو بجے انہوں نے اَور آدمیوں کو جمع کیا کہ ہمارے نکاح میں سب ہی کو جمع ہونا ہے۔ ایک وکیل دو گواہ لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کے لئے آئے جو کہ اس لڑکی کے جیٹھ وغیرہ گئے تھے، انہوں نے لڑکی سے اجازت مانگی، لیکن لڑکی نے صاف انکار کردیا۔ وکیل اور گواہوں نے یہی بات آکر تمام آدمیوں میں بتلائی کہ وہ صاف انکار کرتی ہے۔ اس پر لڑکی کے سسر نے کہا کہ دوسرے آدمی کو بھیجو، یہ آدمی جھوٹ بولتے ہیں۔ تین آدمی اَور بھیجے گئے، لیکن لڑکی نے صاف انکار کردیا۔ واپسی پر ان آدمیوں نے وہی سب کے سامنے بتلادیا۔

اس کے بعد پرانے بزرگ ۸۰، ۹۰/ سال کی عمر کے بھیجے گئے، ان کے سامنے لڑکی شرم کی وجہ سے بول

---

(۱) "لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب و سلطان بغیر إذنها بکراً کانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء، ۱/۲۸۷، رشیدیه)

"وإن زوّجها بغیر استیمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف علی رضاها". (ردالمحتار: ۳/۵۸، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۱۹۹، کتاب النکاح باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

نہ سکی اور کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ رونے لگی۔ یہی بات انہوں نے آکر سب کے سامنے بتلائی کہ لڑکی رو رہی ہے، کچھ بول نہیں رہی ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ چپ رہنے پر اور رونے پر نکاح جائز ہے۔

آپ یہ مسئلہ بتائیں کہ لڑکی جن آدمیوں سے بولتی تھی، ان سے اس نے کہا کہ خدا واسطے میرے باپ یا بھائی کو بلوادو، جیسا وہ کہیں گے ویسا ہی کروں گی، کسی نے بھی اس بات پر عمل نہیں کیا اور امام صاحب نے اس لڑکی کا نکاح اس کے شادی شدہ دیور سے پڑھادیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟ امام صاحب اور لڑکے والے اور صرف ۸۰، ۹۰/ سال کے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہوا۔ امام صاحب جنہوں نے یہ نکاح پڑھایا ہے تاش وشطرنج کھیلتے ہیں۔ یہ نکاح مسجد میں پڑھایا گیا ہے۔ یہ تمام حالات حلف سے کہتی ہوں۔ برائے کرم مطلع فرمائیں کہ یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بالغ لڑکی ن شادی ہوگئی، شوہر کے ساتھ رہ چکی، پھر بیوہ ہوگئی تو بعد عدت اس کے نکاح کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے، بغیر اس کی اجازت کے اس کے نکاح کا کسی کو حق حاصل نہیں (۱)۔ اگر اجازت لی جائے تو اس کے جواب میں اس کا خاموش رہنا اجازت شمار نہیں ہوگا، یعنی اس کا ولی اس کا باپ اس سے پوچھے تب بھی خاموشی کافی نہیں۔ اگر کوئی آدمی جو کہ نہ ولی ہے نہ ولی کا قائم مقام پوچھے تو کسی حال میں بھی خاموشی کو اجازت قرار نہیں دیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتی تستأمر". و عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "الثيب أحق بنفسها من وليها". (مشكوة المصابيح: ۲/۲۷۰، كتاب النكاح، باب الولی فی النكاح واستيذان المرأة، قديمی)

(۲) "(فإن استأذنها غير الأقرب) كأجنبی أو ولی بعيد (فلا) عبرة لسكوتها (بل لا بد من القول كالثيب) البالغة". (الدر المختار: ۳/۶۲، كتاب النكاح، باب الولی، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲/۴۹۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولو استأذن الثيب، فلا بد من رضاها بالقول". (الهداية: ۲/۲۱۵، كتاب النكاح، باب فی الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علميه ملتان)

صورت مسئولہ میں دریافت کرنے والے نہ ولی ہیں، نہ ولی کے قائم مقام ہیں، بلکہ محض اجنبی ہیں، ان کے دریافت کرنے میں خاموشی کو اجازت شمار کرنا بالکل غلط اور مسئلہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں یہاں تو لڑکی پہلے دو مرتبہ صاف انکار کر چکی ہے، پھر بوڑھے آدمیوں کے دریافت کرنے پر رو رہی ہے، تو اس کو اجازت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، یہ نکاح فضولی ہوا، یعنی ایجاب وقبول کے بعد لڑکی نے رضامندی ظاہر کر دی تو صحیح ہوگیا، اگر چہ پہلے انکار کر چکی تھی۔ اگر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ کہہ دیا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں تو جب ہی ختم ہوگیا، شرعاً اس نکاح کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی، اس لڑکی کو پورا اختیار ہے دوسری جگہ نکاح کر لے(۱)۔

اگر (نہ) رضامندی ظاہر کی نہ اس کو نامنظور کیا، بلکہ اب تک خاموش ہے تو اب بھی نامنظور کر سکتی ہے(۲)۔ جو لوگ لڑکی پر ظلم کر رہے ہیں وہ سخت مجرم ہیں، ان کو خدا سے ڈرنا چاہئے، سخت وبال کی چیز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۸ھ۔

---

(۱) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب و سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۷، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

"(و تزويج العبد والأمة بغير إذن مولاهما موقوف) فإن أجازه المولى جاز، وإن ردّه بطل. وكذلك لو زوج رجل امرأةً بغير رضاها، أو رجلاً بغير رضاه) و هذا عندنا، فإن كل عقد صدر من الفضولي و له مجيزٌ، انعقد موقوفاً على الإجازة، فإذا أجاز مَن له الإجازة، ثبت حكمه مستنداً إلى العقد". (فتح القدير: ۳/۳۰۷، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۹۷ كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، سعيد)

(۲) "عن خنساء بنت خذام أن أباها -رضي الله تعالىٰ عنهما- زوّجها و هي ثيب، فكرهت ذلك، فأتت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فردّ نكاحها". .... و عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: إن جاريةً بكراً [أي و هي بالغة] أتت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فذكرت أن أباها زوّجها وهي كارهة، فخيّرها النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۷۰، ۲۷۱، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستئذان المرأة، قديمي)

اجازتِ نکاح میں دل کی خواہش کا اعتبار ہے یا زبان کا؟

سوال[۵۸۰۵]: ایک قوم مثلاً راجپوت رانگھڑ وغیرہ جو کہ نکاحِ بیوہ بیاہ کرنا بُرا جانتے ہیں اور بسببِ جہالت کے عورتیں بھی اپنے منہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتیں، بلکہ وہ وقتِ نکاح لوگوں کے سامنے انکار کر دیتی ہیں، یعنی ظاہراً صاف انکار کرتی ہیں، مگر دل میں خواہش یقیناً ہوتی ہے۔ اس حالت میں کہ ظاہراً انکار کرتی ہو تو نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

حافظ مظہر حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ کے نکاح کو عار سمجھنا سخت جہالت ہے، عورتوں کو مسائل سمجھا کر جہاں تک ہوسکے اس رواج کو توڑنا چاہیے۔ جو عورت زبان سے انکار کرتی ہے اور دل میں نکاح کی خواہش رکھتی ہے تو شرعاً اس کی زبان کا اعتبار ہوگا، پھر اگر نکاح ہونے پر اس نے زبان سے انکار کیا تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اگر انکار نہیں کیا بلکہ خاموش رہی اور شوہر کیساتھ راضی ہوگئی تو نکاح صحیح ہوگیا:

"الولي إذا زوج الثيب فرضيت بقلبها و لم تظهر الرضا بلسانها، كان لها أن ترد؛ لأن المعتبر فيها الرضا باللسان أو الفعل الذي يدل على الرضا نحو التمكين من الوطيء و طلب المهر و قبول المهر، اهـ". شامی: ۴۶۶/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الولي: ۲۲/۳، ۲۳، سعيد)

"الثيب تُشاور: أي يطلب رأيها، والمشاورة لا تكون إلا بالقول، ثم هي مفاعلة، فتقتضي وجوده من الجانبين، لكنّ حصرها في القول فيه نظر. بل قد تكون بغيره لقولهم: رضى الثيب كما يكون بالصريح كرضيت أو أوجبت، يكون بالدلالة كطلب المهر أو النفقة أو تمكينها من الوطء .... والثيب تعرب عن لسانها. وأما الدلالة فالحق أنها من قبيل القول إلا بالتمكين، فيثبت به بدلالة إلزام القول". (النهر الفائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۵/۲، ۲۰۶، إمداديه ملتان)

عورت کی طرف سے اجازتِ نکاح کا سننا

سوال[۵۸۰۶]: ایک بالغہ عورت کا نکاح ایک وکیل، دوشاہد کو لے کر ایک مولوی صاحب نے پڑھادیا، نکاح کے بعد دوشاہدوں میں سے ایک سے پوچھا گیا کہ تم نے نکاح کے وقت عورت کے منہ سے اذن سنا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے عورت کے منہ سے کوئی لفظ اذن کا نہیں سنا۔ اس پر ایک عالم نے کہا کہ یہ نکاح شرعاً معتبر نہ ہوگا، اس پر ایک شادی شدہ شخص نے اس عالم کو گالیاں دیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟ جس شخص نے عالم صاحب کو گالی دی اس پر شرعاً کیا حکم وارد ہوتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص شریعت کے کسی مسئلہ کا انکار کرے تو اس کو شرعاً کیا کہا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کا ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہوا اور عورت نے اس کو نامنظور نہیں کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اگرچہ وکیل کے دریافت کرنے پر گواہوں نے عورت سے اجازت کو نہ سنا ہو، وہ اجازت کے گواہ ہیں، ایجاب وقبول کے گواہ نہیں (۱)۔ عورت کی طرف سے جس قاضی نے ایجاب کیا اور مرد نے اس کو قبول کیا، اس کو تو سننے والے موجود ہیں، بس یہ کافی ہے (۲)۔ عالم کے علم کا احترام لازم ہے، ان کو کیا کسی معمولی انسان کو بھی گالی دینے کی اجازت نہیں، جس نے گالی دی ہے اس کو لازم ہے کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر معافی طلب کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۱۳۹۶ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، ۳/۲۰۲، ۲۰۳، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح''۔)

(۲) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر .... (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر و حرتين (مكلفين سامعين قولهما معاً)". (الدرالمختار: ۳/۹، ۲۱، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۳۶ – ۱۵۵، كتاب النكاح، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۵۲، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تلمزوا أنفسكم و لا تنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان، ومن لم يتب فأولئك هم الظالمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

1

اجازتِ نکاح بالفعل

سوال[۵۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل میں:

۱...... ایک نابالغہ لڑکی جس کے ماں، باپ دادا انتقال کر چکے ہیں، صرف ایک چچا موجود ہیں، وہ اپنے نانا کے یہاں رہتی تھی۔ بالغ ہونے کے بعد اس کے نانا نے اس کا نکاح کر دیا، لیکن لڑکی سے نکاح کرتے وقت نہ اجازت لی گئی اور نہ اسے اس کی اطلاع دی گئی اور اگر دریافت کیا بھی جاتا تو شرم وحیاء کی وجہ سے شاید اس کا جواب بھی نہ دیتی، چونکہ اس اطراف میں اس کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اس کو یونہی اپنے نکاح کی اطلاع ہوگئی تھی اور وہ اس پر بالکل راضی تھی، مگر زبان سے نہ اس نے اپنی رضا کا اظہار کیا اور نہ کسی شخص نے اس سے دریافت کرنے کی زحمت گوارا کی۔

اس صورت میں اس کا نکاح منعقد ہوگیا کہ نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو اب تک میاں بیوی کے جو تعلقات تھے وہ کیسے تھے؟ کیا اس لاعلمی کی وجہ سے وہ ناجائز تعلقات کے مواخذہ سے بچ جائیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے نہ زبان سے اجازت دی نہ زبان سے رد کیا، بلکہ مباشرت کے وقت رضا متحقق ہوگئی تو یہ نکاح نافذ ولازم ہوگیا بشرطیکہ کوئی اور مانع موجود نہ ہو، کیونکہ رضا جس طرح قول سے ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح فعل سے بھی: "إذا ثبت الرضاء بالقول يثبت بالتمكين من الوطي بالأولى". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۴ھ۔

---

(۱) العبارة بأسرها: "(أو مافي معناه، الخ) لكن أجاب في الفتح بأن الحق أن الكل من قبيل القول إلا التمكين، فيثبت دلالةً؛ لأنه فوق القول: أي لأنه إذا ثبت الرضا بالقول يثبت بالتمكين من الوطء بالأولى؛ لأنه أدلّ على الرضا". (ردالمحتار، باب الولي: ۶۲/۳، سعيد)

"بل رضاها هنا يتحقق تارةً بالقول كقولها: رضيتُ ...... و تارةً بالدلالة كطلب مهرها و نفقتها أو تمكينها من الوطء ...... ان الكل من قبيل القول إلا التمكين، فيثبت بدلالة نص إلزام القول؛ لأنه فوق القول". (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۳/۳، ۲۰۴، رشيديه) =

نامحرم وکیل یا گواہوں کا اجازت کے لئے لڑکی کے پاس جانا

سوال[۵۸۰۸]: مجموعۂ ادعیۂ ماثورہ ۵۳ ازمولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی میں تحریر ہے کہ: ''نکاح کی اجازت لینے کے لئے وکیل اور اس کے گواہ کا محرم ہونا ضروری ہے اور گواہ اجازت کا درجہ استحباب کا ہے، لہٰذا اگر گواہ محرم نہ ہوں تو اذن پر گواہ بنانا ترک کرنا ضروری ہے''۔ کیا حقیقت میں لڑکی سے اجازت نکاح لینے کے لئے وکیل وگواہ کا محرم ہونا ضروری ہے اور اگر محرم گواہ نہ ہو تو لڑکی سے اجازت صرف محرم وکیل لے اور گواہ غیر محرم نہ بنائے، یہ حکم احتیاطی اور تقویٰ کے طور پر ہے یا بالکل ضروری اور لازم ہے، اگر کوئی بھی محرم نہیں تو پھر وکیل غیر محرم ہو سکے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب لڑکی بالغہ ہو اور اس کا ولی موجود ہو تو خود لڑکی سے اجازت لے لے یعنی اس سے کہہ دے کہ میں فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کرتا ہوں تم کو منظور ہے؟ اس پر اگر لڑکی اجازت دیدے یا خاموش رہے تو بس اتنا کافی ہے، اس کے لئے نہ گواہ کی ضرورت ہے نہ وکیل کی (۱)۔ اگر ولی موجود نہ ہو تو لڑکی اپنے کسی محرم کو

= "إلا أن ترضى بلسانها أو يوجد ما يدل على الرضا من الوطء أو التمكين منه طوعاً". (فتح القدير: ۲۸۳/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۹۹/۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإنما يبطل خيارها إذا رضيت بالنكاح صريحاً، أو يوجد منها فعل يستدل به على الرضا كالتمكين من الجماع". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۶/۱، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه)

"وكذا إذا أمكنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولي، فهو رضا". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۷/۱، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۱) "(فإن استأذنها هو): أي الولي -وهو السنة- (أو وكيله .... فسكتت أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت، فهو إذن إن علمت بالزوج، لا) العلم (بالمهر)، وقيل: يشترط، وهو قول المتأخرين". (الدر المختار: ۵۸/۳-۶۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"وإذا قال لها الولي: أريد أن أزوجك من فلان بألف، فسكتت .... فالسكوت منها رضا". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۷/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

وکیل بنادے، اس کے لئے بھی کوئی گواہ ضروری نہیں۔ اگر کوئی محرم بھی موجود نہ ہوتو وہ غیرمحرم کو بھی بذریعہ تحریر یا زبانی پسِ پردہ سے وکیل بنادے تب بھی کافی ہے، یا خود لڑکے ہی کو وکیل بنادے کہ آپ میرا نکاح اپنے سے کرلیں خواہ زبانی یا بذریعہ تحریر، یہ سب صورتیں درست ہیں (۱)۔ قابلِ لحاظ بہرصورت یہ چیز ہے کہ نامحرم وکیل بن کر یا گواہ بن کر لڑکی کے پاس بے پردہ نہ جائے (۲)، غالباً مقصدِ کلام (ادعیہ ماثورہ کا) یہی ہے، اس میں لفظ ''ضروری ہے'' اس حکم کی وضاحت کردی کہ لازم ہے: ''أما الشهادة على التوكيل بالنكاح، فليست بشرط لصحته، اهـ''. ردالمحتار: ۲/۲۷۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

استیذان پر کسی اور کا اقرار کرلینا اور اذن کی صورتیں

سوال [۵۸۰۹]: زید کا عقد ہندہ کے ساتھ ہوا، چند دنوں کے بعد ہندہ نے یہ اقرار کیا کہ قاضی کے پوچھنے پر میں نے ''ہاں'' نہیں کہا تھا بلکہ محلّہ کی فلاں عورت نے کہہ دیا تھا، لیکن میں اس عقد پر راضی تھی اور اب بھی ہوں، اس وقت محض شرم کی بنا پر نہیں کہا تھا، یہ واضح رہے کہ آج کل عام ابتلاء اس میں ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عقد درست ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اعادہ میں کیا پھر بارِ اول کی طرح اعلان کی حاجت ہے، یا محض دو تین آدمیوں کے سامنے کردینا کافی ہے؟ اگر خلوت کے بعد اس صورت کا علم ہوتو اس کا کیا حکم ہے؟ اب

---

(۱) ''يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود .... امرأة قالت لرجل: زوّجني ممن شئتَ، .... وكلت رجلاً بأن يتصرف في أمورها .... لو وكلته بتزويجها، لا يملك أن يزوجها من نفسه .... امرأة وكلت رجلاً بأن يزوجها من نفسه، فقال: زوجت فلانةً من نفسي، يجوز وإن لم تقل قبلت''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۴، ۲۹۵، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۱، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من ورآء حجاب﴾ (سورة الأحزاب: ۵۳)

(۳) (رد المحتار: ۳/۲۱، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحّفة نحو تجوّزت، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۴، كتاب النكاح، الباب السادس، رشيديه)

تو نکاح کے علی الاعلان اعادہ میں رسوائی بھی ہے؟ اور اگر ہندہ نے ہنس دیا ہو یا رو دیا ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟ لیکن بوجہ پردہ کے قاضی کو ان سب باتوں کا علم نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ہندہ بوقتِ عقد نابالغہ تھی تب تو اس کی رضا وعدم رضا کا صراحۃً بھی کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس کے عقد کا اختیار من کل الوجوہ ولی کو ہے (۱)۔ اگر وہ بوقتِ عقد بالغہ تھی تو اس کی دو صورتیں ہیں: باکرہ تھی یا ثیبہ۔ اول صورت میں اس کا سکوت، تبسم، بلا استہزاء ہنسنا، بلا صوت رونا، یہ جملہ امور صریح اذن کے حکم میں ہیں، بشرطیکہ مستاذن ولی ہو، یا اس کا وکیل ہو، یا اس کا رسول ہو۔ یہی حکم اس وقت ہے جب کہ ولی نے بغیر استیذان نکاح کر کے خود اس کو اطلاع کر دی ہو یا اس کے رسول یا کسی غیر شخص نے بشرطیکہ وہ عادل ہو اطلاع کی ہو۔

اگر مستاذن ولیٔ اقرب اور اس کے رسول کے علاوہ کوئی اور شخص ہو مثلاً ولی ابعد ہو یا اجنبی، تو سکوت کافی نہیں، بلکہ صریح قول یا کوئی ایسا فعل جو کہ رضا پر دلالت کرنے میں بمنزلۂ قول کے ہو ضروری ہے جیسے مہر اور نفقہ کا طلب کرنا اور ہمبستری پر قدرت دینا۔ ثانی صورت میں یعنی جب کہ وہ ثیبہ ہو تب بھی سکوت کافی نہیں ہوتا، بلکہ قول یا بمنزلۂ قول ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے تجدید عقد کی ضرورت پیش آئے تو دو گواہوں کی موجودگی میں کافی ہے (۲)۔

"فإن استأذنها هو: أي الولي -وهو السنة- أو وكيله أو رسوله أو زوجها وليّها، وأخبرها رسوله أو فضوليٌّ عدلٌ، فسكتت عن رده مختارةً أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت، فهو إذن. فإن استأذنها غير الأقرب كالأجنبي أو ولي بعيد، فلا عبرة لسكوتها بل لا بد من القول كالثيب البالغة أو ما هو في معناه من فعل يدل على الرضى كطلب

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "کس کس کے استیذان پر سکوت اذن ہے؟")

(۲) "(هو ...... ينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر ...... وشرط سماع كل العاقدين لفظ الآخر) ليتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر و حرتين (مكلفين، الخ)". (الدر المختار: ۳: ۹ - ۲۱، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/ ۵ - ۱۱، كتاب النكاح، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳: ۱۳۲، ۱۵۵، كتاب النكاح، رشيديه)

مہرھا ونفقتھا و تمکینھا من الوطئ و دخولہ بھا برضاھا و قبول التھنئۃ ......الخ". درمختار مختصراً(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۶/۶۰ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۶۰ھ۔

کس کس کے استیذان پر سکوت اذن ہے؟

سوال[۵۸۱۰]: ایک مقام پر نکاح کے وقت لڑکی کے پاس گواہ اور وکیل بن کر چند آدمی استیذان کے واسطے گئے، مگر وہ لڑکی خاموش رہی اور ان لوگوں نے اس کا نکاح پڑھوادیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ استیذان کے وقت لڑکی کی خاموشی اجازت شمار کی جاتی ہے۔ اس میں ذیل کی صورتوں کو واضح فرمایا جائے:

۱......استیذان کے وقت کونسی عورت کی خاموشی اذن قرار دیجاتی ہے، بیوہ کی یا کنواری کی؟

۲......اس معاملہ میں نابالغ لڑکی کا کیا حکم ہے؟

۳......استیذان کے وقت عورت کی خاموشی اذن سمجھی جاتی ہے وہ کن کن اولیاء کے استیذان کے وقت سمجھی جاتی ہے؟

۴......اولیاء کی تفصیل بیان فرما کر بیان فرمایا جائے کہ ولی اقرب کون کون ہوتے ہیں اور ولی ابعد کون کون ہوتے ہیں؟

۵......اگر بھائی، تایا چچا کے استیذان کے وقت عورت خاموش رہی تھی تو اس کی خاموشی رضا سمجھی جائے گی یا نہیں اور ایسا نکاح شرعاً منعقد ہوگا یا نہیں؟

۶......بعض جگہ یہ دستور ہے کہ اول لڑکے سے ایجاب وقبول کرایا جاتا ہے، اور اس کے بعد شکر پر یا کچے چاولوں پر کچھ قرآن مجید کی آیات پڑھ کر لڑکی کے پاس بھیج دیتے ہیں جس سے اس کو یہ اطلاع دینا مقصود

---

(۱) (الدرالمختار: ۵۸/۳ - ۶۳، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: ۲/۲۸ - ۳۲، باب الولی، کتاب النکاح، دارالمعرفۃ، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۹۲/۲، ۲۰۲، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیہ)

ہوتا ہے کہ تیرا نکاح ہوگیا۔ اس وقت یا اس سے قبل لڑکی سے کچھ نہیں کہا جاتا، یعنی اس سے اجازت کے واسطے اس کے پاس کوئی نہیں جاتا۔ جملہ جوابات مزین بالدلائل الشرعیہ فرما کر واپس فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....کنواری کی (۱)۔

۲.....اقرار، انکار سب کا حکم ایک سا ہے یعنی کوئی اعتبار نہیں (۲)۔

۳.....جس کو اختیارِ اجبار ہے اس کا وکیل ہو یا رسول ہو (۳)۔

---

(۱) "(فإن استاذنها هو): أى الولى –وهو السنة– (أو وكيله أو رسوله أو زوجها) وليها وأخبر رسوله أو فضولى عدل (فسكتت) عن رده مختارةً (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلاصوت، فهو إذن)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولى: ۵۸/۳، ۵۹، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية. ۲۸۷/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۱۹۶/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "للولىّ الصغير والصغيرة أن ينكحهما وإن لم يرضيا بذلك، سواء كانت بكراً وثيباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء: ۲۸۵/۱، رشيديه)

"(وللولى إنكاح الصغير والصغيرة) جبراً (ولو ثيباً ولزم النكاح)". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أى بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار فى تزويج الأب والجد". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۶۵/۳، ۶۶، سعيد)

(۳) "فإن استاذنها هو: أى الولى –وهو السنة– (أو وكيله أو رسوله أو زوجها) وليّها وأخبرها رسوله أو فضولى عدلٌ". (الدرالمختار: ۵۸/۳، ۵۹، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد)

"فإن استاذنها الولى فسكتت ..... فهو إذن و إن استأذنها غيرالولى فلا بد من القول".

"والمراد بالولى من له و لاية الاستحباب ... و دخل تحت غير الولى الولىُّ الأبعد مع الأقرب ... و ليس للأبعد مع وجود الأقرب ذلك فهو غير ولى". (البحر الرائق: ۱۹۲/۳، ۱۹۶، ۲۰۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"كل هؤلاء (أى الولى العصبة بترتيب الإرث) تثبت لهم ولاية الإجبار على البنت والذكر فى حال صغرهما و حال كبرهما إذا جنا". (البحر الرائق: ۲۱۰/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

۴......ولی عصبہ بنفسہ ہے بترتیب میراث وحجب:"الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثی علی ترتیب الإرث والحجب، فیقدم ابن المجنونة علی أبیها؛ لأنه یحجبه حجب نقصان، هذا عندهما، خلافاً لمحمد حیث قدم الأب. وفی الهندیة عن الطحاوی: أن الأفضل أن یأمر الأب الابن بالنکاح حتی یجوز بلا خلاف، اهـ. وابن الابن کالابن، ثم یقدم الأب، ثم أبوه، ثم الأخ الشقیق ثم لأب .... ثم ابن الأخ الشقیق ثم لأب، ثم العم الشقیق ثم لأب، ثم ابنه کذلك، ثم عم الأب کذلك، ثم ابنه کذلك، ثم عم الجد کذلك، ثم ابنه کذلك. کل هؤلاء لهم إجبار الصغیرین و کذا الکبیرین إذا جنا، ثم المعتق و لو انثی، ثم ابنه وإن سفل، ثم عصبته من النسب علی ترتیبهم. بحر عن الفتح وغیرهم. اهـ". شامی بقدر الحاجة: ۲/۲۸۰(۱)۔

اس میں "ثم" کے ذریعہ ولی قریب وبعید کی ترتیب بھی بیان کردی۔

۵......ان سے قریب کوئی ولی موجود ہے اورانہوں نے بغیر وکالت ورسالت کے استیذان کیا ہے تو کنواری کا سکوت معتبر نہیں:"فإن استاذن غیرالأقرب، فلاعبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب أو ما هو فی معناه، اهـ". در مختار: ۲/۴۶۵(۲)۔

بلکہ قول یا کوئی ایسا فعل جورضا مندی پر دلالت کرے قول کے مثل فعل ہوسکے جیسے طلب مہر ونفقہ اور تمکینِ وطی وغیرہ ضروری ہے(۳)۔

۶......یہ محض رسم وخلافِ سنت ہے اس کوترک کرکے سنت پر عمل کرنا چاہئے یعنی قبل از نکاح استیذان کیا جاوے:

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۷۶، کتاب النکاح، باب الولی، مطلب فی فرق النکاح، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۱۰، کتاب النکاح،باب الأولیاء والأکفاء رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۳، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۳/۶۲، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۱۹۶، ۲۰۲،۲۰۵، کتاب النکاح،باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(۳) (راجع للتخریج رقم الحاشیة: ۱)

"(قوله : وهوالسنة) بأن تقول لها قبل النكاح: فلانٌ يخطبك أو يذكرك، فسكتت. وإن زوجها بغير استشار، فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها. بحر عن المحيط". درمختار: ۲/ ٤٦١(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵۹/۱۲/۲۱ھ۔

غیر ولی کے استیذان میں سکوت اذن نہیں

سوال[۵۸۱۱]: ہندہ بالغہ اور مطلقہ ہے، عدت گذر جانے کے بعد ایک دور کے رشتہ کے چچا سے نکاح ہوا۔ یہ بالغہ ہندہ قبل نکاح اس چچا کے ساتھ نکاح سے قبل راضی نہ تھی، ہندہ کا ولی سوا اس کی ماں اور ماموں کے کوئی نہ تھا، زید نے بغیر اجازت ہندہ کی ماں اور ماموں کے ولی ہوکر محمد سمیر کو وکیل بنایا اور دو گواہ بھیجے۔ جب وکیل سمیر نے لڑکی ہندہ سے اذن طلب کی تو اس نے سکوت اختیار کیا، تین مرتبہ پوچھا اس نے جواب نہیں دیا، ملاجی نے نکاح پڑھادیا۔

لڑکی کہتی ہے کہ اجبار شریعت کہاں جائز رکھتی ہے؟ میں نکاح ہونے سے قبل راضی نہ تھی اور جس وقت سمیر میرے پاس آیا، میں نے اس کو اپنی طرف سے وکیل نہیں بنایا، حتی کہ اس سے بات بھی نہیں کی، پھر میرا نکاح کہاں ہوا؟ اس واقعہ کو ایک مولوی صاحب کے سامنے پیش کیا، مولوی صاحب نے رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ص: ۳۰۹ "مصری مطبوعہ ۱۳۲۳ء کی دلیل پر:

"فإن استأذنها غير الأقرب كأجنبي أو ولي بعيد، فلا عبرة لسكوتها بل لا بد منه القول"(۲)۔ وأيضاً في الهداية، ص: ۲۹٤، في المطبع المجتبائي الواقع في الدهلي: "قال وإن

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/ ۵۸، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۹۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/ ۲۸، كتاب النكاح، باب الولي، دار المعرفة، بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۳/ ۶۲، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

فعل هذا غير الولي، لم يكن رضا حتى تتكلم به"(۱)۔ پہلے نکاح کوعدم الجواز کا فتویٰ دیکر ہندہ کا دوسرے کے ساتھ نکاح کرادیا۔ دونوں میں کون صحیح ہوگا؟ جلداز جلدارسال فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلا نکاح حسب تحریر مولوی صاحب ناجائز ہوا یعنی منعقد نہیں ہوا (۲)۔ پھر اگر دوسرا نکاح ہندہ کی اجازت سے ہوتو وہ درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۲/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/صفر/ ۶۷ھ۔

استیذانِ ولی کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں

سوال[۵۸۱۲]: ہمارے یہاں شادیوں میں دولہا والے کی جانب سے دوشاہد رضامندی دولہن کی سننے کے لئے وکیل کے ساتھ عورتوں کے مجمع میں جاتے ہیں اور والدین کی جانب سے مہینوں پیشتر نسبت طے شدہ ہوتی ہے، دولہا اور دولہن کی جانب سے کبھی انکار کا موقعہ اب تک نہیں آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ بذاتِ خود

---

(۱) (الهداية: ۲/۳۱۴، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علميه)

(۲) "فإن استأذنها غير الأقرب كأجنبي أو ولي بعيد، فلا عبرة لسكوتها بل لا بد من القول كالثيب".

(الدرالمختار: ۳/۶۲، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۹۶، ۲۰۲ - ۲۰۵ كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۹۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن كان لها ولي أقرب من المزوج، لايكون السكوت منها رضا، ولها الخيار إن شاءت رضيت، وإن شاءت ردت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(۳) "ونفاذ عقد الفضولي بالإجازة يجعله في حكم الوكيل". (رد المحتار: ۳/۹۵، كتاب النكاح، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، سعيد)

"أو وكلت رجلاً بالتزويج فتزوجها، أو زوجها فضولي، فأجازت، جاز". (بدائع الصنائع، ۳/۳۶۹، كتاب النكاح، فصل في ولاية الندب، دارالكتب العلمية بيروت)

باپ لڑکی کی جانب سے وکیل رہے اور نکاح کی مجلس میں نکاح پڑھانے والے سے اپنی ایجاب پیش کردے تو اس حالت میں بغیر شاہدوں کے نکاح ہوجائے گا؟ مزید سنا گیا ہے کہ باپ بذاتِ خود وکیل ہوتو شاہدوں کی ضرورت نہیں رہتی۔لہٰذا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر میں تمہارا نکاح کرتا ہوں تم کو منظور ہے، اس پر اگر لڑکی صاف اجازت دیدے یا خاموش رہے یعنی عدم رضا ظاہر نہ کرے تو بس اتنی بات کافی ہے، اس کے لئے شاہدوں کی ضرورت بھی نہیں، پھر باپ جب مجمع میں ایجاب وقبول کرائے یا اس کی اجازت سے قاضی ایجاب وقبول کرائے تو نکاح بلاتکلف صحیح ہوجائے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(قوله: أي توكيل في الأول): أي فيما إذا استأذنها قبل العقد، حتى لو قالت بعد ذلك: لا أرضى، ولم يعلم به الولي، فزوجها، صح، كما في الظهيرية؛ لأن التوكيل لا ينعزل حتى يعلم. بحر". (ردالمحتار: ۵۹/۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"ولو قال لها وليها: إني أريد أن أزوجك من فلان، فقالت: يصلح، فلما خرج الولي، قالت: لا أرضى، ولم يعلم الولي بقولها حتى زوجها من فلان، صح". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۸/۱، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه)

"أما الشهادة على التوكيل بالنكاح، فليست بشرط لصحته كما قدمنا عن البحر، وإنما فائدتها الإثبات عند جحود التوكيل". (ردالمحتار: ۲۱/۳، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوّزت، سعيد)

"يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۴/۱، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، رشيديه)

باب خیار البلوغ وحدہ

(خیارِ بلوغ اور اس کی حد کا بیان)

خیارِ بلوغ

سوال[۵۸۱۳]: جہاں پر حکومت غیر مسلم ہو اور شرعی بااختیار قاضی کی جگہ غیر مسلم اور غیر شرعی حاکم ہو تو حالتِ موجودہ میں کیا صورت ہوگی، یعنی زید کا نکاح بزمانۂ نابالغی ایک نابالغہ لڑکی کے ساتھ اس لڑکی کے بھائی نے باپ کے انتقال کے بعد کردیا، لڑکی نے بوقتِ بلوغ اس نکاح سے بیزاری کا اعلان کردیا اور اس کی اطلاع شوہر اور اس کی والدین کو کردی گئی۔ لڑکی اس نکاح سے کسی صورت میں رضامند نہیں، وہ بموجبِ استحقاقِ شرع شریف عقد دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں کیا صورت ہوگی؟

المرسل: والسائل محمد ظفر الحق، ساکن ایٹہ خاص، دوکاندار جفت فروش۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے فوراً بوقتِ بلوغ اس نکاح سے ناراضگی ظاہر کردی اور شوہر کے یہاں جانے کے لئے رضامند نہیں تو اس کو چاہیئے کہ اس مقدمہ کو کسی مسلمان حاکم عادل بااختیار کے یہاں پیش کرے اور وہ حاکم اس نکاح کو فسخ کردے، بغیر حاکم مسلم فسخ کیے فسخ نہ ہوگا اور جب فسخ کردے تو وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے:

"وإن زوجها غير الأب والجد، فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ، إن شاء أقام على النكاح، وإن شاء فسخ، يشترط فيه القضاء". هدایه: ۲/۲۹۷(۱)۔

---

(۱)(الهداية، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۲/۳۱۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/۲۷۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اگر اس جگہ حاکم مسلم با اختیار نہ ہو تو دوسری جگہ جہاں حاکم مسلم ہو وہاں نکاح فسخ کرانا چاہیئے اور چونکہ شوہر کے ساتھ جماع یا خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہیں آئی، اس لئے عدت واجب نہ ہوگی (۱)، فسخ کے بعد فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ نہیں

سوال[۵۸۱۴]: زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تھا، ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکا نابالغ دوسری شادی کر رہا ہے اور اس لڑکی کی رخصتی نہیں کراتا۔ کیا لڑکی بالغ ہونے پر اپنا نکاح خود فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی لڑکا اور لڑکی دونوں نابالغ ہیں، رخصتی کی کیا ضرورت ہے۔ باپ نے جو نکاح حالتِ نابالغی میں کر دیا وہ لازم اور صحیح ہوگیا اور لڑکا اور لڑکی فسخ نہیں کر سکتے۔ بالغ ہونے پر اگر لڑکا رخصتی نہ کراوے تو مسئلہ دریافت کر لیا جائے: "ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء". بحر: ۳/۱۲۰ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳۰/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "أربع من النساء لاعدة عليهن: المطلقة قبل الدخول". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

"وسبب وجوبها النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه من الخلوة". (كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۱۶، رشيديه)

قال الله تعالى: ﴿ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن، فما لكم عليهن من عدة تعتدونها﴾ (سورة الأحزاب: ۴۹)

(۲) (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/۲۱۱، رشيديه) .... =

ڈیڑھ سال بعد خیار بلوغ

سوال[۵۸۱۵]: ا...کیانابالغ لڑکی بالغ ہونے کے ڈیڑھ سال بعد اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے؟ لڑکا لڑکی کو بالغ ہونے سے پہلے طلاق دینے پر رضامند تھا، اب طلاق نہیں دیتا، نہ لڑکی کو بُلاتا ہے، نکاح نابالغی کی حالت میں ہوا تھا۔

۲.....کیا اس لڑکی کا نکاحِ ثانی بعد طلاق فوراً چند دن بعد ہوسکتا ہے، جبکہ شوہر کے گھر تک نہ گئی ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا.....اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے اس کا نکاح کردیا تھا تو بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح کو نامنظور کرکے اور اس پر گواہ بنا کر موافقِ شرع حاکم مسلم سے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اگر آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً نامنظور نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی تو اب ڈیڑھ سال بعد خیارِ بلوغ باقی نہیں رہا(۱)، اب اگر لڑکا رخصتی کرانا اور آباد کرانا نہیں چاہتا تو بہتر یہ ہے کہ لڑکی طلاق مہر کے عوض لے لے(۲)۔

= (وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۲۷۸،۲۷۷/۳ مكتبه مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۶/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وإن كان المزوج غيرهما: أي غير الأب وأبيه، لايصح النكاح من غير كفؤ، أو بغبن فاحش أصلاً. وإن كان من كفو وبمهر المثل، صح، ولكن لهما: أي لصغير وصغيرة خيار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۶۹،۶۷/۳، سعيد)

(البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۲۱۱/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۲۷۸،۲۷۷/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "إذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذافعل ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال، كذافي الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، الفصل الأول: ۴۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۴۰۴/۲ مكتبه شركة علميه ملتان)

اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور میرے حقوق ادا نہیں کرتا، مجھے نکاحِ ثانی کی اجازت دی جائے، اگر حاکم کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے تو شوہر کو حاضرِ عدالت کر کے کہے کہ تم اپنی بیوی کو رخصت کراؤ، اس کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ پھر اگر شوہر کوئی صورت اختیار نہ کرے تو حاکم مسلم بااختیار خود تفریق کر دے، یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔

اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی بطورِ پنچایت یہ سب کام کر سکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک فہیم و معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے۔ رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کا مطالعہ بھی بغور کر لیا جائے، اس میں تفصیل مذکور ہے (۱)۔

اگر نکاح باپ نے کیا تھا، یا باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے دادا نے کیا تھا تب بھی خیار بلوغ حاصل نہیں (۲)، لیکن ادائے حقوق نہ کرنے کی صورت میں طریقۂ مذکور پر فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

۴..... جبکہ شوہر سے تنہائی نہیں ہوئی اور شوہر نے طلاق دیدی، یا خیار بلوغ کی وجہ سے فسخ کرالیا، یا حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے فسخ کرالیا۔ جس کی تفصیل نمبر: ۱ میں گذری۔ تو عدت واجب نہیں، طلاق یا فسخ کے

---

(۱) (حیلہ ناجزہ، باب: حکم زوجۃ متعنت ۷۳، ۷۴، دارالاشاعت، کراچی)

"﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ أمر عزوجل بالإمساک بالمعروف، وقد عجز عن الإمساک بالمعروف؛ لأن ذلک بإیفاء حقها في الوطء والنفقة، فتعین علیه التسریح بالإحسان، فإن فعل، وإلا ناب القاضي منابه في التسریح، وهو التفریق. الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فیما یبطل به الخیار: ۳/۲۰۳، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) "وإن کان المزوج غیرهما: أي غیر الأب وأبیه، لایصح النکاح من غیر کفؤ، أو بغبن فاحش أصلاً. وإن کان من کفؤ وبمهر المثل، صح، ولکن لهما: أي لصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعده". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۶۷، ۶۹، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، باب الأولیاء والأکفاء، کتاب النکاح: ۳/۲۱۱، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، باب الأولیاء والأکفاء، کتاب النکاح: ۳/۲۷۷، ۲۷۸، مصطفی البابي الحلبي مصر)

بعد بھی دل چاہے دوسرا نکاح ہوسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۸۷ھ۔

نابالغہ کا نکاح ولی نے کیا، شوہر بداخلاق ہے، راہِ نجات کیا اختیار کیا جائے؟

سوال[۵۸۱۶]: محمد شفیع ومسماۃ عنایت بی کا نکاح بوجہ ان کی نابالغیت کے ان کے ولیوں نے اپنی اجازت سے تقریباً بارہ برس کا عرصہ ہوتا ہے کردیا تھا۔ وقتِ نکاح محمد شفیع کی عمر آٹھ سال اور مسماۃ کی عمر چار سال تھی، لیکن چونکہ محمد شفیع کی اخلاقی حالت اس قسم کی ہوگئی ہے جو شریعت کے بالکل متضاد ہے، مثلاً ڈاڑھی منڈانا، شراب پینا، نماز کا بالکلیہ نہ پڑھنا وغیرہ، گویا کہ محمد شفیع کا چال چلن نہایت خراب ہے جس کی وجہ سے مسماۃ عنایت بی کو اپنی جان وایمان وعصمت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، بلکہ یقین ہے۔ بایں وجہ مسماۃ عنایت بی محمد شفیع کے یہاں جانا ہی نہیں چاہتی، بلکہ اگر اس کو زبردستی بھیج بھی دیا جائے تو اس کا خودکشی کرلینا یقینی ہے۔

اور مسماۃ عنایت بی نکاح کے وقت سے اس وقت تک غیر مدخول بہا ہے، کیونکہ محمد شفیع کے یہاں اب تک نہ گئی ہے اور نہ خلوتِ صحیحہ ثابت ہوئی۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع شریف میں مسئلہ مذکورہ کے لئے ایسی کوئی صورت ہوسکتی ہے کہ مسماۃ عنایت بی ومحمد شفیع کے درمیان تفریق کردی جائے، جبکہ محمد شفیع نہ طلاق کے لئے رضامند ہے اور نہ خلع کرنے کے لئے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن، فما لكم عليهن من عدة تعتدونها﴾ الآية (سورة الأحزاب: ۴۹)

"وسبب وجوبها (أي وجوب العدة) النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه من الخلوة".

(مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"أربع من النساء لاعدة عليهن: المطلقة قبل الدخول. الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح مسماۃ بی کے باپ یا دادا نے کیا ہے تب تو وہ فسخ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ لازم ہو چکا ہے(۱)، اب جب تک محمد شفیع طلاق نہ دے، دوسری جگہ ہرگز ہرگز نکاح جائز نہیں (۲)، یا اس کے یہاں جائے یا اس سے طلاق حاصل کرے خواہ سمجھا کر، یا لالچ دلا کر، یا ڈرا کر جس صورت سے بھی ہو، یا خلع کرے، اور کوئی صورت نہیں (۳)۔ اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کیا ہے تو اس میں خیارِ بلوغ حاصل ہے، وہ یہ کہ اگر آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے عدمِ رضا کا کم از کم دو گواہوں کے سامنے اظہار کر دیا ہے تو حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے اپنا نکاح فسخ کرا لے:

"للصغير والصغيرة إذا بلغا وقد زُوّجا أن يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير أب ولا جد بشرط قضاء القاضي بالفرقة، بخلاف ما إذا زوجها الأب والجد، فإنه لا خيار لهما بعد بلوغهما". بحر: ۳/ ۱۲۰ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۲/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱۱، رشيديه)

(۲) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثاني: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۳/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۹/ ۶۶۴۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله، فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، الفصل الأول: ۱/ ۴۸۸، رشيديه)

(۴) (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱۱، رشيديه)

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ

سوال[۵۸۱۷]: ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے زید سے کردیا، ہندہ نے بالغ ہوکر زید کے یہاں جانے سے انکار کردیا، ہندہ نکاح کے بعد سے اب تک زید کے یہاں نہیں گئی اور نہ اب کسی طرح جانے پر رضامند ہے۔اب ایسی صورت میں شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل نہیں، والد کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ نہیں کرسکتی۔جب تک زید طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا: "وللولي إنكاح الصغير والصغيرة ولو ثيباً، ولزم النكاح: أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد. اهـ". شامی: ۲/۴۶۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں شرط کے خلاف ہونے پر بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں

سوال[۵۸۱۸]: زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح عمر کے لڑکے کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ عمر اپنی لڑکی کا نکاح میرے لڑکے کے ساتھ کردے یا کسی اَور رشتہ دار کی لڑکی سے کرادے اور زید کی لڑکی کی عمر اس وقت تین سال کی تھی، تو زید کی لڑکی نے بالغ ہونے پر فوراً انکار کردیا اور عمر نے بھی زید کی لڑکی کی شادی کا انکار کردیا، تو آیا زید کی لڑکی کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ نے جب اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا تو وہ صحیح اور پختہ ہوگیا، بالغ ہونے پر لڑکی کو اس کے فسخ

= (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۶۷، ۶۹، سعید)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، كتاب النكاح: ۳/۲۷۷، ۲۷۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۰۸، ۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

کردینے کا اختیار نہیں (۱)۔ عمر کے شرط پورا نہ کرنے کی وجہ سے اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا، یہ نکاح باطل نہیں ہوا"وهو (أي النكاح) لا يبطل بالشرط الفاسد، بل يبطل الشرط، ويصح (النكاح)، اه". شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۱۸ھ۔

چچا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ

سوال[۵۸۱۹]: امام الدین نے اپنی نابالغہ بھتیجی کا نکاح گل احمد کے ساتھ کر دیا، اس وقت منکوحہ کی عمر ساڑھے گیارہ سال کی تھی، اب جب کہ وہ ۲۱/ سال کی ہے تو اس نے تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ چچا کا نکاح کردہ چونکہ میری مرضی کے خلاف ہے، لہٰذا عدالت خیارِ بلوغ کے دفعہ کے تحت مجھے دوسری جگہ نکاح کی اجازت دے اور پہلے نکاح کو کالعدم قرار دیدے۔

لڑکی نے عدالت میں دعویٰ دائر کرنے سے پہلے کسی اجلاس یا شریعت یا قاضی کے سامنے کوئی درخواست وغیرہ نہیں دی ہے اور بلوغت کی حالت میں ۲۱/ سال تک جتنا عرصہ گزرا ہے بالکل خاموش رہی ہے۔ کیا یہ نکاح مذکورہ صورت میں قابلِ فسخ ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وللولي إنكاح الصغير والصغيرة ولوثيبًا، ولزم النكاح: أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۶۵، ۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات، مطلب فيما زوج المولى أمته: ۳/۵۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/۳۱۳، شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۲۵۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یتیمہ کا دادا یا بھائی موجود نہیں تو چچا کو ولایتِ نکاح حاصل تھی (۱)، چچا نے جو نکاح کیا وہ منعقد ہوگیا، یتیمہ کو خیارِ بلوغ حاصل تھا، اگر وہ آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے ناراضگی ظاہر کرکے اس پر گواہ بنالیتی تو اس کو بذریعۂ عدالتِ مسلمہ اس نکاح کو فسخ کرانے کا حق ہوتا، لیکن اگر اس نے بالغہ ہونے پر خاموشی اختیار کی، نکاح کو رد اور نامنظور نہیں کیا تو وہ نکاح پختہ اور لازم ہوگیا اور فسخ کرانے کا حق ختم اور کالعدم ہوگیا۔ اب اس کو چاہیے کہ اسی شوہر کے مکان پر آباد ہو (۲)۔ بلوغ کی علامت حیض ہے، یا پھر پوری پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم ہوجاتا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "والولی هو العصبة نسباً أو سبباً علی ترتیب الإرث والحجب، فیقدم الفرع وإن نزل، ثم الأصل وإن علا، ثم الأخ لأبوین ثم لأب ..... ثم العم، ثم ابنه". (ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۳۳۷، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۵۰۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۱۰، رشیدیه)

(۲) "ولهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الأب والجد بشرط القضاء: أی للصغیر والصغیرة إذا بلغا وقد زُوّجا أن یفسخا عقد النکاح الصادر من ولی غیر أب ولا جد بشرط قضاء القاضی بالفرقة". (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۷۷، ۲۷۸، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۳۳۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "وبلوغ الجاریة بالاحتلام والحیض والحبل، فإن لم یوجد فیهما شئ حتی یتم لکل منهما خمس عشر سنةً، وبه یفتی". (الدر المختار، کتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/۱۵۳، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحجر، الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: ۵/۶۱، رشیدیه)

(وکذافی البحر الرائق، کتاب الإکراه، باب الحجر، فصل فی حد البلوغ: ۸/۱۵۳، رشیدیه)

صغیرہ کے لئے خیار بلوغ

سوال[۵۸۲۰]: زید نے ایک ہندہ عورت جس کے ساتھ اس کی شیر خوار لڑکی صفیہ تھی نکاح کیا اور صفیہ شیر خوار کی پرورش بھی کرتا رہا اور پھر بصورتِ نابالغی زید نے صفیہ کا نکاح بھی کر دیا۔ زید صفیہ کے خاندان سے بھی نہیں بلکہ ہندہ اپنے آپ کو نومسلم ظاہر کرتی ہے، صفیہ نابالغہ کو بھی زید نے اس کے سسرال میں بھیج دیا، وہاں فتنہ وفساد ہوتا رہا۔ صفیہ کا خاوند کبھی صفیہ کو گھر سے نکال دیتا رہا، کبھی صفیہ خود سسرال سے نکل آتی رہی۔

اب صفیہ بالغہ ہے، اس کے خاوند نے اب اس کو گھر سے نکال دیا ہے، اب صفیہ اور اس کی والدہ کے خاوند کا ارادہ کسی جگہ نکاح کر دینے کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ صفیہ نابالغہ کا نکاح اس کی والدہ کے خاوند کا کیا ہوا سرے سے صحیح ہی نہیں ہوا، عالمگیری:۲/۱۳ کے حوالے سے یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

"ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لا يملك تزويجهما، كذا في فتاوى قاضي خان"(۱)۔ بينوا توجروا عندالله أجراً عظيماً۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ نکاح فضولی کا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ولی شرعی کی اجازت پر موقوف ہے(۲)، اگر اس لڑکی کا کوئی ولی عصبہ موجود نہیں تو اس کی ماں ولی ہے(۳)، اگر ماں نے اجازت دیدی تو جائز ہوگیا، اگر ماں نے اجازت

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۴، رشيديه)

(۲) "وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعدُ الأولياء، فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية، توقف نكاح الأبعد على إجازته، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۸۱، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب النكاح، فصل في الأولياء: ۱/۳۵۶، رشيديه)

(۳) "وعند عدم العصبة، كل قريب يرث الصغير والصغيرة من ذوي الأرحام ...... الأقرب، عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى: الأم، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۴، رشيديه)

نہیں دی بلکہ رد کر دیا تو رد ہو گیا۔ اور اس صورت میں کسی طلاق یا تفریق کی ضرورت نہیں اور پہلی صورت میں یعنی جب کہ ماں نے اجازت دے دی ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل تھا یعنی اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً لڑکی نے اس نکاح سے ناراضی ظاہر کر دی تو حاکم مسلم با اختیار کی عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے اور اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً اظہارِ ناراضی نہیں کیا تو اب فسخ نہیں کرا سکتی تاوقتیکہ شوہر طلاق نہ دے، یا کسی دوسرے شرعی طریق پر خلع وغیرہ کے ذریعہ سے جدائی نہ ہو اور پھر عدت نہ گذر جائے تو دوسری جگہ نکاح درست نہ ہوگا:

"ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء: أي للصغير والصغيرة إذا بلغا وقد زُوّجا أن يفسخاعقد النكاح الصادر من ولي غير أب ولا جد بشرط قضاء القاضي بالفرقة. اهـ". بحر: ۳/ ۱۲۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ۱۱/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

نابالغہ کا جبراً نکاح اور خیارِ بلوغ کی تفصیل

سوال [۵۸۲۱]: ہندہ کا نکاح نابالغہ ہونے کی حالت میں ایسی صورت میں کیا گیا کہ اس کے ولی شرعی ناراض تھے، ہندہ کی خالہ نے ہندہ کا نکاح بلا اس کی مرضی کے جبراً کر دیا، لیکن ہندہ برابر انکار ہی کرتی رہی۔ جب رخصتی کا وقت آیا تو اس وقت بھی ہندہ نے انکار کر دیا اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس کی ناراضگی کی وجہ سے ہی اس کی رخصتی ملتوی کر دی گئی، چنانچہ ہندہ آج تک یعنی عرصہ تقریباً چھ سال کا ہو چکا اور اس شخص کے یہاں جانے سے انکار کرتی ہے۔ عرصہ چھ سال سے وہ لوگ جہاں ہندہ کا نکاح ہوا تھا ہندہ کے طالب ہیں، چونکہ ہندہ کی خالہ اپنی طرف سے وہاں بھیجنا چاہتی تھی مگر ہندہ جانے سے انکار کرتی رہی۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۱۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/ ۷۸، سعيد)

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۱۱، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۷۷، ۲۷۸ مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/ ۳۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

سوال یہ ہے کہ ہندہ کا یہ نکاح شریعت کے مطابق ہے یا نہیں، جب کہ محض ہندہ کی خالہ نے اپنے ارادہ سے بلا اس کی مرضی کے کر دیا تھا اور نہ ہی کوئی ہندہ کے نکاح کے شاہد ہیں، محض اس کی خالہ اور خالو ہی ہندہ کو اس شخص کے یہاں بھیجنا چاہتے ہیں؟ اب ایسی صورت میں ہندہ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ نکاح کے وقت محض ہندہ کی والدہ موجود تھی، لیکن ہندہ کی والدہ کی بھی مرضی نہیں تھی کہ یہ نکاح کیا جائے۔ اب ایسی صورت ہندہ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ (نوٹ) ہندہ کے والد کا پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وقتِ نکاح والدہ نے اس کو منظور نہیں کیا بلکہ نامنظور کر دیا تھا تو یہ نکاح اس وقت ختم ہو گیا تھا(۱)، اگر والدہ خاموش رہی اور لڑکی نے بالغ ہونے پر اس کو نامنظور کر دیا تب بھی بیکار ہو گیا(۲)، اب لڑکی کی اجازت سے دوسری جگہ نکاح کر دیا جائے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ لڑکی کا کوئی ولی عصبہ موجود نہ ہو، ورنہ اس کی منظوری

---

(۱) "(فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم) ثم لأم الأم ...... (ثم لذوي الأرحام) العمات ...... ثم الخالات ...... فلو زوج الأبعدُ حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدرالمختار). "فلا يكون سكوته (أي سكوت الأقرب) إجازةً لنكاح الأبعد وإن كان حاضراً في مجلس العقد مالم يرض صريحاً أو دلالةً".

(ردالمحتار: ۳/۷۸-۸۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۴، ۲۸۵، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۱۸، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "ولها خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط قضاء القاضي". "أي للصغير والصغيرة إذا بلغا وقد زوجا أن يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير أب ولا جد بشرط قضاء القاضي بالفرقة".

(البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب الولي: ۳/۶۷-۷۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۵، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه)

"لأن الفرقة بالخيار فسخ للعقد، والعقد إذا انفسخ، يجعل كأنه لم يكن". (ردالمحتار: ۳/۷۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

اور نامنظوری پر موقوف رہے گا(۱)، البتہ بالغہ ہونے پر لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، یعنی اگر ولی عصبہ نے منظور نہیں کیا تھا تو بیکار ہوگیا تھا، اگر منظور کرلیا تھا تو درست ہوگیا تھا۔ پھر اگر آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی لڑکی نے فوراً دو گواہوں کے سامنے اس نکاح سے ناراضگی ظاہر کردی تھی تو حاکم مسلم یا مسلم کمیٹی کے ذریعہ سے فسخ کرانے کا اس کو اختیار حاصل ہوگا، پھر فسخ کے بعد نکاحِ ثانی کی اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۰/۴/۲۴ھ۔

بلوغ کی حدِ شرعی

سوال[۵۸۲۲]: بلوغ کی حد شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب لڑکے کو احتلام وانزال ہونے لگے تو سمجھو کہ وہ بالغ ہوگیا، ورنہ پندرہ سال کی عمر ہوجانے پر شرعاً بالغ قرار دیا جائے گا، شامی: ۹۷/۵ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم) ثم لأم الأم ..... (ثم لذوي الأرحام) العمات ..... ثم الخالات ..... فلو زوج الأبعدُ حال قيام الأقرب، توقف على إجازته". (الدرالمختار). "فلا يكون سكوته (أي سكوت الأقرب) إجازةً لنكاح الأبعد وإن كان حاضراً في مجلس العقد مالم يرض صريحاً أودلالةً".

(ردالمحتار: ۳/۷۸-۸۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۴، ۲۸۵، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۱۸، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "ثم إذا اختارت وأشهدت ولم تتقدم إلى القاضي ..... فهي على خيارها". (البحر الرائق: ۳/۲۱۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۳) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والأصل هو الإنزال. والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيئ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، وبه يفتى. وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنةً، ولها تسع سنين." (الدر المختار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في البلوغ: ۸/۱۵۳، رشيديه)

حدِ بلوغ

سوال[۵۸۲۳]: مسلمانوں میں لڑکا اور لڑکی کس عمر میں بالغ سمجھے جاتے ہیں، عمر معصومیت کب ختم ہوتی ہے؟

الجواب حامداومصلیاً:

پندرہ سال پورے ہونے پر لڑکا اور لڑکی دونوں کے لئے بلوغ کا حکم شرعاً کردیا جائے گا، اگر اس سے پہلے علاماتِ بلوغ ظاہر ہوجائیں تو اسی وقت سے حکم کردیا جائے گا، پندرہ سال پورے ہوں یا نہ ہوں لڑکی میں عامۃً نو سال سے پہلے اور لڑکے میں عامۃً بارہ سال سے پہلے علاماتِ بلوغ ظاہر نہیں ہوتیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۵۸۲۴]: لڑکا کتنے سال پر بالغ ہوجاتا ہے اور موئے زیرناف اور ڈاڑھی مونچھ آنا علامتِ

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ: ۵/ ۶۱، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۲/ ۴۴۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "يحكم ببلوغ الغلام بالاحتلام أو الإنزال أو الإحبال......... وبلوغ الجارية بالحيض أو الاحتلام أو الحبل......... فإن لم يوجد شيء من ذلك، فإذا تم له ثماني عشرة سنةً ولها سبع عشرة سنةً عنده، وعندهما إذا تم خمسة عشر سنةً فيهما، وهو رواية الإمام، وبه قالت الأئمة الثلاثة، وبه يفتي ...... وأدنى مدته له ثنتا عشرة سنةً، ولها تسع سنين، الخ". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۲/ ۴۴۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ: ۸/ ۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حدالبلوغ: ۸/ ۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حدّالبلوغ: ۵/ ۶۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/ ۱۵۳، سعيد)

بلوغ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

ڈاڑھی مونچھ موئے زیرناف علامت بلوغ نہیں بلکہ انزال، احتلام اور احبال علامتِ بلوغ ہے، اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال پورے ہونے پر بلوغ کا حکم دے دیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۹/۶۴ھ۔

ایضاً

سوال [۵۸۲۵]: زید کہتا ہے کہ بارہ سال کا لڑکا بالغ ہوجاتا ہے۔ شرعاً اس کا قول صحیح ہے یا نہیں، حکم شرعی اس کے بارے میں کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کے بلوغ کی ادنیٰ مدت بارہ سال ہے، بس اگر بارہ سال کا لڑکا کہے کہ میں بالغ ہوں، شرعاً اس کا قول معتبر ہے۔ اگر لڑکا نہ کہے، نیز کوئی علامت بھی اس میں ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال پورا ہونے پر اس کو بالغ کہہ دیا جائے گا، کذا فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال. (والجارية بالاحتلام و الحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيىء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتى". (الدر المختار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ: ۵/۶۱، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ: ۸/۵۳، رشيديه)

(۲) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والأصل هو الإنزال. والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، =

علامتِ بلوغ اور اجازتِ نکاح

سوال[۵۸۲۶]: نابالغہ کا نکاح جس کی عمر بارہ، تیرہ برس ہو، ہوسکتا ہے یا نہیں، اور یہ عمر سن بلوغ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس عمر میں اس کو حیض آنا شروع ہوگیا تو وہ بالغہ ہے(۱) اور خود اس کی اجازت سے اس کا نکاح درست ہے(۲)، اگر غیر خاندان میں کیا جاوے تو ولی کی اجازت بھی ضروری ہے(۳)۔ اگر ابھی اس کو حیض

= فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتي. وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنةً، ولها تسع سنين". (الدر المختار، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام: ۱۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ: ۱۵۳/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ: ۶۱/۵، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۴۴۴/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "(بلوغ ..... الجارية بالاحتلام والحيض والحبل)". (الدر المختار: ۱۵۳/۶، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام: ۲۷۵/۲، ۲۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۴۴۴/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدر المختار: ۵۸/۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۱۴/۲، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، شركة علميه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۳) "وإنما تحل في الصورة الرابعة، وهي رضا الولي بغير الكفؤ، مع علمه بأنه كذلك، اهـ ..... إن الولي لو قال لها: أناراض بما تفعلين، أوزوّجي نفسك ممن تختارين ونحوه أنه يكفي، وهو ظاهر؛ لأنه =

آنا شروع نہیں ہوا تو وہ نابالغ ہے۔ ولی کی اجازت سے اس کا نکاح درست ہے، تنہا اس لڑکی کی اجازت پر نکاح کرنے سے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۷ھ۔

علامتِ بلوغ

سوال [۵۸۲۷]: شرع میں بالغ ہونے کی کیا علامتیں مانی گئی ہیں؟

ظاہر خان نائب مدرس مدرسہ مہنوں، ڈاکخانہ سری نگر، ضلع گونڈا، ۱۲/ جولائی/ ۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے میں بلوغ کی علامتیں تین ہیں: احتلام، انزال، احبال۔

= فوّض الأمر إليها، ولأنه من باب الإسقاط". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷/۳، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

"وإذا زوجت نفسها من غير كفء ورضي به أحد الأولياء، لم يكن لهذا الولي ولا لمن مثله أو دونه حق الفسخ". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۹۳/۱، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیه)

"لا يشترط مباشرة الولي للعقد؛ لأن رضاه بالزوج كاف". (البحر الرائق: ۱۹۴/۳، کتاب النکاح، باب الأولياء والأكفاء، رشیدیه)

(۱) "(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق)". (الدر المختار: ۵۵/۳، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی هامش الدر المختار: ۲۶/۲، کتاب النکاح، باب الولی، دارالمعرفة)

"نعم لو كان لها أب أوجد وزوجت نفسها كذلك توقف". (ردالمحتار: ۸۰/۳، کتاب النکاح، باب الولی، مطلب: لایصح تولیة الصغیر، سعید)

اورلڑکی میں بھی تین ہیں: حیض،احتلام،حبل۔

اگران علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو ہر دو کو پندرہ سال پورے ہونے پر بقولِ مفتیٰ بہ بالغ کہاجائے گا، كذا في تبيين الحقائق، ص:۲۰۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ واعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مدت بلوغ

سوال[۵۸۲۸]: شرع شریف میں نابالغ کس عمر تک خیال کیا جاتا ہے؟

کریم اللہ سب پوسٹ ماسٹر۔
شاہ آباد، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر علامات بلوغ احتلام وانزال وغیرہ متحقق نہ ہوں تو پندرہ سال کالڑکا شرعاً بالغ شمار ہوگا:

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: "فإن لم يوجد فيهما شيئى منها فحتى يتم لكل

---

(۱) "قال رحمه الله: "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، وإلافحتى يتم له ثماني عشرة سنةً= والجارية بالحيض والاحتلام والحبل، وإلا فحتى يتم لها سبع عشر سنةً، ويفتى بالبلوغ فيهما بخمس عشرة سنةً...... اهـ". (تبيين الحقائق، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام: ۲/۲۷۵، ۲۷۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق للعلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ: ۸/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۴۴۴/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

منها خمس عشرة سنةً، وبه يفتىٰ". درمختار: ۲/۱۹۹(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱/۷۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام: ۶/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ: ۸/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ: ۵/۶۱، رشيديه) =

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحجر، فصل في بيان أحكام البلوغ: ۲/۴۴۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

باب الکفاءۃ

(کفاءت کا بیان)

مسئلۂ کفاءت

سوال[۵۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ’’کفو‘‘ کے بیان میں صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب، ص:۳۰۱(۱) پر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذلیل پیشوں کا کفو میں اعتبار کیا جائے گا اور ذلیل پیشوں میں ’’جولاہہ، حجام، دباغ، کناس‘‘ کو شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ لوگ ’’صراف و بزاز‘‘ کے کفو نہیں ہو سکتے، اور حاشیۂ شرح وقایہ پر بھی یہ عبارت موجود ہے:

"الحائك ليس كفوًا لبنت الدهقان وإن كانت فقيرةً"(۲)۔

اب آپ سے پر خلوص گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ میں بھی اونچ نیچ، ذات پات کا اعتبار ہے تو کیسے، جب کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح دوسرے قبیلہ میں کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی(۳) وابن ہمام(۴) نیز امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ ’’پیشہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا‘‘۔

---

(۱) (الهداية: ۲/۳۲۱، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، وتمامه في رقم الحاشية: ۴، شركة علميه ملتان)

(۲) (شرح الوقاية، كتاب النكاح، بيان الكفاءة نسباً وإسلاماً وغيرهما: ۲/۲۷، (رقم الحاشية: ۱۴)، سعيد)

(۳) "(قوله: حرفة)، ذكر الكرخي أن الكفاءة فيها معتبرة عند أبي يوسف وأن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب أن مواليهم يعملون هذه الأعمال لايقصدون بها الحرف، فلا يعيرون بها".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/۹۰، سعيد)

(۴) "(قوله: وعن أبي حنيفة في ذلك روايتان) أظهرهما لاتعتبر في الصنائع حتى يكون البيطار كفئاً =

پس آج تک کتب فقہ میں یہ عبارتیں کیوں مذکور ہیں، یہ الفاظِ وحی تو نہیں کہ جن پر تنسیخ کا قلم اٹھانا خروجِ اسلام کا باعث ہو۔ لہٰذا جناب عالی سے مؤدبانہ عرض ہے کہ جواب شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرمائیں تاکہ اطمینان اور سکون ہوجائے۔

نـــوٹ: اساتذۂ کرام بھی اسباق میں بتاتے ہیں کہ یہ باتیں پہلے تھیں، اب نہیں۔ پس فی زمانہ یہ عبارتیں کیوں ہیں؟

المستفتی: عبدالصمد کریاں، اعظم گڑھ، المرقوم، ۱۵/مئی/۷۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ کفاءت کی رعایت وحیِ خفی (حدیث شریف) میں موجود ہے جیسا کہ ترمذی (۱)، حاکم (۲)، ذہبی (۳)، سیوطی (۴)۔ ابن ماجہ (۵)، بیہقی (۶) نے نقل کیا ہے۔

= للعطار، وهو رواية عن محمد". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة: ۳/۳۰۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال له: "يا عليّ! ثلثٌ لاتؤخرها: الصلوة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدتَ لها كفوءاً". (جامع الترمذي: ۱/۲۰۵، أبواب الجنائز، باب ماجاء في تعجيل الجنازة، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "تخيروا لنطفكم، فانكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم". (المستدرك للحاكم، كتاب النكاح، باب تخيروا لنطفكم، فأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم: ۲/۱۶۳، دارالفكر بيروت)

(۳) (راجع تلخيص الذهبي على المستدرك، كتاب النكاح، باب تخيروا لنطفكم، فأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم: ۲/۱۶۳، دارالفكر بيروت)

(۴) "تخيروا لنطفكم فأنكحوا الأكفاء وانكحو إليهم". (هوك هق) عن عائشة (صح)". "فيه دليل ظاهر على اشتراط الكفاءة ورد من لم يعتبرها (ه ك) في النكاح". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، حرف التاء: ۵/۲۶۵۹، (رقم الحديث: ۳۲۶۸)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

(۵) (سنن ابن ماجة: ۱/۱۴۱، كتاب النكاح، باب الأكفاء، قديمي)

(۶) "وكذا مع الزيادة هي: عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ =

مزید تفصیلات فقہاء کی استنباط کردہ ہیں(۱)۔ جس طرح کہ فقہاء کے استنباط کردہ دیگر مسائل قابلِ اعتماد ہیں، یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دولڑکیوں کا یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا(۲) وہ نسباً کچھ زیادہ دور نہیں، چوتھی پانچویں پشت میں اوپر متحد ہوجاتے ہیں(۳)، نیز یہ نکاح بذریعۂ وحی ہوئے

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال:"إن اللّٰہ تعالی أوحیٰ إلیّ أن أزوّج کریمتی من عثمان، اھ". المعجم الصغیر للطبرانی، ص: ۸۳(٤)۔

پس سقوطِ کفاءت کے لئے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

= علیه وسلم: "لاتنکحوا النساء إلا الأکفاء" .... قال عمر رضی الله عنه: لاینبغی لذوات الأحساب تزوجهن إلامن الأکفاء". (السنن الکبری للبیهقی: ۱۳۳/۷، کتاب النکاح، باب اعتبار الکفاءة، نشر السنة)

(۱) "(وتعتبر) الکفاءة للزوم النکاح خلافاً لمالک (نسباً .... وحریة وإسلاماً ..... وديانةً ومالاً وحرفةً)". (الدر المختار: ۸۶/۳-۹۰، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۹۰/۱، ۲۹۱، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۲۲۸/۳، ۲۳۶، کتاب النکاح، فصل في الکفاءة، رشیدیه)

(۲) "وزوّج النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ابنته رقیة من عثمان، وماتت عنده في أیام بدر، فزوجه بعدها أختها أم کلثوم، فلذلک کان یلقب ذاالنورین". (الإصابة: ۳۷۷/۴، عثمان بن عفان، (رقم الترجمة: ۵۴۶۴)، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "نسبُ محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: فهو محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي، الخ". (زاد المعاد، ص: ۲۶، فصل في نسبه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، دار الفکر بیروت)

"هو عثمان بن عفان بن العاص بن أمیة بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي". (تاریخ الطبری: ۴۴۲/۳، ذکر نسبه، مؤسسة الأعلمی، بیروت)

(٤) (الروض الداني إلی المعجم الصغیر للطبرانی، باب من اسمه حباب، (رقم الحدیث: ۴۱۴): ۲۵۳/۲، المکتب الإسلامی بیروت)

سب خاندانوں کی معیشت ومعاشرت، خو، بو، طور طریقہ یکساں نہیں، اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے تو مصالحِ نکاح کا نظم برقرار رہنا دشوار ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی نازپروردہ اونچے خاندان کی لڑکی ہو جس کی خوراک، پوشاک اعلیٰ قسم کی ہو، گھر کا کام کرنے کے لئے خادمہ موجود ہو، نہ کبھی اس کو خود کھانا پکانا پڑے، نہ مکان کی صفائی کرنی پڑے، نہ کپڑے دھونے کی نوبت آئے، نہ باہر سے پانی بھر کر لانے کی ضرورت ہو، بلکہ سب کام اس کے خادم وملازم کرتے ہوں، اگر اس کی شادی کاشتکار سے ہوجائے جہاں بیل، بھینس وغیرہ بھی ہیں، روزانہ ان کا گوبر صاف کرنا، ان کو وقت پر گھاس پانی دینا، ڈول رسی لے کر باہر کنویں سے پانی بھر کر سر پر رکھ کر لانا، مرد کا کھانا کھیت میں پہنچانا۔

یہ سب کام اس کے ذمہ ہوں تو اس کے لیے ظاہر ہے کہ ناقابلِ برداشت ہیں، اس کی زندگی بد سے بدتر حالت تک پہونچ جائے گی، نیز ناواقفیت کی وجہ سے کوئی کام بھی صحیح نہیں کرسکے گی جو کہ شوہر کے لئے بھی مستقل کوفت کا باعث ہے۔ اسی طرح اور دوسرے پیشوں کو قیاس کرلیا جائے۔

اس وجہ سے مسئلۂ کفاءت کو کلیۃً نظر انداز کرنا بہت سے مصالح کو فوت کرنا ہے، جس کا نتیجہ نہایت تلخ ہوگا۔ لڑکی کو برداشت کرتے کرتے ٹی، بی ہوجائے گی، لڑکا بات بات پر طلاق کے لئے آمادہ ہوگا، سخت زبان استعمال کرے گا، ہاں! بعض دفعہ لڑکے میں کوئی ایسا جوہر بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے کفاءت کو نظر انداز بھی کردیا جاتا ہے اور وہاں لڑکی کی زندگی اس جوہر کی وجہ سے خوشگوار بھی ہوجاتی ہے، پریشانی پیش نہیں آتی۔

حاکم کی روایت ہے:" عن عبد الله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "العرب بعضهم أكفاء لبعض، والموالي أكفاء بعضهم لبعض إلا حائك أو حجام، اه". نصب الرايه میں اس کی تخریج کرکے اس کو منقطع لکھا ہے(۱)، اعلاء السنن، ص:۵۱، میں جواب دیا ہے:" قلت: الانقطاع في القرون الفاضلة لايضرنا، لاسيما وله شواهد ذكرها الزيلعي بالبسط"(۲)۔

---

(۱) (نصب الراية :۳/۱۹۷، كتاب النكاح، فصل في الأكفاء، مؤسسة الريان، مكتبه المكية، جده)

(۲) (إعلاء السنن : ۱۱/۷۷، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، باب مراعاة الكفاءة وجواز النكاح في غيرها، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

ابوبکر بزار کے حوالہ سے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے: "نفضلکم یا معشر العرب! لتفضیل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إیاکم لا ننکح نسائکم، الخ". إعلاء السنن (۱)۔

کسی مصنف نے اپنی کتاب میں ایک مسئلہ لکھا ہے، اگر وہ آپ کے نزدیک غلط ہے تو آپ کو دلائل کی روشنی میں اس کی تغلیط کا حق ہے، آپ حاشیہ بھی لکھ سکتے ہیں، شرح بھی لکھ سکتے ہیں، اس کی تردید پوری قوت کے ساتھ کر سکتے ہیں، لیکن دوسرے کی کتاب سے اس مسئلہ کو خارج کرنے کا آپ کو حق نہیں، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو وہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوگا، البتہ خائن اور مفتری ضرور ہوگا (۲)۔ پھر فقہائے کرام کی سب کتابوں سے اس کو خارج کر دینے کا کسی کو حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۸۳۰]: ۱..... زید کا اس بات پر اصرار ہے کہ برادری کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، جبکہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پھر شیخ، سیّد، مغل، پٹھان اور انصاری کی تخصیص کے کیا معنی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سرکار مدینہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کسی نے بھی اس امتیاز کو ملحوظ رکھا؟

۲..... کیا ان حضرات نے حکم دیا ہے کہ دوسری برادریوں میں رشتہ نہ کیا جائے؟ یا انھوں اشارۃً، کنایۃً

---

(۱) (إعلاء السنن: ۱۱/۷۷، کتاب النکاح، فصل في الکفاءۃ، باب مراعاۃ الکفاءۃ وجواز النکاح في غیرها، إدارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ کراچی)

(۲) "عن أبي هریرۃ رضي اللہ تعالیٰ عنه عن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "آیۃ المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". "وعن عبداللہ بن عمرو رضي اللہ تعالیٰ عنهما أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قدیمي)

یہ کہا ہے کہ میں فلاں برادری سے تعلق رکھتا ہوں؟

۳...... کفو غیر کفو کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جبکہ اس کی بیّن شہادتیں موجود ہیں کہ مسلمان لڑکیاں غیر مسلموں سے رشتۂ ازدواج منسلک کررہی ہیں۔

۴...... تلک (۱) اور جہیز کے روزافزوں مطالبات کے باعث بہت سے مسلمان گھرانوں کی لڑکیاں اپنی زندگی یونہی گزار رہی ہیں کہ کیا والدین پر یہ فرض نہیں عائد ہوتا کہ وہ کسی دیندار مسلمان کے حبالہ عقد میں اپنی لڑکیاں دیدیں؟

۵...... وہ لوگ جو ذات پات یا برادری میں تفریق کرتے ہیں عنداللہ ماخوذ ہوں گے؟

۶...... زید اپنے احباب کے ساتھ مل کر یہ تحریک چلانا چاہتا ہے کہ اس برادری کے امتیاز کو ختم کیا جائے، کیا اس کا یہ اقدام لائقِ تحسین ہے یا قابلِ مذمت؟ براہ کرم اپنے جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام۔

ڈاکٹر اختر حسین، مسجد روڈ نرد کھٹیا گنج، چمپارن، بہار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... یہ ذات برادری کی تخصیص مدارِ نجات نہیں (۲)، نہ اس کی وجہ سے ایمانی امتیاز برتنے کی اجازت ہے: ﴿إنما المؤمنون إخوة﴾ الآیة (۳)۔ اس وجہ سے نماز میں ایک صف میں کھڑے ہونے سے کسی کو منع کرنے کا حق نہیں۔ نماز، روزہ، حج سب پر یکساں طریقہ سے لازم ہیں۔ جو شخص جس منصب کا اہل ہوگا، علم وفہم، اخلاق، اعمال، تجربہ کے اعتبار سے وہ منصب اس کو دیا جائے گا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر برادری کا ذہن، مزاج، طور طریقہ، عادت، خصلت، رہن سہن یکساں نہیں، ان میں تفاوت یقینی اور مشاہد ہے، شادی کے لیے معاشرت میں توافق بہت قابلِ رعایت ہے، عمر میں بھی توافق کا لحاظ کیا جاتا ہے،

(۱) "تِلک: ماتھے کا ایک زیور، وہ روپیہ جو شادی سے پہلے دلہن کا باپ دولہا کے گھر بھیجتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ت ل، ص: ۳۷۵، فیروز سنز، لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إن أکرمکم عندالله أتقکم﴾ (الحجرات: ۱۳)

(۳) (الحجرات: ۱۰)

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر میں توافق نہ ہونے کی وجہ سے عذر فرمادیا (۱)، مگر یہ شرط لازم نہیں صحت، قوت وغیرہ کی وجہ سے اس کو نظر انداز بھی کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لڑکی کا عقد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردیا تھا (۲)۔

مال کے اعتبار سے بھی توافق دیکھا جاتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک عورت نے مشورہ کیا کہ "فلاں شخص نے پیغام دیا ہے تو ارشاد فرمایا کہ: "اس کے پاس مال کم ہے" (توافق نہیں)۔ مزاج کے اعتبار سے بھی توافق کا لحاظ ہوتا ہے جیسا کہ ایک صاحب کا مزاج سخت تھا ان کے پیغام کو قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا گیا (۳) لون وجمال کی بھی رعایت ثابت ہے (۴)۔

---

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: خطب أبوبكر وعمر -رضي الله تعالىٰ عنهما- فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا، إنها صغيرة".

"أو المراد أنها صغيرة بالنسبة إليهما، لكبير سنهما". (مرقاة المفاتيح: ۱۰/۴۷۶، كتاب المناقب والفضائل، (رقم الحديث: ۶۱۰۴)، باب مناقب على ابن أبي طالب، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) "أم كلثوم بنت علي بن أبي طالب .... خطبها عمر بن الخطاب إلى أبيها عليّ، قال: إنها صغيرة. فقال عمر: زوّجنيها يا أبا الحسن! فإني أرصد من كرامتها مالا يرصده أحدٌ، فقال له علي: إن أبعثها إليك، فإن رضيتها فقد زوجتكها فبعثها ببرد .... فقال ..... قد رضيت .... فتزوّجها عليٌّ مهر أربعين ألفاً". (أسد الغابة: ۶/۴۰۲، ۴۰۳، النساء، دار الفكر بيروت)

(۳) "فلما حللت، ذكرت له، أن معاوية بن أبي سفيان وأبا جهم خطباني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، وأما معاوية فصعلوك، لا مال له". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۱۲، كتاب الطلاق، باب في نفقة المبتوته، سعيد)

(۴) "لكن النصيحة أن يراعي الأولياء، المجانسة في الحسن والجمال". (ردالمحتار: ۳/۹۳، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۲، كتاب النكاح، الباب الخامس، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۶۳، الفصل الخامس عشر: الكفاءة في الحرف، إدارة القرآن كراچی)

تجارت، دباغت، زراعت، خیاطت، حجامت، حیاکت وغیرہ پیشوں اور مشاغل کے بھی خصوصی اثرات ہوتے ہیں۔ بعض قبائل کے بھی کچھ خواص بیان کئے گئے ہیں۔ کبھی لڑکے میں ایسا علم اور اخلاق کا جوہر بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دیگر امور کی رعایت نہ کرنے سے مصالح نکاح منتظم ہوجاتے ہیں (۱) اور توافق نہ ہونے کی وجہ سے شوہر، بیوی دونوں کو ضیق ہوتی ہے، لیکن کسی جائز پیشہ اور کسب کی وجہ سے کسی کو حقیر و ذلیل سمجھنا جائز نہیں اور اپنے نسب پر فخر، غرور اور گھمنڈ کرنا سخت گناہ ہے۔ خدا کی بارگاہ میں ذریعۂ قرب، ایمان اور عمل صالح ہے (۲)۔

۳...... یہ ازدواج نہیں، یہ تو حرام کاری ہے، کیا مسئلۂ کفاءت کو ساقط کرتے ہوئے اس کی بھی اجازت مطلوب ہے؟ استغفراللہ۔ اس حرام کاری کی وجہ مسئلۂ کفاءت نہیں بلکہ طبعی کمینگی، جہالت، عدم خشیت ہے، جو لوگ مسئلۂ کفاءت کو صحیح طور پر نہ سمجھیں اور اس پر عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی کوتاہی ہے (۳)۔

۴...... ان غلط اور بیجا پابندیوں کو سب ملکر ختم کریں، ورنہ دیندار، شریف المزاج مسلمان لڑکے تلاش کرکے اپنی لڑکیاں ان کے حبالۂ عقد میں دیدیں (۴)۔

---

(۱) "لایزوج بنته من غیر کفء أو بغبن فاحش إلا لمصلحة تزید علی هذا الضرر، کعلمه بحسن العشرة معها، وقلة الأذی ونحو ذلک". (رد المحتار: ۳/ ۶۷، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۹۱، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۳/ ۲۳۷، کتاب النکاح، فصل في الکفاءة، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن أکرمکم عندالله أتقکم﴾ (سورة الحجرات: ۱۳)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا﴾. (سورة البقرة: ۲۲۱)

"(قوله: لا یصح نکاح عابدة کوکب لاکتاب لها) .... وإن کانوا یعبدون الکواکب ولاکتاب لهم، لم تجز مناکحتهم؛ لأنهم مشرکون". (ردالمحتار: ۳/ ۴۶، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، سعید)

(۴) "عن أبي هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذاخطب إلیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه، إن لاتفعلوه تکن فتنة في الأرض وفساد عریض". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الأول، ص: ۲۶۷ قدیمی)

۵......اپنی طرف سے تفریق کا کسی کو حق نہیں، جو لوگ ایسا کریں گے وہ جوابدہ ہوں گے۔

۶...... جو امتیازات خلافِ شرع قائم ہوگئے ہوں ان کے ختم کرنے کی سعی مبارک اقدام ہے، مگر اس میں بڑے تدبر اور حکمت کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ اس سے بڑا فتنہ قائم ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۳ھ۔

کفاءت کیا غیر اسلامی نظریہ ہے؟

سوال [۵۸۳۱]: ۱......عمر اپنے لڑکے کی شادی زید کی دختر سے کرنا چاہتا ہے، عمر قاضی گھرانے کا ہے اور زید کا سلسلۂ نسب جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور عربی النسل ہے۔

۲......زید بدایونی مسلک کا کٹر حنفی اہل سنت والجماعت ہے اور قادریہ سلسلہ میں مجازِ بیعت ہے، لیکن کسی کو شرف بیعت کا اہل نہیں سمجھتا، تاوقتیکہ وہ تائب ہوکر: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ پر ایمان نہ لائے اور ذات پات، رنگ ونسل، قوم ووطن کے جاہلی امتیازات کو بُرا نہ سمجھے، نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان جاہلی امتیازات کو مٹانے اور نوعِ انسانی کو امتِ واحدہ بنانے کے لئے تشریف لائے۔

۳......زید مُصر ہے کہ موجودہ سائنسی دور میں خاص طور پر اسلامی ذہنیت کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے جبکہ موجودہ اسلامی معاشرہ عجمی، یہودی اور آریائی ذہنیت کا شکار ہے، غیر تو غیر اپنوں میں آپسی بیاہ وشادی کے دروازے بند ہیں، قوم مسلم کی تباہی وبربادی کے جہاں اور وجوہ ہیں ان میں ایک یہ بھی نہایت اہم ہے۔ آج مسلم سماج امتِ واحدہ ہونے کے بجائے منتشر وپراگندہ ہے۔

۴......زید نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترتیب دیئے ہوئے خطوط پر اسلامی معاشرہ کو لانے کی کوشش شروع کردی ہے قولاً وفعلاً دونوں طرح سے، وہ ہندوانہ ذہنیت کے تحت پیشہ کو ذات نہیں سمجھتا، ہر پیشہ جائز ہے جس کے ذریعہ اکلِ حلال حاصل ہو بشرطیکہ پیشہ حرام نہ ہو۔ اس نے بیاہ کے سلسلہ میں اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے مسلم خاندان سے بھی رشتہ ناطہ جوڑا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مسلم قوم کو سربلند رہنے کے لئے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ (النحل: ۱۲۵)

ضرورت ہے کہ وہ غیرمسلم امتِ دعوت کے ان گھرانوں کے افراد سے رشتہ جوڑے جو ایمان کے: ﴿إن أکرمکم عند اللّٰہ أتقاکم﴾ کے معیار پر پورے اترتے ہوں اور دوغلہ پن کی ذہنیت کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔

۵.....عمر بھی زید کا ہم خیال ہے، لیکن عمر کی برادری اس کی رائے سے متفق نہیں ہے کچھ موافق بھی ہیں کچھ مخالف ہیں، برادری کے دباؤ کی وجہ سے عمر کشمکش میں مبتلا ہے۔ براہ کرم کلام پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ عمر کونسا راستہ اختیار کرے؟

نوٹ: زید اصولِ فقہ و اصولِ دیانت کو لازم وملزوم سمجھتا ہے، کفاءت کی تمام شرائط فقہ فی الدین کے ساتھ مشروط ہے، اس طرح دونوں کا مقصد ومنشاء بنی نوعِ انسان کو امتِ واحدہ بنانا ہے۔ فقط۔

پنڈت بشیر الدین، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول، شاہجہاں پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یا أیها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیراً منهم﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی، وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إن أکرمکم عند اللّٰہ أتقاکم، إن اللّٰہ علیم خبیر﴾ (سورۃ الحجرات) (۱)۔

ان آیات میں ہدایت کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے جس کو یہ مرحمت ہوجائے اس کا مذاق نہ اڑایا جائے، اس کو ذلیل نہ کیا جائے، اس کیلئے طعن آمیز القاب نہ تجویز کئے جائیں، یہ سب احترامِ ایمان کا تقاضہ ہے۔ انسان کی نسل ایک مرد ایک عورت سے چلی ہے یعنی تمام نسلِ انسانی ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہے، البتہ آگے چل کر ان کے مختلف شعبے اور قبیلے بنادیئے ہیں تاکہ ان میں شناخت ہوسکے، ان کے تمدن الگ الگ ہوگئے، طبائع جدا جدا ہوگئیں، رہن سہن علیحدہ علیحدہ ہوگیا، اسی مصلحت سے کفاءت کی بھی رعایت کا حکم دیا گیا۔ زوجین میں جب تمدن اور معاشرہ کا اتحاد نہ ہو تو نباہ دشوار ہوتا ہے، مصالحِ نکاح منتظم نہیں ہوتیں، زندگی تلخ ہوجاتی ہے، اولاد کی بھی صحیح تربیت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو چیز ذریعۂ کرامت اور موجبِ قربت ہے وہ تقویٰ ہے، اس لئے جس کو یہ نعمت

(۱) (سورۃ الحجرات: ۱۱، ۱۲، ۱۳)

نصیب ہوجائے اس میں تمدن ومعاشرہ جدا ہونے کے باوجود صبر وتحمل، سخاوتِ نفس، وسعتِ حوصلہ، حسنِ تدبیر، صلاحیتِ تربیت کی بناء پر خلافِ طبع امور کے برداشت کی طاقت ہوتی ہے اور اوصافِ عالیہ کی وجہ سے کفاءت کو نظر انداز بھی کردیا جاتا ہے، اس کی نظیر خیر القرون میں بھی موجود ہے، بعد کے طبقات میں بھی اقتداء کیا گیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ چیز عام نہیں، قلیل الوجود ہے، جہاں یہ نہ ہو وہاں کفاءت کا لحاظ کرنا چاہیے، کفاءت کا لحاظ خود حدیث شریف میں موجود ہے، ارشاد ہے: " تخیروا لنطفکم، وأنکحوا الأکفاء وأنکحوا إلیهم"(۱)۔ اس میں کفاءت کی رعایت کا حکم ہے۔

نیز ارشاد ہے: "إن ربکم واحد، وأباکم واحد، فلا فضل لعربی علی عجمیّ، ولالأحمر علی أسود إلا بالتقویٰ"(۲)۔ اس میں فرمادیا گیا کہ عربی کو عجمی پر تقویٰ ہی ذریعہ فضیلت ہے۔ نیز ارشاد ہے: "العرب بعضها أکفاء لبعض، والموالی بعضهم أکفاء بعض"(۳) یعنی عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں اور موالی (غیر عرب) ایک دوسرے کے کفوء ہیں، یہ سب احادیث جمع الفوائد: ۲۱۸/۱ (۴) میں مذکور ہیں۔

جو پیشہ آدمی اختیار کرتا ہے جب تک شریعت کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو اس کو ناجائز اور اس کی کمائی کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن پیشوں کے خواص واثرات بھی احادیث میں موجود ہیں ان کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، ان نامناسب اثرات سے تحفظ اور نگہداشت میں کچھ غفلت ہوجائے تو ان کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی نفی کلیۃً کردینا بھی غلط ہے اور اس نفی کو یہودیت آرائی ذہنیت قرار دینا بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۱۳۹۵ھ۔

کیا کفاءت شرعی حکم نہیں؟

سوال [۵۸۳۲]: ایک عورت نے خود اپنا نکاح کرلیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ خدا اور رسول، کلمہ، قرآن

---

(۱) (جمع الفوائد، کتاب النکاح: ۳۷۸/۱، رقم الحدیث: ۴۱۴۴، المکتبة الاسلامیة سمندری)

(۲) (جمع الفوائد، المصدر السابق، رقم الحدیث: ۴۱۴۲)

(۳) (جمع الفوائد، رقم الحدیث: ۴۱۴۰)

(۴) (جمع الفوائد، المصدر السابق)

سب ایک ہیں۔ ہندوستان میں صرف ۱۷/مسلمان آئے تھے، یہاں کے پیشوں سے ذات برادری بن گئی، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ سب کھانے کمانے کے لئے گروہ بنالئے ہیں، کیونکہ مرد غیر برادری ہے۔ کیا عورت کا کہنا درست ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ مسلمانوں کا خدا اور رسول، کلمہ اور قرآن سب ایک ہے، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ برادری کس چیز کا نام ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ حدیث شریف میں نکاح کے متعلق برادری کا اعتبار کیا گیا ہے (۱)، اگر عورت اپنے سے کم درجہ کے خاندان میں اپنا نکاح بغیر ولی کی رضامندی کے کرے جس سے اس کے خاندان کو عار لاحق ہو تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ کتب فقہ شامی (۲)، بحر (۳)، فتح القدیر (۴) وغیرہ (۵) میں اس

---

(۱) "عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لہ: "یاعلی! ثلث، لاتؤخرها: الصلوة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأیم إذا وجدتَ لها کفؤاً". (جامع الترمذی أبواب الجنائز، باب ماجاء فی تعجیل الجنازة: ۱/۲۰۵، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۱/۷۶، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، باب مراعات الکفاءة وجواز النکاح فی غیرها، إدارة القرآن کراچی)

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "تخیروا لنطفکم، وأنکحوا الأکفاء، وأنکحوا إلیهم". (إعلاء السنن: ۱۱/ ۷۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: "(ویفتی) فی غیر الکفوء (بعدم جوازه أصلاً)، وهو المختار للفتوی لفساد الزمان". (الدر المختار).

"وهذا إذا کان لها ولی لم یرض به قبل العقد......... لأن وجه عدم الصحة علی هذه الروایة دفع الضرر عن الأولیاء". (ردالمحتار: ۳/۵۶، ۵۷، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۳) (البحر الرائق: ۳/ ۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۲، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الأکفاء، رشیدیه)

(۴) (فتح القدیر، ۳/۲۹۴، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۵) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۲۷، کتاب النکاح، باب الولی، دار المعرفة بیروت)

کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان میں کفاءت

سوال[۵۸۳۳]: ہندوستان میں بین الاقوامی شادی کے بارے میں فقہائے امت کی کیا رائے ہے؟ "لأن العجم ضيعوا أنسابهم" کے تحت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شرح وقایہ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں:

"لأن العجم المرادبهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب، وعامة أهل الأمصار والقرى في بلادنا في زماننا منهم، سواء تكلموابالعربية أوغيرها، إلا مَن كان له منهم نسب معروف كالمنتسبين إلى أحد الخلفاء أو إلى الأنصار وغيرهم"(۱)۔

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں نسب کا خیال کرنا چاہئے۔ اگر انساب کا ہندوستان میں کوئی اعتبار نہیں تو کیا بین الاقوامی شادی کی تحریک چلانے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قبائل عرب سے آکر یہاں آباد ہوئے اور انہوں نے اپنے انساب کو محفوظ رکھا تو ان میں بھی کفاءت نسباً معتبر وملحوظ ہے (۲)۔ جو قبائل ایسے نہیں، ان میں کفاءت کی دوسری صورت جہات ملحوظ ہوں گی، دیانت،

---

(۱) (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب النكاح، باب الولي والكفوٴ: ۲۶/۱، (رقم الحاشية: ۲)، سعيد)

(۲) "(وتعتبر) الكفاءة ....(نسباً، فقريش) بعضهم (أكفاء) بعض (و) بقية(العرب) بعضهم (أكفاء) بعض". (الدرالمختار). "(قوله: وهذافي العرب): أي اعتبار النسب إنمايكون في العرب .... وإنما يتفاخرون بالنسب ....فعلى هذا، فالنسب معتبر في العرب فقط". (ردالمحتار: ۸۶/۳، ۸۷، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۸/۳، ۲۳۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، رشيديه)=

حرفت وغیرہ (۱)، حرفت میں مدار عار وعدم عار پر ہوگا، جیسا کہ شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں (۲) اور ابن نجیمؒ نے بحر میں (۳) اور ابن عابدینؒ نے ردالمحتار میں (۴) لکھا ہے کہ بین الاقوامی شادی کا مفہوم تو بظاہر یہ ہے کہ مذہب کی رعایت بھی ختم کردی جائے، ایسا کرنا نصوصِ قطعیہ صریحہ کے خلاف ہے: ﴿ولا تنكحوا المشركات﴾ الخ (۵)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر کفو میں نکاح

سوال [۵۸۳۴]: ایک شخص قوم جندروں کہ اس کے والد کے عزیز اور رشتہ دار تیلی کا کام کرتے ہیں، ایک لڑکی بعمر ۱۴، ۱۵/ سال قوم سید، صحیح النسب، اہل سنت والجماعت حنفی المذہب کو چوری سے بوقتِ نیم شب نکال کر لیجاتا ہے، اگر شخصِ مذکور لڑکی مذکورہ سے نکاح کر لیوے، آیا جائز رہ سکتا ہے یا نہیں بطورِ کفوٗ کے؟ اور شخص مذکور بدچلن بدمعاش اور شراب خور ہے اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے، ویسے ہی فارغ پھرتا ہے۔ بینوا توجروا۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۹۰، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(۱) "(و) أما في العجم، فتعتبر (حريةً وإسلاماً........ وديانةً ومالاً وحرفة". (الدرالمختار: ۳/۸۷-۹۰، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۹۰، ۲۹۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الكفاءة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۲۲۸، ۲۳۶، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) "فإن الموجب هو استنقاص أهل العرف، فيدور معه". (فتح القدير: ۳/ ۳۰۲، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "لأن الناس يتفاخرون بشرف الحِرَف، ويتعيرون بدناء تها، وهي وإن أمكن تركها يبقى عارها". (البحر الرائق: ۳/ ۲۳۵، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۴) "إن الموجب هو استنقاص أهل العرف، فيدور معه". (رد المحتار: ۳/ ۹۰، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(۵) (البقرة: ۲۲۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفتی بہ قول کی بناء پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا(۱)، البتہ اگر لڑکی کے اولیاء اس نکاح سے رضامند ہیں(۲) یا اس کے کوئی ولی نہیں ہے تو یہ نکاح صحیح ہوگا(۳)۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويفتى في غير الكفو بعدم الجواز أصلاً،

(۱) "أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لايصح .... وأن رواية الحسن أحوط .... فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لايصح العقد". (ردالمحتار، :۳/۸۴،۹۴، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۲۹۲، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق:۳/۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "وإنما تحل في الصورة الرابعة، وهي رضا الولي بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك، اهـ.......... ان الولي لوقال لها: أنا راض بما تفعلين، أو زوّجي نفسك ممن تختارين ونحوه، أنه يكفي، وهو ظاهر؛ لأنه فوض الأمر إليها، ولأنه من باب الإسقاط". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/ ۵۷، سعيد)

"فلايثبت (حق الفسخ) حال وجود الرضاء بعدم الكفاء من وجه". (رد المحتار: ۳/۸٦، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

"لايشترط مباشرة الولي للعقد؛ لأن رضاه بالزوج كافٍ". (البحر الرائق: ۳/۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"وإذا زوجت نفسها من غير كفؤ ورضي به أحد الأولياء، لم يكن لهذا الولي ولالمن مثله أودونه حق الفسخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۳، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء،رشيديه)

(۳) "هذا إذا كان لها ولي، فإن لم يكن، صح النكاح اتفاقاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ۱/۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء : ۳/۱۹۴، رشيديه)

وهو المختار للفتوى، لفساد الزمان". درمختار. وقال الشامي: "وهذا إذا كان لها وليٌّ لم يرض به قبل العقد، فلا يفيد الرضا بعده، بحر. وأما إذا لم يكن لها ولي، فهو صحيح نافذ مطلقاً اتفاقاً". شامي: ۲/ ۴۰۹(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اگر لڑکی نابالغہ ہے تب بھی اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہ ہوگا (۲)۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ ربیع الثانی۔ سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۵۸۳۵]: ہندہ بالغہ لڑکی سیّد یا شیخ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کسی زید جولاہے یا تیلی وغیرہ کم ذات سے نکاح کر لیتی ہے، علم ہونے پر اس نکاح پر ولی ناخوش ہے۔ آیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سید زادی یا کوئی عالی نسب لڑکی (اگرچہ سید نہ ہو بلکہ صدیقی، فاروقی، شیوخ میں سے ہو) جب اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے یعنی ایسے خاندان کے لڑکے سے کرلے جو نسب کے اعتبار سے اس کے برابر نہ ہو بلکہ کم درجہ ہو تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کا نکاح جائز نہیں ہوتا: "ويفتى في غير الكفؤ بعدم جوازه أصلاً، وهو المختار للفتوى، اهـ". درمختار: ۲/ ۲۹۷(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/ ۵۷، سعید)

(۲) "وقيده بالمكلفة احترازاً عن الصغيرة والمجنونة، فإنه لاينعقد نكاحها إلا بالولي". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/ ۵۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۲/ ۲۶، كتاب النكاح، باب الولي، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (الدرالمختار، باب الولي: ۳/ ۵۷، سعيد) .... =

غیرِکفو میں نکاح اور نکاحِ فاسد میں عدت

سوال[۵۸۳۶]: غیرکفو میں نکاح بدونِ رضائے اولیاء کے ہوا۔علمائے علاقہ سے دریافت کیا گیا کہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں علماء کا آپس میں اختلاف ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ زوج غیرکفوٴ میں بدونِ رضائے اولیاء کے جس جگہ ننگ وعار موجود ہے نکاح باطل ہے، اور نکاحِ ثانی کے لئے عدت نہیں، خواہ مدخولہ ہو یا غیرمدخولہ۔ اور دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ نکاح باطل ہو، یا فاسد، مدخولہ میں عدت ہے۔

اور فریقِ اول کی دلیل یہ ہے کہ نکاح فی غیر الکفوٴ میں باتفاقِ متون وشروح، روایتِ نادرحسن ابن زیاد باطل ہوا تو باتفاقِ فقہائے کرام: "فلا عدۃ في باطل" درمختار، عدت نہیں(۱)۔ دوسرا جب نکاح باطل ہوا تو زنا ہوا جس میں پھر بھی عدت نہیں: "ولا تجب العدۃ علی الزانیۃ، وھذا قول أبي حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ، کذافي شرح الطحاوي". عالمگیری:۲/۹۳۲(۲)۔

اور فریقِ ثانی فسخ بقضاء القاضی کی صورت مدِنظر رکھ کر اور ظاہر الروایت پر عمل کرتے ہوئے مدخولہ میں عدت قرار دیتے ہیں، حالانکہ فسخ وجودِ نکاح کو مستلزم ہے، جب نکاح ہی باطل ہے تو پھر فسخ کیسے اور ثمرۂ فسخ یعنی عدت کیسے؟ جب کہ علامہ حمویؒ نے شرح اشباہ میں تصریح کردی ہے:

"الفرق ثلاثۃ عشرۃ فرقۃ، سبعۃٌ منھا تحتاج إلی القضاء، وستۃٌ لا: الفرقۃ بالجب والعنۃ وبخیار البلوغ وبعدم الکفاءۃ". انتھی بقدر الحاجۃ. أشباہ فن ثاني، کتاب النکاح، ص ۲۲٦۔

اور "قولہ: بعدم الکفائۃ" پر علامہ حموی تحریر فرماتے ہیں کہ: "(قولہ: بعدم الکفاءۃ) یعني علی قول من یقول بصحۃ العقد، وأما علی قول من یقول ببطلانہ –وھو الصحیح– فلا یحتاج إلی حکمہ بفرقتہ". حموی شرح أشباہ، فن ثاني، کتاب النکاح، ص: ۲۲٦(۳)۔

= (وکذا في الھدایۃ، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، فصل في الکفاءۃ: ۳/۳۱۹، ۳۲۰، شرکت علمیہ ملتان)

(۱) (الدرالمختار: ۳/۵۱٦، کتاب الطلاق، باب العدۃ، مطلب في النکاح الفاسد والباطل، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۵۲٦، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدۃ، رشیدیہ)

(۳) (الأشباہ والنظائر مع شرحہ للحموي: ۲/۱۰۳، ۱۰۴، الفن الثاني، کتاب النکاح، إدارۃ القرآن، کراچی)

آں جناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ ہر دو فریق میں سے کس کا قول معتبر اور قابلِ عمل ہے؟ امید ہے کہ اول فرصت میں جواب باصواب سے مستفیض فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

معرفت مولوی محمد شریف عفا اللہ عنہ بقلمہ۔

ازراولپنڈی محلّہ شاہ ندار (فقط)

باسمہ تعالیٰ

الجواب وبیده أزمة التحقيق والصواب حامداً ومصلياً ومسلماً:

جب حرہ بالغہ اپنا نکاح خود کرے بغیر رضامندیٔ اولیاء کے تو اس میں کفاءۃ الزوج شرط ہے، ظاہر الروایہ کے موافق تو شرطِ لزومِ نکاح ہے اور روایتِ حسن کے موافق شرط جوازِ نکاح ہے:

"الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته من جانبه: أي الرجل، اه". در۔ "(قوله: للزومه أولصحته) الأول بناء على ظاهر الرواية، والثاني على رواية الحسن، اهـ". شامي: ۲/۴۹۰، باب الكفاءة(۱)۔

اگر عورت بغیر رضامندیٔ اولیاء کے غیر کفو میں (جو کہ موجبِ عار ہو) نکاح کرے تو ظاہر الروایت کے موافق نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیاء کو حقِ اعتراض باقی رہتا ہے کہ قاضی کے ذریعہ سے اس کو فسخ کرادیں، بغیر قاضی کے وہ فسخ نہیں ہوسکتا، لیکن روایتِ حسن کے موافق وہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ولی موجود نہ ہونے کی صورت میں باتفاق صحیح نافذ ہو جاتا ہے: "وأما إذا لم يكن لها ولي، فهو صحيح نافذ مطلقاً اتفاقاً". درمختار، باب الولي، ص: ۴۵۹(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۸۴، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۲۶، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۲۹۴، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۵۶، ۵۷، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۲، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه) =

پس اس نکاح کے جواز میں اختلاف ہوا کہ ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہوا، روایتِ حسن کے مطابق ناجائز ہوا اور جس نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاحِ فاسد ہوتا ہے۔ نیز روایتِ حسن (مفتی بہا) کے موافق شرطِ صحت (کفاءۃ) مفقود ہے اور جس نکاح میں کوئی شرط مفقود ہو، وہ نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاحِ فاسد میں مدخولہ پر عدت واجب ہوتی ہے:

"ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد، وهو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة، کشهود بالوطء فی القبل لا بغیره کالخلوة لحرمة وطئها. وتجب العدة بعد الوطء، لا الخلوة للطلاق لا للموت، من وقت التفریق أو متارکة الزوج، اهـ". درمختار: ۲/۵٤۱، باب المهر(۱)۔

"وفی المجتبی: کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود، فالدخول فیه یوجب العدة، اهـ". بحر، باب العدة: ٤/١٤٤(۲)۔

جمیع علمائے حنفیہ وامام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ متفق ہیں کہ بلا شہادت نکاح صحیح نہیں ہوتا، صرف امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ وہ صحت کے قائل ہیں (گو اشاعت کو وہ بھی ضروری کہتے ہیں):

"ومن ذلك قول الأئمة الثلاثة: إنه لایصح النکاح إلا بشهادة، مع قول مالك: إنه یصح من غیر شهادة، إلا أنه یعتبر فیه الإشاعة وترك التراضی بالکتمان، حتی لو عقد فی السر واشترط کتمان النکاح، فسخ عنده، وأما عند الثلاثة فلا یضر کتمانهم مع حضور الشاهدین، اهـ". میزان شعرانی: ٤/١١٨(۳)۔

= (وکذا فی فتح القدیر: ۳/۲۹۴، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ، مصطفی البابی مصر)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۱۳۱-۱۳۳، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۹۴، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیه)

(۲) (البحر الرائق: ۴/۲۴۲، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/۱۳۲، کتاب النکاح، باب المهر، وأیضاً کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعید)

(۳) (میزان الشعرانی، کتاب النکاح: ۲/۱۱۱، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرتے ہوئے بھی حنفیہ عدت کو واجب کہتے ہیں، کما مر۔ صورتِ مسئولہ میں تو حنفیہ کا خود اختلاف ہے تو یہاں وجوبِ عدت کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟ فریقِ اول کا یہ کہنا کہ ''باتفاقِ متون وشروح روایتِ نادر حسن بن زیاد پر فتویٰ ہے اور ظاہر الروایت متروک ہے الخ''، صحیح نہیں، کیونکہ بہت سے مشائخ نے ظاہر الروایت پر بھی فتویٰ دیا ہے اور دونوں کی تفریعات فقہاء نے علیحدہ علیحدہ بیان کی ہیں:

''فإذا فرق القاضي بينهما، فإن كان بعد الدخول، فلها المسمىٰ، وعليها العدة، ولها النفقة فيها، والخلوة الصحيحة كالدخول. وإن كان قبلهما، فلا مهر لها؛ لأن الفرقة ليست من قِبَله، هكذا في الخانية. وهو تفريع على انعقاده. وأما على المفتىٰ به، فينبغي أن يجب الأقل من المسمىٰ ومن مهر المثل، وأن لا نفقة لها في هذه العدة كما لا يخفى.

وأما تمكينها من الوطء، فعلى المفتىٰ به هو حرام، كما يحرم عليه الوطء لعدم انعقاده. وأما على ظاهر الرواية، ففي الولوالجية: أن لها أن تمنع نفسها، اه. وفي الخلاصة: كثيرٌ من المشائخ أفتوا بظاهر الرواية: أنها ليس لها أن تمنع نفسها، اهـ. وهذا يدل على أن كثيراً من المشايخ أفتوا بانعقاده، فقد اختلف الإفتاء، اه''. بحر بتغير، ص: ۱۲۸ (۱) وطحطاوی: ۲/۲۷ (۲)۔

لہٰذا اس کو نکاح باطل کہنا بھی درست نہیں، پھر اس کو زنا کہنا (جو حرامِ قطعی ہے اور اس کا اقرار موجبِ حد ہے) بالکل بدیہی البطلان ہے اور انتہائی جرأت ہے (کیونکہ مشائخ جوازِ زنا کا فتویٰ نہیں دے سکتے)۔ فریقِ ثانی کو ایجابِ عدت کے لیے ظاہر الروایت پر۔ جس کو فریقِ اول نے بالکل متروک قرار دیا ہے۔ عمل کرنے کی چنداں حاجت نہیں بلکہ روایتِ حسن بھی (جس کو فریقِ اول نے بھی تسلیم کیا ہے) کافی ہے۔ عدت صرف ثمرۂ فسخ ہی نہیں بلکہ متارکت وغیرہ کی صورت میں بھی واجب ہوتی ہے:

''ومنها الفرقة في النكاح الفاسد بتفريق القاضي أو بالمتاركة، وشرطها الدخول؛ لأن النكاح الفاسد يجعل منعقداً عند الحاجة، وهي عند استيفاء المنافع، وقد مست الحاجة إلى

(۱) (البحر الرائق: ۳/۲۲۶، ۲۲۷، کتاب النکاح، فصل في الكفاءة، رشیدیه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۲۷، کتاب النکاح، باب الولي، دار المعرفة بیروت)

الانعقاد لوجوب العدة وصيانته للماء عن الضياع بثبوت، اه". بدائع :۳/۱۹۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

صحیح :عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

غیر سیّد کا سیّدہ سے نکاح کرنا

سوال[۵۸۳۷]: کیا سید عورتوں سے دوسرے مسلمانوں کا شادی کرنا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حرام نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳۰/۳/۸۸ھ

---

(۱) (بدائع الصنائع : ۴/۱۱۱، كتاب الطلاق، فصل فيما يتعلق بتوابع الطلاق، دار الكتب العلمية، بيروت)

"(وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً والموطوئة بشبهة وأم ولد غير الآيسة والحامل، الحيض للموت وغيره): أى كفرقة أو متاركة .... (و) مبدؤها (فى النكاح الفاسد بعد التفريق من القاضى بينهما أو) المتاركة (على ترك وطئها)". (الدر المختار:۳/ ۵۱۶-۵۱۸-۵۲۲، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فى النكاح الفاسد والباطل، سعيد)

(۲) "وإنما تحل فى الصورة الرابعة، وهى رضا الولى بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك، اهـ".
(رد المحتار : ۳/۵۷، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد)

"هذا (أى "عدم جواز نكاحها فى غير الكفء) إذا كان لها ولى، فإن لم يكن صح النكاح اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية : ۱/ ۲۹۲، كتاب النكاح، الباب الخامس فى الأكفاء، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق : ۳/۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار : ۳/۵۷، كتاب النكاح، باب الولى، سعيد)

سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں

سوال[۵۸۳۸]: غلام حسین گوجر اپنے لڑکے کا نکاح اپنے سید بہنوئی کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہے، اس کا بہنوئی بھی راضی ہے کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح اپنے سالے کے لڑکے سے کروں گا، کشمیری علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ یہ بہت بُرا کیا کہ ایک گوجر نے سید کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا، ترک موالاۃ اور کفر کا فتویٰ دیدیا۔ تو کیا ازروئے شرع سید سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ان علماء کا کفر کا فتویٰ دینا کس حد تک صحیح ہے؟ اور کیا ایسا کرنے والا سخت گنہگار اور کافر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات صحیح ہے کہ سیدہ لڑکی کا کفو گوجر نہیں ہے(۱) اور غیر کفو میں اگر لڑکی اپنا نکاح خود کرلے تو وہ صحیح نہیں ہوتا (۲)، لیکن اگر وہ غیر کفو علم واخلاق وشرافت سے نوازا گیا ہو اور لڑکی کا دل بھی اس کو پسند کرتا ہو تو شرعاً نکاح منعقد وصحیح ہوجائے گا:

"ذکر قاضی خان فی جامعه قالوا: الحسیب کفو للنسب، فالعالم العجمیّ یکون کفواً للجاهل العربی والعلویة؛ لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومکارم الأخلاق. وفی المحیط عن صدر الإسلام: الحسیب الذی له جاه وحشمة ومنصب، اهـ". بحر: ۳/۱۳٤(۳)۔ "ولوزوج طفله غیر کفؤ وبغبن فاحش، صح، ولم یجز ذلك لغیر الأب

---

(۱) "العجمی لایکون کفواً للعربیة". (الدرالمختار: ۳/۹۲، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وکذافی البحرالرائق: ۳/۲۳۰، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۰، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیه)

(۲) "(ویفتی) فی غیر الکفوء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان)". (الدرالمختار). "أما علی روایة الحسن المختارة للفتوی من أنه لایصح. الخ". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی وباب الکفاءة: ۳/۸۴، ۹۴، سعید)

(۳) (البحرالرائق: ۳/۲۳۰، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

(وکذافی رد المحتار: ۳/۹۲، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید) .... =

والنجد، اھ". بحر: ۳/۱۳٤(۱)۔

جن حضرات نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اس کو بغیر دیکھے کیا لکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۲/۲۲ھ۔

ایضاً

سوال[۵۸۳۹]: میں نے اس سے قبل ایک فتویٰ ارسال کیا تھا مگر جواب نہیں آیا، سوال یہ ہے کہ ظریفہ دختر عمر بٹ چپڑاسی جس کا اس نے پہلے نکاح کیا تھا اس سے طلاق ملی اور ایک بچہ بھی تھا، بچہ ۲،۳/سال کا ہے اور دو سال تک باپ کے پاس رہی، اس نے شادی کا کوئی بندوبست نہیں کیا، پھر ظریفہ نے اپنی پسند سے عبد الوہاب سید کے ساتھ عدالت اور شرعی نکاح باضابطہ کیا، اس کے ساتھ رہی۔ ایک ماہ بعد زید عالم کہتا ہے کہ یہ نکاح نادرست ہے اور کفو اور غیر کفو کا مسئلہ اٹھایا۔ عالم کے گھر میں بھی ایک لڑکی ہے جو کہ گوجری کی لڑکی ہے، اگر عبدالوہاب سید اور ظریفہ میں کفو وغیر کفو ہے تو ایک امام اور سید خاندان میں ایک گوجر کی لڑکی پھر کیسے؟ اس میں بھی کفو اور غیر کفو ہے۔

میں اس وقت بھی غصہ میں ہوں، جب تک کہ جواب نہ مل جائے، مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ جلد جواب روانہ نہ کریں گے تو میں خودکشی کرلوں گا۔ اس وقت مجھے کتابوں کی بھی ضرورت ہے، غصہ میں دکھائی نہیں دیتا کہ کیا کروں۔ برائے مہربانی جلد جواب دیں۔

پیر غلام محی الدین، اننت ناگ، کشمیر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے اس سے پہلے کب سوال بھیجا، میرے علم میں نہیں، اگر تاریخ، مہینہ لکھتے تو رجسٹر میں تلاش

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۴۴، كتاب النكاح، باب الكفاءة، دار المعرفة بيروت)

(۱) (البحر الرائق: ۳/۲۳۷، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۸۵، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۵۲۲، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلميه بيروت)

کیا جاتا، آپ نے اس خط کو لکھتے وقت بھی اپنے غصہ میں ہونے کا اقرار کیا ہے اور خودکشی کی دھمکی بھی دی ہے۔ میرے محترم! بے جا غصہ اس قدر مصیبت اور خطرناک ہے کہ آدمی کی زندگی کو تباہ کردیتا ہے، ایمان کو بھی برباد کردیتا ہے۔ غور تو کیجئے کہ اگر خودکشی کریں گے تو کسی کا کیا بگاڑیں گے، مالکِ حقیقی کی دی ہوئی امانت (جان) کو ضائع اور ہلاک کریں گے جس کی وجہ سے خود بھی سخت عذاب کے مستحق ہوں گے، دنیا بھی برباد، آخرت بھی برباد۔ اِنّا للہ! آپ توبہ کریں۔

مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ سیّد اگر کسی گوجر کی لڑکی سے نکاح کرلے تو کفاءت کی وجہ سے اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۱)، ہاں! سیّد کی لڑکی اگر بغیر ولی کی اجازت کے کسی گوجر وغیرہ سے نکاح کرلے تو اس کو ناجائز کہا جائے گا(۲)، کفاءت کی رعایت لڑکی کے حق میں ہے(۳)، یہ شریعت کا مسئلہ ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) "بخلاف جانب الرجل، فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئةً له أولا، فإنه صحيح لازم". (رد المحتار: ۳/۸۵، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

"فإذا تزوجت المرأة رجلاً خيراً منها، فليس للولي أن يفرّق بينهما، فإن الولي لا يتعير بأن يكون تحت الرجل من لايكافؤه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۰، كتاب النكاح، الباب الخامس، رشيديه)

(وكذافي حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۲/۴۱، كتاب النكاح، باب الكفاءة، دارالمعرفة بيروت)

(۲) قال العلامة الحصكفيّ: "(ويفتى) في غير الكفوء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى لفساد الزمان)". (الدرالمختار). "أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لايصح". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۵۶، ۵۷، سعيد)

"فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لايصح العقد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/۸۴، ۹۴، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۲، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۳/۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۳) "(الكفاءة معتبرة من جانبه): أي الرجل؛ لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشاً للدنيء". (الدر المختار: =

سیّدہ کا نکاح پٹھان سے

سوال[۵۸۴۰]: میری دو خالائیں پٹھان چچا، یا تایا کی دختر ہیں: بڑی خالہ مرحومہ رفیع الدین کی بیگم اور دوسری خالہ مرحومہ نواب عبدالرزاق کی بیگم۔ رفیع الدین کی بڑی لڑکی سید متین سے بیاہی گئیں، ان کی ایک دختر نفیسہ پروین ہے۔ عبدالرزاق کی دختر ننھیال میں رحمت اللہ خاں سے بیاہی گئیں، ان کا ایک صاحبزادہ عزیز اللہ خاں ہے، کچھ رشتہ دار عزیز اللہ خاں کا رشتہ نفیسہ سے کرنا چاہتے ہیں، اور بعض کی رائے ہے کہ سید کی بیٹی پٹھانوں میں نہیں دی جاتی ہے کیونکہ سید کا مرتبہ بڑا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پٹھان میں اچھی صفات، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ فاضلہ موجود ہوں اور سید کی لڑکی اور اس کے ولی پسند کریں تو ایسے پٹھان سے شادی کرنا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۹/۴/۲۰ھ۔

صالح لڑکی کا نکاح فاسق وفاجر سے کرادینا

سوال[۵۸۴۱]: ایک بھائی اپنی سوتیلی بہن کو اس کی ماں کے گھر سے فریب دے کر اپنے گھر لے آیا، لڑکی کا سوتیلا بھائی فاسق فاجر قسم کا ہے اور اس کے سبھی ساتھی بھی اسی قسم کے اشخاص میں سے تھے۔ لڑکی کے بھائی نے زبردستی نشہ کی حالت میں لڑکی کو مار ڈالنے کی دھمکی دیتے ہوئے اس سے نکاح کی زبردستی اجازت لے کر ایک ایسے شخص کے ساتھ نکاح پڑھا دیا جو کہ اس وقت نشہ کی حالت میں تھا۔ لڑکی نے عدالتی طلاق حاصل کر لی ہے۔ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

= ۳/ ۸۴، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۲۹۰، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیه)

(وکذافي البحر الرائق: ۳/ ۲۲۵، کتاب النکاح، فصل في الکفاءۃ، رشیدیه)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''غیر سید کا سیدہ سے نکاح''۔)

(وأیضاً تحت عنوان: ''سیدہ کا نکاح غیر کفو میں''۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نیک اور صالح ہے، اور جس سے اس کا نکاح کیا گیا وہ فاسق فاجر شرابی ہے تو شرعاً یہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا(۱)، پھر عدالت سے فسخ کرالیا تو قانونی تحفظ بھی ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

شیخ اور خان باہم کفو ہیں

سوال[۵۸۴۲]: شیخ، خان کا کفو ہے یا نہیں، اور خان، شیخ کا کفو ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا شیخ اور خان کفو ہیں(۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة): أي تقوى، فليس فاسق كفؤاً لصالحة أو فاسقة بنت صالح، معلناً كان أو لا، على الظاهر". (الدرالمختار).

"والظاهر أن الصلاح منها أومن آبائها كاف لعدم كون الفاسق كفؤاً لها......... إذا كانت فاسقة بنت صالح، لايكون الفاسق كفؤاًلها؛ لأن العبرة لصلاح الأب، فلايعتبر فسقها، ويؤيده أن الكفاءة حق الأولياء إذا أسقطتها هي؛ لأن الصالح يعير بمصاهرة الفاسق.........و(قوله: بنت صالح) نعت لكل من قوله: صالحة وفاسقة، وأفرده للعطف "بأو" فرجع إلى أن المعتبر صلاح الآباء فقط". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/۸۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۲۳۳، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) "(و) أما في العجم فتعتبر (حريةً وإسلاماً)". (الدرالمختار). "المراد بهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب، ويسمون الموالي والعتقاء، وعامة أهل الأمصار والقرى في زماننا منهم، سواء تكلموا بالعربية أو غيرها، إلا مَن كان له منهم نسب معروف". (ردالمحتار: ۳/۸۷، كتاب النكاح، باب في الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۰، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۳/۲۳۱، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

تُرک اور انصاری کفو ہیں یا نہیں؟

سوال[۵۸۴۳]: ہماری طرف ایک جھگڑا چل رہا ہے کہ ایک جولا ہے انصاری کی لڑکی نے ایک دوسرے قوم کے آدمی سے نکاح کرلیا ہے، وہ آدمی قوم کا تُرک ہے۔ اب لڑکے والے کہتے ہیں کہ نکاح درست نہیں ہوا ہے، اب انصاری حضرات کہتے ہیں کہ تمہاری قومیت سے ہماری قومیت اعلیٰ ہے، اور ترکی حضرات کہتے ہیں کہ ہماری قومیت تمہاری قومیت سے اعلیٰ ہے۔ اب دونوں میں جھگڑا چل رہا ہے، ہماری طرف ترکی حضرات کھیتی یعنی کاشتکاری کرتے ہیں ان کے یہاں کاشتکاری ہی کا کام ہوا کرتا ہے، تو اس بارے میں مکمل جواب مطلوب ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"أما في العجم فتعتبر حريةً وإسلاماً .... وحرفةً، فمثل حائك غير كفؤ مثل خياط، الخ"۔ "قال في الملتقى وشرحه: فحائك أوحجام أو كناس أودباغ أو حلاق أو بيطار أو حداد أو صفار غير كفؤ لسائر الحِرَف كعطار أو بزاز أو صواغ .... وفي الفتح: أن الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه. وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفواً للعطار بالإسكندرية، لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدّها نقصاً ألبتة، اللهم! إلا أن يقترن بها خساسة غيرها، اهـ". رد المحتار: ۲/ ۴۳۲(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۸۷، ۹۰، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، سعید)

"والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب، وأما العجم فلايعتبر في حقهم، ولذا كان بعضهم كفؤاً لبعض .... الحرية والإسلام، فهما معتبران في حق العجم؛ لأنهم يفتخرون بهما دون النسب .... وأما السادس فالكفاءة في الحرفة .... لأن الناس يتفاخرون بشرف الحِرَف، ويتعيرون بدناءتها، وهي وإن أمكن تركها يبقى عارها .... والحائك يكون كفؤاً للعطار بالإسكندرية، لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدّها نقصاً ألبتة، إلا أن يقترن بها خساسة غيرها، اهـ". (البحر الرائق: ۳/ ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۵، کتاب النکاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۹۰، کتاب النکاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر وہاں کے عرف میں یہ شادی موجبِ عیب ونقص نہیں ہے تو لڑکی کے اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

برات، برادری اور کفاءت

سوال[۵۸۴۴]: قانونِ اسلام میں برات کا کیا درجہ ہے، چونکہ بعض اہل علم بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اور اسلام میں برادری کی کیا اصل ہے؟ اچھی طرح تشریح فرمائیں، چونکہ مولانا صاحب نے فرمایا کہ قرآن پاک میں ایک آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”ایک گھر جنتی ہے ایک گھر دوزخی ہے“ اور حضرات علماء بھی برادریوں سے ہوتے ہیں، لہذا بیاہ شادی بھی برادری کے طریقہ پر کرتے ہیں اور برادری کے رواج کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح ایک عبادت ہے اس کو سنت طریقہ پر ادا کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ چند متعارف ومخصوص لوگوں کو بُلا کر ان کے مجمع میں ایجاب وقبول کرادیا جائے، مسجد میں ہو تو اور اچھا ہے (۱)، پھر لڑکی کو دولہا کے مکان پر پہونچادیا جائے، اگر دوسرے بستی میں پہنچانا ہو تو حفاظت کی خاطر حسبِ موقع دولہا اور دلہن کی طرف سے لوگ بھی ہمراہ ہوں تو مناسب ہے، پہلے عامۃً بیل گاڑی کا سفر ہوتا تھا اور سامانِ جہیز کے متعلق چور ڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا تھا، اس لئے اس وقت کے مدبّرین نے تجویز کیا تھا کہ ہر گھر سے ایک آدمی ساتھ جائے تاکہ کسی گھر کے مصالح فوت نہ ہوں اور سامان وغیرہ کی حفاظت بھی ہوجائے اور سہولت سے سفر پورا ہوجائے، اس مجمع کا نام برات تھا۔

---

(۱) "ليس لنا عبادة شرعت من عهد آدم إلى الآن، ثم تستمر في الجنة إلا النكاح والإيمان .... (ويكون واجباً عند التوقان، وسنة حال الاعتدال) .... ويندب إعلانه .... وكونه في مسجد .... وشهود عدول .... (وينعقد بإيجاب وقبول) ......(و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معاً)". (الدر المختار: ۳/ ۳-۶، ۹-۲۱، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۵۵، كتاب النكاح، رشيديه)

جب وہ لڑکی کے مکان پر آتے تھے اور شادی کے مصالح کے لئے آتے تھے تو ان کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا۔ مستقلاً لڑکی والے کے مکان پر کھانا لازم کرنا جیسا کہ آج کل عام دستور ہوگیا ہے، یہ ثابت نہیں کہ جس شان سے لڑکے والے کھانا کھلاتے ہیں اسی شان سے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھایا جائے۔ اس طریقہ کو ترک کرنا چاہیے(۱)۔

نسبی حیثیت سے جدِ اعلیٰ کی اولاد برادری کہلاتی ہے اور نجات کا دارومدار اس پر نہیں ہے:

﴿وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إنّ أکرمکم عنداللّٰہ أتقاکم﴾(۲)۔

جس آیت کا ترجمہ آپ نے لکھا ہے اس سے برادری مراد نہیں ہے، بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ عقائد واعمال واخلاق کی حیثیت سے ایک گروہ جنتی ہے اور ایک گروہ جہنمی، کسی بھی برادری سے اس کا تعلق نسبی ہو، کسی نسبی برادری کو نہ جنتی فرمایا گیا نہ جہنمی، بلکہ جس برادری کا بھی عمل اہلِ جنت کے مثل ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جس کا عمل اہلِ جہنم کی طرح ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا، أعاذنا اللّٰہ منہ(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ومن الأعذار (المسقطة للوجوب أو الندب أن یکون فی الطعام شبهة .... أو لاتلیق به مجالسة أو یدعی لدفع شره ...... أو لیعاونه علی باطل ونحو ذلک". (مرقاة المفاتیح: ٢٥٣/٦، کتاب النکاح، باب الولیمة، رشیدیه)

"من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال". (مرقاة المفاتیح: ٣٥٣/٢، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول، رشیدیه)

(۲) (سورة الحجرات: ١٣)

(۳) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فریق فی الجنة وفریق فی السعیر﴾ (الشوریٰ: ٧)

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "سددوا و قاربوا، فإن صاحب الجنة یُختم له بعمل أهل الجنة، وإن عمل أیّ عمل. وإن صاحب النار یُختم له بعمل أهل النار وإن عمل أیّ عمل". ثم قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم .... ثم قال بالیمنی فنبذبها فقال: "فریق فی الجنة" ونبذ بالیسری، وقال: "فریق فی السعیر". (تفسیر ابن کثیر: ١٠٧/٤، سهیل اکیڈمی لاهور)

حرفت میں کفاءت

سوال[۵۸۴۵]: ایک شخص کا پیشہ درودگری کا ہے(۱) اور سہ پشت سے درودگری کے ہمراہ زراعت اور کھیتی کا کام بھی ان کی پشت میں چلا آتا ہے، قانونِ رائج میں چونکہ کمی ہیں، وہ اراضیات خرید نہیں سکتا، مگر وہ اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ وہ شخص بغیر اجازتِ ولی جائز ایک عورت روانی کو نکاح کرتا ہے جو کہ علاقۂ پنجاب میں شریف قوم سمجھی جاتی ہے اور مالک اراضیات کے اور زراعت کا کام بھی کرتے ہیں۔

اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ ناکح قوم کا درودگری غیر زراعت پیشہ ہے، درودگری کا کام بھی کرتا ہے اور زراعت کا کام بھی کرتا ہے اور عورت منکوحہ روانی قوم کی جو کہ زراعت پیشہ ہے اور اس کے اولیاء بھی زراعت کا کام کرتے ہیں، کیا ناکح بغیر رضامندیٔ ولی اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، حرفت درودگری قلبہ رانی ہے۔ بینوا توجروا۔

غلام حیدر، مدرس القرآن مظہر العلوم، واقع جامع مسجد میانوالی، پنجاب، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عورت مرد ہر دو پیشہ زراعت میں مشترک ہیں، مرد پیشۂ درودگری بھی کرتا ہے، عورت اس سے خالی ہے، پس اگر دونوں عجمی ہیں کہ کسی قبیلۂ عرب کی طرف منسوب نہیں تو بظاہر ایک دوسرے کے کفو ہیں کیونکہ عجم میں کفاءت حرفت کے اعتبار سے ملحوظ ہوتی ہے، اگر دونوں یا ایک کسی قبیلۂ عرب کی طرف منسوب ہیں تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جاسکتا ہے:

"وأما في العجم فتعتبر حريةً وإسلاماً ومالاً وحرفةً، فمثل حائك غير كفؤ لمثل خياط، الخ". درمختار ملخصاً(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ محرم/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ محرم/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲/ محرم/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "درودگر: بڑھئی"۔ (نور اللغات ۳/ ۳۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) العبارة بأسرها: "أما في العجم فتعتبر حريةً وإسلاماً .... وحرفةً، فمثل حائك غير كفؤ مثل خياط، الخ". "قال =

گوت میں نکاح کرنا

سوال[۵۸۴۶]: ا...... یہاں کے کچھ مسلمانوں میں زمانۂ قدیم سے یہ رواج ہے کہ لڑکے لڑکی کے نکاح باپ کے خاندان یعنی گوت وقبیلہ میں نہیں کرتے، اپنے ہم گوت (۱) وخاندانی لڑکا لڑکی، بہن بھائی مانتے ہوئے نکاح کرنا بُرا ونا جائز جانتے ہیں، خواہ تایا وچچا زاد لڑکا حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو، دوسرے گوت وقبیلہ میں ناخواندہ کو اچھا وجائز سمجھ کر کرتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں غیر کفو میں یعنی گوت میں نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ بموجب ارشاد واجب العمل والاعتقاد نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من تشبه بقوم، الخ" (۲) غیر گوت میں کرنا ہندووانہ رسم ہو۔

= في الملتقى وشرحه: فحائک أو حجام أو كناس أو دباغ أو حلاق أو بيطار أو حداد أو صفار غير كفؤ لسائر الحِرَف كعطار أو بزاز أو صواغ ...... وفي الفتح: أن الموجب هو استنقاص أهل العرف، فيدور معه. وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائک كفؤاً للعطار بالإسكندرية، لما هناک من حسن اعتبارها وعدم عدّها نقصاً ألبتة، اللهم! إلا أن يقترن بها خساسة غيرها، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۸۷، ۹۰، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

"والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب، وأما العجم فلايعتبر في حقهم، ولذا كان بعضهم كفؤاً لبعض .... الحرية والإسلام، فهما معتبران في حق العجم؛ لأنهم يفتخرون بهما دون النسب .... وأما السادس فالكفاءة في الحرفة .... لأن الناس يتفاخرون بشرف الحِرَف، ويتعيرون بدناءتها، وهي وإن أمكن تركها يبقى عارها......... والحائک يكون كفؤاً للعطار بالإسكندرية، لما هناک من حسن اعتبارها وعدم عدّها نقصاً ألبتة، إلا أن يقترن بها خساسة غيرها، اهـ". (البحر الرائق: ۳/ ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۵، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۹۰، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(۱) "گوت: خاندان، گھرانا، حسب نسب، فرقہ قوم"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۱، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (سنن أبي داؤد: ۲/ ۲۰۳، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الأول، قديمي)

(وفيض القدير: ۱۱/ ۵۷۴۳، نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

گوت نہ ملنے پرداماد سے ملازموں کی طرح خدمت لینا

سوال[۵۸۴۷] : ۲......اپنے قبیلہ وگوت کو چھوڑ کر غیر قبیلہ میں نکاح کرتے ہیں۔ یہ صورت کہ لڑکی کے بدلہ میں لڑکی بمحاورۂ دیہات ''آٹا ساٹا کرنے'' کو لازم بلکہ اَلزم سمجھ کر کرنا، اگر ایک طرف لڑکے والے کے یہاں لڑکی نہ ہوتو دس ہزار سے بیس بائیس ہزار روپے تک حسبِ عمروحسن وجمال نقد لینا ضروری سمجھتے ہیں، یہ امر بوقتِ خطبہ ہے، بروقتِ نکاح برادری کے حسبِ دستور مہر معجّل علیحدہ ہے، جولڑکی کا حصہ ہے۔

مہر کے علاوہ رقمِ مقررہ مذکورہ بالا بھی اگر کسی کے پاس دینے کو نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ لڑکے یعنی داماد کو آٹھ دس سال تک سسرال رہ کر خسر کے گھر کا کام نوکروں اور مزدوروں کی طرح کرنا ہوگا، صرف شبانہ روز کھانا اور ششماہی یا سالانہ پوشش کپڑا، اس کے علاوہ کچھ روپے نہیں دیتے۔ اگر کسی لحاظ سے رعایتاً ادھار ہوجائے تو آئندہ نسل میں لین دین کی وصولیابی بذریعۂ پنچایت ضروری ہے (بطور یاددہانی مستثنیٰ ہے جو اپنی جگہ میں ہے۔

مذکورہ بالا سے کچھ علاقہ نہیں)۔ کیا یہ مذکورہ شکلیں بیع وشراء نہیں بنتیں، جبکہ بیوہ مطلقہ کے بالعوض بھی دس بیس ہزار روپے جبراً لیا جاتا ہے؟ پنچایتیں ہوتی ہیں، وصولیابی ضروری ہے۔ کیا اس صورت میں نکاح کرنا درست ہے؟

ایسی تقریبات میں میانجی ومعلم کی شرکت

سوال[۵۸۴۸] : ۳......جومیاں جی ومعلم ان کے یہاں رہتے ہوئے پندونصیحت کرتے ہوں ان کی بات نہ ماننے پر بموجب قولہ سبحانہ تعالیٰ ﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾(۱)، ایسی تقریبات میں شرکت اور نکاح خوانی سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ مقتدا اور امام کی حیثیت سے فہم ناقص کے سبب غلطی وخامی سے متنبہ کیا جائے: ﴿إن أرید إلا الإصلاح﴾(۲) الخ۔ امید ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں گے۔

---

(۱) (سورۃ الأنعام: ۶۸)

(۲) (سورۃ هود: ۸۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ رسم ورواج غلط اور غیر اسلامی ہے اس کو توڑنا واجب ہے(۱)۔ خدائے پاک کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام سمجھنا بہت بڑی جہالت ہے، مگر اس کے باوجود جو نکاح دوسرے خاندان میں شرعی طریقہ پر ہوگا اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جائیگا (۲)۔ ورنہ دوسری جہالت ہوگی۔

۲...... آٹا ساٹا تو ناجائز نہیں ہے جبکہ دونوں طرف مہر مستقل ہو(۳) لیکن اس کو لازم سمجھنا غلط ہے اور

---

(۱) "من أحدث في أمرنا هذامالیس منه فهو رد". "(مالیس منه): أي رأیاً لیس له في الکتاب أو السنة عاضد ظاهر أوخفي، ملفوظ أومستنبط (فهورد): أي مردود علی فاعله لبطلانه ..... وکلما کان کذلک فهورد بهذا العمل رد". (فیض القدیر: ۵۵۹۴/۱۱، نزار مصطفی الباز مکة المکرمة)

(وکذا في مرقاة المفاتیح: ۳۱/۳، کتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۲)، رشیدیه)

(۲) "وإنما تحل في الصورة الرابعة، وهي رضاالولي بغیر الکفوء مع علمه بأنه کذلک اهـ .... إن الولي لوقال لها: أناراض بماتفعلین، أو زوّجي نفسک ممن تختارین ونحوه أنه یکفي، وهو ظاهر؛ لأنه فوّض الأمر إلیها، ولأنه من باب الإسقاط .... فلایثبت حق الفسخ حال وجود الرضا بعدم الکفء من وجه". (رد المحتار: ۸۶/۳، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

"هذا (أي عدم جواز النکاح في غیر الکفء) إذا کان لهاوليّ ولم یرض به قبل العقد...... وأما إذا لم یکن لهاولي، فهو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً". (ردالمحتار: ۵۷/۳، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(وکذافي الفتاوی العالمکیریة: ۲۹۲/۱، کتاب النکاح، الباب الخامس في الأکفاء، رشیدیه)

(وکذافي البحر: ۱۹۴/۳، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیة)

(۳) "إنما نهی عنه لخلوه عن المهر. وقد أوجبنا فیه مهر المثل، فلم یبق شغاراً. قید بالشغار؛ لأنه لوزوج بنته من رجل علی مهر مسمی علی أن یزوجه الآخر بنته علی مهر مسمی، فإن زوّجه، فلکل واحد منهماماسمی لهامن المهر". (البحر الرائق: ۲۷۳/۳، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیه)

(وکذافي الدر المختار مع ردالمحتار: ۱۰۶/۳، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: نکاح الشغار، سعید)

اَلزم سمجھنا اَغلط ہے(۱)۔ اگر بدلہ میں لڑکی نہ ملے تو روپیہ لینا رشوت ہے (۲) جوکہ حرام ہے، جس پر جہنم کی وعید ہے (۳)، پھر روپیہ نہ ہونے کی صورت میں داماد سے مزدوروں کی طرح مدتِ متعینہ تک کام لینا انتہائی تحقیر وتذلیل ہے (۴)۔ ادھار ہونے کی صورت میں آئندہ نسلوں سے وصول کرنا بڑا ظلم ہے، بیع حر باطل ہے(۵)، مسئولہ رواج صریح بیع تو نہیں ہے، ہاں صورۃً بیع کے مشابہ ہے اور بے شمار مفاسد پر مشتمل ہے، اجتماعی

(۱) "وكل جائز أدى إلى اعتقاده ذلك، كره". (رد المحتار: ۱/۳۷۱، كتاب الصلوٰة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت، سعيد)

"من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال". (مرقاة المفاتيح: ۳/۳۱، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) "(أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده)؛ لأنه رشوة". (الدر المختار). "أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً. وكذا لو أبى أن يزوجها، فللزوج الاسترداد قائماً أو هالكاً؛ لأنه رشوة". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۲۷، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۳۲۴، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي" الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهة الرشوة: ۲/۵۰۴، دار الحديث ملتان)

(وجامع الترمذي: ۱/۲۴۸، باب ماجاء في الراشي والمرتشي، سعيد)

"الراشي والمرتشي كلاهما في النار". (فيض القدير: ۷/۳۲۴۰، نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

(۴) "(و) في (خدمة زوج حر) سَنةً (للإمهار) لحرة أو أمة؛ لأن فيه قلب الموضوع". (الدر المختار). "لأن موضوع الزوجية أن تكون هي خادمةً له، لا بالعكس، فإنه حرام، لما فيه من الإهانة والإذلال". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: نكاح الشغار، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۷۳، ۲۷۴، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۵۱، كتاب النكاح، باب المهر، دار المعرفة بيروت)

(۵) "(بطل بيع ماليس بمال) ....(كالدم والميتة والحر والبيع به)". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار =

حیثیت سے سب قوم کومل کر اس کی اصلاح لازم ہے۔

۳......میاں جی اور معلم بھی ایک درجہ کا مصلح ومقتدا ہے، اس کو بھی اصلاح کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، ان کے ساتھ رل مل کر غلط اور خلافِ شرع رسم ورواج میں شرکت کرنا ان کی تقویت وتائید ہے جس کی وجہ سے وبال میں شریک شمار ہوگا اور وبال سے نہیں بچ سکے گا، وہاں کے مطابق جو تدابیر اصلاح کی مناسب ہوں اس کو اختیار کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۱ھ۔

اپنے خاندان میں نکاح نہ کرنا (گوت بچانا)

سوال[۵۸۴۹]: ایک خاندان کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے اندر اگر آپس میں لڑکے اور لڑکی

= ۵/۵۱، ۵۲، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، مطلب فی تعریف المال، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۶/۴۰۳، کتاب البیوع، باب بیع الفاسد، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۳/۶۳، ۶۴، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالمعرفة، بیروت)

(۱) "نهى الله تعالى لاتقعد مع الظالمين، وذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك وأهل الملة، لوقوع الاسم عليهم جميعاً. وذلك إذاكان في تقية من تغيره بيده أوبلسانه بعد قيام الحجة على الظالمين بقبح ماهم عليه، فغير جائز......لأن النهي عام عن مجالسة الظالمين؛ لأن في مجالستهم مختار امع ترك النكير دلالةً على الرضا بفعلهم". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۲، سورة الأنعام، باب النهي عن مجالسة الظالمين، دارالكتب العربي، بيروت)

﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ وهذه الآية هي المشار إليها في قوله: ﴿وقدنزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم ايات الله يكفر بها......إنكم إذاً مثلهم﴾ الآية، إنكم إذا جلستم معهم وأقررتموهم على ذلك فقد ساويتموهم فيماهم فيه، وقوله: ﴿وماعلى الذين يتقون من حسابهم من شيء﴾: أي إذا تجنبوهم فلم يجلسوا معهم في ذلك، فقد برؤا من عهدتهم وتخلصوا من إثمهم".

(تفسير ابن كثير: ۲/۱۴۴، سورة الأنعام، الجزء: ۷، سهيل اكيدمى لاهور)

کا رشتہ کرتے ہیں تو وہ راس نہیں آتا ہے اور یہ عمل پہلے سے چلا آرہا ہے، اس کی وجہ سے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض وقت باہر سے لڑکیاں اپنے خاندان کے لڑکوں کے لیے نہیں ملتیں، اگر ملتی ہیں تو دوسرے خاندان کی لڑکیاں اس خاندان کے موافق تربیت یافتہ نہیں ہوتیں، جس کی وجہ سے اختلافات جھگڑے اکثر ہوتے ہیں، اور لڑکے اور لڑکیاں دوسرے خاندان میں جانا نہیں چاہتی ہیں، لیکن والدین مجبوراً شادیاں کردیتے ہیں۔

اسی طرح لڑکیوں کا حال ہے کہ ان کی شادی دوسری جگہ کرنے میں وہ کیونکہ راضی نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے شریف لڑکیاں اس قلبی تکلیف کو تمام عمر کے لئے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں اور جس کی وجہ سے ان کی زندگی مایوس کن اور زندگی کی تمام تمناؤں کا خون پہلے ہی ہو جاتا ہے، مگر عقیدہ یہی ہے کہ اپنے رشتے راس نہیں آتے۔ اگر اس بارے میں خاندان کے بزرگوں سے دلیل پوچھی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ چند واقعات مثلاً یہ کہ فلاں رشتہ ہوتے ہی فلاں تکلیف اس گھر کے اندر شروع ہوگئی، فلاں رشتہ سے فلاں جھگڑا شروع ہوا، ان کے دو جوڑے میں لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں، یا فلاں آدمی کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

اس قسم کے واقعات کو پیش کرکے دلیل بتاتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کسی بزرگ نے ہمارے خاندان کو بددعاء دی تھی جس کی وجہ سے رشتے راس نہیں آتے، جس کی وجہ سے خاندان میں مزید یقین بڑھ گیا اور اب تو اس کے خلاف کوئی بھی تعلیم نہیں کرتا ہے۔

چنانچہ ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا رشتہ ایسے لڑکے سے کردیا کہ لڑکی سخت مجبور ہے اور گوارہ کررہی ہے، اسی طرح خاندان میں پڑھا لکھا لڑکا بھی راضی ہے، لیکن والدین اسی وجہ سے راضی نہیں ہیں۔ آپ فرمائیں کہ ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ اور رکھنے والے کے متعلق کیا حکم ہے، اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اوہام تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہیں، ان کو ترک کرنا واجب ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اپنے ہی خاندان میں کی ہے(۱) اور تمام امتِ مسلمہ کا

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن علياً مني وأنا منه): أي في النسب" الخ .... "وعن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "خطب أبوبكر وعمر =

تعامل بھی یہی چلا آرہا ہے، لیکن ہندوستان کی بعض اقوام نے قبولِ اسلام کے بعد بھی اپنی خاندانی گزشتہ رسوم کو جہالت کی بنا پر باقی رکھا، ان میں سے یہ بھی ایک چیز ہے۔ مسلمانوں کے لیے کسی رملی وغیرہ کا قول ہرگز قابلِ التفات نہیں، وہ اپنی اس جہالت سے توبہ کریں۔ دینی کسی منفعت کے فوت ہوجانے پر ایسی بددعا دینا جس کا پشتہا پشت تک اثر باقی رہے اور سنت پر عمل کرنے سے خاندان کے خاندان محروم ہوجائیں، بزرگوں کی شان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر خاندان میں جائز ومسنون طریقہ پر شادی کرنا شروع کریں، راس آنے نہ آنے کا فکر نہ کریں۔ موت ومرض ونقصان سب کچھ پہلے سے مقدر میں لکھا ہوا ہے وہ ہوکر رہے گا(۱)، لڑکا اور لڑکی بالغ ہوکر اپنا نکاح مہرِ مثل پر اپنے خاندان میں گواہوں کے سامنے خود کرلیں تب بھی درست ہے (۲)، ان کی مرضی کے خلاف غیر خاندان میں زبردستی ان کا نکاح کرنا بڑا ظلم ہے (۳)، خاص کر غیر کفو میں جس سے

= رضي الله تعالیٰ عنهما– فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إنها صغیرة". ثم خطبها علیّ، فزوجها منه". (مرقاة المفاتیح: ۴۲۱/۱۰، ۴۲۷، کتاب المناقب والفضائل، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه، الفصل الثاني والثالث، رشیدیه)

(وسنن النسائي: ۶۹/۲، کتاب النکاح، تزوج المرأة مثلها في السن، قدیمي)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وکان أمر الله قدراً مقدوراً﴾ (سورة الأحزاب: ۳۸)

(۲) "نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولي؛ لأنها تصرفت في خالص حقها، وهي من أهله، لکونها عاقلةً بالغةً ...... وروی الحسن: إن کان الزوج کفوءاً، نفذ نکاحها". (البحر الرائق: ۱۹۲/۳، ۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا في الهدایة: ۳۱۱/۲، کتاب النکاح، باب في الأولیاء، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في الدر المختار: ۵۵/۳، ۵۶، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(۳) "(ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولایة بالبلوغ". (الدر المختار: ۵۸/۳، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۱۹۲/۳، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا في الهدایه: ۱۹۴/۲، کتاب النکاح، باب في الأولیاء والأکفاء، شرکة علمیة)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۲۸۷/۱، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء، رشیدیه)

بسا اوقات پوری زندگی برباد ہوتی ہے اور مصالحِ نکاح حاصل نہیں ہوتے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/محرم الحرام/۸۹ھ۔

باپ کا اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرنا

سوال [۵۸۵۰]: نحمده ونصلي على رسوله الكريم! ایک شخص مسمّی زید اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرتا ہے محض لالچِ دنیوی پر، ان سے مال لینا چاہتا ہے، لڑکی کی صلاح کی بابت کچھ نہیں اور اس کے نشیب وفراز کی طرف خیال نہیں کرتا۔ اب لڑکی بعد بلوغیت اس نکاح اپنے والد کے کئے ہوئے سے متنفر ہے اور اپنے کفو میں خیال رکھتی ہے۔ از دریں صورت علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر باپ سئی الاخلاق ہونے کے ساتھ مشہور ہے، مثلاً لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ بہت کم عقل اور بیوقوف ہے کہ اپنے نفع ونقصان کو نہیں سوچتا، یا اس قدر لالچی ہے کہ روپیہ کے مقابلہ میں عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتا، پھر اس نے اس بات کو جانتے ہوئے نکاح کیا ہے کہ یہ غیر کفو ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کو اختیار حاصل ہے (۱) کہ حاکم مسلم کے ذریعے سے اس نکاح کو فسخ کرادے (۲)۔ اگر باپ کا سئی الاخلاق، سئی الاختیار

---

(۱) "حتیٰ لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه، لايجوز عقده .... ثم اعلم أن مامر عن النوازل: أن النكاح باطل، معناه أنه سيبطل كمافي الذخيرة؛ لأن المسألة مفروضة فيما إذا لم ترض البنت بعد ماكبرت". (ردالمحتار: ۳/۶۶، ۶۷، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"وقيده الشارحون وغيرهم بأن لايكون معروفاً بسوء الاختيار، حتى لو كان معروفاً بذلك مجانةً وفسقاً، فالعقد باطل، الخ .... وفي الظهيرية: يفرق بينهما، ولم يقل: إنه باطل، وهو الحق، ولذا قال في الذخيرة في قولهم: فالنكاح باطل: أي يبطل". (البحر الرائق). "(قوله: إن النكاح باطل) لايخفى أن قولهم: "النكاح باطل" إنما هو بعد ردها، وذلك لايفيد بطلانه من أصله .... وقد رأيته كذلك في الخانية، والذخيرة، والولوالجية والتجنيس، والبزازية، فكلهم ذكروا البطلان بعد الرد". (البحر الرائق مع منحة الخالق: ۳/۲۳۷، ۲۳۸، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) "ويشترط فيه (أي في خيار البلوغ) القضاء، بخلاف خيار العتق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح =

ہونا مشہور نہیں تو پھر نکاح درست ولازم ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ باپ کے ذہن میں لڑکی کی کوئی ایسی مصلحت ہو جو اس کفاءت سے بڑھ کر ہو، هكذا في رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کرنا

سوال [۵۸۵۱]: آج کل پنجاب میں یہ مرض عام پھیل گیا ہے کہ عموماً کنواری لڑکیاں محض فساق سے خفیہ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی ہیں، کئی دنوں کے بعد وہ فساق ان کو والدین کے گھر سے کوئی موقع پا کر لے بھاگتے ہیں، اور کسی اَور علاقہ میں جا کے نکاح کر لیتے ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باکرہ (بالغہ) کا نکاح بغیر اجازتِ ولی جائز ہے جس سے فساق نے ناجائز نفع اٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے فساد برپا ہو رہا ہے۔ کیا آج کل انسدادِ فتنہ کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدمِ جوازِ نکاحِ باکرہ بغیر رضائے ولی پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، اور اس پر عمل جائز نہیں، جبکہ دیگر ائمہ بھی امام شافعی کے متفق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس مرض کا علاج یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے

= الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۱۷۸، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم إسقاط الحمل، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۳/۲۱۱، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۱) "ولزم النكاح إن كان الولي أباً أوجداً لم يعرف منهما سوء الاختيار، وإن عرف لايصح". (ردالمحتار: ۳/۶۷، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"(ولوزوج طفله من غير كفء أو بغبن فاحش، صح، ولم يجز ذلك لغير الأب والجد) ..... وأطلق في الأب والجد، وقيده الشارحون وغيرهم بأن لايكون معروفاً بسوء الاختيار ...... إذا كان عالماً بأنه ليس بكفء، علم أنه تأمل غاية التأمل وعرف هذا العقد مصلحة في حقها". (البحر الرائق: ۳/۲۳۷، ۲۳۸، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۹۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(کہ) بعد بلوغ لڑکیوں کی شادی میں اپنے رواج، یا قومی مصالح، یا ذاتی منافع کی بناء پر تاخیر نہ کی جائے، نیز شادی سے قبل لڑکی سے استیذان کیا جاوے تاکہ اس کی رضا وعدمِ رضا کا بھی اندازہ ہو جائے۔ یہ علاج مذہبِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موافق اور احادیث سے ثابت ہے، دیگر ائمہ بھی اسی میں متفق ہیں۔ جبکہ متفق علیہ اور مسنون طریقہ موجود ہے پھر مذہب کو چھوڑنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے (۱)، دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا اس مسئلہ میں درست نہیں (۲)۔

نوٹ: اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں اپنا نکاح خود کرے تو امام صاحبؒ کے ایک قول کے مطابق اس کا نکاح ہی درست نہیں ہوتا، اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، عبد اللطیف، ۱۳۶۲/۱۱/۲۶ھ۔

---

(۱) "وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنهم عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: "فی التوراة مکتوبٌ: من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنةً، ولم یزوجها، فأصابت إثماً، فإثم ذلک علیه".

(مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قدیمی)

"وقال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ولا تنکح البکر حتی تستأذن". (مشکوة المصابیح، المصدر السابق، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قدیمی)

"(قوله: وهو السنة) بأن قال لها: فلان یخطب أو یذکرک فسکتت، وإن زوجها بغیر استیمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف علی رضاها". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۹، رشیدیه)

(۲) "وفی الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلی مذهب باجتهاد وبرهان اثم یستوجب التعزیر. فبلا اجتهاد وبرهان أولی". (الحموی شرح الأشباه، کتاب الحدود و التعزیر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فیما إذا ارتحل إلی غیر مذهبه: ۴/۸۰، سعید)

(۳) "(ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوی ... (لفساد الزمان)".

(الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۵۶، ۵۷، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۳۱۴، شرکة علمیة)

(وکذا فی ملتقی الأبحر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۴۸۸-۴۹۰، غفاریة)

بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں

سوال[۵۸۵۲]: ایک لڑکی آگرہ ہوسٹل میں نرس کی ٹریننگ کررہی تھی، دوران ٹریننگ ایک لڑکا ملا جس نے اپنے آپ کو سی آئی ڈی انسپکٹر بتایا، ذات سید بتائی اور بغیر شادی شدہ بتایا، لڑکی بھی سیّد کی تھی، پھر اسی دوران نکاح ہوگیا، آگرہ میں لڑکی کے والدین کو کوئی اطلاع نہیں۔ پھر لڑکی کا کہنا ہے کہ مجھے وکیل گواہ بھی معلوم نہیں کہ کون بنا، صرف ایک جگہ دستخط کرائے گئے، نکاح لڑکے نے کسی غیر آدمی کے گھر پر کرایا۔ لڑکا میرٹھ کا رہنے والا ہے۔

جب لڑکی چھٹی لیکر لڑکے کے گھر پر آئی تب لڑکی کو سب حقیقت معلوم ہوئی کہ دھوکہ ہوا ہے، لڑکا بلیک کا کام کرتا ہے، ذات جولاہا، شادی شدہ ہے، دو بیویاں ہیں: ایک چھوڑ رکھی ہے، ایک گھر پر موجود ہے۔ پھر لڑکی لڑکے کو چھوڑ کر مظفرنگر اپنے باپ کے پاس آئی، پھر لڑکا مظفرنگر آیا اور لڑکی کے والدین سے کہا کہ لڑکی میرے نکاح میں ہے، میرے ساتھ شادی ہوئی ہے۔ لڑکی کے والدین نے کہا کہ بغیر ہماری اجازت نکاح کیسے ہوا؟ وکیل کون بنا؟ نکاح کا کاغذ دکھاؤ، ہم تصدیق کریں گے کہ کس نے بغیر ہماری اجازت کے نکاح پڑھایا ہے؟ ابھی تک کاغذ نہیں دکھایا گیا۔ ایسا دھوکہ دے کر بغیر ماں باپ کی اجازت کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیّد کی لڑکی کا جولاہا کفو نہیں (۱)، بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو بغیر ولی کی اجازت کے مفتیٰ بہ قول

---

(۱) "(و) أما في العجم فتعتبر (حريةً وإسلاماً)". (الدرالمختار). "المراد بهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب، ويسمون الموالي والعتقاء، وعامة أهل الأمصار والقرى في زماننا منهم، سواء تكلموا بالعربية أو غيرها، إلا مَن كان له منهم نسب معروف". (ردالمحتار: ۸۷/۳، كتاب النكاح، باب في الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۰/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۲۳۱/۳، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

"(العجمي لايكون كفئاً للعربية)". (الدرالمختار: ۹۲/۳، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد) =

پر منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا (۱)، طلاق کی بھی ضرورت نہیں، کسی مناسب جگہ لڑکی کا نکاح کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۴ھ۔

لڑکی اور ولی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح ہوا تو برادری کو ترکِ تعلق کا حق نہیں

سوال [۵۸۵۳]: زید ایک دیندار اور مالدار شخص ہے، اس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنی اور لڑکی کی رضامندی سے غیر کفو میں کردیا، لڑکا جس سے نکاح کیا وہ بھی دیندار باحیثیت ہے۔ تو کیا غیر کفو میں نکاح کردینے سے زید کی برادری کو یہ حق ہے کہ وہ زید سے ترکِ تعلقات کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفاءت لڑکی اور اس کے ولی کا حق ہے (۳)، جب دونوں اپنے اس حق کو ختم کرنے پر رضامند ہوں تو

= (وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۳۰، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۲۹۰، کتاب النکاح، الباب الخامس، رشیدیہ)

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ: "(ويفتى) في غير الكفوء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)". (الدرالمختار). "أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لايصح".

(ردالمحتار، باب الولي: ۳/۵۶، ۵۷، سعید)

"فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لايصح العقد". (ردالمحتار: كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/۸۴، ۹۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۲۹۲، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الأکفاء، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیہ)

(۲) "فلايتحقق الطلاق في النكاح الفاسد (ففي الباطل بالطريق الأولى)". (ردالمحتار: ۳/۲۸۴، سعید)

"وقدمر قبله أن (محله المنكوحة): أي ولو معتدةً عن طلاق رجعي، الخ ...... بخلاف عدة الفسخ بحرمة مؤبدة .... أو غير مؤبدة كالفسخ بخيار ...... عدم كفاءة ...... فلايقع الطلاق فيها". (رد المحتار: ۳/۲۲۷، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور، ۳/۲۳۰، سعید)

(۳) "وظاهر قوله: كحق الكفاءة، الاتفاق على أنه حق لكل منهما". (ردالمحتار: ۳/۸۵، كتاب النكاح =

برادری کو ترکِ تعلقات کرنے کا حق نہیں، بلکہ یہ ترکِ تعلق کی سزا غلط ہے، ظلم ہے(۱)۔ مسئلہ کی تفصیل کتبِ فقہ بحر(۲) عالمگیری(۳) خانیہ(۴) ردالمحتار(۵) وغیرہ میں ہے۔ لڑکے میں بعض دفعہ ایسا جوہر ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے حقِ کفاءت کو ختم کردینا لڑکی کے حق میں انفع ہوتا ہے(۶)، اس کے نظائر سلفِ صالحین میں موجود ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۱۳۹۷ھ۔

کفاءت زائل ہوجانے کے بعد نکاح کا فسخ کرنا

سوال[۵۸۵۴]: ایک عالم فاضل اجل کی دختر صغیرہ کا نکاح ہوا ایک صغیر السن لڑکے سے جو اچھے

= النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(۱) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۷۵۸/۸، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رشيديه)

(۲) "وإن زوجها الأولياء برضاها، ولم يعلموا أنه عبد أوحر، ثم علموا، لاخيار لأحدهم". (البحر الرائق: ۲۲۵/۳، الكتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۳) "وإن كان الأولياء هُمُ الذين باشروا عقد النكاح برضاها، ولم يعلموا أنه كفء أو غير كفء، فلاخيار لواحد منهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۳/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس، رشيديه)

(۴) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۳۵۳/۱، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۵) (رد المحتار: ۸۵/۳، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(۶) "(أنه لِوُفُور شفقته بالأبوة لايزوّج بنته من غير كفء أو بغبن فاحش، إلا لمصلحة تزيد على هذا الضرر كعلمه بحسن العشرة معها وقلة الأذى ونحو ذلك". (رد المحتار: ۶۷/۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۱/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۳۷/۳ ۲۳۸، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيدية)

حال وذات کا تھا اور جس میں امید تھی کہ یہ علم پڑھے گا اور صالح ہوگا اور فسق وفجور سے مجتنب رہے گا، مگر سنِ شعور سے لیکر اب تک چوبیس، پچیس سال کی عمر کو پہونچ چکا ہے، فسق وفجور میں رہا، ترکِ صلوۃ عمداً، حقہ نوشی، دنگل وتماشابینی وغیرہ میں منہمک ہے۔ کیا شرعاً ایسے نکاح کے متعلق تنسیخ وفسخ کی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ نکاح لڑکا صغیر السن تھا، عیوبِ مذکورہ اس وقت تو موجود نہیں تھے، بلکہ بعد میں پیدا ہوئے ہیں، پس ایسے عیوبِ مذکورہ کی بناء پر شوہر فاسق وفاجر تو ہوگیا جس سے کفاءت زائل ہوگئی، مگر اس کفائت کے زائل ہونے سے فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، کیونکہ کفائت بوقتِ نکاح معتبر ہے بعد میں زائل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر بوقتِ نکاح فسق وفجور لڑکے میں موجود ہوتا تو وہ کفو نہیں تھا اور خیارِ کفاءت حاصل ہوتا اب حاصل نہیں:

"والکفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد، فلایضرّ زوالها بعده، فلو کان وقته کفوأ ثم فجر، لم یفسخ، الخ". درمختار۔ "(قوله: ثم فجر) الأولی أن یقول: ثم زالت کفاء ته؛ لأن الفجور یقابل الدیانة، وهی إحدی مایعتبرفی الکفاءة، الخ". رد المحتار: ۲/۴۹۸ باب الکفاءة (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۹/۱۰/۳ھ۔

لڑکی کا نکاح غیر برادری میں

سوال[۵۸۵۵]: ۱..... زید چھپائی کا کام کرنے والے چھپا برادری سے تعلق رکھتا ہے، یہ برادری عموماً شادی بیاہ رشتہ داری برادری کے لوگوں ہی تک محدود رکھتا ہے، مگر اس کے علاوہ بھی خاص مثالیں موجود ہیں۔ زید کی ایک لڑکی بیوہ مطلقہ ہے، زید نے اپنی برادری میں دو سال تک بڑی سرگرمی کے ساتھ اس کے لیے رشتہ کی تلاش کی مگر ناکامی ہونے پر ایک دوسری برادری کے مفتی، پرہیزگار، عالم دین لڑکے کے ساتھ رشتہ کرنے کی بات سوچی، چند احباب سے مشورہ وذکر کیا، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب نے بھی معاملات کی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۹۲، کتاب النکاح، باب الکفاء، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۹۱، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۲۸، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

نزاکت کو سمجھتے ہوئے اجازت دے دی۔ مگر ابھی رشتہ پختہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ برادری کے چند لوگوں نے شدید رخنہ اندازی اور فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی، انہوں نے سرراہ زید کی لڑکی اور ہونے والے داماد اور اس کی برادری کی تحقیر اور تضحیک کرنا شروع کردیا، اور جب بھی انہیں یہ بتلایا گیا کہ شریعت نے دوسری برادری میں نکاح کرنے سے منع نہیں کیا ہے، تو کھل کر گالیوں اور بدتمیزی کا مظاہر کیا گیا۔ اس پر بھی بس نہیں کیا گیا اور ایک تحریر جمعیت چھپائی کے نام لکھی گئی جس پر لوگوں کو ورغلا کر اس بات کے انفرادی دستخط کرائے گئے کہ یہ شادی غلط ہو رہی ہے اسے روکنا ضروری ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر اگر زید اپنی لڑکی کا نکاح دوسری برادری کے لڑکے سے کردے تو یہ فعل جائز ہوگا یا ناجائز؟

۲...... برادری میں رشتہ نہ ملنے پر لڑکی کا نکاح دوسری برادری کے اور دیندار شخص سے محض برادری کے اختلاف کی وجہ سے نہ کرنے دینا اور لڑکی کو مجبوراً بیٹھائے رکھنے پر مجبور کرنا شرعاً کیسا ہے؟

۳...... برادری کے غیر متعلق اشخاص کا اس رشتہ کے بارے میں دوسرے لوگوں کو مخالفت پر ابھارنا اس فعل کو ناجائز اور غلط بتلانا، ورغلا کر تحریر میں دستخط کروانا اور جو لوگ ان کا ساتھ نہ دیں، انہیں گالیوں سے نوازنا اور برادری سے خارج کردینے کی دھمکی دینا، زید اور زید کی لڑکی اور ہونے والے رشتہ دار اور اس کی برادری کی تحقیر و تضحیک کرنا شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

۴ ...... مندرجہ بالا حرکتیں شرعاً کس زمرہ میں آتی ہیں؟ کیا ایسے لوگوں کو نماز میں امامت کیلئے کھڑا کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان لوگوں کے پیچھے پڑھی گئی نماز درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لڑکی بھی رضامند ہو، لڑکی کا والد بھی رضامند ہو تو مصلحت کے پیش نظر اس میں مضائقہ نہیں، بلکہ جائز اور درست ہے(۱)۔

---

(۱) "وإنما تحل في الصورة الرابعة، وهي رضا الولي بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك، اهـ".
(ردالمحتار: ۳/۵۷، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

"هذا (أي عدم جواز نكاحها في غير الكفء) إذا كان لها ولي، فإن لم يكن صح النكاح اتفاقاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۲، کتاب النکاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه) =

۲..... یہ ظلم ہے، اس میں مفاسد ہیں (۱)۔

۳..... یہ غلط کام ہے، غلط کام کی اعانت ہے شرعاً جائز نہیں، اس کا انجام دنیا وآخرت میں بُرا ہے (۲)۔

۴..... مقتدی بھی ایسے ہی ہوں، امام بھی ایسے ہی ہوں تو پھر کیا پوچھنا؟ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح راستہ پر چلائے، غلط راستہ سے بچائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۶ھ۔

نداف کی لڑکی کو پٹھان لیکر بھاگ گیا، ان کا نکاح

سوال [۵۸۵۶]: رشید احمد نداف کی لڑکی شفیعہ بیگم بالغہ کو سلیمان خان پٹھان لیکر بھاگ گیا اور کہیں جا کر شفیعہ بیگم کی مرضی سے سلیمان خان نے نکاح کرلیا بغیر والدین کی مرضی کے، اور ایک ماہ کے بعد رشید احمد نے بذریعۂ پولیس لڑکی کو گرفتار کرا کر اپنی ضمانت پر لے کر اپنے گھر لے آیا۔ بہت آدمی کہتے ہیں کہ نداف (۳) کی لڑکی کا نکاح سلیمان سے جائز نہیں ہوا، کیونکہ غیر برادری ہے اور بغیر ولی کی اجازت نکاح ہوا، غیر برادری ہونے کی وجہ سے نکاح جائز نہیں، اس وقت عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے، سلیمان بھی ضمانت پر ہے اور طلاق دینے کو تیار نہیں۔ ان حالات میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستانی نسلوں میں نسب کے اعتبار سے کفاءت معتبر نہیں (۴)، لہذا اس نکاح کو غیر معتبر قرار دینے

= (وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۵۷، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ الآية (سورة البقرة: ۲۳۲)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان، واتقوا الله، إن الله شديد العقاب﴾ (المائدة: ۲)

(۳) ''نداف: روئی دھنکنے والا، دھنیا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۴، فیروز سنز، لاہور)

(۴) " والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب، وأما العجم فلا يعتبر في حقهم، ولذا كان بعضهم=

یا فسخ کرانے کے لئے یہ وجہ کافی نہیں، لیکن اگر لڑکی کا والد بہت صالح اور متبع سنت ہے اور جو پٹھان اس لڑکی کو بھگا کرلے گیا وہ آوارہ، بدچلن، فواحش میں مبتلا ہے، اور اس کی یہ بدچلنی مشہور ومعروف ہے اور اس نکاح سے لڑکی کے خاندان کو عار لاحق ہوتی ہے (۱) اور لڑکی نے بغیر والد سے مشورہ کئے یہ نکاح بہت ہی غلط طریقہ پر بھاگ کر کیا ہے، اور والد اس کو منظور کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا (۲)، طلاق کی بھی

= كفؤاً لبعض". (البحر الرائق: ۲۳۱/۳، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار: ۸۷/۳، كتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

"والموالي وهم غير العرب .... بعضهم أكفاء لبعض .... لأنهم يتفاخرون بهما (أي الحرية والإسلام) دون النسب". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۰/۱، ۲۹۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(۱) "(و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة): أي تقوى، فليس فاسق كفؤاً لصالحة أو فاسقة بنت صالح، معلناً كان أولا، على الظاهر". (الدرالمختار).

"والظاهر أن الصلاح منها أومن ابائها كاف لعدم كون الفاسق كفؤاً لها .... إذا كانت فاسقةً بنت صالح، لايكون الفاسق كفؤاً لها؛ لأن العبرة لصلاح الأب، فلايعتبر فسقها، ويؤيده أن الكفاءة حق الأولياء إذا أسقطتها هي؛ لأن الصالح يعير بمصاهرة الفاسق .... و (قوله: بنت صالح) نعت لكل من قوله: صالحة وفاسقة، وأفرده للعطف "بأو" فرجع إلى أن المعتبر صلاح الأباء فقط". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۸۹/۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲۳۳/۳، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفيّ: "(ويفتى) في غيرالكفوء (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى (لفسادالزمان)". (الدرالمختار). "أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لايصح". (ردالمحتار، باب الولي: ۵۶/۳، ۵۷، سعيد)

"فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لايصح العقد". (ردالمحتار: كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۸۴/۳، ۹۴، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۲/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۱۹۴/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

ضرورت نہیں (۱)، لڑکی کو جب ایک حیض آجائے (۲) تو اس کی اجازت سے دوسری جگہ نکاح کردینا درست ہوگا (۳)، البتہ قانونی تحفظ پہلے کرلیا جائے۔ اور احوط یہی ہے کہ اس نکاح کو باقاعدہ عدالتِ مسلمہ سے فسخ کرالیا جائے (۴)۔ لیکن اگر وہ شخص جس سے لڑکی نے نکاح کرلیا ہے ایسا باوجاہت ہے کہ اس سے نکاح کرنا باعثِ عار شمار نہیں ہوتا تو یہ نکاح درست ہوگیا اور اس کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں (۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "فلایتحقق الطلاق فی النکاح الفاسد(ففی الباطل بالطریق الأولیٰ)". (ردالمحتار: ۳/۲۸۴،سعید)

"وقد مر قبله أن (محله المنکوحة): أی ولو معتدةً عن طلاق رجعی الخ .... بخلاف عدة الفسخ بحرمة مؤبدة ....أوغیرمؤبدة کالفسخ بخیار ....عدم کفاءة .... فلایقع الطلاق فیها". (رد المحتار: ۳/۲۲۷،کتاب الطلاق، ومطلب طلاق الدور،۳/ ۲۳۰، سعید)

(۲) "(وعدة ....المؤطوءة بشبهة الحیض للموت وغیره): أی کفرقة أو متارکة؛ لأن عدة هؤلاء لتعرف براءة الرحم وهو بالحیض". (الدرالمختار). "أی لأجل أن یعرف أن الرحم غیرمشغول، لالقضاء حق النکاح، إذ النکاح صحیح والحیض هو المعرف". (ردالمحتار: ۳/ ۵۱۷،۵۱۸، کتاب الطلاق، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل، سعید)

(۳) "إذا زوج الثیب فرضیت بقلبها، ولم تظهر الرضا بلسانها، کان لها أن ترد؛ لأن المعتبر الرضاباللسان أو الفعل الذی یدل علی الرضا". (رد المحتار :۳/۶۲،کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۴) "ولایکون التفریق بذلک إلاعند القاضی، أما بدون فسخ القاضی فلاینفسخ النکاح بینهما، وتکون هذه الفرقة بغیر طلاق". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۹۲، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الکفاءة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/ ۳۵۱، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

(۵) "نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولی .... روی الحسن: إن کان الزوج کفئاً نفذ نکاحها، وإلا فلم ینعقد أصلاً". (البحر الرائق: ۳/ ۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذافی الدرالمختار : ۳/ ۵۵،۵۶،کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء : ۲/ ۳۱۳، شرکة علمیة)

بنجارے اور رنگریز ایک دوسرے کے کفو ہیں یا نہیں؟

سوال [۵۸۵۷]: بنجارے اور رنگریز باہم کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ عرفاً برابر کے سمجھے جاتے ہوں تو کفو ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۱۳۹۶ھ۔

نومسلم کی کفاءت

سوال [۵۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صورت مسئلہ میں:

ایک غیر مسلم مسلمان ہوا، اس نے ترجمہ ومطلب کے ساتھ پورا کلمہ "لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله" پڑھا۔ اس کے بارے میں ہمارے یہاں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے، ہم اس کو اپنی سوسائٹی کا فرد تصور کریں گے اور اسے وہ سب حقوق دیں گے جو اسلام نے مسلم کو دیا ہے۔ دوسرا گروہ جو اکثریت میں ہے اس کا کہنا ہے کہ جب تک وہ پورا مسلمان نہ ہولے، نماز، روزہ وغیرہ سیکھ کر عمل کرنے نہ لگے تب تک ہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کریں گے، ہم اسے اپنی بیٹی اس وقت نہ دیں گے، نہ حقہ پانی میں شریک کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ شخص مسلمان سمجھا جائے گا یا نہیں اور یہ کہ اسے مسلم سوسائٹی کا فرد جان کر حقوق دیئے جائیں گے یا نہیں؟ ممکن ہو تو مختصراً دلائل بھی پیش کردیئے جائیں۔

المستفتی: بشیر احمد بستوی، بتوسط جناب صدر دارالمعلومات سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شخص شرعاً مسلمان ہے، اس کے جان مال کی اسی طرح حفاظت کی جائے گی جس طرح قدیم الاسلام اور پورے دین پر عمل کرنے والے کے جان مال کی حفاظت کا حکم ہے، اسلام کی وجہ سے گذشتہ معاصی

---

(۱) "إن الموجب هو استنقاص أهل العرف، فيدور معه". (ردالمحتار: ۳/۹۰، کتاب النكاح، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۳۰۲، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

معاف ہو گئے:

"عن أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا: لا إلٰہ إلا اللّٰہ، فمن قال: لا إلٰہ إلا اللّٰہ، فقد عصم منی نفسہ و مالہ إلا بحقہ، وحسابہ علی اللّٰہ، اھ". کذا فی البخاری فی کتاب الجہاد(۱)۔

محض کلمہ پڑھنے والے کو اگر کسی شخص نے عینِ جہاد میں قتل کر دیا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر عتاب فرمایا ہے(۲) اور معاوضۂ قتل کا حکم فرمایا ہے۔ رہا بیٹی دینا تو شرعاً اس کی ممانعت نہیں، جو شخص مسلمان ہوا اور وہ پورے دین پر عمل کرتا ہو، اس کا وہ شخص برضائے اولیاء کفو بن سکتا ہے جو کہ آج ہی اسلام لایا ہے اور بجز شہادتین کے اس کو دین کا کوئی علم حاصل نہیں، فقہاء نے باب الکفاءت میں اس کو ذکر کیا ہے(۳)۔

---

(۱) (الصحیح للبخاری: ۱/۴۱۴، باب دعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی الإسلام، قدیمی)

"عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أمرت أن أقاتل الناس حتی یشہد أن لا إلٰہ إلا اللہ وأن محمداً رسول اللہ، ویقیموا الصلوۃ، ویؤتوا الزکوۃ، فإذا فعلوہ عصموا منی دمائہم وأموالہم، وحسابہم علی اللہ".

"عن أبی مالک عن أبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من قال: لا إلٰہ إلا اللہ، وکفر مما یعبد من دون اللہ، حرم مالہ و دمہ، وحسابہ علی اللہ".

(الصحیح لمسلم ۱/۳۷، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس، قدیمی)

(وسنن ابن ماجۃ، ص: ۲۸۱، أبواب الفتن، باب الکفّ عمن قال: لا إلٰہ إلا اللہ، قدیمی)

(۲) "عن أسامۃ بن زید بن حارثۃ یحدّث قال: بعثنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم إلی الحرقۃ من جہینۃ، فصبحنا القوم، فہزمناہم. قال: ولحقتُ أنا و رجل من الأنصار رجلاً منہم، فلما غشیناہ، قال: لاإلٰہ إلا اللہ. قال فکف عنہ الأنصاری، وطعنتُہ برمحی حتی قتلتُہ. قال: فلما قدمنا، بلغ ذلک النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال لی: "یا أسامۃ! أقتلتہ بعد ماقال: لا إلٰہ إلا اللہ"؟ قال: قلت: یا رسول اللہ! إنما کان متعوذاً قال: قال: "أقتلتہ بعد ما قال: لا إلٰہ إلا اللہ"؟ قال: فمازال یکررہا علیّ حتی تمنّیت أنی لم أکن أسلمت قبل ذلک الیوم". (الصحیح للمسلم: ۱/۶۸، باب تحریم قتل الکافر بعد قول: لا إلٰہ إلا اللہ، قدیمی)

(۳) جدید الاسلام شخص قدیم الاسلام عورت کا کفو نہیں ہوتا: "ومن أسلم بنفسہ لا یکون کفواً لمن لہ أب واحد =

ایسے شخص کے متعلق یہ رائے قائم کرنا کہ وہ مسلم سوسائٹی کا فرد نہیں ہے، غلط ہے اور تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ربیع الاول/۷۱ھ۔

والدین کی چوری سے بالغ لڑکے لڑکی کا کفو میں نکاح

سوال [۵۸۵۹]: جوان لڑکی اور لڑکا اپنی مرضی کامل اور والدین کی چوری سے کیا ایک دوسرے کو باعتبار شریعت قبول کرسکتے ہیں؟ فریقین ایک ہی حسب ونسب سے تعلق رکھتے ہیں اور حنفی العقائد بھی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کرلیں گے تو شرعاً درست ہوجائے گا (۱)، لیکن بڑے سرپرست موجود ہوں تو بغیر ان کے مشورہ

= فی الإسلام". (الهدایه: ۲/۳۲۰، فصل فی الکفاءة، إمدادیه ملتان)

البتہ عورت کے اولیاء کی رضامندی سے نکاح درست ہوگا کیونکہ رضامندیٔ اولیاء کی صورت میں کفاءت معتبر نہیں:

"وإنما تحل فی الصورة الرابعة، وهی رضا الولی بغیر الکفوء مع علمه بأنه کذلک، اهـ .... إن الولی لوقال لها: أناراض بماتفعلین، أو زوِجی نفسک ممن تختارین ونحوه أنه یکفی، وهو ظاهر؛ لأنه فوّض الأمر إلیها، ولأنه من باب الإسقاط .... فلایثبت حق الفسخ حال وجود الرضا بعدم الکفء من وجه". (رد المحتار: ۳/۸٦، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

"هذا (أی عدم جواز النکاح فی غیر الکفء) إذا کان لهاولیّ ولم یرض به قبل العقد......... وأما إذا لم یکن لهاولی، فهو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً". (ردالمحتار: ۳/۵۷، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۲، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الأکفاء، رشیدیه)

(وکذافی البحر الرائق: ۳/۱۹۴، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیة)

(۱) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن یزوّجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدین، جاز". (الهدایة، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء، فصل فی الوکالة بالنکاح، ۲/۳۲۲، شرکة علمیه)

"(فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا) رضا (ولی)". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۵۵، ۵٦، سعید) =

کے خوداقدام کرنا ان کی ناقدری اور غیر مناسب ہے، خاص کر لڑکی کے حق میں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۳ھ۔

عورت کا اپنا نکاح خود کرنا

سوال[۵۸۶۰]: ایک بالغہ عاقلہ حنفیہ نے کفو میں بلا رضامندیٔ ولی کے شادی کی۔ نکاح ہوا یا نہیں؟ زید یوں کہتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا اصلاً، اور یوں تاویل کرتے ہیں کہ اگر چہ امام صاحب کا اصول یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ خود مختار ہے، لہذا پورا حق ہوگا۔ اور اگر نابالغہ ہو تو اجازتِ ولی پر موقوف ہوگا:

"لا نکاح إلا بولی" یا "فنکاحها باطل باطل باطل" کی رو سے جو کہ امام شافعی کا استدلال ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر عمل کیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کو چھوڑ دیا۔ اور امامین میں جو اختلاف ہے وہ ایک دوسرے کی تردید میں ہے ورنہ دونوں ہیں۔ اور حدیث: "أی امرأة نکحت بنفسها فنکاحها باطل باطل باطل"۔ میں "امرأة" کہتے ہیں باندی کو، چھوٹی بچی کو تو "امرأة" نہیں کہتے۔ اس لیے اس حدیث کی رو سے تاویل کی گنجائش ہے اور سو فیصد نکاح نہیں ہوا۔

دریافت امر یہ ہے کہ تاویل درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا؟ جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اصل اصول ہے؟ نیز کیا اس کی اجازت کلی نہیں ملتی جو احناف کے یہاں عمل کرنا دشوار ہو اور دوسرے مذاہب میں سہولت ہو تو اس پر عمل کیا جائے، اس لئے کہ حدیث سب صحیح ہیں۔

سلیمان محمد قاسم ابودی، ٹرانسوال، ساؤتھ افریقہ۔

= (وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۴۸۸، مکتبة غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۲، ۱۹۳، رشیدیه)

(۱) "یستحب للمرأة تفویض أمرها إلی ولیها کی لاتنسب إلی الوقاحة". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی. ۳/۵۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۳، رشیدیه)

(وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۲/۲۶، دارالمعرفة، بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک بلاشبہ نکاح درست ہوگیا: ﴿فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾(۱)۔ عورت اگر اپنا نکاح کرنا چاہے تو ولی کو روکنے کا حق نہیں، البتہ اگر غیر کفو میں کرے تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس پر "فنكاحها باطل" محمول ہے(۲)۔ سہولت مذہب حنفی میں موجود ہے، کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ فتح القدیر،(۳) احکام القرآن(۴) بدائع الصنائع(۵) وغیرہ میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نانی کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے نواسہ کفو ہے یا نہیں؟

سوال[۵۸۶۱]: ایک عورت ہے-ماشاءاللہ- دیندار ہے، اس کا شوہر بھی دیندار ہے، مگر لوگ بچوں کو اور بچوں کی ماں کو حرام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بچوں کی نانی فاحشہ تھی، اس وجہ سے لوگ عورت کا جو لڑکا ہے اس کے ساتھ شادی کرنے کو منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حرامی کے ساتھ شادی کرنا حرام ہے۔ آیا اس

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۳۲)

(۲) قال العلامة الكاسانی رحمه الله تعالیٰ: "إنه عليه السلام قال: "أيما امرأة تزوجت بغير إذن وليها، فنكاحها باطل .... اهـ". وقد بطل هذا لمعنى بالتزويج من كفؤ، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فی ولاية الندب: ۳/ ۳۷۱، ۳۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فلايعتبر بالعارض من لحوق العار للأولياء، فإن قيل. هذا استدلال بالرأی فی مقابلة الكتاب والسنة ومثله فاسد، أما الكتاب فقوله تعالیٰ: ﴿فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ نهی الولی عن العضل وهو المنع، وإنما يتحقق منه المنع إذا كان الممنوع فی يده. وأما السنة فما روی فی السنن عن ابن جريج عن سليمان ابن موسى عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها، فنكاحها باطل باطل باطل". فالجواب أن الآية مشتركة الإلزام؛ لأنه نهاهم عن منعهن عن النكاح فدل علی أنهن يملكنه، و أن قوله تعالیٰ: ﴿فلاجناح عليهن فيما فعلن فی أنفسهن﴾ الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۲۵۷، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) (أحكام القرآن، للجصاص، البقرة، باب النكاح بغيرولی: ۱/ ۵۴۴، ۵۴۵، قديمی)

(۵) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل: ولاية الندب: ۳/ ۳۷۳، دارالكتب العلميه بيروت)

حال میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر حرامی لڑکا ہے اور-ماشاء اللہ- دیندار ہے تو اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بچہ کو اس کی نانی کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے حرامی کہنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اگر قرآن کریم کے مطابق حکومت ہوتو ایسا کہنے والوں کو عبرت ناک سزادی جائے (۱)، ایسے بچوں کی شادی بالکل درست ہے۔ اگر بالفرض کوئی حرامی ہو بھی تو اس کی بھی شادی جائز ہے (۲)، خاص کر جب کہ وہ صالح دیندار ہو، البتہ صالحہ لڑکی کی شادی فاسق لڑکے سے نہ کی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) "یعزّر من قذف مملوکاً بالزنا أو مسلماً بیافاسق .... یا ابن القحبة، یا ابن الفاجرة، الخ". (ملتقی الأبحر، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱ ۳۷. ۳۷۳، غفاریه کوئٹه)

(وکذافی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۰ ۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی حد القذف والتعزیر: ۲/ ۱۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف فی التعزیر: ۵/۸ ۷، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و أحل لکم ما وراء ذلکم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

(قال الحافظ ابن کثیر تحت هذه الآیة: "أی ماعدا مَن ذُکرن من المحارم هنّ لکم حلال". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی التفسیر المنیر: ۵/ ۶، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی التفسیر المظهری: ۲/ ۶۶، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/ ۱ ۱ ۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "(و) تعتبر فی العرب والعجم (دیانةً): أی تقوی، فلیس فاسق کفواً لصالحة أو فاسقة بنت صالح، معلناً کان أو لا، علی الظاهر". (الدرالمختار). "والظاهر أن الصلاح منها أو من آبائها کافٍ، لعدم کون الفاسق کفواً لها". (ردالمحتار: ۳/ ۸۹، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/ ۲۴۳، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، رشیدیه)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب النكاح	
	باب المهر	
	(مہر کا بیان)	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	مہرِ شرعِ محمدی	۲۳
۲	مہر کی حکمت	۲۴
۳	مہرِ فاطمی	۲۷
۴	ایضاً	۲۷
۵	مہر فاطمی کی مقدار	۲۸
۶	ایضاً	۲۹
۷	مہرِ فاطمی ہمارے حساب سے	۳۰

۸	مہرِ شرعی اور مہرِ فاطمی	۳۰
۹	مہرِ فاطمی کی ترجیح، مہرِ مثل پر	۳۱
۱۰	مہر کی ادنیٰ مقدار	۳۲
۱۱	مہر کی کم اور زیادہ مقدار	۳۲
۱۲	مقدارِ مہر کو مقرر کردینا	۳۴
۱۳	مہر کی مقدار اور شادی میں امداد کرنا	۳۵
۱۴	کیا لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے؟	۳۶
۱۵	قوم کی طرف سے مہر کی تعیین اور اس کے خلاف جرمانہ	۳۷
۱۶	مقدارِ مہر میں زوجین کا اختلاف	۳۹
۱۷	دو دینار سرخ مہر قرار دینا	۴۰
۱۸	اشرفی کا وزن	۴۰
۱۹	سکہ رائج الوقت اور دینار سرخ کی قیمت	۴۱
۲۰	سکہ رائج الوقت، مہر میں چاندی کے روپے وصول کرنا	۴۱
۲۱	مغلاتِ مہر	۴۳
۲۲	مہر کی زیادتی	۴۵
۲۳	ایضاً	۴۶
۲۴	لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا	۴۷
۲۵	عورت کے غیر واقعی اوصاف بیان کرکے مہر زائد تجویز کردیا گیا	۴۹
۲۶	زیادہ مہر پر جبراً دستخط لینا	۵۰
۲۷	حیثیت کے اختلاف سے مہر میں اختلاف	۵۲
۲۸	حیثیت سے زیادہ مہر ادا نہ ہو سکا تو کیا ہوگا؟	۵۲
۲۹	وکیل یا ولی کا مہر میں رنا	۵۴
۳۰	جتنے مہر پر لڑکی نے وکیل بنایا تھا اس کے خلاف کرنا	۵۶

۳۱	نکاح کے بعد مہر میں کمی	۵۷
۳۲	مہر کی قیمت وقتِ عقد کی معتبر ہوگی یا وقتِ ادا کی؟	۵۸
۳۳	نکاح کے بعد مہر کی قیمت میں تغیر ہوگیا	۵۹
۳۴	ابرائے مہر کے بعد پھر مطالبہ	۶۱
۳۵	مہر معاف کرنے کے بعد پھر مطالبہ	۶۲
۳۶	مہر کی معافی پھر اس سے انکار	۶۴
۳۷	مہر معاف کر کے پھر انکار کرنا	۶۹
۳۸	بیوی نے مہر معاف کر دیا، بیٹے کو مطالبہ کا حق نہیں ہے	۷۰
۳۹	بیوی کی طرف سے معافیٔ مہر کی شرط	۷۱
۴۰	طلاق کے بعد مہر کو بخشنا	۷۲
۴۱	مہر کی معافی کو موت پر موقوف کرنا	۷۳
۴۲	جعلی رسید سے مہر کی معافی	۷۳
۴۳	معینہ مہر سے انکار کا حق نہیں	۷۵
۴۴	نشوز سے مہر ساقط نہیں ہوتا	۷۶
۴۵	طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا	۷۸
۴۶	مہرِ معجّل سے قبل زفاف	۷۸
۴۷	کیا بغیر مہر دیئے بیوی کے پاس جانا منع ہے؟	۷۹
۴۸	ادائے مہر سے قبل وطی کا حکم	۸۰
۴۹	رخصتی سے پہلے مطالبۂ مہر	۸۳
۵۰	مہرِ معجّل کے مطالبہ کا حق	۸۵
۵۱	رخصتی سے قبل لڑکی کے باپ کو مطالبۂ مہر کا حق	۸۶
۵۲	مہر کو بطورِ نفقہ ادا کرنا	۸۷
۵۳	بغیر وجوب کے ادا کردہ نفقہ کو مہر میں شمار کرنا	۸۸

۵۴	مہر قسط وار اور نفقہ	۸۹
۵۵	قسط وار مہر کے ساتھ زوج کی ہر چیز کا بیوی کی مالک ہونے کی شرط	۹۱
۵۶	موروثی زمین کو مہر قرار دینا	۹۲
۵۷	مہر میں بیوی کو جائیداد اور قبرستان دینا	۹۳
۵۸	جس زمین کا مہر میں وعدہ کیا جائے، اس کا دینا ضروری ہے	۹۵
۵۹	زمین کے بدلے میں شادی	۹۶
۶۰	بیوی کے علاج میں مہر کا روپیہ	۹۶
۶۱	زوجہ اگر مہر وصول نہ کرے تو زوج کس طرح ادا کرے؟	۹۷
۶۲	مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہوگا یا نہیں؟	۹۹
۶۳	بدلِ مہر دینے کے بعد زوجہ کا حق باقی ہے یا نہیں؟	۱۰۱
۶۴	بیوی سامان لے کر چلی گئی تو کیا مہر ادا ہوا؟	۱۰۱
۶۵	مہر اپنے والد کے قرض میں وصول کرنا	۱۰۲
۶۶	نا قابلِ جماع عورت کا نکاح و مہر	۱۰۳
۶۷	خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر وغیرہ	۱۰۴
۶۸	رتقاء اور عنین کی خلوت سے وجوب مہر کا حکم	۱۰۵
۶۹	طلاق کے بعد مہر اور شوہر کے دیئے ہوئے زیور کا حکم	۱۰۶
۷۰	......☆نکاح اور مہر سے متعلق آٹھ سوالات......☆	۱۰۷
۷۱	چار ماہ کے حاملہ سے عقدِ نکاح	۱۰۷
۷۲	حاملہ منکوحہ سے وطی اور مہر	۱۰۸
۷۳	مہر قسطوار بھی دیا جا سکتا ہے	۱۰۸
۷۴	جو کچھ زوجہ کو دیا مہر وغیرہ بعد طلاق واپسی کا حق نہیں	۱۰۸

۷۵	منکوحہ کے حمل کا علم ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوا	۱۰۹
۷۶	حبلیٰ مزنیہ کو طلاق	۱۰۹
۷۷	مزنیہ حاملہ کو طلاق کے بعد کیا مہر کا حق ہے؟	۱۰۹

فصل فی الجهاز وأخذ المال بالنکاح

(جہیز اور نکاح پر رقم لینے کا بیان)

۷۸	جہیز کس کی مِلک ہوتا ہے؟	۱۱۵
۷۹	جہیز کی نمائش	۱۱۷
۸۰	طلاق پر شوہر کو دی ہوئی اشیاء کی واپسی کا حق	۱۱۸
۸۱	وقتِ رخصتی جو کچھ شوہر سے خرچ کرایا گیا، اس کی واپسی	۱۲۰
۸۲	شادی میں بَری کس کی مِلک ہے؟	۱۲۱
۸۳	شادی کی امید پر دیا ہوا سامان واپس لینا	۱۲۳
۸۴	نکاح نہ ہونے کی صورت میں منگنی پر دی ہوئی اشیاء کی واپسی	۱۲۴
۸۵	جو سامان نکاح کے وقت دیا جائے وہ کس کی مِلک ہے؟	۱۲۶
۸۶	شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے لڑکی کو زیور دینا	۱۲۷
۸۷	مہر کے علاوہ کچھ رقم نکاح کے لئے شوہر پر ڈالنا	۱۲۸
۸۸	وقتِ نکاح لڑکی کے باپ کو کچھ رقم دینا	۱۳۰
۸۹	نکاح کرانے میں سفر خرچ لڑکے سے لینا شرعاً کیسا ہے؟	۱۳۰
۹۰	نکاح میں ہدیہ کا لین دین	۱۳۱
۹۱	نکاح پر مال کا مطالبہ	۱۳۲
۹۲	شادی کے وقت داماد کے مطالبات: جہیز وغیرہ	۱۳۴

بابٌ فی العروس والولیمة

(بارات اور ولیمہ کا بیان)

٩٣ بارات کا حکم ١٣٦

٩٤ نکاح کے سال بھر بعد رخصتی ١٣٧

٩٥ لڑکے کے گھر جاکر نکاح ١٣٧

٩٦ نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہوجائے؟ ١٣٨

٩٧ نکاح اور رخصتی کے درمیان کتنا فصل ہو؟ ١٣٩

٩٨ شوہر کی بیماری کی وجہ سے رخصتی میں تاخیر ١٤٠

٩٩ رخصتی سے قبل ولیمہ ١٤١

١٠٠ دعوتِ ولیمہ کی مدت ١٤١

١٠١ شادی میں لڑکی والے کے یہاں کھانا کھانا ١٤٢

١٠٢ اپنے یہاں کی تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت ١٤٣

کتاب الطلاق

١٠٣ طلاق کی تعریف ١٤٤

١٠٤ طلاق کی قسمیں ١٤٤

١٠٥ طلاق کے مسائل کے لئے کمیٹی اور اس کے قوانین ١٤٥

١٠٦ طلاق کے لئے انجمن کی اجازت کو ضروری قرار دینا ١٤٩

١٠٧ طلاق کے لئے پنچایت نامہ ١٥٢

١٠٨ طلاق دینے سے بائیکاٹ وغیرہ کی سزا! ١٥٤

١٠٩ طلاق دینے پر برادری کا سزا دینا ١٥٥

١١٠ کیا اہلِ محلّہ کو طلاق دینے پر سزا دینے کا حق ہے؟ ١٥٩

۱۱۱	طلاق بحکمِ والدین	۱۶۰
۱۱۲	ماں باپ کے کہنے سے بیوی کو طلاق	۱۶۲
۱۱۳	بلاوجہ شوہر سے طلاق دلوانا	۱۶۴
۱۱۴	نماز نہ پڑھنے والی کو طلاق دینا کیسا ہے؟	۱۶۵
۱۱۵	کیا بے عمل بیوی کو چھوڑ دینا ضروری ہے؟	۱۶۶

باب وقوع الطلاق وعدم وقوعه

الفصل الأول في وقوع الطلاق

(وقوعِ طلاق کا بیان)

۱۱۶	بے اختیار لفظِ طلاق زبان سے نکل گیا	۱۶۷
۱۱۷	وقوعِ طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں	۱۶۸
۱۱۸	مذاق میں طلاق	۱۷۰
۱۱۹	جنگل میں باپ کے سامنے بغیر مرضی کے طلاق دینے سے وقوعِ طلاق	۱۷۱
۱۲۰	مذاق میں طلاق اور طلاق کا جھوٹا اقرار	۱۷۲
۱۲۱	عددِ طلاق میں شک	۱۷۴
۱۲۲	ایضاً	۱۷۶
۱۲۳	صیغۂ حال سے طلاق	۱۷۹
۱۲۴	ایضاً	۱۸۰
۱۲۵	گالی کے طور پر ''طلاقن'' کہنا	۱۸۳
۱۲۶	گالی کے طور پر لفظِ ''طلاق'' کا استعمال	۱۸۳
۱۲۷	طلاق نہ دینے کا عہد کرنے کے بعد پھر طلاق دینا	۱۸۴
۱۲۸	حالتِ حیض میں طلاق	۱۸۵

۱۲۹	الفاظِ طلاق عربی میں کہلوانا، جن کے معانی کو نہ جانتا ہو............	۱۸۷
۱۳۰	مغرور ضدی عورت کو طلاق............	۱۸۸
۱۳۱	گونگے کی طلاق............	۱۹۰
۱۳۲	عورت کی طرف طلاق کی اضافت............	۱۹۰
۱۳۳	ایضاً............	۱۹۲
۱۳۴	عورت کی طرف طلاق کی نسبت............	۱۹۴
۱۳۵	دو بیویوں کی موجودگی میں بلا تعیین واشارہ الفاظِ طلاق کہنے کا حکم............	۱۹۶
۱۳۶	جس نام سے بیوی مشہور ہو، اس نام سے طلاق دینا............	۱۹۶
۱۳۷	بیوی کے ایک عضو کو طلاق دینا............	۱۹۷
۱۳۸	بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا............	۱۹۸
۱۳۹	ایضاً............	۲۰۰
۱۴۰	متعدد بار طلاق............	۲۰۱
۱۴۱	بار بار طلاق کا حکم............	۲۰۴
۱۴۲	عدت میں مکرر طلاق............	۲۰۶
۱۴۳	طلاق پر طلاق............	۲۰۹
۱۴۴	واقعۂ طلاق مع فیصلۂ عدالت............	۲۱۲
۱۴۵	کسی مخصوص مقام کو طلاق سے مستثنیٰ کرنے سے واقع شدہ طلاق ختم نہیں ہوتا............	۲۱۶
۱۴۶	’’اگر پہلے طلاق نہیں دی، تو اب دی دی‘‘ کہنے کا حکم............	۲۱۷
۱۴۷	طلاقِ مکرہ مفصل و مدلل............	۲۱۹
۱۴۸	طلاقِ مکرہ............	۲۲۵
۱۴۹	جبراً طلاق............	۲۲۶
۱۵۰	ایضاً............	۲۲۸
۱۵۱	بغیر نام لئے جبراً طلاق............	۲۳۲

۱۵۲	جھوٹ طلاق کا اقرار کرنا............	۲۳۴
۱۵۳	اقرارِ طلاق کے بعد انکار............	۲۳۵
۱۵۴	جھوٹی طلاق دینے کا اقرار............	۲۳۷
۱۵۵	زبانی اقرارِ طلاق سے طلاق............	۲۳۹
۱۵۶	ایضاً............	۲۴۰
۱۵۷	الگ الگ مجلس کے اقرار کے گواہوں سے طلاق............	۲۴۱
۱۵۸	جائیداد کے تحفظ کے لئے عدالت میں طلاق کا جھوٹا اقرار............	۲۴۳
۱۵۹	''تو سمجھ لے کہ دی'' سے طلاق............	۲۴۵

الفصل الثانی فی عدم وقوع الطلاق

(عدمِ وقوعِ طلاق کا بیان)

۱۶۰	وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی............	۲۴۶
۱۶۱	صیغۂ استقبال سے طلاق کا حکم............	۲۴۷
۱۶۲	طلاق کی حکایت کرنے سے طلاق نہیں ہوتی............	۲۴۸
۱۶۳	الفاظِ طلاق اس طرح کہنا کہ سنائی نہ دے............	۲۴۹
۱۶۴	مدت تک علیحدہ رہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی............	۲۵۰
۱۶۵	محض دیر تک میکہ میں رہنے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوئی............	۲۵۱
۱۶۶	تین کنکر سے طلاق............	۲۵۲
۱۶۷	غیر شادی شدہ کی طلاق واقع نہیں............	۲۵۴
۱۶۸	طلاق قبل النکاح............	۲۵۵
۱۶۹	ایضاً............	۲۵۶

۱۷۰	سالی کو طلاق	۲۵۸
۱۷۱	ماں کو طلاق اور ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ	۲۶۰
۱۷۲	برخوردار کو طلاق	۲۶۱
۱۷۳	بیوی کا شوہر کو طلاق دینا	۲۶۲
۱۷۴	شوہر کا قول ''مجھے طلاق ہے'' کا حکم	۲۶۳
۱۷۵	دل میں طلاق دینے کا حکم	۲۶۴
۱۷۶	بیوی کو میکہ پہونچانا طلاق نہیں	۲۶۴
۱۷۷	دل میں طلاق کی نیت سے طلاق کا حکم	۲۶۵
۱۷۸	جی میں گزرا کہ ''اگر فلاں سورت پڑھوں تو طلاق'' کا حکم	۲۶۶
۱۷۹	چوٹی کاٹنے اور منہ کالا کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی	۲۶۷
۱۸۰	بیوی کو کنویں میں دھکا دینے سے طلاق نہیں ہوئی	۲۶۸
۱۸۱	دوسرے کی بیوی کو طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی	۲۶۹
۱۸۲	''طلاق دے دو'' کے جواب میں ''کب کی دے دی''	۲۷۰
۱۸۳	نسبت بدل کر طلاق دینا	۲۷۱
۱۸۴	طلاق بلا اضافت	۲۷۳
۱۸۵	ایضاً	۲۷۴
۱۸۶	ایضاً	۲۷۵
۱۸۷	بغیر نام وبغیر اشارہ کے طلاق	۲۷۷
۱۸۸	اپنی بیوی دوسرے کو دینے سے طلاق	۲۷۸
۱۸۹	تکرارِ طلاق بنیت تاکید	۲۸۰
۱۹۰	''تیری لونڈیا کو طلاق'' کا حکم	۲۸۱
۱۹۱	وتر میں "نخلع ونترک" پڑھتے وقت بیوی کی طلاق کا خیال آنا مع فتویٰ مفتی کفایت اللہ صاحب	۲۸۲

الفصل الثالث فی طلاق السکران والمجنون

(نشہ اور جنون کی حالت میں طلاق کا بیان)

۱۹۲	طلاقِ سکران	۲۸۴
۱۹۳	طلاقِ سکران جبراً	۲۸۴
۱۹۴	نشہ کی حالت میں طلاق دینا	۲۸۵
۱۹۵	بھنگ کے نشہ میں طلاق	۲۸۶
۱۹۶	شراب اور دردِ سر کی حالت میں طلاق	۲۸۷
۱۹۷	شراب کے نشہ میں یہ کہنا کہ ’’میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور تمہارے حوالے کیا‘‘	۲۸۸
۱۹۸	بخار کی بے ہوشی میں طلاق	۲۸۹
۱۹۹	بے ہوشی کی حالت میں طلاق	۲۹۱
۲۰۰	نیم خوابی کی حالت میں طلاق	۲۹۳
۲۰۱	دردِ گردہ اور دیگر پریشانیوں کے تأثر سے طلاق اور کیا یہ تأثر جنون ہے؟	۲۹۴
۲۰۲	طلاقِ مجنون	۲۹۶
۲۰۳	ایضاً	۲۹۸
۲۰۴	مجنون کی حالتِ افاقہ میں دی ہوئی طلاق	۳۰۰
۲۰۵	مجنون وغیرہ کی طلاق	۳۰۱
۲۰۶	مختل الحواس کی طلاق	۳۰۱
۲۰۷	طلاقِ مجذوب	۳۰۳

الفصل الرابع فی طلاق الغضبان

(غصہ میں طلاق دینے کا بیان)

۲۰۸	طلاق بحالتِ غصہ	۳۰۵

۲۰۹	غصہ کی حالت میں طلاق	۳۰۷
۲۱۰	غصہ میں طلاق	۳۰۹
۲۱۱	ایضاً	۳۱۱
۲۱۲	طلاقِ غضبان ومعتوہ مع فتویٰ محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۳۱۲
۲۱۳	غصہ میں طلاق کے متعلق شامی کی ایک روایت کا مطلب	۳۱۹

الفصل الخامس فی طلاق الصبی

(نابالغ کی طلاق کا بیان)

۲۱۴	نابالغ کی طلاق اور مدتِ بلوغ	۳۲۰
۲۱۵	نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی	۳۲۱
۲۱۶	طلاقِ صبی	۳۲۲
۲۱۷	طلاقِ مراہق کے بعد اس کی زوجہ کا نکاح	۳۲۵
۲۱۸	علاماتِ بلوغ	۳۲۶

الفصل السادس فی الطلاق بألفاظ مصحفة

(الفاظِ متغیرہ سے طلاق کا بیان)

۲۱۹	لفظِ ''طاق'' سے طلاق نہیں ہوتی	۳۲۸
۲۲۰	لفظِ ''تلاخ'' سے طلاق	۳۲۸
۲۲۱	لفظِ ''طلاق'' اور ''تلاق'' میں خسر اور داماد کا اختلاف	۳۲۹
۲۲۲	''میں نے اپنی بیوی کو...... دے دی'' کا شرعی حکم	۳۳۲

باب الطلاق الصریح

(طلاقِ صریح کا بیان)

۲۲۳	صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں	۳۳۳

۲۲۴	طلاقِ رجعی، بائن اور مغلظہ میں فرق	۳۳۴
۲۲۵	طلاقِ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں	۳۳۷
۲۲۶	طلاق قبل الدخول وبعد الدخول میں زوجین کے اختلاف کا حکم	۳۴۰
۲۲۷	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق کا حکم	۳۴۰
۲۲۸	دو طلاق کے بعد کہا ''یہاں سے جاؤ، اب تو چھوڑ دیا، نا''	۳۴۲
۲۲۹	''ہم نے اس کو چھوڑ دیا'' کہنے کا حکم	۳۴۵
۲۳۰	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق کا حکم	۳۴۶
۲۳۱	لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق	۳۴۸
۲۳۲	لفظ ''چھوڑی'' سے طلاق	۳۴۹
۲۳۳	''میں تجھ کو چھوڑ چکا ہوں'' سے طلاق کا حکم	۳۵۱
۲۳۴	''میں نے تجھے چھوڑا ہے'' سے صریح طلاق	۳۵۱
۲۳۵	لفظ ''چھوڑ دی'' اور ''آزاد کر دی'' کا حکم	۳۵۲
۲۳۶	لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق	۳۵۳
۲۳۷	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق	۳۵۴
۲۳۸	''چھوڑ دی، نکل جا'' کا حکم	۳۵۶
۲۳۹	''میں تجھ کو آزاد کر چکا ہوں'' کا حکم	۳۵۸
۲۴۰	''طلاقہ کی طلاقہ، طلاق، طلاق'' کا حکم	۳۶۰
۲۴۱	''طلاق دی نہیں، دیدی دیدی'' سے طلاق	۳۶۱
۲۴۲	''طلاق دیتا ہوں، ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں'' کا حکم	۳۶۲
۲۴۳	''میں نے طلاق دی، میرے خدا نے طلاق دی'' کا حکم	۳۶۵
۲۴۴	''میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اللہ ورسول نے بھی تجھے طلاق دی'' کا حکم	۳۶۶
۲۴۵	طلاق اور رجعت بیوی کو اطلاع کے بغیر	۳۶۷
۲۴۶	لفظِ ''طلاقن'' سے طلاق کا حکم	۳۷۰

۲۴۷	''طلاق منظور ہے'' سے طلاق	۳۷۰
۲۴۸	''تیری رہی سہی کو طلاق'' کا حکم	۳۷۱
۲۴۹	طلاق بائن کیا ہے؟	۳۷۲

باب طلاق الثلاث

(تین طلاق کا بیان)

۲۵۰	قرآن پاک سے تین طلاق کا ثبوت	۳۷۴
۲۵۱	کیا تین طلاق ایک ہیں؟ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا	۳۷۵
۲۵۲	دلائلِ قرآن کریم	۳۷۸
۲۵۳	حدیث شریف	۳۷۸
۲۵۴	اجماع	۳۸۱
۲۵۵	پہلی دلیل	۳۸۲
۲۵۶	دوسری دلیل	۳۸۶
۲۵۷	**ضمیمہ**	۳۸۹
۲۵۸	ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم	۳۹۱
۲۵۹	الاستفتاء	۳۹۵
۲۶۰	استفتاء	۳۹۶
۲۶۱	تین طلاق کے بعد غیر مقلد کے فتوے پر عمل جائز نہیں	۴۰۰
۲۶۲	تین طلاق کے بعد کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا	۴۰۱
۲۶۳	غیر مقلد ہونے سے حرمتِ مغلظہ ختم نہیں ہوتی	۴۰۳
۲۶۴	تین طلاق ایک مجلس میں	۴۰۵
۲۶۵	مجلسِ واحد کی تین طلاق کا حکم	۴۱۹

۲۶۶	تین طلاق کا حکم	۴۲۵
۲۶۷	غصہ میں تین طلاق	۴۲۵
۲۶۸	شدتِ غصہ میں تین طلاق	۴۲۶
۲۶۹	تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حکم	۴۲۸
۲۷۰	بلانیت طلاق، تین طلاق کا حکم	۴۳۶
۲۷۱	غصہ میں تین طلاق	۴۴۰
۲۷۲	تین طلاق بلانیت	۴۴۱
۲۷۳	مطلّق طلاق دے کر تین طلاق کا اقرار، مع فتویٰ امارتِ شرعیہ بہار	۴۴۴
۲۷۴	طلاقِ مغلظہ	۴۴۷
۲۷۵	بیوی کو تین طلاق دے کر سالی کو رکھنا	۴۴۸
۲۷۶	الفاظِ متعددہ سے طلاق	۴۴۹
۲۷۷	''صاف طلاق'' سے تین طلاق مراد لینا	۴۵۰
۲۷۸	زوجہ کو خطاب کئے بغیر تین طلاق کہنا	۴۵۱
۲۷۹	تکرارِ طلاق بنیتِ تاکید	۴۵۳
۲۸۰	لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم	۴۵۴
۲۸۱	تین لفظوں سے تین طلاق	۴۵۵
۲۸۲	''طلاق دیا، دیا، دیا'' سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟	۴۵۶
۲۸۳	''طلاق دیدی، دیدی، دیدی'' کا حکم، دیوبند وغیرہ کے فتاویٰ	۴۵۷
۲۸۴	''ایک طلاق دی، ایک طلاق دی، ایک طلاق دی'' سے کتنی طلاق ہوئی؟	۴۶۱
۲۸۵	بیوی کو 'ایک، دو، تین' کہنا	۴۶۲
۲۸۶	''ایک، دو، تین'' سے طلاق	۴۶۴
۲۸۷	''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم	۴۶۵
۲۸۸	ایضاً	۴۶۶

۲۸۹	''جیسے ایک مرتبہ کہا، ویسے ہی تین مرتبہ، ہزار مرتبہ'' سے طلاق کا حکم	۴۶۸
۲۹۰	سو طلاق	۴۷۰
۲۹۱	سات طلاق کا حکم	۴۷۱
۲۹۲	ایضاً	۴۷۱
۲۹۳	ایک طلاق کے بعد پھر تین طلاق	۴۷۲
۲۹۴	غیر مدخولہ کو تین طلاق مع جواب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی	۴۷۳
۲۹۵	غیر مدخولہ پر تین طلاق	۴۷۷
۲۹۶	رخصتی سے پہلے تین طلاق کا حکم	۴۷۹
۲۹۷	غیر مدخولہ کو تین طلاق کا حکم	۴۸۰
۲۹۸	تین طلاق کو ایک تصور کرنا	۴۸۱
۲۹۹	تین طلاق کا ایک ہونا	۴۸۲
۳۰۰	بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا	۴۸۶
۳۰۱	تین طلاق ایک نہیں بلکہ تین ہیں	۴۸۶
۳۰۲	تین طلاق دے کر معافی مانگنا	۴۸۹

باب الطلاق بألفاظ الكناية

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

۳۰۳	''مجھ پر برخواست'' یا ''نکاح سے برخواست'' کہنے کا حکم	۴۹۱
۳۰۴	حكم قول الزوج: "فلانة عليّ حرام" وطرحه ثلاثة مدر	۴۹۲
۳۰۵	میں نے فائنل (یعنی آخری فیصلہ) کر دیا کہنا	۴۹۳
۳۰۶	''اگر گھر سے نکل جائے گی تو فارغخطی دے دوں گا'' اور پھر ''فارغخطی فارغخطی فارغخطی'' کہنا	۴۹۶
۳۰۷	''میاں بیوی کا رشتہ نہیں بلکہ بھائی اور بہن کا رشتہ'' کہنے کا حکم	۴۹۷

۳۰۸	الفاظِ کنایہ کہنے سے طلاق........................	۴۹۹
۳۰۹	''تم وہیں جاؤ جہاں سے آئی ہو، ایسی عورتوں کو طلاق جو میرے کہنے کے خلاف عمل کریں،	☆
☆	ایک، دو، تین'' کہنا........................	۵۰۱
۳۱۰	''میں نے آزاد کی، میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں'' کا حکم........................	۵۰۴
۳۱۱	''تم کو جہاں چاہے شادی کرلو وہ میرے نام سے چوڑی توڑ چھوڑے، مجھ کو اب کوئی سروکار نہیں''	۵۰۶
۳۱۲	''اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ، میں طلاق دے کر جا رہا ہوں''	۵۰۷
۳۱۳	اسقاط سے انقضائے عدت اور حالاتِ جنین........................	۵۰۸
۳۱۴	''میری طرف سے آزاد ہو، جس سے چاہو شادی کرلو''........................	۵۱۱
۳۱۵	''میری طرف دیکھنا حرام ہے''........................	۵۱۱
۳۱۶	''میرا تجھ سے تعلق نہیں ہے، نہ تُو میری زوجہ ہے، تیرا میرا نکاح نہیں ہوسکتا، میں اپنی عورت کو	☆
☆	نہیں چاہتا، میری طرف سے آزاد ہے''........................	۵۱۲
۳۱۷	''عورت کو آزاد کر چکا ہوں، قطع کر چکا ہوں، مجھ پر حرام ہے''........................	۵۱۴
۳۱۸	''ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق''........................	۵۱۷
۳۱۹	صاف طلاق........................	۵۱۹
۳۲۰	''تو مجھ پر حرام ہے، میرے گھر سے نکل جاؤ''........................	۵۲۲
۳۲۱	''تُو مجھ پر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے'' کا حکم........................	۵۲۳
۳۲۲	"فلانة بنت فلان عليّ حرام" کا حکم........................	۵۲۵
۳۲۳	''اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر میری منکوحہ فلاں حرام ہوگئی''........................	۵۲۶
۳۲۴	''تم ہمارے لئے حرام، حرام'' کے بعد پھر ''تم کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا'' کا حکم........................	۵۲۷
۳۲۵	حلال (جماع) کو حرام کرنے سے طلاق........................	۵۲۸
۳۲۶	''اگر ہمبستری کروں تو حرام کروں'' کا حکم........................	۵۳۰
۳۲۷	''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے'' کہنے سے طلاق........................	۵۳۱
۳۲۸	بیوی کو نکاحِ ثانی کی اجازت سے طلاق کا حکم........................	۵۳۱

۳۲۹	''آپ اپنی لڑکی کی شادی کہیں کردینا'' سے طلاق	۵۳۴
۳۳۰	''تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کرلو'' سے طلاق	۵۳۵
۳۳۱	''جہاں آپ کی لڑکیوں کی قدر ہو وہاں کرو'' سے طلاق	۵۳۶
۳۳۲	''دوسرا رشتہ قائم کرنے کی اجازت'' سے طلاق	۵۳۷
۳۳۳	''اب تجھ کو اجازت ہے، میرے چھوٹے بھائی سے نکاح کرلینا'' سے طلاق	۵۳۸
۳۳۴	''تُو میری ماں ہے، مجھ کو تجھ سے کوئی کام نہیں، تُو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا''	۵۳۹
۳۳۵	لفظ ''نکاح سے الگ کرنے'' سے طلاق	۵۴۰
۳۳۶	''عورت کو اپنے سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۱
۳۳۷	لفظ ''میں نے الگ کردی'' سے طلاق	۵۴۲
۳۳۸	''زوجیت سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۳
۳۳۹	''تُو میرے نکاح سے باہر ہے'' یہ کنائی طلاق ہے	۵۴۴
۳۴۰	''بیوی کو نہیں رکھنی'' سے طلاق	۵۴۴
۳۴۱	''میں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا'' سے طلاق کا حکم	۵۴۵
۳۴۲	''میں نہیں رکھتا'' سے طلاق	۵۴۷
۳۴۳	''میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۸
۳۴۴	''اب ہم نہیں رکھیں گے'' سے طلاق	۵۴۹
۳۴۵	''میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں ہے'' سے طلاق	۵۵۰
۳۴۶	''مجھے تیری ضرورت نہیں، تو میکہ چلی جا'' سے طلاق کا حکم	۵۵۱
۳۴۷	''ہمارے گھر سے نکل جا'' سے طلاق کا حکم	۵۵۲
۳۴۸	کنایہ طلاق ''جہاں چاہے بھیج دو'' سے طلاق	۵۵۳
۳۴۹	''ہم سے کوئی تعلق نہیں، جہاں چاہے جا'' سے طلاق	۵۵۴
۳۵۰	''ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' سے طلاق کا حکم	۵۵۷
۳۵۱	''ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا'' سے طلاق	۵۵۷

۳۵۲	''میں نے کوئی شادی نہیں کی'' سے طلاق کا حکم	۵۶۰
۳۵۳	انکارِ نکاح سے طلاق	۵۶۰
۳۵۴	''یہ عورت بہنوئی کی ہے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں'' سے طلاق	۵۶۲
۳۵۵	''میرا تیرا تعلق ختم'' سے طلاق	۵۶۳
۳۵۶	''تعلق زوجیت نہیں'' سے طلاق کا حکم	۵۶۵
۳۵۷	''تعلق نہیں'' سے طلاق	۵۶۶
۳۵۸	''مجھے لڑکی نہیں چاہئے'' سے طلاق	۵۶۷
۳۵۹	خسر کو لکھا ''دوسرے داماد کے لئے عدت شمار کرے''	۵۶۸
۳۶۰	''میری طرف سے بالکل ختم ہے'' سے طلاق	۵۶۹
۳۶۱	لفظ ''فائل کردیا'' سے طلاق	۵۷۰
۳۶۲	''فیصلہ کردیا'' سے طلاق	۵۷۳
۳۶۳	''جا! میں نے جھگڑا صاف کردیا'' سے طلاق	۵۷۴
۳۶۴	لفظ ''استعفیٰ'' سے طلاق	۵۷۵
۳۶۵	''میں اَور شادی کروں گا، تم میری پسند نہیں، تمہارا باپ تم کو اَور خصم کرادے'' کا حکم	۵۷۶
۳۶۶	لفظ ''جواب'' سے طلاق	۵۷۸
۳۶۷	''جواب دیا، جواب دیا، جواب دیا'' سے طلاق کا حکم	۵۷۹
۳۶۸	''اپنا مہر لے لے'' سے طلاق کا حکم	۵۸۱
۳۶۹	زیور اتار کر واپس کرنے سے آزاد سمجھنا	۵۸۱

باب الطلاق بالکتابة

(تحریری طلاق کا بیان)

۳۷۰	تحریری طلاق کا حکم	۵۸۳
۳۷۱	طلاق بالکتابت	۵۸۳

۳۷۲	طلاق نامہ امانت رکھ دیا	۵۸۵
۳۷۳	طلاق بالکتابت	۵۸۸
۳۷۴	تحریری طلاق	۵۹۱
۳۷۵	ایضاً	۵۹۳
۳۷۶	دستخط کے بغیر تحریری طلاق	۵۹۴
۳۷۷	طلاق بذریعۂ خطوط مع فتاوی دہلی و دیوبند	۵۹۵
۳۷۸	استفتاء متعلقہ سوال بالا	۵۹۷
۳۷۹	ایضاً	۶۰۱
۳۸۰	''اللہ کے واسطے رفاقت، رفاقت، رفاقت طلاق، طلاق، طلاق'' تحریر کرنا	۶۰۴
۳۸۱	تحریری طلاق، لعنت اور مہر	۶۰۵
۳۸۲	تحریر سے طلاق	۶۰۶
۳۸۳	کیا تحریر سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟	۶۰۸
۳۸۴	بددلی سے تحریری طلاق	۶۰۹
۳۸۵	تحریری طلاق کی ایک صورت	۶۱۰
۳۸۶	طلاق معلق کی تحریر	۶۱۳
۳۸۷	بیوی کی موجودگی میں تحریری طلاق	۶۱۵
۳۸۸	لفظِ کنایہ سے تحریری طلاق	۶۱۷
۳۸۹	لفظ ''آزاد'' سے طلاقِ تحریری	۶۲۲
۳۹۰	لاعلمی میں طلاق نامہ پر انگوٹھا لگانا	۶۲۴
۳۹۱	سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق	۶۲۵
۳۹۲	سادہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق	۶۲۶
۳۹۳	سادہ کاغذ پر دستخط بیکار ہیں	۶۲۷
۳۹۴	پرچہ پر تین طلاق لکھ کر جلادیا، یا پھاڑ دیا	۶۲۸

۳۹۵	تحریر سے بلا اقرار وشہادت طلاق نہیں ہوتی............	۶۳۱
۳۹۶	طلاق نامہ............	۶۳۱
۳۹۷	طلاق نامہ میں ''طلاج'' لکھنے سے طلاق ہوگی یا نہیں؟............	۶۳۳
۳۹۸	فرضی طلاق نامہ............	۶۳۴
۳۹۹	طلاق نامہ شوہر نے خود رکھ لیا............	۶۳۶
۴۰۰	طلاق نامہ وصول نہیں کیا............	۶۳۷
۴۰۱	شوہر کی اطلاع کے بغیر طلاقنامہ اخبار میں شائع کرنا............	۶۳۷
۴۰۲	طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق............	۶۳۸
۴۰۳	تحریر پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم............	۶۳۹
۴۰۴	کیا طلاق نامہ کا پڑھنا ضروری ہے؟............	۶۴۰
۴۰۵	طلاق نامہ پر بغیر پڑھے دستخط............	۶۴۲
۴۰۶	ایضاً............	۶۴۳
۴۰۷	کاغذ کو پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم............	۶۴۴
۴۰۸	بغیر کاغذ پڑھے اس پر دستخط کرنے سے طلاق............	۶۴۵
۴۰۹	جھوٹی تحریر پر دستخط سے دیانۃً طلاق نہ ہوگی............	۶۴۶
۴۱۰	دھوکہ سے طلاق نامہ پر دستخط............	۶۴۷
۴۱۱	کاتب سے طلاق لکھوانا............	۶۴۸
۴۱۲	''طلاق نامہ لکھ دو'' سے طلاق............	۶۴۸
۴۱۳	سحر اور بدحواسی کی حالت میں تحریری طلاق............	۶۵۰
۴۱۴	زبردستی تحریر سے طلاق............	۶۵۱
۴۱۵	مکرہ کی طلاق بالکتابت کا حکم............	۶۵۲
۴۱۶	طلاق نامہ پر جبراً انگوٹھا لگانے سے طلاق کا حکم............	۶۵۴
۴۱۷	دھمکی کے طور پر خط کے ذریعہ اعلانِ طلاق............	۶۵۶

۴۱۸	دھمکانے کے لئے طلاق نامہ میں خسر کی دوسری لڑکی مراد لینا تحریری طلاق جبکہ بیوی سامنے ہو	۶۵۶
۴۱۹	تحریر طلاق اگر بیوی کے پاس نہ پہونچے	۶۵۸
۴۲۰	مختل الدماغ کی تحریر طلاق سے طلاق	۶۵۸
۴۲۱	استفتاء متعلق سوال بالا	۶۶۱
۴۲۲	''میں نے دیا طلاق'' تین مرتبہ لکھ کر بھیجنے کے بعد پھر انکار کا حکم	۶۶۳
۴۲۳	اقرارنامہ کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق	۶۶۴
۴۲۴	عہد شکنی کی وجہ سے طلاق	۶۶۵
۴۲۵	جب شوہر کو شرط نامہ کا علم نہ ہو اس سے طلاق نہیں ہوتی	۶۶۷

☆......☆......☆......☆......☆

بقیة کتاب النکاح

بلب المھر

(مہر کا بیان)

مہرِ شرعِ محمدی

سوال[۵۸۶۲]: شرع محمدی مہر (مثلاً ۸/ روپے) باندھے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہو تو اس مقدار میں کتنے ٹھیک ہیں، اور اس کے علاوہ کیا کیا مقدار ٹھیک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرع محمدی مہر سے مراد عام طور پر مہر فاطمی ہوتا ہے، اس کی مقدار بہشتی زیور: ۳/۲۴ کے حاشیہ پر ایک سو چھپن روپے آٹھ آنہ کے قریب لکھی ہے اور دوسری جگہ کچھ اور مقدار لکھی ہے(۱)۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بوقتِ نکاح اس مہر کی تعیین کرلی جاوے روپوں میں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۱/۳/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

شرع محمدی میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہیں، یعنی تقریباً تین ۳/ روپیہ (یعنی چاندی کے تین

---

(۱) بہشتی زیور میں مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے (روپے کا وزن ساڑھے گیارہ ماشے ہے) ایک سو چھتیس روپیہ پندرہ آنہ ساڑھے تین پائی چاندی ہوئی، تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ لکھی ہے (بہشتی زیور، حصہ چہارم، مہر کا بیان، ص: ۲۸۲، ۲۸۳، دار الاشاعت کراچی)

بہشتی زیور میں تلاش کے باوجود آٹھ آنے کی مقدار نہیں ملی۔

روپیہ) اوراس سے زیادہ کی حد مقرر نہیں، جتنی تعداد چاہے مقرر کی جاسکتی ہے(۱)، مگر زیادہ مہر کی ممانعت آئی ہے، اس لئے اتنا مہر مقرر کیا جائے کہ جس کو شوہر سہولت سے ادا کر سکے(۲)۔ بعض جگہ شرع محمدی مہر سے مراد ۸/ ہوتے ہیں مگر یہ شرعی طور پر نہیں ہے، خود وہاں کا عرف ہے۔ فقط سعید احمد، مفتی مدرسہ، ۲۵/۳/۶۴ھ۔

مہر کی حکمت

سوال[۵۸۶۳]: مہر کی اصل حیثیت کیا ہے؟ اور یہ کیوں فرض قرار پایا ہے؟ اس کی فرضیت میں کیا حکمت ہے؟

۲......مہر کی حد سے زیادتی یا حد سے زیادہ کمی سے سماج میں کیا خرابی پیدا ہوسکتی ہے؟

۳......حالات وکیفیات کے لحاظ سے مہر کی تعیین میں تبدیلی مستحب ہوگی، یا حدِ مسنون ہی کو مستحب سمجھا جائے گا؟

۴......نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں درہم کی قیمت چاندی کے بجائے اشیاء کی صورت میں ہوتی تھی، مثلاً بکری، اونٹ یا غلہ کتنے درہم میں کتنا حاصل ہوتا تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۱۸ میں اس پر کلام کیا ہے:

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، باب: لامهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول: ۱/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱ سعيد)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: ألا! لا تغالوا في صدُقات النساء، فإنها لو كانت مكرمةً في الدنيا وتقوىٰ عند الله، لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكوٰة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني: ۲۷۷، قديمي)

(وسنن أبي داود، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة في الصداق: ۲/۳۴۳، قديمي)

"وكان فيه مصالح: منها أن النكاح لاتتم فائدته إلا بأن يوطن كل واحدٍ نفسه على المعاونة الدائمة، و يتحقق ذلك من جانب المرأة بزوال أمرها من يدها، ولا جائز أن يشرع زوال أمره أيضاً من يده، وإلا انسد باب الطلاق، وكان أسيراً فی يدها كما أنها عانية بيده. وكان الأصل أن يكونوا قوامين على النساء، اهـ.

ولا جائز أن يجعل أمرهما إلى القضاة، فإن مراجعة القضية إليهم فيهاحرج، وهم لا يعرفون ما يعرف هو من خاصة أمره، فتعين أن يكون بين عينيه خسارة مال إن أراد فكَّ النظر لئلا يجترىء على ذلك إلا عند حاجة لا يجد منها بدّاً، فكان هذا نوعاً من التوطين أيضاً، فلا يظهر الاهتمام بالنكاح إلا بمالٍ يكون عوض البضع، فإن الناس لما تشاحوا بالأموال شحاً، لم يتشاحوا به فی غيرها، كان الاهتمام لاتتم إلا ببذلها، وبالإتمام تقرّ أعين الأولياء حين يتملك هو، فلذة أكبادهم. وبه يتحقق التمييز بين النكاح والسفاح، وهو قوله تعالیٰ: ﴿أن تبتغوا بأموالكم محصنين غير مسافحين﴾"(١)۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے بھی بدائع الصنائع میں اس کی حکمت بیان فرمائی ہے(۲)۔

۲......اس پر بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"(أقول) والسر فيما سن أن ينبغي أن يكون المهر مما يتشاح به و يكون مال ينبغي أن لايكون مما يتعذر أداء ه عادةً بحسب ما عليه قومه، وهذا القدر نصاب صالح حسب ما كان

---

(١) (حجة الله البالغة، بابٌ: لانكاح إلا بصداق: ٢/٣٤٢، قديمی)

(٢) "لأن ملك النكاح لم يشرع لعينه، بل لمقاصد لاحصول لها إلّا بالدوام على النكاح والقرار عليه، ولا يدوم إلا بوجوب المهر بنفس العقد .... فلو لم يجب المهر لايبالی الزوج عن إزالة هذا الملك بأدنى خشونةٍ تحدث بينهما؛ لأنه لايشق عليه إزالته ما لم يخف لزوم المهر، فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح، الخ". (بدائع الصنائع، فصل فی المهر: ٣/٤٨٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل السادس: آثار الزواج، وأجمع المسلمون على شرعية الصداق فی النكاح: ٩/٦٧٦٠، رشيديه)

علیہ الناس فی زمانہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم و کذالك أکثر الناس بعدہ، اللھم إلا ناس أغنیائھم بمنزلة الملوك علی الأسرة، وکان أھل الجاھلیة یظلمون النساء فی صدقاتھن بمطل أو نقص، فأنزل اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وآتوا النساء صدقاتھن نحلة، فإن طبن لکم﴾ الایة". حجة اللّٰہ البالغة: ۲/۱۱۸، ۱۱۹(۱)۔

۳......شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی، جتنی مقدار ادا کرنا سہل ہو اور لڑکی کے حالات کے بھی مناسب ہو، تجویز کرلیا جائے (۲)۔

۴......وقت اور ضرورت کے لحاظ سے نرخ میں فرق ہوتا رہتا تھا۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دینار دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکری خرید لائیں، انہوں نے ایک بکری ایک دینار میں خرید لی، پھر اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا اور ایک دینار میں پھر ایک بکری خریدی اور وہ مع ایک دینار نفع لاکر پیش کردی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی اور بکری قربانی کرنے اور دینارِ نفع کو صدقہ کردینے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ مبسوط:۱۲/۱۳، میں مذکور ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (حجة اللہ البالغة، عدم المغالاة فی الصداق: ۲/۳۴۳، قدیمی)

"عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ما علمت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکح شیئاً من نسائہ ولا أنکح شیئاً من بناتہ علی أکثر من ثنتی عشرة أوقیةً". ھذا حدیث حسن صحیح". (جامع الترمذی، باب ما جاء فی مھور النساء: ۱/۲۱۱، سعید)

(وسنن أبی داؤد، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمدادیہ ملتان)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "ولا مھر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لامھر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریہ، الباب السابع فی المھر، الباب الأول: ۱/۳۰۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار، باب المھر: ۳/۱۰۱، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی اقل المھر: ۳/۴۸۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "والأصل فیہ ما روی أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دفع دیناراً إلی حکیم بن حزام رضی اللہ =

مہرِ فاطمی

سوال[۵۸۶۴]: مہر فاطمی کی مقدار صحیح کتنی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقریباً ۱۳۲ تولہ چاندی ہے، اوزانِ شرعیہ کی تحقیق کے لئے مستقلاً ایک رسالہ دیر سے شائع شدہ ہے "أرجح الأقاویل" اس میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین۔

ایضاً

سوال[۵۸۶۵]: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں کتنا تھا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۴۰۰/ مثقال تھا جو کہ ہمارے حساب سے ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= تعالىٰ عنه ليشتري له شاةً للأضحية، فاشترى شاةً، ثم باعها بدينارين، ثم اشترى شاةً بدينار، وجاء بالشاة والدينار إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأخبره بذلك فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بارك الله في صفقتك، أما الشاة فضحّ بها وأما الدينار فتصدق به، الخ". (المبسوط للسرخسي، باب الأضحية: ۱۲/۱۳، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "مہر فاطمی کی مقدار"۔)

(۲) "ثم ذكر السيد جمال الدين المحدث في روضة الأحباب: أن صداق فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها كان أربع مأة مثقال فضة. وكذا ذكره صاحب المواهب و لفظه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لعلي: "إن الله عزوجل أمرني أن أزوجك فاطمة على أربع مأة مثقال فضة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، باب ذكر تزويج عليّ بفاطمة رضي الله تعالىٰ عنها، كتاب المغازي: ۲/۳۶۴، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة) ....=

مہر فاطمی کی مقدار

سوال[۵۸۲۶]: مہر فاطمی کی مقدار فی زمانہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے برابر تھے، کذا فی المشکوٰۃ(۱)۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر بھی اتنا ہی تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، پس پانچ سو درہم ہوئے، جس کی مقدار تقریباً ۱۳۲/ تولہ چاندی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۲/۸۸ھ۔

= "قال: قال عمر بن الخطاب: "ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقية". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، باب ماجاء في مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

"حضرت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سیرت کے مطابق دو روایتیں ہیں: ایک روایت ۴۰۰/ مثقال = ۹۴۴ء اکلو چاندی، دوسری روایت: ۴۸۰/ درہم = ۶۲۹۶ء اکلو چاندی۔ مقدارِ ثانی متعدد روایاتِ حدیث وسیرت سے ثابت ہے اور مقدارِ اول صرف سیرت سے ثابت ہے، لہذا مقدارِ ثانی راجح ہے"۔ (أحسن الفتاوی: ۵/۳۱، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ حقانية، باب المهر: ۴/۳۵۶، دار العلوم حقانيه اكوڑه خٹک)

"مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے۔ کما فی عامۃ روایات الحدیث۔ اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے ایک سو اکتیس ۱۳۱/ تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (وجواهر الفقه، باب: اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، دار العلوم كراچی)

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: ألا! لا تغالوا في صدقة النساء.................ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقيةً". (مشكوٰة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني، ص: ۲۷۷، قديمی)

(وجامع الترمذی، باب ما جاء في مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وسنن أبي داود، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

(۲) "مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے۔ كما في عامة روايات الحديث۔ اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک =

مہرِ فاطمی کی مقدار

سوال[۵۸۶۷]: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر واقعی کتنا تھا جب کہ ہم نے بعض کتابوں میں ساڑھے باون تولہ یا چار سواسی درہم پڑھا ہے اور کیا ۲۵/ روپے بھی مہر فاطمی ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مہر فاطمی ۲۵/ روپے نہیں، بلکہ ۱۳۲/ تولہ کے قریب چاندی ہے(۱)۔ بعض حضرات کے حساب میں اس سے بھی کچھ زائد ۱۵۰/ تولہ تک ہے، جیسا کہ حواشی مشکوۃ شریف میں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

= سواکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (جواہر الفقہ، اوزانِ شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتي عشر أوقية. رواه أحمد والترمذي و أبو داؤد والنسائي وابن ماجة الخ".

"(من اثنتي عشرة أوقية) وهي أربع مأة و ثمانون درهماً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني: ۶/۳۵۹، رشيديه)

مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے۔ کما فی عامة روايات الحديث۔ اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے ایک سو اکتیس ۱۳۱، تولہ تین ماشہ ہوئی۔

(جواهر الفقه، باب: اوزان شرعيه، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، دار العلوم كراچی)

(۲) "ان صداق فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها كان أربع مأة مثقال فضة. وكذا ذكره صاحب المواهب و لفظه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لعلي: "إن الله عزوجل أمرني أن أزوجك فاطمة على أربع مأة مثقال فضة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، باب ذكر تزويج عليّ بفاطمة رضي الله تعالىٰ عنهما، كتاب المغازي: ۲/۳۶۴، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

مقدار اول راجح ہے۔ (كما في أحسن الفتاوى: ۵/۳۱، سعيد)

مہر فاطمی ہمارے حساب سے

سوال[۵۸۶۸]: مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا زیادہ سے زیادہ مہر بارہ اوقیہ چاندی نقل کیا ہے۔ بارہ اوقیہ ہماری تول، تولہ اور بالخصوص گرام کے لحاظ سے کتنا ہوتا ہے؟ فقط۔

محمد عبداللہ دہلوی، ۱۴۸، حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایک سو بتیس تولہ کے قریب چاندی ہمارے حساب سے مہر فاطمی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۱ھ۔

مہر شرعی اور مہر فاطمی

سوال[۵۸۶۹]: زید اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے، وہ زمیندار بھی ہے۔ اس کی بیوی غریب گھر کی لڑکی ہے، لڑکی دوسرا نکاح کرنا نہیں چاہتی ہے اور مہر شرع محمدی یعنی ساڑھے بتیس روپیہ ہے۔ شرع محمدی مہر کی تعداد زیادہ سے زیادہ کتنی ہے، بتلایا جائے عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرع محمدی مہر کی مقدار ساڑھے بتیس روپیہ اگر وہاں کا عرف ہے تو صحیح ہے، یعنی جب لوگ شرع محمدی مہر بولتے ہیں تو اس سے ساڑھے بتیس روپیہ ہی مراد لیتے ہیں، تو بس اتنی ہی تعداد لازم ہوگی اس سے زیادہ کے مطالبہ کا حق نہیں (۲)، اگر یہ عرف نہ ہو تو مہر فاطمی مراد ہوگا۔ شریعت نے زیادہ کی تعداد مقرر نہیں کی، یہ طرفین کی

(۱) "مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، کما فی عامة روايات الحديث، اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے ایک سو اکتیس ۱۳۱/ تولہ تین ماشہ ہوئی"۔ (جواهر الفقه، باب: اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۱/۴۲۴، دار العلوم کراچی)

(۲) "و تجب العشرة إن سماها أو دونها، و يجب الأكثر منها إن سمى الأكثر". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۵۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

رضامندی پر ہے، لیکن حیثیت سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہئے جس کو ادا نہ کر سکے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۱۳۸۵ھ۔

مہر فاطمی کی ترجیح مہر مثل پر

سوال[۵۸۷۰]: زید اپنی لڑکی کا نکاح ایک فارغ التحصیل لڑکے سے مہر فاطمی پر کرنا چاہتا ہے جب کہ یہاں پر مہر مثل کا دستور ۵/ ہزار، ۷/ ہزار کا ہے، جب کہ سب راضی بھی ہیں، لڑکی اور لڑکا بھی راضی ہے۔ تو مہر فاطمی پر نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب بالغہ لڑکی اور اس کے اولیاء رضامند ہیں تو مہر مثل کی پابندی لازم نہیں (۲)، خاص کر جب کہ لڑکا عالمِ دین بھی ہے تو مہر فاطمی کی سنت کا اِحیاء باعثِ اجر بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۲/ ۹۷ھ۔

---

(۱) "قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه: "ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ما علمت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم نکح شیئاً من نسائه و لا أنکح شیئاً من بناته علی أکثر من ثنتی عشرة أوقیةً". هذا حدیث حسن صحیح ". (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی مهور النساء: ۱/ ۲۱۱، سعید)

(وسنن أبی داود، باب الصداق: ۱/ ۲۹۴، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی حجة اللہ البالغة، کتاب النکاح، باب عدم المغالاة فی الصداق: ۲/ ۳۴۳. قدیمی)

(۲) "قالوا: إنه: أیٔ مهر المثل الموجب الأصلی فی باب النکاح، وأماالمسمّٰی: فإنه قائم مقامه للتراضی به". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/ ۱۰۰، سعید)

(۳) "عن بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أحیٰ سنةً من سنتی قد أمیتت بعدی، فإن له من الأجر مثل أجور مَن عمل بها من غیر أن ینقص من أجورهم شیئاً".

"عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أکل طیباً وعمل فی سنة وأمن الناس بوائقه، دخل الجنة". (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام =

مہر کی ادنیٰ مقدار

سوال[۵۸۷۱]: کم ازکم مہر کی مقدار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر کی مقدار کم ازکم دس درہم چاندی ہے جو موجودہ زمانہ میں ساڑھے تین تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۷ھ۔

مہر کی کم اور زیادہ مقدار

سوال[۵۸۷۲]: ہمارے یہاں یہ بات شریعت کے عین مطابق سمجھی جارہی ہے کہ لڑکی کا مہر ۱۱، ۲۵، ۱۲۵/ روپیہ باندھا جائے، زیادہ باندھنے والے کو شریعت کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے(۲) جو کہ تین تولہ کے قریب چاندی ہے، جو چیز بھی اس قیمت کی

= بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لامهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الباب الأول: ۳۰۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب المهر: ۱۰۱/۳، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لا مهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الأول في أدنى مقدار المهر: ۳۰۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۱/۳، سعيد)

ہو غلہ، کپڑا وغیرہ اس کو مہر میں مقرر کرنا درست ہے (۱)۔ مہر کی مقدار زیادہ بھی درست ہے، اس کے لئے کوئی حد متعین نہیں کی گئی ہے، لیکن فخر کے طور پر بہت زیادہ مہر مقرر کرنا ناپسندیدہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع فرمایا ہے (۲)۔

جو لوگ زیادہ مہر مقرر کر لیتے ہیں اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ مہر دینا نہیں ہے، تو حدیث پاک میں ان کے متعلق بہت سخت الفاظ آئے ہیں (۳)، لہذا مہر نہ تو اتنا زیادہ ہو جس کے ادا کرنے کی وسعت ہی نہ ہو، کوشش کرتا کرتا آدمی تھک جائے اور مہر اس کے حق میں پیر کی زنجیر یا گلے کا طوق بن کر رہ جائے۔ نہ اتنا کم ہو کہ جب بھی کوئی بات خلافِ طبع ہوئی طلاق دیکر مہر ہاتھ پر رکھ دیا بلکہ اتنا ہونا چاہیئے کہ اس کی ادائیگی کا شوہر پر دباؤ بھی پڑے، خاندانوں اور برادری کے اعتبار سے سب کا حال یکساں نہیں، مختلف برادریوں میں مہر مثل الگ الگ ہے، ہر ایک کے لئے اور ہر خاندان کے لئے ایک ہی مقدار کو مہر مثل تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "المهر إنما يصح بكل ما هو مال متقوم". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول: ۱/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر في المهر، نوع منه: ما يصلح مهراً الخ: ۸۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه: ألا! لا تغالوا صدقة النساء ......ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه و لا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من ثنتى عشرة أوقيةً". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، كتاب النكاح، باب ما جاء في مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وكذا في سنن أبي داؤد، باب الصداق: ۱/۲۹۴. إمداديه ملتان)

(وكذا في حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة في الصداق: ۳۴۳/۲، قديمى)

(۳) "أيمارجل تزوج امرأةً، فنوى أن لا يعطيها من صداقها، مات يوم يموت و هو زان". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۲۹۵۲): ۲۴۷۳/۵. مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند أحمد بن حنبل، ۴۳۵/۵، (رقم الحديث: ۱۸۴۵۳۷)، داراحياء التراث العربى بيروت)

مقدارِ مہر کو مقرر کردینا

سوال[۵۸۷۳]: کیا کسی فرد یا جماعت کو مہر کی ایک حد مقرر کرنے کا حق حاصل ہے جب کہ اس قسم کی تحدید پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور صاحبِ اختیار خلیفہ نے اپنا حکم واپس لے لیا تھا، اور دوبارہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: " فمن شاء أن يعطي ما أحب".

الجواب حامداً و مصلياً:

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمایا ہے(۱) لیکن کسی فرد کو یا کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ سب برادری کے لئے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کردے کہ اس سے کمی زیادتی کی اجازت ہی نہ رہے اور ہر شخص خواہی نخواہی اسی مقدار پر مجبور ہوجائے، البتہ شریعت نے کم سے کم مقدار دس درہم مقرر کی ہے اس سے کم درست نہیں، زیادہ کی مقدار مقرر نہیں کی (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا، چار ہزار درہم مہر مقرر ہوا جو کہ نجاشی نے ادا کیا جیسا کہ کتب احادیث و سیر میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "قال: قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا انكح شيئاً من بناته على أكثر من ثنتي عشرة أوقية". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، باب ما جاء في مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في تفسير الدر المنثور: ۲/۱۳۳، ناشر محمد أمين بيروت)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه: قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لا مهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول: ۱/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

(۳) "وعن أم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنها أنها كانت تحت عبد الله بن جحش فمات بأرض الحبشة، =

مہر کی مقدار اور شادی میں امداد کرنا

سوال[۵۸۷۴]: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر کتنا تھا؟ کیا اتنا ہی رکھنا چاہئے، یا استطاعت کے مطابق رکھنا چاہئے؟ ایک متوسط آدمی کو کس طرح شادی کرنا چاہئے؟ شادی میں پلنگ سنوارا جاتا ہے اور اس میں رشتہ دار ودیگر کھانا کھانے والے برتن ودیگر اشیاء دیتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ یا پلنگ باہر نہ رکھا جائے جس کی مرضی ہو وہ آئے اور صاحبِ خانہ کو پوشیدہ طور پر عنایت کرے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر فاطمی ایک سو بتیس ۱۳۲/ تولہ کے قریب چاندی ہے، اس سے کم زیادہ بھی تجویز کرنا درست ہے۔ متوسط آدمی کو اتنا مہر رکھنا چاہئے جس کو وہ ادا کر سکے (۱) ادا کرنے میں اس پر کچھ بوجھ بھی ہو اور اگر طلاق کی نوبت آجائے تو بیوی اس سے کچھ روز گزارہ بھی کر سکے، اس شوہر کو خود بھی سوچنا پڑے کہ اتنا مہر بھی طلاق کے ساتھ دینا ہوگا۔ شادی کا بہتر طریقہ ”بہشتی زیور“ میں موجود ہے (۲) اس کو دیکھ لیا جائے، زیادہ تفصیل چاہئے تو

= فزوّجها النجاشي النبيَّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأمهر ها عنه أربعة آلاف". رواه أبو داؤد والنسائي". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثالث: ۳۶۳/۶، رشيديه)

(وسنن أبي داؤد، باب الصداق: ۲۹۴/۱، إمداديه ملتان)

(وتاريخ الطبري، ذكر السبب الذى كان فى خطبة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عائشة وسودة رضي الله تعالىٰ عنهما: ۴۱۴/۲، ۴۱۵، بيروت لبنان)

(۱) "قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: "ألا! لا تغالوا صدقة النساء ......ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه و لا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقيةً". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في مهور النساء: ۲۱۱/۱، سعيد)

(وسنن أبي داود، باب الصداق: ۲۹۴/۱، إمداديه ملتان)

”مہر فاطمی جس کی مقدار منقولہ پانچ سو درہم ہے- كما في عامة روايات الحديث- اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوئی“۔ (جواہر الفقہ، باب: اوزانِ شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب: ۴۲۴/۱، دار العلوم کراچی)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ ششم، باب: شرع کے موافق شادی کا ایک نیا قصہ، ص: ۴۳۸، دار الاشاعت کراچی)

(تحفۃ الزوجین، تالیف شاہ رفیع الدین صاحب، ص: ۳۸، ۳۹، باب اول، مطبع احمدی دہلی)

''تحفۂ زوجین'' میں ہے۔شادی میں پلنگ سنوارنا اور رشتہ داروں سے وصول کرنا غلط طریقہ ہے،کوئی امداد کرنا چاہے تو اخلاص کے ساتھ مخفی طریقہ پر امداد کرے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

کیا لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے؟

سوال[۵۸۷۵]: نکاح کے وقت لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرکے بتلائے ،کیا اس بارے میں قرآن یا حدیث شریف میں کوئی دلیل ہے؟ اگر اس بارے میں کوئی حدیث ہو تو ضرور لکھیں۔ یہاں پر اہل حدیث کہتے ہیں کہ لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے گی۔ میری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری، اگر یہ خالص فقہ کا مسئلہ ہے تو جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مہر کی کم از کم مقدار شریعت نے مقرر کردی ہے:"لا مهر أقل من عشرة دراهم". یہ روایت دار قطنی (۱) اور بیہقی (۲) میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (شارح بخاری) نے اس کو ''حسن'' لکھا ہے (۳)، مگر زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی، ہاں اتنا زیادہ مقرر کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کی ادائیگی قابو سے باہر ہو (۴)۔ پھر جو مقدار مہر کی کسی خاندان میں مہر مثل ہو کر رائج ہو، اس کے متعلق تو لڑکی سے خصوصیت سے

---

(۱) (سنن الدار قطني، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۲۴۷، دار نشر الكتب الإسلامية)

(۲) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب ما يجوز أن يكون مهراً: ۷/۲۴۱، نشر السنة، ملتان)

(۳) "سمعت جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يقول: "ولا مهر أقل من عشرة". -من الحديث الطويل- قال الحافظ: إنه بهذا الإسناد حَسنٌ و لا أقل منه".

(فتح القدير، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/۲۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "عن أبي العجفاء السلمي، قال عمر بن الخطاب: "ألا! لا تغالوا بصدق النساء، فإنها لو كانت مكرمةً في الدنيا وتقوى عندالله، كان أولكم بها النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ما أصدق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرأةً من نسائه و لا أصدقت امرأة من بناته أكثر من اثنتى عشرة أوقيةً، صحيح". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان) .... =

معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، وہ اس کو معلوم ہی ہے، اگر وہ اس پر رضامند نہ ہو تو انکار کر سکتی ہے، لیکن اگر ولی اس مہر مثل سے کم مقرر کرنا چاہے تو لڑکی سے استصواب واستیذان لازم ہے، کیوں کہ اس میں اس کی حق تلفی ہے(۱)۔ اگر لڑکی نابالغہ ہو اور اس کا مہر مہر مثل سے کم کر دیا جائے تو بلوغ پر اس کو تکمیلِ مہر کے مطالبہ کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

قوم کی طرف سے مہر کی تعیین اور اس کے خلاف پر جرمانہ

سوال[۵۸۷۶]: قوم کے سر برآوردہ لوگوں نے یہ تجویز پاس کی ہے کہ آئندہ سب لوگوں کو اپنی اولاد کے نکاح ۲۵/ روپیہ سے زیادہ کی رقم پر نہ کرنا چاہئے، چنانچہ تمام قوم اس کی پابند ہے، مخالف پر جرمانہ وغیرہ کیا جاتا ہے۔ تو تعیینِ مہر کا ان لوگوں کو حق ہے یا نہیں، صحتِ نکاح میں کوئی خرابی ہے یا نہیں؟

محمد اسماعیل گنگوہی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مہر پچیس روپیہ یا اس سے زائد یا اس سے کم دس درہم تک مقرر کرنا جائز ہے اور بہر صورت نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ کم کی مقدار دس درہم شریعت کی جانب سے متعین ہے، زیادہ کی مقدار متعین نہیں، کسی اَور کو انتہائی مقدار لازمی طور پر متعین کرنے کا حق حاصل نہیں، نہ کسی کی تعیین سے متعین ہو سکتی ہے(۲)، البتہ زیادہ مہر مقرر

= (ومشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الصداق: ۲/۲۷۷، قدیمی)

(وکذا فی حجة الله البالغة، کتاب النکاح، باب عدم المغالاة فی الصداق: ۲/۳۴۳، قدیمی)

(۱) "وصح حطها لكله او بعضه عنه قَبل أولا، و يرتد بالرد، كمافی البحر". (الدرالمختار). "(قوله: وصح حطها) الحط: الإسقاط، كما فی المغرب. و قيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، و لا بد من رضاها". (ردالمحتار: ۳/۱۱۳، باب المهر، مطلب فی حط المهر والإبراء منه، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۳/۲۶۴، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "ولا مهر أقل =

کرنا کچھ فضیلت کی بات نہیں، خصوصاً جب کہ اس کی وسعت بھی نہ ہو:

"(عمر) قال في الخطبة: ألا! لا تغالوا في صدقة النساء، فإن ذلك لو كان مكرمةً في الدنيا و تقوى عند الله، كان أولكم رسول الله، ما أصدق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امرأةً من نسائه و لا أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتي عشرة أوقيةً". مجمع الفوائد (١)۔

مہر فاطمی مقرر کرنا افضل ہے، ورنہ کم از کم وسعت سے زیادہ مقرر نہ کیا جائے، کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔ مال کا جرمانہ شرعاً جائز نہیں:

قال ابن نجيم بعد بحث: "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". بحر: ٤١/٥ (٢)۔

قوم کی اس تجویز سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ٥٢/١٢/٢٥ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا، ٢٦/ ذی الحجہ/٥٢ھ، صحیح: عبد اللطیف، ٢٦/ ذی الحجہ/٥٢ھ۔

= من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: مهر أقل من عشرة: ١١/٨١، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول: ١/٣٠٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المهر: ٣/١٠١، سعيد)

(١) (جمع الفوائد، كتاب النكاح، الصداق والوليمة وإجابة الدعوة، (رقم الحديث: ٤١٥٣) : ٢/٥٨، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب الصداق، الفصل الثاني: ٦/٣٥٩، رشيديه)

(وسنن أبي داؤد، باب الصداق: ١/٢٩٤، إمداديه ملتان)

(٢) (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، فصل في التعزير: ٢/١٦٧، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال: ٤/٦١، سعيد)

(٣) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ٣/٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٤، رشيديه) .... =

مقدارِ مہر میں زوجین کا اختلاف

سوال[۵۸۷۷]: ہندہ کا مہر ۵۰۰/ روپیہ کلدار کا ہے، زید نے مشہور کیا کہ میرا مہر ۳۲/ دوپیہ کالدار کا ہے۔ ہندہ کے والد نے بذریعۂ نوٹس کے زید کو مطلع کیا، زید نے ایک فقیر آدمی کے سامنے اقرار کیا کہ میرا مہر ۵۰۰/ روپیہ کا بندھا تھا، آپ بیچ میں باہمی فیصلہ دوسو روپیہ پر کرادیں۔ وہ شخص ہندہ کے والد سے ملے، ہندہ کے والد نے اصلی واقعات سے آگاہ کیا، اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ میں اب ایک لفظ بھی آگے نہیں کہہ سکتا۔

جب زید کا بس نہیں چلا تو بذریعۂ نوٹس کے مطلع کیا کہ میرا مہر ۳۲/ روپے کا ہے اور میں اپنے ہوش وحواس درست ہونے کی رو سے کہتا ہوں کہ میرا مہر اتنا ہی ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ میرا مہر ۵۰۰/ روپیہ کا ہے سراسر غلط ہے، اگر کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی کی تو بیجا ہوگی۔ لہٰذا شریعت کی رو سے ایسے شخص کے بارے میں قرآن و حدیث سے ثابت کریں اور جو لوگ ایسے شخص کے ساتھ شامل ہورہے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً مہر ۵۰۰/ روپیہ کا ہے اور زید دروغ بیانی سے کام لیتا ہے تو یہ جھوٹ اور ظلم ہے اور جو لوگ اس بات کو جانتے ہوئے زید کا ساتھ دیں گے وہ بھی گناہ گار ہوں گے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿تعاونوا علی البر والتقویٰ، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ محرم/ ۶۰ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/ محرم/ ۶۰ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (سورة المائدة: ۲)

"ودل قوله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ﴾ على وجوب التعاون بين الناس على البر والتقوىٰ والانتهاء عما نهى الله عنه، وحرمة التعاون على المعاصي والذنوب ويؤكده حديث: "الدال على الخير كفاعله". (التفسير المنير، سورة المائدة: ۶/۷۴، دار الفكر بيروت)

﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين =

دو دینار سرخ مہر قرار دینا

سوال[۵۸۷۸] : ۱...... مہر میں دو دینار سرخ سلطانی باندھنا کیسا ہے؟

اشرفی کا وزن

سوال[۵۸۷۹] : ۲...... اشرفی کی قیمت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مہر میں دینار سرخ وغیرہ باندھنا درست ہے، لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ مروجہ سکہ باندھا جائے تا کہ عندالأداء نزاع نہ ہو(۱)۔

۲...... دینار سرخ اور اشرفی کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے، یہی وزن مثقال کا ہے۔ قیمت بازار سے دریافت کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۷ھ۔

= بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات وهو التقوىٰ. وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم .... عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدال على الخير كفاعله" .... من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً. ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً". (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة، پ: ٦): ٢/٦، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "لأن الجهالة مفضية إلى المنازعة ....وإن كانت مختلفة المالية والرواج معاً، فالبيع صحيح، ويصرف إلى الأرَوج للوجه الذى تقدم من وجوب العمل بالعرف والعادة". (فتح القدير، كتاب البيوع: ٦/٢٦٣، ٢٦٤، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الدرالمختار، مطلب: يعتبر الثمن فى مكان العقد و زمنه: ٤/٥٣٦، سعيد)

سکہ رائج الوقت اور دینار سرخ کی قیمت

سوال[۵۸۸۰]: زید نے بوقتِ نکاح اپنی بیوی ہندہ کے تختہ سیاہنامہ میں مہر مؤجل نوسو روپے سکہ رائج الوقت اور دس دینار شرعی اور دو دینار سرخ لکھوا کر ایجاب وقبول کیا، اب ہندہ اپنے شوہر زید سے مہر کا مطالبہ کررہی ہے۔ براہِ کرام بتائیں کہ سکہ رائج الوقت کی کیا تعریف ہے؟ ایک دینار شرعی کی ہندوستانی سکہ کے لحاظ سے کیا قیمت ہوگی؟ اور ایک دینار سرخ کی ہندوستانی سکہ کے لحاظ سے کیا قیمت ہوگی؟ دینار شرعی اور دینار سرخ کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت نکاح ہوا تھا، اس وقت جو روپیہ رائج تھا، وہ نوسو روپیہ سکہ رائج الوقت سے مراد ہے۔ دینار شرعی سے ساڑھے چار ماشہ سونا مراد ہے(۱)۔ دینار سرخ اشرفی کو کہتے ہیں جس کا وزن دس ماشہ سونا تھا۔ جس وقت مہر ادا کرنا ہو اس وقت بازار میں سونے کے وزنِ مذکور کی قیمت دریافت کرلی جائے، کیونکہ یہ قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۲ھ۔

سکہ رائج الوقت مہر میں چاندی کے روپے وصول کرنا

سوال[۵۸۸۱]: حافظ محمد عرفان کے نکاح کے وقت قاضی نے سکہ رائج الوقت کی قید کے ساتھ ساڑھے بتیس روپیہ مہر متعین کیا تھا۔ اب حافظ صاحب نے آٹھ سال کی مدتِ طویلہ اور خلوتِ صحیحہ کے بعد اپنی

---

(۱) "والمثقال هو الدينار عشرون قيراطاً، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات، كذا في التبيين". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الأول: ۱/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۵، سعيد)

"مثقال بالكسر نامِ وزنے ست کہ چہار ونیم ماشہ باشد"۔ (غياث اللغات، باب الميم مع الثاء، ص: ۴۵۲، سعيد)

(وكذا في فتاوی دار العلوم ديوبند، كتاب النكاح، مسائل مهر: ۸/۲۲۰، إمداديه ملتان)

بیوی کوطلاق دیدی ہے،طلاق کے بعدوہ عورت ایک سال تک اپنے والد کے گھر پر رہی ہے اس کے بعد پانچ ماہ کے لئے اپنے شوہر حافظ صاحب کے گھر آ گئی،ان پانچ ماہ میں بلاکسی تعلق کے انہوں نے نان ونفقہ برداشت کیا۔اب اس کے گھر والے اس مطالبہ پر بضد ہیں کہ ہم دوسال کا نان ونفقہ لیں گے اوراس کے ساتھ ساڑھے بتیس روپیہ چاندی کے لیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ ادائیگی مہر کے لئے چاندی ہی کے روپے دینا ضروری ہیں یا سکہ رائج الوقت سے ہی کام چل جائے گا؟

دوسری بات یہ ہے کہ حافظ صاحب مذکور کے ذمہ سے ان کی وہ ذمہ داری جوطلاق کے بعد ایامِ عدت میں ہونی چاہئے تھی یعنی نان ونفقہ وغیرہ اس عورت کا پانچ ماہ مع نان ونفقہ کے رہنا شوہر کی ذمہ داری کوختم کردے گا یانہیں؟ جب کہ دوسال بعد عورت شوہر کے وہاں پہونچی،یاان کے مطالبہ کے موافق دوسال کے نان ونفقہ کا شوہر ذمہ دار ہوگا،یا صرف تین ماہ دس دن کا ذمہ دار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب سے سات آٹھ سال قبل چاندی کا روپیہ رائج نہیں تھا،لہذا ساڑھے بتیس روپے چاندی کے وصول کرنے کا حق نہیں(۱)۔طلاق کے بعد نفقۂ عدت شوہر پر واجب ہوتا ہے(۲)،مطلقہ کی عدت تین

---

(۱) "ینصرف مطلقه إلی غالب نقد البلد، بلد العقد، مجمع الفتاوی؛ لأنه المتعارف، الخ". (الدر المختار، کتاب البیوع، مطلب یعتبر الثمن فی مکان العقد و زمنه: ۵۳۶/۴، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۶۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع: ۲۶/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أو لم تكن، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الثالث في نفقة المعتدة: ۵۵۷/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۹۵/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

حیض ہے(۱) دو سال کا نفقہ طلب کرنا غلط اور ناحق ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد وہ اجنبیہ ہوگئی ہے، اب اس کے ساتھ رہنے کا حق نہیں رہا، اور کوئی نفقہ بھی واجب نہیں رہا، اب اگر خدانخواستہ وہ ان کے ساتھ بغیر پردہ کے رہتی ہے تو ناجائز اور گناہ ہے اس کو الگ کردیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

مغالاتِ مہر

سوال[۵۸۸۲]: رسالہ النور: ۱/۲۵-۵۳ھ، ملفوظ نمبر: ۲۹۴، میں حسب ذیل عبارت ہے:

"جواب میں فرمایا کہ احادیث میں جو مغالاتِ مہر کی ممانعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کے خلاف ایک شخص قلیل مہر مقرر کرے، ورنہ فقہاء اس راز کو سمجھتے، دیکھئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر غیرِ اَب وجد کسی لڑکی کا نکاح

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۲۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ثم إن وقعت الفرقة بطلاق بائن أو ثلث لابد من سترة بينهما، ثم لابأس؛ لأنه معترف بالحرمة إلا أن يكون فاسقاً يخاف عليها منه، فحينئذ تخرج؛ لأنه عذر، ولا تخرج عما انتقلت إليه، والأولى أن يخرج هو ويتركها، وإن جعلا بينهما امرأةً ثقةً تقدر على الحيلولة فحسن. وإن ضاق عليهما المنزل فلتخرج، والأولى خروجه". (الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد: ۲/۴۲۹، شركت علميه ملتان)

"(قوله: لابد من سترة بينهما) يعني إذا لم يكن إلا بيت واحد كي لاتقع الخلوة بالأجنبية، وكذا هذا في الوفاة إذا كان من ورثته من ليس بمحرم لها، ثم لابأس بالمساكنة بعد اتخاذ الحجاب اكتفاءً بالحائل، وإنما اكتفى به، لأنه يعتقد الحرمة فلا يقدم على المحرم، إلا أن يكون فاسقاً فحينئذ تخرج؛ لأنه عذر". (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد: ۴/۳۴۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

مہرِ مثل سے کم پر کردے تو نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ساری قوم مغالات کرتی ہو تو اپنی اولاد کے لئے مہر مثل کی مراعاۃ واجب ہے، ممانعتِ مغالاتِ مہر کا مطلب یہ ہے کہ ساری قوم مہر میں مغالات کو رفع کرے''۔ انتہی ملفوظ۔

۱......پس احقر نے ہمشیرۂ خود کا عقد ۶۰۰/ روپیہ مہر پر کردیا، حالانکہ ہماری ذات میں ساڑھے بارہ ہزار روپے کے قریب قریب مہر مقرر ہوتا ہے، پس مذکورہ بالا عبارتِ مسئلہ فقہاء کی رو سے نکاح منعقد نہیں ہوا، اور جگہ پر بھی مہر معمولی و مہر مثل سے کم پر ہمارے یہاں مہر بندھا ہے، مگر وہ لڑکی کے والد نے خود باندھا ہے۔ پس کیا ایسی صورت میں نکاح ہمشیرہ اسی شخص سے مہر مثل پر کردینا چاہئے؟

۲......اگر وہ شخص ساڑھے بارہ ہزار مہر منظور نہ کرے اور عذر کرے تو کیا از روئے مقدمہ ہمشیرہ کو ان سے چھڑالینا چاہئے۔

۳......اگر ہمشیرہ ۶۰۰ روپے پر نکاح قائم رکھے یا کہے کہ بوقتِ نکاح مجھے یہ مہر منظور تھا تو کیا نکاح بحال رہے گا؟

منظور احمد مدرس رڑکی سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مہر کے متعلق شریعت کی طرف سے تعیین ہے کہ کم از کم دس درہم ہونا چاہئے اس سے کم جائز نہیں(۱)، اس سے زائد عورت اور اولیاء کا حق ہے، عورت اگر بلا رضامندیٔ اولیاء مہر مثل سے کم پر نکاح کرے گی تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ سے فسخِ نکاح کا حق ہے(۲)۔ اگر عورت بالغہ و اولیاء مہر مثل سے کم پر رضامند ہو جاویں تو

---

(۱) ''عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "و لا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لا مهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی المهر، الفصل الأول فی بیان أدنی مقدار المهر: ۱/۳۰۲، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: باب المهر: ۳/۱۰۱، سعید)

(۲) ''وإذا تزوجت المرأة و نقصت عن مهر مثلها، فللأولیاء الاعتراض علیه عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ،=

صحیح ہے(۱)۔صورتِ مسئولہ میں اگر ہمشیرہ بوقتِ نکاح بالغہ تھیں، اور مہر مثل سے کم پر رضامند تھیں اور اولیاء میں سے بھی کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا تو یہ نکاح صحیح ہے۔

۲......جب سب کی رضامندی سے نکاح ہوا تو چھڑانے کی کیا ضرورت ہے(۲)۔

۳......اگر بوقتِ نکاح بالغہ تھیں اور اولیاء کو بھی اعتراض نہیں تو نکاح بحال درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۳ھ۔

مہر کی زیادتی

سوال[۵۸۸۳]: کیا اپنی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا یا بندھوانا جائز ہے، یہ کہہ کر کہ برادری میں رسم اتنے ہی حق مہر کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو ایسی حالت میں درست ہو جاتا ہے، لیکن زیادہ مہر مقرر کرنا اور اس میں غلو کرنا شرعاً پسندیدہ

= حتی یتم لها مهر مثلها أو يفارقها، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ۲/ ۳۲۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في الكفاءة: ۳/ ۳۰۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في الكفاءة: ۳/ ۲۳۶، رشيديه)

(۱) "أن الكفاءة في الأمور المذكورة من حق الولي بشرط أن يكون عصبةً ولو كان غير محرم .... ثم إذا سكت الولي عن الاعتراض حتى ولدت المرأة، فإن حقه يسقط في الكفاءة، الخ". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، مبحث الكفاءة في الزواج: ۴/ ۵۲، دار الفكر بيروت)

(۲) "وإذا زوجها الولي بغير كفاءة برضاها، لزم النكاح، وإذا رضي الأولياء فقد أسقطوا حق أنفسهم بالاعتراض والفسخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس: الكفاءة في الزواج، ترتيب الحق بين الأولياء و وقت سقوط حق الاعتراض: ۹/ ۶۷۴۴، رشيديه)

نہیں، خصوصاً دنیا کے دکھلاوے کے لیے اور رسم کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرنا شرعاً ممنوع ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: ألا! لا تغالوا فی صدقات النساء، فإنها لو کانت مکرمةً فی الدنیا وتقویٰ عنداللّٰہ، لکان أولکم بها نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". الحدیث. مشکوۃ شریف، ص: ۲۷۷ (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

ایضاً

سوال [۵۸۸۴]: مہر کے لئے شرعی قانون کیا ہے؟ کیوں کہ آج کل کثرت سے یہ ہو رہا ہے کہ خاوند میں وسعت نہیں ہوتی مگر لڑکی کے ورثاء اصرار سے زیادہ ہی حقِ مہر مقرر کراتے ہیں اور بعضوں کا خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر مہر زیادہ از وسعت ہو پڑا ہو، لینا دینا تو کچھ بھی نہیں۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر کی ادنیٰ مقدار شریعت نے دس درہم مقرر کی ہے (۲)، زیادہ کی تحدید کچھ نہیں، طرفین جس قدر چاہیں اور وسعت سمجھیں مقرر کر سکتے ہیں، حیثیت سے زیادہ مقرر کرنا نام آوری، شہرت کے لئے شرعاً پسندیدہ نہیں، نہایت مذموم اور بُرا ہے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے (۳)، اور جبکہ دینے اور معاف کرانے کی نیت نہ ہو تو بہت ہی بُرا ہے، بعض احادیث میں ایسے شخص کے لئے سخت کلمات فرمائے گئے ہیں۔ جس طرح کہ دوسرا کسی قسم کا قرض ذمہ میں رہتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح دَین مہر بھی عورت کا

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح: باب الصداق، الفصل الثانی، ص: ۲۷۷، قدیمی)

(وسنن أبی داود، باب الصداق: ۱/۲۹۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی حجة اللّٰہ البالغة، کتاب النکاح، باب عدم مغالاۃ فی الصداق: ۲/۳۴۳، قدیمی)

(۲) "أقله عشرة دراهم". (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۱۰۱ سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن، باب: لا مهر أقل من عشرة: ۱۱/۸۱، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی المهر، الفصل الأول: ۱/۳۰۲، رشیدیه)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "مہر کی زیادتی"۔)

واجب الاداء قرض ہوتا ہے، اس کو ادا کرنا یا معاف کرانا ضروری ہے۔ اور جس شخص کی ادا کرنے کی نیت نہ ہو، باوجود وسعت کے ادا نہ کرے اور نہ معاف کرائے اور نہ عورت معاف کرے تو وہ قیامت میں ماخوذ ہوگا(۱) اور اگر ترکہ چھوڑا ہے تو اس سے وصول کیا جائے گا(۲)، نکاح بہر حال درست ہو جاتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ربیع الثانی/۵۹ھ۔

لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

سوال [۵۸۸۵]: ۱......ایک شادی شدہ لڑکا جس کی عمر پینتیس سال ہے اور اس کا مہر پینتس روپے چار آنے ہے، کیوں کہ ان کی برادری میں اتنا ہی مہر باندھنے کا رواج ہے اور یہ لڑکا سرکاری ملازم ہے۔ ایک دوسرے شخص نے بہلا پھسلا کر چوری سے اپنی لڑکی سے ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھا دیا اور بستی والوں کو معلوم

---

(۱) "أخرج الطبراني –بسندٍ رُواته ثقات– أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيما رجل تزوج امرأةً على ما قل من المهر أو كثر، وليس في نفسه أن يؤدي إليها حقها، خدعها، فمات ولم يؤد إليها حقها، لقي الله يوم القيامة وهو زان. وأيما رجل استدان ديناً وهو لا يريد أن يؤدي إلى صاحبه حقه، خدعه، حتى أخذ ماله، لقي الله وهو سارق". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الصداق: ۲/۴۷، ۴۸، دار الفكر، بيروت)

(۲) "وموت أحدهما كحياتهما في الحكم أصلاً وقدراً لعدم سقوطه بموت أحدهما". (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۵۰، سعيد)

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة: الأول يبدأ بتكفينه ....ثم تقضي ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي، ص: ۳، سعيد)

(۳) "إنما ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

نہیں ہوا۔ یہ چوری سے نکاح اور ڈیڑھ ہزار روپے مہر جو کہ دباؤ ڈال کر باندھا گیا ہے درست ہے یا نہیں؟

۲......ایک غریب خاندان ہے جو کہ دادا پردادا ماں باپ سب کا مہر پینتیس روپے چار آنے ہے، لیکن لڑکے کا مہر زبردستی سے دباؤ ڈال کر ڈیڑھ ہزار روپے باندھا گیا جس کی نہ کوئی جگہ ہے، نہ زمین ہے، نہ کوئی حیثیت ہے۔ تو آیا دباؤ ڈال کر ڈیڑھ ہزار روپے مہر باندھنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ایجاب وقبول جب دو گواہوں کے سامنے شریعت کے مطابق ہو جائے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے(۱) اور مہر کی اتنی مقدار بھی منظور کرنے سے مہر لازم ہو جاتا ہے(۲)، اگرچہ برادری میں کم مہر کا رواج ہے۔ پینتیس سالہ شادی شدہ سرکاری ملازم لڑکا ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو نابالغ یا کم عمر لڑکا سمجھ کر بہلا پھسلا کر غلط کام کرا لیا جائے اور اس کو معذور قرار دیدیا جائے اس لئے نکاح درست ہو گیا (۳) اور مہر بھی پورا لازم ہوگا (۴)۔ اگر دو گواہ بھی نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوا (۵)۔

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر بشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً. الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹ - ۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴-۱۵۵، رشيديه)

(۲) "و تجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر، و يتأكد عند وطء أو خلوة صحت أو موت أحدهما". (الدرالمختار). "(قوله: و يتأكد): أي الواجب من العشرة أو الأكثر، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۵۳۸، ۵۳۹، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۱/۳۴۶، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع رقم: ۱)

(۴) (راجع رقم: ۲)

(۵) "ومنها الشهادة، قال عامة العلماء: إنها شرط جواز النكاح، هكذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه) ....

۲......اکراہ کرکے اگر اتنا مہر مقرر کیا گیا ہے یعنی اگر اس کو منظور نہ کرے تو ضرب، حبس وغیرہ کی سزا دی جائے تو نکاح جب بھی منعقد ہوگیا(۱)، لیکن اگر وطی سے پہلے طلاق دے دے گا تو شخصِ مذکورہ حقدار ہوگا کہ وہ نصفِ مہر اکراہ کرنے والوں سے وصول کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۹ھ۔

عورت کے غیر واقعی اوصاف بیان کرکے مہر زائد تجویز کردیا گیا

سوال[۵۸۸۶]: کچھ لوگوں نے زید کی شادی ہندہ کے اوصاف بیان کرکے چار ہزار مہر پر کردی، مگر ہندہ میں وہ اوصاف بالکل نہیں ہیں، چار ہزار مہر بھی لوگوں کے کہنے سننے سے قبول کیا تھا، حالانکہ زید کی

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الشهادة: ۳۸۹/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۵۳/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "(ما يصح مع الإكراه): فقال: طلاق و إيلاء و ظهار و رجعة و نكاح، يشمل ما إذا أكره الزوج أو الزوجة على عقد النكاح، كما هو مقتضى إطلاقهم". (رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه: ۲۳۶/۳، سعيد)

"(قوله: ليتحقق رضاهما): أي يصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا، إذ حقيقة الرضاء غير مشروط في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۲۱/۳، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة". (مشكوة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲۸۴/۲، قديمي)

(۲) "و صح نكاحه و طلاقه و عتقه، و رجع بقيمة العبد و نصف المسمى إن لم يطأ". (الدر المختار).

"وصح نكاحه، فلو أكره عليه بالزيادة، بطلت الزيادة، وأوجبها الطحاوي وقال: يرجع بها على المكره، بزازية، الخ". (رد المحتار، كتاب الإكراه، مطلب: بيع المكره فاسدا الخ: ۱۳۷/۶، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الإكراه: ۱۳۰/۶، رشيديه)

حیثیت چار ہزار کی نہیں ہے۔ تو کیا اب متعین ہوسکتا ہے؟ اگر مہر مثل کو حکم بنایا اور وہ زید کی حیثیت سے بڑھ کر ہے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے مہر پر نکاح کو قبول کیا وہی لازم ہوگیا، چاہے اپنی رغبت سے قبول کیا ہو یا دوسروں کے کہنے سے، اور چاہے بیوی پسند آئے یا نہ آئے، اس صورت میں مہر مثل کو حکم نہیں بنایا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۸۸ھ۔

زیادہ مہر پر جبراً دستخط لینا

سوال[۵۸۸۷]: نکاح سے پہلے ایک دن صبح مسجد کے اراکین نے ایک غیر جانبدار مکان کے کمرہ میں بکر کو بلا کر ایک دستاویز پر دستخط کرنے کو کہا۔ اس دستاویز کو جب کمیٹی کے صدر نے پڑھا تو اس میں اس کا فیصلہ تحریر تھا کہ وہ کمیٹی چند قرائن کی بناء پر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ بکر سکہ رائج الوقت ایک ہزار روپیہ مہر سے ہندہ کا نکاح کر کے ایام حمل ہی میں اپنے پاس رکھے۔ جب بکر نے دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ انکار کا دوسرا انجام سنگباری سے ہلاکت ہے۔ کمیٹی کے صدر نے کہا کہ بکر کمیٹی کا فیصلہ نہیں مانے گا تو وہ تکلیف اٹھاوے گا اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، مگر بکر نے صاف انکار کر دیا دستخط کرنے سے، اور کہا کہ اس فیصلہ پر غور کرنے کا موقع دیا جانا چاہئے اور کمیٹی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بکر کو اسی وقت دستخط کرنا چاہئے۔

---

(۱) "فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شئ منه بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر، ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۱/۳۴۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۲۵۱، رشيديه)

آخر بکر نے ظالموں سے چھٹکارا پانے کے لئے اتنا کہا ۵۰/ سے ۹۷/ روپے مہر سے نکاح کرے گا، مگر کمیٹی نے مہر کی کمی کے لئے تیسری درخواست لے کر فیصلہ کیا کہ ۸۶۷ روپے مہر سے نکاح کرے۔ بکر نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مہر کا فیصلہ کرنے کا کمیٹی کو کوئی حق نہیں ہے، شریعت نے اس کا حق نکاح کرنے والے کو دیا ہے۔ کمیٹی کے صدر نے کہا کہ وہ شریعت وریت سنتے نہیں، پر ان کا فیصلہ ہے جسے وہ کبھی بدل نہیں سکیں گے۔ بکر نے مار پیٹ کے خوف سے دستاویز پر دستخط کردیا، مگر بکر کوئی صاحبِ نصاب نہیں، اس کی ماہانہ تنخواہ صرف ایک سو چالیس روپے ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں اور اس کی کوئی جائیداد بھی نہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کا مہر صرف چار سو روپے تھا۔ از روئے شرع تحریر فرمائیں کہ کیا مہر سے متعلق کسی کا یہ رویہ درست ہے؟ اسلام میں سب سے اچھا مہر کونسا ہے؟ کیا کمیٹی کو یہ حق پہونچ سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کا مہر طے کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمیٹی کا اس طرح مجبور کرنا ظلم ہے اس کو ہرگز اس کا حق نہیں ہے، کذا فی الدر المختار(۱)۔ پھر اپنی جانب سے مہر مقرر کرکے زائد رقم دستاویز میں لکھنا، اس پر دستخط لینا یہ بھی ظلم ہے(۲)۔ مہر کا تعلق عورت مرد کی رضامندی پر ہے، جب دونوں اپنی خوشی سے نکاح کریں تو جس قدر چاہیں مہر مقرر کرسکتے ہیں۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جو کہ تقریباً ڈھائی تولہ چاندی ہوتی ہے، اس سے کم معتبر نہیں(۳)، البتہ اگر کوئی عورت مہر

---

(۱) "والإنسان لا يجبر على تحمل الضرر". (ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: الحق أن الدين يملك: ۳۰۱/۴، سعيد)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵، قديمي)

(والسنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲۰)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه: قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "و لا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لا مهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول ۳۰۲/۱، رشيديه) =

مثل سے کم پر نکاح کرے تو اس کے ولی کو اتنا حق پہونچتا ہے کہ وہ مہر مثل کی تکمیل کرادے۔ کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیثیت کے اختلاف سے مہر میں اختلاف

سوال [۵۸۸۸]: اگر مہر بحیثیت مالی حالت کے مقرر کیا جائے تو میرا مہر کتنا مقرر کیا جائے گا جب کہ میرے کارخانے کی مجموعی آمدنی تقریباً ایک ہزار روپے مہینہ ہے جس میں میرا ایک بھائی دو بہنیں اور ماں بھی شریک ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت نے اس کی تحدید نہیں کی جتنی مقدار آپ کو ادا کرنا سہل ہو اور لڑکی کے حالات کے بھی مناسب ہو تجویز کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند ۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

حیثیت سے زیادہ مہر ادا نہ ہو سکا تو کیا ہوگا؟

سوال [۵۸۸۹]: ۱۔۔۔۔۔بعض لوگ فخریہ طور پر اپنے قومی رواج کے موافق اور بعض لڑکی کے طلاق کے اندیشہ سے لڑکی کا مہر شوہر کی حیثیت سے بہت زیادہ بندھواتے ہیں، حالانکہ شوہر کی حیثیت ۵۰/روپیہ بھی ادا کرنے کی نہیں ہوتی اور اس کو پانچ صد یا پانچ ہزار کا زور دیا جاتا ہے اور شوہر کی طلب میں مطلوبہ مہر بندھوانے پر

= (وكذا في الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

(۱) "وإذا تزوجت المرأة و نقصت عن مهر مثلها، فللأولياء الاعتراض عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ حتى يتم لها مهر مثلها أو يفارقها، الخ". (الهداية، فصل في الكفاءة: ۲/۳۲۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في الكفاءة: ۳/۳۰۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في الكفاءة: ۳/۲۳۶، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

مجبور ہو جانا پڑتا ہے اور اس نا قابلِ برداشت بار کو ذمہ رکھ لیتا ہے۔

چونکہ یہ بار طاقت سے بالکل باہر ہو جاتا ہے، کسی بھی طرح اس کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی، لہٰذا بغیر ادا کئے بھی مر جاتا ہے اور اس دینِ مہر کو اپنے ذمہ ہی لے جاتا ہے۔ اگر عورت معاف نہ کرے تو شوہر کی سبکدوشی کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۲...... مثلاً شوہر کے ذمہ پانچ صد کا مہر ہے، اس کا کل ترکہ مع خانگی سامان کے سوا ڈیڑھ سو روپیہ ہے، وارثوں میں لڑکے اور لڑکیاں بھی موجود ہیں تو متوفی کا ترکہ سب وارثوں کو ملے گا یا عورت کو مہر میں دیا جاوے گا؟ اور باقی ماندہ مہر کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... یہ تو ظاہر بات ہے کہ فخر کے طور پر زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، زیادہ مہر مقرر کرنے کی حدیث شریف میں مذمت آئی ہے (۱)۔ اگر کسی نے بمجبوری زیادہ مہر پر نکاح کیا (کم مہر پر نہیں ہوتا تھا) اور نیت بھی ادا کرنے کی تھی اور عمر بھر فکر میں رہا اور کوشش کرتا رہا لیکن ابھی ادا نہیں ہو سکا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے توقع ہے کہ وہ اپنے خزانہ سے بیوی کو عطا کر دیں گے اور شوہر کی جان بچ جاوے گی (۲)۔

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: "ألا! لا تغالوا في صدقات النساء، فإنها لو كانت مكرمةً في الدنيا وتقوىٰ عند الله، لكان أولكم بها نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكوة المصابيح، باب الصداق، الفصل الثاني، ص: ۲۷۷، قديمي)

(وسنن أبي داود، باب الصداق: ۱/۲۹۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة في الصداق: ۲/۳۴۳، قديمي)

(۲) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبو داود والترمذي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۸/۶۱۵،)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۹۴): ۲/۸۹۱، نزار مطفى الباز مكة المكرمة)

۲......دینِ مہر وغیرہ کی ادائیگی تقسیمِ ترکہ سے مقدم ہے(۱)، بقیہ مہر کا حل نمبر:۱ میں مذکور ہوا۔ فقط۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یو، پی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یو پی۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۴/صفر/۶۳ھ۔

وکیل یا ولی کا مہر میں کمی کرنا

سوال[۵۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید کی لڑکی مسماۃ بانو ہندہ کا عقد نکاح مسمی عمرو کے لڑکے خالد کے ساتھ ہوا ہندہ سے بوقتِ اجازت وکیل نے مہر ۱۵۳/ روپیہ کی اطلاع دی تھی۔ مجلسِ عقد میں وکیل نے ایک غیر شخص سے نکاح پڑھنے کو کہا، عمرو کی طرف سے کہا گیا کہ مہر بجائے کے (......) روپیہ کردیئے جاویں۔ ہندہ کے باپ وکیل وشاہدین وجملہ متعلقینِ مجلس از جانب ہندہ نے کہا کہ مامہ۱۵۲ا روپیہ مہر کردیئے جاویں، کوئی عذر نہیں۔ بغیر اطلاع ہندہ نکاح میں کوئی خرابی ہوئی ہے یا نہیں؟

نقلِ عبارتِ کتب تحریر فرمایا جاوے، اس کے ساتھ ساتھ بہشتی زیور، حصہ چہارم، مسئلہ نمبر:۶، درمختار وشامی، پر بھی غور کرکے جواب عنایت فرمایا جاوے۔ اس وقت یہاں یہ واقعہ ہوا ہے جس سے بہت زیادہ فتنہ اٹھا ہوا ہے۔ زید چونکہ رضائی پارٹی کا ہے، اس لئے بہار وغیرہ سے فتویٰ لیا ہے، جس میں بہت غلطی معلوم ہوتی ہے۔ امید کہ جواب مفصل وتسلی بخش مع نقلِ عبارت وحوالہ جواب دے کر اطمینان فرمائیں گے۔

یاد علی خان، مدرسہ عربیہ عین العلوم، قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، ۲۳/ جمادی الثانیہ/۵۴ھ۔

---

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث ما بقي. الخ". (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۰، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الفصل الأول: ۶/ ۴۵۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہر کا نکاح میں بالکل ذکر نہ کیا جاوے، یا صراحۃً مہر کی نفی کردی جائے تب بھی شرعاً نکاح درست ہوجاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے: "و كذا يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهراً أو نفى". درمختار (۱)۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہوگیا، جس قدر مہر قرار پایا ہے اس میں سے کچھ کم کرنا بھی درست ہے، اگر عورت تمام معاف کردے تو یہ بھی جائز ہے، مگر صورتِ مسئولہ میں ہندہ بالغہ ہے اور دو روپیہ بغیر اس سے اجازت حاصل کئے باپ وکیل وغیرہ نے کم کردیئے ہیں تو یہ کمی ہندہ کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر ہندہ اس کمی پر رضامند ہے تو یہ کم کرنا معتبر سمجھا جائے گا ورنہ نہیں:

"وصح حطها كله أو بعضه عنه". و قال الشامي: "وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها". شامي: ۲/۵۲۲ (۲)۔

نکاح میں اس سے کوئی خرابی نہیں آتی۔ بہشتی زیور، درمختار وشامی کا حوالہ دیکھا، اس میں یہ مسئلہ مذکور نہیں، وہ دوسرا مسئلہ ہے، اس پر کوئی اشکال ہو تو تحریر فرمائیں۔

سوال کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمی عقدِ نکاح سے پہلے کی گئی ہے، آگے چل کر سوال میں لکھا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد...... کمی کی گئی ہے اور یہ جواب اسی کا ہے اگر کمی پہلے کی گئی ہو نکاح بعد میں ہوا ہے تو یہ نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دے گی، تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں:

"بالغةٌ وكّلت رجلاً بتزويجها من فلان بألف درهم، فزوّجها الوكيل بخمس مأة،

---

(۱) (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۵۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فلما أخبرت بذلك، قالت: لا يعجبني هذا لأجل نقصان المهر، فقيل لها: لا يكون لك إلا ما تريدين، فقالت: رضيت. قال الفقيه أبو جعفر: يجوز النكاح؛ لأن قولها: لا يعجبني، ليس برد النكاح، وإذا رضيت بعد ذلك، فقد صادفت إجازتها عقداً موقوفاً، فصحت الإجازة". فتاوى قاضي خان: ۱/ ۳۹٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۲/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۵۷ھ۔

جتنے مہر پر لڑکی نے وکیل بنایا تھا اس کے خلاف کرنا

سوال[۵۸۹۱]: ایک لڑکی نے ایک شخص کو اس امر کا وکیل بنایا کہ میرا نکاح فلاں شخص سے مبلغ ۵۰۰/ پانچ سو روپیہ مہر کے بدلہ میں کردو، مگر لڑکے والوں کے مشورہ سے ایک ہزار روپیہ مقرر کیا گیا، جس کو لڑکی نے منظور کیا، نکاح ایک ہزار روپیہ مہر پر ہی ہوا۔ تو یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح صحیح ہوگیا (۲)۔ اگر لڑکی ایک ہزار مہر کو ناپسند کرتی ہے، پانچ سو ہی پر اس کو اصرار ہے تو پانچ سو ساقط کردیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في الوكالة: ۱/۳۴۵، رشيديه)

"امرأة وكلت رجلاً بأن يزوجها بأربع مأة درهم، فزوجها الوكيل وأقامت، ثم قال الزوج: تزوجتها بدينار و صدقه الوكيل، إن أقر الزوج أن المرأة لم توكله بدينار، فالمرأة بالخيار، إن شاءت أجازت النكاح بدينار، وإن شاءت ردت". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الحادى عشر في الوكالة في النكاح: ۲/ ۳۱، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۱۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وصح حطها لكله وبعضه عنه". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في حط المرأة والإبراء منه: =

نکاح کے بعد مہر میں کمی

سوال[۵۸۹۲]: کسی کا نکاح ہوا اور مبلغ پانچ ہزار روپیہ مہر مقرر کیا اور اس وقت اس نے قبول کرلیا اور بعد میں خیال ہوا کہ اس کی حیثیت تو پانچ سو روپے کی بھی نہیں تو اس حالت میں مہر کم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کم کر سکتے ہیں تو کس طرح، یا نکاح ہی نہیں ہوا، اس پر دوبارہ نکاح ہونا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

المستفتی: حاجی گلزار احمد سہارنپوری بمعرفت محمد مشرف علی سہارنپوری، ۱۶/ ربیع الاول/۱۳۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی مانعِ شرعی موجود نہ ہو تو نکاح صحیح ہوگیا، پنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے: "و تجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر إن سمى الأكثر".
قال الطحطاوی تحت قول الدر: "و يجب الأكثر بالغاً ما بلغ، فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان"(۱)۔

مہر پورا واجب ہوگا اگر خلوت صحیحہ ہوچکی، یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے زوجین میں سے کسی کا انتقال ہوگیا، جب تک ادا نہ کیا جائے یا بیوی معاف نہ کرے، ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ کم کرنے کی صورت یہ ہے کہ بیوی سے کہے اور وہ اپنی خوشی سے چاہے تمام معاف کردے چاہے اس میں سے کچھ کم کردے: "و صح حطها لكله و بعضه عنه". درمختار(۲)۔

= ۱۱۳/۳، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، باب المهر: ۲۶۳/۳، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۳۴۹/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، باب المهر: ۴۸/۲، ۴۹، دار المعرفة بيروت)

(و كذافي الدر المختار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۳۴۶/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۱۱۳/۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب المهر: ۲۶۳/۳، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۳۴۹/۱، دار احياء التراث العربي بيروت)

لیکن اتنا مہر مقرر کرنا جو حیثیت سے زائد ہو اور ادا نہ کر سکے بُری بات ہے، شرعی طریق کے موافق حسب حیثیت مہر مقرر کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۵۲/۳/۱۹ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مہر کی قیمت وقتِ عقد کی معتبر ہوگی یا وقتِ ادا کی؟

سوال [۵۸۹۳]: عقد میں مہر نو اُوقیے زرِ سرخ خالص مقرر کیا گیا تھا، زرِ خالص یعنی طلاء کی قیمت کا اعتبار زمانۂ عقد کا ہوگا یا زمانۂ مابعد مطالبہ کی قیمت کا ہوگا؟ از روئے احکامِ شرع شریف بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب زرِ خالص کی مخصوص مقدار کو مہر قرار دیا گیا ہے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے، اگر سونا ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کی قیمت دی جائے تو گویا اب اس زرِ خالص کو۔ جس کی زوجہ مستحق ہے۔ شوہر اس سے حکماً خرید کر قیمت دے رہا ہے تو اب جو قیمت ہوگی اس کے اعتبار سے معاملہ ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ بیوی کم قیمت لے لے، اس صورت میں گویا بیوی نے اتنی مقدار معاف کر دیا۔

زرِ خالص کے علاوہ اگر کسی اَور چیز کو مہر قرار دیا جاتا، مثلاً پچاس من گندم، تو گندم کا دینا واجب ہوتا، پھر جب گندم کے بجائے قیمت دی جاتی تو اس کی صورت بھی یہ ہوتی کہ گویا وہ پچاس من گندم مملوکہ زوجہ شوہر کے

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب: "ألا! لا تغالوا صدقة النساء .... ما علمت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نكح شيئاً من نسائه ولا أنكح شيئاً من بناته على أكثر من اثنتى عشرة أوقيةً". هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، باب ما جاء فى مهور النساء: ۱/۲۱۱، سعيد)

(وسنن أبى داود، باب الصداق: ۱/۲۹۱، إمداديه ملتان)

(وكذا فى التفسير الدر المنثور: ۲/۱۳۳، ناشر محمد أمين بيروت)

(وكذا فى حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة فى الصداق: ۲/۳۴۳، قديمى)

پاس تھے، اورشوہر نے ان کو اب خریدا ہے اور قیمت دے رہا ہے، لہذا خریداری کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ بیوی دینِ مہر میں قبل الوقت تصرف کر رہی ہے یعنی شوہر کے ہاتھ فروخت کرکے اس کے روپیہ وغیرہ کی شکل میں حاصل کر رہی ہے:

”وجاز التصرف في الثمن بهبة أو بيع أو غيرها لو عيناً: أى مشاراً إليه. ولو ديناً فالتصرف فيه تمليك ممن عليه الدين و لو بعوض قبل قبضه، سواء تعين بالتعيين كمكيل، أو لا كنقود، كذا الحكم في كل دين قبل قبضه كمهر“. درمختار۔ ”(قوله: بعوض) كأن اشترى البائع من المشترى شيئاً بالثمن الذى له عليه. (قوله: وكذا الحكم في كل دين): أى يجوز التصرف فيه قبل قبضه كمهر“. درمختار۔ ”لكن بشرط أن يكون تمليكاً ممن عليه بعوض أو بدونه، كما علمت. (قوله: كمهر) وكذا القرض، اهـ“. رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

نکاح کے بعد مہر کی قیمت میں تغیر ہوگیا

سوال[۵۸۹۴]: زید کا نکاح ہندہ سے بعوض مبلغ ایک ہزار روپیہ بسکہ رائج الوقت دینِ مہر ہوا ہے اور اس وقت روپیہ مختلف شکلوں میں رائج تھا، یعنی وکٹوریہ کا روپیہ، ایڈورڈ ہفتم کا روپیہ، جارج پنجم کا روپیہ، جارج ششم کا روپیہ اور کاغذی نوٹ۔ اب بیس پچیس سال بعد زید ہندہ کا دین مہر ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایک ہزار روپے ادا کرنا ہوگا یا ایک ہزار روپے کی چاندی کی قیمت جب کہ مختلف رائج روپوں میں چاندی کی مقدار مختلف ہے اور کاغذی نوٹ میں چاندی کا وجود نہیں؟ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرما کر مجھے دین مہر کی ادائیگی میں مدد فرمائیں گے۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المرابحة والتولية، مطلب في بيان الثمن والمبيع والدين: ۱۵۲/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في بيان التصرف في المبيع: ۱۹۷/۶، ۱۹۸، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب المرابحة والتولية، فصل: ۷۸/۳، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلياً:

وقتِ عقد جوسکہ مروج تھا اور وہاں کے ماحول میں جس کا لین دین زیادہ تھا وہی مراد ہوگا، اگر اس میں چاندی غالب تھی تو اتنی مقدار چاندی لازم ہوگی، اگر چاندی مغلوب تھی تو وقتِ عقد جو قیمت تھی وہ قیمت لازم ہوگی، اگر وہی روپیہ مل جائے جو بوقتِ عقد رواج تھا تو وہی دیدیا جائے بشرطیکہ اس میں چاندی غالب ہو:

" و مما يكثر وقوعه ما لو اشترىٰ بقطع رائجة فكسدت بضربٍ جديدة، يجب قيمتها يوم البيع .... و لا يدفع قيمتها من الفضة الجديدة؛ لأنها ما لم يغلب غشها فجيدها و رديئها سواء إجماعاً. وفي الذخيرة عن المنتقى: إذا غلَت الفلوس قبل القبض أو رخصت، قال أبو يوسف: قولي و قول أبي حنيفةؒ في ذلك سواء، و ليس له غيرها، ثم رجع أبويوسف رحمه الله تعالىٰ وقال: عليه قيمتها من الدراهم يوم دفع البيع و يوم دفع القبض"۔

"(قوله: يوم دفع البيع): أي في صورة البيع، (وقوله: يوم دفع القبض): أي في صورة القرض۔ وحاصل ما مر أنه على قول أبي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع والرخص والغلاء في أنه تجب قيمتها يوم دفع البيع أو القرض لا مثلها.......... استقرض منه دانق فلوس حال كونها عشرةً بدانقٍ، فصارت ستةً بدانقٍ، أو رخص وصار عشرون بدانقٍ، يأخذ منه عددما أعطى و لا يزيد و لا ينقص. قلت: هذا مبنى على قول الإمام و هو قول أبي يوسف أولاً، و قد علمت أن المفتىٰ به قوله ثانياً بوجوب قيمتها يوم القرض، وهو دانق: أي سدس درهم، سواء صار الآن ستة فلوس بدانق أو عشرين بدانق ينصرف مطلقه إلى غالب نقد البلد: أي بلد العقد؛ لأنه المتعارف. وإن اختلف النقود ماليةً، فسد العقد مع الاستواء في رواجها، أما إذا اختلفت رواجاً مع اختلاف ماليتهما أو بدونه، فيصح و ينصرف إلى الأروج". درمختار و رد المحتار، كتاب البيوع مختصراً(١)۔

---

(١) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب مهم في أحكام النقود إذا كسدت أو انقطعت أو غلت أو رخصت: ٥٣٣/٤، ٥٣٤، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ١٥/٣، فصل في القرض: ١٠٤/٣، ١٠٥، دار المعرفة بيروت)

"وللشارح رسالةٌ: "بذل المجهود فی مسئلة تغیر النقود" و للمحشی أیضاً رسالةٌ:
"تنبیه الرقود فی أحکام النقود" فیهما البسط کل البسط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۸۹/۱۲/۲۳ھ۔

اِبرائے مہر کے بعد پھر مطالبہ

سوال[۵۸۹۵]: بالفرض اگر بیوہ نے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اپنا دینِ مہر معاف کردیا ہو اور بصورتِ تنازعہ پھر مطالبہ کرتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بیوہ نے مہر معاف کردیا تو وہ اب اس سے رجوع نہیں کرسکتی (۲)، مگر معافی کے ثبوت کے لئے خود بیوہ کا اقرار یا شہادتِ شرعیہ قضاءً لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رسائل ابن عابدین، تنبیه الرقود علی مسائل النقود: ۲/۶۰، ۶۱، ۶۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "الساقط لا یعود". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث: ما یقبل الإسقاط من الحقوق: ۳/۶۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، ص: ۸۳، الصدف پبلیشرز، کراچی)

(وکذا فی الشرح المجلة (رقم القاعدة: ۵۱): ۱/۴۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "و ما سوی ذلک من الحقوق، یقبل فیها شهادة رجلین أو رجل وامرأتین، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال، مثل النکاح والطلاق والعتاق والوکالة والوصیة". (الهدایة، کتاب الشهادة: ۳/۱۵۳، ۱۵۴، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الشهادات: ۷/۱۰۴، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الشهادة: ۵/۱۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

مہر معاف کرنے کے بعد پھر مطالبہ

سوال[۵۸۹۶]: **استفتاء**: بگرامیٔ خدمتِ حضرت مولانا مفتی صاحب ایں چند مسئله مندرجه ذیل را بروئے عنایت فرموده ارسال فرمایند خیلی مهربانی خواهد شد:

۱...... مثلاً زید زنے را بعوض مهر سه صد درهم در عقد آورده، یکصد وپنجاه درهم نقد ادا نموده، باقیمانده را زنِ مذکور بزید بخشید و ساقط نمود. بعد مرورِ هفت وهشت سال زنے دیگر بعقدِ نکاح آورد. آیا زنِ اول بخشیده وساقط گردانیده را باز از زید حقِ مطالبه میرسد یا نه؟

۲...... بصورتِ مسئوله اگر زوجۂ زید بعد از اسقاطِ مهرِ باقی مانده بکلامِ مفصول همان روز یا بعد چند روز بگوید که ازیں مبلغها را بخشیده ام بشرطیکه بامن احسان کنید، یازنِ دیگر نگیرید، ایں شرط موثر شده مفید شود یا شرط باطل شده غیر معتبر خواهد شد؟

۳...... بعد از اسقاط پدرِ زوجۂ اولیٰ مبلغ پنجاه درم از زید بطورِ قرضِ حسنه گرفت، بعد از تزوجِ زید بزوجۂ ثانیه زوجۂ اولی می گوید که ایں پنجاه را بمهرِ باقی مانده تقاضی نموده، بقیه می خواهم. آیا شرعاً ایں حق بزوجه می رسد یانه؟

۴...... نیز وقتیکه زید دو صد و پنجاه درهم نقد ادا نموده، زوجه بگوید: یک صد شما بجائے لباس محسوب اند، زید گوید که همگی نقود به ارادۂ مهر ادا کرده ام، یا دو صد بجائے مهر و پنجاه بجائے لباس. پس قولِ کدام اعتبار کرده شود؟ بینوا بالبرهان اجرکم الرحمن.

المستفتی: ملا عبدالواحد، ملا عبدالغنی گل محمد کراچی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... زن چون بقیه مهر بزوج هبه کرد و زوج آں را قبول نمود، پس رجوع از هبه در صورتِ مذکوره روا نخواهد شد، زیرا که زوجیت مانع از رجوع است: "ومنها

(أی من العوارض المانعة من الرجوع) الزوجية سواء كان أحد الزوجين مسلماً أو كافراً، كذا فی الاختيار شرح المختار"۔ عالم گیری(۱)۔

۲...... اگر زوجه این شرط را بکلامِ خویش موصول کرد معتبر خواهد شد، واگر در همان روز گفته مگر بعد فصلِ کثیر گفته معتبر نه خواهد شد(۲).

۳...... اگر بلا شرط یا بشرطِ غیر معتبر ساقط کرده بود پس مجری نمودن زوجه آن پنجاه درهم را بمهرِ خویش روا نیست، زیرا که مهر ساقط شد، مگر بشرطِ معتبر (ای بشرط موصول نه بشرط مفصول) ساقط کرده بود، وزوج خلافِ آن شرط کرد، واکنون از ادائے سابقه انکار میکند، پس زوجه حق میدارد که بهر نهجیکه تواند از زوج وصول کند(۳).

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس فی الرجوع فی الهبة الخ: ۳۸۶/۴، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها: ۳۶۰/۲، ۳۶۲، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة: ۶۸/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "من حلف بطلاق أو عتاق وقال: إن شاء الله متصلاً به، لا حنث عليه، الخ". (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطلاق، الفصل الخامس، الجزء الثالث: ۱۵۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء الله متصلاً به، لم يقع الطلاق، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الرابع فی الاستثناء: ۴۵۴/۱، رشيديه)

(۳) "امرأة تركت مهرها للزوج على أن يحج بها، فلم يحج بها، قال محمد بن مقاتل: إنها تعود بمهرها؛ لأن الرضا بالهبة كان بشرط العوض، فإذا انعدم العوض،انعدم الرضا، والهبة لا تصح بدون الرضا. والثانية: إذا قالت لزوجها: وهبت مهری منک علی أن لا تظلمنی، فقبل، صحت الهبة، فلو ظلمها بعد ذلک، فالهبة ماضية. وقال بعضهم، مهرها باق إن ظلمها، الخ". (ردالمحتار، كتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة: ۷۰۵/۵،سعيد)

"ولو وهبت مهرها بشرطٍ، فإن وجد الشرط يجوز، وإن لم يوجد، يعود المهر كماكان، هكذا =

۴...... چوں زوج وقتِ ادائے مهر تصریح کرده است که این رقم بمهر میدهم، پس قولِ زوج معتبر خواهد شد، و لیکن ایں همه علاوهٔ نفقه و لباس خواهد، پس اگر در نفقه لباس تقصیر کرده است زن را مطالبهٔ آں میرسد (۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۵/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۷/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

مہر کی معافی پھر اس سے انکار

سوال[۵۸۹۷]: ۱......(الف) عورت اگر بلا کسی تحریک کے اپنی خوشی سے مہر معاف کردے، پھر دو تین ماہ کے بعد ناخوش ہوکر پھر مہر کی معافی سے انکار کردے تو ایسی صورت میں شرعاً مہر معاف ہوگیا یا نہیں؟

(ب) اگر عورت نے کسی تنہائی کے موقع پر اپنی خوشی سے بلا کسی تحریک وتقاضا کے ان الفاظ کے ساتھ مہر معاف کردیا کہ ''پہلی شب کو تو میں مہر سے محض ناواقف تھی، اس لئے ناسمجھی سے تمہارے کہنے پر میں نے اپنا مہر معاف کردیا تھا، لیکن اب دوبارہ سمجھ بوجھ کر اپنی خوشی سے بلا کہے میں اپنا مہر معاف کرتی ہوں''۔

وہ ایسی تنہائی میں الفاظ کہے کہ صرف اسی نے سنا ہو اور کسی نے نہ سنا ہو۔ کیا مہر شرعاً معاف ہوگیا یا نہیں؟ یعنی اس معافی سے مرد آخرت کے مواخذہ سے شرعاً حقیقۃً نجات پاچکا یا نہیں؟ لیکن اس صورت میں جب کہ عورت دو تین ماہ کے بعد پھر الٹ پھیر کرکے یہ کہے کہ میں تو اپنا مہر ہرگز نہ معاف کرونگی بلکہ آخرت میں لونگی۔

= في التاتارخانية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل العاشر في هبة المهر: ۱/۳۱۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، الفصل، مما يتصل بهذا: ۴/۳۹۶، امجد اکیڈمی لاہور)

(۱) "ثم قال: كان المدفوع كله من المهر وقالت: هدية، فالقول له؛ لأنه المملك إلا فيما يؤكل، به أفتى الإمام الحلواني، واختار الفقيه أبو الليث أنه إن كان متاعاً واجباً على الزوج والدرع لا يكون من المهر، وإن غير واجب عليه، فالقول له في المختار". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في المهر، النوع الرابع: ۴/۱۳۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۴۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

تو ایسی صورت میں شرعاً مہر معاف ہوا یا نہیں؟

(ج) اگر معافی کے وقت مرد نے یہ کہا ہو کہ ہم باوجود معافی کے تمہارا مہر تھوڑا تھوڑا ادا کرنے کی فکر میں ہیں، کیونکہ ہم عورت کا احسان نہیں چاہتے تو ایسے الفاظ سے معافی کو نقصان تو شرعاً نہیں پڑیگا کہ مہر معاف نہ ہوا ہو بلکہ اگر مرد یہ بھی کہدے کہ میں معافی نہیں چاہتا تم معاف نہ کرو تو کیا اس کہنے پر مہر معاف نہیں ہوا؟

۲......(الف) جو شخص اپنی عورت سے بظاہر بنا کی کوئی صورت نہ دیکھے اور صبر وضبط نہ کر سکے، بلکہ اکثر فکر والجھن غالب رہتی ہو تو ایسی صورت میں جب کہ مہر کثیر کے سب یکمشت ادا کرنے سے عاجز وقاصر ہو تو کیا مجبوری کی صورت میں تھوڑا تھوڑا ادا کرنا جائز ہوگا، جب کہ وہ طلاق دیدے؟

(ب) کیا یکمشت مہر ادا نہ کر سکنے کی صورت میں ایسا مرد شرعاً طلاق نہیں دے سکتا، یعنی ایسی صورت میں طلاق دینا شرعاً جائز نہ ہوگا؟ اگر مجبوری کی صورت میں مرد کو شرعاً طلاق دینا جائز ہے تو مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا صورت ہوگی؟ بہر حال مواخذۂ آخرت یا عذابِ آخرت سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟ اور شرعاً ایسے مرد کے لئے کیا حکم ہوگا؟

(ج) اگر مرد سخت عاجز ہو کر طلاق دیدے اور بہ سبب مجبوری کے ادا نہ کر سکے لیکن نیت ادائیگی کی رکھتا ہو تو ایسے مرد کے لئے شرعاً آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ کیا وہ مستحق عذاب دوزخ کا ہوگا؟

(د) بہر حال ایسی صورت میں عورتوں کی شرارتوں فتنوں مکر وفریب سے نجات پانے کے لئے شرعاً کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ محض آخرت کی گرفت مواخذہ کے خیال واندیشہ سے احتیاط کرنے کی بنا پر۔

۳......(الف) عورت اگر مرد کی مرضی کے خلاف کسی رشتہ دار کے یہاں چلی جائے اور جا کر پھر واپس بھی نہ آئے اور پانچ برس کے بچے کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے، لیکن وہاں بچے کے لئے کسی طرح اگر آرام نہ ہو تو کیا مرد اس نیت سے بچے کے لئے خرچ نہ بھیجے کہ عورت کو خرچ بھیجنے کے سبب سے خوب آرام ملے گا تو اور پاؤں پھیلائے گی، کیونکہ اس کو تو خوفِ آخرت ہے نہیں بجز نفس پرستی وخودغرضی وآرام ومزہ طلبی کے۔

لہٰذا جب یہاں سے بھی خرچ ونقد کی رسد جاری رہے گی تو ممکن ہے کہ وہ عمر بھر بھی نہ آوے اور سانس و

ڈکار بھی نہ لیوے۔لہٰذا ایسی قسم کی مختلف مصلحتوں کی بنا پر مرد اگر اپنے بچے کے لئے عورت کے نام خرچ نہ پہنچے تو مرد کو شرعاً گناہ ہوگا یا نہیں، یا اس مصلحت کے بنا پر خرچ نہ دینا ہی شرعاً مناسب و جائز ہوگا؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر عورت کو آرام نہ ہوتا بلکہ تکلیف ہوتی تو ایسی شرارت ہی نہ کرتی بلکہ مجبور ہو کر فوراً واپس آتی۔

(ب) اگر بچے کو خرچ دینا بہرصورت واجب ہے تو بچے کے لئے کس معیار شرعی سے خرچ بھیجا جائے کہ نفس پرست عورت خوب مزے نہ اڑا سکے۔اگر وہ اس صورت میں بھی مزے اڑائے گی، کیونکہ کھانا کپڑا تو خالہ کے ذمے ہے، کھانا کپڑا تو خالہ کے گھر سے ملتا ہی رہے گا، اب بچے کا خرچ کا محض ایک بہانہ ہوگا اور عورت مزے مزے کی چیزیں منگوا کر خوب مزے اڑائے گی جو کہ واپسی کے باب میں یہ خرچ بچہ کا سدِراہ ہوگا، خیر۔

(ج) کیا بچے کے لئے دو یا تین روپیہ ماہوار بھیج دیا کروں جب کہ میری تنخواہ دس روپیہ ماہوار ہے؟ لیکن بیماری اور ضعف جسمانی کی بنا پر آج کل خرچ زیادہ ہے ادھر گھر گر رہا ہے جس کی مرمت مدت سے نہیں ہوئی۔ان امور کا لحاظ کر کے کیا دو روپیہ کافی نہ ہوگا؟ بہرحال جو شریعت کا حکم ومنشا ہے واضح کیا جائے۔

۴......اگر عورت بر بنا مہر کی کثرت اور پابند شریعت دیکھ کر اور پریشان کرتی ہے تاکہ مرد پر قابو حاصل ہو جاوے اور فتنہ کے خیال سے مرد دب کر رہا کرے تو ایسی صورت میں کیا از روئے شریعت شرع میں اتنی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مرد عورت کو الگ کر کے جان بچائے اور چھوڑ کر اس کے فتنہ و فساد سے ہمیشہ کے لئے نجات دینی دنیوی حاصل کرے؟ اگر گنجائش ہے تو مواخذہ سے بری ہونے کے لئے مہر کے باب میں جو صورتیں آسانی کی ہوں مفصل ان صورتوں سے آگاہی بخشی جائے تو عین بندہ نوازی اور غریب پروری ہوگی۔

نوٹ: سائل نے یہ غلط فہمی اور نادانی کی کہ مہر زیادہ بندھوا کر جیل خانے کا قیدی ہوگیا،لیکن سائل کا اعتقاد ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے ہر الجھن کو سلجھایا ہے، ہر غلط فہمی کا علاج بتلایا ہے، بہرحال بڑے سے بڑے گناہ کے مرتکب کو بھی ارتکابِ جرم کے بعد کوئی نہ کوئی نجات آخرت کے لئے علاج بتلایا ہے۔اس لئے میں بھی دوبارہ کوشش کر رہا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام اپنی توجہ خاص سے غور وفکر کر کے عورت کے فتنہ سے نجات اور مہر کے مواخذہ سے رہائی آخرت کے لئے کوئی صورت نجات یا علاج کی ارقام فرمائیں۔اللہ تعالیٰ اجر اعظم عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......(الف) دیانۃً تو معاف ہوگیا، لیکن قضاءً معاف ہونے کے لئے ثبوتِ شرعی ضروری ہے(۱)۔

(ب) اس کا جواب بھی یہی ہے۔

(ج) اس سے مہر معاف نہیں ہوسکتا(۲)۔

۲......(الف) عورت کو چاہئے کہ رقم مقرر کردے، اگر وہ مقرر نہ کرے بلکہ مقدمہ کرے تو پھر وہ حاکم سے مقرر کرالے۔

(ب) طلاق دینا جائز ہے(۳) مگر مطالبۂ مہر کا پورا کرنا بھی بہر حال حتی الوسع واجب ہے(۴)، اگر نہ

---

(۱) "وماسوی ذلک من الحقوق يُقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصية". (الهداية، كتاب الشهادات: ۳/۱۵۳، ۱۵۴، امدايه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۱۰۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الشهادات: ۵/۱۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إن الابراء إسقاط، فيه معنى التمليك بدليل أنه يرتد بالرد". (بدائع الصنائع، فصل: شرائط الصحة، كتاب البيوع: ۷/۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد)

(۳) "إلا إذا خافا ألا يقيما حدود الله، فلا بأس أن يتفرقا". (الدرالمختار). "(قوله: إلا إذا خافا)؛ لأن التفريق حينئذ مندوب بقرينة قوله: فلا بأس، لكن سيأتي أول الطلاق أنه يستحب لو مؤذيةً، الخ".

(ردالمحتار، فصل في المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته: ۳/۵۰، سعيد)

"وأما وصفه: فهو أنه (أي الطلاق) محظور نظراً إلى الأصل و مباح نظراً إلى الحاجة، الخ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۱۲، ۴۱۳، رشيديه)

(۴) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق". (الفتاوىٰ =

ادا کیا، نہ معافی ہوئی، نہ بقدر ادائیگی ترکہ چھوڑا تو عورت کا مطالبہ برقرار رہا۔ پھر اگر ادا کرنے کی پختہ نیت تھی مگر اسباب مہیا نہ ہوسکے تو امید ہے کہ اللہ پاک اپنے خزانہ سے عورت کو دیکر خوش کردیں گے۔ اگر پختہ نیت نہ تھی تو مواخذہ ہوگا، اگر ترکہ چھوڑا ہے تو اس سے پورا کیا جائے گا(۱)۔

(د) خوشامد کرے، نرمی سے معاف کرالے(۲)۔

۳......(الف) خرچ دینا تو واجب ہے مگر ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نقد روپیہ نہ دے بلکہ بچے کی ضروریات خود خرید کردے، یا کسی معتبر آدمی کو اپنا وکیل بنادے کہ وہ بچے کی ضروریات کھانا و کپڑا، جوتہ وغیرہ خرید کر ضرورت کے موافق دیدیا کرے(۳)۔

(ب) الف کے موافق عمل کیا جائے یعنی جو خرید کر کپڑا بنا کر کھانا ہی بہتر یہ ہے کہ بچے کی ضرورت

= العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يتأكد المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وموت أحدهما كحياتهما في الحكم أصلاً وقدراً لعدم سقوطه بموت أحدهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب: مسائل الاختلاف في المهر: ۳/۱۵۰، سعيد)

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة: الأول يبدأ بتكفينه .... ثم قضى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي، ص: ۳، سعيد)

(۲) "ولا بد في صحة حطها من الرضا، حتى لو كانت مكرهةً، لم يصح، هكذا في البحر الرائق".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الزيادة في المهر والحط عنه الخ: ۱/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۶۴، رشيديه)

(۳) "وتجب لطفله الفقير". (الدرالمختار). "(قوله: بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى ....
(قوله: لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير المكتسب نفقته في كسبه لا على أبيه: ۳/۶۱۲، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقة، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النفقة: ۴/۳۴۰، رشيديه)

کے مطابق کردیا جائے اور نقد روپیہ نہ دیا جائے تاکہ عورت مزے کی چیزیں منگا کر نہ کھائے۔

(ج) اس کا مدار ضرورت پر ہے جو کہ حیثیت کے مطابق مختلف ہوتی رہتی ہے میں کچھ تعین نہیں کرسکتا (۱)۔

۴......جب نباہ دشوار ہوجائے اور مرد تحمل نہ کرسکے، نفس پر قابو بھی نہ رکھتا ہو تو طلاق دینے میں مضائقہ نہیں اگرچہ طلاق دینا واجب بھی نہیں ہے۔ اور مہر کے لئے نمبر: ۲ (د) پر طلاق سے پہلے عمل کرلیا جائے، بغیر اس کے طلاق دینا خطرۂ دنیا وآخرت سے خالی نہیں، اور معافی پر کم از کم دو آدمی معتبر گواہ بنادیا جائے۔ جواب نمبر۲ (الف، ب، د) میں رہائی کی صورتیں آچکیں ہیں۔ جواب نمبر: ۴ کے مطابق عمل کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/۴/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۴/۵۹ھ۔

مہر معاف کرکے پھر انکار کرنا

سوال [۵۸۹۸]: بیوی نے اپنا مہر معاف کردیا تھا مگر کوئی دلیل شاہد وغیرہ نہیں تھے، اب بیوی کے مطلقہ ہونے پر بیوی نے عدالت میں مہر کا دعویٰ دائر کردیا ہے۔ تو یہ بیوی کے لئے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی نے خوشی سے معاف کردیا تو مہر عند اللہ معاف ہوگیا، اب اس کو معافی سے انکار کرنا جائز نہیں ہے (۲)۔ اگر وہ انکار کرکے وصول کرے گی تو یہ ظلم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "فتسجب علی الأب كفايتها بدفع القدر". (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير المكتسب نفقته في كسبه لاعلى أبيه: ۶۱۲/۳، سعيد)

"وبعد الفطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب و تدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقة، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۵۶۱/۱، رشيديه)

(۲) "وصح حطها لكله أو بعضه عنه قَبِل أولا" (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله : وصح حطها) الحط: الإسقاط كما في المغرب، وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير =

بیوی نے مہر معاف کردیا، بیٹے کو مطالبہ کا حق نہیں

سوال[۵۷۰۹۹]: ہندہ نے اپنی حیات میں اپنا مہر اپنے شوہر زید کے حق میں معاف کردیا تھا جس کو چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، اب ہندہ کا لڑکا بکر۔جس کی عمر اس وقت ۵۷/ سال ہے۔اپنی ماں کے مہر کا طالب ہے۔کیا بکر کا یہ مطالبہ صحیح ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ہندہ نے اپنی حیات وصحت میں (مرض الموت سے پہلے) مہر معاف کردیا تھا تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا تھا، اب لڑکے بکر کو اپنے والد سے مطالبہ کا حق نہیں:

"وصح حطها لكله أو بعضه، اهـ". درمختار۔ "الحط الإسقاط، اهـ". ردالمحتار. "قبل أو لا، ويرتد بالرد، كما في البحر، اهـ". درمختار(۱)۔ "والساقط لا يعود، اهـ". أشباه(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین۔

= صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، ولابدّ من رضاها". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح باب المهر، مطلب في أحكام المتعة: ۱۱۳/۳، سعيد)

"للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أولم يدخل، وليس لأحد من أوليائها أب ولاغيره الاعتراض عليها، كذا في شرح الطحاوي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل العاشر في هبة المهر: ۳۱۶/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب ذكر مسائل المهر، فصل في حبس المرأة نفسها بالمهر: ۳۸۹/۱، رشيدية)

(۱) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۱۱۳/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۶۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۵/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، مايقبل الإسقاط من الحقوق: ۲۰/۳، إدارة القرآن كراچي)=

بیوی کی طرف سے معافی مہر کی شرط

سوال[۵۹۰۰]: پیر محمد کی بیوی کا والد منفعت خاں اپنی لڑکی کو لینے آیا، پیر محمد کو چونکہ بعض وجوہ کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ وہ اپنی لڑکی کو لے جاکر نہیں بھیجیں گے اس لئے اس کے والد اور خود بیوی سے اپنے اطمینان کی غرض سے اس مضمون کی تحریر لکھائی کہ:

''اپنی لڑکی غلام فاطمہ کو اپنے گھر لے جارہا ہوں اور میں جارہی ہوں، اگر پندرہ یوم کے اندر واپس نہ بھیج دوں یا نہ آویں تو ہمارا ازرومہر اور خرچ وغیرہ کا کوئی دعویٰ پیر بخش پر نہ ہوگا یعنی مہر ہم دونوں کی جانب سے معاف سمجھا جاوے گا۔''

منفعت علی نے باوجودیکہ پندرہ یوم گزر چکے اپنی لڑکی کو پیر بخش کے یہاں نہیں بھیجا اور کہتا ہے کہ میری لڑکی تو اس تحریر کے مطابق اس کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ نیز غلام فاطمہ اپنے خاوند سے مہر اور خرچ لینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

حسین بخش سارجن کوہ ڈگسائی، ضلع شملہ (بھارت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر مذکور میں طلاق کا ذکر تک بھی نہیں، لہذا اس تحریر سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، نیز یہ کہ یہ تحریر عورت اور اس کے والد کی طرف سے ہے اور طلاق کا حق شوہر کو ہوتا ہے (۱)۔ البتہ عورت کو مہر معاف کرنے کا حق ہوتا ہے خواہ بلا شرط معاف کرے خواہ کسی شرط سے معاف کرے (۲)۔ شرط مذکور کا اعتبار کرتے ہوئے

= (وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، ص: ۸۳، الصدف پبلشرز کراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۵۱): ۱/۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وأهله (أي الطلاق): زوج عاقل بالغ مستيقظ .... الطلاق لمن أخذ بالساق". (الدر المختار: ۳/۲۳۰، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

(۲) "وصح حطها لكله أو لبعضه عنه". (الدر المختار). "قيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها". (رد المحتار: ۳/۱۱۳، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه، سعيد) .... =

عورت کومہر کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہا، نہ اس سے نفقہ طلب کرسکتی ہے، کیونکہ شوہر کی مرضی کے خلاف جب دوسری جگہ رہتی ہے اور شوہر کے گھر نہیں آتی تو اس حالت میں نفقہ دینا واجب نہیں، البتہ اگر شوہر کے گھر آجائے تو نفقہ کا مطالبہ اس کو درست ہوگا اور شوہر کو نفقہ دینا پڑے گا:

"وإن نشزت، فلانفقة لها، حتى تعود إلى منزله. والناشزة: هي الخارجة عن منزل زوجها، المانعة نفسها منه، .... وإذا تركت النشوز، فلها النفقة". فتاویٰ عالمگیری: ۱/۵۴۵(۱)۔

البتہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، جب تک کہ شوہر سے طلاق یا خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شرعی طریق پر جدائی ہوکر عدت نہ گزر جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲/۱۱/۱۳۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۱۱/۱۳۵۳ھ۔

طلاق کے بعد مہر کو بخشنا

سوال[۵۹۰۱]: عورت کو بعد از طلاق پانے مہر بخشنے کا حق ہے یا نہیں؟ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق ہے جیسا کہ کسی اجنبی کے ذمہ قرض ہو تو معاف کرسکتی ہے اسی طرح طلاق کے بعد مہر کو بھی معاف کرسکتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/صفر/۵۸ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۶۳، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۴۹، كتاب النكاح، باب المهر، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۵، كتاب الطلاق، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۳/۵۷۶، كتاب الطلاق، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۳۰۳، كتاب الطلاق، باب النفقة، رشيديه)

(۲) "وصح حطها لكله وبعضه عنه". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: =

مہر کی معافی کو موت پر موقوف کرنا

سوال[۵۹۰۲]: زید کی بیوی نے بحالتِ صحت مکرر سہ کرر کئی بار بحالتِ خوشی اپنے شوہر سے کہا کہ اگر میں پہلے مروں تو میرا مہر جو آپ کے ذمہ دین ہے معاف ہے، مگر جب آپ پہلے انتقال کریں تو میں مہر کا دعویٰ کروں گی، زید کی بیوی اپنے شوہر سے پہلے انتقال کی۔ اس صورت میں زید سے مہر ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں زید کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوا:"امرأة قالت لزوجها المريض: إن متَّ من مرضك هذا، فأنت في حلٍّ من مهري، أو قالت: فمهري عليك صدقة، فهو باطل؛ لأنها مخاطرة وتعليق، كذا في الظهيرية. مريضة قالت لزوجها: إن متُّ من مرضي هذا فمهري عليك صدقة، أو أنت في حل من مهري، فماتت من ذلك المرض، فقولها باطل والمهر علىٰ الزوج، كذا في خزانة المفتين. اهـ". عالمگیری: ۱۷۳/۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۵۸/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/صفر/۵۸ھ۔

جعلی رسید سے مہر کی معافی

سوال[۵۹۰۳]: ۱...... زید نے ہندہ سے دو سادہ کاغذ پر بجلی کے پنکھے کی رسید کے بہانے دستخط کرائے اور اس کے بعد زید نے حسبِ منشاء مہروں کی معافی کی تحریر کرلی۔ کیا ایسی صورت میں ہندہ مہر لینے کی حقدار ہے کہ نہیں؟

= ۱۱۳/۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۶۳/۳ رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۴۹/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الهداية، كتاب الهبة، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة: ۳۹۸/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، الفصل الثالث في الحظر والإباحة: ۴۰۷/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

۲......ہندہ کے اپنے والدین کے پاس قیام کرنے کے دوران زید نے اس کے والد کے پاس آکر سخت سُست کہا اور کہا اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اور تقریباً دو ماہ بعد بوقتِ مغرب جب ہندہ کے والد نماز کے لئے گئے ہوئے تھے، زید اور اس کا بھائی بکر چاقو لئے ہوئے تھے ہندہ کے گھر گھس گئے، ہندہ اور اس کی بہن نماز میں تھی، ان کی والدہ بعد فراغ نماز ذکر میں تھی۔

یہ دونوں گھر کے اندر داخل ہوئے اور سخت برہم ہوئے، نماز ہندہ اور اس کی بہن نے توڑ دی۔ ہندہ ایک کواڑ میں گھس گئی اور اندر سے بند کر دیا اور اس کی والدہ کے چلّانے پر ایک پڑوسی آواز دیتا ہوا آیا کہ گھبرانا نہیں میں آرہا ہوں۔ اتنے میں زید اور اس کا بھائی مفرور ہو گئے۔ اس شوروغل سے اس کے والد جلد مسجد سے پہنچ گئے۔ ان حالات میں ہندہ کو اپنی جان کا خطرہ اور والدین کے بارے میں شدید نقصان کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ طلاق کی خواہاں ہے۔ کیا یہ مطالبہ جائز ہے؟

۳......اس واقعہ کے چھ ماہ بعد جب کہ ہندہ کے والد سفر میں تھے، تقریباً گیارہ بجے رات کو زید نے ہندہ کے مکان میں دیوار سے سیڑھی لگا کر داخل ہونے کی کوشش کی تھی نہ معلوم کس وجہ سے، وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا، مع معاونین واپس چلا گیا۔

۴......واقعہ مذکورہ کے تقریباً اندرونِ ہفتہ محلّہ سے ملحقہ دوسرے محلّہ میں زید کے بہت ہی قریبی ایک دوست کا قتل ہوا جس کا الزام زید پر عائد کیا گیا، جس کی وجہ سے زید مفرور ہے اور مفرور ہونے کی وجہ سے اس کا اور اس کے والد کا خانگی سب سامان قرق ہو چکا ہے۔ کیا ان حالات میں ہندہ کو طلاق کا مطالبہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس فریب کاری سے مہر معاف نہیں ہوا (۱)۔

۲......اگر ہندہ نا قابلِ برداشت مظالم سے مجبور ہوکر اپنے والد کے مکان میں آئی، یا پھر شوہر نے

---

(۱) "ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهةً، لم يصح. الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۶۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المرأة والإبراء منه: ۱۱۳/۳، سعيد)

(وكذا في مجموعة الفتاوىٰ، كتاب الهبه وما يتصل بهذا: ۳۹۶/۴، امجد اكيڈمی لاهور)

بجائے ظلم سے باز آنے اور شریفانہ طور پر آباد کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا تو یہ بھی ظلم بالائے ظلم ہے(۱)۔

۴،۳..... ہندہ کو حق ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے کہ آپ مجھے شریفانہ طور پر آباد کریں اور ظلم و بے جا تشدد سے باز آجائیں ورنہ طلاق دے دیں (۲)۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

معینہ مہر سے انکار کا حق نہیں

سوال[۵۹۰۴]: نکاح کے وقت میرا مہر دس ہزار دو دینار سرخ متعین ہوا جو ہماری قوم اور کنبہ برادری سب کے خلاف ہے۔ ہمارے یہاں پانچ سو روپے میں مہر طے ہوتے ہیں، اب میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے وقت جیسا کہ آپ کا مہر طے ہوا تھا، شرعاً وہی معتبر ہے، اس کی ادائیگی لازم ہے، اگر عین نکاح کے وقت آپ اس کا انکار کرتے تو مہر وہی طے ہو جاتا، مگر دس ہزار دو دینار قبول کرنے کے بعد اس سے انکار کرنا ہرگز معتبر نہیں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يتعد حدود الله، فأولئک هم الظالمون﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسريح بإحسان. ولا يحل لكم أن تأخذوا مما آتيتموهن شيئاً، إلا أن يخافا ألا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما في ما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعد الوفاق بما يصلح للمهر". (الدر المختار). "(قوله: للشقاق): أى لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم .... السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا، جاز الطلاق بالخلع. الخ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۳/۴۴۱، سعيد)

(۳) "فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شئ منه بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، =

نشوز سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال[۵۹۰۵]: یہاں پر ایک لڑکی اپنے شوہر کے مکان سے بلا اجازت میکہ چلی گئی ہے، لڑکی کے سسر کا کہنا ہے کہ لڑکی جھگڑالو ہے اور نافرمان ہے، بلا اجازت میکہ چلی گئی ہے، اس لئے مہر کے حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں لڑکی والوں کا کہنا ہے کہ لڑکی بلا اجازت نہیں گئی ہے بلکہ اپنے سسر وغیرہ کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے آئی ہے، ہم لڑکی کو شوہر کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں اور شوہر بھی اس سے راضی ہے، مگر سسر لڑکی کو پسند نہیں کرتے، یہ لوگ نہ لڑکی کو رکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس کا مہر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکی پر ظلم وزیادتی ہے یا نہیں؟ اور مہر واجب الاداقرار پاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ مہر تو محض نکاح سے لازم ہوجاتا ہے، پھر شوہر بیوی جب تنہائی میں جمع ہوجائیں تو مہر مؤکد اور پختہ ہوجاتا ہے (۱)۔ اگر بیوی نافرمانی کرے اور شوہر کو ستائے تو وہ گنہگار ہوگی، نالائق کہلائے گی۔ اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مکان سے اپنے والد وغیرہ کے گھر چلی جائے تو وہ نفقہ خرچہ کی مستحق نہیں ہوگی (۲) جب

= كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر، ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۴۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۵۱/۳، رشيديه)

(۱) "ويتأكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما". (الدر المختار). "(قوله: ويتأكد): أي الواجب من العشرة أو الأكثر، وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد، الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۵۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۳/۲، ۳۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "و لا نفقة لنا شزة: أي عاصية .... خرجت الناشزة من بيته خروجاً حقيقياً أو حكمياً بغير حق".

(مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۸۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

تک شوہر کے مکان پر واپس نہ آجائے، لیکن مہر ساقط نہیں ہوگا (۱)، وہ اس کا حق لازم ہے، اگر شوہر ادا نہیں کرے گا تو وہ ظالم ہوگا، آخرت میں اس کی پکڑ ہوگی (۲)۔

اگر بالفرض بغیر شوہر کی اجازت کے چلی بھی گئی تھی اور اب واپس آنا چاہتی ہے تو شوہر کو اس کے روکنے کا حق نہیں، جب شوہر رضامند ہے، رکھنا چاہتا ہے تو سسر کو ہرگز انکار نہیں کرنا چاہئے یہ غلط طریقہ ہے۔لڑکی اپنی غلطی کی معافی مانگ لے، آئندہ بلا اجازت میکہ نہ جائے، شوہر اور سسر کو چاہئے کہ معاف کردیں، نرمی اور اخلاق سے پیش آئیں ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، اگر شوہر نہیں رکھنا چاہتا اور نباہ کی گنجائش نہیں رہی تو شوہر طلاق دیدے (۳) اور مہر ادا کردے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۴/۹۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۱/۵۴۵، رشيديه)

(۱) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار و لا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا

سوال[۵۹۰۶]: معین نے اپنی زوجہ راشدہ کو طلاق دیدی اس لیے کہ وہ بغیر برقعہ کے اس کے گھر سے چلی گئی تھی، اس کے بعد راشدہ کا نکاح دوسرے شخص سے کردیا گیا، راشدہ کا مہر معین کو دینا چاہیے یا نہیں، جبکہ وہ بلا اجازت چلی گئی تھی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نافرمانی کی وجہ سے مہر ساقط نہیں ہوا، معین کے ذمہ راشدہ کا مہر واجب ہے (۱)۔ راشدہ کا دوسرا نکاح اگر طلاق کی عدت تین حیض گزرنے پر کیا گیا ہے، وہ صحیح ہوگیا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۹ھ۔

مہر معجّل سے قبل زفاف

سوال[۵۹۰۷]: شوہر اپنی عورت کے ساتھ سہاگ رات منانے جائے اور مہر معاف نہ کرائے تو کیا حکم ہے، یعنی بغیر مہر معاف کئے سہاگ رات مناسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شئ منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(۲) "عدة الحرة المدخولة التي تحيض للطلاق أو الفسخ .... ثلاثة قروء: أى حيض، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ الخ". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

بلامہر معاف کرائے بھی اگر ہمبستری کی گئی تو وہ ناجائز نہیں، لیکن بیوی کو حق ہے کہ مہر معجّل وصول کرنے سے قبل ہمبستری سے روک دے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۹ھ۔

کیا بغیر مہر دیئے بیوی کے پاس جانا منع ہے؟

سوال [۵۹۰۸]: ہمارے یہاں یہ مشہور ہے کہ جب تک مہر ادا نہ کیا جائے اس وقت تک بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بات غلط ہے، البتہ بیوی کو اسی وقت کچھ دینا بہتر ہے (۲)، ہاں! مہر ادا کرنے کی فکر اور کوشش لازم ہے یہ اس کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "ولها منعه من الوطء و دواعيه، شرح مجمع". (الدرالمختار). "ولها منعه حتى يقبض مهرها، وتسليمها نفسها غير صحيح، فله استردادها، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۲/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمرها: ۳۱۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۰۸/۳، رشيديه)

(۲) فتاوی دارالعلوم میں ہے: "مہر معجّل کے ادا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا اور عورت اس کی زوجیت سے اور نکاح سے خارج نہیں ہوتی، لیکن عورت وطی وغیرہ سے انکار کر سکتی ہے اور ساتھ جانے سے بھی انکار کر سکتی ہے"۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۵/۸، مسائل واحکام مہر، امدادیہ ملتان)

"و لها منعه من الوطء، و دواعيه، شرح مجمع". (والسفر بها .... لأخذ مابين تعجيله)".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۳/۳، ۱۴۴، سعيد)

ادائے مہر سے قبل وطی کا حکم

سوال[۵۹۰۹]: ۱...... ایک منکوحہ عورت اپنے شوہر سے مہرِ معجّل طلب کرتی ہے، لیکن شوہر ادا نہیں کرتا، تو کیا اب عورت کو اختیار شرعی ہے کہ شوہر کو وطی نہ کرنے دے؟

۲...... لیکن شوہر زبردستی مار کر باندھ کر جوڑ کر وطی کرتا ہے تو کیا یہ جماع جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... اگر زبردستی وطی جائز ہے تو عورت کا مندرجہ بالا حقِ شرعی بیکار وفضول ہے، عورت کا انکارِ وطی بھی جائز اور شوہر کا زبردستی وطی یعنی جماع کرنا بھی جائز! دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں؟

۴...... اگر شوہر کا زبردستی وطی کرنا جائز بھی ہے اور ظلم بھی ہے تو یہ بھی ضد ہے یعنی جائز بھی اور ظلم بھی۔

۵...... شوہر ہمیشہ زبردستی جماع کرتا رہے گا جبکہ عورت شوہر کے قبضہ میں ہے، ایسی حالت میں عورت اپنا حق شرعی کیسے محفوظ رکھ سکتی ہے، کوئی راستہ شریعت میں ایسا ہے یا نہیں؟

۶...... مبلغ دو ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت مہرِ معجّل عند الطلب اس شرط سے شوہر نے عقدِ نکاح قبول کیا جبکہ شوہر شرط کو پورا نہیں کرتا یعنی طلب کرنے پر مہر ادا نہیں کرتا تو عقد ٹوٹ گیا یا نہیں؟ جبکہ معاہدہ پورا نہیں کیا گیا تو اب معاہدہ باقی کیسے رہ سکتا ہے؟ جبکہ مہر سے شرمگاہ حلال ہوتی ہے تو طلب کرنے پر بھی مہر ادا نہیں کیا تو جماع کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

۷...... اگر عورت مندرجہ بالا اپنا حق باقی رکھنے کے لئے اپنے ماں باپ کے یہاں رہے اور خاوند کے بلانے پر بھی نہ جاوے تو شرعاً کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... حق ہے: "ولها منعه من الوطي والسفر بها ولو بعد وطي و خلوة رضيتها لأخذ مابين تعجيله أو قدر ما يعجل بمثلها عرفاً إن لم يؤجل كله، الخ". تنویر: ۲/۵۵۳ (۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۵۷۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الدر المختار، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۳، ۱۴۴، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثاني عشر في المهر: ۲/۳۲، ۳۳، امجد اکیڈمی لاهور) =

۲......یہ جماع تو زنا نہیں، لیکن زبردستی کرنا ناحق ہے۔

۳......عورت کو حق ہے کہ وطی نہ کرنے دے اور مرد کو یہ حق نہیں کہ زبردستی کرے، تاہم اگر زبردستی کرے گا تو ناحق زبردستی کی وجہ سے گنہگار ہوگا، لیکن اس جماع کو زنا یا حرام نہیں کہا جاوے گا جس کی وجہ سے حدِ زنا کا مستحق ٹھہرے۔

۴......ایسا کرنا ظلم ہے، مگر زنا نہیں۔

۵......اگر مہر عند الطلب کی قید لگائی ہے اور معجّل کا مطلب یہی ہے تو بوقتِ طلب اس کی ادائیگی لازم ہے، ادا نہ کرنے سے شوہر گنہگار ہوگا اور عورت کو جماع سے روکنے کا حق حاصل ہوگا (۱) اور شوہر کو زبردستی جماع کرنے سے گناہ ہوگا، ایسی حالت میں اگر عورت اپنا حق خود وصول کرنے پر قادر نہیں اور نہ شوہر کو جماع سے روک سکتی ہے تو حاکم کے ذریعہ سے اپنا حق وصول کرے (۲)۔

۶......عقد تو نہیں ٹوٹا بلکہ بدستور باقی ہے، البتہ عورت کو جماع سے منع کرنے کا حق ضرور حاصل ہے (۳)۔ اگر شوہر میں ایک دم ادائے مہر کی استطاعت نہیں تو قسط وار ادا کردے، عورت کو بھی چاہیے کہ ایک دم

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۳۰۸، رشيديه)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال ابن عابدينؒ: "(قوله: لتحصيل عليه، الخ) إعلم أنهم قالوا: إن للمرأة حق الرجوع على الزوج بالنفقة بعد فرض القاضي، سواء أكلت من مالها أو استدانتها بأمر القاضي أو بدونه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الأمر بالاستدانة على الزوج: ۳/۵۹۱، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۳، سعيد)

(۳) "ولها منعه من الوطي والسفر بها ولو بعد وطي و خلوة رضيتها لأخذ مابين تعجيله أو قدر ما يعجل بمثلها عرفاً إن لم يؤجل كله، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۳، ۱۴۴، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثاني عشر في المهر: ۲/۳۲، ۳۳، امجد اكيڈمی لاهور)

وصول کرنے پر اصرار نہ کرے بلکہ کچھ مہلت دیدے اور قسطیں مقرر کرلے(۱)۔

ے......نکاح کے لیے مہر لازم ہے، اگر زوجہ اس کو معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے، نکاح بغیر ذکرِ مہر کے بھی صحیح ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ اگر مہر کی نفی کردی جائے تب بھی صحیح ہوجاتا ہے لیکن مہر لازم ہوتا ہے۔عدمِ ذکر اور نفی کا کوئی اثر نکاح پر نہیں پڑتا ہے اور نفسِ نکاح سے جماع حلال ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت معاہدۂ مہر سے حلال نہیں ہوتی، بلکہ نکاح سے حلال ہوتی ہے، نکاح کے لیے مہر لازم ہوتا ہے جو زوجہ کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے، اگر بغیر مہر کے شرم گاہ حلال نہ ہوتی تو ادائے مہر سے قبل جماع قطعاً حرام ہوتا حالانکہ ادائے مہر معجّل سے پہلے عورت کی رضامندی سے بلاتامل جائز ہے۔اور اگر مہر مؤجل ہے تو بغیر اس کی رضامندی کے بھی جائز ہے:

"ويصح النكاح وإن لم يسم فيه مهراً، لا خلاف في ذلك؛ لأن النكاح عقد انضمام وازدواج -لغةً- فيتم بالزوجين. ثم المهر واجب شرعاً إبانةً لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح، وكذا إذا تزوجها بشرط أن لا مهر لها: أي فيصح النكاح فيما بينهما. الخ". فتح القدير: ۲/۴۳۴(۲)۔

---

(۱) قال الحصكفي: "إن لم يؤجل أو يعجل كله، فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۴/۳ سعيد)

"وإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك، وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر؟ فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر بالربع ولا بالخمس، وإنما ينظر إلى المتعارف. وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر، يجعل الكل معجلاً ويترك العرف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل السابع في المهر، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها الخ: ۳۱۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۱۱/۳، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۱۶/۳، ۳۱۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۴۹/۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۲۹/۲ إمداديه ملتان)

صورت مسئلہ میں زوج کے ذمہ مہر کی ادائیگی ضروری ہے اور ادائیگی سے پہلے جماع کا حق نہیں، لیکن اگر جماع کرلیا تب بھی یہ زنا نہیں ہوا، جماع حلال ہوا، مگر زبردستی کی وجہ سے گنہگار ہوا۔

۸...... ایسی حالت میں بھی وہ نفقہ کی حق دار رہے گی اور ناشزہ ہونے کی وجہ سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارن پور۔

رخصتی سے پہلے مطالبۂ مہر

سوال[۵۹۱۰]: زید نے بایں شرائط اپنی دختر کا نکاح بکر سے کردیا کہ پانصد کا زیور پارچہ اور ایک ہزار پانصد میں دو دو کانیں مہر میں تحریر کر کے رجسٹری کرادی، نکاح پڑھا دیا۔ اب دختر کو رخصت نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ دو کانوں کا کرایہ نامہ میری دختر کے نام کردو جب رخصت کروں گا، نکاح کو پندرہ ماہ ہوئے۔ کیا زید کی دختر بلا اس کے کہ وہ اپنے والدین کے یہاں سے آتی اور حقِ زوجیت ادا کرتی کسی رقم زر دو ہزار بذریعۂ نالش شرعاً حاصل کرنے کی حقدار ہوسکتی ہے؟ زید کی دختر چار پانچ سال تک رخصت ہوکر خاوند کے یہاں نہیں آئی۔ ایسی صورت میں اس قدر مدت گزر جانے پر شرعی طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

پیٹا گورنمنٹ، لاہور دروازہ۔
مولوی حکیم احمد حسن عفی عنہ

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مہر معجّل پر نکاح ہوا ہے تو شرعاً عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو شوہر کے حوالہ نہ کرے جب تک مہر وصول نہ کرے، اگر کُل مہر معجّل ہے تو عورت کو کُل مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، اگر کچھ معجّل ہے کچھ مؤجل تو

---

(۱) "(قوله: ولو مانعةً نفسها للمهر): أي يجب عليه النفقة، ولو كانت المرأة مانعةً نفسها بحق كالمنع لقبض مهرها، والمراد منه المعجل إما نصاً أو عرفاً". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۰۲/۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۸۵/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۴/۳، سعيد)

معجّل کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ اگر کل مہر مؤجل ہے تو عورت کو قبل مدتِ تاجیل مطالبہ کرنا جائز نہیں، اگر وقتِ نکاح معجّل یا مؤجل کی کوئی تصریح نہ ہوئی تو عرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر کل مؤجل ہوتا ہے تو عورت کو مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اگر کل معجّل ہوتا ہے تو تمام کا مطالبہ جائز ہے، اگر بعض معجّل اور بعض مؤجل ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے نہ کہ مؤجل کا:

"إذا زوجت المرأة و لها مهر معلوم، كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر، فإن كان في موضع يعجل البعض و يترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت –كما هو عرف ديارنا– كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل، وهو الذي يقال في الفارسية: **دست و پيمان**، و ليس لها أن تطالب بكل المهر، فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك. وإن لم يبينوا شيئاً، ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد إن لم يكن المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر، فيعجل ذلك معجلاً، ولا يقدر ذلك بالربع و لا بالخمس. و إنما ينظر إلى المتعارف؛ لأن الثابت عرفاً كالثابت شرعاً. وإن شرطوافي العقد تعجيل كل المهر، يعجل الكل معجلاً، ويترك العرف". فتاوى قاضي خان:١/٤٣٦(١)۔

۴، یا ۵/ سال خاوند کے گھر نہ جانے سے عورت پر طلاق نہیں ہوتی، جب تک کہ خاوند طلاق نہ دے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۲/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ۷/ ۵۲ھ۔

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في حبس المرأة نفسها بالمهر: ۱/۳۸۵، رشيديه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها: ۱/۳۱۸، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۳۰۹-۳۱۱، رشيديه)

(۲) "وركنه لفظ مخصوص هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۱/۳۴۸، رشيديه) .... =

مہرِ مؤجل کے مطالبہ کا حق

سوال[۵۹۱۱]: باکرہ کے والدین باکرہ کی طرف سے مہر حاصل کرنے کے طالب ہیں، وہ بھی ازروئے عدالت مجاز تو کیا اس مطالبہ کی بنا پر بکر کے ذمہ باکرہ کے والدین کو دینا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بکر اپنی رضامندی سے نہیں بلکہ غیر شرعی امور کے تحت باکرہ یا اس کے والدین کی طلبی پر ازروئے عدالت مجاز طلاق دے تو کیا اس کا تعلق باکرہ سے ہمیشہ کے لئے مانند طلاق بائن منقطع ہوجائے گا یا نہیں؟ اور کیا باکرہ بعدِ عدت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے؟ براہ کرم حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

سید کلیم الطاف نوگاؤں بی کے ڈی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہر مؤجل تھا (جس کا مطالبہ طلاق، تفریق، موت پر کیا جاتا ہے) تو ابھی شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم نہیں، عدالت میں اس کا دعویٰ کرنا بھی غلط ہے۔ اگر مہر معجّل تھا یعنی جب بیوی طلب کرے تو بیوی کو بلا عدالت کے بھی اس کے طلب کرنے کا حق ہے اور اس کی طرف سے اس کے والدین کو بھی مطالبہ کا حق ہے:

"لأبی الصغیرة المطالبة بالمهر. اهـ". درمختار۔ "والصغیرة غیر قید، ففی الهندیة: للأب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرةً کانت أو کبیرةً، إلا إذا نهته وهی بالغة، صح النهی، اهـ". شامی (۱)۔

"لا خلاف لأحد أن تأجیل المهر إلی غایة معلومة، فقد اختلف المشایخ فیه، قال بعضهم: یصح وهو الصحیح، وهذا لأن الغایة معلومة فی نفسها وهو الطلاق أو الموت، اهـ". عالمگیری (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

= (وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۲۰/۳، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: لأبی الصغیرة المطالبة بالمهر: ۱۶۱/۳، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، باب المهر، الفصل الحادی عشر فی منع المراة نفسها بمهرها والتأجیل فی المهر: ۳۱۸/۱، رشیدیه)

رخصتی سے قبل لڑکی کے باپ کو مطالبۂ مہر کا حق

سوال[۵۹۱۲]: زید کا نکاح شرعاً ہندہ سے ہوا، بروقتِ نکاح نصف مہر معجّل قرار پایا، ہندہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی، نکاح کے ایک سال کے بعد پدرِ ہندہ نے رخصتی کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت ہندہ کی عمر بیس سال ہے، ابھی پدر ہندہ نے رخصتی نہیں کی ہے اور نہ شبِ زفاف کی نوبت آئی ہے، پدر ہندہ ابھی دختر کی رخصتی نہیں کرتا ہے اور کل زرِ مہر کا طالب ہے۔ لہٰذا شریعتِ محمدی کی رو سے جواب تحریر ہو کہ ایسی صورت میں کیا پدرِ ہندہ زرِ مہر کا مطالبہ قبل رخصتی کر سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کس قدر حصص کا؟ برائے مہربانی جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں پدرِ ہندہ کو کل مہر کے مطالبہ کا حق نہیں، ہندہ کی طرف سے وکیل ہو کر برضامندیٔ ہندہ کے صرف نصف مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ زید کو چاہیے کہ نصف مہر ادا کر دے۔ اگر زید کو یہ خیال ہو کہ پدرِ ہندہ مہر وصول کرنے کے بعد رخصت نہیں کرے گا تو زید کو چاہیے کہ حاکمِ وقت یا باعزت اہل محلہ کے ذریعہ سے پدرِ ہندہ پر زور ڈالے کہ وہ ہندہ کو رخصت کے لئے اولاً تیار کرے، اس کے بعد مقدارِ معجّل وصول کرے اور پھر جلدی رخصت کر دے:

"و لها منعه من الوطیء مابین تعجیله من المهر کله أو بعضه. اهـ". درمختار۔ "وأشار إلی أن تسلیم المهر مقدم. لو خاف الزوج أن یأخذ الأب المهر و لا یسلم البنت، یؤمر الأب بجعلها مهیأةً للتسلیم، ثم یقبض المهر. اهـ". ردالمحتار: ۲/۵۵۴(۱)۔ اگر ہندہ مطالبہ پر رضامند نہیں بلکہ بغیر مطالبہ ہی رخصت کے لئے تیار ہو تو پدرِ ہندہ کو مطالبہ کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۳، ۱۴۴، سعید)

(و کذا فی التاتارخانیة، کتاب النکاح، المهر، نوع منه: ۳/۱۱۰، ۱۱۱، إدارة القرآن کراچی) =

مہر کو بطورِ نفقہ ادا کرنا

سوال[۵۹۱۳]: بکر نے عرصہ پونے چار سال کا ہوا اپنا نکاح ایک بیوہ سے کیا بعوض مبلغ ۱۱۰۰/ روپیہ۔ اور طے ہوا کہ ایک دختر جس کی عمر ۱۱/ سال ہے عنقریب شادی ہو کر اپنے خاوند کے یہاں چلی جاوے گی، دوسرا لڑکا جس کی عمر ۷/ سال ہے اپنے ماموں کے ہمراہ رہے گا، تیسرا لڑکا جس کی عمر ۳/ سال ہے بیوہ کے ہمراہ رہے گا۔

بعد نکاح بیوہ نے اپنے ہر سہ بچوں کو اپنے ہمراہ رکھا اور سب کا خرچہ شوہر ثانی کے ذمہ رہا۔ ۶، ۷/ ماہ گزرنے پر بیوہ نے اپنی دختر کا عقد موجودہ شوہر کے لڑکے سے۔ جو کہ بکر کی پہلی بیوی کے بطن سے ہے۔ بلا رضا مندیٔ شوہر کر دیا جس کا کفیل بھی بکر کو ہونا پڑا۔ ایک سال تک بکر نے جملہ اخراجات برداشت کیے، مگر جب بکر مجبور ہو گیا کہ اس کی عورت کے اخراجات اس کی آمدنی سے ڈیوڑھے ہو جاتے ہیں(۱) تو بکر نے اپنی کل آمدنی تعدادی مبلغ ۵۸/ روپیہ، ۲/ فروری ۳۳ء عورت کے ہاتھ میں یہ کہہ کر (کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اس قدر نقد روپیہ نہیں جو ایک دم مہر ادا کر دوں) مہر میں ادا کر دیا اور یہ کہا کہ خواہ اس رقم کو تم اپنی اولاد پر صرف کر دیا جو چاہو کرو، اس کے چند گواہ بھی موجود ہیں۔

عورت نے ہر ماہ تنخواہ لینا شروع کر دی، اس دوران میں کئی مرتبہ بکر نے عورت کے گوش گزار کر دیا کہ یہ روپیہ تمہارے مہر میں سے ادا ہو رہا ہے۔ اس طرح ۳/ ستمبر ۳۴ء تک اپنی کل آمدنی مبلغ ۱۱۰۰/ روپیہ مہر میں ادا کر دیا۔ لہٰذا اس صورت میں مہر ادا ہوا یا نہیں؟

اکبر علی محافظ امانت شمالی ڈویژن لکھنؤ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نفقہ عورت کا اور جس کا اس کے ذمہ ہے اس کے علاوہ جو کچھ شوہر نے اس کو دیا ہے اس کو مہر میں محسوب کرنا درست ہے اور صورتِ مسئولہ میں چونکہ پہلے کہہ دیا گیا ہے اور عورت نے اس کو رد نہیں کیا ہے بلکہ اس کے موافق عمل کرتی رہی تو رقم مذکورہ اگر نفقۂ واجبہ کے علاوہ عورت کے پاس پہونچی تو مہر ادا ہو چکا اور ۶۰/ روپے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۰۸/۳، رشيديه)

(۱) ''ڈیوڑھا لیکھا برابر ہونا (ا۔محاورہ) حساب بے باق ہونا''۔ (فیروز اللغات، بحث ڈی، ص: فیروز سنز، لاہور)

زائد پہونچے۔ اگر نفقہ واجبہ بھی اسی میں ہے تو اس کو منہا کیا جائے گا اور بقیہ رقم کو مہر میں شمار کیا جائے گا(۱)، جتنا مہر شوہر کے ذمہ بچے گا عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہے(۲)۔ فقط۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اور بکر کے لڑکے کا نکاح اگر وہ نابالغ ہے تو بکر کی اجازت پر موقوف ہے، بکر اجازت دے گا تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں، بشرطیکہ لڑکی کا کوئی ولی اقرب ماں کے علاوہ نہ ہو، اگر کوئی اور بھی ولی لڑکی کا موجود ہے تو اس کی بھی اجازت ضروری ہے۔ جب کہ لڑکی نابالغہ ہو(۳)، اگر لڑکی بالغہ ہے تو خود اس کی اجازت کافی ہے(۴)۔

محمود گنگوہی، ۲۸/۳/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ جمادی الاولیٰ/۵۳ھ۔

بغیر وجوب کے ادا کردہ نفقہ کو مہر میں شمار کرنا

سوال[۵۹۱۴]: زید نے اپنی بیوی کو بنیتِ نفقہ (دس روپے) دیا، پھر معلوم ہوا کہ اس پر وا،ب

---

(۱) "جب شوہر نے کہا کہ یہ روپیہ تمہارے مہر سے ادا ہو رہا ہے اور عورت نے اس کے قول کو رد نہیں کیا تو اب مہر ادا ہو گیا، لتصریح الزوج به". (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، الفصل السابع فی المہر: ۸/۲۲۳، ۲۲۴، امدادیہ ملتان)

(۲) "و ترجع بباقي المهر، ذكره ابن الكمال". (الدر المختار، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۳/۱۵۲، سعيد)

(۳) "(وهو [أي الولي] شرط نكاح صغير و مجنون و رقيق الخ)". (الدر المختار، باب الولي: ۳/۵۵ سعيد)

"فلو زوّج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۸۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۵، رشيديه)

(۴) "ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغةً، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، باب في الأولياء الأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب في الأولياء الأكفاء: ۳/۲۵۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

نہیں تھا۔ تو کیا زید مہر میں محسوب کرسکتا ہے؟ یا دوبارہ قبضہ ضروری ہے؟ یا اس کو لینے کا حق نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزئیہ بالتصریح نظر سے نہیں گزرا، لیکن ایک دوسرا جزئیہ نقل کرتا ہوں جو کہ اس کی نظیر بن سکتا ہے، اس کے ذریعہ سے صورتِ مسئولہ کا حکم بھی معلوم ہو جائے گا، وہ یہ کہ: اگر کسی نے پیشگی نفقہ دے دیا اور عورت بعد میں مستحقِ نفقہ نہیں رہی تو اس کی واپسی کا حق نہیں: "ولا ترد النفقة والكسوة المعجلة بموت أوطلاق عجلها الزوج أو أبوه ولو قائمةً، به يفتىٰ ١ھ". در مختار۔ "ووجهه أنها صلة لزوجته ولا رجوع فيما يهبه لزوجته، ١ھ". ردالمحتار: ۱۰۲/۲(۱)۔

واپس لینا تو ظاہر ہے کہ رجوع ہے اور مہر میں محسوب کرنا بھی رجوع کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۱/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۱/۴/۱۱۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الثانی /۶۱ھ۔

مہر قسطوار اور نفقہ

سوال[۵۱۹۵]: زید نے زاہدہ بی بی کو نو ماہ کے حمل کی مدت میں اس کی بداخلاقی کی بنا پر مجبور ہو کر طلاق دیدی، اس کا مہر دینے کے لئے تیار نہیں، لیکن زاہدہ کے میکے والے بہت زیادہ زور ڈال کر مہر یک مشت لینا چاہتے ہیں، لیکن زید اپنی غربت سے مجبور ہے۔ زید کی خانگی زندگی زاہدہ کی بداخلاقی اور کمینگی کی بنا پر جہنم کا نمونہ بن گئی تھی۔ زید صرف ۱۲۰/ روپے پر ایک جگہ ملازمت کرتا ہے، ایسی صورت میں اسے والد اور ایک غیر شادی شدہ بہن کا بھی خرچہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے جس سے ایک مشت مہر دینے سے مجبور ہے، اس کی کوئی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب النفقة، مطلب: لا تصير النفقة ديناً إلا بالقضاء أو الرضا: ۵۹۶/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب النفقة: ۴۹۲/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب النفقة: ۳۱۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

صورت بتائیں۔ نیز زید کا ایک لڑکا ڈیڑھ سال کا ہے، زاہدہ کے گھر والے وہ لڑکا بھی نہیں دے رہے ہیں۔

طلاق کے بعد زاہدہ کو ایک لڑکی تولد ہوئی، اب وہ خوراکی دینے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ لڑکا اس کے پاس رہے اور لڑکی کی خوراکی دیتا رہے تاکہ اس پر بار کم ہو جائے، مگر وہ لوگ تیار نہیں ہیں۔ از روئے شرع اس کا کیا حل ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شادی سے پہلے لڑکی کے اخلاق اور دینداری کی تحقیق کی ضرورت تھی، اس سے غفلت اختیار کی گئی جس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ پھر طلاق دینے سے پہلے سوچنے کی ضرورت تھی کہ مہر کیسے ادا کیا جائے گا، نفقۂ عدت کہاں سے دیا جائے گا، بچے کے خرچ کا انتظام کیا ہوگا، والدہ اور بہن کی ضرورت کس طرح پوری ہوگی، خود کیا کھائیں گے، بغیر انجام پر نظر کئے ہوئے قدم اٹھانے پر پشیمانی ہوتی ہے اور پریشانی بھی۔ بیوی کا مہر بہر حال واجب ہے(۱)، اس کو مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے اس کو قسطوار وصول کرنے پر راضی کیجئے، سنجیدہ بااثر آدمیوں کو درمیان میں ڈال کر ان کے ذریعہ معاملہ طے کرائیں۔ اگر تین طلاق نہ دی ہو بلکہ کم دی ہو تو دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، بشرطیکہ دونوں رضامند ہوں (۲)۔

---

(۱) "ويتاكد عند وطء أو خلوة صحت من الزوج، أو موت أحدهما". (الدرالمختار). "(قوله: ويتاكد): أى الواجب من العشرة أو الأكثر، و أفاد أن المهر يجب بنفس العقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۵۱/۳، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۳/۲، ۳۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها فى العدة و بعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس فى الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۷۲/۱-۴۷۳، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل المطلقة: ۱۶۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۲۰/۲، ۴۲۱، إمداديه ملتان)

اولاد کا نفقہ آپ کے ذمہ لازم ہے اگرچہ وہ اپنی والدہ کے پاس رہے (۱)۔ بچہ جب تک اس قابل نہ ہوجائے کہ اپنی ضروریات: کھانا، پینا، پہننا، استنجاء وغیرہ خود کرنے لگے، زبردستی اس کو لینے کا آپ کو حق نہیں بلکہ حق پرورش اس کی والدہ ہی کو ہے۔ بچی کی پرورش کا بھی والدہ کو حق ہے جب تک بچی میں بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ اس کے بعد آپ لے سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۷ھ۔

قسط وار مہر کے ساتھ زوج کی ہر چیز کا بیوی کی مالک ہونے کی شرط

سوال [۵۹۱۶]: ہندہ کا نکاح مہر مقرر کے ساتھ ہوا، اس کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ کسی بھی شکل میں ہو زید کی ہر چیز کی مالک ہندہ ہوگی، زید نے اس شرط پر دستخط کر دیئے اور نکاح ہوگیا، گواہوں کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ ہندہ کا مہر مبلغ ۵۰۰/ روپے ہے، ڈھائی سو روپے عندالطلب اور ڈھائی سو روپے قسط کی شکل میں۔

---

(۱) "قوله: ولطفله الفقير: أى تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير، قيد بالطفل وهو الصبى حين يسقط من البطن إلى أن يحتلم .... و لذا عبر به؛ لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۴۱/۴، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير المكتسب نفقته فى كسبه الخ: ۶۱۲/۳، سعيد)

درج بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طفل صغیر کا نان ونفقہ باپ پر لازم ہے۔

(۲) "والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى، و قدر بسبع سنين. وقال القدورى: حتى يأكل وحده، ويشرب وحده، ويستنجى وحده. وقدره أبو بكر الرازى بتسع سنين، والفتوى على الأول. والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. وفى نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالىٰ: إذا بلغت حد الشهوة، فالأب أحق، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر فى الحضانة: ۵۴۲/۱، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۲۸۷/۴، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۵۶۶/۳، سعيد)

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مہر کیسے ادا کیا جائے اور ہندہ اپنے مہر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اب اس کی تشریح کی جائے کہ آیا مہر ادا کیا جائے تو کس شکل پر ادا کیا جائے، جب کہ زید کی ہر چیز کی مالک خود ہندہ ہے؟ اور اگر مہر دینے سے گریز کیا جائے تو اس کے جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط کہ ''زید کی ہر چیز کی مالک ہندہ ہے'' اس سے وہ زید کی عمر بھر کی مِلک میں آنے والی اشیاء کی مالک نہیں ہوگی، مہر کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے کہ یہ ہندہ کا حق واجب ہے(۱) دونوں مشورہ کر کے قسطیں مقرر کرلیں کہ اتنے روپے ہر قسط پر دے دیئے جائیں، یکمشت ادا کرنے کے لئے موجود ہوں تو یکمشت ادا کر دیئے جائیں، ہر طرح درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۱ھ۔

موروثی زمین کو مہر قرار دینا

سوال [۵۹۱۷]: زید نے ہندہ کو نکاح اور اس کے مہر میں ایک زمین دی جو اس کے ہاتھ میں ہے اور دراصل یہ زمین زمیندار کی ہے، اور وہ شخص سالانہ زمین دار کو خزانہ دیتا ہے اور اس کی پیداوار کا مالک زید رہتا ہے اور اس جگہ یہ بھی رواج ہے کہ اس قسم زمین کو رعایا لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ میں فروخت کرواتے ہیں اور خریدار زمیندار کو بعد میں کچھ روپیہ نذرانہ دیتا ہے، زمیندار راضی ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قد علمنا مافرضنا عليهم في أزواجهم وما ملكت أيمنهم لكيلا يكون عليك حرج، وكان الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة الأحزاب: ۵۰)

"فإنما قام مقامه للتراضي به، ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع، إما بالتسمية أو بالعقد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۰/۳، سعيد)

"ويصح النكاح .... ثم المهر واجب شرعاً إبانةً لشرف المحل، فلا يحتاج إلى ذكره لصحة النكاح". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۳/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

زمین اس کی مہر میں ہندہ کے سپرد کرنا واجب ہے، یا دیگر مال سے اگر دوسرے مال سے ادا کرے تو کس قدر ادا کرے؟ بینوا و توجروا۔

بندہ: امتیاز الدین سلہٹی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم، دار الطلبہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفسِ زمین کو مہر قرار دینا درست ہے، اگر زمیندار وہ زمین زید کو دیدے خواہ قیمۃً خواہ ہبۃً تب تو اس زمین کا دینا زید کے ذمہ واجب ہے، ورنہ اس زمین کی قیمت واجب ہوگی:

"وإذا تزوجها على هذا العبد وهو ملك الغير، أو على هذا الدار و هي ملك الغير، فالنكاح جائز والتسمية صحيحة، فبعد ذلك ينظر إن أجاز صاحب الدار أو صاحب العبد ذلك، فلها عين المسمى. وإن لم يُجز المسمى لا يبطل النكاح ولاالتسمية حتى لا يجب مهر المثل، وإنما تجب قيمة المسمى، كذا في المحيط". فتاوى عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

لیکن حق موروثیت شرعاً کوئی چیز نہیں، لہذا اس حق کو مہر قرار دینا درست نہیں۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵۵ھ۔

مہر میں بیوی کو جائیداد اور قبرستان دینا

سوال [۵۹۱۸]: زید نے شادی کی، بچے ہوئے اور تقریباً ۲۰/ برس بعد زید نے اپنے باپ کی جائیداد اپنی بیوی کو مہر میں ہبہ کردی حالانکہ مہر بہت کم ہے اور جائیداد بہت بڑی ہے۔ اس جائیداد میں ایک بڑا قبرستان بھی شامل ہے۔ تو مہر کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت مقرر ہے یا نہیں؟ زید کی عمر اب نوے برس کی ہے، زید کے انتقال کے بعد قبرستان کاشت ہونے اور باغ کٹ جانے کا قوی خطرہ ہے۔ اس صورت میں مہر ادا ہوگیا یا نہیں، اور اس ہبہ کرنے سے مہر ادا ہوگیا کہ نہیں؟ فقط۔

ڈاکٹر عبد اللطیف، سرالہ نگر، ضلع گونڈہ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الأول: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، المهر، نوع منه في بيان ما يصلح مهراً الخ: ۳/۸۷، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید کے والد زندہ ہیں تو ان کی جائیداد میں کوئی تصرف بغیر ان کی اجازت کے زید کے لئے جائز نہیں (۱)۔ اگر والد کا انتقال ہو کر تنہا زید وارث و مالک ہو چکا ہے تو وہ جائیداد خود زید کی ہے اس کے والد کی نہیں رہی، زید کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے (۲)۔ اگر زید کا مقصد بعوضِ مہر بیوی کو دے دینے سے کسی شرعی مستحق کو محروم کرنا نہیں ہے تو یہ بھی درست ہے (۳)، اور جس قدر مقرر کیا تھا، اگر اس سے زائد دے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مہر جب چاہے ادا کر سکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ طلاق یا موت کے وقت ہی ادا کیا جائے بلکہ جس قدر جلد ادا کرے بہتر ہے۔ بیوی اپنے حق سے کم یا زائد جتنے میں رضامند ہو جائے اس کو حق ہے اور اس سے مہر ادا ہو جائے گا، وہ بخوشی کل ہی معاف کر دے تو کل ہی معاف ہو جائے گا (۴)۔

قبرستان اگر وقف ہے تو وہ کسی کی ملکیت نہیں، مہر میں دینا بھی درست نہیں، اور اس سے وہ بیوی کی ملک نہیں ہوگا، بلکہ بدستور قبرستان ہی رہے گا (۵)۔ اگر وہ وقف نہیں بلکہ مملوک ہے تو اس کو مہر میں دینا بھی

---

(۱) "لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، الخ". (الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب في ما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۶)، ص: ۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء. الخ". (شرح المجلة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران ...... الفصل الأول، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، مسائل شتى، مطلب: اقتسموا داراً و أراد كل منهم فتح باب لهم: ۶/۴۴۸ سعيد)

(۳) "عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الهبة للصغير: ۴/۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب مهم في قول الواقف: على الفريضة الشرعية: ۴/۴۴۴، سعيد)

(۴) "وصح حطها لكله أو بعضه عنه". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۶۳، رشيديه)

(۵) "(الوقف) لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايُملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يُمَلَّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع. الخ". (الدرالمختار مع =

درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس زمین کا مہر میں وعدہ کیا جائے اس کا دینا ضروری ہے

سوال[۵۹۱۹]: ایک بیوہ ہے جس کے تین جیٹھ دیور موجود ہیں، نکاح کرنے کے لئے بڑی کوشش کرتے رہے مگر اس نے نکاح کرنے سے انکار کیا۔ اتفاق سے اس کے نام ایک چوتھائی حصہ زمین کا چڑھ گیا اور وہ زمین کے فروخت کی کوشش میں لگی۔ جیٹھ دیور کو جب معلوم ہوا تو پھر بہت نکاح کی کوشش کی، اس نے بڑی مشکل سے نکاح کو کہا اور یہ بھی کہا کہ نکاح میرا نہیں ہوتا، یہ تو زمین کا نکاح ہوتا ہے، مگر شریعت سے اس کو زمین کا حق نہیں پہونچتا، فقط اس کے ایک لڑکی ہے، مگر ان جیٹھ دیوروں نے وعدہ کیا کہ ہم تجھے پندرہ بیگہ زمین مہر میں دیں گے تو وہ اپنے بڑے جیٹھ سے نکاح کے لئے رضامند ہوگئی اور نکاح ہوگیا۔ اب اس کو زمین دیں یا نہ دیں؟ قبضے کا وعدہ کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر میں جتنی زمین مقرر کی گئی ہے، وہ بھی اس کا حق ہے اس کو دینا لازم ہے، ورنہ اس کا وبال سخت ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۶ھ۔

= ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو يوسف بين قوله: موقوفة، وقوله: فموقوفة على فلان: ۳۵۲/۴، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء. الخ". (شرح المجلة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران ..... الفصل الأول، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، مسائل شتى، مطلب: اقتسموا داراً و أراد كل منهم فتح باب لهم: ۷۴۸/۶ سعيد)

(۲) "تنبيه: حاصل هذه المسألة أن المسمى إذا كان من غير النقود بأن كان عرضاً أو حيواناً، إما أن =

زمین کے بدلہ میں شادی

سوال [۵۹۲۰]: ایک شخص نے اس طرح زمین لی ہے کہ اس کی ایک لڑکی تھی، اس نے اس کی شادی کردی اور بدلے میں زمین لی، اب اس شخص کے پوتے پڑوتے ہیں، ان کے واسطے اس زمین کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زمین رشوت کے حکم میں ہے، اس کی واپسی لازم ہے، اس کی آمدنی خود نہ وصول کریں بلکہ جس کی تھی اس کو یا اس کے ورثہ کو واپس کردیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان/ ۶۶ھ۔

بیوی کے علاج میں مہر کا روپیہ

سوال [۵۹۲۱]: نعیم الحق کی بیوی کا مہر دو ہزار روپیہ ہے، بیوی کو ٹی بی کا مرض ہے، تو نعیم الحق کا جو روپیہ بیوی کے علاج میں خرچ ہوا وہ مہر میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

= يكون معيناً بإشارة أو إضافة، فيجب بعينه. الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: في أحكام الخلوة: ۱۲۹/۳، سعيد)

"المهر: هو كل مال متقوم معلوم مقدور على تسليمه، فيصح كون المهر ذهباً أو فضة .... ويصح مكيلاً أو موزوناً، حيواناً أو عقاراً. الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل السادس، آثار الزواج، المبحث الأول، ثالثاً: شروط المهر أو ما يصلح أن يكون مهرًا الخ: ۶۷۶۸/۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، باب المهر: ۸۵/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترد؛ لأنه رشوة". (الدر المختار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۱۵۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثاني عشر في المهر: ۱۳۶/۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے بیوی سے یہ کہا کہ تمہارا علاج تمہارے مہر کے روپیہ سے کردوں، اور اس نے اجازت دیدی تب تو مہر صورت مسئولہ میں شوہر کے ذمہ باقی نہیں رہا، ورنہ جتنا روپیہ خرچ کیا وہ تبرع اور احسان تھا جو اب مہر میں محسوب نہ ہوگا: "کما لا یلزمها مداواتها، اهـ: أي إتيانه لها بدواء المرض و لا أجرة الطبيب و لا الفصد، اهـ". رد المحتار: ۲/ ٦٤٦ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

زوجہ اگر مہر وصول نہ کرے تو زوج کس طرح ادا کرے

سوال [۵۹۲۲]: مسماۃ ہندہ کو طلاق لئے ہوئے دو برس ہو چکے ہیں، دین مہر نہ وہ لیتی ہے اور نہ ہی صاف الفاظ میں منع کرتی ہے، بلکہ یہ کہہ دیتی ہے کہ میں اپنا بدلہ آخرت میں لوں گی۔ زید دین مہر سے اپنی زندگی میں سبکدوش ہونا چاہتا ہے اور ہندہ سے بار بار لجاجت کرتا ہے کہ کسی طرح وہ اپنا قرض وصول کر لے۔ چنانچہ بذریعۂ ڈاک بیمہ رقم دینِ مہر زید نے ہندہ کو پہونچادی، مگر ہندہ نے اپنی کسی مصلحت کی بنا پر رقم ارسال کردہ بیمہ واپس کردی کہ مجھے تمہارے اس روپے کی ضرورت نہیں، میں اپنا بدلہ خدا کے یہاں آخرت میں لوں گی۔ اس اثناء میں زید نے مصالحت کرنے کی کئی ایک بار کوشش کی مگر مسماۃ ہندہ کے عزیز واقرباء نے مزاحمت کی اور زید کو مالی وجسمانی نقصان پہونچانے کے درپے ہوگئے۔

ہندہ کا اپنا قرض دنیا میں وصول نہ کرنا حالانکہ زید نے بذریعۂ ڈاک رقم دینِ مہر ہندہ کو پہونچادی، مگر اس نے واپس کردی اور قرض خواہ کا یہ کہنا کہ میں تو آخرت میں بدلہ لوں گی شرع شریف میں اس کا کیا حکم ہے؟ اگر مقروض رقم دینِ مہر عند الطلب ادا کرنے سے انکار کرتا تو وہ قصوروار تھا اور قرض خواہ یہ کہنے کی حقدار تھی کہ میں آخرت میں بدلہ لوں گی، لیکن یہاں تو معاملہ دگرگوں ہے، ہندہ کے بغیر طلب کے زید کے ذمہ رقم مہر جائز طریقہ

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تجب علی الأب نفقة زوجة ابنه الصغیر: ۳/ ۵۷۳، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۱/ ۵۴۹، رشیدیه)

سے ہندہ تک پہونچانے کا حق ہے، زید پہونچا دیتا ہے، وصول کرنا یا نہ کرنا یہ ہندہ کا فعل ہے، وجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر زید نے حق ادا کرنے کی پوری کوشش دنیا میں کرلی۔

جواب طلب یہ امر ہے کہ کیا زید عند اللہ بری الذمہ ہوسکتا ہے اور آخرت میں یہ صورت بخشش یا ہبہ کی ہوسکتی ہے یا نہیں ہندہ کا رقمِ مہر چھوڑنا حالانکہ زید ادا کرنا چاہتا ہے، کیا یہ صورت ﴿إلا أن يعفون﴾ کے تحت آسکتی ہے یا نہیں؟

نیازمند: ڈاکٹر عبد الغنی غفرلہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر ہندہ دینِ مہر کو معاف نہیں کرتی اور وصول بھی نہیں کرتی تو زید کو چاہئے کہ مہر کی رقم ہندہ کے سامنے اس طرح رکھ دے کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھانا چاہے تو اٹھالے اور اس کے بعد ہندہ کو اختیار ہے خواہ اٹھائے خواہ نہ اٹھائے، اس طرح اس کے سامنے رکھدینے سے زید بَری ہوجائے گا اور آخرت کا بار اس کے ذمہ نہیں ہوگا اور محض وصول کرنے سے انکار کی وجہ سے معافی نہ ہوگی:

"التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدى المولى بحيث لو مدّ يده أخذه، فحينئذ يحكم القاضي بأن قبضه، وكذا في ثمن المبيع وبدل الإجارة وسائر الحقوق، اهـ". ردالمحتار: ۹۰/۳(۱)۔

اگر ہندہ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا دینِ مہر دنیا میں معاف کردیا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب لوں گی تو مہر معاف ہوگیا۔ اور اگر یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ دنیا میں وصول نہیں کرتی تاکہ شوہر کے ذمہ آخرت کا وبال باقی رہے تو معاف نہیں ہوا۔ طریقہ مذکورہ سے ادا کردیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۵۵ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب العتق، باب العتق على جعل: ۷۶۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق كتاب العتق، باب العتق على جعل: ۴۳۴/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب العتق على جعل: ۳۰۷/۲، دار المعرفة بيروت)

مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال[۵۹۲۳]: قمرالدین کے یہاں ایک لڑکا دوسری لڑکی تھی، لڑکی کی شادی کرنے کے بعد سامانِ جہیز دے کر رخصت کیا۔ محمد عمر کی شادی قمرالدین نے کی لیکن بچپن میں ہی عمر کی بیوی کا انتقال ہوا۔ قمرالدین کے انتقال کے بعد محمد عمر کا نکاح ماموں صاحب نے کیا، اس بیوی کے دو بچے پیدا ہوئے لڑکی کا انتقال ہوگیا لڑکا حیات ہے، لیکن چار سال کا تھا کہ اس کے والد محمد عمر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کی پھوپھی مع سامان کے لڑکے اصغر کو اپنے گھر لے گئی اور پرورش کرنے پر اپنی پوتی سے نکاح کر دیا اور پانچ چار سال لڑکی نکاح میں رہی۔

اس کے بعد لڑکی کے باپ نے کچھ تہمت یا الزامات لگا کر لڑکی کو آزاد یا طلاق حاصل کر لی ہے، لیکن بیوی کی زبانی معلوم ہوا کہ جو مہر بندی تھی وہ لڑکی کے سامنے رکھا تو لڑکی نے بخوشی واپس لوٹا کر معاف کر دیا۔ اور اب رہا سامان و مکانات کا معاملہ یہ ہے کہ قمرالدین اور فرزند محمد عمر کی یہ میراث تھی، لیکن حیات اصغر کو پھوپھی صاحبہ تمام سامان گھر کا لے کر اپنے سسرال چلی گئی اور مکان مسجد کو دیدیا، جبکہ اصغر جوان ہوگیا تھا اور اس شرط پر دیا کہ میرا حق ہے، تم بھی اپنا حق دو۔ اب مکان میں اور سامان میں وہ حق دار ہے یا نہیں؟ اگر حق دار ہے تو وہ اپنا سامان پھوپھی سے لے سکتا ہے اور مکان بھی لے سکتا ہے؟ آیا پھوپھی کو بھی کوئی کچھ حق پہنچے گا یا نہیں؟ اگر پہنچے تو اس کا طریقہ تقسیم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر نے مہر کا روپیہ ادا کرنے کے لیے بیوی کے سامنے رکھ دیا اور بیوی نے بخوشی وہ روپیہ شوہر کو دیدیا اور دونوں کو اس کا اقرار ہے تو مہر ادا ہوگیا(۱)۔ قمرالدین کے انتقال پر لڑکی اور لڑکا محمد عمر دونوں وارث ہیں

---

(۱) "التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدي المولى بحيث لو مدّ يده أخذه، فحينئذٍ يحكم القاضي بأنه قبضه، وكذا في ثمن المبيع وبدل الإجارة وسائر الحقوق". (رد المحتار، كتاب العتق، باب العتق على جعل: ۳/۶۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب العتق، باب العتق على جعل: ۴/۴۳۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العتق على جعل: ۲/۳۰۷، دار المعرفة بيروت)

لڑکی کا اکہرا حصہ ہے اور لڑکے محمد عمر کا دوہرا حصہ ہے، محمد عمر کے انتقال پر اسی شرح کے ساتھ لڑکا (اصغر) لڑکی دونوں وارث ہیں (۱)۔ پھوپھی کو قمر الدین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، وہ اس میں حق دار نہیں اگر چہ اپنے والد کے ترکہ میں حق دار ہے (۲)۔ پھوپھی صاحبہ نے بچے کی پرورش کی، بہت اچھا کیا، ان کو اجر ملے گا، لیکن قمر الدین اور محمد عمر کی متروکہ جائیداد، روپیہ، مکان، سامان کسی چیز میں بھی ان کو تصرف مالکانہ کرنے کا حق نہیں (۳)، محض ان کے مکان مسجد میں دینے سے وہ مکان مسجد کا نہیں ہوا، ہاں! اگر اصغر نے بالغ ہونے کے بعد بخوشی مسجد میں دیا ہے تو وہ مسجد کا ہو گیا۔

اصغر کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے باپ دادا کا پورا سامان پھوپھی صاحبہ سے واپس لے لے مگر چونکہ پھوپھی صاحبہ نے ان کی پرورش کی، شادی کی، اس لئے ان کے احسان کو فراموش نہیں کرنا چاہئے (۴)، ان کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آئے اور اپنی وسعت کے موافق مالی خدمت بھی کرتا رہے، ویسے بھی پھوپھی صاحبہ کا رشتہ ایسا ہے کہ ان کی خدمت کرتے رہنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (النساء: ۱۱)

"وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث......... ومع الابن للذکر مثل حظ الأنثیین، وھو یعصّبھن".

(السراجی، ص: ۷، سعید)

(۲) "وذوو الأرحام أصناف أربعة .... والصنف الرابع ینتمی إلی جدّی المیت أو جدتیه وھم العمات والأعمام وأم .... اھ". (السراجی، ص: ۳۸، سعید)

"ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة وإجماع الأمة، فیبدأ بأصحاب الفرائض وھم الذین لھم سھام مقدرة فی کتاب اللہ تعالیٰ، ثم العصبات .... ثم ذوی الأرحام". (السراجی، ص: ۳، سعید)

(۳) "لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنه". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/ ۲۰۰، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة، (المادة: ۹۶): ۱/ ۶۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ھل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (الرحمن: ۶۰)

بدلِ مہر دینے کے بعد زوجہ کا حق باقی ہے یا نہیں؟

سوال[۵۹۲۴]: نور خان اپنی عورت نذیرن کو کسی وجہ سے برادری کے پانچ آدمیوں کے سامنے شریعت کے مطابق چھ سال پہلے طلاق دے چکا ہے اور مہر ساڑھے بتیس روپے کا تھا۔ بتیس روپے کے بجائے اس نے مہر میں ۸۵/ رتی چاندی کا زیور ادا کر دیا تھا۔ اب میرے خلاف خرچہ بندھوانے کے لئے چھ سال کے بعد عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ آپ حضرات سے میری گذارش ہے کہ شریعت کے مطابق مجھے خرچ دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اگر شریعت کے مطابق مجھے خرچہ دینے کا حق نہیں ہے تو آپ کے یہاں کی سند کی ضرورت ہے۔ فتویٰ بھیجنے کی جلدی سے مہربانی کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ آپ نے مہر کے عوض ۸۵/ رتی چاندی کا زیور دیا اور اس نے قبول کر لیا تو آپ بری الذمہ ہو گئے، اب آپ پر دعویٰ کرنا غلط ہے، آپ کے ذمہ کچھ لازم نہیں (۱)۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جو پونے تین تولے کے قریب ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

بیوی سامان لے کر چلی گئی تو کیا مہر ادا ہوا؟

سوال[۵۹۲۵]: میری بیوی کو اس کا بھائی سکھا کر یکم جولائی ۱۹۶۷ء کو میری عدم موجودگی میں میری اجازت کے بغیر گھر سے لے گیا، یہ دونوں اپنے ہمراہ سولہ سو روپے کے زیورات اور سوا سو روپے کی

---

(۱) "ومن بعث إلى امرأته شيئاً فقالت: هو هدية، وقال: هو من المهر، فالقول له في غير المهيأ للأكل".

(كنز الدقائق، كتاب النكاح، باب المهر، ص: ۱۰۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۲۶۳، ۲۶۴، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ولا مهر أقل من عشرة". (إعلاء السنن، بابٌ: لامهر أقل من عشرة: ۸۱/۱۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الباب الأول: ۱/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعيد)

گھڑی اور پانچ صد روپے نقد لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں بریلی بیوی کو لینے گیا اور سُسر وغیرہ سے بھیجنے کی بابت بات ہوئی تو انہوں نے صاف انکار کردیا کہ ان کی نیت ان سب چیزوں کو رکھنے کی تھی، اور ساتھ ہی مہر جو کہ معجّل ہے ان کے وصول کی فکر ہے، جب کہ میری طرف سے نان ونفقہ ودیگر ضروریات زندگی کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

ان حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور اگر بذریعۂ عدالت مہروں کا مطالبہ ہوتو مجھے دینا واجب ہے کہ نہیں جب کہ مہر کی مقدار آٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ادائیگی میری استطاعت سے باہر ہے اور شادی کے بعد سے اب تک میری بیوی نے من مانی کی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مہر معجّل وصول کرنے کا اس کو حق ہے، آپ کا جو جو سامان گھڑی زیور اور نقد اس نے بغیر آپ کی اجازت کے لیا ہے، آپ اس سے واپس لے سکتے ہیں اور مہر میں محسوب کرسکتے ہیں۔ آپ اس کو سمجھا کر نرمی اور محبت سے اپنے مکان پر بلالیں، حُسنِ اخلاق کا معاملہ کریں تو انشاء اللہ حالات میں تغیر پیدا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۷ھ۔

مہر اپنے والد کے قرض میں وصول کرنا

سوال [۵۹۲۶]: دورانِ نکاح کی بات چیت کے وقت لڑکی کے والد نے گیارہ سو پچاس روپے بطورِ قرض لئے تھے، وہ روپے مہر میں کسی شکل سے ادا ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ مہر مبلغ ایک ہزار روپے ہے۔

(۱) "إن لم يؤجل أو يعجل كله فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة، إلا إذا جهل الأجل جهالةً فاحشةً، فيجب حالاً، غاية". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۳/۱۴۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/ ۳۰۹، ۳۱۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کے والد نے جو روپیہ لڑکے سے قرض لیا ہے اس کو مہر میں شمار کر لینا درست ہے جب کہ اس پر لڑکی راضی ہو کہ شوہر کو مہر سے بَری کرتی ہے اور مہر اپنے والد سے وصول کرے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۱ھ۔

نا قابلِ جماع عورت کا نکاح ومہر

سوال [۵۹۲۷]: زید نے ایک عورت سے شادی کی، اس عورت کو جب اپنے گھر لایا تو اس میں کوئی علامت عورت ہونے کی نہیں پائی یعنی پستان بالکل نہیں، ایام ماہواری تیس سال کی عمر تک نہیں ہوئے، جائے مخصوص اس طریق پر واقع ہوئی ہے: ''o'' جس سے مجامعت نہیں ہو سکتی اور اس مقام پر ہڈی ہے، جو قابلِ آپریشن نہیں ہے۔ اب اس عورت کے والدین اس عورت کا علاج کر رہے ہیں اور اس کی کوشش ہے کہ جائے مخصوص صحبت کے قابل ہو جائے، مگر عرصہ دس ماہ گزرا آرام نہیں ہوا۔

پھر اگر جائے مخصوص قابلِ جماع ہو جائے تو مجامعت جائز ہوگی؟ جب کہ ڈاکٹرنی کہتی ہے کہ اس سے اولاد نہ ہوگی۔ جائے مخصوص میں چوں کہ دواء کا استعمال ہو رہا ہے، اس کی رگڑ سے کچھ خون آ جاتا ہے جس کا کوئی وقت معین نہیں، کیا وہ دَھبّہ ایامِ ماہواری میں شمار ہو سکتا ہے اور اس صورت میں نکاح قائم رہ سکتا ہے اور ایسی جگہ مرد اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے؟ اور اس صورت میں عقد جائز ہے یا نہیں اور مہر کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر معاینہ کے بعد وہ عورت مرد کی مجامعت کے قابل ہو جائے تو مرد کو اس سے صحبت درست ہوگی، اولاد ہونے کی توقع ہو یا نہ ہو۔ نکاح کی غایت جیسے توالد وتناسل ہے اسی طرح حرام سے بچنا اور عفت سے رہنا بھی ہے۔ اور اس وقت بھی مہر پورا واجب ہوگا اور جو خون آتا ہے، اگر وہ دوا یا رگڑ وغیرہ کی

---

(۱) "وإذا زوّج ابنه الصغير امرأةً و ضمن عنه المهر، وكان ذلك في صحته، جاز إذا قبلت المرأة الضمان .... ثم للمرأة أن تطالب الولي بالمهر، وليس لها أن تطالب الزوج. الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل الرابع عشر في ضمان المهر: ۱/۳۲۶، رشيديه)

وجہ سے آتا ہے تو اس کو حیض نہیں کہا جائے گا اور اگر بلا رگڑ ہی آتا ہے اور اقلِ مدتِ حیض تک پہونچ جاتا ہے تو اس کو حیض کہا جائے گا۔ اور جب تک معالجہ کے بعد صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کے ساتھ تنہائی خلوتِ صحیحہ شمار نہ ہوگی لہٰذا اگر ایسی حالت میں مرد طلاق دے گا تو پورا مہر واجب نہ ہوگا، بلکہ نصف مہر واجب ہوگا:

"ويجب نصفه (أى نصف المهر) بطلاق قبل وطئى أو خلوة". درمختار: ۵۱۲/۲ (۱)۔ "ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء أو قرناء أو عقلاء أو شعراء، كذا فى التبيين". فتاوى عالمگيرى: ۳۱۵/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۹/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/۱/۵۴ھ۔

خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر وغیرہ

سوال [۵۹۲۸]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا دونوں میں تنہائی یعنی صحبت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق کی نوبت آگئی۔ کیا پورا مہر لینے کی حق دار ہے؟ اور زید نے بوقتِ نکاح جو زیور دیئے تھے، اس کی واپسی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا (۳)، جو زیور وغیرہ شوہر کی طرف سے بیوی کو تملیکاً دیا گیا ہے، یا

---

(۱) (الدر المختار، باب المهر: ۱۰۴/۳، سعيد)

(وكذا فى ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب المهر: ۳۴۶/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الهداية، باب المهر: ۳۲۶/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فى المهر، الفصل الثانى: ۳۰۵/۱، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب المهر: ۵۴۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب المهر: ۲۶۷/۳، رشيديه)

(۳) "ولزم نصفه: أى المسمى بالطلاق قبل الدخول وقبل الخلوة الصحيحة". (مجمع الأنهر، باب المهر: ۳۴۶/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الهداية، باب المهر: ۳۲۴/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا فى الدر المختار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

بیوی کے والدین نے جو کچھ داماد کو تملیکاً دیا ہے اس کی واپسی نہیں ہوگی، بلکہ جو کچھ جس کو دیا گیا ہے اسی کا ہوگا۔ لڑکی کے والدین نے جو کچھ سامان اپنی لڑکی کو دیا ہے وہ لڑکی کا ہے، شوہر اس کو لینے کا حقدار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

رتقاء اور عنین کی خلوت سے وجوبِ مہر کا حکم

سوال [۵۹۲۹]: ۱...... ہندہ کی عمر ۲۰/ ۲۲/ سال ہے، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خلوت کے قابل نہیں، شرمگاہ بند ہے، بغیر آپریشن کے قابلِ جماع نہیں، ایسی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا یا پورا؟

۲...... اس کا نفقہ کس پر واجب ہوگا؟

۳...... اگر شوہر ہی قابلِ جماع نہ ہو تو پھر نفقہ کس پر ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر شرمگاہ کا سوراخ اس قدر تنگ ہو کہ اس میں جماع نہیں کیا جاسکتا، خواہ ہڈی کی وجہ سے یا غدود کی وجہ سے تو ایسی عورت کے ساتھ خلوت کرنے سے پورا مہر لازم نہیں ہوگا، بلکہ نصف مہر لازم ہوگا (۲)۔

---

(۱) "لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها، وعليه الفتوىٰ............ وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج، فلما زفّت إليه، أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك، كذا في فصول العمادية". (الفتاویٰ العالمكيرية، باب المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/ ۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، باب المهر، نوع منه: اختلاف الزوجين في المهر: ۳/ ۱۲۶، ۱۲۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة. الخ". (الدر المختار، باب المهر: ۳/ ۱۰۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/ ۳۴۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/ ۲۵۳، رشيديه)

۲.....جبکہ وہ شوہر کے مکان پر رہے گی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوگا (۱)۔

۳.....اگر شوہر بھی جماع پر قادر نہیں خواہ حیض ہونے کی وجہ سے یا مریض ہونے کی وجہ سے تب بھی اس پر خلوت سے پورا مہر لازم نہیں ہوگا، بلکہ نصف مہر لازم ہوگا:

"والخلوة بلا مرض أحدهما خلوة كالوطأ، وأشار بالمرض إلى المانع الحسي، وصححه بعدم الفرق بين مرضه ومرضها". البحر: ۱۵۳/۳ (۲)۔

اگر شوہر نامرد ہے تو اس کی خلوت معتبر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱ھ۔

طلاق کے بعد مہر اور شوہر کے دیئے ہوئے زیور کا حکم

سوال [۵۹۳۰]: زوج نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی، اب اس کے پاس جو زیور نقرئی یا طلائی شوہر کی طرف سے دیا ہوا موجود ہے، اس کا حقدار شرعاً کون ہے؟ دوم یہ کہ عورت نے شوہر کو ایک عورت کے سامنے اپنے مہر اللہ واسطے معاف کردئے تھے، اس صورت میں وہ معاف ہوئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ زیور شوہر کی طرف سے عورت کو تملیکاً دیا گیا تھا تو وہ عورت کا ہے اور اگر عاریۃً دیا گیا تھا تو وہ عورت کا نہیں ہے بلکہ شوہر کا ہے۔ اور اگر دیتے وقت کوئی تصریح تملیک یا عاریت کی نہیں کی گئی تھی تو رواج اور عرف کا اعتبار ہوگا، اگر رواج تملیک کا ہے تو وہ زیور عورت کا ہے، اگر رواج عاریت کا ہے تو شوہر کا، اگر رواج دونوں طرح کا ہے اور گواہ عورت کے پاس تملیک کے موجود نہیں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، کذا فی

---

(۱) "ومفهومه أنها إن كانت في بيته، فلها النفقة.......... وحاصله أن المنقول في ظاهر الرواية وجوب النفقة للمريض، سواء كان قبل النقلة أو بعدها، وسواء كان يمكنه جماعها أو لا. الخ". (البحر الرائق، باب النفقة: ۳۰۷/۴، ۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب النفقة: ۴۹۰/۱، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۵۴۶/۱، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، باب المهر: ۲۶۷/۳، رشيديه)

الفتاوىٰ العالمكيرية، ص: ۳٤٠ (١) ردالمحتار: ٥٦١/٢ (٢)۔

اگر عورت کہتی ہے کہ مہر میں معاف کرچکی ہوں یا اس پر گواہ موجود ہوں گو ایک ہی ہو تو وہ مہر دیانۃً معاف ہوگیا اور قضاءً معاف ہونے کے لئے عورت کا اقرار، یا دو عادل مرد، یا ایک عادل مرد اور دو عورتیں گواہ ضروری ہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۳/۱۲/۲۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

نکاح اور مہر سے متعلق آٹھ سوالات

چار ماہ کی حاملہ سے عقدِ نکاح

سوال [۵۹۳۱]: زید کا نکاح نجمہ کے ساتھ ہوا، عقد کے دو ماہ بعد معلوم ہوا کہ نجمہ حاملہ ہے، لیڈیز

---

(۱) "وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند رفافها منها ديباج فلما زُفّت إليه أراد أن يسترد من المرأة، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك .... جهّز زوجها ثم زعم أن الذى دفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكى جهّزتنى به، أو قال الزوج ذلك بعد موتها .... وقال فى الواقعات إن كان العرف ظاهراً بمثله فى الجهاز كما فى ديارنا فالقول قول الزوج. الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر فى جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(۲) "و لو بعث إلى امرأته شيئاً ولم يذكر جهته عند الدفع غير جهة المهر كقوله: شمع أو حناء، ثم قال: إنه من المهر، لم يقبل، قنية، لوقوعه هديةً، فلا ينقلب مهراً (فقالت: هو): أى المبعوث هدية، وقال: هو من المهر أو من الكسوة أو عارية، فالقول له بيمينه، الخ". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۱۵۱/۳، سعيد)

(وكذا فى الهداية، باب المهر: ۳۳۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، باب المهر: ۳۷۹/۳، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) "وما سوى ذلك من الحقوق، يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصية". (الهداية، كتاب الشهادات: ۱۵۳/۳، ۱۵۴، إمداديه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۱۰۴/۷، رشيديه)

ڈاکٹر کے معائنہ سے بھی یہ ثابت ہوگیا۔ اس وقت نجمہ کو چھ ماہ کا حمل ہے، یعنی بوقتِ عقد نجمہ کو چار ماہ کا حمل تھا۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (کامل) کتب خانہ امدادیہ دیوبند، حصہ سوم وچہارم کے کتاب النکاح، فصلٌ فی المحرمات(۱)، امداد المفتین، ص: ۱۲۸، سوال نمبر: ۲۳۷، ۳۷۴ (۲)، کے مطابق زید کا نکاح نجمہ کے ساتھ ہوگیا، لیکن زید کو نجمہ سے وضعِ حمل تک وطی نہ کرنی چاہیے۔ لہٰذا دریافت طلب امور یہ ہیں:

حاملہ منکوحہ سے وطی اور مہر

سوال[۵۹۳۲]: ۱..... زید نے اس بات کے ظاہر ہونے سے قبل نجمہ سے وطی کی اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس بات کے ظاہر ہونے کے بعد بھی وطی کی، اب اس کا کیا حکم ہے؟

سوال[۵۹۳۳]: ۲..... زید نجمہ کو اپنے نکاح میں نہیں رکھنا چاہتا ہے، کیا اس صورت میں مہر ہوگا، جب کہ نجمہ کے حاملہ ہوتے ہوئے یہ نکاح پڑھایا گیا؟

مہر قسطوار بھی دیا جاسکتا ہے

سوال[۵۹۳۴]: ۳..... مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا، اس وقت زید کی حالت ایسی نہیں ہے کہ ایک مشت ادا کرسکے۔ اس کے لئے کیا جائز ہے؟

جو کچھ زوجہ کو دیا مہر وغیرہ بعد طلاق واپسی کا حق نہیں

سوال[۵۹۳۵]: ۴..... عقد میں کپڑے، زیورات اور دوسرے اخراجات جو نجمہ کے والدین کے

---

(۱) ''حاملہ عن الزنا کا نکاح درست ہے، خواہ اس سے ہے جس کا حمل ہے یا دوسرے شخص سے، لیکن اگر دوسرے شخص سے نکاح ہو تو نکاح صحیح ہوگا، لیکن جب تک وضعِ حمل نہ ہو صحبت و جماع کرنا درست نہیں۔ فقط''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب النکاح، تیسرا باب، عنوان: حاملہ سے نکاح کرنا درست ہے خواہ حمل دوسرے کا ہو: ۱۴۲/۷، دارالاشاعت کراچی)

(۲) ''حاملہ من الزنا کا نکاح بحالتِ حمل جائز ہے اور جس کا حمل ہے اگر نکاح اسی سے ہوا ہے تو اس کو وضعِ حمل سے پہلے وطی کرنا بھی جائز ہے، البتہ اگر زانی سے نکاح ہوا ہے تو مرد کو تا وضعِ حمل وطی کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے: ''وصح نکاح حبلی من زنا، الخ. وإن حرم وطؤها و دواعیه حتی تضع لئلا یسقی ماؤه زرع غیره (فروع) لو نکحها الزانی حل له وطؤها إتفاقاً''. (والله اعلم) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند یعنی امداد المفتیین، کتاب النکاح، فصل فی الأنکحة الصحیحة والفاسدة، حاملہ من الزنا کا نکاح، ص: ۴۳۷، دارالإشاعت کراچی)

مطالبہ کے مطابق زید نے دیئے تھے، اس کے متعلق اب کیا حکم ہے، جب کہ اس وقت نجمہ کے والدین کو غلطی کی وجہ سے یہ پریشانی اور ذلت اٹھانی پڑی ہے؟

منکوحہ کے غیر سے حمل کا علم ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوا

سوال[۵۹۳۶]: ۵......کیا اب یہ نکاح فسخ ہوگیا؟

حبلیٰ مزنیہ کو طلاق

سوال[۵۹۳۷]: ۶......کیا وضع حمل سے قبل زید نجمہ کو تین طلاق دے سکتا ہے؟ کتاب نور الہدایہ، ص:۷ ترجمہ اردو شرح وقایہ جلد نمبر ۲ مطبوعہ جدیدی کانپور کے بعد کتاب النکاح ص:۸ پر تحریر ہے کہ (ص) ''اور جائز ہے، نکاح اس عورت سے جو حاملہ ہوئی زنا سے (ف) اور اسی پر فتوی ہے۔ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہے اور یہ اختلاف اس میں ہے کہ نکاح کرے اس سے غیر زانی اور جو زانی خود نکاح کرے تو بالاتفاق صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے''۔

مزنیہ حاملہ کو طلاق کے بعد کیا مہر کا حق ہے؟

سوال[۵۹۳۸]: ۷......شرح وقایہ کی مندرجہ بالا عبارت کے پیش نظر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا حکم ہے؟

۸......اگر نکاح فاسد ہے تو مہر کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زید توبہ واستغفار کرے (۱)۔

---

(۱) حمل عن الغیر ہونے کی صورت میں وضعِ حمل تک وطی درست نہیں، جب وطی کرلی تو ارتکابِ معصیت کی وجہ سے توبہ واستغفار ضروری ہے: ''واتفقوا علی أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ''. (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی)

(وكذا في روح المعاني تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

۲..... مہر پورا واجب ہے(۱)۔

۳..... بیوی کی رضامندی سے قسط وار بھی ادا کرنے کی اجازت ہے(۲)۔

۴..... جو اشیاء بطور تملیک دے چکا ہے اس کی واپسی کا کوئی حق نہیں اور جو کچھ اس سلسلہ میں خرچ

= وقال الله تعالى: ﴿وتوبوا إلى الله جميعاً أيُّهَ المؤمنون لعلكم تفلحون﴾ (سورة النور: ۳۱)

وقال الله تعالى: ﴿ياأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال العلامة الآلوسي عليه رحمه الباري: "التوبة مااستجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لا يعود إلى مثلها أبداً ... وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (تفسير روح المعاني، سورة التحريم: ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) خلوتِ صحیحہ ہونے کی وجہ سے مہر پورا ادا کرنا واجب ہے: "ثم راه منقولاً عن الخصاف أن الخلوة لم تقم مقام الوطء إلا في حق تكميل المهر ووجوب العدة .... (قوله: وفي تأكد المهر): أى في خلوة النكاح الصحيح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في أحكام الخلوة: ۱۱۸/۳، سعيد)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۳۰۳/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن بينوا قدر المعجل، يعجل ذلك. وإن لم يبينوا شيئاً، ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر، فيجعل ذلك معجلاً، و لا يقدر بالربع و لا بالخمس، وإنما ينظر إلى المتعارف. وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر، يجعل الكل معجلاً، ويترك العرف، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، باب المهر، الفصل الحادى عشر في منع المرأة نفسها مهرها، الخ: ۳۱۸/۱، رشيديه)

قال الحصكفي رحمه الله تعالى: "إن لم يؤجل أو يعجل كله، فكما شرط؛ لأن الصريح يفوق الدلالة". (الدر المختار، مطلب في منع الزوجة نفسها بقبض المهر: ۱۴۴/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳۱۰/۳، رشيديه)

کر چکا ہے اس کو بھی واپس نہیں لے سکتا(۱)۔

۵......سوال میں درج کردہ حالات سے نکاح فسخ نہیں ہوا(۲)۔

۶......طلاق دے گا تو واقع ہوجائے گی(۳)۔

۷......نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ سے جو مسئلہ ہدایہ کے حوالہ سے تحریر کردہ ہے آپ نے نقل کیا وہ صحیح ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ نہیں ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ آپ نے خود بھی نقل کیا ہے۔ اس اختلاف کے باوجود وہ بیوی بھی سب کے نزدیک نفقہ کی مستحق ہے جب کہ شوہر اس سے وطی کر چکا ہے، اور اس کے حمل کا حال معلوم ہونے کے بعد بھی وطی کر چکا ہے اور مہر

---

(۱) "وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج، فلما زُفّت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك، كذا في الفصول العمادية". (الفتاویٰ العالمكيرية: الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(۲) نکاح دو وجوہ سے فسخ نہیں ہوا: پہلی وجہ یہ ہے کہ حبلی من الزنا سے نکاح درست ہے اگرچہ وضع حمل عن الغیر تک وطی درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح لفظِ مخصوص (طلاق وغیرہ) کے ساتھ ختم ہوتا ہے: "وصح نكاح حبلى من زنا لاحبلى من غيره، وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذافي مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"الطلاق .... رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص". (الدرالمختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۶، ۲۲۷، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(۳) "و طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في التنوير مع الدر المختار: ۳/۲۳۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۱۸۷، كتاب الطلاق، دارالكتب العلميه بيروت)

بھی لازم ہے۔ نکاحِ فاسد میں وطی سے پہلے حکم مرتب نہیں ہوتا، وطی کے بعد اس پر نکاح کا وہی حکم مرتب ہوتا ہے جو نکاح صحیح پر مرتب ہوتا ہے، یعنی مہر لازم ہوتا ہے(۱)، بیوی کا نفقہ اور سکنی واجب ہوتا ہے(۲)، اولاد پیدا

---

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد، وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود بالوطء في القبل". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۳۱/۳، ۱۳۲، سعيد)

"وإذا فرق القاضي بين الزوجين في النكاح الفاسد قبل الدخول فلا مهر لها .... فإن دخل بها فلها مهر مثلها ولا يزاد على المسمى عندنا". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۳۲/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳۳۰/۱، رشيديه)

"إذا وقع النكاح فاسداً، فرق القاضي بين الزوج والمرأة .... وإن كان قد دخل بها، فلها الأقل مما سُمّي لها، و من مهر مثلها". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۰/۱، الباب الثامن في النكاح الفاسد، رشيديه)

(وكذا في التنوير مع الدر المختار: ۱۳۱/۳، باب المهر، سعيد)

(وكذا في التاتارخانيه: ۱۱/۳، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "مصنف علام کا نکاحِ فاسد میں نفقہ اور سکنی واجب قرار دینا محلِ تردد ہے، کیونکہ تقریباً اکثر کتبِ متداولہ میں نکاحِ فاسد میں نفقہ اور سکنی کے وجوب کی نفی کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"قال: و لا نفقة في النكاح الفاسد و لا في العدة منه". (الفتاوى العالمكيرية: ۵۴۷/۱، كتاب الطلاق، الباب السابع في النفقات، رشيديه)

"وعدة الوفاة لا تجب في النكاح الفاسد، و لانفقة". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۰/۱، الباب الثامن في النكاح الفاسد و أحكامه، رشيديه)

"فتجب (النفقة) للزوجة بنكاح صحيح". (الدرالمختار). "(قوله: بنكاح صحيح) فلا نفقة على مسلم في نكاح فاسد، لانعدام سبب الوجوب، وهوحق الحبس الثابت للزوج عليها بالنكاح، وكذا في عدته". (ردالمحتار، باب النفقات، مطلب: اللفظ جامد و مشتق، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۱۹۰/۴، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچی)

"وأجمعوا أن في النكاح بغير شهود تستحق النفقة، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية،=

ہونے پر نسب ثابت ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کے اندر تصریح ہے(۱) لہذا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر (فتویٰ ہونے کے باوجود) زید کے لئے یہ سہولت نہیں کہ مہر ساقط ہوجائے (۲)۔

۸...... وطی کرلینے کی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مہر لازم ہوگا، اتنی بات ضروری ہے کہ اگر مہرِ مثل اس کا چار ہزار سے کم ہے تو چار ہزار لازم نہیں ہوگا، بلکہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔ اگر مہر مثل چار ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو چار ہزار لازم ہوگا، چونکہ فتویٰ اس قول پر نہیں اس لئے اس قول سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں، پورے مہر کی ادائیگی لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں نکاح فاسد کے احکام مذکور ہیں (۳)۔

= كتاب الطلاق، الباب السابع في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوج: ۱/۵۴۷، رشيديه)

(۱) "ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد، وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

"فظاهر أنهما لايحدان وأن النسب يثبت فيه والعدة إن دخل، بحر". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، سعيد)

"وإذا فرّق القاضي بين الزوجين في النكاح الفاسد .... ويثبت نسب ولدها؛ لأن النسب يحتاط في إثباته إحياءً للولد، فيترتب على الثابت من وجه وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۳۳۲، ۳۳۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وإذا وقع النكاح فاسداً .... وإن كان قد دخل بها، فلها الأقل مما سمي لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى، وإن لم يكن ثمة فلها مهر المثل .... و يثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد، وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوى .... و في رواية (عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ) يثبت النسب و يجب المهر والعدة، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في النكاح الفاسد: ۳/۶۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإذا وقع النكاح فاسداً .... وإن كان قد دخل بها، فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها إن كان ثمة مسمى، وإن لم يكن ثمة فلها مهر المثل .... و يثبت نسب الولد المولود في النكاح =

تنبیه: زید کو یہ معلوم ہونے پر کہ بیوی غیر سے حاملہ ہے، اس سے وطی کر چکا ہے اور کوئی کراہت نہیں کی اور اس کی عزت وشرافت نے اس کو بخوشی گوارہ کرلیا تو اب طلاق دے کر کیوں یہ سب پریشانیاں اپنے سر مول لے رہا ہے، کسی نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ اگر نکاح میں آنے کے بعد بھی کسی کی بیوی ایسے جرم کا ارتکاب کرے تب بھی اس کو طلاق دینا واجب نہیں ہے، اگر طلاق دے گا، مہر ساقط نہیں ہوگا، درمختار میں ہے: " لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الفاسد، وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوى ...... و في رواية (عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ) يثبت النسب و يجب المهر والعدة، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في النكاح الفاسد: ۳/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، فصل في البيع: ۴/۲۱۱، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۵/۳۷۲، رشيديه)

فصل فی الجهاز وأخذ المال بالنكاح

(جہیز اور نکاح پر رقم لینے کا بیان)

جہیز کس کی ملک ہوتا ہے؟

سوال [۵۹۳۹]: زید کے باپ ودادا نے زید کی بہن ہندہ کا نکاح بکر کیساتھ کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد بارات بلا کر بوقتِ رخصت بکر کو کچھ روپیہ نقد اور کچھ برتن وغیرہ دے دیا، اس کے بعد جب ہندہ بکر کے یہاں رہنے لگی تو برتن وغیرہ استعمال میں رکھا۔ عرصہ تقریباً دس سال ہوا کہ ہندہ بکر کے یہاں رہتی رہی، اس درمیان میں ہندہ کے تین بچے پیدا ہوگئے: دو لڑکی ایک لڑکا، جس میں ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اب زید بکر ہندہ میں نااتفاقی ہوگئی، بکر نے ہندہ اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مہر ادا کر دیا اور جو زیور ہندہ کے لئے موجود تھا وہ بھی دیدیا۔ اب زید کہتا ہے کہ جو نقد اور برتن میرے دادا اور والد نے دیا تھا وہ ہندہ کو ملنا چاہیے، حالانکہ زید کے باپ دادا عرصہ ہوا قضا کر گئے اور برتن وغیرہ بھی ہندہ کے استعمال سے ٹوٹ پھوٹ گئے، روپیہ سامان ضرورت مہیا کرنے میں خرچ ہوگیا اور اسی لیے ملا تھا، بطورِ امانت نہیں ملا تھا۔

اور ہمارے یہاں بھی رواج ہے کہ مہر اور زیورات دے کر جدا کر دے، کوئی چیز واپس نہیں ملتی۔ اور بکر کہتا ہے کہ سب چیزیں مجھ کو تملیکاً ملی تھیں، واپس کرنے کی ضرورت نہیں اور استدلال کرتا ہے، شامی: ۲/ ۳۶۷ کی عبارت: "والمعتمد البناء علی العرف" (۱) سے۔ اور زید کہتا ہے کہ تمام چیزیں ہندہ کی ملک ہیں اور دلیل میں یہ بھی شامی کی: ۲/ ۳۶۸ کی عبارت کی پیش کرتا ہے: "إن الجهاز للمرأة، إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها" (۲). ان میں کس کا قول درست ہے۔ بینوا توجروا

محمد یٰسین، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڈھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۳/ ۱۵۷، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في دعوى الأدب أن الجهاز عارية: ۳/ ۱۵۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر روپیہ وغیرہ دیتے وقت زید کے باپ دادا نے تصریح کردی تھی کہ یہ مِلک نہیں بلکہ عاریت ہے اور پھر واپس لے لوں گا، تب تو یقیناً بکر اس کا مالک نہیں، نہ ہندہ مالک ہے، بلکہ وہ دینے والے کی ملک ہے، اس کے مرجانے کے بعد باقاعدہ اس میں میراث جاری ہوگی۔ اور اگر دیتے وقت مِلک کی تصریح کردی تھی تو جس کی ملک کی تصریح کی تھی بکر کی یا ہندہ کی تو اس کی ملک ہے، کسی اَور کو مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اگر کسی چیز کی تصریح نہیں کی تو پھر عرف پر مدار ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ اگر عورت کا باپ اشراف میں سے ہے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے جہیز تملیکاً نہیں دیا بلکہ عاریۃً دیا ہے شرعاً معتبر نہیں: "واستحسن في النهر تبعاً لقاضي خان أن الأب إن كان من الأشراف لم يقبل قوله: إنه عارية، اهـ". درمختار(١)۔

"رجل جهز ابنته بماله فوجه بنته مع الجهاز إلىٰ زوجها، فماتت الابنة، فادعىٰ الأب أنه كان عاريةً (والزوج يدعي الملك) اختلفوافيه، فقال بعضهم: القول قول الأب؛ لأنه هوالدافع والمملك .... وينبغي أن يكون الجواب على التفصيل: إن كان الأب من الكرام والأشراف، لا يقبل قول الأب؛ لأن مثله يأنف عن الإعارة. وإن كان من أوساط الناس، يكون القول قول الأب؛ لأنه هو الدافع، وليس بمكذب فيما قال من حيث الظاهر، كذا في فتاوىٰ قاضي خان، اهـ". عالمگیری(٢)۔

شامی کی عبارت: "إن الجهاز للمرأة، إذا طلقها تأخذه كلها، اهـ".(٣) درحقیقت اس امر

---

(١) (الدر المختار، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ١٥٧/٣، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ٢٦٥/٢، إمداديه ملتان)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ٤٠٢/٤، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، باب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده والهبة للصغير: ٢٨٠/٣، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ١٥٦/٣، ١٥٧، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المهر: ٣٨٠/٣، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب المهر: ٥٨٢/٢، ٥٨٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ١٥٨/٣، سعيد)

کے لئے ہے کہ جب باپ نے اپنی لڑکی کو بلا جہیز رخصت کر دیا تو زوج کو اس کے باپ سے شرعاً مطالبہ کا حق حاصل ہے، لیکن ''بزازیہ'' میں تصریح کی ہے کہ باپ سے مطالبہ کا حق حاصل نہیں، کیوں کہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا، دیکھو اگر شوہر طلاق دے تو عورت کل جہیز لے لیتی ہے، شوہر کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا اور شوہر مہر کی زیادتی یا نفسِ نکاح جہیز کی وجہ سے کرتا ہی نہیں، پھر اس کو جہیز کے مطالبہ کا حق کیوں کر حاصل ہے(۱)، اس میں اس کی بحث ہی نہیں کہ وہ جہیز باپ کی ملک ہوتا ہے یا عورت کی ملک۔ اور صورت مسئولہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ روپیہ وغیرہ بطورِ جہیز نہ دیا ہو بلکہ زید کے باپ دادا نے بکر ہی کو دیا ہو اور اس صورت میں اقرب واظہر یہ ہے کہ تملیکاً ہی دیا ہوگا، نیز روپیہ میں عاریت کہنا تو بہت دشوار ہے، البتہ قرض ہوسکتا ہے مگر موقوف ہے ثبوت پر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۵/شوال/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۵/۱۰/ ۵۸ھ۔

جہیز کی نمائش

سوال[۵۹۴۰]: موجودہ دور میں جبکہ بدنیتی، بے ایمانی عام ہے، اگر سامانِ جہیز دولہا کے اعزہ واقارب اور بستی کے ثقہ لوگوں کو دکھایا جائے تو کیا حرج ہے، تاکہ وقتِ ضرورت شہادت دے سکیں، یا سامان رکھ کر دکھا کر فہرست بنا کر اس پر لڑکے کے دستخط لے لئے جائیں تاکہ طلاق یا نزاع کے وقت وہ لڑکی کے لئے ڈھال بن سکے؟ یا آپ کوئی حل پیش فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان افسوسناک حالات میں چوراہے پر جہیز لانے اور دکھانے کی ضرورت نہیں، فہرست مرتب کر کے خاندان کے بااثر حضرات کے دستخط کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/ ۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) "وقال الإمام المرغيناني: الصحيح أنه لا يرجع على أب المرأة بشيئ؛ لأن المال في النكاح غير مقصود". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ۲/۲۶۵، إمداديه ملتان)

طلاق پر شوہر کو دی ہوئی اشیاء کی واپسی کا حق

سوال[۵۹۴۱]: ۱..... میرا عقد معین الدین سے ہوا تھا، چھ ماہ تک حالات خوشگوار رہے، اس کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے تُرش رُوئی اختیار کی۔ اخیر میں نوبت یہاں تک پہونچی کہ میرے شوہر مذکور نے سہ بار طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری میرے نام روانہ کی، طلاق کے بعد میں والدین کے پاس رہی۔ پنچ کمیٹی نے میرے شوہر کو طلب کر کے یہ فیصلہ کیا کہ رقمِ مہر اور سامانِ جہیز میرے شوہر سے واپس دلوادیا، لیکن دیگر امور کی حد تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آیا میں رقمِ عدت پانے کی مستحق ہوں یا نہیں؟

۲..... رقم پارچہ مبلغ چار سو روپے جو نوشہ کے لئے دیئے گئے تھے۔

۳..... اخراجاتِ شادی تناول طعام وغیرہ پانچ صد روپے۔

۴..... اخراجاتِ زچگی دو صد روپے۔

۵..... لڑکی کتنے عرصہ تک میرے پاس رہ سکتی ہے؟ اور فی ماہ کیا اخراجات واجب الادا ہو سکتے ہیں؟

۶..... نوشہ کو سلامی مَردوں اور عورتوں کی طرف سے۔

۷..... نوشہ کے والدین کو کپڑے مبلغ پچاس روپے۔

۸..... نوشہ کو بوقتِ عید الاضحیٰ و عید الفطر سلامی وغیرہ ساٹھ روپے۔

۹..... نوشہ کے والدین نے بوقتِ شادی چھ تولہ چندن ہار تحفۃً مجھے پہنائے تھے، وہ زیور مجھ سے چھین لئے۔

۱۰..... ایک جوڑ چین نقرئی چودہ تولہ بوقتِ شادی تحفۃً مجھے دیئے تھے، یہ زیور مجھ سے واپس لے لئے۔

۱۱..... اس وقت میں ایامِ زچگی میں ہوں، میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور میری زندگی برباد کر دی گئی۔

آیا میں ہرجانہ رقم چھ ہزار روپے پانے کی مستحق ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔

۲..... وہ واپس لینے کا حق نہیں

۳.....وہ بھی واپس لینے کا حق نہیں۔

۴...... عدت شوہر کے مکان پر ہوتی تو یہ اخراجات خود ہی شوہر دیتا، اب اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا(۱)۔

۵......لڑکی بالغ ہونے تک والدہ کے پاس رہے گی جب کہ والدہ کسی غیر جگہ اپنا نکاح نہ کرے(۲)

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها النبى إذا طلقتم النساء فطلّقوهن لعدتهن وأحصوا العدة واتقوا الله ربكم، لاتخرجوهنّ من بيوتهنّ ولايخرجن إلا أن يأتين بفاحشةٍ مبيّنة، وتلك حدود الله، ومن يتعدّ حدود الله فقد ظلم نفسه، لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً﴾. (سورة الطلاق: ۱)

"قال: النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمةً كانت أو كافرةً، إذا سلّمت نفسها إلى منزله، فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها". (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۳۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان) .

"وإذا طلق الرجل امرأته، فلها النفقة والسكنى فى عدتها، رجعيًا كان أو بائناً". (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۴۳/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ: المعتدة إذا وجبت لها النفقة كانت لها فى العدة بمنزلة الزوجة التى لم تطلق، فما وجب للزوجة التى لم تطلق من النفقة، فكذلك للمعتدة مادامت فى العدة .... أوحبست المعتدة فى الدين، أو خرجت للحج؛ لأنه لما فات حقيقة الاحتباس لهذه الأسباب، فإنّ منفعته صيانة ماء الزوج، فلا يستحق النفقة". (المحيط البرهانى، كتاب النفقات، الفصل الثانى فى نفقة المطلقات، النوع الثانى فى الأسباب المسقطة لهذه النفقة: ۱۳۹/۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن﴾ وهذا يدل على أن الولد، وإن فطم فالأم أحق بحضانته؛ لفضل حنوّها وشفقتها، وإنما تكون أحق بالحضانة إذا لم تتزوج على مايأتى". (أحكام القرآن للقرطبى، سورة البقرة: ۱۰۹/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"(ومن نكحت غير محرم سقط حقها): أى غيرى ذى محرم من الصغير كالأم إذا تزوجت بأجنبى منه. لقوله عليه السلام: "أنت أحق به مالم تتزوجى". لأن زوج الأم إذا كان أجنبياً يعطيه نزراً، وينظر إليه شزراً، فلا نظر له". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۲۸۵/۴، رشيديه)

"وأما الجارية: فهى أحق بها حتى تحيض .... فتترك فى يد الأم، بل تمس الحاجة إلى الترك فى يدها إلى وقت البلوغ لحاجتها إلى تعلم آداب النساء والتخلق بأخلاقهن وخدمة البيت، =

اورخرچہ حسبِ حیثیت والد کے ذمہ ہے(۱)۔دودھ پلانے کا کوئی معاوضہ نہیں، اِلا یہ کہ مستقل معاملہ طے کرلیا جائے۔

۶، ۷، ۸......ان میں سے کوئی چیز واپس لینے کا حق نہیں۔

۹، ۱۰......اگر وہ آپ کی مِلک کردیئے تھے تو آپ سے زبردستی چھین لینے کا حق نہیں رہا تھا۔

۱۱......نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۸۶ھ۔

وقتِ رخصتی جو کچھ شوہر سے خرچ کرایا گیا اس کی واپسی

سوال[۵۹۴۲]: خاوند اپنی عورت کو طلاق اس شرط پر دیتا ہے کہ جو روپیہ عورت کے باپ نے بطورِ رشوت لیا ہے اور جو اس کا خرچ موقع نکاح پر ہوا ہے وہ تمام وصول کرے اور ساتھ لڑکا بھی اس کو مل جائے۔ یہ اس کا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا، ۸/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ بطورِ رشوت عورت کے باپ نے شوہر سے لیا ہے اس کی واپسی بہرصورت واجب ہے(۲)

= ولا يحصل ذلك إلا وأن تكون عند الأم، ثم بعد ما حاضت أو بلغت عند الأم حد الشهوة، تقع الحاجة إلى حمايتها وصيانتها وحفظها عمن يطمع فيها؛ لكونها لحماً على وضم، فلا بد ممن يذب عنها، والرجال على ذلك أقدر". (بدائع الصنائع، كتاب الحضانة، فصل في وقت الحضانة من قبل النساء: ۵/ ۲۱۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "الحضانة .... للأم: أي لأم الصغير مالم يستغن، ونفقتها على الأب حياً وعلى ذي رحم الصغير على قدر الإرث ميتاً". (جامع الرموز، كتاب الطلاق، فصل الحضانة: ۲/ ۵۹۰، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(۲) "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". (الدر المختار، باب المهر، =

خواہ طلاق دے یا نہ دے۔اور جو روپیہ شوہر نے خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ کرنا طلاق دینے کے لئے شرعاً درست ہے جبکہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اور اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۴/۸ھ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/۴/۶۴ھ۔

شادی میں بَری کس کی ملک ہے؟

سوال[۵۹۴۳]: بوقتِ نکاح لڑکی کے والدین جو زیور وغیرہ دیتے ہیں وہ تو جہیز کہلاتا ہے اور منکوحہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے شرعاً وعرفاً، لیکن اس موقع پر شوہر کی طرف سے جو کپڑے زیور وغیرہ دیئے جاتے ہیں جس کو اردو میں ''بَری'' کہتے ہیں، فقہاء اس کو کس لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں؟ اور بعد نکاح یہ بری کی اشیاء کس کی ملکیت میں محسوب ہوتی ہیں؟ آیا بطورِ ہبہ کے عورت کی ملکیت میں آجاتی ہیں یا شوہر کی ملکیت رہتی ہیں اور عورت کے پاس بطور عاریت کے رہتی ہیں، تفریق بموت یا طلاق کی صورت میں ان کا مستحق کون ہے؟ براہ نوازش ماخذ جواب کی عبارت مع حوالہ کتب وصفحہ ارقام فرمائیں تاکہ بوقتِ ضرورت مراجعت بھی کی جاسکے، اگر مدار عرف پر ہے تو اس کا ثبوت اور یوپی کے عرف کی تشریح بھی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں بھی عرف پر مدار ہے، اگر دیتے وقت کوئی تصریح نہ ہو تو عرف پر مدار ہے۔ یوپی میں خاندانوں کے اعتبار سے مختلف ہے، ہمارے خاندان میں جہیز اور بری سب کچھ لڑکی کا ہی شمار ہوتا ہے، تفریق بموتِ زوجہ کی

= مطلب أنفق على معتدة الغير: ۱۵۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، الثاني عشر في المهر، نوع آخر: ۱۳۶/۴، رشيديه)

(۱) "وشرطه شرط الطلاق، وحكمه وقوع الطلاق البائن، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۴۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الخلع: ۱۲۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب الخلع، مطلب: ألفاظ الخلع خمسة: ۴۴۴/۳، سعيد)

صورت میں شوہر مالک نہیں ہوتا،"إلا بقدر الإرث" اور طلاق کی صورت میں کلیۃً زوجہ بدستور مالک رہتی ہے۔ بعض خاندانوں میں شوہر بری واپس لے لیتا ہے:

"ولو بعث إلى امرأته شيئاً: أى من النقدين أوالعروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها. (ولم يذكر، الخ)المراد أنه لم يذكر المهرولاغيره، فقادت هو: أى المبعوث هدية، وقال: هو من المهرأو من الكسوة أو عارية، فالقول له بيمينه، والبينة لها، فإن حلف والمبعوث قائم، فلهاأن ترده وترجع بباقي المهر. ولو عوضته، ثم ادّعاه عاريةً، فلهاأن تسترد العوض من جنسه في غير المهيأ للأكل كثياب وشاة حية وسمن وعسل وما يبقى شهراً، والقول لها بيمينها في المهيأ له كخبز ولحم مشوى؛ لأن الظاهر يكذبه.

قال في الفتح: والذى يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذُكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها، يكون القول فيهاقول المراة؛ لأن المتعارف فى ذالك كله أن يرسله هديةً، والظاهر معها لا معه، ولا يكون القول قوله، إلا فى نحو الثياب والجارية، اهـ.

قلت: ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلى، وكذا مايعطيهامن ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى فى العرف صبحة، فإن كل ذلك تعورف فى زماننا كونه هديةً من المهر ولا سيما المسمىٰ صبحة، فإن الزوجة تعوضه عنها ثياباً ونحوها صبيحة العرس أيضاً، اهـ"۔ در مختار وشامی: ۲/ ۵۰۰، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة(۱)۔

وقال في بعض الفصل السادس عشر في جهاز البنت من باب المهر من الهندية: أى الفتاوى العالمكيرية: "وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها: منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك"(۲)۔

قال فى فتح القدير: ۲/ ۴۷۹: "وفى فتاوى سمرقند: بعث إليها هدايا عارية، وعوضته

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، ، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۳/ ۱۵۱-۱۵۳، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر فى جهاز البنت: ۱/ ۳۲۷، رشيديه)

المرأة ثم زفت إليه، ثم فارقها، وقال بعثنا إليك عاريةً وأراد أن يسترد وأرادت هی أن تسترد العوض، فالقول قوله في الحكم؛ لأنه أنكر التمليك، وإذا استرده تسترد هی ماعوضته"(۱)۔

والمسئلة مذكورة فی البحر الرائق:۳/۱۹۸(۲) والزيلعی:۲/۹۵۹ (۳)۔

شامی کی عبارت میں لفظ "صبيحة" کا مصداق "بری" ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

شادی کی امید پر دیا ہوا سامان واپس لینا

سوال[۵۹۴۴]: زید کی لڑکی کی منگنی حامد کے لڑکے سے طے ہوئی، منگنی کے بعد لڑکے نے کہا کہ لڑکی کو میں خود دیکھوں گا، اس پر زید نے اپنی لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردی۔ جو رقم اور سامان زید نے اس منگنی کے سلسلہ میں حامد کو دیا تھا وہ واپس ملنا چاہئے یا نہیں؟ یہ سوال پنچایت میں پیش کرنا ہے، اس لئے جوابی کارڈ ارسال ہے۔

احقر غلام جیلانی، مدرسہ بحر العلوم خلیل آباد بستی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو سامان اور روپیہ شادی کی امید پر دیا گیا تھا پھر شادی نہیں ہوئی، اس کو واپس لینا درست ہے جبکہ وہ موجود ہو، استعمال سے ختم نہ ہو گیا ہو:

قال العلامة الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: "خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها، فما بعث للصهر، يسترد عينه قائماً فقط، وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكاً؛ لأنه معاوضة ولم تتم، فجاز الاسترداد. كذا يسترد ما بعث هديةً، وهو قائم دون الهالك

---

(۱) (فتح القدير، باب المهر:۳/۳۸۰، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۲) (البحر الرائق، باب المهر:۳/۳۲۲، رشيديه)

(۳) (تبيين الحقائق، آخر باب المهر:۲/۵۸۱، ۵۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

والمستهلك؛ لأنه في معنى الهبة". كذا في الدر المختار، ص: ٣٦٤: ٢)(١)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۹ھ۔

نکاح نہ ہونیکی صورت میں منگنی پر دی ہوئی اشیاء کی واپسی

سوال[۵۹۴۵]: زید نے اپنے پسر خالد کی منگنی بکر کی دختر زینب سے کیا، ہمارے یہاں منگنی کی یہ صورت ہوتی ہے کہ لڑکی والا کچھ روپے مثلاً چودہ، یا پندرہ، یا سولہ روپے جیسی جس کی قدرت ہوتی ہے اور کچھ گلگلے (۲) یا بھیلی (۳) یا بتاشے وغیرہ لڑکے والے کے یہاں بھیجتا ہے، نیز لڑکے والا بھی ساڑی (۴) وکرتہ وغیرہ دیتا ہے۔ اگر بعد میں کسی وجہ سے خالد کا نکاح بکر کی دختر زینب سے نہ ہوسکا، بلکہ کسی وجہ سے دوسری جگہ کی دوسری لڑکی سے ہوگیا۔ تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا جو چیزیں دی اور لی گئیں ان کا واپس کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اس کا جواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

المستفتی: آفاق احمد غفرلہ الصمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال الشامي بعد ذكر الأقوال المختلفة وأيده في الجزئية في كتاب النفقات: "وأفتى به حيث سئل فيمن خطب امرأةً وأنفق عليها وعلمت أنه ينفق ليتزوجها فتزوجت غيره؟ فأجاب بأنه يرجع، واستشهد له بكلام قاضي خان المذكور وغيره، وقال: إنه ظاهر الوجه، فلا ينبغي أن يعدل عنه .... اهـ.

---

(١) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ١٥٣/٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ٣٢٤/٣، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر: ٥٨٢/٢، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "گلگلے: میٹھا پکوان"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) "بھیلی: گڑ کا گول ڈلا، جس کا وزن تین چار سیر کا ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۴۱، فیروز سنز)

(۴) "ساڑی: ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص:۷۶۳، فیروز سنز)

وعلى هذا فما يقع في قرى دمشق من أن الرجل يخطب امرأةً ويصير يكسوها ويهدى إليها في الأعياد ويعطيها دراهم للنفقة والمهر إلى أن يكمل المهر، فيعقد عليها ليلة الزفاف، فإذا أبت أن تتزوجه، ينبغي أن يرجع عليها بغير الهدية الهالكة على الأقوال الأربعة المارة؛ لأن ذلك مشروط بالتزوج، كما حققه قاضي خان فيما مر .... بعثت الصهرة إلى بيت الختن ثياباً لا رجوع لها بعده ولو قائمةً۔

ثم سئل، فقال: لها الرجوع لو قائماً. قال الزاهدی: والتوفيق أن البعث الأول قبل الزفاف، ثم حصل الزفاف، فهو كالهبة بشرط العوض، وقد حصل فلا ترجع، والثاني بعد الزفاف فترجع"(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کی طرف سے انکار ہو جائے تو لڑکے کو واپسی کا حق ہوتا ہے وہ بھی ان اشیاء کے متعلق جو باقی ہوں اور جو چیزیں ہلاک ہوگئیں ہوں ان کی واپسی کا حق نہیں اور صورتِ مسئولہ میں عورت کی طرف سے انکار ذکر نہیں کیا گیا، پس اگر لڑکی والے انکار کر چکے تھے تب تو ان اشیاء کو واپس لیا جا سکتا ہے جو کہ موجود ہوں اور جو ہلاک ہوگئیں ان کی واپسی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر لڑکی والوں نے انکار نہیں کیا تو ان سے کچھ واپس نہیں لیا جا سکتا ہے، وكذا يفهم مما ذكروا:

"خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء، ولم يزوجها أبوها، فما بعث للمهر يسترد عينه قائماً فقط، وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكاً؛ لأنه معاوضة ولم تتم، فجاز الاسترداد، وكذا يسترد ما بعث هديةً، وهو قائم دون الهالك والمستهلك؛ لأن فيه معنى الهبة". درمختار۔

"(قوله: ولم يزوجها أبوها) مثله ما إذا أبت أن تتزوجه وكانت كبيرةً، اه". طحطاوی: ۲/٦٦(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۷/ ۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۴، ۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۳۲۴، ۳۲۵، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب المهر، مطلب: لو بعث إلى زوجته شيئاً، ثم قال: إنه من =

جو سامان نکاح کے وقت دیا جائے وہ کس کی ملک ہے؟

سوال[۵۹۴۶]: ا......زید کا نکاح رقیہ کے ساتھ ہوا جس طرح سے لوگ بغیر تصریحِ ملکیت زیورات بیوی کو دیتے ہیں، اسی طرح زید کے ولی وسرپرستوں نے کچھ زیورات رقیہ کے پاس بھیجے جس سے رقیہ زیورات اپنے استعمال میں لا رہی ہے۔ زید کے سرپرستوں نے زبان سے کچھ تصریح نہیں کی، زیورات بطورِ رواج کے دیا، یا عاریت، یا امانت کے طور پر دیا، عدمِ تصریحِ رواج وعدمِ تصریحِ ملکیت کی صورت میں حدیث یا فقہ کی عبارت مع ترجمہ اردو لکھ کر صاف صاف بتلایا جائے کہ شرعاً زیورات کس کی ملکیت ہیں زید کی یا رقیہ کی؟

۲......اگر حدیث یا فقہ کی عبارت سے یہ ثابت ہو جائے کہ رواج کے اوپر عمل کیا جائے گا تو شوہر کے یہاں کا رواج دیکھا جائے گا، یا زوجہ کے یہاں کا؟ اور عدمِ رواج کی صورت میں زیور کس کی ملکیت میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲......شوہر یا اس کے ولی نے جو کچھ زیور دیا ہے اور اس میں تصریح ملک یا عاریت کی نہیں کی ہے، اس میں شوہر کے خاندان کا رواج معتبر ہوگا، کچھ رواج نہ ہو تو دینے والے کی نیت اور قول کا اعتبار ہوگا۔ ہمارے عرف میں یہ ہے کہ ایسی چیزیں زیور وغیرہ بطورِ ملک دی جاتی ہیں:

"وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها، منها ديباج، فلما زفت إليه، أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك، كذا في الفصول العمادية. جهز بنته وزوّجها، ثم زعم أن الذى دفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكي جهزتني به، أو قال الزوج ذلك بعد موتها، فالقول قولهما دون الأب.

وحكى عن عليّ السعدى أن القول قول الأب، وذكر مثله السرخسي، وأخذبه بعض

= المهر: ۲/۲٦، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر، مطلب فيما يرسله إلى الزوجة: ۳/۱۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۳۲۴، رشيديه)

المشائخ. وقال فی الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله فی الجهاز كما فی ديارنا، فالقول قول الزوج، وإن كان مشتركاً فالقول قول الأب، كذا فی التبيين. قال الصدر الشهيد: وهذا التفصيل هو المختار للفتوى، كذا فی النهر الفائق". عالمگیری: ١/٤٢٧(١)۔

اہل علم حضرات کے لئے جوکہ عربی عبارت کے طالب ہوں ترجمہ اردو میں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے ترجمہ نہیں کیا گیا، ان عبارات سے وہی مستفاد ہوتا ہے جواردو میں جواب لکھا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شادی کے موقع پرلڑکے کی طرف سے لڑکی کوزیور دینا

سوال[۵۹۴۷]: میری شادی کوایک سال کا عرصہ ہوگیا، رخصتی ابھی نہیں ہوئی ہے، اب رخصتی کے لئے لڑکی والے کہتے ہیں کہ زیوراور کچھ کپڑے لڑکی کے لئے لانے ہوں گے اورلڑکی والے اس جہیز کے منگانے پر بضد ہیں کہ ان کے گھر کی عورتیں کہتی ہیں کہ لڑکے والانہایت غریب ہے، اس کے پاس رکھا کیا ہے، لڑکی والے کولوگ طرح طرح سے بہکانے میں لگے ہیں۔ تو کیا کچھ زیوروغیرہ رخصتی سے چند یوم قبل خفیہ طور پر بھیج دیئے جائیں تا کہ نمائش نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دولہا کی طرف سے دولہن کو کچھ زیوروغیرہ دیا جائے تو یہ شرعاً ممنوع نہیں، بلکہ اگر وسعت ہوتو دینا چاہئے (۲)، البتہ اس پر اصراراور اس کا اعلان جونام ونمود کے لئے ہوتا ہے یہ ممنوع ہے (۳)، اگراس سے بچ

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت. ١/٣٢٧، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، : كتاب النكاح، باب المهر: ٢/٥٨٢، ٥٨٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر: ٢/٢٦٥، رشيديه)

(٢) "فقلت: تزوجنی فاطمة؟ قال: وعندک شئ؟ فقلت: فرسی وبدنی .... وأمرهم أن يجهزوها، فجعل لها سرير مشروط ووسادة من أدم حشوها ليف، وقال لعلی: إذا أتتک فلا تحدث شيئاً حتى آتيک". (شرح الزرقانی، باب ذكر تزويج علی بفاطمة رضی الله عنهما: ٢/٣٥٩، ٣٦٠، :عباس احمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا فی الإصابة، كتاب النساء، حرف الفاء: ٨/٢٦٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "أوالتزم كالتزام الملتزمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير =

کہ شادی سے کچھ پہلے یا عینِ شادی کے وقت یا بعد میں دیدیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۱۳۹۴ھ۔

مہر کے علاوہ کچھ رقم نکاح کے لئے شوہر پر ڈالنا

سوال[۵۹۴۸]: ایک منظم برادری کے کچھ لوگ برادری کے چودھری پر یہ الزام لگا کر دوسری برادری بنا لیتے ہیں کہ اس برادری کے چودھری نے ہماری قومی برادری کے اس شرعی فیصلہ کو کہ ناکح و منکوحہ کے اولیاء دینِ مہر کے علاوہ نکاح کے لئے روپیہ وغیرہ کا لین دین کو روا رکھے'' کیونکہ یہ شرعاً حرام اور سخت مذموم اور مشرکوں کی رسم ہے''، منسوخ کر دیا اور ایسے اشخاص سے جو اس لین دین کو روا رکھے شرعاً ترکِ موالات کرنا چاہئے۔ اور اس الزام سے چودھری کو نہایت رسوا اور بدنام کرتے ہیں جس سے ایک منظم برادری کے دو بڑے اور چھوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور باہمی تنازع ہو جاتا ہے۔

کچھ مدت کے بعد اس باہمی کشیدگی کو دور کرنے کے لئے اور معاملہ کی حقیقت سے برادری اور غیر برادری کے خواص و عوام کو خبردار کرنے کے لئے اور اپنے اپنے حقوق کو معلوم کرنے کے لئے علمائے دین کو مدعو کیا جاتا ہے اور فریقین عہد کرتے ہیں کہ علمائے دین کے سامنے ہم یہ معاملہ رکھیں گے، اس پر جو فیصلہ فرمادیں گے، ہم بطیبِ خاطر منظور کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے علماء نے ساری چیزوں پر غور کر کے فیصلہ سنایا کہ جس چودھری پر قدیمی پنچایت کے فیصلہ کی منسوخی اور معاملہ مناکحت میں دینِ مہر کے علاوہ اور روپیہ کے لین دین کو روا رکھنا اس کا الزام تھا، فریقِ مخالف نے اس کا کوئی شرعی ثبوت پیش نہیں کیا، لہٰذا وہ الزام سے بالکل بری ہے، جن لوگوں نے اس کو بدنام کیا وہ اس سے معافی مانگے جو سزا برادری تجویز کرے، اس کو منظور کرے۔

= مخصص .... مكروها" (مجموعه رسائل اللكهنوى، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"عن جندب رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، ومن يرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قديمی)

اس میں اور ذیل کے متعلق احکامِ شرعیہ مطلوب ہیں:

کیا ناکح اور منکوحہ کے اولیاء کو باہم رضامندی سے ان مباح رسومِ نکاح کے خرچ کے لئے جس کی ادائیگی پر ناکح کے اولیاء مُصر ہوں اور منکوحہ کے اولیاء اس کی ادائیگی کی بذاتِ خود استطاعت نہ رکھتے ہوں، دینِ مہر کے علاوہ کچھ روپیہ لینا دینا شرعاً حرام ہے اور ایسا لین دین کرنیوالے شرعاً ایسے مجرم ہیں کہ ان سے ترکِ موالات واجب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مباح پر اصرار کا کسی کو حق نہیں کیونکہ اصرار سے وہ ممنوع ہوجاتا ہے، صرح به الشامی فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیه وغیرہ(۱)۔ جو روپیہ بعض جگہ لڑکی والے طلب کرتے ہیں اور لڑکے والوں کو مجبوراً دینا پڑتا ہے اور بغیر اس روپیہ کے رخصت نہیں ہوتی تو یہ روپیہ لینا ناجائز ہے، کیونکہ وہ رشوت ہے، اس کی واپسی لازم ہوتی ہے:

"أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده، لأنه رشوة الخ". درمختار: ۲/ ۶۰۰(۲)۔

"وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". مشکوٰۃ، ص: ۲۵۵(۳)۔

---

(۱) "كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه، فهو مكروه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل شتى من الحظر والإباحة: ۲/۳۶۷، مطبعة الميمنية مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشكر: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۲) (الدر المختار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه، فليرده عليه". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، رشيديه)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۷)، ص: ۶۲، مكتبه حنيفه كوئٹه)

اگر یہ روپیہ اپنی خوشی سے دے تو بھی ناجائز ہے: "ومن السحت ما یؤخذ علی کل مباح". درمختار. "ومن السحت بالضم، الخ". رد المحتار: ۳۰۱/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وقتِ نکاح لڑکی کے باپ کو کچھ رقم دینا

سوال[۵۹۴۹]: نکاح ہو جانے پر لڑکے کا ولی لڑکی کے ولی کو دو روپیہ یا تین روپیہ دیتا ہے جس کو ہمارے اطراف میں بھینٹ کہتے ہیں۔ یہ بھی رشوت ہی میں داخل ہے یا اس کا کچھ اور حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رشوت ہے اس کا لینا اور دینا درست نہیں: "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". درمختار۔ "أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، اه". رد المحتار: ۵۰۳/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ربیع الثانی/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

نکاح کرانے میں سفر خرچ لڑکے سے لینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال[۵۹۵۰]: صوبہ بہار میں لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی کثرت ہے، لڑکی بالغ ہے لیکن لڑکا ملنا دشوار ہے، ہمارے یہاں سے ایک شخص ایسے آدمیوں کو لے جاتا ہے جو کافی عمر رسیدہ ہونے پر بھی شادی کی خوشی سے محروم ہیں، اور ان کو ادھر سے شادی کرا کر لے آتا ہے، لڑکی والے اتنی خستہ حالت میں ہیں کہ وہ شادی کا

---

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۴/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲۱۱/۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب النكاح، قبيل مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۶/۳، سعيد)

خرچہ لڑکے والے سے ہی لے کر کرتے ہیں، اور بیچ میں ثالث جو کہ لڑکے والوں کے ساتھ ان کو لے کر جاتا ہے، وہ اپنا کاروبار چھوڑتا ہے، کم ازکم پندرہ یوم وہاں پر رہتا ہے، وہ اپنا خرچہ طے کر لیتا ہے۔ اس پر بھی روشنی ڈالیں کہ غیر کفو میں بھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور ثالث کا لڑکے والے سے سفرِ خرچ کے علاوہ جو زیدروپے لیتا ہے وہ اسے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ خرچ لینا درست ہے جبکہ اس کے لئے سفر کیا ہو(۱)۔ غیر کفو میں ولی کی اجازت سے نکاح درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۴ھ۔

نکاح میں ہدیہ کا لین دین

سوال[۵۹۵۱]: نکاح کی بات چیت کے وقت جانبین نے کسی قسم کے لین دین کی کوئی شرط نہیں

---

(۱) "وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته كمفت وقاضي ووصي وعامل ومقاتلة قاموا بدفع العدو ومضارب سافر بمال مضاربه". (الدر المختار). "(قوله: ومضارب) فنفقته في مال المضاربة مادام مسافراً لاحتباسه لها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: اللفظ جامد ومشتق: ۵۷۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲۹۳/۴، رشيديه)

(۲) "وإنما تحل في الصورة الرابعة، وهي رضا الولي بغير الكفؤ مع علمه بأنه كذلك، اهـ .... إن الولي لو قال لها: أنا راض بما تفعلين أو زوجي نفسك ممن تختارين ونحوه أنه يكفي، وهو ظاهر الرواية؛ لأنه فوض الأمر إليها، ولأنه من باب الإسقاط". (رد المحتار: ۵۷/۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

"لايشترط مباشرة الولي للعقد، لأن رضاه بالزوج كاف". (البحر الرائق: ۱۹۴/۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

"وإذا زوّجت نفسها من غير كفؤ ورضي به أحد الأولياء، لم يكن لهذا الولي ولا لمن مثله أو دونه حق الفسخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۳/۱، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

کی، مگر عقد کے وقت من جانب لڑکی، اگر دولہا کو کچھ بھی دیدے تو یہ شرعاً حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں شرط نہ کی جائے اور اس لین دین کا دستور بھی نہ ہو اپنے ذہن میں یہ نہ سمجھتے ہوں کہ کچھ دیا جائے گا یا کچھ لیا جائے گا، پھر کوئی تازہ رشتہ کی بنیاد پر خوشی میں لڑکے کی طرف سے یا لڑکی کی طرف سے دیدے تو کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ان کے چچا کو کرتا مرحمت فرمایا تھا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۴۰۶ھ۔

نکاح پر مال کا مطالبہ

سوال [۵۹۵۲]: ہمارے یہاں یہ رسم ورواج ہے کہ شادی کے وقت لڑکا یا لڑکے کا ولی لڑکی والے

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لا يحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه فليرده عليه". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۸/۸، رشيديه)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۷)، ص: ۶۲، مكتبة حنفية كانسي روڈ كوئٹه)

(۲) "روى ابن شهاب الزهري أنه قيل لخويلد بن أسد بن عبدالعزى، وهو ثمل من الخمر: هذا ابن أخيك محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب يخطب خديجة وقد رضيت .... فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة ودخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بها، فلما صحا الشيخ من سكرته، قال: ماهذه الخلوق وماهذه الحلة؟ قالت ابنته أخت خديجة: هذه حلة كساكها ابن أخيك محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب أنكحته خديجة .... عن ابن عباس قال .... فزوجها إياه فخلقته وألبسته حلةً، وكذلك كانوا يصنعون إذا زوّجوا نساء هم". (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، بحث: تزوجه عليه السلام خديجة: ۲۶۴/۱، مؤسسة شعبان، بيروت)

سے کثیر مقدار میں رقم اور مال واسباب وصول کرتا ہے تب شادی کرتا ہے، اگر طے شدہ رقم ومال واسباب سے کچھ کم ملتا ہے تو شادی لڑکے والا نہیں کرتا۔ اس طرح سے لڑکی والا کافی حیران وپریشان رہتا ہے، اسے کفو ہی نہیں ملتا ہے، اگر ملتا بھی ہے تو لڑکے والے کی مانگ ومطالبہ پورا نہ کرنے کی بنا پر بالغ لڑکی گھر پر پڑی رہتی ہے۔

لڑکی کی شادی کرنے کی واحد صورت کثیر مقدار میں رقم ومال اسباب لڑکے والے کو جہیز کے طور پر دیتا ہے تو یہ سب بتایا جائے کہ لڑکی والے سے کثیر مقدار میں مال واسباب لے کر شادی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ رضا وخوشنودی سے اگر لڑکی والے نے نقد ومال واسباب لڑکے کو دیا تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مہر کثیر مقدار میں تجویز ہو تو اس کے موافق جہیز کا مطالبہ بھی درست ہوسکتا ہے، یہ بھی اس وقت ہے جبکہ نکاح کر دیا گیا ہو اور رخصت کرنے میں پس وپیش ہو، ورنہ محض نکاح کو اتنا روپیہ واسباب دینے پر موقوف کرنا اور شرط لگانا شبہ پیدا کرتا ہے کہ اصل مقصود مال واسباب ہے نہ کہ عقد نکاح اور عقد نکاح کو اس مال واسباب کی تحصیل کا ذریعہ بنایا جارہا ہے۔ یہ طریقہ تعلیماتِ اسلام کے خلاف ہے اور بیع کے مشابہ ہو کر مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود قرار دینا ہے:

"لو زفت إليه بلا جهاز يليق به، فله مطالبة الأب بالنقد، قنية. زاد في البحر عن المبتغىٰ: إلا إذا سكت طويلاً، فلا خصومة له. لكن في النهر عن البزازية: الصحيح أن لا يرجع على الأب بشيء؛ لأن المال في النكاح غير مقصود. تزوجها وأعطاها ثلاثة آلاف دينار الدستيمان وهي بنت موسر ولم يعط لها الأب جهازاً، أفتى الإمام جمال الدين وصاحب المحيط بأن له مطالبة الجهاز من الأب على قدر العرف والعادة وطلب الدستيمان، قال: وهذا اختيار الأئمة". درمختار وشامی: ۲/۵۰۵(۱)۔

جس صورت میں مطالبہ کا حق دیا گیا ہے، اس میں بھی علماء کا کلام ہے جس کو شامی نے صفحہ مذکورہ اور

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۱۵۸/۳، سعيد)

ص:۲/۸۱۸(۱) میں نقل کیا ہے، نفسِ نکاح پر کچھ لینا اور شرط لگانا ظاہر ہے کہ رشوت ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۲/۱۳۸۹ھ۔

شادی کے وقت داماد کے مطالبات، جہیز وغیرہ

سوال[۵۹۵۳]: مسماۃ بانو کے والدین اور اہلِ محلہ بکر کے خلافِ شرع فعلوں کی بناء پر ناخوش رہتے ہیں، بکر نے اپنے لڑکے کی شادی کے لئے کئی جگہ پیغام بھجوایا، مگر کسی نے اقرار نہ کیا، آخر کار حاجی شریف صاحب کے اصرار پر مسماۃ بانو کا نکاح بکر کے لڑکے زید کے ساتھ ہوگیا، مگر بکر اور اس کے لڑکے زید وغیرہ جہیز میں اس قدر سامان مانگ رہے تھے، مثلاً گھڑی، ریڈیو، سائیکل، صوفا سیٹ، وغیرہ اور مزید ایک ہزار روپیہ جو بانو کے والدین کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے انہوں نے عذر بیان کیا، مگر وہ لوگ اس پر اڑے رہے۔

بکر نے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کو دینا پڑے گا، نہیں تو وداعی نہیں ہوسکتی۔ کوئی صورت بنتی ہوئی نظر نہ آئی تو بانو کے والدین نے طلاق کی دراخوست کردی، اور دستی بیان بانو سے لے لیا گیا کہ وہ معاف کرتی ہے مگر زید نے پھر بھی کہا کہ میں طلاق اس وقت تک نہیں دوں گا، جب تک بانو کے والدین مجھے مہر کے علاوہ مبلغ ۱۰۰۰/ روپیہ نہ دیں گے، جس کی بناء پر اب دونوں میں نہایت کشیدگی بڑھ گئی۔ اس صورت میں کیا بانو کا دوسرا نکاح جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی یہ روش شرافت بلکہ انسانیت سے بھی گری ہوئی ہے، اس کا مطالبہ نہایت غلط ہے، رشوت ہے حرام ہے(۳)، اگر وہ اپنے مطالبہ سے باز نہیں آتا تو حاکم کی عدالت میں درخواست دی جائے، عدالت اس کو حاضر کر کے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز: ۳/۵۸۵، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۲۶۵، إمداديه ملتان)

(۲) "ومن السحت مايؤخذ على كل مباح". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۴، سعيد)

(۳) "ولو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: =

اس غلط مطالبہ کو ساقط کرادے، یا اس سے طلاق دلوادے، بعوض مہر خلع کرادے(۱)، یا تفریق کردے(۲)۔ اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو کم ازکم تین معزز دین دار مسلمانوں کی شرعی کمیٹی بنالی جائے جس میں ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شامل ہو، اس کمیٹی میں درخواست دی جائے، وہ کمیٹی الحیلۃ الناجزۃ میں لکھی ہوئی شرائط کے مطابق فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ معتبر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ۱/ ۳۲۷، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار: ۳/ ۵۱۶، باب المهر، مطلب: أنفق علی معتدة الغیر، سعید)

(و کذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/ ۱۳۶، الثانی عشر فی المهر، رشیدیه)

(۱) "إذا تشاق الزوجان، وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به، فإذا فعلا ذلک، وقعت تطلیقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه، رشیدیه)

(و کذا فی الهدایة: ۲/ ۴۰۴، باب الخلع، شرکة علمیه)

(و کذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۴۴۱، باب الخلع، سعید)

(۲) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح سے خاوند سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجودِ سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔......... اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیںگے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی صورت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں"۔ (الحیلة الناجزة، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجہ متعنت، دارالإشاعت کراچی)

بابٌ فی العروس والولیمة

(بارات اورولیمہ کا بیان)

بارات کا حکم

سوال[۵۹۵۴]: ۱...... بارات لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے یا نہیں؟

۲...... اگر دو چار آدمی لڑکے کی طرف سے نکاح کے لئے لڑکی کے گھر جائیں تو یہ بارات کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... مجلس عقد میں شرکت کی دعوت ثابت ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت آدمی بھیج کر بلانا "تاریخ الخمیس" میں مذکور ہے(۱)۔

۲...... اس کو عرفاً بارات نہیں کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "فلما زوّجه، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا علي! إنه لا بد للعروس من وليمة". فقال سعد: عندي كبش وجمع له رهط من الأنصار آصعا من ذرة، وكان ذلك وليمة عرسه". (تاريخ الخميس، باب تزوج عليّ بفاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: ۱/۳۶۲، بيروت)

"قال أنس: ثم دعاني عليه الصلاة والسلام بعد أيام فقال: "ادع لي أبابكر وعمر وعثمان وعبد الرحمن وعدةً من الأنصار". فلما اجتمعوا وأخذوا مجالسهم، وكان عليّ غائباً، الخ". (شرح العلامة الزرقاني، باب ذكر تزويج عليّ بفاطمة رضي الله عنهما: ۲/۳۶۲، عباس أحمد البازمكة المكرمة)

نکاح کے سال بھر بعد رخصتی

سوال[۵۹۵۵]: عام طور پر رواج ہے کہ نکاح کے ایک سال بعد یا اس سے کم وبیش مدت کے بعد رخصتی ہوتی ہے جس کو ''چالا'' کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ عقد اگر لڑکی نابالغہ ہو تو رخصت کے لئے بلوغ کا انتظار کرلیا جائے (۱)، لڑکی کی ضرورت کی چیزیں اس کو دینے میں مضائقہ نہیں (۲) تاکہ فوری طور پر وہاں پریشانی نہ ہو، دوچار احباب واعزہ بھی آجائیں تاکہ لڑکی کو عزت ومحبت کے ساتھ رخصت کریں تب بھی درست ہے۔ لڑکی کے بالغہ ہونے کے باوجود رخصتی میں سال بھر کی تاخیر لازم قرار دینا غلط ہے، اس کو ترک کیا جائے، نیز لڑکی کو جو کچھ دیا جائے اس کی تشہیر ونمائش نہ کی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۰ھ۔

لڑکے کے گھر جاکر نکاح

سوال[۵۹۵۶]: ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک زمیندار لڑکے کے ساتھ اس کے گھر جاکر

---

(۱) "وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي أن يأمر أبا المرأة بتسليم المرأة، فقال أبوها: إنها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع، وقال الزوج: بل هي تصلح وتطيق، ينظر: إن كانت ممن تخرج، أخرجها وأحضرها، وينظر إليها فإن صلحت للرجال أمر بدفعها إلى الزوج، وإن لم تصلح لم يأمره، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(۲) "عن علي رضي الله عنه، قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر الفرش". (سنن النسائي، كتاب النكاح، باب جهاز الرجل ابنته: ۲/۹۲، قديمي)

(وكذا في الإصابة، كتاب النساء، حرف الفاء: ۸/۲۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، ومن يرائي يرائي به. "متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قديمي)

کردیا، جائز شرائط کے ساتھ ہوا کہ وہاں لڑکے کے والدین اور لڑکا اور لڑکی کے والدین اور لڑکی اور مولوی صاحب جنھوں نے نکاح پڑھایا، لڑکے کے گھر جانے کی ضرورت یوں پڑی کہ برادری والے دوسری جگہ شادی کرانے پر بضد تھے۔ تو کیا یہ نکاح درست ہوگیا؟ برادری والے دوبارہ نکاح کو کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب لڑکا اور لڑکی اور دونوں کے والدین اور گواہ موجود تھے اور نکاح کا ایجاب وقبول سب کی رضامندی سے شریعت کے مطابق ہوا ہے، اگرچہ کسی کے مکان میں ہوا ہے تو بلاشبہ وہ شرعاً صحیح اور معتبر ہوگیا(۱)۔ برادری کا یہ کہنا کہ نکاح (ہماری سب کی موجودگی میں ہماری منشاء کے مطابق ہو) دوبارہ کیا جائے غلط اور بلاوجہ شرعی تنگ کرنا اور لڑکی کے والد کو مجبور کرنا کہ جہاں ہم کہیں وہاں نکاح کرو ظلم ہے، برادری کو لازم ہے کہ اپنی اصلاح کرے، ظلم سے باز آئے ورنہ اس کا وبال بہت سخت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۱ھ۔

نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہوجائے؟

سوال[۵۹۵۷]: میری جانکاری کے مطابق حضرت جی کا گجرات کا دورہ ہونے والا ہے، اس وقت میں اپنا نکاح حضرت جی سے پڑھوانا چاہتا ہوں۔ چھ، سات ماہ بعد میری بہن کی شادی ہونا طے پائی ہے، بہن کی شادی کے موقع پر اپنی بیوی کی رخصتی کرانا چاہتا ہوں، یعنی نکاح کے ۶، ۷/ ماہ بعد، فی الحال میری عمر ۲۶/ سال اور لڑکی کی عمر ۲۰/ سال ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ از روئے شرع نکاح کے بعد ۶، ۷/ ماہ روکے رکھنا جائز ہے یا

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " الظلم ظلمات يوم القيامة".

"وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء". رواه مسلم. وذكر حديث جابر: "اتقوا الظلم" في باب الإنفاق". (مشكوة المصابيح، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۳۵، قديمي)

نہیں؟ اور ایسا کرنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طرفین کی مصلحت پر موقوف ہے، شریعت کی طرف سے نہ پابندی ہے کہ ضرور روکا جائے، نہ ممانعت ہے کہ ہرگز نہ روکا جائے، بلکہ اگر حالات کا تقاضا روکنے کا ہوتو اس کی بھی اجازت ہے نہ روکنے کا ہوتو اس کی بھی اجازت ہے، شوہر کو نکاح کے بعد مطالبۂ رخصت کا بھی حق ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۰/۱۲/۹۱ھ۔

نکاح اور رخصتی کے درمیان کتنا فصل ہو؟

سوال[۵۹۵۸]: شادی کے بعد رخصتی کب ہونی چاہئے؟ کیا شادی کے بعد اسی دن رخصتی مسنون ہے؟ اگر مسنون ہے تو حوالۂ کتب لکھئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے بعد حسب مصالح رخصتی میں تاخیر بھی درست ہے(۲)، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی اور نکاح میں تین سال کا وقفہ ہوا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند، ۲۵/۶/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وإذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي أن يأمر أبا المرأة بتسليم المرأة، فقال أبوها: إنها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع، وقال الزوج: بل هي تصلح وتطيق، ينظر: إن كانت ممن تخرج أخرجها وأحضرها وينظر إليها، فإن صلحت للرجال أمر بدفعها إلى الزوج، وإن لم تصلح لم يأمره".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہو جائے گی"۔)

(۳) "عن هشام بن عروة، عن عروة: تزوج النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي ابنة ست، وبنى بها وهي ابنة تسع، ومكثت عنده تسع". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من بنى بامرأة وهي بنت تسع: ۲/۷۷۵، قديمي)

(وكذا في الإصابة في تمييز الصحابة، كتاب النساء، حرف العين: ۸/۲۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح الزرقاني، باب عائشة أم المؤمنين: ۴/۳۸۳، ۳۸۴، عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

شوہر کی بیماری کی وجہ سے رخصتی میں تاخیر

سوال[۵۹۵۹]: زید کا نکاح تقریباً تین سال پہلے ہوا تھا اور رخصتی ہونا بعد میں طے پائی تھی، نکاح کے وقت زید زیر تعلیم تھا، زید نے باہر رہ کر قریب ڈیڑھ سال تک تعلیم پوری کی۔ قبل اس کے کہ زید کے والدین زید کے سسرال والوں سے رخصتی کی تاریخ طے کرتے، تعلیم پوری کرنے کے بعد زید اچانک بیمار ہو گیا، اور قریب چھ ماہ بیمار رہا، کچھ دنوں اچھا رہنے کے بعد زید پھر بیمار پڑ گیا۔ اس بیچ زید کے سسرال نے اپنی بیٹی کی رخصتی کردینی چاہی، لیکن چونکہ زید بیمار تھا اور زیر علاج تھا، لہٰذا زید کے گھر والوں نے زید کے اچھا ہونے تک رخصتی ملتوی کردی۔ زید قریب ڈیڑھ سال تک اس طرح رہا کہ کبھی صحت یاب ہوا، کبھی بیمار۔

اب زید قریب عرصہ ۳/ ماہ سے بالکل ٹھیک ہے اور صحت میں دن بدن اضافہ ہے، زید کی صحت اور گھر کے حالات سازگار دیکھ کر زید کے والدین نے زید کے سسرال والوں سے رخصتی کی تاریخ مانگی تو لڑکی کے والدین سے یہ جواب ملا کہ ہم طلاق لیں گے، کیونکہ لڑکا ویسا نہیں جیسا کہ وہ پہلے صحت یاب تھا، لہٰذا اس بات کو پنچایت کے سپرد کیا گیا، اور دو پنچایت ہوئی، اس میں زید کے سسرال والوں نے پنچوں سے رخصتی کی معافی مانگتے ہوئے طلاق لینے کی بات کی، لڑکی بھی زید کی بیماری کی وجہ سے زید کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، فیصلہ اب بھی پنچایت کے ہاتھ میں ہے۔ زید نہ تو پاگل ہے، نہ دیوانہ ہے، نہ کوڑھی ہے اور نہ جسمانی کمزوری ہے، ایسے حالات میں پنچ فیصلہ شریعت کے قواعد کے خلاف اگر کر دیتے ہیں تو سب گنہگار رہوں گے، شریعت کے قانون سے پنچ ناواقف ہیں۔ ان حالات میں مسئلہ کیا کہتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان حالات میں طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ رخصتی کردی جائے (۱)، کیا بعید ہے کہ رخصتی کی

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داود: ۱/۲۹۶، كتاب الطلاق، سعيد)

"وأما وصفه: فهو أنه محظور نظراً إلى الأصل، ومباح نظراً إلى الحاجة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۲۸، كتاب الطلاق، سعيد)

برکت سے حق تعالیٰ عمدہ صحت وقوت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رخصتی سے قبل ولیمہ

سوال[۵۹۶۰]: شادی ہوجانے کے بعد بسا اوقات میاں بیوی کی پہلی ملاقات لڑکی کے میکے ہی میں ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں لڑکے والا اگر بغیر رخصتی کرائے اپنے گھر ولیمہ کردے تو مسنون ولیمہ ہوا یا نہیں؟ مسنون ولیمہ کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجتماعِ زوجین کے بعد جو دعوت کی جاتی ہے وہ ولیمہ ہے خواہ بنا کسی جگہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱۲/۲۴ھ۔

دعوتِ ولیمہ کی مدت

سوال[۵۹۶۱]: دعوتِ ولیمہ کی شرائط کیا ہیں، اس کی حد اور مدت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعوت ولیمہ شادی اور رخصتی سے تین روز تک ہوتی ہے، اس کے بعد نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۹/۱/۶ھ۔

---

(۱) "والمنقول من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنها بعد الدخول كانه يشير إلى قصة زينب بنت جحش، وقد ترجم عليه البيهقي بعد الدخول.......... وحديث أنس في هذا الباب صريح في أنها: أي الوليمة بعد الدخول". (إعلاء السنن، باب استحباب الوليمة وكون وقته بعد الدخول: ١١/١٠، ١١، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المصابيح، باب الوليمة، كتاب النكاح، الفصل الأول: ٦/٣٦٦، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٥/٣٤٣، رشيديه)

(٢) "قيل: إنها تكون بعد الدخول، وقيل: عند العقد، وقيل: عندهما، واستحب أصحاب مالك أن تكون سبعة أيام، والمختار أنه على قدر حال الزوج". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح باب الوليمة، =

شادی میں لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانا

سوال[۵۹۶۲]: زید لڑکی کے عقد میں اپنے عزیز واقارب میں کھانے کی دعوت کرتا ہے تو عمر کہتا ہے کہ لڑکی کی طرف سے کھانا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا لڑکی والوں کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ کیونکہ باراتی ہوٹل میں کھانا کھائیں اور لڑکی کے یہاں نہ کھائیں، یہ تو ہندوؤں کی رسم ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے، کہ ولیمہ لڑکا یا اس کے اولیاء کریں گے(۱)، لیکن جو لوگ لڑکی والے کے مکان پر مہمان آتے ہیں اور ان کا مقصود شادی میں شرکت کرنا ہے اور ان کو بلایا بھی گیا ہے تو آخر وہ کھانا کہاں جا کر کھائیں گے اور اپنے مہمان کو کھلانا تو شریعت کا حکم ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے(۲)۔ البتہ لڑکے والے کی طرح مقابلہ پر ولیمہ لڑکی کی طرف سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی

= الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۲۱۰): ۲/۳۶۶، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، باب بيان حكم الوليمة: ۴/۳۲، مكتبة إمدادية ملتان)

(وكذا في إعلاء السنن، باب إستحباب الوليمة وكون وقته بعد الدخول: ۱۱/۱۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(۱) "فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أولم ولو بشاة". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاة: ۲/۷۷۷، قديمي)

"الوليمة في أول يوم حق، وفي الثاني معروف، وفي الثالث رياء وسمعة .... عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "الوليمة حق وسنة" الحديث. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الوليمة حق: ۲۰/۲۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : .... "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه"". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه: ۲/۹۰۶، قديمي)

"والضيافة من سنن المرسلين وعباد الله الصالحين". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب حق الضيف: ۲۳/۲۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو بیٹی کا بھی خاطر کرنا ثابت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

اپنے یہاں تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت

سوال[۵۹۶۳]: کوئی ذی حیثیت آدمی اپنی دولڑکیوں کی شادی کرتا ہے، اپنی مخالفت نیز دورِ حاضر میں دیگر دوراندیشوں کے تحت انہیں شادی ہونے والی لڑکیوں سے ہی بارات کے دس پانچ آدمیوں کا کھانا بھی پکوانا چاہتا ہے، لیکن اتفاقاً ایسا ہوجاتا ہے کہ اس دن قدرتاً ایسا آپڑتا ہے کہ پاس ہی لڑکیوں کے باپ ذی حیثیت دوست کے لڑکے کی شادی کا ولیمہ اسی دن ہوتا ہے اور باراتی صاحبان کو کھانا ولیمہ کا کھلایا جاتا ہے۔تو یا کیا باراتی صاحبان یا لڑکیوں کے باپ کی عزت میں کوئی فرق آتا ہے، یا کوئی بدنما دھبہ کسی پر قائم ہوتا ہے، اور کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس ذی حیثیت دوست کے ساتھ لڑکیوں کے والد اور براتیوں کا محبت اور بے تکلفی کا تعلق ہے اور وہ اعزاز واکرام کے ساتھ لڑکیوں کے والد اور اس کے مہمان (باراتیوں) کی دعوت کرتا ہے، جس کو سب بخوشی منظور کرلیتے ہیں تو اس کی وجہ سے عزت میں فرق نہیں آئے گا، نہ کوئی بدنما دھبہ لگے گا، بلکہ داعی پر بھی ان کا احسان ہوگا کہ اپنی تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت ودعوت کو منظور کرلیا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن عائشة أم المؤمنين رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: مارأیت أحداً أشبه سمتاً ودلاً وهدیاً برسول اللہ فی قیامها وقعودها من فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، قالت: وکانت إذا دخلت علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قام إلیها فقبّلها وأجلسها فی مجلسه، وکان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إذا دخل علیها، قامت من مجلسها فقبلته وأجلسته فی مجلسها .... الخ". (جامع الترمذی، أبواب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها: ۲/۲۲۶، سعید)

(۲) "عن علی رضی اللہ تعالی عنه قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "للمسلم علی المسلم ستة بالمعروف: یسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاه". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی عیادة المریض، ص: ۱۰۳، قدیمی)

"أن تسلم علیه إذا لقیه، وتجیبه إذادعاک". (إحیاء علوم الدین، کتاب آداب الفقه والإخوة حقوق المسلم: ۲/۲۳۳، حقانیه پشاور)

"عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أمرنا النبی صلی اللہ علیه وسلم بسبع ونهانا عن سبع، أمرنا بعیادة المریض، وإجابة الداعی". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، ص: ۱۳۳، قدیمی)

کتاب الطلاق

طلاق کی تعریف

سوال[۵۹۶۴]: عندالشرع طلاق کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قیدِ نکاح کو الفاظِ مخصوصہ کے ذریعہ سے فی الحال یا فی المآل اٹھا دینے کو شرعاً طلاق کہتے ہیں:"هو رفع قيد النكاح في الحال و المآل بلفظ مخصوص". تنوير: ۲/ ۲۴۰(۱)۔فقط۔

طلاق کی قسمیں

سوال[۵۹۶۵]: طلاقِ رجعی، مغلظہ و بائنہ کی عندالشرع کیا تعریف ہے اور رجعت کے متعلق ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک طلاق یا دو طلاق اگر صریح الفاظ سے، یا قائم مقام صریح سے دیجائے تو اس میں شوہر کو عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور بعد عدت طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہوتا ہے، ایسی طلاق کو رجعی کہتے ہیں (۲)۔اور اگر الفاظِ کنایہ (جو قائم مقام صریح کے نہیں) سے طلاق دی جائے تو اس میں

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۳/ ۲۲۶، ۲۲۷، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۰، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحرا لرائق: ۳/ ۴۰۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲)"أما الصريح الرجعي: فهو أن يكون الطلاق بعد الدخول حقيقةً غير مقرون بعوض، و لا بعدد الثلاث، لا نصاً و لا إشارةً، و لا موصوفاً بصفة تنبىء عن البينونة". (بدائع الصنائع ۴/ ۲۴۰، كتاب =

رجعت کا اختیار نہیں رہتا، البتہ طرفین کی رضا مندی سے نکاح ہوسکتا ہے، ایسی طلاق کو بائن کہتے ہیں۔ اور اگر تین مرتبہ طلاق دے دی جائے تو اس میں حلالہ کی ضرورت پیش آتی ہے، ایسی طلاق کو مغلظہ کہتے ہیں (۱)۔ تینوں طلاقوں کی صورتیں اور فروع کتبِ فقہ میں مفصل موجود ہیں، حکم یہی ہے جو یہاں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلاق کے مسائل کے لئے کمیٹی اور اس کے قوانین

سوال[۵۹۶۶]: ۱...... ہمارے یہاں بہت سی خراب باتیں عام طور سے ہونے لگی ہیں مثلاً:

۲...... ذرا ذرا سی بات پر خواہ مخواہ عورت کو طلاق دینا۔

۳...... بلاوجہ مار پیٹ کر زبردستی طلاق لے لینا (دلوانا)۔

۴...... ہندہ کے والد نے ہندہ کا نکاح بکر سے کیا، نکاح کے بعد ہندہ کے والد نے بجائے شوہر کے یہاں بھیجنے کے غیر کے یہاں ہندہ کو بھیجا بغیر طلاق وغیرہ کے۔

= الطلاق، فصل في بيان صفة الواقع الخ، دار الكتب العلمية، بيروت)

"وأما الصريح البائن فبخلافه، و هو أن يكون بحروف الإبانة أو بحروف الطلاق، لكن قبل الدخول حقيقةً أو بعده لكن مقروناً بعدد الثلاث نصاً أو إشارةً". (بدائع الصنائع، فصل في بيان صفة الواقع الخ: ۲۴۰/۴)

(و كذا في ردالمحتار: ۲۵۰/۳ كتاب الطلاق، مطلبٌ: الصريح نوعان: رجعي و بائن، سعيد)

"تصح (الرجعة) إن لم يطلق بائناً". (الدرالمختار). "ولا يخفى أن الشرط واحدٌ: هو كون الطلاق رجعياً، وهذه شروط كونه رجعياً، متى فقد منها شرط كان بائناً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۹۹/۳، ۴۰۰، باب الرجعة، سعيد)

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير: ۱۷۷/۴، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

۵......اس جرم کی روک تھام کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی تا کہ وہ شرعی فیصلہ کرے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ کمیٹی نے چند قوانین بنائے: جو شخص بلا وجہ طلاق دیدے اس کو ۲۰/ روپے اور ایک لڑکی بطورِ جرمانہ دینی ہوگی اور اس کو یعنی شوہر کو مارا اور پیٹا بھی جائے گا۔

۶، ۷، ۸...... یہ جرمانہ وغیرہ کیسا ہے؟

قانون ثالث: اگر کسی شخص نے صورت ثلاثہ کے مطابق اپنی لڑکی کا نکاح کیا بکر سے اور بھیج دی خالد کے یہاں، بغیر طلاق کے خالد سے نکاح کرلیا، تو بکر نے استغاثہ جماعت سے کیا، تو جماعت نے فیصلہ کیا کہ مجرم سے ۷۰۰/ روپے اور ایک لڑکی لی جائے گی اور وہ لڑکی حتی الامکان زوج کو دلوادی جائے گی اور وہ پیسہ جماعت کے کام میں خرچ کیا جائے گا۔ کیا اس لڑکی کا نکاح زوج اول سے ہوجائے گا؟

۹...... اگر میاں بیوی میں اختلاف ہے تو جماعت سے استغاثہ کرے اور تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے یا مصالحت کرادیں گے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

۱۰......شوہر نے بیوی سے یوں کہا ''اگر تُو نے فلاں سے کلام کیا تو تجھ پر طلاق''۔ تو کیا یہ طلاق ہوجائے گی؟ شوہر نے یوں بھی کہا کہ ''اگر تُو فلاں سے نکاح کرے تو تجھ پر طلاق بائن اور اگر فلاں سے کرے تو تجھ پر طلاق ہے''۔ کیا واقع ہوجائے گی؟

۱۱......اب شخصِ مذکور نکاح نامہ پر ۸/ ماہ کی تاریخ ڈلواتا ہے کیونکہ بوقتِ نکاح حمل تھا، بلکہ شبہ ہے کہ یہ حمل شخص مذکور ہی کا ہے، کیونکہ پہلے سے تعلقات تھے، اب چونکہ نکاح ہوگیا اور تاریخِ نکاح مدتِ حمل سے لکھائی گئی۔ تو نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......آپ کی قوم میں پیدا شدہ خرابیاں یقیناً سخت تباہ کن اور واجب الاصلاح ہیں۔

۲......شریعت کی نظر میں طلاق بہت ہی مبغوض ہے، سخت مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دی جاتی ہے، اس لئے ذرا ذرا سی بات پر جب کہ عورت بے خطا ہو طلاق دینا درست نہیں ہے: "لان الأصل فی الطلاق هو الحظر، والإباحة لحاجة الخلاص". هداية: ۳۲۳/۲(۱)۔ "وأما وصفه فهو أنه

---

(۱) (الهداية: ۲/ ۳۵۴، ۳۵۵، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مكتبه شركة علميه ملتان) =

محظور نظراً إلى الأصل، فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارضٍ يبيحه". شامی: ۲/ ٦٤٠(۱)۔قرآن پاک میں ہے:﴿فإن أطعنكم، فلا تبغوا عليهنّ سبيلاً﴾(۲)۔

۳......ایسے ہی کسی کو بلا وجہ شرعی طلاق پر مجبور کرنا اور مار پیٹ کر طلاق لینا بھی ظلم ہے۔

۴......نیز لڑکی کا نکاح کسی کے ساتھ کرنے کے بعد بغیر طلاق و نکاح کے دوسرے کے یہاں بھیج دینا صریح حرام کاری کا دروازہ کھولنا ہے(۳)۔

۵......ان خرابیوں کو معاشرہ سے بالکل ختم کر دینا ضروری ہے، اس کے لئے مناسب جماعت کا قیام بھی ہونا چاہئے، لیکن آپ حضرات نے جو قوانین مقرر کئے ہیں وہ بھی درست نہیں ہیں۔

۶، ۷، ۸......جرمانہ میں رشتہ لازم کرنا یا مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے:" والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". شامی: ۳/ ۲٤۷(٤)، ہاں تعزیر کے دوسرے طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں مثلاً: قطع تعلق(۵)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (رد المحتار: ۳/ ۲۲۸، كتاب الطلاق، قبيل مطلب: طلاق الدور، سعيد)

(۲) (سورة النساء: ۳۴)

(۳) قال الله تعالىٰ:﴿ و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً، وساء سبيلاً ﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

"عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". (جامع الترمذي: ۱/ ۲۲۲، باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات، سعيد)

(۴) (ردالمحتار: ۴/ ٦۲، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۱٦۷، فصل في التعزير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/ ٦۸، باب التعزير، رشيديه)

(۵) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلک .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر =

۹...... جماعت کو فسخِ نکاح کا اختیار اسی وقت ہے جب شرعی طور پر عورت کی بات کی تحقیق کی جائے، پھر شوہر کو نوٹس دے کر اصلاحِ حال یا طلاق کے لئے کچھ مدت کی مہلت دی جائے۔ جب مدت مقررہ گزر جائے اور شوہر نہ تو طلاق دے اور نہ اپنی اصلاح کرے، پھر کمیٹی نکاح فسخ کر سکتی ہے، اس کمیٹی میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالمِ دین کو ضرور شریک کرلیں تاکہ شریعت کے مطابق فیصلہ ہو سکے۔

اس قسم کے معاملات کے لئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ''الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة'' کا مطالعہ کر لینا چاہئے (۱)، اس میں فسخ وغیرہ کے تمام قواعد و شروط بالتفصیل درج ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ حتی الامکان مصالحت کی کوشش کی جائے جب نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو بحالتِ مجبوری طلاق کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۰...... اگر کسی نے عورت کو طلاق بالشرط دی تو تحقق شرط کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی، صورت مسئولہ میں پہلی شکل میں اگر عورت شخص معلق علیہ سے گفتگو کرتی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسری صورت میں کلام لغو ہوگا کیونکہ جب طلاق کے دوسرے شخص سے نکاح کو شرط قرار دیا اور دوسرے سے نکاح بغیر پہلے شوہر کے طلاق دیئے ہو نہیں سکتا تو شرط کا تحقق نہیں ہو سکتا، لہٰذا طلاق نہ ہوگی اور کلام لغو ہوگا (۲)۔

= منه التوبة أو الرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۱) ''زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجودِ سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعے پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، دار الإشاعت، کراچی)

(۲) "إنما يصح (التعليق) في الملك كقوله لمنكوحته: وإن زُرتِ فأنت طالق، أو مضافاً إليه: أي إلى الملك: كإن نكحت فأنت طالق بعد وجود الشرط". (تبيين الحقائق: ۱۰۹/۳، ۱۱۰، باب التعليق، دار الكتب العلمية، بيروت) .... =

۱۱......نکاح کا انعقاد ایجاب وقبول کے وقت سے ہوگا خواہ نکاح نامہ پر تاریخ کچھ بھی ڈالی جائے، اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتو نئے شوہر کا بچہ ہے ورنہ پہلے شوہر کا (۱)۔ ناجائز تعلقات سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نسب زانی سے شرعاً ثابت نہیں (۲)۔

تنبیہ: بغیر شرعی ثبوت کے کسی کو زانی کہنا سخت جرم ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

طلاق کے لئے انجمن کی اجازت کو ضروری قرار دینا

سوال[۵۹۶۷]: زید اور اس کی بیوی میں بوجہ ناموافقتِ مزاج کشیدگی اس قدر بڑھ گئی کہ زید کو اپنا دین اور اپنی دنیا تباہ ہوتی نظر آرہی ہے۔ تین سال کی متواتر کوشش اور سمجھانے کے باوجود اس کی بیوی راہ راست پر آنے کے بجائے نافرمان ہی رہی، بددینی یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ وہ زید کے والدین کو بھی ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے لگی۔ زید نے اس کی خامیاں اور نافرمانیاں اس کے مخصوص متعلقین سے بیان کیں تو زید کے

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه ملتان)

(۱) "وإذا تزوج الرجل امرأة، فجاء ت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها، لم يثبت نسبه، وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۳۶، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۷۴، باب ثبوت النسب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/ ۷۷، الفصل التاسع والعشرون في ثبوت النسب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ولو زنىٰ بامرأة فحملت، ثم تزوجها فولدت.......... إن جاء ت به لأقل من ستة أشهر، لم يثبت نسبه .... أما إن قال: إنه مني من الزنا، فلا يثبت نسبه ولا يرث منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/ ۵۴۰، رشيديه)

(۳) "وشرعاً: (أي القذف شرعاً) الرمي بالزنا وهو من الكبائر بالإجماع، فتح". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/ ۴۳، سعيد)

خسر نے زید کے والد کے متعلق کہا کہ ”مجھے اس کی شکل سور کی نظر آتی ہے، میں اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا“۔ زید نے اپنی بیوی کو درست کرنے کے لئے سب ہی ترکیبیں استعمال کرلی ہیں، مثلاً ترکِ کلام اور زدوکوب وغیرہ بھی کر کے دیکھ لیا، لیکن کوئی صورت اس کے ساتھ زندگی گذر جانے کی پیدا نہیں ہوسکی۔

مجبوراً اگر طلاق دے کر پیچھا چھڑائے تو زید کی ایک قومی انجمن ہے جس کا قانون ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے تنگ ہو تو طلاق دینے سے قبل وہ انجمن میں درخواست دے، جب انجمن اجازت دے تب طلاق دے سکتا ہے ورنہ نہیں، بدونِ اجازتِ انجمن اگر طلاق دے دی تو ایسے شخص کے لئے پانچ سال مکمل ترکِ موالات کردیا جاتا ہے۔ اگرچہ زید نے مجبوری کی درخواست مذکورہ انجمن میں پیش کردی ہے، لیکن انجمن میں اشخاص زید کی زوجہ کے حمایتی اور سرکش موجود ہیں، وہ درخواست دیکھتے ہی افرادِ انجمن پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ زید کے طلاق دینے سے پہلے ہی مکمل دس یا پانچ سال تک کے لئے ترکِ موالات کردیا جائے اور زید کو جان سے مروا ڈالنے کی اسکیم بنا رہے ہیں۔

ایسی صورت میں زید یا تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے کر اپنی زندگی اور دین کو برباد کرے، یا خودکشی کر کے اپنی جان کو ختم کرلے، اس کے علاوہ کوئی تیسرا چارہ کار نہیں ہے۔ کیا شریعت نے شوہر پر طلاق دے کر خلاصی حاصل کرنے کے بارے میں اس قدر سختی کا حکم دیا ہے؟ اگر نہیں تو بعد از طلاق انجمن یا کسی کمیٹی کا شوہر کے خلاف ایسا مذکورہ بالا فیصلہ دینا کیا جائز ہے؟ مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمائیں۔ بیوی غیر مقلد ہے، اور زید حنفی المسلک ہے۔ نیز مطلع فرمائیں کہ زید کے خلاف مذکورہ بالا فیصلہ دینا کہ وہ دس پانچ سال یا کسی بھی مدت کے لئے پابندی لگانا کہ اس کا کوئی نکاح نہ کرسکے جس سے اس کی زندگی اور ایمان تک خطرہ میں پڑ جائے کیا شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول نرمی سے عورت کی اصلاح کی جائے شفقت سے اس کو سمجھایا جائے، اس سے کام نہ چلے تو مناسب طرح سے اس کو تنبیہ کی جائے، حسبِ موقع ڈانٹ کی بھی اجازت ہے۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اور صبر بھی نہ کرسکے تو طلاق کی اجازت ہے(۱)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والّتی تخافون نشوزهن، فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن، فإن أطعنکم، فلا تبغوا علیهن سبیلاً، إن الله کان علیاً کبیراً﴾ (سورة النساء: ۳۴) .... =

اگر عورت زبان درازی کرکے اذیت پہنچاتی ہے تو اس کو طلاق دیدینا مستحب ہے، جبکہ اس کو طلاق دینے کے بعد ابتلائے معصیت کا اندیشہ نہ ہو:

"وقولهم: الأصل فيه (أى فى الطلاق) الحظر، معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه، بل يستحب لو مؤذية، اهـ". درمختار۔

"(قوله: موذية) أطلقه: فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها. (قوله: أو تاركة صلوة) الظاهر أن ترك الفرائض غير الصلوة كالصلوة، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۲۱٦(۱)۔

جب آدمی حدودِ شریعت میں رہ کر اجازت سے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ شرعاً مجرم نہیں اور جو شخص شرعاً مجرم نہیں کسی انجمن کو حق نہیں کہ اس کو مجرم قرار دے کر سزا دے اور اس سے ترکِ موالات کردے اور شادی کرنے سے روکدے جس سے وہ طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار ہو جائے، ایسا اقدام گناہ اور ظلم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۵ھ۔

= "يعزر المولى عبده والزوجُ زوجته ولو صغيرةً على تركها الزينة الشرعية مع قدرتها عليها، وتركها غسل الجنابة، وعلى الخروج من المنزل لو بغير حق، وترك الإجابة إلى الفراش لو طاهرةً من حيض". (الدرالمختار: ۴/۷۷، باب التعزير، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق: ۵/ ۸۱، ۸۲، باب حد القذف، فصل فى التعزير، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۲۸، ۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳/۴۱۳، ۴۱۴، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۳/۴۶۳، كتاب الطلاق، مصطفٰى البابى الحلبى مصر)

(۲) "عن أبى سعيد وابن عباس رضى الله تعالى عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد، فليحسن اسمه، وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه، فأصاب إثماً، فإنما إثمه على أبيه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح: ۲/۲۷۱، باب الولى فى النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثالث، قديمى)

طلاق کے لئے پنچایت نامہ

سوال: [۵۹۶۸] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحضور فیض گنجور حضرت مولانا مفتی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

ایک عورت چند مرتبہ اپنے شوہر کے یہاں سے بلا رضامندیٔ شوہر نکل چکی ہے، اس عورت کا بیان ہے کہ میرا خاوند عورت کے قابل نہیں، اسی لئے وہ عورت اپنے خاوند کے یہاں سے چند مرتبہ نکل گئی تھی اور اس کا خاوند زبردستی برادرانہ زور سے لایا۔

آخر جب کئی مرتبہ نکلی، برادرانہ زور سے بھی نہ رہی، اس عورت نے مجبور ہو کر اپنے خاوند کی سرکار میں درخواست دی، فعل مختاری کی اور اس کی نامردی کی جس کی سرکاری نقلیں عورت کے پاس موجود ہیں اسی بناء پر عورت کے خاوند کے آدمیوں نے ایک پنچایت ۲۳/ مارچ/ ۱۹۳۳ء کو برادرانہ عام کی کہ جس میں تقریباً ڈیڑھ سو آدمی ہندو مسلمان موجود تھے۔

یہ اس عورت کا چوتھی مرتبہ نکل جانا ہے، اس مرتبہ عورت کے خاوند نے تمام ڈیڑھ سو آدمیوں کے مجمع میں یہ کہا کہ ''اگر یہ عورت اب کی مرتبہ مجھے دیدی جاوے تو اب کی مرتبہ یہ نہیں جائے گی اور اگر اب کی مرتبہ چلی گئی تو میں نہ اس کا خواہاں ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کروں اور نہ پنچایت کروں، یہی میری طلاق ہے، میں اس کا دعویدار ہوں''۔ وہ عورت پنچایت نے اس کو دے دی پھر اسی روز بلا صحبت و یکجائی کے وہ عورت پھر چلی گئی۔

اب عرصہ کئی ماہ کا ہو چکا، وہ عورت اپنے خاوند کے یہاں نہیں گئی۔ آیا یہ تاریخ پنچایت سے اس عورت کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہو چکی ہے تو تاریخ پنچایت مذکور سے عدت پوری کر کے وہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ نقل نامہ پنچایتی اس عورت کے پاس موجود ہے جس کے اوپر دس بارہ آدمیوں کے انگوٹھے وغیرہ لگے ہوئے ہیں، امید ہے کہ بسندِ صحیح مطابقِ شرع شریف جواب باصواب ملے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح

۱- وہ شخص اس کا اقرار کرتا ہے یا نہیں کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں اور اگر پنچایت نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں تو اس کو بھیجنا چاہئے۔ اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔

۲-جوگواہ ہیں ان کے حالات بھی لکھنے چاہئیں۔

از: دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۵۲ھ۔

جواب تنقیح

۱-اقرار کرتا ہے کہ یہ الفاظ ضرور کہے ہیں۔

۲-گواہ اہل اسلام، نمازی دیندار بھی ہیں اور بے نمازی بھی کافی تعداد میں ہیں اور اہل ہنود بھی جو معتبر اہل موضع اور پنچایت ہیں۔ پنچایت نامہ پیش خدمت ہے۔

پنچایت نامہ یہ ہے

''آج بتاریخ ۲۳/مارچ/۳۳ کو برائے پنچایت میر پنچایت نے امیر حسن کو اس کی زوجہ کو فتح پور بھادوں سے موضع بہٹ پرگنہ فیض آباد میں پہنچادو، اگر یہ عورت پھر میرے یہاں سے کسی برادری یا غیر برادری میں چلی جائے تو میں اس کا دادخواہ نہیں ہوں گا، نہ عدالت کروں گا اور نہ پنچایت کروں گا اور نہ اس کا نام لوں، اور کوئی اگلی پچھلی کاروائی کسی برادری یا غیر برادری کے آدمی نے عدالتی کی تو وہ پنچایت اور عدالت کا چور ہے اس کو پنچایت تدارک دے، یا اگر پنچایت کی نہ مانے تو عدالت میں پنچایت چارہ جوئی کرے اور اس کو تدارک دلوائے، یہ ہی میری طلاق ہے''۔

گواہ: رحمت اللہ، بشیر ولد فہم الدین، کرم علی، چودھری شہاب الدین، عبدالغفور، یاروالا گلاب، محمد حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کا قول ''یہی میری طلاق ہے'' اس سے مراد اگر یہ ہے کہ میرا پنچایت اور دعویٰ نہ کرنا طلاق ہے تب تو غلط ہے کیوں کہ صرف پنچایت اور دعویٰ نہ کرنے کو شرعاً طلاق نہیں کہتے (۱)، اگر یہ مراد ہے کہ دوسری مرتبہ

---

(۱) "وركنه لفظ مخصوص". (الدر المختار). "هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار: ۳/ ۲۳۰، مطلب: طلاق الدور، سعيد) .... =

مستقل طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اس شرط کے بعد یعنی اگر اب کی مرتبہ وہ میرے یہاں سے چلی جائے تو اسے طلاق ہے تب اس کی بیوی پر اس تاریخ سے کہ وہ شوہر کے گھر سے اخیر مرتبہ گئی ایک طلاق پڑگئی (۱)، اگر جماع یا خلوتِ صحیحہ کی نوبت آچکی تھی تو عدت گزار کر اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے بشرطیکہ شوہر نے رجوع نہ کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ۸/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ شعبان/ ۵۲ھ۔

طلاق دینے سے بائیکاٹ وغیرہ کی سزا

سوال[۵۹۶۹]: زید، بکر دو سگے بھائی ہیں، دونوں کی زوجہ دو سگی بہنیں ہیں، دونوں بہنیں اپنے شوہروں سے خانگی معاملات میں مفاہمت نہیں رکھتی ہیں اور نہ تابعداری وفرماں برداریٔ شوہر پر عمل کرتی ہیں، حتی کہ بیماری میں شوہر کو چھوڑ کر میکہ چلی گئی ہیں۔ دریں صورت دونوں بھائیوں کا گھر جہنم بنا ہوا ہے اور استواری معاملات کی نہیں ہو رہی ہے، یہاں تک دونوں بہنیں فارغخطی کی خواہشمند ہیں، زید وبکر بھی ان سے خلاصی چاہتے ہیں، مگر برادری اور پنچایتوں کے کچھ طور طریق، قواعد وقانون وغیرہ ایسے ہیں جو طلاق دینے میں مانع ہیں، مثلاً جرمانہ، شادی بیاہ کا خرچ، نیز سوشل بائیکاٹ وغیرہ یہ تمام امور بھی برداشت سے باہر ہیں، بیماری وغیرہ بھی الگ لاحق ہے۔

ایسی صورت میں مندرجہ بالا اصولوں کی جو کہ برادری کی طرف سے نافذ ہیں خلاف ورزی شرعاً کیا درجہ رکھتی ہے؟ اور ان کا نفاذ بھی آیا جواز کا مقام رکھتا ہے یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوى العالكميرية: ۱/ ۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۱، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثاني في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، ۱۱۰، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاوجہ ذراذراسی بات پر طلاق دینا شرعاً ناپسند اور عند اللہ مبغوض ہے (۱) لیکن جب دونوں کے دلوں میں نفرت ہے اور حقوق زجیت ادانہیں ہورہے ہیں، گھر جہنم بنا ہوا ہے، بیویوں کی طرف سے بھی طلاق کا مطالبہ ہے، شوہر بھی تنگ ہوکر طلاق دینا چاہتے ہیں تو ایسی حالت میں طلاق دینا منع نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ طلاق دے کر تعلق ختم کردیا جائے (۲)۔ غالب خیال اور قرینِ عقل بات یہ ہے کہ اس صورت میں برادری اور پنچایت کی طرف سے بھی طلاق دینے کی ممانعت نہیں ہوگی اور نہ ہونی چاہیے، ممانعت ایسی صورت میں ہوگی کہ بیوی بے قصور ہو اور طلاق لینا نہیں چاہتی، مگر شوہر ظلماً اس پر سختی کرتا اور طلاق دیتا ہو، اگر برادری نے موجودہ صورت پر بھی پابندی عائد کرکے قانون بنایا ہے تو یہ قانون خود ہی پابندی کے لائق نہیں، اس کی اصلاح لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۱۳۹۲ھ۔

طلاق دینے پر برادری کا سزادینا

سوال [۵۹۷۰]: ہماری برادری نے پنچایت میں طلاق سے متعلق کچھ تجاویز پاس کی ہیں اور ان پر

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "أبغض الحلال إلی اللہ عزوجل الطلاق". (سنن أبی داؤد: ۱/ ۲۹۶، کتاب الطلاق، سعید)

"وأما وصفه فهو أنه محظور نظراً إلی الأصل، ومباح نظراً إلی الحاجة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۴۸، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/ ۲۲۸، کتاب الطلاق، سعید)

(۲) "وسببه الحاجة إلی الخلاص عند تباین الأخلاق........ وأما وضعه، فالأصح حظره إلا لحاجة".

(مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، ۳۸۱، کتاب الطلاق)

"یجب لو فات الإمساک بالمعروف". (الدرالمختار). "أی کان عجز عن إقامة حقوق الزوجة أو کان لایشتهیها". (ردالمحتار: ۳/ ۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید)

کچھ سزائیں بھی دینا پاس کی ہیں، کیا کسی برادری کو طلاق کے معاملہ میں سزا دینے کا حق پہنچتا ہے؟ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کیا ہے؟ تجویز مندرجہ ذیل ہیں:

۱......اگر کوئی بلا کسی شرعی عذر کے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور بستی کے پنچ اس کے عذر سے متفق نہیں ہوتے ہیں تو بستی کے پنچوں کو فیصلہ دینے کا اختیار ہوگا اور وہ سزا برادری سے خارج کرنا ہے۔ کیا تجویز پاس کرنا اور اس پر عمل درآمد کرنا جائز ہے؟

۲......عبدالمتین پسر عبدالحمید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پنچایت نے اسے عمر بھر کے لئے برادری سے خارج کردیا، عبدالمتین کے باپ عبدالحمید کو حکم دیا کہ تم اپنے لڑکے کی مطلقہ کا زرمہر، نان، نفقہ ادا کردو، ورنہ تم کو بھی برادی سے خارج کردیں گے، عبدالحمید نے مجبور ہو کر زرمہر، نان، نفقہ ادا کردیا، پھر بھی عبدالحمید کو یہ سزا دی کہ وہ اپنے لڑکے عبدالمتین سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ کیا عبدالحمید سے اس کے لڑکے کی بیوی کا زر، نان ونفقہ دلوانا جائز ہے؟ اور پھر عمر بھر کے لئے قطع تعلق کرانا کیسا ہے، جبکہ عبدالمتین مع اپنی بیوی کے کئی سال سے اپنے باپ سے الگ رہتا ہے اور اس وقت اس کی عمر بیس سال ہے؟

۳......عبدالرحمان کو اس بنا پر دس سال کے لئے برادری سے خارج کردیا کہ اس کے لڑکے نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، عبدالرحمان دس سال تک برادری میں نہیں مل سکتا، نہ ہی رشتے کرسکتا ہے، بلکہ اس کے جوان لڑکا اور قریب الجوان لڑکی ہے، لڑکے کا نکاح ہو چکا ہے، رخصتی ہونی باقی ہے، یعنی کسی کی بھی شادی دس سال تک نہیں کرسکتا۔

۴......محمد سعید پسر رحمت اللہ نے اپنی بیوی کو زبان درازی اور چوری کرنے کے الزام میں جو ثابت ہونے کی بنا پر طلاق دیدی اور زرمہر، نان ونفقہ، سامانِ جہیز واپس کردیا، لیکن برادری کی پنچایت نے محمد سعید کے والد کو برادری سے چار سال کے لئے خارج کردیا۔ محمد سعید کی عمر اٹھارہ سال ہے، نیز اس کے بڑے بھائی کو جو بیس سال سے اپنے باپ رحمت اللہ سے الگ رہتا ہے، ایک سال کے لئے برادری سے خارج کردیا۔

یہ چار سوال پیش خدمت ہیں۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں کوئی قانون بنانا اور اس پر مندرجہ ذیل بالا سزائیں دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ حدیث وقرآن جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......طلاق شرعاً بہت ناپسند اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مبغوض چیز ہے، اس لئے بلا وجہ طلاق دینا قبیح ہے(۱)، مگر طلاق کی وجہ سے برادری کو سزا دینے کا حق نہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کا نکاح کرنا اور باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے اس بیوی کو طلاق دینا قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور ہے، لیکن اس پر ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی (۲)، نہ ان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلق فرمایا، نہ لوگوں نے قطع تعلق کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی، ان سے بھی قطع تعلق برادری نے نہیں کیا (۳)۔ اور بھی طلاق کے واقعات پیش آئے، کہیں شوہر نے

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "أبغض الحلال إلی اللہ عزوجل الطلاق". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۴۶، أبواب الطلاق، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

(وسنن أبی داؤد: ۱/۳۰۳، باب فی کراھیة الطلاق، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذ تقول للذی أنعم اللہ علیہ وأنعمت علیہ، أمسک علیک زوجک واتق اللہ، وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ، وتخشی الناس واللہ أحق أن تخشٰہ، فلما قضی زید منها وطراً زوّجنکها لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی أزواج أدعیائهم إذا قضوا منهن وطراً، وکان أمر اللہ مفعولاً﴾ (سورة الأحزاب: ۳۷)

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما نزلت هذه الآیة ﴿وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیه﴾ فی شان زینب بنت جحش، جاء زید یشکو، فهمّ بطلاقها، فاستأمر النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "أمسک علیک زوجک، واتق اللہ". (جامع الترمذی: ۲/۱۵۶، تفسیر سورة الأحزاب، سعید)

(۳) "عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ طلق امرأتہ، وهی حائض علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فسأل عمرُ بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مُرہ فلیراجعها، ثم لیمسکها حتی تطهر، ثم تحیض، ثم تطهر، ثم إن شاء أمسک، وإن شاء طلّق قبل أن یمس، فتلک العدة التی أمر اللہ أن تطلق لها النساء". (صحیح البخاری: ۲/۷۹۰، کتاب الطلاق، باب قول اللہ عزوجل: ﴿یایها النبی إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن﴾، قدیمی) =

ازخود طلاق دیدی، کہیں بیوی نے مطالبہ کیا جس پر خلع کی نوبت آئی، کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ خلع کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے(۱)۔

بات یہ ہے کہ بعض طبقوں میں میل نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے حقوق ادا نہیں ہوتے، ایسے وقت طلاق دینا ہی بہتر ہوتا ہے(۲)، پس برادری کا ایسا سخت قانون بنا دینا غلط اور خلافِ شرع ہے، اس کو واپس لینا ضروری ہے، بلا عذر طلاق کو انفرادی ظلم قرار دے کر اس کے روکنے کے لئے ظالمانہ قانون بنا دینا اجتماعی ظلم ہے۔

۲...... بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدے (عذر سے یا بلا عذر سے) تو اس کی بیوی کا زرِ مہر، اور نفقۂ عدت خود دینے والے پر ہے(۳)، اسکے والد کو مجبور کرنا ظلم ہے، پھر اس ظلم کو برداشت کر لینے کے بعد بیٹے سے

= (والصحیح لمسلم: ۱/۴۷۶، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها، وأنه لو خالف وقع الطلاق، ویؤمر برجعتها، قدیمی)

(وسنن النسائی: ۲/۹۸، باب وقت الطلاق للعدة التی أمر الله عزوجل أن یطلق لها النساء، قدیمی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان، ولا یحل لکم أن تأخذوا مما اٰتیتموهن شیئاً إلا أن یخافا ألا یقیما حدود الله، فإن خفتم ألا یقیما حدود الله، فلاجناح علیهما فیما افتدت به﴾ الأیة (سورة البقرة: ۲۲۹)

(۲) "(قوله: ومن محاسنه التخلص به من المکاره): أی الدینیة والدنیویة، بحر: أی کأن عجز عن إقامة حقوق الزوجة أو کان لایشتهیها". (ردالمحتار: ۳/۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۴۱۵، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۳/۴۶۵، کتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "المهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحیحة، وموت أحد الزوجین، سواء کان مسمی أو مهر المثل، حتی لا یسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۰۳، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۵۱، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۱۰۲، باب المهر، سعید)

"المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسکنی، کان الطلاق رجعیاً أو بائناً أو ثلثاً، حاملاً کانت المرأة أو لم تکن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۵۷، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، کتاب =

قطع تعلق پر مجبور کرنا ظلم بالائے ظلم ہے اور قطع رحمی ہے (۱)، جبکہ وہ بیس سال کا ہے تو اس کو شادی سے روک دینا اور ظلم ہے جس سے معصیت میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہے (۲)۔

۳...... یہ بھی ظلم ہے۔

۴...... یہ بھی ظلم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۳/۱ھ۔

کیا اہلِ محلّہ کو طلاق دینے پر سزا دینے کا حق ہے؟

سوال [۵۹۷۱]: اگر کسی شخص کو اپنی بیوی پسند نہ ہو اور یہ اسے رکھنا ہی نہیں چاہتا اور طلاق دینے پر آمادہ ہے، مگر گھر کے بڑے بڑے لوگ اور محلّہ کے آدمی اسے مجبور کرتے ہیں کہ تم طلاق نہ دو، اگر طلاق دو گے تو ایسی صورت میں تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ تو کیا اہلِ محلّہ کو طلاق دینے والے کو سزا دینا جائز ہے؟ نیز اس مجبوری کے وقت شوہر طلاق دیدے یا رک جائے؟ اس سلسلہ میں مفصلاً اور مدللاً احکام پیش کریں۔

= الطلاق، رشیدیه)

(و كذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۰، فصل في نفقة العدة، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۶۰۹، باب النفقة، مطلب في نفقة المطلقة، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الرحم شجنة من الرحمٰن، فقال الله: "من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته". (صحيح البخاري: ۲/۸۸۵، كتاب الأدب، باب: من وصل وصله الله، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲/۱۲، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في قطعية الرحم، سعيد)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۲/۳۴۳، مسند عبد الله بن عمرو، (رقم الحديث: ۶۴۵۸)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله تعالى عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه، وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه، فأصاب إثماً، فإنما إثمه على أبيه".

(مشكوٰة المصابيح: ۲/۲۷۱، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثالث، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی سے نباہ نہیں ہوتا، حقوق ضائع ہوتے ہیں، قلوب میں نباہ کی گنجائش نہیں ہے تو طلاق دے دینا چاہیئے (۱)، اہلِ محلّہ کو ایسی صورت میں تکلیف پہونچانے اور سزا دینے کا حق نہیں ہے۔ قرآنِ کریم اور فقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے، البتہ ذرا ذرا سی بات پر طلاق دیدینا جبکہ نباہ اور صلح کی صورتیں ہوں تو شرعاً ناپسند اور قبیح ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

طلاق بحکمِ والدین

سوال [۵۹۷۲]: زید کی شادی والدین نے اپنی مرضی کے مطابق ایک قریبی رشتہ دار کے یہاں کردی، کچھ دنوں کے بعد زید کے والدین کہتے ہیں کہ طلاق دیدو لیکن زید کی بیوی میں کوئی اخلاقی و معاشرتی و دینی کوتاہی نظر نہیں آتی زید نے والدین سے کہا کہ میری نظر میں کوئی اپنی بیوی میں کوتاہی نہیں دیکھتا ہوں جس سے میں طلاق دوں۔

ہاں اگر آپ حضرات کی نظر میں کوئی غلطی ہو تو فرمائیں، میں اگر وہ غلطی دیکھوں گا، فوراً اس کو دور کرنے

---

(۱) "ویجب (أی الطلاق) لَوْ فاتَ الإمساک بالمعروف". (الدرالمختار). "أی کان عجز عن إقامة حقوق الزوجة أو کان لایشتهیها". (ردالمحتار: ۲۲۹/۳، کتاب الطلاق، سعید)

"وسببه الحاجة إلی الخلاص عند تباین الأخلاق ...... وأما وضعه فالأصح حظره إلالحاجة".

(مجمع الأنهر: ۳۸۰/۱، ۳۸۱، کتاب الطلاق، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۱۲/۳، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۴۲۳/۳، ۴۲۴، کتاب الطلاق، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "أبغض الحلال إلی اللہ عزوجل الطلاق". (سنن أبی داؤد: ۲۹۶/۱، کتاب الطلاق، سعید)

"وأما وصفه: فهو أنه محظور نظراً إلی الأصل ومباح نظراً إلی الحاجة". (الفتاوی العالمکیریة: ۳۴۸/۱، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۲۲۸/۳، کتاب الطلاق، سعید)

کے لئے تدابیر اختیار کرونگا، اگر غلطی کی اصلاح نہ ہوئی تو میں طلاق بھی دے سکتا ہوں، آپ کی مرضی کے مطابق، لیکن والدین نے فرمایا غلطی کوئی نہیں ہے، لیکن ہماری طبیعت ہے کہ تم اس بیوی کو طلاق دیدو۔

ایسی حالت میں زید کیا کرے جب کہ اس کی بیوی ایک دیندار عورت ہے اور کوئی غلطیاں بھی اس میں نہیں ہیں؟ اگر ایسی حالت میں زید طلاق دیدے تو بیوی کی حق تلفی تو نہیں ہوگی؟ اور اگر طلاق نہیں دیتا ہے تو والدین کا کہنا نہ ماننے کا گناہ تو نہیں ہوگا؟ دونوں صورتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

محمد عمر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ بیوی میں دینی، اخلاقی، معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو نہیں ستاتی، بلکہ ان کی خدمت کرتی اور ان کو خوش رکھتی ہے، ادھر شوہر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر بیوی کو طلاق دیدی بیوی کی حق تلفی ہوگی، تو ان مجموعی حالات کے پیش نظر طلاق نہیں دینی چاہئے، طلاق نہ دینے سے زید گنہگار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: كانت تحتي امرأة أحبها و كان عمر –رضي الله تعالىٰ عنه– يكرهها، فقال لي: طلقها، فأبيت، فأتي عمر رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– فذكر ذلك له فقال لي رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم–: "طلقها". رواه الترمذي". قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "طلقها" أمر ندب أو وجوب إن كان هناك باعث آخر".

وقال الإمام الغزالي في الإحياء: –۲/۲۶، كشوري– في هذا الحديث: فهذا يدل على أن حق الوالد مقدم، ولكن والد يكرهها لا لغرض فاسد مثل عمر في المشكوة عن معاذ قال: أو صاني رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– وساق الحديث. وفيه: "لاتعصن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك". الحديث. في المرقاة: شرط للمبالغة باعتبار الأكمل أيضاً، إما باعتبار أصل الجواز فلا يلزمه طلاق زوجته امرأته بفراقها وإن تأذيا ببقاءها إيذاءً شديداً؛ لأنه قد يحصل له ضرر بها فلا يكلف لأجلها؛ إذ من شان شفقتهما أنهما لو تحققا ذلك لم يأمراه به، فإلزامهما له به مع ذلك حمق منهما ولايلتفت إليه، وكذلك إخراج ماله". انتهى مختصراً". (ضميمه ثانيه، اصلى بهشتى گوهر، گیارہواں حصہ، ص: ۱۴۴، المكتبة المدنية)

ماں باپ کے کہنے سے بیوی کو طلاق

سوال[۵۹۷۳]: ہم دونوں میاں بیوی میں باہم تعلق ہے، میں مدرسہ میں پڑھتا ہوں اور بیوی اپنے ماں باپ کے پاس رہتی ہے۔ میری والدہ بیمار ہوگئی ہے دادا صاحب بیوی کو لے کر آئے ہیں، تاکہ اپنی ساس کی خدمت کرے۔ دو روز رہنے کے بعد بیوی اپنے ماں باپ کے پاس بغیر اجازت چلی گئی ہے، محلہ کی عورتوں نے بے حد سمجھانے کی کوشش کی، دادا صاحب نے بھی کوشش کی ہے مگر کسی کی بات پر عمل نہیں کیا۔ میری چچی نے ایک میل پر جاکر اس کو روکا ہے چونکہ اس کو بعد میں معلوم ہوا کہ بغیر اجازت جارہی ہے، وہاں پر اس کی صندوق وغیرہ پکڑی ہے، آپس میں پٹکم پٹکا ہوئی ہے(۱)۔ بہرکیف وہ کوشش کے باوجود چلی گئی ہے۔

اپنے ماں باپ سے جاکر یہ کہا ہے کہ مجھ کو سسر بٹھا کر گئے ہیں سب کی اجازت سے آئی ہوں بغیر اجازت نہیں آئی۔ یہ بالکل جھوٹ کہا ہے۔ اب والد صاحب نے مدرسہ میں میرے پاس خط بھیجا کہ تمہاری ماں بیمار ہے، جلدی سے آجاؤ۔ جب گھر آیا تو یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں جس سے میں بہت متفکر ہوا کہ بہت بڑی غلطی کی ہے، بغیر اجازت بھاگ گئی ہے، روکنے کے باوجود نہیں رُکی۔

والدہ بیماری کی وجہ سے چارپائی سے اٹھنے کی بھی طاقت نہیں رکھتیں۔ والد صاحب اپنے ہاتھ سے کھانا وغیرہ پکاتے ہیں۔ مجھ سے گھر والے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چونکہ دو مرتبہ پہلے بھی بغیر اجازت کے اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی ہے، اب بذاتِ خود گئی ہے۔ گھر والے کہتے ہیں کہ اس کی تو عادت بن چکی ہے، لہٰذا جلدی سے طلاق دو تاکہ ہم دوسری جگہ شادی کریں خواہ آٹھ ہزار روپیہ لگ جائے، چاہے زمین بیچنا پڑے، مگر شادی کریں گے۔ اور اگر تُو ہماری بات نہیں مانے گا تو ہمارا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اگر بیوی کو لائے گا تو ہم تم کو بھی تمہاری بیوی کو بھی گھر میں نہیں رکھیں گے، نہ تم کو مکان دیں گے نہ کھیتی دیں گے۔ میری طبیعت طلاق دینے کو نہیں چاہتی ہے۔

ہماری شادی ہوئے سات سال ہوگئے ہیں، آپس میں خوب تعلق ہے، لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ بیوی نے اپنا بھائی مدرسہ میں بھیجا ہے کہ میری غلطی کو معاف کردیں، آئندہ کبھی بھی غلطی نہیں کروں گی، اب چاہے مجھ کو بیس سال تک اپنے ماں باپ کے پاس نہ بھیجنا، یہ بھی منظور ہے۔ یہ بات سن کر میں سسرال گیا۔ اپنے

---

(۱) ''پٹکم پٹکا: دھکا دینا، کھینچا تانی کرنا''۔

ماں باپ کی بغیر اجازت کے کیوں چلی گئی اس سے معلوم کیا، آنے کی صحیح وجہ بتلا دو۔ اس نے بتلایا: مجھے کسی نے کچھ بھی نہیں کہا، غلطی ہوگئی معاف کردو، آئندہ غلطی نہیں کروں گی۔ میں نے اس سے کہا میرے گھر والوں کو راضی کردو، میں بھی راضی ہوں۔ اس نے گھر والوں سے معافی مانگی۔ میرے سسرال جانے کی خبر میرے والدین کو ہوگئی انہوں نے دھمکی دی۔ اب میں متفکر ہوں کیا کروں، طلاق دوں یا نہ دوں۔

جناب کے فتوے پر عمل کیا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر ماں باپ طلاق کو کہیں تو بیوی کو طلاق دے دینی چاہیے۔ اگر میں طلاق دے دوں تو گھر والے تو راضی ہو جائیں گے، لیکن میری طبیعت نہیں چاہتی۔ تین سال کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اس صورتِ حال میں جناب والا فتویٰ سے مطلع فرمائیں تو کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں باپ کو آپ کی بیوی کی حرکت ناگوار ہوئی کہ وہ ایسے پریشانی کے وقت بلا اجازت چلی گئی، اب وہ معافی چاہتی ہے، خود جا کر سسرال میں اپنی ساس اور سسر کو راضی کرلے اور گھر کا کام شروع کردے، معافی مانگ لے اور آپ بھی سفارش کردیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو نرم فرمادیں جس سے وہ معاف کردیں۔

طلاق دینے سے جب معصیت میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے تو ماں باپ کے کہنے سے طلاق نہ دی جائے (۱)۔ ماں باپ کو چاہیے کہ معاف کردیں، جو شخص بندوں کی خطا معاف کرتا ہے اللہ پاک اس کی خطا معاف کرتے ہیں (۲)، ورنہ سخت بازپرس کا اندیشہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۶/۲۵ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أبغض الحلال إلی اللہ عزوجل الطلاق". (سنن أبی داؤد، کتاب الطلاق: ۳۰۳/۱، مکتبه إمدادیه ملتان)

"وأما وصفه (أی الطلاق) فهو أنه محظور نظراً إلی الأصل، ومباح نظراً إلی الحاجة".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق: ۳۴۸/۱، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الطلاق: ۲۲۸/۳، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الذین ینفقون فی السرآء والضرآء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس، واللہ یحب المحسنین﴾. (اٰل عمران: ۱۳۴)

بلا وجہ شوہر سے طلاق دلوانا

سوال[۵۹۷۴]: اگر کسی عورت کے باپ بھائی وغیرہ یہ چاہیں کہ اس لڑکی کو اس کا شوہر طلاق دیدے اور لڑکی مکان والدین پر ہو اور ان کے بہکانے اور ترغیب سے مجبور ہو کر طلاق لینے پر رضامندی ظاہر کرے اور خاوند بلا وجہ طلاق نہ دینا چاہتا ہو تو شرعاً خاوند پر طلاق دینا واجب ہوگا یا نہیں؟

سعادت علی تار بابو، ضلع پلکھن، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح دوام کے لئے ہوتا ہے فسخ کے لئے نہیں ہوتا، لیکن اگر نباہ مشکل ہو جائے تو شریعت نے جدائی کی صورتیں: طلاق، خلع وغیرہ بھی بتادی ہیں، لہٰذا صحتِ نکاح کے بعد جب تک کوئی واقعی دشواری نہ ہو تو شوہر کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، خاص کر جب کہ زوجین آپس میں رضامند بھی ہوں، تو ایسی صورت میں طلاق کے لئے شوہر کو مجبور کرنا سخت گناہ ہے اور صریح ظلم ہے(۱)۔ البتہ اگر عورت بحالتِ بلوغ اپنا نکاح خود بلا رضامندیٔ اولیاء غیر کفو میں یا مہرِ مثل سے کم پر کرے تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے یا مہر میں زیادتی پر زور دینے کا حق ہے اور مفتی بہ قول پر اگر غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو وہ منعقد نہیں ہوتا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۵/ رجب/ ۵۳ھ۔

جوابِ صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ رجب/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "والأصح حظره إلا لحاجة للأدلة المذكورة. ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني تحقق الحاجة المبيحة". (فتح القدير: ۳/ ۴۶۵، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۳/ ۲۲۸، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) "وإذا زوجت المرأة نفسها من غير كفءٍ، فللأولياء أن يفرّقوا بينهما دفعاً لضرر العار عن أنفسهم". (الهداية). قال ابن الهمام: "أما على رواية المختارة للفتوى، لا يصح العقد أصلاً". (فتح القدير: ۳/ ۲۹۴، فصل في الكفاءة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۸۴، ۹۴، باب الكفاءة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۹۲، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

نماز نہ پڑھنے والی کو طلاق دینا کیسا ہے؟

سوال[۵۹۷۵]: زنے اگر احکامِ شرع بجانیارد چنانچہ نماز وغیرہ باوجودِ پندِ شوہرِ خود نخواند ونصیحتِ شوہر نپندد، پس او را بعد تدبیراتِ شرعی طلاق دادن لازم وواجب شود یا نہ؟ بینو ابحوالة صفحات الكتب المعتبرة فتوجروا عندالله أجراً عظيماً.

المستفتی: بندہ سلامت اللہ عفی عنہ، ۱۹/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بلا زوجہ صبر تواند کرد ونیز ادائے مہر قدرت دارد، بہتر است کہ طلاق دہد(۱)، ورنہ طلاق نہ دہد، وفقہاء وجوب رانفی کردہ اند: "لايجب على الزوج تطليق الفاجرة". درمختار: ۵/ ۳۷۷(۲)۔

"إذا اعتادت الزوجة الفسق، عليه الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، والضرب فيما يجوز فيه، فإن لم تنزجر، لايجب التطليق عليه؛ لأن الزوج قد أدى حقه، والإثم عليها. هذا ما اقتضاه الشرع، وأما مقتضى غاية التقوى، فهو أن يطلقها، لكن جواز الطلاق إنما هو إذا قدر على أداء المهر، وإلا فلا يطلقها، كمافي الأشباه والنظائر، اه". نفع المفتي والسائل، ص: ۱۱۸، ۱۱۹(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "بل يستحب لو مؤذية، أو تاركة صلوة". (الدرالمختار). "أن ترك الفرائض غير الصلوة كالصلاة". (ردالمحتار: ۳/ ۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۶/ ۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۷۲، كتاب الكراهية، باب المتفرقات، سعيد)

(۳) (نفع المفتي والسائل، ص: ۱۶۳، ۱۶۴، مايتعلق بإطاعة الزوجات للأزواج، وحقوقهم عليهن، وحقوقهن عليهم، إدارة القرآن كراچي)

کیا بے عمل بیوی کو چھوڑ دینا ضروری ہے؟

سوال[۵۹۷۲]: اگر بیوی باوجود تاکید وتقاضہ کے نماز نہ پڑھے تو کیا اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کی اصلاح سے مایوس ہو گیا اور طلاق دینے کے بعد ادائے مہر میں دشواری نہیں ہوگی اور خود بھی معصیت میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ نہیں تو اس کو طلاق دینا مستحب ہے(۱)، ورنہ اس کو طلاق نہ دے اور اصلاح کی کوشش کرتا رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "بل يستحب لو مؤذيةً، أو تاركة صلوة". (الدرالمختار). "أن ترك الفرائض غير الصلوة كالصلاة". (ردالمحتار: ۲۲۹/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

"إذااعتادت الزوجة الفسق، عليه الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر، والضرب فيما يجوز فيه، فإن لم تنزجر، لا يجب التطليق عليه؛ لأن الزوج قد أدّى حقه، والإثم عليها. هذا ما اقتضاه الشرع، وأما مقتضى غاية التقوى، فهو أن يطلقها، لكن جواز الطلاق إنما هو إذا قدَر على أداء المهر، وإلافلايطلقها". (نفع المفتي والسائل، ص: ۱۶۳، ۱۶۴، مايتعلق بإطاعة الزوجات للأزواج وحقوقهم عليهن، وحقوقهن عليهم، إدارة القرآن كراچی)

باب وقوع الطلاق وعدم وقوعه

الفصل الأول فی وقوعِ الطلاق

(وقوعِ طلاق کا بیان)

بے اختیار لفظِ طلاق زبان سے نکل گیا

سوال[۵۹۷۷]: اگر کوئی شخص اِدھر اُدھر کی خیالی باتیں کر رہا ہو، اور اس میں اپنی بیوی کو طلاق بھی دے دیا اور اُسے مطلق کچھ خیال نہ ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا کیا اثر پڑے گا۔ کہنے کے بعد خیال آیا تو کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟ حلالہ کرنے کے بعد مہر جدید کافی ہے، یا پہلے والا مہر ختم ہو جائے گا اور پھر مہر جدید متعین کرنا پڑے گا؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کہنا کچھ اور چاہتا تھا مگر زبان لڑکھڑا گئی اور زبان سے لفظ طلاق نکل گیا تو دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن قضاءً طلاق کا حکم ہوگا، یعنی اگر معاملہ عدالت میں یا شرعی پنچایت میں پہونچ جائے اور وہ کہے کہ میں لفظ طلاق نہیں کہنا چاہتا تھا بلکہ فلاں لفظ کہنا چاہتا تھا، بے اختیار زبان سے لفظ طلاق نکل گیا تو اس کا قول معتبر نہیں مانا جائے گا(۱)، بلکہ طلاق کا حکم کر دیا جائے گا۔ عورت نے اگر لفظِ طلاق سنا ہے تو وہ شرعاً اس کو طلاق ہی تصور

---

(۱) "ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مکرهاً أوهازلاً أو سفیهاً أو سکران أو أخرس بإشارته أو مخطئاً". (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطلاق: ۳/۲۳۵-۲۴۱، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۱/۳۵۳، رشیدیه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، من يقع طلاقه ومن لايقع: ۳/۲۵۸، إدارة القرآن كراچی)

کرے گی"لأن المرأة كالقاضي"(۱)۔

اگراس کے ذہن میں آیا کہ بیوی کوطلاق دینا اچھا ہے اوراس نے جب ہی طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی (۲)۔ایک دفعہ نکاح میں جوتجویز کیا گیا ہے، اگر وہ ادانہیں کیا گیا اور بیوی نے معاف بھی نہیں کیا، پھر بعد حلالہ کے دوبارہ نکاح کیا گیا تو دوسرا مہر مقرر کیا جائے گا اور پہلا بھی باقی ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۸۹/۱/۲۱ھ۔

وقوعِ طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں

سوال [۵۹۷۸]: دوشخصوں نے اپنی دولڑکیوں کی بطورِادل بدل شادی کی، بعدازیں اس شخص نے اپنی لڑکی اپنے گھر بٹھائی اوراس کے خاوند کے ساتھ روانہ نہ کی۔جب اس لڑکی کواپنے باپ کے گھر بیٹھے پورا ایک سال گزر چکا تو اس لڑکے نے دوسری شادی کروالی اور وہ لڑکی اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہی۔اب اس لڑکی کے باپ نے اس لڑکے سے کہا کہ میری لڑکی کو گھر بیٹھے ہوئے پورے تین سال گزر چکے ہیں یا تو تم اپنے گھر میں لاؤ، ورنہ طلاق نامہ لکھو۔اس نے اپنے خسر سے کہا کہ میری بھانجی جو تمہارے بھتیجے سے بیاہی ہوئی ہے، تو اس کو طلاق

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۲۵۱/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۴/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۴۴۸/۳، رشيديه)

(۲) "ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مكرهاً أوهازلاً أو سفيهاً أو سكران أو أخرس بإشارته أو مخطئاً". (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق: ۲۳۵/۳-۲۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۳۵۳/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، من يقع طلاقه ومن لايقع: ۲۵۸/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والطلاق بعد الدخول يعقب الرجعة ويوجب كمال المهر، فيجب عليه المسمى في النكاح الثاني، فيجتمع عليه مهران". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في تكرار المهر: ۳۹۳/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، المهر: ۱۵۴/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، ۱۰۳، سعيد)

دیدوتو میں بھی اس کوطلاق دیدونگااوراس کودونوں طرف نے منظور کرلیا۔اورلڑکا پندرہ سال سات ماہ کی عمر کا ہے، گویا شرعی روسے تو بالغ ہے اگر چہ سرکاری قانون میں نابالغ ہے۔تو یہ طلاق واقع ہوگئی یانہیں؟

اوردوسرے یہ کہ ایک شخص اپنی عورت کوطلاق دیتا ہے اورتحریرنامہ سے انکار کرتا ہے تو آیا یہ طلاق واقع ہوگئی یانہیں؟ ایک مولوی صاحب نے اس پرفتویٰ دیا کہ یہ طلاق واقع ہوچکی ہے اوراس کی عدمِ تحریر کواس کے وقوع میں کچھ دخل نہیں ہے،اوراس پر کنزالدقائق کی عبارت" و یقع طلاق کل زوج عاقل بالغ و لو مکرهاً. الخ". نقل کی۔اس فتوی کی صحت اورعدمِ صحت کوبھی واضح فرمائیں۔بینوا توجروا۔

شیرمحمد ساکن کنگن پور،ضلع حصار۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شرعاً پندرہ سال پورے ہونے پرلڑکا بالغ قراردیدیا جاتا ہے(۱)اگرچہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہوں،پس اگر وہ لڑکا اپنی زوجہ کوطلاق دے تو وہ واقع ہوجائے گی اورشرعاً معتبر ہوگی۔اگراس کی طرف سے اس کا کوئی ولی باپ یاچچاوغیرہ اس کی زوجہ کوطلاق دے گا تو وہ واقع نہ ہوگی (۲)۔طلاق کا وقوع تحریر پرموقوف نہیں زبان سے کہنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے:"هو رفع قيد النكاح في الحال بالبائن أو المال

(۱) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال .... فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتى، لقصر أعمار أهل زماننا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۳/۶، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶۱/۵، كتاب الحجر، فصل في معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۵۳/۸، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، رشيديه)

(۲) "و تصرف الصبي والمعتوه إن كان نافعاً كالسلام والاتهاب، صح بلا إذن، وإن ضاراً كالطلاق والعتاق، لا وإن أذن به وليهما". (الدرالمختار). "لا شتراط الأهلية الكاملة .... وكذا لا تصح من غيره كأبيه و وصيه والقاضي للضرر". (ردالمحتار: ۱۷۳/۶، كتاب المأذون، مطلب في تصرف الصبي و من له الولاية عليه، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۰/۵، كتاب المأذون، الباب الثاني عشر في الصبي أو المعتوه، رشيديه)

بالرجعي بلفظ مخصوص". درمختار(۱)۔

تحریر کی ضرورت احتمالِ انکار کے دفعیہ یا کسی اَور مصلحت کے لئے ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۳/۵۸ھ۔

مذاق میں طلاق

سوال[۵۹۷۹]: زید نے اپنی دو دختران کا نکاح دو حقیقی برادران سے کر دیا تھا، عرصہ تک اچھی طرح رہتے رہے۔ دختران کا کہنا ہے کہ دونوں بھائی ہمیشہ مذاق مذاق میں کہا کرتے ہیں کہ تم اپنے ماں باپ کے گھر سے کچھ لے کر نہیں آئیں، ہم تو ایسی جگہ کریں گے جو خوب مال لے کر آویں۔ایک روز صاف لفظوں میں اول بڑے بھائی نے کہا: ''تم ہمارا پیچھا چھوڑو، ہم نے تمہیں چھوڑ دیا''۔ایک مرتبہ طلاق کا لفظ بھی کہا کہ ''چھوڑ دیا، طلاق دیدی''۔ ہم نے کہا کہ طلاق نامہ لکھدو اور ہمارے گھر پہونچادو، ہم نے اس کو بھی مذاق ہی سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ چلو ہم تمہارے والدین کے سامنے لکھ دیں گے۔

لدھیانہ سے ریل میں سوار ہو کر میرٹھ شہر میں اترے، یہاں سے ہمارا گھر فاصلہ پر تھا، موضع صالح نگر، ہم سے کہا کہ تم ٹھہرو، ہم سواری تلاش کر لائیں، پھر لاپتہ ہوگئے۔ تین یوم تک میرٹھ میں انتظار کیا، پھر ہم خود اپنے گاؤں صالح نگر میں پہونچے، سب قصہ لڑکیوں نے بیان کیا، برادران سے خط وکتابت کی، نہ کسی کا جواب دیتے، ہیں نہ آتے ہیں، نہ ملتے ہیں، سات ماہ گزر گئے۔ایسی صورت میں شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق مذاق میں بھی ہوجاتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکیوں کا بیان صحیح ہے تو شرعاً طلاق واقع

(۱) (الدر المختار: ۲۲۶/۳، ۲۲۷، کتاب الطلاق، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

ہوگئی:"و طلاق الملاعب والهازل به واقع، اه". عالمگیری: ۱/۳۵۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۴/۶۴ھ۔

نوٹ: لیکن محض لڑکیوں کے بیان پر دوسرا نکاح نہ کیا جاوے، بلکہ معاملہ صاف کرنا ضروری ہے، اگر شوہر اقرار کرے تو عدت کے بعد نکاح ہوسکتا ہے۔ فقط سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

جنگل میں باپ کے سامنے بغیر مرضی کے طلاق دینے سے وقوعِ طلاق

سوال[۵۹۸۰]: ایک جنگل میں باپ اور بیٹا دونوں کام کر رہے تھے، باپ نے بیٹے سے کہا کہ تم کس کے مرید بنوگے؟ تو لڑکے نے کہا: میں اپنے ماموں کا بالک بنوں گا۔ تو باپ نے کہا کہ ماموں کی لڑکی تیرے گھر میں ہے، جب تو ماموں کا مرید بننا چاہتا ہے تو تیرا نکاح اس کی لڑکی سے ہے، اس سے تو بہتر ہے کہ اپنی بہن سے نکاح کر لیتا۔ تو لڑکے نے جواب دیا کہ بالک یا مرید بنوں گا، تو ماموں کا۔ اس کے بعد اس لڑکے نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور طلاق باپ کے سامنے دی۔ ویسے نہ مرضی طلاق کی تھی اور نہ اب ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہونے کو کہتے ہیں۔ اب علماء اس بارے میں کیا کہتے ہیں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پیر کی لڑکی سے نکاح جائز ہے(۲)، وہ حقیقی بہن کی طرح نہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر اور مربی تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۲۳۵، كتاب الطلاق، سعيد)

"فيقع طلاق الهازل بالطلاق واللاعب، لما روى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ثلاث جدهن جدٌّ و هزلهن جدٌّ: النكاح والطلاق والعتاق". (بدائع الصنائع: ۴/۲۱۵، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴)

علیہ وسلم کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں (۱)۔

بیٹے نے جب تین طلاق دی تو طلاق مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دونوں کا شوہر بیوی کی طرح رہنا ہرگز جائز نہیں۔ اور حلالہ یہ ہے کہ بیوی عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، وہ ہمبستری کر کے اگر طلاق دیدے یا مرجائے اور اس کی عدت گزرجائے تب دوبارہ اس مطلقہ لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے (۲)۔

طلاق باپ کے سامنے اور جنگل میں دی تب بھی وہ طلاق ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مذاق میں طلاق اور طلاق کا جھوٹا اقرار

سوال [۵۹۸۱]: زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا اور غصہ کے عالم میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تمہیں نہ رکھوں گا"۔ پھر جب گھر سے باہر نکلا تو ایک صاحب نے مذاق میں کہا کہ "آپ نے اپنی بیوی کو کیسی طلاق دی ہے"؟ زید نے ہنستے ہوئے کہا کہ "میں نے طلاقِ مغلظہ دی ہے"۔ اپنی بیوی کے سامنے بھی نہیں کہا تھا، صرف دوسرے سے مذاق میں زبان سے نکل گیا، کوئی دل سے نہیں کہا۔

اب اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق مغلظہ ہوگی یا نہیں، اور اپنی بیوی کو بغیر حلالہ کے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن بريدة قال: خطب أبو بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما فاطمة، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنها صغيرةٌ، ثم خطبها عليٌّ، فزوجها منه". (مشكوة المصابيح، باب مناقب علي بن أبي طالب، الفصل الثالث، ص: ۵۶۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية (البقرة: ۲۳۰)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: جاءت امرأة رفاعة القرظيّ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقالت: إني كنت عند رفاعة، فطلقني، فبتّ طلاقي، فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير، وما معه إلا مثل هدبة الثوب. فقال: "أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة"؟ قالت: نعم، قال: "لا، حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب المطلقة ثلاثاً، الفصل الأول، ص: ۲۸۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہنسی مذاق میں بھی اس نے طلاقِ مغلظہ دے دی تب بھی واقع ہوگئی، چاہے بیوی سامنے ہو یا نہ ہو(۱)۔ لیکن اگر اس کا مقصود اس لفظ سے طلاقِ مغلظہ کی غلط خبر دینا تھا، یعنی مخاطب کے سامنے جھوٹی خبر دینا تھا اور جھوٹ کا اقرار کرنا تھا تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللّٰہ تعالیٰ طلاق نہیں ہوئی۔ اگر پہلے اس پر گواہ بنالیا تھا کہ میں جھوٹا اقرار کروں گا تو قضاءً بھی طلاق نہیں ہوئی (۲)۔

اگر طلاقِ مغلظہ کا لفظ کہتے وقت زید خالی الذہن تھا یعنی جھوٹا اقرار کرنا، جھوٹی خبر دینا ذہن میں نہیں تھا، بلکہ اس تصور سے فارغ ہو کر کہہ دیا تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے زوجیت درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۸/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۸/ ۱۳۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة". (سنن أبي داؤد، باب في الطلاق على الهزل: ۱/۳۰۵، إمدايه ملتان)

"ويقع طلاق .... هازلاً". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أي فيقع قضاءً وديانةً". (ردالمحتار: ۲۳۸/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۸۴/۱، كتاب الطلاق، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لو أراد به الخبر من الماضي كذباً لايقع ديانةً، وإن أشهد قبل ذلك لايقع قضاءً". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في مسائل التي لاتصح مع الإكراه: ۲۳۸/۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، فيما يرجع إلى صريح الطلاق: ۲۶۲/۳، رشيديه)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتيين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة: ۴۷۳/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۴۰۹/۳، ۴۱۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳۹۹/۲، شركة علميه ملتان)

عددِ طلاق میں شک

سوال[۵۹۸۲]: زیداوراس کی بیوی ہندہ میں نزاع ہوا، زید نے ہندہ مذکورہ کوایک سے زائد طلاق دیں (غالباً اس طرح: میں نے تجھ کوطلاق دیدی قطعی دیدی اور پچھلا فقرہ قطعی دیدی ایک باریا دوبارتین باراس کو سننے والوں نے دویا تین یا چار سمجھا) اور گھر سے نکل جانے کو کہا پھر جب غصہ فرو ہوگیا تو اس نے اپنی بیوی مذکورہ کو اپنے گھر میں رکھ لیا اوراب تک حسب معمول سابق اس کے پاس رہتی ہے واقعہ مذکورہ کی تفصیل زوجین اور دو عورتوں عائشہ اور زینب کے بیان کے مطابق جو جھگڑے کے وقت موجود تھے بطور ذیل ہے:

۱- زید شوہر کا بیان کہ میری بیوی نے طعنہ زنی کی جس پر مجھ کوغصہ آیا اور غصہ میں میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی یہ یاد نہیں ہے کہ کتنی طلاقیں دی ہیں دو یا تین یا چار۔

۲- ہندہ بیوی کا بیان ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو برا بھلا کہا اس لئے میں نے بھی طعنہ دیا اس پر میرا شوہر بہت غصہ ہوگیا اور مجھ کو دو چھڑیاں لگائیں اور میں نے دوطلاقیں اس کی زبان سے سنیں۔

۳- مسماۃ عائشہ نے بیان کیا جس مکان میں جھگڑا ہوا میں موجود تھی زید نے اپنی بیوی کو کئی طلاقیں دیں یہ مجھے پورا خیال نہیں کہ دیں اور کتنی دفعہ کہا، میرے خیال میں یہ ہے کہ اس نے پوری طلاقیں دیں اگر مجھے اس وقت خیال ہوتا کہ بعد میں تحقیق کیجاوے گی تو میں دھیان کرکے یادرکھتی۔

۴- مسماۃ زینب کا بیان ہے کہ جب جھگڑا ہوا تو زید نے اپنی لڑکی اپنی بیوی ہندہ کی گود سے لے لی اور ہندہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، جا، وہ چلدی جب چلدی تو اس نے تین دفعہ طلاق دی۔

پس ارشاد ہو کہ صورت مذکورہ بالا میں شرعاً زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا اپنی بیوی کو رکھ لینا رجوع ہوا یا نہیں؟ اور اگر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی تو عدت کا شمار کس وقت سے ہوگا اور کب عدت ختم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاروں میں کسی کے بیان میں بھی الفاظ طلاق کا ذکر نہیں کہ کیا تھے سائل نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی یقین کے ساتھ نہیں لکھا پس اگر صریح الفاظ طلاق کے کہے تو حکم یہ ہے کہ اگر ہندہ کے نزدیک زینب کا بیان صحیح ہے اور زینب ثقہ عادلہ ہے تو ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں، البتہ حلالہ کے بعد نکاح درست ہوسکتا ہے اگر

زینب ثقہ عادلہ نہیں اور ہندہ کو اس کے کہنے کا یقین نہیں اور عائشہ کا خیال یہ ہے کہ تین دفعہ طلاق صریح دی ہے اور ہندہ اس خیال کی تصدیق کرتی ہے تب بھی یہی حکم ہے(۱)۔

اگر عائشہ کے خیال کی تصدیق نہیں کرتی اور دومرتبہ خود صریح طلاق سننے کا یقین کرتی ہے اور شوہر کو شک ہے کہ اس نے دو دفعہ صریح طلاق دی ہے یا تین دفعہ اور کوئی ذریعہ ترجیح اور ظن غالب کا ہے نہیں تو اس صورت میں دو طلاق شمار ہوگی تین شمار نہ ہوگی (۲) اور صریح طلاق دومرتبہ طلاق دینے کے بعد عدت میں رجعت جائز ہوتی ہے(۳) اور عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہوگا(۴)۔

---

(۱) "والمرأة كالقاضي، لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهد به شاهد عدل عندها".

(تبيين الحقائق: ۴۱/۳، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۵۱/۳، كتاب الطلاق، مطلب من الصريح ألفاظ المصحفة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۴/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۲) "و في نوادر ابن سماعة عن محمدؒ: إذا شك في أنه طلق واحدةً، أو ثلاثاً، فهي واحدة، حتى يستقين، أو يكون أكبر ظنه على خلاف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۳/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، مطلب: إذاشك أنه طلق واحدة الخ ،رشيديه)

(و كذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۲۸۳/۳، مطلب في قول الإمام: إيماني كإيمان جبريل، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۴۳۰/۳، الفصل في الشك في إيقاع الطلاق، وفي الشك في عدم ما وقع من الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك، أولم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة ، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۴۹/۳ ، باب الرجعة ، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸۳/۴، باب الرجعة ، رشيديه كوئٹه)

(۴) "ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق، و في الوفاة عقيب الوفاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۳۱/۱، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵۲۰/۳، باب العدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۶۰/۳، باب العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

تین حیض عدت ہوگی، اگر حاملہ ہے تو وضع حمل (۱) ورنہ تین ماہ ہے، لہٰذا تعلق زوجیت کا باقی رکھنا رجعت شمار ہوگا (۲) تاہم اگر کسی طریق سے یقین یا ظن غالب ہوجائے کہ تین مرتبہ صریح طلاق دی ہے پھر تعلق زوجیت کا باقی رکھنا بلا حلالہ کے حرام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال [۵۹۸۳]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ، اندریں صورت:

شخصے بنام عبدالجلیل در روز بحوائج مکان مشغول شدے وبعد مغرب بخار آمدے، بدینگونہ حالتِ اوبود. روزے بعد مغرب بخار آمد وزوجۂ خود را برائے خدمتِ او طلب کرد، نیامد، اوگفت: تُرا ایک طلاق دادم. وشاہد واحد فقط پسرِ او بنام علی حسین حاضر بود، گفت: پدرم مادرم رابدینگونہ گفت: "تُرا طلاق دادم، طلاق دادم، ترا

---

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أو رجعياً، أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، و هي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، و عدة الحامل أن تضع حملها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، ۵۲۸، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في التنوير مع الدر المختار: ۳/۵۰۴، ۵۱۱، باب العدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، ۲۵۲، باب العدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۱۵، ۴۱۹، فصل فيما يتعلق بتوابع الطلاق في عدة الحامل، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وتصح (الرجعة) براجعتك، أو راجعت امرأتي، و بما يوجب حرمة المصاهرة، .... إلى أن قال: كالوطء، والقبلة، واللمس والنظر إلى داخل الفرج بشهوة". (تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار مع الدر المختار: ۳/۳۹۸، باب الرجعة، سعيد)

"والجماع في العدة رجعة، و كذلك المس بشهوة، والتقبيل بشهوة". (التاتارخانية: ۳/۵۹۴، كتاب الطلاق، مسائل الرجعة، إدارة القرآن)

ایک طلاق دادم".

عبدالجلیل گفت: ہر گاہ میانِ ماں فساد گردد، پسرم علی حسین دائماً طرفداریٔ مادرش می نماید، یامادرش مشاورہ نمودہ، ایں میگوید. پس دریں صورت کدام طلاق گردد، یعنی سہ طلاق واقع گردد، یا طلاق واحد؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل.

احقر عبدالرحمٰن غفرلہ الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبدالجلیل بحواس خود ایک طلاق دادہ است وبوثوق میدا ند کہ یک طلاق دادہ، وسہ طلاق نہ دادہ است، وشاہد بجزِ پسرش ہیچ کس نیست، پس قضاءً سہ طلاق واقع نخواہد شد، بل یک طلاق واقع خواہد شد. تاہم اگر زنش راپسرش بسہ طلاق اطلاع دادہ است، واُونزدِ او عادل است ویقین بہ خبرِ پسر میدارد، یااوبگوشِ خود سہ طلاق شنیدہ است، در ہر صورت زن را روانیست کہ بیہج وجہ عبدالجلیل را بر خود دست دہد، وبرائے جماع ودواعیش مطاوعت نماید، بلکہ واجب است کہ بنہجیکہ تواند ازو دور ماند، کما صرح بہ فی ردالمحتار فی باب الرجعة: ۲/۸٤۱(۱)۔

اگر عبدالجلیل یک طلاق را بوثوق باور نمیدارد بلکہ او راشک است کہ ایک طلاق دادہ است یاسہ، وپسر وزوجۂ اش را تصدیق می نماید، پس دریں صورت سہ طلاق واقع خواہد شد، ہکذا یفہم مما ذکر فی الأشباہ:

"شك أنه طلق واحدةً أو أكثر، بُني على الأقل، كما ذكره الإسبيجابي، إلا أن يستيقن بالأكثر أو يكون أكثر ظنه على خلافه. وإن قال الزوج: عزمت على أنه ثلاث، يتركها. وإن

---

(۱) "إذا أخبرها ثقةٌ أن الزوج طلقها وهو غائب، وسعها أن تعتد وتتزوج ولم يقيده بالديانة. قلت: هذ تأييد لقول الأئمة المذكورين: فإنه إذا حل لها التزوج بإخبار ثقة، فيحل لها التحليل هنا بالأولىٰ إذا سمعت الطلاق أو شهد به عدلان عندها". (ردالمحتار، باب الرجعة، مطلب: الإقدام على النكاح إقرار بمضي العدة: ۳/۴۲۱، سعيد)

أخبره عدول حضروا ذلك المجلس بأنها واحدة وصدقهم، أخذ بقولهم إن كانوا عدولاً، اهـ".

قال الحموي: "(قوله: وصدقهم) مفهومه أنه غلب على ظنه خلاف كلامهم، يأخذ بظنه، اهـ"

حموی، ص: ۸۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۳/۵۵ھ۔

---

(۱) (شرح الحموي على الأشباه والنظائر: ۱/۱۹۶، ۱۹۷، القاعدة الثانية: اليقين لايزول بالشک، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، مطلب: إذا شک أنه طلق واحدةً أو ثلاثاً: ۱/۳۶۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في قول الإمام: إيماني كإيمان جبريل: ۳/۲۸۳، سعيد)

ترجمۂ سوال و جواب:

آپ حضرات کا اس صورت میں کیا قول ہے رحمکم اللہ تعالیٰ کہ:

ایک شخص عبدالجلیل نامی دن میں گھریلو ضروریات میں مصروف رہتا تھا اور بعد مغرب اس کو بخار آجاتا تھا، اسی طرح اس کی حالت تھی، ایک دن بعد مغرب اس کو بخار آگیا اور اس نے اپنی بیوی کو اپنی خدمت کے لئے طلب کیا، وہ نہیں آئی اس نے کہا: ''تجھ کو میں نے ایک طلاق دی''۔ اور صرف ایک گواہ اس کا لڑکا علی حسین نامی حاضر تھا، اس نے بیان کیا: میرے والد نے میری والدہ کو اس طرح کہا ہے: ''تجھ کو میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، تجھ کو میں نے ایک طلاق دی''۔

عبدالجلیل نے بیان کیا: جس وقت ہمارے درمیان جھگڑا ہوتا ہے، میرا لڑکا علی حسین ہمیشہ اپنی ماں کی طرف داری کرتا ہے، وہ اپنی ماں سے مشورہ کر کے ہی یہ بیان کر رہا ہے۔ پس اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی، تین طلاق واقع ہوگی یا ایک طلاق؟ بینوا بالدلیل توجروا عندالجلیل۔

احقر عبدالرحمٰن غفرلہ الرحمٰن۔

الجواب:

اگر عبدالجلیل نے اپنے حواس کی درستگی کے ساتھ ایک ہی طلاق دی ہے اور یقین سے جانتا ہے کہ ایک ہی طلاق دی ہے، تین طلاق نہیں دی اور گواہ بجز اس کے لڑکے کے اور کوئی نہیں، پس قضاءً تین طلاق واقع نہ ہوں گی، بلکہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ تاہم اگر اس کی بیوی کو اس کے لڑکے نے تین طلاق کی اطلاع دی ہے اور وہ لڑکا اس کے نزدیک عادل ہے اور وہ اپنے لڑکے کی خبر پر یقین رکھتی ہے، یا اس نے اپنے کان سے تین طلاق سنی ہیں، ہر صورت میں عورت کو جائز نہیں کہ کسی طرح =

صیغۂ حال سے طلاق

سوال[۵۹۸۴]: زید نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو بایں لفظ کہ ''تم کو طلاق دیتے ہیں، طلاق دیتے ہیں، طلاق دیتے ہیں'' کہدیا۔ تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کس قسم کی رجعی یا بائن یا مغلظہ؟ از روئے شرع شریف ذیل میں تحریر فرمادیا جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ لفظ کہ ''تم کو طلاق دیتے ہیں'' حال کا صیغہ ہے اور صیغۂ حال سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، پس تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوگئی، بغیر حلالہ کے رکھنا صحیح نہیں: ''و في المحيط: لو قال بالعربية: أطلق، لايكون طلاقاً، إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً، اهـ''. عالمگیری: ۱/۴۰۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۶/شوال/۵۵ھ۔

=عبدالجلیل کو اپنے اوپر قابو دے اور جماع یا دواعی جماع کے واسطے اس کی اطاعت کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سے دور رہے جیسا کہ ردالمحتار، باب الرجعة: ۲/۸۴۱، میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

اگر عبدالجلیل کو ایک طلاق کا وثوق کے ساتھ یقین نہیں، بلکہ اس کو شک ہے کہ ایک طلاق دی ہے یا نہیں اور اپنے لڑکے اور بیوی کی تصدیق کرتا ہے تو اس صورت میں تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اشباہ میں ذکر کردہ ذیل عبارت سے اسی طرح سمجھ میں آتا ہے: ''شک أنه طلق واحدةً أو أكثر، بُني على الأقل، الخ''.

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

''و يقع بها: أي بهذه الألفاظ و ما بمعناها من الصريح''. (الدرالمختار). ''(قوله: ومابمعناها من الصريح): أي مثل ما سيذكره من نحو: كوني طالقاً وأطلقي، و يا مطلقة بالتشديد، و كذا المضارع إذا غلب في الحال، مثل أطلقك، كما في البحر''. (ردالمحتار: ۳/۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۳/۴۳۹، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

اگر وہاں کے عرف میں یہ لفظ حال میں اکثر مستعمل ہوتا ہے تو ان الفاظ سے حسب تصریح مفتی صاحب تین طلاق واقع ہونگی۔ سعید احمد غفرلہ۔

صیغۂ حال سے طلاق

سوال [۵۹۸۵]: ۱..... احقر کشمیر کے ایک دورافتادہ پہاڑی علاقہ کا باشندہ ہے جو وادی سے دوسو کلومیٹر دور ہے، علاقہ کی بولی سے جداگانہ ہے، یہ علاقہ قلیل کے نام سے جانا جاتا ہے، اس میں ۲۷، ۲۸/ گاؤں ہیں، لوگ نسلاً سب مسلمان ہیں۔ احقر رمضان المبارک میں گھر گیا تو برادری کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کے بارے میں ایک جملہ کہا تھا "مس، نبه، نهت، نهم، نهس" جس کا ترجمہ یہ ہے "میں اسے چھوڑ رہا ہوں"۔ بیوی سامنے تھی۔ یہ جملہ ایک ہی مجلس میں تین دفعہ کہا تھا، یہ جملہ بیوی کے بارے میں اگر ہمارے یہاں کہے تو طلاق ہی مراد لیتے ہیں اور اگر کسی دوسری چیز کی طرف اشارہ کرکے کہے تو اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس چیز کو چھوڑ رہا ہے۔

یہ مسئلہ کشمیر کے مفتی اعظم بشیر الدین صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ طلاق نہیں ہوتی ہے، مگر احتیاطاً نکاح پڑھیں۔ احقر کے پاس وہ فتویٰ لایا گیا، اس میں مفتی صاحب نے لکھا تھا: "إذا لم يسم المرأة ولم يضف الطلاق إلى المرأة لا يقع"(۱)۔

۲..... کوئی اپنی بیوی سے کہے "میں اسے چھوڑ دوں گا" تو طلاق واقع نہیں ہوگی؟

۳..... غصہ اور غضب میں ہے، ہوش قائم نہ ہوں، ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

احقر نے کہہ دیا کہ یہ فتویٰ غلط ہے، پہلا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ ایک آدمی کے نکاح میں کئی بیویاں ہوں وہ نام لے، یہاں ایک ہے نام لینے کی کیا ضرورت ہے، نمبر: ۲ میں "میں چھوڑ رہا ہوں" کے بجائے "میں چھوڑ دوں گا" کا حکم لکھا تھا۔ نمبر: ۳ میں غصہ اور غضب میں طلاق واقع نہ ہونے کو جو لکھا ہے یہ بھی غلط ہے، بندہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ سب لوگ بندہ کے سر ہوگئے کہ پھر آپ ہی کچھ کریں۔ احقر مذکورہ جملہ تین دفعہ کہنے سے

---

(۱) "رجل قال: طلقت امرأة، أو قال: "امرأة طالق". ثم قال: لم أعن امرأتي، يصدق قوله". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق، نوع آخر في الإيقاع بطريق الإضمار وفي ترك الإضافة وما أشبههما: ۲۰۶/۳، قديمی)

طلاقِ مغلظہ کا قائل تھا، مگر ظاہر نہ کر سکا۔ چونکہ جن صاحب نے یہ الفاظ کہے تھے، وہ کافی مالدار تھے، علاقہ کے اکثر لوگ ان سے وابستہ تھے، نیز جن کی لڑکی تھی وہ طلاق کو نہیں چاہتے تھے، بلکہ پختہ ارادہ ان کا یہ تھا کہ کچھ بھی ہو جائے ہماری لڑکی ان کے گھر رہے۔ ادھر سے لڑکی والے میری اہلیہ محترمہ سلمہا اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں، ان کی وجہ سے بھی میں بات صاف نہ کہہ سکا، کیونکہ فتنہ برپا ہوتا۔

احقر سے یہ لوگ صرف نکاح پڑھنے یا اجازت نکاح طلب کرنے کو کہتے تھے، یہ نہیں کہتے تھے کہ شرعی حکم کیا ہے؟ یہ لوگ رات ودن آتے رہتے اور تنگ کرتے، آخر کار بندہ مجبور ہوا تو ان سے کہا کہ قریب کے پانچ چھ گاؤں کے اکثر اور سمجھدار لوگ جمع کریں، سب مل کر فیصلہ کریں، ایک اور چار گاؤں کے اکثر لوگ اور دو گاؤں سے ایک ایک آدمی جمع ہوئے، احقر نے پہلے ان کو خوب سمجھایا کہ طلاق ونکاح کا مسئلہ ہے، آپ لوگ کسی کی رعایت نہ کریں، اس جملے میں کونسا زمانہ پاتے ہو؟ اور تین دفعہ کہنے سے تم لوگ کیا حکم لگاتے ہو؟ صاف صاف کہدیں تو سب لوگوں نے یہ کہا کہ ان الفاظ سے ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اور مذکورہ جملے میں زمانہ مستقبل پاتے ہیں۔

کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ بھی اس علاقہ کے باشندہ ہیں، مذکورہ جملہ آپ کی مادری زبان کا ہے، آپ ہی بتائیں کہ کیا حکم ہوگا، بلکہ سب لوگ کہنے لگے کہ آپ نکاح پڑھیں، یا اجازت دیں۔

احقر نے ان سے ایک تحریر نامہ بھی لیا جس میں چالیس سے زائد لوگوں نے دستخط بھی کئے، پھر مجبور ہو کر بندہ نے نکاح پڑھنے کی اجازت دی، نکاح ہو گیا۔ اب حضرت والا سے گزارش ہے کہ احقر کے حق میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور مذکورہ جملہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں جب شوہر اپنی بیوی کے حق میں کہتا ہے کہ "میں اسے چھوڑ رہا ہوں" تو عامۃً اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ میں اسے طلاق دے رہا ہوں، لہٰذا اس لفظ سے بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور تین دفعہ کہنے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہو جاتی ہے(۱)، پھر بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح جائز نہیں ہوتا، جو نکاح دوبارہ

---

(۱) "إذا قال الرجل لامرأته "بهشتم ترا ازرني" فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان و أهل عراق في الطلاق، وأنها صريحة عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، حتى كان الواقع بها رجعياً، و يقع بدون =

کیا جائے حلالہ سے قبل وہ شرعی نکاح نہیں، ان دونوں کے درمیان جدائی لازم ہے۔ مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود جس نے نکاح پڑھا اور جو لوگ اس نکاح میں شریک ہوئے، یا اس سے راضی ہوئے وہ سب گنہ گار ہیں، سب کو توبہ لازم ہے، ایمان کسی کا سلب نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ سب کا ایمان باقی رکھے اور قوی فرمائے۔ باقی آپ کا مسئلہ بہت الجھ گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہتر مخرج پیدا فرمائے اور آئندہ کو محفوظ فرمائے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لفظ ''میں اسے چھوڑ رہا ہوں'' اس معنی میں ہوتا ہے کہ میں اسے چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہوں، اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی، پھر دوبارہ نکاح اور حلالہ کی بحث بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر یہ لفظ کسی مقام پر طلاق کے لئے بولا ہی نہیں جاتا ہو تو وہاں بھی یہ حکم نہیں ہوگا جو شروع جواب میں لکھا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

= النية. و في الخلاصة: و به أخذ الفقيه أبو الليث. و في التفريد، و عليه الفتوىٰ، كذا في تاتارخانية. وإذا قال: ''بہشتم ترا'' و لم يقل: ''اززنی'' فإن كان في حالة غضب، و مذاكرة الطلاق، فواحدةً يملك الرجعة. وإن نوى بائناً أو ثلاثاً فهو كما نوى. و قول محمد رحمه الله تعالىٰ في هذا كقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ كذا في المحيط.

ولو قال الرجل لامرأته: ''ترا چنگ بازداشتم، او بہشتم، اويله كردم ترا، او پائی كشاده كردم ترا'' فهذا كله تفسير قوله: طلقتك عرفاً، حتى يكون رجعياً، و يقع بدون النية، كذا في الخلاصة. وكان الشيخ الإمام ظهير الدين المرغيناني يفتي في قوله: ''بہشتم'' بالوقوع بلانية، و يكون الواقع رجعياً''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

''بخلاف فارسية (قوله: سرحتك) وهو ''رہا كردم''؛ لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رہا كردم'' أي: سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، و ما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، و قدم أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت .... وأما إذا تعورف استعماله في مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائناً، يتعين وقوع الرجعي، كما في فارسية سرحتك''. (رد المحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

گالی کے طور پر ''طلاقن'' کہنا

سوال[۵۹۸۶]: زید کی اس کی گھروالی سے ناراضگی چل رہی تھی، گھروالی کھانے کے لئے کہنے کے واسطے سامنے آئی تو زید نے گھروالی سے کہا کہ ''ہٹ جا سامنے سے سات طلاقن''۔ اس لفظ سے زید کی نیت گالی دینے کی تھی، طلاق دینا نہیں تھا۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کی بیوی کو پہلے طلاق نہیں دی گئی تھی، اب یہ شخص خود اس کو ''طلاقن'' کہہ رہا ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی، اور ''سات طلاقن'' کہنے سے طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ گالی کی نیت قضاءً معتبر نہیں:

"قال في البحر: ومنه: أي من الصريح: يا طالق، أو يا مطلقة –بالتشديد– ولو قال: أردت الشتم، لم يصدق قضاءً ودِيَن، خلاصة. ولو كان لها زوج طلقها قبل فقال: أردت ذلك الطلاق، صدق ديانةً باتفاق الروايات وقضاءً في رواية أبي سليمان، وهو حسن، كما في الفتح. وهو الصحيح، كما في الخانية. ولو لم يكن لها زوج، لايصدق. وكذا لو كان لها زوج قد مات، اهـ". ردالمحتار: ۴۳۲/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۶ھ۔

گالی کے طور پر لفظ ''طلاق'' کا استعمال

سوال[۵۹۸۷]: زید نے زوجہ کی چند کوتاہیوں کی وجہ سے اشتعال میں آکر لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' تین مرتبہ کہا، جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو زید نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا بلکہ بطورِ دشنام کہا۔ لہٰذا اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية: ۲۵۱/۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب الطلاق: ۳۲۱/۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب إيقاع الطلاق: ۷/۴، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بیوی کے حق میں لفظ طلاق تین دفعہ کہا ہے اگر چہ بطورِ دشنام کہا ہو اور طلاق دینے کی نیت نہ ہو تب بھی طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۱)، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ

طلاق نہ دینے کا عہد کرنے کے بعد پھر طلاق دینا

سوال[۵۹۸۸]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے حالتِ نکاح میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں تیرے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ کروں تو مجھے خدا اور اس کے سچے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بُعد نصیب ہو۔ اس عہد کے بعد زید کو قرائنِ قویہ سے معلوم ہوا اور پورے وثوق کے ساتھ اس بات کو پہنچا کہ ہندہ خصائلِ رذیلہ میں مبتلا ہوگئی، اس علم کے بعد زید نے اس کو بہت سمجھایا اور بہت کچھ صبر وتحمل سے کام لیا مگر جب کہ بستی والوں نے بھی

---

(۱) "إذا قال لامرأته: أنت طالق، و طالق، و طالق، و لم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الباب الثانی فی إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۶، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق و إيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، قبيل باب الكنايات، سعيد)

(۲) "فالحكم الأصلی لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق وزوال الملك أيضاً، حتی لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد .... وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلی هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتی لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غيره﴾". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل فی حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۴، ۹۷، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتار خانية: ۳/۴۰۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون، فی المسائل المتعلقة بنكاح المحلل، اهـ، إدارة القرآن كراچی)

اس بات کی شہادت دی کہ زید! تیری بیوی کا تعلق نہایت درجہ خراب ہو چکا ہے۔ اور ہندہ نے اپنے خاوند سے کئی مرتبہ کہا کہ مجھے طلاق دیدے، میرا تعلق جس شخص سے ہو چکا ہے، اس سے نکاح کروں گی تو زید نے مجبوراً طلاقِ مغلظہ دیدی۔

اب زید کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے، آیا وہ دھوکہ باز قرار دیا جائے گا اور وہ بُعدِ خداوندی کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟ اب ہندہ بہت زور دے رہی ہے نکاحِ ثانی پر اور اس نے حلالہ کے واسطے ایک آدمی کو تیار کر رکھا ہے، مگر زید کا دل اس سے بالکل برداشتہ ہو چکا اور بستی والے بھی بہت زور دے رہے ہیں نکاحِ ثانی پر۔ اب ان سے حلفاً پوچھا جائے کہ ہندہ کے تعلقات واقعی تم نے خراب پائے، اگر خراب پائے تو پھر کیوں زور دیتے ہو اور زید کو جس جگہ اور جس پر شبہ تھا اس نے بھی اقرار کیا کہ میں نے زنا کیا اور میرے سے یہ زنا نہیں چھوٹ سکتا اور یہ ہندہ عورت مجھے چھوڑ نہیں سکتی۔ اور زید کے لئے ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے اور زید کے لئے ایسی بیوی کی بابت کیا حکم ہے؟ فقط۔ والسلام، ۲۰/صفر/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس صورت میں زید کو شرعاً دھوکہ باز نہیں کہا جا سکتا اور زید کے ذمہ اس عورت سے دوبارہ حلالہ کے بعد بھی نکاح کرنا واجب نہیں، اس کو اختیار ہے کرے یا نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/صفر/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/صفر/۵۸ھ۔

حالتِ حیض میں طلاق

سوال [۵۹۸۹]: ہمارے یہاں ایک شخص کو آج شادی کئے ہوئے قریب دو سال ہو گئے، ایک بچہ بھی ہو گیا اور آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک روز زید کی بیوی بیماری کی حالت میں رو رہی تھی، زید نے بیوی سے رونے کی وجہ پوچھی، بیوی نے کوئی وجہ نہ بتائی تو زید نے بیوی کو مارنا شروع کر دیا اور اس غصہ کی حالت میں زبان سے تین دفعہ طلاق دے دی اور زید کی بیوی اس وقت حیض کی حالت میں ہی تھی۔ اب زید اس بیوی کو واپس لانا چاہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ اس کو رکھنے کا حق نہیں (۱) یعنی اس طلاق کے بعد عدت تین حیض مستقل گزار کر دوسرے شخص سے نکاح ہو اور ہمبستری کرنے کے بعد اگر مرجائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت ختم ہونے پر اس تین طلاق دینے والے زید سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی صورت نہیں۔ حالتِ حیض میں طلاق دینا منع ہے، تاہم اگر کوئی حالتِ حیض میں طلاق دیدے تو وہ واقع ہو جائے گی (۲)۔ جس حیض میں

---

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى التاتارخانية: ۶۰۳/۳ كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل و ما يتصل به، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"فالحكم الأصلي لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق، و زوال الملک أيضاً، حتى لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد .... و أما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملک، و زوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دار الكتب العلمية بيروت)

"و ينكح مبانته في العدة و بعدها لا المبانة بالثلاث لو حرةً، وبالثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره و لو مراهقاً بنكاح صحيح و تمضي عدته". (البحر الرائق: ۹۴/۴، ۹۷ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض، وقع الطلاق؛ لأن النهي عنه لمعنىً في غيره، و هو ما ذكرنا، فلا ينعدم مشروعيته، الخ". (الهداية: ۳۵۷/۲، كتاب الطلاق، شركة علمية، ملتان)

"والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها و هي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه، وكان الطلاق واقعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

"ثم البدعة في الوقت يختلف فيها المدخول بها و غير المدخول بها، فيكره أن يطلق المدخول بها في حالة الحيض.......... وأما حكم طلاق البدعة، فهو أنه واقع عند عامة العلماء، و قال بعض الناس: إنه لا يقع، وهو مذهب الشيعة أيضاً". (بدائع الصنائع: ۲۰۵/۴، ۲۰۶، كتاب الطلاق، =

طلاق دی ہے، وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، اس کے بعد تین حیض مستقل لازم ہوں گے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الفاظِ طلاق عربی میں کہلوانا، جن کے معانی کو نہ جانتا ہو

سوال [۵۹۹۰]: ایک شخص نے کسی آدمی سے یہ الفاظ کہلوائے:

"أطلق زوجی طلقاً واحداً أو ثانياً أو ثالثاً"۔ لیکن ان الفاظ کے معانی اس کو معلوم نہیں، پھر معانی بتلا دیئے گئے، تو پھر اس نے ان الفاظ کو کہا اور اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی۔ تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ شخص ان الفاظ کا ترجمہ نہیں جانتا، مگر یہ جانتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق دی جاتی ہے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن جب اس کو معنی بھی بتلا دیئے گئے اور جان کر سمجھ کر پھر یہ الفاظ کہے تو اب وقوعِ طلاق میں کیا شبہ ہے، نیت کی حاجت نہیں (۲)۔ ہاں! اگر بالکل محلِ استعمال اور معنیٰ سب سے ہی ناواقف ہو، کچھ خبر ہی نہ ہو تو پھر طلاق نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۴/۴/۹۵ھ۔

= فصل في طلاق البدعة، بيروت)

(۱) "وإذا طلق امرأته في حالة الحيض، كان عليها الاعتداد بثلاث حيض كوامل، ولا تحتسب هذه الحيضة من العدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۷، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(۲) "ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مكرهاً أو هازلاً أو سفيهاً أو سكران أو أخرس أو مخطئاً". (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۳۵-۲۴۱، سعيد)

وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۱/۳۵۳، رشيديه)

وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۲/۳۱۶، إمداديه ملتان)

(۳) "وإذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق ولايعلم معنى قوله: أنت طالق، فإنه يقع الطلاق. وإذا قال =

مغرور ضدی عورت کو طلاق

سوال[۵۹۹۱]: تقریباً دوماہ کا عرصہ ہوا میری بیوی اپنے سگے چچا کے ساتھ میری بغیر مرضی کے اپنے میکہ چلی گئی جہاں پر اس کو اپنے خالہ زاد بھائی کی شادی میں شرکت کرنی تھی۔ چلتے وقت اس سے میں نے یہ کہا تھا: ''دیکھو! تم میری بغیر اجازت کے اپنے گھر جارہی ہو، تمہارا یہ فعل شریعت کے خلاف ہے، لیکن پھر بھی شوہر ہونے کے ناطہ میں تم کو یہ سمجھائے دیتا ہوں کہ جہاں پر تم جارہی ہو، وہ ایک شادی کا گھر ہے، ہنگامۂ شادی میں بے پردگی اور بے حیائی کا زیادہ دَور دَورہ رہتا ہے، بے حیائی اور بے پردگی سے پرہیز رکھنا اور میں تم کو اس بات کی سخت تاکید کرتا ہوں کہ تم وہاں جاکر کبھی اپنے خالہ زاد بھائی کے سامنے ہرگز مت آنا اور اگر تم نے میری بات کی خلاف ورزی کی تو میں تم کو چھوڑ دوں گا''۔

میری یہ باتیں سُن کر اس نے مجھے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ اگر تم مجھے میرے خالہ زاد بھائی کے سامنے آنے سے روکتے ہو تو میں اس کے سامنے کبھی نہیں آؤں گی اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر میں تمہارے اس حکم کی خلاف ورزی کروں تو خدا کے دین وایمان سے پھر جاؤں۔ اتنا کہہ کر وہ اپنے میکہ چلی گئی۔ لیکن مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے اپنے میکہ جاکر میری ہر بات کی خلاف ورزی کی ہے۔

میری بیوی ایک مالدار گھرانہ کی اکلوتی، مغرور اور ضدی لڑکی ہے۔ مختصر پڑھی ہونے کے علاوہ صوم وصلوۃ کی بھی پابند ہے۔ میں ایک غریب مگر تعلیم یافتہ نوجوان ہوں، میرے ایک چار ماہ کا لڑکا بھی ہے جو اپنی ماں کے ہمراہ ہے۔ اگر حدیث شریف مجھے اپنی بیوی سے قطعِ تعلق کرنے کی اجازت دے دے تو کیا میں اپنے لڑکے کو فوری طور پر اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے لکھا ہے کہ ''وہ مغرور اور ضدی لڑکی ہے''۔ مگر آپ کے منع کرنے پر اس نے پختہ وعدہ کیا اور

= لامرأته: أنت طالق، ولايعلم أن هذا القول طلاق، طلقت في القضاء ولاتطلق فيما بينه وبين الله تعالىٰ، هكذا في الذخيرة''. (الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۲۴۱/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية، مسائل الإيقاع بلا قصد وإضافته: ۱۷۹/۱، رشيديه)

سخت قسم بھی کھائی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرماں بردار ہے، مغرور اور ضدی نہیں، ہوسکتا ہے کہ قسم بھول گئی ہو۔ آپ اس کو نرمی سے بار بار نصیحت کرتے رہیں، امید ہے کہ اصلاح ہو جائے گی اور آپ کا گھر آباد رہے گا۔ طلاق دینے اور تعلق ختم کر دینے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپ کو بھی دشواری پیش آئے۔ دوسری شادی جلدی نہ ہو سکے، اور دوسری کہیں اس سے زیادہ پریشان کن نہ آئے، اس لئے ابھی تعلق ختم نہ کریں۔

بچہ کی پرورش کا حق بچہ کی ماں کو ہے (۱)، نفقہ آپ کے ذمہ ہے (۲)، اگر خدانخواستہ آپ نے طلاق دے دی تب بھی بچہ کو فوری طور پر آپ اس سے نہیں لے سکتے، بلکہ وہ چھ سات سال کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہے گا، جب کہ ماں کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کرے جو بچے کے حق میں غیر ذی رحم محرم ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۹/۱۱ھ۔

---

(۱) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمُّ، إلا أن تكون مرتدةً أو فاجرةً غير مأمونة". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في الحضانة: ۱/۵۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الحضانة: ۳/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب الحضانة: ۲/۵۰۰، رشيديه)

(۲) "نفقه الأولاد الصغار على الأب، لايشاركه فيها أحدٌ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۵، فصل في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقة في كسبه لاعلى أبيه، سعيد)

(۳) "ويشترط في الحاضنة أن تكون حرةً بالغةً عاقلةً أمينةً قادرةً، وأن تخلو من زوج أجنبي".

(ردالمحتار، باب الحضانة: ۳/۵۵۵، مطلب: شروط الحضانة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۱۶۹، التاسع عشر في النفقات، مسائل الحضانة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

گونگے کی طلاق

سوال[۵۹۹۲]: کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے گونگے مرد کے ساتھ کردیا، یہی لڑکی بلوغت کے بعد اپنے شوہر کے یہاں جانے سے انکار کررہی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ گونگا طلاق کس طرح دے گا؟ اگر وہ گونگا طلاق دینے سے انکار کردے تو کیا کیا جائے، یا طلاق دینے کے لئے کسی بھی طرح گونگا مرد راضی ہوجائے، یا اس کو اس کے گھر والے اور ذمہ دار حضرات کسی طرح اسے راضی کرلیں تو کیا طلاق میں بھی اشارہ کافی ہوگا، یا طلاق کی کوئی دوسری صورتیں نکل سکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اشارہ سے طلاق بھی ہوجائے گی، اگر لکھنا جانتا ہے تو لکھ دے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۹۶ھ۔

عورت کی طرف طلاق کی اضافت

سوال[۵۹۹۳]: زید اپنی خوشدامنہ کے ساتھ سالہ وسمدھی(۲) کے بارہ میں جھگڑا کررہا تھا، جب زید گھر سے باہر نکل آیا تو اس کی خوشدامنہ نے کہا: کیوں لوٹ جارہے ہو؟ تو زید واپس آیا اور اپنی ساس کو خطاب کرکے کہنے لگا: کیا تم طلاق لے لوگی؟ اور اپنی زبان سے "ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق"، بائن طلاق کہا، پھر کسی وقت جب اس کو کہا گیا کہ تم نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی تو زید کہتا ہے: میں نے طلاق دیتے وقت اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دی اور اپنی عورت کا ارادہ نہیں کیا۔

۱..... تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "ویقع طلاق الأخرس بالإشارة .... ویقع طلاقه بکتابته". (ردالمحتار، مطلب في الحشیشة والأفیون والبنج: ۳/۲۴۱، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه: ۱/۳۵۴، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، قبیل باب إیقاع الطلاق: ۱/۳۸۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "سمدھی: داماد اور دلہن کے باپ آپس میں سمدھی ہوتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص:۸۰۹)

"سالہ: بیوی کا بھائی"۔ (نور اللغات، ص:۲۷۶)

۲......دوسری بات یہ ہے کہ جب زید کو کہا گیا کہ تم نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ہے تو اس وقت زید خاموش رہا، کچھ نہیں کہا۔ اس صورت میں کیا ہوگا؟

۳......دونوں صورت مذکورہ میں دیانت وقضاء کی مداخلت ہے کیا؟

۴......طلاق کے وقوع میں جیسا کہ اضافتِ لفظیہ کی ضرورت ہے ویسا ہی اضافتِ معنویہ کی بھی ضرورت ہے یا نہیں؟

۵......صورت مذکورہ میں کسی قسم کی اضافت پائی جاتی ہے یا نہیں؟

۶......زید کی منکوحہ موجود ہے، لہذا محلِ طلاق بھی موجود ہے، باوجود اس کے زید جیسے عاقل بالغ کے قول کو ملغیٰ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۶......اگر زید نے زوجہ کو نہ طلاق کا خطاب کیا، نہ اس کا نام لیا، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ اس کی طرف ضمیر راجع کی، نہ اس کی کوئی صفت بیان کی، نہ اس کو ندا دی بلکہ خوشدامنہ کو خطاب کر کے الفاظِ مذکورہ ادا کئے ہیں اور اب دریافت کرنے پر کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دی اور زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو قسم کے ساتھ زید کا قول شرعاً معتبر ہے، یہ قسم کی ضرورت قضاءً ہے دیانۃً نہیں، منکوحہ موجود ہونے کے وقت ہی یہ تفصیل ہے، اگر منکوحہ موجود نہ ہوتی تو کسی تفصیل کی کیا ضرورت تھی، زید کے کلام میں زوجہ کی طرف طلاق کی کسی قسم کی بھی اضافت نہیں، اس لئے دارومدار صرف نیت پر رہے گا:

”لو قال: طالق، فقيل له: من عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته .... لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، و قال: لم أعنِ امرأتي، يصدق. و يفهم منه أنه لو لم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها، فقوله: إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها ما لم يُرد غيرها؛ لأنه يحتمله كلامه، بخلاف ما لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أو ولدها .... لا يصدق قضاءً إذا كانت امرأته كما وصف.......... الخطاب من الإضافة المعنوية، وكذا الإشارة نحو: هذه طالق، و كذا نحو امرأتي طالق،

وزینب طالق، اھـ". ردالمحتار بتغیر تقدیماً وتأخیراً: ۲/ ۷۰۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

عورت کی طرف طلاق کی اضافت

سوال [۵۹۹۴]: زید کا اپنی بیوی ہندہ سے کسی بات پر تکرار رہا ہے اور زید ہندہ سے اس کے ہٹ کرنے کی بنا پر عورت کو کچھ مارا۔ اس کے بعد ہندہ اس دن تو اپنے گھر میں رہی، مگر آئندہ کل صبح سویرے پوشیدہ طور پر زید کے بھتیجے کے گھر میں چلی گئی، ادھر زید اس کو تلاش کرتا ہوا اس کے بھائی کے گھر میں پاکر وہاں پہونچا اور اپنے گھر چلنے کے لئے کہا، لیکن ہندہ سخت انکار کر کے کہنے لگی کہ گھر کی ضرورتوں کی مجھ کو کچھ پروا نہیں ہے، تمہارے ساتھ میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔

اس پر تخویف کی غرض سے زید ایک طلاق کہہ کر کچھ دیر تک تھمارہا اور ساتھ جانے کا تقاضا کرتا رہا، مگر ہندہ برابر انکار کرتی رہی اور اس کے بھائی نے بھی کچھ نہیں کہا ہے، لہٰذا زید نے نہایت رنجیدہ ہو کر "دو طلاق، تین طلاق دیا" کہہ کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ اب از روئے شرع اسلام ان الفاظ سے جن میں ہندہ منکوحہ کی طرف نسبت بھی نہیں ہے اور دیدینے کا لفظ بھی نہیں ہے، محض گنتی جیسے الفاظ ہیں، کیا اس صورت میں ہندہ پر طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی ہے تو کتنی واقع ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق بیوی ہی کو دی جاتی ہے، کسی غیر کو نہیں دی جاتی۔ بیوی سے جھگڑا تکرار رہا، وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی،

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/ ۲۴۸، کتاب الطلاق، مطلب: سن بوش، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۵۸، کتاب الطلاق، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۶۵، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۲۸۰، نوع فی الإیقاع بطریق الإضمار، إدارة القرآن کراچی)

اس کو لینے کے لئے شوہر گیا اور ساتھ چلنے کا تقاضہ کیا، بیوی نہیں گئی، اس پر ایک طلاق کہا، پھر رک کر تقاضا کیا کہ شاید ایک طلاق کے بعد مان جائے وہ نہیں مانی، پھر دو طلاق تین طلاق کہہ کر واپس چلا گیا، اس کا کھلا مطلب یہی ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر آیا ہے اگر چہ بیوی کا نام لیکر نہیں کہا اور ''دیدی'' کا لفظ بھی نہیں کہا، اس سے گفتگو اور خطاب اور ساتھ چلنے پر اصرار اور اس کے نہ ماننے پر طلاق، یہ سب کچھ اس کی نسبت کے لئے کافی ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلامه، كمافي البحر: لو قال: طالق، فقيل له: من عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته، اهـ. ويؤيده ما في البحر لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي يصدّق، اهـ. ويفهم منه أنه لو لم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها، اهـ". ردالمحتار: ۲/۴۲۹، ۴۳۰(۱)۔

لہٰذا طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش نہیں رہی (۲)، لقوله تعالىٰ:

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۵، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۴۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(۲)"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۰۳ كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل و ما يتصل به، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"فالحكم الأصلي لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق، و زوال الملك أيضاً، حتى لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد .... و أما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك، و زوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية بيروت)

"و ينكح مبانته في العدة و بعدها لا المبانة بالثلاث لو حرةً، وبالثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره =

﴿الطلاق مرتان﴾ إلى قوله: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

عورت کی طرف طلاق کی نسبت

سوال[۵۹۹۵]: زید نے اپنی والدہ کے ساتھ جھگڑا فساد کیا، اتنے میں اس کی والدہ نے کہا کہ اس وجہ سے تیری بیوی مجھ سے بے پروائی سے پیش آتی ہے تو زید نے کہا کہ ''اس کو چھوڑوں گا'' اور تاکید تحلف کی اور چلا گیا اور گھر میں جا کر بھاگ جانے کے ارادہ سے گٹھڑی وغیرہ تیار کر کے برآمدہ میں آکر کہا ''آگے دو طلاق دیا تھا، اب ایک دیا''۔ چار سال سے زائد ہوئے کہ زید اپنی منکوحہ کو دو طلاق دے کر رجعت کر لیا۔ کیا اس صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاق پڑگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کی ایک بیوی ہے جس کو پہلے دو طلاق دے چکا ہے تو صورت مسئولہ میں بلا تأمل تین طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی: "و لو قال لها: "دادمت یک طلاق" وسكت، ثم قال: "دو طلاق وسه طلاق" وقع الثلاث. و لو قال: "ترا یک طلاق" ثم قال "دو" وقع الثلث. ولو قال: "دو" بعد الواو، إن نوى العطف وقع الثلث، وإن لم ينو يقع واحدة". كذا في الخلاصة: ۱/۳۸۰(۲)۔

دیکھئے یہاں کافی سکوت کے بعد صرف لفظ ''دو'' کہا ہے، نہ اس کے معدود کو ذکر کیا اور نہ عورت کی جانب صراحۃً اضافت کیا، مگر اس سے طلاق واقع ہوگئی، اسی طرح صورت مسئولہ میں زید کے الفاظ ''آگے دو

= ولو مراهقاً بنكاح صحيح و تمضي عدته". (البحر الرائق: ۴/۹۴، ۹۷ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

(۲) (خلاصة الفتاوى: ۲/۸۶، كتاب الطلاق، جنس آخر في العدد، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۹، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۰۰، نوع آخر في إلحاق العدد بالإيقاع، إدارة القرآن كراچی)

طلاق دیا تھا'' اور ''اب ایک طلاق دیا'' اس سے تیسری طلاق واقع ہوجائے گی۔ وقوعِ طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے، مگر اس کا صراحۃً ہونا ضروری نہیں بلکہ محض نیت ہی کافی ہوتی ہے:

"ولایلزم کون الإضافة صریحةً فی کلامه، کما فی البحر: لو قال: طالق، فقیل له: من عنیت؟ فقال: امرأتی، طلقت امرأته. اهـ". شامی: ۲/۶۶۳(۱)۔

عادت اور عرف یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی بیوی کو طلاق دیا کرتا ہے، لہذا جب تک دوسرا محل متعین نہ ہوجائے اس کی بیوی ہی پر طلاق واقع ہوگی: "ویؤیده ما فی البحر: لو قال: امرأةٌ طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، و قال: لم أعن امرأتی، یصدق. ویفهم منه أنه لو لم یقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن مَن له امرأةٌ إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها، فقوله: إنی حلفت بالطلاق، ینصرف إلیها ما لم یُرد غیرها؛ لأنه یحتمله کلامه، اهـ". شامی: ۶۶۴/۲(۲)۔

اس عبارت سے درمختار کے جزئیہ: "لو قال: إن خرجت یقع الطلاق، أو لا تخرجی إلا بإذنی، فإنی حلفت بالطلاق، فخرجت، لم یقع لترکه الإضافة إلیها" (۳) کا محمل بھی معلوم ہوگیا جب کہ زید نے اولاً دو طلاق دی اور اب ان کو ذکر کرکے تیسری دے رہا ہے تو یہ بھی مذاکرۂ طلاق ہوگیا: "(قوله: وهی حالة مذاکرة الطلاق) أشار به إلی ما فی النهر: من أن دلالة الحال نعم دلالة المقال، قال: و علیٰ هذا فتفسر المذاکرة بسؤال الطلاق، أو تقدیم الإیقاع کما فی اعتدی ثلاثاً، وقال قبله: المذاکرة أن تسأله هی أو أجنبی الطلاق، اهـ" شامی: ۲/۷۱۰(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ربیع الأول/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۴۸/۳، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۴۶۵/۱، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۳۵۸/۱، کتاب الطلاق، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، رشیدیه)

(۳) (رد المحتار: ۲۴۸/۳، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۷/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

دو بیویوں کی موجودگی میں بلاتعیین واشارہ الفاظِ طلاق کہنے کا حکم

سوال[۵۹۹۶]: محمد عبدالحق نے اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ جھگڑا کر کے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق بائن دے دیا، لیکن کسی عورت کا نام نہ لیا، اشارہ بھی نہ کیا۔ گواہ نے جو عبدالحق نے کہا، وہ سنا۔ اب شریعت کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جھگڑا دونوں سے تھا تو دونوں کو طلاقِ مغلظہ ہوگئی، دونوں کو علیحدہ کردے۔ اگر ایسا نہیں تو عبدالحق سے دریافت کرلیا جائے وہ جس کو متعین کر کے کہے کہ فلاں کو طلاق دی ہے تو اس پر طلاق مانی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس نام سے بیوی مشہور ہو، اس نام سے طلاق دینا

سوال[۵۹۹۷]: میں نے اپنی منکوحہ بیوی وحید النساء کو غصہ کی حالت میں یہ جملہ کہہ کر طلاق دی کہ ''عبدل کی لڑکی ''میرا'' نام کو میں نے طلاق دی'' تین بار کہا۔ دس منٹ کے بعد پھر اسی غصہ میں تین بار اسی جملہ کو کہہ دیا۔ شادی کے وقت قاضی صاحب نے وحید النساء ولد عبدل کہہ کر نکاح پڑھایا تھا، مگر ہمارے گھر میں ''میرا'' کے نام سے مشہور ہے، میکہ میں ''میرا'' کے نام سے مشہور ہے۔ تو طلاق میں نے ''میرا'' کے نام سے دی۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ ''میرا'' نام سے آپ کے یہاں مشہور ہے اور اسی نام سے آپ نے تین طلاق دی ہے، تو

---

(۱) "فإن قال: امرأته طالق، وله امرأتان كلتاهما معروفتان، يصرف الطلاق إلى أيتهما شاء" (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار وترك الإضافة: ۲۸۱/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب طلاق غير المدخول بها ۲۹۰/۳، سعيد)

بلاشبہ طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۱)۔ اب بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت رکھنا حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۲ھ۔

بیوی کے ایک عضو کو طلاق دینا

سوال [۵۹۹۸]: بکر اور زینب میں جھگڑا ہوا زینب نے بکر سے کہا کہ اگر مجھ کو گالی دو گے تو میں میکہ چلی جاؤں گی، بکر بہت غصہ ہوا اور زینب سے کہا (جو دو مہینہ کے بچہ کی ماں ہے) ''تیری گانڈ پر طلاق ہے، طلاق ہے، اب چلی جا، تجھ کو طلاق ہوگیا''۔ اس وقت زینب طلاق سمجھ کر بکر سے علیحدہ ہوگئی، بکر نے طلاق دیتے وقت کوئی گواہ وغیرہ میں مقرر نہیں کیا۔ کیا اس میں مراجعت کی گنجائش ہے؟

---

(۱) "(قال: امرأته طالق ولم يسم، وله امرأة) معروفة، طلقت امرأته". (الدرالمختار). "(قوله: ولم يسم) أما لو سماها باسمها، فكذلك بالأولى". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب فيما قال: امرأته طالق وله امرأتان أو أكثر، تطلق واحدة: ۲۹۲/۳، سعيد)

"وإن سمى امرأته باسمها وباسم أبيها بأن قال: امرأتي عمرة بنت صبيح بن فلان، أو قال: امّ هذا الرجل التي في وجهها خال طالقٌ، ولم يكن بها خال، طلقت، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في إيقاع الطلاق: ۳۵۹/۱، رشيديه)

"لو قال: زينب طالق، وامرأته زينب، طلقت امرأته". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۴۵۸/۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة: أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلق فسئل النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أتحل للأول قال: "لا، حتى يذوق عسليتها كما ذاق الأول". (الصحيح للبخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۷۹۱/۲، قديمي)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۴۷۳/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے پہلے لفظ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، یہ مہمل ہے، دوسرے لفظ کو بھی آپ ہی اگر پہلے ہی لفظ پر مرتب کیا ہے مستقل نہیں کہا تو اس سے بھی طلاق نہیں ہوئی۔ اگر اس دوسرے لفظ ''طلاق ہے'' کو مستقل کہا ہے تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی۔ پھر تیسرے لفظ ''اب چلی جا، تجھ کو طلاق ہوگیا'' سے بالیقین طلاق ہوگی بشرطیکہ پہلے مہمل لفظ سے یہ سمجھ کر کہ اس سے طلاق ہوگئی اس کو خبر دیا تو، ورنہ اس سے بھی نہیں ہوئی۔

دوسرے اور تیسرے لفظ سے حسبِ تفصیل بالا اگر طلاق ہوگئی ہے تو رجعت کا اختیار حاصل ہے، عدت (تین حیض) گزرنے سے پہلے رجعت کرسکتا ہے(۱) بشرطیکہ ''اب چلی جا'' سے مستقل طلاق کی نیت نہ کی ہو، ورنہ رجعت کا اختیار نہیں: "لا يقع لو أضافه إلى اليد، والرجل، والدبر، والشعر، والأنف، الخ". در مختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا

سوال[۵۹۹۹]: محمد ظہیر الدین ابن حکیم الدین مرحوم نے اپنی بڑی بیوی کے ساتھ کئی وجوہ کی بنا پر غصہ ہوکر چار آدمیوں کے سامنے یہ بات کہی کہ ''رحیم بخش کی بیٹی جمیلہ کو طلاق دی، رحیم بخش کی بیٹی جمیلہ کو طلاق

---

(۱) "وتصح إن لم يطلق بائناً، فإن أبانها، فلا. قلت: هي أن لا يكون الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۳/ ۴۰۰، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة و فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۷۲، باب الرجعة، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/ ۲۵۶، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۶۰، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۵، كتاب الطلاق، مكتبة غفاريه كوئته)

دی، رحیم بخش کی بیٹی جمیلہ کو طلاق دی''۔ آگاہ رہیں کہ ظہیر الدین کی بڑی بیوی کا نام عاملہ ہے، لیکن جمیلہ نام لیکر طلاق دی ہے۔

نوٹ: اوران چار اشخاص کا کہنا ہے کہ ظہیر الدین نے جو کچھ کہا ہم وہی بات سنے ہیں، نہ اس سے کم سنے نہ اس سے زیادہ۔ اب گزارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس مسئلہ میں دو قول ہوگئے: جو لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی وہ دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ فتاویٰ دار العلوم ساتویں جلد، ص: ۳۵، فتویٰ نمبر: ۱۲۸۸، میں مسئلہ ہے کہ: ''نام بدل کر طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی ہے''(۱)۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی، وہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ میری بڑی بیوی اور اس کے ساتھ اس عورت کے والد جو اس کا خسر ہے اس کے نام کے ساتھ کہا ہے، صرف بیوی کا نام بدل جانے سے تو وہ اس کی غیر نہیں ہوتی، یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

نیز اس کی چھوٹی بیوی کا نام بھی جمیلہ نہیں ہے، اس لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کے اپنی زبان سے نام بدلنے سے پہلے وہی بڑی بیوی متعین تھی، لہذا اس کی بڑی بیوی ہی پر طلاق واقع ہوگئی۔ اب آپ حضرت سے میری درخواست ہے کہ مع دلائل صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر خالی نام لے اور وہ بیوی کا نام نہ ہو بلکہ غیر کا نام ہو تو اس سے بیوی پر طلاق نہیں ہوتی (۲)، صورتِ

---

(۱) (فتاویٰ دارر العلوم دیوبند: ۹/ ۷۸، سوال نمبر: ۷۹، عنوان: ''بیوی کا نام بدل کر طلاق دی، نیت طلاق نہیں تھی، دوسرے کو دھوکہ دینا تھا، کیا حکم ہے؟''، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) ''وكذا إذا حلفه أن لا يخرج من مصر، فإن خرج، فامرأته عائشة كذا، واسم امرأته فاطمة، لاتطلق إذا خرج''. (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۳، كتاب الطلاق، نوع في الإضافة، رشيديه)

''رجل قال: امرأته الحبشية طالق، وامرأته ليست بحبشية، لايقع الطلاق''. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۵۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

''لو قال: امرأته الحبشية طالق، و لا نية له في طلاق امرأته، وامرأته ليست بحبشية، لا يقع عليها، و على هذا إذا سمى بغير اسمها و لا نية له في طلاق امرأته''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۵۴، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق، رشيديه)

مسئولہ میں شوہر کا جو مقولہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''رحیم بخش کی بیٹی جمیلہ کو طلاق دی'' اور اس مقولہ پر چار اشخاص کی گواہی پیش کی ہے، اس میں یہ لفظ نہیں ہے ''میری بڑی بیوی''۔ پھر جو حضرات وقوع طلاق کا حکم دیتے ہیں وہ یہ لفظ ''میری بڑی بیوی'' کہاں سے بیان کرتے ہیں، کیا رحیم بخش کی دوسری لڑکی جمیلہ نامی ہے؟ نیز شوہر نے جمیلہ نام لیا، عاملہ نام نہیں لیا جو کہ اصل نام ہے، تو آیا سبقتِ لسانی سے یہ نام زبان سے نکل گیا ہے، یا قصداً نام بدلا ہے اور مقصود یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔

جب عَلَم اور وصف میں تقابل ہو تو عَلَم کو ترجیح ہوتی ہے: "لأنه يدل على الذات، والوصف لا يدل على الذات"(۱)۔ اس ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی بیوی عاملہ پر طلاق واقع نہ ہو، لیکن اگر اپنی بیوی عاملہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ ''رحیم بخش کی اس بیٹی جمیلہ کو طلاق دی'' تو نام بدلنے کے باوجود طلاق ہوگئی، اور تین دفعہ کہنے سے مغلظہ ہوگئی، کیونکہ اشارہ کے وقت تسمیہ کا اعتبار نہیں ہوتا، گویا کہ اس طرح کہا کہ اس کو طلاق دی:

"الأصل أن المسمى إذا كان من جنس المشار إليه، يتعلق العقد بالمشار إليه؛ لأن المسمى موجود في المشار إليه ذاتاً، والوصف يتبعه. وإن كان من خلاف جنسه يتعلق بالمسمى؛ لأن المسمى مثل المشار إليه، و ليس بتابع له، والتسمية أبلغ في التعريف من حيث أنها تعرف الماهية، والإشارة تعرف الذات، اهـ. قال الشارحون: هذا الأصل متفق عليه في النكاح والبيع والإجارة وسائر العقود، اهـ". شامی: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، بحث النية(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا

سوال[۲۰۰۰]: ایک شخص اپنی سابقہ بیوی کو رکھ کر دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے اس میں عورت مخطوبہ

---

(۱) "فإذا اجتمعت الإشارة والتسمية بالبدل الواحد، فإن كان البدل المشار إليه من جنس المسمى ولا يختلفا إلا بالوصف فقط، فالوصف لغو، والإشارة معتبرة". (شرح المجلة: ۱/۴۵، حنفیہ کوئٹہ)

(۲) (رد المحتار: ۱/۴۲۶، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، بحث النية، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳/۱۳۰، أحكام الإشارة، إدارة القرآن كراچی)

کی طرف کے لوگوں نے کچھ نہیں کہا، جب لوگوں کو لیکر دلہن کے گھر پہونچے اور نکاح پڑھانے کا وقت ہوا تو عورت کے لوگوں نے کہا کہ اگر تم اپنی پہلی بیوی کو طلاق نہ دوگے تو ہم بھی تمہارے ساتھ بیاہ نہ کرائیں گے، آخر دولہا مارے شرم کے بلانیتِ طلاق اپنی بیوی کا نام بدل کر اجنبی کا نام کہکر طلاق دیا، لیکن عورت کے باپ کا نام لیا ہے۔ آیا اس صورت میں عورت مذکورہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اجنبی نام لیکر طلاق دی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وقوعِ طلاق کی بیوی کی طرف نسبت واضافت لازم ہے، خواہ نام لیکر ہو، خواہ اشارہ کر کے، خواہ ضمیر راجع کر کے، جب کہ بیوی کا نام نہیں لیا اگر چہ نسبت صحیح بیان کیا ہے تو طلاق نہیں ہوئی۔ نام غلط ہونے کی صورت میں نسبت کی صحت معتبر نہیں ہوتی:

"وفي المحيط: الأصل أنه متى وجدت النسبة، وغيّر اسمها بغيره، لا يقع؛ لأن التعريف لا يحصل بالتسمية متى بدل اسمها؛ لأن بذلك الاسم تكون امرأةً أجنبيةً. و لو بدل اسمها وأشار إليها، يقع، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

متعدد بار طلاق

سوال[۶۰۰۱]: ایک عورت مسماۃ جنت بعمر ۲۱/ سال خدا کو حاضر وناظر جان کر حلفیہ بیان کر سکتی ہے کہ میں عرصہ تقریباً ساڑھے چار سال سے عبدالرشید کی زوجیت میں ہوں، اس تمام مدت میں میرے خسر تقریباً چھ ماہ تک اپنی حیات میں میرے تمام اخراجات کے کفیل رہے، ان کے انتقال کے بعد میرے شوہر مذکور نے حقوقِ زوجیت مثلاً نان ونفقہ اور رات کا تخلیہ ترک کر کے دوسری بازاری پیشہ عورتوں سے اپنے تعلقات کر لئے، جب بھی میں نے اور میرے والدین نے اور دوسرے اقرباء نے نان ونفقہ کے لئے کہا تو اس نے صاف طور سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "میں تجھ کو بالالفاظ طلاق دے چکا، تو اپنے ماں باپ کے یہاں رہ"۔ اس لئے

(۱) (البحر الرائق: ۳/۴۴۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۸، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۲، إيقاع الطلاق، بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچی)

یہی الفاظِ طلاق ایک وقت میں متعدد مرتبہ خوشی اور غصہ کی حالت میں مجھ سے اور دوسرے سے کہے۔

چونکہ میرے خاوند کی رہائش پیشہ ورعورتوں کے یہاں ہے اور اس کی والدہ بھی پیشہ کرنے لگی ہے، جب کبھی دو چار اشخاص نے اس کو مجبور کیا: تُو اپنی بیوی کو کیوں نہیں لے جاتا ہے تو الفاظِ طلاق دہراتے ہوئے کہا کہ اگر اسے چلنا ہی ہے تو جہاں میں رہتا ہوں وہاں چلی چلے، اب اگر میں اس کے کہنے کے مطابق چلی جاؤں تو میری عصمت کو خطرہ ہے، میں نے اس بیان کی تصدیق کے لئے محلّہ کے دوسرے اشخاص اور برادری کے لوگ موجود ہیں کہ جن کے سامنے عبدالرشید نے کہا کہ ''میں اسے -یعنی اپنی بیوی جنت- کو طلاق دے چکا''۔ غرض وہ ہر شخص سے بھی بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اسے طلاق دیدی۔

۱......علمائے دین مفتیان شرع متین میرے لئے شرعی مسئلہ بیان فرمادیں، آیا واقعی طلاق ہوگئی ہے یانہیں؟

۲......اگر طلاق ہوگئی تو عدت کے دن اس تاریخ سے شمار کرے، یا اس مسئلہ کے معلوم ہونے کے وقت سے؟

۳...... بعد ایام گزرنے عدت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہوں یا نہیں؟ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ موجودہ قانون زبانی طلاق کو نہ مانتا ہو، تحریر ہی قابلِ قبول ہو، تحریری طلاق نامہ تو نہیں، البتہ شاہد موجود ہیں۔

۴......اگر طلاق واقع نہیں ہوتی تو انفساخِ نکاح کے لئے ایسی صورت میں جب کہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو، یا مسلمان حاکم کے پاس مقدمہ نہ جاوے، غیر مسلم حاکم کے پاس جاوے، ان دونوں صورتوں میں کونسی تدبیر ہے کہ جس سے نکاح فسخ ہوجائے، کیونکہ جب میں اپنے شوہر عبدالرشید کے پاس جاتی ہوں تو خطرہ عظیم ہے کہ جس طرح اس کی والدہ اپنے شوہر کے مرنے پر پیشہ ور ہوگئی ہے، مجھے کسی مقام پر لے جاکر اس فعلِ خراب کے لئے مجبور کرے۔ اور خود کوئی ایسی شکل نہیں کہ جس سے اپنے بچوں کی پرورش کرسکوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صورتِ مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگئی (۱)۔

---

(۱) "(ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل) ولو تقدیراً (و لو عبداً أو مکرهاً)". (تنویر الأبصار مع الدر المختار:=

۲......جس تاریخ کوطلاق دی ہے اسی تاریخ سے عدت کے دن شمار کئے جائیں گے(۱)۔

۳......اگر شوہر کوطلاق کا اقرار ہے(۲)، یا کم ازکم دو عادل مرد، یا ایک مرد دوعورتیں گواہ موجود ہیں تو بعدعدت دوسری جگہ شرعاً نکاح درست ہے(۳)۔

۴......اگر شوہر طلاق کا انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہوں تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش

= ۲۳۵/۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۵۵/۳، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی بیان من یقع طلاقه و من لا یقع، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحرالرائق: ۴۲۶/۳، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(۱)"و مبدأ العدة بعد الطلاق، و بعد الموت علی الفور، و تنقضی العدة وإن جهلت المرأة بهما: ای بالطلاق والموت؛ لأنها أجل فلا یشترط العلم بمضیه". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۵۲۰/۳، کتاب الطلاق، باب العدة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲۴۳/۴، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵۳۲/۱، ۵۳۳، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذافی فتح القدیر: ۳۲۹/۴، کتاب الطلاق، باب العدة، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴۱۵/۴، کتاب الطلاق، فصل فیما یتعلق بتوابع الطلاق، دارالکتب العلمية، بیروت)

(۲)"و لو أقر بالطلاق کاذباً أو هازلاً، وقع قضاءً لادیانةً". (رد المحتار: ۲۳۶/۳، کتاب الطلاق، مطلب فی الإکراه علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق، سعید)

"أن من أقر بطلاق سابق، یکون ذلک إیقاعاً منه فی الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع فی الحال، و هو مالک للإیقاع غیر مالک للاستناد". (المبسوط للسرخسی: ۱۰۹/۴، باب الطلاق، حبیبیه کوئٹه)

(۳)"وإذا شهد شاهدان علی رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج والمرأة ذلک، فرق بینهما؛ لأن الشهادة علی الطلاق تقبل من غیر دعوی". (الفتاوی التاتار خانية: ۵۷۲/۳، کتاب الطلاق،الشهادة والدعوی فی الطلاق، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲۳۵/۳، کتاب الرضاع، سعید)

کر کے با قاعدہ طلاق حاصل کر لی جاوے یا خلع کر لیا جاوے، نکاح فسخ کرنے کے لئے حاکم مسلم کا ہونا شرط ہے اور شوہر سے طلاق دلانے کے لئے یا شوہر کو خلع پر مجبور کرنے کے لئے حاکم کا ہونا شرط نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بار بار طلاق کا حکم

سوال [۶۰۰۲]: میں نے اپنے والدین سے گھر کے متعلق لڑ کے اپنی زوجہ کو کہہ دیا کہ تم اپنے گھر اپنے بھانجے کے کپڑے لیجا اور ایک پرچہ نابالغ لڑکے سے لکھوا کر زوجہ کو دیدیا جس کی یہ عبارت ہے:

''جناب خالو صاحب! تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے، تم کو اختیار ہے مہر کے عوض میرا زیور رکھ لینا، ورنہ واپس کر دینا یا روپیہ لے لینا''۔

زوجہ کو رخصت کر کے پردیس میں چلا گیا اور وہاں سے اپنے خسر کو دو خط لکھے کہ میری غلطی معاف کرو، اگر تم اور تمہاری لڑکی راضی ہو تو میں لینے کے لئے آؤں، انہوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ اطلاع دی کہ چلے آؤ۔ میں وہاں سے اپنی زوجہ کو لیکر مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر زبانی حالات گذشتہ بیان کئے، حضرت ممدوح دام ظللهم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق ہوگئی۔ میری زوجہ نے عرض کیا کہ اس واقعہ سے ۳/ سال قبل میرے شوہر نے مجھے ۲/ طلاق دیدی تھیں، مولانا دام ظلھم نے احقر سے دریافت فرمایا کہ جو عورت کہتی ہے سچ ہے یا نہیں؟ عرض کیا کہ احقر کو یاد نہیں، دوبارہ پھر دریافت فرمایا، عرض کیا کہ یاد نہیں۔ فرمایا کہ میرے گھر کے مسئلے نہیں، اگر ان سب طلاقوں کو جمع کر لیں تو تین طلاق ہوگئیں۔

---

(۱) "حضرة السلطان ليست بشرط لجواز الخلع عند عامة العلماء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع و ما في حكمه، رشيديه)

"و روى عن الحسن البصري وابن سيرين: أنه لا يجوز إلا عند السلطان، والصحيح قول العامة، لما روى أن عمر و عثمان و عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہم جوّزوا الخلع بدون السلطان". (بدائع الصنائع: ۳/۴، ۳۱۵، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دارالكتب العلمية بيروت)

میں نے زوجہ کو خسر صاحب کے یہاں پہونچا دیا اور خسر صاحب سے کہہ دیا کہ مولانا ممدوح الشان نے ارشاد فرمایا کہ نکاح ناجائز ہوگیا، تم کسی عالم سے دریافت کر لینا، پس اگر فتویٰ جواز کا آ گیا تو میں زوجہ کو لیجاؤں گا۔ میری زوجہ کہتی ہے کہ اگر میرا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دیا تو میں خودکشی کرلوں گی، ۲/ طلاق جو زوجہ نے بیان کیں میرے تو یاد نہیں لیکن میرے والد کا بیان ہے کہ لڑکے نے کہا ''میں نے طلاق دی'' میں نے لڑکے کے طمانچہ مارا اور کہا ایسا مت کر، اس نے جواب دیا میں تو دوں گا۔ لہذا ملتجی ہوں کہ اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ریلم محلہ سلمانان مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر اگر والد اور زوجہ کی دو طلاق کے بارے میں تصدیق کرتا ہے یعنی غالب خیال یہ ہے کہ یہ سچے ہیں تو دونوں طلاقیں واقع ہوگئیں، اگر دونوں صریح ہیں تو ان کے بعد عدت میں رجعت جائز ہے(۱) اور بعد عدت نکاح درست ہے(۲)۔ اگر ایک بائن تھی، دوسری صریح تو رجعت کا اختیار نہیں، البتہ نکاح

---

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في العدة". (فتح القدير: ۱۵۸/۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

"أما الطلاق الرجعي، فالحكم الأصلي له هو نقصان العدد، فأما زوال الملك وحل الوطيء، فليس بحكم أصليٍّ له لازمٌ حتى لا يثبت للحال، وإنما يثبت في الثاني بعد انقضاء العدة، فإن طلقها و لم يراجعها، بل تركها حتى انقضت عدتها، بانت". (بدائع الصنائع: ۳۸۷/۴، كتاب الطلاق، فصل في بيان حكم الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۴۵/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۴۰۰/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "و ينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۱۷۶/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحرالرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

درست ہے(۱)۔اگر دونوں بائن تھیں تو ان میں سے ایک ہی واقع ہوئی، دوسری نہیں (۲)، نکاح درست ہے۔

اگر نکاح یا رجعت (حسبِ تفصیل بالا جس کی بھی ضرورت تھی) کرنے کی نوبت نہیں آئی اور عدت گزر گئی، بعد اس کے تیسری طلاق لکھوا کر دی جس کا خود بھی مقر ہے تو یہ واقع نہیں ہوئی، کیونکہ نہ یہ اب منکوحہ ہے نہ معتدہ، لہذا اب نکاح درست ہے، اگر عدت ختم نہیں ہوئی تھی یا پہلی دو طلاق واقع ہو کر نکاح یا رجعت کی نوبت آ چکی تھی تو اب تیسری طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی، بلا حلالہ کے نکاح جائز نہیں۔ یہ سب تفصیل مدخولہ کے حق میں ہے، اگر غیر مدخولہ ہے تو وہ پہلی ہی طلاق سے بائن ہوگئی، اس کے بعد دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوئی، لہذا نکاح جائز ہے۔

تنبیہ: والد کا بیان جو کہ سوال میں درج ہے اس سے دو طلاق دینا معلوم نہیں ہوتا، بلکہ ایک طلاق دینا معلوم ہوتا ہے اور دوسری کا وعدہ، پس اگر وعدہ کے بعد دوسری طلاق دیدی ہے تو اس کا جواب حسبِ تفصیل بالا ہے۔ اگر وعدہ کے بعد دوسری طلاق نہیں دی تو پھر کسی طرح مغلظہ نہیں ہوئی، لہذا اندریں صورت نکاح بلا حلالہ درست ہے۔

محمود، ۲۹/۵/۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولی/۵۳ھ

عدت میں مکرر طلاق

سوال[۲۰۰۳]: زید نے -تقریباً عرصہ ۴/ ماہ کا ہوا- اپنی زوجہ ہندہ کو بحالتِ غصہ و جھگڑا معاملاتِ

---

(۱) "فإن كانا حرين، فالحكم الأصلي لما دون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين، هو نقصان عدد الطلاق، وزوال الملك أيضاً، حتى لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۱۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(۲) "والصريح يلحق الصريح، والبائن يلحق الصريح، لا البائن". (كنز الدقائق: ۳/۵۱۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دهلي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في التنوير مع الدر المختار: ۳/۳۰۶، ۳۰۸، باب الكنايات، سعيد)

خانگی دومرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ''میں تجھ کو طلاق وآزاد کر چکا ہوں''۔ اوراس حالت کے بعد زید نے ان الفاظ کی تصدیق ایک دوشخص سے کی۔ لیکن آج تک ہندہ زید کے گھر موجود وتعلقاتِ زن وشوہر باہم فریقین میں قائم ہیں۔ مسماۃ ہندہ کو طلاق ہوچکی تھی یا نہیں، اگر ہوچکی تو دوبارہ قیامِ رشتہ کی کیا صورت ہے؟

عنایت الٰہی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لفظ'' آزاد کر چکا'' بمنزلہ صریح ہے، اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے(۱) اور لفظ ''طلاق'' سے بھی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے(۲) اور دومرتبہ طلاق دے کر عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہوتا ہے(۳) لہٰذا

---

(۱) "فإذا قال: ''رہا کردم'' أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۲۹۹/۳، سعيد)

"ولو قال الرجل لامرته: ''ترا چنگ بازداشتم'' أو ''بہشتم'' أو ''یلہ کردم ترا'' .... فهذا كله تفسير قوله: طلقتك عرفاً حتى يكون رجعيًا، ويقع بدون النية كذا في الخلاصة. وكان الشيخ الإمام ظهير الدين المرغيناني رحمه الله تعالىٰ يفتي في قوله: ''بہشتم'' بالوقوع بلا نية، ويكون الواقع رجعيًا".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالفارسية: ۳۷۹/۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في الكنايات، أجناس الأول: ۱۸۹/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في الكنايات، جنس آخر: ۹۹/۲، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "صريحه مالم يستعمل إلا فيه كطلقتك وأنت طالق ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية وإن نوى خلافه أو لم ينو شيئاً". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۲۴۷/۳، ۲۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۴/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول، الفصل الأول في صريح الطلاق: ۴۵۲/۱، رشيديه)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم=

دومرتبہ طلاق کے بعد جب ایک دوشخص نے اس کی تصدیق کی ہے، اگر اس نے نئی طلاق کی نیت نہیں کی، بلکہ پہلی طلاق کی خبر دی ہے تو عدت کے اندر رجعت کرنا جائز ہے(۱) اور عدت کے بعد نکاح کرنا ہوگا۔

اور اگر نئی طلاق مراد لی ہے تو رجعت ونکاح کرنا جائز نہیں، بلکہ مغلظہ ہوگئی، لہٰذا حلالہ کی ضرورت ہوگی، بشرطیکہ عدت کے اندر نئی طلاق مراد لی ہو(۲) اور اگر بعد عدت نئی طلاق مراد لی ہے تب بھی مغلظہ نہیں ہوئی، بلکہ تجدیدِ نکاح کافی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۱۲/۲۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

= ترض كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۰، سعيد)

(۱) "ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ماقلت؟ فقال: طلقتها، أوقال: قلت: هي طالق، فهي واحدة في القضاء، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، مطلب: إذا كرر الطلاق على المرأة المدخول بها ونوى الإخبار: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية: ۴/۲۲۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. وإن الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة الخ، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في مسائل الرجعة: ۳/۶۰۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وأما الذي يرجع إلى المرأة فمنها الملك، أو علقة من علائقه، فلا يصح الطلاق إلا في الملك، أو في علقة من علائق الملك، وهي عدة الطلاق". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى المرأة في الطلاق: ۴/۲۷۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق: ۳/۴۶۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

طلاق پر طلاق

سوال[۶۰۰۴]: ایک شخص (زاہد) کی شادی ۱۹۴۹ء میں (زینب) کے ساتھ ہوئی تھی۔ (زینب) کے والدین وغیرہ نے اور خود (زینب) نے بھی کوشش کی کہ (زاہد) کی بہن (فاطمہ) کی شادی (زینب) کے بھائی (خالد) کے ساتھ ہوجائے، چنانچہ (فاطمہ) کی شادی (خالد) کے ساتھ ۵۹ء میں ہوگئی۔ بدقسمتی سے (زینب) کی شادی کے ایک سال بعد یا کچھ مدت کے بعد تلخیاں پیدا ہوگئیں، چنانچہ ۶۱ء کے شروع میں (زاہد) نے اپنی (زینب) کو طلاق دیدی، باپ نے (زاہد) کی خوشامد کی، چنانچہ طلاق کا معاملہ اس وجہ سے چھپالیا گیا، لیکن دل میں خلش باقی رہی۔ بہن (فاطمہ) کو مقام (لام) پر اس کے باپ کے گھر پر بٹھالیا گیا اور ارادہ کرلیا گیا کہ بہن (فاطمہ) کو اس کے شوہر (خالد) کے یہاں نہیں بھیجا جائے گا۔

اس عرصہ میں (زاہد) کا تبادلہ مقام (لام) سے دوسری جگہ پر ہوگیا، اس تبادلہ سے پہلے (زاہد) نے اپنے بچوں کو مع ان کی ماں کے اس کے باپ کے گھر پر بھیجدیا، بدقسمتی سے ۶۲ء، یا ۶۱ء میں (خالد) چھپ کے سے (فاطمہ) کو دوسری جگہ لے گیا جہاں اس کو بہت تکالیف پہونچائی، (زاہد) نے مجبور ہوکر مقام (پ) سے مقام (ش) پر جانا شروع کردیا اور پالیسی کو نرم رکھا، چنانچہ ۶۳ء میں (زاہد) بہن (فاطمہ) کو مقام (پ) پر لے آیا، کئی ماہ (فاطمہ) کا علاج ومعالجہ کرکے اس کو مقام (م) پر بھیجدیا اور اب متفقہ طے کرلیا کہ سوائے طے ہونے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، چنانچہ (احمد) اور (خالد) وغیرہ ملازم کو مقام (پ) پر لانے سے پہلے یہ کہا تھا کہ ہم (فاطمہ) کو اس کے باپ اور بھائی کے یہاں نہیں بھیجیں گے۔

۶۴ء میں (زاہد) مقام (پ) سے ملازمت چھوڑ کر مقام (م) آگیا اور پھر اپنا پیشہ دوسری جگہ شروع کردیا۔ بعد میں (زاہد) نے بہت سمجھایا کہ وہ اپنے بچوں کو بلالے، چنانچہ بچے اپنی ماں کے ساتھ آگئے۔ دوسرے یہ کہ بہن (فاطمہ) کا معاملہ آسانی سے طے ہوجائے، لیکن آج تک وقت ٹلتا اور گزرتا گیا۔ (زاہد) کے تعلقات (زینب) کے ماموں وغیرہ سے انتہائی کشیدہ اور ناخوشگوار تھے۔ (زینب) نے مقام (ب) آنے سے قبل کہا تھا کہ (عائشہ) کی شادی میں شرکت کرنی ہے، (زاہد) نے اس کو اور بچوں کو شادی میں شرکت کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ''اگر (زینب) اس شادی میں گئی تو اس کو پھر طلاق بائن پڑے گی''۔ لیکن (زینب) نے کہا تھا کہ ایک بار طلاق کے بعد دوسری طلاق کا کیا ڈر اور خوف، اور دس طلاقیں بھی مجھے شادی میں

شرکت کرنے سے نہیں روک سکتیں چنانچہ (زینب) نے اس شادی میں مقام (ن) پر شرکت کی۔ (زاہد) نے مصلحت سمجھتے ہوئے کہ (زینب) تو پہلے ہی سے مطلقہ ہے، خاموش رہا، تاکہ بہن (فاطمہ) کا معاملہ مزید الجھن میں نہ پڑے۔

اس کے بعد چونکہ (احمد) وغیرہ کو وقت اور موقع مل گیا تھا اور خلاف رویہ شروع کر دیا اور (زاہد) سے کہا کہ تم ہماری لڑکی (زینب) کو رکھو اور ہم تمہاری بہن (فاطمہ) کو رکھیں گے۔ اس پر (زاہد) تیار نہ ہوا اور (زاہد) نے کہا کہ بہن (فاطمہ) کا معاملہ اس کے مہر اور جہیز دیکر طے کرو، آپ کی لڑکی (زینب) کا معاملہ بدستور رکھا جائے گا اور موقع ملنے پر حلالہ کر دیا جائے گا، لیکن (احمد) تیار نہ ہوا، چونکہ مہر جہیز دینا پڑتا ہے۔ اس عرصہ میں غالباً ۶۷ء میں (احمد) مقام (ب) سے (فاطمہ) کی لڑکی عمر ۵/ یا ۶/ سال کو دھوکہ سے مقام (ش) لے گئے اور آج تک اپنے وعدہ پر نہیں بھیجا جس کی وجہ سے اس عرصے میں لڑکی کے معاملہ پر معاملہ بڑھا اور (احمد) کا لڑکا (اکرم) اپنی (زینب) اور بچوں کو بہانہ سے ۲۲/ ستمبر/ ۶۸ء کو لے گیا اور (زینب) باوجود سخت ہدایتوں کے اور طلاق کے ڈراوے کے پھر ۲۲/ ستمبر/ ۶۸ء کو مقام (ن) گئی اور وہاں سے مقام (س) پہونچ گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ:

۱..... کیا (زینب) کو طلاق ہوگئی؟

۲..... اور کیا (زاہد) کلمۂ طلاق کے بعد (زینب) کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے؟ خواہ کسی وجہ سے ہو، اور (زاہد) کس حد تک مرتکب گناہ ہے؟ اور اس پر کیا کفارہ ہے؟

۳..... اب حلالہ کی کیا صورت ہے اور کیا شرائط ہیں؟ کیا بہن (فاطمہ) کو مندرجہ بالا حالات میں بذریعۂ طلاق الگ کرالینا ہی مناسب ہے جب کہ (فاطمہ) کا شوہر (خالد) اول درجہ کا زانی اور ناکارہ ہے اور مذہباً خیالات میں بھی اور اعمال میں بھی بریلوی ہے؟ اگر (فاطمہ) کا معاملہ بذریعۂ طلاق طے نہ کیا گیا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، کیا طلاق کی صورت میں (فاطمہ) اپنا مہر اور اپنا سامان جہیز واپس لینے کی مستحق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۶۰ء کے آخر، یا ۶۱ء کے شروع میں جب (زاہد) نے (زینب) کو طلاق دی تو اسی وقت طلاق ہوگئی

تھی، اس کے بعد اگر عدت (تین حیض) گزرنے سے پہلے رجعت کر لی تھی تو وہ رجعت صحیح ہوگئی تھی اور نکاح بدستور قائم تھا (۱)۔ پھر جب (عائشہ) کی شادی میں شرکت کرنے پر طلاقِ بائن کو معلق کیا اور (زینب) نے شادی میں شرکت کی، تو اس شرکت کے وقت دوسری طلاقِ بائن ہوگئی (۲)۔

پوری تحریر میں یہی دو طلاقیں مذکور ہیں: پہلی طلاق سے تو رجعت ہو ہی چکی تھی، دوسری طلاق میں رجعت کا اختیار نہیں، البتہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہو سکتا ہے (۳)، حلالہ کی ضرورت نہیں، پہلی طلاق سے رجعت کرنے کے بعد تعلق کا قائم رکھنا درست رہا، دوسری طلاق بائن کے بعد (شادی میں

---

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸۳/۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذافي الهداية: ۳۹۴/۲، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذافي اللباب في شرح الكتاب: ۱۸۰/۲، كتاب الرجعة، قديمي)

(۲) "إنما يصح في الملك كقوله لمنكوحته: إن زُرت فأنت طالق، أو مضافاً إليه .... فيقع بعده: أي يقع الطلاق بعد وجود الشرط في المسئلتين". (البحر الرائق: ۱۳،۵/۴، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۵۰۲/۳، كتاب الطلاق، فصل في الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الدر المختار: ۳۴۴/۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(۳) "و ينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۲۰/۲، كتاب الطلاق، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير: ۱۷۶/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التاتارخانية: ۶۰۳/۳، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

شرکت کرنے پر) تعلق قائم رکھنا جائز نہیں تھا، یہ سخت معصیت ہوئی، اس سے توبہ اور استغفار ضروری ہے، جب تک دوبارہ نکاح نہ ہوجائے ہرگز آپس میں ملنے نہ پائیں، بالکل جدا رہیں۔

۲......اگر (فاطمہ) پر جبر وتشدد کیا جاتا ہے شرعی حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا اور وہاں ماحول بھی اس کے حق میں تباہ کن ہے تو تعلق منقطع کرالینا چاہئے جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ (فاطمہ) اپنا مہر معاف کردے اور شوہر کا دیا ہوا زیور جو کچھ ہو وہ واپس کردے اور اس کے عوض میں شوہر (خالد) طلاق دیدے (۱)۔ جہیز (فاطمہ) کی ملکیت ہے، اس پر (خالد) کو زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۸ھ۔

واقعۂ طلاق مع فیصلۂ عدالت

سوال[۲۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید اور اس کی منکوحہ ہندہ کے وارثان میں ایسا اختلاف قبل از رخصتی ہوتا ہے کہ زید اپنی منکوحہ ہندہ کو طلاق دیدیتا ہے اور بعدہ جب ہندہ کے

---

(۱) "وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله تعالىٰ، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها". (التاتارخانية: ۴۵۳/۳، كتاب الطلاق، الفصل السادس عشر في الخلع، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۸۸/۱، كتاب الطلاق، الفصل السادس عشر الباب الثانى فى الخلع و ما فى حكمه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۸۲/۳، كتاب الطلاق، الفصل السادس عشر باب الخلع، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "إذا اختلف الزوجان في متاع موضوع في البيت الذي يسكنان فيه ...... فما يكون للنساء عادةً كالدرع والخمار و المغازل والصندوق وما أشبهه، فهو للمرأة، إلا أن يقيم الزوج البينة على ذلك".

(فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالكميرية: ۴۰۱/۱، كتاب النكاح، فصل فى اختلاف الزوجين فى متاع البيت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۱، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر في اختلاف الزوجين، رشيديه)

عزیز دوسرے عقد کا ارادہ کرتے ہیں تو زید طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، بمجبوری یہ معاملہ عدالت میں استقرارِ حق طلاق کا دعویٰ ہندہ کی جانب سے دائر ہوتا ہے، ہندہ بحلف بیان کرتی ہے کہ زید نے مجھ کو طلاق میرے مکان پر دیدی اور چار گواہ جو کہ بروقتِ طلاق موجود تھے حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دیدی۔

تفصیل گواہان: ایک والدۂ ہندہ، ایک برادر حقیقی ہندہ، دو عزیز مرد۔

دو گواہ حلف سے بیان کرتے ہیں کہ زید نے ہم سے کہا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے، لیکن میں اس کو ہرگز دوسرا عقد نہ کرنے دوں گا۔

تفصیلِ گواہان جن سے زید نے اپنے وطن میں جا کر کہا: ایک ماموں ہندہ کا، دوسرا رشتہ دار زید کا:

زید نے بھی عدالت میں بحلف بیان کیا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور زید کی والدہ نے بحلف تائید کی اور ایک مرد بھی پیش کیا گیا جو والدۂ ہندہ وغیرہ پر اتہام لگاتا ہے اور زید کو نیک چلن بیان کرتا ہے، کوئی خاص تردید معاملۂ طلاق کی نہیں کرتا ہے۔

عدالت ابتدائی نے محض بیانِ زید کو باور کر کے مقدمہ خارج کر دیا، عدالت اپیل کا حکم ہوتا ہے کہ (گو شرعاً شہادتِ طلاق شہادتِ نفی پر لائقِ ترجیح ہے) لیکن دعویٰ اس بنا پر خارج کیا جاتا ہے کہ گواہ شرعی نقطۂ لحاظ سے معتبر نہیں:

۱- ہندہ کی والدہ اور اس کے بھائی کی شہادت شرعاً عقلاً قابلِ اعتماد نہیں ہے؟

۲- ایک غیر مرد کی شہادت جو کہ فہرستِ گواہانِ طلبیدہ میں نہ تھا، مشکوک ہے۔

۳- دوسرا عزیز مرد ایک درزی ہے جس نے ہندہ کے یہاں اجرت سلائی کا کام کیا ہے، اس کی شہادت بغیر تائید کے بیکار ہے۔

۴- دو گواہ غیر جن کے نام فہرستِ گواہان میں تھے پیش نہیں کئے گئے، لہذا دعویٰ خارج۔

اعتراض ۱ ......کی بابت عرض ہے کہ ہندہ کے برادر کی عمر بیس سال ہے۔

اعتراض ۲ ......کی بابت گذارش ہے کہ مقدمات میں موجودہ خاص اکثر گواہان ذریعہ فہرست طلب نہیں کرائے جاتے، بروزِ ثبوت پیش کئے جاتے ہیں، چنانچہ ایک گواہ غیر بوجہ خاص بروزِ ثبوت طلب کر کے پیش کیا گیا۔

اعتراض ۳ ......کی بابت عرض ہے کہ کل گواہان کے بیانات میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، سب ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

اعتــــــراض ٤ ......کی نسبت یہ عرض ہے کہ جب قانون داں اصحاب نے یہ تصور کرلیا کہ نصابِ شہادت پورا ہوگیا تو گواہ پیش کرنے سے روکدیئے۔

اب سوال یہ ہیکہ ان صورتوں کے ہوتے ہوئے ہندہ پر شریعت سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جب کہ چار شہادتیں عینی موقع کی اور دو شہادتیں جن سے زید نے واقعۂ طلاق بیان کیا ہے اپنے وطن میں کہ ’’ہندہ کو طلاق دے آیا ہوں‘‘۔ اب جملہ یہ شہادتیں متذکرہ از روئے شریعت معتبر ہیں یا نہیں؟ عند اللہ اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے اور توجہ خاص مبذول فرما کر موافقِ شرع شریف کتب مستند و کلامِ الٰہی سے مع حوالہ حکم صادر فرمایا جائے، تاکہ عدالت اپیل میں پیش کر کے فیصلہ صحیح حاصل کیا جاسکے۔

مسعود احمد خلف عزیز احمد ٹھیکدار مرحوم، ڈاکخانہ ٹانڈہ، ضلع مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر گواہان مذکورہ عادل اور ثقہ ہیں تو شرعاً ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی (۱) اور ہندہ چونکہ غیر مدخولہ ہے اس لئے زید کو اس طلاق سے رجعت کا حق بھی باقی نہیں رہا (۲)۔ عدالت اپیل کا ہندہ کے بھائی کی شہادت کو شرعاً

---

(۱) "وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج والمرأة ذلک، فرق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوى". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۷۲/۳، کتاب الطلاق، الشهادة والدعوى والخصومة في الطلاق، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية کراچی)

"والرضاع حجته حجة المال، و هي شهادة عدلين أوعدل و عدلتين .... و هل يتوقف ثبوته على دعوى المرأة؟ الظاهر: لا، لتضمنها حرمة الفرج، و هي من حقوقه تعالیٰ كما في الشهادة بطلاقها". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۲۴/۳، ۲۲۵، کتاب الطلاق، باب الرضاع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۶۱/۳، کتاب الشهادات، مکتبة غفاریه کراچی)

(۲) "(وإن فرق) بوصف نحو: أنت طالق واحدة و واحدة وواحدة، أو خبر أو جمل بعطف أو غيره، بانت بالأولیٰ: أي قبل الفراغ من الكلام الثاني". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۸۶/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد) .... =

وعقلاً نا قابلِ اعتبار کہنا قانونِ شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ بھائی کی شہادت بہن کے حق میں شرعاً جائز اور معتبر ہے۔فتاویٰ عالمگیری، کتاب الشہادت کی فصل ثالث میں ہے:"ويجوز شهادة الأخ لأخته، كذا في محيط السرخسي". عالمگيری:۳/٤٥٦(۱)۔

درزی کو اگر ہندہ نے ملازم رکھ کر سلائی کا کام کرایا ہے اس طرح پر کہ اس کے لئے یومیہ، ماہانہ، یا سالانہ اجرت مقرر کردی تھی تب تو واقعی اس درزی کی شہادت ہندہ کے حق میں معتبر نہیں، اگر اس طرح سلائی کا کام نہیں کرایا، بلکہ وہ اَوروں کے کپڑے بھی سیتا تھا اور ہندہ کے کپڑے بھی اجرت پر سیتا تھا جیسا کہ عام درزی سیتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں تو اس کی شہادت جائز اور مقبول ہے:

"أما الأجير المشترك إذا شهد للمستأجر، تقبل. أما الأجير الواحد و هو الذى استأجره مياومةً أو مشاهرةً، أو مسانهةً بأجرة معلومة، لا تقبل استحساناً، كذا في الخلاصة". عالمگيری: ۳/٤٥٦(۲)۔

شرعاً کسی گواہ کی گواہی قبول ہونے نہ ہونے میں اس کے فہرستِ گواہان طلبیدہ میں ہونے نہ ہونے کو کوئی دخل نہیں، اگر فہرستِ گواہان داخل کرنے کے بعد کسی عادل گواہ کا علم ہوجائے اور وہ گواہی دیدے تو شرعاً اس کی گواہی بھی معتبر ہوگی، لہٰذا اس غیر مرد کی گواہی اس وجہ سے مشکوک کہنا بھی اصولِ شرع کے خلاف ہے۔اگر

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۷، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۰۸، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۷۰، كتاب الشهادات، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادته، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۴۷۴، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۲/۴۶۷، كتاب الشهادات، من لا تقبل شهادته للتهمة، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۷۰، كتاب الشهادات، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادته، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۵۰، الفصل الثانى فيما يقبل وفيما لايقبل، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۵/۴۷۹، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه، سعيد)

مشکوک کہنے کی کوئی اَور وجہ ہے تو بیان کیجائے تا کہ اس پر غور کیا جائے۔ یہ حکم شریعت کا قضاءً ہے اور دیانۃً یہ حکم ہے کہ ہندہ نے اگر خود طلاق کو سنا ہے یا کسی ایک عادل گواہ نے بھی اس کو طلاق کی اطلاع دی ہے تو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ زید کو اپنے اوپر قابو دے، جو صورت بھی اس سے بچنے کی ہو سکے اس سے بچے، کذا فی الدر المختار: ۲/۸۴۱(۱)۔

نوٹ: یہ جواب سائل کی اس تحریر کے موافق ہے جو اس نے عدالت اپیل کے فیصلہ پر بطورِ تنقید لکھی ہے، سائل کو چاہئے کہ عدالت کا فیصلہ بعینہ یا اس کی نقل اردو میں کسی ماہر سے صحیح ترجمہ کرا کے روانہ کرے تب معلوم ہو سکتا ہے کہ عدالت نے شہادتیں کن وجوہ کی بنا پر نا قابلِ اعتبار قرار دیں۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ شعبان/ ۱۳۵۴ھ۔

کسی مخصوص مقام کو طلاق سے مستثنیٰ کرنے سے واقع شدہ طلاق ختم نہیں ہوتی

سوال[۲۰۰۲]: میں نے اپنی بیوی کو اس شرط پر طلاق دی: ''سوائے شہاب پور کے طلاق دی طلاق دی، اگر شہاب پور میں آئی تو میری طلاق نہیں ہے''۔ وہ عورت دوسرے روز آگئی اور کہتی ہے کہ ہر حالت میں یہی رہوں گی۔ اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت شوہر نے یہ کہا کہ ''سوائے شہاب پور کے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اگر شہاب پور میں آئی تو میری طلاق نہیں''۔ اس وقت بیوی شہاب پور میں نہیں تھی، لہٰذا اس پر طلاقِ مغلظہ ہوگئی، دوسرے روز جب وہ عورت شہاب پور میں آگئی تو اب وہ طلاق ختم نہیں ہوئی۔ اب بغیر حلالہ کے اس سے تعلقِ زوجیت رکھنا

---

(۱) "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدلٌ، لا يحل لها تمكينه". (رد المحتار: ۳/ ۲۵۱، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۴۴۸، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۴۱، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الكتب العلمية، بيروت)

حرام ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۳۹۴ھ۔

''اگر پہلے طلاق نہیں دی، تو اب دے دی'' کہنے کا حکم

سوال[۷۰۰۶]: آج سے چار مہینہ قبل میں نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دی ایک ''تم دونوں کو طلاق'' کہہ کر طلاق دی۔ میں نے اس کے بارے میں فتویٰ لیا تھا، تو اب جواب دیا گیا کہ رضامندی ہونے پر عدت میں رجوع کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد میری ایک گھر والی اپنے رشتہ داروں میں چلی گئی، چار مہینہ بعد میں اسے لینے گیا، اور انہوں نے گرما گرمی سے کہا کہ تم نے جب اسے طلاق دے دی تھی تو اسے کیوں لینے آئے؟ اس کے بعد ان کا کہنا ہے کہ تو نے ہمارے سامنے بھی یہ الفاظ ادا کر دیئے کہ ''میں نے طلاق اس وقت نہیں دی تو اب دی دی''۔ ان کا کہنا ہے کہ ''دی دی'' کا لفظ تم نے کتنی بار ادا کیا، البتہ طلاق کا لفظ نہیں کہا۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ الفاظ ادا کئے یا نہیں، مجھے معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اپنی دو بیویوں کو ایک بار کہا کہ ''تم دونوں کو طلاق'' تو دونوں پر ایک ایک طلاق ہوگئی (۲) جس

---

(۱) "ولو قال لها في منزل والدها: إن لم تحضري منزلي الليلة، فأنت طالق، فمنعها الوالد من الحضور، تطلق، هو المختار". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا: ۱/ ۴۴۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۲/ ۳۹۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۴/ ۳۱، رشيديه)

(۲) "قال لنسائه الأربع بينكن تطليقة طلقت كل واحدة تطليقة". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، مطلب: فيما قال: امرأته طالق وله امرأتان أو أكثر تطلق واحدة: ۳/ ۲۹۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/ ۳۶۱، رشيديه)

میں رجعت کا حق حاصل تھا،حق رجعت عدت کے اندر ہوتا ہے(۱)، عدت تین ماہواری ہے(۲)، اگر تین ماہواری آنے سے پہلے رجعت نہیں کی تو بائنہ ہوگئی، اب جب تک بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ ہو تو اس کے لانے اور کہنے کا حق نہیں، وہ بالکل غیر ہوگئی (۳)۔

اگر تین ماہواری آنے سے پہلے رجعت کر لی یعنی اس طرح کہہ دیا کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی، یا ایسا کوئی کام کرلیا جو شوہر بیوی کے ساتھ خاص ہو تو رجعت ہوگئی، خواہ بیوی رضامند ہو یا نہ ہو، بلکہ زبانی رجعت کی ہو تو بیوی سامنے ہو یا نہ ہو ہر طرح رجعت ہوگئی (۴)۔

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۱/۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۴/۸۲، ۸۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً، كذا في السراج الوهاج، والعدة لمن لم تحض لصغر أو كبر أو بلغت بالسن، ولم تحض ثلاثة أشهر، كذا في النقاية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۱۷، ۲۱۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فيما يتعلق بتوابع الطلاق: ۴/۳۱۵، ۳۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فالحكم الأصلي لما دون الثلاث من الواحدة البائنة، والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق، وزوال الملك أيضاً، حتى لايحل له وطؤها إلا بنكاح جديد ولا يصح ظهاره وإيلاءه، ولايجري اللعان بينهما ولايجري التوارث، ولايحرم حرمة غليظة، حتى يجوز له نكاحها، من غير أن تتزوج بزوج آخر؛ لأن مادون الثلاثة وإن كان بائناً، فإنه يوجب زوال الملك لازوال حل المحلية". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/۴۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، سعيد)

(۴) "هي استدامة الملك القائم في العدة بنحو راجعتك وبكل مايوجب حرمة المصاهرة .... إن =

اگر رجعت کر لینے کے بعد آپ بیوی کو لینے گئے اور اس کے رشتہ داروں نے یہ کہا کہ تم نے ہمارے سامنے یہ الفاظ ادا کئے ''میں نے طلاق اس وقت نہیں دی تو اب دی دی'' تو اگر واقعۃً ایسا کہا بھی تو ایسا کہنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، اس لئے کہ ''اب طلاق دی دی'' کو اس پر معلق کیا ہے کہ ''پہلے طلاق نہیں دی''، حالانکہ پہلے طلاق دے دی تھی، اس لئے اب ایسا کہنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

طلاقِ مکرہ مفصل ومدلل

سوال[۲۰۰۸]: حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم رحمہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظیم مسئلۂ ذیل کے بارے میں، حدیث مشکوۃ:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاطلاق ولاعتاق في إغلاق". رواه أبو داؤد وابن ماجة"(۱)۔ "قيل: معنى "الإغلاق" الإكراه"(۲)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی کو حالتِ اکراہ میں کہا گیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دو، ورنہ قتل کرتا ہوں اور اس نے طلاق دے دیا تو فرماتے ہیں کہ طلاق واقع ہوجائے گی، اس لئے کہ اکراہ پایا گیا، بلکہ شرّین میں اہون ترین کو اختیار کرلیا گیا ہے، لہٰذا ان کے مسلک کے پیشِ نظر حدیث پر عمل درآمد نہیں ہوا،

= لم يطلق بائناً وإن أبت". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۳۹۷-۴۰۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۱/۴۶۸، رشيديه)

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲/۲۸۳، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۲۹۸، كتاب الطلاق، باب في الطلاق على غيظ، دار الحديث ملتان)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۱۴۸، أبواب الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) (ذكره التبريزي في مشكوة المصابيح: ۲/۲۸۳، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني، قديمي)

(وانظر للتفصيل مرقاة المفاتيح: ۶/۴۲۶، ۴۲۷، باب الخلع والطلاق، رشيديه)

نیز حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل دیا گیا اور حالتِ اکراہ میں طلاق نہ ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

فقط والسلام۔

احقر سلیمان افریقی، ۲۴/محرم الحرام/۱۲۹۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً، نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم:

طلاقِ مکرہ کو غیرِ معتبر اور شرعاً کالعدم قرار دینے کے لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تین دلیلیں پیش کی گئی ہیں اور الزام لگایا گیا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو چھوڑا اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو اختیار کیا:

ا.....پہلی حدیث "لا طلاق و لا عتاق فی إغلاق" ہے(۱) مگر اس حدیث سے استدلال تام نہیں، اس کی دو وجہ ہیں: **وجہ اول** یہ کہ یہ حدیث بالاتفاق اپنے ظاہر پر محمول نہیں، کیونکہ ظاہری معنی یہ ہیں کہ "طلاق کا وجود (صدور) ہی اغلاق میں نہیں ہوتا"۔ حالانکہ یہ خلافِ مشاہدہ اور خلافِ واقعہ ہے، ورنہ اس کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کی بحث ہی سب بے محل ہو جائے گی، پس لامحالہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حالتِ اغلاق کی طلاق پر حکمِ شرعی مرتب نہیں ہوتا، حکم کی دو نوعیں ہیں: "اول حکم فی الدنیا دوم حکم فی الآخرة۔ اگر حکم فی الآخرۃ مراد لیا جائے تو اس مسئلہ میں نزاع ہی باقی نہیں رہتا(۲)۔

حاصل یہ ہوگا کہ طلاق عند اللہ مبغوض بلکہ أبغض المباحات ہے اور تین طلاق دفعۃً دینا معصیت ہے، مگر حالتِ اغلاق میں اس کی نوبت آئے تو یہ حکم بغض و معصیت اس پر مرتب نہیں ہوگا، لہٰذا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر یہ الزام غلط ہے کہ انہوں نے حدیث کو ترک کر دیا۔

وجہ دوم استدلال تام نہ ہونے کی یہ ہے کہ یہ حدیث اس معنی میں نص نہیں۔ سائل نے لفظ "إغلاق"

---

(۱) (سنن أبی داؤد: ۱/۲۹۸، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی غیظ، دار الحدیث ملتان)

(۲) قال القاری فی المرقاة تحت الحدیث: "(رفع الخطأ والنسیان و ما استکرهوا علیه) من باب المقتضی و لا عموم له، و لا یجوز تقدیر الحکم الذی یعم أحکام الدنیا وأحکام الآخرة، بل إما حکم الدنیا و إما حکم الآخرة، والإجماع علی أن حکم الآخرة و هو المؤاخذة مرادٌ، فلا یرد الآخر معه والإعمم". (مرقاة المفاتیح: ۶/۴۲۸، کتاب النکاح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثانی، رشیدیه)

کی تفسیر "إکــراہ" کے ساتھ لفظ "قیــل" سے نقل کی ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری تفسیر بھی ہے(۱)، نیز "قیــــل" عامۃً تضعیف کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ تفسیر ضعیف ہے۔ علامہ زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اغلاق" کی تفسیر میں تین قول نقل کئے ہیں: "اکـراہ، جـنـون، غضب". اگر یہاں اغلاق سے جنون مراد لیا جائے تو اس مسئلہ میں نزاع ہی باقی نہیں رہتا، کیونکہ طلاق مجنون کسی کے نزدیک بھی واقع نہیں ہوتی، لـحـديـث: "رفع القلم عن ثلاث". وفيه: "عن مجنون حتى يفيق"(۲)، اس کے بعد ایسے معنی مراد لینا جس میں اختلاف ہو بطورِ احتمال کے ہوگا نہ کہ بطورِ نص کے، پس اس سے حجت تام نہیں ہوگی۔

۲......دوسری دلیل ہے حدیث: "رفـع عـن أمـتـي الـخـطـأ والـنـسيان، وماستكرهوا عليه". أخـرجه الطبراني(۳)۔ اس بات سے قطع نظر کہ محدثین نے اس حدیث پر کیا کلام کیا ہے(۴)، اس حدیث کا

---

(۱) "فـالـجـواب أن الا حـتـجـاج بـه غـيـر صـحـيـح، للاختلاف في معنى الإغلاق، فقيل: الإكراه، و قيل: الـجـنـون، و قـيـل: الغضب، و قيل: التضييق". (عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة: ۱/۱۶۲، طلاق المكره مطبعة الشبكشي بالأزهر)

(۲) (مـسـنـد الإمـام أحـمـد بـن حـنـبـل: ۱/۲۲۶، (رقـم الحديث: ۱۱۸۷)، مسند علي بن أبي طالب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "أخـرج الـطـبراني عن عبيد بن عمير عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تـعـالـىٰ عـلـيـه وسلم: "إن الله تعالىٰ تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه". (المعجم الصغير للطبراني، باب الكاف، من اسمه كثير: ۱/۲۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وفيض الـقـديـر شرح الجامع الصغير: ۷/۳۴۰۳، (رقم الحديث: ۴۴۶۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة)

(۴) قـال الـحـافـظ: "فـي إسـنـاده ضعف، و روى ابن ماجة وابن حبان والدار قطني والطبراني والبيهقي والحاكم في المستدرک من حديث الأوزاعي، فقيل: عنه عن عطاء عن عبيد بن عمير عن ابن عباس، و روى الوليد بن مسلم عن الأوزاعي و لم يذكر عبيد بن عمير، و للوليد إسنادان آخران: روى عن محمد بـن الـمـصـفـي عـنـه عـن مـالـک عـن نافع عن ابن عمر، وعن ابن لهيعة عن موسى بن داوٗد عن عقبة بن عـامـررضي الله تـعـالـىٰ عـنـه. قـال ابـن أبي حاتم: سألت أبي عنها، فقال: هذه الأحاديث منكرة، كأنها موضوعة. قال عبد الله بن أحمد: سألت أبي عنه فانكره جداً. و رواه ابن ماجه من حديث أبي ذر، و فيه=

مقصود بھی یہ نہیں کہ خطأً ونسیاناً واستکراہاً امت سے کسی فعل کا صدور نہیں ہوسکتا، ورنہ ہر سہ کے احکام بیان فرمانے کی ضرورت نہیں تھی (حالانکہ قرآن وحدیث میں ان کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں) اور اس دعاء کی بھی ضرورت نہیں تھی ﴿ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا﴾ الآية(١)۔

بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اس دعاء کی برکت اور ثمرہ کے طور پر یہ بشارت دی گئی ہے: "رفع عن أمتي" الحدیث. یعنی ان چیزوں پر آخرت میں پکڑ نہیں رہی، یہ بات کہ دنیا میں بھی کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا تو یہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے، قتلِ خطاء کی سزا خود نصِ قطعی میں موجود ہے: ﴿ومن قتل مومناً خطأً فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلىٰ أهله﴾ الآية(٢)۔

= شهربن حوشب و في الإسناد انقطاع أيضاً.

فلو صح هذا الحديث فالجواب عنه أن الحديث ليس على ظاهره؛ إذ لامعنى لرفع الخطأ والنسيان، فإن ماوجد من الأفعال خطئاً أو نسياناً، فهي واقعة لامحالة، فالمعنى: رفع عن أمتي إثم الخطأ والنسيان، ولايجوز تقدير الحكم الذي يعم أحكام الدنيا والآخرة؛ إذلا عموم للمقتضى، فالمراد إما أحكام الدنيا وإما حكم الآخرة، والإجماع على أن حكم الآخرة وهو رفع المؤاخذة مرادٌ، فلا يراد الآخر معه، وإلا عمم". (التفسير المظهري: ٦/٣٧٩، ٣٨٠، حافظ كتب خانه، كوئٹه)

"فالجواب (عن هذا الحديث) أن عبدالله بن أحمد سأل أباه عن هذا الحديث، فأنكره جداً. وقال محمد بن نصر في كتاب الاختلاف: هذا الحديث ليس له إسناد يحتج به، ومع قطع النظر عن هذا فاعلم أن المراد بالرفع هنا رفع الإثم لارفع الفعل، وإلا لَمَا وقعن مع أن وقوعهن محقق، ومحله أن المراد: يرفعها رفعها أو رفع حكمها، ولا يجوز الأول؛ لأنها قد توجد حقيقةً، فتعين الثاني. ثم هو على نوعين: إما أن يراد به حكم الدنيا أوحكم الآخرة، ولايجوز الأول؛ لأن في القتل الخطاتجب الدية والكفارة بالنص، وذلك من أحكام الدنيا ...... فتعين الثاني وهو حكم الآخرة وهو رفع إثم هذه الأشياء". (عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة: ١/١٦٢، بيان الخبر الدال على عدم وقوع طلاق المكره على إنشاء لفظ الطلاق، مطبعة الشبكشي بالأزهر، مصر)

(١) (سورة البقرة: ٢٨٦)

(٢) (سورة النساء: ٩٥)

سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم حدیث شریف میں ہے(۱)۔حج میں خطأً یا نسیان سے کوئی جنایت ہوجائے تو اس کے احکام بھی موجود ہیں(۲)،صوم میں بھول کر کھانے پینے سے عدمِ فسادِ صوم کا حکم اس حدیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے لئے مستقل حدیث موجود ہے(۳)۔اس ذیل میں طلاق مکرہ بھی ہے کہ دنیا میں اس پر حکم مرتب ہوگا۔امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حدیث صریح بھی موجود ہے:

"أخرج العقيلي عن صفوان بن عمران الطائي أن رجلاً كان نائماً، فقامت امرأته، فأخذت سكيناً، فجلست على صدره، فوضعت السكين على حلقه، فقالت: لَتطلقني ثلاثاً أو لأذبحنَك، فناشدها، فأبت فطلقها ثلاثاً، ثم أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فذكر له ذلك، فقال: "لاقيلولة في الطلاق، اهـ". نصب الراية: ٣/٢٢٢(٤)۔

والمسئلة مع أدلتها من الأحاديث والآثار مذكورة في إعلاء السنن: ١١/١٢٥، والتفسير المظهري، سورة النحل، وعقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة: ١/١٦١، وزجاجة المصابيح: ٢/٤٧٦، ومرقاة المفاتيح: ٦/٢٨٨(٥)۔

---

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن أحدكم إذا قام يصلي، جاء ه الشيطان، فلبس عليه حتى لايدري كم صلي، فإذا وجد ذلك أحدكم فليسجد سجدتين وهو جالس". (الصحيح لمسلم: ١/٢١٠، كتاب الصلوة، باب السهو في الصلوة والسجود، قديمي)

(٢) "قال في اللباب: ويستوي في وجوب الجزاء الرجل والمرأة، والعامد والناسي، والخاطئ والساهي، والمفيق والمغمى عليه، والمباشرة بالنفس أو بالغير". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج، فصل ان قتل محرم صيدا: ٣/٤٧، رشيديه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج، باب الجنايات: ١/٢٠٦، مير محمد كتب خانه كراچي)

(٣) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من نسي وهو صائم فأكل أو شرب، فليتم صومه، فإنما أطعمه الله وسقاه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب أكل الناسي وشربه وجماعه لايفطر: ١/٣٦٤، قديمي)

(٤) (نصب الراية لأحاديث الهداية: ٣/٢٢٢، كتاب الطلاق، أحاديث في طلاق المكره، مطبعه دار المأمون بشبرا شارع الأزهار سورت الهند)

(٥) (إعلاء السنن، كتاب الطلاق، باب عدم صحة طلاق الصبي .... وصحته من المكره =

یہی وجہ غالباً پیش آئی کہ دو حدیثوں سے استدلال کو تام نہ سمجھتے ہوئے قیاس کی طرف رجوع کرنے کی نوبت پیش آئی اور اس حدیث کو ترک کر کے قیاس سے کام لیا، کما سیجیء۔

۳.....تیسری دلیل قیاس ہے "إکراہ علی الکفر" پر، یعنی جس طرح وہاں حکمِ کفر نہیں دیا جاتا، اسی طرح طلاقِ مکرہ پر حکمِ طلاق نہیں دیا جائے گا، مگر یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، اس سے استدلال تام نہیں، اس لئے کہ ایمان وکفر کا اصالۃً محل قلب ہے جس کا قلب حالتِ اکراہ میں مطمئن بالایمان ہے اور جان بچانے کے لئے اکراہ کی وجہ سے کلمۂ کفر کہا تو اس پر کفر کا حکم نہیں ہوگا (۱)۔ اگر دل میں کفر اختیار کر لے اور زبان سے کچھ نہیں کہے تو اس پر حکمِ کفر جاری ہوگا، بخلافِ طلاق کے کہ اس کا مدار تلفظ پر ہے، اگر زبان سے طلاق دیدے اور دل میں نہ ہو تب بھی طلاق ہو جائے گی، اگر دل میں اختیار کر لے اور زبان سے نہ کہے تو طلاق نہیں ہوگی، پس یہ قیاس تام نہیں (۲)۔

اول تو حدیث موجود ہوتے ہوئے اس کے مقابلہ میں قیاس کرنے کا حق ہی نہیں، ائمۂ حدیث وفقہاء نے اس کی اجازت نہیں دی، جیسا کہ إعلام الموقعین، ص:۱۱ میں ابن قیم نے لکھا ہے، اور سرِفہرست امام ابوحنیفہ

= والسکران والهازل: ۱/۱۸۶۱، إدارة القرآن کراچی)

(ومرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثانی: ۶/۴۲۷، ۴۲۸، رشیدیه)

(والتفسیر المظهری: ۵/۳۷۷-۳۸۱، حافظ کتب خانه)

(وعقود الجواهر المنیفة فی بیان الخبر الدال علی وقوع طلاق المکره علی إنشاء لفظ لطلاق: ۱/۱۶۱-۱۶۲، مطبعة الشبکشی بالأزهر مصر)

(وزجاجة المصابیح، کتاب الطلاق، باب الخلع والطلاق: ۲/۴۷۶، خیریة کتب خانه کوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿من کفر بالله من بعد إیمانه إلا من أکره وقلبه مطمئن بالإیمان﴾. (سورة النحل: ۱۰۶)

"فهو استثناء ممن کفر بلسانه ووافق المشرکین بلفظه مکرهاً لما ناله من ضرب وأذی وقلبه یأبی مایقول، وهو مطمئن بالإیمان بالله ورسوله". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۷۵، ۷۷۶، دارالفیحاء دمشق)

(۲) "قال الزبیدی: الکفر یعتمد علی الاعتقاد بدلیل أنه لو نوی الکفر بقلبه، یکفر. والإکراه یمنع الحکم بالاعتقاد فی الظاهر. والطلاق یعتمد علی إرسال اللفظ مع التکلیف، و هذا موجود فی طلاق المکره، و لو نوی الطلاق لم یقع". (عقود الجواهر المنیفة: ۱/۱۶۲، طلاق المکره، سعید)

رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام درج کیا ہے اور چند مسائل بھی بطورِ نظیر پیش کیے ہیں کہ ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیاس نہیں کیا بلکہ حدیث پر عمل کیا ہے اگر چہ وہ حدیث ضعیف ہے(۱)۔

اگر قیاس کرنا ہی ہے تو اکراہ کو ہزل پر قیاس کرنا اقرب ہے، جامع یہ ہے کہ اکراہ میں ایسی چیز کا تلفظ کرنا ہے جس کے حکم سے قلب راضی نہیں، یہی حال ہزل میں ہوتا ہے اور ہزل میں وقوعِ طلاق حدیث سے ثابت ہے:"ثلاث جدهن جدٌ، و هزلهن: جدٌ النكاح والطلاق والرجعة". الحديث(۲)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو نہیں چھوڑا اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس نہیں کیا، ہاں! دوسرے حضرات کی طرف یہ بات منسوب کیجائے تو قرینِ قیاس ہے اور مطابق نقل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلاقِ مکرہ

استفتاء [۲۰۰۹]: زید کی اپنے چچازاد بھائی سے عرصہ دس سال سے مخالفت ہے، اس مخالف بھائی نے ایک روز زید کے مکان پر آ کر زید کو مارا اور چاقو دکھلا کر حملہ کیا، تین شخص اور موجود تھے، انہوں نے پکڑ کر چاقو چھین لیا۔ حملہ آور نے زید سے کہا کہ ہماری ناراضی تمہاری عورت کی وجہ سے ہے، لہذا تم اپنی عورت کو طلاق دیدو، زید طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، عورت بھی اس پر ناراضی تھی کہ اس کو طلاق دی جائے، اپنی بے عزتی کی

(۱)"وأصحاب أبي حنيفه رحمه الله تعالىٰ مُجمِعون على أن مذهب أبي حنيفة: أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من القياس والرأى، وعلى ذلك بنى مذهبه، كما قدّم حديث القهقهة مع ضعفه على القياس والرأى، وقدم حديث الوضوء بنبيذ التمر في السفر مع ضعفه على الرأى والقياس، الخ". (إعلام الموقعين ۱/۶۱، أبوحنيفه يقدم الحديث على القياس، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن أبي داؤد: ۱/۲۹۸، كتاب الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، امداديه ملتان)

"في الحديث دلالة على أن طلاق الهازل واقعٌ، فثبت به أن الطلاق يقع بكل حال يكون فيه المطلق مختاراً في التكلم وإن لم يكن راضياً بحكمه، والمكره كذلك، فإنه يتكلم بالطلاق في اختيار كامل و لا يرضى بحكمه، كما أن الهازل يفعل ذلك". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۸۳، باب عدم صحة طلاق الصبي ...... والمكره، إدارة القرآن كراچي)

وجہ سے مکان میں بند تھی اور وہ کسی صورت سے طلاق نہیں چاہتی تھی۔

زید کے مخالف بھائی نے زید کو دہشت دلا کر جبریہ طور پر زید کو اسی وقت مجبور کر کے طلاق دلائی، زید نے بوجہ خوف کے طلاق دی اور جانبین کی تحریر سادے کاغذ پر لکھا کر اپنے پاس رکھ لیں، زید اور عورت کو نہیں دی۔ زید کو اور ان کی عورت کو اس واقعہ کا صدمہ ہے، اس وقت سے اب تک آمادہ ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو وہ ایک جگہ ہو جائیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہونگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبردستی اور بلانیت صریح الفاظ سے طلاق دلانے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر زید نے زبان سے طلاق دی ہے، یا طلاق کے لکھنے کا حکم کیا ہے، یا اس کو سن کر بلاجبر دستخط کر دیئے ہیں تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی۔ لیکن یہ بات کہ کتنی طلاق ہوئیں اور اب دونوں بلانکاح ایک جگہ رہ سکتے ہیں یا نہیں، طلاق کی تحریر دیکھنے کے بعد معلوم ہوسکتی ہے، وہ تحریر بھیج کر دریافت کرلیا جائے: "و طلاق المکرہ واقع". ھدایہ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۱/۲/۱۱ھ۔

جبراً طلاق

سوال[۱۰۱۰۲]: مالک مزارعان کی لڑائی ہوئی، مزارعان نے تھانہ دار کو رپورٹ دی، تھانہ دار نے کہا کہ میں تب رپورٹ درج کروں گا کہ جب تک تم طلاق نہ اٹھاؤ کہ ہم راضی نامہ نہ کریں گے، دونوں نے تین طلاق اٹھائی اور رپورٹ تحریر ہوگئی، مقدمہ کا چالان عدالت پولیس نے کردیا۔ پھر گاؤں کے لوگوں نے مزارع کو مجبور کیا کہ راضی نامہ کرو، مجبوراً مزارعان کو راضی نامہ کرنا پڑا۔ جس وقت یہ سوال تین طلاق مولوی صاحب محمد شفیع

(۱) (الهداية: ۲/۳۵۸، كتاب الطلاق، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۵۷، من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل في بيان من يقع طلاقه وفيمن لايقع صلاقه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

کے پاس سرگودہا میں پیش کیا گیا، صاحب موصوف نے فرمایا کہ طلاق واقع ہوگئی اور عورتیں ان پر حرام ہوگئیں۔

طلاق کنندگان مولوی محمد عبدالحکیم کو چک ہذا میں لائے اورانہوں نے فرمایا کہ یہ سب حالات ہم کو روشن ہوگئے ہیں کہ یہ تین طلاق اٹھا چکے ہیں، لیکن: خوفِ پولیس، بغیر نیت طلاق، ایک وقت میں تین طلاق کا لفظ استعمال کرنا، مجبوراً راضی نامہ کرانا۔ مولوی عبدالحکیم صاحب نے فتویٰ دیا کہ ان چار صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوتی، نکاح ازسرنو کی بھی ضرورت نہیں، جو اس میں انکار کرے گا گناہگار ہوگا، مولوی صاحب نے خود بھی کھانا کھایا۔ اور دوسروں کو بھی کھلایا جواب سے نوازیں۔

حافظ عبدالکریم، چک نمبر:۸۴، شمالی ضلع، ڈاک خانہ سرگودھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر طلاق اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنی اپنی عورتوں کو تین تین طلاق دیں تو شرعاً یہ طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئیں، اب بلا حلالہ کے ان عورتوں کو رکھنا جائز نہیں ہیں، مولوی محمد شفیع صاحب کا فرمانا درست ہے اور مولوی عبدالحکیم صاحب کا جواب بالکل غلط ہے اور یہ کہنا کہ ان صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوتی قطعاً بے اصل ہے، اس کے خلاف تمام کتبِ فقہ مثل ہدایہ، درمختار، عالمگیری، بحر، خانیہ میں تصریح موجود ہے۔

یہ خوفِ پولیس تو معمولی خوف ہے اگر اکراہ شرعی ہوتب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح بلا نیتِ طلاق الفاظ مذکورہ کہنے سے نیز بلا اختیار الفاظِ مذکورہ نکلنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح تین طلاق دینے سے واقع ہوجاتی ہیں اگر چہ ایسا کرنا گناہ ہے، جب مجبوراً طلاق دینے سے واقع ہوجاتی ہے تو مجبوراً راضی نامہ کرانے سے بطریقِ اَولیٰ واقع ہوجاوے گی:

"و یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغاً عاقلاً، سواء کان حراً أو عبداً، طائعاً أو مکرهاً، کذا في الجوهرة النیرة. و طلاق اللاعب والهازل به واقع، وکذلك أراد أن یتکلم بکلام فسبق لسانه بالطلاق، فالطلاق واقع، کذا في المحیط .... وإذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق، ولایعلم معنی قوله: أنت طالق، فإنه یقع الطلاق، الخ". عالمگیری: ۲/ ۳۳۸ (۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه، رشیدیه) =

"وطلاق البدعة أن يطلقها ثلثاً بكلمة واحدة في طهر واحد، فإذا فعل ذلك وقع الطلاق، وكان عاصياً". هدايه: ۱/۳۳۵(۱)۔

مولوی عبدالحکیم صاحب سے ان کے فتوی کی دلیل طلب کی جاوے، اگرانہوں نے کوئی دلیل تحریر کی ہو تو یہاں بھیجئے، اس کے بعدان کی دلیل کو بھی بیان کیا جائے گا کہ کتنی قوت کی دلیل ہے۔

اوراگرطلاق اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم راضی نامہ نہ کریں گے، اگرہم نے راضی نامہ کیا تو ہماری بیویوں کو تین تین طلاق ہیں اور پھرراضی نامہ کرلیا ہے تب بھی یہی حکم ہے کہ طلاق واقع ہوگئیں (۲)، اوراگر کچھ اَورمراد ہے تواس کوصاف صاف لکھ کرحکم دریافت کیا جائے۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۴/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم، ۶/صفر/۵۴ھ۔

ایضاً

سوال[۱۱ ۲۰]: زید نے اپنی بیوی کو جب کہ وہ بے خطاتھی، جبراً تین طلاق دی، مگر بیوی اوروہاں موجودلوگوں نے نہیں سنا۔ مگر زید کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۵/مئی/ ۱۹۷۵ء

= (وكذا في الدر المختار مع تنوير الأبصار: ۳/۲۳۵، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذافي بدائع الصنائع: ۴/۲۱۳، ۲۱۴، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۱) (الهداية: ۲/۳۵۵، باب طلاق السنة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۳۳، كتاب الطلاق، طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في الفتاوئ العالمكيرية: ۱/۳۴۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۰۲، كتاب الطلاق، فصل في طلاق البدعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق".

(الفتاوئ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵، ۶ كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۳۴۴، باب التعليق، سعيد)

کو دی ہے۔

ایک پرچہ میں مندرجہ ذیل مضمون چھپا ہے جس کو بعینہ نقل کیا جا رہا ہے:

''مدینہ کا گورنر جعفر بن سلیمان حکم دے رہا ہے کہ انس کے بیٹے مالک سے کہہ دو کہ وہ آئندہ یہ فتویٰ نہ دیں کہ ''جبری طلاق درست نہیں''۔ اس سے یہ جواز پیدا ہوتا ہے کہ جبری طلاق کی طرح بیعت بھی صحیح نہیں ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ ابوجعفر منصور ہیں اور ان کے بارے میں حضرت مالک کا خیال یہ تھا کہ منصور جبراً بیعت لے رہے ہیں۔ مالک کا کہنا تھا کہ خلافت محمد نفس ذکیہ کا حق ہے، منصور کی بیعت صحیح نہیں ہے۔ شریعت میں جبراً جو کام کیا، یا کرایا جاتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جبری طلاق درست نہیں۔

غرض! حضرت مالک کے انکار کرنے پر جعفر بن سلیمان کا غصہ اور بھڑک اٹھا، اس نے مالک کو مجرموں کی طرح پکڑوا کر بلوایا، ان کے کپڑے اتروائے اور جلاد کو حکم دیا کہ ننگی پیٹھ پر پوری طاقت سے کوڑے مارے۔ جلاد نے حکم کی تعمیل کی اور پیٹھ پر کوڑے لگائے۔

پھر پوچھا گیا کہ اب بتا، کیا فتویٰ دو گے؟ تو حضرت مالک نے کہا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق اللہ کے رسول کے حکم سے صحیح نہیں ہے۔ زخمی پیٹھ پر دوبارہ کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، کوڑے پڑتے رہے اور خون کے فوارے اٹھتے رہے، دونوں ہاتھ مونڈھوں سے اتر گئے تھے۔

جب کوڑوں کی بارش کے باوجود حضرت مالک نے بات نہ مانی تو انہیں بوڑھے اونٹ پر دُم کی طرف منہ کر کے بٹھایا گیا اور پورے مدینہ میں گشت کرایا گیا۔ اعلان یہ کیا جاتا تھا کہ جبری طلاق سے انکار کرنے والے کی سزا یہی ہے۔ اس کے فوراً بعد حضرت مالک زور سے یہ کہتے کہ ''جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے، لیکن جو مجھے نہیں جانتا وہ سن لے کہ میں انس کا بیٹا ہوں اور یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ جبراً طلاق درست نہیں''۔

جب گشت پورا ہوا، زخمی پیٹھ اور خون میں لت پت کپڑوں سے آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔

خلیفہ منصور کو معلوم ہوا تو اس نے لکھا کہ جو کچھ بھی سلوک آپ کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ نہ میری اجازت سے ہوا اور نہ جو سزا آپ کو دی گئی وہ میرے علم میں تھی، میں نہ تو کسی کے ساتھ زیادتی کو پسند کرتا ہوں اور نہ چاہتا ہوں کہ کوئی کسی کی میرے نام پر تذلیل کرے، میں نے حکم دیا کہ جعفر بن سلیمان کو گدھے پر سوار کرکے مدینہ سے بغداد لایا جائے۔ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ میری پیٹھ پر جب بھی کوڑا پڑتا تھا تو میں جعفر کو معاف کردیتا تھا، میں نہیں چاہتا کہ خلیفہ میری سزا کا بدلہ لے"۔

زید نے اپنی زوجہ کو جبراً طلاق دی ہے، مگر وہ مکان پر موجود ہے۔ اور اس کے کئی بچے ہیں۔ اور زید کی زوجہ کے حمل بوقتِ طلاق تھا اور اب بھی ہے۔

محمد ذوالقدر خاں، موضع محمد پور، فیض آباد (یو، پی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ "رات میں سویا ہوا تھا کہ میری بیوی آئی اور چھرا لے کر مجھ پر سوار ہوگئی کہ مجھے تین طلاق دے، ورنہ ابھی پیٹ چاک کردوں گی۔ اس سے معذرت کی، معافی مانگی مگر وہ نہیں مانی، اس لئے مجبوراً جان بچانے کے لئے میں نے تین طلاق دے دی تو کیا طلاق ہوگئی؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طلاق کو معتبر قرار دیا"۔ یہ حدیث اعلاء السنن میں مذکور ہے(۱)۔

---

(۱) "وأخرج العقيلي عن صفوان بن عمران الطائي أن رجلاً كان نائماً فقامت امرأته، فأخذت سكيناً، فجلست على صدره، فقالت: لتطلقني ثلاثاً أو لأذبحنك، فطلقها، ثم أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكره له ذلك. فقال: "لاقيلولة في الطلاق". (إعلاء السنن، كتاب الطلاق، باب عدم صحة طلاق الصبي والمجنون والمعتوة والموسوس وصحته من المكره والسكران والهازل: ۱۱/۱۸۳، إدارة القرآن كراچی) .... =

اس کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اور وہ جبراً طلاق دے دے تب بھی طلاق ہو جاتی ہے(۱)، البتہ اگر طلاق جبراً لکھوالی جائے اور زبان سے شوہر طلاق نہ دے تو طلاق نہیں ہوتی (۲)۔

مسئلہ کی مزید تفصیل اور دلائل پر بحث مطلوب ہو تو مرقاۃ، بذل المجہود، اوجز المسالک، عمدۃ القاری کا مطالعہ کریں (۳)۔

= (وكذا في نصب الراية لأحاديث الهداية: ۲۲۲/۳، كتاب الطلاق، أحاديث في طلاق المكره، مطبعه دار المأمون بشر شارع الأزهار، سورة الهند).

(۱) "يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً، سواء كان حراً أو عبداً، طائعاً أو مكرهاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۳۵۳/۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، فصل: ۳۵۸/۲، شركة علميه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۳۱۷/۲، رشيديه)

(۲) "رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لاتطلق امرأته". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة: ۳۷۹/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۲/۱، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق: ۲۳۶/۳، سعيد)

(۳) "قلنا: وكذلك المكره مختار في التكلم اختياراً كاملاً في السبب إلا أنه غير راض بحكمه؛ لأنه عرف الشرين، فاختار أهونهما عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۴۲۸/۶، رشيديه)

"وحكى أيضاً وقوع الطلاق المكره عن النخعي وابن المسيب والثوري وعمر بن عبدالعزيز وأبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ، انتهى .... ولأن الفائت بالإكراه ليس إلا الرضا طبعاً، وأنه ليس بشرط لوقوع الطلاق". (بذل المجهود شرح أبي داؤد: ۲۷۶/۳، كتاب الطلاق، باب في الطلاق =

تنبیہ ۱: حالتِ حمل میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے(۱)۔

تنبیہ ۲: حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد بزرگوار جن کا نام حضرت انس ہے وہ صحابی نہیں، بلکہ دوسرے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۹۵ھ۔

بغیر نام لئے جبراً طلاق

سوال[۲۰۱۲]: زید اپنے مکان پر موجود نہ تھا، اس کی بہن آئی اور اس کی بیوی کو اپنے ہمراہ میکے

= علی غلط، معهد الخليل الإسلامي، کراچی)

"واجازه ابو قلابة والشعبي والنخعي والزهري والثوري وابوحنيفة وصاحباه رحمهم الله تعالىٰ؛ لأنه طلاق من مكلف في محل يملكه، فينفذ كطلاق غير المكره". (أوجز المسالک، کتاب الطلاق، هل يقع طلاق المكره أم لا: ۴/۴۲۹، مکتبه يحيويه، مظاهر علوم سهارنپور)

"وفي مصنف ابن أبي شيبة أن الشعبي كان يرى طلاق المكره جائزاً، وكذا قاله إبراهيم وابوقلابة وابن المسيب وشريح رحمهم الله تعالىٰ. وقال ابن حزم: وصح أيضاً عن الزهري وقتادة وسعيد بن جبير، وبه أخذ أبوحنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ". (عمدة القاري، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والمكره والسكران والمجنون: ۲۰/۲۵۰، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۱) "وحل طلاقهن: اى الآيسة والصغيرة والحامل عقب وطء؛ لأن الكراهة فيمن تحيض لتوهم الحبل وهو مفقود هنا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه وحكمه الخ: ۱/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق: ۴/۱۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وهو أحد الأئمة الأعلام ركن من أركان الإسلام فقيه الأمة إمام دار الهجرة أبو عبدالله مالک بن أنس بن مالک بن أبي عامر .... وأول من أسلم من آبائه أبو عامر، واختلف أهل الرجال في صحبته .... وجد الإمام وهو مالک بن أبي عامر تابعيّ بلا خلاف، نعم! من كبار التابعين .... وكذلک أنس والد الإمام ليس من رواة السنة وغيرها من الكتب المتداولة". (مقدمة أوجز المسالک: ۱/۱۱، ۱۲، الباب الثاني، مكتبه يحيويه سهارنپور)

لے گئی، زید کو واپسی کے بعد معلوم ہوا تو وہ اپنی بیوی کو اس کے میکے سے لینے گیا، ان کی بیٹھک میں جا کر ٹھہرا، بیوی کے چند رشتہ دار بھی بیٹھک میں آ گئے اور زید سے گفتگو شروع کی کہ تم تو ہم لوگوں کو لچے کہتے ہو، بچوں کے یہاں کیوں آ گئے، دوسرے صاحب نے کہا کہ بیوی کو طلاق دیدو، زید نے انکار کیا کہ میں طلاق نہ دوں گا، تیسرے آدمی نے کہا کہ اگر یوں نہ دوگے رسے میں باندھ کر ڈنڈے لگا کر طلاق لے لیں گے۔

زید نے کہا خواہ کچھ کرو، طلاق نہ دوں گا۔ انہوں نے فوراً رسا منگا لیا اور باندھنے کا ارادہ کیا۔ زید کو یقین ہو گیا کہ یہ ضرور ایسا ہی کریں گے اور وہاں اس کا کوئی معین و مددگار نہ تھا، اس لئے اس نے کہہ دیا کہ ’’میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی‘‘ لیکن ان الفاظ سے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت نہیں کی۔

سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: فرزند علی شاہ پوری ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہو گئی، جس طرح اپنی خوشی سے طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے اسی طرح دوسروں کی زبردستی دلانے سے بھی واقع ہو جاتی ہے جب کہ صریح ہو: ’’ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو کان مکرهاً، فإن طلاقه صحیح، اهـ‘‘. مجمع الأنهر: ۱/۳۸۴ (۱)۔

چوں کہ طلاق اپنی بیوی ہی کو دی جاتی ہے، نیز صورت مسئولہ میں زید ابتداءً طلاق نہیں دے رہا ہے بلکہ طلاقِ زوجہ کا اس سے مطالبہ اور سوال کیا جا رہا ہے، اس کے جواب میں طلاق دے رہا ہے اس لئے زوجہ کا نام نہ لینا، یا اس کی نیت نہ کرنا کچھ مؤثر اور معتبر نہیں (۲)۔ قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: ’’الجواب

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/۸،۷، کتاب الطلاق، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۲۳۵، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۳۱۶، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(۲) ’’و صریح الطلاق لا یحتاج إلی النیة؛ لأنه موضوع له شرعاً، فکان حقیقةً، والحقیقة لا تحتاج إلی نیة‘‘. (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۱۶۴، فصل فی صریح الطلاق، حقانیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/۲۴۷، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید) .... =

يتضمن إعادة ما في السوال، اهـ". ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ جمادی الثانی/۵۶ھ۔

جھوٹ طلاق کا اقرار کرنا

سوال [۶۰۱۳]: زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا اور غصہ کے عالم میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تمہیں نہ رکھوں گا" اور جب گھر سے باہر نکلا تو ایک صاحب نے سنا تھا، اس نے ہنسی مذاق میں کہا کہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسی طلاق دی ہے، زید نے ہنستے ہوئے کہا کہ "میں نے طلاقِ مغلظہ دی ہے"۔ اپنی بیوی کے سامنے بھی نہیں کہا تھا، صرف دوسرے سے مذاق میں زبان سے نکل گیا، کوئی دل سے نہیں کہا۔ اب اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ طلاقِ مغلظہ ہوگی یا نہیں؟ زید اپنی بیوی کو بغیر حلالہ کے رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ہنسی مذاق میں بھی اس نے طلاقِ مغلظہ دی ہے تب بھی واقع ہوگی چاہے، بیوی سامنے ہو یا نہ ہو (۲)، لیکن اگر اس سے مقصود اس لفظ سے طلاقِ مغلظہ کی غلط خبر دینا تھا یعنی مخاطب کے سامنے جھوٹی خبر دینا تھا اور جھوٹ کا اقرار کرنا تھا تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ طلاق نہیں ہوگی (۳)، اگر پہلے اس پر گواہ بنالیا تھا کہ میں

= (وكذا في التاتارخانية: ۳/۲۶۰، الفصل الرابع فيمايرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۴۲، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج، سعيد)

(۲) "و طلاق اللاعب والهازل به واقع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۲۳۵، كتاب الطلاق، سعيد)

"فيقع طلاق الهازل بالطلاق واللاعب، لما روى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ثلث جدهن جد و هزلهن جد: النكاح، والطلاق، والعتاق". (بدائع الصنائع: ۴/۲۱۵، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "إذا قال لها: قد طلقتک، أو قال لها: أنت طالق، و أراد الخبر عما مضى كذباً، وسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يمسكها". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۶۲، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى صريح =

جھوٹا اقرار کروں گا تو قضاءً بھی نہیں ہوگی (۱)۔ اگر طلاقِ مغلظہ کا لفظ کہتے وقت زید خالی الذہن تھا یعنی جھوٹ کا اقرار کرنا اور جھوٹی خبر دینا ذہن میں نہیں تھا بلکہ اس تصور سے فارغ ہوکر کہدیا تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۲)، اب بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۸۵ھ۔

اقرارِ طلاق کے بعد انکار

سوال[۶۰۱۴]: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، جو لوگ وقوعِ واقعہ کے وقت موجود تھے ان میں سے دو عورتیں اور ایک مرد نے شرعی گواہی دی کہ زید نے چار مرتبہ کہا کہ "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی" اور اثنائے واقعہ میں اُور ایک مرد آیا تو زید کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی" اس مرد نے اس کو کہا کہ طلاق کا لفظ کوئی معمولی ہے، ایسا لفظ نہ کہو تو زید نے پھر کہا کہ "تم کیا سمجھتے ہو؟ ہاں میں نے اس کو طلاق دے دی"۔ ایک دوسری آدمی کے پاس زید نے اقرار کیا کہ "میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، اب دینِ مہر ادا کرنا ہے کس طرح ادا کروں گا"۔

اس واقعہ کے دن سے یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاقیں دیدی ہیں، خود زید نے اپنی بیوی کو فوراً اپنے سے علیحدہ کر کے میکے میں بھیجدیا، لیکن چند دن بعد اب زید کا بیان ہے کہ میں نے تین مرتبہ کہا تھا کہ "طلاق دیدیں گے، چوتھی مرتبہ کہا تھا کہ طلاق دیدی"۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ میرے شوہر نے پہلے

= الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۲۹۳/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۸/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۱) "استثنى في القنية من الوقوع قضاءً ما إذا أشهد قبل ذلك؛ لأن القاضي يتهمه في إرادته الكذب، فإذا أشهد قبله، زالت التهمة". (البحر الرائق: ۴۲۹/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۱۷/۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "وإن لم يرد به الخبر عن الماضي، أو أراد به الكذب، أو الهزل، وقع قضاءً وديانةً". (البحر الرائق: ۴۲۸/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۶۲/۳، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

ہی مرتبہ طلاق دیدی تھی اور آخری مرتبہ میں طلاق دیدیں گے کہا تھا۔

علاوہ ازیں زید کو خود اقرار ہے اور مذکورہ بالا بھی گواہی دے رہے ہیں اس لئے علاوہ لفظِ طلاق کے چند جملے اَور بھی کہے مثلاً: ''تم کو طلاق دیدیں گے یا دیدیا''۔ از یں اختلاف قول الشاہد والطالق ''تم میرے گھر سے اپنے میکے چلی جاؤ، تم میرے گھر سے نکل جاؤ'' پھر اس کے بعد اپنے والد اور بھائی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میری شادی دوسری جگہ فوراً کرادو، ورنہ میں ہیضہ والے گھر گھس کر مرجاؤں گا۔ یہ واضح ہے کہ یہ سارا واقعہ جھگڑا اور غضب کی حالت میں ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرد اور دو عورتیں جب کہ مقبول الشہادۃ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے زید نے چار مرتبہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی(۱) اور شوہر کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ پھر زید کا دوسرے شخص کے سامنے اقرار کرنا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی قوی دلیل ہے اس پر کہ زید نے وعدۂ طلاق پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بالفعل طلاقِ مغلظہ دی ہے(۲)۔

---

(۱)"ونصابها لغيرها من الحقوق، سواء كان الحق مالاً أو غيره، كنكاح و طلاق و وكالة .... رجلان أو رجل وامرأتان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۶۵/۵، كتاب الشهادة، سعيد)

"و ما سوى ذلك من الحقوق تقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل و امرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية؛ لأن الأصل فيها القبول، لوجود ما يبتنى عليه أهلية الشهادة، وهو المشاهدة والضبط والأداء". (اللباب في شرح الكتاب: ۱۴۲/۳، كتاب الشهادة)

"وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، و جحد الزوج والمرأة ذلك، فرق بينهما؛ لأن المشهود به حرمتها عليه، والحل والحرمة حق الله تعالىٰ، فتقبل الشهادة عليه من غير دعوى". (المبسوط للسرخسي: ۱۷۰/۳، باب الشهادة في الطلاق، حبيبيه، كوئٹه)

(۲)"و لو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً، وقع قضاءً، لا ديانةً". (رد المحتار: ۲۳۶/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، سعيد)

"أن من أقر بطلاق سابق يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، و هو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي: ۱۰۹/۴، باب الطلاق، حبيبيه كوئٹه)

اگر عورت نے خود ایک مرتبہ طلاق کو سُنا ہے اور دوسری اور تیسری مرتبہ طلاق سننے کا انکار کرتی ہے، البتہ کسی معتبر شخص نے اس کو خبر دی کہ زید نے میرے سامنے تم کو تین طلاقیں دینے کا اقرار کیا ہے تب بھی کافی ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ وہ خود ہی طلاق کو سن لے، بلکہ ایک عادل کی شہادت طلاق کی یا اقرارِ طلاق کی حرمتِ غلیظہ کے لئے شرعاً معتبر اور کافی ہے، اب عورت کو جائز نہیں کہ زید کو اپنے اوپر قابو دے:

"صرح به الحصكفي في باب العدة: والمرأة كالقاضي لا يحل أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أوشهد به شاهد عدل عندها، اهـ". زيلعي: ۲/ ۱۹۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۸/ محرم الحرام/ ۶۳ھ۔

جھوٹی طلاق دینے کا اقرار

سوال [۲۰۱۵]: شوہر اور بیوی میں باہم نااتفاقی رہتی تھی کہ بیوی اپنے والدین کے گھر بیٹھ گئی اور شوہر پر عدالت میں نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کر دیا۔ شوہر نے کہا کہ اگر بیوی میرے گھر پر رہے گی تو میں نان ونفقہ دینے کو تیار ہوں، خلاصہ یہ کہ آپس کی رضامندی سے مقدمہ واپس لے لیا اور بیوی شوہر کے گھر آ گئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی کو شوہر کے خلاف لوگوں نے بھڑکا دیا اور جبراً طلاق دینے پر مجبور کیا، اس پر شوہر نے کہا کہ "اب طلاق کا سوال ہی کیا، میں تو عدالت میں طلاق دے چکا ہوں" اور یہ صرف دفع الوقتی کے طور پر کہا۔ اگر عدالت کے روبرو طلاق دی جاتی تو پھر بیوی شوہر کے گھر آتی کیوں؟ بہر حال یہ جھوٹ کہا۔ تو کیا اس طرح کہنے سے بھی طلاق ہوگئی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر نے محض دفع الوقتی کے لئے طلاق کا اقرار کر لیا اور حقیقۃً عدالت میں طلاق نہیں دی تھی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ اگر مقدمہ عدالت میں پہونچے گا تو بقاعدۂ شرعیہ اس کی بیوی پر ایک طلاقِ رجعی

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق: ۳/ ۴۱، دار الكتب العلميه بيروت)

مان لی جائے گی اس کو عدت تین حیض گزرنے سے پہلے پہلے رجعت کا حق حاصل رہے گا(۱)، مثلاً اس طرح کہ دوآدمیوں کے سامنے کہدے کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی، پھر دونوں حسب سابق شوہر اور بیوی کی طرح رہ سکیں گے(۲)۔

"کما لو أقر بالطلاق هازلاً أو کاذباً .... لوأراد به الخبر من الماضی کذباً، لایقع دیانةً". شامی مختصر: ۲/۵۸۲(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۸ھ۔

---

(۱)"إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في العدة". (اللباب في شرح الكتاب: ۲/۱۸۰، باب الرجعة، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۹۶، شرائط جواز الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۵۹۴، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(۲)"الرجعة على ضربتين .... فالسني أن يراجعهابالقول، و يشهد على رجعتها شاهدين، و يعلمها بذلک". (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۵۹۴، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۳۹۱، كتاب الطلاق، في بيان ماهية الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۵۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (ردالمحتار: ۳/۲۳۸، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، سعيد)

"وفي الصغرى: في أمالي أبي يوسف: إذا قال لها: قد طلقتک، أو قال: أنت طالق، و أراد الخبر عما مضى كذباً، وسعه فيما بينه و بين الله تعالىٰ أن يمسكها". (التاتارخانية: ۳/۲۶۲، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچي)

"و لو أقر بالطلاق و هو كاذب، وقع في القضاء. و صرح في البزازية: بأن له في الديانة إمساكها إذا قال: أردت به الخبر عن الماضي كذباً". (البحرالرائق: ۳/۴۲۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

اقرارِ طلاق سے طلاق

سوال[۲۰۱۶]: میں نے اپنی بیوی کو سینما وغیرہ دیکھنے سے منع کیا مگر اس نے میرے حکم کی نافرمانی کی جس پر میں نے قاضی کی معرفت طلاق دی اور اسے اپنے گھر سے جدا کر دیا، لیکن میرے سسرال والے یہ کہہ رہے ہیں کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی، یہ بدستور تمہاری بیوی ہے۔ اب مجھے اس عورت کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ نے طلاق دیدی تو وہ واقع ہوگئی جیسی دی ہے ویسی ہی ہوگئی، اگر ایک یا دو دفعہ صاف لفظوں میں طلاق دی ہے تو رجعی طلاق ہوگی اگر آپ چاہیں تو عدت (تین حیض) ختم ہونے سے پہلے طلاق واپس لے سکتے ہیں جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے کہدیں کہ میں نے طلاق سے رجعت کرلی (۱)، بس اتنا کافی ہے، نکاح بدستور قائم رہے گا۔ اگر طلاق بائن دی ہے تو رجعت کا حق نہیں رہا، البتہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔ اگر تین طلاق دی ہیں تو مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ تعلق

---

(۱) "(وتصح)الرجعة (إن لم يطلق)الزوج (ثلاثاً) أو اثنتين إن كانت أمةً، ولم يقترن الطلاق بعوض .... و لم يكن بكناية يقع بهاالبائن، و على هذا فلو قال: إن لم يطلق بائناً، لكان أولى". (النهر الفائق: ۴۱۳/۲، ۴۱۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۱۸۰/۲، كتاب الرجعة، رشيديه)

"(و تصح إن لم يطلق بائناً) هذا بيان لشرط الرجعة، هي أن لا يكون الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة......... و لا يخفى أن الشرط واحد هو كون الطلاق رجعياً". (ردالمحتار: ۳۹۹/۳، ۴۰۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "و ينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۰۳/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل و ما يتصل به، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، ۹۷، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

زوجیت قائم ہونے کی کوئی صورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۷ھ۔

زبانی طلاق دینے سے طلاق

سوال[۶۰۱۷]: میں کہ محمد مجتبیٰ عرف ڈھلو کی شادی شمیمہ بانو کے ساتھ ہوئی، پھر محبت واخلاق سے دس بارہ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد محمد مجتبیٰ نے اپنی منکوحہ بیوی کو اس کے گھر لا کر پہنچا دیا۔ پھر رخصتی کرانے کے لئے نہیں آتا، بلکہ غیروں کے سامنے کہتا ہے کہ "میں نے اس کو طلاق دیدیا" اور اس نے دوسری شادی کرلی۔ لڑکی کے خالو محمد ایوب نے جب کچھ پوچھا کہ کیوں رخصتی نہیں کراتے؟ تو اس نے ایوب سے کہا کہ میں نے اس کو طلاق دیدیا اور کاغذی طور پر طلاق نہیں دیا، بلکہ جو بھی پوچھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیدیا۔ تو اس کے زبانی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى التاتارخانية: ۶۰۳/۳ كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في مسائل المتعلقة بنكاح المحلل و ما يتصل به، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"فالحكم الأصلي لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق، و زوال الملک أيضاً، حتى لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد .... و أما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملک، و زوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلميه بيروت)

"و ينكح مبانته في العدة و بعدها لا المبانة بالثلاث لو حرةً، وبالثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره و لو مراهقاً بنكاح صحيح و تمضي عدته". (البحر الرائق: ۹۴/۴، ۹۷ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

طلاق زبانی دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہے، لکھ کر دینے پر موقوف نہیں (۱)، پس جب کہ شوہر کو طلاق کا اقرار ہے تو وقتِ طلاق سے تین ماہواری عدت گزرنے پر اس کی مطلقہ بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق حاصل ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۱۴۰۶ھ۔

الگ الگ مجلس کے اقرار کے گواہوں سے طلاق

سوال [۶۰۱۸]: محمد طیب کا بیان ہے کہ میں نے وسیلہ خاتون کو طلاق نہیں دی۔ وسیلہ خاتون کا بیان بھی محمد طیب کے مکان پر یہی تھا کہ مجھ کو طلاق نہیں دی، لیکن اپنے گھر جانے پر جو کہ دو میل ہے وسیلہ خاتون سے -جب کہ اس کو اپنے ماں باپ کے یہاں گئے ہوئے پندرہ یوم سے زائد ہو گئے تھے- حسب ضرورت دریافت کیا گیا تو وہ کہتی ہے کہ "مجھ کو ایک دفعہ کوٹھری سے نکل کر محمد طیب نے کہا کہ میں نے طلاق دے دی" اس کے کچھ دیر کے بعد دستی نل کے پاس کہا کہ "میں نے طلاق دے دی" اس کے کچھ دیر بعد کہا کہ "میں نے طلاق دے دی"۔ لیکن کسی گواہ کی موجودگی میں ثابت نہیں کہ حویلی کے اندر پانچ گھر اور آٹھ عورتیں ہیں، جو کہ ہر وقت موجود رہتی

(۱) "و يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل و لو عبداً أو مكرهاً أو هازلاً أو سكران أو اخرس باشارته أو مخطئاً بأن أراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق، أو تلفظ به غير عالم بمعناه، أو غافلاً أو ساهياً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۳۵/۳، ۲۴۱، كتاب الطلاق، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲۵۷/۳، فصل من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في البحر الرائق: ۴۲۶/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع: ۲۱۵/۴، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "أن من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، و هو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي: ۱۰۹/۴، باب الطلاق، حبيبيه كوئٹه)

(و كذا في رد المحتار: ۲۳۶/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق و النكاح و العتاق، سعيد)

ہیں۔اور وسیلہ خاتون کے بیان کے وقت سب موجود تھیں۔حویلی کا صحن چاروں گھروں کا ایک ہے۔

علاوہ اس کے جو بیان کسی مرد یا عورت کا ہے کہ محمد طیب نے میرے سامنے کہا کہ میں نے وسیلہ خاتون کو طلاق دے دی، وہ فقط ایک ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ ایک شخص نے یہ کہا کہ میں نے دریافت کیا تو محمد طیب نے کہا کہ ''میں نے خلاق دے دی''۔ دو عورتیں بیان کرتی ہیں کہ محمد طیب نے طلاق دے دی۔ ایک بالغہ لڑکی کا بیان ہے کہ طلاق دے دی۔لیکن اس کے برخلاف محمد طیب طلاق دینے سے انکاری ہے۔اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ایک جگہ شاہد نہیں ہیں۔

ایسی حالت میں محمد طیب کا بیان قابلِ تصدیق ہے یا قابلِ تکذیب؟ محمد طیب کو قسم کھانے پر مجبور کیا جائے کہ قرآن شریف کی قسم جب کہ ہاتھ پر رکھا ہو، یا اللہ پاک کی قسم کھا کر بیان دے، یا بلاقسم کے بیان دے، یا مجبور نہ کیا جائے اور محمد طیب کے بیان پر عمل کیا جائے، یا بیان نہ مانا جائے؟

تحریرِ بالا پر غور کر کے فتویٰ دیں کہ وسیلہ خاتون اب بھی منکوحہ ہے یا مطلقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق کا اقرار کرنے سے بھی طلاق کا حکم کر دیا جاتا ہے(۱)۔اگر موقع کا گواہ کوئی نہیں ہے، لیکن اقرارِ طلاق ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہے اور یہ معتبر ہیں تو ان کی گواہی سے بھی شرعی ثبوت حاصل ہو جائے گا اور طلاق کا حکم کر دیا جائے گا، اور جیسی طلاق کی گواہی دیں ویسی طلاق کا حکم ہوگا اگرچہ یہ گواہ ایک مجلس کے اقرار کے گواہ نہ ہوں، بلکہ الگ الگ مجلس کے گواہ ہوں (۲)۔ایسی صورت میں محمد طیب سے حلفیہ بیان لینے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) "ولو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً، وقع قضاءً لا ديانةً". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق: ۲۳۶/۳، سعيد)

"أن من أقر بطلاق سابق يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي، باب الطلاق: ۱۰۹/۷، حبيبه كوئٹه)

(۲) "(و) نصابها (لغيرها من الحقوق، سواء كان) الحق (مالاً أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) .... (أو رجل وامرأتان)". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۴۶۵/۵، سعيد) .... =

الحاصل حکمِ طلاق کے لئے نہ تنہا زوجہ کا دعویٰ کافی ہے اور عدمِ حکمِ طلاق کے لئے نہ محض شوہر کا انکار کافی ہے۔ شوہر کے اقرار یا شرعی شہادت سے طلاق کا حکم ہوتا ہے، اقرار اور گواہ نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے حلفیہ انکار سے عدمِ طلاق کا حکم ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۳۹۰ھ۔

جائیداد کے تحفظ کے لئے عدالت میں طلاق کا جھوٹا اقرار

سوال [۶۰۱۹]: ا...... زید حکومت کے قانونی شکنجے سے بچانے کی غرض سے اپنی ملکیت کو لڑکے کی بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے، لیکن زید کے ایسا کرنے سے اس کی ملکیت قانونی گرفت سے محفوظ نہیں ہوتی۔ چونکہ ملکیت جس کو ہبہ کی گئی وہ قانوناً لڑکے کی فیملی میں شامل ہے، لہٰذا زید کو پہلے لڑکے اور اس کی بیوی کو علیحدگی ثابت کرنا ضروری ہوگئی، علیحدگی بھی قانونی طریقے سے۔ تحریر عدالت میں پیش کی جائے تب اس کی ملکیت محفوظ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ زید اب دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

زید اپنے ہبہ نامہ کی عبارت میں تحریر کراتا ہے کہ:

"میرا لڑکا نالائق ہے، بدچلن ہے، اپنی بیوی کے سمجھانے پر سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور فوراً طلاق دے دی۔ میرے لڑکے کی بیوی میری بھانجی ہے، میرا خون ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ لڑکے سے یہ توقع رکھوں کہ بچوں کی تربیت اچھی طرح کرلے گا، ناممکن ہے۔ اور بچوں کی ماں کے پاس بھی کچھ نہیں رہا، جو زیور وغیرہ

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، الخ: ۳/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۱۰۳، رشيديه)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- قال في خطبته: "البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي، كتاب الأحكام: ۱/۲۴۹، سعيد)

"وشرط فيهما شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، كالنكاح والطلاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/۴۵۱، رشيديه)

"وإذا نكل المدعى عليه عن اليمين، قضى عليه بالنكول وألزمه ما ادعى عليه". (مختصر القدوري، كتاب الدعوىٰ، ص: ۲۶۷، إدارة القرآن كراچي)

تھا وہ اس کا شوہر پہلے ہی خرد برد کر چکا ہے، لہٰذا بچوں کی پرورش کے لئے میں اپنی ملکیت میں سے اتنی جائیداد اپنے لڑکے کی بیوی اور اس کے بچوں کے نام ہبہ کرتا ہوں''۔

اور اس قسم کے مضمون کی ایک درخواست لڑکے کی طرف سے متعلقہ افسر کے دفتر میں پیش کرا دیتا ہے، یعنی:

''میری بیوی گندی رہتی ہے، کھانا بنانا اچھے قسم کا نہیں جانتی، بے تمیز ہے، لہٰذا میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں''۔

لیکن یہ درخواست جو عدالت میں پیش کی گئی ہے، اس کو لڑکا نہ اپنے قلم سے لکھتا ہے اور نہ اس پر دستخط کرتا ہے، بلکہ مطالبہ ہی نہیں کرتا ہے، لیکن اس کارروائی کا علم لڑکے کو ضرور ہے۔ اور یا اپنے مفاد کے لئے لڑکا اپنے والد کو ایسا مشورہ دیتا ہے، اور زید اس کے کہنے سے ایسا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا لڑکے کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی؟

۲......اگر بالفرض محال کسی وجہ سے بھی حسبِ ذیل کارگزاری کے سلسلہ میں عدالت میں پیش ہونا پڑ جائے، اور لڑکے کو قانونی مجبوری کی وجہ سے ان کاغذات کا جو اس کے والد کی طرف سے گذرے ہیں، اقرار کرنا پڑ جائے اور یا دستخط یا انگوٹھا لگانا پڑ جائے اور یا عدالت کی طرف سے یہ سوال ہو لڑکے سے: کیا یہ درخواست تم نے ہی لکھی ہے یا لکھائی ہے؟ ایسی صورت میں لڑکا اقرار کرلے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر لڑکا پہلے اس بات کا گواہ بنا لے کہ میں طلاق نامہ پر غلط دستخط کروں گا، یا عدالت میں طلاق کا غلط اقرار کروں گا، واقعۃً نہ طلاق دی ہے، نہ طلاق دینا مقصود ہے تو اس کے اس جھوٹے اقرار یا جھوٹے دستخط سے طلاق واقع نہیں ہوگی:

''لو أراد به الخبر من الماضي كذباً، لايقع ديانةً، وإن أشهد قبل ذلك لايقع قضاءً، اه''.

شامی: ۱/۴۳۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۲۳۸/۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، فيما يرجع إلى صريح الطلاق: ۲۶۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

''تو سمجھ لے کہ دی'' سے طلاق

سوال[۶۰۲۰]: زید نے دوسری شادی کرلی۔ایک روز پہلی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا،اس وقت زید کی بھابھی بھی وہاں موجود تھی۔زید نے کہا کہ ''میں تم سے عاجز ہوگیا ہوں، میں تجھے چھوڑ دوں گا''۔اس کے جواب میں بیوی نے کہا کہ میں بھی تم سے تنگ آگئی ہوں۔اس پر زید نے کہا کہ ''جا،تُو یہ سمجھ لے کہ میں نے تجھے طلاق دی''۔اس کے بعد جھگڑا ہوتا رہا۔اوراس دوران میں زید نے کئی مرتبہ پھر یہی الفاظ کہے کہ ''جا،تُو یہ سمجھ لے کہ دی، جا،تُو یہ سمجھ لے کہ دی''۔

اس عرصہ مین دوتین آدمی اُور آگئے، بیوی نے ان دوآدمیوں کے سامنے یہ واقعہ دہرایا کہ زید نے مجھے ایسا کہا ہے۔اس پر زید نے یہ کہہ دیا کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی۔تقریباً پانچ ماہ کا عرصہ گذر گیا بیوی سے زید کا کوئی تعلق نہیں ہے۔صورتِ مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا یہ مطلب تھا کہ ''جا،تُو یہ سمجھ لے کہ میں نے تجھے طلاق دی،مگر تیرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے، میں نے طلاق نہیں دی''۔اورزید اس پر حلف کرلے تو زید کا قول معتبر ہوگا اور طلاق کا حکم نہیں کیا جائے گا،ورنہ طلاق کا حکم ہوجائے گا(۱)،اورقرینہ بھی یہی ہے،کیونکہ ایسا کہنے کے بعد زید نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''اگرنیت زید کی دوبارہ اورسہ بارہ وغیرہ سے خبر دینا اسی طلاقِ اول کی ہے تو اس کی زوجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی،اورحکم اس کا یہ ہے کہ عدت کے اندر رجعت بلانکاح کے درست ہے اور بعد عدت کے نکاح جدید بلاحلالہ کے ہوسکتا ہے''۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۴۸/۱۰، باب ھشتم، طلاق رجعی سے متعلق احکام ومسائل، إمدادیہ ملتان)

الفصل الثانی فی عدم وقوع الطلاق

(عدمِ وقوعِ طلاق کا بیان)

وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۱۰۲۱]: زید نے اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ کے یہاں سے لیجانے کا تقاضہ کیا مگر کسی وجہ سے وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوئی، اس پر زید نے -جہاں تک اس کو یاد ہے- اپنی بیوی کے بھائی سے یہ لفظ کہے کہ ''شریفوں میں مقدمہ بازی کرنے اور مستورات کو عدالت میں لیجانے کے بہ نسبت مرجانا، یا طلاق دیدینا بہتر ہوتا ہے، اگر معاملہ عدالت تک جائے گا تو میں بھی طلاق دیدینے کو ترجیح دوں گا بجائے اس طرح بے غیرت ہونے کے''۔ اور زید نے تاکیداً اس کے بھائی سے ۵/ تاریخ تک پہونچا دینے کو کہا۔ جو الفاظ زید نے کہے تھے، زید ان کے متعلق حلف شرعی اٹھانے کو تیار ہے۔

اس کے برخلاف مسماۃ کا بھائی یہ کہتا ہے کہ زید نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ''اگر زید کی بیوی ۵/ تاریخ تک اس کے گھر نہ پہونچ گئی تو زید طلاقنامہ لکھ کر بھیج دے گا''۔ چنانچہ زید کی بیوی ۵/ تاریخ تک نہیں بھیجی گئی۔ اس صورت میں زید کا بھائی کہتا ہے کہ تم طلاق دے چکے ہو، زید نے اس کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں کہ ایسی صورت میں شرعاً مسماۃ زید کی زوجیت سے علیحدہ ہوگئی یا بدستور اس کی بیوی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ کے بھائی کا بیان اگر تسلیم کرلیا جائے تب بھی شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ اس کا بیان ہے کہ ''اگر زید کی بیوی ۵/ تاریخ تک اس کے گھر نہ پہونچ گئی تو زید طلاقنامہ لکھ کر بھیج دے گا'' اور اس بیان میں طلاق نہیں دی گئی، بلکہ طلاق کا وعدہ کیا گیا ہے اور وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی (۱)، البتہ اگر طلاقنامہ لکھ

---

(۱) ''فقال الزوج: اطلق ''طلاق می کنم'' فکررہ ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: ساطلق ''طلاق کنم''؛ لأنه استقبال، فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک''. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۸۴، کتاب الطلاق، الطلاق =

کر بھیجدیتا تو اس طلاقنامہ کی وجہ سے طلاق واقع ہوجاتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شعبان/ ۵۵ھ۔

صیغۂ استقبال سے طلاق کا حکم

سوال[۲۰۲۲]: زید اور اس کی منکوحہ میں بہت محبت تھی، ایک روز خلوت میں تھے، دونوں پر شہوت طاری تھی، زید کی منکوحہ نے کہا: اگر میں نے ہاتھ چھڑا لیا تو مجھے چھوڑ دوگے یعنی طلاق دیدوگے یہ انداز طلاق لینے کا نہیں تھا بلکہ خوامخواہ ہاتھ چھڑا کر اپنی بہادری دکھانا تھا۔ زید نے ہاں کردیا، منکوحہ نے کوشش سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اس کے بعد صحبت کی کیا طلاق پڑگئی؟ اس واقعہ کے بعد چار بچے ہوچکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی منکوحہ کو طلاق نہیں ہوئی، فتاویٰ عالمگیری ص: ۳۵۸، ۳۵۹، میں ہے:

"فقال الزوج: أطلق: "طلاق می کنم، طلاق می کنم" فكرره ثلاثاً طلقت ثلاثاً،

= بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

"قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق، أو أنا أطلق نفسي، لا يقع؛ لأنه وعد، جوهرة". (الدر المختار). "بخلاف قولها: أطلق نفسي، لا يمكن جعله إخباراً عن طلاق قائم؛ لأنه إنما يقوم باللسان، فلو جاز، لقام به الأمران في زمن واحد و هو محال". (ردالمحتار: ۳/ ۳۱۹، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۵۴۵، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، رشيديه)

(۱) "الأول أن يكتب: هذا كتاب فلان بن فلان إلى فلانة، أما بعد! فأنت طالق، و في هذا الوجه يقع الطلاق في الحال". (التاتار خانية: ۳/ ۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل السادس إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۳/ ۲۴۶، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/ ۲۳۹، كتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني، دارالكتب العلمية بيروت)

بخلاف قوله: سأطلق: "طلاق کنم"؛ لأنه استقبال، فلم یکن تحقیقاً بالتشکیك"(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے، صورتِ مسئولہ میں زیادہ سے زیادہ وعدۂ طلاق ہوسکتا ہے، ایقاعِ طلاق ہرگز نہیں ہوسکتا اس لئے بلاشبہ کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

طلاق کی حکایت کرنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۰۲۳]: ایک لڑکی کے طلاق وعلیحدگی کے سلسلے میں چند لوگوں کو جمع کیا گیا ہے، اس میں ایک شخص زید نامی بھی شریکِ مجمع تھا۔ لڑکی کی طلاق کے بارے میں کچھ گفت وشنید ہوئی، پھر لڑکے کو بلاکر لڑکی کو طلاق دلوائی گئی۔ جب طلاق ہوچکی تو سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ زید نامی شخص بھی چلا گیا، زید نے گھر جاکر اپنی بیوی کو "طلاق دیا" کا جملہ دو تین بار ادا کیا۔

لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، بلکہ میں پہلے میٹنگ والی طلاق نقل کررہا تھا۔ اس کا دماغ وعقل بھی کمزور ہے، زید کو پوری گنتی بھی نہیں آتی۔ کہتا ہے کہ جہاں تک خیال ہے، دو ہی بار طلاق دیا گیا ہے۔ قاعدہ سے بات کا جواب بھی نہیں دے پاتا، بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ تو کیا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زید نے اپنی بیوی کو اس طرح کہا ہے "میں نے تم کو طلاق دے دی" اور تین دفعہ کہا ہے تو طلاق

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۸۴، کتاب الطلاق، الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

"قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق، و أنا أطلق نفسي، لم يقع؛ لأنه وعدٌ، جوهرة".

(الدر المختار). "بخلاف قولها: أطلق نفسي، لا يمكن جعله إخباراً عن طلاق قائم؛ لأنه إنما يقوم باللسان، فلو جاز، لقام به الأمران في زمن واحد وهو محال". (ردالمحتار: ۳۱۹/۲، کتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۵۴۵/۳، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، سعيد)

مغلظہ ہوگئی (۱)، دونوں میں جدائی کرادی جائے۔ اگر اس طرح کہا ہے کہ ''فلاں شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہا ہے کہ میں نے تم کو طلاق دی'' تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ زید دماغ کا کمزور ہے مگر طلاق کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ تین طلاق سے نکاح کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہے کہ ''جہاں تک خیال ہے دو ہی بار طلاق دیا گیا ہے''۔ ورنہ جب وہ دوسرے کی طلاق کا واقعہ نقل کر رہا ہے خود طلاق نہیں دے رہا ہے تو پھر اس میں دو اور تین کی بحث ہی بے کار ہے، کیونکہ دوسرے کا واقعہ نقل کرنے سے طلاق نہیں ہوتی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الفاظِ طلاق اس طرح کہنا کہ سنائی نہ دیں

سوال [۶۰۲۴]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح طلاق دے کہ الفاظِ طلاق کسی دوسرے کو سنائی نہ دے، صرف زبان متحرک ہو تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زبان سے طلاق کا لفظ اس طرح کہا کہ سنا نہ جائے، صرف زبان متحرک ہوئی تو اس سے طلاق نہیں ہوئی، کما فی ط، ص: ۱۱۹ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً" (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب طلاق غير المدخول بها: ۳/۲۹۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۳/۲۸۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أو كتب ناقلاً من كتاب: "إمرأتي طالق" مع التلفظ، أو حكى يمين غيره، فإنه لايقع أصلاً مالم يقصد زوجته". (ردالمحتار، باب الصريح، مطلب: الصريح نوعان: ۳/۲۵۰، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه: ۱/۳۵۳، رشيديه)

(۳) "لوأجرى الطلاق على قلبه وحرّك لسانه من غير تلفظٍ يسمع، لايقع". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۲۱۹، شروط الصلوة، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله عزوجل تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتكلم به". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۷۸، قديمي) =

مدت تک علیحدہ رہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال[۶۰۲۵]: زید نے اپنی منکوحہ سعیدہ بی کو، زاہدہ بی جو کہ زید کی پہلی بیوی تھی، اس کے ساتھ اتفاق نہ ہونے کی بناء پر گھر سے الگ کر دیا جو کہ تقریباً ۲۵/ سال سے جدائی کی زندگی گذار رہی ہے۔ اب جب کہ پہلی بیوی زاہدہ بی کا انتقال ہو چکا ہے، تو پھر زید اپنی دوسری بیوی سعیدہ بی کو واپس اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے، تو کیا وہ رکھ سکتا ہے۔ اس ۲۵/ سال کے درمیان سعیدہ بی سے معاشرتی تعلقات تو نہیں ہے لیکن ملاقات کبھی کبھار ہو جاتی ہے۔

سعیدہ بی کے بطن سے ایک لڑکا بھی ہے جو کہ زید کے ہی گھر میں جدائیگی سے قبل پیدا ہوا تھا، وہ لڑکا سعیدہ بی کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ اس کی پرورش اور ضروریاتِ زندگی سعیدہ بی ہی پورا کرتی رہی۔ سعیدہ بی کو زید نے طلاق نہیں دیا ہے، صرف الگ کر دیا تھا، اب زید چاہتا ہے کہ سعیدہ بی کو اپنے گھر میں بیوی کی طرح رکھے اور معاشرتی زندگی پہلے جیسی بسر کرے۔

یہاں یہ بات بھی ہم واضح کرتے ہیں کہ زید فریضۂ حج بھی ادا کر چکا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں زید حج کے لئے روانہ ہونے والا تھا تو اس کو خیال ہوا کہ اپنی بیوی سعیدہ کے ساتھ ہی - جس کو برسوں سے چھوڑ رکھا ہے - تعلقات قائم کرے، لیکن پہلی بیوی زاہدہ بی کی موجودگی پھر مخل ہوئی۔ پھر جب زاہدہ بی روانگئ حج کے قبل ہی انتقال کر گئی تو زید کو احساس ہوا کہ سعیدہ بی کو بلائے، چنانچہ سعید بی اور اس کے لڑکے کو بلا کر زید نے سعیدہ بی کی مہر کی رقم ادا کر دی، ساتھ ہی اس کو اور اس کے لڑکے کو ایک ہزار روپیہ کی نقد رقم دی۔

اب پھر سعیدہ بی اپنے لڑکے کے ہمراہ اپنے گھر چلی گئی، اور زید فریضۂ حج کے لئے چلا گیا۔ جب زید فریضۂ حج کے بعد واپس گھر آیا تو معاً اس کو خیال ہوا کہ سعیدہ بی سے ملے، چنانچہ وہ ملا اور معاشرتی طور پر اس کے یہاں رہا، اب دائمی طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اتنی مدت گذر جانے کے بعد بھی سعیدہ بی زید کی حبالۂ زوجیت میں ہے، اور کیا زید سعیدہ بی کو ایسی صورت میں کہ وہ برسوں تک جدا رہی اپنے گھر میں بحیثیتِ بیوی کے رکھ سکتا ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

= "وركنه لفظ مخصوص، هوما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية .... وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظاً لاصريحاً ولا كناية، لايقع عليه". (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ طلاق نہیں دی ہے تو اتنی مدت تک الگ الگ رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوا، بلکہ بدستور باقی ہے(۱)، اب ساتھ رہیں اور ایک دوسرے کا حقِ زوجیت ادا کریں، اس سے وہ دونوں شرعاً مجرم نہیں ہوں گے، بلکہ اب تک جو کچھ جرم ہوا ہے اور حقوق ادا نہیں کئے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس جرم کی مکافات ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/ ۷/ ۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/ ۷/ ۱۳۹۰ھ۔

محض دیر تک میکہ میں رہنے سے طلاق نہیں ہوئی

سوال[۲۰۲۶]: زید کی پہلی بیوی دائم المرض ہے، خانگی کاروبار ٹھیک نہیں چلا سکتی، لہذا زید نے اپنی پہلی بیوی کی مرضی سے نکاح ثانی کیا ہے، کیونکہ پہلی بیوی لاولد ہے، دونوں بیویوں کو ایک مکان میں رکھنے کا انتظام نہ ہو سکا، اس لئے پہلی بیوی کو اس کے والدین کے گھر چھوڑا، عقد ثانی سے اب تک تین سال کا عرصہ ہوا، مگر زید کو پہلی بیوی کے پاس جانے کا موقعہ نہیں ہوا، اس لئے بعض لوگوں کو زید کے طلاق دینے کا شبہ ہوا، مگر زید نے زبانی اور تحریری طلاق نہیں دی اور اس نے ایک جماعت کے سامنے حلفاً اقرار کیا کہ میں نے پہلی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے، اب میں پہلی بیوی کو مکان بلانا چاہتا ہوں، بیوی بھی تیار ہے۔ دریں حالت زید کے خسر اپنی دختر کو اس کے شوہر کے ہمراہ بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ طلاق کا کوئی ثبوت نہیں اور شوہر پوری قوت سے طلاق کا منکر ہے تو طلاق کا حکم کرنے کی کوئی وجہ نہیں (۲)، شوہر اپنی بیوی کو بلا سکتا ہے اور بیوی اس کے پاس جا سکتی ہے اور خسر بھیج سکتا ہے۔ اور شوہر دونوں

---

(۱) "ورکنه (أی الطلاق) لفظ مخصوص، هو ماجُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة".

(ردالمحتار، کتاب الطلاق: ۳/ ۲۳۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الأول: ۱/ ۳۴۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطلاق: ۳/ ۲۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "(و یقبل قوله إن ادّعاه) وأنکرته: أی ادعی الاستثناء، و مثله الشرط، کما فی الفتح و غیره. وقید بإنکارها؛ لأنه محل الخلاف، إذ لو لم یکن له منازع فلا إشکال فی أن القول قوله، کما صرح به فی =

بیویوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہے، لہٰذا پہلی بیوی کو ضرور شوہر کے پاس بھیج دیا جائے، خاص کر ایسی صورت میں کہ بیوی بھی اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

تین کنکر سے طلاق

الاستفتاء [۷۰۲۷]: ۱ ......من آقائے زید، شماچه الفاظے نسبت به طلاقِ زینب از دهانِ خود بیرون کرد، بطورِ واضح بیان نمائید. آقائی مولوی صاحب! من مسلمان هستم وقسم خوردم که دروغ نگویم، من ونامبُردۀ فوق –دربارۀ زنے که گو فدیۀ ام داشتیم– بطورِ تحدید بایک دیگر گفتگو می کردم، والفاظِ طلاق هم تبلاً میانِ مابوده. بعداً هنده به سه الفاظ حساب کردم، یعنی یک ودو وسه بطرفِ او انداختم، گفته: بردار. دلے بخیالِ من دو عدد سنگ می داشته.

بسته بدستورِ شرعِ مبارک می باشد، من تابعِ شرعِ محمدی هستم. من از زن سوال کردم، مگر خدامی خواهی یعنی درحال خشم سوال کردم، گفت: بلے بخواهم. بعد از چندیں دقیقه سه عدد سنگ بطرفِ او انداختم، گفتم: "بردار".

۲ ...... من درحالتِ خشم وغضب از زنِ خود سوال کردم که "تو طلاق میخواهی"؟ زن گفت: "می خواهم". بارِ ثانی سه عدد سنگ بطرفِ او انداختم، گفتم: "بردار، خاموش باش".

"امرأة طلبت الطلاق من زوجها، فقال لها: **سه طلاق بردار ورفتي**، لايقع، ويكون هذا تفويض الطلاق إليها(۱)۔

= الفتح". (التنوير مع رد المحتار: ۳/۳۶۹، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب فيما لو ادعى الاستثناء و أنكرته الزوجة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۱۸، كتاب الطلاق، باب التعليق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۳۵، باب التعليق، رشيديه)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالفاظ الفارسية: ۱/۳۸۲، رشيديه)

رائے خود را دریں مرقوم فرمایند عند الله ماجور. فقط.

عبدالغفور بمعرفت مولوی سراج الدین، بازگشت ایران، زاہدان ایران، بردوکان جمعہ بلوچی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایں طریق دراں دیار برائے طلاق دادن رائج است، طلاق واقع خواهد شد، ورنہ درحقیقت سه سنگ سه طلاق نیست(۱). بیش از بیش تفویضِ طلاق گفته خواهد شد(۲). الغرض! مدار برعُرف ورواج است(۳). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۳ھ۔

---

(۱) اگر صرف پتھر پھینکے جائیں اور زبان سے طلاق کا کوئی لفظ نہ ادا کیا جائے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی:

"وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجارٍ ينوي الطلاق ولم يذكر لفظاً لاصريحاً ولا كناية، لايقع عليه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور: ۲۳۰/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۷/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۴۶۳/۱، رشيديه)

(۲) (راجع رقم الحاشيه: ۱)

(۳) بعض الفاظ طلاق کے استعمال میں عرف کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عرف کی وجہ سے بعض الفاظِ کنایہ کو صریح قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عرف سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولو قال: "حلال ایزد بروی حرام" أو حلال الله عليه حرام، لاحاجة إلى النية، وهو الصحيح المفتي به للعرف، وأنه يقع به البائن؛ لأنه المعتارف. ثم فرق بينه وبين سرحتك، فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال "رها کردم" أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۲۹۹/۳، سعيد)

استفتاء:

جناب زید سے: آپ نے کون سے الفاظ زینب کی طلاق کے بارے میں اپنے منہ سے نکالے، واضح طور پر بیان کرو۔

۱.....میرے آقا مولوی صاحب! میں مسلمان ہوں، اور قسم کھاتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں اور مسماۃ مذکورہ=

غیر شادی شدہ کی طلاق واقع نہیں

سوال[۶۰۲۸]: ایک شخص قسم کھانے کا عادی ہے، اس نے قسم کھائی کہ ''اگر میں فلاں لفظ زبان سے ادا کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے'' اور شام تک کی اس نے اپنے ذہن میں نیت کرلی اور اگلے روز اس لفظ کو اس نے زبان سے ادا کردیا۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے قسم کھائی کہ ''میں نے فلاں کام نہیں کیا، اگر کیا ہو تو میری بیوی کو طلاق ہے''۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے پھر یہی قسم کھائی اور غالب گمان بلکہ یقین ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا۔ کچھ دنوں بعد پھر قسم کھائی کہ ''فلاں نے یہ کام کیا ہے، اگر نہیں کیا ہے تو میری بیوی کو طلاق''۔ اور یہاں پر بھی اسی درجہ کا غالب گمان ہے کہ فلاں نے یہ کام کیا ہے، اسی طریقہ سے پانچ مرتبہ واقعہ ہوا، اور گمان ہر جگہ بدرجۂ یقین موجود ہے اور وہ شخص غیر شادی شدہ ہے۔ تو طلاق پڑے گی یا نہیں؟ اور اگر تین مرتبہ یہ واقعہ ہوا تب کیا حکم ہے؟

=- ایک عورت کے بارے میں کہ گویا میں اس کا قیمت دے چکا ہوں- دھمکی کے طور پر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور طلاق کے الفاظ بھی ہماری درمیان بھی ذکر ہو رہے تھے۔ اس کے بعد ہندہ کو تین عدد شمار کئے یعنی: ایک، دو، تین، اور اس کی طرف پھینک دیئے اور کہا کہ لے لو۔ میرے دل میں یہی خیال تھا کہ اس کی طرف دو پتھر پھینک چکا ہوں۔

میں شریعت مبارک کے دستور اور احکام پر پابند ہوں گا، میں شرعِ محمدی کا تابع ہوں۔

میں نے اپنی بیوی سے سوال کیا، مگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ غصہ کی حالت میں سوال کردیا، وہ بولی کہ ''ہاں چاہتی ہوں''۔ اس کے بعد تین عدد کنکریاں اس کی طرف پھینک دیں اور میں نے کہا کہ لے لو۔

۲..... میں نے غضب وغصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے سوال کیا کہ ''تو طلاق چاہتی ہے''؟ بیوی نے کہا کہ ''چاہتی ہوں''۔ دوسری بار میں نے تین کنکریاں اس کی طرف پھینک دیئے اور میں نے کہا کہ ''لے لو''۔ اور چپ ہو جاؤ: ''امرأة طلبت الطلاق من زوجها، الخ''.

اس کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر عند اللہ ماجور ہوں فقط۔

الجواب:

اگر یہ طریقہ ان علاقوں میں طلاق دینے کے لئے رائج ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ حقیقت میں تین کنکریاں تین طلاقیں نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ تفویض طلاق اس کو کہا جائے گا۔ الغرض اس کا مدار عرف اور رواج پر ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ قسم کھاتے وقت اس کے نکاح میں کوئی عورت نہیں تھی تو مذکورۂ سوال قسم بار بار کھانے سے اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی، کیونکہ اس وقت اس کی بیوی موجود ہی نہیں (۱)، جب نکاح کرے گا تب اس کی بیوی آئے گی اور اس سے قسم وطلاق کا کوئی تعلق نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۱۴۰۰ھ۔

طلاق قبل النکاح

سوال[۶۰۲۹]: ایک شخص مسمی سیف اللہ خان جو کہ کند ذہن اور نیم پاگل ہے وہ ایک دوسرے گاؤں میں ایک شخص مولوی خان زمان کے پاس اپنے گھر کے کسی مریض کے لئے تعویذ لینے گیا، جب وہاں سے فارغ ہوا تو واپسی پر راستے میں اس کو غلام عباس خان، محمد یعقوب خان، محمد وزیر خان ملے، کیونکہ یہ تینوں آدمی راستے میں اپنی اپنی زمین میں کاشت کر رہے تھے، تو سیف اللہ خان وہاں ان کے پاس بیٹھ گیا، تو محمد یعقوب خان نے اس سے کہا کہ تجھ کو میں دس روپے کا نوٹ دوں گا تو اپنی منکوحہ کو طلاق دیدے تو سیف اللہ خان نے کہا کہ اگر یہ بات تم کسی کو نہ بتاؤ تو میں طلاق دیتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ ہم نہ بتائیں گے اور نہ تُو بتائے گا، جب دونوں نے اقرار کرلیا تو محمد وزیر خان نے ان الفاظ کے ساتھ تین دفعہ طلاق اٹھوائی: ''میری بیوی بیٹی فتح خان کی،

---

(۱)" أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاطلاق إلافيماتملک، ولاعتق إلافيماتملک، ولابيع إلافيماتملک".

"وهو منقول عن علي وابن عباس وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم، ومذهبنا أنه إذاأضاف الطلاق إلى سببية الملک صح، كما إذاقال لأجنبيه: إن نكحتک فأنت طالق، فإذاوقع النكاح، وقع الطلاق".

(بذل المجهود في حل أبي داود: ۶۵/۴، باب في الطلاق قبل النكاح)

"قال رحمه الله: إنمايصح في الملک كقوله لمنكوحته: (وإن زرت فأنت طالق، أومضافاً إليه): أي إلى الملک (كإن نكحتک فأنت طالق، فيقع بعده) أي يقع الطلاق بعد وجود الشرط".(تبيين الحقائق ۱۰۹/۳ كتاب الطلاق، باب التعليق، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۸۵/۲، ۳۸۶، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

پر تین طلاق حرام ہیں"ان الفاظ کو سیف اللہ خان نے تین دفعہ دہرایا۔

اب گزارش یہ ہے کہ کیا ان الفاظ کے ذریعہ سے سیف اللہ خان کی منکوحہ اس پر حرام ہوجاتی ہے، کیونکہ ابھی تک بصورتِ ایجاب وقبول سیف اللہ خان کی صرف منگنی ہوئی ہے، شادی نہیں ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر صرف منگنی ہوئی ہے یعنی وعدۂ نکاح ہوا ہے (نکاح نہیں ہوا) تو یہ طلاق بیکار ہے، اس سے کچھ نہیں ہوا: "لا طلاق قبل النکاح" (۱)۔ اگر نکاح بھی ہوچکا ہے (اگرچہ رخصتی نہیں ہوئی) تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی، اب اس سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا:

"قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً، وقعن، لما تقرر أنه متى ذكر العدد كان الوقوع به، الخ". درمختار (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۸ھ۔

طلاق قبل النکاح

سوال [۲۰۳۰]: بدرالدین وسیف الدین دونو جوان لڑکے ہیں۔ بدرالدین نے سیف الدین

---

(۱) "قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لانذر لابن ادم فیما لا یملک، و لا طلاق قبل نکاح، و لا عتاق فیما لا یملک". (إعلاء السنن: ۱۱/۲۰۱، کتاب الطلاق، باب حکم تعلیق الطلاق بالنکاح، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاطلاق إلا فيما تملك، و لا عتق إلا فيما تملك، و لا بيع إلا فيما تملك". (سنن أبي داود: ۱/۲۹۸، كتاب الطلاق، باب في الطلاق قبل النكاح، دارالحديث، ملتان)

(۲) (الدر المختار: ۳/۲۸۴-۲۸۵، كتاب الطلاق، طلاق غير المدخول بها، سعيد)

"إذا قال: لامرأته قبل الدخول بها: أنت طالق ثلاثاً، أو قال: أنت طالق ثنتين، وقع ذلك عند عامة العلماء". (بدائع الصنائع: ۴/۲۹۹، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۵۶، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

سے کہا کہ تم یہ کہو کہ ''تیری شادی سے پہلے اگر میں رات میں تیرے بستر پر نہ سویا کروں تو میری بیوی پر تین طلاق ہیں'' تو سیف الدین نے اس بات کا اقرار کرلیا اور یہ سب کلام کاغذ پر لکھا۔ پھر جب سے سیف الدین بدرالدین کے بستر پر رات میں سوتا رہا، لیکن دونوں کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر کوئی سخت ضرورت یا مشکل پیش آئے اور سونا ایک ساتھ ممکن نہ ہو تو سونے کی کوئی بات نہیں اور یہ کلام مکالمہ میں طے ہوا تھا، کاغذ میں لکھا ہوا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ سیف الدین اگر شادی کریں تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ دونوں کے دل میں جو خیال تھا وہ لغو ہو جائے گا یا نہیں؟ از راہ کرم جواب مرحمت فرما کر ہم لوگوں کو ٹھیک راستہ پر ہدایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں کہ ابھی تک شادی نہیں ہوئی، کوئی عورت اس کے نکاح میں نہیں، تو اس کلام یا تحریر کی وجہ سے اس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔

تنبیہ: دونو جوان کا ایک بستر پر سونا ٹھیک نہیں ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "رجل قال: إن فعلت كذا، فامرأته طالق، وليس له امرأة، فتزوج امرأةً ثم فعل ذلك، لايحنث في يمينه". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۱ ۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، مسائل تعليق الطلاق بالتزوج، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية: ۲۷۵/۴، كتاب الأيمان، الثالث في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۸۱/۶، كتاب الطلاق، باب من الطلاق، مكتبه حبيبيه)

(۲) "عن عبد الرحمن بن أبي سعيد الخدري عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لاينظر الرجل إلى عورة الرجل، ولاالمرأة إلى عورة المرأة، ولايفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد، ولاتفضي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد". (الصحيح لمسلم: ۱۵۴/۱، كتاب الحيض، باب تحريم النظر إلى العورات، قديمي) .... =

سالی کو طلاق

سوال[۶۰۳۱]: چه میفرمایند علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئله: صورتش ایں که زید در حاضرانِ مجلس زوجۂ خود را که نامش هنده بود مخفی داشته اختِ هنده را که نامش میمونه بود، بعلّت نکاحِ ثانی مجبور شده، میمونه را زوجۂ خود قرار داده، بطورِ حیلۂ سازی سه طلاق داد، زیرا که اگر زوجۂ اول را طلاق ندهد، وی وخویش واقربائے عروسۂ ثانی ناراض و ممتنع گردیدند. بعد او اظهار نماید: زوجۂ من هنده است میمونه نیست. پس دریں صورت هنده مطلقه شد، یا نه؟ بینوا توجروا.

راقم الحروف مولوی مجیب الحق نواکھالی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر هنده رانه خطاب کرده، و نه بسوئے او اشاره نموده، و نه نامش بُرده، و نه بر سبیلِ طلاقِ زوجه و منکوحۂ خود را طلاق داده است، بلکه خواهرِ زوجه اش را که میمونه است، زوجۂ خود ظاهر کرده طلاق داده است، خواه بدیں صورت که میمونه را که زوجۂ من است طلاق دادم، خواه بسویش اشاره نموده گفت که ایں را طلاق دادم.

پس در همه صورتهائے مذکوره نه بر هنده طلاق واقع شده است، و نه بر میمونه، زیرا که هنده را خطاب نکرده است، و نه بهیچ و جه نسبتِ طلاق بدو کرد، ومیمونه منکوحه اش نیست، البته میمونه را منکوحۂ خود ظاهر کردن بدروغ است، و بزۂ وی بر

= "ولایجوزللرجل مضاجعة الرجل وإن كان كل واحد منهمافي جانب من الفراش". (الدرالمختار). "(قوله: مضاجعة الرجل): أى فى ثوب واحد لاحاجزبينهما...... وهل المراد أن يلتفا فى ثوب واحد أويكون أحدهما فى ثوب دون الآخر، والظاهرالأول، يؤيده مانقله عن مجمع البحار: أى متجردين، وإن كان بينهماحائل، فيكره تنزيهاً". (رد المحتار: ۳۸۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير: ۵۲/۱۰، كتاب الكراهية، فصل فى الاستبراء وغيره، مصطفى البابى الحلبى مصر)

گردن او:

"ومحله المنكوحة.......... وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ. صريحه ما لم يستعمل إلا فيه، كطلقتك وأنت طالق، و مطلقة، قيد بخطابها؛ لأنه لو قال: إن خرجت يقع الطلاق، أو لا تخرجي إلا بإذني، فإني حلفت بالطلاق، فخرجت، لم يقع، لتركه الإضافة إليها، اهـ".

درمختار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ذی الحجہ/۵۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۳/۲۳۰، ۲۴۷، ۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

"و لو قال: امرأته الحبشية طالق، و لا نية له في طلاق امرأته، و امرأته ليست بحبشية لا يقع عليها، و على هذا إذا سمى بغير اسمها، و لا نية له في طلاق امرأته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۸، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانية: ۳/۲۸۲، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچی)

ترجمہ: علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ زید نے حاضرین مجلس کے سامنے اپنی بیوی کو جس کا نام ہندہ ہے مخفی رکھ کر ہندہ کی بہن کو۔ جس کا نام میمونہ ہے۔ نکاحِ ثانی کی وجہ سے مجبور ہو کر میمونہ کو اپنی بیوی قرار دیکر حیلۂ سازی کے طریقہ پر طلاق دی، اس لئے کہ وہ اگر اپنی اول بیوی کو طلاق نہ دیتا، دوسری بیوی کے خویش واقرباء ناراض اور شادی سے منکر ہو جاتے۔

اس کے بعد وہ (شوہر) اظہار کرتا ہے کہ میری بیوی ہندہ ہے میمونہ نہیں، بس اس صورت میں ہندہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

ترجمۂ جواب: ''اگر ہندہ کو نہ خطاب کیا اور نہ اس کی طرف اشارہ، نہ اس کا نام لیا، نہ طلاق کے طریقہ پر اپنی بیوی اور منکوحہ کو طلاق دی، بلکہ اپنی بیوی کی بہن کو جو کہ میمونہ ہے اپنی بیوی ظاہر کر کے طلاق دی ہے، خواہ اس صورت سے کہ میمونہ کو جو کہ میری بیوی ہے میں نے طلاق دی، یا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کو میں نے طلاق دی۔

پس مذکورہ تمام صورتوں میں نہ ہندہ پر طلاق واقع ہوگی اور نہ میمونہ پر، اس لئے کہ نہ ہندہ کو خطاب کیا، نہ کسی طریقہ پر اس کی طرف طلاق کی نسبت کی اور میمونہ اس کی منکوحہ نہیں، البتہ میمونہ کو اپنی منکوحہ ظاہر کرنا جھوٹ ہے اور اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔

ماں کو طلاق اور ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ

سوال[۲۰۳۲]: ۱..... زید حالتِ مرض میں ہے، اس کی ماں اس کے پاس ترکاری پکا کر لائی، چوں کہ ترکاری موافقِ مزاج کے نہیں ہوئی، ماں کو گالی دینے لگا، ماں نے جواب دیا کہ اپنی زوجہ حسینہ کو بلا کر اچھی ترکاری پکا کر کھاؤ، زید نے اس کے جواب میں کہا: ''تجھ کو تین طلاق ہے'' یعنی طلاق کی اضافت ماں کی طرف کی۔ اس اضافت میں اس کی زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو جواب بحوالہ کتب دیں۔

۲..... فقہاء رحمہم اللہ کا قاعدہ صریحہ ہے کہ ظاہر الروایۃ ہوتے ہوئے دوسری روایت پر فتویٰ نہیں ہوگا، پھر اس کے خلاف اکثر مسائل میں کیوں فتویٰ دیا جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

بندہ نور محمد غفرلہ الصمد برسپال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... نہ زوجہ کو خطاب کیا، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ نام لیا، نہ ضمیر راجع کی غرض کسی طرح بھی طلاق کی اضافت اپنی منکوحہ کی طرف نہیں بلکہ غیر منکوحہ کو خطاب کر کے طلاق دی ہے، پس شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی:

"ومحله المنكوحة .... صريحه مالم يستعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق، و مطلقة بالتشديد، قيد بخطابها؛ لأنه لو قال: إن خرجت يقع الطلاق، أولا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت، لم يقع لتركه الإضافة إليها". درمختار۔ قال في ردالمحتار: "أي المعنوية، فإنها الشرط، والخطاب من الإضافة المعنوية، وكذا الإشارة نحو: هذه طالق، و كذا نحو: امرأتي طالق، و زينب طالق". شامی: ۲/۶۶۳(۱)۔

۲..... اس کے خلاف کرنے کی بھی فقہاء نے تصریح کی ہے، اصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۴۷، ۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: سن بوش، سعيد)

"لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلثاً، و قال: لم أعن امرأتي، يصدق". (رد المحتار: ۲۴۸/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۵، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۲۸۰، ۲۸۱، كتاب الطلاق، نوع آخر بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچي)

ہوں توان میں سے کسی کو اختیار کرنے کے لئے وجۂ ترجیح کی ضرورت ہے اور وجوہِ ترجیح مختلف ہیں، اسی طرح ان کے الفاظ بھی مختلف ہیں اگر کسی ایک قول کی فقہاء نے صراحۃً ترجیح بیان کردی ہوتو وہ دوسرے قول پر مقدم ہوگا اگر چہ وہ دوسرا قول ظاہر روایت ہی کیوں نہ ہو، اگر دونوں میں سے کسی ایک کو صراحۃً ترجیح نہیں اور ایک ان میں ظاہر الروایۃ ہے تو یہ ظاہر الروایۃ ہونا بھی اس کے لئے مرجح ہوگا۔شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

وإن تجد تصحيح قولين و رد　　فاختر لما شئت، فكل معتمد

إلا إذا كان صحيحاً وأصح　　أو قيل: ذا يفتى به، فقد رجح

أو كان في المتون أو قول الإمام　　أو ظاهر المروى أو جلّ العظام

قال به أو كان الاستحسانا　　أو زاد للأوقاف نفعاً بانا

أو كان ذا أوفق للزمان　　أو كان ذا أوضح في البرهان

هذا إذا تعارض التصحيح　　أو لم يكن أصلاً به تصريح

فتأخذ الذى له مرجح　　مما علمته، فهذا الأوضح

شرح المنظومة المسماة بعقود رسم المفتي، مجموعة رسائل ابن عابدين، ص: ۳۹(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

برخوردار کو طلاق

سوال[۶۰۳۳]: شوہر نے بیوی کو مندرجہ ذیل پرچہ لکھ کر بھیج دیا، بیوی اپنے میکے میں ہے اور اس کے ایک بچہ بھی ہے:

’’برخوردار، نورِ چشم راحتِ جان طول عمرہ!

بعد دعائے درازیٔ عمر کے معلوم ہو کہ میں نے تم کو طلاق دی ہے، جس جگہ رہو خوش رہو۔ نہیں معلوم تو اب سن لو کہ ہم نے اپنے قلم سے تم کو اجازت دی بعد عدت پوری

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۳۳، دار الإشاعت کراچی)

ہونے پر تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو، ہماری طرف سے تم آزاد ہو"۔

براہِ کرم حکم شرع سے مطلع فرمائیں کہ مذکورہ بالا الفاظ کی وجہ سے اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

طلاق بیوی کو دی جایا کرتی ہے، برخوردار کو نہیں دی جاتی۔ یہ پرچہ برخوردار کے نام ہے، اس کی وجہ سے اس لکھنے والے کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۱۳۹۵ھ۔

بیوی کا شوہر کو طلاق دینا

سوال [۲۰۳۴]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بعد صحبت میاں میں کسی بات پر ناراضگی ہوگئی، بیوی نے اپنے خاوند کو جواب دیا کہ اگر تو آئندہ مجھ سے صحبت کرے گا، حرام کاری کرے گا یعنی تیرا آئندہ صحبت کرنا حرام کاری ہوگا۔ جواب بحوالہ کتب تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، طلاق دینے کا حق مرد کو ہے: "و محله المنكوحة، و أهله زوج عاقل بالغ مستيقظ، اھ". درمختار: ۲/ ٦٤٥ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذیقعدہ/۵٦ھ۔

---

(۱) "ومحله المنكوحة". (الدر المختار) "(قوله: ومحله المنكوحة): أى ولو معتدةً عن طلاق رجعي أو بائن غير ثلاث في حرة، وثنتين في آمة". (رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور: ۳/ ۲۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/ ۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۲/ ۳۱۰، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۳/ ۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد) .... =

شوہر کا قول ''مجھے طلاق ہے'' کا حکم

سوال[۶۰۳۵]: زید کا نکاح زرینہ نامی عورت سے ۱۹۶۵ء میں ہوا، لیکن ابھی شادی کی رسم انجام نہ پائی کہ زید نے یہ الفاظ کہے: ''مجھے طلاق ہے، اگر میں جوا کھیلوں''۔

اس کے چند ماہ بعد زید کو جوا کھیلتے ہوئے پایا گیا۔ اب زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ابھی تک میاں بیوی میں تنہائی نہیں ہوئی تو جوا کھیلنے کی وجہ سے شرط کے موافق طلاقِ بائن واقع ہوگئی(۱)۔ اب طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: مگر مدار عرف ہے۔ بندہ نظام الدین غفرلہ، ۲۷/۱/۱۳۸۶ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۴۸، ۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۵۴، ۳۵۵، كتاب الطلاق، من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۱۳، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وقد تعورف في عرفنا الحلف بالطلاق "يلزمني لا أفعل كذا" يريد: "إن فعلتُه، لزم الطلاق ووقع" فيجب أن يجرى عليهم؛ لأنه صار بمنزلة قوله: إن فعلتُ فأنت كذا". (النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح: ۲/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق: ۳/۴۴۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح : ۳/۲۵۳، سعيد)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۴۲۰، رشيديه)

دل میں طلاق دینے کا حکم

سوال[۶۰۳۶]: زید نے اپنے ہی آپ کو اپنے دل میں بغیر حرکت کرنے زبان کے کہا کہ تو نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی، اس کے جواب میں زید ہی نے کہا کہ "ہاں"! اور اس ہاں کو سن بھی لیا، پس صرف ہاں کے سن لینے سے بکر کہتا ہے کہ طلاق ہوگئی اگرچہ طلاق کو زبان سے نہ کہا ہو اور خالد کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوگی جب تک کہ زبان سے نہ کہے۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالد کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ وقوعِ طلاق کے لئے صرف نیت کافی نہیں بلکہ زبان سے کہنا شرط ہے اور صورتِ مسئولہ میں لفظِ طلاق کا تلفظ نہیں کیا، لہذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

"لو أجرى الطلاق علىٰ قلبه، و حرك لسانه من غير تلفظٍ يُسمع، لا يقع، اه". مراقی الفلاح(۱)۔ والبسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۳/صفر/۵۷ھ۔

بیوی کو میکے پہونچانا طلاق نہیں

سوال[۶۰۳۷]: ایک شخص اپنی بیوی کو چھوڑنے کی نیت سے گاڑی میں سوار کر کے اپنے خسر یعنی بیوی کے والدین کے گاؤں کے نزدیک ہی چھوڑ آیا اور زیورات و پارچات لے کر وہ عورت خود گھر چلی گئی، اس کو

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، ص: ۲۱۹، شرط الصلوة، قدیمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله عزوجل تجاوز لأمتی عما حدثت به أنفسها ما لم تعمل، أو تتكلم به". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۸، كتاب الإيمان، قديمی)

"و ركنه لفظ مخصوص، هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية (الدرالمختار) و به ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوی الطلاق، و لم يذكر لفظاً لاصريحاً ولا كنايةً، لا يقع عليه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

چھ سال ہوگئے ہیں۔ اس شخص نے دوسرے نکاح کی بھی جستجو کی، لیکن نہیں ہوسکا، پھر مجبوراً وہ اس عورت کی طرف رجوع ہوا۔ اب وہ عورت اس کی بیوی رہی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صراحۃً یا کنایۃً طلاق نہیں دی تو وہ عورت بدستور اس کی بیوی ہے، محض دل میں نیت کرکے بیوی کو اس کے والدین کے گھر پہونچانے اور نکاحِ ثانی کی جستجو کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم ۲۴/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

دل میں طلاق دینے کی نیت سے طلاق کا حکم

سوال [۲۰۳۸]: زید ایک گناہ میں مبتلا ہے، اس نے اس گناہ کو چھوڑنے کی بہت کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس نے یہ سوچ کر کہ یہ گناہ اس طرح چھوٹ جائے گا، یہ شرط اپنے دل میں لگائی کہ "اگر میں دوبارہ اس گناہ کو کروں گا تو میری گھر والی کو طلاق" یہ دل میں طے کرلیا، یہ تشریح نہیں کی کہ طلاقِ بائنہ یا رجعی یا مغلظہ۔ اب پھر زید سے وہ گناہ ہوگیا تو کیا اس طرح طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صرف دل میں طے کیا تھا، زبان سے نہیں کہا تو کوئی طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ اگر زبان سے بھی کہہ دیا

---

(۱) "ورکنہ لفظ مخصوص، ہوما جعل دلالۃً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایۃ". (الدر المختار).

"وبہ ظہر أن من تشاجر مع زوجتہ فأعطاھا ثلاثۃ أحجار ینوی الطلاق، ولم یذکر لفظاً لا صریحاً ولا کنایۃً، لا یقع علیہ". (ردالمحتار علی الدر المختار: ۳/ ۲۳۰، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/ ۳۴۸، کتاب الطلاق، رشیدیہ)

(وکذا فی حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۳/ ۲۰، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) "عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إن اللہ عزوجل تجاوز لأمتی عما حدثت بہ أنفسہا مالم تعمل أو تتکلم بہ". (الصحیح لمسلم: ۱/ ۷۸، کتاب الإیمان، قدیمی) =

تھا تو ایک طلاق رجعی ہوگئی (۱)۔ پھر اگر تین ماہواری گذرنے سے پہلے تعلقِ زوجیت قائم کرلیا تو رجعت بھی ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۴ھ۔

جی میں گزرا کہ ''اگر فلاں سورت پڑھوں تو طلاق'' کا حکم

سوال [۶۰۳۹]: میں نماز میں تھا نماز ہی میں شیطان نے وسوسہ سے اچانک دل سے گذار دیا کہ فلاں سورت کو پڑھوں گا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اس سورت کو پڑھنے سے رُکا رہا کہ طلاق کا خیال بالکل اتر گیا، اس سورت کو پڑھ لیا، بعد میں اوپر کی لکھی ہوئی بات یاد آگئی، اب میرے دل کو کھٹکا ہے کہ طلاق تو واقع نہ ہوگی۔ شیطانی وسوسہ یک بیک دل میں ہونے کے بعد اہلیہ کو دو حیض ہوگیا ہے، تیسرے حیض کا انتظار ہے۔ طلاق ہوگی کہ نہیں؟

= "لو أجری الطلاق علی قلبه وحرک لسانه من غیر تلفظٍ یُسمع، لایقع". (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، ص: ۲۱۹، شروط الصلوة، قدیمی)

"ورکنه لفظ مخصوص، هو ماجُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة .... وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظاً لاصریحاً ولاکنایةً، لایقع علیه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطلاق: ۲۳۰/۳، سعید)

(۱) "وإذا أضافه إلی الشرط، وقع عقیب الشرط اتفاقاً، مثل أن یقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة إن وإذا وغیرهما: ۴۲۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب التعلیق: ۱۰۹/۳، ۱۱۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳۴۴/۳، باب التعلیق، سعید)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً أو تطلیقتین، فله أن یراجعها فی عدتها، رضیت بذلک أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس فی الرجعة الخ: ۴۷۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳۹۸/۳، باب الرجعة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب الرجعة: ۱۴۹/۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض ایسا وسوسہ آنے کے بعد اس سورت کے پڑھنے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، بےفکر رہیں(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۴ھ۔

چوٹی کاٹنے اور منہ کالا کرنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۰۴۰]: حمید خان کی بیوی برائی کا کام کرتی تھی، شروع میں حمید خان نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا اور آدمیوں سے سودا بھی کیا، یہ گھر سے بھاگنے کے لئے بھی تیار تھی، اس سے حمید خان نے اپنی عورت کی چوٹی کاٹ کر اور منہ کالا کر کے گاؤں سے نکال کر بھنگی کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو تیار ہوگیا تھا، ایک آدمی نے اس کو دھمکا دیا اس نے نہیں پکڑا۔ وہ عورت غیر آدمی کے پاس رہنے لگی، اس شخص نے تین مہینہ دس دن کی عدت پوری کر کے نکاح کر لیا اور حمید خان نے اپنی شادی دوسری کر لی، وہ عورت بھی اس کی بھاگ گئی جو پہلی تھی جس نے نکاح کر لیا تھا، پھر اس عورت سے بات چیت شروع کر دی۔ حمید خان کی عورت نے جس سے نکاح کیا تھا اس کے گھر کا سامان لے کر حمید خان کے گھر چلی گئی، اس عورت کو چھ ماہ کا حمل بھی ہے، یہ عورت نکاح کر کے اس آدمی کے پاس دس مہینہ رہی اس کا سوچ کر جواب تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمید خان کی بیوی اگر بُرے کام کرتی تھی تو اس کی اصلاح کرنی چاہئے تھی(۲)، اس کو بیچنا، یا چوٹی

---

(۱) "لو أجرى الطلاق على قلبه وحرّك لسانه من غير تلفظٍ يُسمع، لايقع". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۲۱۹، شروط الصلوة، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله عزوجل تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتكلم به". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۸، كتاب الإيمان، قديمي)

"وركنه لفظ مخصوص، هوماجُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) "قال الله تعالىٰ: ﴿واللّتي تخافون نشوزهن فعظوهن﴾ يعني خوّفوهن بالله و بعقابه. و قوله تعالىٰ: =

کاٹ کرمنہ کالا کر کے بھنگی کے ہاتھ میں دینا اس کا علاج نہیں، بلکہ ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ پھر اس عورت کا غیر آدمی سے تعلق کر لینا اور بغیر شوہر سے طلاق لئے ہوئے تین مہینہ دس دن بعد دوسری جگہ نکاح کر لینا بھی ناجائز ہے، وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوا(۱)۔

اب جب کہ حمید خان کی دوسری عورت بھاگ گئی اور پہلی عورت اس کے پاس آنا چاہتی ہے اور حمید خان اس کو رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے کیونکہ اس کا نکاح تو باقی ہے، لیکن یہ عورت دوسرے آدمی کا سامان بلا اجازت اگر لانا چاہے تو اس کا سامان نہ لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۸ھ۔

بیوی کو کنویں میں دھکا دینے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۱۰۴۱]: زید اپنی بیوی کے پاس سسرال میں آیا، تین دن بعد بیوی سے کہا کہ تم سے ضروری بات علیحدگی میں کرنی ہے، تم فلاں کنویں پر مجھے ملنا۔ ہندہ وہاں چلی گئی، ابھی بیٹھی ہی تھی کہ زید نے بیوی کو کنویں میں دھکا دے دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر لوگوں نے نکالا اور اس نے واقعہ بیان کیا۔ اب ہندہ جانے کو تیار نہیں ہے، نہ زید طلاق دیتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح باقی ہے یا نہیں، جب کہ اس نے اپنے سے ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے دھکا دیا تھا؟

= ﴿واهجروهن في المضاجع﴾ قال ابن عباس و عكرمة والضحاك والسدي: هجر الكلام. وقال سعيد بن جبير: هجر الجماع. وقال مجاهد: هجر المضاجعة. وقوله: ﴿واضربوهن﴾ قال ابن عباس: إذا أطاعته في المضجع فليس له أن يضربها. و قال مجاهد: إذا نشزت عن فراشه، يقول لها: اتقي الله و ارجعي". (أحكام القرآن للجصاص: ۲۶۸/۲، سورة النساء، باب النهي عن النشوز، قديمي)

(۱) "أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً". (رد المحتار: ۵۱۶/۳، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب عدة المنكوحة فاسدا و الموطوءة بشبهة، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية: ۱۱/۳، كتاب النكاح، نكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی اس ظالمانہ حرکت کے باوجود نکاح ختم نہیں ہوا بلکہ نکاح باقی ہے(۱)۔اب اگر وہ نہ لے جا کر آباد کرتا ہے نہ طلاق دے کر آزاد کرتا ہے تو کم از کم تین معزز دیندار مسلمانوں کی شرعی کمیٹی بنالی جائے جس میں ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شریک رہے۔اس کمیٹی میں ہندہ درخواست دے کہ زید میرا شوہر ہے وہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا اور اس کا مجھ پر یہ ظلم ہے۔شرعی کمیٹی جملہ امور کی تحقیق کر کے زید کو بلا کر کہے کہ یہ تمہاری بیوی کی درخواست ہے،تم ظلم سے باز آؤ اور بیوی کو شریفانہ طریقے پر آباد کرو، یا اس کو طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس پر اگر زید نے کچھ نہ کہا تو شرعی کمیٹی خود تفریق کردے،اس کے بعد عدت تین ماہواری گذار کر ہندہ کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوجائے گی۔رسالہ الحیلۃ الناجزۃ سامنے رکھ کر اس کے مطابق شرعی کمیٹی سب کارروائی کرے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۲/۲/۹۵ھ۔

دوسرے کی بیوی کو طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۰۴۲]: میرے ایک دوست نے اپنی طرف سے میرے بغیر مشورہ وآگہی کے اخبار میں

---

(۱) "(هو) .... (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي بلفظ مخصوص هو ما اشتمل على الطلاق". (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۲۲۷/۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۳۰۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۳۴۸/۱، رشيديه)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو یہ لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے،لیکن اگر باوجود سعی کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔اور اگر عورت کا صحیح دعویٰ ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے،اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں"۔(الحيلة الناجزة، ص: ۷۳، زوجۂ متعنت، دار الاشاعت كراچی)

یہ شائع کرادیا کہ ”میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے“۔ بعد میں جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس کی تردید کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی مہر ادا کیا ہے۔ تو کیا اس کی ذمہ داری شرعاً مجھ پر ہوگی کہ میری بیوی کو طلاق پڑگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب آپ کے دوست نے بغیر آپ کے مشورہ وعلم کے طلاقنامہ شائع کرادیا اور آپ نے اس کو منظور نہیں کیا بلکہ اس کی تردید کردی ہے تو اس طلاق نامہ کی وجہ سے آپ کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی، بالکل بے فکر رہیں، آپ کا نکاح بدستور قائم ہے: ”كل كتاب لم يكتبه بخطه، و لم يمل بنفسه، لا يقع الطلاق مالم يقرّ أنه كتابه“. ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۹ھ۔

”طلاق دے دو“ کے جواب میں ”کب کی دے دی“

سوال [۲۰۴۳]: زید کی بیوی جھگڑا کرکے مدت ہوئی اپنے میکہ چلی گئی، زید اس کی وجہ سے افسردہ خاطر رہتا ہے، زید نے دو تین بار طلاق دینے کا بھی اظہار کیا ہے۔ زید ایک بار اپنے دوست عمر کے پاس آیا، عمر نے زید کو پریشان دیکھ کر کہا: بھئی! ایسے پریشان ہو رہے ہو تو بیوی کو طلاق دے دو۔ زید نے کہا ”کب کی دے دی ہے“؟ عمر نے ٹوکا: ایسے الفاظ کہتے ہو تو مطلقہ ہو جائے گی، میں تحقیق کروں گا۔ زید نے کہا نہیں نہیں، اس سے طلاق نہ ہوگی۔

یہ بات مدِ نظر رہے کہ زید نے اپنی بیوی کو اس مجلس سے پیشتر طلاق نہیں دی ہے، اور عمر کے سامنے صراحۃً جھوٹ بولا تھا، اس کا ثبوت اس کے قول سے بھی ہو رہا ہے۔ تو زید کے اس قول سے طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر ہوگئی تو کون سی؟ زید کی اس بات کو سننے والا صرف ایک شخص عمر ہے، وہ کیا کرے؟ زید تو اپنے خیال پر قائم ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ہے۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲۴۷/۳، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۳۸۰، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے اس (جھوٹے) اقرار سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگئی (۱)، تین ماہواری گذرنے سے پہلے پہلے اس کو حق ہے کہ رجعت کرلے۔ عمرو غیرہ کے سامنے کہہ دے کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی (۲)، اگر تین ماہواری گذر چکی ہو تو بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۹۴ھ۔

نسبت بدل کر طلاق دینا

سوال [۲۰۴۴]: عبدالعزیز نے اپنی بیوی کو حالتِ غصہ میں اس طرح طلاق دیا: ''بدھو کی نانی! تیرا تینوں طلاق اپنی ہاتھی لے کر جا''۔ بدھو عبدالعزیز کی بیوی کے باپ کا نام ہے، اصل اس کا نام عبدالخالق ہے۔ کیا ایسی صورت میں عبدالعزیز کی بیوی زوجیت سے ختم ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو عدمِ

---

(۱) "لو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً، وقع قضاءً لاديانةً". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق: ۲۳۶/۳، سعيد)

"أن من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي: ۱۰۹/۴، باب الطلاق، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۴۷۰/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۴۳۲/۱، ۴۳۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق: ۳۸۷/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۴۷۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب الرجعة: ۴۰۹/۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱۶۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

وقوعِ طلاق کی دلیل ضرور قلم بند کی جائے، اگر واقع ہوگئی تو کس دلیل سے؟ امید ہے کہ جواب شافی سے نوازا جاؤں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سوال تقریباً پانچ سال سے گشت کر رہا ہے اور دونوں قسم کے جواب اس پر دیئے گئے ہیں، مگر افسوس سائل کو تشفی نہیں ہوئی، شافیٔ مطلق ہی شفا دے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا نام بدل کر یا نسبت بدل کر طلاق دے، مثلاً اس کی بیوی کا نام فاطمہ ہے اور وہ عائشہ کو طلاق دے، یا زید کی ماں یا زید کی بہن یا زید کی بیٹی کو طلاق دے حالانکہ اس کی بیوی زید کی ماں یا بہن یا بیٹی نہیں ہے تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوگی: "و كذا لو نسبها إلى أمها، أو أختها، أو ولدها و هي كذلك، و لو حلف: إن خرج من المصر فامرأته عائشة كذا، واسمها فاطمة، لا تطلق إذا خرج". شامی: ۲/۴٦٠(۱)۔

مشرکینِ قریش حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "مذمم" کہہ کر بُرا کہتے تھے، اس پر ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی گالی اور لعنت سے کیسا بچالیا کہ وہ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور میں تو مذمّم نہیں ہوں میں تو محمد ہوں:

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا تعجبون كيف يصرف الله عنه شتم قريش ولعنهم، يشتمون مذمماً ويلعنون مذمماً، وأنا محمد". رواه البخاري"۔ مشكوة شريف، باب أسماء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وصفاته(۲)۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۹۲، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۸، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۲۸۲، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (مشكوة المصابيح: ۲/۵۱۵، قديمی)

(وصحيح البخاري: ۱/۵۰۱، باب المناقب، باب ما جاء في أسماء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قديمی)

بعض احباب اہلِ علم نے بتایا کہ ہمارے اطراف میں بیوی کو اس طرح بھی تعبیر کرتے ہیں جس طرح سوال میں مذکور ہے اور یہ بنابر تحقیر وتذلیل ہوتا ہے، اس صورت میں اگر وہاں کا محاورہ ہے، یا شوہر اس طرح بیوی کے لئے بولتا ہے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائے گی اور نہ رجعت کی گنجائش رہے گی نہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت رہے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

طلاق بلا اضافت

سوال[۶۰۴۵]: محمد نیاز احمد نے شدتِ غضب کی حالت میں- جب کہ اس کے باپ نے بلایا اور وہ سامنے گیا باپ کو دھمکی دینے کے لئے کہا-"ایک طلاق، ایک طلاق"۔ اسی وقت اس کے چچا نے مار پیٹ شروع کی، حالانکہ اس کے باپ نے بھی زدوکوب کیا، اس کے بعد نیاز احمد کہتا ہے کہ میرے ہوش اچھی طرح نہیں رہے، شاہدین میں سے دو شاہد کہتے ہیں کہ شدتِ ضرب وکوب شدتِ غضب میں نیاز احمد نے کہا "تین طلاق"۔ اس کے والد کہتے ہیں کہ اس نے ایک طلاق کہا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کہا؟ تو اس نے پھر کہا ایک طلاق، میں نے کہا کس کو دیا، اس نے کہا "تم کو" پھر کہا: "تین طلاق"۔ اس وقت نیاز احمد شدت غضب میں تھا۔

ایک شاہد محمد مشدود علی کہتا ہے کہ اس واقعہ کی ابتداء میں میں گھر میں تھا، شور غل سن کر نکلتے وقت میں نے سنا: تین طلاق، تیسرا شاہد کہتا ہے کہ زوج نے پہلے کہا: ایک طلاق پھر کہا: ایک طلاق، پھر کہا: تین طلاق، لیکن کسی شاہد نے طلاق کو بیوی کی طرف اسناد کرنے کی شہادت نہیں دی اور نہ اس وقت زوج وزوجہ کے مابین جھگڑا ہے، باپ بیٹے کے درمیان جھگڑا ہے، ہاں! ایک گھنٹہ پہلے زوج وزوجہ میں جھگڑا ہوا تھا۔ تو نیاز احمد کی زوجہ پر طلاق

---

(۱) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/ ۴۰۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/ ۹۴، ۹۷، رشيديه)

واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیاز احمد حلفاً یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے الفاظِ مذکورۂ سوال نہیں کہے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور طلاق کا حکم نہیں کیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۸ھ۔

طلاق بغیر اضافت

سوال[۶۰۴۶]: ایک شخص نے بیوی سے صحبت کے لئے کہا، بیوی نے ایامِ ماہواری کی مجبوری ظاہر کی، اس پر لڑکے نے کہا کہ میرا رشتہ دوسری جگہ ہوتا تھا، لڑکی نے جواب دیا کہ دوسری جگہ کروالیا ہوتا، بطورِ مذاق باتیں ہوئی ہیں، لڑکے نے فوراً ایک سانس میں متعدد مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ: "طلاق طلاق طلاق"، اس سے قبل اور مابعد کوئی لفظ نہ تھا، نہ ہی شوہر نے یہ کہا کہ تجھ کو طلاق یا تجھ کو طلاق دی۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگئی؟

حاجی رفیق احمد، مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بیوی کے حق میں شوہر لفظِ طلاق کہتا ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے(۲) اگر چہ جملہ

---

(۱) "ولا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلامه، لما في البحر: لوقال: طالق، فقيل له: من عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته، ويؤيده ما في البحر: لوقال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق". (ردالمحتار: ۳/۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

"رجل قال: امرأة طالق، أوقال: طلقت امرأةً ثلثاً، وقال: لم أعن به امرأتي، يصدق". (فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۵، كتاب الطلاق، رشيديه)

"طلقت امرأةً، أو قال: امرأة طالق، ثم قال: لم أعن امرأتي، يصدق في قوله". (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۸۰، ۲۸۱ كتاب الطلاق، نوع آخر بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "ولا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلامه، لما في البحر: لوقال: طالق، فقيل له: من عنيت؟ فقال: =

تامہ (میں نے تجھ کو طلاق) نہ کہا ہو، مگر مطلب اس کا یہی ہوتا ہے۔ تاہم اگر شوہر یہ کہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور لفظ یہ بیوی کے حق میں نہیں کہا تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا (١)۔

تنبیہ: تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت قائم نہیں ہو سکتا (٢)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٨/٥/٨٧ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٣٠/٥/٨٧ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ١/٦/٨٧ھ۔

ایضاً

سوال [٧٠٤٢]: زید اپنی ساس سے اپنی بڑی سالی کے گھر کی باتیں بتلا رہا تھا کہ ہماری بڑی سالی نے مجھے ایسی خراب باتیں کہی ہیں جو کہ میرے دل کو بری معلوم ہوئیں۔ زید نے کہا کہ اس وجہ سے میں اپنی بیوی کو بغرضِ تفریح گھومنے نہیں جانے دوں گا، صرف غمی اور شادی کے لئے جانے دوں گا۔ زید کی بیوی نے ضد کی اور کہا کہ میں تو ضرور جاؤں گی۔ بات بڑھ گئی۔ زید کی بیوی نے کہا کہ تمہاری ماں اور چاروں بہنوں کو طلاق ہو جا۔

= امرأتي، طلقت امرأته، ويؤيده ما في البحر: لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق". (ردالمحتار: ٢٤٨/٣، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤٦٥/١، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ٢٨٠/٣، ٢٨١، كتاب الطلاق، نوع آخر بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچي)

(١) "في كل موضع يصدق الزوج على نفي النية، إنما يصدق مع اليمين؛ لأنه أمينٌ في الإخبار عما في ضميره، والقول قول الأمين مع اليمين". (فتح القدير: ٧٣/٤، كتاب الطلاق، طلاق قبل الدخول، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التاتارخانية: ٣٢٥/٣، نوع آخر في بيان حكم الكنايات، إدارة القرآن كراچي)

(٢) "وأما الطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (بدائع الصنائع: ٤٠٣/٤، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

اس کے بعد زید نے کہا کہ اگر ہماری بہنیں اپنے شوہر سے بلا وجہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑیں اور طلاق پاویں تو میں ان کو ہرگز رہنے نہ دوں گا۔ اس کے بعد گفتگو بڑھتی گئی۔ زید کی بیوی نے کہا کہ تمہاری عقل تمہارے والد سے بھی بدتر ہے۔ اس پر زید نے کہا کہ ''اگر میرا دماغ میرے والد سے بدتر ہوتا تو میں اپنی بڑی سالی کے یہاں تم کو طلاق دے دیتا، تم چاہے جو بھی کہو میں طلاق ہرگز نہ دوں گا''۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زید کی گفتگو بیوی سے تیز تیز ہوئی۔ پھر زید نے غصے سے بے قابو ہو کر حواس باختہ ہو کر، اس کا ہوش وحواس جاتا رہا۔ زید ایک بار کھڑا ہو کر عورت کی طرف منہ نہ کر کے، بلکہ دوسری طرف دیوار کی طرف منہ کر کے زید کی زبان سے ایک بارگی ایک ہی سانس میں صرف لفظِ طلاق تین مرتبہ نکل گیا، نہ تو زید نے منہ سے یہ نکالا کہ میں نے تم کو طلاق دی اور نہ ہی زید نے اپنی بیوی کا نام لے کر کہا کہ تم کو طلاق دی۔ اس بات کے بعد زید نے عام لوگوں کے ساتھ رات سسرال میں گذاری صبح کو اپنے گھر چلا گیا۔

اور اس واقعہ کے تیسرے روز اپنی سسرال میں آیا اور طرفین نے دو گواہوں کے سامنے ایک دوسرے کو معاف کر دیا۔ اور چونکہ گھر جانے کا وقت نہیں رہ گیا تھا اس لئے زید نے عام لوگوں کے ساتھ اپنی سسرال میں رات گذاری۔ اب آپ مطلع فرماویں کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ جب کہ اب زید کا کہنا ہے کہ میں قسم کھا کر حلفیہ کہتا ہوں کہ میری عورت کو طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، مجھے اس کا افسوس ہے جو میں نے کہا۔ بہرحال آپ تفصیل سے مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آدمی طلاق اپنی بیوی ہی کو دیا کرتا ہے، کسی غیر عورت کو یا دیوار وغیرہ کو نہیں دیا کرتا، گفتگو تیز بیوی ہی سے ہوئی، غصہ بیوی ہی کی بات پر آیا۔ اس گفتگو میں زید نے بیوی کے متعلق کہا کہ ''تم چاہے جو بھی کہو، میں طلاق ہرگز نہ دوں گا'' یہ مطلب نہیں تھا کہ دیوار یا کسی اَور غیر عورت کو طلاق نہیں دوں گا، بلکہ اپنی بیوی کے متعلق کہا تھا۔ ہر بات کرتے وقت ہر مرتبہ بیوی کا نام لینا، یا تم کہنا، یا اس کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہوتا (۱)۔

---

(۱) ''ولایلزم کون الإضافة صریحةً فی کلامه، لما فی البحر: لو قال: طالق، فقیل له: من عنیتَ؟ فقال: امرأتی، طلقت امرأته''. (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلبٌ: ''سن بوش'' یقع به الرجعي: ۲۴۸/۳، سعید)

''رجل قال لامرأته: طالق ولم یسم، وله امرأة معروفة، طلقت امرأته استحساناً''. (التاتارخانیه، =

پھر بیان میں یہ بھی ہے کہ ''زید کا ہوش وحواس جاتا رہا'' جس کا مطلب یہ ہے کہ زید نیت کرنے اور نہ کرنے سے بالکل فارغ تھا۔

پھر یہ کہنا کہ ''اگر میری نیت طلاق دینے کی ہوتی تو میں یہ کہتا میں نے تمہیں طلاق دیا اور اس کے سامنے منہ کر کے کہتا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوش وحواس کی حالت میں طلاق دی ہے اور خوب سمجھ کر طلاق دی ہے۔ مجموعی حالات سے تو ظاہر یہی ہے کہ زید کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۱)، تاہم زید اگر حلف کے ساتھ کہے کہ میں نے تین طلاق کا لفظ اپنی بیوی کے لئے نہیں بولا ہے تو زید کا قول معتبر ہوگا (۲)، مگر معاملہ حلال وحرام کا ہے، خوفِ آخرت کو سامنے رکھ کر حلف کیا جاتا ہے، ایسا نہ ہو کہ آخرت کا عذاب سر پڑے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

بغیر نام وبغیر اشارہ کے طلاق

سوال [۶۰۴۸]: زید نے اپنی عورت کو زدوکوب کیا جس کی وجہ سے زید اور اس کی ساس کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ زید نے اپنی ساس کو لکھا: ''کیا تو اس کی طلاق لینا چاہتی ہے''؟ ساس نے جواب نفی میں دیا۔ پھر ساس کے ساتھ جھگڑے کے دوران میں مندرجہ بالا الفاظ کے کچھ دیر بعد ساس کو مخاطب کرتے ہوئے زید نے

= إيقاع الطلاق بطريق الإضمار: ۲۸۱/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ويؤيده ما في البحر: لوقال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق، ويفهم منه أنه لو لم يقل ذلک، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لابطلاق غيرها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب: "سن بوش": ۲۴۸/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۸/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار: ۲۸۰/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۴۶۵/۱، رشيديه)

(۲) "في كل موضع يصدق الزوج على نفي النية يصدق مع اليمين". (التاتارخانية، كتاب الطلاق، حكم الكنايات: ۳۲۵/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۷۳/۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

کہا: ''طلاق، طلاق، طلاق''۔ نہ زید نے اپنی عورت کا نام لیا، نہ اس کی طرف اشارہ کیا، نہ عورت زید کے سامنے تھی اور نہ اپنی ساس کو لکھا کہ میں نے تیری لڑکی، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اب شرعاً اس کا حکم مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زدوکوب اپنی عورت کو کیا، اس کی وجہ سے ساس سے جھگڑا ہوا، اسی کی طلاق کے لئے ساس سے دریافت کیا، جس پر ساس نے جواب نفی میں دیا۔ پھر اسی مجلس میں تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہا تو طلاق واقع ہونے پر کیا شبہ رہ گیا، نام لینا یا اشارہ کرنا ضروری نہیں۔ یہ سب قرائن کافی ہیں۔ ویسے بھی طلاق بیوی ہی کو دی جاتی ہے کسی اور کو نہیں دی جاتی:

"لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق، ويفهم منه أنه لولم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها، اه". شامي: ۲/ ۴۳۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۵ھ۔

اپنی بیوی دوسرے کو دینے سے طلاق

سوال[۶۰۴۹]: تین آدمیوں نے ایک چوتھے آدمی سے ہنسی کی کہ اگر تو ۳۰/روپے اور تین جوڑے کپڑے لائے تو ہم تینوں اپنی اپنی بیوی تجھے دیدیں گے اور اگر تو ۳۰/روپے اور تین جوڑے کپڑے نہ لایا تو تیرے سے جرمانہ لیا جائے گا اور اگر ہم نہ دیں تو تُو واپس لے لینا۔

اب وہ آدمی کسی طرح ۳۰/روپے اور تین جوڑے کپڑے لے آیا ہے اور ان کو دیدئے، انہوں نے وہ کپڑے اپنی اپنی عورتوں کو پہنا دیئے اور ان کو اس شخص کے ساتھ کر دیا اور یہ کہدیا کہ ہم نے تجھے دے دی،

---

(۱) (ردالمحتار، باب الصريح، مطلب: "سن بوش" يقع به الرجعي: ۳/ ۲۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/ ۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، نوع آخر في الإيقاع بطريق الإضمار: ۳/ ۲۸۰، ۲۸۱، إدارة القرآن كراچي)

عورتیں بھی بخوشی اس کے ساتھ چلدیں۔ گاؤں سے کچھ دور چل کر پیر جلنے کا بہانہ کر کے دوعورتیں اپنے گھر لوٹ آئیں اور اس شخص سے کہا کہ تم گاڑی لے آؤ، بغیر گاڑی کے پیر جلتے ہیں۔

شام کے وقت وہ شخص گاڑی لے آیا اور اس کے ساتھ بہت سے تماشہ بین بھی آ گئے، ان تینوں آدمیوں نے اس شخص سے کوئی بہانہ کر کے ٹال دیا۔ اب ان تینوں کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟ کچھ آدمی تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ ہم نے عورتیں تجھے دیدیں اور کچھ آدمی یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنی عورتیں آزاد کر کے تجھے دیدی۔ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان تینوں عورتوں کا نکاح اس چوتھے آدمی سے صحیح نہیں ہوا (۱)۔ اور اگر تینوں کے شوہروں نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم اس مرد سے نکاح کرلو اور اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہوگئی۔ اور اگر یہ کہا ہے ہم نے ان کو آزاد کردیا اور پھر تجھ سے نکاح کردیا تو تینوں پر طلاق واقع ہوگئی:

"وبابتغی الأزواج تقع واحدةٌ إن نواها، أو ثنتین أو ثلاث إن نواها، هكذا في شرح الوقاية". عالمگیری: ۳۷۵/۱ (۲)۔ "بخلاف فارسية قوله: "سرحتك وهو: رها كردم؛ لأنه

(۱) "(ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فَقَدَ شرطاً من شرائط الصحة، كالشهود". (الدر المختار). "ومثله تزوج الأختين معاً، و نكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة". (ردالمحتار: ۱۳۱/۳، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج. سواء كانت العدة عن طلاق، أو وفاة، أودخول في نكاح فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۰/۱، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۴۵/۴، كتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

"إذهبي و تزوجي، لايقع إلا بالنية، وإن نوى فهي واحدة بائنة، وإن نوى الثلاث، فثلاث". (ردالمحتار: ۳۱۴/۳، باب الكنايات، مطلب المختلعة والمبانة ليست امرأة من كل وجه، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۶۴/۴، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، مصطفى البابي الحلبي مصر)

صار صريحاً في العرف .... فإذا قال: **رها كردم**: أي سرحتك، يقع به الرجعي".
درمختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

تکرارِ طلاق بنیتِ تاکید

سوال [۶۰۵۰]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو جھگڑے اور لڑائی کے درمیان طلاق دی، لفظِ طلاق کو بار بار اس نے دہرایا۔ زید کہتا ہے کہ لفظ طلاق کہنے کے وقت جب دوبارہ وسہ بارہ میں نے لفظ طلاق استعمال کیا تو میری نیت لفظ طلاق کی تکرار کی تھی، بصورتِ تاکید میں نے اس لفظ کو دہرایا تھا۔ مستقل تین طلاق کے ایقاع کی نیت نہیں تھی۔ اس طرح تین طلاق کا تین بار کا عدد پورا ہوگیا۔ مقصود اس کو اس نے ڈرانا تھا اور ان کے ورثاء کو دھمکانا تھا۔

اب ایسی صورت میں جب کہ لفظ طلاق ایک دفعہ میں نے طلاق کی نیت سے استعمال کیا اور اس کے بعد تاکید کی نیت سے استعمال کیا تو اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شوہر نے لفظ طلاق ایک دفعہ کہنے کے بعد اگر بار بار محض تاکید کی نیت سے دہرایا ہے اور خالی الذہن تھا، اور جدید طلاق کی نیت نہ کی تو دیانۃً ایک ہی طلاق ہوئی (۲)۔ لیکن اگر عورت نے خود تین طلاق کو شوہر سے سنا

---

(۱) (رد المحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

"لو قال الرجل لامرأته: "ترا چنگ باز داشتم" او "یلہ کردم ترا"، او "پاکشادہ کردم ترا"، فهذا كله طلقتك عرفاً......... و كان الشيخ الإمام ظهير الدين المرغيناني يفتي في قوله: "بہشتم" بالوقوع بلا نية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۲) "كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين". (الدرالمختار، باب طلاق غير المدخول بها: ۲۹۳/۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۲۸۸/۳، إدارة القرآن كراچي) =

ہے تواب اس کے لئے جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے(۱)، بلکہ اس سے علیحدہ رہنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کو اختیار کرنا ضروری ہے، خواہ مہر معاف کر کے چھٹکارا حاصل کرے، یا کسی اور طرح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

''تیری لونڈیا کو طلاق'' کا حکم

سوال[۶۰۵۱]: ایک شخص سے اس کے سسر اور ساس نے یہ نہیں کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو، بلکہ یہ کہا کہ ''تیری بہن پر طلاق، تیری ماں پر طلاق''۔ اس لڑکے نے چار بار ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' کہا اور آخر میں یہ بھی کہا کہ ''تیری لونڈیا کو طلاق''۔ ساس کی تین لڑکیاں ہیں جو کہ شادی شدہ ہیں، کسی کا نام لے کر نہیں کہا اور نہ دل سے کہا اور نہ طلاق دینے کی نیت تھی۔ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ تمہاری بہن یا تمہاری ماں پر طلاق، جیسے کہ انہوں نے کہا تھا مگر نام آ گیا لونڈیا کا، اس کے بعد لڑکا خاموش ہو گیا اور اس واقعہ کے دو چار گواہ بھی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس لفظ سے ''تیری لونڈیا کو طلاق'' ایک طلاق تو ہو ہی گئی اگر چہ اس کے سسر کی کئی لڑکیاں ہیں، مگر

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/۳۵۶، رشيديه)

(۱) "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لايحل لها تمكينه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۳/۲۵۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/۳۵۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۴۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم الأيقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في الخلع ومافي حكمه: ۱/۴۸۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الخلع: ۳/۱۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

طلاق اس لونڈیا کو دے سکتا ہے جو اس کے نکاح میں ہے، لہٰذا بغیر نام لئے بھی اس کی بیوی پر طلاق ہوگئی (۱)۔ اس سے پہلے چار بار طلاق، طلاق، طلاق، طلاق کہا ہے تو اس میں اس نے نہ بیوی کا نام لیا، نہ خطاب کیا، نہ اس کی طرف کسی طرح اشارہ کیا اور وہ قسم کھا کر کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے یہ لفظ نہیں کہا تو اس کا قول معتبر ہوگا (۲) ورنہ اس کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ کا حکم ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

وتر میں "نخلع و نترك" پڑھتے وقت بیوی کی طلاق کا خیال آنا

(مع فتویٰ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب)

سوال [۲۰۵۲]: زید نماز وتر پڑھ رہا تھا جب ان سے دعائے قنوت پڑھی اور "نخلع و نترك" پر جب پہونچا تو اس کے دل میں طلاق کا خیال آ گیا اور پہلے سے کوئی ارادہ ونیت نہیں تھی بلکہ یہ بھی کامل یقین کے

---

(۱) "له بنات ذوات أزواج، قال زوج إحداهن لأبيهن: طلاق على بنتك، وقع على امرأته؛ لأنه لايملك إلا الإيقاع على امرأته، فانصرف إليها". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۸/۴، ۱۷۹، كتاب الطلاق، مسائل الإيقاع بلا قصد وإضافة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالكميرية: ۴۶۴/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "لوقال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق". (ردالمحتار: ۲۴۸/۳، كتاب الطلاق مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۴۲/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۱، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۳) "كرّر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دُيّن". (الدرالمختار: ۲۹۳/۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۱، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۶/۳، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کہتے وقت بھی نیت تھی یا بعد کہد ینے کے ہوئی۔"من یفجرك" کے متعلق یہ ہے کہ زید کی منکوحہ کبھی کبھی نماز چھوڑ دیتی ہے اور کوئی فسق وفجور نہیں کرتی ،مگر جس وقت"نخلع و نترك" کا قصد ہوا،اس کا شوہر یعنی زید پردیس میں تھا اس کو نہیں معلوم کہ نماز پڑھ رہی تھی اس زمانہ میں یا نہیں؟ غالب گمان ہے کہ پڑھ رہی ہوگی ،اس لئے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک میں ہوا اور رمضان میں عموماً لوگ نماز پڑھنے لگتے ہیں ،لیکن منکوحۂ زید تراویح نہیں پڑھتی ہے ہاں روزہ رکھتی ہے،اور یہ بھی زید اچھی طرح نہیں کہہ سکتا کہ کہتے وقت ارادہ تھا یا خیال اور وسوسہ۔

بہر حال! برائے مہربانی وکرم ایسا جواب جو تمام شقوں کو حاوی ومحیط ہو عنایت فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ کیا اس طرح نیت معتبر ہے کیا نماز میں اس قسم کی نیت کی جا سکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض نیت سے طلاق واقع نہ ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله تجاوز لأمتی عما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تتکلم به". (الصحیح لمسلم: ۱/۷۸، کتاب الإیمان، قدیمی)

"و رکنه لفظ مخصوص، هو ما جُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة". (الدر المختار: ۳/۲۳۰، کتاب الطلاق، مطلبٌ: طلاق الدور، سعید)

"لو أجری الطلاق علی قلبه و حرک لسانه من غیر تلفظٍ یُسمع، لایقع". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۱۹، قدیمی)

الفصل الثالث فی طلاق السکران والمجنون

(نشہ اور جنون کی حالت میں طلاق کا بیان)

طلاقِ سکران

سوال[۲۰۵۳] : ۱......اپنی زوجہ کو بحالتِ نشہ طلاق دیدیا یعنی تین دفعہ اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ ”میں نے تجھ کو طلاق دے دیا“ اور اس حالت میں ایک طلاقنامہ بھی تحریر کر دیتا ہے۔تو ایسی صورت میں طلاق ہوتی ہے یانہیں؟

طلاقِ سکران جبراً

سوال[۲۰۵۴] : ۲......اگر زید کے دوست زید کو محض اس خیال سے شراب پلاتے ہیں کہ وہ بحالتِ نشہ اس کی بیوی کو جو کہ عرصہ ۷/سال سے اپنے گھر بیٹھی ہے، یعنی اپنے ماں باپ کے یہاں اور وہ نان ونفقہ بھی نہیں دیتا ہے، اس کو شراب پلا کر اس کی بیوی کی موجودگی میں یا غیر موجودگی میں اس کو طلاق دلواتے ہیں اور طلاقنامہ بھی تحریر کرا دیتے ہیں۔تو ایسی صورت میں طلاق ہوتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صورتِ مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو کر حرمتِ مغلظہ ہوگئی:”ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرهاً، أو کان الزوج سکران، زائل العقل، فإن طلاقه واقع، اهـ“. مجمع الأنهر: ۱/۳۸٤(۱)۔

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۳۸۴، کتاب الطلاق، دار إحیاء التراث العربي،بیروت)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۳/۳۴۸، الفصل الثالث في بیان من یقع طلاقه و من لا یقع طلاقه، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۳، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع، رشیدیه) .... =

۲......ایسی صورت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگر شرعی اکراہ کرکے یعنی قتل وغیرہ کی دھمکی دے کر شراب پلائی ہے اور زید کو ظنِ غالب تھا کہ اگر شراب نہ پی تو یہ لوگ واقعۃً قتل کردیں گے، یا بہت زیادہ ماریں گے کہ جس کا میں تحمل نہیں کرسکوں گا تو ایسی صورت میں صحیح قول کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوتی، کذا فی الفتاوی العالمکیریة (۱)، لیکن شراب پلانے والے گناہ گار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

نشہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال [۲۰۵۵]: ایک شخص کی عادت کثرتِ شراب نوشی ہے، اسی حالت میں اپنی زوجہ سے کہتا ہے ''تجھ پر طلاق''۔ یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار بحالتِ سکر طلاق دیتا ہے حتی کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ طلاق نامہ بھی لکھوالیا۔ لوگوں کو اس واقعہ کا اچھی طرح علم ہوگیا کہ زبانی طلاق دے چکا اور طلاق نامہ بھی تحریر ہوچکا۔ جس وقت وہ نشہ جاتا رہا تو کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، بلکہ جو کچھ ہوا، بے ہوشی کی حالت میں جس کا مجھ کو بالکل علم نہیں۔ تو آیا اس کا ایسی حالت میں طلاق دینا عندالشرع شریف معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نشۂ شراب کی حالت میں اگر کوئی شخص طلاق دیدے تو واقع ہوجائے گی، لہٰذا اگر عدت کے اندر اندر تین مرتبہ ایسی نوبت آچکی ہے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی: ''طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو

= (وكذا في رد المحتار: ۲۳۹/۳، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران و حكمه، سعيد)

(۱) ''لو أكره على شرب الخمر، أو شرب الخمر لضرورة، و سكر، و طلق امرأته، اختلفوا فيه، والصحيح أنه كما لا يلزمه الحد، لا يقع طلاقه''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۳/۱، فصل في من يقع طلاقه وفي من لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۵۶/۳، الفصل الثالث: من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳۷/۳، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

النبيذ، و هو مذهب أصحابنا، كذا في المحيط، اهـ". عالمگیری: ۱/۳۵۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بھنگ کے نشہ میں طلاق

سوال[۲۰۵۶]: میری پان کی دوکان ہے، ایک دن دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی غیر مسلم آیا جس سے میری جان پہچان ہے، اس نے مجھ کو بھنگ کا لڈو کھلا دیا جس سے مجھے اس قدر نشہ ہوگیا کہ میں اپنے آپ سے بے قابو ہوگیا۔ کچھ دیر بعد میں گھر گیا، گھر جانے کے بعد آپس میں کہا سنی ہوگئی، نوبت یہاں تک پہونچی کہ میری پٹائی بھی ہوئی، اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں اپنے آپ کو آگ بھی لگا سکتا تھا اور کچھ بھی کر سکتا تھا، غرض کہ بہت ہی زیادہ نشہ بڑھ گیا۔

اس وقت جب کہ میری پٹائی ہوئی اور مجھ سے کہا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو، اس وقت میرے منہ سے طلاق کا لفظ متعدد بار نکلا جس کا مجھے علم نہیں، لوگوں نے صبح کو مجھے بتایا کہ تم نے اپنی بیوی کو رات طلاق دی ہے اور تین بار سے زائد دی ہے، اس پر میں نے کہا کہ میں نے تو نہ طلاق دی ہے اور نہ دینا چاہتا ہوں، میں تو اپنی بیوی سے پیار کرتا ہوں۔ تو کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کتنی طلاق پڑی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعہ بالکل اسی طرح ہے تو آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، نکاح بدستور باقی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع، رشيديه)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۳/۳۴۸، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه و من لا يقع طلاقه، غفاريه كوئٹه)

(مجمع الأنهر: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في رد المحتار: ۳/۲۳۹، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران و حكمه، سعيد)

(۲) "يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل، و لو عبداً أو مكرهاً، أو سكران. والحق التفصيل: و هو إن كان =

شراب اوردردِسر کی حالت میں طلاق

سوال[۱۰۵۷]: زید کے سر میں تھوڑا تھوڑا درد تھا اوراسی حالت میں اس نے تاڑی یا شراب پی لی جس کی وجہ سے سر میں درد یہاں تک پہنچا کہ مدہوش ہوگیا اوراسی حالت میں اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدیا۔ ایسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شراب کی وجہ سے مدہوش نہیں ہوا بلکہ دردِسر کی وجہ سے مدہوش ہوکر طلاق دی ہے تو واقع نہیں ہوئی: "لو شرب فصدع وزال عقله بالصداع، نقول: إنه لا يقع طلاقه". هدايه: ۳۳۹/۱(۱)۔

اوراگر شراب یا تاڑی سے بے ہوش اور مست ہوکر طلاق دی ہے تو وہ واقع ہوگئی:"و طلاق

= للتداوي لم يقع لعدم المعصية، وإن للهو وإدخال الآفة قصداً، فينبغي أن لا يتردد في الوقوع".

(الدرالمختار مع رد المحتار: ۲۳۵/۳، ۲۴۰، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة ...... والبنج، سعيد)

"وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه إن كان يعلم حين يشرب أنه بنج، يقع، وإلا فلا". (تبيين الحقائق: ۳۷/۳، كتاب الطلاق، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲۵۷/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (الهداية: ۳۵۹/۲، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۰/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون الخ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۵۷/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن: ۲۱۴/۴، دارالكتب العلمية،بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفي من لايقع طلاقه: ۳۵۳/۱،رشيديه)

السکران واقعٌ إذا سکر من الخمر أو النبیذ، و ہو مذہب أصحابنا، کذا فی المحیط، ....

ومن سکر من البنج یقع طلاقه، و یحد لفشو ہذا الفعل بین الناس، و علیه الفتوی فی زماننا"۔

عالمگیری: ۳۱۸/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/صفر/۵۴ھ۔

شراب کے نشے میں یہ کہنا کہ "میں نے اپنے بیوی کو طلاق دی اور تمہارے حوالہ کیا"

سوال [۱۰۵۸]: چار آدمیوں نے ایک مکان میں بیٹھ کر شراب پی اور شراب کے نشہ میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ میں نے تجھے اپنی بیوی دی، دوسرے نے کہا میں نے تجھے دی۔ صبح کے وقت جب وہ ہوش میں آئے ہیں تو ایک شخص ان میں سے کہتا ہے کہ تم نے آپس میں رات بیویوں کا تبادلہ کیا۔ اور ہر ایک نے لفظ طلاق کا ذکر یوں کیا: "مجھے طلاق، میں نے اپنی بیوی کو تمہارے حوالہ کیا" یا یہ کہا کہ "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور تمہارے حوالہ کیا"۔

اس کے بعد جب شرابیوں نے یہ بات سنی تو بے چین اور پریشان ہوگئے، تو کہنے والے سے یہ کہا کہ کیا یہ بات صحیح ہے جو تم کہہ رہے ہو، ہم کو تو اس کا کچھ علم نہیں۔ تو کہنے والے نے ان کی بے چینی کو دیکھ کر اپنی بات سے رجوع کر لیا اور کلام کو مذاق پر محمول کیا۔ تو یہ کہنے کی صورت میں "مجھے طلاق، میں نے اپنی بیوی کو تیرے حوالہ کیا" کیا حکم ہوگا؟ اور اگر واقعۃً انہوں نے طلاق دے دی تھی تو طلاق کا ثبوت دینے والا کوئی نہیں ہے اور انہیں

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۳/۱، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه، رشیدیه)

(و کذا فی المحیط البرهانی: ۳۴۸/۳، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی بیان من یقع طلاقه و من لا یقع طلاقه، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۹/۳، کتاب الطلاق، مطلب فی تعریف السکران و حکمه، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرائط الرکن: ۲۱۳/۴، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی النهر الفائق، کتاب الطلاق: ۳۱۹/۲، امدادیه ملتان)

علم بھی نہیں ہے تو اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً یہ سب لوگ شراب سے توبہ کریں جس کی وجہ سے یہ نحوست آئی اور مستحق لعنت ہوئے (۱)، پھر احتیاطاً اپنی اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۵ھ۔

بخار کی بے ہوشی میں طلاق

سوال [۶۰۵۹]: زید نے اپنی بیوی کو امام جامع مسجد اور چند مستورات کے روبرو تین دفعہ کہہ کر طلاق دے دی اور بیوی کو گھر سے نکال دیا، دریافت کرنے پر طلاق کی وجہ بخار کے بے ہوشی کا عذر بیان کیا، حالانکہ غلط ہے، بیوی کا تایا موجود ہے اس نے بے علمی کی وجہ سے معاملہ کو اہمیت نہیں دی اور کچھ عرصہ لڑکی کو اپنے یہاں رکھ کر زید کے رشتہ داروں کی خواہش پر زید کے یہاں رخصت کردیا، لہذا حسبِ ذیل سوالات ہیں:

۱...... واقعۂ مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ عورت کو بادلِ نخواستہ زید کے گھر میں بحیثیتِ زوجہ رکھنا کیسا ہے؟ اگر لڑکی یا اس کے ورثہ کسی وجہ سے مدعی نہ بنیں تو عورت کی برادری یا غیر برادری کا کوئی شخص اس

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يايها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

"قال عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من شرب الخمر، لم تقبل له صلوة أربعين صباحاً، فإن تاب تاب الله عليه". (جامع الترمذي: ۲/ ۸، أبواب الأشربه، سعيد)

"عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من شرب الخمر في الدنيا، ثم لم يتب منها، حرمها في الأخرة". (الصحيح للبخاري، كتاب الأشربة: ۲/ ۸۳۶، قديمي)

(۲) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدرالمختار: ۳/ ۴۰۹، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۲، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/ ۴۷۲، رشيديه)

معاملہ کا مدعی بن سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید موجودہ صورت میں کس قسم کی سزا کا مستحق ہے؟

سائل: امیر الدین، ٹیچر مسلم ہائی اسکول، انبالہ شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسی بے ہوشی تھی کہ عقل ٹھکانے نہیں تھی اور اپنے نفع ونقصان میں تمیز نہیں کر سکتا تھا اور اس سے اس وقت جتنے کام ہوئے وہ بھی سب ایسے ہی خلاف عقل صادر ہوئے اور اپنے ہوش وحواس رکھتے ہوئے اس نے طلاق نہیں دی تو شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔ اور اگر اتنی بے ہوشی اور ایسی حالت نہ تھی تو تین دفعہ طلاق دینے سے مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے رکھنا حرام ہے (۲)۔ اس کی بے ہوشی کی حالت کا اندازہ اس وقت کے دوسرے کاموں سے ہو سکتا ہے۔

تین طلاق ہو جانے کی صورت میں عورت کی کسی طرح جبراً یا خوشی سے زید کے گھر رکھنا جائز نہیں اور اس کو اپنے اوپر قابو دینا بالکل ممنوع ہے، جس طرح بھی ممکن ہو اس سے علیحدہ رہے (۳)۔ زید کو توبہ کرنا اور اس

(۱) "لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده، والمجنون، والصبي، والمعتوه والمبرسم، والمدهوش". (الدر المختار). "الثاني: أن يبلغ النهاية، فلا يعلم ما يقول، و لا يريده، فهذا لا ريب أنه لا ينفذ شيء من أقواله". (ردالمحتار: ۲۴۴/۳، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۳/۱، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۱۴/۴، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۰۳/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحل، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴۰۳/۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، ۹۷، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۳) "والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل، لا يحل لها تمكينه". (رد المحتار: ۲۵۱/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلبٌ: الصريح نوعان: رجعي و بائن، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۴۸/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۱/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

عورت مطلقہ کو علیحدہ کرنا واجب ہے اور اگر توبہ نہ کرے اور اپنے سے علیحدہ نہ کرے تو برادری کے ذمہ زید پر زور ڈال کر علیحدہ کرانا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ ذیعقدہ/ ۵۷ھ۔

بے ہوشی کی حالت میں طلاق

سوال[۶۰۶۰]: زید کا کہنا ہے کہ اس کے پاس ایک پَری آتی ہے اور بے ہوش کر کے کہتی ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ اس کے مجبور کرنے پر ایک رات میں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ ''ایک دو تین، میں نے تم کو طلاق دے دیا، تم جاؤ، اب میں تم کو نہیں رکھوں گا''۔ اب افاقہ کے بعد میں اپنے اس قول پر سخت نادم ہوں اور ایسا کرنے کا مجھ کو بے حد افسوس ہے۔ میری خواہش قطعی نہیں ہے کہ میری بیوی مجھ سے جدا ہو، لیکن مجھے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ مذکورہ باتیں میں نے اس پَری کی موجودگی میں کہی ہیں۔

کیا صورتِ مذکورہ میں زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی، اگر مطلقہ ہوگئی تو کون سی مطلقہ؟ ان حالات کے پیشِ نظر زید کی بات کو قولِ مکرہ پر محمول کیا جائے یا قولِ نائم پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک بے ہوشی، دوسری اکراہ۔ بے ہوشی میں جو طلاق دی جائے وہ واقع نہیں ہوتی (۱)، حالتِ اکراہ کی طلاق واقع ہوجاتی ہے (۲)۔ پس اگر بقائے ہوش کی حالت میں اس کے

---

(۱) ''ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل، والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش''.

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع: ۱/ ۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/ ۲۴۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه ومن لايقع: ۳/ ۲۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ''يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً، سواء كان حراً أو عبداً، طائعاً، أو مكرهاً''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، =

مجبور کرنے سے بیوی کو اس نے اس طرح کہا ہے کہ ''ایک دو تین، میں نے تم کو طلاق دے دیا، تم جاؤ، اب میں تم کو نہیں رکھوں گا'' تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی (۱)، کیونکہ ایک دو تین کا لفظ آمادگی اور تیاری و پختگی کے لئے کہا جاتا ہے، جیسے نیلامی بولی پر ایک دو تین کہہ کر بولی ختم کردی جاتی ہے، اور ''میں نے تم کو طلاق دے دی'' سے ایک طلاق رجعی ہوئی، اور ''تم جاؤ، اب میں تم کو نہیں رکھوں گا'' سے اگر اس کا مقصد اس طلاق کے ذریعہ بالکل ہی تعلقِ نکاح کو قطع کرنا ہے تو یہ طلاقِ رجعی اس لفظ سے بائن ہوگئی (۲)۔ اب طرفین رضامند ہوں تو

= كتاب الطلاق، الباب الأول، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع: ۱/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۴۲۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۲۳۵/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(۱) لفظ ''ایک، دو، تین، تم جاؤ'' کے کہنے سے ایک طلاق کا واقع ہونا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی رائے ہے، لیکن جامعہ فاروقیہ اور دیگر پاکستانی علمائے کرام کا فتویٰ اس لفظ سے طلاقِ مغلظہ کے وقوع کا ہے، چنانچہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس بات سے ثابت ہوا کہ ''أنت الثلاث'' سے وقوعِ طلاق کو صرف صدر شہید نے مفتی بہ قرار نہیں، بلکہ ابوالقاسم کے سوا سب کا مختار یہی ہے کہ اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے جبکہ مذاکرۂ طلاق یا نیتِ طلاق ہو تفصیلِ مذکور سے ثابت ہوا کہ صورتِ سوال میں تین واقع ہوگئیں''۔ (احسن الفتاویٰ، كتاب الطلاق: ۵/ ۱۷۲، سعيد)

''وقوعِ طلاق میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ صورتِ مسئولہ میں درج شدہ الفاظ عرف میں تین طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہوں تو وہاں عرف کے مطابق تین طلاق مغلظہ شمار ہوں گی''۔ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب الطلاق: ۴/۴۸۴، مکتبہ حقانیہ اکوڑہ خٹک)

"رجل قال لامرأته: ''ترا یکی'' أو قال: ''ترا سہ'' قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالىٰ: طلقت ثلاثاً".

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۴، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۴، كتاب الطلاق، الثاني في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، نوع آخر في الإيقاع بطريق الإضمار وفي ترك الإضافة وما أشبهما: ۲۷۷/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "رجل طلق امرأته بعد الدخول واحدةً، ثم قال بعد ذلك: جُعلت تلك التطليقة بائنةً، أو جعلتها ثلاثاً، اختلف الروايات فيه، والصحيح أنه على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ تصير بائناً أو ثلاثاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني، الفصل الثالث في تشبيه الطلاق ووصفه: =

دوبارہ نکاح کرلیں، حلالہ کی ضرورت نہیں (۱)۔

اگر اس کا مقصد اس طلاق کے ذریعہ بالکل ہی تعلقِ نکاح کو ختم کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنے ارادہ کا اظہار مقصود ہے کہ طلاقِ رجعی کے باوجود میرا ارادہ رجعت کا نہیں ہے تو طلاقِ رجعی ہی باقی رہی، بائن نہیں ہوئی، اندرونِ عدت شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہے (۲)، بغیر رجعت کے ہی اگر عدت ختم ہو جائے تو تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے۔

اگر بے ہوشی کی حالت تھی جیسے سوتا ہوا آدمی بعض دفعہ کچھ بولتا ہے کہ اپنے اختیار بیداری سے نہیں بولتا تو کوئی نئی طلاق نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نیم خوابی کی حالت میں طلاق

سوال [۱۰۶۱]: اگر کوئی شخص بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے آدھا سوتا ہے، آدھا جاگتا ہے اور اس کے منہ سے طلاق والے الفاظ نکلے تو اس سے کچھ ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی نکلے تو کیا حکم ہے؟ اور اپنی بیوی کے لئے نکلے تو کیا حکم ہے؟

= ۳۷۳/۱، رشیدیه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية: ۲۲۹/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب الكنايات: ۳۰۵/۳، سعيد)

(۱) "وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۴۷۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، باب الرجعة: ۴۰۹/۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱۶۲/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۴۷۰/۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳۹۴/۳، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۱۶/۶، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیم خوابی کی حالت میں بے اختیار بغیر مطلب سمجھے طلاق کے الفاظ نکلنے سے طلاق نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۰ھ۔

دردِ گردہ اور دیگر پریشانیوں کے تاثر سے طلاق اور کیا یہ تاثر جنون ہے؟

سوال [۲۰۶۲]: ۱.....زید مزاج کا غصہ ور اور دردِ گردہ کا مریض بھی ہے، ایک دو سال سے مفلس اور غریب ہو گیا ہے۔ اکثر گھریلو معاملات میں بیوی کو طلاق کی دھمکی دیا کرتا تھا۔ زید کی بیوی نے شوہر کی حالت دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا کہ گھر کا سارا کاروبار تم سنبھال لو، بیٹے نے ویسا ہی کیا۔ زید غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ ان دنوں زید کی بیوی اپنے بیٹے کے گھر تھی۔ زید نے ایک روز اپنی لڑکی سے کہا کہ اگر تمہاری رخصتی کے بعد تمہاری ماں بلانے پر بھی گھر نہ آئی تو اسے طلاق دے کر کہیں چلا جاؤں گا۔

پھر ایک روز زید بیٹے کے گھر گیا اور بیوی سے کہا کہ اگر تم گھر نہیں چلوگی تو تمہارا معاملہ صاف کردوں گا، کچھ روز بعد پھر بیٹے کے گھر گیا اور رات کو وہیں ٹھہرا۔ آدھی رات کے قریب اس کے کمرے میں کراہنے کے آواز آئی، بیوی گئی تو وہ گالیاں بکنے لگا۔ پھر صبح کی نماز کے وقت زید نے بیوی سے کہا کہ تم گھر کب چلتی ہو۔ بیوی نے جواب دیا کہ فلاں لڑکے کی معرفت کہلا بھیجو کہ لڑکی کی رخصتی کی تاریخ جب مقرر ہو جائے گی تب جاؤں گی، یا سیرتِ پاک کے جلسہ کے بعد ضرور چلی آوں گی۔ زید آگ بگولا ہو کر طلاق کی دھمکی دیتا ہے، بیوی نے کہا آپ کی خوشی ہے اس بات پر۔

---

(۱) "لایقع طلاق المولی علی امرأة عبده، والمجنون والصبی والمعتوه والمبرسم والمدهوش والنائم". (تنویر الأبصار مع ردالمحتار: ۳/۲۴۲، ۲۴۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه: ۱/۳۵۳، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الأول فی صریح الطلاق: ۱/۱۷۰، رشیدیه)

زید اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے، لیکن چند گھنٹہ بعد زید اپنی اس حرکت پر بری طرح شرمندہ ہوتا ہے کہ غربت اور ساری ذمہ داری چھن جانے کی وجہ سے میری کیفیت بالکل مجنونانہ ہوگئی ہے۔ دوسرے درد گردہ کے باعث دماغی توازن بالکل کھو بیٹھا تھا، لہذا میں ملنا چاہتا ہوں۔ اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بیوی سے ملنے کی صورت ہے یا نہیں، مذکورہ بالا بیان بیوی کا ہے۔

۲......زید اپنی مالی پریشانی اور تنگ دستی کے سبب اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا اور جنونی کیفیت اس پر طاری ہے۔ اس کے لڑکے نے اس سے گھر کا اختیار لے کر بے دخل کر دیا۔ اس کا اثر اس کے دماغ پر پڑا اور زرا پاگل اور جنونی کیفیت میں رہنے لگا۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ عرصہ سے درد گردہ میں مبتلا تھا، جب درد گردہ اٹھتا ہے تو وہ بالکل پاگل اور جنونی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ ایک روز شب میں اس کو درد گردہ اٹھا۔ دریں اثنا صبح کو اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہی؟ یہ زید کا بیان ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غربت یا درد گردہ کا اثر دماغ پر ہونا طبعی اور فطری بات ہے، اختیارات ختم ہو جانے سے بھی دماغ متاثر ہوتا ہے، لیکن ہر تاثر کو جنون کہنا اور ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق کو بے کار قرار دینا بھی غلط ہے۔ بیوی اور شوہر کے مذکورہ بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ طلاق دیتے وقت جنونی کیفیت تھی کہ شوہر زمین وآسمان میں فرق نہیں کرتا تھا، طلاق کا مطلب ہی نہیں سمجھتا تھا، جانتا ہی نہ تھا کہ طلاق سے کیا نتیجہ ہوتا ہے، خبر ہی نہ تھی کہ تین طلاق سے نکاح بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

نیز درد گردہ شب میں ہوا تھا طلاق صبح کو دی ہے جب کہ شدت کی تکلیف بھی نہیں تھی جیسی درد گردہ میں ہوتی ہے۔ اور اس سے پہلے کہہ بھی چکا تھا کہ اگر بیوی گھر پر نہیں آئی تو طلاق دے کر کہیں چلا جاؤں گا۔ اور صبح کو بھی مطالبہ کیا کہ تم کب چلتی ہو۔ یہ سب قرائن ہیں کہ زید مدہوش نہیں تھا کہ بے اختیار بے سوچے سمجھے اچانک اس کی زبان سے الفاظ طلاق نکل گئے۔

لہذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ ہوگئی (۱)، نکاح بالکل ختم ہوگیا، نہ رجعت کا حق رہا نہ بغیر حلالہ

---

(۱) "ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مکرهاً .... أو مخطئاً". (الدر المختار مع =

کے دوبارہ نکاح کی گنجائش رہی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۳۹۵ھ۔

طلاقِ مجنون

سوال[۲۰۶۳] : زید نے اپنی بیوی سے ایک ہی مجلس میں کہا کہ ”تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے“۔ زید حسب رائے وتحقیق أحد الطبيبين العادلين والحاذقين مالیخولیا (۲) میں اور عند الثانی مانیہ (۳) میں مبتلا ہے اور مالیخولیا پر جنون کا اطلاق عند ارباب الفن شائع اور ذائع ہے۔ رہا مانیہ وہ تو جنونِ دوری کا دوسرا نام ہے (۴) زید کہتا ہے کہ تطلیق کے وقت بنا برظنِ غالب اس کی مخصوص دماغی حالت تھی اور علی

= ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۲۳۵/۳، ۲۴۱، سعيد)

”رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولىٰ الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها، صدق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً“. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق: ۳۵۵/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۲۹۲/۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۲۸۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) ”وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها“. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۴۷۲/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۹۴/۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۲۱/۲، رشيديه)

(۲) ”مالیخولیا: خللِ دماغ، ایک قسم کا جنون، پاگل پن“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۸۶، فیروز سنز، لاہور)

(۳) ”مانیہ: بکسر نون وبعدہ تحتانی نوعی از جنون است کہ صاحبش را خصلت درندگان باشد، اکثر غضبناک بودن وقصدِ ایذائے مردم بودن خاصیتِ او بود“۔ (غیاث اللغات، باب میم مع الف، ص: ۴۴۲، سعید)

(۴) ”جنونِ دوری: نوعی از جنون کہ در ایامِ بہار بعضے جوانان را ظاہر شود از بہار عجم“۔ (غیاث اللغات، فصل جیم مع نون، ص: ۱۸۴، سعید)

سبیل التنزل مشکوک تو تھی ہی۔ تو اس صورت میں طلاق پڑی کہ نہیں؟ مالیخولیا کی تحقیق احتیاطاً کتبِ طبیہ سے درج ذیل ہے:

۱– "المالیخولیة وأصنافه ثلثة: فیکون الجنون والقمة والجرأة أکثر". علامه افسرائی شارح موجز۔

۲– "المالیخولیا وإن کان من صفراء کان مع اضطراب، وأدنیٰ جنون، وکان مثل مانیا". قانون شیخ۔

۳......"وإن المالیخولیا وإن کان حدوثه عن احتراق الصفراء، فیکون معه الجنون، و هوعند القوم عبارة عن اختلاط الردی الذی یکون مع توثّب، وهیجان، وحدة شدیدة، وغضب و سوء خلق". شرح أسباب والمعالجات۔

محمد مصطفیٰ فاضل طب ودینیات وادب گورنمنٹ اسکول ایٹہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ جنون میں اگر کوئی شخص طلاق دیدے تو وہ شرعاً واقع نہیں ہوتی: "ولا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده، والمجنون، والمعتوه، و المبرسم، والمغمی علیه، والمدهوش". تنویر: ۱/۶۵۷(۱)۔

اگر جنون کی حالت میں طلاق نہیں دی بلکہ تندرستی کی حالت میں طلاق دی ہے تو وہ واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی (۲)۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۳/۲۴۲، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۳، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۳۲۰، کتاب الطلاق، مکتبه امدادیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/۲۱۳، فصل فی شرائط الرکن، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) "یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً، أو مکرهاً، أو هازلاً، أو سفیهاً، أو سکران".

(الدرالمختار: ۳/۲۳۵، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/۲۱۳، فصل فی شرائط الرکن، دارالکتب العلمیة، بیروت) =

الحاصل: اگر الفاظِ مذکورہ کہتے وقت ان کا مطلب اور حکم سمجھتا تھا تو طلاق واقع ہوگئی اور اگر اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا، بوجہِ جنون کہ کیا کہہ رہا ہے؟ اور اس کہنے پر شرعاً کیا حکم مرتب ہوتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور مجنون ہونے کا انداز اس کے دوسری افعال سے ہوسکتا ہے، اگر اس کے افعال مجنونانہ ہیں تو اس میں بھی اس کو مجنون تصور کیا جاسکتا ہے اگر اور افعال مجنونانہ نہیں، محض طلاق کے بارے میں اپنے کو مجنون ظاہر کرتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

محمود گنگوہی، ۱۱/۷/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

طلاقِ مجنون

سوال[۲۰۶۴]: ایک شخص مسمی بیتموس شادی کے سات آٹھ دن بعد مجنون ہوا کہ نیک و بد یگانہ و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، دوا دارو سے پانچ مہینہ کے اندر خاصہ اچھا ہوگیا۔ ایک سال کے بعد بیوی کے خویش واقرباء میں کسی دعوت میں گیا اور ناگوار ہوکر چلا آیا۔ اور ایک دن بعد نماز مغرب مسجد کے سامنے دو آدمی معتبر کی موجودگی میں- جو اول کا نام منیر الدین اور دوسرے کا نام عبدالمنان- یہ کہا کہ ''میری بیوی کو ایک، دو، تین طلاق ہے، تم دونوں اور مسجد گواہ رہو''۔ ان دونوں کی زجر وتوبیخ کے بعد بھی وہ اپنے قول پر قائم رہا، دوسرے گواہ نے ذرا دور جاکر کہا: بھائی! تو نے کیا کیا؟ طالق نے جواب دیا کہ میں نے کیا کیا اور گھر جاکر اپنی والدہ کو طلاق کی اطلاع کی۔

تین چار روز بعد ایک عالم معتبر سے مسئلہ دریافت کیا گیا، انہوں نے دونوں مذکورہ گواہوں کے سامنے طالق سے حالات دریافت کئے لیکن وہ نہایت متانت سے اور ہوش وحواس کی درستی سے جواب دیا کہ ''ہاں! ہم نے طلاق دے دیا ہے'' انہوں نے پھر پوچھا کہ تو نے کیوں آج رات شب باشی اس کے ساتھ کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے زنا کیا اور اس وقت چند آدمی معتبر موجود تھے۔ اہلِ پنچایت نے تین چار روز متواتر جلسہ کرتے ہوئے اور طالق وگواہ سے حالات معلوم کر کے یہ معلوم کیا کہ طالق اپنی حالت پر قائم ہے، لہذا بیوی کو علیحدہ کرادیا۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

پھر ایک سال بعد ایک عالم صاحب نے جامع مسجد میں چند آدمیوں سے سوال کیا کہ اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، بعض نے کہا جو ناواقف تھے کسی قدر دیوانہ پن ہے، من کل الوجوہ نہیں اور بعض عالم و جاہل نے صاف کہا کہ بالکل خاصہ آدمی ہے، کسی قسم کی خرابی نہیں۔ اس عالم صاحب نے ناواقفوں پر اعتماد کر کے اس کو مجنون قرار دے کر عدمِ طلاق کا فتویٰ دیدیا اور بیوی کو حلال کر دیا۔ ان دونوں صورتوں میں کونسا حکم عائد ہوگا؟ معہ دلائل وکتب معتبرہ تشریح فرمائیے۔

اور مخفی مباد بعد گزرنے دو سال کے طالق یہ کہتا ہے کہ جس وقت میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا تھا وہ موسمِ گرما تھی اور مچھر کاٹتے تھے، علاوہ اس کے جس جگہ پر بیٹھ کر طلاق دیا تھا وہ بھی خوب یاد ہے۔

نــوٹ: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مجنون کے لئے یہ صفتِ مذکور ہونا چاہئے جس سے ثبوتِ طلاق وعدمِ ثبوت معلوم ہو، یا عرفِ عام جسے مجنون کہے وہ بھی بحکمِ شرع معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبدالرؤف خان سلہٹی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”قال في التلويح: الجنون اختلال القوة المميزة بين الأمور الحسنة والقبيحة، المدركة للعواقب بأن لا يظهر آثارها، و تتعطل أفعالها إما لنقصان جبل عليه دماغه في أصل الخلقة، وإما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو افة، وإما لاستيلاء الشيطان عليه، وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه، بحيث يفرح و يفزع من غيرما يصلح سبباً، الخ۔

وفي البحر عن الخانية: رجل عرف أنه كان مجنوناً، فقالت له امرأته: طلقتني البارحة، فقال: أصابني الجنون، ولا يعرف ذلك إلا بقوله، كان القول قوله، اهـ“ رد المحتار تحت قول الدرالمختار: ”(لا يقع طلاق المولیٰ على امرأة عبده والمجنون)“(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۳/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

”طلاق الصبي غير واقع، و كذلك طلاق المجنون والمعتوة .... وقيل في الحد الفاصل بين المعتوة والمجنون والعاقل: إن العاقل من يستقيم كلامه وأفعاله و غيره نادراً، والمجنون ضده ...... وقيل أيضاً: المجنون من يفعل هذه الأفعال لا عن قصد“. (الفتاوى التاتارخانية: ۲۵۵/۳، كتاب =

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوا کرتی اور جنون ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے قوتِ ممیزہ مختل ہو جاتی ہے اور انسان اچھی بُری باتوں میں تمیز نہیں کر سکتا اور نفع ونقصان کو نہیں سمجھ سکتا، عبارتِ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسمی یتموس کی حالت طلاق کے وقت ایسی نہ تھی جس سے اسے مجنون کہا جا سکے، لہٰذا طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/محرم/۵۷ھ۔

مجنون کی حالتِ افاقہ میں دی ہوئی طلاق

سوال[۶۰۶۵]: ایک محقق عالم باعمل شخص جنات کے اثر کے سبب سے مجنون ہو گیا تھا، باوجودیکہ اس کی مادری زبان بنگلہ ہے، وہ جنون کی حالت میں عربی، فارسی، بنگلہ، اردو، انگریزی میں بات چیت کرتا تھا۔ چونکہ وہ لوگوں کو زدوکوب کرتا تھا، اس لئے اس کو زنجیروں میں جکڑا گیا۔ ایک دن اس نے اپنی زوجہ جہاں آراء کو عربی زبان میں یوں طلاق دی: "طلقت جهان ارا ألف تطليقة"۔

افاقہ کے بعد جب اس کی زوجہ اس کو کھانا کھلانے کے لئے آئی تو وہ بولا کہ "میں نے تجھے طلاق دے دی تھی اس لئے تُو مجھ پر حرام ہوگئی، لہٰذا میرے سامنے نہ آیا کر"۔

پھر وہ سخت جنون میں مبتلا ہو گیا۔ دفعِ آسیب کے تعویذات اور جنون کی ادویہ کے استعمال سے اس کو افاقہ ہو گیا ہے، لیکن چونکہ اس کو طلاق دینا یاد ہے اس لئے رنجیدۂ خاطر ہے۔ اس کی زوجہ کہتی ہے کہ تم نے جنون کی حالت میں طلاق دی تھی، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن وہ عالم کہتا ہے کہ اگر میں مجنون ہی ہو گیا تھا تو اس وقت کی باتیں مجھے یاد کیونکر ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ تحلیل کی ضرورت ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عالم کی زوجہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ خود عالم ہے، اپنی حالت اور مسئلہ سے خوب واقف ہے، تو اس کے مقابلہ میں اس کی بیوی کی

= الطلاق، الفصل الثالث: من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراجي)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

بات کچھ وزن نہیں رکھتی: "فإن المرء یوخذ بإقرارہ". عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کی بات کو معتبر مانے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۱۳۹۳ھ۔

مجنون وغیرہ کی طلاق

سوال[۲۰۶۶]: کن کن شخصوں کے طلاق دینے سے طلاق نہیں پڑتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجنون، صبی، معتوہ، مبرسم، مغمی علیہ، مدہوش، نائم کے طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی: "لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأۃ عبدہ، والمجنون والصبی والمعتوہ والمبرسم والمغمیٰ علیہ والمدھوش والنائم، اھ". تنویر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مختل الحواس کی طلاق

سوال[۲۰۶۷]: عائشہ کی شادی خالد کے ساتھ ایسے وقت میں کی گئی کہ خالد کے متعلق بالکل علم نہ تھا کہ ذہنی ودماغی اعتبار سے اس کا کردار کیا ہے، مگر بعد عقد آور دن گوناگوں معلومات فراہم ہوتے گئے۔ پتہ چلا کہ خالد اپنے گھربار اور گاؤں چھوڑ کر خانہ بدوشوں جیسی زندگی گزارنے لگا، پاگلوں کی طرح ہر میدان کو اپنا وطن اور ہر صحرا کو اپنا نشیمن تصور کرنے لگا، مہینوں بعد کبھی گھر کا تصور کر لیتا تھا اور گھر آ کر کچھ دن رہ کر پھر اپنی سابقہ روایات پر آجاتا تھا۔

---

(۱) "ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مکرھاً أو ھازلاً أو سفیھاً أو سکران أو أخرس أو مخطئاً". (الدرالمختار، کتاب الطلاق: ۳/ ۲۳۵-۲۴۱، سعید)

(وکذ فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ: ۱/ ۳۵۳، رشیدیہ)

(وکذا فی النھر الفائق، کتاب الطلاق: ۲/ ۳۱۶)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطلاق: ۳/ ۲۴۳، سعید)

ایک روز عائشہ کے والد کے ایک عزیز خالد سے راہ میں ملے تو پوچھا کہ بتاؤ کب تک ایسی ہی حالت میں رہوگے، اس نے جواب دیا کہ میں پاگل ہوں، مجھے فلاں نے پاگل کر دیا۔ اس پر ان عزیز نے کہا کہ اچھا خالد! فلاں تاریخ کو ہمارے یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ متعینہ تاریخ پر جب وہ آیا تو عائشہ کے والد کے چند عزیزوں نے خالد سے عائشہ کو طلاق دینے کی التجا کی، جس پر خالد نے اولاً کہا کہ میں طلاق نہ دوں گا، بعد میں کہا کہ جب عائشہ کے والدین طلاق مانگیں گے تو طلاق دوں گا، فوراً عائشہ کے والد کو بلایا گیا۔ عائشہ کے والد نے بے عزتی کے خدشہ کی آڑ لے کر طلاق مانگی، چنانچہ اس پر فوراً خالد نے قلم ودوات کاغذ منگا کر یہ تحریر لکھی: ''میں پسر فلاں بتاریخ ۵/ مارچ ۱۹۶۷ء مقام فلاں تحصیل فلاں عائشہ کو اپنے ہوش وگوش سے طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں''۔ دستخط۔

مذکورہ بالا صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کون سی؟ عائشہ کے والد عبدالحکیم عائشہ کی شادی کسی اَور سے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور خالد اپنی اسی مجنونانہ کیفیت میں آکر عائشہ کے گھر کا طواف کرتا ہے، اور عائشہ بھی یہی کہتی ہے کہ میرے لئے خالد ہی اچھا ہے، میرے مقدر میں جو تھا وہ ہو چکا، اس پر میں راضی ہوں، اس کی والدہ بھی راضی ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات کے باوجود اگر خالد طلاق کا مقصد سمجھتا تھا اور اس نے لوگوں کو سمجھانے سے بغیر جبر واکراہ کے طلاق تحریر کی ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، اب نہ رجعت کا حق باقی رہا، نہ حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح درست ہوسکتا ہے۔ حلالہ یہ ہے کہ بعد عدت عائشہ کا نکاح دوسرے شخص سے کیا جائے وہ ہمبستری کر کے اگر طلاق دے دے، یا مر جائے تو اس کی عدت پوری ہونے پر خالد سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا (۲)۔

---

(۱) "إن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة: ۱/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح: ۳/۲۴۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل السادس في إيقاق الطلاق بالكتاب: ۳/۳۷۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰) .... =

اگر خالد نے جو طلاق نامہ تحریر کیا ہے وہ خلوتِ صحیحہ سے قبل کیا ہے تو طلاق مغلظہ نہیں ہوئی، بلکہ طلاق نامہ لکھنے سے صرف ایک طلاق بائن ہوئی (۱)۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دوبارہ نکاح درست ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۱۳۸۷ھ۔

طلاقِ مجذوب

سوال [۶۰۶۸]: زید کی شادی ہندہ سے ہوگئی، کچھ زمانہ گزرنے کے بعد زید کی مجذوبانہ حالت ہوگئی، علاج کرانے کے باوجود بھی اچھا نہ ہوسکا۔ مجذوبانہ حالت دیکھ کر ہندہ کے والدین نے زید سے طلاق لے لی، طلاق دیتے وقت زید کے صرف ہونٹ ہلے لیکن آواز نہیں نکلی، نہ معلوم اس نے کیا کہا۔ زمانہ عدت گزرنے کے بعد ہندہ کی شادی اس کے والدین نے دوسری جگہ کردی۔ اب زید اچھا ہوگیا اور یہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی

= "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل في ماتحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها، فإن فرق الطلاق، بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية والثالثة، وذلك مثل أن يقول: أنت طالق طالق طالق، وكذا إذا قال: أنت طالق واحدةً وواحدةً وواحدةً، وقعت واحدةً". (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول: ۱/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار وردالمحتار: ۳/۲۸۶، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل في الطلاق قبل الدخول: ۳/۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: /۱۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، سعيد)

طلاق نہیں دی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ہندہ زید کی منکوحہ ہے یا عقدِ ثانی کی؟ ہندہ کو زید کے گھر بھیجیں یا دوسرے شوہر کے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کے ہوش وحواس درست نہیں تھے اور اسی حالت میں اس سے طلاق کے لئے کہا گیا اور اس کے جواب میں اس کے ہونٹ ہلے اور طلاق کا لفظ کسی نے اس سے نہیں سنا اور وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی (۱) اور دوسری جگہ عقد درست نہیں، زوجِ ثانی سے متارکت کرادی جائے (۲)، وہ کہہ دے کہ میں نے تعلقِ زوجیت ختم کردیا، اس کے بعد عدت تین حیض ختم ہونے پر زوجِ اول کے پاس آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا يقع طلاق المولىٰ على امرأة عبده والمجنون والصبي والمعتوه والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش، الخ". (الدرالمختار: ۲۴۲/۳، ۲۴۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۳/۱، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لديقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۲۰/۲، كتاب الطلاق، مكتبه امداديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۱۳/۴، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "والمتاركة في النكاح الفاسد لا يتحقق بعدم مجئ كل واحد منهما إلى صاحبه، وإنما يتحقق بالقول بأن يقول الزوج مثلاً: تركتُك، تركتُها، خليتُ سبيلك خليت سبيلها". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۴/۳، كتاب النكاح، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۳۳/۳، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

الفصل الرابع في طلاق الغضبان

(غصہ میں طلاق دینے کا بیان)

طلاق بحالتِ غصہ

سوال[۶۰۶۹]: میں سورہا تھا کہ مجھے کسی نے جگایا، مگر مجھے معلوم نہیں ہوا کہ کس نے جگایا کیونکہ میں غفلت کی نیند میں تھا۔ میری عورت کی چارپائی میرے برابر تھی، میں نے جو اس کی چارپائی دیکھی عورت موجود نہ تھی، میں نے ماچس جلا کر دیکھا تو سب دروازے باہر جانے کے بند ہیں یعنی کنڈیاں لگی ہوئی ہیں، یہ دیکھ کر مارے غصہ کے آگ ہوگیا، دوسری ماچس جلائی تو میری عورت نے دریافت کیا کہ کیوں گھبرا رہے ہو، کیا بات ہے؟ کیونکہ میری غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی میں نے کہہ دیا کہ "جا، تجھے طلاق ہے" غصہ میں یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کتنی مرتبہ لفظِ طلاق منہ سے نکلا۔

جس مکان میں میری عورت ملی تھی اس میں میری ہمشیرہ نے ایک نالی نہانے وغیرہ کے لئے بنائی ہے جس کا مجھ کو علم نہ تھا، عورت وہاں پیشاب کر رہی تھی، وہ جگہ اور جس پر مجھے شک تھا میں اس کے درمیان میں کھڑا تھا، وہیں میری بہن اور بہنوئی پڑے تھے، ان کی آنکھ بھی کھل گئی، کہنے لگے کیا بات ہے؟ میں نے ان سے پانی مانگا، وہ پی کر تین مرتبہ اور پانی پیا تب ذرا میرے ہوش وحواس درست ہوئے۔ انہوں نے واقعہ دریافت کیا، میں نے ان کو سب حال سنایا، انہوں نے کہا بالکل غلط ہے، ہم سب یہاں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو بحالتِ غصہ اس کو طلاق دے چکا، سب نے میری عورت سے حلف کرایا، اس نے سچائی کے لئے حلف اٹھایا اور جس شخص پر شبہ گزرا تھا اس نے بھی حلف اٹھالیا کہ یہ امر مجھ سے نہیں ہوا۔ اس وقت میری عورت چھ ماہ کی حاملہ بھی ہے اور میری شادی کو بارہ سال بھی گزر چکے ہیں، کبھی کسی قسم کا شک نہیں گزرا تھا۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

محمد ہاشم، محلّہ لوہانی سرائے، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص پر طلاق دیتے وقت نیند کا غلبہ اس قدر نہ تھا کہ بے اختیار اور بے علم اس کی زبان سے طلاق کے الفاظ نکل گئے، البتہ عورت پر شک ہونے کی وجہ سے غصہ میں آ کر طلاق دے دی، پس اگر غصہ کی وجہ سے حواس معطل ہو کر مجنون کی طرح عقل بھی زائل ہو چکی تھی اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کیا کہہ رہا ہے تو یہ شخص مجنون کے حکم میں ہے، مگر ساتھ ہی اس کے دوسرے افعال بتلا رہے ہیں کہ نہ حواس معطل ہوئے تھے، نہ عقل زائل ہوئی تھی، لہٰذا اس شخص کو مجنون کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ پس صورتِ مسئولہ میں اس کی عورت پر طلاق واقع ہوگئی، اب اگر اس کو خود یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ طلاق دی ہے تو سننے والے دو عادل شخصوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے:

"في الولوالجية: إن كان بحالٍ لوغضب يجري علىٰ لسانه ما لا يحفظه بعدها، جاز له الاعتماد على قول الشاهدين". ردالمحتار، ص: ٦٦٠(١)۔

اگر دو شاہد موجود نہ ہوں تو اپنے ظنِ غالب پر عمل کرے، اگر شک ہے کہ کسی طرف کو رجحان نہیں تو شک کی دونوں طرفوں میں سے اقل کو اختیار کرے:

"شك أنه طلق واحدةً أو أكثر، بنيٰ على الأقل كما ذكره الإسبيجابي، إلاأن يستيقن بالأكثر، أو يكون أكبر ظنه علىٰ خلافه. وإن قال الزوج: عزمت علىٰ أنه ثلاث، يتركها. وإن أخبره عدول، حضروا ذلك المجلس بأنها واحدة وصدّقهم أخذ بقولهم إن كانوا عدولاً، اهـ". أشباه مع الحموی، ص: ٨١ (٢) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، عفا اللہ عنہ، ۵۳/۱۱/۱۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

---

(١) (ردالمحتار: ٣/٢٤٤، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

"و لو شهدا بها و هو لا يذكر ها، إن كان بحالٍ لا يدري ما يجري على لسانه لغضب، جازله الاعتماد عليهما". (الدر المختار). "أما لو لم يكن بتلك الحال، لا يجوز له الاعتماد عليهما، كما في الفتح وغيره". (ردالمحتار: ٣/٣٦٩، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(٢) (الأشباه والنظائر: ص: ٦٤، الفن الأول، القاعدة الثالثة، قديمي) .... =

غصہ کی حالت میں طلاق

سوال[۶۰۷۰]: زید نے اپنی بیوی کو خانگی فساد کی حالت میں غصہ کیا اور تین طلاقیں دیں، اب طلاقِ ثلثہ غصہ کی حالت میں زید مذکور کی بیوی پر پڑ گئی یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

آخری بہشتی زیور(۱) میں مرقوم ہے کہ: ''کسی نے شراب وغیرہ کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، جب ہوش آیا تو پشیمان ہوا، تب بھی طلاق پڑ گئی، اسی طرح غصے کی حالت میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے، وفی ردالمحتار: "ویقع طلاق إن غضب" مصری:۲/۴۶۳(۲)۔ اور فتاوی دارالعلوم دیوبند(۳) میں سوال وجواب: ''اور جو شخص طلاق دیتا ہے وہ غصہ میں دیتا ہے، خوشی اور رضامندی کی حالت میں نوبتِ طلاق کی نہیں آتی، بس حالتِ غضب میں عندالحنفیہ بلا تامل طلاق واقع ہو جاتی ہے، شامی میں ہے "ویقع طلاق من غضب، خلافاً لابن القیم".(۴)۔

کتبِ مذکورہ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ غصہ کی حالت میں طلاق پڑ جاتی ہے عندالاحناف۔ کتب مذکورہ کا حوالہ وقوعِ طلاق کے بارے میں اگر صحیح درست ہے تو آپ بھی علاوہ ازیں دلائل دوسرے ادلہ کے ساتھ

= "عن محمد رحمه الله تعالیٰ: إذا شک فی أنه طلّق واحدةً أو ثلاثاً، فهی واحدة حتی یستیقن أو یکون أکبر ظنّه علی خلافه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۶۳، کتاب الطلاق، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

"ولو شک: أطلّق واحدةً أو أکثر؟ بنی علی الأقل". (الدرالمختار). "إلا أن یستیقن بالأکثر أو یکون أکبر ظنه. وعن الإمام الثانی: إذا کان لایدری أثلاث أم أقل؟ یتحری، وإن استویا عمل بأشد ذلک علیه". (ردالمحتار: ۳/۲۸۳، کتاب الطلاق، مطلب فی قول الإمام: إیمانی کإیمان جبریل، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۱۹۹، کتاب الطلاق، فصل فی الرسالة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۱) (بهشتی زیور، حصه چهارم، ص: ۲۸۹، طلاق دینے کا بیان، دارالإشاعت کراچی)

(۲) (ردالمحتار: ۳/۲۴۴، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش، سعید)

(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹/۱۳۹، ۱۴۰، سوال نمبر: ۱۸۱، امدادیه)

(۴) (ردالمحتار: ۳/۲۴۴، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش، سعید)

اس کی تائید وتصدیق فرمائیے۔اور حنفی کہتا ہے کہ غصہ کی حالت میں طلاق دینے سے واقع نہیں ہوتی۔وہ شرعاً کیسا شخص ہے؟ دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیے۔جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے، بعض متاخرینِ حنابلہ اس طرف گئے ہیں کہ حالتِ غضب میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان میں سے متقدمین کا قول یہ نہیں بلکہ حنفیہ کے موافق ہیں: "و قال أبوداود: الطلاق أظنه فی الغضب". اس سے ان بعض متاخرینِ حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ حدیث شریف: "لا طلاق و لا عتاق فی إغلاق". "اغلاق" کی تفسیر ابوداؤد نے "غضب" سے کی ہے(۱)، لہٰذا غصہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اس کا جواب بذل المجہود شرح ابوداود میں اس طرح دیا ہے:

"و ورده ابن السيد، فقال: لو كان كذلك، لم يقع على أحد طلاق؛ لأن أحداً لا يطلق حتى يغضب، اهـ". (۲)۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"قال المطرزی: قولهم: إياك والغلق: أی الضجر والغضب. و رد الفارسی فی مجمع الغرائب على من قال: الإغلاق الغضب، وغلط فی ذلك وقال: إن طلاق الناس غالباً إنما هو فی حال الغضب. و قال ابن المرابط: الإغلاق حرج النفس، و ليس كل من وقع له فارق عقله، و لو جاز عدم وقوع طلاق الغضبان، لكان لكل أحد أن يقول فيما جناه: كنت غضباناً، اهـ. وأراد بذلك الرد على من ذهب إلى أن الطلاق فی الغضب لايقع. وهو مروی عن بعض متأخری الحنابلة، و لم يوجد عن أحد من متقدميهم إلا ما أشار إليه أبو داود. وأما قوله فی المطالع: الإغلاق الإكراه، و هو من أغلقت الباب، وقيل: الغضب، و إليه ذهب أهل العراق، فليس

(۱) قال أبوداؤد: "الإغلاق أظنه فی الغضب". (سنن أبی داود: ۲۹۸/۱، كتاب الطلاق، باب فی الطلاق على غيظ، دار الحديث ملتان)

(۲)(بذل المجهود: ۲۷۶/۳، كتاب الطلاق، باب فی الطلاق على غيظ، معهد الخليل الإسلامی كراچی)

بمعروف عن الحنفية، اهـ"(۱)۔

البتہ اگر حالتِ غضب میں جنون کی کیفیت ہوجاوے کہ آسمان وزمین کا فرق بھی باقی نہ رہے اور عقل باقی نہ رہے، یہ بھی معلوم نہ ہو کیا کررہا ہے جس کا اندازہ اس کے دیگر افعال سے ہوسکتا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، هكذا في رد المحتار في طلاق المدهوش (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

غصہ میں طلاق

سوال[۶۰۷۱]: خاوند بیوی میں خانگی معاملات میں تکرار ہوا عورت نے غصہ میں کہا کہ ''تم مجھ کو جواب دیدو'' خاوند نے کہا کہ ''جا، میری طرف سے جواب ہے''۔ جب خاوند نے یہ کہا، عورت نے کہا کہ اپنے بھائی کو بلالو، اتنے میں بھائی بھی آگیا، اس کے آنے پر عورت نے کہا کہ اب طلاق دو، خاوند نے اس کے کہنے پر غصہ میں کہا ''جا میری طرف سے طلاق ہے''۔ چوں کہ عورت کے کوئی رشتہ دار نہیں، لہذا خاوند کے گھر ہے اور نہ اس کا خاوند جانے پر آمادہ ہے۔ عورت کو تین ماہ کا حمل ہے۔ یہ گفتگو بحالتِ غصہ ہوئی۔ اب اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

شریف احمد از گنگوہ بتوسط کبیر احمد عطار، محلّہ چوک سرائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں دو طلاق واقع ہوگئیں: اول بائن کنایہ، دوم بائن صریح:

---

(۱) (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۳۸۹/۹، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والإكراه والسكران، والجنون و أمرهما، دارالمعرفة بيروت)

"رجل قال في غضبه لامرأته: أي ''ہزار طلاق بروا''، طلقت ثلاثاً". (الفتاوى التاتارخانية: ۲۷۵/۳، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "إنه على ثلاثة أقسام ...... الثاني: أن يبلغ النهاية، فلا يعلم ما يقول، و لا يريده، فهذا لا ريب أنه لا ينفذ شيء من أقواله". (رد المحتار: ۲۴۴/۳، كتاب الطلاق مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

"والمراد الغضب الذي يحصل به الدهش و زوال العقل، فإن قليل الغضب لا يخلو الطلاق عنه إلا نادراً، و قد قلنا بعدم وقوع الطلاق في مثل هذا الغضب". (إعلاء السنن: ۱۸۷/۱۱، كتاب الطلاق، باب عدم صحة طلاق الصبي والمجنون والمعتوه والموسوس، إدارة القرآن كراچی)

"الصریح یلحق الصریح و یلحق البائن بشرط العدة" درمختار۔ وفی الشامی: "وإذا لحق الصریحُ البائنَ، کان بائناً؛ لأن البینونة السابقة علیه تمنع الرجعة".(۱)۔

لہذا طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا کافی ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں (۲)۔ طلاق غصہ میں بھی ہوجاتی ہے (۳)۔ اگر ۳/ مرتبہ طلاق دی ہے تو بغیر حلالہ نکاح میں اس عورت کا رکھنا کسی طرح جائز نہیں، بالکل حرام ہے (۴)، دنیا وآخرت میں ذلت کا باعث ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۲/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، مفتی مدرسہ، ۲۶/ ذوالحجہ/۵۲ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/ ذی الحجہ/۵۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردا لمحتار: ۳/۳۰۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

"الطلاق الصریح یلحق الطلاق الصریح بأن قال: أنت طالق، وقعت طلقة، ثم قال: أنت طالق تقع أخری. ویلحق البائن أیضاً بأن قال لها: أنت بائن أو خالعها علی مال، ثم قال لها: أنت طالق، وقعت عندنا. والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۷، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۲/۲۶۲، ۲۶۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، مکتبه امدایه ملتان)

(۲) "و ینکح مبانته بما دون الثلاث فی العدة و بعد ها بالإجماع". (الدرالمختار: ۳/۴۰۹، کتاب الطلاق، باب الرجعة، سعید)

"وإذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها". (الفتاویٰ التاتار خانیة: ۳/۲۰۳، کتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون فی مسائل المتعلقة بنکاح المحلل، إدارة القرآن کراچی)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''طلاقِ غضبان''۔)

(۴) "وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة أو ثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، و یدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها". (الفتاوی التاتارخانیة: ۳/۲۰۳ کتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون فی مسائل المتعلقة بنکاح المحلل و ما یتصل به، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

"فالحکم الأصلی لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتین البائنتین هو نقصان عدد الطلاق، =

غصہ میں طلاق

سوال[۶۰۷۲]: آج میری عورت نے میرے حکم کے خلاف کیا جس کی وجہ سے میں اس کی تنبیہ کرنا چاہتا تھا اور غصہ زیادہ بڑھ گیا تھا، لیکن مجھ کو میرے لڑکوں نے پکڑ لیا اور ان سے باوجود کوشش کے چھوٹ نہ سکا، جس سے زیادہ غیظ بڑھ گیا اور ممکن تھا کہ اس پر کوئی سخت حملہ کیا جاتا۔ عورت مذکورہ بدزبانی اس حالت میں کرتی رہی۔ اس وقت سوائے میری زبان کے قابو میں ہونے کے کچھ نہیں تھا، میں نے اس کو تین مرتبہ کہا کہ ”میں نے تم کو طلاق دیا“ اور ہر مرتبہ کم وبیش ۵/ منٹ کا وقفہ دیتا رہا، اس سے پہلے میرا قصد نہیں تھا، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میرا قصد طلاق کا تھا یا نہیں، بلکہ زیادتی غصہ میں کیا گیا۔

مقبول احمد، قصبہ امروہہ، مراد آباد۔

تتمۂ تحریر متعلقہ تحریر

میں نے جو وقفہ ۵/ منٹ دیا تھا اس سے یہ منشاء تھا کہ عورت بدزبانی سے باز آئے، یا میرے سامنے سے علیحدہ ہو جاوے۔ جب اول مرتبہ باز نہیں آئی تب دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ کہا گیا۔ میں بوجۂ کمزوری حاضری کی معافی چاہتا ہوں۔ ۲/ فروری ۳۸ھ۔

= و زوال الملك أيضاً، حتى لا يحل له وطؤها إلا بنكاح جديد .... و أما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك، و زوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية بيروت)

”و ينكح مبانته في العدة و بعدها لا المبانة بالثلاث لو حرة، وبالثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره و لو مراهقاً بنكاح صحيح و تمضي عدته“. (البحر الرائق: ۴/۹۴، ۹۷ كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا لفظ ”جواب دیا“ کو کنایہ قرار دینا بظاہر اختلافِ مواضع پر محمول ہے، کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی طرح فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۹/۳۲۵ میں بھی لفظ ”جواب دیدیا“ کو کنایہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے، احسن الفتاوی: ۵/۱۹۲، کتاب الطلاق، میں ”جواب دیدیا“ کو صریح قرار دیا ہے۔ (فضلِ مولیٰ ابن القاضی)

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں شرعاً تین طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے اس کو رکھنا درست نہیں۔ طلاق جس طرح رضامندی کی حالت میں ہوتی ہے غصہ کی حالت میں بھی واقع ہوجاتی ہے، الفاظِ مذکورہ بالا بلاقصد کہنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے:

"يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً، سواء كان حراً أو عبداً، طائعاً أو مكرهاً. وطلاق اللاعب والهازل به واقع، و كذا لو أراد أن يتكلم بكلام، فسبق لسانه بالطلاق، فالطلاق واقع، كذا في المحيط"(١)- "متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو، يتعدد الطلاق، اهـ". فتاوى عالمكيرية(٢)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

طلاقِ غضبان ومعتوہ مع فتویٰ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

استفتاء [۲۰۷۳]: نوٹ: مستفتی نے ایک عدالتی اسٹامپ بابت طلاق اور سابق فتوے کی نقل مطابق اصل بھیج کر مزید سوال کا جواب طلب کیا ہے۔ جن کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

محمد الیاس خان ناقل فتویٰ۔

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية: ١/٣٥٣، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٥٦، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

"ويقع طلاق من غضب، خلافاً لابن قيم، اهـ. و هذا الموافق عندنا، يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل .... أو مخطئاً بأن أراد التكلم بغير الطلاق، فجرى على لسانه الطلاق". (الدر المختار مع ردالمحتار: ٣/٢٣٥، ٢٤١، ٢٤٤، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

"كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد، دين". (الدر المختار: ٣/٢٩٣، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد) .... =

نقل مطابق اصل

"قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "کل طلاق جائز إلا طلاق الصبی والمجنون". لأنہ لیس لھما قول صحیح، وکذا المعتوہ لایقع طلاقہ وھو من کان مختلط الکلام: بعض کلامہ مثل کلام العقلاء وبعضہ مثل کلام المجانین، وھذا إذا کان فی حالۃ الغضب، الخ". جوھرہ: ۲/۹۵(۱)۔

"من اختل عقلہ لکبر أو لمرض أو لمصیبۃ فما دام فی حالۃ غلبۃ الخلل فی الأفعال لاتعتبر أقوالہ، وأفعالہ، وإن کان یعلمھما ویریدھا؛ لأن ھذہ المعرفۃ والإرادۃ غیر معتبرۃ، لعدم حصولھا من إدراک صحیح کما لاتعتبر من صبی عاقل". شامی(۲)۔

بروئے تحقیقات وبیانِ گواہاں معلوم ہوا کہ مسمی احد ڈار ولد رسول ڈار کو اپنی منکوحہ کے ساتھ کچھ خلافِ طبیعت ناراضگی ہونے کی وجہ سے عقل وہوش وحواس میں خلل آکر کہنے لگا کہ بقولِ طالق "چلو میں اپنی عورت کو علیحدہ کردوں اور چھوڑ دوں" تو اس بارے میں میر ڈار وغیرہ نے کہا کہ ہم تمہاری طلاق یا عورت کو چھوڑنا اس وقت تک منظور نہ کریں گے جب تک دو ہزار روپیہ اپنی عورت کی طرف سے ادا نہ کروگے۔ مذکورہ رقم کی تلاش میں بھی لگا، ادا کرنے میں بھی کچھ لیت ولعل معلوم نہ ہوا۔

اس گفتگو میں مذکورہ چند افراد کے ہمراہ محض مدہوشی کی حالت میں عدالت میں گیا اور سب ہی نے مذکورہ کو طلاق دہی سے روکا، مگر کسی ایک کا کہنا بھی نہ مانا۔ اور اس وقت کے مذکورہ گواہوں کا بیان ہے کہ مذکور کو طلاق کے وقت ہوش وحواس سالم نہ رہے تھے، بلکہ بحالتِ خللِ عقل مذکور نے زبانی سہ طلاق کھائی اور تحریری بھی طلاق نامہ ہوا، لیکن طلاق کے وقت طالق کے ہوش وحواس سالم نہ رہے تھے۔ کئی افراد نے اس وقت بار بار عاجزی کی، لیکن یہ شرارت میں آکر کسی ایک کی نہ مانا، بالخصوص حاجی محمد یوسف صاحب امام مسجد نے بھی مذکور کو

= (وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۳/۲۸۸، تکرار الطلاق وإیقاع العدد، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) (الجوھرۃ النیرۃ: ۲/۱۰۲، کتاب الطلاق، مکتبہ حقانیہ ملتان)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدہوش: ۳/۲۴۴، سعید)

ہرچند طلاق دہی سے روکا تھا، مگر مذکور نے ہرگز نہ مانا۔ کیا بروئے شرع اس فاقد الحواس شخص کی طلاق شرعاً واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً وباللّٰہ التوفیق:

"صبی اور مجنون اور معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، کما فی الدر المختار:

"لایقع الطلاق .... المجنون: أی وصبی: أی والمعتوه"۔ وقال فی الهداية: "ولایقع طلاق صبی والمجون والنائم"۔ "وأخرج الترمذی مرفوعاً: کل طلاقٍ جائز إلا طلاق المعتوه المغلوب علی عقله، الخ"۔ "وروی ابن أبی شيبة فی مصنفه عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: لایجوز طلاق الصبی، انتهی". کذافی تخریج الزیلعی علی الهداية۔

پس حنفی کو یہ جائز نہیں کہ صبی یا مجنون یا معتوہ کی طلاق کو واقع کرے، جو حنفی مذکورہ صورتوں میں وقوعِ طلاق کا حکم دیتا ہے وہ گنہگار ہے، اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ فقط۔

محمد شفیع۔

ماخوذ از فتاویٰ دار العلوم، دیوبند، سوم و چہارم، ص: ۲۹۸۔

لہٰذا احد ڈار معتوہ کے حکم میں ہے، اس لئے کہ جب کوئی شخص مشورہ اپنے جہل کے مقابلہ میں قبول نہیں کرے گا تو وہ بھی معتوہ کے حکم میں ہے، اس لئے بروئے حدیث شریف بفرمودۂ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شخص معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، بلکہ مذکورہ احد ڈار کی منکوحہ بدستور مذکور کے نکاح میں ہے، کوئی طلاق نہیں ہوئی اور تجدیدِ نکاح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نقلِ بیانِ گواہان

ہم گواہانِ ذیل حلفاً بیان کرتے ہیں کہ مسمی احد ڈار ولد رسول ڈار، ساکن موضع لانکرشی پورہ نے مورخہ ۲/۱۲/۱۴ ۷۷ء کو ہمارے درمیان طلاق کھائی، لیکن اس وقت طالق کے ہوش وحواس باختہ ہوچکے تھے، ہم نے اس وقت بار بار اس کی عاجزی کی کہ ایسا نہ کرو، لیکن اس نے شرارت میں آکر ہوش وحواس باختہ ہوکر کسی کا کہنا نہ مانا۔ اس لئے بیان

گذارش خدمت ہے۔

دستخط گواہان

العبد: حاجی غلام محمد ڈار، العبد: اقبال ریشی، العبد: احد ڈار، العبد: سردار احمد،

العبد: ریشی خالق، العبد: محمد ڈار۔

حضرت مولانا مفتی صاحبان! شخص طالق معتوہ ہے ''معتوہ'' کا لفظ اس علاقہ میں کسی طالب علم کو بھی معلوم نہیں، نہ یہ عبارت نظر سے گزری ہے، نہ ان احادیث پر عبور ہے، نہ لفظِ ''معتوہ'' جانتے ہیں، بلکہ ایک شخص مسمی محمد یوسف شاہ جی امام مسجد موضع لانکرشی پورہ - جو کہ ان ہی کا امام ہے- مجلس میں آکر یہ روایت شریف ملاحظہ کرنے کے بعد کہا کہ میں ان احادیث اوران کتابوں کو نہیں مانتا ہوں، بلکہ صریح انکار کر بیٹھا۔

جب کوئی امام جس کو علمِ فقہ کے ساتھ کوئی عبور وسروکار نہ ہو تو اس کا یہ کہنا واضح کرنے کے بعد بھی ایسا جاہلانہ کلام کرنے کے باوجود نہ بھی مذکور شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اس روایت کی تصدیق کرنے بعد مذکور شخص کا حکم بمہربانی صادر فرمائیں کہ مذکور کا حکم اس حدیث شریف کے نہ ماننے اوران کتابوں کے نہ ماننے پر مذکور امام کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

نوٹ: یہ روایت شریف کی نقل ہے جو کہ سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام نے کہا ہے، اس کے ساتھ ایک پرتھ اسام کی نقل بھی ہے یہ روایت شریف اسٹامپ کے سمیت بمہربانی فوراً روانہ فرمائیں۔ اسٹامپ قانونی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ شرعاً طلاق معتوہ واقع ہوجاتی ہے یا کہ نہیں؟

جناب عالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فتویٰ شریف مع نقولات گواہاں ارسالِ خدمت بابتِ تصدیق ہے، فریقین متفق ہوکر انتظارِ تصدیق ہیں۔ فی سبیل اللہ فوراً فریقین کا اشکال دور کرنے کی خاطر تصدیق واپس بذریعہ ڈاک فرماکر مشکور فرمائیں۔ والسلام۔

سائل: پیر مفتی حسام الدین دیوانی، مفتی علاقہ بانڈی پورہ۔

وصدر انجمن تبلیغ الاسلام بانڈی پورہ کشمیر، انڈیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''طلاق'' ابغض المباحات ہے، عامۃً طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے اور وہ واقع ہوجاتی ہے، پیار

ومحبت میں اس کی نوبت کم ہی آتی ہے(۱)۔ باب الکنایات، کتاب الطلاق، درمختار شامی میں ایک نقشہ دیا ہے کہ فلاں فلاں کنائی لفظ ایسا ہے کہ غصہ کی حالت میں جب بیوی کو کہا جائے تو بلانیت بھی طلاق ہو جاتی ہے، اگر رضامندی کی حالت میں کہا جائے تو بلانیتِ طلاق نہیں ہوتی۔ غصہ کی حالت کو بہ نسبت رضامندی کی حالت کے یہاں طلاق واقع ہونے میں زیادہ مؤثر قرار دیا گیا ہے۔

"والحاصل أن الأول يتوقف على النية في حالة الرضاء والغضب والمذاكرة. والثاني في حالة الرضاء والغضب فقط، ويقع في حالة المذاكرة بلانية. والثالث يتوقف عليها في حالة الرضى فقط، ويقع في حالة الغضب والمذاكرة بلانية وقد نظمت ذلك بقول:

نحو اخرجي، قومي، اذهبي ردا يصح　　خلية بـرية سبـاصح

واستبرئي اعتدى جواباً قدحتم　　فالأول القصد له دوما لزم

والثاني في الغضب والرضى انضبط　　لا الذكر والثالث في الرضا فقط"(۲).

فتح القدير: ۹۱/۳(۳)، زیلعی: ۲۷۱/۲ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے(۴)۔ بحر(۵)، عالمگیری

(۱) "والكنايات لاتطلق بها قضاء إلا بنية أو دلالة الحال، وهي حال مذاكرة الطلاق أو الغضب".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۹۶/۳، ۲۹۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات: ۳۷۵/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات: ۴۶۷/۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب الكنايات: ۳۰۱/۳، ۳۰۲، سعيد)

(۳) "الأحوال هنا ثلاثة: حالة مطلقة وفسرها بحالة الرضاء، وحالة مذاكرة الطلاق وهي ماقدمنا. وحالة الغضب والكنايات ثلاثة أقسام: مايصلح جواباً لطلبها الطلاق: أي التطليق، ويصلح رداً له، وما يصلح جواباً ولايصلح رداله، وما يصلح جواباً وشتماً". (فتح القدير، فصل في الطلاق قبل الدخول، الكنايات: ۶۵/۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۴) "وجملة الأمر أن الأحوال ثلاثة: حالة مطلقة وهي حالة الرضا، وحالة مذاكرة الطلاق، وحالة الغضب. والكنايات ثلاثة أقسام". (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۷۹/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "وبهذا علم أن الأحوال ثلاثة: حالة مطلقة، وحالة مذاكرة الطلاق، وحالة الغضب". (البحر الرائق، =

میں بھی تفصیل مذکور ہے(۱)۔

البتہ اگر غصہ اس درجہ کا ہو جائے کہ ہوش مختل ہو کر ایسے افعال وحرکات کا صدور ہونے لگے کہ اس کو پتہ ہی نہ رہے کہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے، اور عقل اتنی مجبور وبے بس ہو جائے کہ قابو نہ پا سکے، نگرانی نہ کر سکے تو ایسا شخص مدہوش ہے۔ اس کی اس حالت کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس کی اس حالت کا اندازہ اس وقت کے اس کے دوسرے اقوال وافعال سے کیا جاسکے گا، محض دوسروں کے سمجھانے اور طلاق سے منع کرنے پر نہ ماننا کافی نہیں۔ اگر غصہ میں کسی کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلے اور پھر اس کو کچھ یاد نہ ہو تو موقع کے دو گواہوں کے بیان پر اعتماد کرنا ہوگا، ایک یا دو یا تین طلاق کو جو بھی وہ بتائیں اسی کا حکم لگایا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اس پر ردالمحتار: ۲/ ۴۲۷ میں مفصل بحث کی ہے:

”فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدهوش ونحوه إناطة الحکم بغلبة الخلل فی أقواله وأفعاله الخارجة عن عادته، وکذا یقال فیمن اختل عقله لکبر أولمرض أو لمصیبة فاجئة: فما دام فی حال غلبة الخلل فی الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله .... اه.

لو طلق فشهد عنده اثنان أنك استثنیت وهو غیر ذاکر، إن کان بحیث إذا غضب لایدری مایقول، وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا، اه. فإن مقتضاه أنه إذا کان لایدری مایقول، یقع طلاقه، وإلا فلاحاجة إلی الأخذ بقولهما: إنك استثنیت، وهذا مشکل جداً، إلا أن یجاب بأن المراد بکونه لایدری مایقول أنه لقوة غضبه قد ینسی مایقول ولا یتذکره بعد .... قال فی الولولو الجیة: إن کان بحالٍ لوغضب یجری علی لسانه مالا یحفظه بعده، جاز له الاعتماد علی قول الشاهدین، اه“. شامی: ۲/۴۲۷(۲)۔ وقال العلامة الشامی

= کتاب الطلاق، باب الکنایات فی الطلاق: ۳/۵۲۶، رشیدیه)

(۱) ”ثم الکنایات ثلثة أقسام: مایصلح جواباً لاغیر .... ومایصلح جواباً ورداً لاغیر .... ومایصلح جواباً وشتماً .... والأحوال ثلاثة: حالة الرضا، وحالة مذاکرة الطلاق .... وحالة الغضب“. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات: ۱/۳۷۴، ۳۷۵، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش: ۳/۲۴۴، سعید)

فی: ۲/ ٤٢٦: "العته نوع جنون، اھ"(۱)۔

طلاق دینے کے وقت مطلق کی جو حالت تھی ان کو فقہاء کی ان تصریحات پر منطبق کر کے شرعی حکم لگایا جائے۔ اگر اس کا طلاق دینا شرعاً بیکار ہو تو اس پر حکم نہیں ہوگا، نکاح برقرار رہے گا۔ اگر طلاق دینا معتبر ہو تو تین طلاق کی صورت میں طلاق مغلظہ کا حکم ہوگا، اور بغیر حلالہ کے اس مطلقہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا (۲)۔

شرعی حکم کے لئے جس حدیث شریف اور فقہ کی مستند کتب کا حوالہ دیا جائے اور وہ حوالہ صحیح بھی ہو تو یہ کہنا کہ "میں کتابوں کو نہیں مانتا، یا شرعی فتویٰ نہیں مانتا" نہایت خطرناک ہے، مومن کی یہ شان ہرگز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری (۳) اور بحر الرائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس سے ایمان سلامت نہیں رہتا (۴)۔ اگر کوئی ذی علم آدمی یہ بحث کرے کہ فلاں عبارت کا یہ مطلب نہیں بلکہ دوسرا مطلب ہے، جس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، یا فلاں عبارت وروایت مرجوح وضعیف ہے، اس پر فتویٰ نہیں ہے، تو یہ دوسری بات ہے، ایسے شخص پر کوئی سخت حکم نہیں

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، قبیل مطلب فی طلاق المدهوش: ۳/۲۴۳، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۲۲۹)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ الآیة (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة أوثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس، فصل فیما تحل به المطلقة ومایتصل به: ۱/۴۷۳، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، شرکت علمیه ملتان)

(۳) "وإذا قال الرجل لغیره: حکم الشرع فی هذه الحادثة کذا، فقال ذلک الغیر: من برسم کارمیکنم نہ بشرع (أنا أفعل بالرسم لابالشرع)، یکفر عند بعض المشایخ رحمهم الله تعالیٰ. وفی مجموع النوازل: قال رجل لامرأته: ماتقولین أیش حکم الشرع، فتجشت جشاء عالیاً فقالت: اینک شرع را (هاک للشرع) فقد کفرت وبانت من زوجها، کذا فی المحیط. رجل عرض علیه خصمه فتویٰ الأئمة فردّها وقال: چہ بار نامۂ فتویٰ آورده (ماهذا الفرمان الفتویٰ التی أتیت بها) قیل: یکفر؛ لأنه ردّ حکم الشرع، وکذا لم یقل شیئاً لکن ألقی الفتویٰ علی الأرض وقال: ایں چہ شرع است (ماهذا الشرع) کفر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، ومنها ما یتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشیدیه)

(۴) "ویکفر بقوله لعالم: ذکر الحمار فی أست علمک مریداً به علم الدین .... وبالقاء الفتویٰ علی الأرض حین أتی بها خصمه". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۷، رشیدیه)

لگایا جاسکتا، مگر اس کے لئے بھی وسیع اور پختہ علم کی ضرورت ہے، ہر شخص کو اس کا بھی حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۱/۲۵ھ۔

غصہ میں طلاق کے متعلق شامی کی ایک روایت کا مطلب

سوال[۶۰۷۴]: علامہ شامی: ۵۸۷/۲، میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والذي يظهرلي أن كلاً من المدهوش والغضبان لايلزم فيه أن يكون بحيث لايعلم مايقول، بل يكتفي فيه بغلبة الهذيان واختلاف الجد بالهزل، كما هو مفتي به في السكران، الخ"(۱)۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ بالوضاحت تحریر فرماویں اور مفتی بہ قول کون سا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

علامہ شامی کے منقولہ کلام کا مطلب یہ ہے کہ: بعض انسان غصہ میں اس حالت کو پہونچ جاتا ہے کہ جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کے کہنے کا اثر کیا ہوگا، ایسی حالت میں اس کی زبان سے اگر طلاق کا لفظ نکل جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے کہ اس کے کلام پر دوسرے اثرات مرتب نہیں ہوتے، مثلاً: تعلیم یافتہ شائستہ آدمی اگر اپنے والد کی شان میں گستاخی کے کلمات کہہ دے یا چپت مار دے تو والد اس کو معذور تصور کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ شائستہ ہونے کے باوجود اس نے یہ حرکت ایسی حالت میں کی کہ اس کو ہوش نہیں، اس لئے ہمیشہ وہ ادب واحترام کا معاملہ کیا کرتا تھا۔

اور جس غصہ میں یہ کیفیت نہ ہو، اگر اس میں طلاق دے دے تو وہ واقع ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱/۲۰ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، مطلب في طلاق المدهوش: ۲۴۴/۳، سعید)

(۲) "ولو شهدا بها وهو لايذكرها، إن كان بحال لايدري مايجري على لسانه لغضب، جاز له الاعتماد عليهما، وإلا لا، بحر". (الدرالمختار).

"ومقتضى هذا الفرع أن من وصل في الغضب إلى حالة لايدري فيها مايقول، يقع طلاقه. وإلا لم يحتج إلى اعتماد قول الشاهدين". (ردالمحتار، باب التعليق، مطلب فيما لو حلف وأنشاء له آخر: ۳۲۹/۳، سعید)

(وكذا في إعلاء السنن، باب عدم صحة طلاق الصبي والمجنون الخ: ۱۸۶/۱۱، ۱۸۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير، فصل في الطلاق قبل الدخول: ۶۲/۴، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

الفصل الخامس فی طلاق الصبی

(نابالغ کی طلاق کا بیان)

نابالغ کی طلاق اور مدتِ بلوغ

سوال[۲۰۷۵]: ۱..... مندرجہ ذیل مسئلہ میں شرعی فتویٰ بھیج کر عند اللہ مشکور فرماویں:

کیا ایک نابالغ کا ولی نابالغ کی طرف سے اس کی منکوحہ کو طلاق دے سکتا ہے؟ اور ایسا طلاق نامہ اصل خاوند کی طرف سے جائز متصور ہوگا؟

۲..... شرع شریف میں نابالغ کس عمر تک خیال کیا جاتا ہے؟

کریم اللہ، سب پوسٹ ماسٹر، شاہ آباد، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ اپنی منکوحہ کو شرعاً نہ خود طلاق دے سکتا ہے، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی اس کی منکوحہ کو طلاق دے سکتا ہے، ایسی صورت میں طلاق نامہ غیر معتبر ہوتا ہے:

"الخامس كالطلاق و نحوه فلا يملكه: أى لا يملك الصبى بنفسه الخامس و لو بإذن ولیه، حتى لو طلق الصبى امرأته بإذن الولى بالطلاق، لايقع الطلاق، كما لا يملكه: أى الخامس عليه: أى على الصبى غيره: أى غير الصبى كالولى والوصى والقاضى". كشف المبهم شرح مسلم الثبوت، ص: ۳۰٤(۱)۔

---

(۱) لم أجد هذا الكتاب، وفي العالمكيرية: "لايقع طلاق الصبى وإن كان يعقل، والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش، هكذا في فتح القدير". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

"وتصرف الصبى والمعتوه إن كان نافعاً كالإسلام والاتهاب، صح بلا إذن، وإن ضاراً كالطلاق=

۲......اگر علاماتِ بلوغ احتلام وانزال وغیرہ متحقق نہ ہوں تو پندرہ سال کا لڑکا شرعاً بالغ شمار ہوگا:

"فإن لم يوجد فيهما شيء منها، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، وبه يفتىٰ".

درمختار: ۲/۱۹۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۴ھ۔

صحیح عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۰۷۲]: ایک لڑکی ہے اس کا نکاح اگرنا بالغ لڑکے سے ہوا ہو اور فی الحال ابھی لڑکا نابالغ ہی ہے، تیرہ سال کی عمر لڑکے کی ہے اور لڑکی بالغ ہو چکی ہے تقریباً دو سال سے۔ اب لڑکے کو ناف سے لے کر نیچے تک فالج مار چکا ہے وارثین لڑکی کو طلاق لینا چاہتے ہیں۔ تو اب اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ابھی کوئی صورت نہیں، جب لڑکا بالغ ہو جائے تب اس سے طلاق حاصل کر لی جائے، علامتِ بلوغ احتلام وانزال ہے، اگر یہ علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال عمر ہونے پر شریعت کی طرف سے بلوغ کا حکم ہو جائے گا(۲)۔

- والعتاق، لا، وإن أذن به وليهما". (الدرالمختار). "لاشتراط الأهلية الكاملة .... و كذا لا تصح من غيره كأبيه و وصيه والقاضي للضرر". (ردالمحتار: ۶/۱۷۳، كتاب الماذون، مطلب في تصرف الصبي و من له الولاية عليه، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۱۱۰، كتاب الماذون، الباب الثاني عشر في الصبي أو المعتوه، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۱۵۳، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۶۱، كتاب الحجر، فصل في معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۱۵۳، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، رشيديه)

(۲) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ..... فإن لم يوجد فيهما شئ، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتى، لقصر أعمار أهل زماننا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۱۵۳، كتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد) ....

نابالغ کوطلاق دینے کا اختیار نہیں، اس کا ولی اگر طلاق دیدے تو وہ بھی واقع نہیں ہوگی، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

طلاقِ صبی

سوال [۶۰۷۷]: ایک لڑکا بعمر ۱۴/ سال نابالغ ہے، اس کے چچانے صغرسنی کی حالت میں، جب کہ وہ لڑکا مذکور ۴، یا ۵/ سال کا تھا۔ اس کا نکاح کردیا تھا، جس لڑکی سے شادی کی تھی وہ اب بالغ ہے جس کی عمر اب تقریباً ۱۸/ سال ہے۔ لڑکی کے والدین چاہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کردیا جائے، ورنہ جوان لڑکی ہے جس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور وہ تقریباً دو سال سے اس نکاح سے ناخوشی کا اظہار کرتی چلی آرہی ہے۔ کچھ قرائن اس قسم کے ہیں کہ اگر کسی دوسری جگہ شادی نہ کی گئی تو شاید کسی شخص کے ساتھ بغیر نکاح ہی بھاگ جائے گی۔

لڑکی کے والدین لڑکے والوں پر مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے طلاق لینا چاہتے ہیں مگر لڑکا نابالغ ہے، ادھر فتنہ کا خطرہ ہے۔ کیا ایسی صورت میں لڑکے نابالغ کی طلاق واقع ہوسکے گی، جیسے کہ شرح حسامی میں مرقوم ہے:

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۶۱، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۱۵۳، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، رشيديه)

(۱) "(لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده و المجنون والصبي) ولو مراهقاً". (الدرالمختار). "أي إلا إذا كان مجبوباً، و فرق بينهما، أو أسلمت زوجته فعرض الإسلام عليه مميزاً، فأبى وقع الطلاق، رملي".

(ردالمحتار: ۳/ ۲۴۳، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج، سعيد)

"يقع طلاق كل زوج إذا كان عاقلاً بالغاً، سواء كان حراً أو عبداً .... و لا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

"(ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ) لصدوره من أهله مضافاً إلى محله و خرج غيرهما". (النهر الفائق: ۲/ ۳۱۶، كتاب الطلاق، رشيديه)

"إعلم أن الطلاق والعتاق عدم مشروعيتهما بغير الحاجة، أما عند وقوع الحاجة و مس الضرورة، فهما مشروعان۔ قال شمس الأئمة رحمه الله تعالىٰ في أصول الفقه: زعم بعض مشايخنا أن هذا الحكم غير مشروع أصلاً في حق الصبي، حتى أن امرأته غير محل للطلاق، وهذا وهمٌ عندي، فإن الطلاق يملك بملك النكاح؛ إذ لا ضرر في إثبات أصل الملك، وإنما الضرر في الإيقاع، حتى إذا تحققت الحاجة إلى صحة إيقاع الطلاق من جهة دفع الضرر، كان صحيحاً، انتهىٰ. كذا ذكر صاحب غاية التحقيق"(۱).

یانہیں، جیسے عامہ کتب فقہ میں مذکور ہے؟ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ بظاہر لڑکے کا نقصان بھی نظر نہیں آتا، کیونکہ لڑکی کے والدین اس سے چھوٹی کا جو نابالغ ہے نکاح بھی کرنے کو تیار ہیں۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

متونِ مذہب میں یہ مسئلہ بصراحت مذکور ہے جیسا کہ سائل کو بھی اعتراف ہے، لہذا اگر جزئیہ شاذہ اس کے خلاف ملے گا تو اس کے لئے .... کوئی محملِ حسن تجویز کر کے اصل مذہب کے موافق اور تابع قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر وہ قابلِ لحاظ ہے جس کی تفسیر کی گئی ہو، پھر وہ متروک ہوگا، نامی اور غایۃ التحقیق کی عبارت دیگر کتب میں بھی موجود ہے، اس میں: "إذا تحققت الحاجة" کی قید زیادہ قابلِ لحاظ ہے جس کی تفسیر دوسری جگہ ہے۔ نور الانوار، ص: ۲۸۵ میں اصل مسئلہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"لكن قال شمس الأئمة: إن طلاق الصبي واقع إذا دعت إليه حاجة، ألا ترىٰ أنه إذا أسلمت امرأته يعرض عليه الإسلام، فإن أبى فرق بينهما، و هو طلاق عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ. وإذا ارتد، وقعت الفرقة بينه و بين امرأته، و هو طلاق عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وإذا كان مجبوباً فخاصمت امرأته و طلبت التفريق، كان ذلك طلاقاً عند البعض. فعلم أن حكم الطلاق ثابت في حقه عند الحاجة، اهـ". (۲)۔

علامہ ابن نجیم مصری شارح کنز کتاب الاشباہ والنظائر، احکام الصبیان میں فرماتے ہیں: "ولا يقع

(۱) (النامي شرح الحسامي، فصل في بيان الأهلية، ص: ۲۷۹، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) (نور الأنوار، ص: ۲۸۵، مبحث الأحكام، فصل: ثم جملة ما ثبت بالحجج، سعيد)

طلاقه و لا عتقه إلا حكماً فى مسائل ذكرناها فى النوع الثانى من الفوائد فى الطلاق"۔

اور ص:۱۲۹، میں تحریر فرمایا ہے:

"الصبی لا يقع طلاقه إلا إذا أسلمت زوجته فعرض الإسلام مميزاً، فأبىٰ وقع الطلاق على الصحيح، و فيما إذا كان مجبوباً وفرق بينهما، فهو طلاق على الصحيح، ويوكل له، لكونه مستحقاً عليه كعتق قريبه، كذا فى عين المعراج، اهـ"(۱)۔

اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"(قوله: الصبی لا يصح طلاقه إلا إذا، الخ): أى لا يصح إيقاع الطلاق، و حينئذ لا صحة للاستثناء المذكور؛ إذ الإيقاع من الصبی. (قوله: فأبىٰ وقع الطلاق) أقول: الصواب أن يقال: وقع التفريق، و هذا طلاق على الصحيح، و قيل: فسخ. (قوله: و هو طلاق على الصحيح) و قيل: فسخ، اهـ". غمز عيون البصائر(۲)۔

الحاصل: جس ضرر کا دفعیہ بغیر تفریق نہ ہو سکے تو بذریعۂ تفریق اس ضرر کو دفع کیا جائے اور یہ تفریق بحکم طلاق ہوگی، گویا کہ خود اس نے طلاق دی ہے(۳)، جیسا کہ جُبّ اور ارتداد کی صورت میں ہے، بخلاف صورت مسئولہ کے عنقریب لڑکا بالغ ہو جائے گا، اس وقت اگر چاہے تو اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، جب کہ لڑکی کا نکاح والد نے کیا ہے تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں، لہٰذا اس کی ناخوشی ظاہر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، کذا فی ردالمحتار(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۲/۲۱، كتاب الطلاق، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر: ۲/۲۱، كتاب الطلاق، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "ثم الفرقة إن من قبلها ففسخ، لا ينقص عدد الطلاق، و لا يلحقها الطلاق إلا فى الردة، وإن من قبله فطلاق". (الدرالمختار: ۳/۷۰، باب الولى، سعيد)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸٦، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الأولياء، رشيديه)

(۴) "إنكاح الصغير والصغيرة جبراً و لو ثيباً كمعتوه و مجنون شهراً، ولزم النكاح و لو بغبن فاحش......... إن كان الولى المزوج بنفسه بغبن أباً أوجداً". (الدرالمختار: ۳/٦٦، كتاب النكاح، =

طلاقِ مراہق کے بعد اس کی زوجہ کا نکاح

سوال[۲۰۷۸]: ایک مُلّا نے مراہق کے طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد اس کی عورت کا نکاح دوسری جگہ کسی دنیاوی لالچ کی وجہ سے کر دیا تو آیا وہ ملا اس وجہ سے خارج از اسلام اور کافر ہوگیا اور کافر بھی ایسا کہ اس کی توبہ غیر مقبول ہے؟ اور جو اس مجلسِ نکاح میں حاضر ہوئے تمام ہی کافر ہو گئے یا نہیں، اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب اس پر بڑا زور دیتے ہیں، لہٰذا اس نکاح کرنے والے کا حکم مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مراہق کی طلاق شرعاً واقع نہیں:

"لا يقع طلاق المولىٰ على امرأة عبده والمجنون والصبي و لو مراهقاً، اهـ". درمختار(۱)۔

اگر کسی بالغ شخص نے طلاق دیدی ہو تو عدت کے اندر نکاح حرام ہے: "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، اهـ". الفتاوىٰ العالمكيرية(۲).

= باب الولي، سعيد)

"فإن زوّجهما الأب والجد، فلاخيار لهما بعد بلوغهما. وإن زوجهما غير الأب والجد، فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ، إن شاء أقام على النكاح، وإن شاء فسخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۵، كتاب النكاح، باب الأولياء، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰۹، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، امداديه ملتان)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۲، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۲/۳۱۶، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۰، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

"أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه =

جب مراہق کی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تو بطریقِ اَولیٰ اس کی بیوی سے نکاح حرام ہوگا، لہٰذا وہ عورت اور اس سے نکاح کرنے والا مرد اور نکاح میں شریک ہونے والے اور جو لوگ منع کرنے پر قادر تھے، پھر انہوں نے اس نکاح سے نہیں روکا وہ سب گنہ گار ہیں، سب کے ذمہ توبہ لازم ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ کوشش کر کے اس عورت کو پہلے شوہر یعنی مراہق کے یہاں پہونچائیں، مگر نکاح ان لوگوں میں سے کسی کا نہیں ٹوٹا، نہ کوئی اسلام سے خارج ہوا، نہ کافر ہوا۔

جس مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ لوگ کافر ہوگئے، اس نے غلط فتویٰ دیا، اہلسنت والجماعت کے نزدیک کبیرہ گناہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا، نہ اسلام سے خارج ہوتا ہے: "و لا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان، ونسميه مؤمناً حقيقةً، ويجوز أن يكون مؤمناً فاسقاً غير كافر". شرح فقه اكبر (۱)۔

جس وقت ایسی معصیت کی حلت کا اعتقاد کرے جس کی حرمت بعینہ ہو اور نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہو تو اس وقت البتہ آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف۔

علاماتِ بلوغ

سوال[۶۰۷۹]: شرع میں بالغ ہونے کی کیا علامتیں مانی گئی ہیں۔

ظاہر خان، نائب مدرس، مدرسہ مہنوں، ڈاکخانہ سری نگر، ضلع گونڈا، ۱۲/ جولائی/۳۶ء۔

=لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً". (رد المحتار: ۵۱۶/۳، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل، سعيد)

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۱، ۷۳، ۷۴، الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، قديمي)

(۲) "استحلال المعصية كفرٌ إذا ثبت كونها معصيةً بدليل قطعي، و على هذا تفرع ما ذكر في الفتاوىٰ: من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حرمته لعينه، و قد ثبت بدليل قطعي يكفر، وإلا فلا". (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۱۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے میں بلوغ کی علامتیں تین ہیں: احتلام، انزال، احبال۔ اورلڑکی میں بھی تین ہیں: حیض، احتلام، حبل۔

اگران علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو ہردوکو پندرہ سال پورے ہونے پر بقول مفتیٰ بہ بالغ کہا جائے گا، کذا فی تبیین الحقائق، ص: ۴۰۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قال رحمه الله تعالیٰ: بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، وإلا فحتى يتم له ثماني عشرة سنةً. والجارية بالحيض والاحتلام والحبل، وإلا فحتى يتم لها سبع عشر سنةً، ويفتى بالبلوغ فيها بخمس عشرة سنةً". (تبيين الحقائق، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام: ۶/۲۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل السادس في الطلاق بألفاظ مصحفة

(الفاظِ متغیرہ سے طلاق کا بیان)

لفظِ ''طاق'' سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۱۰۸۰]: میرے رشتہ دار اور سسرال والے شریعت کے پابند نہیں، شریعت کے خلاف میری بیوی کے سامنے محبت کی باتیں مجھ سے برداشت نہ ہوسکیں۔ غصہ میں ایک سانس میں میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: ''منو! میں نے تمہیں طاق دی، منو میں نے تمہیں طاق دی، منو میں نے تمہیں طاق دی''۔ اس کے بعد زبردستی مجھ سے کاپی پر یہ تحریر لکھوائی، اب منو آنا چاہتی ہے۔ اس طرح سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر لفظ ''طاق'' لکھا ہے (بغیر لام کے) ''طلاق'' نہیں لکھا، یا زبان سے اسی طرح کہا ہے تو کوئی طلاق نہیں ہوتی (۱)۔ اگر لفظ ''طلاق'' لکھا ہے، یا کہا ہے تو اس کو دوبارہ صحیح صحیح لکھیے، کیونکہ یہ سوال پہلے بھی آچکا ہے، واقعہ بظاہر وہی ہے مگر تحریر میں فرق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۱ھ۔

لفظِ ''تلاخ'' سے طلاق

سوال[۱۰۸۱]: زید نے اپنی زوجہ کو ایک پرچہ لکھا اور اس میں یہ لکھا: ''میں تم کو تلاخ دے چکا''

---

(۱) "وإن حذف اللام فقط فقال: أنت طاق، لا يقع وإن نوى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/۳۵۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الصريح، مطلب في قوله: عليّ الطلاق من ذراعي: ۳/۲۵۵، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، فيما يرجع إلى صريح الطلاق: ۳/۲۷۳، إدارة القرآن كراچی)

بالتاء والخاء۔ اور یہ لفظ کئی جگہ لکھا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اور وقوع کی صورت میں یہ کون سی طلاق ہوگی یعنی رجعی یا بائنہ یا مغلظہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے ایسا پرچہ لکھ کر بیوی کے پاس بھیجا اور اس کو اپنی تحریر کا اقرار ہے، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے اور اس میں تین مرتبہ طلاق (تلاخ) ہے تو بلا شبہ طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں۔ علامہ شامی نے تصریح کی ہے:

"صريحه مالم يستعمل إلا فيه كطلقت وأنت طالق، ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية وإن نوى خلافها أولم ينو شيئاً. وفى أنت الطلاق أو أنت طالق طلاقاً، يقع واحدة رجعية. يدخل نحو: طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك أو ط، ل، ق(۱)۔ "كرر لفظ الطلاق وقع الكل"(۲)۔

وبحث الطلاق بالكتابة فى الجلد الثانى والخامس من ردالمحتار(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لفظِ "طلاق" اور "تلاق" میں خسر اور داماد کا اختلاف

سوال[۶۰۸۲]: طلاق کا ایک مسئلہ عجیب طریقہ پر الجھ گیا ہے، معاملات کو پورے طور پر سمجھنے کے

---

(۱) (الدرالمختار: ۲۴۷/۳-۲۴۹، باب الصريح، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، باب إيقاع الطلاق: ۳۸۶/۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول فى الطلاق الصريح: ۳۵۴/۱، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى فى إيقاع الطلاق: ۳۵۶/۱، رشيديه)

(۳) "كذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق مالم يقرّ أنه كتابه". (ردالمحتار، مطلب فى الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح: ۲۴۷/۳، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس فى الطلاق بالكتابة، قبيل الفصل السابع: ۳۷۹/۱، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، الفصل السادس فى إيقاع الطلاق بالكتاب: ۳۸۰/۳، إدارة القرآن كراچى)

لئے خسر وداماد کے خطوط کے مضمون نقل کر کے بھیج رہا ہوں:

خسر کا خط داماد کے نام:

تمہارا پیغام عزیزہ کو پہونچا دیا اور یہ بتلا دیا کہ تمہارے شوہر نے یہ کہا ہے کہ ''اگر عزیزہ ایک ہفتہ کے اندران کے گھر نہیں آجاتی تو ان کو طلاق دیتا ہوں'' اور یہ بھی بتلایا کہ اس جملہ کو انہوں نے دو مرتبہ کہا تھا۔ چونکہ یہ مسئلہ شرعی تھا اور بڑی حد تک پریشان کن بھی تھا، چنانچہ اس مسئلہ پر یہاں ایک عالم سے مشورہ لیا گیا کہ قاعدہ سے طلاق ہوگئی، انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ شوہر اور بیوی کے تعلقات اس وقت تک منقطع رہیں جب تک کہ عقد ثانی نہ ہو جائے اور جب تک دوسرا نکاح نہ ہو جائے، پردہ رہے گا''۔

داماد کا خط خسر کے نام:

''آپ نے عزیزہ کو جو پیغام پہونچایا، یہ بالکل غلط ہے، اس کے لئے میں اپنے ہاتھ میں قرآن لے کر قسم کھا سکتا ہوں، میں بالکل جاہل نہیں ہوں، میں نے گنجائش رکھ کر تب کچھ کہا تھا۔ ایک بار آپ پھر سن لیں: یہ جملہ میں اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، میں نے کہا تھا کہ ''عزیزہ ایک ہفتہ کے اندر اگر نہیں آئیں تو ''تلاق'' سمجھیں''۔ اور یہ جملہ صرف ایک بار زبان سے کہا تھا اور حضور! ذرا لغت اٹھا کر دیکھ لیں ''تلاق'' کے کیا معنی ہیں، معنی بھی سن لیجئے ہم سے: تلاق کے معنی: ''باہم ملاقات کرنا''۔ آپ بھی لغت دیکھ لیں اور میں یہ جملہ بار بار کہہ سکتا ہوں۔

یہ دونوں خطوط کے مضامین ہیں۔

''تلاق'' کے معنی اگر لیا جائے تو داماد کی باتوں کا مطلب کچھ غیر موزوں ہو کر رہ جاتا ہے، ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ ''اس جملہ کو صرف ایک بار ادا کیا'' جب کہ خود دوسری جگہ کہتے ہیں کہ ''اس کو بار بار کہہ سکتا ہوں''۔

خسر کا کہنا ہے کہ طلاق کا لفظ دو بار کہا گیا ہوتا تو جملہ موزوں ہوتا اور طلاق کا اطلاق بھی نہ ہوتا۔ اب فتویٰ سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر داماد کو خسر کی بات اور نقل پر اعتماد بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی معاملہ سہل ہے، وہ یہ کہ شوہر یہ کہہ دے کہ "میں نے اپنی بیوی کو لوٹالیا" اور پھر بدستور تعلقِ زوجیت قائم کرلے، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ یہ حق عدت کے اندر اندر ہے، یعنی جس وقت الفاظ مذکورہ بیوی کے حق میں کہے ہیں اور بیوی ایک ہفتہ میں نہیں گئی تو اس وقت تین حیض گذرنے سے پہلے پہلے شوہر کو اختیارِ مذکور حاصل ہے(۱)، تین حیض گزرنے پر عدت ختم ہوجائے گی اور مذکورہ اختیار بھی ختم ہوجائے گا، اس وقت تجدیدِ نکاح کی ضرورت پیش آئے گی (۲)۔ اگر داماد کو خسر کی بات اور نقل پر اعتماد نہ ہو، بلکہ اپنی بات اور مراد پر اصرار ہو تو خسر کا قول شرعاً بغیر دونوں گواہوں کے تسلیم نہ ہوگا، داماد کا قول معتبر رہے گا (۳)۔

تنبیہ: اللہ کے ساتھ رسول کا گواہ بنانا جائز نہیں (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۸۹ھ۔

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة الخ: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة: ۳/۱۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/۴۳۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "(و) نصابها [أي نصاب الشهادة] (لغيرها من الحقوق، سواء كان) الحق (مالاً أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) .... (أو رجل وامرأتان)".

(الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۵، سعيد)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها الخ: ۳/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۱۰۳، رشيديه)

(۴) "ومن تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لايجوز النكاح، كذا في التجنيس والمزيد". (الفتاویٰ =

’’میں نے اپنی بیوی کو.......... دے دی‘‘ کا شرعی حکم

سوال[۲۰۸۳]: ایک شخص رفیق اپنی بیوی عابدہ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہےاور روزانہ عابدہ سے لڑتا جھگڑتا ہےاور کہتا ہے کہ ’’تو مجھے پسند نہیں ہے، میں تجھے طلاق دے دوں گا، تُو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا، اپنے باپ سے کہہ دے کہ میں شوہر کے گھر جانا نہیں چاہتی، تاکہ میری بدنامی نہ ہو، تُو خود ہی باپ کے گھر بیٹھ جا‘‘۔ عابدہ نے ایسا نہیں کیا، باپ کے گھر نہیں گئی، شوہر ہی کے گھر رہی۔ اسی دوران رفیق نے ایک دن لڑائی جھگڑے کے دوران اپنی بیوی عابدہ بیگم کو حسبِ ذیل عبارت لکھ کر دی:

’’اپنے قلم سے میں نے عابدہ کو.......... دے دی ہے‘‘۔

اس جملہ میں بیچ میں جگہ چھوڑ دی جس میں ’’طلاق‘‘ کا لفظ ہی فٹ آسکتا ہے۔ رفیق کا جو سلوک اپنی بیوی کے ساتھ ہےاور جو نیت وارادہ اپنی بیوی سے ظاہر کرتا ہے، اس کی روشنی میں یہ جملہ اس طرح پورا ہوتا ہے کہ ’’میں نے عابدہ کو طلاق دے دی‘‘۔

مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں، اگر طلاق واقع ہوگی تو کس قسم کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۱۳۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۰/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳، رشيديه)

(۱) "وركنه لفظ مخصوص هو ماجُعل دلالةً على معنیٰ الطلاق من صريح، أو كناية .... وبه ظهرأن من تشاجر مع زوجته .... ولم يذكر لفظاً لاصريحاً وكنايةً، لايقع عليه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۳۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على التبيين للزيلعي: ۲۰/۳، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في ركن الطلاق: ۲۱۰/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

باب الطلاق الصریح

(طلاقِ صریح کا بیان)

صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں

سوال [۶۰۸۴]: زید کی زوجہ کچھ خاوند کی ناقدردان ہے اور خانگی کاروبار میں خاوند کے کہنے کی پرواہ نہیں کرتی، کھانا وغیرہ دیتے وقت بھی اکثر زبان درازی کرجاتی ہے اور ناشائستہ کلمات بک دیتی ہے۔ زوج بہت غریب آدمی ہے، دو بچے ہی ہیں، بوجۂ عسرت یہ نوبت آتی ہے۔ زوج نے اکثر موقعوں پر اس کی زبان درازی سے تنگ آکر اپنی جہالت سے کہہ دیا کہ ''تو چلی جا، میں نہیں رکھتا، تجھے طلاق دیدی''۔ ایک مرتبہ یہ بھی کہا کہ ''تو میری خالہ ہے، اگر میرے بھائی نے اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے نہ کیا تو تجھے نہ رکھوں گا''۔

زوجہ اپنی ساس سے لڑتی ہے تو زید نے کہا کہ ''قسم اللہ کی! اگر تو لڑے گی تو تجھے طلاق ہے'' اور یہ کلمہ تین مرتبہ کہا، جب زید نے کہا کہ اس طرح کہنے سے طلاق پڑ جاتی ہے تو زوج اور زوجہ بہت نادم ہوئے اور منفعل ہوئے۔ اور زید کہتا ہے کہ میں نے تو دل سے طلاق نہیں دی۔ تو کیا واقعی طلاق پڑ گئی، اگر پڑی تو کونسی طلاق پڑی ہے؟ رجوع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ایک طلاق پڑی ہے یا دو تین پڑ گئیں؟ بینوا توجروا۔

۴/شوال/۱۳۵۷ھ، اڑیسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین مرتبہ طلاق دینے سے مطلقہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے رکھنا درست نہیں ہے (۱)، صریح الفاظ میں

---

(۱) ''وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها، والأصل فيه قوله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾''. (الهداية: ۲/۳۹۹ كتاب الطلاق فصل فيما تحل به المطلقة شركت علميه ملتان) .... =

نیت کی حاجت نہیں ہے(۱)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/ ۵۷ھ۔

طلاقِ رجعی، بائن اور مغلظہ میں فرق

سوال[۶۰۸۵]: ایک شوہر نے رمضان شریف میں شام کے وقت روزہ کی جھانجھ میں جھگڑے ولڑائی کے بعد اپنی عورت کو تین مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ''میں نے تجھ کو آزاد کیا'' اور پھر یہی الفاظ ایک تیسرے شخص کے سامنے بھی دریافت کرنے پر تین مرتبہ کہے۔ آیا اس صورت میں طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ اگر طلاق پڑ گئی ہے تو کس قسم کی؟ آیا رجعی یا بائن یا مغلظہ واقع ہوئی؟ اور عورت حاملہ ہے تو عدت کتنے روز تک ہوگی؟ نیز طلاق رجعی بائن ومغلظہ کی صاف وضاحت فرمایئے کہ نتیجہ میں تینوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

العبد: امیر احمد، مبلغ وسفیر دار الصناعۃ، مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وکرامۃ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں شوہر کی طرف سے بیوی کے حق میں یہ الفاظ کہ ''میں نے تجھ کو آزاد کردیا'' بمنزلہٗ صریح طلاق کے ہیں جن سے بلانیت طلاق ہوجاتی ہے (۲) اور تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوجاتی ہے، پس

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲۰۳/۳، كتاب الطلاق، مسائل المحلل و غيرها، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱ فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۱) ''سمي هذا النوع صريحاً .... وهذه الألفاظ ظاهرة المراد؛ لأنها لا تستعمل إلا في الطلاق عن قيد النكاح، فلا يحتاج فيها إلى النية لوقوع الطلاق؛ إذ النية عملها في تعيين المبهم ولا إبهام فيها''.

(بدائع الصنائع: ۲۲۲/۴، كتاب الطلاق، شرط النية في الكناية، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۳۷/۳، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۲) ''لوقال الرجل لإمرأته: ''ترا چنگ بازداشتم''، أو ''بهشتم''، أو ''يله كردم ترا''، أو ''پائے كشاده كردم ترا''، فهذا كله تفسير قوله: ''طلقتك'' عرفاً، حتى يكون رجعياً، ويقع بدون النية، كذافي الخلاصة''. (الفتاوىٰ=

صورت مسئولہ میں اس عورت پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی اور اس کا حکم یہ ہے کہ حلالہ کرے یعنی: عدت ختم ہونے پر عورت کسی اور دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور وہ شخص نکاح کے بعد اس سے صحبت کرے، پھر اگر طلاق دیدے یا مرجائے تو عدت گذار کر اس پہلے شوہر سے نکاح درست ہوگا، بغیر اس کے نکاح درست نہیں(۱)۔ حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے(۲)۔

صریح لفظ سے (یعنی جس لفظ کا استعمال صرف طلاق میں ہوتا ہو کسی اَور میں نہ ہوتا ہو) طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ کنایہ سے (یعنی جس لفظ کا استعمال طلاق میں بھی ہوتا ہے اور غیر طلاق میں بھی ہوتا ہے جیسے: نکل جا، دور ہو جا، میں نے تجھ کو نکال دیا، اپنے باپ کے گھر جا کر رہ وغیرہ) طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور اس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض دفعہ دلالتِ حال مثلاً لڑائی اور غصہ کی حالت یا طلاق کا پہلے سے تذکرہ ہونا، عورت کا مطالبۂ طلاق کرنا بھی نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اگر نہ نیت ہو نہ قائم مقامِ نیت ہو تو ایسے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور صریح الفاظ سے بلانیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، خواہ خوشی کی حالت میں کہے

= العالمکیریة: ۱/۳۷۹، الفصل السابع فی الطلاق بالألفاظ الفارسیه، رشیدیه)

"ثم فرق بینه وبین سرحتک، فإن سرحتک کنایة، لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح، فإذا قال: "رہا کردم" أی سرحتک، یقع به الرجعی مع أن أصله کنایة أیضاً". (ردالمحتار: ۳/۲۹۹، باب الکنایات، سعید)

(۱) "وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة، أوثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحاً ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار، باب الرجعة: ۳/۴۱۰، ۴۱۱، سعید)

(۲) "(العدة) فی حق الحامل مطلقاً ولو أمةً أو کتابیةً أومن زنا، بأن تزوج حبلی من زنا، ودخل بها، ثم مات، أو طلقها، تعتد بالوضع". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۳/۵۱۱، باب العدة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۸، الباب الثالث عشر فی العدة، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴/۲۲۶، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۲۵۲، باب العدة، درالکتب العلمیة بیروت)

خواہ غصہ کی۔

نتیجہ کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ طلاق رجعی میں صرف رجعت کافی ہے، یعنی: عدت کے اندر اندر یہ کہہ دے کہ میں نے طلاق واپس لے لی، یا رجوع کرلیا وغیرہ اور صحبت وغیرہ سے بھی رجعت ثابت ہوجاتی ہے۔

طلاقِ بائن میں رجعت کا اختیار نہیں رہتا، بلکہ دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے، ہاں یہ اختیار ہوتا ہے چاہے شوہر بیوی عدت کے اندر نکاح کرلیں چاہے عدت کے بعد، اور طلاق مغلظہ میں نہ رجعت کا اختیار باقی رہتا ہے، نہ دوبارہ نکاح درست ہوتا ہے، حلالہ کی ضرورت پیش آتی ہے (۱) جس کی کیفیت صورت مسئولہ کے جواب میں بیان کی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۶ھ۔

عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/شوال/۵۶ھ۔

---

(۱) "فما لایستعمل فیها إلافی الطلاق، فهو صریح، یقع بلانیة، وما استعمل فیها استعمال الطلاق وغیره، فحکمه حکم کنایات العربیة فی جمیع الأحکام". (ردالمحتار: ۳/۲۴۷، باب الصریح، سعید)

"وتصح (الرجعة) بتزوجها فی العدة إن لم یطلق بائناً، فإن أبانها فلا". (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، باب الرجعة، سعید)

"فالصریح ماظهر المراد منه ظهوراً بیّناً، حتی صار مکشوف المراد بحیث یسبق إلی فهم السامع بمجرد السماع، حقیقةً کان أو مجازاً، وتقع واحدة رجعیة. (تبیین الحقائق). "الکنایات ماخفی المراد منه، لتوارد الاحتمالات، لاتطلق بها إلا بنیة، أو دلالة الحال". (حاشیة الشلبی: ۳/۳۹، ۷۵، کتاب الطلاق، باب الکنایات، دارالکتب العلمیه، بیروت)

"فالصریح قوله: أنت طالق؛ لأن هذه الألفاظ تستعمل فی الطلاق، ولاتستعمل فی غیره، فکان صریحاً، وأنه یعقب الرجعة بالنص، ولا یفتقر إلی النیة؛ لأنه صریح فیه لغلبة الاستعمال.......... الکنایات لا یقع بها الطلاق إلابالنیة أو بدلالة الحال؛ لأنها غیر موضوعة للطلاق، بل تحتمله وغیره، فلابد من التعیین أودلالته، وبقیة الکنایات إذ نوی بها الطلاق کانت واحدةً بائنةً، وإن نوی ثلاثاً، کان ثلاثاً، وإن نوی ثنتین کانت واحدةً بائنةً". (الهدایة: ۲/۳۵۹، ۳۷۳، ۳۷۴، باب إیقاع الطلاق، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

طلاقِ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں

سوال[۶۰۸۲]: ۱......زید کی ماں زید کو برا بھلا کہہ رہی تھی، وہ خاموش سن رہا تھا، اتنے میں اَور لوگ زید کی ماں کی آواز سن کر آ گئے، زید ماں کی باتوں کو سن کر عاجز آ گیا، تو لوگوں کو مخاطب کر کے بولا کہ ''تم لوگ گواہ رہو کہ میں زینب کو طلاق دے رہا ہوں''۔ یہ الفاظ زید نے تین بار کہے۔ معلوم ہوا کہ اس جھگڑے میں زید کی بیوی کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ زید کی نیت طلاق دینے کی تھی۔ کیا اس سے طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ بیوی گھر والوں کی بہت فرمانبردار ہے، اس وقت اس کی بیوی وہاں موجود بھی نہ تھی اور نہ اس نے طلاق کے الفاظ ہی سنے ہیں۔

۲......حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ذرا زبان سے کہہ دیا طلاق ہوگئی، نہ نیت کی ضرورت، نہ کسی کی مرضی کی؟ اس کے علاوہ میں نے ابھی تک کسی سے نہ سنا، نہ دیکھا کہ بغیر نیت کوئی کام ہو جاتا ہو، نکاح میں تو عورت اور مرد کی رضامندی ضرور ہوتی ہے، زبردستی سے نکاح نہیں ہوتا، جب شریعت نے عورت کو نکاح قائم کرنے کا حق دیا ہے تو برقرار رکھنے کا حق کیوں نہیں دیا؟ دونوں زندگی گزارنے میں ذرا سی غلطی سے عورت کو طلاق دے دیا، اب نہ وہ شوہر کی جائیداد لے سکتی ہے اور نہ ہی بچہ لے سکتی ہے، کس کے سہارے زندگی گزارے، کرے تو کیا کرے؟ بیچاری اپنی عصمت کو دوسرے کے سپرد کر کے نکاح کرے، یہ کیسا انصاف ہے؟ یہ بہت شرمناک ہے کہ جو عورت زندگی میں ساتھ رہ چکی ہو وہ پھر دوسرے کے نکاح میں جائے، لیکن بُرے آدمی کا کیا نقصان کرے؟ پھر دوسری عورت مل جاتی ہے۔

۳......اب تین بار طلاق دینے سے مغلظہ ہوگئی، وہ ہمیشہ کے لئے نکاح سے نکل گئی، دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہے تو عورت دوسرا نکاح کرے، اپنی عصمت ریزی کرائے، پھر دوسرے دن وہ طلاق دے تو پہلے شوہر کے پاس آنے کے قابل ہو۔ طلاق کیا ہے، ایک چلتا پھرتا تماشا ہے، کوئی زبان سے تو نہیں کہتا کہ اس عورت سے نکاح کرو اور کل طلاق دینا، مگر دل میں یہی ہوتا ہے جب کہ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، پھر جس چیز پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعنت کریں، وہ کیوں کر جائز ہے؟ حضرت سے تواضع کے ساتھ درخواست ہے کہ ہر بات کا جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک عاقل بالغ شخص حواس سالم رہتے ہوئے ایک جملہ بولتا ہے جو اپنی وضع کی حیثیت سے معنی دار ہے مہمل نہیں، برمحل ہے (بیوی کے حق میں ہے) بےمحل نہیں ہے، ماں کی سخت گفتگو کی وجہ سے، جس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ماں کو سکون حاصل ہو جائے، پھر وہ سخت گفتگو نہیں کرے گی، تو کیسے تسلیم کیا جائے کہ اس کی نیت نہیں تھی (۱)۔

صاف صریح لفظوں میں بھی نیت پر مدار رکھا جائے تو سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، بڑی سے بڑی بات آدمی کہہ دے پھر کہے کہ میری نیت نہیں تھی، اپنے والد کو گالی دے پھر کہے کہ میری نیت نہیں تھی، مکان فروخت کر دے اور کہے کہ میری نیت نہیں تھی، نکاح کا ایجاب وقبول کر لے اور کہے کہ میری نیت نہیں تھی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کی انسانیت ختم کر دی گئی اور اس کو جانوروں میں داخل کر دیا گیا۔ طلاق کا حال تو ایسا ہے جیسے کوئی چاقو پیٹ میں مار کر چاک کر دے پھر کہنے لگے میری نیت نہیں تھی، اس کی نیت ہو یا نہ ہو اس سے کیا بحث ہے، پیٹ تو چاک ہو ہی گیا، اب کہتا ہے کہ میری نیت نہیں تھی۔

عورت کی مرضی نکاح میں لی جاتی ہے، لیکن جب وہ نکاح میں آ گئی تو طلاق کا اختیار خدائے پاک نے صرف مرد کو دیا ہے، عورت کی مرضی پر طلاق موقوف نہیں (۲)۔ بچے کی پرورش کا حق عورت کو ہے، وہ محض طلاق

---

(۱) "الصريح ما لا يحتاج إلى نية، بائناً كان الواقع به أو رجعياً". (الدر المختار: ۳/۳۰۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلب: الصريح يلحق الصريح والبائن، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۴، ۵، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۲۲، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أما الذي يرجع إلى الزوج، فمنها: أن يكون عاقلاً حقيقةً أو تقديراً، فلا يقع طلاق المجنون والصبي الذي لا يعقل". (بدائع الصنائع: ۴/۲۱۳، كتاب الطلاق، فصل في شرائط الركن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، مطلب طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۱۶، كتاب الطلاق، رشيديه)

سے ختم نہیں ہوجاتا (۱)۔ اپنا مہر بھی لے سکتی ہے (۲)۔ عدت کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے (۳)، بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح کرے، نفقہ اس کے ذمہ ہوگا۔

اس نے پہلا نکاح کر کے عصمت شوہر کے سپرد کردی تھی، اسی طرح دوسرا نکاح کر کے اپنی عصمت اس کے سپرد کرنے میں کیا اشکال ہے؟ پہلے نکاح میں یہ اشکال کیوں پیش نہیں آیا؟ شریعت نے حلالہ پر مجبور نہیں کیا، اس کا بھی اختیار ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق کے بعد کسی سے بھی نکاح نہ کرے، اس کا بھی اختیار ہے کہ بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہمیشہ اسی کے ساتھ رہے، لیکن اگر جذبات کی تسکین بغیر پہلے شوہر کے پاس جائے نہ ہوتی ہو تو اس کے لئے راستہ یہ بتایا گیا ہے جس پر چلنا خود عورت کے اختیار میں ہے، اس کو مجبور نہیں کیا گیا۔ دوسرے شخص سے نکاح کو عصمت ریزی کہنا بڑی جسارت ہے، اگر یہ عصمت ریزی ہے تو پہلے شوہر کے پاس بھی رہنا عصمت ریزی ہے، ایسے الفاظ سے توبہ کی جائے۔

---

(۱) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمّ، إلا أن تكون مرتدةً أو فاجرةً غير مأمونة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۴۱، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/۵۵۵، کتاب الطلاق، باب الحضانة، سعیا)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۵۰۰، کتاب الطلاق، باب الحضانة، رشیدیه)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۰۳، کتاب الطلاق، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة، رشبدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۵۱، کتاب الطلاق، باب الحضانة، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۵۲۰، کتاب الطلاق، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أو لم تكن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۵۷، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۴۰، کتاب الطلاق، فصل فی نفقة المعتدة، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴/۳۳۷، کتاب الطلاق، باب النفقة، رشیدیه)

طلاق کو تماشا بنانا جاہلوں کا کام ہے کہ ذرا سی بات ماں سے ہوئی فوراً تین طلاق دیدی، پھر دوسرے سے کہہ کر طلاق دلوائی، یہ تو شریعت کا حکم نہیں، اپنی جہالت اور حیوانیت کو شریعت کا حکم کیوں بتایا جاتا ہے۔ جو شخص واقفِ حال ہو وہ اس نیت سے ایسی مطلقہ عورت سے نکاح کرے کہ بعد صحبت میں طلاق دیدوں گا تاکہ اس غریب کا گھر آباد ہو جائے تو اس پر اس کو اجر ملے گا (۱)، اس پر لعنت نہیں وارد ہوئی، آپ نے اگر لعنت سنی تو غلط سنی۔ لعنت والی صورت یہ ہے کہ شوہر اول کسی آدمی سے یہ شرط لگا کر اپنی مطلقہ کا نکاح کرائے کہ تم بعد میں طلاق دیدینا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۵ھ۔

طلاق قبل الدخول و بعد الدخول میں زوجین کے اختلاف کا حکم

سوال [۶۰۸۷]: اگر زوجین میں اختلاف ہو زوجہ کہتی ہو کہ مجھے طلاق بعد الدخول دی گئی ہے اور زوج کہتا ہے کہ قبل الدخول دی ہے تو کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زوجہ کا قول معتبر ہوگا: "و في القنية: افترقا فقالت: افترقنا بعد الدخول، فالقول قولها؛ لأنها تنكر سقوط نصف المهر". بحر: ۱۴۶/۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لفظ "چھوڑ دیا" سے طلاق کا حکم

سوال [۶۰۸۸]: زید نے عمر سے اس کی بیوی کے متعلق کہا کہ تو اپنی بیوی کو کیوں نہیں لے آتا تو عمر نے زید کو یہ جواب دیا کہ "ہم نے اس کو چھوڑ دیا"۔ ازروئے شرع اس سے طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اگر ہوگئی تو رجعی یا بائن؟

عبدالحق محمد امین، کوپا گنج، اعظم گڑھ۔

---

(۱) "وإن لم يشترط التحليل في النكاح، حل للأول و لا يكره، ولا تعتبر النية. ولو شرطاه، فعلى الخلاف. و قيل: المحلل مأجور، و تأويل اللعن إذا شرط الأجر". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۶۲/۱، كتاب الطلاق، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، نوع آخر في المحلل، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق: ۲۵۶/۳، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لفظ ''ہم نے اس کو چھوڑ دیا'' یہاں کے عرف میں بمنزلۂ صریح کے ہے، اس سے بلانیت بھی ایک طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہے خواہ مذاق ہی میں کیوں نہ کہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی (۱)، عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہے اور بعد عدت نکاح درست ہے (۲)، جہاں کا عرف اس کے خلاف ہو وہاں یہ حکم نہ ہوگا (۳)۔

محمود گنگوہی، ۱۴/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۴/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "وإن كانت (أي: الكتابة) مرسومة يقع الطلاق نوىٰ أو لم ينو اه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، كتاب الطلاق، الفصل السادس: الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، فصل الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۴۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

"بخلاف فارسية قوله: سرحتک وهو ''رہا کردم''؛لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... فإذا قال: ''رہا کردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي، اهـ". (ردالمحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) "وتصح في العدة إن لم يطلق ثلاثاً .... و مراده أن لا يكون بائناً، سواء كان واحدةً أو ثنتين. وينكح مبانته في العدة وبعدها: أي المبانة بما دون الثلاث". (البحر الرائق: ۴/۸۳، ۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۳۹۶، ۴۰۳، شرائط جواز الرجعة، حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) ''عربی فتاویٰ میں لفظ ''سرحتک'' ''میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے'' کو الفاظِ کنایہ میں شمار کیا گیا ہے:

(كما في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلب لااعتبار بالإعراب هنا: ۳/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فيٍ الكناية في الطلاق: ۴/۲۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق: ۳/۵۲۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الخامس في =

دوطلاق کے بعد کہا ’’یہاں سے جاؤ اب تو چھوڑ دیا، نا‘‘

سوال[۱۰۸۹]: زید کی بیوی ہندہ اوراس کی ساس سے کسی بات پر تکرار ہوئی، زید نے بیوی کو منع کیا کہ کیوں بلاوجہ تکرار کر رہی ہے، لیکن وہ نہ مانی تو زید نے کہا کہ ’’فلاں کی لڑکی کو طلاق طلاق‘‘، اس کے بعد زید نے اپنی بیوی سے دوبارہ یہ بھی کہا کہ ’’یہاں سے جاؤ اب تو چھوڑ دیا، نا‘‘۔ صورت مذکورہ میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چونکہ یہ لفظ ہمارے اردو کے محاورہ میں صریح طلاق کے معنی میں ہے جیسا کہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنویؒ نے مجموعہ فتاویٰ:۱/ ۳۲۹ میں تصریح فرمائی ہے (۱)، لہٰذا اس لفظ سے بھی طلاق واقع ہو کر ہندہ پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں۔ اگر زید کہے کہ اس لفظ سے میرا مقصود پہلے دوطلاقوں کا بیان ہے تو اس کا یہ کہنا دیانۃً ہوسکتا ہے، لیکن قضاءً یہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور چونکہ عورت مثلِ قاضی کے ہے، لہٰذا جب کہ ہندہ نے زید سے لفظِ مذکور سنا تو اس صورت میں تین طلاق ہی کا حکم ہے، پس ہندہ بغیر حلالہ کے زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

درمختار میں ہے:

”كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دين“. ۲/ ٤٦٠۔

شامی میں ہے:”أي وقع الكل قضاءً، وكذا إذا أطلق، أشباه: أي بأن لم ينوه استحساناً،

= الكنايات: ۱/ ۳۷۵، رشيديه)

اردو فتاویٰ میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۹/ ۴۲۸، امدادیہ ملتان، اور عزیز الفتاویٰ:۲/ ۵۷۰، میں اسے لفظ کنایہ شمار کیا گیا ہے اور یہی رائے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ہے، البتہ حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس لفظ کو بوجہ عرفِ عام صریح رجعی قرار دیا ہے اور یہی رائے حضرت مفتی صاحب کی ہے۔ بہشتی زیور، حصہ چہارم: ص:۲۹۱، اور امداد الفتاویٰ: ۲/ ۴۳۵، اسی طرح مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۴۰۹، میں اس کو طلاقِ صریح قرار دیا ہے، جب کہ فتاویٰ حقانیہ میں اسے کنایات میں شمار کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی بھی ایک رائے اس کے طلاق صریح ہونے کی ہے، جیسا کہ ردالمحتار:۳/ ۲۹۹، باب الکنایات میں ہے۔ (از مرتب: فضلِ مولیٰ)

(۱) (مجموعة الفتاویٰ: ۲/ ۶۸، كتاب الطلاق، سعيد)

ولا تاكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد". ٢/٤٦٠(١)۔ "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لا يحل لها تمكينه". ٢/٤٣٢(٢)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوبار طلاق کا واقع ہوجانا تو بالکل ظاہر ہے، اس کے بعد جب دوسرا جملہ کہا کہ "یہاں سے جاؤ، اب تو چھوڑ دیا، نا" اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ تم کو دوبار طلاق دے کر چھوڑ دیا ہے، لہٰذا اب یہاں سے جاؤ تو اس جملہ سے کوئی جدید طلاق نہیں ہوئی بلکہ یہ پہلی طلاق کی خبر وحکایت ہے، لہٰذا شوہر کو حقِ رجعت عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے حاصل ہے(۳)۔

اگر یہ خط کشیدہ جملہ اس مقصد کے لئے نہیں بولا بلکہ "یہاں سے جاؤ" طلاق کے لئے کہا ہے تو اس سے تیسری طلاق واقع ہوکر تب مغلظہ ہوگئی (۴)۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہلی دو طلاق رجعی کو بائن کرنا مقصود ہو، تو اس سے مستقل طلاق نہ ہوگی، بلکہ پہلی دی ہوئی رجعی طلاق بائن ہوجائے گی (۵) اور بغیر حلالہ

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۹۳/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۲۵۱/۳، کتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلک أو لم ترض".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، کتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۴/۲، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه شركة علمية)

(وكذا في المبسوط: ۱۹/۶، کتاب الطلاق، باب الرجعة، حبيبية كوئٹه)

(۴) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولىٰ الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها، صدّق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۶/۱، ۳۵۵، کتاب الطلاق، الباب الثاني فه إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۶۱/۱، کتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۹۳/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(۵) "رجل طلق امرأته بعد الدخول واحدةً، ثم قال بعد ذلک: جعلتُ تلک التطليقة بائنةً، أو قال: جعلتها ثلاثاً، اختلفت الروايات فيه: والصحيح أن على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ تصير بائناً أو ثلاثاً". =

کے تجدیدِ نکاح کافی ہوگا(۱)۔

بیوی کے حق میں لفظ ''چھوڑ دیا'' ہمارے عرف میں بمنزلہ صریح طلاق کے ہے(۲)، لیکن شوہر کا صورتِ مسئولہ میں دو طلاق دے کر یہ کہنا کہ ''یہاں سے جاؤ، اب تو چھوڑ دیا، نا'' ظاہر کر رہا ہے کہ اس لفظ سے انشائے طلاق مقصود نہیں، بلکہ دی ہوئی طلاق کا اظہار واقرار اور اس کی نقل وحکایت مقصود ہے جس پر ''یہاں سے جاؤ'' متفرع کر رہا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، إلباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الثالث في تشبيه الطلاق ووصفه، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۹/۴، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۰۵/۳، باب الكنايات، سعيد)

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۹/۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، باب الرجعة، شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

(۲) "ثم فرق بينه وبين سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رہا کردم'': أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً". (ردالمحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۳۵/۴، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية، دار الكتب العلميه، بيروت)

''ہم نے اس کو چھوڑ دیا'' کہنے کا حکم

سوال[۲۰۹۰]: مسمی شاکر خان نے اپنی زوجہ زبیدہ کو روبرو گواہان یہ کہا کہ ''ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور وہ خلع کے پانچ صد روپے ہم سے لے لیں''۔ کیا اس صورت میں مسماۃ زبیدہ کو اپنے شوہر سے طلاق بائن ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بیوی کو ایسا کہنے سے ''ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے'' ایک طلاق رجعی واقع ہوگی (۱)۔ اور خلع کا صحیح ہونا بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے، وہ اگر جب ہی قبول کرلے تو صحیح ہوجاتا ہے، ورنہ خلع صحیح نہیں ہوتا (۲)، نیز خلع میں کچھ دینا بھی ہوتا ہے، بیوی دیتی ہے نہ کہ شوہر۔ بظاہر خلع کا مطلب شوہر کے نزدیک اصطلاحی خلع نہیں بلکہ ادائیگی مہر ہی طلاق کے ساتھ مقصود ہے، اس سے طلاق بائن نہیں ہوئی، اگر عدت میں رجعت نہ کی تو عدت ختم ہونے پر بائن ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

---

(۱) "ثم فرق بينه و بين سرّحتک، فإن سرحتک كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رہا کردم'' أي سرحتک، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً". (ردالمحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۲) "لو قال: خلعتک بكذا، فقالت: نعم، فليس بشيء .... و لو قالت: رضيت أو أجزت، صح".
(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع و ما في حكمه، رشيديه)

"وشرطه كالطلاق، و هو أهلية الزوج و كون المرأة محلاً للطلاق .... وأما ركنه إذا كان بعوض الإيجاب والقبول؛ لأنه عقد على الطلاق بعوض، فلا تقع الفرقة و لا يستحق العوض بدون القبول". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، رشيديه)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها .... ولا بد من قيام العدة ...... إنما يتحقق الاستدامة في العدة؛ لأنه لاملک بعد انقضائها". (الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۴، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، الخ: ۱/۴۷۰، رشيديه)

لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۰۹۱]: زید نے کسی معمولی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا کر کے کہا ''جاؤ، میں نے تجھے چھوڑ دیا''۔ بعدہ زید سے پوچھا گیا ''جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا'' اس سے تیرا کیا مطلب ہے؟ زید قسم کھا کر کہتا ہے اس لفظ سے میرا مطلب اپنی بیوی کو تنبیہ کرنا ہے تاکہ شرارت سے باز آجائے، نا کہ طلاق دے کر دور کر دینا۔ اس واقعہ سے قبل یا بعد لفظِ طلاق یعنی مذاکرۂ طلاق نہیں ہوئی، میاں اور بیوی دونوں قسم کھا کر اقرار کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بلا نیت ''جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا'' اس لفظ سے طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوگی تو جواب بحوالہ کتب ضرور مرحمت فرمادیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں دو لفظ ہیں: ''جاؤ'' دوسرا: ''میں نے تجھے چھوڑ دیا''۔ پہلا لفظ کنایہ ہے کہ طلاق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر طلاق کے لئے بھی، اس میں رد کی بھی صلاحیت ہے اور جواب کی بھی، اس سے طلاق ہونے کا مدار نیت پر ہے اور شوہر کا قول قسم کے ساتھ نیت کے بارے میں معتبر ہے:

''و ما يصلح جواباً و رداً، لاغير، اخرُجِيْ اذْهَبِيْ .... ففي حالة الرضاء، لا يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين، وفي حال مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاءً، إلا فيما يصلح جواباً و رداً، فإنه لا يجعل طلاقاً، كذا في الكافي. و في حالة الغضب يصدق في جميع كل ذلك، اهـ''. الفتاویٰ العالمكيرية مختصراً: ۱/۳۷۴(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار: ۳/۲۹۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(و كذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۳۱۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۹، ۸۰، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۳/۵۲۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

دوسرا لفظ: ’’میں نے تجھے چھوڑ دیا‘‘ ہمارے عرف میں بمنزلہ صریح طلاق کے ہے، اس سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے:

”إذا قال الرجل لامرأته: **”بهشتم تُرا از زنی“** فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان وأهل عراق فى الطلاق، وأنها صريحة عند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، حتى كان الواقع بها رجعياً، ويقع بدون النية۔ و فى الخلاصة: وبه أخذ الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ۔ و فى التفريد: وعليه الفتوى، كذا فى تاتارخانية۔

وإذا قال: **”بهشتم تُرا“** ولم يقل: **”از زنى“** فإن كان فى حالة الغضب و مذاكرة الطلاق، فواحدةٌ يملك الرجعة، وإن نوى بائناً أو ثلاثاً فهو كما نوىٰ۔ و قول محمد رحمه الله تعالىٰ فى هذا كقول أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، كذا فى المحيط۔ ولو قال الرجل لامرأته: **”تُرا چنگ باز داشتم“** أو **”بهشتم“** أو **”يله كردم تُرا“** أو **”پائے كشاده كردم ترا“** فهذا كله تفسير قوله: طلّقتُك، عرفاً، حتى يكون رجعياً، و يقع بدون النية، كذا فى الخلاصة۔ وكان الشيخ الإمام ظهير الدين المرغينانى يفتى فى قوله: **”بهشتم“** بالوقوع بلا نية، و يكون الواقع رجعياً، اهـ“. فتاوى عالمگیری مصری: ۱/ ۲۷۹ (۱)۔

”بخلاف فارسية قوله: سرحتك، و هو **”رها كردم“**؛ لأنه صار صريحاً فى العرف على ماصرح به نجم الزاهدى الخوارزمى فى شرح القدورى .... فإن سرحتك كنايةٌ، لكنه فى عرف الفرس غلب استعماله فى الصريح، فإذا قال **”رها كردم“**: أى سرحتك، يقع به الرجعى مع أن أصله كناية أيضاً، و ما ذلك، إلا لأنه غلب فى عرف الفرس استعماله فى الطلاق، و قد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا فى الطلاق من أىّ لغة كانت .... وأما إذا تعورف استعماله فى مجرد الطلاق، لا بقيد كونه بائناً، يتعين وقوع الرجعى به، كما فى فارسية

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السابع فى الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

سرحتك". شامی:۲/۷۱۷(۱)۔

عبارتِ بالا سے چند امور معلوم ہوئے: عربی میں "سرحتك" اور فارسی میں "بهشتم" یا "رها کردم" یا "یله کردم" اصالۃً کنایہ ہیں، لیکن عرفاً ان کا استعمال طلاق ہی میں غالب ہے، ایسے الفاظ سے بلا نیت طلاق واقع ہوجاتی ہے اور طلاقِ رجعی ہوتی ہے اور یہ حکم غلبۂ استعمال کی بنا پر ہے، لہٰذا جہاں یہ عرف نہ ہوگا وہاں یہ حکم بھی نہ ہوگا۔

اس سے فتاوی سراجیہ کی عبارت کا محمل بھی معلوم ہوگیا، یہ لفظ اصل کے اعتبار سے کنایہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر نیت واقع نہ ہو۔

رہا یہ کہ عرف کی وجہ سے اس سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سے اس عبارت میں تعرض نہیں کیا مجموعہ فتاوی: ا/۳۸۳ میں مولانا عبدالحی نے اس لفظ سے جو سوال میں مذکور ہے وقوعِ طلاق کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ''معنی صریح طلاق کے ہیں''(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/محرم/۵۹ھ۔

لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق

استفتاء [۶۰۹۲]: ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک بالغ لڑکے سے اس شرط پر کردیا کہ لڑکا میرے گھر پر رہے، لڑکے کے والد نے بھی لڑکے کی طرف سے اس شرط کو منظور کیا، نکاح ہوگیا، نکاح کے بعد لڑکی والد نے لڑکے کے گھر پر ایک دن کے لئے بھیج دی، اس کے بعد لڑکی اپنے والد کے مکان پر آگئی، مگر چند روز کے بعد لڑکا آگیا اور کہنے لگا کہ اپنی لڑکی کو میرے گھر بھیج دو، میں نے کہا کیوں بھیجدوں جب کہ یہ شرط قرار پائی کہ لڑکی اور تم بھی میرے گھر پر رہو، کہنے لگا کہ میں اس پر راضی نہیں، نہ میرے والدین، آخر الامر بہت جھگڑا ہوگیا۔

لڑکے نے بہت گالیاں دیں اور اس کے والدین نے بھی بہت گالیاں دیں اور لڑکے نے یہ الفاظ مکرر

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۹۹، کتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) (مجموعة الفتاوی، کتاب الطلاق: ۲/۶۸، سعيد)

طریقے سے بیان کئے کہ "ہم نے لڑکی چھوڑ دی اور اس پر تھوک دیا"۔ اب حضرت اعلی سے استفسار یہ ہے کہ آیا ان الفاظ کے بار بار کہنے سے کہ "میں نے لڑکی چھوڑ دی اور اس پر تھوک دیا" اور یہ الفاظ تقریباً ہمارے دس آدمیوں کے سامنے بیان کئے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں یہ لفظ جب ایسے موقعہ پر مستعمل ہوتا ہے تو بمنزلۂ صریح طلاق کے ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگئی:

"ثم فرق بينه و بين سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كردم": أي سرحتك، يقع به الرجعي، مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". الى آخره. شامی: ۷۱۷/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

لفظ "چھوڑی" سے طلاق

سوال [۶۰۹۳]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو جو کہ مدخول بہا ہے پنجابی زبان میں یہ کہتا ہے کہ "میں نے چھوڑی، میں نے چھوڑی، میں نے چھوڑی" یعنی تین مرتبہ کہا۔ کیا ہم ان الفاظ کو مولانا اشرف علی صاحب مرحوم کے اس قول پر تطبیق دے سکتے ہیں جو بہشتی زیور میں طلاق دینے کے متعلق تحریر فرمایا ہے، چوتھے حصہ میں کہ: "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" کنایہ سے تعبیر کیا، زید کہتا ہے کہ یہ لفظ "میں نے چھوڑی" یہ صریح نہیں دینے میں

---

(۱) (رد المحتار: ۲۹۹/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

"لو قال الرجل لامرأته: "ترا چنگ باز داشتم"، أو "بهشتم"، أو "يله كردم ترا"، أو "پائے كشاده كردم ترا"، فهذا كله طلقتك، عرفاً .... و كان الشيخ الإمام ظهير الدين المرغيناني: يفتي في قوله: "بهشتم" بالوقوع بلا نية". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۹/۱، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

اور مولانا نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا ہے، لہذا باعثِ استفسار یہ بات ہوئی کہ ان الفاظ کو صریح یا غیر صریح مانیں؟ بیّن طور پر واضح فرمایئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لفظ ہمارے عرف میں بمنزلۂ صریح طلاق کے ہے، جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو یہ الفاظ کہتا ہے تو اس سے بغیر نیت کے رجعی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور تین مرتبہ مدخول بہا کو کہنے سے مغلظہ ہوجاتی ہے (۱)۔ اور بہشتی زیور جو کہ سب سے آخر میں چھپا ہے اور خاص طور سے اس کے مسائل کی تصحیح کی گئی ہے اس میں بھی مسئلہ کو اس صحیح طور پر لکھدیا ہے اور مولانا اشرف علی صاحب مرحوم نے اس کی عبارت بدل دی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۶۳/۲/۴ھ۔

---

(۱) ''عربی فتاویٰ میں لفظ ''سرحتک'' ''میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے'' کو الفاظِ کنایہ میں شمار کیا گیا ہے:

(کما فی ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات، مطلب لااعتبار بالإعراب ھنا: ۳/۳۰۰، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایة فی الطلاق: ۴/۲۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الکنایات فی الطلاق: ۳/۵۲۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات: ۱/۳۷۵، رشیدیہ)

اردو فتاویٰ میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/ ۴۲۸، امدادیہ ملتان، اور عزیز الفتاویٰ: ۲/۵۷۰، میں اسے لفظ کنایہ شمار کیا گیا ہے اور یہی رائے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ہے، البتہ حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس لفظ کو بوجہ عرفِ عام صریح رجعی قرار دیا ہے اور یہی رائے حضرت مفتی صاحب کی ہے۔ بہشتی زیور، حصہ چہارم: ص: ۲۹۱، اور امداد الفتاویٰ: ۲/ ۴۳۵، اسی طرح مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۴۰۹، میں اس کو طلاق صریح قرار دیا ہے، جب کہ فتاویٰ حقانیہ میں اسے کنایات میں شمار کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی بھی ایک رائے اس کے طلاق صریح ہونے کی ہے، جیسا کہ ردالمحتار: ۳/ ۲۹۹، باب الکنایات میں ہے۔ (فضلِ مولیٰ)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۴۷۳، ادارۃ تالیفات)

''میں تجھ کو چھوڑ چکا ہوں'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۰۹۴]: شوہر کئی مرتبہ کہہ چکا ہے کہ ''میں نے تجھ کو چھوڑ دی اور اگر اس کا شور کرے گی تو میں نہیں سنوں گا'' لڑکی نکاح میں رہی یا نہیں؟ لڑکی گھر جانے کے لئے تیار نہیں، گھر والے پریشان ہیں۔

محمد حنیف بلند شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر نے کہہ دیا کہ میں تجھ کو چھوڑ چکا ہوں تو طلاق واقع ہوگئی اور جب کئی بار کہہ چکا ہے تو ہرگز وہاں لڑکی کو نہ بھیجنے پر مجبور کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۵/ ۸۷ھ۔

''میں نے تجھے چھوڑا ہے'' سے صریح طلاق

سوال [۶۰۹۵]: زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین دفعہ ایسے لفظ کہے کہ ''میں نے تجھے چھوڑا ہے، میں نے تجھے چھوڑا ہے، میں نے تجھے چھوڑا ہے'' اور ساتھ ہی ہر بار ڈلا بھی پھینکتا ہے (۲) ایسے الفاظ کے ساتھ طلاق بائن ہوئی یا طلاقِ مغلظہ ہوتی ہے؟ حلالہ کی ضرورت ہے یا تجدید نکاح کی؟ بالتفصیل بیان فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں یہ لفظ بمنزلۂ صریح کے ہے، اس سے بلا نیت بھی طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہے اور مدخولہ کو تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوجاتی ہے، پھر تجدیدِ نکاح کافی نہیں بلکہ حلالہ لازم ہوتا ہے:

"بخلاف فارسية قوله: سرحتك، وهو "رها كردم"؛ لأنه صار صريحاً في العرف، على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... ثم فرق بينه و بين

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''لفظ: چھوڑ دی سے طلاق''۔)

(۲) ''ڈلا: بڑا سا ٹکڑا، بڑے حجم کی چیز، ڈھیلا''۔ (فیروز اللغات جامع، ص: ۶۸۰، فیروز سنز، لاہور)

سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كرم". أي سرحتك، يقع به الرجعي، مع أن أصله كناية أيضاً، و ما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، و قد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أيّ لغة كانت، اهـ". ردالمحتار: ۲/۷۱۷، باب الكنايات(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۲/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/۱۱/۵۸ھ۔

لفظ ''چھوڑ دی'' اور ''آزاد کردی'' کا حکم

سوال [۲۰۹۶]: لفظ ''آزاد'' صریح ہے یا کنایہ؟ (۲) لفظ ''چھوڑ دی'' صریح ہے یا کنایہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں جب شوہر اپنی بیوی کے لئے یہ لفظ بولتا ہے کہ ''میں نے اس کو آزاد کردیا'' تو اس سے طلاق ہی مراد ہوتی ہے، پس یہ بمنزلۂ صریح طلاق کے ہے۔ یہ لفظ بھی اسی طرح مستعمل ہے جس طرح لفظ ''آزاد کردیا'' ہے(۲)، کسی اور علاقہ کا کوئی عرف دوسرا ہو تو اس کا حکم بھی دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲/۲۹۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "ثم فرق بينه و بين سرحتک، فإن سرحتک كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رہا کردم'': أي سرحتک، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً". (ردالمحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية، رشيديه)

لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق

سوال[۷۰۹۶]: محمد شفیع نے اپنے خسر کے بھائی اللہ دتہ کو لکھا کہ ''تم اپنی لڑکی خاتون کو گھر پر ہی رکھو، ہم نے تمہاری لڑکی چھوڑ دی، بالکل چھوڑ دی، ہمارے نہ کوئی آئے اور نہ جائے'' اس سے پہلے زوجہ اور شوہر میں نااتفاقی بھی تھی۔

ملک پنجاب کے دیہات میں طلاق کے موقعہ پر لفظ ''طلاق'' شاذ و نادر ہی کوئی بولتا ہے ورنہ تمام کا محاورہ یہی ہے کہ ''چھوڑ دی'' یا ''لکھ دی'' ان دونوں فقروں سے مراد طلاق ہی لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ طلاق پڑ گئی یا کہ نہیں؟

لودیانہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مسمی محمد شفیع نے اپنی زوجہ کے متعلق الفاظِ مذکورہ تحریر کیے ہیں اور وہ اس تحریر کا مقر بھی ہے تو ہمارے عرف کے موافق شرعاً طلاق واقع ہوگئی، کیونکہ یہ الفاظ ہمارے عرف میں بمنزلۂ صریح کے ہیں اور طلاق جس طرح کہ زبان سے کہنے سے ہوجاتی ہے تحریر کرنے سے بھی ہوجاتی ہے: "وإن كانت (أي: الكتابة) مرسومةً، يقع الطلاق نوى أو لم ينو، اهـ". الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۹۷(۱)۔

"بخلاف فارسية قوله: سرحتك وهو **"رها كردم"**؛ لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... فإذا قال: **"رها كردم"**: أي سرحتك يقع، اهـ". شامي: ۲/۷۱۷(۲)۔

"ولو قال الرجل لامراته: **"تُرا چنگ باز داشتم"**، أو **"يله كردم تُرا"**، أو **"پائے كشاده كردم تُرا"**، فهذا كله طلّقتُك، عرفاً .... وكان الشيخ الإمام ظهير الدين

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، كتاب الطلاق، الفصل السادس، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، فصل الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۴۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

المرغيناني يفتي في قوله: "بهشتم" بالوقوع بلا نية". فتاوى عالمكيرية: ٢/ ٣٩٨(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/صفر/ ۵۷ھ۔

لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق

سوال[۱۰۹۸]: فتویٰ نمبر: ۲۵۵، جس کا جواب جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''جب شوہر اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ ''میرے گھر سے چلی جا، میں نے تجھے چھوڑ دیا'' تو ہمارے عرف میں اس سے طلاق ہی مراد ہوتی ہے، لہٰذا تین دفعہ ایسا کہنے سے طلاق مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے اسکے ساتھ زوجیت کا تعلق قائم کرنا حرام ہے''۔ ہمارے یہاں جس شخص نے حسبِ بالا کئی مرتبہ استعمال کئے تھے تو اس شخص نے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر کے اس عورت سے زوجیت کا تعلق قائم کرلیا ہے، لہٰذا اس کے یہاں کا کھانا، پینا، لینا، دینا، تعلق رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہاں کا عرف وہ نہیں ہے جو فتویٰ نمبر: ۲۵۵، میں لکھا تھا تو حلالہ کی ضرورت نہیں تھی، پس سہارنپور کے فتویٰ پر عمل کرلیا، درست کیا۔ اگر عرف میں وہی تھا تو یہ دوبارہ نکاح بغیر حلالہ سے درست نہیں ہوا(۲)۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٣٧٩، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً وغيره﴾ (البقرة: ٢٣٠)

"عن عائشه رضي الله تعالىٰ عنها: أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري: ٢/ ٧٨١، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث)

"وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الهداية: ٢/ ٣٩٩، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركت علميه ملتان)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر لفظ ''چھوڑ دیا'' سے اِصالۃً طلاق دینا مقصود ہے تب تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ اگر لفظ ''میرے گھر سے چلی جا'' سے طلاق مقصود ہے اور لفظ ''چھوڑ دیا'' کو بطورِ ثمرہ بیان کیا ہے تو ایک طلاق بائن ہے، تجدید نکاح بغیر حلالہ کے کافی ہے، یہی حکم ہے جب کہ خالی الذہن ہو(۱)۔ دونوں میں تفریق لازم ہے(۲)۔ اگر یہ جانتے ہوئے کہ یہ نکاح درست نہیں پھر بھی نکاح کرایا تو پھر نکاح کرانے والا اور وکیل سب گنہگار رہوئے، سب کو توبہ لازم ہے(۳)، نکاح فسخ نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۲/۸۷ھ۔

---

(۱) "ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مکرهاً أو هازلاً أو سفیهاً أو سکران أو اخرس باشارته أو مخطأً". (الدرالمختار: ۲۳۵/۳، ۲۴۱، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۳/۱، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۵۸/۳، کتاب الطلاق، من یقع طلاقه ومن لایقع، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "بل یجب علی القاضی التفریق بینهما. الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر فی النکاح الفاسد وأحکامه: ۲۴۸/۳، مکتبة غفاریه، کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثامن فی النکاح الفاسد وأحکامه: ۳۳۰/۱، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن یعمل سوءً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر الله، یجد الله غفوراً رحیماً﴾ فالو اجب علی کل مسلم أن یتوب إلی الله حین یصبح وحین یمسی". (تنبیه الغافلین، باب آخر من التوبة، ص: ۶۰، مکتبة حقانیه، پشاور)

"واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة وأنها واجبة علی الفور، لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعیصة صغیرةً أو کبیرة". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی تحت آیة: ﴿یآیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، داراحیاء بیروت)

''چھوڑ دی، نکل جا'' کا حکم

سوال[۶۰۹۹]: ایک عورت کی ایک مرد کے ساتھ شادی ہوئی ہے اور اس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوا اور پھر اس کے مرد نے اپنے بھائی کی بیوہ سے نکاح کرلیا اور پہلی بیوی سے نا چاقی پیدا ہوگئی اور اس نے عورت کو گھر سے نکال دیا، پھر اس عورت مذکورہ کے بھائی نے اس کو خاوند کے پاس پہونچایا، لیکن اس خاوند نے اس عورت سے مار پیٹ کی، عورت نے کہا کہ میں آباد ہونا چاہتی ہوں، تم مجھے کیوں نکالتے ہو اور تنگ کرتے ہو؟ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مرد نے غصہ میں آکر کہا: ''تو میری ماں بہن ہے، میں نے تجھے چھوڑ دیا، تو نکل جا''۔

لڑکی اپنے ماموں کے یہاں چلی گئی، پھر میں اس کے خاوند کے پاس گیا کہ تم ایسا نہ کرو اور اس کی آبادی کا خیال کرو، اس نے نہ مانا اور بولا کہ جو چیز فتنی پھر عورت چھوڑ دی جاوے، اس کو گھر میں دوبارہ لینا ٹھیک نہیں بلکہ عیب اور گناہ ہے، کھانے میں گھی یا چائے میں پڑ جاوے تو وہ کھانا یا چائے پھیکا ہو جاتا ہے، میں مسماۃ کو اپنے گھر پر ہرگز نہیں لاسکتا۔ کیا ان الفاظ سے عورت مذکورہ کو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اور وہ اس کے نکاح سے جدا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور کیا ان الفاظ مذکورہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سائل عبداللطیف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہمارے عرفِ عام میں شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ ''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' بمنزلۂ صریح طلاق کے ہے، اس سے شرعاً ایک طلاقِ رجعی واقع ہو جاتی ہے (۱)، شوہر نے دوسرا لفظ یہ کہا کہ ''تو نکل جا'' یہ کنایہ طلاق

---

(۱) ''عربی فتاویٰ میں لفظ ''سرحتک'' ''میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے'' کو الفاظِ کنایہ میں شمار کیا گیا ہے:

(کما فی ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات، مطلب لااعتبار بالإعراب هنا: ۳/۳۰۰، سعید)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فی الكناية فی الطلاق: ۴/۲۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات فی الطلاق: ۳/۵۲۴، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثانی فی إيقاع الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات: ۱/۳۷۵، رشيديه) ....=

سے ہے، اگر اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس سے دوسری طلاق واقع ہوگئی اور وہ بائن ہوئی (۱)، اب اگر عورت اور مرد رضا مند ہوجاویں تو دوبارہ نکاح صحیح ہوگا، بغیر تجدید نکاح کے رکھنا درست نہیں (۲)۔ اور اگر اس دوسرے لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ پہلے لفظ سے ایک طلاق رجعی ہوئی (۳)، اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر رجعت درست ہے یعنی مرد کہہ دے کہ میں نے اپنی طلاق

= اردو فتاویٰ میں فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۹/ ۴۲۸، امدادیہ ملتان، اور عزیز الفتاویٰ: ۲/۵۷۰، میں اسے لفظ کنایہ شمار کیا گیا ہے اور یہی رائے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ہے، البتہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس لفظ کو بوجہ عرفِ عام صریح رجعی قرار دیا ہے اور یہی رائے حضرت مفتی صاحب کی ہے۔ بہشتی زیور، حصہ چہارم: ص:۲۹۱، اور امداد الفتاویٰ: ۲/ ۴۳۵، اسی طرح مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۴۰۹، میں اس کو طلاقِ صریح قرار دیا ہے، جب کہ فتاویٰ حقانیہ میں اسے کنایات میں شمار کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی بھی ایک رائے اس کے طلاق صریح ہونے کی ہے، جیسا کہ ردالمحتار: ۳/ ۲۹۹، باب الکنایات میں ہے۔

(وكذا في امداد الفتاوىٰ: ۲/ ۴۷۳، ادارۂ تاليفات)

(۱) "و ما يصلح جواباً و رداً لاغير، اخرُجيْ، اذْهَبِيْ .... ففي حالة الرضاء، لا يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين وفي حال مذاكرة الطلاق. يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاءً إلا فيما يصلح جواباً و رداً، فإنه لا يجعل طلاقاً، كذا في الكافي. وفي حالة الغضب يصدق في جميع كل ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/ ۲۹۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۱۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۳، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۶۰۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في نكاح المحلل، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "رجل قال لإمرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: نويت بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة =

سے رجوع کیا(۱) اور پھر شوہر وبیوی کی طرح رہنا درست ہوگا، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اور اگر عدت گزر چکی ہے تو رجعت کافی نہیں بلکہ دوبارہ نکاح ضروری ہے(۲)۔

اور یہ اس وقت ہے کہ پہلا لفظ ایک یا دو مرتبہ کہا ہو، اگر تین مرتبہ کہا ہے تو رجعت اور تجدیدِ نکاح کافی نہیں بلکہ حلالہ ضروری ہے یعنی وہ عورت عدت گزار کر کسی اور شخص سے باقاعدہ شرع کے موافق نکاح کرے اور وہ مرد صحبت کر کے طلاق دے دے یا مر جائے تو عدت گزار کر شوہر اول کے لئے نکاح درست ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف۔

''میں تجھ کو آزاد کر چکا ہوں'' کا حکم

سوال [۶۱۰۰]: زید نے تقریباً عرصہ ۴/ ماہ کا ہوا، اپنی زوجہ ہندہ کو بحالتِ غصہ و جھگڑا معاملاتِ خانگی دو مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق کو آزاد کر چکا ہوں'' اور اس حالت کے بعد زید نے ان الفاظ کی تصدیق ایک دو شخص سے کی، لیکن آج تک ہندہ زید کے گھر موجود و تعلقاتِ زن و شوہر باہم فریقین میں قائم

= إفهامها، صدّق ديانةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض، كذا في الهداية. (فالسنى) أن يراجعها بالقول و يشهد على رجعتها شاهدين و يعلمها بذلك".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۸، ۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۵۹۸، مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۳، رشيديه)

ہیں۔ مسماۃ ہندہ کو طلاق ہو چکی تھی یا نہیں، اگر ہو چکی تو دوبارہ قیامِ رشتہ کی کیا صورت ہے؟

عنایت الٰہی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

لفظ "آزاد کر چکا" بمنزلۂ صریح ہے اس سے طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے(۱) اور لفظِ "طلاق" سے بھی رجعی واقع ہوتی ہے، دو مرتبہ طلاق دے کر عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہوتا ہے، لہٰذا دو مرتبہ طلاق کے بعد جب ایک دو شخص نے اس کی تصدیق کی ہے اگر اس نے نئی طلاق کی نیت نہیں کی، بلکہ پہلی طلاق کی خبر دی ہے تو عدت کے اندر رجعت کرنا جائز ہے(۲) اور عدت کے بعد نکاح کرنا ہوگا(۳)۔

اور اگر نئی طلاق مراد لی ہے تو رجعت و نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ مغلظہ ہوگئی، لہٰذا حلالہ کی

---

(۱) "فإذا قال: "رہا کردم": أی سرحتک یقع بہ الرجعی مع أن أصلہ کنایۃ أیضاً، وما ذاک إلا؛ لأنہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق، وقد مرّ أن الصریح ما لم یستعمل إلا فی الطلاق من: أی لغۃ کانت". (ردالمحتار ۲۹۹/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

"لو قال الرجل لامرأتہ: "ترا چنگ باز داشتم" أو "بھشتم" أو "یلہ کردم ترا" او "پائے کشادہ کردم ترا" فھذا کلہ طلقتک، عرفاً .... وکان الشیخ الإمام ظھیر الدین المرغینانی یفتی فی قولہ: "بھشتم" بالوقوع بلا نیۃ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۳۷۹/۱، کتاب الطلاق، الفصل السابع فی الطلاق بالألفاظ الفارسیۃ، رشیدیہ)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃً أو تطلقتین، فلہ أن یراجعھا فی عدتھا رضیت بذلک أو لم ترض، کذا فی الھدایۃ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۴۷۰/۱، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۴۹/۳، کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۴۰۰/۳، کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، سعید)

(۳) "وینکح مبانتہ بما دون الثلاث فی العدۃ و بعدھا بالإجماع". (رد المحتار: ۴۰۹/۳، کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹۴/۴، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر: ۱۷۶/۴، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ، بیروت)

ضرورت ہوگی (۱) بشرطیکہ عدت کے اندر نئی طلاق مراد لی ہو۔ اور اگر بعد عدت نئی طلاق مراد لی ہے تب بھی مغلظہ نہیں ہوئی، بلکہ تجدیدِ نکاح کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

''طلاقہ کی طلاقہ، طلاق، طلاق'' کا حکم

سوال [۶۱۰۱]: میری والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ اس طلاقہ کی طلاقہ کو طلاق دیدو تو میں نے فوراً غصہ میں کہا ''طلاقہ کی طلاقہ، طلاق طلاق'' اس کے علاوہ اور میں نے کچھ نہیں کہا۔ براہ کرام آپ مطلع فرمادیں کہ طلاق ہوگئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنے سے شرعاً دو طلاق واقع ہوگئی (۲)، اس میں عدت (تین حیض) گزرنے سے پہلے شوہر کو رجعت کا حق ہے، جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ زبان سے کہدے کہ میں نے اپنی طلاق واپس لی تو نکاح بدستور

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبی صلی اللہ علیه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول". (صحیح البخاری: ۲/ ۷۸۱، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث)

"وإن کان الطلاق ثلثاً فی الحرة أو ثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها". (الهدایة: ۲/ ۳۹۹، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، شرکت علمیه ملتان)

(۲) "لو قال لها: أنت طالق طالق، أو أنت طالق أنت طالق، أو قال: قد طلقتک قد طلقتک، تقع ثنتان إذا کانت المرأة مدخولاً بها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۵۵، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۲۸۸، کتاب الطلاق، تکرار الطلاق وإیقاع العدد، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/ ۴۴، کتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

قائم رہے گا(۱)، لیکن پھر اگر ایک دفعہ بھی طلاق دے گا تو یہ حق باقی نہیں رہے گا بلکہ مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے کوئی صورت جواز کی نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

''طلاق دی نہیں، دیدی دیدی'' سے طلاق

سوال[۲۱۰۲]: ایک لڑکے نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں یہ لفظ کہہ دیا: ''طلاق دی نہیں، دیدی دیدی دیدی'' تین چار مرتبہ کہہ دیا ہے، جس وقت یہ لفظ لڑکے نے کہا تھا اس کی بیوی گھر پر نہیں تھی۔ بیوی قریب آٹھ ماہ کی حاملہ ہے، اب وہ اور اس کی بیوی جدا ہونا نہیں چاہتے۔ آپ حکم شرع سے مطلع فرمائیں کہ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ اور اگر ہوگی تو کون سی؟ کیا بغیر حلالہ کے نکاح جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس نے غصہ میں اپنی بیوی کو کہا کہ ''طلاق'' تو یہ ہلکا لفظ تھا جس میں رجعت کا حق حاصل تھا(۲)، اس ہلکے پن کو ختم کرنے اور حقِ رجعت کو ختم کرنے کے لئے اس نے کہا: ''نہیں، دیدی دیدی'' تین چار مرتبہ اسی طرح کہدیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک نہیں بلکہ تین، اور رجعی نہیں بلکہ مغلظہ دیدی (۳)، اب نہ

---

(۱) "هي استدامة الملك القائم في العدة بنحو: راجعتك و رددتك .... و بكل ما يوجب حرمة المصاهرة .... إن لم يطلق بائناً". (الدر المختار). "هي أن لا يكون الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة". (ردالمحتار: ۳/۴۰۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۶/۱۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۳) "رجل طلق امرأته بعد الدخول واحدةً، ثم قال بعد ذلك: جعلت تلك التطليقة بائنةً، أو قال: جعلتها ثلاثاً، اختلفت الروايات فيه: والصحيح أن على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ تصير بائناً أو ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الثالث في تشبيه الطلاق ووصفه، رشيديه).................... =

حقِ رجعت رہا، نہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت رہی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

''طلاق دیتا ہوں، ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں'' کا حکم

سوال [۶۱۰۳]: عرصہ تین سال ہوا کہ زید نے کچھ خانگی الجھنوں میں آکر چند عورتوں کے نزدیک اپنی بیوی ہندہ کے بارے میں کہا کہ ''میں ہندہ کو طلاق دیتا ہوں'' اور یوں بھی کہا کہ ''ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں'' اور پھر افسوس ظاہر کرنے لگا، لہٰذا زید کے گھر سے ہندہ اپنے میکہ بھی چلی گئی اور ہندہ کے والدین سامانِ جہیز اور دینِ مہر وغیرہ کا مطالبہ زید سے بذریعۂ پنچایت کرنے لگے، مگر کچھ روز تک زید نے ٹال مٹول ضرر کیا ہے اور اسی عرصہ میں زید نے اپنا نکاح دوسری جگہ کرلیا، لہٰذا نکاح کی خبر پاتے ہی ہندہ زید کے گھر چلی آئی اور ایک ہفتہ زید کے گھر رہ کر ہندہ تعلقِ شوہر و بیوی کرتی رہی جو کہ زید کے والدین کو ناگوار تھا کہ خلافِ شرع ہے اور ہندہ پرسختی کی اور سختی کی وجہ سے ہندہ زید کے گھر سے سامانِ جہیز لے کر اپنے میکہ چلی گئی اور زید کو ایک کاغذ بنا دیا کہ وقتِ ضرورت کام آسکے، مگر زید اور ہندہ ابھی تک دونوں بطورِ میاں بیوی ملتے رہتے ہیں۔

ہندہ کے بطن سے ایک لڑکا طلاق سے پہلے کا ہے جو ابھی تک ہندہ اپنے پاس رکھے ہوئے ہے اور پھر

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۹/۴، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۳۰۵/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ .... ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. الآية (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الهداية: ۳۹۹/۲، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، رشيديه)

اسی عرصہ میں ہندہ حاملہ بھی ہوگئی تھی اور کئی بار حاملہ ہوئی، مگر لوگوں کے ہنسنے کی وجہ سے حمل ضائع کرادیا۔ یہ خبر ہندہ کے والدین اور دوسرے تمام لوگوں کو معلوم ہوئی، اگر زید کے والدین موجود نہ ہوتے تو زید ہندہ کو اپنے پاس مستقل رکھ لیتا۔

اب حال یہ ہے کہ ہندہ دوسری جگہ شادی کرنے کو بالکل تیار نہیں ہے اور ہندہ کی پوری خواہش ہے کہ پھر میں زید ہی کے ساتھ رہوں گی، چاہے جائز ہو یا نہ ہو، مگر دوسری جگہ شادی نہیں کروں گی، اگر دوسری جگہ شادی کردی گئی تو خودکشی کرلوں گی۔ زید کہتا ہے کہ میں ہندہ کو جائز طریقہ سے رکھ سکتا ہوں۔ ہندہ خودکشی کرنے پر آمادہ ہے۔ ہندہ کے والدین کی خواہش ہے کہ ہندہ زید کے پاس چلی جائے، کیونکہ ہندہ ابھی تک زید کے گھر آیا جایا کرتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ اگر زید کے پاس رہنا چاہے تو صرف دوبارہ نکاح کے ذریعہ رہ سکتی ہے یا حلالہ کی بھی ضرورت ہوگی؟ براہِ کرم بالتفصیل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے دو جملے نقل کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ ''میں ہندہ کو طلاق دیتا ہوں'' اس جملہ سے ہندہ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی (۱)، اندرونِ عدت اس طلاق سے رجعت کا شوہر کو حق حاصل ہے (۲)۔ دوسرا جملہ ''ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں'' اس میں ایک بار اور ہزار بار سے مراد اگر طلاق ہے اور شوہر کا مقصد یہ ہے کہ میں

---

(۱) "صریحه مالم یستعمل إلا فیه کطلقتک وأنت طالق ومطلقة، یقع بها واحدة رجعیة وإن نوی خلافها". (الدرالمختار: ۲۴۷/۳، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۴/۱، کتاب الطلاق، الباب الثاني في إیقاع الطلاق، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان: ۴۵۲/۱، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(۲) "(هي استدامة الملک القائم) بلا عوض (في العدة): أي عدة الدخول حقیقةً؛ إذ لا رجعة في عدة الخلوة، ابن کمال". (الدرالمختار: ۳۹۷/۳، ۳۹۸، کتاب الطلاق، باب الرجعة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۶۸/۱، کتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة الخ، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ البزازیة: ۲۵۵/۱، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الرجعة، رشیدیه)

نے پہلے جملہ سے جو طلاق دی ہے اس کو ہزار بار کہتا ہوں، ہاں میں نے طلاق دے دی مجھے اس طلاق سے انکار نہیں ہے، بلکہ ہزار بار اس کا اقرار ہے، تو اس جملہ سے کوئی نئی طلاق واقع نہیں ہوگی (۱)۔ پس اگر پہلے جملہ کے بعد اندرون عدت رجعت کرلی تھی خواہ قولاً خواہ عملاً تو دونوں کا نکاح بدستور قائم رہا (۲)۔

اگر دوسرے جملے سے مقصد یہ ہے کہ ہزار بار طلاق دیتا ہوں تو پھر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ پہلی طلاق کی عدت ختم ہونے سے پہلے یا رجعت کر لینے کے بعد کہا ہے تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۳)، بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت قائم ہونے کی کوئی صورت نہیں (۴)۔ اگر پہلی طلاق کے بعد رجعت نہیں کی اور عدت ختم ہوگئی تھی اس

---

(۱) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها صدق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۶، کتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۸، کتاب الطلاق، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۲۹۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(۲) "وهي على ضربين: سني وبدعي (فالسني): أن يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين ويعلمها بذلك .... ولم يعلمها بذلك فهو بدعي مخالف للسنة، والرجعة صحيحة. وإن راجعها بالفعل مثل أن يطأها أو يقبلها بشهوة، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية: ۱/۲۵۵، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتار خانية: ۳/۵۹۴، کتاب الطلاق، مسائل الرجعة، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق، وطالق، وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً طلقت ثلاثاً، وإن كانت غير مدخولة طلقت واحدةً. وكذا إذا قال: أنت طالق، فطالق، فطالق، أو ثم طالق ثم طالق، أو طالق طالق، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۵، کتاب الطلاق، الباب الثاني، في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا الفتاویٰ التاتار خانية: ۳/۲۸۸، کتاب الطلاق، تكرار الطلاق، وإيقاع العدد، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، فروع: كرر لفظ الطلاق وقع الكل، سعيد)

(۴) ﴿فإن طلقها﴾ الزوج بعد الثنتين ﴿فلا تحل له من بعد﴾ بعد الطلقة الثالثة ﴿حتى تنكح﴾ تتزوج =

کے بعد کہا ہے تو یہ کہنا بیکار گیا، اب اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کرلیں، حلالہ کی ضرورت نہیں (۱)۔

شریعت کے نزدیک بیوی کے حرام ہوجانے کے بعد (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی) دونوں کا آپس میں ملنا سخت معصیت اور وبال کا باعث ہے اور خدائے قہار کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ جو لوگ اس کو برداشت کررہے ہیں وہ بھی حسبِ حیثیت مجرم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''میں نے طلاق دی، میرے خدانے طلاق دی'' کا حکم

سوال[۶۱۰۴]: زید نے اپنی بیوی سے حالت سہولت میں یہ الفاظ استعمال کئے کہ ''میرے بس میں تجھ کو رکھنا نہیں ہے، میں نے طلاق دی، میرے خدانے دی''۔ یہ جملہ اس نے ۶، ۷/ مرتبہ کہا، یہ جملہ ایسے موقعہ پر کہا ہے جب کہ چند آدمی وہاں پر موجود تھے، بلکہ ان آدمیوں نے زید سے کہا کہ تُو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے، اس کو روٹی کپڑا دے۔ اس پر زید نے کہا ''میں رکھنا نہیں چاہتا تم اس کو لے جاؤ اور اپنے یہاں رکھو، اس کو روٹی کپڑا دو، میں اس کو اپنے یہاں نہیں رکھوں گا''۔ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟

= ﴿زوجاً غيره﴾. (تفسير الجلالين، ص: ۳۵، سورة البقرة)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري: ۲/ ۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث، قديمي)

"(لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها): أي بالثلاث (لو حرةً وثنتين لو أمةً) ولو قبل الدخول .... (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقاً) يجامع مثله". (الدر المختار: ۳/ ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۱) "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۲۰، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، رجوع کرنے کا حق نہیں رہا، نہ دوبارہ نکاح درست تاوقتیکہ حلالہ نہ ہوجائے (۱)، یہ حکم اس وقت ہے کہ ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہو۔ ہمبستری یا خلوت صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو تو صرف ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی (۲) جس میں رجعت کا حق نہیں، البتہ طرفین کی رضامندی سے بلا حلالہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۷/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۶۰ھ۔

''میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اللہ و رسول نے بھی تجھے طلاق دی'' کا حکم

سوال [۶۱۰۵]: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ''میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اللہ اور رسول نے بھی تجھے طلاق دی'' تو اس سے کس قسم کی طلاق واقع ہوگی؟

---

(۱) ''وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۱۷۷، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) ''وإن فرق بوصف أو خبر أو جمل بعطف أو غيره نحو: أنت طالق واحدة، وواحدة بانت بالأولى، ولذا لم تقع الثانية''. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۸۶، كتاب الطلاق، طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

سنی: یعنی فی العدد اور ایک رجعی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ٦٦ھ۔

سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ٦٦ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی، ٦/ رجب/ ٦٦ھ۔

طلاق اور رجعت بیوی کو اطلاع کئے بغیر

سوال [٦١٠٦]: ۱...... ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک طلاقِ رجعی معلق بشرط واحد دی، شرط پوری ہونے پر صرف رجوع لفظی کیا، عورت کو اور نہ کسی اَور کو عرصۂ دراز تک خبر نہیں دی۔ نیز جب اس کو طلاق پڑی تو عورت کے بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ صورت مسئولہ میں کئی سوالات ہیں:

اول یہ کہ وضعِ حمل کے بعد اس کی عدت ختم ہوگئی یا نہیں؟

دوسرے مرد نے جو رجوع لفظی کیا ہے جس کی اطلاع نہ عورت کو دی اور نہ کسی اَور شخص کو بجز خدا اور شوہر کسی کو معلوم نہیں۔ صحیح ہوا یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ وضعِ حمل کے قبل اگر عورت اپنی ماں کے گھر آتی جاتی رہی ہو کیوں کہ اس کو طلاق کا علم نہ تھا، لیکن اس کی ماں کا مکان اور شوہر کا مکان بالکل ملحق ہیں، ایک دالان درمیان میں ہونے کی وجہ سے صحن جدا جدا ہوگئے ہیں، دونوں گھروں میں آنے جانے کا دروازہ بھی ہے، بے شک بیرون خانہ جانے کے دروازے جدا جدا ہیں۔ آیا اس صورت میں وضعِ حمل سے عدت ختم ہوئی یا نہیں؟ غرضیکہ عدت گزارنے میں عورت کا علم

---

(۱) "وحاصله أن السنة في الطلاق من وجهين: العدد والوقت، فالعدد وهو أن لا يزيد على الواحدة بكلمة واحدة، لا فرق فيه بين المدخولة وغيرها". (رد المحتار: ۳/ ۲۳۱، كتاب الطلاق، مطلبٌ: طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۲۴۴، كتاب الطلاق، الفصل الأول في أنواع الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۴۸، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره الخ، رشيديه)

ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح رجوع معتبر ہے یا نہیں؟

۲......ایک شخص نے اپنی بیوی مطلقہ ثلاثہ کو لکھ بھیجا کہ ''شاید طلاق ہوگئی ہے، تم عدت میں بیٹھو''۔ فتویٰ آنے پر واقعی طلاق ہوگئی، عورت نے فرطِ غم یا کسی اَور وجہ سے طلاق پڑنے اور عدت گزارنے کا اظہار منہ سے نہیں کیا، تمام شرعی احکام مثلاً قیامِ مکان ترکِ زیب وزینت مکمل طور پر کیا، نیز شوہر نے بھی صرف ایک دو شخص سے تذکرہ کیا۔ آیا یہ عدت پوری سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کے بعد نکاح .... ہوسکتا ہے یا نہیں؟ خاص کر وہ پہلا حیض عدت میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جس میں صرف اپنے علم کی وجہ سے شوہر نے قبل فتویٰ آنے کے عورت کو عدت میں بیٹھنے کے لئے لکھا تھا، بعد میں فتوی سے بھی مطلقہ ثلاث ہونے کا حکم آیا۔

۳......ایک شخص نے بحالتِ پردیس ایک عورت سے نکاح کیا، کسی وجہ سے مغلظہ طلاق دی، کرایہ پر مکان لئے ہوئے تھا، کچھ دنوں عورت نے اس گھر میں عدت گزاری لیکن بوجہٖ خطرۂ جان- کیوں کہ اس علاقہ میں لوٹ وغارت کے واقعات بکثرت ہوتے رہتے ہیں- شوہر کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی اور بقیہ دن وہاں عدت کے گزارے۔ آیا یہ عدت پوری ہوئی یا از سرِ نو عدت گزارے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......صرف قول سے رجعت بلا کراہت درست ہے اور صرف فعل سے رجعت مکروہ ہے، رجعت پر کم از کم دو عادل آدمیوں کو گواہ بنانا مستحب ہے اور بلا گواہ بنائے بھی رجعت صحیح ہے، عورت کو رجعت کی اطلاع کرنا بھی مستحب ہے اور بغیر اطلاع کے بھی رجعت درست ہے:

"الرجعة على ضربين. سني و بدعي، فالسني: هو أن يراجعها بالقول، و يشهد على رجعتها، و يُعلمها. و لو راجعها بالقول، و لم يشهد، أو أشهد، و لم يعلمها، كان مخالفاً للسنة. وقال الحاكم الشهيد: و إذا كتمها الطلاق، ثم راجعها، و كتمها الرجعة، فهي امرأته، غير أنه قد أساء فيما صنع، وإنما قال: أساء لترك الاستحباب، و هو الإشهاد والإعلام، اهـ". شلبی هامش زیلعی: ۲/۲۵۲(۱)۔

(۱) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۱۵۲/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۸۵/۴، باب الرجعة، رشيديه) .... =

حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے، عدت پوری ہونے کے لئے عورت کو طلاق کا علم ہونا ضروری نہیں:

"و تنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما: أي بالطلاق والموت؛ لأنهما أجل، فلا يشترط العلم بمضيه، اهـ". در مختار: ٢/٢٤٢(١)۔

اگر عدت گزارنے کے بعد علم ہوا کہ میں نے عدت کے اندر رجعت کرلی تھی تو پھر شوہر کا قول معتبر نہیں

"ولو قال بعد العدة: راجعتك فيها، فصدقته، تصح، وإلا لا، اهـ". تبيين: ٢/٢٥٢(٢)۔

تنبیه: عدت کے بعد رجعت جائز نہیں۔

۲...... **جواب نمبر:۱** میں معلوم ہوا کہ عورت کو علم ہونا ضروری نہیں پس جب مدت پوری ہو جائے گی، اگر شوہر مطلقاً خبر نہ لے تب بھی تین حیض گزرنے پر عدت ختم ہو جاتی ہے، بعد عدت عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز ہے:

"العدة أجل، فلا يشترط العلم بمضيه: أي بمضي الأجل". شامي: ٢/٩٤٢(٣).

۳...... عدت تو مدت کا نام ہے اس کے پورے ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے، اس مدت کا شوہر کے مکان میں گزارنا ضروری ہے، عوارضِ مذکورہ کی وجہ سے بقیہ مدت دوسرے مکان میں جب گزار لی تو عدت پوری

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ٣/٥٩٣، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(١) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ٣/٥٢٠، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ٢/٢٣٣، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٣١، ٥٣٢، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(٢) (تبيين الحقائق: ٢/٢٥٢، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٤٧٠، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/٥٩، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(٣) (راجع رقم الحاشية: ١)

ہوگئی، ازسرِ نو عدت گزارنا ضروری نہیں۔فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۴/صفر/۵۸ھ۔

لفظِ ''طلاقن'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۱۰۷]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو سوبار ''طلاقن'' کہا۔اس عورت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عدت کے اندر کہا ہے تو تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوگئی، بشرطیکہ عورت مدخولہ ہو اور کسی پہلے شوہر سے اسے طلاق نہ ملی ہو، اگر پہلے شوہر سے طلاق مل چکی ہے اور اسی لئے اس شخص نے ''طلاقن'' کہا ہے تو شرعاً اس کا قول معتبر ہوگا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

''طلاق منظور ہے'' سے طلاق

سوال[۶۱۰۸]: زید کی ساس نے اپنی لڑکی ہندہ کے لئے کسی بناء پر زید سے طلاق کو کہا، زید نے اس کے جواب میں کہہ دیا کہ'' مجھے طلاق منظور ہے''۔اب زید تین ماہ اور کچھ دن بعد سسرال جاتا ہے اور مراجعت کر لیتا ہے۔اب یہ رجعت قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "يا طالق أو يامطلقة بالتشديد، ولو قال: أردت الشتم لم يصدق قضاءً ودين، خلاصة، ولو كان لها زوجة طلقها قبل فقال: أردت ذلك الطلاق، صدق ديانةً باتفاق الروايات وقضاءً في رواية أبي سليمان، وهو حسن، كما في الفتح، وهو الصحيح كما في الخانية. ولو لم يكن لها زوج لايصدق، وكذا لو كان لها زوج قدمات". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح، الخ: ۳/۲۵۱، ۲۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الطلاق، جنس آخر في ألفاظ الطلاق: ۲/۸۰، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زید نے طلاق کو منظور کرلیا ہے اور ابھی عدت نہیں گزری ہے تو رجعت کا حق حاصل ہے (۱)، عدت گزر جانے کے بعد حقِ رجعت باقی نہیں رہے گا، طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہوگا (۲)۔ عدت تین حیض ہے، اگر حاملہ ہو تو وضعِ حمل ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

''تیری رہی سہی کو طلاق'' کا حکم

سوال [۶۱۰۹]: ہمارے یہاں ایک شخص کو اپنی عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ عورت کہنے لگی کہ میں اپنے میکے جاؤں گی، شوہر نے کہا کہ میں جانے نہیں دوں گا، عورت جانے کے لئے بضد ہوگئی، اس پر شوہر کو غصہ آگیا اور یہ کہہ بیٹھا کہ ''اگر تو یہاں سے جا کر کہیں اور اچھی طرح سے رہی تو تجھے'' یہ کہہ کر رک گیا، پھر

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة و فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۴/۸۲، کتاب الطلاق، باب الرجعة، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار: ۳/۴۰۰، کتاب الطلاق، باب الرجعة، سعید)

(۲) "إذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجها في العدة و بعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۲، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، کتاب الطلاق، فصل في حکم الطلاق البائن، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۴/۹۴، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(۳) "عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء .... و للحامل وضعه". (کنز الدقائق، ص: ۱۴۵، ۱۴۶، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۴/۲۱۵، ۲۲۶، باب العدة، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۶، ۵۲۸، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار: ۳/۵۰۴، ۵۱۱، کتاب الطلاق، باب العدة، سعید)

کہا ''تیری رہی سہی کو طلاق'' یہ دو مرتبہ کہا اور اس نے اس سے اس کو طلاق دینے کی نیت نہیں کی۔ صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی؟ مع حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ بیوی کو اس طرح طلاق دیتے ہیں کہ ''تیری رہی سہی کو طلاق'' تو دو طلاقِ رجعی شرط متحقق ہونے پر واقع ہوجائیں گی (۱)۔ پھر عدت تین ماہواری گزرنے سے پہلے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوگا (۲)۔ اگر رجعت نہ کی اور عدت ختم ہوگئی تو طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہوگی، حلالہ کی ضرورت نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۱۳۹۱ھ۔

طلاق بائن کیا ہے؟

سوال [۶۱۱۰]: طلاق بائنہ کیسی ہوتی ہے؟

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق الخ، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۸۶، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(۲) (هي استدامة الملك القائم) بلا عوض مادامت (في العدة): أي عدة الدخول حقيقة، إذ لا رجعة في عدة الخلوة، ابن كمال". (الدر المختار: ۳/۳۹۷، ۳۹۸، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۸، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في البزازية: ۴/۲۵۵، الفصل السابع في الرجعة، رشيديه)

(۳) "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدرالمختار: ۳/۴۰۹، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲۰، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق بائن وہ ہے جس کے بعد حق رجعت باقی نہ رہے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں: مخففہ، مغلظہ۔ اول میں تجدید نکاح کا تعلق زوجیت قائم کرنے کے لئے کافی ہے(۱)، حلالہ کی ضرورت نہیں، طلاق بائن سے عموماً یہی قسم مراد ہوتی ہے، دوم میں بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱/۱۳۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها، وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۴۲۰، ۴۲۱، رشيديه)

باب طلاق الثلاث

(تین طلاق کا بیان)

قرآن پاک سے تین طلاق کا ثبوت

سوال[۱۱۱۱]: پارہ سیقول، رکوع ۱۳﴿الطلاق مرتان﴾ سے لے کر﴿زوجاً غیرہ﴾ کی عربی عبارت میں لفظ "ثلاثة" (جس کے معنی اردو میں تین ہیں) نہیں آیا ہے اور نہ ہی کوئی حافظ لفظِ "ثلاثة" رکوع مذکور میں پڑھتا ہے، آپ بھی پڑھ کے دیکھئے۔ لہٰذا جب کہ قرآن کا عربی عبارت میں "ثلاثہ" نہیں ہے تو پھر اردو ترجمہ میں تین کیسے آ گیا، لہٰذا تین طلاق کا ثبوت قرآن پاک سے ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس آیت سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ طلاق دو دفعہ تو ایسی ہے کہ شوہر کو اختیار باقی رہتا ہے کہ دل چاہے تو بیوی کو ادائے حقوق کے لئے اچھے طریقہ پر روک لے (عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجعت کرلے) اور چاہے تو اس سے بے تعلق ہوجائے (رجعت نہ کرے) اس دو طلاق کے بعد پھر جو طلاق دے گا تو اس کے بعد حرمتِ مغلظہ ہوجائے گی کہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی اجازت نہ ہوگی (۱)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان، فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان .... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ الآیة (البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة و ثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، و یدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۳، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(و کذا فی الهدایة: ۲/۳۹۹، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، مکتبه شرکت علمیه ملتان) .... =

آپ گن کر دیکھ لیں کہ یہ کون سی طلاق ہے، ایک اور دو کے بعد کون ساعدد آتا ہے، میں اس کا نام نہیں لیتا، کسی اردو پڑھنے والے بچہ سے خود پوچھ لیں گے کہ دو کے بعد کیا ہے تو وہ بھی بتائے گا، جو چیز بھی دو کے بعد والے درجہ پر آئے گی وہی تین ہوگی، خواہ لفظ ''ثلاثہ'' اور ''تین'' ہو یا نہ ہو۔ مسجد میں امام کے پیچھے ایک صف ہے، اس کے پیچھے دوسری صف ہے، اس کے پیچھے جو صف ہے وہ تیسرے درجہ پر ہے، پھر ہر شخص اس کو یہی کہے گا کہ یہ تیسری صف ہے، اگر چہ اس صف پر لفظ ''ثلاثہ'' لکھا ہوا نہ ہو۔

ایک آدمی ایک روٹی کھاتا ہے، اس کے ختم ہونے پر دوسری کھاتا ہے، اس کے ختم ہونے پر جو روٹی کھاتا ہے وہ تیسری ہی ہے، اگر چہ اس پر لفظ ثلاثہ لکھا ہوا نہیں ہے، اگر ہر شخص اس کو تیسری ہی کہے گا اور اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا غلط نہیں ہوگا، جو اس کو غلط کہے گا اس کا غلط کہنا غلط ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۱۳۹۲ھ۔

کیا تین طلاق ایک ہیں؟ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا

سوال [۱/۲۱۱۲]: ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنے والا ہے اور اس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی اور اپنی بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا مگر پھر وہ کہتا ہے کہ میں اہلِ حدیث ہو جاؤں گا اور اپنی بیوی کو رکھوں گا۔ تو اس شخص کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟ اور اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد اکبر پانوی، ۲۱/محرم الحرام/۹۰ھ۔

الجواب: (منجانب مولوی حبیب الرحمٰن الفیضی الاعظمی)

صورتِ مسئولہ میں ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی، جیسا کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیکر غمگین ہوئے، جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استفسار کے بعد فرمایا:

= (وكذا في الدر المختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

"فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت". فراجَعَها". أخرجه أحمد وأبو يعلى من طريق محمد بن إسحق". فتح الباری: ۲۲/۱۶۳(۱)۔

اوراس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت:"كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وغيره طلاق الثلاث واحدة". رواه مسلم(۲) سے ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی رہی۔

حنفیہ نے بھی اس قسم کے مسائل میں دیگر علماء کے مذہب پرعمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجموعۂ فتاویٰ:۲/۵۴، میں زوجۂ مفقود الخبر اور عدۃ ممتدۃ الطہر پر قیاس کرتے ہوئے طلاقِ ثلاثہ میں بھی دیگر علماء کے مذہب پرعمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے(۳)۔ نیز مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الحیلۃ الناجزہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتویٰ دینا جائز بتلایا ہے(۴)۔ نیز محمد بن مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ -جوائمۂ حنفیہ میں سے ہیں- بھی تین طلاق کے ایک ہی ہونے کے قائل ہیں۔ فتاویٰ ابن تیمیہ:۳/۱۷ اور مولانا عبدالحق صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیۂ عمدۃ الرعایۃ،ص: ۶۷، پرلکھا ہے:"هذا هو المنقول عن بعض الصحابة، و به قال الداؤد الظاهري وأتباعه، وهذا أحد القولين لمالك و لبعض أصحاب أحمد"(۵)۔

حاصل یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہیں جس کے قائل صحابہ کے علاوہ

---

(۱) (فتح الباري: ۹/۳۶۲، كتاب الطلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث، دار الفكر، بيروت)

(۲) صحیح مسلم میں حدیث کی عبارت اس طرح ہے:"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسنتين من خلافة عمر، طلاق الثلاث واحدةً". (الصحيح لمسلم: ۱/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمي)

(۳) (مجموعة الفتاویٰ (اردو): ۲/۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(۴)''رہا یہ کہ فقۂ حنفی پر کسی کو عدمِ کفایت کا سوال ہوتو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقۂ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ دوسرے مجتہد کے قول پرعمل کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے''۔ (الحیلۃ الناجزۃ،ص:۱۴، دارالاشاعت، کراچی)

(۵) (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية: ۲/۶۳، كتاب الطلاق، سعيد)

ائمہ میں سے داؤد ظاہری اوران کے اُتباع اورامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوقولوں میں سے ایک قول اوربعض اصحابِ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے اوراس کے علاوہ بہت سے مسائل ہیں جس کے اندر حنفیہ نے دوسرے علماء کے مذہب پرفتوے دیا ہے۔ للتفصیل مقام آخر۔

نیز یہ کہ حدیث کے صحیح ثابت ہوجانے کے بعد اگر کوئی مقلد اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرلے تو وہ امام کی تقلید سے باہر نہیں ہوتا، ائمۂ اربعہ کی یہی نصیحت ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

"إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب، عُمل بالحديث، و يكون ذلك مذهبه، و لا يخرج مقلده عن كونه حنفياً بالعمل به، وقد صح عنه أنه قال: إذا صحّ الحديث فهو مذهبي، وقد حكى ذلك ابن عبد الرحمن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وغيره من الأئمة"(۱)۔ واللہ اُعلم بالصواب۔

کتبہ: حبیب الرحمٰن الفیضی الاعظمی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(از: دار الإفتاء دار العلوم دیوبند)

جب کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاق دیدے تو حرمتِ مغلظہ ثابت ہوجاتی ہے اور دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں رہتی جب تک حلالہ نہ ہوجائے، اس مسئلہ پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے، اس پر سلفِ صالحین کا اجماع ہے، یہی حدیث شریف سے ثابت ہے، یہی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعاً نہایت مذموم اور قبیح ہے، اس پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتاب اور غصہ کا اظہار بھی فرمایا ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ طلاقِ مغلظہ واقع نہیں ہوتی، ایسی صورت میں رجعت کی بھی اجازت نہیں دی جیسے کہ حالتِ حیض میں طلاق نہایت مذموم ہے، اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ واقع ہوجانے کے بعد- چونکہ طلاقِ بائن یا مغلظہ نہیں تھی- رجعت کا حکم فرمایا اور بائنہ اور

(۱) (ردالمحتار: ۱/۶۸، المقدمة، مطلبٌ: صح عن الإمام أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي، سعيد)

مغلظہ میں رجعت کا اختیار ہی باقی نہیں رہتا، جڑ کٹ جاتی ہے۔

دلائل قرآن کریم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان .... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غيره﴾ الآية (۱)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد رجعت کا حق رہتا ہے، تیسری طلاق کے بعد حقِ رجعت ختم ہوکر حرمتِ مغلظہ ہوجاتی ہے، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اس میں ایک مجلس دو مجلس تین مجلس کی کوئی قید نہیں بلکہ سب کو شامل ہے۔

حدیث شریف

حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیں اور ان تین طلاق کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نافذ فرمادیا غیر معتبر نہیں قرار دیا، یہ واقعہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری میں، ص: ۸۰۰، پر ہے (۲)، صحیح مسلم: ۱/۴۸۹ میں ہے (۳)، ابوداؤد شریف ۲/۲۸۲، میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فأنفذه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، اهـ" (٤)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

(۲) "عن حديث سهل بن سعد أخي بني ساعدة أن رجلاً من الأنصار جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! أرأيت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً أيقتله أو كيف يفعل؟ فأنزل الله في شأنه ماذكر في القرآن من أمر التلاعن، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "فقد قضى الله فيك وفي امرأتك" قال: فتلا عنا في المسجد وأنا شاهد، فلما فرغا، قال: كذبت عليها يارسول الله! إن أمسكتها؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم حين فرغا من التلاعن، ففارقها عند النبي صلى الله عليه وسلم". إلى آخر الحديث. (صحيح البخاري: ۲/۸۰۰، كتاب الطلاق، باب اللعان ومن طلق بعد اللعان، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، كتاب اللعان: ۱/۴۸۹، قديمي)

(۴) (سنن أبي داود: ۲/۳۰۲، كتاب الطلاق، باب اللعان، دار الحديث ملتان)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نیل الأوطار میں لکھا ہے: "رجالہ رجال الصحيحين" (۱)۔ جمع الفوائد: ۲/ ۶۲۲، میں اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے (۲)۔

امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن: ۲/ ۹۹ میں عنوان: "الثلاثة المجموعة وما فيه التغليظ" کے تحت بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق یکدم دیدی: "ثلث تطليقات جميعاً" (۳)۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضبناک ہوگئے (کیونکہ تین طلاق یکدم دینا بہت قبیح و مذموم ہے) مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ واقع نہیں ہوئی اور نہ یہ فرمایا کہ تم کو رجعت کا حق حاصل ہے، رجعت کرلو۔ پھر امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد کیا ہے "باب الرخصة في ذلك"۔ اس میں عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاق دینا بیان کیا ہے (۴)۔

---

(۱) (نيل الأوطار: ۷/ ۲۶، كتاب اللعان، باب: لا يجتمع المتلاعنان أبداً، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) "ان عويمر العجلاني رحمه الله تعالىٰ جاء إلى عاصم بن عدى الأنصاری فقال: أرأيت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً.......... فاسأل عن ذلک رسول الله .... فقال صلى الله عليه وسلم: "قد نزل فيک وفي صاحبتک فاذهب، فأت بها .... قال عويمر: كذبتُ عليها يارسول الله! إن أمسكتُها ؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن يامره رسول الله صلى الله عليه وسلم" .... للستة إلا الترمذى". (جمع الفوائد: ۱/ ۳۰۸، اللعان، مكتبه اسلاميه لائل پور)

(۳) "أخبرنا سليمان بن داود .... قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعاً، فقام غضباناً، ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم". إلى آخر الحديث. (سنن النسائی: ۲/ ۹۹، كتاب الطلاق، قديمی)

(۴) "إن عويمر العجلاني رضى الله تعالىٰ عنه جاء إلى عاصم بن عدى فقال: أرأيت ياعاصم! لو أن رجلاً وجد مع امرأته أيقتله فيقتلونه، أم كيف يفعل؟ سل لي -ياعاصم!- رسولَ الله صلى الله عليه وسلم ...... فقال عويمر: والله لاأنتهي حتى أسأل عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم .... قال سهل: فتلاعنا وأنا مع الناس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما فرغ عويمر قال: كذبتُ عليها يارسول الله! إن =

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد کیا ہے "باب من أجاز الطلاق الثلاث" اس کے ذیل میں عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے (۱)۔ نیز امراۃ رفاعہ کا واقعہ بیان کیا ہے جن کو بغیر حلالہ کے شوہر اول کی طرف عود کرنے کی اجازت نہیں دی گئی (۲)۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، اس کو بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لئے جائز نہیں فرمایا (۳)۔

سنن دارقطنی، ص:۴۳۳ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مرفوعاً ہے: "من طلق ألبتة،

= أمسكتُها؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم". (سنن النسائي: ۹۹/۲، ۱۰۰، باب الرخصة في ذلك، قديمي)

(۱) "عن ابن شهاب أن سهل بن سعد الساعدي أخبره أن عويمر العجلاني رضي الله تعالىٰ عنه جاء إلى عاصم بن عدي فقال: أرأيت ياعاصم! لو أن رجلاً وجد مع امرأته رجلاً أيقتله، فيقتلونه أم كيف يفعل؟ سل لي -ياعاصم!- رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... فقال عويمر: والله! لاأنتهي حتى أسأل عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم .... قال سهل: فتلاعنا وأنا مع الناس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما فرغ عويمرٌ، قال: كذبتُ عليها يارسول الله! إن أمسكتُها؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم". (صحيح البخاري: ۷۹۱/۲، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، قديمي)

(۲) "عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني، فبتّ طلاقي، وإني نكحت بعده عبدالرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته". (صحيح البخاري: ۷۹۱/۲، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسأل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري: ۷۹۱/۲، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، قديمي)

ألزمناه ثلاثاً، فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره"(۱)۔ جو شخص طلاقِ البتہ دیدے، اس پر بھی تین طلاق کو لازم کردیا گیا، حالانکہ اس نے لفظ "طلاق" تین دفعہ نہیں کہا نہ لفظ "ثلاث" کہا، اس سے بھی زیادہ واضح اور مفصل بطورِ قاعدہ کلیہ کے فرمادیا گیا: "أیما رجل طلّق امرأته ثلاثاً مبهمةً أوثلاثاً عندالأقراء، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره". دارقطنی، ص:۴۳۷(۲)۔

یعنی جو شخص بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے خواہ تینوں مبہم طور پر بیک وقت دے، خواہ تین طہر میں الگ الگ دے، اب وہ بغیر حلالہ کے شوہرِ اول کے لئے حلال نہیں۔ یہاں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ تین طلاق سے بہرحال حرمتِ مغلظہ ثابت ہوجائے گی، ایک مجلس اور تین مجلس، یا ایک طہر یا تین طہر کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، دونوں کا حکم حرمتِ مغلظہ ثابت ہونے کے لئے یکساں ہے۔

اجماع

حافظ الکتاب والسنۃ شیخ الحاکم ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: "فالکتاب والسنة وإجماع الأمة توجب إیقاع الثلاث معاً وإن کانت مبهمةً، اهـ". أحکام القرآن: ۱/۴۵۹(۳)۔ ائمہ اربعہ بھی اس پر متفق ہیں(۴)، البتہ روافض اور داؤد ظاہری تین طلاق کے منکر ہیں(۵)، ان کا کہنا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ اپنے اس

---

(۱) (سنن الدارقطني: ۴/۱۴، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (سنن الدارقطني: ۴/۲۱، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) (أحکام القرآن: ۱/۳۸۸، ذکر الحجاج لإیقاع الثلاث معاً، قدیمی)

(۴) "وذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم، منهم الأوزاعي والنخعي والثوری وأبوحنیفة وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبوثور وأبو عبیدة وآخرون کثیرون -رحمهم الله تعالیٰ- علی أن من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولکنه یأثم". (عمدة القاری: ۲۰/۲۳۳، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث، أمین بیروت)

(۵) "وفي الترجمة إشارة إلی أن من السلف مَن لم یجوّز وقوع طلاق الثلث، فیحتمل أن یکون مراده بعدم الجواز من قال: لایقع الطلاق إذا أوقعها مجموعةً، للنهی عنه، وهو قولٌ للشیعة وبعض أهل الظاهر". (بذل المجهود: ۴/۶۲، باب فی نسخ المراجعة بعدِتطلیقات الثلث، امدادیه ملتان)

دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقولہ ہے کہ ''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تین طلاق ایک تھی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی دو سال تک یہی حال رہا''۔ یہ مقولہ مسلم شریف میں ہے۔ شراحِ حدیث نے اس پر آٹھ طرح کلام کیا ہے، ملاحظہ ہو فتح الباری، عمدۃ القاری، اوجز المسالک، بذل المجہود، نووی (۱)۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق کو

---

(۱) قال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: "ولفظ المتن: "أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها، جعلوها واحدةً" الحديث. فتمسک بهذا السياق من أعلّ الحديث وقال: إنما قال ابن عباس رضی الله تعالى عنهما ذلک فی غير المدخول بها، وهذا أحد الأجوبة عن هذا الحديث، وهی متعددة، وهو جواب إسحاق بن راهويه وجماعة، وبه جزم زكريا الساجی من الشافعية. ووجّهوه بأن غير المدخول بها تبين إذا قال لها زوجها: أنت طالق، فإذا قال ثلاثاً، لغا العدد لوقوعه بعد البينونة ...... اهـ.

الجواب الثانی: دعویٰ شذوذ رواية طاؤس، وهی طريقة البيهقی، فإنه ساق الروايات عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما بلزوم الثلاث، ثم نقل عن ابن المنذر أنه لايظن بابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أنه حفظ عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم شيئاً ويفتی بخلافه، فيتعين المصير إلی الترجيح، والأخذ بقول الأكثر أولی من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. وقال ابن العربی رحمه الله تعالیٰ: هذا حديث مختلف فی صحته، فكيف يقدّم علی الإجماع؟ قال: ويعارضه حديث محمود بن لبيد، يعنی: الذی تقدم أن النسائی أخرجه بأن فيه التصريح بأن الرجل طلق ثلاثاً مجموعةً ولم يردّه النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم بل أمضاه كذا قال، وليس فی سياق الخبر تعرضٌ لإمضاء ذلک ولالردّه.

الجواب الثالث: دعوی النسخ، فنقل البيهقی عن الشافعی رحمه الله تعالیٰ أنه قال: يشبه أن يكون ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما علم شيئاً نسخ ذلک. قال البيهقی رحمه الله تعالیٰ: ويقوّيه ما أخرجه أبوداؤد من طريق يزيد النحوی عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كان الرجل إذا طلق امرأته، فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثاً، فنسخ ذلک ....اهـ.

الجواب الرابع: دعویٰ الاضطراب، قال القرطبی فی "المفهم": وقع فيه مع الاختلاف علی ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما الاضطراب فی لفظه، وظاهر سياقه يقتضی النقل عن جميعهم أن =

....

= معظمهم كانوا يرون ذلك، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم وينتشر، فكيف ينفرد به واحد عن واحد؟ قال: فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع ببطلانه.

الجواب الخامس: دعوىٰ أنه ورد في صورة خاصة، فقال ابن سريج وغيره: يشبه أن يكون ورد في تكرير اللفظ كأن يقول: أنت طالق أنت طالق أنت طالق، وكانوا أولاً على سلامة صدورهم يقبل منهم أنهم أرادوا التأكيد، فلما كثر الناس في زمن عمر رضي الله تعالىٰ عنه وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول مَن ادعى التأكيد، حمل عمرُ رضي الله تعالىٰ عنه اللفظ على ظاهر التكرار فأمضاه عليهم. وهذا الجواب ارتضاه القرطبي وقواه بقول عمر رضي الله تعالىٰ عنه: "إن الناس استعجلوا في أمرٍ كانت لهم فيه أناة". وكذا قال النووي رحمه الله تعالىٰ: إن هذا أصح الأجوبة.

الجواب السادس: تأويل قوله: "واحدةً" وهو أن معنى قوله: "كان الثلاث واحدةً" أن الناس في زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانوا يطلّقون واحدةً، فلما كان زمن عمر رضي الله تعالىٰ عنه كانوا يطلقون ثلاثاً. ومحصله أن المعنى أن الطلاق الموقع في عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه ثلاثاً كان يوقع قبل ذلك واحدةً؛ لأنهم كانوا لايستعملون الثلاث أصلاً، أو كانوا يستعملونها نادراً، وأما في عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه فكثر استعمالهم لها.

ومعنى قوله: "فأمضاه عليهم وأجازه" وغير ذلك: أنه صنع فيه من الحكم بإيقاع الطلاق ما كان يصنع قبله. ورجّح هذا التأويلَ ابنُ العربي ونسبه إلى أبي زرعة الرازي، وكذا أورده البيهقي بإسناده الصحيح إلى أبي زرعة أنه قال: معنى هذا الحديث عندي أن ماتطلقون أنتم ثلاثاً كانوا يطلقون واحدةً. قال النووي: وعلى هذا فيكون الخبر وقع عن اختلاف عادة الناس خاصةً لاعن تغير الحكم في الواحدة. فالله أعلم.

الجواب السابع: دعوى وقفه، فقال بعضهم: ليس في هذا السياق أن ذلك كان يبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيقرّه، والحجة إنما هي في تقريره.......... اهـ.

الجواب الثامن: حمل قوله: "ثلاثاً" على أن المراد بها لفظ "ألبتة" كما تقدم في حديث ركانة سواء، وهو من رواية ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أيضاً، وهو قوي ويؤيده إدخال البخاري في هذا الباب الآثار التي فيها "ألبتة" والأحاديث التي فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلى عدم الفرق بينهما، وأن "ألبتة" إذا أطلقت حُمل على الثلاث، إلا إن أراد المطلِّق واحدةً فيقبل، فكأن بعض رواته حمل لفظ =

ایک طلاق قرار دینے کے لئے یہ مقولہ کافی نہیں۔

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شارح "الاستذکار" میں فرماتے ہیں: "إن هذه الرواية وهمٌ وغلطٌ لم يخرج عليها أحدٌ من العلماء، اهـ". الجوهر النقی: ۱۱۳/۲ میں اس کو نقل کیا ہے(۱)۔ یعنی یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابلِ التفات نہیں سمجھا۔

اس کو طاؤس کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے، لیکن حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کی تردید کرتے ہیں، چنانچہ کتاب ادب القضاء میں ہے:

"أخبرنا علی ابن عبد الله –و هو ابن المديني– عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن طاؤس أنه قال: من حدثك عن طاؤس أنه كان يروى طلاق الثلاث واحدةً، كذّبه، اهـ"(۲)۔

"یعنی طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو شخص تم سے بیان کرے کہ طاؤس حدیثِ طلاق ثلاث

= "ألبتة" على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث، وإنما المراد لفظ ألبتة، وكانوا فی العصر الأول يقبلون ممن قال: أردتُ بألبتة الواحدة، فلما كان عهد عمر رضی الله تعالیٰ عنه أمضى الثلاث في ظاهر الحكم". (فتح الباری شرح صحيح البخاری: ۳۶۳/۹، ۳۶۴، ۳۶۵، كتاب الطلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث، (رقم الحديث: ۵۲۵۹–۵۲۶۰)، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا فی عمدة القاری، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۳۳۱/۲۰، رشيديه)

(وبذل المجهود: ۲۷۱/۳، كتاب الطلاق، باب فی نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، معهد الخليل الاسلامی كراتشی)

(وأوجز المسالك إلى موطا الإمام مالك: ۳۳۱/۴، كتاب الطلاق، ماجاء فی ألبتة، مكتبه يحيويه سهارنفور)

(وشرح النووی على صحيح مسلم: ۴۷۸/۱، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمی)

(۱) (الجوهر النقی على هامش السنن الكبرى، كتاب الخلع والطلاق، باب: من جعل الثلاث واحدة: ۳۳۷/۷، إدارة تاليفات اشرفيه)

(۲) (لم أجده)

واحدۃ کوروایت کرتے ہیں تو تم اس کی تکذیب کرنا، اس کو جھوٹا سمجھنا، میں اس کو روایت نہیں کرتا، میری طرف اس کی نسبت غلط ہے"۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ بھی اس مقولہ کے خلاف ہے ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ابوداود شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، اهـ". بذل المجهود: ۳/۷۰(۱)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق یہ گمان قائم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے نقل کردہ مقولہ کے خلاف فتویٰ دیں گے۔

امام ابوداود اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ تین طلاق کے بعد رجعت کی جاتی تھی پھر آیت: ﴿الطلاق مرتان﴾ الخ کے ذریعہ حق رجعت کو دو طلاق تک محدود کر کے تیسری طلاق کے بعد حق رجعت کو منسوخ کر دیا گیا، اس کو بیان کرنے کے لئے باب منعقد کیا ہے: "باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث". اس کے ذیل میں نقل کیا ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء، ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن﴾. الآية، وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته، فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثاً، فنسخ ذلك فقال: ﴿الطلاق مرتان﴾. الآية، اهـ". بذل المجهود: ۳/۶۱(۲)۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث: ۱/۳۰۶، إمداديه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود: ۴/۷۰، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث: ۱/۳۰۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود: ۴/۶۲، كتاب الطلاق، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، مكتبه امداديه ملتان)

یعنی تین طلاق کے بعد بھی رجعت کی اجازت تھی جس کو آیت: ﴿الطلاق مرتان﴾ نے منسوخ کردیا، ایسا نہیں تھا کہ تین طلاق دینے پر ایک ہی ہوتی ہو، ہاں! یہ بات تھی کہ تین طلاق کے بعد حقِ رجعت تھا، نزولِ آیت کے بعد وہ حق ختم ہوگیا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت قرآن کریم کے موافق ہے، احادیث کے موافق ہے، اجماعِ سلف کے موافق ہے، خود ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتویٰ کے موافق ہے، اس کے برعکس ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کردہ مقولہ (کہ تین طلاق ایک تھی) ان سب کے خلاف ہے۔ اگر شراح کے پیش کردہ اشکالات کے باوجود اس مقولہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے پہلا لفظ طلاق کے لئے کہا ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ محضِ تاکید کے لئے کہا ہے، طلاق کے لئے نہیں کہا تو زمانہ خیر القرون میں سلامتِ صدر اور غلبۂ صدق کی بنا پر اس کا قول قبول کرلیا جاتا اور اس کو حقِ رجعت دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں طلاق کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے، نیز صدق میں بھی کمی محسوس کی گئی تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی شخص اس طرح طلاق دے گا یعنی تین لفظوں سے طلاق دے تو وہ تین ہی شمار ہوں گی، نیتِ تاکید کا (قضاءً) اعتبار نہ ہوگا۔ اصل یہی ہے کہ تین لفظ سے تین ہی طلاق کا حکم ہو، تین کا ایک ہونا تو خلافِ اصل ہے، اصل سے عدول کرکے تاکید کی نیت کا اعتبار کرنے کی جو وجہ تھی (سلامتِ صدر اور غلبۂ صدق) وہ موجود نہیں رہی، اس لئے ان الفاظ کا جو اصل موضوع لہ ہے وہی متعین کردیا گیا(۱)۔

دوسری دلیل: حدیث رکانہ ہے کہ ان کو تین طلاق کے بعد حقِ رجعت دیا گیا، اس پر محدثین نے

---

(۱) "قال ابن سريج وغيره: يشبه أن يكون في تكرير اللفظ كأن يقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وكانوا أولاً على سلامة صدورهم يُقبل منهم أنهم أرادوا التأكيد، فلما كثر الناس في زمن عمر، وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول مَن ادعى التأكيد، حمل عمر اللفظ على ظاهر التكرار، فأمضاه عليهم". (بذل المجهود: ۶۳/۴، بيان الاختلاف في الطلقات الثلث في مجلس واحد، إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح الصحيح لمسلم للنووي: ۴۷۸/۱، باب طلاق الثلث، قديمي)

کلام کیا ہے کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے یا ابورکانہ کا، نیز اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن کی روایت ضعیف ومعلول ہے(۱)۔

سب سے قطع نظر اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحۃً تین طلاق نہیں دی تھی، بلکہ طلاقِ "ألبتہ" دی تھی اور اس وقت طلاقِ البتہ بھی تین طلاق کے موقع پر استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ سنن دارقطنی، ص:۴۳۳، کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث اوپر گزر چکی ہے(۲)، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف دے کر پوچھا کہ تم نے ایک کا ارادہ کیا تھا؟ جب انہوں نے حلف سے بیان کیا کہ میرا ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا تب ان کو رجعت کا اختیار دیا گیا۔ ترمذی شریف:۱/۱۴۰، میں ہے:

"عن عبداللّٰہ بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! إني طلقت امرأتي ألبتّة، فقال: "ماأردت بها"؟ فقلت: واحدةً، قال: "والله"؟ قلت: والله، قال: "فهو ماأردت، اه". (۳)۔

اسی کو امام ابوداؤد نے "أصح" کہا ہے:۳/۷۰(۴)۔

---

(۱) "وقد أجابوا عنه بأربعة أشياء: أحد ها أن محمد بن إسحاق وشيخه مختلف فيهما .... والثاني: معارضته بفتوى ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما بوقوع الثلاث كما تقدم من رواية مجاهد وغيره، فلايظن بابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه كان عنده هذا الحكم عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يفتي بخلافه إلا بمرجّح ظهرله، وراوي الخبر أخبرُ من غيره بماروى. والثالث: أن أبا داؤد رجّح أن ركانة إنما طلق امرأته ألبتة كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة .... والرابع: أنه مذهب شاذ، فلا يعمل به". (فتح الباري: ۹/۳۶۲، ۳۶۳، كتاب الطلاق، باب من جوز طلاق الثلاث، دارالفكر بيروت)

(۲) (سنن الدارقطني: ۴/۲۰، كتاب الطلاق، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) (جامع الترمذي: ۱/۲۲۲، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الرجل طلق امرأته ألبتة، سعيد)

(۴) قال أبو داؤد: "هذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً؛ لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۰۸، كتاب الطلاق، باب في البتة، إمداديه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود: ۴/۷۶، كتاب الطلاق، باب في البتة، مكتبه امداديه، ملتان)

جس روایت میں "طلقها ثلاث" ہے، وہ روایت بالمعنیٰ ہے، اس لئے کہ "اَلبتۃ" بھی "ثلاثاً" کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا تھا(۱)۔ اس البتہ میں اختلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ایک قرار دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین قرار دیتے ہیں، امام ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ کوفہ نیت پر مدار رکھتے ہیں، ایک کی نیت کی ہو تو ایک، تین کی نیت کی ہو تو تین، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ دو کی نیت بھی معتبر مانتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب اقوال نقل کئے ہیں:

"وقد اختلف أهل العلم من أصحابِ النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم في طلاق ألبتة، فروى عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه جعل ألبتة واحدةً. وروى عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه جعلها ثلاثاً. وقال بعض أهل العلم: فيه نية الرجل إن نوىٰ واحدةً فواحدةٌ، وإن نوىٰ ثلاثاً ثلاثٌ، وإن ثنتين لم تكن إلا واحدةً، وهو قول الثوري وأهل الكوفة. وقال مالك بن أنس رضي الله تعالىٰ عنه في ألبتة: إن كان قد دخل بها، فهي ثلاث تطليقات. وقال الشافعي: إن نوىٰ واحدةً فواحدة يملك الرجعة، وإن نوىٰ ثنتين فثنتين، وإن نوىٰ ثلاثاً فثلاث، اهـ". ترمذی شریف: ۱/۱٤۰(۲)۔

الحاصل: نہ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مفیدِ مطلب ہے، نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نقل کردہ مقولہ تین کو ایک بنانے کے لئے کافی ہے۔

تین کا تین ہونا اصل کے بھی مطابق ہے، ائمۂ اربعہ کا یہی متفقہ مسلکِ مختار ہے(۳)۔ ائمۂ اربعہ کا مذہب عینِ حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے "إذا صح الحديث فهو مذهبي" پورے طور پر صادق ہے،

---

(۱) "ان أبا داؤد رجح أن ركانة إنما طلق امرأته ألبتة كما أخرجه هو من طريق أهل بيت ركانة، وهو تعليل قوي لجواز أن يكون بعض رواته حمل البتة على الثلث". (بذل المجهود: ۶۳/۴، نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، إمداديه ملتان)

(۲) (جامع الترمذي: ۲۲۲/۱، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الرجل طلق امرأته ألبتة، سعيد)

(۳) "وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث". (ردالمحتار: ۲۳۳/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

پھر بوقتِ ضرورت دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ کی بحث اس جگہ بے محل ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں سب ائمہ سے الگ اور منفرد ہیں، ان کے اقران اہلِ علم ان کے مخالف ہیں، سب نے ہی ان پر رد کیا ہے، ملاحظہ کیجئے: طبقاتِ کبریٰ، فتح الباری، عینی وغیرہ۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اغاثۃ اللھفان میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے استاذ کی جانب سے دفاع کی کوشش کی ہے، مگر وہ کوشش میں ناکام رہے، حتی کہ خود ان کے تلمیذ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاذ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مزعومہ دلائل کو توڑ دیا اور مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے "بیان مشکل الأحادیث الواردة فی أن الطلاق الثلاث طلقة واحدة"۔

تین طلاق کو ایک قرار دے کر بہر صورت حقِ رجعت دینا کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ سلف صالحین، فتاویٰ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ائمۂ اربعہ رحمہ اللہ تعالیٰ سب کے خلاف ہے، کوئی گنجائش نہیں، اس طرح بغیر حلالہ کے اگر کوئی شخص نکاح کرے گا تو وہ نکاح نہیں ہوگا، بلکہ نکاح کے نام پر نہایت غلط اور شرمناک فحش کام ہوگا۔ اللہ پاک اس سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۰ھ۔

ضمیمہ

[۶۱۱۲ / ۲]: سائل نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقلد ہونے کے باوجود تین طلاق سے بیوی پر حرمتِ مغلظہ ہونے کی تقدیر پر اہلِ حدیث کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور فاضل مجیب نے دیگر ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دینے کی رہنمائی بھی کی ہے، یہ بحث یہاں بے محل ہے، اس لئے کہ حرمتِ مغلظہ ہوجانا صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اجتہادی واستنباطی مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم سے ثابت ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے، اجماع سے ثابت ہے، تاہم مسئلۂ انتقالِ مذہب پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے، کیونکہ سائل صرف اس مسئلہ میں اہلِ حدیث کی رائے پر عمل کی اجازت کا خواہشمند نہیں، بلکہ مستقلاً تبدیلِ مذہب کے لئے آمادہ ہے۔

جو شخص مجتہد نہ ہو (اس میں صفات وشرائطِ اجتہاد موجود نہ ہوں) اس کے ذمہ تقلید ضروری ہے (یہ مسئلہ اپنی جگہ پر مدلل ومبرہن ہے) ایسا شخص اگر ایک مجتہد کی تقلید اختیار کرنے کے بعد اپنی وسعتِ نظر اور تحقیق کی بناء

پر کسی دوسرے امام مجتہد کے مذہب کو اقرب الی الکتاب اور اَوفق بالسنۃ پاتا ہو اور دلائل کی قوت وضعف اور احادیث کے مَحامل کو پورے طور پر پہچانتا ہو اور ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو، جرح وتعدیل، شرحِ غریب، رفعِ تعارض، جمعِ روایات وترجیحِ راجح سے بخوبی واقف ہو، اسانید پر گہری نظر رکھتا ہو، اجماعی مسائل اس کو محفوظ ہوں تو اس کے لئے جذبۂ دیانت کے تحت جائز ہے کہ وہ امامِ سابق کے مسلک سے دوسرے امام کے مسلک کی طرف منتقل ہوجائے اور آئندہ اسی کی پیروی کرے، اپنی گزشتہ زندگی میں مسلکِ قدیم پر جو عمل کرچکا ہے، اس کا وہ عمل ضائع نہیں ہوگا، اور مسلکِ جدید کے تحت وہ اگر صحیح نہیں تھا تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر مسلکِ قدیم کے تحت کوئی حرمت متحقق ہوچکی ہے تو مسلکِ جدید اختیار کرنے سے وہ حرمت مرتفع نہیں ہوگی۔ غرض! گزشتہ کسی عمل پر اس کا اثر نہیں ہوگا۔ شرح تحریر، فواتح الرحموت وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) "وفي بحر الزركشي ماملخصه: العلم نوعان: نوعٌ يشترك في مَعرفته الخاصة والعامة .... ونوع يختص بمعرفته الخاصة. والناس فيه ثلاثة أقسام: الأول: العامي الصرف ..... الثاني: العالم الذى حصل بعض العلوم المعتبرة ولم يبلغ رتبة الاجتهاد، فاختار ابن الحاجب وغيره أنه كالعامي الصرف لعجزه عن الاجتهاد. وقيل: لايجوز له ذلك، ويجب عليه معرفة الحكم بطريقه؛ لأن له صلاحيةَ معرفة الأحكام بخلاف غيره .... وكذا لاإشكال في إلحاقهم بالمجتهدين؛ إذ لايقلد مجتهد مجتهداً، ولا يمكن أن يكون واسطةً بينهما؛ لأنه ليس لنا سوى حالتين. قال ابن المنير: والمختار أنهم مجتهدون ملتزمون أن لايحدثوا مذهباً، فإن إحداث مذهب زائد بحيث يكون لفروعه أصول وقواعد مباينة لسائر قواعد المتقدمين، فمتعذر الوجود لاستيعاب المتقدمين سائرالأساليب.

نعم! لايمتنع عليهم تقليد إمام في قاعدة، فإذا ظهرله صحة مذهب غير إمامه في واقعة، لم يجزله أن يقلد إمامه، لكن وقوع ذلك مستبعدٌ لكمال نظر مَن قبله". (التقرير والتحبير شرح التحرير: ۳/۴۶۰، غير المجتهد المطلق يلزمه التقليد، دارالفكر بيروت)

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم

سوال[۶۱۱۳]: زید نے اپنی زوجہ کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی، طلاق دیئے ہوئے ابھی تقریباً ڈیڑھ ماہ گزرے ہیں، کیا وہ اپنی بیوی کو پھر رجوع کرسکتا ہے؟ جواب از روئے قرآن وحدیث ارسال ہو۔

جواب از طرف اہل حدیث

الجواب:

قال الله تعالیٰ ﴿الطلاق مرتان، فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان .... حتى تنكح زوجاً غيره﴾ سوره بقرة، وقال الله تعالى: ﴿يا أيها النبي إذا طلقتم النساء، فطلقوهن لعدتهن﴾ (سوره طلاق)۔

ان آیاتِ کریمہ سے صاف ثابت ہے کہ طلاق بدفعات دی جائے تاکہ رجعت کا اختیار باقی رہے، ایک قسم کی تین طلاق چونکہ ایک رجعی ہوتی ہے اس لئے صورت مسئولہ میں زید اپنی بیوی کو رجوع کرسکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

"كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و صدراً من خلافة عمر رضي الله تعالى عنهما طلاق الثلاث واحدةً" (۱)۔

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور شروع خلافتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھیں، یہی مذہب ہزارہا صحابہ کرام کا تھا جیسا کہ تعلیق المغنی شرح دارقطنی میں ہے:

"ستن رجال كل صحابي من عهد الصديق إلى ثلث سنين من خلافة عمر رضي الله تعالى عنه يزيدون على الألف" (۲)۔

یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے تین سال تک ہزارہا صحابہ

(۱) (الصحيح لمسلم: ۱/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمي)

(۲) (التعليق المغني شرح الدار قطني: ۴/۴۷، كتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، دارنشر الكتب الإسلامية لاهور)

کا یہی فتویٰ رہا کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینا شروع کردی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیاسۃً تین کو تین کردیا جیسا کہ اسی صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں:

"إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، الخ"(۱)۔ یعنی لوگوں نے ایسے کام میں جلدی کرنا شروع کردی جس میں ان کو دیر کرنا چاہئے تھا، پس ہم تینوں ان پر جاری کردیں گے، چنانچہ جاری کردیا، لیکن جب اس طریق سے طلاق میں کمی نہیں ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت پچھتائے اور اس سے رجوع فرمالیا جیسا کہ حدیث کی بہت بڑی کتاب مسند اسماعیلی میں ہے: قال عمر: "ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث: أن لا أكون حرّمت الطلاق، الخ"۔ دیکھو: إغاثة اللهفان مصری(۲) یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین مسئلوں پر بڑی ندامت ہوئی، ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔

پھر حضرت علی وابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف وابوموسیٰ اشعری وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیگر بڑے صحابہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے جیسا کہ تعليق المغني، ص: ٤٤، و فتح الباري، ص: ١٦٥، و نيل الأوطار: ١٥٤/٦، میں صاف صاف مذکور ہے(۳)۔ خود حضرت ابن

---

(۱) (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي: ۱/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمي)

(۲) (إغاثة اللهفان، الطلاق، ندم عمر آخر حياته أن لايكون رد أمر الطلاق إلى ماكان عليه في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۳۳۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "وإذا طلق ثلاثاً مجموعةً وقعت واحدةً، وهو منقول عن علي بن أبي طالب وابن مسعود و عبد الرحمن بن عوف والزبير". (التعليق المغني شرح الدار قطني: ۴/۴۷، كتاب الطلاق، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور)

"والرابع أنه مذهب شاذ، فلا يعمل به، وأجيب بأنه نقل عن علي وابن مسعود وعبدالرحمٰن بن عوف والزبير مثله". (فتح الباري، كتاب الطلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث: ۹/۳۶۳، دارالفكر، بيروت)

(وكذا في نيل الأوطار: ۶/۷-۲۰۱، كتاب الطلاق، اختلاف العلماء في الطلاق الثلاث إذا أوقعت في وقت واحد، دارالباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن سے صحیح مسلم کی حدیث اوپر نقل کی گئی ہے ان کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ان کے شاگرد طاؤس سے مروی ہے: "قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، الخ. قال طاؤس: أسمعه ما كان ابن عباس يعده إلا واحدةً". تعليق المغنی ص: ٤٤٥(١)۔ یعنی جب کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو طاؤس نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو ایک طلاق کہتے تھے۔

تابعین کا بھی یہی مذہب ہے: جابر بن زید، طاؤس، وعطاء، عمرو بن دینار، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ، عکرمہ، طاؤس ومحمد ابن اسحٰق، یہی مذہب اہل بیت کا ہے، دیکھو تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر(۲) نیز یہی مذہب ہے بڑے بڑے علمائے محدثین کا جیسے: محمد بن تقی ومحمد بن عبدالسلام وامام رازی وامام ابن تیمیہ وابن قیم اور قاضی شوکانی وغیرہ۔

امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں: ایک تو وہی جو مشہور ہے، دوسری یہ کہ جلسۂ واحدہ کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے جیسا کہ محمد بن مقاتل نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے دیکھو: إغاثة مصری، وكتاب المعلم شرح مسلم(۳)۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قولوں میں سے ایک

---

(١) (التعليق المغنی شرح الدار قطنی: ۴/۴۸، كتاب الطلاق، دارنشر الكتب الإسلامية لاهور)

(٢) "ثم من هؤلاء من قال: لو طلقها ثنتين أو ثلاثاً لايقع إلا واحدة، وهذا هو الأقيس، واختاره كثير من علماء أهل البيت". (تفسير النيسا بورى على هامش تفسير ابن جرير الطبرى: ٢/٣٦١، بيان الطلاق ومايجوز وقوعه ومالايجوز، دارالمعرفة)

(٣) "وممن ذكر الخلاف في ذلک داؤد وأصحابه، واختاروا أن الثلاث واحدة .... وحكاه من المتأخرين المازريُّ فی "كتاب المعلم" وحكاه عن محمد بن المقاتل من أصحاب أبی حنيفة وهو من أجل أصحابهم من الطبقة الثالثة من أصحاب أبی حنيفة، فهو أحد القولين فی مذهب أبی حنيفة". (إغاثة اللهفان، كتاب الطلاق، القياس أن لفظ الثلاث لاتكون إلا واحدةً والإجماع على ذلک: ١/٢٨٩، ٢٩٠، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

قال الشيخ: "طلاق الثلاث فی مرة واحدة واقع عند كافة الفقهاء، وقد شذ الحجاج بن أرطاة وابن مقاتل فقالا: لايقع، وتعلقا فی ذلک بمثل هذا الخبر وبما قلنا: إنه وقع فی بعض الطرق "أن ابن =

قول یہی ہے، بعض اصحابِ احمد وامام داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے دیکھو: عمدة الرعاية(۱)۔

دوسری حدیث: "عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: طلق رکانة ابن عبد يزيد أخو المطلب امرأته ثلاثاً، فحزن عليها حزنًا شديداً، قال: فسأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم: "كيف طلقتها"؟ قال طلقتها ثلاثاً قال: "في مجلس واحد"؟ قال: نعم، قال: "إنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت" قال: فراجَعها". مسند أحمد جلد اول مطبوعه مصری(۲)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رکانہ صحابی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پھر بہت پچھتائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تونے کیسے طلاق دی؟ انہوں نے کہا تین طلاق دی، آپ نے پوچھا کیا ایک جلسہ میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، لہٰذا اگر تمہارا دل چاہے تو رجوع کرلو، تو رکانہ نے رجوع کرلیا۔ یہ حدیث صحیح اور حسن دونوں طریق سے مروی ہے، اعلام الموقعین (۳) میں ابو سہل نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور صحیح کہا

= عمر طلقها ثلاثاً في الحيض وأنه لم يحتسب به" وبما وقع في حديث ركانة "أنه طلقها ثلاثاً وأمره صلى الله تعالى عليه وسلم بمراجعتها". (المعلم بفوائد مسلم، كتاب الطلاق، قول ابن عباس: كان الطلاق على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافه عمر طلاق الثلاث واحدة: ۱۲۶/۲، دار الغرب الإسلامی)

(۱) "القول الثاني: إذا طلق ثلاثاً تقع واحدةً رجعيةً، هذا هو المنقول عن بعض الصحابة، و به قال داؤد الظاهری وأتباعه، وأحد القولين لمالك، و بعض أصحاب أحمد، وانتصر لهذاالمذهب ابن تيمية الحنبلي". (عمدة الرعاية: ۶۳/۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) (مسند أحمد: ۴۳۸/۱، مسند عبد الله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، (رقم الحديث: ۲۳۸۳) دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "طلق ركانة ابن عبد يزيد أخو المطلب امرأته ثلاثاً، فحزن عليها حزنًا شديداً، قال: فسأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كيف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: "في مجلس واحد"؟ قال: نعم قال: "إنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت". قال: فراجَعها. فكان ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما يرى إنما الطلاق عند كل طهر. وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد و حسنه". (إعلام الموقعين: ۳۲/۳، حكم جمع الطلقات الثلث بلفظ واحد، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے، فتح الباری پارہ:۲۲،ص:۱۶۳(۱)۔

حررہ خادم اسلم۔

الاستفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سوال [۶۱۱۴]: ۱...... یہ شامل نقل فتویٰ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارسال ہے، کیا اس کے موافق زید نے جو کہ حنفی ہے اپنی عورت کو غائبانہ کہا کہ ''میری فلانی - نام لے کر کہا کہ اس - کو تین طلاق''، تو اب زید اس عورت کو اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے تو کیا حسبِ تحریر مذکورہ دیگر مذاہب امام داوٗد ظاہری کے جو کہ ان کے مذہب میں طلاق ہوتی ہی نہیں اور ایک وقت میں تین طلاق کہنا ہی ایک طلاق ہے؟ اور جو زید نے شامی کی عبارت کا بھی جواب دیا ہے کہ ضرورت کے وقت دیگر مذہب پر عمل جائز ہے اور خصوصاً شامی کی اس عبارت کی بناء پر ''حیلۂ ناجزہ'' رسالہ لکھا گیا جس میں مالکی مذہب پر مفقود وغیرہ کی تفریق کی جواز لکھی گئی ہے، اب اگر زید مولوی لکھنوی کے فتویٰ پر عمل کر کے داوٗد ظاہری کے مذہب پر اس عورت کو گھر میں رکھ لے تو اس کو جائز اور وطی اور اولاد حلال ہوگی یا نہیں؟ اور زید کے ساتھ اور لوگ کنبے والے سلوکِ برادرانہ اور رشتہ داری وقرابت، صلۂ رحمی تعلق رکھیں یا نہ؟

۲...... مولوی لکھنوی صاحب نے لکھا ہے کہ کسی مولوی شافعی سے فتویٰ لیکر عمل کرلے، آج کل یہاں ہندوستان میں داودی مولوی کا ملنا مشکل ہے، کیا اس صورت میں حنفی مولوی سے شافعی مذہب پر فتویٰ لیا جائے گا یا نہ؟ زید حسبِ عبارت شامی وفتویٰ لکھنوی کے موافق ضرورت شدیدہ پیش کرتا ہے کہ اگر چہ زید کے اَور بھی بی بی ہے اور اس سے اولاد بھی ہے اور مطلقہ سے بھی اولاد ہے مگر وہ مطلقہ چونکہ قریبی رشتہ داروں میں سے ہے۔ در اصل زید کی خفیف قرینہ کی بنا پر اس عورت پر زید نے بدی کا الزام رکھا تھا جس کی وجہ سے برادری میں بڑا ز ور اور فتنہ ہوا ہے، وہ عورت باپ گھر لے گیا ہے اور آئندہ کے لئے کئی پشتوں تک قطع رحمی کا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اور اگر طلاق مشہور ہوئی اور عورت زید کے گھر میں نہ آئی تو بدی کا پورا ثبوت ہوجائے گا جس سے ایسے سعید خاندان کو

---

(۱) (فتح الباری: ۹/۳۶۲، باب من جوز الطلاق الثلث، دار الفکر بیروت)

محض خفیف قرینہ کی بنا پر عزت میں بڑا دھبہ آئے گا اور خصوص عورت کے باپ بھائیوں کو بڑی شرمندگی پیش آئے گی اور اس میں قطع تعلقات اور قطع رحمی ہو جائے گا اور حلالہ کی صورت کرنا تو ممکن نہیں۔ تو کیا اس ضرورت کی وجہ سے زید اب دوسرے مذہب پر عمل کرنا چاہتا ہے اور عورت بھی مرد کے گھر آنا چاہتی ہے؟ اگر حضرات علماء اس ضرورت کو لائق دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے سمجھیں تو تحریر فرمایا جائے۔

۳......فتویٰ لکھنوی کے آخر میں جو لکھا ہے کہ شافعی علماء کا فتویٰ لے کر عمل کرنا چاہئے کیونکہ شافعی مولوی تو پورے ہندوستان میں ملنا مشکل ہے تو اگر حنفی مولوی سے کسی اور امام کے مذہب پر فتوی لے کر مثلاً داؤد ظاہری کے مذہب پر تو فتوی لائقِ عمل ہوگا یا نہ؟ نقل فتوی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی جلد دوم ص:۵۳ مطبوعہ یوسفی لکھنؤ۔

استفتاء

سوال [۲۱۱۵]: ''زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہا کہ ''میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا، پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہوں گے، یا نہ؟ اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی مذہب میں واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں''؟

جواب از حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

الجواب و هو الموفق للصواب

''اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور بغیر تحلیل نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کے، اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد کا اندیشہ ہو، تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح ''زوجۂ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر'' موجود ہے کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کرنے کو جائز کہتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں مفصلاً مذکور ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی عالم شافعی سے استفتاء کر کے اس کے فتوی پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔

حررہ عبدالحیٔ عفی عنہ۔

جواب از حضرت اقدس مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

الجواب و هو الموفق للصواب حامداً و مصلياً و مسلماً:

جو شخص تین طلاق ایک مجلس میں مدخولہ کو دیدے تو وہ واقع ہو جاتی ہے اور اس میں رجعت یا (بلا حلالہ) تجدیدِ نکاح کی گنجائش نہیں ہوتی، خواہ زوجہ کی موجودگی میں طلاق دے یا خواہ غیب میں، سب کا حکم برابر ہے۔ اگر غیر مدخولہ کو دے اور ایک لفظ سے مثلاً کہے کہ ''تین طلاق میں نے دی''، تب بھی یہی حکم ہے، اگر تین لفظ سے دے مثلاً کہے کہ ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' تو اس صورت میں صرف ایک واقع ہوتی ہے، اور بلا حلالہ کے تجدیدِ نکاح درست ہے۔ صورتِ مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے:

"اتفق الأئمة الأربعة على أن الطلاق في الحيض لمدخول بها أو في طهرٍ جامع فيه محرّمٌ، إلا أنه يقع، وكذا جمع الطلاق في الثلث أيضاً، اهـ". رحمة الأمة: ۲/۱۸۰ (۱)۔ وكذا في الميزان للشعراني (۲)۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت غلط ہے، ان کے نزدیک بھی طلاق مغلظہ ہوگئی جیسا کہ شافعیہ کی کتاب ''رحمۃ الامۃ'' سے نقل کیا گیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی واقع ہوگئی، جیسا کہ ''شعرانی''، حنبلی کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس پر اجماع منعقد ہوا ہے، شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں اس پر بسط سے کلام کیا ہے (۳)، نیز حافظ ابن حجر

---

(۱) (رحمة الأمة: ۲/۵۱، كتاب الطلاق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الميزان للشعراني: ۲/۱۲۰، كتاب الطلاق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث ...... فبإجماعهم ظاهر، فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر رضي الله تعالىٰ عنه حين أمضى الثلاث، وليس يلزم في نقل الحكم الإجماعي عن ماة ألف أن يسمى كل ليلزم في مجلد كبير .... وقد أثبتنا النقل عن أكثرهم صريحاً بإيقاع الثلاث، ولم يظهر لهم مخالف، فما ذا بعد الحق إلا الضلال".

(فتح القدير: ۳/۴۶۹، ۴۷۰، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں بحث کی ہے(۱)۔ ''اعلاء السنن'' گیارہویں جلد میں تو مستقل رسالہ دس ورق کا ہے(۲) اور بالکل اخیر میں تقریباً اتنا ہی بڑا تتمہ ہے۔ اور بھی مستقل رسائل اس مسئلے پر تصنیف کئے گئے ہیں۔

علامہ شامی نے اس مسئلہ پر جمہور صحابہ وتابعین وائمۂ مسلمین کا اجماع نقل کر کے لکھا ہے:

"فما ذا بعد الحق إلا الضلال. و عن هذا لو حكم حاكم بأنها واحدة، لم ينعقد حكمه؛ لأنه لا يسوغ الاجتهاد فيه، فهو خلاف لا اختلاف، اهـ"(۳)۔

کہ مسئلہ فرعیہ اجماعیہ کے خلاف ان کے قول پر عمل کیا جا سکے کیونکہ مجتہد نہ تھے، قیاس کے منکر تھے، ان کا قول خود خرقِ اجماع ہے:

"ذهب الجمهور إلى أن القياس لا يبلغ منزلة الاجتهاد، و لا يجوز توليهم القضاء، و هذا ينفع الاعتداد، اهـ. هذا قال الإمام الأستاذ أبو الحسن الإسفرائني. وقال الإمام أبو المعالي ابن الجويني ما ذهب إليه ذووا التحقيق: إنالا نجد منكر القياس من علماء الأمة الشريفة .... فهم لا يلتحفون بالعوام، وكيف يدعون مجتهدين و لا اجتهاد عندهم، اهـ. وقال الإمام أبو بكر

---

(۱) "وفي الجملة فالذي وقع في هذه المسئلة نظير ما وقع في مسألة المتعة سواء أعني قول جابر: إنها كانت تفعل في عهد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأبي بكر و صدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا. فالراجح في الموضعين تحريم المتعة و إيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك، و لا يحفظ أن أحداً في عهد عمر خالفه في واحدة منهما". (فتح الباري: ۹/۳۶۵، باب من جوز الطلاق الثلث، دارالفكر بيروت)

(۲) "عن سلمة بن كهيل: حدثنا زيد بن وهب أنه رفع إلى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه رجل طلق امرأته ألفاً، فقال له عمر: أطلقت امرأتك؟ فقال: إنما كنت ألعب، فعلاه عمر بالدرة، وقال: إنما يكفيك من ذلك ثلاث .... جاء رجل إلى علي بن أبي طالب، فقال: إني طلقت امرأتي ألفاً، فقال له علي كرم الله وجهه: بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نسائك". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۵۶، كتاب الطلاق، والمسألة الثانية في وقوع الطلقات الثلث الخ، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (رد المحتار: ۳/۲۳۳، كتاب الطلاق، سعيد)

الرازی فی مقدمة کتابه فی أحکام القرآن: لو تکلم داود فی مسئلة حادثة فی عصره و خالف فیها بعض أهل زمانه، لم یکن خلافاً علیهم، و کان ینفی صحیح العقول، و مشهورٌ أنه کان یقول: بل غلی العقول لأجل ذلك لم یجد خلاف أحد من الفقهاء، فقد انعقد الإجماع علی أسواطه و ترك الاعتداد به، اهـ"(۱)۔

یہ صحیح ہے کہ بعض مسائل میں حنفیہ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب کے علماء نے حنفیہ کے قول کو بعض مسائل میں اختیار کیا ہے، فتاویٰ کبریٰ میں ابن حجر شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے مسائل لکھے ہیں اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عقد الجید" میں ایسی مثالیں تحریر کی ہیں، مگر یہ کہیں نہیں دیکھا کہ اجماعی مسئلہ کے خلاف غیر مجتہد کے قول کو اختیار کیا گیا ہو۔ اعیانِ صحابہ کی تقلید بھی منع ہے چہ جائیکہ داؤد ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ، اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ...... شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کے اخیر میں فرماتے ہیں:

"نقل الإمام إجماع المحققین علی منع العوام من تقلید الصحابة، بل من بعدهم علی هذا ما ذکر بعض المتأخرین منع تقلید غیر الأربعة لانضباط مذاهبهم، و تقلید مسائلهم، و تخصیص عمومه، ولم یر مثله فی غیرهم الآن لا نقراض أتباعهم، و هو صحیح، اهـ". تحریر: ص: ۵۵۲(۲)۔

شافعی المذہب علماء یمن میں موجود ہیں وہ بھی فتویٰ دیتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بمنزلہ تلمیذ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے فقہاء احناف نے ضرورتِ شدیدہ کی بناپر بعض مسائل میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ قاضی ابوزید دبوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اصولاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب سے قریب تر ہے اس لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۶۹ھ۔

---

(۱) تلاش بسیار کے باوجود کسی کتاب میں اس عبارت پر واقفیت نہیں ہوئی، الفصول فی الأصول میں یہ عبارت نہیں ملی۔

(۲) (التقریر مع التحریر: ۳/۴۷۲، ۴۷۳، إجماع المحققین علی منع العوام من تقلید أعیان الصحابة، بیروت)

تین طلاق کے بعد غیر مقلد کے فتوے پر عمل جائز نہیں

سوال[۶۱۱۲]: ایک شخص عاقل بالغ ہے، اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں جس کے دو گواہ بھی موجود ہیں اور خود مقر بھی ہے کہ میں نے تین طلاق دیں، لیکن ایک غیر مقلد مولوی کو کچھ روپیہ دے کر فتویٰ حاصل کر لیا کہ بغیر حلالہ کے اپنی بیوی کو رکھ سکتے ہو، چنانچہ اس نے بغیر حلالہ کے صرف توبہ کر کے بیوی کو رکھ لیا ہے اور دو مولوی صاحبان نے فتاویٰ عبدالحی، جلد اول، کتاب الطلاق، ص: ۴۸۶، کا حوالہ دیا کہ بوقتِ ضرورت اس عورت کا اس سے علیحدہ ہونا دشوار ہو اور سخت ترین مفاسد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو دوسرے امام کی تقلید درست ہے، اس طرح کی دلیل دے کر سب محلہ والوں کے اعتقاد کو خراب کرنے لگا۔

اب لوگ کہتے ہیں کہ اب کوئی بھی شخص تین طلاق دے کر کسی غیر مقلد مولوی سے فتویٰ حاصل کر کے بغیر حلالہ کے بیوی رکھ سکتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا تین طلاق کے بعد غیر مقلد کے فتوے پر عمل جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاروں امام: ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے اگر کوئی شخص حاجتِ شدیدہ کے وقت کسی کے مسلک پر فتویٰ لے کر عمل کرے تو شرعاً گنجائش ہے(۱)۔ حاجتِ شدیدہ یہ ہے کہ سخت ترین مفاسد میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ قویہ ہو، مثلاً ایک عورت کا شوہر کہیں مفقود ہو گیا، نہ اس کے جذبات پورے ہو سکتے ہیں، نہ نفقہ کا انتظام ہے، سخت اندیشہ ہے کہ وہ معصیت میں مبتلا ہو جائے، یا مذہبِ اسلام ہی چھوڑ بیٹھے تو ایسی مجبوری کی حالت میں دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ لے کر عمل کی گنجائش ہے۔ صورتِ مسئولہ میں نہ اس قسم کا مفسدہ

---

(۱) "ربما يجوز لمفتي مذهب واحد أن يختار قول المذهب الآخر للعمل أو للفتوىٰ بشرط أن لايكون ذلك بالتشهي المجرد واتباعاً للهوىٰ، وإنما يجوز ذلك في حالتين: الحالة الأولىٰ: الضرورة أو الحاجة، وذلك أن يكون في المذهب في مسئلة مخصوصة حرجٌ شديدٌ لا يطاق، أوضرورة واقعية لامحيص عنها، فيجوز أن يعمل بمذهب آخر رفعاً للحرج ورفعاً للضرورة، وهذا كما أفتى علماء الهند بمذهب المالكية في مسئلة المفقود، والعنين، والمتعنت". (أصول الإفتاء، ص: ٦٧، الإفتاء بمذهب الغير)

ہے، کیونکہ عورت کے لئے دوسرے مرد مل سکتے ہیں اور مرد کے لئے دوسری عورتیں مل سکتی ہیں، نہ معصیت میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مذہب چھوڑنے کی۔

علاوہ ازیں ائمۂ اربعہ میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں کہ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے پھر رکھ لیا جائے، اس لئے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں (۱)، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے (۲)، سنتِ مشہورہ کے بھی خلاف ہے (۳)، فقہائے کرام کے بھی خلاف ہے (۴)۔ نادم ہوکر سچے دل سے توبہ واستغفار کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تین طلاق کے بعد کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا

سوال[۶۱۱۷]: زید نے ایک دن صبح سویرے معمولی بات پر اپنی بیوی ہندہ سے غصہ میں کہہ دیا کہ

---

(۱) "لما في مسلم أن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً، فقال عمر: "إن الناس قدا ستعجلوا في أمرٍ كان لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم". وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعد هم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث". (رد المحتار: ۳/۲۳۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۸۸، ذكر الحجاج لإيقاع الثلاث، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۴۶۵، كتاب الطلاق، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كماذاق الأول". (صحيح البخاري: ۲/۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث، قديمي)

(۴) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۹۹، باب الرجعة، فعل فيد. تحل به المطلقة، امداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

''جب مجھ سے جھگڑتی رہتی ہے تو تم طلاق، طلاق، طلاق'' تم تم کے بعد ''کو'' استعمال نہیں کیا۔ جب اس مسئلہ کو بعض حنفی عالم کے سامنے بطورِ استفتاء رکھا گیا تو جواب ملا کہ زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوئی ہے اور بغیر حلالہ زید پر وہ حرام ہے۔ حلالہ کا نام سن کر زید کی مطلقہ کہنے لگی کہ میں شوہر کے گھر سے ہرگز نہ نکلوں گی، اگر نکال دیا گیا تو خودکشی کرلوں گی۔ عورت کی اس دھمکی کے بعد ثانیاً اس حنفی عالم سے رجوع کیا گیا تو انھوں نے کہا ضرورتِ شدیدہ کے موقع پر کسی دوسرے اماموں کے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے شافعی مسلک یا دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دیا، اس لئے زید نے ہندہ سے تجدید نکاح کرلیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ہندہ پر اس صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی، لفظ ''تم'' کے بعد ''کو'' ذکر نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا: "وفي: أنت الطلاق، أوطلاق، أو أنت طلاق الطلاق، أو أنت طالق طلاقاً، تقع واحدة رجعية"(۱)۔ "ومتیٰ كرر لفظ الطلاق، وقع الكل"(۲)۔ وقال الله تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان .... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتیٰ تنكح زوجاً غيره﴾ الآية(۳)۔ اب بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت کا کام کرنا حرام ہے(۴)۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے(۵)، یہی حدیث شریف سے ثابت

---

(۱) (الدر المختار: ۳/۲۵۱، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۶، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه: ۳/۴۸۸، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

(۴) (راجع العنوان: ''شدتِ غصہ میں تین طلاق''۔)

(۵) "وذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري وأبوحنيفه وأصحابه والشافعي وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون –رحمهم الله تعالیٰ– علیٰ مَن طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري: ۲۰/۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق=

ہے، اس پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے(۱)، اس کے خلاف کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں۔ جو عورت قرآن وحدیث واجماع کے خلاف حکم حاصل کرنا چاہتی ہے اور حکم نہ ملنے پر خودکشی کی دھمکی دیتی ہے تو اس کی خاطر حکم میں تبدیلی کا کسی کو حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸۷/۷/۲۳ھ۔

غیر مقلد ہونے سے حرمتِ مغلظہ ختم نہیں ہوجاتی

سوال[۶۱۱۸]: سید فضل الٰہی نے اپنی زوجہ مسماۃ آسیہ خاتون کو ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ اس طرح نوبار طلاق دے دی ہے اور پھر اس کا اقرار دوسری مجلس میں بھی ایک مدت تک کرتا رہا ہے، بعد ازاں علماء سے استفتاء کیا، بتلایا گیا کہ اب دوبارہ عقد بغیر حلالہ کے جائز نہیں ہے، اس لئے سید فضل الٰہی نے کہا کہ میں مذہبِ حنفی چھوڑ کر غیر مقلد ہوتا ہوں، چند آدمیوں کو لے کر نکاحِ ثانی کرلیا ہے۔ صورتِ مذکورہ میں شرعی حکم نیز شرکائے عقد کا حکم مدلل بیان فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ثابت ہوگئی، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی ہرگز اجازت نہیں ہے، قرآن کریم (۲)، حدیث شریف (۳) اجماع امت، اور سلف سے یہ ثابت ہے (۴)، ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ

= الثلث، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۱) "فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كان معصيةً". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۸۸، ذكر الحجاج لإيقاع الثلاث معاً، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (البقرة: ۲۳۰)

(۳) "عن عائشة رضي الله عنها: أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كماذاق الأول". (صحيح البخاري: ۲/۷۹۱، باب من أجاز طلاق الثلاث، قديمي)

(۴) "لما في مسلم أن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه وسنتين من خلافة عمر رضي الله تعالىٰ عنه طلاق الثلاث =

تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے(۱)۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہوئے جب وہ عورت اس پر حرام ہوگئی اور یہ حرمت اجماعی قطعی ہے، تو اب اگر وہ شخص تقلید چھوڑ بھی دے اور ایک عورت کی خاطر غیر مقلد ہو جاوے تب بھی وہ حرمتِ سابقہ ختم نہیں ہوگی، یہ غیر مقلدیت اس کے لئے دنیا میں حرمتِ مغلظہ سے نجات اور آخرت میں حرمتِ غلیظہ کے ارتکاب کی سزا سے نجات کا وسیلہ نہیں بنے گی۔ اگر وہ شخص اس عورت سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کریگا تو یہ شرعی نکاح نہیں ہوگا، بلکہ نکاح کے نام پر بہت بڑی فحش کاری ہوگی۔

جولوگ جانتے ہوئے اس نام نہاد نکاح میں شریک ہوئے، یا کسی طرح اس کے معاون اس سے راضی ہونگے وہ بھی سب گناہ گار اور گناہ سے راضی رہنے والے اور گناہ کی مجلس میں شریک ہونے والے گناہ میں معاون شمار ہونگے:

﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾(۲) ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله، إن الله شديد العقاب﴾ الآية(۳)۔

اگر غیر مقلدوں پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے کہ فلاں شخص غیر مقلدوں کا مذہب حق سمجھ کر نہیں بلکہ محض ایک عورت کی وجہ سے غیر مقلد ہوا تو وہ بھی غالباً اپنی برادری میں لینا گوارہ نہیں کریں گے، کیونکہ یہ ان کے لئے

= واحدة، فقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: "إن الناس قد استعجلوا في أمرٍ كان لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم". وذهب جمهور الصحابة و التابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين رحمهم الله تعالىٰ إلىٰ أنه يقع ثلاث". (ردالمحتار: ۳/۲۳۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۳۸۸، ذكر الحجاج لإيقاع الطلاق، بيروت)

(۱) "وذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم، منهم: الأوزعي والنخعي و الثوري وأبوحنيفة وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون رحمهم الله تعالىٰ على من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القارى: ۲۰/ ۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۳/ ۴۶۹، باب طلاق السنة، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) (سورة الأنعام: ۶۸)

(۳) (سورة المائدة: ۲)

سخت توہین کی چیز ہے، مہاجر اُمِّ قیس کے واقعہ کو شاید وہ لوگ استدلال میں پیش کر کے اس کی غیر مقلدیت کو ناقابلِ قبول قرار دیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تین طلاق ایک مجلس میں

سوال[۶۱۱۹]: زید نے اپنی زوجہ کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی، طلاق دیتے ہوئے ابھی تقریباً ڈیڑھ ماہ گزر رہے ہیں۔ کیا وہ اپنی بیوی کو پھر رجوع کر سکتا ہے؟

الجواب:

منجانب غیر مقلدین

قال اللہ تعالیٰ ﴿الطلاق مرتان، فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان .... حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سوره بقرة)(۱)۔

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ يا أيها النبي إذا طلقتم النساء، فطلقوهن لعدتهن﴾(سوره طلاق)(۲).

ان آیاتِ کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہے کہ طلاق بدفعات دی جائے تا کہ رجعت کا اختیار باقی رہے، ایک جلسہ کی تین طلاق چونکہ ایک رجعی ہوتی ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ میں زید اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وصدراً من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً". ۱/۷۷(۳)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں اور شروع زمانۂ خلافتِ عمر میں تین طلاق ایک ہوا کرتی تھی، یہی مذہب ہزار ہا صحابہ کا تھا جیسا کہ التعليق المغنی شرح دار قطنی میں ہے:

"سنن رجال كل صحابي من عهد الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر، وهم

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

(۲) (سورة طلاق: ۱)

(۳) (الصحيح لمسلم: ۱/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلث، قديمي)

يزيدون على الألف". ٤٤٤ (١)۔

یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ سے حضرت عمر کی خلاف کے تین سال تک ہزار ہا صحابہ کا یہی فتوی رہا کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیاسۃً تین کو تین کردیا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی فرماتے ہیں:

"الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، الخ"(٢)۔

یعنی لوگوں نے ایسے کام میں جلدی کرنا شروع کردیا جس میں ان کو دیر کرنا چاہیے تھا، پس ہم تینوں ان پر جاری کردیں گے، چنانچہ جاری کردیا، لیکن جب اس ترکیب سے طلاق میں کمی نہیں ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت پچھتائے اور اس سے رجوع فرمالیا جیسا کہ حدیث کی بہت بڑی کتاب مسند اسماعیل میں ہے:

قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه ما ندمتُ على شيء ندامتي على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق، الخ" دیکھو: إغاثة اللهفان مصری، ص: ١٨١، ١٨٢ (٣)۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین مسئلوں میں بڑی ندامت ہوئی، ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن مسعود وعبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وابو موسیٰ اشعری وزبیر ودیگر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے جیسا کہ التعليق المغني (٤)، وفتح الباري شرح بخاري (٥)، ونيل الأوطار میں صاف صاف مذکور ہے (٦)۔

---

(١) (التعليق المغني: ۴/۴۷، كتاب الطلاق، دارنشر الكتب الإسلامية لاهور)

(٢) (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي: ١/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلث، قديمي)

(٣) (إغاثة اللهفان: ١/٣٣٦، ندم عمر في آخر حياته أن لا يكون رد الطلاق إلى الأمر الأول، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (التعليق المغني: ۴/۴۹، كتاب الطلاق والخلع، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور)

(٥) "وأجيب بأنه نقل عن علي وابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف والزبير رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين مثله". (فتح الباري: ٩/٣٦٣، كتاب الطلاق، باب من جوز طلاق الثلث، دار الفكر بيروت)

(٦) "وذهبت طائفة من أهل العلم إلى أن الطلاق لا يتبع الطلاق، بل يقع واحدةً فقط .... و حكاه =

خود حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے:

"قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، قال طاؤس رحمه اللّٰه تعالیٰ: أشهد ما كان ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما يراهن إلا واحدةً". التعليق المغنی، ص: ٤٤٥(١)۔

یعنی جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو ایک طلاق کہتے ہیں۔

تابعین کا یہی مذہب ہے: جابر بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ وعطاء رحمہ اللہ تعالیٰ وعمر بن دینار واحمد بن منیع و عبداللہ بن موسیٰ وعکرمہ ومحمد ابن اسحٰق کا۔ اور یہی مذہب اہلِ بیت کا ہے، بڑے بڑے علمائے محدثین جیسے محمد ابن تقی مخلا، احمد ابن عبدالسلام خطی، وامام رازی دیکھو: تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ ابن جریر(٢)۔

نیز یہی مذہب ہے امام ابن تیمیہ وابن قیم وقاضی شوکانی وغیرہ کا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں: ایک وہی جو مشہور ہے دوسری یہ کہ جلسۂ واحدہ کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے جیسا کہ محمد بن حسن نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے، دیکھو: إغاثة مصری ص: ١٥٧(٣)،

= ابن مغيث أيضاً في ذلک الكتاب عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وابن مسعود و عبد الرحمن بن عوف والزبير رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم". (نيل الأوطار للشوكاني: ١٦/٧، باب ماجاء في طلاق ألبتة، دار الباز مكة مكرمة)

(١) (تعليق المغني: ٤٩/٤، كتاب الطلاق، دارنشر الكتب الإسلامية لاهور)

(٢) قال النيسابوری: "ثم من هؤلاء من قال: لوطلقها ثنتين أو ثلاثاً لايقع إلا واحدة، وهذا هو الأقيس، واختاره كثيرٌ من علماء أهل السنة". (تفسير النيسابوری علی هامش تفسير ابن جرير: ٣٦١/٢، بيان الطلاق ومايجوز وقوعه ومالايجوز، دار المعرفة، بيروت)

(٣) "وممن ذكر الخلاف في ذلک داؤد وأصحابه، واختاروا أن الثلاث واحدة .... وحكاه من المتأخرين المازريُّ في "كتاب المعلم" وحكاه عن محمد بن المقاتل من أصحاب أبي حنيفة وهو من أجل أصحابهم من الطبقة الثالثة من أصحاب أبي حنيفة، فهو أحد القولين في مذهب أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ". (إغاثة اللهفان، كتاب الطلاق، القياس أن لفظ الثلاث لاتكون إلا واحدة والإجماع على ذلک: ٢٨٩/١، ٢٩٠، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

وکتاب المعلم شرح مسلم(۱)۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوقولوں میں سے ایک قول یہی ہے بعض اصحاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وداؤدظاہری کا بھی یہی مذہب ہے دیکھو: عمدة الرعایة(۲)۔

دوسری حدیث:"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: طلق رکانة ابن عبد یزید أخو المطلب امرأته ثلاثاً، فحزن علیها حزناً شدیداً، قال: فسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "کیف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: "فی مجلس واحد"؟ قال: نعم، قال: "إنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت". قال: فراجعها"۔ مسند أحمد، جلد اول، مطبوعہ مصری(۳)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رکانہ صحابی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پھر بہت پچھتائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تو نے کیسے طلاق دی؟ انہوں نے کہا تین طلاق دی، آپ نے پوچھا: کیا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا کہ: ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، لہٰذا اگر تمہارا دل چاہے تو رجوع کرلو۔ تو رکانہ نے رجوع کرلیا۔ یہ حدیث صحیح اور

---

(۱) قال الشیخ: طلاق الثلاث فی مرة واحدة واقع عند کافة الفقهاء، وقد شذ الحجاج بن أرطاة وابن مقاتل فقالا: لایقع، وتعلقا فی ذلک بمثل هذا الخبر وبما قلنا إنه وقع فی بعض الطرق "أن ابن عمر طلقها ثلاثاً فی الحیض وأنه لم یحتسب به" وبما وقع فی حدیث رکانة "أنه طلقها ثلاثاً وأمره صلی اللہ تعالی علیه وسلم بمراجعتها". (المعلم بفوائد مسلم، کتاب الطلاق، قول ابن عباس: کان الطلاق علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وأبی بکر وسنتین من خلافه عمر طلاق الثلاث واحدة: ۲/۱۲۶، دارالغرب الإسلامی)

(۲) "القول الثانی: إذا طلق ثلاثاً، تقع واحدة رجعیة، هذا هو المنقول عن بعض الصحابة، وبه قال داؤد الظاهری وأتباعه، وأحد القولین لمالک، وبعض أصحاب أحمد. انتصر لهذا المذهب ابن تیمیة الحنبلی". (عمدة الرعایة: ۲/۶۳، کتاب الطلاق، سعید)

(۳) (مسند الإمام أحمد بن جنبلؒ: ۱/۴۳۸، (رقم الحدیث: ۲۳۸۳)، مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

حسن دونوں طریق سے مروی ہے، اعلام الموقعین میں (۱) ابوسہل نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ فتح الباری پارہ:۲۲،ص:۱۶۳(۲)۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم۔

ہذا جواب صحیح: کتبہ حبیب اللہ انصاری، امان اللہ، محمد اسحاق بنارسی۔

ہذا الجواب صحیح، والمجیب مصیب: نذیر احمد رحمانی عبدالآخر، مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ، مدرسِ اول جامعہ رحیمیہ بنارس، مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۵۴ھ ۱۰/ رجب ۱۳۷۳ھ۔

جواب از حضرت فقیہ الامت زید مجدھم

الجواب حامداًومصلیاً: نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امابعد! جب ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو ایک دفعہ کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی'' تو اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی، جب دوسری دفعہ عدت ختم ہونے سے پہلے اس مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی تو دوسری طلاقِ رجعی واقع ہوگی''، ان دوطلاق کا حکم یہ ہے کہ اندرونِ عدت اس کو رجعت کا حق حاصل ہے (۳)۔

اگر اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ طلاق دے کر رجعت نہیں کی اور عدت گزر گئی تو حقِ رجعت ختم ہوگیا، طرفین کی رضامندی سے تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے (۴)، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے جب

(۱) (إعلام الموقعین: ۳/ ۳۱، ۳۲، حکم جمع الطلقات الثلث بلفظ واحد، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) (فتح الباری شرح البخاری: ۹/ ۳۶۳، کتاب الطلاق، باب من جوز طلاق الثلث، دار الفکر بیروت)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً أو رجعیتین، فله أن یراجعها فی عدتها رضیت بذلک أو لم ترض".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۷۰، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/ ۳۹۴، کتاب الطلاق، باب الرجعة، مکتبه شرکة علمیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/ ۱۴۹، کتاب الطلاق، باب الرجعة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۴) "وینکح مبانته بمادون الثلاث فی العدة وبعدها بالإجماع". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۷۲، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة ومایتصل به، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۱۰۳، کتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون بمسائل المحلل، إدارة القرآن کراچی) ....=

کہ اس طرح کہا ہو کہ ''میں نے تجھے دو طلاق دی''، دو طلاق الگ الگ دینے اور بیک لفظ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اگر تیسری مرتبہ اسی مجلس میں یا بعد میں عدت ختم ہونے سے پہلے کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی''، تو اب طلاق مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح میں کوئی گنجائش نہیں رہی (۱)۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اس طرح کہا ہو کہ ''میں نے تجھے طلاق دی تین طلاق''، طلاق الگ الگ دینے اور بیک لفظ دینے سے وقوعِ طلاق میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگر چہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعاً بہت مذموم ہے اور قبیح ہے جیسے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا مذموم وقبیح ہے، اس سے اجتناب لازم ہے، لیکن اگر اس طرح دے گا تب بھی بلاشبہ واقع ہوجائے گی (۲)۔

یہ مسئلہ قرآن کی آیت: ﴿الطلاق مرتان .... فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (۳) سے ماخوذ ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ دو دفعہ طلاق کے بعد رجعت کا حق حاصل ہے، تیسری کے بعد حق نہیں، نکاح بالکل ختم ہوکر حرمتِ مغلظہ ہوجاتی ہے، ایک مجلس یا دو تین مجلس کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے۔ جب مسئلہ کی دلیل قرآن حکیم میں موجود ہے تو پھر کسی اَور دلیل پر اس کا ثبوت موقوف نہیں رہتا، حدیث بھی

= (وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۱) "وأما الطلقات الثلاث: فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر؛ لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ وسواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وأما البدعي الذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثًا في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمات متفرقة .... فإذا فعل ذلك، وقع الطلاق، وكان عاصياً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۹۳/۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۰۶/۴، كتاب الطلاق، فصل في ألفاظ طلاق البدعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰، ب: ۲)

چونکہ قرآن کریم کے لئے شرح اور تفسیر کے درجہ میں ہے اس لئے اس سے بھی مسئلہ کی تائید وتقویت پیش کرنا ضروری ہے۔

أصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری ص: ۸۰۰، میں ہے کہ عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں (۱)۔ صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث مذکور ہے (۲)۔

ابوداؤد شریف ۲/۲۸۲ کے الفاظ یہ ہیں: "فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فأنفذہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" (۳)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے: "ورجاله رجال الصحیحین" (٤)۔

جمع الفوائد: ۱/۶۲۲، میں بخاری ومسلم وابوداود، نسائی ابن ماجہ کے حوالہ سے مذکور ہے (۵)۔

---

(۱) "عن حدیث سهل بن سعد أخی بنی ساعدة أن رجلاً من الأنصار جاء إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: یا رسول اللہ! أرأیت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً أیقتله، أو کیف یفعل؟ فأنزل اللہ فی شأنه ماذکر فی القرآن من أمر التلاعن، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "فقد قضی اللہ فیک وفی امرأتک". قال: فتلاعنا فی المسجد وأنا شاهد، فلما فرغا، قال: کذبتُ علیها یا رسول اللہ! إن أمسکتها؟ فطلقها ثلاثًا قبل أن یأمرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم". إلی آخر الحدیث. (صحیح البخاری: ۲/۸۰۰، کتاب الطلاق، باب اللعان و من طلق بعد اللعان، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۱/۴۸۹، کتاب اللعان، قدیمی)

(۳) (سنن أبی داود: ۲/۳۰۶، کتاب الطلاق، باب اللعان، دار الحدیث، بوھڑ گیٹ ملتان)

(۴) (نیل الأوطار ۷/۶۲، کتاب اللعان، باب: لایجتمع المتلاعنان أبداً، دار الباز للنشر والتوزیع، مکة المکرمة)

(۵) "إن عویمر العجلانی جاء إلی عاصم بن عدی الأنصاری فقال: أرأیت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً .... فاسأل عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم .... فقال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "قد نزل فیک وفی صاحبتک فاذهب فأت بها" .... قال عویمر: کذبت علیها یارسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم- إن أمسکتها؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن یأمرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" .... للستة إلا الترمذی". (جمع الفوائد: ۱/۴۰۸، لعان، مکتبہ اسلامیہ لائل پور)

نسائی شریف میں عنوان قائم کیا ہے: "الثلث المجموعة و ما فيه من التغليظ " اس کے ذیل میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے تین طلاق ایک دم دیدی "ثلاث تطليقات جميعاً" تو آپ غضبناک ہوئے، اس لئے کہ تین تطلیقات ایک دم دینا مذموم وقبیح ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ واقع نہیں ہوتی (۱)۔

پھر امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد کیا ہے: "باب الرخصة في ذلك" اس میں عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تین طلاق دینے کا واقعہ بیان کیا ہے (۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب من اجاز طلاق الثلاث " منعقد کر کے عویمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں تین طلاق دینا مذکور ہے (۳)، اسی باب میں امرأۃ رفاعہ کا واقعہ لکھا ہے جس کو بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لئے جائز نہیں فرمایا (۴)۔

---

(۱) "أخبرنا سليمان بن داود .... قال: أخبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعاً فقام غضباناً، ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم؟" إلى آخر الحديث. (سنن النسائي: ۲/ ۹۹، كتاب الطلاق، قديمي)

(۲) "إن عويمر العجلاني جاء إلى عاصم بن عدى فقال: أرأيت ياعاصم لو أن رجلاً وجد مع امرأته رجلاً، أيقتله؟ فيقتلونه أم كيف يفعل؟ سل لي -يا عاصم!- رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فقال عويمر: والله! لاأنتهي حتى أسأل عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قال سهل: فتلاعنا وأنا مع الناس عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما فرغ عويمر، قال: كذبت عليها يارسول الله! إن أمسكتها؟ فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن النسائي: ۲/ ۹۹، ۱۰۰، باب الرخصة في ذلك، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري: ۲/ ۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث، قديمي)

(۴) "عن ابن شهاب قال: أخبرني بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني، فبتّ طلاقي، وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا حتى يذوق عسيلتك و تذوقي عسيلته". (صحيح البخاري، المصدر السابق)

1

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی اس کو بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لئے جائز نہیں فرمایا(۱)۔

سنن دارقطنی ص:۴۳۳، میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مرفوعاً ہے:"من طلق ألبتة، ألزمناها ثلاثاً، فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره"(۲)۔ جو شخص طلاقِ البتہ دیدے اس پر بھی تین طلاق کو لازم کردیا گیا، حالانکہ اس نے نہ لفظِ "طلاق "تین مرتبہ کہا، نہ لفظ "ثلاث" کہا، اس سے بھی صاف اور مفصل بطورِ ضابطہ کلیہ کے فرمادیا گیا:"أیما رجل طلق امرأته ثلاثاً مبهمةً أوثلاثاً عند الأقراء، لم تحل له، حتی تنکح زوجاً غیره". دارقطنی(۳)۔

یعنی"جو شخص بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے خواہ تینوں مبہم طور پر ہوں بیک وقت دے، خواہ تین طہر میں الگ الگ دے، وہ اس کے لئے جائز نہیں رہی جب تک کہ حلالہ نہ ہوجائے"۔

سلف کا اجماع بھی اسی پر ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن:۱/۴۵۹ میں لکھا ہے:"فالکتاب والسنة وإجماع السلف توجب إیقاع الثلث معاً و إن کانت معصیةً"(٤)۔

بس یہ مسئلہ کتاب وسنت واجماع سے اسی طرح ثابت ہے، ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب اس پر متفق ہیں(۵)۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسأل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول". (صحیح البخاری، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قدیمی)

(۲) (سنن الدار قطنی: ۴/۲۰، کتاب الطلاق، قدیمی)

(۳) (سنن الدار قطنی: ۴/۳۱، کتاب الطلاق، قدیمی)

(۴) (أحکام القرآن: ۱/۳۸۸، ذکر الحجاج لإیقاع الثلاث معاً، قدیمی)

(۵) "وذهب جماهیر العلماء من التابعین و من بعدهم: منهم الأوزاعی والنخعی والثوری و أبو حنیفة وأصحابه والشافعی وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبیدة، وآخرون کثیرون علی من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولکنه یأثم". (عمدة القاری: ۲۰/۲۳۳، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق =

البتہ روافض اور اہل الظواہر (داؤدی) تین طلاق کے منکر ہیں۔''دو چیزوں سے ان کو شبہ پیدا ہوگیا: ایک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقولہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شروع دو سال میں تین طلاق ایک تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین کو تین ہی قرار دیدیا، لیکن شروحِ حدیث: نووی، عینی، فتح الباری، بذل المجہود، اَوجز المسالک وغیرہ میں اس پر آٹھ طرح کلام کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقولہ مسئلۂ مذکورہ پر استدلال کے لئے کافی نہیں ہے(۱)۔

= الثلث، مطبع محمد أمين دمج بيروت)

(۱) "وأما حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، فاختلف العلماء في جوابه وتأويله، فالأصح أن معناه أنه كان في أول الأمر إذا قال لها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ولم ينو تاكيداً و لا استينافاً، يحكم بوقوع لقلة إرادتهم الاستيناف بذلك، فحمل علي الغالب الذي هو إرادة التاكيد. فلما كان في زمن عمر رضي الله تعالىٰ عنه، وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة و غلب منهم إرادة الاستيناف بها، حملت عند الإطلاق على الثلث عملاً بالغالب السابق إلى الفهم منها في ذلك العصر. وقيل: إن المعتاد في الزمن الأول كان طلقة واحدة وصار الناس في زمن عمر يوقعون الثلاث دفعةً، فنفذه عمر. فعلى هذا يكون إخبارًا عن اختلاف عادةالناس لاعن تغيرحكم في مسئلة واحدة". (شرح مسلم للإمام النووي: ۴۷۸/۱، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلث، قديمي)

"إنما قال ابن عباس ذلك في غير المدخول بها. الجواب الثاني: دعوى شذوذ رواية طاؤس، وهي طريقة البيهقي، فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث، ثم نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم شيئاً، و يفتي بخلافه، فيتعين المصير إلى الترجيح. والأخذ بقول الأكثر أولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. والجواب الثالث: دعوى النسخ، فنقل البيهقي عن الشافعي أنه قال: يشبه أن يكون ابن عباس علم شيئاً لنسخ ذلك ....
الجواب الرابع: دعوى الاضطراب، قال القرطبي في المفهم: وقع فيه مع الاختلاف على ابن عباس الاضطراب في لفظه، وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم أن معظمهم كانوا يرونه ذلك ....
الجواب الخامس: دعوى أنه ورد في صورة خاصة، فقال ابن سريج وغيره: يشبه أن يكون في تكرير اللفظ كأن يقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وكانوا أولاً على سلامة صدورهم يقبل منهم أنهم أرادو التاكيد، فلما كثر الناس في زمن عمر، وكثر فيهم الخداع ونحوه ممايمنع قبول من ادعى =

صاحب استذکار فرماتے ہیں:"إن هذه الرواية وهمٌ وغلطٌ، لم يعرج عليها احدٌ من العلماء". الجوهر النقی: ۲/۱۱۳(۱)۔

یعنی یہ روایت وہم وغلط ہے، علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا۔اس سے زیادہ سخت الحسین بن علی الکرابسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ''ادب القضاء'' میں روایت کیا ہے:

"أخبرنا عليّ بن عبد الله (وهو ابن المديني) عن عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن طاؤس أنه قال: من حدثك عن طاؤس أنه كان يروي طلاق الثلاث واحدةً، كذّبه"(۲)۔

یعنی ''طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو شخص تم سے بیان کرے کہ طاؤس حدیث "طلاق الثلاث واحدة" کو روایت کرتے ہیں،تم اس کی تکذیب کرنا،اس کو جھوٹا سمجھنا،میں اس کو روایت نہیں کرتا،میری طرف اس کی نسبت کرنا غلط ہے''۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت اس مقولہ کے خلاف ہے اور وہ روایت قرآنِ کریم مستند احادیث اجماعِ سلف کے موافق ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء،

= التاكيد، حمل عمر اللفظ على ظاهر التكرار، فامضاه عليهم .... الجواب السادس: تأويل قول "واحدة" وهي أن معنى قوله: كان الثلث واحدةً أن الناس في زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانوا يطلقون ثلاثاً .... الجواب السابع: دعوى وقفه، فقال بعضهم: ليس في هذاالسياق أن ذلك يبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيقره، والحجة إنما هي في تقريره .... الجواب الثامن: حمل قوله: "ثلاثًا" على أن المراد بها لفظ "ألبتّة" كما تقدم في حديث ركانة سواء، وهو من رواية ابن عباس أيضاً، وهو قوي".

(بذل المجهود: ۲۳/۴، بيان الاختلاف في الطلقات الثلاث في مجلس واحد، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في فتح الباري: ۳۶۲/۹، ۳۶۷، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، دار المعرفة)

(وعمدة القاري: ۳۳۱/۲۰، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) (الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى، كتاب الخلع والطلاق، باب من جعل الثلاث واحدةً: ۳۳۷/۷، ادارهٔ تاليفات اشرفيه)

(۲) لم أقف عليه

ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن﴾. (الاية) ذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته، فهو أحق برجعتها، وإن طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك، فقال: ﴿الطلاق مرتان﴾. الآية". أبو داؤد شريف، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث(١)۔ بذل ۲/ ٦١(٢)۔

یعنی تین طلاق کے بعد بھی رجعت کی اجازت تھی اس کو اس آیت نے منسوخ کردیا۔ ﴿الطلاق مرتان﴾ (الاية)۔ ایسا نہیں تھا کہ تین طلاق دینے پر بھی ایک ہی ہوتی، البتہ تین کے بعد بھی رجعت کا حق تھا، نزولِ آیت کے بعد وہ حق ختم ہوگیا۔

اگر بالفرض شراح کے پیش کردہ اشکالات کے باوجود ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کردہ مقولہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ تین الفاظ سے تین طلاق دے کر اگر کوئی شخص کہتا کہ میری نیت دوسرے اور تیسرے لفظ سے تاکید کی تھی، تجدیدِ طلاق کی نہیں تھی تو غلبۂ صدق اور سلامتِ صدر کی بنا پر اس کا قول تسلیم کرلیا جاتا تھا اور ایک ہی طلاق کا حکم کیا جاتا تھا۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں طلاقِ ثلاث کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے اور صدق میں کمی ہوئی تو انہوں نے تین لفظ سے تین ہی طلاق کا حکم فرمادیا اور نیت اور تاکید کو نہ مانا، اصل بھی یہ ہی ہے کہ تین طلاق سے تین کا حکم ہو غلبۂ صدق کی بنا پر اصل کے خلاف ہونے کے باوجود نیت کا اعتبار کرنے کی جو وجہ تھی وہ ختم ہوگئی اور کلام کا اصل مطلب جو تھا وہی متعین کردیا(۳)، یہ نہیں تھا کہ تین کو ایک تسلیم کیا جاتا تھا، تین کا ایک ہونا تو کسی طرح بھی درست نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا صریح فتویٰ بھی یہی ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے بھی تین ہی واقع ہوتی ہیں، جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، مالک بن الحارث، عمرو بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سب نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ یہی نقل کیا ہے:

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كلهم قالوا في الطلاق الثلث: إنه

---

(١) (سنن أبي داؤد، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث: ١/ ٣٠٣، إمداديه ملتان)

(٢) (بذل المجهود: ٣/ ٧٠، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، إمداديه ملتان)

(٣) (راجع، ص: ٣١٣، الحاشية: ١، الجواب الخامس في تلك العبارة)

أجازها". بذل: ۳/۷۰(۱)۔

اس لئے بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس مقولہ کے ذریعہ تین طلاق کو ایک قرار دینا صحیح نہیں۔

شبہ کی دوسری وجہ رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، یہ واقعہ رکانہ کا ہے یا ابورکانہ کا؟ نیز اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن کی روایت ضعیف اور معلول ہے(۲)۔

خیر! اس سب سے قطع نظر اس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحتاً تین طلاق نہیں دی بلکہ ''طلاقِ اَلبتہ'' دی تھی چونکہ طلاقِ البتہ بھی بعض دفعہ تین طلاق کی جگہ استعمال ہوتی تھی، اس لئے ان سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حلف دے کر پوچھا کہ تمہاری نیت ایک ہی طلاق کی تھی انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، ایک ہی طلاق کی نیت تھی، اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ایک قرار دیا۔ ترمذی شریف میں ہے:

"عن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! إني طلقت امرأتي ألبتة، فقال: "ما أردتَ بها"؟ فقلت: واحدةً، قال: "والله"؟ قال: والله، قال: "فهو ما أردتَ"(۳)۔

اسی کو امام ابوداؤد نے ''أصح'' کہا ہے، بذل (۴)۔

جس روایت میں ''طلقها ثلاثاً'' ہے، وہ روایت بالمعنی ہے اس لئے کہ ''ألبتة'' بھی ''ثلاثاً'' کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، اس لئے اس ''ألبتة'' میں اختلاف ہے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ایک قرار دیتے

---

(۱) (سنن أبي داود: ۱/۳۰۶، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، امداديه ملتان)

(۲) "وقد أجابوا عنه بأربعة أشياء: أحدها: أن محمد بن إسحاق وشيخه مختلف فيهما .... والثاني: معارضته بفتوى ابن عباس بوقوع الثلاث كما تقدم .... الثالث: أن أبا داود رجح أن ركانة إنما طلق امرأته ألبتة، كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة .... الرابع: أنه مذهب شاذ فلا يعمل به". (فتح الباري: ۹/۳۶۲، ۳۶۳، كتاب الطلاق، باب من جوز طلاق الثلاث، قديمي)

(۳) (جامع الترمذي: ۱/۲۲۲، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الرجل طلق امرأته ألبتة، سعيد)

(۴) قال أبو داود: "وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً؛ لأنهم أهل بيته، وهم أعلم به". (سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب في ألبتة: ۱/۳۰۷، ۳۰۸، إمداديه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود: ۴/۷۶، كتاب الطلاق، باب في ألبتة، امداديه ملتان)

ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین قرار دیتے ہیں، امام ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ کوفہ نیت پر مدار رکھتے ہیں، ایک کی نیت ہو تو ایک ہے تین کی ہے تو تین، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی نیت پر مدار رکھتے ہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دو کی نیت ہو تو دو کا حکم ہوگا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب اقوال نقل کئے ہیں:

"وقد اختلف أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وغيرهم في طلاق ألبتة، فروى عن عمر بن الخطاب أنه جعل ألبتة واحدةً، وإن نوى ثلاثًا فثلاث، وإن نوى ثنتين لم تكن إلا واحدةً، وهو قول الثوري رحمه الله تعالى، وأهل الكوفة. و قال مالك بن أنس رضي الله تعالىٰ عنه في ألبتة: إن كان قد دخل بها فهي ثلاث تطليقات. و قال الشافعي رحمه الله تعالى: إن نوى واحدةً فواحدة يملك الرجعة، وإن نوى ثنتين فثنتان، وإن نوى ثلاثاً فثلاث". ترمذی شریف (۱)۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے جداگانہ ہے، وہ ان سب سے منفرد ہیں، وہ تین صریح طلاق کو ایک ہی مانتے ہیں (۲)، ان کے تلمیذ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے إغاثة اللهفان میں اس پر بڑی طویل بحث فرمائی ہے (۳)، مگر ان کے تلامذہ اور ان کے اقران اہلِ علم ان کے ساتھ نہیں، سب

(۱) (جامع الترمذي: ۱/۲۲۲، أبوب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الرجل طلق امرأته ألبتة، سعيد)

(۲) "وذهب جمهور التابعين وكثير من الصحابة وأئمة المذاهب الأربعة، فطائفة من أهل البيت .... إلى أن الطلاق يتبع الطلاق، وذهبت طائفة من أهل العلم إلى أن الطلاق لا يتبع الطلاق، بل يقع واحدةً فقط ...... وإليه ذهب جماعة من المتأخرين: منهم ابن تيمية وابن القيم و جماعة من المحققين". (نيل الأوطار: ۶/۲۷۱، باب ماجاء في طلاق ألبتة وجمع الثلاث واختيار تفريقها، دار الباز مكة المكرمة)

(۳) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے "إغاثة" جلد اول میں ص: ۲۸۳ تا ۳۰۶ طویل بحث فرمائی ہے، چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

"وهذه الآثار موافقة لمادلّ عليه القرآن، فإن الله سبحانه إنما شرع الطلاق مرةً بعد مرة ولم يشرعه جملةً واحدةً أصلاً .... وفي ذلك حديثان صحيحان .... فالقول بهذه الأحاديث موافق لظاهر القرآن ولأقوال الصحابة وللقياس ومصالح بني آدم .... وأما القياس فإن الله سبحانه وتعالىٰ قال: ﴿والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم، فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله﴾ ثم قال: ﴿ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله﴾ فلو قال أشهد بالله أربع شهادات إني صادق أو =

مخالف ہیں حتی کہ علامہ ابن رجب نے مستقل کتاب اس پر تصنیف کی ہے جس میں اغاثۃ اللہفان کے پیش کردہ دلائل کو پوری طرح رد کردیا ہے اور ہر چیز کا جواب شافی دیا ہے، اس کا نام ہے: "بیـان مشكل الأحاديث الواردة فی أن الطلاق الثلث طلاق واحدة "۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مجلسِ واحد کی تین طلاق کا حکم

سوال[۶۱۲۰]: زید نے اپنی بیوی کی سخت کلامی پر برہم ہوکر حالتِ غضب میں اس کی غیر موجودگی میں ایک دوسری عورت کے سامنے تین طلاقیں بیک وقت دیں اور اس کا اظہار دوبارہ دوسرے شخص سے کیا کہ میں نے اس طرح طلاق دی، پھر تیسرے شخص نے سوال کیا کہ تم نے کس طرح طلاق دیا؟ زید نے انہیں بھی بتلایا، بعد میں معلوم ہوا کہ زید کی بیوی حاملہ ہے، بکر نے مشورہ دیا اور مسلکِ اہلِ حدیث نے فتوی دیا کہ تم رجعت کرلو، حالانکہ زید حنفی مسلک ہے، زید نے رجعت کرلی پانچویں دن، اور اس کے ہمراہ بیس یوم گزارے۔

اس کے بعد لڑکی کے والدین آئے اور لڑکی کو یہ کہہ کر گھر لے گئے کہ طلاق ہوگئی اور لڑکی تمہارے لئے حرام ہے۔ اس کو تقریباً تین ماہ ہوگئے، زید چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو پھر زوجیت میں لے آئے۔ از روئے شرع کوئی شکل ہے؟

حکیم محمد عطا مصطفیٰ بمبئی۔

= قـالـت اشهـد بـالله اربـع شهادات أنه كاذب، كانت شهادةً واحدةً ولم تكن أربعاً، فكيف يكون قوله: "أنـت طـالـق ثـلاثـاً" ثلاث تطليقات؟ وأىّ قياس أصح من هذا؟ وهكذا كل مايعتبر فيه العدد من الإقرار ونحوه .... واما أقـوال الـصـحـابة فيكفى كون ذلك على عهد الصديق ومعه جميع الصحابة ولم يـختـلـف عـلـيـه مـنـهم احد ولايحكى فى زمانه القولان حتى قال بعض أهل العلم: إن ذلك إجماع قديم .... فهـذه الـوجـوه ونـحـوها مما بيّن بها الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هى بعينها تبيّن عدم الـوقـوع وأنـه إنّـمـا يـقـع الـمـشـروع وحده وهى الواحدة". (إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، كتاب الطلاق، فصل: من اتقى الله فى طلاقه استغنى عن كل هذه الحيل الملعونة، ص: ۲۸۴ – ۲۸۸، ۲۸۹ – ۳۰۶، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(إغاثة اللهفان: ۲۸۴، ۳۲۵، كتاب الطلاق، مصطفى البابى الحلبى مصر)

فتویٰ کی نقل

مختار احمد ندوی خطیب جامع مسجد اہل حدیث بمبئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱- صورتِ مسئولہ میں زید کو حق حاصل ہے کہ اندرونِ عدت بیوی سے رجعت کرلے اور انقضائے عدت کے بعد نکاحِ جدیدہ کے ذریعہ اپنی زوجیت میں لے آئے، کیونکہ اس کی دی ہوئی ایک مجلس میں تین طلاقیں حکم میں ایک رجعی طلاق کے ہیں۔

۲- ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک رجعی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید، سورۂ بقرۃ: رکوع نمبر:۲، آیت نمبر:۲۲۹، ۲۳۰ میں ہے:﴿الطلاق مرتان، فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾. الآية. یعنی طلاق دو مرتبہ ہے پھر (ان دو مرتبہ) دستور کے مطابق روکے رکھنا ہے یا بھلائی کے ساتھ رخصت کردینا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دوبار الگ الگ مہینوں میں دی جائے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:﴿یاأیها النبی إذا طلقتم النساء، فطلقوهن لعدتهن، وأحصوا العدة﴾(۱)۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارکہ کچھ ایسا ہی ہے، مسند احمد، ص:۲۶۵، میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں: حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں اور بعد میں اس پر انہیں بڑا غم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ نے کس طرح طلاق دی؟ تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی مجلس میں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تب یہ سب تینوں ایک ہی طلاق ہوئیں، آپ چاہیں تو بیوی سے رجعت کرلیں، چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی (۲)۔

---

(۱) (سورة الطلاق: ۱)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو المطلب امرأته ثلاثاً، فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "كيف طلقتها"؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: "في مجلس واحد"؟ قال: نعم، قال: "إنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت" قال: فراجعها". (مسند أحمد: ۲۳۸/۱، رقم الحديث: ۲۳۸۳، مسند عبد الله بن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما، دارإحياء التراث العربي بيروت) =

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے عہدِ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک مسلمان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں، مسند احمد: ۱/۳۱۴، صحیح مسلم: ۱/۴۳۳،۴۳۴، ۴۳۴، مستدرک حاکم: ۲/۱۹۶، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں (۱)۔

۴-حوالۂ مستدرک حاکم: ۲/۱۹۶، میں ہے: یعنی ابوالجوزاء نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کیا ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں؟ آپ نے فرمایا بے شک (۲)۔

مختار احمد ندوی، ۱۷/ ربیع الاول/ ۱۳۸۷ھ۔

نوٹ: یہ فتویٰ کی نقل ہے، زید نے اس فتویٰ کے مطابق اپنی بیوی سے رجعت کر لی ہے۔

= (وكذا في الصحيح لمسلم: ۱/۴۷۷، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمي)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وسنتين من خلافة عمر بن الخطاب طلاق الثلاث واحدةً، فقال عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كان لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم". (مسند أحمد بن حنبل: ۱/۵۱۷، (رقم الحديث: ۲۸۷۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(والصحيح لمسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۱/۴۷۷، قديمي)

(۲) "أخبرني أبو الحسين محمد بن أحمد .... عن ابن أبي مليكة أن أبا الجوزاء أتى ابن عباس رضي الله عنهما فقال: أتعلم أن ثلاثاً كنّ يرددن على عصر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى واحدةٍ؟ قال: نعم". هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه". (المستدرك للحاكم مع التلخيص للحافظ الذهبي: ۲/۱۹۶، كتاب الطلاق، دارالفكر بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

بیک وقت تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوجاتی ہے، یہی قرآن پاک سے ثابت ہے(۱)، نیز حدیث شریف میں ہے، اسی پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہوا، یہی ائمۂ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے(۲)، خواہش نفسانی کی خاطر اس کوترک کرکے دوسراراستہ اختیار کرنا گمراہی اورحرام ہے۔ حالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے(۳)، اس کی عدت وضعِ حمل ہے(۴)، بچہ پیدا ہونے پرعورت کو چاہئے کہ دوسری جگہ نکاح کرلے۔

بعض اہل حدیث نے حدیثِ رکانہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو

---

(۱) ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح باحسان .... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاًغیره﴾. منتظم لمعان: منها تحریمها علی المطلق ثلاثًا حتی تنکح زوجاً غیره". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/ ۵۳۲، قدیمی)

(۲) "وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین إلی أنه یقع ثلاث". (رد المحتار: ۳/۲۳۳، کتاب الطلاق، سعید)

"و ذهب جماهیر العلماء من التابعین و من بعدهم منهم الأوزاعی والنخعی والثوری و أبو حنیفة وأصحابه والشافعی وأصحابه وأحمد وأصحابه و إسحاق و أبو ثور وأبو عبیدة، وآخرون کثیرون علی من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولکنه یأثم". (عمدة القاری: ۲۰/ ۲۳۳، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، مطبع أمین دمج بیروت)

(۳) "وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۴۹، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳/۲۳۲، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/۱۸۷، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۴) "وعدة الحامل أن تضع حملها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۸، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۵۱۱، کتاب الطلاق، باب العدة، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۳/۲۲۶، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

ایک قرار دیکر رجعت کا اختیار دیا ہے، مگر وہ استدلال تام نہیں، دوسرے قوی دلائل کے بھی خلاف ہے، چنانچہ اس روایت پر بذل المجهود فی شرح أبی داؤد: ۳/۷۰، میں نیز عینی و فتح الباری و فیض الباری شروح بخاری میں اس پر پ:۱/۶، میں مفصل کلام کر کے استدلال کا ناتمام ہونا بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ تین طلاق سے تین ہی واقع ہوتی ہیں (۱)۔

فتح القدیر: ۳/۱۷۵ (۲)، بدائع الصنائع میں بھی اس پر مفصل بحث مذکور ہے (۳)۔ اعلاء

---

(۱) "(حديث ركانة) نص في المسئلة، و قد أجابوا عنه بأربعة أشياء: أحدها: أن محمد بن إسحاق وشيخه مختلف فيهما .... والثاني: معارضته بفتوى ابن عباس بوقوع الثلاث كما تقدم .... والثالث: أن أبا داؤد رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة، كما أخرجه هو من طريق أهل بيت ركانة .... والرابع: أنه مذهب شاذ". (بذل المجهود: ۳/۶۲، ۶۳، باب في نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، امداديه ملتان)

(وكذا في عمدة القاري للعيني، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: ۲۰/۳۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وفتح الباري لابن حجر العسقلاني، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۹/۳۶۲-۳۶۷، دارالمعرفة)

(۲) "و من الأدلة في ذلك ما في مصنف ابن أبي شيبة والدار قطني في حديث ابن عمر المتقدم: "قلت: يا رسول الله! أرأيت لو طلقتها ثلاثاً؟ فقال: "إذاً قد عصيت ربك، وبانت منك امرأتك". .... و في الموطا أيضاً: بلغه أن رجلاً جاء إلى ابن مسعود فقال: إني طلقت امرأتي ثماني تطليقات، فقال: "ما قيل لك"؟ فقال: قيل لي: بانت منك، قال: "صدقوا، هو مثل ما يقولون". فظاهره الإجماع على هذا الجواب". (فتح القدير: ۳/۳۶۹، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "وأما حكم طلاق البدعة، فهو أنه واقع عند العلماء .... ولنا ما روى عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه أن بعض آبائه طلق امرأته ألفاً، فذكر ذلك للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بانت بالثلاث في معصية وتسع مأة و سبعة و تسعون فيما لايملك". وروى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أنه قال: أحدكم يركب الأحموقة، فيطلق امرأته ألفاً، ثم يأتي، فيقول: يا ابن عباس! يا ابن عباس وإن الله تعالىٰ قال: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً﴾، وإنك لم تتق الله، فلا أجد لك مخرجاً، بانت امرأتك، وعصيت ربك". (بدائع الصنائع: ۴/۲۰۶، ۲۰۷، كتاب الطلاق، فصل في ألفاظ طلاق البدعة، دارالكتب العلمية بيروت)

السنن:۱۱/۱۰۳،اس پر مستقل رسالہ بیس صفحات میں پھیلا ہوا موجود ہے،جس میں اس روایت پر ہر جہت سے بحث کر کے بتلایا ہے کہ قرآن پاک وحدیث شریف سے یہی ثابت ہے کہ تین طلاق تین ہی ہے ایک نہیں، "الإنقاذ من الشبہات فی إنفاذ المکروہ من الطلقات" اس رسالہ کا نام ہے(۱)۔اسی طرح "الإشفاق" اور"إقامۃ القیامۃ" یہ دونوں رسالے بھی اسی مسئلہ پر لکھے گئے ہیں۔کتب فقہ:البحر الرائق:۴/۵۶(۲)، زیلعی:۲/۲۵۷(۳)،شامی۲/۵۳۷،وغیرہ میں بھی یہی مذکور ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۲/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۵/۸۷ھ۔

---

(۱) "و روی عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: إذا طلق امرأتہ ثلاثًا قبل أن یدخل بہا، لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ .... عن طارق بن عبد الرحمن سمعت قیس بن أبی عاصم قال: سأل رجل المغیرۃ –وأنا شاہد– عن رجل طلق امرأتہ مائۃً، فقال: "ثلاثۃ تحرم، وسبع وتسعون فضل" .... عن رافع: أن عمران بن حصین سئل عن رجل طلق ثلاثًا فی مجلس فقال: "أثم بربہ و حرمت، علیہ امرأتہ".

"فہذہ الروایات تدل أن عمر وعثمان وعلیاً وابن عباس وابن عمر وابن مسعود وعبد اللہ بن عمرو بن العاص و أبا ہریرۃ و مغیرۃ بن شعبۃ وعمران بن حصین –رضی اللہ تعالیٰ عنہم– کلہم متفقون علی وقوع الطلقات الثلاث جملۃً، و لا یثبت عن واحد من الصحابۃ خلافہم". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۶۴، الإنقاذ من الشبہات فی إنفاذ المکروہ من الطلقات، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "و قد صرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما للسائل الذی جاء یسألہ عن الذی طلق ثلاثًا بقولہ: "عصیت ربک". وروی عبد الرزاق مرفوعاً عنہ علیہ السلام: "بانت بثلاث فی معصیۃ اللہ تعالیٰ". فقد أفاد الوقوع والعصیان". (البحر الرائق: ۳/۴۱۸، کتاب الطلاق، رشیدیہ)

(۳) "وقال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: أخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعاً، فقام غضبان، ثم قال: "أیلعب بکتاب اللہ و أنا بین أظہرکم". (تبیین الحقائق: ۳/۲۵، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) "وذہب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من أئمۃ المسلمین إلی أنہ یقع الثلاث .... وأما إمضاء عمر الثلاث علیہم مع عدم مخالفۃ الصحابۃ لہ، وعلمہ بأنہا کانت واحدۃً، فلا یمکن، إلا وقد اطلعوا فی الزمان المتأخر علی وجود ناسخ، أولعلمہم بانتہاء الحکم لذلک لعلمہم بإناطتہ بمعان علموا انتفائہا فی الزمن المتأخر." (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور: ۳/۲۳۳، سعید)

تین طلاق کا حکم

سوال[۲۱۲۱]: زید نے اپنی بیوی کو مجمعِ عام میں تین بار طلاق کے الفاظ اس طرح ادا کئے کہ ”میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، طلاق دی، طلاق دی“۔ اور مجمع کے لوگوں سے کہا کہ جا کر ہماری بیوی کو اطلاع طلاق کی دے دو۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی، یا بیوی کا خود اپنے کان سے سننا ضروری ہے؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کونسی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی کا سننا ضروری نہیں، بلا شبہ طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، اب بلا حلالہ کئے تعلقِ زوجیت حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ۔

غصہ میں تین طلاق

سوال[۲۱۲۲]: زید نے اپنی منکوحہ مدخول بہا زینب کو ایک طلاق دیا، اس کے بعد زینب کا باپ

---

(۱) "إذا قال لامرأته: أنت طالق و طالق، وطالق، ولم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".
(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الباب الثانی فی إيقاع الطلاق، الفصل الأول فی الصريح، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۲، كتاب الطلاق، نوع آخر فی تكرار الطلاق وإيقاع العدة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی رد المحتار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً فی الحرة و ثنتين فی الأمة، لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار علی تنوير الأبصار: ۳/۴۰۹، ۴۱۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۶۰۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون فی المسائل المتعلقة بنكاح المحلل وما يتصل به، إدارة القرآن كراچی)

زید کے پاس آ کر پوچھنے لگا کہ کیا تم نے طلاق دے دیا؟ تو زید نے غصہ میں کہا کہ ''ہاں میں نے تین مرتبہ طلاق دیدیا'' لیکن زید کہتا ہے کہ میں نے تو صرف پہلا ایک ہی طلاق دیا ہے اور بعد میں جو میں نے یہ کہا کہ ہاں میں نے تین طلاق دے دیا تو یہ میں نے صرف غصہ میں کہا ہے، دل میں نیت طلاق نہیں تھی۔ عورت مذکورہ کے بارے میں اب شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی صورت میں قضاءً تین طلاق واقع ہوگئیں، پس اگر زینب نے خود اس بات کو سنا ہے یا زینب کے باپ نے زینب سے بیان کیا ہے کہ تمہارے شوہر نے مجھ سے تین مرتبہ طلاق کا اقرار کیا ہے (۱) تو زینب کے لئے جائز نہیں کہ کسی طرح شوہر کو حلالہ سے قبل اپنے اوپر قابو دے، بلکہ اس سے بچنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شدتِ غصہ میں تین طلاق

الاستفتاء [۲۱۲۳]: زید نے دن بھر کے بعد تھک کر گھر میں قدم رکھا اور کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے دماغ کا توازن کھو بیٹھا اور غصہ میں بے قابو ہو کر یہ الفاظ کہہ ڈالے: ''تم اپنے گھر جاؤ، طلاق ہوگئی، طلاق

---

(۱) "أن من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي: ۱۰۹/۴، كتاب الطلاق، باب الطلاق، مكتبه حبيبه كوئٹه)

(۲) "أيضاً إذا سمعت المرأة الطلاق، ولم تسمع الاستثناء، لايسعها أن تمكنه من الوطي". (رد المحتار: ۳۶۹/۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب فيما لو ادعى الاستثناء وأنكرته الزوجة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۹۹/۳، كتاب الطلاق، الفصل التاسع في الاستثناء في الطلاق، نوع آخر في دعوى الزوج الاستثناء الخ، إدارة القرآن كراچی)

"والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لا يحل لها تمكينه". (رد المحتار: ۲۵۱/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۱/۳، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

ہوگئی،طلاق ہوگئی،اب اپنے گھر جاؤ،میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔اس کے بعد بیوی چیخ چیخ کر رونے لگی، شوہر کو بھی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً اپنی بیوی سے معافی مانگی،لیکن بیوی کا روتے روتے برا حال تھا۔زید کے دو سالہ بچی بھی ہے،لڑکی کی ماں دل کی مریض ہے،ان کو اس حالت سے مطلع نہیں کیا گیا،ویسے بیوی میکہ جا چکی ہے،اس لئے کہ اب شوہر کے ساتھ رہنا ناجائز ہے،اب دونوں رجوع ہونا چاہتے ہیں۔اب شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق عامۃً غصہ ہی میں دی جاتی ہے،خوشنودی میں اس کی نوبت کم آتی ہے۔جب آدمی غصہ میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کا نتیجہ خراب نکلتا ہے تو وہ سمجھتا ہے اور معذرت کرتا ہے کہ میں قابو میں نہیں تھا،توازن کھو بیٹھا تھا وغیرہ وغیرہ،حالانکہ ایسی بات نہیں اس کی عقل ختم نہیں ہو جاتی کہ اس کو یہ خبر نہ رہے کہ ان الفاظ (طلاق) کا کیا مطلب ہے،یا وہ آسمان اور زمین میں فرق نہ کرتا ہو،یا اس کو پاگل قرار دیکر پاگل خانہ بھیج دیا جائے،بلکہ وہ جانتا ہے کہ طلاق سے بیوی کو بہت تکلیف ہوگی اور تعلق ختم ہو جائے گا جیسا کہ بیوی کے علاوہ کسی اور سے ناراض ہو تو اس کو بھی چن کر ایسا لفظ کہتا ہے جس سے اس کو بہت تکلیف ہو اور شدتِ ناراضگی کے اظہار کے لئے تعلق ختم کر دیا جاتا ہے:"ویقع طلاق من غضب، خلافاً لابن قیمؒ، وهذا الموافق عندنا، الخ". شامی نعمانیه:۲/۴۷۲(۱)۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی،اب اس کو رجوع کا اختیار نہیں رہا اور بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں ہے(۲)۔قرآن پاک میں ہے:

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/۲۴۴، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش، سعید)

"إذاقال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۵، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۵۴، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی صریح الطلاق، رشیدیه)

(۲) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلی هو زوال الملک وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ وسواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، کتاب الطلاق، =

﴿الطلاق مرتان .... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیره﴾ الآیة(۱)۔

کتبِ صحاح بخاری شریف ومسلم شریف وغیرہ میں امرأۂ رفاعہ کا واقعہ مذکور ہے جس میں شوہر اوّل سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرحمت نہیں فرمائی تھی (۲)۔ ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا مسلک یہی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں تصریح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حکم

سوال[۶۱۲۴]: زید نے اپنی بیوی کی حرکات سے تنگ آکر ایک مجلس میں تین طلاق دے دیا اور اخبار میں طلاق کا اعلان بھی کرادیا، اب شوہر اور بیوی دونوں دوبارہ ملنا چاہتے ہیں، لہٰذا اس بارے میں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں؟ کیا وقتِ واحد میں تین بار طلاق از روئے قرآن ایک مرتبہ سمجھ کر رجوع کرلیا جائے، یا حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی حدیث کی روشنی پر عمل کرلیا جائے، جب کہ بوقتِ طلاق اب بھی کوئی گواہ موجود نہیں ہے، بیوی نے قبول بھی نہیں کیا؟ لہٰذا اس بات کی صراحت فرمائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو کون سی؟ اور اگر دوبارہ ملنا چاہیں، تو اس کی شریعت میں کیا راہ ہے؟

=فصل فی حکم الطلاق البائن، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

(۲) "عن ابن شهاب قال: أخبرنی عروة بن الزبیر أن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظیّ جاءت إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقالت: یا رسول الله! إن رفاعة طلقنی فبتّ طلاقی، وإنی نكحتُ بعده عبدالرحمن بن الزبیر القرظیّ، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لعلک تریدین أن ترجعی إلی رفاعة، لا حتیٰ یذوق عسیلتک و تذوقی عسیلته". (صحیح البخاری: ۲/۷۹۱، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث الخ، قدیمی)

(۳) "وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین إلی أنه یقع ثلاث". (فتح القدیر: ۳/۴۶۹، کتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

طلاق کا اختیار مرد کو ہے، عورت کے قبول کرنے نہ کرنے کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ قبول نہ کرے تب بھی ہوجاتی ہے(۱)۔ طلاق کا جب شوہر کو اقرار ہے تو گواہوں کی ضرورت نہیں، جب شوہر نے طلاق لکھ کر بیوی کے پاس بھیج دی ہو، یا اخبار میں شائع کردی ہو اور شوہر کو اپنی تحریر کا اقرار ہو تب بھی ہوجاتی ہے(۲)۔ محبت ورضامندی میں طلاق کی نوبت کم آتی ہے، جب صریح اور صاف لفظوں میں طلاق دے تو اس میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، بغیر نیت بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے(۳)۔

---

(۱) "وأهله (أی الطلاق) زوج عاقل بالغ مستيقظ". (الدر المختار: ۳/۲۳۰، کتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفي من لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۲۳، كتاب الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لواستكتب من آخر كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به إليها، فأتاها، وقع إن أقر الزوج أنه كتابه". (رد المحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، كتاب الطلاق، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۳) "وصريح الطلاق لا يحتاج إلى نية؛ لأنه موضوع له شرعاً، فكان حقيقةً، والحقيقة لا تحتاج إلى نية". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۱۶۴، كتاب الطلاق، فصل في صريح الطلاق، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۷، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

ایک دفعہ اور دو دفعہ کہنے کے بعد طلاق سے رجعت کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے، یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے طلاق واپس لینے سے نکاح بدستور قائم رہتا ہے، خواہ وقتِ واحد اور مجلسِ واحد میں ایک دفعہ یا دو دفعہ طلاق دی ہو، یا الگ الگ وقت الگ الگ مجلس میں دی ہو، سب کا یہی حکم ہے(۱)، یہ مسئلہ قرآن کے دوسرے پارے میں ﴿الطلاق مرتان، فإمساك بمعروف أوتسريح بإحسان﴾(۲). سے ثابت ہے۔

تین طلاق دینے کے بعد واپسی کا حق نہیں رہتا، جب تک حلالہ نہ ہوجائے دوبارہ نکاح میں نہیں لاسکتا(۳)، خواہ تین طلاق ایک لفظ سے دی ہوں جیسے کوئی کہے کہ ”میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی“ یا تین لفظ سے دی ہوں جیسے کوئی کہے: ”میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“، پھر خواہ مجلسِ واحد میں ایسا کہا ہو یا الگ مجلس اور الگ الگ وقت میں، سب کا ایک حکم ہے، کوئی فرق نہیں۔ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ غرض ائمۂ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے(۴)، یہی جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أورجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الرجعة و فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة البقرة: ۲۲۹)

(۳) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ سواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "وذهب جماهير العلماء من التابعين و من بعدهم، منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة، وآخرون كثيرون على من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۲۰/۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث لقوله تعالىٰ .... اهـ، مطبع محمد أمين دمج بيروت)

مذہب ہے (۱)، یہی احادیث سے ثابت ہے، یہی کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے، یہی قرآن پاک سے ثابت ہے۔

چنانچہ دوسرے پارے میں دو طلاق کے بعد تیسری طلاق کا تذکرہ ہے اور اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:
﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية(۲) یعنی دو طلاق کے بعد رجعت کا حق حاصل تھا لیکن تیسری طلاق بھی دیدی تو اب رجوع کرنے کا حق بھی نہیں رہا، جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ ہو جائے تو ہرگز پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی (۳)۔

حدیث شریف میں امرأۂ رفاعہ کا واقعہ مذکور ہے جس کی تفصیل بخاری شریف میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی تھی پھر بعد عدت دوسرے شخص حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کیا، مگر وہ چاہتی تھیں کہ پہلے شوہر کے پاس لوٹ جائیں، حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک حلالہ نہ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس جانے کا حق نہیں (۴)۔

جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان صحابی نے لفظ طلاق تین دفعہ کہا، پہلے سے طلاق کی نیت کی دوسرے اور تیسرے لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ محض تاکید کے لئے یہ لفظ کہا، جیسے آپ سے کوئی پوچھے، آپ نے آج فجر کی نماز پڑھی؟ آپ جواب میں کہیں، میں نے آج فجر کی نماز پڑھ لی، پڑھی لی، پڑھ لی، مطلب صاف ظاہر ہے کہ نماز فجر آج تو ایک ہی دفعہ پڑھی مگر دوسری اور تیسری دفعہ جو لفظ کہا

---

(۱) "وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث".
(ردالمحتار: ۳/۲۳۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) (البقرة: ۲۳۰)

(۳) (راجع، ص: ۴۳۰، رقم الحاشية: ۳)

(۴) "عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظيّ جاء ت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يارسول الله! إن رفاعة طلقني، فبتّ طلاقي، وإني نكحت بعده عبدالرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا، حتى يذوق عسيلتك و تذوقي عسيلته".
(صحيح البخاري: ۲/ ۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث الخ، قديمي)

ہے اس سے محض تاکید مقصود ہے، یہ مطلب نہیں کہ آج نمازِ فجر تین دفعہ پڑھی۔

اسی طرح انہوں نے لفظِ طلاق تین دفعہ کہا، مگر چونکہ طلاق ایک ہوتی ہے، دو بھی ہوتی ہے، تین بھی ہوتی ہے اور لفظِ طلاق تاکید کے لئے بھی کہا جاتا ہے، اور اِصالۃً مقصود بھی ہوتا ہے اور تاکید کے لئے بولنا خلافِ ظاہر بھی ہے، کیونکہ طلاق تین بھی ہوتی ہے، اس لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قسم دیکر دریافت فرمایا کہ ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی، دوسرا اور تیسرا لفظ محض تاکید کے لئے بولا ہے، طلاق کی نیت سے نہیں بولا، جب انہوں نے قسم کھا کر ایک طلاق کا ارادہ بتلایا تو رجعت کا حق دیدیا(۱)۔

پھر رفتہ رفتہ طلاق کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بڑی جماعت کے سامنے اس کا اظہار فرمایا کہ مسئلہ میں کچھ ڈھیل دی گئی تھی، مگر لوگوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھانا شروع کردیا، اس لئے اگر آئندہ کوئی شخص تین دفعہ طلاق دے گا تو وہ تین ہی شمار ہوگی اور اس کو رجعت کا حق نہیں ہوگا(۲) اس پر سب صحابہ کا اجماع ہوگیا، یہی مطلب ہے اس روایت کا جس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم

---

(۱) "عن نافع بن جبير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة ألبتة فأخبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بذلك، وقال: والله ماأردت إلا واحدةً، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماأردت إلا واحدةً"؟ قال ركانة: والله! ماأردت إلا وحدةً، فردها إليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان". (سنن أبي داود: ۱/۳۰۰، كتاب الطلاق، باب في ألبتة، دار الحديث ملتان)

(۲) "قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۴۹، كتاب الطلاق، باب إيقاع الثلاث مجموعاً معصية وإن وقعن كلهن، إدارة القرآن كراچی)

"وإن حمل الحديث على خلاف ظاهره دفعاً لمعارضة إجماع الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم على ما أوجدناك من النقل عنهم واحداً واحداً، وعدم مخالف لعمر في إمضائه، وظاهر حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، فتأويله أن قول الرجل: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، كان واحدةً في الزمن الأول لقصدهم التأكيد في ذلك الزمان، ثم صاروا يقصدون التجديد، فألزمهم عمر رضي الله تعالىٰ عنه ذلك لعلمه بقصدهم". (فتح القدير: ۳/۴۷۰، ۴۷۱، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتدائی دور خلافت میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی یعنی جو شخص تین طلاق دیتا تھا اور قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں نے پہلا لفظ طلاق کی نیت سے بولا ہے اور دوسرا اور تیسرا لفظ تاکید کے لئے بولا ہے۔

اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے ایک طلاق کا قضاءً فیصلہ ہوتا تھا (۱)، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع ہی نہیں ہوتی تھی، اگر یہ مطلب لیا جائے گا تو قرآن پاک کے بھی خلاف ہوگا (اور اس حدیث کے بھی خلاف ہوگا) جس میں امرأۂ رفاعۃ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حلالہ کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے (۲)۔

لہذا صورت مسئولہ میں کوئی گنجائش رجعت کرنے کی یا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنے کی باقی نہیں رہی، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور دیگر کتب فقہیہ: کنز، تبیین، در مختار، عالمگیری، مجمع الأنهر، بدائع وغیرہ میں اس پر مفصل کلام موجود ہے (۳)۔

---

(۱) قال العلامة النووی رحمه الله تعالیٰ: "فالأصح أن معناه أنه كان فی أول الأمر إذا قال لها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ولم ينو تاكيداً و لا استينافاً، يحكم بوقوع طلقة لقلة إرادتهم الاستيناف بذلک، فحمل على الغالب الذی هو إرادة التاكيد. فلما كان فی زمن عمر رضی الله تعالیٰ عنه، وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة و غلب منهم إرادة الاستيناف بها، حملت عند الإطلاق على الثلث عملاً بالغالب السابق إلى الفهم منها فی ذلک العصر. وقيل: المراد إن المعتاد فی الزمن الأول كان طلقةً واحدةً، وصار الناس فی زمن عمر يوقعون الثلاث دفعةً، فنفذه عمر. فعلى هذا يكون إخبارًا عن اختلاف عادة الناس لاعن تغير حكم فی مسئلة واحدة". (شرح مسلم للإمام النووی: ۱/۴۷۸، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلث، قديمی)

(۲) "عن ابن شهاب قال: أخبرنی عروة بن الزبير أن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظیّ جاء ت إلى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فقالت: يارسول الله! إن رفاعة طلقنی، فبت طلاقی، وإنی نكحت بعده عبدالرحمن بن الزبير القرظی، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لعلک تريدين أن ترجعی إلى رفاعة، لا، حتى يذوق عسيلتک و تذوقی عسيلته".

(صحيح البخاری: ۲/۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث الخ، قديمی)

(۳) "وأما حكم طلاق البدعة فهو أنه واقع عند عامة العلماء .... ولنا ماروی عن عبادة بن الصامت =

شروحِ حدیث: عینی، بذل، اوجز، إعلاء السنن میں روایاتِ فقہیہ کے علاوہ احادیث کا بھی ذخیرہ ہے (۱)۔ اس مسئلے پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= رضي الله عنه أن بعض آبائه طلق امرأته ألفاً، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال صلى الله عليه وسلم: "بانت بالثلاث في معصية، ولتسعماةٍ وسبعةٌ وتسعون فيما لايملك". (بدائع الصنائع: ۲۰۶/۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم طلاق البدعة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وروى أن رجلاً جاء إلى ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه فقال: إني طلقت امرأتي ثماني تطليقات فقال: "ماذا قيل لك"؟ فقال: قيل لي: بانت منك، قال: "صدقوا، هو مثل مايقولون" .... وقول ابن مسعود: "صدقوا" دليل على إجماعهم على ذلك .... والجواب عن الحديث الأول (أي حديث ابن عباس) من وجهين: أحدهما أنه إنكار على من يخرج عن سنة الطلاق بايقاع الثلاث وإخبار عن تساهل الناس في مخالفة السنة في الزمان المتأخر عن العصرين كأنه قال: الطلاق الموقع الآن ثلاثاً كان في ذينك العصرين واحدةً، كما يقال: كان الشجاع الآن جباناً في عصر الصحابة رضي الله عنهم أجمعين. والثاني: أن قول الزوج: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، كانت طلقةً واحدةً في العصرين لقصدهم التأكيد والإخبار، وصار الناس بعد هم يقصدون به التجديد والإنشاء، فالزمهم عمر ذلك لعلمه بقصدهم، يدل عليه قول عمر رضي الله عنه: "قد استعجلوا في أمرٍ كانت لهم فيه أناة". والجواب عن الثاني (حديث الرفاعة) أنه منكر، قاله أبو جعفر". (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۲۶/۳، ۲۷، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما إمضاء عمر الثلاث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بأنها كانت واحدةً، فلا يمكن إلاوقد اطلعوا في الزمان المتأخر على وجود ناسخ أولعلمهم بانتهاء الحكم لذلك لعلمهم بإناطته بمعان علموا انتفاء ها في الزمن المتأخر". (ردا لمحتار: ۲۳۳/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

"وأما البدعي الذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمات متفرقة أو يجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمتين متفرقتين، فإذا فعل ذلك وقع الطلاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

"وبدعيه: أي بدعي الطلاق عدداً تطليقها ثلاثاً أوثنتين بكلمة واحدة مثل أن يقول: أنت طالق ثلاثاً، أوثنتين وهو حرام حرمةً غليظةً ...... واعلم أن في صدر الأول إذا أرسل الثلاث جملةً لم يحكم إلا بوقوع واحدة إلى زمن عمر رضي الله عنه، ثم حكم بوقوع الثلاث لكثرته بين الناس تهديداً". (مجمع الأنهر: ۳۸۲/۱، كتاب الطلاق، بيروت)

(۱) "عن جعفر بن برقان عن معاوية بن أبي يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان، فقال: طلقت =

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= امرأتي ألفاً، فقال: "بانت منک بثلاث". وروی وکیع عن الأعمش عن حبیب بن أبي ثابت، قال: جاء رجل إلی علي ابن أبي طالب، فقال: إني طلقت امرأتي ألفاً، فقال: "بانت منک بثلاث، واقسم سائرهن بین نسائک". عن طارق بن عبدالرحمن سمعت قیس بن أبي عاصم قال: سأل رجل المغیرة وأنا شاهد عن رجل طلق امرأته مأة فقال: "ثلاثة تحرم، وسبع وتسعون فضل". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۶۳، وقوع الطلقات الثلاث جملة، إدارة القرآن کراچی)

"وذهب کثیر منهم إلی وقوعه (أي الثلاث) مع منع جوازه، واحتج له بعضهم بحدیث محمود بن لبید عند النسائي قال أخبر النبي صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطلیقات جمیعاً، فقام مغضباً فقال: "أیلعب بکتاب الله وأنا بین أظهر کم"؟ ...... عن مجاهد قال: کنت عند ابن عباس فجاء رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً، فسکت حتی ظننت أنه سیردها إلیه فقال: "ینطلق أحد کم فیرکب الأحموقة، ثم یقول: یاابن عباس! یا ابن عباس! إن الله قال: ﴿ومن یتق الله یجعل له مخرجاً﴾ وإنک لم تتق الله، فلا أجد لک مخرجاً، عصیت ربک، وبانت منک امرأتک". (بذل المجهود: ۶۲/۴، باب في نسخ المراجعة، امدادیه ملتان)

"إن الطحاوي قد روی أحادیث عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما تشهد بانتساخ ماقاله من ذلک: منها مارواه من حدیث الأعمش عن مالک بن الحارث قال: جاء رجل إلی ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثاً، فقال: "إن عمک عصی الله، فأثمه الله، وأطاع الشیطان، فلم یجعل له مخرجاً"، فقلت: فکیف تری في رجل یحللها له؟ فقال: "من یخادع الله یخادعه".

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلی الله علیه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول" .... فإنه ظاهر في کونها مجموعة". (عمدة القاري للحافظ العیني: ۲۰/۲۳۲، ۲۳۶، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق خلاف الثلاث، دارالکتب العلمیة بیروت)

"عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه جاءه رجل، فقال: إني طلقت امرأتي ألفاً، وفي لفظ: مأة، قال: "ثلث تحرمها علیک، وبقیتهن وزراً، اتخذت آیات الله هزوًا". (أوجز المسالک: ۴/۳۳۰، کتاب الطلاق، مطبع سهارنفور)

تین طلاق

سوال[۶۱۲۵]: زید نے بیماری کی حالت میں بلانیت طلاق کے غصہ اور جھنجھلاہٹ میں اپنی بیوی کو کسی بات کے باعث یا جنگ وجدل کے باعث یہ لفظ کہا کہ ''تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے''۔ لوگوں میں شور وغل ہوا کہ طلاق ہوگئی، لیکن زید نے شرح وقایہ ہدایہ کی عبارتیں پڑھ کر سنائی جس سے لوگوں میں قدرے سکون ہوا، دونوں کتابوں کی عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱-نیت کے بارے میں یہ ہے کہ: اگر کسی نے تین بار طلاق دی اور تینوں بار کچھ نیت نہیں کی تو کچھ واقع نہ ہوگی اور اہلِ علم کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ کل کام کا مدار نیت پر ہے، ہدایہ۔

۲-لیکن اگر کسی نے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، تو ایک طلاق ہوگی اور عورت اول طلاق سے بائن ہوگی اور دوسری تیسری طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ محلِ طلاق کی نہیں رہی۔

۳-جب عورت کو طلاق بائن دے تین سے کم تو مرد کو جائز ہے کہ اس عورت سے عدت میں یا بعد میں نکاح کرے یعنی برضا اس کے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی، اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی؟ نیز دونوں کتابوں کی عبارتیں جو مذکور ہیں ان سے عدمِ طلاق کا حکم ثابت ہوتا ہے تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ اور طلاق دینے سے صرف زید کو ڈرانا اور دھمکانا ہے۔

۲......اور زید کی بیوی کے ایک لڑکی شیر خوار اور ایک لڑکا ہے، ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

۳......طلاق واقع ہوجانے کے بعد پھر زید اس سے کس طرح نکاح کرسکتا ہے؟ اس کی صورت مفصل تحریر فرماویں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط والسلام۔

حامد رسول عفی عنہ، ۱۴/مئی/۳۵ء

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر زید اپنے ہوش میں تھا اور جو کچھ کہہ رہا تھا، سمجھ کر کہہ رہا تھا، جیسا کہ الفاظ ''اور طلاق دینے سے صرف زید کو ڈرانا دھمکانا ہے'' سے ظاہر ہے تو صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی، اب بلا حلالہ کے اس کو رکھنا حرام ہے، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدتِ طلاق گزار کر کسی دوسرے شخص

سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرنے کے بعد طلاق دے یا وہ مرجائے، پھر عورت عدت گزار کر زید سے نکاح کرسکتی ہے۔ اور اگر زید ہوش میں نہیں تھا بلکہ بے ہوش تھا، اسی بے ہوشی کی حالت میں طلاق دی تو وہ واقع نہیں ہوئی "و يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل". تنویر(۱)۔ "ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل، والمجنون والنائم والمبرسم والمغمىٰ عليه والمدهوش". عالمگیری(۲)۔

عبارت نمبر ۱ ......اگرچہ ہدایہ کی بعینہ عبارت نہیں، تاہم جواب یہ ہے کہ جو الفاظ صریح ہیں وہ محتاجِ نیت نہیں، اگر بلانیت بھی صریح الفاظِ طلاق کے کوئی شخص کہے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ ہدایہ مجتبائی باب إيقاع الطلاق میں ہے: "الطلاق على ضربين: صريح وكناية، فالصريح قوله: أنت طالق و مطلقة و طلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي؛ لأن هذه الألفاظ تستعمل في الطلاق ولا تستعمل في غيره، فكان صريحاً، وأنه يعقب الرجعة بالنص و لا يفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال، اهـ"(۳)۔

البتہ الفاظِ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت یا دلالتِ حال کی ضرورت پیش آتی ہے:

"وأما الضرب الثاني وهو الكنايات، لا يقع به الطلاق إلا بالنية أو بدلالة الحال، الخ". ھدایہ(٤)۔ اور الفاظِ مذکورہ فی السوال صریح ہیں محتاجِ نیت نہیں۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۳۵/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۳/۱، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۴/۳، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالكميرية: ۳۵۳/۱، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۴۲/۳، ۲۴۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۵۵/۳، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه الخ، إدارة القرآن كراچى)

(۳) (الهداية: ۳۵۹/۲، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۹/۳، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۴) (الهداية: ۳۷۳/۲، فصل في طلاق غير المدخول بها، مكتبه شركة علميه ملتان) .... =

عبارت نمبر ۲ ......غیر مدخولہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص قبل الدخول طلاق دے اور ایک لفظ سے تین طلاق دے تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ اور ایک لفظ سے تین طلاق نہ دے بلکہ تین لفظ سے تین طلاق دے تو وہ چونکہ پہلی طلاق سے بائن ہوجاتی ہے اور آئندہ طلاق کا محل نہیں رہتی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق بیکار جاتی ہے اور مدخولہ کے اوپر تینوں طلاقیں صریح الفاظ میں واقع ہوسکتی ہیں، فصل فی الطلاق قبل الدخول میں ہے:

”وإذا طلق الرجل امرأته ثلثاً قبل الدخول بها، وقعن عليها .... فإن فرق الطلاق، بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية والثالثة، وذلك مثل أن يقول: أنت طالق طالق طالق؛ لأن كل واحد إيقاع عليحدة، الخ“. هدايه(۱)۔

صورتِ مسئولہ میں عورت مدخولہ ہے، لہذا قضاءً تینوں طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی: ”وإذا قال لامرأته: أنت طالق، و طالق، و طالق، و لم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلثاً، وإن كانت غير مدخولة، طلقت واحدةً .... متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق“. عالمگیری(۲)۔

عبارت نمبر ۳ ......طلاقِ بائنہ کا حکم ہے اور صریح الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے اور ایک

= (وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۶، ۲۹۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۵، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الهداية: ۲/۳۷۱، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۹۸، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۸۴، ۲۸۶، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۹۳، قبيل باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۹، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

صریح کے بعد دوسری اور تیسری واقع ہوسکتی ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے اور بائنہ کے بعد بائنہ واقع نہیں ہوسکتی۔"الصریح یلحق الصریح، والبائن یلحق الصریح لا البائن" تنویر (۱)۔ جب کہ تینوں طلاقیں صریح ہیں اور تینوں واقع ہوگئیں، اب بلا حلالہ کے کسی طرح نکاح درست نہیں۔

۲......ماں ان دونوں کی پرورش کرے گی اور باپ نفقہ دے گا:"إذا وقعت الفرقة بین الزوجین، فالأمّ أحق بالولد، والنفقة علی الأب". ھدایہ(۲)۔ اگر ان کے پاس مال ہے تو نفقہ اس کے مال میں سے دیا جائے گا:"إنما تجب النفقة علی الأب إذا لم یکن للصغیر مال، أما إذا کان. فالأصل أن نفقة الإنسان في مال نفسه صغیراً کان أو کبیراً". ھدایہ(۳)۔

۳......حلالہ کے بعد کرسکتی ہے جس کی صورت جواب نمبر: ا میں لکھدی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۱/۴/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۵/صفر/۵۴ھ۔

جوابات صحیح ہیں اور جو عبارات سوال میں نقل کی گئی ہیں وہ محض ترجمہ ہیں اور اس کے بھی صفحہ کا حوالہ نہیں دیا، اس لئے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۳/۳۰۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۷، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۳/۵۳۱، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه)

(۲) (الھدایة: ۲/۴۳۴، باب حضانة الولد و من أحق به، مکتبه شرکة علمیة)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۳/۲۹۱، ۳۲۵، باب الحضانة، باب النفقة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۲۴۱، ۲۴۷، فصل نفقة الأولاد و فصل في الحضانة، مکتبة حقانیة پشاور)

(۳) (الھدایة: ۲/۴۴۵، باب النفقات، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(وکذا في حاشیة الشلبي علی تبیین الحقائق: ۳/۳۲۵، باب النفقة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۶۲، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشیدیه)

غصہ میں تین طلاق

سوال[۶۱۲۶]: ایک شخص اپنی ساس سے لڑا، لڑائی کے درمیان اپنی بیوی بے قصور کو تین چار دفعہ طلاق کہدی، طلاق غصہ کی حالت میں کہی، بعدہ نادم ہوا۔ حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟ ایک عالم اہلِ حدیث نے عدمِ حرمت کا فتویٰ دیدیا ہے، مدلل تحریر فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے جائز نہیں، یہ مسئلہ قرآن کریم، حدیث سے ثابت ہے، جمہور صحابہ وتابعین کا مذہب بھی یہی ہے (بجز ایک دو کے): "والبدعي ثلاث متفرقة، اهـ". در مختار (۱)۔

"وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة الملسملين إلى أنه يقع ثلاث .... وقول بعض الحنابلة: توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن مأة ألف عين رأته، فهل صح لكم منهم أو عن عشر عشر عشرهم القول بوقوع الثلاث؟ باطلٌ، أما أولاً فإجماعهم ظاهر؛ لأنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر رضى الله تعالىٰ عنه حين أمضى الثلاث، و لا يلزم فى نقل الحكم الإجماعى عن مأة ألف تسمية كل فى مجلد كبير، لحكم واحد على أنه إجماع سكوتي. وأما ثانياً، فالعبرة فى نقل الإجماع نقل ما عن المجتهدين، الخ"(۲)۔

اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف کئے گئے ہیں، روایات کی تفصیل مطلوب ہوتو "زیلعی، فتح

(۱) (الدر المختار: ۲۳۲/۳، کتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۴۶/۳، الفصل الأول فى أنواع الطلاق، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار: ۱۲۰/۲، كتاب الطلاق، حقانيه پشاور)

(۲) (رد المحتار: ۲۳۳/۳، كتاب الطلاق، مطلب فى طلاق الدور، سعيد)

القدیر، إعلاء السنن، الأزهار المربوعة" کا مطالعہ کیجئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

تین طلاق بلانیت

سوال[۶۱۲۷]: زید نے اپنی بیوی کو غصہ میں کسی بات پر یہ الفاظ کہے: "آپ نے میری وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی، میں تم کو طلاق دیتا ہوں اور آئندہ بھی دوایک ماہ جو تکلیف ہوگی، اس کو تم گوارہ نہیں کرسکتی،

---

(۱) "قال ابن عباس رضی الله عنهما: أخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطلیقات جمیعاً، فقام غضبان، ثم قال: "أیلعب بکتاب الله وأنا بین أظهر کم" ...... وقال ابن عباس لرجل طلق امرأته ثلاثاً: "یطلق أحدکم، ثم یرکب الحموقة، ثم یقول: یا ابن عباس! قال الله: ﴿ومن یتق الله یجعل له مخرجاً﴾ .... وإنک لم تتق الله، فلم أجدلک مخرجاً، عصیت ربک، وبانت منک امرأتک". (تبیین الحقائق، للزیلعی: ۲۵/۳، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"عن جعفر ابن یرقان عن معاویة بن أبی یحیی قال: جاء رجل إلی عثمان بن عفان، فقال: طلقت امرأتی ألفاً، فقال: "بانت منک بثلاث". وروی وکیع عن الأعمش عن حبیب بن أبی ثابت قال: جاء رجل إلی علی ابن أبی طالب فقال: إنی طلقت امرأتی الفاً، فقال: "بانت منک بثلاث، واقسم سائرهن بین نسائک". عن طارق بن عبدالرحمٰن سمعت قیس بن أبی عاصم قال: سأل رجل المغیرة —وأنا شاهد— عن رجل طلق امرأته ماة فقال: "ثلاثة تحرم، وسبع وتسعون فضل". (إعلاء السنن: ۱۶۲/۱۱، ۱۶۴، وقوع الطلقات الثلاث جملةً، إدارة القرآن کراچی)

"وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعد هم من أئمة المسلمین إلی أنه یقع ثلاث، ومن الأدلة فی ذلک مافی مصنف ابن أبی شیبة والدار قطنی فی حدیث ابن عمر —رضی الله تعالیٰ عنهما— المتقدم: "قلت: یارسول الله! أرأیت لو طلقتها ثلاثاً؟ فقال: "إذًا قد عصیت ربک، وبانت منک امرأتک" ...... وفی المؤطا أیضًا: بلغه أن رجلاً جاء إلی ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه فقال: إنی طلقت امرأتی ثمانی تطلیقات، فقال: "ماقیل لک"؟ فقال: قیل لی: بانت منک، قال: "صدقوا، هو مثل مایقولون". وظاهره الإجماع علی هذا الجواب". (فتح القدیر: ۳۲۹/۳، باب طلاق السنة، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

میں نے تم کو طلاق دی، آزاد کیا"۔ زید کہتا ہے: میری نیت دو طلاقوں کی نہ تھی اور نہ بیوی سے میری کوئی ناراضگی تھی۔ مہربانی فرما کر اس کا جواب حوالہ جاتِ حدیث وفقہ سے صاف صاف دیجئے گا، اس صورت میں دو طلاقیں ہوئیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں زید نے تین الفاظ زبان سے ادا کئے ہیں: اول: "میں تم کو طلاق دیتا ہوں" یہ صیغۂ حال ہے اور صیغۂ حال سے طلاق واقع ہوجاتی ہے "قالت لزوجها: "**من باتو نمی باشم**"، فقال الزوج: "**مباش**" فقالت: "**طلاق بدستِ تو است، مرا طلاق کن**" فقال الزوج: "**طلاق میکنم، طلاق میکنم**" وكرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: "**کنم**"؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. و في المحيط لو قال بالعربية: أطلق، لا يكون طلاقاً، إلا اذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً، اهـ". عالمگیری (۱)۔ لہٰذا اس لفظ سے ایک طلاقِ صریح واقع ہوگی۔

دوسرا لفظ ہے: "میں نے تم کو طلاق دی" یہ صریح لفظ ہے، اس سے دوسری طلاق واقع ہوگئی: "صريحه مالم يستعمل إلا فيه: كطلقتك، وأنت طالق، و مطلقة، و يقع بهاواحدة رجعية، وإن نوىٰ خلافها، أو لم ينو شيئاً، اهـ". تنویر (۲)۔

تیسرا لفظ ہے: "آزاد کیا" ہمارے عرف میں یہ لفظ بمنزلہ صریح طلاق کے ہے، جو صریح لفظِ طلاق کا حکم ہے وہی اس کا ہے، لہٰذا ایک طلاق اس سے واقع ہوگئی (۳)۔ صریح اور بمنزلہ صریح میں نیت کی حاجت نہیں

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، الفصل السابع فی الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۴۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب سن بوش يقع به الرجعي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ۳/۴۳۹، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۳/۲۴۷ – ۲۵۰، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۱۶۴، كتاب الطلاق، فصل في صريح الطلاق، حقانيه پشاور)

(۳) "سرحتک وهو "رها کردم"؛ لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدی الخوارزمی فی شرح القدوری .... فإن سرّحتک كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في =

بغیر نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں (۱)۔ زید کا یہ قول کہ میری نیت دو طلاقوں کی نہ تھی معتبر نہ ہوگا، اگر بلانیت بھی یہ الفاظ کہے ہیں تب بھی طلاقِ مغلظہ ہوگئی۔ اگر پہلے لفظ کی تاکید کے لئے دوسرا اور تیسرا لفظ کہا ہے مستقل طلاق کے لئے نہیں کہا ہے تب بھی قضاءً معتبر نہیں، طلاقِ مغلظہ ہی ہوئی لیکن دیانۃً یہ نیت معتبر ہے:

"كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التاكيد دُيِّن: أى وقع الكل قضاءً. وكذا إذ أطلق، --أشباه--: أى بأن لم ينو استئنافاً و لا تأكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد". در مختار وشامی (۲)۔

کسی دوسری جگہ کے عرف کے لحاظ سے اگر اخیر کے لفظ کو بمنزلہ صریح نہ قرار دیا جائے بلکہ کنایہ ہی مانا جائے تب بھی چوں کہ دو طلاق صریح لفظ سے دے چکا ہے اس لئے اس تیسرے لفظ کو بھی طلاق ہی پر حمل کیا جائے گا اور عدم نیتِ طلاق کا قضاءً اعتبار نہ ہوگا:

"ولو قال في حال مذاكرة الطلاق: باينتك، أو أبنتك، أو أبنت منك، أو لا سلطانَ لي عليك، أو سرحتك، أو وهبتك لنفسك، أو خليت سبيلك، أو أنت سائبة، أو أنت حرة، أو أنت

= الصريح، فإذا قال: "رها كردم": أى سرّحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (ردالمحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۱) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾، سواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۲۰۳/۴، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲۹۳/۳، كتاب الطلاق، قبيل باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۱، ۳۵۶، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۹/۳، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

أعلم بشانك، فقالت: اخترت نفسي، يقع الطلاق. وإن قال: لم أنو الطلاق، لايصدق قضاءً، اهـ". عالم گیری: ۲/۳۴۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

مطلق طلاق دے کر تین طلاق کا اقرار، مع فتویٰ امارتِ شرعیہ بہار

سوال[۶۱۲۸]: زید نے اپنی بیوی زبیدہ سے کہا کہ "میں نے تجھے طلاق دیا"، ساتھ ہی دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اب اس کو قطعی نہ رکھوں گا، بروقت زید کے دوست پہونچے، انہوں نے صورتِ حال دریافت کی تو چونکہ زید کی نیت اس کو نہ رکھنے کی تھی، اس لئے اس نے کہا کہ "میں نے اس کو تین طلاق دیدی ہے، اب اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے"۔ زید نے اپنی بیوی زبیدہ سے ایک ہی دفعہ زبان سے یہ کہا تھا کہ "میں نے تجھے طلاق دیا"، یہ نہیں کہا تھا کہ "میں نے تجھے تین طلاق دیا"، یا "طلاق دیا، دیا، دیا"۔ ایسی صورت میں کون سی طلاق ہوئی؟ کیا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح درست ہے؟ صورتِ مسئولہ کا امارت شرعیہ بہار نے یہ جواب دیا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً: (من جانب امارتِ شرعیہ بہار)

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی طلاق دی تھی اور تین کا اقرار اس نے جھوٹا کرلیا ہے تو دیانۃً اس کی بیوی پر ایک ہی طلاق واقع ہوئی، اس کو حق ہے کہ طلاق کے بعد زبیدہ کو تین ماہواری پورا ہونے سے پہلے رجعت کرلے اور اگر عدت گزر جائے تو زبیدہ کی رضامندی سے نکاحِ جدید جائز ہے۔ درمختار میں ہے: "و يقع بها واحدة رجعية وإن نوى خلافها". درمختار مع شامی(۲)۔ "ولو أقر

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل في الکنایات والمدلولات، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۳۱۴، کتاب الطلاق، باب الکنایات، إدارة القرآن کراچي)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۸، ۲۵۰، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

الطلاق كاذباً أوهازلاً، وقع قضاءً، لا ديانةً". شامی(۱)۔

الجواب حامداً و مصلیاً: (من جانب دارالعلوم دیوبند)

زید کا پہلا لفظ اپنی بیوی کے حق میں صریح ہے جس کا ثمرہ طلاقِ رجعی ہے اگر چہ اس نے رجعی کے خلاف کی نیت کی ہو، کما فی الدر المختار: "صريحه ما لم يستعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق، و مطلقة، و يقع بها واحدة رجعية وإن نوىٰ خلافها. وأنت طالق ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية وإن نوىٰ خلافها من البائن أو أكثر أو لم ينو شيئاً، الخ"(۲)۔

پھر اس کے بعد دوست کے دریافت کرنے پر جب یہ کہا کہ "میں نے تین طلاقیں دیدی ہے، اب اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں"، اس سے اگر پہلی دی ہوئی طلاق کی خبر دینا مقصود تھا، اور اپنے ذہن میں یہی سمجھتا تھا کہ نیت کی وجہ سے تین طلاقیں ہوگئیں گو کہ تین طلاق کا لفظ نہ کہا ہو اور اس کا یہ سمجھنا کسی مفتی کے فتویٰ کی وجہ سے نہیں تھا جس کو دلیل کی طرف منسوب کیا جا سکے تو اس کو جھوٹا اقرار نہیں کیا جائے، بلکہ اس کی وجہ سے طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی (۳)۔ اگر کسی مفتی کے غلط فتوے کی وجہ سے اس کو تین طلاق سمجھ کر اقرار کرتا تو اس اقرار کی وجہ سے دیانۃً تین طلاق کا حکم نہ دیا جاتا:

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وفي الحاوي الزاهدي: ظن أنه وقع الثلاث على امرأته بإفتاء مَن لم يكن أهلاً للفتوىٰ وكلف الحاكم كتابتها في الصك، فكتب، ثم استفتىٰ ممن هو أهل للفتوىٰ، فأتى بأنه لا تقع والتطليقات الثلاث مكتوبة في الصك بالظن، فله أن يعود إليها

---

(۱) (رد المحتار: ۲۳۶/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۷/۳-۲۵۰، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۹/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۴، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "سئل كم طلقتها؟ فقال: ثلاثاً، ثم زعم أنه كان كاذباً، لا يصدق في القضاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۱، كتاب الطلاق، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۸/۳، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

دیانةً، ولکن لا یصدق فی الحکم، الخ". شامی نعمانی: ۲/۴۲۵(۱)۔

فقہاء کا ضابطہ ہے کہ جس کلام کو ماضی میں انشاء قرار نہ دیا جاسکے اس کو حال میں انشاء قرار دیدیا جائے:

"کذا أنت طالق قبل أن أتزوجك أو أمس و قد نکحها الیوم، ولو نکحها قبل أمس، وقع الآن؛ لأن الإنشاء فی الماضی إنشاء فی الحال، الخ". درمختار۔ "لأنه ما أسنده إلی حالة منافیة، ولایمکن تصحیحه إخباراً لکذبه و عدم قدرته علی الإسناد، فکان إنشاءً فی الحال، الخ". شامی(۲)۔

لہٰذا اگر تین طلاق کو ماضی میں درست نہیں کیا جاسکتا تو اس لئے کہ اس نے ایک طلاق دی (اور اس کو تین تصور کیا تھا) تو اس کو فی الحال تین طلاق قرار دینے میں تو کوئی اشکال نہیں۔ اگر اس تین طلاق کو کلامِ سابق کی حکایت نہ کہا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ اس نے اب تین طلاق دیدی ہے تو پھر بات بالکل ہی صاف ہے(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۴۲/۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۸/۴، کتاب الطلاق، الأول فی صریح الطلاق، نوع آخر فی ألفاظه، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۵۱/۳، کتاب الطلاق، باب الطلاق، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار علی الدر المختار: ۲۶۶/۳، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی إضافة الطلاق إلی الزمان، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵۶/۳، کتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی فتح القدیر: ۳۰/۴، باب إیقاع الطلاق، فصل فی إضافة الطلاق إلی الزمان، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "کرر لفظ الطلاق، وقع الکل، وإن نوی التاکید دُیّن". (الدر المختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غیر المدخول بها، سعید)

=

طلاقِ مغلظہ

سوال[۶۱۲۹]: ماقولکم رحمکم اللہ وکثر جمعکم: اس صورت میں کہ مثلاً زید کی موجودگی میں اس کی عورت اوراس کی ماں کا کسی خانگی معاملہ میں تنازع ہوااور زید کے منع کرنے سے وہ تکرار سے باز نہ آئیں، زید اس موقع سے چلا گیا اوراپنے باپ کو جا کر واقعۂ حال سے اطلاع دی اوراپنی ماں کی طرف سے زیادتی اور قصور مند ہونا بیان کیا تو اس پر اس کے باپ کو غصہ اور طیش بڑھا، عدمِ موجودگی اپنی عورت کے، کہا: ''میڈی اس کو طلاق، میڈی اس کو طلاق، طلاق ہے''۔ الفاظ ہندیہ کا ترجمہ یہ ہے: ''میری اس کو طلاق، میری اس کو طلاق''۔

اب علمائے کرام وفضلائے عظام سے قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ عورت پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بشرطِ وقوعِ طلاق دوواقع ہوں گی یا سہ؟ بینوا بالکتاب و توجروا عند الوھاب۔

المستفتی: غلام محمد، ساکن ریاست بہاولپور، حال مقیم میانوالی۔

المرسل: مولوی محمد کاملپوری من طلبۃ المدرسۃ العربیۃ المسماۃ بمظاہر علوم الواقعۃ فی بلدۃ سہارنپور، المدرس بالمدرسۃ العربیۃ الواقعۃ فی جامع المسجد میانوالی، ضلع ملتان، پنجاب۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں قضاءً تین طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی: "کرر لفظ الطلاق، وقع الکل، وإن نوی التأکید دُیّن". در مختار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۳۵۵، کتاب الطلاق، الباب الثانی، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۳/۲۸۶، کتاب الطلاق، تکرار الطلاق وإیقاع العدد، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) (الدر المختار: ۳/۲۹۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بھا، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۳۵۵، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۳/۲۸۶، تکرار الطلاق و إیقاع العدد، إدارۃ القرآن کراچی)

بیوی کو تین طلاق دے کر سالی کو رکھنا

سوال[۶۱۳۰]: ایک شخص نے اپنی عورت کو بار ہا دفعہ کہا کہ ’’تو ابھی چلی جا جہاں تیری مرضی ہو، میں نے تم کو چھوڑ دیا اور میں تجھ کو نہیں رکھتا‘‘، اور اپنی سالی کو گھر رکھا اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی کی۔ اس شخص کی عورت کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، اگر عدت ختم ہونے پر سالی سے نکاح کیا ہے، نیز اور بھی کوئی چیز نکاح سے مانع نہیں تو نکاح درست ہے۔ اگر مطلقہ کی عدت کے اندر سالی سے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح ناجائز ہے (۲)، مطلقہ کی عدت ختم ہونے پر (اس سالی) سے دوبارہ نکاح کرنا چاہئے۔ اور اگر بغیر نکاح کے رکھا ہے تو زنا ہے جو قطعاً حرام ہے، اس کو علیحدہ کرنا لازم ہے۔ مطلقہ کا حکم یہ ہے کہ عدت گزار کر اس کو نکاح کرنا دوسری جگہ درست ہے، لیکن طلاق دینے والے شخص سے بغیر حلالہ درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۰/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ شوال/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "وأما الضرب الثاني: وهو الكنايات لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة الحال .... الحقي بأهلك .... وهبتك لأهلك، سرّحتك، فارقتك". (الهداية: ۲/۳۷۳، ۳۷۴، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۳۲، ۲۳۴، كتاب الطلاق، فصل في الكناية في الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۴، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۲/۳۰۹، ۳۱۰، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۷۹، كتاب النكاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۳۸، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

(۳) (الهدايه: ۲/۳۹۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۱۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دار الكتب العلمية، بيروت)

الفاظِ متعددہ سے طلاق

سوال[۶۱۳۱]: ایک عورت نے اپنی ساس کو گالی دی اوراپنی ساس سے مار پیٹ کی، اس بات پر اس عورت کے خاوند نے خفا ہوکر عورت سے کہا کہ ''میں نے تم کو طلاق دی، تم میرے گھر سے نکل جاؤ''۔ اس پر عورت نے کہا کہ میں ہرگز گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی، دیکھیں کون نکال سکتا ہے؟ مرد کو سخت غصہ آرہا تھا، اس نے پھر دوبارہ کہا ''میں نے تم کو طلاق دے دیا، دے دیا، دے دیا''۔ پھر عورت نے کہا کہ تمہارے طلاق دینے سے کیا ہوتا ہے، میں ہرگز نہ جاؤں گی، مرد نے پھر اصرار کیا کہ میرے گھر سے اسی وقت نکل جا، عورت نے کہا اس وقت رات کو میں کہاں جاؤں، صبح چلی جاؤں گی۔

صبح ہونے پر لوگوں نے مرد سے صلح کروادی، عورت نے کھانا پکایا اوراپنی ساس اور خاوند کو کھلایا اوراب راضی خوشی سے اپنے گھر میں رہتی ہے اور گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی اور مرد بھی اس سے راضی ہے، کیونکہ بحالتِ سخت غصہ یہ الفاظ منہ سے نکال دیئے تھے، بعد کو غصہ اتر جانے پر سخت افسوس کیا، کیونکہ مرد نے اپنی ماں کی طرف سے اپنی عورت پر غصہ کیا تھا، اور کوئی بات نہ تھی۔ ایسی حالت میں نکاح ٹوٹا یا نہیں؟

المستفتی: ظاہر خان، نائب مدرس مہنون، ڈاکخانہ سری نگر، ضلع گونڈہ کر۔

اس سوال پر قاری صاحب نے تنقیح طلب کی تھی، تنقیح آنے پر اس کا جواب تحریر کیا گیا ہے، تنقیح کا جواب یہ ہے:

سوال میں جو چار الفاظ ہیں ان کی توضیح حسبِ ذیل ہے:

۱- ''میں نے تم کو طلاق دیا'' صرف ایک طلاق کی نیت تھی۔

۲- ''تم میرے گھر سے جاؤ'' طلاق کی نیت نہیں تھی بلکہ یہ نیت تھی کہ جب تم کو طلاق مل چکی تو گھر سے نکل جاؤ۔ دوسری مرتبہ عورت نے سوال کیا کہ تم نے طلاق دے دیا اور مرد نے سخت غصہ کی حالت میں کہا:

۳- ''طلاق دیدیا، دیدیا، دیدیا''، اس سے کچھ ارادہ تین طلاق کا دل میں ضرور آ گیا تھا۔

۴- ''میرے گھر سے اسی وقت نکل جا'' اس سے طلاق کی نیت نہیں تھی بلکہ مثل نمبر:۲ کے یہ نیت تھی کہ جب تم کو طلاق مل چکی تو اب رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی وقت نکل جا۔

براہ کرم ونوازش اس کا مفصل جواب تحریر فرمایئے۔

ظاہر خان: نائب مدرس مدرسہ مہنون، ڈاکخانہ سری نگر، ضلع گونڈا، ۱۲/ جولائی/ ۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور وہ مغلظہ ہوگئی بشرطیکہ مدخول بہا ہو، اگر غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق سے بائنہ ہوگئی:

"وفي أنت طالق، أو طلاق، أو طالق الطلاق، أو أنت طالق الطلاق، يقع واحدةٌ رجعيةٌ، إن لم ينو شيئاً، أو نوى: يعني بالمصدر؛ لأنه لو نوى بطالقٍ واحدةً، بالطلاق أخرى، وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق، زيلعي. واحدة أو ثنتين؛ لأنه صريح مصدر، لا يحتمل العدد، فإن نوى ثلاثاً، فثلاث؛ لأنه فرد حكمي، و لذا كان الثنتان في الأمة، وكذا في حرة تقدمها واحدة، جوهرة. لكن جزم في البحر: أنه سهوٌ بمنزلة الثلاث في الحرة، اهـ". در مختار۔ قال الشامي في (قوله: لو مدخولاً بها): "وإلا بانت بالأول، فيلغو الثاني، (قوله: لأنه فرد حكمي)؛ لأن الثلاث كل الطلاق، فهي الفرد الكامل منه، فإرادتها لا تكون إرادة العدد"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

"صاف طلاق" سے تین طلاق مراد لینا

سوال[۲۱۳۲]: ہمارے یہاں ایک شخص نے اپنی بیوی کو بایں لفظ طلاق دی کہ "تو صاف طلاق

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۲۵۱، ۲۵۲، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۷۰، كتاب الطلاق، الفصل الرابع فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچي)

ہے" ہمارے یہاں کے عوام کے عرف میں "صاف طلاق" سے مراد اور مطلب تین طلاق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر طلاق دینے والے سے بھی صاف طلاق کا مطلب پوچھا جائے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ صاف طلاق سے میرا مطلب تین طلاق ہے۔ بنائً علیہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ "صاف طلاق" دیدے گا اور کوئی عدد بیان نہیں کرے گا تب بھی تین طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائیگی، وہ دلیل دیتے ہیں کہ "المعروف کالمشروط"۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ فقط لفظ "صاف طلاق" سے طلاقِ مغلظہ واقع نہیں ہوگی، کیونکہ لفظ صریح نہیں، نیت، مراد، مطلب اور عرف کا اعتبار نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لفظ تو "صاف طلاق" ہے، ہمارے محاورہ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ گول مول لفظ ہے جس میں طلاق کا مطلب بھی نکل سکتا ہے اور دوسرا مطلب بھی نکل سکتا ہے، بلکہ قطعی طور پر صرف طلاق کا مطلب ہے، اس لفظ سے تین طلاق مراد لینا یہاں کا محاورہ نہیں، جس علاقہ میں اس سے تین طلاق مراد ہوتی ہے وہاں کے علماء اہلِ فتویٰ سے رجوع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۶/۶/۸ھ۔

زوجہ کو خطاب کئے بغیر تین طلاق کہنا

سوال[۶۱۳۳]: زید باہر سے اپنے مکان میں آیا اور اپنی زوجہ سے ہم کلام ہوا جس کا جواب اس کی زوجہ نے تلخ گوئی سے دیا، زید گھر میں آکر پلنگ پر لیٹ گیا اور اس کی زوجہ اسی طرح بدزبانی کرتی رہی۔ زید کی طلاق دینے کی نیت پہلے سے ہرگز نہ تھی، یکایک زید کو اپنی زوجہ کی بدزبانی پر غصہ آگیا وہ لیٹے سے بیٹھا ہوگیا اور اپنی زوجہ کی طرف متوجہ ہوکر کہا: "تین طلاق، تین طلاق، تین طلاق"۔

اب سوال یہ ہے کہ زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگئی تو کس قسم کی؟ اور زید کی زوجہ اس کے نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں؟

محمد اختر نہٹور بجنور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صریح الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی حاجت نہیں (۱)، بلانیت ہی طلاق ہوجاتی ہے، البتہ زوجہ کی طرف خطاب، نام، اشارہ وغیرہ سے طلاق کی نسبت ضروری ہوتی ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ زید نے اپنی زوجہ ہی کوطلاق دی ہے، گوصراحۃً اس کی طرف نسبت نہیں کی، لیکن زوجہ کی بدزبانی پراوراس کی طرف متوجہ ہوکرتین طلاق دینااس کاقرینہ ہے کہ اپنی زوجہ ہی کوطلاق دی ہے، لہذاطلاق مغلظہ ہوگئی (۲)، اب بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں۔ تاہم صراحۃً زوجہ کی طرف نسبت نہ ہونے کی وجہ سے اگرزید کہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دینے کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہا تھا، نہ اس کوخطاب کیا بلکہ کسی اَورکوطلاق دی ہے توشرعاً قسم کے ساتھ

---

(۱) "إن الصريح لا يحتاج إلى النية، ولكن لا بد في وقوعه قضاءً و ديانةً من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالماً بمعناه، ولم يصرفه إلى ما يحتمله، كما أفاده في الفتح". (ردالمحتار: ۲۵۰/۳، كتاب الطلاق، مطلبٌ: الصريح نوعان: رجعي وبائن، سعيد)

"ولا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلامه لما في البحر: لو قال: طالق، فقيل له: من عنيت ؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته، و يؤيده ما في البحر: لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلثاً، وقال: لم أعن امرأتي يصدق. ويفهم منه أنه لو لم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها". (رد المحتار: ۲۴۸/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

"رجل قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلثاً، وقال: لم أعن به امرأتي، يصدق". (فتاویٰ قاضي خان: ۴۶۵/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "وأما حكمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة في الرجعي و بدونه في البائن .... و زوال حل المناكحة متى تم ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان .... فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾

قال الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "منتظم لمعان: منها تحريمها على المطلق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره. وقول الله تعالىٰ: ﴿حتى تنكح زوجا غيره﴾ غاية التحريم الموقع بالثلاث، فإذا وطئها الزوج الثاني، ارتفع ذلك التحريم الموقع، وبقي التحريم من جهة أنها تحت زوج كسائر الأجنبيات، فمتى فارقها الثاني، وانقضت عدتها، حلت للأول". (أحكام القرآن للجصاص: ۵۳۶/۱، قديمي)

زید کا قول معتبر ہے، دل کا حال خدا جانتا ہے اور حقیقی معاملہ بھی اسی کے ساتھ ہے۔

یہ سوال واقعہ کی کچھ تفصیل کے ساتھ گذشتہ سال بھی آیا تھا، اس کا جواب جب ہی لکھ دیا گیا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۹/صفر/۵۸ھ۔

تکرارِ طلاق بنیتِ تاکید

سوال[۲۱۳۴]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اور پھر عدت کے اندر رجوع کرلیا، تقریباً آٹھ ماہ کے بعد پھر کسی وجہ سے دوسری طلاق دینا چاہی لیکن اس مرتبہ اس نے تین طلاق دیدی اور نیت بالکل یہی رکھی کہ ایک طلاق دیتا ہوں اور باقی طلاقیں اسی ایک طلاق کی مضبوطی اور تاکید کے لئے۔ تو یہ طلاق رجعی ہے یا بائن یا مغلظہ؟ اور زوجِ اول کی طرف رجعت کے لئے کیا صورت ممکن ہے؟ زوج اول سے بغیر نکاح کے رجوع ہوسکتا ہے یا نہیں، یا عدت کے اندر رجوع کر کے رجوع کرنا پڑے گا؟ اور کیا زوجِ ثانی سے نکاح تو نہ کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو صرف تین طلاق کا اختیار ہوتا ہے، پہلی طلاق دے کر رجعت کرنے کے بعد تین طلاق کا اختیار نہیں رہا تھا، صرف دو طلاق کا اختیار رہ گیا تھا، جب دوبارہ تین طلاق دیں تو ان میں سے دو واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی اور تیسری جو کہ دراصل چوتھی ہے بیکار گئی۔ اور شوہر کی یہ نیت کہ ایک طلاق دیتا ہوں، باقی طلاقیں اسی ایک طلاق کی مضبوطی کے لئے ہیں قضاءً معتبر نہیں، البتہ دیانۃً اس کی نیت کا اعتبار ہوگا: "کرر لفظ الطلاق، وقع الکل، وإن نوی التأکید دُیّن: أی وقع الکل قضاءً، اھ". در مختار و شامی: ۲/۷۱۲(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۹۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیه: ۳/۲۸۸، کتاب الطلاق، نوع فی تکرار الطلاق وإیقاع العدد، إدارة القرآن کراچی)

جب قضاءً مغلظہ ہوگئی تو اب نہ رجعت جائز ہے نہ نکاح جائز ہے، بلکہ عدت پوری ہونے پر کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ شرع کے مطابق نکاح کرے اور پھر اگر وہ مرجائے یا طلاق دیدے تو زوجِ اول سے بعدعدت نکاح کرسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/ ۶/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۶/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم

سوال [۶۱۳۵] : ۱......ایک بیوہ کا عقدِ نکاح ان لوگوں نے- جو عرصۂ دراز سے اس بیوہ کے کھلانے پلانے کے ذمہ دار تھے- ایک شخص کے ساتھ اس کے باپ یعنی مسماۃ بیوہ کے خسر کی بغیر رضامندی کردیا تھا جس کو ہفتہ عشرہ گزر گیا۔ بیوہ کا خسر مذکور اسی روز سے ناخوش رہا اور اس کے لڑکے و دیگر لوگ اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتے رہے، اس پر باپ بیٹیوں میں جھگڑا ہوتا رہا۔ ایک روز لڑکے اپنے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کررہے تھے کہ مسماۃ بیوہ کا شوہر بھی وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنی زوجہ کے خسر کو رنجیدہ دیکھ کر اس کو دھمکانے کے خیال سے یوں کہا کہ ''اگر تم راضی نہیں ہوتے تو میں قصہ ہی ختم کیئے دیتا ہوں اور لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' تین بار کہا، پھر فوراً پشیمان ہوا، اس لئے کہ میری زوجہ مجھ سے خوش تھی اور میں بھی خوش تھا، لیکن غصہ میں غلطی سے کہہ دیا۔

۲......اب گزارش ہے کہ صورتِ مذکورہ میں نکاح و باہمی تعلق زوجین باقی رہا یا نہیں اور کوئی ایسی صورت نکل سکتی ہے جس سے عقدِ نکاح قائم رہے؟ اور مذکورہ بالا الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوئی اور نکاحِ ثانی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو کس صورت سے؟ اب اس کا خسر بھی راضی ہوگیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئول میں شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں۔ حلالہ کی صورت یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ عدت گزار کر باقاعدہ نکاح کرے اور وہ شخص صحبت کرے، پھر بقضائے الٰہی مرجائے یا طلاق دیدے تو پھر بعد عدت دوبارہ نکاح درست ہوگا، اس سے پہلے درست نہیں:

"وإن كـرر لفظ الطلاق، وقع الكل". در مختار: ۲/۷۱۰(۱)۔ "وينكح مبانته بما دون الثلث فى العدة، و بعدها بالإجماع، لا مطلقة بها: أى بالثلاث حتى يطأها غيره بنكاح نافذ وتمضى عدته". تنوير، درمختار: ۲/۸۲۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۶۱/۶/۲۶ھ۔

اگر تنہائی ہو چکی تھی، تو حسب تصریح مفتی صاحب طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی اور حلالہ ضروری ہوگا، اگر تنہائی نہیں ہوئی تھی تو پھر طلاقِ مغلظہ ان الفاظ سے نہیں ہوتی، حلالہ کی ضرورت نہیں، دوبارہ نکاح کرنا کافی ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

تین لفظوں سے تین طلاق

سوال [۶۱۳۲]: زید نے اپنی بیوی کو پہلے ایک طلاقِ بائن دے کر تھوڑی دیر کے بعد کہا "میری

---

(۱) (الدر المختار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الباب الثانى، الفصل الأول فى صريح الطلاق، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۴۵۴، كتاب الطلاق، الفصل الأول فى صريح الطلاق، رشيديه)

(۲) (تنوير مع الدر المختار: ۳/۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير: ۴/۱۷۶، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق ۳/۱۶۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "طلق غير المدخولة ثلاثاً، وقعن، وإن فرق، بانت بواحدة: أى إن فرق الطلاق بانت بطلقة واحدة". (تبيين الحقائق: ۳/۷۱، كتاب الطلاق، طلاق قبل الدخول، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۴/۲۹۸، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار: ۲/۱۷۱، كتاب الطلاق، فصل حكم من طلق امرأته قبل الدخول ثلاثاً، حقانيه پشاور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، الفصل الرابع فى الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

فلانی بیوی کو ایک دو تین طلاق دیا، بائن طلاق کیا" کیا اب وہ بغیر تحلیل عورت مذکورہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا طلاق واقع ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت مدخولہ ہے تو صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے رکھنا حرام ہے:

"الصريح يلحق الصريح والبائن، والبائن يلحق الصريح. الصريح ما لا يحتاج إلى نية، بائناً كان الواقع به أو رجعياً، اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

"طلاق دیا، دیا، دیا" سے کونسی طلاق واقع ہوگئی؟

سوال [۶۱۳۷]: زید نے غصہ میں کہا کہ "میرے سالے سے کہہ دینا کہ اپنی بہن کو رکھے، میں نے طلاق دیا، دیا، دیا"۔ اس کے بعد زید دوسرے مکان میں گیا، وہاں بھی عورتوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ "ہاں میں نے طلاق دیدیا"۔ تو اس صورت میں کون سی طلاق ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۲)، اب بغیر حلالہ کے اس کو رکھنا جائز نہیں (۳)، ہاں! اگر

---

(۱) (الدر المختار: ۳۰۶/۳، باب الكنايات، كتاب الطلاق، مطلب الصريح يلحق الصريح والبائن، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۸۳/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "إذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية ۳۵۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۶/۳، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج. آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح =

زید یہ کہے کہ میں نے طلاق دیا کے بعد جو دوسری اور تیسری مرتبہ لفظ ''دیا، دیا'' کہا ہے اس سے محض خبر یا تاکید مقصود ہے تو زید کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور ایک طلاق رجعی کا حکم لگایا جائیگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

''طلاق دیدی، دیدی، دیدی'' کا حکم، دیوبند وغیرہ کے فتاویٰ

سوال[۶۱۳۸]: ۱...... زید نے اپنی زوجہ کو حسبِ ذیل کلمات کہے: ''میں نے طلاق دیا، دیا، دیا''۔ ان کلمات سے کتنی طلاقیں اور کس نوع کی طلاق ہوئی؟

۲...... زید کی زوجہ نے کہا کہ مجھے فارغخطی دیدو، زید نے کہا کہ: ''اچھا نہیں مانتی، طلاق دیدی، دیدی، دیدی''۔ اب دریافت یہ ہے کہ کتنی طلاقیں ہوئیں؟

ضروری عرض: جواب میں جن مآخذ سے اخذ کیا جاوے ان سے بھی مطلع فرمایا جاوے تاکہ بوقتِ ضرورت اصل کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ جواب سے جلد سرفراز فرمایا جاوے۔

= زوجاً غیره﴾ وسواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۴/ ۴۰۳، کتاب الطلاق، فصل فی حکم الطلاق البائن، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۱) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنیت بالأولیٰ الطلاق وبالثانیة والثالثة إفهامها، صدّق دیانة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۵۶، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وكذا فی الدر المختار: ۳/ ۲۹۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۲۸۸، کتاب الطلاق، نوع آخر فی تکرار الطلاق وإيقاع العدد، الخ، إدارة القرآن کراچی)

"وفی کل موضع یصدق الزوج علیٰ نفی النیة یصدق مع الیمین". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۳۲۵، کتاب الطلاق، نوع آخر فی بیان حکم الکنایات، إدارة القرآن، کراچی)

(وكذا فی فتح القدیر: ۴/ ۷۳، کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں تین طلاق کا حکم دیا، تتمۂ امدادالفتاویٰ (۱)۔لفظِ ''طلاق'' اگر چہ ایک مرتبہ مذکور ہے لیکن اس کے ساتھ جولفظ ''دیا'' تین مرتبہ مذکور ہے وہ متعدی ہے جومفعول کو چاہتا ہے، جس طرح فاعل کو ہرفعل کے ساتھ ماننا ضروری ہے مفعول کوبھی اس صورت میں ماننا ضروری ہے، کسی فقہ کی کتاب میں اس کے خلاف نہیں دیکھا، ایسی حالت میں تتمۂ امدادالفتاویٰ پر قناعت اوراعتماد کافی ہے۔

۲.....یہ بھی نمبر:۱کی طرح ہے، اگرصرف فارغ خطی کا لفظ کلامِ زوج میں ہوتا ہے تو طلاق بائن واقع ہوتی ہے،هكذا في عزيز الفتاوىٰ: ۷/ ۱٤٤ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور، ۱۷/ ۸/ ٦٧ھ۔

جواب منجانب فرنگی محل لکھنئو عبد القادر صاحب۔

ھوالمصوب: عالمگیری میں ہے:''**زن راگفت: تُرا طلاق دادم، مردمان ملامت کردند، گفت: دیگر دادم، نه گفت: ویرا، ونه گفت: طلاق**، قال: "يقع إذا كان في العدة"(۳)۔

اوراسی کتاب میں ہے:

"ولو قالت: "**مراطلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن**" فقال: "**کردم، کردم،**

(۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''یہ زبان سے کہا ہے کہ''میں نے طلاق دے دی، دے دی، دے دی، کرو میرا کیا کرتی ہو، الخ'' دیکھا جائے کہ اس کا کیا مطلب تھا کہ گواب تک نہ دی تھی، مگر اب دے دی تب تو تین طلاق واقع ہوگئی بدون حلالہ تجدیدِ نکاح درست نہیں''۔(امداد الفتاویٰ، کتاب الطلاق، عنوان: ''طلاق دیدی، دیدی، دیدی، کرو میرا کیا کرتی ہو'' کا حکم، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال الشيخ عزيز الرحمن: " وہ فارغخطی صحیح ہوگئی اورطلاقِ بائنہ اس کی زوجہ پرواقع ہوگئی"۔(عزيز الفتاوىٰ: ۱/ ۴۹۲، كتاب الطلاق، فصل في الرجعة، دارالإشاعت كراچی)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في وقوع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية: ۱/ ۳۸۴، رشيديه)

کردم". تطلق ثلاثاً، وهو الأصح(۱)۔ "ولو قالت: "مرا طلاق ده، مرا طلاق ده، مرا طلاق ده"، فقال: "دادم، يقع واحدة"(۲)۔

پس صورتِ مسئولہ میں جبکہ شوہر نے اپنی زوجہ کے طلاق مانگنے پر تین مرتبہ کہا کہ طلاق دیدی تو طلاقِ مغلظہ ہو جائیگی، اسی طرح اگر اس نے زوجہ سے ازخود یہ کہا کہ طلاق دی، دی، دی، تو اس سے طلاقِ مغلظہ ہو جائیگی۔ واللہ اعلم۔

مہر عبدالقادر

نقل جواب از مولانا اعزاز علی صاحب، مفتی مدرسہ دالعلوم دیوبند:

تحریر جواب کے وقت تتمۂ ثانیہ امداد الفتاویٰ بھی میرے سامنے تھا، میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ سمجھ کر عرض کیا ہے، لفافہ ہوتا تو مفصل عرض کرتا ظاہر ہے کہ "دیدی" میں دینے کو بار بار کہہ رہا ہے، طلاق کا اعادہ نہیں کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایقاع کی تاکید کر رہا ہے، نہ کہ واقع (طلاق) کی تکرار، پس اس صورت میں چند طلاقیں کیونکر واقع ہونگی؟

رہی یہ بات کہ دیدینا فعل متعدی ہے اس کا مفعول محذوف نکالنا ہے تو فقہ اور اصول فقہ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ "إن أكلت" اور "إن أكلت طعاماً" کے احکام میں فرق ہے، حالانکہ "أكلت" متعدی اور اس کا مفعول بہ "طعاماً" ہی ہوسکتا ہے، اسی طرح "أنت طالق" اور "أنت طالق طلاقاً" میں فرق ہے، پس محذوف کو ملفوظ پر قیاس کرنا دشوار ہے، ہاں! اگر اصحابِ فتویٰ کی کوئی روایت اس میں ہو تو بلا کسی تاخیر کے عرض کردوں گا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، مگر تتبع کے باوجود مجھ کو اس بارہ میں روایت نہیں ملی۔

اعزاز علی عفی عنہ، ۳/شعبان/ ۶۷ھ، مسعود احمد عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۸۳، ۳۸۴، كتاب الطلاق، الباب الثاني في وقوع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۸۳، كتاب الطلاق، الباب الثاني في وقوع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

استفتاء مع جواب مرسل

مخدوم وحضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم!

صورتِ مسئولہ بالا میں مولانا اعزاز علی صاحب نے رجعی طلاق کا حکم دیا ہے، ان پورے فتووں کی نقلوں سے آگاہ کرکے آخری رائے معلوم کی تھی، جو جواب آیا اس کی نقل مرسل ہے، اس ناکارہ کو بھی تین طلاق کی وقوع میں تردد ہے، بظاہر ایقاع کی تائید مفہوم ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اگر مناسب ہوتو مولانا اعزاز علی صاحب سے خط وکتابت کرکے آخری رائے سے مطلع فرمائیں، یا اگر اختلاف ہوتو احقر کو مطلع فرمائیں۔ جس شخص کا یہ معاملہ ہے، اس کو کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

ابرارالحق ہردوئی، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ، مطابق ۱۱/ جولائی/ ۴۸ء۔

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج آپ کا دوسرا لفافہ ملا جس میں دیوبند کے جواب کی نقل بھی ہے اور دیوبند سے خط وکتابت کرکے آخری رائے دریافت کی گئی ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ کتبِ متداولہ متقدمہ معتبرہ کی نقل نہ یہاں کے فتویٰ میں ہے نہ دیوبند کے، اسی بناء پر یہاں کے فتویٰ میں تتمۂ امدادالفتاویٰ پر اعتماد کرکے حضرت تھانویؒ کی رائے نقل کردی گئی تھی، اگر اس سے قوی چیز کوئی ہوتی تو اس پر قناعت کی کیا ضرورت تھی، نوادر کا جزئیہ صریحہ بھی پیش کیا تھا:

”فیہ: أی فی مختصر الجزائیہ أیضاً ولو قالت: ”مرا طلاق کن“ فقال الزوج: ”کردم، کردم، کردم“، طلقت ثلاثاً، اھ“. فتاویٰ مجموع النوادر، قلمی ورق، ص: ٤٧٠۔

جو پہلے فتویٰ میں تھا، اگر آپ دیوبند بھیجتے وقت وہ بھی تحریر کردیتے اور پھر حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ کی رائے دریافت کرتے تو اَنسب تھا تاکہ جواب میں رداً قبولاً اس سے بھی تعرض فرماتے، اب اختلاف دیوبند اور تھانہ بھون کے فتویٰ میں ہوا اور لکھنو کا فتویٰ ثانی موید ہے، میری تحریر تو مدعیانہ نہیں، اس لئے مجھے اس خط وکتابت کا حق نہیں، آپ اگر مکرر مراجعت کریں تو مزید معلومات سے مجھے بھی مطلع کریں۔

میری گذشتہ رائے آپ کو پہلے سے معلوم ہے، اس میں حضرت تھانویؒ کی تحریر کی وجہ سے اضمحلال آیا،

اگرچہ کلیۃً بدلی نہیں، مگر حضرت کی رائے کے خلاف فتویٰ دینے کی ہمت نہیں، خاص کر جب کہ نص نہ ہو، مدار صرف رائے پر ہو۔ کانپور کا فتویٰ بھی دیوبند کے فتویٰ کے خلاف تھا۔ دیوبند کے اس فتویٰ میں رجعی کی تصریح نہیں، یہ آپ نے کہاں سے سمجھا کہ رجعی کا حکم دیا ہے، کیا آپ نے نقل میں اختصار کیا ہے، یا چند طلاق کی نفی سے سمجھا ہے۔ فقط۔ والسلام۔

ان سب تحریرات کی نقل مجھے بھی درکار ہے۔

محمود حسن غفرلہ، ۵/۹/۶۷ھ۔

''ایک طلاق دی، ایک طلاق دی، ایک طلاق دی'' سے کتنی طلاق ہوئی؟

سوال[۶۱۳۹]: ایک شخص نے اپنی بیوی کی نااتفاقی کی وجہ سے چند مرد وعورتوں کے مجمع میں اسے یوں کہا کہ ''میں تجھ کو ایک طلاق دی، میں تجھ کو ایک طلاق دی، میں تجھ کو ایک طلاق دی'' اس قسم سے تین چار دفعہ کہا، فوراً اس نے اس محلے کے ایک مولوی شبیر صاحب سے یہ واقعہ اس مجمع میں بیان کیا، مولوی صاحب نے گواہ وغیرہ سے تحقیق کر کے ایک طلاق رجعی کا حکم دیا، پھر اس نے پردیسی دو عالم معتبر کے پاس جاکر اس واقعہ کو بیان کیا مگر وہ دونوں مولوی صاحب نے تین طلاقِ بائن مغلظہ کا فتویٰ دیا۔

پھر اس نے اس مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ کر کے ایک ثالث مولوی صاحب امین کو فیصل (پنچ) لیا، امین صاحب نے مولوی شبیر سے پوچھا: بھائی! آپ نے طلاق رجعی کا حکم کیوں دیا؟ اس نے اپنی دلیل پیش کی، پھر امین صاحب نے ان دونوں معتبر عالم صاحبان سے پوچھا: بھائی! آپ حضرات نے تین طلاقِ مغلظہ کا حکم وفتویٰ کس طرح دیا، ان دونوں مولوی صاحبان نے جواب دیا کہ اس نے خود جاکر ہمارے پاس تین طلاق کو بیان کیا، لہٰذا ہم نے وہ حکم دیا، لیکن طالق اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے عندالواقعہ بھی تین دفعہ تجھ کو میں ایک طلاق دی یا چار دفعہ کہا اور آپ حضرات کے نزدیک بھی اس طرح کہا اور کہتا ہے عندالواقعہ بھی اور آپ حضرات کے پاس بھی تین طلاق نہیں کہا فقط ''ایک طلاق دی، ایک طلاق دی'' کہا۔

امین صاحب دو معتبر مولوی صاحب کا بیان سنتے ہی حیران وپریشان ہوا، چونکہ ادھر کے عالم معتبر حقانی ادھر ایک جاہل جاویدانی، تاہم امین صاحب نے شبیر کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دیا اور بہت دعائے خیر دی، چونکہ اس کا جواب واقعہ کے مطابق ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مولوی شبیر صاحب اور امین صاحب حق

پر ہیں یا وہ دونوں معتبر عالم صاحبان؟ بینوا توجرا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئلہ میں قضاءً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اگر شوہر کی نیت یہ تھی کہ پہلے لفظ سے طلاق دے رہا ہوں اور دوسرے تیسرے لفظ کو فقط تاکید وتفہیم کے لئے ذکر کیا اور طلاق کی نیت ہرگز نہیں تھی تو دیانۃً اس کی نیت معتبر ہے، مگر قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی:

”رجلٌ قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيت بالأولىٰ الطلاق، وبالثانية والثالثة إفهامها، صدّق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً، كذا في فتاوىٰ قاضيخان. متىٰ كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق، وإن عنى بالثاني الأول، لم يصدق في القضاء“. الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۰(۱)۔ ”كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوىٰ التأكيد دين، ووقع الكل قضاءً. كذا إذا أطلق -أشباه-: أي بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد“. درمختار، شامی: ۱/۷۱۰(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

بیوی کو ”ایک، دو، تین“ کہنا

سوال[۶۱۴۰]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے کچھ اَن بَن ہونے پر اس کی مار پیٹ کی، بعدہ یہ کہا کہ ”ایک، دو، تین“۔ اس کے کچھ دیر بعد زید اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اس کو اس کے میکہ پہونچا دو، اس کی ماں نے کہا کہ اچھا کل پہونچا دوں گی۔ اس واقعہ کے تین روز گذرنے کے بعد ہندہ کا والد کسی ضرورت سے ہندہ کے گاؤں میں پہونچا تو اس کو وہاں کسی آدمی کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی، ہندہ کے والد نے زید کو تخلیہ میں بلا کر گفتگو

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، قبيل باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۹، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

کی اور پوچھا کہ تم نے ہندہ کو طلاق دیدی تو زید خاموش ہوگیا، پھر اصرار کرنے پر زید نے ''ہاں'' کہا ''بات کلیر ہے''۔ تو اب حکمِ شرع کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ ''ایک، دو، تین'' اصالۃً طلاق کے لئے موضوع نہیں بلکہ گنتی کے لیے موضوع ہے جس سے طلاق کی گنتی بھی مراد لیجاتی ہے اور غیر طلاق کی بھی اور عامۃً تو اس کا معدود بھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی قرینۂ مقام کے لحاظ سے صرف ذکرِ عدد پر کفایت کی جاتی ہے، معدود کو مخاطب بغیر ذکر کئے سمجھ جاتا ہے۔ اور کبھی یہ کسی کام کو پختہ کرنے اور انتہا تک پہونچانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً نیلام کی جب بولی ختم کرنا ہوتو ایک دو تین بول دیتے ہیں، یا کسی کام کو شروع کرنے کے لئے ایک دو تین بول دیتے ہیں۔

پس اگر زید نے اس لفظ ایک دو تین سے یہ مراد لیا ہے کہ میں نے بیوی کو ایک دو تین طلاق دیدی تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی اور ایسا کہنے کے بعد بیوی کو میکہ بھجوادینا اور خسر کے باصرار دریافت کرنے پر کہ کیا تم نے ہندہ کو طلاق دیدی الخ، یہ کہنا کہ ''ہاں، بات صاف کلیر ہے'' یہ قرینہ ہے کہ زید کی مراد طلاق ہی ہے بلکہ خسر کو جو کچھ جواب دیکر اقرار کیا اس سے تو مراد واضح ہوگئی:

''لو قال لامرأته: أنت مني ثلاثاً، قال ابن الفضيل: إذا نوىٰ، يقع. ولو قال: أنت مني ثلاثاً، طلقت إن نوىٰ، أو كان في مذاكرة الطلاق. (قوله: بثلاث) دل علىٰ عدد طلاق مقدّر نواه المتكلم، اهـ''. شامي: ۴۴۸/۲، قبل طلاق غير المدخول بها بثلاثة أوراق(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۴/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۴/۸ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/ ۲۷۵، ۲۷۶، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلبٌ: قول الإمام: إيماني كإيمان جبريل، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۷، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۷۸، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار وترك الإضافة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ۳/۴۴۱، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيدية)

''ایک، دو، تین'' سے طلاق

سوال[۶۱۴۱]: ایک شخص اپنی بیوی کو لینے کے لئے اپنی سسرال میں گیا اور جا کر بیوی کو لے جانے کا تقاضہ کیا، لڑکی کے والدین نے کہا کہ شعبان کا چاند دیکھتے ہی فوراً لیجانا، بہت جدوجہد ہوئی، شوہر مذکور نے کہا کہ اس وقت لے جاؤنگا ورنہ میں اور کچھ کہہ دونگا، خسر نے کہا کیا کہے گا کہہ دے، شوہر مذکور نے فوراً کہا: ''ایک دو تین'' نہ جانے طلاق دی، فوراً اپنا تھیلا اور بکس طلب کر کے چلا گیا۔ تو ایسے لفظوں سے طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں؟

جو کچھ احادیث وغیرہ سے ثابت ہے تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''ایک، دو، تین'' سے بھی اگر طلاق ہی مراد ہے تو طلاق مغلظہ ہوگئی (۱)، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا (۲)۔ اگر یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فوراً ابھی بغیر کسی انتظار یا تاخیر کے میں نے طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، اس کا حکم یہ ہے کہ عدت تین ماہواری گذرنے سے پہلے اپنی دی ہوئی طلاق واپس لے سکتا ہے (۳)، اگر طلاق واپس نہ لی تو عدت ختم ہونے پر بائنہ ہو جائیگی، پھر دونوں کی رضا

---

(۱) "لو قال لامرأته: أنت مني ثلاث، قال ابن الفضيل: إذا نوى، يقع. ولو قال: أنت مني ثلاثاً، طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. (قوله: بثلاث دل) على عدد مقدّر نواه المتكلم". (ردالمحتار: ۲۷۵/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب في قول الإمام: إيماني كإيمان جبريل، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه: ۲۷۵/۳، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في منحة الخالق على البحرائق: ۴۴۱/۳، باب الطلاق، رشيديه)

(۲) "وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ وسواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً". (بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "إذاطلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض".=

مندی سے دوبارہ نکاح درست ہوگا (۱)۔طلاق واپس لینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/شعبان/۸۸ھ۔

''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم

سوال[۶۱۴۲]: زید و عمر سالے بہنوئی ہیں، دونوں کے درمیان خانگی معاملہ میں جھگڑا ہوتا رہا، زید کو بے حد غصہ آ گیا جو جنون کی حد سے گذر گیا، یہاں تک کہ اچھے بُرے کی تمیز باقی نہ رہی اور زید نے کہا: ''تو پھر اچھا طلاق، طلاق، طلاق''۔زید نے نہ اپنی بیوی کو مخاطب کیا، نہ بیوی کا نام لے کر کہا اور نہ ''دیا'' کا لفظ کہا، پس طلاق تین بار کہا، زید کی بیوی عمر کی دور کے رشتہ کی بھانجی ہوتی ہے۔مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ شوہر نے نہ بیوی کا نام لے کر کہا اور نہ ''دیا'' کا لفظ کہا بس تین مرتبہ کہا ہے، لیکن طلاق اپنی

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، باب الرجعة، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "والثاني: الطلقة الواحدة البائنة، والثنتان البائنتان، ويختلف حكم كل واحد من النوعين .... فإن كانا حرين، فالحكم الأصلي لمادون الثلاث من الواحدة البائنة والثنتين البائنتين هو نقصان عدد الطلاق، وزوال الملك أيضاً، حتى لايجوزله وطؤها إلا بنكاح جديد". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "فالسني أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين، ويعلمهما بذلك". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۸، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۵۹۴، كتاب الطلاق، مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۵۰، ۱۵۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۳۹۱، كتاب الطلاق، فصل في بيان ماهية الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

بیوی ہی کو دی جاتی ہے کسی غیر کو نہیں اور یہاں تو بیوی کا تذکرہ بھی ہے اور اس کی برائی سن کر اس سے متاثر ہو کر طلاق دی ہے، طلاق کے لئے نہ ''دیا'' کی ضرورت نہ ''دی'' کی، نہ بیوی کو خطاب کی، نہ اس کا نام لینے کی، بغیر ان سب باتوں کے بھی آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اور دیتا ہے اور طلاق واقع ہو جاتی ہے (۱)۔ اور تین مرتبہ کہنے سے طلاقِ مغلظہ ہو جاتی ہے، اب بغیر حلالہ کے اس کو رکھنا درست نہیں، اس کو چاہیئے کہ عدت گذار کر دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرے (۲)۔

خانگی جھگڑے میں غصہ آہی جاتا ہے اور بحالتِ غصہ ناشائستہ الفاظ بھی زبان سے نکل جاتے ہیں، بڑوں کا احترام بھی ختم ہو جاتا ہے، چھوٹوں پر شفقت بھی باقی نہیں رہتی، کسی پر دست درازی کی بھی نوبت آجاتی ہے، ان چیزوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کو جنون ہو گیا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۱۳۸۵ھ۔

ایضاً

سوال [۶۱۴۳]: میری (محمد ھارون) شادی اختر علی کی دختر سے ہوئی ہے، صفدر علی میرا حقیقی سالا ہے، صفدر علی کی شادی شیخ عالم کی دختر سے بعوض دینِ مہر گیارہ سو روپے اور ایک اشرفی پر ہوئی ہے، میں بحیثیت گواہ کے مندرجہ ذیل بیان دیتا ہوں کہ: ''یہ شوہر کام کرنے کھیت پر گیا تھا، صفدر علی کی بیوی قمر النساء کہتی ہے کہ جب وہ دوپہر کے وقت گھر آئے تو ان کی بیوی قمر النساء کھانا لائی تو دال صبح کی پکی ہوئی تھی، اس پر انھوں نے کہا کہ دال باسی ہے، محمد ہارون مذکور نے کہا کہ یہ دال صبح کی پکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد قمر النساء چلی گئی، اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد صفدر علی نے میرے سامنے لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق''۔ کہا، لہٰذا آیا بیوی قمر النساء کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) ''ولا یلزم کون الإضافة صریحة فی کلام لما فی البحر: لو قال: طالق، فقیل له مَن عنیت؟ فقال: امرأتی، طلقت امرأته .... ؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها، لابطلاق غیرها''.

(ردالمحتار: ۳/۲۴۸، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلبٌ: سن بوش، یقع به الرجعی، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۴۴۲، باب الطلاق، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''ایک دو تین'' سے طلاق''۔)

الجواب حامداًومصلیاً:

آدمی طلاق اپنی بیوی کو ہی دیا کرتا ہے، کبھی صراحتاً اس کی طرف نسبت کردیتا ہے مثلاً: یہ کہ میں نے اپنی بیوی ہی کو طلاق دی ہے، کبھی نہ بیوی کی طرف صراحتاً نسبت کرتا ہے، نہ اپنی طرف طلاق دینے کو منسوب کرتا ہے، بلکہ صرف ''طلاق دی، یا طلاق'' کہہ دیتا ہے اور تصور یہی ہوتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیوی کو طلاقن کہہ کر پکارتا ہے تو اس سے بھی طلاق ہوجاتی ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص یہ لفظ کہے کہ ''طلاق دیدی'' اور اس کا تصور یہ نہ ہو کہ میں نے اپنی بیوی کو دیدی بلکہ تصور یہ ہو کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو شرعاً اس کی نیت معتبر ہوگی (۱)۔ اور اس کا قول قسم کے ساتھ صحیح مانا جائے گا (۲)۔

"صريحه ما لم يستعمل إلا فيه كطلقتك وأنت طالق ومطلقة، قيّد بخطا بها؛ لأنه لو قال: إن خرجت يقع طلاق، أو: لا تخرجي إلا بإذني، فإني حلفت بالطلاق، فخرجت، لم يقع لتركه إلا ضافة إليها، اهـ". درمختار۔ "(قوله: لتركه الإضافة): أي المعنوية، فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية، وكذا الإشارة نحو: هذه طالق، وكذا نحو: هذه طالق، وكذا نحو: امرأتي طالق وزينب طالق، اهـ.

ولا يلزم كون الإضافة صريحةً في كلام لما في البحر: لوقال: طالق، فقيل له: من عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته. لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدّق. ويفهم منه أنه لو لم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما

(۱) "رجل قال: طلقت امرأةً، أو قال: امرأة طالق، ثم قال: لم أعن امرأتي، يصدّق". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۸، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۵، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۲۸۰، إيقاع الطلاق بطريق الإضمار وترك الإضافة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وفي كل موضع يصدق الزوج علىٰ نفي النية يصدق مع اليمين". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۲۵، نوع آخر في بيان حكم الكناية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۷۳، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها، اه". ردالمحتار: ۲/ ۵۹۰(۱)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی نے کھانا سامنے لاکر رکھا، دال کی صورت دیکھ کر شوہر کو غصہ آیا، ظاہر ہے کہ وہ غصہ بیوی ہی پر تھا کسی اَور پر نہیں، اس ہی غصہ سے متاثر ہو کر تین مرتبہ طلاق کہا ہے، وہ بھی ظاہر ہے کہ بیوی ہی کو کہا، نہ کسی اَور کو طلاق دی ہے، نہ دے سکتا ہے، نہ کسی کی طلاق کا واقعہ نقل کر رہا ہے، لہٰذا بیوی پر تین طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۹/ ۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے، اگر واقعہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا سوال میں مذکور ہے تو تین طلاقیں واقع ہونے میں شبہ نہیں۔

بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی۔

''جیسے ایک مرتبہ کہا، ویسے ہی تین مرتبہ، ہزار مرتبہ'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۱۴۴]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کسی بات پر بگڑتے ہوئے یہ کہا کہ ''میں نے تم کو طلاق دی، تم جاؤ اپنے گھر''۔ اس کے جواب میں ہندہ نے یہ کہا کہ جب تک چار پانچ نہ آجائیں گے، میں نہ جاؤں گی، اس پر زید اپنی ایک عزیزہ کے گھر گیا اور اپنی عزیزہ کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ: ''میرے مکان پر چلو اور میری بیوی کو میرے گھر سے بھیج دو، میں اس کو طلاق دے آیا ہوں اور قصہ ختم کر آیا ہوں'' اس پر زید سے پوچھا کہ تو نے کیا کہا؟ اس پر زید نے کہا کہ ''میں نے یہ کہا: تجھ کو طلاق دیا''۔ جس پر اس کی عزیزہ نے کہا کہ ایک مرتبہ طلاق دینے سے نہیں ہوئی، جا اپنے گھر۔

اب اس کا جواب جو زید دیتا ہے اس میں اختلاف ہے، زید کہتا ہے کہ میں نے اپنی عزیزہ کے اس فقرہ پر ''ایک مرتبہ طلاق دینے سے نہیں ہوئی جا اپنے گھر بیٹھ''۔ یہ کہا کہ ''تین چار دفعہ کی ضرورت ہے''۔ بس صرف اتنا کہا اور ہندہ اور ورثائے ہندہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی عزیزہ سے یہ کہا کہ: ''جیسے ایک مرتبہ کہا، ویسے ہی تین

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۲۴۷، ۲۴۸، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب: سن بوش، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۴۴۲، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

مرتبہ، ویسے ہی ہزار مرتبہ''۔اس اختلاف بیان پر خاندانِ عزیزہ کے دو مردوں نے اپنی عزیزہ سے جا کر دریافت کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟اس پر اس عزیزہ نے ورثائے ہندہ کی، تائید کی اس پر ان عزیزان نے زید کو اس عزیزہ کے مکان پر بلایا اور عزیزہ کے بیان کو زید کی موجودگی میں دہرایا۔

دریافت کیا کہ تین اشخاص جو وہاں پر موجود تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے انہی الفاظوں میں کہنے کا اقرار کیا جو عزیزہ نے نقل کیا ہے۔ایسی صورت میں ہندہ زید کی بیوی کو طلاق واحدہ رجعی واقع ہوگی یا بائنہ یا طلاقِ مغلظہ؟

الجواب حامداًومصلياً:

صورتِ مسئلہ میں ایک طلاقِ رجعی تو بالیقین واقع ہوگئی بلفظ صریح (۱) اور بلفظ ''تم جاؤ اپنے گھر'' سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو اس سے دوسری طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر نیت نہ کی تو واقع نہیں ہوئی (۲)۔ ہندہ جن الفاظ کو زید کی طرف منسوب کرتی ہے اور زید اس کا منکر ہے وہ اس امر میں صریح نہیں کہ زید نے تین مرتبہ

---

(۱) ''(صریحه مالم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك، وأنت طالق، و مطلقة، يقع بها واحدة رجعية)''. (الدر المختار: ۲۴۷/۳، ۲۴۸، ۲۴۹، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۴، باب إيقاع الطلاق، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲۶۰/۳، كتاب الطلاق، الفصل الرابع فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ''وفي شرح الطحاوي: وأما مدلولات الطلاق فهو مثل قوله: اذهبي .... و الحقي بأهلك، وحبلك على غاربك، لا سبيل لي عليك .... إذا نوى الطلاق بهذه الألفاظ يقع بائناً، وإن نوى الثلاث كان ثلاثاً .... وإن قال: لم أرد به الطلاق، أو لم تحضره النية، لا يكون طلاقاً''. (الفتاوى التاتارخانية: ۳۱۵/۳، الكنايات، إدارة القرآن)

''وروي أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تزوج امرأةً، فرأى في كشحها بياضاً، فقال لها: ''الحقي بأهلك''. وهذا من ألفاظ الكنايات''. (بدائع الصنائع: ۲۴۶/۴، كتاب الطلاق، فصل في ألفاظ الكناية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۳۵۸/۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

طلاق دی ہے یا تین کا اقرار کیا ہے، لہٰذا اگر ان الفاظ کے کہنے کا شرعی ثبوت ہو یا کم از کم دو عادل مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ موجود ہوں جن کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تب بھی ان الفاظ سے تین طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہے اور زید جب کہ ان الفاظ ہی کا منکر ہے تو نیت کا درجہ بہت مؤخر ہے، اس کا علم زید ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۰/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رمضان/۶۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان/۶۲ھ۔

سو طلاق

سوال[۶۱۴۵]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ ''دنیا تو ایک دفعہ طلاق دیتی ہے اور میں سو دفعہ طلاق دیتا ہوں''۔ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور کیسی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

محمد صدیق دتوی مغل، غلام عباس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان الفاظ سے بیوی کو طلاق دینے کے لئے خطاب کیا ہے اور یہ الفاظ حال کے لئے مستعمل ہوتے ہیں تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ويقع بها: أي بهذه الألفاظ و ما بمعناها من الصريح .... أي مثل ما سيذكره من نحو: كوني طالقاً، واطلقي، ويامطلقة -بالتشديد-، وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك". (رد المحتار: ۲۴۸/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۳۹/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۷/۴، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"لأن المضارع حقيقة في الحال مجاز في الاستقبال كما هو أحد المذاهب، قيل: بالقلب، =

سات طلاق کا حکم

سوال[۶۱۴۶]: ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے ایک مجلس میں بحالتِ غصہ کہا کہ ''تُو میرے اوپر ساتھ طلاق سے حرام، تُو میرے اوپر سات طلاق سے حرام، تُو میرے اوپر سات طلاق سے حرام''۔ اس شخص مذکور کے لئے مطلقہ بمسلکِ حنفیہ کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟ بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئلہ میں تین طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے رکھنا حرام ہے: "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية، اهـ". فتاوی عالمگیری: ۱/۴۷۳(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سات طلاق

سوال[۶۱۴۷]: ایک شخص مسمی زید نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو کہا کہ ''فلاں شخص مسمی بکر کی بیٹی ہندہ (بکر زید کا سسر، بکر کی بیٹی ہندہ زید کی زوجہ ہے) حرام ہے''۔ پھر دو گواہوں کے روبرو یہ بھی اقرار کیا کہ ''میں

= وقيل: مشترك بينهما، وعلى الاشتراك يرجع هنا إلى إرادة الحال بقرينة كونه إخباراً عن أمر قائم في الحال .... و قدمنا أنه لو تعورف، جاز، و مقتضاه أن يقع به هنا؛ لأنه إنشاء لا إخبار". (رد المحتار: ۳/۳۱۹، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۲۶، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲۱، ۴۲۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۱۷۷، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

نے اپنی زوجہ ہندہ کو سات طلاق''۔ کہا اب نادم اور مستفتی ہے کہ کیا ہندہ واقعی مجھ پر حرام ہوگئی؟ اب دوبارہ رجوع کی بھی کوئی صورت ہے؟ بینوا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں زید کی زوجہ ہندہ پر شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، اب رجوع یا تجدیدِ نکاح کافی نہیں، اگر دوبارہ ہندہ کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے حلالہ ضروری ہے، یعنی عدت گزار کر ہندہ کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ شریعت کے موافق نکاح کرلے اور وہ شخص ہندہ سے جماع کرنے کے بعد اگر طلاق دیدے یا مرجائے تو پھر بعد عدت ہندہ کا نکاح زید سے درست ہوگا، بغیر اس کے درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک طلاق کے بعد پھر تین طلاق

سوال[۶۱۴۸]: زید آوارہ اور بدمعاش ہے، ہندہ زوجہ کو مارتا پیٹتا ہے، ایک مرتبہ غصہ میں کہا کہ ''تو رنڈی ہے، رنڈی میں نے تجھے طلاق دیدی ہے''۔ اس کے بعد چاقو لے کر دوڑا، ہندہ جان بچا کر اپنے باپ کے گھر آگئی، عرصہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ میں اچھی طرح رکھوں گا، اس کے بعد گالی گلوچ کرنے لگا اور پھر کہا کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں''۔ پس تین بار کہہ کر چلا گیا۔ لہٰذا اب میں دوسری شادی کرسکتی ہوں یا نہیں؟

---

(۱) "رجل قال لامرأته: ''ہزار طلاق تو یکی کردم''، قالو: یقع الثلاث، کأنه قال: طلقتک ثلاثاً بدفعة واحدة".

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۵۴، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۲۷۵، کتاب الطلاق، فیما یرجع إلی صریح الطلاق، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۸۰، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسیة، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی دفعہ ایک طلاق دی تھی تو اس وقت واقع ہوگئی تھی، پھر اگر رجوع نہیں کیا تو اس وقت سے تین حیض ختم ہونے پر عدت ختم ہوگئی، اگر پہلی طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کرلیا تھا یعنی زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی، یا کوئی ایسا کام کرلیا تھا جو شوہر بیوی کیا کرتے ہیں تو رجعت صحیح ہوگئی (۱)۔ اس کے بعد جب دوسری دفعہ تین طلاق دیدی تو تعلقِ زوجیت بالکل ختم ہوگیا، اس کے بعد تین حیض گزرنے پر آپ کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا شرعاً حق حاصل ہوگیا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

غیر مدخولہ کو تین طلاق

مع جواب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال[۶۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں کہ:

---

(۱) "هي استدامة القائم في العدة، و تصح في العدة إن لم يطلق ثلاثاً ولو لم ترض، براجعتک أو راجعت امرأتي، و بما يوجب حرمة المصاهرة". (البحر الرائق: ۸۲/۴، ۸۵، کتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

"إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلک أو لم ترض. والرجعة إما أن تكون بالقول مثل: (أن يقول: راجعتک، أو) بالفعل مثل أن يطأها أو يلمسها أو يقبلها بشهوة". (اللباب في شرح الكتاب: ۱۸۰/۲، کتاب الطلاق، کتاب الرجعة، ايچ ايم سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۹۵/۴، كتاب الطلاق، فصل في ركن الرجعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الدر المختار: ۳۹۸/۳، ۳۹۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "وأما حكمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة في الرجعي، وبدونه في البائن .... و زوال حل المناكحة متى تم ثلاثاً، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۲۰/۲، ۴۲۱، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، امداديه ملتان)

(وكذافي فتح القدير: ۱۷۷/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

ایک شخص محمد تسلیم کا نکاح بیوی عمرانہ نابالغہ سے ہوا تھا، اب عمرانہ خاتون موصوفہ بالغہ ہے، اس کی رخصتی کی تیاری ہورہی تھی، اس اثناء میں محمد تسلیم کا نکاح جو کہ معمولی پڑھا لکھا ہے اسی گاؤں کے ایک آدمی مسمی عبد السلام نے خفیہ طور سے رات کے ۱۱، ۱۲/ بجے چار آدمی جمع ہو کر اپنے ایک رشتہ دار عورت مسماۃ عمہ خاتون سے مہر فاطمی پر لڑکی کی عدم موجودگی میں کرادیا اور یہ اس میں طے کیا کہ اس نکاح کا اعلان جب تک پہلی بیوی عمرانہ خاتون موصوفہ کی رخصتی نہ ہو جائے، نہ کیا جائے۔ یہ چاروں نوجوان تھے، ان ہی چاروں میں ایک قاضی بن گیا، دو گواہ ہوئے اور ایک نوشاہ۔

اس نکاح کے بعد محمد تسلیم اور اس کی اس نئی منکوحہ بیوی کے درمیان یکجائی (خلوت صحیحہ) بھی ہوئی، لیکن دو چار روز کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی، ظاہر ہونے پر محمد تسلیم کے والد اور ان کے رشتہ دار اور پہلی بیوی عمرانہ خاتون موصوفہ کے والدین پر بہت اثر پڑا، بالخصوص تسلیم کے والد تسلیم سے بہت ناراض تھے، اس بات کی تحقیق شروع ہوئی۔ اس ثانی نکاح کے بعد جب بات ظاہر ہوگئی تو عبدالسلام مذکور کو جس نے یہ سازش کر کے یہ نکاح کرایا تھا پریشانی لاحق ہوئی، تب اس نے ایک شرط نامہ لکھ کر جس میں نکاح کی تاریخ ڈلوا کر محمد تسلیم سے دستخط کرالیا، اس کے بعد ان تمام حالات کی بنا پر محمد تسلیم کو احساس ہوا، تب اپنے والد کو اور چند سمجھدار رشتہ داروں کو بلکہ دوسرے گاؤں میں ایک رشتہ دار کے یہاں جمع ہوئے۔ محمد تسلیم اپنے والد کے سامنے اور تمام رشتہ داروں کے سامنے بہت نادم تھا، اس لئے کہ عمہ خاتون کے متعلق محمد تسلیم کو یہ بات تحقیقی طور پر معلوم ہوئی کہ وہ بدچلن ہے۔

اب محمد تسلیم کو اصرار تھا کہ پہلی بیوی عمرانہ خاتون نکاح میں رہ جائے اور دوسری بیوی عمہ خاتون پر طلاق پڑ جائے، چنانچہ محمد تسلیم کو یہ بھی کہا گیا کہ اس شرط نامہ کی رو سے جس پر تم نے دستخط کیا ہے پہلی بیوی عمرانہ خاتون کا زوجیت میں رہنا مشکل ہے اس لئے اگر ثانی بیوی عمہ خاتون ہی تم کو پسند ہے تو پہلی بیوی عمرانہ خاتون کو طلاق دیدو، اور دوسری کو اپنی زوجیت میں رکھ لو، اس پر محمد تسلیم دو تین آدمیوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک تحریر لکھ کر چند گواہوں کے دستخط کے ساتھ اپنے والد اور چند دوسرے رشتہ دار جو دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے بھجوادیا، جس میں عمہ خاتون کو طلاق دیا تھا، دونوں تحریری شرائط نامہ اور طلاق استفتاء ہذا کے ساتھ منسلک ہیں۔

(الف) اب سوال یہ ہے کہ دوسری بیوی عمہ خاتون کے طلاق نامہ منسلک ہذا سے پہلی بیوی عمرانہ خاتون کو جس کی رخصتی یا کسی قسم کی یکجائی اپنے شوہر سے نہیں ہوئی ہے، طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کس قسم کی طلاق پڑی؟

(ب) پہلی بیوی عمرانہ خاتون کو کوئی صورت زوجیت میں رکھنے کی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد طیب، ساکن موضع چلمل، پوسٹ بارا ہلٹر، ضلع بھاگلپور، ۲۱/ مارچ/ ۱۹۶۸ھ۔

الجواب نمبر: ۴۶۲۷: تحریری طلاق نامہ کے بموجب عمہ خاتون بنت عبدالرشید پر تین طلاق ہوگئی ہیں، اب بلا حلالہ محمد تسلیم کا اس سے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اور شرائط نامہ نکاح ثانی کے بموجب حاجی انیس احمد کی چھوٹی صاحبزادی کو ایک طلاق ہوئی، اس سے نکاح ہوسکتا ہے، بلا نکاح رجعت نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ العبد الفقیر محمد میاں۔

۷/محرم الحرام ۱۳۸۸ھ، ۱۶/ اپریل ۱۹۶۸ء مہر

نقل شرائط نامہ نکاح ثانی

''میں محمد تسلیم پسر شیخ اسعد علی، ساکن پورائین، تھانہ بونسی، ضلع بھاگل پور اقرار کرتا ہوں کہ حسب ذیل شرائط پر عمل کروں گا: میری دوسری شادی جو عمہ خاتون بنت شیخ عبدالرشید عظمت پور کے ساتھ ہوئی، اگر ہم دوسری بیوی کے ساتھ کسی قسم کی بدعنوانی سے پیش آؤں یا بے حرمتی کروں، مثلاً کسی کے دوبارہ بہکانے سے یا راضی خوشی سے بھی طلاق دوں تو پہلی بیوی یعنی حاجی انیس احمد صاحب کی چھوٹی صاحبزادی کو طلاقِ مغلظہ ہوجائے اوپر لکھے ہوئے شرطوں کا میں اقرار کرتا ہوں، یہ مضمون پڑھ کر سمجھ بوجھ لیا''۔

محمد تسلیم احمد، ساکن پورائین، بقلم خاص، ۶۸/۲/۸ھ۔

نقل طلاق نامہ

''میں محمد تسلیم احمد ولد شیخ اسعد علی، پورائین، تھانہ بانکا، ضلع بھاگلپور اس بات کو تحریر میں لانے کیلئے مجبور ہوں کہ بی بی عمہ خاتون بنت عبدالرشید، ساکن عظمت پور، تھانہ بانکا، ضلع بھاگلپور جس کی شادی میرے ساتھ

عبدالسلام ساکن پورائن والے نے بہت ہی چاپلوسی دھوکا دہی سے مجھ کو غفلت میں رکھ کر میرے ساتھ کرایا، اب جب کہ ہم پر یہ راز کھلتا ہے کہ شادی سے قبل لڑکی موصوفہ کا چال چلن نہایت خراب ہے اور نا قابلِ برداشت ہے اور شادی کے بعد بھی اس کے خراب چال چلن کی جانکاری وثبوت ہم کو ملے ہیں، ایسی حالت میں نہایت ہی لاچار ومجبور ہوکر ( ) کے چال چلن خراب ہونے کی بنا پر تین طلاقِ مغلظہ دیا''۔

محمد تسلیم احمد، ۲۰/ فروری/ ۶۸ء۔

''محمد تسلیم نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے'': دستخط گواہ: محمد مظہر حسین، محمد صدیق حسن، محمد طیب۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ہر دو مسلکہ طلاق نامے دیکھے: ایک تنجیز ہے دوسرے میں تعلیق ہے اور دونوں میں طلاقِ مغلظہ کا لفظ مذکور ہے، لہٰذا دونوں پر طلاقِ مغلظہ ہوگئی، طلاقِ مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے، بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اس مسئلہ کے لئے فقہاء کی عبارت پیش کرتا ہوں، یہ فتویٰ بھیج دیں جہاں سے اس کے خلاف آپ کے پاس جواب آیا ہے، پھر جو کچھ وہ تحریر فرمادیں اس سے مطلع کریں:

"قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً، وقعن، لما تقرر أنه متى ذكر العدد كان الوقوع به، و ماقيل من أنه لا يقع لنزول الآية في الموطوءة باطلٌ محضٌ. منشأه الغفلة عما تقرر أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. وحمله في غرر الأذكار على كونها متفرقةً، فلا يقع إلا الأولى، وإن فرق بانت بالأولىٰ، ولم تقع الثانية، بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل" . در مختار بحذف يسير۔

"(قوله: و ما قيل) رد على ما نقله في شرح المجمع عن كتاب المشكلات، وأقره عليه حيث قال: و في المشكلات: من طلق امرأته الغير مدخول بها ثلاثاً، فله أن يتزوجها بلا تحليل، و أما قوله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ ففي حق المدخول بها، اهـ. ووجه الرد: أنه مخالف للمذهب؛ لأنه إما ان يريد عدم وقوع الثلاث عليها، بل تقع واحدة كما هو قول الحسن وغيره، وقد علمت رده، أو يريد أنه لا يقع شئ أصلاً، وعبارة الشارح تحتمل الوجهين، لكن كلام الدرر يعيّن الأول. أو يريد وقوع الثلاث مع عدم

اشتراط المحلل.

وقد بالغ المحقق ابن الهمام فی رده حيث قال فی باب اٰخر الرجعة: لا فرق فی ذلك: أی اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولاً بها أولا، لصريح إطلاق النص، وقد وقع فی بعض الكتب أن غير المدخول بها تحل بلا زوج، و هو زلةٌ عظيمةٌ مصادمةٌ للنص والإجماع، لا يحل لمسلم رآه أن ينقله فضلاً عن أن يعتبره؛ لأن فی نقله إشاعته، و عند ذلك ينفتح باب الشيطان فی تخفيف الأمر فيه، ولا يخفى أن مثله مما لا يسوغ الاجتهاد فيه لفوات شرطه من عدم مخالفته الكتاب والإجماع -نعوذ بالله من الزيغ والضلال- والأمر فيه من ضروريات الدين لا يبعد إكفار مخالفه". كذا فی رد المحتار: ۲/۶۲۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۸۸ھ۔

غیر مدخولہ پر تین طلاق

سوال[۲۱۵۰]: ایک شخص نے اپنی زوجۂ صغیرہ غیر مدخول بہا کو کہا کہ ''میں تجھے ایک، دو، تین طلاقِ مغلظہ دیتا ہوں'' یا اپنی زوجۂ مذکورہ سے یوں کہا کہ ''میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں''۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں تینوں طلاق یکساتھ واقع ہوں گی یا نہیں؟ اگر ہوں گی تو بدونِ تحلیل کے نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ یا صغیرہ وکبیرہ، مدخول بہا وغیر مدخول بہا کے درمیان تین طلاق کے بعد تحلیل وعدم تحلیل میں کوئی فرق نہیں ہے؟ نیز یہ امر بھی واضح ہو کہ صورتِ اولیٰ میں اعداد کا ذکر مقدم ہے اور طلاق کا ذکر بعد کو ہے، یہ صورت تفریق کی ہے یا اجماع کی؟ بینوا بالدليل توجروا بالأجر الجزيل۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں صورتوں میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی: پہلی صورت میں اس لئے کہ طلاق صرف ایک دو تین سے

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۸۴، ۲۸۵، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۳/۷۱، كتاب الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول، دار الكتب العلمية بيروت)

واقع نہیں ہوئی جب تک کہ اس کے ساتھ لفظ ''طلاق'' ذکر نہ کیا ہو اور جب لفظ طلاق ذکر کیا تو اس کا تعلق مجموعہ ایک دو تین سے ہوگا اور لفظِ ''مغلظہ'' اس کے لئے صفت کاشفہ بنے گی: "لوقال: "اگر فلانه بزنی کنم، از من بیک طلاق، و دو طلاق، وسه طلاق". فتزوجها، تطلق واحدة. و لو قال: "بیکے، ودو، وسه طلاق" ثم تزوجها، يقع الثلاث". خلاصة الفتاوى (۱)۔

اس عبارت میں دو مسئلے ہیں: اول میں ہر عدد کے ساتھ معدود کو ذکر کیا ہے، لہذا نکاح کے بعد فوراً ایک طلاق واقع ہوگئی اور غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے دوسری اور تیسری کے لئے محل نہیں رہی۔ دوسرے مسئلہ میں عدد کو پہلے ذکر کیا ہے اور طلاق کو بعد میں، لہذا وقوعِ طلاق کے وقت تمام اعداد اپنے معدود کے ساتھ منضم ہو کر مجموعۃً تین طلاقیں واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں تین طلاق کا واقع ہونا بالکل ظاہر ہے:

"طلق غير المدخول بها ثلاثاً، وقعن، سواء قال: أوقعت عليك ثلاث تطليقات، أو: أنت طالق ثلاثاً". البحر: ۳/۲۹۱(۲)۔

مطلقۂ ثلاث کے بلا تحلیل حلال نہ ہونے میں صغیرہ وکبیرہ مدخولہ وغیر مدخولہ میں کوئی فرق نہیں:

"لا ينكح مبانته بالبينونة الغليظة، أطلقه فشمل ما إذا كان قبل الدخول أو بعده، كما صرح به في الأصل، و شمل ما إذا طلقها أزواج: كل زوج ثلاثاً قبل الدخول، فتزوجت بآخر، فدخل بها، تحل للكل. وأشار بالوطء إلى أن المرأة لا بد أن يوطأ مثلها، أما إذا كانت صغيرةً

---

(۱) (خلاصة الفتاوى: ۲/۸۷، كتاب الطلاق، الجنس الخامس في العدد، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۹۰، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد،الخ إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۴، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول: ۳/۵۰۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۱۷۱، ۱۷۲، كتاب الطلاق، حكم من طلق امرأته قبل الدخول ثلاثاً، مكتبه حقانيه پشاور)

ولا يؤطأ مثلها، لا تحل للأول بهذا (الوطء)". بحر بحذف كثير(۱)۔

"والشرط التيقن بوقوع الوطء في المحل المتيقن به، فلو كانت صغيرةً لا يوطأ مثلها، لم تحل للأول، وإلا حلت: أي بأن كانت صغيرةً يوطأ مثلها، حلت للأول بوجود الشرط، وهو الوطء في محله المتيقن الموجب للغسل". در مختار و شامی: ۲/۸۳۳ (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ شعبان/ ۵۷ھ۔

رخصتی سے پہلے تین طلاق کا حکم

استفتاء [۶۱۵۱]: یہ کہ ایک مسلمان مسمی عبد الکریم کا نکاح ہوا موضع واہ میں، ابھی رخصتی نہیں ہوئی، عرصہ ایک سال کا گزر گیا ہے، اس کے بعد بوجہ ناراضگی کے وہ رشتہ چھوڑ کر دوسری جگہ وہ رشتہ کے واسطے گیا، آگے لڑکی والوں نے سوال کیا کہ تمہارا نکاح آگے موضع واہ میں ہوا ہے جب تک تم ان کو طلاق نہ دو، ہم تم کو رشتہ کیسے دے سکتے ہیں؟ اس پر عبد الکریم نے دوسری شادی کی خاطر کہا کہ "پہلی الٰہی بخش کی لڑکی فیروز جہاں جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے، عرصہ ایک سال کا ہوا ہے جس کے ساتھ میں آباد نہیں ہوا، اس کو میں طلاق کرتا ہوں، روبرو گواہوں کے اپنی خوشی سے طلاق کرتا ہوں"۔

اس کے بعد دوسری شادی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ بھی ناچاقی ہوئی اور پھر عرصہ نو ماہ کے بعد وہاں موضع واہ میں الٰہی بخش کے پاس گیا کہ مجھے رشتہ دو، انہوں نے کہا تم ہماری لڑکی فیروز جہاں کو طلاق دے چکے ہو، اس پر وہ انکاری ہوا، لڑکی کے باپ نے گواہوں کو بلوایا اور مدعی بھی موجود تھا، قاضی مولوی صاحب کے روبرو گواہوں نے قسمیں کھائیں اور گواہی دی کہ عبد الکریم نے الٰہی بخش کی لڑکی فیروز جہاں کو ہمارے روبرو تین بار طلاق کی ہے، اس پر قاضی مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ صحیح طلاق ہوگئی ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۴/۹۴، ۹۵، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۱۲، باب الرجعة، مطلب في حيلة إسقاط عدة المحلل، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۱۱، فصل فيما لو كان النكاح الثاني صحيحاً، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے بعد پھر اس مولوی صاحب نے دوسرا نکاح باندھ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ پہلے نکاح کی طلاق ہوگئی ہے، دوسرا نکاح اس واسطے کیا ہے، اگر آبادی نہ ہوئی ہو اور فریقین راضی ہوں تو دوسرا نکاح ہوسکتا ہے، اب وہ عبدالکریم اور فیروز جہاں آباد ہیں۔فتویٰ دیجئے کہ بغیر حلالہ جائز ہے کہ نہیں؟ یہاں کے مولوی صاحب دیانت دار نہیں ہیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

جس عورت کے ساتھ اس کے شوہر نے صحبت نہ کی ہو، اگر اس کو تین لفظوں سے طلاق دے تو اس کو ایک ہی طلاق ہوتی ہے، دوسری اور تیسری نہیں ہوتی، مثلاً اس طرح کہے کہ ’’میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی‘‘ تو اس طرح کہنے سے صرف ایک ہی طلاق ہوگی اور دوبارہ نکاح بغیر حلالہ کے صحیح ہوجائے گا۔اور اگر ایک لفظ سے تین طلاق دی، مثلاً اس طرح کہے کہ ’’میں نے تین طلاق دیں‘‘ تو تینوں واقع ہوجائیں گی اور پھر بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح صحیح نہیں ہوگا:

”إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها، وقعن، فإن فرق الطلاق، بانت بالأولىٰ، ولم تقع الثانية والثالثة، وذلك مثل أن يقول: أنت طالق، طالق، طالق، اهـ“. عالمگیری: ۱/۳۷۳(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، یوپی الہند ،۲۰/۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

غیر مدخولہ کو تین طلاق کا حکم

سوال[۶۱۵۲]: کن کن شخصوں کے تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے؟

ظاہرخان، نائب مدرس مدرسہ مہنوں، ڈاکخانہ سری نگر، ضلع گونڈا،۱۲/ جولائی/۳۶ء۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار: ۳/۲۸۴، ۲۸۶، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوشخص غیر مدخولہ کوطلاق تین لفظ سے دے گا،اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی:"طلق غیر الموطوءة ثلثاً، وقعن. وإن فرق، بانت بواحدة، اھ". زیلعی: ۲/۲۱۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

تین طلاق کو ایک تصور کرنا

سوال[۶۱۵۳]: زید کے پاس ایک تحریر لائی گئی جس میں طلاق نامہ لکھا تھا، زید نے طلاق نامہ کی اس عبارت: "اپنے تن پر حرام کیا، حرام کیا، حرام کیا" تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھ کر دستخط کردیئے، مگر اس کے معنی اور انجام سے قطعاً ناواقف تھا۔ زید ذی عزت آدمی ہے، موجودہ صورت میں اسے جانی خطرہ ہے، عورت کو جدا کردینے میں اسے ایک ایسی مصیبت کے درپیش ہونے کا یقین ہے جس سے اسے خسارہ عظیم ہوکر رہے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ أبي وأمي کے زمانہ سعادت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم طلاقِ ثلثہ بیک الفاظ واقع کرکے اس سے مراد ایک طلاق لیتے تھے اور شریعتِ مطہرہ کا فرمان بھی ایسا تھا جس کا عملدرآمد حضرت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو سال اولِ خلافت تک رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی نیت کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے طلاقِ ثلثہ بیک الفاظ بولنے پر تین طلاقیں واقع ہوجانے کا فتویٰ دے دیا، جس پر آج تک امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعمیل کررہی ہے اور تاقیامت کرتی رہے گی۔

موجودہ صورت میں زید اپنی عزت کی پائیداری اور آنے والی مصیبت کے دفعیہ کی خاطر اجماعِ امت پر عمل نہ کرتے ہوئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمول پر عمل کرنا چاہے اور طلاقِ ثلثہ متذکرہ بالا لفاظ سے دی ہوئی ایک طلاق مراد لے کر عورت کو حلال جانے تو کیا عند اللہ اس سے مؤاخذہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بندہ فقیر اللہ، مدرس مدرسہ نظامیہ محمود گڑھ سند یافتہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، فصل فی إضافة الطلاق الی الزمان: ۲/۲۱۳، إمدادیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجماعِ امت کے خلاف کرنا قطعاً حرام ہے(۱)، اگر زید مقلد ہے تو اس کو اپنے امام کے خلاف کرنا درست نہیں، اگر وہ خود مجتہد ہے کہ احادیث سے مسائل کا استنباط کرسکتا ہے تو اس کو کسی مقلد سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چونکہ سائل نے نفسِ مسئلہ کا حکم دریافت نہیں کیا کہ اس صورت میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوئی ہے یا نہیں، بلکہ اس کو اپنے ذہن میں طلاقِ مغلظہ قرار دے کر (جس کی ذمہ داری خود سائل پر ہے) یہ دریافت کیا ہے کہ اجماعِ امت کے خلاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے اس کا جواب دے دیا گیا اور نفسِ مسئلہ کا جواب نہیں دیا گیا کہ طلاقِ مغلظہ واقع ہوئی بھی یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

تین طلاق کا ایک ہونا

سوال[۲۱۵۴]: ایک حدیث میری نظر سے گزری جس کا ترجمہ لکھتا ہوں جس سے اصل حدیث کا پتہ آپ کو معلوم ہو جائے گا: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دو سال تک بھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلدی کی ہے جس میں شرع کی طرف سے ان کے لئے ڈھیل منظور رکھی گئی تھی، اگر ہم ان پر یہ حکم جاری کر دیں تو مناسب ہے، پس انہوں نے جاری کر دیا“ (مسلم)(۲)۔

۱..... اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کا وقوع بآنِ واحد ایک جلسہ میں عہدِ نبوی میں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدىٰ، ويتبع غير سبيل المؤمنين، نولّه ما تولّىٰ، ونصله جهنم﴾. (سورة النساء: ۱۱۵)

"وهذه الآية دليل على حرمة مخالفة الإجماع؛ لأنه رتب الوعيد على المشاقة واتباع غير سبيل المؤمنين .... فظهر أن كل واحد منهما سبب للوعيد، فثبت أن اتباع غير سبيلهم محرم، فثبت أن اتباع سبيلهم واجبٌ". (التفسير المظهري: ۲/۲۳۶، حافظ كتب خانه كوئته)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث: ۱/۴۷۷، قديمي)

نہیں ہوتا تھا بلکہ تین طلاقیں ایک دفعہ دیتے تھے تو ایک ہی گنی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی مصلحت کی وجہ سے اس حکم میں اپنے زمانہ میں تبدیلی کردی، مگر حکمِ نبوی برقرار رہنا چاہیے، کیوں کہ دنیا بھر میں سوائے پیغمبر علیہ السلام کے کسی کو منصبِ شریعت نہیں، مگر اب عمل اس پر نہیں بلکہ تین طلاق ایک جلسہ میں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ اس واقعہ پر روشنی ڈالئے۔

۲...... اب اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے یا لکھے کہ ’’میں نے تجھ کو طلاقِ مغلظہ دی‘‘ اور بعد کو یہ کہے کہ میرے نزدیک تین طلاقیں یک دم واقع نہیں ہوتیں، بلکہ الگ الگ طہر میں دینے سے وقوع ہوتا ہے، میں نے مغلظہ بہ نیتِ واحدہ کہا تھا، مجھے رجعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اس کا یہ کہنا صحیح مانا جاویگا اور رجعت ہوسکے گی، یا یہ کہ صرف مغلظہ کہنے سے تینوں طلاقوں کا وقوع ہوگا، رجعت ناممکن ہے؟

ایوب سیتاپوری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲...... طلاق کی حنفیہ کے نزدیک تین قسمیں ہیں:

اول: رجعی، جس میں عدت کے اندر رجعت کا حق رہتا ہے اور بعد عدت طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہوتا ہے(۱)۔

ثانی: بائن، جس میں رجعت کا حق نہیں رہتا، البتہ خواہ عدت میں خواہ بعد عدت نکاح درست ہے(۲)۔

ثالث: مغلظہ، جس میں نہ رجعت کا حق رہتا ہے نہ نکاح درست ہوتا ہے، بلکہ اگر نکاح کرنا چاہے تو

---

(۱) ’’أما الطلاق الرجعي: فالحکم الأصلي له هو نقصان العدد، فأما زوال الملک وحل الوطء، فلیس بحکم أصلي له لازم، حتی لایثبت للحال، وإنما یثبت في الثاني بعد انقضاء العدة. فإن طلقها ولم یراجعها، بل ترکها حتی انقضت عدتها، بانت‘‘. (بدائع الصنائع: ۳۸۷/۴، کتاب الطلاق، فصل في حکم الطلاق، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) ’’وینکح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع‘‘. (تنویر الأبصار: ۴۰۹/۳، کتاب الطلاق، باب الرجعة، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۴۷۲/۱، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہوسکتا، اسی قسمِ ثالث کے متعلق یہاں گفتگو مقصود ہے۔

طلاقِ مغلظہ دینے کی یہاں مختلف صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ مغلظہ کے لفظ بولے یا لکھے جیسا کہ سوالِ ثانی میں مذکور ہے، اس صورتِ مغلظہ کا لفظ صراحۃً موجود ہونے کی وجہ سے کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں، بلاشبہ طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی اور نیت کو کچھ دخل نہ ہوگا۔

ایک صورت یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ ''میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی'' اس صورت میں بھی بلا تأمل تین طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوجائے گی، خواہ نیت کچھ ہی ہو، اس کا اعتبار نہ ہوگا(۱)۔

ایک صورت یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی''۔ اس صورت میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ صرف پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ تاکید کے لئے کہہ دیا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ تینوں الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے۔ ان دو احتمالوں میں سے جب تک صاف طور پر نیت کا علم نہ ہوتا تھا اور کوئی شخص کہتا تھا کہ میری مراد احتمال اول ہے تو خیر القرون میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ابتدائی دور میں دو سال تک اس کی نیت کا اعتبار کرکے اس کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے، مگر بعد میں طلاق کا وقوع زیادہ ہونے لگا۔

نیز دیانت میں کمی آئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قسم کے دوسرے احتمال کو قضاءً متعین فرما دیا(۲) سو یہ تشریح نہیں بلکہ الفاظِ طلاق کے دو احتمالوں میں سے اپنے تجربہ نیز حالتِ زمانہ کے متغیر ہوجانے کی

---

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۳، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۰۹، ۴۱۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتار خانية: ۳/۲۰۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في العشرون، مسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وقد أثبتنا النقل عن أكثرهم صريحاً بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف، فماذا بعد الحق إلا الضلال، وعن هذا قلنا: لو حكم حاكم بأن الثلاث بفم واحد واحدة، لم ينفذ حكمه .... وعدم مخالف لعمر في إمضائه وظاهر حديث ابن مسعود رضي الله عنه، فتأويله أن قول الرّجل: أنت طالق، =

بناء پر قضاءً ایک احتمال کو فرمانا ہے اور دیانۃً احتمال اول بھی جیسا کہ پہلے معتبر تھا آج بھی معتبر ہے، کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے (۱)۔ حدیث کا محمل حنفیہ نے اسی صورت کو بیان فرمایا ہے۔

تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے یعنی ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم اگر کوئی دے گا تو واقع ہو جائے گی اور گنہ گار ہوگا (۲)، جیسا کہ کوئی کسی کا چاقو چھین کر کوئی جانور ذبح کرے تو ایسا کرنا گناہ ہے لیکن ذبیحہ حلال ہے، ظہار بھی اسی قسم سے ہے کہ ممنوع ہے مگر اس پر حکم مرتب ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/۵۸ھ۔

بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا

سوال [۶۱۵۵]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بعد میں بیوی چاہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہوں اور وہ شخص بھی اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے جس کی وہ بیوی تھی، اور طلاق کے متعلق دونوں شوہر و بیوی کہتے ہیں کہ دو طلاق کے بارے میں تو یاد ہے، مگر تیسری طلاق کے بارے میں مغالطہ ہے کہ دی

= أنت طالق، أنت طالق، كان واحدةً في الزمن الأول لقصدهم التأكيد في ذلك الزمان، ثم صاروا يقصدون التجديد، فألزمهم عمر رضي الله عنه ذلك لعلمه بقصدهم". (فتح القدير: ٣/ ٤٧١، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(١) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولى الطلاق وبالثانية والثالثة إفهامها، صدّق ديانةً". (الفتاوى العالمكيرية: ١/٣٥٥، ٣٥٦، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٢٩٣، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(٢) "أسند عبدالرزاق عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه أن أباه طلق امرأته ألف تطليقة، فانطلق عبادة، فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "بانت بثلاث في معصية الله، وبقي تسعمأة وسبع وتسعون عدواناً وظلماً، إن شاء عذبه وإن شاء غفر له". (فتح القدير: ٣/ ٤٧٠، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ہے یا کہ نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس واقعہ کو چھ سات ماہ ہو چکے ہیں، اب وہ عورت نکاح میں آسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غالب گمان یہی ہے کہ صرف دوطلاقیں دی ہیں، تیسری طلاق کا غالب گمان نہیں، شک کے درجہ میں ہے اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کے سامنے طلاق دی ہو تو اب دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، لیکن اگر غالب گمان تیسری کا بھی ہے تو اب بغیر حلالہ کے نکاح سے پرہیز کیا جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۱ھ۔

تین طلاق ایک نہیں بلکہ تین ہیں

سوال[۲۱۵۶]: ایک آدمی نے جس نے رات کو بدرجۂ مجبوری یعنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے اختلاط کیا ہو، صبح کو بیوی نے کچھ سخت جملے کہہ دیئے ہوں اور غصہ میں آکر انتہائی جنون میں شوہر سے بغیر ارادہ نکل گیا ہو کہ ''میں نے طلاق دی، تین طلاق دی، طلاق دی'' اور بعد میں کہا ہو''نہیں دی''۔ غصہ اترتے ہی قرآن میں سورۂ طلاق دیکھ کر رجعت بھی کرلی ہو جس میں لکھا ہے کہ طلاق تین بار کرکے دو دو گواہ بنالو، تین طہر میں دو اور ایک دفعہ میں تین بار کہا تو وہ ایک کے حکم میں ہوگی۔ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

۱...... جب کہ ان کے دولڑکی ہیں جن کو نہ اکیلا باپ پال سکتا ہے نہ ماں۔

---

(۱) "ولو شک أطلّق واحدةً أو أکثر، بنی علی الأقل". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قوله: بنی علی الأقل) أی کما ذکره الإسبیجابی، إلا أن یستیقن بالأکثر أو یکون أکبر ظنه. وعن الإمام الثانی: إذا کان لایدری أثلاث أم أقل، یتحری . وإن استویا عمل بأشد ذلک علیه". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الصریح: ۲۸۳/۳، سعید)

"وإن کان الطلاق ثلاثا فی الحرة وثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة ومایتصل به: ۴۷۹/۱، رشیدیه)

۲..... جب کہ میاں بیوی الگ نہ رہنا چاہتے ہوں۔

۳.....شوہر قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہو کہ یہ جملہ بلا ارادہ نکل گیا ہے۔

۴..... جب کہ شوہر نے ناپاک حالت میں تین بار کہا ہو۔

۵..... جب کہ ایک مرد اور ایک عورت نے سنا ہو اور بیوی کو صبح کو مہینہ شروع ہو گیا۔

۶..... جب کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے ہی مسئلہ پر فرمایا تھا کہ رجعت کر لے اور لوگوں کے ٹوکنے پر فرمایا تھا کہ کیا میرے ہوتے ہوئے بھی دین کے ٹکڑے کردو گے۔ اوپر کی باتوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ راستہ دکھلایا جارہا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہنا کہ ''قرآن پاک میں لکھا ہے کہ طلاق تین بار کر کے دو، دو گواہ بنالو، تین طہر میں دو، اور اگر ایک دفعہ میں تین بار کہا ہو تو وہ ایک طلاق کے حکم میں ہوگی''۔ اگر یہ لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے ہے تو نہایت جسارت ہے، بے علم اور کم فہم آدمی کو ہرگز ہرگز اس کا حق نہیں ہے کہ قرآن پاک کا خود مطالعہ کر کے اس سے مسائل نکالے، اس سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوگا، اس کو توبہ کرنا لازم ہے۔ اگر علم وفہم کے باوجود اس بات کو قرآن پاک کی طرف منسوب کیا ہے تو بہ انتہائی خطرناک ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اوپر افتراء اور بہتان ہے: ﴿ومن اظلم ممن افترىٰ على الله كذباً﴾. الآية(۱)۔

قرآن پاک میں یہ کہیں نہیں ہے بلکہ تین مرتبہ صاف الفاظ سے طلاق دینے سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے۔

۱-۶.....لڑکیاں ہوں یا لڑکے، زیادہ ہوں یا کم، پرورش کرنے والا اکیلا باپ ہو یا کئی افراد ہوں، میاں بیوی الگ رہنا چاہتے ہوں یا نہ چاہتے ہوں، شوہر قسم کھا کر کہے یا بغیر قسم کے کہے، بیوی جواب دے یا نہ دے، شوہر ناپاک ہو یا پاک ہو، صبح کو بیوی کا مہینہ شروع ہو جاوے یا اس کے بعد یا اس سے پہلے، بچوں کی پرورش یکجائیت پر منحصر ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) (سورة العنكبوت: ۶۸)

ان جملہ امور سے تین طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ان سب کے باوجود واقع ہونے والی طلاق واقع ہوکر رہتی ہے، یہ طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں جب کہ شوہر کو خود یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ لفظ ''طلاق'' دی کہا ہے اور ایک مرد اور ایک عورت نے تین مرتبہ یہ لفظ سنا ہے اور بیوی نے خود بھی سنا ہے(۱) تو بیوی کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے، بلکہ اس سے بچنے اور علیحدہ رہنے کی ہر ممکن تدبیر کو اختیار کرے ورنہ وہ حرام کاری میں گرفتار ہوگی۔

قرآن پاک میں اتنا مذکور ہے کہ دوطلاق دیکر روکنے (رجعت کرنے) کا اختیار حاصل ہے، تیسری طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی (۲)۔ بخاری شریف میں امرأۂ رفاعہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کو شوہرِ اول کی طرف دوبارہ لوٹنے کی اجازت نہیں عطا فرمائی گئی ہے، جب تک شوہر ثانی سے ہمبستر نہ ہوجائے (۳)۔

تین طلاق کو ائمۂ اربعہ: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے تین ہی قرار دیا

---

(۱) "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لا يحل لها تمكينه". (رد المحتار: ۳/۲۵۱، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب الصريح نوعان: رجعي و بائن، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۴۴۸، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۴۱، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسريح بإحسان ...... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

قال الجصاص: "قد ذكرت في معناه وجوه: أحدها: أنه بيان للطلاق الذي تثبت معه الرجعة .... الآية تدل على وقوع الثلاث معاً مع كونه منهياً عنها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۵۱۲، ۵۲۷، قديمي)

(۳) "عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني فبتّ طلاقي، وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعلک تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لاحتى يذوق عسيلتک و تذوقي عسيلته". (صحيح البخاري: ۱/۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، الخ، قديمي)

ہے، کسی کے نزدیک بھی وہ ایک طلاق نہیں ہے، اس پر تمام اہلِ حق کا اجماع ہے(۱)۔ البتہ روافض کے نزدیک تین طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جب کہ شوہر نے ایسی حالت میں تین مرتبہ طلاق دی ہے کہ اس کا ارادہ بھی نہیں تھا اوراس کو یاد بھی نہیں کہ غصہ میں کتنی مرتبہ طلاق دی ہے تو یہ بحث بھی پیدا نہیں ہوگی، ایک مرتبہ طلاق کی نیت سے کہا اور دوسری تیسری مرتبہ کہنے سے محض تاکید کی نیت تھی۔

اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی تصنیف کئے گئے ہیں، ان میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں، اگر کسی روایت سے تین طلاق کے بعد حقِ رجعت باقی رہنے کا شبہ بھی ہوسکتا ہے تو اس کو بھی حل کر کے سدِ باب کردیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۵ھ۔

تین طلاق دے کر معافی مانگنا

سوال[۶۱۵۷]: زید اوراس کے والد اور بیوی میں تکرار ہورہی تھی، زید نے اپنے والد سے کہا کہ آپ خاموش رہیں ورنہ پچھتانا پڑیگا، بات بڑھتی ہی گئی، زید نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ تین آواز سے طلاق دے دی، اس کے بعد زید کا خط آیا، اب بیوی سے معافی چاہتا ہے اوراپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۲)، اب معافی مانگنے سے وہ حلال نہیں ہوگی، بغیر حلالہ کے تعلق

---

(۱) "وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث".

(ردالمحتار: ۲۳۳/۳، کتاب الطلاق، سعید)

"وذهب جماهير العلماء من التابعين و من بعدهم، منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري و أبو حنيفة و أصحابه والشافعي وأصحابه و أحمد وأصحابه وإسحاق وأبوثور و أبو عبيدة و آخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثًا، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري شرح البخاري: ۲۳۳/۲۰، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث لقوله تعالىٰ اهـ، مطبع أمين دمج بيروت)

(۲) "وإذاقال لامرأته: أنت طالق، وطالق، وطالق، ولم يعلّقه بالشرط، إن كانت مد خولةً، طلقت ثلاثاً". =

زوجیت قائم کرنے کی کوئی صورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المد خول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۳/۲۸۸، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتىٰ تنكح زوجاً غيره نكا حاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقه وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية، بيروت)

باب الطلاق بألفاظ الکنایة

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

''مجھ پر برخواست'' یا ''نکاح سے برخواست'' کہنے کا حکم

سوال[۶۱۵۸]: ایک شخص اپنی بیوی سے اپنے گھر چلنے کو کہتا ہے کہ چلو، بیوی کہتی ہے بہتر ہے وہ چلنے کا سامان کرتی ہے، مگر اس کا باپ روکتا ہے کہ میری لڑکی کی طبیعت اچھی نہیں ہے دو تین روز نہیں جا سکتی، جس وقت طبیعت اچھی ہو جائے گی لے جانا۔ اس پر یہ دوسرے شخص سے یہ کہتا ہے کہ میری بیوی سے کہہ دو کہ: ''وہ مجھ پر برخواست'' یا ''نکاح سے برخواست، لڑکی والوں سے کہہ دو کہ وہ اس لڑکی کا نکاح کہیں اَور کرلیں''۔ اس واقعہ سے تقریباً دو ماہ گزرتے ہیں۔ اب آیا اس لفظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر اپنی غلطی پر نادم ہو تو کیا حکم ہے اور اگر غلطی کا اقرار نہ کرے تو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ لفظ: ''لڑکی والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی لڑکی کا نکاح کہیں اَور کرلیں'' اگر شوہر نے بہ نیتِ طلاق کہا ہے تو طلاق واقع ہوگئی، اگر ایک کی نیت کی ہے تو ایک ہوئی اگر تین کی نیت کی ہے تو تین ہوگئیں۔ اگر طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی: "ولو قال: تزوجي و نوی الطلاق، أو الثلاث، صح. وإن لم ینو شیئاً، لا یقع، کذا في الغیاثیة، اھ". فتاویٰ عالمگیری: ۱/۳۷٦(۱)۔ اور یہ لفظ کہ ''میری بیوی سے کہہ دو کہ وہ مجھ سے برخاست یا نکاح سے برخواست'' اگر اسی طرح شک اور تردید کے ساتھ کہا ہے اور طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے طلاق نہیں ہوئی، اگر بلا تردد کے پہلا لفظ کہا ہے یعنی ''مجھ سے برخاست'' تو اس

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷٦، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار: ۳/۳۱۴، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳/۷۸، کتاب الطلاق، باب الکنایات، دار الکتب العلمیة بیروت)

سے وقوع طلاق نیت پر موقوف ہے، اگر دوسرا لفظ کہا ہے تو طلاق واقع ہوگئی:

"وإذا قال: لها أبرئتك عن الزوجية، فيقع الطلاق من غير نية في حالة الغضب وغيره، كذا في الذخيرة. في مجموع النوازل: امرأة قالت: لزوجها أنا بريئة منك، فقال الزوج: أنا برئ منك أيضاً، فقالت: انظر ما ذا تقول، فقال: ما نويت الطلاق، لايقع الطلاق لعدم النية، كذا في المحيط". وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٦ (١)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حكم قول الزوج: "فلانةٌ عليّ حرامٌ" وطرْحِه ثلاثة مدر

سوال [٦١٥٩]: ما قولكم أيها العلماء العظام والفضلاء الكرام في حق رجل قال لامرأته في حالة الغضب بغير نية الثلاثة و بغير حضورها: "فلانة بنت فلانة عليّ حرام" و يطرح ثلاثة مدر في المرة الأولى، حتى يقرر هذه الكلمة بلاثة مرار، أوَقَعت الطلاق البينة أم المغلظة؟ أيجوز نكاح الرجل المذكور بالتحليل أو بغير التحليل؟ بينوا مع عبارات الكتب بالشرح والتفصيل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

إن قال هذه الكلمة ثلاث مرات، بانت بالأولى، ولم تقع الثانية والثالثة؛ لأن البائن لا يلحق البائن، كما صرح في الدر المختار: ٢/٧٢٦(٢)۔ وإن قال مرةً ونوىٰ بها الثلاث، وقعن،

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٦، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(٢) "يحتمل رداً نحو خلية برية حرامٌ". (الدرالمختار). "من حرم الشئ -بالضم- حراماً امتنع .... وسيأتي وقوع البائن به بلانية في زماننا للتعارف". (ردالمحتار: ٣/٢٩٨، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

"(أنت عليّ حرام) ....والفتوىٰ على أنه يقع الطلاق البائن وإن لم ينو، لغلبة استعمال هذا اللفظة في هذه البلاد". (التاتارخانية: ٣/٣٠٥، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، نوع منه في قوله "أنت حرام علي"، إدارة القرآن كراچی) ....   ==

وإن نوىٰ بهاواحدةً تقع واحدةً، وإن نوىٰ بها ظهاراً كان ظهاراً، وإن إيلاءً كان إيلاءً:

"قال لامرأته: أنت عليّ حرام ونحو ذلك كانت معي في الحرام إيلاء إن نوى التحريم أولم ينو شيئاً، وظهاراً إن نوىٰ، وهدراً إن نوى الكذب ديانةً. وأما قضاءً فإيلاء، قهستاني. وتطليقة بائنة إن نوى الطلاق، وثلاث إن نواها. ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه لغلبة العرف، ولذا لا يحلفه إلا الرجال، اهـ". درمختار: ۲/۸۵٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میں نے فائنل (یعنی آخری فیصلہ دے دیا) کردیا کہنا

سوال[۲۱۲۰]: زید کا بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ زید کی بیوی اپنے میکے میں چلی گئی، عورت کے لواحقین نے شوہر کو کہلا بھیجا کہ اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو کل کیا دینا، آج دیدے، اس کہنے پر زید نے سخت غیظ وغضب میں کہلا بھیجا کہ "ایسی بیوی میرے کوئی کام کی نہیں" اور اس قسم کی بہت سی باتیں جھگڑے کی ہوئیں اور معاملہ الجھن میں پڑ گیا، تاہم زید کے احباء نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی، اور اس کا غصہ فرو کرنے کی تدبیریں کیں، لیکن غصہ بجائے کم ہونے کے اُور بھڑکتا گیا اور یہاں تک لکھدیا کہ "میں کسی طرح بھی اس عورت کو رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں، اپنی خواہشات نفسانی تو ہر جگہ پوری کرسکتا ہوں، اس سے اچھی تو بازاری عورتیں ہوتی ہیں، کیونکہ میرے گھر سے چلی گئی، اب میں نہیں رکھ سکتا"۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۲۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

"ولا يلحق البائنُ البائنَ". (الدر المختار: ۳/۳۰۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات ، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۳۱، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(۱) (الدر المختار: ۳/۴۳۳، ۴۳۴، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۵، كتاب الطلاق، الباب السابع في الإيلاء، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۲۰۷، ۲۰۸، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ان تمام باتوں کے بعد زید اس طیش کی حالت میں طلاق نامہ لکھوانے کے واسطے قاضی کے پاس پہونچ گیا، مگر وہاں سے اس کے دوست سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ ایک شخص کے یہ دریافت کرنے پر کہ قاضی کے پاس گئے تھے کیا ہوا، جواب دیا کہ ''میں نے فائنل کردیا'' (یعنی آخری فیصلہ کردیا)۔ اسی طرح ہر دوست کے الگ الگ سمجھانے پر بھی ہر دوست کو ہر بار یہی جواب دیتا رہا کہ ''مجھ کو کسی حالت میں نہیں چاہئے، اب سونے کی بھی بن کر آئے یا ہیرے کی، نہیں رکھوں گا''۔

جب کہ یہ سب باتیں ہو رہی تھیں تو زید کی بیوی حاملہ تھی، ان جوابات کے بعد اس کے بچہ ہوا، اب عورت کو ماں باپ اس کے شوہر کے گھر بھیجنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں زید اس کو اپنے گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں اور عورت کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کیسی؟ براہ کرم ذرا صاف صاف مع حوالہ کتب فقہیہ مفصل تشریح فرمائیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس تمام بیان میں زید کی جانب سے طلاق کا صریح لفظ کوئی نہیں نقل کیا گیا، اگر زید نے قاضی سے یہ کہا ہے کہ طلاق نامہ میری زوجہ کے لئے لکھدو تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی، اگر چہ تحریر طلاق نامہ کی نوبت نہ آئی ہو: ''ولو قال للكاتب: أكتب طلاق امرأتي كان، إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب، اهـ'' درمختار (۱)۔

اگر طلاق کی کوئی صفتِ بائنہ یا مغلظہ ذکر نہیں کی تو اس صورت میں ایک طلاقِ رجعی واقع ہوئی ''آخری فیصلہ کردیا'' کا اگر یہ مطلب ہے کہ طلاقِ مغلظہ دیدی تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی اور اگر یہ مطلب ہے کہ طلاقِ بائن دے دی تو طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر یہ مطلب ہے کہ میں اس کو اب کبھی نہیں بلاؤں گا (اگر چہ طلاق بھی نہیں دی) تو اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا (۲)۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۴۶، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) ''ويقع بباقيها: أي باقي ألفاظ الكنايات المذكورة البائن إن نواها، أو الثنتين وثلاث إن نواه''.

(الدر المختار: ۳/۳۰۳، ۳۰۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

اگر قاضی کے پاس جا کر طلاق نامہ لکھنے کو نہیں کہا بلکہ اس سے پہلے ہی دوست اس کو واپس لے آئے تو پھر محض طلاق نامہ لکھوانے کی نیت سے قاضی کے پاس جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی، طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے اندر رجعت درست ہوتی ہے(۱)، بعد عدت تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے(۲)۔ طلاقِ مغلظہ میں حلالہ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اگر پھر طرفین رضامند ہو جائیں تو عدت گزرنے کے بعد عورت کسی اَور شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور ہمبستری کرنے کے بعد طلاق دے یا مرجائے تو پھر اس کی عدت ختم کرکے پہلے شوہر سے نکاح درست ہو جاتا ہے اس سے قبل درست نہیں ہوتا (۳)۔ اور جس عورت کو حالتِ حمل میں طلاق دی گئی ہو اس کی عدت وضعِ حمل ہے(۴)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلک أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة و فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، سعيد)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۰۹، ۴۱۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث و العشرون في مسائل المتعلقة بنكاح المحلل، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "و[العدة] في حق الحامل وضع حملها". (الدرالمختار: ۳/۵۱۱، كتاب الطلاق، باب العدة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۸، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتار خانية: ۴/۵۵، كتاب الطلاق، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

"اگر گھر سے نکل جائے گی تو فارغخطی دے دوں گا" اور پھر "فارغخطی فارغخطی فارغخطی" کہنا

سوال[۶۱۶۱]: زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہوا بیوی گھر سے نکل کر جانے لگی تو زید نے کہا کہ "اگر گھر سے نکل کر جائے گی تو میں تجھے فارغخطی دیدوں گا"، اس کے باوجود بیوی گھر سے نکل گئی۔ دوسرے دن وہ اپنے شوہر کے گھر آئی، زید نے کہا کہ تم چلی گئی تھیں اب کیوں آئی ہو، اس بات پر بیوی نے کہا کہ ابھی تم نے فارغخطی کہاں دی تو زید نے کہا: "اچھا! جا، فارغخطی، فارغخطی، فارغخطی"۔ اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق پڑی کہ نہیں، اگر پڑی تو کونسی؟ اور کونسا ایسا طریقہ ہے کہ زید اور اس کی بیوی دونوں ازدواجی زندگی بسر کرسکیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

بہ نیتِ طلاق ایسا کہنے سے طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)، ایک طلاقِ بائن کے بعد دوسری طلاق بائن واقع نہیں ہوتی (۲)، درمختار میں اس کی تصریح موجود ہے، لہذا طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہوگا، خواہ عدت میں ہو یا بعد عدت (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وما يصلح جواباً و شتماً، خلية، برية، بتة، بتلة، بائن، حرامٌ .... ففي حالة الرضا لا يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۲۹۸، ۳۰۱، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، نوع في قوله: "خلية": ۳/۳۱۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "و لا يلحق البائنُ البائنَ". (الدرالمختار: ۳/۳۰۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة و بعدها". (البحر الرائق: ۴/۹۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

’’میاں بیوی کا رشتہ نہیں بلکہ بھائی اور بہن کا رشتہ‘‘ کہنے کا حکم

سوال[۶۱۶۲]: زید نے ذیل کے تین خطوط مختلف مواقع میں لکھے جب کہ زوجۂ زید (خالدہ) حاملہ تھی: پہلا خط وضع حمل سے پہلے آیا اور بعد وضعِ حمل ایک خط حقیقی ماموں کو اور ایک خط خالدہ کو موصول ہوا، اب حقیقی ماموں کو دوسرا خط ملنے پر صورت حال معلوم کرنے کے لئے زید کے پاس گئے، تحقیق کرنے پر اپنے حقیقی چچا کے سامنے زبانی طور پر ماموں سے بولا کہ ’’جو ہونا تھا ہوگیا‘‘، تو زید کے چچا نے کہا کہ اگر کچھ گنجائش ہو تو نکالیں تو اس بات پر زید نے کہا کہ ’’کیا میں زنا کروں‘‘۔

ذیل کی تحریر اور بالا کی طرزِ تحریر سے کیا خالدہ پر طلاق ہوگئی، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے تو کونسی طلاق واقع ہوگی؟ پھر بعد کی تحریر میں حکم ظہار کی بو آتی ہے امید ہے کہ مدلل ومبرہن فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔

خط نمبرا: مورخہ ۲۰/ دسمبر/ ۱۹۷۰ء بنام زوجہ (خالدہ) قبل وضع حمل:

’’یہ میں آپ کو بالکل آخری موقع دے رہا ہوں اور یاد رکھ کر کہ یہ بالکل آخری موقع ہے، اس کے بعد بھی آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ اور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوجائیں گے‘‘۔

خط نمبر۲: مورخہ ۲۵/ مارچ/ ۱۹۷۱ء، بنام حقیقی ماموں بعد وضع حمل۔

’’سب سے ضروری بات یہ ہے کہ آپ ضرور بالضرور، ۲۷/ مارچ کو حیدرآباد تشریف لائیں، کیونکہ بے انتہا ضروری مسئلہ درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے سلطانہ خالدہ سے مکمل جدائی اختیار کر لی ہے اور کاغذ بھی لکھ چکا ہوں، آپ کے آتے ہی بتلا کر بھیج دوں گا، اگر آپ نہ آئے تو ایک ہفتہ اور انتظار کر کے بھیج دوں گا‘‘۔

خط نمبر۳: مورخہ ۱۵/ اپریل ۱۹۷۱ء بنام زوجہ بعد وضعِ حمل:

’’یہ خط میں آپ کو پرانے ناطے سے نہیں بلکہ ایک بھائی کے ناطے لکھ رہا ہوں، چند روز قبل تک آپ کا اور میرا رشتہ شوہر اور بیوی کا تھا، مگر آج یہ رشتہ باقی نہیں ہے، بلکہ بھائی اور بہن کا رشتہ بن گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک کو یہی منظور تھا، دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ اور مجھ میں اتنی کشیدگی کیوں بڑھی تھی اور نتیجہ یہ نکلا۔

اگر معلوم ہو تو اچھا ہے ورنہ کوئی بات نہیں، جو کچھ ہوا، وہ اچانک قدرتی طور پر ہوا ہے۔ اگر آپ اب

بھی میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی تو تمام پرانی باتوں کو بھول کر اور صرف میری ہو کر رہو تو ابھی بتلا رہا ہوں کہ اب بھی میں تیار ہوں کہ میں آپ کو اپنا بنالوں، مگر شرط یہ ہوگی کہ تمام پرانی چیزوں اور میری ناپسند چیزوں کو چھوڑنا ہوگا۔ اگر اپنی زبان سے مجھے قبول کرتی ہیں تب ہی یہ چیز ممکن ہے ورنہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ انشاء اللہ میرا ارادہ ایک اور شادی کرنے کا ہے، آپ کو اس میں کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہئے، اس کے ساتھ آپ کو بھی مل جل کر بہن بن کر زندگی گزارنا ہوگا۔ امید کہ آپ کو اس قسم کا اعتراض نہ ہوگا۔

اگر آپ اوپر لکھی ہوئی دونوں باتوں کو منظور کرتی ہیں یعنی اپنی زبان سے قبول کرتی ہیں کہ مجھے اپنا شوہر تسلیم کرنے کو تیار ہیں، اور میری دوسری شادی پر اعتراض نہیں تو مجھے سوچ کر ایک ہفتہ میں جواب دو۔ اس تعلق سے آپ اچھی طرح سوچ لو، بعد میں مجھے الزام نہیں، اس لئے کہ میں نے کھول کر لکھ دیا ہے، اگر آپ راضی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ خدا حافظ۔

میں آپ کے مہر کی رقم ایک سال کے اندر واپس کردوں گا۔ ایک نشانی میری اور آپ کے پیار کی دنیا میں ہے جو میں اسے آکر لے جاؤں گا"۔

مذکورہ بالا تحریر اور زبانی طور پر الفاظ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شوہر نے ایسا لکھا ہے اور طلاق کی نیت سے لکھا ہے تو جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)۔ ظہار نہیں ہوا، طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کا اختیار حاصل ہے حلالہ کی

---

(۱) "ولو قال: لا نكاح بيني و بينك. وذكر الصدر الشهيد في واقعاته أنه إذا نوى الطلاق، يقع".
(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق، الكنايات: ۳/ ۳۲۱، إدارة القرآن كراچی)

"وفي الفتاوى: لم يبق بيني و بينك عمل، و نوى، يقع، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۶، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(و كذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/ ۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۱ھ۔

الفاظ کنایہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۱۶۳]: زید نے اپنی بیوی حمیدہ خاتون پر خانگی نزاعات کے زیرِ بحث چند ایسے فقرے استعمال کیے جس سے طلاق کا احتمال ہے۔ مثلاً زید نے کہا کہ میں تجھے رکھنا نہیں چاہتا، تو میری بیوی ہونے کے لائق نہیں، تو اپنے میکہ چلی جا، اب میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں، یا مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں، بروقت حمیدہ باپ کے گھر ہے اور اپنے کو مطلقہ تصور کر رہی ہے۔ اب زید اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے رہا ہے کہ میں نے ایسے الفاظ استعمال نہیں کیا ہے کہ جس سے حمیدہ اپنے آپ کو مطلقہ تصور کر رہی ہے گو کہ مجمعِ عام میں مندرجہ الفاظ زید نے کہے ہیں جس کے شاہد خصوصاً لڑکی کے باپ کے علاوہ دو آدمی اور ہیں۔

زید سے چند مخصوص لوگوں نے کہا کہ حمیدہ کا اور تمہارا تعلق اچھا نہیں ہے لہٰذا تم قطع تعلق کرلو۔ زید نے قطعی اور آخری یہی جواب دیا کہ میں کسی قیمت پر طلاق نامہ اور قطع تعلق نہین کرسکتا۔ میں اپنی دوسری شادی کروں گا۔ اس کو اور اس کے گھر والوں کو پریشان کرتا رہوں گا۔ لڑکی کے باپ نے بذریعۂ عدالت یہ تصفیہ چاہا لیکن اس میں بھی کوئی کامیابی کی صورت نہیں آئی۔ یعنی زید نے شاید یہ کہا ہے کہ میں عدالتی سمن برعدالت حاضر نہیں ہوں گا۔ مجھے خودکشی کرنی ہے۔

جواب طلب یہ ہے کہ پیراگراف نمبر ۱ کے مستعملہ الفاظ سے کوئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ مع اقسامِ طلاق تحریر فرمائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر عدالتی کارروائی پر زید عدالت پر حاضر نہیں ہوتا تو اس کی عدم

---

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۲/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۰۳/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في مسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

موجودگی میں مجسٹریٹ یا منصف حمیدہ کے موافق فسخ نکاح کا حکم دیدے تو ایسی صورت میں وہ طلاق از روئے مسئلہ جائز ہوگی یا نہیں؟ اور کیا حمیدہ دوسری شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟ تیسری بات یہ ہے کہ زید خلع پر بھی رضامند نہیں ہے، ان تمام صورتوں کے پیش نظر حمیدہ کو اپنے آپ کو مطلقہ تصور کرنا کیونکہ زید نے متعدد بار ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں یہ کیسا ہے؟ نیز حمیدہ کی رہائی کس قدر ممکن ہے؟ ان دونوں کے اوقات بسر کی کوئی اچھی صورت نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے نقل کردہ جملوں میں صریح طلاق کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ضرور ہیں مگر وہ ایسے ہیں کہ اس سے طلاق واقع ہونے کا مدار زید کی نیت پر ہے۔ اگر زید نے بہ نیتِ طلاق یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی (۱)، جس کا حکم یہ ہے کہ شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہا، لیکن طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہے (۲)۔

اگر بیوی رضامند ہو تو بعد عدت اس کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار ہے۔ اگر زید نے بہ نیتِ طلاق وہ الفاظ نہیں کہے تو ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، بدستور نکاح قائم ہے۔ نیت کے بارے میں شوہر ہی کا قول معتبر ہوگا (۳)۔

اگر زید حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور بیوی پریشان ہے اور اس کے گزارے کی کوئی صورت نہیں تو مجبوراً حاکم مسلم بااختیار کی عدالت سے یا شرعی پنچایت سے تفریق حاصل کرسکتی ہے۔ حاکم کا مسلمان ہونا

---

(۱) "ولو قال لامرأته: لست لي بامرأته .... نويت الطلاق، يقع الطلاق، وفي الفتاوىٰ: لم يبق بيني وبينك عمل، ونوى، يقع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۹۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۶۸، فصل في الكنايات والمدلولات)

(۲) (راجع، ص: ۵۰۷، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "ففي حالة الرضا لايقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، فصل في الكنايات)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۳۲۵، باب الكنايات)

ضروری ہے۔ اگر بیوی کی شکایت شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو جن کی بناء پر حقِ تفریق حاصل ہو اور عدالت کے طلب کرنے پر بھی شوہر حاضر نہ ہو تو ثبوتِ شرعی پر اس کی عدم حاضری کی صورت میں بھی تفریق کی جاسکتی ہے۔ اس کی پوری تفصیل ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں درج ہے(۱)۔ اگر شوہر تو حقوقِ زوجیت ادا کرتا ہے مگر بیوی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور طلاق لے کر دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا شرعاً نہایت مذموم فعل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

''تم وہیں جاؤ جہاں سے آئی ہو، ایسی عورتوں کو طلاق جو میرے کہنے کے خلاف عمل کریں، ایک، دو، تین'' کہنا

سوال[۶۱۶۴]: بعد سلام مسنون آنکہ میرا نکاح مطابقِ شرع شریف ہمراہ مسماۃ خاتون دختر شیخ عبدالغنی سے عرصہ تقریباً ساتھ آٹھ سال ہوئے ہوا تھا اور اس وقت سے وہ آج تک بطور زوجہ میرے گھر میں آباد رہی، زوجین باہمی نفاق کے و دیگر معاملات بد سے بدتر ہو کر زہر خورانی و ایک دوسرے کے مارنے تک پہونچ گئے، پنچایت ہو کر میرے سسرال والوں کا میرے گھر اور میرا ان کے گھر جانا بند ہو گیا، لیکن میری بیوی میرے پاس رہی۔

اب کل بوقتِ شب میری عدم موجودگی میں میری اہلیہ بلا اجازت میری اپنے تایا زاد بھائی کے گھر کا بہانہ کرکے اپنے والدین کے گھر پہونچی، اتفاق سے میں بھی آٹھ نو بجے رات کو گھر آگیا، میں نے جب ہر دو

(۱) ''زوجۂ متعنت کو سخت مجبوری کی وجہ سے تفریق کا حق ملتا ہے، مجبوری کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے اور نہ خود عورت حفظ آبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہو۔ اور صورتِ تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ہو تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دو! ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا جو شرعاً اس کے قائمقام ہو طلاق واقع کردے اور اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں ہے''۔ (حیلہ ناجزہ، ص:۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت، دار الاشاعت)

اہلیہ کوگھر پر موجود نہ پایا تو اپنی بیوی کے تایا کے گھر جا کر دریافت کیا کہ میرے گھر سے یہاں آئی ہیں، لیکن اس کے تایا زاد بھائی مسمی محمد مطلوب اور اس کی تائی نے انکار کیا کہ یہاں پر کوئی نہیں آیا۔

راستہ میں میں نے اس کے باپ کے گھر سے جو میں نے اپنی بیوی کی آواز سنی تو نوکر کو جو اس کے ہمراہ تھا آواز دی، نوکر مع چھوٹی بچی کے باہر آیا، میں نے بچی کو لے لیا اور نوکر سے کہا کہ گھوڑی باندھ دو، عقب سے میرا لڑکا بعمر چھ سات سال آیا میں نے اس کو زبانی کہلا بھیجا کہ تم اپنی ہر دو والدہ کو کہدینا کہ اس وقت میرے پاس نہ آنا، بجائے اس کے میری ہر دو اہلیہ مع میری خوش دامن مع اپنے لڑکے اور بھتیجے اور تین دیگر لڑکوں کے پہونچی۔

محمد مطلوب میری اہلیہ کا برادر تایا زاد بھی ہمراہ تھا، اس طرح ان کا بطورِ حمایت ہمراہ آنے سے اس وقت مجھے رنج ہوا، کیونکہ میرے اور انکے معاملے بدترین درجہ سے تجاوز کئے ہوئے تھے۔ ان کے پہونچنے پر میں نے پہلے دوسری بیوی کے دو تھپّی بطورِ تنبیہ ماری اور کہا کہ تُو ان کے ہمراہ کیوں گئی، وہ تیرے کیا لگتے ہیں جب کہ وہ میری جان کے دشمن ہیں، پھر مسماۃ خاتون دختر عبدالغنی کے دو تھپڑ مار کر کہا کہ ''تم وہیں جاؤ جہاں سے آئی ہو، خود تو گئی ہمراہ دوسری کو بھی لے گئی'' اور بحالتِ غصہ سختی سے کہا کہ ''ایسی عورتوں کو میری طرف سے طلاق ہے جو میرے کہنے کے خلاف عمل کریں اپنے گھر جاؤ''۔

اسی عرصہ میں دوسرے اعزہ آگئے، وہ سمجھانے لگے، میں نے کہدیا: ''میرا ان کا فیصلہ ہو چکا ایک دو تین''۔ اس کے بعد قاضی صاحب کو بلا لیا گیا، قاضی صاحب نے سب معاملہ سن کر کہا کہ چونکہ سب کا مفہوم ایک ہی ہے طلاق ہو چکی، نہ تم اب اس کو رکھ سکتے ہو اور نہ ہم چھوڑ سکتے ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ اس صورت میں:

۱...... کیا مسماۃ خاتون کو طلاق شرعی ہو چکی یا دیگر صورت ہوگی؟

۲...... کیا اس صورت میں وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور وہ نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... تمام عبارت سوال میں ایک جگہ تو لفظِ طلاق صراحۃً مذکور ہے کہ ''ایسی عورتوں کو میری طرف سے طلاق ہے کہ جو میرے کہنے کے خلاف عمل کریں''، شوہر کے کہنے کے خلاف کرنے سے شرعاً اس لفظ سے ایک

طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہے بشرطیکہ اس سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا اختیار حاصل رہتا ہے اور بعد عدت طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہوتا ہے۔ دوسرا لفظ ''اپنے اپنے گھر جاؤ'' یہ کنایہ ہے، پس اگر اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس سے دوسری طلاق، طلاقِ بائن واقع ہوگی، اس کا حکم یہ ہے کہ عدت میں اور بعد عدت طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہے، رجعت کا حق باقی نہیں رہا۔ اور اگر اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی:

''صریحه: مالم يستعمل إلا فيه كطلقتك وأنت طالق و مطلقة، و يقع بهاواحدة رجعية، وإن نوى خلافها أو لم ينو شيئاً''. تنویر (۱)۔

''وما يصلح جواباً و رداً، لاغير: أخرجي، اذهبي، اغربي، قومي، تقنعي، استتري، تخمري. وما يصلح جواباً وشتماً: خلية .... وفي حالة الغضب يصدق في جميع ذلك لاحتمال الرد والسب، إلا فيما يصلح للطلاق، ولا يصلح للرد والشتم .... اهـ.

وألحق أبويوسف رحمه الله تعالىٰ بخَليةٍ وبرية و بتة و بائن و حرام أربعةً أخرى ذكرها السرخسي في المبسوط، و قاضي خان في الجامع الصغير، و اٰخرون، وهي: لاسبيل لي عليك، لا ملك لي عليك، خليت سبيلك، فارقتك. ولا رواية في: خرجت من ملكي. قالوا: هو بمنزلة: خليتُ سبيلك. وفي الينابيع: ألحق أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ بالخمسة ستةً أخرىٰ، و هي الأربعة المقدمة، وزاد: خالعتك، والحقي بأهلك .... وانتقلي وانطلقي كالحقي. وفي البزازية: وفي الحقي برفقتك يقع إذا نوىٰ، كذا في البحر الرائق''. عالم گیری: ۱/۳۷۵(۲)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۳/۲۴۷، ۲۵۰، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، ۴۰، کتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، کتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشیدیه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۶۴، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۲۴، ۵۲۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

"والبائن يلحق الصريح". تنویر (۱)۔

آگے چل کر سوال میں درج ہے ''میراان کا فیصلہ ہو چکا، ایک، دو، تین''۔ سوال کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بیوی کے لئے نہیں کہی گئی بلکہ بیوی کے رشتہ داروں کے لئے (جن سے کہ شوہر کو اذیت پہونچی ہے) کہی گئی ہے، نیز یہاں لفظِ طلاق بھی مذکور نہیں، اس لئے اس لفظ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ اگر شوہر کی نیت بیوی کو طلاق دینا ہے اور اسی نیت سے یہ لفظ کہا ہے اور مراد ایک طلاق دو طلاق تین طلاق ہے تو جس بیوی کو کہا ہے اس کو طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی ہے۔ ایک سوال اس کے خلاف بھی آیا ہے اس سوال کے مطابق اس پر جواب تحریر کر دیا ہے۔ حقیقتِ حال اللہ کو معلوم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۰/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف۔

''میں نے آزاد کی، میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں'' کا حکم

سوال [۲۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دی، یا یہ کہا کہ ''تجھ کو میں نے آزاد کی'' یا یہ کہا کہ ''میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں''۔ غرض کہ تینوں لفظوں میں سے کوئی سا لفظ اس نے کہا تو عورت کو طلاق پڑ گئی یا نہیں، اب عورت کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صریح لفظ سے طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہوگئی، نیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور لفظ ''میں نے آزاد کی'' ہمارے عرف میں بمنزلۂ صریح ہے اس سے بھی بلا نیت ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے (۲)، اس لفظ سے اور

---

(۱) (الدر المختار: ۳/۳۰۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۷، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۸۴، باب الکنایات، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۵۳۱، باب الکنایات فی الطلاق، رشیدیه)

(۲) "سرحتک وهو "رها کردم"؛ لأنه صار صریحاً فی العرف علی ما صرح به نجم الزاهدی الخوارزمی فی شرح القدوری .... فإن سرّحتک کنایة، لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی =

صریح لفظ سے ایک یا دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد عدت کے اندر رجعت جائز ہے (۱) اور بعد عدت تراضی طرفین سے نکاح درست ہے (۲) اور تین مرتبہ کہنے کے بعد بلا حلالہ کے رکھنا درست نہیں (۳)۔

اور لفظ "میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں" کنایات میں سے ہے، پس اگر اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی، اس کا حکم یہ ہے کہ تراضی طرفین سے نکاح درست ہے، بلا نکاح رکھنا درست نہیں اور حلالہ کی ضرورت نہیں، بعد عدت عورت دوسرے سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔ اور اگر اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی: "وفي الفتاوی: لم یبق بیني وبینك عملٌ، ونویٰ، یقع، كذا في العتابية". عالم گیری: ۲/۳۹٤ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۲/۵۴ھ۔

صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/صفر/۵۴ھ۔

= الصريح، فإذا قال: "رها كردم": أي سرّحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذلك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (ردالمحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في العدة، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۳/۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (البقرة: ۲۳۰)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۶، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۳/۸۰، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

”تم کو جہاں چاہے شادی کرلو، وہ میرے نام سے چوڑی توڑ پھوڑے، مجھ کو اب کوئی سروکار نہیں“

سوال[۶۱۲۶]: نظام الدین نے اپنی اہلیہ کا ایک سال سے نفقہ بند رکھا ہے اور اشارہ وکنایہ کے ساتھ خسر اور بیوی کے نام سے بہت ناراض ہو کر تاکید مزید کے ساتھ اس طرح خط لکھ دیا کہ ”تم اور تمہاری لڑکی سمجھتے ہیں کہ وہ زلیخا سے زیادہ خوبصورت ہے، تم کو جہاں ملے وہاں شادی کرلو، ایک سال کے اندر ہی شادی کرنے کی کوشش کریں کہ خوشحالی سے زندگی گزرجائے“، وغیرہ جیسے الفاظ ہیں اور اسی گاؤں کے مولوی عبدالحمید صاحب جو معتبر آدمی ہیں، ایک مرتبہ نظام الدین اور مولوی صاحب موصوف سے اس لڑکی کے بارے میں کچھ بات چیت ہورہی تھی، نظام الدین نے اثنائے گفتگو میں مولوی صاحب موصوف سے کہا کہ آپ اس لڑکی سے یعنی بیوی سے کہدیں کہ ”وہ میرے نام سے چوڑی توڑ پھوڑ لیں، مجھ کو اب کوئی سروکار نہیں ہے“۔

چوڑی پھوڑنے کا محاورہ بغیر شوہر کے رہنا ہوتا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۴۱۰، ۴۱۱، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند نیز حوالہ کتب معتبر درج ہے کہ طلاقِ رجعی ہوگئی، نیت کرے یا نہ کرے(۱)، فتاویٰ ہذا پر کچھ جاہل لوگ چنیں چناں کرتے ہیں۔ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شوہر کی طرف سے کوئی صریح لفظ طلاق تحریر میں نقل نہیں کیا گیا، جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ کنایہ ہیں، اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاقِ بائن واقع ہوگی، بعد عدت عورت کو دوسری جگہ نکاح کا حق

---

(۱) ”**سوال**: ہاجرہ کے شوہر نے ہاجرہ کے ساتھ بدسلوکی کی، ہاجرہ کے دریافت کرنے پر کہا کہ ”جاؤ تم کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں اور نہ مجھ کو تم سے“۔ ہاجرہ اپنے میکہ چلی آئی اور دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، شوہرِ اول آمادۂ فساد وتکرار ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

”**الجواب**: اگر شوہر نے یہ لفظ کہ ”جاؤ تم کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں، الخ“ بہ نیت طلاق کہا ہو تو اس کی زوجہ پر طلاق بائنہ واقع ہوگئی، لیکن اگر شوہر بہ نیت طلاق کہنے سے انکار کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور بدونِ طلاق شوہر اول کے دوسرا نکاح ہاجرہ کا درست نہ ہوگا۔ فقط“۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۹/ ۳۶۰، کتاب الطلاق، باب چہارم کنایات، سروکار نہیں کا جملہ طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق ہوئی یا نہیں، مکتبہ امدادیہ ملتان)

حاصل ہے(۱)، درمختار وغیرہ میں ہے کہ کنایہ سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔

”اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ میں طلاق دے کر جارہا ہوں“

سوال[۶۱۶۷]: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید کی شادی ہندہ سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ہوئی، زید آزاد منش ثابت ہوا، شروع ہی سے رنجشیں شروع ہوگئیں۔ کچھ عرصہ قبل ہندہ اپنے میکے آئی ہوئی تھی، بغرضِ ملاقات زید آیا اور حسبِ سابق رنجش شروع ہوگئی، زید نے ہندہ کو ساتھ لے جانا چاہا مگر ہندہ ان حالات میں جانے کو تیار نہیں ہوئی کہ مار پٹائی تک نوبت آگئی تھی، اس پر زید یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا: ”میں یہاں سے جارہا ہوں، تُو میرے لئے مرچکی، میں تمہارے لئے مرچکا، اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں رہا، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ، میں تیری کوئی خبر نہیں لوں گا، میں طلاق دے کر جارہا ہوں، میرے جانے کے بعد تم عدت میں بیٹھ جانا“۔

جب تنازعہ ہوا، ہندہ چار ماہ کی حاملہ تھی، وہ خاوند کے جانے کے بعد غسلخانہ میں گرگئی اور خاوند کے جانے کے چھٹے روز اسپتال میں اسقاط ہوگیا۔

۱......مذکورہ بالا عبارت سے طلاق رجعی ہوئی یا بائن؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا طلّقتم النسآء، فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ الاية (سورة البقرة: ۲۳۲)

"فإذا انقضت العدة قبل الرجعة، فقد بطل حق الرجعة، وبانت المرأة منه، وهو خاطب من الخطاب يتزوجها برضاها إن اتفقا على ذلك". (المبسوط للسرخسي: ۲/۱۶، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه حبيبيه، كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۹۶، فصل في شرائط جواز الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويقع بباقيها أي باقي الفاظ الكنايات المذكورة...... البائنُ إن نواها......

قال ابن عابدين رحمه الله: قوله: (البائن) بالرفع فاعل "يقع" في قوله: "ويقع بباقيها".

(ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلب: لا اعتبار بالأعراب هنا: ۳/۳۰۲، ۳۰۳، سعيد)

"تطلق واحدة رجعية في اعتدي واستبرئي رحمك وأنت واحدة فلا يقع في هذه الثلاثة إلا واحدة رجعية ولو نوى ثلاثاً، أو ثلثين، وفي غيرها بائنة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الكنايات: ۱/۳۷۵، رشيديه)

اسقاط سے انقضائے عدت اور حالاتِ جنین

سوال[۱۲۱۶۸]: ۲.....زید کی شادی ہندہ سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل ہوئی، زید آزاد منش ثابت ہوا، شروع ہی سے رنجشیں شروع ہوگئیں.........زید نے ہندہ کو ساتھ لے جانا چاہا لیکن ہندہ ان حالات میں جانے کو تیار نہیں ہوئی کہ مار پٹائی تک نوبت آگئی تھی، اس پر زید یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا: ''میں یہاں سے جارہا ہوں، تُو میرے لئے مرچکی، میں تمہارے لئے مرچکا، اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں رہا، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ، میں تیری کوئی خبر نہیں لوں گا، میں طلاق دے کر جارہا ہوں، میرے جانے کے بعد تم عدت میں بیٹھ جانا''۔ جب تنازعہ ہوا ہندہ چار ماہ کی حاملہ تھی، وہ خاوند کے جانے کے بعد غسلخانہ میں گر گئی اور خاوند کے جانے کے چھٹے روز اسپتال میں اسقاط ہوگیا۔ اس اسقاط سے عدت پوری ہوگئی یا نہیں؟

۳.....اگر عدت پوری نہیں ہوئی تو خاوند کو بغیر بیوی کی مرضی کے رجعت کا حق ہے یا نہیں؟

۴.....تکوینِ حمل میں ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ ''پہلے ماہ میں یہ کیفیت ہوتی ہے، دوسرے ماہ میں لمبائی جنین تقریباً ۴/ انچ وزن ایک گرام، سر آنکھ کان ہاتھ پیر کے نشانات اور ریڑھ کے سرے الگ الگ نشانات ظاہر کرتے ہیں۔ تیسرے ماہ لمبائی ۳/ انچ، وزن ۳/ گرام انگلیوں کے نشان معلوم ہونے لگتے ہیں، چوتھے ماہ لمبائی ۶/ انچ، وزن ۵/ اونس، اعضائے تناسل زنانہ مردانہ پہچانے جاسکتے ہیں، پانچویں ماہ جنین کی لمبائی ۹/ انچ، وزن ڈیڑھ یا (......) سر پر بال انگلیوں میں (......) نکلنے لگتے ہیں اور اسی طرح نویں ماہ تک تفصیل درج ہے۔ (کچھ روایات کنز الاعمال: ۱/۱۱۰) پر لکھی احقر نے دیکھی جس کے نمونے اسپتال جے جے کے میوزیم میں ہر ماہ کے جنین شیشوں میں رکھے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں''۔ کتاب علم القبالت از حکیم محمد عبد المتین خاں، ص: ۳۷۔

تو کیا ان اطباء کی تحقیق جنین کے نشو ونما میں قابلِ قبول ہے؟ یہ سب اسلئے لکھا ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۲۷، ۳/۱۵۹، اور فتاویٰ امدادیہ: ۴/۵۱۳، ۵۱۴، کی عبارت سے مجھے پورا اطمینان نہیں ہوا۔ تو تفصیل عرض کردیں۔

نیز طلاق کے معاملہ کو سننے والے ہندہ، ہندہ کی بڑی بہن اور اس بڑی بہن کا خاوند ہے۔ بصد احترام جواب ارسال کرنے کی درخواست ہے۔

محمد سعود، ۲۱/۲/۱۴۰۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......زید کے الفاظ "اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں رہا، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ" یہ کنایاتِ طلاق ہیں، اگر طلاق کی نیت سے کہے جائیں تو طلاقِ بائن ہوتی ہے(۱)۔ ان الفاظ کے بعد صریح طلاق کا بولنا یہ قرینہ ہے کہ یہ الفاظ طلاق کے لئے کہے گئے ہیں، لہذا ان سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی، پھر صریح لفظ طلاق بولا، اس میں نیت کی بھی حاجت نہیں، اس سے دوسری طلاق واقع ہوگئی، وہ بھی بائن ہی ہوئی، کیونکہ بائن کے بعد رجعی کا محل نہیں رہا:

"الصریح یلحق الصریح و یلحق البائن، اھ". درمختار۔ "(قوله: و یلحق البائن) کما لو قال لها: أنت بائن، أو خالعها علی مال ثم قال: أنت طالق، أو هذه طالق، بحر عن البزازیه. وإذا لحق الصریح البائن کان بائناً؛ لأن البینونة السابقة علیه تمنع الرجعة، کما فی الخلاصة، اھ". شامی: ۲/۳۶۹ مختصراً (۲)۔ اب رجعت کا حق نہیں رہا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ بلسانہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وفی الفتاوی: لم یبق بینی و بینک عملٌ، و نوی الطلاق، یقع، کذا فی العتابیة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، فصل فی الکنایات والمدلولات، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۵۲۸، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۰۶، کتاب الطلاق، مطلبٌ: الصریح یلحق الصریح، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۲/۸۷، کتاب الطلاق، جنس آخر فی البائن والرجعی، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۷۳، کتاب الطلاق، إیقاع الطلاق علی المبانة، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "هی استدامة الملک القائم فی العدة......... إن لم یطلق بائناً". (الدرالمختار). "هذا بیان لشرط الرجعة، ولها شروط خمس .... و لا کنایة یقع بها بائن". (ردالمحتار: ۳/۳۹۷، ۴۰۰، باب العدة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۱۴۹، کتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، کتاب الطلاق، فصل فی حکم الطلاق البائن، دارالکتب العلمیة، بیروت)

۴،۳،۲......اگر سقط میں بعض خلقت ظاہر ہوگئی تھی جو کہ عامۃً چار ماہ میں ظاہر ہو جاتی ہے تو عدت پوری ہوگئی:

"ظهر بعض خلقه كيد أورجل أو أصبع أوظفر أو شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد مأة وعشرين يوماً (ولد) حكماً (فتصير) المرأة (به نفساء............اه) وتنقضى به العدة. فإن لم يظهر له شيئ فليس بشيئ، ١هـ". درمختار۔

قال الشامي: "(قوله: ولا يستبين خلقه، الخ) "فى بعض الروايات: الصحيح "إذ امرّ بالنطفة ثنتان وأربعون ليلةً، بعث الله إليها ملكاً، فصورها، وخلق سمعها وبصرها وجلدها". وأيضاً هوموافق لماذكره الأطباء، فقد ذكر الشيخ داؤد فى تذكرته: أنه يتحول عظاماً مخططةً فى اثنين وثلاثين يوماً إلى خمسين، ثم يجتذب الغذاء ويكتسى اللحم .... والنامية ويكون كالنبات إلى نحو المأة، ثم يكون كالحيوان النائم إلى عشرين بعدها، فتنفخ فيه الروح الحقيقة الإنسانية، اه. ملخصاً۔

نعم نقل بعضهم أنه اتفق العلماء على أن نفخ الروح لايكون إلابعد أربعة أشهر: أى عقبها كماصرح به جماعة. وعن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أنه بعد أربعة أشهر وعشرة أيام. وبه أخذ أحمد رحمه الله تعالىٰ، ولاينافى ذلك ظهورالخلق قبل ذلك؛ لأن نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق. وتمام الكلام فى ذلك مبسوط فى الشرح الحديث الرابع من الأربعين النووية، فراجعه، اه". ردالمحتار: ١/ ٢٠١، باب الحيض(١)۔ **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

أملاہ بلسانہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(١) (التنويرمع الدر المختار: ١/ ٣٠٢، باب الحيض مطلب: أحوال السقط وأحكامه، سعيد)

(وكذافى الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٥٢٩، الباب الثالث عشرفى العدة، رشيديه)

(وكذافى الفتاوىٰ التاتارخانية: ١/ ٣٩٣، ٣٩٤، الفصل التاسع فى الحيض، قسم آخرفى معرفة أول وقت النفاس ومما يتصل بهذا القسم من السقط، إدارة القرآن كراچى)

''میری طرف سے آزاد ہو، جس سے چاہو شادی کرلو''

سوال[۶۱۶۹]: زید نے اپنی بیوی کو جلد رخصت کرنے کے لئے ایک پرچہ لکھا، تاکہ میکہ والے رخصت کرنے میں جلدی کریں، اس میں کچھ جملے ایسے استعمال کئے ہیں کہ بعض لوگ اس کو طلاق وتفویض اور بعض طلاقِ کنایہ کہتے ہیں، حالانکہ زید نے کوئی طلاق کی نیت نہیں کی ہے۔ جملے حسب ذیل ہیں:

ا...... ''تم دوسروں کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو میری طرف سے آزاد ہو، جس سے چاہو شادی کرلو''(۱)۔

''میری طرف دیکھنا حرام ہے''

سوال[۶۱۷۰]: ۲...... ''ایک مہینہ میں تمہیں میری طرف دیکھنا حرام ہے، کیونکہ میں تمہارا کون ہوں گا''۔

۳...... ''اب میں خود نہ رکھنے کے لئے منظور کرتا ہوں''۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا- اگر عورت نے دوسرے سے شادی کرنے کی خواہش کی تو اس پر طلاقِ بائن ہوگی ورنہ نہیں۔ جملہ نمبر:۲، ۳ سے نہ تفویضِ طلاق ہوئی نہ کنایہ طلاق ہوئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "وفي القنية: اذْهَبِي و تزوّجِيْ، تقع واحدة بلا نية". (الدر المختار). "لوقال: اذهبي فتزوجي، وقال: لم أنو الطلاق، لا يقع شيءٌ". (ردالمحتار: ۳/۳۱۴، قبيل باب التفويض، سعيد)

"وإذا أضافه (أي الطلاق) إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً .... وإن كنت تحبيني بقلبك، فأنت طالق، فقالت: أحبك وهي كاذبة، طلقت قضاءً و ديانةً عند أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، ۴۲۳، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة "إن و إذا" وغيرهما، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۴/۴۴، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۲۱، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

''میرا تجھ سے تعلق نہیں ہے، نہ تُو میری زوجہ ہے، تیرا میرا نکاح نہیں ہوسکتا، میں اپنی عورت کو نہیں چاہتا، میری طرف سے آزاد ہے''

سوال[۶۱۷۱]: **بیانِ مدعیہ زوجہ:**

''مجھے خبر ملی کہ میرا خاوند آیا ہوا ہے تو میں بچوں اور اپنی والدہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس گئی اور آہ وزاری کر کے اس کو گھر میں لے آئی، پھر گھر میں وہ مجبور کرتا تھا، میں نے اس سے کہا کہ تُو میرے ساتھ گزران کیوں نہیں کرتا، اس کی کیا وجہ ہے، تُو مجھے اپنا ارادہ بتا۔ تو اس نے جواب دیا کہ ''میرا تجھ سے تعلق نہیں ہے اور نہ تُو میری زوجہ ہے، تیرا میرا نکاح نہیں ہوسکتا، کیوں کہ تو شیعہ ہے اور میں سنی، تم مجھ پر حرام ہو اور میں اس دن سے جب کہ تیری والدہ کے گھر سے پھاڑ توڑ گیا تھا تو قطعاً کر کے گیا تھا، کیوں کہ میں اہلِ سنت والجماعت ہوں اور پابندِ شرع شریف ہوں اور نہ تیرے ساتھ میں گزارہ کرتا ہوں اور نہ تو میری زوجہ ہے''۔

اس کے بعد اس کے ماموں وغیرہ نے کہا کہ تُو اپنی زوجہ کو اپنے پاس رکھ اور گھر میں اپنے بچوں کے پاس آیا کر، کیوں کہ انہوں نے مجھ کو بھیجا ہے، اس نے پہلے ہم کو جواب دیا کہ یہ میری زوجہ نہیں ہے یہ اپنے ماموں کی زوجہ ہے۔

اس سے کہا گیا کہ عورت خاوند میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور صلح بھی ہوتی رہتی ہے، تیرے چھوٹے بچے ہیں، تُو ان کو خرچ وغیرہ تو دے تو اس نے جواب دیا کہ ''میں اپنی عورت کو نہیں چاہتا'' تو اس سے کہا کہ اگر تو عورت کا خرچ نہیں دیتا تو اپنے معصوم بچوں کا تو خرچہ دے تو اس نے کلمہ پڑھ کر کہہ دیا'' کہ نہ میرا دل اس زوجہ کو رکھنا چاہتا ہے اور نہ میں اس کے گھر جاؤں گا اور نہ خرچ وغیرہ دوں گا، میری طرف سے آزاد ہے، جدہر اس کا دل چاہے جاسکتی ہے''۔

اس سے کہا گیا: اگر تُو ایسا نہیں چاہتا تو چل شرع شریف اور شریعت پر چل کر فیصلہ کرتے ہیں کیوں کہ تو چند دفعہ شریعت کے خلاف الفاظ کہہ چکا ہے، اس نے کہا کہ اگر تم شریعت پر جاؤ تمہاری مرضی، اگر عدالت پر جاؤ

تمہاری مرضی، میری وہی بات ہے کہ یہ مجھ سے آزاد ہے اور میں اسے آباد کرنا نہیں چاہتا اس کے بعد یہ تمام سامان گھر اٹھا کر چلا گیا''۔

یہ بیان شہزادہ زوجہ الٰہی بخش۔ کے ہیں۔

بیان خادم حسین:

''آپ کوشش کریں کیوں کہ آپ کا شاگرد ہے، آپ کی بات مان لے گا، میں نے چند آدمی کے سامنے اس سے کہا کہ چلو صلح کرادوں، اس نے کہا: کہ استاد چاہے مجھے قتل کردو، یا بازار میں فروخت کردو، میں اس سے صلح نہیں کروں گا، میں نے تو اس سے قطع تعلق کرلیا ہے''۔

یہ الفاظ زوجہ اور شاہد کے بیان ہیں۔ کیا یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں یا نہیں، کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر الٰہی بخش کو ان الفاظ کا اقرار ہے، یا یہ گواہ جن کے سامنے یہ الفاظ کہے ہیں شرعاً معتبر اور ثقہ ہیں تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی، عدت کے بعد عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۷/۳/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "ولو قال لامرأته: لست لي بامرأة .... قال: نويت الطلاق، يقع الطلاق. وفي الفتاوى: لم يبق بيني و بينك عملٌ، و نوى، يقع. إذا قال الرجل لامرأته: أنت عليّ حرام –ذلك في غير حال مذاكرة الطلاق– إن نوى به الطلاق كان طلاقاً بائناً، وإن نوى ثلاثاً فثلاث". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، ۳۷۶، ۴۵۳، باب الكنايات، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۹۸، ۳۰۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

’’عورت کو آزاد کر چکا ہوں، قطعی کر چکا ہوں، مجھ پر حرام ہے‘‘

سوال[۶۱۷۲]: گواہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے شوہر سے کہا کہ تم اپنی عورت کو کیوں آباد نہیں کرتے اور بچوں کا خرچ کیوں نہیں دیتے؟ اس نے گواہوں کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ’’میں عورت کو آزاد کر چکا ہوں، قطعی کر چکا ہوں، مجھ پر حرام ہے‘‘۔ اب قابلِ دریافت یہ ہے کہ کیا یہ الفاظ کنایہ ہیں؟

پھر تحقیقی فیصلہ سننے کے لئے پیش ہوئے، خاوند نے جب فیصلہ سننے کے لئے ان گواہوں کے بیان سنے تو منکر ہو گیا، ان الفاظ کے صادر ہونے کا بھی منکر ہے اور عورت پر طلاق واقع ہونے کا انکار ان لفظوں سے کرتا ہے، فقط انکار کرتا ہے اور ان الفاظ سے نیت بھی کچھ بیان نہیں کرتا، اور الفاظ کی اطلاع گواہوں کو دینے سے بھی انکار کرتا ہے، ان میں سے دو گواہ تو مستور الحال قابلِ سماعت ہیں اور مشہور الفسق ہیں مثبت نہیں ہو سکتے، ان میں سے ایک عورت کا ماموں ہے۔

کتاب عینی شرح کنز تیسری جلد مطبوعہ نول کشور، کتاب الشہادات، باب اختلاف الشہود، ص: ۲۴۴(۱) میں جو مسئلہ تحریر ہے کہ نکاح کے دعویٰ میں اگر عورت کے شہود اختلاف کریں تو دعویٰ رد ہے کیونکہ اس کا دعویٰ مہر ہے، نکاح کے دعویٰ میں اگر خاوند کے گواہ آپس میں اختلاف کریں تو خاوند کا دعویٰ رد ہے۔ اب وقوع طلاق بائن بالفاظِ مذکورہ بالا گواہوں نے بیان کئے ہیں۔ کیا یہ مترادف ہم معنی ہیں، ان سے طلاق بائن واقع

---

(۱) ”ولو قال لامرأته: لست لي بامرأة .... قال: نويت الطلاق، يقع الطلاق. وفي الفتاوى: لم يبق بيني وبينك عملٌ، ونوى، يقع. إذا قال الرجل لامرأته: أنت عليّ حرام – ذلك في غير حال مذاكرة الطلاق – إن نوى به الطلاق، كان طلاقاً بائناً، وإن نوى ثلاثاً فثلاثٌ“. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، ۳۷۶، ۴۵۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، باب الإيلاء، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۹۸، ۳۰۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

”وأما النكاح، فإن كان الزوج يدّعي والمرأة منكرة، واختلف الشاهدان في المهر، لا تقبل الشهادة. وإن كانت المرأة هي المدعية، فهذا دعوى المال عند أبي حنيفة رحمة الله، حتى لوادعت النكاح بألف وخمسمأة واختلف الشاهدان، فالنكاح جائز بألف عند أبي حنيفة رحمه الله“.

(رمزالحقائق على كنز الدقائق: ۲/۸۷، باب الاختلاف في الشهادة، إدارة القرآن كراچي)

ہوگی؟ یا ان سے اختلاف سمجھا جائے گا اور شہادت رد ہوگی اور عورت پر ان الفاظ سے طلاق بائن واقع نہ ہوگی، یا ہوجائے گی؟ جواب سے جلد سرفراز فرمائیں۔

راقم: ابوالخیر عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ گواہوں کا اختلاف مؤثر نہیں کیوں کہ ایک وقت کے کہے ہوئے الفاظ کی شہادت نہیں دے رہے ہیں، لہٰذا اس اختلاف کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی (۱)۔

نمبر۱: ''عورت کو آزاد کرچکا ہوں'' ہمارے عرف میں بمنزلہ صریح ہے، اس لفظ سے بلانیت بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ جس جگہ یہ عرف نہ ہو وہاں یہ حکم نہ ہوگا:

"سرّحتُك كنايةٌ، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كردم": أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقدمر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أيّ لغة كانت، اهـ". رد المحتار: ۷۱۷/۲(۲)۔

نمبر۲: ''قطعی کرچکا ہوں'' یہ کنایہ ہے، اس میں نیت کی ضرورت ہے، یمین دلالتِ حال سے نیت کا

---

(۱) "قد ذكر في الشرح المحال عليه مسائل لايضر فيها اختلاف الشاهدين .... الحادية والعشرون: قال لامرأته: إن كلّمت فلاناً، فأنت طالق، فشهد أحدهما أنها كلمته غدوةً، والآخر عشيةً، طلقت؛ لأن الكلام يتكرر، فيمكن أنها كلّمته في الوقتين". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۷۵/۴، ۴۷۷، كتاب الوقف، فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر وغيرها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۰۷/۱، ۵۰۸، كتاب الشهادات، الباب الثامن: الاختلاف بين الشاهدين، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۲۸۷/۵، كتاب الشهادات، نوع في اختلافهما، رشيديه)

(۲) (رد المحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲۹۹/۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

ظہور ہوجاتا ہے اور بوقتِ نیت اس لفظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے:

"بائن، ومُراد فُها كبتةٌ وبتلةٌ، اهـ". درمختار۔ "(قوله: بائن) من بان الشيء: انفصل أى منفصلة من وصلة النكاح أو عن الخير، (قوله: كبتة) من البت بمعنىٰ القطع، فيحتمل مااحتمله البائن، أو بتلةٌ من البتل، وهو الانقطاع، اهـ". شامى: ۷۱۸/۲ (۱)۔

نمبر۳: "مجھ پرحرام ہے" یہ لفظ اگرچہ اپنے لفظ کے اعتبار سے کنایہ ہے مگر دلالتِ عرف کی بناء پر اس سے بلانیت طلاقِ بائنہ واقع ہوجاتی ہے، لیکن بائنہ کے بعد بائنہ واقع نہیں ہوا کرتی، پس دوسرے لفظ سے وقوعِ طلاق کی تقدیر پر اس سے طلاق واقع نہ ہوگی (۲)۔

"(قوله: حرام) وسيأتي وقوع البائن به بلانية في زماننا للتعارف، لافرق في ذلك بين محرمة وحرمتك، سواء قال: عليّ، أولا، وإن كان الحرام في الأصل كنايةٌ يقع بها البائن؛ لأنه لمّا غلب استعماله في الطلاق، لم يبق كنايةً، ولذا لم يتوقف علىٰ النية أو دلالة الحال المتعارف به إيقاع البائن لاالرجعي. إذا طلقها تطليقةً بائنةً، ثم قال لها في عدتها: أنت عليّ حرام وهو يريدبه الطلاق، لم يقع عليها شيئ؛ لأنه صادق في قوله: هي عليّ حرام، وهي مني بائن، اهـ: أى لأنه يمكن جعل الثاني خبراً عن الأول، اهـ". الدر المختار وشامي مختصراً(۳)۔

صورتِ مسئولہ میں نکاح میں کوئی اختلاف ہی نہیں، نفسِ نکاح زوجین کو مسلّم ہے، اختلاف تطلیق میں ہے۔ شہادتِ فاسق پر حکم کرنا لازم نہیں ہوتا، لیکن اگر حاکم حکم کردے گا تو وہ نافذ ہوجائے گا: "أن القاضي

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۰۰/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۸/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۱۴/۳، ۳۱۵، كتاب الطلاق، الكنايات، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ولا يلحق البائنُ البائنَ". (الدر المختار: ۳۰۸/۳، باب الكنايات، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۲۹۸/۳، ۲۹۹، ۳۰۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلبٌ: الصريح يلحق الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۰۵/۳، كتاب الطلاق، نوع أنت حرام علي، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۵۲۳/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

لو قضى بشهادة الفاسق، يصح عندنا، اھ". مجمع الأنهر: ۲/۱۸۸(۱)۔

اسی طرح رشتہ دار کی شہادت پر حکم کرنے سے بھی نافذ ہوجائے گا:"إذا قضى بشهادة الأعمىٰ، أو المحدود في القذف إذا تاب، أو بشهادة أحد الزوجين مع آخر لصاحبه، أو بشهادة الوالد لولده وعكسه، نفذ حتىٰ لايجوز للثاني إبطاله، اھ". مجمع الأنهر: ۲/۱۹۵(۲)۔

پس اگر قاضی نے شہادات مذکورہ پر وقوع طلاق کا حکم نافذ کردیا تو وہ بھی لازم ہوگیا۔ اگر حاکم نے حکم نہیں کیا اور شوہر نے کوئی لفظ صریح یا بمنزلہ صریح نہیں کہا، اسی طرح کوئی کنایہ مع نیت یا قائم مقام نیت کے نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اگر عورت نے خود صریح لفظ یا بمنزلہ صریح سنا، یا اس کو کسی آدمی نے اس کی خبر دی ہے اور عورت کو اسکا یقین ہوگیا تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے تاوقتیکہ شرعی طریق پر حلالہ نہ ہوجائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

"ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق"

سوال[۲۱۷۳]: صورت:۱......ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق دیا۔

۲......ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق، بحذف لفظ "دیا"۔

يقع الطلاق الغليظ البائن في هاتين الصورتين المذكورتين قضاءً، ولا تتعلق الديانة

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/۱۸۸، كتاب الشهادات، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۳/۱۴۳، كتاب الشهادة، قديمي)

(۲) (مجمع الأنهر: ۲/۱۹۵، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "والمرأة كالقاضي، لايحل لها أن تمكنه، إذا سمعت منه ذلک، أوشهدبه شاهد عدل عندها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، كتاب الطلاق، الفصل الأول من الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۵۱، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب الصريح نوعان رجعي وبائن، سعيد)

فیهما مطلقاً کماتدل علیه العبارات الفقهیة، وظاهر کلام المطلق، فحینئذ تکون الصورة: ''ایک طلاق بائن دوطلاق بائن، تین طلاق بائن، یا تین طلاق بائن''۔ و هذا سواء أظهر المطلق لفظ: ''دیا''(النسبة الحکمیة) أو أخفیٰ؛ لأنها باقیة فی نیته، ولأن النیة المعنویة کافیة فی باب الطلاق فی بعض الصور دون اللفظیة. وهذا فی فهمی، فکیف التحقیق عند حضرتکم فی الصورتین (المذکورتین)''؟

۳......ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق بائن دیا۔

۴......ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق بائن بحذفِ لفظ''دیا''۔

هاتان الصورتان أیضاً کالصورتین المذکورتین فی وقوع الطلاق الغلیظ، ویتعلق لفظ "بائن" فی کلتی الصورتین لکل لفظ طلاق المذکور فیهما بعد بیان الزوج أو قبله، و قضاءً و دیانةً أم کیف الحکم؟

۵......ایک طلاق، دوطلاق، بائن طلاق دیا۔

۶......ایک طلاق، دوطلاق، بائن طلاق بحذف لفظ''دیا''۔

۷......ایک، دو، تین طلاق بائن، طلاق دیا۔

۸......ایک، دو، تین طلاق، بائن طلاق بحذفه۔

۹......ایک، دو، تین بائن طلاق دیا۔

۱۰......ایک، دو، تین بائن طلاق بحذفه۔

۱۱......ایک، دو، تین بائن دیا۔

۱۲......ایک، دو، تین بائن بحذفه۔

وجهوا حکم هذه الصورة مرقومة الصور هل یقع طلاقان بائنان عند بیان الزوج بتوصیف لفظ "بائن" للطلاقین المذکورین قبله دیانةً، والحال أنه أعاد لفظ الطلاق بعد لفظ "بائن"، وهو یشیر أنه طلاق ثالث علیحدة، وإلا لَمَا کرره مثلثاً. و هذا کما فهمت. وما رأئیکم الشریف: هل تحملونه علی التأکید والبیان، أم کیف الأمر فی نفس الأمر؟ بینوا بالتفصیل

توجروا بالأجر الجزیل من عند ربکم الجلیل. وما الحکم فی بقیة الصور الآتیة بالذیل؟ اکتبواها بالدلائل مع الحد الفاصل:

۱۳......ایک طلاق، دوطلاقِ بائن دیا۔

۱۴......ایک طلاق، دوطلاق بائن بحذفِ لفظ ''دیا''۔

۱۵......ایک طلاق بائن طلاق دیا۔

۱۶......ایک طلاق بائن بحذفہ۔

۱۷......ایک دو بائن دیا۔

۱۸......ایک دو بائن بحذفہ۔

صاف طلاق

سوال[۶۱۷۴]: صورت نمبرا: ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق، صاف طلاق دیا۔

۲......ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق، صاف بحذف النسبة۔

۳......ایک طلاق، دوطلاق، صاف طلاق دیا۔

۴......ایک، دو، صاف طلاق دیا۔

۵......ایک، دوصاف طلاق بحذفہ۔

۶......ایک، دو، تین صاف طلاق دیا۔

۷......ایک، دو، تین صاف طلاق بحذفہ۔

۸......صاف طلاق دیا۔

۹......صاف طلاق۔

۱۰......صاف صاف کردیا۔

فما فتواکم فی مسئلة ''صاف طلاق'' أهو مرادفٌ بسرَحتُ أم داخل تحت أذیال الکنایات؟ کما هی القاعدة الفقهیة، و لقد غلب فی عرفنا لفظ ''صاف'' عندالطلاق بین العوام، وهم یستعملونه موقع الثلاث، و تدل علیه القرائن والأطوار. أفلا نتذکر ههنا القاعدة المشهورة

الفقهية: "العرف قاض" عند نقل الفتویٰ أم لا؟ بينوا بالتشريح مع الحكم الصريح۔

(اردو)۔

''تو طلاق بغیر طلاق'' (عربی) أنت طالق بغير طلاق، أو أنت مطلقة بغير طلاق. ما قولكم يا أصحاب الإفتاء في هذه الصورة المشهورة في عرفنا ورواجنا بغلبة الاستعمال؟ ألا يقع الطلاق بالنظر إلى تركيب الجملة ههنا؛ لأن فيها إقالة الحقيقة وإبطالها، نبغي لفظ "طلاق" ظاهراً، أم كيف يدور الحكم؟ قد ترددتُ في هذه المسئلة و وقعتُ في الشبهات اللفظية والمعنوية.

حرروا جواب هذه المسئلة بالبيان الشافي مع الدليل الكافي، وانطباقها على كلمات الكتب المعتبرة المتداولة، واقتباسها على الأمثال والنظائر مع وفور الدلائل والاجتناب عن الطائل، والتوجه إلى سؤال السائل! توجروا بالعاجل۔ فقط والسلام۔

المستفتی: ابراہیم خلیل غفرلہ الرب الجلیل باسمہ تعالیٰ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱ ...... تقع المغلظة(۱)۔ ۲ ...... تقع المغلظة كما كتبتم۔ ۳ ...... تقع المغلظة۔

۴ ......تقع المغلظة كمافي الصورتين الأوليين، سواء كان تعلق البائن بكل من الطلقات الثلاث أو بالمجموع(۲)۔ ۵ ...... تقع المغلظة، إلا أن يقول الزوج: إني أردت أن أجعل الرجعيتين بلفظ ''بائن طلاق دیا'' بائنين، فيعتبر قوله بالحلف(۳)۔ ۶ ...... حكمه حكم الخامس۔ ۷ ...... تقع

---

(۱) "و إذا قال لامرأته: أنت طالق و طالق و طالق، و لم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها ، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۲، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق و إيقاع العدد، الخ، إدارة القرآن كراچی)

(۲) تقدم تخريجها في الحاشية السابقة

(۳) "طلقها واحدةً بعد الدخول، فجعلها ثلاثاً، صح، كما لو طلقها رجعياً، فجعله قبل الرجعة بائناً أو ثلاثاً". (التنوير مع الدر المختار: ۳/۳۰۵، كتاب الطلاق، باب الكنايات ، سعيد)

المغلظة(١)، إلا أن يكون العرف أن يذكر قبل الطلاق لفظ "ایک، دو، تین" للتنبيه والإيقاظ، فيقع البائن۔

٨...... حكمه حكم السابع۔ ٩...... حكمه حكم السابع۔ ١٠...... حكمه حكم السابع۔ ١١...... حكمه حكم السابع۔ ١٢...... حكمه حكم السابع۔ ١٣...... حكمه حكم الخامس۔ ١٤...... حكمه حكم الخامس۔ ١٥...... تقع الطلقتان البائنتان(٢)، إلا أن يقول: إني أردت أن أجعل الرجعي بائناً بلفظ "بائن طلاق دیا"(٣)۔ ١٦...... هذه طلقة واحدة بائنة(٤)۔ ١٧...... تقع الطلقتان البائنتان. ١٨...... حكمه حكم السابع عشر.

١...... تقع المغلظة۔ ٢...... تقع المغلظة(٥)۔ ٣...... تقع المغلظة، إلا أن يقول: إني

---

(١) "ولو قال: أنت بثلاث، وقعت ثلاث إن نوى. ولو قال: لم أنو، لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق، وإلا صدق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٥٧، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(٢) "والطلاق البائن يلحق الطلاق الصريح بأن قال لها: أنت طالق، ثم قال لها: أنت بائن، تقع طلقة أخرى"(الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٧، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ٣/٣٠٦، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق مع البحر الرائق: ٣/٥٣١، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(٣) "طلقها واحدةً بعدالدخول، فجعلها ثلاثاً، صح، كما لو طلقها رجعياً، فجعله قبل الرجعة بائناً أو ثلاثاً". (التنوير مع الدر المختار: ٣/٣٠٥، كتاب الطلاق، باب الكنايات ، سعيد)

(٤) "أنت طالق بائن أو ألبتة أو أفحش الطلاق أو طلاق الشيطان .... فهي واحدة بائنة إن لم ينو ثلاثاً". (البحرالرائق: ٣/٤٩٩، ٥٠٠، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ٣/٢٧٦، ٢٧٧، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(٥) "و إذا قال لامرأته: أنت طالق و طالق و طالق، و لم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٥٥، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٢٩٣، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/٢٨٢، كتاب الطلاق، نوع آخر في تكرار الطلاق و إيقاع العدد، =

أردت بلفظ ''صاف طلاق دیا''، أنه طلاق صریح، لیس فیه کنایة، فیصدق بالیمین فتقع الطلقتان(۱)۔ ٤...... تقع الطلقتان۔ ٥...... تقع الطلقتان(۲)۔ ٦...... تقع المغلظة۔ ٧...... تقع المغلظة(۳)۔

٨...... هذه طلقة واحدة۔ ٩...... هذه طلقة واحدة۔ ١٠...... هذه طلقة واحدة(٤)۔

فی عرفنا لفظ ''صاف'' لا یستعمل موقع الثلاث، بل یستعمل فی مقابل الکنایة، أما عرفکم فأنتم أعلم به، والعرف فی الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قد یدار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ المبتلی بأمانۃ الإفتاء بدار العلوم دیوبند۔

''تو مجھ پر حرام ہے، میرے گھر سے نکل جاؤ''

سوال[۶۱۷۵]: ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کسی خانگی معاملات کی تکرار پر غصہ کی حالت میں یوں کہہ

= الخ، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) "رجل قال لامرأته بعد الدخول بها: أنت طالق، طالق، تقع ثنتان؛ لأنه لا یمکن أن یجعل تکراراً للأول؛ لأن الأول إیقاع شرعاً، فیجعل هذا عطفاً بإدراج حرف العطف". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۸۸/۳، کتاب الطلاق، فصل فی تکرار الطلاق و إیقاع العدد الخ، إدارۃ القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۵/۱، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار: ۲۹۳/۳، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها، سعید)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

(۴) "فالصریح قوله: أنت طالق و مطلقة و طلقتک، فهذا یقع به الطلاق الرجعی، ولا یفتقر إلی النیة". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۶۰/۳، کتاب الطلاق، الفصل الاول فیما یرجع إلی صریح الطلاق، إدارۃ القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۳/۱، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار: ۲۴۷/۳، ۲۴۸، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

دیا کہ "تو مجھ پر حرام ہے اور میرے گھر سے نکل جاؤ، اپنے باپ کے یہاں چلی جاؤ"۔ اس کے بعد زوجہ مذکورہ دو ماہ شوہر کے پاس رہی اور صحبت بھی بدستور سابقہ ہوتی رہی۔ دو ماہ بعد زوجہ مذکورہ برضامندیٔ شوہر اپنے باپ کے یہاں پہونچی، اس نے یہ واقعہ تکرار مع ان الفاظ کے جو اوپر تحریر ہے اپنے والدین سے بیان کیا، یہ سن کر والدین نے لڑکی کو شوہر کے ہمراہ اب تک نہیں بھیجا اور کہتے ہیں طلاق پڑگئی، اس تکرار کو جو شوہر سے ہوئی تھی پانچ ماہ ہوگئے۔ پس شرعاً صورت مسئولہ میں کیا حکم ہے؟ اگر طلاق پڑگئی تو جواز کی کیا صورت ہے؟

عبدالغفور، عبدالعزیز سوداگران بزازہ مزنگ، مین بازار لاہور۔

الجواب حامداًومصلياً:

صورت مسئولہ میں ایک طلاق پڑگئی اور وہ بائن پڑی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے: "وإن كان الحرام في الأصل كناية يقع بها البائن؛ لأنه لما غلب استعماله في الطلاق، لم يبق كنايةً، و لذا لم يتوقف على النية أو دلالة الحال، الخ". شامی: ۲/۷۱۷(۱)۔

"والبائن يلحق الصريح لا البائن". تنویر (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۴/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

"تُو مجھ پر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے" کا حکم

سوال[۶۱۷۶]: زید نے اپنی مدخولہ بیوی کو بحالتِ غصہ بہ نیتِ طلاق تین مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۰۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، نوع في قوله: أنت حرام، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۲۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۳۰۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

"تو مجھ پر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے اور اپنا مہر لے اور جا"۔ تو طلاق بائن ہوگی یا مغلظہ اور کیا کسی مفتی صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ پہلے لفظ سے بائنہ ہوکر محلِ طلاق نہیں رہی، اس لئے مغلظہ نہ ہوگی، صرف بائن ہوگی؟ بدلیل فتاویٰ عالمگیری کہ: "البائن لا یلحق البائن"(۱) اور بہشتی زیور کے یہ الفاظ کہ "طلاقِ صریح ہو یا بالکنایہ اگر تین ہوں تو تین ہی مغلظہ ہونے پر دال ہیں"، طبیعت متزلزل ہے، تشفی فرمایئے اگر مواقع کا اختلاف ہوتو تحریر فرمایئے۔

شمشیر خان کمیٹی فیض باغ لاہور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"الصريح يلحق الصريح و يلحق البائن بشرط العدة، والبائن يلحق الصريح"(۲)۔

"الصريح ما لايحتاج إلى نية، بائناً كان الواقع به أو رجعياً. لايلحق البائن البائن، اهـ". درمختار(۳)۔ قال الشامي: تحت (قوله: الصريح مالا يحتاج إلى نية): "ولا يرد أنت عليّ حرام على المفتى به من عدم توقفه على النية مع أنه لا يلحق البائن و لا يلحقه البائن لكونه بائناً، لما أن عدم توقفه على النية أمرٌ عرض له لا بحسب أصل وضعه، اهـ". رد المحتار: ۷۴۵/۲، باب الكنايات(٤)۔

(۱) "ولايلحق البائنُ البائنَ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار مع الدر المختار: ۳۰۶/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۸۳/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (الدرالمختار: ۳۰۸/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۸۴/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (رد المحتار: ۳۰۶/۳، كتاب الطلاق، با ب الكنايات ، سعيد)

عباراتِ منقولہ سے چند امور معلوم ہوئے: اول یہ کہ صریح وہ ہے جس میں نیت کی احتیاج نہ ہو، عام اس سے کہ طلاق اس سے رجعی واقع ہو یا بائن۔ دوم یہ کہ بائن کے بعد بائن واقع نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ "أنت علیّ حرام" (تو مجھ پر حرام ہے) سے بلا نیت مفتی بہ قول پر طلاق واقع ہو جاتی ہے تو گویا یہ لفظ صریح ہوا اور صریح سے صریح لاحق ہو ہی جاتی ہے اور تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہو جاتی ہے، تو صورتِ مسئولہ میں مغلظہ ہو جانی چاہئے۔ ''تو مجھ پر حرام ہے'' سے نہ بائن کے بعد طلاق واقع ہوتی ہے نہ اس کے بعد بائن ہوتی ہے، کیوں کہ اس کا نیت پر موقوف نہ رہنا بلا نیتِ طلاق واقع ہو جانا اصلِ وضع کی وجہ سے نہیں بلکہ عارض کی وجہ سے ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ نہیں ہوئی، بائن ہی ہوئی ہے۔

بہشتی زیور کے جو الفاظ آپ نے نقل کئے ہیں، وہ مجھے نہیں ملے، کس باب میں ہیں؟ البتہ چوتھے حصہ کے ص: ۲۱، تیرہویں باب، تین طلاق دینے کا بیان، مسئلہ نمبر: ا کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں: ''صاف لفظوں میں تین طلاقیں دی ہوں یا گول لفظوں میں، سب کا ایک ہی حکم ہے'' (۱)۔ اگر آپ کی مراد یہی الفاظ ہیں تو اس کا حاشیہ بھی دیکھئے لکھا ہے: ''بشرطیکہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہوں، ایک مرتبہ طلاق بائن دی پھر نکاح کر لیا اس کے بعد دوسری مرتبہ طلاق بائن دی پھر نکاح کر لیا پھر تیسری مرتبہ طلاق بائن دی اب نکاح بھی جائز نہیں''۔ اختری بہشتی زیور (۲)، اب امید ہے کہ کوئی تردد باقی نہ رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور، ۱۸/ شوال المکرم/ ۵۸ھ۔

"فلانة بنت فلان علیّ حرام" کا حکم

سوال [۶۱۷۷]: ما قولکم أیها العلماء العظام والفضلاء الکرام فی حق رجل قال لامرأته فی حالة الغضب بغیر نیة الثلاثة و بغیر حضورها: "فلانة بنت فلان علیّ حرام" و یطرح ثلاثة مدر فی المرة الأولی حتی یقرأ هذه الکلمة ثلاثة مرار، أوقعت الطلاق البائنة أم المغلظة؟ أیجوز نکاح الرجل المذکور بالتحلیل أو بغیر تحلیل؟ بینوا مع عبارات الکتب بالشرح

(۱) (بهشتی زیور، حصه چهارم، باب سیزدهم، ص: ۲۹۲، دار الإشاعت کراچی)

(۲) (بهشتی زیور، المصدر السابق)

والتفصيل توجراو بالأجر الجزيل ؟

الجواب حامداً و مصلياً:

"إن قال هذه الكلمة ثلاث مرات، بانت بالأولىٰ، ولم تقع الثانية والثالثة؛ لأن البائن لا يلحق البائن كما صرح في الدر المختار: ۷۲٦/۲(۱)- وإن قالها مرةً ونوى بها الثلاثة، وقعن، وإن نوىٰ بها واحدةً، تقع واحدةً، وإن نوى بها ظهاراً كان ظهاراً، وإن نوى إيلاء كان إيلاء:

و فى الدر المختار: "قال لامرأته: أنت عليّ حرام، ونحو ذلك كأنت معى فى الحرام إيلاءٌ، وإن نوىٰ التحريم أو لم ينو شيئاً، و ظهاراً إن نواه، و هدر إن نوى الكذب، وذديانةً، و أما قضاءً فإيلاء، قهستانى. و تطليقة بائنة إن نوىٰ الطلاق، و ثلاث إن نواها، ويفتى بأنه طلاق بائن، وإن لم ينوه لغلبة العرف، و لذا لا يحلف به إلا الرجال، اهـ".

درمختار: ۸۵۸/۲(۲)- فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۱۱/۲/۶۳ھ۔

"اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر میری منکوحہ فلاں حرام ہوگی"

سوال[۶۱۷۸]: مسمی یٰسین تحریر کرکے دیتا ہے کہ "میں فلاں تاریخ تک مسمی قمرو کے مبلغات جو میرے ذمہ واجب الاداء ہیں ادا نہ کروں تو مجھ پر میری منکوحہ مسمات راجی حرام ہوگی"۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسمی یٰسین نے وہ مبلغات وقت مقررہ پر شخص مذکور کو ادا نہیں کئے تو اب کیا مسمی یٰسین پر اس کی منکوحہ مسمات راجی حرام ہوگی؟ فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار مع الدر المختار: ۳۰۶/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فى الكنايات، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۷۷/۳، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق على المبانة، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (الدر المختار: ۴۳۳/۳-۴۳۵، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۸۵/۱، كتاب الطلاق، الباب السابع فى الإيلاء، رشيديه) =

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مسمی یٰسین اپنی تحریر کا مقر ہے یا اس پر دلیلِ شرعی موجود ہے اور تاریخِ مذکورہ پر اس نے مبلغ مذکور کو ادا نہیں کیا تو اس کی منکوحہ پر اس تحریر کی وجہ سے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسمی یٰسین اور مسماۃ راجی دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح درست ہے: "أفتی المتأخرون فی: أنت عليّ حرام، بأنه طلاق بائن للعرف بلانية، الخ". شامی، ص: ٦٦٨(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۵۹/۹/۳ھ۔

"تم ہمارے لئے حرام، حرام" کے بعد پھر "تم کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا" کا حکم

سوال[۲۱۷۹]: زید نے اپنی بیوی کو غصہ میں آ کر کہا کہ "تم ہمارے لئے حرام، حرام"۔ ایک بار نہیں بار بار، پانچ، سات بار کہا اور کہا کہ "تم کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا"۔ لیکن لفظِ طلاق ایک دفعہ بھی نہیں کہا۔ وہاں پر دو چار آدمی تھے وہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ طلاق کا لفظ ایک دفعہ بھی زبان سے نہیں کہا ہے۔ کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ اور اگر ہوگی تو کونسی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ "حرام" سے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی (۲)، پھر "چھوڑ دیا چھوڑ دیا" سے دو طلاق اور واقع ہوکر

= (وكذا في فتح القدير: ۴/۲۰۷، ۲۰۸، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "والفتوى على قول المتأخرين بانحرافه: أي الطلاق البائن، عاماً كان أو خاصاً" (رد المحتار: ۳/۲۵۲، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية، سعيد)

"(أنت عليّ حرام) والفتوى على أنه يقع الطلاق البائن وإن لم ينو لغلبة استعمال هذه اللفظة في هذه البلاد". (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۰۵، أنت عليّ حرام، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أنت عليّ حرام ألف مرة، تقع واحدة". (الدرالمختار). "(قوله: تقع واحدة) و وجهه أنه عبارة عن تكرير هذا اللفظ ألف مرة، و هو لو كرره، لايقع إلا الأول؛ لأن البائن لا يلحق البائن". (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۴۳۸، باب الإيلاء، سعيد) ....=

مغلظہ ہوگئی (۱)۔اب بالکل پردہ میں رہ کر عدت گزارے، پھر بعد عدت دوسرے آدمی سے نکاح کرلے۔زید کو نہ رجعت کا حق رہا نہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش رہی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۱۳۹۶ھ۔

حلال (جماع) کو حرام کرنے سے طلاق

سوال[۶۱۸۰]: بیوی نے کہا ''میں نے اس کام (جماع) کی قسم کھا رکھی ہے'' مرد نے کہا کہ ''اگر تم نے قسم کھا رکھی ہے تو میں نے بھی یہ کام حرام کرلیا ہے''۔مرد کہتا ہے کہ میں نے غصہ میں ایسا کہہ دیا تھا، میری نیت طلاق کی نہ تھی۔مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ یمین منعقد ہوگئی، اب اگر جماع کرے گا تو کفارۂ یمین

= (وكذا في الفتاوى البزازية: ۱۸۹/۴، كتاب الطلاق، الباب الثاني في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۱۵/۴، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، رشيديه)

(۱) "ثم فرق بينه و بين سرّحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رہا کردم" أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية". (رد المحتار: ۲۹۹/۳، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الباب الثاني، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۲۵/۴، فصل في شرط النية في الكناية، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿الطلاق مرتان فإمساكٌ بمعروف أو تسريح بإحسان.......... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية. (البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الهداية: ۳۹۹/۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

لازم ہوگا۔ عورت نے چونکہ قسم کھار کھی ہے تو جماع کی صورت میں تو اس کے ذمہ بھی مستقل کفارہ لازم ہوگا۔ اگر اس طرح کہتا: "میں نے عورت کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے" تو طلاق واقع ہو جاتی (۱): "تحريم الحلال يمين، اھ". درمختار: ۳/۹٦(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱/٦۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/۱/٦۳ھ۔

---

(۱) "ومن الألفاظ المستعملة: الطلاق يلزمني، والحرام يلزمني، وعلى الطلاق، وعلى الحرام، فيقع بلانية للعرف". (الدرالمختار) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "كذلك فوجب اعتباره صريحاً كما أفتى المتأخرون في أنت على حرام بأنّه طلاق بائن للعرف بلانية مع أن المنصوص عليه عند المتقدمين توقفه على النية". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب: في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية: ۳/۲۵۲، سعيد)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "كل حل على حرام، أو أنت على حرام، أو حلال الله على حرام، حيث قال المتأخرون: وقع بائناً بلانية لغلبة الاستعمال بالعرف". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق: ۳/۴۴۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات: ۳/۳۷۱، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۳۰، سعيد)

قال العلامة القرطبي رحمه الله تعالىٰ: "تحت قوله تعالىٰ: ﴿قد فرض الله لكم﴾ وأبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يرّاه يميناً في كل شيء، ويعتبر الانتفاع المقصود فيما يحرمه، فإذا حرم طعاماً، فقد حلف على أكله". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (سورة التحريم: ۲): ۱۸/۱۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "الحلال عليّ حرام .... قال أبوبكر وعمر وزيد وابن مسعود وابن عباس و عائشة وابن المسيب وعطاء طاؤس وسليمان بن يسار وابن جبير وقتادة والحسن والأوزاعي و أبو ثور رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين وجماعة: هو يمين يكفرها". (تفسير روح المعاني (سورة التحريم: ۲): ۲۸/۱۴۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قال العلامه محمود بن احمد رحمه الله تعالىٰ: "وكذلك هذا الحكم في جانب المرأة إذا =

''اگر ہمبستری کروں تو حرام کروں'' کا حکم

سوال[۶۱۸۱]: ایک شخص کو ڈاکٹروں نے علاج کے سلسلہ میں ہمبستری کرنے سے منع کیا کہ کم از کم فائدہ ہونے کے لئے چالیس دن ہمبستر نہ ہونا، اس شخص نے ہمبستری سے بچنے کے لئے اپنی بیوی سے کہا کہ ''اگر میں تجھ سے ہمبستری چالیس دن سے پہلے کروں تو حرام کروں''۔ اور یہ الفاظ کئی بار کہے، لیکن وہ اپنے نفس پر قابو نہ پاکر چالیس دن کے اندر ہی جماع کر بیٹھا، اور جب ایک مرتبہ کرلیا تو اس نے سوچا کہ اب بار بار کرنے میں کیا حرج ہے، لہذا بار بار کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر کیا جرم عائد ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں، چالیس دن سے پہلے تو حرام کروں''۔ اس کے بعد چالیس دن سے پہلے ہم بستری کرلی، تو اس کے ذمہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا (۱)، وہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر ہو کر کھانا کھلائے، یا ان کو پہننے کے کپڑے دے، اتنی استطاعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے، ایک دفعہ ہمبستری کرنے کا یہ کفارہ ہے، اس کے بعد ہمبستری کرنے پر کوئی کفارہ نہیں، قسم ختم ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۹۲ھ۔

= قالت لزوجها: أنت عليّ حرام، أو قالت: أنا عليك حرام، كان يميناً، ولزمها الكفارة". (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات: ۳/۳۷۱، رشيديه)

(۱) چونکہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنا یمین کے حکم میں ہے، اس لئے اس شخص پر بصورتِ عدمِ وفائے یمین قسم کا کفارہ لازم ہے:
''لأن تحريم الحلال يمين''. (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۱۹، كتاب الطلاق، باب التعليق، فصل في تحريم الحلال، رشيديه)

(۲) "(وكفارته) .... (تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين) .... (أو كسوتهم بما) يصلح للأوساط و ينتفع به فوق ثلاثة أشهر، و يستر عامة البدن) .... (وإن عجز عنها) كلها (وقت الأداء) عندنا ...... (صام ثلاثة أيام ولاءً)". (الدر المختار: ۳/۷۲۵ تا ۷۲۷، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية: ۱/۲۶۵، كتاب الأيمان، نوع آخر في الكفارة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۸۱، كتاب الأيمان، فصل الكفارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے'' کہنے سے طلاق

سوال[۶۱۸۲]: زید نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ ''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے، کسی عالم سے پوچھ لے''۔ جس سے منکوحہ نے پردہ شروع کردیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ طلاق دے چکا ہے، لیکن ایک صاحب کے سمجھانے سے اس کی منکوحہ نے اپنے تعلقات باقی رکھے۔ اب جملۂ ماقبل کہ ''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے کسی عالم سے پوچھ لے'' طلاق ماقبل پر دلالت کرتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کون سی؟ اور کیا اس صورتِ حال کے پیشِ نظر کوئی ایسی صورت ہے جس سے تعلقات باقی رکھے جائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جملہ سے کہ ''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے'' کوئی طلاق نہیں ہوئی، نہ یہ کسی ماقبل کی طلاق پر دلالت کرتا ہے، جب کہ اس پہلی طلاق کے بعد رجعت ہوکر تعلقِ زوجیت باقی رہا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو نکاحِ ثانی کی اجازت سے طلاق کا حکم

سوال[۶۱۸۳]: محمد رضی کی شادی ماہ جنوری/ ۳۹ء کو مسماۃ زہرہ بیگم بنت عبداللہ شاہ سے ہوئی تھی، مگر رخصت نہیں ہوئی تھی، اتفاقِ وقت محمد رضی مذکور کا اس کی ہمشیرہ ومادر سے کسی خانگی معاملہ پر باہم جھگڑا وفساد ہوا اور اسی فساد کے دوران میں جب کہ اس کو سخت غصہ آرہا تھا اور بہت زیادہ بدحواس تھا، اس نے اسی بدحواسی کے عالم میں مورخہ ۱۱/ نومبر/ ۳۹ء کو مضمون مندرجہ ذیل کا خط بذریعۂ ڈاک اپنے خسر کے نام میرٹھ سے شہر لاہور روانہ کردیا۔

---

(۱) "الرجعة استدامة الملک، ألا ترى أنه سمى إمساكا وهو الإبقاء". (الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/ ۳۹۴، شركة علميه)

"هي استدامة الملک القائم بلا عوض مادامت في العدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/ ۳۹۷، ۳۹۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/ ۷۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اس کے بعد اس کے خسر نے پدر محمد رضی کے نام لاہور سے میرٹھ مضمون مندرجہ ذیل کا خط روانہ کیا اور یہ بھی تحریر کیا کہ تمہارے لڑکے نے میری لڑکی کو کس بنا قصور پر بلاوجہ طلاق دیدی، اور یہ طلاق دینا تمہارے علم میں ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں پدر محمد رضی نے تحریر کر دیا کہ جو کچھ معاملہ گزرا ہے، وہ میرے علم سے قطعی باہر ہے۔

مضمون کارڈ محمد رضی نسبت طلاق

''مسٹر عبداللہ شاہ صاحب! تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم کو اور تمہارے تمام رشتہ داروں کو اس شادی کے معاملہ میں دیکھ لیا ہے، جو کام بھی ہوتے ہیں منجانب اللہ ہوا کرتے ہیں، اس لئے میں اپنی دنیا و آخرت نہیں خراب کرنا چاہتا ہوں، تم اگر چہ اس وقت ناراض رہے، یہ تمہاری مرضی، تمہارا سب سامان میرے مکان پر رکھا ہے جس وقت تمہاری مرضی ہو سب سامان بخوشی آ کر لیجا سکتے ہو اور میں تمہارے خیال کے مطابق اور اپنے اوپر سے اس بارِ گراں کو خیر باد کہتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں ''جس جگہ تمہاری مرضی ہو، اپنی لڑکی کی دوسری شادی فوراً کر دو، اور اس کو بھی میری طرف سے اجازت ہے، وہ شادی کر سکتی ہے، میری طرف سے اس کو مطلقاً طور سے طلاق ہے''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کارڈ کا مضمون محمد رضی کا ہے اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو شرعاً اس کی زوجہ پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی (۱) اس لئے کہ اس تحریر میں طلاق کے لئے تین الفاظ: ایک ''جس جگہ تمہاری مرضی ہو، اپنی لڑکی کی دوسری شادی فوراً کر دو'' دوسرا'' اور اس کو بھی میری طرف سے اجازت ہے وہ شادی کر سکتی ہے'' یہ دونوں لفظ کنایات

---

(۱) "رجل استکتب من رجل آخر إلی امرأته کتاباً بطلاقها، و قرأه علی الزوج، فأخذه و طواه و ختم و کتب فی عنوانه و بعث به إلی امرأته، فأتاها الکتاب و أقرّ الزوج أنه کتابه، فإن الطلاق یقع علیها".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۹، کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۳/۳۸۰، کتاب الطلاق، إیقاع الطلاق بالکتاب، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/۲۴۶، کتاب الطلاق، مطلب فی الطلاق بالکتابة، قبیل باب الصریح، سعید)

طلاق سے ہیں اور طلاق ہی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں (۱)، تیسرا لفظ صریح طلاق کا ہے۔ پہلے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، چونکہ رخصت نہیں ہوئی اس لئے دوسرے تیسرے لفظ کا محل باقی نہیں رہا، پس دوسرا اور تیسرا لفظ بیکار گیا۔ اب طرفین اگر رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح درست ہے، رخصت سے قبل طلاق واقع ہونے کی وجہ سے عدت واجب نہیں:

"وإذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها، وقعن عليها. وإن فرق الطلاق، بانت بالأولىٰ، ولم تقع الثانية والثالثة، اهـ". عالم گیری:۲/۳۹۱(۲)۔ "أربع من النساء لا عدة عليهن: المطلقة قبل الدخول". عالم گیری:۲/۵۵۰(۳)۔

ہاں! اگر پہلے لفظ سے تین طلاق کی نیت کی ہے تو تین واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے درست نہیں: "ولو قال: تزوجی، ونوى الطلاق أو الثلاث، صح، وإن لم ينو شيئاً، لم يقع، كذا في العتابيه، اهـ". فتاویٰ عالم گیری:۲/۳۹۵(٤)۔

---

(۱) "وفي القنية: اذْهَبِي و تَزَوّجِيْ، تقع واحدة بلا نية". (الدرالمختار). "لو قال: اذهبي فتزوجي، وقال: لم أنو الطلاق، لا يقع شيء". (ردالمحتار: ۳/۳۱۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، قبيل التفويض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۶، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۲۸۴، ۲۸۶، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۹۸، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۱۴، فصل فيما يتعلق بتوابع الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۵۷، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچي)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۶، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۳۱۴، باب الكنايات، قبيل التفويض، سعيد)

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اب کسی اور شخص سے زہرہ بیگم کا نکاح کیا جائے اور وہ شخص صحبت کرنے کے بعد طلاق دے یا مرجائے تو پھر عدت گزار کر محمد رضی سے نکاح ہوسکے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۱۰/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ شوال/ ۵۸ھ۔

”آپ اپنی لڑکی کی شادی کہیں کر دینا“ سے طلاق

سوال[۶۱۸۴]: **نقل خط عظمت علی جو کہ ہندی میں ہے**

جناب صوفی صاحب!

السلام علیکم عرض ہے!

اور بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا وہ اچھا نہیں کیا اور میں بہت غلط آدمی نکلا، میں مجبور ہوں، اب میں کچھ نہیں کر سکتا، اور یہ خط میں نے بمبئی سے ڈالا ہے۔ میں کل کو بمبئی سے پانچ سال کے لئے امریکہ جا رہا ہوں، تاکہ میں یہاں کے طوفان سے بچ سکوں، اب اگر آپ کو پانچ سال رُکنا ہو اور پیسوں کو بھی پانچ سال روکنا ہو تو رُکنا، ورنہ ”میری طرف سے اجازت ہے، آپ اپنی لڑکی کی شادی کہیں کر دینا“ اور میرا خدا جانتا ہے میں نہیں چاہتا کہ کسی کی زندگی خراب کی جائے۔ آپ کی لڑکی شریف لڑکے کے لائق ہے، میں بہت غلط انسان ہوں۔ آپ گھر والوں سے لے لینا میرے نام سے، اگر آپ نے نالش کی تو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا، میں کل یہاں سے روانہ ہی ہو جاؤں گا، آپ نالش کریں تو گھر والوں کے نام اور مجھ جیسے بے وقوف کی ہوسکے تو غلطی معاف کر دینا۔

عظمت علی۔

زبانی طلاق بھی بموجودگی لڑکی دے چکا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شوہر کے خط کے ترجمہ میں یہ لفظ ہے ”آپ اپنی لڑکی کی شادی کہیں کر دینا“ خط کے سیاق وسباق سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نیت اس لفظ سے طلاق کی ہے اس لئے اس لفظ سے ایک طلاق بائن ہوگئی (۱)، نیز جب کہ اس نے زبانی بھی طلاق دیدی ہے تو اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

”تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کرلو“ سے طلاق

سوال[۶۱۸۵]: تقریباً سولہ سال قبل جب کہ میری عمر تقریباً چھ سال کی تھی، میرے والد نے میرا عقد کر دیا تھا، آج تقریباً پانچ سال ہوئے شوہر نے اپنا دوسرا عقد کرلیا اور آج تک جب سے نکاح ہوا، میں باپ کے گھر رہتی ہوں، میں شوہر کے یہاں نہیں گئی، شوہر مجھ سے ہمیشہ بے تعلق رہا، اور آج ایک یا دو بچوں کا باپ بن گیا ہے۔ جب دوسرا عقد کر رہا تھا تو میں نے اپنے والد وغیرہ کو بھیج کر عقدِ ثانی کی رکاوٹ کی، تو یہ جواب دیا کہ ”میں اپنا عقد دوسرا کر رہا ہوں، تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کرلو“۔ میرے والد وغیرہ جو پنچوں کے ہمراہ گئے تھے یہ جواب سن کر واپس آگئے اور ایک ایک سال کے وقفہ کے بعد کئی بار گئے، لیکن انہوں نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کی۔

لہٰذا علمائے دین سے درخواست ہے کہ نہ تو میں جانا پسند کروں اور نہ ہی میری اتنی ہمت ہے کہ اپنی زندگی بغیر کسی شوہر کے گزار سکوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میں باعفت نہ رہ سکوں اور نہ ہی میرا کوئی وسیلہ ہے۔ میرے والد نہایت غریب ہیں جو کہ وقتاً فوقتاً فاقے نوش رہتے ہیں۔ اور بلوغت کے بعد سے میری زندگی بہت تلخ ہوگئی، لہٰذا میں درخواست کرتی ہوں کہ میرا نکاح فسخ کیا جائے، میں مظلوم ہوں میری مدد کی جائے۔ چھ گواہوں کے دستخط بھی سوال پر موجود ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے یہ الفاظ بہ نیتِ طلاق کہے ہیں کہ ”میں اپنا عقد کر رہا ہوں، تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کرلو“

---

(۱) "و بابتغی الأزواج، تقع واحدة بائنة إن نواها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی النهر الفائق: ۲/۳۶۰، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة: ۱/۱۹۷، کتاب الطلاق، نوع آخر: اذهبي و تزوجي، رشیدیه)

تو اس سے بھی طلاق ہوگئی، کسی جدید فیصلہ کی ضرورت نہیں، اگر شوہر یوں کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے یہ نہیں کہا تب کسی دوسری تدبیر کی ضرورت ہوگی (۱)، پھر اس وقت شرعی کمیٹی کے ذریعہ فیصلہ کرالینا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

''جہاں آپ کی لڑکیوں کی قدر ہو وہاں کرو'' سے طلاق

سوال [۶۱۸۶]: شوہر نے اپنے خسر کو خط میں لکھا: ''آپ کی لڑکیوں کی کوئی قدر نہیں ہوگی خانپور میں، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے خراب آدمی ہیں، حنیف تو گیسوپور آئے گا نہیں، بس اتنے دن کا ہی رشتہ تھا، میری طبیعت بالکل بھر گئی گیسوپور سے''۔

دوسرے خط میں لکھا: ''اب جہاں آپ کی لڑکیوں کی قدر ہو وہاں کرو، آپ کی لڑکیوں کی یہاں پر قدر نہیں ہوگی''۔

ہماری برادری میں جب کسی کو طلاق کی نیت ہوتی ہے اور رشتہ داری کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ ایسے ہی الفاظ اور جملہ بولتا ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ ہماری رشتہ داری ختم ہوگئی۔ لہٰذا مذکورہ خط کی وجہ سے طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کونسی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جملہ اخیر ''اب جہاں آپ کی لڑکیوں کی قدر ہو وہاں کرو'' کا مطلب اگر یہ ہے کہ جہاں ان کی قدر ہو وہاں ان کا نکاح کرو اور بہ نیتِ طلاق یہ جملہ لکھا ہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی (۲)، اگر طرفین رضامند

---

(۱) "و بابتغي الأزواج تقع واحدة بائنة إن نواها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۳۶۰، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(و كذا في الفتاویٰ البزازية: ۱/۱۹۷، كتاب الطلاق، نوع آخر: اذْهَبِيْ و تزوّجِيْ، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بھی طلاق کی نیت سے نہیں کہا تو اس سے بھی طلاق نہیں ہوئی، بقیہ کوئی جملہ ایسا نہیں جس سے طلاق کا حکم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

''دوسرا رشتہ قائم کرنے کی اجازت'' سے طلاق

سوال [۶۱۸۷]: قمر جہاں کا عقد مسمی اظہر الدین سے ہوا تھا، اظہر الدین نے بخطِ ہندی ایک خط اپنے خسر کو لکھا ہے، اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

نقل خط:

''جناب چچا صاحب! آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کی بیٹی قمر جہاں کا گزر میرے ساتھ نہیں ہوسکتا، اس لئے آپ لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ ''آپ لوگوں کو دوسرا رشتہ قائم کرنے میں شوق سے اجازت دیتا ہوں''۔

اور بہت سی گھریلو باتیں لکھی ہیں۔ مندرجہ بالا خط کے جز سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اظہر الدین سے دریافت کیا جائے اس نے یہ تحریر لکھی ہے یا نہیں، پھر اگر لکھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا تعلق نکاح قمر جہاں سے ختم کر دیا اور دوسری جگہ نکاح کی اجازت دیدی، یا کچھ اور مطلب ہے؟ اگر وہ یہ کہے کہ: ہاں میں نے یہ تحریر لکھی ہے(۱) میرا مطلب یہی ہے تو تحریر کے وقت قمر جہاں پر طلاقِ بائن

---

(۱) قال العلامة محمد امين ابن عابدين الشامي رحمه الله تعالیٰ: ''وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق مالم يقرّأنه كتابه''. (ردالمحتار علي الدرالمختار: ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه) .... =

واقع ہوگئی (۱)، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے ورنہ بعد عدت قمر جہاں دوسرے شخص سے نکاح کی حقدار ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۸ھ۔

"اب تجھ کو اجازت ہے، میرے چھوٹے بھائی سے نکاح کر لینا" سے طلاق

سوال [۶۱۸۸]: منکہ مسماۃ زیب النساء بنت رحم الٰہی میرا نکاح بوجہ لاعلمی ایک شخص سے ہوگیا تھا کہ وہ ڈاکو تھا، اس سلسلہ میں اس کو بیس سال کی سزا ہوگئی تھی جس کو عرصہ سات سال ہوگیا، جس وقت اس کو سزا ہوئی اس وقت اس نے مجھ سے یہ الفاظ کہے تھے کہ "اب تجھ کو میری طرف سے اجازت ہے کہ میرے چھوٹے بھائی سے نکاح کر لینا" لہٰذا اس کے فرمان کے بموجب بیٹھی رہی، مگر اس کے چھوٹے بھائی نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اپنا دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ یہ میرا بیان حلفیہ ہے، اگر میں جھوٹ بولوں تو اس گناہ کی میں مرتکب ہوں گی، اس لئے درخواست ہے کہ میں اس وقت دو حادثوں کے درمیان مبتلا ہوں: ایک تو میں نوعمر خوفِ گناہ، دوسرے فاقہ مستی، لہٰذا اگر شریعت مطہرہ مجھ کو اجازت دیدے تو میں اپنا نکاح ثانی کر کے اطمینان سے زندگی بسر کر لوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو آپ کو دوسری جگہ شرعاً نکاح کی اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۵ھ۔

= (وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۷۱، کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابۃ، رشیدیہ)

(۱) "ولو قال لها: إذهبي فتزوجي، تقع واحدة إذا نوى، فإن نوى الثلاث، تقع الثلاث". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۳۷۶، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، رشیدیہ)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات والمدلولات، رشیدیہ)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۰۴، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "إذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/۴۷۲، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة الخ، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۴۳۷، ۴۳۸، کتاب الطلاق، باب الرجعة، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "و بابتغی الأزواج تقع واحدةٌ بائنة إن نواها، .... ولو قال لها: اذهبي فتزوّجي، تقع واحدة إذا=

''تُو میری ماں ہے، مجھ کو تجھ سے کوئی کام نہیں، تُو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا''

سوال[۶۱۸۹]: ایک شخص نے اپنی بیوی کے سامنے سے قرآن شریف پڑھتے ہوئے اٹھا کر بہت بے ادبی سے دوسری جگہ ڈالدیا اور یہ کہا کہ ایسا قرآن اور نماز پڑھنے سے کیا فائدہ سب بیکار ہے اور پھر یہ کہا ''تُو میری اماں ہے، مجھ کو تجھ سے کوئی کام نہیں، تُو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا''۔اس کے بعد وہ شخص خود اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ کے یہاں چھوڑ گیا، عرصہ ایک سال کا ہوا کوئی خبر نہ لی، اب اس کے واسطے شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن کریم کی بے ادبی کرنا سخت ترین گناہ ہے، اس سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)۔ جب اس نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ ''مجھ کو تیرے سے کوئی کام نہیں، تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا'' تو اس سے طلاق کی نیت کی یا نہیں، اگر طلاق کی نیت سے یہ کہا تب تو طلاق واقع ہوگئی (۲) اور بعد عدت عورت کو نکاحِ ثانی درست ہے۔ اگر طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوئی، اب عورت کو چاہیے کہ حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش

= نوی، فإن نوی الثلاث تقع الثلاث". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات و المدلولات، رشیدیه)

(۱) "وفی الفتح: من هزل بلفظ کفر، ارتد". (الدرالمختار). "لأن التصدیق وإن کان موجوداً حقیقةً لکنه زائل حکماً؛ لأن الشارع جعل بعض المعاصی أمارةً علی عدم وجوده کالهزل المذکور، وکما لو سجد لصنم أو وضع مصحفاً فی قاذورة، فإنه یکفر". (ردالمحتار: ۴/۲۲۲، باب المرتد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۲، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، رشیدیه)

(۲) "إذهبِیْ إلی جهنم، یقع إن نوی، خلاصة. و کذا إذهبِیْ عنی وفسختُ النکاح". (الدر المختار: ۳/۳۱۴، باب الکنایات، قبیل تفویض الطلاق، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات، رشیدیه)

کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے وہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم مسلم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس پر شوہر کوئی صورت اختیار کرے تو خیر ورنہ حاکم مسلم با اختیا تفریق کردے، پھر بعد عدت عورت کو نکاح ثانی جائز ہے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ شوہر سے کسی طرح طلاق حاصل کرلی جائے یا خلع کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/۸/۶۱ھ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۵/ شعبان/ ۶۱ھ۔

لفظ ''نکاح سے الگ کرنے'' سے طلاق

سوال [۶۱۹۰]: ایک شخص اپنی بیوی کو اس کے پس غیبت میں اپنے احباب کے سامنے یہ کہا کہ ''میں نے اپنی بیوی کو اپنے نکاح سے الگ کردی'' اس شخص نے یہ الفاظ دو مرتبہ کہے۔ تو کیا ان جملوں سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور کیا فریقین باہمی رضامندی سے عدت کے اندر یا بعد عدت تجدیدِ نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرلیں تو یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر طلاق کی نیت سے ایسا کہا ہے تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگئی (۱) اور اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح شرعاً درست ہے (۲)، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال .... وهي: بائن، بتة، بتلة، حرام، خلية، بريئة، يحتمل النسبة إلى الشر: أي بريئة من حسن الخلق .... و يحتمل أن أنت بريئة من النكاح". (البحر الرائق: ۵۱۸/۳، ۵۲۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۸/۳، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۶/۳، ۲۹۸، باب الكنايات، سعيد)

(۲) "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۴۰۹/۳، كتاب =

''عورت کو اپنے سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق

سوال[۶۱۹۱]: مسئلۂ ذیل میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے: زید نے پنچایت کے روبرو یہ کہا کہ ''اس عورت کو میں اپنے سے پنچوں کے سامنے الگ کرتا ہوں، اپنے سے الگ کرنا چاہتا ہوں''۔ اور اس کی بیوی اس مکان میں جس میں لوگ جمع تھے نہ تھی، بلکہ محلہ میں پڑوسی کے مکان میں تھی، بعدہ اس عورت کو بلایا گیا، جب وہ عورت حاضر ہوگئی تو بکر نے عورت کو غلط خبر دی کہ تیرے خاوند نے تجھ کو طلاق دیدی ہے۔ کیا بکر کے غلط خبر دینے سے یا مندرجہ بالا الفاظ سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط۔

مرسلہ: عزیز بیگ، محلہ لوہان سرائے، مورخہ ۱۴/ مارچ/ ۳۹۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

''الگ کرنا چاہتا ہوں'' ارادہ اور خواہش کا اظہار ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ''اپنی عورت کو پنچوں کے سامنے اپنے سے الگ کرتا ہوں'' یہ کنایاتِ طلاق سے ہے، اگر بہ نیتِ طلاق یہ الفاظ زید نے کہے ہیں تو ان سے ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ جس طرح صیغۂ ماضی سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح صیغۂ حال سے بھی ہوجاتی ہے، كما صرح به في الهندية والدر المختار (۲)۔

غلط خبر دینے سے کچھ نہیں ہوتا، تاوقتیکہ شوہر اقرار نہ کرے، یا اس کے پاس گواہ موجود نہ ہوں، البتہ اگر

= الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۱۷٦/۴، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ففي حال مذاكرة يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين .... لو قال في حال مذاكرة الطلاق: باينتك أو أبنتك أو أبنت منك .... فقالت: اخترت نفسي، يقع الطلاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۳٦/۴، كتاب الطلاق، فصل في الكناية في الطلاق، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "و يقع بها: أي بهذه الألفاظ و ما بمعناها من الصريح، و كذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك، كما في البحر". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۸/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي، سعيد)

عورت کو ایک عادل شخص خبر دے کہ تیرے شوہر نے طلاق دیدی ہے اور عورت کو اس کے صدق کا یقین یا غلبۂ ظن ہے تو عورت کو یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ طلاق دیدی ہے، لیکن اگر شوہر انکار کردے تو قضاءً طلاق ثابت نہ ہوگی۔ صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے صیغۂ حال بہ نیتِ طلاق بولا ہے اور اس کی خبر بکر نے دی ہے تو یہ خبر غلط نہیں بلکہ صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۷/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ محرم/ ۵۸ھ۔

لفظ ''میں نے الگ کردی'' سے طلاق

سوال[۶۱۹۲]: ہندہ کا نکاح محمد احمد سے ہوا مگر جب وہ نالائق نکلا تو محمد احمد پر طلاق کے لئے زور دیا گیا، جب اس کو سختی سے کہا گیا تو اس نے کہا کہ ''میں نے آپ کے کہنے سے اس کو الگ کردی، میں اپنے گھر چلا جاؤں گا''۔ چلتے وقت اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے یہ زبردستی ہے۔ تو اس طرح طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

محمد احمد نے جو الفاظ کہے ہیں کہ ''میں نے آپ کے کہنے سے اس کو الگ کردی'' اگر یہ بہ نیتِ طلاق کہے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگئی (۲)، اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح بھی درست ہوسکتا ہے (۳)۔ اگر

---

(۱) "لو قال بالعربية: أطلق، لايكون طلاقاً، إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۸۴، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۲) "لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال .... وهي: بائن، بتة، بتلة، حرام، خلية، بريئة يحتمل النسبة إلى الشر: أي بريئة من حسن الخلق .... ويحتمل: أن أنت بريئة من النكاح". (البحر الرائق: ۳/ ۵۱۸، ۵۲۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۷۸، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۹۶، ۲۹۸، باب الكنايات، سعيد)

(۳) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، الباب السادس في الرجعة الخ، رشيديه) .... =

بہ نیتِ طلاق نہیں کہے تو طلاق نہیں ہوئی بدستور نکاح قائم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

''زوجیت سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق

سوال[۲۱۹۳]: یونس بنام محترمہ افروز جہاں بیگم دختر اعجاز احمد شہر میرٹھ بذریعۂ تحریر ہذا آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ سے شرع کی وجہ سے میرا اور آپ کا بطورِ شوہر اور بیوی کے رہنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا بذریعۂ تحریر ہذا میں آپ کو طلاقِ بائن کے ذریعہ اپنی زوجیت سے تاریخ امروز میں الگ کرتا ہوں، آج سے میرا اور آپ کا تعلق شوہر اور بیوی کا نہیں رہا''۔ نیز آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ میں نے آپ کا دین مہر مبلغ دو ہزار پانچ سو روپیہ حساب ڈاکٹر ایل ایچ زبیری صاحب کے پاس جمع کرادیا ہے، آپ ہمارے سب ہی زیورات جو آپ کے پاس ہیں واپس کردیں اور جب چاہیں ڈاکٹر صاحب موصوف سے اپنا دین مہر مذکورہ بذریعۂ رسید وصول کرلیں۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شوہر کو اس تحریر کا اقرار ہے اور اس نے اس کو پڑھ کر یا سن کر اس پر دستخط کیے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے خواہ عدت میں کیا جائے یا بعد

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۷، ۴۳۸، باب الرجعة، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "إذا قال لها: أبرأتك عن الزوجية، يقع الطلاق من غير نية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۶، باب كنايات، رشيديه)

"رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه و طواه و ختم و كتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها و أقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۶، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل التفويض، سعيد)

عدت، حلالہ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

''تو میرے نکاح سے باہر ہے'' یہ کنائی طلاق ہے

الاستفتاء [۲۱۹۴]: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تو میرے نکاح سے باہر ہے، اگر تو میرے گھر رہے گی تو تجھ کو بے نکاحی کہوں گا''۔ یہ الفاظ غصہ کی حالت میں کہے، بیوی کے الفاظ ''میں نہیں رہنا چاہتی'' کے جواب میں کہے گئے۔ کیا شوہر کے یہ الفاظ کنایات میں شمار ہوں گے یا طلاق صریح میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! یہ الفاظ کنایاتِ طلاق میں سے ہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

''بیوی کو نہیں رکھنی'' سے طلاق

سوال [۲۱۹۵]: بیوی کا والد لڑکے سے کہتا ہے کہ اگر تجھے ہماری لڑکی رکھنی نہیں ہے تو ہم اپنی لڑکی کو لے جائیں گے، اس کے جواب میں لڑکا کہتا ہے کہ ''نہیں رکھنی''۔ کچھ وقت کے بعد ایک دوسرا شخص لڑکے سے کہتا ہے کہ کچھ اور سوچ سمجھ لو، اس کے جواب میں لڑکا کہتا ہے کہ ''میں نے تو کہہ دیا: رکھنی نہیں''۔ اس طرح کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ کیا مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ اگر ہو جائے گی تو کون سی واقع ہوگی رجعی یا بائن؟ اور لڑکے کا قول ''کہہ دیا رکھنی نہیں'' یہ پہلے کلام کی تقریر ہے یا اس سے دوسرا حکم ثابت ہوگا؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''لفظ 'میں نے الگ کردی' سے طلاق''۔)

(۲) "لو قال: أنا بريء من نكاحك، يقع الطلاق إذا نوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۶، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۴۲۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار ۳/ ۳۰۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے ایسا کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)، پھر دوسری اور تیسری دفعہ کہنے سے کوئی جدید طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۴۰۶ھ۔

''میں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۱۱۹۶]: زید اور بکر دونوں خاندانی بھائی ہیں، زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر کے لڑکے سے کیا جب کہ لڑکی کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی اور لڑکے کی عمر آٹھ سال کی تھی، نکاح کو دس سال کا عرصہ ہوگیا۔ اب

---

(۱) یہ الفاظ کنایات طلاق میں سے نہیں ہیں: "إذا قال: لا أريدك أو لا احبك أو لا أشتهيك أولا رغبة لي فيك، فإنه لا يقع وإن نوى، في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية بهامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۱۹۸، الثاني في الكنايات و فيه أجناس، نوع آخر في المتفرقة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۹۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) "لا تطلق بها إلا بنيته أو دلالة الحال: أي لا تطلق بالكنايات إلا بأحد هذين الأمرين؛ لأن ألفاظ الكنايات غير مختصة بالطلاق، بل تحتمله و غيره، فلا بد من المرجح". (تبيين الحقائق: ۳/۷۵، باب الكنايات، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۹۶، ۲۹۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۳۴، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات في الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

"البائن لايلحق البائن". (الدرالمختار: ۳/۳۰۸، سعيد)

"ولايلحق البائنُ البائنَ بأن قال لها: أنت بائن، ثم قال لها: أنت بائن لايقع إلا طلقة واحدة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية بيروت)

جب کہ لڑکی کی عمر ۱۱/ سال کی ہوگئی اور لڑکے کی عمر ۱۸/ سال کی ہوگئی تو لڑکے نے اب لڑکی کو اپنی زوجیت میں لینے سے انکار کردیا اور بکر یعنی لڑکے کے والد نے بھی زید یعنی لڑکی کے والد سے کہہ دیا کہ اپنی لڑکی کا عقد کسی دوسری جگہ کرلو۔ جب کہ لڑکی کے والد یعنی زید نے دوسری جگہ لڑکی کے عقد کے متعلق تقریباً طے کرلیا تو پھر لڑکا اور اس کا باپ یعنی بکر دونوں زید کی لڑکی کو زوجیت میں رکھنے کے متعلق کھڑے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ الفاظ جو اوپر مذکور ہیں نہیں کہے۔ اب شریعت مطہرہ کا فیصلہ درکار ہے۔

اکرام الحق، محلّہ مولوی صاحبان، قصبہ کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، یوپی۔

التنقیح

لڑکے نے کیا الفاظ کہے، بعینہ وہ الفاظ لکھئے اور جو الفاظ بھی کہے ہیں ان پر شرعی شہادت موجود ہے یا نہیں۔ لڑکے کے والد کے کہے ہوئے الفاظ لکھنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر لڑکے نے اپنے والد کو اپنے حق زوجیت کے انقطاع کا وکیل بنادیا ہے تو پھر والد کے الفاظ کی ضرورت ہے۔ اس تنقیح پر اصل سوال کا جواب موقوف ہے۔

از دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

جواب تنقیح

آپ نے لڑکے کے الفاظ دریافت کئے ہیں، لہذا وہ بعینہ نقل کئے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ”میں اس (لڑکی) کو اپنے یہاں نہیں رکھنا چاہتا، اگر والد بغیر میری منشا کے رخصتی کریں گے تو میں گھر چھوڑ کر کہیں در چلا جاؤں گا“۔ ویسے تو یہ الفاظ تقریباً دس بارہ مسلمانوں کے سامنے کہے گئے جس میں سے دو آدمی صوم وصلوۃ کے بھی پابند ہیں، مزید اطمینان کے لئے ان دوشخصوں سے پھر دریافت کرلیا گیا کہ آیا یہ الفاظ اس لڑکے نے اس وقت کہے تھے یا نہیں؟ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں یہ الفاظ کہے گئے۔ فی الحال وہ لڑکا اپنے ان سابق الفاظ سے منحرف ہے اور اب لڑکی کو اپنی زوجیت میں لینے کے لئے تیار ہے۔

اکرام الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرلڑکا ان الفاظ کا اقرار بھی کرے تب بھی شرعاً ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی (۱) بلکہ بدستور نکاح قائم اور باقی ہے، لہذا جب تک لڑکا طلاق نہ دے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ درست نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ربیع الثانی/۵۸ھ۔

''میں نہیں رکھتا'' سے طلاق

سوال[۶۱۹۷]: ایک شخص اپنی بیوی کو بحالتِ غصہ دومرتبہ یہ کہہ چکا ہے کہ ''میں تجھے نہیں رکھتا'' کیا اس پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اس عورت کو وہ مرد اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمارے امام صاحب نے یہ بتایا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے دوبارہ ہو تب اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اتنا ہی کہا ہے تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوتی، نکاح قائم ہے، اس عورت کو رکھنا درست ہے (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) الفاظ مذکورہ کنایاتِ طلاق نہیں ہیں (کما سیأتی تخریجہ تحت الحاشیة رقمها: ۳)

(۲) "و رکنه لفظ مخصوص، هو ما جُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کناية". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۳۰، کتاب الطلاق، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۴۸، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(و کذا فی حاشية الشلبی علی تبیین الحقائق: ۳/۲۰، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمية بیروت)

(۳) "إذا قال: لا أریدک أو لا احبک او لا أشتهیک أولا رغبة لی فیک، فإنه لا یقع وإن نوی، فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات و المدلولات، رشیدیه) =

''میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا ہوں'' سے طلاق

سوال[۲۱۹۸]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں یہ کہا کہ ''میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا ہوں'' اس بات کے پانچ گواہ ہیں، مگر پنچایت میں زید اس بات کا انکار کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زید نے بیوی سے کہا ہو اور اس کو اقرار بھی ہو کہ اس نے اس طرح کہا ہے کہ ''میں تمہیں نہیں رکھنا چاہتا ہوں یا میں نہیں رکھوں گا'' تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی کیونکہ یہ خواہش کا اظہار ہے یا وعدہ ہے اس سے طلاق نہیں ہوتی:

"قالت لزوجها: "**من باتو نمی باشم**"، فقال الزوج: "**مباش**" فقالت: **طلاق بدستِ تُواست، مرا طلاق کن**" فقال الزوج: "**طلاق می کنم، طلاق می کنم**" وکذا ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: "**کنم**"؛ لأنه استقبال، فلم یکن تحقیقاً بالتشکیك. وفی المحیط: لو قال بالعربیة: أطلق، لایکون طلاقاً، إلا إذا غلب استعماله للحال، فیکون طلاقاً". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۶۶(۱)۔ "قال لامرأته: اذهبی إلی بیت أمك، فقالت: "**طلاق ده، تا بروم**" فقال: "**تو برو، من طلاق دمادم فرستم**" قال: لا تطلق؛ لأنه وعدٌ، کذا فی الخلاصة". عالمگیریة: ۱/۳۸٤(۲)۔

= (وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۱۹۸، الثانی فی الکنایات و فیه أجناس، نوع آخر فی المتفرقة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۲۹۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۸۴، الفصل السابع فی الطلاق بالألفاظ الفارسیة، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، المصدر السابق)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۲/۸۰، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی صریح الطلاق، جنس آخر فی ألفاظ الطلاق، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة بهامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۱۷۲، کتاب الطلاق، نوع آخر فی ألفاظه، الفصل الأول فی صریح الطلاق، رشیدیه)

جب صریح طلاق کا یہ حال ہے تو الفاظِ مذکورہ تو نہ صریح طلاق کے ہیں نہ کنایہ طلاق کے، اس لئے کوئی تردد نہ کریں، نکاح بدستور قائم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۰ھ۔

''اب ہم نہیں رکھیں گے'' سے طلاق

سوال[۶۱۹۹]: میں اپنے اہل وعیال کا برابر خیال رکھتا ہوں، لیکن اس کے باوجود اپنی بیوی سے قطع تعلق کر بیٹھا ہوں اور میں نے اپنی زبان سے یہ بھی کہہ دیا کہ ''میں اب کبھی نہیں رکھوں گا''۔

ایسا ہوا کہ ہمارے گھر میں کچھ پریشانی اچانک آ پڑی تھی، اسی اثناء میں ہمارے خسر صاحب آئے اور کہنے لگے کہ ''ہم اپنی لڑکی رخصت کرا کر لیجائیں گے'' مگر ہمارے والد صاحب کا کہنا تھا کہ ابھی تو ہم پر مصیبت آن پڑی ہے، مگر ہمارے خسر صاحب بضد تھے تو ہم نے غصہ میں آ کر کہہ دیا کہ ''اب ہم نہیں رکھیں گے'' مگر ہمارے والد صاحب رخصتی کرا کر لے آئے ہیں، ہم نے طلاق کا نام نہیں لیا تھا۔ تو کیا اس طرح طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آدمی دل میں سوچ لے کہ بیوی سے تعلق نہیں رکھوں گا اور کچھ مدت تک عملی طور پر اس سے الگ رہے اور زبان سے یا تحریر سے طلاق نہ دے تو اس سے طلاق نہیں ہوتی (۱) اور نکاح ختم نہیں ہوتا۔ ''اب ہم نہیں رکھیں گے'' یہ طلاق کا لفظ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۱۳۹۰ھ۔

---

(۱) "لو أجری الطلاق علیٰ قلبه و حرّک لسانه من غیر تلفظٍ یُسمع، لا یقع". (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح: ص: ۲۱۹، شروط الصلوة، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله عزوجل تجاوز لأمتی عما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتکلم به". (الصحیح لمسلم: ۷۸/۱، کتاب الإیمان، قدیمی)

(۲) "و رکنه لفظ مخصوص، هو ما جُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة". (رد المحتار مع =

''میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں ہے'' سے طلاق

سوال[۱۲۰۰]: مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر نے مارا پیٹا اور گھر سے باہر نکال دیا اور کہا کہ ''میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں ہے، تیری مرضی آئے سو کر''۔ اب ہندہ کا دوسری جگہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے ایسا کہا ہے کہ ''میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں، تیری مرضی آئے سو کر'' تو اس سے طلاق بائنہ ہوگئی (۱)، اس کے بعد عدت تین ماہواری گزار کر دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنا جائز ہے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

=الدر المختار: ۲۳۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۰/۳، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "و لو قال لها: لا نكاح بيني و بينك، أو قال: لم يبق بيني و بينك نكاح، يقع الطلاق إذا نوى".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۴۶۸/۱، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۶/۴، كتاب الطلاق، الثاني في الكنايات، نوع اخر في انكار النكاح، رشيديه)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً، أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، و هي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمة أو كتابية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۷/۴، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على رد المحتار: ۵۰۳/۳، ۵۰۴، كتاب الطلاق، باب العدة، سعيد)

''مجھے تیری ضرورت نہیں، تو میکہ چلی جا'' سے طلاق کا حکم

سوال[۱۲۲۰۱]: زید کا نکاح ہندہ سے ڈیڑھ سال ہوئے ہوا، میاں بیوی میں گھریلو باتوں پر بحث ہو جاتی تھی، جو کچھ جھگڑے کی صورت اختیار کرتی تھی، زید سخت مزاج تھا، جلد غصہ آ جاتا تھا اور بحالتِ غصہ یہ الفاظ کہہ دیتا کہ ''مجھے تیری ضرورت نہیں، تو میکے چلی جا''، میکہ اسی بستی اور اسی محلہ میں ہے۔ ایک دن کسی بات پر بات ہوئی اور اس کو یہی الفاظ کہہ کر میکے میں بھیج دیتا ہے۔ ایک مرتبہ ہندہ کے والد نے زید کو بھی سمجھایا مگر یہی کہا کہ ''مجھے برداشت نہیں، لڑکی کو سنبھالو، مجھے ضرورت نہیں''۔ اس قسم کے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے، ایک دو مرتبہ اپنے سسر سے بھی اس قسم کے الفاظ کہے۔ تو ان حالات پر یہ منکوحہ رہی یا نہیں، اگر نہیں رہی تو واپسی کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

یہ لفظ کہ ''مجھے تیری ضرورت نہیں'' نہ صریح طلاق کا لفظ ہے اور نہ کنایہ کا، اس سے طلاق نہیں ہوتی: "و لو قال: لا حاجة لي فيك، ينوي الطلاق، فليس بطلاق، اهـ". فتاویٰ عالمگیری: ۳۹۳/۲(۱)۔

لیکن اگر بیوی کو طلاق کی نیت سے یہ کہا ہے کہ ''تو میکے چلی جا'' تو اس سے طلاق ہوگئی۔ اور طلاق کی نیت سے اگر نہیں کہا تو طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۷ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(و كذا في فتاویٰ قاضي خان: ۴۶۸/۱، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(و كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۱۷/۳، باب الكنايات، نوع في قوله: خلية وأشباهها، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "اذهبيْ إلى جهنم، يقع إن نوى، خلاصة، و كذا: اذهبي عني، وفسختُ النكاح". (الدر المختار: ۳۱۴/۳، باب الكنايات، قبيل تفويض الطلاق، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۶/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(و كذا في فتاویٰ قاضي خان: ۴۶۸/۱، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

''ہمارے گھر سے نکل جا'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۰۲]: ہندہ کا اپنے شوہر سے کسی امر میں جھگڑا ہوا، شوہر نے مارا پیٹا، گالی دی اور کہا کہ ''ہمارے گھر سے نکل جاؤ''۔ ہندہ گھر چلی آئی شوہر نے کہلا بھیجا کہ ''اب میرے یہاں نہ آئے'' مگر دوسرے دن ہندہ کے والد ہندہ کو شوہر کے گھر پہنچانے گئے، شوہر نے پھر کہا ''ہمارے گھر سے نکل جاؤ'' اور باپ کے سامنے مارنے لگا اور کہا ''حرام زادی، تم کو کل ہی گھر سے نکال دیا، پھر کیوں آئی''؟ داماد نے سسر کو پھر گالی دی اور کہا کہ تمہارے یہاں میں لینے نہیں گیا تھا، یہ پھر کیوں آئی۔ صورت مسئولہ میں طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟ اور دوبارہ شوہر کے گھر جانے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چونکہ شوہر کے لفظ ''ہمارے گھر سے نکل جاؤ'' بولتے وقت مذاکرۂ طلاق موجود ہے، اس لئے ایک طلاق بائن ہوگئی، عدت کے بعد لڑکی دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے، پہلے شوہر کے پاس جانے کے لئے تجدید نکاح کرنا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ سید ابواختر القاسمی، ۲/۵/۸۷ھ۔

مہر امارتِ شرعیہ بہار دارالافتاء خانقاہ رحمانی مونگیر۔

دریافت طلب یہ ہے کہ کیا یہ فتویٰ صحیح ہے اور ہندہ کو طلاق بائن ہوگئی؟ جب کہ دیکھ رہے ہیں کہ استفتاء کے اندر کہیں طلاق کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ کسی طرح شوہر کی نیت کا حال معلوم ہورہا ہے، بلکہ میرا تو اندازہ ہے کہ شوہر کا ہندہ کو دوسرے دن باپ کے ساتھ آنے پر دوبارہ مار پیٹ کرنا کچھ اور ہی ثابت کررہا ہے یعنی لڑکا بیوی گردان کر زدوکوب کررہا ہے اور لڑکی بھی تسلیم کررہی ہے، اس لئے قوم کی طرف رجوع کررہا ہوں، وضاحت سے فرمائیں۔ نیز مذاکرہ طلاق سے کیا مراد ہے؟

نیازمند اختر جمیل بہار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کا یہ لفظ کہ ''ہمارے گھر سے نکل جاؤ''، کنایاتِ طلاق کی اس قسم کا لفظ ہے جس میں رضا، غضب،

مذاکرۂ طلاق تینوں حالتوں میں وقوعِ طلاق کے لئے نیت کی حاجت ہوتی ہے، بلانیت طلاق نہیں ہوتی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار: ۲/۴۶۶(۱) میں نقشہ دیا ہے۔ نیز بحر: ۳/۳۰۲ میں ہے "و حاصل ما في الخانية: أن من الكنايات ثلاثة عشر لا يعتبر فيها دلالة الحال و لا تقع إلا بالنية: حبلك على غاربك، تقنعي، تخمري، استتري، قومي، اخرجي، اذهبي، الخ"(۲)۔

پھر اگر شوہر نے بہ نیتِ طلاق ایسا کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی، جس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہے(۳)۔ اگر شوہر نے طلاق کی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق نہیں ہوئی، بدستور نکاح قائم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۷ھ۔

کنایۂ طلاق "جہاں چاہے بھیج دو" سے طلاق

سوال[۶۲۰۳]: ایک لڑکی کی شادی ہوئی، مگر بعد رخصتی کے اس کا خاوند لڑکی کو لیکر سسرال گیا اور رہنے لگا، چند دن بطورِ مہمان کے رکھا، مگر جب عرصہ کئی ماہ کا گزر گیا تو لڑکی کے والدین نے کہا کہ بھائی! یوں بیکار پڑنے سے کیا ہوتا ہے، کچھ کرنا بھی چاہئے، آخر خرچ کرنے کو کہاں سے آئے، لڑکے نے جواب دیا کہ "اگر

---

(۱) نقشہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (ردالمحتار: ۳/ ۳۰۲، باب الکنایات، سعید)

(۲) (البحرالرائق: ۳/۵۲۶، باب الکنایات فی الطلاق، رشیدیہ)

"اما النوع الأول فهو كل لفظ يستعمل في الطلاق و يستعمل في غيره نحو قوله: أنت بائن، أنت علیّ حرام .... أنت حرة، قومي، اخرجي .... وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق و غير الطلاق، فقد استتر المراد منها عند السامع، فافتقرت إلى النية لتعيين المراد". (بدائع الصنائع: ۴/۲۳۲، ۲۳۴، کتاب الطلاق، فصل في الكناية في الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوج في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۲، الباب السادس في الرجعة الخ، رشیدیہ)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۷، ۴۳۸، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

تم ہمارا دونوں کا خرچ برداشت کرسکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے، میں تو تمہاری لڑکی کو جب ہی رکھ سکتا ہوں جب کہ تم ہم دونوں کا خرچ برداشت کرو'، لہذا وہ یہ سن کر چپ ہو گئے اس لئے کہ شاید کچھ سمجھ میں آجائے، یہاں تک کہ چار سال تک کچھ نہیں کہا، بلکہ ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔

انہوں نے پھر کہا کہ بھائی! اب تو تم بجائے دو کے تین ہو گئے ہو، اب تو کچھ کام کرو، مگر پھر یہی جواب دیا کہ کما کر کھلانا میرے بس کا کام نہیں ہے "تمہیں اپنی لڑکی کا اختیار ہے، جہاں چاہے بھیج دو، میں کہہ چلا"۔ لہذا اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شوہر نے یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)، جس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، خواہ عدت میں کریں یا بعد عدت کے (۲)، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑکی رضامند نہ ہو تو وہ بعد عدت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

تنبیہ: نیت کے بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

"ہم سے کوئی تعلق نہیں، جہاں چاہے جا" سے طلاق

سوال [۶۲۰۴]: ایک شخص مسمی رسول میاں ولد ظہور میاں اپنی عورت مسماۃ نظیراً کو اپنے مکان سے

---

(۱) "رجل قال لامرأته: أربعة طرق عليک مفتوحة، لا يقع بهذا، وإن نوى، إلا إذا قال: خذی أیّ طریق شئت، لا یقع بدون النیة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات والمدلولات، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "ہمارے گھر سے نکل جا، سے طلاق"۔)

(۳) "والقول قول الزوج فی ترک النیة مع الیمین فی باب الکنایات". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۳۲۵، نوع آخر فی حکم الکنایات، إدارة القرآن کراچی)

غریب میاں چودہری رحیم بخش وغیرہم گواہان کے سامنے اس کا سارا زیور نکال کر اس کے میکے لے کر آیا اور کہلایا کہ ''ہم سے اس سے کوئی مطلب نہیں، اس کی طبیعت جہاں چاہے جائے، ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے''۔ عرصۂ دراز ہوا کہ مسمی مذکور نے اپنی تو دوسری شادی کرلی، اب یہ مسماۃ اس سے طلاق چاہتی ہے کہ با قاعدہ ہم کو چھوڑ دو، وہ کہتا ہے کہ ''چھوڑ تو دیا ہے، تجھ کو ہم نہیں رکھیں گے، جہاں طبیعت چاہے چلی جاؤ، جس کو ہم نے نکال دیا ہے اس کو پھر نہیں رکھ سکتے''۔ فقط۔

محمد سلیمان، موضع تاج الدین پور، ضلع فیض آباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

الفاظِ مذکورہ کنایاتِ طلاق سے ہیں، پس اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی:

"و فی الفتاوی: لم یبق بینی و بینك عملٌ، نویٰ، یقع، کذا فی العتابیة. و لو قال لها: اذهبی أیّ طریق شئت، لایقع بدون النیة، وإن کان فی حال مذاکرة الطلاق". عالمگیری: ۲/۲۹۴ (۱)۔

اور مسماۃ کے سوالِ طلاق پر یہ کہنا کہ ''چھوڑ تو دیا ہے، تجھ کو ہم نہیں رکھیں گے، جہاں طبیعت چاہے چلی جاؤ، جس کو ہم نے نکال دیا ہے اس کو ہم نہیں رکھ سکتے'' یہ بظاہر قرینہ ہے اس پر کہ بہ نیتِ طلاق اولاً الفاظِ مذکورہ فی السوال کہے ہیں (۲) اور اگر بہ نیتِ طلاق الفاظ ''ہم سے اس کے کوئی مطلب نہیں'' وغیرہ نہیں کہے اور سوالِ طلاق کے جواب میں ''چھوڑ تو دیا ہے'' وغیرہ سے اقرار و اِخبارِ طلاق مقصود نہیں بلکہ انشائے طلاق مقصود ہے تو اس سے دو طلاق واقع ہوگئیں: ایک صریح، دوسری کنایہ اور پہلی صورت میں صرف کنایہ ہی ہوئی، بہر کیف طلاق واقع ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۷/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۷۶، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی فتاوی قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات و المدلولات، رشیدیه) =

....

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/٣٢٥، نوع آخر في قوله "خليفة" وأشباهها، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عربی فتاویٰ میں لفظ "سرحتک" "میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے" کو الفاظِ کنایہ میں شمار کیا گیا ہے:

(كما في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلب لااعتبار بالإعراب هنا: ٣/٣٠٠، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في الكناية في الطلاق: ٤/٢٣٤، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق: ٣/٥٢٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات: ١/٣٧٥، رشيديه)

اردو فتاویٰ میں فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۹/۴۲۸، امدادیہ ملتان، اور عزیز الفتاویٰ: ۲/۵۷۰، میں اسے لفظ کنایہ شمار کیا گیا ہے اور یہی رائے مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی ہے، البتہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس لفظ کو بوجہ عرفِ عام صریح رجعی قرار دیا ہے اور یہی رائے حضرت مفتی صاحب کی ہے۔ بہشتی زیور، حصہ چہارم: ص:۲۹۱، اور امداد الفتاویٰ: ۲/۴۳۵، اسی طرح مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۴۰۹، میں اس کو طلاق صریح قرار دیا ہے، جب کہ فتاویٰ حقانیہ میں اسے کنایات میں شمار کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کی بھی ایک رائے اس کے طلاق صریح ہونے کی ہے، جیسا کہ ردالمحتار: ۳/۲۹۹، باب الکنایات میں ہے۔ (مرتب: فضلِ مولیٰ ابن القاضی فضل خالق)

(وكذا في امداد الفتاوىٰ: ٢/٤٧٣، ادارة تاليفات)

"بخلاف فارسية قوله: سرحتك، وهو "رہا کردم"؛ لأنه صار صريحاً في العرف، على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... ثم فرق بينه و بين سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رہا کرم"أي سرحتك، يقع به الرجعي، مع أن أصله كناية أيضاً، و ما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، و قد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أيّ لغة كانت، اهـ". (رد المحتار: ٣/٢٩٩، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٩، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ٢/٢٩٩، كتاب الطلاق، رشيديه)

''ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' سے طلاق کا حکم

سوال[۱۲۰۵]: زید نے اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ ''تم ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' اور وہ منکوحہ زید اپنے خاوند کے کہنے پر ماں باپ کے گھر چلی گئی، اس عرصہ کو تقریباً دس گیارہ سال گزر گئے۔ کیا یہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں، اگر واقع ہوگئی تو کونسی؟ کیونکہ زید نے مذکورہ مدت میں اپنی منکوحہ کو بالکل طلب نہیں کیا، اگر طلاق نہیں پڑی تو کیا وجہ؟ بینوا توجروا۔ مدلل مبرہن ہو۔

العارض: شاہ نواز خان۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

لفظ مذکورہ کنایاتِ طلاق سے ہے، پس اگر بہ نیتِ طلاق یہ لفظ کہا ہے تو شرعاً ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر بہ نیتِ طلاق یہ لفظ نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/رمضان/۱۳۵۵ھ۔

''ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا'' سے طلاق

سوال[۱۲۰۶]: واقعہ یوں ہے کہ ہم اور ہماری جٹھانی اور دونوں نند کہیں بیٹھنے گئے تھے اور ساس گھر میں تھیں، ان سے پوچھ کر گئے تھے، جب ہمارے جیٹھ اور ہمارے شوہر دوکان پر سے گھر میں کوئی سامان وغیرہ لینے آئے تو ان لوگوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں گئیں ہیں، ساس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ بیٹھنے گئی ہیں تو ہمارے جیٹھ اپنی بیوی پر غصہ ہوئے، اور ہمارے شوہر ہمارے اوپر غصہ ہوئے، اسی غصہ میں ہمارے شوہر نے کہہ دیا کہ ''اپنی بھتیجی کو یہاں سے لے جاؤ، ہم نے طلاق دیدی''، تو ہماری پھوپھی یعنی ساس ان کے اوپر بہت غصہ

---

(۱) ''کنایته ما لم یوضع له و احتمله وغیره، لاتطلق بها إلا بنیة أو دلالة الحال .... فنحو: أخرجي واذهبي و قومي: أي من هذا المكان لینقطع الشر، فیكون رداً، أو لأنه طلقها، فیكون جواباً''.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۶/۳، ۲۹۸، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۷۸/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۴/۱، ۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، رشیدیه)

ہوئیں اور رو پیٹ کر رہ گئیں۔

جب ہم سب لوگ گھر میں آئے، انہوں نے سب بتلایا کہ یہ کہا اور یہ کہا، لیکن یہ نہیں بتلایا کہ ایک بار طلاق کا نام بھی لیا، جب کہ جیٹھ نے جیٹھانی کو بتایا کہ ہمارے چھوٹے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک بار اس طرح کہا کہ ”ہم نے طلاق دے دی“۔ جب دوسرا روز ہوا تو میری جیٹھانی نے ہم سے کہا کہ کل یہ بات اس کے منہ سے نکلی، جب ہم نے ساس سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہاں۔ پھر دس پندرہ روز کے بعد اپنے آپ ہی بہت غصہ چڑھا، اسی غصہ میں بکتے بکتے دوبارہ پھر یہ بات ان کے منہ سے نکلی کہ ”جا! تو یہاں سے نکل جا، ایک منٹ بھی تو میرے گھر میں نہیں رہ سکتی، ہم نے تجھے طلاق دے دی“۔ تو پھر ہم اس گھر سے ساس کو لے کر نکل گئے، بڑی ساس کے یہاں چلی گئیں۔ ہم نے گھر آنے سے انکار کر دیا کہ ہم اب گھر میں نہیں آئیں گی، مگر سسر نے سمجھا کہ ہم کو پھر گھر ہی میں رکھ لیا۔

پھر پندرہ بیس روز کے بعد ہم کو ساس وغیرہ سیر دکھانے ساتھ میں گئی تھیں، وہاں سے واپس ہونے کے بعد وہ اپنی ماں سے کہنے لگے کہ آپ اس کو لے کر کیوں گئیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ساس ہیں کیا ہمارا کوئی حق نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ کوئی حق نہیں، اس میں بات بڑھتے بڑھتے بہت کافی بات بڑھ گئی، اس غصہ میں آکر پھر تیسری مرتبہ کہا: ”جاؤ تو پھر اپنی بھتیجی کو یہاں سے لے جاؤ، ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا۔ ان تینوں طلاقوں کے درمیان میں ہمارے شوہر سے میرا تعلق کسی قسم کا نہیں ہوا۔ شادی ہونے کے بعد دو تین مہینہ ٹھیک رہے، اس کے بعد ہم کو طلاق دلوانے کے لئے کسی نے بڑے بڑے کرتب کئے، چار ماہ ان کا دماغ خراب رہا، اسی چار ماہ کے درمیان میں تینوں طلاقیں دیں۔ ہمارے ساس سسر نے کرتبوں کا اتار کیا۔ اس کے بعد ان کا دماغ بالکل صحیح ہو گیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں مجھے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو اب میرے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلی اور دوسری طلاق تو صاف ظاہر ہے، کیونکہ صریح لفظ طلاق کا ہے (۱)، البتہ تیسری دفعہ یہ لفظ کہا

---

(۱) ”الطلاق الصريح يلحق الطلاق الصريح بأن قال: أنت طالق، وقعت طلقة، ثم قال: أنت طالق، تقع=

ہے "ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا" یہ صریح لفظ نہیں، بلکہ کنایہ ہے(۱)، شوہر سے دریافت کیا جائے، وہ اگر یہ کہے کہ ہاں طلاق کی نیت سے کہا ہے، جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہوتا ہے تو اس لفظ سے تیسری طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی (۲)، اب شوہر سے پردہ میں رہ کر آپ اپنی عدت پوری کریں۔ عدت تین ماہواری ہے، اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوگئی (۳)۔ بعد عدت دوسری جگہ اپنا نکاح کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۳۹۰ھ۔

= أخرى. (الفتاویٰ العالمکیریة، الفص الخامس فی الکنایات: ۱/ ۳۷۷، رشیدیه)

"الصریح مالا یحتاج إلی نیة، بائناً کان الواقع به أو رجعیاً". (الدر المختار: ۳/ ۳۰۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، مطلبٌ: الصریح یلحق الصریح والبائن، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۴/ ۵، ۴، باب إیقاع الطلاق، مصطفیٰ البابی الحبلی مصر)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/ ۲۲۲، فصل فی شرط النیة فی الکنایة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۱) "أو قال: لم یبق بینی وبینک نکاح، یقع الطلاق إذا نوی". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۷۵، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذافی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۴۶۸، فصل فی الکنایات والمدلولات، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۳۱۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

(۲) "والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح بأن قال لها: أنت طالق، ثم قال لها: أنت بائن، تقع طلقة أخری". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۷۷، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/ ۳۰۶، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/ ۳۶۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه)

(۳) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق، وهی حرة ممن تحیض، فعد تها ثلاثة أقراء، سواء کانت الحرة مسلمةً أو کتابیةً، کذا فی السراج الوهاج .... وعدة الحامل أن تضع حملها، کذا فی الکافی". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۵۲۶، ۵۲۸، الباب الثالث =

''میں نے کوئی شادی نہیں کی'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۰۷]: مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ شوہر دوسری عورت سے شادی کر چکا تھا، مگر مقدمہ کے دوران اس نے یہ تحریر لکھدی کہ ''میں نے کوئی شادی نہیں کی اور میرے پاس کوئی دوسری عورت موجود نہیں ہے'' اور بیان بھی دیا۔ ایسی صورت میں عقد باقی رہا یا نہیں؟ اور زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کا یہ بیان کہ ''میں نے کوئی شادی نہیں کی اور میرے پاس کوئی دوسری عورت نہیں ہے'' اگر خلافِ واقعہ ہے تو جھوٹ ہے، مگر اس سے طلاق نہیں ہوئی، نہ نکاح ٹوٹا، وہ بیوی اس کے لئے حلال ہے جو ایسا کہتے وقت اس کے نکاح میں تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۱۳۹۱ھ۔

انکارِ نکاح سے طلاق

سوال[۶۲۰۸]: زید منکوح تھا، مگر دوسری جگہ اس نے چند معتبر آدمیوں کے سامنے قسم کھا کر یہ کہہ دیا کہ ''میرا نکاح کسی سے نہیں ہوا''۔ اور وہ اپنی بیوی کو اپنے یہاں بلاتا بھی نہیں، نہ اس سے کسی قسم کے تعلقات رکھتا ہے۔ آیا ایسی صورت میں اس کی بیوی مطلقہ ہو چکی یا نہیں؟

احقر بوعلی اثر سنسار پوری۔

= عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية بهامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۲۵۶ - ۲۵۷، الثامن في العدة، رشيديه)

(۱) "لستُ لک بزوج، أولستِ لي بامرأة، أو قالت: لستَ لي بزوج، فقال: صدقتِ، طلاق إن نواه خلافالهما والوأكد بالقسم، أو سئل ألک امرأة؟ فقال: لاتطلق اتفاقاً، وإن نوى؛ لأن اليمين والسوال قرينتا ادارة النفي فيهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۳/۲۸۲-۲۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

محض اتنا کہنے سے طلاق نہیں ہوئی: "وإن قال: لم أتزوجك، ونوى الطلاق، لا يقع الطلاق بالإجماع، كذا في البدائع. ولوقال: مالي امرأة، لا يقع وإن نوى. وكذا لوقال: عليّ حجةٌ إن كانت لي امرأة. وهذا بالإجماع ذكره الإمام السرخسي في شرحه، والشيخ الإمام نجم الدين في شرح الشافي، كذافي الخلاصة، اهـ". الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵(۱)۔

صورت مسئولہ میں عورت کو چاہیئے کہ اگر شوہر حقوق ادانہیں کرتا تو کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرے، خواہ مہر معاف کر کے خواہ کسی اُور طرح (۲)۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور وہ میرے حقوق ادانہیں کرتا، اس پر حاکم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ پھر اگر شوہر کسی صورت کو اختیار کرے تو بہتر ورنہ حاکم مسلم بااختیار خود تفریق کردے (۳)۔ اس کے بعد عدتِ طلاق گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

"وكذلك إذاقال: لم يكن بيننا نكاح، أوقال: لم أتزوجك، ونوى الطلاق، لايقع بالإجماع". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۲۱، كتاب الطلاق، نوع آخر في قوله: لست لي بامرأة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها. وفي الزاد: وإذا فعل ذلك، وقع بالخلع تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۴۵۳، فصل في الخلع، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۸۲، باب الخلع، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "قال في غرر الأذكار: ثم اعلم أن مشائخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائباً من مذهبه =

''یہ عورت بہنوئی کی ہے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں'' سے طلاق

سوال[۲۲۰۹]: شوہر نے اپنی زوج کو بوجہ تکرار کہا کہ ''یہ عورت بہنوئی کی ہے، میری نہیں، مجھ سے کوئی مطلب نہیں، کوئی مطلب نہیں، کوئی مطلب نہیں، یہ اپنے گھر جاوے، ہم اپنے گھر''۔ اب لڑکی شوہر کے یہاں جانا نہیں چاہتی کہتی ہے کہ میں خودکشی کرلوں گی مگر جاؤں گی نہیں، لڑکا بدمعاش ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شوہر کے جو الفاظ سوال میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں کوئی لفظ صریح طلاق کا نہیں ہے، بلکہ کنایہ کے الفاظ ہیں، اگر شوہر نے کہتے وقت طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائن واقع ہوگئی (۱) اور اب اس کے ساتھ رہنے کا حق نہیں رہا، دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کرلیا جائے (۲)۔ اگر طلاق کی نیت سے شوہر نے یہ الفاظ نہیں کہے تو کوئی طلاق نہیں ہوئی اسی کے ساتھ رہنا چاہئے یا پھر اس سے مہر کے عوض طلاق لے لی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۴/۵ھ۔

= للتفريق بينهما إذا كان الزوج حاضراً، وأبى عن الطلاق؛ لأن دفع الحاجة الدائمة لايتيسر بالاستدانة؛ إذ الظاهر أنها لاتجد من يقرضها وغنى الزوج مالاً أمرٌ متوهم، فالتفريق ضروری إذا طلبته".

(ردالمحتار: ۳/۰ ۵۹، باب النفقة، مطلب فی فسخ النكاح بالعجز عن النفقة، سعيد)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) "وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها فی العدة و بعد انقضائها". (الفتاوی العالمكيرية: ۱/۲۷۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار: ۳/۹ ۴۰، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "إذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفساً منه بالمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع و ما فی حكمه، رشيديه)

''میرا تیرا تعلق ختم'' سے طلاق

سوال[۱۰۲۲۱]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا، ہندہ نے اپنی سسرال کا ماحول نہایت گندہ دیکھا، ہندہ کی سسرال میں پردہ، گھونگھٹ اور شرم وحیاء کا طریقہ بالکل پسند نہیں ہے اور اسلامی طور وطریق کو بہت ہی کراہت سے دیکھتے ہیں، نیز ہندہ کے شوہر اور ساس سسر ہندہ کو کھلی بے حیائی، بے شرمی اور بے پردگی پر آمادہ کرتے ہیں، بے شرمی اور بے حیائی کیساتھ ساتھ ہندہ سے ازدواجی تعلقات کی تاک جھانک میں لگے رہتے ہیں۔ جب ہندہ اپنے شوہر سے ساس سسر کی اس کھلی بے حیائی اور بے شرمی کا ذکر کرتی ہے تو وہ ان باتوں پر بالکل برا نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے بابوجی (باپ) جس طرح تم سے خوش رہنا چاہیں، تم ان کی بات مانو اور تم ان کے ماحول میں رہو۔

ہندہ ہر طرح گھریلو خدمت انجام دے سکتی ہے مگر یہ بے شرمی، بے حیائی اور بے پردگی کی باتیں ہرگز نہیں مان سکتی، یہ خدمت صرف شوہر کے لئے مخصوص ہے، سسر اور غیروں کے لئے نہیں ہے۔ چونکہ ہندہ کے سسر کی عادت نہایت خراب ہے اور مزاج میں چاپلوسی اور بے شرمی بہت زیادہ ہے، اس لئے ہندہ کو ہر دم اپنی پاکدامنی اور عفت وعصمت کا خوف لگا رہتا ہے۔ ہندہ جب سسرال میں ایسی ویسی بے شرمی وبے حیائی کی باتیں نہیں مانتی تو ساس سسر لعن طعن کرتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں، بدمزاج منہ چڑھی بتلاتے ہیں، خاندان کو کوستے ہیں، طرح طرح کی سختیاں کرتے ہیں اور تکلیفیں پہونچاتے ہیں، انتہائی بدکلامی بدلحاظی سے پیش آتے ہیں، یوں ہوتے ہوتے دس مہینہ بیت گئے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ہندہ کی والدہ جاکر ہندہ کو میکے لے آئی۔ کچھ دن بعد ہندہ کا شوہر ہندہ کے پاس آیا اور باہم باتوں باتوں میں نفرت کرکے ہندہ کو یہ کہہ دیا کہ ''جا، آج سے میرا تیرا تعلق ختم، میں ابھی گھر جاکر تیرا مہر پانچ ہزار روپیہ بھیجتا ہوں اور تیرا نکاح بھی کہیں نہیں ہونے دوں گا''۔ پھر ہندہ کا سسر بھی ہندہ کے والد سے ملا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہا کہ ہندہ کو بھیجنا ہے تو فوراً بھیج دو ورنہ اپنی بیٹی کو طاق میں بٹھا کر رکھو، ہم تحریری طلاق نہیں دیں گے اور یاد رکھو! ہم ہندہ کو سڑا سڑا کر ماریں گے اور ہم تم کو نیچا دکھا کر رہیں گے اور ہندہ سے اور تم سے

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۸۴، باب الخلع، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۰۴، كتاب الطلاق، باب الخلع، مكتبه شركة علميه ملتان)

اپنے گھر پر ناک رگڑوا دیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ ہندہ ہرگز ہرگز اس گھر میں جانا نہیں چاہتی۔

اس کے بعد ہندہ کے ساس سسر ہندہ پر چڑھایا ہوا اپنا زیور بھی لے گئے اور بڑی بدکلامی سے پیش آئے۔ اب ہندہ کے سسر ہندہ کو پولیس کے ذریعہ نکال کر لیجانے کی فکر میں ہیں، بہت سے لوگوں نے میرے سسر وغیرہ کو پولیس تھانوں میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے، تھانوں سے کئی دفعہ میرے والد کو بلانے کا ٹیلیفون بھی آچکا ہے۔ اب اس مضمون سے جو شرعی حکم ہندہ کے لئے نکلتا ہے اس کا جواب فتویٰ چاہتی ہوں، اگر طلاق پڑگئی ہے تو فبہا ورنہ ہندہ کے آزاد ہونے کی قانونی شرعی صورت مفصل عام فہم لفظوں میں فرمادیجئے، عین نوازش ہوگی۔

شاہدہ بیگم، شہر میرٹھ، ۲۴/ اگست/ ۶۸ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ہندہ کو اس کے شوہر نے بہ نیتِ طلاق یہ کہا کہ ''جا، آج سے میرا تیرا تعلق ختم'' جیسا کہ مہر بھیجنے کے ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)۔ وقتِ طلاق سے تین حیض گزرنے پر دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوگی (۲)، اگر حمل ہو تو وضع حمل سے عدت پوری ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) "وفی الفتاوی: لم یبق بینی و بینک عملٌ، و نوی الطلاق، یقع، کذا فی العتابیة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۴۶۸، کتاب الطلاق، فصل فی الکنایات والمدلولات، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق: ۳/۵۲۸، کتاب الطلاق، باب الکنایات فی الطلاق، رشیدیه)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق و هی حرة ممن تحیض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء کانت الحرة مسلمةً أو کتابیةً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر فی العدة، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار: ۳/۵۰۴، ۵۰۵، کتاب الطلاق، باب العدة، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "و [العدة] فی حق الحامل مطلقاً و ضع حملها". (الدر المختار: ۳/۵۱۱، باب العدة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۸، الباب الثالث عشر فی العدة، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق: ۴/۲۲۶، باب العدة، رشیدیه)

’’تعلقِ زوجیت نہیں‘‘ سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۱۱]: عبداللہ نے ایک نابالغ لڑکی فاطمہ سے بغیراب وجد کے دوسرے ولی کے ذریعہ سے نکاح کرلیا، تھا وہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد شوہر کی عادات واخلاق پسند نہ ہونے کی وجہ سے اپنی والدہ صاحبہ کے گھر آ گئی، تقریباً دو ہفتہ کے بعد عبداللہ نے فاطمہ کو بلایا، اس وقت فاطمہ بولی کہ ’’تمہارے اخلاق وعادات مجھے پسند نہیں ہیں، میں تمہارے ہمراہ رہنے کو راضی نہیں ہوں، اس لئے مجھے طلاق دیدو‘‘، عبداللہ نے کہا ’’جس طرح تو مجھے پسند نہیں کرتی، میں بھی تجھے اسی طرح پسند نہیں کروں گا، تم اپنی اماں کے گھر رہو، میں دوسری شادی کرلیتا ہوں‘‘، فاطمہ بولی ’’بہر حال مجھے جدائی کردو‘‘، اس وقت عبداللہ نے کہا کہ ’’مجھے تو ضرورت نہیں ہے، تم اپنی والدہ کے گھر رہو، آج سے تمہارے اور ہمارے درمیاں زوج زوجہ کا کوئی تعلق نہیں ہے‘‘۔

اتنا کہہ کر عبداللہ واپس چلا گیا اور دوسری شادی بھی کرلی، اب پانچ سال ہوگئے۔ حنفی مذہب کے مطابق کیا عورت مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ مرد سے مہر طلب کرسکتی ہے یا نہیں، اس کی عدت گزارنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نابالغہ کا نکاح جب کہ ولیٔ ابعد نے کیا تھا تو وہ ولیٔ اقرب کی اجازت پر موقوف تھا، اگر ولی اقرب نے رد کردیا تھا تو وہ رد ہوگیا تھا، اگر رد نہیں کیا تھا بلکہ اجازت دے دی تھی تو وہ جائز ہوگیا تھا(۱)۔ جب کہ عبداللہ نے سوالِ طلاق کے جواب میں کہا کہ ’’تم اپنی ماں کے گھر پر رہو، آج سے تمہارے اور میرے درمیان میں زوج وزوجہ کا کوئی علاقہ نہیں ہے‘‘ تو ظاہر ہے کہ یہ بہ نیتِ طلاق ہی کہا ہے تو شرعاً اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔ اگر خلوت صحیحہ یا جماع کی نوبت آ چکی ہے تو عورت پورے مہر کی حقدار ہے، ورنہ نصفِ مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے، پورے کا مطالبہ نہیں کرسکتی:

---

(۱) ”وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب، فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته“.

(التنوير مع الدر المختار: ۸۱/۳، كتاب النكاح، باب الولي)

(وكذا في الهداية: ۳۱۹/۲، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۵/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

"لو قال: لم یبق بینی و بینك عمل"(۱)۔ "أو أنا بریء من نکاحك أو ابعدیٰ عنی، ونوی الطلاق، یقع"(۲)۔ "ویجب نصفه بطلاق قبل وطیء أو خلوة". درمختار(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ یکم شعبان۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

"تعلق نہیں" سے طلاق

سوال[۶۲۱۲]: ایک جوان عورت جس کا شوہر عرصہ چھ سال سے گھر سے باہر رہتا ہے اور بیکار ہے بیوی کو میکہ چھوڑ رکھا ہے، نہ نان ونفقہ کی خبر لیتا ہے، نہ اپنے گھر لاتا ہے، نہ ہی شوہر کے والدین بلاتے ہیں۔ جب وہ کبھی گھر آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو کیوں نہیں بلاتا؟ تو کہتا ہے کہ "میں اس کو نہیں رکھنا چاہتا اور نہ ساری عمر اس سے تعلق رکھوں گا، نہ میرے پاس اس کے لئے نان ونفقہ کا خرچہ ہے"۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب تم اسے نہیں رکھ سکتے اور نہ تم خرچ دے سکتے ہو، نہ تمہارے والدین تو وہ اپنا کیسے گزارہ کرے؟ وہ کہتا ہے "جب مجھے اس سے مدت سے تعلق نہیں، نہ آئندہ رکھوں گا، میرے سے جہنم میں جائے"۔

اس پر لوگوں نے کہا تو پھر طلاق دیدے وہ کہیں اپنا نکاح کرلے گی تو کہتا ہے "اور طلاق کیسی ہو، میری طرف سے تو اس کو طلاق ہی سی ہے"۔ عورت مذکورہ کے والدین غریب ہیں، اس کا خرچ نہیں اٹھا سکتے۔ اس صورت میں عورت مذکورہ اپنا نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار: ۳/۳۰۲، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۳/۸۰ باب الکنایات، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (الدرالمختار: ۳/۱۰۲، ۱۰۴، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۰۳، ۳۰۴، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۵۳۸، ۵۳۹، کتاب النکاح، باب المهر، دار الکتب العلمیة، بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر بنیت طلاق شوہر نے وہ الفاظ کہے ہیں جو کہ سوال میں مذکور ہیں جیسا کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے تو بعد عدت اس کی بیوی کو نکاحِ ثانی کی اجازت ہے، اگر کچھ شک ہو تو مزید توثیق کے لئے دوبارہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ یہ دوسرا نکاح کرے یا نہیں، تمہاری بیوی تو نہیں رہی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

''مجھے لڑکی نہیں چاہئے'' سے طلاق

سوال [۶۲۱۳]: ایک نیک شریف لڑکی کی شادی چار سال قبل ہوئی تھی، لڑکا بدچلن، جواری، شرابی نکلا، بلکہ جب تیسری بار لڑکی سسرال گئی تو کچھ غیر مردوں کے ساتھ اس کے شوہر نے اس کو تنہا جانے کے لئے کہا تو لڑکی نے منع کردیا، اس پر مار پیٹ کی، اس نے اس لڑکی کو بیچنا چاہا، جب اس کے والدین کو پتہ ہوا تو لڑکی کو اپنے گھر لے آئے، اب اپنے والدین کے یہاں ہے۔ زبانی اس کا شوہر چھوڑنے کے لئے کئی بار کہہ چکا ہے کہ ''مجھ کو لڑکی نہیں چاہئے''۔ جب اس کے باپ نے تحریری طلاق مانگی تو ہزار روپیہ مانگتا ہے، باپ نہایت غریب آدمی ہے۔ اندیشہ ہے کہ کوئی خلافِ شرع قدم نہ اٹھ جائے۔ ایسی حالت میں اس کا باپ نکاح ثانی کرسکتا ہے یا نہیں، جب کہ عدالت نے نکاح کرنے کا فیصلہ دیدیا ہے؟ مطلع کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صرف اس لفظ سے کہ ''مجھے لڑکی نہیں چاہئے'' کوئی طلاق نہیں ہوئی (۲)، اگر یہ لفظ کہا ہو کہ ''میں نے

---

(۱) "وفي الفتاوی: لم يبق بيني و بينک عمل، و نوی الطلاق يقع، كذا في العتابية". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷٦، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴٦۸، فصل في الكنايات والمدلولات، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "و ركنه لفظ مخصوص خال عن الاستثناء". (الدرالمختار). "(قوله: وركنه لفظ مخصوص) هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق مطلبٌ: طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۴۱۰، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۱۰، فصل في ركن الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

اپنی بیوی کو چھوڑ دیا تو طلاق ہوگئی'' (۱)، پھر اگر اس نے رجعت نہ کی ہو تو بعد عدت تین ماہواری لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کر دینا درست ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۳۹۴ھ۔

خسر کو لکھا ''دوسرے داماد کے لئے عدت شمار کرے''

سوال [۶۲۱۴]: اگر کوئی داماد اپنے خسر صاحب کو یہ لکھ کر خط بھیجے کہ ''آپ کی جو دولت ہے اس دولت کا نصف حصہ اپنی لڑکی کے نام لکھدیں، اگر نہ دیویں تو ۲۶/۱ جیٹھ سے دوسرے داماد کے لئے عدت شمار کرے۔ مگر یہ خط صرف خسر کو ہمت دلانے کے لئے لکھا، کوئی نیت نہیں کی۔ داماد کا خط پا کر خسر نے بھائی کے پاس ایک خط بھیجا کہ ''میں کچھ نہیں دوں گا''۔ اس کے بعد شوہر نے بیوی کو سسرال بھیج دیا، مگر مذکورہ تاریخ سے پہلے شوہر نے غلط فہمی سے ایک نکاح پڑھایا اور بیوی کے ساتھ وطی بھی کی، اور وہ بیوی ابھی سسرال میں ہے، داماد وہاں چشم پوشی سے جا نہیں سکتا، اور خسر بھی لکھ کر نہیں دیتے، اس لئے داماد وہاں نہیں جاتا ہے۔

اس واقعہ کو ڈھائی مہینہ گزر گیا ہے۔ ایک دوسرا آدمی داماد کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آیا، رات میں توبہ کرائی، داماد سے بیوی کے پاس محبت کا ایک خط بھی لکھوایا، لیکن داماد حصہ نہ دینے کی وجہ سے سسرال بھی

---

(۱) "ثم فرق بينه و بين سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال ''رہا کردم'' أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، و ما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (رد المحتار: ۲۹۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵۲۴/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق و هي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار: ۵۰۴/۳، باب العدة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲۱۷/۴، باب العدة، رشيديه)

نہیں جاتا اور بیوی کو بھی نہیں لاتا۔ تو اس صورت میں شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

حبیب اللہ، ۲۴ پرگنہ بنگال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب داماد نے اپنے خسر کو لکھا کہ اگر اپنی بیٹی کو نصف دولت فلاں تاریخ تک نہ دیں تو دوسرے داماد کے لئے عدت شمار کرلیں اور اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق نہیں ہوئی، دوسری عورت سے نکاح کر لینے کی وجہ سے بھی پہلی بیوی کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے اگر یہ خط لکھا ہے تو طلاق ہوگی (۱)، پھر جب تین ماہواری بھی گزر گئی تو نکاح بالکل ہی ختم ہو کر وہ عورت بالکل اجنبی بن گئی، البتہ اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۴ھ۔

''میری طرف سے بالکل ختم ہے'' سے طلاق

سوال [۶۲۱۵]: زید نے چار مسلمانوں اور ایک پولیس کے سامنے یہ کہا کہ ''میں اپنی بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا ہوں اور میری طرف سے بالکل ختم ہے''۔ ان چار میں سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہاری طرف سے طلاق ہوگئی، اس پر زید نے خاموشی اختیار کی، پولیس مین نے کہا کہ کیا تو اپنی طرف سے بالکل ختم کر چکا ہے؟ اس بات پر زید نے ہاں میں گردن ہلا دی، اس پر سوال کیا کہ کیا اس میں ابھی کچھ گنجائش ہے؟ تب زید نے کہا کوئی

---

(۱) "وتقع رجعية بقوله: اعتدى، واستبرئى رحمك، وأنت واحدة وإن نوى أكثر .... فلا يرد وقوع الرجعى ببعض الكنايات". (الدرالمختار). "(قوله: بقوله: اعتدى)؛ لأنه من باب الإضمار: أى طلقتك فاعتدى، أو اعتدى؛ لأنى طلقتك". (ردالمحتار: ۳۰۲/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فى الكنايات، رشيديه)

(وكذا فى البحرالرائق: ۵۱۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات فى الطلاق، رشيديه)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها فى العدة و بعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۲/۱، الباب السادس فى الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا فى البحرالرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا فى الهداية: ۳۹۹/۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، مكتبه شركة علميه)

گنجائش نہیں ہے، پھر سوال کیا گیا کہ پھر تو تمہاری طرف سے طلاق ہوگئی، یہ سن کر زید خاموش رہا، کسی قسم کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟ اگر واقع ہوگئی تو کون سی رجعی یا بائن یا مغلظہ؟ اور اس کے تصفیہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید سے دریافت کرلیا جائے اگر وہ کہے کہ میں نے رشتہ نکاح کو ختم نہیں کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے میل جول کو بند کیا ہے طلاق نہیں دی، اسی وجہ سے جب اس سے طلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے خاموشی اختیار کی اقرار طلاق نہیں کیا۔ اب فیصلہ کی صورت یہی ہے کہ زید سے ہی دریافت کیا جائے، جو کچھ وہ طلاق کے متعلق بتائے اس کو لکھ کر پھر مسئلہ معلوم کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

لفظ ''فائنل کردیا'' سے طلاق

سوال[۶۲۱۶]: زید کا اس کی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا اور یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ زید کی بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ عورت کے لواحقین نے اس کے شوہر کو کہلا بھیجا کہ اگر زید اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو کل کیا دینا آج دیدے، اس کہنے پر زید نے سخت غیظ وغضب میں آکر کہلا بھیجا کہ ''ایسی بیوی میرے کوئی کام کی نہیں'' اور اس قسم کی بہت سی باتیں جھگڑے کی ہوئیں اور معاملہ الجھن میں پڑ گیا۔ تاہم زید کے احباء نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور اس کا غصہ فرو کرنے کی تدبیریں کیں، لیکن غصہ بجائے کم ہونے کے اَور بھڑکتا رہا۔ اور یہاں تک لکھ دیا کہ ''میں کسی طرح بھی اس عورت کو رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں، اپنی خواہشاتِ نفسانی تو ہر جگہ پوری کرسکتا ہوں، اس سے اچھی تو بازاری عورتیں ہوتی ہیں، کیونکہ میرے گھر سے چلی گئی، اب میں نہیں رکھ سکتا''۔

ان تمام باتوں کے بعد زید اسی طیش کی حالت میں طلاق نامہ لکھوانے کے واسطے قاضی کے پاس پہونچ

---

(۱) "وفي الفتاوی: لم يبق بيني و بينک عملٌ، ونوى الطلاق، يقع". (الفتاویٰ العالمکيرية: ۱/ ۳۷۶، الفصل الخامس فی الكنايات، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل فی الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی التاتارخانية: ۳/ ۳۲۱، الفصل الخامس فی الكنايات، إدارة القرآن كراچی)

گئے، مگر وہاں سے اس کے دوست اس کو سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ ایک شخص کے دریافت کرنے پر کہ قاضی کے پاس گئے تھے کیا ہوا جواب دیا کہ ”میں نے فائنل کر دیا“ (یعنی آخری فیصلہ)۔ اسی طرح ہر دوست کے الگ الگ سمجھانے پر بھی ہر دوست کو ہر بار یہی جواب دیتا رہا کہ ”مجھ کو کسی حالت میں نہیں چاہیے، اب سونے کی بھی بن کر آئے یا ہیرے کی، نہیں رکھوں گا“۔

جب یہ سب باتیں ہو رہی تھیں تو زید کی بیوی حاملہ تھی، زید کے ان جوابات کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا۔ اب عورت کے ماں باپ اس کے شوہر کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں زید اس کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور عورت کو طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کیسی؟ براہ کرم ذرا صاف صاف مع حوالہ کتب فقہیہ مفصل تشریح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تمام بیان میں زید کی جانب سے طلاق کا صریح لفظ کوئی نہیں نقل کیا گیا، اگر زید نے قاضی سے یہ کہا ہے کہ طلاق نامہ میری زوجہ کے لئے لکھ دو تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی اگر چہ تحریر طلاق نامہ کی نوبت نہ آئی ہو:

”ولو قال للكاتب: أكتب طلاق امرأتي، كان إقراراً بالطلاق. وإن لم يكتب، اه“. ردالمحتار: ۲/۶٦٤(۱)۔

اگر طلاق کی کوئی صفتِ بائنہ یا مغلظہ ذکر نہیں کی تو اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ”آخری فیصلہ کر دیا“ کا اگر یہ مطلب ہے کہ طلاق بائن دیدی تو اس سے طلاق بائن واقع ہوئی۔ اگر یہ مطلب ہے کہ طلاقِ مغلظہ دیدی تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اگر یہ مطلب ہے کہ میں اس کو اب کبھی نہیں بلاؤں گا (اگر چہ طلاق بھی نہیں دی) تو اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا (۲)۔

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية: ۱/۳۷۶، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوی التاتار خانية: ۳/۳۷۹، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۴۱، باب الطلاق، رشيديه)

(۲) ”ففي حالة الرضا لايقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين“. (الفتاوی العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه) =

اگر قاضی کے پاس جا کر طلاق نامہ لکھنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اس سے پہلے ہی دوست اس کو واپس لے آئے تو پھر طلاق نامہ لکھوانے کی نیت سے قاضی کے پاس جانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے اندر رجعت درست ہوتی ہے (۱)۔ بعد عدت تجدید نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اور طلاقِ بائن میں رجعت کافی نہیں بلکہ تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے عدت میں بھی اور بعد عدت بھی (۲)۔

طلاق مغلظہ میں حلالہ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اگر پھر طرفین رضا مند ہو جائیں تو عدت گزرنے کے بعد عورت کسی اَور شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور وہ ہمبستری کرنے کے بعد طلاق دے یا مرجائے تو پھر اس کی عدت ختم کر کے پہلے شوہر سے نکاح درست ہوتا ہے (۳)۔ اس سے قبل درست نہیں ہوتا اور جس عورت کو حالتِ

= "قال رحمه الله: وفي غيرها: أي في غير الثلاثة المذكورة: (اعتدي، استبرئي رحمك، أنت واحدة) تقع واحدة بائنة إن نوى واحدةً، أو ثنتين، وإن نوى ثلاثاً فثلاث". (تبيين الحقائق: ۷۷/۳، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۴/۲، باب الرجعة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۴۹/۳، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۲/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۴۰۹/۳، باب الرجعة، سعيد)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له، حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۴۰۹/۳، ۴۱۱، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۹۴/۴، ۹۷، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

حمل میں طلاق دی گئی ہو اس کی عدت وضع حمل ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۲/۶۳ھ۔

''فیصلہ کردیا'' سے طلاق

سوال [۶۲۱۷]: زید نے اپنی بیوی کو بوجہ شک اور لوگوں کے کہنے سے بہتان لگایا اور کہا کہ ''وہیں جاکر رہو، میں تم کو رکھنا نہیں چاہتا'' اور نکال دیا، عورت دوسرے مکان پر شام تک بیٹھی رہی، مگر پھر مسلمانوں نے ملادیا، عورت پھر شوہر کے پاس رہنے لگی۔ چند روز کے بعد پھر جھگڑا ہوا اور شوہر نے کہا کہ ''میرا دل تم سے رجوع نہیں اور میری جائیداد اور بچوں پر تمہارا کوئی حق نہیں، تم رہو یا نہ رہو''۔ تب عورت نے کہا کہ ''مجھ پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں، تم میرا فیصلہ کردو'' اس وقت مرد کہتا ہے کہ ''میری طرف سے فیصلہ ہے، اب تمہاری غرض ہو یا نہ ہو''۔

اس وقت عورت نکل کر بکر کے یہاں چلی گئی اور عرصہ چھ سال سے اس کے یہاں رہتی ہے، زید شوہر صریح الفاظ کے ساتھ طلاق نہیں دیتا ہے۔ کیا مذکورہ لفظوں سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر زید نے مذکورہ الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑگئی اور زید کے نکاح سے بالکل نکل گئی، عدت کے گزرنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے:

''کنایته ما لم یوضع له: أی الطلاق واحتمله وغیرَه، فالکنایات لا تطلق بها قضاءً إلا

---

(۱) ''وعدة الحامل أن تضع حملها، كذا في الكافي''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۵۰۴، ۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دار الكتب العلميه بيروت)

بنية أو دلالة الحال". درمختار علی هامش شامی(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/...../ ۸۸ھ

"جا! میں نے جھگڑا صاف کردیا" سے طلاق

سوال[۶۲۱۸]: زید اوراس کی بیوی میں تنازع ہوا اور غصہ میں بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ "میرا جھگڑا صاف کرو"، شوہر نے کہا کہ "جا، میں نے جھگڑا صاف کردیا، تُو اپنے باپ کے یہاں چلی جا" یہ لفظ دومرتبہ کہے اوراپنے کام میں لگ گئی۔ اگلے روز عورت کے ماں باپ اس کو اپنے گھر لے گئے، لیکن عورت کہتی رہی کہ مجھ کو کچھ نہیں کہا، لیکن مرد سے معلوم کیا تو اس نے کہا کہ مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ طلاق یا آزادگی کا لفظ نہیں آیا، یہی آیا کہ "میں نے جھگڑا صاف کردیا" دومرتبہ کہا۔ اورعورت حمل سے ہے، دن پورے ہوگئے۔

اب فرمایئے کہ وہ طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟ یا کفارہ ہوا؟ اب اپنے ماں باپ کے یہاں سے عورت کہتی ہے کہ مجھ کو تین دفعہ کہا اور دو گواہ کہتے ہیں کہ نہیں، دومرتبہ کہا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

شوہر نے جو لفظ کہا ہے وہ صریح طلاق نہیں، اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی(۲)، دو دفعہ کہا ہو یا تین دفعہ سب کا یہی حکم ہے(۳)۔ طلاق حالتِ حمل میں بھی ہوجاتی ہے(۴)۔ اگر

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۹۶/۳، ۲۹۷، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۵۱۹/۳، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۷۳/۲، فصل في الطلاق قبل الدخول، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق، كانت واحدةً بائنةً، وإن نوى ثلثاً كان ثلاثاً .... وهذا مثل قوله .... والحقي بأهلك .... واخرجي واذهبي وقومي. الخ". (الهداية: ۳۷۴/۲، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۹۸/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۳) "ولا يلحق البائنُ البائنَ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۱، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۸۴/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۳۰۸/۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۴) "وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۱، الباب الأول، رشيديه) =

طلاق کی نیت سے نہیں کہا تو کوئی طلاق نہیں، نکاح بدستور قائم ہے، نیت کے بارے میں شوہر کا قول مع قسم معتبر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

لفظ "استعفی" سے طلاق

سوال [۶۲۱۹]: زید اپنی سسرال کو جاتا ہے، وہاں پر سالے کے بارے میں تنازعہ ہوتا ہے، بات بڑھ جاتی ہے، اس وقت بیوی موجود نہیں تھی، ساس نے کہا کہ تم کہاں کے شریف ہو؟ میری لڑکی کو تمہارے بھائی بند تکالیف دیتے ہیں تو اس پر زید نے کہا کہ "میں اگر اصل کا ہونگا تو تمہاری لڑکی کو یہیں بھیج جاؤں گا" اس کے بعد زید وہاں سے چلا گیا۔ بعدہ دو ایک آدمیوں نے طعنہ کے طور پر کہا کہ اگر تم اصل کے ہو تو دوسری شادی کر لینا، تو زید نے کہا کہ "اگر ہم اصل کے ہوں گے تو یہی کر جائیں گے اور دوسری شادی کر لیں گے" اور دو مرتبہ کہا کہ "استعفی استعفی"۔ لہذا ان الفاظ سے زید کی بیوی نکاح سے نکل گئی یا رہ گئی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کے الفاظ منقولہ میں سے کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے معنی طلاق کے ہوں، یا طلاق کے لئے ہمارے عرف میں بولا جاتا ہو، یا طلاق کا اس میں ایسا احتمال ہو جو معتبر ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الدر المختار: ۳/۲۳۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۱۸۷، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وفي كل موضع يصدق الزوج على نفي النية إنما يصدق مع اليمين ؛ لأنه أمين في الإخبار عما في ضميره، والقول قول الأمين مع اليمين". (فتح القدير: ۴/۷۳، فصل في الطلاق قبل الدخول، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وركنه لفظ مخصوص هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق مطلبٌ: طلاق الدور، سعيد) .... =

''میں اَور شادی کروں گا،تم میری پسند نہیں،تمہارا باپ تم کو اَور خصم کرادے'' کا حکم

سوال[۶۲۲۰]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ ''میں اَور شادی کروں گا،تم میری پسند نہیں ہو،تم کو نہیں رکھتا،تمہارا باپ تم کو اَور خصم کرادے''(۱) اور اسی وقت بوقتِ تکرار باہم زدوکوب کر کے اپنے برادر خورد کے ساتھ اس کے والد کے گھر بھیج دیا۔از روئے شرع شریف اس عورت پر طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں؟

محمد صدیق،محافظ دفتر اجلاس خاص ریاست،۴/صفر/۱۳۵۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

الفاظ مذکورہ میں کوئی لفظ صریح طلاق کا نہیں اور ہمارے عرف میں کنایۃً بھی ان میں سے مستقلاً کوئی لفظ طلاق کے لئے مستعمل نہیں (۲)۔البتہ مجموعہ الفاظ میں طلاق کا احتمال ضرور ہے،خاص کر پہلے دولفظوں کے بعد تیسرے لفظ کا ذکر کرنا اور پھر اس پر چوتھے کو مرتب کرنا،پس اگر تیسرا یا چوتھا لفظ وہاں کے عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے تو نیت کرنے سے طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی اور جتنی نیت کی اتنی واقع ہوئی،لہذا بعد عدت نکاح درست ہوگا۔

اگر عورت کو کہا جائے کہ''تم اَور خصم کرلو''تو اس سے بصورتِ نیت وقوعِ طلاق کا حکم فقہاء نے بھی تحریر کیا ہے:

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۲۰، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱)''خصم کرنا: خاوند کر لینا،اپنا بیاہ کر لینا''۔(فیروز اللغات،ص:۵۹۱،فیروز سنز،لاہور)

(۲) "وركنه لفظ مخصوص هو ماجُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذافي حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۲۰، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

"إذا قال: لا أريدك، أولا أحبك، أو لاأشتهيك، أو لا رغبة لي فيك، فإنه لايقع وإن نوى في قول أبي حنيفة رحمه الله". (الفتاوىٰ العالمكيريه: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

"وبابتغي الأزواج تقع واحدةٌ بائنة إن نواها، وثنتين وثلث إن نواها، اه". الفتاوى العالمكيرية، ص: ٦٩، (١)۔

صورتِ مسئولہ میں خصم کرنے کی نسبت باپ کی جانب ہے، اس کو فقہاء نے نہیں لکھا، مگر اس میں احتمالِ طلاق ضرور ہے گو صرف احتمال بھی کافی نہیں، كما صرح به الشامي في أول باب الكنايات:

"ماذكروه في تعريف الكناية ليس على إطلاقه، بل هو مقيد بلفظٍ يصح خطابها به، ويصلح لإنشاء الطلاق الذي أضمره، أوللإخبار بأنه أوقعه، كأنت حرام، إذيحتمل؛ لأني طلقتك أوحرام الصحبة، وكذا بقية الألفاظ. وليس لفظ اليمين كذلك؛ إذ لايصح بأن يخاطبها "بأنت يمين" فضلاً عن إرادة إنشاء الطلاق به، أو الإخبار بأنه أوقعه، حتى لو قال: أنت يمين؛ لأني طلقتك، لايصح، فليس كل مااحتمل الطلاق من كناية، بل بهذين القيدين لابد من ثالث، هو كون اللفظ مسبباً عن الطلاق، وناشئًا عنه كالحرمة في أنت حرام۔

ونقل في البحر: ٣٠٣/٣(٢) عدمَ الوقوع بلا أحبّك، لاأشتهيك، لارغبة لي فيك، وإن نوىٰ. ووجهه أن معاني هذه الألفاظ ليست ناشئة عن الطلاق؛ لأن الغالب الندم بعده، فتنشأ المحبة و الاشتهاء والرغبة بخلاف الحرمة، فإذا لم يقع بهذه الألفاظ مع احتمال أن يكون المراد: لأني طلقتك، ففي لفظ اليمين بالأولىٰ". ردالمحتار: ٧١٢/٢(٣)۔

بلکہ عورت کو خطاب کی صحت اور انشائے طلاق یا اخبارِ طلاق کی صلاحیت لفظ میں ضروری ہے، نیز اس لفظ کا ناشی عن الطلاق ہونا بھی ضروری ہے اور یہ سب چیزیں گو پہلے اور دوسرے لفظ میں موجود نہیں، مگر تیسرے اور چوتھے لفظ میں ضرور موجود ہیں، اس لئے ان دونوں میں طلاق کا احتمال بہ نسبت پہلے دونوں کے زیادہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/صفر/۱۳۵۷ھ۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٧٥/١، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(٢) (البحر الرائق: ٥٢٨/٣، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(٣) (ردالمحتار: ٢٩٦/٣، باب الكنايات، سعيد)

لفظ ''جواب'' سے طلاق

سوال[۶۲۲۱]: شوہر اپنی بیوی کو برابر مار پیٹ لگا تا تھا، لڑکی کی والدہ نے داماد سے کہا کیوں مارتے ہو؟ تو لڑکا بولا (گالی دیکر) ''کیا آپ جواب چاہتے ہیں'' لڑکی کی والدہ بولی جو آپ کی طبیعت ہے کردیجئے تو لڑکا گالی دے کر چار مرتبہ بولا: ''لو جواب، لو جواب، لو جواب، لو جواب'' ۔ لڑکی وہاں موجود نہیں تھی۔ امید ہے کہ شرعی حکم سے جلد آگاہ کریں گے۔

پھلواری شریف کا جواب

الجواب حامداً و مصلياً:

صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو دوبارہ نکاح کر کے ساتھ رہ سکتے ہیں خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد عدت۔ فقط واللہ اعلم۔

دارالافتاء امارتِ شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ بہار، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۰۶ھ۔

سوال: ایک استفتاء کا جواب جو امارتِ شرعیہ بہار نے دیا ہے، کیا سوال کے مطابق جواب درست ہے جو اس میں مسلک ہے؟ چونکہ اس کو لے کر آپس میں شدید اختلاف ہو رہا ہے، لہذا جلد جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اختلاف کی تفصیل معلوم ہو تو اس کے متعلق کچھ لکھا جائے، اگر یہ لفظ ''لو جواب'' طلاق کے لئے بھی مستعمل ہے اور اسی نیت سے شوہر نے یہ لفظ کہا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی (۱)، کیونکہ لفظِ کنایہ سے طلاقِ

---

(۱) ''كنايته ما لم يوضع له و احتمله وغيره، لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال .... ويقع بباقيها: أى باقى ألفاظ الكنايات المذكورة البائنُ إن نواها''. (الدرالمختار: ۲۹۶/۳، ۳۰۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷۵/۳، ۷۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۲۳۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فى الكناية فى الطلاق، سعيد)

بائن ہوتی ہے اور اس کو مکرر بولنے سے دوسری طلاق نہیں ہوئی: "البائن لا یلحق البائن". درمختار(۱)۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ لفظ بیوی کے حق میں بولا ہو یعنی بیوی کو طلاق دینا ہی مقصود ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

''جواب دیا، جواب دیا، جواب دیا'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۲۲]: زید نے بحالتِ غضب اپنی زوجہ سے کہا کہ ''میں نے تجھ کو جواب دیا، جواب دیا، جواب دیا''۔ یہ لفظ تین چار بار کہا۔ تو کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی؟ یا کون سی طلاق ہوگی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس کی بیوی پر ایک بائن طلاق واقع ہوگئی، اگر بیوی رضامند ہو تو دوبارہ نکاح درست ہے۔

احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند۔

اس جواب میں کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا جس سے ہم لوگوں کو اطمینان ہوتا، فتاویٰ امدادیہ کی اس عبارت کو مدنظر رکھتے ہوئے تین طلاق متعین ہیں اور یہاں تین نہیں۔

سوال: میرے شوہر زید نے بحالتِ غضب مجھ کو یہ لفظ کہا کہ ''اگر شام تک میرے گھر نہ آئی تو میری طرف سے جواب ہے الخ''۔ اس سوال کے جواب میں تتمۂ جلد ثانی فتاویٰ امدادیہ میں لکھا ہے کہ: ''یہ لفظ کہ ''میری طرف سے جواب ہے'' عرفاً کنایہ ہے طلاق سے، جیسا کہ اہلِ زبان سے مخفی نہیں اور یہ کنایہ کے اقسام میں سے وہ قسم ہے جس میں رد اور سب کا احتمال نہیں، بلکہ محض جواب میں مستعمل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ صرف حالتِ رضا میں نیت شرط ہے، دلالتِ حال یعنی غضب اور مذاکرہ میں شرط نہیں، کما صرح به الفقهاء۔

اور صورتِ مسئولہ میں دلالتِ حال متحقق ہے، پس اگر واقعہ اس طرح ہے تو حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ اس لفظ کو اہلِ عرف قطعی فیصلہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور قطعی فیصلہ کا اثر ہے تحریم، اور وہ

---

(۱) (الدر المختار: ۳۰۸/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۷/۱، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۸۴/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، دارالکتب العلمیة بیروت)

مخصوص ہے بائن کے ساتھ، اس لئے طلاق بائن ہوگئی، کما حققه العلامه الشامی تحت قول الدرالمختار(۱)۔

پس اگر یہ بیان واقع میں صحیح ہے تو طلاقِ بائن واقع ہوگئی، اور تم کو شوہر کے ساتھ مقام وتمکین جائز نہیں، باقی اگر برضامندی تجدید نکاح کرلو تو جائز ہے کیونکہ طلاق تین نہیں ہیں۔فقط''(۲)۔

کیا تین بار ''جواب دیا، جواب دیا'' کہنے سے بھی طلاق بائن ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہاں کے جواب میں اختصار تھا، حضرت تھانویؒ کے جواب میں تفصیل ہے، خلاصہ ہردو جواب کا ایک ہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لفظ عرفاً کنایۂ طلاق ہے، جب کہ بیوی کے حق میں بولا جائے، اس سے طلاقِ بائن ہوگی (۳)۔اب رہ گئی یہ بات کہ اس لفظ کے تین دفعہ بولنے پر بھی تین طلاق کیوں نہیں ہوئی تو اس کی وجہ درمختار میں موجود ہے:"البائن لا يلحق البائن، اهـ"(٤)، جب ایک طلاق بائن واقع ہوجائے تو اس کے بعد طلاقِ بائن لاحق نہیں ہوتی، لفظ ''کنایہ'' کو مکرر کہنے سے بھی ایک ہی طلاق رہتی ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۵/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۵/۶ھ۔

---

(۱) "والحاصل أنه لما تعورف به الطلاق، صار معناه تحريم الزوجة، وتحريمها لا يكون إلا بالبائن".

(ردالمحتار: ۳/۳۰۰، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۴۴، كتاب الطلاق، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۳) "والكنايات لا تطلق بها إلا بنية أو دلالة الحال، وهي حالة مذاكرة الطلاق والغضب". (الدر المختار: ۳/۲۹۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۱۶، فصل في شرط النية في الكناية، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۱۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(۴) (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۳/۳۰۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۴/۷۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۳/۵۳۴، رشيديه)

''اپنا مہر لے لے'' سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۲۳]: ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑا کرنے کے بعد یہ کہا کہ ''تو اپنا مہر لے لے''، عورت نے کہا کہ میں مہر تو نہیں لیتی، میری اس میں کیا خطا ہے اور چل کھانا کھالے، مرد نے کہا کہ میں نہیں کھاتا، اتنے میں چند لوگ آئے اور پکڑ کر اس کے مکان پر لے گئے اور کھانا کھلا دیا اور پھر وہ دونوں آپس میں رضامند ہوگئے، آیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر صرف یہی الفاظ کہے ہیں، اور کوئی دوسرا لفظ ایسا نہیں کہا جس سے طلاق واقع ہوسکے تو شرعاً ان الفاظ کے کہنے سے جو سوال میں مذکور ہیں طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ یہ نہ صریح ہیں نہ کنایہ(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، جواب صحیح ہے: سعید احمد، ۴/۳/۵۲ھ۔

زیور اتار کر واپس کرنے سے آزاد سمجھنا

سوال[۶۲۲۴]: محمد یوسف کی اپنے رشتہ داروں سے بدسلوکی ہوگئی، عرصہ دو سال کے بعد ناراضگی کی حالت میں جو زیورات دولہا کی طرف سے لڑکی کو دیئے گئے تھے، شوہر اپنی بیوی کے تن سے اتروا کر سسر کو دینے لگا کہ ''اپنا زیور سنبھالو، میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں، کب ڈھول باجا ہوا اور کب گیت گال ہوئی''۔ لہٰذا اس کہنے سے محمد یوسف کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ رواج ہے کہ ناچ رنگ نہ ہوا گر شادی میں، تو زیور اتار کر واپس کرنے سے بیوی کو شوہر سے آزاد سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جناب والا شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔

---

(۱) "وركنه لفظ مخصوص هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية .... وأراد اللفظ ولوحكماً ليدخل الكتابة المستبينة .... و به ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوى الطلاق و لم يذكر لفظاً لا صريحاً و لا كناية، لا يقع عليه ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، مطلبٌ: طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۳/۲۰، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو مذکورہ نکاح شرعاً محمد یوسف کے ایسا کرنے اور کہنے سے ختم نہیں ہوا، بلکہ قائم ہے۔ محمد یوسف نے جو کچھ کہا اور کیا، بے عملی اور ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ باجہ خود ہی ممنوع ہے(۱)، اس کے نہ ہونے سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزواً، ولئک لهم عذاب مهين﴾ (سورة لقمان: ٦) "الآية، عطف بذكر حال الأشقياء الذين أعرضوا عن لانتفاع بسماع كلام الله وأقبلوا على استعمال المزامير والغناء بالألحان وآلات الطرب، كما قال ابن مسعود في قوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾: قال: هو والله الغناء". (تفسير ابن كثير: (سورة لقمان: ٦-٧): ۵۸۳/۳، مكتبه دارالفيحاء)

(وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة لقمان: ٦): ۷۸/۲۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"(قوله: وكره كل لهو) .... واستماعه كالرفص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۵/٦، سعيد)

باب الطلاق بالکتابة

(تحریری طلاق کا بیان)

تحریری طلاق کا حکم

سوال[۲۲۲۵]: ایک شخص ہے اور طلاق نامہ اپنی بیوی کو لکھ رہا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہہ رہا، آیا یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقع ہوجائے گی: ''كتب الطلاق، إن مستبينًا على نحو لوحٍ، وقع إن نوى مطلقًا''. درمختار۔ ''(قوله: مستبينًا) بأن كان على وجهٍ يمكن فهمه وقراءته، وإلا فلا يقع. (قوله: وقع إن نوى) هذا في المكتوب على غير وجه الرسم والرسالة. (قوله: مطلقًا) سواء نوى أم لم ينو''. طحطاوی علی الدر: ۲/۱۱۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلاق بالکتابت

سوال[۲۲۲۶]: ایک شخص کا نکاح ہوتا ہے رخصتی نہیں ہوئی، کچھ عرصہ گذرنے کے بعد وہ شخص اپنی منکوحہ کو آزاد کردیتا ہے جس کو ایک سال کے قریب ہوتا ہے، جب کہ لڑکی کے ورثاء اس کی شادی دوسری جگہ

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۱۱۱، كتاب الطلاق، دار المعرفة بيروت)

''الكتابة على نوعين .... إن كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أولم ينو''. (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۸، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

کرنے کو تیار ہے، تو وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ سے زبردستی آزاد کردیا ہے، حالانکہ طلاق نامہ باقاعدہ لکھا ہوا ہے اور محرر کے رجسٹر پر باقاعدہ نشان انگوٹھا اور دستخط ہے۔ اب یہ فرمایئے کہ وہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: اصلی طلاق نامہ ہمراہ بھی ہے، ٹکٹ ایک آنہ کا برائے جواب ارسال ہے۔

پتہ یہ ہے: محمد اختر ایجنٹ محلّہ مولویان، قصبہ سنہن سپور ضلع بجنور۔

نقل اصل طلاق نامہ

''من کہ عبدالرشید ولد حاجی ننھے، قوم شیخ، ساکن موضع قاضی پورا، تحصیل امروہہ، ضلع مرآباد کا ہوں، جو کہ مسماۃ فاطمہ دختر عبدالمجید، قوم شیخ، ساکن سہنسپور، ضلع بجنور سے میرا نکاح ہوا تھا، اور ہنوز رخصتی نہیں ہوئی تھی اور اس درمیان میں باہم کچھ مناقشات پیچیدہ پڑ گئے جس کی وجہ سے یہ رشتہ قائم رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، اور نیز میرے رشتہ دار بھی اس رشتے کو قائم رکھنا نہیں چاہتے۔

بغرضِ رفعِ نزاع دوراندیشی میں اپنی منکوحہ کو تین طلاق مسنون طریقہ پر دے کر آزاد کرتا ہوں اور بعد انقضائے عدت کے اختیار رہے گا کہ جہاں چاہے وہ اپنا نکاح کرے، یا اس کے وارثان کرادیویں، آئندہ مجھ کو اس سے کچھ تعلق نہیں رہا اور یہ طلاق نامہ لکھ دیا کہ سند ہو''۔

المرقوم: ۲۱/ دسمبر/ ۱۹۳۷ء، بقلم انتظار حسین وثیقہ نویس تحریر ہوکر درج رجسٹر ۲۸۰ ہوا، گواہ: العبد (...........) گواہ: العبد (...........)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو الفاظ طلاق نامہ میں لکھے ہیں اگر ان کو زبان سے بھی ادا کیا ہے تو طلاق بہر صورت واقع ہوگئی خواہ خوشی سے کہے ہو خواہ زبردستی کہلائے گئے ہوں (۱)۔ اور اگر زبان سے ادا نہیں کئے بلکہ صرف لکھ کردیئے ہیں یا

(۱) "ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرھاً وسکران وأخرس باشارته". (تبیین الحقائق، ۳/۳۴، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه، رشیدیه) =

خود لکھ کر بھی نہیں دیئے بلکہ دوسرے کے لکھے ہوئے طلاق نامہ پر دستخط کیے ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ طلاق نامہ ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خوشی سے یعنی بغیر کسی کے جبر واکراہ کے لکھ کر دیئے ہیں یا دستخط کئے ہیں تو طلاق واقع ہوگئی (۱)۔ اور اگر دوسرے کے جبر واکراہ سے لکھ کر دیئے ہیں یا دستخط کیے ہیں تو طلاق واقع نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ

طلاق نامہ امانت رکھ دیا

سوال [۶۲۲۷]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ: شخصے گفت: من زوجۂ خود بتلفظِ ہیچ نوع طلاق نہ دادہ ام، مگر در طلاق نامہ بانامِ زوجہ سہ طلاق نوشتہ، نیز شخصے امانت دادہ بودم. بعدہ آں شخص طلاق نامہ را نزدِ پدرِ زوجہ ارسال نمایند، پس مطلق اقرار می نماید کہ حق است کہ من برائے ترسانیدنِ آں کتابت دادہ ام نہ بنیتِ طلاق، ودر کتابت لفظِ "ترسانیدن" وآگاھی نمودن

= (وکذا فی الدر المختار: ۲۳۵/۳، کتاب الطلاق، سعید)

(۱) "وإن كانت مرسومةً، يقع الطلاق نوىٰ أو لم ينو. ثم المرسومة لاتخلو: إما إن أرسل الطلاق بأن كتب: أمابعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق". (ردالمحتار: ۲۴۶/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۸/۱، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۴۷۱/۱، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۲) "رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان، بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لا تطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة ههنا". (فتاوىٰ قاضي خان: ۴۷۲/۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۸۰/۳، كتاب الطلاق، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن، كراچی)

مذکور نیست، فقط زبانی گفت. پس بصورتِ مذکورہ زوجۂ او مطلقہ مغلظہ گردد یانہ؟

بینوا توجروا۔

طلاق نامہ کا ترجمہ:

''کاتب، محمد عصمت علی پسر پٹھان علی، ساکن خودیارٹیک، باشندہ خودیارٹیک کے محمد روشن علی صاحب کی لڑکی مسماۃ اطالین خاتون سے میں نے نکاح کیا تھا، اب میرے ساتھ مخالفت ہونے کی وجہ سے زیورومہر بابت کل دوسودس تولہ میں نے نصف ادا کر کے اور نصف رعایت لے کر بموجودگی چند شاہدین طلاق دیا ہوں، اب تم کو دوسری جگہ جا کر دوسرا شوہر اختیار کرنے میں کچھ کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔ اس زوجہ سے میری ایک لڑکی ہوئی، اس لڑکی کیلئے خورد ونوش بابت ایک سال کا خرچہ دیا گیا۔ اس اقرار پر میں نے طلاق نامہ لکھدیا۔ فقط۔

کاتب: محمد عصمت علی پسر پٹھان علی ساکن خودیارٹیک۔

شوہر کا بیان:

زوجہ ہمیشہ اپنے ماں باپ کے مکان جاتے وقت زوج کے گھر سے روپیہ پیسہ چوری کر کے لے جایا کرتی تھی، چندمرتبہ پکڑی گئی تو زوج نے زوجہ کو کہا کہ تم اپنے ناشائستہ حرکت سے باز آؤ، اور آیندہ کیلئے اپنے اخلاق درست کرو، اس طرح مال واسباب چوری مت کرو۔ باوجود اس کے وہ زوجہ بار بار چوری کیا کرتی تھی، کئی دفعہ لوگوں کے سامنے بھی پکڑی گئی، پھر بھی زوجہ مخالفت کرتے ہوئے بلااجازتِ زوج اپنے باپ کے یہاں چلی گئی تھی۔

زوج نے تنبیہ کرنے میں بہت کوشش کی تب بھی باز نہیں آئی، اس لئے اس کو ڈرانے کی غرض سے زوج نے زوجہ کا نام لے کر ایک کاغذ میں تین طلاق لکھ کر ایک شخص کے پاس رکھ دیا، لیکن یہ طلاق نامہ زوج نے زوجہ کے والد کو کبھی نہیں دیا، بلکہ دوسرے شخص کے پاس بغرضِ تنبیہ رکھ دیا اور کہا کہ اگر میری زوجہ میری بات کی مخالفت یا چوری کرے تو

میں اپنی زبان سے اس کو طلاق دونگا، اب تک میں نے اپنی زبان سے طلاق نہیں دی، سب ڈرانے کی غرض سے ایک کاغذ میں لکھ کر امانت رکھی"۔

۱......نیز طلاق نامہ میں زیور اور مہر کی رعایت کے متعلق لکھا ہوا ہے، لیکن رعایت یا معاف کی بابت کبھی بات چیت نہیں ہوئی۔

۲......مذکورہ طلاق نامہ میں بموجودگی شاہدین لکھا ہوا ہے، لیکن حقیقت میں کسی شاہد کے سامنے طلاق نامہ لکھا نہیں گیا، بلکہ پوشیدگی کے طور سے طلاق نامہ لکھا گیا۔ نیز خورد ونوش کے متعلق طلاق نامہ میں لکھا ہوا ہے، لیکن خورد ونوش کی بابت خرچہ نہیں دیا گیا۔ یہ واقعہ بالکل ٹھیک ہے، مخفی نہ رہے کہ زوج نے اپنی زبان سے طلاق نہیں دی، صرف لکھ دی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاقنامه بتحریرِ بنگله نوشته آید، ومن تحریرِ بنگله خواندن نمی توانم، شخصے دیگر ترجمه اش نموده است، حسبِ آن جواب می نویسم:

حکمِ شرعی درصورتِ مسؤله آن ست که برزنش سه طلاق واقع شده مغلظ گردید، اکنون بغیر حلاله نکاح بداں روانیست. برائے طلاق بزبان گفتن لازم نیست، بنوشتن هم طلاق واقع می شود. وبه نیتِ طلاق هم گفتن یا نوشتن ضرور نیست، بلا نیت یا بنیتِ دیگر سوائے طلاق هم طلاق واقع می شود، خواه نیتِ ترسانیدن داشته باشد، خواه مذاح وغیره: "وإن کانت (الکتابة) مرسومةً، یقع، نوی أولم ینو". عالمگیری: ۷۱/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۸/۱، کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۴۷۱/۱، کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۲۴۶/۳، مطلب فی الطلاق بالکتابة، قبیل الصریح، سعید)

"وکذا التکلم بالطلاق لیس بشرط، فیقع الطلاق بالکتابة المتبینة وبالإشارة المفهومة من الأخرس؛ لأن الکتابة المتبینة تقوم مقام اللفظ". (بدائع الصنائع: ۲۱۵/۴، کتاب الطلاق، فصل فی =

طلاق بالکتابت

سوال[۶۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

زید نے اپنے بھانجے خالد سے کہا کہ میری بھانجی ہندہ کا نکاح عمرو اور بکر کے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں تیری زبردستی اور جبر سے ہو تو تین طلاق پڑے گی اور اس مضمون کی ایک تحریر بھی تم کو لکھنی پڑے گی، اس پر خالد نے کہا کہ میں ایسی تحریر لکھ دوں گا۔ اس کے بعد زید نے ایک تحریر کسی شخص سے اس مضمون کے لکھوائے کہ ''میں اپنی بہن کا نکاح زبردستی سے یا خوشی سے عمرو اور بکر کے قبیلوں میں کروں تب بھی میری بیوی کو تین طلاق ہوگی''۔ اور اس تحریر کو لکھوا کر بھانجے مذکور خالد سے کہا کہ اس پر دستخط کر دے، خالد نے بلا کچھ کہے اور بغیر تحریر مذکور کو پڑھے اس پر دستخط کر دیئے، اب صورت مذکورہ بالا میں امور مستفسرہ حسبِ ذیل ہیں:

۱......اس قسم کی تحریر کے بعد اگر ہندہ خود اپنی خوشی سے عمرو اور بکر کے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ سے نکاح کرے تو خالد کی بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟

۲......اس قسم کی تحریر پر دستخط کرنے سے جس کو دستخط کرنے والے نے پڑھا بھی نہ ہو طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳......اگر واقع ہو جاتی ہے اور ایسی تحریر شرعاً معتبر ہو تو کیا ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہندہ عمرو، بکر کے قبیلوں میں نکاح کرے تو اس کی بھاوج پر طلاق واقع نہ ہو؟

۴......اس قسم کی تحریر لکھوانا اور بغیر پڑھائے دستخط کرا لینا اور مخصوص قبیلوں میں شادی کر دینے سے روک دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

حاجی محمد اسماعیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......اگر خالد نے مضمونِ تحریر پر اطلاع پا کر دستخط کیے ہیں اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے تب تو یہ تحریر شرعاً معتبر ہے یعنی وقوعِ شرط کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی:

"رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابًا بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه

= شرائط الركن، دارالكتب العلمية، بيروت)

وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها". عالمگیری: ۳۹۸/۲(۱)۔

اگر خالد کو اس مضمون پر اطلاع نہیں ہوئی بلکہ کوئی دوسری تحریر سمجھ کر دھوکہ سے اس پر دستخط کردیئے اور اس کے مضمون کا اقرار کرتا ہے تو یہ تحریر کالعدم ہے، جیسا کہ کسی دوسرے کی تحریر سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوتی اسی طرح اس تحریر سے بھی نہوگی:

"وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه، لايقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه، كذافي المحيط، اهـ"(۲)۔

اسی طرح اگر مضمون پر مطلع ہوکر مگر باکراہِ شرعی دستخط کیے ہیں، تب بھی طلاق نہ ہوگی:

"رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لاتطلق امرأته". قاضی خان: ۳۵/۲(۳)۔

۳......۲،۱ سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ تحریر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو پھر ایسی صورت جس سے ہندہ عمرو، بکر کے قبیلوں میں سے کسی میں نکاح کرے تو اس کی بھاوج پر طلاق نہ پڑے یہ ہے کہ: ہندہ اور خالد کے علاوہ کوئی تیسرا شخص جو کہ فضولی ہوگا، ہندہ کا نکاح کردے اگر کوئی اور مانع شرعی موجود نہ ہو، پھر ہندہ اور

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانية: ۳۸۰/۳، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار: ۲۴۷/۳، مطلب: الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲۴۷/۳، مطلبٌ: الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية: ۳۸۱/۳، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (فتاویٰ قاضي خان: ۴۷۲/۱، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في التاتار خانية: ۳۸۰/۳، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

خالد زبان سے کچھ نہ کہے، بلکہ ہندہ کے پاس مہر وغیرہ بھیج دے اور ہندہ اس پر قبضہ کرلے تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اور ہندہ کی بھاوج پر طلاق نہیں پڑی:

"حلف لایتزوج، فالحیلة أن یزوّجه فضولی، ویجیز بالفعل، وکذا لاتتزوج. ولو حلف لایزوجه ابنته، فزوجها فضولی، وأجازه الأب، لم یحنث. قال الحموی، ص: ٤٢٠: "فی جامع الفتاویٰ: رویٰ هشام فیمن حلف: لایزوج ابنته، فأمر غیره، فزوجها، حنث. وإن زوجها غیره، فأجاز بالفعل، لا یحنث، وإنما لم یحنث بالإجازة بالفعل .... والإجازة بالفعل: کبعث المهر وشیئی منه، والمراد الوصول إلیها "(۱)۔

۴...... بلاوجۂ شرعی دھوکہ دینا جائز نہیں، مخصوص قبیلوں میں شادی نہ کرنا اور اپنی عزیزوں کو شادی سے روکنا اگر ان کے اندر تقویٰ نہ ہونے یا کسی دوسری قباحتِ شرعی فسق و فجور و بدعت وغیرہ کی وجہ سے ہے تب تو مستحسن ہے، اگر دنیاوی وجہ سے ہے تب بھی جائز ہے اور ان کی دینداری کی وجہ سے ہے تو جائز نہیں۔ فی الدر المختار: ۱/۱۹۵(۲)۔

"وتعتبر (أی الکفاءة) فی العرب والعجم دیانةً: أی تقوی، فلیس فاسق کفؤ الصالحة"۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۱۳۵۲ھ۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر مع شرحه غمز عیون البصائر للحموی: ۴/۲۲۹، ۲۳۰، الفن الخامس، السادس فی النکاح، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۳۴۵، باب التعلیق، مطلب: التعلیق المراد به المجازاة دون الشرط، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۱۹، الفصل الثانی فی التعلیق بکلمة: "کل وکلما"، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار: ۳/۸۸، ۸۹، کتاب النکاح، باب الکفاءة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۹۱، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی اللباب فی شرح الکتاب: ۲/۱۴۸، کتاب النکاح، قدیمی)

تحریری طلاق

سوال[۶۲۲۹]: زید بعد نماز تراویح مکان پر آکر لیٹ گیا، بعدازاں ہندہ لڑکے کو لے کر آئی، اور زید کے پلنگ پر لٹا دیا، لڑکا رونے لگا، زید نیند سے بیدار ہوگیا، زید نے ہندہ سے کہا کہ لڑکے کو دیکھو، بہت پریشان کیے ہوئے ہے۔

زید نے لڑکے کو خاموش کرنے کی کوشش کی، لیکن لڑکا خاموش نہ ہوا۔ اس کے بعد زید نے ہندہ کو بلایا اور لڑکے کو لے جانے کیلئے کہا اور کہا کہ خاموش نہیں ہوتا، اس پر ہندہ نے کہا کہ آپ کو دیکھنا ہوگا، زید نے متعدد بار لے جانے کو کہا جس پر ہندہ نے یہی کہا کہ آپ ہی کو دیکھنا ہوگا، اس پر زید نے کہا لڑکے کو لے جاؤ، اس نے انکار کیا۔ زید نیند کے غلبہ کی وجہ سے غصہ ہوا اور طمانچہ مارا اور چارپائی سے اتار دیا، اس کے بعد ہندہ خوب روئی اور لڑکا سو گیا۔

جب صبح ہوئی یعنی تقریباً ۹/ بجے زید بازار جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ہندہ نے زید کا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ میری فرصت کر کے جاؤ، زید نے کہا کہ رات کے گزرے ہوئے واقعہ کو مت یاد کرو، یہ بے کار بات ہے، لیکن وہ نہ مانی۔ زید نے کہا اپنے والدین کو بلاؤ، ان کی موجودگی میں اچھی ہے، ہندہ نے کہا کہ بغیر فرصت جانا مشکل ہے، زید بازار جانا چاہتا ہے، ہندہ نے دامن نہیں چھوڑا اور فرصت کا تقاضا کرتی رہی اور کہا کہ مہر معاف کرتی ہوں، طلاق دیدو، زید نے پڑوسن عورت سے پوچھا کہ ہندہ کیا کہہ رہی ہے؟ پڑوسن عورت نے کہا کہ وہ ہندہ کہتی ہے کہ میں مہر معاف کرتی ہوں طلاق دیدو۔

اس کے بعد زید نے یہ مضمون لکھا: ''میں نے بغیر اپنے والدین کی اجازت اپنی بیوی کو طلاق دیا''۔ ۴۳/۹/۲ء، زید نے یہ مضمون ہندہ کو دیا۔ اس کے بعد ہندہ نے کہا کہ میں منہ دکھاتی، میں چھڑا لیتی ہوں، اس نے دیدیا اور کہا کہ تمہاری چیز ہے لے لو، لینے کے بعد ہندہ نے کہا کہ لڑکے کیلئے کیا کہتے ہو؟ زید نے کہا تمہاری خوشی، تم لے جاؤ یا چھوڑ دو، ہندہ لڑکا لے گئی۔

(نوٹ) ہندہ حالتِ حمل میں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی تو طلاق کی کونسی قسم؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جوالفاظ لکھ دیئے ہیں، اگر وہ بیوی کے سامنے نہیں لکھے یا لکھ کر اس کو سنا دیئے تو ان سے طلاقِ رجعی واقع ہوئی ہے(۱)۔اس کا حکم یہ ہے کہ عدت میں رجعت درست ہے(۲) اور بعد عدت برضائے طرفین دوبارہ نکاح درست ہے(۳)۔حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے(۴)۔اگر طلاق اس شرط پر دی کہ ہندہ مہر معاف کردے اور مہر کے معافی کو طلاق کا عوض قرار دیا ہے تو طلاق بائن ہوئی (۵)،اسی صورت میں شوہر کو رجعت کا

---

(۱) "ثم إن كتب على الوجه المرسوم ولم يعلقه بشرط بأن كتب: أما بعد! يا فلانة فأنت طالق، وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ "الطلاق" بلافصل، لما ذكرنا أن كتابة قوله: "أنت طالق" على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها". (بدائع الصنائع: ۲۴۰/۴، فصل في النوع الثاني، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۸/۱، فصل الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۲) "وتصح الرجعة إن لم يطلق الزوج امرأته الحرة ثلاثًا بغير رضاها ....ومن شرائطها .... أن تكون المرأة في العدة". (تبيين الحقائق: ۱۴۹/۳، باب الرجعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

"وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطلقيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم ترض، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، باب الرجعة، رشيديه)

(۳) "(وينكح مبانته)بمادون الثلاث (في العدة وبعدها): أي بعد انقضائها". (النهر الفائق: ۴۲۰/۲، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲۰۲/۳، كتاب الطلاق، مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "وأما عدة الحبل، فهي بقية مدة الحمل، قلّت أو كثرت .....لقوله تعالىٰ: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾". (بدائع الصنائع: ۳۲۳/۴، ۳۳۰، فصل في مقادير العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۳۰۷/۴، ۳۱۰، باب العدة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۵) "أبو سليمان عن أبي يوسف: إذا أبرأت المرأة زوجها عما لها عليه على أن يطلقها، ففعل، جاز ذلك، فجازت البراءة، وكان الطلاق بائناً". (التاتارخانية: ۴۵۳/۳، إيقاع الطلاق بالمال، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۵۳۸/۱، فصل في الخلع بلفظ البيع والشراء، رشيديه)

اختیار نہیں، البتہ اگر طرفین رضامند ہو جائیں تو دوبارہ نکاح صحیح ہے، خواہ عدت میں کرے یا بعد عدت۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے کہ زید کو اپنی تحریر کا اقرار ہو، اگر زید انکار کردے اور کہہ دے کہ یہ تحریر میں نے نہیں لکھی تو کسی قسم کی طلاق نہ ہوگی جب تک وہ اس امر کا شرعی ثبوت نہ ہو کہ یہ تحریر زید کی ہے، کذا فی الهندية (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۰/۶۲ھ

ایضاً

سوال [۶۲۳۰]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بنیتِ طلاق لکھ کر یہ تحریر دی کہ: "اب میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں"۔ ایک مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ اس سے طلاق بائن پڑگئی اور دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے، ان ہی مولوی صاحب نے ہندہ کی رضامندی سے زید کے باپ اور ماں اور بہن کی موجودگی میں زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح کردیا، اس پر ہندہ کے ماموں نے کہا کہ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ہندہ بالغ ہے پہلے ہی سے۔ تو ہندہ کا نکاح ثانی درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کے سامنے تحریر لکھ کر طلاق دی جائے اور زبان سے نہ کہا جائے تو طلاق ہی واقع نہیں ہوتی (۲)، بیوی کی عدم موجودگی میں لکھ کر بھیجنے سے طلاق ہو جاتی ہے، پہلا نکاح جس کے ساتھ ہوا تھا، اس کے

(۱) "كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق إذا لم يقرّ أنه كتابه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، طلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۴۷/۳، مطلب في الطلاق بالكتابت، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية: ۳۸۰/۳، فصل: إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) مذکورہ صورت میں زید کی تحریر مستبین غیر مرسوم کے قبیل سے ہے، جس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا، زید نے چونکہ بنیتِ طلاق تحریر لکھ کر دی ہے، اس لئے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔ باقی حضرت مفتی صاحب نے جو عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دیا ہے، الاشباہ کی عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ الاشباہ میں ہے: "وظاهر ان المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر" لیکن اس کے بارے میں علامہ رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قوله "وظاهره ان المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر" لم يظهر وجه ظهوره من عبارة الاشباه. (تقريرات الرافعي: ۳۵۵/۶، سعيد)

ساتھ دوسرا نکاح ہوا۔ اورلڑکی بالغہ ہے، تو دوبارہ نکاح کیلئے باپ کی اجازت لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/ ۱۳۸۸ھ۔

دستخط کے بغیر تحریری طلاق

سوال[۱۳۲۲۱]: رحیم الدین کی لڑکی صفیہ ہے، رحیم الدین نے اپنی لڑکی صفیہ کی بکر کے لڑکے کریم کے ساتھ شادی کردی۔ چند روز کے بعد صفیہ اور کریم کے درمیان مخاصمت ہوئی، اس بناپر رحیم الدین صفیہ کو گھر لایا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رحیم الدین ایک طلاق نامہ لایا اور کہا میں صفیہ کا طلاق نامہ لایا ہوں۔ ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ رحیم الدین نے انتقال کیا۔ رحیم الدین جو طلاق نامہ لایا، اس میں کریم کے تحریری دستخط نہیں تھے، بلکہ رنگوں کی سیاہی سے ٹیپ تھی۔ جب صفیہ کی عدت ختم ہوگئی تو ناکح نے کریم کو بلایا جو صفیہ کا شوہر تھا تو کریم نے کہا کہ میں نے واللہ! صفیہ کو طلاق نہیں دی، بلکہ میں اس روز گھر ہی میں نہ تھا، اگر طلاق نامہ صحیح ہوتا تو طلاق نامہ میں میرے ہاتھ کے تو میرے دستخط ہوتے، اس لئے کہ میں لکھنا جانتا ہوں۔

تو اسی بناپر صفیہ کی ماں کریم سے طلاق لینے کیلئے اس کو اپنے گاؤں کے پریزیڈنٹ صاحب کے پاس لائی، پریزیڈنٹ نے طلاق نامہ مانگا اور دیکھ کر کریم سے پوچھا کہ کیا تم نے رحیم الدین کی لڑکی صفیہ سے شادی کی، اس نے کہا: ہاں، کہا: کیا تم نے اپنی زوجہ صفیہ کو طلاق دی؟ کریم نے کہا: نہیں، کہا: اگر تم نے طلاق نہیں دی تو طلاق نامہ میں یہ کس کا ٹیپ ہے؟ کریم نے کہا: حضور! میں لکھنا پڑھنا جانتا ہوں...... کہا: کیا تم لکھنا پڑھنا جانتے ہو، اگر جانتے ہو تو میرے سامنے لکھو، کریم نے فوراً ایک کاغذ پر اپنا نام پتہ سب کچھ لکھدیا۔ اس مشاہدہ پر، پریزیڈنٹ نے اس طلاقنامہ کو جھوٹا ثابت کیا، اور کریم سے طلاق لے لی۔ اب عدت کا کیا فیصلہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تحریر کی رو سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ "کل کتاب لم یکتبه بخطه، ولم یمله بنفسه، لایقع الطلاق مالم یقرّ أنه کتابه، اهـ". ردالمحتار: ۵۸۹/۲(۱)"۔

(۱) (ردالمحتار: ۲۴۷/۳، کتاب الطلاق، مطلب فی الطلاق بالکتابة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۹/۱، فصل فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه) .... =

پھر اگر پریزیڈنٹ کے کہنے پر شوہر نے طلاق دیدی ہے تو وہ واقع ہوگئی اور طلاق کے وقت سے زوجہ پر عدت واجب ہے جو کہ تین حیض ہے، اگر زوجہ حاملہ نہ ہو، ورنہ وضع حمل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۸/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۹/صفر/ ۶۷ھ۔

طلاق بذریعۂ خطوط مع فتاویٰ دہلی و دیوبند

سوال[۲۲۳۲]: زید نے اپنے خسر کے نام ایک خط لکھا جس کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

بعد ما وجب آنکہ میرا افلاس اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اہلیہ کو لے کر رہ سکوں، میری فطرت ہے کہ میں اکثر و بیشتر دوسروں کی پریشانی اور الجھنوں کو اپنے اوپر اوڑھ لیتا ہوں چہ جائیکہ اپنے اس لائق صد ملامت اور ناکارہ وجود کیلئے دوسروں کو عذاب میں مبتلا کروں، خصوصاً اس ہستی کو جو مجھے اس دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ عزیز ہے، لہذا آج بروز جمعرات ۲۳/ اپریل کو میری طرف سے طلاق ہے، آپ اس کی شادی کسی اچھی جگہ کر دیں جہاں وہ بقیہ زندگی سکون سے بسر کر سکے۔ فقط"۔

اس میں طلاق کے الفاظ کے ساتھ "بیوی" کا لفظ نہیں ہے، پہلے سے اس کا ذکر ضرور ہے، لہٰذا:

۱..... تحریر بالا سے طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ اور عدد کا ذکر نہیں۔

۲..... ایسی صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی یا مطلّق سے سوال کی ضرورت ہوگی؟

۳..... صورت اُولیٰ میں اس کا اپنی جگہ رجوع کر لینا کافی ہوگا، یا اس رجوع کی اطلاع دینا بھی ضروری

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۸۰، فصل في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "(وهي في حق حرة تحيض لطلاق) ولو رجعياً .... ثلاث حيض كوامل .... وفي حق الحامل وضع حملها". (الدر المختار: ۳/ ۵۰۵، ۵۱۱، باب العدة، سعيد)

"فأما عدة الأقراء، فإن كانت المرأة حرةً، فعدتها ثلاث قروء، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. وأما عدة الحبلى، فهي بقية مدة الحمل، قلّت أو كثرت ..... لقوله تعالىٰ: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾". (بدائع الصنائع: ۴/ ۴۲۳، ۴۳۰، فصل في مقادير العدة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۳۰۷، ۳۱۰، باب العدة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ہوگی؟

۴......اگر بیوی کو اس کی اطلاع فوری نہ کی جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......وقوعِ طلاق کیلئے صراحۃً بیوی کا ذکر، یا اس کا نام ہونا ضروری نہیں، اضافتِ معنویہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کو طلاق دے رہا ہے وہ کافی ہے اور یہ چیز اس تحریر میں صاف موجود ہے(۱)، اس لئے طلاق واقع ہوگئی۔ رہی یہ بات کہ کتنے طلاق ہوئیں، ایک طلاق تو بلاشبہ واقع ہوگئی، لیکن لفظ ''طلاق'' میں نیت تین کی کی جاسکتی ہے اس لئے محتمل تین کو ہے، اگر نیت تین کی نہیں کی ہے تو ایک طلاقِ رجعی ہوگئی، ''میری طرف سے طلاق ہے'' یہ لفظ صریح ہے اور صریح سے طلاقِ رجعی ہوتی ہے(۲)۔

اس کے بعد جو لکھا ہے اس سے بظاہر تفریع اور مشورہ مقصود ہے، انشائے طلاق مقصود نہیں ہے، لیکن ''شادی کسی اچھی جگہ کردیں'' کنایاتِ طلاق سے ہے، مگر کنایاتِ طلاق کی اس قسم سے ہے جس میں نیت کی ضرورت ہے، صرف دلالتِ حال یا مذاکرہ کافی نہیں ہے، کما فی البحر: ۳/۳۰۲(۳)۔

---

(۱) "ولایلزم کون الإضافة صریحةً في کلامه لما في البحر: لوقال: طالق، فقیل له: مَن عنیت؟فقال: امرأتي، طلقت امرأته ......؛لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها، لابطلاق غیرها".

(ردالمحتار: ۳/۲۴۸، باب الصریح، مطلب: سن بوش، یقع به الرجعي، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۳/۴۴۲، باب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۸، الفصل الأول في الطلاق الصریح، رشیدیه)

(۲) "صریحه مالم یستعمل إلافیه کطلقتک، وأنت طالق، ومطلقة، یقع بها: أي بهذه الألفاظ واحدة رجعیة". (الدرالمختار: ۳/۲۴۷، ۲۴۹، کتاب الطلاق، باب الصریح، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۴، کتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصریح، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۲۶۰، الفصل الرابع فیمایرجع إلی صریح الطلاق، إدارة القرآن کراچي)

(۳) "لاتطلق بها إلابنیة أو دلالة الحال ......وفي غیرها بائنة، وإن نوی ثنتین، و تصح نیة الثلاث. وهي: بائن بتة، بتلة ...... إذهبي، قومي، ابتغي الأزواج: أي إن أمکنک وحل لک، أوابتغي الأزواج؛ لأني طلقتک". (البحر الرائق: ۳/۵۱۸، ۵۲۵، کتاب الطلاق، باب الکنایات، رشیدیه) =

۲......نمبر:اسے معلوم ہوگیا کہ ایک طلاق تو قطعاً ہوگئی، باقی احتمال تین طلاق سے دو کے بائن ہونے کا بھی ہے، اس کے لئے فی الحال تو سوال کی ضرورت نہیں ہے، ہاں! اگر شوہر تجدیدِ نکاح یا رجعت کا دعویٰ کرے تو اس وقت اس سے دریافت کرلیا جائے۔

۳......رجوع اپنی جگہ کرلینا کافی ہے، لیکن قضاءً ثبوت کیلئے دو گواہ ضروری ہیں، عورت کو اطلاع دینا ضروری نہیں، دیانۃً گواہ بھی ضروری نہیں ہیں، لیکن اطلاع دینا مسنون ہے:

"والرجعة على ضربين: سني، وبدعي، فالسني أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها ويعلمها، ولو راجعها بالقول ولم يشهد أوأشهد ولم يعلمها، كان مخالفاً للسنة". البحر: ٤/٥١(١)۔

۴......چونکہ یہ خط خسر کے نام ہے اور ظاہرِ الفاظ سے طلاقِ رجعی معلوم ہوتی ہے، اس لیے فوری اطلاع کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ معتدہ رجعیہ کیلئے حداد نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۲/۶۷ھ۔

استفتاء متعلقہ سوال بالا

سوال[۶۲۲۳]: زید نے اپنے خسر کو خط لکھا جس کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

''میرا افلاس اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اہلیہ کو لے کر رہ سکوں، لہٰذا آج بروز جمعرات،

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٦، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ١/٤٦٨، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(١) (البحر الرائق: ٤/٨٥، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٤٦٨، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/٥٩٤، الفصل الثاني والعشرون في مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچى)

(٢) "لايجب الحداد على الصغيرة، والمجنونة الكبيرة، والكتابية، والمعتدة من نكاح فاسد، والمطلقة طلاقاً رجعياً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٣٤، الباب الرابع عشر في الحداد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ١/٥٥٤، باب العدة، فصل فيما يحرم على المعتدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٥٣٢، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد)

۲۲/اپریل کو میری طرف سے طلاق ہے، آپ اس کی شادی کسی اچھی جگہ کردے جہاں وہ بقیہ زندگی سکون سے بسر کرسکے، اتنا ضرور عرض کرونگا کہ آپ آئندہ ہونے والے داماد سے یہ شرط کرلے الخ''۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبارتِ بالا میں ایک طلاق واقع ہوئی ہے یا زائد؟ منشائے سوال یہ ہے کہ لفظ نمبر:۲ جو بمعنی ''تزوجی'' اور نمبر:۳ جو بمنزل ''ابتغی الأزواج'' ہے، کوئی عمل کریں گے یا نہیں، اگر کریں گے تو نیت کا محتاج ہے یا نہیں؟ فقہاء نے ''تـزوجی'' کو ان کنایات میں شمار کیا ہے، جہاں مذکراۂ طلاق کافی نہیں، بلکہ نیت کی ضرورت ہے، کـمـا فـی البحر: ۳۰۳/۳ (۱)۔ لیکن یہاں مذاکرۂ طلاق نہیں ہے، بلکہ صریح لفظ طلاق پر مرتب ہے اور ''اذهبی وتزوجی'' کو صاحبِ درمختار نے ''تقع واحدة بلانية'' لکھا ہے (۲)، شامی نے اس پر تعقب کیا ہے، لیکن وہ تعقب جو ''لأنـی طـلـقتك'' کے احتمال سے پیدا کیا ہے یہاں طلاق کی تصریح سے مرتفع ہے اور ''أنت طالق اعتدی'' میں دو طلاقیں واقع کی ہیں۔

۲......اگر الفاظِ بالا سے ایک طلاق واقع ہوئی تو وہ رجعی ہوئی، یا بائنہ؟ لفظ صریح ہے، لیکن علامہ شامی نے بدائع سے جو تحقیق نقل کی ہے اس میں صریح کو ان صورتوں میں بائن قرار دیا ہے:

''مـقـرونـاً بـعـدد الثلاث نصاً أو إشارةً، أوموصوفًا بصفة تنبئ عن البينونة، أوتدل عليها من غير حرف العطف، أوشبهاً بعدد، أو صفة تدل عليها، اهـ'' (۳)۔

پس عبارت بالا میں لفظ نمبر:۲ اور نمبر:۳ کا اقتران بینونت پر دال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

احقر محمود الحسن غفرلہ، از سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم، یکشنبہ، ۶/۲۱/ ۱۳۶۷ھ۔

الـجـواب: زید کے اس خط سے اس کی زوجہ پر ایک طلاقِ بائن کا حکم ہوگا، نہ تین طلاقوں یا طلاقِ رجعی کا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۵۲۵/۳، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۳۱۴/۳، باب الكنايات، قبيل تفويض الطلاق، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۲۵۰/۳، باب الصريح، مطلب الصريح نوعان رجعي وبائن، سعيد)

الجواب: منجانب مفتی محمودحسن صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر زید کو اپنی تحریر کا اقرار ہے یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے تو صورتِ مسئولہ میں ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی (۱)۔لفظ نمبر:۱ کا موجب صریح ہونے کی وجہ سے طلاقِ رجعی ہے،لیکن مابعد کے الفاظِ کنایہ نے اس کو بائن بنادیا،گوان سے مستقلاً وقوعِ طلاقِ کنایہ ہونے کے سبب سے محتاجِ نیت ہے،مگر ماقبل کی صریح طلاق کو بائن بنادینے میں تردد نہیں جیسا کہ عامۂ تشدیدات وتقییداتِ خاصہ صریح کو بائن بنادیتی ہیں:

"ويقع بقوله: أنت طالق بائن، أو ألبتة .... واحدة بائنة في الكل؛ لأنه وصف الطلاق بما يحتمله، إن لم ينو ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، فيصح لما مر، كما لو نوى بطالق واحدةً، وبنحو بائنٍ أخرى، اهـ". درمختار۔ "(قوله: لأنه وصف الطلاق بمايحتمله) وهو البينونة، فإنه يثبت به البينونة قبل الدخول للحال، وكذا عندذكر المال، وبعده إذا انقضت العدة، بحر. (قوله: وبنحوبائن): أي من كل كناية قرنت بطالق، كما في الفتح والبحر". : ۳/۳۱۰(۲)، شامی: ۲/۶۱۸(۳)۔

"أنت طالق اعتدی" میں دوطلاق واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا لفظ صریح ہے،دوسرے لفظ کو بوقتِ ذکرِ طلاق،طلاق پر حمل کیا جاتا ہے،نیت کی حاجت نہیں ہوتی،اس لئے اس سے رجعی واقع ہوتی ہے،

---

(۱) "ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج، وختمه، وعنونه، وبعث به إليها فأتاها، وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه". (ردالمحتار: ۳/۲۴۷، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق: ۳/۵۰۰، رشيديه)

(۳) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۷۶، ۲۷۸، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

کما صرّح به الشامي: ۲/ ٦٤٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۱۳۶۷ھ۔

جواب: منجانب دار الافتاء دار العلوم دیوبند

طلاق تو بلفظِ صریح واقع کی گئی ہے، مگر اس کے بعد کوئی ایسا لفظ جس میں اضافت طلاق کی زوجہ کی طرف ہو نہیں ہے، اگر ہے تو، توکیل بتزویجِ زوجہ ہے، کیونکہ اپنے خسر کو وکیل بالتزویج بنادیا ہے، کتبِ فقہ میں مجھ کو کوئی نظیر نہیں ملی کہ جس میں توکیل بالتزویج کا کوئی حکم بیان کیا گیا ہو۔ "تزوجي، ابتغي الأزواج" وغیرہما الفاظ میں بصراحت خطاب زوجہ کو ہے، اس لئے ان الفاظ کے سلسلہ میں تتبع شاید محلِ تأمل ہو مثلاً: "اغربي، تقنعي، استتري، تخمري" کنایات طلاق میں سے ہیں، عالمگیری: ۱/ ۳۵۱، في إيقاع الطلاق (۲)۔ لیکن وکیل بنقل المرأۃ میں کسی جگہ طلاق کی بحث نہیں دیکھی، یا اگر کوئی شخص کسی سے کہہ دے کہ "میری بیوی کو دوپٹہ اوڑھادے، یا پردہ میں آوے" ان الفاظ کو مبحثِ طلاق میں نہیں دیکھا، پس میرا خیال ہے کہ ان الفاظ سے نہ طلاق میں کمًا اثر پڑا، نہ کیفًا۔

ہاں چند ہی روز کے بعد جو اس شخص نے دوسرا خط لکھا ہے کہ "اب میرا اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا" یہ بے شک "لم يبق بيني وبينك عمل" کے معنی میں ہے، مگر یہ کوئی جدید چیز نہیں، بلکہ اس سے پہلی عبارت "تعلق ختم کر چکا" پر متفرع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں تعلق ختم کر چکا ہوں اس لئے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ "تعلق ختم کر چکا"۔ بینونتِ سابقہ کی خبر ہے نہ کہ انشاء، گویا بینونتِ ماضیہ کی خبر دے رہا ہے، بناءً علیہ بندہ کے خیال میں ایک طلاقِ صریح واقع ہوئی تھی، مگر بینونت کی اس خبر سے ایک بائنہ بھی واقع

---

(۱) "وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الأول فقط، ويقع بالأخيرين وإن لم ينو". (الدرالمختار). "بخلاف الأخيرين، فإنها وإن احتملت الطلاق لكنها ماتحتمله المذاكرة من الرد والتعبير، فترجح جانب الطلاق". (ردالمحتار: ۳/ ۳۰۱، ۳۰۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۴، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۴۶۸، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

ہوئی یعنی دو بائنہ واقع ہوگئیں (۱)۔

مجھ کو روایاتِ فقہیہ سے اس کی تصریح کہیں نہیں ملی، میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ فقہی روایات سے سمجھا ہے، اگر آپ کی تحقیق میں اس سے زیادہ کوئی چیز ہو تو بندہ کو بھی مطلع فرمائیں۔

محمد اعزاز علی غفرلہ،۱۳/ شعبان/ ۱۳۹۷ھ۔

الجواب: صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: قضاءً والمرأۃ کالقاضی، سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۰/ شعبان/ ۱۳۶۷ھ۔

ایضاً

بخدمتِ علمائے کرام! شکر اللہ مساعیہم

سوال [۲۲۳۴]: زید کے چند خطوط اپنے خسر کے نام حضرات کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے، جن میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مفتی محمود حسن صاحب نے تو پہلے ہی خط پر طلاقِ بائنہ قرار دیا تھا اور مولانا اعزاز علی صاحب اور مفتی سعید احمد صاحب نے دوسرے خط پر طلاقِ بائنہ قرار دیا تھا، فتاویٰ سابقہ ہمرشتہ ہیں۔

اس کے بعد (الف) زید کا تیسرا خط آیا جس میں لکھا کہ ''میں نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت دو سے کی، ایک عمرو سے جو مر چکا، دوسرے (زوجہ کے نام کی طرف اشارہ کرکے) سے جواب میری نہیں''۔
اس کے بعد چوتھا خط آیا جس میں لکھا کہ ''نہ اپنے لئے شادی کی، نہ اپنے لئے چھوڑی، نہ اپنے لئے اختیار کروں گا، فقط''۔

اس کے متعلق یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ یہ دونوں لفظ سابقہ طلاق میں کچھ اثر انداز ہونگے یا نہیں؟

(ب) اس کے بعد زید کا پانچواں خط آیا جس میں اس نے لکھا کہ ''میں نے ۲۳/ جون کو (بیوی کے نام

---

(۱) "والبائن یلحق الصریح. الصریح مالایحتاج إلی نیة، بائناً کان الواقع به أو رجعیاً". (الدر المختار: ۳۰۶/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۷/۱، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۸۴/۳، کتاب الطلاق، باب الکنایات، دار الکتب العلمیة، بیروت)

کی طرف اشارہ کرکے) رجعت کرلی''۔ اس پر زید کے خسر نے اس کو لکھا کہ حسب فتاویٰ علمائے کرام تمہاری طلاق بائنہ تھی، رجعت کا حق نہیں رہا، اس پر زید کا مکتوب حسب ذیل آیا:

تفریق کی صورت حسب ذیل تھی

مثلاً زید خط لکھ رہا ہے کہ ''آج بروز فلاں تاریخ فلاں میری طرف سے ط، ہے'' (ہے، کے فوراً متصل کہتا ہے رجعی اور مجھے حق واختیار باقی رہے گا رجعت کا، میں چاہوں تو اپنی اہلیہ بنا کر رکھ سکتا ہوں)، مگر یہ لفظ خط میں تحریر نہیں کرتا ہے یہ کہ صرف زبانی دہراتا ہے، بار بار اس کے بعد لکھتا ہے: ''جس سے اور جہاں چاہے شادی کردو، خدا اس کو آئندہ کی زندگی میں خوش وخرم رکھے''۔ مگر یہ الفاظ لکھتے وقت بھی وہ اپنے الفاظ دہرا رہا ہے کہ ''میری یہ طلاق رجعی ہے، مجھے حق واختیار باقی رہے گا، رجعت کا میں چاہوں تو اپنی بیوی بنا کر رکھ سکتا ہوں اس کی نیت بھی رجعی کی ہے''۔

کیا ایسی صورت میں بائنہ ہوگی؟ جب کہ زید کی نیت اور قول دونوں رجعی پر مستدل ہیں، کیا نیت اور قول کا اعتبار ہوگا، جبکہ مندرجہ ذیل صورت میں قول معتبر ہے، مثلاً: زید نے تین طلاق دی صریح اور تحریر کی ایک رجعی تو قول پر فتویٰ ہوگا طلاقِ مغلظہ ہوگی نہ رجعی۔ فقط''۔ یہ زید کے خط کی نقل ہے اس کے متعلق علماء کا کیا ارشاد ہے؟

(ج) اگر کوئی شخص بینونت کے الفاظ سے طلاق دے، مثلاً کہے: "أنت طالق ألبتة"، اور نیت رجعی کی کرے یا زبان سے یہ کہے کہ مجھے رجوع کا حق ہے تو یہ چیز ان الفاظ کو بینونت سے خارج کردے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) نمبر: اسے یہ بات تو ظاہر ہے کہ زید کے الفاظ طلاق کو بعض علماء نے اولاً ہی طلاق بائن کے الفاظ قرار دیئے اور بعض نے دوسرے خط کی بناء پر، لہذا طلاق بائن ہوگئی، تیسرے خط کے الفاظ ''اب میری نہیں''، طلاقِ سابقہ پر بلانیت اثر انداز نہ ہوں گے، کیونکہ یہ الفاظ کنایات سے ہیں، ان میں نیت کا ہونا شرط ہے، مذاکرۂ طلاق کافی نہیں ہے، لہذا یہ الفاظ کہ ''اب میری نہیں'' بلانیت کے طلاق کیلئے کافی نہیں ہے:

"تطلق بلستِ لی امرأة، أو لستُ لك بزوج إن نوی طلاقاً". کنز۔ "یعنی وکان النکاح

ظاهراً، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ؛ لأنها تصلح لإنشاء الطلاق كماتصلح لإنكاره، فيتعين الأول بالنية لاتطلق وإن نوىٰ لكذبه، ودخل في كلامه: ما أنت لي امرأة، وما أنا لك بزوج، ولا نكاح بيني وبينك". البحر الرائق: ۳/۳۰۵(۱)-

(ب) نیت کی صورت میں بشرطِ بقائے عدت ایک طلاقِ رجعی مزید ہوجائے گی (۲)، صرف الفاظِ صریح میں تو زید کا یہ قول معتبر ہے، لیکن جس وقت طلاق کو الفاظِ بینونت کے ساتھ موصوف کیا جائے، یا الفاظِ کنایہ سے طلاق دی جائے اور دلالتِ حال یا مذاکرۂ طلاق موجود ہو تو قضاءً اس کا قول معتبر نہ ہوگا (۳)۔ اسی واسطے احقر نے دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کی تصدیق میں قضاء کی قید لگائی تھی۔ زید نے جو مثال ذکر کی ہے وہ منطبق نہیں ہے، زید کے الفاظ بینونت کے ہیں، وہ مدعی رجعی کا ہے، مثالِ مفروضہ میں اس کا عکس ہے، اگر زید تین طلاق تحریر کرے اور ایک کا دعویٰ کرے تو پھر زید کا قول ہرگز معتبر نہ ہوگا۔ کنایات میں اگر زوج عدمِ نیت کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ قضاءً معتبر نہ ہوگا، ہاں! اگر قسم کے ساتھ وہ عدمِ نیت کا اظہار کرے تو معتبر ہوگا:

"والقول له بيمينه في عدم النية، ويكفي تحليفها له في منزله، فإن أبىٰ رفعته إلى

---

(۱) (البحر الرائق: ۳/۵۲۸، ۵۳۰، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة". (الدرالمختار: ۳/۳۰۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، كتاب الطلاق، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وفي حالة مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاءً، إلافيما يصلح جواباً ورداً؛ لأنه لايجعل طلاقاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۳۰۲، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق: ۲/۳۷۴، شركت علميه)

الحاکم، فإن نکل فرق بینهما". درمختار(۱)۔

(ج) "وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائنًا، مثل: أن يقول: أنت طالق بائن ألبتة".ھدایہ: ۲/۳۴۹(۲)۔

زید نے الفاظِ شدت سے طلاق کو مذکور کردیا تو خود اس نے احد المحتملین کو متعین کردیا، اب اس کا یہ قول خلافِ ظاہر ہے، اس لئے معتبر نہ ہوگا۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ، دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یو، پی،۱۲/شوال/۶۷ھ

''اللہ کے واسطے رفاقت، رفاقت، رفاقت طلاق، طلاق، طلاق'' تحریر کرنا

سوال[۶۲۳۵]: ازراہ کرم وعنایت قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

''آج میں اپنے قلم سے بری کرتا ہوں، اس درمیان میں جو مجھ سے غلطی ہوگئی اس کو معاف کردیں، اللہ کے واسطے رفاقت، رفاقت، رفاقت، طلاق، طلاق، طلاق''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر سے دریافت کرلیا جائے، اگر وہ اقرار کرے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کیلئے یہ تحریر لکھی ہے تو اس کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ ہوگئی(۳) اور اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہ رہی(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۳/۳۰۰، ۳۰۱، کتاب الطلاق، باب الکنایات، مطلب: لااعتبار للإعراب هنا، سعید)

(۲) (الهداية: ۲/۳۶۹، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، شرکة علمیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیرية: ۱/۳۷۲، الفصل الثالث فی تشبیه الطلاق، ووصفه، رشیدیه)

(۳) "(كتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح، وقع إن نوى، وقيل: مطلقًا. ولو على نحو الماء، فلامطلقًا)". (الدرالمختار). "وإن كانت مرسومةً يقع الطلاق نوى أولم ينو. وثم المرسومة لاتخلو: إما إن أرسل الطلاق بأن كتب: أمابعد! فانت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق". (ردالمحتار: ۳/۲۴۶، کتاب الطلاق، مطلب فی الطلاق بالکتابة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۳۷۷، الفصل السادس فی إیقاع الطلاق بالکتاب، إدارة القرآن کراچی)

(۴) "وإن كان الطلاق ثلاثاً فی الحرة وثنتین فی الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً =

تحریری طلاق، لعنت اور مہر

سوال[۶۲۳۶]: زید نے ہندہ کو پانچ روپیہ کے سرکاری اسٹامپ پر طلاق نامہ لکھ کر بذریعۂ ڈاک خانہ روانہ کردیا جب کہ ہندہ طلاق لینے پر راضی نہ تھی۔ ہندہ کی شخصیت پر لعنت کرتے ہوئے طلاقِ مغلظہ دیدی، ہندہ مجبور ہوگئی۔ کیا لعنت کرنا کسی پر جائز ہے جبکہ وہ اس کا مستحق نہ ہو؟ اگر جائز نہ ہو تو کہنے والے پر کیا حکم عائد ہوگا؟ سرکاری اسٹامپ پر طلاق نامہ لکھ کر دینے سے مہر میں شرعی تلافی ہوسکتی ہے؟ خلاصہ تحریر کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر زید نے طلاق مغلظہ لکھ کر بھیجی ہے اور وہ اس تحریر کا مُقر بھی ہے تو شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱) اس پر جولعنت لکھی ہے، وہ کسی طرح بھی ہندہ پر نہیں پڑی، بلکہ ہندہ اگر اس کی مستحق نہیں تو وہ لعنت لوٹ کر زید ہی پر پڑی (۲)۔ اور مہر میں اس طلاق کی وجہ سے ہرگز کمی نہ آئے گی، بلکہ مہر پختہ ہوجائے گا، اگر زوجہ معاف

= صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علمية)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۱) "رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأة على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب وأقرّ الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(۲) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن العبد إذا لعن شيئًا، صعدت اللعنة إلى السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلى الأرض، فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ يمينًا وشمالاً، فإذا لم تجد مساغاً، رجعت إلى الذي لعن، فإن كان لذلك أهلاً، وإلا رجعت إلى قائلها. رواه أبوداود". (مشكوٰة المصابيح: ۲/۴۱۲، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة و الشتم، قديمي)

کردے گی تو معاف ہوگا ورنہ زید کے ذمہ باقی رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/محرم/۶۰ھ۔

تحریر سے طلاق

سوال [۶۲۲۳]: میاں بیوی میں تنازع ہوکر بڑھ گیا اور بیوی کو اپنی جان کا خطرہ ہوگیا اور اپنے خاوند کے یہاں بوجۂ خطرۂ جان کے نہیں جاتی اور اس کا خاوند اس کو طلاق نہیں دیتا اور نہ خرچ۔ اس قصہ میں پانچ چھ سال گذر گئے اور لڑکی نوجوان ہے، بغیر نکاح کے گذران مشکل ہے۔ اس صورت میں شریعت شریف کیا فیصلہ دیتی ہے کہ جس سے میاں بیوی میں تفریق ہوجائے اور لڑکی کا نکاح کردیا جائے۔ ایک خط اس کے خاوند نے بند لفافہ بھیجا تھا اور اس نے خود اپنی زبان سے اقرار کیا کہ یہ خط میں نے بھیجا تھا، مگر جب اس پر مہر کا دعویٰ کیا گیا عدالت میں، خط سے منکر ہوگیا۔ نقل خط مع جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہمراہ سوال ہٰذا منسلک ہے، جواب باصواب سے مطلع فرماویں۔ فقط والسلام۔

مرسلہ: بابراز جگادری۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر خاوند اس تحریر کا اقرار کرتا ہے، یا اس بات کے اوپر کم ازکم دو عادل گواہ ہیں کہ یہ تحریر اسی کی ہے، یا اس بات پر گواہ موجود ہیں کہ اس نے اس تحریر کا اقرار کیا ہے تو عورت پر طلاق واقع ہوگئی اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو قضاءً طلاق واقع نہ ہوگی (۲)۔ اگر عورت کے سامنے اقرار کیا ہے، یا کم ازکم ایک عادل شخص نے

---

(۱) "وصح حطها لكله وبعضه عنه". (الدر المختار: ۱۱۳/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

"للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أولم يدخل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۱۶/۱، كتاب النكاح، الفصل العاشر في الهبة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۶۳/۳، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(۲) "قال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: لا بد أن يسأل عنهم في السر والعلانية في سائر الحقوق؛ لأن القضاء مبناه على الحجة، وهي شهادة العدول، فيتعرف عن العدالة، وفيه صون قضائه عن البطلان، =

عورت کے سامنے اقرار کی شہادت دی ہے اور عورت کو اس کا اعتبار ہے تو دیانۃً طلاق واقع ہوگئی (۱) اگرچہ قضاءً

= وقيل: هذا اختلاف عصر وزمان، والفتوى على قولهما في هذا الزمان". (الهداية، كتاب الشهادة: ۱۵۶/۳ مكتبه شركة علميه ملتان)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: هو عدل): أى وجائز الشهادة، قال الكافي: ثم قيل: لابد أن يقول: المعدل هو عدل جائز الشهادة". (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۴۶۶/۵، سعيد)

"وفيها فى الشهادة بالتسامع: إذا شهد عندك عدلان بخلاف ما سمعته ممن وقع في قلبك صدقه لم يسع لك الشهادة، إلا إذا علمت يقيناً أنهما كاذبان، وإن شهد عندك عدل بخلاف ما وقع في قلبك من سماع الخبر لك أن تشهد بالأول إلا أن يقع في قلبك صدق الواحد في الأمر الثاني، اهـ. وينبغي أن يكون الاستثنا آن في كل شهادة، كما لا يخفى.

الخامس: أن يكون القاضي الذي طلب الشاهد للأداء عنده عدلاً لما في البزازية: وأجاب خلف بن أيوب رحمه الله تعالىٰ فيمن له شهادة فرفعت إلى قاض غير عدل، له أن يمتنع عن الأداء حتى يشهد عند قاض عدل، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۹۸/۷، رشيديه)

(۱) "الرابع: أن لايخبر عدلان ببطلان المشهود به، فلو شهد عند الشاهد عدلان أن المدعي قبض دينه، أو أن الزوج طلقها ثلاثاً، أو أن المشترى أعتق العبد، أو أن الولى عفا عن القاتل لا يسعه أن يشهد بالدين والنكاح والبيع والقتل .... وإن كان المخبر واحداً عدلاً لايسعه ترك الشهادة به". (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۹۷/۷، رشيديه)

"والحاصل كما في البحر أن كلاً من الوثاق والقيد والعمل إما أن يذكر أو ينوى، فإن ذكر فإما أن يقرن بالعدد أولا، فإن قرن به وقع بلانية وإلا ففي ذكر العمل وقع قضاءً فقط، وفي لفظي الوثاق والقيد لا يقع أصلاً. وإن لم يذكر بل نوى لايديّن في لفظ العمل وديّن في الوثاق والقيد، ويقع قضاءً إلا أن يكون مكرهاً. والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لايحل لها تمكينه. والفتوى على أنه ليس لها قتله، ولاتقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أو تهرب، كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه، وكلما هرب ردته بالسحر. وفي البزازية عن الأوزجندى أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولا بينة لها، فالإثم عليه، اهـ. قلت: أى إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها، فلا ينافي ماقبله".

(ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب في قول البحر: ۲۵۱/۳، سعيد)

طلاق کا واقع ہونا شوہر کے اقرار یا دو گواہوں پر موقوف ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

کیا تحریر سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

سوال[۶۲۳۸]: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو بذریعۂ تحریر طلاق دیدے تو ہو جاتی ہے یا نہیں، اور اس میں کیا کچھ اختلاف ہے؟ یہ مسئلہ کس کتاب میں ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے:

"الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى غائب. وغير المرسومة أن لايكون مصدراً ومعنوناً، وهو على وجهين: مستبينة وغير مستبينة، فالمستبينة: مايكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجهٍ يمكن فهمه وقراء ته، وغير المستبينة مايكتب على الهواء والماء والشيئ لايمكن فهمه وقراء ته، ففي غير المستبينة لايقع الطلاق، وإن نوى، وإن كانت مستبينةً لكنها غير مرسومة، وإن نوى الطلاق، يقع، وإلا لا. وإن كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أولم ينو، اهـ". فتاویٰ قاضی خان مصری: ۱/۶٦١(۲)، وغیرہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۱۳۶۱ھ۔

---

(۱) "والطريق فيما يرجع حقوق العباد المحضنة عبارة عن الدعوى والحجة، وهي إما بينة أو الإقرار". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب الحكم الفعلي: ۵/۳۵۴، سعيد)

"وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية ونحو ذلك". (الهداية، كتاب الشهادات: ۳/۱۵۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (فتاوى قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه) .... =

بددلی سے تحریری طلاق

سوال[۶۲۳۹]: زید اور ہندہ میاں بیوی تھے، دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ چند سال کے بعد دونوں کے سرپرستوں میں زبردست اختلاف پیدا ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ زید نے اپنے والدین کے مجبور کرنے سے نہایت بددلی کے ساتھ ہندہ کو طلاقِ قطعی (تین طلاقیں) دیدی اور ہندہ نے بھی والدین کے جبر کرنے پر زید سے طلاق لے لی، نان نفقہ ومہر معاف کردیا۔ یہ طلاق نامہ اور نان ونفقہ کی معافی باضابطہ سرکاری اسٹام پر تحریر ہوئے اور زید وہندہ نے اپنے اپنے نشان انگوٹھا لگادیئے، اس کے چار ماہ بعد زید اور ہندہ کہنے لگے: ہم سے زبردستی طلاق دلائی گئی، ہم میاں بیوی کی طرح رہیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی، اگر نہیں ہوئی تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تین طلاق زبانی بھی دی ہے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، حلالہ یہ ہے کہ اس تین طلاق کی عدت (تین حیض) ختم ہونے پر ہندہ دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرلے وہ ہمبستری کرنے کے بعد مرجائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت پوری ہونے کے بعد ہندہ کا زید سے دوبارہ نکاح درست ہوسکتا ہے، اس سے پہلے کوئی صورت نہیں (۱)۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۸/۱، كتاب الطلاق، فصل الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۳۹/۴، ۲۴۰، فصل في النوع الثاني، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وأما الطلقات الثلث، فحكمها الأصلي، هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضًا، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره﴾ (بدائع الصنائع: ۴۰۳/۴، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية، بيروت)

"(ولاتحل الحرة بعد) الطلقات (الثلث لمطلِّقها، لقوله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد﴾ الآية (ولا الأمة بعد اثنتين إلا بعد وطئ زوج آخر ومضى عدته)". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۴۳۸/۱، باب الرجعة، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۱۷۷/۴، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

اگر تین طلاق زبانی نہیں دی، صرف بڑوں کے اصرار سے بددلی کے ساتھ ان کی دلجوئی اور خاطرداری کیلئے دستخط کیے ہیں تب بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

تحریری طلاق کی ایک صورت

سوال[۶۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین دربارۂ طلاق جو کہ بطریق مندرجۂ ذیل بذریعۂ تحریر مؤرخہ: یکم/اگست/۱۹۳۸ء، کو دی گئی، نقل تحریر:

"بنام فلاں دختر فلاں تمہارے برخلاف کوئی الزام نہیں ہے، چونکہ میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہوں کہ میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا اس لئے میں تمہیں بذریعۂ اس تحریر کے طلاق دیتا ہوں، تم اور تمہارے والد راضی ہوگئے ہو کہ حق مہر میرے حق میں چھوڑ دیا گیا ہے"۔

مؤرخہ یکم اگست مندرجہ بالا خط کا جواب ۵/ اگست کو لڑکی کے باپ کی طرف سے بذریعۂ تحریر ملا، ذیل میں درج ہے:

"واضح رہے کہ میری لڑکی نے مہر معاف نہیں کیا ہے، تمہارا طلاقنامہ مؤرخہ یکم اگست موصول ہو چکا ہے"۔

نوٹ: یکم اگست والا خط اس وقت لکھا گیا کہ جب لڑکی خاوند کے پاس موجود نہیں تھی اور لڑکی کا خاوند اس کو خود بخود بخوشی وخرمی باہمی کے اس کی والدہ کے پاس بغرضِ تبدیلی آب وہوا پہنچانے کو اپنے ہمراہ لے کر آیا تھا اور لڑکی اب تک خاوند کے پاس واپس نہیں آئی۔

۱.....آپ فرمائیں آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی قسم آیا احسن یا حسن یا بدعت، اگر طلاق احسن ہے تو خاوند اب طلاق کو واپس لے سکتا ہے؟ اور لڑکی اگر آنے سے انکار کرے، بذریعۂ عدالت اس کو اپنے مکان میں لانے کی چارہ جوئی کر سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں؟

۲.....لڑکی کا باپ کہاں تک حق بجانب ہے جب کہ وہ طلاق کو تسلیم کرتا ہے لیکن مہر کے چھوڑنے سے انکاری ہے، حالانکہ طلاق اور مہر کی معافی دونوں ایک ہی خط میں ایک ہی وقت میں لکھے گئے ہیں، دونوں باتوں کا

بیان ایک ہی خط میں اور ایک ہی وقت میں بالکل قرینِ قیاس ہے اور دونوں کا بیان یعنی طلاق، معافی مہر کا بیک وقت خاوند کی طرف سے حوالہ تحریر کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یکم اگست کو جو خط لکھا گیا ہے وہ طرفین کے باہمی فیصلے اور طے شدہ امر کا نتیجہ ہے۔

تنقیحات

۱-لڑکی بالغہ ہے یا نابالغہ؟

۲-مدخولہ ہے یا غیر مدخولہ؟

۳-کیا لڑکی نے اپنے باپ کو طلاق لینے اور مہر معاف کرنے کا وکیل یا مختار بنایا ہے؟

۴-طرفین کے باہمی فیصلہ اور طے شدہ امر کو انہی کے الفاظ میں تحریر کیا جائے۔

۵-لفظ ''طلاق دیتا ہوں'' کا استعمال حال میں ہے یا مستقبل میں؟ اور اس سے شوہر کی نیت حال کی ہے یا بطورِ وعدۂ استقبال کی؟

۶-لفظ مذکورہ سے شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی ہے یا زیادہ یعنی دو یا تین کی؟ امور مذکورہ کے جواب پر اصل سوال کا جواب موقوف ہے۔

از دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب:

۱-لڑکی بالغہ ہے۔

۲-مدخولہ ہے۔

۳-معلوم نہیں ہے، لیکن آپ برائے مہربانی (الف) باپ کو مختار اور وکیل کر دینے اور (ب) باپ کو مختار اور وکیل نہ کر دینے دونوں حالت میں جواب مرحمت فرمادیں۔

۴-طے شدہ امر ضبط وتحریر میں نہیں لایا گیا، ممکن ہے کہ لڑکی کا باپ اس قسم کے گواہ پیدا کرے کہ طلاق زبانی بھی دی گئی تھی اور مہر کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا اور نہ لڑکی نے مہر معاف کیا تھا، یہ گواہ ضرور بناوٹی ہوں گے، تحریری خط کو مع جھوٹے گواہوں پر آپ فرمادیں کہ کہاں تک فوقیت ہوگی؟

۵-اس سے دونوں شکلیں نکلتی ہیں یعنی حال اور مستقبل بھی، براہ مہربانی دونوں حالتوں میں

جواب دیں۔

۶-شوہر کی نیت تین طلاق کے دینے کی تھی۔

معرفت مولانا منظور احمد صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے یہ الفاظ "میں تمہیں بذریعہ اس تحریر کے طلاق دیتا ہوں" بظاہر موجب طلاق ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ حال ہی کیلئے مستعمل ہیں کیونکہ مہر چھوڑ دینے کا ذکر صیغۂ ماضی سے کیا ہے، پس اگر حال ہی کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہوگئی۔ یہاں استقبال کا احتمال بھی ضرور ہے، کیونکہ یہ الفاظ بطور وعدۂ مستقبل کیلئے بھی مستعمل ہوتے ہیں اور محض وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اگر واقعتاً شوہر کی نیت تین طلاق کے دینے کی تھی اور الفاظِ مذکورہ سے نیت کر کے تین طلاق بیک لفظ واقع کر چکا ہے تو یہ طلاق رجعی ہوئی یعنی اس میں عدت کے اندر رجعت جائز ہے، اس کی نیت کا شرعاً اعتبار نہیں اور بغیر حلالہ دوبارہ نکاح میں رکھ سکتا ہے اور بعد عدت نکاح درست ہے۔

رہا مہر کی معافی کا قصہ، سو اس کیلئے شوہر کے پاس گواہ ہوں، یا عورت خود اقرار کرے، یا عورت کا باپ وغیرہ- جو کہ عورت کی طرف سے مہر معاف کرنے کا وکیل ہو- وہ اقرار کرے تب معاف ہوگا، صرف شوہر کی تحریر یکم اگست ۱۹۳۸ء کے الفاظ سے معاف نہیں ہوسکتا، اس لئے تنقیح میں نمبر:۴، کو دریافت کیا گیا تھا۔ اگر عورت نے اپنے باپ کو مہر معاف کرنے کا وکیل یا مختار نہیں بنایا تو باپ کے معاف کرنے سے بھی معاف نہ ہوگا:

"وفي المحيط: لوقال بالعربية: أطلّق، لايكون طلاقًا، إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقًا". عالمگیری: ۲/۷۴(۱)۔ "صريحه مالم يستعمل إلافيه كطلقتك، وأنت طالق ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية، وإن نوىٰ خلافها، أولم ينوشيئًا". درمختار: ۲/۶۶۳(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۸۴، الفصل السابع فی الطلاق بألالفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۸، باب الصريح، مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۳۹، باب الطلاق، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع ردالمحتار: ۳/۲۴۷، ۲۵۰، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقايق: ۳/۳۹، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

"الرجعة هي استدامة القائم في العدة، وتصح إن لم يطلق ثلاثاً ولو لم ترض، براجعتُك، أو راجعتُ امرأتي، وبما يوجب المصاهرة". تبيين الحقائق: ۲/ ۲۵۱(۱)۔

"وينكح مبانته في العدة وبعدها، لاالمبانة بالثلاث". زيلعي: ۲/ ۲۵۷(۲)۔ "(وصح حطها) قيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح، فإن كانت صغيرةً، فهو باطل، وإن كانت كبيرة، توقف على إجازتها". بحر: ۳/ ۱۵۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۱۳۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ رجب/ ۱۳۵۷ھ۔

طلاقِ معلق کی تحریر

سوال[۶۲۲۱]: اس تحریر کو عرصہ ایک سال سے زائد ہو چکا ہے، لیکن اس مدت میں طہماسب خاں ولد فیروز الدین قوم راجپوت نے نہ تو تحریر کے مطابق خرچہ روانہ کیا اور نہ ہی کسی قسم کی خبر گیری کی اس صورت میں اس تحریر کے مطابق طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ تحریر بلفظہ یہ ہے:

""من کہ طہماسب خان ولد فیروز الدین قوم راجپوت جو کہ مبلغ دوسو روپے کہ نصف جس کے یکصد روپیہ ضرب سکہ گورنمنٹ ہوتے ہیں، بابت خرچہ دوسال سابقہ میری منکوحہ مسماۃ غلام فاطمہ کا درپیش ہے، آج کی تاریخ روبرو گواہان بقائمی ہوش وحواس یہ اقرار

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۳/ ۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۷۰، فصل في الرجعة وفيما تحل به المطلقه، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، شركت علميه، ملتان)

(۲) (تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۱۷۶، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) (البحر الرائق: ۳/ ۲۶۳، ۲۶۴، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۱۳، كتاب النكاح، الفصل السابع في المهر، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/ ۱۱۳، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه، سعيد)

نامہ تحریر کرتا ہوں کہ روپیہ مذکورہ دو ماہ تک ادا کردوں گا اور آج کی تاریخ سے پندرہ روپیہ ماہوار خرچہ اپنی منکوحہ کو روانہ کرتا رہوں گا اور اگر اس اقرار کے بموجب عمل نہ کروں اور وعدہ خلافی کروں تو مسماۃ غلام فاطمہ مجھ سے بموجب تین شرط اسلام کے طلاق ہوگی اور پھر اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق اور کوئی حق اور کوئی دعویٰ نہ ہوگا اور میری منکوحہ کے پاس میرا کوئی زیور، کوئی سامان، کوئی جائیداد نہیں ہے۔ اس واسطے بقائمی ہوش وحواس روبرو چند اور معتبر گواہان تحریر ہے، تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آوے"۔

العبد: طہماسب خان ولد فیروز الدین راجپوت۔ المرقوم: ۱۰/۱۰/۱۹۴۳ء۔

[❖] نشانی انگوٹھا گواہ سید خان۔ [❖] نشانی انگوٹھا اتر خان ولد شاہ محمد خان۔

تحریر کنندہ: مولوی محمد شفیع امام مسجد۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شوہر نے یہ تحریر نامہ خود تحریر کیا یا دوسرے سے تحریر کرایا اور پھر اس پر دستخط کئے اور وہ اس تحریر کا مقر ہے(۱)، یا اس تحریر پر شرعی شہادت موجود ہے اور پھر شوہر نے اس کے خلاف کیا اور شرط کے موافق روپیہ نہیں بھیجا یا دیا، تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی، عورت کو بعد عدت نکاحِ ثانی شرعاً درست ہے: "إذا أضافه: أي الطلاق إلى شرط، وقع عقيب الشرط، اهـ". هدايه(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه، وطواه، وختم وكتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب، وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۶، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الهداية: ۲/۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، شركة علمية، ملتان) =

بیوی کی موجودگی میں تحریری طلاق

سوال[۶۲۴۲]: زید کی بیوی نے ایک تحریر دکھائی کہ یہ میرے زوج نے دی ہے اور کہا کہ: ''لے یہ تیرا طلاقنامہ ہے اور کل میں تجھ کو سب کے سامنے تیرا حساب دیدونگا''۔ اور اس تحریر میں یہ تھا کہ: ''میں اپنی زوجہ ہندہ بنت فلاں کو طلاقِ بائن دیتا ہوں بغیر کسی جبر و اکراہ کے با ہوش و حواس''۔ اور دستخط کر کے دیا اور عورت باہر کی تھی۔ اپنی بیوی کو یوں کہہ کر دیا کہ ''لے، یہ تیرا طلاق نامہ ہے اور کل میں تجھے تیرا مہر و عدت خرچہ لوگوں کے سامنے دیدونگا''۔

بیوی کا بیان طلاق نامہ دینے سے قبل ایک یا آدھ گھنٹہ پیش آیا، وہ بیان کرتی تھی، ایک عالم اور ایک غیر عالم کے سامنے کچھ بات ہوئی اور مجھ سے شوہر نے کہا کہ ''تُو گھر سے نکل جا میں نے تجھ کو طلاق دیدی ہے'' لیکن میں نے مذاق سمجھا، پھر دوبارہ کہا اور اسی طریقہ سے سہ بارہ کہا اور مجھ کو باہر نکال دیا۔ پھر میں دونوں عورتوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور میرا شوہر آیا اور کہنے لگا کہ ''یہ تیرا طلاقنامہ ہے اور میں تجھ کو کل تیرا حساب پنچ کے سامنے دیدونگا''۔ پھر میں رونے لگی''۔ یہ اس کی بیوی کا بیان ہے۔

تھوڑے ہی وقفہ کے بعد اس کی لڑکی آئی، اس سے اس کے والد نے کہا کہ بچی دیکھو جس طرح تمہاری خالہ کو طلاق ہوگئی اور صبر ہوگیا، اسی طرح تمہاری والدہ کو بھی طلاق دیدی، یہ بھی آہستہ آہستہ صبر ہو جائے گا، جو اس کے والد نے سمجھایا تھا، وہی چار پانچ عورتوں کے سامنے بتایا کہ والد صاحب یوں فرما رہے تھے۔

ان حالات کو دیکھ کر ایک مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ طلاق ہوگئی، اور وہ شخص فقط اس تحریر پر فتویٰ منگا کر اُچھلتا ہے اور کودتا ہے، لہٰذا یہ بتایئے کہ مفتی صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ نیز اسے اپنے طلاقنامہ پر فتویٰ طلب کرنا اور اس کو لے کر کودنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز وہ شخص علماء اور مفتی پر لعن وطعن کرتا ہے، نیز وہ شخص اپنی بیوی کو واپس اور طلاق نہ لینے کیلئے غیر مقلد بنا اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے یہ حالتِ جنون میں کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کتابت بمنزلۂ عبارت عندالحاجت ہے، اگر آدمی کسی غائب کیلئے لکھے تو وہ معتبر ہے، یا حاضر کیلئے مگر

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

ایسی حالت میں کہ بول نہ سکے، مثلاً: گونگا یا معتقل اللسان ہے تو وہ بھی معتبر ہے(۱)۔ اگر مکرہاً لکھے تو وہ معتبر نہیں(۲)، اسی طرح حاضر کے حق میں معتبر نہیں جبکہ اخرس یا معتقل اللسان نہ ہو، اس سب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیوی کی موجودگی میں محض لکھ کر دینے سے بغیر زبان سے کہے ہوئے طلاق نہ ہوگی(۳)۔ اگر طلاق لکھ کر بیوی کو دیدی اور زبان سے نہیں کہا درآنحالیکہ کہنے سے کوئی مانع نہیں تھا، پھر یہ سمجھ کر کہ اس سے طلاق ہوگئی، کسی سے کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہوگئی تو اس کہنے سے بھی طلاق نہیں ہوئی، کیونکہ نہ یہاں ابتداءً ایقاعِ طلاق ہے نہ کسی طلاق کا اختیار ہے، بلکہ غیر طلاق کو طلاق سمجھ کر اس کا اِخبار ہے، البتہ اس اخبار سے خالی الذہن ہوکر کہے کہ میری بیوی کو طلاق ہوگئی ہے تو اس سے ضرور بلاتردد اور تین مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوجائے گی، اگر مذاق میں اقرار کرے یا طلاق کا جھوٹا اقرار کرے تو قضاءً واقع ہوجائے گی دیانۃً واقع نہ ہوگی:

"فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب، لاتطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيم مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا، كذا في خانية"(٤)۔ "ولو أقر بالطلاق كاذبًا أوهازلًا، وقع قضاءً لاديانةً، الخ". شامی: ۲/۵۷۹(۵)۔ وقال في المجلد الخامس (مسائل شتی) بعد تفصيل

(۱) "(قوله: واخرس بإشارته): أي ولو كان الزوج أخرس، فإن الطلاق يقع بإشارته؛ لأنها صارت مفهومةً، فكانت كالعبارة في الدلالة استحسانًا .... وقال بعض المشايخ: إن كان يحسن الكتابة، لايقع طلاقه بالإشارة، لاندفاع الضرورة بماهو أدل على المراد من الإشارة.......... وإنما ذكر إشارته دون كتابته، لما أنها لاتختص به؛ لأن غير الأخرس يقع طلاقه إذا كان مستبيناً". (البحر الرائق: ۳/۴۳۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۳/۲۴۱، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الباب الأول، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية الآتية آنفاً)

(۳) واضح رہے کہ غیر مستبین کتابت سے طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن صورت مسئولہ میں جو تحریر ہے، وہ مستبین مرسوم کے قبیل سے ہے، اسی لئے اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، مزید تفصیل کے لئے اس جلد کا صفحہ نمبر ۵۹۳ حاشیہ نمبر:۲۔

(۴) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۳۶، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، رشيديه)

(۵) (ردالمحتار: ۳/۲۳۶، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، سعيد) =

أنواع الكتابة: "وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر، الخ". شامی: ۵/۶۴۵(۱)۔

آپ نے جس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے، اس نمبر پر وہ نہیں ملا، اصل فتویٰ بھیجیں تو اس پر مکرر غور کیا جاسکتا ہے، بقیہ امور مسئولہ کا جواب حاضر ہے۔ خود غرضی کے لئے واقعات کو بدل کر فتویٰ حاصل کرنا کسی دیانت دار آدمی کا کام نہیں، اور اس طرح حاصل شدہ فتویٰ سے کوئی حرام چیز حلال نہ ہوگی، محض بیوی کی خاطر مسلک تبدیل کرنا نہایت پست قسم کی ذہنیت ہے جس کو کوئی شریف آدمی اختیار نہیں کرسکتا، اس طرح تو دین کو کھلونا بنالیا جائے گا- أعاذنا الله منه- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

لفظِ کنایہ سے تحریری طلاق

سوال[۲۲۴۳]: ایک بوڑھا پشاوری حافظ مبتلائے مرضِ گرمی مقیم ڈھاکہ نے سلہٹ کی ایک کمسن نوجوان عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس نکاح کی حالت میں چند سال کا عرصہ بھی گذرا، اس عرصہ میں حافظ جی اپنے مرض دائمی کے ازالہ کیلئے علاج کراتے رہے، مگر مرض کا ازالہ نہیں ہوا۔ بالآخر مرض سے مجبور اور تنگ آکر اور صحت یابی سے مایوس اور لاچار ہوکر حافظ صاحب حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوگئے، بمبئی پہنچ کر جہاز میں سوار ہوئے تو جوں جوں ان کی صحت خراب ہوتی گئی، ڈاکٹر نے معائنہ کرکے ان کو جہاز سے کراچی بندرگاہ پر اتار دیا، وہاں ایک عرصہ رہ کر کلکتہ آگئے اور یہاں ایک مسجد میں امام مقرر ہوگئے۔

اس عرصہ تقریباً ڈیڑھ دوسال میں ان کی بیوی کو ان کے قیام کلکتہ کا علم ہوا، اس نے اپنی بے چینی اور جوانی کی تکالیف خطوط کے ذریعہ لکھیں، لیکن انہوں نے اس کے حسبِ منشاء جواب نہیں لکھا، اخیر میں اس نے اپنی عصمت دری کا خوف ظاہر کرنے کیلئے ایک خط روانہ کیا اور اپنی عصمت اور حافظ جی کی پرہیز گاری کو بجا رکھنے کیلئے اس نے ایک خط لکھا جس میں طلاق کی درخواست کی، اس خط کو دیکھ کر حافظ جی ڈھاکہ آگئے اور اس کی حرکات کو بچشمِ خود دیکھا اور اس کو سمجھایا، لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مطالبۂ طلاق کرتی رہی، حافظ صاحب

= (وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۲۸، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) (ردالمحتار. ۶/۷۳۷، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى، سعيد)

رحمہ اللہ تعالیٰ مایوس ہوکر واپس کلکتہ روانہ ہوگئے، وہاں جا کر تقریباً ایک ہفتہ میں ایک خط بیوی کو لکھا، جس کی نقل یہ ہے کہ:

ا...... ''میری دردمند بیوی! خدا تم کو ہدایت کرے، میں نے تجھ کو علم سکھایا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیرمحرم کے ساتھ بذریعۂ خطوط ساز باز شروع کی، آخر یہاں تک نوبت ہوئی کہ میرا ناک کاٹنے کیلئے تیار ہوئی، کیونکہ میں بوڑھا اور مریض ہوں، یہ سب تمہاری شرارت ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خدا پرست ہوں اور تم شہوت پرست، اس لئے آگ اور پانی ایک ساتھ نہیں ہوسکتے۔ پہلے میں ان حرکات کو کمسنی پر محمول کرتا تھا اور خیال تھا کہ سنِ شعور کے بعد سب درست ہوجائے گی اس لئے ان باتوں کا خیال نہیں کیا، اب معمولی بات سے بھی مجھ کو صدمہ ہوتا ہے۔ جو جو تم نے کیا، تم کو خود معلوم ہے، دوسری بڑی بی بی نے جو کچھ کیا وہ بھی تمہارے سبب سے، کیوں کہ جب تک سوکن کا خیال نہ ہو، میری طرف وہ بُری نظر سے نہیں دیکھ سکتی تھی، جو کچھ ہوا تمہاری وجہ سے ہوا''۔ حافظ صاحب ان تمام تحریر کا خلاصہ فرماتے ہیں کہ:

۲..... ''حاصلِ کلام: جب تم نے مجھ کو مجبور کیا اور تمہاری چال چلن بھی خراب ہوئی یعنی شریعت کے خلاف چلتی ہے'' اس لئے بندہ خدا کے خوف کی وجہ سے تم کو آزاد کرتا ہے اور اپنے سے کنارہ کرتا ہے تاکہ ہم سے بہتر خصم تم کو ملے''۔ جو بھی ڈھاکہ میرا وطن ہوگیا تھا اور بود و باش کا ٹھکانہ تھا، مگر وہ بھی تمہاری بدولت چھوٹ گیا۔ میں نے وہیں تم کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر غیرت نے مجھے اجازت نہیں دی، اب میں سچا دل سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شریف آدمی تعلیم یافتہ پرہیزگار شخص تم کو نکاح کرے تو جو میں نے دیا ہے تم کو، تو میں تم سے ایک پیسہ کی چیز نہ لوں گا اور ڈھاکہ میں ہو، ورنہ اگر سلچر میں فیروز کے ساتھ نکاح بیٹھ گے تو میں ایک تنکا نہیں دونگا۔ فیروز پر میرا شک ہے، کیونکہ اس کا لکھا ہوا لفافہ میں دیکھا ہوں، اس میں سب مضمون فاسقانہ ہے، وہ میرا دشمن کا لڑکا ہے، یہ میرا کب برداشت ہوسکتا ہے۔''

اس عبارت کو لکھنے کے بعد حافظ صاحب یوں رقمطراز ہیں:

۳..... ''یہ بھی خاطر جمع رکھو: جس روز تم کو آزاد کروں گا، اس روز بڑی بی بی کو بھی چھوڑ دوں گا، کسی کو نہیں رکھوں گا، چھوڑنے سے تم کو بڑی بی بی کو کچھ تکلیف نہیں ہوگی، کیونکہ ان کی مکان کے ذریعہ سے پرورش ہوگی۔ اور تمہاری جوانی کی برکت سے مشکل میرا ہے کہ ایک تو بوڑھا آدمی ہوں، دوسرا دائم المرض ہوں، بے وطن

ہوں۔ صاف بات یہ ہے کہ جب تمہاری پرورش مجھ پر ہے، ایسے ہی میری فرمانبرداری تم پر واجب ہے، اگر تم تابعداری نہ کروگی تو مجھ پر بھی خرچ کی ذمہ داری نہیں، تابعداری یہ ہے کہ شریعت کے مطابق چلنا اور جہاں میں رہوں وہیں رہنا، میں ایک روز بھی جدا رہنا پسند نہیں کرتا۔ اور جب تک تم اپنا ناکح نہ بتلاؤ گی تب تک تین طلاق نہیں دونگا، اگر میرے ساتھ زندگی کرنا منظور ہے تو دومہینہ میں اجازت دیتا ہوں، اس کے اندر سب ٹھیک کر کے معہ نورالنساء اور دونوں بی بی چلے آنا، الخ''۔

اس خط کے جواب میں حافظ جی کی نوجوان بی بی نے اپنا ناکح کا نام ظاہر کیا تو حافظ جی نے تین چار روز کے اندر ہی اس کے جواب میں نوجوان بی بی کو ایک طلاق صریح دے کر روانہ کیا، اس خط کو پا کر وہ اپنے میکے چلی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ واقعہ مرقومہ بالا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حافظ جی کی اس عبارتِ مکتوبہ سے ''حاصل کلام: جب تم نے مجھ کو مجبور کیا اور تمہارا چال چلن بھی خراب ہوا یعنی شریعت کے برخلاف چلتی ہے، اس لئے بندہ خوفِ خدا کی وجہ سے تم کو آزاد کرتا ہے اور اپنے سے کنارہ کرتا ہے تاکہ ہم سے بہتر خصم تم کو ملے، یہ میرا کب برداشت ہوسکتا ہے'' ان کی نوجوان بی بی پر کے طلاق پڑے گی اور وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن، اور اس کے بعد ایک طلاق صریح کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ اور نیز حافظ صاحب کو بعد کی طلاقِ صریح کے بعد عدت کے اندر رجعت کا حق باقی اور حاصل ہے یا نہیں؟ اور حافظ جی کی یہ عبارتِ مزبورہ: ''یہ بھی خاطر جمع رکھو: جس روز تم کو آزاد کرونگا، اس روز بڑی بی بی کو بھی چھوڑ دوں گا، کسی کو نہیں رکھوں گا'' عبارتِ سابقہ سے طلاق واقع ہونے کو مانع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

لفظ ''بندہ تم کو آزاد کرتا ہے'' ہمارے عرف میں بمنزلۂ صریح ہے اس لئے اس سے ایک طلاقِ رجعی بلانیت واقع ہوجاتی ہے(۱)، جہاں کا عرف اس کے خلاف ہو وہاں یہ حکم نہ ہوگا، بلکہ نیت پر طلاق موقوف رہے

(۱) "لوقال: أعتقتک، طلقت بالنية، كذا في معراج الدراية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۶، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۳۰۰، باب الكنايات، مطلب: لااعتبار بالإعراب هنا، سعيد)

گی، بغیر نیت واقع نہ ہوگی اور نیت سے بائن واقع ہوگی اور حقِ رجعت باقی نہ رہے گا (۱)۔ پھر اگر تحریر شوہر ہی کی لکھی ہوئی ہے اور اس کا اقرار کرتا ہے تو اس سے دوسری طلاق واقع ہوگئی (۲)، بشرطیکہ عدت کے اندر طلاقِ صریح دی ہو اور خلوتِ صحیحہ یا جماع کی نوبت آچکی ہو، ورنہ پہلی طلاق سے بائن ہوگئی، دوسری طلاق لغو ہوگئی کیونکہ عدت کے بعد محل باقی نہیں رہا اور غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائن ہوجاتی ہے:

"الصريح يلحق الصريح، ويلحق البائن بشرط العدة". ردالمحتار: ۲/٦٤٥(۳)۔

وہاں کا عرف دیکھا جاوے، اگر پہلا لفظ صریح نہیں ہے اور شوہر نے نیت بھی نہیں کی تو صرف بعد کی طلاقِ صریح بذریعۂ تحریر رجعی واقع ہوئی ہے اور عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہے:

"ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب، كأن يكتب: يا فلانة! إذا أتاك كتابي هذا، فأنت طالق، طلقت بوصول الكتاب، جوهرة". درمختار: ۲/٥٧٩(٤)۔ "وإذا طلق الرجل

---

(۱) "أما في البائن فلحرمة النظر إليها وعدم مشروعية الرجعة". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۸، سعيد)

(۲) "رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج .... وأقرّ الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳/۳۰۶، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات في الطلاق: ۳/۵۳۱، رشيديه)

(۴) (الدر المختار: ۳/۲۴۶، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلا ق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض، لقوله تعالىٰ: ﴿فأمسكوهن بمعروف﴾ من غير فصل، ولابدّمن قيام العدة؛ لأن الرجعة استدامة الملك، ألاترىٰ أنه سُمّي إمساكًا، وهو الإبقاء، وإنما يتحقق الاستدامة في العدة؛ لأنه لاملك بعد انقضائها". هداية: ٢/٣٧٤(١).

اگر پہلا لفظ صریح ہے تو عبارتِ مذکورہ ''یہ بھی خاطر جمع رکھو: جس روز تم کو آزاد کروں گا الخ'' کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ پہلی طلاق واقع ہوگی، اگر صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اور اس سے نیت طلاق کی ہے تب بھی طلاق بائن واقع ہوگئی، عبارت مزبورہ کا کوئی اثر نہیں، اگر کنایہ ہونے کی حالت میں نیت نہیں کی تو اس عدمِ نیت کیلئے عبارتِ مزبورہ قرینہ بن جائے گی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

دوسرا لفظ ''اپنے سے کنارہ کرتا ہے'' یہ کنایہ ہے، نیت پر موقوف ہے، اگر نیت کی ہے تو اس سے طلاق واقع ہوگی اور بائن ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

خلاصہ تمام جواب کا یہ ہے کہ اگر پہلے دونوں لفظوں میں کسی سے طلاقِ بائن واقع ہوگئی ہے تو دوسرے لفظ کنایہ سے واقع نہ ہوگی (۳) طلاقِ صریح واقع ہوجائے گی (۴)۔ اگر پہلے لفظ سے صریح واقع ہوئی ہے اور

(۱) (الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۸۲، باب الرجعة، رشيديه)

(۲) "ففي حالة الرضا لايقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية، والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين .... لوقال في حال مذاكرة الطلاق: باينتك، أو أبنتك ....فقالت : اخترت نفسي، يقع الطلاق. وإن قال: لم أنو الطلاق، لايصدق قضاءً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(۳) "لايلحق البائن البائن المراد بالبائن: الذي لايلحق، هو ماكان بلفظ الكناية؛ لأنه هو الذي ليس ظاهراً في إنشاء الطلاق". (الدر المختارمع رد المحتار: ۳/۳۰۸، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۴، باب الكنايات، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "الصريح يلحق الصريح والبائن". (الدرالمختار: ۳/۳۰۶، باب الكنايات، سعيد) .... =

دوسرے سے بائن تو تیسری طلاق صریح بھی واقع ہوکر مغلظہ ہوجائے گی (۱)۔ اگر پہلے دونوں لفظوں سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی تو صرف تیسری طلاق صریح واقع ہوئی۔ اگر پہلے لفظ سے صریح واقع ہوئی، دوسرے سے کچھ نہیں تو تیسری بھی صریح واقع ہوجائے گی۔ صرف اخیر کی دونوں صورتوں میں عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہے۔

یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب کہ زوجہ کے مطالبہ کے جواب میں یہ خط نہ ہو، اگر مطالبۂ زوجہ کے جواب میں یہ خط ہو تو پہلے لفظ سے صریح واقع ہوگئی اگر وہاں کے عرف میں صریح ہے، اور دوسرے سے بائن، ورنہ پہلے ہی لفظ سے قضاءً بائن ہوجائے گی نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ مذاکرۂ طلاق کے وقت نیت کی ایسے الفاظ میں حاجت نہیں ہوتی:

"ونحو: اعتدی واستبرئ رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، اختاری، أمرك بيدك، سرحتك، فارقتك، لايحتمل السب والرد .... وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الأول فقط، ويقع بالأخيرين، وإن لم ينو". درمختار علی رد المحتار: ۲/۴٦٥(۲)۔ "وفی حال مذاكرة الطلاق لم يصدق فيما يصلح جوابًا، ولا يصلح ردًا فی القضاء". هدایه: ۲/۳۵٤(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

لفظ "آزاد" سے طلاق تحریری

سوال[۲۲۴۴]: ایک شخص کے ایک لڑکا اور دو لڑکی اور ایک بیوی ہے، چھوٹی لڑکی کو اس کی بیوی نے

= (وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، الفصل الخامس فی الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، باب الكنايات، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۱) (راجع، ص: ۶۲۱، رقم الحاشية: ۴)

(۲) (الدر المختار: ۳/۳۰۰، ۳۰۲، باب الكنايات، سعيد)

(۳) (الهداية: ۲/۳۷۴، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، شركت علميه، ملتان)

اپنی ہمشیرہ کو نومہینہ کی لڑکی تھی جو دیدی تھی اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا اس کے پاس موجود ہے، گھر کا کام وغیرہ مرد کے کہنے کے مطابق نہیں کرتے اور نہ اپنے گھر پڑھانے کا شوق، بلکہ دو دفعہ اپنی والدہ کے یہاں جا کر اپنا زیور دے آئی۔ ایک دفعہ تو اس کا شوہر جا کر اپنے پاس سے روپیہ دے کر چھڑا لے آیا اور دوبارہ کا زیور نہیں چھڑا گیا ہے، کیونکہ اس کے بھائی نے اس کو فروخت کر دیا، اسے شوہر نے ہر چند سمجھایا، مگر اس کو بالکل اثر نہ ہوا۔

ساڑھے تین ماہ ہوئے جو وہ لڑکی کو ہمراہ لے کر اپنی والدہ کے پاس گئی، مگر جب مجبور ہو گیا سمجھا تا ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد اس کی والدہ کو ایک خط لکھا، دل میں تو یہ خیال کہ میں طلاق دے چکا ہوں اور عبارت میں تحریر کیا کہ: ''میں نے ہر چند سمجھایا مگر اس کو ایک کا بھی اثر نہ ہوا، ''اب میں خوشی سے اس کو تین دفعہ آزاد کر چکا ہوں'' جو اس کی مرضی چاہے کرے، میرے ذمہ کوئی اس کا بوجھ بار نہ ہوگا اور نہ میرے ذمہ کوئی اس کا فرض باقی رہا اور لڑکی اگر آپ کی خوشی ہو تو یہاں بھیجدو، چاہے تم وہاں پر رکھ لو اور اگر لڑکی تم وہاں پر رکھو اور اس کی کار خیر کرو تو جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا، میں بھی خدمت کروں گا''۔ اور لڑکا مرد کے پاس ہے جو پڑھتا ہے۔ اب یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ خلاصہ طور سے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرمائیں۔ فقط۔

محمد یامین، محلہ نوٹانی سرائے، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ شخص اس تحریر کا اقرار کرتا ہے تو شرعاً تین طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے رکھنا درست نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب الطلاق بالكتابة قبيل باب الصريح: ۳/ ۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه: ۳/ ۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

"وإن كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أولم ينو......... بأن كتب: أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق". (ردالمحتار: ۳/ ۲۴۶، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد) =

لاعلمی میں طلاق نامہ پر انگوٹھا لگانا

سوال[۶۲۴۵]: زید نے ہندہ سے اس شرط پر شادی کی کہ اپنی بہن کی شادی ہندہ کے عزیزوں میں کردونگا، نکاح کے بعد ہندہ کے عزیزوں کی درخواست شادی پر زید نے جواب نہیں دیا اور ہندہ کے عزیزوں نے ہندہ کو روک لیا۔ ہندہ اور زید میں کبھی یکجائی نہیں ہوئی اور طلاق کے ملتجی ہوئے، آخر ایک سال کے بعد زید نے طلاق کی تحریر دیدی، زید لاعلم ہے اس کو نہیں معلوم کہ کس طلاق کی تحریر ہے، بس اس کو انگوٹھا لگوالیا گیا، پھر زید وہندہ کی ملاقات ہوئی، طلاق پر ہندہ نے افسوس کیا اور زید کے ہمراہ ہولی۔ اب زید کیلئے ہندہ کو اپنی شرعی بیوی سمجھنا اور تعلقات زوجیت رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مضمون کی اطلاع پر انگوٹھا لگایا تو وہ معتبر ہے یعنی طلاقنامہ لکھ کر زید کو پورا پورا صحیح صحیح سنادیا گیا، اس کے بعد زید نے طلاق نامہ پر انگوٹھا لگایا ہے تو ہندہ پر شرعاً طلاق واقع ہوگی۔

"رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابًا بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه، وطواه، وختم، وكتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب، وأقرّ الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها". عالمگیری: ۳۹۸/۲(۱)۔

اور اگر اس طلاق نامہ میں ایک طلاق تھی تو ہندہ اس ایک طلاق سے بائن ہوگئی (۲)، اب زید وہندہ

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۸/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۴۷۱/۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار. ۲۴۷/۳، مطلب الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في التاتار خانية: ۳۸۰/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثًا، وقعن، وإن فرق بانت بالأولىٰ". (الدرالمختار: ۲۸۴/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

"وعلى هذا الأصل خرج عدد الطلاق قبل الدخول، إنه إن أوقع مجتمعاً، يقع الكل، وإن أوقع متفرقاً، لايقع إلاالأول". (بدائع الصنائع: ۲۹۸/۴، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دارالكتب العلمية، بيروت)

اگر راضی ہوجائیں تو موافق شرع ان کا نکاح صحیح ہے(۱)۔ اور اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں تھیں مثلاً یہ لکھا کہ ’’میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی‘‘ تو اب زید کا نکاح ہندہ سے بلا حلالہ صحیح نہیں۔ اور اگر تین طلاقیں تین لفظوں سے تھیں تب ایک طلاق ہوئی اور بلا حلالہ نکاح صحیح ہے۔

”إذا طلق الرجل امرأته ثلثاً قبل الدخول، وقعن عليها، فإن فرق الطلاق، بانت بالأولى، ولم تقع الثانية والثالثة“. عالمگیری: ۲/۱ ۳۹(۲)۔

اور اگر زید کو تحریر سنائی نہیں گئی لیکن اس کی رضامندی سے لکھی گئی اور اس کو یہ معلوم ہے کہ اس میں طلاق ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیسی طلاق ہے تب بھی ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف۔ بندہ عبد الرحمٰن عفی عنہ، ۱۹/محرم الحرام/۱۳۵۲ھ۔

سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق

سوال[۶۲۴۶]: کسی شخص کو طلاق دینے کیلئے چند مدت تک منت ماجرہ کرتے رہے، آخر الامر بصد مشکل اقرار طلاق کا کرتے ہوئے انگوٹھا طلاق کا لگادیا اور زبانی طلاق کوئی نہیں کی گئی اور بوجۂ قلتِ وقت کے مضمون بالاطلاق وغیرہ کا نہیں تحریر کیا گیا، اس وجہ سے کہ اس علاقہ میں عام طور سے ناخواندہ لوگ ہیں، اور محرر صاحب طالق اور گواہوں سے انگوٹھا لگوا کر چلے گئے۔ اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نیز تاہنوز محرر مذکور نے تحریری کاروائی نہیں کی اور اس نے اس وقت کہا تھا کہ میں تحریر کردوں گا، اس وقت تک غیر مرقوم ہے۔ تفصیل سے بیان کیجئے، اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زبان سے نہ طلاق دی، نہ زبان سے طلاق کا اقرار کیا، بلکہ محض ایک سادے کاغذ پر انگوٹھا لگادیا تو

---

(۱) ”وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة، وبعدها بالإجماع“. (الدر المختار: ۴۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۲/۱، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۳/۱، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔ اگر زبان سے اپنی زوجہ کو طلاق دی ہے، یا زبان سے طلاق کا اقرار کیا ہے، یا محرر سے یوں کہا ہے کہ تو طلاق نامہ تحریر کردے، اور میری طرف سے طلاق لکھ دے تو ان سب صورتوں میں طلاق واقع ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۳ھ۔

سادہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق

سوال[۶۲۴۷]: ایک شخص اپنی بیوی مسماۃ خدیجہ کو بوجہ تنازع زیور، روبرو پنچایت طلاق تین مرتبہ دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اب میرا تعلق تم سے کوئی نہیں، وہ یہ تحریر اسٹامپ کاغذ پر بموجب قانونِ گورنمنٹ طلاق نامہ تحریر نہیں کرتا بلکہ بجائے اس کے ایک سادہ کاغذ پر روبروئے گواہان مسلمان سترہ اشخاص تحریر کرا کر اپنا انگوٹھا لگاتا ہے۔ کیا شرع شریف میں سادہ کاغذ پر طلاق تحریر کرنے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً زبان سے کہنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے خواہ تحریر کرے یا نہ، تحریر پر موقوف نہیں رہتی (۳)،

---

(۱) "كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه، لايقع به الطلاق إذا لم يقرّ أنه كتابه، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، فصل الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳۸۰/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لو قال للكاتب: أكتب طلاق امرأتي، كان إقراراً بالطلاق، وإن لم يكتب. وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق ما لم يقرّ أنه كتابه". (ردالمحتار: ۲۴۶/۳، ۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

"وفي الظهيرية: لو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان هذا إقراراً بالطلاق، كتب أو لم يكتب".

(الفتاویٰ التاتارخانية: ۳۷۹/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وركنه (أي الطلاق) لفظ مخصوص". (الدرالمختار). "هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار: ۲۳۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، رشيديه) .... =

پھر سادہ کاغذ پر تحریر کرے یا اسٹامپ پر، بہر صورت طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ پس اگر اس شخص نے زبان سے تین مرتبہ طلاق دی ہے یا کم از کم دو مرتبہ دی ہے، سادہ کاغذ پر تین مرتبہ طلاق تحریر کردی ہے تو شرعاً تین طلاق واقع ہوگئیں اگرچہ اسٹامپ پر لکھ کر نہ دیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۱۲/۵۹ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/۱۲/۵۹ ۱۳ھ۔

سادہ کاغذ پر دستخط بیکار ہیں

سوال[۶۲۴۸]: زید کی اپنے چچازاد بھائی سے عرصہ دس سال سے مخالفت ہے، اس مخالف بھائی نے ایک روز زید کے مکان پر آکر زید کو مارا اور چاقو دکھلا کر حملہ کیا، تین شخص اور موجود ہیں، انہوں نے پکڑ کر چاقو چھین لیا۔ حملہ آور نے زید سے کہا کہ ہماری ناراضی تمہاری عورت کی وجہ سے ہے، لہٰذا تم اپنی عورت کو طلاق دے دو۔ زید طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، عورت بھی اس پر ناراضی تھی کہ اس کو طلاق دی جائے، اپنی بے عزتی کی وجہ سے مکان میں بند تھی اور وہ کسی صورت سے طلاق نہیں چاہتی تھی۔

زید کے مخالف بھائی نے زید کو دہشت دلا کر جبریہ طور پر زید کو اسی وقت مجبور کرکے طلاق دلائی، زید نے بوجہِ خوف کے طلاق دی اور جانبین کی تحریر سادے کاغذ پر لکھا کر اپنے پاس رکھ لیں، زید اور عورت کو نہیں دی۔ زید کو اور ان عورت کو اس واقعہ کا صدمہ ہے، اس وقت سے اب تک آمادہ ہیں کہ اگر شریعت اجازت دے تو وہ ایک جگہ ہوجائیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبردستی اور بلانیت صریح الفاظ سے طلاق دلانے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر زید نے زبان سے طلاق دی ہے، یا طلاق کے لکھنے کا حکم کیا ہے، یا اس کو سن کر بلا جبر دستخط کردیئے ہیں تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی، لیکن یہ بات کہ کتنی طلاق ہوئیں اور اب دونوں بلا نکاح ایک جگہ رہ سکتے ہیں یا نہیں، طلاق کی تحریر دیکھنے

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۴۳/۳، كتاب الطلاق، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

کے بعد معلوم ہوسکتی ہے، وہ تحریر بھیج کر دریافت کرلیا جائے:"وطلاق المکره واقع". هدایه: ۲/۳۳۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶۱/۲/۱۱ھ۔

پرچہ پر تین طلاق لکھ کر جلا دیا، یا پھاڑ دیا

سوال[۶۲۴۹]: زید کی لڑائی والدہ سے ہوئی، اس کی وجہ سے زید نے ایک کاغذ پر تین مرتبہ طلاق لکھ کر اپنی ماں کو دیا، ماں نے اس کو جلتے ہوئے چولھے میں ڈال دیا، مہینے دو مہینے کے بعد زید نے کانپور سے فتویٰ منگایا کہ "میں ایک کاغذ پر تین دفعہ اپنی بیوی کے بارے میں طلاق لکھ چکا ہوں" اس عبارت کا جواب کانپور سے ملا کہ طلاق ہوچکی ہے۔ زید کے خسر کو جب معلوم ہوا تو وہ لڑکی کو لینے کے لئے آئے، تب زید نے اپنے خسر صاحب سے دو آدمیوں کے سامنے کہا کہ "ابا جان! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، میں طلاق دے چکا ہوں" مگر میں سوچ رہا ہوں کہ سب ٹھیک ہوجائے گا، زید کے خسر صاحب واپس چلے گئے۔

زید کے باپ بکر نے کئی آدمیوں سے کہا کہ زید کی بیوی کا نکاح زید کے بھائی سے کردوں، چند دن بعد زید کا بھائی طلاق دیدے گا، پھر زید کے ساتھ نکاح کردونگا، اس عرصہ میں زید کا خسر لڑکی کو لینے کیلئے پھر آگیا،

---

(۱) (الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، فصل: ۲/۳۵۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديراً، بدائع، ليدخل السكران ولو عبداً أو مكرهاً، فإن طلاقه صحيح لا إقراره بالطلاق". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فإن طلاقه صحيح): أي طلاق المكره". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب: في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق: ۳/۲۳۵، سعيد)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولومكرَهاً): اى ولو كان الزوج مكرهاً على إنشاء الطلاق لفظاً خلافاً للأئمة الثلاثة؛ لحديث. "رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه". ولنا ما أخرجه الحاكم وصححه: "ثلاث جدهن جد" كما قدمناه. وما رووه من باب المقتضى ولا عموم له، فلا يجوز تقدير لحكم الشامل لحكم الدنيا والآخرة وهو المؤاخذة مراد، فلا يراد الآخرة معه وإلا يلزم عمومه". (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۸، رشيديه)

اور چار معزز آدمیوں کے کہنے سے زید نے لڑکی کو باپ کے ساتھ بھیج دیا۔

چار دن کے بعد زید کے خسر نے برادری کی پنچایت کمیٹی میں اس مسئلہ کو دکھلایا کہ میں نے جو جہیز وغیرہ دیا تھا وہ ہمیں ملنا چاہیئے، کمیٹی کے لوگوں نے زید اور زید کے والد بکر کو کمیٹی میں بلایا، جب زید اور بکر سے اس مسئلہ پر بات کی تو زید کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، میں نے جو پرچہ ماں کو دیا تھا اس میں یہ بات تحریر تھی کہ ''ماں! اگر تم مجھ سے لڑوگی تو میں طلاق دیدونگا، طلاق دے دوں گا، طلاق دے دونگا اپنی بیوی کو''۔ پھر زید سے دریافت کیا گیا کہ وہ فتویٰ جو تم نے کانپور سے منگایا تھا وہ دکھلا دو، تو زید جواب دیتا ہے کہ وہ فتویٰ جو میں نے کانپور سے منگایا تھا، اس میں عبارت غلط تحریر ہوگئی تھی اس لئے اس کا جواب طلاق میں آ گیا تھا، زید نے جب کہا کہ میں نے اسے پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ ایسی حالت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ اقرار ہے کہ ''ابا جان! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، میں طلاق دے چکا ہوں'' اس میں یہ نہیں ہے کہ ''میں طلاق دیدونگا'' ادھر فتویٰ بھی آ چکا ہے کہ طلاق ہو چکی۔ زید کے والد کا یہ کہنا کہ: زید نے طلاق دیدی ہے، میں سوچ رہا ہوں کہ زید کی بیوی کا نکاح زید کے بھائی سے کردوں الخ اس سب کے بعد زید کا طلاق سے انکار کرنا شرعاً معتبر نہیں، اس کو لازم ہے کہ مطلقہ بیوی کا جہیز واپس کردے (۱)۔

بیوی عدت تین ماہواری گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنے کی حقدار ہے (۲)، زید سے بغیر حلالہ کے

---

(۱) "قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ: إذا اختلف الزوجان في متاع موضوع في البيت الذي كانا يسكنان فيه حال قيام النكاح، أو بعد ما وقعت الفرقة بفعل من الزوج، أو من المرأة، فما يكون للنساء عادةً كالدرع والخمار والمغازل والصندوق وما أشبه ذلك، فهو للمرأة، إلا أن يقيم الزوج البينة على ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۲۹، باب المهر، الفصل السابع عشر في اختلاف الزوجين في متاع البيت، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۰۱، باب المهر، فصل في اختلاف الزوجين في متاع البيت، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/ ۵۸۵، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلاجهاز، سعيد)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرة، =

نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں (۱)۔ اس پرچہ پر زید نے طلاق لکھ کر والدہ کی خدمت میں پیش کیا، اس کو والدہ محترمہ نے چولھے میں جھونک دیا، مگر اس سے طلاق نہیں جلی، وہ بیوی پر باقی رہی۔ اور جس فتوے میں طلاق کا حکم آیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ بیوی حرام ہوگئی، اس کو والد بزرگوار نے پھاڑ کر پھینک دیا تھا، مگر اس سے بھی طلاق کا حکم نہیں پھینکا، وہ باقی ہے، جیسے اگر نکاح نامہ کو پھاڑ دیا جائے یا جلا دیا جائے تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوجاتا وہ باقی رہتا ہے، بیوی بیوی ہی رہتی ہے، اور حلال رہتی ہے، غیر ہو کر حرام نہیں ہوجاتی اسی طرح طلاق کی تحریر کو جلا دینے سے اور فتوے کو پھاڑ کر پھینک دینے سے طلاق ختم نہیں ہوجاتی اور طلاق کی وجہ سے بیوی اجنبی اور حرام ہو چکی تھی وہ حلال نہیں ہوجاتی اور طلاق یا نکاح کسی تحریر پر موقوف بھی نہیں، اس لئے تحریر کا باقی رہنا اور جلا دینا اس پر اثر انداز نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۵/۱۳۹۰ھ۔

= ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۲۲، باب العدة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۰۴، ۵۰۵ باب العدة، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان .... فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره﴾ الآية. (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلثًا في الحرة أوثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الهداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(۲) "ثم المرسومة لاتخلو: إما إن أرسل الطلاق بأن كتب: أمابعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الباب الثاني، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۶، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد) .... =

تحریر سے بلا اقرار وشہادت طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۲۵۰]: **الاستفتاء**: مندرجہ سوال یہ ہے کہ مسمّٰی محمد عمر کی شادی عبدالستار کی لڑکی شکیلہ سے ہوئی تھی، مسماۃ شکیلہ محمد عمر کے یہاں رہتی رہی، ایک مرتبہ باپ کے گھر آئی تو عبدالستار نے بالکل روک لیا، اور یہ بات اڑادی کہ محمد عمر نے طلاق کا پرچہ روانہ کردیا ہے، پنچایت ہوئی سب کو بلایا، مگر محمد عمر حاضر ہوا، لیکن عبد الستار حاضر نہیں ہوا، محمد عمر نے کہا کہ میں نے کوئی پرچہ طلاق کا نہیں روانہ کیا۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں، جبکہ پرچہ سامنے ہی نہیں لایا گیا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک شکیلہ کے شوہر محمد عمر کو اپنی تحریر کا اقرار نہ ہو، نہ اس پر شرعی شہادت موجود ہو تو عبدالستار کی اس بے بنیاد بات سے طلاق واقع نہیں ہوگی، نکاح بدستور قائم رہے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

طلاق نامہ

سوال[۶۲۵۱]: مندرجہ ذیل طلاقنامہ سے کونسی طلاق ہوئی اور کتنی طلاق واقع ہوئی؟ کیا بغیر حلالہ کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ طلاقنامہ یہ ہے:

''میرے اور تمہارے درمیان بطور گڈے گڈیوں کے ایک کھیل کے جو رشتۂ مناکحت میرے اور تمہارے والدین نے اب سے چھبیس برس پہلے جبکہ میری عمر اکیس سال کی تھی اور تمہاری عمر ۲۰/ سال کی تھی

= (وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲/ ۹۱، كتاب الطلاق، الفصل الأول في صريح الطلاق، وما يتصل بهذا مسائل كناية الطلاق، امجد اكيڈمی لاهور)

(۱) "وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه". (ردالمحتار: ۳/ ۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

قائم کر دیا تھا، لیکن تم نے اس تمام عرصہ میں خود کو ازدواجی زندگی کی تمام پابندیوں سے آزاد رکھا اور اس عرصہ میں تم نے کبھی بھی یہ سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی ہو، اس طویل عرصہ میں تم نے بحیثیت زن وشوہر خاطر خواہ ملاقات کا موقع بھی نہیں دیا۔

اس صورت حال سے مجبور ہو کر جیسا کہ تمہیں علم ہے عرصہ ہوا کہ میں طلاق بائن کی صورت میں رشتۂ مناکحت کو ختم کر چکا ہوں، مگر مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی تعجب ہوا کہ تم نے اس ڈرامائی رشتۂ مناکحت پر پردہ ڈال رکھا ہے جیسا کہ میرے اور تمہارے درمیان زن وشوہر کا رشتہ ہنوز قائم ہے۔

یہ صورت حال چونکہ واقع کے خلاف ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں اس سے زیادہ ناگوار حالات اور مزید تکلیف دہ واقعات پیدا ہو جائیں، اس لئے میں اس تحریر کے ذریعہ پھر اس امر کا اعادہ کرتا ہوں کہ ''ایک طلاق تم کو دے چکا ہوں'' اور تم کو اس پر اطلاع نہیں ہے، اس وقت سے بحیثیت ایک شوہر میرے اوپر تمہاری کوئی شرعی اور قانونی ذمہ داری نہیں ہے اور تمہارا کوئی قانونی حق میرے اس تمام عرصہ میں نہیں ہے۔ تم اگرچہ عملاً آزاد رہی ہو اور تم نے خود کو یہ نہیں سمجھا کہ تم میری بیوی ہو لیکن شرعاً اور قانوناً بالکل آزاد ہو، اور اپنے فعل کی خود مختار ہو جس طرح چاہو اپنی زندگی گذارو، مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں ہے'' (۱)۔

از: محمد نعیم بنام زیتون بی بی مطلقۂ محمد نعیم، ۱۸/ مارچ/ ۱۹۷۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اگر دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح درست ہوسکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۳۸۹ھ۔

---

(۱) ''قال: لها أنت بائن، ونوى ثنتين، كانت واحدة، حتى لونوى الثلاث، تقع''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۸، كتاب الطلاق، باب الكنايات، بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۳۰۳، باب الكنايات، سعيد)

(۲) ''وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها''. (الفتاوىٰ =

طلاقنامہ میں ''طلاج'' لکھنے سے طلاق ہوگی یا نہیں

سوال[۶۲۵۲]: ایک عورت مرض میں مبتلا تھی اس کے شوہر نے دوتین ڈاکٹر سے علاج کرایا اور اس کا خرچہ بھی دیا، لیکن بیوی کا باپ اس کی تنگ دستی کی وجہ سے اپنے ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں بہار جانے کا ارادہ کر کے وہاں جا کر مکان کیلئے دوسو روپے پیشگی بھی دیا، بیوی کی ماں اور باپ نے اور بھائی نے یہ بات بھی کہی کہ کچھ روپیہ پیسہ بھی لگ جائے تو خاوند سے طلاق لے لینا چاہیئے، ورنہ ہمارا دل پریشان رہے گا اور آمدورفت کے خرچہ میں بھی پریشانی رہے گی۔ ایک روز اتفاقاً خاوند خسر کے مکان پر بیوی کو دیکھنے کیلئے گیا تو اس کی بیوی کے بھائی نے بری بھلی بات کہی، اس کے بعد خاوند واپس آگیا اور چند روز کے بعد خاوند نے اپنی زوجہ کے پاس خط لکھا جس میں یہ لکھا:

''البتہ میں کبھی تجھ کو نہ چھوڑوں گا جب تک زندہ رہوں گا، لیکن اس دن کی گفتگو سے دل بہت پریشان ہے، اس وقت اگر تیری طبیعت اچھی ہے تو چلی آ، ورنہ اسباب وغیرہ کون رکھے گا، لیجاؤ، ''یہاں تک کئی بار میں نے طلاج دیا لیکن کچھ نہیں ہوا یہ قصور بھی میرا جو کچھ قصور ہے تمہارا ہے۔''

یعنی ''طلاج'' سے مراد علاج مراد لیا، اور ''کچھ نہیں ہوا'' کہ آرام نہیں ہوا، ''قصور'' سے مطلب ''احتیاط نہیں کرتی، جو کچھ پاتی ہے کھاتی ہے''۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ لفظ ''طلاج'' اور اول وآخر عبارت سے طلاق نہیں ہوتی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ طلاق ہوتی ہے اور یہ عبارت اسی خط کی نقل ہے وہ خط لے کر زوجہ کے پاس گیا، پس مقدمہ شروع کر دیا، اس میں بھی خاوند کا دوسو روپیہ خرچ ہوا۔ اب شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد امیر الدین میاں از ڈھاکہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لفظ کہ ''میں نے طلاج دیا'' نہ صریح ہے نہ کنایہ، لہٰذا اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی (۱)، مگر اصل

= العالمكيرية: ۴۷۲/۱، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۲/۳، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۴۰۹/۳، باب الرجعة، سعيد)

(۱) "وركنه لفظ مخصوص، هو ماجُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار مع =

عبارت بنگلہ زبان کی ہے، یہاں متعدد لوگوں سے پڑھوایا، بعض نے ایسا ہی پڑھا ہے، یعنی ''طلاج'' اور بعض نے صاف طلاق پڑھا ہے، نیز چند جملے آگے بھی نہیں پڑھے گئے جن کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یہاں پڑھنے والے نے پڑھا ہے کہ ''تم عورت ہو تمہیں شوہر بہت مل جائیں گے مشکل تو اپنی ہے کہ میں مر رہا ہوں'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ہی مقصود ہے۔ نیز ایک پڑھنے والے نے اس بنگلہ تحریر کو دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو طلاقنامہ ہے، جس میں شوہر نے صاف صاف طلاق دی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص اصل عبارت کو پڑھ سکتا ہو اور اس کے مطلب کو صحیح طور پر سمجھ سکتا ہو اور فقہ وافتاء سے بخوبی واقف ہو، اس سے دریافت کیا جائے، یا پوری عبارت کا صحیح ترجمہ لکھ کر استفتاء کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۳/۱۳۶۰ھ۔

مناسب یہی ہے کہ ایسی صورت میں علمائے بنگال کی طرف رجوع کیا جائے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۳/۱۳۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ربیع الاول/۱۳۶۰ھ۔

فرضی طلاق نامہ

سوال [۶۲۵۳]: ا...... ہندہ کا نکاح زید سے ایک عرصہ قبل ہوا اور اس سے تین لڑکیاں بھی ہیں، مگر ہندہ کے شوہرِ اول بکر نے ہندہ کو طلاق نہیں دی، بلکہ نزاعات اور بکر کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے وہ علیحدہ رہی، دریں حالت ہندہ اور زید کے بعض رشتہ دار نے بکر کا فرضی طلاقنامہ مرتب کر کے زید سے نکاح کرا دیا۔ کیا یہ نکاح درست ہو سکتا ہے؟ طلاق نامہ فرضی تحریر کردہ تلف ہو چکا ہے، مگر اس واقعہ کے بعد گواہان مرتب کنندہ طلاقنامہ کا حلفیہ بیان منسلک ہے۔

حلفیہ طلاقنامہ: خدائے بزرگ عظیم کو حاضر ناظر جان کر اظہار کرتا ہوں کہ محبوب علی نے اپنی بیوی کو تقریباً ایک سال قبل طلاق نہیں دی تھی، جو طلاق نامہ میں لکھوا کر لایا تھا وہ فرضی اور میرا اپنا بنایا ہوا تھا، اس پر جس

= الدر المختار: ۳/۲۳۰، کتاب الطلاق، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۸، کتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۲۰، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

کی گواہی تھی وہ بھی اس سے واقف نہیں اور میرے اس گناہ میں شریک نہیں، میں اپنے پچھلے اگلے گناہ کا اقرار اور خدائے قدوس سے معافی کا طلبگار ہوتے ہوئے حلفاً یہ بیان لکھ رہا ہوں"۔

۲...... بد ہندہ کو دیگر نزاع کے سلسلے میں بحالتِ غصہ طلاقِ بائن دے چکا ہے اور اپنی حرکت پر شرمندہ ہے، بکر کے فرضی طلاقنامہ پر اگر نکاح درست نہیں ہوسکتا تو کیا طلاق واقع ہوسکتی ہے؟ اور کیا زید ہندہ اب تائب ہوکر جدید نکاح کرکے رشتۂ ازدواج قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۳...... واقعۂ طلاق زید کے بعد یہ گواہان اور مرتب کنندہ طلاق نامہ اور اس کی طلاق کی فرضیت ظاہر کررہے ہیں، سبب کسی نے ذکر نہیں کیا، بلکہ وجہ لاعلمی و جہالت بتاتے ہیں، واقعۂ طلاق نامہ کے فرضی ہونے کا دیگر ذرائع سے بھی اطمینان کریں کہ زید سے ہندہ کے عقد کے بعد ہندہ کا مطالبہ کرتے ہوئے جھگڑا کیا تھا اور اب بکر کا انتقال ہوکر بھی ۶، ۷/ سال گذر چکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرضی (جھوٹا) طلاق نامہ مرتب کرنا ایسا گناہ ہے جس کو سب جانتے ہیں، یہ لوگ نکاحِ ثانی کے وقت خاموش رہے بلکہ اس میں مُعین رہے، اب ان کا عذرِ جہالت ہرگز معتبر نہیں، اگر طلاقنامہ کو فرضی قرار دے کر نکاحِ ثانی کو ناجائز کہا جائے تو تین لڑکیاں جو اسی نکاح سے پیدا ہوچکی ہیں ان کو کیا کہا جائے گا۔ اب طلاقِ مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا (۱)، ہاں اگر طلاقِ مغلظہ نہ دی ہو بلکہ بائن غیر مغلظہ دی ہو تو طرفین کی اجازت سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"قال النبي صلى الله عليه وسلم لامرأة رفاعة القرظي رضي الله عنها: "لا، حتى تذوقي عسيلته، ويذوق عسيلتك". (صحيح البخاري: ۲/ ۸۰۱، كتاب الطلاق، باب: إذا طلقها ثلاثًا، ثم تزوجت بعد العدة زوجًا غيره، فلم يمسها، قديمي)

(۲) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۲، فصل فيماتحل به المطلقة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۱۷۶، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

طلاق نامہ شوہر نے خودر کھ لیا

سوال[۱۲۵۴]: سائلہ کا نکاح پاکو سے ہوا، چار سال ہوگئے نکاح کے بعد دستور کے مطابق جب میں اپنے شوہر کے گھر گئی تو پاکو میرے پاس نہیں آیا اور نہ مجھ سے ہم کلام ہوا۔ اس کے گھر میں تین چار مہینہ رہی، اس کی بے رُخی دیکھ کر ایک روز شرم کو بالائے طاق رکھ کر میں نے اس سے کہا: اگر آپ میں کسی قسم کی کمی ہو تو اپنا علاج کرا لیجئے، اس پر اس نے ظلم اور زیادتی شروع کردی، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ پاکو عورت کے بالکل ناقابل تھا۔ میں باپ کے گھر آگئی اور ساڑھے تین سال آئے ہوئے ہوگئے، اس سے میں نے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے طلاق دیدی اور کاغذ بھی لکھ دیا، لیکن اس نے چالاکی سے طلاقنامہ کا کاغذ خود ہی رکھ لیا، اس سازش میں اس کے بھائی وغیرہ شریک ہیں۔

وہ کہتے ہیں تیرا نکاح ہم اپنی مرضی سے کریں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ سے روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، میں اپنی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسی صورت میں مسئلۂ خلع کے ذریعہ کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کرانے کی مُجاز ہوسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی صورت میں آپ اپنے والدین کے مشورہ سے اپنا نکاح دوسری جگہ کرنے کا حق رکھتی ہیں(۱)، مگر اس کا انتظام کرلیں کہ مسمّیٰ پاکو آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کرسکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: شرعاً آپ دوسری جگہ نکاح کرنے کی مُجاز ہیں۔ واللہ اعلم۔

سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وان كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أولم ينو". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۷۲، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۶، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

طلاقنامہ وصول نہیں کیا

سوال[۶۲۵۵]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاقنامہ لکھ کر بھیجدے اور وہ وصول نہ کرے تو کیا بغیر اس کے علم کے طلاق ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طلاقنامہ میں یہ قید نہیں تھی کہ بیوی کو پہنچ جائے تب طلاق ہے، تو طلاقنامہ لکھتے ہی طلاق ہوگئی، بیوی کو علم ہو یا نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۴/۱۳۹۱ھ۔

شوہر کی اطلاع کے بغیر طلاقنامہ اخبار میں شائع کرنا

سوال[۶۲۵۶]: مسمی محمد عثمان کی شادی کے کچھ دنوں بعد اختلافات شروع ہوگئے، لیکن یہ اختلاف اس درجہ نہیں تھے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا، لیکن میں اس کو تنبیہ کرنا چاہتا تھا، ایک روز میں نے اپنے دوست سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دینا چاہتا ہوں، اس پر میرے دوست نے میری اطلاع کے بغیر ایک مقامی اخبار میں یہ اعلان شائع کردیا:

''منجانب محمد عثمان، تاجر گوشت حیدرآباد بنام حبیب بی بی بنت محمد صاحب مرحوم، دوسال قبل میری شادی تمہارے ساتھ ہوئی تھی، لیکن تمہاری غلط حرکات کی وجہ سے مجبوراً تنگ وعاجز آکر تم کو تین مرتبہ روبرو

---

(۱) ''(فروع) كتب الطلاق، إن مستبيناً على نحو لوح، وقع إن نوى، وقيل: مطلقاً، ولو على نحو الماء، فلا مطلقاً''. (الدرالمختار). ''وإن كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أولم ينو، ثم المرسومة لاتخلو: إما إن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. وإن علق طلاقها بمجيئ الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي، فأنت طالق، فجاء ها الكتاب، فقرأته أولم تقرأ، يقع الطلاق، كذا في الخلاصة''. (ردالمحتار: ۲۴۶/۳، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۸/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۷۷/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

گواہان کے طلاق دے چکا ہوں اور تمہارا مہر بھی ادا کر چکا ہوں اور بغرضِ اطلاع عام یہ اعلان شائع کیا جارہا ہے کہ مسماۃ حبیب بی بی میری بیوی نہیں رہی''۔

مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے بہت تعجب کیا اور اس کی تردید میں مَیں نے بھی ایک اعلان اخبار میں شائع کرایا کہ جو طلاقنامہ اخبار میں شائع کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط ہے، میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی اپنی بیوی کا مہر ادا کیا ہے۔ کیا اس دوست کی جانب سے شائع کردہ اس اعلان کی شرعاً مجھ پر ذمہ داری ہے؟ اور کیا اس کی وجہ سے میری بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ کے دوست نے بغیر آپ کے مشورہ وعلم کے طلاقنامہ آپ کی طرف سے اخبار میں شائع کردیا، اور آپ نے اس کو منظور نہیں کیا بلکہ اس کی تردید کردی ہے تو اس طلاقنامہ کی وجہ سے آپ کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی، بالکل بے فکر رہیں آپ کا نکاح بدستور قائم ہے: ''کل کتاب لم یکتبه بخطه، ولم یمله بنفسه، لایقع الطلاق مالم یقرّ أنه کتابه، الخ''. ردالمحتار: ۵۸۹/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۱۳۸۹ھ۔

طلاقنامہ پر دستخط کرنے سے طلاق

الاستفتاء [۶۲۵۷]: کیا مسماۃ ہندہ کو طلاق ہوگئی کہ اس کے باپ نے اس کے شوہر زید کو جو، اَن پڑھ، گنوار اور دینی مسائل سے ناواقف ہے، چند مسلمانوں کی پنچایت میں صحیح مضمون کے ساتھ طلاقنامہ لکھوا کر اس پر زید سے نشانی انگوٹھا لگوالیا ہے۔ اور بعد لگانے نشانی انگوٹھا زید نے اسی محفل میں کہا کہ میں طلاق ولاق نہیں جانتا، کیسا طلاق؟ اور زبان سے ایک بار بھی زید نے طلاق کا لفظ نہیں نکالا ہے۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۴۷/۳، مطلب في الطلاق بالکتابة، قبیل باب الصریح، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳۸۰/۳، الفصل السادس في إیقاع الطلاق بالکتاب، إدارة القرآن کراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کو معلوم نہیں تھا کہ اس کاغذ میں کیا لکھا ہوا ہے، محض بیوی کے باپ کے کہنے سے اس پر دستخط کردیئے اور معلوم ہونے پر کہدیا کہ میں طلاق ولاق نہیں جانتا کیسا طلاق اور زبان سے طلاق نہیں دی تو شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۱۳۸۵ھ۔

تحریر پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۸]: زید کی اپنی بیوی سے کچھ لڑائی ہوئی، اس کے بعد بیوی اپنے میکے چلی گئی، اور بعد میں سسرال والوں نے زید کو اپنے گھر بلا کر ایک تحریر پر دستخط لئے جس میں تین طلاقیں زید کی طرف سے کسی نے زید کی عدم موجودگی میں تحریر کردی تھیں، اور تحریر کرتے وقت زید نے تحریر کو پڑھا کہ ہاں اس میں میری طرف سے تین طلاقیں تحریر ہیں تو کیا طلاق پڑگئی، اور اگر پڑگئی تو کونسی طلاق پڑی ہے؟ تحریر پر دستخط کراتے وقت زوجین موجود تھے۔ تو کیا دونوں کی موجودگی میں تحریر کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بیوی سامنے موجود ہو اور شوہر زبان سے کچھ نہ کہے حالانکہ وہ زبانی طلاق دینے پر قادر ہے: اخرس یا معتقل اللسان نہیں ہے اور طلاق کی تحریر لکھ دے، یا لکھی ہوئی تحریر پر دستخط کردے تو اس سے طلاق نہیں ہوئی (۲)، درمختار میں کتاب الخنثیٰ کے بعد کتاب الفرائض سے پہلے مسائل شتیٰ کے ذیل میں لکھا ہے:

"إيماء الأخرس وكتابته كالبيان، بخلاف معتقل اللسان في وصية ونكاح وطلاق" (۳).

---

(۱) "وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه". (ردالمحتار ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) واضح رہے کہ غیر مستبین تحریر سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لیکن سوال میں مذکور جس تحریر کا تذکرہ ہے وہ مستبین ہے اسی لئے اس صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، مزید تفصیل کے لئے اس جلد کا صفحہ نمبر ۵۹۳، حاشیہ نمبر: ۲، دیکھئے۔

(۳) (ردالمحتار: ۶/۷۳۷، مسائل شتى، قبيل كتاب الفرائض، سعيد)

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے کتابت کی اقسام اور سب کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر، اهـ". ردالمحتار: ٥/٦٤٥۔

"غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، احکامِ کتابت میں ہے: "الكتابة من الغائب جعل كالخطاب من الحاضر، اهـ". الأشباه، ص: ٥٢٨(١)، اس کے متعدد جزئیات بیان کئے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۹ھ۔

کیا طلاقنامہ کا پڑھنا ضروری ہے؟

سوال[٢٢٥٩]: فتاویٰ عالمگیری اور شامی میں یہ عبارت تحریر ہے: "فيه أيضاً: رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه، وطواه، وختم، وكتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب، وأقرّ الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها". فتاوى عالمگيرى: مصرى ص: ٤٠٤(٢)۔

اس میں قرأت على الزوج کی قید احترازی ہے یا اتفاقی، اگر کاتب نے طلاقنامہ لکھ کر طلاق لکھوانے والے کو نہیں سنوایا اور اس کا انگوٹھا لگوا کر عورت کو کاغذ دیدیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس کے جواب میں استشہاداً اور بھی عبارت تحریر فرمائیں تو موجب شکریہ کا ہوگا جس سے یہ ثابت ہو کہ قید احترازی ہے اتفاقی نہیں۔

معرفت مولوی بصیرالدین۔

الجواب وهو الموفق للصواب حامداًومصلياً:

"قراءة على الزوج" کی قید تو سب کتابوں میں ہے لیکن عدمِ قرأۃ علی الزوج کا حکم صورت مسئولہ کے متعلق کسی کتاب میں مصرح نہیں ملا، جزئیاتِ مختلفہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ قرأت سے مقصود علمِ زوج ہے یعنی

---

(١) (الأشباه والنظائر مع شرحه غمز عيون البصائر، الفن الثالث، أحكام الكتابة: ٣/٤٤٧، إدارة القرآن كراچى)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٧٩، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

زوج اپنے علم اور نیت کے اعتبار سے جس طرح طلاق دینا چاہتا ہے اگر اسی طرح کاتب نے تحریر کیا ہے تب تو یہ طلاق نامہ معتبر ہے۔ اگر اس کے خلاف تحریر کیا ہے تو بغیر قرأت علی الزوج معتبر نہ ہوگا اور زوج کو حق ہوگا کہ اپنی نیت کے ماتحت جس قید کے ساتھ مقید کرنا چاہے، مقید کردے، فصل مانع من إلحاق القید نہ ہوگا، عبارات ملاحظہ ہوں، عالمگیری کے اسی صفحہ پر ہے:

"ولو قال لآخر: اکتب إلى امرأتي كتاباً: إن خرجتِ من منزلك، فأنت طالق، فكتب، فخرجت المرأة بعد ما كتب قبل قراء ته عليه، وبعث به إلى المرأة، لم تطلق بالخروج الأول. وكذا لو كتب الكتاب على هذا، فلما قرأه على الزوج، قال للكاتب: قد شرطت إن خرجت إلى شهر أو بعد شهر، كان إلحاق هذا الشرط جائزاً، وذكره في الجامع، كذا في محيط السرخسي"(۱)۔

پہلے مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی حالانکہ خروج کتابت کے بعد ہوا ہے اور قبل القراء ة علی الزوج ہوا ہے۔ اگر عدمِ وقوعِ طلاق عدمِ قراءت کی بناء پر ہے تو اس کی بھی تصریح نہیں کہ بعد میں قراءت ہوئی، پھر خروج کے ساتھ اول کی قید بھی نہیں، پس خروج سے بھی طلاق واقع نہ ہونی چاہیئے۔ اگر عدمِ وقوعِ طلاق اس بناء پر ہے کہ خروج بعد کتابت ہوا ہے لیکن قبل البعث إلى المرأة ہوا ہے تو قبل قراء ة علیه کی قید تو ہوگی۔ غرض اس سے کوئی بات منقح نہیں ہوتی۔

دوسرے مسئلہ میں قرأة علی الزوج کے بعد زوج کو الحاقِ شرط کا اختیار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود علم اور نیت کے ساتھ کتابت کی مطابقت ہے، جس کا طریقہ قرأت ہے، اگر محض قرأت مقصود ہوتی تو صرف قرأة سے الزام ہوجاتا، قرأة کے بعد کسی اضافہ کا اختیار نہ رہتا، حالانکہ عدمِ مطابقت کی وجہ سے اضافہ کا اختیار دیا ہے، اگر محض کتابت مقصود ہوتی تو اشتراطِ قرأة کی ضرورت نہ تھی۔

الحاصل: مقصود یہ ہے کہ کاتب نے نیت زوج کے مطابق ہی کتابت کی ہے یا نہیں؟ پس اگر زوج نے تصریحاً بتادیا کہ یہ لکھو اور کاتب نے اسی طرح لکھدیا اور زوج کو کوئی بدگمانی کاتب کی طرف سے نہیں ہوئی، بلکہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

اعتمادِ کلی ہے کہ میرے بتانے کے موافق لکھا ہے اور اس پر بغیر سنے انگوٹھا لگا دیا اور بعد میں بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ طلاق نامہ میری طرف سے ہے تو شرعاً وہ طلاق نامہ معتبر ہوگا۔ اور اگر زوج کو اعتبار کلی نہیں بلکہ بدگمانی ہے کہ میرے کہنے کے مطابق نہیں لکھا تو اس میں قراءة علی الزوج ضروری ہے۔

عبارت مسئولہ کے بعد ہے: "قال للرجل: ابعث به إليها، أو قال له: اكتب نسخةً وابعث بها إليها"(١)، اس میں بھی قراءة کا ذکر نہیں۔ "ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان إقراراً بالطلاق، وإن لم يكتب". ردالمحتار: ٢/٦٦٢(٢)۔

یہاں امر کتابت کو اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کیلئے کتابت کو شرط نہیں کہا گیا، چہ جائے کہ قراءة علی الزوج کو اس سے بھی بیان بالا کی تائید ہوتی ہے۔ فقط واللہ أعلم بحقيقة الحال وإليه الرجوع في البدأ والمآل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١٠/ ٨/ ١٣٥٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ١٣/ شعبان/ ١٣٥٧ھ۔

طلاق نامہ پر بغیر پڑھے دستخط

سوال[٦٢٦٠]: ایک عورت کو طلاق دینے کیلئے ایک شخص بازار جا کر طلاق کا کاغذ خریدتا ہے، پھر اس کو وثیقہ نویس کو دے کر کہتا ہے کہ میری عورت کا طلاقنامہ لکھدو، جس پر وثیقہ نویس طلاقنامہ لکھدیتا ہے اور سائل کے دستخط کرا کر بلا سنائے ہوئے طلاقنامہ طلاق دہندہ کے سپرد کر دیتا ہے اور طلاق دہندہ کا بھی بیان ہے کہ اس نے طلاق نامہ نہیں پڑھا۔ کیا یہ طلاق ہوگئی؟

محمد عثمان ٹھیکیدار، محلہ کریم پور، معرفت مولوی رحمت اللہ، مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ، لدھیانہ۔

---

(١) (رد المحتار: ٣/٢٤٧، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٣٧٩، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه: ٣/٣٨٠، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچى)

(٢) (ردالمحتار: ٣/٢٤٦، مطلب: الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ٣/٣٧٩، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں شرعاً ایک طلاق واقع ہوگئی:

"ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان إقراراً بالطلاق، وإن لم يكتب". شامی: ۴۶۹/۲ (۱)۔ اگر جماع کی نوبت آچکی ہے تو عدت کے اندر رجعت کا اختیار حاصل ہے (۲)، ورنہ بائن ہوگئی، دوبارہ نکاح درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/شوال/۱۳۵۲ھ۔

ایضاً

سوال [۶۲۶۱]: زید کو بعد نکاح قبل از رخصت شرط پیش کی گئی کہ "اگر اس نے لڑکی نکاح میں رکھتے ہوئے یا طلاق دے کر دوسرا عقد کیا تو اس عقدِ ثانی والی منکوحہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی"۔ زید نے محض اعتماد اور بھروسہ سے کام لیتے ہوئے بغیر نظر آئے اس پر دستخط کردیئے۔ زید کا حلفیہ بیان ہے کہ اس شرطِ مذکورہ سے دستخط کرتے وقت بالکل لاعلم تھا، جب بعد میں زید کو اس کا علم ہوا تو اس کو بہت ہی غصہ آیا اور اس نے اسی وقت انکار بھی کردیا اور کہا کہ میں ایسی کسی بھی شرط سے بالکل لاعلم تھا، یہ سراسر میرے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔

اور وہ کہتا ہے کہ شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے اعتماد سے غلط فائدہ اٹھا کر ایک جائز چیز کو اس پر حرام کیا جائے، اب وہ کسی وقت میں اس شرط کو رکھتے ہوئے لڑکی کو لانے پر تیار نہیں۔ اور وہ یہی بار بار کہتا ہے کہ میرے واسطے یہ بہتر ہے کہ میں تجرد کی زندگی بسر کروں، لیکن میں اس طرح مقید ہو کر لڑکی کو نہیں

---

(۱) (رد المحتار: ۲۴۶/۳، كتاب الطلاق، مطلبٌ: الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۷۹/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في العدة، وبعد انقضائها، رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۹/۳، باب الرجعة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وينكح مبانته بما دون الثلاث، وبعدها بالإجماع". (الدرالمختار: ۴۰۹/۳، باب الرجعة، سعيد)

لاسکتا۔ براہ کرم آپ تحریر فرمائیں کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے یہ شرط کالعدم قرار دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے اس تحریر کو نہیں پڑھا، نہ اس کو پڑھوا کر سنا، نہ اس کو بتایا گیا کہ اس میں یہ شرط لکھی ہے تو وہ تحریر بالکل بے کار ہے، اس کی پابندی لازم نہیں، دوسرا نکاح کرنے سے اس تحریر کی بناء پر کوئی طلاق نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

کاغذ کو پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۶۲]: میری سالی اوران کے رشتہ داروں میں جھگڑا ہوگیا تھا، جھگڑا ہونے کی بناء پر میں گھر چھوڑ کر الگ ہوگیا اور میری بیوی، میری سسرال میں تھی، میری بیوی اور مجھ میں کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی، جھگڑے کے تیسرے دن سالی کا جیٹھ میرے پاس پرچہ لے کر آیا اور مجھ سے کہا کہ اس پر دستخط کردو، اس وقت میں غصہ میں تھا، اسے دیکھ کر مجھے اَور بھی غصہ آ گیا اور میں نے دستخط کردیئے، پھر بعد میں اس نے پڑھ کر سنایا۔ اس پرچہ میں میری بیوی نے یہ لکھا تھا کہ ''میں نے اپنی خوشی سے مہر بخش دیئے''۔ اس پرچہ میں طلاق کا کوئی نام نہیں تھا اور میری زبان سے بھی طلاق کا نام نہیں نکلا، اس پرچہ کو دیکھ کر مجھے غصہ آیا اور میں نے اسے چھین کر پھاڑ دیا۔ اس بارے میں آپ کی رائے کا طلبگار رہوں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

نثار احمد بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ آپ نے زبان سے طلاق نہیں دی، اور پرچہ میں بھی طلاق کا ذکر نہیں تو پرچہ پر دستخط کرنے سے

---

(۱) ''کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله، بنفسه، لایقع به الطلاق إذا لم یقرّ أنه کتابه''. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۹، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار: ۳/۲۴۷، مطلب فی الطلاق بالکتابة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۳۸۰، الفصل السادس فی إیقاع الطلاق بالکتابة، إدارة القرآن، کراچی)

کوئی طلاق نہیں ہوئی (۱)، اگر پرچہ میں طلاق کا ذکر ہوتا اور اس کو پڑھ کر یا سن کر دستخط کرتے تب طلاق ہوتی (۲)، بغیر پڑھے اور بغیر سنے لاعلمی میں دستخط کردیے تب بھی طلاق نہ ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن

بغیر کاغذ پڑھے اس پر دستخط کرنے سے طلاق

سوال [۱۲۲۶۳]: زید کی شادی ہندہ سے قریب دوسال ہوئے کہ ہوئی تھی، روزِ اول سے ہی ہندہ زید کے ساتھ رہ کر حقوقِ زوجیت ادا کرتی رہی، قریب دوماہ ہوئے ہندہ اپنی ماں کے یہاں ملنے گئی تھی، حسبِ دستور جیسا کہ جایا کرتی ہیں، چند دن بعد جب ہندہ کو بلانے کو کہا گیا تو ہندہ کی ماں نے بہانہ بازی کی اور ہندہ کو اس کے شوہر زید کے یہاں بھیجنے سے انکار کردیا اور کچھ شرائط منوانے کی نیت کا اظہار کیا۔ ہندہ کے ماں جائے بھائی نے ہندہ کو طرح طرح کی دھمکیاں دینا اور شوہر کے گھر جانے سے باز رہنے کی تنبیہ شروع کردی۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دستاویز دست برداریٔ دینِ مہر بعوض خلع اور دوسری دستاویز طلاقِ بائن دیئے جانے کی تحریر ہوگئی، ہندہ سے جب اس پر دستخط کرنے کو کہا تو اس نے تساہل برتا اور روئی، بعد تأمل کے دستاویز دست برداریٔ دین مہر بالعوض خلع پر دستخط اس نے کئے، بعد میں اسی جگہ ہندہ کے سوتیلے باپ اور دیگر شخص نے بحیثیتِ گواہ دستخط کئے۔

---

(۱) "كذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع به الطلاق إذا لم يقرّأنه كتابه، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(۲) "كتب غير الزوج كتاب الطلاق وقرأه على الزوج، فأخذه، وختم عليه، أوقال لرجل: ابعث هذا الكتاب إليها، فهذا بمنزلة كتابته بنفسه". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۱۸۵، كتاب الطلاق، نوع في التوكيل وكنايته، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

ہندہ کے دستخطوں کے بعد شوہر زید کے مکان پر پہنچ کر ہندہ کے سوتیلے باپ اور گواہ مذکور کی موجودگی میں شوہر زید کے باپ نے زید کو بلایا اور ان الفاظ کے ساتھ کہ یہ تمہارا معاملہ ختم ہوگیا، اب تم اس پر دستخط کردو، زید نے اس دوسری دستاویز پر دستخط کردیئے، لیکن اس نے دستاویز نہیں پڑھی، نہ اس کو پڑھ کر سنائی گئی اور نہ ہی زید نے کوئی لفظ کہا اور نہ اس سے کہلایا گیا، اس دستاویز پر زید کے باپ اور گواہ مذکور نے دستخط کئے۔ زید اور ہندہ کو یہ بات معلوم تھی کہ باہمی تعلقات منقطع کرانے کی کارروائیاں کی جارہی ہیں۔ کیا ان حالات میں طلاق ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں نہ طلاق ہوئی، نہ مہر معاف ہوا، نکاح بدستور قائم ہے(۱)، مہر بھی باقی ہے۔ دونوں شوہر بیوی پر ظلم نہ کیا جائے اور جب یہ دونوں شوہر بیوی ایک ساتھ رہنے پر راضی ہیں تو ہرگز تفریق کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ اس کو شوہر کے پاس بھیج دیا جائے ورنہ سخت گناہ اور وبال پڑے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/۹/۱۳۸۹ھ۔

جھوٹی تحریر پر دستخط سے دیانۃً طلاق نہ ہوگی

سوال[۶۲۶۴]: میرے ایک عزیز حاجی نیاز احمد کے پاس ضلع بستی میں کافی زمین ہے، ان کی بیوی زینب کو ضلع گونڈہ میں سواسو بیگہ ان کے والد مرحوم نے دیا تھا، گورنمنٹ نے دونوں زمینوں کو یکجا کردیا ہے، شیلنگ کا مقدمہ شروع ہے، زمین زیادہ نکل رہی تھی۔ وکلاء نے ان کو رائے دی کہ آپ ایک تحریر پیش کردیں کہ میں نے زینب کو طلاق دیدیا ہے، ان کی جانب سے وکیل نے ایک تحریر لکھی ہے اور حاجی نیاز احمد سے دستخط لیا، نہ انہوں نے زبان سے طلاق دیا، نہ طلاق دینے کی نیت تھی۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) "وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع الطلاق مالم يقرّ أنه كتابه". (ردالمحتار: ۳/۲۴۷، الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس: الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی جھوٹی تحریر یا خبر سے دیانۃً طلاق نہیں ہوئی۔ اگر پہلے گواہ بنالیا تھا کہ میں جھوٹی تحریر پر دستخط کرتا ہوں، نہ میں نے طلاق دی، نہ دے رہا ہوں، تو قضاءً بھی طلاق واقع نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/ ۱۳۹۷ھ۔

دھوکہ سے طلاقنامہ پر دستخط

سوال[۲۲۶۵]: عبدالحسین کی بیوی نے عبدالحسین سے کہا: ’’مجھے جن آتا ہے جو تیرے میرے نکاح میں آگیا ہے، اس لئے چل کر عدالت میں طلاق نامہ لکھدے تاکہ جن کو طلاق ہوجائے، اس کے بعد بھی میں اور تو میاں بیوی ہیں‘‘ اور ۱۵، ۲۰/ دن تحریر کے بعد بھی میاں بیوی ہی رہے۔ عبدالحسین سیدھا سادہ آدمی ہے، اس کو بیوی نے کچہری میں لے جاکر کچہری میں اقرار نامہ بنام طلاق نامہ لکھ کر اس سے دستخط کرائے، تین لکیریں عرضی نویس نے اس کاغذ پر لگوائیں، طلاق نامہ پڑھ کر سنایا، اس کے باوجود عبدالحسین نے طلاق نامہ پر دستخط کردیئے۔ عبدالحسین کو چونکہ بیوی نے قرآن اٹھا کر کہا تھا کہ میں تیری ہی بیوی رہوں گی، اس بناء پر عبد الحسین عورت کی طرف سے دھوکہ کھا گیا۔ کیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

تنقیح: طلاقنامہ یا اس کی نقل بھیجئے اور یہ بھی صاف صاف لکھیئے کہ صرف طلاقنامہ پر دستخط کرائے ہیں یا زبان سے بھی طلاق کہلوائی ہے جو کاغذ پر لکھی ہے، یا اس سے کم زیادہ؟ نیز عدالت کے حاکم نے فیصلہ دیا، اس کی بھی نقل بھیجئے، تب انشاء اللہ پوری بات سامنے آئے گی اور اس کا جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "لو أراد به الخبر من الماضي كذبًا، لايقع ديانةً، وإن أشهد قبل ذلك، لايقع قضاءً". (ردالمحتار: ۲۳۸/۳، كتاب الطلاق، مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۲۶۲/۳، كتاب الطلاق، فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچي)

کاتب سے طلاق لکھوانا

سوال[۶۲۶۶]: زید نے کاتب کو کہا کہ میرا طلاقنامہ لکھو، زید کاتب نے حسب حکم زید، زید کا طلاقنامہ لکھا اور پڑھ کر زید کو سنادیا، بعدہٗ زید نے طلاقنامہ پر اپنا انگوٹھا چسپاں کردیا اور زبان سے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا۔ اس طلاقنامہ سے اس کی زوجہ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید بھی اس طلاق نامہ کے لکھوانے کا اقرار کرتا ہے تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی اگرچہ زبان سے طلاق نہیں دی: "ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان إقرارًا بالطلاق وإن لم يكتب. ولواستكتب من آخر كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج، وختمه، وعنونه، وبعث به إليها، فأتاها، وقع إن أقر الزوج أنه كتابه". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۹/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

"طلاق نامہ لکھدو" سے طلاق

سوال[۶۲۶۷]: اپنی بیوی کو کسی بنا پر مارا، وہ اپنی والدہ کے ہمراہ میکے چلی گئی، میں لینے کیلئے گیا، اس نے کچھ عذر کیا۔ میں محکمۂ قضا میں پہنچا اور واقعہ سنایا اور کہا کہ طلاق دینا چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے کہا کہ گیارہ روپیہ فیس داخل کردو اور دو گواہ لے کر مجھے طلاقنامہ دیدیا اور کہا کہ طلاق ہوگئی، جاؤ، اور اس کی ایک کاپی تمہاری بیوی کو دیدی جائے گی۔ چند دن بعد میری بیوی گھر آئی، میں نے کہا کہ تجھ کو طلاق دیدیا ہوں، کیا تجھ کو اس کی کاپی نہیں پہنچی؟ اس نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں اور طلاق نہیں ہوئی۔ پھر میں نے لوگوں سے معلوم کیا کہ طلاق نہیں ہوئی، کفارہ ادا کردو؟ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا، بچہ بھی ہوا۔

اس کے بعد محکمہ قضا میں پھر گیا، تو صدر قاضی نے کہا جاؤ روبرو طلاق اپنی بیوی کو دو۔ میں طلاق دینا

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، مطلب فی الطلاق بالکتابة، قبیل باب الصریح، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

نہیں چاہتا اور بیوی بھی پاس رہنے کیلئے تیار ہے، مگر اس کے والدین بھیجنے سے انکار کررہے ہیں، کہتے ہیں کہ طلاق ہوچکی، ہمارا سامان واپس کردو۔ اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ چار چھوٹے بچے ہیں، پنچ نے کہا کہ فتویٰ منگالو، جیسا حکم ہو، ہوجائے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر آپ نے قاضی صاحب سے کہا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ طلاقنامہ لکھ کر مکمل کردیجئے، تو اتنا کہتے ہی ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی خواہ بیوی کے پاس طلاقنامہ پہنچا اور اس نے وصول کیا ہو یا نہ کیا ہو(۱)، ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ عدت (تین حیض) گذرنے پر یا اگر حاملہ ہو تو وضعِ حمل پر بائنہ ہوجاتی ہے(۲)، پھر بغیر دوبارہ نکاح کئے تعلقِ زوجیت قائم کرنا درست نہیں ہوتا (۳)۔ اگر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرے خواہ زبان سے کہدے کہ میں نے طلاق واپس لے لی، یا کوئی ایسا کام کرے جو شوہر بیوی کا

---

(۱) "وفي الظهيرية: لوقال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان هذا إقراراً بالطلاق، كتب أولم يكتب".

(الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۳۷۹، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۱۸۵، نوع آخر في التوكيل وكنايته، رشيديه)

(۲) "فأما عدة الأقراء، فإن كانت المرأة حرةً، فعدتها ثلاث قروء ؛لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ ......الخ، وأما عدة الحبل، فمقدار ها بقية مدة الحمل، قلّت أو كثرت". (بدائع الصنائع: ۴/۴۲۳، ۴۳۰، فصل في مقادير العدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۳۰۷- ۳۱۲، باب العدة، مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، ۲۵۲، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷۵، ۴۷۸، باب العدة، رشيديه)

(۳) "فالحكم الأصلي لمادون الثلاث من الواحدة البائنة، والثنتين البائنتين، هو نقصان عدد الطلاق، وزوال الملك أيضًا، حتى لايحل له وطؤها إلابنكاح جديد". (بدائع الصنائع: ۴/۴۰۳، فصل في حكم الطلاق البائن، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۵۱۹، باب الكنايات، رشيديه)

مخصوص ہوتا ہے تو پھر وہ بدستور زوجہ ہو جاتی ہے۔

اگر قاضی صاحب نے طلاقنامہ لکھ کر آپ کو دیا ہے اور آپ نے اس کو منظور کر لیا ہے تو اس کو یہاں بھیج دیں تا کہ اس کے مطابق حکم لکھ دیا جائے۔ اگر تحریر طلاق کے علاوہ زبانی طلاق دی ہے تو جیسی طلاق دی ہے وہ واقع ہوگئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۱۳۸۷ھ۔

سحر اور بدحواسی کی حالت میں تحریری طلاق

سوال [۶۲۴۸]: ایک شخص نے بیرونی ملک رہتے ہوئے اپنی بیوی کے نام متعدد خطوط لکھے جن کا زیادہ تر مضمون فحش گالی گلوچ پر مشتمل ہے، ساتھ ہی ''طلاق طلاق طلاق'' کے الفاظ بھی لکھے اور یہ بھی تحریر کیا کہ ''میرا تیرا کوئی تعلق نہیں، میں نے تجھے چھوڑ دیا''۔ جب گاؤں کی کمیٹی کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو طالق کو بلا کر دریافت کیا گیا تو اقرار کیا کہ: میں نے لکھا ہے، مگر میرے ہوش وحواس اس وقت قائم نہیں تھے۔ اس کمیٹی میں شریک بعض لوگوں نے دفاعاً یہ کہا کہ اس پر سحر کیا گیا تھا، اس لئے اس حال میں لکھے ہوئے الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بعضوں نے اس پر جنون کا خیال ظاہر کیا، بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ اس نے طلاق کے الفاظ تین بار لکھے ہیں اور زبانی اقرار بھی کیا ہے، لہٰذا ظاہری الفاظ واقرار کے پیشِ نظر طلاق واقع ہوگئی۔

سحر وجنون کی باتیں کرنا یہ دفاعی ہیں، چونکہ طالق دینی ودنیوی سارے امور انجام دیتا ہے اور بیرونِ ملک برسرِ روزگار ہے۔ اب حضرت والا سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں کمیٹی کو کیا فیصلہ کرنا چاہیئے؟ شرعاً طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ ازراہ کرم جواب سے نوازیں۔

نوٹ: یہ خطوط موصول ہونے کے بعد بیوی سخت برہم تھی تو اس کا شوہر بیرونِ ملک سے وطن آیا تو اس نے اس سے قطع تعلق کیا اور کسی قیمت پر اس سے ملنے پر راضی نہیں تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جنون وسحر وغیرہ کی وجہ سے ہوش وحواس قائم نہ رہے اور یہ معلوم نہ ہو کہ زبان سے کیا الفاظ کہہ

رہا ہے اوران کا کیا نتیجہ ہوگا تو اسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر یہ بات نہ ہو بلکہ الفاظ کے مطلب کو سمجھتا ہو پھر اس طرح کہے تو طلاق ہوجاتی ہے(۱)۔

طلاق دیتے وقت اس کے دوسرے احوال ومعاملات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہواس صحیح تھے یانہیں، پس اگر شوہر کو اس تحریر کا اقرار ہے جس کا کہ سوال میں درج ہے اور اس نے نہیں کہا کہ میرے ہواس درست نہیں تھے، مجھ پر سحر تھا یا جنون تھا تو صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظ واقع ہوگئی (۲)، اب نہ رجعت کا اختیار رہا اور نہ دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، اس عورت کو چاہئے کہ اس سے الگ رہ کر عدت پوری کرے، پھر کسی اَور شخص سے شرعی طور پر نکاح کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۶/۳/۱۴۰۶ھ۔

زبردستی تحریر سے طلاق

سوال[۶۲۶۹]: زید اوراس کی بیوی میں مار پیٹ کا مقدمہ چلا، زید پر عدالت سے بیس روپیہ جرمانہ ہوگیا، زید نے عدالتِ بالا میں اپیل کی، عدالت بالا نے زید سے فہمائش کی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، زید نے عذر کیا، زید کے عذر پر عدالت نے دھمکی دی کہ اگر دومنٹ کے اندر فیصلہ لکھ کر داخل نہ کیا تو تم کو جیل خانہ بھیج دیا جاوے گا، زید نے اس دھمکی سے مرعوب ہوکر فیصلہ لکھوا کر دیدیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس نے مجھے مہرِ شرعی معاف کردیا۔ تو کیا ایسی حالت میں طلاق شرعی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے زبان سے طلاق نہیں دی، بلکہ محض طلاق کی تحریر دی ہے تو شرعاً اس کی

---

(۱) "الثاني: أن يبلغ النهاية، فلايعلم مايقول: ولا يريده، فهذا لاريب أنه لاينفذ شئ من أقواله". (ردالمحتار: ۳/۲۴۴، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۱/۱۸۷، باب عدم صحة طلاق الصبي والمجنون والموسوس، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (البقرة: ۲۳۰)

بیوی پر طلاق نہیں واقع ہوئی:

"رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لاتطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا". فتاوىٰ قاضي خان: ۲/ ۳۵(۱)۔

اگر زبان سے بھی یہ الفاظ کہے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، یا اپنی بیوی کو اپنی زوجیت سے آزاد کردیا تو شرعاً اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی:

"وطلاق المكره واقع". هدايه(۲)۔ "ولو قال: للكاتب: اكتب طلاق امرأتي، كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب". شامي: ۲/ ۷۰۳(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمن صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ ۳/ ۵۲ھ۔

مکرہ کی طلاق بالکتابت کا حکم

سوال[۲۲۷۰]: زید کو چند آدمی کسی ناراضگی کی وجہ سے دھوکہ دے کر قصبہ سے یا مدرسہ سے باہر لے گئے اور اس کو مارا اور کہا کہ تو آئندہ اگر اس مدرسہ میں یا قصبہ میں آئے گا تو تجھ پر طلاق اضافی واقع ہوگی اور زید کو کہا کہ تو کہہ دے کہ میں یہاں آئندہ نہ آؤں گا، اگر آؤں تو جب شادی کروں طلاق ہوجاوے، مگر زید

---

(۱) (فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۴۷۲، كتاب الطلاق، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/ ۲۴۷، مطلب: الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۸۰، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (الهداية: ۲/ ۳۵۸، باب طلاق السنة، مكتبه شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۲۵۷، من يقع طلاقه ومن لايقع، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (ردالمحتار: ۳/ ۲۴۶، مطلب: الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۷۹، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچي)

12

خاموش رہا اور زید کو ان آدمیوں نے اسٹیشن پر سوار کردیا۔ اب زید نے دوسرے شہر سے ہو کر مدرسہ میں درخواست دی اور مقدمہ قوی کرنے کیلئے یہ بھی لکھدیا کہ مجھ سے ان لوگوں نے زبردستی طلاق اضافی بھی لی تھی، اور مجھے مارا بھی۔

اب زید پھر مدرسہ گیا اور مقدمہ چلانے کیلئے منشی صاحب مدرسہ نے مدعیٰ علیہ کو طلب کیا اور ان سے بیان لیا کہ واقعی تم لوگ زید کے ساتھ لڑے ہو اور زید کو مارا ہے اور اس سے طلاق اضافی لی ہے؟ تو مدعیٰ علیہ انکار کر گئے، اور انہوں نے کہا کہ نہ ہم لڑے ہیں اور نہ کوئی طلاق وغیرہ لی ہیں اور پھر منشی صاحب مدرسہ نے زید سے اپنے سامنے بیان لیا تو زید نے کہا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑے ہیں اور طلاق لینے کی بھی کوشش کی، مگر میں خاموش رہا۔ تو اس صورت میں کیا زید پر طلاق واقع ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر واقع ہو جاتی ہے تو پھر کوئی صورت ہے کہ زید شادی کر سکے؟

برائے نوازش اس مسئلہ کی تحقیق کے بعد جواب سے بندہ کو مشکور فرمائیں کیونکہ زید مذکور کی شادی کا تمام سامان تیار ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جبر و اکراہ کر کے زید سے طلاق تحریر کرادی ہے اور زید اس نے اس طلاق اور تعلیق کا تلفظ نہیں کیا تو اس تحریر سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوگی: "رجل أكره بالضرب والحبس أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لاتطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة ههنا". فتاویٰ قاضیخان: ١/٤٧١ (١)۔

خواہ اس تحریر میں وہ الفاظ لکھے ہوں جو کہ سوال میں مذکور ہیں خواہ کچھ اور۔ اگر زبان سے بھی ان الفاظ کو ادا کیا ہے تو ان کو لکھ کر حکم دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (فتاویٰ قاضی خان: ١/٤٧٢، فصل فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ١/٣٧٩، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ٣/٢٣٦، مطلب فی الإکراه علی التوکیل بالطلاق والنکاح اھ، سعید)

طلاقنامہ پر جبراً انگوٹھا لگانے سے طلاق کا حکم

سوال[۶۲۷۱]: محمد حنیف کی شادی محمد صدیق کی لڑکی نورافشاں بیگم کے ساتھ چار سال ہوئے ہوئی، لڑکی کے والد کلکتہ میں کمپنی میں ملازم ہیں، داماد کو کمپنی میں جگہ دلوادی، بیوی میکے میں والدین کے پاس رہی، محمد حنیف خرچہ وغیرہ دیتا رہا، سال میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ شوہر کے پاس چلی جاتی، غرضیکہ پورا خاندان ہنسی خوشی رہتا رہا۔ ایک دن سسر اور داماد میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، مار پیٹ بھی ہوئی، اس کے بعد صلح ہوگئی، لیکن کشیدگی باقی رہی۔ ایک دن محمد حنیف نے خود سسر کے بارے میں لکھ دیا، سسر نے خود طلاق لینا چاہا۔

محمد صدیق کے بیان کے مطابق پیر صاحب غازی پور سے آئے ہوئے تھے، اس نے جا کر کہا، پیر صاحب نے اولاً محمد حنیف کو سمجھا دیا، مگر وہ نہیں مانا اور سادہ کاغذ پر طلاق نامہ لکھا گیا جو پیر صاحب نے لکھا اور دو مریدوں کے دستخط کرائے۔ چند دن بعد محمد صدیق بچوں کو لے کر آبائی وطن کرنیل گنج آگئے، دوسرے روز محمد حنیف بھی کلکتہ سے آگیا، آنے پر معلوم ہوا کہ حنیف نے نورافشاں بیگم کو طلاق دیدیا، معلوم ہوتے ہی ایک درخواست انجمن میں دی کہ میں تقریباً بالکل "ان پڑھ" ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے اور میرے سسر نے جبراً سادہ کاغذ پر مجھ سے انگوٹھا لگوا لیے ہیں اور کہا کہ ایک ضرورت ہے، صبح کو بتلادوں گا، اب کہتے ہیں کہ برضاء ورغبت طلاق دی ہے، لہذا انجمن فیصلہ کرے۔

انجمن نے پیر صاحب کو بلایا، پیر صاحب بھی باشرع آدمی ہیں، قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس کو منع کیا مگر نہ مانا اور طلاق دے دی، اور طلاقنامہ صحیح ہے۔ ادھر محمد حنیف بھی کلام پاک ہاتھ پر رکھ کر قسم کھاتا ہے کہ میں نے عورت کو طلاق نہیں دیا، دھوکہ سے کاغذ پر انگوٹھا لگوایا ہے، اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکا کاغذ پر کیا لکھا گیا، زبانی طلاق مجھ سے نہیں لی گئی۔ نیز خود میرے سسر صاحب پیر صاحب سے مرید ہیں اور گواہان جس کے دستخط ہیں ان میں سے ایک موجود نہ تھا، یہ سب ایک سازش کر کے میری عورت اور دوسری جگہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ ان تمام حالات میں از روئے شرع کس کی قسم کا اعتبار ہوگا؟ طلاقنامہ کی نقل بھی ہمراہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو عادل مقبول الشہادۃ آدمی گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے محمد حنیف نے اپنی بیوی کو زبان سے طلاقِ مغلظہ دی ہے، یا طلاقنامہ میں تین طلاق لکھوائی، یا طلاقنامہ اس کو پڑھ کر سنایا گیا اور اس نے سن کر سمجھ کر

اس پر انگوٹھا لگایا ہے اور اس انگوٹھا لگانے میں اس پر جبر نہیں کیا گیا ہے تو اس کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱) اور بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح بھی درست نہیں (۲)۔ اگر دو عادل مقبول الشہادۃ گواہ موجود نہیں، یا موجود ہیں مگر وہ زبانی طلاق کے گواہ نہیں، بلکہ صرف اس بات پر گواہ ہیں کہ ہمارے سامنے کاغذ پر انگوٹھا لگایا ہے اور اس پر طلاق بعد میں لکھی گئی ہے، یا طلاق پہلے لکھی گئی تھی مگر اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ طلاقنامہ ہے اور اس کو پڑھ کر نہیں سنایا گیا یا اس کو معلوم تھا مگر مار پیٹ کی دھمکی دے کر زبردستی جبراً اس سے انگوٹھا لگوایا گیا ہے تو طلاق نہیں ہوئی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذ شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج والمرأة ذلك، فرق بينهما؛ لأن المشهود به حرمتها عليه، والحل والحرمة حق الله تعالىٰ، فتقبل الشهادة عليه من غير دعوىٰ".

(المبسوط للسرخسي: ۱۷۰/۳، باب الشهادة في الطلاق، غفاريه)

(وكذا في الدرالمختار: ۴۶۵/۵، كتاب الشهادة، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۱۴۲/۳، كتاب الشهادة، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۹/۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه)

(وكذا في الدرالمختار: ۴۰۹/۳، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

(۳) "رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان طالق، لاتطلق امرأته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۹/۱، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۴۷۲/۱، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۸۰/۳، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

دھمکی کے طور پر خط کے ذریعہ اعلانِ طلاق

سوال[۲۲۷۲]: زید نے اپنے خسر کو خط میں یہ الفاظ لکھے: ''میرا یہ خط اعلانِ طلاق ہے'' یا پھر ''میں اس خط کے ذریعہ اعلانِ طلاق کرتا ہوں، ۱۰/فروری تک میری بیوی میرے گھر پہنچ جانی چاہیے، نہیں تو طلاق دیدی جائے گی''۔ کیاان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خط کے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں طلاق نہیں دی بلکہ آئندہ طلاق دینے کی دھمکی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۹۵ھ۔

دھمکانے کے لئے طلاق نامہ میں خسر کی دوسری لڑکی مراد لینا، تحریری طلاق جبکہ بیوی سامنے ہو

سوال[۲۲۷۳]: کرم علی کو اپنی بیوی سے انتہائی محبت ہے اور اس کی بیوی بھی اپنے شوہر کو پیار کرتی ہے، دونوں اسی طرح ایک عرصہ سے میل ومحبت کے دن گذارتے رہے اور آپس میں کبھی کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں ہوا اور کرم علی نے اس کو کبھی طلاق دینے کا اور جدا ہونے کا ارادہ نہیں کیا، مگر کرم علی کے لئے یہ بات ہمیشہ تکلیف دہ رہی ہے کہ بیوی جب میکہ چلی جاتی ہے تو سسرال والے واپس کرنے میں ہمیشہ ٹال مٹول کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ وہ خود لینے گیا تو ٹال مٹول کی اور کہا کہ بعد میں رخصت کریں گے، پھر ماں کو بھیجا، وہ اپنے ساتھ جا کر لائی تو بات ختم ہوگئی، مگر کرم علی کو سسرال والوں سے انتقام کی سوجھی۔ کسی کے بتانے سے یا اپنے دماغ سے یہ ترکیب ٹھہرائی کہ ایک فرضی طلاق نامہ سسرال والوں کے پاس بھیجدوں، وہ لوگ خوب پریشان ہوں گے

---

(۱) "وفي المحيط لوقال بالعربية: أطلق، لايكون طلاقًا، إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقًا".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الصريح، مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي: ۳/۲۴۸، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الطلاق ومطالبه: ۱/۳۸، قندهار)

اور آئندہ ٹال مٹول کی حرکت ترک کردیں گے، اس تجویز کے تحت کرم علی نے اپنی سسرال والوں کو فرضی طلاق نامہ لکھا کہ میں نے عزیز کی لڑکی کو تین طلاق دیا اور دل وزبان سے عزیز کی لڑکی سے دوسری لڑکی کو مراد لیا، اپنی بیوی کا قصد وارادہ نہیں کیا"۔ ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق اپنی بیوی کو دی جایا کرتی ہے غیر کو نہیں، جبکہ یہاں مقصود اپنے سسرال والوں کو پریشان کرنا ہے، تو ان کی پریشانی اس صورت سے ہوسکتی ہے کہ ان کی لڑکی کو طلاق ہوجائے، اس سے کوئی پریشانی نہ ہوگی کہ ان کی لڑکی کو طلاق نہ ہو، اس لئے صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ کا حکم کیا جائے گا، اگر خسر کے کوئی دوسری لڑکی موجود ہے تو وہ اس شخص کی بیوی نہیں اس کو مراد لینا غلط ہے۔ پھر زبان سے مراد لینے کا مطلب کیا ہے، کیا زبان سے یہ کہا کہ عزیز کی وہ لڑکی جو میری بیوی نہیں وہ میری مراد ہے، میں نے اس کو طلاق دی ہے، ہاں اگر اس کی بیوی عزیز کی لڑکی نہ ہو تو یہ تحریر لغو اور بیکار ہوگی، ورنہ تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ ہوگئی:

"لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أولدها، فقال: عمرة طالق، أو بنت فلان، أو بنت فلانة، أو أم فلان، فقد صرحوا بأنها تطلق. وأنه لو قال: لم أعن امرأتي، لايصدق قضاءً إذاكانت امرأته كماوصف، اهـ". ردالمحتار: ٢/٥٩١، ٤٣٠، نعمانیه(١)۔

لیکن اگر یہ تحریر لکھتے وقت بیوی سامنے موجود تھی اور زبانی طلاق کا لفظ نہیں بولا، صرف تحریر لکھی ہے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی:

"وظاهره أن (الكتاب) المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر، اه". شامی، ص: ٦٤٥"(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) (ردالمحتار: ٢٤٨/٣، كتاب الطلاق، مطلب: سن بوش، يقع به رجعي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٥٨/١، الفصل الأول في الطلاق الصريح، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ٢٨٢/٣، كتاب الطلاق، نوع آخر في الإيقاع بطريق الإضمار وفي ترك الإضافة وما أشبهها، إدارة القرآن كراچي)

(٢) (رد المحتار: ٧٣٧/٦، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

تحریرِ طلاق اگر بیوی کے پاس نہ پہونچے

سوال[۶۲۷۴]: ا......زید کا نکاح بارہ برس ہوئے ایک ہزار روپے میں ہوا تھا۔

۲......زید کی بیوی اور اس کے والدین سے زید کا اور زید کے والدین کا باہمی تنازعہ شروع ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید کی بیوی کو اپنے خاوند کے علاوہ اپنے والدین کے یہاں بھی اکثر رہنا پڑا۔

۳......نکاح سے چھ سال بعد زید دل ودماغ اور معدہ کی سخت بیماری میں مبتلا ہوگیا۔

۴......نکاح کے آٹھ سال کے بعد جب کہ زید کی بیوی اپنے والدین کے یہاں تھی زید نے اس کو اپنے پاس بلانا چاہا مگر وہ نہیں آئی۔

۵......کچھ دنوں کے بعد دل اور دماغ کی تکلیف کی زیادتی میں زید نے اپنی بیوی کو تحریرِ طلاق لکھی، مگر کسی وجہ سے طلاق کا پروانہ بیوی کے پاس نہیں بھیجا۔

مختل الدماغ کی تحریرِ طلاق سے طلاق

سوال[۶۲۷۵]: ۶......اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد دل اور دماغ کی تکلیف کی زیادتی میں دوبارہ تحریرِ طلاق لکھی اور طلاق کا پروانہ بذریعۂ ڈاکخانہ رجسٹری کرکے بیوی کے پاس بھیج دیا، لیکن بیوی کو تقسیم ہونے سے قبل محکمہ ڈاکخانہ سے رجسٹری کا لفافہ جس میں طلاق کا پروانہ تھا واپس کرالیا۔ دونوں پروانوں میں یہ الفاظ تھے: ''تم میرے پاس نہیں آئیں، لہذا میں تم کو طلاق دیتا ہوں'' بیوی کے پاس یہ پروانے نہیں پہنچے۔

۷......ان واقعات کے چھ ماہ بعد زید کی بیوی زید کے پاس آگئی اور ڈھائی سال تک زید کے پاس رہی، اسی دوران میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو ڈیڑھ سال کا ہوکر مرگیا۔

۸......اب ڈیڑھ سال سے زید کی بیوی باہمی تنازعہ کی وجہ سے اپنے والدین کے یہاں رہی۔

۹......حال ہی میں زید نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلانا چاہا اس نے جواب میں لکھا کہ تم یا تمہارے والدین یا تمہارا بھائی مجھ کو آکر لیجا سکتے ہیں، زید نے اپنے والدین سے اپنی بیوی کے بلانے کے بارے میں رائے لی، انہوں نے اس کے بلانے سے ناراضگی ظاہر کی۔ دل اور دماغ کی تکلیف کی زیادتی میں زید اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ زید بوجۂ علالت اپنی بیوی کو نان ونفقہ دینے سے مجبور ہے اور زید کے والدین اس کی بیوی

کے بلانے میں ناراضگی ظاہر کرتے ہیں، لہذا زید نے کئی مرتبہ یہ الفاظ ادا کئے کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی''۔ شرع شریف کا جو حکم ہے اس سے براہ کرم مطلع فرمائیں۔

نوٹ: دل اور دماغ کی تکلیف کی زیادتی کی حالت میں زید کے دل اور دماغ کی کیفیت صحیح اور قابلِ اعتبار نہیں رہتی۔

نوٹ: اگر طلاق پڑ گئی ہو تو کیا کوئی صورت حلالہ کی ممکن ہے؟ مطلع فرمائیں۔

مرسلہ: محمد طفیل احمد عفی عنہ۔

معرفت: بابو صغیر احمد کلرک، مقام ریاست الور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دل و دماغ کی تکلیف کی وجہ سے حواس باختہ اور مدہوش تھا کہ اس کو اپنے اقوال وافعال کا علم نہیں، یا اس سے بلا اختیار اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں اور اکثر مختل تھے اور ایسی حالت میں اس نے طلاق تحریر کی اور جب زبانی طلاق دی ہے اس وقت بھی ایسی ہی حالت تھی تب تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔ اور اگر ایسی حالت نہیں تھی بلکہ حواس درست تھے اور اپنے علم واختیار سے طلاق لکھی ہے تو اول مرتبہ لکھنے سے ایک طلاق واقع ہوگئی اگرچہ بیوی کے پاس وہ تحریر نہ پہونچی ہو (۲) اور مدخولہ ہونے کی صورت میں عدت کے اندر ہی اندر اگر

---

(۱) "لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده، والمجنون، والمعتوه، والمدهوش". (الدرالمختار).

"الثانية أن يبلغ النهاية، فلا يعلم ما يقول ولا يريد، فهذا لا ريب أنه لا ينفذ شيء من أقواله". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۴۲، ۲۴۴، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۵۵، الفصل الثالث من يقع طلاقه و من لا يقع، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإن كانت مرسومةً، يقع الطلاق، نوى أو لم ينو .... بأن كتب: أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا، يقع الطلاق، و تلزمها العدة من وقت الكتابة". (رد المحتار: ۳/۲۴۶، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۴۷۱، كتاب الطلاق، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

دوسری مرتبہ طلاق تحریر کی ہے تو وہ بھی واقع ہوگئی۔اور اگر رجعت نہیں کی تھی تو عدت گزرنے پر بائنہ ہوگئی،دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔

اسی طرح جو زبانی طلاقیں دی ہیں وہ بھی واقع نہیں ہوئیں اور زید کی بیوی اجنبیہ ہوگئی،اس سے جماع کرنا اور اس کو اپنے پاس رکھنا کچھ جائز نہیں رہا۔اس کا حکم یہ ہے کہ اگر طرفین رضامند ہیں تو دوبارہ نکاح کرنا درست ہے،حلالہ کی ضرورت نہیں۔اور اگر دوسری طلاق عدت ہی میں دی تھی اور اس سے رجعت کر لی تھی یا بلا رجعت کے مگر عدت کے اندر اندر ہی زبانی طلاق دی ہے تو وہ مغلظہ ہوگئی۔اب اس کو بلا حلالہ کے رکھنا درست نہیں (۲)۔حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت ختم ہونے پر اس عورت کا کسی اَور سے نکاح کیا جائے اور وہ صحبت کرے اس کے بعد وہ طلاق دیدے یا مر جائے،پھر عدت گزار کر زید سے نکاح ہوسکتا ہے:

"کتب: أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، و يلزمها العدة من وقت الكتابة، اهـ". عالمگیری:۲/۳۹۷(۳)۔ "الصريح يلحق الصريح". تنوير (٤) "وينكح مبانته بما دون الثلث في العدة، وبعدها بالإجماع، لا مطلقة بها: أي بالثلاث، حتى يطأها هذا، و لو

---

(۱) "أجمع العلماء على أن الصريح يلحق الصريح، ما دامت في العدة، وكذا البائن يلحق الصريح، والصريح البائن، ما دامت في العدة عندنا". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۷۳، إيقاع الطلاق على المبانة والمطلقة بصريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۷، كتاب الطلاق، باب الكنايات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، ۸۴، باب الكنايات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها، وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ودخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۴) (الدر المختار: ۳/۳۰۶، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

مراهقاً يجامع مثله بنكاح نافذ، و تمضي عدته: أي الثاني، الخ". درمختار مختصراً: ۸۲۹/۲ (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۶۲۷۶]: اس کے بعد یہی سوال دوبارہ آیا اس پر مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اس سے قبل بھی یہ سوال آیا تھا جس پر تنقیحات کر کے واپس کر دیا گیا تھا، کیونکہ بلا ان کے جواب دشوار تھا، اس مرتبہ ان تنقیحات کو سوال کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، تاہم سوال مذکور کا جواب یہ ہے کہ زید کی زوجہ پر پہلی اور دوسری طلاق واقع ہوگئی، اگر زوجہ مدخولہ ہے (۲)، ورنہ پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہوگئی (۳) بشرطیکہ پہلی طلاق سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہو، ورنہ پہلی ہی طلاق سے مغلظہ ہوگئی، بلا حلالہ کے نکاح جائز نہیں۔

اور تیسری طلاق جو کہ زبانی دی ہے اگر وہ عدت ہی میں دی ہے تو وہ واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی اور اگر عدت کے بعد دی ہے تو وہ واقع نہیں ہوئی، طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہے (۴)۔ وقوعِ طلاق کے لئے یہ

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۰۹/۳، ۴۱۲، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۲) "وفي الولوالجية: رجل قال لامرأته بعد الدخول بها: أنت طالق، طالق، تقع ثنتان؛ لأنه لا يمكن أن يجعل تكراراً للأول". (التاتارخانيه: ۲۸۸/۳، تكرار الطلاق، وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۳) "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها، و قعن عليها، فإن فرق بانت بالأولى، و لم تقع الثانية والثالثة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۳/۱، الفصل الرابع الطلاق قبل الدخول، رشيديه)

(و كذا في التاتارخانيه: ۲۸۸/۳، تكرار الطلاق، وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في الهداية: ۳۷۱/۲، إيقاع الطلاق، فصل في الطلاق قبل الدخول، شركة علميه)

(۴) "و ينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع". (الدر المختار: ۴۰۹/۳، كتاب =

ضروری نہیں کہ وہ تحریر جس میں الفاظِ مذکورہ فی السوال درج ہیں عورت کے پاس پہونچے:

"کتب: أما بعد! فأنت طالق، فکما کتب هذا، یقع الطلاق، و یلزمها العدة من وقت الکتابة، اهـ" عالمگیری(۱)۔

اور ایسی بیماری کہ جس میں علم و اختیار سے تحریری اور زبانی طلاق دی ہو وقوعِ طلاق سے مانع نہیں (۲)۔لفظ''طلاق دیتا ہوں'' زیادہ تر معنی حال میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے،اگر کسی جگہ غالب استعمال حال میں نہ ہوتا ہو بلکہ مستقبل میں غالب ہو، یا حال واستقبال ہر دو میں مساوی ہو تو اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوگی (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

= الطلاق، باب الرجعة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیرية: ۱/ ۴۷۰، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۳/ ۱۶۲، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیرية: ۱/ ۳۷۸، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(و کذا فی رد المحتار: ۳/ ۲۴۶، مطلب فی الطلاق بالکتابة، قبیل باب الصریح، سعید)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۴۷۱، کتاب الطلاق، الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(۲) "احدها أن یحصل له مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقله، و یعلم ما یقول، و یقصده". (ردالمحتار: ۳/ ۲۴۴، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش، رشیدیه)

(۳) "ولیس منه أطلقک بصیغة المضارع، إلا إذا غلب استعماله فی الحال، کما فی فتح القدیر". (البحر الرائق: ۳/ ۴۳۹، باب الطلاق، رشیدیه)

"لو قال بالعربیة: أطلّق، لا یکون طلاقاً، إلا إذا غلب استعماله للحال، فیکون طلاقاً".

(الفتاویٰ العالمکیرية: ۱/ ۳۸۴، الفصل السادس فی الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشیدیه)

(و کذا فی رد المحتار: ۳/ ۲۴۸، کتاب الطلاق سن بوش، یقع به الرجعی، سعید)

''میں نے دیا طلاق'' تین مرتبہ لکھ کر بھیجنے کے بعد پھر انکار کا حکم

سوال[٦٢٧٧]: شفیق احمد عرف لسہ نے یہ مضمون اپنی بیوی کے والد کے نام ارسال کیا، اس خط کو لسہ نے لکھا امتیاز خاں کو:

''میں فرض کرتا ہوں کہ میں آپ کے یہاں گیا تھا بلانے کے۔لئے اس لڑکی کو جس میں جواب غلط ملا کہ میں نہیں جانتی، لڑکی کا باپ اور بھائی جانے میں بھی دوبارہ گیا پھر بھی کچھ جواب نہیں ملا، اس لئے میرا بھی جواب ہے کہ ''اس کو نہیں رکھیں گے، امتیاز کی لڑکی شکیلہ کو طلاق دیا، اس لئے میری طرف سے اس کو جواب ہوا: ۱-''میں دیا طلاق، ۲- میں دیا طلاق، ۳- میں دیا طلاق''۔

دستخط: شفیق احمد عرف لسہ، ۲۷/ جولائی/ ۱۹۶۶ء۔

اس خط کو لے کر ۱۵، ۲۰/ لوگوں کے ساتھ لڑکی کے والد ایتاز خاں لسہ کے گھر پہونچے اور پوچھا کہ یہ خط تمہارا ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے بھیجا ہے، لہٰذا پنچایت بلائی گئی، پنچایت میں لسہ نے صاف انکار کردیا اور کہا میرا خط نہیں ہے اور نہ میں نے بھیجا ہے، پہلے جو میں نے اقرار کیا وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے کردیا تھا۔ پنچایت نے اسی وقت ایک تحریر لکھوائی، دونوں کو ملا کر دیکھا تو دونوں تحریریں ایک نہیں معلوم ہوئیں۔ بغرضِ ملاحظہ دونوں تحریریں ارسال ہیں۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر طلاق پڑی تو کون سی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو تحریر آپ نے اس سوال میں نقل کی ہے اور اس کا اقرار شفیق احمد نے ایک مجلس کے سامنے کیا ہے، حالانکہ اس وقت شفیق احمد کو اقرار کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس سے صرف دریافت کیا گیا تھا، اس تحریر کی رُو سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب اس کے انکار کرنے سے کچھ نہیں ہوتا (۱)۔

---

(۱) ''رجل استکتب من رجل آخر إلیٰ امرأته کتاباً بطلاقها، وقرأه علی الزوج، فأخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به إلی امرأته، فأتاها الکتاب، وأقرّ الزوج أنه کتابه، فإن الطلاق یقع علیها''.

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۹، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، مطلب فی الطلاق بالکتابة، قبیل باب الصریح، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۳۸۰، کتاب الطلاق، إیقاع الطلاق بالکتاب، إدارة القرآن، کراچی)

دو پرچہ چونکہ ہندی میں ہیں، ہم ان کو نہیں سمجھتے، فتویٰ کے ساتھ وہ بھی واپس ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۵/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۵/۱۳۸۶ھ۔

اقرار نامہ کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق

سوال[۶۲۷۸]: زید کا عقد مسنونہ مؤمنہ خاتون سے ہوا، عرصہ دراز تک دونوں میں نباہ ہوتا رہا، کچھ دنوں کے بعد دونوں میں اختلاف ہوا اور اس کے بعد پنچایت ہوئی اور مندرجہ ذیل تحریر لکھی گئی کہ "اس مرتبہ لڑکی اس طور پر بھیجی جارہی ہے کہ لڑکی کو کوئی تکلیف نہ ہو اور صحیح طور پر نباہ کرو اگر پھر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تو ثبوت شرعی ملنے کے بعد یہی تحریر جو اقرار نامہ کی صورت میں ہے طلاق سمجھی جائیگی"۔ ایسی صورت میں لڑکے نے صرف انگوٹھا لگایا تھا، منہ سے کچھ نہ کہا اور لڑکی رخصت کرا کر لے گیا۔ اب دوبارہ لڑکی کے والدین اپنے گھر اختلاف کی حالت میں لے آئے۔ تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو عدت کس وقت سے گزاری جائے گی؟ مفصل جواب مع حوالہ کتب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے تحریر مذکورہ سن کر سمجھ کر اپنی خوشی سے بغیر جبر واکراہ کے انگوٹھا لگایا ہے تو یہ تحریر معتبر ہے اور پھر اگر اس نے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے جس کا شرعی ثبوت موجود ہے تو اس تحریر کی رو سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی (۱)، عدت تین ماہ واری گزرنے سے پہلے حق رجعت حاصل ہے (۲)، بعد

---

(۱) "رجل استكتب من رجل اخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج، فأخذه، وطواه، وختم، وكتب في عنوانه، وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب وأقرّ الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۸۰، كتاب الطلاق، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلّقٰت يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء، ولايحل لهن أن يكتمن ماخلق الله في =

ختمِ عدت بغیر تجدید نکاح رکھنے کا حق نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

عہد شکنی کی وجہ سے طلاق

الاستفتاء [۶۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری لڑکی مسماۃ تاج خاتون نکاح عبداللہ شاہ ولد سید شاہ سے ہوا ہے۔ عبداللہ شاہ مذکور مسماۃ تاج خاتون کو سخت پریشان کرتا ہے، اس کی پریشانی سے تنگ آکر ہم سب برادری والوں نے ایک عہد نامہ عبداللہ شاہ کی موجودگی میں تحریر کیا اور نیچے عبداللہ شاہ نے اور تین نے نیز دوسرے حاضر الوقت بہت سے حضرات نے گواہی دی، دستخط تحریر فرمائے۔ اس عہد نامہ کی آخری سطروں میں میں نے بھی اپنے لڑکے غلام نبی کی موجودگی میں رشتہ دامادی عبداللہ شاہ مذکور کے ساتھ قائم رکھنے باقی رکھنے کا عزم کیا، اور میں اب تک بحمد اللہ عمل پیرا ہوں، لیکن عبداللہ شاہ مذکور نے اب سے تقریباً چھ ماہ قبل اس عہد نامہ کے خلاف تاج خاتون کو سخت زدوکوب کیا اور عہد شکنی کیا۔

عبداللہ شاہ مذکور نے از روئے معاہدہ اس بات کا اقرار کیا تھا کہ "بصورتِ خلاف ورزیٔ معاہدہ بندہ از دین واسلام خارج ہوگا"۔ تو کیا اب اس شکل میں جب کہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی ہوئی اب بھی مسماۃ

= أرحامهن إن كن يؤمن بالله واليوم الأخر، وبعولتهن أحق بردهن في ذلك إن أرادوا إصلاحاً﴾ الآية (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الهداية: ۳۹۴/۲، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۳۹۷/۳، ۳۹۸، باب الرجعة، سعيد)

(۱) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع، ومنع غيره فيها". (الدرالمختار: ۴۰۹/۳، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۲/۱، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۹/۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، مكتبه شركة علميه)

تاج خاتون کا نکاح عبداللہ شاہ سے قائم ہے، یا طلاق واقع ہوگئی؟ اور اگر واقع ہوگئی تو کونسی طلاق؟ نیز جدائی ضروری ہوگئی یا نہیں؟ حضرت والا کی خدمت میں عہد نامہ کی نقل اور استفتاء برائے جواب کافی وشافی ومدلل بمع حوالہ ارسال خدمت ہے تاکہ آپ کی رائے سے ہم لوگوں کو علم ہو۔فقط۔

غنی شاہ ولد حسن شاہ صاحب، معرفت غلام نبی شاہ دوکاندار۔

ترجگام روڈ، ڈاکخانہ وتحصیل کپواڑہ (کشمیر)۔

نقل عہد نامہ

''باعثِ تحریر آنکہ عبداللہ شاہ ولد سید شاہ عاقل بالغ بلا جبرو اکراہِ غیر برضا ورغبت بطرفِ غنی شاہ ولد حسن شاہ صاحب واجلاس برادری بحلفِ قرآن معاہدۂ اسلامی کرتا ہوں کہ آج کے بعد اپنی منکوحہ مسماۃ تاج خاتون بنت غنی شاہ کو جائز اور مناسب شرافت کے ساتھ ہر قسم کی پرورش اور بسائی کروں گا، بصورتِ خلاف ورزی وعہد شکنی بشرائطِ مندرجہ تحریر ہٰذا بندہ از دین واسلام خارج ہوگا اور پھر شریعت کا جو تعزیری حکم اور برادری کا ہرجانہ مجھ پر لازم ہوگا تسلیم کر کے عمل پذیر ہوں گا۔

غنی شاہ بمعیت غلام نبی بھی مضمون مرقوم بالا تسلیم عبداللہ شاہ کے ساتھ معاملہ رشتہ داری نبھاؤں گا۔معاملہ ہٰذا کی نسبت آئندہ اگر کسی طرف سے کوئی شکایت وغیرہ سنی جائے گی تو بلا تحقیق وبلا ثبوت اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔فقط''۔

دستخط

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہد نامہ کے الفاظ یہ ہیں: ''بصورتِ خلاف ورزی وعہد شکنی بشرائطِ مندرجہ تحریر ہٰذا بندہ از دین واسلام سے خارج ہوگا''۔

اگر عہد کے خلاف کیا ہے تو نہ طلاق ہوئی نہ نکاح فسخ ہوا، نہ اسلام سے خارج ہوا، البتہ قسم کا کفارہ شوہر پر لازم ہوا ہے اور وہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے یا کپڑا دے، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو تین

روزے مسلسل رکھے(۱)۔

ایسی قسم بہت سخت ہے، ہرگز ایسی قسم نہ کھائی جائے:

"والقسم أيضاً بقوله: إن فعل كذا فهو يهودى أونصرانى .... أوكافر، فيكفر بحنثه لوفى المستقبل....... والأصح أن الحالف لم يكفر، الخ". درمختار۔ "(قوله: فيكفر بحنثه): أى تلزمه الكفارة إذاحنث إلحاقاً له بتحريم الحلال؛ لأنه لما جعل الشرط علماً على الكفر، وقد اعتقده واجب الامتناع وأمكن القول بوجوبه لغيره، جعلناه يميناً، اهـ". ردالمحتار: ۷۵/۳ (۲)۔

"وبرىءٌ من الإسلام أو القبلة يمين، اهـ". درمختار: ۷۱/۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۲۴ھ۔

جب شوہر کو شرط نامہ کا علم نہ ہو اس سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۲۲۸۰]: محمد سعید کے خسر نے عقد ثانی کے وقت محمد سعید سے اس شرط نامہ پر انگوٹھا کا نشان لے کر "محمد سعید نے اپنی پہلی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے تین طلاق دیا اور یہ بات طے پائی کہ بی بی میمونہ خاتون (زوجہ ثانیہ) جب تک زندہ رہے گی، اگر میں دوسری شادی کروں تو تین طلاق ہوگی یا پڑے گی"

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أوكسوتهم أوتحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذالك كفارة أيمانكم إذاحلفتم﴾ (المائدة: ۸۹)

"كفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أوكسوتهم بمايصلح للأوساط، وإن عجز عنهاوقت الأداء، صام ثلثة أيام ولاءً". (الدرالمختار: ۳/۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۶۱، الباب الثانى فى الكفارة، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۷۱۷، ۷۱۸، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۲/۵۷، كتاب الأيمان، الباب الثانى فيمايكون يميناً، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار: ۳/۷۱۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

عقد کرایا تھا، محمد سعید اَن پڑھ کو اس شرط نامہ کا علم نہیں ہوا، اس نے صرف طلاقنامہ سمجھ کر انگوٹھا لگایا تھا، حالانکہ ایک ہی کاغذ میں طلاقنامہ اور شرط نامہ ہے جس میں محمد سعید نے انگوٹھا لگایا تھا، مدتوں بعد جب محمد سعید نے تیسری شادی کی تو قاضی نکاح ثانی کا یہ شرط نامہ اور طلاقنامہ دکھلاتا ہے۔

تو اب عرض یہ ہے کہ از روئے قرآن وحدیث اس شرط نامہ کی وجہ سے نکاح ثالث کرنے سے محمد سعید کی موجودہ بیوی میمونہ خاتون پر طلاق پڑ یگی یا نہیں؟ اور اگر اس شرط کا علم ہوتا تو طلاق واقع ہوتی یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ محمد سعید کو شرطنامہ کا علم ہی نہیں تو اس کے ذمہ کوئی پابندی نہیں، پس اس کی وجہ سے موجودہ بیوی پر طلاق نہیں ہوگی:

"کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ، لایقع الطلاق مالم یقرّ أنہ کتابہ، اھ". ردالمحتار: ۲/ ۴۲۹(۱)۔ اس کے بعد پھر اس بحث کی ضرورت نہیں رہتی کہ اگر اس شرط کا علم ہوتا تو کیا حکم ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۰ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/۲۴۷، قبیل باب الصریح، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۹، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانية: ۳/۳۸۱، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق بالکتاب، إدارة القرآن کراچی)

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقیة کتاب الطلاق	
	باب تعلیق الطلاق	
	(طلاقِ معلق کا بیان)	
۱	طلاقِ مشروط کا حکم........................	۲۴
۲	’’اگر فلاں کام کروں تو بیوی میری طرف سے قطعی آزاد ہے‘‘ کا حکم..................	۲۵
۳	’’اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے‘‘ کا حکم..........	۲۶
۴	معاہدہ کی خلاف ورزی پر وقوع طلاق کو معلق کرنا........................	۳۰
۵	طلاق معلق بالشرط........................	۳۱
۶	’’اگر تُو اب سرائے جائے گی تو طلاق دے دوں گا‘‘ کہنے کا حکم..................	۳۲
۷	’’اگر میں تیری عورت کی طرف دیکھوں یا نظر کروں تو میری بیوی کو تین طلاق‘‘ کا حکم........	۳۴

۸	منکوحہ اگر کہلائے کہ ''میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو طلاق ہے''	۳۶
۹	''اگر تم دونوں چھت پر آئی تو دونوں کو تینوں طلاق'' کہنے کا حکم	۳۷
۱۰	''اگر فلاں نے میرا روپیہ واپس کرنے میں رکاوٹ ڈال دی تو میری بیوی کو طلاق''	۳۸
۱۱	''اگر میں فلاں سے پہلے شادی کرلوں تو میرے لئے ساری دنیا کی عورتوں کو طلاق ہو'' کا حکم	۳۹
۱۲	تعلیق طلاق بالمحال	۴۰
۱۳	تعلیق طلاق کی ایک صورت اور دیوبند و سہارنپور کے جواب میں اختلاف	۴۱
۱۴	استفتاء	۴۲
۱۵	خلافِ شرط کرنے سے طلاق	۴۶
۱۶	''مقررہ شرائط کی خلاف ورزی کروں تو یہ عدمِ پابندی میری بیوی کے لئے طلاق مقصود ہو''	☆
☆	کہنے کا حکم	۵۰
۱۷	''اگر ماروں پیٹوں یا گھر سے نکالوں تو مسماۃ پر سہ طلاق''	۵۱
۱۸	نکاح میں کی گئی شرط کے خلاف کرنے سے وقوعِ طلاق اور قسم کا کفارہ	۵۲
۱۹	بدکاری نہ کرنے پر طلاق کو معلق کر کے مفعولیت کا ارتکاب	۵۳
۲۰	طلاق معلق میں تعلیق کی خبر سے پہلے اس کا ارتکاب	۵۴
۲۱	خفا ہو کر جانے پر طلاق کو معلق کرنا	۵۶
۲۲	''اگر چوٹن ہے تو طلاق'' کا حکم	۵۸
۲۳	''اب اگر روٹی پکائے تو طلاق'' کا حکم	۵۸
۲۴	''میں ہار گیا تو طلاق ہے'' کا حکم	۵۹
۲۵	''بلا اجازت، باپ کے گھر گئی تو طلاق'' کا حکم	۶۱
۲۶	''میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو اس کو طلاق'' کا حکم	۶۳
۲۷	''کسی ایک کے چھوڑنے سے دونوں ہی چھوٹ جائیں گی'' سے طلاق کا حکم	۶۵
۲۸	ایک بیوی کی طلاق کو دوسری بیوی کی طلاق پر معلق کرنا	۶۵
۲۹	ایک مکالمہ جس میں طلاق مذکور نہیں	۶۶

۳۰	جماع نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرنا..	۶۸
۳۱	تین طلاق کی تعلیق..	۶۹
۳۲	طلاقِ مغلظہ شرط کے ساتھ..	۷۱
۳۳	''بیوی میکہ چلی جائے تو تین طلاق'' کا حکم..	۷۲
۳۴	''اگر اولاد ہوئی تو تجھے طلاق'' تین بار کہنے کا حکم..	۷۳
۳۵	''اگر تو نے زنا کیا ہو اور نہ بتلایا تو تین طلاق'' کا حکم..	۷۳
۳۶	''اگر تو نہیں آئے گی تو تجھ کو ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق'' کا حکم..	۷۵
۳۷	''اگر مکان نہ جلاؤں تو طلاق مغلظہ'' کا حکم..	۷۶
۳۸	طلاق معلقہ ومغلظہ..	۷۷
۳۹	''اگر دوسری شادی کروں تو زوجۂ ثانیہ کو طلاق مغلظہ'' سے تیسری بیوی کو طلاق نہیں ہوگی............	۷۹
۴۰	''حج سے پہلے ہمبستری کی تو بیوی کو طلاق'' کا حکم..	۸۰
۴۱	نکاح پر طلاق کو معلق کرنا..	۸۱
۴۲	''اگر میں اس سے نکاح کروں'' یا ''میرا اس سے نکاح ہو جائے تو اس کو طلاقِ مغلظہ'' کا حکم...	۸۳
۴۳	''اگر میری شادی اس سے نہیں بلکہ دوسری عورت سے ہوئی تو دوسری بیوی کو دو طلاق'' کا حکم	۸۴
۴۴	''جب تک مکان نہیں بنالوں گا، تب تک میری بیوی کو تین طلاق'' کہنے کا حکم..	۸۵

فصل فی التعلیق بکلمة کلّما

(کلمۂ کلّما کے ساتھ طلاق دینے کا بیان)

۴۵	کلّما کی قسم..	۸۷
۴۶	ایضاً..	۹۰
۴۷	ایضاً..	۹۱
۴۸	''کلما تزوجت'' کا حکم..	۹۲
۵۹	جبراً کلما کی قسم لینا، نابالغ کی قسم، قسم کا کفارہ..	۹۳

۵۰	نکاحِ فضولی اور کلما کی قسم اور بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کی وضاحت	۹۶
۵۱	محبوب سے بے وفائی پر قسم، طلاق کا حکم (کلما کی ایک صورت)	۹۸
۵۲	کلما کی قسم اور اس کا حل	۹۸
۵۳	کلما کی قسم کا حل	۱۰۰
۵۴	''اگر کسی عورت سے شادی کروں تو اس پر طلاق مغلظہ'' کہنے کا حکم	۱۰۲

فصل فی یمین الطلاق

(طلاق کی قسم اٹھانے کا بیان)

۵۵	طلاقِ یمین	۱۰۵
۵۶	بیوی کو طلاق کی قسم دینا	۱۰۶
۵۷	غیر شادی شدہ کی یمینِ طلاق کا حکم	۱۰۶
۵۸	یمینِ فور	۱۰۷
۵۹	ایضاً	۱۰۸
۶۰	مکان میں داخل ہونے کی قسم اور اس سے بچنے کا حیلہ	۱۱۰
۶۱	کیا ارتداد سے یمین ساقط ہو جاتی ہے؟	۱۱۱

فصل فی التعلیق بالمشیئة

(لفظ انشاء اللہ کے ساتھ طلاق معلق کرنے کا بیان)

۶۲	''طلاق انشاء اللہ'' کا حکم	۱۱۳
۶۳	''تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی انشاء اللہ'' کہنے کا حکم	۱۱۳
۶۴	طلاق کا لفظ کہہ کر ''انشاء اللہ'' آہستہ کہنا	۱۱۵
۶۵	طلاق کے ساتھ ''انشاء اللہ'' پست آواز سے کہنا اور جبراً طلاق نامہ لکھنا اور اس کو سنانا	۱۱۶

فصل فی المَخلص من التعليق

(تعلیقِ طلاق سے بچنے کا بیان)

۶۶	تعلیقِ طلاق سے بچنے کی صورت	۱۱۹
۶۷	شرطِ طلاق ختم کرنے کی صورت	۱۱۹
۶۸	طلاقِ معلق سے بچنے کا حیلہ	۱۲۱
۶۹	طلاقِ معلق کو منسوخ کرنا	۱۲۲
۷۰	کیا شرطِ معلق کو واپس لیا جاسکتا ہے؟	۱۲۴
۷۱	تعلیق کے بعد اجازت سے بھی تعلیق ختم نہیں ہوتی	۱۲۵
۷۲	تعلیق کو ختم کرنے کی صورت	۱۲۷
۷۳	مغلظہ کی تعلیق کو ختم کرنے کی ترکیب	۱۲۷
۷۴	تعلیق کو ختم کرنے کی صورت	۱۲۹
۷۵	''اگر اپنی مرضی سے برتن لے گئی تو طلاق'' کا حل	۱۳۲
۷۶	''اگر بغیر پڑھے آکر شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے'' کا حل	۱۳۴

باب التفويض

(طلاق کا اختیار دینے کا بیان)

۷۷	تفویضِ طلاق	۱۳۵
۷۸	کیا طلاق کی توکیل وتفویض سے شوہر کا حق ختم ہوجاتا ہے؟	۱۳۶
۷۹	عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط	۱۳۸
۸۰	عورت کو نکاح سے الگ ہونے کا اختیار اسی مجلس تک	۱۳۸
۸۱	تعلیقِ تفویض قبل نکاح	۱۳۹
۸۲	نکاح سے قبل تحریر لکھوانا	۱۴۰

۸۳	خلافِ شرائط کرنے پر زوجہ کو حقِ طلاق	۱۴۱
۸۴	عقد سے قبل طلاق کا اختیار	۱۴۲
۸۵	کابین نامہ وتفویضِ طلاق	۱۴۴
۸۶	''تمہاری خواہش ہو تو طلاق طلاق'' کہنے کا حکم	۱۵۰
۸۷	شوہر کی زیادتی سے بچاؤ کے لئے کسی تجربہ کار عالم کے مشورہ سے کابین نامہ	۱۵۲
۸۸	طلاق کا اختیار دوسرے کو دے کر واپس لینا	۱۵۳
۸۹	گھر داماد رکھنے کی شرط	۱۵۴
۹۰	عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط	۱۵۵
۹۱	لڑکی کی خواہش پر طلاق	۱۵۶

باب الفسخ و التفریق

(فسخ اور تفریقِ نکاح کا بیان)

۹۲	قانونی فسخِ نکاح	۱۵۷
۹۳	تفریقِ عدالت سے نکاح کا اختیار	۱۵۹
۹۴	محض عورت کی خواہش پر تفریق عدالت کا حکم؟	۱۶۰
۹۵	اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ	۱۶۱
۹۶	اِمارتِ شرعیہ بہار کی بجائے شرعی کمیٹی سے فیصلہ کروانا	۱۶۲
۹۷	کیا اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ قضائے قاضی ہے؟	۱۶۳
۹۸	عدالتی طلاق	۱۶۴
۹۹	ظالم زوج سے چھٹکارہ بذریعۂ پنچایت	۱۶۶
۱۰۰	کیا بیوی کو بذریعۂ عدالت طلاق لینے کا حق ہے؟	۱۶۷
۱۰۱	جج کا فیصلہ فسخِ نکاح میں	۱۶۸

۱۰۲	نکاح وتفریق میں جج کا فیصلہ	۱۶۹
۱۰۳	عورت ناراض ہوتو کیا قاضی کے یہاں جا کر طلاق دے سکتی ہے؟	۱۷۰
۱۰۴	طلاق کے سلسلہ میں جعلی قاضی کا فیصلہ	۱۷۲
۱۰۵	غیر مسلم عدالت سے فسخِ نکاح	۱۷۳
۱۰۶	شوہر سے بیان لئے بغیر شرعی پنچایت کا فیصلۂ طلاق	۱۷۴
۱۰۷	شوہر سے نفرت کی صورت میں تفریق کا حکم	۱۷۶
۱۰۸	زوجہ کو شوہر سے سیری نہ ہونے کی صورت میں تفریق کا حکم	۱۷۶
۱۰۹	پنچایت کا شوہر کو دوبارہ اطلاع کئے بغیر تفریق	۱۷۷
۱۱۰	شوہر بیوی کا معاملہ برادری کے حوالہ کرنا	۱۷۹
۱۱۱	شوہر کی زبان میں لکنت کی وجہ سے مطالبۂ آزادی	۱۸۰
۱۱۲	کیا ولی کو فسخِ نکاح کا حق ہے؟	۱۸۱
۱۱۳	شوہر، بیوی کے درمیان تنازع شدید کا مقدمہ عدالت میں	۱۸۱
۱۱۴	حکم نکاح کس طرح فسخ کرے؟	۱۸۴
۱۱۵	نابالغ کا نکاح باپ فسخ نہیں کرسکتا	۱۸۵
۱۱۶	شوہر فاسق ہوجائے تو زوجہ کیا کرے؟	۱۸۶
۱۱۷	کیا زانی شوہر سے علیحدگی کا اختیار ہے؟	۱۸۷
۱۱۸	شوہر کا اپنے عہد کے خلاف کرنے سے فسخِ نکاح	۱۸۸
۱۱۹	بدعمل شوہر سے مطالبۂ طلاق	۱۸۹
۱۲۰	ظالم شوہر سے طلاق کا مطالبہ	۱۹۰
۱۲۱	بیوی کی طرف شوہر متوجہ نہ ہوتو کیا کرے؟	۱۹۱
۱۲۲	اپنی بیوی کو دوسرے کے حوالہ کرنے سے نکاح کا حکم	۱۹۲
۱۲۳	شوہر پاکستان چلا گیا، تو عورت کو عدمِ نفقہ کی صورت میں حقِ فسخ ہے یا نہیں؟	۱۹۳
۱۲۴	شوہر پاکستان چلا گیا، بیوی کیا کرے؟	۱۹۵

۱۲۵	شوہر دوسری جگہ نکاح کرکے رہتا ہے، تو یہ بیوی کیا کرے؟	۱۹۶
۱۲۶	سمدھن سے ناجائز تعلق کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوا	۱۹۷
۱۲۷	شوہر کے نامرد ہونے کی حالت میں غیر مرد سے تعلق قائم کرنا	۱۹۸
۱۲۸	سختی کرنے والے شوہر سے علیحدگی	۲۰۲
۱۲۹	مظلومہ کی گلوخلاصی	۲۰۳
۱۳۰	حرمتِ مصاہرت سے تفریق	۲۰۴
۱۳۱	تین طلاق کے بعد بھی شوہر نہ چھوڑے، تو کلمۂ کفر ادا کرنے کا حکم، ارتداد کے بعد اس شرط پر	☆
☆	اسلام قبول کرنا کہ "میرا نکاح دین دار شخص سے ہو"	۲۰۵
۱۳۲	بہورہ لڑکی اگر اسلام قبول کرلے تو شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی یا نہیں؟	۲۰۸
۱۳۳	زوجۂ صبی کا حکم	۲۰۹
۱۳۴	شوہر نابالغ زوجہ بالغ	۲۰۹

فصل فی زوجة المفقود والغائب

(لاپتہ اور غائب شخص کی زوجہ کا بیان)

۱۳۵	زوجۂ مفقود	۲۱۱
۱۳۶	ایضاً	۲۱۲
۱۳۷	ایضاً	۲۱۳
۱۳۸	ایضاً	۲۱۵
۱۳۹	زوجۂ مفقود الخبر کے لئے سہولت	۲۱۶
۱۴۰	زوجۂ مفقود کا حکم	۲۱۷
۱۴۱	ایضاً	۲۱۹
۱۴۲	شوہر دوسرے ملک میں ہو تو فسخ نکاح کرنا	۲۲۰
۱۴۳	زوجۂ مفقود کے نکاح کے بعد واپسی مفقود	۲۲۲

۱۴۴	مفقود کی واپسی زوجہ کے نکاحِ ثانی کے بعد	۲۲۳
۱۴۵	مفقود کی واپسی نکاحِ ثانی کے بعد	۲۲۵
۱۴۶	زوجۂ مفقود کا نکاح بغیر قضائے قاضی	۲۲۸
۱۴۷	واپسیٔ مفقود	۲۲۹
۱۴۸	زوجۂ غائب	۲۳۱
۱۴۹	ایضاً	۲۳۲
۱۵۰	زوجۂ مسجون	۲۳۴

فصل فی زوجة المتعنت

(زوجۂ متعنت کا بیان)

۱۵۱	زوجۂ متعنت	۲۳۵
۱۵۲	ایضاً	۲۳۶
۱۵۳	ایضاً	۲۳۸
۱۵۴	ایضاً	۲۳۹
۱۵۵	ایضاً	۲۴۰
۱۵۶	ایضاً	۲۴۱
۱۵۷	ایضاً	۲۴۳
۱۵۸	ایضاً	۲۴۴
۱۵۹	ایضاً	۲۴۷
۱۶۰	ایضاً	۲۴۸
۱۶۱	ایضاً	۲۴۹
۱۶۲	شوہر نہ بیوی کو بلائے، نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟	۲۵۱
۱۶۳	جس عورت کو اس کا شوہر نہ رکھتا ہو، اس کو کسی ہندو کے حوالہ کر دینا	۲۵۳

۱۶۴	نفقہ نہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۲۵۵
۱۶۵	بذریعۂ پنچایت تفریق	۲۵۵
۱۶۶	نفقہ کے دعویٰ میں یکطرفہ بیان سے خلع کی ڈگری دے کر نکاح فسخ کرنا	۲۵۶
۱۶۷	زوجہ کا نفقہ کتنے روز تک بند رکھنے سے تفریق ہوسکتی ہے؟	۲۵۸
۱۶۸	انتظامِ نفقہ کے باوجود طلاق حاصل کرنا	۲۵۸

فصل فی زوجة المجنون والعنین

(دیوانہ اور نامرد کی بیوی کا بیان)

۱۶۹	زوجۂ مجنون کا حکم	۲۶۰
۱۷۰	ایضاً	۲۶۲
۱۷۱	ایضاً	۲۶۵
۱۷۲	ایضاً	۲۶۶
۱۷۳	ایضاً	۲۶۷
۱۷۴	زوجۂ مجنون اور عنین کا حکم	۲۶۸
۱۷۵	ایضاً	۲۶۹
۱۷۶	زوجۂ مجنون، نامرد کی تفریق کی صورت	۲۷۰
۱۷۷	شوہر پاگل ہوگیا تھا مگر اب اچھا ہوگیا، اس کی بیوی کا نکاح	۲۷۲
۱۷۸	زوجۂ عنین	۲۷۳
۱۷۹	زوجۂ مجنون وعنین	۲۷۴
۱۸۰	زوجۂ عنین	۲۷۷
۱۸۱	ایضاً	۲۸۰
۱۸۲	زوجۂ عنین کے واسطے عدالت کا فیصلہ	۲۸۱
۱۸۳	زوجۂ عنین کی درخواستِ تفریق پر شرعی پنچایت کے چند سوالات	۲۸۴

فصل فی زوجة المجذوم
(جذامی کے فسخِ نکاح کا بیان)

۱۸۴	زوجۂ مجذوم کو خیارِ تفریق	۲۸۷
۱۸۵	شوہر کو جذام ہو تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟	۲۸۹
۱۸۶	زوجۂ مفلوج	۲۹۰

باب الشهود فی الطلاق
(طلاق میں گواہی کا بیان)

۱۸۷	کیا طلاق کے لئے گواہی ضروری ہے؟	۲۹۳
۱۸۸	طلاق کے بعد شوہر منکر ہو گیا	۲۹۴
۱۸۹	شوہر کا طلاق کے بعد انکار اور گواہ کا گواہی سے انکار	۲۹۶
۱۹۰	بیوی نے طلاق کو سنا، شوہر منکر ہے	۲۹۷
۱۹۱	گواہانِ عفت و معصیت میں تقابل	۲۹۸
۱۹۲	اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت نہیں	۲۹۹
۱۹۳	اقرارِ طلاق کے بعد گواہ کی ضرورت نہیں	۳۰۰
۱۹۴	اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت	۳۰۲
۱۹۵	طلاق میں بیٹوں کی شہادت	۳۰۲
۱۹۶	گواہوں کے باوجود شوہر کا طلاق سے انکار	۳۰۵
۱۹۷	طلاق کے گواہوں میں اختلاف	۳۰۷
۱۹۸	جھوٹے گواہوں سے طلاق کا ثبوت	۳۰۸
۱۹۹	طلاق کا ثبوت گواہوں سے	۳۱۰
۲۰۰	ورثائے زوج کا دعوائے طلاق اور گواہی	۳۱۳
۲۰۱	تین طلاق میں زوجین کا اختلاف ہو تو گواہوں کی ضرورت	۳۱۵

باب الظهار والإيلاء

(ظہار اور ایلاء کا بیان)

۲۰۲ ظہار ۳۱۸

۲۰۳ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے ظہار ۳۱۹

۲۰۴ بیوی کو بہن کی طرح کہنے کا حکم ۳۲۲

۲۰۵ بیوی کو بہن وغیرہ کہنا ۳۲۴

۲۰۶ بیوی کو بہن کہہ دیا ۳۲۵

۲۰۷ ''اگر بیوی سے صحبت کروں اپنی ماں سے کروں'' کہنے کا حکم ۳۲۵

۲۰۸ بیوی کو بہن کی طرح سمجھنا صیغۂ مستقبل سے ۳۲۶

۲۰۹ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق کا حکم ۳۲۷

۲۱۰ بیوی کو ماں کہنا ۳۲۹

۲۱۱ شوہر کو باپ کہنا ۳۲۹

۲۱۲ بیوی کو دادی اماں کہنا ۳۳۰

۲۱۳ ''تو میری ماں ہے اور میں تیری اولاد ہوں'' کہنے کا حکم ۳۳۰

۲۱۴ ''اگر میں فلاں کام کروں تو اپنی بیوی کو ماں بنالوں'' کہنے کا حکم ۳۳۳

۲۱۵ ایلاء ۳۳۳

باب اللعان والخلع

(لعان اور خلع کا بیان)

۲۱۶ لعان ۳۳۵

۲۱۷ لعان کی تفصیلات ۳۳۷

۲۱۸	بیوی کو زانیہ کہنا	۳۴۰
۲۱۹	خلع کی تشریح	۳۴۱
۲۲۰	طلاق بالعوض	۳۴۲
۲۲۱	خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے	۳۴۳
۲۲۲	خلع میں شرط	۳۴۷
۲۲۳	قبولِ خلع کب تک ہے؟	۳۴۸
۲۲۴	خلع سے طلاق	۳۴۹
۲۲۵	روپے کے عوض طلاق	۳۵۱
۲۲۶	مہر اور نفقہ کے عوض بیوی کی منظور پر طلاق	۳۵۲
۲۲۷	خلع میں بدلِ خلع دینے سے بیوی کا انکار	۳۵۵
۲۲۸	خلع اور لعان کی ایک صورت	۳۵۶
۲۲۹	نابینا کے ساتھ نکاح کے بعد خلع	۳۵۸
۲۳۰	معافیٔ مہر کی شرط پر طلاق کی صورت	۳۵۹

باب الرجعة

(رجعت کا بیان)

۲۳۱	رجعت کا ثبوت	۳۶۱
۲۳۲	عورت کو طلاق اور رجعت کا علم ہونا ضروری نہیں	۳۶۲
۲۳۳	طلاق، عدت اور رجعت کی تفصیل	۳۶۴
۲۳۴	’’اب ایسا نہیں کروں گا‘‘ کہنے سے رجعت نہیں ہوتی	۳۶۶
۲۳۵	دو طلاق کے بعد رجوع کرنا	۳۶۷
۲۳۶	ایک طلاق کے بعد نکاح کرنے سے دو طلاق کا اختیار رہتا ہے	۳۶۹

۲۳۷ طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح سے کتنی طلاق کا اختیار رہتا ہے؟ ۳۶۹

۲۳۸ طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح ۳۷۱

۲۳۹ طلاق کے بعد پھر نکاح اور ولادت ۳۷۲

۲۴۰ طلاقِ مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے رجوع کرنا ۳۷۳

۲۴۱ سنت کے موافق تین طلاق دینے کے بعد رجعت ۳۷۵

۲۴۲ تین طلاق کے بعد رجعت ۳۷۶

۲۴۳ تین طلاق کے بعد رجعت ۳۷۷

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

۲۴۴ طلاق قبل الدخول میں عدت ہے یا نہیں؟ ۳۸۱

۲۴۵ خلوتِ فاسدہ کے بعد عدت لازم ہے یا نہیں؟ ۳۸۲

۲۴۶ سال بھر میں ایک حیض آنے والی عورت اور آئسہ کی عدت ۳۸۵

۲۴۷ مطلقۂ عنین پر عدت ۳۸۷

۲۴۸ جس کو حیض نہیں آتا اس کی عدت ۳۸۷

۲۴۹ خلع کی عدت ۳۸۸

۲۵۰ عدت شوہر کے مکان میں گذارنا ۳۹۰

۲۵۱ ایضاً ۳۹۱

۲۵۲ تین حیض ساٹھ دن میں ۳۹۲

۲۵۳ معتدہ کو منتقل ہونا ۳۹۴

۲۵۴ بیوہ کا اپنے باپ کے گھر عدت گذارنا ۳۹۵

۲۵۵ ایضاً ۳۹۵

۲۵۶	معتدہ کو دوسری جگہ منتقل ہونا....................................	۳۹۶
۲۵۷	زوجہ شوہر کے ساتھ والد کے یہاں آئی تھی شوہر کا انتقال ہوگیا، عدت کہاں گزارے؟........	۳۹۷
۲۵۸	عدت میں ووٹ ڈالنے کے لئے جانا....................................	۳۹۸
۲۵۹	عدت میں شرکتِ نکاح کے لئے نکلنا....................................	۳۹۹
۲۶۰	بغیر ہمبستری کے طلاق کی صورت میں عدت....................................	۳۹۹
۲۶۱	حالتِ عدت میں نکاح، تین حیض گذرنے سے قبل حمل رہ گیا عدت کس طرح ہوگی؟........	۴۰۰
۲۶۲	عدت میں شناخت کے لئے عدالت جانا....................................	۴۰۱
۲۶۳	عدت میں تنخواہ لینے کے لئے دفتر جانا....................................	۴۰۱
۲۶۴	معتدہ کو صحن میں جانا....................................	۴۰۲
۲۶۵	عدت میں کن چیزوں کے اہتمام کی ضرورت ہے؟....................................	۴۰۴
۲۶۶	عدت کے دوران پردہ سے متعلق چند سوالات....................................	۴۰۵
۲۶۷	کیا طوائف کے لئے عدت ہے؟....................................	۴۰۷
۲۶۸	عدتِ وفات، وقتِ وفات سے ہے یا خبر ملنے کے وقت سے؟....................................	۴۰۸
۲۶۹	عدت کے اندر تیسری طلاق....................................	۴۰۸
۲۷۰	وفاتِ شوہر پر ترکِ زینت....................................	۴۰۹
۲۷۱	بیوہ عورت کا زیور پہننا....................................	۴۱۰
۲۷۲	مطلقہ رجعی پر سوگ....................................	۴۱۱
۲۷۳	عدت میں چوڑیوں کا استعمال....................................	۴۱۲
۲۷۴	عدت میں چوڑی توڑ دینا....................................	۴۱۲
۲۷۵	نومسلمہ کے نکاح کے لئے عدت....................................	۴۱۳
۲۷۶	نومسلمہ کا نکاح کے لئے عدت....................................	۴۱۴

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

۲۷۷	نان نفقہ کا انتظام شوہر پر لازم ہے	۴۲۰
۲۷۸	عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے یا سوتیلے لڑکے کے ذمہ؟	۴۲۱
۲۷۹	ماں اور بیوی کا نفقہ	۴۲۳
۲۸۰	بلا رخصتی کے وجوبِ نفقہ	۴۲۴
۲۸۱	رخصتی سے قبل نفقہ	۴۲۵
۲۸۲	بغیر شوہر کے گھر جائے نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں	۴۲۶
۲۸۳	زوجہ کا نفقہ وسکنیٰ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟	۴۲۷
۲۸۴	دوا علاج کیا شوہر کے ذمہ لازم ہے؟	۴۲۸
۲۸۵	کیا باپ کے گھر رہ کر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟	۴۲۸
۲۸۶	حقوقِ زوجیت نفقہ وغیرہ نہ دے کر بیوی کو معلق رکھنا	۴۳۱
۲۸۷	کیا میکہ میں رہتے ہوئے بھی نفقہ لازم ہے؟	۴۳۲
۲۸۸	نفقۂ مطلقہ	۴۳۳
۲۸۹	دو بیویوں کے درمیان برابری اور بیماری کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا	۴۳۵
۲۹۰	عدتِ طلاق کا نفقہ	۴۳۵
۲۹۱	عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ وسکنیٰ	۴۳۶
۲۹۲	نفقۂ مختلعہ	۴۳۷
۲۹۳	ناشزہ کا نفقہ اور حقِ حضانت	۴۳۸
۲۹۴	نافرمان بیوی کی تادیب اور نفقہ	۴۴۴

۲۹۵	بیوی کا علیحدہ مکان کا مطالبہ اور نشوز کی صورت میں نفقہ	۴۴۶
۲۹۶	ناشزہ کا نفقہ	۴۴۸
۲۹۷	بیوی سفر میں ساتھ رہنے سے انکار کردے اس کا نفقہ	۴۴۹
۲۹۸	ممتدۃ الطہر کا نفقہ	۴۵۳
۲۹۹	کیا بلا اجازتِ شوہر کے میکہ جانے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے؟	۴۵۴
۳۰۰	فاسقہ بیوی پر نکیر اور اس کا نفقہ	۴۵۴
۳۰۱	گذشتہ دنوں کا نفقہ	۴۵۶
۳۰۲	زوجہ کا تعنت اور زیادتی	۴۵۷
۳۰۳	بیوہ اور حاجتمند لڑکی کو مکان دینا	۴۵۹
۳۰۴	بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ	۴۶۰
۳۰۵	بیوی سے بدگمانی کی بناء پر نفقہ بند کردینا	۴۶۱
۳۰۶	ناشزہ کا نفقہ نہیں	۴۶۲
۳۰۷	باپ کا نفقہ بیٹے پر	۴۶۳
۳۰۸	فاسقہ والدہ کا نفقہ	۴۶۴
۳۰۹	طلاق اور بچوں کا نفقہ	۴۶۶
۳۱۰	نابالغ اولاد کا نان ونفقہ	۴۶۷
۳۱۱	بدچلن بیوی کو طلاق مل گئی مہر اور خرچہ کی وہ مستحق ہے یا نہیں؟	۴۶۷
۳۱۲	اولاد کو کیا نقد نفقہ دینا لازم ہے؟	۴۶۸
۳۱۳	والدین اور اولاد میں کس کا نفقہ مقدم ہے؟	۴۶۹
۳۱۴	پاگل کی بیوی کا نکاح منسوخ کرادیا تو نفقہ	۴۶۹
۳۱۵	منکوحۂ غیر کو طلاق دلوا کر اس کی کفالت کرنا	۴۷۱

باب الحلالة

(حلالہ کا بیان)

۳۱۶	تین طلاق کے بعد حلالہ	۴۷۴
۳۱۷	عورت کو حلالہ کا حکم کیوں ہے؟	۴۷۶
۳۱۸	بغیر شرط کے حلالہ	۴۷۷
۳۱۹	حلالہ میں طلاق کی شرط	۴۷۷
۳۲۰	خلوتِ صحیحہ کی تعریف اور حلالہ کی شرط	۴۷۸
۳۲۱	حلالہ میں صحبت شرط ہے	۴۷۹
۳۲۲	نکاح بشرطِ تحلیل واجرت وتوقیت ومتعہ	۴۸۰
۳۲۳	تین طلاق کے بعد عدت کے اندر نکاحِ ثانی سے حلالہ کا حکم	۴۸۴
۳۲۴	حلالہ کے لئے عدت میں نکاح	۴۸۶
۳۲۵	حلالہ کے لئے صرف نکاح، وہ بھی عدت میں	۴۸۸
۳۲۶	حلالہ کے لئے شوہر نکاح پڑھا سکتا ہے	۴۹۰
۳۲۷	نیرودھ کے ذریعہ حلالہ	۴۹۰
۳۲۸	حلالہ کے لئے زوجین کا دخول میں اختلاف	۴۹۱
۳۲۹	حلالہ میں مباشرت کا اقرار پھر انکار	۴۹۳
۳۳۰	زوجِ ثانی ہادمِ مادون الثلاث ہے	۴۹۴
۳۳۱	غیر مدخولہ کو تین طلاق کے بعد حلالہ کی ضرورت	۴۹۵
۳۳۲	مراہق سے حلالہ	۴۹۷
۳۳۳	حلالہ بذریعہ مراہق	۴۹۸
۳۳۴	نابالغ کے ذریعہ حلالہ	۵۰۱

۳۳۵	ارتداد سے حلالہ ساقط نہیں ہوتا	۵۰۱
۳۳۶	مطلقہ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے نکاح	۵۰۲
۳۳۷	تین طلاق کے بعد توبہ سے حلالہ نہیں ہوتا	۵۰۶
۳۳۸	تین طلاق کے بعد نکاح کے لئے حلالہ ضروری ہے	۵۰۷
۳۳۹	اجرت دے کر حلالہ کرانا	۵۰۸
۳۴۰	نکاح بشرطِ تحلیل	۵۰۹
۳۴۱	نکاح بنیتِ تحلیل	۵۱۳
۳۴۲	طلاق کی نیت سے نکاح	۵۱۵
۳۴۳	حلالہ کے بعد میاں بیوی کا نکاح جب کہ حلالہ کے گواہ منکر ہوں	۵۱۶
۳۴۴	حلالہ کی صورت	۵۱۷
۳۴۵	مطلقہ ثلاثہ کا نکاح بغیر حلالہ کے	۵۱۸
۳۴۶	تین حلالہ کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح میں رکھنا	۵۱۹
۳۴۷	بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا	۵۲۱

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

۳۴۸	اقل مدت حمل	۵۲۳
۳۴۹	چھ ماہہ بچہ کے نسب کا ثبوت	۵۲۴
۳۵۰	نکاح سے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب	۵۲۷
۳۵۱	نکاح کے چھ دن بعد جو بچی پیدا ہو اس کا نسب	۵۲۹
۳۵۲	سات آٹھ ماہ گذرنے پر پیدا شدہ بچہ کا نسب	۵۲۹
۳۵۳	دس برس کی جدائی پر بچہ کا نسب	۵۳۰

۳۵۴	عزل کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے............	۵۳۲
۳۵۵	نس بندی کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے............	۵۳۲
۳۵۶	حمل سوکھ کر ڈیڑھ سال بعد بچہ پیدا ہوا............	۵۳۲
۳۵۷	ناجائز حمل کس کی طرف منسوب ہو؟............	۵۳۳
۳۵۸	حاملہ مفرورہ سے پیدا شدہ بچی کس کی ہے؟............	۵۳۴
۳۵۹	نکاحِ فاسد میں ثبوتِ نسب............	۵۳۵
۳۶۰	نکاحِ فاسد میں ثبوتِ عدت ونسب............	۵۴۰
۳۶۱	بیٹی سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا ثبوتِ نسب............	۵۴۲
۳۶۲	بغیر نکاح کے عورت رکھنے سے اس کی اولاد ثابت النسب نہیں............	۵۴۳
۳۶۳	ولد الزنا کا نسب............	۵۴۴
۳۶۴	اولادِ زنا میں ثبوتِ نسب............	۵۴۵
۳۶۵	حرامی لڑکے سے اپنی لڑکی کو منسوب کرنا............	۵۴۷
۳۶۶	مشترکہ لونڈی سے پیدا شدہ بچہ کا نسب اور جاریہ، زانیہ، منکوحہ کا فرق............	۵۴۷
۳۶۷	نومسلمہ کا نکاح بلا عدت اور اس میں ثبوتِ نسب............	۵۵۰
۳۶۸	جو عورت غیر مسلم سے حاملہ ہوجائے اس کا حکم............	۵۵۲
۳۶۹	تبدیلِ نسب............	۵۵۳
۳۷۰	نسب بدلنا............	۵۵۵
۳۷۱	ایضاً............	۵۵۶
۳۷۲	چچا کو باپ کہنا............	۵۵۷
۳۷۳	کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا............	۵۵۷
۳۷۴	کسی پیغمبر یا کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا............	۵۵۸
۳۷۵	کفاءت ومساوات اور شرافتِ نسبی............	۵۶۰
۳۷۶	اصلی اور نقلی انصاری میں فرق............	۵۶۳

۳۷۷	سقوں کا اپنے آپ کو عباسی کہنا	۵۶۳
۳۷۸	نام کے ساتھ ''صدیقی'' لکھنا	۵۶۴

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

۳۷۹	حق حضانت کس کو اور کب تک ہے؟	۵۶۶
۳۸۰	مطلقہ کو حق حضانت کب تک ہے؟	۵۶۷
۳۸۱	حق حضانت	۵۶۹
۳۸۲	مدت حضانت شیعہ مذہب میں	۵۷۰
۳۸۳	بچہ کے گزشتہ ایام کا خرچ شوہر سے وصول کرنا، اور حق حضانت	۵۷۲
۳۸۴	نانا کا پرورش میں خرچ کردہ روپیہ بچہ کے باپ سے مطالبہ کرنے کا حق	۵۷۵
۳۸۵	بعد بلوغ حق پرورش دادی وغیرہ کو ہے یا خالہ کو؟	۵۷۶
۳۸۶	بیوہ کی مرضی کے خلاف چچا کا نابالغ بچوں کو اپنی کفالت میں لینا	۵۷۷

باب المتفرقات

۳۸۷	زوجۂ دیوث کا حکم	۵۷۸
۳۸۸	بالغہ کا نکاح جبراً، پھر طلاق اور پھر طلاق سے انکار	۵۷۹
۳۸۹	طلاق کے بعد نکاحِ ثانی ہوجانے پر بھی مطلقہ کو اپنے گھر رکھنا	۵۸۰
۳۹۰	تین طلاق کے بعد ساتھ رہنا	۵۸۱
۳۹۱	تین طلاق کے بعد مطلقہ کے ساتھ رہنا	۵۸۲
۳۹۲	تین طلاق کے بعد شوہر کے گھر رہنا	۵۸۴
۳۹۳	طلاق کے بعد پندرہ سال تک ہمبستری کرتا رہا	۵۸۵

۳۹۴	پوری تدبیر و تفہیم کے بعد طلاق	۵۸۵
۳۹۵	بدچلن عورت کو طلاق	۵۸۷
۳۹۶	جو عورت شوہر کو والدین کی بے عزتی پر مجبور کرے، اس کو طلاق	۵۸۸
۳۹۷	بے سلیقہ زوجہ کو طلاق اور دھوکہ والی صورت میں تفریق	۵۸۹
۳۹۸	تفریق سے خرچۂ شادی کا مطالبہ	۵۹۱
۳۹۹	طلاق کے مغلظ اور رجعی ہونے میں اختلاف	۵۹۱
۴۰۰	خوبصورت لڑکی کا لالچ دے کر طلاق دلوانا	۵۹۳
۴۰۱	حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کثرت سے طلاق دینا	۵۹۴
۴۰۲	نکاح بلا طلاق اور طلاق بلا وجہ	۵۹۵
۴۰۳	بیوی کہتی ہے کہ ’’طلاق دے دی تو مرتد ہو جاؤں گی‘‘	۵۹۸
۴۰۴	نو سوالات اور ان کے جوابات	۵۹۹
۴۰۵	عورت کا اغوا کرنا اور روپیہ لے کر اس کو طلاق دینا	۶۰۱
۴۰۶	بیوی کو طلاق اس کی بہن سے نکاح کی مصلحت سے	۶۰۴

کتاب الرضاع

(رضاعت کا بیان)

۴۰۷	حرمتِ رضاعت کا ثبوت	۶۰۵
۴۰۸	ثبوتِ رضاعت سماعاً	۶۰۷
۴۰۹	رضاعت کی حجت	۶۰۸
۴۱۰	کمزور بچے کا دودھ کب چھڑایا جائے؟	۶۰۹
۴۱۱	حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت کے شرائط	۶۱۰
۴۱۲	شبۂ رضاعت کا حکم	۶۱۴

۴۱۳	ثبوتِ رضاعت میں اختلاف	۶۱۵
۴۱۴	بچہ کو غلطی سے دودھ پلانے پر بھی رضاعت کا حکم	۶۱۶
۴۱۵	بچہ کے منہ میں پستان دینے سے حکمِ رضاعت	۶۱۷
۴۱۶	پستان بچہ کے منہ میں دینے سے ثبوتِ حرمت کب ہوگا؟	۶۱۸
۴۱۷	محض چھاتی بچہ کے منہ میں دینے سے حرمتِ رضاعت کا حکم	۶۱۹
۴۱۸	جس عورت کا دودھ بچہ کو پلایا جائے اس کے اثرات بچہ میں آتے ہیں یا نہیں؟	۶۲۰
۴۱۹	بغیر اجازتِ شوہر کسی کے بچہ کو دودھ پلانا	۶۲۱
۴۲۰	بچہ کے کمزور ہونے کی صورت میں ڈھائی سال دودھ پلانے کی گنجائش	۶۲۱
۴۲۱	بچہ کے منہ کی رال وغیرہ	۶۲۲
۴۲۲	کافرہ عورت سے رضاعت کا حکم	۶۲۳
۴۲۳	بیوی کا دودھ پینے سے نکاح پر اثر	۶۲۳
۴۲۴	بیوی کا پستان منہ میں لینے سے نکاح پر فرق نہیں پڑتا	۶۲۴
۴۲۵	سات سال سے لبن منقطع ہونے کے بعد حرمتِ رضاعت کا حکم	۶۲۵
۴۲۶	نکاح اور تولد کے بعد حرمتِ رضاعت کا علم ہوا	۶۲۶
۴۲۷	ماں کا بچہ کو دودھ پلانا خلافِ اکرام نہیں	۶۲۷

☆......☆......☆......☆......☆

بقیة کتاب الطلاق

باب تعلیق الطلاق

(طلاقِ معلق کا بیان)

طلاقِ مشروط کا حکم

سوال[۲۲۸۱]: ماقولکم أیھا العلماء فی ھذه المسئلة کہ:ایک شخص اپنی منکوحہ بیوی کو -جو مدخول بہا ہے- بایں طور کہا کہ ''جو عورت میرے سے روٹھ کر میرے گھر سے گئی تو وہ بی بی میرے پر طلاق ہے'' کچھ مدت گزرنے کے بعد بیوی تو دل میں خفا ہے لیکن خاموش رہی اور خاوند نے یہ بات کہی کہ تُو اپنے بیٹوں کے پاس چونکہ دوسرے قصبہ میں تھے جا کر دیکھ لے کہ ان کی کیا حالت ہے۔کیا اس صورت خاص میں طلاق رجعی پڑ جاتی ہے یا نہیں؟

نیز کچھ دنوں کے گزر جانے کے بعد یہ شخص اپنی بیوی مذکورہ کو کہتا ہے کہ ''اگر میں نے سنا کہ کسی لڑکے کی (جو کہ اس کے اپنے لڑکے ہیں) کمائی کھائی تو تیرے پر طلاق ہے''۔اب بیوی نے اس پر یہ کہا کہ آپ لفظ طلاق نہ بولا کریں، اس بات پر غصہ ہوئے، گالیاں دیں اور پھر کہنے لگا کہ میں نے تو تجھ کو کہا ہے کہ ''اگر میں نے اپنے لڑکوں کی کمائی کھائی تو تُو میرے اوپر طلاق ہے''۔لہٰذا باعثِ استفسار یہ بات ہوئی کہ مشروط بھی پایا گیا...... دونوں صورتوں میں بھی کمائی وغیرہ کھائی تو آیا ان مذکورہ بالا صورتوں میں عورت پر کتنی طلاقیں پڑیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلی شرط کے پائے جانے کا بیوی کو اقرار ہے اور دوسری شرط کے پائے جانے کا شوہر کو

اقرار ہے(۱) تو صورتِ مسئولہ میں دورجعی طلاقیں واقع ہوگئیں بشرطیکہ دوسری شرط عدت کے اندر پائی گئی ہو(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

''اگر فلاں کام کروں تو بیوی میری طرف سے قطعی آزاد ہے'' کا حکم

سوال[۶۲۸۲]: محمد علی نے اپنی لڑکی اصغری کا نکاح ضمیر احمد سے کردیا، بعد میں جھگڑا ہوا، طرح طرح کے واقعات پیدا ہوئے جو خلافِ شرع تھے، اس کے بعد ضمیر احمد نے صلح کرنا چاہی اور اس نے یہ کہا کہ ''اگر میں مسماۃ مذکورہ کو سہارنپور اپنے عزیزوں کے پاس لیجانا چاہوں تو مسماۃ مذکورہ میری طرف سے قطعی آزاد ہے اور اپنا نکاحِ ثانی جہاں چاہے کرلے''۔اس کے بعد وہ عزیز پورہ لڑکی کے باپ کے گھر سے بیمار ہوکر سہارنپور چلا گیا، بعد میں چند عزیزوں کے ہمراہ آکر لڑکی کو زبردستی لیجانا چاہا، لڑکی نے انکار کیا، اس نے بہت مارا اور ناک کاٹنے کا ارادہ کیا، چاقو ناک پر رکھ دیا۔مقدمہ ہوا، ضمیر احمد اور اس کے عزیزوں کو سزا ہوگئی۔تو کیا لڑکی آزاد ہے اور اپنا نکاح ثانی کرسکتی ہے؟

محمد ولی دیوبندی، پٹیالہ روڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی ضمیر احمد نے یہی الفاظ کہے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں اور اس کے بعد اس نے اپنی شرط کے خلاف جھگڑا کیا ہے تو شرعاً اصغری کو اختیار ہے کہ عدتِ طلاق گزار کر اپنا نکاح دوسری جگہ کرلے(۳)۔اگر بعینہ یہ

---

(۱) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(۲) "وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق، وإلا لا". (الدر المختار). "أطلق الملك فشمل ما إذا وجد في العدة، والمراد وجود تمامه في الملك لاجميعه". (رد المحتار: ۳/۳۵۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(۳) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت =

الفاظ نہیں کہے بلکہ دوسرے الفاظ کہے ہیں تو وہ الفاظ لکھنے پر حکم بتلایا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۷/۸/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۹/ شعبان/۱۳۵۲ھ۔

''اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' کا حکم

سوال[۶۲۸۳]: زید اپنی والدہ کے کہنے سے، والدین کے مکان کی مرمت کرا رہا تھا، اسی اثناء میں کسی بات پر اس کی ماں اسی مرمت کے متعلق خفا ہوگئی، اس پر اس نے غصہ میں یوں کہا کہ ''اگر اب میں مرمت کے کام پر کھڑا ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے''۔ اور اس کے کہنے سے اس کی نیت ماں پر ایک طرح سے تنبیہ تھی، نہ مطلق قلبی نیت طلاق کی تھی، نہ اس نے اپنی اہلیہ کی طرف مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے، نہ اس کی بیوی اس وقت وہاں موجود تھی، نہ اس کو اپنی منکوحہ سے کوئی رنجش تھی اور اس کی بیوی کو ۷/ ماہ کا حمل بھی تھا۔

اس کہنے کے بعد جب اس بات کو دو ہفتے گزر گئے، اس عرصہ میں نہ مرمت کا کام خود کیا، نہ کرایا۔ جب دو ہفتے گزر گئے تو اس نے اس خیال کے موافق کہ میں نے تمام عمر کے واسطے مرمت کے لیے عہد نہیں کیا تھا، یہ عہد اسی وقت کے لیے تھا، وہ گزر گیا اور بیچ میں اتنا وقفہ ہوگیا، وہ پھر مکان کی مرمت کرنے لگا اور ساتھ ہی یہ خیال کرکے کہ یہ ایک طرح کی قسم تھی، اگر کفارہ لازم ہوگیا ہوگا تو قسم کا کفارہ بھی احتیاطاً ادا کردیا گیا اور اس کے بعد اس سے رجوع بھی کرلیا۔

اب اطمینان کے لیے جناب سے استفساراً گزارش ہے کہ اس صورت میں طلاق تو واقع نہیں ہوئی؟

= طالق". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

" بخلاف فارسية قوله: "رہا کردم": لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي .... وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق". (رد المحتار: ۳/۲۹۹، كتاب الطلاق، باب الكنايات، سعيد)

اگر خدانخواستہ واقع ہوگئی تو اب کیا صورت ہے جس سے وہ عورت حلال ہوجائے؟ نیز یہ تحریر فرمادیں کہ حقیقی بھائی کے ساتھ حلالہ ہوسکتا ہے یانہیں؟ اگر یہ بات محقق ہوجائے کہ نکاح نہیں ٹوٹا تو الحمدللہ۔ مرقومہ باتوں کا جواب مدلل ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

راقم: محمد انوار الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صریح الفاظ سے طلاق بلانیت بھی واقع ہوجاتی ہے: "صريحه مالم يستعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية وإن نوى خلافها أولم ينوشيئاً. اه". درمختار مختصراً: ۲/٦٦۳(۱)۔

وقوعِ طلاق کے لیے زوجہ کا حاضر ہونا، یا اس کو خطاب کرنا، یا اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری نہیں بلکہ الفاظِ مذکورہ فی السوال سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے جیسا کہ اشارہ اور خطاب سے واقع ہوجاتی ہے، کیونکہ اصل مقصود زوجہ کی طرف طلاق کو مضاف کرنا ہے، وہ ان سب صورتوں میں حاصل ہے: "(قوله: لتركه الإضافة): أى المعنوية، فإنها الشرط، والخطاب من الإضافة المعنوية، وكذا الإشارة نحو: هذه طالق، وكذا نحو: امرأتى طالق، وزينب طالق". طحطاوی: ۲/۱۱۲(۲)۔

وقوعِ طلاق کے لئے رنجش ضروری نہیں، الفاظِ مذکورہ جس صورت سے بھی ادا کیے جائیں گے، طلاق واقع ہوجائے گی: "يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً، سوا كان حراً أوعبدًا، طائعاً أومكرهاً،

(۱) (الدرالمختار: ۳/۲۴۷، ۲۵۰، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، باب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۳/۲۶۰، فصل فيمايرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القران كراچی)

(۲) (حاشية الطحطاوى: ۲/۱۱۲، كتاب الطلاق، باب الصريح، دارالمعرفة بيروت)

" ولايلزم كون الإضافة صريحةً في كلامه لمافي البحر: لوقال: طالق، فقيل له: مَن عنيت؟ فقال: امرأتي، طلقت امرأته .... لأن العادة أن مَن له امرأة إنما يحلف بطلاقها، لابطلاق غيرها".

(ردالمحتار: ۳/۲۴۸، مطلب: سن بوش، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۴۴۲، باب الطلاق، رشيديه)

كذافي الجوهرة. وطلاق اللاعب والهازل به واقع، وكذا لو أراد أن يتكلم بكلام، فسبق لسانه بالطلاق، فالطلاق واقع، كذافي المحيط". فتاوى عالمگيرى: ٢/٥٥(١)۔

''اگر اب میں مرمت، کے کام پر کھڑا ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' کے معنی عرفاً یہ سمجھے جاتے ہیں کہ (.........)(۲) سے کھڑا ہوں اور اس میں آئندہ کے لیے کوئی ایک ہفتہ یا دو ہفتہ کی تحدید نہیں۔ نیز جس کام پر کھڑا ہونے کے لیے عہد کیا اور طلاق کا حلف کیا ہے، اسی کام پر بعد میں کھڑا ہوا ہے، لہٰذا وقوعِ طلاق کی شرط متحقق ہوگئی اور چوں کہ اس شرط پر تین طلاق کو معلق کیا ہے، لہٰذا وقوعِ شرط کے بعد میں طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی۔

" ولو أضافه إلى شرط، وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق، وهذا بالاتفاق، اهـ". هداية: ٢/٣٥٦(٣)۔ "متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو، يتعدد الطلاق. اهـ". عالمگيرى: ٢/٥٦(٤)۔

اب بغیر حلالہ کے رکھنا درست نہیں اور شوہر کے حقیقی بھائی سے بھی (اگر کوئی اور مانع: حرمتِ مصاہرت، حرمتِ رضاعت، جمع وغیرہ نہ ہو) حلالہ ہو سکتا ہے۔

الفاظِ مذکورہ فی السوال کے معنی متبادر وہ ہیں جو اوپر تحریر ہوئے، لیکن الفاظ میں گنجائش اس کی بھی ہے کہ

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٣٥٣، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ٣/٢٣٥، ٢٤١، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه: ٣/٢٥٧، الفصل الثالث في بيان من يقع طلاقه ومن لا يقع، إدارة القران كراچی)

(۲) "ههنا لفظ سقط عن الأصل فوضعنا النقاط موضعه، ولعل اللفظ هو: ''آئندہ جب''۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۳) (الهداية: ٢/٣٨٥، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/٤٢٠، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/١٠٩، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية: ١/٣٥٦، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٢٩٣، كتاب الطلاق، باب طلاق غير مد الخول بها، سعيد)

اس قسم کو اس وقت کے ساتھ مخصوص مانا جائے اور اس کو یمینِ فور کہا جاوے، بس یہ قسم اسی وقت کے ساتھ مخصوص رہے گی اور وہ وقت گزرنے پر حالف حانث نہ ہوگا یعنی طلاق واقع نہ ہوگی، چونکہ والدہ کا کوئی کلام ذکر نہیں کیا، جس سے متاثر ہو کر یہ قسم کھائی ہے، اس لئے اس معنی کی تعیین وترجیح دشوار ہے:

"وشرط للحنث في قوله: إن خرجت مثلاً فأنت طالق لمريد الخروج فعلُه فوراً؛ لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفاً، ومدار الأيمان عليه، وهذه تسمى يمين الفور، تفرّد أبوحنيفة بإظهارها، ولم يخالفه أحد. وكذا في حلفه: إن تغديت فكذا بعد قول الطالب: تعال تغدّ معي، شرط للحنث تغديه معه ذلك الطعام المدعو إليه، وإن ضم إليٰ: إن تغديتُ اليوم أومعك فعبدي حر، حنث بمطلق التغدي لزيادته عليٰ الجواب، فجعل مبتداء، اه". درمختار۔

قال الشامي تحت قوله: "(فوراً) أرادت أن تخرج، فقال الزوج: إن خرجت، فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة، لايحنث. تهيأت للخروج، فحلف: لاتخرج، فإذاجلست ساعةً، ثم خرجت، لايحنث؛ لأن قصده منعها من الخروج الذي تهيأت له، فكأنه قال: إن خرجت الساعة، وهذا إذا لم يكن له نية، فإن نوى شيئاً عمل به. (وقوله: هذه تسمى يمين الفور) -من فارت القدر غلت، استعير للسرعة أو من فَوَرَانِ الغضب- انفرد الإمام بإظهارها، وكانت اليمين أولاً قسمين: مؤبدة: أي مطلقة، وموقتة، وهذه مؤبدة لفظاً موقتة معنىً تتقيد بالحال، إما بأن تكون بناء عليٰ أمرٍ حاليّ كمامثل، أو أن تقع جواباً لكلام يتعلق بالحال كما في: إن تغديت، أفاده في النهر. (قوله: فجعل مبتداءً) لكن لونوىٰ الجواب دون الابتداء، صدق ديانةً؛ لأن احتمال كونه جواباً قائم لاقضاءً، لمخالفته الظاهرفيمافيه تخفيف عليه، اه". ردالمحتار: ۱۲۹/۳(۱)۔

پس اس صورت میں دیانۃً حالف کی نیت معتبر ہوگی اور قضاءً معتبر نہ ہوگی، اور یہ کلام دراصل تعلیق ہے اور یمین اس کو مجازاً کہا جاتا ہے، لہٰذا کفارۂ یمین اس میں کافی نہیں، بلکہ بصورتِ حنث طلاقِ مغلظہ ہوگی،

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۷۶۱/۳، ۷۶۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والركوب، مطلب في يمين الفور، سعيد)

كذافی رد المحتار، باب التعليق (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ

معاہدہ کی خلاف ورزی پر وقوعِ طلاق کو معلق کرنا

سوال [۲۲۸۴]: میں ۷/ستمبر کو تمام پنچایت کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی سعیدہ خاتون کو حتی الامکان آرام سے رکھوں گا اور کسی قسم کی تکلیف اس کو نہیں پہنچنے دوں گا اور اگر میری بیوی نے ۷/ستمبر ۱۹۶۸ء سے پوری دوسال کی مدت کے اندر قرآن اٹھا کر حلفاً اقرار کیا کہ مجھے بابت ضروریاتِ زندگی یا جسمانی یا روحانی از روئے شریعت کسی قسم کی تکلیف ہوئی تو یہ اقرار نامہ بلا کسی جبر واکراہ برضاء وبخوشی طلاق نامہ سمجھا جائے گا اور طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور صورت مذکورہ میں میری بیوی سعیدہ خاتون کی طرف سے مہر معاف سمجھا جائے گا اور میری طرف سے جہیز کا موجودہ سامان واپس دیا جائے گا۔

نوٹ: ۷/ستمبر/ سے ایک ماہ کی مدت کے اندر کی شکایت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اب سوال یہ کہ میری بیوی ۷/ستمبر سے میرے ساتھ نہیں رہی بلکہ وہ میرے ساتھ مورخہ ۱۶/ستمبر/۶۸ء سے رہنے لگی اور پھر مورخہ ۱۱/اکتوبر ۶۸ء سے اپنے باپ کے یہاں چلی گئی۔ اب وہ لوگ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگئی، حالانکہ نوٹ جو اوپر لکھا گیا اس کے لحاظ سے ایک ماہ کے اندر شکایت کا کوئی اعتبار نہ ہونا چاہئے۔

صورتِ نزاع یہ ہوئی کہ میں نے اپنی بیوی کو جب وہ میرے ساتھ رہنے لگی تو از راہ سرزنش اس کی ایک غلطی پر اس کو مار دیا اور یہ واقعہ ۷/ستمبر اور ۱۷/اکتوبر ۱۹۶۸ء ہی کا ہے۔

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ عہد نامہ جو اوپر مذکور اور واقعہ جو نیچے مذکور ہے، دونوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقہ حنفی کے مطابق جواب تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "أن التعليق في الحقيقة إنما هو شرط وجزاء، فإطلاق اليمين عليه مجاز لما فيه من معنى السببية ... اليمين يقع على الحلف بالله تعالى وعلى التعليق". (رد المحتار: ۳/ ۳۴۱، باب التعليق، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۱۸/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،۱۹/ ۹/ ۸۸ھ۔

طلاق معلق بالشرط

سوال[۶۲۸۵]: ایک شخص کی عورت مطلقہ رجعی ہے، بعدازاں اس نے دوسری طلاق معلق بشرط دی، شرط پوری ہونے کے بعد ہی تیسری معلق بشرط طلاق کی قسم کھائی۔دوسری طلاق کے دو چار دن کے بعد شرط پوری ہوگئی۔آیا قبل ختم ہونے عدت طلاقِ ثانی طلاقِ ثالث پڑ جائیگی یا نہیں؟ پہلی اور دوسری طلاق میں رجوع صرف لفظاً کیا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عدت ختم ہونے سے پہلے ہی تیسری طلاق بھی واقع ہوگئی (۲)، رجوع قولاً کیا ہو یا فعلاً سب کا ایک ہی حکم ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۳/ ۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم،۴/صفر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "قال في البحر: ثم اعلم أن ظاهر المتون يقتضي أنه لو علق طلاقها بعدم وصول نفقتها شهراً، ثم ادعى الوصول وأنكرت، فالقول قوله في عدم وقوع الطلاق، وقولها في عدم وصول الحال".

(الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط: ۳۵۶/۳، سعید)

"وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدارفأنت طالق". (الهداية: ۳۸۵/۲، باب المين في الطلاق، شركت علمية)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲۰/۱، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(۲) "الصريح يلحق الصريح والبائن بشرط العدة". (الدر المختار: ۳۰۶/۳، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۸۳/۳، باب الكنايات في الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

’’اگرتُو اب سرائے جائے گی تو طلاق دے دوں گا‘‘ کہنے کا حکم

سوال[۶۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید اور اس کی بیوی میں اس بات پر معمولی جھگڑا ہوا کہ مسماۃ ھندہ زوجۂ زید اپنے باپ کے مکان سے اپنی خالہ کے گھر گئی کیونکہ زید کی رنجش ہندہ کی خالہ سے تھی، دورانِ گفتگو میں کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ زید کا غصہ زیادہ بڑھ گیا، جس پر زید نے کہا کہ ’’اگر تو اب سرائے جاویگی تو طلاق دیدوں گا‘‘۔ سرائے محلّہ ہے جہاں کہ ہندہ کا یعنی اس کے باپ کا مکان ہے اور غصہ کی حالت میں زید نے بار بار یہی کہا کہ ’’اگر تو سرائے جاوے گی تو طلاق دیدوں گا‘‘۔ اور یہ واقعہ مسماۃ ہندہ کے نانا کے مکان پر گزرا، ہندہ نے جواب میں کہا کہ ’’میں نہ سرائے جاؤں گی اور نہ زید کے مکان پر، بلکہ تمام رات سڑک میں کھڑی ہوکر گزار دوں گی‘‘۔

اس جھگڑے کے دورانِ گفتگو میں ہندہ کا باپ بھی آگیا، ہندہ کے باپ نے کہا کہ کیا واقعہ ہے؟ معلوم ہونے پر چند کلمات بطورِ نصیحت ہندہ کے باپ نے کہے کہ یہ لفظ تیری نوکِ زبان کیوں ہے جو اچھا نہیں اور بعید از شرافت ہے؟ جس کے جواب میں بحالتِ غصہ زید نے یہ کہا کہ صاحب! اب بھی کہتا ہوں کہ ’’اگر سرائے گئی تو طلاق ہے‘‘ اور بحالتِ غصہ ایک ہی سانس میں طلاق، طلاق، چھ سات مرتبہ کہا۔ زید کی ماں بھی وہاں موجود تھی، ماں نے زید کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ چل اور زید مع اپنی ماں کے وہاں سے اپنے گھر ہندہ کو روتا پیٹتا چھوڑ کر چلا آیا۔ مسماۃ ہندہ اور اس کے باپ پریشان رہے کہ کیا طلاق واجب آگئی یا نہیں، کیونکہ ان کی رائے میں طلاق واجب نہیں آئی تھی؟

زید کے چلے جانے کے بعد ہندہ کی صرف یہی خواہش تھی کہ وہ زید کے مکان پر چلی جائے۔ ہندہ کے عزیزوں کی رائے میں طلاق ہوگئی تھی، ہندہ تمام شب اور اگلے دن ظہر کے بعد تک اپنے نانا کے مکان پر ہی رہی اور بار بار روکر یہی کہا کہ اگر کوئی صورت ہو تو میں زید کے مکان پر چلی جاؤں، لیکن تمام عزیزوں نے ہندہ کو یقین دلایا کہ طلاق ہوگئی۔ بعد ظہر ہندہ کا باپ ہندہ کو اپنے گھر یعنی سرائے لے گیا۔

مسماۃ ہندہ بحالتِ مجبوری روتی پیٹتی ان کے ساتھ چلی گئی۔ زید کو اپنی بیوی سے بے انتہا محبت ہے، کسی ارادہ سے قطعی طلاق نہیں دی، صرف غصہ کی حالت میں طلاق دی گئی جس کا زید کو بہت زیادہ رنج اور افسوس ہے،

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۷، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

لہٰذا استدعاء عرض ہے کہ اگر شرع میں گنجائش ہو تو فی سبیل اللہ غور فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔

از طرف: مرغوب الٰہی، محلہ لال مسجد، دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب نہ رجعت کا اختیار باقی رہا، نہ دوبارہ نکاح کی گنجائش رہی، جب تک کہ حلالہ نہ ہوجائے کوئی جواز کی صورت نہیں۔ اول مرتبہ جب یہ کہا کہ ''اگر اب تو سرائے جائیگی تو طلاق دیدوں گا'' یہ تو وعدۂ طلاق تھا، محض سرائے جانے سے طلاق نہ پڑتی (۱) جب تک کہ خاوند طلاق نہ دیتا، لیکن جب ہندہ کے باپ کے ساتھ یہ کہا ''اگر سرائے گئی تو طلاق ہے'' اس سے تعلیق ہوگئی، پھر ایک سانس میں ''طلاق، طلاق'' چھ سات مرتبہ جب کہا، اگر اس کو بھی سرائے جانے پر مرتب کیا جائے تو سرائے جانے سے تحقیقِ شرط کی بناء پر مغلظہ ہوگئی۔ اور اگر اس چھ سات مرتبہ والی طلاق کو سرائے جانے پر مرتب نہیں کیا، بلکہ اس سے فی الحال طلاق دینا مقصود تھا تو اسی وقت مغلظہ ہوگئی، سرائے جانے کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں:

''وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق، اه''. هدايه: ۲/۳٦٥ (۲)۔ ''كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، الخ''. درمختار: ۲/٦۰٤ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی'': ''بخلاف قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق، أو أنا أطلق نفسي، لايقع؛ لأنه وعد، جوهرة''. (الدرالمختار). ''بخلاف قولها: أطلق نفسي، لايمكن جعله إخباراً عن طلاق قائم؛ لأنه إنما يقوم باللسان، فلو جاز لقام به الأمران في زمن واحد، وهو محال''. (ردالمحتار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، الفصل السابع الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب تفويض الطلاق: ۳/۵۴۵، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار: ۳/۲۹۳، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد) .... =

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلاق غصہ میں بھی واقع ہوجاتی ہے بلکہ عامۃً غصہ ہی میں دی جاتی ہے، خوشی میں کون طلاق دیا کرتا ہے؟(۱) فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے، مگر ذرا جواب کی شقوں میں سائل کو غور کی ضرورت ہے، سوال سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ایک سانس میں "طلاق طلاق" چھ سات مرتبہ جو کہا ہے، یہ شرط کے ساتھ ملا کر کہا یا بلا شرط کے؟ اور ہندہ کے عزیزوں نے جو طلاق سمجھی وہ خود سمجھی یا کسی عالم سے دریافت کیا تھا اور کون سے الفاظ سے انہوں نے طلاق سمجھی تھی، اگر دوبارہ تحقیق کی ضرورت ہو تو بہتر یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند ہی میں مکرر تحقیق کر لیجائے اور سب واقعہ بیان کر دیا جائے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الأولیٰ/ ۶۹ھ۔

"اگر میں تیری عورت کی طرف دیکھوں یا نظر کروں تو میری بیوی کو تین طلاق" کا حکم

سوال[۶۲۸۷]: زید نے عمر کو کہا کہ "تو اگر میری عورت کو دیکھے تو تیری عورت کو طلاق" تو اس وقت عمر نے کہا کہ "اگر میں تیری عورت کی طرف دیکھوں یا نظر کروں یا بات کروں تو میری عورت کو تین طلاق"۔ تو اس صورت حال میں کہ عمر راستہ میں کھڑا تھا، یا راستے کے اندھیرے میں بیٹھا تھا تو عمر کی نظر زید کی بیوی پر پڑ گئی تو طلاق ہوگئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کتنی؟ اور طلاق کی قسم کھانا کیسا ہے؟ حالانکہ غصہ میں بغیر سوچے قسم کھالی ہے جبکہ

= (وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۲۷۵/۳، فصل فیما یرجع إلی صریح الطلاق، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۴۵۴/۱، کتاب الطلاق، رشیدیہ)

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها مرفوعاً: "لاطلاق ولاعتاق فی إغلاق". والمراد (بالإغلاق) الغضب الذی یحصل به الدهش وزوال العقل، فإن قلیل الغضب لا یخلو الطلاق عنه إلا نادراً". (إعلاء السنن: ۱۸۶/۱۱، ۱۸۷، باب عدم صحة طلاق الصبی الخ، إدارة القرآن کراچی)

"ویقع طلاق من غضب، خلافاً لابن القیم". (ردالمحتار: ۲۴۴/۳، مطلب فی طلاق المدهوش، سعید)

عمر کا ارادہ نہ تھا کہ یہ زید کی عورت کو دیکھے اور اچانک نظر پڑ گئی۔ امام صاحب اور امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ طلاق پڑتی ہے تو کیا حکم ہے، اور مغلظہ پڑتی ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر نے اگر قصداً زید کی عورت کو نہیں دیکھا بلکہ بلاقصد اس پر نظر پڑی اور اس نے فوراً نظر ہٹالی تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی (۱)۔ اگر قصداً اس کو دیکھا ہے تو طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۲)، اب بغیر حلالہ کے تعلقِ زوجیت قائم کرنا درست نہیں (۳) طلاق کی قسم کا یہی حکم ہے کہ شرط پائے جانے کے بعد طلاق ہو جاتی ہے، غصہ ہو یا رضامند سب کا ایک ہی حکم ہے، دل سے نیت ہو یا نہ ہو، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ یمینِ فور کا دوسرا حال ہے (۴)، کتب فقہ حنفی واصول فقہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولو قال لها: إن كشفت وجهك على غير محرم فأنت طالق، فرآها غير المحرم من غير قصدها بأن سترت في الكن، فاطلع عليها رجل، لايحنث". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۶۱۳/۴، كتاب الأيمان، الفصل الثاني عشر في الحلف على الأفعال، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية بهامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۵/۴، الفصل الرابع والعشرون في الرؤية، رشيديه)

(۲) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۲۰/۱ الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهدايه: ۳۸۵/۲، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴، باب التعليق، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۹۹/۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۴۰۹/۳، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

(۴) "وشرط للحنث في قوله: إن خرجت مثلاً فأنت طالق، أو إن ضربت عبدك فعبدی حر، لمريد =

''منکوحہ اگر کہلائے کہ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو طلاق ہے''

سوال[۲۲۸۸]: زید اپنی بیوی کو مار پیٹ کرتا رہا، ایک دن چھ آدمیوں کے سامنے کہا کہ ''میری بیوی مجھے مہر کا دعویٰ لکھدے تو میں طلاق لکھ دوں گا بلکہ اس کو رکھنا نہیں چاہتا'' پھر کہا کہ ''منکوحہ اگر کہلائے کہ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو طلاق ہے''۔ دو مسلمانوں کے سامنے لڑکی نے اس کے پاس جانے کو بالکل منع کردیا، اس پر وہ چلا گیا۔ تو منکوحہ کو اپنی شادی دوسری کب اور کس صورت کے بعد کرنی چاہیے؟ اگر منکوحہ اس پر مہر کا دعویٰ نہ کرے تو اس کی علیحدگی ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شوہر نے یہ کہا تھا کہ اس کی منکوحہ اگر یہ کہدے کہ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو طلاق ہے اور اس کے جواب میں اس کی منکوحہ نے یہ کہا کہ میری طرف سے کہدو کہ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی (۱)، اس کے کہنے کے بعد تین ماہواری گزرنے پر دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر یہ صورت پیش نہیں آئی، شوہر نے اس طرح کہا تھا کہ طلاق لکھ دوں گا یا طلاق دیدوں گا، پھر اس نے نہ طلاق دی نہ طلاق لکھی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، جب وہ طلاق دے اور اس کے بعد عدت

= الخروج والضرب فعلُه فوراً؛ لأن قصده المنع عن ذالك الفعل عرفاً". (الدرالمختار). "أرادت أن تخرج فقال الزوج: إن خرجت، فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة، لايحنث". (ردالمحتار: ۳/ ۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الأيمان، مطلب يمين الفور، سعيد)

وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۵۵۵، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى، :ارإحياء التراث العربي بيروت)

وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۵۲۹، ۵۳۱، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

گزر جائے تب دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

''اگر تم دونوں چھت پر آئی تو دونوں کو تینوں طلاق'' کہنے کا حکم

سوال[۶۲۸۹]: ابوبکر کی بیوی زاہدہ خاتون ہے، ابوبکر زاہدہ کو بہت چاہتا ہے، ابوبکر نے زاہدہ سے کہا: میری دو بات ہمیشہ یاد رکھنا:

۱..... ''نماز کی ہمیشہ پابند رہنا ورنہ میں تم کو طلاق دیدوں گا''۔ دوسری یہ کہ ''میری پہلی بیوی تم سے عمر میں بڑی ہے، کبھی اس سے جھگڑنا نہیں، ورنہ میں تم کو طلاق دیدوں گا''۔ زاہدہ خاتون بیحد نماز کی پابند ہوگئی، اورلڑائی جھگڑے سے دور رہنے لگی۔ ایک روز زاہدہ ابوبکر کی بڑی بیوی سے جھگڑ گئی، ابوبکر اپنی چھت پر سویا ہوا تھا، لڑائی کی آواز ابوبکر کے کان میں گئی، ابوبکر نے اپنی دونوں بیویوں کو چھت پر بلوایا اورلڑائی کا حال دریافت کیا، ابوبکر کی دونوں بیویوں کی غلطی ثابت ہوئی۔

ابوبکر نے ڈرانے کے خیال سے دونوں سے یہ کہا کہ ''اگر تم دونوں چھت پر آئی تو دونوں کو تینوں طلاق''۔ ابوبکر نے اس خیال سے طلاق دیا کہ یہ دونوں رات بھر چھت پر نہ آئیں گی، کل کیلئے میرے دل میں کوئی طلاق نہ ہوگی۔ ابوبکر طلاق کے معاملے میں جاہل ہے، اس نے یہ سوچا کہ آج ہی طلاق رہے گی، کل نہ ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھت پر جانے سے ان پر طلاق ہو جائے گی، چاہے کل کو جائیں یا اس کے بعد جائیں۔ اگر اس طرح کہتا کہ اگر آج رات تم دونوں چھت پر آئیں تو تم دونوں کو تین طلاق، پھر رات گزرنے کے بعد جاتیں تو طلاق نہ ہوتی لیکن اس طرح نہیں کہا۔

اب تو حکم یہ ہے کہ جب بھی چھت پر جائیں گی تین طلاق واقع ہو جائیں گی (۱)۔ اگر کوئی شخص ایک

---

(۱) '' وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق''. =

روز کے لئے طلاق دیدے تو وہ ہمیشہ کیلئے ہوجاتی ہے(۱)، لیکن طلاق کیلئے شرط کوایک دن کے ساتھ مخصوص کرسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

''اگرفلاں نے میرا روپیہ واپس کرنے میں رکاوٹ ڈال دی تو میری بیوی کوطلاق''

سوال[۲۲۹۰]: خالد نے ابوبکر کے پاس پانچ سوروپے بطورِامانت رکھے، اور خالد پہلے سے ابوبکر کا قرضدار ہے، دوسرے لوگوں نے خالد کو بھڑکایا کہ ابوبکرتم کوروپیہ واپس نہیں دیگا، خالد نے قسم کھالی کہ ''اگر ابوبکر نے میرا روپیہ واپس کرنے میں رکاوٹ پیدا کی اور میرے کاروبار کرنے کیلئے روپیہ واپس نہیں دیا تو ابوبکر کی خالہ زاد بہن جو میرے نکاح میں ہے اس کو تین طلاق''۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق کب واقع ہوگی؟ اگرابوبکرروپیہ دینے سے انکارکردیااور کہدے کہ میں نے اپنے قرضہ میں رقم مجرا کرلی تو کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟ انکار کے بعد اگرابوبکررقم واپس کردے تو کیا طلاق واقع نہ ہوگی؟ اگر پانچ سوروپے میں سے کچھ رقم واپس کردی اور کچھ باقی رہ گئی تو کیا تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی؟

= (الهداية: ۲/ ۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركة علمية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، كتاب الطلاق، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: "إن وإذاوغيرهما"، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/ ۳۵۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(۱) "حلف: لايفعل كذا، تركه على الأبد؛ لأن الفعل يقتضي مصدراً منكراً، والنكرة في النفي تعم".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۸۴۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل، مطلب: حلف لايفعل كذا، تركه على الأبد، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۵/ ۲۰۲، كتاب الأيمان، باب اليمين في تقاضي الدراهم، مسائل متفرقه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۵۳۲، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغيرذالك، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ابوبکر نے وہ امانت والا روپیہ واپس نہیں کیا، بلکہ خالد کے طلب کرنے پر کاروبار میں رکاوٹ ڈالی خواہ کچھ روپیہ روک کر، خواہ کل روک کر، اور اس روپے کو اپنے قرض میں مجرا کرلیا تو حسبِ تعلیق خالد کی بیوی (ابوبکر کی خالہ زاد بہن) پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی: "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقا، اه". عالمگیری: ۱/۴۳۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"اگر میں فلاں سے پہلے شادی کرلوں تو میرے لئے ساری دنیا کی عورتوں کو طلاق ہو" کا حکم

سوال [۶۲۹۱]: اگر کوئی شخص یوں حلف کرے کہ "اگر میں فلاں سے پہلے شادی کروں تو میرے لئے ساری دنیا کی عورتوں کو طلاق ہو"۔ اگر خدانخواستہ وہ شخص جس پر اپنی شادی کو معلق کیا ہے وہ قبل شادی کے انتقال کر جائے تو اس کو شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں تو الفاظِ مذکورہ کہتے وقت قائل کے نکاح میں کوئی عورت موجود نہیں، اگر کسی کے نکاح میں کوئی عورت موجود ہو اور وہ یہ کہے کہ تمام اہلِ دنیا کی عورتوں کو طلاق تب بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، اِلّا یہ کہ وہ اس کی نیت کرے: "ولو قال: نساء أهل الدنيا، اه". عالمگیری: ۱/۲۵۷ (۲)۔ ہاں

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: "إن وإذا وغيرهما"، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، ۱۱۰، كتاب الطلاق، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهدايه: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۷، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۴۲۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه: ۳/۲۸۴، إيقاع الطلاق بالإضافه إلى بعض المرأة، إدارة القران كراچی)

"لوقال: كل امرأة أتزوجها مالم أتزوج فاطمة، فهي طالق، فماتت فاطمة أوغابت، فتزوج غيرها، طلقت في الغيبة، ولاتطلق في الموت". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۹، الفصل الثاني في تعليق الطلاق، رشيديه)

اگراس طرح کہے کہ ''اگر فلاں شخص سے پہلے میں شادی کروں تو جس عورت سے بھی شادی کروں تو اس کوطلاق، یاجوعورت میرے نکاح میں آئے اس کوطلاق'' پھرطلاق واقع ہوجائے گی اوراس شخص سے پہلے شادی کرنا درست نہیں ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۶/ربیع الاول/۶۴ھ۔

تعلیق طلاق بالمُحال

سوال[۶۲۹۲]: زید نے اپنی منکوحہ ہندہ کوکسی ناچاقی ودل شکنی کی وجہ سے بحالتِ غصہ کہا کہ جو چیز تمہیں امانت دیا ہوں ہمیں دے دو، اس کی شدید ضرورت ہے، اگرنہیں دوگی تو میں تمہاری حالت کوخراب کردوں گا،اس کا ہندہ نے کچھ جواب نہیں دیا، اور بچی کوگود میں لیکر کواڑ کے پاس کھڑی رہی، اسی اثناء میں زید نے مذکورہ بالا جملہ بار بارادا کیا۔

آخرالامر جب ہندہ نے زید کوامانت کی چیز کے متعلق ہاں اورنہیں، کچھ نہیں کہا تو زید نے برافروختہ ہوکرکہا کہ ''اے ہندہ!امانت کی چیز اگرتم نے آج نہیں دی توتم پرتین طلاق''۔مگر ہندہ اس پر خائف نہیں ہوئی، بالآخر زید نے ہندہ کوگردن پکڑکرگھر سے نکال دیا۔کچھ ہی دیر بعد ہندہ نے چنداشخاص کے سامنے جواب دیا کہ امانت کی چیزگھرہی کے مصرف میں خرچ ہوگئی ہے،لیکن یہ بات زید کوفوراً ہی معلوم نہیں ہوئی، بلکہ دوسرے روزمعلوم ہوئی کہ ہندہ نے امانت کی چیز ہمارے ہی مصرف میں خرچ کی ہے جس کا یقین بھی زید کوہوچکا، مگرچونکہ قبل ازیں ہندہ کا بھائی کسی مولوی سے زبانی پوچھ آیا کہ زید نے ہندہ کوایسے الفاظ کہے کہ''اگرتم ہم کوآج چاول نہیں دوگی توتم پرتین طلاق'' یہ کہنے کے بعد ہندہ نے اس دن چاول نہیں دیا۔اس پرمولوی صاحب نے

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق: ۱/۴۲۰، رشيديه)

"ولوقال: كل امرأة أتزوجها، فهي طالق فتزوج نسوةً، طلقن". (الفتاوى التاتارخانيه: ۳/۵۰۵، كتاب الطلاق، الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۳۴۵، باب التعليق، سعيد)

جواب دیا کہ طلاق ہوچکی۔

اس جواب کے تحت ہندہ کے ورثاء لوگ گاؤں کے پانچ آدمیوں کو بلاکر زید سے ہندہ کے حقوق کا مطالبہ کیا جس میں ثالث نے طلاق ہوجانے کا یقین کی وجہ سے حقوق کا تصفیہ کردیا، مگر ہندہ نے برسرِ پنچایت بھی جواب دیا کہ امانت کی چیز یعنی دھان کا چاول تیار کئے تھے جو کہ مزدوروں کو دیا گیا اور باقی دھان کا جو چاول تیار کیا تھا وہ ناشتہ میں صرف ہوچکا ہے۔ بعد اس کے صبح ہوکر زید کو ان لوگوں سے معلوم ہوا جن لوگوں کے سامنے ہندہ نے کچھ دیر ہی بعد گھر کے مصرف میں صرف ہونے کا اقرار کیا تھا، تب زید کو یقین ہوا کہ مطالبہ والی شے ہمارے ہی مصرف میں صرف ہوئی ہے۔ اس صورت میں ہندہ کا کہنا صحیح ہے اور میرا دعویٰ غلط ہے۔ مزید برآں ہندہ کو تین ماہ کا حمل متحقق ہے۔ امید ہے جواب باصواب سے جلد نوازیں گے کہ صورتِ مذکورہ میں ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندہ کے بھائی نے مولوی صاحب کے سامنے ناتمام سوال پیش کیا، اس کا جواب وہی ہے جو مولوی صاحب نے دیا۔ اگر سوال پورا پیش کیا جاتا جیسا کہ تحریر میں ہے تو وہ جواب نہ ہوتا۔ صورتِ واقعہ کا جواب یہ ہے کہ زید نے ایسی شرط پر طلاق کو معلق کیا ہے جس کا پورا کرنا ممکن نہیں، لہٰذا یہ تعلیق ہی صحیح نہیں، پس اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، نکاح بدستور قائم ہے۔ ایسی نظیریں بحر، شامی، عالمگیری وغیرہ میں موجود ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیق طلاق کی ایک صورت اور دیوبند وسہارنپور کے جواب میں اختلاف

استفتاء [۲۲۹۳]: مندرجہ ذیل استفتاء دیوبند اور سہارنپور روانہ کیا گیا تھا، دونوں جوابوں میں

---

(۱) "ولو قال: إن دخل الجمل فی سم الخیاط فأنت طالق، لایقع الطلاق؛ لأن غرضه منه تحقیق النفی حیث علقه بأمر مُحال". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۲۱، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة: "إن وإذا وغیرهما"، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۳۴۲، باب التعلیق، مطلب: لایحنث بتعلیق الطلاق بالتطلیق، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴/۴، کتاب الطلاق، باب التعلیق، رشیدیه)

اختلاف ہے، سوال مع جواب ہر دو دونوں بمہر روانہ ہیں، بحوالہ تحریر فرمایئے کہ آپ کا جواب ٹھیک ہے یا دوسرا؟ اس مرتبہ نقل اقرار نامہ بھی روانہ ہے۔

استفتاء [۶۲۹۴]: کیا حکم دیتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اقرار نامہ پنچوں کے سامنے تحریر کیا تھا کہ ''جو رقم میرے پاس ہے عرصہ پندرہ روز کے اندر اپنے پنچ برادران کے سامنے عبد القادر پدر زوجہ کو روانہ کردوں گا، اگر وقتِ مقررہ یعنی دو ہفتہ کے اندر نہ دوں تو میری عورت عقد سے خارج ہوکر مطلقہ سمجھی جائے''۔ میں حسب وعدہ وہ رقم زیور وغیرہ لے کر پوروہ رمضانی گیا اور پنچوں کو طلب کیا، لیکن کوئی پنچ بجز دو برادری کے محمد رفیع و دوست محمد جمع نہیں ہوئے، اس لئے وہ رقم لے کر واپس آیا، کیونکہ وعدہ تھا کہ پنچ کے سامنے عبدالقادر کو دوں گا۔

میں جب حسب وعدہ پوروہ رمضانی گیا تھا تو پنچ کے جمع کرنے کے موقع پر بعض لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہدیا تھا کہ میں کچھ نہیں لایا اور بعض سے کہا تھا کہ لایا ہوں مگر بجز دو آدمیوں کے (جو پنچ کے افراد ہیں) کوئی جمع نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں میری عورت شرعاً مطلقہ ہوگی یا نہیں؟

جواب از سہارنپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مدتِ مذکورہ میں رقم نہیں دی تو شرط کے موافق طلاق واقع ہوگئی، محض رقم لے کر جانے اور پنچوں کو تلاش کرنے سے اقرار نامہ پر عمل نہیں ہوا۔ اگر رقم حسبِ قرارداد حوالہ کردی جاتی تو طلاق واقع نہ ہوتی:

"إذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، الخ". هدایہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۲/۴/۷۰ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

جواب از دار العلوم دیوبند

الجواب:

آپ نے اقرار نامہ میں یہ الفاظ تحریر کئے ''کہ جو رقم میرے پاس ہے عرصہ پندرہ روز کے اندر اپنے پنچ برادران کے سامنے عبدالقادر پدرِ زوجہ کو ادا کروں گا، اگر وقت مقررہ یعنی دو ہفتہ کے اندر نہ دوں تو میری عورت عقد سے خارج ہو کر مطلقہ سمجھی جائے''۔ آپ کے اس لکھنے کے بعد اگر پنچوں کے سامنے مدتِ مقررہ میں روپیہ نہ دیا جائے تو طلاق واقع ہو جائیگی، لیکن جب پنچ ہی جمع نہ ہوئے جن کے سامنے دینے کا اقرار تھا تو شرط نہیں پائی گئی، لہذا طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور سوال میں جو تفصیل لکھی ہے اس تفصیل کی رو سے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ شامی میں ہے:

"إنهم صرحوا بأن فوات المحل يبطل اليمين، وبأن العجز عن فعل المحلوف يبطلها أيضاً لو مؤقتةً لالو مُطْلَقةً". ۲/ ۵۲۳(۱)۔ واللہ اعلم۔

سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۱/۳/۰۷ھ۔

الجواب وبيده أزمة الحق والصواب حامداً ومصلياً:

جب وقوعِ طلاق کو کسی شرط عدمی پر معلق کیا جائے جیسا کہ صورت مسئولہ میں عدمِ ادائے رقم مذکور پر معلق کیا گیا ہے اور محلِ برّ فوت ہونیکی بناء پر شرط برّ سے عاجز ہو جائے تب تو طلاق واقع نہیں ہوتی، لیکن اگر محلِ برّ تو باقی رہے مگر کسی مانع کی وجہ سے عاجز ہو جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ صورتِ مذکورہ میں حالف (زوج) یا اس کا خسر یا پنچ جو کہ محلِ برّ ہیں فوت ہو جاتے اور اس وجہ سے رقمِ مذکور ادا نہ کی جاتی تو ممکن تھا کہ طلاق واقع نہ ہوتی، لیکن ان سب کے باقی رہتے ہوئے مدتِ مذکورہ میں رقم ادا نہیں کی گئی، لہذا طلاق واقع ہوگئی:

" ومفاده الحنث فيمن حلف ليؤدّينّ اليوم دينه، فعجز لفقره وفقد مَن يقرضه، خلافاً

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۳۸۲، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب: الأصل أن شرط الحنث إن كان عدمياً وعجز يحنث، سعيد)

لمابحثه في البحر، الخ". درمختار۔ قال الشامي في قوله: (ومفاده الخ): "أي لأن شرط الحنث فيه عدميّ وهوعدم الأداء، والمحل وهوالحالف باقٍ. وإذاكان يحنث في حلفه لَيَمَسّنَ السماء اليوم مع كون شرط البرّ مستحيلاً عادةً، فحنثه هنا بالأولىٰ؛ لأن شرط البرّممكن بأن يغصب مالاً، أويجد مَن يقرضه، أويرث قريباً له، ونحوذ لك، فإن ذٰلك ليس بأبعد من مس السماء، اهـ"(۱)۔

دیکھئے اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے کہا کہ "میں آج اپنا قرض ضرور ادا کرونگا، اگر ادا نہ کروں تو مثلاً بیوی پر طلاق ہے" یہاں وقوعِ طلاق کو عدمِ ادائے قرض پر معلق کیا ہے جو کہ شرطِ عدمی ہے، پھر ادا نہ کرسکا کیونکہ روپیہ موجود نہیں تھا اور کہیں سے قرض بھی نہیں مل سکا تو طلاق واقع ہوجاتی ہے اس لئے کہ محلِ برّ باقی ہے۔ اور شرط برّ سے عجز کی دوسری وجہ یہ جیسے اگر کوئی قسم کھائے کہ میں آج آسمان کو ضرور ہاتھ لگاؤں گا، اگر ہاتھ نہ لگایا تو مثلاً بیوی پر طلاق ہے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے کیونکہ زوج بھی موجود ہے اور آسمان بھی۔ پنچوں کو جمع کرکے رقمِ مذکور کا ادا کرنا اس قدر دشوار نہیں جیسا کہ آسمان کو ہاتھ لگانا۔ ہاں! اگر محلِ برّ فوت ہوجائے تو قسم ہی باطل ہوجاتی ہے، مثلاً مقروض یا مُقرض کا انتقال مدتِ معینہ سے قبل ہوجائے، چنانچہ شامی میں ہے:

"ولايرد ماقيل: إنه يستفاد عدم الحنث من قوله في المنح: حلف: لَيقضينّ فلاناً دينه غداً، ومات أحدهما قبل مضي الغد، أوقضاه قبله أوأبرأه، لم تنعقد، الخ؛ لأن عدم الحنث فيه لبطلان اليمين بفوت المحل، كمالوصبّ ماءً في الكوز، فإن شرط البرّ، صارمستحيلاً عقلاً وعادةً، بخلاف مس السماء، فإنه ممكن عقلاً وإن استحال عادةً، الخ"(۲)۔

محلِ برّ فوت ہونے کا ایک اور جزئیہ لکھا ہے: "وكذالايرد مافي الخانية: إن لم آكل هذا الرغيف اليوم، فأكله غيرُه قبل الغروب، لايحنث؛ لأنه من فروع مسئلة الكوز، كماصرحوابه

(۱) (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳/۳۸۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب: الأصل أن شرط الحنث إن كان عدمياً وعجز، يحنث، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۳/۳۸۳، باب التعليق، الأصل أن شرط الحنث إن كان عدمياً وعجز، يحنث، سعيد)

لفوات المحل وهوالرغيف، اهـ"(۱)۔

شامی نے صاحبِ بحر کے قول کا اس طرح جواب دیا ہے:

"وما استشهد به صاحب البحر حيث قال: (قوله إن في القنية: متى عجز عن المحلوف عليه واليمين مؤقتة، فإنهاتبطل، يقتضي لبطلانها في الحادثة المذكورة، اهـ). فيه نظر؛ لأن مراد القنية العجزالحقيقي كمافي مسئلة الكوز، وإلا ناقضه ما أطبق عليه أصحاب المتون من عدم البطلان في: لأصعدنّ السماء. ثم رأيت الرملي نقل عن فتاوى صاحب البحر أنه أفتى بالحنث في مسئلتنا مستنداً إلىٰ إمكان البرّ حقيقةً وعادةً مع الإعساربهبة أوتصدق أو إرث، اهـ. وهوعين ما قلنا أولاً، ولله الحمد". شامی، آخر باب التعليق، ج: ۲(۲)۔

لہٰذا وقوعِ طلاق میں شک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

مفتی محمود حسن صاحب کا جواب صحیح ہے، صورتِ مذکورہ میں نذیر احمد کو روپیہ اور زیور شرط کے موافق عبدالقادر کو دینا چاہیئے تھا اور دو پنچ موجود تھے ان کے سامنے دینا کافی تھا، اگر اَور پنچ غائب ہوگئے یا نہیں آئے تو عبدالقادر تو موجود تھا اس کو موجود پنچوں کے سامنے روپیہ اور زیور دینا کافی تھا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ بعض پنچوں سے روپیہ نہ لانا بیان کیا، اس لئے تین طلاق حسبِ اقرار نامہ واقع ہوگئیں۔ دیوبند کا جواب تصریحاتِ فقہ کے خلاف ہے اور جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ سوال پر منطبق نہیں جیسا کہ مفتی محمود صاحب نے بیان کر دیا، اس کے قریب نظیر عالمگیری: ۲/۱۵۳ میں ہے:

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۳۸۳، باب التعليق، الأصل أن شرط الحنث إن كان عدمياً وعجز، يحنث، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۴۷۸، كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب واللبس والكلام، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۵۵۲، ۵۵۴، كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب واللبس والكلام، رشيديه)

(۲) (رد المحتار: ۳/۳۸۳، كتاب الطلاق، آخر باب التعليق، مطلب: الأصل أن شرط الحنث إن كان عدمياً وعجز، يحنث، سعيد)

"مدیونٌ قال لرب الدین: إن لم أقضك مالك غداً، فعبدی حرّ، فغاب رب الدین، قالوا: هذا یدفع الدین إلی القاضی، فإذا دفع، لایحنث، ویبرأ من الدین، وهوالمختار. وإن کان فی موضع لم یکن هنالك قاض، حنث، کذافی فتاوی قاضی خان"(۱)۔

اب دیوبند دوبارہ اس جواب کوبھیج دیجئے اور جوجواب آئے اس سے ہم کومطلع فرمایئے۔عبارات سب نقل کردیجئے تاکہ مفتیانِ دیوبند ملاحظہ فرمالیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ سعیداحمدغفرلہ مفتی مظاہرعلوم سہارنپور، ۷/ربیع الثانی/۲/۷۰ھ۔

خلافِ شرط کرنے سے طلاق

سوال[۶۲۹۵]: مسمی زید نے مسماۃ ہندہ کیساتھ۴/فروری کوعقد کیااورقبل نکاح ہندہ اوراس کے والد کے اصرار سے ایک اقرارنامہ لکھاجس میں آٹھ دفعات ہیں، آٹھویں دفعہ یہ ہے کہ جب کبھی اورجتنے بھی مندرجہ بالانمبرا سے تانمبر۷ میں کسی ایک دفعہ کی خلاف ورزی کرنے اورمجھ مقرکی اس خلاف ورزی کوچھ ماہ گزرجاویں تومقرکی زوجہ مسماۃ ہندہ اوراس کے والد اگرہوں ورنہ دیگراعزہ مسماۃ مذکورہ میں سے تین عزیز کی رائے سے مسماۃ ہندہ کواختیارہوگاکہ وہ اپنے نفس پرایک طلاق رجعی دیدے اوریہ اختیاراس کادائمی ہوگاکہ کسی رضایاسکوت سے زائل نہ ہوگا، تاآخراقرارنامہ۔مسماۃ مذکورہ بالابعد عقدرخصت ہوکرزید کے گھرآئی اوردستور کے مطابق تین روزتک بخوشی وشادمانی رہی، پھراپنے باپ کے یہاں گئی، اس طرح باربارآتی رہی۔

بدقسمتی سے عقد کے ڈیڑھ ماہ بعددورے پڑگئے جواختناق رحم تجویز کیاگیاجس کاعلاج کبھی زید کے یہاں اورکبھی ہندہ کے باپ کے گھرہوتارہا۔تقریباًڈیڑھ سال تک یہی معاملہ رہااورزیداقرارنامہ کی پوری پابندی کرتارہا،اسی اثناء میں ہندہ اوراس کی والدہ جہیزکاسامان باجازت زید لے جاتی رہی۔آخرمیں والد ہندہ بغرضِ علاج اپنے گھرلے گیا، زیدمتواتررخصتی کے لئے جاتارہااوروالد ہندہ اچھی ہوجانے کے بعدرخصت کرنے کاوعدہ کرتارہا، بالآخرایک مرتبہ رخصت کرنے سے صاف انکارکردیااورکہاکہ ہم رخصت نہیں کریں گے،اس کوطلاق دیدو۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۲/۱۳۷، الباب الثانی عشرفی الیمین فی تقاضی الدراهم، رشیدیه)

اقرارنامہ میں ایک دفعہ اختلاف باہمی کی صورت میں دس روپیہ ماہوار وظیفہ دینے کی تھی، اس وقت چونکہ باہمی اختلاف ہوگیا تھا، اس لئے زید نے اس کی پوری پابندی کی ہے، دس روپیہ ماہوار کے حساب سے بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا شروع کیا، مگر مسماۃ ہندہ اوراس کے والد نے لینے سے انکار کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مسماۃ ہندہ اوراس کے والد نے زید کو نوٹس دیا کہ تم اپنی تحریر کردہ اقرارنامہ پر کاربند نہیں، لہٰذا ہم دونوں باپ اور بیٹی نے متفقہ طور پر حسبِ تحریر اقرارنامہ چھ ماہ گزرنے کے بعد چند گواہوں کی موجودگی میں طلاقِ رجعی واقع کرلی اور حسبِ فتویٰ علماء مفتی صاحبان عدت بھی پوری کرلی اور عدت پوری ہونے کے بعد بروئے فتویٰ طلاق بائن ہوگی، اب ہمیں شرعاً قانوناً اختیار ہے کہ ہم جہاں چاہیں شادی کرلیں۔

نیز دینِ مہر وغیرہ کا مطالبہ کیا، باوجود اس کے زید کے اعزا سے طلاق دلانے کے لئے مجبور کرنا ہے، اعزا کے اس قول پر کہ جب طلاق واقع کرلی ہے تو اب پھر طلاق لینے کی کیا ضرورت ہے؟ والد ہندہ کہتا ہے کہ رہی اصل طلاق تو ہوتی نہیں جب تک زید خود اپنی زبان سے نہ کہے، اصل طلاق واقع نہ ہوگی۔ صورتِ مذکورہ کے ملاحظہ کرنے کے بعد علمائے دین سے چند امور دریافت طلب ہیں۔

۱......صورت مذکورہ میں ہندہ اپنے اوپر زوجہ زید طلاق رجعی واقع کرسکتی ہے یانہیں؟

۲......اگر بالفرض طلاق واقع کرسکتی ہے تو طلاقِ رجعی ہوگی یانہیں؟

۳......اس کو طلاق رجعی واقع کرکے بلا اطلاع زید عدت پوری کرنی چاہیئے یا اطلاع کرکے؟

۴...... اگر بلا اطلاع عدت پوری کرے تو طلاق بائن ہوگی، یا اطلاع کے بعد عدت پوری کرنے پر بائن ہوگی؟

۵......طلاق بائن ہونے کی صورت میں ہندہ کے ساتھ دوبارہ عقد کے لئے حلالہ کی ضروت ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے بیشتر متعدد مرتبہ اس واقعہ کا سوال آچکا ہے، محمد حسن خان صاحب کے نام سے ایک مرتبہ اقرارنامہ کی نقل بھی آئی تھی۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے دس روپیہ ماہوار بذریعۂ منی آرڈر بھیجا جس کو لینے سے زوجہ اوراس کے والد نے انکار کیا، نیز ہندہ کا معالجہ شوہر کے مکان پر بھی ہوتا رہا اور

شادی کے بعد جب ہندہ رخصت ہوکر شوہر کے مکان پر آئی تو دستور کے مطابق تین روز بخوشی ودلشاد مانی رہی وغیرہ وغیرہ، مگر احمد حسن خانصاحب کے سوال میں تحریر تھا کہ شوہر کی بے التفاتی حد سے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ زوجین میں ایک مرتبہ بھی ہمبستری کی نوبت نہیں آئی اور شوہر نے بیماری کے وقت سے خرچہ دینا بند کردیا، زوجہ کی طرف سے بارہا خرچہ کا تقاضا کیا گیا مگر شوہر نے خرچہ نہیں دیا اور طرح طرح کے طعن وتشنیع کرکے دل آزاری کی حتی کہ زدوکوب کیا وغیرہ وغیرہ، اب واللہ اعلم کہ کونسا سوال صحیح ہے اور کونسا غلط؟

اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ فریقین متفق ہوکر صحیح صحیح واقعہ تحریر کریں اور ہر دو فریق دستخط کرکے بھیجیں تاکہ موافقِ شرع جواب حاصل ہوسکے، ورنہ ہر سوال کے موافق جواب تحریر ہوگا، مفتی کو علم غیب نہیں ہوتا کہ سائل نے سوال میں صحیح واقعہ لکھا ہے یا غلط، اور ایسی صورت میں ذمہ داری سائل کے سر باقی رہتی ہے۔

ایک دفعہ ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۰ھ کو جواب نمبر: ۲۵۱، دوسری مرتبہ ۱۰/ جمادی الثانیہ/ کو جواب نمبر: ۳۸۴، تیسری مرتبہ ۲۴/ رجب/ ۶۰ھ کو، جواب نمبر: ۴۴۴ یہاں سے گیا ہے۔ اب اس کے سوال کے مطابق جوابات تحریر ہیں:

۱...... اگر خلافِ شرط کیا تو زوجہ کو طلاق واقع کرنے کا اختیار حسبِ اقرارنامہ حاصل ہے (۱)۔

۲...... اگر ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہے اب واقع کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوگی ورنہ بائنہ ہوگی (۲)۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) " وإن فرق (الطلاق) بوصف أو خبر أو جمل بعطف أو غيره نحو: أنت طالق واحدة وواحدة .... أنت طالق، طالق، طالق، بانت بالأولىٰ إلى عدة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۸۶، طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/ ۲۹۸، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۷۱، فصل في الطلاق قبل الدخول، دار الكتب العلمية بيروت)

۳......اطلاع کرنا واجب نہیں۔

۴......عدت پوری ہونے پر بائنہ ہوجائیگی اطلاع کریں یا نہ کریں (۱)۔ اگر خلوتِ صحیحہ یا ہمبستری نہیں ہوئی تو شروع ہی سے بائنہ ہوگی۔

۵......حلالہ کی ضرورت تین طلاق یعنی مغلظہ میں ہوتی ہے (۲)، ایک طلاق بائنہ میں حلالہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف طرفین کی رضامندی کافی ہوتی ہے (۳)۔ اگر طلاق رجعی ہو اور عدت ختم نہ ہوئی ہو تو رجعت کافی ہے، دوبارہ نکاح کی ضرورت ہی نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ شعبان/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۶۰ھ۔

---

(۱) "أ ما الطلاق الرجعي .... فإن طلقها ولم يراجعها، بل تركها حتى انقضت عدتها، بانت". (بدائع الصنائع: ۴/۳۸۷، فصل في حكم الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

"وتنقطع الرجعة إن حكم بخروجها من الحيضة الثالثة إن كانت حرةً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۱، الباب السادس، الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

(۳) "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/ ۴۰۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، ۴۷۳، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۴) " إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أو لم =

''مقررہ شرائط کی خلاف ورزی کروں تو یہ عدم پابندی میری بیوی کے لئے طلاق مقصود ہو'' کہنے کا حکم

سوال[۶۲۹۶]: مسماۃ زیب النساء کا نکاح انوار الحق کے ساتھ ہوا، لیکن شوہر کی بدچلنی و بدخلقی کی بنا پر تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ بعض حضرات نے صلح کرادی اور ایک اسٹامپ پر یہ بھی لکھوادیا کہ ''اگر میں ان شرطوں کی خلاف ورزی کروں تو یہ عدم پابندی میری طرف سے زینب النساء کیلئے طلاق متصور ہو''۔ سوال یہ ہے کہ اقرارنامہ کی شرائط کی عدمِ پابندی بھی حسبِ تحریر طلاق سمجھی جائے گی یا انوار الحق سے طلاق لینی پڑے گی؟ اور اگر عدم پابندی سے طلاق بائن پڑگئی تو عورت اپنا عقدِ ثانی کرسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اقرارنامہ درحقیقت طلاق کو شرائط کی عدم پابندی پر معلق کرنا ہے، لہٰذا عدم پابندی شرائط پر حسبِ اقرارنامہ طلاق واقع ہوجائے گی (۱)، مزید مطالبہ کی حاجت نہیں ہوگی، جبکہ صریح طلاق کو کسی اور صفتِ تشدید وغیرہ سے مؤکد نہیں کیا تو طلاقِ رجعی ہوگی، اور اسی وقت سے عدت لازم ہوگی (۲) اور شوہر کو اختتامِ عدت

= ترض". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) " وابتداء العدة في الطلاق والموت عقيبهما، لإطلاق النص". (مجمع الأنهر: ۱/۴۶۹، باب العدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۳۱، ۵۳۲، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

سے پہلے پہلے حقِ رجعت حاصل ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۱۳۸۶ھ۔

”اگر ماروں پیٹوں یا گھر سے نکالوں تو مسماۃ پر سہ طلاق“

الاستفتاء [۶۲۹۷]: مسمی خضر نے عہد کیا ہے کہ ”کبھی اپنی زوجہ کو نہیں ماروں گا اور اگر ماروں پیٹوں یا گھر سے نکالوں تو مسماۃ پر سہ طلاق شرعی حرام ہوگی“۔ اس واقعہ سے نکاح کرنے کا مجاز ہوگا یا نہیں؟ مسمی خضر کے نکاح کو دو یوم ہی گزرے تھے کہ اپنی زوجہ کو مار پیٹ کر کے اپنی گھر سے نکال دیا، اس واقعہ کو تین ماہ گزر گئے۔ اب یہ نکاح شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اس طرح ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، مسماۃ کو چاہیے کہ جس روز سے شوہر نے مار پیٹ کر اس کو گھر سے نکال دیا ہے اس روز سے عدت تین حیض گزار کر دوسری جگہ باقاعدہ اپنا نکاح ثانی کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) ”فمن طلق امرأته مادون الثلاث بصريح الطلاق ولم يصفه بضرب من الشدة.........فله أن يراجع وإن أبت المرأة عن رجوعه“. (مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲، باب الرجعة، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۳/۵۹۷، مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”وإذا أضافه إلى شرط، وقع عقيب الشرط“. (الهداية: ۲/۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵، باب التعليق، رشيديه)

نکاح میں کی گئی شرط کے خلاف کرنے سے وقوعِ طلاق اور قسم کا کفارہ

سوال[۶۲۹۸]: ا......زید نے عمر کی لڑکی سے درج ذیل شرائط پر نکاح کیا ہے:

ا- زید نے عمر سے بوقتِ نکاح برسرِ مجلس قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی اور کہا کہ ''اگر میری اہلیہ کے وقت بلوغ تک میں تمہارے گھر میں ہی رہوں گا اور اس شرط پر عدمِ عمل کی صورت میں میری بیوی پر طلاق ہے اور میری بیوی مجھ پر بالکل حرام ہے''۔ اراکینِ مجلس اس پر گواہ ہیں اور یہ پورا قول وقرار اراکین مجلس کی موجودگی میں زید نے قرآن مجید اپنے ہاتھ پر رکھ کر کہا ہے۔

۲- دوسری شرط یہ کہ ''میں کوئی بددیانتی، خیانت، چوری وغیرہ نہیں کروں گا، اگر کسی بددیانتی، خیانت میں مبتلا ہو جاؤں تو میری بیوی پر طلاق''۔ یہ اعلان بھی قرآن مجید ہاتھ میں رکھ کر برسرِ مجلس کیا ہے۔ فی الوقت حال یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کو حالتِ عدم بلوغ میں اس کے والدین کے گھر چھوڑ کر اپنے گھر بھاگ گیا اور کئی مرتبہ عمر کے گھر سے مختلف اشیاء مختلف اوقات میں چوری بھی کی، جس پر اس علاقہ کے کئی شاہد ہیں۔ ایسی صورت میں زید پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ اور زید کی جانب سے اس کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے ایجاب وقبول ہونے سے پہلے اللہ کی یا قرآن کی یہ قسم کھائی تھی کہ یہ شرط پوری کرون گا، اور نہ کرنے کی صورت میں میری بیوی پر طلاق اور مجھ پر حرام، پھر شرط کے خلاف کیا ہے تو نہ بیوی حرام ہوئی ہے نہ ہی طلاق پڑی ہے(۱)، البتہ گنہگار ہوا ہے، قسم کے خلاف کرنے سے قسم کا کفارہ ادا کرے، یعنی دس مساکین کو صبح وشام کھانا کھلائے جیسے اپنے گھر میں اکثر حالات میں کھانا تیار ہوتا ہے، یا دس مسکینوں کو ایک ایک جوڑا کپڑا

---

(۱) ''رجل قال: إن فعلت كذا، فامرأته طالق، وليس له امرأة فتزوج امرأةً، ثم فعل ذلك، لايحنث في يمينه''.

(فتاویٰ قاضي خان علی هامش الهندية: ۱/۱۱۵، باب التعليق، مسائل تعليق الطلاق بالتزوج، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية، كتاب الطلاق، هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۲۷۵، كتاب الأيمان، الثالث في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳/۸۱، الجزء السادس، كتاب الطلاق، باب من الطلاق، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

دے۔اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے(۱)۔

اور اگر زید نے ایجاب وقبول ہونے کے بعد مذکورہ بالا شرط لگائی تھی اور قسم کھائی تھی تو بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے اور قسم کا کفارہ بھی زید پر واجب ہوا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بدکاری نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرکے مفعولیت کا ارتکاب

سوال[۶۲۹۹]: زید کو غلط کاری کی عادت تھی، ایک دن اس نے کہا کہ''آئندہ جب میں لونڈے بازی کروں تو میری بیوی کو طلاق''۔کچھ مدت گزر جانے کے بعد زید سے بصورتِ مفعول غلط کاری سرزد ہوگئی، جبکہ مذکورہ بالا الفاظ عرفِ عام میں حالتِ فاعل کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔زید کو شک رہتا ہے کہ کہیں تُو نے حالتِ مفعول کو بھی تعلیقِ طلاق میں شامل تو نہیں کیا تھا، حالانکہ قلبی رجحان اسی طرف ہے کہ اس نے مذکورہ بالا الفاظ ہی کا تلفظ کیا تھا، حالتِ مفعول کے بارے میں شک پریشان کرتا رہتا ہے۔تو کیا اس صورت میں طلاق

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لایؤاخذ کم الله باللغو فی أیمانکم، ولکن یؤاخذ کم بما عقدتم الأیمان، فکفارته إطعام عشرة مساکین من أوسط ماتطعمون أهلیکم، أو کسوتهم، أوتحریررقبة، فمن لم یجد فصیام ثلثة أیام، ذلک کفارة أیمانکم إذاحلفتم، واحفظوا أیمانکم، کذالک یبین الله لکم ایٰته، لعلکم تشکرون﴾ (سورة المائده: ۸۹)

"کفارة الیمین عتق رقبة، یجزئ فیهامایجزئ فی الظهار، وإن شاء کساعشرة مساکین، کل واحد ثوباً فمازاد، وأدناه مایجوزفیه الصلوة، وإن شاء أطعم عشرة مساکین کالإطعام فی کفارة الظهار .... فإن لم یقدرعلی أحد الأشیاء الثلاثة، صام ثلاثة أیام متابعات". (الهدایة: ۲/ ۴۸۱، کتاب الأیمان، باب مایکون یمیناً وما لایکون یمیناً، فصل، مکتبه شرکة علمیة)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ۶۱، کتاب الأیمان، الفصل الثانی فی الکفارة، رشیدیه)

(۲) "وإذا أضافه إلی الشرط، وقع عقیب الشرط، مثل أن یقول لامرأته : أنت طالق إن دخلت الدار، الخ". (الهدایة: ۲/ ۳۸۵، باب الأیمان فی الطلاق، شرکة علمیة)

(وکذا فی الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/ ۳۵۵، باب التعلیق، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة إن وإذاوغیرها، رشیدیه)

واقع ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً تو دونوں ہی کام (فاعلیت ومفعولیت) قابلِ لعنت ہیں(۱)، مگر ایمان کا مورد عرف پر ہوتا ہے(۲)، اس لئے صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، صرف لعنت باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۱۴۰۱ھ۔

طلاق معلق میں تعلیق کی خبر سے پہلے اس کا ارتکاب

سوال[۶۳۰۰]: محمد یونس نے اپنے خسر کو خط لکھا جس کی نقل درج ذیل ہے:

قبلہ انیس الرحمٰن صاحب! سلام مسنون۔

''احوال ضروری ہیں کہ آپ کی بیٹی آپ کے گھر میں کھاتی ہے، آپ کی بیٹی جو کچھ بھی ہے وہ ہماری ہی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: "ملعون من سب أباه، ملعون من سب أمه، ملعون من ذبح بغیر الله، ملعون من غیّر تخوم الأرض، ملعون من کمه أعمی عن طریق، ملعون من وقع علی بهیمة، ملعون من عمل بعمل قوم لوط". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۵۹/۱، (رقم الحدیث: ۱۸۷۸)، مسند عبد الله بن عباس، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وجامع الترمذی: ۲۷۰/۱، کتاب الحدود، باب ماجاء فی حد اللوطی، سعید)

(والترغیب والترهیب: ۲۸۶/۳، الترهیب من اللواط وإتیان البهیمة والمرأة فی دبرها، سواء کان زوجته أو أجنبیة، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "الأصل أن الأیمان مبنیة عند الشافعی علی الحقیقه اللغویة، وعند مالک علی الاستعمال القرآنی، وعند أحمد علی النیة، وعندنا علی العرف مالم ینو مایحتمله اللفظ، فلاحنث فی: لایهدم ، إلابالنیه" (الدرالمختار). "(قوله: وعندنا علی العرف)؛ لأن المتکلم إنمایتکلم بالکلام العرفی: أعنی الألفاظ التی یراد بها معانیها التی وضعت لهافی العرف". (ردالمحتار: ۷۴۳/۳، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۹۶/۵، باب الیمین فی الدخول والسکنی، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵۰۱/۴، باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والإتیان اهـ، رشیدیه)

بن کر رہے گی، لیکن اگر وہ ہمارے حکم کے خلاف کہیں بھی قدم رکھے تو اس کا انجام بہت بُرا ہوگا، اس لئے آپ کو خبر دار کر رہے ہیں کہ بعد میں آپ یہ نہ کہیں کہ پہلے کیوں نہ کہا۔ خیر اس خط کو دیکھتے ہی آپ اپنی بیٹی سے کہہ دیں گے، اس پر بھی وہ نہیں مانے گی تو اس کے ذمہ دار آپ اور آپ کی بیٹی ہوگی اور رو پیلی بستی نہیں جائے گی'' اگر اپنی من مانی سے جانا چاہتی ہے، یا آپ لوگ زور دیجئے گا اور اگر رو پیلی بستی جائے گی تو طلاق ہو جائے گی''۔ تفصیل کے ساتھ صاف صاف الفاظ میں جواب دیا جائے''۔

مذکورہ خط ۱۸/۳/۷۱ء کو لکھا گیا ہے اور مرسل الیہ کو ۱۴/ روز کے بعد خط ملتا ہے، اس کے درمیان لاعلمی میں وہ رو پیلی جا چکی ہے۔ ان باتوں کو سامنے رکھ کر جواب دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خط میں شوہر نے بیوی کے رو پیلی بستی جانے پر طلاق کو معلق کیا ہے اور مرسل الیہ کو اول اس کی اطلاع کا ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ بیوی کو خبر دار کر دے مگر خط مکتوب الیہ کو ملنے اور بیوی کو خبر ہونے سے پہلے ہی وہ رو پیلی بستی جا چکی تھی، اس لئے کوئی طلاق نہیں ہوئی (۱)۔ مکتوب الیہ کے خبر دار کرنے پر جائے گی تو طلاق ہو جائے گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ خط میں خبر دار کرنے کا ذکر تو ضرور ہے مگر جس جملے سے شرط جزا کو ذکر کیا ہے اس میں یہ نہیں بلکہ اس سے پہلے ہے اور ایک ہی خط میں جتنے امور مذکور ہوں اور شوہر کا مقصود بھی ہو، لیکن چونکہ یمین کا مدار الفاظ پر ہوتا ہے نہ کہ اغراض پر (۲) اس لئے شرط وجزا پر نظر کرتے ہوئے طلاق کا حکم ہوگا، تو بہت

---

(۱) "ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب: يافلانة! إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق، طلقت بوصول الكتاب، جوهرة". (الدرالمختار). "ولو وصل إلى أبيها فمزقه ولم يدفعه إليها، فإن كان متصرفاً في جميع أمورها، فوصل إليه في بلدها، وقع، وإن لم يكن كذلك، فلا مالم يصل إليها".

(ردالمحتار: ۳/۲۴۶، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۳/۴۳۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "الأيمان مبنية على الألفاظ لاعلى الأغراض". (الدرالمختار: ۳/ ۷۴۳، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى الخ، سعيد) .... =

سے بہت ایک رجعی طلاق کا حکم ہوگا (۱)، شوہر کو اندرونِ عدت (تین ماہواری) رجعت کا حق حاصل ہوگا (۲)، اگر عدت میں رجعت نہ کی تو طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خفا ہو کر جانے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۲۳۰۱]: ایک شخص اپنی منکوحہ بی بی کو جو مدخول بہا ہے بایں طور کہا کہ ''جو عورت میرے سے روٹھ کر میرے گھر سے گئی تو وہ بیوی میرے پر طلاق ہے''۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد بیوی تو دل میں خفا ہے۔ لیکن خاموش رہی اور خاوند نے یہ بات کہی کہ تُو اپنے بیٹوں کے پاس جو کہ دوسرے گھر میں تھے جا کر دیکھ لے کہ ان کی کیا حالت ہے۔ کیا اس صورت خاص میں طلاق رجعی پڑ جاتی ہے یا نہیں؟ نیز کچھ دنوں

= (وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۵۰۱، باب اليمين في الدخول والخروج الخ، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۵/ ۹۲، باب اليمين في الدخول والسكنى، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۳۵۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(۲) "فمن طلق امرأته مادون الثلاث بصريح الطلاق ولم يصفه بضرب من الشدة.......... فله أن يراجع وإن أبت المرأة عن رجوعه". (مجمع الأنهر: ۱/ ۴۳۲، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۵۹۷، مسائل الرجعة، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۲، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۴۳۲، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کے بعد یہ شخص اپنی بیوی مذکورہ کو کہتا ہے کہ ''اگر میں نے سنا کسی لڑکے کے ساتھ (جو اس کے اپنے لڑکے ہیں) کمائی کھاتی ہے تو میری طرف سے طلاق ہے''۔ اب بیوی نے اس پر یہ کہا کہ آپ لفظ طلاق نہ بولا کریں، اس بات پر غصہ ہو کر گالیاں دیں اور پھر کہنے لگا کہ ''جس نے تجھ کو کہا کہ اگر میرے اپنے لڑکوں کی کمائی کھاوے تو تُو میرے اوپر طلاق ہے''۔

لہٰذا باعثِ استفتاء یہ بات ہوئی کہ مشروط بھی پایا گیا، دونوں صورتوں میں بھی کمائی وغیرہ کھائی کہ آیا ان مذکورہ بالا صورتوں میں عورت پر کتنی طلاقیں پڑیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلی شرط کے پائے جانے کا بیوی کو اقرار ہے اور دوسری شرط کے پائے جانے کا شوہر کو اقرار ہے تو صورتِ مسئولہ میں دو رجعی طلاقیں واقع ہوگئیں (۱) بشرطیکہ دوسری شرط عدت کے اندر پائی گئی ہو (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، ۶۳/۲/۴ھ۔

---

(۱) ''وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار، فأنت طالق''. (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الباب الرابع، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۵۰۲، الفصل السابع عشر في الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ''الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة''. (الدرالمختار). ''(قوله: بشرط العدة) هذا الشرط لابد منه في جميع صور اللحاق''. (ردالمحتار: ۳/۳۰۶، باب الكنايات، مطلب الصريح يلحق الصريح والبائن، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۷، الباب الثاني، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

''وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق، وإلا لا''. (الدرالمختار). ''أطلق الملك، فشمل ما إذا وجد في العدة، والمراد وجود تمامه في الملك لاجميعه''. (ردالمحتار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

''اگر چوٹن ہے تو طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۰۲] : میں یعنی عبدالسلام ایک روز کا واقعہ ہے کہ میرے بڑے بھائی سے اور مجھ سے جھگڑا ہورہا تھا۔ جھگڑے کے دوران میرے بڑے بھائی نے میری بیوی کو کہا کہ طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کرتی ہے، پر! وقت ہوتا ہے تو کھانا کھالیتی ہے، اس بات پر میں نے ان کی بیوی کو کہا کہ وہ چوٹن ہے، اس کے جواب میں میرے بڑے بھائی نے میری بیوی کو چوٹن کہا۔ میری بیوی نے کہا کہ میں نے ناشتہ نہیں کیا تھا، بچوں کو کھانا کھلارہی تھی۔ اس پر میری والدہ نے کہا کہ ارے! چلو، اس پر میں نے کہا کہ ''بس تمہاری بات مان لی، چوٹن ہے تو طلاق طلاق طلاق، تینوں طلاق''۔ میری والدہ کہتی ہیں کہ ارے! چلو، اس کہنے سے میری مراد یہ تھی کہ وہ چوٹن ہے، میں نے تو صرف جھگڑا ختم کرانے کے لئے کہا کہ ''ارے! چلو، نہ یہ چوٹن تھی اور نہ وہ چوٹن ہے'' (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبدالسلام کی بیوی چوٹن ہے تو اس پر تین طلاق ہوگئی، ورنہ کوئی طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۹۵ ۱۳ھ۔

''اب اگر روٹی پکائے تو طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۰۳] : بکر نے اپنی زوجہ کو رمضان میں روٹی پکانے کو کہا، چونکہ وہ روزہ دار نہیں تھا، اس پر زوجہ نے کہا کہ میں ہرگز روٹی نہیں پکاؤں گی۔ اس جملے کو سن کر شوہر نے کہا ''اب اگر روٹی پکائے گی تو تجھ پر تینوں طلاق''۔ مذکورہ صورت میں اگر زوجہ روٹی پکائے گی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) ''چوٹن: بظاہر'' کام چور'' کو کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "امرأة قالت لزوجها: یاکوسج، فقال. إن کنت کوسجاً فأنت طالق، وأراد به التعلیق، فالمختار أنه إن کانت لحیته خفیفةً غیرمتصله تطلق، وإلافلا؛ لأنه هوالکوسج، والأصح أنه إن کانت لحیته خفیفةً فهو کوسج". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة "إن وإذاوغیرهما": ۱/ ۴۴۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۴۹۵، باب التعلیق، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے اس وقت روٹی نہیں بنائی، بلکہ شام کو روٹی بنائی افطار کے وقت تو اس سے بکر کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، نکاح بدستور قائم ہے اور ہمیشہ اس کو روٹی پکا کر کھلانا بھی درست ہے، کیونکہ شوہر نے یہ کہا تھا کہ ''اب اگر تو روٹی بنائے گی تو تجھ پر تینوں طلاق'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دن کے کھانے کیلئے وقت افطار سے پہلے روٹی بنائے گی تو تجھے طلاق ہے، اب روٹی شام کو بنائی طلاق کی شرط نہیں ہوئی (۱)۔ اگر اسی وقت جب شوہر نے کہا تھا جب ہی روٹی بنائی تو طلاق مغلظہ واقع ہوگی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی کافی نہیں، ہاں! حلالہ کے بعد اگر دوبارہ نکاح کرے گا تو پھر روٹی بنانے سے کوئی طلاق نہیں ہوگی، کیونکہ شرط ختم ہو چکی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۱۳۹۹ھ۔

''میں ہار گیا تو طلاق ہے'' کا حکم

سوال [۶۳۰۴]: دو شخص آپس میں کسی معاملہ میں بحث کرتے ہیں اور ہار جیت میں آپس میں دونوں شرط لگاتے ہیں کہ ''میں ہار گیا تو اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا'' دوسرا بھی یہی کہتا ہے۔ اب اگر ان میں

---

(۱) "وشرط للحنث في قوله: إن خرجت مثلاً، فأنت طالق، أوإن ضربت عبدك فعبدي حر -لمريد الخروج والضرب- فعله فوراً؛ لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفاً، ومدارالأيمان عليه".

(الدرالمختار: ۳/۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والاتيان والركوب وغيرذلك، مطلب في يمين الفور، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۵۲۹، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۷۲، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(۲) "لوحلف: لاتخرج امرأته إلاباذنه، فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة، لم يحنث، وبطلت اليمين بالبينونة، حتى لوتزوجهاثانياً، ثم خرجت بلا إذن، لم يحنث". (رد المحتار: ۳/۳۵۴، باب التعليق، مطلب: زوال الملك لايبطل اليمين، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۳۴، باب التعليق، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۱۲۵، باب الأيمان في الطلاق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے جو ہار جائے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ طلاق کیلئے یہ الفاظ کافی ہیں کہ نہیں؟ اور اگر یہ کہے کہ ''میں ہار گیا تو طلاق ہے''۔ کیا اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوجائے گی؟ کیا کسی مسلمان کو ایسی شرط لگانا جائز ہے، یا شرط ہی نافذ نہیں ہوتی؟ اس قسم کی شرط لگانے والے پر کفارہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی صورت میں طلاق محض اس شرط کے لگانے اور ہار جانے سے واقع نہیں ہوئی کہ یہ وعدۂ طلاق ہے نہ کہ ایقاعِ طلاق (۱)۔ دوسری صورت میں ہار جانے سے طلاق واقع ہوجائے گی: "إذا أضافه إلی شرط، وقع عقيب الشرط، اھ" ھدایہ (۲)۔

مگر ایسی شرط لگانا شرعاً درست نہیں، طلاق کھیل نہیں، تین طلاق دینا گناہ ہے، تاہم اگر دیدے تو واقع ہوجاتی ہے۔ توبہ استغفار لازم ہے (۳)۔ کفارہ کچھ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) "قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق أو أنا أطلق نفسي، لم يقع؛ لأنه وعد، جوهرة". (الدر المختار). "بخلاف قولها: أطلق نفسي، لايمكن جعله إخباراً عن طلاق قائم؛ لأ نه إنما يقوم باللسان، فلو جاز، لقام به الأمرانِ في زمن واحد، وهو مُحال". (رد المحتار: ۳/۳۱۹، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسيه، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۴۵، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة "إن وإذاوغيرهما"، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۰۹، ۱۱۰، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "وذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم، منهم الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفه وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثوروأبو عبيدة وآخرون كثيرون على من طلّق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري: ۲۰/۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، مطبع أمين بيروت)

''بلا اجازت، باپ کے گھر گئی تو طلاق'' کا حکم

سوال[٦٣٠٥]: میری عورت تقریباً چار مرتبہ میری بلا اجازت، رائے ومشورے کے اپنے مکان یعنی کانپور سے لکھنو چلی جاچکی ہے، ہر مرتبہ دس پندرہ یوم کے بعد میرے ہمراہ جبراً ان کے والدین کہہ سن کے بھیجد یا کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میری بلا اجازت جملہ سامان بھی اپنے ہمراہ لے جاتی ہیں، اس مرتبہ پھر میری عورت بغیر مجھ سے پوچھے مع بچوں اور جملہ سامان کے پوشیدہ طور پر اپنے مکان چلی گئیں۔ لہٰذا ایسی حالت میں عورت کا شوہر سے نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اور مہر ادا کرنا اس کے اوپر واجب ہوا یا نہیں؟

میں نے ان کو پہلی ہی مرتبہ متعدد مردوں اور عورتوں کے روبرو خوب اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ''اگر آئندہ تم نے میری اجازت کے بغیر مکان سے قدم نکالا تو تم طلاق کی موجب ہوگی'' لیکن اس قدر سمجھانے کے بعد بھی ان کا یہ جانا چوتھی مرتبہ ہے، اس مرتبہ گئے ہوئے دو ماہ ہوئے عورت کی عمر تقریباً ۴۲/ سال ہے، چار شادی ہوئیں، پہلے شوہر نے بھی انہیں وجوہات کی بناء پر دوسرے مہینہ میں طلاق دی تھی، دو شوہروں کا انتقال ہوگیا، چوتھا میں ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر تو یقیناً واجب ہے، بوقتِ عقد نکاح جو وقت اس کی ادائیگی کا مقرر ہوچکا ہے اس وقت پر ادا کرنا ضروری ہے، اگر وقت کا تقرر نہیں ہوا ہے تو جو طریقہ آپ کے خاندان میں جاری ہے اس طریقہ کے موافق ادا کرنا لازم ہے، اگر زوجہ معاف کردے تو معاف ہوجائے گا اور اگر نہ وقت کا تقرر ہوا، نہ عورت نے معاف کیا نہ خاندان میں ادا کرنے کا رواج ہے تو ایسی صورت میں بھی اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا(۱)، یا معاف

= (وكذا في فتح القدير: ٣/ ٤٦٩، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ٦/ ٦، كتاب الطلاق، مكتبه حبيبيه)

(١) "ويتأكد عند وطئ أو خلوة صحت من الزوج أو من أحد هما، وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول، وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه". (الدر المختار مع رد المحتار: ٣/ ١٠٢، باب المهر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/ ٣٠٣، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر، رشيديه)

کرائیے یا ادا کیجئے۔ خاص کر جبکہ اس سے قطع تعلق منظور ہو جس قدر عرصہ تک بغیر آپ کی اجازت کے آپ کے مکان پر نہیں رہی اس عرصہ کا نفقہ آپ پر لازم نہیں (۱)۔

یہ لفظ کہ "تم طلاق کی موجب ہوگی" اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ایسا کرنے سے تم پر طلاق واقع ہو جائے گی یعنی آپ نے مکان سے باہر قدم نکالنے پر طلاق کو معلق کیا اور طلاق کیلئے باہر جانے کو شرط قرار دیا ہے تب تو خلاف شرط کرنے کی بنا پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی (۲)، یعنی ایسا کہنے سے کہ جب پہلی مرتبہ وہ گئی تو ایک طلاق ہوگی جس کا حکم یہ کہ عدت تین حیض کے اندر اندر رجعت درست ہے یعنی اپنی طلاق واپس لے لیں اور پھر دونوں شوہر بیوی کی طرح رہنا شروع کر دیں، یہ بات جائز ہے (۳) اور اگر بغیر رجعت کے عدت گزر جائے تو طرفین کی رضامندی سے نکاح درست ہے (۴)۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ تم طلاق کی موجب ہوگی

---

(۱) "وتسقط النفقة بردتها بعد البتّ: أي إن خرجت من بيته، وإلافواجبة". (الدرالمختار: ۳/۶۱۱، باب النفقه، سعيد)

"وأما إذا كان الامتناع بغير حق بأن كان أوفاها المهر، أو كان المهر مؤجلاً، أو وهبته منه، فلانفقة لها...... وإن نشزت، فلانفقة لها حتى تعود إلى منزله". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۳، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "وينكح مبانة بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدرالمختار: ۳/۴۰۹، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد) .... =

یعنی میں تم کو طلاق دیدوں گا تو یہ صرف وعدہ ہے، جب تک آپ طلاق نہ دیں گے، لفظِ مذکور کی بناء پر طلاق واقع نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

''میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو اس کو طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۰۶]: ''اگر میری بیوی جس سے میرا نکاح ہوا ہے چاند سے زیادہ خوبصورت نہ تھی تو اسے طلاق ہے'' اور وہ چاند سے زیادہ خوبصورت واقع میں نہیں ہے، مگر وہ اس کو بہت حسین جانتا ہے اور کہتا ہے۔ تو اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کونسی ہوئی؟ تشریح: اگر وہ چاند سے زیادہ خوبصورت بتادے اور واقع میں نہ ہو، یا وہ بھی اس کو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ بتاوے یا چاند سے زیادہ خوبصورت واقع میں ہو اور وہ نہ بتاوے تو کیا ہر سہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کی تخلیق احسنِ تقویم میں ہے، لہٰذا انسان سے خوبصورت کوئی شئی نہیں، پس طلاق واقع نہیں ہوئی:

"عن یحی بن أکثم القاضی أنه فسر التقویم لحسن الصورة، فإنه حکی أن ملك زمانه خلا بزوجته فی لیلة فقال: إن لم تکونی أحسن من القمر فأنت کذا، فأفتی الکل بالحنث إلا یحی بن أکثم، فإنه قال: لایحنث فقیل له: خالفت شیوخك، فقال: الفتوی بالعلم ولقد أفتی

= (وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(۱) " فقال الزوج: أطلق ''طلاق می کنم، طلاق می کنم'' فکرره ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: سأطلق طلاق ''کنم''، لأنه استقبال، فلم یکن تحقیقاً بالتشکیك". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۸۴، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل السابع فی الطلاق بالألفاظ الفارسیة، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۱۹، باب تفویض الطلاق، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۵۴۵، باب تفویض الطلاق، رشیدیه)

من هو أعلم منا، وهو الله تعالى فإنه يقول: ﴿لقد خلقنا الإنسان في أحسن تقويم﴾اه". مفاتيح الغيب: ٨/٤٥٩(١)۔

قاضی یحیٰ بن اکثم کا حال حدائق الحنفیہ میں ہے، ص:۱۵۳(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۲۴ھ۔

صحیح:عبداللطیف، ۲۷/صفر/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(١) (التفسير الكبير للرازي [مفاتيح الغيب]: ٣٢/١٠، ١١، دار الكتب العلميه طهران)

(۲) ''یحیٰ بن اکثم بن محمد بن قطن بن سمعان مروزی: بڑے علامہ فقیہ محدث صدوق عارفِ مذہب بصیر احکام تھے، ابومحمد کنیت تھی۔ آپ نے حدیث کو امام محمد وابنِ مبارک وسفیان بن عیینہ وغیرہ سے سنا اور روایت کیا اور آپ سے بخاری نے غیر جامع میں اور ترمذی نے روایت کی۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ بدعت سے بالکل سلیم اور بڑے مضبوط اہل سنت وجماعت تھے۔ طلحہ بن محمد نے کہا ہے کہ آپ دنیا کے اعلام میں سے تھے۔ امر آپ کا مشہور اور نیکی معروف تھی، آپ کا فضل وعلم وریاست وسیاست کسی پر پوشیدہ نہ تھا۔ بیس سال کی عمر میں بعد وفاتِ اسمٰعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ کے بصرہ کے قاضی ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اہل بصرہ نے آپ کو بسبب صغرسنی کے صغیر سمجھا، آپ نے یہ حال معلوم کرکے فرمایا کہ میں عتاب بن اسید سے عمر میں بڑا ہوں جن کو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا قاضی بنایا تھا اور نیز معاذ بن جبل سے بڑا ہوں جن کو آنحضرت نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ لوگ یحییٰ بن اکثم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کو پاکی ہے کون ایسا کہتا ہے؟ پھر اس تہمت سے سخت انکار کیا۔ آپ نے فقہ میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی تھی مگر لوگوں نے بسببِ طوالت کے اس کو ترک کیا اور ایک کتاب اصولِ فقہ میں اور ایک تنبیہ نام عراقیوں کے لئے تصنیف فرمائی۔ اور تراسی سال کی عمر میں ۲۴۲ھ یا ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ تاریخ ابنِ خلکان میں لکھا ہے کہ حسین بن عبداللہ بن سعید کہتے ہیں کہ میں اور آپ باہم بڑے دوست تھے، جب آپ فوت ہوئے تو میں نے چاہا کہ کسی طرح آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھوں کہ تمہارا کیا حال گزرا؟ پس ایسا ہی ہوا کہ ایک رات میں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ خدا نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ آپ نے کہا کہ بخش دیا مگر زجر کرکے فرمایا کہ اے یحییٰ! دنیا کو تو نے اپنے اوپر خلط کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے آنحضرت کی اس حدیث پر تکیہ کیا تھا کہ خدا تعالیٰ بوڑھے کو دوزخ میں عذاب کرنے سے شرم کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا کہ میرے پیغمبر نے سچ کہا ہے، لیکن تو نے دنیا میں اپنی جان پر تخلیط کی تھی، پس میں نے تجھ کو بخش دیا۔ اکثم مرد عظیم البطن کو کہتے ہیں اور یہی معنیٰ اکثم کے ہیں۔ ''امینِ عالم'' تاریخ وفات ہے''۔ (حدائق الحنفیہ، ص:۱۷۹، ۱۸۰، مکتبۃ الربیعہ، کراچی)

"کسی ایک کے چھوڑنے سے دونوں ہی چھوٹ جائیں گی" سے طلاق کا حکم

سوال[۶۳۰۷]: میں نے پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی چچازاد بہن سے دوسرا نکاح کیا۔ نکاحِ ثانی کے وقت پہلی بیوی کے والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ میری بیٹی اور میری بھتیجی دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ دوگے تو کیا ہوگا، تب جواباً میں نے کہا تھا کہ "میں قرآن اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی ایک کو چھوڑنے سے دونوں ہی چھوٹ جائیں گی"۔ کچھ دن کے بعد میرا کام کاج نہ کرنے اور پانچ وقت نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میں نے غصہ ہوکر اپنی دوسری بیوی کو "ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق بائن" دے دی۔ اب سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں میری دونوں بیویوں پر طلاق پڑے گی یا صرف ثانی پر؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

دوسری بیوی کو تو صاف صاف طلاق دے ہی دی ہے مگر پہلی پر بھی طلاق ہوگئی بشرطیکہ پہلی بیوی کے والد صاحب کے بعد کا جواب دوسرے نکاح کے بعد دیا ہو یعنی یہ جملہ "کسی ایک کے چھوڑنے سے دونوں ہی چھوٹ جائیں گی" دوسرے نکاح کے بعد کہا ہو: "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، اه". هدايه: ۲/ ۳٦٤(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۶/ ۸۸ھ۔

ایک بیوی کی طلاق کو دوسری بیوی کی طلاق پر معلق کرنا

سوال[۶۳۰۸]: عمر نے دوسری شادی اس شرط پر کی "اگر دوسری بیوی (تجھ) کو طلاق دوں تو پہلی بیوی کو طلاقِ مغلظہ ہوجائے"۔ اس کے بعد عمر نے دوسری بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیدی۔ تو اس صورت میں پہلی بیوی کو کونسی طلاق ہوگی جب کہ پہلی بیوی کی ابھی تک رخصتی بھی نہیں ہوئی، غیر مدخولہ ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر دوسری شادی کی اور اس دوسری بیوی سے یہ کہا کہ "اگر تجھ کو طلاق دوں تو میری پہلی بیوی پر طلاق

---

(۱) (الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

مغلظہ ہوجائے'' اس کے بعد دوسری بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیدی تو اس سے پہلی بیوی پر بھی طلاقِ مغلظہ ہوگئی، اگر چہ اس سے خلوت کی نوبت نہ آئی ہو(۱)۔ غیر مدخول بہا کو اگر تین طلاق تین الفاظ کے ساتھ دی جائے تو وہ پہلے ہی طلاق سے بائن ہوجاتی ہے، پھر دوسری اور تیسری طلاق لغو ہوجاتی ہے، لیکن تین طلاق بیک لفظ دی جیسا کہ صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ بصورتِ تعلیق دی گئی ہے تو طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۴/۱/۸۸ھ۔

ایک مکالمہ جس میں طلاق مذکور نہیں

سوال[۶۳۰۹]: زید کی بیوی نے زید کو نماز پڑھنے کیلئے کہا تو زید نے کہا ''میں کل سے نماز پڑھوں گا اور اگر کل سے نماز نہیں پڑھوں گا تو کام بالکل چھوٹ جائے گا'' تو پھر زید کی بیوی نے کہا کہ جب کام چھوٹ جائے گا تو آپ اپنے گھر اور میں اپنے گھر۔ تو اس کے بعد زید نے پھر کہا کہ: میں نے ایک وقت نماز پڑھنے کو کہا ہے، ایک وقت پڑھوں گا۔ تو جب کل آیا تو زید نے نہ فجر پڑھی، نہ ظہر اور نہ ہی عصر و مغرب، صرف عشاء کی نماز پڑھی تھی۔

ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک روز زید مچھلی کا شکار کرنے جارہا تھا، تو اس کی بیوی نے کہا کہ مچھلی نہیں ملے گی۔ اس پر زید نے کہا ''اگر مچھلی مل جائے گی تو سمجھوں گا کہ تجھ کو ایمان ہے اور اگر نہیں ملی تو سمجھوں گا کہ

---

(۱) " وإذا أضافه إلی الشرط، وقع عقیب الشرط اتفاقاً، مثل أن یقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۸۵، باب الأیمان فی الطلاق، مکتبه شرکت علمیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعلیق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "قال لزوجته غیر المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً، وقعن، وإن فرق، بانت بالأولی، ولذا لم تقع الثانیة". (الدرالمختار: ۳/۲۸۴، ۲۸۲، طلاق غیر المدخول بها، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۷۳، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۴/۲۹۸، فصل فیما یرجع إلی المرأة، دارالکتب العلمیة بیروت)

تو کافر ہے''۔ اتفاق سے اس دن مچھلی بھی نہیں ملی، زید کی بیوی حلف کے ساتھ یہ بیان کرتی ہے کہ اس روز مچھلی ملی تھی۔ زید کی بیوی حلفیہ یہ بیان کرتی ہے کہ زید نے یہ جملہ جو کہا ہے ''اگر کل سے نماز نہیں پڑھوگا تو کام بالکل چھوٹ جائے گا'' اس کے بعد ہی زید نے کہا کہ میں نے ایک وقت پڑھنے کو کہا ہے، یہ دوسرا جملہ ایک وقت کی گفتگو میں کہا، گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد نہیں کہا۔

زید کا بیان یہ ہے کہ میں آج سے اگر کسی وقت نماز نہیں پڑھوں گا تو کام چھوٹ جائے گا اور جس دن میں نے یہ بات کہی ہے، اس دن صرف عشاء کی نماز پڑھی ہے، اس کے بعد پھر کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اور میرے اس کہنے سے کہ کام چھوٹ جائے گا طلاق کی نیت نہیں تھی، محض اپنی بیوی کو اطمینان دلانے کیلئے کہا تھا کہ تجھ کو میری بات کا اعتبار نہیں ہے کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ زوجین کی مذکورہ گفتگو تقریباً ١٢/ بجے دن میں ہوئی ہے۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک وقت کی نماز کے لئے کہا تھا اور اسی ڈر سے کہ طلاق واقع نہ ہوجائے میں نے ایک وقت یعنی عشاء کی نماز پڑھ لی۔

نوٹ: مذکورہ بالا گفتگو کے بعد زوجین تقریباً سات ماہ یکجا رہے ہیں۔ صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر طلاق پڑی تو کیسی؟ زوجین اگر باہم رہنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قسم کی گفتگو کے باوجود طلاق نہیں ہوئی (١)، نکاح بدستور قائم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ١٩/٥/٨٩ھ۔

---

(١) " وركنه لفظ مخصوص، هو ما جعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية .... وأراد اللفظ ولو حكماً ليدخل الكتابة المستبينة. وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته، فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق، ولم يذكر لفظاً لا صريحاً ولا كناية، لا يقع عليه". (الدر المختار مع رد المحتار: ٣/ ٢٣٠، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/ ٣٤٨، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ٣/ ٢٠، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

جماع نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال[۶۳۱۰]: زید نے رات کو اپنی بیوی سے جماع کرنا چاہا، اس کی بیوی نے شوہر سے کہا کہ میں یہ کام نہیں کروں گی۔ زید نے کہا کہ "جب تو یہ کام نہیں کرے گی تو میں نے تجھے طلاق دے دی"۔ اور یہ الفاظ زید نے نہ جانے کتنی بار کہے۔ اس کے بعد قریب ۶، ۷/ ماہ گزرنے پر وہ عورت جماع کیلئے تیار ہوگئی، پھر جماع کیا اور ان کے یہاں بچہ بھی پیدا ہوا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کا مقصد یہ تھا کہ میں اس وقت یہ کام نہیں کروں گی (اس وقت کوئی عذر ہوگا) اس پر شوہر نے اس وقت اصرار کیا اور مقصد یہ تھا کہ اس وقت نہیں کرے گی تو تجھے طلاق دیدی اور تین دفعہ کہہ دیا تو اسی وقت طلاق مغلظہ ہوگئی (۱)۔ اگر بیوی کا مقصد یہ تھا کہ میں عمر بھر یہ کام نہیں کروں گی اور شوہر نے بھی یہی کہا کہ اگر عمر بھر نہیں کرے گی تو تجھے طلاق۔ پھر ۶، ۷/ ماہ بعد یہ کام کرلیا تو کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ اگر عمر بھر اس کی نوبت نہ آتی تو عمر کے اخیر وقت میں طلاق ہوتی (۲)۔ "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط".

---

(۱) " وشرط للحنث في قوله: إن خرجت مثلاً فأنت طالق، أو إن ضربت عبدك فعبدي حر - لمريد الخروج والضرب -- فعلُه فوراً؛ لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفاً، ومدار الأيمان عليه".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والإتيان والركوب وغير ذلك، مطلب في يمين الفور، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۵۲۹، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/ ۷۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(۲) "(ولو حلف: ليفعلنّه، برّ بمرة)؛ لأن النكرة في الإثبات تخص، والواحد هو المتيقن ولو قيدها بوقت فمضى قبل الفعل، حنث إن بقي الإمكان، وإلا بأن وقع اليأس بموته أو بفوت المحل بطلت يمينه".

(الدر المختار: ۳/ ۸۴۳، ۸۴۴، باب اليمين في البيع والشراء والصوم والصلاة وغيرها، سعيد)

"عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ أنه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من الأشعريين استحمله فقال: "والله! لا أحملكم، ماعندي ما أحملكم". ثم أرسل إلينا، فحملنا، =

الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٤٤٠(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٧/٦/٩٣ھ۔

تین طلاق کی تعلیق

استفتاء [٦٣١١]: محمد نعیم کے بھائیوں میں عرصہ دراز سے عداوت تھی، اس عداوت کا بدلہ ان لوگوں کو چکھانا ضرور تھا، ان کی بیوی ہندہ پر قبضہ کیا اور محمد نعیم ہندہ کو برابر تاکید کرتا تھا کہ تم ان لوگوں کے یہاں مت جایا کرو، مگر ہندہ اپنے شوہر کی ایک نہیں سنتی تھی۔ اس سلسلے میں کئی دفعہ مار پیٹ کی گئی، مگر یہ اپنے فعل سے باز نہیں آتی تھی۔ یہ عورت کی ذات اس رمز کو نہیں سمجھتی تھی کہ اس کا حشر کیا ہوگا، اتفاقاً انتیس ٢٩/ شعبان کو ہندہ طیب کے یہاں سے جو محمد نعیم کا بھائی ہوتا ہے کچھ چاول لا رہی تھی، محمد نعیم نے اس سے پوچھا کہ یہ چاول تم کہاں سے لائی، اس کا جواب ہندہ نے کچھ نہیں دیا، محمد نعیم نے سکوت اختیار کیا تھا، پھر بعد میں پتہ چلا کہ چاول طیب کے یہاں سے لایا گیا تھا۔

اس عدول حکمی کی سزا یہ دی گئی کہ رات کا کھانا ہندہ کو کھانے نہیں دیا گیا، صبح یکم رمضان ہوتا ہے، گھر کا کام کاج بدستور کر رہی تھی، مگر اندر اندر کرامت علی جو محمد نعیم کا بھائی تھا مخالفت میں کچھ اور باتیں بنا رہا تھا جس کی خبر محمد نعیم کو بالکل نہیں تھی۔ بعد نماز ظہر محمد نعیم نے اپنی بیوی سے کھانا تیار کرنے کو کہا، مگر ان کی ایک نہیں سنی، محلے کی عورتوں سے کہلوایا مگر کسی کی ایک نہیں سنی۔ آخر کار افطار کا وقت ہوا، محمد نعیم کہیں باہر سے گھر آیا

= نسي رسول الله صلى الله عليه وسلم يمينه، فرجعنا، فقلنا: يارسول الله! أتيناك نستحملك، فحلفت أن لاتحملنا، ثم حملتنا فظننا، أو فعرفنا أنك نسيت يمينك، قال: "انطلقوا، فإنما حملكم الله، إني –والله، إنشاء الله– لاأحلف على يمين، فأرى غيرها خيراً منها إلا أتيت الذى هو، وتحللتها".

(إعلاء السنن، كتاب الأيمان، بابٌ: إن حلف: لايفعل كذاحنث بفعله مرةً، ولوحلف: ليفعلن كذافعله مرةً في العمربّرفي يمينه: ١١/٦٢٣، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتح الباري: ١١/٦٥٠، كتاب الأيمان والنذور، باب: لاتحلفوا بآبائكم، قديمي)

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٤٢٠، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٢/٣٨٥، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/١٠٩، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

تو معلوم ہوا کہ ابھی تک کھانا نہیں تیار کیا گیا ہے، اس معاملہ کو دیکھ کر بہت صدمہ ہوا، ہندہ کو سخت سست کہنے کے علاوہ زدوکوب کے لئے تیار ہوگیا۔

اس پر ان کے بھائی کرامت علی نے پکڑ کر کہا کہ تم کو کھانا کپڑا دینے کی قوت ووسعت نہیں تو شام کو مار پیٹ کرنے آئے ہو اور بگڑتے ہوئے کرامت علی نے ہندہ سے کہا کہ تم میرے یہاں چلی آؤ، میں تم کو میکے پہونچادوں گا اور قصہ محلے کے لوگوں کو سنا کر محمد نعیم کو ذلیل ورسوا کریں گے، اتنا جملہ کہنے کے بعد ہندہ کرامت علی کے یہاں چلی گئی۔

محمد نعیم نے کرامت علی سے باہر ہوکر کہا کہ کیا تم ان کو میکے پہونچاہی دوگے؟ جواب دیا کہ ہاں ہاں پہونچاہی دیں گے، اِس پر محمد نعیم نے دوبارہ ان سے کہا کہ اگر تم ہندہ کو رکھ لوگے بس محمد نعیم نے فوراً یہ کہہ دیا: ''طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا''۔ اس کے بعد کرامت علی نے تمام محلے میں یہ مشہور کردیا کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کرامت علی نے ہندہ کو نہ میکے پہونچایا اور نہ اپنے پاس ہی رکھا بلکہ ان کے بھائی کو خبر دیکر فوراً ہی ہندہ کو ان کے حوالہ کردیا۔ فرمایئے کہ اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کونسی ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں شرعاً طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی اگرچہ شوہر کے کلام میں طلاق کی نسبت زوجہ کی جانب صراحۃً موجود نہیں، مگر پہلے سے زوجہ ہی کا تذکرہ ہے، نیز شوہر اپنی زوجہ ہی کو طلاق دیا کرتا ہے:

"ويؤيده مافي البحر: لوقال: امرأة طالق إن قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي، يصدق، اهـ. يفهم منه أنه لولم يقل ذلك، تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لابطلاق غيرها، فقوله: إني حلفت بالطلاق، ينصرف إليها مالم يُرد غيرها؛ لأنه يحتمله كلامه، اهـ". رد المحتار: ٢/٦٦٤(١)۔

---

(۱) (رد المحتار: ۳/ ۲۴۸، كتاب الطلاق، مطلب: سن بوش، يقع به الرجعي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۵۸، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۴۲۵، كتاب الطلاق، رشيديه)

اور شوہر نے وقوعِ طلاق کو معلق نہیں کیا اس بات پر کہ کرامت علی اس کی زوجہ کو رکھے بلکہ اپنی طلاق دینے کو اس کے رکھنے کے وعدے اور اقرار پر معلق کیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ اگر تم ہندہ رکھ لو، تو میں ہمیشہ کیلئے ایسا کردوں یعنی طلاق دیدوں، چنانچہ کرامت علی نے اس کے جواب میں وعدہ اور اقرار کرلیا، اس کے بعد بلاشرط تین مرتبہ طلاق دیدی، لہذا مغلظہ ہوگئی۔ کرامت علی نے اگر وعدہ پورا نہیں کیا تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/صفر/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

طلاق مغلظہ شرط کے ساتھ

سوال[۶۳۱۲]: ایک عورت اپنے شوہر کے پاس چند مہینہ رہنے کے بعد اپنے گھر چلی گئی اور قریب آٹھ ماہ یا نو ماہ کے بعد پھر اپنے شوہر کے پاس گئی۔ قریب چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، بچہ پیدا ہونے کے بعد مخالفین نے یہ بات اعلان کے ساتھ چلائی کہ یہ بچہ حرام کا ہے، اس اعلان پر لوگوں کو یقین نہیں ہوا۔ اس اعلان کے بعد اس کے شوہر نے غصہ میں یہ کہا کہ "میری بیوی نے بچہ حرام کا جنا ہے، میں نے اس کو تین طلاق دی"۔ از روئے شرع اس عورت پر طلاق مغلظہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح سے پورے چھ ماہ گزرنے کے بعد جو بچہ پیدا ہو، وہ ثابت النسب ہوتا ہے، اس کو حرام کہنا سخت گناہ اور حرام ہے(۱)، تاہم جب شوہر نے تین طلاق دی تو تین طلاق سے مغلظہ ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۱۳۸۹ھ۔

---

(۱) "أكثر مدة الحمل سنتان، وأقلها ستة أشهر إجماعاً". (الدر المختار: ۵۴۰/۳، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵۳۶/۱، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۷۴/۱، باب ثبوت النسب، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق، وطالق، وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". =

''بیوی میکہ چلی جائے تو تین طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۱۳]: زید کا سسرال والوں سے آئے دن جھگڑا رہتا تھا، ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنے میکہ گئی تو اس کے ماں باپ نے زید کو بہت پریشان کیا اور بھیجنے میں حیلہ حوالہ کرتے رہے۔ تب مجبور ہو کر زید نے کہا کہ ''اگر میرے حکم کے بغیر میری بیوی میکہ چلی جائے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو جائے گی''۔ چار ماہ بعد بیوی کی ماں نے کسی سے لڑائی کی، اس لئے زید کی بیوی اپنی ماں کی وجہ سے میکہ کی طرف بڑھی، جب وہ میکہ کے نزدیک پہونچی تو بیوی کی ماں اور بہن نے میکہ کے اندر لانے کی کوشش کی اور کوشش پوری ہوئی، بیوی میکہ کے اندر داخل ہوگئی۔ بیوی کہتی ہے کہ میں میکہ خود نہیں گئی، بلکہ مجھے میکہ کے اندر کیا گیا، میں اپنا ہوش کھو بیٹھی تھی اور کچھ دیر بعد سسرال چلی آئی۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بیوی اپنے پیروں سے چل کر میکہ گئی ہو، اس کو اٹھا کر زبردستی اندر داخل نہیں کیا گیا تو اس پر طلاق مغلظہ ہوگئی (۱)۔ شوہر کے مکان پر ہی عدت تین حیض گزار کر میکہ چلی جائے، زمانۂ عدت میں شوہر سے پردہ کرے، کوئی تعلق نہ رکھے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۴ھ۔

= (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۸، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

(۱) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار، فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) " إذا طلقها ثلاثاً أو واحدةً بائنةً، وليس له إلا بيت واحد، فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجاباً، حتى لاتقع الخلوة بينه وبين الأجنبية". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۳۵، الباب الرابع في الحداد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۵۵۳، فصل فيما يحرم على المعتدة، رشيديه) =

''اگراولاد ہوئی تو تجھے طلاق'' تین بار کہنے کا حکم

سوال[۶۳۱۴]: زید اپنی بیوی کے پاس بغرضِ وطی حاضر ہوا تو اس کی بیوی نے صحبت کرنے سے انکار کردیا، اس پر زید وہاں سے چلا آیا اور اپنی چارپائی پر لیٹ کر کہا کہ ''قسم خدا کی! اگر اولاد ہوئی تو تجھے طلاق ہے'' اور ان کلمات کو تین بار کہا۔ اب اولاد ہو چکی تو اس بیوی کو رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"فی أیمان الفتح: وقد عرف فی الطلاق أنه لوقال: إن دخلت الدار فأنت طالق، إن دخلت الدار فأنت طالق، إن دخلت الدار فأنت طالق، وقع الثلاث یعنی بدخولٍ واحدٍ، کما تدل علیه عبارة أیمان الفتح"(۱)۔

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ بچہ پیدا ہونے سے تینوں طلاق واقع ہوکر حرمتِ مغلظہ ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے اس سے تعلقِ زوجیت قائم کرنے کی کوئی صورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۱۷ھ۔

''اگر تونے زنا کیا ہو اور نہ بتلایا تو تین طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۱۵]: ۱......شوہر شبہ کی بنا پر اپنی عورت کو زانیہ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تو نے زنا کیا ہوگا اور تو نہیں بتلائے گی تو میری طرف سے تجھ کو آج سے تین طلاق، پھر تقریباً چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، پھر

= (وکذا فی فتح القدیر: ۳۴۵/۴، فصل: وعلی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار: ۳۷۶/۳، ۳۷۷، باب التعلیق، مطلب فیما لو تعدد الاستثناء، سعید)

(۲) " قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة وثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها". (الفتاوی العالمکیریة: ۴۷۳/۱، فصل فیما تحل به المطلقه ومایتصل به، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۶۲/۳، باب الرجعة، فصل فی ماتحل به المطلقة، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اس کی باز پرس ہوئی، کیونکہ یہ بچہ بھی غیر محرم کی شکل کا ہے۔

۲......اگر زید کی بیوی زنا کا اقرار کرلے کہ واقعی یہ حرام کا ہے تو طلاق پڑ جاوے گی یا نہیں؟ جبکہ دونوں ہمبستر بھی ہوتے رہے ہوں؟

۳......اگر طلاق واقع ہوگئی تو زید کی بیوی زید کے لئے کیسے حلال ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زید کا اپنی بیوی کو زانیہ کہنا جائز نہیں، بہت بڑا جرم ہے(۱)، جب تک زنا کا ثبوت نہ ہو جائے اس کی بیوی پر اس کہنے کی وجہ سے طلاق نہیں پڑے گی۔

۲......بیوی اگر اقرار کرے گی تو طلاق نہیں ہوگی، طلاق مغلظہ جب ہوگی کہ طلاق کا ثبوت دوسرے طریقہ پر ہوا اور بیوی اقرار نہ کرے(۲)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يرمون المحصنت الغفلت المؤمنت، لعنوا في الدنيا والأخرة، ولهم عذاب عظيم﴾ (سورة النور: ۲۳)

" عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلابالحق، وأكل الربوا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاري: ۲/۱۰۱۳ كتاب المحاربين من أهل الكفر والردة، باب رمي المحصنات، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۶۴ كتاب الإيمان، باب الكبائر و أكبرها، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۲/۴۱ كتاب الوصايا، باب ماجاء في التشديد في أكل مال اليتيم، إمداديه ملتان)

(۲) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار، فأنت طالق، وهذابالاتفاق؛ لأن الملك قائم في الحال. والظاهربقاء إلى وقت وجود الشرط، فيصح يميناً أو إيقاعاً". (الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: "إن وإذاوغيرهما"، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

۳.....اگر طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی تو پھر بغیر حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح جائز نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۰ھ۔

"اگر تو نہیں آئے گی تو تجھ کو ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق" کا حکم

سوال[۶۳۱۶]: زید نے ایک عورت سے شادی کی، عرصہ تک اتحاد واتفاق رہا، پھر جھگڑا رہنے لگا۔ ایک روز زید نے غصہ میں کہا کہ "تم میرے پاس نہیں آؤ گی" اس طرح تین مرتبہ بلایا تو بیوی اس کے جواب میں کہتی ہے کہ جب تک جھگڑے کا فیصلہ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔ تو زید نے کہا کہ "اگر تو نہیں آئے گی تو تجھ کو ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق"۔ عورت چھ ماہ کی حاملہ ہے۔ اگر زید اس کو پھر نکاح میں لانا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ابھی طلاق نہیں ہوئی، کیونکہ زید نے طلاق کو شرط پر معلق کیا ہے، تنجیز طلاق نہیں ہوئی، لہذا تحققِ شرط سے پہلے طلاق کا حکم نہیں ہوگا۔ اور جس شرط پر تعلیق کی ہے اس کے لئے قید نہیں لگائی کہ اگر فلاں وقت تک نہیں آئے گی تو تجھ کو ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق، بلکہ مُطلق رکھا ہے۔ اگر بیوی جھگڑے کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی آجاوے تو حسبِ سابق نکاح میں رہے گی، جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی:

"إذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان، فإمساك بمعروف أوتسريح بإحسان .... فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، مكتبه شركت علميه)

فأنت طالق، وهذا بالاتفاق. اهـ". هدايه، ص: ٣٦٤(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۹۰ھ۔

''اگر مکان نہ جلاؤں تو طلاق مغلظہ'' کا حکم

سوال[۶۲۱۷]: زید نے اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا کہ تم اپنا گھر میرے مکان کی چھت کا پانی جہاں گرتا ہے، مکان کی دکھن جانب سے ساڑھے نو ہاتھ (پونے پانچ گز) چھوڑ کر اگر نہ بناؤ تو قسم خدا کی میں اس مکان کو جلادوں گا، اسپرٹ گھر میں ہے۔ اس نے کہا میں بناؤں گا، میں نے کہا قسم خدا کی میں جلادوں گا۔ پھر وہ دوبارہ بنالے گا، لہذا اس خیال سے میں نے کہا ''قسم خدا کی! تو جتنی بار بنائے گا اتنی مرتبہ جلاؤں گا، اگر نہ جلاؤں تو میری عورت پر طلاقِ مغلظہ، جب جب شادی کروں گا تب تب طلاق مغلظہ''۔

اب سوال یہ ہے کہ ''اگر نہ جلاؤں'' یہ شرط ہے، ''تو میری عورت پر طلاق مغلظہ الخ'' جزا ہے۔ وقوعِ شرط کے بعد تو طلاق پڑے گی۔ شرح وقایہ: ۶۸/۲، کتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، میں ہے:

"وفي: إن لم أطلقك فأنت طالق يقع في آخر حيواته"(٢)۔

یہ مسئلہ اس مسئلہ کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ زید اگر اپنا مکان بیچ ڈالے یا کسی کو ہبہ کردے تو اس سے نجات ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ زید کے بھائی نے اب تک گھر نہیں بنایا، لیکن ارادہ ہے اور زید اس سے نجات حاصل کرنے کے خیال میں ہے۔ شرعاً جو صورت سہل ہو جواب عنایت فرمائیں۔

---

(١) (الهداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق: ٣٨٥/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق ٣٥٥/٣، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الطلاق بشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق: ٤٢٠/١، رشيديه)

(٢) "وفي إن لم أطلقك يقع في آخر عمره". (شرح الوقاية: ٦٨/٢، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اَسلم صورت یہ ہے کہ زید کا بھائی وہاں سے ساڑھے نو ہاتھ جگہ چھوڑ کر مکان بنالے۔ اگر زید نے اپنا وہ مکان فروخت کردیا تب بھی قسم سے نجات مل جائے گی۔ نیز زید نے یہ نہیں کہا کہ جب وہاں مکان بناؤ گے فوراً جلادوں گا، لہذا اس میں توسع ہے، زندگی میں کسی وقت اس پر عمل کرنے سے "بارفی الیمین" ہوجائے گا، یعنی قسم پوری ہوجائے گی، ورنہ اخیر حیات میں جبکہ بھائی کے مقررہ جگہ میں مکان بنالینے کے بعد زید کے کیلئے اس کے جلانے کی استطاعت ہی نہ رہے تب حانث ہوگا اور زید کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی:

"ليأتينّه، فلم يأته حتى مات، حنث في آخر حياته؛ لأن البرّ قبل ذلك موجود ولاخصوصية للإتيان، بل كل فعل حلف أنه يفعله في المستقبل وأطلقه ولم يقيده بوقت، لم يحنث حتى يقع اليأس عن البرّ، مثل: ليضربنّ زيداً، أو ليعطين فلانةً، أو ليطلقن زوجته. ثم قال بعد أسطر: ثم اعلم أن اليمين المطلقة لاتكون على الفور إلا بقرينة، ففي الظهيريه في الفصل السابع: ولوحلف: إن رأى فلاناً ليضربنه، فالرؤية على القريب والبعيد، والضرب متى شاء، إلا أن يعني الفور، اه". البحر الرائق: ٣١٢/٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۱۳۹۴ھ۔

طلاق معلقہ ومغلظہ

سوال [۶۳۱۸]: زید اور اس کے شرکاء نے عمر سے کہا کہ تم سے ایک کام ہے، تم ہمارے ساتھ موضع علی پور تک چلو، وہاں گئے تو کہا: ہندہ ایک لڑکی بالغہ ہے، اچھی ہے اور شرعی لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہے، لہذا تم (عمر) اس سے نکاح کرلو، موضع کے لوگوں نے بھی عمر کو تسلی وتشفی دی کہ لڑکی ٹھیک ہے۔ عمر نے ہندہ سے نکاح اس شرط پر کیا کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تو میں نکاح کرلیتا ہوں۔ نکاح کے بعد جب ہندہ عمر کے یہاں آئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو نابالغہ ہے، پھر عمر اس کو واپس زید کے گھر چھوڑ آیا، کچھ دن بعد زید نے اس لڑکی ہندہ

---

(١) (البحر الرائق: ۵۲۴/۴، ۵۲۵ كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۵۴/۱، باب اليمين في الدخول والخروج، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۵۱/۳ باب اليمين في الدخول والخروج، دارالكتب العلمية، بيروت)

کو غائب کردیا۔

عمر نے پھر اپنی طرف سے بکر کو بھیجا صرف تحقیق کرنے کیلئے (مختار کل بنا کر نہیں) تا کہ ان سے معلوم کرکے آئے۔ بہت کچھ بات ہونے کے بعد زید اور اس کے شرکاء نے حلفیہ کہا کہ ''اگر ہندہ ہمارے علم میں ہو، یا کہیں گئی ہو تو ہماری عورتوں کو تین تین طلاق''۔ پھر بکر نے بھی عمر کی طرف سے کہا کہ اگر ''عمر تم سے اس معاملہ میں آئندہ کچھ کہے تو میری بیوی کو بھی تین طلاق''۔ اب عمر زید اور اس کے شرکاء سے اپنی منکوحہ ہندہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ عمر کے اپنے اس معاملہ میں بات کرنے سے بکر کی عورت کو طلاق تو نہ پڑ جائے گی؟ اگر پڑے گی تو کونسی بائن یا مغلظ؟

نوٹ: یہ ہندہ نہ تو زید کی لڑکی ہے اور نہ اس کے شرکاء میں سے کسی کی ہے، بلکہ باہر کہیں سے زید لے کر آیا تھا۔ اب خدا جانے کہ یہ زید ہندہ کو اس کے والدین کی رضامندی سے لے کر آیا تھا یا بغیر رضامندی کے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ہندہ نابالغہ تھی اور اس کا کوئی ولی نکاح کرنے والوں میں نہیں تھا تو شرعاً یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا (۱)، جب تک ولی اجازت نہ دے اس کو عمر کے پاس بھیجنا اور عمر کا خلوت میں جانچ کرنا کہ یہ نابالغہ ہے یا بالغہ شرعاً درست نہیں تھا، بلکہ یہ معصیت کا ارتکاب ہوا، توبہ واستغفار لازم ہے۔ اگر ہندہ کے کوئی ولی نہیں تو یہ نکاح بالکل بیکار ہوا، شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں (۲)۔ ہندہ بالکل اجنبی ہے عمر کے حق میں، ہرگز اس کو لانے

---

(۱) "وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء، فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية، توقف نكاح الأبعد على إجازته". (الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۲۸۵، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۳، الفصل الحادي عشر في معرفه الأولياء إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۷۶، ۸۱، باب الولي، سعيد)

(۲) "الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازة، إذا كان لها مجيز حالة العقد جازت، وإن لم يكن تبطل". (فتح القدير: ۳/۳۰۸، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۹۸، باب الكفاءة، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۲۶، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة، رشيديه)

کا ارادہ نہ کرے۔ اگر زید اور اس کے شرکاء کے علم میں ہو اور ان کی معرفت ہندہ کہیں گئی ہے تو ان کی بیویوں پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب عمر اس معاملہ میں کوئی تفتیش و مطالبہ نہ کرے تو بکر کی بیوی بیوی رہے گی، ورنہ اس پر بھی طلاق مغلظہ ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۱۳۹۵ھ۔

"اگر دوسری شادی کروں تو زوجۂ ثانیہ کو طلاق مغلظہ" سے تیسری بیوی کو طلاق نہیں ہوگی

سوال [۶۳۱۹]: ایک شخص اپنی زوجہ اول کی موجودگی میں بقائمی ہوش وحواس یہ تحریر کر دیتا ہے کہ "تادمِ زندگی وہ دوسری شادی نہ کرے گا، اگر کرے تو گویا زوجہ ثانیہ کو طلاق مغلظہ اور حرام ہوگی" پھر زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں وہ دوسری شادی کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں کیا اقرار کے خلاف ورزی ہو کر زوجہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ اول تو بدستور نکاح میں ہے، البتہ زوجہ ثانیہ نکاح کرتے ہی حرام ہوگئی اس کو رکھنا جائز نہیں (۲)، ہاں! قسم بھی ختم ہوگی یعنی اگر زوجہ ثالثہ اپنے نکاح میں لانا چاہے تو لا سکتا ہے، اس قسم کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۱ھ۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط". (الهدايه: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، كتاب الطلاق، الباب الرابع، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: إن وإذا وغيرهما، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۳۵۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(۳) "ألفاظ الشرط: إن، وإذا، وإذاما، وكل وكلما، ومتى، ومتى ما، ففي هذه الألفاظ إذا وجد الشرط، =

''حج سے پہلے اگر ہمبستری کی تو بیوی کو طلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۲۰]: ایک شخص نے شادی سے پہلے یہ قسم کھائی کہ ''جب تک حج نہ کرلوں گا اس وقت تک شادی نہ کروں گا''، لیکن اس کے گھر والوں نے زبردستی اس کی شادی کردی، شادی کے بعد اس نے قسم کھائی کہ ''جب تک میں حج نہ کروں گا جب تک میں ہمبستری نہ کروں گا، اگر میں نے ہمبستری کرلی تو اس بیوی کو طلاق ہوجائے گی''۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمبستری سے طلاق ہوجائے گی جبکہ حج کرنے کی مالی قوت نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حج سے پہلے شادی کرنے سے قسم کا کفارہ لازم ہوگیا، پھر شادی کے بعد حج کرنے سے پہلے ہمبستری کرنے سے قسم کا کفارہ بھی لازم ہوگا (۱) اور ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی (۲) جس میں عدت تین ماہواری گزرنے سے پہلے رجعت کا حق حاصل رہے گا (۳)۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم

= انحلت اليمين وانتهت؛ لأنها لا تقتضي العموم والتكرار، فبوجود الفعل مرةً تمّ الشرط وانحلت اليمين، فلايتحقق الحنث بعده". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۵، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الأول في ألفاظ الشرط، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، ۳۸۶، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۱۶، ۲۲، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

(۱) "والمنعقدة مايحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أولايفعله، وإذاحنث في ذلك، لزمته الكفارة". (لهداية: ۲/۴۷۸، كتاب الأيمان، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/۷۰۸، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲/۱۲۳، كتاب الأيمان، الفصل الأول في المقدمة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲)" وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق".

(الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: إن وإذا، رشيديه)

(۳)" وإذاطلق الرجل امرأته تطليقة رجعيةً أوتطليقتين، فله أن يراجعهافي عدتها، رضيت بذلك =

سیر کھانا کھلائے یا کپڑا دے، اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے (۱)۔ شادی کر لینے اور ایک دفعہ ہمبستری کر لینے سے قسم ختم ہو گئی (۲)۔ اگر حج کرنے کی مالی استطاعت نہیں ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ پاک جب استطاعت دے اس وقت حج کرے اور آئندہ ایسی قسم نہ کھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۰ھ۔

نکاح پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۳۲۱]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ "میں تجھ کو اتنا چاہتا ہوں کہ کسی دوسری عورت

= أولم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، البا ب السادس في الرجعة، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۸۳، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أوكسوتهم أوتحرير رقبة، فمن لم يجد، فصيام ثلثة أيام، ذٰلك كفارة أيمانكم إذاحلفتم، واحفظو أيمانكم، كذٰلك يبين الله لكم اٰيته لعلكم تشكرون﴾ (سورة المائده: ۸۹)

"كفارة اليمين عتق رقبة، يجزئ فيها مايجزئ في الظهار، وإن شاء كسىٰ عشرة مساكين كلّ واحد ثوباً فمازاد، وأدناه مايجوزفيه الصلوة. وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار .... فإن لم يقدرعلى أحد الأشياء الثلثة، صام ثلثة أيام متابعات". (الهداية: ۲/۴۸۱، كتاب الأيمان، باب مايكون يميناً ومالايكون يميناً، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۶۱، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في الكفارة، رشيديه)

(۲) "ففي هذه الألفاظ إذاوجد الشرط، انحلت وانتهت اليمين؛ لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغةً، فبوجود الفعل مرةً يتمّ الشرط ولابقاء لليمين بدونه". (الهداية: ۲/۳۸۶، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۳۵۲، باب التعليق، مطلب: مايكون في حكم الشرط، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۲، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

سے نہ تیری زندگی میں کوئی نکاح کروں گا، نہ تیرے مرنے کے بعد، اور تیری زندگی میں کسی عورت سے اگر کوئی نکاح کروں تو تجھ پر تین طلاق کہ تجھ سے ہمیشہ کیلئے علیحدگی ہو جائے جسے میں برداشت نہ کرسکوں گا"۔ پوچھنا یہ ہے کہ اگر وہ مرد عورت کی زندگی میں دوسرا نکاح بھی کرلے اور پہلی عورت کو طلاق بھی نہ پڑے اور یہ مفت کی ایذا عورت کو نہ پہونچے، اس کی کیا صورت ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلی عورت کی زندگی میں کسی عورت سے نکاح کرے گا تو پہلی عورت پر طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی (۱)۔ نکاحِ ثانی کی تدبیر یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص بغیر اس کے امر اور بغیر وکالت کے از خود کسی عورت سے اس کا نکاح کردے اور یہ خاموش رہے، زبان سے کچھ نہ کہے۔ جب وہ فضول شخص ایجاب وقبول کر چکے تو یہ عملاً اس نکاح کو نافذ کردے، مثلاً: مہر (معجّل) اس عورت کے پاس بھیج دے اور وہ عورت اس مہر پر قبضہ کرلے تو اس صورت میں نکاح بھی صحیح ہو جائے گا اور پہلی زوجہ پر طلاق بھی واقع نہیں ہوگی:

"إذا قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق، فزوجه فضولي وأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه، لاتطلق، بخلاف ما إذا وكل به، لانتقال العبارة إليه، اه". عالمگیری: ۱/۴۱۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رجب/ ۶۶ھ۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوی العالمكيريه، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما: ۱/۴۲۰، رشيديه)

(۲) (الفتاوی العالمكيرية: ۱/۴۱۹، باب التعليق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۸۴۶، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذالك، مطلب: حلف لايتزوج فزوجه فضولي، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۱۸، ۴۱۹، باب التعليق، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

''اگر میں اس سے نکاح کروں'' یا ''میرا اس سے نکاح ہو جائے تو اس کو طلاقِ مغلظہ'' کا حکم

سوال[۶۳۲۲]: مضطر اجنبی نے مسمی غزالہ غیر منکوحہ اجنبیہ کے متعلق کہا کہ ''اگر میں اس سے نکاح کروں'' یا ''میرا اس سے نکاح ہو تو اس کو طلاقِ مغلظہ ہے''۔ مضطر کو یاد نہیں کہ اس نے ان دونوں جملوں میں سے کونسا جملہ کہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کونسے قول کو ترجیح دی جائے گی اور کوئی شکل غزالہ سے نکاح کی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ شرط یہ ہے کہ غزالہ کی شادی کسی غیر سے نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آدمی ایسی قسم کھاتا ہے تو اس کا مقصد اس عورت سے انتہائی بُعد اختیار کرنا ہوتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی طرح بھی وہ عورت اس کے نکاح میں نہ آسکے اور اس سے پوری دوری رہے، مگر جملہ نمبر:۱ بولنے کی صورت میں نکاح کرنے کی نسبت اپنی طرف کی گئی ہو تو فقہاء نکاحِ فضولی کی شکل میں وقوعِ طلاق کا حکم نہیں دیتے جبکہ حالف نے اجازت بالفعل دی ہو(۱) اور یہ درحقیقت ایک مخرج اور حیلہ ہے، لیکن جب وہ بالفعل نکاح کی اضافت اپنی طرف نہ کرے بلکہ یہ کہہ دے کہ ''میرا اس سے نکاح ہو'' تو اس صورت میں باب الحیلہ بھی مسدود ہو جاتا ہے۔

چونکہ حالف کو شک وتردد ہے کہ کونسا جملہ کہا ہے، اب اگر اس کا اس عورت سے نکاح ہو خواہ فضولی ہی کی شکل میں ہو۔ اور فرض کیجئے کہ اس نے جملہ نمبر:۲ بولا ہو تو حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، ہمیشہ حرام میں مبتلاء رہے گا۔ اگر اس سے نکاح نہ ہو تو ابتلائے معصیت سے حتماً محفوظ رہے گا، اندریں حالات وہ خود ہی کوئی ایسا راستہ اختیار نہ کرے۔ اس کو چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نقل فرمودہ حدیث ''دع مایریبك إلی مالا یریبك'' الحدیث (۲) کے تحت تنزہ کی راہ پر چلے۔ یہ سخت نادانی ہے کہ ایجاب وقبول سے جو حلال

---

(۱) (سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''کلما کی قسم اور اس کا حل''، راجع، ص: ۹۸)

(۲) والحدیث رواہ الإمام أحمد وهو: " عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي: ماتذکر من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قال: أذکر أني أخذت تمرةً .... قال: وکان یقول: ''دع مایریبك إلی مالا یریبك، فإن الصدق طمأنینة، وإن الکذب ریبة''. الحدیث. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۲۹، (رقم الحدیث: ۱۷۲۵)، دارإحیاء التراث العربي بیروت)

ہوجانے والی تھی اس کو پیشگی ہی ناقدری کر کے آئندہ کیلئے اپنے اوپر حرام کرلیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۵ھ۔

''اگر میری شادی اس سے نہیں بلکہ دوسری عورت سے ہوئی تو دوسری بیوی کو دوطلاق'' کا حکم

سوال[۶۳۲۳]: اگر زید نے یہ کہا کہ''اگر میری اس کے ساتھ شادی نہ ہوئی اور اس کے علاوہ کسی دوسری سے ہوئی تو اس دوسری کو دوطلاق'' اور اس کے بعد اس نے ایک قسم کھائی، صرف اس میں طلاق کا ذکر تھا اور وہ حانث ہوگیا۔ تو ایسی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اور اس میں''جب جب'' کی قید موجود نہیں تھی، اگر تین طلاقیں پڑیں تو طلاق مغلظہ ہوگی۔ ایسی صورت میں اگر غیر کفو میں نکاح کیا تو قسم ادا ہوگی یا نہیں بغیر وارث کی اجازت کے؟ مثلاً لڑکی بالغ مطلقہ ہے تو اس سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس عورت سے عمر بھر شادی نہ ہوئی اور دوسری عورت سے ہوگئی تب دوسری عورت پر طلاق ہوگی، ورنہ جب تک شادی کا امکان ہے دوسری عورت پر شادی کرنے سے طلاق نہیں ہوگی (۱)۔ قسم پوری ہونے کیلئے کفو کا ہونا شرط نہیں، نکاح میں جیسی طلاق (ایک یا دو یا مغلظہ) کو معلق کیا جائے، تحقق شرط کے بعد ویسی طلاق واقع ہوجاتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/ ۸۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) ''وفي: والله! ليأتين فلاناً، فلم يأته حتى مات، حنث في آخر جزء من أجزاء حياته؛ لأن عدم الإتيان حينئذٍ يتحقق لاقبله. وفي الغاية: وأصل هذا أن الحالف في اليمين المطلقة لا يحنث مادام الحالف والمحلوف عليه قائمين، لتصور البرّ''. (مجمع الأنهر ۱/۵۵۴، باب اليمين في الدخول والخروج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''كل فعل حلف أنه يفعله في المستقبل، وأطلقه ولم يقيده بوقتٍ، لم يحنث حتى يقع اليأس عن البر، مثلاً: ليضربن زيداً، أو ليعطين فلانةً، أو ليطلقن زوجته، وتحقق اليأس عن البّر، يكون بفوت أحدهما''. (البحر الرائق: ۴/۵۲۴، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

(۲) ''وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت =

’’جب تک مکان نہیں بنالوں گا، تب تک میری بیوی کو تین طلاق‘‘ کہنے کا حکم

سوال[۶۳۲۴]: خالد کی لڑکی سلمٰی سے زید کی شادی ہوئی، زید سے ایک بچی بھی پیدا ہوئی۔ خالد نے اپنے داماد زید کو مکان بنانے کے لئے کچھ زمین دی تھی، جس کی بنیاد کھدوا کر اینٹیں بھی بھروا چکا تھا۔ پھر خالد نے زید کو مکان بنانے سے روک دیا۔ زید نے غصہ میں آکر یہ کہا کہ ’’جب تک اس زمین پر میں مکان نہیں بنالوں گا تب تک میری طرف سے میری بیوی سلمٰی کو تین طلاق‘‘۔ صورتِ مذکورہ میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ اور زید کو سلمٰی کے رکھنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ کہنا کہ ’’جب تک میں اس زمین پر مکان نہیں بنالوں گا تب تک میری طرف سے سلمٰی کو تین طلاق‘‘۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زید اپنی زوجہ کو اپنے اوپر تین طلاق سے حرام قرار دیتا ہے اور حرمت ہمیشہ کے لئے نہیں، بلکہ مکان بنانے تک کے لئے ہے۔

اس میں دو باتیں ہیں: ایک ہے تین طلاق سے حرمت، دوسری بات ہے اس کی تحدید وتعیین۔ سو پہلی بات کا اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تین طلاق سے حرام کرلے اور دوسری بات اس کو شرعاً اختیار نہیں یعنی اس حرمت کی تحدید وتعیین وہ اپنی طرف سے نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کی تحدید وتعیین قرآنِ پاک نے کردی ہے، وہ یہ ہے کہ تین طلاق سے جو حرمت ہوتی ہے وہ حلالہ تک رہتی ہے بغیر حلالہ کے ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور مکان بنانے سے ختم نہیں ہوگی، بغیر حلالہ کے وہ عورت زید کے لئے جائز نہیں ہوسکتی:

لقوله تعالیٰ: ﴿الطلاق مَرَّتانِ –إلی قوله تعالیٰ– فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ الآیة(۱)۔

= طالق". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۳۸۵/۲، باب الأیمان فی الطلاق، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۰۹/۳، باب التعلیق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰) .... =

"وینکح مبانة بمادون الثلاث فی العدة وبعدها بالإجماع لامطلقة بها: أی بالثلاث حتی یطئها غیره بنکاح وتمضی عدته، اه". درمختار مختصراً(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۳۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول". (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث: ۲/۱ ۷۹، قدیمی)

"وإن کان الطلاق ثلثاً فی الحرة أو ثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها، والأصل فیه قوله تعالیٰ: ﴿فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره﴾ والمراد الطلقة الثالثة". (الهدایة، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، سعید)

قال العلامة المرغینانی رحمه الله تعالیٰ: "وإذا کان الطلاق بائناً دون الثلث، فله أن یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها؛ لأن حل المحلّیة باق؛ لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة". (الهدایة، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، مکتبه شرکة علمیه بیروت)

فصل فی التعلیق بکلمة کلّما

(کلمۂ کلّما کے ساتھ طلاق دینے کا بیان)

کلّما کی قَسم

سوال[۶۳۲۵] : مثلاً زید نے مع احباء ملکر بکر وعمر کو کسی بات پر جبراً کہا ہے کہ دونوں کو آپس میں تا قیامِ مدرسہ گفتگو کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور اگر ایک کہیں چلا گیا اتفاقیہ دوسرے کے پاس اگر مہمان ہوگیا تو اس صورت میں علی حالہ گفتگو کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر خدانخواستہ تم دونوں میں سے کوئی بیمار ہوگیا اور حالفین نے تیمارداری کی اجازت دی تو بول سکتے ہیں اور بکر وعمر کو کہا ہے کہ تم دونوں عدمِ گفتگو پر حلف کھا سکتے ہو یا نہیں، اگر کھا سکتے ہو لفظ ''کلما'' کے ساتھ حلف کھالو اور یوں کہو کہ ''میں نے فلاں کیساتھ تا قیامِ مدرسہ قولاً وتحریراً گفتگو کی تو جتنی عورتوں سے نکاح کروں گا، مطلقہ ہوجائیں گی'' اور بکر اور عمر نے مجبوراً تسلیم کرلیا اور ایک نے الفاظِ مذکورہ زبان سے سنا دیئے، دوسرے نے کہا کہ مجھے یہ الفاظ تو یاد نہیں رہتے ہیں لکھ دو، اور اسے پرچہ دیکھ کر سنا دیا۔

تو تفصیل وار بحوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمائی جائے محلوفین کے درمیان آپس میں قرض ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی اور اگر محلوفین اور غیر محلوفین شریک ہوکر کھانا پکاویں اور ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھالیں ایک پیالہ سے تو حانث ہوں گے یا نہیں، نیز اس قسم کی حلف دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر تا قیامِ مدرسہ بکر اور عمر کسی قسم کی بھی گفتگو کریں گے تو حانث ہوجائیں گے، خواہ قولاً گفتگو کریں خواہ تحریراً حتی کہ اگر ایک مثلاً بکر کسی مجمع میں موجود تھا اور عمر نے آکر السلام علیکم کہا تب بھی حانث

ہوجائیں گے(۱) اس طرح اگر تشمیت کی یا اَور کوئی بات کی۔ جو کچھ قرض کا معاملہ آپس میں ہے اس کے متعلق جبر کرنے والوں سے کہیں کہ وہ کوئی انتظام کریں یا کوئی اَور شخص وصول کرکے دیدے، شریک ہوکر بغیر گفتگو کے کھانے پکانے اور ساتھ کھانے سے حانث نہ ہوگا(۲)۔ لأن الیمین رفعت علی الکلام لا علی الموکلة، اگر گفتگو کریں گے تو حانث ہوجائیں گے۔ اور جو نکاح کریں گے طلاق ہوجائے گی (۳)۔

البتہ اگر کسی فضولی نے نکاح کردیا اور حالف نے قول سے نہیں بلکہ فعل سے اجازت دیدی اس طرح کہ مہر زوجہ کے حوالہ کردیا تو پھر اس حلف کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اگر گفتگو کرنے سے پہلے نکاح کرلیا تب طلاق نہ ہوگی اور اس صورت میں خواہ خود نکاح کرلے خواہ کوئی وکیل کرے خواہ فضولی کرے:

قال العلامة الكردری: "إن کلم فلاناً فکل امرأة، یتزوجها فهی طالق، فهو علی التزوج

---

(۱) اگر تحریراً گفتگو کریں گے تو حانث نہیں ہوں گے: "واعلم أن الكلام لايكون إلاباللسان، فلايكون بالإشارة ولابالكتابة، .... لوحلف لايحدثه، لايحنث إلا أن يشافهه، وكذا: لايكلمه، يقتصر على المشافهة (البحرالرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب واللبس والكلام: ۵۵۹/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الفصل الثامن في الكلام: ۲۸۷/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الفصل التاسع، الجنس الأول: ۱۴۳/۲، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "لو سلم على جماعة هو فيهم، حنث". (ملتقى الأبحر: ۵۶۲/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"لوحلف: لايتكلم فلاناً، فمر على قوم وهو فيهم فسلم عليهم، يحنث". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الفصل التاسع، الجنس الأول: ۱۴۳/۲، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الثامن في الكلام: ۲۸۷/۴، رشيديه)

(۳) "ولوحلف لايتكلم ولانية له، فصلى وقرء فيها أو سبح أو هللّ، لم يحنث استحساناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل العاشر في الحلف على الأقوال، نوع منه في الكلام: ۴۵۷/۴، إدارة القرآن كراچی)

بعد الكلام، اهـ". بزازية: ٢٨٨/٤(١)۔ "ولو مر الحالف على جماعة فيهم المحلوف عليه، فسلم عليهم الحالف، حنث وإن لم يسمع المحلوف عليه، اهـ"۔ هندية: ٩٢/٢(٢)۔

"لو عطس فلان، فقال: يرحمك الله، يحنث، كذا في الخلاصة، اهـ". هنديه: ٩٩/٢(٣)۔ "حلف لا يتزوج، فالحيلة أن يزوجه فضولي، ويجيزه بالفعل، اهـ". ص: ٣٢٢(٤)۔

اور اس قسم کا حلف دینا اکثر مشائخ کے نزدیک ناجائز ہے، اگر مدعی علیہ انکار کردے تو قاضی جبر نہیں کرسکتا ہے اور نہ سکوت کی وجہ سے فیصلہ جائز ہے، اگر فیصلہ کردیگا تو ہونا فذ نہ ہوگا، اور بعض علماء کے نزدیک جائز ہے:

"أو اليمين بالله تعالى لا بطلاق وعتاق إلا إذاء الخ". كنز(٥)۔

"التحليف بالطلاق والعتاق والأيمان المغلظة لم يجوّزه أكثر مشائخنا، اهـ. وفي الخانية: وإن أراد المدعي تحليفه بالطلاق والعتاق في ظاهر الرواية يجيبه القاضي إلى ذلك؛ لأن التحليف بالطلاق والعتاق حرام، ومنهم من جوّزه في زماننا، والصحيح ما في ظاهر الرواية، اهـ".

---

(١) (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، نوع آخر في المعترضة: ٢٨٨/٤، رشيديه)

"ولو قال: إنّ كلمتُ فلاناً فكل امرأة أتزوجها فهي طالق، فهذا على التي تزوج بعد الكلام". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الفصل التاسع في المبين في الكلام، الجنس الثاني في المعترضة: ١٤٤/٢،)

(٢) (الهداية: ٩٧/٢، رشيديه)

(٣) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في اليمين على الكلام، كتاب الأيمان، الفصل التاسع في اليمين في الكلام: ٩٩/٢، رشيديه)

"ولو عطس فلاناً فقال الحالف يرحمک الله، يحنث". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الفصل التاسع في اليمين في الكلام، اما الجنس لأكل: ١٤٣/٢، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ٤٢٠/٤، كتاب الأيمان، إدارة القران كراچی)

(٤) (الأشباه والنظائر: الفن الخامس، الحيل، ص: ٣٩٨، ٣٩٩، قديمی)

(٥) (كنز الدقائق، كتاب الدعوى، ص: ٣١٤، رشيديه)

وفي كتاب الحظر والإباحة من التتارخانية: والفتوى على عدم التحليف بالطلاق والعتاق، اهـ......... وفي خزانة المفتيين كما في منية المفتي، وزاد: فلو حلّفه القاضي بالطلاق فنكل وقضى بالمال، لاينفذ قضائه على قول الأكثر، اهـ. .... وأما من قال بالتحليف بهما فيعتبر ويقضي به، اهـ". بحر: ۷/ ۲۱۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ۶/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

کلما کی قسم

سوال[۲۳۲۶]: زید نے کلما کی قسم کھائی جس کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص کہتا ہے کہ ''میں کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فلاں کام میں نے نہیں کیا''۔ حالانکہ اس نے وہ کام کیا، اور یہ قسم ایسے شخص نے کھائی جو کلما کے معنی اور اس کا مطلب اور اس کا اثر جانتا تھا۔ تو کیا صرف اتنا لفظ کہہ دینے سے قسم منعقد ہو جائے گی، یا پوری عبارت کہنے سے منعقد ہوتی ہے؟ اور اس قسم میں حانث ہونے پر کوئی حیلہ یا کفارہ ہے جو بیوی کو طلاق نہ پڑے؟ مدلل مفصل مع حوالہ کتب جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنا کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوئی، اس لئے حانث ہونے اور کفارہ ادا کرنے یا حیلہ تلاش کرنے کا اس پر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۲)، البتہ جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے، اس سے اجتناب لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۸۵ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الدعوى، أحكال الدعوى: ۷/ ۳۶۲، رشيديه)

(۲) "انه قد اشتهر في رساتيق شروان أن من قال: جعلت كلما، أوعليّ كلما أنه طلاق ثلاث معلق، وهذا باطل ومن هذيانات العوام". (رد المحتار: ۳/ ۲۴۷، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۳) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عليكم =

ایضاً

سوال[۶۳۲۷]: زید نے جھوٹی قسم کھائی اور پھر یہ کہا کہ "اگر میں اس قسم میں جھوٹا ہوں تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی کو تین طلاق"۔ اب اگر زید نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کیلئے کوئی گنجائش شرعی ہے یا نہیں؟ بعض علماء نکاحِ فضولی سے اس کے لئے نکاح صحیح ہو جانے کو کہتے ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں۔ اور شریعتِ مطہرہ کا اس میں جو بھی حکم ہو جس سے نکاح کے بعد طلاق واقع نہ ہو اس کو بیان فرماویں۔ اگر نکاحِ فضولی سے اس کا نکاح صحیح ہو جائے تو ایسا طریقہ تفصیل سے بیان فرمائیں جس میں شرعی قباحت نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ: "اگر میں فلاں کام کروں تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی پر تین طلاق"۔ تو اس کیلئے اس قسم سے بچنے کیلئے تدبیر یہ ہے کہ کوئی شخص جو کہ حالات سے واقف ہو وہ جس عورت سے اس کا نکاح مناسب سمجھے بحیثیتِ فضولی نکاح کردے، مثلاً: اس عورت سے کہے: میں نے تمہارا نکاح اتنے مہر پر فلاں شخص سے کردیا، وہ عورت جواب میں کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا اور یہ ایجاب وقبول کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہو۔ پھر یہ فضولی اس قسم کھانے والے سے آکر کہے کہ میں نے فلاں عورت سے تمہارا نکاح کردیا ہے، اتنا مہر لاؤ، وہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کل یا جزو مہر دیدے، پھر وہ مہر عورت کے پاس پہنچادے۔ اس طرح اس نکاح فضولی کی یہ اجازتِ فعلی ہوئی جس سے نکاح درست ہوگیا اور قسم بھی نہیں ٹوٹی اور اس عورت پر طلاق بھی واقع نہیں ہوئی:

"ففي جميعها: أي جميع الألفاظ إذا وجد الشرط، انتهت اليمين، إلا في كلما، فإنها تنتهي فيها بعد الثلاث مالم تدخل على صيغة التزوج؛ لدخولها على سبب الملك، فلو قال: كلما تزوجت امرأةً فهي طالق، تطلق بكل تزوج ولو بعد زوج آخر. والحيلة فيه عقد الفضولي، وكيفية عقد الفضولي أن يزوجه فضوليٌّ، فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول، فلا تطلق،

= بالصدق، فإن الصدق يهدي إلى البر .... وإياكم والكذب فإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال العبد يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". (جامع الترمذي: ۱۸/۲، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الصدق والكذب، سعيد)

اھ". مجمع الأنہر مختصراً: ۱/۴۱۸، ۴۱۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۴۰۶ھ۔

"کلما تزوجت" کا حکم

سوال[۶۳۲۸]: ایک شخص حلف اٹھاتا ہے اس نوع سے کہ"جب نکاح کروں جب میری عورت کوطلاق" اور وہ غیر شادی شدہ ہے، پھر شادی کرتا ہے۔ تو اس کی عورت کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس قسم کے حلف کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حلف کا حکم یہ ہے کہ جب وہ نکاح کرے گا یہی اس کی عورت پر طلاق ہوجائے گی:

"وفيها كلها تنحل: أي تبطل اليمين إذا وجد الشرط مرةً، إلافي كلما، فإنه ينحل بعد الثلاث، فلايقع إن نكحها بعد زوج آخر، إلا إذا دخلت "كلما" على التزوج، نحو: كلما تزوجتك فأنت كذا، لدخولها على سبب الملك، وهوغير متناه، اھ". درمختار: ۲/۷۷۲(۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، ۴/۲/۶۳ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنہر: ۱/۴۱۸، ۴۱۹، باب التعليق، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۹، الفصل الثاني في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۸۴۶، باب اليمين في الضرب والقتل وغيرذالک، مطلب: حلف: لايتزوج فزوجه فضولي، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۳/۳۵۲، ۳۵۳، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۵، الفصل الأول في ألفاظ الشرط، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۵۰۵، الأيمان بالطلاق، نوع آخر في تعليق طلاق امرأته بفعلها، إدارة القرآن كراچي)

جبراً کلما کی قسم لینا، نابالغ کی قسم، قسم کا کفارہ

سوال[۶۳۲۹]: زید ایک شخص بہت ہی غصہ والا ہے، اس نے ایک لڑکے سے-جس کی عمر۱۳، یا ۱۴، یا۱۵/ سال ہے- اپنے غصہ کا رعب ڈال کر حلف اٹھوایا کہ ''اگر کوئی بات میں آپ سے پوشیدہ رکھوں تو میری بیوی پر جب بھی میں شادی کروں طلاق ہے، پھر جتنی مرتبہ میں شادی کروں اتنی ہی مرتبہ طلاق پڑے''۔ اگر چہ اس لڑکے کی ابھی شادی تو کہاں منگنی کی بات بھی کہیں طے نہیں ہوئی اور یہ حلف چند ایسے امور کے متعلق اٹھوایا ہے جن کے ظاہر ہونے میں زید اور اس کی بیوی اور تمام گھر میں فتنہ وفساد برپا ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱......کیا زید شرعی طور پر جبکہ وہ لڑکا اس کا کوئی قرابت دار بھی نہیں، بلکہ زید کے لڑکے سے تعلیم پاتا ہے، اس لڑکے سے حلف اٹھوا سکتا ہے؟

۲......کیا زید کے غصہ کے رعب میں آکر یہ حلف اس لڑکے کا اٹھانا شرعی حیثیت سے حلف ہو سکتا ہے؟

۳......کیا اس حلف کی پابندی اس لڑکے پر ضروری ہے؟

۴......کیا اس کی خلاف ورزی پر اس لڑکے کی بیوی پر نکاح کرنے سے طلاق پڑ جاوے گی یا نہیں؟

۵......کیا زید اس کے حلف کے ماتحت جس قدر حلف فعلاً اپنے حکم کا پابند بنانا، کسی سے ملنے نہ دینا چاہیے اس کی تعلیم کا نقصان ہو، اٹھوالے وہ سب قابلِ پابندی ہیں؟

۶......کیا ان حلفوں کا اور طلاق والے حلفوں کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے؟

۷......اگر ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔

برائے نوازش اور خدا کے واسطے اس کا جواب مع حوالۂ کتب ونقلِ عبارت ونمبروار عنایت فرمائیں تاکہ ایک مسلمان کا گھر محفوظ رہ سکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ ظلم ہے۔

۲......اگر لڑکا نابالغ ہے تو اس کا حلف شرعاً غیر معتبر ہے، اگر بالغ ہے تو اس کا حلف معتبر ہے(۱)

---

(۱) "في شرح النقاية: بأنها تقوى الخبر وبذكر الله تعالى أو بالتعليق، وظاهر مافي البدائع أن التعليق =

اگر اس کو احتلام ہوتا ہے یا وہ پورے پندرہ سال کا ہے تو بالغ ہے(۱)۔

۳...... بالغ پر پابندی ضروری ہے، نابالغ پر نہیں: "و أما شرائطها في اليمين بالله تعالى، ففي الحالف أن يكون عاقلاً بالغاً، فلا يصح يمين المجنون والصبي وإن كان عاقلاً". هنديه: ۵۱/۲(۲)۔

۴...... اگر بوقتِ حلف لڑکا بالغ ہے تو اس کے خلاف کرنے سے طلاق پڑ جاوے گی (۳)۔

۵...... اگر حلف کرے گا اور وہ بالغ ہے تو پابندی لازم ہوگی، پھر مصلحت اس کے خلاف سمجھے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے (۴)۔

= يمين في اللغة أيضاً قال: لأن محمداً أطلق عليه يميناً، وقوله حجة في اللغة. وذكر أن فائدة الاختلاف تظهر فيمن حلف: لايحلف، ثم حلف بالطلاق أو العتاق، فعند العامة يحنث، وعند أصحاب الظواهر لايحنث. وركنها اللفظ المستعمل فيها، وشرطها العقل والبلوغ". (البحر الرائق: ۲۶۵/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

(۱) "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحبل، فإن لم يوجد فيهما شئ فحتى يتمّ لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتى". (تنور الأبصار مع الدرالمختار، باب: ۱۵۳/۶، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۵۱/۲، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسيرها شرعاً، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۷۰۴/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۶۵/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

(۳) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۲۰/۱، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۸۵/۲، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۹/۳، باب التعليق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "قال النبي صلى الله عليه وسلم لعبد الرحمن: "وإذا حلفتَ على يمين فرأيتَ غيرها خيراً منها، فأت الذي هو خير، ولتكفر عن يمينك". (جامع الترمذي: ۲۷۹/۱، أبواب النذور والأيمان، باب فيمن حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها. سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۴۳۲/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

۶......اگر نابالغ ہے تو اس کا حلف ہی معتبر نہیں ہوگا، نہ اس کی پابندی لازم ہوگی، مگر زید کا اس کی مصلحت کے خلاف اور نقصان دہ امور پر حلف لینا صریح ظلم ہے(۱)، اگر خلافِ شرع کسی بات پر جبراً قسم لی ہے تو اس خلاف شرع کی پابندی ناجائز ہے۔

۷......ایک قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس بھوکوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا دس غریبوں کو کپڑا پہنائے، یا دس غریبوں کو ہر ایک کو ایک صدقۂ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت دے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ہر ایک قسم کے عوض میں تین روزے مسلسل رکھے۔ اور طلاق والے حلف میں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کا نکاح کردے اور وہ لڑکا زبان سے کچھ نہ کہے، نہ ہی اس نکاح کو قبول کرے، نہ کرے، البتہ فعل سے اس نکاح کی اجازت دیدے اس طرح کہ بیوی کا مہر معجّل ادا کردے، اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی:

"وهي (أي الكفارة) أحد ثلثة أشياء إن قدر: عتق رقبة، يجزئ فيهامايجزئ في الظهار، أوكسوة عشرة مساكين، أو إطعامهم. فإن لم يقدر على أحد هذه الأشياء الثلثة صام ثلثة أيام متتابعات. وإن اختار الطعام فهوعلى نوعين: طعام تمليك، وطعام إباحة، طعام التمليك أن يعطي عشرة مساكين كل مسكين نصف صاع من حنطة أود قيق أوسويق أوصاعاً من الشعير، كما في صدقة الفطر. وطعام الإباحة أكلتان مشبعتان غداءً وعشاءً أوغداءان أوعشاءان، أوعشاء وسحور، والمستحب أن يكون غداءً وعشاءً بخبز وإدام، ويعتبر الإشباع دون مقدار الطعام، اهـ". هنديه ملخصاً: ۲/۶۱(۲)۔

(۱) "ملعون من ضارّ مومناً أو مَكَرَبه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۲۵، (رقم الحديث: ۸۲۰۲) ، مكتبة نزار مطفىٰ الباز، مكة المكرمة)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۶۱، ۶۳، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يمينا ومالا يكون يمينا، الفصل الثاني في الكفارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۴۳۰، ۴۳۱، كتاب الأيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدارالمختار مع رد المحتار: ۳/۷۲۵، ۷۲۷، كتاب الأيمان، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذ كم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بماعقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد =

"حلف لايزوج، فالحيلة أن يزوجه فضوليٌّ، ويجيزه بالفعل، اه". أشباه، ص: ۳۱۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۲/۵۹ھ۔

صحیح عبداللطیف، ۸/۵۹ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نکاح فضولی اور کلما کی قسم اور بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال[۲۳۳۰]: میری نسبت جس لڑکی سے طے پائی ہے، میں نے اس لڑکی کا نام لے کر یہ کہا کہ "عالیہ کو نکاح کے بعد تین طلاق"۔ میں یہ الفاظ جان بوجھ کر نہیں کہا ہوں، ایسے ہی باتوں میں کہہ دیا ہوں، کیونکہ میں اس کے مسائل سے واقف نہ تھا۔ اس پر ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کے نکاح کرتے ہی تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اور اس کے بعد میں نے بہشتی زیور دیکھا، کسی شرط پر طلاق دینے کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ "اگر تین طلاق کو کہا تھا تو تینوں پڑ گئیں اور اب مغلظہ ہوگئی"۔ اس کے بعد مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے مسئلہ لکھ کر اس طرح شروع کیا۔

مسئلہ: "نکاح ہوتے ہی جب اس پر طلاق پڑ گئی تو اس نے اس عورت سے پھر نکاح کرلیا تو اب اس دوسرے نکاح کرنے سے طلاق نہ پڑے گی"۔

= فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (المائدة: ۸۹)

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۹۸، ۳۹۹، الفن الخامس، الحيل، قديمی)

(وكذا في الدرالمختارمع ردالمحتار: ۸۴۶/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: حلف: لايتزوج فزوّجه فضولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۹/۱، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۷۵/۱، كتاب الأيمان، باب اليمين في البيع والشراء والتزوج وغيرذلك، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"الحيلة فيه عقد الفضولي، وكيفية عقد الفضولي أن يزوجه فضولي، فأجاز بالفعل بأن يبعث المهر، ونحوه لابالقول، فلاتطلق، بخلاف ما إذاوكل به، لانتقال العبارة إليه". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، ۲/۲۰، مكتبه غفاريه)

تو کیا فرماتے ہیں علمائے دین! کیا اب میں اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہوں، جس کا میں نے اوپر نام سنادیا ہے جس سے میری نسبت طے ہوگئی ہے؟ میں یہی مسئلہ سوچے ہوئے بہت سست بیٹھا تھا تو میری والدہ صاحبہ نے دریافت کیا تو میں نے اسی مسئلہ کا تذکرہ کیا، اس پر میری والدہ صاحبہ نے مجھ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا: اگر یہ نہیں تو کوئی اَور لڑکی سے بات چیت طے کریں گے۔ تو اس پر میں نے غصہ میں آکر یوں کہا کہ ''اگر میں جس لڑکی سے نکاح کروں، نکاح کے بعد تین طلاق'' کہا ہوں۔ کیا میں عالیہ سے نکاح کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے تو آپ نے مسائل سے ناواقف ہوکر غلطی کی تھی، جس کی وجہ سے آپ فکر میں سست تھے، پھر والدہ کے دلاسہ دیتے وقت تو آپ بہشتی زیور میں مسئلہ دیکھ کر واقف ہو چکے تھے، پھر غصہ میں جو کچھ ان کو جواب دیا وہ پہلی غلطی سے بڑھ کر غلطی ہوئی۔ اب صورت یہ ہے کہ جو شخص آپ کے اس حال سے واقف ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ آپ کو کس لڑکی سے شادی کرنا پسند ہے وہ بغیر آپ کے کہے از خود اس لڑکی کا نکاح آپ سے کردے یعنی وہ آپ کی طرف سے آپ کیلئے قبول کرلے، مثلاً: لڑکی کے والد سے کہے کہ آپ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح فلاں سے یعنی آپ سے کردیں، میں ان کی طرف سے قبول کرتا ہوں، اگر گواہوں کے سامنے یہ ایجاب قبول ہوجائے اور پھر وہ شخص آپ سے آکر کہے کہ میں نے فلاں لڑکی کو آپ کیلئے نکاح میں قبول کرلیا ہے، آپ انگوٹھی یا کچھ نقد دیجئے تاکہ بطور مہر معجل آپ کی طرف سے اس کو دیدوں، آپ زبان سے کچھ نہ کہیں، خاموش رہیں اور انگوٹھی یا کچھ نقد دیدیں۔

وہ شخص اس لڑکی کے پاس پہنچادے کہ یہ تمہارے شوہر نے دیا ہے، بس اس طرح نکاح ہوجائے گا اور کوئی طلاق نہیں ہوگی (۱)۔ بہشتی زیور میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ ''نکاح ہوتے ہی طلاق ہوجائے گی پھر اس نے اس سے نکاح کرلیا تو اب دوسرا نکاح کرنے سے طلاق نہیں ہوگی'' اس وقت ہے کہ تین طلاق کیلئے نہ کہا ہو، جب تین طلاق کیلئے کہا تو اس کا یہ حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۳/۲/۸۶ھ۔

---

(۱) ''حلف: لایتزوج، فزوجه فضولي، فأجاز بالقول، حنث، وبالفعل لایحنث، وبه یفتی''. =

محبوب سے بے وفائی پر قسم طلاق کا حکم (کلما کی ایک صورت)

سوال[۶۳۳۱]: ۱.....صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے محبت کرتا ہے، فرطِ محبت میں آکر قسم بالطلاق کھالیتا ہے کہ "میں کبھی تجھ سے بے وفائی نہیں کروں گا، اگر کروں تو جب بھی میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہے"۔ اب اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کا محبوب اس سے ناراض ہوجاتا ہے، مگر یہ شخص قسم کھانے والا ہمیشہ اس کی طرف سے خوش رہتا ہے اور حسبِ سابق اس کے ساتھ نیکوکاری پر آمادہ رہتا ہے، مگر اس کا محبوب اس سے ناراض رہتا ہے، تو آیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....اگر قسم کھانے والا بے وفائی نہیں کرتا، چاہے اس کا محبوب ناراض ہو تو نکاح کرنے سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۱۴۰۰ھ۔

کلما کی قسم اور اس کا حل

سوال[۶۳۳۲]: زید نے اپنی زبان سے صرف یہ ادا کیا ہے کہ "میں نے کلما کی قسم کھائی ہے" اور اس کی نیت میں یہ ہے: "میں جب جب کسی عورت سے نکاح کروں گا تو اس کو طلاق ہے"۔ اور قسم کو زید نے

= (الدر المختار). "(قوله: بالفعل) كبعث المهر أو بعضه". (ردالمحتار: ۸۴۶/۳، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۲۰، باب اليمين في الضرب والقتل، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۱۲۱، باب اليمين في الضرب والقتل، امداديه ملتان)

(۱) چونکہ بے وفائی نہ کرنے کی صورت میں شرط نہیں پائی گئی جبکہ طلاق معلق بالشرط کے وقوع کے لئے تحقق شرط ضروری ہے: "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية، بيروت)

اللہ اور اس کی صفات کے ساتھ متعلق نہیں کیا ہے۔ تو قسم واقع ہوگی یا نہیں؟

نوٹ: قسم واقع ہو یا نہ واقع ہو، کلما کی قسم کو توڑنے کی کوئی صورت ہو تو لکھ دیں، اگر نہ ہو تو نکاح کرنے کی کوئی صورت ہو تو ضرور لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قسم کا مدار الفاظ پر ہوتا ہے نہ کہ اغراض پر جیسا کہ فقہ میں تصریح ہے: "مبنى الأيمان على الألفاظ دون الأغراض. اور متنِ درمختار میں یہ الفاظ ہیں" الأيمان مبنية على الألفاظ لاعلى الأغراض "(۱)۔

لہذا کلما کی قسم منعقد ہی نہیں ہوئی، کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی:

"وحاصله أن اليمين لغيره تعالى تارةً يحصل لها الوثيقة: أي استيثاق الخصم بصدق الحالف كالتعليق بالطلاق والعتاق مماليس فيه حرف القسم، وتارةً لايحصل مثل: وأبيك ولَعمري، فإنه لايلزمه بالحنث فيه شئ، فلاتحصل به الوثيقة، اهـ". ردالمحتار: ۴۶/۳(۲)۔

لیکن اگر کوئی شخص نکاح نہ کرنے کی قسم کھائے، مثلاً اس طرح کہے کہ "اگر میں نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، یا جب نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق" تو اس سے خلاصی کی یہ صورت ہے کہ اس کا کوئی دوسرا دوست اس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور اس کی طرف سے خود قبول کرے، پھر آکر اس سے کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں عورت سے کردیا، ایک انگوٹھی بطور مہر معجّل لاؤ، اور وہ انگوٹھی خاموشی سے دیدے، زبان سے کچھ نہ کہے اور یہ انگوٹھی اس کی طرف سے اس عورت کو دیدے کہ یہ تمہارے شوہر نے بطورِ مہر معجّل دی ہے۔ پس اس طرح قسم کھانے والے کی طرف سے یہ نکاح کی فعلاً اجازت ہوگئی اور قسم کی وجہ سے اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی:

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۷۴۳/۳، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۴۴۰/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۸۶/۴، كتاب الأيمان، فصل في الحلف على الدخول، بيروت)

(۲) (ردالمحتار: ۷۰۵/۳، كتاب الأيمان، مطلب في حكم الحلف بغيره تعالى، سعيد)

"حلف: لایتزوج، فزوجه فضولي وأجاز بالقول، حنث، وبالفعل لایحنث، به یفتی. خانیة". درمختار. "(قوله: وبالفعل) کبعث المهر أوبعضه بشرط أن یصل إلیها، وقیل: الوصول لیس بشرط. النهر، اهـ". رد المحتار، ص: ۱۳۷ (۱)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۷/۱۴۰۶ھ۔

کلما کی قسم کا حل

سوال [۶۳۳۳]: ۱......زید نے کہا کہ "اگر مجھے فلاں عورت یعنی ہندہ سے محبت یا عشق ہو تو جب جب میں کسی عورت سے شادی کروں تو اسے تین طلاق" اور عربی میں بھی کہا "کلما تزوجتها، فهي طالق طالق طالق" اور حال یہ ہے کہ یہ مرد یعنی زید غیر شادی شدہ ہے، اس کا اب تک نکاح نہیں ہوا ہے۔ زید کو کبھی کبھی ہندہ کی طرف میلان ہوا ہے، مگر تھوڑی دیر خیال بُرا آیا اور پھر نکل گیا۔ تو اس شکل میں کسی عورت سے زید نکاح کرے گا تو تین طلاق پڑے گی یا نہیں؟ اگر تین طلاق واقع ہوگئی تو دوبارہ اسی عورت یعنی مطلقہ سے نکاح کرنے کے بعد پھر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

۲......محبت کی صحیح تعریف کیا ہے؟

۳......عشق کی تعریف کیا ہے؟

۴...... اگر نکاح کے جواز کی کوئی بھی شکل نہ ہو تو پھر زید کیا کرے؟ اگر نکاح کی اجازت نہ ملی تو یقیناً ہر قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جائے گا بلکہ ہو چکا۔

۵......اگر امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق کوئی شکل نہیں ہے تو آیا زید کیا شکل اختیار کرے؟

۶......اگر حالتِ اضطرار میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور کے مذہب پر عمل کر لے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۸۴۶، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک، مطلب: حلف: لایتزوج فزوجه فضولي، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۱۹، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة کلما، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۱۲، کتاب الطلاق، باب التعلیق، مسائل تعلیق الطلاق بالتزوج، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید اسی عورت سے محبت کا مدعی ہے تو جس جس عورت سے جب نکاح کرے گا، طلاقِ مغلظہ ہوجائے گی (۱)۔ اور اس کے نکاح کی تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی دوسرا شخص بغیر اس سے دریافت کئے اور بغیر اجازت لئے کسی عورت سے نکاح کردے اور زید کی طرف سے زید کیلئے فضولی بن کر خود ہی ایجاب وقبول کرلے اور زید کو اطلاع کردے کہ میں نے فلاں عورت سے اس کا یعنی زید کا نکاح کردیا، اتنا مہر معجّل دیجئے، اس پر زید زبان سے کچھ نہ کہے اور خاموش رہے اور مطلوبہ مہر معجّل دیدے تو یہ زید کی طرف سے اس کی اجازت بالفعل ہوجائے گی اور نکاح درست ہوجائے گا اور طلاق واقع نہیں ہوگی:

"ولو قال: أنت طالق ثلاثاً إن كنت أنا أحب ذلك، ثم قال: لست أحبه وهو كاذب، فهي امرأته، ويسعه في مابينه وبين الله تعالى أن يطأها .... أن الحكم يدار على الظاهر، وهو الإخبار". شامي: ۲/ ٥٠٤ (۲)۔ "حلف: لايتزوج، فزوجه فضولي، فأجاز بالقول، حنث، وبالفعل لايحنث، وبه يفتى، الخ". درمختار. "(قوله: وبالفعل) كبعث المهر أوبعضه". شامي: ۳/ ۱۳۷ (۳)۔

---

(۱) "(وفيها) كلها (تنحل): أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرةً، إلا في كلما، فإنه يحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال". (الدرالمختار). "(قوله: إلا في كلما) فإن اليمين تنتهي بوجود الشرط مرةً". (رد المحتار، باب التعليق: ۳/ ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب التعليق: ۴/ ۲٦، ۲۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأيمان في الطلاق: ۴/ ۱۲۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۳/ ۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۴/ ۴۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۲/ ۳۹۵، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار مع رد المحتار، باب اليمين في الضرب والقتل وغيرذلك: ۳/ ۸۴٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل: ۴/ ۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل: ۳/ ۱۲۱، مكتبه إمداديه، ملتان)

اگر زید اس عورت سے محبت کا مدعی نہیں بلکہ منکر ہے تو نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی لعدم الشرط۔ اگر زید نہ مدعی محبت ہے نہ منکرِ محبت، بلکہ اس کو علم ہی نہیں کہ اس کو محبت ہے یا نہیں، اس لئے اپنی کیفیتِ قلبیہ بیان کرتا ہے تو یہ کیفیت نہ محبت ہے نہ عشق، بلکہ یہ جوانی کی ایک خواہش ہے۔

ایں نہ عشق است کہ درمردم بود ایں فساد خوردن گندم بود

عشق ومحبت کی تعریف اگر دیکھنا ہو تو گلستاں، باب پنجم (۱) اور بوستان، باب سوم (۲) اور مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ دیکھئے (۳)۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تفصیل بالا کے بعد نہ زید کو بغیر نکاح رہنے کی ضرورت ہے، نہ کسی اور امام کے مسلک کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''اگر کسی عورت سے شادی کروں تو اس پر طلاق مغلظہ'' کہنے کا حکم

سوال [۶۳۳۴]: عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح کردینے کے بعد رخصتی سے قبل اپنے داماد زید کے سامنے یہ شرطیں رکھیں:

۱...... اگر زید نے اس کی لڑکی کی حیات میں دوسری کوئی بھی شادی کی تو اس دوسری عورت پر طلاق مغلظہ۔

۲...... مہر بغیر عمر کی مرضی کے معاف نہ ہوگا۔

۳...... اگر لڑکی پر ظلم وتعدی کیا گیا تو عمر طلاق دے سکتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) کیا پہلی شرط کا وقوع زید کے دستخط کرنے پر ہوجائے گا؟ نیز یہ کہ ایسی شرط کا شریعت میں کیا اعتبار ہے، کیا شرط کرنے والا شرعاً گناہ گار ہے؟

---

(۱) (گلستان، باب پنجم درعشق وجوانی، ص: ۱۴۲، شرکت علیمہ)

(۲) (بوستان، باب سوم درعشق، ص: ۹۳، ۹۴، ۹۵، میر محمد کتب خانہ)

(۳) (مثنوی معنوی، دفتر اول، دربیان آنکہ درویشت بخدا وآنکہ درویشست از خدا: ۱/۱۴۰، امر نشر طلوع)

(ب) اگر گناہ کا مرتکب ہے تو آیا صغیرہ کا یا کبیرہ کا؟

(ج) اگر زید کی طرف سے کسی بات کا مثلاً طلاق وغیرہ کا خطرہ ہے تو کیا پھر بھی ایسی شرط لگانا گناہ ہے؟

(د) زید کا ان شرطوں پر دستخط کرنا کیسا ہے؟

(ہ) دستخط کرنے کے بعد پہلی شرط سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟ مطلب یہ کہ وہ اپنی بیوی کی موجوگی میں دوسرا نکاح کیسے کرے گا؟

(و) پہلی شرط کو جائز سمجھنے والا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....شریعت کی طرف سے ہر مرد کو حسبِ ضرورت وقدرت ادائے حقوق چار شادی کرنے کی اجازت ہے، کسی کو یہ حق نہیں کہ اس حقِ شرعی کو مسلوب کرے(۱)، اس لئے عمر کا زید سے یہ اقرار لینا کہ میری بیٹی کی موجود گی میں اگر دوسری شادی کی تو اس پر طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی جائز نہیں، تاہم جب زید نے اس کو منظور کرلیا تو اب شرط کا پابند ہے اور اگر اپنی موجودہ بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرے گا تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی (۲)۔

البتہ اگر کوئی دوسرا شخص از خود بغیر زید کے حکم کے زید کا نکاح کہیں کر کے زید کی طرف سے قبول کرلے، پھر زید کو اطلاع کردے کہ میں نے آپ کا نکاح کردیا ہے اتنا مہر معجّل ہے وہ لائیے۔ اس پر زید زبان سے کچھ نہ کہے، لیکن خاموشی سے وہ مہر معجّل دیدے، جو کہ اس کی منکوحہ کے پاس پہونچا دیا جائے، تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع﴾ (النساء: ۴)

"وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والإماء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۷۷، القسم الرابع المحرمات بالجمع، رشيديه)

(۲) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۵۰۲، الفصل السابع عشر في الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچی)

اور طلاق نہ پڑے گی، مگر زبان سے اجازت نہ دے(۱)۔

۲..... جب تک لڑکی نابالغ ہے اس کا والد اس کا ولی ہے اور لڑکی کو اپنا مہر معاف کرنے کا اختیار نہیں، لیکن بلوغ کے بعد لڑکی کو مہر معاف کرنے کا اختیار ہے، اس میں باپ کی اجازت شرط نہیں (۲)۔

۳..... لڑکے کی طرف سے لڑکی پر ظلم وتعدی کا خطرہ ہو تو اس قسم کا معاملہ کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ چند افراد پر معاملہ رکھا جائے کہ اگر یہ سب حضرات شوہر کے طرزِ عمل کو ظلم قرار دیں گے اور طلاق کو مناسب سمجھیں گے تو طلاق دینے کا اختیار ہوگا، کیونکہ ظلم کے تعین کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور آپس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/ رجب/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ رجب/ ۱۳۸۸ھ۔

---

(۱) "حلف: لایتزوج، فزوجه فضولی، فأجاز بالقول، حنث، وبالفعل لایحنث، وبه یفتی". (الدرالمختار). "(قوله: بالفعل): کبعث المهر أوبعضه". (رد المحتار: ۸۴۶/۳، باب الیمین فی الضرب، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲۲۰/۴، باب الیمین فی الضرب والقتل، رشیدیه)

(وکذا فی النهرالفائق: ۱۲۱/۳، باب الیمین فی الضرب الخ، رشیدیه)

(۲) "وصح حطها لکله أوبعضه عنه". (الدرالمختار). "وقید بحطها؛ لأن حط أبیها غیر صحیح لو صغیرةً، ولو کبیرةً توقف علی إجازتها، ولابد من رضاها". (رد المحتار: ۱۱۳/۳، باب المهر، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲۶۳/۳، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳۴۹/۱، باب المهر، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) قال الله تعالی: ﴿وإن خفتم شقاق بینهما، فابعثوا حَکَماً من أهله وحَکَماً من أهلها، إن یُرِیدا إصلاحاً یوفق الله بینهما، إن الله کان علیماً خبیراً﴾ (النساء: ۳۵)

"قال لها: اختاری، أو أمرک بیدک ینوی تفویض الطلاق .... فلها أن تطلق فی مجلس علمها به......... مالم یوقته .... ولایبطل الموقت بالإعراض بل بمضی الوقت علمت أولا".

(الدرالمختار: ۳۱۵/۳، ۳۲۴، باب تفویض الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۳۹۰/۱، تفویض الطلاق، الفصل الأول فی الاختیار، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۴۰۷/۱، ۴۰۸، باب التفویض، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

فصل في يمين الطلاق
(طلاق کی قَسم اٹھانے کا بیان)

طلاق یمین

سوال[۶۳۳۵]: زید نے اپنی بیوی حمیدہ سے قسم کھا کر کہا کہ ’’اگر تمہاری فلاں فلاں چیزیں استعمال کروں یا کھاؤں پیوؤں تو تم کو طلاق ہے‘‘۔

دریافت طلب یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت ہے کہ حمیدہ کی مملوکہ اشیاء کو زید استعمال کر سکے یا کھائے پیئے اور طلاق نہ پڑے؟ زید اپنی قسم پر بہت نادم ہے اور غصہ کی بناء پر اس نے کہا تھا اب اپنے کئے پر پچھتا رہا ہے۔

عبدالکریم، بارہ بستی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جن چیزوں کے متعلق قسم کھائی ہے، ان کو کھالے پی لے، استعمال کر لے، جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی (۱)۔ پھر عدت ختم ہونے سے پہلے طلاق سے رجعت کر لے یعنی یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی طلاق واپس لے لی (۲)۔ اگر تین طلاق کی قسم کھائی ہے تو اس کو دوبارہ دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) " إذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الفصل الثالث فی تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا فی الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان فی الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها فی عدتها، رضيت بذلک أو لم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس فی الرجعة، رشيديه)

(وكذا فی الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، شركت علميه ملتان)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

بیوی کو طلاق کی قسم دینا

سوال[۶۳۳۶]: زیداوراس کی بیوی میں کافی دنوں سے اختلاف ہے،ایک بار زید نے کہا کہ ''اگر تو کسی بھی رشتہ دار سے بات کرے گی تو تجھے طلاق کی قسم''۔ یہ لفظ تین مجلسوں میں تین بار کہا،اس کی بیوی برابر اپنے رشتہ داروں سے تعلق رکھتی ہے،اس کی بیوی نے پریشان ہوکر کہا کہ اگر تو مجھے نہیں رکھتا تو دو آدمیوں کو بلا کر میرا فیصلہ کردے۔اس پر زید نے کہا دو آدمیوں کی کیا ضرورت ہے، میں نے جو کہا وہ پکے ارادہ سے کہا ہے یعنی طلاق کی جو قسم دی ہے۔ایک مرتبہ بیوی کسی رشتہ دار سے لاکر کھانا کھا رہی تھی تو زید نے آکر مار پیٹ کی،اس پر بیوی نے گھر سے نکلنا چاہا،تو زید نے برقعہ اٹھا کر دیا کہ برقعہ پہن کر جا،بغیر برقعہ کے کیوں جاتی ہے۔ صورتِ مذکورہ میں بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟اگر ہوئی تو رجعی یا بائنہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شوہر کے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی (۱)،مگر شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک، ملاطفت ومودّت کا معاملہ کرنا ضروری ہے، مار پیٹ وغیرہ کا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے (۲)۔ بیوی کو بھی لازم ہے کہ شوہر کا احترام،ادب،اطاعت،دلجوئی کرتی رہے،دونوں اس پر عمل کریں تو صحیح طریقہ پر گھر آباد ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۵/۳/۱۵ھ۔

غیر شادی شدہ کی یمین طلاق کا حکم

سوال[۶۳۳۷]: ۱.....اگر زید نے یہ قسم کھائی کہ ''اگر آج سے میں یہ کام کروں تو جب تک میں

---

(۱)'' ورکنه لفظ مخصوص هوما جُعل د لالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة''. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۲۳۰، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۳/۲۰، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۳۰۹، کتاب الطلاق، امد ادیه ملتان)

(۲)'' قال الله تعالی: ﴿والتی تخافون نشوزهن، فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن، فإن أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً، إن الله کان علیاً کبیراً﴾ (النساء: ۳۴)

ایک ہزار روپیہ غریبوں کو نہ تقسیم کروں، میری بیوی پر طلاق، مگر کسی عذر کی بناء پر کرلوں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے'' (یہ ہے زید کا قول) آپ فرمایئے اس کو کیا مجبور سمجھا جائے گا؟ یا وہ یہ کام کرلیا بغیر کسی عذر کے مگر اس کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ تقسیم کرے (یعنی اس کی آمدنی نہیں) یا اگر وہ تقسیم کر رہا ہے تو والدین کو ان کے علاوہ گھر والوں کو تکلیف ہوگی اور اس کی اتنی عمر ہوگی کہ وہ اس عمر میں شادی نہ کرے تو اس سے بڑھ کر گناہ ہوسکتا ہے؟ یعنی اس کیلئے شادی کرنا ضروری ہوگیا، اب اس حالت میں کیا کرے اور اس سے بچنے کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ ان تمام صورتوں کو بالتفصیل تحریر فرماویں۔

۲......پھر اگر زید نے اس قسم کو توڑنے کے بعد شادی کرلی تو اگر شریعت کے لحاظ سے طلاق ہوجائے اور وہ بیوی کو اپنے پاس رکھے اس سے وطی بھی کرے، پھر جب استطاعت ہو تو وہ رقم ادا کر کے اس سے نکاح کرلے، یہ نکاح بغیر حلالہ کے صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس لئے کہ جب عورت کو طلاق دی جاتی ہے تو بغیر حلالہ کے کرائے ہوئے نکاح اس کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قسم کھاتے وقت زید کی بیوی موجود نہیں تو اس قسم کے خلاف کرنے سے کوئی طلاق نہیں ہوگی، خواہ قسم توڑنے کے بعد شادی کرے، یا پہلے کرلے۔ اس کے بعد قسم توڑ لے، طلاق سے بالکل بے فکر رہے (۱)، البتہ اگر وہ کام گناہ کا ہے تو اس سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے۔ گناہ اگر ہوجائے تو توبہ استغفار لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۰ھ۔

یمینِ فور

سوال [۶۳۳۸]: شوہر نے بیوی کو مارا، بیوی غصہ میں پڑوسی کے گھر چلی گئی اور گھر پر آنے کو تیار نہیں

(۱) " ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكاً أو يضيفه إلى ملك ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: إن، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۳۴۴، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

ہوئی، اس پر شوہر نے غصہ میں کہا کہ ''اگر تم باپ کے یہاں بھی گئی تو تم کو تینوں طلاق''۔ اور پھر ایک دوسرے کے لڑکے پر کہا کہ ''ہاں! اگر باپ کے ڈیہہ پر قدم بھی رکھے تو تینوں طلاق''۔ شوہر کا بیان ہے کہ میرا مطلب اس سے اس وقت تک کے لئے تھا کہ جب تم ابھی میرے گھر نہیں جاؤ گی تو اس وقت باپ کے یہاں بھی نہیں جا سکتی ہو، اگر اس وقت چلی جاؤ گی تو تم کو تینوں طلاق۔

اب سوال یہ ہے کہ تعلیقِ طلاق جس کی تشریح شوہر کر رہا ہے اس وقت کیلئے خاص ہوگی یا عام ہوگی کہ جب بھی بیوی باپ کے گھر جائے گی، تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ یمینِ فور کا موقع ہے، اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میرا مقصد یہی تھا کہ ''غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے میرے مکان سے نکل آئی، لہذا پہلے وہیں واپس چلو، اگر وہاں واپس چلنے سے پہلے باپ کے گھر گئی تو تینوں طلاق'' تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ عورت کو چاہیے کہ پہلے شوہر کے مکان پر آ جائے پھر شوہر کی اجازت ورضامندی سے حسبِ موقع والد کے مکان پر جائے، اگر شوہر کے مکان پر جانے سے پہلے والد کے مکان پر چلی جائے گی تو طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۹۵ھ۔

ایضاً

سوال [۶۳۳۹]: زید وعمر میں چند باتوں میں کھیت میں ہل چلانے کے درمیان تکرار ہو گیا، زید

---

(۱)'' فحلف: لاتخرج، فإذاجلست ساعةً، ثم خرجت، لايحنث؛ لأن قصده منعها من الخروج الذى تهيأت لـه، فكأنه قال: إن خرجت الساعة. وهذا إذا لم يكن له نية، فإن نوى شيئاً، عمل به، شرنبلالية''. (رد المحتار: ۷۶۲/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى الخ، مطلب فى يمين الفور، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۵۵/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى النهر الفائق: ۷۳/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين، فى الدخول والخروج، امداديه ملتان)

باپ ہے، اور عمر اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ زید نے اپنے بیٹے عمر سے ہل اور بیل کھیت سے مکان بار بار لے چلنے کا حکم دیا، لیکن عمر چند منٹ خاموش بیٹھا رہا، جواب میں صرف اتنا کہتا رہا کہ آپ پہلے چلیں، باپ نے عمر بیٹے سے ناراض ہو کر کہا: ''اگر تم یہیں بیٹھے نہ رہو تو تمہاری ماں کو طلاق اور تین طلاق''۔ شام ہو چکی تھی، باپ یہ کہہ کر گھر کی طرف چلا آیا اور بیٹا کچھ توقف کے بعد وہ بھی مکان چلا آیا۔ باپ کا قصد تو صرف بیٹے کو قسم دلا کر غصہ سے کھیت میں روک دینا منظور تھا، نفسِ طلاق کا بالکل ارادہ نہ تھا، کیونکہ میاں بیوی میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اپنے اس کہنے پر اس کو بہت ندامت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا طلاق زید کی بیوی پر واقع ہوگئی یا نہیں، اگر واقع ہوگئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ مابین ازدواجی تعلق رکھنے کی کیا صورت ہے، جبکہ دونوں ایاس کو پہونچ چکے ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھ ریکھ کے تحت حاجت مند ہیں؟ شرعی حکم بتانے کے بعد بتائیں کہ اصولاً زید کے حق میں یہ یمینِ فور ہے یا تعلیقِ طلاق علی فعلِ اجنبی جبکہ اس نے بارادۂ طلاق یہ کلمہ نہیں کہا ہے، بلکہ صرف بیٹے کو قسم دلا کر روکنا مقصود تھا؟ مسئلہ بالا کا شرعی حکم واضح طور پر بیان فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بظاہر یہ یمینِ فور ہے، ہمیشہ کیلئے اس جگہ بیٹے کو بٹھانا مقصود نہیں تھا، باپ کے کہنے کے بعد بیٹا کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ طلاق وہاں بیٹھے نہ رہنے پر تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ رمضان المبارک/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

---

(۱) ''وشرط للحنث في قوله: إن خرجت مثلاً فأنت طالق، أو إن ضربت عبدك فعبدي حر -لمريد الخروج والضرب- فعله فوراً؛ لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفاً''. (الدرالمختار). ''أرادت أن تخرج، فقال الزوج: إن خرجت، فعادت وجلست، وخرجت بعد ساعة، لايحنث''. (ردالمحتار: ۳/ ۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الأيمان، مطلب في يمين الفور، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۵۵۵، باب اليمين في الدخول والخروج والإتيان والسكنى، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/ ۵۲۹، ۵۳۱، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، رشيديه)

مکان میں داخل ہونے کی قسم اور اس سے بچنے کا حیلہ

سوال[۶۳۴۰]: زید نے غصہ میں اپنے مکان میں جانے سے قسم کھائی اور کہا ہے اپنی بیوی کو کہ ''اگر میں اس مکان میں آؤں تو تجھ پر تین طلاق''۔ صرف یہ الفاظ ایک دفعہ کہے ہیں۔ تین دن ہو گئے ہیں زید اپنے مکانِ مسکونہ میں نہیں گیا ہے، لیکن زید اس مکان کا مالک نہیں ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ زید اب اس مکان میں جانا چاہتا ہے، وہ اس مکان میں کس صورت سے جاسکتا ہے، کہ گناہ گار بھی نہ ہو اور طلاق بھی واجب نہ ہو؟

سائل: محمد اختر، سہارنپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زید نے اشارہ کر کے متعین کر دیا کہ اگر اس مکان میں آؤں تو تجھ پر تین طلاق، اب وہ مکان خواہ زید کی ملک ہو یا نہ ہو، بہر صورت اس میں جانے سے اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی اور اب اگر اس میں جانا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید خود نہ جائے بلکہ دوسرے لوگ اس کو اٹھا کر زبردستی مکان میں لے جائیں، اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق نہ ہوگی۔ اگر بغیر اٹھائے خود اپنے پیروں سے چل کر مکان میں جائے گا، خواہ دوسرے کے اصرار اور زبردستی ہی سے سہی تب بھی طلاق ہو جائے گی:

"إذاحلف الرجل أن لايد خل دارفلان، وأدْخِل مكرهاً، لايحنث. هذا إذاحمله إنسان وأدخله مكرهاً، وإذا أكرهه حتى دخل بنفسه، يحنث عندنا". فتاوى عالمگيرى: ٤/٨٣٦(١)۔ وكذافى الأشباه والنظائر، ص: ٣١٢(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ربیع الاول/ ۱۳۵۸ھ۔

---

(۱) لم أجده فی الفتاویٰ العالمكيرية

(وبمعناه فی الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب السادس عشر في الدخول: ۳۱۸/۴، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴۴۸/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين فی الد خول والخروج والسكنى، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الخامس: الحيل، الثامن. ص: ۳۹۹، قديمى)..............................=

کیا ارتداد سے یمین ساقط ہو جاتی ہے؟

سوال[۱۳۴۱] : اگر زید نے اسلام کی حالت میں قسم کھائی کلما کے ساتھ، یعنی ”جب بھی میرا نکاح ہو تو طلاق ہو“ اور پھر اس کے بعد میں زید-نعوذ باللہ من ذالک-مرتد ہو جائے اور پھر اسلام لے آئے تو اس قسم کا اعادہ ہوگا جو اس نے قسم اسلام کی حالت میں کھائی تھی، یا اس قسم کا اعادہ نہیں ہوگا؟ برائے کرم مکمل و مدلل مع احادیث وفقہ تحریر فرمائیں۔فقط والسلام۔

محمد نفیس لکھیم پوری، متعلم دارالعلوم دیوبند، ۲/ ذی قعدہ/ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس نیت سے مرتد ہونا کہ تعلیق باطل ہو جائے نہایت خطرناک ہے، نہیں معلوم کہ ارتداد کے بعد اسلام قبول کرنے کی مہلت ملتی ہے یا نہیں، اس سے پہلے ہی وقت موعود آ جاتا ہے؟ نیز پھر اسلام سے محبت رہے یا نفرت پیدا ہو جائے؟ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ نیت کرے کہ کل کو مرتد ہو جائے گا، وہ ابھی سے کافر ہو جاتا ہے۔تصرفاتِ مرتد کے ذیل میں شامی، بحر وغیرہ میں تعلیق کے ذیلِ بُطلان وبقائے یمین کے متعلق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا ہے۔

کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے اور قاضیٔ اسلام اس کے لحاق کا حکم دے، پھر وہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں لوٹ آئے تو اس کی تعلیق بھی عود کر آئے گی جیسے کہ اس کی املاکِ باقیہ عود کر آئے گی، یہ مسلک صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حکم لحاق بمنزلۂ موت کے ہے جس کی بناء پر تعلیق ساقط ہو چکی ہے، اب اس کے عود الی الاسلام سے تعلیق عود نہیں کرے گی:

”وكذا يبطل بلحاقه مرتداً بدار الحرب خلافاً لهما، اهـ“. در مختار۔ ”(قوله: وكذا يبطل: أي التعليق (قوله: خلافاً لهما): أي للصاحبين فعندهما لايبطل التعليق؛ لأن زوال الملك لايبطله. وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته، وبالارتداد ارتفعت العصمة، فلم يبق تعليقه لفوات

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۵۵۲، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى. دار إحياء التراث العربي بيروت)

الأهلية، فإذا عاد إلى الإسلام، لم يعد ذلك التعليق الذى حكم بِسُقُوطه، بحر عن شرح المجمع للمصنف". شامى: ۲/۴۹۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب فى معنى قولهم ليس للمقلد الرجوع عن مذهبه: ۳/۳۴۹، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۴/۵۳، رشيديه)

فصل فی التعلیق بالمشیئة

(لفظ انشاء اللہ کے ساتھ طلاق معلق کرنے کا بیان)

''طلاق انشاء اللہ'' کا حکم

سوال[۶۳۴۲]: مظہر اور اس کی بیوی میں حالات ناسازگار رہوئے جس کی وجہ سے بیوی کے والدین نے مظہر کو طلاق دینے پر مجبور کیا، مگر مظہر تیار نہ ہوا، آخر میں مجبور ہو کر مظہر نے کہا کہ ''طلاق دیدوں گا''۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد مظہر نے بلانیت وارادۂ طلاق چند اشخاص کے روبرو کہا کہ ''طلاق انشاء اللہ تعالیٰ، طلاق انشاء اللہ، طلاق انشاء اللہ''۔ اس واقعہ کے بعد ایک سال تک یہ معاملہ پنچایت میں پڑا رہا جس میں اہلِ علم اور سرپنچ وغیرہ شامل ہوتے رہے اور یہ طے پایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، چنانچہ اس وقت سے وہ عورت آباد ہے۔ کیا از روئے شرع یہ ٹھیک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنے سے طلاق نہیں ہوئی، دونوں میں نکاح بدستور قائم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

''تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی انشاء اللہ'' کہنے کا حکم

سوال[۶۳۴۳]: زید نے اپنی منکوحہ کو تین مرتبہ لفظ طلاق کہا اور آخر میں انشاء اللہ کہہ دیا، آیا اس کی

---

(۱) "(لاتطلق) قال لها: أنت طالق إنشاء الله متصلاً". (الدرالمختار: ۳/۳۶۶، کتاب الطلاق، باب التعلیق، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۴۵۴، الفصل الرابع فی الاستثناء، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۱۳۰، کتاب الطلاق، باب التعلیق، دارالکتب العلمیة بیروت)

بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر زید نے اپنی بیوی کو اس طرح کہا ہے کہ ”میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی انشاء اللہ“ تو س کی بیوی پر پہلی اور دوسری طلاق فی الحال واقع ہوگئی (۱)۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کا اختیار ہے (۲) اور بعد عدت طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں (۳)۔ اور تیسری طلاق ابھی واقع نہیں ہوئی، جب اللہ چاہے گا تب واقع ہوگی، اللہ کا چاہنا شوہر کے طلاق دینے سے معلوم ہوگا، یعنی جب آئندہ طلاق دے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت اللہ نے چاہا ہے، اس وقت تیسری واقع ہوکر مغلظہ ہوجائے گی، پھر بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کی بھی گنجائش نہیں ہوگی (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "لو قال: أنت طالق واحدةً وثلاثاً صح (الاستثناء) بالإجماع، وكذلك: أنت طالق وطالق وطالق إنشاء الله؛ لأنه لم يتخلل بينهما كلام لغو". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۶۰، الفصل الرابع في الاستثناء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۳۳، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۱۸۴، فصل: إذا علق الطلاق على مشية الله، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۵، الفصل السادس في الرجعة وفي ماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، باب الرجعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۴۲۵، كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به الخ، قديمى)

(۴) "وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب =

طلاق کا لفظ کہہ کر انشاء اللہ آہستہ کہنا

سوال[۶۳۴۴]: زید کو چند آدمیوں نے پکڑ کر مار پیٹ کر اس سے ایک تحریری بیان لیا کہ لکھو کہ ''میں نے فلاں کو گالی دی اور فلاں چیز چڑھائی ہے''، بیچارہ زید نے ڈر کی وجہ سے لکھ دیا۔ بیان کے آخر میں کلما کی قسم بھی لیا کہو کہ ''اگر یہ بیان جھوٹ ہو اور غلط ہو تو جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق ہو''۔ اور بیچارے زید کے علم میں ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے، لیکن اگر قسم سے انکار کرتا ہے تو چاروں طرف سے ڈنڈے پڑتے ہیں، لہٰذا ڈر کر قسم کھالیا، قسم کے ساتھ آہستہ سے انشاء اللہ کہا کہ دوسرے شخص نے یہ اشارہ نہیں سنا ہے، صرف زید نے سنا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ اشارہ کرنا معتبر ہے یا کہ نہیں؟ قضاءً و دیانتاً اور کسی اعتبار سے بھی شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس نے آہستہ سے متصلاً انشاء اللہ کہہ دیا جس کو خود سن بھی لیا تو اس سے یمین نہیں ہوئی، اس کے خلاف کرنے سے حانث نہیں ہوگا:

"لوقال لها: أنت طالق إنشاء الله متصلاً مسموعاً بحيث لوقرب شخص أذُنَه إلى فمه، يسمع، لايقع، اهـ". درمختار، ص: ۵۰۹(۱)۔ "ولوالحالف مكرهاً أومخطئاً أوناسياً في اليمين أوالحنث، فيحنث بفعل المحلوف عليه مكرهاً، اهـ". درمختار(۲)۔

= الرجعة: ۳/۴۰۹، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار: ۳/۳۶۶، ۳۶۸، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۳۸۹، الفصل التاسع في الاستثناء، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۳۲، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۳/۷۰۸، ۷۰۹، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر: ۱/۵۴۱، كتاب الأيمان، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"كتب الطلاق واستثنى بلسانه أوطلق بلسانه واستثنى بالكتابه، هل يصح؟ لارواية لهذه المسئلة، وينبغي أن يصح، كذافي الظهيرية، اه". شامي: ۲/۴۲۹، قبل باب الصريح(۱)۔

اگر زید سے زبانی یہ قسم لی جاتی اور وہ بلا اکراہ کے یہ قسم کھالیتا اور اس میں آہستہ سے انشاء اللہ کہہ دیتا تب بھی یمین کی ذمہ داری زید پر عائد نہ ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

طلاق کے ساتھ "انشاء اللہ" پست آواز سے کہنا اور جبراً طلاق نامہ لکھنا اور اس کو سنانا

سوال[۶۲۴۵]: میرے خسر نے مجھے اپنے گھر بلا کر ظلم شروع کر دیا کہ میری لڑکی کو طلاق دو، بہت مارا پیٹا۔ میں نے جان بچانے کیلئے مندرجہ ذیل طلاق نامہ بنگلہ زبان میں لکھا اور انشاء اللہ پست زبان سے کہہ دیا۔ پھر مارا اور کہا کہ اس کو پڑھو، مجھے مسئلہ معلوم تھا کہ پڑھنے سے طلاق نہ ہوگی، تو میں نے طلاق نامہ پڑھا اور پھر انشاء اللہ پست زبان سے کہہ دیا۔ بانس کنڈی کے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ نقل طلاق نامہ یہ ہے

ترجمہ: محمد عبدالجلیل عقلومیاں کی لڑکی کو طلاق نامہ پڑھ دوں گا، میں آج عبارت النساء کو "ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق (انشاء اللہ) دیا"۔ صحت بدل و باہوش یہ طلاق نامہ لکھ دیا، فقط یہی پڑھ کر سنایا اور انشاء اللہ پست زبان سے کہا۔ اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لفظ "انشاء اللہ" پست زبان سے کہنا بھی مفید ہے، اس کے بعد طلاق نہیں ہوتی (۲)، اگر یہ تاویل نہ کی

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۲۴۷، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۸، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۲) "(قال لها: أنت طالق إنشاء الله متصلاً)........ (مسموعاً) بحيث لوقرب شخص أُذُنَه إلى فيه يسمع، فصح استثناء الأصم". (الدر المختار: ۳/۳۶۸، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۹، باب الأيمان في الطلاق، فصل في الاستثناء، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في النهر الفائق ۲/۴۰۲، كتاب الطلاق، باب التعليق، رشيديه)

ہوتی تب بھی اس لکھنے سے اور اس کو پڑھنے سے طلاق نہ ہوتی۔ لکھنے سے تو اس لئے نہ ہوتی کہ یہ تحریر جبراً لکھوائی گئی ہے، اگر نہ لکھتا تو سخت معاملہ کیا جاتا۔ ایسی تحریر سے طلاق نہ ہونا فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، شامی وغیرہ میں مذکور ہے(۱)۔ اگر زوجہ تحریر لکھتے وقت سامنے موجود تھی تو تحریر سے طلاق واقع نہ ہونے کی یہ دوسری وجہ ہے۔ ردالمحتار، جلد خامس میں ہے کہ ''ایسی صورت میں طلاق نہیں ہوتی''(۲)۔

اس تحریر کو پڑھنے سے طلاق واقع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس پڑھنے سے ایقاع طلاق مقصود ہی نہیں، بلکہ لکھے ہوئے حروف کو پڑھنا مقصود ہے جیسا کہ فقہ کی کتاب میں پڑھے ''أنت طالق'' یا ''امرأتي طالق'' تو اس سے طلاق نہیں ہوتی کیونکہ ایقاع مقصود نہیں بلکہ نقل ما فی الکتاب مقصود ہے۔ صورت مسئولہ میں ایسی تحریر کو قراءۃً نقل کر رہا ہے جس سے طلاق واقع نہیں ہوتی:

" صريحه مااستعمل لغةً أوعرفاً فيه، لايحتاج في وقوعه إلى نيته -وهو: أنت طالق- بشرط أن يقصد ها بالخطاب، فلوكرر مسائل الطلاق بحضرتها، لايقع قضاءً وديانةً، اه".

كذافي الدرالمنتقى: ۱/۳۸٦(۳)۔

" فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لاتطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا، كذافي الخانية، اه". شامي: ۲/۴۲۱(۴)۔

---

(۱) (سيأتي تخريجه في رقم الحاشية: ۴)

(۲) (فليراجع للتخريج، ص: ۱۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "الدرالمنتقى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸٦، باب إيقاع الطلاق، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۵۰، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۲۵، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، رشيديه)

(۴) (رد المحتار على الدرالمختار: ۳/ ۲۳٦، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه) .... =

قال فی مسائل شتی فی إیماء الأخرس وکتابته: "وظاهره أن المُعْنُونَ من الناطق الحاضر غیر معتبر، اھ". رد المحتار: ۵/۴۷۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية: ۱/۴۷۲، فصل فی الطلاق بالکتابة، رشیدیه)

(۱) (رد المحتار: ۶/۷۳۷، کتاب الخنثی، مسائل شتی، سعید)

فصل فی المَخلص من التعلیق

(تعلیقِ طلاق سے بچنے کا بیان)

تعلیقِ طلاق سے بچنے کی صورت

سوال[۶۳۴۶]: زید نے اپنی زوجہ کو حالتِ غصہ میں کہا کہ ''اگر میں تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو تجھ کو تین طلاق''۔ زید نے اپنی زوجہ کے ہاتھ سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں۔ اب اس کو رکھنے کی اور اس کے ہاتھ سے کھانے پینے کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر اس سے بے تعلق ہو جائے، عدت تین حیض ختم ہو جائے تو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھالے، اس سے شرط پوری ہو جائے گی اور طلاق نہیں ہوگی، اس کے بعد دوبارہ نکاح کرلے، پھر اس کے ہاتھ کا کھانا کھانے سے کوئی اثر نہ ہوگا، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

شرطِ طلاق ختم کرنے کی صورت

سوال[۶۳۴۷]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوئے عرصہ ہو گیا، ایک روز غصہ میں زید نے اپنی بیوی سے یہ جملہ کہا کہ ''اگر تم وہاں جاؤ گی (یعنی اپنے میکے) تو تم پر طلاق عائد ہوگی'' ایک دو منٹ کے بعد ان کو یاد دلایا کہ

---

(۱) ''فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار أن یطلقها واحدةً، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل الیمین، فینکحها''. (الدر المختار: ۳۵۵/۳، کتاب الطلاق، باب التعلیق، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۴۱۶/۱، الفصل الأول فی ألفاظ الشرط، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۱۸/۳، باب التعلیق، دار الکتب العلمیة، بیروت)

''اگر تم وہاں جاؤ گی تو تم پر ویسا ہی ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہے''۔ باقی اس وقت طلاق کا لفظ نہیں کہا، پھر کچھ عرصہ کے بعد (چودھویں دن) یہ کہا کہ ''اگر تم جاؤ گی (میکے) تو تم پر طلاق''۔ باقی ہندہ ابھی تک زید کے گھر میں ہے

پھر زید نے تقریباً چار ماہ کے بعد ایک دن تکرار میں ہندہ کو یہ کہا کہ ''جاؤ میں نے تم کو چھوڑ دیا''۔ لیکن ہندہ اب بھی زید (شوہر) کے گھر میں ہے اور ہندہ اس بات سے انکار کرتی ہے کہ تم (یعنی زید) مجھ کو ایسا نہیں کہے ہو بلکہ ''چھوڑ دونگا'' لفظ کہے ہو یا مجھے یاد نہیں ہے۔ اور یہ بات ہوئے پورا ایک سال گزر گیا۔ کیا ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کونسی؟ اور کیا صورت ہے کہ ہندہ زید کے نکاح میں رہے اور شرط معلق بھی ختم ہو جائے؟ صورت مذکورہ کو اچھی طرح سمجھ کر جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلے لفظ ''طلاق عائد ہوگی'' سے طلاق واقع نہیں ہوئی، خواہ کتنی ہی مرتبہ کہا ہو کیونکہ یہ طلاق منجز نہیں بلکہ شرط پر معلق ہے اور شرط پائی نہیں گئی، لہذا طلاق نہیں ہوئی، البتہ شرط ابھی باقی ہے (۱)۔ دوسرا لفظ کہ ''جاؤ میں نے تم کو چھوڑ دیا'' اس سے ایک طلاق صریح واقع ہوئی، جس میں رجعت کا حق حاصل ہے (۲)۔ اگر عدت

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الباب الرابع الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۵۰۲، الفصل السابع عشرفي الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "بخلاف فارسية قوله: سرحتك وهو ''رہا کردم''؛ لأنه صار صريحاً في العرف على ماصرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري .... ثم فرق بينه وبين سرحتك، فإن سرحتك كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رہا کردم'': أي سرحتك، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقد مرّأن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أيّ لغة كانت". (ردالمحتار: ۳/۲۹۹، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسيه، رشيديه)

(تین حیض) گزرنے سے پہلے رجعت کرلی یعنی طلاق واپس لے لی، یا تعلق زوجیت قائم کرلیا تو رجعت ہوگئی، نکاح قائم رہا(۱)۔ اگر رجعت نہیں کی بلکہ علیحدہ رہا یہاں تک کہ عدت گزرگئی تو اب رجعت کا اختیار نہیں رہا۔ اب وہ عورت میکے چلی جائے تاکہ شرط پوری ہوجائے اور طلاق بھی واقع نہ ہو، اس لئے کہ بعد عدت وہ بیوی نہیں رہی کہ اس پر طلاق واقع ہوتی (۲) پھر دونوں دو گواہوں کے سامنے دوبارہ نکاح کا ایجاب وقبول کرلیں۔ اب اگر وہ میکے جائے گی تو طلاق واقع نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۴۰۶ھ۔

طلاقِ معلق سے بچنے کا حیلہ

سوال[۶۳۴۸]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالی اندرینکہ شخصے بخشم آمده، زنش

---

(۱) " وإذاطلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين، فله أن يراجعها، رضيت بذلك أولم ترض".
(الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۹۶/۴، فصل في شرائط جواز الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۸۳/۴، باب الرجعة، رشيديه)

(۲) "شرط صحة الطلاق قيام القيد في المرأة نكاحاً كان أو عدةً، وقيام حل جواز العقد، فإن بعد ماطلقها واحدةً أو ثنتين فانقضت عدتها لوطلقها، لايصح طلاقه، وإن كان حل جواز العقد لما لم يكن القيد قائماً". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۱۸۶/۳، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في بيان شرط صحة الطلاق الخ، قديمي)

"فحيلة من علّق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدةً، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين فينكحها". (الدرالمختار: ۳۵۵/۳، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۶/۱، الباب الرابع، الفصل الأول في ألفاظ الشرط، رشيديه)

(۳) "وإن وجد في غيرالملك، انحلت اليمين بأن قال لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق، فطلقها قبل وجود الشرط ومضت العدة، ثم دخلت الدارتنحل اليمين ولم يقع شئ، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۶/۱، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۵۵/۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۵۶۳/۳، باب الأيمان في الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

راگفت: "اگرتودرهیچ یکے ازیں درخانه ام درآئی برتوسه طلاق است". زنِ موصوفه تادرهیچ یکے ازاں خانها در نیاید، مطلقه خواهد گشت یانه؟ برتقدیرِ ثانی درخانۂ دیگر تعلقاتِ زن شوہے ممکن است، مگردر آمدنِ زنِ مذکوره دراں خانهائے مسطوره چگونه تواند؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاوقتیکه زنِ مذکوره درهیچ یکے ازخانهائے مسطوره داخل نگردد، ازیں تعلیق مطلقه نخواهد شد. ومخلص ازیں تعلیق آن است که یک طلاقِ منجز دهد، وپس ازگزشتنِ عدت زنِ مذکوره در خانهائے مسطوره داخل شود تاکه یمین بتام رسد، بعد ازاں بازن مذکوره عقدِ جدید کند، پس اکنوں ازدرآمدنِ زن مذ کوره درخانهائے مسطوره طلاق واقع نخواهد شد:

"وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، لكن إن وجد في الملك طلقت، وإلالا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدةً، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين، فينكحها، اھ". درمختار: ۲/۲۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

طلاقِ معلق کومنسوخ کرنا

سوال[۶۳۴۹]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے ایک ماموں اور ایک خالہ کی کسی بات سے غصہ ہوکران دونوں سے تکلم پرطلاق کومعلق کردیا، اگرایک طلاق یادوطلاق یاتین طلاق معلق کیا ہے، ہرایک کا کیا حکم ہے؟ اوران دونوں میں سے کسی ایک سے تکلم پرطلاق واقع ہوگی یادونوں سے تکلم پر؟ نیز جب کہ زید کا غصہ فروہوگیا تو

---

(۱) (الدرالمختار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۶، الباب الرابع، الفصل الأول في ألفاظ الشرط، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۵۲۳، باب الأيمان في الطلاق، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۲/۱۷۵، كتاب الطلاق، قديمى)

اپنی زوجہ کو ماموں اور خالہ سے تکلم کی اجازت دینا چاہتا ہے تو طلاق معلق کے رفع کی کوئی صورت ہے یا نہیں، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی طلاقوں کو معلق کیا ہے، تحققِ شرط پر اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی، یعنی اگر ایک طلاق کو معلق کیا ہے تو ایک ہوگی، دو کو معلق کیا ہے تو دو ہوں گی تین کو معلق کیا ہے تو تین ہوں گی (۱)۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک کے تکلم پر جداگانہ طور پر معلق کیا ہے تو ہر ایک کے تکلم سے ہوجائے گی، اگر دونوں کے تکلم پر مجموعی طور پر معلق کیا ہے تو دونوں کے تکلم سے ہوگی، ایک کے تکلم سے نہیں ہوگی (۲)۔ ایک اور دو طلاق کے بعد رجعت کا اختیار باقی رہتا ہے (۳)، تین طلاق کے بعد مغلظہ ہوجاتی ہے، نہ رجعت کا اختیار رہتا ہے نہ بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کی گنجائش رہتی ہے (۴)۔ طلاق کو شرط پر معلق کردینے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کا حق نہیں رہتا۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية ۱/۴۲۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۸۵، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۰۹، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لو قال: إن دخلتما هذه الدار، أو كلّمتما فلاناً، أو لبستما هذا الثواب .... فما لم يوجد منهما جميعاً، لايقع الطلاق". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۵۶۱، الأيمان بالطلاق، نوع في تعليق الطلاق بالفعلين، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۲۴، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۸۷، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعية أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۸، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أوثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۳، الفصل الثالث والعشرون في مسائل =

اگر تین طلاق کو تکلم پر معلق کیا ہے اور اب تکلم کی ضرورت ہے تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ ایک طلاقِ منجز دیدے اور عدت گزرنے کے بعد تکلم ہوجانے پر دوبارہ نکاح کرلیا جائے تو تکلم سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ شرط کا تحقق ایسی حالت میں ہوا کہ وہ زوجہ محلِ طلاق نہیں رہی بلکہ مطلقہ ہوکر انقضائے عدت کے بعد اجنبیہ بن گئی، کذافی الدر المختار (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

کیا شرطِ معلق کو واپس لیا جاسکتا ہے؟

سوال [۶۳۵۰]: احقر نے اپنی زوجہ کو بوجۂ نزاع یہ کہہ دیا تھا کہ ''اگر تو اپنے ماموں ابراھیم کے گھر گئی اور ماموں کے سامنے آگئی تو تجھے طلاق ہوجائے گی''۔ اس کے بعد تقریباً ایک ماہ بعد صبح کو ہنسی خوشی کہنے لگی کہ آج میں عابدہ کے گھر جو کہ رشتہ کی بہن لگتی ہے جاؤں گی، میں نے جواب دیا کہ تم ضرور جانا، مگر میری والدہ کو ساتھ لے کر جانا، تنہا مت جانا۔ اس بات پر بگڑ گئی اور یہ کہنے لگی کہ آج میں معاملہ ہی ختم کردوں گی، میں ماموں ابراھیم کے گھر جاکر معاملہ ختم کردوں گی۔ یہ سن کر فوراً احقر نے اپنے بڑے بھائی امیر حسن اور دوسرے بھائی محمد موسیٰ محرر محاسبی دارالعلوم دیوبند کو بلاکر دونوں بھائیوں کے روبرو یہ کہہ دیا کہ میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ ہر جگہ جاسکتی ہے، مجھے کوئی رنج نہ ہوگا، میری جانب سے اجازت ہے، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

اس کے بعد میرے دونوں بھائی واپس چلے گئے، اور میری بیوی نے ہاتھوں سے چوڑیاں اور کان سے لونگ نکال کر پھینک دی، اس کے بعد اپنی والدہ کے گھر چلی گئی اور شہرت کردی کہ مجھے طلاق دیدی، مجھے طلاق

= المحلل، ادارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۱، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(۱) ''فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدةً، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين''.

(الدر المختار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۶، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۵۶۳، باب الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچی)

دیدی۔ میں دوکان سے مغرب کے وقت گھر آیا، تمام جگہ شہرت سن کر افسوس ہوا، اس کے بعد عشاء کی نماز کے بعد چند آدمی میرے بھائی امیر حسن کی بیٹھک میں تشریف لائے:

۱- جناب منشی مسعود جاوید صاحب۔ ۲-حضرت مولانا خورشید عالم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند۔ ۳-مولوی محمد فاروق صاحب مالک عظیم بک ڈپو۔ ۴-مولوی مشہود صاحب کتب خانہ والے۔ ۵-مولوی حسن صاحب ایڈیٹر تجلی۔ ۶- جناب محمد افضال صاحب۔

یہ حضرات تحقیق کرکےاور بیان حلفیہ لےکرتسلی کرکے چلے گئے۔ میں نے بیان حلف سے کہہ دیا کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اور جو الفاظ میں نے ایک ماہ پہلے کہے تھے، وہ واپس لے لئے تھے۔ اب ایسی صورت میں مسئلہ سے آپ آگاہ کریں کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

سائل: تسلیم اختر دیوبندی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کی بیوی اپنے ماموں ابراھیم کے گھر گئی اور ماموں کے سامنے آگئی تو آپ کی شرط کے مطابق بیوی پر طلاق واقع ہوگئی (۱)، شرط پر طلاق کو معلق کردینے کے بعد شرط کے واپس لینے کا حق نہیں رہتا۔ اگر واقعہ نزاعی ہے اور فریقِ ثانی کا بیان اس کے خلاف ہے تو ممکن ہے حکم بھی دوسرا ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

تعلیق کے بعد اجازت سے بھی تعلیق ختم نہیں ہوتی

سوال [۶۲۵۱]: امیر حسن اور اکبر حسن کے سالے عبدالغفور کے درمیان جھگڑا ہوا، عبدالغفور نے اپنے بھانجے کو مارا، اور اس قدر مارا کہ مار کھانے والے کے بدن پر نشان پڑ گئے۔ لڑکے نے آکر اپنے والد سے

(۱) "إنما يصح (أي التعليق) في الملك كقوله لمنكوحته: وإن زرت فأنت طالق، أو مضافاً إليه كإن نكحتك فأنت طالق، فيقع بعده: أي يقع الطلاق بعد وجود الشرط، وهو الزيارة في الأول والنكاح في الثاني". (تبيين الحقائق: ۱۰۹/۳، ۱۱۰، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار على الدرالمختار: ۳۴۴/۳، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴، باب التعليق، رشيديه)

ماموں کی شکایت کی تو اکبرحسن اورعبدالغفور کی آپس میں لڑائی ہوئی اور ایسی لڑائی ہوئی کہ مار پیٹ کی نوبت آگئی، مار پیٹ کے دوران اکبرحسن کی بیوی حفیظہ بانو نے اس وقت اپنے بھائی کے حق میں اپنے شوہر اکبرحسن سے زبان درازی کی کہ اس وقت اکبرحسن نے اپنی بیوی حفیظہ بانو سے کہا کہ ''اگر تم اپنے بھائی عبدالغفور سے بولوگی تو میری جانب سے تین طلاق ہے''۔

اس واقعہ کو تقریباً ۱۲/۱۴/ سال ہوگئے ہیں، حفیظہ اپنے بھائی عبدالغفور سے ابھی تک بات چیت نہیں کرتی ہے، اسی غم میں وہ گھلتی رہتی ہے۔اب اگر اکبرحسن اپنی بیوی حفیظہ کو اجازت دیدے کہ تم اپنے بھائی عبد الغفور سے بات چیت کرسکتی ہو اور حفیظہ اپنے بھائی سے بات چیت کرے؟ براہ کرم جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اجازت دیدے اور پھر وہ اپنے بھائی سے بات چیت کرے تب بھی طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائے گی (۱)۔طلاق مغلظہ سے بچنے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ اکبرحسن اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر الگ رہے، جب عدت گزر جائے، حفیظہ اپنے بھائی سے بات چیت کرلے، اس کے بعد اکبرحسن اور حفیظہ بانو کا دوبارہ نکاح کردیا جائے۔اس سے شرط ختم ہوجائے گی، پھر اگر حفیظہ بانو اپنے بھائی سے بات چیت کرے گی تو کوئی طلاق نہیں ہوگی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) " وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۲۰/۱، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۰۹/۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۵۵/۳، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۸۵/۲، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) " وإن وجد في غير الملك، انحلت اليمين بأن قال لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق، فطلقها قبل وجود الشرط ومضت العدة، ثم دخلت الدار، تنحل اليمين ولم يقع شئ، كذا في الكافي".

(الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۶/۱، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۵۵/۳، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد) .... =

تعلیق کو ختم کرنے کی صورت

سوال[۶۳۵۲]: زید نے اپنی بیوی کو غصہ میں کہہ دیا کہ ''اگر تم میری دہلیز پر آؤ گی تو تم کو تین طلاق''۔ اس وقت سے زید کی بیوی اس کے گھر کی دہلیز پر نہیں گئی ہے۔ اگر زید پھر اس کو اپنی بیوی بنا کر رکھے یا دوسرا گھر بنا کر رہیں تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر زید اپنے بھائی کے مکان میں رہے اور اپنی بیوی کو رکھے تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بے خدشہ صورت یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دیدے، پھر وہ عورت تین حیض گزار کر شوہر کے مکان پر آجائے اور دوبارہ نکاح کرلے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

مغلظہ کی تعلیق کو ختم کرنے کی ترکیب

سوال[۶۳۵۳]: ۱…… زید نے بیوی پر یہ شرط لگائی کہ ''تم پانچ بیگہ زمین کے بغیر میرے گھر میں داخل نہیں ہوسکتی، اگر اس شرط کو پوری کئے بغیر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو تین طلاق''۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شرط میں زید کے نام پر مکان نہیں ہے، بلکہ ان کے والد مرحوم کے نام ہے، اور وراثت ہنوز تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ اگر زید کی بیوی اس گھر میں داخل ہوگی تو کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۵۲۳، باب الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "لوحلف: لاتخرج امرأته إلا بإذنه، فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة، لم يحنث، وبطلت اليمين بالبينونة، حتى لوتزوجها ثانيا، ثم خرجت بلا إذن، لم يحنث". (ردالمحتار: ۳/۳۵۴، باب التعليق، مطلب زوال الملک، سعيد)

"فحيلة من علّق الثلاث بدخول الدار أن يطلقهاواحدةً، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين، فينكحها". (الدرالمختار: ۳/ ۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۲، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، رشيديه)

۲...... وراثت تقسیم ہونے کے بعد اگر مکان بیوی کے نام پر کردیا جائے اس کے بعد بیوی گھر میں داخل ہوگی تو کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟

۳...... تقسیم وراثت کے بعد اگر مکان بیوی کے نام زبانی ہبہ کردیا اور پھر بیوی اس گھر میں داخل ہوئی، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

۴...... اگر بیوی نے اپنے شوہر سے مکان خریدا، اور بیوی مع شوہر کے گھر میں رہنے لگی تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

۵...... وراثت تقسیم نہیں ہوئی، زید عمر دو بھائی اور ایک بہن فاطمہ ہے، کل والد مرحوم کے نام پر جائیداد ہے، زید بڑا بھائی ہے، اس نے بہن بھائی کا حصہ چھوڑ کر اپنا حصہ مکان اپنی بیوی کے نام پر لکھ دیا، اور بیوی اس گھر میں رہنے لگی۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ان صورتوں کے علاوہ درستی نکاح کی اور آسان صورتیں اگر ہوں، لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱-۵...... زید جس مکان میں رہتا ہے، عرفاً زید کا وہی مکان ہے، اگرچہ اس میں اس کے بھائی بہن بھی حصہ دار ہیں، اس لئے اس میں شرط کے پورا کئے بغیر بیوی کے داخل ہونے سے تین طلاق واقع ہوجائے گی (۱)۔ اس سے خلاصی کی آسان صورت یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق بائن دیدے، وہ عدت پوری ہونے کے بعد اس مکان میں بلا شرط پوری کئے داخل ہوجائے، اس سے تعلیقِ زید ختم ہوجائے گی اور طلاق بھی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ محلِ طلاق نہیں رہی، پھر اس سے دوبارہ نکاح کرلے، اس طرح تعلیق سے نجات مل جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الباب الرابع، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۰۹، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۵۵، باب التعليق، سعيد)

(۲) "وإن وجد في غير الملك، انحلت اليمين بأن قال لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق، فطلقها قبل =

تعلیق کوختم کرنے کی صورت

سوال[۶۳۵۴] : ۱...... زید بکر کو کہتا ہے کہ اگر تو نے عمر کو- جو غیر حاضر ہے جس پر کسی بات سے ناراض ہے-بحالتِ غصہ میں کہتا ہے: ''اگر میں نے عمر کو لاٹھیاں نہ ماریں تو مجھ پر تین طلاق سے عورت حرام ہے''۔ اور پھر اسی گفتگو کے دوران میں بکر نے زید کو کہا کہ: عمر تمہارے بارے میں فلاں بات کہتا ہے تو زید نے کہا: ''میں عمر کو لاٹھیاں ماروں گا اور اسے خنزیر بنادوں گا، ورنہ مجھ پر تین طلاق سے عورت حرام ہے''۔

نوٹ: خنزیر بنانے سے یہ مطلب نہ تھا کہ اُسے انسان سے تبدیل کر کے خنزیر بنائے گا، بلکہ یہ محاورہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ''مارے گا، پیٹے گا'' علاقہ میں یہ عام طور پر اسی موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ نیز لاٹھیاں مارنے کے لئے وقت کی تخصیص نہیں کی گئی۔

۲...... زید عمر کو لاٹھیاں نہ مارے تو طلاق سے کس طرح بچ سکتا ہے، یا صرف لاٹھیاں مارنے سے ہی طلاق واقع نہ ہوگی، یا ارادہ لاٹھیاں مارنے کا رکھتا ہے اور موقع نہیں ملتا، کیونکہ طلاق میں وقتِ معین نہیں رکھا گیا ہے اور طویل عرصہ یعنی سال دو سال بعد لاٹھیاں مارے تو پھر اس صورت میں اس وقت طلاق سے بچے گا یا کوئی اور صورت بھی ہے؟

۳...... یہاں کے ایک عالم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زید اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے، پھر عمر کے ساتھ مصالحت کرلے اور تین حیض گذرنے پر از سرِ نو نکاح کرے تو جائز ہو جاتا ہے اور قسم سے بچ سکتا ہے اور یہ مسئلہ شرح وقایہ میں ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

اور اگر مصالحت نہ بھی کرے اور بائن طلاق دے دے اور تین حیض گذرنے پر پھر نکاح کرلے اور لاٹھیاں نہ بھی مارے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید عمر کو لاٹھیاں مارے تو دشمنی پھوٹ پڑے گی، کیونکہ زید عمر رشتہ دار ہیں۔ کسی طریق سے زید بچ سکتا ہے یا نہیں؟

= وجود الشرط، ومضت العدة، ثم دخلت الدار، تنحل اليمين، ولم يقع شئ، كذا في الكافي".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۱۶، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۳۵۵، كتاب الطلاق، باب التعليق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۵۶۳، باب الأيمان بالطلاق، إدارة القرآن كراچي)

۴......اگر لاٹھیاں مارنے کا زید ارادہ رکھتا ہے اور موقع نہیں ملتا اور ایسی حالت میں زید یا عمر فوت ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر زید اور عمر ایسے میں صلاح ومشورہ کرکے طلاق سے بچنے کے لئے زید عمر کو آہستہ لاٹھیاں مار دے تو اس صورت میں طلاق پڑنے سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: اخلاص خاں، مدرسہ اسلامیہ اسکول میناپوری، پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں زید کے ذمہ ضروری ہے کہ عمر کو لاٹھیوں سے مارے، اگر نہیں مارے گا تو اس کی عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور چونکہ وقت کی پوری تحدید نہیں کی، اس لئے زندگی میں کسی وقت ایسا کرلے، اگر نہیں کیا تو اخیر وقت میں طلاق کا حکم دیا جائے گا۔ لاٹھیوں کو بھی متعین نہیں کیا کہ کتنی تعداد ہوگی، لہٰذا کم از کم دو لاٹھیاں مارنا ضروری ہے، خواہ اس طرح کہ دو لاٹھیاں لے کر ایک دم مار دے یا علیحدہ علیحدہ، مگر بدن پر لگنا اور تکلیف پہونچنا ضروری ہے:

"وفي الذخيرة: حلف ليضربنّ عبده مأة سوطٍ، فجمع مأة سوطٍ وضربه مرةً، لايحنث. قالوا: هذا إذا ضربه ضرباً يتألم به، وأما إذا ضربه ضرباً بحيث لايتألم به، لايبرّ؛ لأنه صورةٌ لامعنىً، والعبرة للمعنى. ولوضربه بسوطٍ واحدٍ له شعبتان خمسين مرةً، كل مرة تقع شعبتان على بدنه برّ في يمينه؛ لأنه صارتا مأة سوط لما وقعت الشعبتان على بدنه في كل مرة.

وإن جمع الأسواط جميعاً وضربه بها ضربةً، إن ضرب بعرض الأسواط، لايبرّ؛ لأن كل الأسواط لم تقع على بدنه وإنما يقع البعض. وإن ضربه برأس الأسواط، ينظر: إن كان قد سوى رؤوس الأسواط قبل الضرب، حتى إذا ضربه ضرباً أصابه، رأس كل سوط برّ في يمينه. أما إذا اندس من الأسواط شئ، لايقع به البرّ، عليه عامة المشائخ، وعليه الفتوىٰ". بحر: ۲۶۳/۴ (۱)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل: ۲۰۹/۴، رشيديه)

قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: "وقال الخفاجي: إنهم شرطوا فيه الإيلام أما مع عدمه بالكلية فلا، فلو ضرب بسوط واحد له شعبتان خمسين مرةً من حلف على ضربه مأة بر إذا تألم، فإن لم =

طلاق دے کر از سرِ نو نکاح کرنے سے قسم باطل نہیں ہوتی، اس لئے کہ زوالِ ملک سے تعلیق باطل نہیں ہوتی۔ شرح وقایہ باب الحلف بالطلاق میں ہے: "وزوال الملك لايبطل اليمين"(۱)۔

اسی طرح بعینہ یہی عبارت متنِ کنز وتنویر وغیرہ میں موجود ہے۔ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ابن نجیم نے لکھا ہے:

"لأنه لم يوجد الشرط، والجزاء باقٍ لبقاء محله، فيبقى اليمين، وسيأتي أن زوال الملك بالثلاث مبطل للتعليق، فكان مراده هنا الزوال بمادون الثلاث بأن طلقها بعد التعليق واحدةً

= يتألم لايبر ولو ضربه مأةً؛ لأن الضرب وضع لفعل مؤلم بالبدن بآلة التأديب .... وذهب الشافعي وأبو حنيفة وزفر رحمهم الله تعالىٰ إلى أن من فعل ذلك، فقد برّ في يمينه". (روح المعاني (سورة صٓ: ۴۴): ۲۰۹/۲۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (سورة ص: ۴۴): ۱۳۹/۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب الحلف بالطلاق: ۱۰۰/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وزوال الملك بعد اليمين لايبطلها؛ لأنه لم يوجد الشرط فبقي، والجزاء باقٍ لبقاء محله، فبقي اليمين". (الهداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق: ۳۸۶/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"والشرط يصح في الملك وفي غير الملك، والجزاء لايصح إلا بالملك أو في أثره أو مضافاً إلى الملك، أو إلى أثره، أو إلى سببه، وهذا لأن الشرط أمر حسي، فصحته تكون بوجوده حساً، وأما الجزاء فأمر شرعي فصحته إنما تكون بالشرائط التي اعتبرها الشرع للصحة، والشرع اعتبر بصحته الجزاء الشرائط التي قلنا تحقيقاً بما هو المقصود من اليمين، وهو تقوّى الحالف على تحصيل الشرط والامتناع عنه؛ لأن الحالف إنما يتقوّى على ذلك خوفاً لزوال الجزاء، والخوف إنما يحصل إذا كان الجزاء غالب النزول عند الشرط، أو متيقن النزول عند الشرط، وعليه النزول عند الشرط لقيام الملك، أو أثره للحال، وتيقن النزول عند الشرط بالإضافة إلى الملك، أو إلى سبب الملك".

(المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل السابع عشر في الأيمان في الطلاق: ۵۳۲/۳، غفاريه)

"وزوال الملك بعد اليمين لايبطل اليمين، والملكُ شرطٌ لوقوع الطلاق". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۶۲/۲، مكتبه غفاريه كوئته)

أو ثنتين فانقضت عدتها، ثم وجد الشرط، طلقت". مجمع الأنهر: ٤/١٩(١)۔

دوسرے عدمِ مصالحت کی شرط نہیں کیا کہ مصالحت سے شرط ختم ہو جائے۔ جس عالم نے یہ مسئلہ شرح وقایہ کے حوالہ سے بتایا ہے، اگر ان سے عبارت نقل کرا کے بھیجی جاتی تو بہتر تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

''اگر اپنی مرضی سے برتن لے گئی تو طلاق'' کا حل

سوال[۶۳۵۵]: زید چار بھائی ہیں، سبھی بھائیوں کا کھانا پینا مشترک ہے، زید اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اوپر کی منزل میں رہتا ہے اور زید کا بھائی نیچے کی منزل میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ایک دن کی بات ہے کہ زید کی بیوی زید کے بھائی کی بیوی سے برتن وغیرہ کے بارے میں جھگڑ گئی، زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ''جو برتن میں تم کو دیدوں وہی برتن نیچے کی منزل میں لے جاسکتی ہو، اگر تم اپنی مرضی سے نیچے کی منزل سے لے گئی تو تم کو طلاق''۔ اس کے بعد فوراً ہی اپنی بیوی اور بچے کو لے کر دوسرے گھر میں منتقل ہو گیا جو پہلے گھر سے کچھ دور ہے۔ اب اگر زید کا باپ چاروں بیٹوں کو علیحدہ کر دے اور مشترکہ تمام برتنوں کو تقسیم کر کے چاروں بیٹوں کو دیدے۔

اب اگر زید کی بیوی کسی ضرورت کے تحت پہلے والے گھر میں آئے اور علیحدہ والے برتن کو اپنی ضرورت کیلئے استعمال کرے تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟ کیونکہ اب تو سبھی بھائی اپنے اپنے برتنوں کے مالک ہو گئے۔ زید نے اپنی بیوی کو اس وقت کہا تھا جب کہ سبھی بھائیوں کا کاروبار، کھانا پینا مشترک تھا، اب سبھی بھائی علیحدہ

---

(١) (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق: ٢/٢٢، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا وجد الشرط، انحلت وانتهت اليمين؛ لأنها غير مقتضية للعموم .... وزوال الملك بعد اليمين لايبطلها؛ لأنه لم يوجد الشرط، فبقي الجزاء باقٍ لبقاء محله، فبقي اليمين، ثم إن وجد الشرط في ملكه، انحلت اليمين، ووقع الطلاق؛ لأنه وجد الشرط والمحلُّ قابلٌ للجزاء فينزل الجزاء ولايبقى اليمين". (الهداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق: ٢/٣٨٦، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل السابع عشر في الأيمان في الطلاق: ٣/٥٣٢، رشيديه)

علیحدہ ہوگئے۔ کیا ایسی حالت میں زید کی بیوی نیچے کی منزل سے اوپر کی منزل میں بغیر زید کے دیئے کوئی بھی برتن لے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر لے کر چلی گئی تو کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟ نیز اگر کسی صورت میں طلاق سے چھٹکارا ممکن ہو تو پھر اور دوسری صورت تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بات بات پر غصہ ہوکر طلاق کے الفاظ زبان پر لانا بہت ہی بُرا ہے، اس سے ہمیشہ احتیاط رکھیں۔ اب ایک صورت تو یہ کہ زید اوپر کی منزل میں نہ رہے، بلکہ نیچے کی منزل میں رہے تاکہ نیچے کی منزل سے اوپر کی منزل میں برتن لے جانے کی بیوی کو نوبت ہی نہ آئے۔ دوسری صورت یہ کہ جو برتن زید نے بیوی کو دیئے ہیں ان برتنوں کے لے جانے کی تو ہر حال میں زید کی طرف سے اجازت ہے، اب جو برتن تقسیم کرکے والد نے دیئے ہیں وہی زید کی بیوی کو دیدے اور عام اجازت دیدے کہ میری طرف سے ہر ہر برتن نیچے کی منزل سے اوپر کی منزل میں لے جانے کی اجازت ہے، پس جو برتن بھی لے جاوے گی وہ میری مرضی سے لے جاؤ گی نہ کہ اپنی مرضی سے۔ اس صورت میں بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "إذا قال لامرأته: أنت طالق إن خرجت من هذه الدار إلا باذني، أوقال: إلابرضائي، أو قال: إلابعلمي، أوقال لها: أنت طالق إن خرجت من هذه الدار بغير إذني، فهماسواء؛ لأن كلمة "إلا" و"غير" للاستثناء، فالجواب فيهما أن بالإذن مرةً لاتنهي اليمين، حتى لوأذن لها بالخروج مرةً، وخرجت، ثم خرجت بعد ذلک بغير إذنه، طلقت .... والحيلة في عدم الحنث أن يقول: أذنتُ لک بالخروج في كل مرة، أو يقول: أذنت لک كلماخرجت، فحينئذ لايحنث". (الفتاوی العالمكيرية: ۱/ ۴۳۹، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق، بكلمة "إن وإذاوغيرهما"، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/ ۷۵۸، ۷۶۰، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى وغيرذالک، مطلب لاتخرج إلاباذني، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۲۹۴، كتاب الأيمان، التاسع في اليمين بالإذن، رشيديه)

”اگر بغیر پڑھے آکر شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے“ کا حل

سوال[۶۳۵۶]: زید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے ملک سے دوسرے ملک کی جانب چلا او رچلتے وقت یہ جملہ بطور شرط کہا کہ ”اگر میں بغیر پڑھے آکر کے شادی کروں تو میری عورت کو طلاق ہے“۔ اب حال یہ ہے کہ تعلیم ہنوز پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچی اور والدین زید کو شادی کے لئے سخت تقاضہ اور مجبور کررہے ہیں کہ آکر کے شادی کرو، زید اب والدین کے خوف سے انکار بھی نہیں کرسکتا۔ اب اس صورت میں زید کی شادی کرنے کی جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا کہ نہیں؟ کہ والدین بھی ناراض نہ ہوں اور طلاق بھی واقع نہ ہو۔

المستفتی: محمد علیم کشمیری، متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/رجب۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جواز کی صورت یہ ہے کہ کوئی فضولی (والدوغیرہ) اس کا نکاح کردے اور یہ اس کی قولاً اجازت نہ دے بلکہ فعلاً اجازت دیدے، مثلاً عورت کے پاس مہر (معجّل) بھیج دے:

”في لايتزوج، فزوجه فضولي، فأجاز بالقول، حنث، وبالفعل: أي لو أجاز بالفعل كإعطاء المهر، لايحنث، هو المختار، وعليه الفتوى، كما في الخانية؛ لأن العقود تختص بالأقوال، فلا يكون فعله عقداً، وإنما يكون رضى، وشرطُ الحنث العقدُ لا الرضى“. مجمع الانهر: ۵۸۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/شعبان۔

صحیح: عبداللطیف۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/۴۱۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين المضافة إلى الملك: ۳/۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة: كل وكلما: ۱/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ۴/۱۱، رشيديه)

باب التفویض

(طلاق کا اختیار دینے کا بیان)

تفویضِ طلاق

سوال[۶۳۵۷]: ایک شخص سنی المذھب حنفی کا نکاح ایک عورت شیعہ مذہب اسماعیلیہ کے ساتھ ہوا اور نکاح نامہ میں اختیارِ طلاق تفویض دیا گیا، اگر عورت اپنی جانب سے بلا رضامندیٔ شوہر بربنائے ناموافقتِ مزاج طلاق طلب کرے اور ازخود بربنائے تفویض اپنے کو مطلقہ تصور کرے تو عورت کو حق حصول ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریرِ تفویض طلاق کے طلب کرنے سے یہ مقصود تھا جن شرائط پر زوجہ کو حقِ طلاق دیا گیا ان کا علم ہو، نیز یہ بھی صاف صاف معلوم ہو جاوے کہ ان شرائط کا تحقق ہوا یا نہیں، تا کہ اس پر وقوعِ طلاق اور طلبِ مہر کا حکم معلوم ہو سکے، اس تحریر سے شرائطِ تفویض کا تو علم ہو گیا، مگر صاف صاف طریقہ سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ جس شرط کی بنا پر زوجہ خود کو مطلقہ تصور کرتی اور حقِ مہر کا مطالبہ کرتی ہے وہ شرط پائی بھی گئی ہے یا نہیں، کیونکہ اس کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ وہ شوہر کی جانب سے متنازعہ ہے، اس لئے وقوعِ طلاق وعدمِ وقوعِ طلاق کا کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

تاہم اتنا ضرور ہے کہ حسبِ تحریرِ فقرہ: ''زوجہ کو فوراً طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ شرطِ تفویض متحقق ہونے پر ہر ایک فریق پنچ مقرر کرے اور یہ پنچ فریقین میں مصالحت کی کوشش کریں اور زوجہ کے پنچ مقرر کرنے کے بعد چھ ماہ تک اگر فریقین میں قابلِ اطمینان مصالحت ظاہر نہ ہو تب زوجہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اس سے قبل اس کو حق نہیں، اگر اس سے پہلے طلاق واقع کر لے گی تو وہ شرعاً غیر

معتبر ہوگی"(۱) شرطِ تفویض محقق ہونے کے بعد اگر حسبِ تفصیلِ بالا زوجہ اپنے اوپر طلاق واقع کرے تو حسبِ تحریر فقرہ زوجہ کو مطالبۂ مہرِ مؤجل کا حق حاصل ہوگا اور زوج کے ذمہ اس کی ادائیگی واجب ہوگی، ورنہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۰/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد الطیف۔

کیا طلاق کی توکیل وتفویض سے شوہر کا حق ختم ہوجاتا ہے؟

سوال[۶۳۵۸]: شمس الدین اپنے خسر سے اس بات کا خوف کرتے ہوئے کہ مجھ سے وہ جبراً اپنی لڑکی کا طلاق لے لیں گے تو شمس الدین نے دو آدمیوں سے کہا کہ "میں اپنی بیوی کی طلاق معاملہ تم کو سپرد کرتا ہوں"۔ کچھ دنوں بعد شمس الدین نے خسر کے ڈر سے کہا کہ "میں بیوی کو ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق دیدیا، اب کوئی حق میرا اس پر نہیں رہا"۔ تو کیا شمس الدین کے اختیار سپرد کرنے کے بعد یہ دی ہوئی طلاقیں واقع ہوں گی؟ مدلل تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا، کیونکہ ہمارے یہاں اس مسئلہ میں عدمِ وقوعِ طلاق کا فتویٰ دیدیا گیا ہے اور اب بدستور میاں بیوی زندگی گزار رہے ہیں۔

---

(۱) بظاہر مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نکاح نامہ میں تفویضِ طلاق چھ ماہ بعد کیساتھ مقید ہے (جو کہ سوال میں مذکور نہیں ہے) کیونکہ اگر چھ ماہ کی قید نہ ہو تو چھ ماہ مصالحت کیلئے انتظار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بظاہر سوال لمبا ہونے کی وجہ سے مختصر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کچھ مفید جملے بھی حذف ہوچکے ہیں: "قال لها: اختاري، أو أمرك بيدك، ينوي تفويض الطلاق......... فلها أن تطلق في مجلس علمها به......... مالم يؤقته......... ولا يبطل المؤقت بالإعراض، بل بمضي الوقت، علمت أولا". (الدرالمختار: ۳/۳۱۵، ۳۲۴، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۹۰، تفويض الطلاق، الفصل الأول في الاختيار، رشيديه)

(۲) "المهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۳، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۳۹۶، باب في ذكر مسائل المهر، فصل في الخلوة الخ، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی دوسرے کواپنی بیوی کی طلاق سونپ دینا اگر مشیت کے ساتھ مقید ہوتو یہ تملیکِ ایقاع ہے، جس سے زوج نفسِ طلاق کی ملک سے خارج ومحروم نہیں ہوجاتا، اور یہ تفویض مجلس کے ساتھ مقید رہتی ہے، بعد مجلس مفوض الیہ کا اختیار ختم ہوجاتا ہے(۱)۔ اگر زوج نے مشیت کے ساتھ مقید نہ کیا ہوتو یہ توکیل ہے اور مؤکل کو عزلِ وکیل کا حق باقی رہتا ہے، نیز توکیل سے مؤکل کا اختیار ختم نہیں ہوتا۔ الغرض صورت مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں رہی، فوراً دونوں کو علیحدہ کردیا جائے اور عورت کو پردہ کرایا جائے:

"أجمعوا على أن قوله لأجنبي: طلّقْ امرأتي توكيلٌ ولايتقيد بالمجلس، فإن قيده بالمشيئة بأن قال له: طلق امرأتي إن شئت، فهذا تمليك عند أئمتنا الثلاثة، اهـ". بدائع: ۱۲۲/۳(۲) ﴿الطلاق مرتان -إلى قوله تعالى- فإن طلقها، فلاتحل له من بعدُ حتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

---

(۱)"إذا قال لها: طلقي نفسك سواء قال: لها إن شئت أو لا، فلها أن تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصةً، وليس له أن يعزلها. وكذا إذا قال لرجل: طلق امرأتي، وقَرَنه بالمشيئة، فهو كذلك، وإن لم يقرنه بالمشيئة، كان توكيلاً، ولم يقتصر على المجلس، ويملك العزل عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۰۲/۱، كتاب الطلاق، الباب الثالث في تفويض الطلاق، الفصل الثالث في المشيئة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵۷۲/۳، كتاب الطلاق، فصل في المشيئة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳۳۲/۳، ۳۳۳، باب الأمر باليد، فصل في المشيئة، سعيد)

(۲)"(بدائع الصنائع: ۲۲۶/۴، كتاب الطلاق، فصل في قوله: طلقي نفسك، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "(سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه) .... =

عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط

سوال[۶۳۵۹]: مرد سے ایک شرط لی گئی کہ ''اگر عورت کسی قسم کا جھگڑا کر کے اپنے باپ کے گھر میں تین ماہ رہے گی اور مرد اس کی خبر گیری نہ کرے تو ایک دو تین طلاق دینے کا اختیار عورت کے اوپر ہے، اس وقت عورت اپنے کو تین طلاق دے کر بالکل آزاد ہو کر اپنے گھر بیٹھی ہے''۔ ایسی صورت میں عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

معرفت: مولوی انوار الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد سے جو شرط لی گئی ہے وہ نکاح سے پہلے لی گئی ہے یا بعد میں، وہ شرط نامہ بھیجئے، اس کو دیکھ کر اس کا حکم تحریر کیا جائے گا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

عورت کو نکاح سے الگ ہونے کا اختیار اسی مجلس تک

سوال[۶۳۶۰]: زید کا نکاح عرصہ چھ/۶ سال ہوا، میاں بیوی کے تعلقات بدستور رہے، لیکن بعد میں زید نے اپنی بیوی کو طرح طرح سے پریشان کیا اور زدوکوب کیا، اس حالت کو دیکھ کر والدین کو بڑی پریشانی ہوئی، انھوں نے لڑکے کو کہا سنا اور بھیجنے سے انکار کر دیا تو لڑکے نے اپنے رہن سہن کے بارے میں کچھ شرائط طے کیں کہ اس کو بھیج دو اگر ان شرائط کو پورا نہ کروں تو تمہاری لڑکی کو میری طرف سے نکاح سے علیحدہ ہونے کا پھر اختیار ہوگا۔ شرائط مذکور یہ ہے:

۱- میں اس کو مار پیٹ نہیں کروں گا۔

۲- مسماۃ کو شرعی پردہ میں رکھوں گا۔

= (وکذا في الهداية: ۲/ ۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الد رالمختار: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۰، باب الرجعة، مطلب في العقد على المبانة، سعيد)

لیکن زید نے نہ تو مسماۃ کو پردہ میں رکھا، نہ ہی مار پیٹ سے اجتناب کیا، بلکہ مسماۃ کو اتنا مارا کہ بعد مالش کے وہ تمام نشانات ختم ہوئے۔ آیا مسماۃ کو زید کے نکاح سے نکلنے کا اختیار شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں جب شوہر نے شرط کے خلاف کیا جب ہی اسی مجلس میں عورت کو نکاح سے علیحدہ ہونے کا اختیار حاصل ہوگیا تھا، اگر وہ مجلس ختم ہوگئی تو اختیار بھی ختم ہوگیا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۳۹۲ھ۔

تعلیقِ تفویض قبلِ نکاح

سوال [۶۳۶۱]: زید نکاح کرتا ہے ہندہ سے ذیل کی شرطوں کے ساتھ اور شرط قاضی کے آفس سے رجسٹر کی ہوئی ہے:

۱- پردہ کے ساتھ رکھے گا، شریعت کے مطابق تمام امور انجام دے کر ہر ماہ آٹھ روپیہ خوراکی دے گا۔

۲- ہندہ کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔

۳- ضرب وشتم نہیں کرے گا۔

۴- ہندہ مہر اور خوراکی کا روپیہ جس وقت طلب کرے گی فوراً ادا کرے گا۔

۵- اگر زید مجنون ہو یا عنین یا کسی دور کے سفر میں غائب ہوجائے، یا مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کرے تو ہندہ طلاق تفویض کے ساتھ نکاح فسخ کرکے دوسرے شوہر سے نکاح کرسکے گی۔

۶- طلاق تفویض کا پورا اختیار دیا ہے، زید تمام شرطوں کے خلاف کرتا ہے۔

---

(۱) "إذا قال لامرأته: اختاري، ينوي بذلك الطلاق، أو قال لها: طلقي نفسك، فلها أن تطلق نفسها مادامت في مجلسها ذلك، وإن تطاول يوماً أو أكثر، فالأمر في يدها مادامت في مجلسها.......... إذا قامت عن مجلسها قبل أن تختار نفسها.......... فهذا كله يبطل خيارها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۸۷/۱، الباب الثالث في تفويض الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۸۵/۳، ۸۶، باب تفويض الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۵۸/۳، ۲۵۹، فصل في قوله: اختاري، دار الكتب العلمية بيروت)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ تفویضِ طلاق دیکرا پنے آپ کو علیحدہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بعد عقدِ نکاح ان شرائط سے تفویضِ طلاق کی ہے یا قبل نکاح، مگران کو نکاح کی طرف منسوب ومضاف کیا ہے تب تو یہ شرائط معتبر ہیں اوران کے خلاف کرنے سے تفویضِ طلاق ہو جائے گی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر قبل عقدان شرائط سے تفویضِ طلاق کی ہے اوران کو نکاح کی طرف منسوب ومضاف نہیں کیا ہے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں، یہ سب شرطیں اور تفویض بے کار ہیں، عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۲/ شوال/۶۱ھ۔

نکاح سے قبل تحریر لکھوانا

سوال [۶۳۶۲]: ۱..... کسی شخص نے اس شرط پر اپنی لڑکی کا نکاح کرادیا کہ'' اگر میری لڑکی کو تکلیف ہوئی یا نان ونفقہ نہ ہو سکا تو طلاق کا اختیار مجھ کو ہے''۔ تو اگر بغیر اس شرط کے پائے گئے شوہر اپنی بیوی کے بھائی سے لڑائی کرتے ہوئے بہ نیت طلاق یہ کہہ دے کہ'' میرا تیری بہن سے کوئی تعلق نہیں'' تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

۲..... نکاح سے قبل کوئی تحریر لکھوالینا کہ مجھ کو طلاق کا اختیار رہے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... شوہر جب اپنی بیوی کے حق میں یہ جملہ [میرا تیری بہن سے کوئی تعلق نہیں] بہ نیتِ طلاق کہہ

(۱)'' والتفويض قبل النكاح، فلا يصح''. (رد المحتار: ۲۴۲/۳، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج، سعيد)

''نكحها على أن أمرها بيدها، صح''. (الدرالمختار). ''(قوله: صح) مقيدٌ بما إذا ابتدأت المرأة، فقالت: زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي، أما لوبدأ الزوج، لا تطلق، ولايعيد الأمر بيدها''. (رد المحتار ۳/۳۷۹، فصل في الأمر باليد قبيل المشيئة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۹۶/۶، كتاب الحيل، الفصل السابع في الطلاق، رشيديه)

دے تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے(۱)۔

۲......اگر نکاح سے قبل یہ تحریر لکھوائی کہ تمہاری بیوی کو طلاق دینے کا مجھ کو اختیار ہے تو یہ تحریر غیر مؤثر ہے، اس تحریر کو نان ونفقہ کی عدمِ ادائیگی پر معلق کیا ہو یا نہ معلق کیا ہو، سب بیکار ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۳۰/۲/۱۳۸۸ھ۔

خلافِ شرائط کرنے پر زوجہ کو حقِ طلاق

سوال[۶۳۶۳]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کے اطمینان کیلئے بموجبِ تحریرِ استفتاء اختیارِ طلاق ہندہ کو تفویض کیا۔تحریر کرنے کے بعد زید نے شرائطِ مسطور کی خلاف ورزی کی ہے یعنی چھ ماہ گزر گیا، اس کے بعد خرچ بھیجا اور بلا رضامندیٔ ہندہ مارچ ۱۹۴۱ء بغایت ۳۰/جنوری/۱۹۴۲ء باہر قیام رکھا۔ ۳۱/جنوری، کو زید کے آنے پر ہندہ نے کہا کہ میں تم سے رضامند نہیں ہوں اور بموجبِ اقرار نامہ میں مطلقہ ہونا چاہتی ہوں، تم بھی اپنی زبانی طلاق دے دو، مگر زید طلاق دینا نہیں چاہتا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بموجبِ تحریر ہندہ کو از روئے شرع حقِ طلاق حاصل ہے اور ہندہ اپنے کو طلاق دے کر عقدِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "لم یبق بینی وبینک عمل، ونوی، یقع، کذا فی العتابیة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۶، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۶۸، فصل فی الکنایات والمدلولات، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۲۲۱، باب الکنایات، نوع آخر فی قوله: لست لی بامرأة، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "إذا تزوج امرأةً علی أنها طالق، جاز النکاح، وبطل الطلاق. وقال أبو اللیث: هذا إذا بدأ الزوج، وقال: تزوجتک علی أنک طالق، وإن ابتدأت المرأة، فقالت: زوجت نفسی منک علی أنی طالق، أو علی أن یکون الأمر بیدی، أطلق نفسی کلما شئت، فقال الزوج: قبلتُ، جاز النکاح، ویقع الطلاق، ویکون الأمر بیدها؛ لأن البداء ة إذا کانت من الزوج، کان الطلاق والتفویض قبل النکاح، فلایصح".

(ردالمحتار: ۳/۲۴۲، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۳۲۹، کتاب النکاح، فصل فی النکاح علی الشرط، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں زوجہ کواختیار تھا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلیتی، کیونکہ شوہر نے اپنے شرط کے خلاف عمل کیا ہے، لیکن یہ اختیار دوشرطوں کے ساتھ مشروط تھا، ایک یہ کہ ''دوماہ برابر نان ونفقہ کیلئے خرچ نہ بھیجوں''، دوسری یہ کہ ''چھ ماہ سے زائد بلا رضامندی کے اپنی بیوی کے پاس نہ آؤں، جاؤں''، لہٰذا جب دوماہ برابر خرچ نہیں بھیجا تو اس وقت زوجہ کوطلاق واقع کرنے کا اختیار تھا، جب اس وقت طلاق واقع نہیں کی تو وہ اختیار ساقط ہوگیا۔

اسی طرح جب چھ ماہ تک بلا رضامندی کے شوہر نہیں آیا بلکہ باہر رہا تو اس وقت اختیار حاصل تھا، جب زوجہ نے اس وقت اپنے اختیار سے کام نہیں لیا تو وہ بھی ساقط ہوگیا، اب اختیار باقی نہیں رہا(۱)، کیونکہ شوہر کی تحریر میں کوئی ایسا عام لفظ نہیں کہ اس نے ہمیشہ کیلئے اختیار دے دیا ہو۔ پس ہندہ کو اپنے اوپر طلاق واقع اور پھر عقدِ ثانی کرنا اس اقرارنامہ کی رو سے درست نہیں، جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے عقدِ ثانی نہیں کرسکتی۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مظاہر علوم، ۱۱/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ربیع الثانی/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۲/ربیع الثانی/۶۱ھ۔

عقد سے قبل طلاق کا اختیار

سوال[۶۳۶۴]: مسمی محمد نورالدین نے مسماۃ مریم بی بی سے اس شرط پر نکاح کیا کہ ''وہ دوسری شادی نہیں کرے گا جب تک مریم بی بی اس کے نکاح میں رہے گی، اور مریم بی بی کسی شکررنجی کی بناء پر اگر اپنے میکہ ۹۰/ یوم رکی رہی اور میں راضی کرکے نہ لاسکوں تو زوجیت میں رہنے کا اختیار ہے، بی بی مریم کے سپرد

(۱) "قال: اختاری الیوم، أو أمرک بیدک هذا الشهر، خیّرت فی بقیتهما. وإن قال: یوماً أو شهراً، فمن ساعة تکلم إلی مثلها من الغد وإلی تمام ثلاثین یوماً .... ولایبطل المؤقت بالإعراض بل بمضی الوقت، علمت أولا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۳۲۲، باب تفویض الطلاق، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۹۰، الفصل الأول فی الاختیار، رشیدیه)

کردیا''۔اب بی بی مریم دعویٰ کرتی ہے کہ وہ ۹۰/ یوم تک اپنے شوہر سے ناراض ہوکر اپنے میکہ میں رکی رہی اور ۹۰/ یوم مکمل ہوتے ہی اپنے نفس پر تین طلاقیں واقع کردیں۔واضح رہے کہ شوہر نے دوسری شادی نہیں کی، اس پر جے نگر مدرسہ کے مفتی صاحب نے وقوعِ طلاق کا فتویٰ دیدیا وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سوال میں ہے کہ''مریم بی بی سے اس شرط پر نکاح کیا''جس کا مطلب یہ ہے کہ شرط پہلے تجویز کی گئی اورنکاح بعد میں ہوا، اگر واقعہ اسی طرح ہے تو یہ شرط بالکل لغواور بے کار ہے (۱)، اگر صاف صاف طلاق کا اختیار عورت کو دیتا تب بھی اس کو اختیارِطلاق حاصل نہ ہوتا،طلاق منجز ہو یا معلق ہو اس کا محل زوجہ ہے قبل نکاح وہ زوجہ ہی نہیں، لہٰذا وہ محلِ طلاق ہی نہیں۔اگر سببِ ملک (نکاح) کی طرف شرط کو مضاف کرتا،مثلاً اس طرح کہا کہ''اگر میں فلاں عورت (مریم بی بی) سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے، یا طلاق کا اختیار ہے''تو یہ تعلیق شرعاً معتبر ہوتی اوراس پر اثر مرتب ہوتا (۲)۔

---

(۱)'' رجل تزوج امرأةً علی أنها طالق، أو علی أن أمرها بیدها، ذکر محمد رحمه الله تعالی فی الجامع أنه یجوزالنکاح، والطلاق باطل، ولایکون الأمربیدها. وذکرفی الفتاوی عن الحسن بن زیاد: إذا تزوج امرأةً علی أنها طالق إلی عشرة أیام، أوعلی أن یکون الأمربیدها بعد عشرة أیام أن النکاح جائزٌ والطلاق باطل، ولاتملک أمرها. وقال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالی: هذا إذا بدأ الزوج فقال: تزوجتُک علی أنک طالق .... لأن البداء ة إذا کانت من الزوج، کان الطلاق والتفویض قبل النکاح، فلایصح''. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، فصل فی النکاح علی الشرط: ۱/ ۳۲۹، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشة والأفیون والبنج: ۳/ ۲۴۲، سعید)

(وکذا فی النهرالفائق، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیماتحل به المطلقة: ۲/ ۴۳۴، رشیدیه)

(۲) ''إذا أضاف الطلاق إلی النکاح، وقع عقیب النکاح، نحو: أن یقول لامرأة: إن تزوجتک فأنت طالق، أوکل امرأة أتزوجها، فهی طالق''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الرابع فی الطلاق بالشرط، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة إن وإذ وغیرهما'': ۱/ ۴۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی النهرالفائق، کتاب الطلاق، باب التعلیق: ۲/ ۳۸۶، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، باب التعلیق: ۳/ ۱۰۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

مگر صورت مسئولہ میں شرط کو نہ ملک (زوجہ) کی طرف منسوب کیا ہے نہ سبب ملک (نکاح) کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اجنبیہ کی طرف منسوب کیا ہے، اس لئے یہ بے اثر ہے۔ جیسے کوئی شخص اجنبیہ سے کہے کہ اگر تو فلاں کام کرے، یا میں فلاں کام کروں تو تجھ کو طلاق ہے اور پھر اس سے نکاح کرے، اس کے بعد اس کام کا صدور ہو جائے تو اس سے طلاق نہیں ہوتی (۱)، اسی طرح صورت مسئولہ کا بھی حال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۱۳۹۰ھ۔

کابین نامہ و تفویضِ طلاق

سوال[۶۳۶۵] : ماقولكم أيها الكملاء من العلماء الحنفيين رحمكم الله إلى يوم الدين، اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو حسبِ دستور دیار مہر معین کر کے دیا، شرائط صداقت نامہ مروجہ دینے کا وعدہ کر کے شادی کی، مگر بعد نکاح صداقت نامہ نہیں دیا۔

ملک بنگالہ میں یہ رواج معروف ہے کہ شادی میں صداقت نامہ یا کابین نامہ دیا کرتے ہیں، اس لئے ہر ایک تھانہ میں دو، سہ قاضی گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں، مگر بعضے بوجہ افلاس اور تہی دستی کے صداقت نامہ رجسٹری کر کے نہیں دیتے، بہر حال بوقتِ نکاح تذکرہ صداقت نامہ مروجہ کا ضرور ہوتا۔ اور صداقت نامہ مروجہ یہ ہے کہ "اگر چھ مہینہ تک بیوی کو خرد و پوش نہ دوں، یا چھ مہینہ بیوی کے پاس شدآمد نہ رکھوں، خبر گیری نہ کروں، یا اگر بلا اجازتِ زوجہ خود شادی دیگر کروں تو اس پر تین طلاق واقع ہوگئی اور بلا اجازت اس کے سفر میں نہیں

---

(۱) " ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكاً أو يضيفه إلى ملك، والإضافة إلى سبب الملك كالتزوج كالأضافة إلى الملك، فإن قال لأجنبية: إن دخلت الدار فأنت طالق، ثم نكحها، فدخلت الدار، لم تطلق". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الرابع في الطلاق بالشرط ونحوه، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة: "إن وإذا وغيرها": ۱/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب التعليق، مسائل تعليق الطلاق بالتزوج: ۱/۵۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الثالث في المتفرقات: ۴/۲۷۵، رشيديه)

جاؤں گا'' وغیرہ شرائط لکھی جاتی ہیں۔

اگر ان شرطوں میں سے کسی شرط کے خلاف واقع ہو تو بی بی مذکورہ کو اختیار ہوگا جب چاہے اپنے نفس پر تین طلاق واقع کر کے بعد عدت دوسرا نکاح بیٹھنے میں شرعاً کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہے گا''۔ یہ دستور ورواج زمانۂ قدیم سے چلی آتی ہے، گویا یہ تعارف ہو گئے۔ اور شخص مذکور نے بعد روزے چند اپنی زوجہ سے فتنہ وفساد کر کے زیورات چھین کر کہا کہ خانہ پدری میں چلی جاؤ، بس وہ عورت یتیمہ مجبور ہو کر خانہ پدری میں جا کر پناہ لی۔

اس کے بعد عرصۂ دراز تک یعنی گیارہ مہینہ تک عورت کو نہ خورد و پوش دیا اور نہ خبر گیر ہوا، عورت نے بارہا طلبِ خورد و پوش کی ہے، نہ انکار کیا اور نہ ہی دیا۔ وہ عورت بیچاری خورد و پوش سے عاجز ہو کر اور مصیبت سے بچنے کے لحاظ سے بابر اور خود مسمی صالح احمد وعم حقیقی مسمی دانہ میاں دیکھے سرپرست آں محلہ مسمی ابراھیم میاں بدر بار قاضی ساتکانیہ رفتہ عدالت کی (واضح رہے اس عورت کا والد بھی وفات پا گیا ہے)۔

پس قاضی صاحب قانونِ شریعت وگورنمنٹ کے اس کے شوہر کو کہا کہ تو دعویٰ زوجہ خود دادہ لے جاؤ، اس نے انکار کیا، پھر کہا کہ تو دو جامعہ جدید دیکر لے جاؤ، اس کو بھی انکار کیا۔ پھر قاضی صاحب نے فرمایا اگر نہیں لے جاؤ گے تو شرعاً وہ مطلقہ ہو جائے گی، اس کو بھی انکار کر کے چلا گیا۔ پس قاضی صاحب نے شرائطِ صداقت نامہ مروجہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو تفویضِ طلاق کا حکم دیدیا، اس عورت نے بحکمِ حاکمِ شریعت مذکورہ شخصوں کے سامنے اپنے نفس پر دو طلاق واقع کی۔

اگر ایسا نہ کیا جائے تو بے کابین نامہ اور بے صداقت نامہ والی عورتیں خورد و پوش سے عاجز ہو کر کسی اجنبی مرد کے ساتھ چلی جاتی ہیں، یا زنا میں مبتلا ہو جاتی ہیں جیسا کہ تجربہ شاھد ہے کہ فی زماننا عوام الناس میں پارسائے فتویٰ اور خوفِ حقوق العباد بہت ہی کم ہے، حالانکہ ضرر حرج اور معصیت سے بچنا واجب ولازم ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ عورت مذکورہ شرعاً مطلقہ ہو گئی یا نہیں اور صداقت وکابین نامہ پر عمل کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب:

نعم وہ زنِ مسطورہ مرقومہ بالا بہ سہ طلاق مطلقہ ہو گئی، چونکہ عرف اور عادات الناس اگر خلافِ شرع نہ ہوں تو اس پر عمل کر کے فتویٰ دینا جائز رکھا ہے اور جو خلافِ شریعت ہو اس پر عمل کرنا ممنوع ہے، فتاویٰ قاضی خان

میں ہے:"إنما ینظر إلی المتعارف؛ لأن الثابت عرفاً کالثابت شرعاً". انتھی(۱)۔

فتاوی مدنی میں مرقوم ہے:"العرف الجاری علی قواعد الشریعة معتبریجب قبوله". انتھی. ص: ٥٣٦(٢)۔

ہدایہ وجوہرہ میں ہے:

"کل مالم ینص علیه، فهومحمول علی عادات الناس". انتھی(۳)۔

اورفتاوی شامی میں مرقوم ہے،ص: ٥٨٨: "جری العرف فی کثیرمن قریٰ د مشق بتقدیر المهر بمقدارمعین لجمیع الناس من أهل القریة بلاتفاوت، فینبغی أن یکون ذٰلك عندالسکوت عنه بمنزلة المذکور المسمی وقت العقد؛ لأن المعروف کالمشروط". انتھی(٤) وفیه أیضاً: ص: ٥٩١: "وفی الخانیة: یعتبرالتفاوت؛ لأن الثابت عرفاً کالثابت شرطاً". انتھی(٥)۔

اورفتاوی خیریہ ص:۵۰ میں ہے:

"وقد أفتی به بعض الناس میلاً إلی ماهو الأرفق بالناس مع کونه خلاف الصحیح". انتھی۔ وفیه أیضاً، ص: ٤٩۔

"فالظاهر أن یتأمل فی الوقائع ویلاحظ الحرج والضرورات، فیفتی بحسبهاجوازاً وفساداً". انتھی(٦)۔

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان، فصل فی حبس الامرأة نفسها بالمهر: ۳۸۵/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها الخ: ۳۱۸/۱، رشیدیه)

(۲) (نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف فی ضمن رسائل ابن عابدین: ۱۳۳/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) (الهدایة، کتاب البیوع، باب الرباء: ۸۲/۳، امدادیه، ملتان)

(۴) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی بیان مهر المثل: ۱۴۰/۳، سعید)

(۵) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۴/۳، سعید)

(٦) (نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف فی ضمن رسائل ابن عابدین: ۱۲۵/۲، ۱۲۸، ۱۳۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

اور عینی شرح ہدایہ میں ہے: "الأحكام تتبدل بتبديل الأزمنة". انتهى (۱)۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "نعم! العرف المروّج معتبرفي الشرع، فلها أن تطلق نفسها لأجل فوت شرط وصول الزوج أو النفقة إليها، وأن تزوج بآخر صوناً لنفسها عن الهلاك والسفاح" (۲)۔

اور وہ شرط کہ "اگر بلا اجازت دوسری بی بی سے شادی کروں تو اس پر تین طلاق واقع ہوں گی الخ" اس شرط پر عمل کر کے فتویٰ دینا نزد احقر جائز نہیں، چونکہ یہ خلافِ نصِ قطعی کے ہے، چنانچہ بداں آیتِ قرآنی صراحۃً

---

(۱) "الأحكام نوعان: نوع لايتغير عن حالة واحدة هو عليها لابحسب الأزمنة ولا الأمكنة ولا اجتهاد الأئمة، كوجوب الواجبات وتحريم المحرمات والحدود المقدرة بالشرع على الجرائم ونحو ذلك، فهذا لايتطرق إليه تغيير ولا اجتهاد يخالف ماوضع عليه.

والنوع الثاني: مايتغير بحسب اقتضاء المصلحة له زماناً ومكاناً ومالاً، كمقادير التعزيرات وأجناسها وصفاتها، فإن الشارع ينوّع فيها بحسب المصلحة". (إغاثة اللهفان، الأحكام الشرعية إما أن تتغير بتغير الزمان والمكان أولا: ۱/۳۳۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وقواعد الفقه، ص: ۲۸۳، ۱۱۳، الصدف پبلشرز)

(وكذا في ردالمحتار، باب الربا: ۱۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة: نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۱۲۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) لم أظفر على هذه العبارة، وقد وجدت بمثلها في الفقه الإسلامي و أدلته بلفظ: "والرجل كما يملك الطلاق بنفسه يملك إنابة غيره فيه، ويجوز تفويض الطلاق للزوجة بالإجماع؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيّر نساءه بين المقام وبين مفارقته، لما نزل قوله تعالىٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها، فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحاً جميلاً﴾ [الأحزاب: ۲۸]، فلو لم يكن لاختيارهن الفرقةَ أثرٌ، لم يكن لتخييرهن معنى". (كتاب الطلاق، المبحث الرابع، التوكيل في الطلاق وتفويضه: ۶۹۳۵/۹، ۶۹۳۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشروط، صورة كتابة هذا النوع في المطلق، القسم الثاني .... القسم الثالث ....: ۲/۲۶۰، ۲۶۱، رشيديه)

ناطق ہے:﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع﴾ الاية(۱)۔

ونیز فتاویٰ عزیزی:۲/۱۳۴،لمولانا شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ شاھد ہے: "أقـــول: تحكيم العادة والعرف أمرٌ مسلّم عند الفقهاء، لكن الكلام في محل تحكيمها، وظاهر أن العادة علی خلاف الشرع، وكذا العرف لاحكم لها، فإن من يعتاد شراب الخمر، فلايحل له قطعاً، وكذا أهل البلاد اعتادوا أمراً يخالف الشرع مثل ترك الصلوٰة وكشف العورة، لايتركون مهملاً، بل يؤمرون بترك تلك العادة". انتهی(۲)۔

اور چونکہ اس عورت نے بحکمِ حاکمِ شریعت برنفسِ خود سہ طلاق واقع کیں، فلہٰذا وہ مطلقہ ہوگئی، چنانچہ درتشریحاتِ بالامرقوم ہے، كمـا يفهم من عبارات فتاوی عالمگیری، ص: ۴۱۷: "ولوجعل أمرها بيدها" انتهی(۳)۔

پس بأدلۂ مرقومہ بالا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت مذکورہ کو بازوجِ ثانی خانہ داری کرنا حسبِ شریعت جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

كتبه المفتقر إلی الله التواب النقوی أبوالحسن المعروف به محمد عبد الوهاب الساتكانوی تجاوزالله عن ذنبه الجلی والخفی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس شخص نے کابین نامہ کا صرف وعدہ کیا کہ کابین نامہ دے دوں گا یعنی تفویضِ طلاق کردوں گا اور اس کے بعد کابین نامہ نہیں دیا اور مروجہ طریقہ کے موافق شرائطِ کابین نامہ پر طلاق زوجہ کو مفوض نہیں کیا تو زوجہ کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوا، حاکم کو بھی اختیار نہیں کہ اس رواج پر عمل کرتے ہوئے مدعیہ کو تفویضِ طلاق کردے، عالمگیری وغیرہ کی جو عبارات نقل کی گئی ہیں وہ بصورت تفویض ہیں

(۱) (سورۃ النساء: ۳/۴)

(۲) (فتاویٰ عزیزی (فارسی)، رد جواب از مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دھلویؒ: ۱۳۲/۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، یوپی)

(۳) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث، الفصل الثانی فی الأمر باليد: ۳۹۰/۱، رشیدیہ)

وعدۂ تفویض پر احکامِ تفویض نافذ کرنا شرعاً صحیح نہیں (۱)۔

طلاق کا مبنیٰ الفاظ پر ہوتا ہے، نہ کہ نیات اور مواعید پر (۲) وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی، وعدۂ تفویض سے تفویض بھی صحیح نہیں ہوتی، البتہ اگر زوج نے بوقتِ نکاح یہ اقرار کیا ہو کہ کابین نامہ مروجہ میں جو شرائط درج ہوتی ہیں اور ان شرائط کے خلاف کرنے پر عورت کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ سب شرائط مجھے منظور ہیں، ان شرائط پر میں نکاح کرتا ہوں تو پھر تفویض متحقق ہوجائے گی۔ جو اقتباس کابین نامہ کا سوال میں درج ہے اگر یہ بعد نکاح پیش کیا جائے اور زوج اقرار کرے تب تو معتبر ہوگا، اگر قبل از نکاح اقرار کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ اضافت الی النکاح نہیں (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/صفر ۶۸ھ۔

الجواب الثاني صحيح: وفي الجواب الأول نظر من وجوه شتى، سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/صفر/ ۶۸ھ۔

---

(۱) "قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق، أو أنا أطلق نفسي، لم يقع؛ لأنه وعدٌ، جوهرة".
(الدر المختار: ۳/۳۱۹، باب تفويض الطلاق، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۸۴، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۲) "وركنه لفظ، هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۸، كتاب الطلاق، الباب الأول، رشيديه)
(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۴۳، كتاب الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "نكحها على أن أمرها بيدها، صح". (الدر المختار). "(قوله: صح) مقيدٌ بما إذا ابتدأت المرأة فقالت: زوجت نفسي منك على أن أمري بيدي، أما لو بدأ الزوج، لاتطلق، ولايعيد الأمر بيدها".
(رد المحتار: ۳/۳۲۹، باب الأمر باليد قبيل فصل في المشيئة، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۶، كتاب الحيل، الفصل السابع في الطلاق، رشيديه)
(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۳۲۹، كتاب النكاح، فصل في النكاح على الشرط، رشيديه)

’’تمہاری خواہش ہوتو طلاق طلاق‘‘ کہنے کا حکم

سوال[۶۳۶۶]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یہ کہہ کر مخاطب کیا: ’’اگر تم چاہتی ہو اور تمہاری خواہش ہوتو میری طرف سے طلاق طلاق‘‘۔ دو مرتبہ کہہ کر خاموش ہوگیا، اور اس کے بعد زید نے رجوع کرلیا، ڈھائی تین ماہ بعد زید نے پھر کسی بات پر یہی کہا کہ ’’اگر تم چاہتی ہو تو تمہاری خواہش پوری کردوں گا، مگر ذرا بچوں کو بڑا ہوجانے دو، جو تم چاہتی ہو پورا کردوں گا‘‘۔ اس پر ہندہ نے جواب دیا کہ ’’خدا مالک ہے‘‘ زید نے کہا کہ ’’میں نے طلاق دی‘‘۔ اس پر ہندہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھی، مگر چونکہ ہندہ دس یوم کی زچہ تھی، اس لئے زید نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اب کیا ہوتا ہے۔

اب زید کا حلفیہ بیان ہے کہ دو مرتبہ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، بلکہ تنبیہا تھی، اسی وجہ سے دونوں مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ’’اگر تم چاہتی ہو اور تمہاری خواہش ہوتو طلاق دی‘‘ کے الفاظ استعمال کئے۔ اسی طرح ہندہ بھی حلفیہ بیان یہی دیتی ہے کہ چونکہ دونوں مرتبہ یہ الفاظ استعمال کئے کہ ’’اگر تم چاہتی ہو اور تمہاری خواہش ہوتو طلاق دی‘‘ کیونکہ مجھے خود اختیار دیا تھا اور میں نے کبھی بھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے طلاق دیدو، اس لئے میں نے ان طلاقوں کو بے معنی سمجھا اور نہ ہی میں نے ان طلاقوں کو منظور کیا۔ زید اور ہندہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار ہیں، اور مذہبی اصولوں کے پابند ہیں۔ کیا ایسی صورت میں طلاق ہوگی کہ نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کونسی رجعی مغلظہ یا بائن؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زید نے پہلی مرتبہ کہا کہ ’’اگر تم چاہتی ہو اور تمہاری خواہش ہوتو میری طرف سے طلاق طلاق‘‘ اور بیوی نے طلاق نہیں چاہی اور خواہش نہیں کی تو کوئی طلاق نہیں ہوئی، جب طلاق ہی نہیں ہوئی تھی تو رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ پھر جب دوبارہ اس قسم کی گفتگو ہوئی تو بیوی نے کہا کہ ’’خدا مالک ہے‘‘ اس کا مطلب زید نے یہی سمجھا کہ بیوی طلاق چاہتی ہے (جیسا کہ زبانی بیان دیا ہے) تو زید نے کہا کہ میں نے طلاق دی‘‘ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی (۱)۔

---

(۱) ’’کأنت طالق ومطلقة وطلقتک، تقع واحدة رجعية‘‘. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۴، الباب الثانی فی إیقاع الطلاق، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه) .... =

پھر جب گھر کے کچھ لوگ گھر کے اندر داخل ہوئے اور زید نے ان کے سامنے کہا کہ ''آپ لوگ گواہ رہیں، میں نے طلاق دی طلاق دی''۔ اس میں نہ بیوی کو خطاب ہے، نہ بیوی کی خواہش پر یہ طلاق معلق کی گئی ہے، بلکہ گواہوں کو مخاطب کر کے بلاتعلیق وشرط کے تین مرتبہ یہ طلاق دی ہے اور کچھ دیر ہوئی اسی مجلس میں بیوی کو طلاق دی ہے۔ اب اسی پر گواہ بنا کر تین طلاق دی ہے، لہذا اس سے طلاق مغلظہ ہوگئی (۱)۔

اس پر جب بیوی آگے بڑھی تو زید نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ''اب کیا ہوتا ہے'' اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ''میں اپنی طرف سے تعلقِ زوجیت بالکل ختم کر چکا، اب کچھ کہنا سننا مناسب بے سود ہے، بیوی سے یہ نہیں کہا کہ ''یہ (تین) طلاق تمہاری خواہش پر موقوف تھی، اگر تمہاری خواہش نہیں تو طلاق نہیں'' بلکہ یہ کہا کہ ''اب کیا ہوتا ہے''۔ جب لفظِ صریح ''طلاق دی'' استعمال کی جائے تو اس میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی (۲) اور یہ طلاق بیوی کے منظور کرنے پر موقوف نہیں رہتی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں میں دوبارہ نکاح کی بھی کوئی صورت نہیں رہی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۱۳۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= (وكذا في رد المحتار: ۳/۲۴۹، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۶۰، الفصل الرابع فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۸، أنواع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "فمالا يستعمل فيها إلا في الطلاق، فهو صريح يقع بلانية". (رد المحتار: ۳/۲۴۷، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸۶، باب إيقاع الطلاق، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً =

شوہر کی زیادتی سے بچاؤ کے لئے کسی تجربہ کار عالم کے مشورہ سے کابین نامہ

سوال[۶۳۶۷]: میں نے اپنی لڑکی کی شادی زید سے کردی تھی، جب لڑکی واپس آئی تو معلوم ہوا کہ اس کو طرح طرح سے تکلیف دی گئی، تقریباً پانچ ماہ تک اس کے ساتھ رہی مگر کوئی تعلقِ ازدواجی قائم نہیں کیا، جب لڑکی گھر آئی تو یہ سب باتیں معلوم ہوئیں اور شوہر کے یہاں جانے سے انکار کردیا، پھر میں نے زید کو خط لکھا، تو وہ اپنی ماں کو لے کر آیا اور کہتا ہے کہ اب اچھی طرح رکھوں گا، لیکن مجھے اعتبار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں فسخ نکاح کی کون سی صورت ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جبکہ شوہر رکھنے اور آباد کرنے کیلئے آمادہ ہے اور گزشتہ کوتاہی کی معافی چاہتا ہے تو بحالت موجودہ نہ اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ تفریق کی جاسکتی ہے(۱)۔ اگر شوہر خلع پر رضامند ہوجائے، یا کسی اور لالچ سے اس کو طلاق دینے پر آمادہ کرلیا جائے (۲)، یا اس کے مکان پر رخصت کرنے کیلئے شرط کرلی جائے کہ اگر زوجہ کے حقوق ادا نہیں کیے (ہمبستری نہ کی) تو زوجہ پر طلاق، یا زوجہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار

= صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وسببه: الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق .... وأما وضعه، فالأصح خطره إلا لحاجة .... لقوله عليه السلام: "إن أبغض المباحات عند الله تعالى الطلاق". (مجمع الأنهر: ۱/۳۸۰، ۳۸۱، كتاب الطلاق، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۳/۴۶۳، ۴۶۴، كتاب الطلاق، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۱۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألايقيماحدود الله، فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما، ليُصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا، جاز الطلاق والخلع". (ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۸۲، كتاب الطلاق، باب الخلع، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے اور وقت کی تحدید کرلی جائے کہ کتنی مدت تک ہمبستری نہ کی تو طلاق ہے۔

غرض کسی تجربہ کار عالم کے سامنے صورت حال رکھ کر اس کے مشورہ سے کاغذ لکھوا کر شوہر کے سامنے پیش کیا جائے، وہ اس کو پڑھ کر سمجھ کر بلا اکراہ اس میں لکھی ہوئی شرط کو منظور کرکے اس پر دستخط کردے تو امید ہے کہ خلاصی کی صورت آسان ہوگی، یا نباہ کی شکل نکل آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

طلاق کا اختیار دوسرے کو دے کر واپس لینا

سوال[۶۳۲۸]: زید نے عمر کو اپنے اختیاراتِ طلاق دے دیئے، مگر اب وہ اپنے حالات سے سرگرداں و پریشان ہوکر اپنے اختیارات کو واپس لینا چاہتا ہے۔

۱- کیا اس کو اختیار ہے کہ اپنے جو اختیارات عمر کو دیئے تھے ان کو اب وہ واپس لے لے؟

۲- اگر ہے تو پھر اس کا کیا طریقہ ہے؟

۳- اگر عمر واپسیٔ اختیارات پر رضامند نہ ہو تو زید کو کیا عمل کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ توکیل ہے، موکل کو اختیار رہتا ہے کہ وہ وکیل کو معزول کردے، اس سے اس کے اختیارات ختم ہوجائیں گے، اس کیلئے وکیل کی رضامندی ضروری نہیں، زید جب عمر سے کہہ دیگا کہ میں نے آپ کو وکالت سے معزول کردیا، اب آپ کو اختیار نہیں کہ میری بیوی کو طلاق دیں تو عمر کا اختیار ختم ہوجائے گا، پھر اگر عمر طلاق دے تو زید کی بیوی پر واقع نہ ہوگی:

"لایملك الزوج الرجوع عن التفویض، سواء کان بلفظ التخییر أو بالأمر بالید أو طلقي

---

(۱) "قال لها: اختاري، أو أمرك بیدك، ینوي تفویض الطلاق.......... فلها أن تطلق في مجلس علمها به.......... مالم یوقته .... ولا یبطل المؤقت بالإعراض بل بمضي الوقت، علمت أو لا".

(الدر المختار: ۳/۳۱۵، ۳۲۴، باب تفویض الطلاق، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۹۰، تفویض الطلاق، الفصل الأول في الاختیار، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۰۷، ۴۰۸، باب التفویض، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

نفسك .... بناء على أن الوكيل مَن يعمل لغيره، وهذه عاملة لنفسها، حتى لو فوّض إليها طلاق ضرّتها أو فوّض أجنبي لها طلاق زوجته، كان توكيلاً، فملك الرجوع منه لكونها عاملةً لغيرها، ولايقتصر على المجلس، اهـ". بحر: ۲/۳۲۷(۱)۔ والبسط في البدائع: ۳/۲۱۳(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/۴/۹۰ھ۔

گھر داماد رکھنے کی شرط

سوال[۶۳۲۹]: مسمی عیسیٰ کا اپنے خسر مسمی غلام الدین سے نکاح سے پہلے یہ معاہدہ ہوا کہ:"وہ تمام عمر گھر داماد رہے گا اور تحریر لکھی گئی اور اگر عیسیٰ نافرمانی کرکے بھاگ جائے گا تو اس کی منکوحہ طلاقِ شرعی سے حرام ہوجائے گی"۔ یہ معاہدہ نکاح سے پہلے تحریر کیا گیا، بعدہ نکاح ہوا، کچھ عرصہ گزرا تھا کہ غلام دین نے جھگڑا کرکے عیسیٰ کو نکال دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ عیسیٰ کی زوجہ طلاق سے حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو تحریر بطورِ معاہدہ نکاح سے پہلے لکھی گئی اس کے خلاف اگر قصداً بھی کرے تب بھی اس تحریر کی رو سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۴/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (البحرالرائق: ۳/۵۶۸، كتاب الطلاق، فصل في المشيئة، رشيديه)

(۲) " وأجمعوا على أن قوله لأجنبي: طلق امرأتي توكيلٌ، ولايتقيد بالمجلس، وهوفصل التوكيل .... بخلاف الأجنبي؛ لأن ثمة الرأى والتدبير للزوج والاختيار له، فكان إضافة الأمر إليه توكيلاً لاتمليكاً .... والمتصرف عن توكيل هوالذى يتصرف لغيره، والمرأة عاملة لنفسها؛ لأنها بالتطليق ترفع قيد الغيرعن نفسها وكانت متصرفةً عن ملك، فأما الأجنبي فإنه عامل لغيره لالنفسه؛ لأن منفعة عمله عائدة إلى غيره، فكان متصرفاً عن توكيل وأمر لا عن ملك". (بدائع الصنائع: ۴/۲۶۲، فصل في قوله: طلقي نفسك، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۹۸، كتاب الطلاق، فصل في المشيئة، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳)" وشرطه الملك كقوله لمنكوحته: إن ذهبت فأنت طالق، أو الإضافة إليه كإن نكحتك فأنت طالق، =

عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط

سوال [۶۳۷۰]: مرد سے ایک شرط لی گئی کہ "اگر عورت کسی قسم کا جھگڑا کر کے اپنے باپ کے گھر میں تین ماہ رہے گی اور مرد اس کی خبر گیری نہ کرے تو ایک دو تین طلاق دینے کا اختیار عورت کے اوپر ہے"۔ اس وقت عورت نے اپنے کو تین طلاق دے کر بالکل آزاد ہو کر اپنے گھر بیٹھی ہے۔ ایسی صورت میں عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

معرفت: مولوی انوار الحق۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۲...... مرد سے جو شرط لی گئی ہے وہ نکاح سے پہلے لی گئی ہے، یا بعد میں، شرط نامہ بھیجے، اس کو دیکھ کر اس کا حکم تحریر کیا جائے گا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

= فلغا قوله لأجنبية: إن زرت زيداً فأنت طالق". (الدر المختار: ۳/۳۴۴، ۳۴۵، باب التعليق، سعيد)

"والثاني: تعليق التفويض بالشرط، وأنه أقسام .... القسم الثاني: تعليق التفويض بترك نقد المعجل إلى وقتٍ كذا، صورة كتابة هذا القسم: جعل أمرها بيدها في تطليقة واحدة بائنة مطلقاً بشرط أنه إذا مضى شهرٌ أوّله وكذا، آخره كذا، ولم يؤد إليهاجميع ماقبل تعجيله لها من صداقها، وهو كذا، فإنها تطلق نفسها بعد ذلك متى شاءت أبداً، وفوّض الأمر في ذلك إليها، وأنها قبلت منه هذا الأمر في مجلس التفويض. القسم الثالث: تعليق التفويض بشرط قماره أو بشربه الخمر أوضربه ضرباً موجعاً يظهر أثرُه على بدنها، وصورة كتابته على نحو ما بيّنا". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۲۱، كتاب الشروط، الفصل الثالث، رشيديه)

"نكحهاعلى أن أمرهابيدها، صح". (الدرالمختار). "(قوله: صح) مقيدٌ بما إذا ابتدأت المرأة فقالت: زوّجت نفسي منك على أن أمري بيدي، أما لوبدأ الزوج، لاتطلق، ولايعيد الأ مربيدها".

(ردالمحتار: ۳/۳۲۹، باب الأمر باليد، سعيد)

لڑکی کی خواہش پر طلاق

سوال [۶۳۷۱]: زید سے کئی لوگوں نے کہا اگر لڑکی کو رکھنے کی نیت نہیں ہے تو طلاق دے دو اور زید سے یہ بھی کہتے ہوئے سنا گیا ہے اور زید کہتا بھی ہے کہ ''اگر لڑکی چاہے تو طلاق دے سکتا ہوں''۔ لیکن اگر لڑکی طلاق کے لئے رضامند نہیں ہے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پھر طلاق کا مطالبہ کیوں کیا جائے، لڑکی کو رخصت کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲۳/۲/۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الفسخ والتفریق

(فسخ اور تفریقِ نکاح کا بیان)

قانونی فسخِ نکاح

سوال[۶۳۷۲]: ۱......حال میں (جدید قانونی) ایکٹ ۱۹۳۹ء منسوخی یا تنسیخِ نکاح کا ہندوستان کے لئے گورنمنٹ سے باقاعدہ پاس ہورہا ہے اور جس کا نفاذ ہوکر عدالت ہائے دیوانی میں مقدمات منجانب منکوحہ دائر ہوکر عمل درآمد ہورہا ہے، جناب والا کو اس قانون کا ضرور علم ہوگا۔

۲......کیا یہ قانون فسخِ نکاح، شوہر کی شکایت، سخت برتاؤ- تفصیلِ مندرجہ قانون جو عورت کی طرف سے بصورتِ دعویٰ- ہوں ثابت ہونے پر عدالت سے عورت نکاح فسخ کرالے شرعاً درست اور صحیح ہے؟

۳......کیا یہ قانون شرع کے لحاظ سے درست بنایا گیا ہے؟

۴......کیا شرعاً عورت کی طرف سے بھی اس کی خواہش پر ناخوش گواریٔ تعلقات ہونے پر خلع (فسخِ نکاح) ہوسکتا ہے؟ جب کہ مسلم ریاست ہائے یا دیگر ممالک مسلم حکومت میں پہلے سے عمل درآمد جاری ہے۔

۵......کیا دورانِ مقدمہ فسخِ نکاح فریقین: مدعیہ اور مدعیٰ علیہ دونوں آپس میں بصورتِ تصفیۂ باہمی صلح نامہ ایک تحریر باضابطہ پر تمام نزاعات کو طے کرکے نکاح فسخ بجائے فیصلۂ عدالت کے خود بھی کرسکتے ہیں؟ اور اس یکجائی تحریرِ تصفیہ کو عدالت میں داخل کرکے تصدیق کرکے مقدمہ ختم کردیں۔

۶......کیا طلاق مرد کی طرف سے عورت کو ہوتی ہے تو وہ تحریری ہونی چاہئے یا زبانی؟ دو آدمیوں کے سامنے عورت کا اس وقت موجود ہونا لازم ہے یا نہیں، یا دونوں میں سے ایک حالت میں ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......دیر ہوئی اس کا مسودہ دیکھا تھا۔

۲......تفصیل مندرجہ قانون تو محفوظ نہیں، اگر عدمِ ادائے حقوق، یا ناجائز سخت برتاؤ سے تنگ آکر شوہر کی شکایت کرے اور حاکم مسلم با اختیار واقعات کی با قاعدہ تحقیق کرکے عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہونے پر (جب کہ شوہر باوجود فہمائشِ حاکم ادائے حقوق اور موافق شرع برتاؤ، یا طلاق کے لئے تیار نہ ہو) فسخِ نکاح کردے تو شرعاً یہ فسخِ نکاح صحیح اور درست ہے(۱)۔

۳......چوں کہ اس کی تفصیل محفوظ نہیں، نہ اس وقت اس کی کوئی کاپی موجود ہے، اس لئے اگر آپ کے پاس اس کی کوئی کاپی ہو تو بھیج دیجئے تا کہ اس کے متعلق تفصیلی جواب دیا جاسکے۔

۴......اس کا جواب نمبر:۲ میں گذر چکا۔

۵......اگر شوہر اور بیوی آپس میں خلع کرلیں تو صحیح ہے(۲)، حکمِ حاکم کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ خود طے نہ کرسکیں۔

۶......طلاق زبانی بھی واقع ہوجاتی ہے خواہ کسی کے سامنے دے، یا تنہائی میں زبانی کہے بلند آواز سے، یا اس قدر آہستہ سے کہ صرف خود سن سکے عورت موجود ہو یا نہ ہو(۳)۔طلاق تحریر سے بھی واقع ہوجاتی ہے

---

(۱) "زوجۂ متعنت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے (شوہر) خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے"۔(حیلۂ ناجزہ، ص:۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ)

(۲) "إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فى الخلع، الفصل الأول فى شرائط الخلع، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۳) "وركنه لفظ مخصوص هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية .... ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ...... أو هازلاً أو سكران ...... أو مخطئاً بأن أراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق، أو تلفظ به غير عالم بمعناه، أو غافلاً أو ساهياً". (رد المحتار: ۳/۲۳۰، ۲۴۱، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

بشرطیکہ اس تحریر کا اقرار کرے، یا اس پر کم از کم دو عادل گواہ موجود ہوں (۱) اور وہ تحریر کسی نے جبر واکراہ سے نہ لکھوائی ہو (۲)۔ زبانی طلاق کے لئے یہ بھی شرط نہیں، اگر کسی نے جبر واکراہ سے طلاق دلوائی ہے تو بھی واقع ہوجائے گی، اسی طرح اگر ہنسی مذاق میں طلاق دی ہے تب بھی واقع ہوجائے گی (۳)۔ اگر طلاق کے بعد انکار کردے تو عدالت میں ثبوت کے لئے تحریر یا گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، نفسِ وقوعِ طلاق کے لئے تحریر یا گواہوں کی ضرورت نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۵۸ھ۔

تفریقِ عدالت سے نکاح کا اختیار

الاستفتاء[۲۳۷۳] : اگر عدالت نے عورت کو طلاق دی، یا لکھا تو عورت اس حکم کی وجہ سے دوسری

---

(۱) "ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج، وختمه، وعنونه، وبعث به إليها، فأتاها، وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه". (رد المحتار: ۳/۲۴۶، ۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۲) "رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالقٌ، لا تطلق امرأته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۴۷۲، فصل في الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(۳) "يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً، سواء كان حراً أو عبداً، طائعاً أو مكرهاً .... وطلاق اللاعب والهازل به واقعٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، الباب الأول في تفسيره وركنه الخ، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۲۳۵، ۲۳۸، كتاب الطلاق، سعيد)

(۴) "(هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي) .... (و) نصابها (لغيرها) من الحقوق، سواء كان مالاً أو غيره كنكاح وطلاق .... رجلان أو رجل و امرأتان، الخ". (الدرالمختار: ۵/۴۶۱، ۴۶۵، كتاب الشهادات، سعيد)

جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زوجہ کا بیان لے کر اور اس کی پوری شکایات کی تحقیق کر کے شوہر کو حاضرِ عدالت کیا اور اسباب مبیحہ فسخ نکاح کی بناء پر شوہر سے کہا کہ ان کا ازالہ کر کے شریفانہ طریق پر زوجہ کو آباد کرو، اگر نہیں کر سکتے تو طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس پر شوہر نے دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار نہ کی تو حاکم مسلم بااختیار نے تفریق کردی تو شرعاً یہ تفریق معتبر ہوگی اور عورت کو نکاح ثانی کا اختیار حسبِ قواعدِ شرعیہ حاصل ہوگا (۱)۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کی گئی ہو تو اس کی تفصیل لکھ کر دریافت کرلیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

محض عورت کی خواہش پر تفریقِ عدالت کا حکم

سوال [۶۳۷۴]: ۱...... میں نے یہاں لندن میں ایک مسلمان لڑکی کے ساتھ یہاں کے قانون کے مطابق سول میرج کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے یہاں کی کورٹ میں تین مسلمانوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں اس لڑکی کو اپنی بیوی بناتا ہوں اور اسے اپنی بیوی کی طرح قبول کرتا ہوں، اس طرح میری بیوی نے بھی اس مجلس میں یہ اقرار کیا کہ وہ مجھے بحیثیتِ شوہر قبول کرتی ہے، مگر اب تک ہمارا اسلامی نکاح نہیں ہوا ہے۔ تو آیا نکاح ہمارا یہ ہوگیا یا نہیں؟

۲...... اگر یہ نکاح ہوگیا ہے تو اگر کسی وجہ سے یہاں کا قانون صرف بیوی کی بات سن کر علیحدگی کرادے (بیوی اپنی خواہش سے علیحدگی چاہے) تو کیا یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں، جبکہ یہاں کے کورٹ تمام وکیل اور جج غیر مسلم ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسلم گواہوں کے سامنے اس طرح کہنے سے شرعی نکاح ہوگیا (۲)۔

---

(۱) (راجع الحیلة الناجزة، ص: ۷۳، ۷۴ حکم زوجة متعنت فی النفقة، دار الإشاعت کراچی)

(۲) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... وشرط حضور شاهدین حرین = •

۲..... محض لڑکی کی خواہش پر کورٹ علیحدگی کردے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ بدستور آپ کی بیوی رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ

سوال [۵۳۷۵]: ہم لوگ بنگال کے رہنے والے ہیں، بہار و بنگال کے بارڈر پر ہیں اور یہاں پر امارتِ شرعیہ مدت سے قائم ہے، ہندہ- جس کا شوہر بھی بنگال ہی کا ہے- امارتِ شرعیہ بہار میں اپنے شوہر کے خلاف کیس دائر کردیا اور دارالقضاء میں دونوں کو طلب کیا گیا، دارالقضاء سے فسخِ نکاح کا فیصلہ ہوا، عدت گذرنے کے بعد مسماۃ کا دوسرے مرد سے نکاح کردیا گیا۔ اب اطراف اور بستی کے لوگ اس نکاح ثانی پر شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ بلا طلاقِ شوہر اول کے دوسری جگہ نکاح کیوں کیا گیا۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ بنگال والوں کے لئے نافذ ہوگیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اسباب فسخ (تعنت وغیرہ) متحقق ہونے پر قواعدِ شرعیہ کے تحت فسخِ نکاح کیا گیا ہے تو یہ فسخ معتبر ہے اور بعد عدت نکاحِ ثانی درست ہے (۲)، یا جب دارالقضاء سے دونوں کی طلبی ہوئی اور دونوں نے اپنا بیان دیا تو

= مكلفين سامعين". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، ۳۰۶، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس قال: أتى النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- رجل فقال: يارسول! إن سيدى زوجني أمته، وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال: فصعد رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- المنبر، فقال: "يا أيها الناس! مابال أحدكم يزوج عبده أمته ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق".

(سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد: ۱/ ۱۵۱، قديمي)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس =

دونوں نے اسی کے فیصلہ پر بھی رضامندی دیدی تو اب شبہ کی کیا بات ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۷ھ۔

اِمارتِ شرعیہ بہار کے بجائے شرعی کمیٹی سے فیصلہ کروانا

سوال[۶۳۷۶]: ۹۳/۲/۵ھ کو ایک استفتاء کے جواب میں آپ نے لکھا کہ ''عدالتِ شرعیہ قائم کردہ امارتِ شرعیہ بہار میں اگر فیصلہ اتنی تاخیر سے ہو کہ اس کے انتظار میں مفاسد ہوں تو ثبوت پیش کر کے دوسری شرعی کمیٹی کے ذریعہ سے (ایک دو سال میں) تفریق کرائی جاسکتی ہے''۔

خط کشیدہ عبارت کے پیشِ نظر سوال ہے کہ اگر یہ دونوں شرط مفقود ہوں یعنی نہ اتنی تاخیر ہو اور نہ مفاسد کا خطرہ ہو، یا تاخیر تو ہو مگر مفاسد کا خطرہ نہ ہو تو شرعی کمیٹی یا پنچایت اس طرح کے مقصد کا فیصلہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا فیصلہ شرعاً نافذ ہو سکے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ امارتِ شرعیہ بہار میں اس کا نظم ہے اور مقدمات فیصل ہوتے ہیں، ان حضرات کو اس کا تجربہ اور بصیرت ہے، نیز حکومت میں بھی ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس لئے وہاں کا مشورہ دیا جاتا ہے، ورنہ جو بھی شرعی پنچایت ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے مطابق بنائی جائے اور وہ پوری شرائط کے ساتھ فیصلہ کردے تو وہ معتبر اور نافذ ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا اَمارتِ شرعیہ کا فیصلہ قضائے قاضی ہے؟

سوال[۶۳۷۷]: ا.....صوبہ بہار میں اِمارتِ شرعیہ قائم ہے اور امارتِ شرعیہ کے زیرِ نگرانی مختلف ضلع میں مختلف سب ڈویژن میں دارالقضاء قائم ہے اور قاضی مقرر ہے، ان عدالتوں میں فسخ نکاح وغیرہ کے

= کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے''۔(حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت، کراچی)

مقدمات دائر ہوتے ہیں اور قاضی دارالقضاء مدعی اور مدعیٰ علیہ کے بظاہر بیان ثبوت وشواہد سماعت فرما کر مقدمہ کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں دارالقضاء کے حلقہ کے لوگوں کے لئے جائز ہے کہ دارالقضاء (جو عدالتِ شرعیہ ہے) سے روگردانی کرکے مسلم پنچایت بنا کر اپنے مقدمہ کی سماعت کراوے اور فیصلہ حاصل کرے جبکہ مسلمان آج کل دَورِ تشتت وانتشار سے گذر رہے ہیں؟

۲...... بہار کی امارت شرعیہ کی کیا حیثیت ہے، امارتِ شرعیہ کی قائم کردہ عدالت یعنی دارالقضاء شرعی عدالت ہے یا نہیں؟

۳...... آپ کے یہاں سے فتویٰ نمبر ۳۸۵ مجریہ ۲/۵/۸۷ھ موصول ہوا جس کے سوال میں یہ درج تھا کہ مدعیہ کے مکان سے دارالقضاء دوسو قدم کے فاصلہ پر ہے، وہاں مدعیہ کا مقدمہ دارالقضاء سے خارج ہونے پر مدعیہ کے سرپرست نے ایک مسلم پنچایت وجود میں لاکر رجوع کیا اور آپ کے یہاں سے فتویٰ طلب کیا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ پنچایت جو کہ دارالقضاء سے بالکل قریب ہے ایسی پنچایت کو شرعی حیثیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امارتِ شرعیہ کا نظام نہایت بہتر نظام ہے، بہت سے شرعی اور معاشرتی مصالح کا حامل ہے، بے شمار مفاسد سے بچانے والا ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ بلا وجہِ شرعی اس سے روگردانی نہ کریں، بلکہ وہیں اپنے مقدمات کا فیصلہ کرالیا کریں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ نظام ان اطراف کے اہلِ دانش اور سربرآوردہ اہلِ علم حضرات نے بہت غور وخوض کے بعد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں قائم کیا ہے اور اس سے بہت فائدہ پہونچا اور آئندہ کو مزید توقعات ہیں، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ نظام حکومتِ سابقہ یا موجودہ نے قائم نہیں کیا، نہ باضابطہ امارتِ شرعیہ کو دیوانی فوجداری مقدمات کے فیصلہ کرنے اور سزائیں دینے کا قانوناً اختیار دیا ہے، یہ اَور بات ہے کہ اس کے فیصلہ پر حکومت دارو گیر نہیں کرتی (اس کی مصلحت جو بھی کچھ ہو)، نہ ہی اس کے نظام کو خوداتنی قدرت وشوکت حاصل ہے کہ ہر قسم کے فیصلوں کو نافذ کر سکے۔

اس لئے یہ امارتِ شرعیہ علی الاطلاق حکومتِ شرعیہ کی حیثیت میں نہیں ہے، نہ امیر شریعت علی الاطلاق امیر المؤمنین اور امام المسلمین کے حکم میں ہے، نہ دارالقضاء وہ شرعی دارالقضاء ہے کہ اس کے فیصلہ کو قاضیٔ شرعی

اپنی شوکت کے ذریعہ لازم ونافذ کر سکے، اس لئے عام پبلک کو ترغیب تو دی جائے گی اور مصالح کی تفہیم بھی کی جائے گی، مگر ان کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقدمات طوعاً وکرہاً امارتِ شرعیہ ہی میں لائیں اور امارتِ شرعیہ کے علاوہ کسی فرد یا جماعت کو حکم نہ بنائیں۔

فتویٰ نمبر: ۳۸۵ مورخہ ۲/۴/ ۸۷ھ میں روگردانی مذکور نہیں، بلکہ اس میں تصریح ہے کہ ابتداءً یہ مقدمہ امارتِ شرعیہ ہی میں دائر کیا گیا اور امارتِ شرعیہ کے قاضی صاحب سے مدعیہ کو سوئے ظن بھی ہوا، جیسا کہ سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، دورانِ مقدمہ میں قاضی صاحب کا طرزِ عمل جانبدارانہ مدعیٰ علیہ پایا گیا، پھر مدعیہ نے حاضری عدالت سے اپنی مجبوری ظاہر کر کے یہ درخواست کی کہ میرے مکان پر بیان لیا جائے، اس کے بعد عدم حاضری کی بناء پر دار القضاء سے مقدمہ خارج کر دیا گیا، یہ تفصیل خود بتلا رہی ہے کہ امارت شرعیہ کے دار القضاء سے روگردانی اور اس کو نظر انداز کر کے دوسری پنچایت نہیں بنائی گئی، نیز سوال میں دوسو قدم کے فاصلہ کا ذکر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین۔

عدالتی طلاق

سوال [۶۳۷۸]: ایک لڑکی کا نکاح سوتیلی پھوپھی کے لڑکے کے ساتھ ہوا، اس کی پھوپھی مخالف تھی۔ ایک پلیٹ پیتل کا تھا جو لڑکے کو ساس نے دیا تھا جو کہ پھوپھی چرالائی، کیونکہ دلوں میں زق تھا۔ یہاں سے جھگڑا شروع ہوگیا۔ لڑکی قریب پانچ ماہ تک آتی جاتی رہی، جھگڑا چلتا رہا۔ لڑکی جب بیمار ہوئی تو اپنی ماں کے گھر چلی آئی، قریب چھ ماہ تک بیمار رہی۔ لڑکا اور کوئی متعلقین میں سے دیکھنے تک نہیں آئے، پھر بھی لڑکی کے والد نے عید کو ان کو بلوایا، انہوں نے سخت لہجہ میں جواب دیا: ''ہم نہیں آئیں گے، اب بدلہ لینے کا وقت آیا ہے، اب بتائیں گے''۔ پھر بھی لڑکی والوں نے کچھ لوگوں کو بغرضِ صلاح بھیجا، لیکن لڑکے والوں نے صاف انکار کر دیا۔ تو پھر لڑکی نے لوگوں سے کہلوایا کہ میں طلاق چاہتی ہوں، لڑکے نے جواب دیا کہ ہم طلاق نہیں دیتے اور نہ لینے جائیں گے، زندگی بھر یوں ہی رکھیں گے۔

ان حالات میں لڑکی نے مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا بغرضِ طلاق، عدالتی طلاق ہوگئی۔ اب لڑکی اپنا

نکاح کرنا چاہتی ہے اور لڑکا دوسرا نکاح کرنے والا ہے۔ جب فیصلہ عدالتی لڑکی کے حق میں ہو گیا تو فرضی طور پر کہتا ہے کہ میں رکھوں گا، اور لڑکی کسی قیمت پر جانے کو تیار نہیں اور کہتی ہے کہ مر جاؤں گی مگر وہاں نہیں جاؤں گی، کیونکہ لڑکے کے اور گھر والے کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ عدالت جو فیصلہ دیتی ہے وہ مسلم پرسنل لاء کے مطابق دیتی ہے، لڑکی شریعت کے مطابق فیصلہ چاہتی ہے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ مسئلہ کے مطابق جواب عنایت فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی کی درخواست پر عدالت نے شوہر کو بلوا کر اس سے طلاق دلوادی اور شوہر نے اپنی زبان سے طلاق دے دی تو شرعاً طلاق واقع ہو گئی، عدت گذر جانے پر لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہے۔

اگر شوہر کو بلوا کر اس سے طلاق نہیں دلوائی، بلکہ لڑکی کی درخواست پر خود فعل مختاری کی اجازت دے دی جیسا کہ آج کل بکثرت ہوتا ہے تو اس سے شرعی طلاق نہیں ہوئی، لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں (۱)۔

بہتر تو یہ ہے کہ پہلی بات کو ختم کر کے باہمی مصالحت اور میل جول کر لیا جائے۔ اگر لڑکی کسی طرح بھی شوہر کے یہاں جانا نہیں چاہتی تو شوہر سے خوشامد کر کے مہر معاف کر کے کچھ اور لالچ دے کر غرض عورت کسی بھی طرح طلاق حاصل کر لے، یا شرعی پنچایت کے ذریعہ اپنا معاملہ صاف کرا لے۔ اگر شرعی پنچایت الحیلة الناجزہ کو سامنے رکھ کر اس کے لکھے ہوئے طریقے پر تفریق کر دے گی تو وہ تفریق بھی معتبر ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) ''صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش کرے وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں''۔ (حیلہ ناجزہ، حکم زوجہ متعنت، تفریق کی صورت اور اس کے شرائط، ص: ۷۳، ۷۴، دار الاشاعت، کراچی)

ظالم زوج سے چھٹکارہ بذریعۂ پنچایت

الاستفتاء[۶۳۷۹]: مسماۃ بتول بی کا نکاح محمد شفیع سے ہوا جس کو عرصہ تین برس گزرا، مگر محمد شفیع ڈاکو نکلا اور اس نے اپنے خسر محبوب علی کے گھر ڈاکہ ڈالا، جب مسماۃ بتول کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ یہ اشیاء میرے باپ کی ہیں، اس پر محمد شفیع نے بہت مارا اور بتول کو کوڑی میں دبا دیا، اتفاق سے بتول زندہ تھی اور بچ گئی۔ اب محمد شفیع محبوب علی اور اس کی لڑکی (بتول) کو جان سے مارنے کے درپے ہے۔ اس صورت میں پنچایت سے فسخ نکاح مسماۃ کا مطالبہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحریر کردہ واقعہ اسی طرح ہے تو یہ محمد شفیع کا بہت بڑا ظلم ہے، اب جس طرح بھی ہو سمجھا کر خوشامد کرکے لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کرلی جائے، یا خلع کرلیا جائے، اس طرح کہ بیوی مہر معاف کردے اور شوہر اپنے حقوقِ زوجیت ختم کردے (۱)۔ اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہو تو عدالت مسلم یا اس کی عدم موجودگی میں جماعتِ مسلمین (پنچایت) جس میں کم ازکم ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شریک ہو اس کے سامنے مقدمہ پیش کرکے شوہر کے مظالم ثابت کئے جائیں وہ بعد تحقیق واقعات شوہر سے عہد و پیمان لے کہ وہ آئندہ زوجہ پر ظلم نہیں کرے گا، اگر ظلم کرے تو زوجہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به". (الهدایة: ۴۰۴/۲، کتاب الطلاق، باب الخلع، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۸۸/۱، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۴۴۱/۳، باب الخلع، سعید)

(۲) "إن غبتُ عنک ستة أشهر ولم تصل بک نفسی ونفقتی فی هذه المدة، فأمر طلاقک بیدک، ثم غاب عنها ولم تصل إلیها نفسه ووصلت نفقته، کان الأمر بیدها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۹/۱، الباب الثالث فی تفویض الطلاق، الفصل الثانی فی الأمر بالید، رشیدیه)

اوراس عہد وپیمان پرشوہر سے کچھ ضمانت بھی لے اور زوجہ کواس کے حوالہ کردیا جائے، اگر شوہر عہدو پیمان نہ کرے تو اس سے طلاق دلوادی جائے۔ اگر شوہر نہ عہدو پیمان کرے، نہ طلاق دے تو تفریق کردی جائے (۱)۔ اس کے بعد عدت تین حیض گذار کر زوجہ (مسماۃ بتول بی) کو دوسری جگہ عقد کرنے کا حق حاصل ہوگا (۲) اور زوج محمد شفیع کو کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا بیوی کو بذریعۂ عدالت طلاق لینے کا حق ہے؟

سوال [۶۳۸۰]: بکر کی شادی باکرہ کے ساتھ ہوئی، باکرہ کے والدین نے جہاں شاندار جہیز دیا وہاں پر بکر کے اوپر سترہ ہزار روپیہ کا مہر مؤجل بھی لادیا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں میں بوجہ غیر شرعی کشیدگی پیدا ہوگئی، اور کشیدگی نے عداوت کا اور عداوت نے مقام عدالت حاصل کرلیا۔ بکر اپنی زوجہ باکرہ کو باعزت طریقہ پر اپنے گھر لانے کے لئے مصر ہے، مگر باکرہ تیار نہیں، بلکہ وہ اپنے شوہر کو گھر داماد بنا کر رکھنا چاہتی ہے اور بکر اس کے لئے آمادہ نہیں۔ بس اسی بنا پر یا دیگر غیر شرعی امور کی وجہ سے اب باکرہ اور اس کے والدین بکر سے جبریہ طلاق عدالت مجاز سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، مگر بکر اپنی زوجہ باکرہ کو طلاق دینے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ تو کیا والدین

---

(۱) "زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (الحیلۃ الناجزۃ، زوجہ متعنت، ص: ۷۳، ۷۴)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۹، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت)

باکرہ عدالت مجاز سے طلاق کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ حالات میں باکرہ کے والدین کا یہ مطالبہ غلط ہے، ان کو اس کا حق نہیں، گھر داماد رکھنے کا مطالبہ قابلِ تسلیم نہیں، شوہر کی مرضی پر ہے۔ باکرہ کے والدین نے اگر طلاق کا عدالت میں دعویٰ کیا اور عدالت نے ایک طرفہ درخواست پر باکرہ کو نکاحِ ثانی کی اجازت دے دی تو شرعاً وہ طلاق نہیں ہوگی، نکاح فسخ نہیں ہوگا(۱)۔ باکرہ پر عدت واجب نہیں ہوگی، باکرہ کو دوسری جگہ نکاح کا حق نہیں ہوگا، اگر اس صورت میں دوسرا نکاح والدین نے کردیا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا(۲)، بلکہ حرام کاری اور معصیت ہوگی جس کا وبال دنیا وآخرت میں بہت سخت ہے: "وأما صفته، فهو أبغض المباحات إلى الله تعالىٰ"(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

جج کا فیصلہ فسخِ نکاح میں

سوال[۱۳۸۱]: مسماۃ ملکی کے والد اللہ دتہ نے مسماۃ ملکی کا نکاح صغرسنی میں افضل سے کردیا، اس وقت مسماۃ کی عمر تقریباً ۳۵/سال ہے۔ محمد افضل نے تیرہ سال ہوئے دوسری شادی کرلی جس سے پانچ بچے بھی ہیں، دوسری شادی سے پہلے مسماۃ کے والد نے افضل سے کہا کہ تم اپنی منکوحہ کو لے جاؤ، دوسری شادی مت کرو، مگر محمد افضل نے انکار کردیا کہ تیرے گھر پر ہی بٹھائے رکھوں گا۔

شادی کے بعد محمد افضل نے کسی کے ذریعہ سے پہلی منکوحہ کو بلانا چاہا، مگر لڑکی کے باپ نے کہلا دیا کہ

(۱) "ولا يقضى على غائب ولا له: أي لا يصح، بل ولا ينفذ على المفتى به، بحر". (الدرالمختار).
"سواء كان غائباً وقت الشهادة أو بعدها وبعد التزكية، وسواء كان غائباً عن المجلس أو عن البلد".
(ردالمحتار: ۴۰۹/۵، كتاب القضاء، فصل في الحبس، مطلب في أمر الأمير وقضائه، سعيد)

(۲) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۰/۱، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)
(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكرية: ۳۶۲/۱، كتاب النكاح، باب في المحرمات، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۴۱۲/۳، رشيديه)

اگر یہ ارادہ ہوتا تو دوسری شادی نہ کرتا، میں نے تو تین مرتبہ آدمی بھیجے کہ لڑکی کو لے جاؤ، لیکن انکار کر دیا اور گالیاں دیں، اب مقصد بدلہ لینا اور لڑکی کو ذلیل کرنا ہے۔ اس کے بعد مسماۃ نے تفسیخ نکاح کا دعویٰ کیا، تحصیل میں حاکم نے نکاح توڑ دیا جس کی نقل ہمراہ منسلک ہے۔ دو گواہ بھی حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ محمد افضل ملا تھا وہ کہتا تھا کہ مسماۃ ملکی کو ہٹانا نہیں چاہتا ہے، نکاح تفسیخ ہو چکا ہے، غلام سرور سے کہو کہ اس سے شادی کرلے، اب غلام سرور نے شادی کرلی ہے جس کو ۸/ ماہ ہو چکے۔ اب محمد افضل مدعی ہے کہ میرا نکاح مسماۃ ملکی سے بدستور قائم ہے، کیا اس کا کہنا صحیح ہے اور جج صاحب کا فیصلہ فسخِ نکاح کے بارے میں نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ مدعیہ کی درخواست پر شوہر کو حاضرِ عدالت کر کے بیان لیا گیا اور پورے ثبوت وصفائی کے بعد عدالت کو یہ ثابت ہوا کہ مدعیہ کا بیان صحیح ہے اور شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کرتا، اس بناء پر چودھری فضل کریم صاحب سول جج نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی ہے، تو شرعاً یہ تفریق معتبر ہے اور مدعیہ کو نکاحِ ثانی کا حق حاصل ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۶/ ۸۷ھ۔

نوٹ: فیصلہ حاکم کی نقل ساتھ نہیں ہے۔

نکاح وتفریق میں جج کا فیصلہ

سوال[۶۳۸۲]: ہندوستان کی مسلم ریاستوں کے مسلم اور غیر مسلم جج کسی معاملہ میں مثلاً (فسخِ نکاح

---

(۱) "زوجہ متعنت کو اول تو یہ لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہبِ مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا صحیح دعویٰ ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاقِ مالکیہ ضرورت نہیں"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، حکم زوجہ متعنت، دار الاشاعت کراچی)

وایقاعِ طلاق) شریعتِ حقہ کے مطابق فیصلہ صادر کریں تو قوانینِ الٰہیہ کی رو سے قابلِ قبول ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلم جج کا فیصلہ جب کہ شریعتِ حقہ کے مطابق ہو شرعاً فسخِ نکاح کے متعلق معتبر ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ ایسے مسائل میں شرعاً معتبر نہیں، البتہ کافر رعایا کے حق میں کافر جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا: "فيشترط فيه (أي في الحكم) مايشترط في القاضي، الخ". زیلعی: ١٩٣/٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عورت ناراض ہو تو کیا قاضی کے یہاں جا کر طلاق دے سکتی ہے؟

سوال[٢٣٨٣]: اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور ناراض ہے، کیا وہ عورت اپنے خاوند کو طلاق دے کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ کیونکہ سنا ہے کہ اب سرکار نے قانون جاری کیا ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو تو قاضی کے یہاں عورت جا کر طلاق دے سکتی ہے یہ نیا قانون ہے۔ والسلام۔

مبارک علی سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کو طلاق کا حق حاصل نہیں بلکہ یہ حق مرد کو ہے، لہٰذا عورت طلاق نہیں دے سکتی، صرف مرد طلاق دے سکتا ہے: "الطلاق لمن أخذ بالساق". الحديث (٢)۔ البتہ اگر عورت نہیں رہنا چاہتی تو کسی طرح مرد

---

(١) (تبيين الحقائق: ١١٨/٥، كتاب القضاء، باب التحكيم، دارالكتب العلمية بيروت)

"أهله أهل الشهادة". قال الشلبي: "إنما شرط شرائط الشهادة من الحرية والعقل والبلوغ والعدالة في القضاء". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ٨١/٥، كتاب القضاء، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ٣٥٣/٥، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٠٧/٣، كتاب أدب القاضي، الباب الأول، رشيديه)

(٢) (سنن ابن ماجه: ١٥٢/١، باب طلاق العبد، مير محمد كتب خانه، كراچي) .... =

سے طلاق لے لے، یا کچھ مال دے کر خلع کرلے(۱)۔اگر یہ دشوار ہوتو عورت کو چاہئے کہ با اختیار قاضی مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور اپنی تکالیف وشکایات کو ثابت کرے، اس پر قاضی مسلم باقاعدہ واقعات کی تحقیق وتفتیش کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوتو اس کے شوہر کو کہے کہ یا تم اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دیدو ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس پر اگر شوہر کوئی بات اختیار کرلے تو خیر ورنہ قاضی مسلم با اختیار تفریق کردے۔اگر کسی جگہ قاضی مسلم با اختیار نہ ہوتو شرعی پنچایت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے، پھر عورت عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔

صحیح :عبد اللطیف، ۲۸/صفر/ ۵۸ھ۔

= "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: جاء إلی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رجل فقال: یارسول الله! سیدي زوّجني أمته وهو یرید أن یفرق بیني وبینها، فصعد النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المنبر، فقال: "یایها الناس مابال أحدکم یزوج عبده من أمته ثم یرید أن یفرق بینهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق". (فتح القدیر: ۴۹۴/۳، کتاب الطلاق، فصل: ویقع طلاق کل زوج الخ، مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

"جعل الإسلام الطلاق من حق الرجل وحده".(فقه السنة: ۲۴۶/۲، کتاب الطلاق، دارالکتاب العربي، بیروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفدي نفسها منه بمال یخلعها به". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۸۸/۱، الباب الثامن في الخلع وما في حکمه، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۱۸۴/۳، باب الخلع، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) "زوجہ متعنت کو اول تو یہ لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔اور اگر عورت کا صحیح دعویٰ ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو =

طلاق کے سلسلہ میں جعلی قاضی کا فیصلہ

سوال[۶۳۸۴]: زید کی شادی ہوئی، پانچ سال تک زن وشوہر اچھی طرح ازدواجی زندگی گذارتے رہے، زید کی بیوی نے میکہ جانے کی خواہش ظاہر کی، زید نے بخوشی ورضامندی پہونچادیا۔ تین چار ماہ بعد جب زید اپنی بیوی کو رخصت کرانے گیا تو بیوی کے باپ بھائی نے انکار کردیا، بعدہٗ بیوی کے باپ نے لڑکی کی طرف سے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، وہاں سے حکم ہوا کہ قاضی جاکر تحقیق کرے گا، مگر قاضی صاحب نہیں آئے۔ لڑکی کے باپ بھائی نے گاؤں کے چار پانچ نمازی آدمیوں سے دستخط لئے کہ آپ لوگوں کے لکھنے سے قاضی صاحب آجائیں گے، ان لوگوں نے دستخط دیدیئے۔

اس کے بعد ان لوگوں کے دستخط والے کاغذ پر قاضی صاحب نے یہ فیصلہ اور فتویٰ لکھ دیا کہ لڑکی کو زید بہت ستاتا، مارتا پیٹتا ہے، لڑکی جانے پر رضامند نہیں، لہٰذا بحیثیتِ قاضی کے اس کو طلاق دی جاتی ہے، اب وہ اپنی دوسری شادی کرسکتی ہے۔ قاضی صاحب نے نہ لڑکی کو بلوایا، نہ اس کا بیان لیا، نہ جائے وقوع پر آئے۔ تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ اب زید کی بیوی نے دوسرے آدمی سے شادی کرلی ہے، تو کیا پھر دوسرا نکاح صحیح بھی ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فیصلہ شرعی نہیں نہ اس سے طلاق ہوئی نہ دوسرا نکاح درست ہوا:

"ولا یقضی علی غائب، ولاله: أی لا یصح ولا ینفذ علی المفتی به، إلا بحضور نائبه: أی من یقوم مقام الغائب". درمختار: ٤/٣٣٥(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۷ھ۔

= اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاقِ مالکیہ ضرورت نہیں"۔ (حیلۂ ناجزہ ص:۷۳، حکم زوجہ متعنت، دارالاشاعت کراچی)

(۱) (الدر المختار: ٤٠٩/٥، کتاب القضاء، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ٣٠٨/٧، باب کتاب القاضی إلی القاضی، فصل آخر، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی البحر الرائق: ٢٩/٧، کتاب الحوالة، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیرہ، رشیدیه)

غیر مسلم عدالت سے فسخِ نکاح

سوال[۶۳۸۵]: شوہر زوجہ کو نفقہ نہیں دیتا تھا، بیجا تنگ کرتا تھا، اس مظلومہ نے اس بناء پر عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کیا۔ عدالت کے غیر مسلم جج نے فسخِ نکاح کا حکم سنا دیا اور باقاعدہ فیصلہ کر دیا۔ اب اگر ہم لوگ اس عورت کا عدت گذرنے پر دوسری جگہ نکاح کر دیں تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم جج کا فیصلہ فسخ نکاح میں شرعاً کافی نہیں، یا تو شوہر سے طلاق حاصل کی جائے، یا کسی مسلم حاکم سے باقاعدہ نکاح فسخ کرا دیا جائے، یا خلع کیا جائے۔ اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۲۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں، ان میں وہ احکامِ جج مجسٹریٹ وغیرہ- جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں- اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے مما فی الدر المختار: "ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً، ذکرہ مسکین وغیرہ"۔ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا؛ لأن الکافر لیس بأهل القضاء علی المسلم، کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقه.

حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس، تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اسی طرح عنین وغیرہ کو مہلت تو مسلمان حاکم نے دی لیکن تفریق سے قبل دوسرا غیر مسلم حاکم آگیا اور اس نے تفریق کر دی یا بالعکس، تو وہ تفریق صحیح نہ ہوگی، کیونکہ جس طرح فیصلہ کے لئے اہلیتِ قضاء شرط ہے اور نااہل کا فیصلہ غیر معتبر ہے، اسی طرح نااہل کے سامنے شہادت بھی ناکافی ہے اور ضروری ہے کہ جو فیصلہ قاضی کرے، یا تو اس کے سامنے شہادت ہو، یا کوئی دوسرا قاضی جس کے سامنے شہادت گزری ہے، وہ باضابطہ (یعنی کتاب القاضی کے جو شرائط ہیں ان کے موافق) قلمبند کر کے فیصلہ کنندہ قاضی کے پاس حسب شرائط پہنچا دے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ قاضی کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں، جیسا کہ جزئیاتِ مرقومۃ الذیل سے واضح ہوتا ہے:

فی البحر الرائق: ۷/۲: "ولو جاء المدعی من القاضی برسول ثقة مأمون عدل إلی قاض آخر=

شوہر سے بیان لئے بغیر شرعی پنچایت کا فیصلۂ طلاق

سوال[۶۳۸۶]: ایک شخص مسمّی محمد عالم جوکہ چودہ سال پہلے پاکستان چلا گیا تھا، اس کی بیوی جو یہیں تھی اس نے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ وہ آباد کرے۔ اسی دوران میں محمد عالم یہاں آیا اور چند دن ٹھہر کر واپس چلا گیا، اس کے جانے کے بعد اس کے بڑے بھائی عبدالعزیز نے شرعی کمیٹی میں درخواست دی کہ محمد

= لایقبل؛ لأنه لایزید علی أن یأتي القاضي بنفسه ویخبر وهو في غیر ولایته کواحد من الرعایا بخلاف کتابه؛ لأنه کالخطاب من مجلس قضائه، اهـ. وفیه أیضاً: عن السراج الوهاج: ولو شهد شهود یحق ثم مات القاضي المشهود عنده، وولي قاض آخر، لم ینفذ تلک الشهاد حتی تعاد، ....اهـ.

اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جاوے جیسا کہ بعض مرتبہ ججوں کی جوری کے سپرد ہوجاتا ہے، یا پنچ میں پیش ہوتا ہے، یا چند اشخاص کی کمیٹی کے سپرد کردیا جاتا ہے تو اس صورت میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے، کوئی غیر مسلم جج اور مجسٹریٹ اور ممبر بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں، ایسے فیصلے سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی''۔

(حیله ناجزه، تفریق بین الزوجین بحکم حاکم، ص: ۳۳، ۳۴، دارالإشاعت کراچی)

اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاقِ ائمہ صحیح ہے وہ تو یہ ہے کہ اس خاوند کو خلع پر راضی کیا جاوے، اگر وہ سنگ دل خلع پر راضی نہ ہو تو پھر اگر یہ عورت صبر کرکے اپنا زمانہ عفت میں گزار سکے تو بہتر، ورنہ جب گزارہ اور نان ونفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق صورتِ ذیل اختیار کرکے رہائی حاصل کرے، وہ صورت یہ ہے کہ: اولاً قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرکے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کررہا ہے اور ان سب باتوں پر حلف بھی کرے۔ اس کے بعد اگر کوئی عزیز واقارب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت کرے تو خیر، ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ: یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، یا اس کو بلالو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کردیں گے۔ اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے، تو قاضی ایک مہینے کے مزید انتظار کا حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کردے، کما في الروایة الثانیة ....اهـ.

اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے، پس اگر اس غائب کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کردے تو پھر تفریق نہ کی جائے گی''۔ (حیلۂ ناجزہ، حکم زوجۂ غائب غیر مفقود، ص: ۷۷، ۷۸، دارالإشاعت کراچی)

عالم دو گواہوں کے سامنے طلاق دے گیا ہے، اس پر شرعی کمیٹی نے تحقیق کر کے فتویٰ دے دیا کہ محمد عالم کی بیوی عقدِ ثانی کر سکتی ہے۔ گواہوں کا بیان قرآن پر حلفیہ ہوا تھا۔

محمد عالم کی بیوی عقد ثانی کر لیتی ہے، مگر ایک ماہ بعد وہ گواہ انکار کر دیتے ہیں کہ ہم نے گواہی نہیں دی بلکہ جو گواہی دی تھی وہ غلط تھی، اس پر علماء نے فیصلہ دیا کہ مطابق کتب فقہ اگر گواہ بدلیں تو معتبر نہ ہوگا۔ اس کے نو ماہ بعد محمد عالم پاکستان سے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ ان دونوں لوگوں نے جھوٹی طلاق بنالی ہے۔ محمد عالم کی بیوی اس وقت زوج ثانی کے گھر آباد ہے اور حاملہ ہے، مدلل فتویٰ صادر فرمائیں کہ مفتی عالم، گواہ، کون، کتنا مجرم ہے؟ نیز جو بچہ پیدا ہونے والا ہے اس کا کیا مقام ہے؟

مہتمم مدرسہ کاشف العلوم، تھانہ منڈی، راجوری، کشمیر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد عالم کے بھائی نے طلاق کے متعلق درخواست دی اور گواہی لے کر شرعی کمیٹی نے اس کی زوجہ کو عقدِ ثانی کی اجازت دیدی، اگر اس کے متعلق محمد عالم سے کوئی بیان نہیں لیا گیا تو شرعی کمیٹی کا یہ فیصلہ خلافِ شرع ہوا، غلط ہوا (۱)، دوسرا نکاح بھی غلط ہوا (۲) جس کی ذمہ داری شرعی کمیٹی پر ہے، وہ عورت محمد عالم کی زوجہ ہے۔ اگر محمد عالم کا بیان شرعی کمیٹی نے لیا ہے تو اس کی پوری تفصیل لکھ کر معلوم کریں۔ جن گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے وہ مستقل مجرم اور مستحق سزا ہیں (۳)، مگر سزا دینے کا حق شرعی کمیٹی کو نہیں، اس کے لئے شوکت اور قوتِ منفذہ

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''جعلی قاضی کا فیصلہ طلاق کے سلسلہ میں'')

(۲) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۸۰/۱، کتاب النکاح، باب المحرمات، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱۳۲/۳، باب المهر، سعید)

(۳) "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الکبائر الإشراک بالله، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، والیمین الغموس". وفی روایة أنس: "وشهادة الزور" بدل الیمین الغموس". متفق علیه". (مشکوٰة المصابیح: ۱۷/۱، کتاب الأیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، قدیمی)

ضروری ہے جس سے شرعی کمیٹی تہی دست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

شوہر سے نفرت کی صورت میں تفریق کا حکم

سوال[۶۳۸۷]: زوجہ کو اپنے شوہر سے نفرت سی ہوگئی ہے اور وہ کسی طرح اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی، وہ خودکشی کو پسند کرتی ہے، مگر شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی، اور شوہر کسی قیمت پر خلع یا طلاق کے لئے راضی نہیں ہے۔ تو ایسی شکل میں تفریق کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟ کیا شرعی پنچایت یا قاضی کو تفریق کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر حقوق ادا کرتا ہے تو زبردستی تفریق نہیں کی جاسکتی (۱)، البتہ شوہر کو طلاق پر راضی کیا جائے بالعوض ہو یا بلاعوض، شوہر کے لئے بھی اسلم راستہ یہی ہے کہ بعوضِ مہر طلاق دیدے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زوجہ کو شوہر سے سیری نہ ہونے کی صورت میں تفریق کا حکم

سوال[۶۳۸۸]: زوج نامرد تو نہیں ہے، لیکن عورت کہتی ہے مجھے یوں تو سسرال میں بہت تکلیف ہے، لیکن سب سے بڑی تکلیف شوہر کی ہے (بیان سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ زوجہ کی شہوت پوری نہیں ہوتی)۔ اب مجھ سے اور برداشت نہیں ہو سکے گا، اور میں کسی قیمت پر اس کے پاس نہیں رہ سکتی اور شوہر تفریق کے لئے راضی

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أبغض الحلال إلى الله الطلاق". (سنن ابن ماجه، ص: ۱۴۵، أبواب الطلاق، قديمي)

"وصفته أنه (الطلاق) أبغض المباحات". (النهر الفائق: ۲/۳۱۰، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۲، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها". (الهداية: ۲/۳۸۳، باب الخلع، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

نہیں ہوتا۔ تو کیا شرعی پنچایت یا قاضی کو تفریق کا حق ہے، اگر نہیں تو پھر کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زوجہ کو دخول کا اعتراف ہے (گو سیری نہ ہوتی ہو) تب تو اس کو مطالبہ تفریق کا اختیار نہیں، شامی (۱)۔ یہ تو ضابطہ کی بات ہے، لیکن ان حالات میں شوہر کو خود خیال چاہیئے وہ یا تو علاج کرائے یا زوجہ کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو آزاد کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پنچایت کا شوہر کو دوبارہ اطلاع کئے بغیر تفریق

سوال[۶۳۸۹]: ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور رخصتی بھی ہوگئی، کچھ عرصہ کے بعد میاں بیوی کے درمیان کچھ نا اتفاقی پیدا ہوگئی، جس کے باعث پانچ سال تک ہندہ اپنے میکہ میں پڑی رہی، نہ زید اپنے گھر لے گیا، نہ نفقہ کا انتظام کیا، نہ حقوقِ زوجیت ادا کیا۔

پانچ سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد ہندہ کے والد بکر نے ایک عالم دین کی سرپرستی میں ایک پنچایت مقرر کیا، مقررہ پنچایت نے زید کو طلب کیا تو زید نے پنچایت میں آنے سے انکار کردیا، چنانچہ پنچایت نے دوسری تاریخ مقرر کی اور پنچ کے لوگ خود زید کے مکان پر گئے، تو زید کے والد نے بتلایا کہ زید میلہ میں چلا گیا ہے، پنچایت کے لوگ واپس چلے آئے اور دو ممبران کو حکم دیا کہ زید کے مکان پر جا کر زید کو اطلاع دیں کہ زید کی منکوحہ ہندہ نے پنچایت میں عذر دائر کردیا ہے، لہٰذا زید آکر اپنی بیوی کو راضی کر کے اپنے گھر لے جاوے، اور اگر وہ گھر لے جانے کے لئے تیار نہ ہو تو طلاق دیدے۔ لہٰذا دونوں ممبران زید کے مکان پر جا کر زید سے ملے تو اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو ہرگز طلاق نہیں دوں گا، جو مجھ کو طلاق دینے کو کہتا ہے وہ ضرور اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

لہٰذا جب زید اپنی زوجہ کو راضی کر کے نہ اپنے گھر لے گیا، نہ طلاق دینے پر راضی ہوا، تو پنچایت کے سرپرست عالم دین نے فسخِ نکاح کا ارادہ کیا اور دارالعلوم دیوبند سے استفتاء کیا، دارالعلوم سے جواب آیا کہ ایک

---

(۱) "فلو جبّ بعد وصوله إليها مرةً، أو صار عنيناً بعده: أي الوصول، لايفرّق لحصول حقها بالوطء مرةً". (الدرالمختار). "وما زاد عليها، فهو مستحق ديانةً لاقضاءً". (ردالمحتار: ۴۹۵/۳، باب العنين، سعيد)

معزز ومتدین مسلمانوں کی کمیٹی بنائی جائے جس میں کم از کم ایک معتمد اور تجربہ کار مفتی کو بھی شریک کریں، اس میں لڑکی دعویٰ کرے اور یہ ثابت کرے کہ شوہر نہ آباد کرتا ہے اور نہ نان ونفقہ دیتا ہے، نہ ہی طلاق دیتا ہے، اور دعوے میں شوہر کے آباد کرنے پر اور نان ونفقہ دینے پر راضی نہ ہونے کی صورت میں طلاق کا مطالبہ کرے، شرعی کمیٹی بعد تحقیق وشرعی ثبوت کے شوہر سے کہے کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، آباد کرو، نان ونفقہ دو یا طلاق دو، ورنہ شرعی کمیٹی تم دونوں میں تفریق کردے گی، اگر اس پر بھی وہ کسی بات کو تسلیم نہ کرے تو شرعی کمیٹی کے لئے جائز ہوگا کہ ان دونوں میں تفریق کا حکم کردے، وہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا مذکورہ فتویٰ آجانے کے بعد پنچایت کے سرپرست عالم دین نے جب فسخ نکاح کا ارادہ کیا تو پنچایت کے اکثر ممبران فسخِ نکاح میں شرکت کرنے سے انکار کردیئے اور پنچایت سے علیحدہ ہوگئے۔ مولانا صاحب نے دوسری جماعتِ مسلمین قائم کیا جس میں مولانا کے علاوہ دو ممبران سابقہ کمیٹی کے شریک رہے، کمیٹی میں مولانا کے علاوہ چھ ممبران شریک ہوئے۔ کمیٹی نے پہلی نشست میں دو ممبران کو حکم دیا کہ تم دونوں زید کے مکان پر جاؤ اور زید سے کہو کہ تم جماعتِ مسلمین میں حاضر ہوکر اپنی زوجہ کے دائر کردہ دعوے کی پیروی کرو اور اپنا بیان دو، جماعت مسلمین نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ آپ کو اطلاع کروں، لہٰذا آپ مقررہ تاریخ پر حاضرِ عدالت ہوں، یا تو اپنی زوجہ کو راضی کرکے آباد کریں اپنے گھر لے جائیں، یا طلاق دیدیں۔ جب دونوں ممبران نے زید کو جماعت مسلمین کا یہ حکم پہونچایا تو زید نے جماعتِ مسلمین میں حاضر ہونے اور طلاق دینے سے صاف انکار کردیا۔

ان دونوں ممبران نے واپس ہوکر جماعتِ مسلمین کو آگاہ کردیا، اور دوسری نشست ہوئی جس میں فسخِ نکاح کے لئے تاریخ مقرر ہوگئی، زید کو پھر کوئی اطلاع نہیں دی گئی، اور مقررہ تاریخ پر فسخِ نکاح کا اعلان کردیا گیا جس میں کل ممبران شریک تھے کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔ جماعت کی کل تین نشستیں ہوئیں، تیسری نشست میں سارے ممبران شریک تھے اور متفقہ فیصلہ پر دستخط کیا، فسخِ نکاح کا حکم ہوجانے کے بعد عدتِ طلاق گذار کر ہندہ نے عقدِ ثانی کرلیا اور شوہر ثانی کے ساتھ رہنے لگی۔ دریں صورت مذکورہ فسخ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نشست میں کم از کم تین ممبر موجود رہے اور شوہر کے پاس اطلاع بھیجی کہ تم اپنی بیوی کو آباد کرو یا

طلاق دے کر آزاد کرو، ورنہ فلاں تاریخ تک اگر تم نے کچھ نہ کیا تو ہم تفریق کردیں گے، پھر مقررہ تاریخ تک شوہر نے کوئی جواب وہی نہیں کی اور دوبارہ شوہر کو اطلاع کئے بغیر تفریق کردی تو شرعاً وہ تفریق معتبر ہوگئی اور زوجہ کو حق حاصل ہوگیا کہ بعد عدت نکاح ثانی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شوہر بیوی کا معاملہ برادری کے حوالہ کرنا

سوال [۶۳۹۰]: ایک لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے کسی بات پر ناراض چلی جارہی تھی، لڑکی کے والدین نے یہ معاملہ برادری کے ہاتھ میں فیصلہ کے لئے دیدیا اور اقرارنامہ دیدیا، لڑکے کے والد سے بھی برادری نے کہا کہ تم بھی لڑکے کا معاملہ برادری کے ہاتھ میں دیدو اور اقرارنامہ دیدو کہ برادری از روئے شرع جو مناسب سمجھے طے کردیں، مگر لڑکے والے تیار نہیں ہوئے جس کی وجہ سے برادری نے لڑکے والوں سے قطعِ تعلق وعدمِ شرکتِ غمی وخوشی طے کردیا اور یہ فیصلہ کل برادری پر نافذ کیا۔ تو کیا مسلمانوں کو ایسا کرنے کا شرعاً حق ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی بالغہ ہے اور اس کی مرضی سے شوہر کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے برادری کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ شریعت کے مطابق جس طرح طے کردے منظور ہے تو شرعاً اس میں کچھ مضائقہ نہیں، لڑکے والے بھی اگر لڑکے کی رضامندی سے اس طرح برادری کو اختیار دے دیں تب بھی درست ہے، لیکن مجبور کرنے کا حق نہیں، پس برادری سب کا یہ فیصلہ کہ لڑکے والوں سے قطعِ تعلق کردیا، شرعاً صحیح نہیں ہے، اس فیصلہ کو ختم کرنا ضروری ہے، پھر سمجھا کر دونوں کا معاملہ شرعی حکم کے ماتحت حل کردیا جائے، اگر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ قطعِ تعلق کی ہے تو وہ دوسری بات ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (الحیلة الناجزة، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت، دار الاشاعت کراچی)

شوہر کی زبان میں لکنت کی وجہ سے مطالبۂ آزادی

سوال [۶۳۹۱]: ۱..... ایک لڑکی نے نابالغ حالت میں خود ایجاب قبول کرکے شادی کی تھی اور والد نے اجازت دی تھی، لڑکی جب شوہر کے گھر گئی تو دیکھا کہ شوہر کی زبان میں لکنت ہے اور عورت شوہر کو پسند نہیں کرتی اور باپ کے یہاں چلی آئی اور شوہر کے یہاں جانے سے انکار کیا۔ باپ نے بہت کچھ سمجھایا اور سعی کی مگر لڑکی کسی طرح جانے کے لئے تیار نہیں ہوئی، اس طرح دو سال ہو چکے ہیں۔ جب ہر طریقہ سے مایوس ہوگیا تو چند آدمیوں کو سفارش کے لئے شوہر کے باپ کے پاس بھیجا کہ میری لڑکی کو طلاق دے دو خواہ کچھ جرمانہ لے لو، مگر شوہر نے کہا کہ میں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

معرفت مولوی انوار الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... شوہر کی زبان میں لکنت کی وجہ سے عورت کو نہ طلاق لینے کا اختیار ہے، نہ والد کے گھر بیٹھے رہنے کا اختیار ہے، نہ اسے کسی دوسرے مرد سے نکاح کا اختیار ہے(۱)، بہتر یہ ہے کہ خلع کرلیا جائے یعنی بیوی مہر معاف کرے اور شوہر اس کے عوض طلاق دیدے (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، ۸۷/۱۰/۱۵ھ۔

---

(۱) "صرف پانچ عیوب کی بناء پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے: ایک اس وقت جب کہ شوہر پاگل ہوگیا ہو، دوسرے جب وہ نان ونفقہ نہ ادا کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے وہ جب بالکل لاپتہ ہوگیا ہو اور پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۲۴۳، اسلام میں خلع کی حقیقت، قاضی کی تفریق بین الزوجین، دارالاشاعت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لایقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"فإن خفتم أن لایقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به". (الهدایة: ۲/۴۰۴، باب الخلع، مکتبه شرکت علمیه، ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه، رشیدیه)

کیا ولی کو فسخِ نکاح کا حق ہے؟

سوال[۶۳۹۲]: ہندہ نے اپنی لڑکی زاہدہ کا نکاح بلا مرضی زید (اپنے شوہر) محمود سے پڑھوایا، لڑکا بعد نکاح نہایت بدخلق اور بدمزاج نکلا۔ لڑکی زاہدہ ہنوز نابالغہ ہے، اس کی بدمزاجی سے نالاں اور پریشان حال ہے، صورتِ حال دونوں میں ایک دم نباہ کی صورت نظر نہیں آتی ہے، زید یعنی باپ لڑکی کا من حیث ولی نکاح فسخ کرسکتا ہے یا نہیں، یا زید خیارِ بلوغ پر نکاح کے فسخ کو موقوف رکھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کی موجودگی میں ماں کو ولایتِ نکاح حاصل نہیں، صورتِ مسئولہ میں یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر باپ نے اجازت دیدی ہوتو جائز ہوگیا، اب نہ خود فسخ کرسکتا ہے، نہ اس صورت میں لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، بلکہ یہ نکاح لازم ہوگیا۔ اگر باپ نے اجازت نہیں دی بلکہ رد کردیا تو وہ رد ہوگیا، یعنی شرعاً یہ نکاح غیر معتبر ہے، فسخ کرانے کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے:

"فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب، توقف على إجازته، اه". در مختار: "فلا يكون سكوته إجازةً لنكاح الأبعد وإن كان حاضراً في مجلس العقد ما لم يرض صريحاً أو دلالةً، تأمل، اه". رد المحتار: ۲/ ۴۸۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ محرم/ ۶۱ھ۔

شوہر، بیوی کے درمیان تنازع شدید کا مقدمہ عدالت میں

سوال[۶۳۹۳]: مسماۃ خالدہ بالغہ دختر زید نے خارجاً یہ سن کر کہ میرا باپ زید میرا عقد بکر سے۔ جس کی ایک زوجہ موجود ہے۔ کردیا ہے، اپنی والدہ کی معرفت اپنے باپ سے کہلایا کہ میرا عقد ایسے شخص سے جس کی ایک بیوی موجود ہے کیا گیا تو میں ہرگز نہ جاؤں گی اور نہ میری رضامندی ہوگی، باپ نے اپنی زوجہ کے ذریعہ

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۸۱، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۸۵، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۵۶، كتاب النكاح، فصل في الأولياء، رشيديه)

سے خالدہ کو اطمینان دلایا کہ میں اس بکر سے عقد نہیں کر رہا ہوں، جس کی دوسری بیوی موجود ہے بلکہ یہ وہ بکر ہے جو کنوارا غیر شادی شدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ موصوفہ کا عقد اس کی لاعلمی میں بکر سے کر دیا گیا۔

عقد کے بعد بھی خالدہ نے رونا شروع کیا کہ مجھ کو قلبی اطمینان نہیں ہوتا، میں ہرگز نہ جاؤں گی، میں نے تمہارے سب کے قسم کھا کر اطمینان دلانے سے اجازت دیدی ہے، اس کی والدہ نے قسم کھا کر اطمینان دلایا کہ تم مطمئن رہو تمہارے والد نے ایسا نہیں کیا ہے جیسا تم کو خیال ہو رہا ہے۔ بالآخر تمامی اعزہ وغیرہ کے کہنے سے رخصت ہوگئی۔

اس کے علاوہ خالدہ نے اپنے عقد کے متعلق اپنے والدین سے یہ شرط بھی کرلی تھی کہ مجھ سے جو ایک نازیبا حرکت ہوئی ہے عقد سے پہلے اس کا اظہار جس سے میرا عقد کیا جائے لازمی ہوگا تاکہ وہ مجھ کو ذلیل نہ کرے، لیکن اس کے برخلاف بکر سے یہ بات ظاہر نہیں کی گئی۔

ہر دو جانب کے متعلقین نے خالدہ و بکر دونوں سے لاعلمی مصلحۃً رکھی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالدہ اور بکر میں ابتداءً ہی سے تنازعہ رہا، خالدہ برابر سختی سے یہ کہتی ہے کہ مجھ کو بکر کی زوجیت میں رہنا منظور نہیں اور نہ تھا اور نہ میں نے رضامندی ظاہر کی ہے، بلکہ شرط کے ساتھ سب کے کہنے سے اقرار کیا تھا۔ بکر نے کہا میں طوائف سمجھ کر رکھ رہا ہوں، کیونکہ مجھ کو اس کی نازیبا حرکت سے اطلاع نہیں کی گئی۔

باوجودیکہ خالدہ کے والد کو بکر کی پہلی زوجہ نے یہ کہہ کر ہر طرح اطمینان دلایا تھا کہ میں ہر طرح سے نباہ کروں گی اور خالدہ کو اپنی بہن سمجھوں گی اور بہو کی طرح رہوں گی، میں خود یہ عقد اس لئے کرا رہی ہوں کہ میرے اولاد نہیں ہے، لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ بکر کی زوجہ اول کی یہ دونوں باتیں دنیا سازی اور غلط تھیں، کیونکہ اس کی ایک دختر دس سالہ موجود ہے اور اس نے اپنے خاوند سے قسم کھلا کر یہ عہد کرالیا تھا کہ تم بالکل میرے کہنے پر چلوگے، چنانچہ بکر نے ابتداء ہی سے وہ برتاؤ شروع کیا جس سے پہلی بیوی خوش رہے اور خالدہ کو ہر طرح مار پیٹ وغیرہ کی تکلیف پہونچانا اور اپنا اور اپنے بھائی کا کام جبراً لینا شروع کیا جس سے پہلی بیوی خوش رہے اور کسی سے بات نہ کر سکے گی، کڑی نگرانی رکھے۔

اور چونکہ اس میں اغلام بازی کی بھی عادت ہے اس لئے اغلامی تکلیف دینے لگا، حالانکہ خود خالدہ نے کہا تھا کہ تمہارے یہاں غیر محرم لوگ بلا روک ٹوک آتے رہتے ہیں، یہ شریعت کے بالکل خلاف ہے جس

کی کچھ سماعت اس نے نہیں کی، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد اپنی پہلی بیوی اور بہن وغیرہ کے ابھارنے پر اور خود بدمعاشانہ طبیعت ہونے کی وجہ سے تہمت لگائی کہ دو شخصوں سے تمہارے ناجائز تعلقات ہیں، ایک شخص کی بابت بکر کہتا ہے کہ ناجائز تعلقات کی بنا پر خالدہ شب کو اس کے ہمراہ میرے مکان سے بھاگ گئی، حالانکہ یہ بے بنیاد بات ہے۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ خالدہ اس کے تشدد اور بیجا الزامات وغیرہ کی وجہ سے اپنی جان بچا کر شب کو اپنے باپ کے گھر پر چلی گئی، جس پر بکر کہتا ہے کہ اب کی مرتبہ میں کسی نہ کسی طرح اپنے مکان پر لے جا کر خالدہ کو اس طرح ختم کروں گا کہ پتہ بھی نہ چلے، یا ایسا کروں گا کہ عمر بھر کے لئے بیکار ہو جائے اور کسی کام کی نہ رہے۔

خالدہ کا کہنا ہے کہ اگر شریعت اجازت دیتی تو میں ضرور خودکشی کر لیتی۔ پس ارشاد ہو صورت مسئولہ میں شرعاً خالدہ اور بکر کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں، اگر جائز ہوا تو دونوں میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خالدہ نے جن شرائط پر اجازتِ نکاح دی تھی ان کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی اگر اس نکاح کو جائز قرار دیا خواہ اعزہ واقرباء کے کہنے سے خواہ دنیوی شرم کی بنا پر تو شرعاً وہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا، اب اگر نباہ دشوار ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی طرح سے شوہر سے طلاق حاصل کر لی جائے یا خلع کر لیا جائے (۱)۔ اگر شوہر اس پر کسی طرح آمادہ نہ ہو تو حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا چاہئے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے، میرے حقوقِ زوجیت کو ادا نہیں کرتا اور ناجائز طریقہ پر تکلیف پہونچاتا ہے اور بدکاری کرتا ہے، اس پر حاکم مسلم واقعات کی تحقیق کرے اور شوہر سے کہے کہ تم اپنی ناشائستہ حرکات سے باز آجاؤ یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، كتاب الطلاق، باب الخلع، شركت علميه، ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

اس پر اگر شوہر کوئی بات اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ حاکم مسلم با اختیار خود تفریق کردے(۱)۔

اگر خلاف شرائط ہونے کی بنا پر خالدہ نے اجازت نہیں دی بلکہ نکاح کی خبر سن کر اس کو رد کردیا تو وہ رد ہوگیا اور پھر بکر کے یہاں جانا اور رہنا سب گناہ اور حرام ہوا(۲) جس میں خالدہ اس کے والدین، اعزہ، بکر، اس کے اعزہ سب حسبِ حیثیت شریک ہیں اور متارکت واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۶۳ھ۔

حَکم نکاح کس طرح فسخ کرے؟

سوال[۶۳۹۴]: ایک عورت اپنے خاوند سے اپنا نکاح فسخ کرانے پر بضد ہے، خاوند کوشش کرتا ہے کہ آباد ہو مگر وہ کسی صورت میں نہیں مانتی۔ یہ مخاصمت سرکاری عدالت سے ایک حَکم کے پاس ثالثی کے لئے بھیج دی گئی ہے، حَکم نے مصالحت کی پوری پوری کوشش کی ہے، مگر کوئی صورت نہیں نکل سکی، حَکم شرعی حُکم کا نفاذ چاہتا ہے بایں طور کہ اگر اس حالت میں مرد طلاق نہ دے تو ثالث کا حُکمِ فسخِ نکاح شرعاً نافذ ہوگا یا نہیں؟ بصورتِ اول کن الفاظ میں لکھا جائے؟

(۱) "زوجۂ متعنت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے (شوہر) خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "لایجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها، بکراً کانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر وجہ شرعی حاکم، حَکَم، مفتی، ثالث کے فسخِ نکاح کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا(۱)، اِلّا یہ کہ شوہر نے فسخ کرنے کا اختیار دے کر وکیل ومختار بنادیا ہو۔ اس صورت میں یہ لکھنا چاہئے: میں نے شوہر فلاں بن فلاں کی طرف سے بحیثیتِ وکیل ومختار اس کا نکاح فسخ کردیا، یا زوجین کے درمیان تفریق کردی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۴/۸ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۴/۴/۱۳ھ۔

نابالغ کا نکاح باپ فسخ نہیں کرسکتا

سوال[۶۳۹۵]: زید نے اپنی اذن سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کردیا، کچھ مخاصمت ہونے کی وجہ سے زید نے کہہ دیا کہ "میں نے اپنی لڑکی کا نکاح فسخ کردیا"۔ تو کیا زید کو نکاح فسخ کرنے کا حق ہے اور کیا ایسی باتوں سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اس کا حق ہرگز نہیں، اس کے فسخ کرنے سے یہ نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، لڑکا بالغ ہوکر خود طلاق دینے کا حق دار ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر، بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنى قولهم: الأصل فيه الحظر، والإباحة للحاجة إلى الخلاص، فإذا كان بلا سبب أصلاً، لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص، بل يكون حمقاً وسفاهةً رأي، ومجرد كفران النعمة، وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها". (رد المحتار: ۲۲۸/۳، كتاب الطلاق، قبيل مطلب: طلاق الدور، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره، رشيديه)

(۲) "اتفق العلماء على أن الزوج، العاقل، البالغ، المختار هو الذي يجوز له أن يطلق وأن طلاقه يقع، فإذا =

شوہر فاسق ہوجائے تو زوجہ کیا کرے؟

سوال[۶۳۹۶]: لڑکی بوقتِ نکاح بالغہ تھی اور نکاح اس کی اجازت سے ہوا، دوسری بات یہ عرض ہے کہ اب جبکہ پہلی دفعہ جاکر گھر واپس آئی تو ناراضی ظاہر کی اور اس پہلی ہی دفعہ میں خلوتِ صحیحہ ہوچکی اور اس پہلی ہی دفعہ میں جاکر لڑکے کا یہ فسق وفجور معلوم ہوا کہ بے نمازی ہے، کسی کسی وقت کہنے سے پڑھ بھی لیتا ہے، حقہ پیتا ہے، کبوتر بازی کرتا ہے، میلہ کا دلدادہ ہے، آج کل جو تماشے سینما وغیرہ شائع ہیں ان میں شرکت کرتا اور شامل ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے لڑکی دوبارہ جانے سے ناراض ہے اور یہ عیوب بوقتِ نکاح نہ تھے، یہ معلوم نہیں کہ نکاح سے کتنی مدت بعد حادث ہوئے، کیونکہ لڑکی اپنے والدین کے ہمراہ پردیس میں رہتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عیوبِ مذکورہ بوقتِ نکاح موجود نہیں تھے، لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا، بعد میں عیوب مذکورہ پیدا ہوجانے کی بناء پر نکاح باطل نہیں ہوگا، "والكفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد، الخ" درمختار: ۴۹۸/۲(۱)۔

= كان مجنوناً أو صبياً أو مكرهاً، فإن طلاقه يعتبر لغواً لو صدر منه؛ لأن الطلاق تصرف من التصرفات التي لها آثارها ونتائجها في حياة الزوجين، ولا بد أن يكون المطلق كامل الأهلية حتى تصح تصرفاته". (فقه السنة، كتاب الطلاق، باب من يقع منه الطلاق: ۲۴۷/۲، دار الكتب العربي بيروت)

"ثانيها: أن يكون بالغاً، فلا يقع طلاق الصغير الذي لم يبلغ، ولو مراهقاً مميزاً، ولا يحسب عليه طلاقه حال الصغر مطلقاً ولو كبر". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الطلاق، باب شروط الطلاق: ۲۵۳/۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الطلاق، طلاق المجنون: ۶۸۸۲/۹، رشيديه)

"وأما شروطه فمنها: العقل والبلوغ والحرية في العاقد، إلا أن الأول شرط الانعقاد، فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لايعقل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

"ولا بد من اعتبار العقل والبلوغ؛ لأنه لاولاية بدونهما". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علميه ملتان)

(۱) (الدر المختار: ۹۱/۳، ۹۲ باب الكفاءة، سعيد) =

البتہ اگر شوہر حقوقِ زوجیت ادانہیں کرتا بلکہ ظلم کرتا ہے اور نباہ دشوار ہے تو پھر کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرلی جائے، یا خلع کرلیا جائے (۱)۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور میرے حقوق کو ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو، اگر ادا نہیں کرتے تو طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ پھر شوہر اگر کوئی صورت اختیار کرلے تو بہتر ورنہ حاکم مسلم ان کے درمیان تفریق کردے، پھر عدت گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح درست ہوگا، اس سے پہلے درست ہی نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۰/۶۲ھ۔

کیا زانی شوہر سے علیحدگی کا اختیار ہے؟

سوال[۶۳۹۷]: مسماۃ انوری کا شوہر بدمعاش زانی ہے، مسماۃ کو عرصہ سے نان ونفقہ بھی نہیں دیا، نہ مسماۃ اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، اب فسخ نکاح کی کونسی صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدمعاشی اور زناکاری یا ایسے دوسرے خبیث وشنیع گناہوں کی وجہ سے شوہر سے علیحدگی کا اختیار نہیں ہے، البتہ اگر وہ نفقہ نہیں دیتا تو بذریعۂ شرعی پنچایت تفریق کرائی جاسکتی ہے، ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں اس کا پورا

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۹۱، الباب الخامس في الأكفاء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۵۱۸ باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''کیا زانی شوہر سے علیحدگی کا اختیار ہے''؟)

طریقہ مذکور ہے(۱)۔ اگر آپ کے یہاں شرعی پنچایت موجود نہ ہوتو ہتوڑا ضلع باندہ میں مولانا صدیق احمد صاحب سے مشورہ کرکے عمل کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۸/ ۱۳۹۵ھ۔

شوہر کا اپنے عہد کے خلاف کرنے سے فسخِ نکاح

سوال[۶۲۹۸]: آج سے کئی سال پہلے میں نے مسماۃ رضی سے شادی کی تھی، شادی کے وقت رضی کے والد نے مجھ سے ایک تحریر لی تھی، جس میں یہ تھا کہ ’’میں سسرال میں رہ کران کی خدمت کروں گا اور بلا کسی وجہ کے گھر سے نہیں نکلوں گا‘‘۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک ماسٹر محمد جمیل کی ڈیوٹی گھر کے پاس والے اسکول میں تھی، ماسٹر مذکورا نتہائی شریراور کمینہ رذیل خصلت آدمی ہے، اس نے میرے سسر کے ساتھ خفیہ تعلق بڑھا کر میرے خلاف کیا، اب سسر ہر وقت مجھے گھر سے چلے جانے کا حکم دینے لگا، گالم گلوچ شروع رکھا۔

مجبور ہوکر چندروز کے واسطے کاروبار کیلئے سسر کو اطلاع کرکے چلا گیا، کام پر مجھے عرصہ چھ ماہ گزر گیا۔ جب گھر واپس پہونچا تو ماسٹر مذکور نے میری منکوحہ سے تعلق پیدا کرکے اس کو بھی میرے خلاف کیا اور میری اس تحریر کو شرطیہ طلاق بنا کر سرینگر کے ایک رشوت خور مفتی بشیر سے پانچ سو روپے دے کر فتوی حاصل کرلیا، مفتی نے کہا: عدالت سے فیصلہ کروالو، میں بھی لکھ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ماسٹر مذکور نے مسماۃ رضی کو لے کر عدالت سے تنسیخِ نکاح کی درخواست دلائی جس پر جج نے نکاح فسخ کردیا۔ اور ماسٹر نے رضی کو اپنے نکاح میں لے لیا اور ازدواجی زندگی بسر کرنی شروع کی۔

---

(۱) ’’زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرے، لیکن اگر باوجودِ سعیِ بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا صحیح دعویٰ ثابت ہو کہ باوجودِ وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں‘‘۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، حکم زوجۂ متعنت، دارالاشاعت کراچی)

ماسٹر کی اس سیاہ حرکت سے سب مسلمان برہم ہیں اور چونکہ اس فتویٰ میں سیاہ کارنامہ درج ہے اس لئے وہ کسی کو دکھلاتا نہیں ہے۔ ہم نے علمائے دیوبند سے انفرادی طور پر دریافت کیا، سب نے کہا وہ تمہاری بیوی ہے ماسٹر زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اب مرکز دیوبند سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ کیا میری اس تحریر سے میری منکوحہ کو طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا فریقین کی حاضری کے بغیر قاضی فیصلہ نافذ کرسکتا ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بات اتنی ہی ہے تو آپ کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی ہے۔ بلاوجہ شرعی نکاح فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوتا (۱) اور دوسرے نکاح کی اجازت نہیں۔ مفتی صاحب کا فتویٰ یہاں بھیجیں تو اس کے متعلق کچھ کہا جائے۔ جیسا سائل سوال کرتا ہے مفتی کا جواب اسی کے موافق ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۷ھ۔

بدعمل شوہر سے مطالبۂ طلاق

سوال [۶۳۹۹]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، جب ہندہ زید کے گھر گئی تو معلوم ہوا کہ زید اغلام باز ہے اور ایک لڑکا مستقل اس کے پاس رہتا ہے، ہندہ نے زید کو بہت سمجھانے کی کوشش کی، مگر زید نہیں مانا، پھر کہنے لگا کہ تم اس مرد سے بھی زن وشوہر کے تعلق رکھو، جب ہندہ تیار نہ ہوئی تو اس پر سختی کرتا ہے، اس لئے ہندہ مجبوراً اپنے میکہ آگئی ہے۔ زید کے حالات سدھرنے کی کوئی امید نہیں ہے اور زید کے ساتھ رہنے میں حرام کا شدید اندیشہ ہے۔ اس لئے زید سے ہندہ مطالبۂ طلاق کا کرسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) قاضی کی اس تفریق سے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوا، لہٰذا دوسرے شخص کا نکاح اس عورت سے درست نہیں ہوا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ صرف پانچ عیوب کی بناء پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے: ایک اس وقت جبکہ شوہر پاگل ہوگیا، دوسرے جب وہ نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے جب وہ بالکل لاپتہ ہوگیا ہو، اور پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں، اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی فقہ میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں بنتی''۔ (حیلہ ناجزہ، ص: ۲۴۳، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اگر افعالِ خبیثہ میں مبتلا ہوتو زوجہ کو چاہئے کہ اس کو نصیحت کرے اور سمجھائے، اگر اس میں کامیابی نہ ہوتو اس کو مطالبۂ طلاق لازم نہیں، لیکن اگر وہ زوجہ کو ان حرکاتِ خبیثہ پر مجبور کرے جس سے زوجہ اپنی عصمت وعفت کو محفوظ نہ رکھ سکے تو زوجہ کو اس سے علیحدہ رہنے اور طلاق طلب کرنے کا حق حاصل ہے، ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ خلع کرلیا جائے، یعنی بیوی مہر معاف کردے اور شوہر کا دیا ہوا زیور واپس کردے اور شوہر حقِ زوجیت ساقط کردے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ظالم شوہر سے طلاق کا مطالبہ

سوال[۶۴۰۰]: ۱...... ہندہ کی شادی دوسال ہوئے زید سے ہوئی، کچھ دنوں بعد ہندہ کو سسرال والوں نے طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کردیں اور زودوکوب بھی کیا اور ہندہ کے اپنے والدین کے گھر آمدورفت پر پابندی لگادی۔

۲...... شادی سے قبل ہندہ کو زید کے بدعادت وکردار کا انکشاف نہیں ہوسکا کہ وہ شراب ودیگر منشیات کا عادی ہے، حالتِ نشہ میں والدین کے ایماء پر ہندہ پر زید سخت تشدد کرتا تھا۔

۳...... زید سے ہندہ پر تشدد کرانے کی غرض سے اس کے خسر نے زیورات چرانے اور گم کرادینے کا بھی الزام لگایا اور متعدد طریقوں سے پریشان کیا، ان ناگفتہ بہ حالات کی بناپر ہندہ کو اس کے والد گھر لے آئے اور اب وہیں مقیم ہے، شوہر سے طلاق کی خواہاں ہے۔ کیا یہ مطالبہ اس کا جائز ہے؟

---

(۱) "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حكمه، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير: ۴/۲۱۱، باب الخلع، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۴۵۳، الفصل السادس عشر فی الخلع، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳......اگر واقعات صحیح ہیں تو ہندہ کو حق ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے کہ آپ مجھے شریفانہ طور پر آباد کریں اور ظلم و بے جا تشدد سے باز آجائیں ورنہ طلاق دے دیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۱۵ھ۔

بیوی کی طرف شوہر متوجہ نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال [۶۴۰۱]: عرض ہے کہ محمد اسماعیل کی شادی ہوئے تقریباً گیارہ مہینے ہو چکے ہیں، لیکن اب تک محمد اسماعیل نے اپنی زوجہ آسیہ بیگم کو چھوا تک نہیں ہے، نکاح کے بعد تین چار دن تک آسیہ بیگم نے جبر کر کے محمد اسماعیل کی سرپرست (جو کہ خود آسیہ بیگم کی خالہ ہیں) سے کہا کہ آپ کے لڑکے کی یہ کیفیت ہے کہ وہ میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، پانی کی ضرورت ہو تو بھی وہ اپنی بھاوج سے مانگ لیتے ہیں، ایسی صورت میں میرا یہاں رہنا فضول ہے، میں اپنے میکے جانا چاہتی ہوں، جس وقت ضرورت ہوگی وہ خود محمد اسماعیل آئیں گے۔

اس انتظار میں گیارہ مہینے کا عرصہ گذر گیا، درمیان میں لڑکی کے والدین نے اپنے داماد محمد اسماعیل کے بارے میں حالات دریافت کئے تو محمد اسماعیل نے کہا کہ اگر وہ زیادہ کچھ کریں گے تو غنڈوں کے ذریعہ سے پٹائی کروں گا۔ بالآخر چند دن کے بعد دونوں طرف کے رشتہ دار ذمہ دار قسم کے لوگوں نے جمع ہو کر شوہر بیوی کو روبرو بیٹھا کر پوچھا کہ کیا تم کو بیوی چاہئے یا نہیں؟ شوہر نے کہا مجھے یقیناً چاہئے، لہٰذا اس کو میرے گھر بھیجدیں۔ اب بیوی آسیہ بیگم نے پوچھنے پر کہا کہ وہاں جا کر کیا کروں گی، میرے والد کو دھمکی دینے کے بعد اب مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے اور مجھے وہاں جانا بالکل پسند نہیں ہے، لہٰذا میں خلع لینے کے لئے تیار ہوں۔ اب اس کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان، ولا یحل لکم أن تأخذوا مما آتیتموهن شیئاً، إلا أن یخافا أن لا یقیما حدود الله، فإن خفتم أن لا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"ویجب الطلاق لو فات الإمساک بالمعروف". (الدر المختار: ۳/۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید)

جواب میں محمد اسماعیل کہہ رہا ہے کہ میں آسیہ بیگم کونہیں چھوڑوں گا اور اس خلع نامہ پر رضامند ہوکر دستخط نہیں کروں گا۔

لہٰذا ایسی نازک صورت میں ان میاں بیوی میں جدائیگی کی کیا صورت ہے؟ لڑکی کے والدین چاہتے ہیں کہ جب لڑکی وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہے تو پھر کسی طرح اس کے تعلق کو ختم کرا کر لڑکی کی کسی اور جگہ شادی کرادی جائے، لہٰذا شریعت کے حکم سے نوازیں اور خلع کی صورت سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زوجہ اپنے شوہر کے مکان پر جانے کے لئے اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو کسی طرح خوشامد کرکے لالچ دے کر مہر معاف کرکے غرض کسی بھی طرح شوہر سے طلاق حاصل کرلے، اس کے بغیر گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

اپنی بیوی کو دوسرے کے حوالہ کرنے سے نکاح کا حکم

سوال[۲۴۰۲]: ایک شخص نے تائے زاد بھائی کے ہاتھ میں اپنی بیوی کا ہاتھ دیدیا کہ میں تم کو دیتا ہوں، نہ اس کا خرچ میرے بس کا ہے، نہ خواہش پوری کرسکتا ہوں، عورت بھی تیار ہوگئی اور غیر شخص نے بھی قبول کرلیا۔ کچھ دنوں بعد دونوں مردوں میں کوئی بات بڑھ گئی، شوہر نے بیوی کو غیر مردوں سے حرام کاری کیلئے مجبور کیا، وہ عورت اس آدمی کے ساتھ جس کے حوالہ ہوئی تھی، فرار ہوگئی اور فرار کے سات سال ہوچکے ہیں، تین بچے بھی ہوچکے ہیں۔ تو کیا اس کے ساتھ رہنا اور شوہر سے تعلق ختم کردینا شرعاً کیسا ہے؟ وہ نکاح باقی ہے یا ختم ہوگیا؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی بیوی کا ہاتھ دوسرے مرد کے ہاتھ میں پکڑا دینا انتہائی بے غیرتی اور بے حیائی ہے، اس سے شرعاً نہ نکاح فسخ ہوا، نہ وہ دوسرے کی بیوی بنی (۱) بلکہ پہلا نکاح قائم ہے (۲)۔ اس عورت کو اس دوسرے آدمی سے فوراً علیحدہ ہو جانا ضروری ہے۔ شوہر اگر اس کے حقوق ادا نہیں کر سکتا تو اس کو طلاق دیدے (۳)، اس کے بعد عدت گذار کر وہ عورت اگر چاہے تو اس دوسرے شخص سے نکاح کر لے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

شوہر پاکستان چلا گیا تو عورت کو عدمِ نفقہ کی صورت میں حقِ فسخ ہے یا نہیں؟

سوال [۲۴۰۳]: مجھ مسماۃ فیاضی بیگم کا شوہر مسمّی تہور حسین عرصہ ساڑھے تین سال سے پاکستان گیا ہوا ہے اور آج تک نہیں آیا، البتہ حیات ہے، گاہ بگاہ خط وکتابت ہوتی رہتی ہے، لیکن معقول طریقہ پر نہ میری کوئی امداد کرتا ہے، نہ مجھے وہاں لے جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہے، میں بہت پریشان ہوں، گذر بسر کا کوئی سلسلہ نہیں ہے، ایک بچہ بھی میرے ہوا ہے، اس کی پرورش کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے، شوہر سے تحریری طور پر طلاق کا بھی

---

(۱) "ورکنه لفظ مخصوص". (الدر المختار). "هوما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار: ۳/ ۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۴۸، كتاب الطلاق، الباب الأول الخ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾ الآية. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"ويجب لوْ فات الإمساك بالمعروف". (الدر المختار: ۳/ ۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾. (سورة البقرة: ۲۳۲)

متعدد مرتبہ تقاضا کیا مگر طلاق بھی نہیں دیتا۔ میں ایسی حالت میں کیا کروں؟ نکاحِ ثانی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اگر شرعاً اجازت مل جائے تو بذریعۂ عدالت طلاق حاصل کروں گی۔

مسماۃ فیاضی بیگم، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عصمت وعفت کے ساتھ گذارا کی کوئی صورت نہیں تو اولاً آپ بذریعۂ عدالت نکاحِ ثانی کی اجازت حاصل کرلیں تاکہ قانونی طور پر آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جاسکے، پھر کم از کم تین دیندار معزز مسلمانوں کی کمیٹی بناکر جن میں ایک عالم معاملہ شناس بھی شریک ہوں، اس کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں، وہ کمیٹی آپ سے ہر بات کا شرعی ثبوت حاصل کرکے الحیلۃ الناجزہ میں لکھے ہوئے طریقہ پر تفریق کردے گی، یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی (۱)، اس کے بعد عدت (تین حیض) گذار کر آپ کو شرعاً دوسرے نکاح کی اجازت ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۶/۸۷ھ، الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۳/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) قال الشیخ التھانوی رحمہ اللہ: ''زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود سعیٔ بلیغ کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو، وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳-۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقہ، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۹، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دار الكتب العلميه بيروت)

شوہر پاکستان چلا گیا بیوی کیا کرے؟

الاستفتاء [۶۴۰۴] : (الف) اگر کوئی مرد یا عورت ماتحت قانون ہندوستان سے پاکستان چلا جائے تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح فسخ ہونے کا حکم دیا جائے گا؟ اگر بالفرض مرد اس قانون کے ماتحت پاکستان چلا گیا اور عورت ہندوستان رہ جائے تو ہندوستان میں کسی اَور مرد کے ساتھ اس عورت کا نکاح صحیح ہوگا؟

(ب) قانون کے ماتحت سرکارِ ہند نے زید اور اس کی زوجہ زینب کو پاکستان بھیج دیا اور ان کا لڑکا بھی پاکستان چلا گیا اور اپنی عورت ہندہ کو بوجہ ہندوستانی ہونے کے ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ اب بکر کی زوجہ اپنے ملک میں دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف، ب) محض اتنی بات سے کہ مرد پاکستان یا کسی اَور ملک چلا گیا اور وہیں کا باشندہ قرار پا گیا اور عورت ہندوستان میں ہے ان دونوں کا نکاح فسخ نہیں ہوا، ایسی عورت کو نکاحِ ثانی کا ہرگز اختیار نہیں، جب تک شرعی طور پر اپنے نکاح سے خارج نہ ہو جائے اور عدت نہ گذر جائے، شوہر کے نکاح سے خارج ہونے کے لئے طلاق یا خلع یا موتِ شوہر یا قاضی شرعی کی تفریق یا پنچایت شرعی کی تفریق ضروری ہے۔ عورت مذکورہ اگر نکاحِ ثانی کرنا چاہتی ہے تو بہتر یہ ہے کہ شوہر سے طلاق حاصل کر لی جاوے، یا مہر معاف کر کے خلع کرے (۱)، اگر اس میں کامیاب نہ ہو تو "حیلہ ناجزہ" میں لکھے ہوئے طریق کے موافق فسخ کرا لے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۵ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا یقیما حدود اللہ، فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللہ، فلا بأس بأن تفدی نفسھا منہ بمال یخلعھا بہ". (الھدایۃ: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعید)

(۲) (حیلہ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجہ متعنت فی النفقہ، دارالاشاعت)

شوہر دوسری جگہ نکاح کر کے رہتا ہے، تو یہ بیوی کیا کرے؟

سوال[۶۴۰۵]: ایک عورت منکوحہ جس کا نکاح دس برس پہلے ہوگیا اور اس کا شوہر چھ ماہ بعد افریقہ چلا گیا اور نو برس سے زیادہ ہوگیا ہے اور عورت کے لئے خوراکی اور پوشاکی قدرے قلیل روانہ کیا کرتا ہے جو منکوحہ کے لئے ناکافی ہوتا ہے جس کی بناء پر مشقت جھیلتی ہے۔ اس وقت منکوحہ کی عمر پچیس سال ہے، یعنی شبابیت کا زمانہ ہے اور شوہر اس کو افریقہ بلاتا بھی نہیں اور نہ طلاق دیتا ہے اور وہاں دوسری شادی کرلی ہے جس سے تین اولادیں ہیں اور یہاں آتا بھی نہیں۔

ایسی صورت میں منکوحہ مذکورہ اپنے زوج کے شدائد سے عاجز ہے جو واقعی ایک انسان کی صورت میں بھی برداشت نہیں کرسکتا، لہٰذا اس کو فسخ کرنے کی کیا صورت ہے، کیا حاکم کے روبرو کسی امام کے نزدیک ائمۂ اربعہ میں سے فسخ ہوسکتا ہے؟ فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت عفت کے ساتھ کسبِ معاش کر کے اپنے خورد ونوش کا انتظام نہیں کرسکتی اور بالکل عاجز ہوچکی ہے تو اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر، یا مفت اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرلے، یا خلع کرلے۔ اگر باوجود انتہائی کوشش کے یہ دشوار اور ناممکن ہو تو پھر سخت مجبوری کی حالت میں (بنا بر مذہب مالکیہ) اس کی بھی گنجائش ہے کہ عورت حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور بیان دے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور باوجود قدرت کے میرے حقوق ادا نہیں کرتا اور نہ طلاق دیتا ہے۔

اس پر حاکم باقاعدہ تمام واقعات کی تحقیق وتفتیش کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو شوہر کو طلب کر کے کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دے دو ورنہ ہم تفریق کردیں گے پھر اگر وہ کوئی صورت اداء حقوق یا طلاق کی اختیار کرے تو خیر ورنہ حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/۴/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

---

(۱) ''اس عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے وہ تو یہ ہے کہ اس خاوند کو خلع پر راضی کیا جاوے، اگر وہ سنگ دل =

بھنگن سے ناجائز تعلق کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوا

سوال[۶۴۰۲]: زید کا ایک بھنگن سے ناجائز تعلق ہوگیا، زید اس کو لے کر فرار ہوگیا، معلوم ہوا کہ زید نے بھنگن کے ساتھ خنزیر کا گوشت کھایا، پھر زید آ گیا اور بھنگن کو اس کے گھر والے کے حوالہ کردیا۔ اب زید کے سسرال والے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کو رکھنے پر ہرگز تیار نہیں ہیں اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ رہنے پر تیار نہیں ہے۔ اگر بیوی اس کے پاس رہے تو کوئی حرج ہے؟ اگر بیوی چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی ان کمینہ اور فحش حرکات کے بعد بھی اس کا نکاح اپنی بیوی سے ختم نہیں ہوا(۱)۔ زید کے ذمہ

=خلع پر راضی نہ ہوتو پھر اگر یہ عورت صبر کر کے اپنا زمانہ عفت میں گزار سکے تو بہتر، ورنہ جب گزارہ اور نان ونفقہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق صورت ذیل اختیار کر کے رہائی حاصل کرے۔ وہ صورت یہ ہے کہ اولاً قاضی کے پاس مقدمہ پیش کر کے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا اور نہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، غرض نفقہ کا وجوب بھی اس کے ذمہ ثابت کرے اور یہ بھی کہ وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے اور ان سب باتوں پر حلف بھی کرے۔ اس کے بعد اگر کوئی عزیز واقارب یا اجنبی اس کے نفقہ کی کفالت کرے تو خیر، ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ: یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، یا اس کو بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کردیں گے۔

اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے، تو قاضی ایک مہینے کے مزید انتظار کا حکم دے، اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو اس غائب کی زوجیت سے الگ کردے۔

كما في الرواية الثانية .... اور یہ ظاہر ہی ہے کہ تفریق کے لئے عورت کی طرف سے مطالبہ شرط ہے، پس اگر اس غائب کا جواب آنے کے بعد عورت مطالبہ ترک کردے تو پھر تفریق نہ کی جائے گی''۔ (حیلۂ ناجزہ، حکم زوجہ غائب غیر مفقود، ص:۷۷، ۷۸، دارالاشاعت کراچی)

(۱) "وركنه لفظ مخصوص هو ما جُعل دلالةً على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/ ۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، ۳۸۱، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع ۴/ ۲۱۰، كتاب الطلاق، فصل في ركن الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

لازم ہے کہ سچی توبہ کرے اور دل سے نادم ہو(۱) اور آئندہ کبھی فعلِ حرام اور اکلِ حرام کے قریب نہ جائے (۲)، پھر بیوی کو بھی اس کے پاس رہنا درست ہے۔ جب تک شوہر طلاق نہ دیدے پھر عدت نہ گذر جائے، بیوی کو دوسری جگہ نکاح کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۸۸ھ۔

شوہر کے نامرد ہونے کی حالت میں غیر مرد سے تعلق قائم کرنا

سوال[۶۴۰۷]: میری شادی مسمی غلام احمد کے ہمراہ ہوئی کہ جس کو عرصہ تخمیناً بارہ یا تیرہ سال گزرا، چندروز تو مجھ کو میرے شوہر مذکور نے اپنی زوجیت میں رکھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قابلِ عورت نہیں ہے، چندروز کے بعد مجھ کو شوہر نے میرے والد کے گھر پہونچا دیا اور ہنوز کوئی خبر اخراجات کی نہیں لی۔ میری شادی سے بیشتر دو شادی مسمی غلام احمد کی ہو چکی ہیں، دونوں بیویاں بوجہ نامرد ہونے کے اس کے گھر سے چلی گئیں اور دوسری جگہ دونوں نے اپنی اپنی شادی کر لی بلا طلاق دیئے ہوئے۔ غلام احمد کے ساتھ مجبور ہو کر اپنی گزر بسر کیحیثیت

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ (البقرة: ۱۷۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين﴾ (البقرة: ۲۲۲)

"وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح، الفصل الثالث، باب الاستغفار و التوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) "أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً". (رد المحتار: ۳/۱۳۲، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۰، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير، دارالكتب العلمية بيروت)

مزدوری کر کے کرتی رہی۔

جب بہت زیادہ مجبور ہوگئی تو میں نے ایک شخص سے اپنا تعلق پیدا کرلیا اور غلام احمد کو مطلع کردیا کہ جب تم نے عرصہ نو سال سے میری خبر گیری نہ لی اور نہ مجھ کو اپنے پاس بلایا تو میں نے اپنا انتظام خود کرلیا ہے، تم مجھ کو طلاق دے دو تو میں اپنا عقد کرلوں، چند مرتبہ اس واقعہ سے اس کو مطلع کیا گیا، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ آخر کار اس شخص سے جس سے میں نے اپنا تعلق کیا تھا، اس کے نطفہ سے ایک بچہ پیدا ہوا جو کہ حیات ہے۔ اس کے بعد پھر غلام احمد کو اس واقعہ کی خبر دی اور اس سے طلاق چاہی، مگر وہ طلاق نہیں دیتا ہے اور اس کو عرصہ نو سال سے خوب معلوم ہے کہ میری بیوی جائز ناجائز کر کے اپنا گزر بسر کر رہی ہے اور ایک بچہ بھی پیدا ہوگیا ہے، پھر بھی طلاق دینے سے گریز کرتا ہے، اس کو ایک ضد ہے۔

اگر سائلہ اپنے فسخِ ازدواج کی بابت عدالتی کاروائی کرے اور عدالت میرے حق پر فیصلہ کردے اور روبروئے عدالت کے غلام احمد مذکور اپنی زبان سے طلاق نہیں دیتا تو فیصلہ کے بعد بموجب شرع محمدی کے کیا تجویز کی جاوے؟ چونکہ شوہر اپنی زبان سے طلاق طلاق طلاق بیوی کے حق میں اَدا نہ کرے تو کس طرح سے طلاق ہوجائے گی؟ سنا گیا ہے کہ مسئلہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسی کی بیوی بلا اجازت اپنے شوہر کے غیر مرد کے سامنے ہوجاوے یا کہیں چلی جاوے تو نکاح سے باہر ہوجاتی ہے؟ یہ ایک بہت اہم بات ہے کہ غلام احمد تو طلاق نہ عدالت میں دے گا اور نہ تو پنچایت میں دے گا، اس کو ایک ضد ہے کہ چاہے بچہ ہو طلاق نہیں دوں گا اور عدالت زبردستی طلاق دلانے پر مجبور نہیں کرتی ہے۔ تو سائلہ اپنا عقدِ ثانی کس طرح سے کرسکتی ہے؟ اور نہ سائلہ اس کے گھر میں جانا چاہتی ہے اور نہ غلام احمد میرے خلاف کوئی عدالتی کاروائی کرنا چاہتا ہے۔

سائلہ اس امر کی استدعا کرتی ہے کہ کونسا فتویٰ اس امر میں اجازت دیتا ہے جس سے سائلہ غلام احمد کی پابندی سے محفوظ رہے اور سائلہ اپنا عقد ثانی کرے؟ چونکہ یہ بات اکثر مشہور ہے کہ کوئی ایسا کام کہ جس سے شوہر کی ناراضگی ہو یا اس کی عزت میں فرق آجاوے اس کی ہُو کے نہ رہے تو نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور سائلہ کا واقعہ اس فقرہ سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔

قانون اور شرع میں بہت فرق ہے، عدالت کے فیصلے پر عام نکاح نہیں پڑھا سکتے ہیں، چونکہ شرع محتاج ہے شوہر کی زبان سے طلاق کہنے کی شرع محمدی میں ص:٦ پر صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ’’جو عورت اور مرد

بلا نکاح کے زن وشوہر کی طرح رہتے ہوں تو مانند نکاح کے ہوگئے اور جو بچہ پیدا ہوگا وہ اپنے باپ سے صحیح النسب اور وارث ترکہ کا مستحق ہوگا"۔ سائلہ نہایت ادب کے ساتھ التجا کرتی ہے کہ سائلہ بہت مصیبت زدہ عورت ہے۔ سائلہ کے حق میں اس امر میں فتویٰ عنایت مرحمت کیا جاوے تا کہ اس عذاب سے نجات حاصل ہو۔ فقط والسلام۔

محلّہ منوگنج، معرفت مفتی خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک تمہارا شوہر غلام احمد طلاق نہ دے اس وقت تک تمہارا نکاح کسی دوسری جگہ درست نہیں (۱)۔ اور یہ بات کہ ایسا کام جس سے شوہر کی ناراضگی ہو، یا اس کی عفت میں فرق آجاوے اس کی بیوی کرے تو نکاح سے باہر ہوجاتی ہے بالکل غلط ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، پس تمہارا کسی غیر شخص سے تعلق پیدا کر کے محبت کرنا قطعاً حرام اور زنا ہے (۲)۔ اور جو بچہ اس حرام کاری سے پیدا ہوا ہے اور غلام احمد کہتا ہے کہ میرا نہیں اور تم کو اقرار ہے کہ وہ نطفہ حرام ہے تو اس کو غلام احمد کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اور نہ وہ اس کا بیٹا ہے اور اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس شخص کے نطفہ سے غلط طریقہ سے یہ پیدا ہوا اس کا بھی بیٹا نہیں، اس کے ترکہ سے بھی وارث نہیں ہوگا (۳)۔

---

(۱) "و لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، و کذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التي یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(و کذا في رد المحتار: ۳/۱۳۲، باب المهر، مطلب في النکاح الفاسد، سعید)

(و کذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۶۶، کتاب النکاح، باب المحرمات، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ ﴿و لا تقربوا الزنا إنه کان فاحشةً و ساء سبیلاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۲)

(۳) "فلو زنیٰ بامرأة، فحملت، ثم تزوجها، فولدت ...... إن جاءت به لأقل من ستة أشهر، لم یثبت نسبه منه .... أما إن قال: إنه مني من الزنا، فلا یثبت نسبه و لا یرث منه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۴۰، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشیدیه)

اور تمہارے شوہر نے تم سے ایک مرتبہ بھی صحبت نہیں کی اور تم کو نکاح سے قبل اس کا علم نہیں تھا کہ غلام احمد نامرد ہے اور معلوم ہونے کے بعد تم نے اس کے ساتھ باوجود نامرد ہونے کے رضامندی ظاہر نہیں کی یعنی یہ نہیں کہا کہ خیر جیسا بھی ہے اس کے ساتھ زندگی گزاردوں گی۔ تم کو چاہئے کہ تم عدالتِ مسلمہ میں یعنی حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرو کہ میرا شوہر نامرد ہے، ایک مرتبہ بھی مجھ سے جماع نہیں کر سکا۔ اس پر حاکم غلام احمد کو بلا کر دریافت کرے گا، اگر غلام احمد نے اقرار کیا تو ایک سال مدت علاج کے لئے دیدے، اگر اس مدت میں علاج کر کے صحبت کرنے پر قادر ہوگیا تب تو خیر، ورنہ حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے، اس کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۱)۔

اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کر سکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کا بھی ہونا ضروری ہے اور رسالہ حیلہ ناجزہ کو بھی بغور دیکھ لیا جاوے (۲)۔ اس میں اس مسئلہ کو خوب تفصیل سے لکھا ہے۔

اگر غلام احمد نے ایک مرتبہ بھی صحبت کرلی ہے، یا نکاح سے پہلے تم کو اس کے نامرد ہونے کا علم تھا، یا علم ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر کردی ہے تو اب تم کو تفریق کا حق نہیں رہا، لیکن اگر وہ نفقہ نہیں دیتا ہے تو حاکم کے یہاں دعویٰ کیا جاوے حاکم شوہر کو کہے کہ تم نفقہ دو، ورنہ طلاق دے دو، نہیں تو ہم تفریق کردیں گے۔ اگر شوہر کوئی صورت اختیار کرے تب تو خیر، ورنہ حاکم مسلم تفریق کردے۔ اور بہتر صورت تو یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر، یا ڈرا کر، یا مہر وغیرہ معاف کر کے اور کچھ روپیہ دے کر غلام احمد سے طلاق حاصل

---

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي و ادّعت أنه عنين و طلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل، فإن أقرّ أنه لم يصل، أجّله سنةً .... جاء ت المرأة إلى القاضي بعد مضى الأجل وادعت أنه لم يصل إليها......... إن اختارت الفرقة، أمر القاضي أن يطلقها طلقةً بائنةً، فإن أبى، فرّق بينهما، والفرقة تطليقة بائنة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۳، ۵۲۴، باب في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۴۹۶، ۵۰۰، باب العنين، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۳، باب العنين، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (الحلية الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۵۰، ۱۵۳، زوجۂ عنین کا حکم، دارالإشاعت کراچی)

کرلی جاوے(۱)، اس کے بعد عدت گزار کر نکاحِ ثانی کرلیا جائے۔ اور جو ناجائز تعلق قائم کر رکھا ہے یہ کبیرہ گناہ ہے، اس کو فوراً چھوڑنا واجب ہے اور توبہ فرض ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

عبداللطیف، مظاہر علوم سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۶/۳ھ۔

سختی کرنے والے شوہر سے علیحدگی

سوال[۶۴۰۸]: میری لڑکی کو گھر پر چار سال ہوگئے ہیں، اس کی سسرال والے بہت تنگ کرتے ہیں، نہ کھانے کو دیتے ہیں، نہ پہننے کو اور اس کو مار ڈالنے تک کا ارادہ کرلیا تھا، اب لڑکی وہاں پر کسی حال میں جانا نہیں چاہتی، اب بھی اس کی جان کا خطرہ ہے، ہم غریب آدمی ہیں، اس صورت میں آپ فوراً اس کا نکاح فسخ کردیں تاکہ لڑکی کو دوسری جگہ بٹھا سکوں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی لڑکی کو شوہر سے الگ کرنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ شوہر نامرد ہو تو اس کے لئے بھی فوراً علیحدگی نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لئے عدالت یا شرعی پنچایت میں درخواست کی ضرورت ہوگی، شوہر کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دی جائے، اگر پھر بھی وہ جماع پر قادر نہ ہوسکا تب علیحدگی کا حکم کیا جائے گا(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع و ما في حكمه، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يحب التوابين و يحب المتطهرين﴾ (سورة البقرة: ۲۲۲)

(۳) "وإذا كان الزوج عنيناً أجّله الحاكم سنةً، فإن وصل إليها فبها، وإلا فرّق بينهما إذا طلبت المرأة ذلك، وتلك الفرقة تطليقة بائنة". (الهداية: ۲/۴۲۰، ۴۲۱، باب العنين وغيره، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۱، باب العنين، دارالكتب العلمية بيروت)

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ لڑکی پر مار پٹائی اور سختی کی جاتی ہے، خرچ نہیں دیا جاتا ہے، وہ نفقہ سے مجبور ہے تو اس کے لئے بھی عدالت یا شرعی پنچایت میں درخواست کی ضرورت ہوگی، پھر اگر شوہر سختی سے باز آجائے، نان نفقہ دینے کا وعدہ کرلے تو لڑکی کو علیحدگی کا حق نہیں رہے گا۔ اگر وہ سختی سے باز نہ آئے اور نان نفقہ دینے کا وعدہ نہ کرے تو علیحدگی کرادی جائے گی (۱)۔ الحاصل ہمارے اس فتوے سے لڑکی کو فوراً نکاحِ ثانی کا حق نہیں مل سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

مظلومہ کی گلوخلاصی

سوال [۶۴۰۹]: کیا ماں باپ کو شرعاً اس بات کا اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو شوہر کے مکان سے اس کی سختیوں کی بنا پر نکال لیجائیں اور وہ بیچارہ مجبوریوں کی وجہ سے کچھ نہ کرسکے؟ فقط۔

المستفتی: احقر محمد نعیم بستوی، موضع گڈھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر ناقابلِ برداشت سختی کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اول اس کو سمجھایا جائے، اگر وہ باز نہ آئے تو کسی طرح لالچ دے کر یا دباؤ ڈال کر اس سے طلاق لے لیجائے، یا خلع کرلیا جائے (۲)۔ اگر یہ دشوار ہو تو عورت

---

(۱) ''عورت (زوجۂ متعنت) اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجودِ وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو کر طلاق واقع کردے''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ ﴿فإن خفتم أن لا یقیما حدود اللہ، فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

''وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللہ، فلا بأس بأن تفدی نفسہا منہ بمال یخلعہا بہ''۔ =

حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، وہ علماء کے مشورہ اور فتویٰ کے ماتحت فیصلہ کردے گا(۱)، بجز اس کے شوہر کے گھر سے نکالنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس جدائی سے شوہر کو بھی اذیت ہوگی اور بیوی کو بھی اور دونوں کے حقوق ضائع ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۴ھ۔

حرمتِ مصاہرت سے تفریق

سوال[۶۴۱۰]: مسماۃ فاطمہ اپنے شوہر زید کے گھر بطریق سکونت گئی اور پدر زید مسمی عمر بھی ہمراہ پسر خود زید سکونت پذیر ہے۔ کچھ عرصہ بعد مسماۃ فاطمہ نے اپنے میکے جاکر خسر خود عمر کو متہم کیا کہ میرے خسر عمر نے بنگاہ بد مجھے پکڑا اور ارادہ بدکار رکھتا ہے اور کوئی گواہ موجود نہیں، بلکہ عام لوگ کہتے ہیں کہ واقعی یہ واقعہ درست ہے، مگر شاہد عینی کوئی نہیں، خصومت میں سب لوگ انگشت نما ہیں۔ پنچایت نے زوجہ فاطمہ کو شوہر سے چھڑالیا یعنی بلا طلاق حاصل کئے کوئی نکاح غیر پڑھانا چاہتے ہیں۔ جواب تحریر فرمادیں؟ ۲۱/شعبان/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو مسماۃ فاطمہ کے قول کے صدق کا یقین یا ظنِ غالب ہے تو وہ زید پر حرام ہوگئی، لیکن اس سے نکاح نہیں ٹوٹا، جب تک متارکت ومفارقت اس طرح نہ ہوجائے کہ زید کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یا طلاق دیدی، تیرا دل جہاں چاہے نکاح کرلے اور اس کے بعد عدت گذر جائے، اس وقت تک دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ اگر زید کو اس کے صدق کا یقین اور ظن غالب نہیں تو وہ حرام ہی نہیں ہوئی، لہٰذا اس کا دوسرا نکاح درست نہیں، اس کے لئے زید کی طرف سے طلاق ومفارقت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اس کے نکاحِ ثانی میں شرکت کرنے والے اگر مسئلہ جاننے کے باوجود شریک ہوں گے تو گنہگار ہوں گے ان کو توبہ کرنا لازم ہے۔

= (الهداية: ۲/۴۰۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۱) "زوجۂ متعنت قضائے قاضی کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے"۔ (حیلہ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حكم زوجة متعنت في النفقه، دار الاشاعت كراچى)

"وثبوت الحرمة بمسها مشروط بأن يصدّقها أو يقع في أكبر رأيه صدقُها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها: لايحرم على أمه وابنه، إلا أن يصدقاه، أو يقع على ظنهما صدقُه". فتح القدير: ۲/۳٦۷(۱)۔

"وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وإنقضاء العدة، والمتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها: كتركتك أو خليت سبيلك، الخ". ردالمحتار: ۲/٤۳۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۸/۵٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۴/رمضان/۵٦ھ۔

تین طلاق کے بعد بھی شوہر نہ چھوڑے، تو کلمۂ کفر ادا کرنے کا حکم، ارتداد کے بعد اس شرط پر اسلام قبول کرنا کہ "میرا نکاح دین دار شخص سے ہو"

سوال[۶۴۱۱]: ایک عورت کا نکاح ایک ناخواندہ بے نمازی شخص سے ہوا، مگر عورت کے والد نے اپنے داماد سے قبل از نکاح ادائے نماز کا پختہ طور پر حلفی وعدہ کرلیا تھا، لیکن بعد نکاح ثابت ہوا کہ وہ شخص کبھی کبھی نماز پڑھ لیتا ہے اور مدت دراز سے وہ اغلام بازی کا عادی اور سود خوری کا عادی ہے اور اس کی زوجہ نماز کی نہایت پابند اور روزانہ تلاوتِ قرآن مجید کی بڑی صحت الفاظ سے کرنے والی، فیشن انگریزی سے بہت متنفر، امور خانگی میں خوب ہوشیار، بائیس سالہ عمر کی ہے۔ اور اس عورت نے اردو کی لکھائی پڑھائی اپنی والدہ سے اپنے گھر پر حاصل کی ہے۔

اس کے شوہر نے اپنی عورت سے سامانِ جہیز سے گوٹہ اور تمام طلائی اور نقرئی زیور جبراً لے کر کچھ تو

---

(۱) (فتح القدير: ۲۲۲/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۲۷/۱، باب المحرمات، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۷/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۰/۱، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۴/۳، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچی)

فروخت کردیا اور کچھ گروی رکھ دیا، جب اس کی زوجہ نے اس سے یہ کہا کہ میرے باپ کا دیا ہوا سامان جہیز ہے، میں اس کو ضائع کرانا نہیں چاہتی، اس کی مالک میں ہوں تو اتنا کہنے پر شوہر نے اپنی زوجہ کو خوب مارا اور یہ کہا کہ ''جب میں تیرے جہیز کا مالک نہیں تو پھر میں تیرا بھی مالک نہیں بنتا، اب میرے گھر سے تو نکل، میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی''۔ یہ کلمہ ''طلاق دی'' سات آٹھ مرتبہ یکدم کہہ دیا۔

عورت نے اس واقعہ کی تحریری اطلاع اپنے باپ کو دی تو عورت کے والد نے واقعہ طلاق کو اپنے داماد سے دریافت کیا تو داماد نے یہ بیان کیا کہ بے شک میں نے سات آٹھ مرتبہ یہ کہہ دیا کہ ''میں نے تجھ کو طلاق دی''، طلاق دی لیکن میں نے تو یہ مذاق سے کہا تھا، کیونکہ میں نے اپنی زوجہ کو کوئی زیادہ نہیں مارا تھا تب بھی اس نے آدھے دن تک رونا بند نہیں کیا۔

مگر اس طلاق دہندہ کے عزیز واحباب نے اس کو یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ طلاق کا اقرار کرنے سے تو تیری زوجہ آزاد ہوجائے گی، بہادری تو یہ ہے کہ اپنی زوجہ کو ہرگز آزاد نہ ہونے دے، بلکہ اس کو زندگی بھر خوب تنگی اور سختی کے ساتھ باندی سے بدتر بنا کر رکھ۔ اب اس عورت کا شوہر طلاق سے منکر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ عورت کو زندگی بھر مقید رکھنے کی ضرورت سے طلاق نہ دوں گا۔

اب عورت نے اس خیال سے کہ فساد زوجین بڑھ چکا ہے اور اب اس شوہر کے پاس اپنے سے ارتکاب زنا کا ہوا کرے گا اور پھر مصائب بے اندازہ سابق سے زیادہ شوہر کی جانب سے ہوتے رہیں گے اور وہ برداشت نہ ہوسکیں گے تو خودکشی کرنی پڑے گی اور اس وجہ سے اس عورت نے شوہر کے مظالم سے رہائی حاصل کرنے کی نیت سے یہ کلماتِ کفر ادا کردیئے کہ ''میں قرآن کو کلام الٰہی ہرگز نہیں مانتی اور مذہب اسلام سے بیزار ہوکر دینِ اسلام کو اس وجہ سے ترک کرتی ہوں تاکہ ظالم شوہر کے نکاح میں مقید رکھے جانے کے اس بدتر مشورہ کی ضد سے بچ سکوں جو میرے سسرالیوں نے باہم مشورہ طے کرلیا ہے''۔

اب اس عورت کے والد نے نہایت تیزی سے اسلام کی حقانیت کے دلائل اور اس کی خوبی اور اسلام ترک کرنے کی خرابی سنا کر اپنی دختر کو مسلمان بنالیا ہے، مگر وہ عورت یہ کہتی ہے کہ اگر مجھ کو اس ظالم شوہر کی حوالگی میں رکھے جانے کی سعی ظالمانہ کی جاوے گی، میں تحریری اطلاع کے ذریعہ عیسائی، یا آریہ گروہ سے امداد طلب کر کے ان کے ساتھ شامل ہوجاؤں گی، ورنہ بہتر یہ ہے کہ کسی متقی خداترس مسلمان سے میرا نکاح کردیا جائے۔

لہٰذا دریافت طلب اولاً: یہ امر ہے کہ یہ عورت کلماتِ کفریہ بالا سے مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ ثانیاً: عورت کا بشرط بالا اسلام قبول کرنا صحیح ہے یا بلا شرط اسلام قبول کرنا صحیح ہے اور ضروری ہے؟ ثالثاً: یہ کہ عدت اس عورت کی غیر حاملہ ہونے کی حالت میں کتنی ہوگی؟

محمد حکمت اللہ، از شاہجہانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....صورت مسئولہ میں عورت کے سامنے طلاق دی گئی ہے، لہٰذا عورت کو ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ کسی طرح اس طلاق دینے والے کو اپنے اوپر قابو دے(۱) اگر اس طلاق دینے کے یا اقرار کرنے کے کم ازکم دو معتبر دیندار گواہ موجود ہیں تو باقاعدہ عدالت کے ذریعہ سے، یا پنچائت کے ذریعہ سے عورت اپنا فیصلہ کرکے علیحدہ ہوسکتی ہے(۲)۔کلماتِ کفریہ زبان سے ادا کرنا بالکل حرام ہے، فسخ کرانے کے لئے مفتی بہ قول کی بناء پر کلماتِ کفریہ کو زبان سے ادا کرنا کافی نہیں (۳)، بلکہ طلاق کا ثبوت پیش کرکے عدالت یا پنچایت کے ذریعہ سے فیصلہ

(۱) "سمِعَتْ من زوجها أنه طلقها، ولا تقدر على منعه من نفسها إلا بقتله، لها قتلُه بدواء خوف القصاص، ولا تقتل نفسها. وقال الأوزجندی: ترفع الأمر للقاضی، فإن حلف ولا بينة، فالإثم عليه". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لها قتله بدواء) قال في المحيط: وينبغي لها أن تفتدی بمالها أو تهرب منه". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، قبیل باب الإيلاء: ۴۲۰/۳، ۴۲۱، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۴۷۵/۱، رشيديه)

(۲) "ولو شهد عندها عدلان على الرضاع بينهما أو طلاقها ثلاثاً وهو يجحد، ثم ماتا أوغابا قبل الشهادة عند القاضي، لايسعها المقام معه ولا قتله، به يفتى". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الرضاع: ۲۲۵/۳، سعيد)

"قضاء الحكم في الطلاق والعتاق والنكاح والكفالة بالمال والنفس والديون والبيوع والكفارات والقصاص وأرش الجنايات وقطع يد عمداً ببينة عادلة جائزٌ، إذا وافق رأی القاضی". (فتح القدير، کتاب أدب القاضی، باب التحكيم: ۳۱۸/۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا في الهداية، کتاب أدب القاضی، باب التحكيم: ۱۴۴/۳، مکتبه شرکة علميه ملتان)

(۳) "تكلم بكلمة ليست بكفر، فقال له رجل: كفرت بهذه الكلمة، فقال: کافر شده گير، يكفر". (الفتاویٰ =

حاصل کیا جائے۔

۲......اسلام قبول کرنے کے لئے شرط پیش کرنا سخت جہالت اور حماقت ہے، بلاشرط تجدیدِ اسلام فرض ہے۔

۳......عدتِ طلاق ایسی حالت میں تین حیض ہے، اگر کم ازکم دو معتبر گواہ طلاق کے موجود ہیں تو تین حیض گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے، خواہ ان گواہوں کے سامنے طلاق دی ہو یا طلاق کا اقرار کیا ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

عبد اللطیف، مدرسہ ہذا۔

بھورہ لڑکی اگر اسلام قبول کرلے تو شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی یا نہیں؟

سوال[۶۴۱۲]: اگر داودی بھورا قوم کی لڑکی اسلام قبول کرلے تو وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مجھے اس قوم کے عقائد کا حال معلوم نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ جو بھی غیر مسلم عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے تو تین حیض گذرنے پر اس کا نکاح ختم ہو جائے گا(۲)، پھر تین حیض عدت واجب

= البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، الخامس في الإقرار بالكفر: ٦/ ٣٣١، رشيديه)

(وكذا مالا بدمنه فارسي، باب كلمات كفر از فتاوائے برهاني، ص: ١٢٣، مكتبه شركة علميه ملتان)

(١) قال الله تعالى: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء﴾ (سورة البقرة: ٢٢٨)

وقال الله تعالى: ﴿ والّٰئي يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم، فعدتهن ثلثة أشهر، والّٰئي لم يحضن، وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (سورة الطلاق: ٤)

(٢) "لو أسلم أحد المجوسيين في دار الحرب، بانت منه بمضي ثلاث حيض أو ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة". (رد المحتار: ٣/ ١٩٢، مطلب في فرق النكاح، سعيد)

ہوگی، اس کے بعد دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۷ھ۔

زوجہ صبی کا حکم

سوال[۶۴۱۳]: ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح عرصہ تخمیناً چھ سال کا ہوا کردیا تھا، اس وقت لڑکی کی عمر تخمیناً چھ سال تھی اور لڑکے کی عمر تخمیناً ۵،۶/ سال تھی۔ اب لڑکی کی عمر ۱۲/ سال ہے اور وہ نابالغ ہے، مگر ظاہر طور پر لڑکی لڑکے سے بڑی معلوم ہوتی ہے اور آئندہ یہ امید ہے کہ یہ رشتہ کامیاب نہیں ہوگا، کیونکہ لڑکی قریب بلوغ ہے اور لڑکا ہم بستر نہیں ہوسکتا جب کہ نابالغاں کا نکاح ان کے ولیوں نے کیا ہے اور محض ولیوں ہی کو قابلِ قبول ہے۔ تب ولی نکاح مذکور کو فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں، اگر ولی نکاح کو فسخ نہیں کرسکتے ہیں تو نکاح کے فسخ کرنے کی سبیل کیا ہے۔ کیوں کہ لڑکی قربِ بلوغ ہے اور لڑکا اس سے ہمبستر نہیں ہوسکتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی اس نکاح کو فسخ نہیں کراسکتا، کوئی سبیل نہیں بجز اس کے کہ لڑکا بالغ ہوکر خود طلاق دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مظاہر علوم۔

شوہر نابالغ زوجہ بالغ

سوال[۶۴۱۴]: عورت جوان ہو، خاوند بچہ نابالغ ہو اور وہ عورت زناکاری کرنے لگ جاوے اور

---

(۱) "ولو أن رجلاً طلق امرأة الصبي، فقال الصبي بعد بلوغه: أوقعت الطلاق الذي أوقعه فلان، يقع. ولو قال: أجزت ذلک، لایقع شيء". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الأول، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه: ۱/ ۳۵۳، رشیدیه)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الطلاق، الفصل الثالث في بیان من یقع طلاقه ومن لایقع طلاقه: ۳/ ۳۴۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

بھاگنے لگ جاوے تو شرعاً اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک لڑکا بالغ ہوکر طلاق نہ دے یا خلع نہ کرے عورت کا نکاح دوسری جگہ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۲، رشیدیه)

فصل فی زوجۃ المفقود والغائب

(لاپتہ اور غائب شخص کی زوجہ کا بیان)

زوجۂ مفقود

سوال[۶۴۰۵]: ۱۹۲۸ھ ماہ ذی الحجہ میں لڑکی کی شادی ہوئی (جبکہ وہ نابالغ تھی) جس کو عرصہ ۴/ یا ۵/ سال کا ہوا، لڑکی کا شوہر شادی سے ۴، ۵/ ماہ بعد کسی طرف نکل گیا اور آج تک لاپتہ ہے، ہر چند اس کے والدین نے اس کی تلاش کی، لیکن اس کا پتہ نہ ملا۔ لڑکی چار سال سے بالغ ہوگئی ہے، لڑکی کے والدین فوت ہو چکے ہیں، صرف دو بھائی تایازاد ہیں، اور کوئی وارث نہیں، اس کی گذر اوقات کی سبیل، جو کچھ شرع شریف کے مطابق ہو، مطلع فرماویں۔

رشید احمد ولد محمد صدیق، ضلع سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلۂ مفقود میں فقہائے حنفیہ نے بضرورت مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت قاضی شرعی یا حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور گواہوں کے ذریعہ سے ثابت کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنے دنوں سے مفقود ہے اور اس نے میرے لئے کوئی نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کوئی کفیل چھوڑا، میرے پاس نان ونفقہ موجود نہیں، خرچ کی وجہ سے پریشان ہوں۔

اس پر حاکم اس مفقود کی تلاش وجستجو کرے گا، جب پوری پوری تلاش وجستجو کے بعد مایوس ہو جائے تو اگر مناسب سمجھے تو اس عورت کو ایک سال تک انتظار کا حکم دے گا، انتظار کی مدت پوری کرنے کے بعد نکاح فسخ کر دے گا۔ اس کے بعد اگر خلوتِ صحیحہ یا جماع کی نوبت آچکی ہے تو عدت گذار کر، ورنہ جب ہی وہ عورت

دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵/ رجب المرجب۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب المرجب۔

ایضاً

سوال[۶۱۴۱]: ایک لڑکا دو سال سے لاپتہ ہے جس کا کوئی پتہ نہیں ہے، نہ کوئی خط وکتابت ہے اور گزٹ (۲) بھی کرلیا ہے، پولیس کی معرفت بھی تفتیش کرائی ہے، اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ہے۔ اس کی منکوحہ کے واسطے کیا فتویٰ ہے کہ کتنی مدت تک انتظار کرے؟ اور منکوحہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہے، منکوحہ کے وارث یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے میں گنجائش نہیں، ہم اس کو روکیں۔ علمائے دین سے التجا ہے کہ اس کا کوئی راستہ آسان تجویز کردیں کہ وہ اپنا نکاح کرلے یا نہیں؟ اور نکاح کرے تو کتنی مدت میں کرے؟

العبد: حافظ محمد ابراہیم بقلم خود۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں عورت کو چاہیے (کہ) حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرکے اس لاپتہ شخص سے اپنا نکاح گواہوں کے ذریعہ سے ثابت کرے اور حلفیہ بیان دے کہ اتنے زمانہ سے میرا شوہر غائب ہے، نہ مجھے خرچ دے کر گیا ہے، نہ کسی کو نفقہ کا کفیل بنا کر گیا ہے، نہ وہاں سے بھیجتا ہے۔ اس پر حاکم از خود اس کو تلاش کرائے اور جب تلاش کے بعد مایوس ہوجائے تو حاکم اس عورت کو چار سال انتظار کرنے کا حکم دے،

---

(۱) "قال مالک والأوزاعي: إلى أربع سنين، فينكح عرسه بعدها كما في النظم، فلو أفتى به في موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما أظن". (جامع الرموز: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود، سعيد)

"فلو أفتى مفت به: أي بقول الإمام مالك في موضع الضرورة بأن لم يكن لعرسه مربى ولا اقتدار لها غير التزوج، ينبغي أن لا بأس به: أي بهذا الإفتاء". (غواص البحرين: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۳/۵۵، كتاب المفقود، الجواب عن حجج الظاهرية، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "گزٹ: وہ اخبار جس میں سرکاری اعلانات چھپتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۷، فیروز سنز، لاہور)

پس اگر اس مدت میں آجائے تو خیر، ورنہ حاکم اس کی موت کا حکم لگادے گا، اس کے بعد عورت کو عدت وفات گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہوگا، اس سے پہلے جائز نہیں۔ چار سال انتظار کی مدت حکم حاکم کے بعد سے معتبر ہوگی اس سے پہلے جو مدت گذر چکی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دینداروں کی ایک جماعت بھی یہ کام انجام دے سکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس عالم کا بھی ہونا ضروری ہے (۱)۔ اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کو بھی دیکھ لیا جاوے، اس میں خوب تفصیل سے لکھا ہے (۲)، وہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے بھی ملتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

ایضاً

سوال [۶۴۱۷]: ایک لڑکی عاقلہ بالغہ عمر قریب اٹھارہ انیس سال کی ہے اور اس کی شادی کو قریب پانچ چھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اس عرصہ میں صرف دو مرتبہ اپنے خاوند کے یہاں گئی ہے، ایک ہفتہ دو ہفتہ کے لئے شروع شروع میں اس کے بعد سے لڑکی اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین نے خط وکتابت بھی کی، مگر کوئی جواب نہیں۔ اس کے بعد ایک نوٹس رجسٹری کرکے روانہ کیا، مگر کوئی جواب نہیں اور نہ کھانا و کپڑے وغیرہ کا انتظام کرتا ہے اور والدین نہایت درجہ غریب ہیں، اس لڑکی اور دوسرے بچوں کی پرورش بہت دشوار ہے اور والدین نے دو مرتبہ خود جاکر تلاش کیا، مگر نہیں ملے۔ ہر بات سے مجبور ہو کر یہ دریافت طلب ہوا، لہٰذا گذارش

(۱) "فلو أفتی مفت به: أي بقول الإمام مالک في موضع الضرورة بأن لم یکن لعرسه مربی، ولا اقتدار لها غیر التزوج، ینبغي أن لا بأس به: أي بهذا الإفتاء". (غواص البحرین: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعید)

(وکذا في جامع الرموز: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعید)

(وإعلاء السنن: ۱۳/۵۵، کتاب المفقود، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (والحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، ص: ۲۲، ۶۵، حکم زوجۀ مفقود، دارالإشاعت کراچی)

ہے کہ اس معاملہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ حوالہ کتب سے اس کا شرعی فیصلہ تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس شخص سے کسی طرح سمجھا کر یا ڈرا کر، یا لالچ دے کر طلاق حاصل کرلی جائے یا خلع کرلیا جائے، اگر یہ دشوار ہو تو عورت حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور وہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم بلا کر یہ کہے کہ یا تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو، یا طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، پھر اگر شوہر کوئی صورت اختیار کرلے تو بہتر ورنہ حاکم مسلم تفریق کردے(۱)۔

اگر شوہر مفقود الخبر ہے تو عورت دعویٰ دائر کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنی مدت سے غائب ہے، نہ نفقہ دے کر گیا ہے، نہ وہاں سے پہنچتا ہے، نہ کسی کو کفیل بنایا ہے، مجھے نکاحِ ثانی کی سخت ضرورت ہے۔ حاکم واقعات کی تحقیق کرے، اگر عورت کا بیان صحیح ثابت ہو تو شوہر کو تلاش کرائے، جب اس کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جائے تو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کردے، اس مدت میں اگر وہ آگیا تو بہتر ہے، ورنہ اس کے اوپر موت کا حکم لگادے، اس کے بعد عدت گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔ اگر حاکم مناسب سمجھے تو چار سال سے کم مدت بھی مقرر کرسکتا ہے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم با اختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز مسلمان دینداروں کی ایک جماعت بھی یہ کام کرسکتی ہے(۲)۔ اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کا ہونا بھی

---

(۱) ''زوجۂ متعنت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے (شوہر) خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقة)

(۲) ''وقال مالک والأوزاعي: إلی أربع سنین، فینکح عرسه بعدها کما في النظم، فلو أفتی به في موضع الضرورة، ینبغي أن لا بأس به علی ما أظن''. (جامع الرموز: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعید)

(وکذا في غواص البحرین: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعید) .... =

ضروری ہے اور رسالہ حیلہ ناجزہ کو بھی بغور دیکھ لیا جائے، اس میں اس مسئلہ کو پوری تفصیل سے لکھا ہے (۱)، اس پر سہارنپور، دیوبند، تھانہ بھون کے علماء کے متفقہ دستخط ہیں، اور رسالہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے ملتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۰/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۱۰/ شوال/۶۲ھ۔

زوجۂ مفقود

سوال [۸۱۶۴]: ایک عورت کا خاوند مفقود الخبر ہوگیا اور بعد تلاش کے نہیں ملا۔ اب یہ عورت کتنی مدت گذار کر عقدِ ثانی کرلیوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی عورت کو چاہیے کہ جب انتظار کرکے تھک جائے اور صبر دشوار ہوجائے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنے عرصہ سے مفقود ہے، اب مجھ میں انتظار کی قوت نہیں نکاح ثانی کی سخت ضرورت ہے۔ اس پر حاکم اس کو تلاش کراکے جب ملنے سے مایوس ہوجائے تو حاکم عورت کو چار سال یا اس سے کچھ کم عرصہ انتظار کرنے کا حکم دے، اس مدت میں اگر وہ آجائے تو خیر ورنہ حاکم مسلم بااختیار عورت کے مطالبہ پر اس مفقود کے اوپر موت کا حکم جاری کردے، اس کے بعد وہ عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، بغیر حکم حاکم بااختیار بصورتِ مذکورہ دوسرا نکاح جائز نہیں، بلکہ وہ عورت پہلے ہی شوہر کے نکاح میں رہے گی۔

مسلم حاکم کو یہ بھی اختیار ہے کہ ضرورت وقت کا لحاظ کرتے ہوئے بعد تلاش و مایوسی فوراً ہی عدت گذارنے کا حکم دے دے اور کوئی مدت چار سال یا اس سے کم انتظار کے لئے مقرر نہ کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

= (وإعلاء السنن: ۱۳/ ۵۵، کتاب المفقود، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، ص: ۲۲-۲۵، حکم زوجۂ مفقود، دارالإشاعت، کراچی)

(۲) جواب میں جملہ ''کوئی مدت چار سال یا اس سے کم انتظار کے لئے مقرر نہ کرے'' میں لفظ ''نہ'' بظاہر سہو کاتب ہے، یا حضرت =

زوجۂ مفقود الخبر کے لئے سہولت

سوال[۶۴۱۹]: ا..... مسئلۂ مفقود الخبر میں سخت خلجان ہے، حنفیہ کے نزدیک عورت کونوے برس یا ایک سو برس تک انتظار کرنا چاہیے، کوئی کہتا ہے جب اس کے خاوند کے ہم عمر عموماً مرجاویں تو نکاح کرسکتی ہے۔ اس پر بھی یہ شرط ہے کہ حاکم شرعی اس کے مرنے کا حکم لگادے اور عورت اس وقت تک جوان ہو۔ اس مسئلہ کی وجہ سے جو مصیبت عورتوں کو آئے دن بھگتنا پڑتا ہے، کچھ محتاجِ بیان نہیں، جو شرائط ہیں ان کا پورا ہونا ناممکن ہے، اس سے صاف کہہ دینا اچھا تھا کہ نکاح ہی نہ کرے۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس میں عورت کے جذبات کی رعایت کی گئی ہے، آخر وہ کس طرح اس حقیقت سے نجات پاوے؟

۲..... مرد کو تو ہر طرح سہولت حاصل ہیں، وہ اپنی بیوی کو جب چاہے اور جس طرح چاہے علیحدہ کرسکتا ہے، مگر عورت بے چاری کے لئے قید ہے، طلاق میں تو وہ مجبور ہے ہی، خلع میں بھی اس کو سہولت نہیں، اس میں بھی ایسی قیود ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ کسی طرح مرد کے پنجہ سے نہیں نکل سکتی، شریعت میں برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ والسلام۔

=مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی رائے ہے، کیونکہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حیلۂ ناجزہ میں ضروری قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''زوجہ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مدافعہ کرے اور بذریعۂ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بناء پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے) كما في المنتقى للباجي المالكي: ۵/۲۳، كتاب الأقضية: "(فرع) وأما النكاح ففي العتبة عن سحنون، قال: جلّ أصحابنا يقولون في النكاح: إذا استنثر خبره في الجيران أن فلاناً تزوج فلانةً وسمع الزفاف، فله أن يشهد أن فلانة زوجة فلان، الخ".

اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے، بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جاوے گا۔ اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا''۔ (حیلۂ ناجزہ، حکم زوجۂ مفقود، ص: ۶۲، دارالاشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... عورت کو ایسی صورت میں ایک سوبیس یا نوے برس تک انتظار کرنا ضروری نہیں، بلکہ عورت کی سہولت کے لئے مسئلہ مفقود الخبر وخلع وغیرہ کے احکام تفصیل سے رسالہ حیلۂ ناجزہ میں اردو میں عام فہم طریق پر لکھ دیئے گئے ہیں جس پر علمائے تھانہ بھون، علمائے دیوبند وعلمائے سہارنپور کے متفقہ دستخط ہیں، اس کو منگا کر دیکھئے، ہر طرح سے عورت کی تکالیف کے پیش نظر سہولتیں اس میں درج ہیں (۱)۔ وہ رسالہ دارالعلوم دیوبند اور کتب خانہ یحیویہ سہارنپور سے ملتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/۲/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/۵۸ھ۔

زوجۂ مفقود کا حکم

سوال [۶۴۲۰]: اگر کسی عورت کا شوہر فرار ہوا اور پتہ ونشان نہ ہو تو کتنی مدت کے بعد نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

---

(۱) ''زوجۂ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مدافعہ کرے اور بذریعۂ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے، یعنی شہرت عام کی بناء پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے) کما في المنتقى للباجي المالكي: ۵/۲۳، كتاب الأقضية: "(فرع) و أما النكاح ففي لعتبة عن سحنون، قال: جلّ أصحابنا يقولون في النكاح: إذا استنشر خبره في الجيران أن فلاناً تزوج فلانةً وسمع الزفاف، فله أن يشهد أن فلانة زوجة فلان، الخ")۔

اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولا پتہ ہونا ثابت کرے، بعد از اں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جاوے گا۔ اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا''۔ (حیلۂ ناجزہ، حکم زوجۂ مفقود، ص: ۶۲، دارالاشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی عورت کو خود نکاح کرنے کا اختیار نہیں، بلکہ اگر اس کو اپنی عصمت کی حفاظت دشوار ہو، یا وہ نفقہ سے عاجز ہو تو اس کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور ثبوت دے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنے زمانہ سے غائب ہے اور میں اپنی عصمت کی حفاظت پر قادر نہیں، یا نفقہ کی وجہ سے تنگ ہوں، کیونکہ نہ وہ نفقہ دے کر گیا ہے، نہ کسی کو کفیل بنا کر گیا ہے، نہ وہاں سے بھیجتا ہے اس لئے میں نکاحِ ثانی کرنا چاہتی ہوں۔ اس پر حاکم تمام واقعہ کی باقاعدہ تفتیش کرے اور اس کے شوہر کو تلاش کرائے، جب اس کے ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو چار سال کی مدت انتظار کے لئے دیدے، اس عرصہ میں اگر وہ مل گیا تو خیر ورنہ چار سال گذارنے کے بعد عورت کے مطالبہ کے موافق اس کے شوہر پر موت کا حکم لگادے، پھر عورت عدت وفات گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے (۱)۔

حاکم پوری جستجو کے بعد چار سال کی مدت مقرر کرے گا، اس سے قبل جتنا زمانہ گذر چکا ہو اس کا اعتبار نہیں۔ اگر چار سال مقرر کرنے میں حاکم عورت کے حق میں ناقابلِ برداشت دشواری سمجھتا ہے تو اس سے کم مدت بھی مقرر کرسکتا ہے۔ اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز ودیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ تمام کام کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک فہیم معتبر معاملہ شناس عالم بھی ہونا ضروری ہے اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کو بھی ضرور دیکھ لیا جائے اس میں اس کو پوری

---

(۱) "وقال مالک والأوزاعي: إلى أربع سنين، فينكح عرسه بعدها كما في النظم، فلو أفتى به في موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما أظن". (جامع الرموز: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعيد)

"فلو أفتى مفت به: أي بقول الإمام مالک في موضع الضرورة بأن لم يكن لعرسه مربي، ولا اقتدار لها غير التزوج، ينبغي أن لا بأس به: أي بهذا الإفتاء". (غواص البحرين: ۳/۳۹۰، کتاب المفقود، سعيد)

"قلت: ولمالک أن يقول: إن ابتلاء المرأة بالزنا ضياعها، فإن خيف على امرأة المفقود ابتلاءها بالزنا، كان حكمها حكم ضالة الغنم. ومذهب الحنفية في الباب وإن كان قوياً روايةً ودرايةً، ولكن المتأخرين منا قد أجازوا الإفتاء بمذهب مالک عند الضرورة نظراً إلى فساد الزمان". (إعلاء السنن: ۱۳/۵۵، کتاب المفقود، الجواب عن حجج الظاهرية الخ، إدارة القرآن كراچی)

تفصیل سے لکھا ہے(۱)، وہ رسالہ دارالعلوم دیوبند اور کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے ملتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ الصمد، صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۱۳۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۶۴۲۱]: میری ہمشیرہ مسماۃ صدر النساء کا نکاح قریب دو سال کا عرصہ ہوا مسمی محمد احمد سے ہوا، بعد از نکاح مسمی محمد احمد نے اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ قریب تین یا چار ماہ رکھا، بعد ازاں مسمی محمد احمد اپنی زوجہ کو چھوڑ کر لاپتہ ہوگیا، متعدد کاوشوں کے باوجود اس کا ہنوز پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے، اس لاپتگی کو قریب ایک سال آٹھ ماہ ہورہے ہیں، اس طویل عرصہ میں نہ تو اس کی کوئی مصدقہ خبر ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے زوجہ مذکورہ کے نان ونفقہ کی کوئی خبر لی گئی۔ زوجہ اور اس کے وارثین از حد پریشان ہیں اور معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں چھٹکارے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور شرعی طور پر احکامات کیا ہیں؟

محمد اسماعیل برادر مسماۃ صدر النساء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت گذارہ نہیں کرسکتی تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے جو کہ اتنی مدت سے لاپتہ ہے، مجھے نکاحِ ثانی کی سخت ضرورت ہے، اس پر حاکم مسلم باقاعدہ واقعات کی

---

(۱) "زوجۂ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعۂ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا۔ اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے، بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو مزید چار سال تک انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا۔ اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزارنے کے بعد عورت کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار ہوگا۔ .... جن بلاد میں قاضیٔ شرعی موجود نہیں .... تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کرکے حسبِ بیانِ مذکور تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ صادر کردے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۶۲ تاص: ۶۵، حکم زوجۂ مفقود، دارالاشاعت کراچی)

تحقیق کرے، اگر عورت کا بیان صحیح ثابت ہو تو شوہر کو تلاش کرائے، مکمل تفتیش کے بعد جب ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو کچھ اور مدت حسبِ صوابدید انتظار کا حکم دے، اگر اس مدت انتظار میں بھی نہ آیا تو اس پر فوت کا حکم لگائے، اس کے بعد عدتِ موت چار ماہ دس دن گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔

اگر کسی جگہ حاکمِ مسلم بااختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بطورِ پنچایت یہ سب کام کر سکتی ہے اور اس میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شوہر دوسرے ملک میں ہو تو فسخ نکاح کرنا

سوال [۲۲۲۴]: زینب کی عمر ۲۵/ سال اور زید کی عمر ساٹھ سال۔ زینب کی شادی ۵۷ء میں زید کے ساتھ ہوئی اور زید ملک برہما میں رہتا تھا، وہاں کا باشندہ بھی تھا، لیکن زینب کے والدین نے زید کے ساتھ نکاح کر دیا اور دو مرتبہ آئے گئے اور ۶۰ء سے نہیں آئے اور نہ تین سال سے خرچہ دیا اور میرے دو لڑکے ہیں۔ خط یہاں سے طلاق کے لئے جاتا ہے، لیکن کچھ جواب نہیں آتا۔ اور زینب نان نفقہ اور شہوت نفسانیہ سے پریشان ہے، ایسی صورت میں کانگریس گورنمنٹ کے یہاں دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرالیا جائے؟ اور کوئی صورت فسخ نکاح کی ہے جو مناسب ہو تحریر فرمائیں۔

عبدالرحمٰن بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر باعصمت زندگی گذارنا دشوار ہے تو سمجھا کر لالچ دیکر، خوشامد کر کے غرض کسی طرح شوہر سے طلاق

---

(۱) "وقال مالک والأوزاعي: إلى أربع سنين، فينكح عرسه بعدها كما في النظم، فلو أفتى به في موضع الضرورة، ينبغي أن لا بأس به على ما أظن". (جامع الرموز: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود، سعيد)

(وكذا في غواص البحرين: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود، سعيد)

(وإعلاء السنن: ۱۳/۵۵، كتاب المفقود، إدارة القرآن كراچي)

(والحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۶۲-۶۵، حكم زوجة مفقود، دار الإشاعت كراچي)

حاصل کرلی جائے، یا خلع کرلیا جائے اس طرح کہ بیوی مہر معاف کردے اور شوہر حق زوجیت ختم کردے(۱)، پھر عدت (تین حیض) گذار کر عقدِ ثانی کی اجازت ہوگی (۲)۔

اگر اس میں کامیابی نہ ہوتو پھر زوجہ کی طرف سے حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے جو کہ اتنی مدت سے میرے حقوقِ زوجیت نہیں ادا کرتا، مجھے نکاحِ ثانی کی سخت ضرورت ہے۔ حاکم جملہ واقعات کی شرعی تحقیقات کے بعد شوہر کو اطلاع دے کہ تم اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اور کچھ مناسب مدت مقرر کردے کہ اگر اس مدت میں بیوی کو بلانے یا خود آنے کا انتظام کرنا چاہے تو کرسکے اور یہ کہ اگر تم نے اتنی مدت میں کوئی کام نہ کیا (نہ ادائے حقوق کا انتظام کیا نہ طلاق دی) تم ہم تفریق کردیں گے، پھر اگر شوہر نے کچھ نہ کیا تو حاکم مسلم بااختیار خود تفریق کردے، یہ تفریق ہی طلاق کے حکم میں ہوگی۔ بعد عدت (تین حیض) دوسرے نکاح کا اختیار ہوگا۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت بھی یہی کام کرسکتی ہے، اس پنچایت میں کم از کم تین معزز دیندار مسلمان ہوں اور ایک معتبر معاملہ شناس عالم بھی شریک ہونا چاہئے۔ رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کا مطالعہ بھی بغور کرلیا جائے، اس میں اس کی تفصیل مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، كتاب الطلاق، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۹، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۵۳، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (حيلۂ ناجزه، ص: ۷۳، حكم زوجۂ متعنت، دار الإشاعت كراچی)

زوجۂ مفقود کے نکاح کے بعد واپسیٔ مفقود

سوال[۶۴۲۲]: زید غیر مقلد کہتا ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کا نکاح مفقود کے آنے پر صحیح رہے گا، ٹوٹے گا نہیں، کیونکہ شریعت نے اس کو نکاحِ ثانی کی اجازت دی ہے اس لئے وہ زوجہ زوجِ ثانی کی ہی رہے گی، مگر حنفی کہتا ہے کہ ثانی فسخ ہو جائے گا کیونکہ زوجِ اول نے طلاق نہیں دی، اس لئے اس کا نکاح باقی ہے اور ایک بیوی سے دو نکاح صحیح نہیں۔ ان دونوں میں کون صحیح کہتا ہے؟ تردیدی وتائیدی دونوں جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

از جانب: مدرسہ تعلیم القرآن جگادھری ضلع انبالہ، ۱۳/ مارچ/ ۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت نے باقاعدہ بعد مرافعہ وتفتیش بحکمِ قاضی مدتِ معینہ تک انتظار کیا ہے اور قاضی کے حکم بموت المفقود کی وجہ سے عدتِ وفات گذار کر نکاح ثانی کیا ہے اور اس سے دخول بھی ہو چکا ہے اور اس کے بعد مفقود واپس آگیا تو حنفیہ کے نزدیک نکاحِ ثانی باطل قرار دیا جائے گا اور عورت پہلے ہی شوہر کو ملے گی، البتہ پہلے شوہر کو اس سے صحبت وغیرہ درست نہیں تاوقتیکہ شوہرِ ثانی کی عدت پوری نہ ہو جائے اور شوہر ثانی پر مہر لازم ہوگا:

"ومن ذلك قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن المفقود إذا قدم بعد أن تزوجت زوجته بعد التربص، يبطل العقد، وهي للأول، وإن كان الثاني وطئها فعليه مهر المثل، وتعتد من الثاني، ثم ترد إلى الأول، اهـ". ميزان شعراني: ۲/ ۱٦٤(۱)۔

"وكأن عمر رضي الله تعالى عنه إنما رجع عن قوله في امرأة المفقود لمّا تبين من حال هذا الرجل. وأما تخييره إياه بين أن يردها عليه وبين المهر، فهو بناء على مذهب عمر رضي الله تعالى عنه في المرأة إذا نعي إليها زوجها، فاعتدت وتزوجت، ثم أتى الزوج الأول حياً، أنه يخيّر بين أن تُرد عليه وبين المهر. وقد صح رجوعه عنه إلى قول عليّ رضي الله عنه، فإنه كان يقول: "ترد إلى زوجها الأول، ويفرّق بينها وبين الآخر، ولها المهر بما استحل من فرجها، ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر".

(۱) (الميزان الكبرى للعلامة الشعراني، كتاب الطلاق، كتاب العدد والاستبراء: ۲/ ۱۳٦، مصطفى البابي الحلبي مصر)

وبهذا كان يأخذ إبراهيم رحمه الله تعالىٰ، فيقول: قول على رضى الله عنه أَحَبُّ إلىَّ من قول عمر رضى الله تعالىٰ عنه، وبه نأخذ أيضاً؛ لأنه تبين أنها تزوجت وهي منكوحة، ومنكوحة الغير ليست من المحللات، بل هي من المحرمات في حق سائر الناس، كما قال الله تعالىٰ: ﴿والمحصنات من النساء﴾، فكيف يستقيم تركها مع الثاني؟

وإذا اختار الأول المهر، ولكن يكون النكاح منعقداً بينهما، فكيف يستقيم دفع المهر إلى الأول، وبدل بعضها، فيكون مملوكاً لها دون زوجها، كالمنكوحة إذا وطئت بشبهة، فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول، ولكن لا يقربها لكونها معتدةً لغيره كالمنكوحة إذا وطئت بالشبهة. وذكر عبد الرحمن ابن أبي ليلىٰ أن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما رجع عن ثلاث قضيات إلى قول على رضى الله تعالىٰ عنه: عن امرأة أبي كنف، والمفقود زوجها، والمرأة التي تزوجت في عدتها، اه". مبسوط سرخسی: ۱۱/۳۷(۱)۔

وقال في الحيلة الناجزة: "وما في العالمگيرية: ۳/۱۷۶(۲) عن التاتارخانية: "فإن عاد زوجها بعد مضى المدة، فهو أحق بها، وإن تزوجت فلا سبيل له عليها، اه". فلا يعول عليه في مقابلة تصريح المبسوط"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

مفقود کی واپسی زوجہ کے نکاحِ ثانی کے بعد

سوال[۶۴۲۴]: ایک حنفی عورت کا شوہر عرصہ ۶/ سال سے مفرور ہے تو ایسی صورت میں عورت

(۱) (مبسوط السرخسي: ۱۱/۳۲، كتاب المفقود، مكتبه حبيبية، كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۳/۲۲، باب إذا قدم المفقود الخ، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۳۰۰، كتاب المفقود، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۵/۶۱۲، الفصل الأول في تفسير المفقود، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (الحيلة الناجزه للحليلة العاجزه، ص: ۶۷-۶۹، واپسی مفقود کے احکام، دار الاشاعت)

نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ جامع الرموز، وفتاویٰ بزازیہ میں تحریر ہے، یعنی چار سال کے بعد عورت نکاحِ ثانی کرسکتی ہے اور فتویٰ موجودہ وقت میں امام مالک کے قول پر ہے، اگر اتفاق سے نکاح ثانی کے بعد اس کا پہلا شوہر آجائے تو ایسی صورت میں بیوی کا حق دار پہلا شوہر ہوگا، یا عقدِ ثانی والا شوہر شرعاً عورت کو کس شوہر کے پاس رہنا چاہیے۔ حنفی قاضی اگر امام مالک کے فتاویٰ کے لحاظ سے نکاح ثانی پڑھادے تو درست ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مفقود الخبر کی زوجہ کے متعلق تفصیلی حکم یہ ہے کہ اگر وہ عفت اور صبر سے زندگی بسر کرسکتی ہو تو فبہا، ورنہ اس کو چاہیے کہ حکام مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے، جو اتنے عرصہ سے مفقود ہے، نہ مجھ کو نفقہ دے کر گیا ہے، نہ وہاں سے بھیجتا ہے، نہ کسی کو کفیل بنایا ہے، مجھے نکاحِ ثانی کی سخت ضرورت ہے۔ اس پر حاکم واقعات کی باقاعدہ تفتیش کرے۔ مایوس ہوجائے تو عورت کو ۴/ سال تک انتظار کا حکم دے، اس سے پہلے جس قدر مدت گذر چکی ہے وہ کالعدم ہے۔

اگر اس ۴/ سال کی مدت میں وہ مفقود آگیا تو خیر ورنہ حاکم مسلم بااختیار اس مفقود پر موت کا حکم لگادے، پھر عدت گذار کر عورت کا دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔ اگر حاکم مناسب اور مصلحت سمجھے تو چار سال سے کم مدت بھی انتظار کے لئے مقرر کرسکتا ہے۔ پھر اگر وہ مفقود واپس آجائے خواہ نکاحِ ثانی سے قبل یا بعد میں، بہرصورت وہ عورت اس مفقود کو مل جائے گی اور شوہر ثانی کے پاس نہیں رہے گی۔ البتہ شوہر ثانی سے خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہے تو اس کی عدت لازم ہوگی اور بعد عدت شوہر اول کو اس سے صحبت وغیرہ درست ہے۔

اس مسئلہ کی پوری تفصیل رسالہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ میں مرقوم ہے اور اس پر حضرات علمائے تھانہ بھون، دیوبند، وسہارنپور کے متفقہ دستخط ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

---

(۱) ''(الف) پہلا نکاح قائم رہے گا تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں اگرچہ دوسرے خاوند سے صحبت بھی ہوچکی ہو (وھــــــو المستفاد من قوله: ترد إلى زوجها الأول، ومن قوله: ولا يقربها الأول الخ) .... =

مفقود کی واپسی نکاحِ ثانی کے بعد

سوال[۶۴۲۵]: زید نے نکاح ہندہ کے ساتھ کیا اور باہم رہتے رہے، کچھ دنوں کے بعد زید تلاشِ معاش کے لئے پردیس چلا گیا اور ہندہ اپنے مکان پر بمعہ والدہ زید کے رہتی رہی۔ زید پردیس جانے کے بعد بالکل لاپتہ ہوگیا، خط وکتابت بند کردی اور خرچہ وغیرہ بھی تقریباً دس گیارہ سال تک بالکل چھوڑ دیا اور بے خبر رہا، ہندہ نے اپنی مجبوری اور بے بسی برادری میں ظاہر کی اور زید کو لاپتہ بتایا، برادری نے حکم عقدِ ثانی کا دے دیا، ہندہ نے عقد ثانی کرلیا۔ عقدِ ثانی ہونے کے بعد تقریباً آٹھ سال کے زید کا پتہ معلوم ہوا اور اس کی والدہ زید کے پاس چلی گئی، تقریباً تین سال تک زید کے پاس پردیس میں رہی۔

ہندہ ابھی تک زوجِ ثانی کے پاس رہتی رہی اب تقریباً ایک ماہ ہوتا ہے کہ زید بمعہ اپنی والدہ کے مکان آگیا، ہندہ جس نے نکاح ثانی کیا تھا، اپنے پہلے شوہر یعنی زید کی آمد سن کر زوجِ ثانی کے گھر سے بھاگ کر زید

= (ب) ظاہر ہے کہ جب تجدیدِ نکاح نہیں تو پھر تجدیدِ مہر کہاں۔

(ج) دوسرے شوہر کی عدت گزارنا واجب ہے جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہرِ اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ پوری احتیاط لازم ہے، (وهو المصرح في قوله: (ولا يقربها الأول حتى تنقضي عدتها من الآخر). اور عدت میں جو تفصیل دوسرے مواقع میں ہے، وہ یہاں بھی ہوگی، یعنی اگر حاملہ ہے تو وضعِ حمل ورنہ تین حیض۔ باقی رہا یہ سوال کہ زمانۂ عدت کہاں گزارے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ شوہرِ اول کے ہاں گزارے گی''۔ (حیلۂ ناجزہ، واپسی مفقود کے احکام، ص:۶۹، ۷۰، دارالاشاعت، کراچی)

قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالى: ﴿والّٰئي يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم، فعدتهن ثلثة أشهر والّٰئي لم يحضن، وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (سورة الطلاق: ۴)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ''(قوله: وكذا موطوءة بشبهة أو نكاح فاسد): أي عدة كل منهما ثلاث حيض''. (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: حكاية شمس الأئمة السرخسي: ۳/۵۰۶، سعيد)

''فإن عاد زوجها بعد مضي المدة، فهو أحق بها، وإن تزوجت فلا سبيل له عليها''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۲/۳۰۰، رشيديه)

کے مکان پر آگئی اور بہت گریہ وزاری کر کے رہنے کی درخواست کی زید نے اپنی منکوحہ بیوی یعنی ہندہ کو رکھ لیا۔

اب سوال یہ ہے:

۱.....زید کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟

۲.....برادری نے جو نکاح کی اجازت دی اس کا کیا حکم ہے، کیا برادری پر توبہ لازم ہے؟

۳.....ہندہ اتنی مدت جو زوجِ ثانی کے یہاں رہی، گنہگار ہوئی یا نہیں؟

۴.....زید نے جو ہندہ کو رکھ لیا ہے، اس کو نکاحِ ثانی کی ضرورت ہے یا نہیں؟

۵.....زید اب اگر اپنی منکوحہ کا دعویٰ کرے اور رکھ لے تو نکاحِ ثانی فسخ ہو جائے گا یا نہیں، یا زوجِ ثانی کو طلاق دینے کی ضرورت ہوگی؟

۶..... جو نکاح زوجِ ثانی کے ساتھ ہوا، اب اس نکاح میں شامل رہے اور بلا دلیلِ شرعی نکاح کا حکم صادر کیا۔ ان کے لئے کیا حکم ہے؟

۷.....نکاحِ ثانی جس کے ساتھ ہوا ہے، اس کو طلاق دینے کی ضرورت ہے، یا بلا طلاق زید اپنے پاس رکھ سکتا ہے، یا نکاح ثانی قائم رہے گا اور زوج اول کا کچھ حق نہیں رہا؟ فقط۔

خادم القوم: محمد عبدالغفور عفی عنہ، سلطان پورہ، محلہ شاہ گنج۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت کا شوہر مفقود اور لاپتہ ہو جائے، اس کے لئے شرعی یہ حکم ہے کہ حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور اس مفقود کے ساتھ اپنا نکاح ثابت کرے اور کہے کہ اتنے زمانہ سے لاپتہ ہے، نہ مجھے نفقہ دے کر گیا ہے، نہ کسی کو کفیل بنا کر گیا ہے، نہ وہاں سے بھیجتا ہے، مجھے نکاح کی سخت ضرورت ہے۔ اس پر حاکم مسلم با قاعدہ واقعات کی تفتیش کرے اور اس مفقود کو تلاش کرائے، جب پوری سعی کر کے اس کے ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو حکم دے کہ چار سال تک انتظار کرے، اس عرصہ میں اگر وہ آ گیا تو خیر، ورنہ چار سال پورے ہونے پر اس مفقود کے متعلق موت کا حکم لگا وے، پھر عورت عدتِ وفات گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اس سے پہلے عورت کو نکاح ثانی کا اختیار نہیں۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم با اختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند دیندار ہوشیار

مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے جس میں کم از کم ایک معتبر معاملہ شناس عالم کا ہونا بھی ضروری ہے (۱)۔

پس اگر صورتِ مسئولہ میں برادری نے طریقۂ مذکورہ پر اس عورت کو عقدِ ثانی کی اجازت دی ہے تو یہ اجازت مطابقِ شرع ہے اور عقدِ ثانی درست ہے اور اس میں شرکت کرنے والے گنہگار نہیں اور نہ اس نکاح سے عورت گنہگار ہوئی، البتہ زید کا پتہ معلوم ہونے کے بعد ہندہ کو شوہر ثانی کے یہاں رہنا ناجائز تھا، کیوں کہ مفقود کی واپسی پر نکاح ثانی باطل ہوجاتا ہے اور عورت اسی مفقود کو مل جاتی ہے اور تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ البتہ نکاح ثانی کے باطل ہونے پر عدت گذارنا واجب ہوتا ہے اور نکاح ثانی مفقود کی واپسی پر خود بخود باطل ہوجاتا ہے، طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی (۲)۔

---

(۱) "ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضي أربع سنين، خلافاً لمالك". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: خلافاً لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود بعد مضي أربع سنين، وهو مذهب الشافعي القديم .... أو الرجوع إلى رأى الحاكم .... قلت: ونظير هذه المسألة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام، ثم امتد طهرها، فإنها تبقى في العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض. وعند مالك رحمه الله تعالىٰ تنقضي عدتها بتسعة أشهر. وقد قال في البزازية: الفتوىٰ في زماننا على قول مالك. وقال الزاهدي: كان بعض أصحابنا يفتون به، للضرورة". (ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود: ۴/۲۹۵، ۲۹۶، سعيد)

"وإذ حكم بموته، اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلك الوقت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الحيلة الناجزه، حكم زوجه مفقود، ص: ۶۰، دارالإشاعت كراچى)

(۲) "غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولاداً، ثم جاء الزوج الأول، فالأولاد للثاني على المذهب الذي رجع إليه الإمام، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: غاب عن امرأته) شامل لما إذا بلغها موته أو طلاقه فاعتدت وتزوجت، ثم بان خلافه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: ۳/۵۵۲، سعيد)

"فإن عاد زوجها بعد مضي المدة، فهو أحق بها، فإن تزوجت فلا سبيل له عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۲/۳۰۰، رشيديه)

اگر برادری نے طریق مذکور پر عورت کو نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں دی، بلکہ طریق مذکور کے خلاف یعنی بلا مفقود کو تلاش کئے اور بلا مدت انتظار مقرر کئے اور بلا حکم موت وعدت لگائے ویسے ہی عورت کے کہنے پر عقدِ ثانی کی اجازت دے دی ہے تو شرعاً یہ اجازت معتبر نہیں۔ ایسی اجازت دینے والے اور عقدِ ثانی میں شرکت کرنے والے، نیز ہندہ اور شوہر ثانی (اگر مسئلہ سے واقف تھے) سب گنہ گار ہوئے سب کو توبہ لازم ہے اور ہندہ بدستور سابق زید کی بیوی ہے، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

زوجۂ مفقود کا نکاح بغیر قضائے قاضی

سوال [۶۴۲۲]: اگر نکاح درست نہ ہو تو اب وہ عورت کیا کرے اور نکاح خواں اور دیگر شرکاء کے لئے کیا احکام ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا حال معلوم ہو چکا ہے، اگر مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو شوہر ثانی اور عورت کو علیحدہ ہو جانا واجب ہے (۲) اور نکاح خواں اور شرکاء سب کو کوشش کر کے شوہر ثانی اور عورت میں علیحدگی کی

---

(۱) قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: "التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً .... إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالى فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف .... وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم، والعزم إيصال حق العبد أو بدله إليه إن كان الذنب ظلماً، كما في الغصب والقتل العمد .... وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/ ۱۵۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمي)

(۲) "ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضي أربع سنين خلافاً لمالك". (الدر المختار). قال العلامة ابن =

کوشش کرنا ضروری ہے نیز توبہ استغفار کریں۔ اگر مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود ایسا کیا ہے تو کوشش مذکورہ علیحدگی کے ساتھ علی الاعلان توبہ بھی واجب ہے، سب کے سب گنہ گار ہوئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

واپسیٔ مفقود

سوال[۶۴۲۷]: اس علاقہ میں دو چار واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں۔ عوام الناس دریافت کرتے ہیں کہ بالفرض اس عورت کا پہلا خاوند واپس آ جائے تو اب وہ اول الذکر خاوند کے پاس رہے یا مؤخر الذکر کے؟

= عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: خلافاً لمالک) فإن عنده تعتد زوجة المفقود بعد مضى أربع سنين، وهو مذهب الشافعي القديم .... أو الرجوع إلى رأى الحاكم .... قلت: ونظير هذه المسألة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام، ثم امتد طهرها، فإنها تبقى في العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض. وعند مالک رحمه الله تعالىٰ تنقضي عدتها بتسعة أشهر. وقد قال في البزازية: الفتوىٰ في زماننا على قول مالک. وقال الزاهدي: كان بعض أصحابنا يفتون به، للضرورة". (ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالک في زوجة المفقود: ۲۹۵/۴، ۲۹۶، سعيد)

"وإذ حكم بموته، اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلک الوقت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۳۰۰/۲، رشيديه)

(وكذا في حيلة ناجزه، حكم زوجه مفقود، ص: ۲۰، دارالإشاعت كراچى)

(۱) "غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولاداً، ثم جاء الزوج الأول، فالأولاد للثاني على المذهب الذي رجع إليه الإمام، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: غاب عن امرأته) شامل لما إذا بلغها موته أو طلاقه، فاعتدت وتزوجت، ثم بان خلافه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: ۵۵۲/۳، سعيد)

"فإن عاد زوجها بعد مضى المدة، فهو أحق بها، فإن تزوجت فلا سبيل له عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۳۰۰/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مذکورہ میں اگر پہلا شوہر آجائے تو نکاحِ ثانی کو کالعدم قرار دیا جائے گا اور وہ عورت پہلے ہی شوہر کو مل جائے گی (۱)، لیکن اس کو صحبت وغیرہ کرنا جائز نہیں تاوقتیکہ شوہرِ ثانی کی عدت نہ گزر جائے، شوہر ثانی کی عدت گذرنے کے بعد شوہر اول کو صحبت وغیرہ کی اجازت ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/۲/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) ''پہلا نکاح قائم رہے گا، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اگرچہ دوسرے خاوند سے صحبت بھی ہو چکی ہو، وهو المستفاد من قوله: (ترد إلى زوجها الأول، ومن قوله: (ولا يقربها الأول، الخ'') (حیلۂ ناجزہ، واپسی مفقود کے احکام، ص: ۲۹، دار الإشاعت)

''فإن عاد زوجها بعد مضي المدة فهو أحق بها، فإن تزوجت فلا سبيل له عليها''. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المفقود: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(۲) ''دوسرے شوہر کی عدت گزارنا واجب ہے، جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک شوہر اول کو اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں، بلکہ پوری احتیاط لازم ہے''۔ (حیلۂ ناجزہ، واپسی مفقود کے احکام، ص: ۶۸، دار الاشاعت کراچی)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ''(قوله: وكذا موطوءة بشبهة أو نكاح فاسد): أى عدة كل منهما ثلاث حيض''. (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: حكاية شمس الأئمة السرخسي: ۳/۵۰۶، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالى: ﴿ والّئي يئسن من الحيض من نسائكم إن ارتبتم فعدتهن ثلثة أشهر والّئي لم يحضن، وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (سورة الطلاق: ۴)

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى: '' وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء''. (الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۲۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

''وإذا بلغ المرأة طلاق زوجها، أو موته، فعليها العدة من يوم مات أو طلق؛ لأن العدة ليست إلا =

زوجۂ مفقود

سوال[۶۴۲۸]: ایک عورت کہتی ہے کہ میرے گذراوقات کا کوئی ذریعہ نہیں کہ میرا خاوند عرصہ ۹/ سال سے چوری کرکے چلا گیا ہے اور جو میرا زیور ہے وہ بھی لے گیا ہے۔ اب میں نکاح کرسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی عوت کو چاہئے کہ مسلمان حاکم کے یہاں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے، اتنے زمانے سے غائب ہے، میرے خرچ کا نہ کسی کو کفیل بنا کر گیا ہے، نہ وہاں سے بھیجتا ہے، نہ دے کر گیا ہے، میں سخت پریشان ہوں، مجھے نکاح ثانی کی ضرورت ہے۔ حاکم ان سب واقعات کی تحقیق کرکے اس کو تلاش کرائے، جب ملنے سے مایوس ہوجائے تو عورت کو حکم کرے کہ چار سال تک انتظار کرتی رہے، اگر اس مدت میں بھی نہ آئے تو اس پر موت کا حکم کردے، پھر عدت گذار کر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے۔ اور اگر حاکم مناسب سمجھے تو چار سال سے کم مدت مقرر کردے۔

اگر کسی جگہ مسلمان حاکم نہ ہو، یا وہ شرع کے موافق فیصلہ نہ کرے تو برادری کے معزز لوگ بھی یہ سب کام کرسکتے ہیں اور ان میں کم از کم ایک معتبر معاملہ شناس عالم کا ہونا ضروری ہے(۱)۔ اور رسالہ حیلۃ الناجزہ کو بھی دیکھ لیا جائے اس میں اس مسئلہ کو خوب واضح کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

= مدة ضربت لها لمناجزة عمل الطلاق". (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۳۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۲۶۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(۱) "وقال مالك والأوزاعي: إلى أربع سنين، فينكح عرسه بعدها كما في النظم، فلو أفتى به في موضع الضرورة، ينبغي أن لا بأس به على ما أظن". (جامع الرموز: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود)

(وكذا في غواص البحرين: ۳/۳۹۰، كتاب المفقود كراچی)

(وإعلاء السنن: ۱۳/۵۵، كتاب المفقود، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۶۲-۶۵، حكم زوجة مفقود، دار الإشاعت كراچی)

ایضاً

سوال[۶۴۲۹]: چندے نفر در کشتی سوار شدند، اکنون تخمیناً مدت دو سال می باشد کہ همه انفار مع کشتی مفقود الخبر هستند، وازهر گونه تفتیش وجستجو از حالتِ حیات وممات شاں هیچ خبرے ونشانے نیست. حالاً بر زوجۂ مفقود الخبر عقد نکاح جائز ودرست می باشد یانه؟ بینوا بالبرهان أجرکم الله الرحمن۔

المستفتی: عبدالرحیم ولد عبدالرحمٰن بلوچ، ساکن شہر کراچی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

برائے زوجۂ مفقود الخبر افضل واحسن آنست که بصبر وعفت زندگی بسر کند، تا آنکه شویش باز آید، یا خبرے راست ازو بگوش رسد. اگر نتوا ند، پیشِ حاکمِ مسلم بااختیار دعویٰ کند که فلاں شخص زوجِ من است واز چندیں مدت غائب است، ونه مرا نفقه داده رفته است، ونه ارسال می کند، ونه کسے ضامن کرده است، پس مرا اجازتِ نکاحِ ثانی باید داد، وبرد عویش ثبوتِ شرعی گذارند. حاکم مسلم باضابطه معامله را تحقیق نموده، اگر زن رادعویش صادق باشد، شویش راجستجو نماید، وچوں مایوس گردد، زن رابرائے انتظارِ زوج تاچهار سال حکم کند.

اگر دریں مدت باز آید فبها، ورنه حکم بمرگِ زوجش صادر نموده، زن را برائے عدت امر فرماید، پس زن عدت گذار ده نکاحِ ثانی تواند نمود. اگر حاکم مسلم بااختیار مصلحت بیند، در مدتِ انتظار تخفیف بکند(۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) ''زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے، جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گذار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشۂ ابتلاء ظاہر کرے اور اس نے ایک عرصۂ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہو گئی، تو اس صورت میں اس کی =

....

یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی معیاد میں تخفیف کردی جائے، کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہوتو ان کے نزدیک کم ازکم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے۔مگر علمائے سہارنپور دونوں صورتوں میں چار ہی سال کی مدت کے مزید انتظار کو شرط فرماتے ہیں، اور ایسا کرنا ظاہر ہے کہ زیادہ احتیاط کی بات ہے، لیکن جہاں قرائنِ قویہ سے اندیشہ قوی ابتلاء بالزنا کا ہوتو ایک سال کے قول پر بھی حاکم کو حکم کردینے کی گنجائش ہے، مگر معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، بہانہ تلاش نہ کیا جائے"۔ (حیلۂ ناجزۃ، المرقومات للمظلومات آسان خلاصہ حیلۂ ناجزہ، اندیشہ ابتلاء کے وقت زوجہ مفقود کے لئے ایک مزید وسعت، ص:۱۶۲، ۱۶۳، دارالاشاعت کراچی)

"(قوله: خلافاً لمالک) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين .... لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك: أي لأن ذلك خلاف مذهبنا، فحذفه أولى. وقال في الدر المنتقى: ليس بأولىٰ، لقول القهستاني: لو أفتي به في موضع الضرورة لابأس به على ما أظن، اهـ". (ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالک في زوجة المفقود: ۲۹۵/۴، سعيد)

ترجمۂ سوال وجواب: چند افراد ایک کشتی میں سوار ہوئے، اب تقریباً دو سال کا عرصہ گذرا کہ تمام افراد مع کشتی کے لاپتہ ہیں اور ہر قسم کی تلاش اور جستجو کے باوجود ان لوگوں کی زندگی وموت کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تو اب مفقودالخبر کی بیوی کے لئے نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں؟

جــــواب: مفقودالخبر کی بیوی کے لئے بہتر تو یہ ہے کہ صبر اور عفت کے ساتھ زندگی گذارے جب تک کہ اس کا شوہر لوٹ نہ آئے، یا اس کے بارے میں کوئی صحیح اطلاع نہ مل جائے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو بااختیار مسلم حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنی مدت سے غائب ہے، نہ میرا خرچہ دے کر گیا ہے، نہ بھیجتا ہے، نہ کسی کو ذمہ دار بنا کر گیا ہے، لہٰذا مجھے نکاحِ ثانی کی اجازت دی جائے اور اپنے دعویٰ کا شرعی ثبوت پیش کرے۔ حاکم مسلم باضابطہ معاملہ کی تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ درست ہو تو حاکم شوہر کو تلاش کرائے اور جب مایوس ہوجائے تو عورت کو چار سال تک شوہر کا انتظار کرنے کا حکم دے۔ اگر اس مدت کے دوران شوہر لوٹ آئے تو ٹھیک ہے، ورنہ شوہر کی موت کا فیصلہ کرکے عورت کو عدت گذارنے کا حکم دے، پھر عورت عدت گذار کر نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ اگر حاکم مسلم بااختیار مصلحت سمجھے تو انتظار کی مدت میں تخفیف کرسکتا ہے۔

زوجۂ مسجون

سوال[۶۴۳۰]: مسماۃ حسینہ خاتون دختر گھسیٹہ، قوم پٹھان، ساکن سہارنپور کی شادی نیاز احمد پسر عبداللہ، قوم راجپوت، ساکن حال جیل خانہ آگرہ کیساتھ عرصہ پندرہ سال ہوئے ہوئی تھی، جس روز سے شادی ہوئی اس روز سے نیاز احمد نے روٹی وکپڑے سے تنگ رکھا اور ہمیشہ جیل خانہ میں رہنے کا عادی ہے، چندمرتبہ کا سزا یافتہ ہے، جس وقت جیل سے چھوٹ کر آتا ہے فوراً پھر جیل میں چلا جاتا ہے۔ مسماۃ حسینہ خاتون کے پاس ایک لڑکا فیاض احمد ومسماۃ حسینہ خاتون دختر موجود ہے جس کے خورد ونوش کا کوئی انتظام نہیں ہے، بچے نابالغ ہیں۔

مسماۃ حسینہ خاتون جوان ہے، کہیں محنت مزدوری اگر کرے تو زمانہ نازک ہے۔ ایسی حالت میں اپنی گذر اوقات اور نابالغان کی کیسے بسر کرے؟ اب مسماۃ حسینہ خاتون نیاز احمد کے نکاح سے باہر ہوکر علیحدہ ہوسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص قصداً ایسی حرکات کا عادی ہو کہ جن سے بار بار جیل خانہ جانا پڑتا ہو اور ایسی حالت میں بیوی کا نان نفقہ ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کی بیوی کو اپنی مجبوری اور پریشانی کی وجہ سے حق حاصل ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر، یا خوف دلا کر اس سے طلاق لے لے۔ اگر جیل خانہ میں ہونے کی وجہ سے یا اَور کسی وجہ سے دشوار ہو تو پھر حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور وہ حاکم مسلم جبراً اس شخص سے طلاق دلادے، یا کسی صورت سے اس کے نان نفقہ کا انتظام کرائے تاکہ وہ پریشانی سے رہائی پاسکے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) ''زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دار الإشاعت کراچی)

فصل فی زوجة المتعنت

(زوجۂ متعنت کا بیان)

زوجۂ متعنت

سوال[۶۴۳۱]: زید کی لڑکی نابالغہ کا نکاح عمر کے بالغ لڑکے سے ہوا، کچھ عرصہ بعد عمر نے یہ حرکت کی کہ اپنی زوجہ کو جس کی لڑکیاں موجود ہیں بوجہ بیماری کے اپنے گھر سے نکال کر اس کے بھائی کے یہاں چھوڑ آیا، پھر اس کے نان ونفقہ کی کچھ خبر نہیں لی، اور ایک کنواری لڑکی غیر برادری کی اس کے باپ کو کچھ روپیہ دیکر لے آیا اور اس سے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد زید اور عمر میں جھگڑا ہونا شروع ہوگیا، جو زیور بوقتِ نکاح عمر نے زید کی لڑکی کو دیا تھا، وہ زید نے عمر کو امانت کے طور پر واپس دیدیا تھا، زید نے عمر سے زیور مانگا تو واپس نہیں دیا۔

عمر نے برادری کے کچھ لوگ زید کے پاس بھیجے کہ اب لڑکا لڑکی بالغ ہوگئے ہیں، لڑکی کو بھیج دو تو زید نے قسم کھا کر کہا کہ لڑکی کو ہرگز نہ بھیجوں گا، بکر نے زید اور عمر کو سمجھا کر خلع پر راضی کرلیا۔ برادری کے کچھ لوگوں نے زید کو بہکا دیا کہ خلع نہ کر، تیری بہو ہم دلوادیں گے تو زید نے خلع سے انکار کردیا اور کہنا شروع کیا کہ میں نے نکاح ہی نہیں کیا۔ دس سال کی بات ہوگئی، لکھا پڑھی کچھ نہیں ہوئی تھی، نکاح میں جو وکیل وگواہ تھے وہ کہتے ہیں: ہمیں کچھ یاد نہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ عمر لڑکے سے طلاق نہیں دلواتا اور زید لڑکی کو وہاں بھیجنا نہیں چاہتا اور نہ لڑکی وہاں جانے پر رضامند ہے۔ کیا ایسی صورت میں تین آدمیوں کو سرپنچ بنادیا جائے جو عالم ہوں، یا ان میں کم از کم ایک عالم ہو، وہ خلع کی درخواست لڑکی کی طرف سے کریں اور خلع سے اگر لڑکا انکار کردے اور طلاق نہ دیوے تو سرپنچ خود طلاق دیدے، ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

حافظ عبدالمجید صاحب، شاملی روڈ مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلع کے لئے شوہر اور بیوی دونوں کا رضامند ہونا ضروری ہے، زبردستی خلع نہیں کرایا جاتا (۱)، شوہر اگر بیوی کو رکھنے اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لئے تیار ہو تو پھر پنچایت کو طلاق دینے یا تفریق کرنے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

ایضاً

سوال [۶۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغہ لڑکی کی شادی ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ ان کے اولیاء نے کردی، ۸/ برس کے بعد معتبر خبروں سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا مندرجہ ذیل اوصافوں کے ساتھ متصف ہے:

۱- لباس عورتوں کا استعمال کرتا ہے اور زیور بھی پہنتا ہے۔

۲- صبح وشام بازار کی تفریح مثل زنان بازاری کے کرتا ہے۔

۳- لواطت جیسے افعالِ قبیحہ میں مبتلا ہے۔

۴- ایک شخص کو بطورِ شوہر اپنے مکان میں رکھے ہوئے ہے۔

۵- ان بدکاریوں کے سوا اور کوئی پیشہ نہیں ہے، اس سے اس کی گزراوقات ہوتی ہے، یہاں سے بہت دور رہتا ہے، ریل سے جانے میں صرف ایک طرف کا کرایہ ۷/ روپے ہے۔

لڑکی اب بالغ ہوگئی ہے، لڑکی کے گھر والوں نے متعدد خطوط اور پیام کے ذریعہ اس کو خبر دی اور بلایا،

---

(۱) "هو (أی الخلع) إزالة ملک النکاح المتوقفة علی قبولها". (الدرالمختار: ۳/۴۳۹، ۴۴۰، کتاب النکاح، باب الخلع، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه، رشیدیه)

"الخلع عقدٌ یفتقر إلی الإیجاب والقبول، یثبت الفرقة، ویستحق علیها العوض". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۴۵۳، الفصل السادس عشر فی الخلع، إدارة القرآن کراچی)

لیکن وہ اس طرف بالکل التفات نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں نہیں جاسکتا اور طلاق بھی نہیں دیتا، لڑکی والے بڑی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے درمیان کس طرح تفریق ہوسکتی ہے؟ تحریر فرمادیں اور ان کی پریشانیوں کو دور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد زمان، متعلم مدرسہ ہدایۃ مسلمین کراچی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر اپنی زوجہ کو نہیں رکھتا اور نباہ دشوار ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی طرح روپے دے کر، یا ڈرا کر رضامندی سے، یا زور ڈال کر طلاق لے لی جائے یا خلع کرلیا جائے (۱)۔ اگر یہ ناممکن ہوتو زوجہ کی طرف سے حاکم مسلم باختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے اور بیان دیا جائے کہ یہ شخص اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم مسلم باقاعدہ واقعہ کی تفتیش کرکے شوہر سے کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو، اگر رکھنا نہیں چاہتے تو طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ پس اگر شوہر کوئی صورت اختیار کرلے تب تو خیر ورنہ حاکم مسلم باختیار تفریق کردے، اس کے بعد عورت کو دوسری جگہ شرعاً نکاح کرنا درست ہے (۲)، عورت کے غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے عدت واجب نہیں (۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

قال المرغيناني رحمه الله: "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (حيلۂ ناجزه، ص: ۷۳، ۷۴، حكم زوجة متعنت في النفقة، دار الإشاعت كراچي)

(۳) "أربع من النساء لا عدة عليهن: المطلقة قبل الدخول، والحربية دخلت دارنا بأمان، اهـ". (الفتاوىٰ =

اگر کسی جگہ حاکم مسلم نہ ہو یا وہ شرع کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دین دار معزز مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے، اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم ہونا بھی ضروری ہے اور رسالہ حیلۂ ناجزہ بھی ضرور دیکھ لیا جائے، اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۷ھ۔

ایضاً

سوال[۶۴۴۳]: ایک لڑکی کی شادی ایک مستور الحال سے کردی، بعد میں اس کا فسق وفجور ظاہر ہوا اور وہ لڑکی نیک اور شریعت کی پابند ہے، شرعی بات بتلانے پر اس لڑکی کو زدوکوب کرتا ہے اور نہایت تنگ کرتا ہے، یہاں تک نوبت پہونچ گئی کہ اب نباہ مشکل اور لڑکی کی آبرو اور جان جانے کا خطرہ قوی ہے اور وہ خلع کرنے سے انکاری ہے۔ اب شریعت میں اس لڑکی کی نجات کی کیا صورت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے: نہ یہ معلوم کہ نکاح نابالغی کی حالت میں ہوا یا بعد بلوغ، اور کسی ولی نے کیا ہے یا خود لڑکی نے کیا ہے، اگر ولی نے کیا ہے تو وہ ولی باپ ودادا ہے یا کوئی اور۔ نیز بوقتِ نکاح کیا شرط کی گئی تھی کہ لڑکا صالح ہے یا کوئی شرط نہیں تھی۔ بہتر یہ تھا کہ سوال میں یہ سب تفصیل درج ہوتی، تاہم اجمالی جواب یہ ہے کہ:

اگر شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور بلا وجہ اذیت دیتا ہے تو زوجہ کو چاہئے کہ حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے، میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اس پر حاکم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم بلا وجہ اذیت دینے سے باز آؤ اور اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اگر شوہر حقوق ادا کرنے کے لئے آمادہ ہو اور بلا وجہ اذیت دینے سے باز آجائے تو بہتر ہے ورنہ حاکم مسلم

= العالمكيرية: ۱/ ۵۲۹، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/ ۵۷، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (أنظر رقم، ص: ۲۳۷، رقم الحاشية: ۲)

باختیارخود تفریق کردے، اس کے بعد عدت گذار کر زوجہ کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۶۴۳۴]: میاں بیوی میں تنازع ہوکر بڑھ گیا اور بیوی کو اپنی جان کا خطرہ ہوگیا اور اپنے خاوند کے یہاں بوجہ خطرۂ جان کے نہیں جاتی اور اس کا خاوند اس کو طلاق نہیں دیتا اور نہ خرچ، اس قصہ میں پانچ چھ سال گذر گئے اور لڑکی نوجوان ہے، بغیر نکاح کے گذران مشکل ہے۔ اس صورت میں شریعت شریف کیا فیصلہ دیتی ہے کہ جس سے میاں بیوی میں تفریق ہوجاوے اور لڑکی کا نکاح کردیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دیکر یا ڈرا کر طلاق حاصل کرلیجاوے، یا خلع کرلیا جائے (۲)۔ اگر یہ ناممکن ہو تو پھر بیوی کو چاہئے کہ حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اس پر حاکم باقاعدہ واقعہ کی تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو شوہر سے کہے کہ تم یا اس کے حقوق ادا کرو یا طلاق دے دو، اگر وہ کسی بات کو اختیار کرے تو خیر ورنہ حاکم مسلم تفریق کردے، اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم باختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دیندار معزز مسلمانوں کی

---

(۱) (الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، ص: ۴۳، ۴۷، حکم زوجۂ متعنت، دارالإشاعت کراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به". (الهدایة: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شرکت علمیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعید)

ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے اوراس جماعت میں کم ازکم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کا ہونا بھی ضروری ہے اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کوغور سے دیکھ لیا جائے کہ اس میں اس کوتفصیل سے لکھا ہے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۱۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

ایضاً

سوال [۶۴۴۵]: بندو پسر عبد الکریم سے میرا نکاح ہوا تھا، سات سال اس کی زوجیت میں رہی، اس درمیان میں مجھے طرح طرح کی تکالیف اٹھانی پڑی، نہ میرے حقوق ادا کرسکا اور اخلاق بھی اچھے نہیں۔اب دو سال سے میں اپنے والد کے گھر ہوں، نہ میرا نان ونفقہ دیتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، نہ میرے حقوق ادا کرتا ہے اور طرح طرح کی تکلیف پہونچانے پر آمادہ ہے۔اب ایسی صورت میں شرعاً کیا کروں، طلاق یا فسخ نکاح کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نباہ دشوار ہوگیا، بہتر یہ ہے کہ کسی طرح سے سمجھا کر یا ڈرا کر یا لالچ دلا کر طلاق حاصل کرلیجائے، یا خلع کرلیا جائے، اس طرح کہ عورت اپنا مہر معاف کردے، یا کچھ روپیہ دیدے اور شوہر اپنے حقوقِ زوجیت ساقط کردے۔اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت حاکم مسلم باختیار کی عدالت میں مقدمہ کرے کہ میرا شوہر میرے حقوق ادا نہیں کرتا، نہ طلاق دیتا ہے۔اس پر حاکم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم یا تو حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس پر اگر شوہر حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہوجائے یا طلاق دیدے تب تو خیر، ورنہ حاکم مسلم تفریق کردے، اس کے بعد عدت گزار کے عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/ ۱۱/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

---

(۱) (راجع الحاشیة آتیة آنفاً)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے =

زوجۂ متعنت

سوال[۶۴۳۶]: زید کی بیوی دو سال سے زید سے بالکل الگ اپنے میکے میں زید کے خوراک پوشاک اپنی بیوی کو نہ دینے سے اور انتہائی درجہ کی تکلیف یعنی بھوک پر بھوک کاٹنے پر وہ فی الوقت ہے، زید کی بیوی ہمیشہ اس بارے میں کہتی رہی، مگر باوجود صلاحیت ہونے کمانے کی کچھ انتظام زید نے نہ کیا، بلکہ ہمیشہ یونہی جواب دیتا رہا کہ تم خود کھانے پینے کا انتظام کرلو، وہ کما نہیں سکتا۔ اور زید ایک نوجوان شخص ہے اور اس سے ایک لڑکا فی الوقت ڈیڑھ دو سال کا ہے۔ ایسی حالت پر زید کی بیوی اس سے الگ ہونا چاہتی ہے۔

زید سے بھی دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ اب کی بار ماہانہ ڈیڑھ سو روپیہ دیا کروں گا، مگر اس بات کی کوئی وقعت اس لئے نہیں کہ الگ رہنے کے زمانہ سے اب تک کبھی ایک درم بسکٹ ہی سہی اپنے بچے کے لئے بھی نہیں دیا جس سے زید کی بیوی بالکل مطمئن ہے کہ وہ کبھی کمانے کے لئے جائے گا، بلکہ دو چار دن رکھ کر اپنے نفس کی خواہش کو پورا کر کے بھیج دے گا۔ زید موصوف کو ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کی دلیل بنانے پر اپنا دستخط دینے کو ناراض اور بالکل مجلس سے بھاگ گیا، تو اب تک اس بارے میں پھر نہیں آیا، ہمیشہ زبانی اقرار کر لیتا ہے، مگر جب تحریری طور پر فیصلہ کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے تو مجلس سے بھاگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نہیں چھوڑوں گا۔

لڑکی اکلوتی ہے اور والد و والدہ اس کے ضعیف العمر ہیں سب پراگندہ ہیں، کسی صورت فیصلہ ہو جائے تاکہ لڑکی کو دوسری راہ لگا دیا جائے اور والدین بھی لڑکی کو اس کے پاس چھوڑنا نہیں چاہتے، اس لئے کہ شادی کے زمانہ سے اب تک زید کو اچھی طرح پرکھ لیا کہ کمانا نہیں چاہتا، بیٹھ کر کھانا چاہتا ہے، بلکہ بیوی کی جو کچھ جائیداد ہے اسے بھی بیچ کر کھا لینا چاہتا ہے۔ شادی کو کل ۱۴/ سال ہوئے جس میں دو سال کی زندگی بیوی نے بہت تکلیف سے گذاری، سسرال میں رہی، اپنے میکے بھی زید کو لے کر رہی اور یہاں تک کہ ملازمت کی جگہ (جب زید ملازمت کرتا تھا) بھی رہی، مگر سب جگہ اس زمانہ میں بہت ہی تکلیف اٹھائی، اب اپنے میکے میں دو سال سے

=پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے، تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کر دے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دار الاشاعت، کراچی)

الگ ہے، نہ تو شوہر آتا ہے، نہ ہی بیوی سسرال جاتی ہے۔ سسرال والے بیوی کے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہتے اور جب صلح کے لئے بلایا جاتا ہے تو نہیں آتے۔

ان حالات میں اگر زید طلاق نہ دے تو کیا زید کی بیوی کو مندرجہ بالا حالات کے تحت اجازت نہیں کہ وہ اپنا خلع کرلے؟ زید کی بیوی نے حددرجہ کوشش کی کہ شوہر ٹھیک ہوجائے اور ازدواجی زندگی آرام سے گذرے، مگر سب رائیگاں گئی۔ والدین پریشان ہیں کہ یہ معاملہ اپنی حیات میں طے ہوجائے ورنہ اس لڑکی کا کوئی اَور نہیں، یہ صرف اکلوتی لڑکی ہے، نہ کوئی بھائی ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں مسئلہ بیان فرمائیں تاکہ کارروائی کی جاسکے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ایک تو قانونی کارروائی کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ عدالت میں درخواست دے کر خود مختاری کی اجازت حاصل کرلی جائے، کسی بھی وکیل کے ذریعہ سے یہ چیز ہوسکتی ہے، اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ بعد میں شوہر کو عدالت میں جانے کا موقع نہ رہے۔

شرعی طور پر اس کا حل یہ ہے کہ ایک شرعی پنچایت بنائی جائے جس میں چند معزز باشرع افراد ہوں اور کم از کم ایک عالم معتبر معاملہ شناس بھی ہو، اس پنچایت میں لڑکی درخواست دے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے جو کہ اتنی مدت سے مجھے نفقہ نہیں دیتا، میرے حقوق ادا نہیں کرتا، میرا فیصلہ کیا جائے۔ پنچایت جملہ امور کی تحقیق تفتیش کرکے شوہر کو بلاکر کہے کہ تمہاری بیوی کی یہ درخواست ہے، تم اس کو شریفانہ طور پر آباد کرو یا طلاق دے کر آزاد کردو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے (۱)۔

اگر شوہر آباد کرنے پر رضامند ہو تو اس سے ایک اقرار لیا جائے، مثلاً اس طرح کہ اگر تم نے تین ماہ تک خرچ نفقہ نہ دیا تو تمہاری بیوی کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، اس طرح اس کو سہولت حاصل ہوجائے گی کہ دو تین ماہ تنگی برداشت کرکے اپنے اوپر طلاق واقع کرسکے گی (۲)۔ اگر شوہر آباد کرنے پر رضامند

---

(۱) دیکھئے: (الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة للشیخ التھانویؒ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجة متعنت فی النفقة، دار الإشاعت کراچی)

(۲) "إن غبتُ عنک ستة أشھر ولم تصل بک نفسی ونفقتی فی ھذہ المدة، فأمر طلاقک بیدک، ثم =

نہ ہوتو شرعی پنچایت تفریق کردے، پھرعدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کا اختیار ہوگا۔

پنچایت کوچاہئے کہ رسالہ "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" سامنے رکھ کراس کے مطابق فیصلہ کرے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

ایضاً

سوال[۶۴۳۷]: ۱..... اگرالف کی بیوی اپنے شوہر کے جوروظلم کی وجہ سے اپنے شوہر کے یہاں عرصہ سات آٹھ سال سے نہیں گئی اوراپنے والدین کے یہاں پڑی ہے، اس کا شوہراس کونان ونفقہ بھی نہیں دیتا ہے اور نہ کبھی آتا جاتا ہے، اس لئے وہ اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہے تو وہ طلاق کس طرح حاصل کرسکتی ہے؟

۲..... الف کی بیوی کا نکاح حالت نابالغی میں باپ کی ولایت میں عمل میں آیا چوں کہ باپ کی ولایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ٹوٹتی اورالف کی بیوی اپنے شوہر کے جوروظلم کی وجہ سے اپنے شوہر کے یہاں عرصہ سات آٹھ سال سے نہیں گئی، نہ شوہر نے اس کو بلانے کی کوشش کی، نہ اس عرصہ میں اس کو کچھ نان ونفقہ دیا، اس لئے وہ اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہے۔اس صورت میں وہ کس طرح طلاق حاصل کرسکتی ہے؟

محمد عمر، ساکن: سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور میرے حقوق کو ادانہیں کرتا۔حاکم باقاعدہ واقعہ کی تحقیق کرے اورشوہرکوبلاکرحکم دے کہ تم اپنی بیوی کے حقوق اداکرو اگرحقوق ادا نہیں کرتے تو طلاق دےدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اگرشوہران دونوں باتوں میں سے کسی بات پر رضامند ہوجائے اوراقرار کرلے تو خیر، ورنہ حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے یعنی شوہر کی طرف سے عورت کوطلاق دے

= غاب عنها ولم تصل إليها نفسه ووصلت نفقته، كان الأمر بيدها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۹۹، الفصل الثاني في الأمر باليد، رشيديه)

دے، اس کے بعد عورت عدت طلاق گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک فہیم معاملہ شناس معتبر عالم ہونا بھی ضروری ہے اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کو بھی ضرور دیکھ لیا جائے، اس میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے(۱)۔

بہتر تو یہ ہے کہ کسی ذریعہ سے سمجھا کر یا لالچ دے کر یا خوف دلا کر اس سے طلاق لے لی جاوے یا خلع کرلیا جائے اگر یہ دشوار ہو تو صورت بالا پر عمل کیا جائے۔

۲......اس کی صورت بھی وہی ہے جو کہ جواب نمبر:امیں تحریر کی گئی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۱/ جمادی الثانیہ/۵۶ھ۔

ایضاً

سوال[۶۴۳۸]: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ عرصہ تقریباً پانچ سال کا ہوا، اس عرصہ میں زید کا برتاؤ ہندہ کے ساتھ نہایت سختی کا رہا۔ نیز زید نے ہندہ پر زنا کا الزام بھی لگایا ہے اور یہ الزام خط میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہندہ اور اس کی (اس) خالہ کو (جس کے یہاں ہندہ نے پرورش پائی ہے اور اس نے ہندہ کا نکاح بھی کیا اور اسی کے مکان پر ہندہ رہتی ہے) گولی سے مار دے گا۔ نیز زید نے ہندہ کی عرصہ ساڑھے چار سال سے کوئی خیر خبر نہ لی اور نہ یہ معلوم کہ زید کہاں ہے۔ ان چند خطوط کا خلاصہ جو ساڑھے چار سال قبل بھیجے تھے حسبِ ذیل ہے:

---

(۱) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص:۷۳،۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت، کراچی)

خط بنام رشتہ دار:

’’عموماً دہلی میں دھوکہ زیادہ ہے اور شریف لوگ کم ہیں۔

خالہ کے نام: میری زوجہ کو اپنے مطلب کے لئے رکھا ہے، زمانہ مطلب بر آرہے۔ اب میں جال میں پھنس گیا۔ لڑکی شوہر سے بھی خرچ لیتی ہے اور بدچلنی سے بھی پیسہ کماتی ہے، اب میں حیران ہوں کہ کیا کروں، روپیہ بھی برباد ہوا اور عورت بھی بدچلن ملی۔ میری تقدیر کا چکر ہے، کیونکہ اس کی جوانی کا عالم تو دہلی والے اڑائیں گے، پھر ہم تو کتے کی ہڈی کے حق دار ہوں گے‘‘۔

خط بنام رشتہ دار:

’’دل نے شک کیا کہ شاید خالہ جان نے دہلی میں کہہ دیا ہوگا کہ اس کے خاوند کے پاس شملہ بھیج رہی ہوں اور اس کو کسی دوست کے ہمراہ بغرض کمائی بھیج دیا ہو۔

خالہ کے نام: ایک نہایت چالاک عورت ہے جو نہ کسی سے پردہ کرتی ہے اور نہ بھانجی کو پردہ کراتی ہے۔ جو ان کی بھانجی کماتی ہے اور کھلاتی ہے، آپ کو معلوم نہیں رات کو یہ بھانجی کو کہاں اور کس کے پاس لے جاتی ہے‘‘۔

خط بنام دوست:

’’اب تو مہر ادا کر کے اس کو طلاق دینے کے لئے بالکل تیار ہوں، کیونکہ ایسی عورت کو اپنے گھر رکھنا اپنے لئے موجبِ ندامت خیال کرتا ہوں۔ ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ (ایک قریبی رشتہ دار کا نام) پھر اور (ایک رشتہ دار کا نام) سے اس کا ناجائز تعلق ہے۔ اگر انہوں نے نہیں بھیجا تو میں ماہ اکتوبر/۴۳ء میں خود دہلی جاؤں گا اور اپنی عارضی زوجہ کو بھی بمعہ اس کی خالہ (خالہ کا نام) کو گولی ماردوں گا اور میں پھانسی چڑھ جاؤں گا۔

جب کہ ہندہ ان تمام الزامات سے بری ہے اور ایک شریف خاندان کی شریف لڑکی ہے اور جب کہ صلح

کی صورت میں اپنی جان و مال سے ہرگز مطمئن نہیں ہوسکتی۔ تو کیا ایسی صورت میں ہندہ کو قاضی سے خلع یا فسخِ نکاح کرانے اور زید سے کل مہر وصول کرنے کا حق منجانب شرع شریف حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی نباہ کی صورت نہیں تو بہتر یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر، یا دباؤ ڈال کر زید سے طلاق لے لی جائے، یا خلع کرلیا جائے، ان دونوں صورتوں میں قاضی کی ضرورت نہیں۔ اگر طلاق اور خلع دشوار ہوتو پھر اس کی جان کے خطرہ کی بناء پر حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم مسلم ہندہ کے دعویٰ کا ثبوت اور زید سے جواب طلب کرے، اگر تحقیق وتفتیش کے بعد ہندہ کا دعویٰ صحیح ثابت ہوتو زید کو فہمائش کرے، پس اگر زید ہندہ کے حقوق ادا کرنے کا پختہ وعدہ کرے اور ہندہ کی جان کا خطرہ کسی طرح زائل ہو جائے تب تو خیر، ورنہ یعنی اگر زید ادائے حقوق کا وعدہ نہ کرے تو پھر حاکم مسلم زید سے کہے کہ تم ہندہ کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ہندہ کی جان کا خطرہ ہے، لہٰذا تم اس کو طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس پر زید طلاق دے دے تب تو خیر، ورنہ حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے۔

مہر کے متعلق یہ ہے کہ اگر خلوتِ صحیحہ ہوگئی ہے تب تو پورا مہر لازم ہوگا جو کہ طلاق اور فسخ کی صورت میں ہندہ وصول کرسکتی ہے (۱)۔ اور خلع میں اگر مہر کا ذکرِ سقوط یا وصول کا آیا ہے تو اس کا اعتبار ہوگا، اگر کوئی ذکر ساقط کرنے یا وصول کرنے کا نہیں آیا ہے، بلکہ محض خلع کا ایجاب وقبول ہوگیا ہے اور کچھ اس میں لینے دینے کا ذکر نہیں

(۱) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحه، وموت أحد الزوجين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة: ۱/۳۰۳، رشيديه)

"وإن طلقها قبل الدخول والخلوة، فلها نصف السمي". (هداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۳۲۴، شركة علميه)

"أن الخلوة توجب كمال المهر والعدة". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب النكاح، الفصل الثاني عشر في المهر، ومايتصل بهذا مسائل الخلوة: ۲/۳۸، امجد اكيڈمی، لاهور)

آیا تو مہر نہیں لے سکتی، بلکہ وہ ساقط ہوجائے گا(۱)۔ اگر خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہیں آئی تو نصف مہر میں وہی تفصیل ہے جو اوپر کل مہر کی مذکور ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، کیم/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۷، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۶۴۳۹]: ۱..... عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہونے کے بعد زید کو ہر قسم کی تکلیفیں روحانی وجسمانی دینا شروع کیں، مثلاً: زدوکوب کرنا، کھانے کی ایذاء پہونچانا، گھر سے نکال دینا وغیرہ، ہر قسم کی اذیت دینا۔

۲..... شادی ہونے کے بعد اس کا بھی علم ہوا کہ اس کا ایک غیر عورت سے تعلق ہے اور اس کے اشارہ پر وہ ہندہ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے۔

۳..... زید کا یہ دوسرا نکاح تھا، پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا ہے اور اس کے ورثاء سے معلوم ہوا کہ ان تکلیفوں کی وجہ سے اس کا انتقال ہوا ہے اور مرتے وقت اس عورت نے یہ وصیت کی تھی کہ اگر میرا شوہر میرے جنازے پر شریک ہوا تو میں حشر میں دامن گیر ہوں گی۔

۴..... زید کے بارے میں باوثوق ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اغلامی بھی ہے اور ہندہ اس کی

---

(۱) "الثالث لو لوخالعها ولم يذكر العوض، ذكر شمس الأئمة السرخسي في نسخته أنه يبرئ كل واحد منهما عن صاحبه، وذكر الإمام خواهر زادة: أن هذا أحدى الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله، وهو الصحيح". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في الخلع، الجنس الأول في المقدمة: ۲/ ۱۰۱، امجد اكيڈمی لاهور)

"ولوقال: اخلعي نفسك فقالت: خلعت نفسي منك، وأجاز الزوج، جاز بغير مال".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع: ۱/ ۴۹۱، رشيديه)

"اختلعي -بالأمر- ولم يسم شيئاً فقبلت، فإنه خلع مسقط". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۳/ ۴۴۰، سعيد)

تصدیق کرتی ہے۔

۵...... زید نے ہندہ کو مار کر نکال دیا تھا، چنانچہ ہندہ عرصہ ایک سال سے اپنی ماں کے پاس مقیم ہے اور زید نے رخصتی کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے، وکلاء سے دریافت کیا گیا تو یہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ذکر خلع کا موجود نہیں ہے۔

مندرجہ بالا صورت کے ہوتے ہوئے شرعی حکم کیا ہے اور آیا ہندہ کو خلع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نباہ دشوار ہے تو بہتر صورت یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر یا ڈرا کر زید سے طلاق لے لی جائے، یا خلع کرلیا جائے، قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿فإن خفتم أن لا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾(۱) اسی کو خلع کہتے ہیں۔ اگر طلاق یا خلع میں کامیابی نہ ہو تو عورت حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، وہ باقاعدہ تحقیق کر کے زید سے کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ اگر زید کوئی صورت اختیار کرلے تو خیر، ورنہ حاکم مسلم تفریق کر دے، اس کے بعد عدت گزار کر ہندہ کو دوسری جگہ پر نکاح کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ۶/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

ایضاً

سوال[۶۲۴۰]: کوئی شخص کسی وجہ سے اپنی زوجہ کو نہ لے جانا چاہتا ہو اور نہ وہ طلاق دے اور عرصہ

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کر دے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت، کراچی)

بارہ سال کا ہو گیا ہو، یا پانچ سال کا ہو گیا ہو تو اس عورت کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ قائم کرے حاکم اس کو مجبور کرے گا یا وہ اپنی زوجہ کو لے جائے یا طلاق دے، ورنہ حاکم تفریق کر دے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۱۴۴۱] : ۱.....کوئی مرد شرع کے موافق ایک عورت کو نکاح میں لانے کے بعد صرف تین یا چار ماہ زندگی بسر کیا جس کے بعد زنا کے مرتکب ہونے کے سبب اپنی داشتہ (۲) کے ساتھ اب تک زندگی بسر کر رہا ہے اور اسی کے ساتھ رہتا سہتا ہے۔ نکاح والی عورت کو تقریباً پونے چار سال سے چھوڑ رکھا ہے، شہر کے عمائدین نے ہر طرح سمجھایا، نہیں مانا، آخر کار مجبوراً وکیل کی جانب سے نوٹس دی گئی: عورت کو بخوشی اپنے گھر بلوا کر رکھیں اور نان ونفقہ دیں، ہر دونوں صورتیں پسند نہ ہوں تو طلاق دیں اور مہر ۲۲۵/ روپیہ ادا کریں۔ خاوند نے نوٹس لے لیا جس کا جواب دو سال سے نہیں دیا گیا، کسی کی مانتا ہی نہیں۔

۲.....اس لڑکی کی عمر فی الوقت اٹھارہ سال ہے جس کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ عورت ایک غریب کی لڑکی ہے، شریف النسل ہے اس کا کفیل کوئی نظر نہیں آتا، اس کے واسطے صرف دو صورتیں ہیں: باقاعدہ

---

(۱) "زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کر دیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کر دے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳،۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) "داشتہ: خانگی، بے نکاحی عورت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۰۸، فیروز سنز، لاہور)

طلاق حاصل کر کے دوسرے کسی شخص سے شادی کر لے، یا ذلت کی زندگی گذارے؟

۳......مذہب میں ایسی مجبوریوں کی صورت میں ایسی ستم رسیدہ لڑکیوں کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے کون سی راہ شریعتِ حقہ بتلاتی ہے؟

۴......شادی کے وقت صرف چالیس روپیہ مالیت کا زیور جو لایا گیا تھا، کیا ان زیورات کو عطیات میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اور جو چیز کپڑے شادی میں خاوند لایا تھا، موقع پا کر خاوندان کپڑوں کو لے گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر آمادہ نہیں تو بہتر صورت یہ ہے کہ کسی طرح کچھ لالچ دلا کر یا ڈرا کر طلاق حاصل کی جائے، یا خلع کر لیا جائے، یعنی زوجہ اپنا مہر معاف کردے اور شوہر اپنے حقوقِ زوجیت عورت سے ساقط کردے۔ اگر یہ دشوار ہو تو زوجہ کو چاہیے کہ حاکم مسلم با اختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے، وہ میرے حقوق کو ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم شوہر کو کہے کہ: یا تم اپنی زوجہ کے حقوق کو ادا کرو یا طلاق دے دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اگر شوہر کسی بات کو اختیار کر لے تب تو بہتر ہے، ورنہ حاکم مسلم اپنے اختیار سے تفریق کردے۔ اس کے بعد عورت کو عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔

جو کپڑا اور زیور شوہر کی طرف سے زوجہ کو دیا جاتا ہے، اگر بطورِ ملک دینے کا رواج ہے تو وہ زوجہ کی مِلک ہے بشرطیکہ شوہر نے اس کے خلاف کی تصریح نہ کی ہو، اگر مستعار دینے کا رواج ہو تو وہ مستعار شمار ہوگا

---

(۱) "المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکاً لا عاریةً؛ لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الکل عاریةً، فالقول للأب. وأما إذا جرت في البعض، یکون الجهاز ترکةً یتعلق بها حق الورثة، وهو الصحیح". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۵۷/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب المهر: ۳۲۵/۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشیدیه)

بشرطیکہ شوہر نے اس کے خلاف کی تصریح نہ کی ہو(۱)۔مہر بہر حال واجب ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۸/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۸/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

شوہر نہ بیوی کو بلائے، نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟

سوال[۶۴۴۲]: زید اپنی بیوی زینب کو گھر لے گیا لیکن حالات کے ناموافق ہونے کی وجہ سے زید نے بیوی کو طرح طرح سے ستانا، مارنا، پیٹنا شروع کردیا۔ زینب چاہتی ہے کہ چند دنوں کے لئے والدین کے پاس بھیج دی جائے، لیکن اس ابتلاء میں قریب قریب چار سال کا عرصہ ہوگیا اور زید نے کوئی توجہ نہیں کی، بعد اصرار تھوڑے دنوں کے لئے زینب کو میکہ بھیج دیا، لیکن چند یوم گذرے بھی نہ تھے کہ زید واپس لینے پہونچ گیا، والدین نے یہ کہہ کر ابھی چند دن اَور رہنے دو پھر لے جانا، اس کے نتیجہ میں زید نے دوسری شادی کرلی اور اب زینب کو کسی قیمت پر لے جانے کے لئے تیار نہیں، نہ طلاق دیتا ہے، نہ خلع پر راضی ہے اور نہ ہی تفریق کی کسی صورت پر راضی ہے۔

---

(۱) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) "أن المهر يجب بالعقد ويتأكد بإحدى معان ثلاث". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۲۵۱/۳، رشيديه)

"المهر يتأكد بثلاث: بالوطء، وموت أحد الزوجين، وبالخلوة الصحيحة". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب في ذكر مسائل المهر، فصل في الخلوة وتأكد المهر: ۳۹۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

کیا ایسے شخص کے پنجہ سے جان چھڑانے کی کوئی صورت ہے؟ والدین سخت پریشانی کے عالم میں مبتلا ہیں، زینب اس قابل نہیں کہ گھر میں رکھی جاسکے، جبکہ قدم قدم پر فتنہ کا شدید اندیشہ ہے۔ اب عورت کب تک انتظار کرے، اور کیا ایسی صورت کے تحت فسخِ نکاح کے لئے عدالت یا گاؤں کے پنچایت کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زینب کے والدین کو چاہئے کہ اس کے شوہر کے مکان پر پہونچانے کی کوشش کریں، اگر زید رکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوتو اس سے کہیں کہ وہ طلاق دیدے، اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو زینب بعوضِ مہر طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے(۱)۔ اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوتو پھر حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے وہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا، اس سے میرے حقوق ادا کرائے جائیں، یا پھر مجھے نکاحِ ثانی کی اجازت دی جائے۔ اس پر عدالت جملہ امور کی باقاعدہ تحقیق کرکے شوہر سے کہے کہ تم اپنی بیوی کے جملہ حقوق ادا کرو یا اس کو طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اگر شوہر کوئی صورت اختیار نہ کرے تو حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے، یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی (۲)۔ اس کے بعد عدت طلاق تین حیض گزار کر دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾(سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۴۰۴/۲، باب الخلع، شركت علميه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۴۱/۳، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۸۸/۱، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(۲) "زوجۂ متعنت قضائے قاضی کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے"۔ (حيلة ناجزه للحليلة العاجزة، ص: ۷۳، حكم زوجه متعنت دار الإشاعت كراچی)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

=

اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز مسلمانوں کی پنچایت بھی یہ کام کرسکتی ہے، اس پنچایت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری اور لازمی ہے، رسالہ "الحیلة الناجزة" کا مطالعہ بھی بغور کرلیا جائے، اس میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۸ھ۔

جس عورت کو اس کا شوہر نہ رکھتا ہو اس کو کسی ہندو کے حوالہ کردینا

سوال [۶۴۴۳]: ایک عورت کو نکاح کئے چار سال ہوگئے، نہ اس کو شوہر طلاق دیتا ہے، نہ گھر میں رکھتا ہے، ایک بچہ اس عورت کا آوارہ گردی میں ہوچکا ہے۔ اس کے بعد وہ عورت تین سال کے بعد ایک شخص کے یہاں دوسری جگہ چلی گئی، تقریباً آٹھ ماہ اس کے پاس رہی، جس شخص کے گھر میں رہتی تھی، وہ شخص قصاص دینے کو تیار ہے کہ میں قصاص دینے کو تیار ہوں تو ایک جگہ شادی کا سلسلہ تھا، اس جگہ بہت دور دور سے لوگ اکٹھے ہوئے، اس جگہ پر اس شخص کو بلایا گیا جس شخص کے گھر میں عورت موجود تھی۔

تو بلا کر کے جو لوگ پہلے اکٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص پریذیڈنٹ مقرر کیا گیا، پریذیڈنٹ نے اس شخص کے لئے عورت کو بلایا تو عورت ایک ہندو کے سپرد کردی گئی، اسلام اس کو بہت برا محسوس ہوتا ہے۔ پریذیڈنٹ نے یہ بھی حکم جاری کردیا ہے تو اس شخص سے سب رشتہ برادری نے قطع تعلق کردیا اور ایک سو روپیہ جرمانہ لیا جاوے گا۔ اب اس عورت کے واسطے شریعتِ اسلامیہ کیا کہتی ہے کہ عورت اسی طرح رہے گی یا اسلام میں لیجائی جائیگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل میں جس کی وہ عورت ہے اس پر زور دینا چاہئے کہ وہ اس کو رکھے یا اس کو طلاق دے، عورت کا کسی غیر شخص کے پاس رہنا حرام ہے۔ عورت کو کسی ہندو کے سپرد کردینا نہایت سخت ترین اور خطرناک گناہ ہے، اگر عورت نے مذہبِ اسلام کو چھوڑ کر ہندو مذہب کو اختیار کرلیا ہے تو اس کے ذمہ فرض ہے کہ دوبارہ اسلام قبول

= (وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۵۴۹، کتاب الطلاق، باب العدة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۵۳، کتاب الطلاق، الفصل الثامن والعشرون فی العدة، إدارة القرآن کراچی)

کرے، ایسا رہنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے(۱)، بہر حال اس کے ذمہ فرض ہے کہ ہندو کے یہاں سے اپنے شوہر کے یہاں آئے اور توبہ کرے، نیز تجدیدِ ایمان بھی کرے(۲)۔ اگر شوہر نہ رکھے بلکہ طلاق دیدے تو پھر کسی دوسرے مسلمان سے باقاعدہ نکاح کرلے۔

اگر عورت خود ہندو کے یہاں سے آنے پر تیار نہ ہو تو برادری اور پریزیڈنٹ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ کوشش کرکے زبردستی عورت کو وہاں سے نکال کر شوہر کے حوالہ کردیں۔ اور جس نے اس عورت کو ہندو کے سپرد کیا ہے، اس کے ذمہ فرض ہے کہ علی الاعلان توبہ کرے اور جس شخص کے یہاں وہ عورت رہتی ہے اس کو بھی توبہ کرنا واجب ہے(۳)۔ اور یکصد روپیہ جرمانہ جو پریزیڈنٹ نے کیا ہے وہ بھی ناجائز ہے، مال کا جرمانہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں۔ اگر یہ جرمانہ وصول کرلیا ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

فیصلہ کرنے کے لئے کسی معتبر عالم کو مقرر کرلیا جائے ورنہ فیصلہ سے پہلے باقاعدہ پورے واقعات بتلاکر معتبر عالم سے فتویٰ حاصل کرنا چاہیے تاکہ فیصلہ شریعت کے مطابق ہو، محض جاہلوں کا جمع ہوکر کسی جاہل کو پریزیڈنٹ بناکر فیصلہ کرنا انتہائی جہالت ہے، کیونکہ اپنے فیصلوں میں وہ شرعی احکام کی رعایت نہ رکھ سکے گا اور اس پر عمل جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

---

(۱) "عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا یخلونّ رجل بالمرأة إلا کان ثالثهما الشیطان". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی: ۲/۲۶۹، قدیمی)

"الخلوة بالأجنبیة حرام". (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس: ۶/۳۶۸، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحریم: ۸)

"وما فیه خلاف، یؤمر بالاستغفار والتوبة". (الدر المختار). "(قوله: والتوبه): أی تجدید الإسلام من الألفاظ. وما لا یوجب الکفر، فقائله یقر علی حاله، ولا یؤمر بتجدید النکاح، ولکن یؤمر بالاستغفار، والرجوع عن ذلک". (رد المحتار، باب المرتد: ۴/۲۴۷، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿استغفروا ربکم إنه کان غفاراً﴾ (سورة النوح: ۱۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین امنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحریم: ۸)

نفقہ نہ دینے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال[۶۴۴۴]: ۱.....مریم کا نکاح محمد اسحاق کے ساتھ عرصہ بیس سال پہلے ہوا تھا جبکہ مریم کی عمر سات سال تھی، وہ نابالغہ تھی۔ بعد از شادی آج تک محمد اسحاق مریم کو اپنے گھر نہیں لے گیا، نہ کوئی نان و پارچہ دیا، نہ حقِ زوجیت ادا کیا۔ اب مریم بالغہ ہوگئی ہے وہ اپنا نکاحِ ثانی دیگر شخص کے ساتھ کرنا چاہتی ہے، مریم عدالت سے بھی آزاد کردی گئی ہے۔ کیا ایسی صورت میں مریم مذکور کو طلاق شرعاً ہوگئی؟

بذریعۂ پنچایت تفریق

سوال[۶۴۴۵]: ۲.....مریم اپنا نکاح دیگر شخص سے کرسکتی ہے؟

۳.....مریم اپنے سابق شوہر سے مہر وصول کرسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....اتنی مدت تک نان پارچہ نہ دینے، خیر خبر نہ لینے، حقِ زوجیت ادا نہ کرنے سے شرعاً طلاق نہیں ہوئی (۱)۔

۲.....ابھی نہیں کرسکتی۔

۳.....اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو پورے مہر کی حقدار ہے ورنہ نصفِ مہر کی حقدار ہے (۲)۔ مسماۃ مریم کو چاہئے کہ اپنے اس شوہر سے طلاق حاصل کرلے یا خلع کرلے اس طرح کہ مریم مہر معاف کردے اور شوہر حق

---

(۱) "ومن أعسر بنفقة امرأته لم، يفرق بينهما". (الهداية: ۲/۴۳۹، كتاب الطلاق، باب النفقة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۲۱۳، نوع في الاختلاف بين الزوجين الخ، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۸، باب النفقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويتأكد عند وطئ أو خلوة صحت، أو موت أحدهما، ويجب نصفه بطلاق قبل وطئ أو خلوة". (الدرالمختار: ۳/۱۰۲، ۱۰۴، باب المهر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۱۳۱، ۱۳۷، نوع في بيان ما تستحق به جميع المهر، إدارة القرآن كراچی)

زوجیت ساقط کردے(۱)۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہوتو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں مسماۃ مریم اپنا یہ معاملہ پیش کرے اور پنچایت ''حیلہ ناجزہ'' میں لکھے ہوئے طریق کے موافق فیصلہ کردے، اس کے بعد اگر خلوتِ صحیحہ ہوچکی تھی تو عدت گذار کر، ورنہ بغیر عدت ہی دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا۔ پنچایت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے۔ رسالہ ''حیلہ ناجزہ'' کا مطالعہ بھی بغور کرلیا جائے، اس میں تفصیل مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

نفقہ کے دعویٰ میں یکطرفہ بیان سے خلع کی ڈگری دے کر نکاح فسخ کرنا

سوال[۶۴۴۲]: میری منکوحہ بیوی نے عدالت انگریزی پنجاب ہند میں دعویٰ اس بناء پر کیا کہ چونکہ میرے شوہر نے زائد از عرصہ ساڑھے تین سال نان ونفقہ ادا نہیں کیا، لہٰذا مجھے نکاحِ ثانی کی اجازت دیدی جائے۔ عدالت نے میری حاضری کا سمن جاری کیا، چونکہ میں غیر ملک میں تھا، میں نے جواب تحریری روانہ عدالت کیا جو کسی خاص وجہ سے عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ میری بیوی نے جو فتویٰ عدالت میں پیش کیا، اس میں صرف یہ تحریر ہے کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے اور خرچ بھی نہ دے تو جدائی ہوسکتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ عدالت میرا نکاح فسخ کرے عدالت نے مجھ سے کوئی تحریر طلب نہیں کی کہ خرچ پہلا ادا کرو اور آئندہ دینے کا وعدہ کرو یا طلاق دو چونکہ میرا جواب دعویٰ عدالت میں پیش نہیں ہوا، عدالت نے سمن

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ:﴿ فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

''وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به''. (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(۲) (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۷۳، ۷۴، حكم زوجة متعنت، دارالإشاعت كراچي)

بذریعۂ اشتہار جاری کر کے یکطرفہ ڈگری دے کر میری بیوی کو نکاحِ ثانی کی اجازت دیدی۔ یہ نکاح ثانی جائز ہے یا ناجائز، اگر ناجائز ہے تو کس طرح عدالت کو کرنا چاہئے تھا؟

از بغداد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جواب دعویٰ میں طلاق تحریر نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، شوہر کے ہوتے ہوئے عدالت کو اس کی جانب سے طلاق دینے کا اختیار نہیں (۱)۔ البتہ اگر عدالت مسلم ہو اس بات کا اختیار ہے کہ شوہر پر زور ڈال کر نفقہ دلائے، اگر نفقہ دینے پر عسرت کی وجہ سے قدرت نہ ہو تو نفقہ کی حسبِ حیثیت مقدار مقرر کر کے شوہر کے نام پر قرض لینے کی عورت کو اجازت دیدے، اگر مالدار ہے پھر نفقہ نہیں دیتا تو عدالت اس کے مال کو فروخت کرے اس سے عورت کو نفقہ دے، اگر عدالت کو شوہر کا مال نہ مل سکے تو پھر شوہر کو قید کردے لیکن نکاح فسخ نہ کرے۔ اگر شوہر حقوق بھی ادا نہ کرے اور نفقہ دینے پر کسی طرح راضی نہ ہو تو عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلادے یا خلع کرادے، اس کے بعد عدت گزار کر مدخولہ کو نکاح ثانی جائز ہوگا، اس سے پہلے جائز نہیں:

"ومن أعسر بنفقة امرأته، لم يفرق بينهما، ويقال لها: استديني عليه". هدايه: ۲/ ٤۱۹ (۲)۔ "ولو امتنع عن الإنفاق عليها مع اليسر، لم يفرّق، ويبيع الحاكم عليه ماله ويصرفه

---

(۱) قال السيد سابق: "والخلع يكون بتراضي الزوج والزوجة، فإذا لم يتم التراضي منهما فللقاضي إلزام الزوج بالخلع؛ لأن ثابتا وزوجته رفعا أمرهما للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وألزمه الرسول بأن يقبل الحديقة ويطلق". (فقه السنة: ۲/ ۲۹۹، كتاب الطلاق، دار الكتاب العربي)

"ليس للحكمين أن يطلقا أو يختلعا بدون رضا الزوجين خلافاً لمالك .... قلنا: في قول علي رضي الله تعالىٰ عنه في الرجل "حتى تقر بمثل الذى أقرت به" دليل على أن رضاه شرط للفرقة، فما لم يوكله للطلاق ويفوض أمره إليه، لاينفذ طلاقه". (أحكام القرآن: ۲/ ۲۵۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الهداية: ۲/ ۴۳۹، كتاب الطلاق، باب النفقة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/ ۲۱۳، نوع في الاختلاف بين الزوجين في دعوىٰ اليسار والإعسار، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۳۰۸، باب النفقة، دار الكتب العلمية بيروت)

فی نفقتها، فإن لم یجد ماله، یحبسه ولا یفسخ". فتح القدیر: ۲/۳۲۹(۱)۔
محمود گنگوہی، ۱۸/۳/۵۳ھ۔
صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

زوجہ کا نفقہ کتنے روز تک بند رکھنے سے تفریق ہوسکتی ہے؟

سوال[۶۴۴۷] : کتنے دنوں تک زوج زوجہ کا نان ونفقہ بند کردے تو فسخِ نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کے لئے کوئی مدت نہیں، جب برداشت سے باہر ہوجائے تو اس کو حق ہوجائے گا کہ مسلم عدالت یا اس کے قائم مقام (شرعی پنچایت) کے ذریعہ تفریق کرالے، یہ حکم مالکیہ سے لیا گیا، ضرورتِ شدیدہ میں اس پر عمل کیا جاسکتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

انتظامِ نفقہ کے باوجود طلاق حاصل کرنا

سوال[۶۴۴۸] : محمد اسماعیل پاکستان چلا گیا، پانچ بار پاسپورٹ سے آیا اور کاملہ کا حقِ زوجیت ادا

---

(۱) (فتح القدیر: ۴/۳۹۰، باب النفقة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۵۲، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۲۱۰، نوع في الاختلاف بين الزوجين الخ، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہبِ مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے۔اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کیا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاقِ مالکیہ ضرورت نہیں"۔(حیلۂ ناجزہ،ص:۷۳،۷۴، حکم زوجۂ متعنت، دارالاشاعت کراچی)

کیا اور نفقہ بھی بذریعۂ ڈاک بھیجتا رہا ہے۔اب شوہر کاملہ زوجہ کو لاہور بلا رہا ہے، مگر زوجہ نہیں جانا چاہتی اور انکار کرتی ہے اور شوہر کا خرچہ بھی نہیں لینا چاہتی ہے۔تو شرعاً اب نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ مسماۃ کاملہ بی بی کو شوہر کی طرف سے خرچہ بھی ملتا رہا ہے، رہنے کا بھی انتظام ہے، شوہر وقتاً فوقتاً آتا بھی رہتا ہے اور کوئی مجبوری نہیں تو مسماۃ کو فسخِ نکاح کا کوئی حق حاصل نہیں (۱)۔اگر شوہر کے پاس سے ملی ہوئی اشیاء خرچہ وغیرہ لینا نہیں چاہتی اور جدائی چاہتی ہے تو خط بھیج کر مہر معاف کر کے طلاق حاصل کرے (۲)۔جب شوہر طلاق دیدے گا تو عدت (تین حیض) گذار کر دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوجائے گی (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆……☆……☆……☆……☆

---

(۱) "إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله ...... فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعاً، يبقى على أصله من الحظر". (رد المحتار: ۳/۲۲۸، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۱۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۴۳، كتاب الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدي نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۰۷، ۵۰۹، باب العدة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۵۴۹، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

فصل فی زوجة المجنون والعنین

(دیوانہ اور نامرد کی بیوی کا بیان)

زوجۂ مجنون کا حکم

سوال[۶۴۴۹]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا، شادی کے تین چار سال بعد زید سے ایسی حرکات صادر ہوئیں جن سے معلوم ہوا کہ دماغ میں فتور آگیا ہے اور اسی روز سے علاج شروع کیا گیا اور اس وقت تک مختلف اطباء وڈاکٹروں کے زیرِ علاج زید رہا، مگر صحت کی کوئی امید معلوم نہیں ہوئی۔ ۴/ سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ ہندہ اپنے والد کے ہمراہ کانپور میں بود وباش رکھتی ہے، زید نان نفقہ دینے کے قابل نہیں ہے اور اس وقت تک زید کے والد وغیرہ نے بھی نان نفقہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ زید چونکہ جنون کے مرض میں مبتلا ہے اس وجہ سے نان ونفقہ دینے پر قادر نہیں ہے۔

چونکہ ہندہ کی عمر بائیس سال کی ہے اور اندیشہ ہے کہ اس کو اختناق الرحم کے دورے شروع نہ ہو جائیں جس سے اس کی صحت پر برا اثر پڑنے کا احتمال ہے اور ناقابلِ علاج بھی ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں ہندہ کی گلوخلاصی زید سے کیونکر ہوسکتی ہے؟ اس وقت ہندہ اپنے والد کے گھر آئی ہوئی تھی، جب اس کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ زید کے دماغ میں فتور آگیا تو اس نے زید کے گھر جانا پسند نہیں کیا بوجہ جنون کے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جنون خطرناک ہے کہ جس کی وجہ سے ہندہ کو شوہر کی جانب سے ناقابلِ برداشت اذیت (مثل قتل وغیرہ کے) پہونچنے کا اندیشہ ہے، یا ہندہ کے لئے اپنی عصمت کی حفاظت دشوار ہے، یا نفقہ کی وجہ سے سخت مجبور ہے اور شوہر کا ایسا جنون معلوم ہونے کے بعد اس نے شوہر کے ساتھ رہنے کی صراحۃً رضامندی ظاہر نہیں کی اور جماع ودواعیٔ جماع وغیرہ کی بھی اس نے اجازت نہیں دی کہ جس سے دلالۃً رضامندی پائی جائے تو شرعاً ہندہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور بیان دے کہ فلاں شخص میرا

شوہر ہے اور وہ مجنون ہے جس سے ناقابلِ برداشت اذیت پہونچنے کا قوی اندیشہ ہے، نیز میرے حقوق کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے۔

اس پر حاکم اس کی تحقیق کرے کہ جب عورت کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو حاکم شوہر کے ولی کو حکم دیدے کہ ایک سال تک اس کا علاج کیا جائے، اگر وہ سال بھر علاج کے بعد اچھا ہو گیا تو خیر ورنہ سال بھر پورا ہونے پر عورت کو اختیار دیدے، اگر عورت اسی مجلس میں جدائی کا مطالبہ کرے تو حاکم مسلم بااختیار تفریق کردے۔ اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے (۱)، اس سے پہلے جس قدر مدت حالتِ جنون میں گذر چکی ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ حاکم کے حکم کے بعد سے ایک سال کا گزارنا ضروری ہے اور اس سال بھر میں بھی عورت کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً رضامندی شوہر کے ساتھ رہنے کی نہ پائی جائے ورنہ پھر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ رہے گا (۲)۔

اگر کسی جگہ پر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں

---

(۱) "قال محمد رحمه الله: إن كان الجنون حادثاً يؤجّله سنةً كالعنة، ثم يخيّر المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ، وإن كان مطبقاً، فهو كالجبّ، وبه نأخذ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

"وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام، فلا خيار لها عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، وقال محمد رحمه الله: لها الخيار؛ لأنه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه، فكان بمنزلة الجبّ والعنة، فتخير دفعاً للضرر عنها حيث لا طريق سواه". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴/۳۰۵، باب العنين، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۵/۹۲، كتاب النكاح، باب الخيار في النكاح، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۵۴، حكم زوجة مجنون، دارالإشاعت كراچی)

(۲) "وابتداء التأجيل من وقت المخاصمة .... وإذا وجدت زوجها عنيناً وأخّرت المرافعة إلى زمن، لايسقط حقها، وإن طال الزمان مالم تقل: رضيتُ المقامَ معه .... وكذلك لو أقامت معه مطاوعةً في المضاجعة وغيرها". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۴۸، ۴۹، فصل في العنين والمجبوب، إدارة القرآن)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۳، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۲۹۷، ۳۰۰، باب العنين، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کی ایک جماعت جس میں کم ازکم ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شریک ہو یہ کام کرسکتی ہے۔اوررسالہ ”حیلۂ ناجزہ“ کوبھی ضروردیکھ لیا جائے،اس میں اسکوخوب تفصیل کے ساتھ لکھا ہے(۱)وہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور اوردارالعلوم دیوبند سے ملتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۱/۱/۵۶ھ۔

کذالك الجواب علی مذهب المالکیة واختاره العلماء فی ذلك الزمان للضرورة۔ سعیداحمدغفرلہ۔

صحیح:عبداللطیف۱۶/محرم/۵۶ھ۔

ایضاً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال[۶۴۵۰]: ایک عورت کے شوہرکادماغ شادی کے تین ماہ بعدخراب ہوگیااوراس کودنیا ومافیہا کی مطلق کوئی خبرنہ رہی،اس کا باقاعدہ پاگل خانہ میں رکھ کرعلاج بھی کرایا گیا،مگرکوئی فائدہ نہ ہوا، گورنمنٹ نے بھی اس کوملازمت سے علیحدہ کرکے پانچ روپیہ پنشن کردی جواس کے بھائی وصول کرکے اس پرخرچ کرتے ہیں۔

اب اگراس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنی عورت کوطلاق دیدے توکبھی توکسی پتہ کواٹھا کرکہتا ہے کہ یہ طلاقنامہ ہے،کبھی کسی ردی کاغذکوکہ یہ طلاقنامہ ہےاورکبھی اچھے آدمیوں کی طرح کہتا ہے کہ میں نے شریعت کے مطابق طلاق دیدی ہےاورطلاق نامہ اس لئےلکھ کرنہیں دیتا کہ میں نے نکاح کے وقت بھی کچھ تحریرنہیں لکھی تھی۔ باقی ویسے بھی کبھی تواس کی حالت اچھی ہوتی ہے،گھرکے کام کرلیتا ہےاورکبھی کبھی فوراً کپڑے پھاڑکرجنگل کی طرف نکل جاتا ہے۔غرض کوئی خاص افاقہ نہیں ہے۔

لہٰذا کیاایسی صورت میں اس کی طلاق شرعاً طلاق شمارکی جاسکتی ہے یانہیں اورکیااس کی طرف سے اس کے بھائی بھی طلاق دے سکتے ہیں یانہیں؟اوراگرکوئی صورت نہیں توعورت جوان ہےاورسات سال سےشوہرکا دماغ خراب ہےفتنہ کااندیشہ ہے،ایسی شکل میں کیاکیا جائے؟فقط۔

محمدبشیرازبھگیاڑی،ضلع سیالکوٹ،۱۵/ستمبر/۳۷ھ۔

---

(۱) (الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، ص: ۷۳، ۷۴، حکم زوجة متعنت فی النفقة، دارالإشاعت کراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کے بھائی وغیرہ کوئی اس کو طلاق نہیں دے سکتے، اگر اس نے اپنی عقل وہوش کی درستگی کی حالت میں طلاق دی ہے تو وہ شرعاً واقع ہوگئی اور اگر بحالتِ جنون طلاق دی ہے تو وہ شرعاً واقع نہ ہوگی (۱) اور اس کا اندازہ وقتِ طلاق کے دیگر امور واحوال سے ہوسکتا ہے۔

بصورتِ عدمِ وقوعِ طلاق اگر جنون خطرناک ہو جس سے کہ عورت کو قتل یا ناقابلِ برداشت اذیت کا اندیشہ ہو تو عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ میرا شوہر مجنون ہے اور اس کا جنون ایسا خطرناک ہے کہ قتل کا اندیشہ ہے۔ اس پر حاکم واقعہ کی باقاعدہ تفتیش کرے اور ایک سال کی مہلت مجنون کو علاج کے لئے دیدے، اگر سال بھر تک علاج کرکے اچھا ہوگیا تو خیر، ورنہ سال بھر گذرنے پر دوبارہ درخواست دے اور حاکم عورت کو اختیار دیدے، پھر عورت اسی مجلس میں فرقت کو اختیار کرلے، اگر مجلس برخاست ہوگئی، یا عورت خود یا کسی کے اٹھانے سے کھڑی ہوگئی اور فرقت اختیار نہیں کی تو عورت کو اختیار نہ رہے گا۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معتبر معاملہ شناس عالم بھی ہونا ضروری ہے اور رسالہ حیلہ ناجزہ کا بھی بغور مطالعہ کیا جاوے، اور صورتِ مسئولہ میں بضرورتِ شدیدہ حنفیہ نے مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے (۲)۔

---

(۱) "وأهله زوج عاقل بالغ متيقظ .... لا يقع طلاق المولىٰ على امرأة عبده والمجنون والصبي".

(الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۲۳۰، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال محمد رحمه الله: إن كان الجنون حادثاً يؤجّله سنةً كالعنة، ثم يخيّر المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجبّ، وبه نأخذ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

"وإذا كان بالزوج جنونٌ أو برص أو جذام، فلا خيار لها عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، وقال محمد رحمه الله: لها الخيار؛ لأنه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه، فكان بمنزلة =

تنبیہ: اگر جنون کے بعد سے کبھی عورت نے اپنے مجنون شوہر کو اپنے اوپر جماع یا دواعیٔ جماع کے لئے قابو نہ دیا ہو تب طریقِ بالا سے تفریق کیجا سکتی ہے، ایک مرتبہ بھی اگر قابو دیا ہو، یا صراحۃً زبان سے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر کی ہو تو پھر عورت کو تفریق کا حق حاصل نہیں۔ اگر جنون ایسا خطرناک نہ ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تب بھی جنون کی وجہ سے تفریق نہیں کی جاسکتی، ہاں اگر نفقہ کا انتظام نہ ہو تو نفقہ کا دعویٰ بھی حاکم مسلم بااختیار کے یہاں کرسکتی ہے، اس صورت میں حاکم مسلم بااختیار کو چاہئے کہ کسی معتبر عالم سے مشورہ کرکے رسالہ "حیلہ ناجزہ" کے موافق فیصلہ کردے(۱)۔

بہرصورت اگر خلوتِ صحیحہ سے پہلے تفریق ہوئی تو عدت واجب نہیں۔ اور اگر بعد خلوتِ صحیحہ کے تفریق ہوئی تو عدت واجب ہے۔ مہر کا حکم یہ ہے کہ اگر جنون کی وجہ سے خلوت صحیحہ سے پہلے تفریق ہوئی تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا اور اگر بعد خلوت صحیحہ کے ہوئی ہے تو پورا مہر لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ رجب/ ۵۶ھ۔

= الجبّ والعنة، فتخير دفعاً للضرر عنها، حيث لا طريق سواه". (العناية على هامش فتح القدير: ۳۰۵/۴، باب العنين، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۹۲/۵، كتاب النكاح، باب الخيار في النكاح، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۵۴، حكم زوجة مجنون، دارالاشاعت كراچی)

(۱) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ (شوہر) باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے"۔ (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۷۳، ۷۴، حكم زوجة متعنت في النفقة، دارالإشاعت كراچی)

(۲) "ولها المهر كاملاً، وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج قد خلا بها. وإن لم يخل بها، فلا عدة عليها، ولها نصف المهر إن كان مسمى". (الفتاوى العالمكيرية: ۵۲۴/۱، الفصل الثاني عشر في العنين، رشيديه) =

زوجۂ مجنون

سوال[۶۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو جنون ہوکر کامل چھ سال ہوکر ساتواں سال گزر رہا ہے اور اس کی زوجہ ہندہ جوان اور بالغ موجود ہے، ہندہ کا ذریعۂ پرورش سوائے زید کے اور کوئی نہیں، آج تک اس کی زندگی بڑی مشکل اور حسرت سے گزرتی رہی ہے اور اب مال کی محتاج ہے اور جوانی کی امنگ کے تحت بدکاری وبدفعلی کا اندیشہ پایا جاتا ہے۔ آیا ایسی موجودہ حالت میں وہ عقد نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

پتہ: محبوب علی، موٹر ڈرائیور، ڈیڑی خارحمایت سرکار علی نظام، حیدرآباد دکن۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورت مسئولہ میں عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کے یہاں دعویٰ کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر مجنون ہے، تعلقاتِ زوجیت پر قادر نہیں اور مجھے صبر نہیں ہوسکتا، زنا کا سخت اندیشہ ہے۔ اس پر حاکم اس مجنون کے حال کی تحقیق کرکے تفریق کردے گا، اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالى: إن كان الجنون حادثاً يؤجله سَنةً كالعنة، ثم يُخيّر المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ، وإن كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي".

الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۲ ٤ ٥(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

عبداللطیف عفا اللہ عنہ، صحیح: عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۴۹، الفصل السابع والعشرون في العنين والمجبوب والخصي، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲٦، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴/۳۰۵، باب العنين، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۵/۹۲، كتاب النكاح، باب الخيار في النكاح، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(والحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۵۴، حكم زوجة مجنون، دار الإشاعت كراچی)

ایضاً

سوال[۶۴۵۲]: ایک شخص تقریباً چھ سال سے مجنون ہوگیا ہے اور معمولی علاج بھی کیا گیا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور اس کے خسر نے علاج کارگر نہ ہونے پر اپنی لڑکی کو دوسری جگہ بٹھانا چاہا، مگر اس کے گاؤں کے لوگ آڑے آئے اور اس مجنون کی بیوی کو زبردستی اس مجنون کے باپ کے یہاں بھیج دیا اور وہ مجنون باپ کے پاس رہتا ہے، مگر اپنے بڑبڑانے میں رہتا ہے اور اس کی بیوی کو تقریباً چھ سال آئے ہوئے ہوگئے۔ وہ مجنون ہمبستری تو کیا کرتا وہ اپنی دیوانگی میں کہہ دیتا ہے کہ یہ میری لڑکی ہے اور ساتھ ہی اپنی بہنوں کو کہہ دیتا ہے کہ میری لڑکیاں ہیں، مگر اس نے ابھی تک اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی۔

اب اس مجنون کا باپ اس کی بیوی کا اپنے چھوٹے لڑکے سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مگر لوگوں کے کہنے سننے سے مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا۔ اس لئے عرض ہے کہ یہ مجنون اگر طلاق دے تو طلاق ہوسکتی ہے کہ نہیں، اگر طلاق دے یا نہ دے کوئی صورت اس کی دوسری جگہ نکاح کرنے کی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر حالتِ جنون میں طلاق دے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر افاقہ کی حالت میں دے گا تو واقع ہوجائے گی:

"ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل، والمجنون، اهـ". الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۸۳(۱)۔

بغیر طلاق کے نکاح مطلقاً حرام ہے: "لا يجوز لرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج، اهـ". الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۸(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۳۰، ۲۴۲، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۱۳۲، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

صورتِ مسئولہ میں عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم کو بعد تحقیق اگر ثابت ہو کہ جنون حادث ہے تو ایک سال کی مدت علاج کے لئے دیدے، اس علاج میں اگر اچھا ہو گیا خیر، ورنہ عورت کو تخییر دیدے، اگر عورت مفارقت کو اختیار کرے تو تفریق کردے، پھر عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا۔ اگر جنون مطبق ہے تو فوراً تفریق کردے:

"إن كان الجنون حادثاً يؤجله سَنةً كالعنة، ثم يُخيَّر المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجبّ، وبه نأخذ، اهـ". الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶(۱)۔

یہ سب کچھ عورت کے مطالبہ پر ہی ہے، اگر عورت اسی مجنون کے ساتھ رہنے پر رضامند ہو تو پھر مقدمہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۲۴۵۳]: علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ تین سال ہوئے ہوئی، چند ماہ بعد زید کا دماغ خراب ہو گیا اور اس وقت تک صحیح الدماغ نہ ہو سکا، علاج معالجہ بھی کیا گیا۔ ہندہ ایک نہایت ہی غریب لڑکی ہے، کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے، زید کے اچھے ہونے کی امید بھی نہیں ہے، اس وجہ سے ہندہ اپنا دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے کہ عزت سے اپنے دن گزارے۔

المرقوم: عبدالغفور، لہرپور، کانپور، ۲/ جون/ ۵۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خطرناک جنون ہے جس سے سخت مضرت کا اندیشہ ہے، یا گزارہ کی صورت نہیں اور جنون کے بعد

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۵/۹۲، كتاب النكاح، باب الخيار في النكاح، المكتبة الغفارية، كوئٹه)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴/۳۰۵، باب العنين، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحيلة الناجزة، ص: ۵۴، حكم زوجۂ مجنون، دار الإشاعت كراچي)

سے اب تک نہ زبان سے عورت نے کہا کہ میں اسی شوہر کیساتھ گزارہ کرلوں گی، نہ شوہر کو ہمبستری وغیرہ پر بخوشی قابو دیا تو عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم واقعات کی تحقیق کے بعد ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، اگر ایک سال میں علاج کرکے اس کو صحت ہوگئی تو بہتر ہے، ورنہ اگر ایک سال گزرنے پر عورت کو بلاکر اختیار دیدے کہ اب تم کو اختیار ہے خواہ اس شوہر کے ساتھ رہو خواہ علیحدہ ہوجاؤ، اس پر اگر عورت فوراً علیحدگی کا مطالبہ کرے تو تفریق کردی جائے، اس تفریق کے بعد عدت تین حیض گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا(۱)۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز اور دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بطورِ پنچایت یہ سب کام کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے۔ اور اس معاملہ کو طے کرنے کے لئے رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کا مطالعہ بغور کرلیا جائے، اس میں اس کی پوری تفصیل مذکور ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۶۴۵۴]: ہندہ کا عقد بولایتِ اب صغرسنی میں زید کے ساتھ کردیا گیا، زید مجنون اور مطبق ہوگیا اور عرصہ اڑھائی سال سے اس کے علاج ومعالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا، اس اثناء میں ہندہ مذکورہ سنِ بلوغ کو بھی پہونچ گئی۔ اب زید کے افاقہ سے یاس ہی ہے اس صورت میں ہندہ کے لئے مذہبِ حنفی کے مطابق کیا چارہ جوئی ہوسکتی ہے؟ بینوا بحوالۃ الکتب المعتبرۃ، وتوجروا یوم تکون وجوہ مستبشرۃ۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو جنونِ مطبق ہے تو شرعاً ہندہ کو اختیار ہے کہ قاضی شرعی یا حاکم مسلم بااختیار کے یہاں دعویٰ

---

(۱) (راجع، ص: ۲۶۷، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) (الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ، حکم زوجۂ مجنون، ص: ۵۴، وحکم زوجۂ متعنت، ص: ۷۳، دارالإشاعت، کراچی)

کرکے اپنا نکاح فسخ کرالے، چوں کہ جماع یا خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہیں آئی (جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے ہندہ پر عدت بھی واجب نہیں بلکہ فسخ کے بعد فوراً نکاح کرسکتی ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالیٰ: إن كان الجنون حادثاً يؤجّله سَنةً كالعنة، ثم يُخيّر المرأةَ بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجبّ، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي". الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۵۵۲(۱)۔

"لو وجدت المرأة زوجها مجبوباً، خيّرها القاضي للحال، ولا يؤجل، كذا في فتاوى قاضيخان". الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۵۴۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، عفا اللہ عنہ، ۵/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔

زوجہ مجنون اور عنین کا حکم

سوال[۶۴۵۵]: عورت نوجوان ہے، اور خاوند مجنون ہوجاوے، یا بالکل بے کار ہوجاوے، تو شرعاً ایسی عورت کا نکاح کسی صورت سے اور دوسرے مرد سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

السائل: اعظم علی، موانہ، ضلع رہتک، پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کو شوہر کی کسی بیماری کی وجہ سے نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں، البتہ اگر عنین ہوجاوے اور ابھی تک جماع کی نوبت نہیں آئی تھی تو عورت حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں دعویٰ کرے وہ تحقیق کے بعد شوہر کو ایک سال کی مدت علاج کے لئے دے گا، اگر سال بھر میں شوہر اچھا ہوگیا فبہا، ورنہ دونوں میں تفریق کردے گا، تب وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکے گی۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، باب العنين: ۱/۵۲۵، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب العنين: ۵/۹۷، غفاريه)

جنون اگر مطبق ہے یعنی سال کا اکثر حصہ جنون ہی کی حالت میں گزرتا ہے، افاقہ بالکل نہیں ہوتا، یا معمولی سا کبھی ہوجاتا ہے اور پھر جنون ہی رہتا ہے تو فوراً حاکم عورت کا نکاح فسخ کردے گا۔ اگر جنون مطبق نہیں بلکہ حادث ہے تو شوہر کو ایک سال کی مدت علاج کے لئے دے گا، سال بھر میں اچھا ہوگیا تو خیر ورنہ تفریق کردے گا، پھر اگر خلوتِ صحیحہ یا جماع کی نوبت آچکی ہے تو عدت گزار کر، ورنہ جب ہی وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے:

"وإن كان بالزوج جنونٌ أو برص أو جذام، فلا خيار لها، كذا في الكافي. قال محمد رحمه الله تعالى: إن كان الجنون حادثاً يؤجله سَنةً كالعنة، ثم يخيّر المرأةَ بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجب، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي". (۱/۵۲٦). الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۵۵۲(۱)۔ "لووجدت المرأة زوجها مجبوباً، خيّرها القاضي للحال، ولايؤجل، كذا في فتاوى قاضيخان". الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۵٤۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ٦/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

زوجۂ مجنون نامرد کی تفریق کی صورت

سوال[۲۴۵٦]: "ایک شخص نامرد ہے تو قاضی تفریق کردے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی" اور یہ مذکورہ بالا مسئلہ درمختار کا ہے۔ قاضی سے کون سا قاضی مراد ہے اور کیا قاضی صاحب کے علاوہ اس کے والد یا جماعت کے معزز اشخاص یا پیش امام صاحب بھی تفریق کراسکتے ہیں یا نہیں؟ اور مجنون نامرد کو عرصہ تین سال کا ہورہا ہے۔ اب طلاق کے لئے ان صورتوں کے علاوہ دیگر صورت طلاق کی کیا ہوسکتی ہے؟ اس میں درج کردیجئے۔ فقط۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲٦، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب العنين: ۵/۹۷، الغفارية، كوئٹه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، باب العنين: ۱/۵۲۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان میں حکومت کی طرف سے جو حکام مسلمان ڈپٹی کلکٹر وغیرہ مقرر ہیں ان کا فیصلہ بھی اگر احکامِ شرعیہ کے موافق ہو تو شرعاً معتبر ہے(۱) اور اصل قاضی شرعی تو یہاں مفقود ہے، اس لئے اس کے والد یا پیش امام کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، اگر کسی جگہ حاکم مسلمان با اختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی قاضی کے قائم مقام ہو کر فیصلہ کر سکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کا ہونا بھی ضروری ہے اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کو بھی دیکھ لیا جاوے۔

اس میں یہ مسئلہ نیز اس قسم کے دوسرے مسائل پوری تفصیل وشرائط کے ساتھ مذکور ہیں۔ نامرد کی تفریق کے لئے اولاً سال بھر کی مہلت بھی علاج کے لئے دی جاتی ہے اور عورت کی طرف سے تفریق کا مطالبہ اور اس کیساتھ رہنے پر رضامندی کا ظاہر نہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) "(وحاكم) هو إما الإمام أو القاضي أو الحَكم، أما الإمام فقال علماء نا: حكم السلطان العادل ينفذ". (ردالمحتار: ۳۵۳/۵، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۷/۳، كتاب أدب القاضي، الباب الأول الخ، رشيديه)

(وكذا في الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۸۱/۵، كتاب القضاء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا كان الزوج عنيناً، أجّله الحاكم سَنةً، فإن وصل إليها فبها، وإلا فرّق بينهما إذا طلبت المرأة ذلك، وتلك الفرقة تطليقةٌ بائنة". (الهداية: ۴۲۰/۲، ۴۲۱، باب العنين وغيره، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۴۰/۳، ۲۴۱، باب العنين، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۲/۱، ۵۲۳، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

قال الشيخ التهانوي: "زوجۂ عنین کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے =

شوہر پاگل ہوگیا تھا مگر اب اچھا ہوگیا اس کی بیوی کا نکاح

سوال[۶۴۷۰]: ہمارا لڑکا عثمان غنی جس کی عمر ۲۰/ سال ہے، عثمان کی شادی آج تقریباً چار سال ہوئے جعفر کی لڑکی کے ساتھ ہوئی ہے، شادی کے دو سال کے بعد لڑکے کا دماغ خراب ہوگیا تھا، علاج کیا گیا، اب اس کی حالت بالکل ٹھیک ہے اور لڑکا اب بالکل ہوش وحواس میں ہے، مگر لڑکی کے والدین اب اس سے طلاق مانگ رہے ہیں اور لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس فتویٰ لکھ کر بھیجا ہے کہ کسی طرح لڑکے کو دیوانہ قرار دیکر ایک فتویٰ مل جائے، اور ہم لڑکی کو دوسری جگہ بٹھلا دیں۔ ایسی حالت میں لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ناجائز ہے یا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کا دماغ صحیح ہے اور وہ بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس کی بیوی کو شوہر سے طلاق لینے کا حق حاصل نہیں (۱)۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالات بتا کر فتویٰ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے، مفتی عالم غیب نہیں ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص خنزیر کا گوشت خرید کر لائے اور مفتی سے کہے کہ یہ بکری کا گوشت ہے، اور بکری کو شرعی طور ذبح کیا گیا ہے، یہ حلال ہے یا حرام؟ ظاہر ہے کہ مفتی فتویٰ دیدے گا کہ یہ حلال ہے، مگر سب جانتے ہیں کہ یہ فتویٰ دیدینے سے وہ گوشت بکری کا گوشت نہیں بنے گا اور نہ ہی حلال ہوجائے گا، بلکہ وہ خنزیر کا گوشت ہی رہے گا اور حرام ہی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

= ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ یہ مہلت وغیرہ دینا یہ تمام امور قضائے قاضی کے محتاج ہیں، بدونِ حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۴۷، ۴۹ حکم زوجۂ عنین، دار الاشاعت، کراچی)

(۱) طلاق لینے کا سبب شوہر کا حقوق ادا نہ کرنا یا طبائع کا اختلاف ہے، لیکن چونکہ یہ چیزیں یہاں موجود نہیں ہیں تو طلاق لینے کا حق بھی نہیں ہے: ''وسببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق''. (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

زوجۂ عنین

سوال[۶۴۵۸]: عرصہ تخمیناً چار سال کا ہوا ایک عورت کی شادی کو ہوئے ایامِ شادی میں وہ عورت اپنے شوہر کے پاس پندرہ یوم رہی ہے اور پھر شادی سے ایک سال بعد پھر جاتی ہے، جب بھی تقریباً ایک یا ڈیڑھ ماہ رہ کر آتی ہے، مگر اس کا شوہر عورت سے کسی قسم کی کوئی بھی راہ ورسم نہیں رکھتا۔ اور اب عورت اپنے ہی ماں باپ کے مکان پر تقریباً تین سال سے رہ رہی ہے۔ شوہر چوں کہ نامرد ہے اس لئے وہ اس کو لیجانا نہیں چاہتا اور نہ ہی اس کو طلاق دیتا ہے سو ایسی حالت میں جب کہ مرد نامرد ہے اور نہ اس کو آزاد کرتا ہے تو عورت کا دوسری جگہ نکاح کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم شوہر سے دریافت کرے، اگر وہ اقرار کرلے کہ میں ہمبستری پر قادر نہیں ہوا تو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، اس مدت میں علاج کر کے اگر جماع پر قادر ہو گیا تو خیر، ورنہ عورت کی دوبارہ درخواست پر جب کہ شوہر بھی اس کی تصدیق کرتا ہو تفریق کردے، اگر ایک مرتبہ بھی جماع کرلیا تو عورت کو حقِ فسخ حاصل نہ رہے گا۔

اگر شوہر عورت کی تردید اور جماع کا دعویٰ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تب تو حاکم مسلم دو تجربہ کار دین دار عورتوں سے اس کا معائنہ کرائے، اگر وہ کہیں کہ یہ باکرہ ہے تو پھر شوہر کو علاج کی مہلت دے دے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ باکرہ نہیں رہی تو شوہر سے حلف لیا جائے کہ اس نے جماع کیا ہے، حلف کرنے پر عورت کو حقِ تفریق باقی نہ رہے گا، اگر وہ حلف نہ کرے تو ایک سال کی مدت علاج کے لئے دیدے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت باکرہ ہونے کی مدعی نہ ہو تو اس صورت میں شوہر سے حلف لے کہ اس نے جماع کیا ہے، اگر حلف کرے تو حقِ تفریق نہ رہے گا، اگر شوہر حلف نہ کرے تو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے۔ عورت کو حقِ تفریق ان شرائط سے حاصل ہوگا:

۱- نکاح سے پہلے اس کے نامرد ہونے کا علم نہ ہو۔

۲- نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو۔

۳-نامرد ہونے کے علم کے بعد سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو۔

۴-سال بھر گذرنے پر حاکم مسلم جب عورت کو حقِ فرقت دے تو عورت فوراً فرقت کو اختیار کرلے(۱)۔ پوری تفصیل اس مسئلہ کی "حیلۂ ناجزہ" میں ہے، مقدمہ کے وقت حاکم مسلم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ بہتر تو یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر یا ڈرا کر اس سے طلاق لے لی جائے، پھر عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۰/۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۰/شوال/۵۶ھ۔

زوجۂ مجنون وعنین

سوال[۶۴۵۹]: چه می فرمایند علمائے دین دریں مسئله که شخصے مسمی عبد القدوس را تخمیناً از سه سال جنون لاحق شد، بعد تفتیش وتدارک کماحقه دریافت شد که بعضے مکالمه اش اگرچه موافقِ قیاس میشود، اما اکثرِ اقوال وافعال ازوے خلافِ عقل ورائے صادر می شود، ورغبتِ معاش وخانه داری ورغبتِ زن وشوئ از وے بالکلیه

---

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادّعت أنه عنين وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقرّ أنه لم يصل أجّله سَنةً، سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً. وإن أنكر وادعى الوصول إليها، فإن كانت المرأة ثيباً، فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل يؤجّل سَنةً. وإن قالت: أنا بكر نظر إليها النساء، وامرأةٌ تجزئ والاثنتان أحوط وأوثق، فإن قلن: إنها ثيبٌ، فالقول قول الزوج مع يمينه، فإن حلف، لاحق لها، وإن نكل يؤجّله سَنةً. وإن قلن: هي بكر، فالقول قولها من غير يمين ...... إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لا يصل إلى النساء، لا يكون لها حق الخصومة. وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك، كان لها حق الخصومة، ولا يبطل حقها بترك الخصومة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲۲، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۹۶، ۵۰۰، باب العنين وغيره، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۳، باب العنين، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۵۰، ۱۵۳، زوجۂ عنین کا حکم، دار الاشاعت کراچی)

ساقط گردیدہ. وزنش را تخلیہ دادہ ھم امتحان کردہ شد، ازاں طرف نیز عنین یافتہ، وتا ایں مدت از دیوانگی زنش را نان ونفقہ ھم نمی دھد، حتی کہ اگر باوجود آن امورِ سہ گانہ: یعنی جنون وعنین وعدمِ ادائے نفقہ زنش را اختیارِ فسخِ نکاح ندادہ شود ضرور بالضرور بفسق وفجور مبتلا گردد، وبباعثِ افلاس وتنگ دستی نوبت بدریوزہ گری خواھد افتاد. پس بحسبِ مذھبِ حنفیہ زنش را می رسد کہ بسببِ جنون وعنینیتِ شوھر وعدمِ حصولِ نفقہ نکاحِ خود فسخ نمودہ، شوھر دیگر نکاح کند یا نہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امورِ سہ گانہ میں سے عدمِ حصولِ نفقہ شرعاً موجبِ تفریق نہیں: "ومن أعسر بنفقة امرأته، لم يفرّق بينهما، ويقال لها: استديني عليه". هدايه، ص: ۴۱۹ (۱)۔

اور عنین ہونا بھی فی الحال موجبِ تفریق نہیں، کیونکہ اگر نکاح سے پہلے سے عنین ہے اور عورت کو بوقتِ نکاح اس کا علم تھا تب تو عورت کو اس کے فسخ کا کوئی حق باقی نہیں رہا:

"إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنينٌ لايصل إلى النساء، لا يكون لها حق الخصومة". الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۵۴۱ (۲)۔

اسی طرح اگر نکاح اور جماع کے بعد عنین ہوا ہے تب بھی تفریق نہیں کی جائیگی:

"فلوجبّ بعد وصوله إليها مرةً أو صار عنيناً، لا يفرّق بعده: أي الوصول لحصول حقها

(۱) (الهداية: ۲/ ۴۳۹، كتاب الطلاق، باب النفقة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/ ۲۱۳، نوع في الاختلاف بين الزوجين في دعوىٰ اليسار والإعسار، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۳۰۸، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۴۹۵، باب العنين وغيره، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/ ۵۰، الفصل السابع والعشرون في العنين الخ، إدارة القرآن كراچی)

بالوطی مرةً". درمختار، ص: ٢٥٤(١)۔

اگر عنین پہلے سے تھا اور علم بعد نکاح ہوا، تب البتہ عورت کو مطالبہ کا حق حاصل ہے: "وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك، كان لها حق الخصومة، ولايبطل حقها بترك الخصومة وإن طال الزمان مالم ترض بذلك، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢/١٥٤١(٢)۔

اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں عورت دعویٰ کرے کہ میرا شوہر عنین ہے، وہ اس کو ایک سال کی مدت علاج کے لئے متعین کردے گا، اس مدت میں اگر اچھا ہوگیا فبہا، ورنہ تفریق کردے گا اگر عورت نے مطالبہ تفریق کا کیا:

"وإذا كان الزوج عنيناً، أجله الحاكم سنةً، فإن وصل إليها فبها، وإلا فرّق بينهما إذا طلبت المرأة ذلك، وتلك الفرقة تطليقة بائنة". هدايه: ٢/٤٠٠(٣)۔

اور یہ تفریق طلاقِ بائن کے حکم میں ہے، اس وقت سے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

امرسوم میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ شیخین کے نزدیک تو تفریق نہیں کی جاوے گی، البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر جنون حادث ہے تو شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اگر اچھا ہوگیا، فبہا ورنہ عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار دے دیا جائے گا، کوئی مہلت نہیں دی جائے گی اور اس وقت سے عدت طلاق گزار کر عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں:

---

(١) (الدر المختار: ٣/٤٩٥، باب العنين وغيره، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٤/٥١، الفصل السابع والعشرون في العنين، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/٢٣٩، باب العنين وغيره، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٢٤، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٤٩٥، باب العنين وغيره، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٤/٤٩، الفصل السابع والعشرون في العنين، إدارة القرآن كراچى)

(٣) (الهداية: ٢/٤٢٠، ٤٢١، باب العنين وغيره، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/٢٤٠، ٢٤١، باب العنين وغيره، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٢٢، ٥٢٣، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ: إن كان الجنون حادثاً، يؤجله سَنةً كالعنة، ثم يُخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجب، وبه نأخذ". الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۵٤۲(۱)۔

شافعی المذہب قاضی کا تلاش کرنا ضروری نہیں بلکہ قاضی حنفی المذہب یہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۵۲ھ۔

جواب صحیح ہے۔ ہندوستان میں چونکہ قاضی حنفی المذہب مُجاز نہیں، اس لئے کسی مسلمان حاکم مجاز کا فسخ وتفریق کرنا کافی ہے۔ سعید احمد، مفتی مدرسہ، ۲۱/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

زوجۂ عنین

سوال [۶۴۶۰]: میری ایک ہمشیرہ کا نکاح چھوٹی عمر میں میرے چچازاد بھائی کے ساتھ ہوا، بالغ ہونے پر شادی ہوئی، شادی ہونے کے بعد تقریباً دو ماہ میری ہمشیرہ اس کے گھر رہی، بعد میں وہ اس کو چھوڑ کر کہیں باہر اپنے بھائی کے پاس چلا گیا، اب بھی وہ اسی جگہ رہتا ہے۔ بعدہ زبانی ہمشیرہ معلوم ہوا کہ وہ عنین ہے، بالکل نامرد ہے، اسی وجہ سے وہ مجھے اس جگہ چھوڑ کر یہاں سے چلا گیا ہے۔

اب اس کو یہاں سے گئے ہوئے تقریباً ساڑھے تین سال گزر چکے ہیں، اس عرصہ میں نہ تو اس نے میری ہمشیرہ کے لئے کچھ خرچ بھیجا ہے اور نہ خود اس کو لینے کے لئے آتا ہے اور نہ وہ نان ونفقہ ادا کرتا ہے، نہ عورت حفظ وآبرو کے ساتھ کسبِ معاش پر قدرت رکھتی ہے اور نہ اس کے سوا اور کوئی میری ہمشیرہ کے لئے خرچہ کا انتظام کرتا ہے اور شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہے۔

نیز آپس میں پہلی ناراضگی وکاوش کی وجہ سے بھی وہ میری ہمشیرہ کو نہایت حقیر سمجھ کر ذلیل وخوار کر رہا ہے۔ شادی ہونے سے پہلے ہم کو اس کے عنین یعنی نامرد ہونے کی اصل حالت معلوم نہ تھی کہ ہم ہمشیرہ کی شادی اس کے ساتھ نہ کرتے، اب بموجبِ رفتارِ زمانہ میری ہمشیرہ نہایت ستم رسیدہ ہے اور بے بس ہے۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲٦، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

سائل کے والدین نہایت ضعیف ہیں، اپنی لڑکی کی یہ حالت دیکھ کردن بدن قریب المرگ ہوتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی بمعہٗ ہمشیرہ سائل بھی نہایت مجبور ہوکر آں جناب کی خدمت اقدس میں التجا کرتا ہے کہ ایسی حالت میں ایسے شوہر کو بموجبِ شریعت کوئی سزا ہے یا نہیں؟ اگر شرعاً کوئی سزا نہ ہوسکے تو کیا عورت اس کی مظلمانہ قید سے رہا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کی رہائی ہوسکے تو برائے خدا فتویٰ ارسال فرمادیں تاکہ بندہ بھی خوش حال رہ کر اپنی بقایا زندگی کو اچھی حالت میں سرانجام بمعہ عیال دیگر آنجناب کے لئے اور آپ کے بال بچوں کے لئے دعا گو رہے۔

فیروز خاں، وبہادر خاں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عورت کو حق ہے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص سے میرا نکاح ہوا ہے اور وہ میرے حقوق نان ونفقہ وغیرہ ادا نہیں کرتا، اس پر حاکم اس کو بلاکر کہے کہ یا تم اپنی زوجہ کے حقوق نان ونفقہ وغیرہ ادا کرو، اگر ادا نہیں کرسکتے تو طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس پر اگر وہ کوئی صورت اختیار کرے تو بہتر ہے یعنی یا ادائے حقوق کے لئے تیار ہوجائے یا طلاق دیدے، اگر وہ کوئی صورت اختیار نہ کرے تو حاکم مسلم بااختیار خود تفریق کردے، اس کے بعد عدت گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔

اگر شادی کے بعد ایک مرتبہ بھی جماع نہیں کرسکا اور عورت نے رضامندی ظاہر نہیں کی یعنی یہ نہیں کہا کہ اگر چہ میرا شوہر نامرد ہے تاہم میں اس سے راضی ہوں اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرلوں گی، تو شرعاً عورت

---

(۱) ”زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرے، لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضئ اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے۔ پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ (شوہر) باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے“۔ (حیلۂ ناجزہ، ص:۲، ۷۲،۷۳، حکم زوجۂ متعنت فی النفقۃ، دارالاشاعت کراچی)

کو حق حاصل ہے کہ حاکم مسلم کی عدالت میں دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے۔ اس پر حاکم شوہر سے عورت کی تصدیق کرکے ایک سال کی مدت شوہر کو علاج کے لئے دیدے، اگر سال بھر میں علاج کرکے اچھا ہوگیا اور جماع کرنے پر قادر ہوگیا تب خیر، ورنہ عورت کو حاکم اختیار دیدے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اس کے ساتھ رہے، اور اگر علیحدگی چاہتی ہے تو ہم علیحدہ کردیں۔ اگر وہ علیحدگی چاہے تو شوہر سے کہے تم طلاق دیدو، اگر طلاق دیدے تو بہتر ہے ورنہ حاکم مسلم باختیار تفریق کردے، پھر عورت عدت گذار کر کسی اور سے نکاح کرلے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شرع کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کرسکتی ہے، مگر اس جماعت میں کم ازکم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کا ہونا ضروری ہے(۱) اور رسالہ ''حیلۂ ناجزہ'' کو بھی دیکھ لیا جائے، اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، وہ رسالہ کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے ملتا ہے۔

سب سے بہتر اور سہل تو یہ ہے کہ اس شخص سے کسی طرح سمجھا کر یا لالچ دے کر یا ڈرا کر طلاق لے لی جائے یا خلع کرلیا جائے، یعنی عورت اپنے حقوقِ مہر وغیرہ ساقط کردے اور شوہر اپنے حقوق ساقط کردے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/۱/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/۱/۵۹ھ۔

---

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادّعت أنه عنين وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقرّ أنه لم يصل، أجّله سنةً .... جاءت المرأة إلى القاضي بعد مضي الأجل وادّعت أنه لم يصل إليها أو أقرّ الزوج أنه لم يصل إليها، خيّرها القاضي في الفرقة .... إن اختارت الفرقة أمر القاضي أن يطلقها طلقةً بائنةً، فإن أبى فرّق بينهما، والفرقة تطليقة بائنة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۲، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۹۶، ۴۹۸، باب العنين، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۴/۴۷، ۴۸، الفصل السابع والعشرون في العنين، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لايقيما حدود الله، فلاجناح عليهما فيماافتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

ایضاً

سوال[۶۴۶۱]: زید کا نکاح عرصہ دوڈھائی سال سے زبیدہ سے ہوا تھا، شبِ زفاف میں ہی زید قادر بدخول نہ ہوا۔ چند عرصہ تو زبیدہ کو پردہ عیب خودخود سے عذرات میں رکھا، مگر آخر کار زبیدہ کی طلب جبر پراس کا راز کھل گیا کہ زید عنین ہے، نہ انتشار ہے نہ زور۔ زبیدہ ناراض ہوکر خانۂ پدر میں آگئی اور زید کو علاج کرانے کی ہدایت کی گئی، آخر علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا، عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا زبیدہ خانۂ والدین میں رہتی ہے، زید بوجہ نا قابل ہونے کے زبیدہ کو اپنے یہاں لیجانے کا خواہش مند نہیں۔

اب عنین جو قادر بدخول نہ ہوسکتا ہو اور نہ انتشار ہوتا ہے، زبیدہ کے حق میں شریعت کیا فیصلہ صادر کرتی ہے جب کہ وہ فسخِ نکاح کرانا چاہتی ہو، وقت نازک ہے، زبیدہ نکاحِ ثانی چاہتی ہے، فسخِ نکاح کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟ کیونکہ زید حقوقِ زوجیت کے قابل نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بوقتِ نکاح زبیدہ کو زید کا عنین ہونا معلوم تھا، یا بعد معلوم ہونے کے ایک دفعہ بھی زبیدہ نے زبان سے زید کے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر کردی ہے، مثلاً اس طرح پر کہ اب تو میں اسی کے ساتھ بسر کروں گی خواہ کیسا ہی ہو (خاموش رہنا کافی نہیں، بلکہ رضا کی تصریح ضروری ہے)، یا زید ایک مرتبہ بھی جماع کر چکا ہو تو ان سب صورتوں میں زبیدہ کو فسخ نکاح کرانے کا حق حاصل نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں تو زبیدہ کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم زید کا بیان لے، اگر وہ بیان کرے کہ ہاں! میں واقعی عنین ہوں، میں ایک دفعہ بھی جماع پر قادر نہیں ہوا تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، اگر سال بھر میں علاج کر کے جماع پر قادر ہوجائے تو خیر ورنہ زبیدہ کو اختیار دیدے کہ تو اگر چاہے تو زید کے ساتھ رہ اور چاہے تو علیحدہ ہوجا۔

اگر وہ علیحدگی چاہے اور اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو حاکم زید سے کہے کہ تو اس کو طلاق دیدے اگر وہ طلاق دیدے تو عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم مسلم خود

تفریق کردے(۱)۔ چونکہ خلوت صحیحہ ہوچکی ہے اس لئے طلاق اور تفریق دونوں صورتوں میں عدت واجب ہوگی اور زید کے ذمہ مہر بھی واجب ہوگا(۲)۔

اگر حاکم مسلم نہ ہو یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دینداروں کی جماعت بھی یہ کام کرسکتی ہے اور اس جماعت میں کم از کم ایک معاملہ شناس عالم کا ہونا بھی ضروری ہے، اور رسالہ "حیلۂ ناجزہ" کو بھی ضرور دیکھ لیا جاوے، اس میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے، کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے بھی ملتا ہے۔ اور سب سے بہتر اور سہل یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر یا خوف دلا کر زید سے طلاق لے لیجاوے یا خلع کرلیا جاوے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الاولیٰ/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/۵۴ھ۔

زوجۂ عنین کے واسطے عدالت کا فیصلہ

سوال[۶۴۶۲]: عرصہ تقریباً تین سال سے صاحبزادی کا مقدمہ صدر شاہ پور جناب سب جج صاحب کے پاس گیا کہ میرا خاوند پیدائشی نامرد ہے، اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے، جس پر عدالت موصوف نے مدعیٰ علیہ کا ڈاکٹری معائنہ کرایا اور ڈاکٹر صاحب کی شہادت بھی لی گئی، اور چند دیگر شہادتیں بھی ہوئیں۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت العنوان السابق: "زوجۂ عنین")

(۲) "ولها المهر كاملاً، وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج قد خلا بها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۴، الفصل الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۴۹، الفصل السابع والعشرون، إدارة القرآن كراچی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

قال المرغيناني رحمه الله: "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

ڈاکٹر کا بیان یہ ہے کہ مدعی علیہ کو انتشار نہیں ہوتا، اور حکیم یونانی کا بیان یہ ہے کہ ہم نے مدعی علیہ کا پندرہ روز تک علاج کیا، کچھ فائدہ نہیں ہوا، اور ہمارے سامنے مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ میں نامرد ہوں، میری نامردی کا علاج کیا گیا، کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بعد اس کے جناب سب جج صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی علیہ کو نامرد قرار دیا جاتا ہے، مگر میعاد کی تنقیح برخلاف مدعیہ کی کہ ڈگری میعاد پر خارج ہوئے، چونکہ چھ سال میعاد قانوناً درکار تھی اور دعویٰ کے دس سال بعد شادی کی گئی۔

بعد اس کے مدعیہ نے اپیل میاں والی ششن جج صاحب کے پاس دائر کردی، ششن جج نے یہ فیصلہ صادر فرمایا اگرچہ مدعی علیہ نامرد ہے، مگر میعاد برخلاف مدعیہ کے فیصلہ سب جج کا بحال رکھا۔ بعد اس کے مدعی مذکورہ اپیل ہائی کورٹ لاہور میں دائر کردی، بعد ملاحظۂ مسئلہ کے ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ مقدمہ اندر میعاد ہے، ۲۳ ایک اور میعاد مذکورہ جاری ہے، مدعی علیہ نامرد ہے، عدالت کو مکمل تسلی ہوگئی اور مدعی علیہ حقِ زوجیت کے ادا کرنے کے ناقابل ہے اور مدعیہ کے بیان سے اور ڈاکٹری بیان سے نامردی مدعی علیہ کی بالکل ثابت ہے۔

مدعی علیہ پیش عدالت نہیں ہوتا ہے، ان کی تعمیل بذریعۂ سمن اور ایک اشتہار جاری کی جاوے، اگر حاضر ہووے تو تشخیص دوبارہ ان کی مردی طاقت کی کی جاوے، چونکہ شرع محمدی میں ہے کہ دوبارہ تشخیص کی جاوے، اور بموجب شرع محمدی کہ مدعی علیہ اپنی طاقت ثابت کرسکتا ہے اور مدعی علیہ کو ایک سال کی مہلت برائے علاج دی گئی ہے۔

اب سال گذشتہ ہو چکا ہے، اگر مدعی علیہ حاضرِ عدالت ہووے تب تشخیص کی جاوے ورنہ بیانِ مدعیہ لے کر ڈگری قطعی تنسیخِ نکاح کردی جائے، مسل واپس سب جج کے پاس جاوے۔ بعد اس کے مسل سب جج کے پاس آئی، جناب سب جج صاحب نے اصالۃً تعمیل کردی، ایک سمن جاری کیا بنام عبدالغفور، اس نے تعمیلِ سمن سے گریز کیا۔ بعد اس کے اشتہار اخبار جاری ہوا، عبدالغفور مدعی علیہ دیدہ ودانستہ پیشِ عدالت نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد سب جج صاحب نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ مدعی علیہ بوقتِ عقدِ نکاح نامرد تھا، اور اب حقِ حقوق زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے۔ بیان مدعی حلف کئے گئے، اب فیصلہ بحقِ مدعی نکاح فسخ کرکے ڈگری دی گئی، جناب سب جج اور قریشی صاحب درجۂ اول نے فیصلہ کیا ہے۔

نــوٹ: ہائی کورٹ کی طرف سے ہر ماہ میں سمن جاری ہوتا رہا، بعد ایک سال کے اشتہار اور اخباری نوٹس جاری رہے، مدعی علیہ حاضرِ عدالت نہیں ہوا اور ایک سمن رجسٹری شدہ مدعی علیہ موضع پہونچا لاہور کی طرف سے مکرر، یہ پھر بھی حاضر عدالت نہیں ہوا۔ اور سب جج اور سب جج صدر شاہ پور بھی ایک سمن اور ایک اشتہار مدعی علیہ کو روانہ کیا، دیدہ ودانستہ پیشِ عدالت نہیں ہوا بوجۂ نامردی کے۔ دیگر ۲۵ عالم سے ہم کو فتویٰ ملا ہے، اس طرح پر چونکہ مجسٹریٹ مسلمان بااختیار نے فیصلہ فسخِ نکاح کا کیا ہے، لہٰذا حکم حاکم نافذ ہوگا۔ پس بنا بریں مدعی علیہ کا نکاح فسخ ہوگیا، بعد عدت نکاح مدعیہ کرسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت کو بوقتِ عقدِ نکاح شوہر کا نامرد ہونا معلوم نہیں تھا اور معلوم ہونے کے بعد اس نے اس کے ساتھ رہنے پر کبھی رضامندی ظاہر نہیں کی اور وہ شخص اتنے عرصہ تک ایک مرتبہ بھی جماع نہیں کرسکا، اور عورت نے حاکم مسلمان بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور حاکم نے تحقیق کے بعد ایک سال کی مدت علاج کے لئے مقرر کردی اور وہ اس مدت میں بھی علاج کر کے جماع پر قادر نہیں ہوا، اور پھر حاکم مسلم بااختیار نے شوہر کے سامنے فسخِ نکاح کا حکم لگایا ہے تو شرعاً وہ نکاح فسخ ہوگیا (۱)۔

---

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادّعت أنه عنين وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقرّ أنه لم يصل، أجلّه سَنةً، سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً. وإن أنكر وادعى الوصول إليها، فإن كانت المرأة ثيباً، فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل يؤجّل سنةً. وإن قالت: أنا بكر، نظر إليها النساء، وامرأةٌ تجزئ والاثنتان أحوط وأوثق، فإن قلن: إنها ثيب، فالقول قول الزوج مع يمينه، فإن حلف لاحق لها، وإن نكل يؤجّله سنةً. وإن قلن: هي بكر، فالقول قولها من غير يمين .... إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين، لايصل إلى النساء، لا يكون لها حق الخصومة، وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك، كان لها حق الخصومة، ولا يبطل حقها بترك الخصومة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۲، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۹۶، ۴۹۸، باب العنين، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۳، باب العنين، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۵۰، ۱۵۳، زوجۂ عنین کا حکم، دار الاشاعت کراچی)

اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوتی ہے تو حکم صحیح نہیں ہوا، مثلاً اگر وقتِ نکاح عورت کو علم تھا کہ شوہر نامرد ہے، یا بعد علم ہونے کے اس طرح کہا کہ جیسا بھی کچھ ہے میں اسی کے ساتھ زندگی گذاردوں گی، یا کم از کم ایک مرتبہ بھی جماع کرلیا ہے، یا علاج کی مدت ایک سال حاکم نے نہیں دی، مگر اس مدت میں ایک مرتبہ جماع کرلیا یا حاکم غیر مسلم ہے(۱)، یا حاکم بغیر شوہر کی موجودگی کے یا اس کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں فیصلہ مقدمہ سنایا ہے تو یہ حکم شرعاً نافذ نہیں ہوا، پھر یا تو طریقہ مذکورہ کے موافق فسخ کردیا جائے، یا شوہر سے طلاق لے لی جائے، خواہ سمجھا کر خواہ ڈانٹ کر خواہ لالچ دے کر، یہ صورت سب سے بہتر ہے(۲)۔

رسالۂ ''حیلہ ناجزہ'' میں اس مسئلہ کو مع جملہ شروط کے خوب تفصیل سے لکھا ہے(۳)، اور علمائے تھانہ بھون دیوبند، سہارن پور کے اس پر دستخط ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۳/ ۸/ ۵۹ھ۔

زوجۂ عنین کی درخواستِ تفریق پر شرعی پنچایت کے چند سوالات

سوال[۶۴۶۳]: مندرجہ ذیل صورت میں آپ کی رائے گرامی شریعت کی روشنی میں مطلوب ہے:

ہندہ ایک پردہ نشین بالغہ خاتون ہے، اس کا نکاح زید سے ہوا، زید پیدائشی عنین اور ناکارہ ہے، ہندہ اس کے عیب پر تقریباً تین سال تک پردہ ڈالتی رہی، کیونکہ زید نے اس سے اپنے علاج کرانے کا وعدہ کیا۔ دو سال بلکہ اس سے زائد عرصہ گذر گیا مگر زید اپنے اس عیب سے بری نہ ہوا، ہندہ اس حال میں اپنی زندگی گذارنے سے قاصر ہے۔

---

(۱) "وحاکم هو إما الإمام أو القاضي أو الحَکَم، أما الإمام فقال علمائنا: حکم السلطان العادل ینفذ".

(رد المحتار: ۵/ ۳۵۳، کتاب القضاء، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/ ۳۰۷، کتاب أدب القاضي، الباب الأول الخ، رشیدیه)

"ولایکون التأجیل إلا عند السلطان یجوز قضاؤه". (الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل السابع والعشرون في العنین: ۴/ ۴۸، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لایقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

(۳) (حیلۂ ناجزہ، ص: ۱۵۰، ۱۵۳، زوجۂ عنین کا حکم، دار الإشاعت کراچی)

نیز زید کے گھریلو حالات بھی اس کے لئے انتہائی ناسازگار ہیں، جن کی وجہ سے اس نے اپنے والدین کے سامنے اس راز کو افشاء کردیا، ہندہ کے باپ نے زید سے اپنی لڑکی کی طلاق کا مطالبہ کیا، اور جو لوگ اس پر اثر انداز ہوسکتے تھے ان کے ذریعہ اپنی بات پہونچائی، مگر زید کسی صورت میں بھی طلاق دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوا۔ آخر کار لڑکی نے مجبور ہو کر ایک شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ بطورِ دعویٰ پیش کیا ہے جس میں اس نے زید کے ناکارہ ہونے کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ زید نے اس سے شادی صرف اس لئے کی ہے کہ وہ جہیز کا مال حاصل کرلے، ورنہ وہ زن وشوہر کے باہمی تعلقات سے بے پرواہ اور ناکارہ ہے جس کا اظہار خود زید کی زبانی شرعی پنچایت میں ہو چکا ہے۔

شرعی پنچایت کے اراکین نے اس درخواست کے بعد ہندہ کا حلفی بیان لیا جو درخواست کے موافق ہے۔ اس کے بعد انھوں نے زید کے نام ایک نوٹس جاری کیا جس میں درخواست کے مضمون سے باخبر کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اگر آپ کو اس میں کوئی عذر ہو تو آپ فلاں تاریخ میں اراکین کے سامنے اپنا عذر رکھیں، اور کوئی عذر نہ ہو تو بھی تشریف لائیں تاکہ معاملہ کی نوعیت سمجھنے میں مدد ملے، اگر آپ تشریف نہیں لائیں گے تو آپ کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا اور ہندہ کو اجازت دیدی جائے گی کہ وہ عدت گذارنے کے بعد دوسرا نکاح کرلے اور آپ سے مطالبۂ مہر کرسکے۔ زید کو اس نوٹس جاری کرنے کے بعد اب پنچایت کے سامنے چند سوالات آئے جن میں آپ کی رائے گرامی مطلوب ہے:

۱.....اگر زید نوٹس وصول کرتا ہے اور تاریخ مقرر پر آجاتا ہے اور اپنے عنین ہونے کا منکر بھی نہیں ہے لیکن طلاق دینے پر راضی نہیں۔

۲.....نوٹس وصول کیا اور آیا، مگر میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ہے جبکہ آج کل رشوت کا بازار گرم ہے، کسی ڈاکٹر سے لکھوانا کوئی دشوار نہیں۔

۳.....نوٹس وصول کیا مگر آیا نہیں۔

۴.....نوٹس وصول کرنے سے انکار کردیا۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے اگر کوئی صورت پیش آئے تو شرعی پنچایت اس میں کیا کرے کہ وہ خدا کے یہاں بری الذمہ ہو اور اس معصوم عورت کو بھی نجات حاصل ہو؟ امید ہے کہ جواب باصواب سے

نوازیں گے۔ والسلام۔

لیاقت حسین، صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ عربیہ، ہاپوڑ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اس کو ایک سال مہلت علاج کے لئے دی جائے۔

۲.....سارٹیفکیٹ کافی نہیں، بلکہ بیوی سے جماع کرنے سے ثبوت ہوگا۔

۳.....دوبارہ نوٹس دیا جائے اور اس میں لکھ دیا جائے کہ اگر تم نہ آئے تو ہم سمجھیں گے کہ تم رکھنا نہیں چاہتے بلکہ تعلقِ زوجیت ختم کرنا چاہتے ہو، اس پر ہم تفریق کردیں گے(۱)۔

۴.....دو آدمیوں کے ذریعہ نوٹس بھیجا جائے، وہ اس کو پڑھ کر سنادیں اور جو کچھ جواب دے اس کو قلم بند کریں۔ مزید تفصیلات کے لئے "الحیلۃ الناجزۃ" سامنے رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۱۳۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادّعت أنه عنين وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقرّ أنه لم يصل، أجلّه سَنةً، سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً، وإن أنكر وادعى الوصول إليها، فإن كانت المرأة ثيباً، فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل يؤجّل سنةً. وإن قالت: أنا بكر، نظر إليها النساء، وامرأة تجزئ والاثنتان أحوط وأوثق، فإن قلن: إنها ثيب، فالقول قول الزوج مع يمينه، فإن حلف لاحق لها، وإن نكل يؤجله سنةً. وإن قلن: هي بكر، فالقول قولها من غير يمين ...... إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين، لايصل إلى النساء، لا يكون لها حق الخصومة. وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك، كان لها حق الخصومة، ولا يبطل حقها بترک الخصومة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۲۲، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۹۶، ۴۹۸، باب العنين، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۳، باب العنين، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۵۰، ۱۵۳، زوجۂ عنین کا حکم، دار الاشاعت کراچی)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

فصل فی زوجةِ المجذوم

(جذامی کے فسخِ نکاح کا بیان)

زوجۂ مجذوم کو خیارِ تفریق

سوال[۶۴۶۴]: ۱...... زید کا نکاح نابالغہ لڑکی صغیرہ کے ساتھ اس کے والدین کی ولایت سے ہوا، مگر زید نے مرض کوڑھ کو چھپایا اور اس مرض میں مبتلا ہوتے ہوئے کسی سے راز افشا نہ کیا، چونکہ نکاح کے بعد صغیرہ اس لئے رخصت نہ کی گئی کہ وہ نابالغہ رہی، اب یہ ظاہر ہوا کہ زید مرض مذکورہ بالا میں مبتلا ہے۔ کیا مرض مذکورہ کے ہوتے ہوئے ازروئے شرع یہ نکاح جائز ہے؟

۲...... صغیرہ کی ماں پہلے بھی کسی دوسری وجہ سے بھی خلاف تھی، صرف اپنے شوہر کی مجبوری کی وجہ سے خاموش تھی، مگر اب بالکل خلاف ہے اور وہ اپنی لڑکی کی بہتری کے لئے شوہر کی اجازت دربارِ نکاح ناجائز قرار دیتی ہے۔

۳...... لڑکی اس بات پر آمادہ ہے کہ اس کے باپ کو دھوکہ دیا گیا ہے اس لئے وہ اس نکاح سے ناراض ہے اور بالغ ہوتے ہی وہ اپنا نکاح فسخ کرنے پر آمادہ ہے۔ ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟

۴...... لڑکی صغیرہ اپنے شوہر سے کس طرح علیحدہ ہوسکتی ہے جب کہ وہ ایسے شخص کو اپنا شوہر پسند نہ کرتی ہو جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے اور وہ متنفر ہے؟ مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ نے کیا ہے تو شرعاً وہ صحیح ہوگیا، ماں کی عدم رضا کچھ معتبر نہیں(۱)۔

---

(۱) "وحاصله أنه إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد، فلهما الخيار بالبلوغ أو العلم به". (ردالمحتار: ۳/ ۷۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۱ ۲، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه) .... =

اور کوڑھ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لڑکی کو فسخِ نکاح کا بھی حق حاصل نہیں، البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیارِ تفریق حاصل ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے اور شوہر کے مرضِ مذکور کو ثابت کیا جائے، اس پر حاکم تحقیق کرے گا کہ یہ مرض قدیمی اور اصلی ہے کہ جس سے صحت دشوار ہے یا حادث اور عارض ہے کہ جس سے علاج کے بعد صحت دشوار نہیں۔ پہلی صورت میں تو حاکم فوراً تفریق کردے اور دوسری صورت میں شوہر کو علاج کے لئے مہلت دے اور اس دوران میں زوجہ کی طرف سے جماع یا دواعی جماع میں شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت اور رغبت بھی نہ پائی جائے۔ سال بھر علاج کرکے اگر تندرست ہوگیا تو خیر، ورنہ عورت کے مطالبہ پر تفریق کردے:

"وإذا كان بالزوج جنونٌ أو برص أو جذام، فلا خيار لها، كذا في الكافي. قال محمد رحمه الله تعالى: إن كان الجنون حادثاً يؤجّل سَنةً كالعنة، ثم تخيّر المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقاً، فهو كالجبّ، وبه نأخذ، كذا في الحاوي القدسي". الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۵٤۲(۱)۔

"قال محمد رحمه الله تعالى: إن كان بالزوج عيبٌ لا يمكنه الوصول إلىٰ زوجته، فالمرأة مخيرة بعد ذلك، ينظر: إن كان العيب كالجنون الحادث والبرص ونحوهما، فهو والعنة سواء، فينظر حولاً. وإن كان الجنون مطبقاً، أو به برص ولا يرجىٰ برئه، فهو والجبّ سواء، وهي بالخيار: إن شاءت رضيت بالمقام معه، وإن شاءت رفعت الأمر إلى الحاكم حتى يفرّق بينهما، اهـ"(۲).

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۵/۲، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵۰۱/۳، باب العنين وغيره، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۴۱۳/۱، كتاب النكاح، باب العنين، فصل في الخيارات التي تتعلق بالنكاح، رشيديه)

(۲) (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، حكم زوجه مجنون، ص: ۵۱) (لم نجد مرجع هذه العبارة)

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دین دار مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ کام کرسکتی ہے، جماعت میں ایک کم از کم معاملہ فہم عالم ہونا ضروری ہے اور رسالہ ''حیلۂ ناجزہ'' کو بھی آخر تک ضرور بغور دیکھ لیا جاوے، اس میں جو شرائط زوجۂ مجنون کے متعلق لکھی ہیں وہ زوجۂ مذکور کے لئے بھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہیں، وہ رسالہ سہارنپور کتب خانہ یحیوی سے ملتا ہے۔ فقط والسلام۔

العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/ ۵/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

شوہر کو جذام ہو تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

سوال [۶۴۶۵]: ایک مرد کو سات سال سے جذام کا مرض لگا ہے، تو کیا عورت اس سے چھوٹ سکتی ہے یا نہیں؟ وہ اس کے ساتھ ناجائز کام کرتا ہے، لیکن وہ عورت بے بس ہے، اس کے پاس اتنا خرچہ نہیں کہ وہ اس سے چھوٹ کر اپنا خرچہ پورا کر سکے اور اپنی جان آزاد کرائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مرض کی وجہ سے عورت کو ساتھ رہنا دشوار ہے اور وہ برداشت نہیں کرسکتی، یا شوہر اس کے ساتھ ایسی حرکت کرتا ہے جو شرعاً حرام ہے تو کسی طرح خوشامد کر کے شوہر سے طلاق حاصل کرلے، چاہے مہر ہی کے بدلہ میں ہو یعنی بیوی مہر معاف کردے اور اس کے بدلہ میں شوہر طلاق دیدے (۱)، اس کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو مسلمان حاکم سے فیصلہ کرالے، مسلمان حاکم معتبر اہل علم

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

قال العلامة المرغيناني: "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/ ۴۰۴، باب الخلع، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۸۸، الباب الثامن في الخلع، رشيديه)

کوسب حالات بتاکرفتویٰ لےاوراس فتوے کے مطابق فیصلہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

زوجۂ مفلوج

سوال[۶۴۶۶]: زید نے اپنی لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں کیا، لڑکی بعد نکاح رسمی طور پر ایک عورت کے ساتھ اپنے شوہر کے یہاں گئی، ایک روز رہ کر دوسرے روز اپنے باپ کے گھر واپس آگئی، اس کے بعد بالغ ہونے تک شوہر کے یہاں نہیں گئی۔ اسی درمیان میں لڑکے کو فالج کا مرض لاحق ہوگیا، اور مرض نے لڑکے کو عورت کے قابل نہ رکھا، لہٰذا لڑکی کے والدین نے لڑکے کو اس مجبوری کے تحت طلاق دینے کو کہا، لیکن لڑکے کے والدین نے طلاق دینے سے منع کیا، اب ایسی کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ لڑکا طلاق دے گا۔ اس صورت میں لڑکی کے چھٹکارہ کی از روئے مسئلہ کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخلاق کا تقاضا تو یہی ہے کہ لڑکی مصیبت اور بیماری کی حالت میں شوہر کی خدمت کرے، اس کو راحت پہونچائے، لیکن پھر بھی وہ الگ ہوناہی چاہتی ہے تو شرعاً اس کو حقِ فسخ پہونچتا ہے۔ اچھا تو یہ ہے کہ مہر اور نفقہ کو معاف کرکے اس کے بدلے میں طلاق لے(۱) اگر چہ یہ روپیہ لینا شوہر کے حق میں درست نہیں ہوگا۔ اگر کسی

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به، تلك حدود الله فلا تعتدوها، ومن يتعد حدود الله، فأولٰئك هم الظّٰلمون﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"عن ابن عباس رضي الله عنهما إن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! ثابت بن قيس ماأعتب عليه في خلق ولا دين ولكني أكره الكفر في الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أتردين عليه حديقته"؟ قالت: نعم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اقبل الحديقة وطلقها تطليقةً". (صحيح البخاري: ۲/ ۷۹۴، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق. قديمي)

(وسنن النسائي: ۲/ ۱۰۷، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع، قديمي)

وجہ سے وہ اس پر بھی راضی نہیں، یا تم میں اتنی طاقت نہیں کہ روپیہ دے سکو تو خلاصی کی صورت یہ ہے کہ اگر اس نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی جماع نہیں کیا، یا عورت نے یہ نہ کہا ہو کہ میرا شوہر جیسا بھی ہو میں تو اس کے ساتھ زندگی گذاروں گی تو اس وقت اس کو حقِ فسخ حاصل ہوگا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے کہ میرا شوہر بیمار فالج زدہ ہے اور وہ جماع پر قادر نہیں، اور اس صورت میں میں اس کے ساتھ زندگی گذارنا نہیں چاہتی۔

حاکم شوہر کو حاضر عدالت کرکے دریافت کرے، اگر شوہر اس بیان کی تصدیق اور اقرار کرے تو حاکم شوہر کو مزید ایک سال کی مدت علاج کے لئے دے گا، اگر اس مدت میں شوہر علاج کے بعد ٹھیک ہوگیا اور ایک دفعہ بھی جماع کرلیا تو عورت کا حق فسخ ختم ہوگیا، لیکن اگر وہ اچھا نہ ہوا یا جماع نہ کرسکا تو عورت پھر سے دعویٰ دائر کرے اور کہے کہ یہ ابھی تک اچھا نہیں ہوا اور جماع بھی نہیں کرسکا، لہٰذا تفریق کردی جائے۔ حاکم شوہر کو حاضر عدالت کرکے دریافت کرے اگر وہ قبول کرے تو حاکم اس کو کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اگر وہ طلاق دیدے تو ٹھیک ورنہ حاکم خود تفریق کردے، اس کے بعد عورت عدت تین حیض گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو تو مسلم جماعت (پنچایت) جو معزز دینداروں کی ہو، نیز اس میں کم سے کم ایک دیندار معاملہ فہم عالم دین بھی ہو، یہ پوری تفصیل کے مطابق کام کرسکتی ہے(۱)، نیز اس کے لئے

---

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادّعت أنه عنين وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله: هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقرّ أنه لم يصل، أجّله سنةً، سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً. وإن أنكر وادعى الوصول إليها، فإن كانت المرأة ثيباً، فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل يؤجّل سنةً. وإن قالت: أنا بكر نظر إليها النساء، وامرأةٌ تجزئ والاثنتان أحوط وأوثق، فإن قلن: إنها ثيبٌ، فالقول قول الزوج مع يمينه، فإن حلف لاحق لها، وإن نكل يؤجله سنةً. وإن قلن: هي بكر، فالقول قولها من غير يمين .... إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لا يصل إلى النساء، لا يكون لها حق الخصومة. وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك، كان لها حق الخصومة، ولا يبطل حقها بترك الخصومة" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲۲، ۵۲۴، الباب الثاني عشر في العنين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۹۲، ۵۰۰، باب العنين وغيره، سعيد) .. .. =

''الحیلۃ الناجزۃ'' کا مطالعہ کرنا بھی مفید ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد اسماعیل سورتی، متعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۰، ۲۴۳، باب العنين، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الشيخ التهانوي: ''زوجۂ عنین کو اپنے شوہر سے علیحدگی کا اختیار چند شرائط کے ساتھ ہوسکتا ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے، اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ یہ مہلت وغیرہ دینا یہ تمام امور قضائے قاضی کے محتاج ہیں، بدونِ حکمِ قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں''۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۴۷، ۴۹، حکم زوجۂ عنین، دارالاشاعت کراچی)

باب الشھود فی الطلاق

(طلاق میں گواہی کا بیان)

کیا طلاق کے لئے گواہی ضروری ہے؟

سوال[۶۴۶۷]: طلاق کے ثبوت کے لئے گواہ ہونا چاہئیں، نیز گواہ عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

عبدالغفور مظاہری، آسام سلہٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاءً ثبوت کے لئے دو عادل گواہ شرط ہیں(۱) اور دیانۃً ثبوت کے لئے ایک عادل گواہ بلکہ خود عورت کا سننا بھی کافی ہے۔اور عورت کو جب کہ خود سنے یا ایک عادل گواہ اس کے سامنے بیان کرے وہ خود قاضی کے حکم میں ہے:

"والمرأة كالقاضي لا يحل أن تمكنه، إذا سمعت منه ذالك، أو شهد له شاهد عادل عندها، اهـ". عالمگیری(۲)۔

---

(۱) "و نصابها (أي الشهادة) لغيرها من الحقوق، سواء كان الحق مالاً أو غيره، كنكاح، و طلاق، و وكالة، و وصية .... رجلان، أو رجل وامرأتان". (الدرالمختار: ۵/۴۶۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۶۱، كتاب الشهادات، المكتبة الغفاريه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، كتاب الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۵۱، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۴۸، كتاب الطلاق، باب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۴۱، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

اس کو اپنے نفس پر قدرت دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۴/۲/۱۳ھ۔

طلاق کے بعد شوہر منکر ہو گیا

سوال[۶۴۶۸]: ایک شخص نامی امیر قلم چائے اپنی رفیقۂ حیات مسماۃ فاطمہ کو کہتا ہے کہ "میں نے تین طلاق پر تجھ کو چھوڑا" پھر ایک کنکر پھینک کر کہا: "چھوڑی" اور دوسرا پھینک کر کہا "چھوڑی" پھر کہتا ہوا چھوڑی، چلا گیا"۔ جب کسی عالم نے دریافت شروع کی تو اس پر امیر قلم نے انکار کر دیا، اس پر غلام فاطمہ نے ثبوت پیش کیا کہ ایک عورت مسماۃ مہر خاتون نے بیان دیا کہ بیوی بصورتِ ناراضگی والدین کے گھر میں آئی ہوئی تھی، اس سے اس کے راضی کرنے کی خاطر والدین کے پاس آیا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ روانہ کر دو، غلام فاطمہ نے بھائی جہانگیر سے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی، اس پر امیر قلم نے اسی حالت میں دو مرتبہ کہا کہ "جو چاہے ہو، رہا کر دیا ہوں"۔

اس پر جہانگیر خان نے کہا: جو تمہارا جی چاہے کرو، اس پر امیر قلم نے اپنی منکوحہ کو مخاطب کر کے کہا: "تین طلاق پر میں نے تجھ کو چھوڑا" پھر ایک کنکر پھینک کر کہا "چھوڑی"، دوسرا پھینک کر کہا "چھوڑی" پھر کہتا ہوا "چھوڑی" چلا گیا"۔

دوسرا گواہ: غلام فاطمہ مذکورہ کی والدہ نے بھی بعینہ یہی شہادت بیان کی، تیسرا: غلام فاطمہ مذکورہ کے والد نے بھی بعینہ یہی شہادۃ بیان کی، چوتھا: گواہ غلام فاطمہ کا بھائی جہانگیر اس نے بھی بعینہ وہی شہادت دی۔ اب یہ فرمایئے کہ اس صورت میں والدین کی گواہی اولاد کے حق میں- باوجود حق اللہ ہونے کے تحریر فرمایئے- منظور ہے یا نہیں؟ دوسرا عند الاحناف ایک مشت تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوئی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مسماۃ غلام فاطمہ کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور اس نے خود تین طلاق کو سنا ہے تو شرعاً اس کے

لئے جائز نہیں کہ اپنے اوپر امیر قلم کو قابو دے بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سے علیحدگی اختیار کرے اور ہرگز اپنے اوپر قابو نہ دے، کذا فی رد المحتار (۱)۔ بھائی کی گواہی شرعاً قابلِ قبول ہے، کذا فی العالمگیریة (۲)۔

اجنبیہ عورت کی گواہی شرعاً معتبر ہوتی ہے، لہٰذا اگر مسماۃ کا بھائی اور مسماۃ مہر خاتون دونوں ثقہ اور عادل ہیں تو ان کی گواہی معتبر ہے مگر یہ نصابِ شہادت نہیں (۳)۔ والدین کی گواہی قابلِ قبول نہیں جس طرح کہ اولاد کی گواہی قابلِ قبول نہیں (۴)، مگر مسئلۂ طلاق میں دو قول ہیں اور ہر دو کی تصحیح کی گئی ہے:

"رجل شهد عليه بنوه أنه طلق أمهم ثلاثاً و هو يجحد، فإن كانت الأم تدعى فالشهادة باطلة، وإن كانت تجحد فالشهادة جائزة، الخ. وهذه من مسائل جامع الكبير، الخ. وفى المحيط البرهانى معزياً إلىٰ فتاوىٰ شمس الإسلام الأوزجندى: أن الأم إذا ادعت الطلاق، تُقبل

---

(۱) (رد المحتار: ۳/۳۶۹، باب التعليق، مطلب فيما لو ادّعى الاستثناء وأنكرته الزوجة، سعيد)

"والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو شهد به شاهد عدلٌ عندها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الفصل الأول فى الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳/۴۴۸، باب الطلاق، رشيديه)

(۲) "وتجوز شهادة الأخ لأخته، كذا فى محيط السرخسى، وشهادة الأخ لأخيه و أولاده جائزة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۷۰، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهاته، رشيديه)

(وكذا فى المحيط البرهانى: ۱۰/۱۹۵، الفصل الثالث فى بيان من تقبل شهادته، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "أقل ما يجوز فى حقوق الناس فيما بينهم من الطلاق والعتاق .... شهادة رجلين أو رجل وامرأتين". (المحيط البرهانى: ۱۰/۱۷۶، الفصل الثانى فى أقسام الشهادة الخ، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۵/۱۵۱، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۵۱، كتاب الشهادات، الباب الأول الخ، رشيديه)

(۴) "والولد لأبويه وجدّيه و عكسه وأحد الزوجين للآخر، لقوله عليه السلام: "لاتقبل شهادة الولد لوالده، ولا الوالد لولده، ولا المرأة لزوجها". (تبيين الحقائق: ۵/۱۷۳، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۶۹، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهاته، رشيديه)

(وكذا فى المحيط البرهانى: ۱۰/۱۹۵، الفصل الثالث فى بيان من تقبل شهادته، مكتبه غفاريه كوئٹه)

شهادتهما، قال: وهو الأصح؛ لأن دعواها لغو، قال مولانا: وعندي أن ما ذكره في الجامع أصح،

اهـ". بحر: ۸۱/۷ مختصراً(۱)۔

لہٰذا احوط یہ ہے کہ جب تک امیر قلم خود طلاق کا اقرار نہ کرے یا کوئی اور گواہ شرعی میسر نہ آئے تو مسماۃ غلام فاطمہ دوسری جگہ نکاح نہ کرے اور اپنے اوپر امیر قلم کو جماع وغیرہ کی قدرت نہ دے۔ عند الاحناف تین طلاقیں واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شوہر کا طلاق کے بعد انکار اور گواہ کا گواہی سے انکار

سوال[۶۴۲۹]: کسومہ کا نکاح محمد ابراہیم کے ساتھ ہوا، چند روز کے بعد محمد ابراہیم کسومہ کو تکلیف دینے لگا، کسومہ اپنے میکہ چلی آئی، دو تین سال تک کسی طرح گزر گیا۔ پھر کسومہ کی والدہ نے محمد ابراہیم سے کہا کہ تم طلاق دے دو، اور اپنا زیور لے لو، محمد ابراہیم نے کہا ٹھیک ہے، زیور دیدو، نہیں تو طلاق دیدوں گا، چنانچہ زیور اس کو دیدیا اور اس نے طلاق دیدی۔ جس کے گواہ محمد یونس اور بدھو ہیں اور دو ہندو بھی موجود تھے۔ مگر اب محمد ابراہیم انکار کرتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

لہٰذا دریافت کرتا ہوں کہ محمد یونس کی حلفیہ گواہی سے طلاق ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور ہندو کی گواہی اس معاملہ میں معتبر ہے یا نہیں؟ کیونکہ دوسرا گواہ بدھو بدل گیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں گواہی نہیں دوں گا۔ ایسی صورت میں کسومہ دوسرا عقد کرسکتی ہے یا نہیں؟ نیز کسومہ کی والدہ کی گواہی اس موقع پر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

---

(۱) (البحر الرائق: ۱۳۶/۷، ۱۳۷، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، رشيديه)

(۲) "وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلك، وقع الطلاق، وكان عاصياً". (الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ۳۵۵/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه وحكمه ووصفه وتقسيمه الخ: ۳۴۹/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان بهامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق: ۳۵۵/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسومہ کی طرف سے شرعی پنچایت میں طلاق کا مقدمہ پیش ہے اور گواہ صرف محمد یونس باقی رہ گیا ہے بدھو گواہی نہیں دیتا، تو کسومہ کا دعوی ایک گواہ کی گواہی سے ثابت مان کر پنچایت اس کے حق میں فیصلہ نہیں کرے گی (۱)، ایک گواہ کو قسم دے کر دو گواہ کے قائم مقام نہیں بنایا جائے گا (۲)۔ ہندو کی گواہی اور کسومہ کی والدہ کی گواہی اس صورت میں مفید نہیں، لہٰذا اگر محمد ابراہیم قسم کھا کر طلاق کا انکار کرے گا تو اس کا انکار معتبر مانا جائے گا، لیکن اگر بدھو کے سامنے طلاق دی گئی ہے تو اس کا گواہی سے انکار کرنا کتمانِ شہادت اور بڑا گناہ ہے ﴿ولا تکتموا الشهادة، و من يكتمها فإنه اثم قلبه﴾ الآية (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۹۲ھ۔

بیوی نے طلاق کو سنا، شوہر منکر ہے

سوال [۶۴۷۰]: زید اپنی زوجہ کو تنگ کرتا تھا، اس کا باپ اپنے گھر لانے کے لئے لے گیا اور زید پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تو زید نے کہا کہ "تم اس وقت اگر لے جاؤ گے تو میں آزاد کر دوں گا" یہ سننے کے بعد زوجہ کے

---

(۱) "(و) نصابها (لغيرها من الحقوق، سواء كان) الحق (مالاً أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) .... (أو رجل وامرأتان)". (الدر المختار: ۴۶۵/۵، كتاب الشهادات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۳، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۰۳/۷، كتاب الشهادات، رشيديه)

(۲) "لايمين على الشاهد؛ لأنه عند ظهور عدالته والكلام عند خفائها خصوصاً في زماننا أن الشاهد مجهول الحال". (البحر الرائق: ۱۰۷/۷، كتاب الشهادات، رشيديه)

وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز الحكم بالشاهد واليمين، بل لابد من شاهدين وخلافهم في الأموال. فأما إذا كان الدعوى في غير الأموال، فلا يقبل شاهد ويمين بالاتفاق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح: ۳۳۱/۷، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، رشيديه)

(۳) (سورة البقرة: ۲۸۳)

باپ نے کہا پسر سے کہ: ان کا جھگڑا چلتا رہے گا۔ یہ سن کر زید نے کہا تین مرتبہ کہ ”میں طلاق دے چکا ہوں“۔ زوجہ کا باپ لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ زید طلاق سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ اس نے صرف یہ کہا تھا کہ ”اگر تم لے گئے تو میں طلاق دے دوں گا“۔ شہادت جانبین کی موجود ہے، زوجہ اپنے باپ کے بیان کی تائید کرتی ہے اور الفاظِ مذکورہ سابقہ کا خود سننا ظاہر کرتی ہے۔ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور نکاح کی تجدید کس طرح ممکن ہے؟

رفیق احمد کاندھلہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب عورت نے ۳/ مرتبہ طلاق دینا خود اپنے کان سے سنا ہے تو پھر اس کے لئے زید کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں جو جائز صورت بھی عورت کے قبضہ میں زید سے بچنے کی ہو اختیار کی جاوے:

"المرأة كالقاضي لايحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهد به شاهد عدل عندها". عالمگیری: ۲/۳۶۹(۱)۔

اگر دو عادل گواہ عورت کے پاس موجود ہیں تو مغلظہ ہو چکی، اب بلا حلالہ تجدید نکاح کافی نہیں، بلکہ اگر حلالہ ہو جائے تو شرعاً نکاحِ جدید درست ہو سکتا ہے:

لقوله تعالى: ﴿فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ هداية، ص: ۳۷۹(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/صفر/۵۳ھ۔

گواہانِ عفت ومعصیت میں تقابل

سوال[۱۷۴۲]: بعض گواہ کہتے ہیں کہ تعلقاتِ ازدواجی شوہر کے انتقال تک باقی رہے، یہ گواہ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق: ۱/۳۵۴، رشيديه)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. والأصل فيه قوله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ والمراد الطلقة الثالثة". (الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۲/۳۹۹، شركة علميه)

زوجین کی عفت کی گواہی دے رہے ہیں۔ گواہانِ طلاق عورت ومرد کوامور ناجائز وحرام کا مرتکب بتلا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں گواہانِ عفت کا قول معتبر ہے یا گواہانِ طلاق کا، اوراس مدعی کا جواپنے مردہ بھائی کومرنے کے بعد حرام کار اور فاسق کہہ رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں گواہانِ عفت کے قول کومعتبر کہا جائے گا:"شهدا على أنه مات و هي امرأته، واخران أنه طلقها، فالأولى أولى". أشباه، ص: ٣٤٨(١)، اورگواہانِ معصیت کا بیان گواہانِ عفت کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح نہ ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،۶/۱/۵۴ھ۔

صحیح:عبداللطیف،۸/محرم/۵۴ھ۔

اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت نہیں

سوال[۶۴۷۲]: ایک شخص نے اپنی بیوی کوطلاق دیا، یہ سن کرگاؤں کے پانچ آدمی وہاں گئےاور شوہر سے پوچھا کہ تم اپنی بیوی کورکھوگے یا چھوڑ دوگے، اگرتم کو بیوی رکھنا ہےتوایک عالم سے فیصلہ لیناپڑےگا۔ اس وقت شوہر نے کہا کہ اگر حلالہ کی ضرورت پڑے تونہیں لوں گا، مہرکی بابت روپیہ یاایک بیگہ زمین دےکر رخصت کردوں گا۔اس کے بعد عالم صاحب نے فیصلہ کے لئے مجلس منعقد کی اورشوہر سے دریافت کیا گیا تواس نے اپنے خیالات اس طرح ظاہر کئے کہ میرا اپنی بیوی سے کبھی کبھی جھگڑا ہوتا رہتا ہے، آج میں نے غصہ میں بے قابوہوکراپنی بیوی کو کہہ دیا:''جا تجھے گھر میں نہیں رکھوں گا، طلاق، طلاق، تین طلاق دیا''۔

یہ بات شوہر نے تین آدمیوں کے سامنے کہی اوردیگر حضرات بھی وہاں پرموجود تھے جنہوں نے اس بات پرشہادت دی کہ واقعی شوہر نے طلاق دی۔اب سوال یہ ہے کہ زید کی بیوی پرطلاق ہوگی یانہیں؟ جب کہ طلاق نامہ میں بھی شوہر نے تین طلاق لکھا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ شوہر کا بیان خود تین طلاق کا ہے جس میں کوئی شرط نہیں کی گئی، گواہ کی ضرورت نہیں، طلاقِ

---

(١) (الأشباه والنظائر، ص: ٢٣٣، كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، قديمي)

مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۹/ ۸۸ھ۔

اقرارِ طلاق کے بعد گواہ کی ضرورت نہیں

سوال [۶۴۷۳]: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کسی وقت یہ کہہ دیا کہ ''تجھ کو طلاق ہے، تُو اپنے باپ کے یہاں چلی جا''۔ ہندہ اپنے باپ کے پاس چلی گئی، لیکن اس کے طلاق دینے کا کوئی معتبر اور ثقہ شہادت نہیں ہے۔ اس میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ہندہ کو اپنے باپ کے یہاں ایک مدت گزر گئی، زید اس کو نہیں لاتا ہے، نہ لانے کی وجہ سے ہندہ کے ورثاء نے زید کو ایک مجلس میں جس میں قریب قریب دو سو آدمی تھے مارنے کے لئے دھمکی دی، زید نے اس مجلس میں لوگوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اس کو بہت دن ہوئے چھوڑ دیا۔ اب اس میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

اس کے کہنے کے بعد بہت دن گزر گئے جب ہندہ کا نکاح ہونے کو ہوا تو لوگوں نے کہا: طلاق رجسٹری کر کے دیدو، پھر زید نے قاضی کے پاس جا کر طلاق نامہ رجسٹری کر کے دیا، اب رجسٹری شدہ طلاق کے تین روز کے بعد ہندہ کا نکاح ہوا۔ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ کونسی طلاق معتبر مانی جائے گی؟ تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر تجدیدِ نکاح کی ضرورت ہے تو عدت میں جو نکاح ہوا گناہ کس کو لازم ہوگا اس کے ازالہ کی کیا صورت شریعت نے مقرر کی ہے؟ معتبر کتب حنفیہ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنیت بالأولی الطلاق وبالثانیة والثالثة إفهامها، صدق دیانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثاني في إیقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصریح: ۱/ ۳۵۶، رشیدیه)

(۲) "وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتین في الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۱/ ۴۷۳، رشیدیه)

(وکذا في الهدایة، کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/ ۳۹۹، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/ ۴۰۱، ۴۱۱، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زید نے اپنی بی بی ہندہ کو خطاب کر کے طلاق دیدی اور زید اس کا اقرار کرتا ہے تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی (۱)، کسی اَور شہادت کی ضرورت نہیں۔ پھر جب مجلس میں بہت سے آدمیوں کے سامنے کہا کہ ''میں اس کو بہت دن ہوئے چھوڑ دیا'' تو پھر وہ سب مجلس کے لوگ گواہ بھی ہوگئے۔ اگر اول مرتبہ طلاق دینے کے بعد عدت (تین حیض) گزر چکی ہے اور اس کے بعد طلاق نامہ رجسٹری کرایا ہے تو اس سے کوئی نئی طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ یہ پہلی ہی طلاق کی رجسٹری ہوئی (۲)، لہٰذا اس سے کوئی نئی عدت واجب نہیں ہوگی اور اس سے تین روز بعد جو ہندہ نے نکاح ثانی کیا ہے وہ شرعاً درست ہوگیا:

"الطلاق الصريح وهو كأنت طالق و مطلقة وطلقتك، وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر أو الإبانة أو لم ينو شيئاً، كذا في الكنز. ولو قال لها: أنت طالق و نوى به الطلاق عن وثاق، لم يُصدق قضاءً، و يُدين فيمابينه و بين الله تعالى. والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو شهد به شاهد عدل عندها، اهـ". عالمگیری: ۱/۳۵۴(۳)۔

"إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق و هي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، اهـ". فتاوى عالمگیری: ۱/۵۲٦(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذی قعدۃ/ ٦۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذی قعدۃ/ ٦۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ ذی قعدۃ/ ٦۰ھ۔

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) "الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة". (الدرالمختار). "(قوله: بشرط العدة) هذا الشرط لا بد منه في جميع صور اللحاق، فالأولى تأخيره عنها". (ردالمحتار: ۳/۳۰٦، باب الكنايات، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۰٦، فصل في الكنايات، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۸۳، ۸۴، باب الكنايات، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲٦۰، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، ۴۱، باب الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲٦، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه) .... =

اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت

نوٹ [۶۴۷۴]: سائل نے ایک سوال طلاق کے متعلق کئی جوابات مختلف جگہ سے حاصل کئے اب ان سے پریشان ہورہا ہے، اس مسئلہ کو ملاحظہ فرماکر حضرت مفتی محمود صاحب نے مندرجہ ذیل جواب لکھا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سوال کی عبارت پر جواب لکھا جاتا ہے، اگر مختلف سوالات لکھ کر ایک جگہ سے یا متعدد مقامات سے جواب منگایا جائے تو جواب بھی مختلف ہوں گے۔ مسئلۂ طلاق میں گواہی کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ شوہر کو انکار ہو، اقرارِ شوہر کے وقت گواہی کی ضرورت ہی نہیں جیسی طلاق کا اقرار کریگا ویسی ہی طلاق کا حکم دیا جائے گا(۱)۔ تین طلاق کے اقرار پر طلاقِ مغلظہ کا حکم ہوگا خواہ گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں، گواہی شوہر کے اقرار کے موافق دیں یا خلاف۔ اتنی بات سے آپ کا جواب ہوگیا، اب کسی اَور تحقیق کی ضرورت نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

طلاق میں بیٹوں کی شہادت

الاستفتاء [۶۴۷۵]: ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا کر کے غصہ ہوکر کہا کہ "طلاق دیدوں گا"، لیکن نہیں دی۔ عورت نے بیان کیا ہے کہ میرے شوہر نے میرا نام لے کر لفظِ طلاق سے تین بار تین

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۵۳، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "أن من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً في الحال: لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (المبسوط للسرخسي: ۴/۱۰۹، باب الطلاق، حبيبه، كوئٹه)

"لو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً، وقع قضاءً لا ديانةً". (رد المحتار: ۳/۲۳۶، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق، سعيد)

طلاق صاف دیدیا ہے اور اپنے دولڑکے عاقل بالغ عادل موجود ہیں، گواہ ہیں۔ دونوں نے شہادت دی کہ میرے باپ نے میری ماں کو نام لے کر لفظِ طلاق سے تین بار طلاق دیا ہے، ہم نے خود سنا ہے، مگر تعداد معلوم نہیں۔ اور یہ بھی کہا باپ کو اگر طلاق دینا ہوتو اچھی طرح دو، جواب میں کہا کہ مجھے جیسے معلوم ہے ویسے دیا ہے۔ اب علمائے کرام سے التماس ہے کہ اس عورت پر طلاق پڑی یا نہیں؟ اگر پڑی تو کونسی طلاق اور عندالشرع کیا حکم ہے؟ نیز شخص مذکور نے غصہ کی حالت میں عورت مذکورہ کو دوطلاق دیا تھا، چار پانچ سال گزر گئے۔ اس طلاق اور اس طلاق سے کچھ مناسبت ہے یا نہیں؟

التنقیح

چار پانچ سال ہوئے دوطلاق کیسی دی تھی بائنہ یا رجعی، اگر رجعی تھی تو عدت کے اندر رجعت کی یا نہیں، اگر رجعت نہیں کی، یا طلاقِ بائنہ دی تو تجدیدِ نکاح کی ہے یا نہیں، دونوں لڑکوں کے بیان میں پورے الفاظ طلاق دینے والے کے ذکر نہیں کئے گئے کہ صیغۂ ماضی (میں نے طلاق دی) یا صیغۂ مستقبل (میں طلاق دے دوں گا) سے طلاق دی ہے۔ لہٰذا ہر دو کے بیان میں اس کو صاف صاف لکھنا چاہئے۔ دوسرے لڑکے کے بیان میں ہے کہ یہ بھی کہا کہ طلاق دینا ہوتو اچھی طرح دیدو، اس کا کیا مطلب ہے، لڑکا کس طرح طلاق دلانا چاہتا ہے، صیغۂ ماضی سے یا صیغۂ مستقبل سے، یا کسی اور طرح، اور باپ کو کس طرح طلاق دینا معلوم تھا کہ جس طور پر طلاق دی ہے۔ امور بالا کو وضاحت سے تحریر کرنے پر اصل سوال کا جواب موقوف ہے۔

از دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۵/۶۰ھ۔

تکمیلِ سوال:

گذشتہ وہ دوطلاق بائنہ دی تھی اور تجدید نکاح کی ہے اور اس طلاق میں طالق کا قول ہے کہ ’’طلاق دیدوں گا‘‘ یعنی: صیغۂ مستقبل سے بیان کیا ہے اور مطلقہ کا قول ہے، صیغۂ ماضی پر یعنی ’’میرے شوہر نے میرا نام لے کر زینب کو ایک طلاق، زینب کو دوطلاق اور زینب کو تین طلاق دی‘‘ صیغۂ ماضی سے بیان کی۔ دونوں لڑکوں کا قول ہے ماضی پر، اول لڑکے کا بیان ہے کہ میرے باپ نے میری ماں زینب کو کئی مرتبہ طلاق دیا۔

جب زینب کو طلاق طلاق کی آواز کان میں آئی اور تعداد معلوم نہ ہوئی، تو اس لئے باپ سے کہا کہ طلاق دینا ہوتو ایسے دو کہ جیسے لوگ طلاق دیا کرتے ہیں، باپ نے جواب دیا کہ لوگ جیسے طلاق دیا کرتے ہیں

ایسے ہی میں نے دیا۔ خلاصہ یہ کہ طالق کہتا ہے کہ طلاق دیدونگا مستقبل صیغہ سے اور مطلقہ اور دونوں گواہ کہتے ہیں کہ طلاق دیا ماضی کے صیغہ سے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں عورت طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر منکر ہے، دولڑکے ماں کے موافق باپ کے خلاف شہادت دیتے ہیں، لہذا لڑکوں کی شہادت ماں کے موافق ہونے کی وجہ سے شرعاً قبول نہ ہوگی۔ اگر ماں طلاق کا دعویٰ نہ کرتی بلکہ انکار کرتی تو پھر لڑکوں کی شہادت قابلِ قبول ہوتی، کیونکہ اس صورت میں وہ باپ اور ماں ہر دو کے خلاف تھے:

"رجل شهد عليه بنوه أنه طلق أمهم ثلاثاً، وهو يجحد، فإن كانت الأم تدعي فالشهادة باطلة، وإن كانت تجحد فالشهادة جائزة؛ لأنها إذا كانت تدعي فهم يشهدون لأمهم؛ لأنهم يصدقون لأم فيما تدعي، ويعيدون البضع إلى ملكها بعد ما خرج عن ملكها. وأما إذا كانت تجحد، فيشهدون على أمهم؛ لأنهم يكذبونها فيما تجحد، ويبطلون عليها ما استحقت من الحقوق على زوجها من القسم والنفقة، وما يحصل لها من منفعة عود بضعها إلى ملكها، فتلك منفعة مجحودة يشوبها مضرة، فلا تمنع قبول الشهادة، اهـ. وهذه من مسائل الجامع الكبير، الخ". بحر: ۸۸/۷(۱)۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کا دعویٰ طلاق کرنا اور نہ کرنا ہر دو مساوی ہے، کیونکہ طلاق حقوق اللہ میں سے ہے، لہذا ہر دو صورت میں لڑکوں کی شہادت قابلِ قبول ہونی چاہئے، اس بنا پر فتویٰ شمس الائمہ اوزجندی میں علی الاطلاق قبول شہادت کا حکم لگا کر "وهو الأصح" کہا ہے، مگر صاحبِ بحر نے دعویٰ وعدمِ دعویٰ میں فرق کو ظاہر کرکے محیط برہانی سے جامع کبیر کے قول کی صحت نقل کی ہے:

---

(۱) (البحر الرائق: ۱۳۶/۷، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۸۲/۱، الفصل الثالث فيمن لا تقبل شهادته للتهمة أو لزوم التناقض أو لزوم نقض القضاء، رشيديه)

"و أورد علیه أن الشهادة بالطلاق شهادة بحق الله تعالى، فوجود دعوى الأم وعدمها سواء، ولعدم اشتراطها، وأجيب بأنه مع كونه حقاً لله تعالى، فهو حقها أيضاً، لم تشترط الدعوى للأول، واعتبرت إذا وجدت مانعة من القبول للثاني عملاً بها، اهـ. وفي المحيط البرهاني معزياً إلى فتاوى شمس الإسلام الأوزجندي: أن الأم إذا ادعت الطلاق، تقبل شهادتهما. قال: وهو الأصح؛ لأن دعواها لغو. قال مولانا: وعندي أن ما ذكره في الجامع أصح، اهـ". بحر: ۸۸/۷ (۱)۔

اگر پہلے طلاق دومرتبہ واقع ہوچکی ہے تو صرف ایک مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہوجائے گی۔ عورت نے چونکہ خود تین طلاق کو بصیغۂ ماضی سنا ہے اس لئے اس کو ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ بغیر حلالہ کے شوہر کو اپنے اوپر قابو دے۔ جو صورت بھی اس سے بچنے کی ممکن ہے اس کو اختیار کرے۔ ایسے مسائل میں عورت خود قاضی کا حکم رکھتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۲/۶۰ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

گواہوں کے باوجود شوہر کا طلاق سے انکار

سوال [۶۴۷۰]: زینب کہتی ہے کہ خالد میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دیدی، خالد انکار کرتا ہے، زینب کی تصدیق تین چار شخص کرتے ہیں۔ شرعاً کس کی تصدیق کی جائے گی؟

(۱) (البحر الرائق: ۱۳۶/۷، ۱۳۷، کتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل، رشيديه)

(۲) "والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه، أو شهد به شاهد عدل عندها". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۴/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲۵۱/۳، باب الصريح، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۸۹/۳، باب الطلاق، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زینب کے یہ گواہ عادل اور معتبر ہیں تو زینب کی تصدیق کی جاوے گی (۱) اور اگر معتبر اور عادل نہیں ہیں، ان کی گواہی زینب کے حق میں مقبول نہیں تو خاوند کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (۲)۔ اگر زینب نے خود تین طلاق کا سنا ہے، یا اسے کم از کم ایک معتبر عادل شخص نے سنا ہے جس کو اس نے زینب سے بیان کیا ہے، تو پھر زینب کو جائز نہیں کہ خالد کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے بچنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے (۳)، لیکن دوسری جگہ نکاح جب درست ہوگا کہ خود خالد تین طلاق کا اقرار کرے، یا کم از کم دو عادل معتبر شخص تین طلاق کی شہادت دیں، یا حاکم مسلم با اختیار طلاق یا تفریق کا حکم کردے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۷/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً وجحد الزوج والمرأة ذلک، فرق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوىٰ". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۵۷۲، الشهادة والدعوىٰ والخصومة في الطلاق، ادارة القرآن، کراچی)

(وکذا في رد المحتار على الدر المختار: ۳/۲۲۴، ۲۲۵، باب الرضاع، رشيديه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۶۱، کتاب الشهادات، مکتبه غفاريه کوئٹه)

(۲) "ففي كل موضع يصدق الزوج على نفي النية إنما يصدق مع اليمين". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۳۲۵، باب الکنايات، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فتح القدير: ۴/۷۳، باب طلاق غير المدخول بها، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلک، أو شهد به شاهد عدل عندها".

(الفتاویٰ العالمکيرية: ۱/۳۵۴، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وکذا في تبيين الحقائق: ۳/۴۱، باب الطلاق، دار الکتب العلمية، بيروت)

(وکذا في رد المحتار: ۳/۲۵۱، باب الصريح، مطلبٌ: الصريح نوعان: رجعي و بائن، سعيد)

(۴) "سمعت من زوجها أنه طلقها و لا تقدر على منعه من نفسها ...... ترفع الأمر للقاضي. فإن حلف ولا بينة، فالإثم عليه ...... وفيها: شهدا أنه طلقها ثلاثاً، لها التزوج بآخر للتحليل لو غائباً، قلت: يعني =

طلاق کے گواہوں میں اختلاف

سوال[۶۴۷۷] : زید کا والد ہے، جس پر علمائے کرام کا فتویٰ طلاقِ مغلظہ کا ہو چکا ہے، اس کے بعد ہندہ کے والد چند اشخاص کے ساتھ زید کے گھر پہونچے، زید باہر جا چکا تھا۔ زید کے والد سے ہندہ کے والد نے رخصتی کے بارے میں کہا اور کہا کہ فتویٰ آچکا ہے تو ہم ہندہ کو رکھیں گے، اس پر ہندہ کے والد نے کہا کہ فتویٰ آ گیا ہے، اب اس میں کوئی گنجائش کا موقع نہیں ہے۔ اس پر زید کا والد زید کے یہاں چند اشخاص کے ساتھ پہونچا، زید موجود تھا، زید سے جب دریافت کیا گیا تو زید نے کہا کہ ہم کو مطلق یاد نہیں ہے۔ ایک لڑکا عتیق کے کہنے پر کہ تم نے تین طلاق دیدیا ہے تو مولانا سے فتویٰ معلوم کیا گیا تو مولانا نے کہا کہ یہ طلاق مغلظہ ہوگئی تو ہم لوگوں نے کہا کہ رخصتی کر دیں، رخصتی نہیں ہوئی، ہم لوگ واپس گئے۔

یہ زید کا بیان ہے کہ ہمارے والد کا بیان ہے کہ دو طلاق دیا ہے۔ اور گواہ محمد عتیق کا کہنا ہے کہ تین طلاقیں دیا ہے اور ہم کو کچھ یاد نہیں۔ اس پر علمائے کرام نے رجوع کرنے کا فتویٰ دیدیا، جب رجوع کرنے کا خبر ہندہ کو ہوئی تو ہندہ کے والد پہنچے اور محلے کے دو چار آدمیوں کے سامنے رجوع کرنے کو غلط قرار دیا اور زید کے والد نے کہا کہ دو طلاق دیا ہے، اس پر ایک گواہ بھی ہے۔ ہندہ کے والد رضامندی وغیرہ کے ساتھ ہندہ کو اپنے یہاں لے آئے اور ہندہ ابھی تک یہیں ہے۔ اب زید کے والد اور زید کا سخت تقاضا ہے کہ رخصتی کر دیں۔ ہندہ کے والد پس وپیش کر رہے ہیں کہ کس فتویٰ پر عمل کیا جائے۔ براہ کرم آپ مطلع فرمادیں کہ اس بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاقِ مغلظہ پر اگر شرعی شہادت موجود نہیں، نہ شوہر کو اقرار ہے، نہ بیوی نے خود سنا ہے تو طلاقِ مغلظہ کا حکم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اندرونِ عدت رجعت کا اختیار ہوگا(۱)، اگر عدت گزر چکی ہے تو طرفین کی رضامندی

= دیانۃً، والصحیح عدم الجواز، قنیۃ". (الدر المختار). "فإنه إذا حل لها التزوج بإخبار ثقة، فيحل لها التحليل هنا بالأولى .... فتصحيح عدم الجواز هنا مشكلٌ، إلا أن يحمل على القضاء وإن كان خلاف الظاهر، فتأمل". (رد المحتار: ۴۲۰/۳، ۴۲۱، باب الرجعة، مطلب: الإقدام على النكاح إقرار بمضي العدة، سعيد)

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته رجعيةً أو تطلقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". =

سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہوگی، حلالہ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

جھوٹے گواہوں سے طلاق کا ثبوت

سوال [۶۴۷۸]: اگر کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق نہ دے اور عورت جھوٹ موٹ، طلاق کے ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور جھوٹے جھوٹے گواہان کو شہادت میں پیش کرے اور عدالت اس پر وقوع طلاق کا فیصلہ دیدے اور حقیقت یہ ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ہے تو عدالت کے فیصلہ کے بعد اس عورت کا نکاحِ ثانی کرنا عندالشرع وعنداللہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور جب کہ عورت کو طلاق کے نہ ہونے کا قطعی علم ہے تو عدالت کے اس فرضی فیصلہ کے بعد عورت اپنا نکاحِ ثانی کے بعد حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر فعلِ حرام کی مرتکب ہوگی یا نہیں؟ مفصل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے کہ قضاء ظاہراً وباطناً نافذ ہوتی ہے، جس کا تقاضہ یہی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں نکاحِ ثانی بعد عدت شرعاً درست ہو اور حقوقِ زوجیت کو حرام قرار نہ دیا جائے (قاضی کا مسلم ہونا ضروری ہے پس عدالت غیر مسلم کا فیصلہ ایسے مسائل میں نافذ نہیں)۔ صاحبین کے نزدیک قضاء صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے، درمختار میں اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ شیخ ابن ہمام نے امام صاحب کے قول کو قوی کہا ہے اور

= (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۹۴، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار على الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۶۲، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

متون میں بھی قولِ امام منقول ہیں:

"وينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهراً وباطناً، والقاضي غير عالم بزورهم في العقود: كبيع، ونكاح، والفسوخ: كإقالة، وطلاق، لقول عليّ رضي الله تعالى عنه لتلك المرأة: "شاهداك زوّجاك". وقالا، وزفر، والثلاثة: ظاهراً فقط، وعليه الفتوى، شرنبلالية عن البرهان، اهـ". درمختار۔

"(قوله: والفسوخ) أراد بها ما يرفع حكم العقد، فيشمل الطلاق. ومن فروعها: ادّعت أنه طلقها ثلاثاً، وهو ينكر وأقامت بينة زور فقضى بالفرقة، فتزوجت بآخر بعد العدة، حل له وطؤها.......... ولا يحل لها تمكينه، بحر، اهـ. (قوله: وعليه الفتوى) نقله أيضاً في القهستاني عن الحقائق، وفي البحر عن أبي الليث: لكن قال: وفي الفتح عن النكاح: وقول أبي حنيفة هو الوجه، قلت: وقد حقق العلامة قاسم في رسالته قول الإمام بما لامزيد عليه، ثم أورد إشكالاً وأجاب عنه، فعليك بالفتوى، اهـ". ردالمحتار(۱)۔

وقال في مجمع الأنهر: "وفي القهستاني: إذاقضى القاضي بشهود زور أنه طلقها ثلاثاً، ثم تزوجت بزوج بعد العدة، فإنه يحل له الوطي ظاهراً وباطناً، وأما عندهما فيحل له، ولايحل للثاني إذا علم. وعن أبي يوسف: أنه يحل للأول سراً، وعن محمد مالم يدخل بها الثاني، اهـ" قال في سكب الأنهر: "فالمراد بالنفاذ ظاهراً تسليمها له، وبالنفاذ باطناً حل الجماع، اهـ"(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، ۲/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۴۰۵، ۴۰۶، كتاب القضاء، مطلب في القضاء بشهادة الزور، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر مع سكب الأنهر ۳/۲۳۷، ۲۳۸، كتاب القضاء، المكتبة الغفاريه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۵/۱۲۲، كتاب أدب القاضي، نوع في علمه، رشيديه)

طلاق کا ثبوت گواہوں سے

سوال[۶۴۷۹]: لوگ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی، جب کہ زید سے دریافت کیا گیا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نسبتی بھائیوں کے ساتھ جھگڑا کر کے اپنی بیوی کو کیا کہا وہ مجھ کو یاد نہیں اور جب کہ ان کی بیوی سے وہ بات دریافت کی گئی تو وہ کہتی ہے کہ میرے خاوند نے مجھے مارنے کی وجہ سے میں اس وقت رو رہی تھی، اس حالت میں اس نے مجھ کو کیا کہا میں نے نہیں سنا، بعد ازاں لوگ کہتے ہیں کہ تیرے خاوند نے تجھے طلاق دیدی۔

۱-منشی عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ: میں رونے کی آواز سن کر زید کے مکان گیا تھا، اس وقت اس نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ ''تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، خدا کے فضل سے تجھ کو بائن طلاق دیدیا''۔ یہ شاہد نماز پڑھتے ہیں۔

۲-نواب علی کہتے ہیں کہ میں نے جھگڑے کے وقت زید کے مکان میں رہ کر تمام واقعہ کا معائنہ کیا، وہ کہتے ہیں کہ ''تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، خدا کے فضل سے تجھ کو طلاق یہاں تک کہ تجھ کو بائن طلاق دیدیا''۔ دریافت کے بعد یہ گواہ کہتے ہیں کہ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں، مگر جمعہ نہیں پڑھتا ہوں۔

۳-روشن علی کہتے ہیں کہ: میں جھگڑا سن کر زید کے مکان جا کر سنتا ہوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ''تجھ کو طلاق، خدا کے فضل سے تجھ کو طلاق، تجھ کو بائن طلاق دے دیا''۔ دریافت کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میں نماز نہیں پڑھتا ہوں۔

۴-حیدر علی کہتے ہیں کہ: میں مکان کے اتر طرف درخت کے نیچے رہ کر سنتا ہوں کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ ''خدا کے فضل سے تجھ کو طلاق''۔ نماز کے متعلق دریافت کرنے سے وہ کہتے ہیں کہ حضور میں باقاعدہ نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں۔

۵-کالا میاں کی بیوی کہتی ہے کہ: جھگڑا تمام ہونے کے بعد زید نے اپنی منکوحہ کو کہا ہے کہ ''تجھ کو طلاق دے دی، طلاق دے دی، خدا کے فضل سے تجھ کو بائن طلاق دیدی''۔ نماز کے متعلق دریافت کرنے سے وہ کہتی ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں، اور واقعی یہ نماز پڑھتی ہے۔

۶-رجب علی کی بیوی کہتی ہے کہ: زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ ''تائی اے طلاق دیلام، تائی اے طلاق دیلام، تائی اے طلاق بائن دیلام'' یعنی ''میں نے اس کو طلاق دیدی، اس کو طلاق دیدی، اس کو طلاق بائن،

دیدی''۔ دریافت کے بعد وہ کہتی ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتی ہوں۔

۷- زید کے والد کہتے ہیں کہ: طلاق دینے کی بابت میں نے کہیں نہیں سنی۔ وہ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

۸- زید کے خسر کہتے ہیں کہ: وہ میری لڑکی کے ساتھ جھگڑا کرنے کی وجہ سے اس کے مقابلہ کرنے کے لئے میرے لڑکے سب گئے تھے، اس اثناء میں مَیں وہاں جا کر دیکھتا ہوں، میرے بھائی کے سر پر خون ہے یعنی زید کے والد کے سر پر، اس وقت میں نے اپنے لڑکوں کو وہاں سے ہٹا دیا، لیکن طلاق کے متعلق میں نے کوئی بات نہیں سنی۔ یہ شخص نماز پڑھتے ہیں۔

۹- الطاف علی کہتے ہیں کہ: میں نے زید سے دریافت کیا کہ تم کس بارے میں جھگڑا کرتے ہو، ''کچھ نہیں'' یہ کہہ کر زید نے مجھ کو دھکا دے کر گرا دیا، مگر طلاق دینے کی کوئی بات میں نے نہیں سنی۔ وہ نماز پڑھتے ہیں۔

۱۰- عبدالغنی کہتے ہیں کہ: زید نے اپنی بیوی اور نسبتی بھائیوں کے ساتھ جھگڑا کر کے کہتے ہیں کہ ''تجھ کو میں طلاق دوں گا، تجھ کو میں طلاق دوں گا''۔ یہ شخص نماز پڑھتے ہیں۔

۱۱- انصر علی کہتے ہیں کہ: میں جھگڑا سن کر ان کے مکان میں جا کر دیکھتا ہوں کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ ''تجھ کو طلاق دوں گا''۔ یہ شخص بھی نماز پڑھتے ہیں۔

۱۲- عبداللہ کی والدہ کہتی ہے کہ: زید نے ان کی بیوی کو کہا کہ ''تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق دوں گا''۔ یہ عورت نمازی ہے۔

نوٹ: زید کہتے ہیں کہ ہمارے مکان کے متصل جانب مغرب میں جو زمین ہے اس کو لیکر نواب علی کے ساتھ کئی مرتبہ جھگڑا ہوا تھا اور چند نمبر مقدمہ بھی ان کے ساتھ ہوئے ہیں، اس وجہ سے وہ میرے خلاف شہادت دیتے ہیں، اور میرے بھائی کالا میاں کی بیوی کے ساتھ مکان کا حصہ لیکر جھگڑا کر کے میں نے ان کو مارا تھا اسی وجہ سے وہ بھی میرے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

اب خدمتِ اقدس میں گذارش ہے کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ باَدلہ مع حوالۂ کتب تحریر فرمادیں۔ اور کسی مولوی صاحب نے کہا کہ صورت مذکورہ میں زید کی منکوحہ پر طلاق نہیں ہوئی، اس بنا پر زید اپنی منکوحہ کے ساتھ تقریباً دو سال تک سے اوقات گزار رہا ہے، اس اثناء میں ان کا ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے۔ اگر

طلاق واقع ہوگئی تو اس صورت میں شرعاً اس پر کیا حکم عائد ہوگا اور مولوی صاحب پر کیا؟ بینوا توجروا۔

بندہ: عثمان غنی غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نواب علی اور کالا میاں کی بیوی نے تو مخالفت کی وجہ سے شہادت دی ہے، مگر منشی عبدالرحمٰن، روشن علی، اور حیدر علی اور رجب علی کی بیوی نے کیوں شہادت دی؟ اگر ان دو گواہوں میں سے کم از کم دو گواہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بھی عادل ہیں تو ان سے طلاق کا ثبوت ہو جائے گا (۱)، ان کے واقعی حالات کی تحقیق کر لیجائے۔ اور اگر مرد کو یاد نہیں رہا کہ غصہ میں کیا کہا تو اس کو دو عادل گواہوں کے قول پر اعتماد کرنا کافی ہے:

"قال في الولوالجية: إن كان بحال لو غضب، يجري على لسانه ما لا يحفظه بعده، جازله الاعتماد على قول الشاهدين، اهـ". رد المحتار (۲)۔

اگر عورت کو خود سننا یاد نہیں اور کم از کم دو عادل گواہوں نے اس کے سامنے تین طلاق کو بیان کر دیا ہے تو اس کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی طرح زید کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سے علیحدہ رہے (۳)، صورتِ مسئولہ میں تو گواہ موجود ہیں۔ اگر بالفرض گواہ گواہی دینے کے بعد کہیں غائب بھی ہو جائے اور باقاعدہ

---

(۱) "والرضاع حجته حجة المال، و هي شهادة عدلين أو عدل و عدلتين ..... و هل يتوقف ثبوته على دعوى المرأة؟ الظاهر لا، لتضمنها حرمة الفرج، و هي من حقوقه تعالى، كما في الشهادة بطلاقها". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۲۴/۳، ۲۲۵، باب الرضاع، سعيد)

(و كذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵۷۲/۳، الشهادة والدعوى والخصومة في الطلاق، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۲۶۱/۳، كتاب الشهادات، مكتبة غفاريه، كوئٹه)

(۲) (ردالمحتار: ۲۴۴/۳، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵۷۲/۳، الشهادة والدعوى والخصومة في الطلاق، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل، لايحل لها تمكينه". (ردالمحتار: ۲۵۱/۳، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۴۸/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۱/۳، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالكتب العلميه، بيروت)

عورت حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے تفریق نہ کرا سکے تب بھی عورت کو اس کے پاس رہنا درست نہیں، بلکہ ہر ممکن تدبیر سے علیحدہ رہنا واجب ہے:

"وإذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان أن زوجها طلقها ثلثاً، وهو يجحد ذلك، ثم ماتا أو غابا قبل أن يشهدا عند القاضي، لم يسعها أن تقوم معه، وأن تدعه يقربها، الخ". عالمگیری(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٩/١/٥٥ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

ورثائے زوج کا دعوائے طلاق اور گواہی

سوال[٦٢٨٠]: ایک شخص کے پاس اس کی عورت عرصۂ دراز تک رہتی رہی، بیماری میں اس کی خدمت بھی کی، اس کی خدمت گزاری اور ازدواجی تعلقات کے گواہ بھی موجود ہیں اور اس کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں، مرد نے اپنے مرض میں اس کے جملہ حقوق کو تسلیم کر کے بھائیوں سے سلوک کرنے کی وصیت بھی کی، لیکن بعد وفات شوہر اس کے وارث عورت کا ترکہ و دینِ مہر غصب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس کی عورت کو تقریباً ٨/ سال ہوئے شوہر طلاق دے چکا ہے۔ ایسی صورت میں ورثاء کا قول بطلاق قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ورثائے شوہر نے آٹھ سال تک اگر طلاق کی شہادت کو چھپایا ہے اور باوجود طلب کے شہادت نہیں دی تو وہ اس کتمان اور تاخیر بلا عذر کی وجہ سے فاسق ہوگئے:

"كتمان الشهادة كبيرة، ويحرم التأخير بعد الطلب". أشباه، ص: ٣٢٩(٢)۔ "شاهد

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة: ١/٤٧٥، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣/٢٢٥، باب الرضاع، سعيد)

(٢) (الأشباه والنظائر، ص: ٢٢٥، الفن الثاني: الفوائد، كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ٤٥٢/٥، كتاب الشهادات، رشيديه) .... =

الحسبة إذا أخر شهادته لغير عذر، لايقبل لفسقه، كمافي القنية". أشباه، ص: ۳۱۳(۱)۔

نیز ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں، نیز مسلمان کے فعل کو حتی الوسع صحیح وحلال محمل پر حمل کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے:"حمل فعل المسلم على الصحة والحل واجبٌ ما أمكن". مبسوط سرخسی: ۷۲/۱۷(۲)۔

لہٰذا ان دونوں کے تعلقات کو ناجائز نہ کہا جائے گا۔ اگر ورثائے شوہر کے قول کو صحیح بھی مانا جائے تو ہوسکتا ہے کہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو، اس کے بعد رجوع کرلیا ہو، یا طلاقِ بائنہ دی ہو مگر دوبارہ نکاح کرلیا ہو جس کا ورثائے شوہر کو علم نہ ہو، لہٰذا اس صورت میں عورت حصۂ شرعیہ وراثت کی مستحق ہوگی۔

اگر مہر معاف نہیں کیا ہے تو مہر کی مستحق ہوگی (۳) اور دینِ مہر وراثت پر مقدم ہوگا (۴)، البتہ اگر ورثائے شوہر طلاقِ مغلظہ وعدمِ حلالہ کی شہادت دیتے ہیں اور ۸/ سال ہوئے یعنی طلاق کے وقت بھی شہادت دے چکے تھے اور ان میں شرائطِ شہادت: عدالت ومروت وغیرہ بھی موجود ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی اور عورت وراثت کی مستحق نہ ہوگی، دینِ مہر کی اس صورت میں مستحق ہوگی بشرطیکہ معاف نہ کیا ہو۔ اور ورثائے شوہر

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۱۴۲/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۲۱۷، الفن الثاني: الفوائد، كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، قديمي)

(۲) (المبسوط للسرخسي، كتاب الدعوى، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلك: ۷۳/۱۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۰۳/۱، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۱۰۲/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۸۴/۲، بيان ما يتأكد به المهر، رشيديه)

(۴) "ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد". (الدر المختار: ۷۶۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۶/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۲/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

کے مقابلہ میں دوسرے گواہ عدم طلاق کے عادل موجود ہیں تو ان کو ترجیح ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۶/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/محرم/۵۴ھ۔

تین طلاق میں زوجین کا اختلاف ہو تو گواہوں کی ضرورت

سوال [۶۴۸۱]: ایک عورت بالغہ جس کے پاس گود میں ایک لڑکی نابالغہ ہے، وہ کہتی ہے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق زبانی دیدی ہے، وہ اپنے والدین کے گھر ہے، اس کے ورثاء اس کی تکمیل کے واسطے قومی پنچایت میں پہونچے۔ ایک حافظ امام مسجد اور ایک عورت یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے مرد نے یہ کہا کہ ”میں نے تین دفعہ طلاق دیا“، بلکہ امام مسجد یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ آدمی اپنی چارپائی پر پڑا تھا، جب میں پاس آیا تو وہ آدمی بیٹھ گیا تھا۔

ایک دوسری عورت اور دوسرا آدمی جو اس موقعہ پر اپنی موجودگی بتلاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس آدمی نے یہ کہا تھا کہ ”ایسی عورت کو طلاق دیدوں“۔ ان گواہان میں فریقین کے رشتہ دار بھی ہیں۔ خاوندِ عورت نے اپنے جواب میں بتلایا کہ اس نے طلاق نہیں دیا، میں بیمار تھا، شاید اس حالت میں کہا ہو۔

مہربانی فرما کر جواب سے مشکور فرماویں کہ اندریں صورت کیا طلاق واقع ہوگئی؟

۲۰/فروری، ضلع انبالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں مرد طلاق کا منکر ہے اور عورت مدعیہ ہے، لہٰذا شرعی ثبوت کی ضرورت ہے یعنی جب تک کم از کم دو عادل یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورت گواہی نہ دیں، اس وقت تک قضاءً طلاق کا ثبوت

---

(۱) "قال هشام: سألت محمداً –رحمه الله تعالىٰ– عن امرأة ادّعت أن هذا الرجل تزوجها بالكوفة منذ سنة على القين، وأقامت على ذلك بينة، وأقام الزوج بينةً أنه تزوجها بالبصرة منذسنتين على ألف، قال: البينة بينة المرأة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر: ۱/۳۲۲، رشيديه)

نہ ہوگا(۱)۔ امام مسجد اور ایک عورت تو تین دفعہ طلاق کی گواہی دیتے ہیں (اگر چہ وہ بھی صرف یہ الفاظ مرد کے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تین دفعہ طلاق دیدیا) اور اس کا ذکر نہیں کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا(۲)۔ دوسرا آدمی اور دوسری عورت یہ بیان نہیں کرتے کہ طلاق دیدی ہے بلکہ یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ ایسی عورت کو طلاق دے دوں، ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی (۳)۔ نیز اس میں تین دفعہ کا ذکر بھی نہیں، پس ایسی صورت میں قضاءً طلاق واقع نہ ہوگی۔

لیکن اگر عورت نے خود تین دفعہ طلاق کو سنا ہے، یا تین طلاق کے گواہوں کا اس کو یقین ہے اور ان کو سچا سمجھتی ہے تو اس کو جائز نہیں کہ کسی طرح سے اس مرد کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ جس تدبیر سے ممکن ہو اس سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعاً: "لكن البينة على المدعي، واليمين على من أنكر". هذا الحديث قاعدة شريفة كلية من قواعد أحكام الشرع، ففيه أنه لايقبل قول الإنسان فيما يدعيه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى بينة أو تصديق المدعى عليه، فإن طلب يمين المدعىٰ عليه فله ذلك". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوٰة المصابيح: ۳۲۶/۷، كتاب الإمارة والقضاء، (رقم الحديث: ۳۷۵۷)، رشيديه)

"وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج والمرأة ذلك، فرّق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوىٰ". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۵۷۲/۳، الشهادة والدعوى والخصومة في الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۲۲۴/۳، ۲۲۵، باب الرضاع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۶۱/۳، كتاب الشهادات، غفاريه كوئٹه)

(۲) "رجل قال: طلقت امرأةً، أو قال: امرأة طالق، ثم قال: لم أعن امرأتي، يُصدّق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۰/۳، ۲۸۱، نوع في الإيقاع بطريق الإضمار، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "طلاق میکنم، طلاق میکنم" وكرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: "کنم" (سأطلق)؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸۴/۱، فصل في الطلاق بالألفاظ الفارسيه، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۳۱۹/۳، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵۴۵/۳، باب تفويض الطلاق، رشيديه)

علیحدہ رہے (۱)، لیکن جب تک وہ مرد تین طلاق کا اقرار نہ کرے، یا دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے باقاعدہ طلاق کا ثبوت ہو کر عدت نہ گزر جائے اس وقت تک عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والمرأة كالقاضي لايحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهد به شاهد عدل عندها".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۴، الفصل الأول فی الطلاق الصريح، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۳/۴۱، باب الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی ردالمحتار: ۳/۲۵۱، باب الصريح، مطلب الصريح نوعان: رجعي وبائن، سعيد)

(۲) "سمعت من زوجها أنه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها .... ترفع الأمر إلى القاضي، فإن حلف ولا بينة، فلا إثم". (الدرالمختار). "فإنه إذا حل لها التزوج بإخبار ثقة، فيحل لها التحليل هنا بالأولیٰ. .... فتصحيح عدم الجواز هنا مشكل، إلا أن يحمل على القضاء وإن كان خلاف الظاهر، فتأمل". (ردالمحتار: ۳/۴۲۰، ۴۲۱، باب الرجعة، مطلب: الإقدام على النكاح إقرار بمعنى العدة، سعيد)

باب الظهار والإيلاء

(ظہاراور ایلاء کا بیان)

ظہار

سوال[۶۴۸۲]: ایک شخص کو اپنی بیوی پر چند علامات سے زناء کا شبہ ہوا، شوہر بیوی سے ناراض ہوگیا، بیوی نے وجہ دریافت کی، شوہر نے کچھ نہیں کہا، غصہ میں صرف یہ الفاظ کہے: ''جا مجھ کو تیری ضرورت نہیں، تُو میرے لئے میری ماں بہن جیسی ہے اور میں تجھ کو طلاق دے چکا''۔ شوہر نے جو یہ الفاظ ادا کئے: ''تو میرے لئے میری ماں بہن جیسی ہے'' مطلب یہ تھا کہ جیسے ماں، بہن حرام ہوتی ہے تو بس آئندہ کے لئے میرے واسطے حرام ہے۔ بعد میں شبۂ زنا دور ہوگیا، اب شوہر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شوہر نے دو لفظ کہے ہیں: پہلا لفظ موجبِ ظہار ہے (۱)، دوسرا موجبِ طلاق (۲)، لہٰذا اگر

---

(۱) "لو قال: أنت عليّ حرام كظهر أمي، فإن نوى الظهار أو لا نية له أصلاً، فهو ظهار. وإن نوى الطلاق، لا يكون إلا ظهاراً في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (بدائع الصنائع: ۹/۴، كتاب الظهار، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶۲/۴، باب الظهار، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۴، مسائل الظهار وكفارته، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "صريحه مالم يستعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق، ومطلقة". (الدر المختار: ۲۴۷/۳، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۹/۳، باب الطلاق، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۴/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

اس کو زوجہ بنا کر رکھنا چاہتا ہے تو اولاً کفارۂ ظہار ادا کرے یعنی دو مہینے لگاتار روزے رکھے، اس کی وسعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ پھر اگر عدت ختم نہ ہوئی ہو رجعت کرلے(۱)، ورنہ دوبارہ نکاح کرلے(۲)۔

لقوله تعالی: ﴿الذين يظاهرون من نسائهم، ثم يعودون لماقالوا، فتحرير رقبة من قبل أن يتماسا﴾ الآية(٣)۔ ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف﴾ الآية(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے ظہار

سوال[۶۲۸۳]: ۱.....ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ ”میں نے اپنی بیوی کو ایک موقع پر خوشی کے مارے ”آپا“ (بمعنی بہن) اور دوسرے موقع پر فرطِ محبت میں ”بیٹا“ (بمعنی بیٹی) یا لڑکی یا فقط ”بیٹی“ کہہ دیا“۔

---

(۱) ”وإذاطلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعهافي عدتها، رضيت بذلك أولم ترض“. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذافي الهداية: ۲/۳۹۴، باب الرجعة، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها“. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل المطلقة: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (سورة المجادلة: ۳، ۴)

”هي تحرير رقبة، فإن لم يجد مايعتق، صام شهرين متتابعين قبل المسيس، فإن عجز عن الصوم أطعم ستين مسكيناً“. (الدرالمختار: ۳/۴۷۲، ۴۷۸، باب الكفارة، سعيد)

(وكذافي الفتاویٰ التاتاخانية: ۴/۸، مسائل الظهار وكفارته، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۰۶، ۲۱۸، باب الكفارة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (سورة البقرة: ۲۲۹)

تو کیا اس سے ظہار ہو جائے گا؟ اور کفارہ دینا ہوگا اور آسان کفارہ غریب کے لئے کیا ہے؟

مسئلۂ ظہار کے بارے میں اور کفارہ کے وجوب کے بارے میں ضابطہ کلیہ مطلوب ہے جو ہر جزئیات پر مطلع کریں۔ نیز طلاق کنایہ کے بارے اردو میں کونسے الفاظ ایسے ہیں جن کی بناء پر طلاقِ بائن ہو جاتی ہے، مثلاً ''اب میرے گھر نہ آنا، اپنے ہی گھر رہنا، ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں، تم اپنے گھر چلی جاؤ'' وغیرہ سے طلاق بائن ہوگی یا نہیں؟

۲...... اگر مذاکرۂ طلاق کے وقت کوئی شخص یہ کہے ''دیا دیا دیا'' تو طلاق مغلظہ ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح بغیر مذاکرۂ طلاق کہے تو کیا صورت ہوگی؟ یا ایک طلاق دیا اور پھر نقلِ طلاق کے وقت بڑی شدت سے کہا: ''میں طلاق دیا دیا دیا'' یا صرف ''دیا دیا دیا'' کہا تو مغلظہ ہوگی یا نہیں؟ اس کے بارے میں ضابطۂ کلیہ مطلوب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اس سے ظہار نہیں ہوتا، لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے: "ويكره قوله: أنت أمي، ويا ابنتي، ويا أختي ونحوه، اهـ". درمختار۔ "جزم بالكراهة تبعاً للبحر والنهر. والذي في الفتح: وفي أنت أمي لا يكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۵۵۷(۱)۔

ظہار کے لئے تشبیہ لازم ہے: "الظهار تشبيه المسلم زوجته، أوجزء شائع منها بمحرم عليه تأبيداً، اهـ". درمختار (۲)۔ جب ظہار نہ ہوا تو کفارہ لازم نہیں۔

۲...... جو لغۃً طلاق کیلئے موضوع نہ ہو، اگر بیوی کے حق میں بطورعرف غالب کے طلاق کے لئے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۷۰، باب الظهار، مطلب: بلاغات محمد رحمه الله تعالىٰ مسندة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/ ۱۶۵، باب الظهار، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/ ۲۵۲، باب الظهار، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (الدر المختار: ۳/ ۴۶۶، باب الظهار، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/ ۱، الفصل الرابع والعشرون في مسائل الظهار، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۱۹۷، باب الظهار، دار الكتب العلمية، بيروت)

مستعمل ہوتا ہو، وہ کنایہ بمنزلۂ طلاق کے ہیں، جیسے لفظ ''چھوڑ دی'' اور'' آزاد کردی''۔ اس سے بغیر نیت ہی ہمارے عرف میں طلاقِ رجعی ہوگی اور تین دفعہ کہنے سے مغلظہ ہوجائے گی (۱)۔ اور جو لفظ غالب استعمال میں طلاق کے لئے نہ ہو، مگر اس سے طلاق بھی مراد ہوتی ہو اور غیر طلاق بھی تو اس سے نیت یا قائم مقامِ نیت پائے جانے پر طلاقِ بائن کا حکم ہوگا ورنہ نہیں جیسے: ''جا، دور ہو، اپنے باپ کے گھر جا کر رہ، تجھ کو جدا کردیا، مجھے تم سے کوئی مطلب نہیں'' وغیرہ وغیرہ (۲)۔

بہشتی زیور جلد چار میں دیکھئے، اگر عورت نے کہا کہ مجھے تین طلاق دے دو اور اس کے جواب میں شوہر نے کہا کہ ''دیا دیا دیا'' تو طلاقِ مغلظہ ہوگی (۳)، اگر سوال میں لفظ تین کا نہیں تھا تب بھی ایک قول پر یہی حکم ہے:

''ولوقال: ''مراطلاق کن'' فقال الزوج: ''کردم، کردم، کردم'' طلقت ثلاثاً، اھ''. مجموعة النوادر، ص: ۴۷۰ (٤)۔ بغیر مذاکرہ طلاق کے لفظ ''دیا'' تین مرتبہ کہنے سے اگر نیت ایک ہی طلاق کی ہو اور دوسرا تیسرا لفظ محض تاکید کے لئے کہا ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (۵)۔ نقلِ حکایت

---

(۱) ''ثم فرق بينه وبين سرحتک، فإن سرحتک كناية، لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذاقال: ''رہا کردم'': أي سرحتک، يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذاک إلالأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق، وقد مرأن الصريح مالم يستعمل إلافي الطلاق من أي لغة كانت''. (ردالمحتار: ۲۹۹/۳، باب الكنايات، سعيد)

(۲) ''كنايته عند الفقهاء مالم يوضع له واحتمله وغيره، فالكنايات لاتطلق بهاقضاءً إلابنية أودلالة الحال''. (الدرالمختارعلى تنوير الأبصار: ۲۹۶/۳، ۲۹۷، باب الكنايات، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳۰۳/۳، الفصل الخامس في الكنايات والمدلولات، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۷/۱، فصل في الكنايات والمدلولات، رشيديه)

(۳) ماوجدنا المسئلة المذكورة في هذا الكتاب.

(۴) ''مراطلاق کن، مراطلاق کن، مراطلاق کن'' فقال: ''کردم کردم کردم''، تطلق ثلاثاً''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸۳/۱، ۳۸۴، الفصل في السابع الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(۵) ''رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيت بالأولى الطلاق، وبالثانية =

کے وقت بار بار کہنے سے جدید طلاق نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۸۷ھ۔

بیوی کو بہن کی طرح کہنے کا حکم

سوال[۶۴۸۴]: سلطان صاحب نے اپنی منکوحہ صغری کو بذریعۂ تحریر آگاہ کیا اور لکھ کر بھیجا کہ: ''۶ نومبر ۱۹۶۶ء کی شام کو آفتاب کے غروب سے پہلے اگر تم آگئی تو میری منکوحہ ہے اور اس کے گذرنے کے بعد آئی تو میری ہمشیرہ (بہن) کی طرح ہے اور یہ وقت گذار دیا تو میرا طلاق ہے''۔ چنانچہ منکوحہ شوہر کے یہاں وقت مقررہ پر نہیں گئی اور والد کے مکان پر قیام پذیر ہوئی۔ صغری والدین کے یہاں جس وقت آئی تھی چھ ماہ کا حمل تھا اور اب بچہ کو پیدا ہوئے پانچ ماہ ہو چکے ہیں۔ آیا ان حالات میں طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ طلاق ایک ہی دی ہے تو رجوع کا حق ہے یا نہیں؟

محمد سلطان راجستھان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''بہن کی طرح'' کہنے سے اگر ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہوگیا، اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائنہ ہوگئی، اس لئے کہ یہ لفظ کنایات ظہار میں سے ہے، اس میں نیت کا اعتبار ہوگا (۱)، اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ کلام لغو ہے، البتہ دوسرا لفظ صریح طلاق کا ہے جبکہ عورت وقت مقررہ پر نہیں آئی تو اسے ایک طلاقِ رجعی

= والثالثة إفهامها، صدق ديانةً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۱) "وإن نوى بأنت عليَّ مثل أمي أو كأمي، وكذا لو حذف عَلَيَّ براً أو ظهاراً أو طلاقاً، صحت نيته، ووقع مانواه؛ لأنه كناية. (وإلا) ينوشيأ أو حذف الكاف، (لغا)". (الدرالمختار). "بيان لكنايات الظهار...... وإذا نوى به الطلاق، كان بائناً". (ردالمحتار: ۳/۴۷۰، باب الظهار، مطلب: بلاغات محمد رحمه الله تعالى مسندة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۶۵، باب الظهار، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى التاتارخانية: ۴/۴، مسائل الظهار، إدارة القران كراچى)

واقع ہوگئی (۱)، لیکن اگر پہلے لفظ ''بہن کی طرح'' سے کوئی نیت نہیں کی تھی تو اب عدت ختم (بچہ پیدا ہونے) سے ہی رجعت کا حق باقی نہیں رہا، طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔

اگر ''بہن کی طرح'' کہنے سے طلاق کی نیت کی تھی تو اس سے طلاقِ بائنہ ہوگئی تھی، اس صورت میں بھی اب دوبارہ نکاح درست ہے۔ اگر ظہار کی نیت کی تھی تو اب دوبارہ نکاح کے بعد بھی ظہار ختم نہیں ہوگا، اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ کفارہ یہ ہے کہ دومہینہ مسلسل روزے رکھے اس کے بعد اس سے صحبت وغیرہ کرے، اس سے پہلے درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، یکم/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) ''وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۴۲۰، الفصل الثالث في التعليق، رشيديه)

(وكذافي الهداية: ۲/ ۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه ملتان)

(وكذافي البحر الرائق: ۴/ ۵، باب التعليق، رشيديه)

(۲) ''وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع''. (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/ ۴۰۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/ ۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يظاهرون منكم من نسائهم، ثم يعودون لما قالوا، فتحرير رقبة من قبل أن يتماسا .... فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا، فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً﴾ (سورة المجادلة: ۳، ۴)

''هي (أي الكفارة) تحرير رقبة، فإن لم يجد ما يعتق صام شهرين متتابعين قبل المسيس، فإن عجز عن الصوم، أطعم ستين مسكيناً''. (الدرالمختار: ۳/ ۴۷۲، ۴۷۸، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/ ۸، مسائل الظهار وكفارته، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۰۲، ۲۱۸، باب الكفارة، دارالكتب العلمية بيروت)

بیوی کو بہن وغیرہ کہنا

سوال[۶۴۸۵]: ایک شخص نے اچانک اپنی عورت کوتو (بو بو) بواؤ مجہولہ اور بوقتِ تکلم بلاقصد ونیت ظہار کے کہا تھا اور غلط العوام کی طرح زبان سے نکل گیا تھا، اس کے بعد پھر کسی اَوَرموقع پر پھر دوسری دفعہ اپنی لڑکی کو گود میں لئے بیٹھا تھا کہ اس کی بیوی نے کسی چیز کو خاوند سے مانگا، یا یونہی اس کی بیوی نے خاوند سے مخاطب ہوکر کوئی بات کہی جس کے جواب میں بلاقصد ونیت کسی قسم کے ''ہاں پوتر'' نکل گیا جس کے معنی ہیں بیٹا کے ہیں۔ اب خاوند بیوی میں نزاع شروع ہوا کہ تم نے یہ لفظ کیا واہیات کہا، خاوند نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کو جواب دیا تھا، مگر وہ تمہارے لفظ کے بعد نکلا ہے، تمہیں شبہ ہوگیا کہ میں نے تمہیں کہا ہے، حاشا وکلا میں نے تمہیں نہیں کہا، بلکہ اپنی بیٹی کے الفاظ کے جواب کے مغالطہ میں نکل گیا، میں نے تمہیں کہنے کا قصد بالکل نہیں کیا تھا، گو بالضرور تمہارے الفاظ کے تکلم کے بعد ''ہاں بیٹا'' نکلا ہے مگر بدل الغلط کے طریق پر یہ بات سرزد ہوگئی۔

اب سوال ہے کہ کیا بلاقصدِ ظہار یونہی اپنی بیوی کے حق میں ماں، دادی، یا نانی یا بیٹی کے الفاظ نکل جانے سے یا اس کی کسی بات کے موقعہ پر اپنے کسی بچہ کے مغالطہ میں ایسے الفاظ نکل جانے سے ظہار واقع ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس طرح؟ بحوالہ کتب ودلائلِ شرعیہ تحریر فرما کر ممنون فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں ظہار نہیں ہوا، بلکہ یہ خطاب لغو ہے، بالقصد ایسا خطاب کرنا مکروہ ہے:

"ويكره قوله: أنت أمي، ويا ابنتي، ويا أختي ونحوه، اهـ". درمختار۔ "(وقوله: يكره، الخ) جزم بالكراهة تبعاً للبحر والنهر. والذي في الفتح: وفي "أنت أمي" لايكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروهاً، فقد صرحوا بأن قوله لزوجته: "ياأخية" مكروه. وفيه حديث رواه أبوداؤد: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يقول لامرأته: ياأخية، فكره ذلك، ونهى عنه" ومعنى النهي قربة التشبيه، ولولا هذا الحديث لأمكن أن يقال: هو ظهار؛ لأن التشبيه في: "أنت أمي" أقوى منه مع ذكر الأداة، ولفظ: "يا أخية" استعارة بلاشك، وهي مبنية على التشبيه، لكن الحديث أفاد كونه ليس ظهاراً، حيث لم يبين فيه حكماً سوى الكراهة والنهي، فعلم أنه لابدفي

كونه ظهاراً من التصريح بأداة التشبيه شرعاً، ومثله أن يقول لها: يابنتي أوياأختي ونحوه، ١هـ".

ردالمحتار: ٢/١٥٠(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

بیوی کو بہن کہہ دیا

سوال[۶۴۸۶]: ایک شخص کے ذہن میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہے کہ "تیری بیوی تیری بہن ہے، تُو اس کو بہن کہہ دے"۔ ایک روز اس نے شیطان کو مخاطب کر کے کہا کہ "تجھ کو کیا مطلب ہوگی بہن" تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی؟ اس کا کوئی اثر طلاق پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، زید بالکل بےفکر رہے۔ زبان سے اگر بیوی کو بہن کہہ دے گا تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، شیطان خائب وخاسر رہے گا، لیکن بیوی کو بہن کہنا مکروہ ہے، کہنا نہیں چاہیے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

"اگر بیوی سے صحبت کروں اپنی ماں سے کروں" کہنے کا حکم

سوال[۶۴۸۷]: ایک شوہر نے اپنی بیوی کو سخت غصہ کی حالت میں جس میں اپنا سر خود کئی جگہ سے پھوڑ لیا کہا "اگر میں تجھ سے صحبت کروں، اپنی ماں سے صحبت کروں"۔ (کیا) یہ الفاظ یمین ہیں، کفارہ دینا ہوگا؟ اور کیا طلاق ہوگئی؟ شوہر کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی۔

---

(١) (الدرالمختار مع رد المحتار: ٣/٤٧٠، باب الظهار، مطلب: بلاغات محمد رحمه الله تعالىٰ مسندة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٤/١٦٥، ١٦٦، باب الظهار، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ٤/٢٥٢، ٢٥٣، باب الظهار، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(٢) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "بیوی کو بہن وغیرہ کہہ دیا"۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"لوقال: إن وطئتُك وطئتُ أمي، فلاشيئ عليه، كذافي غاية السروجي، اھ" فتاوی عالمگریہ: ۲/۱٦۲(۱)۔ عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ الفاظِ مذکورہ کہنے سے شوہر پر کوئی کفارہ لازم نہیں، بیوی پر طلاق بھی نہیں ہوئی، اس کا یہ قول لغو ہے:"فلوقال: إن فعلتُ كذا، فأنت أمي، وفعله، فهوباطل إن نوى التحريم". سکب الأنهر: ۱/۴۵۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۸۹ھ۔

بیوی کو بہن کی طرح سمجھنا صیغۂ مستقبل سے

سوال[۲۴۸۸]: ایک شخص نے دو تین مرتبہ اپنی زوجہ کو لڑتے ہوئے کہا کہ "میں آج سے تجھ کو اپنی بہن کی طرح سے سمجھوں گا"۔ایسی صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو پھر دوبارہ کیا صورت ہونی چاہیئے؟

محمد ادریس بقلم خود، دہرہ دون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں یہ لفظ کہ "میں آج سے تجھ کو اپنی بہن کی طرح سمجھوں گا"، مستقبل کا صیغہ ہے اور وقوعِ طلاق وظہار کیلئے ماضی یا حال ہونا ضروری ہے:

"وفي المحيط: لوقال بالعربية: أطلّق، لايكون طلاقاً، إلا إذا غلب استعماله في الحال، فيكون طلاقاً". خلاصہ، ص: ۸۱(۳)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۰۷، الفصل التاسع في الظهار، رشيدية)

(۲) (الدرالمنتقى شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۴۴۸، باب الظهار، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذافي المحيط البرهاني: ۳/۶۱۱، مسائل الظهار، مكتبه غفاريه، كوئته)

(۳) (خلاصة الفتاوى: ۲/۸۱، جنس آخرفي ألفاظ الطلاق، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۸۴، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسيه، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳/۳۱۹، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق: ۳/۵۴۵، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، رشيديه)

لہٰذا اس لفظ سے نہ طلاق واقع ہوگی نہ ظہار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۰/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۳/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

بیوی کو ماں کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۸۹]: ۱..... ایک شخص نے حالتِ غصہ میں آکر اپنی بیوی کو کہا کہ ''تم ہمارے گھر سے نکل جاؤ، تم ہماری ماں ہو اور ہم تمہاری اولاد، اگر تم نہیں جاؤ گی ہمارے گھر سے تو تم کو ماریں گے''۔ بی بی ڈر کر دوسرے کے گھر میں جا کر چھپ گئی، بعدہ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو آئی۔ اب وہ بی بی اس شخص کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ بلکہ چند آدمی یہ سب سخت کلامی کو سنا۔

۲..... دوسرا یہ کہ ایک شخص نے غصہ میں آکر اپنے بی بی سے کہا کہ ''ہم تم کو طلاق دیدیں گے'' بعدہ یہ بھی کہا کہ ''ایک طلاق دو طلاق'' لیکن یہ نہیں کہا کہ ''ہم طلاق دیتے ہیں'' ایسی حالت میں وہ بی بی جائز رہی یا ناجائز، غصہ ٹھنڈا ہونے پر افسوس وصدمہ گذرا کہ ہم نے یہ کیا کیا۔ حضور دونوں صورتوں میں جیسا فتویٰ ہو صاف صاف عنایت ہو۔ فقط۔

مقام پورکھالی ہاٹ، ڈاکخانہ پورکھالی، ضلع پورنیہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''تم ہمارے گھر سے نکل جاؤ'' اس لفظ سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاقِ بائنہ واقع ہوگئی، اگر نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوئی (۱)۔ ''تم ہماری ماں ہو'' اس لفظ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ طلاق بائنہ کی

---

(۱) "وانتقلي وانطلقي كالحقي، وفي البزازية: وفي: الحقي برفقتك، يقع إذانوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۵۲۵، باب الكنايات في الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۷۹، ۸۰، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "ويكره قوله: أنت أمي، ويا ابنتي، ويا أختي ونحوه". (الدر المختار). "(وقوله: يكره الخ) جزم بالكراهة تبعاً للبحر و النهر. والذي في الفتح: وفي: أنت أمي، لايكون مظاهراً". (ردالمحتار: ۳/۴۷۰، =

صورت میں مرد وعورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح درست ہوتا ہے(۱)، بغیر نکاح کے رکھنا جائز نہیں۔

''ہم تم کو طلاق دیدیں گے''، اس لفظ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی (۲) ''ایک طلاق دوطلاق'' کا خطاب اگر بیوی کو کیا ہے تو اس سے طلاق واقع ہوگئی۔ اور لفظ'' دوطلاق'' سے اگر یہ نیت کی ہے کہ ایک طلاق کے علاوہ یہ دوطلاق ہیں تو تین واقع ہوگئیں اور اگر یہ نیت نہیں کی تو پھر دوطلاق ہوئیں۔ دوطلاق کی صورت میں صریح ہونے کی وجہ سے عدت کے اندر رجعت جائز ہے (۳) اور بعد عدت نکاح درست ہے(۴) اور تین طلاق کی صورت میں بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

= باب الظهار، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۱۶۵/۴، باب الظهار، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير: ۲۵۲/۴، ۲۵۳، باب الظهار، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۷۲/۱، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۴۰۹/۳، سعيد)

(۲) "فقال الزوج: ''طلاق ميكنم ،طلاق ميكنم'' وكرر ثلاثاً، طلقت ثلاثاً، بخلاف قوله: ''كنم''، لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸۴/۱، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۱۹/۳، باب تفويض الطلاق، سعيد)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۰/۱، فصل في الرجعة، رشيديه)

(وكذافي الهداية: ۳۹۴/۲، باب الرجعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۱۴۹/۳، باب الرجعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً =

بیوی کو ماں کہنا

سوال[۶۴۹۰]: زید نے غصہ کی حالت میں اپنی عورت کو ماں یا بہن کہا تو کیا حکم ہے؟
ظہیر الدین، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کہنے سے عورت اس پر حرام نہیں ہوئی بلکہ یہ قول لغو ہوا، لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے:

"وإن نوى بأنت عليّ مثل أمي، أوكأمي، وكذا لوحذف "عليّ" —خانية— براً أو ظهاراً أوطلاقاً، صحت نيته، ووقع مانواه؛ لأنه كناية. وإلا ينوشيئاً أوحذف الكاف بأن قال: أنت أمي، لغا، وتعين الأدنى: أي البر يعني الكرامة، فعلم أنه لابد في كونه ظهاراً من التصريح بأداة التشبيه شرعاً. ويكره قوله: أنت أمي، ويا ابنتي، ويا أختي ونحوه". درمختار شامی: ۸۹۱/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/صفر/۵۷ھ۔

شوہر کو باپ کہنا

سوال[۶۴۹۱]: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو کہے کہ "تم میرے باپ ہو" تین مرتبہ، تو عورت وشوہر کا کیا حکم ہوگا؟

= ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۷۳/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۴۰۹/۳، ۴۱۰، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۷۰/۳، باب الظهار، مطلب: بلاغات محمد رحمه الله مسندة، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۱۶۵/۴، باب الظهار، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير: ۲۵۲/۴، ۲۵۳، باب الظهار، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے کوئی حرمت واقع نہ ہوگی، دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے، البتہ ایسے الفاظ کہنا منع اور مکروہ ہے، اس سے پرہیز اور توبہ کر لینی چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

بیوی کو دادی اماں کہنا

سوال[۶۴۹۲]: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے مذاق میں کہہ دیا کہ ''تو تو پوری دادی اماں ہو رہی ہے'' مرد نے عورت کو کسی تعجب خیز بات پر کہہ دیا تھا، حالانکہ شوہر کو بھی ایسا کہنے کی عادت بھی نہیں۔ اب کیا کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں کوئی کفارہ لازم نہیں، نکاح بدستور قائم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۳/۸/۵ھ۔

''تُو میری ماں ہے اور میں تیری اولاد ہوں'' کہنے کا حکم

سوال[۶۴۹۳]: مسماۃ نفیسہ کی عمر گیارہ سال نابالغی کی حالت میں نکاح ورخصت ہوئی، کچھ زمانہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

"وظهارها منه لغو، فلا حرمة عليها ولا كفارة، به يفتى". (الدر المختار: ۴۶۷/۳، باب الظهار، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۵۹/۴، باب الظهار، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۳/۱، باب الظهار، رشيديه)

(۲) "وإن نوى بأنت عليّ مثل أمي براً أو ظهاراً أو طلاقاً، فكمانوى، وإلا لغا: أي وإن نوى بقوله لامرأته: أنت عليّ مثل أمي أحد هذه الأشياء التي ذكرها، فهو كمانوى، وإن لم يكن له نية، فليس بشيئ". (تبيين الحقائق: ۲۰۲/۳، كتاب الطلاق، باب الظهار، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۰۷/۱، الباب التاسع في الظهار، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۴۶۷/۳، باب الظهار، سعيد)

مسماۃ مذکورہ کا اچھا گذرا، کچھ عرصہ کے بعد اس کے شوہر مسمی شہاب الدین نے بحالتیکہ مسماۃ نابالغہ وناقابلِ جماع تھی، جماع کی خواہش کی، اس پر برابر مصر رہا، مسماۃ اس سے منکر ومنحرف رہی جس کی وجہ سے اس کو سخت زدوکوب کی زحمت برداشت کرنی پڑی اور جبکہ مسمی مذکور نے یہ بات دیکھ لی کہ اس میں کامیابی مشکل ہے تو اس سے دبر کی جانب بالجبر فعل کریہہ وممنوع کو اپنی عورت سے کرنا شروع کیا، حسبِ سابق زوجین میں اس پر بگاڑ ہوگیا۔ غرضیکہ جب لڑکی اس مرد کے خلاف تھی تو وہ برابر زدوکوب سے پیش آتا رہا۔

جب لڑکی اس سے مجبور ہوگئی تو اتفاقی طور سے یہ کہہ دیا جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ میرا نکاح شوکت سے ہوجاتا تو وہ مجھ کو آرام سے رکھتا، شوکت اس کے شوہر کا بڑا بھائی ہے، اس پر شوہر نے یہ الفاظ کہے کہ "میں تجھ کو طلاق دے دوں گا، تُو شوکت سے نکاح کر لینا"۔ اور پھر اپنے خسر کے پاس آیا کہ چلو اسٹامپ لے لوتا کہ میں اس پر طلاق نامہ لکھدوں۔ والدین چونکہ جاہل ہیں، وہ لڑکی کو وہاں سے لے آئے، بعد دو ماہ کے چند اقرباء نے باپ کو مجبور کر کے لڑکی کو شوہر کے مکان پر واپس کرادیا۔ غرضیکہ پھر وہی حالت سابقہ سے نہیں رکتا رہا، یہاں تک کہ ایک روز اس کو پتھر دے مارا، ایک روز کامل کوٹھے میں بند رکھا۔ یہ حالت دیکھ کر والدین لڑکی کو چند یوم کے لئے اپنے گھر لے آئے۔

اس زمانہ قیام میں وہ حضرات غیر محرموں کو ہمراہ لیکر لڑکی کے والدین کے مکان میں بغیر پردہ کرائے داخل ہوگئے اور مسماۃ مذکورہ کو ہاتھوں میں لے کر شاہراہ عام میں کو لے گئے اور پہونچانے والے اٹھانے والے وہ لوگ تھے جو لڑکی کے نامحرم تھے، پھر اس واقعہ کے بعد مسماۃ پھر والدین کے یہاں چلی آئی۔ اس واقعہ کے اثنا یہ مسئلہ انجمن جوسکری میں واقع تھی پیش آگیا، انجمن نے یہ فیصلہ کیا کہ لڑکی کو خورد ونوش وزدوکوب کی شکایت نہ ہو تو لڑکی شوہر کے یہاں واپس کردی جائے، چنانچہ حسبِ فیصلۂ انجمن لڑکی شوہر کے یہاں چلی گئی اور رہی، مگر ویسی ہی رہی جیسے کہ اس سے پہلے تھی، خانگی امور کی بنا پر زوجین میں ایک روز گفتگو ہوئی تو جواباً چند عورتوں کے روبرو شوہر نے یہ الفاظ کہے کہ "خاموش رہ، بس تو میری ماں ہے اور میں تیری اولاد ہوں سب کا علم خدا کو ہے"۔ اس پر اس کے برادر نے آکر اس کا منہ بند کردیا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اب جب سے لڑکی والدین کے یہاں آئی ہے، سسرال کے لوگوں میں سے کسی نے کوئی خبر نہیں لی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسماۃ کا نکاح اس کے باپ نے کیا ہے، لہذا اختیارِ بلوغ حاصل نہیں (۱)۔شوہر نے صاف لفظوں میں طلاق نہیں دی، صرف ایک لفظ کہا ہے کہ "تو میری ماں ہے اور میں تیری اولاد ہوں" اس لفظ سے نہ طلاق ہوتی ہے، نہ زوجہ حرام ہوئی اگرچہ اس لفظ کا کہنا مکروہ ہے (۲)۔لہذا مسماۃ کو چاہئے کہ اپنی شکایت حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں پیش کرے، اس پر حاکم شوہر کو بلا کر کہے کہ تم اپنی زوجہ کے حقوق موافقِ شرع ادا کرو یا طلاق دیدو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اگر شوہر ادائے حقوق پر آمادہ ہوجائے یا طلاق دیدے تب تو خیر، ورنہ حاکم تفریق کردے (۳)، پھر بعد عدت دوسری جگہ نکاح جائز ہوگا۔شوہر کے یہاں جانے کی صورت میں معصیت پر قابو دینے کی اجازت نہیں (۴)۔واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الاول/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲/ ربیع الاول/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أباً أو جداً". (الدر المختار: ۶۶/۳، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۵/۳، باب الأولياء والأكفاء، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۵/۱، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(۲) "ويكره قوله: أنت أمي، ويا ابنتي ويا أختي ونحوه". (الدر المختار: ۴۷۰/۳، باب الظهار، مطلب: بلاغات محمد رحمه الله تعالىٰ مسندة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶۵/۴، ۱۶۶ باب الظهار، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۵۲/۴، ۲۵۳، باب الظهار، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (وكذا في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۱۱، حكم زوجة متعنت في النفقة، دار الإشاعت كراچی)

(۴) "المرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهد به شاهد عدل عندها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۴/۱، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲۵۱/۳، باب الصريح، مطلبٌ: الصريح نوعان: رجعي وبائن، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۱/۳، باب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

''اگر میں فلاں کام کروں تو اپنی بیوی کو ماں بنالوں'' کہنے کا حکم

سوال[۶۴۹۴]: زید وعمر دونوں ہم زلف ہیں، دونوں میں کسی بات پر کشیدگی ہوگئی تھی، ایک روز زید نے بحالتِ غصہ کہا کہ ''اگر عمر کی لڑکی کنیزہ سے اپنے لڑکے بکر کا نکاح کروں گا تو گویا میں اپنی بیوی کو ماں بنالوں گا''۔ یہ بات متعدد مرتبہ کہی، بعد میں جب زید اور عمر میں کشیدگی ختم ہوگئی تو زید کے لڑکے اور عمر کی لڑکی کا آپس میں نکاح بھی ہوگیا۔ ایسی صورت میں زید کی منکوحہ بیوی زید کے عقد میں رہی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا یہ جملہ نہایت بے ہودہ اور حماقت کا جملہ ہے، اس پر زید کو ندامت لازم ہے، آئندہ ہرگز ایسا نہ کہے، مگر اس سے نکاح ختم نہیں ہوا، وہ بدستور قائم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۳۰ھ۔

ایلاء

سوال[۶۴۹۵]: زید کی دو بیویاں ہیں، ایک روز گھر میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ زید نے کہا کہ ''زوجہ اُولیٰ صرف چار ماہ تک اس گھر میں رہ سکتی ہے، اس کے بعد اس کا جمعہ سے پردہ ہوجائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس پر ایلاء کا اطلاق ہوگا یا نہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اپنے والدین کے گھر چلی جا اور کسی سے نکاحِ ثانی کرلے۔ ان الفاظ کے لئے کیا حکم ہے؟ زید کی والدہ زوجہ اُولیٰ کو رکھنے کے لئے گھر میں تیار نہیں، اس لئے یہ جھگڑا چل رہا ہے۔ زید والدہ پر بھی مظالم کر رہا ہے۔ کیا زید والدہ کے کہنے سے زوجہ اُولیٰ کو طلاق دیدے، شرعی کیا حکم ہے؟ فقط۔

---

(۱) "قال رحمه الله: وإن نوى بأنت عليّ مثل أمي براً أو ظهاراً أو طلاقاً، فكما نوى، وإلالغا: أي وإن نوى بقوله لامرأته: أنت عليّ مثل أمي أحد هذه الأشياء التي ذكرها، فهو كمانوى، وإن لم يكن له نية، فليس بشئ". (تبيين الحقائق: ۲۰۲/۳، كتاب الطلاق، باب الظهار، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۰۷/۱، الباب التاسع في الظهار، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۴۶۷/۳، باب الظهار، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کے الفاظ کہ ''زوجہ اولی صرف چار ماہ تک اس گھر میں رہ سکتی ہے، اس کے بعد اس کا مجھ سے پردہ ہو جائے گا'' ایلاء کے الفاظ نہیں ہیں، ان سے ایلاء نہیں ہوا۔ ایلاء میں بیوی کو چار ماہ کے لئے حرام قرار دیا جاتا ہے (۱)، یہاں چار ماہ کے لئے جائز قرار دے رہا ہے جو کہ ایلاء کی ضد ہے، البتہ ان الفاظ میں طلاق کا احتمال ہے، مگر وہ نیت پر موقوف ہے۔ اسی طرح یہ کہا کہ ''اپنے والدین کے گھر چلی جا، کسی سے نکاح ثانی کر لے'' کنایات طلاق میں سے ہے، پس اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا ورنہ نہیں (۲)۔

زید اگر دونوں بیویوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتا، صرف ایک کے ادا کر سکتا ہے تو دوسری کو طلاق دینا اس کے ذمہ لازم ہے۔ کیا زید اتنا سعادت مند ہے کہ والدہ کے کہنے سے زوجہ ثانیہ کو طلاق دیدے گا جبکہ وہ والدہ اور زوجہ اولی پر مظالم کر رہا ہے اور دونوں کو سزا دے رہا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "هو (أي الإيلاء) اليمين على ترك قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعداً، بالله أو بتعليق مايستشقه على القربان". (فتح القدير: ۱۸۹/۴، باب الإيلاء، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۴۲۲/۳، ۴۲۴، باب الإيلاء، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۹/۳، باب الإيلاء، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "ولوقال لها: اذهبي فتزوجي، تقع واحدةٌ إذانوى. فإن نوى الثلاث، تقع الثلاث". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۶/۱، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳۱۴/۳، باب الكنايات، قبيل تفويض الطلاق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۹/۳، باب الكنايات، دار الكتب العلمية، بيروت)

باب اللعان والخلع

(لعان اور خلع کا بیان)

لعان

سوال[۶۴۹۶]: زید نے (جو ایک معمولی شخص ہے اور کچھ قدر دینی مسائل سے واقف ہے اور ایک دوگاؤں کے لوگ اس کو قاضی کا خطاب دیتے ہیں) زوجین کے درمیان حسبِ قواعدِ شرع لعان کروا کر تفریق کا حکم دیدیا اور کہا کہ ان ہر دو کے درمیان مطابق حدیث شریف: "المتلاعنان لایجتمعان أبداً". ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہوگیا ہے اور حلت ناممکن ہے۔ بکر کہتا ہے کہ زید کا یہ لعان کرانا اور تفریق کا حکم دینا درست نہیں، کیونکہ مسئلۂ لعان دارالاسلام میں جاری ہوتا ہے نہ دارالحرب میں اور اس میں قضائے قاضی شرط ہے، جو اس ملک میں مفقود ونادر ہے، اور بصورتِ تسلیم زوجین کا نکاح باہم بعد تفریق صحیح ہے۔ کیا زید حق پر ہے یا بکر اور حدیث: "المتلاعنان، الخ" کا کیا مطلب ہے اور لعان کروانا اور تفریق کا حکم دینا ہر ایک مسلمان کر سکتا ہے یا کسی خاص شخص کا کام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وأهله من هو أهل للشهادة على المسلم، فمن قذف بصريح الزنافي دارالإسلام زوجته الحية بنكاح صحيح ولو في عدة الرجعي العفيفة عن فعل الزنا.........وصلحا لأداء الشهادة .... لاَعَنَ". درمختار۔ قال في ردالمحتار: "(قوله: في دارالإسلام) أخرج دارالحرب لانقطاع الولاية". ردالمحتار، ص: ۹۰۶(۱)۔

"وأما شرائط وجوب اللعان، فبعضها يرجع إلى القاذف خاصةً، وبعضها إلى المقذوف خاصةً، وبعضها إليهما جميعاً، وبعضها إلى المقذوف به، وبعضها إلى المقذوف فيه، وبعضها

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۴۸۳، ۴۸۴، باب اللعان، سعید)

إلى نفس القذف. أما الأول فواحدة، وهو عدم إقامة البينة على صدقه. وأما الثاني فإنكارها وجود الزنا منها وعفتها عنه. وأما الثالث فالزوجية والحرية والعقل والإسلام والبلوغ والنطق وعدم الحد في قذف، فلالعان في قذف المنكوحة فاسداً ولا بقذف المبانة ولوواحدة، بخلاف قذف المطلقة رجعياً .... وأما المقذوف فيه فدار الإسلام، الخ". بحر، ص: ۱۱۳(۱)۔

عباراتِ مذکورہ سے لعان کی شرائط معلوم ہوگئیں: ایک شرط دارالاسلام ہونا بھی ہے، دارالحرب میں لعان نہیں۔ نیز نفسِ لعان سے تفریق نہیں ہوتی اور ہر شخص کو لعان کا اختیار حاصل نہیں، بلکہ جس قاضی شرعی کے سامنے لعان ہوا ہے اس کی تفریق سے تفریق ہوگی: "فإن التعنها، بانت بتفريق الحاكم الذي وقع اللعان عنده". تنویر(۲)۔ "إذ التعنها، لاتقع الفرقة حتى يفرّق الحاكم بينهما". هداية: ۱/۳۹۸(۳)۔

شریعت کے موافق لعان ہونے کے بعد اگر شوہر یا بیوی میں لعان کی اہلیت باقی نہ رہی ہو اس طرح کہ شوہر نے کہا کہ میں نے عورت پر تہمت لگائی تھی اور جھوٹ بولا تھا اور واقعۃً اس نے زنا نہیں کیا، یا عورت نے کہا کہ شوہر نے صحیح کہا تھا، میں نے زنا کیا تھا، یا کسی اور پر تہمت لگائی کہ جس کی وجہ سے شرعاً مرد یا عورت پر حد لازم ہوتی ہو تو پھر یہ دونوں آپس میں اگر نکاح کرنا چاہیں تو درست ہے اور جب تک لعان کی اہلیت باقی رہے گی، تفریقِ حاکم کے بعد ان کا نکاح آپس میں درست نہ ہوگا۔

متلاعن کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی، دوسرے حکمی۔ حقیقۃً متلاعن کا اطلاق تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ لعان کر رہا ہو یعنی قسمیں کھا رہا ہو، اور حکماً متلاعن کا اطلاق اس وقت بھی صحیح ہوگا جب کہ اس میں لعان کی

---

(۱) (البحر الرائق: ۴/۱۹۰، باب اللعان، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۳/۴۸۸، كتاب الطلاق، باب اللعان، سعيد)

(۳) (الهداية: ۲/۴۱۸، باب اللعان، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۳۰، باب اللعان، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۹۷، باب اللعان، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۱/۲۴۰، باب الابتداء في اللعان بالزوج وأن لاتقع الفرقة بنفس اللعان بل لابد لهامن تفريق القاضي، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچى)

اہلیت ہو، پس جب کہ عورت نے مرد کی تصدیق کردی یعنی زنا کا اقرار کرلیا تو وہ حدِ زنا کی مستحق ہوگئی، لہٰذا پہلی صورت میں عورت لعان کی اہل نہیں رہی اور دوسری صورت میں مرد لعان کا اہل نہیں رہا، اب دونوں پر: "المتلاعنان لایجتمعان أبداً" کا حکم جاری نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ دونوں ایسی حالت میں نہ حقیقۃً متلاعن ہیں نہ حکماً:

"فإن أكذب نفسه حُدّ، وله أن ينكحها. ومعنى قوله عليه الصلوة والسلام: "المتلاعنان لايجتمعان أبداً": أى مادام متلاعنين، كقوله تعالى: ﴿ولاتصل على أحد منهم مات أبداً﴾: أى مادام منافقاً، يقال: المصلى لايتكلم: أى مادام مصلياً، فلم يبق متلاعناً لا حقيقةً لعدم الاشتغال به، ولا مجازاً؛ لأنه سُمّي متلاعناً لبقاء اللعان بينهماحكماً، ولم يبق، اهـ". زيلعى: ۳ / ۱۹(۱)۔

"والحاصل أن الزوج لايحل له أن يتزوج بالملاعنة بعد التفريق، إلاإذالم يبق أهلاً للعان، بأن أكذب نفسه، فحُدّ، أوقذف غيرها، فحد؛ لأنه بعد حد القذف لم يبق أهلاً للعان بأن زنت مثلاً". شلبى(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان/ ۵۵ھ۔

لعان کی تفصیلات

سوال[۶۴۹۷] : ا...... مسماۃ ہندہ پاک دامن نہیں ہے، کیونکہ مسماۃ ہندہ نے کافی طور پر زنا وحرام کیا ہے۔ زنا کی تہمت پر لعان واجب ہوگا یا نہیں؟

۲...... مسمی زید شوہر مسماۃ ہندہ نے بچشمِ خود زنا کاری کی حالت میں نہیں دیکھا، البتہ قرائن سے ونیز اہلِ

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۳/۲۳۴، باب اللعان، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، باب اللعان: ۳/۲۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافى البحر الرائق: ۴/۲۰۱، ۲۰۳، باب اللعان، رشيديه)

(وكذافى فتح القدير: ۴/۲۸۸، ۲۹۱، باب اللعان، مصطفى البابى الحلبى مصر)

محلّہ کے نامحرم مَردوں سے شوہر کے منع کرنے پر بھی بضد ہوکر پردہ نہ کرنے پر مسماۃ ہندہ کی نسبت شبہۃً زناکاری کی طرف ہوجاتی، اس تہمت سے مسماۃ ہندہ شوہر خود سے ناخوش ہوکر لعان چاہتی ہے۔ پس ایسی صورت میں لعان واجب ہوگا یا نہیں؟

۳.....کیا بلا دریافتِ شوہر اصلیتِ معاملہ مفتی صاحب طلاقِ بائن کا حکم صادر کرسکتے ہیں جب کہ مسماۃ ہندہ کی سابقہ زناکاری کا مفتی صاحب کو علم نہ ہو؟

۴.....لاعلمی شوہر میں مسماۃ ہندہ طلاق بائن کا فتوی حاصل کرلے اور کسی دوسرے شخص سے عقدِ نکاح کرلے تو یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ فریقین مسلمان ہیں اور مذہبِ حنفی کے پیرو ہیں، مفصل فتوی مرحمت فرمایا جاوے۔ فقط والسلام۔

ضیاء احمد عثمانی دیوبندی، از مقام سہانپور، محلّہ کمہاران، بتاریخ:۱۴/شعبان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....لعان کے لئے دارالاسلام شرط ہے، لہذا ہندوستان میں لعان واجب نہیں: "ویشترط أیضاً کون القذف بصریح الزنا، وکونه في دارالإسلام". رد المحتار: ۲ / ۹۰۵(۱)۔

۲.....لعان واجب نہ ہوگا، لیکن بلاثبوت شرعی زنا کی تہمت لگانا بھی حرام ہے(۲) اور عورت کو غیر مَردوں سے پردہ نہ کرنا اور ایسا تعلق رکھنا کہ جس سے زنا کی بدگمانی اور تہمت کا لوگوں کو موقع ملے، یہ بھی حرام ہے، تہمت کی جگہ سے نہ بچنا حرام ہے(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/۴۸۳، باب اللعان، سعید)

(وکذافي البحر الرائق: ۴/۱۹۰، باب اللعان، رشیدیه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالی عنه عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: یارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرک بالله، والسحر، وقتل النفس .... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحیح البخاري: ۱/۳۸۸، کتاب الوصایا، باب قول الله: ﴿إن الذین یأکلون أموال الیتمی ظلماً﴾، قدیمي)

(۳) "اتقوا مواضع التهم" ذکره في الإحیاء، وقال العراقي في تخریج أحادیثه: لم أجدله أصلاً، لکنه بمعنی قول عمر رضي الله تعالی عنه: "من سلک مسالک الظن اتُهم". ورواه الخرائطي في مکارم =

۳...... مفتی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، اگر خود شوہر دے گا تو طلاق واقع ہوگی، کسی اور کے دینے سے واقع نہ ہوگی (۱)۔ اگر کوئی فتویٰ اس قسم کا حاصل کیا گیا ہے تو بغیر اس کے دیکھے اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کیا جاسکتا۔

۴...... ایسی صورت میں نہ فتویٰ سے طلاق واقع ہوسکتی ہے، نہ مفتی فتویٰ دینے کا مُجاز ہے۔ اگر شوہر بیوی میں نباہ دشوار ہوگیا تو عورت کو چاہیئے کہ کسی طرح لالچ دے کر یا خوف دلا کر شوہر سے طلاق حاصل کرلے، یا خلع کرلے (۲)، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا، بغیر اس کے عورت کا نکاح دوسری جگہ درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۸/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۱۸/ شعبان۔

= الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلايؤمن نفسه من أساء الظن به". (كشف الخفاء للعجلوني: ۱/۴۵)

(۱) "وأهله (أي الصلوة) زوج عاقل بالغ مستيقظ". (الدرالمختار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۳، فصل فيمن يقع طلاقه ومن لايقع طلاقه، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۳۴، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيماحدود الله، فلابأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلاذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمهاالمال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير: ۴/۲۱۱، باب الخلع، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذافي التاتارخانية: ۳/۴۵۳، الفصل السادس عشرفي الخلع، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۱۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الزوجة: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

بیوی کو زانیہ کہنا

سوال[۶۴۹۸] : اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے اور تحریر بھی لکھدے کہ تو فلاں مرد سے زنا کراتی رہتی ہے اور اس بات کا اعلان کراتا پھرے۔ اس شخص کی بیوی کو مرد کے اس قول سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر ثبوتِ شرعی کے ایسا کہنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے(۱)، اس کی سزا لعان ہے، لیکن یہاں اس کے شرائط موجود نہیں اس لئے لعان کا حکم نہیں کیا جائے گا(۲)۔ تاہم ایسا کہنے سے نہ طلاق ہوئی، نہ نکاح ختم ہوا(۳)، اگر اس کے نزدیک اس کی بیوی ایسی ہے اور وہ اس کو رکھنا نہیں چاہتا تو طلاق دے کر معاملہ ختم کردے

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يارسول الله! وما هن؟ قال: "الشرک بالله .... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاری: ۳۸۸/۱، باب قول الله: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلماً، إنما يأكلون فی بطونهم ناراً﴾، قديمی)

(وكذا فی الصحيح لمسلم: ۶۴/۱، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، قديمی)

(وكذا فی الجامع الصغير علی مع فيض القدير: ۲۸۹/۱، (رقم الحديث: ۱۷۱)، مكتبه نزار مصطفی الباز رياض)

(۲) "فمن قذف بصريح الزنا فی دارالإسلام زوجته .... وصلحا لأداء الشهادة وطالبته به، لاعَنَ". (الدرالمختار). "أخرج دارالحرب لانقطاع الولاية". (ردالمحتار: ۴۸۴/۳، ۴۸۵، باب اللعان، سعيد)

(وكذافی البحرالرائق: ۱۹۰/۴، باب اللعان، رشيديه)

"وأما الذی يرجع إلی المقذوف فيه، وهو المكان، فهو أن يكون القذف فی دار العدل، فإن كانا فی دارالحرب أو فی دارالبغی، فلايوجب الحد". (بدائع الصنائع: ۲۲۹/۹، فصل فی مايرجع إلی المقذوف فيه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وركنه لفظ مخصوص، هوماجُعل دلالةً علی معنی الطلاق من صريح أو كناية". (الدرالمختارمع رد المحتار: ۲۳۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذافی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذافی حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق للزيلعی: ۲۰/۳، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

ورنہ ایسا کہنے سے باز آئے اور بیوی کی نگرانی وحفاظت کا انتظام کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۷ھ۔

خلع کی تشریح

سوال[۶۴۹۹]: مسئلہ خلع شرعی طریقہ پر کیا ہے؟ امید کہ آگاہی کے لئے مفصل طور پر تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تخالفِ طبائع یا کسی اور وجہ سے زوجین میں نباہ دشوار ہوجائے اور شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو شریعت سے اس کی بھی اجازت ہے کہ عورت اور مرد خلع کرلیں یعنی لفظ ''خلع'' یا اس کے ہم معنی کسی لفظ سے زوجین حقوقِ زوجین کو ساقط کردیں، مثلاً زوجہ اپنا مہر ساقط کردے اور زوج اپنی ملکِ نکاح کو زائل کردے، یا عورت کچھ مال دیدے اور زوج اپنی ملکِ نکاح کو زائل کردے۔

یہ خلع شرعاً طلاقِ بائن کے حکم میں ہوتا ہے اور اس سے مہر اور نان ونفقہ وغیرہ سب ساقط ہوجاتا ہے، البتہ نفقۂ عدت اور ایامِ عدت کا سکنی زائل نہیں ہوتا، ہاں! اگر اس کی تصریح کردیں گے، یا فقط مرد تصریح کردے گا تو یہ نفقہ بھی زائل ہوجائے گا، سکنی پھر بھی زائل نہ ہوگا۔ اگر زیادتی اور تعدی مرد کی طرف سے ہو تو اس کو عورت سے کچھ مال لینا خلع کے عوض مکروہ تحریمی ہے، اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو مرد کو مال لینا درست ہے:

''الخلع هو إزالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها بلفظ الخلع، أو ما في معناه، ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما يصلح للمهر. وحكمه أن الواقع به ولو بلا مال، وبالطلاق الصريح على مال طلاقٌ بائنٌ. وكره تحريماً أخذُ شيء، إن نشز، وإن نشزت لا. ويسقط الخلعُ كلَّ حق لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح إلا نفقة العدة

وسكناها، إلا إذا نص عليها، فتسقط النفقة لاالسكنى، ١ه". درمختار بقدر الحاجة: ٢/ ٨٦٠ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

طلاق بالعوض

سوال[۶۵۰۰]: زید کی عورت مسماۃ ہندہ جس کو وہ اپنے گھر چھوڑ کر ملک پنجاب میں واسطے جستجوئے ملازمت چلا آیا اور مذکورہ زید کو ملازمت بھی مقام کالکا میں مل گئی جس کی اطلاع مسماۃ ہندہ اور اس کے والدین وبرادران کو ہوگئی تھی کہ زید فلاں جگہ پر ملازم ہوگیا ہے، بعد اس کے ملازم ہوجانے کے زید کی منکوحہ مسماۃ ہندہ بلاکسی اطلاع واجازت زید کے اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اب تک وہاں ہی والدین کے پاس رہتی ہے۔ اس بات اور چند دیگر شکایات پر ہر دو اطراف میں کشیدگی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہنچا کہ مسمی زید نے ایک تحریر مندرجہ ذیل الفاظ میں قلم بند کرکے اپنے سسرال روانہ کردی، تحریر یہ ہے:

"میں اقرار کرتا ہوں اور لکھ کر دیتا ہوں روبرو مندرجہ ذیل گواہان کے کہ مسماۃ ہندہ دختر مسلم منکوحۂ من، قوم نعل، ساکن موضع کلوچھ، ضلع مظفرآباد، ریاست کشمیر جو کہ عرصہ چند سال سے میرے عقد نکاح میں ہے، اب میں اس کو اپنے اوپر تین شرط سے حرام سمجھتا ہوں (یعنی تین طلاق دیتا ہوں) جو کہ ان کو (یعنی منکوحہ کو یا اس کے وارثوں کو) مبلغ پانچصد روپیہ خلع مسماۃ ہندہ مذکورہ بالا کا دینا پڑے گا، تب دوسری جگہ نکاح کی حقدار ہوسکتی ہے، ورنہ دوسری جگہ اس کا نکاح حرام ہے" (یعنی اگر منکوحہ یا اس کے وارث خلع ادا کریں

(١) (الدر المختار: ٣/ ٤٣٩، ٤٥٣، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ١/ ٤٨٨، ٤٩١، الباب الثامن في الخلع ومافي حكمه، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ٣/ ٤٥٤، ٤٧١، صفة الخلع وكيفيته براءة المهر والنفقة في الخلع، إدارة القران والعلوم الإسلاميه كراچي)

تو تین طلاق بشرط خلع)۔

اوراس تحریر کے ہمراہ ایک خط لکھا جو مسمّی زید نے اپنے چچا کے نام لکھا تھا جس کا مضمون یہ ہے:

''بخدمت جناب چچا صاحب مولوی فضل الرحمٰن دام مجدہ!

اقبال احوال یہ ہے کہ (اس کے بعد اپنا کچھ حال لکھا یعنی اپنی خیر خیریت لکھی بعد میں مندرجہ بالا مرقومہ کا خط میں ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے) کہ دوسری عرض یہ ہے کہ ناراض تو خوب ہوں گے، شاید کہ نہ بھی ہوں (یعنی سسرال والے) میں نے اس کی لڑکی (یعنی اپنی منکوحہ کو) طلاق تین شرط پر دیدیں یعنی میرے پر تین شرط سے حرام ہے (یعنی تین طلاق، تین شرط ہمارے ملک میں محاورہ تین طلاق کو کہتے ہیں اور یہی زید کا اقرار ہے شرط خلع ہے) اس لئے چند حروف لکھ کر روانہ کرتا ہوں تاکہ سندر ہے، دوسرا جو کاغذ طلاق کا میں نے بھیجا ہے یہ سب کو دکھا دینا، جب تک کہ خلع ادانہ کریں نہ دینا (یعنی جب تک کہ یہ تحریر نہ دینا جب تک کہ خلع ادانہ کریں، صرف ان کو یعنی سسرال والوں کو دکھا کر اطلاع کریں''۔

یہ سب الفاظ بعینہ زید کے ہیں اور مندرجہ بالا تحریر کے گواہ یہ ہیں: محمود خاں ولد حمید اللہ خاں، دوسرا گواہ حضرت شاہ۔

یہ خط مع تحریر مسمّی زید نے لکھ کر اپنے چچا کو روانہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ میرے سسرال والوں اور اہلیہ کو دکھا دینا، مگر یہ خط چچا کو نہیں ملا، بلکہ زید کی منکوحہ کے بڑے بھائی کو ملا جس کی شادی تھی اوراس نے نہ تو اپنے والدین کو مطلع کیا اور نہ اپنی ہمشیرہ کو مطلع کیا، خط لے کر ملک پنجاب میں اپنی ملازمت پر چلا آیا اور عرصہ تین چار ماہ کے بعد اس تحریر سے اپنے والدین وغیرہ کو مطلع کیا۔فقط۔

اب گذارش یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کونسی؟ رجعی، بائن، یا مغلظہ؟ اور کیا مسماۃ مذکورہ پر خلع دینا لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور کیا مسمّی زید خلع میں سے حق مہر دے سکتا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر حوالہ جات کتب معتبرہ سے جواب باصواب سے ممنون فرمادیں۔اور اگر عورت یا اس کے وارث خلع نامنظور کریں تو پھر بھی طلاق واقع ہوگی یا نہیں، جب کہ زید کا اقرار ہے کہ اگر خلع نہ ملا تو تین طلاق

دینے کو تیار نہیں، میری طلاق صرف شرط خلع پر ہے یعنی اگر وہ خلع دیدے تو تین طلاق ورنہ نہیں؟ ہر دو صورت سے مطلع فرمادیں، یعنی اگر خلع منظور کرلیں تو کیا حکم ہے اور اگر نہ منظور کریں تو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الراقم: احقر غوث محمد از کالکا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید اس تحریر کا اقرار کرتا ہے(۱) تو صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاق ہوجائیں گی بشرطیکہ بیوی پانچ سو روپیہ بدل طلاق ادا کردے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ذی قعدہ/۵۷ھ۔

خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے

سوال[۶۵۰۱]: عاصمہ کا وطن حیدرآباد ہے، اس کا نکاح خسرو کے ساتھ اورنگ آباد میں ہوا، اورنگ آباد عاصمہ کے والدین کا وطن ہے، یہ نکاح عزیزوں میں ہی ہوا۔ رخصتی کے دوسرے ہی دن عاصمہ کے والدین وغیرہ کو علم ہوا کہ خسرو کے اپنی حقیقی تائیری بھاوج کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے والدین وغیرہ سے علیحدہ اپنی اسی بھاوج کے گھر رہتا ہے اور وہیں کھاتا پیتا ہے، حتی کہ شادی بھی اسی گھر میں ہوئی اور دولہا دولہن بھی اسی گھر میں رہے، چنانچہ اس کا علم ہونے پر سب کو بالخصوص عاصمہ کی والدہ

---

(۱) "كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه، لايقع به الطلاق إذالم يقرّ أنه كتابه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۹، الطلاق بالكتابة، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار: ۳/۲۴۷، مطلب في الطلاق بالكتابة، قبيل باب الصريح، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۳۸۰، إيقاع الطلاق بالكتاب، إدارة القران كراچى)

(۲) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ في الأصل: إذاقال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف درهم، فقبلت، طلقت، وعليها ألف درهم". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۴۴۳، إيقاع الطلاق بالمال، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۹۲، الفصل الثالث في الطلاق على المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۸۹، باب الخلع، دارالكتب العلمية، بيروت)

کو دلی صدمہ پہونچا اور شادی کے ایک ماہ بعد حیدرآباد کو واپسی کے دوسرے ہی روز عاصمہ کی والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا۔ اس موقع پر عاصمہ اپنے شوہر اور رشتہ کی پھوپھی جو خسرو کی بھاوج کی والدہ ہے، ان کے ہمراہ میت میں شریک رہی۔

عاصمہ کے عقد کے دوسرے ہی روز سے گھر کے کام کاج پر لگا دیا گیا، گھر کا پکوان، بچوں کی نگہداشت وغیرہ اور پھر اس کام میں عیب جوئی اور نکتہ چینی بھی ہونے لگی اور انتہائی تکلیف دہ اور بھونڈے انداز میں طنزیہ جملوں کا استعمال کرنے لگے، اس کو عاصمہ برداشت کرتی رہی کہ ممکن ہے حالات سازگار ہو جائیں، لیکن حالات خراب ہی ہوتے گئے۔ میکہ میں ایک ماہ قیام کے بعد عاصمہ اپنے شوہر کے گھر اورنگ آباد چلی گئی، اس کی واپسی کے بعد غالباً دو مرتبہ اس کے شوہر نے عاصمہ کی خیریت کی اطلاع دی، لیکن خود عاصمہ کی جانب سے اس کی حقیقی خیریت کا علم نہ ہو سکا۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک نہ کوئی خط ملا اور نہ کسی خط کا جواب آیا۔

قریب تین ماہ بعد اچانک عاصمہ کے چچا نے اس کی افسوسناک حالت لکھی، جس پر عاصمہ کے حقیقی چچا نے اورنگ آباد جا کر حالات کا جائزہ لیا جو بالکل صحیح نکلے۔ عاصمہ کی حالت بہت عبرت ناک تھی، حتی کہ اسے زدوکوب کر کے انتہائی ذلت آمیز برتاؤ کے ساتھ زبردستی گھر سے بھی نکال دیا گیا اور اس کے شوہر نے اپنی والدہ یعنی عاصمہ کی ساس کے گھر بغیر کچھ تفصیلات بتلائے چھوڑ آیا۔ یہ سب کچھ صرف شادی کے چار ماہ کے عرصہ میں ہوا۔

ان حالات میں عاصمہ کے چچا نے اس کو اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کی، بہرحال کسی طرح عاصمہ اپنے چچا کے ہمراہ صرف اپنے جسم کے کپڑے سے حیدرآباد آگئی اور اس کا تمام اثاثہ اور کپڑے وغیرہ وہیں رہ گئے۔ خسرو کی والدہ اور دیگر افراد بھی اس سے واقف ہیں، لیکن عذر کرتے ہیں کہ یہ ان کے قابو میں نہیں اور اس سے ان کے تعلقات خوشگوار بھی نہیں ہیں، اس طرح باہمی مصالحت بھی ناکام ہو رہی ہے۔ انہی دشواریوں کے تحت عاصمہ کے والد نے عدالتی چارہ جوئی کا سہارا لیا، اولاً نفقہ کی نوٹس جاری کروائی، جس کے جواب میں خسرو نے وکیل کے ذریعہ الزامات منسوبہ سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے عاصمہ کو خود واپس ہونے کا تذکرہ کیا۔

عدالتی چارہ جوئی کے ایک طویل عرصہ زیر دوران رہنے کے بعد قریب دو سال کا عرصہ ہے کوئی امید

افزا نتیجہ برآمد نہ ہوسکا، اس کے برعکس عاصمہ کے وکیل نے فریق سے ساز باز کرلی اور عدالتی معاملہ کو صرف ٹال مٹول پر رکھا۔

تین سال کے عرصہ میں نہ تو عاصمہ کی کوئی خبر لی اور نہ نفقہ کا کوئی انتظام کیا، بلکہ ہمیشہ چھوڑنے کی دھمکیاں دیتا ہے، لیکن یہ بھی احسن طریقہ پر آج تک نہ کیا کیونکہ مہر کی رقم جو ڈھائی ہزار ہے، اس کی ادائیگی سے گریز ہے، لڑکی خلع حاصل کرنا چاہتی ہے۔ تو کیا اس کے لئے شوہر کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے جبکہ اس سے یہ توقع ممکن نہیں ہے، اور جہیز کا سامان جو تقریباً پانچ ہزار کا ہے اس کا کیا حشر ہوگا؟ کیا ان حالات میں ممکن ہے کہ اس طرح یہ رشتہ خوشگوار ماحول میں برقرار رہ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان تکلیف دہ حالات کے باوجود رشتۂ زوجیت قائم ہے خلع کے لئے شوہر کا رضامند ہونا ضروری ہے(۱) جب تک شوہر خلع کو منظور نہ کرے خلع نہیں ہوسکتا۔ اگر عاصمہ ان حالات کو برداشت نہیں کرسکتی تو کسی طرح باثر آدمیوں کا واسطہ بنا کر یا مہر معاف کرکے یا کسی اور طرح شوہر سے طلاق حاصل کرلے(۲)۔ اگر خاندان کے معزز آدمی خسرو کے سامنے عاصمہ کی تکلیف بیان کرکے اس سے عہد لے لیں کہ وہ آئندہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے گا اور اس پر اطمینان ہوجائے تو عاصمہ کو اس کے پاس رخصت کردیا جائے۔

---

(۱) "إذا كان بعوض الإيجاب والقبول؛ لأنه عقد على الطلاق بعوض، فلاتقع الفرقة، ولايستحق العوض بدون القبول". (ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۴۵۳، الفصل السادس عشر في الخلع، إدارة القرآن كراچی)

"لأنه أوقع الطلاق بعوض، فلا يقع إلا بوجود القبول". (المبسوط للسرخسي: ۳/۱۶۰، باب الخلع، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألايقيما حدود الله، فلاجناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع ومافي حكمه، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۱۸۴، باب الخلع، دارالكتب العلمية بيروت)

اگر وہ آباد کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو الحیلۃ الناجزۃ میں لکھے ہوئے طریقہ پر شرعی کمیٹی بنالی جائے جس میں ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی شریک رہے، اس میں عاصمہ کی طرف سے درخواست دی جائے، پھر وہ کمیٹی جملہ امور کی تحقیق وتفتیش کر کے "الحیلۃ الناجزۃ" کو سامنے رکھ کر اس کے موافق فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ معتبر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خلع میں شرط

سوال [۶۵۰۲]: زید نے اپنی اہلیہ ہندہ سے خلع اس شرط پر کیا کہ تو بکر سے میل جول قطعاً چھوڑ دے، ہندہ نے اس شرط کو تسلیم کرلیا تھا، مگر بعد گذرنے عدت کے ہندہ نے زید کا حکم نہ مانا، بلکہ بعد عدت بکر سے نکاح کرلیا۔ زید، ہندہ، بکر تینوں بالغ ہیں۔ کیا اس صورت میں خلع واقع ہوگا یا نہیں؟ اور کیا ہندہ نے جو بعد عدت کے نکاح بکر سے کیا، کیا وہ نکاح درست ہے؟ زید کہتا ہے کہ میں نے خلع اس شرط پر کیا تھا کہ ہندہ بکر سے کوئی تعلق نہ رکھے، اب جب کہ ہندہ بکر سے تعلق قائم رکھ رہی ہے، اس لئے یہ خلع واقع نہیں ہوا، لہٰذا ہندہ نے جو نکاح بکر سے کیا ہے وہ درست نہیں، بلکہ ہندہ میری بیوی ہے، نہ کہ بکر کی۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط فاسد ہے اور شرطِ فاسد لگانے سے خلع فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط بیکار ہوجاتی ہے اور خلع صحیح

---

(۱) "زوجۂ متعنت کو اول تو یہ لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہبِ مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعے سے پوری تحقیق کرے۔ اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی، یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو، طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار ومہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں"۔ (حیلۂ ناجزۃ، ص: ۷۳، زوجۂ متعنت، دارالاشاعت کراچی)

رہتا ہے، کذافی الهندية: ۱/۳۹٦(۱)، لہٰذا زید کا قول لغو ہے۔ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوگئی اور ہندہ کا بکر سے نکاح صحیح ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبولِ خلع کب تک ہے؟

سوال[٦٥٠٣]: ایجاباً تحریرِ خلع بیوی کی طرف سے آئی، شوہر کو یہ یاد نہیں کہ مجلسِ علم میں اس نے اس کو قبول کیا یا نہیں۔ زیادہ عرصہ گذرنے کی وجہ سے؟ البتہ اتنا ہوا کہ اس تحریرِ خلع کا جواب شوہر نے ایک ماہ کے بعد اس امید پر کہ شاید بیوی کا خیال بدل جائے اور وہ رجوع کرلے، یا پھر بیوی نے پندرہ دن کے بعد شوہر کی اس تحریر کا جواب کہ مجھے خلع منظور نہیں ہے آکر لے جاؤ تو اس کے جواب میں شوہر نے جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں:

''کہ اب تم میرے فقر نما عیش کو بھلانے کی کوشش کرو''۔ صرف اتنا ہی لکھا تھا۔ اب حضرت والا اس مضمون کے پیشِ نظر جواب شرعی عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح بالیقین قائم تھا جب تک اس کو رفع کرنے والی کوئی یقینی شی متحقق نہیں ہوگی، اس کے مرتفع ہونے

---

(۱) ''رجل خلع امرأته وبينهما ولد صغير على أن يكون الولد عند الأب سنين معلومةً، صح الخلع، ويبطل الشرط''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۹۱، الباب الثامن فى الخلع ومافى حكمه، رشيديه)

''خلعها على أن صداقها لوَلَدها أو لأجنبي، أو على أن يمسك الولد عنده، صح الخلع، وبطل الشرط''. (الدر المختار). ''(قوله: صح الخلع)؛ لأنه لايفسد بالشرط الفاسد''. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۴٦۳، باب الخلع، سعيد)

(وكذافى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق للزيلعي: ۳/۱۹۰، باب الخلع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ''وحكمه: (أى حكم الخلع) وقوعُ الطلاق البائن''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن فى الخلع، رشيديه)

(وكذافى تبيين الحقائق: ۳/۱۸۳، باب الخلع، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافى الدرالمختار: ۳/۴۴۴، باب الخلع، سعيد)

کا حکم نہیں کیا جائے گا(۱) اور وہ یہاں موجود نہیں یعنی ایجابِ خلع کا قبول اسی مجلس میں ہو جس میں ایجاب یا ایجاب کا علم ہوا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۸۹ھ۔

خلع سے طلاق

سوال [۲۵۰۴]: زید اور ہندہ شوہر و بیوی ہیں، ان میں کسی وجہ سے نا اتفاقی پیدا ہوگئی، شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا، مگر ہندہ جب اپنے میکے چلی گئی، تو وہاں سے ایک تحریر خلع کے لئے بھیج دی کہ بعوضِ مہر خلع کرتی ہوں۔ وہ تحریر آ کر تقریباً ایک ماہ شوہر کے پاس رکھی رہی، شوہر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ہندہ جو کہ بالغہ عاقلہ ہے، اس کے والدین کے اصرار پر درمیان میں بعض لوگوں نے کوشش کی اور شوہر سے اسی تحریر خلع کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تحریر خلع شوہر کو کسی طرح راضی کر کے لکھوالی۔

جب وہ تحریر ہندہ کے پاس پہونچی تو اس نے لے لی اور فوراً کوئی خیال انکار یا اقرار نہیں کیا قاصد پر، مگر پھر پندرہ دن گذر جانے کے بعد زید کے پاس خط آتا ہے کہ میں نے تو خلع نہیں کیا اور میں نے تو فوراً انکار کر دیا تھا، لہٰذا اب آیئے اور مجھے ضرور لے جایئے، بغیر آپ کے میں بہت زیادہ بے چین ہوں۔ اور اسی مضمون کا مکرر خط آتا ہے۔

ادھر شوہر نے یہ سمجھ کر کہ خلع ہو گیا دوسری شادی بھی کر لی۔ تو اس صورت میں یہ خلع شرعاً ہوا یا نہیں؟

---

(۱) "اليقين لايزول بالشک". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۰، القاعدة الثالثة، دارالفكر، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۱/۱۹۰، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۱/۳۲۸، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، سعيد)

(۲) "هو يمين في جانبه، فلايصح رجوعه قبل قبولها، ولايصح شرط الخيار له، ولايقتصر على المجلس، وفي جانبها معاوضة، فصح رجوعها، وشرط الخيار لها، ويقتصر على المجلس". (الدرالمختار: ۳/۴۴۲، ۴۴۳، باب الخلع، سعيد)

(وكذافي فتح القدير: ۴/۲۳۱، باب الخلع، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۱۸۳، باب الخلع، دارالكتب العلمية، بيروت)

اورکیا شوہر پر ہندہ کے حقوق مثل سابق واجب ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ نے جو تحریر اولاً لکھی اس سے خلع نہیں ہوا، کیونکہ شوہر نے قبول نہیں کیا(۱)، پھر جب زید سے تحریر لکھوائی گئی اور وہ جبراً واکراہ سے نہیں تھی بلکہ رضامندی سے تھی اور اس میں زید نے صرف اتنا لکھا کہ ''میں نے تجھ سے خلع کرلیا'' تب تو اتنا لکھنے میں طلاقِ بائن واقع ہوگئی، کیونکہ یہ خود طلاق ہے اور اس تحریر کا بیوی کے پاس پہونچنا اور اس کا قبول کرنا بھی ضروری نہیں (۲)۔

اور اگر اس تحریر میں یہ تھا کہ ''میں نے تم سے مہر کے عوض خلع کرلیا'' تو اس تحریر سے خلع کا صحیح ہونا اور اس سے طلاق کا واقع ہونا ہندہ کے قبول کرنے پر موقوف تھا، جب ہندہ کے پاس یہ تحریر پہونچی، اگر اس نے مجلس میں قبول کرلیا تب تو خلع صحیح ہوکر مہر ساقط ہوگیا اور طلاق بائن واقع ہوگئی۔ اگر ہندہ نے اس مجلس میں قبول نہیں کیا تو اب اس کو قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہا(۳)، اس صورت میں زید کی تحریر بیکار گئی، دونوں بدستور شوہر

---

(۱) "وأما ركنه إذا كان بعوض الإيجاب والقبول؛ لأنه عقدٌ على الطلاق بعوض". (ردالمحتار: ۴۴۱/۳، باب الخلع، سعيد)

(وكذافي المبسوط للسرخسي: ۱۶۰/۳، باب الخلع، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴۵۳/۳، الفصل السادس عشر في الخلع، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "ثم الكنايات على ثلثة أقسام: .... ومايصلح جواباً وشتماً: خلية، برية، بتة، بتلة، بائن، حرام .... والحق أبويوسف رحمه الله بخلية وبرية وبتة وبائن أربعةً أخرىٰ .... وهي الأربعة المتقدمة، وزاد: خالعتك، والحقي بأهلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۵/۱، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع: ۲۳۲/۴، فصل في الكنايات في الطلاق، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "قال الزوج: إن جئتني بألف أو أعطيتني أو أديتني ألف درهم، فأنت كذا، فهو على المجلس". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۹۷/۱، الباب الثامن في الخلع، الفصل الثالث في الطلاق على المال، رشيديه)

"ويقتصر قبولها على مجلس علمها". (الدرالمختار). "حتى لو كانت غائبةً، فبلغها، فلهاالقبول، لكن في مجلسها؛ لأنه في جانبهامعاوضة". (ردالمحتار: ۴۴۶/۳، باب الخلع، سعيد)

وبیوی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

روپے کے عوض طلاق

سوال[۱۵۰۵]: ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ اگر تو مجھے طلاق دیدے تو میں تجھے تین سو روپے دوں، خاوند نے اقرار کیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر نے کیا اقرار کیا، صرف وعدہ کیا یا طلاق دے بھی دی، اگر صرف وعدۂ طلاق کیا ہے تو اس سے طلاق نہیں ہوئی (۱)، ہاں! اگر طلاق دے دی ہے اور تین سو روپے کے عوض میں دی ہے تو طلاقِ بائن واقع ہوگئی (۲)، رجعت کا حق باقی نہیں رہا، اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح درست ہے (۳)۔ اگر تین طلاق

---

(۱) "بخلاف قوله: طلقي نفسك، فقالت: أنا أطلق نفسي، لم يقع؛ لأنه وعد، جوهرة". (الدرالمختار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الطلاق، الفصل الأول، جنس آخر في ألفاظ الطلاق: ۲/۸۱، رشيديه)

(۲) "إن طلقها على مال فقبلت، وقع الطلاق، ولزمها المال، وكان الطلاق بائناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۹۵، الفصل الثالث في الطلاق على المال، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۴۴۴، باب الخلع، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۴۵۳، إيقاع الطلاق بالمال، إدارة القران كراچی)

(۳) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۲۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار، باب الرجعة: ۳/۴۰۹، سعيد)

دی ہیں تو بلا حلالہ ہوئے نکاح بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف ۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

مہر اور نفقہ کے عوض بیوی کی منظوری پر طلاق

سوال [۶۵۰۲]: اشفاق احمد نے اپنے بھائی عاشق محمد اور اپنی والدہ کے اثر و دباؤ اور منشاء کے مطابق اپنی بیوی مسماۃ عظیماً کو طلاق دینے کی خواہش کا اظہار کیا، جبکہ عظیماً طلاق لینا نہیں چاہتی تھی۔ ساتھ ہی عاشق محمد نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر عظیماً نے طلاق نہیں لی تو ہم گھر لاکر ظلم و زیادتی کریں گے اور ناک نقشہ بگاڑ دیں گے۔ عظیماً کے والد نور اللہ خان صاحب نے جب اشفاق محمد کو سمجھایا تو جواب ملا کہ جو عاشق چاہیں گے وہی ہوگا۔ چنانچہ اس دھمکی کے پیش نظر عظیما بی کے کچھ اعزہ نے ایک تحریر معافی نان ونفقہ کی لکھ کر عظیما بی سے ان کی لاعلمی میں اور مرضی کے خلاف اس پر انگوٹھا لگوا کر اشفاق محمد کو دیا۔ اور اس کے بعد ایک تحریری طلاق نامہ منجانب اشفاق محمد مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھا گیا:

نقل طلاق نامہ

''میں اشفاق محمد آج مورخہ ۳۰/ دسمبر ۱۹۵۳ء برضاء ورغبت بلا کسی جبر واکراہ اپنی بیوی مسماۃ عظیما بی کو بعوض مہر اور نان نفقہ وغیرہ کے طلاق دیتا ہوں''۔

اس تحریر پر اشفاق محمد نے معدودگواہاں اور راقم کے دستخط کرائے، بعد ازاں عظیما بی کے بھائی حبیب اللہ خان سے اشفاق محمد نے طلاق کے الفاظ کہے: ''میں نے طلاق دی'' تین بار زبانی کہلوائے، جبکہ اصل

---

(۱) ''وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرۃ وثنتین فی الأمۃ، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها، کذا فی الهدایۃ، اهـ''. (الفتاویٰ العالمکیریۃ، فصل فیما تحل به المطلقۃ ومایتصل به: ۱/۴۷۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الهدایۃ، باب الرجعۃ، فصل فیما تحل به المطلقۃ: ۲/۳۹۹، شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی تبیین الحقائق، فصل فیما تحل به المطلقۃ: ۳/۱۴۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

طلاقنامہ میں تین طلاق کے الفاظ تحریر نہیں ہیں، بلکہ صرف بالعوض مہرونان ونفقہ کے مندرجہ بالا الفاظ ہیں۔ عظیماً بی کو جب طلاق بالعوض مہرونان نفقہ کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ میں نے مہر اور نان نفقہ نہ معاف کیا ہے اور نہ کروں گی، بلکہ حقِ مہرونان ونفقہ واجب الاداء ہے اور لوں گی، مجھ سے دھوکہ سے زبردستی معافی نامہ پر انگوٹھا لگوایا ہے۔ انہوں نے زبان سے مہر وغیرہ معاف نہیں کیا۔

یہ بات واضح رہے کہ اس جملہ کارروائی کے وقت اشفاق محمد عاقل وبالغ اور خودمختار تھے اور یہ لوگ طلاق دینے کا مصمم ارادہ کر کے ہی آئے تھے، اور اس کا اظہار بھی عاشق محمد کی طرف سے عاشق محمد کے ذریعہ ہوا تھا۔ نیز عظیماً بی کا اب بھی یہ بیان ہے کہ نہ میں نے طلاق کی خواہش کی اور نہ مہر وخرچہ معاف کیا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں برائے کرم بالتفصیل شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔

۱...... یہ طلاق کی صورت ہے یا خلع کی؟ اگر طلاق ہے تو کس قسم کی؟

۲...... اگر طلاق واقع ہوگئی ہے تو اب دونوں کی بحیثیتِ زوجین دوبارہ رہنے کی کیا شکل وصورت ہے؟

۳...... نیز یہ کہ اگر بالعوض معافی مہر کے جواز کو لے کر طلاق واقع نہ ہوئی ہو اور عظیماً بی اب مہرونان ونفقہ معاف کردیں تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳...... تحریر میں طلاق مہر ونفقہ کے عوض ہے جو کہ بیوی کی منظوری پر موقوف ہے اور خلع کے درجہ میں ہے، اگر بیوی نے منظور کرلیا تو ایک طلاق بائن کا حکم ہوگا (۱) ورنہ کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ سوال میں درج ہے کہ ''بیوی نے اس کو منظور نہیں کیا اور جو تحریر بیوی سے لی گئی ہے وہ دھوکہ دیکر لی گئی ہے'' اس لئے یہ تحریر بیکار گئی، اس سے نہ طلاق ہوئی، نہ مہر معاف ہوا۔

---

(۱) ''إذا کان بعوض الإیجاب والقبول؛ لأنہ عقد علی الطلاق بعوض، فلاتقع الفرقۃ، ولایستحق العوض بدون القبول''. (ردالمحتار: ۳/۴۴۱، باب الخلع، سعید)

''وحکمہ أن الواقع بہ ولوبلامال وبالطلاق الصریح علی مال طلاقٌ بائن''. (الدرالمختار: ۳/۴۴۴، باب الخلع، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۳/۴۵۳، الفصل السادس عشر فی الخلع، إدارۃ القرآن کراچی)

البتہ جب اس کے بعد زبانی شوہر سے کہلوایا کہ "میں نے طلاق دی" اور شوہر نے تین دفعہ یہ کہا اور اس میں مہر ونفقہ کے عوض یا معافی کا ذکر نہیں، تو اس زبانی کہنے سے طلاقِ مغلظہ ہوگئی (۱) اور مہر معاف نہیں ہوا (۲)، نفقۂ عدت بھی ساقط نہیں ہوا (۳) اور اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح کی کوئی شکل نہیں (۴)۔ بیوی اب اگر مہر ونفقۂ عدت معاف کردے تو اس کا حق ہے وہ معاف کرسکتی ہے (۵) مگر نکاح

---

(۱) "كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دُيِّن". (الدر المختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۸۸/۳، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۶/۱، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل في الأول في الطلاق في الصريح، رشيديه)

(۲) "(وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها، و) يجب (الأكثر منها إن سمى) الأكثر، ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أو موت أحدهما) أو تزوج ثانياً في العدة". (الدر المختار: ۱۰۲/۳، باب المهر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ۳۰۳/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح من شروطه المهر، بيان ما يتأكد به المهر: ۵۸۴/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أو لم تكن، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۵۷/۱، الفصل الثالث في نفقة المعتدة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۱۷/۲)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقة، فصل في نفقة العدة: ۴۴۱/۱، رشيديه)

(۴) "﴿فإن طلقها﴾ الزوج بعد الثنتين ﴿فلا تحل له من بعد﴾ بعد الطلقة الثالثة ﴿حتى تنكح﴾ تتزوج ﴿زوجاً غيره﴾". (تفسير الجلالين، ص: ۳۵، سورة البقرة)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۲/۱، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۵) "(وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أولا، ويرتد بالرد، كما في البحر". (الدر المختار). =

بغیر حلالہ کے نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۱۳۹۰ھ۔

خلع میں بدل خلع دینے سے بیوی کا انکار

سوال [۶۵۰۷]: زید کی بیوی نے زید سے کہا کہ میں ایک بیگہ زمین آپ کو دیتی ہوں، اس کے عوض آپ مجھے خلع کردیں، چنانچہ زید نے اس شرط مذکور پر خلع کردیا، اب زید کی بیوی وہ زمین مذکور بعد خلع رجسٹری کرنے کو تیار نہیں ہے۔ تو کیا خلع باقی رہا یا نہیں؟ زید بیوی رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید کی بیوی اس کی زوجیت سے نکل گئی یا نہیں؟ اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت بیوی نے یہ کہا کہ میں ایک بیگہ زمین آپ کو دیتی ہوں، اس کے عوض آپ مجھے خلع کردیں، اور زید نے اس کو منظور کرلیا تو جبھی خلع ہوکر طلاقِ بائن واقع ہوگئی (۱)، اب بیوی کو زمین دینے اور رجسٹری کرانے سے انکار کا حق نہیں رہا (۲)، زید کے نکاح سے وہ بیوی نکل چکی ہے، تاہم دونوں رضامند ہوں تو دوبارہ

= "(قوله: وصح حطها) الحط: الإسقاط، كما في المغرب. وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، ولا بد من رضاها". (ردالمحتار: ۳/ ۱۱۳، مطلب في حط المهر والإبراء منه، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۴۹، باب المهر، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۳۶، كتاب النكاح، باب المهر)

(۱) "إذا كان بعوض الإيجاب والقبول؛ لأنه عقد على الطلاق بعوض، فلاتقع الفرقة، ولايستحق العوض بدون القبول". (الدرالمختار). "وحكمه أن الواقع به ولو بلامال ربالطلاق الصريح على مال طلاقٌ بائن". (ردالمحتار: ۳/ ۴۴۱، ۴۴۴، باب الخلع، سعيد)

(وكذافي الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۵۳، الفصل السادس عشرفي الخلع، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذافعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۸۸، الباب الثامن في =

نکاح کرکے ساتھ رہ سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خلع اور لعان کی ایک صورت

سوال[۲۵۰۸]: زید نے عدالت نائب شریعت میں یہ دعویٰ کیا کہ ہندہ میری زوجہ کو میرے سپرد کیا جائے۔ ہندہ نے نائب قاضی کے روبرو یہ دعویٰ کیا کہ میں اپنے شوہر کی سختیوں کی وجہ سے پریشان ہوں، مجھ کو طلاق دلا دی جائے۔ دورانِ مقدمہ زید نے یہ درخواست کی کہ اگر ہندہ مہر معاف کرے تو اس کو طلاق دینے کو تیار ہوں۔ قاضی نے زید سے یہ تصدیق کی کہ یہ درخواست اس نے سوچ سمجھ کر لکھوائی؟ زید نے اقرار کیا کہ ہاں یہ درخواست اس نے لکھوائی ہے، نائب قاضی نے اسی درخواست پر اپنی تصدیق لکھدی۔ بعدۂ ہندہ سے پوچھا: تُو مہر وغیرہ معاف کرتی ہے تو ہندہ نے مہر وغیرہ معاف کیا۔

دورانِ مقدمہ زید نے یہ بھی بیان دیا تھا کہ ہندہ پر اس کو زنا کار ہونے کا شک ہے، نائب قاضی نے مسئلہ قاضی کے پاس بھیجی اور یہ لکھا کہ میرے نزدیک مقدمہ خلع ولعان کا ہے، خلع کر دیا جائے یا لعان کر دیا جائے۔ قاضی نے یہ فیصلہ دیا کہ خلع جس کو دعویٰ طلاق بالمہر کہنا چاہیئے کسی عدالت میں سماعت کے لائق نہیں ہے، البتہ لعان کی نالش ہندہ کر سکتی ہے۔ ہندہ نے لعان کی نالش کی مقدمہ منظور ہوا۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ لعان کی حقدار ہے یا نہیں؟ زید درخواست سے انکار کرتا

= الخلع ومافی حکمه، رشیدیه)

(وکذافی تبیین الحقائق: ۱۸۴/۳، باب الخلع، دارالکتب العلمية، بیروت)

(وکذافی الهداية: ۴۰۴/۲، کتاب الطلاق، باب الخلع، شرکت علمیه، ملتان)

(۱) "إذاکان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجهافی العدة وبعد انقضاءها". (الفتاویٰ العالمکیرية: ۴۷۲/۱، فصل فیماتحل به المطلقة ومایتصل به، رشیدیه)

(وکذافی تبیین الحقائق: ۱۶۲/۳، فصل فیما تحل به المطلقة، دارالکتب العلمية، بیروت)

(وکذافی الدرالمختارعلی تنویرالأبصار: ۴۰۹/۳، باب الرجعة، سعید)

ہے کہ اسے طلاق نہیں دی۔ اگر ہندہ مہر وغیرہ معاف کرے تو دو طلاق دینے کو تیار ہے، کیا شرعاً انکار قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تمام تحریر میں زید کا کوئی ایسا لفظ نقل نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے زوجہ پر طلاق واقع ہو جائے، صرف ایک وعدہ ہے کہ اگر ہندہ مہر معاف کردے تو اس کو طلاق دینے کو تیار ہوں، اس وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی (۱)۔ اگر زید درخواست مذکور کا انکار نہ کرے، اقرار ہی کرے تب بھی صرف اس درخواست سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ زید نے زنا کار ہونے کا محض شک کیا ہے، اس سے لعان نہیں آتا، اگر صراحۃً زوجہ کو زانیہ کہتا اور چار شاہد عینی نہ پیش کر سکتا تو البتہ حسبِ قانونِ شرع لعان کرتا (۲)۔

اگر زید طلاق دیدے تب تو مہر معاف ہو جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے اور کم از کم دو معتبر شاہد اس بات کے موجود ہوں کہ درخواست جس کا زید اب انکار کرتا ہے زید ہی کی ہے تو پھر مہر بھی معاف نہیں ہوگا، کیونکہ زوجہ نے زید کی اسی درخواست پر مہر معاف کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق کے عوض میں مہر معاف کیا ہے، اب جب وہ طلاق نہیں دیتا تو مہر بھی معاف نہیں ہوتا:

"إذا طلب إبراء ها له عن المهر والنفقة صريحاً ليطلقها، فأبرأته وطلقها فوراً، يصح الإبراء؛ لأنه إبراء بعوض.......... فإذا لم يطلقها، لم يبرأ.......... فقد صرح في الخانية بأنها

---

(۱) "بخلاف قوله: طلقي نفسک فقالت: أنا أطلق، أو أنا أطلق نفسي، لم يقع؛ لأنه وعد، جوهرة".

(الدرالمختار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الطلاق، الفصل الأول، جنس آخر في ألفاظ الطلاق: ۲/۸۱، رشيديه)

(۲) " وإذا قذف الرجل امرأته بالزنا، وهما من أهل الشهادة والمرأة ممن يُحدّ قاذفها، أو نفى نسب ولدها وطالبته بموجب القذف، فعليه اللعان". (فتح القدير: ۴/۲۷۶، ۲۷۷، باب اللعان، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۱۸۹، ۱۹۰، باب اللعان، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۲۴، باب اللعان، دارالكتب العلمية بيروت)

لو أبرأته عما لها عليه على أن يطلقها، فإن طلّقها، جازت البراءة، وإلا فلا". ردالمحتار: ۸۷۶/۲(۱)۔

خلع کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ عدالت ہی میں جا کر کیا جائے، بلکہ زوجہ مہر معاف کردے اور شوہر اپنے حقوقِ زوجیت ساقط کردے، بس خلع ہوگیا اور خلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۰/۵۹ھ۔

نابینا کے ساتھ نکاح کے بعد خلع

سوال[۱۵۰۹]: میری لڑکی جو کہ تقریباً ۴/ سال سے بالغ ہے، اس کا نکاح تقریباً ۶/ سال قبل یعنی اس کے سن بلوغیت سے ۲/ سال پہلے ایک لڑکے سے ہوا تھا، نکاح جیسا کہ موجودہ مسلم معاشرہ کا خصوصاً ہمارے دیہاتوں کا دستور ہے میں نے اپنی صوابدید پر اپنے گاؤں پڑوسیوں کے مشورہ پر لڑکے کو بغیر دیکھے کرآیا تھا۔ نکاح کے تقریباً ۸/ ماہ بعد جب میں خود لڑکے کے یہاں گیا تو معلوم ہوا کہ لڑکا بالکل نابینا ہے اور اس کو موتیا بند ہے، اور نکاح کے قبل مجھ سے یہ پوشیدہ رکھا گیا کہ لڑکے کو موتیا بند بیماری ہے۔ بہر حال لڑکی کے بالغ ہونے سے تقریباً دو سال قبل میں نے نکاح کرادیا تھا۔ ایسی صورت میں میری لڑکی وہاں جانے کو تیار نہیں ہے۔

لڑکا نکاح کے بعد کبھی میرے گھر نہیں آیا۔ لڑکے کی مالی حالت بھی اچھی نہیں کہ وہ بلا محنت مزدوری نان ونفقہ دے سکے، اور وہ مزدوری کیسے کرسکتا ہے جب کہ وہ نابینا ہے۔ اب چار سال سے یہ بالغ لڑکی میرے اوپر

---

(۱) (ردالمحتار: ۴۵۴/۳، باب الخلع، مطلب: حادثة الفتوى أبرأته عن مهرها، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴۵۳/۳، إيقاع الطلاق بالمال، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة، ولزمها المال". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۸۸/۱، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۱۱/۴، باب الخلع، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴۵۳/۳، الفصل السادس عشر في الخلع، إدارة القرآن، كراچى)

بارہے۔ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آنکھوں میں موتیا بند ہونے کے باوجود کیا ضروری ہے کہ قدرت نے اس کے لئے روزی کا دروازہ بند کردیا ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ لڑکی کو رخصت کردیا جائے اور لڑکی کو چاہیے کہ والد کے کئے ہوئے نکاح کا احترام کرکے رخصت ہوجائے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہوتو مہر کے عوض طلاق حاصل کرلی جائے، پھر لڑکی کا عقد دوسری جگہ کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۳/۲۵ھ۔

معافیٔ مہر کی شرط پر طلاق کی صورت

سوال [۶۵۱۰]: اگر کوئی شخص مسافتِ بعیدہ کی وجہ سے آنہیں سکتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی منکوحہ کو اس شرط پر طلاق دے کہ وہ اس کا مہر معاف کردے تو اس کی کونسی صورت مناسب ہوگی؟

۱......آیا وہ وہیں سے طلاق کو مہر کی معافی اور مہر کی معافی کی تحریر منجانب عورت پر معلق کرکے تحریری طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے، اس طرح پر طلاق کو مہر کی معافی کی تحریر پر معلق کرنے سے بلا معافی مہر کے طلاق کا وقوع تو نہیں ہوگا؟

۲......یا وہ بذریعۂ تحریر کے کسی شخص کو اپنی زوجہ سے مہر کی معافی کی تحریر لیکر طلاق دینے کا وکیل بنادے، تاکہ دونوں صورتوں میں جو صورت بحکم شرع مستحسن ہو اس کو اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

محمد شعیب عفی عنہ، مدرس مدرسہ چشمہ رحمت، شہر غازی پور، ۴/ اکتوبر۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم أن لایقیما حدود اللہ، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما یصلح للمهر بغیر عکس کلی لصحة الخلع بدون العشرة وبما فی یدها وبطن غنمها". (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۳/ ۴۴۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع ومافی حکمه: ۱/ ۴۸۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں صورتیں شرعاً درست ہیں، دونوں صورتوں میں بغیر معافی مہر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کسی وکیل پر اعتماد ہو تو وکالت کی صورت اختیار کرلے، خود زوجہ کی تحریر پر اعتماد زیادہ ہو تو بلا واسطہ زوجہ کی تحریر منگالے(۱) اور معافی مہر کی تحریر پر معتمد گواہوں کے دستخط بھی کرالے۔ اگر عورت خلع کی درخواست دے کر بذریعہ عدالت مسلمہ بعوض معافی مہر نکاح فسخ کرالے تب بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "إن طلقها على مال فقبلت، وقع الطلاق، ولزمها المال، وكان الطلاق بائناً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۹۵، الفصل الثالث في الطلاق على المال، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۰۵، باب الخلع، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

" وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۰۴، كتاب الطلاق، باب الخلع، شركة علميه ملتان)

باب الرجعة

(رجعت کا بیان)

رجعت کا ثبوت

سوال[۶۵۱۱]: ایک الجھا ہوا سوال ہے، طلاق کا جھگڑا ہے (جس کا خلاصہ کچھ جواب سے ہی ظاہر ہو رہا ہے) جس پر دارالافتاء سے مندرجہ ذیل حکم لکھا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ طلاق پر دونوں کا اتفاق ہے، اس کے بعد شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرلی۔ اب اگر عورت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ہاں شوہر نے رجعت کرلی تھی، یا اس کا اقرار کرتی ہے کہ شوہر نے میرے ساتھ ہمبستری کی، یا بوس وکنار کیا ہے تو پھر کسی مزید شہادت کی حاجت نہیں، رجعت کی صحت وثبوت کے لئے یہی کافی ہے(۱)۔

اگر بیوی رجعت کا انکار کرتی ہے اور صحبت وغیرہ کا بھی انکار کرتی ہے کہ اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں آئی تو پھر شوہر کے ذمہ دو گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے جو گواہی دیں کہ شوہر نے ہمارے سامنے (عدت ختم ہونے سے پہلے) یہ کہا ہے کہ میں نے رجعت کرلی، یا اپنی طلاق واپس لے لی۔ اگر یہ گواہی شوہر پیش کردے تو رجعت کا حکم کردیا جائے گا(۲)۔ اگر گواہی پیش نہ کرسکے تو عورت کا انکار رجعت سے قبول کیا جائے گا اور اس پر قسم بھی

---

(۱) "وإذا انقضت العدة فقال: كنت راجعتها في العدة، فصدقته، فهي رجعة، كذا في الهداية".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۱، سعيد)

(۲) "(و) كذا (لو أقام بينةً بعد العدة أنه قال في عدتها: قد راجعتها، أو) أنه (قال: قد جامعتها) ...... =

نہیں آئے گی (۱)۔طلاق کی عدت تین حیض ہے جس کی ادنیٰ مدت ساٹھ دن ہے، یعنی ساٹھ دن میں تین حیض آسکتے ہیں (۲) اگر حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوتی ہے (۳)۔

تنبیہ: اگر شوہر نے زبان سے طلاق نہیں دی اور بیوی کے سامنے تحریر لکھ کر دی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی (۴)، پھر رجعت یا اس کے ثبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو طلاق اور رجعت کا علم ہونا ضروری نہیں

سوال [۶۵۱۲]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بیوی کو معلوم نہیں تو اس صورت میں خود بخود

= (كان رجعة)؛ لأن الثابت بالبينة كالثابت بالمعاينة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۴۰۱، ۴۰۲، سعيد)

(۱) "في الروضة لو اتفقا على انقضاء العدة واختلفا في الرجعة، فالصحيح أن القول قولها، وعليه الجمهور، كذا في غاية السروجي. ولا يمين عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة الخ: ۱/۴۸۰، رشيديه)

(۲) "(وهي في) حق (حرة) ولو كتابيةً تحت مسلم (تحيض لطلاق) .... (ثلاث حيض كوامل). ولو بالحيض، فأقلها لحرة ستون يوماً، ولأمة أربعون". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۵۰۴-۵۲۳، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۹۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۳) "وإن كانت حاملاً فعدتها أن تضع حملها لقوله تعالى: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾". (الهداية، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۲۳، شركة علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۲۵۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) بعض اردو فتاویٰ میں بیوی کے سامنے ہونے کی صورت میں تحریری طلاق سے وقوعِ طلاق کا حکم لکھا گیا ہے، اور اس کے لئے عام فقہی عبارات لکھی گئی ہیں، لیکن حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے شامی کے صریح جزئیہ کو مدِ نظر رکھ کر عدمِ وقوع لکھا ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وظاهره أن (الكتاب) المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۶/۷۳۷، سعيد)

اور چونکہ تحریر، عبارت کا قائم مقام ہے اور جب خود عبارت پر قدرت ہو تو تحریر کا اعتبار نہیں ہوتا۔

(فضلِ مولیٰ ابن القاضی فضلِ خالق)

بیوی کے عدت کی نیت کئے بغیر عدت گزر جائے گی یا نہیں؟ نیز شوہر اپنے طور پر رجوع کرے، دل میں نیت کرے یا زبان سے کہدے کہ میں رجوع کرتا ہوں، بیوی کو جیسے طلاق کا علم نہیں، ایسے ہی رجوع کا بھی علم نہیں۔ تو اس صورت میں شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بیوی کو اس کا علم نہیں ہے، جب بھی وقتِ طلاق سے ہی عدت شروع ہوجائے گی، عدت کا گزرنا عورت کے علم پر موقوف نہیں:

"وكذا تنقضي العدة بدون العلم به، الخ. وعلى هذا يبنى وقت وجوب العدة أنها تجب من وقت وجود سبب الوجوب من الطلاق والوفات وغير ذلك، حتى لوبلغ المرأةَ طلاقُ زوجها، أو موته، فعليها العدة من يوم طلق أومات.......... ولما كان الركن هوالأجل عندنا، وهو مضي الزمان، لايقف وجوبه على العلم به، كمضي سائر الأزمنة". بدائع: ۱۹۰/۳(۱)۔

اس طرح اگر شوہر نے رجعت کرلی تو بہتر یہ ہے کہ عورت کو مطلع کردے، لیکن اگر مطلع نہ کرے جب بھی رجعت درست ہوجائیگی:

"وندب إعلامها بها، لكيلا تنكح غيره بعد انقضاء العدة". الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷۳۱/۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۴۱۵/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما يتعلق بتوابع الطلاق، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۴۰۱/۳، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۳۳/۱، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۰/۱، الباب السادس في الرجعة الخ، رشيديه)

طلاق، عدت اور رجعت کی تفصیل

سوال[۶۵۱۳]: مسلمانوں میں شادی کے متعلق ہمیں یہ بتایئے کہ اگر ایک مسلمان اپنی بیوی کو چند سیکنڈ کے وقفہ سے طلاق دیتا ہے تو شادی ناجائز ہو جاتی ہے۔ اس سے دوبارہ کیسے شادی ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق اور اس کے بعد دوبارہ نکاح میں بڑی تفصیل ہے، اگر نکاح کا ایجاب وقبول ہونے کے بعد تنہائی ویکجائی ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی خواہ ایک یا دو طلاق دی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، (حلالہ کی ضرورت نہیں)(۱)۔ اگر تین طلاق ایک لفظ سے دی ہو مثلاً اس طرح کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو بغیر حلالہ کے نکاح کی گنجائش نہیں رہی (۲)۔

اگر نکاح کے بعد دونوں میں یکجائی وتنہائی ہو چکی تھی، پھر طلاق دی ہے تو اگر ایک یا دو طلاق صاف لفظوں میں دی ہے مثلاً اس طرح کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا اس کو دو طلاق دی تو اس کا حکم یہ ہے کہ عدت (تین ماہواری) گذارنے سے پہلے پہلے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہے (۳) جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ

---

(۱) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، فصل فيما تحل به المطلة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۲۶، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وإن كان الطلاق ثالثاً في الحرة.......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۱۷۷، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۹۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلة، رشيديه)

(۳) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، باب الرجعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲، باب الرجعة، دار احياء التراث العربي بيروت)

زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجعت کرلی، یا یہ کہ اپنی طلاق کو واپس لے لیا، یا وہ معاملہ کرے جو شوہر اور بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، ایسا کرنے یا کہنے سے نکاح قائم رہے گا، دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں ہوگی (۱)۔

اگر رجعت نہیں کی اور عدت ختم ہوگئی تو دوبارہ نکاح کی اجازت ہوگی (حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی)(۲)۔

اگر تین طلاق دیدی یا تین لفظوں سے مثلاً اس طرح کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت نہیں، حلالہ یہ ہے کہ عدت ختم ہونے تک شوہر سے بالکل پردہ میں رہے، سامنے نہ آئے، ایک جگہ تنہائی میں اس کے پاس نہ جائے، جب عدت ختم ہوجائے تو دوسرے شخص سے اس کا نکاح ہو، وہ ہمبستری کرے، پھر وہ مرجائے یا طلاق دیدے اور اس کی عدت ختم ہوجائے، تب اس میں تین طلاق دینے والے شوہر سے دوبارہ نکاح کیا جائے (۳)، طلاق کی عدت تین ماہواری کا گذرنا ہے، اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، شوہر کا انتقال ہوجائے تو اس کی عدت چار ماہ دس

(۱) "(فالسني) أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين، ويعلمها بذلک، فإذا راجعها بالقول نحو أن يقول لها: راجعتک، أو راجعت امرأتي، ولم يشهد على ذلک، أو أشهد ولم يعلمها بذلک، فهو بدعيٌّ، مخالفٌ للسنة، والرجعة صحيحةٌ. وإن راجعها بالفعل مثل أن يطأها، أو يقبلها بشهوة أو ينظر إلى فرجها بشهوة، فإنه يصير مراجعاً عندنا، إلا أنه يكره له ذلک، ويستحب أن يراجعها بعد ذلک بالإشهاد". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴٦۸، باب الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۵، باب الرجعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۲٦، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة .... لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۱۷۷، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۹۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

روز ہے (۱)۔ اگر شوہر کے ساتھ یکجائی وتنہائی ہونے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو عدت واجب نہیں، جو صورت پیش آئی ہو اس پر جواب کو منطبق کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۹۱ھ۔

''اب ایسا نہیں کروں گا'' کہنے سے رجعت نہیں ہوتی

سوال [۶۵۱۴]: آپ کا فتویٰ ملا، اب شوہر نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق کے لئے خط لکھا مگر اب ایسا نہیں کروں گا، میری بیوی کو بھیج دیجئے۔ تو اس سے رجعت ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جملوں سے رجعت نہیں ہوتی، بلکہ آئندہ طلاق دینے سے انکار ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أو رجعياً، أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء. وعدة الحامل: أن تضع حملها، وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲۶-۵۲۹، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۶۸، ۲۵۳، باب العدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "اربع من النساء لاعدة عليهن: المطلقة قبل الدخول ...... اهـ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۵۷، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲، باب الرجعة، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "وهي على ضربين: سنيٌ وبدعيٌ (فالسني) أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين، ويعلمها بذلك. فإذا راجعها بالقول نحو: أن يقول لها: راجعتك، أو راجعت امرأتي، ولم يشهد على ذلك، أو أشهد ولم يعلمها بذلك، فهو بدعي مخالف للسنة، والرجعة صحيحة. وإن راجعها بالفعل مثل: أن يطأها أو يقبلها بشهوة أو ينظر إلى فرجها بشهوة، فإنه يصير مراجعاً" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۶۸، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة، رشيديه) ....=

دوطلاق کے بعد دوبارہ نکاح

سوال[۶۵۱۵]: میں بدرستی ہوش وحواس بلاکسی جبر واکراہ کے تحریر کرتا ہوں کہ مسماۃ ہاجرہ بیگم دختر نصیر محمد ساکن کڑوار ضلع سلطانپور کو جو میرے نکاح میں ہے بوجوہ ذیل طلاق دیدی اور اپنے نکاح سے علیحدہ کردیا۔

۱-جن امور میں مسماۃ موصوفہ پر بحیثیتِ زوجہ ہونے کے میری اطاعت واجب تھی ان میں بھی وہ میری اطاعت نہ کرتی تھی اور میری خلافِ مرضی عمل کرتی تھی اورنہایت دل آزار رویہ اختیار کرتی تھی۔

۲-مسماۃ موصوفہ کے عادات واطوار سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے نکاح میں رہنا پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ کئی مرتبہ اس نے مجھے باصرار کہا کہ مجھے طلاق دیدو۔

۳-میری بلا اطلاع اور بلا اجازت میرے مکان سے بے حجابانہ بھاگ کر چلی گئی جو میری سخت توہین اوردل آزاری کا باعث ہوا۔ بوجوہ مذکورہ ہم کو یقین ہوا کہ میرے اور مسماۃ موصوفہ کے تعلقاتِ زن وشوہر خوشگوار نہیں رہ سکتے، اس لئے میں نے یہ طلاق نامہ لکھدیا اوراس کی اطلاع اس کے والدین کو بذریعہ رجسٹری کردی تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے۔ ایک طلاق نامہ جس کی نقل استفتاء ہذا کے ساتھ منسلک ہے، اپنی زوجہ ہندہ کے نام بذریعہ رجسٹری روانہ کیا، ہندہ نے وصول کیا۔ زید سے جب اس طلاق نامہ کی تصدیق کی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ یہ طلاق نامہ اس نے لکھا ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ:

۱......اس طلاق نامہ کے لکھنے اورزبانی اقرار کرنے سے ہندہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

۲......اگر مطلقہ ہوئی تو یہ طلاق کس قسم کی ہوئی؟ اوراس کا کیا حکم ہے؟ یعنی زید کو رجوع کا حق ہے یا نہیں؟ اگر اس کو رجوع کا حق ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور رجوع کے لئے زوجہ کی رضامندی شرط ہے یا نہیں؟

۳......زید کی زوجہ ہندہ حاملہ ہے تو اس کی عدت طلاق کیا ہے؟

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ازروئے فقہ حنفی تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

= (وكذا في فتح القدير ۳/۱۵۹، باب الرجعة، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

وكذا في البحر الرائق ۴/۸۵، كتاب الطلاق، باب الرجعة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مطلقہ ہوگئی۔

۲......اس میں دولفظ ہیں: پہلا لفظ ہے ''طلاق دیدی'' اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی (۱) دوسرا لفظ ہے ''اپنے نکاح سے علیحدہ کردیا'' اس سے بائنہ ہوئی (۲) اب رجوع کا حق نہیں رہا، البتہ طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح صحیح ہے عدت میں ہو یا بعد عدت (۳)۔

۳......حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے، وضعِ حمل کے بعد ہندہ کو نکاحِ ثانی کا بھی اختیار ہوگا (۴)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۶/۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "وهو كانت طالق و مطلقة و طلقتك، وتقع واحدة رجعية". (الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۳۵۴، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۹، ۴۰، كتاب الطلاق، باب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۴۷، ۲۴۹، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۲) "لا سبيل لي عليك، لا ملك لي عليك، خليت سبيلك، فارقتك .... لايقع الطلاق إلا بالنية". (الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۳۷۵، الفصل الخامس في الكنايات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۳۰۰، باب طلاق غير المدخول بها، مطلب: لا اعتبار بالإعراب هنا، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۳/۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضاء ها". (الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۴۲، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۰۹، باب الرجعة، سعيد)

(۴) "و(العدة) في حق الحامل مطلقاً وضع جميع حملها". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: =

ایک طلاق کے بعد نکاح کرنے سے دو طلاق کا اختیار رہتا ہے

سوال[۶۵۱۶]: اگر کسی مرد نے بیوی کو طلاق دیدی اور عدت کے بعد پھر اس سے نکاح کرلیا تو کیا یہ نکاح کے بعد دو طلاق کا مالک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوبارہ اسی مطلقہ سے نکاح کرنے کے بعد صرف دو طلاق کا اختیار باقی رہ گیا ہے، اگر وہ عورت بعد عدت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیتی اور پھر اس کی طلاق یا وفات کے بعد اس پہلے شوہر سے نکاح کی نوبت آئی تو پھر یہ تین طلاق کا مالک رہتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۴۰۶ھ۔

طلاق کے بعد تجدید نکاح سے کتنی طلاق کا اختیار رہتا ہے؟

سوال[۶۵۱۷]: زید نے اپنی زوجہ کو ایک یا دو طلاق رجعی یا بائن دیدی پھر اس نے بغیر زوج ثانی کے عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت خود عقد کرلیا، اب مسئول عنہ یہ ہے کہ زید باقی طلاق کا مالک ہے یا پھر سے تین طلاق کا مالک ہوگیا؟ کتب معتبرہ کا حوالہ مع نقل عبارت ضرور ہونا چاہئے؟

المستفتی: محمد بدرالدجیٰ چاٹگامی۔

= ۳/۵۱۱، باب العدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۸، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۵۲، باب العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإذا تـزوجت المطلقة واحدةً أو ثنتين بزوج آخر، قال أبو حنيفة و أبو يوسف رحمهما الله تعالىٰ: يهدم تطليقتين، وتعود إلى الزوج الأول بثلاث تطليقات، خلافاً لمحمد والشافعي". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۷، الفصل الثالث والعشرون في مسائل المحلل، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۰۰، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركت علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۱/۴۷۵، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زید باقی کا مالک ہے، تین طلاق کا مالک نہیں۔ اگر بعد زوج ثانی کے عقد کرتا تو شیخین کے قول کے موافق تین طلاق کا مالک ہوتا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت بھی باقی ہی کا مالک ہوتا، تین طلاق کا پھر بھی مالک نہ ہوتا۔ طلاق رجعی کی صورت میں اپنی مطلقہ سے عدت کے اندر دوبارہ عقد کرنا فعلِ عبث اور لغو ہے، بلکہ ایسی حالت میں فقط رجعت کافی ہوتی ہے، وهذا ظاهر منصوص في الشرع۔ لہذا جو حکم رجعت پر مرتب ہوتا بغیر تجدید عقد کے وہی اس عقد کے بعد مرتب ہوگا:

"وإن قال لامرأته: كلّما ولدت فأنت طالق، فولدت ثلاثة أولاد في بطون مختلفة بين كل ولدين ستة أشهر فصاعداً، فالثاني والثالث رجعية، فإنها لما ولدت الأول، وقع الطلاق، وهو الرجعي، وصارت معتدةً، فلما ولدت الثاني من بطن اخر، علم أنه صار مراجعاً بوطئ حادث في العدة، فبولادة الثاني وقع الطلاق الثاني؛ لأن اليمين معقودة بكلمة "كلّما" والشرط وجد في الملك؛ لأنه ثبت رجعته، ثم لما ولدت الثالث من بطن أخر، علم أنه كان من علوق حادث بغير وقوع الطلاق الثاني، فصار مراجعاً، وتتم الطلقات الثلاث بولادة الولد الثالث، فتحتاج إلى زوج آخر، اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۴۳۷(۱)۔

دیکھئے اگر اس صورت میں بعد رجعت تین طلاق کا مالک ہوتا تو ولدِ ثالث کی ولادت کے بعد تین طلاق واقع ہوکر زوجِ آخر کی احتیاج یعنی طلاقِ مغلظہ واقع نہ ہوتی، طلاق بائن اگر مغلظہ نہیں تب بھی بعد تجدیدِ عقد باقی کا مالک ہوگا:

"ولو تزوجها قبل إصابة الزوج الثاني، كانت عنده بما بقي من الطلاق". كشف الأسرار: ۱/۲۶"(۲)۔

البتہ اگر بعد زوج ثانی کے پھر زید سے عقد کر لیتی تو شیخین کے مذہب پر تین طلاق کا مالک ہوتا:

"خلافاً لمحمد. ويهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث كما يهدم الثلاث، و هذا عند أبي حنيفة

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۱/۴۳۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) (كشف الأسرار شرح المنار، بيان الخاص: ۱/۳۴، قديمي)

وأبي يوسف رحمه الله تعالى، وقال محمد رحمه الله تعالى: لا يهدم ما دون الثلاث، اهـ". هداية(۱)۔

اور یہ سب اختلاف بھی مدخول بہا میں ہے، غیر مدخول بہا میں بالاتفاق باقی ہی کا مالک ہوگا:

"والخلاف مقيد بما إذا دخل بها، وإن لم يدخل لا يهدم اتفاقاً، اهـ". سكب الأنهر: ۱/۴۴۱(۲)۔

تو ہادم زوجِ ثانی ہے، رجعت یا تجدید عقد ہادم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/شوال/۶۱ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۲۴/شوال/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح

سوال[۱۵۱۸]: ایک شخص نے اپنی موطوءہ زوجہ سے کہا کہ "میں نے تجھ کو طلاق بائن دی"۔ اس عورت پر بائن طلاق ہوئی یا رجعی؟ اور وہی شوہر اس سے نکاح بغیر کئے صحبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز بائن طلاق دینے سے فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا یا بعد عدت گزرنے کے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں فوراً نکاح ٹوٹ گیا، طلاق بائن واقع ہوگی، بغیر دوبارہ نکاح کئے صحبت درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۴/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۲/۴۰۰، ۴۰۱، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۵، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۱۸، باب الرجعة، سعيد)

(۲) (سكب الأنهر: ۱/۴۴۰، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۹۸، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۳) "قال لها: أنت بائن، و نوى ثنتين، كانت واحدةً، حتى لو نوى الثلاث، تقع". (الفتاوى العالمكيرية: =

طلاق کے بعد پھر نکاح اور ولادت

سوال[۱۵۱۹]: جس عورت سے میں نے نکاح کیا وہ اپنے کردار و وفاداری میں ناکام رہی، میں نے اس کو دوبارہ ۳ طلاق شرعی لکھ کر دیا اور نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جب پہلی دفعہ طلاق ہوئی تو اس وقت پہلے ایک طلاق بائن لکھی گئی، پھر ایک طلاق کاٹا گیا اور طلاق لکھا گیا۔ اب جو نکاحِ ثانی ہوا وہ صرف ایک سال قائم رہا اور اس دوران ایک لڑکا تولد ہوا۔ اور جو دوسری طلاق ہوئی وہ سہ طلاق دے کر لکھی گئی اور لڑکا ماں کے پاس رہائش پذیر ہے۔

چونکہ اس وقت جوانی کے زور نے مجھے اندھا بنا دیا اور عدالت میں جا کر نکاح خوانی کی یعنی بیان حلفی پر دستخط کئے گئے اور کوئی خطبۂ نکاح نہ ہوا۔ جو لڑکا تولد ہوا وہ ماں کے پاس ہے اور اس کا نام اور ولدیت بھی اس کی ماں نے تبدیل کی ہے۔ تو میرے مرنے کے بعد لڑکے کو کوئی حق میری وراثت میں ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ نے پہلی دفعہ ایک یا دو طلاق زبانی دی یا تحریر لکھ کر بھیجی، اس کے بعد پھر آپ نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا یعنی کم از کم دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا (۱)، اگر چہ اس میں خطبہ نہ ہوا ہو، پھر اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے (۲)، وہ آپ کا لڑکا ہے، آپ کے بعد آپ کی

= ۱/۳۷۵، الفصل الخامس فی الکنایات، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۷۴، فصل فی الطلاق قبل الدخول، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۷۸، باب الکنایات، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(۱) "و شرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً". (الدرالمختار: ۳/۲۱، ۲۲، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۶۷، کتاب النکاح، الباب الأول فی تفسیره شرعاً الخ، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۰۶، کتاب النکاح، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(۲) "وإذا تزوج الرجل المرأة ...... وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، یثبت نسبه عنه اعترف به الزوج أو سکت". (الهدایة: ۲/۴۳۲، باب ثبوت النسب، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۳۶، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، رشیدیه) .... =

وراثت کا حقدار ہے، ماں نے اگر اس کا نام بدل دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے جب تک وہ خود کھانے پینے استنجاء کرنے کے قابل نہ ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

طلاقِ مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے رجوع کرنا

سوال[۲۵۲۰]: زید اپنی بیوی کو تین طلاق بائن دے چکا، زید حنفی ہے، زید نے ایک غیر مقلد سے فتویٰ لے کر پھر اس کو رکھ لیا ہے۔ زید نے تبدیلی مسلک واقعی کرلیا تھا، اب زید پھر حنفی ہوکر صحیح راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ زید کے لئے اب کیا حکم ہے؟ زید کا نکاح ثانی درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ تجدید نکاح کرکے رکھنا حرام ہے، یہ مسئلہ صرف احناف کا نہیں بلکہ اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے (۲)، یہی حدیث شریف سے ثابت ہے جو کہ بخاری شریف ودیگر کتب حدیث

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲۸۲/۳، ۲۸۳، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمّ، إلا أن تكون مرتدةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۴۱/۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۹۱/۳، باب الحضانة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۸۹/۴، حكم الولد عند افتراق الزوجين، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعي ومالك وأبوحنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع الثلاث". (الكامل للنوى على صحيح مسلم: ۴۷۸/۱، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، قديمی)

"فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كان معصيةً". (أحكام القرآن: ۳۸۸/۱، ذكر الحجاج لإيقاع الثلاث معاً، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وذهب جماهير العلماء من التابعين و من بعدهم منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري و أبوحنيفة وأصحابه والشافعي و أصحابه و أحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري للعيني: ۲۳۳/۲۰، باب من =

میں موجود ہے(۱)، یہی قرآن پاک سے ثابت ہے(۲)، اس کے خلاف کرنا ہرگز جائز نہیں، اس کو جائز کہنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ فتح القدیر اور دیگر کتب میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں(۳)۔

اس کی خاطر مذہب تبدیل کرنا مذہب کو کھلونا بنانا ہے جس کا انجام خطرناک ہے، اس کو لازم ہے کہ فوراً اس عورت کو علیحدہ کردے اور اپنی حرکت پر رو کر نادم ہو، توبہ واستغفار کرے(۴) اور جب تک حلالہ نہ ہو جائے

= أجاز طلاق الثلث، محمد أمين دمج بيروت)

(۱) "عن ابن شهاب الزهري قال: أخبرني عروة بن زبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته: أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا، حتى يذوق عسيلتك و تذوقي عسيلته" (صحيح البخاري: ۲/ ۷۹۱، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان ...... فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. "منتظمٌ لِمَعانٍ: منها تحريمها على المطلق ثلاثاً، حتى تنكح زوجاً غيره". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۵۳۲، قديمي)

(۳) "و من الأدلة في ذلك ما في مصنف ابن أبي شيبة والدار قطني في حديث ابن عمر المتقدم: "قلت: يا رسول الله! أرأيت لو طلقتها ثلاثاً؟ قال: "إذاً قد عصيت ربك و بانت منك امرأتك". و في سنن أبي داؤد: عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً، قال: فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: أيطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول: يا ابن عباس، يا ابن عباس!؟ فإن الله عز و جل قال: ﴿و من يتق الله يجعل له مخرجاً﴾ عصيت ربك و بانت منك امرأتك". (فتح القدير: ۳/ ۳۲۹، باب طلاق السنة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/ ۳۵۴، قديمي)

ہرگز اس عورت سے تعلق نہ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۸ھ۔

سنت کے موافق تین طلاق دینے کے بعد رجعت

سوال [۶۵۲۱]: پانچ سال قبل میری شادی ہوئی، دو بچے ہیں، ایک سال پہلے رنجش کے باعث میں نے اپنی بیوی کو تنبیہاً یہ الفاظ کہے "جاؤ تمہیں سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں"۔ میرے ذہن میں سنت تین طلاق کا مفہوم یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور پہلے دو طہر تک رجوع میں ممانعت نہیں، تاہم میں نے صرف آٹھ دن کے بعد رجوع کر لیا، اور جب سے اب تک تعلقات خوشگوار ہیں۔ میں نے اپنے قول و فعل کے بارے میں مقامی علماء سے رہنمائی حاصل کی تو انہوں نے میرے موقف کی تائید کی، لیکن گاؤں کے بعض فتنہ پسند عناصر نے محض جاہلانہ طور پر ہر ایک سال گزرنے کے بعد فتنہ اٹھایا ہے اور میرے پیچھے پڑے ہیں کہ میں نے رجوع کیا، اس کا شرعی جواز نہیں۔ آپ سنت کے مطابق تین طلاق کا مفہوم متعین کر کے رہنمائی فرمائیں تاکہ اشتباہ نہ رہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ نے یہ الفاظ کہے "جاؤ تمہیں سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں" تو تین طہروں میں تین طلاقیں واقع ہوں گی (۱)، البتہ پہلی طلاق کے بعد اور دوسری طلاق کے بعد حقِ رجعت حاصل رہے گا، تیسری طلاق کے بعد تیسرے طہر میں مغلظہ ہو جائے گی، نکاح بالکل ختم ہو جائے گا، نہ رجعت کا اختیار رہے گا نہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش رہے گی (۲)، لہذا تیسری طلاق کے بعد تیسرے طہر میں تعلقِ نکاح کو بالکل ختم

---

(۱) "قال لموطوءة -وهي حال كونها ممن تحيض-: أنت طالق ثلاثاً، أو ثنتين للسنة، وقع عند كل طهر طلقة". (الدر المختار: ۲۳۴/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۰/۱، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره شرعاً وركنه الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۳/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، =

کردیا جائے، شوہر بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں اور عورت تیسری طلاق کے بعد تین حیض پردے میں رہ کر عدت گزارے (۱) پھر کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

تین طلاق کے بعد رجعت

سوال [۶۵۲۲]: ایک شخص نے ایک مرتبہ طلاق دی، اور رجعت کرلی، دوسری مرتبہ طلاق دی، پھر عدت بلکہ دو سال گزرنے کے بعد از سرِ نو نکاح اسی عورت سے مہر کے عوض کیا، اس شخص کا کہنا ہے کہ دوسری مرتبہ نکاح کرنے کے بعد میں نے یوں تو اب تک کئی مرتبہ تکرار ہوئی طلاق کی دھمکی دی، بلکہ نہ جانے کتنی مرتبہ غصہ میں الفاظ نکلے ہوں، مگر دو ہفتہ قبل صریح الفاظ میں طلاق دینے کے الفاظ استعمال کئے۔ کیا اب پھر عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، جب کہ عورت حاملہ ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟ اور کیا حکم شرعی ہے؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ دو مرتبہ نکاح ہوسکتا ہے، اس سے میں کچھ سمجھ نہ سکا، اس کے بارے میں مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ایک دفعہ طلاق دے کر رجعت کرلی جائے اور پھر دوسری مرتبہ طلاق دیکر رجعت کرلی جائے، تو پھر تیسری دفعہ طلاق کے بعد رجعت کا اختیار نہیں رہتا (۲)، ایک دم دو طلاق دے کر بھی رجعت کا

= ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، كتاب الطلاق، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، شركة علميه، ملتان)

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق و هي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۴۲۳، فصل في مقادير العدة و ما تنقضي به، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه) .... =

حق رہتا ہے (۱)، غرض تین طلاق کے بعد حق نہیں رہتا، خواہ تینوں طلاق ایک دفعہ دی جائیں خواہ الگ الگ، پھر خواہ رجعت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، بہر صورت تین طلاق کے بعد مغلظہ ہو جاتی ہے، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا (۲)۔

شخص مذکور نے پہلی طلاق کے بعد عدت کے اندر اگر رجعت کر لی تھی تو وہ صحیح ہوئی تھی، پھر دوسری طلاق کے بعد جب دو سال گزرنے پر دوبارہ نکاح کیا تو اس کو صرف ایک طلاق کا اختیار باقی رہ گیا، جب وہ طلاق بھی دیدی تو مغلظہ ہوگئی، اب نہ رجعت کا اختیار باقی رہا، نہ دوبارہ نکاح کی گنجائش رہی ہے جب تک حلالہ نہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

تین طلاق کے بعد رجعت

سوال [۲۵۲۳]: ۱..... تین مرتبہ طلاق دینا بیک وقت بیک مجلس ایک مرتبہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے، نیز تین طلاق دہندہ سخت گنہگار ہے۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۳/۹۴، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۳، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل وغيرها ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة الخ، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۹۴، باب الرجعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۸۳، باب الرجعة، رشيديه)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۴۱۰، ۴۱۱، سعيد)

۲.....امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی دیگر امام صاحب کے نزدیک تین مرتبہ بیک وقت طلاق دینا ایک طلاق شمار ہے، طلاق دہندہ رجوع کرسکتا ہے۔

۳.....کیا حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی دیگر عالم احناف کا بھی یہی مسلک ہے؟

۴.....کیا طلاق دہندہ کے یہ الفاظ ادا کرنے سے ''طلاق دی، طلا دے چکا، طلاق دے چکا، جہاں تیرا دل چاہے جا، مجھ سے پردہ کرلے''۔ کس قسم کی طلاق واقع ہوتی ہے؟

۵.....کیا مقلد اپنے امام کے علاوہ کسی دیگر ائمہ اربعہ کے کسی فتویٰ یا قول پر عمل کرے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....ایسا کرنا گناہ ہے، مگر پھر بھی تین طلاق ہوکر مغلظہ ہوجائے گی (۱)۔

۲.....ائمۂ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی تین طلاق کے بعد رجعت کا حق نہیں رہتا (۲)، خود قرآن کریم میں ہے کہ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش نہیں۔ ﴿الطلاق مرتان .... فلا تحل له من بعدحتى تنكح زوجاً غيره﴾ الآية (۳)۔ بخاری شریف میں امرأۂ رفاعہ کا قصہ

---

(۱) "فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كان معصيةً". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۸۸، ذكر الحجاج لإيقاع الثلاث معاً، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وأما البدعي الذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة، و بكلمات متفرقة .... فإذا فعل ذلك، وقع الطلاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸۲، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وذهب جماهير العلماء من التابعين و من بعدهم، منهم: الأوزاعي والنخعي والثوري، وأبوحنيفة وأصحابه، والشافعي وأصحابه، و أحمد وأصحابه، وإسحاق، وأبوثور، و أبو عبيدة، و آخرون كثيرون على من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، و لكنه يأثم". (عمدة القاري: ۲۰/۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث لقوله تعالىٰ.... مطبع أمين دمج بيروت)

(۳) (سورة البقرة: ۲۲۹، ۲۳۰)

ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہے(۱)۔

۳..... حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر علمائے احناف کا مذہب بھی وہی ہے جو قرآن پاک میں مذکور ہے اور حدیث شریف سے ثابت ہے یعنی تین طلاق کے بعد رجعت کا حق نہیں (۲)۔

۴..... ایسا کہنے کے بعد بھی رجعت کرنے کا حق نہیں رہا (۳)۔

۵..... یہ طریقہ اختیار کرنا جس امام کا مسئلہ اپنی خواہش کی موافق ہو اس پر عمل کرلیا بالکل ناجائز ہے اور نہایت خطرناک ہے، اس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آدمی دینِ اسلام کی قید سے آزاد ہو جائے، لہٰذا ہرگز ایسا نہ کیا جائے (۴)، لیکن سخت ضرورت اور مجبوری کی حالت میں کسی دوسرے امام کے قول وفتوی پر عمل کیا جائے تو اس

---

(۱) "عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني، فبت طلاقي، وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا، حتى يذوق عسيلتك و تذوقي عسيلته". (صحيح البخاري: ۷۹۱/۱، باب من أجاز طلاق الثلث ..... الخ، قديمي)

(۲) "وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث".
(ردالمحتار: ۲۳۳/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۳۲۹/۳، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹۴/۴، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۰۳/۳، الفصل الثالث والعشرون في مسائل المتعلقة بنكاح المحلل وغيرها ومايتصل به، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "وإن الحكم الملفّق باطل بالإجماع، وإن الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً".
(الدرالمختار). "قال ابن حجر: ..... أثر يؤدي إلى تلفيق العمل بشيء، لايقول به من المذهبين =

میں تنگی نہیں بلکہ گنجائش ہے، مگر اس کے لئے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے کہ کس مسئلہ میں کس مجبوری کی حالت میں دوسرے امام کے قول پر عمل کی ضرورت ہے، اجازت ہے، ہر عالم کا یہ منصب نہیں کہ وہ خود ایسا کرلیا کرے یا دوسروں کو اجازت دیدیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كتقليد الشافعي في مسح بعض الرأس، و مالك في طهارة الكلب في صلوة واحدة". (ردالمحتار: ۱/۷۵، المقدمة، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، سعيد)

باب العدة

(عدت کا بیان)

طلاق قبل الدخول میں عدت ہے نہیں؟

سوال[۶۵۲۴]: مسماۃ مجیدن بیوہ ہوگئی تھی پھر اس کا نکاح شوہر کے رشتہ دار سے ہوگیا تھا، دوسری مرتبہ پھر بیوہ ہوگئی، تیسرا نکاح اس کا پھر شوہر کے رشتہ دار سے ہوگیا، لیکن یہ تیسرا شخص جس کا نکاح ہوا تھا، اس کا نام سیدا ہے۔ نکاح کے بعد مسماۃ مجیدن مسمی سیدا کے گھر نہیں گئی اور نہ کبھی مسماۃ مجیدن کا مسمی سیدا سے میل ہوا، یہاں تک کہ سیدا نے طلاق دے دی ہے اور مجیدن کو چھ ماہ سے حیض آنا شروع ہوا ہے۔ اب مسماۃ مجیدن کا چوتھا نکاح ہونے والا ہے۔ فی الحال نکاح ہوسکتا ہے یا عدت گذارنی پڑے گی اور عدت کے روز کس قدر رہوں گے؟

راقم الحروف: عظیم الدین، ساکن، تونگادہ، تحصیل وضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تیسرا شوہر سیدا نے عورت سے نہ جماع کیا، نہ تنہائی کی ہے اور بغیر ان دونوں باتوں کے طلاق دی ہے تو اس عورت پر شرعاً عدت واجب نہیں، جب چاہے نکاح کرسکتی ہے:

"وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت أو خلوة: أى صحيحة". درمختار: ۱/۲۵۵(۱)۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۳/۵۰۴، باب العدة، سعید)

"لوطلقهاقبل الخلوة". فتاوی قاضی خان: ۲/۱۵۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۵۲ھ۔

جواب صحیح ہے: بندہ عبدالرحمن غفرلہ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۵۲ھ۔

خلوتِ فاسدہ کے بعد عدت لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۶۵۲۵]: ایک شخص نے کسی عورت بالغہ ثیبہ (یعنی اس عورت کا ایک دفعہ نکاح ہو چکا تھا) کوشادی کر کے مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد طلاق دیدی ہے، اب مرد کہتا ہے کہ میں نے وطی کی ہے، عورت کہتی ہے کہ میرے ساتھ وطی نہیں ہوئی، میں ایک بستر پر وہ دوسرے بستر پر، میرے ساتھ اس کی پہلی بیوی کی لڑکی قریب ۱۰، ۱۱/ برس کی میرے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اس وجہ سے وہ وطی نہیں کر سکا اور میرے ساتھ بات بھی نہیں ہوئی۔

اب اس عورت کا قول معتبر ہے یا نہیں؟ اور اس کے قول سے خلوتِ صحیحہ مانی جائے گی یا نہیں؟ اور اس عورت پر عدت آتی ہے یا نہیں؟ عبارتِ کتب فقہ سے جواب دے کر سرفراز فرمائیں۔ واضح ہو کہ عورت نے عدت پوری کرنے سے پہلے ہی دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا، بعض عالم عدت کا انکار کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خلوتِ صحیحہ پائی گئی، لہذا عدت واجب ہوگئی۔ عالمگیریہ کی عبارت سے نائم کی عورت کو خلوتِ غیر صحیحہ مانتے ہیں اور عدت کے واسطے خلوتِ صحیحہ ضروری معلوم پڑتی ہے اور شامی میں معلوم ہوتا ہے کہ عدت کے لئے خلوت

---

(۱) العبارة بتمامها: "رجل تزوج امرأةً نكاحاً وطلقها بعد الدخول أو بعد الخلوة الصحيحة، كان عليها العدة .... وإن كانت الخلوة فاسدةً، فإن كان الفساد لأمر شرعيّ مع التمكن من الوطء حقيقةً (هو) الفرض وصلاة الفرض، والإحرام، كان عليها العدة. وإن كان الفساد لعجزه على الوطء حقيقةً، لايجب عليها العدة، وكذا لو طلقها قبل الخلوة". (فتاوی قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۹، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۵۳، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي البحرالرائق: ۴/۲۱۶، باب العدة، رشيديه)

غیر صحیحہ بھی کافی ہے اور نائم کی عورت پر عدت معلوم ہوتی ہے۔ ہم کو تسلی فرمادیں؟

فدوی کفیل الدین عفی عنہ مقام، اسلام آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زوجین میں تمکینِ وطی کے متعلق اختلاف ہو تو شرعاً منکر کا قول معتبر ہوتا ہے، پس صورت مسئولہ میں عورت کا قول معتبر ہوگا: "لواختلف الزوجان في التمكين من الوطي، فالقول لمنكره، اهـ". أشباه: ۳۷(۱)۔ عورت کے قول کے مطابق خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی، بلکہ خلوتِ فاسدہ ہوئی: "ولو كان معها نائم أو أعمى، لايصح الخلوة". الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ۳۱۵(۲)۔

مگر تاہم عدت واجب ہوگئی، کیونکہ مختار اور صحیح قول کی بناء پر خلوتِ فاسدہ کی صورت میں بھی عدت واجب ہوتی ہے: "تجب العدة في الكل: أي كل أنواع الخلوة ولوفاسدةً، اهـ". درمختار: ۵۳۱/۲(۳)۔

"تجب العدة في الخلوة، سواء كانت الخلوة صحيحةً أو فاسدةً استحساناً، لتوهم الشغل، اهـ". الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۱۶/۲(٤)۔

خلوتِ فاسدہ کی صورت میں وجوبِ عدت کے متعلق ایک دوسرا قول بھی ہے جس کو صاحبِ تنویر نے نقل کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مانعِ شرعی کی وجہ سے خلوت فاسدہ ہوئی ہے تب تو عدت واجب ہے اور اگر مانعِ حسی کی وجہ سے خلوت فاسدہ ہوئی ہے تو عدت واجب نہیں: "وقيل: إن كان المانع شرعياً، تجب، وإن كان حسياً، لا"(٥)۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر، كتاب النكاح: ۱۰۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۰۴/۱، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار: ۱۲۲/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(۴) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۰۶/۱، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر، رشيديه)

(۵) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۲۲/۳، باب المهر، سعيد)

مگر در مختار، ص: ۵۳۲(۱)، بحر: ۱۵۵/۳(۲)، مجمع الأنہر: ۳۵۱/۱(۳) وغیرہ میں لکھا ہے کہ:

"والمذهب وجوب العدة مطلقاً"۔

درمختار باب العدۃ میں ''خلوت'' کے ساتھ ''صحیحہ'' کی قید ذکر کی ہے جس پر طحطاوی وغیرہ نے اعتراض کیا ہے:

"وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه من موت أوخلوة: أى صحيحة"۔ قال الطحطاوى، ص: ۲۴۰: "وفيه نظر: فإن الذى تقدم فى باب المهر أن المذهب وجوب العدة لخلوةٍ، صحيحةً كانت أو فاسدةً ويأتى له أيضاً. وقال القدورى: إن كان الفساد لمانع شرعىّ كالصوم، وجبت، وإن كان لمانع حسىّ كالرتق، لاتجب. وكلام الشرح لم يوافق أحداً من القولين"(۴)۔

حلبی اور قدوری کے قول پر اول تو عام فقہاء نے فتویٰ نہیں دیا، بلکہ بعض نے اس قول کو ''قیل'' سے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور بعض نے ضعف کی تصریح بھی کردی ہے:

"قال رحمه الله تعالى: وتجب العدة فيها: أى تجب العدة فى الخلوة، سواء كانت الخلوة صحيحةً أولم تكن صحيحةً استحساناً، لتوهم الشغل. ولأن العدة فى حق الشرع والولد، فلايصدقان فى إبطال حق الغير، بخلاف المهر، حيث لايجب إلا إذا صحت الخلوة؛ لأنه مال يحتاط فى إيجابه. وذكر القدورى فى شرحه أن المانع إن كان شرعياً، تجب العدة لثبوت التمكن حقيقةً، وإن كان حقيقياً كالمرض والصغر، لاتجب لانعدام التمكن حقيقةً، اهـ".

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۲۲/۳، ۱۲۳، سعيد)

(۲) (البحر الرائق: ۲۷۲/۳، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(۳) (مجمع الأنهر: ۳۵۱/۱، كتاب النكاح، باب المهر، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۴) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، باب العدة، دار المعرفة، بيروت)

تبیین الحقائق للزیلعی: ۲/۱٤٤(۱)۔

"(قوله: وذكر القدوری، الخ) مخصّصٌ لقوله فيماسبق: (أولم تكن صحيحةً)، وحاصله أنه ليس كل خلوة فاسدة تجب العدة فيها، بل إنما تجب فی البعض منها. قال فی شرح المجمع للمصنف بعد ذكر الخلوة الصحيحة والفاسدة: والعدة واجبة عليهافی جميع ذلك. ثم قال: وقيل: إن كان المانع شرعياً، وساق ماذكره القدوری، وظاهره ضعف ماقاله القدوری، اهـ". شلبی (۲)۔

دوسرے: وہاں اجنبی کا موجود ہونا مانعِ شرعی بھی ہے:

"قوله: فليس للطبعی مثال مستقل، فإنهم مثّلوا للطبعی بوجود ثالث وبالحيض أوالنفاس مع أن الأول منهيّ شرعیّ، وينفرالطبع عنه، فهومانع حسی طبعی شرعی، الخ". ردالمحتار: ۲/۵۲۳(۳)۔

اور مانعِ شرعی کی صورت میں قدوری کے قول کے مطابق بھی عدت واجب ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۵۵ھ۔

سال بھر میں ایک بار حیض آنے والی عورت اور آئسہ کی عدت

سوال[۶۵۲۶]: ایک عورت کو نفاس سے پاک ہونے کے ایک مہینہ بعد اس کے زوج نے طلاق دیدی جس حال میں کہ اس کا حیض ہے، یہاں تک ایک برس تک اس کا حیض بند رہتا ہے، ایک برس کے

(۱) (تبیین الحقائق: ۳/۱۵۵، کتاب النکاح، باب المهر، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۳/۱۵۵، باب المهر، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۱۱۴، باب المهر، مطلب فی أحكام الخلوة، سعید)

بعد پھر آتا ہے۔عدت اس کی کیا ہے اور کتنے مہینے ہے؟ معہ حوالہ کتب وصفحہ بالتفصیل تصریح فرمادیں؟

محمد عبدالحکیم غفرلہ،ساکن باموں کھالی بنگال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کی عدت تین حیض ہے،مہینوں کا اعتبار نہیں،جس وقت بھی تین حیض پورے ہوجائیں عدت ختم ہوجائے گی:"وهي في حرة تحيض لطلاق أوفسخ بعد الدخول حقيقةً أوحكماً ثلثُ حيض كوامل". تنوير الأبصار: ۲/۹۲۷ (۱)۔

"الشابة الممتدة بالطهر بأن حاضت، ثم امتدّ طهرها، فتعتد بالحيض إلىٰ أن تبلغ سن الإياس". درمختار. قال في ردالمحتار: "(قوله: ثم امتد طهرها): أي سَنةً أو أكثر، بحر". ردالمحتار: ۲/۹۳۰(۲)۔ "امرأة اعتدت بالشهوروهي ترى أنها أيست، ثم حاضت، فعدتها بالحيض". فتاوى سراجيه، ص: ۸۸۵(۳)۔

ہاں!اگر تین حیض پورے ہونے سے پہلے اتنی بوڑھی ہوجائے کہ حیض آنے کی قطعاً امید نہ رہے تو پھر اس وقت سے تین مہینے اس کی عدت ہوگی:"تستانف العدة بالشهور من حاضت حيضةً أوثنتين، ثم أيست تحرزاً عن الجمع بين الأصل والبدل". درمختار. قال في ردالمحتار: "(قوله: ثم

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۳/۵۰۴، ۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشرفي العدة، رشيديه)

(۲) (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳/۵۰۸، باب العدة، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق: ۴/۲۲۰، باب العدة، رشيديه)

(۳) (الفتاوى السراجية، ص: ۴۷، كتاب الطلاق، باب العدة، سعيد)

(وكذافي فتح القدير: ۴/۳۱۲، باب العدة، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۹، الباب الثالث عشرفي العدة، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۵۵، باب العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

أیست): أی بلغت سن الإیاس عندالحیضتین وانقطع دمها، فتح ". ردالمحتار: ۲/۹۳۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

مطلقۂ عنین پر عدت

سوال [۶۵۲۷]: ۱..... ہندہ کا شوہر نامرد مشہور ہے، اب شوہر مذکورہ نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے۔ اس کی عدت ہے یا نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو کتنی ہے؟

جس کو حیض نہیں آتا اس کی عدت

سوال [۶۵۲۸]: ۲..... زاہدہ کو حیض نہیں آتا بالکل، اور خوب جوان ہے، اس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہے۔ اس کی کیا عدت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی ہے یعنی شوہر و بیوی میں تنہائی ہو چکی ہے تو اس پر عدت تین حیض واجب ہے (۲) ورنہ نہیں، یعنی اگر تنہائی سے پہلے طلاق دیدی ہے تو عدت نہیں۔

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۵۱۵، باب العدۃ، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۴/۳۱۹، باب العدۃ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب العدۃ: ۳/۲۵۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۲) "والخلوۃ -مبتدأ خبرہ قولہ الآتی-: کالوطی .... لوکان الزوج مجبوباً أوعنیناً أوخصیاً فی ثبوت النسب وتأکد المهر والنفقۃ والسکنی والعدۃ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۳/۱۱۳، ۱۱۸، باب المهر، سعید)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۳۵۱، کتاب النکاح، باب المهر، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذافی البحرالرائق: ۳/۲۶۹، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیہ)

۲...... اگر شوہر اس سے ہمبستری کر چکا ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے (۱)، اگر ہمبستری نہیں کی ہے تو اس پر عدت واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۰/ رمضان/ ۶۲ھ۔

خلع کی عدت

سوال [۶۵۲۹]: زوجین میں طلاق کرائی گئی، بہت مدت سے اس میں تنازع تھا، زوجہ اپنے خاوند کے گھر بہت مدت سے تھی، آخر خلع کرایا گیا۔ ایک عالم صاحب نے اکتیس دن گذار کر یعنی بعد ایک ماہ ایک دن گذار کر دوسرا نکاح کیا۔ اور مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ ایک حیض کے بعد نکاح جائز ہے، بلکہ ایک حدیث ہے حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی زوجہ کی تفریق کے متعلق ہے، جس میں ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ نے ان سے طلاق مانگی تھی جس پر اس نے ایک باغ جو کہ مہر میں مقرر کر کے دیا گیا تھا، واپس دے کر خلع کیا، اس وقت "وجعل عدتها حيضة" مقرر کیا گیا تھا، پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدخولہ عورت جب خلع لے تو اس کی عدت صرف ایک ماہ ایک دن ہے۔

لہٰذا آپ سے استفسار کیا جاتا ہے کہ طلاق اور خلع کی عدت علیحدہ علیحدہ ہے؟ کیا مدخولہ بالغہ

---

(۱) "والعدة في حق من لم تحض لصغر أو كبر، أو بلغت بالسن ولم تحض ثلاثةُ أشهر إن وطئت في الكل". (الدر المختار). "(قوله: في الكل) يعني: أن التقييد بالوطي شرط في جميع مامر من مسائل العدة". (ردالمحتار: ۳/۵۰۷، ۵۰۹، باب العدة، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۵۱، باب العدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(۲) "وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه من موت أو خلوة: أي صحيحة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۵۰۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الباب الثامن والعشرون في العدة: ۴/۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۱۶، رشيديه)

اورحرہ عورت کی عدت ائمہ مذاہب نے ایک ماہ مقرر کی ہے، جبکہ قرآن کریم میں واضح طور پر "ثــلاثۃقــروء" ہے، مہربانی فرما کرشوافع کا مسلک بھی جواب میں تحریر فرمادیں، نیز جو یہ نکاح اندر میعاد کیا گیا ہے جائز ہے یا نہیں؟اور جو اصحاب اس مجلس میں تھے اور جس نے نکاح پڑھایا اور لکھا، ان کا شرعی حکم کیا ہے جبکہ ان کو پوری معلومات ہے کہ خلع کو ابھی صرف ایک ماہ ایک دن گذرا ہے؟ درمختار کے خلاف عدت کے متعلق اَور کوئی شرعی حکم ہے۔ براہ کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل مسئلہ وہ ہے کہ جوقرآن پاک میں ہو،کسی حدیث شریف سے اگر دومطلب نکلتے ہوں، ایک قرآن کریم کے موافق اور دوسرا قرآن کریم کے خلاف ہو، اصولی چیز ہے کہ وہی مطلب مراد لینا چاہئے جوموافقِ قرآن شریف ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تعارض وتضاد نہ ہو۔ ایسا مطلب مراد لینا جس سے دونوں میں تعارض وتضاد ہوخلافِ اصول اور دانشمندی سے بعید ہے جبکہ خلع طلاق بائن ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے:

"عن ابن عباس رضی الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم جعل الخلع تطليقةً بائنةً"(۱)۔ اورطلاق کی عدت قرآن پاک میں ہے: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾الآية(۲)۔لہٰذا خلع کی عدت بھی تین حیض ہوگی (۳)۔

---

(۱) (سنن الدارقطني، كتاب الطلاق: ۳۱/۴، (رقم الحديث: ۳۹۸۰)، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (سورة البقرة: ۲۲۸)

(۳) "عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراءٍ: أى حيض: أى إذا طلقت الحرة، أووقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، فعدتها ثلاثة قروء .... والمراد به إذا طلقها زوجها بعد الدخول......... والفرقة بغير طلاق مثل خيار البلوغ والعتق وملك أحد الزوجين صاحبه". (تبيين الحقائق: ۲۴۸/۳، باب العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب العدة: ۵۰۴/۳، ۵۰۵، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق: ۱۲۷/۴، ۱۲۸، باب العدة، رشيديه)

جس روایت میں ”فجعل النبی صلی الله علیه وسلم عدتها حیضةً“ وارد ہے، اس کا مطلب شراح نے یہ بیان کیا ہے کہ یہاں بیانِ جنس مقصود ہے یعنی: اس کی عدت حیض سے ہوگی، اس لئے کہ وہ مطلقہ ہے (اور مطلقہ کے لئے تین حیض کو قرآن کریم میں متعین فرمادیا گیا) اشہر سے نہیں ہوگی جیسا کہ عدتِ وفات ہوتی ہے۔ اگر اس کی عدت ایک حیض قرار دی جائے تو یہ حدیث مخالف ہوجائے گی قرآن کریم کے اس اصول کے تحت مسئولہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ تین حیض پورے ہونے تک عورت مرد کو الگ الگ رکھا جائے، اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے، محدثین وفقہائے احناف کا یہی مسلک ہے، تفصیل بذل المجهود شرح أبی داؤد(۱)، أوجز المسالك شرح موطا امام مالك میں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ

عدت شوہر کے مکان میں گذارنا

سوال[۶۵۳۰]: ۱.....شریعتِ مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ بعد طلاق عورت اس گھر میں عدت گذارے جس کے اندر اس کو طلاق دی گئی ہے، آج کل فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، شوہر کے مکان میں اگر عورت کو رہنے دیا جائے تو اس کے اندر سخت خطرہ ہے کہ میاں بیوی معصیت میں مبتلا ہوجائیں۔ کیا اس قسم کی اندیشوں کی بناء پر عورت کو نکلوا کر اس کے میکے میں پہونچا دینا جائز ہے؟

---

(۱) قال العلامة السهارنفوری رحمه الله تحت حدیث ”عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أن امرأة ثابت بن قیس اختلعت منه، فجعل النبی صلی الله علیه وسلم عدتها حیضةً“.. أجاب عنه بعض العلماء أن المراد بالحیضة هو الجنس الذی یصدق علی القلیل والكثیر، فالمراد أن العدة بالحیض لا بالأشهر، فلا یدل علی وحدة الحیضة“. (بذل المجهود: ۴/۷۹، ۸۰، كتاب الطلاق، بیان حكم الخلع، امدادیه ملتان)

(۲) ”أن المراد بالحیضة الجنس الذی یصدق علی القلیل والكثیر، وتعقب بأنه وقع فی النسائی التصریح بالوحدة، ویجاب عنه بأن زیادة الوحدة فی روایة النسائی مبنیّ علی فهم الراوی؛ إذ فهم من لفظ الحیضة حیضةً واحدةً“. (أوجز المسالك: ۴/۳۷۵، طلاق المختلة، مكتبه یحیویه، سهانپور)

ایضاً

سوال[۶۵۳۱]: ۲.....ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقِ مغلظہ دے دیا، اس کے اس عورت سے کئی بچے ہیں اور عورت ادھیڑ ہے، ایسے وقت اس کے لئے بہت موجبِ پریشانی ہے کہ بچوں کو چھوڑ کر دوسری جگہ شادی کرے اور نہ حلالہ کرے، شوہرِ اول کے نکاح میں آنا چاہتی ہے کیونکہ اس کو حلالہ کرنا گوارہ نہیں کیا۔ ایسی صورت میں شوہر کو جائز ہے کہ بغیر نکاح کئے ایک خادمہ کی حیثیت سے اس کو اپنے مکان میں رہنے دے اور تعلقاتِ زوجیت سے الگ رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر طلاق بائن یا مغلظہ ہے اور اس مکان میں عصمت کے ساتھ عدت گذارنا دشوار ہے، نیز کوئی عورت ایسی بھی نہیں جس کا وجود مانعِ فتنہ ہو تو اَولیٰ یہ ہے کہ مرد کسی مکان میں منتقل ہو جائے، اگر یہ متعذر ہو تو عورت کسی دوسرے مکان میں چلی جائے:

"وإذا وجب الاعتداد في منزل الزوج، فلا بأس بأن يسكنا في بيت واحد إذا كان عدلاً، سواء كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً. والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر، إلا أن يكون الزوج فاسقاً فيحال بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما. وإن تعذر، فلتخرج هي وتعتد في منزل اخر، وكذا لوضاق البيت، وإن خرج هو كان أولى. ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج، ولم يكن فيه خوف فتنة، اهـ". وهكذا صرح في الهداية بأن خروجه أولى من خروجها عند العذر". بحر: ٤/١٥٤(١)۔

۲.....ایسی حالت میں وہ عورت بالکل اجنبیہ ہے، اس سے پردہ فرض ہے اور خلوت حرام ہے(۲)، اگر اس فرض اور حرام کی رعایت کے ساتھ رکھ سکتا ہے تو اس میں گنجائش ہے، مگر احوط یہ ہے کہ خود کسی

---

(۱) (البحر الرائق: ۴/۲۶۱، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۷۱، ۲۷۲، باب العدة، فصل في الإحداد، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۲۹، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالى ﴿يأيها النبي قل لأزوجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾. =

دوسرے مکان میں رہے، اگرچہ خلوت سے مانع اورعورتیں بھی ہوں، کیونکہ ایک مکان میں رہنا مذکرِ تعلقِ سابق ہوگا جوکہ باعثِ فتنہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہانپور، ۲۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ۔

الجواب صحیح:عبداللطیف، ۲۶/ربیع الثانی/۶۰۲ھ۔

تین حیض ساٹھ دن میں

سوال[۲۵۳۲]: ایک مسلمہ بالغہ نے زوجِ اول سے بعد مطلقہ ہونے دومہینہ پانچ دن کے دوسرے مرد سے مناکحت کرلی، لیکن دودن کے بعد یعنی یوم طلاق سے دومہینہ سات دن میں حائضہ ہوئی۔اب

= "روی عن عبد الله: "الجلباب الرداء". قال أبوبكر: في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستروجهها عن الأجنبين، وإظهارالستروالعفاف عند الخروج، لئلايطمع أهل الريب فيهن".

(أحكام القران للجصاص: ۳/۵۴۲، سورة الأحزاب، ۵۹، قديمي)

"الخلوة بالأجنبية حرام، إلاالملازمة مديونة.......... أوكانت عجوزاً". (الدرالمختار: ۳۶۸/۶، فصل في النظروالمس، كتاب الحظرو الإباحة، سعيد)

(۱) "قال في القنية: سكن رجل في بيت من دار، وامرأة في بيت آخرمنها، ولكل واحد غلقٌ على حدة، لكن باب الدارواحد، لايكره مالم يجمعهما بيتٌ". (ردالمحتار: ۳۶۸/۶، كتاب الحظروالإباحة، فصل في النظروالمس، سعيد)

"ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت إذالم يلتقيا التقاء الأزواج، ولم يكن فيه خوف فتنة". (البحرالرائق: ۲۶۱/۴، فصل في الإحداد، رشيديه)

"ولابد من سترة بينهما في البائن لئلا يختلى بالأجنبية، ومفاده أن الحائل يمنع الخلوة المحرمة. وإن ضاق المنزل عليهما، أوكان الزوج فاسقاً، فخروجه أولى". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۳۷/۳، فصل في الحداد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۳۵/۱، الباب الرابع عشرفي الحداد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۷۲/۳، باب العدة، فصل في الحداد، دارالكتب العلمية بيروت)

سوال یہ ہے کہ اس کی مناکحت صحیح ہوگئی یا نہیں؟ اور اس کا یہ حیض انقضائے عدت کی تکذیب ہوگا یا نہیں؟ اور دو مہینہ سات دن میں چار دفعہ حیض کا آنا از روئے قاعدہ شرعی ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

طلاق کی عدت تین حیض ہے(۱)، اگر حاملہ ہو تو وضع حمل عدت ہے(۲)، عدت گذرنے سے پہلے نکاحِ ثانی جائز نہیں (۳)۔ تین حیض کم سے کم ساٹھ دن میں آسکتے ہیں، اگر عورت یہ کہے کہ میری عدت گذر چکی ہے یعنی تین حیض آگئے اور ساٹھ دن بھی پورے ہو چکے ہیں جن میں تین حیض آنے کا احتمال بھی ہے تو شرعاً اس کو قول معتبر مان لیا جائے گا اور نکاحِ ثانی درست ہے۔ اگر طلاق کے بعد ساٹھ دن گذر گئے مگر اس کو تین حیض نہیں آئے تو یہ محض ساٹھ دن کا گذر جانا اس کی عدت کیلئے کافی نہیں اور اس کا نکاح معتبر نہیں ہوگا، فوراً دوسرے شخص سے اس کو علیحدہ کر دیا جائے، تین حیض پورے ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے:

قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾(٤)۔ وقال الله تعالى:

---

(۱) "وهي في حق حرة تحيض لطلاق، أوفسخ بعد الدخول حقيقةً أوحكماً ثلث حيض كوامل".

(الدرالمختار: ۳/۵۰۴، ۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۴۸، باب العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۲۶، الباب الثالث عشرفي العدة، رشيديه)

(۲) "وفي حق الحامل وضعُ حملها". (الدرالمختار: ۳/۵۱۱، باب العدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۸، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى السراجية، ص: ۴۷، باب العدة، سعيد)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذافي السراج، سواء كانت العدة عن طلاق أووفاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بهاحق الغير، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۳/۵۱۶، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۱۱، الفصل التاسع في النكاح الفاسد وأحكامه، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (سورة البقرة: ۲۲۸)

﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾(١)۔ وقال الله تعالى: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾ (٢)۔

"ومن قالت: انقضت عدتي بالحيض، فالقول لهامع اليمين إن مضى عليها ستون يوماً عند الإمام، كل حيض عشرة، وكل طهر خمسة عشر". درمختار. كذا في فتاوىٰ قاضي خان، مجمع الأنهر: ١/٤٧٧ (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

معتدہ کو منتقل ہونا

سوال [۶۵۳۳]: ایک صاحب بنارس کے رہنے والے پاکستان رہتے تھے، ان کا انتقال ہوگیا، اب ان کی زوجہ وہیں عدت گذارے جبکہ سوائے شوہر کے رشتہ داروں کے اَور کوئی نہیں؟ ان کے بھائی ان کو بنارس لانا چاہتے ہیں، زوجہ کی والدہ بھی حج کو جارہے ہیں، وہ بھی ملاقات کے متمنی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوہ کو وہاں زمانہ عدت گذارنے میں کوئی مانع نہیں، مثلاً وہاں نفقہ خرچہ کا انتظام ہے، عزت جان ومال کی حفاظت ہے تو اس کو یہاں منتقل ہونے کی اجازت نہیں (۴)، والدہ کو حج کے لئے جانے سے پہلے ملاقات

---

(١) (سورة البقرة: ٢٣٥)

(٢) (سورة الطلاق: ٤)

(٣) (مجمع الأنهر: ١/٤٦٩، باب العدة، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٥٢، باب العدة، فصل في انتقال العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ٣/٥٢٣، ٥٢٤، باب العدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٤/٧٥، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچي)

(٤) "والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها إلى نفقتها، ولا تبيت إلا في بيت زوجها، فظاهره أنها لو لم تكن محتاجةً إلى النفقة، لا يباح لها الخروج نهاراً". (البحر الرائق: ٤/٢٥٩، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/٢٧١، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت) .... =

کرنا وجہِ جوازِ انتقال نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۷/۶/۸۹ھ۔

بیوہ کا اپنے باپ کے گھر عدت گذارنا

سوال [۲۵۳۴]: اگر شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام نہ ہوتو بیوی اپنے باپ کے گھر میں عدت گذار سکتی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کے مکان پر عدت گذارنے کا انتظام نہ ہوتو اپنے باپ کے گھر گذارے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال [۲۵۳۵]: میں نے اپنے لڑکے کی شادی ایک بالغہ لڑکی کے ساتھ کردی تھی، ۱۳/ ماہ بعد لڑکے کا انتقال ہوگیا، بیوہ کو حاملہ چھوڑ کر پانچ ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی، بیوہ نے عدت اپنے عزیزوں میں کی، لڑکے کے باپ نے عدت اپنے یہاں کرنے کو کہا، لیکن اس کے عزیزوں نے نہ مانا اور اپنے گھر لے گئے اور وہیں لڑکی

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۳۴، الباب الرابع عشر في الحداد، رشيديه)

(۱) "ويعرف من التعليق أيضاً أنها إذا كان لها قدر كفايتها، صارت كالمطلقة، فلا يحل لها أن تخرج لزيارة ونحوها ليلاً ولا نهاراً". (فتح القدير: ۴/۳۴۳، فصل: على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها الحداد، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) "وتعتدان: أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه، ولا تخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل، أو تخاف انهدامه، أو تلف مالها، أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات".

(الدر المختار: ۳/۵۳۶، باب العدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۲۵۹، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۷۱، ۲۷۲، فصل في الإحداد، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۷۰، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

پیدا ہوئی، پیدائش کا کل خرچ لڑکے کے باپ نے کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت گذارنا اسی مکان میں لازم تھا جس میں شوہر کا انتقال ہوا اور وہ پہلے سے وہیں شوہر کیساتھ رہتی تھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶۱/۱۰/۸۹ھ۔

معتدہ کو دوسری جگہ منتقل ہونا

سوال[۶۵۳۶]: حاجی محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ہوا، میری بہن جب سے بمبئی میں ہے اب وہ بہت بیمار ہے اور ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ اب ان کو آب وہوا تبدیل کرادی جائے۔ عند الشرع وہ میرٹھ کے لئے سفر کرکے آسکتی ہیں یا نہیں؟ میری بہن وہاں اپنے بچوں کے ساتھ اکیلی ہیں۔

شرف الدین، شوراب گیٹ، میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں کی آب وہوا موافقِ مزاج نہیں اور علاج کے لئے وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے، تو عدت چار ماہ دس روز ختم ہونے سے پہلے بھی وہاں سے منتقل ہونا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۳۵/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۴۲۸/۲، ۴۲۹، باب العدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۷۱/۳، باب العدة، فصل في الإحداد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وتعتدان: أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه، ولاتخرجان منه، إلا أن تخرج أوينهدم المنزل، أوتخاف انهدامه، أوتلف مالها، أولاتجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات".

(ردالمحتار: ۵۳۶/۳، باب العدة، سعيد) .... =

زوجہ شوہر کے ساتھ والد کے یہاں آئی تھی شوہر کا انتقال ہو گیا، عدت کہاں گذارے؟

سوال[۷۵۳۴]: زید برائے علاج اپنی زوجہ کو ہمراہ لے کر اپنے وطن شہر جھنجھنوں سے اپنی زوجہ کے والدین کے مکان پر قصبہ بساؤ میں آیا، اور ایک دن زندہ رہ کر زوجہ کے والد کے مکان پر ہی انتقال کر گیا، جبکہ زید کی زوجہ بھی بوقتِ وفات زید کے ہمراہ تھی، نیز زید کو زوجہ کے وطن اصل قصبہ بساؤ میں ہی دفن کر دیا گیا۔ اس صورت میں فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، ص:۵۷ کی مندرجہ ذیل عبارت پیشِ نظر معتدہ کو شوہر مرحوم زید کے وطن شہر جھنجھنوں برائے عدت بھیجنا کیا حکم رکھتا ہے، آیا ناجائز ہے یا کہ بہتر نہیں ہے یا حرام ہے؟

یا بکر یہ کہے کہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ وقوعِ وفات شوہر ہی میں مدت عدت کا پورا کرنا زیادہ بہتر ہے؟ اور اگر وقوعِ وفات پر عدت نہ گزار کر شوہر کے وطنِ اصلی جو کہ زوجہ کا اصلی مکان کہلاتا ہے عدت پوری کی جائے تو بھی عدت ہو جائی گی۔ یہ کیسا ہے؟ میں آنجناب سے دست بستہ مؤدبانہ التماس کرتا ہوں کہ مسئلہ مذکورہ کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

فتاوی ہندیہ کی عبارت مندرجہ ہے، کتاب الطلاق، باب سوگ، چہاردہم، ترجمہ فتاوی عالمگیری جلد دوم۔

''معتدہ پر عدت واجب ہے کہ اس مکان میں عدت گذارے جو حالتِ وقوعِ فرقت یا وقوعِ وفات شوہر میں اس کے رہنے کا مکان کہلاتا تھا، یہ کافی میں ہے۔ اور اگر وہ اپنے کنبے والوں کو دیکھنے گئی، یا یہ کسی دوسرے کے گھر گئی کسی سبب سے گئی تھی کہ اس وقت پر طلاق واقع ہوتی تو اس وقت بلا تاخیر اپنے رہنے کے مکان کو چلی جائے اور یہی حکم عدتِ وفات میں ہے''۔ از فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، باب سوگ چہاردہم، ترجمہ عالمگیری، جلد دوم (۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۲۵۹/۴، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۷۱/۳، ۲۷۲، فصل في الإحداد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۷۰/۴، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "علی المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت، كذا في الكافي. لو كانت زائرةً أهلها، أو كانت في غير بيتها لأمرٍ حين وقوع الطلاق، انتقلت إلى بيت سكناها =

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کا جو اصلی مکان تھا جہاں اس کا قیام تھا اور بیوی بھی ساتھ رہتی تھی، مگر وہاں سے عارضی طور پر آکر بیوی کے والدین کے مکان پر انتقال ہوگیا تو بیوی کو عدتِ وفات گذارنے کے لئے شوہر کے اسی مکان میں محرم کیساتھ چلا جانا چاہئے، وہیں جاکر عدت گذارے، کذافی البحر الرائق: ٤/١٥٤ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عدت میں ووٹ ڈالنے کے لئے جانا

سوال [۶۵۳۸]: میرے یہاں ایک موت ہوگئی، جس میں کہ ایک مسماۃ بیوہ ہوگئی ہے، اور میرے یہاں اس وقت پنچایت کا الیکشن ہورہا ہے اور بیوہ کی عدت باقی ہے اور گاؤں کے کنارے پر پولنگ اسٹیشن ہے۔ لہذا وہ بیوہ اپنا ووٹ ڈالنے اس جگہ جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الیکشن میں ووٹ ڈالنا ایسی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے عدت میں عورت کو نکلنے کی اجازت دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۶ھ۔

= بلا تأخير، وكذا في عدة الوفاة". (الفتاوى العالمكيرية: ١/٥٣٥، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد، رشيديه)

(١) "وتعتدان في بيت وجبت فيه .... ولهذا قدمنا أنها لو زارت أهلها، فطلقها زوجها، كان عليها أن تعود إلى منزلها، فتعتد فيه". (البحر الرائق: ٣/٢٥٩، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ٣/٥٣٦، فصل في الإحداد، سعيد)

(٢) "ومعتدة الموت تخرج يوماً وبعض الليل، والحاصل أن مدار الحل كون خروجها بسبب قيام شغل المعيشة، فيتقدر بقدره فمتى انقضت حاجتها، لايحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها". =

عدت میں شرکتِ نکاح کے لئے نکلنا

سوال[۶۵۳۹]: عدت میں عورت شادی میں شرکت کے لئے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ عدت میں شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے اس کو مکان سے نکلنے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۱۳۹۴ھ۔

بغیر ہمبستری کے طلاق کی صورت میں عدت

سوال[۶۵۴۰]: ایک پچاس سالہ عورت کا نکاح ایک ساٹھ سالہ شخص سے ہوا، اور چھ دن کے بعد طلاق دیدی اور اس سے ہمبستری بھی نہیں کی۔ اب اس عورت کا نکاح ایک دوسرے آدمی سے کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے عدت ضروری ہے یا نہیں؟ یا اس کا نکاح بغیر عدت کے ہی ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمبستری تو نہیں ہوئی، مگر ایسی تنہائی بھی ہر دو میں ہوئی کہ اگر ہمبستری کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، یا ایسی تنہائی بھی نہیں ہوئی، اگر ایسی تنہائی ہو چکی ہے تو عدت واجب ہے (۲)، عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح

= (البحر الرائق: ۲۵۹/۴، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۲۸/۴، الفصل الثامن والعشرون في العدة، نوع مايلزم المعتدة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۲۶/۳، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿لاتخرجوهن من بيوتهن ولايخرجن﴾. (الطلاق: ۱)

"قال رحمه الله: ولاتخرج معتدة الطلاق من بيتها، بل تعتدفي المنزل الذي كان يضاف إليها بالسكنىٰ حال وقوع الطلاق". (تبيين الحقائق، باب العدة: ۲۷۰/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولاتخرج معتدة رجعي وبائن بأيّ فرقة كانت". (الدرالمختار: ۵۳۵/۳، سعيد)

(۲) "رجل تزوج امرأةً نكاحاً جائزاً، فطلقهابعد الدخول أوبعد الخلوة الصحيحة، كان عليهاالعدة". =

درست ہوگا، اس سے پہلے درست نہیں۔ اگر ایسی تنہائی نہیں ہوئی تو عدت واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/۲/۶۲ھ۔

حالت عدت میں نکاح، تین حیض گذرنے سے قبل حمل رہ گیا عدت کس طرح ہوگی؟

سوال [۶۵۴۱]: ایک عورت کو ساڑھے تین ہزار روپیہ دے کر طلاق دلائی گئی، اس نے عدت پوری نہ ہونے دی اور ہمبستری شروع کردی جس کی وجہ سے دوسرے حیض پر حمل رہ گیا، اس عورت کا حمل اب پانچ ماہ کا ہے تو اس عورت کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ حمل یقیناً اس شخص کا ہے جس نے طلاق دلوائی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح جائز نہیں، وقتِ طلاق وہ حاملہ نہیں تھی، طلاق کے بعد تین حیض گذرنے سے پہلے حاملہ ہوگئی، اب اس کی عدت وضع حمل ہے:

"من لم تكن حبلى، فإذا حبلت في العدة تنقض بوضعه، سواء كان من المطلق أو من زنا أو من نكاح فاسد". ردالمحتار: ۸۳۹/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۵۰۴/۳، باب العدة، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۴۹/۱، رشيديه)

(۱) "إن كان الفساد لعجزه عن الوطي حقيقةً، لايجب عليها العدة، وكذا لو طلقها قبل الخلوة .... إن كانت الفرقة قبل الدخول، لاتجب العدة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۴۹/۱، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۶/۴، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(۲) (كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في وطي المعتدة بشبهة: ۵۱۹/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۲۸/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۵۰/۱، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: جب تک عدت ختم نہ ہو نکاح درست اور جائز نہیں ہے۔ سید مہدی حسن غفرلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔

عدت میں شناخت کے لئے عدالت جانا

سوال [۶۵۴۲]: ہندہ کے شوہر کو چاقو مار کر ہلاک کر دیا گیا، اس جگہ ہندہ بھی موجود تھی، اب ہندہ کو پولیس ملزموں کی شناخت کے لئے عدت کی حالت میں طلب کر رہی ہے۔ تو ہندہ کو شناخت کرنے کے لئے حالت عدت میں تھانے میں یا کسی جگہ بھی جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاتل کی شناخت کرنے کے لئے عدت والے مکان سے عدالت میں جانا درست ہے، مگر رات کو پھر اپنے مکان میں پہونچ جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۱۳۹۶ھ۔

عدت میں تنخواہ لینے کیلئے دفتر جانا

سوال [۶۵۴۳]: والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور وہ سرکاری ملازم تھے تو اب والدہ محترمہ والد مرحوم کی باقی تنخواہ یا فنڈ کی رقم ایامِ عدت میں لینے کے لئے دفتر جا سکتی ہیں یا نہیں، جبکہ ان کے گئے ہوئے بغیر وقت ضرورت پیسہ نہیں ملتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جا سکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: طلقت خالتي ثلاثاً، فخرجت تجدّ نخلاً لها، فلقيها رجل فنهاها، فأتت النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرت ذلك له، فقال لها: "أخرجي، فجدى نخلك لعلك أن تصدقي منه أو تفعلي خيراً". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۲۰، كتاب الطلاق، باب في المبتوتة تخرج بالنهار، إمداديه ملتان) =

معتدہ کوصحن میں جانا

سوال[۶۵۴۴]: کیا معتدۃ الوفات مشترک مکان کے صحن میں جاسکتی ہے؟ فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۰۲، پر یہ ہے کہ:

"وللمعتدة الخروج إلى صحن الدار، فإن كانت الدار مشتملةً على بيوت، وفي كل بيت أهل، لاتخرج إلى صحن الدار"(۱)۔

فتح القدير: ۳/۲۹۸: "ولاتخرج المعتدة إلى صحن الدار التي فيها منازل الأجانب؛ لأنه كالخروج إلى السكة، فإن لم يكن في الدار منازل بل بيوت، جاز لها الخروج إلى صحنها، ولاتصير به خارجةً عن الدار"(۲)۔

بیت میں اوردار میں کیا فرق ہے؟ اگرایک مکان بڑا چند اعزہ کے درمیان مشترک ہے جس کی کوئی تقسیم شرعی، نہ قانونی ہوئی، لیکن ہر ہرحصہ دار نے کچھ اپنے رہنے کے لئے مخصوص کررکھا ہے۔ تو ایسی صورت میں معتدہ کیا دوسرے کے حصہ میں جاسکتی ہے یانہیں؟ مفصلاً جواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کرعند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

معتدۃ الوفاۃ کے لئے مشترک مکان کے صحن میں جانا اوراپنے مکان سے باہر نکلنا، نیز رات کا کچھ حصہ دوسری جگہ گذارنا حسبِ ضرورت وحاجت درست ہے:

"والمتوفى عنها زوجها لا بأس بأن تتغيب عن بيتها أقل من نصف الليل. قال شمس

= "قال في الفتح: والحاصل في مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة، فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها، لايحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها". (ردالمحتار، باب العدة: ۳/۵۳۲، سعيد)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۲۷۱، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۵۵۴، باب العدة، فصل فيمايحرم على المعتدة، رشيديه)

(۲) (فتح القدير: ۴/۳۴۵، باب العدة، فصل على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذاكانت بالغةً مسلمةً الحداد، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الأئمة الحلواني: وهذه الرواية صحيحة، اهـ". بحر: ٤/١٦٧(١)۔

فتاویٰ قاضی خان کی عبارت میں معتدۃ الطلاق کا حکم عدمِ خروج بیان کیا گیا جیسا کہ اس کے بعد والا جزئیہ اس پردال ہے:"وإن كانت في البيت بالكراء، كان الكراء على الزوج، اهـ"(٢)۔

اوراسی فصل کے شروع میں ہے:"والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها: أي النفقة، ولاتبيت إلافي بيت زوجها. وعن محمدؒ أن لها أن تبيت في غيربيت زوجها أقل من نصف الليل، اهـ". فتاوى عالمگيريه مصرى، ص: ٥٣٤(٣)۔

جلد:۲میں ہے:"إن كانت معتدةً من نكاح صحيح، وهي حرة مطلقة بالغة، عاقلة، مسلمة، والحالة حالة الاختيار، فإنها لاتخرج ليلاً ولانهاراً، سواء كان الطلاق ثلاثاً أوبائناً أورجعياً، كذافي البدائع"(٤)۔ "المتوفى عنها زوجها تخرج نهاراً وبعض الليل، ولاتبيت في غيرمنزلها، كذافي الهداية"(٥)۔

اگرایک بڑا مکان ہواوراس میں مختلف کمرے ہوں تو معتدہ کوصحن اورکمروں میں جانااورشب گذارنا درست ہے، اِلّا یہ کہ وہ کمرے دوسرے کے ہوں:

"للمعتدة أن تخرج من بيتها إلى صحن الدار، وتبيت في أيّ منزل شاء ت، إلا أن يكون في الدار منازل لغيره، بخلاف مإذاكانت المنازل له، اهـ". الفتاوىٰ العالمكيرية (٦)۔وأصرح منه مافي الدرالمختار: "ولاتخرج معتدة رجعي وبائن من بيتها أصلاً لا ليلاً ولانهاراً، ولا إلى

---

(١) (البحر الرائق: ۴/۲۵۹، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(٢) (فتاویٰ قاضي خان علي هامش الهندية: ١/۵۵۴، باب العدة، فصل فيمايحرم على المعتدة، رشيديه)

(۳) یہ عبارت عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ فتاویٰ قاضی خان میں ان ہی الفاظ کے ساتھ ہے۔(فتاویٰ قاضي خان: ١/۵۵۳، باب العدة، فصل يحرم على المعتدة، رشيديه)

(۴) (بدائع الصنائع: ۴/۴۴۹، فصل في أحكام العدة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۵) (الهداية: ۲/۴۲۸، باب العدة، فصل في الإحداد، مكتبه شركة علميه ملتان)

(٦) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/۵۳۵، الباب الرابع عشرفي الحداد، رشيديه)

صحن، ولافیهامنازل لغیره، ١ھ"۔ قال الشامي: "أي غیرالزوج، بخلاف ما إذا كانت له، فإن لها أن تخرج فی الجدیدین وتبیت أكثراللیل فی منزلها، اھ"(١)۔

اسی بات پر قیاس کیجئے عبارتِ فتح القدیر کو۔"دار" مستقل مکان کوکہتے ہیں جومکانیت اورصحن پر مشتمل ہوتا ہےاور"بیت" عامۃً مایبات فیه کوکہتے ہیں اورکبھی بمعنی دار بھی مستعمل ہوتا ہے(٢)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،١٢/٢/٦٧ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہانپور،١٤/صفر/٦٧ھ۔

عدت میں کن چیزوں کےاہتمام کی ضرورت ہے؟

سوال[٦٥٤٥]: ایامِ عدت میں کن چیزوں کےاہتمام کی ضرورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنگارنہ کریں، بلاضرورتِ شدیدہ مکان سے باہرنہ نکلیں،ضرورتِ شدیدہ میں جب نکلیں تو جلدواپس آجائیں،رات اسی مکان میں گذاریں،طاعات وعبادات میں مشغول رہیں(٣)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،١٠/٦/١٣٩٦ھ۔

---

(١) (تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار: ٣/٥٣٥، ٥٣٦، باب العدة، سعید)

(وكذافی الفتاویٰ التاتارخانیه: ٤/٢٩، الفصل الثامن والعشرون فی العدة، إدارة القرآن كراچی)

(٢) "فاسم الدار ینتظم العلو؛ لأنه اسم لما أدیر علیه، والبیت اسم لمایبات فیه، والمنزل بین الدار والبیت .... وقیل: فی عرفنا یدخل العلو فی جمیع ذلک". (الهدایة، كتاب البیوع، باب الحقوق: ٣/٨٨، شركة علمیه)

(وكذا فی فتح القدیر، باب الحقوق: ٧/٤٠، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(٣) "علی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها .... الحداد: الاجتناب عن الطِّیب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطیب والمعصفر". (الفتاوی العالمكیریة: ١/٥٣٣، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، رشیدیه)

"المتوفی عنهازوجها تخرج نهاراً وبعض اللیل، ولاتبیت فی غیرمنزلها". (الفتاویٰ =

عدت کے دوران پردہ سے متعلق چند سوالات

سوال[۶۵۴۶]: ۱.....میرے والد صاحب کا انتقال ابھی حال ہی میں ہوا ہے، ان کی بیماری کے دوران میری والدہ بھی ہسپتال وغیرہ میں دَوڑ بھاگ میں رہا کرتی تھیں، اس دوران ان کا پردہ کئی ایسے لوگوں سے بھی ہونا ممکن نہ تھا جس سے وہ پہلے کیا کرتی تھیں۔ اب ان کے انتقال کے بعد پوزیشن یہ ہے کہ گھر یعنی دہرہ دون میں ایک میری چھوٹی بہن اور والدہ رہ گئی ہیں۔ گھر کے کام کاج میں ضرورت دوسروں کی مدد کا پڑ جانا لازمی ہے۔

ایک صاحب زید ہیں جو والد صاحب کی حیات میں بھی ہمارے گھر کے ایک فرد کی طرح سے ہمارے گھر آیا جایا کرتے تھے اور ان سے والدہ کا پردہ نہیں تھا زید نے مرحوم کی بہت خدمت کی تھی، اب وہ رات کو میری والدہ اور بہن کے اکیلے ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی سونا چاہتے ہیں۔ زید کافی بزرگ ہیں اور ہم انہیں تائے کہتے ہیں۔

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر سے بتائیں کہ عدت کے دَوران کیا زید سے بھی والدہ کا پردہ ضروری ہے؟

۲.....ان لوگوں سے کہ جن سے والدہ کا پردہ نہیں تھا، کیا ان سب سے پردہ کرنا ضروری ہے؟

۳.....کیا ایسی مجبوری کی حالت میں جب کہ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے عدت کی پوری مدت گذارنی ہوگی؟

۴.....محلّہ پڑوس کے کچھ بچے اب بالغ ہوگئے ہیں جو پہلے گود کھلائے ہوئے تھے اور ان سے والدہ کا پردہ نہیں تھا تو دَورانِ عدت کیا ان سے بھی پردی ہوگا؟

۵.....کیا عدت کے دَوران آواز کا بھی پردہ ضروری ہے؟

۶.....عدت کے دوران غلطی سے یا بھول سے اچانک کسی کے سامنے آجانے سے لیکن خیال آجانے

= العالمكيرية، المصدر السابق: ۱/۵۳۴، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۶۶، ۲۷۱، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۵۳۰، ۵۳۶، كتاب الطلاق، باب العدة، سعيد)

پر دوبارہ سامنے نہ آنے پر کوئی مضائقہ تو نہیں؟

۷ ..... عدت کیوں اسلام نے ضروری کی ہے، کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص شرعاً نامحرم ہو اس سے پردہ لازم ہے خواہ زمانۂ عدت ہو یا نہ ہو۔ زید سے بھی پردہ لازم ہے (۱)، وہ علیحدہ باہر کسی جگہ رہ سکتے ہیں، تنہائی میں آپ کی والدہ صاحبہ سے نہ ملیں (۲)۔

۱..... پردہ ضروری ہے۔

۲..... ضروری ہے (۳)۔

۳..... عدت کی مدت چار مہینے دس دن پوری لازم ہے، اس میں کمی نہیں (۴)۔

۴..... جب وہ بالغ ہو گئے تو ان سے بھی پردہ ضروری ہے (۵)۔

۵..... بلاضرورت نامحرم سے بات نہ کی جائے (۶)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾ (النور: ۱۸)

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإنها إذا خرجت من بيتها، استشرفها الشيطٰن". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح: ۲/۲۶۹، قديمي)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لاتلجوا على المغيبات، فإن الشيطن يجري من أحدكم مجرى الدم". (مشكوة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني: ۲/۲۶۹، قديمي)

(۳) (راجع رقم الحاشية : ۱)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجاً، يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾ (سورة البقرة: ۲۳۴)

(۵) قال الله تعالیٰ: ﴿أو الطفل الذين لم يظهروا على عورات النساء﴾ .... فأما إن كان مراهقاً، أو قريباً منه بحيث يعرف ذلك ويدريه ويفرق بين الشوهاء والحسناء، فلا يمكن من الدخول على النساء، وقد ثبت في الصحيحين عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "إياكم والدخول على النساء". (ابن كثير، سورة النور: ۳/۳۸۱، دارالسلام الرياض)

(۶) اس لئے کہ نامحرم کی آواز کا بھی پردہ ہے: "وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه =

۶......بھول اور غلطی کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، فوراً اس کی اصلاح ضروری ہے۔

۷......عدت کا حکم احکم الحاکمین نے قرآن کریم میں فرمایا ہے(۱) اس کی وجہ دریافت کرنے کا کس کو حق ہے، سب اس کے بندے ہیں، سب پر بلا چون وچرا حکم کی اطاعت لازم ہے: ﴿لا یسأل عما یفعل وھم یسئلون﴾(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۳۹۶ھ۔

کیا طوائف کے لئے عدت ہے؟

سوال[۶۵۴۷]: زید ایک طوائف سے محبت کرتا ہے اور ایک سال سے اس کے چکر میں پھنسا ہے لوگوں کی ازحد کوششوں کے باوجود اس سے رابطہ ختم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں اس سے شادی کروں گا لہذا اس غلط جگہ سے اس طوائف کو لانے کے کتنے دن بعد نکاح کرسکتا ہے؟ کیا اس کو بھی عدت گذارنی پڑیگی؟ اور عدت کتنے یوم کی ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طوائف کے لئے غالباً شوہر نہیں ہوگا ایسی حالت میں اس سے نکاح کے لئے عدت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر وہ حاملہ ہو اور کسی اور کا حمل ہو تو شخص مذکور کو نکاح کے بعد بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہمبستری وغیرہ کی اجازت نہیں اگر حمل اسی کا ہو تو اجازت ہے(۳)۔ فقط واللہ موفق۔

أملاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

= فی المحیط فی باب الآذان، بحر .... فإنا نجیز الکلام مع النساء للأجانب ومجاورتھن عند الحاجة إلی ذلک، ولا نجیز لھن رفع أصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلینھا وتقطیعھا، لما فی ذلک من استمالة الرجال وتحویل الشھوات منھم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۶، سعید)

(۱) (راجع، ص: ۴۰۳ رقم الحاشیة: ۴) ☆☆☆☆☆☆☆

(۲) (سورة الأنبیاء: ۲۳)

(۳) "لاعدة علی الحامل من الزنا أصلاً، وإنما العدة لموت الزوج أوطلاقه .... وإن جاز نکاح الحبلی من زنا، لایحل وطؤھا". (ردالمحتار: ۳/۵۱۱، سعید) .... =

عدتِ وفات، وقتِ وفات سے ہے یا خبر ملنے کے وقت سے؟

سوال[۶۵۴۸]: محمد عثمان کا انتقال ہوگیا، ایک ماہ بعد بیوی کو معلوم ہوا، کیونکہ محمد عثمان گھر سے باہر رہا کرتے تھے۔ لہٰذا عدت کب سے شروع ہوگی، انتقال کے وقت سے یا خبر معلوم ہونے کے وقت سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدتِ وفات چار ماہ دس روز ہے، اس کی ابتداء وقتِ وفات سے ہے خبر خواہ کب ہی ملے، حتی کہ اگر چار ماہ دس روز گذرنے پر بیوی کو وفاتِ شوہر کی خبر ہوئی تو کہا جائیگا کہ عدت ختم ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

عدت کے اندر تیسری طلاق

سوال[۶۵۴۹]: ایک شخص کی عورت مطلقہ رجعی ہے، بعد ازاں اس نے دوسری طلاق معلق بشرط دی، شرط پوری ہونے کے بعد ہی تیسری طلاق معلق بشرط طلاق کی قسم کھائی۔ دوسری طلاق کے دو چار دن کے بعد شرط پوری ہوگئی۔ آیا قبل ختم ہونے عدت طلاق ثانی طلاق ثالث پڑ جائے گی یا نہیں؟ پہلی اور دوسری طلاق میں رجوع صرف لفظاً کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدت ختم ہونے سے پہلے ہی تیسری طلاق بھی واقع ہوگئی (۲)۔ رجوع قولاً کیا ہو یا فعلاً سب کا ایک ہی

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲۶۵/۳، كتاب الطلاق، باب العدة)

(۱) "ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق، وفي الوفاة عقيب الوفاة، فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتى مضت مدة العدة، فقد انقضت عدتها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۳۲/۱، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۲۶۰/۳، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذافي ردالمحتار: ۵۲۰/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذافي الهداية: ۴۲۵/۲، كتاب الطلاق، باب العدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وأما مايرجع إلى المرأة فمنها الملك أو علقة من علائقه، فلا يصح الطلاق إلا في الملك، أو في =

حکم ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۴/صفر/ ۵۸ھ۔

وفاتِ شوہر پر ترکِ زینت

سوال[۶۵۵۰]: خاوند کے مرتے وقت عموماً عورتیں تمام زیور اتار دیتی ہیں اور چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں اور پھر عمر بھر نہیں پہنتیں، یا نکاحِ ثانی وغیرہ تک۔اس کی شرعاً کیا حقیقت ہے؟ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد آپ کی ازواج کا تا زندگی کیا عمل رہا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شوہر کے مرنے پر ایامِ عدت میں زینت ناجائز ہے(۲)، بعد عدت درست ہے، لہذا تمام عمر یا نکاحِ

= علقة من علائق الملك، وهي عدة الطلاق". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فيما يرجع إلى المرأة في الطلاق: ۴/۲۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في بيان شرط صحة الطلاق وبيان حكمه: ۳/۲۵۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "هي استدامة الملك القائم في العدة بنحو: راجعتك، وبكل مايوجب حرمة المصاهرة. ويتزوجها في العدة، وطئها في الدبر على المعتمد إن لم يطلق بائناً وإن أبت". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۳/۳۹۷-۴۰۰، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة: ۱/۴۶۸، ۴۶۹، رشيديه)

(۲) "على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغةً مسلمةً الحدادُ في عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحنا والخضاب ولبس المطيب المعصفر والثوب الأحمر". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۳۳، الباب الرابع عشر في الحداد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۳۰، ۵۳۱، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۲۶۶، باب العدة، فصل في الإحداد، دار الكتب العلمية، بيروت)

ثانی تک ترکِ زینت شرعاً جائز نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پابندِ شرع تھیں، ناجائز کاموں سے اجتناب کرتی تھیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۵۸۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

بیوہ عورت کا زیور پہننا

سوال[۱۵۵۱]: بیوہ عورت کا کانچ کی چوڑی اور چاندی سونے کی چوڑی پہننا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ بیوہ عورت کانچ کی چوڑی نہیں پہن سکتی ہے، نیز عورتوں کو چاندی سونے کے زیور کے علاوہ دیگر چیزوں کے زیور پہننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ کو بعد عدت زیور کانچ کی چوڑی وغیرہ سب درست ہے(۱)، جس زیور میں کفار وفساق کی مشابہت نہ ہو، عورتوں کے لئے وہ سب درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً، فإذا بلغن أجلهن، فلاجناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن﴾ الآية (سورة البقرة: ۲۳۴)

"قوله: ﴿فيمافعلن﴾ من التزين والتطيب". (حاشيه تفسيرات الأحمدية، ص: ۱۴۹، حقانية)

"فإذا انقضت عدتها، فلاجناح عليها أن تتزين وتتصنع وتتعرّض للتزويج". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۸۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلی الله عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهومنهم". (سنن أبي داؤد: ۲/۵۵۸، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، دار الحديث ملتان)

(ومشكوٰة المصابيح، ص: ۳۷۵، قديمی)

(وفيض القدير مع الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، نزار مصطفى الباز رياض)

مطلقہ رجعی پر سوگ

سوال[۶۵۵۲]: مطلقہ بطلاقِ رجعی واحد دورانِ عدت میں بناؤ سنگھار کرسکتی ہے یانہیں، خاص کر اس صورت میں جب کہ شوہر کی نیت ایک طلاقِ رجعی دینے سے عورت کو اپنے ملکِ نکاح سے علیحدہ کرنا ہو، ایک مجلس میں تین طلاقیں بدعی ہونے کے خیال سے نہیں دینا چاہتا۔ آیا یہ عورت بعد ختمِ عدت سہ حیض کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں، خاص کر جب کہ دورانِ عدت میں رجوع قولی وفعلی کسی طرح نہ ہوا ہو؟ نیز اس شوہر کیساتھ اس عورت کو سفر بوجہ ضروری ہونے تبدیلِ مکان جائز ہے یانہیں؟ عورت کے بناؤ سنگھار کے لئے اسی مکان میں شوہر کے رہنا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مطلقہ رجعی کے ذمہ ترکِ زینت واجب نہیں خواہ شوہر کی نیت کچھ ہی ہو، اس کو بناؤ سنگھار شوہر کے سامنے جائز بلکہ مستحسن ہے(۱)، ایسی عورت کو بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح درست ہے، جب کہ شوہر اول نے عدت میں رجعت نہ کی ہو(۲)، ایسی عورت کو شوہر کے ساتھ سفر بھی جائز ہے۔ شوہر کے مکان سے علیحدہ رہنا درست نہیں: "مطلقة الرجعي كالبائن غير أنها تمنع من مفارقة زوجها في مدة سفر لقيام

---

(۱) "المطلقة الرجعية تتشوف وتتزين، ويستحب لزوجها أن لايدخل عليها حتى يؤذنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۲، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

"المطلقة الرجعية تتزين لزوجها إذا كانت الرجعة مرجوةً، وإلا فلا تفعل". (الدرالمختار: ۳/۴۰۸، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۲۰، باب الرجعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) "أما الطلاق الرجعي، فالحكم الأصلي له هو نقصان العدد، فأما زوال الملك وحل الوطء، فليس بحكم أصلي له لازم، حتى لايثبت للحال، وإنما يثبت في الثاني بعد انقضاء العدة، فإن طلقها ولم يراجعها بل تركها حتى انقضت عدتها، بانت". (بدائع الصنائع: ۴/۳۸۷، فصل في حكم الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت)

الزوجية، بخلاف المبانة، ١ﻫ". در مختار: ٢/٦٢٩(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

عدت میں چوڑیوں کا استعمال

سوال[۱۵۵۳]: جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے تو ہمیشہ کے لئے کانچ کی چوڑیاں بیوی کو استعمال کرنا بُرا سمجھتے ہیں اور سونے چاندی کی چوڑیاں اگر استعمال کی جائیں تو برا نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عدت گذارنے تک زینت کرنا منع ہے، چاندی سونے کی چوڑیاں پہننا بھی منع ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸/۵/۱۳۹۶ھ۔

عدت میں چوڑی توڑ دینا

سوال[۱۵۵۴]: شوہر کے مرنے پر عورت کی چوڑی توڑ دی جایا کرتی ہے، عند الشرع اس کی کیا حقیقت ہے؟ اگر غلط ہے تو ایامِ عدت میں اس کی چوڑی خود بخود ٹوٹ جائے تو پھر پہن سکتی ہے یا نہیں؟

---

(١) (تنوير الأبصار: ٣/٥٣٩، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٥٣٢، الباب الرابع العشر في الحداد، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٤/٢٦٢، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

(٢) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قال: "المتوفى عنها زوجها لاتلبس المعصفرة من الثياب ولا الممشقة ولا الحلي، ولا تختضب، ولا تكتحل". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ٢٦٠٤١): ٧/ ٤٢٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن أبي داؤد: ١/٣٢٢، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنب المعتدة في عدتها)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/٢٦٢، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے مرنے پر عورت کو ایامِ عدت میں زینت وزیبائش، بناؤ سنگھار کرنا درست نہیں، اس لئے چوڑیاں اُتار دینا چاہیئے (۱)، توڑ دینا غلط ہے، عدت ختم ہونے پر یہ حکم نہیں رہتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۹ھ۔

نومسلمہ کے نکاح کے لئے عدت

سوال [۱۵۵۵]: ایک عورت اپنے خاوند کے انتقال کے ڈیڑھ ماہ بعد اسلام قبول کرتی ہے، آیا اس کو اس صورت میں عدت بمقدارِ شرعِ متین پوری کرنی ہوگی، یا وہ اسلام قبول کرتے ہی نکاح کر سکتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس کو نکاح کے لئے وضعِ حمل کا انتظار کرنا چاہیے:

"وكذا لاتعتد مسبية افترقت بتباين الدارين؛ لأن العدة حيث وجبت إنما وجبت حقاً للعباد، والحربي ملحق بالجماد إلا الحامل، فلا يصح تزوجها، لا لأنها معتدة، بل لأن في بطنها ولداً ثابت النسب كحربية خرجت إلينا مسلمةً أو ذميةً أو مستأمنةً، ثم أسلمت وصارت ذميةً، لما مرّ أنه ملحق بالجماد إلا الحامل، لما مر". درمختار: ۱۰۱۱/۲ (۲)۔

---

(۱) "على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذاكانت بالغةً مسلمةً الحدادُ في عدتها .... والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر .... ولبس الحلي والتزين والامتشاط". (الفتاوى العالمكيرية: ۵۳۳/۱، الباب الرابع العشر في الحداد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۶۶/۳، ۲۶۷، باب العدة، فصل في الحداد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۲۷/۴، فصل في العدة، نوع آخر في الحداد، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الدخول في النكاح الأول دخول في الثاني في مسائل: ۵۲۶/۳، سعيد)

اگر حاملہ نہیں تو پھر اس کے اوپر شرعاً عدت واجب نہیں: "ان المرأة إن كانت حربية، فلا عدة عليها". بحر: ۳/۲۱۳۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، صحیح: بندہ عبد الرحمٰن عفی عنہ، ۱۲/۱/۵۲ھ۔

نومسلمہ کا نکاح کے لئے عدت

سوال [۱۵۵۲]: ہندوستان میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا خاوند کفر پر ہے۔ اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان اگر دارالحرب ہے تو فرقت کے لئے تین حیض ضروری ہے، کیونکہ اسلام عدمِ ولایت کی وجہ سے پیش نہیں کیا جاسکتا، مگر یہاں بعض دفعہ میں پیش کیا جاسکتا ہے، بعض دفعہ نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اگر دارالامن ہے تو مذکورہ صورت کا کیا حل ہے، آیا مہاجرۃ النساء کی صورت ہے؟ غرضیکہ جیسی تحقیق ہو تحریر ہو۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرقت تین حیض سے لکھی ہے(۱)، کیا وہ بھی صورت ہے جو ہندوستان میں باقی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت شاہ اسماعیل صاحب نے اس کو دارالحرب فرمایا ہے (۲)۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب اور نواب صدیق صاحب

---

(۱) اگر زوجہ اور شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں اور عرضِ اسلام کے بعد تفریق کی گئی ہے تب تو بالاتفاق عدت واجب ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں دارالحرب میں ہیں اور اس لئے عرضِ اسلام نہ ہوسکا بلکہ تین حیض گزر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوئی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر شوہر مسلمان ہوا ہے تو بالاتفاق عدت واجب نہیں، اور اگر عورت مسلمان ہوئی ہے تو صاحبین کے نزدیک اس پر ان تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گزارنا واجب ہے، اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب نہیں۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جاوے، امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے"۔ (حیلۂ ناجزہ، تتمۂ حیلۂ ناجزہ ملقب بالمختارات في مهمات التفريق والخيارات، عدت کا حکم، ص: ۱۰۵، دار الإشاعت)

(۲) سوال: دارالاسلام دارالحرب میشود یا نہ؟ الجواب: در کتب معتبرہ اکثر ہمیں روایت اختیار کردہ کہ دارالاسلام دارالحرب میتواند شد=

....

=بشروط ثلثہ، دردرمختار مینوسیدہ۔

"لا تصير دارالإسلام دارالحرب إلا بأمور ثلثه باجراء أحكام أهل الشرك، وباتصالها بدار الحرب، وبأن لايبقى فيما مسلم أو ذمى آمناً بالأمان الأول على نفسه. ودارالحرب تصير دارالإسلام باجراء أحكام أهل الإسلام فيها، انتهى".

ودرکافی مینویسد:

"أن المراد بدار الإسلام بلاد يجرى فيها حكم إمام المسلمين ويكون تحت قهره. وبدار الحرب بلاد يجرى فيها أمر عظيمها وتكون تحت قهره، انتهى".

درین شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است، ومراد از اجرائے احکام کفر این است کہ در مقدمۂ ملک داری وبندوبست رعایا واخذ خراج وباج وعشور اموال تجارت وسیاست قطاع الطریق وسراق وفیصل خصومات وسزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آرے۔ اگر بعضے احکام اسلام را مثل جمعہ وعیدین واذان وذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشد، لیکن اصل الاصول این چیز ہا نزد ایشان ہباء ہدر است زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم مینمایند، وہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمانِ ایشان درین بلاد داخل نمیتوانند شد۔ واز یں شہر تا کلکتہ عملِ نصاریٰ ممتد است آرے، در چپ وراست مثل حیدرآباد ولکھنؤ ورامپور احکام خود جاری نکردہ اند بسبب مصالحہ واطاعتِ مالکانِ آں ملک۔ واز روے احادیث وتتبع سیرتِ صحابۂ کرام وخلفائے عظام ہمیں مفہوم میشود، زیرا کہ عہد حضرت صدیق اکبر ملک بن یربوع را حکم دار الحرب دادند حال آنکہ جمعہ وعیدین واذان درآنجا جاری بود، مگر انکار حکمِ زکوٰۃ کردہ بودند۔ ہمچنیں یمامہ وگردونواح آنرا حکم ودار الحرب دادند باوجودیکہ مسلمانان درآں بلاد موجود بودند۔ علی ہذا القیاس درعہدِ خلفائے کرام ہمیں طریقِ سلوک بود، بلکہ درعہدِ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فدک وخیبر را حکم، دار الحرب فرمودند، حالانکہ تجار اہل اسلام بلکہ بعض سکنہ آنجا نیز درآں مکانات درواديُ القریٰ مشرف باسلام بودند، وفدک وخیبر را کمالِ اتصال بود، یا مدینہ منورہ باقیماندہ حکم حریت ورقیت کفار حربی۔ پس دریں مسئلہ ہم اختلافِ روایات بسیار است، اکثر فقہا مینویسند کہ صورت مرقوق شدن ایشان ہمین است کہ استیلاء واقع شود باز باحراز بدارالاسلام بیایند، آں زمان مملوک میشوند"۔ (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، ۳۱، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، یوپی)

''ہندوستان کے اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ کے حال کو کہ اکثر حصہ دار الحرب بن چکا ہے''۔ (صراط مستقیم، ص: ۱۸۸، اسلامی اکیڈمی)

اورمولانا عبدالباری صاحب نے اس کا انکار کیا ہے(۱)۔طرفین اہلِ تحقیق اس میں اور اپنے دعویٰ پر دلیل بھی

(۱) ''بلاد ہند جو نصاریٰ کے قبضے میں ہیں، دارالاسلام ہیں اوردارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے کے شروط ان میں موجود نہیں ہیں کیونکہ گو ان میں کفار کا قانون ہے، مگر اصول وارکان اسلام بھی جاری ہیں اور حکام بعض امور میں علماء کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں بزازیہ میں ہے۔

''قال السيد الإمام: والبلاد التي في أيدي الكفرة اليوم لاشک أنها بلاد الإسلام بعد اتصالها ببلاد الحرب وإن لم يظهروا أحكام الكفرة، بل القضاة مسلمون. وأما البلاد التي عليها وال مسلم من جهتهم، فيجوز به إقامة الجمع والأعياد وأخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الأيامى و الأرامل. وأما البلاد التي عليها ولاة الكفار، فيجوز فيها إقامة الجمع والأعياد، والقاضي قاض بنا من المسلمين. وقد تقرر أن ببقاء شئ من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بلا خلاف بأن هذه الديار قبل استيلاء التتار كان من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان والجمع والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوى والتدريس شايع بلا نكير من طرفهم، فالحكم بأنها من دارالحرب جهة له إلى الدراسة والدراية و إعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكسوس، والحكم من النقض برسم التتار كإعلان بني قريظه بطلب الطاغوت، ومع ذلک كانت بلدة إسلام بلا ريب. وذكر الحلواني إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدارالحرب، وأن لايبقى فيها مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان الأول، فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دارالحرب. وعند تعارض الأدلته والشرائط يبقى ماكان، ويترجح جانب الإسلام احتياطاً''.

(مجموعة الفتاوى، كتاب الصلوة، ہندوستان میں نماز جمعہ اوراس کے بعد چار رکعت احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۷، ۲۳۸، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الرابع في المرتد: ۶/۳۱۲، رشيديه)

''وعندي أن هذه المسئله من المشتبهات التي لم يظهر حكمها على وجه يحصل منه ثلج الصدر، ويذه به عطش الفواد، ولذا تراني حررتها في ''هداية السائل إلى أدلة المسائل'' مقيداً بالمذهب =

پیش کرتے ہیں جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ اور فتاویٰ عزیزی میں موجود ہے اور یہ اختلاف درحقیقت دارالحرب کے آثار اور علامات میں اکابر ائمہ کے اختلاف پر مبنی ہے۔ مبسوط، عالمگیری، شامی وغیرہ میں ان اکابر کے اقوال دارالحرب کی تعریف کے متعلق ذکر کرتے ہیں (۱)۔

= الحنفي الدال على أن بلاد الهند ديار الإسلام، وكتبتها في موضع آخر على طريقة أهل الحديث الدالة على أنها دار الكفر، وجمعت هنا بين الضب والنون، ولم أقطع بشئ من ذلك، ويمكن أن يقال: إن في المسئلة قولين، وهما قولان متساويان وإن كان كونها دار الكفر أظهر نظراً إلى ظاهر الأدلة، وواضح التقوىٰ". (العبرة مماجاء في الغزو والشهادة والهجرة لصديق حسن خان القنوجي، ص: ۲۳۸، دارالحرب، تتمه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "(قوله: لا تصير دارالإسلام دارحرب الخ): أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا، أو ارتد أهل مصر وغلبوا وأجروا أحكام الكفر، أو نقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم، ففي كل من هذه الصور لاتصير دارحرب، إلا بهذه الشروط الثلاثه، وقالا: بشرط واحد لاغير، وهو إظهار حكم الكفر. وهو القياس هندية. ويتفرع على كونها صارت دارحرب أن الحدود والقود لايجرى فيها وأن الأسير المسلم يجوز له التعرض لما دون الفرج، وتنعكس الأحكام إذا صارت دار الحرب دارالإسلام، فتأمل.

وفي شرح دررالبحار: قال بعض المتأخرين: إذا تحققت تلك الأمور الثلاثة في مصر المسلمين، ثم حصل لأهله الأمان ونصب فيه قاض مسلم ينفذ أحكام المسلمين، عاد إلى دارالإسلام، فمن ظفر من الملاك الأقدمين بشئ من ماله بعينه، فهو له بلا شئ، ومن ظفر به بعد ماباعه مسلم أو كافر من مسلم أو ذمي، أخذه بالثمن إن شاء، ومن ظفر به بعد مارهبه مسلم أو كافر لمسلم أو ذمي، وسلمه إليه، أخذه بالقيمة إن شاء، اهـ.

قلت: حاصله أنه لما صار دارحرب صار في حكم ما استولوا عليه في دارهم. (قوله: بإجراء أحكام أهل الشرك): أى على الاشتهار وأن لا يحكم فيها بحكم أهل الإسلام، هندية. وظاهره أنه لو أجريت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لاتكون دارحرب. (قوله: وباتصالها بدار الحرب) بأن لايتخلل بينهما بلدة من بلاد الإسلام، هندية. وظاهره أن البحر ليس فاصلاً، بل قدمنا في باب استيلاء الكفار أن بحر المسلم ملحق بدار الحرب، خلافاً مما في فتاوىٰ قارى الهداية.

قلت: وبهذا ظهر أن ما في الشام من جبل تيم الله المسمى بجبل الدروز وبعض البلاد التابعة =

اسی اختلاف کی بناء پر حضرت مولانا تھانوی کا تحریر فرمانا احوط ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین حیض کے گذرنے کے بعد ایسی عورت کا نکاح منقطع ہوگا اور پھر تین حیض اور عورت کو انتظار کرنا چاہیے۔ غرض چھ حیض کے بعد اس کو نکاحِ ثانی کی اجازت ہوگی۔ یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر عدت واجب نہیں، لہٰذا صرف تین حیض گذر جانے پر نکاحِ ثانی درست ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اوسع ہے۔

ہندوستان میں بلکہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے محض قبولِ اسلام کی بناء پر مہاجرۃ النساء کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے:

"ولو أسلم أحدهما ثمة: أی فی دار الحرب، لم تبن حتی تحیض ثلاثاً أو تمضی ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة مقام السبب، ولیست بعدة لدخول غیر المدخول بها"۔ قال الشامی: "(قوله: ولیست بعدة): أی لیست هذه المدة عدةً؛ لأن غیر المدخول بها داخلة تحت هذا الحکم، ولو کانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة؟ فإن کانت المرأة حربیةً فلا؛ لأنه لاعدة علی الحربیة، وإن کانت هی المسلمة فخرجت إلینا فتمت الحیض هنا، فکذلك عند أبی حنیفة، خلافاً لهما؛

= کلها دار إسلام؛ لأنها وإن کانت لها حکام دروز أو نصاری، ولهم قضاة علی دینهم وبعضهم یعلنون بشتم الإسلام والمسلمین، لکنهم تحت حکم ولاة أمورنا وبلاد الإسلام محیطة ببلادهم من کل جانب، وإذا أراد ولی الأمر تنفیذ أحکامنا فیهم نفذها. (قوله: بالأمان الأول): أی الذی کان ثابتاً قبل استیلاء الکفار للمسلم بإسلامه وللذمی بعقد الذمة، هندیة". (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب فیما تصیر به دار الإسلام دار حرب وبالعکس: ۱۷۴/۴، ۱۷۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب الخامس فی استیلاء الکفار، مطلب فیما تصیر به دار الحرب دار إسلام وعکسه: ۲۳۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی، کتاب السیر، باب المرتدین: ۹۳/۱۰، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

لأن المهاجرة لاعدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، الخ". ردالمحتار: ۲/ ۳۹۱،

مطبوعہ نعمانیہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۸/ ۷/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/ رجب/ ۶۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/ ۱۹۱، سعید)

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

نان نفقہ کا انتظام شوہر پر لازم ہے

سوال [۲۵۵۷]: ۱...... زید اس دو سال کے عرصہ میں باروزگار ہوتے ہوئے بھی نفقہ وسکنی میں خسر کے سر رہا جبکہ نکاح سے قبل کہا تھا کہ خود کفیل ہوں، تادمِ تحریر مکان کا بندوبست نہیں کیا اور نہ نان نفقہ کا انتظام ہے، اب زوجہ اپنے میکہ میں رہتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ نان ونفقہ اور رہائش کا بندوبست کرے، یا ہمیں مکمل علیحدہ کردے تاکہ دوسرا بندوبست کرسکوں۔ اس کا یہ مطالبہ شرعاً کہاں تک جائز ہے؟

۲...... اس مطالبہ سے علیحدگی پر وہ اپنے مہر واخراجات تک عدت وغیرہ کی مستحق ہوگی یا نہیں؟

۳...... کب تک میکہ میں رہ کر نفقہ وسکنی کا انتظام کرتی رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بیوی کا یہ مطالبہ شرعاً صحیح ہے(۱)۔

۲...... مستحق ہوگی (۲)۔

---

(۱) "تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية، دخل بها أولم يدخل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۴، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذافي الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۱۸۳، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۴، كتاب النكاح، باب النفقة، رشيديه)

(۲) "المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۳، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، رشيديه)

(وكذافي فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۹۶، كتاب النكاح، فصل في الخلوة وتأكد المهر، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار: ۳/۱۰۲، باب المهر، سعيد) .... =

۳..... جب تک برداشت کر سکے، تاہم اس کو حق ہے کہ وہ مسلم عدالت یا شرعی پنچایت کی طرف رجوع کرے اور شرعی فیصلہ وہاں سے حاصل کرائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۵ھ۔

عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے یا سوتیلے لڑکے کے ذمہ؟

سوال [۶۵۵۸]: ایک شخص جس کی عمر جب چار سال کی تھی تو اس کے والد کا انتقال ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد اس کی والدہ نے دوسرا نکاح کر لیا، لیکن وہ اپنی والدہ سوتیلے باپ کے پاس رہتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے دس بارہ سال اور اس کی تعلیم وتربیت کی اور وہ اپنا کھانا کھانے لگا، اس دوران اس کی والدہ کو نئے شوہر سے تین چار بچے ہوئے اور ان کو سب بچوں کو لے کر شوہر سے دور اپنے لڑکے کیساتھ آٹھ نو سال کا عرصہ رہتے ہو گیا، اس نے ہر طرح سے ان کا خرچہ برداشت کیا، کھانے پینے سے، سوتیلے بھائی بہنوں کی تعلیم وتربیت سے ہر نقطۂ نظر خرچہ کیا۔ اس دوران اس کی والدہ کے غلط رویہ سے اس کی شادی ہوگئی، اور طلاق بھی ہوگئی۔

اس وقت اس کی یہ تیسری بیوی ہے جس کا والد مر چکا ہے اور اس کی بیوہ ماں نہیں ہے تو ہو سکتا کہ اس کی بیوی کا والد بھی اپنی بیٹی کی طلاق کرالیتا۔ والدہ نے اپنے بچوں کو اپنی بہو کے اوپر ہمیشہ فوقیت دی اور بہو سے اکثر لڑتی جھگڑتی رہی اور اپنا سب سے زیادہ لڑکے پر حق ظاہر کرتی رہی اور بہو کو غیر سمجھتی رہی اور بطورِ لونڈی معاملہ کرتی رہی، لیکن وہ شخص اس دوران اپنی والدہ کی ان بیجا حرکات سے بہت پریشان رہا اور ابھی تک بہو سے لڑتی رہی، لیکن اب اس شخص کا جو حقیقی چھوٹا باپ ہے جو کھاتا کماتا ہے اس نے لڑانا شروع کر دیا ہے اور اس کا چھوٹا بھائی اپنے سوتیلے بھائی بہنوں و ماں کے خرچ کیلئے کچھ بھی نہیں دیتا ہے تو وہ شخص اب ان چیزوں

= "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، الأصل أن الفرقة متى كانت من جهة الزوج، فلها النفقة، وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق، لها النفقة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۵۷، الفصل الثالث في نفقة المعتدة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۱، كتاب النكاح، فصل في نفقة العدة، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۴/۲۳۹، باب النفقة، رشيديه)

(۱) (وكذافي الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، حكم زوجة متعنت في النفقة، سعيد)

کو برداشت نہیں کر پاتا اور اس نے اپنی والدہ مع بچوں کے ہاتھ جوڑ کر چھوٹے بھائی کے پاس رہنے کو سوتیلے والد کے پاس رہنے کو کہدیا ہے اور کہا ہے کہ جو کچھ اس سے اپنے بیوی بچوں کے خرچ سے بچے گا وہ بھیجتا رہے گا، کیونکہ اب اس کی والدہ اس پر آ گئی ہیں کہ اس عورت کو بھی چھوڑ دے تو کس طرح تیسری عورت کو طلاق دے سکتا ہے، کیونکہ والدہ کا رویہ بہنوں سے ٹھیک نہیں رہا اور پھر اس کے دو تین بچے بھی ہیں۔

مطلع فرمائیں کیا والدہ کا دوسرا نکاح کرنے کے بعد بھی اس شخص کے اوپر والدہ اور اس کے سوتیلے بھائی بہنوں کا خرچ برداشت کا وجوب آتا ہے؟ اور کیا چھوٹے بھائی کے اوپر بھی وجوب آتا ہے یا نہیں؟ چھوٹے بھائی کی پرورش بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ والدہ کا شوہر موجود ہے تو والدہ کا خرچ شوہر پر واجب ہے اولاد پر واجب نہیں (۱)، ہاں! اگر والدہ شوہر کے پاس رہنے کے باوجود تنگدست ہو، یا شوہر خرچ نہ دیتا ہو تو پھر سب کمانے والی اولاد پر برابر خرچ واجب ہوگا (۲)۔ جن بچوں کا باپ موجود ہے، ان کا خرچ باپ کے ذمہ ہے (۳)۔ والدہ کے مزاج میں

---

(۱) "ولايشارك الزوج في نفقة زوجته أحد حتى لو كان لها زوج معسر وابن موسر من غيرهذا الزوج أو أب موسر أو أخ موسر، فنفقتها على الزوج لاعلى الأب والابن والأخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۶، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذافي فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۸، فصل في نفقة الوالدين وذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۲۴۸، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "والأم إذاكانت فقيرةً، فإنه يلزم الابن نفقتُها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۵، رشيديه)

"ولو كان له ابن وابنة، كانت نفقته عليهما على السواء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۸، فصل في نفقة الوالدين وذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار: ۳/۶۲۲، ۶۲۳، باب النفقة، سعيد)

(۳) "(وتجب النفقة لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر". (الدرالمختار: ۳/۶۱۲، باب الفقة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۰، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۲۳۴، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، إدارة القرآن كراچی)

اگر واقعۃً فتنہ ہے تو ان کو شوہر کے پاس رکھا جائے، البتہ ان کا احترام بھی لازم ہوگا، گاہے گاہے ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنی حیثیت کے مطابق ان کو ہدیہ تحفہ دینا بھی اور اُن کو خوش رکھنا اولاد کے ذمہ اور ذریعۂ سعادت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۱۸ھ۔

ماں اور بیوی کا نفقہ

سوال[۲۵۵۹]: اگر شخصے روزانہ ایں قدر کسب کردن تواند کہ نفقۂ مادر وزنِ خود کافی نہ شود، دریں صورت نفقۂ زن برو واجب شود یا نفقۂ مادر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفقۂ مادر مشروط بشرطِ فقرِ مادر ویسارِ پسر، پس اگر مادر غنیّہ است یا پسر موسر نیست، معسر است، براو نفقۂ مادر واجب نیست، ونفقۂ زوجہ بہر صورت واجب است، بوجۂ عسرِ زوج یا یسرِ زوجہ ساقط نشود. واگر زوجِ مادر موجود است دریں صورت نیز نفقہ اش بر پسر واجب نیست. پس در صورتِ مسئولہ انسب آنست کہ اگر مادر تحملِ نفقۂ خود نتواں کرد ونیز زوج ندارد ہرچہ کسب کند، زن وما درہر دو را بخوراند:

"وعلى الموسر يساراً يحرم الصدقة نفقة أصوله الفقراء" ملتقى، ص: ۵۰۷(۱)۔

"تجب النفقة للزوجة على زوجها، سواء كان فقيراً أوغنياً ولوكان صغيراً، مسلمةً كانت الزوجة أوكافرةً، موطوءةً أوغيرها، حرةً أوأمةً أوغنيةً، اهـ". مجمع الأنهر، ص: ۴۹۳(۲)۔

"ومراد المصنف من إيجاب نفقة الأم على الولد إذا لم تكن متزوجةً؛ لأنها على الزوج، اهـ". بحر: ۲/۲۰۷(۳)۔

(۱) (ملتقى الأبحر: ۱/۴۹۹، باب النفقة، فصل: نفقة الطفل الفقير، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/۵۸۵، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارإحياء التراث العربي)

(۳) (البحر الرائق: ۴/۳۵۱، باب النفقة، رشيديه)

"إن كان الأب فقيراً أولم يكن كسوباً والابن فقيراً كسوباً، فقال الأب للقاضي: إن ابني يكتسب مايقدر أن ينفق عليّ، فالقاضي: ينظر في كسب الابن: فإن كان فيه فضلٌ عن قوته، يجبر الابن على نفقة الأب منه، وإن لم يكن فيه فضلٌ عن قوته، فلاشيئ عليه بالحكم، ولكن يؤمر من حيث الديانة. هذا إذا كان الابن وحده. وإن كان له زوجة وأولاد صغار، يجبر الابن على أن يدخل الأب في قوته، ويجعله كأحد من عياله، ولايجبره على أن يعطي شيئاً على حدة، اهـ". هندية: ۲ / ۵۷۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ ربیع الثانی / ۵۶ھ۔

بلا رخصتی کے وجوبِ نفقہ

سوال [۶۵۶۰]: زید کا نکاح ہوا، رخصتی عرفی نہیں ہوئی، مگر خلوت ہو چکی۔ نیز جب کبھی زید عورت کے میکے میں گیا تو اس کو خلوت کا موقع دیا گیا، مگر جب زید نے چاہا کہ زوجہ کو اپنے ساتھ رکھے تو زوجہ نے انکار کر دیا کہ اتنی مدت مثلاً دو سال تک ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے اور باوجود اصرار زید کے انکار رہا۔ اس صورت میں زوجہ کا نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زوجہ کا نفقہ جزائے احتباس ہے جو کہ صورت مسئولہ میں مفقود ہے، پس واجب نہیں ہوگا، مگر کہ یہ رخصتی

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۶۵، باب النفقات، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزانہ اس قدر کما سکتا ہے جو اس کی ماں اور بیوی دونوں کو کافی نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں اس پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا یا ماں کا؟

خلاصۂ جواب: ماں کا نفقہ ماں کے نادار اور بیٹے کے مالدار ہونے کے ساتھ مشروط ہے، پس اگر ماں مالدار ہے یا لڑکا مالدار نہیں بلکہ تنگ دست ہے تو اس پر ماں کا نفقہ واجب نہیں، اور بیوی کا نفقہ ہر صورت واجب ہے، جو شوہر کی تنگ دستی یا بیوی کی مالداری کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر ماں کا شوہر موجود ہے تو اس صورت میں بھی اس کا نفقہ لڑکے پر واجب نہیں، پس صورت مسئولہ میں انسب یہ ہے کہ اگر ماں اپنے نفقہ کا تحمل نہیں کر سکتی اور شوہر بھی نہیں ہے تو لڑکا جو کچھ کمائے، بیوی ماں دونوں کو کھلائے، دونوں کا نفقہ برداشت کرے۔

سے امتناع مطالبہ مہر کی بناء پر ہو تو واجب ہے:

"وإن امتنعت عن تسليم نفسهاقبل الدخول أوبعده، عناية. ١هـ .حتى يعطيها مهرها، فلها النفقة؛ لأنه منع بحق، فكان فوت الاحتباس لمعنى من قبله، فيجعل كلا فائت، ١هـ". فتح القدير: ٢٢٤/٢ (١)۔"إذاطالبهابالانتقال وامتنعت بغيرحق، فلانفقة لها". مجمع الأنهر: ٤٩٢/١ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۸ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/۶۰ھ۔

رخصتی سے قبل نفقہ

سوال[۲۵۲۱]: لڑکی کئی سال سے بالغ ہے وہ میکے میں رہتی ہے، اخراجات شوہر سے لے سکتی ہے یا نہیں؟ زید کو اخراجات دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اس کو رخصت کرا کر اپنے مکان پر لے آئے تب اس کا نفقہ خرچہ زید کے ذمہ لازم ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(١) (فتح القدير: ٣٨٢/۴، باب النفقة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذافي الفتاوى التاتارخانية: ١٨۴/۴، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچي)

(٢) (مجمع الأنهر: ۴٨٥/١، كتاب الطلاق، باب النفقة، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ٥۴٥/١، كتاب النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(۳) شوہر پر نان ونفقہ تب واجب ہوگا جبکہ رخصتی میں دیر اور تعدی اس کی طرف سے ہو، لیکن اگر رخصتی میں تعدی عورت کی طرف سے ہو تو نفقہ واجب نہیں: "الكبيرة إذاطلبت النفقة وهي لم تزف إلى بيت الزوج، فلها ذلك إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة". (الفتاوى العالمكيرية: ٥٣٥/١، الفصل الأول في نفقة الزجة، رشيديه) =

بغیر شوہر کے گھر جائے نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں

سوال[۱۵۶۲]: میری شادی ۲/۲/۳ ۷ء، کو تنویر احمد کے ساتھ ہوئی تھی، آج دو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا، آج تک انہوں نے میری کوئی خبر نہ لی، بلکہ کئی بار یہ چاہا کہ مجھے بذریعۂ عدالت زبردستی اپنے گھر لے جائیں، مگر خدا نے میری لاج رکھی، اور میں نہ جا سکی۔ شادی کے بعد سے آج تک میرا کوئی خرچہ انہوں نے برداشت نہیں کیا، اور وہ کسی حد تک ناکارہ بھی ہیں۔ میں شریعت سے اپنا فیصلہ چاہتی ہوں کیونکہ میں ایک شریف عورت ہوں، پردہ نشین ہوں، کیا کروں کہاں جاؤں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اپنے شوہر کے مکان پر موجود نہ رہیں، وہ بلانا چاہے پھر بھی نہ جائیں تو آپ کو اس سے خرچ طلب کرنے کا حق نہیں (۱)، موجودہ حالت میں آپ کی طرف سے بڑا ظلم ہے، آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنی غلطی کی معافی مانگیں، اور شوہر کے گھر پر جا کر آباد ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۱ھ۔

= (وكذافي الدرالمختار: ۵۷۵/۳، باب النفقة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۸۳/۴، ۱۸۴، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "لانفقة لأحد عشر: مرتدة، ومقبلة ابنه .... وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة، حتى تعود". (الدرالمختار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۵/۱، الفصل في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۹۱/۴، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳۰۳/۳، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاءت امرأةٌ إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله! ماحق الزوج على المرأة؟ قال: "أن لم تمنع نفسها ولوكانت على ظهر قتب، ولاتصوم يوماً إلا باذنه، فإن خرجت نفسها، لعنتها ملئكة الرحمٰن وملئكة العذاب حتى ترجع". (تنبيه الغافلين: ۲۷۸، ۲۷۹، باب حق الزوج على الزوجة، مكتبه حقانيه)

زوجہ کا نفقہ وسکنیٰ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال[۱۵۶۳]: ایک عورت بالغہ ہے، اپنے شوہر سے یوں کہتی ہے کہ جب تو خود کمانے کے لائق نہیں اور جب تک تو اپنی کمائی سے نہ کھلائیگا اور علیحدہ مکان رہنے کو نہ دے گا تب تک اپنے باپ کے گھر سے نہ آؤنگی اور یہ حقوق شرعاً جو تیرے ذمہ ہے میں نہیں چاہتی کہ کسی دوسرے سے اپنا حق خواہ خسر ہو حاصل کروں، لہذا جب تُو علیحدہ مکان رہنے کو دے گا اور اپنی کمائی سے کھلاوے گا اس وقت آنے سے انکار نہ ہوگا۔ لہذا دریافت یہ کرنا ہے کہ عورت کا مذکورہ بالا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟ نیز شوہر اس مطالبہ کو پورا کئے بغیر اس کے باپ کے گھر سے جراً لے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زوجہ کے لئے علیحدہ مکان دینا واجب ہے اور مکان سے مراد یہ ہے کہ ایک کمرہ یا کوٹھا ایسا ہو جس میں کسی دوسرے کی رہائش نہ ہو، اگر چہ صحن اور دیگر ضروریات میں دوسرے بھی شریک ہوں۔ اگر ایسا کوٹھا نہ دے تو زوجہ کو حق ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے سے انکار کر دے (۱) اور شوہر کو حق نہیں کہ زوجہ کو دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے پر مجبور کرے۔

عورت کو یہ مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں کہ شوہر خود اپنی کمائی سے کھلاوے، اگر اس کا باپ خرچ کا کفیل ہو جاوے اور اپنے بیٹے کو خرچ دے تب بھی کافی ہے۔ ایسی حالت میں شوہر کو حق ہے کہ زوجہ کو اپنے گھر لے آوے، اگر وہ نہ آوے تو نفقہ واجب نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۱۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها، إلا أن تختار ذلك .... امرأةٌ أبت أن تسكن مع ضرتها أومع أحمائها كأمه وغيرها، فإن كان في الدار بيوتٌ وفرغ لها بيتاً وجعل لبيتها غلقاً على حدة، ليس لها أن تطلب من الزوج بيتاً آخر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۵۶، الفصل الثاني في السكنى، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۵۹۹، ۶۰۰، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۳۲۸، باب النفقة، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "نافرمان بیوی کی تادیب اور نفقہ")

دوا علاج کیا شوہر کے ذمہ لازم ہے؟

سوال[۶۵۶۴]: ہندہ کی بیماری میں جو اخراجات کئے گئے وہ اخراجات ہندہ کے زوج کے ذمہ پر لازم ہوں گے، یا ہندہ کے اپنے مال میں سے خرچ کیا جاوے؟ اور جتنے دن ہندہ اپنے زوج کی رضامندی سے اپنی ماں کے پاس مقیم رہی اتنے ایام کا نفقہ کس کے ذمہ ہوگا، زوج کے ذمہ ہوگا یا کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شوہر کی اجازت سے اپنی ماں کے پاس رہی ہے تو ان ایام کا نفقہ زوج کے ذمہ لازم ہے، لیکن بیماری کی وجہ سے جو کچھ دوا وغیرہ میں خرچ ہوا ہے وہ زوج کے ذمہ واجب نہیں، ہاں! اگر زوج خرچ دیدے تو اس کا احسان ہے:

"ولاتجب الدواء للمرض ولا أجرة الطبيب ولاالفصد ولاالحجامة، كذافي السراج الوهاج". فتاوى عالمگيرى: ۵۶۶/۲، الباب السابع عشر: النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا باپ کے گھر رہ کر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟

سوال[۶۵۶۵]: ۱......کیا زہرہ کے دورانِ قیام والدین بکر کی جانب سے حسبِ اقرار نان ونفقہ اخراجات بکر کی جانب سے واجب الادا ہے؟

۲......کیا حسبِ اقرار بکر کی نصف آمدنی زہرہ کو پچھلے دو سال جو عرصہ وہ بکر کے ساتھ نہ رہی مل جانا جائز

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۹/۱، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار: ۵۷۵/۳، باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير، سعيد)

"(تجب النفقة) ولو هي في بيت أبيها إذالم يطالبها الزوج بالنقلة، به يفتى". (الدرالمختار: ۵۷۵/۳، كتاب الطلاق، باب النفقة، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۱۸۳/۴، ۱۸۴، كتاب النفقات، الفصل الأول، إدارة القرآن كراچى)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۵/۱، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

ہےاور بکر پرواجب ہے؟

۳.....اگر مذکورہ واجبات ضروری اورواجب الاداء ہیں اوران کی ادائیگی سے بکر کتراۓ توازروۓ شرع شریف اس پرکیا گناہ لازم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حسبِ معاہدہ وہ نان نفقہ کی مستحق ہے(۱)۔

۲.....حسبِ قرارداد نصف آمدنی کی وہ مستحق ہے جبکہ عرفاً اتنی مقداراس کے نان ونفقہ کیلئے کافی متصور ہوتی ہو(۲)۔

---

(۱) "وإذا صالحت المرأة زوجها من نفقتها على ثلاثة دراهم كل شهر، فهو جائز. ثم الأصل في جنس مسائل الصلح عن النفقة أن الصلح عن النفقة من الزوجين متى وصل بشئ يجوز للقاضي أن يفرض على الزوج في نفقتها بحال يعتبر الصلح بينهما تقديراً للنفقة، ولا يعتبر معاوضة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الأول في نفقة الزوجة، مطلب: مسائل الصلح عن النفقة: ۵۵۳/۱، رشيديه)

قال الله تعالى: ﴿وأوفوابالعهد، إن العهد كان مسئولا﴾(اسراء: ۳۴)

"يعني والله أعلم إيجاب الوفاء بماعاهدالله على نفسه من النذوروالدخول في القرب، فألزمه الله تعالى إتمامها". (أحكام القران للجصاص: ۲۹۹/۳، مطلب: الزناقبيح في العقل، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الغادرينصب له لواء يوم القيامة، فيقال: هذه غدرة فلان بن فلان". (سنن أبي داؤد: ۲۳/۲، كتاب الجهاد، باب في الوفاء بالعهد، امداديه ملتان)

"عن عبدالله بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: دعتني أمي يوماً ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد في بيتنا، فقالت: هاتعال! أعطيك، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماأردت أن تعطيه"؟ قالت: أردت أن أعطيه تمراً، فقال لها رسول الله صلى الله وسلم: "أما إنك لولم تعطيه شيئاً، كتبت عليك كذبة". (مشكوة المصابيح: ۴۱۶/۲، باب الوعد، قديمي)

(۲) "وفائدة اعتبار التقدير أن يجوز الزيادة على ذلك والنقصان عنه، فعلى هذا الأصل يخرج جنس هذا المسائل قال: وإذا صالحت المرأة زوجها على ثلاثة دراهم لكل شهر فقالت المرأة: لايكفيني هذا=

۳......حقِ واجب کوادانہ کرنا گناہ ہے(۱)، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ زوجہ کا ناراض ہوکر میکہ چلا جانا اور اپنے والد ہی کے مکان پر رہ کر نفقہ طلب کرنا، شوہر کے بلانے پر بھی اس کے پاس نہ جانا سخت گناہ اور موجبِ لعنت ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''ایسی عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں جب تک وہ شوہر کے پاس آکر اس کو راضی نہ کرے'' (۲)۔ عرفاً بھی ایسی عورت نافرمان ہے، شریعت اور خاندان کی نظر میں ذلیل اور مستحقِ ملامت ہے، کوئی شریف مزاج اس کو حرمت وعزت کی چیز تصور نہیں کرتا، پس اس کو اپنی اصلاح بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۲ھ۔

= القدر، كان لها أن تخاصمه حتى يزيدها مقدار مايكفيها إذا كان الزوج موسراً. وإذا صالحت المرأة زوجها على ثلاثة دراهم نفقة كل شهر، ثم قال الزوج: لا أطيق ذلك، فإنه لايصدق في ذلك ويلزمه جميع ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الأول في نفقة الزوجة، مطلب: مسائل الصلح عن النفقة: ۱/ ۵۵۳، ۵۵۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدّوا الأمانات إلى أهلها﴾. اختلف أهل التفسير في المأمورين بأداء الأمانة .... وقال ابن عباس وأبي بن كعب رضي الله تعالىٰ عنهم والحسن وقتادة رحمهما الله تعالىٰ: هو في كل مؤتمن على شئ. قال أبوبكر: مائتمن عليه الإنسان، فهو أمانة، فعلى المؤتمن عليها ردها إلى صاحبها". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۹۳، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه، فأبت، فبات غضبان، لعنتها الملائكة حتى تصبح". متفق عليه. وفي رواية لهما: قال: "والذي نفسي بيده! مامن رجل يدعو امرأته إلى فراشه، فتأبى عليه، إلا كان الذي في السماء ساخطاً عليها، حتى يرضى عنها". (مشكوة المصابيح: ۲/ ۲۸۰، ۲۸۱، كتاب الآداب، باب عشرة النساء، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/ ۴۶۴، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۲/ ۷۸۲، بابٌ: إذابانت المرأة مهاجرةً فراش زوجها، قديمي)

حقوقِ زوجیت نفقہ وغیرہ نہ دے کر بیوی کو معلقہ رکھنا

سوال [۲۵۲۶]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو عرصہ تین چار سال سے معلقہ چھوڑ رکھا ہے، نہ نان نفقہ کی خبر لیتا ہے، نہ کبھی اس کے پاس آتا ہے اور نہ کبھی زوجہ کو بلاتا ہے اور اس ہندہ کو کوئی رکھنے والا بھی نہیں ہے۔ اس مسماۃ کا باپ ضعیف ہے، اس کے پاس بھی مکان وغیرہ نہیں ہے اور نہ کوئی آمدنی ہے جو لڑکی کو رکھ سکے اور نہ زید کا کوئی مکان ہے جو یہ مسماۃ اس کے گھر ہی جا کر رہ سکے اور نہ زید کے کوئی اور جائیداد ہے کہ نان نفقہ کا دعویٰ کر کے کچھ وصول کر لیا جائے اور گذارہ کیا جائے۔

ایک مرتبہ بہت کوشش کر کے کلکتہ سے دھوکا دے کر بلایا تھا اور اس سے کہا تھا کہ طلاق دیدے تو بصورتِ معافی دین مہر طلاق کے واسطے تیار ہو گیا تھا، مگر دوسروں کے بہکانے سے طلاق نہیں دی اور پھر آیا بھی نہیں۔ ایسے حالات میں کیا کوئی صورت علیحدگی کی عندالشرع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکے تو براہ کرم مع شرائط تحریر فرمایا جائے، ضرورت اس کی ہے کہ عنداللہ کوئی مؤاخذہ نہ ہو۔

پیرجی انعام الحق عرف مقبول سہارنپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ کسی طرح سمجھا بجھا کر یا لالچ دے کر یا خوف دلا کر رضامندی سے یا بلا رضامندی اس سے طلاق لے لی جائے یا خلع کر لیا جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور باقاعدہ ثبوت دے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور میرے حقوق کو ادا نہیں کرتا۔ اس پر حاکم اس کو بلا کر سمجھائے کہ تُو اپنی زوجہ کے حقوق کو ادا کر، اگر ادا نہیں کرتا تو طلاق دیدے ورنہ پھر ہم طلاق دیدیں گے۔

اگر وہ حقوق کی ادائیگی کے لئے تیار ہو جائے تو خیر، یا طلاق دیدے تو پھر بعد عدت عورت کو نکاحِ ثانی درست ہے۔ اگر نہ وہ حقوق ادا کرے نہ طلاق دے تو حاکم مسلم اختیارِ تفریق کر دے، اس کے بعد عدت گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہوگا۔

اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، یا وہ شریعت کے موافق فیصلہ نہ کرے تو چند دیندار معزز مسلمانوں کی ایک جماعت بھی یہ سب کام کر سکتی ہے اور اس جماعت میں کم از ایک معاملہ شناس معتبر عالم بھی

ہونا ضروری ہے(۱)۔اور رسالہ ”حیلۂ ناجزہ“کو بھی ضرور دیکھ لینا چاہئے اس میں اس کو خوب تفصیل سے لکھا ہے(۲)،وہ دارالعلوم دیو بند اور کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے ملتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۰/۲/۵۶ھ۔

صحیح:عبد اللطیف،۱۲/صفر/۱۳۵۶ھ۔

کیا میکہ میں رہتے ہوئے بھی نفقہ لازم ہے؟

سوال[۲۵۶۷]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو دو ماہ کے وعدہ سے میکہ بھیج دیا،میعاد گذرنے پر ہندہ کو نہیں بلایا،ہندہ کے عزیز واقارب نے اور اس کے رشتہ داروں نے ایک دو مرتبہ ہندہ کو بلانے کا ذکر کیا،لیکن زید بلانے پر رضامند نہیں ہوا۔زید کچھ دن بعد باہر چلا گیا،ہندہ کو میکے میں رہتے ہوئے ایک سال کامل گذر گیا۔ زید جس وقت باہر سے آیا،اس وقت اس سے کہا گیا کہ اپنی زوجہ ہندہ کو بلاؤ،زید نے صاف لفظوں میں کہا کہ ”میں ہندہ کو ہرگز نہیں بلاؤں گا،میری مرحوم بہن کی وصیت ہے“ ہندہ کے اقارب نے زید سے کہا کہ اگر تم ہندہ کو نہیں بلاتے ہو تو ہندہ کو نان ونفقہ دو،زید نے جواب دیا کہ ”ہندہ قریب چار سال سے میرے نکاح میں آئی ہے،لیکن ہندہ سے میرے اس عرصہ میں رہتے ہوئے آرام نہیں ملا،اس لئے میں ہندہ کو کس بات کا نان نفقہ دوں؟ میرے اوپر کوئی حق نہیں،اگر ہندہ مجھ کو آرام دیتی تو نان ونفقہ اور مہر کی حقدار بنتی“۔تو ہندہ کا نان نفقہ زید کے اوپر ثابت ہوتا ہے کہ نہیں؟ بینوا۔

---

(۱)”قال فی غرر الأذكار: ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائباً ممن مذهبه التفريق بينهما إذا كان الزوج حاضراً وأبىٰ عن الطلاق ...... فالتفريق ضروريّ إذا طلبته .... والحالة الأولى جعلها مشايخنا حكماً مجتهداً فيه، فينفذ فيه القضاء، الخ“. (رد المحتار، باب النفقة، مطلب في فسخ النكاح بالعجز عن النفقة وبالغيبة: ۳/۵۹۰، سعيد)

”والحاصل أن التفريق حال حضرته وحال غيبته جائزٌ عند الشافعي إذا ثبت عجزه، والأول اعتبره مشايخنا مجتهداً فيه دون الثاني، ويصح القضاء بالأول، وتنفيذه دون الثاني“. (البحر الرائق، كتاب النفقة: ۴/۳۱۴، رشيديه)

(۲)(راجع للتفصيل، الحيلة الناجزة، باب: حکم زوجۂ غائب غیر مفقود، ص: ۷۷، دار الاشاعت كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید نے اپنی زوجہ کو خود میکے بھیجا ہے تو جب زید کی اجازت سے میکے رہے وہ نان ونفقہ کی مستحق ہے، البتہ اگر بغیر اجازت کے گئی، یا اجازت سے جانے کے بعد باوجود زید کے بلانے کے نہیں آئی، بلکہ بلا اجازت میکے رہی تو وہ شرعی نان ونفقہ کی مستحق نہیں جب شوہر کے مکان پر آجائے گی تب مستحق ہوگی:

"ولا نفقة لناشزة خرجت من بيته: أي الزوج بغير حق وإذن من الشرع، ولو عادت إلى منزله بعد ما سافر، أجابوا: خرجت عن أن تكون ناشزةً". سكب الأنهر على مجمع الأنهر: ۱/۴۹۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یو، پی)۔

نفقۂ مطلقہ

سوال [۶۵۲۸]: میں ایک پردہ نشین نہایت بدقسمت عورت ہوں، میری شادی حسبِ رواجِ برادری مسمی اقبال سے عرصہ ہوا عمل میں آئی۔ شادی کے بعد پتہ چلا کہ شوہر نہایت بدچلن اور غنڈہ ہے، اس نے تمام زیورات اور سامانِ جہیز کو رفتہ رفتہ اپنی بدچلنی میں خرد برد کر دیا۔ نہ پیٹ بھر روٹی دیا، نہ تن کو کپڑا، سائلہ کی لڑکی بھی ماں باپ کے گھر پیدا ہوئی، سارا خرچہ والدین نے اٹھایا۔ جب میں اپنی زندگی سے تنگ آگئی تو بالآخر اس نے عرصہ نو ماہ کا ہوا چند اشخاص کے سامنے حسبِ شرع تین مرتبہ طلاق دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر کے تین کپڑوں کے ساتھ جو بدن پر تھے والدین کے گھر چھوڑ گیا، نہ لڑکی کا خیال کیا نہ سائلہ کا، نہ سائلہ کا مہر ادا کیا، نہ خرچہ ایامِ عدت دیا، اب اس کو لالچ دامن گیر ہے، طرح طرح کی ناجائز دھمکیاں دے رہا ہے، میرے غریب ماں باپ کب تک میرا خرچہ برداشت کریں گے؟ علمائے دین سے مسئلہ درکار ہے۔

---

(۱) (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۷۹، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۵۷۵، ۵۷۶، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۱۹۲، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب گواہوں کے سامنے اس نے تین مرتبہ طلاق دے دی تو نکاح بالکل ختم ہوگیا(۱)، آپ کا مہر(۲) اورخرچۂ عدت بھی اس کے ذمہ واجب ہے(۳)۔ عدت تین ماہواری گذرنے پر نکاحِ ثانی کا آپ کو اختیار ہے(۴)۔ لڑکی کا نفقہ بھی اس کے ذمہ لازم ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولى الطلاق، وبالثانية والثالثة إفهامها، صدق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق: ۱/۳۵۵، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار، باب طلاق غير المدخول بها: ۳/۲۹۲، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۳/۲۸۶، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أومهر المثل، حتى لايسقط شئ بعد ذلك إلابإبراء من صاحب الحق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذافي ردالمحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذافي بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروطه المهر، بيان ما يتأكد به المهر: ۲/۵۸۴، رشيديه)

(۳) "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أوبائناً أوثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أولم تكن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عشرفي النفقة، الفصل الثالث في نفقة العدة: ۱/۵۵۷، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۶۰۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۳۷، رشيديه)

(۴) "إذاطلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أورجعياً أوثلاثاً، أووقعت الفرقة بينهما بغيرطلاق وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة قروء، سواء كانت المرأة مسلمةً أوكتابيةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشرفي العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(وكذافي فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب العدة: ۱/۵۴۹، رشيديه)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۱۷، رشيديه)

(۵) "نفقة الأولاد الصغارعلى الأب لايشاركه فيها أحدٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عشرفي =

دو بیویوں کے درمیان برابری اور بیماری کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا

سوال[۶۵۶۹]: زید کا عقد جمیلہ کے ساتھ ہوا، اور خلوتِ صحیحہ سے قبل جمیلہ پر فالج گر گئی جس کی وجہ سے وہ چل پھر نہیں سکتی، بعدہ خلوتِ صحیحہ ہوئی، زید نے دوسرا عقد حبیبہ کے ساتھ کیا۔ زید دونوں کے اخراجات بہترین اشیاء کے ساتھ نہیں کرسکتا، زید حبیبہ کے سارے اخراجات قیمتی اشیاء کے ساتھ کرتا ہے اور جمیلہ کو اوسط درجے کا کپڑا دیتا ہے، کیونکہ وہ گھر نہیں آسکتی۔ تو کیا زید اس صورت میں گنہ گار ہوگا؟ اور کیا زید کا جمیلہ کو طلاق دینا بہتر ہے یا ایسے ہی اخراجات کے ساتھ زندگی بسر کرنا؟ کس صورت میں زید گنہ گار ہوگا؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں بیویوں کیلئے کپڑے وغیرہ کا خرچ یکساں دینا چاہیے(۱)، ایک کو بڑھیا اور ایک کو گھٹیا دینا حق تلفی ہے، بیماری کی وجہ سے طلاق دیدینا بے مروتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۱۳۹۴ھ۔

عدتِ طلاق کا نفقہ

سوال[۶۵۷۰]: خلع طلاق پر عورت عدت کے نفقہ کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ ایسا ہی عورت کے مزنیہ ہونے کی بناء پر عورت کو طلاق دیدے تو اس صورت میں عورت مہر ونفقہ کی مستحق ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلع میں اگر نفقۂ عدت کے سقوط کی شرط نہیں کی گئی تو وہ ساقط نہیں ہوگا، اگر شرط کرلی گئی ہے تو ساقط

= النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب النفقة: ۲/۴۴۴، شركة علميه)

(۱) "يجب أن يعدل فيه: أي في القسم بالتسوية في البيتوتة وفي الملبوس والمأكول والصحبة، الخ".

(الدر المختار، باب القسم: ۳/۲۰۱، ۲۰۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب القسم: ۲/۲۹۴، رشيديه)

ہوجائے گا، مہر بلا شرط بھی ساقط ہوجاتا ہے، طلاق سے نہ نفقۂ عدت ساقط ہوتا ہے نہ مہر، خواہ مزنیہ ہونے پر طلاق دے خواہ کسی اُور وجہ سے:

"ویسقط کل منهما: أی من الخلع والمباراة کلَّ حق لکل واحد من الزوجین علی الأخر مما یتعلق، فلاتطالب هی بمهر ولانفقة ماضیة مفروضة. وأمانفقة الولد والعدة، فلاتسقط إلا بالذکر، اهـ". مجمع الأنهر، ص: ۲۵۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم/ ۶۸ھ۔

عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ وسکنی

سوال[۶۵۷۱]: ناصر نے نور جہاں سے نکاح کیا، بعد ایک عرصہ کے اپنی بیوی نور جہاں کی موجودگی میں اس کی علاتی بہن شاہ جہاں سے نکاح کرلیا، اس کے بعد نور جہاں کو طلاق مغلظہ دیدی۔ طلاق مغلظہ دینے کے بعد گاؤں والوں کے سمجھانے بجھانے پر اب ناصر نور جہاں کو اور اس کے بچوں کے اخراجات کیلئے پچاس روپیہ ماہوار دیتا ہے اور نور جہاں عرصہ سے اسی حالت میں ناصر سے ملے ہوئے مکان کے ایک کمرہ میں ناصر کی اجازت سے رہتی ہے۔ اس صورت میں نور جہاں اور بال بچوں کو اس روپیہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس روپے سے نور جہاں کے باپ اور بھائی کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور نور جہاں کا ناصر کے مملوکہ مکان میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۱۰۹/۲، غفاریه)

"ویسقط الخلع والمباراة کلَّ حق لکل منهما علی الأخر مما یتعلق بذلک النکاح إلانفقة العدة وسکناها، إلا مإذا نص علیها، فتسقط النفقة لاالسکنی". (الدرالمختار: ۴۵۲/۳، ۴۵۳، باب الخلع، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۲۳۳/۴، باب الخلع مصطفی البابی الحلبی)

"المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی، کان الطلاق رجعیاً أوبائناً أوثلاثاً، حاملاً کانت المرأة أولم تکن". (الفتاوی العالمکیریة: ۵۵۷/۱، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، رشیدیه)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۴۹۵/۱، باب النفقة، داراحیاء التراث بیروت)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲۲۳/۳، الفصل الثانی فی نفقات المطلقات، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۱۹۲/۳، باب الخلع، دارالکتب العلمیة، بیروت)

عدت کے بعد بھی رہنا درست ہے یا نہیں؟ شاہ جہاں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد حسن رسولی بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں کا خرچ تو ناصر کے ذمہ لازم ہے(۱)، نور جہاں کا خرچ عدت ختم ہونے کے بعد سے لازم نہیں رہا(۲)، لیکن اگر ناصر اس خیال سے اس کو بھی خرچ دیتا ہے کہ وہ اس کے بچوں کی پرورش کرتی ہے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، نیز مکان سے متصل کمرہ میں رہنے سے بچوں کی نگرانی میں سہولت رہتی ہے، یہ بھی درست ہے لیکن اس کا لحاظ ضروری ہے کہ گذشتہ تعلقات کی یاد تازہ ہو کر فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جو روپیہ نور جہاں کو ملا ہے اگر وہ اس میں سے اپنے باپ بھائی کو بطور ہدیہ کچھ دے تو یہ بھی درست ہے۔

نور جہاں کی علاتی بہن سے جو ناصر نے نکاح کیا ہے وہ حرام ہے اس کو چاہیئے کہ دوبارہ نکاح کرے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نفقۂ مختلعہ

سوال[۶۵۷۲]: خلع شدہ عورت کے ایامِ عدت کا کھانا کپڑا شوہر کے ذمہ ہے یا عورت خود کفیل ہے؟

صغیر احمد کراری۔

---

(۱) "نفقة الأولاد الصغار على الأب، لايشاركه فيها أحدٌ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۰، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۲۳۴، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، سعيد)

(۲) "ولو أقام الزوج البينة على إقرارها بانقضاء العدة، سقطت نفقتها". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۱، كتاب النكاح، باب النفقة، فصل في نفقة العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في النفقات، الفصل السادس في نفقة العدة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۳۳۷، كتاب الطلاق، باب النفقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

شوہر کے ذمہ ہے واجب ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ناشزہ کا نفقہ اور حقِ حضانت

سوال [۶۵۷۳]: اگر کوئی زوجہ اپنے خاوند کے ساتھ افعالِ ذیل کی مرتکب ہو کر اس کو رنج وغم وصدمہ پہونچایا ہے:

۱...... خاوند اس کو شب میں طلب کرے کہ میں صبح کو سفر پر جاتا ہوں آکر کچھ سن کر جاؤ اور اس کی ماں نے جواب دیا کہ سوگئی، پھر صبح کو بھیجا، نہیں آئی، خاوند غصہ سے چلا گیا مگر کوئی پرواہ نہیں کی اور ایک عرصہ گذر گیا، مگر اس کی خیریت تک نہیں لی کہ زید زندہ ہے یا مرگیا۔

۲...... ایک عرصہ کے بعد خاوند کے باپ نے پھر اس کو سمجھا کر خاوند کے پاس پہونچادیا، اس کے بعد خاوند نے ہمراز سمجھ کر ایک خفیہ بات کہی اور تاکید کی کہ اس کو ظاہر نہ کرنا، مگر اس نے اس کی خوب شہرت کر کے خاوند کو بدنام کیا اور خوش ہوئی۔

۳...... خاوند کے بلا علم واطلاع واجازت اس کے غیوبت کے وقت بھائی کو بلا کر ماں کے گھر چلی گئی۔

۴...... ماں کے گھر آکر خاوند کی جھوٹی شکایت اس کے افسروں سے کر کے اس کی طرف سے اس کو بدظن کر کے ملازمت پر اثر ڈالنے کی کوشش کی اور بدنام کیا۔

۵...... خاوند کو اس کے باپ نے پھر اس کو لانے پر مجبور کیا اور وہ گیا تو اس سے پردہ کر لیا اور بچوں کو حوالے کر دیا۔

۶...... اس کے بعد خاوند کا باپ پھر خود گیا اور لا کر دونوں کو اپنے پاس رکھا تو خاوند کو پروردہ چھوکری سے

---

(۱) "إلا نفقة العدة وسكناها، فلا يسقطان إلا إذا نص عليها". (الدرالمختار: ۴۵۳/۳، باب الخلع، سعید)

(وكذافي حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۱۹۲/۳، باب الخلع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲۳۳/۴، باب الخلع، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۵۰/۴، باب الخلع، رشيديه)

بدنام کیا۔

۷......خاوند کے باپ کو چٹھی لکھی کہ خاوند پروردہ چھوکری سے ملوث ہے، اس لئے اس کو چاہتا ہے۔

۸......اس چھوکری سے دشمنی کر کے ساس کے ساتھ ہاتھا پائی کی جس پر خاوند نے جھڑکا اور سسر نے منع کیا تو کہا کہ ہتکِ عزت کا دعویٰ کروں گی، جاہل سے پالا پڑا ہے۔

۹...... ماں کو جھوٹ لکھا کہ مجھے خاوند اور سسر نے مارا ہے، میری مدد کرو، اس نے بیٹے اور داماد کو روانہ کیا وہ آئی اور اصل حال سن کر بہت شرمندہ ہوئی۔

۱۰...... بیمار بن کر بلا اجازتِ خاوند مردانہ دواخانہ میں قیام کیا، معالج ڈاکٹر سے خلا ملا کیا، اس نے تخلیہ کیا، ربط ضبط بڑھایا اس نے خط و کتابت کی، اس کو دستیابی تحفہ دی جس میں اپنا اور اس کا نام کشیدہ ہے نکالا، اس کی شہرت ہوئی دماغی آپریشن کے بہانے ڈاکٹر کے روبرو لیٹی۔

۱۱......دواخانہ سے بادل ناخواستہ خاوند کے ہمراہ گئی، مگر سلسلۂ علالت قائم رہا، بار بار دواخانہ جا کر اسی ڈاکٹر سے علاج کی خواہش کی۔ خاوند جب تک گھر میں ہو تو بیمار اور جب باہر چلا گیا تو تندرست، خاوند آئے تو صحت ندارد۔

۱۲...... جب اس ترکیب سے مطلب نہ نکلا تو ایسا سنگین فعل کیا جس سے خاوند کی جان وعزت خطرہ میں پڑ گئی یعنی محض شبہ پر ملازمہ کو پیٹا جس کا خاوند ایک قتل کردہ رہائی یافتہ شخص تھا، اگر اس کا خاوند اس کے خاوند سے انتقام لیتا تو جان گئی تھی اور اگر وہ ملازمہ اس کو پیٹ دیتی تو عزت گئی تھی، مگر خدا کا فضل شاملِ حال تھا کہ بات رفع دفع ہو گئی، اس کے بعد خاوند سے قطعی منافرت کر لی۔

۱۳......خاوند کے باپ کو محض اس بات پر کہ انہوں نے پوتروں (پوتے) کو لکھا کہ تم باپ کو کیوں نہیں پوچھتے؟ ایسا خط لکھا کہ جس میں ان کی بے عزتی کی کسر نہیں رکھی اور ان کو "ظالم بے ایمان، دوزخی، فسادی، راشی، جن، بھوت، پلیت جاہل" وغیرہ کے خطابات سے موسوم کیا اور جھوٹے الزام لگائے جس کو دیکھ کر خاوند کو سخت رنج ہوا۔

۱۴......خاوند کو بچوں کے متعلق صاف جواب لکھا کہ ان کو تم اس وقت تک نہیں لے جا سکتے جب تک کہ مہر نہ دو۔ اب ایسی صورت میں خاوند اگر مجبور ہو کر اور تنگ ہو کر ایسی زوجہ کو طلاق دیدے تو اس کا یہ فعل واجبی جائز

ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ اور ظالم کہا جائے گا کہ نہیں؟ مفصل تحریر ہو۔

سوال نمبر۲: کہ اگر کوئی زوجہ اپنے خاوند کے پاس رہنے سے بالکل انکار کردے بلکہ طلاق لینے پر آمادہ ہوجائے اور خاوند سے نفرت کرے تو ایسی صورت میں بھی کیا وہ نان نفقہ کی مستحق ہے؟ اور خاوند کو اس کے نان نفقہ دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور احکام شرعی اس کو مجبور کرے گی کہ نہیں؟

سوال نمبر۳: اگر کوئی زوجہ اولاد کو اپنے قبضہ میں رکھے اور خاوند کو دینے سے انکار کرے تو کیا ایسی صورت میں بھی باپ پر خرچ اولاد کا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے یہ افعال نہایت مذموم اور شرعاً قابل ملامت ہیں:

۱..... جب شوہر بلائے اور اپنی حاجت پوری کرنا چاہے تو بیوی کو اس کی اطاعت لازم ہے، اگر کوئی عذر حیض وغیرہ کا ہو تو ظاہر کردے

"عن طلق بن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا الرجل دعا زوجته لحاجته، فلتأته وإن کانت علی التنور". رواہ الترمذی(۱)۔

مگر وہ اگر بلاعذر انکار کردے اور اطاعت نہ کرے اور شوہر ناراض ہوجائے تو ایسی عورت کی نماز وغیرہ کوئی عبادت قبول نہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہوجائے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ثلاثة لایقبل لهم صلوة، ولاتصعد لهم حسنةٌ: العبد الآبق حتی یرجع إلی موالیه، فیضع یده فی أیدیهم. والمرأة الساخطة علیها زوجها. والسکران حتی یصحو". رواہ البیهقی فی شعب الإیمان"(۲)۔

"عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إذا دعا الرجل امرأته إلی فراشه، فأبت، فبات غضبان، لعنته الملائکة حتی تصبح". متفق علیه.

---

(۱) (جامع الترمذی: ۱/۲۱۹، أبواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، سعید)

(۲) (مشکوٰة المصابیح: ۲/۲۸۳، کتاب الآداب، باب عشرة النساء ومالکل واحد من الحقوق، قدیمی)

وفی روایة لهما: قال: "والذی نفسی بیده! مامن رجل یدعو امرأته إلی فراشه، فتأبی علیه، إلا کان الذی فی السماء ساخطاً علیها حتی یرضی عنها". مشکوٰۃ شریف(۱)۔

۲......خاوند کے راز کو ظاہر کرنا اور بدنام کرنا یہ بھی گناہ ہے، وهکذا یفهم من سورة التحریم(۲)۔

۳......بغیر اجازت کسی دوسری جگہ شوہر کے گھر سے جانا بھی گناہ ہے:

"عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما قال: جاء ت امرأة إلی النبی صلی الله علیه وسلم فقالت: یارسول الله ! ماحق الزوج علی المرأة؟ قال: "أن لم تمنع نفسها ولوکانت علی ظهر قتب، ولاتصوم یوماً إلا بإذنه، فإن خرجت نفسها، لعنتها ملائکة الرحمٰن وملائکة العذاب حتی ترجع". تنبیه الغافلین(۳)۔

۴......جھوٹ بولنا حرام ہے اور جھوٹی شکایت کرنا بہتان ہے، دونوں کی حرمت قرآن شریف سے ثابت ہے(۴)۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۲۸۰، باب عشرة النساء ومالکل واحد من الحقوق، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۱/۴۶۴، باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۲/۷۸۲، کتاب النکاح، باب إذاباتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، قدیمی)

(۲) قال الله تعالی: ﴿وإذ أسرّ النبی إلی بعض أزواجه حدیثاً، فلما نبأت به وأظهره الله علیه، عرف بعضه وأعرض عن بعض، فلمانبأها به، قالت من أنباک هذا، قال نبأنی العلیم الخبیر﴾ (سورة التحریم: ۳)

"عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من رای عورةً فسترها، کان کمن أحییٰ موء ودةً". (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی السترعلی المسلم: ۲/۳۱۴، امدادیه)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من ستر علی مسلم فی الدنیا، ستر الله علیه فی الدنیا والآخرة". (جامع الترمذی: ۱/۱۴، باب ماجاء فی السترعلی المسلمین، سعید)

(۳) (تنبیة الغافلین: ۲۷۸، ۲۷۹، باب حق الزوج علی الزوجة، حقانیه)

(۴) قال الله تعالی: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

وقال الله تعالی: ﴿لعنة الله علی الکٰذبین﴾ (سورة ال عمران: ۶۱) .... =

۵..... خاوند سے شرعاً پردہ نہیں۔

۶..... کسی پر اس قسم کا بہتان لگانا قطعاً حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اگر اسلامی حکومت ہو اور دوسری شرطیں بھی موجود ہوں تو ایسے بہتان کی سزا حدِ قذف ہے (۱)۔

۷..... ایسی چیز کو تحریر کرنا زبانی بہتان سے بھی سخت ہے۔

۸..... بلا وجہ شرعی محض بدگمانی سے ایسی حرکت کرنا اور شوہر یا سسر کو ایسے الفاظ کہنا حماقت و جہالت ہے (۲)۔

۹..... جھوٹ، بہتان گناہ ہے (۳)۔

۱۰..... یہ کمینہ پن اور حیا سوز حرکتیں ہیں۔

۱۱..... یہ تو ممکن ہے کہ شوہر کی دوا سے نفع نہ ہو، اور ڈاکٹر کے علاج سے نفع ہو جائے، لیکن اگر جھوٹ

= وقال الله تعالیٰ: ﴿يأيها النبي إذا جاءك المؤمنات يبايعنك على أن لايشركن بالله شيئاً ولايسرقن ولايزنين ولايقتلن أولادهن ولايأتين ببهتان يفترينه بين أيد. وأرجلهن﴾ الآية (سورة الممتحنة: ۱۲)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: يارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرک بالله .... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷، كتاب الأيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لايسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيراً منهم، ولانساء من نساء عسى أن ين خيراً منهن، ولاتلمزوا أنفسكم ولاتنا بزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (سورة الحجات: ۱۱)

(۳) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم .... "وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدي إلى الفجور، و إن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً" متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، ص: ۴۱۲، قديمي)

اور بہتان ہے تو گناہ ہے۔

۱۲..... یہ بھی بہت بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

۱۳..... خاوند کے باپ کی عزت کرنا بھی عورت کے ذمہ لازم ہے، اور ایسے لفظ کہنا حرام ہے۔

۱۴..... یہ نشوز ونافرمانی ہے۔

۱۵..... مہر کی اگر کوئی مدت مقرر کی ہے تو اس مدت پر مطالبہ درست ہے اور بچوں کی پرورش کا حق بھی ماں کو ہے جب تک لڑکی بالغ ہو اور لڑکا سات سال کا ہو، کذافی الدر المختار (۱)۔ اگر بچوں پر برے اخلاق کا اثر پڑتا ہو تو باپ کو حق ہے کہ ماں سے علیحدہ کرلے۔ ایسے حال میں جبکہ نباہ دشوار ہوگیا تو شرعاً طلاق دینے میں مضائقہ نہیں اور طلاق شوہر کی طرف سے ظلم نہیں:

"وإيقاعه مباح، وقيل: الأصح حظره إلالحاجة، بل يستحب لومؤذيةً أوتاركة صلوٰة، اهـ". درمختار (۲)۔

جواب نمبر۲: جوعورت شوہر کے مکان سے بغیر اجازت کسی دوسری جگہ چلی جائے تو وہ نفقہ کی حقدار نہیں نہ شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے جب تک شوہر کے مکان پر واپس آئے:

"لانفقة لخارجة من بيته بغير حق وهي ناشزة، حتى تعود ولوبعد سفر". درمختار(۳)۔

جواب نمبر۳: بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے جب تک طلاق نہ ہوئی ہو اور بعد طلاق کے بچوں کے غیر ذی رحم محرم سے ماں نے نکاح نہ کیا ہو اور لڑکا سات سال سے کم ہو اور لڑکی بالغ نہ ہوئی ہو، نیز ماں کے حالات ایسے خراب نہ ہوں کہ اس کی گندی عادتوں کا اثر بچوں پر پڑ کر وہ خراب ہوجائیں، مگر بچوں کا خرچہ بہر صورت باپ کے ذمہ ہے:

"تثبت الحضانة للأم ولوبعد الفرقة، إلاأن تكون مرتدةً أو فاجرةً أوغير مأمونة أومتزوجةً بغيرمحرم. الصغير والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرم: أي الصغير، وتعود

---

(۱) (راجع. ص: ۴۴۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۲۷، ۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(۳) (الدر المختارعلى تنويرالأبصار: ۳/۵۷۶، باب النفقة، سعيد)

بالفرقة. والحاضنة أحق به: أي بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدر بسبع، وبه يفتى. الأم والجدة أحق بها: أي بالصغيرة حتى تحيض: أي تبلغ في ظاهر الرواية". درمختار (۱)۔

"وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله -يعم الأنثى والجمع- الفقير، لايشاركه أحدٌ في ذلك كنفقة أبويه وعرسه، به يفتى، اهـ". درمختار (۲)۔

اگر بچوں کی ملک کوئی مال ہو خواہ نقد ہو خواہ کپڑا ہو خواہ زمین وغیرہ ہو تو باپ ان مال میں سے ان بچوں کو نفقہ دے:

"فإن نفقة المملوك على مالكه والغني في ماله الحاضر يشمل العقار والأردية والثياب، فإذا احتيج إلى النفقة، كان للأب بيع ذلك كله، وينفق عليه؛ لأنه غني بهذه الأشياء، بحر وفتح". درمختار (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

نافرمان بیوی کی تادیب اور نفقہ

سوال [۶۵۷۴]: میری گھر والی میرا بالکل کہنا نہیں مانتی، غیر مردوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے اور بغیر اجازت جہاں مرضی ہو چلی جاتی ہے، میں اپنی سب آمدنی لاکر اس کو دے دیتا ہوں اور وہ مجھ کو کوستی ہے، کہتی ہے کہ بڈھا مرتا بھی تو نہیں، میری عمر پچاس برس اور اس کی عمر چالیس سال کی ہے، جوان اولاد ہے، غلط باتوں کا ان پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ اس صورت میں اس پر شرع کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی عورت ناشزہ ہے، نفقہ وغیرہ کی مستحق نہیں جب تک کہ شوہر کی فرماں برداری نہ

---

(۱) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/ ۵۵۵، ۵۶۶، باب الحضانة، سعيد)

(۲) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/ ۶۱۲، باب النفقة، سعيد)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقة في كسبه لا على أبيه ۳/ ۶۱۲، سعيد)

کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

مشرف احمد عفی عنہ، جامع مسجد فتح پوری دہلی۔

از دار العلوم دیوبند

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کی یہ روش شوہر کے ساتھ مذموم اور قبیح ہے، غیر مردوں کے ساتھ اگر چہرہ کھول کر ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے تو اس کے شوہر کو حق ہے کہ مناسب تنبیہ کرے اور سزا دے، بدزبانی پر بھی سزا دینے کا حق ہے(۱)۔ جو عورت بلا اجازت اپنے شوہر کے گھر سے اپنے والد کے گھر یا کسی اَور جگہ چلی جائے تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں جب تک وہ شوہر کے مکان پر واپس نہ آجائے (۲)۔ اگر شوہر کے مکان پر ہے اور بدزبانی کرتی ہے، کہنا نہیں مانتی تو گنہگار ہے، لیکن نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے، اگر شوہر کو صحبت پر قدرت نہیں دیتی ہے تو ایک قول پر نفقہ واجب نہیں، کذا فی رد المحتار(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والّتي تخافون نشوزهن، فعظوهن واهجروهن في المضاجع﴾ (نساء: ۳۴).

قال الجصاص: ﴿فعظوهن﴾ يعني خوّفوهن بالله وبعقابة. ﴿واهجروهن في المضاجع﴾ قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: هجر الكلام. وقال سعيد: هو الجماع. وقوله: ﴿واضربوهن﴾ وروى ابن جريج عن عطاء قال: الضرب غير المبرح بالسواك ونحوه". (أحكام القرآن: ۲/۲۶۰، قديمي)

(۲) "وإن نشزت، فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۳۸، كتاب الطلاق، باب النفقة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۳، باب النفقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۸۸، باب النفقة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "(لا نفقة لأحد عشرة ... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة، حتى تعود .... قيّد بالخروج: لأنها لو مانعته من الوطء، لم تكن ناشزةً". (الدر المختار). "قيده في السراج بمنزل الزوج =

بیوی کا علیحدہ مکان کا مطالبہ اور نشوز کی صورت میں نفقہ

سوال[۶۵۷۵]: حامد نے نعیمہ کے ساتھ نکاح کیا اور بعد رخصتی کے نعیمہ کو اپنے مکان میں لے جاکر اسی مکان میں رکھا جس میں حامد کے ماں باپ بھائی وغیرہ رہتے تھے۔ دستور کے موافق نعیمہ کبھی کبھی اپنے والدین کے یہاں آتی جاتی ہے، دس گیارہ ماہ نعیمہ سسرال میں رہی، مگر ساس سسر اور شوہر کی بد خلقی اور بدگوئی کی وجہ سے بہت رنج اور صدمہ رہتا تھا۔ آخر وہ مریض ہو کر سسرال والوں کے مشورہ سے والدین کے گھر آئی اور علاج کے بعد آرام ہو گیا، ان ایام میں اس نے اپنے والدین سے سسرال والوں کی بدسلوکی کو ظاہر نہیں کیا۔ تندرستی وصحت کے بعد ساس سسرال جمع ہو کر نعیمہ کو لینے آئے، نعیمہ کے والد نے کہا کہ لڑکی دوا پیتی ہے اب فی الحال نہیں آٹھ روز کے بعد جائے گی، وہ خالی چلے گئے۔

مگر اب نعیمہ کو فکر لاحق ہوا کہ پھر جاکر اسی مکان میں رہنا ہوگا اور مجھ کو ناپسند ہے بسبب ان کی بدسلوکی کے، اس نے اپنے والدین سے ظاہر کر دیا کہ ساس سسر کے ساتھ اسی مکان میں رہنا نہیں چاہتی، مجھ کو جدا مکان میں رکھیں، ان کے ساتھ رہنے میں مجھ کو سخت تکلیف ہوتی ہے، میں ان کے کلمات وعادات کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر جب حامد اپنی زوجہ کو لینے آیا اور اپنے سسر سے کہا کہ اجازت دیں تو کل سواری لاکر نعیمہ کو لے جاؤں، اس کے سسر نے کہا ہاں لیکن لیجا کر کہاں اور کیسے رکھو گے؟ تو حامد نے کہا کہ جہاں پہلے رہتی تھی اس طرح اسی مکان میں رکھوں گا۔

حامد کے سسر نے کہا کہ نعیمہ کہتی ہے کہ اب میں ساس سسر کے ساتھ ایک مکان میں ہرگز نہیں رہوں گی، مجھ کو جدا مکان میں رکھیں تو چلتی ہوں ورنہ نہیں جاؤں گی، لہٰذا تم اس کو الگ مکان میں رکھو اور اس کی کنجی قفل اس کو دو تاکہ وہ با اختیار اس میں رہے، حامد نے اپنی بے اختیاری کا عذر کیا، اس کے سسر نے کہا کہ تم بے اختیار ہو تو ہو مگر اس کو جدا مکان میں رکھنا لازم ہے، حامد نے اس سے مطلقاً انکار کیا اور چلا گیا اور پھر کبھی لے جانے کا نام نہیں لیا، بلکہ دوسری شادی کر لی اور نعیمہ چھ برس تک اپنے والدین کے پاس بیٹھی رہی۔

= وبقدرته على وطئها كرهاً". (ردالمحتار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۵/۱، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲۷/۱، باب النفقة، رشيديه)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نعیمہ جو جدا مکان میں رہنا چاہتی ہے اور مکان نفقہ میں داخل ہے تو نعیمہ اس مطالبے کی وجہ سے جو حامد کے گھر نہیں گئی کیا وہ ناشزہ ہے؟ اور کیا یہ حق طلبی اس کو نہیں پہونچتی، کیا یہ نشوز ہے؟ زید فتویٰ دیتا ہے کہ نعیمہ کو ان ایام گذشتہ کا نفقہ نہیں پہونچتا اور عمر کہتا ہے کہ نعیمہ کو چھ سال کا نفقہ پہونچتا ہے، نعیمہ نے اپنا حق طلب کیا ہے وہ ناشزہ نہیں ہے، حق طلبی کی وجہ سے حامد کے گھر نہیں گئی ہے تو اس کو نفقہ دینا حامد پر لازم ہے اور مکان جدا دینا بھی مثل مہر معجّل کے لازم ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب فقہ حنفی میں بخوبی مصرح ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"لو منعت نفسها للمهر دخل بها أولا، ولو كله مؤجلاً عند الثاني، كمافي البحر والنهر، وارتضاه محشي الأشباه؛ لأنه منع بحق فتستحق النفقة". درمختار، باب النفقه(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مرد کے ذمہ واجب ہے کہ عورت کو ایک مکان علیحدہ رہنے کے لئے دے کہ اس مکان میں شوہر کے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ نہ رہتے ہوں، بلکہ وہ پورا بیوی کے قبضہ وتصرف میں ہو، اور مکان سے مراد ایک کمرہ یا کوٹھا ہے جس کو عربی میں "بیت" کہتے ہیں، لہٰذا اگر صحن وغیرہ مشترک ہو جس کو شوہر کے دوسرے عزیز بھی استعمال کرتے ہوں اور بیوی بھی تو اس کو مطالبے کا حق نہیں کہ میرا صحن بھی مستقل ہونا چاہیے، اس میں بھی کسی کی شرکت نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جبکہ شوہر اور بیوی دونوں زیادہ مالدار نہ ہوں بلکہ متوسط درجے کے ہوں، اگر مالدار ہوں اور شوہر میں اس قدر استطاعت ہو کہ کوئی مستقل گھر علیحدہ بیوی کو دے سکتا ہو، خواہ خرید کر، خواہ کرایہ پر، خواہ عاریت پر جس کا صحن وغیرہ بھی علیحدہ ہو جس کو عربی میں "دار" کہتے ہیں تو عورت کو اس مطالبے کا حق حاصل ہے، هكذا في رد المحتار: ۲/ ۵۲۶، باب النفقة(۲)۔ نشوز وعدم نشوز کو اس پر متفرع کرلیا جائے۔

---

(۱) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/ ۵۷۴، باب النفقة، سعيد)

(۲) "تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها بقدر حالهما كطعام وكسوة وبيت منفرد من دارٍ له غلقٌ. فإن كانت فيها بيوت وأعطى لها بيتاً يغلق ويفتح، لم يكن لها أن تطلب بيتاً آخر إذا لم يكن ثمة أحدٌ من أحماء الزوج يؤذيها....... وذكر الخصاف: أن لها أن تقول: لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار فأفرد لي داراً. قال صاحب الملتقط: هذه الرواية محمولة على المؤسرة الشريفة، وما ذكرنا قبله أن إفراد بيت في الدار كاف إنما هو في المرأة الوسط اعتباراً بالسكنى المعروف". =

رہا گذشتہ شش سالہ نفقہ سونشوز کی صورت میں اس کا وجوب ہی نہیں ہوا(۱)، اور عدمِ نشوز کی صورت میں مضیٔ مدت سے ساقط ہوگیا، اس پر مطالبہ کا حق نہیں رہا، اگر قضائے قاضی یا مصالحت طرفین سے نفقہ کی کوئی مقدار متعین ہوجاتی تو ضرور اس کے مطالبے کا حق باقی رہتا ہے اور وہ مضیٔ مدت سے ساقط نہ ہوتا:

"والنفقة لاتصير ديناً إلا بالقضاء أو الرضاء: أي اصطلاحهما على قدر معين أصنافاً أو دراهم، فقبل ذلك لايلزمه شيء، اهـ". درمختار۔ "(قوله: والنفقة لاتصير ديناً، الخ): أي إذا لم ينفق عليها بأن غاب عنها أو كان حاضراً فامتنع، فلايطالب بها، بل تسقط بمضي المدة. قال في الفتح: وذكر في الغاية معزياً إلى الذخيرة: أن نفقة مادون الشهر لاتسقط، فكأنه جعل القليل ممالايمكن الاحتراز عنه، إذلو سقطت بمضي يسير من الزمان، لماتمكنت من الأخذ أصلاً، اهـ". ردالمحتار: ۲/۱۱۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۹/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

ناشزہ کا نفقہ

سوال[۶۵۷۶]: کرامت علی کی زوجہ ۱۹۶۱ء سے اپنے باپ کے گھر ہے اور مقدمہ بازی کر کے عدالت سے مبلغ تیس روپے نان نفقہ کے مقرر کرائے، زوجہ آنے کو گھر تیار نہیں ہے، صرف اپنے باپ کے گھر بیٹھے ۳۰/ روپے ماہوار کا مطالبہ کرتی ہے کہ عدالت کا حکم ہے جبکہ حقِ زوجیت بالکل بند ہے۔ ایسی صورت

= (ردالمحتار على الدر المختار: ۳/۵۹۹، ۶۰۱، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۳۲۸، باب النفقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۵۲، الفصل الثاني في السكنى، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نافرمان بیوی کی تادیب اور نفقہ")

(۲) (رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۳/۵۹۴، باب النفقة، مطلب: لاتصير النفقة ديناً إلا بالقضاء أو الرضاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۵۱، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۳۱۶، باب النفقة، رشيديه)

میں ادائے نان نفقہ کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عورت کو یہ حق نہیں ہے اپنے والد کے مکان پر رہ کر نان ونفقہ شوہر سے وصول کرتی رہے، اس کو لازم ہے کہ شوہر کے مکان پر جا کر حقِ زوجیت ادا کرے، اگر شوہر کے بلانے پر بھی نہیں جائے گی تو وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

بیوی سفر میں ساتھ رہنے سے انکار کردے اس کا نفقہ

سوال [۶۵۷۷]: زید کی بڑی بیوی ۵۵/ سال امیرہ کبیرہ واجب زکوٰۃ اور تمام اقسام ٹیکس کی ادا کرنے والی اور ۲۲/ سالہ شادی شدہ لڑکا متمول، مالکِ جائیداد، تاجر اور ٹیکس گذار، زید کی دوسری چھوٹی بیوی ۲۴/ سالہ غریب، قابلِ رحم وبے سہارا ایک چھوٹی بچی گود میں، لڑکی کی ماں سات سو میل فاصلہ پر چپکے سے شادی کے وقت سے مقیم، بہ سببِ غربت زید اس کے جملہ افراد کا صلہ رحمی پر کفیل تقاضائے وقت کہ زید کی تجارت متزلزل ہوئی اور زید صرف مجبور ومحتاج ہوگیا۔

زید کا خیال ہوا کہ کسی چھوٹی بستی میں معمولی کرایہ پر دوکان لے کر کاروبار شروع کرے، مگر بڑی بیوی ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں، چھوٹی بیوی ہر طریقہ سے تیار ہے، یہ بستی کہ جہاں زید کاروبار کا خیال رکھتا ہے، بیوی کے مکان سے ۴۸/ میل فاصلہ پر ہے۔ تو ان حالات میں چند امور قابلِ دریافت ہیں:

(الف): زید کے ساتھ دوسرے شہر میں رہنے پر عدم رضامندی بڑی بیوی کی شرعاً درست ہے کہ نہیں؟

(ب): اس عدولِ حکمی کے باوجود زید کے ذمہ نان ونفقہ اور مساوات بدستور قائم ہے یا نہیں؟

(ج): تلاش روزگار میں زید کی بڑی بیوی کو لڑکے کے پاس چھوڑ کر جانا لمبے عرصہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "نافرمان کی تادیب اور نفقہ")

(د): ”عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا کہ میرے پاس مال موجود ہے اور میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے، آپ نے فرمایا کہ ”تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے لئے ہیں اس لئے کہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے، تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ“۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ (۱)۔

۱......اس حدیث کے بموجب کیا محتاج زید تونگر بیٹے سے اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے؟

۲......کیا زید اپنی بڑی بیوی کو اس کے بیٹے کے پاس بغیر ادائیگی نان ونفقہ چھوڑ سکتا ہے؟

۳......بدونِ نصیحت یا وصیت بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی والدہ کو اپنے پاس رکھے؟

۴......کیا زید اپنے بیٹے کو وصیت کرسکتا ہے کہ سوتیلی والدہ بہن بھائی کی امداد کرے، زندگی میں بھی بعد وفات بھی؟

۵......وصیت کو پورا کرنا کیا بیٹے کا فریضہ ہے شرعاً، اخلاقاً، عرفاً؟

۶......کیا بیوی کا فریضہ نہیں کہ ہر بات میں شوہر کے ساتھ رہ کر وقتی مشکلات حل کرائے؟

۷......مجبوری کی صورت میں کیا حسنِ سلوک وصلہ رحمی وامدادِ اقرباء کی موقوف کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف) ان حالات میں زید کو یہ حق نہیں پہونچتا ہے کہ بڑی بیوی کو دوسرے شہر میں لے جانے پر مجبور کرے خاص کر جبکہ دوسرا شہر بیوی کے مکان سے اڑتالیس میل فاصلہ پر ہو، کذا فی رد المحتار: ۳۶۰/۲ (۲)۔

---

(۱) ”عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: أن رجلاً أتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: یارسول الله إنّ لی مالاً ووالداً، وإن والدی یحتاج مالی، قال: ”أنت ومالک لوالدک، إن أولادکم من أطیب کسبکم، فکلوا من کسب أولادکم“. (سنن أبی داؤد، کتاب الإجارة، باب فی الرجل یأکل من مال ولده: ۱۴۲/۲، رحمانیه)

(وسنن ابن ماجه، أبواب التجارات، باب مال الرجل من مال ولده، ص: ۱۶۲، قدیمی)

(۲) ”وسئلت عن امرأة أسکنها زوجها فی بلاد الدروز الملحدین، ثم امتنعت، طلبت منه السکنی فی بلاد الإسلام خوفاً علی دینها، ویظهر لی أن لها ذلک؛ لأن بلاد الدروز فی زماننا شبیهة بدار الحرب“. =

(ب) اس عدول حکمی سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا، شامی: ۲/٦٤٧ (۱)، شب باشی میں مساوات اس وقت ضروری ہے جب دونوں ساتھ ہوں، اگر ایک اپنے مکان پر ہو دوسری سفر میں ساتھ ہو تو یہ مساوات ضروری نہیں (۲)۔

(ج) رہ سکتا ہے مگر بالکل نہ چھوڑ دے، بلکہ حسبِ مصالح ومواقع بڑی بی بی کے پاس بھی آتا رہے اور نفقہ بھی دیتا رہے (۳)۔

(د) ا...... اصل یہ ہے کہ ہر شخص اپنا خرچہ خود برداشت کرے، بعض اسباب کے ماتحت شریعت نے خاص صورتوں میں دوسروں پر نفقہ لازم کیا ہے، بیٹا اگر مالدار صاحبِ وسعت ہو اور باپ حاجتمند غریب ہو تو باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے (۴)۔

= (ردالمحتار، باب النفقة، مطلب: لاتجب علی الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۳/۵۷۷، سعيد)

(۱) "أو أبت الذهاب إليه أو السفر معه، أو مع أجنبي بعثه لينقلها، فلها النفقة .... أي بناءً علی المفتی به من أنه ليس له السفر بها لفساد الزمان، فامتناعها بحق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۵۷۷، باب النفقة، مطلب: اللفظ جامد ومشتق، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الباب السابع في النفقات الفصل الأول في نفقه الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۱۹۲، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وله أن يسافر ببعض نسائه دون البعض .... وإذا قدم من السفر، ليس للأخریٰ أن تطلب من الزوج أن يسكن عندها مثل ماكان عند التي سافر بها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۱، الباب الحادي عشر في القسم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۲۰۵، باب القسم، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۲٦، كتاب النكاح، باب القسم، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "تجب علی الرجل نفقه امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية، دخل بها أولم يدخل، كبيرةً كانت المرأة أوصغيرةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۴، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۴/۱۹۲، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۲۴، كتاب النكاح، باب النفقه، رشيديه)

(۴) "ويجبر الولد الموسر علی نفقة الأبوين المعسرين، مسلمين كانا أو ذميين، قدرا علی الكسب أو =

۲......اگر باپ اپنی بڑی بی بی کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتا، غربت کی وجہ سے عاجز ہے تو اس کے بیٹے کے ذمہ لازم ہے کہ اپنی والدہ کا خرچہ برداشت کرے جبکہ مالدار ہے(۱)۔

۳......ان حالات میں مالدار بیٹے کے ذمہ خود بھی ضروری ہے کہ باپ کی نصیحت وصیت کا انتظار نہ کرے۔

۴......جبکہ باپ مفلس ہے اور بیٹا مالدار ہے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بہنوں کا بھی خرچہ دے، شامی: ۲/۶۷۳(۲)۔

۵......حسبِ وسعت بیٹے کے ذمہ لازم ہے کہ باپ کی غربت کا لحاظ رکھے اور نفقہ دے(۳)۔

۶......بالکل بی بی کا فریضہ ہے کہ اپنے مونس وہمدم شوہر کی پاسداری کرکے اس کو راحت پہونچائے، لیکن اگر اس کو اپنا مکان چھوڑ کر شوہر کے ساتھ دوسرے شہر جانے سے شوہر کی طرف سے ایذاء وضرر کا اندیشہ ہے تو اس بات میں شوہر اس کو مجبور نہیں کرسکتا(۴)۔

۷......مالی صلہ رحمی مالی وسعت کے موافق ہوتی ہے، مجبوری کی حالت میں معذور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= لم يقدرا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۴، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۴۸، فصل في نفقة الوالدين وذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۲۴۷، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (راجع الحاشية السابقة آنفاً)

(۲) "وعليه نفقه زوجة أبيه وأم ولده". (الدرالمختار). "وظاهر الذخيرة أن المذهب عدم وجوب نفقة امرأة الأب، حيث لم يكن بالأب علة، وأن الوجوب مطلقاً عن رواية أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ".

(ردالمحتار: ۳/۶۱۶، باب النفقة مطلب نفقة زوجة الأب، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۴۴۸، رقم الحاشية: ۴)

(۴) "وسئلت عن امرأة أسكنها زوجها في بلاد الدروز الملحدين، ثم امتنعت، طلبت منه السكنى في بلاد الإسلام خوفاً على دينها، ويظهر لي أن لها ذلك؛ لأن بلاد الدروز في زماننا شبيهة بدار الحرب". =

ممتدۃ الطہر کا نفقہ

سوال[۶۵۷۸]: بکر نے ہندہ سے نکاح کیا، کچھ عرصہ بکر نے ہندہ کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اورطلاق رجعی دیدی، ہندہ بکر سے نفقۂ عدت مانگتی ہے، اور کہتی ہے کہ مجھے ایام ماہواری تین سال میں ایک بار سات یوم کیلئے ہوتے ہیں، اس لئے نو سال کا نفقۂ عدت مجھے دلایا جائے۔ بکر کا کہنا یہ ہے کہ طلاق کی عدت تین ماہ دس یوم ہوتی ہے، اس لئے تین ماہ دس یوم کا نفقہ دے سکتا ہوں۔ کیا ہندہ کا کہنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا بکر کو یہ اختیار ہے کہ ہندہ کو بذریعہ میڈیکل معائنہ کرائے، یا ہندہ کا قول ہی اس امر میں بروئے مسئلہ شرعی صحیح تصور کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وتجب لمطلقة الرجعي والبائن النفقة والسكنى والكسوة، ولوادعت امتداد الطهر، فلها النفقة مالم يحكم بانقضائها، مالم تدع الحبل". درمختار۔ "(قوله: فلها النفقة): أي يكون القول قولها في عدم انقضائها مع يمينها، ولها النفقة، كما في البحر. (قوله: مالم يحكم بانقضاء) فإن حكم به بأن أقام الزوج بينةً على إقرارها به، برئي منها، كما في البحر، ا ھ". (ردالمحتار: ۲/۶۶۹(۱))۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ طلاق کے بعد تین حیض گذرنے میں مطلقہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور جب تک تین حیض نہ گذر جائیں وہ نفقہ وسکنیٰ کی مستحق ہوگی، اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوگی اور شوہر کو صحبت اور ہمبستری کا اختیار بھی باقی رہے گا اور یہ حق بھی رہے گا کہ مجبور کرکے اپنے ہی مکان پر رکھے(۲)۔ میڈیکل وغیرہ کے ذریعہ کسی جانچ پر عورت کے قول کو تسلیم کرنا موقوف نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (ردالمحتار، باب النفقة، مطلب: لاتجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۳/۵۷۷، سعيد)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب في نفقة المطلقة: ۳/۶۱۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۳۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في النفقات، الفصل الثالث في نفقة المعتدة: ۱/۵۵۸، رشيديه)

(۲) "وركنها حرمات ثابتة بها، كحرمة تزوج وخروج". (الدرالمختار). "(قوله: وخروج): أي حرمة =

کیا بلا اجازتِ شوہر کے میکہ جانے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے؟

سوال[۶۵۷۹]: بغیر اجازتِ شوہر میکہ چلی جائے اس کا نفقہ اور مہر شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اجازتِ شوہر میکہ چلے جانے سے مہر ساقط نہیں ہوتا، نفقہ ساقط ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۳۰ھ۔

فاسقہ بیوی پر نکیر اور اس کا نفقہ

سوال[۶۵۸۰]: زید کو ایک عرصہ سے ایک مسجد میں امامت وخطابت کی خدمات سپرد ہیں، اس میں بہت سی ایسی خامیاں ہیں کہ ایک امام کے لئے اسطرح کی خامیاں زیبا نہیں دیتیں، مقتدیوں میں اختلاف ہے متولی سے کہا گیا تو کہا پُرانا امام ہے، پڑا رہنے دو، یہ جواب بعض کو پسند ہے بعض کو ناپسند ہے۔ اس امام نے کہا کہ بیوی اگر زانیہ اور شرابی بھی ہو تو یہ اس کا فعل ہے، بیوی ہونے کی جہت سے مرد کا ایسی بیوی کے ساتھ رہنا، اس کو نان ونفقہ دینا نہ صرف یہ کہ ضروری بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

جب ان کو اس پر ٹوکا گیا تو فرمایا کہ کیا تم مجھ سے زیادہ فقہ جانتے ہو؟ مزید یہ بھی کہتا ہے کہ یہ آزادی کا دور ہے، اگر بیوی کو مارا پیٹا تو وہ تھانہ میں رپٹ کر کے ہم کو سزا دلا سکتی ہے، لہٰذا ہمارے ذمہ اس کا نان ونفقہ ضروری ہے۔ امام کا یہ قول شریعت سے متصادم ہے یا نہیں؟ ان کے ایسے خیالات کے باوجود ان کے پیچھے نماز

= خروجها من منزل طلقت فيه". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۵۰۴، سعيد)

(۱) "لاتجب النفقة للناشزة .... قال الإمام الخصاف: الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه. والمراد بالخروج كونها في غير منزله بغير إذنه". (البحر الرائق، باب النفقة: ۴/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، مطلب: لاتجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۳/۵۷۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية. الفصل الأول في نفقة الزوجة: ۱/۵۴۵، رشيديه)

پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی اگر گناہ کبیرہ کی مرتکب اور فاجرہ ہو تو تب بھی شوہر کے ذمہ اس کو طلاق دینا واجب نہیں، محض مستحب ہے۔ جبکہ طلاق دینا واجب نہیں، رکھنا درست ہے تو اس کا نفقہ واجبہ ادا کرنا بھی لازم ہوگا (۱)، اور واجب کی ادائیگی پر اجر وثواب کا ملنا بالکل ظاہر ہے، لہٰذا امام صاحب کی یہ بات ایسی نہیں کہ جس کی وجہ سے ان کو علیحدہ کیا جائے، البتہ کہنے کا فرق ہے، اگر اس طرح کہا جائے کہ زانیہ اور شرابی بیوی کو نان نفقہ دینا باعثِ اجر وثواب ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ ثواب اس کے زانیہ یا شرابی ہونے کی وجہ سے ہے، اسی مطلب کی وجہ سے غالباً مقتدیوں کو تشویش ہے، بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو احقر نے بیان کیا ہے، اور اس پر کوئی اشکال نہیں، لہٰذا اگر امام صاحب بھی مسئلہ کا عنوان بدل دیں تو پھر شاید تشویش نہ ہو: "ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة". درمختار (۲)۔

امام صاحب کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ آج کل آزادی عام طبائع میں ہے، اولاد اپنے والدین کی اطاعت نہیں کرتی، بیویاں اپنے شوہروں کی اطاعت نہیں کرتیں، سختی کرنے اور مار پیٹ کرنے کے نتائج عامۃً اچھے ظاہر نہیں ہوتے، مقدمۂ عدالت اور سزا تک بھی نوبت پہونچ جاتی ہے، لیکن اس کی وجہ سے ہر قسم کی روک ٹوک کرکے اپنی طرف سے ہر معصیت کی آزادی واجازت دینا بھی کسی حال میں درست نہیں، حسبِ استعداد وصلاحیت نہی عن المنکر لازم ہے، اگر معصیت ومنکر کی تغییر ہاتھ سے قدرت نہ ہو تو زبان سے نکیر لازم ہے

---

(۱) "لانفقة لأحد عشر ...... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة، حتى تعود ......قيد بالخروج؛ لأنها لو مانعته من الوط"، لم تكن ناشزةً". (الدرالمختار). "قيده في السراج بمنزل الزوج وبقدرته على وطئها كرهاً". (ردالمحتار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۴۲۷/۱، باب النفقة، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۵۰/۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۴۲۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۷۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات، رشيديه)

(موجودہ صورت میں یقیناً حاصل ہے)۔

اگر بالفرض زبان سے قدرت نہ ہوتو دل میں نفرت تو بہر حال ضروری ہے، اگر یہ نفرت دل میں بھی نہ رہے تو پھر ایمان سلامت رہنا دشوار ہوتا ہے۔ شوہر سے اس کی زوجہ کے متعلق بھی قیامت میں سوال ہوگا، شوہر بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا جائے گا، احادیثِ صحیحہ میں اس کو صاف صاف بیان فرمایا گیا ہے: "من رای من منکراً". الحدیث(۱)۔ "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته". الحدیث(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۳ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

گذشتہ دنوں کا نفقہ

سوال[۶۵۸۱]: اگر کسی نے شادی کی اور اپنی بیوی کو کچھ دنوں تک گھر میں رکھا، بعدہ بیوی اپنے میکہ چلی گئی اور شوہر مثلاً: چار، پانچ سال تک نہیں لایا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اب بیوی شوہر سے ان ایام کا نفقہ طلب کرتی ہے، جن ایام میں وہ میکے رہی ہے۔ تو کیا شوہر پر ان ایام گذشتہ کا نفقہ واجب ہوگا؟ مفصلاً تحریر فرمائیں۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "فقال أبوسعید.......... سمعت رسول صلی اللہ علیه وسلم یقول: "من رای منکراً فلیغیره بیده، ومن لم یستطع فبلسانه، ومن لم یستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإیمان". (جامع الترمذی: ۴۰/۲، باب ماجاء فی تغییر المنکر الخ، سیعد)

(وسنن النسائی: ۲۲۹/۲، تفاضل أهل الإیمان، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۵۱/۱، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری: ۱۰۵۷/۲، کتاب الأحکام، قدیمی)

(والجامع للترمذی: ۲۹۹/۱، باب ماجاء فی الإمام، سعید)

(ومشکوة المصابیح: ۳۲۰/۲، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میکہ رہوگی تم کو اتنا نفقہ ہر ماہ دیتا رہوں گا، تو بیوی کو مطالبہ کا حق ہے(۱)، اور اگر کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا تو ان ایامِ گذشتہ کا نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۹۹ھ۔

زوجہ کا تعنت اور زیادتی

سوال[۶۵۸۲]: ہندہ زید کی زوجہ کچھ روز سے اپنے شوہر کے ساتھ ہر وقت بے کار اور لایعنی باتیں نکال کر جھگڑا کرتی رہتی تھی، آخر ایک دن اپنے شوہر سے جھگڑے کے درمیان یہ کہا کہ مجھ سے اور تم سے زن

---

(۱) "أستدانت علی الزوج قبل الفرض والتراضي فأنفقت، لاترجع بذلک علی زوجها، بل تکون متطوعةً بالإنفاق، سواء کان الزوج غائباً أو حاضراً. ولو أنفقت من مالها بعد الفرض أو التراضي لها أن ترجع علی الزوج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الأول في نفقة الزوجة: ۱/۵۵۱، رشیدیه)

قال الله تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا﴾ یعني والله أعلم إیجاب الوفاء بماعاهد الله علی نفسه من النذر و الدخول في القرب، فألزمه الله تعالی إتمامها". (أحکام القران للجصاص: ۳/۲۹۹، مطلب الزنا قبیح في العقل، دار الکتاب العربي)

"الکبیرة إذا طلبت النفقة، وهي لم تزف إلی بیت الزوج، فلها ذلک إذا لم یطالبها الزوج بالنقلة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۴۲، الفصل الأول في نفقه الزوجة، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار: ۳/۵۷۵، باب النفقة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۱۸۳، ۱۸۴، الفصل الأول في بیان من یستحق النفقة، إدارة القرآن کراچي)

(۲) "إذا خاصمت المرأة زوجها في نفقة مامضی من الزمان قبل أن یفرض القاضي لها النفقة وقبل أن یتراضیا علی شئ، فإن القاضي لایقضي لها بنفقه مامضی عندنا". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السابع في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة: ۱/۵۵۱، رشیدیه)

وشوہر والے تعلقات آج سے نہیں اور میں یہ تعلقات ختم کرتی ہوں، اس کے بعد کسی بہانہ سے وہ اپنے میکہ چلی گئی اور وہیں رہ کر نہایت آزادی سے خلافِ شرع گزارہ کرتی رہی اور اس درمیان میں زید اپنی مسلسل مہذب کوشش اس کو لانے کی کرتا رہا، یہاں تک کہ زید نے اس کے مکان پر جا کر اس کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا، لیکن وہ اس کے ساتھ آنے کو تیار نہ ہوئی اور آنے سے انکار کردیا۔

دشواری یہ ہے کہ زید اس سے جدائی نہیں چاہتا اور ہندہ کی طرف سے اب تک کوئی ایسی کوشش نہ ہوئی جس سے اس کے آنے کا منشاء سمجھا جاتا اور وہ بظاہر نہ چھٹکارہ کی کوشش کرتی ہے اور وہ اب تک سابقہ زندگی پر قائم بھی ہے۔ تو کیا ہندہ پر تعلقات بنانے کی کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ صورت مسئولہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ نیز ہندہ نفقہ کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ اس واقعہ میں یقیناً مجرم اور گنہگار ہے، وہ نفقہ کی مستحق نہیں جب تک شوہر کے مکان پر واپس نہ چلی جائے (۱)۔ شوہر کو چاہئے کہ ہندہ سے دریافت کرے کہ تم کو کیا تکلیف ہے، اگر وہ کوئی معقول بات کہے تو اس کا انتظام کرے، ورنہ اہلِ خاندان کے ذریعہ اس کو اپنے مکان پر لانے کی کوشش کرے (۲)، یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر ہندہ نہ آئی تو میں دوسری شادی کرلوں گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وإن نشزت، فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۳، باب النفقة)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۴۳۸، شركت علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿واللّتي تخافون نشوزهن، فعظوهن واهجروهن في المضاجع﴾ (نساء: ۳۴)

قال العلامة الجصاص: "﴿فعظوهن﴾: يعني خوفوهن بالله وبعقابه، ﴿واهجروهن في المضاجع﴾ قال: قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: هجر الكلام. وقال سعيد: هجر الجماع. قوله: ﴿واضربوهن﴾ وروى ابن جريج عن عطاء قال: الضرب غير المبرح بالسواك ونحوه". (أحكام القرآن: ۲/۲۶۹، قديمي)

بیوہ اور حاجتمند لڑکی کو مکان دینا

سوال[۲۵۸۳]: زید کے چار اولاد ہیں پہلی بیوی سے ایک لڑکی، بعد کی دوسری بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا، سب شادی شدہ ہیں۔ پہلی بیوی کی لڑکی بیوہ ہے، دوسری بعد کی بیوی کا انتقال ۱۹۴۰ء میں ہوا، جب ہی سے پہلی بیوی کی لڑکی خدمت کر رہی ہے، اس کو رہنے کے لئے مکان نہیں ہے، اس وجہ سے زید اپنے مکان میں سے اس لڑکی کو اس کے رہنے کے لئے مکان دینا چاہتا ہے، یہ فعل دوسری بیوی کی اولاد کو ناگوار ہے اس وجہ سے باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ نہیں ہے۔ زید کا اپنی بیوہ لڑکی کو اپنی زندگی میں مکان دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی مرحومہ بیوی سے پیدا شدہ بیوہ لڑکی کو اس کی ضرورت وحاجت نیز اس کی خدمت کی وجہ سے اپنی زندگی میں اپنے مکان میں سے رہنے کے لئے مکان دینا شرعاً درست ہے(۱)۔ دوسری بیوی سے پیدا شدہ اولاد کو محروم کرنا یا نقصان پہونچانا مقصود نہیں ہونا چاہیے، ورنہ ظلم اور گناہ ہوگا(۲)۔ جب بیوہ لڑکی اپنے والد کی خدمت کرتی ہے اور حاجت مند ہے، تو دوسری بیوی کی اولاد کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "(تجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى". (الدرالمختار). "(قوله: بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى". (ردالمحتار: ۶۱۲/۳، مطلب: الصغير والمكتسب نفقته في كسبه لا على أبيه، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۴۴۴/۲، باب النفقة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۶/۲، فصل في نفقة الأولاد، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح: ۲۶۶/۱، باب الوصايا، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، باب الحيف في الوصية، مير محمد)

"رجل وهب في صحته كل المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع". (فتاوى قاضي خان: ۲۷۹/۳، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

بیوی کا علیحدہ مکان کیلئے مطالبہ

سوال [۶۵۸۴]: زید کی اہلیہ اپنے میکے چلی گئی، زید اس کو دو تین مرتبہ لینے کے لئے گیا، مگر نہ اس کے والدین نے بھیجا اور نہ وہ خود بھی زید کے گھر آنے کے لئے تیار ہے، اور کہتی ہے کہ زید کے ساتھ دوسری اہلیہ کی موجودگی میں نہ رہوں گی، اس کو طلاق دیدو یا مجھے علیحدہ مکان میں رکھو تب رہوں گی۔ اس کا نان ونفقہ زید کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک شوہر کے گھر واپس نہیں آئے گی، نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی (۱)۔

تنبیہ: اپنی زوجہ کے لئے ایک کمرہ ایسا جداگانہ ہونا ضروری ہے جس میں کسی دوسرے کا تصرف نہ ہو، باقی صحن، غسل خانہ، بیت الخلاء، باروچی خانہ سب مشترک ہوں جو کہ دوسری بیوی یا شوہر کی والدہ، بہن وغیرہ کے استعمال میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں (۲)، اس سے زائد مستقلاً علیحدہ مکان کا مطالبہ غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

---

(۱) "لانفقة لأحد عشر: مرتدة، ومقبّلة ابنه .... وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود". (الدر المختار: ۳/۵۷۶، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۴۵، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۴/۱۹۱، الفصل الأول في بيان من يستحق النفقة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۳، باب النفقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك..... امرأة أبت أن تسكن مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وغيرها، فإن كان في الدار بيوت، وفرغ لها بيتاً، وجعل لبيتها غلقاً على حدة، ليس لها أن تطلب من الزوج بيتاً آخر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۵۶، الباب السابع في النفقات، الفصل الثاني في السكنى، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۹۹، ۶۰۰، باب النفقة، سعيد) .... =

بیوی سے بدگمانی کی بناء پر نفقہ بند کردینا

سوال[۶۵۸۵]: بیگم جانی یوسف خان کے نکاح میں چودہ سال سے ہے، پانچ اولاد ہے۔ میرے شوہر نے مجھ پر بدکاری کا الزام لگا کر ثبوت میں دیسی تیل گرم میں سے انگوٹھی نکالنے کے لئے حکم دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں اس امتحان میں کامیاب رہی، اس کے بعد بھی بلاقصور مار پیٹ اور بدکلامی سے پیش آتا ہے۔ دوسری شادی کرلی ہے، اب پانچ سال سے مجھے اور بچوں کو گھر سے نکالدیا ہے، میں بیوہ والدہ کے پاس مقیم ہوں، نہ میرا خیال ہے نہ بچوں کا، فاقے گذرتے رہتے ہیں، ادارہ دینیات میں کئی درخواست دے چکی ہوں، اراکین کمیٹی بھی شوہر کی بدکلامی سے ڈرتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔ شوہر لوگوں میں کہتے ہیں کہ میں طلاق دے دوں گا، اگر کمیٹی والے رکھنے کا فیصلہ کریں گے تب بھی طلاق دوں گا، میں چاہتی ہوں کہ طلاق نہ ہو، اور میرا شوہر مع بال بچوں کے نان ونفقہ کی خبر لے۔ اس صورت میں کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصور سے بری ہونے کا جو فیصلہ اختیار کیا گیا ہے (گرم کڑاہی سے انگوٹھی نکالنا) شرعاً یہ طریقہ غلط ہے، اگر قصور پر گواہی موجود نہ ہو تو جس کو قصوروار قرار دیا جاتا ہے اس کا قسم کھالینا قصور سے براءت کے لئے شرعاً کافی ہے(۱)۔ محض بدگمانی کی وجہ سے ایسا رویہ اختیار کرنا کہ بچوں اور بیوی کو الگ کر کے خرچ بند کردیا جائے، یہ شرعاً

= قال العلامة ابن نجیم: "وإنما ذكر البيت دون الدار؛ لأنه لو أسكنها في بيت من الدار مفرداً وله غلق، كفاها؛ لأن المقصود حصل، كذا في الهداية. و قد اقتصر على الغلق، فأفاد أنه لو كان الخلاء مشتركاً بعد أن يكون له غلق يخصه، ليس لها أن تطالبه بمسكن آخر". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۸/۴، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۸۵/۲، ۱۸۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح: ۳۲۷/۲، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲۴۹/۱، كتاب الأحكام، باب البينة على المدعي، سعيد)

درست نہیں بلکہ گناہ اور ظلم ہے اور بدگمانی کی وجہ سے بلاثبوت بھی مجرم ٹھہرا کر طلاق دیدینا بھی ظلم اور گناہ ہے۔ تاہم اگر شوہر طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی، پھر ایامِ عدت کا خرچہ اور مہر دینا لازم ہوگا (۱)، بچوں کا خرچہ بہر حال باپ کے ذمہ ہوتا ہے، طلاق دی جائے تب، نہ دی جائے تب (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

ناشزہ کا نفقہ نہیں

سوال [۲۵۸۶]: مسماۃ ہندہ اپنے خاوند کے گھر سے خود بخود نکل کر دوسری جگہ چلی گئی اور خاوند کے پاس رہنے سے انکار کرتی ہے۔ آیا بصورت نہ آنے خاوند کے گھر میں خرچہ کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہے تو شوہر کے ذمہ شرعاً واجب نہیں: "وإن نشزت، فلا نفقة لها

---

(۱) "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أو لم تكن". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۵۷، الفصل الثالث في نفقة المعتدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/۲۲۳، الفصل الثاني في نفقات المطلقات، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۹۵، باب النفقة، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين".

(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۰۳، الفصل في الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۱۰۲، باب المهر، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۹۲، فصل في الخلوة وتأكد المهر، رشيديه)

(۲) "نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۵۶۰، الباب السابع في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۴/۲۳۴، الفصل الثالث في نفقة ذوى الأرحام، إدارة القران كراچى)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، سعيد)

حتی تعود إلی من منزله، الخ"(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/محرم الحرام/۵۶ھ۔

باپ کا نفقہ بیٹے پر

سوال[۶۵۸۷]: کہ زید اپنے والد صاحب کو ہمیشہ پانچ روپیہ ماہوار دیتا رہا، جب سے کہ زید نے والد سے محض مجبوری کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی، اتفاقاً ایک مرتبہ جب کہ زید روپیہ مذکورہ والد کو دینے گیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور یہ جواب دیا کہ میں تو اب سے دس روپیہ لوں گا، پانچ نہیں لوں گا، حالانکہ والد مذکور کوئی غریب مفلس آدمی نہیں، صاحبِ حیثیت ہے، ایک اور لڑکا بھی ہے جو تقریباً تیس چالیس روپیہ ماہوار کماتا ہے اور شامل ہے اور زید کی والدہ محترمہ تجارت بھی کر رہی ہیں اور ادھر سے یہ حال ہے کہ زید صاحبِ عیال ہے جس کی وجہ سے دس روپیہ دینے کی گنجائش نہیں ہے اور پانچ روپیہ پر والد صاحب راضی نہیں ہوتے، تقریباً دس مہینہ کا عرصہ گذر گیا جب سے یہ جھگڑا ہو رہا ہے۔

اب ایسی حالت میں جو شرع شریف کا حکم ہو بتلا دیا جائے اور اگر کسی طرح مصیبت برداشت کرتے ہوئے اور اپنے بال بچوں پر تنگی کرتے ہوئے، دس روپیہ دیں تو اس پر وہ راضی ہوتے ہیں، مگر اس شرط پر کہ دس روپیہ کے حساب سے پہلے سے باقی کیا جاوے جس کے ادا کرنے کی مجھ میں کسی طرح گنجائش نہیں، اس کا حکم بھی براہ کرم شرع شریف کے مطابق بیان فرمادیں۔ بینوا توجروا۔ اور والد صاحب کا ناراض ہونا گوارہ نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دونوں لڑکوں میں مالدار اور غریب ہونے کے اعتبار سے زیادہ فرق ہے، تو والد کے نفقہ میں بھی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۴۵، الباب السابع عشر، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۳۸، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۰۳، باب النفقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۸۸، باب النفقة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فرق ہوگا یعنی حسبِ حیثیت واجب ہوگا (۱)۔ جب زید خود بھی صاحبِ عیال ہے اور اس میں اتنی گنجائش نہیں کہ والد صاحب کو دس روپے ماہانہ دے اور والد کا گزر اس کے روپیہ پر موقوف بھی نہیں، جبکہ وہ خود صاحبِ حیثیت ہے اور اپنا خرچ خود برداشت کرسکتا ہے تو پھر زید کے ذمہ دس روپیہ دینا واجب نہیں، بلکہ اپنی استطاعت کے موافق والد کی خدمت کرتا رہے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اگر والد استطاعت سے زیادہ طلب کرے تو اس کے نہ دینے سے زید پر مواخذہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

فاسقہ والدہ کا نفقہ

سوال [۶۵۸۸]: زید اپنی والدہ کی بدچلنی اپنی نظر سے ۲۴/ برس سے متواتر اپنی چشم سے دیکھتا رہا ہے، اور نان ونفقہ دیتا رہا ہے، دس سال ہوا کہ زید کی والدہ نے ایک ٹکٹ بابو ہندو سے تعلق ناجائز پھر کرلیا، پھر بھی زید خرچ اخراجات دیتا رہا، جبکہ چند مرتبہ زید نے ٹکٹ بابو سے اپنی نظر سے کثرت سے والدہ کا تعلق پایا تو دو مولوی والدہ کے ربرو کھڑے کئے اور کہا کہ تم حرام کاری سے باز آجاؤ، ورنہ آئندہ خرچ دینا بند کردوں گا

---

(۱) "فإن كان للفقير ابنان: أحدهما فائق في الغنى، والآخر يملك نصاباً، كانت النفقة عليهما على السواء .... هذا إذاتفاوتا في اليسار تفاوتاً يسيراً، أما إذاتفاوتا فيه تفاوتاً فاحشاً، يجب أن يتفاوتا في قدر النفقة". (البحر الرائق، ۴/۳۵۰، باب النفقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۱، الفصل الخامس في نفقة ذوى الأرحام، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۶۲۳، باب النفقة، مطلب: صاحب الفتح ...... من أهل الاجتهاد، سعيد)

(۲) "تجب على موسر يسار الفطرة النفقةُ لأصوله الفقراء". (الدرالمختار). "فالمعتبرفي إيجاب نفقة الوالدين مجرد الفقر". (ردالمحتار: ۳/۶۲۱، ۶۲۳، باب النفقة، مطلب صاحب الفتح ...... من أهل الاجتهاد، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۳۲۷، باب النفقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۴/۴۱۶، باب النفقة، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۲۵۸، باب النفقة، رشيديه)

اور تم ہر وقت میرے ہمراہ رہو، لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔

اب زید مالدار ہو گیا ہے، والدہ کرایہ کی حویلی میں رہتی تھی، زید اس حویلی کا بیع نامہ اپنے روپیہ سے اپنے نام کرالیا تھا۔ چونکہ زید کی والدہ کا شہرہ حرام کاری کا زید کے دوستوں میں پھیل گیا ہے، زید نے آٹھ برس سے والدہ کو خرچ دینا بند کر دیا، ٹکٹ بابو سب خرچہ کا کفیل ہے، زید وطن بھی اس دفعہ سے نہیں گیا۔ کیا زید اپنے وطن جا کر اپنی زرخرید جگہ سے والدہ کو علیحدہ کر سکتا ہے؟ جواب دیں ویسے تو قطع تعلق آٹھ برس سے زید کر چکا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ناجائز تعلق کی وجہ سے والدہ کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر والدہ ضرورت مند اور غریب ہو تو لڑکے کے ذمہ نفقہ واجب ہے (۱) اور یہ بھی جائز نہیں کہ والدہ سے اس طرح قطعِ تعلق کر کے اس کو ہندو کے ساتھ چھوڑ دیا جائے، بلکہ حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ اس ہندو یا کسی اور سے ناجائز تعلق نہ رہے، اس لئے والدہ کو اپنے ساتھ مکان میں رکھنا چاہیے تاکہ ناجائز تعلق کی نوبت نہ آئے، اگر ضرورت ہو تو والدہ کا کسی جگہ باقاعدہ نکاح کر دیا جائے، پھر امید ہے کہ کسی سے ناجائز تعلق بھی نہ رہے گا، اور نفقہ میں بھی سہولت ہوگی، اور احترام بہر حال ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "تجب علی موسر یسار الفطرة النفقةُ لأصوله الفقراء". (الدر المختار). "فالمعتبر فی إیجاب نفقة الوالدین مجرد الفقر". (رد المحتار: ۳/۶۲۳، سعید)

"والأم إذا کانت فقیرةً، فإنه یلزم الابن نفقتها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۶۵، الباب السابع فی النفقات، الفصل الخامس فی نفقه ذوی الأرحام، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۲۴۷، کتاب النفقات، الفصل الثالث فی نفقة ذوی الأرحام، نوع آخر من نفقات الوالدین، إدارة القران والعلوم الإسلامیه کراچی)

طلاق اور بچوں کا نفقہ

سوال[۲۵۸۹] : ایک شخص اپنی منکوحہ کو تقریباً چار سال کے عرصہ سے علیحدہ کر چکا ہے اور یہ الفاظ ادا کر چکا ہے: اگر تم کو آباد کروں تو اپنی ماں بہن کو کروں، اور ان کو نکال دیا ہے اور وہ اپنے ماں باپ کے یہاں چلی آئی ہے۔ اور اسی عرصہ میں جب کہ دو بچے بھی انتقال کر چکے ہیں اور وہ شہر میں رہتے ہوئے اور حادثہ سے باخبر ہوتے ہوئے بھی شمولیت نہیں کی، نہ کسی طرح کا نان ونفقہ دیا، اور نہ کبھی کسی کے ذریعہ یا خود بلایا ہے۔ ایسی صورت میں کیا وہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ مکرر یہ کہ اس شخص نے منکوحہ کو نکالتے وقت یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تم کو میری طرف سے طلاق ہے۔

سید امام قادری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر قطعِ تعلق کر چکا ہے تو بعد عدت اس عورت کو دوسری جگہ نکاح جائز ہے(۱)، اس کی عدت تین حیض ہے(۲)، یعنی طلاق کے بعد تین حیض گذرنے پر نکاحِ ثانی شرعاً درست ہے۔ اور بچوں کا نان ونفقہ اس شخص کے ذمہ واجب ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۲/۲۶ھ۔

صحیح عبد اللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "أما الطلاق الرجعي ...... فإن طلقها ولم يراجعها، بل تركها حتى انقضت عدتها، بانت". (بدائع الصنائع: ۳۸۷/۴، فصل في حكم الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

"وتنقطع الرجعة إن حكم بخروجها من الحيضة الثالثة، إن كانت حرةً". (الفتاوی العالمكيرية: ۴۷۱/۱، الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق، وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۲۶/۱، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۵۳/۴، الفصل الثامن والعشرون في العدة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۶۴/۱، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله، يعم الأنثى والجمع الفقير، الخ". (الدر المختار: ۶۱۲/۳، =

نابالغ اولاد کا نان ونفقہ

سوال[۲۵۹۰]: ہمارے والدین اپنے باپ دادا کے جدی مکانات میں رہتے تھے، کیا بیٹوں کو بھی نابالغی کے دوران اپنے باپ کے مکانات میں رہنے کا شرعاً حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ اولاد کا کھانا، کپڑا، رہن سہن والد کے ذمہ ہوتا ہے، جبکہ خود اس نابالغ کے پاس مال نہ ہو، جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۱/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۱/۲۴ھ۔

بدچلن بیوی کو طلاق مل گئی مہر اور خرچہ کی وہ مستحق ہے یا نہیں؟

سوال[۲۵۹۱]: بیوی اگر بدچلن ہوجائے اور شوہر کے گھر سے بھاگ جائے تو اس صورت میں شوہر اگر طلاق دیدے تو کیا مہر اور عدت کا خرچہ شوہر کو دینا ضروری ہوگا یا صرف مہر ہی دینا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر بھی پورا دینا ہوگا (۲) اور عدت کا خرچہ بھی دینا ہوگا، بیوی کی اس نالائق حرکت کہ وجہ سے عدت

= باب النفقة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۶۰، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشیدیه)

(وکذا في التاتار خانیة: ۴/۲۳۴، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، إدارة القرآن کراچي)

(۱) "(قوله: ولطفله الفقیر): أي تجب النفقة والسکنی، والکسوة لولده الصغیر الفقیر". (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۴۰، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۵۱۸، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، باب النفقة: ۳/۶۱۲، سعید)

(۲) "والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحیحة، وموت أحدالزوجین، سواء کان مسمی أو مهر المثل، حتی لایسقط منه شئ بعد ذلک إلا بإبراء من صاحب الحق". (الفتاویٰ العالمکیریة، =

کاخرچہ ساقط نہ ہوگا(۱)، البتہ اگر شوہر کے مکان پر عدت نہ گذارے تو عدت کا خرچہ ساقط ہوجائے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۸۵ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۸۵ھ۔

اولاد کو کیا نقد نفقہ دینا لازم ہے؟

سوال[۶۵۹۲]: نفقہ جو باپ کے ذمہ ہے وہ اگر نقد کی صورت میں ادا نہ کرے بلکہ بچوں کے کپڑے وخوراک وعلاج کا بندوبست خود کردیا کرے تو نفقہ کا حق ادا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادا ہوجائے گا، نقد دینا لازم نہیں، ضروریات کا پورا کرنا مقصود ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ذی قعدہ/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ذی قعدہ/۶۷ھ۔

= الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروطه المهر، بيان مايتأكد به المهر: ۲/۵۸۴، رشيديه)

(۱) "لو نشزت المبانة في العدة أو قبّلت ابن الزوج، لاتسقط نفقتها". (النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۵۱۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع، الفصل الثالث في نفقة المعتدة: ۱/۵۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في نفقة العدة: ۱/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "والمعتدة إذا كانت لاتلزم بيت العدة، بل تسكن زماناً، وتبرز زماناً، لاتستحق النفقة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الثالث في نفقة العدة: ۱/۵۵۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، التاسع عشر في النفقات: ۴/۱۴۶، رشيديه)

(۳) "(النفقة) هي لغةً: ماينفقه الإنسان على عياله، وشرعاً: هي الطعام والكسوة والسكنى، كذا =

والدین اور اولاد میں کس کا نفقہ مقدم ہے؟

سوال[۶۵۹۳]: اگر کسی شخص کی آمدنی بال بچوں اور والدین ہر دو کے لیے کفالت نہ کرے تو شرعاً کیا حکم ہے، کون مقدم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنگی ترشی سے سب کے نفقاتِ واجبہ ادا کرے، اللہ پاک برکت دے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۷/۶/۱۳۸۷ھ۔

پاگل کی بیوی کا نکاح منسوخ کرادیا تو نفقہ

سوال[۶۵۹۴]: زید نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح ۱۹۵۹ء میں بکر کے ساتھ کیا تھا اور زید کی ہمشیرہ سے یکے بعد دیگرے دولڑکیاں پیدا ہوئیں، بکر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا اور سرینگر کے دماغی امراض کے ہسپتال میں محبوس ہے، چند سال کے بعد سری نگر کی ایک عدالت نے بکر اور اس کی بیوی کا نکاح منسوخ قرار دیا، اور بکر کی

= فسرها محمد بالثلاثة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۲/۳، باب النفقة، مطلب: اللفظ جامدو مشتق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۹۳/۴، باب النفقة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۳۷۸/۴، باب النفقة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "إن كان الأب فقيراً ولم يكن كسوباً، والابن فقيراً كسوباً، فقال الأب للقاضي: إن ابني يكتسب مايقدر أن ينفق عليّ، فالقاضي ينظر في كسب الابن: فإن كان فيه فضلٌ عن قوته يُجبر الابن على نفقة الأب منه، وإن لم يكن فيه فضلٌ عن قوته، فلاشئ عليه بالحكم، ولكن يؤمر من حيث الديانة. هذا إذاكان الابن وحده، وإن كان له زوجة وأولاد صغار، يُجبر الابن على أن يدخل الأب في قوته، ويجعله كأحدمن عياله، ولايجبره على أن يعطي شئياً على حدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۶۵/۱، الباب السابع في النفقات، باب النفقة، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۶۲۱/۳، ۶۲۳، باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۱، باب النفقة، فصل في نفقة الوالدين، رشيديه)

دونوں لڑکیاں جن میں بڑی لڑکی جو تقریباً گیارہ سال کی ہے مخبوط الحواس ہے، اپنے ماموں کے پاس رہ رہی ہے اس کے تمام اخراجات زید (ماموں) ہی برداشت کرتا ہے اور بکر کے پاس بہت جائیداد ہے، اس کا بہنوئی اس کی جائیداد فروخت کرنا چاہتا ہے، اس کا شرعی حل بیان کریں۔

۱.....مورث اعلیٰ فوت ہو چکا ہے اور اس کا ایک لڑکا بکر مذکور پاگل ہے اور لڑکی جو دونوں حیات ہیں، مگر بکر پاگل ہے، اس کی نابالغ لڑکیوں میں سے ایک پاگل ہے، بکر کی بیوی اپنا نکاح منسوخ کرا چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ بکر کی جائیداد میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور نابالغ لڑکیوں کا ذمہ دار کون ہے؟

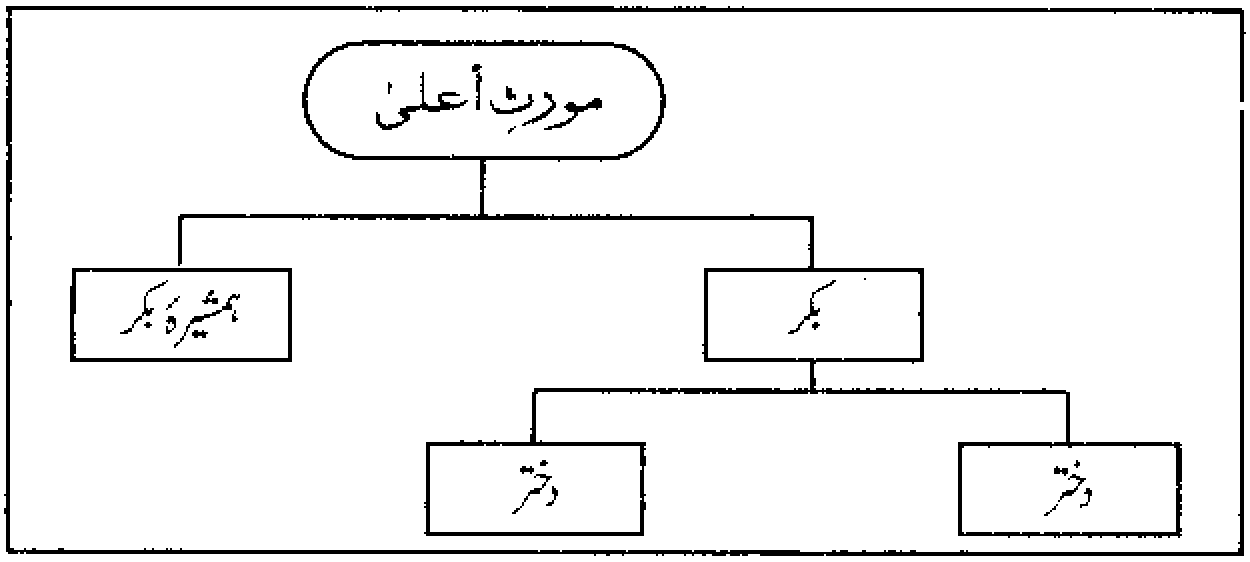

۲.....جو خطۂ زمین بکر کے بہنوئی نے فروخت کیا ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو نکاح منسوخ کر دیا گیا ہے اس کے متعلق تو پوری تفصیل معلوم ہونے سے پہلے کچھ نہیں لکھا جاسکتا ہے، نابالغ لڑکیوں کا نفقہ خرچہ باپ کے ذمہ ہے(۱)، اگر وہ پاگل ہے تو خاندان کے سربرآوردہ لوگ باپ کے مال سے مناسب طور پر نفقہ کا انتظام کریں۔ قطعۂ زمین کے فروخت کرنے کا بہنوئی کو اختیار حاصل نہیں تھا، یہ بیع غلط ہوئی ہے اور اس کی واپسی ضروری ہے(۲)، اس سلسلہ میں اگر ضرورت ہو تو حکومت سے بھی مدد لی

(۱) "نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحدٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۰، الباب السابع في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۴۴۵، كتاب النكاح، فصل في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۶۱۲، باب النفقة، سعيد)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلاإذنه، أو وكالة منه، أوولاية عليه، وإن فعل كان=

جاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳ھ۔

منکوحۂ غیر کو طلاق دلوا کر اس کی کفالت کرنا

سوال [۶۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک منکوحہ عورت کو اس کے گاؤں سے جا کر لے آیا اور اس نے کسی کے گھر جدا کر بٹھا دیا اور اس کو کپڑے بنوا دیئے، اور کھانے پینے کو روپے بھی دیئے۔ چونکہ اس عورت کی اور اس کے خاندان کی ایک عرصہ سے ناچاقی تھی اور وہ اپنے خاوند کے یہاں رہنے کو تیار نہ تھی اس لئے زید نے اس کے خاوند کو مبلغ ایک سو روپے دیکر طلاق لے لی، طلاق لینے کے بعد اس عورت کو ایک ملا کے گھر بٹھا دیا، ملا نے کہا: میں نہیں بٹھاتا، تُو اپنے گھر بٹھا دے۔

اس معاملہ کا لوگوں میں چرچہ ہوا تو جمعہ کے دن ایک مولوی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا گیا، مولوی صاحب نے کہا کہ اس غیر عورت کو غیر محرم آدمی کے ساتھ آنا غیر محرم کے یہاں عدت گذارنا اور پھر ایک غیر آدمی کا روپیہ دیکر طلاق دلوانا یہ سب ناجائز ہے، اس زید کو سمجھانا چاہیئے، اگر وہ سمجھانے سے باز نہ آوے تو پھر شرعی سلوک کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد زید پھر مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ اب تک جو کچھ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس کے متعلق مجھے معافی مل جائے، اب جس طرح شریعت کا حکم ہے میں عمل کروں گا، مولوی صاحب نے کہا کہ یہ عورت کسی اپنے رشتہ دار کے یہاں رہ کر عدت گذار دے، تم اس کو کوئی خرچ وغیرہ مت دو اور اس سے ملو بھی مت، اس نے کہا کہ میرا لڑکا اس کو اس کے یہاں چھوڑ آتا ہے، مولوی صاحب نے کہا کہ کوئی اَور آدمی جا کر چھوڑ آوے۔ اس کے بعد زید نے اپنے لڑکے کو اس کے ہمراہ کر دیا کہ تو اس کو اس کے بھائی کے یہاں چھوڑ آ، اور خرچ کرایہ اپنے پاس سے دے دیا۔

اب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زید کے اس طرح کرنے سے زید کا حقہ پانی بند کرنا چاہیئے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح کرنے سے زید کا حقہ پانی بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر زید اس کو گھر بیٹھ

= ضامناً". (شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۲)، حنفيه، كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۵۰۳، مطلب في بيع المكروه والموقوف، سعيد)

کرخرچ وغیرہ روانہ کرتا رہے تو زید شریعت کا چور ہے یا نہیں۔فقط والسلام۔

سلیمان ازابوہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر محرم عورت کو بلا پردہ دیکھنا اوراس کے ساتھ خلوت کرنا منع ہے، اگر عورت اوراس کے شوہر کے درمیان مصالحت کی توقع نہ تھی اور تعلقات زیادہ خراب ہو چکے تھے تب زید نے طلاق دلوائی ہے تو اس میں مضائقہ نہیں، تاہم اس کے گھر سے لانا اور کسی غیر کے گھر بٹھانا اس کو جائز نہ تھا(۱)، لہٰذا زید کو تنبیہ کی جائے اگر وہ اس عورت سے کسی قسم کا غیر شرعی تعلق نہ رکھے اور گذشتہ سے صدق دل سے توبہ کرے تو اس کا حقہ پانی بند کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ اس کا حقہ پانی بند کردیا جائے (۲)۔

اگر وہ عورت غریب ہے اور محتاج ہے، اس لئے زید اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے اور کوئی بری نیت نہیں

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ألا! لایبیتنّ رجل عند امرأة ثیب إلا أن یکون ناکحاً، أو ذا محرم". رواہ مسلم". (مشکوۃ المصابیح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الأول، ص: ۲۶۸، قدیمی)

"الخلوة بالأجنبیة حرام". (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعید)

(وکذا فی الأشباہ والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۲۳۹/۳، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "عن أبی أیوب الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یحل للرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر الخ، الفصل الأول: ۴۲۷/۲، الحسن اردو بازار لاهور)

"قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولا یجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الآدب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، رشیدیه)

(وکذا فی فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۹۹۲۸): ۲۵۰۰/۱۲، مکتبة نزار مصطفی الباز الریاض)

ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اگر زید کا مقصود اس سے نکاح کرنا ہے تو وہ عدت کے بعد نکاح کرسکتا ہے پہلے نہیں کرسکتا (۱)۔ اگر اس سے ناجائز تعلق ہے تو پھر اس کو خرچ دینا اور اس سے ملنا سب گناہ اور ناجائز ہے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳۰/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی البدائع: فصل فی شرط الزوجة: ۳/ ۴۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) ناجائز تعلقات کی وجہ سے مذکورہ عورت کو خرچہ دینا اور اس کے ساتھ بیٹھنا دواعی زنا میں سے ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے:

﴿ولا تقربوا الزنی﴾ بمباشرة مبادیه القریبة أو البعیدة فضلاً عن مباشرته، والنهی عن قربانه علی خلاف ما سبق .... ولأن قربانه، داع إلی مباشرته، الخ". (روح المعانی: ۱۵/ ۶۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

باب الحلالۃ

(حلالہ کا بیان)

تین طلاق کے بعد حلالہ

سوال[۱۵۹۲]: زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو (جو زید سے حاملہ ہے) ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، ماں بہن بھی کہا۔ زید حنفی المذہب بریلوی تھا، ہندہ کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا، اب غیر مقلدین سے فتوی لایا ہے کہ ''ایک مجلس میں تین طلاقیں نہیں پڑتیں''۔ اس نے ہندہ کو گھر میں ڈال لیا ہے اور کہتا ہے کہ حدیث دکھلاؤ، آپ فقہی اور حدیثی دلائل بیان فرمائیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ زید بریلوی مسلک رکھتا ہے تو یہاں کے فتوی کیوں مانے گا، نیز جبکہ وہ حنفی المذہب ہے تو کسی غیر مقلدین سے فتویٰ لا کر اس پر عمل کیوں کیا؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس فتوی کا حنفیہ کے خلاف ہونا بھی معلوم ہے، پس بصورت موجودہ یہاں کا فتوی اس کیلئے حاصل کرنا فعلِ عبث ہے، تاہم سائل کے اضافہ معلومات کی غرض سے جواب تحریر ہے۔

مدخول بہا کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دے، مثلاً: یوں کہے: ''طلقتك ثلاثاً'' (میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں)۔ اس صورت میں بالاتفاق تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی (۱) اور اس صورت میں غیر مدخول بہا کا بھی یہی حکم ہے (۲)۔

---

(۱) ''ولو قال: أنت طالق ثلاثاً من هذاالعمل، طلقت ثلاثاً''. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۶۳، فصل فيما يرجع إلى صريح الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ''إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها، وقعن عليها''. (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۷۳، رشيديه) =

دوسری صورت یہ ہے کہ تین لفظ سے تین طلاق دے، مثلاً: یوں کہے: "أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق" (تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے)۔ اس صورت میں بھی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، لیکن اگر شوہر کہے کہ میں نے پہلا لفظ بنیتِ طلاق کہا ہے، دوسرا تیسرا لفظ بنیتِ طلاق نہیں کہا بلکہ بنیتِ تاکید کہا ہے تو دیانۃً شوہر کا قول معتبر ہوگا اور قضاءً پھر بھی تین طلاق واقع ہوجائے گی (اور غیر مدخول بہا پر اس صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی)۔

"وإذاقال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلّقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً، وإن كانت غيرمدخولة طلقت واحدةً. رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيتُ بالأولىٰ الطلاق وبالثانية والثالثه التأكيد، صُدّق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً، وكذافي فتاوى قاضي خان، اهـ". الهندية: ۱/۳۵۵ مختصراً(۱)۔ "كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دُيّن: أي ووقع الكل قضاءً. وكذا إذا طلق (أشباه) بأن لم ينو استينافاً ولا تأكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد، اهـ". درمختار وشامی: ۲/۷۱۰(۲)۔

مقلد کے لئے اس قدر کافی ہے۔

حدیث کی ایک روایت نقل کرتا ہوں، مزید تحقیق کا شوق ہو تو طحاوی، زیلعی کا مطالعہ کیجئے:

"عن مالك ابن حارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: إن عمي طلق امرأته ثلاثاً، فقال: إن عمك عصى الله وأثم الله، وأطاع االشيطان، فلم يجعل له مخرجاً، فقلت: كيف ترى لي رجل يحلها؟ فقال: من يخادع الله يخادعه".

= (وكذافي بدائع الصنائع: ۴/۲۹۸، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۷۱، فصل في الطلاق قبل الدخول، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، ۳۵۶، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(۲) (الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

شرح معانی الآثار: ۲/۳۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

عورت کو حلالہ کا حکم کیوں ہے؟

سوال[۷۵۹۲]: میرے شوہر نے مجھ کو تین طلاقیں دیں، اب میں اور شوہر دونوں نکاح کرنے پر راضی ہیں، لیکن شرع یہ حکم دیتی ہے کہ بغیر حلالہ کے نکاح پہلے شوہر سے درست نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ غلطی تو ہمارے شوہر نے کی جو ہم کو طلاق دی، پھر عورت کے واسطے شرع نے یہ حکم کیوں دیا، ہم دوسرے شخص کا مونہہ دیکھیں یا کسی دوسرے سے نکاح کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر نے غلطی کی کہ تین طلاق دی، اب وہی دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے، اسی لئے یہ حکم ہے کہ جب تک وہ مطلقہ بیوی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کر کے ہمبستر نہ ہو جائے، پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا(۲)، شوہر کے تین طلاق دینے کے بعد بیوی کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے درست ہے کہ وہ کبھی بھی پہلے شوہر سے نکاح کے لئے آمادہ نہ ہو، لیکن اگر اس کا دل خود چاہتا ہے کہ اسی شوہر کے ساتھ رہے جس نے تین طلاق دی ہے تو وہ خود ہی دوسرے شخص کا منہ دیکھنے کے لئے آمادہ ہوگئی، شریعت نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (شرح معانی الآثار: ۲/۳۷، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلث، سعید)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۴۹، دار الكتب العلميه بيروت)

بغیر شرط کے حلالہ

سوال[۶۵۹۸]: کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، بعدہ فی زمانہ مروجہ طریقہ پر حلالہ کرکے طلاق دیدی گئی، بعدعدت زوجِ اول نے نکاح کرلیا۔ ایسا نکاح درست ہے یا کہ نہیں؟ نیز حلالہ کرنے والا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ہوکر جب جدائی ہوگئی اور عدت گذر گئی، پھر کسی نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ اس غریب کا گھر ویران ہوگیا، کیا اچھا ہو کہ اس کا گھر آباد ہوجائے اور پریشانی دور ہوجائے اس عورت سے نکاح کرلیا، پھر ہمبستری کرنے کے بعد اس کو طلاق دیدی اور عدت ختم ہونے پر شوہر اول نے دوبارہ نکاح کرلیا تو یہ صورت شرعاً درست ہوگئی، اس میں کسی پر اعتراض نہیں ہے، اس کے بعد جو اولاد ہوگی، وہ بھی ثابت النسب ہوگی، اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، اعتراض کی بات تو یہ ہے کہ نکاحِ ثانی میں حلالہ کی شرط لگائی جائے کہ یہ گناہ ہے اس کے باوجود بھی حلالہ درست ہوکر اولاد صحیح ہوگی:

"وینکح مبانته بمادون الثلاث فی العدة وبعد ها، لاینکح مطلقةً بها: أی بالثلاث .... حتی یطأها غیره بنکاح وتمضی عدته، وکره التزوج للثانی تحریماً بشرط التحلیل وإن حلت للأول، أما إذا أضمر ذلك، لایکره، وکان الرجل ماجوراً لقصد الإصلاح، ا هـ".

درمختار، بحذف کثیر: ۱/۵۳۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

حلالہ میں طلاق کی شرط

سوال[۶۵۹۹]: ہمارے علاقہ میں ایک رواج سا ہوگیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیتا ہے، پھر عدت گذارنے کے بعد اس عورت کا نکاح کسی ایسے شخص سے کردیتے ہیں جس سے یہ طے کرلیتے ہیں کہ آج تم نکاح کرو، کل صبح سویرے طلاق دے دینا۔ اور کچھ رقم دے کر اسے اس پر بھی راضی کرلیتے ہیں کہ نکاح تو کرلو، مگر صحبت نہ کر۔ رقم کے لالچ جس میں وہ نکاح تو کرلیتا ہے اور صحبت سے کلی طور پر پرہیز کرتا ہے اور صبح اس

(۱) (الدرالمختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۵، باب العدة، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۴/۱۷۷، ۱۸۳، فصل فیماتحل به المطلقة، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذافی البحرالرائق: ۴/۹۴، ۹۷، فصل فیماتحل به المطقة، رشیدیه)

کوطلاق دے دیتا ہے، پھر اس عورت کے میکے والے اس کا نکاح پہلے شوہر سے کردیتے ہیں۔ کیا حلالہ کی یہ صورت درست ہے، کیا یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی، نیز ایسا کرنے کرانے والوں کا کیا حکم ہے؟ اس علاقہ میں اس قسم کا رواج بڑھتا جارہا ہے، براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

محمد رشید، کدوراباونی اسٹیٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق کے بعد دوسرے شخص سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ ایک رات کے بعد طلاق دے دے اور اس کے لئے کچھ روپے دینے کا وعدہ کرلینا مکروہ تحریمی ہے (حرام کے قریب ہے) اور حدیث پاک میں اس فعل پر لعنت بھی ہے (۱) اور جب کہ دوسرا شخص طلاق دے دے تو وہ عورت تین طلاق دینے والے پہلے شوہر کے لئے حلال بھی نہیں ہوتی، بلکہ بدستور حرام رہتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

خلوتِ صحیحہ کی تعریف اور حلالہ کی شرط

سوال [۶۲۰۰]: خلوتِ صحیحہ کی تعریف کیا ہے؟ جس عورت کو دوسرے خاوند نے تنہائی گھر میں ایک دو روز رہنے سہنے کے بعد طلاقِ مغلظہ دیدی تو بعد عدت کے خاوند اول کے ساتھ پھر نکاح کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تنہائی گھر اختیار کرنے سے خلوتِ صحیحہ ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلوتِ صحیحہ کا حاصل یہ ہے کہ مرد وعورت ایسی تنہائی کی جگہ جمع ہوجائیں جہاں ہمبستری کرنے میں کوئی مانع نہ ہو، نیز شرعی وطبعی بھی کوئی مانع نہ ہو (۳)۔ اگر پہلا خاوند طلاق مغلظہ (تین طلاق دے دے)

(۱) "وعن الحارث عن علي قالا: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن المحلل والمحلل له".
(جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في المحلل والمحلل له: ۱/۲۱۳، سعيد)

(۲) "عن عائشة قالت: سئل رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته فتزوجت زوجاً غيره فدخل بها، ثم يطلقها قبل أن يواقعها أتحل لزوجها الأول؟ قالت: قال النبي ﷺ: "لاتحل للأول حتى تذوق عُسيلة الآخر ويزوق عُسيلتها". (سنن أبي داؤد، باب المبتوتة لايرجع إليها زوجها حتى تنكح غيره: ۱/۳۲۳، إمداديه)

(۳) "والخلوة بلامانع حسي كمرض أحدهما يمنع الوطء، وطبعي كوجود ثالث عاقل، وشرعي كإحرام لفرض أونفل". (الدرالمختار: ۳/۱۱۴، باب المهر، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۰۴، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، رشيديه) ....=

پھر بعد عدت کے دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح ہوا اور وہ ہمبستری کرکے طلاق دے دے تو اس کی عدت ختم ہونے پر پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح درست ہوگا(۱) لیکن اگر دوسرے خاوند نے بھی ہمبستری نہیں کی، یعنی جماع نہیں کیا بلکہ محض خلوتِ صحیحہ کرکے طلاق دیدی ہے تو اس سے وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، اس سے بدستور نکاح حرام ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۸۹ھ۔

حلالہ میں صحبت شرط ہے

سوال[۶۶۰۱]: حلالہ کا نکاح ہوا، پھر جبراً طلاق لے لی گئی کہ اب تک شوہرِ ثانی سے جماع کی نوبت نہ آئی تھی تو ایسی صورت میں حلالہ درست ہوا یا نہیں؟ عورت اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں جا سکتی یا نہیں؟

رحیم بخش آزاد، موسیٰ نگری۔

= (وكذافي فتاوى قاضي خان: ۱/۳۹۶، الفصل في الخلوة وتأكد المهر، رشيديه)

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة أوثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، فصل في ما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۶۰۳، الفصل الثالث والعشرون في مسائل المحلل، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وشرط أن يطأها الزوج الثاني؛ لأنه ثبت إشارة الكتاب وبالسنة المشهور والإجماع، أما الكتاب فإن النكاح المذكورفيه يحمل على الوطأ حملاً للكلام على الإفادة دون الإعادة .... وأماالسنة فماروى عن عائشة رضي الله عنها أن رفاعة بن سموال القرظي رضي الله تعالىٰ عنه طلق امرأته تميمة بنت وهب، فبتّ طلاقها، فتزوجت بعده بعبد الرحمٰن بن الزبيررضي الله تعالىٰ عنه، فجاء ت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: إنهاكانت تحت رفاعة، فطلقها ثلاث تطليقات، فتزوجت بعده بعبد الرحمٰن بن الزبيروإنه –والله– ليس معه إلا مثل هذه الهدبة .... "لاحتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته". أما الإجماع: فإن الأمة أجمعت على أن الدخول بهاشرط الحل للأول". (تبيين الحقائق: ۳/۱۶۴، ۱۶۶، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۹۴، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے پہلے شوہر کے لئے وہ حلال نہیں ہوئی بلکہ حرام ہی رہی، پہلے شوہر سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نکاح بشرطِ تحلیل واجرت وتوقیت ومتعہ

سوال[۶۶۰۲]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ:

۱..... زید مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کرنے کے لئے حیلہ کرکے زوجہ مطلقہ کا نکاح عمرو سے روپیہ دے کر کراتا ہے، مگر اس میں دوشرط ہیں: دوروزختم ہونے پر طلاق دینا اور وطی نہ کرنا، چنانچہ عمر نے شرطینِ مذکورین کو پوری کی۔ اب دریافت یہ ہے کہ زید کا نکاح دوبارہ اسی عورت سے شرعاً جائز یا نہیں؟

۲..... زید مطلقہ ثلاثہ سے پھر نکاح کی غرض سے اس کا نکاح عمرو سے کراتا ہے مطلقاً، یعنی بلاتعیینِ مدت وبغیر شرطِ وطی کے، لیکن اجرت برابر مقرر ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس مطلقہ ثلاثہ سے زید کا دوبارہ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

۳..... نکاحِ متعہ جائز ہے یا نہیں؟

۴..... زید اجرت دے کر عمرو سے ہندہ کا نکاح متاعاً کرتا ہے، اب ہندہ مذکورہ سے شرعاً زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور محلل ومحلل لہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ معاملہ مذکورہ اگر شرعاً ناجائز ہے تو جولوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور حکم جواز لگاتے ہیں، ان کا شرعاً کیا حکم ہے اور خورد ونوش ان کے ساتھ درست ہے نہیں؟

مسائل مذکورہ متصدرہ کا جواب مدلل مع حوالہ کتب وصفحہ تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن اکیابی۔

---

(۱) "لاینکح مطلقة بها: أي بالثلاث لوحرةً، وثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره وتمضي عدته".

(الدرالمختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۲، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۲، ۱۶۴، فصل في ما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۹۴، باب الرجعة، فصل في ماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل في ماتحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... مطلقہ ثلاث کا زوجِ اول کے لئے حلال ہونا مشروط ہے دوشرطوں کیساتھ: اول یہ ہے کہ زوجِ ثانی سے وہ عورت نکاحِ ثانی کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ زوج اس عورت سے جماع کرے، پھر اگر ان دونوں کے درمیان شرعی جدائی طلاق، خلع، موت زوج وغیرہ کی وجہ سے ہوکر عورت کی عدت گذر جائے، تب وہ زوجِ اول کے لئے حلال ہوگی، اس سے پہلے ہرگز حلال نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا نکاح عورت مطلقہ مذکورہ سے ناجائز ہے کیوں کہ زوجِ ثانی سے جماع نہیں ہوا۔

"ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها، لقوله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلاتحل له من بعد﴾ الآية. إلابعدوطئ زوج اخر .... بنكاح صحيح، فيخرج الفاسد، ونكاح غير الكفو إذا كان لهاولى على ماعليه الفتوى، والنكاح الموقوف، ومضى عدته: أى عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق فى الزوج الثانى.......... وشرط وطئ الزوج بالكتاب وهوقوله تعالى: ﴿حتى تنكح زوجاً غيره﴾، والمراد منه الوطئ حملاً للكلام على الإفادة دون الإعادة، فإن العقد قداستفيد بإطلاق اسم الزوج فى النظم، لكن فيه مناقشة ووجه اخرفى شروح الهداية فيطلب.

أوبالأحاديث المشهورة؛ لأنها تجوز بها الزيادة على النص إن كان المراد العقد، وإن كان الوطئ فلاإشكال، ولم يخالف فى ذلك إلاسعيد بن المسيب. وفى المبسوط: هذا قول غيرمعتبر، ولوقضى به قاض، لاينفذ قضائه. وفى المنية: أن سعيداً رجع عنه إلى قول الجمهور، فمن عمل به اسوّد وجهه ويبعد ومن أفتى به يعزر. وفى الخلاصة: فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين". مجمع الأنهر: ۴۸۳/۱ (۱)۔

(۱) (مجمع الأنهرفى شرح ملتقى الأبحر: ۸۸/۱، ۸۹، باب الرجعة، المكتبة الغفارية)

"وفى شرح الطحاوى: مطلقة الثلاث لايحل لزوجها الأول لابنكاح، ولابملك يمين حتى يتزوج بآخر، ويدخل بهاالثانى.......... وانقضت عدتها.......... ولوتزوجهاالثانى نكاحاً فاسداً، أو دخل بها، أولم يدخل، فإنهالاتحل لزوجها الأول .... لوقضى القاضى بالحل على الزوج الأول، أخذ بقول سعيد بن المسيب، لاينفذقضاءه.......... ومن أفتى بهذاالقول ولم يشترط الدخول، فعليه لعنة الله والملئكة والناس أجمعين". (خلاصة الفتاوى: ۱۲۱/۲، الجنس الثانى فى المحلل، رشيديه)

اور بشرطِ تحلیل نکاح امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوتا، اور زوج اول کے لئے اس نکاح سے وہ مطلقہ حلال بھی نہیں ہوتی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بشرط تحلیل نکاح ہوجاتا ہے، لیکن زوجِ اول کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بشرط تحلیل نکاح مکروہ تحریمی ہوتا ہے اور شرط کی پابندی زوجِ ثانی پر لازم نہیں ہوتی، تاہم بشرطِ تحلیل نکاح اور جماع کرکے اگر طلاق دے دیگا تو عدت گزارنے کے بعد زوجِ اول کے لئے حلال ہوجائے گی (۱)۔

وبسط دلائل الثلاثة زيلعي تحت قول الكنز: "وكره بشرط التحليل للأول". ۲/۲۵۶ (۲)۔ وقال في البحر نقلاً عن فتح القدير: "ولاشك أن النكاح ممالايبطل بالشروط

---

(۱) "رجل تزوج امرأةً للتحليل ولم يشترط ذلك، يحل للأول، ولوشرطا، يكره ويحل عند أبي حنيفة وزفرؒ. وقال أبويوسفؒ: فسد النكاح، ولاتحل. وقال محمدؒ: صح النكاح، ولايحل". (خلاصة الفتاوى: ۲/۱۲۱، الجنس الثاني في المحلل: نوع منه، رشيديه)

"إذاتزوجت المطلقة ثلاثاً بزوج، وكان من قصدهماالتحليل، إلا أنهمالم يشترطا ذلك بقول، حلت للزوج الأول، ولوشرط الإحلال بالقول وأنه تزوجهالذلك، فالنكاح صحيح في قول أبي حنيفة وزفر رحمهما الله تعالىٰ، وتحل للأول، ولكن يكره ذلك للأول والثاني. وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: النكاح فاسد، ولاتحل للأول. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: نكاح الثاني صحيح، ولاتحل للأول". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۲، مسائل المحلل وغيرها، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۴، ۴۷۵، فصل فيماتحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(۲) "كره بشرط التحليل للأول .... وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لاينعقد النكاح بشرط التحليل للأول، ولاتحل له؛ لأن هذافي معنى شرط التوقيت، فيكون في معنى المتعة فيبطل، ولهذا قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: "لا أوتي بمحلل ولا محللة إلارجمتُهما". وقال ابن عمررضي الله عنهما: "لايزالان زانيين ولومكثاعشرين سنةً". وقال عثمان بن عفان رضي الله عنه: "ذلك السفاح". ولهذا لعنه رسول الله صلى الله عليه وسلم. وقال محمد رحمه الله: يصح النكاح، ولاتحل للأول؛ لأنه ليس بتوقيت للنكاح، ولكنه استعجل بالمحظور ماهو مؤخر شرعاً، فيعاقب بالحرمان كقتل المورث. ولأبي حنيفةؒ قوله عليه الصلوٰة والسلام: "لعن الله المحلل والمحلل له". وهذاالحديث يقتضي صحة النكاح والحل للأول والكراهية، ولأن النكاح لايبطل بالشروط =

الفاسدة، بل يبطل الشرط ويصح هو، فيجب بطلان هذا وأن لايجبر على الطلاق، اهـ". بحر: ٤/٥٨(١)۔

اورتعیینِ مدت کی وجہ سے یہ نکاح موقت ہے جو کہ باطل ہے۔

۲.....اجرت مقرر کرنا ناجائز ہے اوراجرت کی شرط کرنے والے پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے اوراجرت واجب بھی نہیں ہوتی:

"إنما لعن (أي المحلل والمحلل له) ....؛ لأن التماس ذلك واشتراطه في العقد هتكٌ للمروة وإعارة النفس في الوطء لغرض الغير، فإنه إنما يطؤها ليعرضها لوطء الغير، وهو قلة حمية، لهذا قال عليه الصلوة: "هو التيس المستعار". وإنما كان مستعاراً إذا سبق التماس من المطلّق، وهو محمل الحديث. وقيل: أراد به طالب الحل من نكاح المتعة والموقت، وسماه محللاً وإن لم يحلل؛ لأنه يعقده ويطلب الحل منه، وأما طالب الحل من طريقه لايستوجب اللعن، اهـ". تبيين الحقائق: ٢/٢٥٩(٢)۔

"فإن تزوجها بشرط التحليل كره: أي يكره التزوج بشرط التحليل بالقول بأن قال: تزوّجتُك على أن أُحلّلك له، أوقالت المرأة ذلك، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لعن الله المحلّل والمحلّل له". أما لونويا ذلك بقلبهما، ولم يشترطا بقولهما، فلا عبرة به، وقيل: الرجل مأجورٌ بذلك، وتأويل اللعن إذا يشترط الأجر، اهـ". مجمع الأنهر: ٢/٤٣٩(٣)۔

= الفاسدة. فيصح وتحل للأول ضرورة حصنه، ولا معنى لماذكره محمد" (تبيين الحقائق: ١٢٥/٣، ١٢٦، باب الرجعة. دارالكتب العلمية بيروت).

(١) (البحر الرائق: ٩٨/٤، كتاب الطلاق، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(٢) (تبيين الحقائق: ١٢٦/٣، ١٢٧، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) (مجمع الأنهر: ٩٠/٢، ٩١، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مكتبة غفاريه)

(وكذافي البحر الرائق: ٩٧/٤، كتاب الطلاق، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختارمع رد المحتار ٤١٤/٣، باب الرجعة، سعيد)

پس اگر نکاح بغیر شرطِ مدت ہوا ہے اور عمرو نے اس عورت سے جماع کر کے اس کو طلاق دیدی ہے تو بعد عدت زید کا نکاح اس عورت سے صحیح ہے، اور اگر مدت کی تعیین کر کے نکاح کیا، یا بغیر جماع کے طلاق دے دی تو زید سے اس کا نکاح صحیح نہیں۔

۳...... ناجائز ہے: "ونكاح المتعة باطل. اھ". هدایه: ۲ /۲۹۲ (۱)۔

۴...... نکاحِ متعہ باطل ہے جیسا کہ جواب نمبر: ۳ میں عبارتِ ہدایہ صراحۃً اس پر دال ہے اور ایسی صورت میں وہ عورت زید کے لئے حلال نہیں ہوئی جیسا کہ جواب نمبر: ۲ میں عبارتِ تبیین سے معلوم ہوتا ہے اور محلل و محلل لہ دونوں مستحقِ لعنت ہیں اور سخت گنہگار ہیں جیسا کہ جواب نمبر: ۲ میں عبارت مجمع الأنھر سے ظاہر ہے۔ جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، ان کو مسئلہ سمجھا دیا جائے اور ان سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے اپنے عقیدۂ فاسدہ اور قولِ باطل سے باز نہ آئیں تو ان سے قطع تعلق کر دیا جائے اگر کچھ نافع ہو۔ اور زید نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا ہے تو اس کی تفریق کرادی جائے، پھر جائز طریقہ سے نکاح کیا جائے اگر وہ نہ مانے تو اس سے بھی قطع تعلق کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۶/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

تین طلاق کے بعد عدت کے اندر نکاحِ ثانی سے حلالہ کا حکم

سوال [۶۶۰۳]: ۱...... زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور چندروز کے بعد زید نے ہندہ بالغہ کو تین طلاق مغلظہ دے دی، ہندہ کی طلاق کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہی عمر نے ہندہ سے عدت ہی کے اندر نکاح کر لیا، اس کے بعد عمر نے ہندہ کو تین طلاقِ مغلظہ دیدی، ہندہ کا نکاحِ ثانیہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی پھر زید نے یعنی شوہر اول نے نکاح کر لیا ہندہ سے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح حنفی مذہب کی بناء پر درست ہوا یا نہیں؟ اور مسئلہ کا حکم کیا ہے؟ اگر حنفی مذہب کے اس قسم کا نکاح کسی نے پڑھا دیا اور کہتے ہیں کہ ضرورۃً اس قسم

(۱) (الهداية: ۲/ ۳۱۲، كتاب النكاح، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۸۲، القسم التاسع: المحرمات بالطلقات، رشيديه)

وكذا في الدر المختار: ۳/ ۵۱، كتاب النكاح، باب المحرمات، سعيد)

کا نکاح پڑھنا حنفی مذہب میں رہ کر شافعیہ کے مذہب پر جائز ہے، اس خیالات کے علماء سے شرعاً کیا معاملہ کرنا چاہیئے؟ بینوا تو جروا مع حوالہ کتب۔

۲...... نکاح کے بارے میں حنفی مذہب پر رہ کر یعنی عدت کے اندر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ضرورۃً حنفی علماء نکاح پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ان علمائے حنفی سے دریافت کیا جائے کہ ایسا تو جائز نہیں ہے تو جواب میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کا نکاح حنفی مذہب پر رہ کر ضرورۃً شافعیہ کے مذہب مسلک کی بناء پر عدت میں نکاح پڑھانا جائز ہے قیاساً، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح حنفی مذہب کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا مع حوالہ کتب۔

المستفتی: طفیل الدین، ۵۹/۱/۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ہندہ کا نکاح نہ عمر سے صحیح ہوا، نہ دوبارہ زید سے صحیح ہوا، اگر عمر کو مسئلہ معلوم تھا اور یہ اس نے ایسا نکاح کیا اور ہندہ سے صحبت کی تو یہ زنا ہوا، پھر عمر کی طلاق (جو کہ بوجہ عدمِ انعقادِ نکاح کالعدم ہے) کے بعد دوبارہ زید نے نکاح کیا ہے وہ مطلقہ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے نکاح کیا ہے، وہ بھی زنا کے حکم میں ہے۔ عمر کے نکاح اور طلاق کی وجہ سے ہندہ زید کے لئے حلال نہیں ہوگی:

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها، كذافي الهداية، اهـ". هندية: ۱/۴۷۳(۱)۔ "أمانكاح منكوحة الغيرومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، فعلى هذ ايفرّق بين فاسده وباطله في العدة، لهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونه زنا، كمافي القنية وغيرها، اهـ". درمختار: ۲/۱۳۸(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذافي الهداية: ۲/۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، شركت علميه ملتان)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۳/۱۴۹، فصل فيماتحل به المطلقة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار: ۳/۵۱۶، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل، سعيد)

حنفی مذہب کی رو سے مسئلہ کا حکم معلوم ہوگیا، ایسا نکاح پڑھنا اعانت علی الزنا ہے جو کہ حرام ہے۔

۲.....حنفیہ کے نزدیک عدت میں نکاح ناجائز ہے اور حلالہ کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے:

"لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلك المعتدة، کذافی السراج الوهاج، اهـ". فتاوی عالمگیری: ۱/۲۸۰(۱)۔

کسی دوسرے امام کے قول پر فتوی دینے کے لئے بہت بڑی اہلیت اور شرائط کی ضرورت ہے، ہر کس وناکس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ جس مسئلہ میں جس امام کے قول پر چاہے فتوی دیدے، بلکہ حنفی کے لئے اس کی اجازت بھی نہیں کہ بغیر ترجیح کے حنفیہ میں سے جس کے قول کو چاہے اختیار کرلے۔ جس قول کو اصحابِ ترجیح نے اختیار کرلیا ہے اس کے خلاف پر فتوی دینا بالکل ناجائز ہے، تفصیل کے لئے شرح عقود رسم المفتی مطالعہ کیجئے:

اعلم بأن الواجب اتباع ما ترجیحه عن أهله قد علما

أو کان ظاهر الروایة ولم یرجحوا خلاف ذالك فاعلم

فلیس یجسر علی الأحکام سوی شقی خاسر المرام

شرح عقود رسم المفتی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد، صحیح: عبداللطیف۔

حلالہ کیلئے عدت میں نکاح

سوال[۶۶۰۴]: ۱.....زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاق دیدی، مگر معلوم ہوا کہ زوجۂ زید اس وقت ماہواری سے تھی، بعدہ زید نے مصلحۃً دورانِ عدت میں اپنے دوست سے برائے حلالہ نکاح کرادیا، تاکہ ہندہ مجھ سے متنفرنہ ہوجائے تو یہ نکاحِ ثانی درست ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۱۱، الفصل التاسع فی النکاح الفاسد وأحکامه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، فصل فی شرط الزوجة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (شرح عقود رسم المفتی، ص: ۲۵، میرمحمد کتب خانه، کراچی)

۲.....زید نے اپنے دوست خالد سے برائے حلالہ ہندہ کا نکاح کرادیا، خالد نے نکاح کے بعد مباشرت بھی کی، تو یہ نکاح وغیرہ درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے اگرچہ ایسا کرنے سے شوہر گنہگار ہوتا ہے(۱)، اس طرح تین طلاق ایک دم دینا بھی گناہ ہے، مگر وہ بھی واقع ہوجاتی ہے(۲)، اس لئے صورتِ مسئولہ میں طلاق مغلظہ ہوگئی(۳)، بغیر حلالہ کے اس کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے(۴)۔ حلالہ کے لئے دوسرے

---

(۱) "وإذاطلق الرجل امرأته في حالة الحيض، وقع الطلاق؛ لأن النهي عنه لمعنى في غيره، وهوماذكرنا فلاينعدم مشروعية". (الهداية: ۲/۳۵۷، كتاب الطلاق، شركة علميه ملتان)

"والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بهاوهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض، أوفي طهرجامعها فيه، وكان الطلاق واقعاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۹، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذافي بدائع الصنائع: ۴/۲۰۵، ۲۰۶، فصل في طلاق البدعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأماالبدعي الذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثاً في طهرواحد بكلمة واحدة أوبكلماتٍ متفرقة......... فإذا فعل ذلك، وقع الطلاق، وكان عاصياً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۴۹، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۴/۲۰۶، كتاب الطلاق، فصل في ألفاظ طلاق البدعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "لوكررلفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دُيّن". (الدرالمختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۵۵، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذافي الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۸۸، إيقاع الطلاق وتكرارالعدد، إدارة القرآن كراچي)

(۴) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به: ۱/۴۷۳، رشيديه)

شخص سے نکاح کرنے کے واسطے پہلی عدت کا گذر جانا ضروری ہے، عدت میں نکاح حرام ہے، وہ نکاح نہیں بلکہ وہ زنا ہوتا ہے: "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ، وکذلك المتعدۃ، کذافی السراج الوھاج، اھ". فتاوی عالمگیری(۱)۔

۲.....اگر خالد کو معلوم تھا کہ ہندہ کی عدت ختم نہیں ہوئی تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ زنا ہوا ہے، زید، خالد، ہندہ سب ہی سخت معصیت کے مرتکب ہوئے ہیں، سب کو توبہ لازم ہے اور اس نام نہاد نکاح ومباشرت سے ہندہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوئی: "أما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته، فالدخول فیه لایوجب العدۃ إن علم أنها للغیر؛ لأنه لم یقل أحدٌ بجوازہ، فلم ینعقد أصلاً، فعلی هذا یفرق بین فاسدہ وباطله، ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة، لکونه زنا، اھ". شامی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حلالہ کے لئے صرف نکاح، وہ بھی عدت میں

سوال[۶۶۰۵]: میرے بھائی نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے تین طلاق دیدی، دوماہ کا حمل ہے، تین بچے ہیں، اب بھائی صاحب سخت پریشان ہیں، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ خودکشی نہ کرلیں۔ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ بغیر عدت کے کسی اور سے نکاح کردو اور پھر وہ طلاق دیدے، اس کی عدت کی بھی ضرورت نہیں، پھر اپنے بھائی سے نکاح کرادے۔ کیا اس طرح نکاح درست ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو جو مسئلہ بتایا گیا ہے کہ بغیر عدت کے نکاح کردیا جائے، یہ شرعی مسئلہ نہیں بلکہ گڑیوں کا کھیل

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۸۰، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار: ۳/۵۱۶، باب العدۃ، مطلب فی النکاح الفاسدۃ والباطل، سعید)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة: ۳/۱۱، الفصل التاسع فی النکاح الفاسدۃ وأحکامه، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی الهدایة، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی تبیین الحقائق، فصل فیما تحل به المطلقة: ۳/۱۴۹، دارالکتب العلمیة، بیروت)

ہے، ایسا ہرگز نہ کیا جائے، اس سے نہ نکاح درست ہوگا، نہ وہ عورت آپ کے بھائی صاحب کے لئے حلال ہوگی (۱)، جب بچہ پیدا ہوگا تو اس وقت عدت ختم ہوگی (۲)، اس کے بعد کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کیا جائے۔ نکاح میں یہ شرط نہ ہو کہ وہ شخص پھر طلاق دیدے ورنہ یہ کام موجب لعنت وغضب ہوگا (۳)، وہ شخص نکاح کے بعد ہمبستری کرے، پھر اگر وہ مر جائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت گذار کر آپ کے بھائی سے نکاح کی اجازت ہو سکے گی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذافی السراج. سواء کانت العدة عن طلاق، أو وفاة أو دخول فی نکاح فاسد". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۰، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بهاحق الغیر، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۵۱۶، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۱۱، الفصل التاسع فی النکاح الفاسد وأحکامه، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وفی حق الحامل وضعُ حملها". (الدر المختار: ۳/۵۱۱، باب العدة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۲۵۲، باب العدة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "وکره بشرط التحلیل للأول: أی یکره التزوج بشرط أن یحلهاله یرید به بشرط التحلیل بالقول، لقول النبی صلی الله علیه وسلم: "لعن الله المحلل والمحلل له". (تبیین الحقائق: ۳/۱۶۵، باب الرجعة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذافی الدرالمختارمع رد المحتار: ۳/۴۱۴، باب الرجعة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۴، ۴۷۵، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقه، رشیدیه)

(۴) "وإن کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة، وثنتین فی الأمة، لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أویموت عنها". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۳، الباب السادس فی الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة ومایتصل به، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۳/۱۴۹، فصل فیما تحل به المطلقة الخ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۶۰۳، الفصل الثالث والعشرون بنکاح المحلل، إدارة القرآن کراچی)

حلالہ کے لئے شوہر نکاح پڑھا سکتا ہے

سوال[۶۶۰۶] : ۱...... میری دادی اور بیوی کے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا تھا، ایک دو مرتبہ مار پٹائی کی نوبت آئی، میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود بیوی باز نہیں آئی تو میں نے یہ شرط لگادی کہ ''اگر آج کے بعد تو نے دادی صاحبہ کے ساتھ جھگڑا کیا تو تجھے تین نہیں چھ طلاق'' اور جس روز میں نے یہ شرط لگائی، اس دن جھگڑا میں مار پٹائی کی نوبت نہیں آئی، حسنِ اتفاق سے ایک سال تک جھگڑا موقوف رہا، اور ایک منحوس دن دادی صاحبہ اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو ہی گیا، لیکن مار پٹائی کی نوبت نہیں آئی۔ کیا اس جھگڑے کے بعد میرے بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

۲...... کیا سابق شوہر اپنی مطلقہ بیوی کا نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور نکاحِ ثانی میں گواہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیا ناکح کے علاوہ دو گواہوں کا ہونا لازم ہے، یا ایک گواہ سے بھی کام چل سکتا ہے؟

نیرودھ کے ذریعہ حلالہ

سوال[۶۶۰۷] : ۳...... کیا نیرودھ لگا کر دخول کرنے میں خلوت صحیحہ ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... شروط پائے جانے پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی (۱)، عدتِ طلاق تین ماہواری گذرنے پر اگر مطلقہ دوسرے شخص سے نکاح کرنے پر رضامند ہو اور سابق شوہر (طلاق دینے والا) نکاح پڑھائے تب بھی درست ہے۔ اگر دونوں مطلقہ اور شوہرِ ثانی مجلس میں موجود ہوں اور سابق شوہر ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح پڑھا دے تب بھی نکاح ہو جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اصل ایجاب وقبول تو اس مطلقہ اور شوہر جدید نے کیا ہے

---

(۱) "وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل: أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۲۰، الباب الرابع، الفصل الثالث في التعليق، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۸۵، باب الأيمان في الطلاق، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۵، كتاب الطلاق، باب العتليق، رشيديه)

اورنکاح پڑھانے والا اورایک اَور شخص یہ دونوں اس نکاح کے گواہ ہوگئے (۱)، اچھا یہ ہے کہ دوگواہ مستقل موجود ہوں اوراس کے سامنے عورت اورمرد دونوں خود ایجاب وقبول کرلیں۔

۳......اگرجسم کی حرارت محسوس ہوتی ہے اور جماع کی لذت حاصل ہوتی ہے تو یہ بھی حلالہ کے لئے کافی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

حلالہ کے لئے زوجین کا دخول میں اختلاف

سوال[۶۲۰۸]: عبدالودود نے اپنی منکوحہ مدخولہ بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیدی (عورت کے ساتھ ایک شیرخوار بچہ بھی عبدالودود سے ہے)۔ بعد ازاں مطلقہ کا نکاح ریاض الدین سے ہوگیا، عدت ختم ہوجانے کے بعد ریاض الدین نے ایک شب اپنے نکاح میں رکھ کر طلاق دیدی، اورعدت ختم ہونے پر شوہرِ اول عبدالودود سے نکاح کرایا گیا۔ ریاض الدین نے ایک شب اپنے نکاح میں رکھ کر دوسرے دن صبح کو تینوں طلاق دیدی، اورطلاق دینے کے بعد یکے بعد دیگرے تین آدمیوں نے ریاض الدین سے دریافت کیا کہ ہم بستری کرکے تم نے طلاق دی ہے یا بس ایسے ہی؟ تو اس نے ہم بستری کا اقرار کیا، مگر اب ریاض الدین کا کہنا ہے کہ میں نے پہلے جو گواہوں کے سامنے اقرار کیا تھا وہ جھوٹ کیا تھا، میں نے ہم بستری نہیں کی تھی، بلکہ عورت نے ہمبستری کرنے ہی نہ دی۔

---

(۱) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً، فاهمين مسلمين لنكاح مسلمة".
(الدر المختار: ۳/۲۱، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

"لو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد، جاز إن كانت ابنته حاضرةً؛ لأنها تجعل عاقدةً". (الدر المختار: ۳/۲۵، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶۸، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، رشيديه)

(۲) "في الفتاوى الصغرى: إذا لفّ ذكره بخرقة وأدخله فرجها، فإن وجد الحرارة، دخل، وإلا فلا".
(الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۹۴، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۵، باب الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

ریاض الدین کے والد اور والدہ اورخود ہی ریاض الدین نے بھی کہا کہ جس دن مغرب سے پہلے میرے ساتھ نکاح کرایا گیا، اس شب کو مجھے گھر دیا گیا، مگرلڑکی کو میرے قریب تک نہ آنے دیا گیا، صرف دنیاوالوں کودکھلانے کی غرض سے حلالہ کرایا گیا،لڑکی بقسم کہتی ہیں کہ ہم بستری بھی ریاض الدین نے کی تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حلالہ درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق کے بعد عدت گذارکردوسرے شخص سے ہم بستری ہوکر جب اس کی طرف سے طلاق ہواورعدت ختم ہوجائے تب شوہراول کے لئے دوبارہ نکاح کی اجازت ہوتی ہے،اگرشوہرِ ثانی نے جماع نہ کیا ہوتو وہ شوہرِ اول کے لئے ہرگز ہرگز حلال نہیں ہوتی ہے(۱)، جھوٹ بول کرہم بستری کااقرارکرنے سے جھوٹ کا گمان مستقل ہوتا ہے اورشوہراول کے لئے حرام ہی رہتی ہے، اس کا وبال مستقل ہے۔اس کو ذہن نشین کرانے کے بعد آخرت کا خوف دلاکراس عورت سے بقسم دریافت کیا جائے،اگروہ کہے کہ ہاں شوہرثانی ریاض الدین نے نکاح کے بعد مجھ سے ہم بستری کی ہے، پھرمجھ کوطلاق دی ہے،تواس کی عدت ختم ہونے پران کا نکاح دوبارہ شوہراول عبدالودود سے درست ہے، ریاض الدین کا بیان جومختلف نقل کیا جاتا ہے وہ قابلِ التفات نہیں:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: طلق رجل امرأته، فتزوجت زوجاً غيره، فطلقها وكانت معه مثل الهدبة، فلم تَصِلُ منه إلى شئ تريده، فلم يلبث أن طلقها، فأتت النبي صلی الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله! إن زوجي طلقني وإني تزوجت زوجاً غيره، فدخل بي ولم يكن معه إلامثل الهدبة، فلم يقربني إلاهنّةً واحدةً ولم يَصِلُ مني إلى شئ، أفأحل لزوجي الأول؟ فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لاتحلين لزوجك الأول حتى يذوق الأخرعيسلتك وتذوقي عسيلته". (صحيح البخاري: ۲/۷۹۲، كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته: أنت عليّ حرام، قديمي)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذافي الدرالمختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، باب الرجعة، سعيد)

"قال الزوج الثاني: كان النكاح فاسداً، أولم أدخل بها، وكذّبته، فالقول لها. ولو قال الزوج الأول ذلك، فالقول له: أي في حق نفسه". درمختار۔ "ادعت أن الثاني جامعها وأنكر الجماع، حلّت للأول". شامی: ۲/۵۴۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/۵/۹۲ھ۔

حلالہ میں مباشرت کا اقرار پھر انکار

سوال[۶۷۰۹]: ہمارے لڑکے معارف حسین نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دیدی، لیکن پھر رجوع کرنا چاہتا ہے تو مولوی صاحب سے پوچھ کر عدت پوری کر کے ایک عاقل بالغ لڑکے ابراہیم سے نکاح کرا دیا، عقد کے بعد اس کے ساتھ ایک کمرہ میں رات گذاری، سویرے غسل کیا، پھر اس کو طلاق دیدی، اور چند عالموں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہے جس کے گواہ موجود ہیں۔ پھر عدت پوری ہونے کے بعد معارف حسین نے نکاح کیلئے آدمیوں کو جمع کیا، اس وقت ابراہیم (محلل) نے مسجد میں چند عالموں کے سامنے بیان کیا کہ میں نے اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی، پھر ایک مولوی صاحب نے - جو انکار کے وقت موجود نہ تھے - نکاح پڑھایا۔

لیکن اب ابراہیم اقرار کرتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہے، محلّہ کے چند لوگوں نے ابراہیم سے پوچھا کہ عالموں کے سامنے کیوں انکار کیا؟ اور اب اقرار کرتے ہو، تو جواب دیا کہ مجھ کو لوگوں کے سامنے اقرار کرنے میں شرم معلوم ہوئی۔ میرا لڑکا معارف حسین ابھی تک اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ معارف حسین کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۱۷، باب الرجعة، مطلب في حيلة إسقاط التحليل بحكم شافعي بفساد النكاح الأول، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۴، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲۲، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابراہیم نے رات گذارنے کے بعد جو ہمبستری کا اقرار کرلیا تھا تو وہی اقرار معتبر ہے، اس کے بعد جب اس نے انکار کیا تو وہ انکار معتبر نہیں (۱)، آپ کے لڑکے کا نکاح دوبارہ صحیح ہوگیا، اس کو مباشرت کا حق حاصل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

زوجِ ثانی ہادمِ مادون الثلاث ہے

سوال[۶۶۱۰]: زید نے اپنی بیوی زینب کو ایک طلاقِ بائن دیا تھا، چندروز کے بعد پھر نکاح کر کے اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا، پھر ایک سال کے بعد زید نے اپنی بیوی مذکورہ کو دو طلاق دے کر مطلقہ کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تین طلاق دیدی خواہ ایک مجلس میں یا الگ الگ اور خواہ ایک ہی عقد میں خواہ دوبارہ عقد کر کے (زوج ثانی کے نکاح سے پہلے) تو اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت نہیں رہی (۲)، ہاں! اگر ایک

---

(۱) "قال الزوج الثاني: كان النكاح فاسداً، أو لم أدخل بها وكذبته، فالقول لها. ولوقال الزوج الأول ذلك، فالقول له في حق نفسه". (الدرالمختار). "ادعت أن الثاني جامعها وأنكر الجماع، حلت للأول". (ردالمحتار: ۴۱۷/۳، باب الرجعة، مطلب في حيلة إسقاط التحليل بحكم شافعي بفساد النكاح الأول، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۴/۱، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۲۲/۲، رشيديه)

(۲) ﴿فإن طلقها﴾ الزوج بعد الثنتين ﴿فلاتحل له من بعد﴾ بعد الطلقة الثالثة ﴿حتى تنكح﴾ تتزوج ﴿زوجاً غيره﴾ (تفسير الجلالين، ص: ۳۵، سورة البقرة، قديمي)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۲/۱، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۹۴/۴، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

بائن طلاق کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے بعد الدخول طلاق لے کر عدت گزرنے پر زوجِ اول کے نکاح میں آئے گی تو پہلی طلاق ختم ہو کر ابتداءً تین طلاق کا اختیار ہوگا، اور محض دو طلاق دینے سے مغلظہ نہیں ہوگی۔

الحاصل: زوجِ ثانی ہادم مادون الثلاث ہے(۱) اور خود عقد کرنا ہادم مادون الثلاث نہیں، اس میں بھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ زوجِ ثانی ہادم مادون الثلاث نہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی عقدِ ثانی کے بعد زوجِ اول صرف دو طلاق کا مالک رہے گا، عقد اول میں ایک طلاق دے چکا تھا، عقدِ ثانی میں دو طلاق دے گا، تو مغلظہ ہو جائے گی، بغیر تحلیل پھر اس سے عقد نہیں کر سکے گا:

"لو طلقها واحدةً، وانقضت عدتها أوتزوجت بأخر، وطلقها، وانقضت عدتها منه، ثم تزوجها الأول، يملك عليها ثلاثاً، وعنده يملك عليها اثنين". البحر الرائق: ٤/٥٨(٢)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

غیر مدخولہ کو تین طلاق کے بعد حلالہ کی ضرورت

سوال[۶۶۱۱]: ۱..... زید نے اپنی لڑکی کو مہر مقررہ اور چند شرائط کے ساتھ اس شرط پر کہ خلافِ شرط پر زید کو ایک طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا عمر کے نکاح میں دیدیا، عمر نے شرائط کے ساتھ قبول کیا۔ آیا زید کو شرعی طور پر حق حاصل ہوگا یا نہیں؟

۲..... کسی نے اپنی زوجہ کو رخصتی اور خلوتِ صحیحہ سے قبل کنایہ یا صریح یا تین طلاق متفرق کر کے دیدیا، یعنی "میں نے طلاق دیدیا، طلاق دیدیا، طلاق دیدیا"۔ یا ایک لفظ میں تین طلاق دیدیا یعنی "میں نے تین طلاق دیدیا"۔ آیا وہ مرد اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو اس میں عدت یا دوسرے سے نکاح وصحبت وعدت کی

(۱) (راجع للتخريج، ص: ۳۶۹، رقم الحاشية: ۱، وص: ۳۷۱، رقم الحاشية: ۲،۱)

(۲) (البحر الرائق: ۴/۹۸، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۵، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۴۴۰، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ضرورت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب عمر نے شرائط کو منظور کرلیا تو اب شرائط کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں زید کو اپنی لڑکی پر ایک طلاقِ بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، بشرطیکہ ایجابِ نکاح عورت یا اس کے ولی کی طرف سے ہوا ہو اور مرد نے اس کو قبول کیا ہو، لیکن اگر ایجابِ نکاح مرد کی طرف سے ہوا ہو اور پھر لڑکی یا اس کے ولی نے شرائط پیش کیے ہوں تو مرد اس کا اس وقت تک پابند نہیں جب تک از سرِ نو ان شرائط کو منظور نہ کرے:

"نکحها على أن أمرها بيدها صح". "(قوله: صح) مقيدٌ بما إذا ابتدأت المرأة فقالت: زوّجتُ نفسي منك على أن أمري بيدي، أما لو بدأ الزوج، لا تطلق، ولا يعيد الأمر بيدها". شامی: ۲/۶۶۷(۱)۔

مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو تو "الحيلة الناجرة للحليلة العاجزة" مصنفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ فرمائیں (۲)۔

۲..... مسئلہ کی چند صورتیں ہیں: غیر مدخولہ کو اگر ایک طلاق صریح یا بائن یا کنائی بنیتِ طلاق دی ہے تو تجدیدِ نکاح کافی ہے، نہ حلالہ کی ضرورت ہے اور نہ عدت کی۔ اور اگر تین طلاق متفرق طور سے دی ہیں تب بھی یہی حکم ہے، اس صورت میں ایک طلاق سے عورت بائن ہوگئی، اور دوسری تیسری طلاق لغو ہوجائے گی، بلا حلالہ وعدت تجدیدِ نکاح کافی ہے:

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۳۲۹، باب الأمر باليد، قبيل المشيئة، سعيد)

"إذا تزوج امرأةً على أنها طالق، جاز النكاح وبطل الطلاق. وقال أبو الليث: هذا إذا بدأ الزوج وقال: تزوجتُك على أنك طالق، وإن ابتدأت المرأة فقالت: زوّجتُ نفسي منك على أني طالق، أو على أن يكون الأمر بيدي، أطلّق نفسي كلما شئت، فقال الزوج: قبلت، جاز النكاح، ويقع الطلاق، ويكون الأمر بيدها". (رد المحتار: ۳/۲۴۲، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة .... والبنج، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۹۲، كتاب الحيل، الفصل السابع في الطلاق، حيلة أخرى، رشيديه)

(۲) (الحيلة الناجزة، ص: ۲۱، تفويض طلاق بوقت النكاح، دار الإشاعت كراچی)

"وإن فرق بوصف نحو: أنت طالق واحدة وواحدة وواحدة، أوخبر نحو: أنت طالق طالق طالق، بانت بالأولی لاإلی عدة، ولم تقع الثانية". شامی، مختصراً: ٢/٦٢٦(١).

البتہ اگر تین طلاق بیک لفظ دیدیں مثلاً یوں کہا:"أنت طالق" یا"طلقتك ثلاثاً"، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی، اور بلاحلالۂ شرعیہ دوبارہ نکاح درست نہ ہوگا، محقق قول یہی ہے اگرچہ بعض حضرات نے غیرمدخولہ کیلئے طلاقِ مغلظہ کی صورت میں حلالہ کی شرط نہیں رکھی ہے، لیکن محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں اس پر شدید رد فرمایا ہے، شامی میں ہے:

"وقد بالغ المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ في رده حيث قال في اخرباب الرجعة: لافرق في ذلك: أي اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولاً بها أولا، لصريح إطلاق النص. وقد وقع في بعض الكتب أن غير المدخول بها تحل بلازوج، وهوزلةٌ عظيمةٌ مصادمةٌ للنص والإجماع، لايحل لمسلم رآه أن ينقله فضلاً عن أن يعتبره؛ لأن في نقله إشاعةً، وعند ذلك ينفتح باب الشيطان". شامی: ٢/٦٢٣(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۸ھ۔

مراہق سے حلالہ

سوال[۶۶۱۲]: طلاقِ مغلظہ میں مطلقہ عورت کا مراہق حلالہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور مراہق کس عمر تک کے لڑکے کو کہتے ہیں، اور اگر مراہق حلالہ کرسکتا ہے تو طلاق بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

محمد صدیق، لیکچرار عربی وفارسی، الہ آباد یونیورسٹی.

---

(١) (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣/٢٨٦، باب طلاق غيرالمدخول بها، سعيد)

(والفتاویٰ العالمكيرية: ١/٣٧٣، الباب السادس في الرجعة، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، رشيديه

(وكذا في بدائع الصنائع: ٤/٢٩٨، فصل فيما يرجع إلى المرأة، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (ردالمحتار: ٣/٢٨٥، كتاب الطلاق، باب طلاق غيرالمدخول بها، سعيد)

(وكذافي فتح القدير: ٤/١٧٧، ١٧٨، فصل فيما تحل به المطلقة، مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية: ١/٤٧٣، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مراہق حلالہ کرسکتا ہے، لیکن طلاق بعد بلوغ دے گا، اس سے پہلے جائز نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ بالغ سے حلالہ کرائے۔ مراہق وہ ہے جس کو شہوت ہوتی ہے اور جماع کرسکتا ہے، اس کی عمر کم از کم دس سال ہو:

"لاینکح مطلقة بها: أی بالثلاث حتی یطأها غیره ولومراهقاً یجامع، وقدره شیخ الإسلام بعشر سنین، ولابد أن یطلقها بعد البلوغ؛ لأن طلاقه غیر واقع". شامی: ۲/۸۳۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

حلالہ بذریعہ مراہق

سوال[۶۶۱۳]: ۱..... ایک عورت جس کو تین صریح طلاق دے دی گئی تھی اور عدت گذرنے کے بعد اس نے ایک مراہق سے-جس کی عمر تقریباً ۱۴/ سال یا ۱۵/ سال کی تھی- شادی کرلی، اور اس مراہق نے صحبت کے بعد پھر تین طلاق دے دی۔ تو مراہق کی طلاق ہوجائے گی یا نہیں، کیونکہ یہ ابھی سنِ بلوغ کو تو پہنچا نہیں؟

۲..... اور اگر یہ طلاق نہیں واقع ہوگی تو یہ مراہق اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا اس طلاق کی وجہ سے جو کہ اس نے مراہق ہونے کی حالت میں دی یہ بیوی اس پر حرام ہوجائے گی؟

۳..... اگر یہ طلاق جو کہ مراہق ہونے کی حالت میں دی اور طلاق واقع نہیں ہوئی تو آیا یہ سنِ بلوغ کے بعد یہی طلاق، طلاق ہوجائے گی، یا پھر سے طلاق دینا ہوگا، اور یہ طلاق معتبر نہ ہوگی؟

۴..... اگر اس مراہق نے مطلقہ عورت سے نکاح کرکے جماع نہ کیا اور تین طلاق دیدیا تو یہ طلاق

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، باب الرجعة، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتار خانية: ۳/۲۰۳، الفصل الثالث والعشرون بنكاح المحلل، إدارة القرآن كراچی)

معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر نہیں تو کیا یہ مراہق اپنی بیوی سے جس کو اپنے مراہق ہونے کی حالت میں طلاق دیدیا، پھر جماع کر کے حلال کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ طلاق خارج ہوگی، اور زوجِ ثالث سے نکاح کر کے تب حلالہ کرانا پڑے گا۔

۵.....اگر مراہق نے مطلقہ عورت سے شادی کر کے جماع کر کے تین طلاق دیدیا تو عدت اس طلاق کے بعد سے شمار کی جائے گی یا جب وہ بالغ ہوگا پھر سے طلاق دے گا اور عدت اس وقت سے شمار کرنا ہوگا، یا یہی طلاق کافی ہوگی، بلوغت کے بعد پھر سے طلاق دینے کی ضرورت نہ رہے گی؟ عدت کے شمار کرنے کے لئے وقت تعیین مفصل تحریر فرمایئے۔

۶.....امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنے برس کے لڑکے پر بلوغ کا فتویٰ ہے اور بالغ ہونے کی کیا علامت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی اگرچہ وہ مراہق ہو، پس صورتِ مسئولہ میں اس مراہق کی طلاق واقع نہیں ہوئی:

"لاینکح مطلقةً بالثلاث حتی یطأها غیره ولو مراهقاً، هو الداني من البلوغ، نهر. ولابد أن یطلقها بعد البلوغ؛ لأن طلاقه غیر واقع، درمنتفی عن التاتارخانیة، الخ". درمختار وشامی: ۸۳/۲(۱)۔

۲.....حرام نہیں ہوئی بلکہ جماع کرسکتا ہے۔

۳..... زمانۂ مراہقت کی طلاق بالکل غیر معتبر ہے، پہلے شوہر کے واسطے حلال ہونے کے لئے بعد بلوغ طلاق ضروری ہے(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۰۹/۳، ۴۱۰، باب الرجعة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۷۳/۱، الباب السادس، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۰۳/۳، الفصل الثالث والعشرون فی المسائل المتعلقة بنکاح المحلل، ومایتصل به بنکاح المحلل، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

۴ ..... یہ طلاق بھی معتبر نہیں، جماع کرکے بعد بلوغ طلاق دیدے گا تو شوہرِ اول کے لئے حلال ہوجائے گی، کسی اَور شخص کی ضرورت نہیں۔

۵..... جب بالغ ہوکر طلاق دے گا تو اس وقت عدت کا اعتبار ہوگا(۱)، مراہق کی نہ طلاق معتبر ہے، نہ اس کی طلاق سے عدت واجب ہوتی ہے، نہ اس سے وہ عورت مراہق پر حرام ہوتی ہے، نہ شوہرِ اول کیلئے حلال ہوتی ہے(۲)۔

۶..... احتلام ہونے لگے، یا انزال ہونے لگے، یا اس کے جماع سے استقرارِ حمل ہوجائے، مرد کے لئے یہ علامتیں بلوغ کی ہیں، اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک ۱۵/ سال پورے ہونے پر بلوغ کا فتویٰ دیدیا جاتا ہے:

"بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، ويُفتي بالبلوغ فيه بخمسة عشر سنةً، الخ".

تکملة: ۱/ ۸٤(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۸/۹/۵۹ھ۔

---

(۱) "ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق، وفي الوفاة عقيب الوفاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۵۳۱، الباب الثالث عشر في العدة، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۵۲۰، كتاب الطلاق، باب والعدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲٦۰، باب العدة، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) (راجع، ص: ۴۹۹، رقم الحاشية: ۱)

(۳) لم أجده في تكملة ردالمحتار، وقد قال العلامة الحصكفيؒ: "بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض الحبل، فإن لم يوجد فيهما شيئٌ فحتى يتمّ لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتي". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۱۵۳، كتاب الحجر، فصلٌ بلوغ الغلام بالاحتلام، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحجر، معرفة البلوغ بالاحتلام: ۶/ ۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ٦۱، كتاب الحجر، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۱۵۳، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، رشيديه)

نابالغ کےذریعہ حلالہ

سوال[۶۲۱۴]: قطعی یعنی مغلظہ طلاق کے بعد عورت کا حلالہ ایک نابالغ لڑکے سے کرکے پھر اس سے طلاق دلوا کر بعد عدت پھر پہلے شوہر سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایسا فتویٰ بھی ان حضرات کے پاس موجود ہے، ان کے قول کے مطابق آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا نابالغ، بالغ ہونے کے قریب ہو تب بھی اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی: "لا یقع طلاق الصبي، الخ". (۱)۔ لہٰذا یہ حلالہ صحیح نہیں ہوا، اور پہلے شوہر کے لئے وہ عورت حلال نہیں ہوئی بلکہ حرام ہی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

ارتداد سے حلالہ ساقط نہیں ہوتا

الاستفتاء [۶۲۱۵]: زید نے ہندہ کو طلاق دے دی، اس کے بعد پھر ہندہ زید سے نکاح کی خواہش کرنے لگی، مگر زید انکار کرتا ہے، ہندہ نے مجبوراً اپنا مذہب بدل دیا۔ جب زید کو معلوم ہوا تو ہندہ پر اب حلالہ واجب رہا یا نہیں؟ طلاق کے وقت ہندہ کی گود میں دو ماہ کا بچہ تھا، ہندہ ساڑھے تین ماہ کے بعد مرتد ہوئی

---

(۱) (الدرالمختار: ۳/۲۴۲، ۲۴۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۵۳، فصل فیمن یقع طلاقه ومن لا یقع طلاقه، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۳/۳۴، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۲) "لاینکح مطلقة بالثلاث حتی یطأها غیره ولو مراهقاً، هو الداني من البلوغ، نهر. ولابد أن یطلقها بعد البلوغ؛ لأن طلاقه غیر واقع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۰۹، ۴۱۰، باب الرجعة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۲۰۳، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنکاح المحلل ومایتصل به، إدارة القرآن کراچي)

تھی، صلاح یہ ہے کہ زید کا نکاح اب ہندہ سے (بلا حلالہ) ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حرکت سے بھی حلالہ ساقط نہیں ہوگا، مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، وہ عدت بھی ساقط نہیں ہوگی، جب تین حیض پورے ہوجائیں تب کسی اور سے نکاح کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۵ھ۔

مطلقہ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے نکاح

سوال[۶۲۲۱]: زید اپنی بیوی کو بدیں الفاظ متعدد مجالس میں طلاق دیتا ہے کہ اپنے مکان رہائش سے پردہ دار منکوحہ کو گھسیٹ کر دروازہ سے باہر کرکے یہ الفاظ ادا کرتا ہے کہ "یہ میری بیوی ہے، اس کو شرع محمدی کی رو سے ایک طلاق، اس کو شرع محمدی کی رو سے دو طلاق، اس کو شرع محمدی کی رو سے تین طلاق"۔ اور یہ الفاظ مجمع عام میں کہتا ہے، مگر اس وقت اس کی حالت عینِ غضب ناک ہے، قبل اس کے کہ یہ الفاظ ادا کرتا اسٹامپ قیمتی ۵/ روپیہ لے کر اس پر طلاق نامہ لکھا کر حاشیہ کے دو گواہ معتبر کے دستخط کرا کر یہ بات بعد ازاں اپنی عورت کے اظہار کرتا ہے کہ وہ طلاق سے بے خبر نہ رہے، مگر وہ عورت اپنی اولاد کو نہ چھوڑتے ہوئے پھر اس گھر میں داخل ہوگئی اور اپنی زبان نامعتبر سے یہی کہتی ہے کہ مجھے طلاق نہ ہوئی اور نہ میں گھر چھوڑ کر جاؤں گی۔

اور بعد چندے جس وقت زید کا غصہ فرو ہوا، اور لوگوں کے طعن وتشنیع سے پشیمان ہوا تو کہنے لگا کہ میں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"وينكح مبانته في العدة وبعدها لا المبانة بالثلاث لو حرةً، وبالثنتين لو أمةً، حتى يطأها غيره ولو مراهقاً بنكاح صحيح و تمضي عدته، لا بملك يمين. .... دخل في قوله: (لا بملك يمين) ثلاث صور: .... الثالثة: لو كانت تحته حرة، فطلقها ثلاثاً، ثم ارتدت ولحقت بدار الحرب، ثم استرقها، لم تحل حتى تتزوج بزوج آخر". (البحر الرائق: ۴/۹۴، ۹۵، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/۱۶۵، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۳، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

شرعی طور پر فیصلہ چاہتا ہوں، اگر شریعت بغیر حلالہ اجازتِ نکاح دے تو میں نکاح کرتا ہوں۔

۱- نیز یہ معاملہ ڈیڑھ سال اسی طرح رہا کہ زید نے رنجش کے سبب عورت سے رغبت اور رجوع نہیں کیا۔ چنانچہ مورخہ ۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۵۷ھ، کو زید نے ایک جلسہ کی صورت بنا کر علماء سے استصواب اور مشورہ لیا، بلکہ علماء کو آپس میں موقعہ بحث ونظر دیا، چنانچہ ایک عالم شخص نے فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ صاحب کی اس صورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیا کہ نکاح بغیر تحلیل عند الشافعی جائز ہے اور بلا حلالہ کرادیا ہے۔ صورت فتویٰ مولانا عبدالحیٔ صاحب کی یہ ہے:

''سوال: ایک شخص اپنی عورت کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے کر مغلظہ کر دیتا ہے تو کوئی ایسی صورت ہے کہ جس سے وہ شخص بغیر تحلیل دوبارہ اس عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے''؟

تو اس کا جواب فتاویٰ عبدالحیٔ صاحب میں لکھا ہے کہ: ''اگر احتمالِ مفاسدِ زائدہ ہو، اگر حلالہ کرایا جائے تو اس کی صورت بغیر تحلیل یہ ہے کہ وہ عورت اس کے پاس آسکتی ہے بغیر تحلیل، اگر احتمال مفاسد ہو کہ چوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ طلاق مغلظہ ہی ثابت نہیں ہوئی، اس واسطے بوقتِ ضرورتِ شدید تقلید مذہب دوسرے کی کرنی جائز ہے، چنانچہ زوج مفقود الخبر کے معاملہ میں مذہبِ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہی تقلید احناف کرتے ہیں، اسی طرح عورت ممتدۃ الطہر کی بابت بھی''۔

علیٰ ہٰذا القیاس اسی طرح چار پانچ تمثیل بیان کی گئی ہے کہ تقلید عند الضرورۃ الشدیدۃ مذہب غیر کی جائز ہے، ثابت کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ کسی شافعی المذہب عالم سے استفسار کرکے نکاح کردیا جائے۔

۳- اور جس عالم شخص نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ نکاح بغیر تحلیل کردو، بلکہ نکاح بلا تحلیل کرادیا ہے، اس صورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کردیا جائے اور احتمالِ مفاسد زائدہ کا بھی فی الواقع موجود تھا کہ اگر نکاح نہ کیا جاتا تو وہ عورت خودکشی کرتی اور چھوٹی چھوٹی اولاد تباہ وبرباد ہوتی۔ اور اسی عورت سے ایک لڑکی بالغ جو کہ صاف تصریح الفاظ میں باپ سے کہتی ہے کہ اگر تو میری ماں سے دوبارہ نکاح نہ کرے گا تو میں نکاح ہرگز نہ کروں گی، یا کہیں چلی جاؤں گی۔ غرض یہ کہ بظاہر خانہ بربادی کا واقعہ معرضِ صدور میں آنے کا احتمال تھا، اس واسطے اس عالم شخص

نے فتویٰ دے دیا ہے۔

۴- چوں کہ بغیر حلالہ نکاح کردینے میں عام لوگ یعنی باشندگانِ دیہہ نے زید سے ترکِ اکل وشرب کردیا ہے اور عالم سے بدظن ہوگئے ہیں کہ ہم کو اس نے حرام کرادیا ہے۔

۵- کیا یہ معاملہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو فبہا اور اگر صحیح نہیں تو زید کے ساتھ تعامل اکل وشرب کیسا ہے؟ اور جس عالم صاحب نے فتویٰ دیا ہے اس کا کیا حال ہے؟ بینوا توجروا عند اللہ أجراً عظیماً بحوالۃ الکتب الفقھیۃ العربیۃ المعتبرۃ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ ضرورتِ شدیدہ شرائطِ مخصوصہ کے ساتھ حالتِ مخصوصہ میں (کہ ان سب کی تفصیل اپنے محل میں موجود ہے) عمل کرنا تو بعد کی چیز ہے، اول تو یہ دیکھنا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں شافعیہ کا یہ مذہب ہے بھی یا نہیں؟ شافعیہ کی معتبر کتاب ''شرح منہاج الطالبین'' میں ہے:

"وإن قال: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وتخلل فصلٌ بين هذا الصيغ كأن سكت بينها فوق سكتة التنفس ونحوها، فثلاثٌ، فإن قال: أردت التأكيد، لم يقبل ويُديّن. وإلا: أي وإن لم يتخلل فصل، فإن قصد تاكيداً بعد الأُولىٰ لها، فواحدة؛ لأن التأكيد في الكلام معهود، والتكرار من وجوه التأكيد، أو استينافاً، فثلاث، اھ". والبسط في الحاشية وغيرها. ٢/٣٣٧"(١)۔

---

(١) "وفي المهذب: وقال في الأم -بعد قوله: وإن قال للمدخول بها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق: "يقع الثلاث؛ لأن اللفظ الثاني والثالث كاللفظ الأول، فإذا وقع بالأول طلاق، وجب أن يقع بالثاني والثالث مثله". (المهذب مع شرحه المجموع، باب عدد الطلاق والاستثناء فيه فصل: إذا قال للمدخول بها أنت طالق أنت طالق أنت طالق: ١٨/٢٥٠، دار الفكر)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ١/٤٧٣، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٣/١٦٢، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دار الكتب العلمية بيروت)=

جب لفظ طلاق معمولی فصل سے بھی بلا رسم عدد تین مرتبہ کہنے سے ارادہ تاکید قضاءً مقبول و معتبر نہیں تو مجالسِ متعددہ میں اور وہ بھی ایک دو تین کی تصریح کے ساتھ کہنے سے تو کسی حال میں ارادۂ تاکید معتبر نہیں ہوسکتا، بلکہ اس میں تاکید کا کوئی بعید احتمال بھی نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، بلا حلالہ کسی طرح شافعیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ شیخ ابن حجرؒ شافعی فتح الباری شرح بخاری: ۹/ ۳۱۸، میں تحریر فرماتے ہیں:

"إن المطلقة ثلاثاً لاتحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغةً وشرعاً، اھ"(۱)۔

مجموعۂ فتاویٰ میں جو صورت مذکورہ ہے وہ اور ہے اس میں مجالسِ متعددہ کا واقعہ نہیں، بلکہ ظاہرِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس کا ذکر ہے، نیز اس میں ایک دو تین کا ذکر نہیں، لہٰذا ان کے مذہب کے موافق اس میں احتمال ہے کہ دوسرے اور تیسرے مرتبہ کو اول کی تاکید کیا جاوے، اس لئے وہ نیت پر مدار رکھتے ہیں، جیسا کہ شرح منہاج کی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور صورت مسئولہ میں تعددِ مجالس، نیز ایک دو تین کی تصریح کے ساتھ تاکید کا کوئی احتمال نہیں رہا، پس مجموعۂ فتاویٰ پر صورت مسئولہ کو قیاس کرنا فہم وقیاس سے بہت بعید ہے۔

پھر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی شرائط کا مسئلہ علیحدہ رہا کہ اس صورت میں یہ جائز ہے یا نہیں، پس بلا تحلیل کے ان عالم کا دوبارہ نکاح کردینا شافعیہ کے نزدیک بھی کسی طرح جائز نہیں۔ نیز نصِ قطعی ﴿فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾(۲) کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ شارحِ بخاری شافعی کے کلام سے اس کی تصریح ہے کما مر، لہٰذا دونوں میں تفریق واجب ہے۔

نکاح کرنے والے، شریک ہونے والے، عورت ومرد سب کے ذمہ واجب ہے کہ دونوں میں تفریق

= (وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۱، باب الرجعة، سعيد)

(۱) (فتح الباري: ۹/ ۳۶۵، باب من جوّز طلاق الثلث، دار الفكر، بيروت)

"وذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبوثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون على من طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري للعيني: ۲۰/ ۲۳۳، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث، مطبع أمين بيروت)

(۲) (سورة البقرة: ۲۳۰)

کرائیں اور بعد عدت باقاعدہ دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کرے، پھر اگر وہ دوسرا شخص طلاق دیدے یا مرجائے (بشرطیکہ جماع کی نوبت آچکی ہو) تو عدت گزار کر اس عورت کا زید سے نکاح درست ہوگا (۱)۔ اور جب تک تفریق میں سعی نہ کریں گے تو یہ سب گناہ میں مبتلا رہیں گے اور زید اور عورت زنا کرتے رہیں گے۔ ان عالم کو مجمع عام میں جس میں نکاح کرایا ہے اعلان کرنا واجب ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے مسئلہ غلط بتایا، اب توبہ کرتا ہوں۔ اگر باوجود کوشش کے زید اس عورت سے علیحدہ نہ ہو تو برادری کے لوگوں کو ان سے ترکِ تعلق کردینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۵۷ھ۔

تین طلاق کے بعد توبہ سے حلالہ نہیں ہوتا

سوال [۶۶۱۷]: میرے دوست نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی، اس کے بعد وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، جب ہم نے کہا تو جواب دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ شرک کے گناہوں کو معاف کردیتے ہیں (توبہ کے بعد) تو ہم نے بھی طلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بھی معاف کردیں گے۔ اس مسئلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ کا حاصل یہ ہے کہ اس گناہ کو بالکل چھوڑ دے (۲)، یہ مطلب نہیں کہ توبہ کا لفظ ہی زبان سے کہتا

---

(۱) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۳، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/۴۰۹، ۴۱۱، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۰۳، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "التوبة النصوح الندم بالقلب، والاستغفار باللسان، والإضمار أن لا يعود إليه أبداً". (تنبيه الغافلين. ص: ۵۵، الحقانيه پشاور) =

رہے اور گناہ میں مبتلا بھی رہے، یہ توبہ نہیں، یہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ مذاق ہے۔ مشرک اگر اپنے شرک سے باز آجائے اور کبھی اس کے پاس نہ جاوے تو اس کی توبہ قبول ہے، لیکن توبہ کا لفظ بھی بولتا رہے اور شرک بھی کرتا رہے، تو وہ مشرک ہی ہے اس کی توبہ توبہ ہی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا (۱)۔ تین طلاق کے بعد اگر بغیر حلالہ کے آدمی عورت کو رکھتا ہے اور توبہ کا لفظ بولتا رہتا ہے تو اس سے نہ وہ عورت حلال ہوئی ہے (۲)، نہ گناہ معاف ہوتا ہے، بلکہ ایسا آدمی سخت سزا کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور اپنی پناہ میں رکھے اور نفس وشیطان کے فریب سے بچائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۱۳۸۷ھ۔

تین طلاق کے بعد نکاح کے لئے حلالہ ضروری ہے

سوال [۲۲۱۸]: ا......ایک شخص اپنی عورت کو تین چار بار یہ لفظ کہتا ہے کہ "تجھ کو طلاق دیتا ہوں،

= "أن لها (أي للتوبة) ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لا يعود إليها أبداً". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۵۴، كتاب التوبة، قديمي)

"التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، و أن يندم على فلعها، و أن يعزم عزماً جازماً على أن لا يعود إلى مثلها أبداً". (روح المعاني للعلامة الآلوسي: ۱۵۸/۲۸، (سورة التحريم: ۸)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنه من يشرك بالله، فقد حرّم الله عليه الجنة، ومأوٰه النار﴾ (المائدة: ۷۲)

"عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه ..... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من مات يشرك بالله شيئاً، دخل النار". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۶۶/۱، باب الدليل على أن من مات لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (البقرة: ۲۳۰)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس، فصل في ماتحل به المطلقة وما يتصل به، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۲/۳، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، دارالكتب العلمية، بيروت)

میں تجھ کونہیں رکھتا، اگر رکھوں تو ماں بہن کر کے رکھوں"۔ ان الفاظ کے کہنے کے بعد اس کی عورت کو کون سی طلاق ہوئی؟ اور مرد پھر اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو کیا صورت ہے؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... تین مرتبہ صریح الفاظ میں طلاق دینے سے مغلظہ ہوجاتی ہے(ا)، پھر اگر نکاح کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ شریعت کے مطابق نکاح کرے اور وہ شخص اس سے صحبت کرے، پھر اس کو طلاق دے، یا مرجاوے، پھر عورت عدت گزارے، تب اس عورت کا نکاح اس تین طلاق دینے والے سے درست ہوگا، اس سے قبل درست نہیں ہے:

قال العلامة الحصكفيؒ: "وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة و بعدها بالإجماع، لامطلقةً بها: أي بالثلاث لو حرةً وثنتين لو أمةً حتى يطأها غيره بنكاح نافذ، وتقضي عدته: أي الثاني"۔ درمختار: ١٧٤ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

اجرت دے کر حلالہ کرانا

سوال[٦٦١٩]: یہاں پر اکثر لوگ عورتوں کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور پھر کسی مرد کو پیسہ دے

---

(١) "لو كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد، دُيّن". (الدر المختار: ٣/ ٢٩٣، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٣٥٥، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/ ٢٨٨، نوع آخر في تكرار الطلاق وإيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

(٢) (الدر المختار على تنوير الأبصار: ٣/ ٤٠٩، ٤١٢، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٤٧٢، ٤٧٣، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ٣/ ٢٠٣، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة بنكاح المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن)

کراس عورت سے نکاح کرادیتے ہیں، وہ مرد طے شدہ معاہدہ کے تحت دوایک روز کے بعد طلاق دیتا ہے، پھر عورت کی عدت گذرنے کے بعد خود اس سے نکاح کرلیتے ہیں۔ یہ نکاح ہوتا ہے یا نہیں اور ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے مفصل جواب عنایت فرمائیں گے تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو ہدایت حاصل ہو۔

صدرالدین ترنگانو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر نکاح کرنا کہ دوایک روز کے بعد طلاق دیدینا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے، اگرچہ ایسے نکاح کے ذریعہ دخول کے بعد طلاق دے دینے سے عورت شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے گی، جب کہ عدت گذار کر دوبارہ نکاح کیا ہو، کذافی البحر الرائق (۱) ورد المحتار (۲) والهندية (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح بشرطِ تحلیل

سوال [۶۲۲۰]: ما قولكم رحمكم الله تعالىٰ؟

۱..... زید مطلقۂ ثلاثہ سے نکاح کرنے کے لئے حیلہ کرکے زوجۂ مطلقہ کا نکاح عمرو سے روپیہ دے کر

---

(۱) "كره بشرط التحليل للأول: أي كره التزوج لثاني بشرط أن يحلها للأول بأن قال: تزوجتك على أن أحللك له، أوقالت المرأة ذلك........ والمراد بالكراهة كراهة التحريم، .... لماروى النسائي والترمذي وصححه مرفوعاً: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحلل والمحلل له"......... وهل هذاالشرط لازم؟ .... قال الإمام: النكاح والشرط جائزان حتى إذا أبى الثاني طلاقها، أجبره القاضي على ذلك، وحلت للأول". (البحر الرائق: ۹۶/۴، ۹۷، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(۲) "وكره التزوج للثاني تحريماً، لحديث: "لعن الله المحلل والمحلل له". بشرط التحليل وإن حلت للأول". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۱۴/۳، باب الرجعة، سعيد)

(۳) "رجل تزوج امرأةً ومن نيته التحليل، ولم يشترطا ذلك، تحل للأول بهذا، ولايكره، وليست النية بشيء، لوشرطا يكره، وتحل عند أبي حنيفة وزفر رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۴/۱، ۴۷۵، الباب السادس في الرجعة، فصل فيماتحل به المطلقة، رشيديه)

کراتا ہے مگر اس میں دو شرط ہیں: دو روز ختم ہونے پر طلاق دینا اور وطی نہ کرنا، چنانچہ عمرو نے شرطین مذکورین کو پوری کی۔ اب دریافت یہ ہے کہ زید کا نکاح دوبارہ اسی عورت سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... زید مطلقۂ ثلاثہ سے پھر نکاح کی غرض سے اس کا نکاح عمرو سے کراتا ہے مطلقاً یعنی بلا تعیینِ مدت وبغیر شرطِ وطی کے، لیکن اجرت برابر مقرر ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس مطلقہ ثلاثہ سے زید کا دوبارہ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

۳...... نکاحِ متعہ جائز ہے یا نہیں؟

۴...... زید اجرت دے کر عمرو سے ہندہ کا نکاح متاعاً کرتا ہے، اب ہندہ مذکورہ سے شرعاً زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور محلل ومحلل لہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ معاملہ مذکورہ اگر شرعاً ناجائز ہے تو جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور حکمِ جواز لگاتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور خورد ونوش ان کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

مسائلِ مذکورہ متصدرہ کا جواب مدلل مع حوالۂ کتب وصفحہ تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن اکیابی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مطلقۂ ثلاث کا زوجِ اول کے لئے حلال ہونا مشروط ہے دو شرطوں کے ساتھ: اول یہ کہ زوجِ ثانی سے وہ عورت نکاحِ ثانی کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ زوج اس عورت سے جماع کرے، پھر اگر ان دونوں کے درمیان شرعی جدائی طلاق، خلع، موت زوج وغیرہ کی وجہ سے ہو کر عورت کی عدت گزر جائے تب وہ زوجِ اول کے لئے حلال ہوگی، اس سے پہلے ہرگز حلال نہیں۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح عورت مطلقہ مذکورہ سے ناجائز ہے، کیوں کہ زوجِ ثانی سے جماع نہیں ہوا:

"ولا تحل الحرة بعد الطلقات الثلاث ...... لقوله تعالى: ﴿فإن طلقها، فلا تحل له من بعد﴾۔ الآية، إلا بعد وطي زوج آخر بنكاح صحيح، فيخرج الفاسد، و نكاح غير الكفو إذا كان لها ولي، على ما عليه الفتوى، والنكاح الموقوف، و مضى عدته: أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. وشرط وطي الزوج بالكتاب، وهو قوله تعالى: ﴿حتى تنكح زوجاً غيره﴾، والمراد منه الوطي حملاً للكلام على الإفادة دون الإعادة، فإن العقد قد استفيد

بإطلاق اسم الزوج في النظم لكن فيه مناقشة. و وجه آخر في شروح الهداية فليطلب، أو بالأحاديث المشهورة؛ لأنها تجوز بها الزيادة على النص إن كان المراد العقد، وإن كان الوطى فلا إشكال، و لم يخالف في ذلك إلا سعيد بن المسيب۔

وفي المبسوط: هذا قول غير معتبر، ولو قضى به قاض، لا ينفذ قضائه. وفي المنية: إن سعيدا رجع عنه إلى قول الجمهور، فمن عمل به اسود وجهه، و من أفتى به يعزر. وفي الخلاصة: فعليه لعنة الله و الملائكة والناس أجمعين". مجمع الأنهر: ۱/۴۳۸(۱)۔

اور بشرطِ تحلیل نکاح امام ابو یوسف کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوتا اور زوجِ اول کے لئے اس نکاح پر وہ مطلقہ حلال بھی نہیں ہوتی اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بشرطِ تحلیل نکاح ہو جاتا ہے لیکن زوجِ اول کے لئے حلال نہیں ہوتی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بشرطِ تحلیل نکاح مکروہ تحریمی ہوتا ہے اور شرط کی پابندی زوجِ ثانی پر نہیں ہوتی، تاہم بشرطِ تحلیل نکاح اور جماع کر کے اگر طلاق دے دے گا تو عدت گزارنے کے بعد زوجِ اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

و بسط دلائل الثلاثة الزيلعي تحت قول الكنز: "و كره بشرط التحليل للأول": ۲/۲۵۶(۲). وقال في البحر نقلاً عن فتح القدير: "و لا شك أن النكاح مما لا يبطل بالشروط الفاسدة بل يبطل الشرط، و يصح هو فيجب بطلان هذا، وأن لا يجبر على الطلاق. اهـ". بحر: ۴/۵۸(۳)۔ اور تعیینِ مدت کی وجہ سے یہ نکاح موقت ہے جو کہ باطل ہے۔

۲...... اجرت مقرر کرنا ناجائز ہے اور اجرت کی شرط کرنے والے پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی

---

(۱) (مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/ ۴۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كماذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث: ۲/ ۷۹۱، قديمي)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/ ۱۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/ ۹۸، رشيديه)

ہے اور اجرت واجب بھی نہیں ہوتی:

"إنما لعن مع حصول الحل؛ لأن التماس ذلك واشتراطه في العقد هتكٌ للمرأة وإعارة النفس في الوطء لغرض الغير، فإنه إنما يطؤها ليعرضها لوطء الغير، و هو قلة حمية، و لهذا قال عليه الصلوٰة والسلام: "هوالتيس المستعار". وإنما كان مستعاراً إذا سبق التماس من المطلِّق، و هو محمل الحديث. و قيل: أراد به طالب الحل من نكاح المتعة والمؤقت، و سماه محللاً وإن لم يحلل؛ لأنه يعقده و يطلب الحل منه، وأما طالب الحل من طريقه لا يستوجب اللعن، اهـ". تبيين الحقائق: ۲/۲۵۹(۱)۔

"فإن تزوجها بشرط التحليل كره: أي يكره التزوج بشرط التحليل بالقول، بأن قال: تزوجتك على أن أحلّلك له، أو قالت المرأة ذلك، لقوله عليه السلام: "لعن الله المحلل والمحلل له". أما لو نويا ذلك بقلبهما، ولم يشترط بقولهما، فلا عبرة به. و قيل: الرجل مأجورٌ بذلك، وتأويل اللعن: إذا يشترط الأجر، اهـ". مجمع الأنهر: ۲/۴۳۹(۲)۔

پس اگر نکاح بغیر شرط مدت ہوا ہے اور عمرو نے اس عورت سے جماع کرکے اس کو طلاق دیدی ہے تو بعد عدت زید کا نکاح اس عورت سے صحیح ہے اور اگر مدت کی تعیین کر کے نکاح کیا یا بغیر جماع کے طلاق دیدی تھی تو زید سے اس کا نکاح صحیح نہیں۔

۳......ناجائز ہے:"و نكاح المتعة باطل، اهـ". هدايه (۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱۶۵/۳، ۱۶۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/ ۴۳۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۹۷/۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب النكاح: ۳۱۲/۲، مكتبه شركة علميه)

"و بطل نكاح متعة و مؤقت وإن جهلت المدة أو طالت في الأصح". (رد المحتار، باب المحرمات: ۵۱/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/ ۳۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم التاسع: المحرمات بالطلقات: ۲۸۲/۱، رشيديه)

۴......نکاح متعہ باطل ہے، جیسا کہ جواب نمبر:۳ میں عبارتِ ہدایہ صراحۃً اس پر دال ہے اور ایسی صورت میں وہ عورت زید کے لئے حلال نہیں ہوئی جیسا کہ جواب نمبر:۲ میں عبارتِ تبیین سے معلوم ہوا ہے اور محلل ومحلل لہ دونوں مستحقِ لعنت ہیں اور سخت گنہگار ہیں جیسا کہ جواب نمبر:۲ میں عبارتِ مجمع الأنھر سے ظاہر ہے۔

جولوگ اس کے جواز کے قائل ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، ان کو مسئلہ سمجھا دیا جائے اوران سے توبہ کرائی جائے، اگر وہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے اپنے عقیدۂ فاسدہ اور قولِ باطل سے باز نہ آئیں تو ان سے قطع تعلق کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

نکاح بنیتِ تحلیل

سوال[۶۶۲۱]: زید نے اپنی مطلقہ ہندہ سے بعد انقضاء عدت یوں کہا کہ اگر تو کسی سے نکاح کرے اور وہ تجھے طلاق دے دے تو میں پھر تجھ سے عقد کروں گا اور اگر تو اس کے پاس بخوشی رہنا چاہے تو بھی مجھے منظور ہے اور میں ہر دو حال میں تیرے نکاح میں امداد دوں گا کیونکہ تیری بے بسی پر رحم آتا ہے۔

چنانچہ حسبِ وعدہ اس نے ہندہ کے نکاح میں مدد کی لیکن ہندہ نے شوہر ثانی سے اس شرط سے نکاح کیا کہ تیری زوجیت سے خارج ہونے کا مجھے اختیار ہوگا یعنی جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق عائد کرلوں گی، چنانچہ نکاح کے وقت شوہر ثانی نے یہ شرط منظور بھی کی۔ اب ہندہ نے حسبِ شرط شوہر ثانی کے نکاح سے خارج ہو کر بعد انقضائے عدت شوہر اول سے عقد کیا۔

۱......کیا یہ نکاح مذہب حنفی میں جائز ہوگا یا نہیں؟

۲......کیا شوہر اول محلل لہ، اور شوہر ثانی محلل کے گناہ کا مرتکب سمجھا جائے گا یا نہیں؟

۳......شوہر اول نے اگر واقعی نیک نیتی سے اس کی بے بسی پر رحم کر کے ایسا کیا ہے تو وہ مستحقِ اجر ہوگا؟

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر ثانی سے ہمبستری کے بعد ہندہ نے حسبِ شرط اپنے اوپر طلاق دی ہے تو شوہرِ اول سے اس کا نکاح درست ہے، بغیر ہم بستری یہ سب کچھ کیا ہے تو صحیح نہیں بشرطیکہ شوہر اول نے تین طلاقیں دی ہوں، اگر تین طلاق سے کم دی تھیں تو بہر صورت صحیح ہوگا اور یہ شرط کہ تیری زوجیت سے خارج ہونے کا اختیار ہوگا صراحۃً شرط تحلیل نہیں، اگر صراحۃً تحلیل کر لی جاوے تو یہ مکروہ تحریمی ہے جس سے گناہ ہوتا ہے۔

اور محلل ومحلل لہ ہر دو وعید کے مستحق ہوتے ہیں کہ اگر صراحۃً شرط نہ کی جائے بلکہ دل میں نیتِ تحلیل ہو تو اس سے گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اجر ملتا ہے:

"وكره (النكاح) بشرط التحليل للأول: أي يكره التزوج بشرط أن يحلل له، يريد بشرط التحليل بالقول بأن تزوجتك على أن أحللك له، أو قالت المرأة ذلك. وأما لو نويا ذلك في قلبهما، ولم يشترط بالقول، فلا عبرة به، ويكون الرجل مأجوراً بذلك، لقصده الإصلاح، اهـ". زيلعي: ۲/۲۵۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۹ھ۔

جواب صحیح ہے، مگر نکاح سے قبل اس قسم کی شرط لگانے پر تفصیل ہے، جب تک معاملہ کی صورت اور ایجاب وقبول کی صورت نہ لکھی جائے، اصل تفویض کی صحت پر حکم لگانا بہت مشکل ہے، اگر کسی عالم سے دریافت کرکے یہ تفویض کی ترتیب حسبِ تصریح مفتی صاحب طلاق واقع کرنا صحیح ہوگا ورنہ اس کی تفصیل لکھ کر پھر حکم معلوم کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ ہذا۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة: ۱۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الرجعة: ۹۷/۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۲۳/۲، امداديه، ملتان)

طلاق کی نیت سے نکاح

سوال[۶۶۲۲]: ایک شخص نکاح اس نیت سے کرتا ہے کہ نفسانی خواہش ایک آدھ دن میں پورا کر کے طلاق دیدوں گا اور ایسے نکاح کرتے رہے تو کیا ایسی نیت کرنے والے کا یہ نکاح درست ہوگا؟ یا نکاح متعہ جیسا ہوگا؟ اگر جائز ہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ضابطہ میں تو نکاح منعقد ہو جائے گا(۱)، مگر نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مستحقِ وعید ہوگا(۲) بلا وجہ طلاق دینا خود مبغوض ہے(۳)۔ البتہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی، اب وہ پریشان ہے، اس کا گھر ویران ہے، اس کی پریشانی اور ویرانی کو دور کرنے کیلئے کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرلے اور ایک دورات رکھ کر طلاق دیدے تو انشاء اللہ ماجور ہوگا بشرطیکہ طلاق کی شرط نہ لگائی جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۴/۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) "وقيد بالمؤقت؛ لأنه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر، فإنه جائز؛ لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً، وبطل الشرط كما في القنية. ولو تزوجها وفي نيته أن يقعد معها مدةً نواها، فالنكاح صحيح؛ لأن التوقيت إنما يكون باللفظ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۹۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/۲۴۹، إمدادية ملتان)

(۲) "وإنما لامرئ ما نوى": .... أي جزاء الذي نواه من خير أو شر، أو جزاء عمل نواه، أو نيته دون ما لم ينوه، أو نواه غيره له، ففيه بيانٌ لما تثمره النية من القبول والرد والثواب والعقاب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، الحديث الأول، حديث النية: ۱/۹۹، ۱۰۰، رشيديه)

(۳) "أبغض الحلال إلى الله الطلاق". (ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۸، سعيد)

(۴) "أما إذا أضمرا ذلك لا يكره، وكان الرجل مأجوراً لقصد الإصلاح". (الدرالمختار). "(قوله: لقصد الإصلاح): أي إذا كان قصده ذلك لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب: حيلة إسقاط عدة المحلل: ۳/۴۱۵، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۴۲۳، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۷، رشيديه)

حلالہ کے بعد میاں بیوی کا نکاح جبکہ حلالہ کے گواہ منکر ہوں

سوال[۶۶۲۳]: زید مع اپنی بیوی کے گذراوقات کیلئے پردیس گیا ہوا تھا، وہیں اپنی بیوی کے ساتھ لڑکر اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بعد عدت کے وہیں پردیس میں ہی حلالہ کیلئے پوشیدہ طریقے سے دو گواہ ایک نکاح پڑھانے والا بلاکر عمر سے نکاح پڑھوایا، عمر نے استعمال کرکے طلاق دیدی۔ اب زید مع اپنے بچوں اور اس عورت کے اپنے وطن آگئے، اب زید اور یہ عورت بکر سے کہتے ہیں کہ تم ہمارا نکاح پوشیدہ طور پر پڑھوادو۔ زید پابندِ صلوٰۃ وصوم نہیں ہے اور قسم کھاتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کا حلالہ کرایا ہے اور تُو میرا نکاح پڑھادے۔ عورت بھی شریعت کی پوری پابند نہیں، لیکن قسم کھاتی ہے کہ عمر سے میرا نکاح ہوا اور اس نے استعمال کرکے طلاق دیدی۔

بکر نے حلالہ والے نکاح کے گواہوں کے پاس اور نکاح پڑھانے والے اور اس عمر کے پاس خط لکھے، گواہوں اور نکاح پڑھانے والے کی طرف سے لاعلمی کا جواب آیا اور عمرو ہاں سے لاپتہ ہے۔ اب معلوم طلب بات یہ ہے کہ شرع کے عتبار سے زید اور اس کی بیوی کی بات قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سوچنا چاہئے کہ زید اور اس کی مطلقہ بیوی کو اگر حرام کاری ہی مطلوب ہوتی ہے تو دوبارہ نکاح پڑھوانے کی کیا ضرورت تھی، جبکہ طلاق پردیس میں دی تھی، بغیر نکاح کے بھی ساتھ رہ سکتے تھے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے زید اور بیوی دونوں خود ہی نکاح کا ایجاب وقبول کرلیں مثلاً بیوی کہے کہ میں نے اپنا نکاح اتنے مہر پر آپ سے کیا، شوہر کہے کہ میں نے آپ کو اپنے نکاح میں قبول کیا۔ بس اس سے نکاح ہوجائے گا(۱)۔

---

(۱) "النكاح .... ينعقد بالإيجاب والقبول .... فإذا قال لها: أتزوّجك بكذا، فقالت: قد قبلت، يتم النكاح، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثا ني فيما ينعقدبه النكاح ومالا ينعقد: ۱/ ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۱/ ۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الأول في الألفاظ التي ينعقد بها النكاح: ۲/ ۵۷۹، إدارة القرآن كراتشي)

حلالہ والے نکاح خواں اور گواہوں نے جولاعلمی ظاہر کی ممکن ہے کہ ان کو تاکید کی گئی ہو کہ اس نکاح کو خفیہ رکھنا، اس وجہ سے انہوں نے ظاہر نہ کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۲ھ۔

حلالہ کی صورت

سوال[۶۶۲۴]: بغرضِ حلالہ زہرہ بالغہ ثیبہ کا نکاح جعفر سے بلاشرط کیا گیا۔ چونکہ زہرا کے والد نے امام کو نکاح کی اجازت دے دی تھی تو راز داری کی وجہ سے امام صاحب نے خود وکیل اور گواہ اول اور موذن صاحب کو گواہ ثانی بنا کر دونوں میں ایجاب وقبول کرایا، بعدہ دونوں میں مقاربت بھی ہوگئی۔ تو سوال یہ ہے کہ حلالہ جائز ہے یا نہیں؟ اور امام صاحب کا وکیل اور گواہ درست ہے یا نہیں؟ اور نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زہرہ اور جعفر دونوں موجود تھے، ان کے سامنے امام صاحب نے ایجاب وقبول کرایا ہے اور ایک مرد بھی ان کے علاوہ موجود تھا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا، مرد وعورت تو ایجاب وقبول کرنے والے قرار دیئے جائیں گے اور امام صاحب اور ایک مرد یہ دونوں شرعاً گواہ قرار دیئے جائیں گے، پھر مقاربت بھی صحیح ہوگی۔ اگر زہرہ وجعفر دونوں وہاں موجود نہیں ہیں، بلکہ صرف جعفر سے ایجاب وقبول کرادیا ہے اور صرف ایک آدمی اور تھا خواہ وہ زہرہ کے والد ہوں یا کوئی اَور، یا کوئی بھی نہیں تھا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، نہ ہی مقاربت درست ہوئی، نہ ہی اپنے پہلے شوہر کیلئے وہ حلال ہوگی (۱)۔

اب دوبارہ کم از کم دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرایا جائے (۲)۔ جو کوتاہی غلطی ہوگئی اس سے

(۱) "(ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد، جاز إن) كانت ابنته (حاضرةً؛ لأنها تجعل عاقدةً (وإلا لا). الأصل أن الآمر متى حضر، جعل مباشراً". (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/ ۲۵، سعيد)

(وانظر أيضاً مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۴۷۴، غفارية)

(والهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۷، شركة علميه ملتان)

(۲) "ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضور شاهدين حرين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

=

توبہ واستغفار کیا جائے، خود امام صاحب بھی توبہ استغفار کریں (۱)، آئندہ اس قسم کی چیز میں ہمیشہ احتیاط کریں، ایسی حالت میں ان امام صاحب کو امامت سے الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۴ھ۔

مطلقہ ثلاثہ کا نکاح بغیر حلالہ کے

سوال [۶۲۲۵]: ایک شخص نے مطلقہ ثلاثہ یا مطلقہ بائنہ سے نکاح دورانِ عدت میں کرلیا، لیکن نہ اس عورت سے صحبت کی نہ خلوتِ صحیحہ اور نہ ہاتھ لگایا، نیز عورت نے بھی عدت ہونے کے خیال سے تیل سرمہ، کسم وزعفران کپڑے، کسی کا استعمال نہ کیا۔ آیا ختمِ مدتِ عدت کے بعد دورانِ عدت والے نکاح سے صحبت حلال ہے یا حرام ہے؟ اور مرد پر دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اس سے متارکت واجب ہے اور بعد عدت دوبارہ نکاح کیا جائے تب صحبت حلال ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= و انظر أيضاً ملتقى الأبحر، كتاب النكاح: ۱/۴۷۲، غفارية)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: الخصاف كبير في العلم: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح و حين يمسي". (تنبيه الغافلين، باب الآخر من التوبة، ص: ۲۰، مكتبه حقانية بشاور)

"و اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت آية ﴿يا أيهاالذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، سعيد)

(۲) "و يجب مهر المثل في نكاح فاسد، وهو الذي فَقَدَ شرطاً من شرائط الصحة كشهود، الخ". (الدرالمختار). "(قوله كشهود) ومثله تزوج الأختين معاً، ونكاح الأخت في عدة الأخت، و نكاح=

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح میں رکھنا

سوال[۶۶۲۶]: ایک شخص بے روزگار و بے کار ہے، عیال دار ہے۔ اس کی بیوی بھی مزدوری سے تنگی کی حالت میں گذر اوقات کر رہی ہے۔ دونوں میں نکما ہونے کی وجہ سے نباہ نہیں ہوتا۔ خود جاہل وضدی ہونے کی وجہ سے اور بھاوج کے اشتعال دلانے سے متعدد مرتبہ جھگڑا ہو چکا اور ایک یا دو بار تین طلاق غصہ میں دے چکا ہے، پھر بھی ساتھ رہتا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو کہتا ہے کہ نہ میں نے دل سے طلاق دی نہ نیت تھی، بلکہ بھاوج کے کہنے سے ڈرانے کے لئے ایسا کہہ دیا ہے۔ اس صورت میں فرمائیں کہ شرعی کیا حکم ہے اور بناؤ کی کوئی صورت شرعی نکلتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر صاف لفظوں میں تین دفعہ طلاق دے دی چاہے بھاوج کے کہنے سے دی ہو تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں (۱)، بیوی کو چاہیے کہ وقتِ طلاق سے تین ماہواری گذار کر دوسرے

= المعتدة ...... بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، ۱۳۲، سعيد)

"إذا وقع النكاح فاسداً، فرّق القاضي بين الزوج والمرأة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد وأحكامه: ۳/۲۴۸، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله عزوجل: ﴿فإن طلّقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"﴿فلا تحل له من بعد﴾: أي من بعد ذلك التطليق ﴿حتى تنكح زوجاً غيره﴾: أي تتزوج زوجاً غيره، ويجامعها، فلا يكفي مجرد العقد .... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقالت: إنّي كنت عند رفاعة، فطلقني فبت طلاقي، فتزوجني عبدالرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب، فتبسم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لاحتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك". (روح المعاني، سورة البقرة: ۲/۱۴۱، دارإحياء التراث العربي بيروت) .... =

شخص سے باقاعدہ نکاح کرلے(۱)۔صاف لفظوں میں طلاق دینے کے لئے نیت کا ہونا اور دل سے دینا ضروری

= عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلقت، فسئل النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث: ۲/۱ ۹۷، قديمي)

"وأما الطلقات الثلاث: فحكمها الأصلي هو زوال الملك، وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج أخر". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/۳۰۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وفي ذلك حديث ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، فتزوجت بزوج آخر، لم تحل للأول حتى تذوق من عسيلته ويذوق من عسيلتها" (المبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق، الجلد الثالث، الجزء السادس، ص: ۱۰، غفاريه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۹ ۳۹، امداديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء". (سورة البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ والّٰئی يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم، فعدتهن ثلثة أشهر، و الّٰئي لم يحضن، وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾. (سورة الطلاق: ۴)

"وذكر في الأصل أن عليها العدة من وقت الطلاق، وفي الفتوى: عليها العدة من وقت الإقرار ...... قال في الهداية: ومشايخنا رحمهم الله تعالیٰ يفتون في الطلاق أن ابتداء ها من وقت الإقرار". (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۱ ۲۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا بلغ المرأة طلاق زوجها، أو موته، فعليها العدة من يوم مات، أو طلق؛ لأن العدة ليست إلا مدة ضربت لها لمناجزة عمل الطلاق، أو لأنها النكاح من كل وجه". (المحيط البرهاني، باب العدة: ۴/۳۳، رشيديه)

"(لو أقر بطلاقها منذ زمان) ماض، فإن الفتوى أنها من وقت الإقرار مطلقاً نفياً لتهمة المواضعة ...... (وجبت) العدة من وقت الإقرار، ولها النفقة والسكنى". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۳ ۵۱، سعيد)

نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۸۷ھ۔

بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا

سوال [۲۲۲۷]: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بعد میں بیوی چاہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہوں اور وہ شخص بھی اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے جس کی وہ بیوی تھی۔ اور طلاق کے متعلق دونوں شوہر و بیوی کہتے ہیں کہ دو طلاق کے بارے میں تو یاد ہے، مگر تیسری طلاق کے بارے میں مغالطہ ہے کہ دی ہے یا کہ نہیں؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس واقعہ کو چھ سات ماہ ہو چکے ہیں۔ اب وہ عورت نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غالب گمان یہی ہے کہ صرف دو طلاقیں دی ہیں، تیسری طلاق کا غالب گمان نہیں، شک کے درجے میں ہے اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کے سامنے طلاق دی ہو تو اب دوبارہ نکاح کی اجازت ہے (۲)۔

---

(۱) "قال في الذخيرة: ولو قال لها "سہ طلاق باش" أو قال: "بطلاق باش" تحكم النية. وكان الإمام ظهير الدين يفتي بالوقوع في هذه الصورته بلانية". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب من الصريح الألفاظ المصحفة: ۲۴۹/۳، سعيد)

"وروينا أن عبدالله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما لمّا طلق امرأته في حال الحيض، أمر رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أن يراجعها، ولم يسأله: هل نوى الطلاق أولم ينو، ولو كانت النية شرطاً لسأله، ولا مراجعة إلا بعد وقوع الطلاق، فدل على وقوع الطلاق من غير نية". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرط النية في الكناية: ۲۲۲/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "في نوادر ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالیٰ: إذا شک في أنه طلق واحدةً أو ثلاثاً، فهي واحدة حتى يستيقن أو يكون أكبر ظنه على خلافه، فإن قال الزوج: عزمت على أنها ثلاث، أو هي عندي على أنها ثلاث أضع الأمر على أشده، فأخبره عدول، حضروا ذلک المجلس، وقالوا: كانت واحدةً، قال: إذا =

لیکن اگر غالب گمان تیسری کا بھی ہے تو اب بغیر حلالہ کے نکاح سے پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كانوا عدولاً أصدقهم وأخذ بقولهم، كذا في الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، مطلب: إذا شك أنه مطلق واحدةً أو ثلاثاً: ۱/۳۶۳، رشیدیہ)

(۱) قال الله عزوجل: ﴿فإن طلّقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾ (سورة البقرة: ۲۳۰)

"﴿فلا تحل له من بعد﴾: أي من بعد ذلك التطليق ﴿حتى تنكح زوجاً غيره﴾: أي تتزوج زوجاً غيره، ويجامعها، فلا يكفي مجرد العقد .... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقالت: إنّي كنت عند رفاعة، فطلقني فبت طلاقي، فتزوجني عبدالرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب، فتبسم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لاحتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك". (روح المعاني، سورة البقرة: ۲/۱۴۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلقت، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلث: ۲/۷۹۱، قديمي)

"وأما المطلقات الثلاث: فحكمها الأصلي هو زوال الملك، وزوال حل المحلية أيضاً، حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/۴۰۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وفي ذلك حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فتزوجت بزوج آخر، لم تحل للأول حتى تذوق من عسيلته ويذوق من عسيلتها" (المبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق، الجلد الثالث، الجزء السادس، ص: ۱۰، غفاريه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقه: ۲/۳۹۹، امداديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴۷۳، رشيديه)

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

اقل مدتِ حمل

الاستفتاء: [۶۶۲۸]: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ۲۵/ ذی الحجہ/ ۸۰ھ، کو ہوا، اور گیارہ رجب/ ۸۳ھ، کو ہندہ کے لڑکی تولد ہوئی کیا۔ اتنے عرصہ میں پیدا ہونے والی لڑکی زید کی مانی جاسکتی ہے، جب کہ نکاح کے صرف ایک مہینہ کے بعد ہی ہندہ کے حمل ظاہر ہوگیا تھا اور زید نے بھی اپنا حمل ہونے سے انکار کردیا تھا؟ لڑکی تولد ہونے پر جو دائی تھی، اس کا کہنا ہے کہ بچہ پورے نو مہینہ کا ہے۔ ایسی صورت میں زید کا نکاح ہندہ سے ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کم سے کم چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوسکتا ہے (۱) اور یہاں تو چھ ماہ سے زیادہ وقت ہوگیا۔ دائی کا یہ کہنا کہ پورے نو ماہ کا ہے شرعاً حجت نہیں کہ بچہ کو ناجائز قرار دیا جائے۔ جبکہ زید شادی کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کرچکا ہے اور شادی سے چھ ماہ گذرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہے تو زید کو انکار کا حق نہیں (۲)، اگر اسلامی حکومت

---

(۱) "أكثر مدة الحمل سنتان، وأقلها ستة أشهر إجماعاً، الخ". (الدر المختار مع رد المحتار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/ ۵۴۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/ ۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/ ۴۳۳، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) "النكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، ولا ينتفي بمجرد النفي، وإنما ينتفي باللعان، فإن كانا ممن لا لعان بينهما، لا ينتفي نسب الولد". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/ ۵۳۶، رشيديه)

ہوتو ایسی صورت میں انکار کرنے سے لعان کا حکم کیا جائے (۱)، جبکہ ہندہ نہ کسی دوسرے کے نکاح میں تھی نہ عدت میں تھی تو زید سے اس کا نکاح درست ہوگیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چھ ماہہ بچہ کے نسب کا ثبوت

سوال[۲۶۲۹]: زید نے شادی کی اور چھ مہینہ بارہ دن بعد اس کے بچی پیدا ہوئی پورے جسم کے ساتھ اور شادی کے بعد زید نے بلاچوں وچرا شب باشی کی۔اب چھ مہینے بارہ دن جب بعد بچی پیدا ہوئی تو لوگوں نے محض مشہور کیا کہ یہ بچی چھ مہینے کی نہیں بلکہ نو مہینہ کی ہے اور علماء سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: بارہ روز زیادہ ہے، اس میں شک نہیں۔اب لوگوں کے طعن کے بعد زید انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لیلۃ الزفاف میں آثار وعلامت میں پایا اور دو تین دن بعد ہندہ سے پوچھا تو وہ کہتی ہے کہ ہاں فلاں شخص نے مجھ سے بدکاری کی تھی، اب ہندہ منکر ہے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اور زید کافی تعداد لوگوں کو ہمراہ لے کر کہتا ہے کہ میں لیلۃ الزفاف سے انکار کرتا ہوں کہ یہ حمل میرا نہیں اور اسی پر چھ سات گواہ بھی موجود ہیں۔اب علماء فریقین میں سے ہوگئے اس وجہ سے فساد برپا رہو رہا ہے۔

واضح رہے کہ ہندہ کہتی ہے کہ شادی کے دو تین روز پہلے مجھ کو حیض سے پاکی حاصل ہوئی اور زید منکرِ نسب ہے۔اب کس کا قول معتبر ہوگا، آیا زید کا انکار قابلِ قبول ہے؟ پھر جانبین منکر ہیں تو لعان جاری ہوگا یا نہیں؟ اور بچی کس کے تابع ہوگی، دونوں منکر ہیں، بچی لینے میں ماں کے تابع ہوئی وہ نہیں لیتی، اب کیا کرنا چاہیے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہاں دارالاسلام نہیں، لہٰذا لعان جاری نہ ہوگا تو کیا لعان کے لئے دارالاسلام شرط

= (وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۸۷/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح المعين، باب ثبوت النسب: ۲۳۰/۲، سعيد)

(۱) "إذا قذف الرجل امرأته بالزنا، وهما من أهل الشهادة، والمرأة ممن يُحدّ قاذفها أو نفى نسب ولدها، وطالبته بموجب القذف، فعليه اللعان، الخ". (الهداية، باب اللعان: ۴۱۲/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب اللعان: ۱۹۰/۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب اللعان: ۴۵۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے؟ ہندوستان میں قاضی شرعی علماء کو ٹھہرایا گیا ہے، یہ کافی نہیں۔ حضرت والا سے گذارش ہے کہ بدستِ خود حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت نے ثبوتِ نسب کے لئے بہت احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے اور حتی الوسع کسی کو اس کا موقع نہیں دیا کہ کسی بچہ کو ولد الزنا اور حرامی کہے، نیز مسلمان مرد اور عورت کی عزت کی بھی حفاظت کی ہے، کسی کو (بدکار، زانی، زانیہ) کہنے کی اجازت نہیں، ایسا کہنے پر سخت سزا تجویز کی ہے، اشاعتِ فاحشہ کو روکا ہے، ثبوتِ زنا کے بعد سزا بھی عبرتناک ہے اور اتہام کی سزا بھی دردانگیز ہے۔ ایسی سزائیں دینے کا بھی ہر ایک کو حق نہیں، بلکہ اس کے لئے خصوصی اقتدار اور خصوصی مقام ضروری ہے (۱)۔

نکاح سے چھ ماہ پورے ہونے سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ ثابت النسب ہوتا ہے (۲)، نسب منتفی

(۱) حدودِ شرعیہ کے نفاذ کے لئے شرعاً امام المسلمین کا ہونا شرط ہے، جہاں امام اور قاضی شرعی نہ ہو، وہاں حدودِ شرعیہ کے قیام کے لئے کوئی اور شخص قائم مقام قاضی نہیں ہوسکتا: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۵۴۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۱۴۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإذا تزوج الرجل امرأةً، فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها، لم يثبت نسبه. وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه منه، الخ". (الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴۳۲/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۵۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲۷۳/۴، رشديه)

ہونے کے لئے چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ بھی ہے کہ دونوں میں لعان ہو اور قاضی شرعی اس لعان کی بناء پر تفریق کردے، لعان کے لئے دار الاسلام شرط ہے اور دار الحرب میں لعان نہیں، جب لعان کسی وجہ سے بھی ساقط ہوجائے تو انتفائے نسب نہیں ہوگا:

"ثم لوجود قطع النسب شرائط: منها: التفريق؛ لأن النكاح قبل التفريق قائم، فلايجب النفي". بدائع ۲۴۶/۳(۱)۔ "أما شروط النفي فستة مبسوطة مذكورة في البدائع، ۱ھ". درمختار۔ قال الشامي: "الأول التفريق، الخ". رد المحتار: ۵۹۰/۲(۲)۔

"فمن قذف بصريح الزنا في الإسلام". درمختار .... وقال الشامي: "أخرج دار الحرب لانقطاع الولاية". ردالمحتار: ۸۰۷/۲(۳)۔

"وإذا كان وجوب نفيه أحد حكمَي اللعان، فلايجب قبل وجوده، وعلى هذا قلنا: إن القذف إذالم ينعقد موجباً للعان، أوسقط بعد الوجوب، ووجب الحد أولم يجب، أو لم يسقط، لكنهما لم يتلاعنا بعد، لاينقطع نسب الولد". بدائع: ۲۴۶/۳(۴)۔

اگر بیوی بھی نفی کردے یعنی شوہر کی تصدیق کردے تب بھی نسب منقطع نہیں ہوگا: "وكذا إذا نفى نسب ولد حرة، فصدقته، لاينقطع نسبه لتعذر اللعان" بدائع: ۲۴۶/۳(۵)۔

لعان بدل ہے حد کا، اس میں کوئی شخص امام المسلمین کا قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے(۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲۶ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب اللعان، فصل في حكم اللعان: ۵۵/۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب اللعان، مطلب في الدعاء باللعن على معين: ۴۸۹/۳، سعيد)

(۳) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب العان: ۴۸۴/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب اللعان: ۱۹۰/۴، رشيديه)

(۴) (بدائع الصنائع، كتاب اللعان، فصل في حكم اللعان: ۵۴/۵، ۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) (بدائع الصنائع، كتاب اللعان، فصل في حكم اللعان: ۵۵/۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۶) حدود شرعیہ کے نفاذ کے لئے شرعاً امام المسلمین کا ہونا شرط ہے، جہاں امام اور قاضی شرعی نہ ہو، وہاں حدود شرعیہ کے قیام =

نکاح سے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

سوال[۶۶۳۰]: ہندہ کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی، طلاق کے تین ماہ بعد ہندہ نے زید سے نکاح کیا۔ زید نے اور زید کے متعلقین نے ہندہ کے والد سے اس امر پر شہادت چاہی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی یا نہیں، اس وقت ہندہ کو حمل ہے یا نہیں، ہندہ کے باپ نے مجلس میں اس بات پر حلف اٹھایا کہ اس کی عدت پوری ہوچکی ہے اور اس کو حمل نہیں ہے۔

اس حلف کی بناء پر نکاح ہوا، لیکن ساڑے چھ ماہ یا پونے سات ماہ بعد ہندہ کے یہاں لڑکا ہوا، لڑکے کا ظاہری نشو ونما اس بات کا شاہد ہے کہ یہ پورے نو ماہ کا ہے، کم کا نہیں ہے اور اس کو نکاح کے موقعہ پر تین ماہ حمل تھا، نیز نکاح کے فوراً بعد ہی عوام میں یہ خبر نہایت گرم جوشی سے پھیلی کہ اس (ہندہ) کو اس روز جب کہ نکاح ہوا تین ماہ کا حمل بطریقِ ناجائز تھا جس میں کہ اس کا سابق شوہر حمل ناجائز کے لئے شہادتِ عینی پیش کرتا ہے، بلکہ اپنی طلاق کی وجہ بھی یہ ہی ظاہر کرتا ہے۔

۱..... حکم شرع کے موافق ہندہ اپنے موجودہ شوہر کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ بچہ حلال ہے یا حرامی؟ ایسے شخص سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟

۲......اس نکاح کے بعد اکثر لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جو اشخاص اس نکاح میں شریک تھے، ان کے نکاح ساقط ہوگئے، اس لئے ان کو دوبارہ نکاح پڑھنا چاہئے۔ کیا از روئے شریعت شریکِ نکاح کے نکاح ساقط ہوگئے؟ ایسی حالت میں عدت ہوگی یا نہیں؟ کیا ہر وہ شخص جو اس نکاح میں شریک تھا اپنی زوجہ سے نکاح

= کے لئے کوئی بھی شخص قائم مقام قاضی نہیں ہوسکتا: "فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (ردالمحتار، کتاب الجنایات، مبحث شریف: ۶/۵۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب الأول فی تفسیره شرعاً و رکنه و شرطه و حکمه: ۲/۱۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، فصل فی کیفیة الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع: کتاب الحدود، فصل فی شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

کرسکتا ہے، یا جو شرائط طلاق کے لئے ہیں وہ شرط یہاں بھی لاحق ہوں گی؟ براہ کرم حکم شریعت سے مطلع فرمائیں۔ فقط۔

محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے اعتراف کیا کہ میری عدت ختم ہوچکی ہے اور وہ عادلہ ہے اور زید کو اس کے کہنے کا یقین آگیا تو شرعاً زید کا نکاح ہندہ سے صحیح ہوگیا:

"ولو أن امرأةً قالت لرجل: إنّ زوجي طلقني ثلثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها. وإن كانت فاسقةً، تحرّى وعمل بما وقع تحريه عليه، كذافي الذخيرة". عالمگیری: ۲/۱۸۷(۱)۔

اور جو بچہ وقتِ نکاح سے پورے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو، وہ ثابت النسب ہوتا ہے، پس صورت مسئولہ میں وہ بچہ زید ہی کا شمار ہوگا، ہندہ کے پہلے شوہر کا حمل زنا کی عینی شہادت پیش کرنا شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ عینی شہادت سے بہت زنا کی پیش کی جاسکتی ہے، حمل کی نہیں پیش کی جاسکتی۔ اور یہ اشکال کہ بچہ کی کانشوونما اس بات کی شاہد ہے کہ وہ پورے نو ماہ کا ہے یہ بھی قابلِ اعتبار نہیں، بعض تھوڑی عمر کا بچہ بھی بڑا معلوم ہوتا ہے اور بعض دفعہ اس کا عکس ہوتا ہے:

"وإذا تزوج الرجل امرأةً، فجاءت بولدٍ لأقل من ستة أشهر منذيومٍ تزوجها، لم يثبت نسبه. وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه منه، اعترف به الزوج أو سكت؛ لأن الفراش قائم والمدة تامة". هدايه(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحدفي المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(۲) (الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۲، شركة علميه ملتان)

(وكذافي الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۳، رشيديه)

ایسے نکاح میں شریک ہونے والے لوگوں کا نکاح نہیں ٹوٹا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۲۶ھ۔

نکاح کے چھ دن بعد جو بچی پیدا ہوا س کا نسب

سوال [۶۶۳۱]: زید کی بیوی کو نکاح کے چھ دن یا دس دن کے بعد بچی پیدا ہوئی، زید کہتا ہے کہ یہ بچی میری جائز اولاد ہے، اس بات کی تصدیق زید کی بیوی بھی کرتی ہے، لیکن کچھ لوگ اس بچی کو ناجائز کہتے ہیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان میں کس کی بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اس بچی کو زید کی بچی نہ سمجھا جائے، جو لوگ زید کی تصدیق کرتے ہیں وہ حق پر نہیں اور جو لوگ اس کی تکذیب کرتے ہیں وہ حق پر ہیں، کذافی الهدایه: ۲/۱٤۲:

"وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه منه، اعترف به الزوج أوسكت"(۲)۔

وكذافي شرح الوقايه: ۲/۲٤٤(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲ھ۔

سات آٹھ ماہ گذرنے پر پیدا شدہ بچہ کا نسب

سوال [۶۶۳۲]: زید بمبئی میں رہتا تھا، جب زید گھر آیا تو زید کے آنے کے بعد ۷،۸/ ماہ بعد اس کی اہلیہ کے بچہ پیدا ہوا، زید کو شبہ ہوا، اس کے معلوم کرنے پر ہندہ نے اپنے دیور کا بتلایا، پہلے تو شوہر ہی کا بتلایا تھا، مگر جب برادری کے لوگوں نے زور دیا تو پھر دیور کا بتلانے لگی۔تو یہ بچہ کس کا ہے؟ کیا اس میں دیوبندی اور بریلوی کا اختلاف ہے؟ جو شخص شریعت کو نہ مانے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) (كفايت المفتى: ۵/۲۹۱، كتاب النكاح، دار الإشاعت كراچى)

(۲) (الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۲، شركه علميه)

(۳) (شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۱۴۴، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۲۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شادی سے چھ ماہ پورے ہونے پر جو بچہ پیدا ہو وہ شرعاً ثابت النسب ہوتا ہے(۱)، اس کو حرامی کہنا جائز نہیں (۲)، اور جبکہ سات آٹھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا ہے تو اس پر کوئی بدگمانی نہ کی جائے (۳)، عورت کو مجبور کرنا اور اس سے کوئی اقرار لینا کہ یہ کس کا ہے، شرعاً جائز نہیں، اور اس کے اس اقرار سے کہ یہ دیور کا ہے وہ دیور کا نہیں ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں دیوبندی اور بریلوی کا کوئی اختلاف نہیں، سب اس پر متفق ہے، حدیث وفقہ میں بھی اس طرح مذکور ہے۔ جو شخص شریعت کو نہیں مانتا اس کی حالت خطرناک ہے، اس کا ایمان سلامت رہنا دشوار ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

دس برس کی جدائی پر بچہ کا نسب

سوال[۶۶۳۳]: ایک شخص اپنے مکان سے پردیس چلا گیا اور وہ مکان پر نہیں آیا دس برس تک، اور نہ بیوی اس کی اس کے پاس گئی اور یہاں بیوی کے ۸/ برس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، وہ حرامی ہے یا حلالی

---

(۱) "وإذا تزوج الرجل امرأةً، فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذيومِ تزوجها، لم يثبت نسبه. وإن جاءت به لستة أشهر، فصاعداً، يثبت نسبه منه، الخ". (الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشيديه)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۳، رشديه)

(۲) "ولوقال: ياولدالزنا، أوقال: ياابن الزنا، وأمه محصنة، حُدّ؛ لأنه قذفها بالزنا، كذافي التمرتاشي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف، التعذير: ۲/۱۶۲، رشيديه)

(وكذافي فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۳۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب القذف، فصل في التعزير: ۵/۸۷، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ (الحجرات: ۱۲)

(۴) "ومن قال: أنا بريئ من الإسلام، قيل: يكفر". (شرح الملاعلى القارى على الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۴، قديمى)

ہے؟ کلام مجید سے ثبوت تحریر فرمائیں، اور اس مسئلہ کو بھی حل کیجئے۔ بہشتی زیور، حصہ چہارم، ص:۵۳، مطبوعہ لاہور: ''میاں پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی، برسیں گذر گئیں کہ گھر نہیں آیا اور یہاں لڑکا پیدا ہوگیا تب بھی وہ حرامی نہیں، اسی شوہر کا ہے، البتہ اگر وہ خبر پا کر انکار کردے گا تو لعان کا حکم ہوگا'' (۱)۔ اس کو از روئے کلام مجید وحدیث شریف مفصل حل فرما کر مشکور فرمائیں فقط۔

منشی محمد یعقوب بخش بقلم خود، محلہ شیرازان، سہارن پور، ۲۶/ جون/ ۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہشتی زیور میں یہ مسئلہ صحیح لکھا ہے، دوسری کتب فقہ میں بھی موجود ہے، فقہائے مجتہدین نے تمام مسائل قرآن وحدیث سے ہی لکھے ہیں، یہ بھی حدیث شریف سے ماخوذ ہے، مقلد کا منصب یہ ہے کہ اس کے امام نے قرآن وحدیث سے جو مسائل استنباط کر کے بیان کردیئے ہیں اس پر عمل کرے، از خود ماً خذ کا طالب نہ ہو، کیونکہ ہر ہر مسئلہ کا ماخذ معلوم کرنے کے لئے بہت بڑے علم کی ضرورت ہے:

"یقام النکاح مقامه (أی الدخول) فی إثبات النسب، قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". وکذا لوتزوج المشرقیّ بمغربیّة، فجاء ت بولد، یثبت النسب وإن لم یوجد الدخول حقیقةً لوجود سببه، وهو النکاح". بدائع: ۲/ ۳۳۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۳/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) (بہشتی زیور، حصہ چہارم، باب بیست ودوم، لڑکے کے حلال ہونے کا بیان، ص:۳۰۲، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی ثبوت النسب: ۳/ ۲۰۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

"النکاح الصحیح وماهو فی معناه من النکاح الفاسد، والحکم فیه أنه یثبت النسب من غیر دعوة، ولاینتفی بمجرد النفی، وإنما ینتفی باللعان، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب: ۱/ ۵۳۶، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/ ۷۸، إدارة القرآن کراچی)

(والحدیث أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الأحکام، باب القضاء علی الغائب: ۲/ ۱۰۶۵، قدیمی)=

عزل کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے

سوال[۶۶۳۴] : ۱.....عزل کے باوجود بچہ پیدا ہوا، تو ثابت النسب ہوگا یانہیں؟

نس بندی کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے

سوال[۶۶۳۵] : ۲.....نس بندی کے بعد بچہ پیدا ہو تو ثابت النسب ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ثابت النسب ہوگا: "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". بخاری شریف(۱)۔

۲.....تب بھی ثابت النسب ہوگا: "الولد للفراش وللعاهر الحجر، الخ". بخاری شریف(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۶ھ۔

حمل سوکھ کر ڈیڑھ سال بعد بچہ پیدا ہوا

سوال[۶۶۳۶] : ہندہ تین بچوں کی ماں ہے، ایک سال شوہر پردیس میں رہا، پھر شوہر ہندہ کو اپنے ساتھ لے گیا مگر پانچ ماہ کے بعد ہندہ کے بچی پیدا ہوئی، تو یہ بچی جائز کی ہے یا ناجائز؟ ہندہ کہتی ہے کہ بوجہ بیماری میرا حمل سوکھ گیا تھا اس لئے بچی دیر میں پیدا ہوئی یعنی یہ بچی ایک سال پانچ ماہ بعد پیدا ہوئی۔ شوہر بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بچی جائز ہے یا ناجائز؟

=(وأخرجه أبو داؤد في سننه في كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، إمداديه ملتان)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۲/۱۰۶۵، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، المصدر السابق)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه......... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لادعوة في الإسلام، ذهب أمر جاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوٰة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، امداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان حالات میں اس بچی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا وہ اپنے باپ کی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز حمل کس کی طرف منسوب ہو؟

سوال[۶۶۳۷]: ایک شادی شدہ عورت ہے جس کا شوہر پردیس میں رہتا ہے، اس کے پیٹ میں ناجائز حمل ہے، دریافت کرنے پر اس نے دیور کا حمل بتلایا ہے اور اس کا دیور بھی شادی شدہ ہے، وہ انکار کرتا ہے، اب اس عورت کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہے، اب اس عورت کو کس کے ٹھکانے لگایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت و مرد اگر دونوں ہی اقرار و اتفاق کرلیں کہ یہ بچہ زنا کا ہے تب بھی بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہ ہوگا: "لأن الولد للفراش وللعاهر الحجر، الخ". کما فی الحدیث(۲)۔ فراش قائم رہنے تک شوہر سے نسب منتفی نہیں ہوتا جب تک لعان نہ ہو(۳)۔موجودہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس عورت کی شادی اس دیور سے ہی

---

(۱) "يقام النكاح مقامه (أى الدخول) فى إثبات النسب، ولهذا قال النبى صلى الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وكذا لو تزوج المشرقى بمغربية، فجاء ت بولد يثبت النسب وإن لم يوجد الدخول حقيقةً لوجود سببه، وهو النكاح". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل ثبوت النسب: ۳/۲۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". (صحيح البخارى، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۲/۱۰۶۵، قديمى)

(وسنن أبى داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، امداديه ملتان)

(۲) (صحيح البخارى، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۲/۱۰۶۵، قديمى)

(وكذا فى سنن أبى داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، امداديه ملتان)

(ومشكوٰة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمى)

(۳) "النكاح الصحيح وما هو فى معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، =

کردی جائے(إن لم یمنع مانع)۔

اگر بچہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا، صرف حاملہ ہے تو ثبوتِ نسب کی بحث قبل از وقت ہے۔ بعد طلاق عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا دوسری جگہ نکاح درست نہیں(۱)، حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے(۲)۔ قبل عدت جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ ثابت النسب ہوتا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

حاملہ مفرورہ سے پیدا شدہ بچی کس کی ہے؟

سوال[۲۲۳۸]: ایک عورت اپنے زندہ خاوند کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوگئی، جس وقت عورت فرار ہوئی تھی اس وقت حاملہ تھی اور فرار ہونے کے دو تین ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی، بعدہ اس کے

= ولا ینتفی بمجرد النفی، وإنما ینتفی باللعان". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۷۸، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثالث في المحرمات، القسم السادس: المحرمات التي یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة، کتاب النکاح: ۹/۶۶۴۶، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في شرط أن لاتکون منکوحة الغیر: ۳/۴۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن یضعن حملهن﴾ (سورة الطلاق: ۴)

"وعدة الحامل أن تضع حملها، کذا في الکافي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۸، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل في عدة الحامل: ۴/۴۱۹ - ۴۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "کل امرأة وجبت علیها العدة، فإن نسب ولدها یثبت من الزوج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۶، رشیدیه)

خاوند نے اس کو طلاق دے دی۔ اب سوال یہ ہے کہ لڑکی خاوند کی مانی جائے گی یا جس کے ساتھ فرار ہوئی تھی اس کی ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں لڑکی پہلے خاوند کی مانی جاوے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۵/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/۵/۶۰ھ۔

نکاح فاسد میں ثبوت نسب

سوال [۶۲۳۹]: مطلقہ مغلظہ سے بغیر تحلیل نکاح کے بعد جو اولاد پیدا ہو، ان کے ثبوتِ نسب کے متعلق حسب ذیل چند عبارتیں نظر سے گذریں:

۱- "ولو طلقها ثلاثاً، ثم تزوجها قبل أن تنكح زوجاً غيره، فجاء ت منه بولد، ولايعلمان بفساد النكاح، فالنسب ثابت. وإن كان يعلمان بفساد النكاح، يثبت النسب أيضاً عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، كذافي التتاتارخانية ناقلاً عن تجنيس الناصري". عالمگیری: ۱/۵۴۰، فی ثبوت النسب (۲)۔

۲- "ويثبت نسب ولد مبتوتة ولدته لأقل منهما، لا لِتمامهما إلا بدعوة، واعترض بأن الزوج إذاوطي بشبهة معتدة من طلاق ثلاث، أو على مال، فأتت بولد، لايثبت نسبه وإن ادّعاه، نص على ذلك في كتاب الحدود". نقایہ: ۱/۵۷۳، فصل فی ثبوت النسب (۳)۔

---

(۱) "وإذاتزوجت المعتدة بزوج آخر، ثم جاء ت بولد، إن جاء ت به لأكثر من سنتين منذ طلقها الأول أومات، ولأقل من ستة أشهر منذ تزوجها الثاني، فالولد للأول، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۳۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۴، رشيديه)

(وكذافي المحيط البرهاني، الفصل السابع عشر في ثبوت النسب: ۳/۲۵۱، الغفاريه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشرفي ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشيديه)

(۳) (النقاية، كتاب النكاح، فصل في ثبوت النسب: ۲/۵۹، جامعه مليه بدهلی)

۳– "ویکون شبهة الفعل مطلقة ثلاثاً وهی فی العدة، فلایحد الواطی إن ظن أنها تحل. قید به؛ لأنه لو قال: ظننتُ أنها لاتحل لی، یُحدّ، ولهذا لوجاء ت بولد، لایثبت نسبه وإن ادعاه". نقایه: ۲/۳۳۸، حدود (۱)۔

۴– "والمبتوتة إذاجاء ت لتمام سنتین، لم یثبت إلاأن یدّعیه". هدایه، ص: ۴۰۷، ثبوت النسب(۲)۔

۵– "کمایثبت بلادعوة فی مبتوتة جاء ت به لأقل عنهما، ولولتمامها، لایثبت النسب إلابدعوة؛ لأنه التزمه، وهی شبهة عقد أیضاً". درمختار: ۲/۸۵۸، ثبوت النسب (۳)۔

۶– "والشبهة نوعان: فی الفعل، فی المحل: النسب، یثبت فی الثانیة إذا ردعلی الولد، ولایثبت فی الأولی وإن ادّعاه. فشبهة الفعل فی ثمانیة: منها المطلقه ثلاثاً، وهی فی العدة". مع اختصار، هدایه، ص: ۴۸۸، حدود(۴)۔

مذکورہ عبارات میں فصل ثبوت النسب میں درمختار، ہدایہ، نقایہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسال کے بعد وَلد ہونے کی صورت میں شوہر اگردعویٰ کرے تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں، نقایہ وہدایہ کی حدود کی عبارات بتاتی ہیں کہ اگردعویٰ کرے تو بھی دوسال کے بعدولد ثابت النسب نہیں اوران میں "وهی فی العدة" کے الفاظ موجود ہیں۔ عالمگیری کی مذکورہ عبارات ثبوتِ نسب کے بارے میں صاف ہیں اورشوہر فسادِنکاح جانتا ہوتو بھی امام صاحب اس کا نسب ثابت مانتے ہیں۔

اس لئے مہربانی فرماکرتفصیلاً جواب تحریرفرمائیں، اس شکل میں نسب ثابت ہوگا یانہیں؟ اوراولاد میراث کی مستحق ہوگی یانہیں؟ اس باب میں فتویٰ امام صاحب کے مذہب پر ہے یاصاحبین کے قول پر؟ موجودہ

---

(۱) (النقایة، کتاب الحدود: ۲/۳۸۲، سعید)

(۲) (الهدایة، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۰، شرکة علمیه ملتان)

(۳) (الدرالمختار، کتاب الحدود، فصل فی ثبوت النسب: ۳/۵۴۱، سعید)

(۴) (الهدایة، کتاب الحدود، باب الوطئ الذی یوجب الحد والذی لایوجبه: ۲/۵۱۳، ۵۱۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

صورت میں جب کہ رجلِ مذکور فوت ہو چکا ہے تو اس کا بھی پتہ نہیں کہ فسادِ نکاح جانتا تھا یا نہیں؟ تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی، ص: ۱۵۷، میں حکیم الامت نے نکاحِ محارم میں عدمِ ثبوت نسب کا فتوی دیا ہے(۱)۔ لہٰذا مع دلائل کے صراحۃً تحریر فرمائیں کہ نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟ صاحبِ ہدایہ نے جس قول کو ترجیح دی ہے اس کا بھی حوالہ عنایت فرما کر تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مطلقہ مغلظہ سے بغیر تحلیل نکاح شبہۃ العقد اور نکاحِ فاسد ہے۔ عدمِ علم بالحرمت کی صورت میں بالاتفاق نسب ثابت ہو جاتا ہے، علم بالحرمت کی صورت میں اختلاف ہے: امام صاحب ثابت مانتے ہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نفی فرماتے ہیں۔ پھر تصحیح اور افتاء میں فقہاء کے دو قول ہیں بعض نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوی دیا ہے اور بعض نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر:

"لاحدّ أيضاً بشبهة العقد: أى عقد النكاح عنده: أى الإمام كوطى محرم نكحها، وقالا: إن علم الحرمة حُدّ، وعليه الفتوى، خلاصة. لكن المرجّح فى جميع الشروح قول الإمام، فكان الفتوى عليه الأولىٰ، قاله قاسم فى تصحيحه. لكن فى القهستانى عن المضمرات على قولهما الفتوى. وحررهافى الفتح: أنها شبهة المحل، وفيها يثبت النسب، كما مرّ". درمختار۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: كوطى محرم نكحها): أى عقد عليها، أطلق فى المحرم، فشمل المحرم نسباً ورضاعاً وصهريةً. وأشار إلى أنه لوعقد على منكوحة الغير أومعتدته أو مطلقةالثلاث أوأمةً على حرة، أوتزوج مجوسيةً أوأمةً بلا إذن سيدها، أوتزوج العبد بلا إذن سيدها، أوتزوج خمساً فى عقدة فوطئهن، أو جمع بين أختين فى عقدة فوطئهما، أو الأخيرة، لوكان متعاقباً بعد التزوج، فإنه لاحد بالاتفاق على الأظهر، أماعنده فظاهر، وأما عندهما، فلأن الشبهة إنما تنتفى عندهما إذا كان مجمعاً على تحريمه، وهى

(۱) (امداد الفتاوی: ۲/۵۱۵، تتمہ ثانیہ: ۱۵۷، دار العلوم کراچی)

محرمة على التأبيد، بحر، اهـ". درمختار، الحدود: ۲/ ۱۵۸ (۱)۔

"وفي مجمع الفتاوى: تزوج المطلقة ثلاثاً، وهما يعلمان بفساد النكاح، فولدت، في الحاوي: أنه لايجب الحد عنده، ويثبت النسب خلافاً لهما، كما تزوج بمحارمه، ودخل بها". منحة الخالق حاشية البحر: ٥/ ١٥٠، كتاب الحدود (۲)۔ والمسئله مذکورة فی فتح القدير: ٤/ ١٤٨ (۳)۔ "وفاسد النكاح في ذلك: أي في ثبوت النسب كصحيحه، قهستاني، اهـ". درمختار، أول ثبوت النسب (٤)۔

یہاں تک نفسِ ثبوت نسب کے متعلق کلام ہے، رہا وراثت کے متعلق سو طحطاوی نے ابوسعود سے وراثت کا انکار نقل کیا ہے، علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ باب المہر میں فرماتے ہیں:

"ويجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطئ لابغيره، ولم يزد على المسمّى، ولكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه، دخل بها أولا. وتجب العدة بعد الوطئ، لاالخلوة للطلاق، لاللموت من وقت التفريق، ويثبت النسب احتياطاً بلادعوة". درمختار مختصراً۔ "(قوله: ويثبت النسب) أما الإرث فلايثبت فيه، وكذا النكاح الموقوف عن أبي سعود، اهـ". شامی، ص: ٣٦١ (٥)۔

اور ہدایہ آخر ثبوتِ نسب میں ہے:

"ومن قال لغلام: هو ابني، ثم مات، فجاء ت أم الغلام، وقالت: أنا امرأته فهي امرأته،

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحدود، مطلب في بيان شبهة العقد: ۴/ ۲۳، ۲۴، سعيد)

(۲) (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۵/ ۲۶، رشيديه)

(۳) (فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۵/ ۲۵۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (الدر المختار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/ ۵۴۰، سعيد)

(۵) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۱، ۱۳۲، سعيد)

وهو ابنه يرثانه. وفي النوادر: جعل هذا جواب الاستحسان، والقياس أن لايكون لهاالميراث؛ لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطئ عن شبهة وملك اليمين، فلم يكن قوله إقراراً بالنكاح. وجه الاستحسان أن المسئلة فيما إذاكانت معروفةً بالمحرمية، ولكونها أمّ الغلام، والنكاح الصحيح هو المتعين كذلك وضعاً وعادةً، اه"(۱)-

اس پر علامہ اکمل فرماتے ہیں:

"واعترض بأن ينبغي أن لايكون لها الميراث في الاستحسان أيضاً؛ لأن هذا النكاح يثبت له اقتضاءً، فيثبت بقدر الضرورة، وهو تصحيح النسب دون استحقاق الإرث؟ وأجيب بأن النكاح على ماهو الأصل ليس بمتنوع إلى نكاح هوسبب استحقاق الإرث، ونكاح ليس بسبب له، فلماثبت النكاح بطريق الاقتضاء، ثبت ماهو من لوازمه التي لاتنفك عنه شرعاً، اه". عناية: ٣/٣١٣(٢).

وكذافي فتح القدير: ٣/٣١٣(٣)، وتبيين الحقائق: ٣/٤٦(٤)، والبحر الرائق: ٤/١٧٩(٥)، وردالمحتار: ٢/٦٤٦(٦)، والبناية: ٢/٤٤٧(٧).

"(قوله: ويثبت النسب في النكاح الفاسد) للاحتياط، عيني. ولاتوارث بين الزوجين في الفاسد والموقوف". فتح المعين، باب المهر: ٢/٦٤(٨).

---

(۱) (الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/۴۳۴، شركة علميه ملتان)

(۲) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، باب ثبوت النسب: ۴/۳۶۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۳) (فتح القدير، باب ثبوت النسب: ۴/۳۶۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۳/۲۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۹، رشيديه)

(۶) (رد المحتار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/۵۴۹، سعيد)

(۷) (البناية شرح الهداية، باب ثبوت النسب: ۵/۴۶۹، رشيديه)

(۸) (فتح المعين، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۶۲، سعيد)

سوال میں جو عبارات منقول ہیں ان میں سے پہلی عبارت اپنے مدعیٰ میں نص ہے، لیکن حکم میراث سے اس میں تعرض نہیں، بقیہ عبارات سے ضمناً بالالتزام ثبوتِ نسب کا مسئلہ مستفاد ہو سکتا ہے، صراحۃً نہیں، جبکہ امام صاحب کے نزدیک علم بالحرمت وعدمِ علم بالحرمۃ ہر دو کا ایک ہی حکم ہے تو شخصِ مذکور کے متعلق تحقیق وعدمِ تحقیق مساوی ہے، البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ حکم میں تفاوت ہے اس لئے ذریعہ علم مفقود ہونے کی صورت میں حتی الوسع صلاح پر عمل کیا جاوے گا اور کہا جائے گا کہ یہ نکاح عدمِ علم بالحرمۃ کی شکل میں ہوا ہے جیسا کہ ظاہر حال مسلم کا تقاضا ہے کہ وہ اقدام علی الحرام نہیں کرتا: "وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجبٌ ماأمكن، إلاأن تقوم البينة". ۱۷/۷٤(۱)۔

تتمۂ امداد الفتاویٰ، ص: ۱۵۷، میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ذکر کیا ہے(۲) اور بھی بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، مظاہر علوم سہارنپور۔

نکاح فاسد میں ثبوتِ عدت ونسب

سوال[۶۶۴۰]: ہندہ نے مدتِ رضاعت میں زید کے حقیقی چھوٹے بھائی بکر کے ساتھ زید کی حقیقی ماں زینب کا دودھ پیا تھا، زید اور ہندہ کے والدین اس بات کو یاد رکھتے ہوئے اس گمان سے کہ ہندہ نے بکر کے ساتھ دودھ پیا ہے، لہٰذا بکر کی رضاعی بہن بنے گی زید کی رضاعی بہن نہیں ہوگی، لہٰذا زید کا نکاح مذکورہ بالا ہندہ کے ساتھ کر دیا اور لڑکا پیدا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ زید کی بیوی ہندہ مذکورہ زید کی بھی رضاعی بہن ہوئی اور رضاعی بہن محرمات میں سے ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری: ۲/۱۰۳، میں لکھا ہے:

"رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن بأولاد، يثبت نسب أولاد منه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، خلافاً لهما، بناءً على أن النكاح فاسدٌ عند أبي حنيفة باطلٌ عندهما"(۳)۔

---

(۱) "أمور المسلمين على السداد حتى يظهر غيره .... تحرياً للجواز حملاً لحال المسلم على الصلاح، الخ". (قواعد الفقه، قاعدة، ص: ۵۲، ۶۳، الصدف پبلشرز)

(۲) (امداد الفتاویٰ، كتاب الطلاق، فصل في النسب والحضانة والنفقات: ۲/۵۱۵، دارالعلوم کراچی)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشیدیہ)

اورشامی کے:۲/ ۳۵۹، میں لکھا ہے:"إن نكاح المحارم باطل لا فاسد".(۱)۔

اوربھی اسی شامی کے ج:۲،ص:۳۵۹ میں لکھا ہے:

"نكاح المحارم باطل أوفاسد، والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه، ولذالايثبت النسب، ولاالعدة في نكاح المحارم"(۲)۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر اعتماد کرکے مذکورہ بالا نکاح کی بطالت کی بناء پر مابین زید وہندہ تفریق کرادیجائے اور عدمِ ثبوتِ نسب وعدمِ وجوبِ عدت اور عالمگیری، کتاب الرضاعہ کی اس عبارت کی موافق:"وإن كان بعد الدخول بها، يجب الأقل من المسمى"(۳)۔

مقررشدہ مہر میں سے کچھ دینا زید پر لازم قرار دے کرفتوی دیا جائے گا، یا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پرنکاحِ فاسد کی بناء پرثبوتِ نسب ووجوبِ عدت اور مقرر شدہ مہر میں سے کچھ مہر دینا اور عدمِ مسمی کی حالت میں مہر مثل میں سے کچھ دلانے پرفتوی دیا جائے گا۔بینوا بالتفصيل وبالدليل، توجروا عند الله بالأجر الجزيل۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاحِ فاسد وباطل کے متعلق فقہاء کی عبارات مختلف ہیں: کسی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں، کسی سے فرق بھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے باب المهر (٤) ثبوت النسب(٥) ووجوب العدة (٦) كتاب الحدود (٧) وغیرہ میں اس پر کلام کیا ہے۔ پھر ترجیح بھی مختلف ہوئی ہے، درمختار:

---

(۱) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۴۷، رشيديه)

(۴) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(۵) (ردالمحتار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/ ۵۴۰، سعيد)

(۶) (رد المحتار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/ ۵۱۶، سعيد)

(۷) (ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في بيان شبهة العقد: ۴/ ۲۳، سعيد)

۸۳۶/۲، میں ہے "لکن الصواب ثبوت العدۃ والنسب، اھ". بحر (۱)۔ لہٰذا یہی راجح ہے کیونکہ صواب کا مقابل خطا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/شعبان/۶۶ ء۔

نسب بھی ثابت ہوگا اور عدت بھی لازم اور مہر مسمی اور مہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ دلایا جائیگا: "ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطیء لا بغیرہ، ولم یزد علی المسمی". درمختار مختصراً (۲)۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شعبان/۶۶ھ۔

بیٹی سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا ثبوتِ نسب

سوال [۱۶۴۱]: زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا ہندوستان میں، اور کچھ عرصہ زید نے ہندہ کیساتھ گزارا اور ہندہ کو حمل قرار پا گیا، پھر اس کے بعد زید دوسرے ملک میں چلا گیا۔ اس کے بعد ہندہ کی لڑکی پیدا ہوئی اور اب زید کو وہاں سے آنے کو حکومت مجبور کرتی ہے، اور زید بھی مجبوراً چلا آیا اور پھر ہندہ کی جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کا نام زینب ہے اور یہ زینب زید ہی کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے، بہر حال زینب بھی جہاں زید رہتا ہے پہونچ جاتی ہے اور زینب عاقل بالغ ہے اور زید کو معلوم نہیں ہے کہ یہ میری لڑکی ہے اس کے بعد زید کا نکاح زینب کے ساتھ ہو گیا اور زید زینب کے ساتھ رہتا ہے، اور زید کے نطفہ سے زینب کو اولاد ہوتی ہے، تو اس اولاد کا نسب کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں ہندہ کی لڑکی زینب سے زید نے نکاح کیا جبکہ اس کو علم نہیں تھا کہ یہ خود اس کی لڑکی ہے، لہٰذا جو اولاد زید سے پیدا ہوئی، وہ حرامی شمار نہیں ہوگی بلکہ زید سے اس کا نسب ثابت ہوگا، البتہ علم ہونے کے بعد اس کو فوراً تعلق زوجیت ختم کر دینا ضروری ہے:

---

(۱) (ردالمحتار، باب العدۃ، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۵۱۶/۳، سعید)

(۲) (الدر المختار، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۱/۳، ۱۳۲، سعید)

انظر للتفصیل: (أحسن الفتاوی، کتاب النکاح، (رسالۃ) القول الفاعل بین النکاح الفاسد والباطل: ۲۰/۵، سعید)

"نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد، إن الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب". ردالمحتار: ۲/۶۵۹، باب العدة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۱۳۹۶ھ۔

بغیر نکاح کے عورت رکھنے سے اس کی اولاد ثابت النسب نہیں

سوال[۶۶۴۲]: بکر نے بغیر نکاح کے عورت رکھی ہے اور کچھ دنوں کے بعد زید کی شادی ہوتی ہے تو بکر قاضی بن کر جاتا ہے اور زید کا نکاح پڑھاتا ہے، سوال یہ ہے زید کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز بکر کی اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر کا بغیر نکاح کئے ہوئے عورت کو رکھنا سخت معصیت ہے(۲)، اس کے باوجود اس نے جو زید کا نکاح قاضی بن کر پڑھایا تو اس کی غلط حرکت کی وجہ سے وہ نکاح غلط نہیں ہوا بلکہ وہ نکاح صحیح ہے(۳)، زید کی اولاد ثابت النسب ہوگی(۴)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الخامس، ثبوت النسب: ۱/۵۴۰، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لا یبیتنّ رجل عند امرأة ثیب إلا أن یکون ناکحاً أو ذا محرم". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الأول: ۲۶۸، قدیمی)

(۳) نکاح چونکہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے، لہذا یہ نکاح صحیح ہے: "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق: ۳/۱۴۴، رشیدیه)

(۴) "قیام النکاح مقامه(أی الدخول فی إثبات النسب، ولهذا قال النبی صلی الله علیه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وکذا لو تزوج المشرقیّ بمغربیة، فجاء ت بولد، یثبت النسب وإن لم یوجد الدخول حقیقةً لوجود سببه، وهو النکاح". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی ثبوت النسب: ۳/۲۰۷، دارالکتب العلمیة بیروت) ....=

بکر کے اگر بغیر نکاح کے اولاد ہوگی تو وہ بکر سے ثابت النسب نہیں ہوگی (۱)۔بکر کے ذمہ لازم ہے کہ توبہ کرے (۲) اور بغیر نکاح کے عورت کو نہ رکھے، یا نکاح کرے اگر وہ عورت بغیر شوہر کے ہو، یا فوراً الگ کردے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۷/۶/۹۶ھ۔

ولدزنا کا نسب

سوال[۶۶۴۳]: زید کا تعلق ناجائز حمیدن سے تھا، زید کے نطفہ سے اس تعلق ناجائز کے درمیان ایک لڑکا بکر پیدا ہوا، بعدہ حمیدن سے زید نے نکاح عقد کرلیا تو کیا زید کی پہلی بیوی کا لڑکا عمر بکر کا سوتیلا بھائی کہلائے گا اور عمر کی اولاد بکر کے بھتیجہ بھتیجی ہوئے کہ نہیں فقط۔

= (وكذا في حاشية الشبلي على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲۷۵/۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، قال: قام رجل، فقال: يارسول الله! إن فلاناً ابني عاهرتُ بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لادعوة في الإسلام ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲۸۷/۲، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۳۱۷/۱، امداديه ملتان)

(وصحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۱۰۶۵/۲، قديمي)

(۲) ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسي". (تنبيه الغافلين، باب آخر من التوبة، ص: ۶۰، حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أوكبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿يا أيها الذين آمنو توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، داراحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا: "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قام رجل، فقال: یارسول الله! إن فلاناً ابنی عاهرتُ بأمه فی الجاهلیة، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "لادعوة فی الإسلام، ذهب أمر الجاهلیة، الولد للفراش، وللعاهر الحجر". رواه أبوداؤد". اهـ". مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۸۱(۱)۔

لیکن جو رشتے نکاح کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں وہ سب زنا کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں:

"وتثبت (حرمة المصاهرة) بالوطء حلالاً کان أوعن شبهه أوزنا، کذا فی فتاوی قاضی خان". عالمگیری: ۱/۲۱۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اولادِ زنا میں ثبوتِ نسب

سوال[۶۶۴۴]: زانیہ کی اولاد امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، ۲۸۸، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، إمدادیه ملتان)

"إن ادّعی النسب، یثبت فی الأولی شبهة المحل، لا فی الثانیة: أی شبهة الفعل، لتمحضه زنا". (الدرالمختار، کتاب الحدود، مطلب: الحکم المذکور فی بابه أولی من المذکور فی غیر بابه، الخ: ۴/۲۲، ۲۳، سعید)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثانی: المحرمات بالصهریة: ۱/۲۷۴، رشیدیه)

"کمافی فتح القدیر، من بحث أن الزنا یوجب المصاهرة. ویُستدلّ لثبوت حرمة المصاهرة بالوطء الحرام". (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۱۶۴، ۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، باب المحرمات، المحرمات بالصهریة: ۱/۳۶۰، رشیدیه)

ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔ اور وہ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: "الحرام لا یفسد الحلال" سے پیش کرتے ہیں اور بعض صحابہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے۔ تو چونکہ صحابہ اور ائمہ میں اختلاف ہے، اس لئے اگر کوئی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر عمل کرلیا تو گہنگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کی جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، لقوله علیه السلام: "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". بخاری شریف (۱)۔ اگر اس کا شوہر ہے یا وہ عدت میں ہے، اس کی جو اولاد ہو اس کو کلیۃً حتمی طور پر اولاد زنا نہیں کہا جائے گا (۲)۔ سائل نے اس مسئلہ میں "عمل" کو دریافت کیا ہے تو تشریح طلب بات یہ ہے کہ کس کی دلیل کے تحت وہ کیا عمل کرنا چاہتا ہے، وہ سامنے آئے تو غور کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۱ھ۔

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب القضاء علی الغائب: ۱۰۶۵/۲، قدیمی)

"عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه قال: قام رجل، فقال: یارسول الله! إن فلاناً ابنی، عاهرتُ بأمه فی الجاهلیه، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لادعوة فی الإسلام، ذهب أمر الجاهلیة، الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (مشکوة المصابیح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲۸۷/۲، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۳۱۷/۱، إمدادیه ملتان)

(۲) "یقام النکاح مقامه (أی الدخول) فی إثبات النسب، ولهذا قال النبی صلی الله علیه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وکذا لو تزوج المشرقیُّ بمغربیَّة، فجاء ت بولد، یثبت النسب وإن لم یوجد الدخول حقیقةً، لوجود سببه، وهو النکاح". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی ثبوت النسب: ۲۰۷/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲۷۵/۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

حرامی لڑکے سے اپنی لڑکی کو منسوب کرنا

سوال[۶۶۴۵]: ایک لڑکے کے متعلق برادری میں شہرت ہے کہ وہ حرامی ہے، کیا اس لڑکے سے ہم اپنی لڑکی منسوب کر سکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت نے نکاح نہ کیا ہو، اس سے پیدا شدہ بچہ حرامی ہوتا ہے(۱)۔ بغیر دلیل کے کسی کو حرامی کہنا حرام ہے(۲)۔ اگر اس لڑکے کا شرعی طور پر والد موجود ہے اور اس نے نسب کا انکار نہیں کیا تو بلاشبہ ثابت النسب ہے(۳)، اس سے اپنی لڑکی کو منسوب کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۱۳۹۶ھ۔

مشترکہ لونڈی سے پیدا شدہ بچہ کا نسب اور جاریہ، زانیہ، منکوحہ کا فرق

سوال[۶۶۴۶]: ۱..... ''اگر ایک لونڈی دو آدمیوں کی شرکت میں تھی اور اس کا بچہ پیدا ہوا، اور اگر

(۱) ''عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام رجل، فقال: يا رسول الله! إن فلاناً ابني عاهرتُ بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''لا دعوة في الإسلام ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش، وللعاهر الحجر''. (مشكوٰة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲۸۷/۳، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، امداديه ملتان)

(وصحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۱۰۶۵/۲، قديمي)

(۲) اگر تمام شرائط متحقق ہوں تو اس طرح کہنے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی: ''ولو قال: يا ولد الزنا، أو قال: يا ابن الزنا، وأمه محصنة، حُدّ؛ لأنه قذفها بالزنا، كذا في التمر تاشي''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۱۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۳۲۲/۵، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۷۸/۵، رشيديه)

(۳) ''يقام النكاح مقامه (أي الدخول) في إثبات النسب، ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم: ''الولد للفراش، وللعاهر الحجر، الخ''. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ثبوت النسب: ۲۰۷/۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

دونوں نے اکٹھا دعویٰ کیا تو نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا..........اور یہ لونڈی دونوں کی ام ولد ہوگی اور وہ دونوں پر دونوں کے لئے نصف مہر واجب ہوگا، زید اس سے لے گا نہ وہ اس سے''۔ اشراق نوری ترجمہ قدوری، ص:۱۸۳(۱)۔

سطر:۶۔ اشکال یہ ہے کہ ایک لونڈی سے دو شخص کیسے مجامعت (صحبت) کریں گے، ایک وقت میں دونوں صحبت کریں گے تو کیا زنا کا حکم نہیں لگے گا؟ کیا بیک وقت دونوں کی صحبت جائز ہوگی؟ اگر ہوگی تو کیونکر؟ دونوں کا نسب کیونکر ثابت ہوگا جب کہ ایک شیخ ہو اور دوسرا سید؟ کیا اس زمانہ میں لونڈی خریدنا جائز ہے؟

۲......ایک شخص نے ایک زانیہ سے صحبت کی اور ایک رقم اس کو دیدی جو پہلے طے کر چکا تھا، مثلاً پانچ روپے یا پانچ سو روپے۔ کیا یہ مہر کی رقم کہلائی جاسکتی ہے اور اس پر زنا کا جرمانہ ہوگا یا نہیں؟ اور حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟ زانیہ اور جاریہ میں کیا فرق ہے؟ جاریہ اور منکوحہ میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مشترکہ لونڈی سے اس کے کسی مولیٰ کو بھی مجامعت کی اجازت نہیں (۲)، اگر وطی بالشبہ کر لی تو حد لازم نہیں، لأن الحدود تندرء بالشبهات (۳)۔ اور جب کہ دونوں نے وطی بالشبہ کر لی اور پھر نسب کے

---

(۱) (اشراق النوری، کتاب العتق، باب الاستیلاد، ص: ۲۹۲، سعید)

(۲) "لأن البضع لایحل إلابکمال ملک الیمین أو ملک النکاح، ولهذ لایحل وطء الجاریة المشترکة، والمکاتبة". (الفتاویٰ التاتار خانیة: ۳۸۷/۴، کتاب العتاق، الفصل الثانی عشر فی أمهات الأولاد، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "الحدود تندرأ بالشبهات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، النوع الثانی من القواعد، القاعدة السادسة، ص: ۱۲۷، قدیمی)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۷۶، الصدف پبلشرز کراچی)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الحدود، باب الوطی الذی یوجب الحدو الذی لایوجبه: ۵۱۳/۲، شرکت علمیه ملتان)

"لا حد بلازم بشبهة المحل: أی الملک، وتسمی شبهةً حکمیةً .... ووطء الشریک: أی أحد الشریکین الجاریة المشترکة". (الدرالمختار). "(قوله: ووطء الشریک)؛ لأن ملکه فی =

دعویٰ کو فراش قائم ہونے کی وجہ سے دونوں میں سے کسی پر حد لازم نہ ہوگی اور نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا، پھر نصف نصف مہر ہر ایک پر لازم کر کے تقاضی کا حکم دیا جائے گا(۱)۔ بچہ کو شیخوخت کا شرف بھی حاصل ہوگا اور سیادت کا شرف بھی۔ آج کل ہمارے ملک میں شرعی لونڈی موجود نہیں، پس کسی لڑکی کی خرید وفروخت جائز نہیں (۲)۔

۲...... یہ رقم شرعاً مہر نہیں (۳)۔ زنا کا گناہ ذمہ میں رہے گا، حدِ زنا جاری ہونے کے شرائط

= البعض ثابت، فتكون الشبهة فيها أظهر". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد، مطلب في بيان شبهة المحل: ۱۹/۴، ۲۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد والذي لايوجبه: ۵۹۳/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد: ۱۴۷/۲، رشيديه)

(۱) "وإذا كانت الجارية بين شريكين فجاء ت بولد، فادّعاه أحدهما، ثبت نسبه منه ...... وإن ادّعياه معاً، ثبت نسبه منهما". (الهداية، كتاب العتاق، باب الاستيلاد: ۴۷۶/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۴۵۷/۴، ۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب العتاق، باب الاستيلاد: ۴۸/۵، ۵۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "بيع مالا يُعدّ مالاً بين الناس والشراء باطلٌ، مثلاً: لوباع جيفةً أو آدمياً حراً، أو اشترى بهما مالاً، فالبيع والشراء باطلان". (شرح المجلة لرستم الباز، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه والذي لايجوز: ۱۰۱/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۱۷/۳، امداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۳/۳، امداديه ملتان)

(۳) "ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع، إما بالتسمية في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع، وإما بالتسمية أو بالعقد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۰۰/۳، سعيد)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۱۶/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

موجود نہیں (۱)۔ **منکوحہ:** جس سے عقدِ شرعی کیا گیا ہے جو کہ فراشِ قوی ہے۔ **جاریہ:** جس پر شرعی طریقہ سے مِلک حاصل ہوگئی ہو جو کہ فراشِ ضعیف ہے، بچہ پیدا ہونے پر دعویٰ کرنے سے نسب ثابت ہوجائے گا۔ **زانیہ:** جو کہ اجنبیہ ہو کہ اس سے نہ نکاح کیا گیا ہو اور نہ اس پر مِلک حاصل ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نومسلمہ کا نکاح بلا عدت اور اس میں ثبوتِ نسب

سوال [۶۶۴۷]: ۱…… ایک عورت غیر مسلمہ کی شادی اپنے مذہب کے اعتبار سے سات سال کی عمر میں ہو چکی تھی، لیکن بلوغ تک نہ شوہر کے گھر گئی، نہ اس سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ اس کے بعد وہ ایک مسلمان کے گھر رہنے لگی اور مسلمان ہو کر اسی دن اس سے شادی کردی، شادی کے بعد اس کے ایک لڑکا چار سال بعد پیدا ہوا،

---

(۱) صورتِ مذکورہ میں چند وجوہ کی بناء پر حد جاری نہیں کی جاسکتی: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور اجرائے حدود کے لئے دارالاسلام کا ہونا ضروری ہے: "قال رحمه الله: وبزنا في دار حرب أو بغي: أي لايجب الحد بزنا في دارالحرب أو في دارالبغي …… قوله عليه الصلاة والسلام: "لاتقام الحدود في دارالحرب"". (تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحدو الذي لايوجبه: ۳/۵۸۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ زنا میں اجرت طے ہو چکی ہے اور مستاجرہ پر حدِ زنا جاری نہیں کی جاتی: "ولا حد بالزنا بالمستأجرة له: أي للزنا، والحق وجوب الحد". (الدرالمختار). "(قوله: والحق وجوب الحد): أي كما هو قولهما، وهذا البحث لصاحب الفتح، وسكت عليه في النهر والمتون والشروح على قول الإمام". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب الوطئ الذي يوجب الحد الخ، مطلبٌ: لاتكون اللواطة في الجنة: ۴/۲۹، سعيد)

تیسری وجہ یہ ہے کہ اقامت حدود کے لئے امام شرط ہے جب کہ دورِ حاضر میں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے امام نہیں: "وركنه إقامة الإمام أو نائبه في الإقامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(۲) "ضعيف: و هو فراش الأمة، لا يثبت النسب فيه إلا بالدعوة …… وقويٌّ: وهو فراش المنكوحة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، مطلبٌ: الفراش على أربع مراتب: ۳/۵۵۰، سعيد)

اب لاعلمی میں اتنا زمانہ گذر چکا ہے۔ تو اس کے کفارہ کی کیا صورت ہے؟

۲.....اب جو اولاد ہو چکی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اب دوبارہ نکاح کر دیا جائے (۱)۔

۲.....شبہۃ العقد کی بناء پر وہ اولاد ثابت النسب ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "ولو أسلم أحدهما ثمة: أى فى دار الحرب، لم تبن حتى تحيض ثلاثاً، أوتمضى ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة قيام السبب، وليست بعدة لدخول غير المدخول بها". (الدرالمختار).

قال الشامى رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وليست بعدة): أى ليست هذ المدة عدةً؛ لأن غير المدخول بها داخلة تحت هذاالحكم، ولوكانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. وهل تجب العدة بعد مضى هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لاعدة على الحربية. وإن كانت هى المسلمة، فخرجت إلينا، فتمّت الحيض هنا، كذلك عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، خلافاً لهما، الخ". (ردالمحتار، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبى والمجنون ليسا بأهل لإيقاع طلاق، بل للوقوع: ۱۹۱/۳، ۱۹۲، سعيد)

(وكذافى البحر الرائق، باب نكاح الكافر: ۳۷۰/۲، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲۸۸/۲، امداديه ملتان)

(۲) "لاحد أيضاً بشبهة العقد: أى عقدالنكاح عنده: أى الإمام، كوطئ محرم نكحها، الخ .... وحررها فى الفتح أنها شبهة المحل، وفيها يثبت النسب، كمامر". (الدرالمختار، كتاب الحدود، مطلب فى بيان شبهة العقد: ۲۳/۴، سعيد)

"وفى مجمع الفتاوى: تزوج المطلقة ثلاثاً، وهما يعلمان بفساد النكاح، فولدت، فى الحاوى: أنه لايجب الحد عنده، ويثبت النسب، خلافاً لهما، كماتزوج بمحارمه، ودخل بها". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لايوجبه: ۲۶/۵، رشيديه)

(وكذافى فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لايوجبه: ۲۶۲/۵، مصطفى البابى الحلبى مصر)

جوعورت غیر مسلم سے حاملہ ہوجائے اس کا حکم

سوال[۶۶۴۸]: اس بدامنی کے زمانہ میں بہت سی مسلم مستورات ہندو جبراً لے گئے اوران کو اپنے گھر رکھا اوران سے زنا کیا، کچھ مستورات واپس ہوئی ہیں، ان میں سے چند حاملہ ہیں۔ اب بچہ پیدا ہونے کے بعد حرامی ہوگا یا حلالی اور ایسا حمل ساقط کرانے میں گناہ تو نہ ہوگا؟ اور وضعِ حمل کی صورت میں بچہ کا کیا کیا جائے؟ مع دلائل کتب فقہ تحریر فرمایئے عین کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جن مستورات کے شوہر موجود نہیں بلکہ وہ کنواری یا بیوہ ہیں، ان کے بچوں کے متعلق تو حلالی ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں، لیکن جن کے شوہر موجود ہیں ان کے بچوں کو قطعی طور پر حرامی کہنے کا کسی کو حق نہیں، کیا بعید ہے کہ جس وقت ان مستورات کو ہندو جبراً لے گئے وہ اسی وقت اپنے شوہروں سے حاملہ ہوں اور بحالتِ حمل زنا کی نوبت آئی ہو۔ بہر حال ایسے بچوں کا نسب ان زانیوں سے ہرگز ثابت نہیں ہوگا، لقوله عليه السلام: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". الحديث(۱)۔

جب تک حمل میں جان نہ پڑی ہو، اس کا ساقط کرانا ضرورۃً درست ہے، بلاضرورت گناہ ہے اور جان پڑنے کے بعد بالکل جائز نہیں، جب بچہ پیدا ہوجائے اس کی شفقت کے ساتھ پرورش کی جائے، اسلامی تعلیم دی جائے، غرض جو معاملہ دوسرے مسلم بچوں کے ساتھ ہوتا ہے وہی اس کے ساتھ ہوگا:

"هل يباح الإسقاط بعد الحمل؟ نعم، يباح مالم يتخلق منه شيئ، وأن يكون ذلك إلا بعد مأة وعشرين يوماً، وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح........ وفي كراهة الخانية: ولا أقول بالحل .... فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا أسقطت بغير عذر، اهـ. قال ابن وهبان: ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل، وليس لأبي الصبي مايستأجر به الظئر

(۱) (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمي)

(و سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب الولد للفراش: ۱/۳۱۷، امداديه ملتان)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، (سورة النور): ۳/۴۴۵، ۴۴۶، قديمي)

ویخاف هلاكه، اهـ". شامي: ۲/ ۵۲۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

تبدیلِ نسب

سوال [۶۶۴۹]: کسی شخص نے اپنے نام کے اخیر میں "خان" لفظ لگا دیا، اور وہ اپنے خاندان کے اعتبار سے خان نہیں ہے۔ عذرِ شدید کی بناء پر اگر کوئی شخص اپنا نسب بدل ڈالے، یعنی اپنے باپ دادا کا نام بدل ڈالے اور غیر باپ کی جانب اپنے کو نسبت کرے، مثلاً کسی کو لندن جاتا ہے اور اس کے پاس اپنا پاسپورٹ نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے شخص کا پاسپورٹ ہے، اور اس شخص نے اس پاسپورٹ کے مطابق اپنے باپ کے نام کو بدل کر دوسرے کے باپ کو اپنا باپ مان کر غیر باپ کی جانب نسبت کیا، اسلامی کالج جہاں دینی تعلیم دی جاتی ہے، اس میں بغیر سرٹیفکیٹ یا تصدیق نامہ کے داخلہ ممنوع ہے، اب اس شخص نے داخلہ کے لئے عرب کے کسی شخص کو باپ بنا کر داخلہ لے لیا اور اپنے باپ کا نام چھوڑ دیا۔ تو اس سے کیا گناہ ہے؟ نیز عند الضرورۃ بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر توبہ آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف اپنی نسبت کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں اس فعلِ شنیع پر بڑی وعید آئی ہے، ایسے شخص کیلئے جنت کو حرام قرار دیا گیا، مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"عن سعد بن أبي وقاص وأبي بكرة رضي الله تعالى عنهما قالا: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم، فالجنة عليه حرام". متفق عليه (۲)۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم إسقاط الحمل: ۳/ ۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق: ۳/ ۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب نكاح الرقيق: ۳/ ۴۰۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب اللعان: ۲/ ۲۸۷، قديمي)

(وفيض القدير: ۱۱/ ۵۲۱۴، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، نزار مصطفى الباز، رياض) .... =

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاترغبوا عن آبائكم، فمن رغب عن أبيه، فقد كفر". متفق عليه". ص: ٢٨٧(١)۔

بلکہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے:

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من ادعىٰ إلى غير أبيه أو انتمى إلى غير مواليه، فعليه لعنة الله المتتابعة إلى يوم القيامة". أبوداؤد: ٢/ ٣٥٠(٢)۔

مذکورہ بالا دوحدیثوں کی شرح فرماتے ہوئے ملاعلی قاری تحریر فرماتے ہیں:

"والادعاء إلى غير الأب مع العلم به حرام، فمن اعتقد إباحته كفر، لمخالفة الإجماع، ومن لم يعتقد إباحته، فمعنى "كفر" وجهان: أحدهما أنه قد أشبه فعله فعل الكفار، والثاني أنه كافر نعمة الإسلام". مرقاة شرح مشكوة: ٣/ ٥٠٤(٣)۔

یعنی غیر باپ کی طرف جان بوجھ کر اپنی نسبت کرنے کو مباح سمجھنا مخالفتِ اجماع کی وجہ سے کفر ہے، اور اس کو مباح نہ سمجھتے ہوئے کرنا کفار کا سا فعل کرنا ہے، لہٰذا ایسا شخص مرتکبِ حرام ہے۔ اور اس میں تلبیس بھی ہے۔ سوال میں جو اعذار لکھے گئے ہیں وہ کوئی اعذار نہیں، جن کی بناء پر حرام شئی کی اجازت دی جائے۔ لندن جانا یا تعلیم کے لئے عرب ہی کے اسلامی کالج میں جانا ضروری نہیں۔ اور حج کے لئے ایسے حرام فعل کا ارتکاب نہیں

= (ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ٧/ ١، (رقم الحديث: ١٩٨٨٣)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(١) (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الأول: ٢/ ٢٨٧، قديمي)

(٢) (سنن أبي داؤد، باب في الرجل ينتمي إلى غير أبيه: ٢/ ٣٥٠، كتاب الأدب، إمداديه ملتان)

(فيض القدير: ١١/ ٥٢١٥، (رقم الحديث: ٨٣٤١)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

(ومسند أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ: ٥/ ٢٨٤، (رقم الحديث: ١٧٢١٦)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٣) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الأول: ٦/ ٤٧٧، ٤٧٨، رشيديه)

کیا جائے گا، سفرِ حج رضائے خداوندی کے لیے کیا جاتا ہے، اس کیلئے لعنت کا راستہ اختیار کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے اور کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۸/۲/۸۸ھ۔

نسب بدلنا

سوال[۱۲۶۵۰]: ایک شخص قوم ماچھی ضلع فیروز پور کی پیدائش ہے، لیکن اپنے کو سید پیر شاہ کہلانے لگا ہے اور دنیا کو بہکاتا پھرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نسب بدل دے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا، پس جو شخص واقعۃً سید نہیں اس کا اپنے کو سید کہنا بڑا گناہ ہے(۱)، بلا تحقیق کسی پر بہتان لگانا بھی گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) "و عن سعد بن أبي وقاص وأبي بكرة رضي الله تعالیٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من ادّعی": أي انتسب "إلی غير أبيه و هو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام" .... و عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال. قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم": "لا ترغبوا": أي لاتعرضوا "عن آبائكم": أي عن الانتماء إليهم .... اهـ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۶/۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۶۱۴، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، مكتبه نزار مصطفي الباز مكة المكرمة)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۱۷، (رقم الحديث: ۹۸۸۳)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن و أرجلهن، و لا يعصينك في معروف، فبايعهن، واستغفر لهن الله، إن الله غفور رحيم﴾(سورة الممتحنة: ۱۲)

قال الحافظ ابن كثير في تفسير قوله تعالیٰ: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور﴾ من ههنا بيان الجنس: أي اجتنبوا الرجس الذي هو الأوثان، وقَرَنَ الشرك بالله بقول الزور...... و منه شهادة الزور. وفي الصحيحين عن أبي بكرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه =

ایضاً

سوال[۶۶۵۱]: جس وقت مسلمان دین کی خاطر ہندوستان تشریف لائے تو کون کون حضرات تشریف لائے؟ اور جو حضرات تشریف لائے تو دینِ حق کی دعوت دیکر ہندوستان میں قیام کیا یا واپس چلے گئے؟ اگر سب واپس چلے گئے تو جو ہندوستان کے مسلمان ہیں سب نئے مسلم ہیں اور سید یا قریشی یا انصاری یا فاروقی یا عثمانی یا شیخ کہلاتے ہیں، سب کا دعویٰ جھوٹا ہے اور سب حضرات خواہ مولوی ہوں یا جاہل سب نے اپنا نسب بدل ڈالا اور نسب بدلنا حرام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب حضرات علم کی وجہ سے یا مال کی وجہ سے اپنے کو سید یا قریشی یا انصاری یا شیخ کہلانے لگے۔ کس کس قبیلہ سے یہاں مسلمان آئے؟ کیونکہ انصاری، قریشی، سید یا شیخ ہی نے ہندوستان کو فتح کیا، معلوم ہوا کہ ہر قبیلہ سے تشریف لائے۔ تفصیل سے نقل کریں، آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محمد ابن قاسم کے وقت مسلمان فوج یہاں آئی اور اس میں مختلف خاندان اور قبیلوں کے افراد تھے، بعض خاندان مستقلاً یہیں رہ گئے، اس کے بعد بھی متعدد گھرانے آئے ہیں اور اپنی بود و باش انہوں نے یہیں اختیار کرلی۔ یہ بات صحیح ہے کہ نسب بدلنا حرام ہے(۱)، جو شخص یا جو خاندان سید، قریشی، انصاری، عثمانی، فاروقی وغیرہ

= وسلم قال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ قلنا: بلىٰ يارسول الله! قال: "الإشراك بالله و عقوق الوالدين" وكان متكئاً فجلس، فقال: "ألا! وقول الزور، ألا! وشهادة الزور". فما زال يكررها حتى قلنا. ليته سكت". (تفسير ابن كثير، (سورة الحج، : ۳۰): ۲۹۴/۳، دار الفيحاء بيروت)

"فليس شيء من الذنوب أعظم من البهتان، فإن سائر الذنوب تحتاج إلى توبة واحدة والبهتان يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع، و قد قرن الله تعالىٰ البهتان بالكفر، فقال تعالىٰ: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور﴾ (تنبيه الغافلين، باب الغيبة، ص: ۸۹، المكتبة الحقانية پشاور)

(۱) "و عن سعد بن أبي وقاص و أبي بكرة رضي الله تعالى عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ادّعى": أي انتسب "إلى غير أبيه و هو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام" .... و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا ترغبوا": أي لا تعرضوا "عن آبائكم": أي عن الانتماء إليهم "فمن رغب عن أبيه، فقد كفر". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۴۷۷/۶، رشيديه) .... =

نہ ہو اور جانتے ہوئے بھی وہ اپنا خاندان یہ بتائے وہ گنہگار ہے۔عالم ہو یا جاہل،سب کو جھوٹا قرار دینا بھی زیادتی ہے،اب بھی ایسے خاندان موجود ہیں کہ جن کے پاس شجرہ محفوظ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند،۹۱/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دار العلوم دیوبند،۹۱/۲/۲۵ھ۔

چچا کو باپ کہنا

سوال[۲۶۵۲]:ایک شخص کے چھ لڑکے ہیں ایک لڑکے کا انتقال ہوا جس کے تین بچے ہیں جو اپنے چچا کے پاس رہتے ہیں۔چچا ہی ان کے کھانے پینے اور رہائش کے ذمہ دار ہیں۔اور بھتیجوں کو اپنی اولاد کی طرح رکھتے ہیں،اور وہ بھتیجے بھی چچا کو باپ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں آیا اس طرح ان بچوں کا چچا کو باپ کہہ کر مخاطب کرنا شرع سے جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چچا کو مجازاً باپ کہہ سکتے ہیں،خصوصاً جبکہ وہ پرورش وغیرہ کے بھی ذمہ دار ہیں۔اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے:"والجد والعم يسميان أباً مجازاً". روح المعاني: ۵۰۷/۲(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند،۸۸/۱۲/۳ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دار العلوم دیوبند،۸۸/۱۲/۳ھ۔

کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا

سوال[۲۶۵۳]:جس طرح جولاہے برادری والے اپنے کو شیخ انصاری کہتے ہیں اور قصائی برادری اپنے کو شیخ قریشی کہتے ہیں،تو اسی طرح ہم لوہار برادری اپنے کو شیخ داؤدی کہلا سکتے ہیں یا نہیں؟ہم اپنی

= (وفيض القدير: ۵۶۱۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۱۷/۶، (رقم الحديث: ۱۹۸۸۳)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (روح المعاني، (سورة الأنعام: ۷۴): ۱۹۴/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

راجع للتفصيل: (تفسير خازن: ۸۷/۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(والجامع لأحكام القرآن: ۱۶/۷، ۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

انجمن کا نام داؤدیہ انجمن رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ سنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا پیشہ کرتے تھے۔ شریعت کا کیا حکم ہے؟

محمد یوسف، آزاد باڈی ورکس، مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاتحقیق اپنے کو کسی بزرگ کی اولاد کہنا یا اپنا نسب بدلنا درست نہیں (۱)، جب تک تحقیق نہ ہو، نسبی حیثیت سے اپنے لئے کوئی لفظ اختیار نہ کریں۔ لوہار کو عربی میں ''حداد'' کہتے ہیں، ہر لوہار کو حق ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ حداد لکھے، سب برادری ''انجمنِ حدادین'' اپنا نام تجویز کرلے۔ اسی طرح بڑھئی کو عربی میں ''نجار'' کہتے ہیں، ہر بڑھئی اپنے نام کے ساتھ نجار لکھ سکتا ہے اور سب برادری ''انجمنِ نجارین'' اپنا نام تجویز کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۳ھ۔

کسی پیغمبر یا کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا

سوال [۶۶۵۴]: اس سے پیشتر بھی ایک استفتاء ارسالِ خدمت کیا گیا تھا جس کا جواب موصول ہوگیا، لیکن ہماری بھوک نہیں مٹی، اب ہم لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں ہم لوگ کس نسب یا قوم سے وابستہ ہیں، ہم لوگ ہندوستانی صنعت کار حضرات داؤد علیہ السلام کو اپنا استاذ مانتے ہیں۔ کیا یہ ہمارا نسب صحیح

---

(۱) ''وعن سعد بن أبي وقاص وأبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من ادعى'': أي انتسب ''إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام''. متفق عليه''.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۴۷۷/۶، رشيديه)

(وفيض القدير: ۵۶۱۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۱۷/۶، (رقم الحديث: ۱۹۸۸۳)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لاترغبوا'': أي لا تعرضوا ''عن آبائكم'': أي عن الانتماء إليهم''. فمن رغب عن أبيه فقد كفر''. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۴۷۷/۶، رشيديه)

نہیں ہوسکتا؟

ہم لوگ خالص ہندوستانی ہیں، ہماری برادری کا ایک نام ہونا چاہئے، جیسا کہ دوسری قوموں کا ہے، آپ ہماری برادری کا ایک نام تجویز کریں جو باشرع ہو جس سے ہماری قوم کا ایک وجود ہو، صدیوں سے ہماری قوم الگ الگ نام لکھتی ہے، کوئی لوہار، کوئی بڑھئی، کوئی شیخ، ہم بھٹک رہے ہیں، ہمارا ایک مستقبل بن جائے، یہ کام آپ کا دارالعلوم پورا کرسکتا ہے۔ امروہہ یا دہلی میں ایک آل انڈیا جلسہ یکم اپریل سے ہونا ہے، اس سے پہلے یہ معاملہ طے ہوکر آجانا چاہئے، ہم لوگ وہ نام چاہتے ہیں جو باشرع ہو۔

۱.....کیا استاد کے نسب سے ہم لوگ اپنے کو شیخ داؤدی کہلا سکتے ہیں؟

۲.....کیا آپ کے جواب گذشتہ کی تجویز سے ہم لوگ شیخ حداد کہلا سکتے ہیں؟

۳.....کیا شیخ مسلمان کو کہتے ہیں جیسا کہ سہارن پور میں مولانا شیخ الحدیث کہلاتے ہیں وہ حدیث سکھاتے ہیں، اسی طرح ہم لوگ صنعت سکھاتے ہیں۔ کیا ہم لوگ شیخ حداد کہلا سکتے ہیں؟

محمد یوسف، آزاد باڈی ورکس، مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام پیغمبر تھے، ان کی امت داؤدی ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت عیسائی کہلاتی ہے۔ حضرت اسرائیل علیہ السلام کی امت اسرائیلی ہے۔ اگر ان کی طرف نسبت کرکے اپنے آپ کو لوگ داؤدی کہیں گے تو عامۂ ذہن اس طرف جائے گا کہ آپ ان کی امت میں ہیں، ایک بڑے عالمِ حدیث بھی داؤد گزرے ہیں، جو لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں داؤدی ہیں، جیسے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتباع کرنے والے مالکی ہیں، ممکن ہے کہ لوگ آپ کو یہ سمجھیں کہ آپ حنفی نہیں، بلکہ داؤدی ہیں، اس لئے آپ حداد یا حدادی کہیں تو پھر یہ شبہ نہیں ہوگا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کے اوزار پر زرہ بنایا کرتے تھے، اس اعتبار سے حداد کہنے میں ان کی طرف بھی نسبت ہوسکتی ہے۔

شیخ عظیم المرتبت کو کہتے ہیں جو کسی فن میں اونچا ہو اور لوگ اس فن میں اس کی بات پر اعتماد کرتے ہوں، وہ اس فن کا شیخ کہلاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طبقہ میں شیخین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہتے ہیں، تابعین میں شیخین حضرت حسن بصری اور حضرت محمد ابن سیرین رحمہما اللہ

تعالیٰ کو کہتے ہیں، مجتہدین، محدثین، صوفیاء، نحویین، مناطقہ غرض ہر طبقہ میں شیخ ہوئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۵ھ۔

کفاءت ومساوات اور شرافتِ نسبی

سوال [۶۶۵۵]: ہندوستان میں ذات پات کا وجود عرب کے شعوب وقبائل (جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے) سے مماثلت یا مطابقت رکھتا ہے۔ کیا ہندوستان میں ذات پات کا رواج مساوات اسلامی کی روح کی ضد ہے؟ اگر ذات پات کا امتیاز شعارِ اسلامی کے خلاف ہے تو علماء نے اس سلسلہ میں کیا کیا؟ کون سی کتب اس لعنت کے بطلان کے لئے لکھی گئیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نام کے ساتھ ''صدیقی، عثمانی، انصاری، سید، مرزا، خان، شیخ'' وغیرہ کا اضافہ تعارف کے لئے ہے، اس سے افتخار مقصود نہیں۔

سوال یہ ہے کہ تعارف کا یہ ذریعہ زمانہ رسالت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اور آج عرب ممالک میں کیوں رائج نہیں ہے؟ عوام کو اصرار ہے کہ ناموں کے ساتھ نسبی تعارف کے اضافہ کا ضرور استعمال ہو، یہاں تک کہ نومسلم حضرات اور پیشہ ور مسلمان بھی اپنے ناموں کے ساتھ کوئی عرف یا امتیاز پسند کر کے شامل کر لیتے ہیں۔ ایسا کرنا کہاں تک شرعی حیثیت رکھتا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ یہ اضافہ تعارف کا ذریعہ ہو یا نہ ہو، اس ذہنیت کے آئینہ دار ہیں جو نسبی شرافت کو تقوی پر فضیلت دیتی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ اور شرعی حکم کیا ہے؟ فقط۔

آپ کا خادم: محمد ابراہیم، ہومیو پیتھ، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن مساوات (کفاءت) کا ذکر کتب فقہ میں ہے وہ مساواتِ اسلامی کی روح کی ضد نہیں، اور جو ہندوستان میں نومسلموں نے ترکۂ آباء کی حیثیت سے باقی رکھی اور دوسرے ناواقف مسلمانوں میں صحبت کے اثر سے آ گئی وہ ضد ہے، علمائے اسلام نے ہمیشہ اس کو رد کیا۔ ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ (۱) کی تفسیر

(۱) (سورة الحجرات: ۱۳)

میں اس کا ذکر اردو کی تفاسیر میں بھی موجود ہے(۱)، غایت النسب میں اس پر کافی بحث ہے(۲)، القول الأسلم اسی مقصد کے لئے تصنیف کی گئی ہے(۳)۔ سید، صدیقی، فاروقی، انصاری وغیرہ کا لگانا تعارف کے لئے اہلِ عرب میں بھی موجود تھا اور اب بھی ہے۔ کتب حدیث میں اسانید میں بکثرت راویوں کے نام کے ساتھ قبائل کی نسبتیں مذکور ہیں، اسمائے رجال میں تحقیقاتِ انساب میں بکری، عمری، انصاری، اموی، خزرجی، اویسی، قریشی وغیرہ الفاظ ملتے ہیں حتی کہ صحاح ستہ میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

البتہ تعارف دوسرے طُرق سے بھی ہوسکتا ہے اور دوسرے طریق بھی عرب وعجم میں شائع ہیں، مگر اس طریق کو بھی ممنوع نہیں کہا جاسکتا۔ بعض خاندانوں کے ساتھ ایک لقب ہوتا ہے جو خاندان کے ہر فرد کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

بعض (لوگ) اپنی صفتوں کے ساتھ جیسے ''قصاب، بصاص، اسکاف، خیاط'' وغیرہ بعض اپنے عہدوں اور کاموں ''وکیل، جج، حکیم، ڈاکٹر'' وغیرہ کے ساتھ مشہور ہوتے ہیں، بعض لوگ کسی ایسے وصف کے ساتھ مشہور ہوجاتے ہیں جس کو وہ خود پسند نہیں کرتے بلکہ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن رواۃ وانساب سے بحث کرنے والے حضرات محض امتیاز کے لئے اس وصف کو ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔ نیز اگر ملک عرب میں امتیاز وتخصیص کے لئے ایک طریقہ رائج ہو اور شریعت کی طرف سے اس طریق پر مسلمانوں کو مجبور ومحصور نہ کر دیا گیا ہو تو دوسرا طریقہ اختیار کرنا بھی گناہ نہیں، البتہ فخر وتکبر انتہائی مذموم وممنوع ہے(۴) اور اس امتیاز کی وجہ سے دوسروں کو حقیر وذلیل

(۱) راجع (معارف القرآن للمفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ [سورۃ الحجرات: ۱۳]: ۱۲۴/۶، إدارۃ المعارف کراچی)

(وکذا فی معارف القرآن مؤلفہ مولانا محمد إدریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۵۰۴/۷، ۵۰۵، مکتبۃ المعارف دارالعلوم حسینیہ شھداد پور سندھ)

(۲) لم أجدہ

(۳) راجع للتفصیل: القول الأسلم، باب: تیسرا درجہ: قانونِ ترجیح وفضیلت، ص: ۵، خواجہ برقی جامع مسجد دھلی)

(۴) ''عن ابن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ''لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر''............ و عنہ (أی أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ) قال: قال =

سمجھنا ہرگز جائز نہیں (۱)۔ امتیازِ نسبی کو نجات کے لئے کافی سمجھنا اور احکامِ شریعت کی پابندی سے آزاد ہو جانا جہنم میں جانے کے لئے تو کافی ہوسکتا ہے، مگر خدا کے عذاب سے تحفظ کے لئے کافی نہیں ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ خاندان کو نام بنام خطاب فرمایا کہ نبی کی قرابت کو اپنے لئے ذریعۂ نجات نہ سمجھنا، بلکہ ذریعۂ نجات ایمان وعمل صالح ہے، اگر قرابتِ نسبی کافی ہوتی تو بعض اہل قرابت ابولہب وغیرہ بھی ناجی ہوتے (۲)، البتہ ایمان وعمل صالح کے ساتھ شرافتِ نسبی کی سعادت بھی میسر ہو جائے، تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقول الله تعالىٰ: (الكبرياء ردائي، والعظمة إزاري، فمن نازعني واحداً منهما، أدخلتُه النار)". (مشكوة المصابيح، باب الغضب والكبر، الفصل الأول: ۲/۴۳۳، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسىٰ أن يكونوا خيراً منهم﴾ ينهى تعالىٰ عن السخرية بالناس، و هو احتقارهم والاستهزاء بهم، كما ثبت في الصحيح عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "الكبر بطر الحق و غمص الناس" ...... والمراد من ذلك احتقارُهم واستصغارهم، وهذا حرام، فإنه قد يكون المحتقر أعظم قدراً عند الله تعالىٰ وأحبّ إليه من الساخر منه المحتقر له، و لهذا قال تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم﴾ الخ". (تفسير ابن كثير [سورة الحجرات] ۴/۲۷۰، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في روح المعاني، [سورة الحجرات: ۱۳]: ۲۶/۱۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، [سورة الحجرات: ۱۳]: ۳/۲۰۲، قديمي)

(۲) و قوله تعالىٰ. ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾: أي إنما تتفاضلون عند الله تعالىٰ بالتقوى لا بالأحساب، وقد وردت الأحاديث بذلك عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال البخاري: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيُّ الناس أكرم؟ قال: "أكرمهم عند الله أتقاهم". قالوا: ليس عن هذا نسألك، قال: "فأكرم الناس يوسف نبي الله، ابن نبي الله، ابن نبي الله ابن خليل الله" قالوا: ليس عن هذا نسألك، الخ .... "إن الله لا يسألكم عن أحسابكم و لا عن أنسابكم يوم القيامة، إن أكرمكم عند الله أتقاكم". (تفسير ابن كثير، [سورة الحجرات: ۱۳]: =

اصلی اور نقلی انصاری میں فرق

سوال [۲۲۵٦]: ہندوستان میں جولاہا قوم نے اپنے کو انصاری لکھنا شروع کر دیا اور کہتے ہیں کہ ہمارا نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل مدینہ سے شروع ہوتا ہے، تو اصلی انصاری اور نقلی انصاری کی کیا پہچان ہے؟ مدرسہ میں کسی کتاب میں ہو تو وہ کتاب بھیج دیں، ہم قیمت بھیج دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نسب بدلنا جائز نہیں حرام ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید ہے(۱)، کوئی ایسی نشانی نہیں جس کو دیکھ کر بتایا جا سکے کہ فلاں شخص انصارِ مدینہ کی اولاد سے ہے اور فلاں شخص مصنوعی انصاری ہے، دریافت پر مدار ہے۔ مدرسہ میں کوئی تجارتی کتب خانہ نہیں، اس میں جو کتابیں ہیں وہ اساتذہ اور طلباء کے مطالعہ کے لئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۱ھ۔

سقوں کا اپنے آپ کو عباسی کہنا

سوال [۲۲۵۷]: قوم بہشتی وسقے، اپنے آپ کو عباسی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پانی بھرنے کا کام کیا تھا، اسی بات کو مدِ نظر رکھ کر بہشتی اپنے آپ کو عباسی کہتے ہیں، کچھ لوگ اعتراض

= ۴/۲۷۷، ۲۷۸، دار الفیحاء بیروت)

(والحدیث أخرجه البخاري في كتاب الأنبياء، باب قول الله عزوجل: ۱/۴۷۳، قديمي)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من انتسب إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين".

"عن عاصم الأحول عن أبي عثمان النهدي قال: سمعت سعداً و أبا بكرة: كل واحد منهما يقول: سمعتُ أذناي و وعى قلبي محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ادّعىٰ إلىٰ غير أبيه و هو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام". (سنن ابن ماجة، ص. ۱۸۷، أبواب الحدود، باب من ادّعى إلى غير أبيه، قديمي)

کرتے ہیں کہ عباسی کہنا ناجائز ہے، لہٰذا بتایا جائے کہ ان کا اپنے آپ کو عباسی کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانی کے بھرنے کی یہ صورت نہیں تھی جو کہ آج کل سقوں میں رائج ہے کہ اُجرت پر پانی بھرتے ہیں، بلکہ زمانہ حج میں جو لوگ حج کے لئے مکہ معظمہ میں آتے تھے ان کے لئے کشمش پانی میں بھگو کر بطورِ شربت تیار کیا کرتے تھے اور اس شربت سے ان کی مہمان نوازی کیا کرتے تھے جس کا معاوضہ کچھ نہیں لیتے تھے، بلکہ اس خدمت اور مہمان نوازی کو فرض سمجھتے تھے، یہ خدمت قبل از اسلام بھی ان کے سپرد تھی اور بعد از اسلام بھی انہیں کے سپرد رہی۔ باقی اُجرت پر پانی بھر کر لوگوں کے مکانوں میں پہونچانا اور اس کو اپنا پیشہ اور ذریعۂ معاش بنانا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میں نے کہیں نہیں دیکھا اور یہ نسبت عباسی تو سلسلۂ نسب کی نسبت ہے جیسا کہ خلفائے عباسیہ، منصور، ہارون، مامون وغیرہ گزرے ہیں، نہ کہ پانی بھرنے کی نسبت۔ اگر کوئی شخص کسی غیر کی طرف اپنا نسب منسوب کرے حدیث شریف میں اس کے لئے بہت سخت وعید آئی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۵/۶۶ھ۔

نام کے ساتھ ''صدیقی'' لکھنا

سوال[۲۲۵۸]: مسلمانوں میں مختلف قوموں کے لوگ اپنے نام کے ساتھ ''صدیقی'' نسبت کے

---

(۱) ''عن سعد بن أبي وقاص وأبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ''من ادعى'': أي انتسب ''إلى غير أبيه و هو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام''. متفق عليه''.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۶/۴۷۷، رشيديه)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۲۱۴، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۲/۱۷۰، (رقم الحديث: ۹۸۸۳)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لاترغبوا'': أي لا تعرضوا ''عن آبائكم'': أي عن الانتماء إليهم ''رمن رغب عن أبيه فقد كفر''. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۶/۴۷۷، رشيديه)

ساتھ اپنے کومنسوب کرتے ہیں، جب کہ یہ حقیقی نسبت ان کے ساتھ نہیں ہے، محض تفاؤلاً یا کسی اور مقصد کے پیش نظر ایسی نسبت اپنے ساتھ جوڑتے ہیں، تو مذکورہ نسبت کا اپنے نام کے ساتھ جوڑنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرف عام میں آج کل ''صدیقی'' اس کو کہتے ہیں جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں ہو، پس جو شخص ان کی اولاد میں نہ ہو وہ اپنے نام کے ساتھ ''صدیقی'' لکھتا ہے تو یہ درست نہیں، اس سے دھوکا ہوتا ہے اور نسبت بدلنے والے کے لئے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، اس کو پرہیز لازم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''عن سعد بن أبي وقاص و أبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من ادعى'': أي انتسب ''إلى غير أبيه و هو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام''. متفق عليه''. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۴۷۷/۶، رشيديه)

(وفيض القدير: ۵۶۱۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۳۷۰)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۱۷/۲، (رقم الحديث: ۱۹۸۸۳)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''و عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لا ترغبوا'': أي لا تعرضوا ''عن آبائكم'': أي عن الانتماء إليهم ''فمن رغب عن أبيه فقد كفر''. (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۴۷۷/۶، رشيديه)

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

حقِ حضانت کس کو اور کب تک ہے؟

سوال[۶۶۵۹]: ایک شخص انتقال کرتا ہے اور دو بچہ اپنے بعد چھوڑے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چونکہ لڑکی بالغ ہے اور اس کا عقد ہوگیا اور لڑکا ہنوز نابالغ بہ عمر دس گیارہ سالہ ہے۔ چنانچہ لڑکے کی ماں نے عقدِ ثانی کرلیا اور ایسے خاندان میں عقد کیا کہ آئندہ لڑکے کی جان و مال خطرے میں ہے اور لڑکے کی بہن تا ہونے بالغ اس کی پرورش نگہبانی کے لئے ماں سے زیادہ رفیق معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ لڑکے کی ماں کچھ قاصر عقل بھی ہے، بذریعہ پنچایت یتیم کا مال محفوظ کردیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ولی اس کی بہن ہوسکتی ہے کہ ماں؟ بینوا توجروا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی عمر جب دس سال کی ہوگئی تو اب ماں کو اس پر حقِ پرورش حاصل نہیں، جہاں لڑکے کا رہنا مفید ہو ماں کے پاس یا بہن کے پاس وہیں رہے، حقِ پرورش سات سال کی عمر تک رہتا ہے اس کے بعد نہیں رہتا(۱)۔ اگر لڑکے کی عمر سات سال سے کم ہوتی تو اس وقت یہ تفصیل ہوتی کہ اس کی والدہ نے جس شخص سے

---

(۱) "(تثبت للأم) ......(ولو) .... بعد الفرقة......... (والحاضنة أماً أو غيرها أحق به): أى بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدّر بسبع، وبه يفتي؛ لأنه الغالب". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۳/۵۵۵-۵۶۶، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/۲۸۷، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشرفي الحضانة: ۱/۵۴۲، رشيديه)

نکاح کیا ہے اگر وہ اس لڑکے کا ذی رحم محرم نہیں تو بہن کو حق ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

مطلقہ کو حقِ حضانت کب تک ہے؟

سوال [۶۶۶۰]: زید جب اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو ان کی اس بیوی کے بطن سے جو اولاد صغیر ہوں ان کی پرورش کا حق کن کو ملنا چاہئے اور کس عمر تک، مثلاً ایک شخص کی تین اولاد ہیں ایک تقریباً دو ماہ عمر اور دوسرا لڑکا تقریباً چار ساڑھے چار سال کا اور تیسری لڑکی جو تقریباً چھ ساڑھے چھ سال کی ہے۔ آج کل فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، اس لئے زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی اولاد کو سوائے سب سے کم عمر والے کو اپنی تربیت ونگرانی میں رکھے۔

اس لئے شرعاً اس بارے میں کہاں تک گنجائش ہے؟ نیز فوری طور پر اگر زید پرورش کا حق کسی طرح نہ رکھ سکتا ہو تو مدت کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کم سے کم کتنے عرصہ میں زید اپنی مطلقہ بیوی سے حاصل کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک زید کی یہ مطلقہ بیوی کسی اجنبی شخص سے نکاح نہ کرے تو خود بچوں کی والدہ کو حق

---

(۱) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم .... فإن ماتت أو تزوجت فالأخت لأب وأم .... وإنما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبي، فإن تزوجن بذي رحم محرم من الصغير كالجدة إذا كان زوجها جد الصغير، أو الأم إذا تزوجت بعم الصغير، لا يبطل حقها، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة: ۱/ ۵۴۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/ ۴۸۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مطلب: لو كانت الإخوة أو الأعمام غير مأمونين: ۳/ ۵۶۵، رشيديه)

پرورش ہوگا(۱)، زید کو جائز نہیں کہ بچوں کو والدہ سے علیحدہ کرے، یہاں تک کہ لڑکا خود کھانے، پینے، پہننے، استنجا کرنے لگے، اپنی ان چیزوں میں وہ دوسروں کا محتاج نہ رہے اور عام طور پر بچہ سات سال کی عمر میں اس قابل ہوجاتا ہے۔ اور لڑکی کو والدہ سے اس وقت تک جدا کرنا درست نہیں کہ لڑکی کو شہوت ہونے لگے اور اس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے، اس کے بعد اپنی اولاد کو والدہ سے علیحدہ کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔

اگر بچوں کی والدہ بچوں کے کسی ذی رحم محرم سے مثلاً چچا سے نکاح کرے تو اس سے حقِ پرورش ساقط نہیں ہوتا، اگر کسی اجنبی شخص سے نکاح کرے گی، یا اس کی ایسی حالت ہے کہ بچوں کی طرف سے غافل ہوکر جہاں دل چاہا چلی گئی جس سے بچوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو والدہ کا حقِ پرورش ساقط ہوجائے گا(۳) اور نانی، دادی، بہن، خالہ، پھوپھی کو حقِ پرورش تربیت سے حاصل ہوگا اس کے بعد والد کو حق ہوگا، کذا فی الدر المختار (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذی قعدہ/ ٦٧ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ٦/ ذی قعدہ/ ٦٧ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ٥٦٧، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "والأم والجدة أحق بالغلام، حتى يستغني، وقُدّر بسبع سنين. وقال القدوري: حتى يأكل وحده، ويشرب وحده، ويستنجي وحده. وقدره أبوبكر الرازي بتسع سنين، والفتوى على الأول. والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. وفي نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالى: إذا بلغت حد الشهوة، فالأب أحق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، ، الباب السادس عشر في الحضانة: ۱/ ٥٤٢، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ٤/ ٢٨٧، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق باب الحضانة: ٣/ ٥٦٦، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ٥٦٧، رقم الحاشية: ۱)

(٤) "(ثم): أي بعد الأم بأن ماتت أولم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أم الأم) وإن علت عند عدم أهلية القربى، (ثم أم الأب) وإن علت، (ثم الأخت لأب وأم ثم لأم)". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ٣/ ٥٦٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ٤/ ٢٨٣، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ٣/ ٢٩٣، دار الكتب العلمية بيروت)

حقِ حضانت

سوال [۶۶۶۱]: ایک شخص کا نکاح ایک بیوہ عورت سے ہوا ہے اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں، بعد آٹھ یا دس سال کے لڑکیوں کا دادا یا چچا لڑکیوں کو لینے کے لئے آیا کہ ہماری لڑکیاں ہیں اور ہمارا حق ہے ان لڑکیوں کو ہم کو دیدو اس مدت میں ان لڑکیوں کی پرورش میں جو خرچ ہوا ہے شریعت کے لحاظ سے کون دے گا آیا یہ خرچ لڑکیوں کا چچا دادا دیں گے؟ یا جس کے پاس وہ لڑکیاں پرورش پائی ہیں وہ اس کا حق تھا اور اگر لڑکیوں کا ذکر والدہ کے نکاح کے وقت پیش آیا ہے تب کیا حکم ہے؟ بیان فرمایئے مع حوالہ کتب معتبرہ بیان کیجئے۔ فقط۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکیوں کا ولی نکاح کے لئے دادا ہے ماں نہیں اور حق پرورش اصالۃً ماں کو ہے اور جب ماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرے جو لڑکیوں کا ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کا حق ساقط ہو جاتا ہے، اگر نانی نہ ہو تو دادی کو ہوتا ہے، پھر بہن کو، پھر خالہ کو، پھوپھی کو اور یہ حق لڑکیوں کے مشتہاۃ ہونے تک رہتا ہے جس کا اندازہ ۹/۹ سال ہے:

"تثبت الحضانة للأم، ثم أم الأم، ثم أم الأب، ثم الأخت، ثم الخالات، ثم العمات. والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه. والأم أو الجدة أحق بها حتى تحيض، وغيرهما أحق بها حتى تشتهي. وقُدر بتسع، وبه يفتى. وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة، كذالك، وبه يفتى، اھ". درمختار مختصراً: ۳/۹۰۹(۱)۔

"والولي في النكاح لاالمال العصبةُ بنفسه بلاواسطة أنثى على ترتيب الإرث، اھ". درمختار: ۲/۴۸۰(۲)۔

سوتیلے والد کو ان لڑکیوں کے نکاح کا اختیار نہیں:

"ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولهما كالملتقط ونحوه، فإنه لا يملك

(۱) (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب الحضانة: ۳/۵۵۵-۵۶۵، سعید)

(۲) (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الولی، مطلب فی فرق النکاح: ۳/۷۶، سعید)

تزويجهما، اھ". الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۹٤ (۱)۔

لڑکیوں کا نفقہ دادا کے ذمہ ہے، اگر پہلے حکومت کے ذریعے سے یا آپس کی مصالحت سے کچھ خرچ لڑکیوں کا مقرر ہو گیا تھا جو دادا نے نہیں دیا اور ماں نے قرض لے کر لڑکیوں کو کھلایا ہے تب تو وہ بیوہ اتنی مقدار خرچ لے سکتی ہے، اگر پہلے کچھ مقرر نہیں ہوا تو نہیں لے سکتی، اسی طرح اگر مقرر ہو گیا، مگر قرض لے کر نہیں کھلایا تو تب بھی نہیں لے سکتی:

"قضى بنفقة غير الزوجة -زاد الزيلعي: والصغير- ومضت مدة: أي شهر فأكثر، سقطت لحصول الاستغناء فيما مضى .... إلا أن يستدين غير الزوجة بأمر قاض، فلو لم يستدن بالفعل فلا رجوع، بل في الذخيرة: لو أكل أطفاله من مسئلة الناس، فلا رجوع لأمهم ولو أعطوا شيئاً واستدانت شيئاً أو أنفقت من مالها، رجعت بما زادت، فتاوى قاضي خان، اھ".

درمختار: ۲/ ۱۰۵۹ (۲) والبسط في ردالمحتار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۲/ ۶/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۶/ ۶۱ھ۔

مدتِ حضانت شیعہ مذہب میں

سوال [۶۶۶۲]: آپ نے فرمایا: ایسی حالت میں جب لڑکی دین مذہب کو سمجھنے لگے جس کا اندازہ سات سال ہے، یا اس سے بیشتر ہی ماں کے عقائد سے متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو ماں سے علیحدہ کر لینا چاہئے۔ ہندوستانی عدالتیں سنی قانون مسلمانان پر عمل کرتی ہیں، بارہ برس تک رہ سکتی ہے، زوجہ کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ لڑکی کا باپ سنی ہے، لہذا خود لڑکی سنی ہے، اس لئے سنی قانون پر عمل

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/ ۲۸۴، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، آخر مطلب في نفقة قرابة غير الولاد من الرحم المحرم: ۳/ ۶۳۳-۶۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب النفقة: ۴/ ۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/ ۳۳۱-۳۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

کرنا چاہئے اور لڑکی بارہ برس تک ماں کے پاس رہے۔

اگر شوہر یہ دلیل پیش کرے کہ وہ اپنی لڑکی کو ماں کے عقائد سے متاثر کرنا نہیں چاہتا، اس لئے سات سال یا اس سے قبل ہی میں لڑکی کو اس کے پاس آجانا چاہئے تو اس کو غالبًا کئی حوالے دینے پڑیں گے تاکہ عدالت اس کی دلیل اور مطالبہ کو تسلیم کرے۔ اس مسئلہ میں شوہر کے ذمہ زوجہ کے مذہب کی پابندی لازم نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا شوہر کو حق ہے کہ جس مذہب کے قانون کو چاہے اس کی پابندی کرے؟ عورت اپنے مذہب (شیعہ) کے قانون کی رو سے صرف ۷/ سال تک لڑکی کو اپنے پاس رکھے، اور شوہر اپنے سنی قانون کے مطابق ۱۲/ برس سے پہلے لڑکی کو مانگ نہیں سکتا ہے، وہ تو خود یہ چاہتا ہے کہ زوجہ کے قانون یعنی شیعہ قانون پر عملدرآمد ہو کہ لڑکی اسے جلد از جلد مل سکے گی۔

شرعًا اسے حق حاصل ہے کہ زوجہ کے قانون پر عملدرآمد کرا سکے؟ لڑکی کو جلد از جلد ماں سے لینے کے لئے وہ صرف عقائد سے متاثر ہونے کے خوف کی دلیل ہی پیش کرتا ہے اور آیا صرف یہی دلیل کافی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ جب دین کو سمجھنے لگے، ماں کے عقائدِ فاسدہ سے متاثر ہونے کا خوف ہو تو علیحدہ کرلینا چاہئے، یہ مسئلہ عامۂ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ میں ایک کتاب کی عبارت نقل کرتا ہوں اور چند کتب کے نام مع صفحہ درج کرتا ہوں تاکہ بوقتِ ضرورت ان کتب میں دیکھنا سہل ہو:

"وقد جمع في الهداية بين شيئين، فقال: مالم يعقل الأديان أوأن يألف الكفر، فظاهره أنه إذاخيف أن يألف الكفر، نزع منها وإن لم يعقل ديناً، اه". البحر الرائق: ۲/ ۱۷۱(۱)۔

تبيين الحقائق للزيلعي: ۳/ ٤٩(۲)، هداية، ص: ٤١٦(۳)، عناية: ۳/ ۳۱۷(٤)،

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/ ۲۸۹، رشيدية)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۳/ ۲۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۲/ ۴۳۶، شركة علمية ملتان)

(۴) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الولد من أحق به: ۴/ ۳۷۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سکب الأنهر: ۱/۴۹۱(۱)، الدر المختار: ۳/۹۸۸(۲)۔

اس حکم میں لڑکا اورلڑکی کا ایک ہی حکم ہے،مجمع الأنهر: ۱/۴۹۱(۳)۔

مذہب شیعہ میں لڑکی کی حضانت کے متعلق تین اقوال ہیں:۱-سات سال،۲-نو سال،۳-شادی تک قولِ اول کوراجح اور معتبر لکھا ہے شرائع الاسلام،ص:۲۵۶۔

شوہر کے ذمہ زوجہ کے مذہب کی پابندی لازم نہ ہونے کو جو تحریر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سنی مذہب میں خود اتنی تفصیل موجود ہے یعنی سات سال بلکہ اس سے پیشتر لڑکی کو والدہ سے علیحدہ کرنے کا اختیار حاصل ہے تو پھر زوجہ کے مذہب کے مطابق مطالبہ کرنے کی کیا ضرورت کہ اس سے مذہب زوجہ کی حقانیت اور اس کی پابندی کا اعتراف عدالت سے تسلیم کرانا اور فتویٰ کے ذریعہ اس کو شرعاً حجت قرار دینا لازم آتا ہے اور عدالت میں ایک نظیر قائم ہو جائے گی کہ سنیوں نے شیعہ مذہب کے مطابق از خود درخواست دے کر عدالت سے فیصلہ کرایا ہے اور فتویٰ بھی اس کے موافق ہے، پھر یہ کہ سنی مذہب میں سات سال سے پیشتر بھی لڑکی کو لینے کا اختیار حاصل ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

بچہ کے گزشتہ ایام کا خرچ شوہر سے وصول کرنا،اور حق حضانت

سوال[۶۶۶۳]: ایک عورت اپنے خاوند سے اپنا نکاح فسخ کرانے پر بضد ہے، خاوند کوشش کرتا ہے کہ آباد ہو مگر وہ کسی صورت میں نہیں مانتی، یہ مخاصمت سرکاری عدالت سے ایک حَکَم کے پاس ثالثی کے لئے بھیج

---

(۱) (سکب الأنهر (الدر المنتقى شرح الملتقى) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/۴۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مطلب: لو كانت الإخوة أو الأعمام غير مأمونين الخ: ۳/۵۶۵، سعيد)

(۳) "والزمية أحق بولدها المسلم ...... مالم يخف عليه ألف الكفر، فحينئذٍ يؤخذ عنها، جاريةً كانت أو غلاماً، الخ". (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر). وقال الحصكفي: "(أحق بولدها، اهـ) نظراً له بلا فرق بين غلام وجارية، اهـ". (سكب الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/۴۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

دی گئی ہے، حکم نے مصالحت کی پوری پوری کوشش کی مگر کوئی صورت نہیں نکل سکی۔

اس عورت کا لڑکا پونے پانچ سال کی عمر کا اس کے ساتھ ہے، یہ پونے تین سال کا خرچ لڑکے کا جب سے یہ میکے بیٹھی ہے خاوند سے شرعاً وصول کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور آئندہ بعد فسخِ نکاح سات سال تک سوا دو سال کا خرچ بھی شرعاً لے سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ عورت اپنا نکاح لڑکے کے غیر محرم سے کرے تو یہ لڑکا حقیقی نانی کی حضانت میں آئے گا یا والد کی طرف منتقل ہوگا اور نانی اس کا خرچہ لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گزشتہ نفقہ نہیں وصول کرسکتی (۱)، لیکن اگر زوجین میں معاہدہ ہوگیا تھا کہ زوجہ جو کچھ خرچ کرے وہ شوہر سے وصول کرے، اس صورت میں حسبِ معاہدہ وصول کرنا درست ہے (۲)، آئندہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے چاہے وہ خود خرچ کرے چاہے، کسی کو اپنا وکیل بنادے، لڑکے کی والدہ کو یا کسی اور کو جب یہ عورت لڑکے کے کسی غیر محرم سے نکاح کرے تو حقِ حضانت اس سے ساقط ہوکر نانی کو یہ حق حاصل ہوگا (۳)۔ والد کے ذمہ نفقہ

---

(۱) "إذا خاصمت المرأة زوجها في نفقة مامضى من الزمان قبل أن يفرض القاضي لها النفقة وقبل أن يتراضيا على شئ فإن القاضي لايقضي لها بنفقة مامضى عندنا". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی نفقة الزوجة: ۱/۵۵۱، رشیدیه)

"ولاتجب نفقة مضت إلابالقضاء أو الرضا، الخ". (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۱۶، رشیدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/ ۳۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱/ ۴۹۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائده: ۱)

"استدانت على الزوج قبل الفرض والتراضي فأنفقت، لاترجع بذلك على زوجها، بل تكون متطوعةً بالإنفاق، سواء كان الزوج غائباً أو حاضراً. ولو أنفقف من مالها بعد الفرض أو التراضي، لها أن ترجع على الزوج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الفصل الأول فی نفقة الزوجة: ۱/۵۵۱، رشیدیه)

(۳) "وإنمايبطل حق الحضانة لهٰؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبي، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة: ۱/۵۴۱، رشیدیه)

=

بلوغ تک واجب ہوتا ہے، سات سال کی عمر پر ختم نہیں ہوجاتا(۱)، حق حضانت البتہ مفتیٰ بہ قول کی بنا پر سات سال کی عمر تک رہتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۸/۴/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/۴/۶۴ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/۴۸۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مطلب: لو كانت الإخوة أو الأعمام غير مأمونين الخ: ۳/۵۶۵، سعيد)

"(ثم): أي بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أمُّ الأم وإن علت) عند عدم أهلية القربى (ثم أم الأب وإن علت ثم الأخت لأب وأم ثم لأم)، الخ". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۳/۵۶۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/۲۸۳، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۳/۲۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "قيد بالطفل وهو الصبي حين يسقط من البطن إلى أن يحتلم......ولذا عبّر به؛ لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: الصغير والمكتسب نفقة في كسبه لا على أبيه: ۳/۶۱۲، سعيد)

(۲) "وحدّه وقدره بتسع أو سبع: أي قدّر مدة الاستغناء أبو بكر الرازي بتسع سنين، والخصاف بسبع سنين، وعليه الفتوى، الخ". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/۴۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، باب الحضانة: ۳/۲۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/۲۸۷، رشيديه)

نانا کا پرورش میں خرچ کردہ روپیہ بچہ کے باپ سے مطالبہ کرنے کا حق

سوال[۶۶۶۴]: ایک شخص نے وفات پائی اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا اور زوجہ بیوہ کچھ عرصہ بعد زوجہ کا بھی انتقال ہو گیا، مرحوم کا لڑکا اپنے دادا کے پاس پرورش پاتا رہا، مگر اس کی والدہ کے انتقال کے بعد دادا نے اس کی پرورش سے انکار کر دیا اور لڑکا اپنے نانا کے یہاں پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد لڑکے کے نانا نانی نے لڑکے سے کہا کہ جو خرچ ہم نے تیری پرورش پر کیا ہے اپنے دادا سے لے کر ہم کو دے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ لڑکا اپنے دادا سے یہ خرچ لے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کیا نانا نے پرورش کرنے سے پہلے یہ شرط دادا سے کی تھی کہ اس کی پرورش میں جو خرچ ہوگا وہ تم سے لوں گا اور دادا نے اس شرط کو قبول کر لیا تھا، اگر یہ معاہدہ ہو گیا تھا تب تو اس معاہدہ کی وجہ سے نانا کو مطالبہ کا حق حاصل ہے(۱)، اگر معاہدہ نہیں ہوا تھا تو حق حاصل نہیں ہوا، بلکہ جو کچھ نانا نے خرچ کیا ہے وہ احسان ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنو أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لاعهدله". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني: ۱/۱۵، قديمي)

(۲) "ونفقة الصبي بعد العظام إذا كان له مال في ماله، هكذا في المحيط. وإن كان مال الصغير غائباً أمر الأب بالإنفاق عليه ويرجع في ماله، فإن أنفق عليه بغير أمره لم يرجع إلا أن يكون أشهد أنه يرجع وبسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يرجع .... صغير له أب معسر وجدٌ أبو الأب موسر وللصغير مال كان ذلك ديناً على الأب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/۵۶۲، رشيديه)

بعد بلوغ حقِ پرورش دادی وغیرہ کو ہے یا خالہ کو؟

سوال[۶۲۶۵]: میری دولڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک کو بچپن میں ان کی خالہ نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے پاس رکھ لیا، اس کے بعد دوسری لڑکی کو بھی دل بہلانے کے واسطے رکھ لیا۔ جس لڑکی کو خالہ نے اولاً رکھا تھا اس کا نکاح بھی میری اجازت بغیر کردیا، مگر میں نے اور میرے بھائیوں نے اور والدہ نے کوئی تعرض نہیں کیا کہ شاید دل شکنی ہو۔ دوسری لڑکی پر بھی اب تک ان کا قبضہ مخالفانہ ہے اور اس کو بھی اپنے بہکائے میں خالہ اور خالو نے رکھ رکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو خالہ خالو کہیں وہی لڑکی کہنے لگے۔

اب چونکہ لڑکی جوان قابلِ پردہ ہو چکی اور خالو سے شریعت میں پردہ کا قانون ہے تو میں باپ ہونے کی وجہ سے اور میرے دونوں بھائی چچا ہونے کی رو سے اور میری دونوں بہنیں پھوپھیاں ہونے کی وجہ سے اور میری والدہ دادی ہونے کے بموجب نہیں چاہتے کہ ہماری جوان کنواری لڑکی خالہ اور خالو نامحرم کے گھر رہے اگرچہ پہلے دوسری لڑکی کی بھی یہ شکل ہو چکی ہے، لیکن بوجہ لاعلمی قانون پردہ ایسا ہوا۔ حق تعالیٰ معاف کرے۔ اب ہم کو علم ہو چکا کہ خالو سے پردہ ہے، اگر اس کے خلاف ہم کریں تو ہمارے اور خالو کے لئے بڑی ہی بے غیرتی اور بے حیائی ہے، دنیا وآخرت میں باعثِ رسوائی ہے۔

اس واقعہ کے بعد چند امور ہیں ہر نمبر کا جواب مختصر اور عام فہم عنایت فرماویں:

۱..... جو کچھ ہم نے تحریر کیا، یہ ہمارا خیال درست ہے یا نہیں؟

۲..... کیا باپ اور چچاؤں، دادی کو یہ حق شرعاً ہے کہ اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے آویں اور خالو کے ماتحت نہ رہنے دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جی ہاں! خالو سے پردہ فرض ہے اور وہ نامحرم ہے بشرطیکہ اس سے اور کوئی رشتہ رضاعت وغیرہ کا نہ ہو(۱)۔

---

(۱) خالو غیر محرم ہے اس سے پردہ ضروری ہے: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها ..... ولا يبدين زينتهن إلّا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن أو أبنائهن أو أبناء بعولتهن أو إخوانهن أو بني إخوانهن أو بني أخواتهن أو نسائهن أو ما ملكت أيمانهن أو التابعين =

۲......ایسی حالت میں باپ کو لازم ہے کہ لڑکی کو اپنے پاس رکھے، خالو کے پاس نہ رہنے دے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

بیوہ کی مرضی کے خلاف چچا کا نابالغ بچوں کو اپنی کفالت میں لینا

سوال[۶۶۶۶]: بیوہ سے چار بچے ہیں اور وہ سب کے سب نابالغ ہیں، بیوہ ان بچوں کو جبریہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے اور ان کے حصہ کا ترکہ بھی اپنے قبضہ میں لینا چاہتی ہے۔ ان بچوں کو ان کے چچا بیوہ کی مرضی کے خلاف اگر اپنی کفالت میں رکھیں، یا ان کے سامان ترکہ کی حفاظت کریں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ سات سال کی عمر تک تو والدہ ہی کے پاس رہنا چاہئے، پھر اس کی تعلیم وغیرہ کی غرض سے چچا تربیت کریں، پھر بھی والدہ سے ملنے پر کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ والد مرحوم کے ترکہ میں جو کچھ بچوں کا حصہ ہے، اگر اس کی حفاظت چچا بخوبی کرسکیں تو چچا کے پاس رہے، اگر والدہ زیادہ حفاظت کرسکے تو والدہ کی نگرانی میں رہے(۲)، اس کو خاندان کے بڑے اور تجربہ کار حضرات باہمی مشورہ سے تجویز کرلیں کہ بچوں کے حق میں کیا صورت زیادہ مفید اور قابلِ اطمینان ہے کہ ان کا مال کس کے پاس رہنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

= غير أولي الإربة من الرجال﴾ الآية (سورة النور: ۳۱)

درج بالا آیت میں مذکورہ اشخاص کے ماسوا سب سے پردہ ضروری ہے، اور ان میں خالو کا ذکر نہیں۔

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۲) "والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقُدّر بسبع؛ لأنه إذا استغنى يحتاج إلى تأديب والتخلق بآداب الرجال وأخلاقهم، والأب أقدر على التأديب والتعنيف، الخ". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/ ۲۸۷ رشيدية)

"الأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقُدّر بسبع سنين. وبعد ما استغنى الغلام، فالعصبة أولى، يقدم الأقرب فالأقرب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس العشره في الحضانة: ۱/ ۵۴۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۱/ ۴۸۰-۴۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

باب المتفرقات

زوجۂ دیوث کا حکم

سوال[۶۶۶۷]: جو شخص ایسا ہو کہ اس کی بیوی غیر آدمی سے ملتی ہو اور ہمیشہ جوتے کپڑے اور کھانے کی اشیاء فرمائش کر کے حاصل کرتی ہو اور خاوند اس کا اس امر کے خلاف نہ ہو، بلکہ خود بھی بیوی کے پاس سے کھاتا پیتا ہو تو ایسے شخص کے لئے شریعت کیا کہتی ہے، اس سے اس کی بیوی کو علیحدہ کر کے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس کی بیوی بھی اس کی اس حرکت کے خلاف ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص شرعاً دیوث ہے(۱)، عورت کو بھی شرعاً ہرگز جائز نہیں کہ ناجائز کام میں شوہر کی اطاعت کرے(۲)۔ برادری کے بااثر لوگوں کو چاہئے کہ جس طرح ہو اس کو اس حرکت سے روکیں، اگر وہ باز نہ آوے اور عورت کو حرام پر مجبور کرتا ہو تو عورت کو چاہئے کہ کسی طرح لالچ سے یا ڈرا کر طلاق حاصل کرلے(۳)، اس کے بعد عدت گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ثلثة قد حرّم الله علیهم الجنة: مدمن الخمر، والعاق، والدیوث الذی یقر فی أهله الخبیث". (مشکوة المصابیح: ۳۱۸/۲، کتاب الإمارة والقضاء، باب التعزیر، قدیمی)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". (مشکوة المصابیح: ۳۲۱/۲، کتاب الإمارة والقضاء، قدیمی)

(۳) "وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به".

(الهدایة: ۴۰۴/۲، باب الخلع، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۴۸۸/۱، الباب الثامن فی الخلع و ما فی حکمه، رشیدیه)

(۴) قال الله تعالیٰ ﴿و لا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

بالغہ کا نکاح جبراً، پھر طلاق اور پھر طلاق سے انکار

سوال[۶۶۶۸]: مسماۃ رئیسہ کی عمر بائیس سال تھی جب کہ یہ اپنے ماموں کے یہاں گئی ہوئی تھی، ماموں نے ایک جگہ سے کچھ روپیہ لے کر مسماۃ رئیسہ کا نکاح کرنے کوشش کی، مسماۃ رئیسہ کو جب یہ معلوم ہوا، اس نے انکار کیا کہ میں نکاح کی اجازت نہیں دے سکتی اور تم کو یہ اختیار نہیں بلکہ میرے والد کو یہ حق حاصل ہے۔ غرض ماموں نے بلا اجازت. جبراً نکاح کر کے ان کے حوالہ کر دیا۔ خلوت میں مسماۃ نے بچنے کی ہر چند کوشش کی اور مارپٹائی تک کی نوبت آئی، لیکن پھر بھی اپنی طاقت سے جبراً مسماۃ سے جماع کیا، غرض مسماۃ کسی طرح راضی نہیں۔ شوہر نے عام شارع پر کہہ دیا کہ مجھے اس عورت نے تنگ کر دیا ہے، میں نے اس کو طلاق دیدی اور یہ الفاظ ۵،۶/ مرتبہ استعمال کئے۔

عام پنچایت میں بھی طلاق ہوئی، لیکن تحریری طلاق نہیں دی گئی، اس بات کے گواہ موجود ہیں۔ اب دریافت یہ ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ نے جس طرح کہ ایجاب وقبول سے پہلے نکاح سے انکار کیا اگر ایجاب وقبول کے بعد بھی کہہ دیا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے تو شرعاً یہ نکاح ہی نہیں ہوا (۱)، پھر رخصتی اور اس کے بعد ہمبستری جو کچھ بھی ہوئی سب ناجائز ہوئی۔ اگر ایجاب وقبول کے بعد اس نے انکار نہیں کیا بلکہ خاموش رہی اور اپنی قسمت پر صبر کر کے راضی ورخصت ہوگئی تو نکاح صحیح ہوگیا، پھر شوہر نے جو طلاق پانچ چھ مرتبہ

---

(۱) "ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ". (الدرالمختار). "(قوله: البكر) أطلقها فشمل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك، وطلقت قبل زوال البكارة، فتزوج كما تزوج الأبكار". (ردالمحتار: ۵۸/۳، باب الولي، سعيد)

"لايجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۸۷/۱، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۹۵/۲، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية، بيروت)

دی تو اس سے مغلظہ ہوگئی (۱) اور جب کہ اس طلاق پر شرعی گواہ بھی موجود ہیں تو اب اس کا انکار شرعاً معتبر نہیں (۲)، الحاصل مسماۃ رئیسہ اس کے نکاح سے بہرصورت آزاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۵ھ۔

طلاق کے بعد نکاحِ ثانی ہوجانے پر بھی مطلقہ کو اپنے گھر رکھنا

سوال [۶۲۶۹]: کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے گھر چھوڑی ہے اس سے ملتا جلتا ہے، اس عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کیا ہے، اس عورت سے دو لڑکی ہیں، ان لڑکیوں کی وجہ سے رہتی ہے۔ فقط والسلام۔

بمقام نوادہ ڈاکخانہ مظفرآباد ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی عورت سے ملنا جلنا اور اس کو اپنے گھر رکھنا منع ہے (۳) اس کو چاہئے کہ اس عورت کو اس کے خاوند

---

(۱) "لو كرر لفظ الطلاق، وقع الكل، وإن نوى التأكيد دُيّن". (الدر المختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

"لو قال: أنت طالق و طالق و طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۵/۱، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۲۸۸/۳، تكرار الطلاق و إيقاع العدد، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج والمرأة ذلک، فرّق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوى". (الفتاوى التاتارخانية: ۵۷۲/۳، الشهادة والدعوى والخصومة في الطلاق، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲۲۴/۳، ۲۲۵، باب الرضاع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۶۱/۳، كتاب الشهادات، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً و يدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۷۳/۱، الباب السادس، الرجعة، فصل=

کے گھر پہونچادے۔ فقط۔

العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/ربیع الثانی/۵۸ھ۔

تین طلاق کے بعد ساتھ رہنا

سوال[۶۶۷۰]: ایک شخص بے روزگار وبیکار ہے، عیالدار ہے، اس کی بیوی بھی مزدوری سے تنگی کی حالت میں گزر اوقات کر رہی ہے، دونوں میں نکما ہونے کی وجہ سے نبھاؤ نہیں ہوتا، خود جاہل وضدی ہونے کی وجہ سے اور بھاوج کے اشتعال دلانے سے متعدد مرتبہ جھگڑا ہو چکا، اور ایک یا دوبار تین طلاق غصہ میں دے چکا ہے، پھر بھی ساتھ رہتا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو کہتا ہے کہ نہ میں نے دل سے طلاق دی نہ نیت تھی، بلکہ بھاوج کے کہنے سے ڈرانے کے لئے ایسا کہہ دیا ہے۔ اس صورت میں فرمائیں کہ شرعی کیا حکم ہے؟ اور بناؤ کی کوئی صورت شرعی نکلتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صاف لفظوں میں تین دفعہ طلاق دیدی ہے، چاہے بھاوج کے کہنے سے دی ہو تو طلاق مغلظ ہوگئی (۱)، اب بغیر حلالہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں۔ بیوی کو چاہیئے کہ وقتِ طلاق سے تین ماہواری گزار کر دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرلے (۲)، صاف لفظوں میں طلاق دینے کے لئے نیت کا ہونا اور دل سے دینا

= فیما تحل به المطلقة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۶۲/۳، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلق، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۴۰۹/۳، ۴۱۱، باب الرجعة، سعید)

(۱) "لو قال: أنت طالق و طالق وطالق، ولم یعلقه بالشرط، إن کانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۵/۱، الباب الثانی، الفصل الأول فی الطلاق الصریح، رشیدیه)

"لو کرر لفظ الطلاق وقع الکل، وإن نوی التاکید دُیّن". (الدر المختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غیر المدخول بها، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۸۸/۳، تکرار الطلاق و إیقاع العدد، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً أو ثلاثاً، أو وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق و هی حرة =

ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۸۷ھ۔

تین طلاق کے بعد مطلقہ کے ساتھ رہنا

سوال [۶۶۷۱]: زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں، دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ طلب کیا گیا، از روئے فتویٰ زید کی بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہونے کا حکم صادر فرمایا گیا تھا، لیکن بغیر حلالہ کے زید بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ زید کی بیوی اور اس کے خسر اور خود زید اس فتویٰ پر عمل نہیں کرتے۔ زید کے سالے نے اپنے والد کو اس مذموم حرکت سے باز رہنے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ آپ داماد کو گھر نہ آنے دیں اور نہ داماد و لڑکی کو ساتھ رہنے دیا جائے، اگر آپ فتویٰ کو نہیں مانتے تو میں آپ سے ترکِ تعلق کرلوں گا۔ اس پر باپ نے کہا کہ اگر تم ترکِ تعلق کرتے ہو تو میں نے تم کو عاق کیا۔

ایسی صورت میں لڑکا حق بجانب ہے کہ نہیں؟ اور باپ کا عاق کردینا ایسی صورت میں درست ہے

= ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۲۶، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۴۹، كتاب الطلاق، باب العدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۵۰۴، ۵۰۵، باب العدة، سعيد)

(۱) "وهو كانت طالق ومطلقة وطلقتك، وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر أو الإبانة أو لم ينو شيئاً، كذا في الكنز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۱/ ۳۵۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۳/ ۲۴۸-۲۵۰، سعيد)

"فالصريح قوله: أنت طالق ومطلقة وطلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي؛ لأن هذه الألفاظ تستعمل في الطلاق ولاتستعمل في غيره، فكان صريحاً .... ولا يفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال". (الهداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق: ۲/ ۳۵۹، شركت علميه ملتان)

یانہیں؟ اور اہلِ محلہ ترکِ موالات کرتے ہیں تو یہ فعل درست ہے یانہیں؟ نیز عزیز واقارب ترکِ موالات کریں تو درست ہے یانہیں؟ اور لڑکا اگر والدین کے حقوق ادا کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کو ایسی تدبیر اختیار کرنا لازم ہے کہ جس سے والد کا احترام بھی باقی رہے اور یہ مذموم چیز بھی ختم ہوجائے (۱)، نہ تو باپ کی شان میں گستاخی کرے، نہ اس چیز میں تعاون کرے (۲)۔

عاق کا مطلب عرف عام میں یہ ہوتا ہے کہ میراث سے محروم کردیا جائے تو یہ کسی کے اختیار میں نہیں، اگر کوئی باپ تحریر لکھ دے کہ فلاں وارث کو میری میراث نہ دی جائے، تو اس کا یہ لکھنا بالکل بیکار ہے، شرعاً میراث

---

(۱) "عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب وهذا حديث أبي بكر قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلوة مروان .... فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ماعليه سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم: ۱/۵۱، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲/۴۰، أبواب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر باليد، سعيد)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "مروا بالمعروف وانهوا عن المنكر قبل أن تدعوا فلا يستجاب لكم". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۸۹، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (مائدة: ۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿وبالوالدين إحساناً .... فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ (بني إسرائيل: ۲۳)

"عن أبي سلامة السلامي: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أوصي امرأ بأمه أوصي امرأ بأمه، أوصي امرأ بأمه، أوصي امرأ بأبيه، أوصي امرأ بمولاه الذي يليه، وإن كان عليه منه أذى يؤذيه". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۰، أبواب الأدب، باب برالوالدين، قديمي)

ضرور ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۷/ ۱۳۸۷ھ۔

تین طلاق کے بعد شوہر کے گھر رہنا

سوال [۶۶۷۲]: ہمارے چھوٹے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، ان کا بڑا لڑکا عمر ۲۰/ سال اوران کی سالی طلاق دیتے وقت موجود تھی، اس کے علاوہ سات بچے گھر میں تھے، ایک لڑکی بڑی جس کی عمر ۱۷/ سال، دوسری لڑکی عمر ۱۶/ سال تیسری لڑکی عمر ۱۲/ سال، چوتھا لڑکا عمر ۱۰/ سال، پانچویں لڑکی عمر ۵/ سال اور ایک چھوٹا لڑکا عمر ۳/ سال۔ اب وہ عورت گھر سے جانا نہیں چاہتی، دوسال سے ہمارے بھائی کے پاس ہے اور بچوں کا خرچہ خود اٹھا رہے ہیں، ہمارے بھائی کبھی گھر جاتے ہیں، ان کی بیوی ان سے بات کرتی ہے، ہمارے بھائی اس کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں، اب وہ عورت اس مکان میں رہنا چاہتی ہے دوسرے گھر جانا نہیں چاہتی۔ اس عورت کا اس مکان میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین طلاق دینے سے نکاح بالکل ختم ہوگیا، اب وہ عورت اس کی بیوی نہیں رہی بلکہ اجنبیہ ہوگئی، اب دونوں کا ایک جگہ رہنا، بے پردہ بے تکلف تنہائی میں بات چیت کرنا درست نہیں رہا، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں رہی (۲)۔ طلاق کے بعد عدت تین حیض گزرنے پر اس کا نفقہ لازم نہیں رہا، اگر وہ اس طرح

---

(۱) "عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، ابواب الوصايا، باب الحيف في الوصية، قديمى)

(۲) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، و يدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية. ۱: ۴۷۳، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۰۳، الفصل الثالث والعشرون في المسائل المتعلقة المحلل ومايتصل به، إدارة القرآن كراچى)

رہے کہ آپ کے بھائی سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے وہ الگ جگہ رہے اور بچوں کی پرورش کی وجہ اس کو بھی خرچہ دیتے رہیں تو اس کی اجازت ہے، مگر ایک مکان میں نہ رہیں، کبھی تنہائی میں نہ ملیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

طلاق کے بعد پندرہ سال تک ہمبستری کرتا رہا

سوال [۶۶۷۳]: زید بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا، مگر پندرہ سال تک اس سے ہم بستری کرتا رہا اور بچے پیدا ہوتے رہے۔ شرعی حیثیت سے اس کو کیا سزا دی جائے اور کیا سلوک کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نے سخت جرم کا ارتکاب کیا ہے، مگر اس کی اصل سزا کی شرائط موجود نہیں، اس لئے وہ سزا نہیں دی جاسکتی۔ نیز اتنی مدت سے وہ ناجائز کام میں مبتلا ہے، سب خاندان اور اہل بستی واقف ہو کر کیوں خاموش رہے، کیوں اس کا حل دریافت نہیں کیا، اب کیا داعیہ پیش آیا جو یہ مسئلہ اٹھایا جا رہا ہے، فوراً دونوں میں جدائی کرادی جائے، جو لوگ جدائی کرنے پر قادر ہیں پھر جدائی نہیں کراتے وہ بھی گنہگار ہیں، لقولہ تعالیٰ: ﴿و لا ترکنوا إلی الذین ظلموا﴾ الآیة. (۲) ﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾ الآیة (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پوری تدبیر وتفہیم کے بعد طلاق

سوال [۶۶۷۴]: ۱...... مسئلہ طلاق میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات بیوی کو

---

(۱) "إذا طلقها ثلاثاً أو واحدةً بائنةً، وليس له إلا بيت واحد، فينبغي له أن يجعل بينه و بينها حجاباً، حتى لا تقع الخلوة بينه و بين الأجنبية". (الفتاویٰ العالکمیریة: ۱/۵۳۵، الباب الرابع فی الحداد، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۵۳، فصل فیما یحرم علی المعتدة، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۴/۳۴۵، فصل: وعلی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) (سورة هود: ۱۱۳)

(۳) (سورة الأنعام: ۶۸)

طلاق دینے سے پہلے سمجھانا چاہئیے، اگر نہ مانے تو ڈانٹ ڈپٹ کرنا چاہئے اس پر بھی متنبہ نہ ہو تو بیوی کا بستر علیحدہ کردے، یہ بھی کافی نہ ہو تو ضرورت کے مطابق مار پیٹ کی بھی اجازت ہے، پھر بھی نہ مانے تو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، شاید اصلاح کے لئے کافی ہو جائے، یہ سب طریقے استعمال کرنے کے بعد طلاق قطعی دینے کے لئے فرمایا گیا آپ کا یہ فرمانا دو حال سے خالی نہیں: یا تو بطورِ مشورہ ہے یا پھر بطورِ حکم۔ اگر بطورِ مشورہ ہے تو یہ طریقے استعمال کئے بغیر بیوی کو طلاقِ قطعی دینا جائز ہو سکتا ہے؟ اور اگر بطورِ حکم ہے تو پھر یہ بات کیسے درست ہوگی؟

۲..... آج کل کا ماحول اس مسئلہ میں کچھ عجیب سا ہے ذرا ذرا سی بات پر لوگ طلاق دے دیتے ہیں، اس ماحول کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں تو مزید احسان ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... دو چیزیں ہیں: ایک ہے کسی شئی کی ممانعت، ایک ہے اس ممانعت کے باوجود اس کا امر و حکم۔ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے غور کیا جائے کہ طلاق کو "أبغض المباحات" فرمایا گیا ہے جو بہت قبیح چیز ہے (۱) اور طلاقِ بدعی (ایک دم تین طلاق دینا) کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تین طلاق بیک وقت دیدے تو وہ واقع ہو جاتی ہے، اس پر ائمۂ اربعہ اور فقہائے امصار کا اتفاق ہے جیسا کہ احکام القرآن میں بصراحت موجود ہے (۲) تو تین طلاق کی ممانعت و کراہت کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ایسی طلاق دینے والا گنہگار بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داؤد، باب في كراهية الطلاق: ۱/۳۰۳، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الطلاق: ۱/۱۴۵، قديمي).

(۲) "فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كان معصيةً". (أحكام القرآن: ۱/۳۸۸، ذكر الحجاج لإيقاع الثلاث معاً، دارالكتاب العربي بيروت)

"وذهب جماهير العلماء من التابعين و من بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري و أبوحنيفة وأصحابه والشافعي و أصحابه و أحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيدة وآخرون كثيرون على مَن طلق امرأته ثلاثاً، وقعن، ولكنه يأثم". (عمدة القاري للحافظ العيني: ۲۰/۲۳۳، باب من أجاز طلاق الثلث، محمد امين دمج بيروت)

طلاق عامۂ غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے (پیار ومحبت میں اس کی نوبت کم ہی آتی ہے) اس لئے تدبیر بتائی گئی ہے کہ تفہیم کی جائے، ڈانٹ ڈپٹ کی جائے، بستر والگ کردیا جائے، معمولی مارنے کی بھی اجازت ہے(۱) تا کہ غصہ کسی درجہ میں پورا ہوتا بھی رہے اس کا جوش بھی کم ہوتا رہے، انجام پر بھی نظر رہے۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اور بغیر غصہ کے بھی آدمی یہ سوچ لے کہ اب نباہ نہیں ہوسکتا، حقوق ادا نہیں کئے جاسکتے، تو پھر علیحدگی ہی چاہئے ایک طلاق سے تعلق ختم کردیا جائے (۲)۔

بغیر اس ترتیب کے انجام پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے اگر آدمی ایک دم تین طلاق دیدے تو پھر پچھتاتا ہے، پریشان ہوتا ہے، کبھی اپنے لئے دوسرے نکاح کی صورت نہیں ہوتی، ابتلائے معصیت کا اندیشہ ہوتا ہے، کبھی بچوں کی پرورش دشوار ہوجاتی ہے، کبھی عورت لاوارث رہ جاتی ہے، اس لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنا اس قسم کی پریشانیوں سے تحفظ کا ذریعہ بھی ہے اور معصیت سے پرہیز بھی۔

۲..... بہت بُرا کرتے ہیں جس کی قدرے تفصیل نمبر ایک میں آگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

بدچلن عورت کو طلاق

سوال[۶۶۷۵]: زید اپنی بیوی کو جو کہ بدچلن ثابت ہوئی ہے نکال دیتا ہے، لیکن طلاق نہیں دیتا، ایسی شکل میں زید کو طلاق دینی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر وہ عورت اپنے فعل پر برابر قائم رہے اور زید نے طلاق نہ دی ہو تو اس عورت کے فعل کا گناہ زید کے ذمہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی حالت میں زید کو چاہئے کہ اپنی عورت کو بدچلنی سے روکے اور اس کی حفاظت کرے، اس کے بعد بھی اگر وہ باز نہ آئے تو بھی زید کے ذمہ طلاق دینا واجب نہیں۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿واللاتي تخافون نشوزهن، فعظوهن واهجروهن في المضاجع، واضربوهن، فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً﴾ (سورة النساء: ۳۴)

(۲) "وسببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق .... و حكمه وقوع الفرقة مؤجلاً بانقضاء العدة في الرجعي". (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۰، باب الرجعة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة"(۱) اورزید کے ذمہ اس کا گناہ بھی نہیں، لیکن اس حالت میں زید کے لئے افضل یہی ہے کہ اس کو طلاق دیدے، بشرطیکہ اس کا مہر پورا کرنے اور اپنے نفس کو معصیت سے روکنے پر قادر ہو، کذا فی تنبیہ الغافلین (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۸/ ۶۲ھ۔

جوعورت شوہر کو والدین کی بے عزتی پر مجبور کرے اس کو طلاق

سوال[۶۲۷۶]: ایک شخص جس کی شادی تقریباً چار سال پہلے ہوئی تھی، تو اس عورت نے اپنے شوہر کی عزت برباد کردی ہے، جملہ سسرال والوں کو ذلیل کردیا ہے، ایک روز اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں گھر کا سب سامان لے کر اکیلی بے پردگی کے ساتھ اپنے بہنوئی کے یہاں چلی گئی۔ اپنے شوہر کو وہ کہتی ہے کہ پہلے اپنے والدین کو جوتے مار کر گھر سے نکالو، ان سے کلام مت کرو، جب کہ شوہر کا کہنا ہے کہ والدین کی بے عزتی مجھ سے نہیں ہوگی تو چاہے رہ یا نہ رہ۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دی جائے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار: ۳/ ۵۰، کتاب النکاح، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالكميرية: ۵/ ۳۷۲، كتاب الكراهية، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في الدر المحتار: ۶/ ۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۲) قال الفقيه رحمه الله: "ينبغي للمؤمن أن يكون غيوراً فلا يرضى بالفاحشة، إذا علم بهامن رجل أو امرأة فيمنعه عن الفاحشة إن استطاع منعه بيده، فإن لم يستطع فلينكره بلسانه، فإن لم يستطع فلينكره بقلبه. وروى زيد بن أسلم رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "الغيرة من الإيمان، والمذاء من النفاق" فالمذاء أن يقود الرجل بالفاحشة في أهله ويرضى بها. وقيل: المذاء أن يجمع بين رجال أو نساء، ثم يخليهم ليماذى بعضهم بعضاً" .... قال الفقيه رحمه لله تعالىٰ: مأأقبح إلى الله وإلى رسوله من الديوثين، لما روى عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "لعن الله الديوث والديوثة" فالديوث أن يرضى الرجل بفاحشة امرأته، وكذلك المرأة بفاحشة الزوج". (تنبيه الغافلين، الباب الثامن والسبعون في الغيرة من بستان العارفين، ص: ۶۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں باپ کی بے عزتی کرنا ہرگز جائز نہیں (۱)، اگر بیوی کے ساتھ نباہ نہیں ہوتا اور اس کا مہر ادا کرنے پر قدرت ہے اور اس کو طلاق دینے کے بعد کوئی پریشانی نہیں ہوگی، تو اس کو طلاق دیدینا ہی بہتر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۱۰/۱۳۹۵ھ۔

بے سلیقہ زوجہ کو طلاق اور دھوکہ والی صورت میں تفریق

سوال [۶۶۷۷]: ایک شخص نے اپنے امام صاحب سے کہا کہ تم اپنی لڑکی مجھ کو دے دو تو میں ایک عقل مند عورت سے تمہارا نکاح کرادوں گا، لہٰذا امام صاحب نے اپنی طرف سے کہہ دیا، پھر اس شخص نے ایک بے عقل عورت سے امام صاحب کا نکاح کرادیا جس کو دیکھنے سے معلوم ہوا اور امام صاحب کی لڑکی کا نکاح اپنے ایک رشتہ دار کے لڑکے سے کرادیا۔ اب اس بدتمیز عورت کو ڈیڑھ سال تعلیم دینے پر معلوم ہوا کہ یہ تمیز پر نہیں

---

(۱) قال الله تعالیٰ ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحساناً، إما یبلغن عندک الکبر أحدهما أو کلاهما، فلا تقل لهما أف و لا تنهر هما، وقل لهما قولاً کریماً﴾ (سورة بنی إسرائیل: ۲۳)

"عن عبد الرحمن بن أبی بکرة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! أنبئکم بأکبر الکبائر"؟ قلنا: بلیٰ یا رسول الله، قال: "الإشراک بالله و عقوق الوالدین" وکان متکئاً فجلس فقال: "ألا! وقول الزور وشهادة الزور" مرتین، فما زال یقولها حتی قلت: لا یسکت". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین: ۲/۸۸۴، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب التفسیر، و من سورة النساء: ۲/۱۳۱، سعید)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۲۱۱، (رقم الحدیث: ۶۸۸۴)، مسند عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنه، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وقولهم: الأصل فیه الحظر، معناه أن الشارع ترک هذا الأصل فأباحه. بل یستحب لو مؤذیة أو تارکة صلاة". (الدر المختار: ۳/۲۲۸، ۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۸۰، کتاب الطلاق، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳/۲۱۴، کتاب الطلاق، رشیدیه)

آتی۔ لہٰذا اب اس کو آزاد کرنا کیسا ہے؟ اور لڑکی کو کیونکہ اس شرط پر دی تھی کہ عقل مند عورت سے نکاح کردیں گے، آزاد کرانا کیسا ہے؟ نیز اس دھوکہ دینے والے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر یہ ہے کہ امام صاحب اس کو آزاد نہ کریں بلکہ آہستہ آہستہ اس کی تربیت اور اصلاح کرتے رہیں، کچھ نہ کچھ درست ہو ہی جائے گی۔ اگر دل میں نفرت زیادہ بیٹھ گئی اور حقوق کی ادائیگی میں دشواری ہونے لگی اور نباہ نہیں ہوسکتا تو ایسی حالت میں شریعت نے آزاد کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ اجازت دے دی ہے(۱) جس نے دھوکہ کیا ہے اگر عمداً دھوکہ کیا ہے تو وہ گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے(۲) اور جس کو دھوکہ دیا ہے اس سے بھی معاف کرائے۔ اس سلسلے میں امام صاحب کی لڑکی کا کیا قصور ہے کہ اس کو گھر سے بے گھر کرایا جاوے، وہ بے خطا ہے، اسی طرح جس شخص سے اس لڑکی کا نکاح ہوا ہے وہ بھی بے قصور ہے، لہٰذا ان میں تفریق ڈالنا درست نہیں ہے اور نہ ان کے دھوکہ سے ان کے نکاح میں کچھ فرق آیا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف غفرلہ، ۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ۔

---

(۱) "معناه أن الشارع ترک هذا الأصل فأباحه، بل يستحب (أي الطلاق) لو مؤذيةً أو تاركة صلاة، و مفاده أن لا إثم بمعاشرة من لاتصلي. و يجب لو فات الإمساک بالمعروف، ويحرم لو بدعياً". (الدر المختار: ۳/۲۲۸، ۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۳۱۰، كتاب الطلاق، إمداديه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق: ۳/۴۱۲، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال. مر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطعام و قد حسنه صاحبه، فأدخل يده فيه فإذا طعام ردئ. فقال: "بع هذا على حدة، وهذا على حدة، فمن غشنا فليس منا". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۱۴۷، (رقم الحديث: ۵۰۹۲)، دار الكتب العلمية بيروت)

(و الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشا فليس منا. قديمى)

(۳) "و ركنه لفظ مخصوص خال [illegible] ماه". (الدرالمختار). "(قوله: و ركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية". (ردالمحتار: ۳/۲۳۰، كتاب الطلاق، مطلب: =

تفریق سے خرچۂ شادی کا مطالبہ

سوال [۶۶۷۸]: زید اور ہندہ کی شادی کو دو سال کا عرصہ ہوگیا، نااتفاقی کی حالت کو ایک سال کا عرصہ ہوا۔ ایک روز دونوں کے وارثین جمع ہوئے، دونوں طرف سے متفقہ طور پر یہ بات منظور کی گئی کہ کچھ فیصلہ ہوجائے، دونوں طرف سے ایک عالم دین اور تین معزز اشخاص کو حَکَم بنایا گیا۔ ان چاروں حضرات نے لڑکی سے اس کی تکالیف معلوم کی، اس کے بعد تفریق کا فیصلہ کردیا جس کی رضامندی زید اور اس کے وارثین نے بھی دی اور کہا کہ ہم کو بلا کسی شرط کے فیصلہ منظور ہے۔ اب اس کے وارثین کہتے ہیں کہ شادی میں جو دو ہزار روپیہ خرچ ہوئے تھے، یہ لڑکی والوں سے دلوائے جائیں۔ تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حَکَم نے تفریق کردی تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی (۱)، دو ہزار روپے کا حَکَم نے فیصلہ نہیں کیا تو ان کا مطالبہ غلط ہے اور تفریق ان دو ہزار روپے پر معلق نہیں، بلاشرط واقع ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۵ھ۔

طلاق کے مغلظ اور رجعی ہونے میں اختلاف

سوال [۶۶۷۹]: زید کا پڑوسی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق مغلظہ دے دی ہے اور اس پر چند گواہ پیش کرتا ہے۔ اور زید کا بیان ہے کہ میں نے ہرگز طلاق مغلظہ نہیں دی، بلکہ طلاق رجعی دی ہے اور زید بھی چند گواہ پیش کرتا ہے۔ اور زید کی بیوی اس معاملہ سے بالکل ناواقف ہے، اس کو کچھ خبر نہیں۔ پس

= طلاق الدور، سعید)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۱۰/۴، فصل في ركن الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۰/۳، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۱) "والأول ذكره الخصاف، و شرط أن يكون (أي الحكم) صالحا للقضاء: لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما، فيشترط فيه (أي في الحكم) ما يشترط في القاضي". (تبيين الحقائق: ۱۱۸/۵، كتاب القضاء، باب التحكيم، دار الكتب العلمية بيروت)

اس صورت میں طلاق مغلظہ ہوگی، یا زید جو کہ عالم مسائل شرعیہ ہے اس کی تصدیق کی جائے گی؟

ولایت حسین، اعظم گڑھ، مئوناتھ بھنجن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی مدعی کے گواہ ایسے ہی ہیں یعنی بعضے فاسق اور بعضے کافر ہیں جیسا کہ گواہوں کے بیان منسلکہ کے بعد درج ہے اور مدعیٰ علیہ دیانت دار ہے اور حلفیہ بیان کرتا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ اولاً مدعی سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں، اگر گواہ موجود نہ ہوں یا مردود الشہادۃ ہوں تو مدعیٰ علیہ پر قسم آتی ہے:

"البينة على المدعي واليمين على من أنكر"(۱)۔ "و لا تقبل شهادة من يأتي باباً من الكبائر يتعلق بها الحد للفسق، قال: و لا من يدخل الحمام من غير إزار؛ لأن كشف العورة حرام، أو يأكل الربوا، أو يقامر بالنرد أو الشطرنج؛ لأن كل ذلك من الكبائر، وكذلك من تفوته الصلوة للاشتغال بهما". هدايه: ۳/۱٦۱(۲)۔ "و لا تقبل شهادته (أي الكافر) على المسلم". هدايه: ۱٦۲/(۳)۔

صورت مسئولہ میں مدعیٰ علیہ عالم دین دار ہے، جانتا ہے کہ طلاقِ مغلظہ کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے (۴) اور اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اگر جھوٹ بول کر اس کو حلال رکھنے کی سعی کرے گا تو دنیا کے ادبار اور اُخریٰ کے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا، لہٰذا جو کچھ وہ حلفیہ بیان کرے اس کا بیان معتبر ہوگا۔

محمود گنگوہی ٦/۹/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف/ جمادی الثانیہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۰۲، كتاب الدعوى، إمداديه ملتان)

(۲) (الهداية: ۳/۱٦۱، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته و من لا يقبل، إمداديه ملتان)

(۳) (الهداية: ۳/۱٦۲، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته و من لا يقبل، إمداديه ملتان)

(۴) "وأما حكمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة في الرجعي، وبدونه في البائن، كذا في فتح القدير. وزوال حل المناكحة متى تم ثلاثاً، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۴۸، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسير وركنه ...... الخ، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۲۰، ۴۲۱، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، امداديه ملتان)

خوبصورت لڑکی کا لالچ دیکر طلاق دلوانا

سوال[۶۶۸۰]: زید کو ہندہ نے بہکایا کہ تمہاری بیوی بدصورت ہے، میری لڑکی خوبصورت ہے، اگر تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو ہم اپنی لڑکی کی شادی تم سے کردیں گے۔ زید بہکانے میں آگیا، ہندہ نے خط منگوا کر زید سے تین طلاق لکھوادیں۔ یہ خط زید کی خالہ نے زید کی جیب سے نکال کر پھاڑ کر پھینک دیا، زید کی بیوی میکے تھی، اس کو اس کا کوئی علم نہیں۔ ہندہ نے اپنی لڑکی کی شادی زید سے کرنے سے انکار کردیا، زید کیے ہوئے پر نادم ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید نے اس لالچ سے طلاق دیدی، بہت برا کیا، ایسا کرنا گناہ ہے(۱)، زید کو توبہ واستغفار واجب ہے۔ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی(۲)۔

اب نہ رجعت کرسکتا ہے، نہ بغیر حلالہ کے دوبارہ اس سے نکاح کی گنجائش رہی(۳)۔ ہندہ نے جو

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داؤد: ۲۹۶/۱، كتاب الطلاق، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داؤد: ۳۰۳/۱، باب في كراهية الطلاق، إمداديه)

"(وأما وصفه)فهوأنه محظور نظراً إلى الأصل، ومباح نظراً إلى الحاجة". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۸/۱، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۲۸/۳، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) "رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فقال: عنيت بالأولى الطلاق، وبالثانية والثالثة إفهامها، صدّق ديانةً، وفي القضاء طلقت ثلاثاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۵/۱، ۳۵۶، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول في الطلاق الصريح، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۹۳/۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲۴۰/۳، فصل في الرجعي والبائن، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۳) "وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له، حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً =

حرکت کی اس کی ممانعت حدیث میں صاف صاف موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، کیم/ رمضان/ ۱۳۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۷ھ۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کثرت سے طلاق دینا

سوال[۶۲۸۱]: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ازواج کثرت سے کی ہیں اور طلاق بھی دی ہے۔ ایک صاحب نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ عورتیں ازخود برضامند وحصول شرف سلسلۂ نسب نکاح کے لئے حضرت امام صاحب کو آمادہ کرتی تھیں اور چار سے زائد کو بیک وقت نہیں رکھا جا سکتا، اسی لئے طلاق دے دے کر ان سے نکاح کرنا پڑا، جس کی وجہ سے کثرتِ نکاح وکثرتِ طلاق ہوئی۔ دوسرے رفیق نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کثرت نکاح سے منع فرمایا، لیکن منکوحات کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں داخل کرنے کے شرف اور ان کی اُخروی نجات کے لئے انہوں نے ایسا کیا۔ بتلائے، آیا یہ توضیحات درست ہے؟

ایک عامی جو کہ مذہب اسلام کی آفاقیت کو پڑھتا ہے، لیکن وہی برہمنی ذہنیت کی تشریح اسے یہاں محسوس ہوتی ہے، اس لئے فلاح ونجات کا مدار عمل پر ہے نہ کہ نسب پر اسی تضاد نے اسے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سوئے ظن میں مبتلا کر دیا ہے، کیونکہ طلاق درجہ حلال میں مبغوض عمل ہے تو حضرت امام نے اس مبغوض عمل کو کیوں اختیار کیا؟ اور پھر اسے بار بار دہرایا اور والد کی نافرمانی کے بھی مرتکب ہوئے۔

= صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۷۳، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۰، باب الرجعة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۹۹، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقه، شركة علميه ملتان)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتسئل المرأة طلاق أختها لتستفرغ صحفتها، ولتنكح، فإنما لها ماقدرلها". (سنن أبي داؤد: ۱/ ۲۹۶، كتاب الطلاق، باب في المرأة تسال زوجها طلاق امراءة له، سعيد)

(وجامع الترمذي: ۱/ ۲۲۶، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء لاتسال المراءة طلاق أختها، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نجاتِ اُخروی کا مدار ایمان وعملِ صالح پر ہے، صرف نسب کی شرافت پر نہیں، البتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نسب کو شرافت ضرور حاصل ہے، ایمان وعمل صالح کے ساتھ اگر یہ شرافت بھی حاصل ہو جائے، تو نورٌ علی نور ہو کر بیشی درجات کا ذریعہ ہے، اگر خدانخواستہ ایمان وعمل صالح نہ ہو تو شرافت نسب ہرگز ذریعۂ نجات نہیں۔ خود ساختہ برہمنی ذہنیت اور اسلامی تعلیم میں فرق بالکل ظاہر ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع نہیں فرمایا تھا، بلکہ اَور لوگوں سے فرمایا تھا کہ میرا یہ لڑکا طلاق دیتا ہے، لہٰذا تم لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی اس سے مت کرو اور یہ منع فرمانا بھی امیر المومنین کی حیثیت سے حکم کے درجے میں نہیں تھا، بلکہ مشورہ کے درجہ میں تھا، لہٰذا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر والد کی نافرمانی اور دوسرے لوگوں پر امیر کی اطاعت نہ کرنے کا اعتراض غلط ہے۔ طلاق ناپسندیدہ ہے، لیکن جس مقصد کے لئے یہاں طلاق کا تذکرہ آیا ہے وہ مقصد ایسا وزنی ہے کہ اس کے لئے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اختیار فرمایا، کما صرح به السیوطی وغیرہ (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح بلا طلاق اور طلاق بلا وجہ

سوال [۲۲۸۲]: کنٹرول کے زمانے میں ایک بہوتی ایشن تھی جس سے قوم کو فائدہ ہوتا تھا، مگر مسمی عیسی نے تفرقہ ڈال کر قوم کو کافی نقصان پہونچایا اور وہ قوم کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوا۔

عیسی نے اپنی دختر فاطمہ کا نکاح عبدالستار سے کیا، حسب دستور سسرال آتی جاتی رہی، عید الاضحیٰ کے موقع پر جب وہ میکہ آئی تو اس نے پھر لڑکی کو نہیں بھیجا اور دوسرے لڑکے سے نکاح کر دیا۔ عبدالستار نے حقِ زوجیت کا دعوی کیا اور عدالت نے فیصلہ بھی اس کے حق میں دیا، مگر عیسی پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آیا۔

---

(۱) "قال السیوطی: وأخرج ابن سعد: عن جعفر بن محمد عن أبیه قال: قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنه: "یا أهل الکوفة! لاتزوّجوا لحسن، فإنه رجل مطلاق، فقال رجل من همدان: واللہ لنزوّجنّه، فما رضی امسک، وما کره طلق". (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص: ۱۵۷، الحسن بن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه، مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت)

دوسرے خاوند کو جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو وہ بھی پشیمان ہوا۔ دوسرے شوہر سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ شرع کی رو سے حرام ہوئی۔ برادری نے شوہر ثانی اور عیسی کو برادری سے خارج کردیا، مگر وہ اب بھی ہٹ دھرمی پر اڑا ہوا ہے، لہذا عیسی کے متعلق شرعی فتوی کیا ہے؟

عیسی نے مسماہ ہاجرہ سے اپنا نکاح ثانی کیا اور ڈھائی ماہ رکھ کر بلا کسی وجہ کے زدوکوب کر کے گھر سے نکال دیا، نان ونفقہ بھی نہیں دیا اور طلاق دے دی وہ بیچاری غم کی وجہ سے انتقال کرگئی، تجہیز وتکفین تک اس نے نہیں کی۔ برادری نے یہ خدمت انجام دی اور عیسی نے اپنی دوسری شادی کرلی۔ عیسی کا ایک دوست تھا جس نے کماحقہ امداد کی، مگر طوطا چشم عیسی نے اس کے ساتھ منافقانہ دشمنی کی اور مالی نقصان کیا عیسی کے چچازاد بھائی کی نسبت ہوگئی تھی، جب نکاح کے لئے بلایا تو یہ شیطان صفت انسان اس کے ساتھ جاکر سسرال والوں کے ساتھ بگاڑ کیا اور پندرہ سو روپے رشوت کے لے کر نسبت کو چھڑادیا۔ عیسی اپنے چچازاد بھائی کی ملکیت بیچ کر روپیہ ہضم کرگیا وہ دوسرے شہر میں رہتا تھا، جب اسے پتہ چلا تو سوائے صبر کے چارہ کیا تھا۔

الغرض اس کی کارگذاری نہایت منافقانہ اور شیطانیت سے بھری ہوئی ہے اور وہ بہت دروغ گوئی سے کام لیتا ہے، لہذا ایسا شخص شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ کیا ایسی حرکات والے شخص سے سلام کلام کیا جائے؟ اور کھانا کھلایا جائے؟ کیا وہ برادری میں رہنے کے قابل ہے؟ صحیح مدلل جواب دیں، تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے ذاتی مفاد کے لئے قوم میں تفرقہ ڈالنا شرعاً نہایت قبیح و مذموم ہے، جس کو سب ہی جانتے ہیں، یہ تو دریافت کرنے کی بات ہی نہیں۔ شوہر نے طلاق نہ دی ہو اور شرعی تفریق بھی نہ ہوئی ہو، پھر دوسری جگہ نکاح کردیا جائے تو یہ شرعی نکاح نہیں، بلکہ حرام کاری کا دروازہ ہے جس کا دنیا وآخرت میں سخت وبال ہے(۱)، بلاوجہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقربوا الزنی، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة بنی إسرائيل: ۳۲)

"أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. قال: فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنی، كمافي القنية". (رد المحتار: ۳/۱۳۲، مطلب في النكاح الفاسد، سعيد)

طلاق دینا بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے(۱)۔ اور بیوی کو ناحق زدوکوب کرنا اور نکال دینا بھی ظلم ہے، سخت گناہ ہے، رشوت لینا حرام ہے(۲)، دوسرے کی ملکیت کو بلا اس کی اجازت کے فروخت کردینا ناجائز اور ظلم ہے(۳)۔

عیسیٰ کو قوم برادری سے نکالنے کی سزا دے چکی مگر قوم ناکام رہی، عدالت اس کے مخالف فیصلہ کر چکی ہے تب بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا، اب آپ کے پاس کونسی طاقت ہے جس سے اس کی اصلاح چاہتے ہیں؟

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۰۳، باب في كراهية الطلاق، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة: ۱/۱۴۵، أبواب الطلاق، قديمي)

"(وإيقاعه مباح) عندالعامة لإطلاق الآية، أكمل. (وقيل:) -قائله الكمال- (الأصح حظره): أي منعه (إلا لحاجة) كريبة ولكبر". (الدر المختار: ۳/۲۲۷، كتاب الطلاق، سعيد)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، الفصل الثاني، ص: ۳۲۶، قديمي)

"ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ماهو حرام على الآخذ والمعطي، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة. الثاني: ارتشاء القاضي ليحكم، وهو كذلك ولو القضاء بحق؛ لأنه واجب عليه. الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وهو حرام على الآخذ فقط. الرابع: مايدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلالٌ للدافع حرامٌ على الآخذ". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۲۵۴، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

یہاں تک کہ تو آپ کی تحریر کو صادق سمجھنے کی تقدیر پر عیسیٰ کا حکم تھا، اب براہ مہربانی اپنی اس تحریر کا حکم بھی کہیں سے دریافت کرلیں کہ اس تحریر میں جو الفاظ آپ نے لکھے ہیں اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے: ''منافقانہ، شیطانیت، ذلیل وخوار، دروغ گوئی، طوطا چشم، شیطان صفت انسان'' وغیرہ وغیرہ، استفتاء بغیر ان الفاظ کے بھی نفس واقعہ لکھ کر آپ کر سکتے تھے، ایسے الفاظ لکھ کر آپ نے بھی اپنے سر پر بڑا بوجھ رکھ لیا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۱۳۹۴ھ۔

بیوی کہتی ہے کہ طلاق دی تو مرتد ہو جاؤں گی

سوال [۶۲۸۳]: زید نے ایک لڑکی کو مسلمان بنا کر نکاح کیا اور پھر اس کو حالات کے دباؤ کی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے، لڑکی زید کے چھوڑنے پر اسلام کو چھوڑ کر اپنے آبائی ہندو دھرم کو اختیار کرنے کی دھمکی دیتی ہے۔ ایسی صورت میں لڑکی کے ارتداد کا گناہ زید کو ہوگا؟ کیا ارتداد کی ذمہ داری زید پر ڈالی جائے گی؟ لڑکی کے ارتداد کے بچانے کے لئے زید کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو نہ چھوڑے اور زید کا یہ فعل شریعت کی رو سے کیا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اندازہ یہ ہے کہ زید نے کفر سے نفرت اور اسلام کی محبت کی وجہ سے اس لڑکی کو مسلمان نہیں کیا بلکہ لڑکی

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (مشكوة المصابيح: ٢/ ٤١١، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه". (جامع الترمذي: ٢/ ٥٨، أبواب الزهد، باب ما جاء من تكلم بالكلمة ليضحك الناس، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله، لا يلقي لها بالاً، يرفع الله بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله، لا يلقي لها بالاً، يهوي بها في جهنم". (مشكوة المصابيح: ٢/ ٤١١، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، قديمي)

کی ہی محبت سے اس کو مسلمان کیا ہے اور اس لڑکی نے بھی کفر سے نفرت اور اسلام کی محبت کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ اس لڑکے کی محبت کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

زید کو چاہیے کہ ہرگز ہرگز اس لڑکی کو طلاق نہ دے، بلکہ اس کو اسلام کی تعلیم دے، اس کی خوبیاں ذہن نشین کرائے، کفر کی خرابی، اس کا انجام دل میں جمائے اور کسی دباؤ میں آکر اس کو طلاق نہ دے(۱)، حالات کا دباؤ ایک جانب رکھے اور ارتداد کا انجام دوسری جانب رکھے، پھر دیکھے دونوں میں کون زیادہ خطرناک ہے؟ کیا وہ اس کو پسند کرے گا کہ اس کی رفیقۂ حیات ہمیشہ کیلئے جہنم میں جلے؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

نوسوالات اور ان کے جوابات

سوال [۲۲۸۴]: ایک شخص اپنی زوجہ کو چھوڑ کر اپنے سلسلۂ معاش کے لئے باہر چلا گیا تھا، اس عورت کا تعلق شوہر کے بھائی سے ہوگیا، اس تعلق کی بناء پر عورت حاملہ ہوگئی، اس پر شوہر نے اس سے قطعِ تعلق کرلیا۔ زوجہ مذکورہ کے والد نے طے کیا کہ اس بھائی سے نکاح کرلیا جائے، اس کی خالہ نے اس عورت کو دوسری جگہ رکھوادیا۔ اب وہ یہاں آکر وضع حمل ہوئی اور اس کے گھر رہنے لگی اور ازدواجی زندگی سے بھی دوچار ہوئی، ایک سال تک یہی سلسلہ قائم رہا، ایک سال کے بعد شوہر حقیقی نے انقطاعِ تعلق کی خبر دی اور گھر آکر دوسری عورت سے نکاح کرلیا، بذریعۂ خط صرف رکھنے سے انکار کیا، طلاق کی صراحت نہیں کی، اس کے بعد اس کی خالہ نے رکھوادیا ہے۔ اب اس حالت میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق". (سنن أبي داود: ۱/۳۰۳، كتاب الطلاق، سعيد)

"وأما الطلاق، فإن الأصل فيه الحظر، بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنى قولهم: الأصل فيه الحظر، والإباحة للحاجة إلى الخلاص ..... فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعاً، يبقى على أصله من الحظر، ولهذا قال تعالى: ﴿فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً﴾ أى لا تطلبوا الفراق". (ردالمحتار: ۳/۲۲۸، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸۰، كتاب الطلاق، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۱.....شوہر کے بھائی سے فعل حرام کا مرتکب ہونا۔

۲.....شوہر کا رکھنے سے انکار کرنا۔

۳.....اس عورت (زوجہ) اپنی خالہ کے گھر آنا۔

۴.....خالہ کا اس عورت کو دوسرے شخص کے گھر رکھنا۔

۵.....اس دوسرے شخص کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم رہنا۔

۶.....شوہر کا رکھنے سے انکار کرنا اور طلاق نہ دینا۔

۷.....شوہر کا یہ قول کہ اس عورت (زوجہ) کے سامنے طلاق دوں گا۔

۸.....عورت بوجۂ ندامت کے اس کے روبرو نہ ہونا۔

۹.....اس درمیان میں مثل شوہر کے دوسرے شخص کے ساتھ رہنا۔

صورت مسئولہ کے جوابات تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....کبیرہ گناہ ہے(۱)۔

۲.....محض اس کے انکار سے طلاق نہیں ہوئی (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقربوا الزنی، إنه کان فاحشةً وساء سبیلاً﴾ (سورة بنی إسرائیل: ۳۲)

"عن جابر رضی الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لایبیتن رجل عند امرأة ثیب إلا أن یکون ناکحاً، أو ذامحرم". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۱۵، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالأجنبیة، والدخول علیها، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "لایزنی الزانی حین یزنی، وهو مؤمن". (صحیح البخاری: ۲/۱۰۰۱، کتاب الحدود، باب الزنی وشرب الخمر، قدیمی)

(۲) "قال لها: لاحاجة لی فیک، أوما أریدک، أو "مارا بکار نشیی" لایقع". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۱۹۹، الثانی فی کنایات، نوع فی المتفرقة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۷۵، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۴۶۸، فصل فی الکنایات، رشیدیه)

۳.....اس سے بھی نکاح ختم نہیں ہوا۔

۴.....کسی نامحرم کے ساتھ رکھ دینا بھی ناجائز ہے(۱)۔

۵..... یہ بھی معصیت ہے(۲)۔

۶..... یہ شوہر کی زیادتی ہے، اس کو چاہیے کہ نالائق عورت کو طلاق دیدے(۳)۔

۷..... یہ بے جا کی ضد ہے جس کی وجہ سے عورت کو معصیت سے چھٹکارہ مشکل ہے۔

۸.....معصیت میں مبتلا رہنے کے بجائے عورت ندامت کو اختیار کرلے، سامنے آکر ہی طلاق لے لے۔

۹.....دوسرے شخص کے ساتھ رہ کر شوہر جیسا معاملہ کرنا غضبِ خدا کا موجب ہے، جس کا نتیجہ دونوں جہاں میں تباہ کن ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۴/۱۱/۹۱ھ۔

عورت کا اغوا کرنا اور روپیہ لے کر اس کو طلاق دینا

سوال[۶۶۸۵]: خالد نے زید سے کہا کہ میں تمہیں پانچ سو روپے دیتا ہوں، آپ مجھ سے پانچ سو

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لايبيتن رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً، أو ذامحرم". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۱۵، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية، والدخول عليها، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۶۰۰، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "إذااعتادت الزوجة الفسق، عليه الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر، والضرب فيما يجوز فيه. فإن لم تنزجر، لايجب التطليق عليه؛ لأن الزوج قد أدى حقه، والإثم عليها ...... هذاما اقتضاه الشرع، وأما مقتضى غاية التقوى، فهو أن يطلقها". (مجموعة رسائل اللكنوى: ۴/۱۶۳، نفع المفتي والسائل، إطاعة الزوجة للزوج وحقوقهما، إدارة القران كراچي)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۲۹، كتاب الطلاق، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۱۴، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۴) (راجع، ص: ۶۰۰، رقم الحاشية: ۱)

لے کر ہندہ کو طلاق دے دیں اور مقدمہ سے نجات حاصل کریں، اس پر زید نے بغرض ثبوت ہندہ بطور حیلہ پانچ سو روپے خالد سے لے کر اسٹامفروش سے ایک روپے کا کاغذ خرید کر خالد کو دیا، خالد نے عرضی نویس سے کاغذ مذکورہ پر زید کی طرف سے مضمون طلاق نامہ تحریر کرایا جس پر زید نے بھی بغیر پڑھے سنے مضمونِ طلاق کے اپنا انگوٹھا لگا دیا اور زبان سے بھی ایک دفعہ کہہ دیا کہ "ہاں میں نے ہندہ کو طلاق دے دی" اور اس کے بعد زید نے رجعت کرلی اور یہی الاعلان کہا کہ یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا کہ تا کہ ہندہ کا ثبوت مل جائے۔

چنانچہ اسٹامفروش عرضی نویس کی گواہی کے ذریعہ عدالت نے ہندہ کو برآمد کرا کے زید کے قبضہ میں دے دیا اور طلاق نامہ کو جعلی قرار دیا، زید کا بیان ہے کہ میں نے تو اس حیلہ کے ذریعہ اس سے روپے حاصل کئے ہیں، چونکہ میرا اس سے کہیں زائد خرچ ہوگیا ہے اور ہندہ کو برآمد کرایا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی جانب سے ہندہ کو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اور رجعت صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خالد نے زید کی بیوی کو اغوا کر کے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے (۱)۔ پھر اس سلسلہ میں جو کچھ روپیہ زید کا

---

(۱) "رجل خدع امرأة إنسان، وأخرجها وزوجها من غيره، أو صغيرة، يحبس إلى أن يحدث توبته أو يموت؛ لأنه ساع في الأرض بالفساد. كذا في قضاء الولوالجية". (الأشباه والنظائر: ۲/ ۱۸۵، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثاني: الفوائد، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۸۰، كتاب الحدود والتعزير، مطلب: العامي لا مذهب له، سعيد)

اس قسم کی حرکت احترام مسلمان کے خلاف ہے جب کہ مسلمان کے احترام کی بہت بڑی شان ہے: "ونظر ابن عمر يوماً إلى البيت، أو إلى الكعبة، فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمة عندالله منك". (جامع الترمذي: ۲/ ۲۳، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في تعظيم المؤمن، سعيد)

"حدثنا عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: "ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده! لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه، وان نظن به إلا خيراً" (سنن ابن ماجة، ص: ۲۸۲، أبواب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، قديمي) =

خرچ ہوا، وہ زید اس سے پورا پورا وصول کرنے کا حق دار ہے، ایک طلاقِ رجعی کے بعد شوہر کو حقِ رجعت حاصل رہتا ہے، لہٰذا اگر طلاق نامہ میں طلاقِ رجعی لکھی ہے اور زبان سے بھی طلاقِ رجعی دی ہے تو طلاقِ رجعی واقع ہوئی (۱)، رجعت صحیح ہوگئی (۲)، اس حیلہ سے اس مقدمہ میں اپنا خرچ شدہ روپیہ وصول کرنا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

جواب صحیح ہے سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۲/۱۸ھ۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المسلم أخو المسلم، لايخونه، ولايكذبه، ولا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام: عرضه، وماله، ودمه. التقوى ههنا، بحسب امرئ من الشر أن يحتقر أخاه المسلم". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء شفقة المسلم على المسلم: ۱۴/۲، سعيد)

(۱) "الطلاق على ضربين. صريح وكناية، فالصريح قوله: أنت طالق، ومطلقة، وطلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي". (الهداية: ۳۵۹/۲، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، شركة العلمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني، الفصل الأول في الطلاق الصريح: ۳۵۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۴۷/۳، ۲۴۹، كتاب الطلاق، باب الصريح، سعيد)

(۲) "(فالسني) أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين، ويعلمها بذلك. فإذا راجعها بالقول نحو: أن يقول لها: راجعتك، أو راجعت امرأتي، ولم يشهد على ذلك، أو أشهد ولم يعلمها بذلك، فهو بدعيّ مخالفٌ للسنة، والرجعة صحيحة". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۶۸/۱، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۱۵۹/۴، باب الرجعة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۹۸/۳، ۳۹۹، باب الرجعة، سعيد)

(۳) "وكذا يضمن لوسعى بغير حق عند محمد، زجراً له: أي للساعي، وبه يفتى، وعزر". (الدرالمختار).
"(قوله: وبه يفتى): أي دفعاً للفساد، وزجراً له، وإن كان غير مباشر، فإن السعي سبب محض لإهلاك المال". (ردالمحتار: ۲۱۳/۶، كتاب الغصب، فصل في مسائل متفرقة، مطلب في ضمان الساعي. سعيد)

بیوی کو طلاق اس کی بہن سے نکاح کسی مصلحت سے

سوال[۶۲۸۶]: میری بیوی قریب ۱۲،۱۴/ سال سے ٹی بی کی مریض ہے، اس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اس کے دولڑکے بھی ہیں اور بچوں کی کوئی محبت نہیں ہے، اس لئے میری بیوی یہ چاہتی ہے کہ مجھے آزاد کرکے میری چھوٹی بہن بیوہ سے عقدِ نکاح کرلیں، اس سے کام کی پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ یہ نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کی خودخواہش ہے اور اس کی تیمارداری نیز بچوں کی پرورش کی ضرورت ہے کہ مریضہ بیوی کو طلاق دے کر بعد مدت اس کی بیوہ بہن سے آپ نکاح کرلیں تو شرعاً اجازت ہے(۱)۔ پہلی بیوی سے پھر پردہ لازم ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وإذا طلق امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً، لم يجز له أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۹، ۳۱۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات: ۱/۲۷۸، ۲۷۹، رشيديه)

(۲) "إذا طلقها ثلاثاً أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد، فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجاباً، حتى لاتقع الخلوة بينه وبين الأجنبية. فإن كان فاسقاً يخاف عليها منه، فإنها تخرج وتسكن منزلاً آخر، وإن خرج الزوج وتركها، فهو أولى. إن أراد القاضي أن يجعل معها امرأةً حرةً ثقةً تقدر على الحيلولة، فهو حسن، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد: ۱/۵۳۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع: ۳/۵۳۵، سعيد)

کتاب الرضاع

(رضاعت کا بیان)

حرمتِ رضاعت کا ثبوت

سوال[۶۶۸۷]: مسمی زید نے اپنی لڑکی کی منگنی اپنی حقیقی ہمشیرہ ہندہ کے لڑکے سے کردی ہے اور منگنی کی رسم ایک محفل میں پوری کی گئی، مثلاً رشتہ داروں کو دعوت کھلانا اور اپنی ہمشیرہ کو اسی طور پر کپڑا وغیرہ دینا سب کچھ کردیا۔ اب عرصہ آٹھ نو دن کا ہوا کہ ہمشیرہ کے تقاضہ پر مسمی زید نے اپنی لڑکی کے نکاح کا دن مقرر کردیا۔

آج آٹھ روز بعد مسمی زید کی بیوی مسماۃ خدیجہ نے بیان دیا ہے کہ عرصہ تیرہ سال کا ہوا جب کہ مسماۃ ہندہ کا لڑکا یعنی مسمی بکر جس کی عمر اس وقت تقریباً ایک سال کی تھی، میں نے اس کو دودھ پلادیا تھا۔ اس کی صورت یہ بیان کرتی ہے کہ بوقتِ شام ہندہ کا لڑکا میرے گھر سو رہا تھا اور میری لڑکی جس کی عمر بھی تقریباً ایک سال کی تھی سوئی ہوئی تھی کہ اچانک لڑکا رونے لگا، میں نے سمجھا کہ شاید کہ میری لڑکی ہے، اٹھا کر پستانوں سے لگالیا، لڑکا دودھ پینے لگا، غور کرنے پر دو تین منٹ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ میری لڑکی نہیں ہے بلکہ وہ مسماۃ ہندہ کا لڑکا ہے، اس پر میں نے بلند آواز سے کہا کہ میں نے غلطی سے لڑکے کو دودھ پلادیا۔ اس وقت، نزدیک کے گھر میں مسماۃ خدیجہ کی ساس اور نند بیٹھی ہوئی تھیں، ان کو سنا کر بآواز بلند کہا تو انہوں نے کہا کہ تم نے بڑی سخت غلطی کی۔

اب مسماۃ خدیجہ کی ساس و نند سے بیان لیا گیا تو انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ: "ہم نے ایک آواز سنی کہ میں نے دودھ پلادیا"۔ اس کے سوا ہم نے کچھ اور نہیں سنا اور نہ کچھ کہا، اس کے بعد یہ بات کبھی نہ ہوئی حتی کہ منگنی وغیرہ ہوگئی"۔

نیز مسماۃ خدیجہ نے اپنے شوہر سے تقریباً دو گھنٹہ بعد جب اس کا شوہر گھر آیا تو اس نے بھی یہی بیان دیا کہ مجھ سے میری بیوی نے اس وقت کہا تھا اور میں نے دھمکایا کہ تو نے بڑی غلطی کی جب اس سے سوال کیا گیا

کہ تو نے دیدہ ودانستہ منگنی کی رسم کیوں ادا کی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے غلطی کی اور کسی مولوی صاحب کے شبہ ڈالنے پر کہ نکاح ہو جائے گا میں نے ایسا کرایا۔ اب زید کے محلہ کے معتمد لوگوں سے اور زید کے اقرباء سے مزید تحقیق کے لئے جب پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ زید اپنی بیوی کے کہلانے سے کہتا ہے، جو کہتی ہے وہی کہتا ہے اور زید کی عورت مسماۃ خدیجہ نے کسی دنیاوی لالچ میں آکر یہ حیلہ اختیار کیا ہے۔

دریافت طلب امور یہ ہیں: بکر کا نکاح مسماۃ خدیجہ کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مسماۃ خدیجہ کی شہادت اندریں حالت مقبول ہے یا مردود؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثبوت رضاعت کے لئے شرعاً دو عادل مرد، یا ایک مرد اور دو عورت عادلہ کی شہادت ضروری ہے، صرف ایک عورت یا ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، پس اگر نکاح کر لیا گیا تو حرام نہیں ہوگا۔ صورت مسئولہ میں شہادت تام نہیں ہے، لہذا نکاح درست ہے، لیکن اگر غالب خیال یہ ہے کہ عورت سچ کہتی ہے تو اس نکاح سے احتیاط واجتناب چاہئے:

"قال البزازی فی فتاواہ: "لا یثبت الرضاع بشهادة الواحدة، سواء كانت أجنبيةً أو أم أحد الزوجين. فإن وقع في قلبه صدق المخبر، ترك قبل العقد وبعده، وسعها المقام معه، حتى يشهد عدلان أو رجل وامرأتان، اهـ".(۱)۔

قال العلامة قاضي خان: "إن أراد الرجل أن يخطب امرأةً، فشهدت امرأة قبل النكاح أنها أرضعتهما، كان في سعة من تكذيبها، كما لو شهدت بعد النكاح"(۲). "في النهاية: إذا وقع في قلبه أنها صادقة، فالأحوط أن يتنزه عنها، سواء أخبرت بذلك قبل عقد النكاح أو بعده، و سواء شهادة رجل أو امرأة"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الرابع في الرضاع: ۱۱۵/۴، رشیدیه)

(۲) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرضاع، قبيل فصل في الحضانة: ۴۲۱/۱، رشيديه)

ثبوت رضاعت سماعاً

سوال[۶۶۸۸]: عبداللہ خان نے زوجۂ اول زیب النساء کے انتقال کے بعد دوسرا عقد مہر النساء سے کیا۔ میر خان جولڑکا برکت النساء بنت زینب النساء کا ہے نو ماہ کی عمر میں یتیم ہوگیا، یعنی اس کی والدہ (برکت النساء) کا انتقال ہوجاتا ہے اور مہر النساء جس کی عمر اس وقت چالیس برس کی ہے اور بیوہ ہوچکی ہے اس کا دودھ بھی خشک ہوچکا ہے، وہ میر خان کی پرورش کرتی ہے۔ میر خان کی پرورش گائے کے دودھ سے ہوتی ہے مگر بعض اوقات میر خان جب روتا ہے تو بغرض خاموش کرانے کے مہر النساء اپنی چھاتی اس کے منہ میں دیدیتی ہے، عینی شہادت نہیں مگر روایت ہے کہ مہر النساء کے دودھ پیدا ہوجاتا ہے۔ اب اس وقت مہر النساء کا انتقال ہوچکا ہے اور مہر النساء کی نواسی باصرہ سے میر خان کا عقد کردیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ عقد بوجۂ سماعی شہادت کے قائم رہ سکتا ہے یا نہیں؟ عینی شہادت اس وقت کوئی نہیں۔ نوٹ: لڑکی ابھی رخصت نہیں ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت موجود ہے تو شرعاً میر خان کا عقد باصرہ سے صورتِ مسئولہ میں درست نہیں ہوا، تفریق واجب ہے، اور چوں کہ رخصتی نہیں ہوئی اس لئے مہر اور عدت بھی واجب نہیں۔ اگر ایسی شہادت موجود نہیں جو بلکہ محض روایت ہے تو میر خاں اگر اس روایت کی تصدیق کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ باصرہ بھی تصدیق کرتی ہو، اور اگر تکذیب کرتا ہے اور باصرہ بھی تکذیب کرتی ہے تو نکاح صحیح ہے۔ اور اگر باصرہ اس روایت کی تصدیق کرتی ہے اور میر خان تکذیب کرتا ہے تو باصرہ کو چاہئے کہ میر خان کو قسم دے کہ میرا رضاعی ماموں نہیں، اگر وہ قسم کھائے تو نکاح قائم ہے ورنہ

= "وإن كان المخبر واحداً، أو وقع في قلبه أنه صادق، فالأولىٰ أن يتنزه، و يأخذ بالثقة، وجد الإخبار قبل العقد أو بعده، و لا يجب عليه ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب الرضاع: ۳/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في فتاوى الأنقروية، كتاب الرضاع: ۱/۶۹، قندهار افغانستان)

تفریق کردی جائے۔

اگر میر خان تصدیق کرتا ہے اور باصرہ تکذیب کرتی ہے تو تفریق واجب ہے اور نصف مہر بھی واجب ہے۔ اگر میر خان نہ قطعی طور پر یقین کرتا ہے نہ تکذیب تو احتیاط یہ ہے کہ اس کو علیحدہ کردے مگر واجب نہیں:

"ويثبت (الرضاع) بما يثبت به المال، وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل وامرأتين عدول؛ لأن ثبوت الحرمة، لا يقبل الفصل عن زوال الملك في باب النكاح، وإبطال الملك لا يثبت إلا بشهادة رجلين، اهـ". بحر: ۲۳۲/۳، والبسط في: ۲۳۳/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۸/۶/۵۸ھ۔

رضاعت کی حجت

سوال[۶۲۸۹]: ایک شخص نے اپنی ماموں زاد بہن سے نکاح کیا اور بعد نکاح تقریباً آٹھ نو سال زوجین آپس میں زندگی بسر کرتے رہے اور اس اثناء میں ایک فرزند بھی پیدا ہوا اور مر بھی گیا۔ اب معلوم ہوا کہ اپنی ماں کے مرض کے زمانہ میں زوج کی ماں کا دودھ پیتی رہی اور اس کا علم محض زوجہ کی ماں اور زوج کی ماں کو ہے۔ اب اس واقعہ کی شہرت کے ساتھ ہی زوجہ کے خاندان والوں نے عورت کو اپنے گھر روک رکھا ہے۔ اب اس صورت مذکورہ میں مابین زوجین تفرقہ کا حکم ہو گیا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

المستفتی: اسحاق میاں از سلہٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثبوت رضاعت کے لئے دیگر معاملات مالیہ کی طرح دو عاقل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادلہ عورتوں کی شہادت شرط ہے اور صورتِ مسئولہ میں یہ نصاب شہادت موجود نہیں، لہٰذا قضاءً تفریق کا حکم نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر زوجین اس شہادت کی تصدیق کرتے ہیں، یا فقط زوج تصدیق کرتا ہے تو مفارقت لازم ہے اور عورت کا مہر بھی لازم ہوگا، اگر زوجہ تصدیق کرتی ہے اور زوج تکذیب کرتا ہے تو زوج کے ذمہ حلف ہوگا اس بات کا کہ

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الرضاع: ۴۰۵/۳، ۴۰۶، رشیدیہ)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الرضاع: ۲۲۴/۳، سعید)

میرے علم میں یہ شہادت جھوٹی ہے۔

اگر حلف کرلے تو تفریق واجب نہیں اور اگر حلف نہ کرے تو تفریق کردیجائے گی اور اگر دونوں تکذیب کرتے ہیں تب بھی تفریق واجب نہیں، مگر احوط اور افضل یہی ہے کہ تفریق کردی جائے: "والرضاع حجته حجة المال، و هي شهادة عدلين، أو عدل و عدلتين، اهـ". درمختار(۱)۔

"في الهندية: تزوج امرأةً، فقالت امرأةٌ: أرضعتُكما، فهو على أربعة أوجه: إن صدّقاها، فسد النكاح، ولا مهر لها إن لم يدخل. وإن كذباها و هي عدلة، فالتنزّه المفارقة، والأفضل له إعطاء نصف المهرلو لم يدخل، و الأفضل لها أن لا تأخذ شيئاً، و لو دخل فالأفضل دفع كَمَالِه والنفقة والسكنى، والأفضل لها أخذ الأقل من مهر المثل والمسمى، لا النفقة والسكنى، ويسعه المقام معها. وكذا لو شهد غير عدول أو امرأتان أو رجل و امرأة. وإن صدقها الرجل و كذبتها، فسد النكاح، والمهر بحاله. وإن بالعكس لايفسد، و لها أن تحلفه ويفرق إذا نكل، الخ". شامي: ۲/۶۳۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شعبان/۵۵ھ۔

کمزور بچے کا دودھ کب چھڑایا جائے؟

سوال[۶۶۹۰]: ایک بچہ پیدائش کے روز سے بیمار ہے اور بہت کمزور ہے، اب اس کی عمر ڈھائی

(۱) (الدر المختار، باب الرضاع: ۳/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الرضاع: ۳/۲۴۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الثالث عشر في بيان أسباب التحريم، نوع منه: ولا تقبل في الرضاع إلا شهادة رجلين، الخ: ۳/۱۹۵، ۱۹۶، ، مكتبة غفارية كوئٹه)

(۲) (ردالمحتار، باب الرضاع: ۳/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد و أحكامه: ۱/۳۴۷، رشيديه)

سال کی ہوگئی۔ اس بچہ کو دستوں کا عارضہ ہے اور بہت لاغر ہے اس کا دودھ کب چھڑایا جائے؟ بچہ کی کمزوری کی وجہ سے کچھ عرصہ تک اَور بھی اس کی والدہ کا دودھ پلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بضرورت ڈھائی سال تک کی گنجائش ہے اس سے زائد قطعاً ناجائز ہے، کذا فی ردالمحتار: ۶۲۴/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم، ۶۱/۶/۲۸ھ۔

حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت کے شرائط

سوال [۶۶۹۱]: عبدالواحد اور کشورا بانو کی آپس میں والدین نے نسبت طے کی، جب عبدالواحد کو اس کا علم ہوا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہ آج سے چار پانچ سال پیشتر کی بات ہے اور یہ دونوں خالہ زاد بہن بھائی ہیں اور عبدالواحد تین چار سال تک برابر انکار کرتا رہا۔ کشورا بانو کی ماں نے ایک بار عبدالواحد سے بلا واسطہ دریافت کیا، تو عبدالواحد نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ میں پہلے اپنی چھوٹی بہنوں کا بوجھ اپنے کندھوں سے اتارنا چاہتا ہوں۔ اس بات سے کشورا کی والدہ کچھ ناامیدی ہوگئی، مگر کچھ عرصہ بعد کشورا کے والدین نے فیصلہ کرلیا کہ عبدالواحد کی ایک ہمشیرہ ہم اپنے لڑکے کے لئے مانگ لیں گے اور بات چل پڑی۔

درمیانی عرصہ میں کچھ شکر رنجیاں بھی رہیں، مگر ۱۹۶۸ء میں عبدالواحد اور کشورا بانو کے والدین، رشتہ داروں کے سامنے نسبت طے ہوگئی، عبدالواحد نے ۶۸ء کو عقدِ رخصتی کی تقریب انجام دینے پر زور دیا، لیکن ادھر

---

(۱) "و لم یبح الإرضاع بعد مدتہ؛ لأنہ جزء آدمی، والانتفاع بہ بغیر ضرورۃ حرام علی الصحیح". (الدر المختار). وقال ابن عابدینؒ: "(قولہ: و لم یبح الإرضاع بعد مدتہ) اقتصر علیہ الزیلعی، و ہو الصحیح کما فی شرح المنظومۃ، بحر. لکن فی القہستانی عن المحیط: لو استغنی فی حولین حل الإرضاع بعدہما إلی نصف و لا تأثم عند العامۃ، خلافاً لخلف ابن أیوب". (ردالمحتار، باب الرضاع: ۲۱۱/۳، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنہر، کتاب الرضاع: ۳۷۶/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الرضاع: ۶۳۴/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ادھر کے سمجھانے سے نرم پڑ گیا اور پھر لڑکے اور لڑکی کے والدین نے سال گذشتہ کے ماہ صیام سے پیشتر شادی کرنے کی بات پکی کرلی، لیکن جب ماہ صیام قریب آیا تو بات عید کے بعد کے لئے اٹھادی گئی، عبدالواحد ان باتوں سے تنگ آ کر پھر انکار کرنے لگا۔

عید کے بعد لڑکی کے والد صاحب نے پھر دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور اس کی ہمشیرہ اور اپنے لڑکے کی بات کہدی اور کہا کہ ہم نے اب فیصلہ کرلیا ہے کہ دونوں شادیاں بیک وقت ہوں گی، پھر عبدالواحد کی والدہ نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کی بات آپ کے گھر کرنا نہیں چاہتے، اب صرف اپنی لڑکی ہمارے لڑکے کو دیں، مگر کشورا کے والد نے کہا نہیں یہ دونوں باتیں کریں گے۔ اس کے بعد ٦٩ء کا موسم خزاں شادیوں کے لئے طے پایا۔ عبدالواحد نے جب یہ سنا تو چراغ پا ہوا اور اس نے کشورا بانو کے بھائی عبدالرشید سے بلا واسطہ بات کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عبدالرشید نے کہا: اگر آپ کو جلدی ہے تو سکینی کی تلاش کے ساتھ ہی تمہاری اور کشورا کی شادی کی جائے گی اور دوسرا عقد ہوگا کیونکہ میرا بھائی زیر تعلیم ہے۔

عبدالواحد نے کہا تھا کہ میں اپنی بہن کی بات آپ کے گھر نہیں کرسکتا۔ چونکہ تمہارے والد صاحب دل سے اس بات کے حق میں نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی گریجویٹ لڑکی کو اپنی بہو بناویں، لیکن عبدالرشید نے کہا: اگر ہوں گی تو دونوں باتیں ہوگی ورنہ ایک بھی نہیں (دراصل عبدالرشید اور اس کے والد یہ کہتے تھے کہ ہماری لڑکی کو طعنے دیئے جائیں گے وغیرہ، اگر ہم ان کی لڑکی کو اپنے گھر نہ لائیں گے)۔

سال رواں میں کشورا بانو اور عبدالواحد ایک دوسرے سے ملنے لگے، لڑکی کو یقین نہ آتا تھا کہ عبدالواحد اس کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہوگا، لیکن ایک دوسرے کے ملتے رہنے سے عبدالواحد کو کشورا بانو سے بے انتہا محبت ہوگئی اور انہوں نے لڑکی کو یقین دلایا کہ اب وہ اَور کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔ عبدالواحد کی محبت کے اسباب موجود تھے۔ وقتِ نسبت سے کشورا عبدالواحد کی ملاقات تک کشورا عبدالواحد سے پیار کرتی آتی تھی جس کا علم مختلف ذرائع سے عبدالواحد کو ہو چکا تھا اور کشورا کی کہی ہوئی باتیں جو وہ اپنی خالہ اور والدہ سے کرتی تھی عبد الواحد کے دل ودماغ پر ہتھوڑے چلاتی رہتی تھیں۔

اب عبدالواحد ایک عجیب قسم کی کشمکش میں مبتلا تھا، ایک طرف وہ اپنی بہنوں کی شادی کرانے میں غلطاں وپیچاں تھا اور اپنی شادی کہیں نہ کرنے پر فیصلہ کر چکا تھا اور دوسری طرف وہ کشورا کی کہی ہوئی باتیں اور اس

کی بے لوث محبت اور غایت درجہ کے پیار سے مجبور ہو جاتا اور کہتا: میری بہنوں کا خدا انتظام فرمائے گا، میں کشورا بانو کا دل نہیں توڑوں گا، آج اگر کشورا بانو کی مراد میری وجہ سے برآنے لگی تو خدا میری بھی تمام مرادیں برلائے گا۔ اور ملاقاتوں کے درمیان کشورا بانو اور عبدالواحد کے درمیان خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔ کشورا عبدالواحد سے زبانی اور تحریراً کہتی رہی کہ اگر آپ کے دل میں ذرا بھی تبدیلی آئی تو میں خودکشی کرلوں گی اور آپ کے انکار کے بعد تو میری جان نکل جاوے گی۔

اس سلسلہ میں عبدالواحد نے اسے یقین دلا دیا اور ساتھ ساتھ اسے سمجھاتا اور تلقین بھی کرتا رہا کہ میری کشورا! تم کیسی بُری باتیں سوچتی رہتی ہو؟ خودکشی کرنا اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے، اس کی سزا جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں اور یوں بھی دنیاوی لحاظ سے اچھی بات نہیں، اس کا مطلب یہ کہ خودکشی کرنے والا کچھ کم ہمت اور کمزور دل تھا، اور خودکشی محبت کی توہین ہے، شکست کا اعلان ہے وغیرہ، مگر وہ بار بار کہتی کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور ان ملاقاتوں کا علم لڑکی کے والدین کو ہو چکا تھا اور اب جا کر سب کو علم ہو گیا کہ عبدالواحد کشورا سے سچی محبت کرتا تھا، کیونکہ وہ مہینہ میں تین چار بار کشورا کے گھر جاتا رہتا ہے۔

اگست ۶۹ء میں عبدالواحد نے کشورا بانو کے بھائی عبدالرشید کو بذریعۂ خط یاد دلایا کہ سگنی کی تلاش تو کبھی کی ہو چکی اب تو شادی کرالو، تو اس نے جواباً کہا کہ والد صاحب سے بات کی جائے، لہٰذا عبدالواحد نے لڑکی کے والد کو خط لکھا کہ اگر آپ اسی ماہ اگست میں ہماری شادی کرادیں تو بہتر ہوگا۔ اب چونکہ وہ جانتا تھا کہ عبدالواحد کشورا سے بے انتہا پیار کرتا ہے اس لئے اس نے عبدالواحد کے والد کو خط لکھا کہ: عزیزی عبدالواحد نے مجھے اس قسم کا خط لکھا ہے، اس وجہ سے میں انکار کررہا ہوں کہ آپ کشورا کی شادی کی بابت کوئی بات کرنے کی تکلیف گوارا نہ کریں۔ اتفاقاً وہ خط عبدالواحد کو مل گیا، جب اس نے اس خط کو دیکھا تو اس کے پیر تلے کی زمین نکل گئی اور آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور اسے کشورا کی موت صاف سامنے دکھائی دینے لگی۔

پھر اس نے ایک اس خط کا جواب لکھا کہ: مجھے آپ کی ہر بات سے اتفاق ہے میں کشورا کو آج سے پھر اپنی بہن ماں کی لڑکی سمجھونگا، مگر آپ یہاں آنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تاکہ میں وہ راز جو مدت سے چھپائے ہوئے ہوں آپ پر ظاہر کردوں۔ پھر اس کے بعد کشورا کے والد عبدالواحد کے پاس آئے اور اس شرط پر وہ راز بتانے کا وعدہ کیا کہ گھر میں کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو اور قرآن مجید ہاتھ میں لیکر کہیں کہ میں اس راز کو کسی سے نہ

بتاؤں گا اور جب کشورا کے والد نے قرآن مجید اپنے ہاتھ میں لیکر اس راز کو راز ہی رکھنے کا اقرار کیا تو عبدالواحد نے وہ پریم پتر ان کے ہاتھ میں دیا جس میں کشورا نے اس کے نہ پانے پر خودکشی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ عبد الواحد نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنا فیصلہ بدل دیں تو اچھا ہے، اور پھر قسمیں لیں کہ آپ اس خط کو کسی کے علم میں نہ لائیں تا کہ وہ کوئی غلط اقدام نہ کر بیٹھے، مجھے کشورا کی زندگی بھی کافی عزیز ہے، وہ خوش وخرم رہے، یہ میرے لئے عزیز ہے۔

لیکن انہوں نے گھر جا کر سب کو بتایا جس سے کشورا کی والدہ پر غشی طاری ہوگئی، سب رونے دھونے لگے اور یک کہرام مچ گیا۔ اور جب اس طوفانِ بدتمیزی کی خبر عبدالواحد کے گھر پہنچی تو وہاں بھی وہی سب کچھ ہونے لگا اور عبدالواحد کانپ گیا کہ دیکھو میں کرنا کیا چاہتا تھا اور ہو کیا گیا۔ غرض وہ بھی کشورا کے والدین کے پاس گیا اور خوب رویا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں معاملہ سلجھ گیا، عید الفطر کے ساتھ ہی شادی کردی جائے گی، لیکن کشورا کی والدہ اب اس رشتہ کے خلاف ہے کیونکہ اسے گمان ہے چونکہ ہم نے اب صرف اپنی لڑکی دینے کی بات کی ہے اور وہ اپنی لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے بہت سی باتیں بُری کہدی ہیں اور اب جو کشورا ان کے گھر جائے گی تو ستائی جائے گی، مگر لڑکی کا والد دل سے چاہتا ہے اور اس نے اب طے کرلیا ہے کہ جو بھی ہو میں اپنی لڑکی کی شادی عبدالواحد ہی سے کروں گا اور یہ سب باتوں کا علم کشورا کی والدہ کو بھی ہے۔ اب کشورا کے بھائی عبدالرشید نے عبدالواحد کو خط لکھا کہ والدہ کہتی ہیں کہ کشورا نے اپنی خالہ کا دودھ دو سال کے اندر پیا ہے، اور پیٹ بھر کر پیا ہے لہٰذا آپ کی والدہ کشورا کی رضاعی ماں ہوئی، اس وجہ سے یہ نکاح درست نہیں ہے، اگر آپ ہمارے والد صاحب کو کوئی اقدام کرنے پر مجبور کریں گے تو اس کا ذمہ آپ پر ہوگا، یہ ہے پسِ پردہ حالات۔

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ فتویٰ صادر فرمائیں، یہ بات تو واضح ہے کہ رضاعی بھائی بہن کا رشتہ نہیں ہوسکتا مگر یہ رضاعت ثابت نہیں۔ اب صرف کشورا کی والدہ کہتی ہیں کہ دودھ پیا ہے، اور کوئی گواہ نہیں۔ اور کشورا کا باپ بھی کہتا ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں کہ کشورا نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے اور اگر کوئی گواہی بھی دے تو اس کا کس طرح اعتبار ہوگا؟ شاہد عادل اور معتبر گواہ کی شریعت میں کیا مراد ہے؟

سائل: رشیدہ فریدی، ڈوڈہ، ریاست جموں کشمیر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تو نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے: ﴿وأخواتكم من الرضاعة﴾(۱)۔ اب بحث طلب بات یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صرف لڑکی کی والدہ کے بیانات ہیں اور وہ بھی مذکورہ رائے کے تغیر وتبدل کے بعد، کشورہ کی والدہ جب خود پیش قدمی کر کے عبدالواحد سے اس شادی کی خواہش اور کوشش کر رہی تھی اس وقت یہ رضاعت کا واقعہ کیوں سدِ راہ نہیں بنا؟ اب جب کہ عبدالواحد اپنی بہن کی شادی کشورا کے بھائی سے نہیں کرنا چاہتا اور کشورا کے والد اور بھائی سب رضامند ہیں تو اب یہ رضاعت کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے، اس سے کشورا کی والدہ شرعاً متہم ہے۔ ثبوتِ رضاعت کے لئے دو عادل، دیندار، متبعِ شریعت، کبائر سے پرہیز کرنے والے کی شہادت ضروری ہے، یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں، ایک دو عورتوں کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے:

"حجته حجة المال، و هي شهادة عدلين أو عدل و عدلتين. اهـ"۔ "أي و لو إحدهما المرضعة، و لا يضرّ كون شهادته على فعل نفسها؛ لأنه لا تهمة في ذلك، و ما في شرح الوهبانية عن النتف من: أنه لا تقبل شهادة المرضعة عند أبي حنيفة رحمهم الله تعالى وأصحابه رحمهم الله تعالى، فالظاهر أن المراد إذاكانت وحدها، اهـ". شامي: ۲/۵۶۸(۲)۔

لہٰذا محض کشورا کی والدہ کے بیان پر حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۸۹ھ۔

شبہٴ رضاعت کا حکم

سوال[۶۶۹۲]: عبدالقادر اور سلمیٰ خاتون دونوں حقیقی خالہ زاد بہن بھائی ہیں، بالغ ہونے کے بعد

---

(۱) (سورة النساء: ۲۳)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الرضاع: ۳/۲۲۵، ۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۴۰۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۴۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۱۰۰، دار المعرفة بيروت)

دونوں کی شادی ہوگئی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوگیا۔ ایک موقع پر عبدالقادر کی والدہ نے بتایا کہ میں نے تمہاری بیوی یا اس کی دوسری بہن کو مدتِ رضاعت میں اپنی گود میں بٹھا لیا تھا، اب پتہ نہیں کہ اس نے میرا دودھ پیا ہے یا نہیں، اور تمہاری خالہ بھی موجود تھی ہوسکتا ہے، ان کو یاد ہو، لہٰذا تم ان سے پوچھ لو۔ اس نے خالہ سے پوچھا کہ میری بیوی یا اس کی بہن کو میری والدہ نے دودھ پلایا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں، ہاں! ایک مرتبہ لڑکے بدل گئے تھے تب میں نے تم کو دودھ پلایا تھا۔

اور پھر چند دن کے بعد عبدالقادر کی خالہ نے چند دیندار آدمیوں کے سامنے عبدالقادر کو دودھ پلانے سے انکار کیا اور اس کے اوپر کوئی شرعی گواہ بھی نہیں ہے۔ اب عبدالقادر سلمیٰ خاتون کو اپنی زوجیت میں رکھے یا بھائی بہن کا رشتہ قائم کرے، اگر بھائی بہن کا رشتہ قائم کرے تو مولود بچہ کس کے پاس رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبدالقادر وسلمیٰ کو اس بات کا یقین نہیں تو کوئی تردد نہ کریں، یہ نکاح درست ہے، کیونکہ نہ دودھ پلانے والی کو یقین ہے نہ اس پر شرعی شہادت ہے: "وحجته حجة المال". درمختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

ثبوتِ رضاعت میں اختلاف

سوال [۶۶۹۳]: زید کی نانی ہندہ نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے زید کی رضاعت کی مدت میں یعنی جب زید کی عمر ایک سال سے کم تھی دودھ پلایا تھا لیکن ایک عرصہ کے بعد اب زید کی نانی نے حلفیہ قسمیہ بیان گواہوں کے سامنے دیا ہے کہ انہوں نے ہرگز دودھ نہیں پلایا ہے اور نہ ہی ان کو دودھ تھا۔ ان دونوں بیانوں میں کس بیان کو صحیح سمجھا جائے؟ زید نے اپنی نانی کے حلفیہ قسمیہ بیان وحیدہ جو ہندہ کی حقیقی نواسی ہے وحیدہ کے بھائیوں کا کہنا ہے کہ یہ رشتہ ہندہ کے بیان کہ اس نے اپنا دودھ پلایا ہے کی وجہ سے یہ رشتہ ناجائز ہے، لہٰذا اس عقد کو فسخ کیا جائے اور اس پر زور دیا جارہا ہے، یہ معاملہ نزاعی صورت اختیار کرچکا ہے۔ براہِ کرم مدلل جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الرضاع: ۳/ ۲۲۴، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"حجته حجة المال، و هی شهادة عدلين أو عدل و عدلتين. اهـ". درمختار۔ "أفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد، امرأة كان أو رجلاً، قبل العقد أو بعدها .... لو شهدت به امرأة قبل النكاح، فهو فی سعة من تكذيبها، لكن فی محرمات الخانية: إن كان قبله والمخبر عدل ثقة، لا يجوز النكاح، و إن بعده و هما كبيران، فالأحوط التنزه، و به جزم البزازی. اهـ". شامی: ١/٥٨٦(١)۔

اگر زید نے اپنی نانی کے حلفیہ بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے یہ شادی کی ہے تو درست ہوگئی اور حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوئی، دارومدار جو کچھ ہے وہ نانی کے بیان پر ہے جس سے اس نے انکار بھی کردیا ہے اور اس کے علاوہ نفسِ رضاعت کا گواہ بھی موجود نہیں ہے، لہذا حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بچہ کو غلطی سے دودھ پلانے پر بھی رضاعت کا حکم

سوال[٢٦٩٤]: مسماۃ فاروق النساء نے اپنی لڑکی کے دھوکہ میں اپنے پوتا کو گود میں لیکر دودھ پلادیا، پانچ چھ منٹ یا کچھ کم کے بعد جو اس نے دیکھا تو وہ اس کی لڑکی نہیں تھی، بلکہ پوتا تھا، یہ علم ہوتے ہی اس نے فوراً پوتہ کو علیحدہ کردیا۔ اب مسماۃ فاروق النساء کے اس پوتہ کی نسبت شادی مسماۃ فاروق النساء کی نواسی سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعی حیثیت سے کیا وہ پوتا فاروق النساء کے بیٹے اور بیٹیوں کا رضاعی بھائی ہوگیا؟ اگر نہیں تو کیا فاروق النساء کے دیگر بیٹے بیٹیوں کی اولاد سے اس کی شادی نکاح شرعاً جائز ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمایئے۔ مکرر عرض ہے کہ وہ دودھ کا پلانا بالکل اتفاقی اور دھوکہ میں ہوگیا ارادۃً ہرگز نہیں۔

---

(١) (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ٣/٢٢٤، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/٤٠٥، ٤٠٦، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ١/٥٥٨، غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ پوتا فاروق النساء کی تمام اولاد کا رضاعی بھائی ہوگیا اور اس نواسی کی والدہ کا بھی رضاعی بھائی بن گیا اور یہ نواسی اس کی رضاعی بھانجی ہوگئی، ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہیں، بلکہ فاروق النساء کی اولاد در اولاد جہاں تک بھی چلے، کسی سے بھی اس کا نکاح درست نہ ہوگا۔ جب دودھ کا یقینی چاہے ایک ہی گھونٹ حلق کے اندر گیا اور خواہ کسی نیت سے (دھوکہ سے یا قصداً)(۱) پلایا ہو بہرحال حرام ہے: "و لا حل بين رضيع و ولد مرضعته، وإن سفل. الخ". درمنتقی: ۱/ ۳۷۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۵/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۵/ ٦٦ھ۔

بچے کے منہ میں پستان دینے سے حکمِ رضاعت

سوال [۲۲۹۵]: زید کی والدہ نے کسی وقت ایک دفعہ اپنا پستان بکر کے منہ میں - جو کہ اس کا بھتیجا ہے - دیا اور فوراً ہی اس عورت کا والد آ گیا جس کے منع کرنے سے اس عورت نے اپنا پستان نکال لیا۔ تو کیا اب زید کا نکاح بکر کی لڑکی سے شرعاً ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ عورت کے یہ الفاظ ہیں کہ: دودھ اس لڑکے کے منہ میں داخل

---

(۱) "قليل الرضاع و كثيره سواء عندنا .... كما يحصل الرضاع بالمص من الثدى، يحصل بالصب والسعوط". (فتاوى قاضي خان: ۱/ ۴۱۷، باب الرضاع، رشيديه)

"هو مص الرضيع حقيقةً أو حكماً من ثدى الآدمية في وقت مخصوص، و يثبت حكمه بقليله و لو قطرةً، و كثيره في مدة: أى الرضاع لا بعده". (مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۷۵، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/ ۳۸٦، رشيديه)

(۲) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۷۷، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"و لا حل بين الرضيعة و ولد مرضعتها و ولد ولدها؛ لأنه ولد الأخ". (الدر المختار، باب الرضاع: ۳/ ۲۱۷، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/ ٦۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/ ۳۹۷، رشيديه)

نہیں ہوا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ دودھ اس کے حلق میں نہیں پہونچا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی:

"فلو التقم الحلمة، و لم يدر أدخل اللبن في حلقه أم لا؟ لا يحرم، اهـ". درمختار۔

"وفي القنية: امرأة كانت تعطي ثديها صبيةً، واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول: لم يكن في ثديي لبنٌ حين ألقمتها ثديي، و لم يعلم ذلك إلا من جهتها، جائز لابنها أن تزوج بهذه الصبية. اهـ".

شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الثانی / ۶۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یو، پی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

پستان بچہ کے منہ میں دینے سے ثبوتِ حرمت کب ہوگا؟

سوال [۶۲۹۶]: ایک لڑکی کی عمر جب کہ اس کی والدہ فوت ہوئی ڈیڑھ سال تھی اور اس کی نانی حقیقی جس کی عمر ۵۸/ سال تھی اور آٹھ لڑکی اور ایک لڑکا اس کی عمر میں پیدا ہوا تھا جو موجود تھا اور اس کی اخیری لڑکی دس سالہ اس وقت تھی۔ اس نانی نے بنظرِ پرورش نواسہ خود اپنی چھاتیوں سے اس لڑکی کو لگایا کہ شاید دودھ اتر آئے مگر دودھ نہ اترا اور اس بچہ کو گائے وغیرہ کے دودھ پلائے۔ نانی مذکورہ حلفیہ بیان کرتی ہے کہ میرے دودھ نہیں اترا، البتہ چھاتیاں چوستا ضرور رہا۔ اب اس لڑکے کا نکاح ہمراہ پوتی نانی یعنی لڑکے کے ماموں کی بیٹی سے درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار، باب الرضاع: ۳/ ۲۱۲، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/ ۳۸۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۷۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الأنقروية، كتاب الرضاع: ۱/ ۶۸، قندهار افغانستان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں حرمت رضاعت شرعاً ثابت نہ ہوگی: "وفي القنية: امرأة كانت تعطي ثديها صبيةً، واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول: لم يكن في ثديي لبنٌ، حين ألقمتها ثديي، ولم يعلم ذلك الأمر إلا من جهتها، جائز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية. اهـ". شامي: ۲۲۲/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

محض چھاتی بچہ کے منہ میں دینے سے حرمتِ رضاعت کا حکم

سوال [۶۶۹۷]: دختر عاصمہ کی سمیع النساء سگی پھوپھی ہے۔ سمیع النساء نے دختر عاصمہ کے منہ میں اپنی چھاتی رکھی دودھ پلانے کی غرض سے، پھر نکال لیا، سمیع النساء کا کہنا ہے کہ میرا دودھ عاصمہ نے نہیں پیا۔ اس حالت میں سمیع النساء کے لڑکے کے ساتھ دختر عاصمہ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ سمیع النساء کا لڑکا اور عاصمہ شرع شریف کی رو سے دودھ شریک بھائی بہن ہوئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دودھ حلق سے نہیں اترا تو محض چھاتی منہ میں رکھنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوئی اور دختر مذکورہ سمیع النساء کے لڑکے کی دودھ شریک بہن نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۸ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الرضاع: ۲۱۲/۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳۸۷/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرضاع: ۳۷۵/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۳۴۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الأنقروية، كتاب الرضاع: ۶۸/۱، قندهار افغانستان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان "پستان بچے کے منہ میں دینے سے ثبوت حرمت کب ہوگا"؟)

جس عورت کا دودھ بچہ کو پلایا جائے اس کے اثرات بچے میں آتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۶۶۹۸]: ایک عورت اگر دوسری عورت کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو کیا اس عورت کے عادات کا کچھ حصہ اس بچہ میں آئے گا؟ عادات چاہے اچھی ہوں یا بری ہوں اور کیا دودھ پلانے والی اور جس کو دودھ پلایا ہے دونوں کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ یا دونوں کا رشتہ دودھ بھائی بہن کا ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دودھ پلانے کی مدت میں دودھ پلانے سے وہ بچہ اس عورت کا رضاعی بیٹا ہوجاتا ہے اور وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں ہوجاتی ہے اور اس عورت کی جس قدر بھی اولاد ہو، وہ سب اس بچے کے بھائی بہن ہوجاتے ہیں، ان سے نکاح حرام ہوجاتا ہے(۱)۔ اچھی بُری عادات کا بھی اثر ہوتا ہے، اسی لئے بے وقوف عورت کا دودھ پلانے سے منع کیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأمهاتكم الّتي أرضعنكم﴾ (سورة النساء: ۲۳)

﴿وأمهاتكم الّتي أرضعنكم﴾ .... المرضعة أم المرضع و حرمها عليه، وكذا بناتها يحرم من عليه .... والأصل في هذه الجملة قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب". (بدائع الصنائع، كتاب الرضاع، فصل في المحرمات الرضاع: ۶۴/۵، ۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وأخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الرضاع: ۴۶۷/۱، قديمي)

(والبخاري في صحيحه في باب: ﴿وأمهاتكم الّتي أرضعنكم﴾: ۷۶۴/۲، قديمي)

(وأخرجه ابن ماجة في سننه في باب: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، ص: ۱۳۹، قديمي)

(۲) "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تسترضع الحمقاء، فإن اللبن يشبه". (السنن الكبرى للبيهقي، باب ماورد في اللبن: ۴۶۴/۷)

"ولاينبغي للرجل أن يدخل ولده إلى الحمقاء، يعرض ولده للهلاك، بسبب قلة حفظها له، وتعهدها، أو لسوء الأدب، فإنها لا تحسن تأديبه، فينشأ الولد سيء الأدب. (وقوله: اللبن يعدى) يحتمل أن الحمقاء لاتحتمي من الأشياء الضارّة للولد، فيؤثر في لبنها، فيضر بالصبي". (البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳۸۷/۳، رشيديه)

بغیر اجازت شوہر کسی کے بچہ کو دودھ پلانا

سوال[۶۶۹۹]: ایک بچہ کی والدہ مرض کی وجہ سے دودھ پلانے سے قاصر ہے، والد کو اتنی توفیق بھی نہیں کہ ذاتی پیسے صرف کر کے دودھ پلوا سکے۔ اس صورت میں اس بچہ کے لئے اپنی ہمشیرہ سے دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمشیرہ اپنے شوہر سے اجازت لے کر اس بچہ کو دودھ پلا دے اور بلا اجازت شوہر دودھ پلانا مکروہ ہے، لیکن اگر بھوک کی وجہ سے تڑپتا ہو اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں بلا اجازت شوہر بھی دودھ پلانا مکروہ نہیں: "ویکره للمرأة أن ترضع صبياً بلا إذن زوجها، إلا إذا خافت هلاكه، اهـ". ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۳/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

بچہ کے کمزور ہونے کی صورت میں ڈھائی سال دودھ پلانے کی گنجائش

سوال[۶۷۰۰]: زید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بچہ کو دودھ پلانا دو سال صحیح بتلاتا ہے اور بکر تیس ماہ تک دودھ پلانا صحیح بتلاتا ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنے دن دودھ پلانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ حنفی کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ دودھ پلانے کی اکثر مدت تیس ماہ ہے، امام صاحب کے دو اونچے درجہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام شافعی

---

(۱) (ردالمحتار، باب الرضاع: ۲۱۳/۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳۸۷/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الرضاع: ۹۴/۲، دار المعرفة بيروت)

رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال ہے اور یہی قول راجح ومختار ہے(۱)۔ہاں! اگر بچہ بہت کمزور ہو کچھ اور نہ کھا سکتا ہو تو ایسی ضرورت کے وقت ڈھائی سال کی بھی گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۴/۱۳۹۰ھ۔

بچہ کے منہ کی رال وغیرہ

سوال[۱۷۰۱]: زید کا لڑکا جو کہ ماں کا دودھ پیتا ہے، اس کا جھوٹا پانی یا رال وغیرہ منہ کی، جوشِ محبت میں چوس لے۔کیا ایسی حرکت کرنا ناجائز ہے؟ اس لئے غالباً زید کی بیوی کا دودھ اس کے منہ میں ہو اور زید کے منہ میں چلا جائے، کیا ایسی باتوں سے زید کا نکاح بیوی سے منقطع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نکاح نہیں منقطع ہوتا(۳)، لیکن اگر بچے کے منہ میں دودھ ہو تو اس کا چوسنا اور پینا گناہ ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند أبي حنيفة، وقالا: سنتان، وهو قول الشافعي". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۰، كتاب الرضاع، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۲۰۹، كتاب الرضاع، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ونقل أيضاً قبله عن إجارة القاعدي أنه واجب إلى الاستغناء، ومستحب إلىٰ حولين، وجائز إلى حولين ونصف". (ردالمحتار: ۳/۲۱۱، كتاب الرضاع، سعيد)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "مص رجل ثدي زوجته لم تحرم". (الدرالمختار). قال ابن عابدين تحته: "قيد به احترازاً عما إذا كان الزوج صغيراً في مدة الرضاع، فإنها تحرم عليه". (ردالمحتار، كتاب الرضاع: ۳/۲۲۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الرضاع: ۲/۱۰۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، باب الرضاع: ۱/۴۱۷، رشيديه)

(۴) "لأنه جزء آدمي، والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح". (الدر المختار، باب الرضاع: =

کافرہ عورت سے رضاعت کا حکم

سوال[۶۷۰۲]: کافرہ عورت کا دودھ بچہ کو پلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافرہ عورت کا دودھ اگرچہ پاک ہے، بچے کو پلانا گناہ نہیں، لیکن جب تک ہوسکے مسلمان بلکہ دیندار عورت سے پلوایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کا دودھ پینے سے نکاح پر اثر

سوال[۶۷۰۳]: ایک بالغ آدمی نے اپنی بیوی کا دودھ قصداً پی لیا، یا اس کی بیوی نے بے احتیاطی کی، یہاں تک کہ اپنا دودھ طعام وغیرہ میں گرادیا اور وہ طعام شوہر نے کھالیا۔ تو ان صورتوں میں نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ فقط۔

عبدالعلی۔

= ۳/۲۱۱، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۲/۶۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۸۹، رشيديه)

(وكذا في فتح المعين، كتاب الرضاع: ۲/۹۵، سعيد)

(۱) کافرہ عورت کا دودھ پلانا اگرچہ جائز ہے، لیکن جیسا کہ احتیاطاً بے وقوف عورت کا دودھ پلانے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح بربنائے احتیاط کافرہ عورت کا دودھ بھی نہ پلایا جائے:

"نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تسترضع الحمقاء، فإن اللبن يشبه". (السنن الكبرى للبيهقي، باب ماورد في اللبن: ۷/۴۶۴)

"ولاينبغي للرجل أن يدخل ولده إلى الحمقاء، يعرض ولده للهلاك، بسبب قلة حفظها له، وتعهدها، أو لسوء الأدب، فإنها لا تحسن تأديبه، فينشأ الولد سيء الأدب. (وقوله: اللبن يعدى) يحتمل أن الحمقاء لاتحتمي من الأشياء الضارّة للولد، فيؤثر في لبنها، فيضر بالصبي". (البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳/۳۸۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ پینا اور پلانا حرام ہے(۱)، لیکن اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

بیوی کا پستان منہ میں لینے سے نکاح پر فرق نہیں پڑتا

سوال[۶۷۰۴]: دورانِ صحبت میں نے اپنی بیوی کی چھاتی منہ میں لی، اس سے کچھ نمکین سا پانی نکلا، میں نے فوراً تھوک دیا، پہلا بچہ تقریباً ایک سال ہوا مر چکا تھا تو اس سے میرے نکاح میں کچھ اثر پڑا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے آپ کے نکاح میں کچھ خلل نہیں آیا، بدستور نکاح قائم ہے اور پختہ ہے، فکر نہ کریں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "لأنه جزء آدمي، و الانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح". (الدر المختار، باب الرضاع: ۲۱۱/۳، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الرضاع: ۶۳۴/۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرضاع: ۳۸۹/۳، رشيديه)

(و كذا في فتح المعين، كتاب الرضاع: ۹۵/۲، سعيد)

(۲) "و يثبت التحريم في المدة فقط". (الدر المختار، باب الرضاع: ۲۱۱/۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۳۴۳/۱، رشيديه)

(و كذا في فتح المعين، كتاب الرضاع: ۹۴/۲، سعيد)

"إذا مص الرجل ثدي امرأته، و شرب لبنها، لم تحرم عليه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، باب الرضاع: ۴۱۷/۱، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى الأنقروية، كتاب الرضاع: ۶۸/۱، قندهار افغانستان)

(۳) "مص رجل ثدي زوجته لم تحرم". (الدر المختار، باب الرضاع: ۲۲۵/۳، سعيد) .... =

سات سال سے لبن منقطع ہونے کے بعد حرمتِ رضاعت کا حکم

سوال[۶۷۰۵]: مسماۃ فاطمہ بیان کرتی ہے کہ مجھے تقریباً سات سال سے بچہ پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی میرے پستان میں دودھ نکلتا تھا، بوجہ ضرورت اپنے دیور کی بچی مسماۃ راجہ جو اس وقت ڈھائی سال کے اندر تھی، میرے پستانوں کو دو ایک مرتبہ چوسا لیکن میرے پستانوں سے کچھ نہ نکلا، راجہ کی والدہ نے فاطمہ بی بی کو اس طرح کرنے پر اعتراض اسی وقت کیا کہ کسی وقت آپس میں اپنے بچوں بچیوں میں نکاح کرا سکتے ہیں۔ فاطمہ بی بی نے جواباً کہا کہ میرے پستانوں سے کچھ نکلنا ممکن نہیں، ضرورت کے وقت حکمِ شریعت معلوم کیا جائے گا۔

راجہ کا ماموں محی الدین البتہ یہ کہتا ہے کہ مجھے فاطمہ بی بی کے پستان سے لیس دار سفید کچھ نکلتا نظر آیا ہے، لیکن عین وقت پر ایک ہمسایہ عالم مولوی احمد اللہ صاحب بلائے گئے اور فاطمہ بی بی کے پستانوں کو دبانا شروع کر دیا، لیکن کچھ نہ نکلا۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ فاطمہ بی بی زوجۂ مظفر احمد اور تاج بی بی زوجۂ یوسف شاہ پسر نور الدین شاہ کے دو پسر صلبی ہیں اور راجہ دختر یونس شاہ از بطن مسماۃ تاج بی بی ہے، اور بہاؤ الدین پسر مظفر شاہ از بطن مسماۃ فاطمہ بی بی ہے اور یوسف شاہ اور مظفر شاہ سگے بھائی ہیں۔ اور اشکال دودھ مذکورہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حکمِ شریعت سے مطلع فرمائیں۔

مولوی احمد اللہ صاحب نے ایک حدیث زبانی فرما کر ان دونوں میں نکاح جائز قرار دیا تھا وہ حدیث یہ ہے: "جرعة أو جرعتان أو ثلاث جرعات". یعنی ایک گھونٹ دو گھونٹ یا تین گھونٹ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، جب ایک گھونٹ بھی نہ نکلا تو حرمت نکاح کیسے ہوگی؟ لیکن ماموں صاحب مطمئن نہیں ہوئے، صرف ماموں صاحب کے اعتراض کی وجہ سے جناب والا کی طرف رجوع کرنا بہتر سمجھا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دودھ کا حلق کے اندر اترنا ثابت نہیں اس لئے کہ پستان میں دودھ موجود ہی نہیں تو حرمتِ رضاعت بھی ثابت نہیں، لہٰذا اس نکاح میں تأمل کی ضرورت نہیں۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الرضاع: ۲/۱۰۱، دار المعرفة بيروت)

"امرأته كانت تعطي ثديها صبيةً واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول: لم يكن في ثديي لبن حين ألقمتها ثديي، ولم يعلم ذلك إلا من جهتها، جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية". شامي: ٢/٥٠٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح اور تولد کے بعد حرمتِ رضاعت کا علم ہوا

سوال[٦٢٠٧]: زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کو تقریباً تین سال ہوگئے اور اس دوران دو بچے ہندہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تقریباً تین سال کے بعد معلوم ہوا کہ زید نے ہندہ کی نانی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا تھا، جس کے سلسلہ میں علماء نے فتویٰ دیا کہ دونوں یکجا نہیں رہ سکتے۔ اس کے بعد دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا، لیکن زبانی طلاق نہیں ہو پائی ہے۔ اور اس کے بعد زید نے دوسری شادی بھی کر لی ہے۔

تو کیا زید سے الفاظِ طلاق کہلوانا بھی ضروری ہے یا نہیں، اور کیا زید سے جو دونوں بچے ہندہ کے بطن سے پیدا ہوئے ثابت النسب ہیں یا نہیں؟ اور کیا بغیر الفاظِ طلاق کے ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا ہندہ سے نکاح ایسی حالت میں ہوا کہ حرمتِ رضاعت کا علم نہیں تھا، لہٰذا یہ نکاح فاسد ہوا، جو بچے پیدا ہوئے وہ ثابت النسب ہیں (٢)۔ رضاعت کا علم ہونے پر زید زبان سے کہہ دے کہ میں نے ہندہ سے تعلق

---

(١) (ردالمحتار: ٣/٢١٢، كتاب الرضاع، سعيد)

(وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار، باب الرضاع: ٢/٩٣، دارالمعرفة بيروت)

(٢) "ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد، وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ١/٣٣٠، رشيديه)

"فظاهره أنهما لا يحدان، وأن النسب يثبت فيه، والعدة إن دخل، بحر". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ٣/١٣١، سعيد) .... =

زوجیت ختم کردیا، پھر عدت گذار کر ہندہ دوسری جگہ نکاح کرے:

"وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح، حتى لايحل لها التزوج باخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، اه". درمختار. "النكاح لايرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع، بل يفسد، اه".

"(قوله: إلابعد المتاركة): أى وإن مضى عليها سنون، كما فى البزازية. وعبارة الحاوى: إلا بعد تفريق القاضى أو بعد المتاركة، اه.

وقد علمت أن النكاح لايرتفع بل يفسد، وقد صرحوا فى النكاح بأن المتاركة لايتحقق إلا بالقول إن كانت موصولاً بها كتركتُك أو خليت سبيلك، اه". شامى: ٢/٢٨٣(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٢١/٢/١٤٠٥ھ۔

ماں کا بچہ کو دودھ پلانا خلافِ اکرام نہیں

سوال[٧٤٠٧]: اعضاء(گردہ، آنکھ وغیرہ) کی پیوندکاری کو علماء حضرات منع فرماتے ہیں، اس لئے کہ یہ اعضاء انسان کے اجزاء ہیں اور انسان مستحقِ اکرام ہے، اس کا ہر جزو مکرم ہے، کما قال تعالیٰ: ﴿ولقد كرمنا بنى ادم﴾ الآية(٢)۔ کوئی شخص اگر اپنا کوئی جزو کسی کو دے تو یہ خلافِ اکرام ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے، دودھ بھی تو اس کا جزو ہے، وہ کیوں پلاتی ہے، یہ خلافِ اکرام کیوں نہیں؟

= "وإذا فرق القاضى بين الزوجين فى النكاح الفاسد .... ويثبت نسب ولدها؛ لأن النسب يحتاط فى إثباته إحياءً للولد، فيترتب على الثابت من وجه. وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ٢/٣٣٢، ٣٣٣، مكتبه شركة علميه ملتان)

(١) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل فى المحرمات: ٣/٣٧، سعيد)

(٢) (سورة بنى إسرائيل: ٧٠)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق تعالیٰ نے انسان کو کرامت بخشی ہے، اس نے ہی دودھ پلانے کا حکم بچے کی ماں کو دیا ہے:

﴿والوالدات يرضعن أولادهن﴾(۱) ﴿وأوحينا إلى أمّ موسى أن أرضعيه﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۳۳)

(۲) (سورة القصص: ۷)

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

قسم کھانے کا بیان

۱	قسم دینے کا حکم	۲۹
۲	بلاضرورت قسم کھانا	۳۰
۳	کیا قسم کھانا جھوٹا ہونے کی علامت ہے؟	۳۱
۴	جھوٹی قسم کھانا	۳۳
۵	جھوٹا حلف	۳۴

۶	غیر اللہ کی قسم کھانا	۳۵
۷	بت خانہ کی قسم کھانا	۳۷
۸	قرآن پاک کی قسم کھانا	۳۸
۹	قرآن اٹھا کر قسم کھانا	۳۹
۱۰	قرآن پر ہاتھ رکھ کر بات کہنا	۴۱
۱۱	قرآن شریف ہاتھ میں لے کر بات کہنا قسم نہیں	۴۲
۱۲	قرآن کی قسم سچا نہ جاننے والے کا حکم	۴۳
۱۳	قرآن پاک گود میں لے کر وعدہ کا حکم	۴۴
۱۴	مسجد میں نہ جانے کی قسم	۴۵
۱۵	قسم کھائی کہ ''عمر کی چیز نہیں کھائے گا'' پھر اس نے ہبہ کی تو کیا حکم ہے؟	۴۶
۱۶	''اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج''	۴۷
۱۷	قسم کھائی کہ ''فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا'' پھر وہ مر گیا	۴۷
۱۸	''اگر فلاں چیز کھاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' -نعوذ باللہ- کہنے کا حکم	۴۸
۱۹	تحریم الحلال یمین	۴۹
۲۰	استاذ کا قسم کھا کر پھر توڑنا	۵۰
۲۱	نکاح کی قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا	۵۱
۲۲	کسی کے کھانے کو سور کے ساتھ تشبیہ دینا کیا قسم ہے؟	۵۲

فصل فی کفارة الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

۲۳	وعدہ خلافی اور قسم کا کفارہ	۵۳
۲۴	ایضاً	۵۴

۲۵	کفارۂ قسم	۵۵
۲۶	یمینِ غموس میں کفارہ نہیں	۵۶
۲۷	بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ	۵۷
۲۸	اصلاح کا عہد کر کے توڑ دینا	۵۷

باب النذور

(نذر کا بیان)

۲۹	نذر کس طرح منعقد ہوتی ہے؟	۵۹
۳۰	نذر کی تحقیق کرنا	۶۰
۳۱	میلاد شریف پڑھوانے کی نذر باطل ہے	۶۱
۳۲	ایضاً	۶۱
۳۳	حضرت سیدہؓ کی کہانی سننے کی نذر ماننا	۶۳
۳۴	گیہوں تقسیم کرنے کی نذر	۶۴
۳۵	نذر کے جانور میں قربانی کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟	۶۵
۳۶	گائے کو ذبح کر کے دعوت ولیمہ میں کھلانے کی نذر ماننا	۶۶
۳۷	نذرِ معلق کی پیشگی ادائیگی	۶۷
۳۸	بیمار کی صحت کے لئے جانور صدقہ کیا جائے تو اس کی کیا شرط ہے؟	۶۹
۳۹	سہولتِ ولادت کی نذر	۶۹
۴۰	سہولتِ ولادت کے لئے ختمِ قرآن کروانے کی نذر	۷۰
۴۱	ایک مہینہ کے روزہ کی نذر ماننے میں تسلسل ضروری ہے	۷۳
۴۲	پانچ سو روپے مسجد میں دینے کی نذر کرنے سے ایک ہی مسجد میں دے یا الگ الگ میں؟	۷۳
۴۳	امتحان میں پاس ہونے کی نذر ماننا	۷۵

۴۴	گناہ کے ترک کا عہد، پھراس کے خلاف کرنے پر روزہ کی نیت کرنا	۷۷

کتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومايتعلق به

(حدِّ زنا کا بیان)

۴۵	زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط	۷۹
۴۶	زنا کی سزا جب کہ امامِ وقت نہ ہو	۸۰
۴۷	زنا کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے؟	۸۲
۴۸	بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کا حکم	۸۴
۴۹	زانی کی سزا، کیا زنا حقوق العباد سے ہے؟	۸۴
۵۰	زنا کی سزا	۸۷
۵۱	ایضاً	۹۱
۵۲	ایضاً	۹۲
۵۳	جبراً زنا کی وجہ سے حد	۹۳
۵۴	جو شخص لڑکی سے زنا پر اصرار کرے، اس کی ہلاکت کی تدبیر کا حکم	۹۴
۵۵	زنا کی معافی کی صورت	۹۶
۵۶	طلاق کے بعد عورت کو رکھنے کی سزا	۹۶
۵۷	زنا کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے	۹۸
۵۸	محض عورت کے بیان سے مرد کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا	۹۸
۵۹	کفارۂ زنا	۹۹

باب حدّ القذف

(حدِ قذف کا بیان)

۶۰	کسی کو "حرام زادہ" کہنا	۱۰۱
۶۱	بلا ثبوت کسی کو "زانی" اور "سارق" کہنا	۱۰۲
۶۲	جھوٹا الزام لگانے کی سزا	۱۰۴
۶۳	افتراء اور بہتان کی سزا	۱۰۴
۶۴	شبہ کی بنا پر تہمت لگانا	۱۰۵
۶۵	زوالِ بکارت کی وجہ سے تہمت	۱۰۶
۶۶	بہو کو سخت لفظ کہنے پر حد	۱۰۷
۶۷	اپنے ولد الحرام ہونے کا اقرار	۱۰۸

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

۶۸	گالی دینے کی سزا	۱۱۰
۶۹	گالی دینا	۱۱۳
۷۰	کسی کو شیطان کہنا	۱۱۴
۷۱	کیا شرعی قوانین عالمِ دین پر بھی لاگو ہیں؟	۱۱۴
۷۲	بدعہدی کرنے والے کا حکم	۱۱۵
۷۳	وطی بہیمہ	۱۱۵
۷۴	بیوی سے وطی فی الدبر کی سزا	۱۱۸

۷۵	بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی عضو کو معطل کردینا	۱۲۰
۷۶	غیر مسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سزا	۱۲۱
۷۷	اغوا کرنے والے کی سزا، برادری سے ترک تعلق	۱۲۳
۷۸	غیر مسلموں سے تعلق رکھنے پر ترکِ تعلق کی سزا	۱۲۴
۷۹	بیوی کو خطا پر سزا دینا	۱۲۵
۸۰	شوہر کو حق تعزیر	۱۲۶
۸۱	بچوں کو تادیباً مارنا	۱۲۶
۸۲	بیوی کو سزا دینے کی حد	۱۲۷
۸۳	بچوں کو سزا دینے کی حد	۱۲۸
۸۴	استاد شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے؟	۱۲۸
۸۵	شرک و بدعت کی سزا	۱۳۰
۸۶	انتقام کی صورت	۱۳۲
۸۷	ایضاً	۱۳۳

فصل فی التعزیر بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

۸۸	گناہ پر مالی جرمانہ	۱۳۴
۸۹	مالی جرمانہ لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا	۱۳۵
۹۰	مالی جرمانہ	۱۳۶
۹۱	مالی جرمانہ کا دینی کام میں صرف کرنا	۱۳۹
۹۲	مالی جرمانہ اور اس کا مصرف	۱۳۹
۹۳	مالی جرمانہ	۱۴۰
۹۴	ایضاً	۱۴۲

۹۵	ایضاً	۱۴۳
۹۶	ایضاً	۱۴۴
۹۷	گورکنی میں شرکت نہ کرنے والے پر جرمانہ	۱۴۶

باب الحدّ بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

۹۸	شراب نوشی کی سزا	۱۵۰

باب القصاص والدّیة

(قصاص اور دیت کا بیان)

۹۹	قتل کی سزا	۱۵۱
۱۰۰	تادیباً مارنے سے موت واقع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟	۱۵۲
۱۰۱	ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہونے والے کی دیت	۱۵۲

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

۱۰۲	ادائے شہادت جب کہ صحیح فیصلہ کی توقع نہ ہو	۱۵۴

كتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

۱۰۳	لقطہ کی تفصیل	۱۵۶

۱۰۴	دھوکہ میں کسی کا سامان اٹھانے کا حکم	۱۵۸
۱۰۵	پرانے کپڑوں سے سوروپیہ کا نوٹ ملا، اسے کیا کیا جائے؟	۱۶۰
۱۰۶	لقطہ میں تصرف	۱۶۱
۱۰۷	لقطہ کا خود استعمال کرنا	۱۶۱
۱۰۸	لقطہ سے تجارت کرنا	۱۶۳
۱۰۹	لقطہ کا صدقہ کرنا	۱۶۴
۱۱۰	لقطہ کا خریدنے کے بعد استعمال کرنے کا حکم	۱۶۴
۱۱۱	ڈیڑھ سال تک لقطہ کا مالک نہ آئے تو کیا کیا جائے؟	۱۶۵
۱۱۲	لقطۂ مسجد کا حکم	۱۶۶
۱۱۳	بکری کا لقطہ	۱۶۷
۱۱۴	بھینس کا لقطہ	۱۶۸
۱۱۵	چیل سے مرغی کا بچہ گرا، اس کو کیا کیا جائے؟	۱۷۰
۱۱۶	سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کا استعمال	۱۷۱
۱۱۷	خوفِ دشمن سے جو مال چھوڑ کر چلا جائے، اس کا حکم	۱۷۱
۱۱۸	جو شخص پاکستان چلا گیا اس کے سامان اور مکان کا حکم	۱۷۲
۱۱۹	پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ	۱۷۴
۱۲۰	مالک نے کہا کہ "باغ کا جو پھل جو لے لے وہ اسی کا ہے"	۱۷۵
۱۲۱	کسی کے درخت سے گرا ہوا پھل اٹھانا	۱۷۵

كتاب الشركة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

۱۲۲	دو آدمیوں کا فیکٹری سے کام لینے میں شرکت اور خاندان کے دیگر افراد کا اس شرکت میں حکم	۱۷۶

۱۲۳	قبضہ کی جائیداد میں شرکت کی ایک صورت	۱۸۱
۱۲۴	شرکت میں نقصان ایک شریک پر ڈالنا	۱۸۲
۱۲۵	ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصہ کو فروخت کرنا	۱۸۳
۱۲۶	زمین کے بٹوارہ میں شرکاء کو کم وزیادہ حصہ دینا	۱۸۵
۱۲۷	قرض یا شرکت میں معاملہ کی پابندی	۱۸۶
۱۲۸	بلا اجازتِ شرکاء ایک شریک کا مشترکہ زمین میں کاشت کرنا	۱۸۹
۱۲۹	مشترکہ آمدنی سے بچا کر روپیہ الگ رکھنا اور اس سے مکان خریدنا	۱۹۰
۱۳۰	استفتاء متعلق سوال بالا	۱۹۲
۱۳۱	ہوٹل کے ایک شریک کا اپنے دوستوں کو مشترکہ کھانا کھلانا	۱۹۵
۱۳۲	ایک شریک کا مشترکہ مکان سے نفع اٹھانا	۱۹۶
۱۳۳	کارخانہ میں بیس فیصد نقصان برداشت کرنے کی شرط لگانا	۱۹۸
۱۳۴	مکانِ مشترک کے پرانے کواڑوں کو اپنے کام میں لانا	۱۹۹
۱۳۵	مشترکہ زمین پر کسی حصہ دار کا مکان تعمیر کرنا	۲۰۰
۱۳۶	کاشت میں ایک بھائی کا نام درج ہے، کام سب کا مشترک ہے	۲۰۳
۱۳۷	دو بھائیوں نے یکجا محنت سے جائیداد کمائی تو وہ باپ کی ملک ہے	۲۰۴
۱۳۸	زمین، دوکان وگھوڑی میں شرکت کی ایک صورت	۲۰۵
۱۳۹	مچھلی کے شکار میں شرکت	۲۱۰
۱۴۰	ایضاً	۲۱۲
۱۴۱	مسلم اور غیر مسلم کا مائک وگراموفون مشترک خریدنا	۲۱۳
۱۴۲	نیلام در نیلام	۲۱۵
۱۴۳	مضارب کے لئے تنخواہ	۲۱۷
۱۴۴	شرکت وانعام	۲۱۷

۱۴۵ ایک شریک کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم نہ کرنا ۲۱۸
۱۴۶ خیانت کر کے مضارب نے مکان خریدا، اب وہ مکان کس کا ہوگا؟ ۲۲۰
۱۴۷ ایک شریک کا تنخواہ لینا ۲۲۳
۱۴۸ کیا مضارب نفع میں شریک ہے، نقصان میں نہیں؟ ۲۲۶
۱۴۹ جانوروں کی مضاربت میں شرکت ۲۲۷

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

۱۵۰ تمام جائیداد وقف کر دینا ۲۳۱
۱۵۱ واقف کا جائیدادِ وقف سے خود نفع اٹھانے کی شرط لگانا ۲۳۳
۱۵۲ واقف کو شرائطِ وقف میں تغیر وتبدل کا اختیار ۲۳۵
۱۵۳ ایک وقف نامہ کی تنقیح ۲۳۶
۱۵۴ غیر مملوک زمین کو وقف کرنا ۲۳۷
۱۵۵ ایضاً ۲۳۸
۱۵۶ دوسرے کی ملک کو وقف کرنا ۲۳۹
۱۵۷ زمین وقف کر کے دوسرے شخص کو اس کی تملیک کرنا ۲۴۰
۱۵۸ وقفِ مشترک ۲۴۳
۱۵۹ کیا مشترکہ جائیداد میں سے کوئی شریک اپنا حصہ وقف کر سکتا ہے؟ ۲۴۵

۱۶۰	شریکِ وقف کی علیحدگی ہونے پراس کی رقم کی واپسی	۲۴۶
۱۶۱	تعلیمِ دین کے لئے وقف عمدہ ہے	۲۴۸
۱۶۲	وقف کے لئے قبضہ کی شرط نہیں	۲۴۹
۱۶۳	وقف کے لئے منجز ہونا ضروری ہے	۲۵۰
۱۶۴	وقفِ معلق یا منجز	۲۵۳
۱۶۵	وقف علی اللہ میں سے کچھ حصہ حق الخدمت کے لئے مقرر کرنا	۲۵۵
۱۶۶	قاضی کے لئے زمین وقف کرنا	۲۵۶
۱۶۷	وقف زمین میں اکھاڑہ	۲۵۸
۱۶۸	وقف مرض الموت میں نہیں ہے تو وقف ہے	۲۵۹
۱۶۹	غیر آباد مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کا تبادلہ	۲۶۱
۱۷۰	وقف معلق بالموت کی بیع جائز ہے یا نہیں؟	۲۶۲
۱۷۱	جبراً وقف کرانا	۲۶۳
۱۷۲	نابالغ کا وقف	۲۶۵
۱۷۳	نابالغ کا وقف معتبر نہیں	۲۶۵
۱۷۴	وعدۂ وقف پر ووٹ دینا	۲۶۷
۱۷۵	وقف کے لئے رجسٹری ضروری نہیں	۲۶۷
۱۷۶	وقف منقول علی الاولاد	۲۶۸
۱۷۷	حسبِ حصص وقف علی النفس وعلی الاولاد	۲۷۰
۱۷۸	وقفِ مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اولاد پر	۲۷۲
۱۷۹	یہ دعویٰ کرنا کہ ''چند کمرے خاص قبیلے کے لئے وقف ہیں''	۲۷۴
۱۸۰	غیر مسلم کا مسجد کے لئے وقف کرنا	۲۷۶
۱۸۱	مسجد کے لئے قادیانی کا وقف	۲۷۷

۱۸۲	رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا	۲۷۹
۱۸۳	کیا وقف کے لئے افراز عن الملک کافی ہے، یا نماز باجماعت بھی ضروری ہے؟	۲۷۹
۱۸۴	ذاتی عداوت کی وجہ سے وقف کی آمدنی کو روکنا	۲۸۰
۱۸۵	وقف کو منسوخ کرنا	۲۸۳
۱۸۶	ضلعی انجمن کی تقسیم	۲۸۵
۱۸۷	کسٹوڈین اگر جائیدادِ مقبوضہ کو واپس کردے تو اس کا حکم	۲۸۶

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعہ

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

۱۸۸	وقف کو بدلنا	۲۸۸
۱۸۹	استبدالِ وقف	۲۹۰
۱۹۰	خستہ حال مکان کے بدلے دوسرا مکان خریدنا	۲۹۲
۱۹۱	ایضاً	۲۹۳
۱۹۲	تتمۂ سوال بالا	۲۹۹
۱۹۳	مسجد کے نام وقف زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا	۳۰۰
۱۹۴	مسجد کی موقوفہ زمین کو بدلنا	۳۰۱
۱۹۵	مسجد کے لئے وقف کردہ شی کا ردوبدل کرنا	۳۰۱
۱۹۶	ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ منتقل کرنا	۳۰۲
۱۹۷	مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا	۳۰۴
۱۹۸	مدرسہ کے لئے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا	۳۰۴
۱۹۹	جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد یا اور کسی کارِ خیر کے لئے وقف کرنا	۳۰۶
۲۰۰	مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی صورت	۳۰۹

۲۰۱	فیضِ عام کے لئے وقف شدہ زمین کو مسجد کے لئے منتقل کرنا	۳۱۰
۲۰۲	بیر موقوفہ کا سامان نئی تعمیر میں	۳۱۱
۲۰۳	جو زمین مزار کے لئے وقف ہے، اس کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا	۳۱۲
۲۰۴	ایضاً	۳۱۲
۲۰۵	ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ صرف کرنا	۳۱۳
۲۰۶	ایک وقف کو دوسری جگہ خرچ کرنا	۳۱۵
۲۰۷	مسجد کے لئے وقف زمین کو فروخت کر کے مدرسہ میں لگانا	۳۱۶
۲۰۸	موقوفہ زمین کی بیع	۳۱۶
۲۰۹	وقف کی بیع بشرطِ اقالہ	۳۱۸
۲۱۰	دوسری جائیداد خریدنے کے لئے موقوفہ جائیداد فروخت کرنا	۳۲۱
۲۱۱	وقف کے مصارف اور اس کی بیع	۳۲۲
۲۱۲	وقفِ مشاع، مسجد کے تیل کی بیع	۳۲۳
۲۱۳	آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وقف کی زمین فروخت کرنا	۳۲۵
۲۱۴	آمدنی کم ہونے پر مکانِ موقوفہ کی بیع	۳۲۶
۲۱۵	مسجد کا کوئی حصہ قوالی کے لئے خالی کرنا، یا اپنی ملک قرار دے کر عوض میں دوسری جگہ دینا	۳۲۷
۲۱۶	مسجد کے وقف مکان کی بیع	۳۳۰
۲۱۷	جس زمین کو مسجد بنانے کی وصیت کی گئی ہو، اس کو دوسرے مقاصد میں استعمال کرنا	۳۳۱
۲۱۸	مسجد آباد توڑ کر عیدگاہ بنانا	۳۳۲
۲۱۹	مسجد کو عیدگاہ بنانا	۳۳۳
۲۲۰	مسجد کی زمین پر عیدگاہ	۳۳۶
۲۲۱	مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا	۳۳۸
۲۲۲	مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا	۳۴۰

۲۲۳	جائے نماز مسجد میں دینے کے بعد ملکیت ختم ہوگئی	۳۴۰

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

۲۲۴	متولی کے فرائض	۳۴۲
۲۲۵	متولی کے اختیارات	۳۴۳
۲۲۶	متولی کے معزول کرنے کے اسباب	۳۴۳
۲۲۷	تولیتِ وقف کی تعیین	۳۴۴
۲۲۸	متولی وقف کیسا ہونا چاہیے؟	۳۴۷
۲۲۹	مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟	۳۴۸
۲۳۰	متولی مسجد اگر غافل یا خائن ہوتو کیا کیا جائے؟	۳۴۹
۲۳۱	کیا وقف کا متولی خود واقف ہوسکتا ہے؟	۳۵۱
۲۳۲	بے نمازی کا متولی مسجد ہونا	۳۵۱
۲۳۳	متولی کا قومِ واقف سے ہونا	۳۵۲
۲۳۴	زبانی وقف اور خاندانِ واقف کا متولی ہونا	۳۵۳
۲۳۵	بانی کے اہلِ خاندان تولیت کے زیادہ حقدار ہیں	۳۵۴
۲۳۶	مسجد کی تولیت میں وراثت	۳۵۵
۲۳۷	جومتولی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے، اس کا حکم	۳۵۷
۲۳۸	متولی کا شرائطِ واقف کے خلاف عمل	۳۵۸
۲۳۹	ذمہ داری پوری نہ کرنے پر متولی کی علیحدگی	۳۵۹
۲۴۰	جومتولی وقف کوفروخت کرے، وہ مستحق عزل ہے	۳۶۰
۲۴۱	متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے، تو اس کی برطرفی	۳۶۱

۲۴۲	ایضاً..	۳۶۲
۲۴۳	ایک متولی کے مظالم..	۳۶۳
۲۴۴	متولی کا اپنے آپ کو رجسٹری کرالینا..	۳۶۹
۲۴۵	جدید متولی کا امام کو پریشان کرنا..	۳۷۰
۲۴۶	غیر مسلم کو درگاہ اور مسجد کا متولی بنانا..	۳۷۰
۲۴۷	بلا اجازتِ متولی جنگل کو نیلام اور مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کرنا..	۳۷۲
۲۴۸	کمیٹی کے ایک آدمی کا تنہا مسجد میں تصرف..	۳۷۴
۲۴۹	واقف کا متولی کو تبدیل کرنا..	۳۷۵
۲۵۰	بغیر اجازتِ متولی امامت کرنا..	۳۷۶
۲۵۱	بغیر اجازتِ متولی مسجد میں رہنا..	۳۷۶
۲۵۲	مرمتِ مسجد بلا اذنِ متولی..	۳۷۷
۲۵۳	شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے انتظام لے لینا..	۳۷۸
۲۵۴	مسجد کی اشیاء چوری ہوئیں تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟..	۳۷۸
۲۵۵	اولادِ واقف کو انتظام میں دخل دینے کا حق..	۳۸۰
۲۵۶	مزار کی حفاظت کا طریقہ اور اس کے محافظ کا وظیفہ..	۳۸۲

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

۲۵۷	مسجدِ کبیر کی تعریف..	۳۸۴
۲۵۸	مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف..	۳۸۴
۲۵۹	حدِ مسجد..	۳۸۵
۲۶۰	مسجد ہونے کا حکم کب ہوگا؟..	۳۸۶

۲۶۱	کیا بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم ہو جائے گا؟	۳۸۸
۲۶۲	مسجد کی بنیاد رکھنے سے حکمِ مسجد	۳۸۹
۲۶۳	مسجد کیسے مسجد بن جاتی ہے؟	۳۹۱
۲۶۴	اذان و جماعت کی اجازت سے اس جگہ کا مسجد بن جانا	۳۹۲
۲۶۵	جب مالک کی اجازت سے اذان و جماعت ہونے لگی، پس وہ مسجد بن گئی	۳۹۳
۲۶۶	بانی مسجد کون ہے؟	۳۹۶
۲۶۷	مسجد کا بانی اول اور بانی دوم	۳۹۶
۲۶۸	بغیر صریح وقف کے اذان و جماعت کی اجازت سے بھی مسجد بن جاتی ہے	۳۹۶
۲۶۹	عارضی ضرورت کے لئے بنی ہوئی مسجد کا حکم	۳۹۷
۲۷۰	مسجد میں آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی	۳۹۸
۲۷۱	مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھنا	۴۰۱
۲۷۲	غیر آباد مسجد کو محفوظ کرنے کی صورت	۴۰۱
۲۷۳	مسجد کے وضوخانہ اور استنجاخانہ کی چھت کا حکم	۴۰۳

الفصل الأول فی بناء المسجد وتعمیرہ

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

۲۷۴	مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دعاء	۴۰۵
۲۷۵	بضرورت نئی مسجد بنانا	۴۰۵
۲۷۶	نئی آبادی میں نئی مسجد بنانا	۴۰۷
۲۷۷	مالک کی اجازت سے اس کی زمین میں مسجد بنانا	۴۰۸
۷۸	ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟	۴۰۹
۲۷۹	مسجد قدیم میں پنجوقتہ نماز ہو اور جمعہ کے لئے مستقل مسجد بنانا	۴۱۰

۲۸۰ اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد مشترکہ زمین میں بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۱
۲۸۱ دفعِ نزاع کے لئے دومسجدیں بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۲
۲۸۲ گھر کو مسجد بنادینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۳
۲۸۳ غیر مسلم سے مسجد ومدرسہ کی بنیاد رکھوانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۵
۲۸۴ نئی تعمیر میں مسجد کا فرش اونچا رکھ کر نیچے تہہ خانہ بنادیا، تو نماز کہاں پڑھی جائے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۶
۲۸۵ اختلافِ مکتبِ فکر کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۹
۲۸۶ عاشورہ خانہ کو مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
۲۸۷ سڑک پر مسجد کی ڈاٹ اور دومنزلہ مسجد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
۲۸۸ محلّہ میں مسجد تعمیر ہونے کے بعد نماز کہاں ادا کی جائے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۳

الفصل الثاني فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

۲۸۹ مسجدِ ضرار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۵
۲۹۰ ذاتی اغراض کی وجہ سے قدیم آباد مسجد کو مسجد ضرار کہہ کر ویران کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۷
۲۹۱ نئی مسجد، مسجد ضرار نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۹
۲۹۲ نزاع سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا، کیا وہ مسجد ضرار ہے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۱
۲۹۳ بلاضرورت دوسری مسجد بنائی گئی، تو کیا وہ مسجدِ ضرار ہے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۳
۲۹۴ بلاضرورت دوسری مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۴
۲۹۵ خاندانی اعزاز کے لئے بلاضرورت مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۷
۲۹۶ جدید مسجد بنانا جس سے قدیم مسجد کو نقصان پہونچے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۸
۲۹۷ ایک مسجد کی ضد میں دوسری مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۱
۲۹۸ پرانی مسجد کو چھوڑ کر مقابلہ میں نئی مسجد بنانا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۱

۲۹۹	مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا	۴۴۴

الفصل الثالث فی المحراب والمنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

۳۰۰	مسجد میں محراب کا حکم	۴۴۶
۳۰۱	محراب بنانے میں انہدامِ مسجد کا خطرہ ہو تو کیا کرے؟	۴۴۷
۳۰۲	دیوارِ پشت اور درمیانی محراب کا حکم	۴۴۸
۳۰۳	مسجد کے محراب میں طاق بنانا	۴۴۹
۳۰۴	محرابِ مسجد بھی داخلِ مسجد ہے	۴۵۰
۳۰۵	محرابِ مسجد کو منتقل کرنا	۴۵۰
۳۰۶	منبر کا مقام اور اس کی کیفیت	۴۵۱
۳۰۷	مسجد میں مینارہ	۴۵۴

الفصل الرابع فی بیع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

۳۰۸	مسجد کی زمین کی بیع	۴۵۶
۳۰۹	وقف مسجد کا فروخت کرنا	۴۵۸
۳۱۰	مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع کرنا	۴۵۹
۳۱۱	زیادہ آمدنی کی توقع پر مسجد کی زمین فروخت کرنا	۴۶۰
۳۱۲	مسجد کے لئے وقف خطۂ زمین کو فروخت کرنا	۴۶۲
۳۱۳	اراضیٔ مسجد پر قبضہ کے اندیشہ سے ان کو فروخت کر کے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی بنانا	۴۶۳
۳۱۴	مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی زمین کو فروخت کرنا	۴۶۴
۳۱۵	مسجد کی نیت سے چھوڑی ہوئی زمین میں تصرف درست نہیں	۴۶۵

۳۱۶	کسی کے نام ہونے سے وقف میں فرق نہیں آتا، مسجد کی دوکان قرض میں دینا....................	۴۶۷
۳۱۷	بچی ہوئی موم بتی بیچ کر امام کی تنخواہ وغیرہ میں لگانا....................	۴۶۸
۳۱۸	مسجد کے درخت کا پھل فروخت کرنا....................	۴۶۸
۳۱۹	زائد سامانِ مسجد کو فروخت کرنا....................	۴۷۰
۳۲۰	مسجد کا سامان فروخت کرنا....................	۴۷۰
۳۲۱	ایضاً....................	۴۷۱
۳۲۲	پرانی مسجد کے سامان کو فروخت کرنا اور حجرۂ امام میں صرف کرنا....................	۴۷۲
۳۲۳	انہدامِ مسجد پر اس کی اشیاء کی بیع....................	۴۷۴
۳۲۴	نقائضِ مسجد کی بیع....................	۴۷۵
۳۲۵	مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنا....................	۴۷۶
۳۲۶	مسجد کے فرش کے ملبہ کا نیلام اور استعمال....................	۴۷۷
۳۲۷	مسجد میں دی ہوئی اشیاء کو بار بار نیلام کرنا....................	۴۷۷
۳۲۸	مسجد کے تیل کو فروخت کرنا....................	۴۷۸
۳۲۹	ایضاً....................	۴۷۸
۳۳۰	مسجد ویران ہونے پر اس کی جائیداد اور سامان کو بیچنے اور رہن رکھنے کا حکم....................	۴۷۹
۳۳۱	غیر آباد مسجد کی بنیاد کا مصرف....................	۴۸۷
۳۳۲	غیر آباد مسجد کو فروخت کرنا....................	۴۸۸
۳۳۳	غیر آباد مساجد کو کرایہ پر دینا، یا اس کے سامان کو فروخت کرنا....................	۴۸۹

الفصل الخامس فی المسجد القدیم

(پرانی مسجد کا بیان)

۳۳۴	پرانی مسجد کو گرا کر نئی مسجد تعمیر کرنا....................	۴۹۱

۳۳۵	ویران ہو جانے کے بعد مسجد کا حکم	۴۹۲
۳۳۶	مسجد ویران ہونے پر دوسری مسجد بنانا	۴۹۳
۳۳۷	مکانات کے فروخت کرنے سے ویران مسجد کا حکم	۴۹۵
۳۳۸	پرانی مسجد کو گرانا	۴۹۶
۳۳۹	پرانی مسجد کو آباد کرنا	۴۹۷
۳۴۰	مسجد قدیم کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانا	۴۹۸
۳۴۱	پرانی مسجد کی اینٹیں، پتھر، جوتے رکھنے کی جگہ لگانا	۴۹۹
۳۴۲	پرانی مسجد چھوڑ کر نئی مسجد میں جانا	۵۰۰

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

۳۴۳	مسجد کی توسیع	۵۰۲
۳۴۴	توسیعِ مسجد کی ایک صورت	۵۰۳
۳۴۵	بلاضرورت توسیعِ مسجد کے لئے برآمدہ کو مسجد میں داخل کرنا	۵۰۵
۳۴۶	مسجد کے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا	۵۰۶
۳۴۷	مسجد کے متصل قبروں کو مسجد میں شامل کرنا	۵۰۷
۳۴۸	صحنِ مسجد سے متصل قبروں کا حکم	۵۰۸
۳۴۹	مسجد کے صحن میں توسیع کے لئے قبر کو داخلِ مسجد کرنا	۵۰۹
۳۵۰	مسجد میں قبریں شامل کرنا	۵۱۰
۳۵۱	مزار کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا	۵۱۲
۳۵۲	توسیع کے لئے کچھ راستہ مسجد میں لے لینا	۵۱۳
۳۵۳	راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کرنا	۵۱۴

۳۵۴	توسیع مسجد کے لئے پڑوسی کی زمین لینا	۵۱۵
۳۵۵	مسجد کو راستہ بنا کر مسجد کے لئے دوسری جگہ لینا	۵۱۷
۳۵۶	سڑک کی توسیع میں مسجد کا نصف حصہ دے دینا	۵۱۷
۳۵۷	توسیع مسجد کے لئے حکومت سے امداد	۵۱۹
۳۵۸	ضرورتِ مسجد کے لئے صحن کے درخت کاٹ دینا	۵۲۰

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

۳۵۹	مسجد کی خالی جگہ میں دوکان بنانا	۵۲۲
۳۶۰	نیچے دوکانیں اوپر مسجد	۵۲۳
۳۶۱	ایضاً	۵۲۴
۳۶۲	نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ	۵۲۶
۳۶۳	دیوارِ مسجد میں دوکان کی الماری بنانا	۵۲۸
۳۶۴	حفاظت وبقائے مسجد کے لئے صحنِ مسجد میں دکانیں بنانا	۵۲۸
۳۶۵	مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا	۵۳۰
۳۶۶	مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا	۵۳۲
۳۶۷	مسجد کا کچھ حصہ چھوڑ دینا	۵۳۳
۳۶۸	مسجد کی چھت سے بجلی کے تار گذروانا	۵۳۴
۳۶۹	مدرسہ والوں کے لئے آنے جانے کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار میں دروازے بنانا	۵۳۴
۳۷۰	مسجد کی چھت پر مائیک کی حفاظت کے لئے حجرہ بنانا	۵۳۵
۳۷۱	مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کے لئے الماری بنوانا	۵۳۶
۳۷۲	دیوارِ مسجد کی مرمت کی بجائے سائبان بنانا	۵۳۶
۳۷۳	احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ بنانا	۵۳۷
۳۷۴	مسجد کے اندر رہنے یا دفتر وغیرہ کے لئے کمرہ بنانا	۵۴۰

۳۷۵	مسجد میں وضو کی جگہ بنانا	۵۴۰
۳۷۶	مسجد سے متعلق بیت الخلاء	۵۴۱
۳۷۷	مسجد سے متصل بیت الخلاء	۵۴۳
۳۷۸	مسجد کے قریب بیت الخلاء بنانا	۵۴۴
۳۷۹	مسجد سے متعلق جگہ میں بیت الخلاء بنانا	۵۴۵
۳۸۰	وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ	۵۴۶
۳۸۱	مسجد کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ	۵۴۷
۳۸۲	مسجد کے حُجرے پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے کو نکالنا	۵۴۸
۳۸۳	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کو امام کا اپنے نام کرالینا	۵۴۸
۳۸۴	مسجد کی زمین پر مالکانہ قبضہ	۵۴۹
۳۸۵	مسجد کی زمین میں امام کا حجرہ بنانا	۵۵۰
۳۸۶	ایک مسجد کی زمین پر دوسری مسجد بنانا	۵۵۰
۳۸۷	مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ اور رہائشی مکان	۵۵۲
۳۸۸	مسجد کمیٹی کی ناخوشی کے باوجود ایسا کرنا	۵۵۲
۳۸۹	صحنِ مسجد میں کنواں بنانا	۵۵۳
۳۹۰	پرنالہ دوسرے کی جگہ میں، اور مسجد کی دیوار میں ایسا تصرف جس سے کسی کی بے پردگی ہو	۵۵۵
۳۹۱	مسجد میں ادھار لگائی ہوئی اینٹوں کی واپسی	۵۵۷

الفصل الثامن فی السکونۃ فی المسجد

(مسجد میں رہائش اختیار کرنے کا بیان)

۳۹۲	مسجد کے بالائی حصہ پر امام صاحب کا کمرہ بنانا	۵۵۹
۳۹۳	جس کوٹھڑی کی چھت کو مسجد بنالیا گیا اس میں رہائش کا حکم	۵۶۰

۳۹۴	امام سابق ضعیف العمر کا تعاون اور مکانِ مسجد میں ان کی رہائش	۵۶۱
۳۹۵	مسجد کی کوٹھڑی میں عورت کو رکھنا	۵۶۲
۳۹۶	امام کا اہل وعیال ومویشی کو مسجد میں رکھنا	۵۶۳
۳۹۷	بوقتِ ضرورت مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنانا کیسا ہے؟	۵۶۴
۳۹۸	آمدنی کے لئے کرایہ لے کر مسجد کی چھت پر مسافروں کو ٹھہرانا	۵۶۵
۳۹۹	ضرورتِ مسجد کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کرنا	۵۶۵
۴۰۰	حجرۂ امام کا شہتیر جدارِ مسجد پر	۵۶۷

الفصل التاسع فی انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

۴۰۱	مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا	۵۶۹
۴۰۲	مسجد کو منتقل کرنا	۵۷۰
۴۰۳	ایضاً	۵۷۲
۴۰۴	مسجد کا تبادلہ	۵۷۳
۴۰۵	پرانی مسجد کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا	۵۷۴
۴۰۶	ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا	۵۷۶
۴۰۷	نقشۂ اوقاتِ نماز ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنا	۵۷۶
۴۰۸	مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگانا	۵۷۸
۴۰۹	ایک مسجد کا پنکھا دوسری مسجد میں دینا	۵۷۸
۴۱۰	پرانی مسجد توڑ کر اس کا سامان نئی مسجد میں لگانا، یا فروخت کرنا	۵۷۹
۴۱۱	پرانی مسجد کے گر کر بہہ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی اینٹ وغیرہ سے دوسری مسجد بنانا	۵۸۰

۴۱۲	دریابُرد گاؤں کی مسجد کا سامان کس مسجد میں استعمال کیا جائے؟	۵۸۰
۴۱۳	حویلی کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لے جانے کا حکم	۵۸۱
۴۱۴	مسجد کے پرانے سامان کا مصرف	۵۸۳
۴۱۵	مسجد کا قرآن دوسری جگہ لے جانا	۵۸۵
۴۱۶	مسجد کا قرآن گھر لاکر قیمت ادا کرنا	۵۸۵
۴۱۷	مسجد کے قرآن پاک وغیرہ مدرسہ میں استعمال کرنا	۵۸۶
۴۱۸	چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں لے جانا	۵۸۷
۴۱۹	ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا	۵۸۷
۴۲۰	مسجد کی چیز مدرسہ کے لئے اور مدرسہ کی چیز مسجد کے لئے استعمال کرنا	۵۸۸
۴۲۱	مسجد غیر آباد ہو جائے تو اس پر وقف زمین کی آمدنی کا حکم	۵۸۹
۴۲۲	غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا	۵۹۰
۴۲۳	نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد اور اس کے وقف کا حکم	۵۹۲

الفصل العاشر فی إقامة المدرسة فی المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

۴۲۴	مسجد کو مدرسہ بنانا	۵۹۴
۴۲۵	تعلیم دینے کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا جانا	۵۹۵
۴۲۶	مسجد کے دالان میں مدرسہ	۵۹۵
۴۲۷	مسجد کے دالان کو دفتر انجمن بنانا	۵۹۶
۴۲۸	مسجد کے پیچھے مدرسہ بنانا	۵۹۸
۴۲۹	صحنِ مسجد کو مدرسہ کے لئے لینا	۵۹۹

۴۳۰	مسجد کی جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا	۶۰۱
۴۳۱	تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا	۶۰۲
۴۳۲	مسجد میں غیر شرعی لباس کے ساتھ دینوی مخلوط تعلیم	۶۰۳
۴۳۳	مسجد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینا	۶۰۴
۴۳۴	مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا	۶۰۶
۴۳۵	مسجد کے ایک حصہ میں بچوں کی تعلیم	۶۰۷
۴۳۶	نیچے مدرسہ اوپر مسجد	۶۰۸
۴۳۷	مسجد کی جگہ پر نیچے مدرسہ اوپر مسجد	۶۰۹
۴۳۸	مسجد میں تعلیم کی حدود	۶۱۱

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرائے پر دینے کا بیان)

۴۳۹	مسجد کی وقف زمین کو کرایہ پر دینا	۶۱۳
۴۴۰	مسجد کی کرسی اونچی کر کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا	۶۱۳
۴۴۱	قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس کی جگہ دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا	۶۱۵
۴۴۲	مسجد پر بورڈ لگا کر کرایہ وصول کرنا	۶۱۵
۴۴۳	کسی حصۂ مسجد کو ذریعۂ آمدنی بنانا	۶۱۶
۴۴۴	صحنِ مسجد سے درخت کاٹ کر برآمدہ برائے کرایہ بنانا	۶۱۷
۴۴۵	حوض کی جگہ کرایہ کے لئے دوکان بنانا	۶۱۸
۴۴۶	مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لئے دوکان بنانا	۶۱۹
۴۴۷	مسجد کی جگہ سنیما کے بورڈ کے لئے کرایہ پر دینا	۶۲۰
۴۴۸	سودی کاروبار کے لئے مسجد کی دوکان کرایہ پر لینا	۶۲۱

۴۴۹	مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے برتنوں کو کرایہ پر دینا	۶۲۱
۴۵۰	ناجائز فعل کے لئے کرایہ پر برتن دے کر مسجد پر خرچ کرنا	۶۲۲
۴۵۱	مسجد کی اشیاء عاریت پر دینا	۶۲۳

الفصل الثاني عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

۴۵۲	مسجد کی چیزوں کا ذاتی کام میں استعمال کرنا	۶۲۴
۴۵۳	مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں استعمال کرنا	۶۲۴
۴۵۴	مسجد کا مصلی، لوٹا باہر لے جا کر استعمال کرنا	۶۲۵
۴۵۵	مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے مخصوص کرنا	۶۲۵
۴۵۶	مسجد کا کوئی لوٹا اپنے لئے خاص کرنا	۶۲۶
۴۵۷	مسجد کا لوٹا اور جگہ مخصوص کرنا	۶۲۷
۴۵۸	مسجد کی اشیاء کا امام ومؤذن کے لئے استعمال	۶۲۸
۴۵۹	حجرۂ مسجد میں رہائش اور کتابت	۶۲۹
۴۶۰	دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا	۶۲۹
۴۶۱	مسجد کی الماری میں اپنا تجارتی سامان رکھنا	۶۳۰
۴۶۲	مسجد میں دینی کتابیں وغیرہ رکھنا	۶۳۱
۴۶۳	مسجد کی کتاب کو مکان میں رکھ کر مطالعہ کرنا	۶۳۱
۴۶۴	مسجد کا تیل یا ڈھیلا اپنے ساتھ لے جانا	۶۳۲
۴۶۵	حمام کے کوئلہ سے امام کو چائے بنانا	۶۳۳
۴۶۶	متولی کی اجازت سے مسجد کا تیل امام ومؤذن کے لئے	۶۳۳
۴۶۷	مسجد کا تیل امام کے لئے	۶۳۳

۴۶۸	مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا....................	۶۳۵
۴۶۹	مسجد کا کنواں، نل، ڈول رسی استعمال کرنا....................	۶۳۶
۴۷۰	مسجد کے چراغ میں اپنا وظیفہ پڑھنا....................	۶۳۷
۴۷۱	مسجد میں چراغ کب تک جلے؟....................	۶۳۷
۴۷۲	مسجد کا چراغ کب تک جلے اور فرش کب تک بچھے؟....................	۶۳۸
۴۷۳	مسافر کے لئے مسجد کی چٹائی کا استعمال کرنا....................	۶۳۹
۴۷۴	تبلیغی جماعت کے لئے اشیائے مسجد کا استعمال....................	۶۳۹
۴۷۵	بجلی کا ہیٹر اپنی ضروریات یا تلاوت کے لئے استعمال کرنا....................	۶۴۲
۴۷۶	بجلی کا پنکھا غیر اوقاتِ نماز میں چالو کرنا....................	۶۴۳
۴۷۷	مسجد میں بجلی کا پنکھا....................	۶۴۴
۴۷۸	مسجد کے پنکھے کا استعمال....................	۶۴۴
۴۷۹	غسل خانہ وغیرہ میں روشنی کا انتظام....................	۶۴۶
۴۸۰	مسجد کی بجلی دوسرے کو دینا....................	۶۴۷
۴۸۱	مسجد کی جائے نماز وغیرہ کا محافظ کون ہے؟ اور تقریبات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں...	۶۴۷
۴۸۲	مسجد کا سامان اور مکان جو استعمال کرے وہ کرایہ دے....................	۶۴۹
۴۸۳	مسجد کی چھت سے گری ہوئی لکڑی کو پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرنا....................	۶۴۹
۴۸۴	مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا....................	۶۵۰
۴۸۵	بے نمازیوں کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا....................	۶۵۱
۴۸۶	مسجد کی سیڑھی وغیرہ اپنے گھر لے جا کر استعمال کرنا....................	۶۵۲
۴۸۷	مسجد کا سامان مانگنا....................	۶۵۳
۴۸۸	مسجد کے ٹانکہ سے محلّہ والوں کا پانی لے جانا....................	۶۵۴
۴۸۹	مسجد کے نل سے اہلِ محلّہ کا پانی لے جانا....................	۶۵۵

۴۹۰	درختِ مسجد کے پھل کا استعمال	۶۵۵
۴۹۱	مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے مسجد میں اعلان آویزاں کرنا	۶۵۶
۴۹۲	مسجد کے صحن میں کاروباری اشتہار	۶۵۷
۴۹۳	نقشۂ افطار وسحر میں دوکان کا اشتہار	۶۵۷

☆......☆......☆......☆......☆

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

(قسم کھانے کا بیان)

قسم دینے کا حکم

سوال[۶۷۰۸]: کیا قسم دینے سے قسم پڑ جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو قسم دے کر کوئی بات کہی تو اس سے اس کے ذمہ قسم لازم نہیں ہوتی (۱)، نہ وہ بات لازم ہوتی

---

(۱)"وفیه دلیل علی أن من أقسم غیره وقال: والله! لتفعلن کذا، ولم ینو شیأ، أو نوی أنه یفعل ذلک ولا بد، فهو حالف، فإن لم یفعل المخاطب، حنث. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شئ علی واحد منهما إذا لم یفعل". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۵۶، کتاب الأیمان، بابٌ إذا حلف یمیناً واحدةً علی أشیاء کثیرة، فهی یمین واحدة، الخ .... إدارة القرآن کراچی)

"وإن قال: والله! لتفعلن کذا، ولا نیة له، فهذا حلف منه، إلا أن ینوی الاستحلاف، فلا یکون. وإذا لم ینو الحلف ولا الاستحلاف، فهو یمین". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۴/۴۱۷، کتاب الأیمان، إدارة القرآن کراچی)

"وکذا لو قال: والله! لتفعلن کذا وکذا، ولم ینو شیئاً، فهو الحالف. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شئ علی واحد منهما". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۹، کتاب الأیمان، رشیدیه)

"ولو قال: والله! لتفعلن کذا وکذا، ولم ینو شیئاً، فهو الحالف. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، فلا شئ علی واحد منهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثانی فیما یکون =

ہے، لیکن اس کے قسم دینے سے وہ بھی قسم کھالے تو قسم ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

بلاضرورت قسم کھانا

سوال[۶۷۰۹]: سچی باتوں پر قسم کھا جانا اور حلف رکھ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت سچی بات پر قسم کھانا اور قسم لینا شرعاً مذموم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= يميناً ومالايكون يميناً: ۲/ ۶۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/ ۷۴۸، كتاب الأيمان، سعيد)

(۱) "ولو قال: والله! لتفعلن كذا، فقال الآخر: نعم، فهو على خمسة أوجه: أحدها: أن ينوى كلٌّ من المبتدى والمجيب الحلفَ على نفسه، فهما حالفان، أما الأول فظاهر، وأما الثانى فلأن قوله: "نعم" يتضمن إعادة ماقبله، فكأنه قال: والله! لأفعلن كذا، فإذا لم يفعل، حنثا جميعاً". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۴۹، سعيد)

(۲) "وذكر بعضهم أن كثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لِما فيها من الجرأة على اسمه جلّ شانه". (روح المعاني: ۲۹/ ۲۷، (سورة القلم: ۱۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"﴿ولا تجعلوا الله عُرْضةً لأيمانكم﴾ الآية. وبهذه الآية ثبت أن الإكثار بالحلف مكروهٌ وأن الحلاف مجترئ على الله، لايكون براً متقياً". (التفسير المظهرى (سورة البقرة: ۲۲۴): ۱/ ۲۸۶، حافظ كتب خانه)

"ان الإكثار بالحلف مكروه". (التفسير المظهرى: ۱۰/ ۳۴، (سورة القلم: ۱۰)، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"﴿ولا تطع كل حلاف﴾ .... وكفى به مزجرةً لمن اعتاد الحلف". (تفسير القاسمى: ۹/ ۲۵۵، (سورة القلم: ۱۰)، دارالفكر بيروت) .... =

کیا قسم کھانا جھوٹا ہونے کی علامت ہے؟

سوال[۶۷۱۰]: کسی مسلمان کے قسم کھانے پر کسی مسلمان کو یقین کرنا چاہئے یا نہیں؟ مثلاً: ایک شخص بظاہر دیندار، نیک، حافظ قرآن نے ایک مولوی صاحب کے سامنے کسی بات پر خدا کی قسم کھائی، مگر اس پر مولوی صاحب نے ایک حدیث پڑھ کر فرمایا کہ جو قسم کھاتا ہے اس حدیث کی رو سے جھوٹا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کی رو سے بظاہر ایک دیندار آدمی قسم کھانے پر جھوٹا ہوگا تو کسی مسلمان کے جھوٹا یا سچا ہونے کی کیا دلیلِ شرعی ہے اور اس کے معلوم کرنے کا شرعی کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بات بات پر قسم کھانا جھوٹے آدمی کی عادت ہوتی ہے(۱)، سچے آدمی کا یہ کام نہیں جیسا کہ شب وروز تجربہ اور مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن وہ حدیث جس کی رو سے مولوی صاحب قسم کھانے والے کو جھوٹا قرار دیتے ہیں آپ نے نہیں لکھی، بہتر ہوتا لکھ دیتے تاکہ اس کے متعلق تحقیق ہوجاتی۔ جب مسلمان کا ظاہر حال بتاتا ہے کہ وہ صالح دیندار ہے تو بغیر دلیلِ شرعی کے اس کی قسم کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں (۲)۔ جن

= "والأفضل في اليمين بالله تعالىٰ تقليلها .... وفي تكثير اليمين المضافة إلى المستقبل تعريض اسم الله للهتك. قلت: وعليه الصوفية. قال: فبالله لاتحلف وإن كنت صادقاً، ولاتكذبن يوماً وإن كنت هازلاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳۲۴/۲، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) "ان الإكثار بالحلف مكروه، وأن الحلّاف مجترئ على الله، لايكون براً متقياً". (التفسير المظهري، (سورة البقرة: ۲۲۴): ۲۸۶/۱، حافظ كتب خانه)

(۲) ﴿يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الآية. يقول تعالى ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة.......... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاث لازمات لأمتي: الطيرة، والحسد، وسوء الظن". (تفسير ابن كثير: ۲۷۳/۴، (سورة الحجرات: ۱۲)، مكتبه دارالفيحاء، دمشق)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

مواقع میں قسم کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں، جن مواقع میں قسم پر معیار ہوتا ہے، وہاں ایسی قسم پر شرعاً فیصلہ کر دیا جاتا ہے:

"عن علقمة بن وائل بن حجر الحضرمی عن أبیه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: جاء رجل من حضرموت ورجل من كندة إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال الحضرمی: یارسول اللّٰه! إن هذا غلبنی علی أرض لأبی، فقال الكندی: هی أرضی فی یدی، أزرعها، لیس له فیها حق، قال: فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للحضرمی: "ألك بینةٌ"؟ قال: لا، قال: "فلك بینة". قال یارسول اللّٰه! إنه فاجر لایبالی ماحلف علیه، لیس یتورع من شیئ. فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "لیس لك منه إلاذاك". فانطلق، فلما أدبر، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "أمَا! لَئِنْ حلف علی مال لیأكله ظالماً، لیلقینَ اللّٰه وهو عنه معرض، اهـ". أبو داؤد شریف، ص ٤٦٢(١)۔

(١) (سنن أبی داؤد، كتاب الأیمان، باب من لیقتطع بها مالاً: ١٠٨/٢، مكتبه رحمانیه ملتان)
(ومشكوٰة المصابیح، باب الأقضیة والشهادات، الفصل الأول، ص: ٣٢٧، قدیمی)

ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرموت اور ایک شخص کندہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، حضرمی نے کہا: یارسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- بے شک یہ شخص مجھ پر میرے باپ کی زمین پر غالب آگیا، کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے، میں اس میں کھیتی کرتا ہوں، اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا: ''کیا تیرے پاس گواہ ہے''؟ اس نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: ''پس تیرے لئے اس کی قسم ہے'' اس نے کہا: یارسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- یہ تو فاجر شخص ہے، یہ تو کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ کس چیز پر قسم کھا رہا ہے یہ تو کسی چیز سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرے لئے اس کی طرف سے اس کے سوا کچھ نہیں''۔ پس وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا، جب اس نے پشت پھیری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! اگر اس نے اس کا مال ظلماً کھانے کے لئے قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے اعراض کرنے والا ہوگا'' یعنی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے۔

دیکھئے اس حدیث شریف میں باجود فاجر اور ظالم ہونے کے اس کی قسم پر مدار قرار دیا ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جھوٹی قسم کھانا

سوال[۶۷۱۱]: اگر کوئی شخص کسی سے مذاق کرے اور پھر اس مذاق میں پکڑا جائے اور پھر اس نے اقرار نہیں کیا اور جھوٹ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے قرآن شریف اٹھالیا تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس شخص کو کیا عذاب ہوتا ہے اور اس کے عذاب کم ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے(۱)، قرآن کریم ہاتھ میں لے کر جھوٹی قسم کھانا اَور بھی خطرناک ہے، عذابِ آخرت کے علاوہ بسا اوقات اس کا وبال دنیا میں بھی آجاتا ہے، اور جھوٹ ظاہر ہو کر بہت رسوائی اور ذلت ہوتی ہے، ان لوگوں کی نظروں میں بھی حقیر و ذلیل ہوتا ہے جن کو یقین دلانے کے لئے قرآن شریف ہاتھ میں لیکر جھوٹی قسم کھائی اور اپنی عزت بچائی تھی۔ ایسے شخص کو خدا کے سامنے اپنی نالائق حرکت پر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار ضروری ہے کہ کتابِ صادق جو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کو ہاتھ میں لے کر اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے(۲)۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، آمین! جن لوگوں کو

---

(۱) "عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "من حلف علی یمین مصبورة کاذباً، فلیتبوأ بوجهه مقعده من النار". (سنن أبی داؤد: ۲/۱۰۶، ۱۰۷، کتاب الأیمان، باب التغلیظ فی الیمین الفاجرة، إمدادیه ملتان)

"من الکبائر الإشراک بالله، وحقوق الوالدین، وقتل النفس والیمین الغموس". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۴۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "أن لها ثلثة أرکان: الإقلاع، والندم علی فعل تلک المعصیة، والعزم علی أن لایعود إلیها أبداً، فإن کانت المعصیة لحق آدمی فلها رکن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلک الحق. وأصلها الندم وهو رکنها الأعظم. واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی) =

غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے، ان کے ذہن کو بھی صاف کرنے کی کوشش کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

جھوٹا حلف

سوال[۶۷۱۲]: مسماۃ حلیمہ کے تین لڑکے: زید، بکر، عمر۔ خالد نے حلیمہ سے چار ہزار روپیہ مانگا اور کہا کہ ہم اینٹ کا بھٹہ چلا رہے ہیں، اس میں آپ کا چوتھائی حصہ رہے گا، اس بات کو مان کر حلیمہ وزید نے چار ہزار روپیہ خالد کو دیدیا اور کام بھٹہ کا ہوتا رہا۔ بھٹہ بند ہونے کے بعد جب حساب ہوا تو کافی نقصان معلوم ہوا، کئی روز تک حساب کی جانچ پڑتال ہوتی رہی، مگر نقصان ہی ملا۔ چنانچہ حلیمہ وزید، بکر، عمر نے چار ہزار روپیہ کے واسطے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ خالد روپیہ دینے کا برابر اقرار کرتا رہا، لیکن یہ کہتا تھا کہ جتنا روپیہ نقصان ہوا ہے، اس کے حساب سے چوتھائی منہا کر کے مجھ سے روپیہ لے لو۔ خالد کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا، سرخطہ لکھنے کو تیار تھا، مگر حلیمہ وزید وبکر وعمر سرخطہ لکھوانے پر تیار نہیں تھے(۲)، تیار ہوتے تو اس پر کہ پورے چار ہزار کا سرخطہ لکھوائیں گے، اس بات پر خالد نے انکار کیا، اب جھگڑا بڑھا۔

= (وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

(۱) "اليمين يمينان: يمين تكفّر، ويمين فيها الاستغفار، فاليمين التي تكفر فالرجل يقول: والله لأفعلنّ. والتي فيها الاستغفار، فالذي يقول: والله! لقد فعلت". (كتاب الآثار، باب من حلف وهو مظلوم، ص: ۱۲۱، سعيد)

"قال عليه الصلوة والسلام: "اليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع: أي خالية، ولاتجب فيه الكفارة إلا التوبة والاستغفار". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۶۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(۲) "سرخطہ: قبالہ، بیع نامہ، کرایہ نامہ، وہ کاغذ جس پر ملازمت کی تاریخ اور یادداشت لکھتے ہیں"۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۸۷، فيروز سنز، لاهور)

خالد کہیں سے آرہا تھا کہ زید نے خالد کو پکڑ کر اپنے گھر میں قید کرلیا۔ یہ خبر تھانہ پرگئی، پولیس آگئی اور پولیس سب کو لے کر تھانہ پرگئی، وہاں جانے پر پنچایت ہونا طے پایا، حلیمہ اس پنچایت میں نہیں تھی۔ لوگوں نے خالد سے پوچھا، خالد نے کہا کہ اس سے پہلے جتنی پنچایتیں ہوئیں سب میں زید چوتھائی حصہ داری کا برابر اقرار کرتا آیا ہے، آج انکار کررہا ہے۔ پنچوں نے کہا کہ زید ہر پنچایت میں اقرار کرتا رہا۔ زید، عمر، بکر تینوں نے ہاتھ میں قرآن شریف لے کر کہہ دیا کہ حصہ داری نہیں تھی۔ چنانچہ چار ہزار روپے کا سرخطہ خالد سے داروغہ جی نے لکھوا کر زید کے حوالہ کر کے پنچایت برخاست کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر جھوٹا حلف کیا ہے تو یہ کبیرہ گناہ ہے جو کہ شرک کے قریب ہے(۱)، توبہ واستغفار لازم ہے، ورنہ اس کا وبال بہت سخت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۱/ ۸/ ۸۸ھ۔

غیر اللہ کی قسم

سوال[۶۷۱۳]: سوائے خداعزوجل کے کسی اَور چیز کی قسم، یا کلام مجید کی مثل نصاریٰ بائبل ہاتھ میں لے کر، یا درمیان میں رکھ کر، یا سر پر رکھ کر کسی دنیوی معاملہ میں قسم یا حلف کا لینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں، محض بغض وحسد عناد کی وجہ سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ قسم نہ کھائی جائے، اگر ضرورت پیش آئے تو اللہ کی یا اس کے کسی اسم وصفت کی، اسماء وصفات میں سے قسم کھانا جائز ہے، مگر تقلیل بہرحال اَولیٰ ہے۔ اور قرآن شریف کی قسم کھانا منع ہے، تاہم اگر کسی نے کھائی تو وہ منعقد ہوجائے گی:

---

(۱) (راجع، ص: ۳۳، رقم الحاشیة : ۱)

(۲) (راجع، ص: ۳۳، رقم الحاشیة : ۲)

"الیمین باللّٰہ تعالیٰ لاتکرہ، ولکن تقلیله أولی من تکثیره". عالمگیری، ص: ٦٤٤(١)۔

"والقسم باللّٰہ تعالیٰ أوباسمٍ من أسمائه کالرحمن والرحیم والحق، أوبصفةٍ من صفاته تعالیٰ کعزة اللّٰہ وجلاله وکبریائه وعظمته وقدرته. ولا یقسم بغیر اللّٰہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة. قال الکمال: ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً، وأما الحلف بکلام اللّٰہ تعالی فیدور مع العرف. وقال العینی: عندی أن المصحف یمینٌ لاسیما فی زماننا". درمختار مختصراً، ص: ٢٩١(٢)۔

اگرکسی گذشتہ فعل پر جھوٹی قسم کھائی تو گنہگار ہوگا(۳) اورآئندہ کے لئے قسم کھانے سے حنث پر کفارہ دینا ہوگا(۴)۔ بلاوجہ شرعی بغض رکھنا گناہ ہے(۵)، اس سے توبہ اوراجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۲/۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/صفر/۵۳ھ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، قبیل الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً: ٥٢/٢، رشیدیه)

"والیمین باللّٰه تعالیٰ لایکره، وتقلیله أولی". (ردالمحتار، کتاب الأیمان، مطلب فی حکم الحلف بغیره تعالیٰ: ٧٠٥/٣، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ٢٦٠/٢، غفاریه)

(٢) (ردالمحتار: ٧١٢/٣، کتاب الأیمان، سعید)

"والیمین باللّٰه تعالیٰ والرحمن والرحیم وجلاله .... لابعلمه وغضبه وسخطه ورحمته والنبی والقرآن .... ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً کما هو قول الأئمة الثلاثة". (البحرالرائق: ٢٨٠/٤-٢٨٢، کتاب الأیمان، رشیدیه)

"والیمین باللّٰه وباسم من أسمائه الرحمن والرحیم .... لا بغیر اللّٰه کالقرآن والنبی. قال فی المجمع: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (مجمع الأنهر، کتاب الأیمان، فصل: ٢٦٩/٢، ٢٧٠، مکتبه غفاریه)

(٣) "حلفه علی ماض کذباً عمداً غموسٌ، وظناً لغوٌ، وأثم فی الأُولی دون الثانیة یعنی یأثم فی الغموس". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٤١٩/٣، ٤٢٠، دارالکتب العلمیة بیروت)

(٤) "الیمین علی شئ سیأتی فی المستقبل منعقدةٌ، وحکم هذه الیمین وجوب الکفارة عند الحنث". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٤٢٢/٣، دارالکتب العلمیة بیروت)

(٥) "عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "إیاکم والظن،=

بُت خانہ کی قسم کھانا

سوال[۶۷۱۴]: زیداور عمر میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، جس کے فیصلے کے لئے دوچار ہندو بھائی اور کچھ مسلمان بھائی کسی مزار سے کچھ فاصلے پر بیٹھے۔ جب زید سے زبان بندی لی گئی تو زید کو جو کچھ کہنا تھا کہا، اور عمر سے زبان بندی لی گئی تو اس نے اس بت خانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں بالکل ٹھیک ہے، اس بت خانہ کی قسم۔ التجا یہ ہے کہ عمر نے ایک مسلمان ہوتے ہوئے ایسی جو قسم کھائی اس سے اس کے اسلام وایمان میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا، یا ہوا تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت پیش آنے پر اگر قسم کھائی جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائی جائے، کسی غیر اللہ کی قسم کھانا اور وہ بھی بت خانہ کی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، مذکورہ صورت میں زیادہ خطرہ ہے، اس لئے تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کرادیا جائے (۱)۔ ندامت کے ساتھ توبہ کرکے آئندہ پوری احتیاط واجتناب

= فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسّسوا، ولا تجسسوا، ولاتناجشوا، ولاتحاسدوا، ولا تباغضوا". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب مانهى عنه من التهاجر، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمى)

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف منكم، فقال فى حلفه: باللات، فليقل: لا إله إلا الله". (الصحيح لمسلم، كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالىٰ: ۴۶/۲، قديمى)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حلف باللات والعزى، فليقل: لا إله إلا الله". ولم ينسبه إلى الكفر".

"عن ثابت بن الضحاك قال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف بغير ملة الإسلام، فهو كما قال". (صحيح البخارى، كتاب الأيمان والنذور، باب من حلف بملّة سوى الإسلام: ۹۸۴/۲، قديمى)

"قال العبد الضعيف: هذا دليلٌ على أن من جرى على لسانه شئ من كلمات الكفر دون سهو وخطأ، إن يتعمد ذلك، فإنه لايكفر ذلك، ولكنه يؤمر بإعادة كلمة التوحيد والاستغفار والتعوذ". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأيمان، باب من حلف باللات والعزى: ۱۸۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

کا وعدہ کرنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

قرآن پاک کی قسم کھانا

سوال [۶۷۱۵]: قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہیے، لیکن اگر کھالے گا تو منعقد ہوجائے گی، اور اس پر قسم ہی کے احکام مرتب ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "لایقسم بغیر الله تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لایقسم بغیر الله تعالیٰ) عطف علی قوله والقسم بالله تعالیٰ: أی لاینعقد القسم بغیره تعالیٰ: أی غیر أسمائه وصفاته ولو بطریق الکنایة کما مر، بل یحرم کما فی القهستانی، بل یخاف منه الکفر". (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأیمان، قبیل مطلب: فی القرآن: ۳/۷۱۲، سعید)

"من حلف بغیر الله لم یکن حالفاً کالنبی علیه السلام والکعبة، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً، الفصل الأول فی تحلیف الظالمة، الخ: ۲/۵۳، رشیدیه)

(۲) "ولا یقسم بغیر الله تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة، قال الکمال: ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۳/۷۱۲، سعید)

"ثم لایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً، کما هو قول الأئمة الثلاثة". (فتح القدیر، کتاب الأیمان، باب مایکون یمیناً ومالایکون یمیناً: ۵/۲۹، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"والیمین بالله أو باسم من أسمائه کالرحمن الرحیم والحق ولا یفتقر إلی نیة إلا فیما یسمی به غیره کالحکیم والعلیم أو بصفة من صفاته یحلف بها عرفاً کعزة الله وجلاله وکبریائه وعظمته وقدرته لابغیر الله کالقرآن والنبی. قال فی المجمع: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً".

(مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ۲/۲۶۷-۲۷۰، مکتبه غفاریه) .... =

قرآن اٹھا کر قسم کھانا

سوال[۶۷۱۶]: زید نے بکر سے کسی بات کا معاہدہ لینے کے لئے چاہا، بکر نے وعدہ کیا، زید نے اعتبار نہ کیا، بکر غصہ میں آکر کلام اللہ شریف اٹھالیا اور اسی طرح پر بکر نے زید سے کسی بات کا وعدہ لینا چاہا، زید نے بکر کے اطمینان کے لئے کلام اللہ شریف اٹھا کر اور خدا اور رسول کو بیچ میں دے کر وعدہ کرلیا۔ اب ان میں سے ایک نے اپنا وعدہ توڑ دیا تو اب دوسرا بھی اگر توڑ دے تو قابلِ گرفت تو نہیں یا ہے؟ برائے کرم تحریر کریں۔ فقط۔

عبدالحفیظ خاں، محلّہ سائیکا تکیہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جیسا قرآن شریف اٹھا کر وعدہ کیا ہے تو اگر قسم بھی کھائی ہے تو قسم جب تک موافقِ شرع ہو اس کو توڑنا درست نہیں، اگر خلافِ شرع ہے تو اس کا توڑنا واجب ہے(۱) اور کفارہ بھی واجب ہے(۲)۔ اگر ایک نے قسم

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً ومالايكون: ۲/۵۳، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۱/۳۷۲، كتاب الأيمان، باب لاتنعقد اليمين إذا حلف بغير الله عزوجل، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وحكمها وجوب الكفارة إن حنث. ومنها مايجب فيه البرّ كفعل الفرائض وترك المعاصي، ومنها مايجب فيه الحنث كفعل المعاصي وترك الواجبات. ومنها مايفضل فيه الحنث كهجران المسلم ونحوه، وماعدا ذلك يفضل فيه البر حفظاً لليمين. قال في المجمع: لقوله تعالىٰ: ﴿واحفظوا أيمانكم﴾: أي عن الحنث". (مجمع الأنهر ۲/۲۶۴، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹة)

(وكذا في فتح الباري، بابٌ: ﴿لايؤاخذ كم الله باللغو﴾: ۱۱/۶۳۹، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثم له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، باب إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب الخ: ۱۱/۳۷۴، إدارة القرآن كراچی)

"والأصل في كفارة اليمين: الكتاب، والسنة، والإجماع، أما الكتاب: فقول الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من =

توڑ دی ہے تو اس کے ذمہ کفارہ واجب ہوگیا، اگر دوسرا توڑے گا تو اس کے ذمہ بھی کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر محض وعدہ کیا ہے، قسم نہیں کھائی تب بھی جہاں تک ہو سکے اس کو پورا کرنا چاہیے، اگر بلاوجہ وعدہ خلافی کرے گا تو گنہ گار ہوگا، کیونکہ بلاوجہ وعدہ خلافی کرنا مکروہ ہے(۱)، البتہ اگر کوئی عارض پیش آ گیا کہ جس کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کرسکتا ہے تو مجبوری ہے، اس میں گناہ نہیں۔ ہاں! اگر وعدہ کرتے وقت خلاف کرنے کی نیت تھی تو یہ سخت گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

= أوسط ماتطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم، واحفظوا أيمانكم، كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تشكرون﴾. (المائدة: ۸۹).

وأما السنة، فقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها، فأت الذي هو خير، وكفر عن يمينك".

وأما الإجماع، وأجمع المسلمون على مشروعية الكفارة في اليمين بالله تعالىٰ". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس: الأيمان والنذور والكفارات، الفصل الثالث: الكفارات، كفارة اليمين: ۲۵۷۴/۴، رشيديه)

"وكفارته، هذه إضافة للشرط؛ لأن السبب عندنا الحنث تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كمامر في الظهار، أو كسوتهم بما يصلح للأوسط وينتفع به فوق ثلاثة أشهر ويستر عامة البدن .... صام ثلاثة أيام ولاء". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب: في كفارة اليمين: ۷۲۵/۳-۷۲۷، سعيد)

(۱) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر: ۲۳۶/۳، الحظر والإباحة، إدارة القرآن كراچی)

"قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء. وقال صاحب العقد الفريد في التقليد: إنما يوصف بما ذكر: أي بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف .... "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". (غمز عيون البصائر مع الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ۱۷۲۹): ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي) .... =

قرآن پر ہاتھ رکھ کر بات کہنا

سوال[۶۷۱۷]: ماسٹر محمد بشیر ولد ناصر الدین اور چودھری عطا محمد کی بیوی نور جہاں کے درمیان کچھ جھگڑا تھا جس کی وجہ سے اسے کچھ شک تھا کہ اس نے میری بیوی کو جادو کئے ہیں، جس پر اس کا ایک شاہد یعنی ایک عورت۔ عورت نے قرآن اٹھا کر کہا کہ یہ کہتی تھی کہ میں جادو کروں گی، جس پر ماسٹر محمد بشیر الدین نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اب اُسے قرآن پر عہد کراؤ کہ مجھے جادو نہیں کرادے گی۔ اس پر نور جہاں نے کہا کہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں کہ نہ میں نے جادو کیا ہے، نہ آئندہ کروں گی۔ لیکن لوگوں نے کہا کہ ایسا مت کہو کہ وہ عورت قرآن اٹھائے، آپ جھوٹی ہیں۔

اس نے کہا ٹھیک ہے، اگر اس نے قرآن پاک اٹھا کر کہا ہے تو میں قرآن پاک کو چیلنج نہیں کروں گی، ٹھیک ہے مطابق ان کے قرآن اٹھانے کے میں جھوٹی ہوں اور آئندہ ایسا کام نہیں کروں گی۔ ماسٹر بشیر اب کہتا ہے کہ اس نے اب وہ قرآن پاک کا عہد توڑ دیا ہے، کیونکہ اس نے پھر جادو لکھوائے ہیں، جس پر وہ آدمی کہتے ہیں کہ اگر توڑا ہے تو خدا خود اُسے سزا دے گا۔ لہٰذا اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بلاثبوت کے کسی پر بہتان لگانا حرام ہے(۱)۔ قسم کھا کر اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو اس کے ذمہ کفارہ لازم ہوتا ہے، وہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت کھانا کھلائے، یا ان کو ایک ایک جوڑا کپڑا دے۔ اور اگر اتنی حیثیت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے، لقوله تعالیٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مساكين﴾ الآية(۲)۔

= "إذا وعد أحداً بخير في المستقبل أخلف: أي جعل الوعد خلافاً بأن لايفي به، لكن لو كان عازماً على الوفاء، فعرض مانع، فلا إثم عليه". (فيض القدير، رقم الحديث: ۲۵): ۱/۱۱۷، مكة المكرمة)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبيناً﴾. (سورة النساء: ۱۱۲)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مسٰكين من أوسط ما تطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

محض قرآن پر ہاتھ رکھنا قسم نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفی عنہ، چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۶ھ۔

قرآن شریف ہاتھ میں لے کر بات کہنا قسم نہیں

سوال[۶۷۱۸]: میں نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ ’’اگر میرا سوتیلا بھائی شریعت کے مطابق عمل کرے گا تو میں زندگی بھر اپنا حقیقی بھائی جانوں گا، اگر شریعت کے مطابق عمل نہ کرے گا تو دشمن‘‘۔اب اگر ایسی حالت میں میرا سوتیلا بھائی اپنی ماں کے کہنے پر، یا اپنی مرضی سے میری کسی بات پر یقین نہیں کرتا، بلکہ والد کی حیات میں مجھے جائیداد میں جو حصہ ملا ہے اس میں حصہ لینا چاہے، اس پر ناجائز قابض ہونا چاہے تب میرے لئے کیا حکم ہے؟ جب کہ میں قسم کھا چکا ہوں، اگر قسم کے بموجب کرتا ہوں تو جائیداد جاتی ہے اور اگر نہیں کرتا تو دشمن ہوتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ شریعت کے مطابق عمل نہ کرے تب بھی اس کو دشمن نہ سمجھے اور محض قرآن مجید ہاتھ میں لے کر بات کہنے سے قسم نہیں ہوجاتی جب تک لفظِ قسم نہ کہے(۲)۔اگر قسم ہوگی تو اس کے خلاف کرے، پھر قسم کا کفارہ ادا کردے اور بھائی سے دشمنی کا معاملہ نہ کرے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) ’’وأما رکن الیمین باللہ، فذکر اسم اللہ أو صفته. وأما رکن الیمین بغیرہ، فذکر شرط صالح وجزاء صالح‘‘. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۵۱، کتاب الأیمان، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا في إمداد الأحکام: ۳/۴۰، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) **سوال**: ’’اگر کسے قرآن شریف بر سر نہادہ خبرے کند ولفظ قسم بقرآن شریف یا بخدا نگوید، ایں را قسم گفتہ شود شرعاً یا نہ؟

الجواب: محض قرآن سر پر رکھنا جب تک لفظِ قسم زبان سے نہ کہے، قسم نہیں۔فقط واللہ اعلم‘‘۔(إمداد الأحکام، کتاب الأیمان، عنوان مسئله: الفاظ قسم کے بغیر قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں: ۳/۴۰، دار العلوم کراچی)

(وکذا في فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب الأیمان، ہاتھ میں قرآن دے کر حلف دینے سے حلف ہوجاتا ہے: ۱۲/۴۱، باب الیمین، دار الإشاعت کراچی)

(۳) ’’عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ’’إیاکم وسوء ذات =

قرآن کی قسم سچا نہ جاننے والے کا حکم

سوال[۶۷۱۹]: زید کہتا ہے کہ جو شخص قرآن شریف یا کعبہ شریف کی قسم کھائے، اس کا ضرور اعتبار کرنا چاہیے، جو نہیں کرے گا وہ کافر ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ سوائے خداوند قدوس کے اَور کسی چیز کی قسم کھانا ہی جائز نہیں تو اس کا کیسے اعتبار کیا جائے گا؟ کیا وہ جھوٹا سمجھا جائے گا؟

الجواب، حامداً ومصلیاً:

اتنی بات بکر کی صحیح ہے کہ خداوند قدوس (کی ذات وصفات) کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں (۱)، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی قسم کھانے سے بھی قسم صحیح ہو جاتی ہے، جیسا کہ فتح القدیر (۲)، بحر (۳) وغیرہ میں لکھا ہے، لیکن بلاوجہ کسی کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں (۴)۔ بلاضرورت بات بات پر قسم کھانا بھی شرعاً مذموم ہے (۵)۔ زید کا یہ کہنا ہے کہ ایسی قسم کھانے والے کا جو اعتبار نہ کرے وہ کافر ہے، یہ بھی غلط ہے۔ اگر

= البین، فإنها الحالقة". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۸، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أدرك عمر بن الخطاب -رضى الله تعالىٰ عنه- وهو يسير في ركب يحلف بأبيه، فقال: "ألا! إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أوليصمت". (صحيح البخاري: ۹۸۳/۲، باب: لاتحلفوا بآبائكم، قديمي)

(۲) "ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يميناً". (فتح القدير: ۶۹/۵، كتاب الأيمان، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يميناً". (البحر الرائق: ۴۸۱/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

(۴) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

(۵) "وذكر بعضهم أن كثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لِمَا فيها من الجرأة على اسمه تعالىٰ". =

قرائن ودلیل سے اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو، یا مشاہدہ کے خلاف کوئی قسم کھائے، چاہے اللہ تعالیٰ ہی کی قسم ہو، اس کا اعتبار نہ کرنے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا، منافقین کی قسموں کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے جن کو جھوٹا قرار دیا گیا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

قرآن پاک گود میں لے کر وعدہ کا حکم

سوال[۶۷۲۰]: میں قرآن پڑھ رہا ہوں، گود میں قرآن ہے اور کسی سے کچھ وعدہ کر لیتا ہوں کہ فلاں کام کر لوں گا اور احساس یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے وعدہ کر رہا ہوں اور بعد میں اگر اس سے یہ کہوں کہ میں وہ کام نہیں کر سکا، مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن پاک پڑھنے کے لئے گود میں لئے ہوئے وعدہ کرنے سے قسم نہیں ہوتی (۲)، جو وعدہ خالی گود کیا ہو، اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی جائے، کوئی عذر پیش آجائے تو دوسری بات ہے (۳)۔ وعدہ کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ پورا نہیں کروں گا، نفاق کی علامت ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (روح المعانی: ۲۹/ ۲۷، (سورۃ القلم: ۱۰)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ویحلفون باللہ إنھم لمنکم، وماھم منکم، ولکنھم قوم یفرقون﴾ (سورۃ التوبۃ: ۵۶)

(۲) "وأما رکن الیمین باللہ فذکر اسم اللہ وصفتہ، وأما رکن الیمین بغیرہ، فذکر شرط صالح وجزاء صالح". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الأیمان، الباب الأول: ۲/ ۵۱، رشیدیہ)

(وکذا فی إمداد الأحکام، کتاب الأیمان، عنوان مسئلہ: الفاظ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں: ۳/ ۴۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۳) "عن زید بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاہ ومن نیتہ أن یفی لہ، فلم یف، ولم یجئ للمیعاد، فلا إثم علیہ". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۱۷، باب الوعد، قدیمی)

(۴) قال علی القاری "قولہ: "فلم یف": أی بعذر "یجئ للمیعاد": أی لمانع. "فلا إثم علیہ" .... ومفھومہ أن من وعد ولیس من نیتہ أن یفی، فعلیہ الإثم، سواء وفیٰ بہ أو لم یف، فإنہ من أخلاق =

مسجد میں نہ جانے کی قسم

سوال[۶۷۲۱]: چندلوگ مسجد میں خرافات کی باتیں کرر ہے تھے، میں نے ان کومنع کیا تو وہ لڑنے لگے، جس پر میں نے قسم کھالی کہ میں مسجد میں نہیں آوٗں گا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ مسجد میں جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی یا کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ نے غلطی کی جوایسی قسم کھالی، آپ مسجد میں جائیں، پھراپنی قسم کا کفارہ ادا کریں(۱)، کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلائیں، یادس غریبوں کو کپڑا دیں۔ اگراتنی وسعت نہ ہوتو تین روزے مسلسل رکھیں(۲) اورآئندہ اس قسم کی چیز نہ کریں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

= المنافقين". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۵/۸، باب الوعد، قديمي)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثم له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، بابٌ: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث وكفارة اليمين: ۳۷۴/۱۱، إدارة القرآن، كراچي)

"ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه.......... وجب الحنث والتكفير".

(الدر المختار، كتاب الأيمان: ۷۲۸/۳، سعيد)

"من حلف على معصية، ينبغي أن يحنث ويكفر: أي يجب عليه أن يحنث". (تبيين الحقائق: ۴۳۴/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴۸۸/۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتّم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

(۳) ﴿ولاتجعلوا الله عرضةً لأيمانكم﴾ الآية. فمعناه: لاتجعلوا أيمانكم بالله مانعةً لكم من البر والتقوى". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، بابٌ: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث وكفارة اليمين: ۳۷۵/۱۱، إدارة القرآن، كراچي)

قسم کھائی کہ ''عمر کی چیز نہیں کھائے گا'' پھر اس نے ہبہ کی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۷۲۲]: زید نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں عمر کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا۔ اب اگر عمر نے زید کو اپنی چیز ہبہ کردی، یا زید نے عمر سے کوئی چیز بطورِ قرض لے کر استعمال کرلیا اور کھالیا، یا خرید کر کھالیا تو کیا زید اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اَیمان کا مبنیٰ ودار مدار عرف پر ہوتا ہے(۱)، عرف میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اگر ہبہ کرکے مجھے دیدے گا اور اپنی ملک ختم کردے گا تب بھی نہیں کھاؤں گا، بغیر اس کی اجازت کے بھی اس کی چیز نہیں کھاؤں گا۔ لیکن اگر اس سے قرض لے لے یا خرید لے(۲) تو عرفاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کی چیز کھائی ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں حانث نہیں ہوگا، ہبہ والی صورت میں حانث ہوجائے گا۔ جہاں کا یہ عرف نہ ہو، وہاں کا حکم بھی دوسرا ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "صرح الزيلعي وغيره بأن الأيمان مبنيةٌ على العرف، لاعلى الحقائق اللغوية". (الحموى شرح الأشباه والنظائر، النوع الأول، القاعدة السادسة، فصل في تعارض العرف مع اللغة، (رقم القاعدة: ۲۵۵): ۱/۲۷۶، الباب الخامس، إدارة القرآن كراچى)

"ومبنى الأيمان على العرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۸۳، الباب الخامس، رشيديه)

"إعلم أن الأيمان عندنا مبنية على العرف". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"الأصل أن الأيمان مبنية عند الشافعي على الحقيقة اللغوية، وعند مالك على الاستعمال القرآني، وعند أحمد على النية، وعندنا على العرف مالم ينو ما يحتمله اللفظ، فلاحنث في: "لايهدم إلابالنية". (الدر المختار، باب اليمين في الدخول: ۳/۷۴۳، سعيد)

(۲) "رجل حلف أن لايأكل من طعام فلان ولانية له، فاشترى الحالف منه الطعام وأكل، لايحنث في يمينه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الخامس: ۲/۸۹، رشيديه)

(۳) "لايأكل طعاماً لفلان يبيعه له أو يهديه فيأكله". (الأشباه). وقال الحموى: "قوله: لايأكل طعاماً =

اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج

سوال[۶۷۲۳]: کسی نے کہا کہ ''اگر میں فلاں کام کروں تو امت سے خارج ہوں''۔ یہ یمین ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ یمین نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا پھر وہ مرگیا

سوال[۶۷۲۴]: ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم نہیں ہمارے یہاں آ ؤ گے ہم بھی تمہارے یہاں نہیں آئیں گے، جس کی بابت قسم کھائی تھی وہ مرگیا لیکن جس نے قسم کھائی تھی وہ موجود ہے اسکے

= لفلان الخ. یعنی ثم بدأ له ان یاکله، فالحیلة فی عدم الحنث أن یبیع المحلوف علیه من الحالف، فلا یحنث. وکذلک لو أهداه المحلوف علیه للحالف، فأکل، لایحنث؛ لأن الطعام صار ملکاً للحالف بالبیع والإهداء، فکان الحالف أکل طعام نفسه". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۲۴۲/۲، التاسع فی الأیمان، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) عرف میں ''امت سے خارج ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ اسلام سے اور مسلمانوں سے بیزار ہوں، اور اس قسم کے الفاظ کو شرط پر معلق کرنے سے قسم ہوجاتی ہے:

"ولو قال: أنابریٔ من المؤمنین، قالوا: یکون یمیناً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵۴/۲، کتاب الأیمان، الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالایکون یمیناً، الفصل الأول، رشیدیه)

"وبری من الإسلام أو القبلة أو صوم رمضان أو الصلوة أومن المؤمنین أو أعبد الصلیب یمینٌ؛ لأنه کفرٌ، وتعلیق الکفر بالشرط یمین، وسیجیٔ أنه إن اعتقدالکفر به یکفر، وإلایکفر". (الدرالمختار، کتاب الأیمان: ۷۱۳/۳، ۷۱۴، سعید)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان: ۴۲۰/۴، إدارة القرآن، کراچی)

لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے گھر جائیگا تو اب قسم نہیں ٹوٹے گی، وہ گھر اس کا نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

''اگر فلاں چیز کھاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں''۔ نعوذ باللہ۔ کہنے کا حکم

سوال[۶۷۲۵]: زید نے ان الفاظ میں قسم کھائی کہ ''میں اگر زندگی بھر میں سویاں کھاؤں یا پیوں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' (نعوذ باللہ)۔ اور اسی طرح کی قسم بکر نے بھی کھائی کہ ''اگر میں زید سے کلام کروں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' (نعوذ باللہ)۔ تو ایسی قسمیں کھانا اور ان پر جمے رہنا کیسا ہے؟

---

(۱) "إذا قال: إن دخلت دار فلان فكذا، فمات فلان، فدخل داره، فهذا على وجهين: إن لم يكن على صاحب الدار دين أصلاً، أو كان عليه دين غير مستغرق، فإنه لايحنث بلاخلاف. وإن كان عليه مستغرق، قال محمد بن مسلمةؒ: يحنث، وقال الفقيه أبو الليث: لايحنث. قال الصدر الشهيدؒ: والفتوى على قول أبي الليث". (الفتاوى التاتار خانية ۴/۵۷۴، كتاب الأيمان، ادارة القرآن)

"وإن دخلت دار فلا ن فأنت كذا، فمات، فدخلت الدار، إن لم يكن على فلان دين مستغرق لايحنث لانتقال الملك، وإن كا ن فالفتوى على أنه، لايحنث أيضاً". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۲۱، رشيديه)

"رجل حلف وقال لامرأته طالق إن دخلت دار فلان، فمات صاحب الدار، فدخلت، إن لم يكن على الميت دين مستغرق لايحنث؛ لأنها انتقلت إلى الورثة. وإن كا ن عليه دين مستغرق، قال محمد بن مسلمةؒ: يحنث في يمينه، وقال الفقيه أبو الليث: لايحنث في يمينه، وعليه الفتوى". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۸۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴/۵۱۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی قسم کھانا انتہائی جہالت اور قساوت کی نشانی ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی قسم کے خلاف کرے (۱) یعنی سویاں کھا، پی لے اور اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، اسی طرح زید سے کلام کرے اور اپنے نفس کو سزائے مذکورہ دے اور آئندہ کبھی بھی ایسی جرأت نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۹ھ۔

تحریم الحلال یمین

سوال [۶۷۲۶]: بیوی نے کہا: ''میں نے اس کام (جماع) سے قسم کھا رکھی ہے''۔ مرد نے کہا: ''اگر تم نے قسم کھا رکھی ہے تو میں نے بھی یہ کام حرام کرلیا ہے''۔ مرد نے کہا کہ میں نے غصہ میں ایسا کہہ دیا تھا، میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ یمین منعقد ہوگئی، اب اگر جماع کرے گا تو کفارۂ یمین

---

(۱) مذکورہ الفاظ اگرچہ حقیقۃً قسم کے نہیں ہیں، لیکن فقہی قاعدہ ہے کہ حلال چیز کو حرام کرنا، یا حرام کو حلال کرنا قسم ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا گوشت پھر خصوصاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گوشت کھانے کی حرمت مؤبد ہے، لہٰذا مذکورہ صورت بھی قسم کی ہے۔ واللہ اعلم۔

"فكل ما حرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً، وما لا فلا". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حروف القسم: ۳/۷۲۱، سعيد)

"والحاصل أن كل شيء هو حرام حرمةً مؤبدةً، بحيث لاتسقط حرمته بحال من الأحوال كالكفر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴/۴۲۳، إدارة القرآن، كراچی)

"قالوا: ليخرج مالوكان الميت نبياً، فإنه لايحل أكله للمضطر؛ لأن حرمته أعظم في نظر الشرع من مهجة المضطر". (شرح الأشباه النظائر: ۱/۲۵۲، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، إدارة القرآن كراچی)

لازم ہوگا۔عورت نے چونکہ قسم کھارکھی ہےتو جماع کی صورت میں اس کے ذمہ بھی مستقل کفارہ لازم ہوگا۔اگر اس طرح کہتا ہے کہ ''میں نے عورت کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے'' تو طلاق واقع ہوجاتی ہے(۱):"تحریم الحلال یمین". درمختار: ۳/۹٦(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

استاذ کا قسم کھا کر پھر توڑنا

سوال[۶۷۲۷]: ایک لڑکے نے بدتمیزی کی جبراً،استاذ نے قسم کھالی کہ ''میں تمہیں کبھی نہیں پڑھاؤں گا''۔دیگر بچوں کی تعلیم جاری ہےاورجس کے نہ پڑھانے کی قسم کھالی ہےاس کی تعلیم بھی بندنہیں ہے، وہ دوسرے استاذ سے تعلیم پارہا ہے۔اب وہ لڑکا استاذ سے معافی مانگ رہا ہےاورمولوی صاحب سے پڑھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں مولوی (استاذ) صاحب کا قسم توڑنا اورلڑکے کو پڑھانا کیسا ہےاوراس کوتعلیم دیناواجب ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگراس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہوتو اس کی سچی توبہ کے بعد اپنی قسم کا توڑنا دینااورپھر کفارہ ادا کرنا

---

(۱) "قال لامرأته: أنت عليّ حرام .... ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه، لغلبة العرف".
(الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الإيلاء: ۳/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) العبارة بتمامها: "من حرم شيئاً ثم فعله، كفّر ليمينه، لِما تقرر أن تحريم الحلال يمين". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۳۰،سعيد)

"ولو حرم طعاماً أو نحوه، فهو يمين". (التاتارخانية، ۴/۴۲۱،كتاب الأيمان، إدارة القرآن، كراچی)

"ومن حرم ملكه لايحرم، وإن استباحه أو شيئاً منه، فعليه الكفاره". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان، فصل: ۲/۲۷۳، مكتبه غفاريه)

"ومن حرم ملكه، لم يحرم: أى من حرم شيئاً على نفسه ممايملكه بأن يقول: مالي عليّ حرام...... وإن استباحه، كفّر". (تبيين الحقائق: ۳/۴۳٦، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج الخ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۹۱، كتاب الأيمان، سعيد)

ضروری ہوجاتا ہے، لیکن اب جبکہ اس کی تعلیم کا دوسرا انتظام موجود ہے تو قسم توڑنا واجب نہیں، تاہم اخلاقِ کریمانہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے، حق تعالیٰ اس کو سچی توبہ نصیب فرمائے:

﴿ولیعفوا ولیصفحوا، ألاتحبون أن یغفر اللّٰه لکم﴾ الآیة(۱)۔ "المحلوف علیه أنواع: فعل معصیة أو ترك فرض، فالحنث واجب .... الثانی أن یکون المحلوف علیه شیئاً أو غیره أولی منه کالحلف علی ترك وطء زوجته شهراً ونحوه، فالحنث أفضل؛ لأن الرفق أیمن"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۵/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۵/۱۷ھ۔

نکاح کی قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا

سوال[۶۷۲۸]: ایک شخص نے کہا کہ "میں آپ کی لڑکی انوارہ سے شادی کروں گا، میں اللہ سے اقرار کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ انوارہ کو چھوڑ کر کسی اَور سے شادی نہیں کروں گا"۔ اب اگر کسی دوسری لڑکی سے وہ شخص شادی کرلے تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) (سورة النور: ۲۲)

(۲) (البحرالرائق: ۴/۴۹۰، کتاب الأیمان، رشیدیه)

"وحکمها وجوب الکفارة إن حنث. ومنها ما یجب فیه البر کفعل الفرائض وترک المعاصی، ومنها ما یجب فیه الحنث کهجران المسلم ونحوه، لقوله علیه الصلوة والسلام.......... "من حلف علی یمین ورأی غیرها خیراً منها، فلیأت بالذی هو خیر، ثم لیکفّر عن یمینه". (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۲، ۲۶۴، کتاب الأیمان، غفاریه کوئٹه)

"واعلم أن المحلوف علیه أنواع: فعل معصیة، أوترک فرض، فالحنث واجب، أو شئ غیره أولی منه کالحلف علی ترک وطء زوجته شهراً ونحوه، فإنّ الحنث أفضل؛ لأن الرفق أیمن". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۳/۴۳۵، کتاب الأیمان، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دوسری لڑکی سے شادی کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

کسی کے کھانے کو سور کے ساتھ تشبیہ دینا کیا قسم ہے؟

سوال[۶۷۲۹]: زید نے بکر کو بحالتِ غیظ وغضب کہا کہ ''اگر میں تمہارے گھر کا کھانا کھاؤں تو ایسا کھاؤں جیسا کہ سور خنزیر کھاؤں''۔ اب زید اگر توبہ کرکے بکر کے گھر کا کھانا کھالیوے تو اس کی حرمت کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر زید توبہ کرکے بکر کے گھر کا کھانا کھالیوے گا تو وہ حرام نہ ہوگا:"التعليق بماتسقط حرمته بحالٍ ماكالميتة والخمر والخنزير لايكون يميناً". بحر: ۲۰۷/۳(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "ومنعقدةٌ: وهي حلفه على فعلٍ أو تركٍ في المستقبل، وحكمها وجوب الكفارة إن حنث".
(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۶۱/۲، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

"وعلى آتٍ منعقدةٌ، وفيه كفارة فقط: أي اليمين على شيء سيأتي في المستقبل منعقدةٌ، وحكم هذه اليمين وجوب الكفارة عند الحنث". (تبيين الحقائق: ۴۲۲/۳، كتاب الأيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۵۰/۳، كتاب الأيمان، امداديه ملتان)

(وكذا في الهداية: ۴۷۸/۲، كتاب الأيمان، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (البحر الرائق، ۴۸۳/۴، كتاب الأيمان، رشيديه)

"ولوقال: هو ياكل الميتة إن فعل كذا، لايكون يميناً .... والحاصل أن كل شئ هو حرام حرمةً مؤبدةً، بحيث لاتسقط حرمته بحالٍ من الأحوال كالكفر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً. وكل شئ هو حرام بحيث تسقط حرمته بحالٍ كالميتة والخمر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط لايكون يميناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴۲۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

"فكل ماحرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً، ومالا فلا". (ردالمحتار: ۷۲۱/۳، كتاب الأيمان، قبيل مطلب في حرف القسم، سعيد)

فصل فی کفارۃ الیمین
(قسم کے کفارہ کا بیان)

وعدہ خلافی اور قسم کا کفارہ

سوال[۶۷۳۰]: دو شخص مل کر آپس میں کاروبار کرتے تھے، دونوں نے زبانی طور پر اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہم دونوں مل کر ہمیشہ کاروبار کریں گے، مگر کچھ دنوں بعد دونوں میں پھوٹ پیدا ہوگئی۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے اقرار کو توڑ دیا تو بتلایئے کہ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قسم نہیں کھائی تھی صرف وعدہ کیا تھا اور بلاوجہ وعدہ توڑ دیا تو اس سے گناہ ہوا، اگر کوئی وجہ پیش آئی تو وعدہ توڑنے سے گناہ نہیں ہوا، کذا فی شرح الأشباہ والنظائر (۱)۔ اگر قسم کھائی تھی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے۔ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑا پہنائے، اگر اتنی

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام. وفي القنية: وعده أن يأتيه فلم يأته، لا يأثم. قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع".
(الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن، كراچی)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". "عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا وعد الرجل وينوي أن يفي به، فلم يف، فلاجناح عليه". (سنن الترمذي: ۹۱/۲، أبواب الأيمان، باب ماجاء في علامة المنافق، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الأيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

وسعت نہ ہوتو تین روزے مسلسل رکھے، کذافی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

ایضاً

سوال [۱۷۳۱]: زید عمر سے ایک بڑے کام کا معاملہ کرتا ہے، عمر اس کے کہنے پر کام کرتا رہتا ہے، مگر ایک حصہ کام کا ہوجانے کے بعد زید معاملہ ختم کردیتا ہے، اس ختم معاملہ میں عمر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ عمر کہتا ہے کہ جتنا کام کرچکا ہوں اس کا معاوضہ ادا کردو، زید یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ معاملہ اس کی طرف سے ختم ہوا ہے اور معاوضہ واجب ہے، ادائیگیٔ معاوضہ میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے۔ عمر عاجز آکر بحلف یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اپنا حق معاف کروں گا۔ اس صورت میں:

۱...... جو معاوضہ زید عمر کو دے چکا ہے زید کو اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

۲...... یا معاوضہ جو عمر نے چھوڑ دیا ہے، زید کے ذمہ عنداللہ اس کی ادائیگی ہے یا نہیں؟

۳...... عمر اگر قسم کا کفارہ ادا کردے تو پھر زید سے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس حلف کی بناء پر زید کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کے ذمہ وعدہ اور معاملہ کی وجہ سے عمر کا جو کچھ مطالبہ واجب الاداء ہے اس کو روک لے، چہ جائیکہ جو کچھ اس حلف سے پہلے ادا کرچکا ہے اس کو واپس لے۔ عمر کو یہ حق ہے کہ زید سے واجب الاداء مطالبہ (معاوضہ) وصول کرلے، مگر قسم کی وجہ سے اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہوگا، کذافی شرح الأشباہ والنظائر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم؛ وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب كفارة اليمين: ۳/ ۷۲۵، ۷۲۷، سعيد)

(۲) "الخلف في الوعد حرام. قال السبكي: ظاهر الأيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر، ۳/ ۲۳۶، الحظر والإباحة، إدارة القرآن، كراچی) ....=

کفارۂ قسم

سوال[۲۷۳۲]: ایک شخص تمبا کو کھاتا ہے اور بہت عادی ہے، پھر اس کو نفرت ہوگئی اور اس نے چھوڑ دیا اور قسم کھائی کہ اب نہ کبھی کھاؤں گا، چندروز کے بعد کھالیا۔ تو اب اس شخص کے لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے اور وہ یہ کہ دس غریبوں بھوکوں کو صبح وشام دووقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس غریبوں کو کپڑا دے، اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کی قدرت نہ ہو تو تین روزے لگاتار رکھے، بیچ میں ناغہ نہ کرے، اگر بیچ میں ناغہ کرے گا تو پھر شروع سے تین روزے رکھنے پڑیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالىٰ: "ثلثة أنا خصمهم يوم القيمة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعطه أجره". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الأول، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه". (مشكوة المصابيح، ص. ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الثاني، قديمي)

"وحكمها وجوب الكفارة إن حنث لقوله: ﴿ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان﴾ (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لايؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذاحلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

"فكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين". (الدرالمختار). "وفي الإطعام إما التمليك أو الإباحة، فيعشيهم ويغديهم .... وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أيام ولاءً، ويبطل بالحيض". (ردالمحتار: ۳/۷۲۵-۷۲۷، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۴، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

یمینِ غموس میں کفارہ نہیں

سوال[۶۷۳۳]: زید نے عمر کی ایک چیز اٹھا کر اپنے بکس میں رکھ دیا، درحقیقت وہ شئی بکر کی تھی، تھوڑی دیر بعد زید اپنے بکس میں سے اس شئے کو تلاش کر رہا تھا کہ اس وقت دوسرے آدمی نے کہا کہ وہ چیز بکر اٹھا کر لے گیا ہے، زید نے کہا کہ خیر اچھا ہوا کہ وہ اپنی چیز لے گیا۔ پھر دوسرے دن عمر نے آکے زید سے مطالبہ کیا، زید نے اپنی روک کیلئے اس آدمی کے کہنے کے مطابق قسم کھالی کہ بکر نے وہ چیز لے لی۔ تو اس مسئلہ میں زید حانث ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں اگر جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی ہے تو گناہ ہے کفارہ نہیں، کفارہ یمینِ منعقدہ میں ہوتا ہے اور یہ صورت غموس کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأیمان: ۴/۴۸۶، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحائق، کتاب الأیمان: ۳/۴۳۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، الفصل الثانی فی الکفارة: ۲/۶۱، رشیدیه)

(۱) "رجل قال: واللہ! إن الأمر کذا، وهو کاذب، فهو غموس لاکفارة فیها". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان، الفصل الثانی فی ألفاظ الیمین: ۴/۴۱۶، إدارة القرآن کراچی)

"وهی ثلاث: غموس: وهی حلفه علی أمر ماض أو حال کذباً عمداً. وحکمها الإثم، ولاکفارة فیها إلا التوبة". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، مکتبه غفاریه)

"حلفه علی ماض کذباً عمداً غموسٌ، وظناً لغوٌ، أثم فی الأولی دون الثانیة، ولاتجب فیها الکفارة إلا التوبة والاستغفار". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ۳/۴۲۰، سعید)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت یمینِ غموس کی نہیں، بلکہ یمینِ لغو کی ہے، کیونکہ دوسرے شخص کے بتانے سے زید نے حلفاً کہا کہ "بکر وہ چیز لے گئے ہیں"۔ حسبِ ظن صدق پر قسم اٹھانا جب کہ خلاف واقع ہو یمینِ لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولغو وهی حلفه علی أمر ماض أو حالٍ یظنه کما قال، والحال هو خلافه". (مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ۲/۲۶۲ مکتبه غفاریه)

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ

سوال[۶۷۳۴]: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چائے نہیں پیوں گا، اگر وہ اپنی قسم بھول گیا اور چائے پی لی، بعد میں اس کو یاد آیا کہ اس نے قسم کھائی تھی۔ کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی اور اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟ یا روزہ جس طرح بھول کر کھانے اور پینے سے نہیں ٹوٹتا کیا قسم بھی نہیں ٹوٹے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ لازم ہوگا:

"ولا فرق في وجوب الكفارة بين العامد والناسي والمكره في الحلف والحنث". سكب الأنهر: ۱/ ۵۴۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

اصلاح کا عہد کرکے توڑ دینا

سوال[۶۷۳۵]: ہماری قوم میں چند رسمیں غلط چل رہی تھیں، مثلاً: بیاہ شادی میں سب مل کر جاتے تھے، اس میں بے عزتی ہوتی تھی، یا چوتھی کی رسم کرتے تھے۔ بہر حال ان رسومات پر عہد لیا گیا کہ کوئی نہیں کرے

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/ ۲۶۴ كتاب الأيمان، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"المكره والطائع والناسي في الحلف والحنث سواء". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، قبيل الفصل الرابع: ۴/ ۴۳۶، إدارة القرآن، كراچی)

"تجب الكفارة ولو كان حلف مكرهاً أو ناسياً، أو حنث مكرهاً أو ناسياً، بأن فعل المحلوف عليه مكرهاً أو ناسياً". (تبيين الحقائق: ۳/ ۴۲۳، كتاب الأيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومنعقدةٌ: وهي حلفٌ على آتٍ، وفيه الكفارة فقط إن حنث .... ولو الحالف مكرهاً أو ناسياً في اليمين أو الحنث". (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۰۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/ ۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الأول، رشيديه)

گا، نہ شریک ہوگا۔اب اگر اس کو توڑ دیا تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

غلط طریقہ تو بہر حال غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے، پھر عہد کرکے توڑ دینا گناہ در گناہ ہے، ہرگز ایسا نہ کیا جائے (۱)، اس سے سب نظام اصلاح درہم برہم ہوتا ہے، اس کا وبال عہد توڑنے والوں پر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ توبہ کریں اور عہد (حلف توڑنے) کا کفارہ ادا کریں، ایک حلف کا کفارہ دس غریبوں کو کھانا کھلانا ہے دووقت شکم سیر ہوکر، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے۔اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھنا ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "اٰیة المنافق ثلاث وإذا وعد اخلف". (مشکوة المصابیح، ص: ۱۷، کتاب الإیمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فکفارته إطعام عشرة مساکین من أوسط ماتطعمون أهلیکم أو کسوتهم أو تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلثة أیام﴾. (المائدة: ۸۹)

"والأصل فی کفارة الیمین، الکتاب والسنة والإجماع . أما الکتاب، فقول الله تعالیٰ: ﴿لایؤاخذکم الله باللغو فی ایمانکم، ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الأیمان، فکفارته إطعام عشرة مساکین من أوسط ماتطعمون أهلیکم، أو کسوتهم، أو تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلاثة أیام، ذلک کفارة أیمانکم إذا حلفتم، واحفظوا أیمانکم﴾ [المائدة: ۸۹]

"وأما السنة: فقول النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إذا حلفت علی یمین، فرأیت غیرها خیراً منها، فأت الذی هو خیر، وکفر من یمینک". [سنن النسائی: ۲/۱۴۴]

"وأما الإجماع وأجمع المسلمون علی مشروعیة الکفارة فی الیمین بالله تعالیٰ". (الفقه الإسلامی، الباب السادس: الأیمان والنذور والکفارات، کفارات الیمین: ۴/۲۵۷۴، رشیدیه)

"کفارة الیمین، فهی مرتبة مخیّرة إطعام عشرة مساکین، أو کسوتهم، أو تحریر رقبة مؤمنة، فإن عجز عن ذلک وجب صوم ثلاثة أیام". (الفقه الإسلامی، المصدر السابق)

باب النذور

(نذر کا بیان)

نذر کس طرح منعقد ہوتی ہے؟

سوال[۶۷۳۶]: کسی نے نیت کرلی، یا زبان سے لکھ دیا کہ ''اس جانور کو شیرینی کروں گا''(۱)۔ اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو ذبح کر کے کچھ حصہ مسجد میں دوں گا اور باقی اہلِ محلّہ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤں گا، یا صرف گھر میں کھالوں گا، جیسے رواج سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے تناول میں صاحبِ نصاب اور خود بھی پرہیز نہیں کرتے۔ کیا یہ نذر ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نذر کے لئے صیغۂ التزام ضروری ہے(۲)، نیتِ مذکورہ اور الفاظِ مذکورہ سے لزوم نہیں ہوتا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۹/۵/۶۷ھ۔

---

(۱) ''شیرنی کرنا: شیرنی، مٹھائی حلاوت، مٹھاس''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۵۴، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه عليّ كذا، أو عليّ كذا، أو هذا هدى، أوهذا صدقة، أومالي صدقة''. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، قبيل فصل في شرائط الركن: ۳۳۳/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

''قال العلامة ابن العربي: حقيقة النذر التزام الفعل بالقول ممايكون طاعة لله عزوجل، ومن الأعمال قربة، ولايلزم نذر المباح''. (أحكام القرآن: ۱۸/۲، (سورة آل عمران: ۳۵)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في معارف القرآن: ۲۵۹/۶، تفسير سورة الحج، إدارة المعارف كراچی)

(۳) ''رجل قال: إن برئتُ من مرضي هذا، ذبحت شاةً، فبرأ، لايلزمه شيء، إلا أن يقول: لله عليّ أن أذبح =

نذر کی تحقیق کرنا

سوال[۶۷۴۷]: اگر جمعہ کے دن کسی قسم کی مٹھائی کوئی لاکر تقسیم کرے اور لوگ اس کو بغیر دریافت کئے کہ کیسی ہے؟ کس کے نام کی ہے اور کس قسم کی؟ تو کیا ایسی مٹھائی کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ میرا بیٹا اگر اس بیماری سے اچھا ہو جائے تو میں مسجد میں مٹھائی تقسیم کروں گا۔ تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبہ ہو تو تحقیق کرے کہ یہ مٹھائی کیسی ہے، اگر شبہ نہ ہو تو بلا وجہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، دل چاہے لے، نہ دل چاہے نہ لے: "دع مایریبك إلیٰ مالا یریبك". الحدیث (۱)۔ بیٹے کے اچھے ہونے پر مٹھائی خدا کے واسطے تقسیم کرنے کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے تو یہ نذر ہے (۲) اور نذر کے مستحق غرباء ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

= شاة. وفي الملتقط: إذا قال: لله عليّ شاة أذبحها، لا شئ عليه، حتى يقول: أذبحها وأتصدق بها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۴/۴۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (فیض القدیر: ۶/۳۴۵، (رقم الحدیث: ۴۲۱۱)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(والإمام مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۷۲۵): ۱/۳۲۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"أخبرني أبو عبد الله الأسدي، قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتقوا دعوة المظلوم، وإن كان كافراً، فإنه ليس دونها حجاب".

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالا يريبك". (مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۲۱۴۰): ۳/۲۲۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط يريده كأن قدم فلان .... ووجد، لزمه الوفاء". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج، الخ: ۲/۲۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "والنذر لله عزوجل، وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه.......... إذ مصرف =

1

میلاد شریف پڑھوانے کی نذر باطل ہے

سوال[٦٧٣٨]: اگر کوئی شخص اس بات پر نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں مسجد میں میلاد شریف پڑھواؤں گا۔ اب اس نذر کو پورا کرنا ہوگا یا نہیں اور مسجد میں میلاد پڑھانا جائز ہے یا نہیں، آیا نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نذر باطل ہے: "أقبح منه النذر بقراءة المولد". شامی: ٢/٢٠٦(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[٦٧٣٩]: اگر کسی شخص نے مولود پڑھانے کی نذر کی تو اس کو اس کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بطریقِ مروجہ مجلسِ میلاد منعقد کرنا شرعاً بے اصل، بدعت ہے اور ناجائز ہے، گو نفسِ ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا موجبِ خیر، باعثِ برکت اور قربت ہے، خواہ ذکرِ ولادت، خواہ ذکرِ وفات وعبادات ومعاملات وغیرہ ہو(٢)، لیکن انعقادِ نذر کے لئے منذور بہ کا قربتِ مقصود ہونا ضروری ہے اور مجلسِ میلاد قربت مقصود نہیں ہے، پس صورتِ مسئولہ میں نذر منعقد نہیں ہوئی، لہٰذا ایفاء بھی واجب نہیں:

"ومنها أن يكون قربةً، فلايصح بمالپس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي، ومنها أن يكون

= النذر الفقراء، وقد وجد، ولايجوز أن يصرف ذلک إلى غني غير محتاج إليه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ٦٩٣، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٥٢١، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(١) (ردالمحتار: ٢/٤٤٠، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للاموات الخ، سعيد)

(٢) "ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے۔ قال الشاعر:

ذكـرک لـلـمشتاق خير شـراب وكـل شـراب دونـه كسـراب".

(إمدادالفتاوى: ٥/٢٤٩، كتاب البدعات، عنوان مسئله: محفل مولود شریف، مكتبه دارالعلوم كراچى)

قربةً مقصودةً، فلا يصح النذر بعيادة المريض وتشييع الجنائز والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والأذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربةً؛ لأنها ليست بقربة مقصودة، اهـ". بدائع الصنائع: ٨٢/٥(١)۔

"وأقبح منه النذر بقراءة المولد في المنابر مع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك إلى حضرة المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم". ردالمحتار: ١٢٨/٢(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٧/١/٥٧ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ١٠/محرم/٥٧ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

حضرت سیدہؓ کی کہانی سننے کی نذر ماننا

سوال[٦٧٤٠]: اس سوال کیساتھ (☆) ایک کتابچہ بھی جناب سیدہؓ کی کہانی سے منسلک ہے، بعض علاقوں میں یہ "کتاب جناب سیدہ کی کہانی" جو صاحب لے کر پہونچے، انہوں نے اس کتاب کے فوائد کو

---

(١) (بدائع الصنائع: ٣٣٣/٦، كتاب النذر، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومن نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب، وهو عبادة مقصودة.......... ولم يلزم ماليس من جنسه فرضٌ كعيادة مريض وتشييع جنازة ودخول مسجد". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ٧٣٥/٣، ٧٣٦، سعيد)

قال ابن النجيمؒ: "واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلاثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصوداً لنفسه". (البحرالرائق: ٥١٤/٢، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ٤٠٥/١١، كتاب الأيمان، باب وجوب إيفاء النذر إذا كان طاعةً، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر: ٢٠٨/١، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار: ٤٤٠/٢، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات الخ، سعيد)

(☆) اصل نسخہ سے محولہ سوال کا پتہ نہیں چل سکا کہ کون سا سوال ہے، اصل نسخہ میں بھی اسی طرح ہی ہے۔ (نورالدین غفرلہ)

ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ: اگر کسی کی کوئی حاجت پوری نہ ہوتی ہوتو وہ یہ نذر کرلے کہ جب میری فلاں حاجت پوری ہوگی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اس سے اس کی وہ مراد پوری ہوگی۔ خصوصاً عورتوں میں یہ بات بیان کرکے اس کی ترغیب دی گئی۔

اور پھر اس کتاب میں کہانی ایسی ہی ہے جس کی وجہ سے عورتوں پر ایک خاص اثر ہوا اور سب نے نذر ماننا شروع کردیا کہ میری فلاں حاجت پوری ہوگئی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اگر اتفاق سے کوئی حاجت برآئی ہے تو نذر کو کتاب کو اس طریقہ سے سن کر پوری کی ہے، جیسا کہ اس کتاب میں طریقہ مذکور ہے۔ تو اس قسم کی نذر ماننے کی وجہ سے یا نذر پوری کرنے کی وجہ سے نکاح وغیرہ پر کسی قسم کی خرابی نہیں پڑے گی، نیز اس قسم کی نذر ماننا کیسا ہے، اس کتاب کی روایت کہیں منقول ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتاب ''جناب سیدہ کی کہانی'' بے اصل باتوں پر مشتمل ہے، اہل سنت والجماعت کے کسی مخالف نے مسلمان مردوں کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً گمراہ کرنے کیلئے یہ لکھی ہے۔ اس کے سننے کی نذر ماننا لغو(۱) اور اس کا سننا اضاعتِ وقت ہونے کے ساتھ غلط باتوں کا ذہن نشین کرنا ہے، عورتوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہ اس کی باتوں

---

(۱) ''ومنها: أن يكون قربةً، فلايصح النذر بماليس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي''. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ۸۲/۵، سعيد)

''ولم يلزم الناذرَ ما ليس من جنسه فرض كعيادة مريض، وتشييع جنازة، ودخول مسجد.......... أن لايكون معصيةً لذاته''. (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۳۶/۳، سعيد)

''عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''لانذر إلافي مايبتغي به وجه الله، ولايمين في قطيعة رحم''. (إعلاء السنن: ۴۸۳/۱۱، كتاب الأيمان، باب اشتراط كون المنذور عبادةً مقصودةً، إدارة القرآن، كراچي)

''النذر إن كان في المباح أو في المعصية، فلايلزمه كما إذا قال: لله عليّ أن أذهب إلى السوق، أو اشتمه أو أضربه''. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۴۰/۵، إدارة القرآن كراچي)

پر یقین نہ کریں (۱)۔ جناب سیدہ کے صحیح فضائل اور حالات معتبر کتابوں میں موجود ہیں، ان کو پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس کی کہانی کا حکم یہ ہے کہ جو بھی اس کے سننے کی نذر مانے اس کو توبہ لازم ہے، نہ نذر مانیں اور نہ سنیں۔ نکاح کسی کا نہیں ٹوٹا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

گیہوں تقسیم کرنے کی نذر

سوال [۶۷۴۱]: زید نے نیت کی کہ اگر میری بیوی کو بیماری سے شفا ہو جائے تو اتنے من گیہوں اور روپے اس کے ہاتھ سے غریبوں کو تقسیم کروادوں گا۔ وہ شفایاب ہوگئی، اب زید کا ارادہ ہے کہ مذکورہ گیہوں کی قیمت اور روپے کسی مدرسہ میں دیدے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

---

(۱) وہ کتابیں جن سے ذہن مشوش اور عقائد متزلزل ہوتے ہیں، دیکھنا جائز نہیں: "قال الشیخ الإمام صدر الإسلام، أبو الیسر: نظرت فی الکتب التی صنفها المتقدمون فی علم التوحید.......... وجدت أیضاً تصانیف کثیرةً فی هذا الفن للمعتزلة، فلا یجوز إمساک تلک الکتب والنظر فیها، کیلا تحدث الشکوک، فلا یتمکن الوهن فی العقائد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، المتفرقات: ۵/ ۳۷۷، رشیدیه)

(۲) "رجل قال: إن نجوت من هذا الغم، فللّٰه علی أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن یتصدق بالقیمة لا بالخبز، جاز". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، فصل فی النذر: ۱/ ۲۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الأیمان، الفصل السادس والعشرون فی النذور: ۵/ ۴۱۰، إدارة القرآن کراچی)

"نذر أن یتصدق بعشرة الدراهم من الخبز، فتصدق بغیره، جاز إن ساوی العشرة کتصدقة بثمنه". (الدر المختار، کتاب الأیمان، مطلب فی أحکام النذر: ۳/ ۷۴۱، سعید) .... =

نذر کے جانور میں قربانی کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[٦٧٤٢]: ہماری شریعتِ مصطفویہ کے مفتیانِ عظام سے استفسار یہ کہ شاۃ منذورہ یا بقرہ سال و برس میں قربانی کے لائق ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو، اسامی کتب و تعیینِ صفحہ بنقلِ عبارات جواب شافی عنایت فرما کر مسعود دارین ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شاۃ منذورہ کی نذر اگر بصورتِ اضحیہ کی ہے یعنی اس طرح نذر کی ہے "لله عليّ أن أضحي شاةً" تو اس میں تمام شرائطِ اضحیہ کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ ایسی نذر سے تضحیۂ شاۃ اس کے ذمہ واجب ہے، ایامِ نحر میں ایسی شاۃ کی قربانی کرے جس کی اضحیہ شرعاً درست ہے۔

اگر بصورتِ ہدی نذر کی ہے تو اس کو حرم میں بھیج کر قربانی کرائے۔ اگر ہدی اور اضحیہ کے طور پر نذر نہیں کی بلکہ مطلقاً شاۃِ حیہ کو تصدق کرنے یا ذبح کرکے اس کا لحم صدقہ کرنے کی نذر کی ہے تب بھی اس کی عمر اتنی ہی ضروری ہے جس کی قربانی درست ہے، کیونکہ عرفاً شرعاً ایسی شاۃ کو شاۃ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شاۃ معینہ مشارٌ الیہا کی نذر کی ہے تو اس میں یہ شرط نہیں بلکہ جس عمر کی بھی ہو اس سے نذر پوری ہو سکتی ہے اور ان ہر دو صورت میں ایامِ نحر یا حدودِ حرم کی بھی قید نہیں۔ اخیر کی صورت بالکل ایسی ہی ہے جیسے شاۃ کے علاوہ کوئی دوسری شی متعین کرکے اس کے تصدق کی نذر کرے:

"الأضحية اسم لِمَا يذبح في وقت مخصوصٍ لم يكن فيها إلغاء الوقت، فإذا نذرها يلزم فعلها فيه، وإلا لم يكن اتياً بالمنذور؛ لأنها بعدها لاتسمى أضحيةً، ولذا يتصدق بها حيةً إذا خرج وقتها، بخلاف ماإذا نذر ذبح شاة في وقت كذا، يلغو ذكر الوقت؛ لأنه وصف زائد على مسمى الشاة، ولذا ألغى علماؤنا تعيين الزمان والمكان بخلاف الأضحية، فإن الوقت قدجعل جزءاً من مفهومها، فلزم اعتباره. ونظير ذلك مالونذر هدى شاة، فإنهم قالوا: إنما يخرجه عن العهدة ذبحها في الحرم والتصدق بها هناك .... وماذاك إلالكون الهدى اسماً لمايهدى إلى

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الأيمان، الباب الثاني في يكون يميناً ومالا يكون يميناً، الفصل الثاني في الكفارة: ٦٢/٢، رشيديه)

مكة، ويتصدق به فيها، فقد جعل المكان جزءاً من مفهومه كالزمان فى الأضحية، فإذاتصدق به في غيرمكة، لم يأت بمانذره". شامی:٥/٢٣٤(١)۔

قال الكاساني بعد نذر الأضحية والهدى: "لايجوز فيه إلامايجوز فى الأضاحى، وهو الثنيُّ من الإبل والبقروالجذع من الضأن إذاكان ضخماً". بدائع:٥/٨٥(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

گائے کو ذبح کرکے دعوت ولیمہ میں کھلانے کی نذر ماننا

سوال[۶۷۴۳]: زید نے اپنی سالی کی شادی کے لئے اس نیت سے بقر زید اکہ بطور نیاز فی سبیل اللہ دعوتِ ولیمہ میں یا محض دعوتِ ولیمہ میں اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت صَرف کیا جائے۔ کسی وجہ سے لڑکی والے نے عقد شرعی سے انکار کردیا، چندروز بعد لڑکے والے لڑکی مذکور کو اپنے یہاں بھگا لے گئے اور بغیر عقد شرعی رکھا اور اعلان کردیا کہ ہمارے ہاں نیاز ہے اور بقر مذکور کو ذبح کے لئے تیار ہوگئے۔ بکر کہتا ہے کہ بغیر عقد شرعی بقر مذکورہ کا ذبح کرنا ناجائز ہے، زید تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا دو امر دریافت طلب ہیں:

---

(١) (ردالمحتار: ٦/٣٣٣، كتاب الأضحية، سعيد)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ٦/٣٤٢، دارالكتب العلمية بيروت)

"لوقال: للهعلىّ هدىً، يجب عليه مايجزئ عليه في الأضحية من الضأن والمعز أوالإبل أو البقرة، إلا أن ينوى بعيراً أو بقرةً فيلزمه ذلك، وأن لايذبح إلافى الحرم". (التفسير المظهرى: ٦/٣٠٢، (سورة الحج:٢٨)، حافظ كتب خانه)

"ولو قال: لله علىّ أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مكانه سبع شياه، جاز، ووجهه لايخفى". (الدرالمختار). "(قوله: وجهه لايخفى) وهو السبع تقوم مقامه فى الضحايا والهدايا". (ردالمحتار: ٣/٧٤٠، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر، سعيد)

"وإنما تعين المكان في نذر الهدى، والزمان فى نذر الأضحية؛ لأن كلا منهما اسم خاص معين، فالهدى: مايهدى للحرم، والأضحية: مايذبح فى أيامها، حتى لولم يكن كذلك لم يوجد الاسم". (الدرالمختار: ٣/٧٤١، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لايختص بزمان، سعيد)

۱......کیا اس نیاز کے سلسلے میں ذبیحہ کا دعوت ولیمہ میں صَرف کرنا جائز ہے؟

۲......کیا بغیر عذر شرعی بقر مذکور (مشروط بنیت ولیمہ) ذبح کیا جاسکتا ہے؟

سید ابن حسن مبلغ محلہ شیران سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......اگر منت مانی بطور نیاز ذبح کرنے کی تو اس کو نیاز ہی کے طور پر ذبح کرنا چاہیے جس کے مستحق غرباء اور مساکین ہیں (۱)۔ اور ولیمہ میں خصوصیت غرباء کی نہیں ہوتی اور ولیمہ عقد شرعی اور زفاف کے بعد ہوتا ہے (۲) اور صورت مسئولہ میں نہ ولیمہ ہے نہ نیاز۔ البتہ اگر غرباء کی خصوصیت کردی جائے تو نیاز کی صورت ہوسکتی ہے۔ اگر عقد شرعی اور زفاف کے بعد محض فقراء کو ذبیحہ کھلایا جاوے تو دونوں ممکن ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۳/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

نذرِ معلق کی پیشگی ادائیگی

سوال[۶۷۴۴]: کسی شخص نے نذر کی کہ فلاں کام ہوجائے تو تین روزے رکھوں گا۔ اس نے قبل

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغرمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"مصرف الزكوة ....وهو أيضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"نذر التصدق على الأغنياء، لم يصح مالم ينو أبناء السبيل". (الدر المختار). "قلت: وينبغي أن يصح إذا نوى أبناء السبيل؛ لأنهم محل الزكوة". (رد المحتار: ۳/۷۳۸، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

(۲) "وحديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه في هذا الباب صريح في أنها: أي الوليمة بعد الدخول، لقوله: "أصبح عروساً بزينب، فدعا القوم". (إعلاء السنن: ۱۱/۱۱، كتاب النكاح، باب استحباب كون الوليمة وكون وقته بعد الدخول، إدارة القرآن كراچی)

کام ہونے کے نذر پوری کرلی، اس کے بعد کام بھی حاصل ہوگیا۔ تو کیا اس کو دوبارہ نذر پوری کرنا چاہیے، یا پہلے روزے کافی ہیں، اور مسئلۂ یمین بعینہ اس طریق پر ہے یا فرق ہے؟

خلیل الرحمن چاٹگامی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورت مسئولہ میں وہ روزے کافی نہیں، کیونکہ روزوں کو معلق کیا تھا کام پورا ہونے پر اور جب تک کام پورا نہیں ہوا تو ان کا وجوب ہی نہیں ہوا، لہٰذا وہ نفل ہوگئے، اب مستقل روزے شرط کے موافق رکھنے ضروری ہے۔ مسئلۂ یمین میں بھی کفارہ قبل الحنث واجب اور کافی نہیں:

"وإن كان (أي النذر) معلقاً بشرط: نحو أن يقول: إن شفى الله مريضي، أو إن قدم فلان الغائب، فلله عليّ أن أصوم شهراً، أو أصلي ركعتين، أو أتصدق بدرهم، ونحو ذلك، فوقته وقت الشرط، فمالم يوجد الشرط، لايجب بالإجماع. ولوفعل ذلك قبل وجود الشرط، يكون نفلاً، اهـ". بدائع: ٩٣/٥(١)۔ "لايصح التكفير قبل الحنث في اليمين، سواء كان بالمال أو بالصوم، الخ". بحر: ٩٣/٤(٢) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ١٠/رجب/٥٣ھ۔

(١) (بدائع الصنائع: ٣٥٨/٦، كتاب النذر، فصل في حكم النذر، دارالكتب العلمية بيروت)

"أجمع أصحابنا أن النذر بالعبادات إذا كان معلقاً بالشرط، وأداها قبل وجودها، لايجوز، سواء كانت العبادة بدنيةً أومالية". (الفتاوى التاتارخانية: ٥٠/٥، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن كراچی)

"بخلاف النذر المعلق، فإنه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في احكام النذر ٧٣٥/٣، سعيد)

"إذا علق النذر بالصوم، وأداه قبل وجوده، لايجوز بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في النذر: ٢١٠/١، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٥٢٠/٢، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(٢) (البحر الرائق، ٤٨٩/٤، كتاب الأيمان، رشيديه)

بیمار کی صحت کے لئے جانور صدقہ کیا جائے تو اس کی کیا شرط ہے؟

سوال[۶۷۴۵]: جو جانور بیمار وغیرہ کی طرف سے صدقہ کیا جاتا ہے اس میں کیا کیا شرطیں ہیں، کیا قربانی کے جانور کی تمام شرطیں عمر وغیرہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں کوئی نذر نہیں کی تھی تو جو جانور جیسا چاہے صدقہ کردے، اگر نذر مان لی تھی تو وہ واجب ہوگئی، اس میں وہی شرائط معتبر ہوں گی، جو قربانی کے جانور میں معتبر ہوتی ہیں(۱)۔ اگر نذر میں کسی خاص جانور کی تخصیص کردی مثلاً: یہ کہ ایک گائے مستقل نذر مانی تو پوری گائے لازم ہے(۲)، ساتواں حصہ کافی نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

سہولتِ ولادت کی نذر

سوال[۶۷۴۶]: زید نے بیوی کے حاملہ ہونے پر یہ نذر مانی کہ: اگر ولادت خیر وخوبی کے ساتھ ہوگئی تو اس خوشی میں ایک ہنسلی دوں گا(۳)۔ بعینہ یہی نذر زید کی ساس نے بھی مان لی۔ زید کی بیوی کو تولد بغیر

---

(۱) "ولو قال: لله علی أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مکانه شياه، جاز، ووجهه لايخفى". (الدر المختار). "وهو أن السبع تقوم مقامه فی الضحايا والهدايا". (ردالمحتار، کتاب الأيمان، مطلب فی أحکام النذر: ۳/۷۴۰، سعيد)

"وإذا أوجب علی نفسه الهدی، فهو بالخيار بين الأشياء الثلاثة: إن شاء أهدى شاةً، وإن شاء بقرةً، وإن شاء إبلاً، وأفضلُها أعظمُها. ولو أوجب جزوراً، فعليه الإبل خاصةً؛ لأن اسم الجزور يقع عليه خاصةً، ولايجوز فيهما إلا مايجوز فی الأضاحی، وهو الثنيُّ من الإبل والبقر، والجذعُ من الضأن، إذاکان ضخماً". (بدائع الصنائع: ۵/۸۵، کتاب النذر، فصل: وأما شرائط الرکن، سعيد)

(۲) "تصدق بها حية ناذر لمعيّنة ولو فقيراً، لو ذبحها تصدق بلحمها". (الدر المختار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

(۳) "ہنسلی: وہ ہڈی جو گردن کے نیچے ہوتی ہے، ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنا جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱)

کسی خطرہ کے ہوگیا۔ نذر زید پوری کرے، یا زید کی ساس یا دونوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کو نذر پوری کرنا لازم ہے، لقوله تعالى: ﴿وليوفوا نذورهم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

سہولتِ ولادت کے لئے ختمِ قرآن کروانے کی نذر

سوال[۶۷۴۷]: بیوی کو دردِ زہ میں مبتلا دیکھ کر شوہر یا دیگر رشتہ دار نے کہا کہ: اگر اللہ میاں اس مصیبت سے نجات دے تو ختمِ قرآن کراؤں گا۔ یا یوں کہا کہ: اس مصیبت میں اللہ کے واسطے کچھ کرانا چاہئے، اس پر کسی نے کہا: ختمِ یونس پڑھالو، اس پر سب راضی ہوگئے، اتنے میں بچہ پیدا ہوگیا۔ اب مذکورہ دونوں صورتوں

---

(۱) (سورة الحج: ۲۹)

"ثم إن علقه بشرط يريده كان قدم غائبي، يوفي وجوباً إن وجد الشرط". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۳۸/۳، سعيد)

"وقد قال عليه الصلوة والسلام: "من نذر أن يطيع الله تعالى، فليطعه". قال عليه الصلوة والسلام: "من نذر وسمى، فعليه وفائه بماسمى". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: واما حكم النذر: ۹۰/۵، سعيد)

"عائشة رضي الله تعالى عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من نذر أن يطع الله، فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه". (إعلاء السنن: ۴۲۳/۱۱، كتاب الأيمان، باب من نذر نذراً في معصية او فيما لايطيقه فكفارتهما كفارة يمين، إدارة القرآن، كراچي)

"وإن علق النذر بشرط، فوجد الشرط، فعليه الوفاء بنفس النذر لإطلاق الحديث". (فتح القدير: ۹۲/۵، فصل في الكفارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲۷۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مذکورہ بالا عبارات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی کام پر کئی اشخاص نذر مانیں تو ہر ایک پر مستقل طور پر ایفائے نذر لازم ہے۔

میں ایفاء واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو تو اجرت لے کر پڑھنے والے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نذر ایسی چیز کی صحیح ہوتی ہے جو عبادتِ مقصودہ اور جنسِ واجب سے ہو، چنانچہ قرآن کریم بھی ایسی ہی عبادت ہے، نماز میں اس کا پڑھنا ضروری ہے (۱)۔ فقہاء نے اعتکاف کی نذر کو صحیح تسلیم کیا ہے، جس کی حقیقت ''لبث فی المسجد برائے عبادت ہے''۔ اور اس کا مأخذ یہ تجویز کیا ہے کہ نماز میں قعدہ ضروری ہے جو کہ سنت ہے (۲)، اسی طرح اگر کہا جائے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿فاقرأوا ما تيسر من القرآن﴾ (۳) تو قرأتِ قرآن کی نذر بھی صحیح ہوگی:

''واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصوداً لنفسه .... وأما الاعتكاف و هو ''اللبث في مكان''

(۱) ''(و منها القرأة): أي قرأة آية من القرآن، وهي فرض عمليّ في جميع ركعات النفل والوتر، وفي ركعتين من الفرض، الخ''. (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۴۶، سعيد)

''(قوله: لم يلزمه) وكذا لو نذر قراءة القرآن، قلت: وهو مشكل، فإن القراءة عبادة مقصودة، ومن جنسها واجب، وكذا الطواف، فإنه عبادة مقصودة أيضاً''. (ردالمحتار: ۳/۷۳۸، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

''فلايلزم الوضوء بنذره، ولاقراءة القرآن''. (مراقي الفلاح). قال العلامة الطحطاوي: ''(قوله: لاقراءة القرآن) كذا في كبيره، وفيه أن القراءة من جنسها فرض، وواجب، وتُقصد لذاتها، وليست واجبة قبل. وعلل عدم الوجوب في القهستاني بأن لزومها للصلوة لالعينها''. (حاشية الطحطاوي، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، قديمي)

(۲) ''ويصح النذر بالعتق، والاعتكاف؛ لأن من جنسه واجباً، وهو القعدة الأخيرة في الصلوة، فأصل المكث بهذه الصفة له نظيرٌ في الشرع''. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۴، سعيد)

(۳) (سورة المزمل: ۲۰)

من جنسه واجب وهوالقعدة الأخيرة في الصلوٰة". بحر: ۲/۲۹٤، كتاب الصوم(۱)۔

جتنا قرآن نذر ماننے والا خود پڑھ سکے خود ہی پڑھے، کسی سے اجرت دے کر نہ پڑھوائے، جیسے کوئی شخص بڑی رقم صدقہ کرنے کی نذر مان لے جو کہ اس کے پاس موجود نہ ہو، تو وہ دوسرے سے رقم لے کر صدقہ کرنے کا ذمہ دار نہیں، بلکہ جتنی رقم اس کے پاس ہو اس کو صدقہ کردے، اگر دوسرے کے مال کو صدقہ کرنے کی نذر کرتا ہے تو وہ نذر منعقد نہیں ہوتی۔ غیر سے اجرت پر قرآن ختم کرانا بھی معصیت ہے(۲) اس سے پورا پرہیز کیا جائے:

"في الخلاصة: لوالتزم بالنذر أكثر مما يملكه، لزمه ما يملكه، هوالمختار، كما إذا قال: إن فعلت كذا فألف درهم من مالي صدقةٌ، ففعل و هو لا يملك إلا مأةً، لا يلزمه إلا مأة

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۱۴، ۵۱۵، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۵، ۷۳۶، سعيد)

(۲) "و قد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري. وقال العيني في شرح الهداية: و يمنع القاري للدنيا، و الآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"الآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر، والقرأة لأجل المال فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (البناية شرح الهداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۳/۷۷، مكتبه حقانيه ملتان)

"وأما استيجار قومٍ لأن يقرأوا القرآن ويُهدوا ثوابه للميت، فهذا لم يفعله أحد من السلف، ولاأمر به أحد من أئمة الدين، ولارخص فيه. فإن الثواب إنما يصل إلى الميت إذا كان العمل خالصاً لوجه الله، وهذه التلاوة لم تقع خالصةً لله، فلا يكون للتالي من الثواب شئ حتى يهديه إلى الميت". (شرح العقيدة الطحاوية، لايوجد شي من غير مشيئة الله وعلمه وقضائه وقدره، قبيل: مذهب أهل البدعة في إيصال الثواب، ص: ۱۹۱، زمزم پبلشرز كراچي)

..........لو قال: لله علیّ أن أهدی هذه الشاة و هی ملك الغیر، لا یصح النذر". البحر: ٤/٢٩٦، کتاب الأیمان(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایک مہینہ کے روزہ کی نذر ماننے میں تسلسل ضروری ہے

سوال[۲۷۴۸]: ا......زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک ماہ روزہ رکھوں گا۔ تو یہ ایک ماہ کے روزے مسلسل رکھے یا وقفہ سے بھی رکھ سکتا ہے؟

پانچ سو روپے مسجد میں دینے کی نذر کرنے سے ایک ہی مسجد میں دے یا الگ الگ میں؟

سوال[۲۷۴۹]: ۲......زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ۵۰۰/ روپے مسجد میں دوں گا تو کیا یہ ۵۰۰/ روپے اکٹھے ادا کرے، یا سو سو روپے پانچ مسجد میں دیدے، اپنی ہی مسجد میں دیدے، یا متفرق زیر تعمیر مسجد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھے، درمیان میں وقفہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ مہینہ مسلسل ہی

---

(١) (البحر الرائق، کتاب الأیمان، مسائل النذر: ۴/۴۹۸، رشیدیه)

"وإذا قال: إن فعلت کذا، فألف درهم من مالی صدقة، ففعل، وهو لایملک إلاماة درهم، فإنه یلزمه التصدق بما ملک، وهو قدر ماة، لاغیر.......... وإذا قال: لله علیّ أن أهدی هذه الشاة، وهی مملوکة للغیر، لایصح النذر، ولایلزمه شیئ". (الفتاوی التاتارخانیة: ۵/۴۲، کتاب الأیمان، الفصل السادس والعشرون فی النذور، إدارة القرآن، کراچی)

"وإذا قال: إن فعلت کذا، فألف درهم من مالی صدقة، ففعل، وهو لایملک إلاماة درهم، فإنه یلزم التصدق ممایملک وهو قدر ماة، لاغیر. ولله علیّ أهدی هذه الشاة، وهو مملوکة للغیر، لایصح ولایلزمه شیئ". (المحیط البرهانی فی المذهب النعمانی: ۵/۱۱۰، کتاب الأیمان والنذور، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأیمان، ومما یتصل بذلک مسائل النذر: ۲/۶۵، رشیدیه)

ہوتا ہے(۱)۔

۲......اس کو اختیار ہے کہ ایک دم ۵۰۰/ روپیہ دیدے، یا تاخیر سے دے، مسجد کی تعیین لازم نہیں، جس مسجد میں چاہے دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) سائل نے مطلق ایک مہینہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہے، اس لئے تسلسل سے اس کو روزے رکھنا لازم نہیں ہے، لگا تار روزے رکھنا اس صورت میں لازم ہے، جب ایک مہینہ متعینہ مثلاً شعبان کی نذر مانی جائے، لیکن اس صورت میں اگر ایک دو روزے نہ رکھ سکے تو صرف ان روزوں کی قضاء ضروری ہے ترتیب لازم نہیں ہے:

"نذر صوم شهر معين لزمه متتابعاً، لكن إن أفطر فيه يوماً قضاه وحده". (الدر المختار). "أى قضىٰ ذلك اليوم فقط، لئلايقع كل الصوم فى غير الوقت......... وأما إذا كان الشهر غير معين، فإن شاء تابعه، وإن شاء فرقه، إلا إذا شرط التتابع، فيلزمه". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب فى احكام النذر، ۳/ ۷۴۱، سعيد)

"ولو نذر صوم شهر غير معين متتابع". (الدرالمختار). "(قوله: متتابعاً) أفاد لزوم التتابع إن صرح به، وكذا إذا كان نواه. أما إذا لم يذكر ولم ينوه، إن شاء تابع، وإن شاء فرق، وهذا فى المطلق. أما صوم شهر بعينه أو أيام بعينها، فيلزم التتابع، وإن لم يذكره". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فى صوم الست من شوال، ۲/ ۴۳۵، سعيد)

"لو قال: لله عليّ أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع. وإن أطلق، يخيّر. وإن عيّن الشهر، فأفطر يوماً، قضاه، ولايستقبل. وإن أفطر كله، يخيّر فى القضاء بين التفرق والتتابع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس فى النذر: ۲/ ۲۰۹ رشيديه)

(۲) "نذر لفقراء مكة، جاز الصرف لفقراء غيرها". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب فى أحكام النذر: ۳/ ۷۴۰، سعيد)

"نذر أن يتصدق بهذه الماة الدرهم يوم كذا على فلان، فتصدق بماة أخرى قبل مجئ ذلك اليوم على مسكين آخر، جاز". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون فى النذور: ۵/ ۴۳، إدارة القرآن كراچى)

"رجل قال: مالى صدقة على فقراء مكة إن فعلت كذا، فحنث وتصدق على فقراء بلخ أو بلدة =

امتحان میں پاس ہونے کی نذر ماننا

سوال[۶۷۵۰]: میری بچی نے ہائی اسکول کا امتحان دیا، اور اس سلسلہ میں میں نے نذر مانی تھی کہ: اگر پاس ہوگئی تو گیارہ فقیروں کو کھانا کھلاؤں گی۔ آیا کھانا کھلانا ضرروی ہے یا نہیں؟ بچی پاس ہوگئی ہے۔ اور یہ نذر بھی مانی تھی کہ: پاس ہونے پر روزے رکھوں گی۔ آیا روزے رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پاس ہونے پر گیارہ فقیروں کو کھانا کھلایا جائے، یا ان کو نقد دیدیا جائے، ہر ایک کو بقدرِ صدقۃ الفطر دیا جائے (۱)۔ نذر کے روزے بھی رکھے جائیں (۲)، اگر کسی کو روزے رکھنے پر قدرت نہیں ہے تو ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کے برابر نقد یا غلہ دیدیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

= أخرى، جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/ ۶۵، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلک مسائل النذر، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/ ۸۶، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

"نذر بالتصدق على ألف مسكين، فتصدق على مسكين بالقدر الذى ألزم، يخرج عن العهدة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كاتب الأيمان، ومما يتصل بذلک مسائل النذر: ۲/ ۶۶، رشيديه)

سوال: "اگر کوئی شخص چندروزے رکھنے کی نذر مانے تو کیا ان میں تسلسل ضروری ہے، یا جب چاہے مختلف اوقات میں رکھ کر پورے کرسکتا ہے؟

الجواب: اگر پے در پے روزوں کی نیت نہیں کی ہو تو نذر کے روزے رکھنے میں تسلسل ضروری نہیں ورنہ تسلسل کا خیال رکھنا لازمی ہے"۔ (فتاویٰ حقانیه، کتاب الأیمان والنذر، عنوان مسئله: نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم: ۵/ ۴۴، جامعه دارالعلوم حقانیه اکوڑه خٹک نوشهره پاکستان)

"ولو قال لله علي أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع، وإن أطلق يخير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر: ۱/ ۲۱۰، رشيديه)

(۱) "رجل قال: إن نجوت من هذ الغم، فلله عليّ أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن يتصدق =

....

= بالقيمة لابالخبز، جاز". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۶۹، كتاب الزكوة، فصل في النذر، رشيديه)

"رجل قال: إن نجوت من هذا الغم الذى أنا فيه، فعليّ أن أتصدق بعشرة دراهم، فاشترى بعشرة دراهم خبزاً، فتصدق بعين الخبز، أو ثمن الخبز، يجزيه". (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۴۱۰، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن، كراچى)

"نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز، فتصدق بغيره، جاز إن ساوى العشرة، كتصدقه بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً ومالايكون يميناً، الفصل الثاني في الكفارة: ۲/۶۶، رشيديه)

(۲) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب: أى فرض .... وهو عبادة مقصودة .... ووجد الشرط المعلق به، لزم الناذر لحديث: "من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى" كصوم وصلاة وصدقة". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ووجد الشرط) معطوف على قوله: وكان من جنسه عبادة. وهذا إن كان معلقاً بشرط، وإلا لزم في الحال. والمراد الشرط الذى يريد كونه كما ياتى تصحيحه. (قوله: لزم الناذر): أى لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها لابكل صف التزمه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۵، سعيد)

"ويصح النذر بالصلوة، والصوم، والحج، والعمرة، والإحرام بهما .... لأنها قرب مقصودة، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من نذر أن يطيع الله تعالىٰ فليطعه". وقال صلى الله عليه وسلم: "من نذر وسمى، فعليه وفاؤه بما سمى". إلا أنه خص منه المسمى الذى ليس بقربة أصلاً، والذى ليس بقربة مقصودة، فيجب العمل بعمومه فيما وراءه". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل في شرائط ركن النذر: ۶/۳۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "لو أخّر القضاء حتى صار شيخاً فانياً، أوكان نذر بصيام الأبد، فعجز لذلك، أو باشتغاله بالمعيشة، لكون صناعته شاقة، له أن يفطر وأن يطعم لكل يوم مسكيناً على ماتقدم". (فتح القدير، كتاب الصوم، فصل فيما يوجبه على نفسه: ۲/۳۸۶، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر) .... =

گناہ کے ترک کا عہد، پھر اس کے خلاف کرنے پر روزہ کی نیت کرنا

سوال[۶۷۵۱]: زید سے گناہ کبیرہ صادر ہورہا ہے، وہ بہت کوشش کرتا ہے کہ اس گناہ سے نجات مل جائے، توبہ بھی کرتا ہے اور پختہ ارادہ بھی کرتا ہے، کہ اب نہیں کرے گا، مگر وہ گناہ پھر بھی اس سے صادر ہوجاتا ہے، لہذا اس نے ایک تدبیر سوچی کہ جب اس سے یہ گناہ صادر ہوگا تو وہ ایک ہفتہ روزہ رکھے گا، تاکہ نفسِ امّارہ روزہ کی وجہ سے مرجائے، مگر پھر بھی اس سے گناہ صادر ہوا، لہذا اس نے ایک ہفتہ کا روزہ رکھ لیا، مگر جب بہت مرتبہ صادر ہوتا رہا تو کیا پے در پے اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے، یا فصل کرکے رکھے اور کس وقت رکھے اور کتنے روزے رکھے؟

محمد عرفان، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے صرف دل میں سوچا ہے اور اپنے اوپر بطورِ نذر و یمین کے لازم نہیں کیا ہے تو اس کے ذمہ ایسے روزوں کا رکھنا لازم نہیں (۱)، البتہ گناہوں کا چھوڑنا اور توبہ کرنا اور توبہ پر پختہ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے

= "إذا قال: لله عليّ أن أصوم أبداً فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة، كان له أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع من الحنطة". (الفتاوى التاتارخانية، كتا ب الصوم، الفصل الحادى عشر فى النذور: ۲/۴۰۹، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس فى النذر: ۱/۲۰۹، رشيديه)

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله تجاوز عن أمتى ما حدثت به أنفسها ما لم تعمل أو تكلّم". (صحيح البخارى: ۲/۷۹۴، كتاب الطلاق، باب الطلاق فى الإغلاق والكره، الخ، قديمى)

(والصحيح لمسلم: ۱/۷۸، كتاب الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالىٰ عن حديث النفس والخواطر بالقلب الخ، قديمى)

(وسنن أبى داؤد: ۱/۳۰۱، كتاب الطلاق، باب فى الوسوسة بالطلاق، سعيد)

"حقيقة النذر التزام الفعل بالقول ممايكون طاعةً لله عزوجل". (أحكام القرآن للتهانوى: ۱۸/۲، سورة آل عمران: ۳۵، إدارة القرآن كراچى)

مدد مانگنا ضروری ہے، اور توبہ کرتے وقت پختہ عہد چاہیے کہ آئندہ نہیں کریگا(۱)، پھر اگر صدور ہو جائے تو پھر توبہ کرے، مایوس کبھی نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "فركن النذر هو الصيغة الدالّة عليه، وهو قوله: لله عزوجل عليّ كذا". (بدائع الصنائع: ۵/۸۱، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفّر عنكم سيئاتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال النووی: "التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع من المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً .... وركنها الأعظم الندم". (روح المعانی (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی شرح النووی على مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادی الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾. (سورة الزمر: ۵۴)

كتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومايتعلق به

(حدِ زنا کا بیان)

زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط

سوال[۶۷۵۲]: بکر نے اپنی بہو سے زنا کیا فرنگی کے بدبخت عہد میں۔اس پر کیا تعزیر لگائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شرعی حدود قائم کرنے کا حق امیر المومنین کو ہے(۱)،صورت مسئولہ میں ہر دو سے توبہ کرانی چاہئے اور اس نوع کے تعلق کو منقطع کردیا جائے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے ترکِ موالات کردیں (۲)۔باپ اگر بیٹے

(۱) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ: "باب ما يجوز من الهجران لمن عصى". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ فيه: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص بمن =

کی بیوی سے زنا کرے تو وہ بیٹے پر حرام ہوجائے گی، پس اگر شرعی شہادت موجود ہے، یا بیٹے کو اس واقعہ کا یقین ہے تو بیٹے پر اپنی زوجہ سے متارکت واجب ہے:

"تحرم المزنيُّ بها على آباء الزاني وأجداده وإن علوا، وعلى أبنائه وإن سفلوا، كذا في فتح القدير". فتاوی عالمگیری: ۱/۲۷٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/ رجب المرجب/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ رجب المرجب/ ۶۱ھ۔

زنا کی سزا جب کہ امامِ وقت نہ ہو

سوال[۶۷۵۳]: جب کہ امامِ وقت نہ ہو، اس شہر یا قصبہ یا محلّہ کے لوگوں کا زانی، زانیہ کے لئے کوئی

= لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخارى لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات و هي تسعة أقسام، القسم الثاني: المحرمات بالصهرية: ۱/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۲/۴۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

سزا دینا مثلاً بائیکاٹ یا جرمانہ کردینا صحیح ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مال کا جرمانہ ناجائز ہے(۱)، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو بائیکاٹ وغیرہ کی سزا دینا درست ہے(۲)، اگر مال کا جرمانہ کیا ہوتو اس کو واپس کردیا جائے، کذا فی البحر: ٥/٤١ (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط'')

(۳) "لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف، فصل في التعذير: ٥/٦٨، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في التعزير بأخذ المال : ٤/٦١، ٦٢ ،سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،فصل في التعزير: ٢/١٦٧ ، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق : كتاب الحدود : ٣/١٦٥ ، إمداديه ملتان)

ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے،اس کا واپس کرنا ضروری ہے:"لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم ، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه".

(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع : ٦/٣٨٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الكراهية ، فصل في البيع : ٨/٣٦٩، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية ، فصل في البيع : ٧/٦٠، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب : ٥/٣٤٩، رشيديه)

زنا کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے؟

سوال [۶۷۵۴]: ۱.....انہیں دونوں مسئلوں کے تحت ضمیر مذکورہ کو امام بنانا مکروہ ہے یا نہیں (☆)؟ عیدین کی نماز اذان تکبیر، جنازہ کی نماز سب مکروہ ہے یا نہیں؟

۲.....کون سا ثبوت ہونے سے زناکاروں کے پیچھے نماز درست نہیں ہے؟

۳.....خواہ کسی قسم کا معاملہ ہو، معاملہ بغیر ثبوت کے ہو تو کیا شریعت کے اعتبار سے مدعیٰ علیہ کو قسم کھلا کر، ہاتھوں میں قرآن دے کر معاملہ کی تحقیق کی جائے، یا مدعیٰ علیہ قسم یا ہاتھوں میں قرآن لینے سے انکار کرے اور کہے کہ اگر میں قصوروار ہوں تو دلیل پیش کریں مجرم ہوں گا، اور دوسروں کے کہنے سے قسم نہیں کھاؤں گا تو کیا قسم نہ کھانے سے مدعیٰ علیہ کو مجرم گردانا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....محض کسی عورت کے کہنے سے ضمیر کو زانی اور مجرم کہنا درست نہیں، اس کی اذان، امامت، نمازِ جنازہ وغیرہ سب درست ہے۔

۲.....زنا کے گواہ موجود ہوں یا وہ خود اقرارِ زنا کرے (۱) تب اس کی امامت مکروہ ہوگی جب تک سچی

(☆) اصل نسخہ سے پتہ نہ چل سکا کہ محولہ "دو مسئلے" اور "ضمیر مذکور" کون سے اور کیا ہیں، لہٰذا جس طرح اصل میں ہے، اسی طرح سوال وجواب نقل کیا گیا۔ (فخر الدین)

(۱) "(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) ....(بـ) لفظ (الزنا، لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) .... (فيسألهم الإمام عنه: ماهو): اى عن ذاته، وهو الإيلاج، عيني. (وكيف هو، وأين هو، ومتى زنى، وبمن زنى؟) لجواز كونه مكرهاً أو بدار الحراب أو في صباه أو بأمة ابنه .... (فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها في فرجها كالميل في المكحلة) .... (وعُدّلوا سراً وعَلناً) .... (حكم به) وجوباً .... (ويثبت) أيضاً (بإقراره) صريحاً صاحياً، ولم يكذبه الآخر، ولاظهر كذبه بجبه أو رتقها، ولا أقر بزناه بخرساء أوهي بأخرس لجواز إبداء ما يسقط الحد.......... (أربعاً في مجالسه): اى المقر (الأربعة، كلما أقرّ ردّه) بحيث لا يراه (و سأله كما مر) حتى عن المزنيّ بها لجواز بيانه بأمة ابنه، نهر. (فإن بينه) كما حق (حُدّ)". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۵/۲۱۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر) .... =

توبہ نہ کرے(۱)۔

۳......اگر معاملہ قاضی کے پاس عدالت میں یا شرعی پنچایت میں فیصلہ کے لئے جائے تب مدعی ثبوت پیش کرے، اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی (۲)۔ ہر شخص کو قسم لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۲ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق ، كتاب الحدود : ۵/۷،۲ ۱ رشيديه)

(۱) "ويكره تقديم العبد؛ لأنه لايتفرغ للتعلم، والأعرابي؛ لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق؛ لأنه لايهتم لأمر دينه". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الخامس بالإمامة، الفصل الثالث في بيان مايصلح إماماً لغيره : ۱/۸۴، ۸۶، رشيديه)

"أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمة بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "سأل القاضي الخصم عنها، فإن اقرّ حكم عليه، وإن انكر سأل المدعي البينة، فإن أقامها، وإلا حلف الخصم إن طلبه خصمه ليس لک إلا هذا شاهداک أو يمينه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الدعوىٰ: ۳/۳۴۷، غفاريه كوئٹه)

"فإن صحت الدعوى سأل المدعي عليه عنها، فإن أقر أو انكر فبرهن المدعي، قضى عليه، وإلا حلف بطلبه، كذا في كنز الدقائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوىٰ، الباب الثالث في اليمين، الفصل الأول في الاستحلاف والنكول: ۴/۱۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوى، باب اليمين: ۲/۴۲۰، رشيديه)

"ولزوم اليمين على المنكر". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الدعوىٰ: ۵/۳۰۵، رشيديه)

بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کا حکم

سوال[۶۷۵۵]: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو کسی مسلم یا غیر مسلم سے زنا کراتے دیکھا، تو غصہ میں آکر اپنی زوجہ وزانی کو قتل کردیا، تو اس قاتل پر شریعت میں کیا حکم ہے، جب کہ شرع میں حاکمِ وقت کو فیصلہ دینے کا حق ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں ظاہر ہے کہ شرع کے مطابق فیصلہ نہیں ہوتا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مسئلہ میں تفصیل ہے جو کہ فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۳۶، میں مذکور ہے: "سئل الهندواني عن رجل جامع امرأته رجلٌ، هل له القتل؟ قال: إن كان يعلم أنه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بمادون السلاح، لا يحل. وإن علم أنه لا ينزجر إلا بالقتل، حل له القتل. وإن طاوعته المرأة حل له قتلها أيضاً، كذا في النهاية" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۳ھ۔

زانی کی سزا، کیا زنا حقوق العباد سے ہے؟

سوال[۶۷۵۶]: ا......مریم کی لڑکی صابرہ کا عقد نکاح عبداللہ کے ساتھ ہوا، صابرہ کے بطن سے عبداللہ کے دو بچے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ صابرہ کی عمر ۳۵/ سال اور عبداللہ کی عمر ۴۳/ سال ہے۔ زید کی پہلی بیوی مریم کے انتقال کے بعد زید نے دوسری شادی عائشہ سے کی، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام خالدہ ہے۔ خالدہ کا نکاح عمر سے ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ خالدہ بعد بلوغت کے عمر نابالغ کے گھر آئی۔ عمر اور خالدہ سے شب باشی نہیں ہوئی۔ دوسرے دن دوپہر کو عمر موقع پاکر خالدہ کی چارپائی پر بیٹھا صرف گفتگو ہوئی، شرم کی وجہ

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب: یکون التعزیر بالقتل: ۴/۶۲، ۶۳، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۵/۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۵، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة، کتاب الحدود، نوع مشترکة بین الحدود والجنایات: ۶/۴۳۰، رشیدیه)

سے ہمبستری نہیں ہوئی۔

خالدہ سے بچپن سے جوانی تک کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اس کے بعد خالدہ اپنے میکہ واپس آ گئی۔ خالدہ کے والد انتقال کر گئے۔ اپریل ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال دوبارہ گئی۔ عمر اس وقت بالغ ہو چکا تھا، اپنی بیوی خالدہ سے ہمبستر بھی ہوا، خالدہ اس وقت تک پاکدامن رہی۔ پھر خالدہ اپنے میکہ واپس آئی۔ پھر ماہ نومبر ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال آئی اور فروری ۵۹ء میں میکہ واپس آئی۔ پھر خالدہ اپریل کے شروع میں سسرال آئی، جولائی ۵۹ء تک ساتھ رہی، اس وقت تک خالدہ سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔

پھر ۱۹۵۹ء ماہِ اکتوبر میں اپنے خاوند عمر کے گھر گئی، اس سفر میں خالدہ نے عبداللہ کی شکایت عمر کی ماں سے کی کہ اب میں اپنے میکہ کبھی نہیں جاؤں گی، اور نہ آج تک گئی۔ عمر کو اپنی بیوی کی لغزش کا پتہ امسال ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ خالدہ اپنی ماں عائشہ کے پاس سوئی تھی، رات کو قضائے حاجت کے لئے گئی تو عبداللہ- اس کا بہوئی- چارپائی پر سورہا ہے، عبداللہ کی چارپائی سے ۱۸/ قدم کی دوری پر اپنی حاجت پوری کی، بعد حاجت پوری کرنے کے جب خالدہ واپس ہوئی تو دیکھا عبداللہ اس کے پیچھے آرہا ہے اور خالدہ کو پکڑ کر دالان میں زمین پر ٹپک کر اسے مجبور ولا چار کر دیا، جب وہاں سے موقع ملا، غصہ ہو کر خالدہ بھاگی۔

خالدہ یہ بیان دے رہی ہے ایسی شکل میں شریعت عبداللہ کو کیا سزا دیتی ہے اور خالدہ کو کیا سزا دیتی ہے، خالدہ بَری ہے یا نہیں؟

۲......عبداللہ وخالدہ کا اپنا اپنا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

۳......زنا حقوق اللہ ہے یا حقوق العباد ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......زنا کی شرعی سزا دینے کے لئے نہ یہاں شرائط موجود ہیں، نہ اتنا بیان کافی ہے(۱)۔ اگر واقعہ اسی

---

(۱) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/ ۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً وركنه وشرطه وحكمه: ۲/ ۱۴۳، رشيديه)

طرح ہے تو عبداللہ کی یہ حرکت نہایت کمینہ اور خلافِ شرع حرکت ہوئی (۱)، اس کو توبہ کرنا ضروری ہے (۲)، خالدہ سے بھی معافی مانگے اور اس کے شوہر سے بھی (۳)۔ اور ہمیشہ کے لئے ان دونوں میں پردہ کرایا جائے،

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۱۳۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وسآء سبيلاً﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يقول الله تعالىٰ ناهياً عباده عن الزنا، وعن مقاربته ومخالطة أسبابه ودواعيه: ﴿و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً﴾. (تفسير ابن كثير: ۵۵/۳، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءاً أويظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إلا من تاب و امن وعمل صالحاً، فأولئك يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ۶۰)

"و عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمى)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۰)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمى)

(۳) " وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة توبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال و إرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث .... و أما إن كانت المظالم في =

کبھی ایک جگہ دونوں تنہائی میں جمع نہ ہونے پائیں، نہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔خالدہ کا قصور بھی ہے کہ اس نے عبداللہ سے پردہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت آئی۔اور عبداللہ سے بچنے کے لئے اگر کوشش وتدبر میں کمی کی، مثلاً: اپنی ماں کو فوراً آواز نہیں دی جو کہ قریب ہی تھی تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔

۲......اس سب حرکت کے باوجود خالدہ کا نکاح اپنے شوہر سے اور عبداللہ کا نکاح اپنی بیوی سے فسخ نہیں ہوا، بلکہ بدستور باقی ہے۔

۳......جس عورت کی عزت کو خراب کیا جائے جس کی وجہ سے اس کے شوہر کی بھی عزت خراب ہوئی، ان دونوں سے معافی مانگنا ضروری ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۹ھ۔

زنا کی سزا

سوال[۶۷۵۷]: زید نے بکر پر تہمت لگا کر دوگواہ بمعہ اپنے پیش کئے، دوگواہوں کی شہادت لے کر بکر پر بکرا، یا نقد روپیہ جرمانہ بطورِ کفارہ لگا کر فیصلہ دیا۔التماس ہے کہ تہمتِ زنا کے ثبوت کے لئے دوگواہ کافی نہیں، یا شرعی طور پر مذکورہ کفارہ ہوسکتا ہے، اگر دوگواہ..........کافی نہیں تو گواہوں کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو مال تہمتِ زنا والے سے لیا گیا وہ کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہوا، ثبوتِ زنا کے لئے دوگواہ کافی نہیں، چار عینی گواہ ضروری ہیں۔اگر چار عینی گواہ موجود نہ ہوں تو تہمت لگانے والے اور گواہی دینے والوں پر دارالاسلام میں حاکمِ اسلام حدِ قذف جاری کرے گا۔اگر شرعی شہادت سے زنا کا ثبوت ہوجائے تو حاکم اسلام دارالاسلام میں حدِ زنا جاری کرے گا:

"ویثبت (الزنا) بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد بلفظ "زنا" لا مجرد لفظ الوطء والجماع، فيسألهم الإمام عنه: ما هو، كيف هو، وأين هو، ومتى زنى؟ فإن بينوه وقالوا: رأيناه

= الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم، الخ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص:۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

وطئها في فرجها كالميل في المكحلة، وعُدلوا سراً و علانيةً، حكم به، اهـ". در مختار: ۲۱۹/۲(۱)۔

"و لو شهدوا بالزنا و لكن هم عميان، أو محدودون في قذف، أو ثلاثة، أو أحدهم كذلك بعد إقامة الحد، حُدوا للقذف إن طلبه المقذوف: أي دون المشهود عليه، لعدم أهلية الشهادة فيهم، أو عدم النصاب، فلا يثبت الزنا، اهـ". درمختار و شامی: ٤٤٦/٤(۲)۔

نیز مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے خواہ وہ مال نقد روپیہ ہو یا بکرا وغیرہ کوئی جانور ہو، جو کچھ بھی لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". درمختار: ۲٦٥/۲(۳)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۸،۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۹،۸،۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود: ۵۰۷،۵۰٦/۲، شركة علميه، ملتان)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۳۳/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، الباب الثاني في الزنا: ۱۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۳۷/۵، رشيديه)

و(وكذا في النهر الفائق، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۱۴۵/۳، إمداديه ملتان)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۲،۶۱/۴، سعيد)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٦٨/٥، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعز بأخذ المال: ۶۲،۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱٦٧/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: كتاب الحدود: ۱٦٥/۳، إمداديه ملتان) .... ــ

ہمارے ملک میں حدود جاری کرنے کی شرائط متحقق نہیں اس لئے حدِ زنا یا حدِقذف کا جاری کرنا دشوار ہے(۱)، پس گواہوں کو ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے زنا کی گواہی دی، ان کے سامنے توبہ کریں اور معافی

= ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه".

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع : ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع : ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع : ۶۰/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب : ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دارالاسلام اور امام المسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان بعض اہلِ علم کے ہاں دارالاسلام بھی نہیں اور حاکم وقت مسلمان بھی نہیں: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف : ۵۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه : ۱۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته : ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود : ۱۳۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها : ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دارالحرب". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه : ۲۹/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۱۴۰/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵۱۷/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

چاہئیں۔اسی طرح تہمت لگانے والے۔کے ذمہ بھی واجب ہے توبہ کرے اور معاف کرائے (۱)۔اور فیصلہ کرنے والے کے ذمہ لازم ہے کہ جو کچھ جرمانہ لیا ہے اس کو واپس کرے (۲)۔اور یہ سب لوگ آئندہ کو ایسی گواہی، تہمت اور فیصلہ سے پختہ عہد کریں۔اور جو شخص اس توبہ کیلئے تیار نہ ہوں اس کو مناسب سزا دی جائے، مثلاً ترکِ تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرے (۳)۔اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کو بھی چاہیے کہ اپنے طرزِ عمل کو بدل دے، یعنی کسی سے اس قسم کا تعلق اور معاملہ نہ رکھے جس سے دوسروں کو بدگمانی، تہمت کا موقع ملے (۴)، اگر واقعۃً اس سے یہ فعل صادر ہوا ہے تو خدا تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ھذا۔

---

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع : أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذى قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كماسبق في حقوق الله تعالىٰ". (شرح الملا على القارى على الفقة الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) (راجع رقم الحاشية :۳)

(۳) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۷۵۹/۸، رشيديه)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه : لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر : "من سلك مسالك الظن اتُّهم". و رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهم فلا يؤمن مَن أساءَ الظن به". و روى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلايؤمَن من أساء به الظن". (كشف الخفاء، ۴۵/۱، موسسة الرسالة بيروت)

ایضاً

سوال[١٧٥٨]: حدیث شریف میں لکھا ہے کہ: اگر زنا کار مرد اور عورت سات سمندر میں غسل کرے تب بھی پاک نہیں ہوسکتا اور اس کے غسل کے چھینٹوں سے شیاطین پیدا ہوکر زنا کاری کرتے ہیں اور یہ سب زانی کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام کرکے پھر توبہ کرے تو اس کی عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟ اور اگر زنا کار کنوارہ ہے تو سو دُرّے اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے گا۔ یہ سزا تو دنیا کی ہے اور آخرت میں کیا سزا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور عبادت کو قبول کرتے ہیں اور گناہ کو معاف فرماتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچاتے ہیں (١)۔ زانی کے غسل اور اس کے چھینٹوں سے شیاطین کا پیدا ہونا، جو ہمیشہ زنا کرتے رہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں، البتہ رجم اور دُرّوں کی سزا ثابت ہے (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يعمل سوءاً أويظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ١١٠)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إلا من تاب و اٰمن وعمل صالحاً، فأولئک يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم : ٦٠)

"و عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :"التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح : باب الاستغفار والتوبة، ص: ٢٠٦، قديمی)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة﴾ الآية (سورة النور: ٢)

"عن عبدالله بن عباس رضي الله تعالى عنهما أن عمر يعني ابن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وأنزل عليه الكتاب، فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها، ورجم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجمنا من بعده. وإني خشيت أن طال بالناس الزمان أن يقول =

ایضاً

سوال[۶۷۵۹]: زنا کا کفارہ کیا ہونا چاہئے ،لڑکی اور لڑکے کو الگ الگ ادا کرنا ہوگا یا صرف لڑکے کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کی سزا بہت سخت ہے، وہ یہ کہ شادی شدہ سے اگر یہ حرکت ہوجائے تو سنگسار کردیا جائے یعنی پتھروں سے مار مار کر بالکل ختم کردیا جائے، غیر شادی شدہ اگر زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں(۱)۔ لیکن یہ سزا دینے کا ہر ایک کو اختیار نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے جو شرائط ہیں ان میں یہ بھی شرط ہے کہ بادشاہ مسلمان ہو(۲)، اس کے

= قائل: ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله، فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصناً إذا قامت البينة، أو كان حمل أو اعتراف، وأيم الله! لولا أن يقول الناس: زاد عمر في كتاب الله، لكتبتها". (سنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب في الرجم: ۲/۲۵۸، امداديه)

"و يرجم محصن في فضاء حتى يموت .... و غير المحصن يجلد مأة". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۱۰، ۱۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۱۳، ۱۴، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثالث في كيفية الحد و إقامته: ۲/۱۴۵، ۱۴۶، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۱، رقم الحاشيه: ۲)

(۲) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

حکم سے شرعی ثبوت کے بعد یہ سزادی جاسکتی ہے(۱)، اس لئے یہاں اب یہ سزانہیں دی جاسکتی (۲)۔ مالی کفارہ اس کی سزانہیں، لہذا مالی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اب توبہ واستغفار کریں اورآئندہ پورا عہد کرلیں کہ کبھی ایسا کام نہیں کریں گے، روزے رکھے، صدقہ دیں، ازخوداپنے نفس کی اصلاح کے لئے، لازمی حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً زنا کی وجہ سے حد

سوال[۶۷۶۰]: زید کے گھر میں فوج کے لباس میں دومرد داخل ہوئے، اس سے زید سمجھا کہ فوج آگئی اورگھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ان دونوں شخصوں نے اس کی عورت کے ساتھ زنا کیا۔ تو ایسی صورت میں عورت

---

(۱) "(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) ....(بـ) لفظ (الزنا، لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) .... (فيسألهم الإمام عنه: ماهو): أى عن ذاته، وهو الإيلاج، عيني. (وكيف هو، وأين هو، ومتى زنى، وبمن زنى؟) لجواز كونه مكرهاً أو بدار الحراب أو في صباه أو بأمة ابنه ....(فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها في فرجها كالميل في المكحلة) ....(وعُدّلوا سراً وعلناً) ....(حكم به) وجوباً ....(ويثبت) أيضاً (بإقراره) صريحاً صاحياً، ولم يكذبه الآخر، ولاظهر كذبه بجبه أو رتقها، و لا أقر بزناه بخرساء أوهي بأخرس لجواز إبداء ما يسقط الحد.......... (أربعاً في مجالسه): أى المقر (الأربعة، كلما أقرّ ردّه) بحيث لا يراه (و سأله كما مر) حتى عن المزنيّ بها لجواز بيانه بأمة ابنه، نهر. (فإن بينه) كما حق (حُدّ)". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۴/۷،۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود : ۵/۲۱۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحرالرائق ، كتاب الحدود : ۵/۷،۱۲ رشيديه)

(۲) "وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير : ۴/۶۱، سعيد)

(رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير :۴/۶۱،۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق ، كتاب الحدود، باب حد القذف ، فصل في التعزير : ۳/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود ، باب حد القذف ، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

پر کوئی حد آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کی طرف سے اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی، اس واسطے کہ وہ عورت مُکرہ تھی اور مُکرَہ پر حد نہیں آتی، كذا في الهداية أخيرين: ۲/۳۳۵، وفتح القدير، ص: ۳۰٦:

"بخلاف المرأة، فإنها محل الفعل ومع الخوف يتحقق التمكين منها، فلايكون التمكين دليل الطواعية، انتهى"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

جو شخص لڑکی سے زنا پر اصرار کرے اس کی ہلاکت کی تدبیر کا حکم

سوال[۶۷۶۱]: زید اپنی حقیقی لڑکی سے زنا بالجبر کرنا چاہتا ہے اور اس کی لڑکی اور اس کی بیوی دونوں اس بات کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے وہ اپنی لڑکی اور بیوی کو ہر وقت مارتا پیٹتا ہے۔ اب زید کی بیوی چونکہ اپنے بداطوار شوہر سے بالکل تنگ آچکی ہے جس کی وجہ سے چاہتی ہے کہ یہ کسی طرح مرجائے تاکہ اس قسم کی بدنامی اور گناہ کبیرہ سے نجات مل جائے۔ تو اس شوہر کو قتل کرنے کے لئے کیا اس کی بیوی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی ہلاکت کی یا اپنی ہلاکت کی کوئی تدبیر کرے، مثلاً: خفیہ طور پر زہر وغیرہ کھالینا، یا دیدینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اب اس پریشانی کی حالت میں اس کی بیوی کیا کرے؟

اگر شوہر کے کردار کی لوگوں کو اطلاع دیتی ہے تو اس کی جان کا بھی خطرہ ہے۔ اور زید کے اس اصرار کی وجہ سے اس کے ایمان میں کوئی فتور آیا یا نہیں؟

---

(۱) "لم أجد في فتح القدير، وبلفظه في العناية: كتاب الإكراه، فصل: ۹/۲۴۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في هامش الهداية، كتاب الإكراه، فصل، رقم الحاشية: ۱۸/۳/۳۴۸، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلیاً:

بیوی کو نہ خود زہر کھانے کی اجازت ہے(۱)، نہ اس کمینہ شوہر کو زہر کھلانے کی اجازت ہے(۲)، بلکہ شوہر سے لڑکی کو علیحدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ قابو نہ پاسکے، اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے خاندان میں اس کا نکاح کردیا جائے، اگر چہ والد رضامند نہ ہو۔ زید اس بے حیائی اور بدترین معصیت پر اصرار کر رہا ہے تو نہایت خطرناک حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔ اگر زید خدانخواستہ ایسی حرکت کر گزرے گا، یا لڑکی کو شہوت سے بوس و کنار کرلے تو اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تردّى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً. ومن تحسى سمًّا، فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً. ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً" متفق عليه .... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذي يخنق نفسه يخنقها في النار، والذي يطعنها يطعنها في النار". رواه البخاري". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمي)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بإحدى ثلث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمارق لدينه التارك للجماعة". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمي)

(۳) "(و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته) .... (و) أصل (ممسوسته بشهوة)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

"و من مسته امرأةٌ بشهوة، حرمت عليه أمها و بنتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان) ....=

زنا کی معافی کی صورت

سوال[۶۷۶۲]: اگرکوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کونسا ایسا کام کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سچے دل سے توبہ کرے، خداوندتعالیٰ کے سامنے روئے، معافی مانگے، آئندہ کو بچنے کا پختہ عہد کرے، انشاءاللہ تعالیٰ توبہ قبول ہوگی: ﴿و من يعمل سوءاً أويظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعیداحمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف، ۲۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

طلاق کے بعد عورت کو رکھنے کی سزا

سوال[۶۷۶۳]: اگرشوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد بلا نکاح اپنے یہاں رکھے اور عورت رہے تو شرع شریف میں ایسے مردوعورت کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جانا چاہیے؟

پیرجی مجیب الرحمٰن، معرفت سب پوسٹ ماسٹر، قصبہ جھنجھانہ، ضلع مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگرحکومتِ اسلامیہ ہواور قواعدِ شرعیہ کے موافق ان دونوں کا جماع کرنا ثابت ہوجائے تو چونکہ یہ

= "لو أيقظ زوجته أو أيقظته لجماعها فوقعت يده على بنته المشتهاة أو يدها على ابنه من غيرها، حرمت عليه زوجته حرمةً مؤبدةً، كذا في الفتح. وقيد بابنه من غيرها ليعلم ما إذاكان منها بالأولى".
(النهرالفائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۱۹۲، إمداديه ملتان)

(۱) (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿و لو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جآء وک، فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول، لَوَجدوا الله تواباً رحيماً﴾ (سورة النساء: ۶۴)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: =

زنا ہے(۱) اس لئے حدِ زنا (رجم یا جلد) جاری کی جائے (۲)۔ اگر جماع کرنا ثابت نہ ہو، ان پر تعزیر ہوگی۔ اور حکومتِ اسلامیہ نہ ہونے کی صورت میں ان سے عام مسلمین کو قطعِ تعلق کردینا چاہئے تا کہ وہ تنگ

= "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح : باب الاستغفار والتوبة،الفصل الثالث، ص:٢٠٦، قديمى)

(١)" والزنا وطء مكلفٍ ناطق طائع فى قُبل مشتهاة خال عن ملكه و شبهته فى دارالإسلام، أو تمكينه من ذلك أو تمكينها". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الحدود : ٤/٣،٥،٦، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحدود : ٦/٥، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ، الباب الثانى فى الزنا: ١٤٣/٢، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذى يوجب الحد والذى لا يوجبه: ٢٤٨/٥. مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں کوڑے لگائے جائیں گے:

قال الله تعالىٰ: ﴿الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة﴾ الآية (سورة النور: ٢)

"عن عبدالله بن عباس رضى الله تعالى عنهما أن عمر يعنى ابن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وانزل عليه الكتاب، فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها، ورجم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجمنا من بعده. وإنى خشيت أن طال بالناس الزمان أن يقول قائل: ما نجد آية الرجم فى كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله، فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصناً إذا قامت البينة، أو كان حمل أو اعتراف، وأيم الله لولا أن يقول الناس: زاد عمر فى كتاب الله، لكتبتها". (سنن أبى داؤد، كتاب الحدود، باب فى الرجم: ٢٥٨/٢، امداديه)

"و يرجم محصن فى فضاء حتى يموت .... و غير المحصن يجلد مأةً". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ٤/١٠،١٣، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحدود : ١٣/٥،١٤، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،الباب الثالث فى كيفية الحد و إقامته : ١٤٥/٢، ١٤٦، رشيديه)

آ کر توبہ کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زنا کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے

سوال[۶۷۶۴]: مسجد کی کمیٹی کے دو اَرا کین نے پہلے ہندہ کی بدچلنی اور اس کا کسی اَور سے تعلقات کا ذکر بکر سے کیا تھا (مگر بعد میں بکر سے نکاح کرنے کے لئے دو اَرا کین نے بھی جوق در جوق حصہ لیا) ہندہ کوئی کنواری بالغہ نہیں بلکہ بیوہ اور تین بچوں کی ماں ہے، جو گھر سے باہر رہ کر مزدوری کرتی ہے اس کے سب سے بڑے لڑکے کی عمر ۱۳/ اور ۱۴/ سال کے مابین ہے۔ کیا ایسی حالت میں مطابقِ شریعتِ اسلامیہ ہندہ کا بیان قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صرف کنواری بالغہ کا بیان قابلِ اعتبار سمجھا جاسکتا ہے، بیوہ کا نہیں۔ بتایئے ان اصحاب کی رائے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ اپنے حق میں زنا کا اقرار کرلے تو وہ معتبر ہوگا، لیکن بکر یا کسی اَور کے متعلق اقرار کرے تو محض اس کے اقرار سے بکر یا کسی اَور کو زانی قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک شرعی ثبوت موجود نہ ہو، كذا في البحر الرائق(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۸ھ۔

محض عورت کے بیان سے مرد کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا

سوال[۶۷۶۵]: بکر کی ہندہ سے مباشرت کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے، کیا ایسی حالت میں مذکورہ ہندہ کا بیان قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرگز نہیں، كذا في البحر الرائق(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ويثبت بشهادة أربعة بالزنا .... وبإقراره أربعاً في مجالسه الأربعة .... معطوف على "بالبينة": أي يثبت الزنا بإقراره". (البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۷-۱۰، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

کفارۂ زنا

سوال[۶۷۲۶]: رحمت ایک غیر شادی شدہ لڑکی تھی، جب وہ سنِ بلوغ کو پہونچی، ابھی اس کا شوہر بالغ نہیں ہوا تھا کہ اس کا خالد کے لڑکے بکر کے ساتھ محبت کا تعلق استوار ہوگیا اور ناجائز طور پر ایک دوسرے کا اختلاط ہونے لگا۔ جب سرپرستوں کو اس کا علم ہوا، اور اس لڑکی کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے بکر سے ملنا جلنا ترک کردیا۔ اس مذکورہ واقعہ کے دوران جب کہ خلط ملط ہوتے تو باہمی جنسی پیاس بھی بجھتی رہی۔ اب وہ لڑکا بھی شادی کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سنگسار کرنا یا دو سال کے لئے شہر بدر کرنا ممکن نہیں ہے تو کفارہ اس گناہ کا کیا ہے، کیا فقیروں کو کھانا کھلا پلادیں یا روزہ رکھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنسی ناجائز تعلق کی سزا بہت سخت ہے(۱) اور شرائط بھی سخت ہیں، مگر وہ شرائط آج کے دور میں یہاں موجود نہیں، اس لئے وہ سزا نہیں دی جاسکتی (۲)۔ روزہ یا کھانا کھلانا اس کی سزا نہیں، اب تو بس یہی ہے کہ خدا کے سامنے روکر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کریں (۳)، تطہیرِ نفس کے لئے روزہ رکھیں تو یہ بھی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة، ولاتأخذكم بهما رأفة في دين الله إن كنتم تومنون بالله واليوم الآخر، وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين﴾ (سورة النور: ۲)

(۲) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب =

مفید ہے، مگر یہ شرعی حکم نہیں، جس قدر روزے رکھیں زیادہ فائدہ ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

"أن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل عن صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم . واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تاخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمى)

(وكذا فى روح المعانى، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "يامعشر الشباب من استطاع منكم الباءة، فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷/۱، قديمى)

"فالمعنى أن الصوم يقطع الشهوة ويدفع شر المنى كالوجاء . قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ: وكان الظاهر أن يقول: فعليه بالجوع وقلة مايزيد فى الشهوة وطغيان الماء من الطعام، فعدل إلى الصوم؛ إذ ماجاء لمعنى عبادة هى برأسها مطلوبة، وليؤذن بأن المطلوب من تفسى الصوم الجوع وكسر الشهوة، وكم من صائم يمتلى معى، اهـ. ويحتمل أن يكون الصوم فيه هذا السر والنفع لهذا المرض، ولو أكل وشرب كثيراً إذا كانت فيه صحيحة، ولأن الجوع فى بعض الأوقات والشبع فى بعضها ليس كالشبع المستمر فى تقوية الجماع، والله أعلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۰۸۰): ۲۶۲/۶، رشيديه)

باب حد القذف

(حدِ قذف کا بیان)

کسی کو "حرام زادہ" کہنا

سوال[۶۷۶۷]: کسی مسلمان کو شرعاً حرام زادہ کہنا کیسا ہے اور کہنے والے پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گناہ ہے(۱)، اگر تمام شرائط متحقق ہوں تو کہنے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی:

"ولو قال: یاولد الزنا، أو قال: یا ابن الزنا!، وأمه محصنة، حُدّ، لأنه قذفها بالزنا، کذافی التمرتاشی". فتاوی ھندیة، کتاب الحدود، الباب السابع فی حد القذف والتعزیر(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/۲/۵۹ھ۔

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم من کتاب الأداب، ص: ۴۱۱، قدیمی)

"وعن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "اربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق، حتی یدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، و إذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۶۲/۲، رشیدیه) .... =

بلا ثبوت کسی کو ''زانی'' اور ''سارق'' کہنا

سوال[۶۷۶۸]: زید ایک زبردست عالم وفاضل ہے، دسیوں ادارے چلاتا ہے، ہزاروں لوگ اس کے مرید ہیں، منکرات کی مجالس میں شرکت نہیں کرتا ہے، کسی کی دعوت قبول نہیں کرتا، حلال کی کمائی کھاتا ہے۔ اب بعض لوگ بغیر کسی ثبوت کے اس کو زانی، بدکار اور چور کہتے ہیں، تو ان کہنے والوں کی شرعاً کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر شرعی ثبوت کے کسی کو زانی کہنا سخت جرم ہے جس کی سزا حدِ قذف (اسّی کوڑے) ہے(۱) اور دوسرے جھوٹے الزام لگانا بھی کبیرہ گناہ ہے(۲)، مگر حدِ قذف جاری کرنے کی شرائط یہاں موجود نہیں، اس

= (وكذا في فتح القدير للحافظ ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۳۲۲/۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل: و أما الذي يرجع إلى المقذوف به فنوعان: ۴۲/۷، سعيد)

(۱) "هو (أي القذف) لغةً الرمي، و شرعاً الرمي بالزنا، و هو من الكبائر بالإجماع .... هو (حدّ القذف) كحد الشرب كميّةً و ثبوتاً". (الدرالمختار). "(قوله: كميةً): أي قدراً، وهو ثمانون سوطاً".

(ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۸/۵، ۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۱۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب في حد القذف: ۱۵۳/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵۲۹/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾ (سورة النسآء: ۱۱۲)

لئے جاری نہیں کی جاتی (۱)۔ جس پر تہمت لگائی ہے، اس سے معافی مانگنا (۲) اور توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) "فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (ردالمحتار، کتاب الجنایات ،مبحث شریف : ۵۴۹/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود ، الباب الأول فی تفسیره شرعاً و رکنه و شرطه و حکمه : ۱۴۳/۲ ، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود ، فصل فی کیفیة الحد و إقامته : ۲۳۵/۵، ۲۳۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود : ۱۳۳/۳ ، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحدود ، فصل فی شرائط جواز إقامتها : ۲۵۰/۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وأماإذا کانت المظالم فی الأعراض کالقذف والغیبة، فیجب فی التوبة فیها مع ماقدمناه فی حقوق الله أن یخبر أصحابها بماقال من ذلک و یتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم یکن ذلک فیه، فإنه یحتاج إلی التوبة فی ثلاثة مواضع : أحدها: أن یرجع إلی القوم الذین تکلم بالبهتان عندهم، فیقول: إنی قد ذکرت عندکم بکذا وکذا، فاعلموا أنی کنت کاذباً فی ذلک. والثانی: أن یذهب إلی الذی قال علیه البهتان ویطلب الرضی عنه حتی یجعل فی حل منه. والثالث: أن یتوب کماسبق فی حقوق الله تعالی". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ :﴿و من یعمل سوء اً أویظلم نفسه، ثم یستغفر الله، یجد الله غفوراً رحیماً﴾. (سورة النساء. ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ :﴿ إلا من تاب و امن وعمل صالحاً، فأولئک یدخلون الجنة و لا یظلمون شیئاً﴾. (سورة مریم : ۶۰)

"وعن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : " إن الله یحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :"التائب من الذنب کمن لا ذنب له". (مشکاة المصابیح : باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قدیمی)

جھوٹا الزام لگانے کی سزا

سوال[۶۷۶۹] : اگر کوئی مسلمان بیجا طور پر کسی مسلمان پر جھوٹا الزام قائم کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ از روئے قرآن وحدیث بحوالہ کتب دلائل بیان فرمائیں۔

مستفتی: حکیم مولوی محمد سلیمان صاحب، رام گڑھ، ضلع گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو ضروری ہے کہ جس شخص پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس سے معافی چاہے(۱)، اگر وہ معاف کردے اور یہ آئندہ ایسی حرکت سے صدقِ دل سے توبہ کرلے تو خیر، ورنہ اس کو ترکِ تعلقات وغیرہ کی سزا دی جائے حتی کہ تنگ آکر توبہ کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

افتراء اور بہتان کی سزا

سوال[۶۷۷۰] : افتراء پرداز واتہام طراز کی شرعی کیا سزا ہے؟

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۳، رقم الحاشية: ۲)

(۲) قال الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ: "باب ما يجوز من الهجران لمن عصى". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ فيه : "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوصٌ بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية ، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري : كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأدب ، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب ، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات : ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب ، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي : ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتان کی سزا، اس کی نوعیت اور سزا دینے والوں کی قدرت کے اعتبار سے مختلف ہے، جس پر بہتان لگایا جاوے تو اس کی حیثیت کا خیال ہوتا ہے، کلی حکم علی الاطلاق دشوار ہے، جیسا کہ باب التعزیر میں ہے(۱)، اس لئے اس کا گناہ کبیرہ ہونا ظاہر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

شبہ کی بناپر تہمت لگانا

سوال[۶۷۷۱]: ایک شخص کے متعلق لوگ کہتے ہیں شبہ کی بنا پر یعنی (زنا کرنے کا) اور زنا کرتے کسی نے نہیں دیکھا اور دس آدمی شبہ کرتے ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے، اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شبہ سے اس کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے(۳) اور اس کو تہمت کی جگہ سے بچنا واجب ہے(۴)،

---

(۱) "هو (أى التعزير) تأديب دون الحد أكثر تسعة وثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار). "(قوله: أكثره تسعة وثلاثون سوطاً) .... فكأنه يرى أن مادونها لايقع به الزجر، وليس كذلك بل يختلف ذلك باختلاف الأشخاص .... فيكون مفوّضا إلى رأى القاضي يقيمه بقدر مايرى المصلحة فيه .... فلو رأى أنه ينزجر بسوط واحد، اكتفى به". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۰، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية الآتية)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ و من يكسب خطيئة أو إثماً ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾ (النساء: ۱۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرك بالله و السحر .... و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر و علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتُهم". و رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُهم فلا يؤمن مَن أساء الظن به". و روى الخطيب في المتفق =

اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زوالِ بکارت کی وجہ سے تہمت

سوال [۶۷۷۲]: زید نے نئی شادی کی باکرہ لڑکی سے، تو زید جب اول شب میں اس لڑکی کے پاس ہمبستری کے واسطے جاتا ہے تو اس کی بکارت کو زائل پاتا ہے۔ تو شریعت کی رو سے اس پر کیا گمان کرنا چاہئے، یعنی کس قدر فرج کی کشادگی محل بدگمانی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی وجہ سے اس باکرہ کو قطعی طور پر تو بدکار نہیں کہا جاسکتا (۱)۔ زوالِ بکارت کے بعد کشادگی کی

= والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلايؤمّن من أساء به الظن". (كشف الخفاء للعلامة العجلوني: ۱/۴۵، موسسة الرسالة بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الآية (سورة الحجرات: ۱۲)

قال الحافظ عماد الدين: "يقول تعالىٰ ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن و هو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثيراً منه احتياطاً". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

وقال أبو بكر الجصاص: "وأما الظن المحظور، فهو سوء الظن بالله تعالىٰ .... وكذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرُهم العدالةُ محظورٌ مزجورٌ عنه، وهو من الظن المحظور المنهيّ عنه .... عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث". فهذا من الظن المحظور و هو ظنه بالمسلم سوءاً". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۰۵، ۴۰۶، دار الكتب العربي بيروت)

مقدار کوئی متعین نہیں جس سے اس کو متہم ہی کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

بہو کو سخت لفظ کہنے پر حد

سوال[۶۷۷۳]: مسمی ایوب شاہ نے روبرو دو آدمیوں کے اپنی حقیقی بہو اور اپنے حقیقی بھتیجے کی عورت کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا کہ میں قبل ازاں ان کو نصیحت کرتا رہا کہ پردہ کیا کرو، لیکن انہوں نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا، اب میں بجائے نصیحت کے ان بہوؤں پر پیشاب کروں گا۔ تو کیا ایسے شخص پر حد واجب ہوگی، ایسے شخص کے متعلق از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے الفاظ کا استعمال کرنا سخت مذموم وناپسند ہے(۱)، آئندہ ہرگز ایسے الفاظ نہ کہیں، استغفار کریں، کوئی حد ان کو نہ لگائی جائے کہ حد واجب نہیں (۲)۔ البتہ بہوؤں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ کرنے کی تاکید کی جائے اور ان کو بھی تاکید کی جائے کہ وہ شریعت کے مطابق پردہ کا اہتمام رکھیں، بے پردگی میں بہت

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر: ۱/۵۸، قدیمي)

"عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول، ص: ۱۲، قدیمي)

"وقال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ تحت قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من لسانه": أي: بالشتم واللعن والغیبة والبهتان والنمیمة، الخ". (مرقاة المفاتیح: ۱/۱۴۳، رشیدیه)

(۲) "الحد عقوبة مقدرة وجبت حقاً لله تعالیٰ". (الدر المختار). "(قوله: مقدرة): أي مبینة بالکتاب أو السنة أو الإجماع، قهستاني. أو المراد لها قدر خاص". (رد المحتار، کتاب الحدود: ۴/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود: ۵/۳، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الحدود. ۳/۱۲۴، رشیدیه)

فتنے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۲/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اپنے ولدالحرام ہونے کا اقرار

سوال[۶۷۷۴]: ایک شخص کہتا ہے کہ میں ولدالحرام ہوں، یہ گناہ میرے اوپر ہے یا کہ میری والدہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا اس کہنے والے کو تحقیق ہے کہ وہ ولدالحرام ہے، اگر تحقیق کر چکا ہے اور والدہ نے زنا کا اقرار کر کے اس کو بتایا ہے تب تو والدہ گنہگار ہے(۲)، اگر تحقیق نہیں کیا تو کہنے والا خود گنہگار ہے کہ اپنی والدہ پر زنا کا الزام

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقل للمؤمنٰت يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن، ولا يبدين زينتهن إلا ماظهر منها، وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (سورة النور: ۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن، ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن المراة تقبل في صورة شيطان، وتدبر في صورة الشيطان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قديمي)

"وعنه (ابن مسعود) : عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة فإذا خرجت، استشرفها الشيطان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني: ۲/۲۶۹، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ:﴿ و لا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وسآء سبيلاً﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يقول الله تعالىٰ ناهياً عباده عن الزنا، وعن مقاربته ومخالطة أسبابه ودواعيه: ﴿و لا تقربوا الزنا إنه كان فاحشةً﴾. (تفسير ابن كثير: ۳/۵۵، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

لگا تا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و من يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً و إثماً مبيناً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۲)

"وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرك بالله والسحر .... و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات". متفق عليه".

(مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر و علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمي)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

گالی دینے کی سزا

سوال[۶۷۷۵]: مسمی احمد یاسین نے اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی بھانجی اور اپنے بہنوئی کو گالیاں دی ہیں جس کے گواہ موجود ہیں۔ ایسے شخص کی کیا سزا ہے تا کہ اس کو برادری شرعی سزا دے سکے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گالی دینا بہت بُری بات ہے، فسق ہے(۱)، اس کی عادت ڈالنا منافق کی علامت ہے(۲)، گالی دینے والے کو لازم ہے کہ ایسی عادت سے باز آئے، توبہ کرے، جس کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگے (۳)، آئندہ

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم من کتاب الأداب، ص: ۴۱۱، قدیمی)

(۲) "وعن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق، حتی یدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث کذب، و إذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق علیه". (مشکاة المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص:۱۷، قدیمی)

(۳) "وأما إذا کانت المظالم فی الأعراض کالقذف والغیبة، فیجب فی التوبة فیها مع ماقدمناه فی حقوق الله أن یخبر أصحابها بماقال من ذلک و یتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم یکن ذلک فیه، فإنه یحتاج إلی التوبة فی ثلاثة مواضع: أحدها: أن یرجع إلی القوم الذین تکلم بالبهتان عندهم، فیقول: إنی قد ذکرت عندکم بکذا وکذا، فاعلموا أنی کنت کاذباً فی ذلک. والثانی: أن یذهب إلی الذی قال علیه البهتان ویطلب الرضی عنه حتی یجعل فی حل منه. والثالث: أن یتوب کماسبق فی حقوق الله =

کو عہد کرے کہ آئندہ کبھی گالی نہیں دوں گا، جس کا جس قدر شریعت نے احترام لازم قرار دیا ہے، برابر احترام ملحوظ رکھے (۱)۔

بعض گالی ایسی ہیں کہ جس پر تعزیر آتی ہے (۲) جو کہ قاضی شرعی کا حق ہے کہ جتنے کوڑے مناسب سمجھے لگائے، حد کے کوڑے تک نہ پہونچے (۳)۔ بعض گالی ایسی ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے حد لازم آتی ہے (۴)

= تعالیٰ". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قدیمی)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحیح لمسلم: ۱/۴، قدیمی)

(۲) "(وعزر) الشاتم (بیا کافر، یا خبیث، یا سارق، یا فاجر، یا مخنث، یا خائن، یا لوطی، یازندیق)".
(الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۹، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۵/۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۳/۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹ إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۸، رشیدیه)

(۳)"هو (أی التعزیر) تأدیب دون الحد، أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة".(الدرالمختار).
"(قوله: أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً) لحدیث: "من بلغ حداً فی غیر حد، فهو من المعتدین". و حد الرقیق أربعون، فنقص عنه سوطاً .... (وقوله: ثلاثة): أی أقل التعزیر ثلاث جلدات، وهکذا ذکره القدوری. فکأنه یری أن ما دونها لا یقع به الزجر، ولیس کذلک، بل یختلف ذلک باختلاف الأشخاص، فلا معنی لتقدیره مع حصول المقصود بدونه، فیکون مفوّضاً إلی رأی القاضی یقیمه بقدر ما یری المصلحة فیه .... فلو رآی أنه ینزجر بسوط واحد، اکتفی به". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۰، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۳۴۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

((وکذا فی منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۹، رشیدیه)

(۴) "و یحد الحر أو العبد قاذف المسلم الحر البالغ العاقل العفیف بصریح الزنا، أو بزنأت فی الجبل، أو لست لأبیک، أو لست بابن فلان لأبیه و أمه محصنة فی غضب". (الدرالمختار، کتاب الحدود، =

جس کا حق امام اعظم سلطانِ وقت کو ہوتا ہے، اوروں کو نہیں ہوتا، اس لئے ایسی سزا اس ملک میں دشوار ہے(۱)۔
نیز اس کے لئے شرائطِ ثبوت بھی ہیں کہ بغیر ان کے تحقق کے ثبوت نہیں ہوسکتا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۵/۱/۹۵ھ۔

= باب حد القذف : ۴/۴۵، ۴۶، ۴۷، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف : ۵/۳۱۶، ۳۲۰، ۳۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير : ۲/۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دارالاسلام اور امام المسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان بعض اہل علم کے ہاں دارالاسلام نہیں اور حاکم وقت مسلمان بھی نہیں: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف : ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه : ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته : ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود : ۳/۱۳۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها : ۹/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دارالحرب". (الدرالمختار، كتاب الحدود : ۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه : ۵/۲۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۱۴۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲/۵۱۷، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) "و يثبت بإقراره مرةً واحدةً، وبشهادة رجلين، كما في سائر الحقوق .... و لا يثبت بشهادة =

گالی دینا

سوال[۶۷۷۶]: ہماری برادری میں ایک شادی غیر شرعی رسوم اور ڈھول باجوں کے ساتھ ہوئی، اب ایسے رشتہ کی وجہ سے چار بھائی: محمد بشیر، گلاب الدین، عبدالخالق، محمد صادق ولد ناصر الدین ایک دوسرے کو گالی گلوچ ماں باپ کو دیتے ہیں۔ ان میں سرفہرست ہیں: محمد صادق گالی دیتا ہے عبدالخالق کی بیوی کو اور عبدالخالق گالی دیتا ہے محمد صادق کی بیوی کو۔ گلاب الدین کی رپورٹ ہے کہ میں ان سب کا بڑا بھائی ہوں جو کہ باپ کی جگہ ہے۔ ماسٹر محمد بشیر صاحب جب کوئی بات کہتا ہے تو کہتا ہے کہ تیرے منہ میں پیشاب کروں۔ لہٰذا ایسے آدمیوں کے لئے قرآن وحدیث میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گالی دینا اور کسی کی بیوی پر بہتان لگانا خاص کر بڑے بھائی کو گالی دینا شرعاً نہایت بُرا ہے، اس کی معافی مانگنا ضروری ہے(۱)، آئندہ کو پورا پرہیز کریں۔ احادیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۲)

= النسآء مع الرجال، ولا بالشهادة على الشهادة، ولا بكتاب القاضي إلى القاضي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/۴۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۴۹، رشيديه)

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم .... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كماسبق في حقوق الله تعالىٰ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر .... الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سباب لمسلم فسوق وقتاله كفر: ۱/۵۸، قديمي)

اور یہ منافق کی علامت ہے، كذا في مسلم(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفی عنہ، چھتہ مسجد دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۴۰۶ھ۔

کسی کو شیطان کہنا

سوال[۶۷۷۷]: کسی شخص کو شیطان کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کوئی شخص شیطانی کام کرتا ہے تب بھی اس کو شیطان نہیں کہنا چاہئے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا شرعی قوانین عالمِ دین پر بھی لاگو ہیں؟

سوال[۶۷۷۸]: کیا عالمِ دین پر شرعِ اسلامی کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعِ اسلامی کے قوانین سب کے لئے ہیں، عالمِ دین مستثنیٰ نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا وعد أخلف، وإذا خاصم فجر". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان، ومن لم يتب، فأولئك هم الظّٰلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

و قال الحافظ عماد الدين رحمه الله تعالىٰ: "و قوله تعالىٰ: ﴿و لا تنابزوا بالألقاب﴾: أى لا تدعوا بالألقاب، وهي التي يسوء الشخص سماعها". (تفسير ابن كثير: ۲۱۲/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) چونکہ خطاباتِ شرع کا مکلف ہر ذی عقل ہے، لہٰذا اس میں عالم وغیر عالم سب برابر ہیں، كما قال العلامة التفتازاني: "ولايصل العبد مادام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهي، لعموم الخطابات الواردة =

بدعہدی کرنے والے کا حکم

سوال[۶۷۷۹]: ایسے شخص کے لئے شریعت نے کیا سزا تجویز فرمائی ہے جو کسی شرعی فیصلہ پر عمل کرنے کا عہد کرنے کے بعد بدعہدی کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہد کرکے اس کے خلاف کرنا بلا عذر شرعی گناہ ہے(۱)، اگر عہد میں الفاظِ یمین تھے تو قسم کا کفارہ بھی ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وطی بہیمہ

سوال[۶۷۸۰]: زید نے حیوان سے ارتکاب زنا کیا اور حدیث شریف میں وارد ہے: "من أتی

= في التكاليف، وإجماع المجتهدين على ذلك". (شرح العقائد النسفية، ص:۱۶۶، مبحث: لا يبلغ ولي درجة الأنبياء، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۵۹/۴، مطلب في معنى درويش درويشان، سعيد)

(وكذا في النبراس، اختلفوا أن نبوة النبي أفضل أم ولاية ولي، ص:۵۶۲)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و أوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ الآية (سورة الإسراء: ۳۴)

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لاعهد له". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص:۱۵، قديمي)

(۲) "وحكم اليمين بالله تعالىٰ عند الحنث وجوب الكفارة". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الأيمان: ۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسير ها شرعاً و ركنها، الخ: ۵۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأيمان: ۷۰۸/۳ سعيد)

البهیمة فاقتلوه واقتلوا البهیمة"(۱)۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حیوان موطوءہ سے انتفاع وغیرہ حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اور زید سے بحکم شرع شریف کیا معاملہ کیا جاوے گا؟ تمام شقوں کو مبرہن بحوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔ اور معنی حدیث موصوف بھی واضح کیا جاوے اور حیوان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولایُحد بوطی بهیمة بل یعزر، وتذبح، ثم تحرق، ویکره الانتفاع بها حیةً ومیتةً، مجتبی. وفی النهر: الظاهر أنه یطالب ندباً لقولهم: تضمن بالقیمة، اهـ". در مختار(۲)۔

"وما روی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أنه أُتِیَ برجل وقع فی بهیمة، فعزر الرجل وأمر البهیمة فأحرقت، کان لقطع التحدث به؛ لأنه ما دامت باقیةً یتحدث الناس به، فیحرقه بالنار بذلك، لا لأن الإحراق واجب. ثم إن کانت الدابة مما لا یوکل لحمها، تذبح وتحرق، لماذکرنا. وإن کانت مما یوکل لحمها تذبح و توکل عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، و قالا: تحرق هذه أیضاً. هذا إن کانت البهیمة للفاعل، وإن کانت لغیره، یطالب صاحبها أن یدفعها إلیه بقیمتها، ثم تذبح، هکذا ذکروا، ولا یعرف ذلك إلا سماعاً، فیعمل علیه، اهـ". زیلعی(۳)۔

---

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الحدود، باب من أتی البهیمة: ۳۶۵/۲، امدادیه)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۲۶/۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۲۸/۵ رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۲۶۵/۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(۳) (تبیین الحقائق، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۵۸۰/۳، دارالکتب بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه: ۱۴۰/۳، رشیدیه) .... =

"قال الإتقاني: وقال شمس الأئمة السرخسي: الإحراق جائز و ليس بواجب، فإن كانت الدابة مما يوكل لحمها، تذبح وتوكل ولا تحرق بالنار على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: تحرق بالنار، اهـ". شلبي(۱)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ زید پر حدِ زنا تو واجب نہیں، البتہ مستحقِ تعزیر ہے، حیوانِ مذکور اگر ماکول اللحم ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ذبح کرنا اور کھانا شرعاً درست ہے۔ اگر غیر ماکول اللحم ہے اور وہ خود زید کا ہے تو زید کو چاہئے کہ اس کو ذبح کر کے جلا دے، لیکن یہ جلانا واجب نہیں بلکہ جائز یا مستحب ہے، جس کی بعض مصالح زیلعی سے منقول ہوئیں۔ اگر زید کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے تو اس سے قیمت لے کر جلا دے اور اس مالک پر جبر کرنا درست نہیں، بلکہ مالک کو مستحب ہے کہ زید کو دیدے۔

حدیث مذکور کی شرح میں لکھا ہے:

"قيل: إنما أمر بقتلها لئلا يتولد منه حيوان على صورة إنسان أو إنسان على صورة حيوان. وقيل: كراهية أن يلحق صاحبها خزى في إبقائها. وقيل: يقتل و يحرق. وذهب الأئمة الأربعة أن من أتى بهيمةً، يعزر و لا يقتل، والحديث محمول على الزجر والتشديد، اهـ". بذل المجهود شرح أبي داؤد شريف: ۱۵۳/۵(۲)۔

"قال صاحب العناية: وماروى أن "من أتى بهيمةً فاقتلوه" شاذٌ، و لو ثبت فتأويله: مستحل ذلك الفعل. وقال ابن الهمام بعد الكلام على تضعيف الحديث: وضعّفه أبو داؤد بطريق اخر، وهو أنه روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما موقوفاً عليه: "ليس على الذي

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق لابن نجيم، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲۸/۵ رشيديه)

(۱) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۸۰/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الحدود، باب فيمن أتى بهيمة: ۱۵۳/۵، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

أتی البهیمة حد" وهوالذی روی عنه الرفع عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقتلها، ومحال أن یرفع عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم القتل ثم یخالفه. وکذا أخرجه الترمذی، والنسائی، وقال الترمذی: هذا أصح من الأول". الکوکب الدری: ۱/۴۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

بیوی سے وطی فی الدبر کی سزا

سوال[۶۷۸۱]: ایک شخص نے اپنی منکوحہ بالغہ اور زوجہ کی بہن نابالغہ سے اغلام کا قبیح گناہ کیا، تو اس کی سزا کیا ہے (لیکن قانون سرکاری کی رو سے باہر ہو) نکاح بھی ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اس گندے فعل کے کرنے اور تائب ہونے کے دو سال بعد یہ نکاح کس طرح سے ہوسکتا ہے؟ دوسرے مرد سے نکاح ہوسکتا ہے یا اسی شوہر سے نکاح درست ہے؟ ایسی صورت میں طلاق کا حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں، آیا طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ شوہر، زوجہ، سالی، تینوں سزا کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور تائب ہونے کی صورت میں سزائے عقبیٰ سے محفوظ رہنے کی کیا سبیل ہے؟

احقر محمد ایوب خان افغانی، مورخہ ۱۲/ جنوری/ ۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کی سزا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک "امام" یعنی حاکمِ وقت کی رائے پر ہے کہ خواہ اس کو حبسِ دوام کی سزا دیوے، خواہ کوڑے لگائے، خواہ کسی بلند جگہ سے گرا کر اس پر پتھر مارے، خواہ اس کے اوپر دیوار گرادے، خواہ اس کو آگ میں جلادے۔ اور اگر یہ فعل اس کی عادت بن گیا ہو تو اس کو قتل کر ڈالے۔ نابالغہ پر سزا کچھ نہیں، البتہ ایسے فعل سے بچنا ضروری ہے۔ اور زوجہ نے اگر خوشی سے یہ فعل کرایا ہے، یا باوجود قدرت

(۱) (الکوکب الدری، باب المرأة استکرهت علی الزنا: ۲/۳۸۵، إدارة القرآن کراچی)

کے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اگر اس کے ساتھ جبراً ایسا کیا گیا ہے تو پھر اس کے لئے یہ سزا نہیں۔

اس سے نکاح نہیں ٹوٹا، بلکہ بدستور باقی ہے، اگر طلاق دیدے گا تو بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح درست ہوگا، ورنہ دوسرے سے نکاح درست نہیں (۱)۔ صدقِ دل سے توبہ کر لینے کے بعد سزائے عقبیٰ سے محفوظ رہنے کی توقع ہے (۲)۔

"(لا يحد) بوطء دبر، قالا: إن فعل في الأجانب حُدّ، وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حدّ إجماعاً، بل يعزر. قال: في الدرر بنحو الإحراق بالنار و هدم الجدار أو التنكيس من محل مرتفع بإتباع الأحجار. وفي الحاوي: والجلد أصح. وفي الفتح: يعزر و يسجن حتى يموت أو يتوب. ولو اعتاد اللواطة، قتله الإمام سياسةً. قلت: و في النهر معزياً للبحر: التقييد بالإمام يفهم أن القاضي ليس له الحكم بالسياسة". درمختار، ص: ۲٤۰ (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهٰتكم .... والمحصنٰت من النساء﴾ الآية (النساء: ۲۳، ۲۴)

"لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و من يعمل سوءً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إلا من تاب و امن وعمل صالحاً، فأولئك يدخلون الجنة و لا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ۶۰)

"و عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: " إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" .... وقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۴/۲۶، ۲۷، سعيد) =

یہ سزا شرعی قانون کی رو سے ہے، اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اس سزا کو جاری نہ کیا جا سکتا ہو تو پھر ایسے شخص سے تعلقات ترک کئے جائیں تا کہ وہ تنگ آ کر توبہ کرلے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۰/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/شوال/۵۳ھ۔

بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی عضو کو معطل کر دینا

سوال[۶۷۸۲]: ایک شریف خاندان کی لڑکی آوارہ اور سخت بدچلن ہوگئی ہے، بہر چند روک تھام کی جاتی ہے، مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کسی دوا سے یا کسی عمل سے لڑکی مذکورہ کے جسم کے کسی حصہ کو بے حس وحرکت بنا دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے جس سے صاف طور پر مطلب حل نہیں ہوتا، اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کر دیا جائے یا قطع کر دیا جائے تا کہ اس کی بدچلنی موقوف ہو جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، حضور اکرم صلی اللہ

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲۶۲/۵، ۲۶۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۱۳۹/۳، ۱۴۰، إمداديه ملتان)

(۱) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد الرياض)

تعالیٰ علیہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی: "وأما خصاء الآدمی فحرام، اھـ". درمختار: ۲۷۵/۵(۱)۔

"عن أبی هريرة قال: قلت: يا رسول الله! -صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- إنی رجل شاب، وأنا أخاف علی نفسی العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء -كأنه يستأذنه فی اختصاء- قال: فسكت عنی، ثم قلت: مثل ذلك، فسكت عنی، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "يا أبا هريرة! جف القلم بم أنت لاق، فاختص علی ذلك أو ذر". رواه البخاری، اهـ". مشكوة، ص: ۲۰(۲)۔

"قوله: "فاختص علی ذلك أو ذر" ليس هذا إذناً فی اختصاء بل توبيخٌ و لومٌ علی الاستيذان فی قطع عضو بلافائدة، اهـ". مرقاة حاشية مشكوة، ص: ۲۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سزا

سوال[۶۷۸۳]: ہم لوگ کریشر میں کام کرنے گئے تھے۔ایک روز چند مسلمانوں اور غیر مسلموں نے مل کر کھانا کھایا، میں نے پہلے کھایا۔بعد میں سب نے کہا کہ یہ تو چماروں کا کھانا تھا۔میری برادری نے حقہ

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۳۸۸/۶، سعيد)

"ويكره الخصاء فی بنی ادم". (فتاویٰ قاضی خان، كتاب الكراهية، فصل فی الختان: ۴۰۹/۳، رشيديه)

"ويكره استخدام الخصيان؛ لأن الرغبة فی استخدامهم حث الناس علی هذا الصنيع، وهو مثلةٌ محرم". (الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة: ۴۷۲/۴، إمداديه ملتان)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية، كتاب الكراهية، التاسع فی المتفرقات: ۳۷۱/۶، رشيديه)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ص: ۲۰، قديمی)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، (رقم الحديث: ۸۸): ۲۷۸/۱، رشيديه)

پانی بند کردیا ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ چمار ہیں۔ میرا ایمان باقی رہا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غلطی سے ناواقفیت کی بنا پر اگر خدانخواستہ ناپاک یا مردہ کھالے تب بھی ایمان ضائع نہیں ہوتا ہے(۱) ہاں معلوم ہونے پر توبہ استغفار کرے(۲)۔ اگر ناپاک یا مُردار نہیں تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ برادری کو چاہیے کہ حقہ پانی بند نہ کرے بلکہ بلا کراہت اپنے ساتھ رکھے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) زوالِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ کسی منافیٔ ایمان کام یا لفظ کا قصداً وارادۃً صدور ہوجائے، جب تک کسی ایسے کام کا صدور نہ ہو اس وقت تک ایمان کے سلب ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، خصوصاً لاعلمی کی صورت میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا:

"وفي جامع الفصولين: روى الطحاوي عن أصحابنا: لايخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه. ثم ماتيقن أنه ردة، يحكم بها، وما يشك أنه ردة لايحكم بها؛ إذ الإسلام الثابت لايزول بشك مع أن الإسلام يعلو .... وفي الفتاویٰ الصغرىٰ: الكفر شيئ عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت روايةً أنه لايكفر". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، ۲۱۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"أن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، و أنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸) : ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تطرد الذين يدعون ربّهم بالغداة والعشي يريدون وجهه، ماعليك من حسابهم من شيئ﴾ (سورة الأنعام: ۵۲)

"عن أبي أيوب الانصاري قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه".=

اغوا کرنیوالے کی سزا برادری سے ترک تعلق

سوال[۶۷۸۴]: **الاستفتاء**: شکر اللہ کی بیوی کو ممتاز علی درزی نے بھگالیا، کچھ دن ادہر ادہر بھاگا پھرا۔ جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو شکر اللہ نے زوجہ کو طلاق دیدی، عدت کے بعد ممتاز علی نے اس عورت سے اپنا نکاح پڑھوالیا۔ اب جولاہے کے چودھری نے گاؤں کے تمام مسلمانوں کو منع کردیا کہ تمام درزیوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، سلام دعا تک بند کرادی۔ صحیح راستہ پر کون ہے اور میں کس کے ساتھ رہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے کی عورت کو بھگالیجانا اور عورت کا غیر مرد کے ساتھ بھاگ جانا عقلاً وعرفاً سخت معیوب اور شرعاً سخت گناہ اور معصیت ہے(۱)۔ شکر اللہ نے اس کو طلاق دیدی، اچھا کیا(۲)، بعد عدت ممتاز علی درزی نے اس سے نکاح کرلیا تو وہ جائز ہوگیا(۳)۔ اب جولاہوں کے چودھری کا حکم کہ درزی لوگوں سے کوئی بات چیت نہ

= (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۴۲۷/۲، قديمى)

(۱) "لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا يخلونّ رجل بامرأة ليس منها سبيل، فإن ثالثهما الشيطان" والمراد إذا لم تكن محرماً". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل فى النظر واللمس: ۳۵۶/۸، رشيديه)

" الخلوة بالأجنبية حرام ". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر واللمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۲) "وإيقاعه مباح .... بل يستحب لو مؤذية". (الدرالمختار). "(قوله: مؤذيةً) أطلقه فشمل المؤذية له أولغيره بقولها او بفعلها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، قبيل مطلب: طلاق الدور: ۲۲۷/۳-۲۲۹، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۴۱۴/۳، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۳۱۰/۲، إمداديه ملتان)

(۳) "ولايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثامن فى بيان مايجوز من الأنكحة ومالايجوز: ۸/۳، قديمى)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴۸۴/۲، إمداديه ملتان) .... =

کرے، غلط ہے، تمام درزیوں کی کیا خطا ہے، جس نے ناجائز کام کیا اس کی خطا تھی، اس سے تعلقات ترک کرنے کا حکم نہیں دیا، جب اس نے شریعت کے موافق نکاح پڑھالیا تب حکم دیا، وہ بھی سب سے ترکِ تعلقات کا۔ اس لئے یہ حکم غلط ہے، چودھری کو چاہئے کہ اپنا یہ حکم واپس لے لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں سے تعلق رکھنے پر ترکِ تعلق کی سزا

سوال[۶۷۸۵]: ایسے مسلمانوں کے ساتھ جو غیر مسلموں کے ہر ایک کام میں حصہ لیتے ہیں یا حصہ لے رہے ہیں، کیا ان کے ساتھ ترکِ تعلقات کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خوش ہو کر حصہ لیتے ہیں تو ان کو سمجھایا جائے کہ کتنی خطرناک بات ہے، مگر ہر شخص خود سمجھانے

= (وكذا في البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۹، رشيديه)

(۱) چونکہ ترکِ تعلق اس شخص سے کیا جاتا ہے جو کہ شرعاً مجرم ہو، لیکن یہاں سب لوگ مجرم نہیں، لہٰذا سب سے ترکِ تعلق درست نہیں:

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبة الرشد الرياض)

کا ارادہ نہ کرے بلکہ کسی بزرگ یا عالم کے ذریعہ فہمائش کرادی جائے۔آج کل عموماً ترکِ تعلقات سے اصلاح نہیں ہوتی نہ اس کا نباہ ہوتا ہے، بلکہ آہستہ آہستہ لوگ ملنا شروع کردیتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ترکِ تعلق کرنے والوں ہی سے لوگ کٹ جاتے ہیں، ہاں! اگر کسی جگہ اصلاح مظنون ہو تو ترکِ تعلق کی اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

بیوی کو خطا پر سزا دینا

سوال[۶۷۸۶]: اپنی بیوی کو کس کس کام کے لئے مارنا جائز ہے اور کس جگہ جائز ہے اور کس جگہ ناجائز ہے؟ اگر مارے تو شریعت شریف میں کیا حکم ہے؟ مرد اپنی بیوی سے کیا کیا خدمت لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ زوجہ اپنے شوہر کی بے حرمتی کرے، یا کسی اجنبی کے سامنے چہرہ کھولے اور اس سے ہنسی مذاق کرے، یا چھوٹے بچے کو رونے کی وجہ سے مارے، یا شوہر کے حقوق میں حکم عدولی کرے، یا کوئی ایسا گناہ کرے جس پر شرعاً حد مقرر نہیں ہے، تو ان سب صورتوں میں مارنا جائز ہے، اور جب شوہر ناحق مارے گا تو گنہگار ہوگا، والبسط فی البحر(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۲۴، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ویلحق بذلک مالو ضربت ولدها الصغیر عند بکائه أو ضربت جاریة زوجها غیرةً و لا تتعظ بوعظه، فله ضربها، کذا في القنیة . و ینبغي أن یلحق به ما إذا ضربت الولد الذی لا یعقل عند بکائه؛ لأن ضرب الدابة إذا کان ممنوعاً، فهذا أولی. ومنه ما إذا شتمته، أو مزّقت ثیابه، أو أخذت لحیته، أو قالت له: یاحمار، یا أبله، أو لعنته ، سواء شتمها أو لا علی قول العامة. ومنه ما إذا شتمت أجنبیاً. و منه إذا کشفت وجهها لغیر محرم، أو کلمت أجنبیاً، أو تکلمت عامداً مع الزوج، أو شاغبت معه لیسمع صوتها الأجنبيُّ .... و منه ما إذا ادّعت علیه .... و المعنی الجامع للکل أنها إذا ارتکبت معصیةً لیس =

شوہر کو حقِ تعزیر

سوال[۶۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے بہشتی زیور میں بچہ کو دودھ پلانا عورت پر واجب کہتے ہیں اور عورت کے انکار پر مرد کو جبر کرنے کا حکم نہیں تو اس لئے جب واجب پر جبر کرنے کا حکم نہیں؟ تو نماز، روزہ فرض ہے اس پر عمل کرانے میں کیا حکم ہے اور عورت کہنے سے عمل نہ کرے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں عبارتیں بحوالہ حصہ وصفحہ تحریر کریں۔ نماز، روزہ اگر ترک کرے تو مرد کو حق ہے کہ اس کو مناسب سزا دے، ایسے ہی ہر معصیت پر جس میں کہ حد مقرر نہیں، کذا في البحر الرائق: ۵/۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بچوں کو تادیباً مارنا

سوال[۶۷۸۸]: بچوں کو جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو مارتے بھی ہیں، مرغا بناتے ہیں تو اس

= فيها حدٌّ مقدر، فإن للزوج أن يعزرها، اهـ .... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حدّ القذف، فصل في التعزير: ۵/۸۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، ۴/۷۷، ۷۸، ۷۹، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۷۲، ۱۷۳، رشيديه)

(۱) "و ظهر به أيضاً أن له ضربها في أربعة مواضع، لكن وقع الاختلاف في جواز ضربها على ترك الصلاة، فذكر هنا تبعاً لكثير أنه يجوز .... إذا ارتكبت معصيةً ليس فيها حدّ مقدر، فإن للزوج أن يعزرها، اهـ .... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۸۲، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، ۴/ ۷۸، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۷۲، رشيديه)

"و يجب في جناية ليست موجبة للحد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

میں کس قدر گنجائش ہے اور اگر کسی کو مارا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بے خطا ہے تو کیا صورت تلافی کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں کے اولیاء کی اجازت سے بضرورتِ تعلیم مارنا، سزا دینا شرعاً درست ہے، مگر بچوں کے تحمل سے زائد نہیں، ایک دفعہ میں تین ضربات سے زیادہ نہ مارے، لکڑی وغیرہ سے نہ مارے، کذا فی ردالمحتار: ۴۴۵/۵، قبیل إحیاء الموات(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

بچوں کو سزا دینے کی حد

سوال[۶۷۸۹]: اساتذہ تلامذہ کو لکڑی سے مارتے ہیں اور بعض حضرات تو بڑی بے رحمی سے مارتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں، شرعی حکم کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(هی فرض عین علی کل مكلف ....) وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة بحديث: "مروا أولادكم بالصلوة و هم أبناء سبع، و اضربوهم عليها و هم أبناء عشر، اهـ". درمختار۔ قال الشامی فی (قوله: بيد): "أی و لا يجاوز الثلاث، و كذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه السلام لمرداس المعلم: "إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت

---

(۱) "أما المعلم فله ضربه؛ لأن المأمور يضربه نيابةً عن الأب لمصلحته، والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك أبيه لمصلحة التعليم .... والنقل فی كتاب الصلاة يضرب الصغير باليد لا بالخشبة، و لا يزيد على ثلاث ضربات". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۶/۴۳۰، سعيد)

قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالىٰ: "يجوز للمعلم أن يضربه ياذن أبيه نحو ثلاث ضربات ضرباً و سطاً سليماً .... لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد فی جناية صادرة عن المكلف و لا جناية عن الصغير". (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الصلاة، ۱/۱۷۰، دار المعرفة بيروت)

فوق الثلاث، اقتص الله منك، اهـ". وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلوة أيضاً. (قوله: لا بخشبة): أي عصا. و مقتضىٰ (قوله: بيد) أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها و من السوط، أفاده ط. (قوله: لحديث، الخ) استدلالٌ على الضرب المطلق، و أما كونه لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف، اهـ". ردالمحتار: ۱/۲۳۵(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے امرِ مسئول کا حکم بالتفصیل معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بچوں کو سزا دینے کی حد

سوال[۶۷۹۰]: تعلیم وتربیت دونوں کے لئے بسا اوقات تضریب کی ضرورت پڑتی ہے، تو کیا اس پر عنداللہ مواخذہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بقدرِ ضرورت ایک دو تین چپت تحمل کے موافق گردن اور کمر پر مارنے کی گنجائش ہے، لکڑی یا کوڑے یا جوتے وغیرہ سے اجازت نہیں، حق سے زائد مارنے پر یہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۲/۲۶ھ۔

استاد شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے؟

سوال[۶۷۹۱]: استاذ اپنے شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے، کیا شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر کی ہے؟ ایک مولوی صاحب فرمارہے تھے کہ استاذ اپنے شاگرد کو تین چھڑی سے زائد نہیں مار سکتا، اگر مارا تو یہ ظلم ہوگا۔ احقر کہتا ہے کہ اگر طالب علم تین چھڑی کھانے کے باوجود سبق یاد نہ کرتا ہو، شرارت سے باز نہ آتا ہو تو اس صورت

---

(۱) (رد المحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

(وأيضاً راجع باب التعزير، كتاب الحدود: ۶/۳۰، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة: ۱/۷۰۱، دار المعرفة بيروت)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

میں استاذ اگر اپنے شاگرد کو نیک نیتی سے اور اس کی خیر خواہی کی خاطر اور اس کی اصلاح کی خاطر اور اس کو سبق یاد ہونے کی خاطر اور طالب علم اپنی شرارت سے باز آنے کی خاطر اپنے شاگرد کو تین چھڑی سے زائد مارے تو کیا یہ جور وظلم ہوگا اور عنداللہ ظالم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹے بچوں کو بغیر چھڑی وغیرہ کے صرف ہاتھ سے وہ بھی ان کے تحمل کے موافق تین چپت تک مار سکتا ہے، وہ بھی سر اور چہرہ کو چھوڑ کر یعنی گردن اور کمر پر، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، ورنہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے۔ بچوں پر نرمی اور شفقت کی جائے۔ اب پٹنے کا دور تقریباً ختم ہوگیا، اس کے اثرات اچھے نہیں ہوتے۔ بچے بے حیا اور نڈر ہو جاتے ہیں، مار کھانے کے عادی ہو کر یاد نہیں کرتے، بلکہ اکثر تو پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس سلسلہ میں حدیث بھی نقل کی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) "(هی فرض عین علی کل مکلف ....) وإن وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة بحدیث: "مروا أولادکم بالصلوة و هم أبناء سبع، و اضربوهم علیها و هم أبناء عشر، اهـ". (درمختار). قال الشامی فی (قوله: بید): "أی و لا یجاوز الثلاث، و کذلک المعلم لیس له أن یجاوزها، قال علیه السلام لمرداس المعلم: "إیاک أن تضرب فوق الثلاث، فإنک إذا ضربت فوق الثلاث، اقتص الله منک، اهـ". و ظاهره أنه لا یضرب بالعصا فی غیر الصلوة أیضاً. (قوله: لا بخشبة): أی عصا. و مقتضیٰ (قوله: بید) أن یراد بالخشبة ما هو الأعم منها و من السوط، أفاده ط. (قوله: لحدیث، الخ) استدلالٌ علی الضرب المطلق، و أما کونه لابخشبة، فلأن الضرب بها ورد فی جنایة المکلف، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، کتاب الصلوة، سعید)

(وأیضاً راجع باب التعزیر، کتاب الحدود: ۶/۳۰۴، فصل فی البیع، قبیل کتاب إحیاء الموات، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة: ۱/۱۷۰، دار المعرفة بیروت)

شرک وبدعت کی سزا

سوال[۶۷۹۲]: جان بوجھ کرشرک وبدعت کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جوابات مع حوالہ اقوال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سند ونص صریح سے عنایت فرمائیں۔ نیز کسی کے منع کرنے پر جواب دیتے ہیں کہ بُرا ضرور ہے، منع ہے، مگر باپ دادا کے وقت سے ہوتا آتا ہے، کیسے چھوڑا جائے، چھوڑنے پر لوگ ندامت بنائیں گے اور باپ دادا کا نام مٹ جائے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شرک سب سے بڑا گناہ ہے(۱)، اس کی عدمِ مغفرت کی قرآن کریم میں وعید ہے(۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور کوئی مسلمان شرک یا کفر کرے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہوجائے اور توبہ نہ کرے بلکہ اپنے ارتداد پر باوجودِ فہمائش کے جمارہے تو حکومتِ اسلامی اس کو قتل کرادے گی۔ اور بدعت اگر شرک وکفر تک نہ پہونچی ہوتو اس کے مرتکب کو تعزیر کرے گی۔ اب جب کہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ دشوار ہے تو مشرک سے بالکل تعلق قطع کردیا جائے، رشتہ داری، سلام کلام، میل جول، سب کچھ اس سے ترک کردیا جائے،

لقوله تعالیٰ: ﴿فأعرض عمن تولى عن ذكرنا﴾ الآية(۳)۔

ولقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة، وقد كفروا بما جاء كم من الحق﴾. الآية(٤)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الشرك لظلم عظيم﴾ الآية (سورة لقمٰن: ۱۳)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال:" الشرك بالله، الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر و علامات النفاق، ص:۱۷، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشآء﴾ (النسآء: ۴۸)

(۳) (سورة النجم: ۲۹)

(۴) (سورة الممتحنة: ۱)

"عن الحسن رحمه الله تعالىٰ: لاتجالس صاحب هوى فيقذف في قلبك ماتتبعه عليه =

حدیث شریف میں آتا ہے: "من بدّل دینه، فاقتلوه". رواه البخاری(۱)۔

بحرالرائق میں ہے:"یعرض الإسلام علی المرتد، وتکشف شبهته، ویحبس ثلثة أیام، فإن أسلم، وإلاقتل"، بحر: ۱۲۵/۵(۲)۔ "وکل مرتکب معصیة لاحد فیها، فیها التعزیر". درمختار: ۲۸۱/۳(۳)۔

اور بدعتی سے بھی قطع تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف عفااللہ عنہ، مدرسہ مظاہرعلوم، ۱۱/ جمادی الاولیٰ/۵۴ھ، سعیداحمد غفرلہ۔

= فتهلک، أو تخالفه فیمرض قلبک .... عن أبی قلابة، لاتجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإنی لا آمن أن یغمسوکم فی ضلالتهم .... ما ابتدع رجل بدعةً إلا استحل السیف .... وعن إبراهیم: لاتکلموهم، إنی أخاف أن ترتد قلوبکم. ....وعن یحیی بن أبی کثیر قال: إذا لقیت صاحب بدعة فی طریق، فخذ فی طریق آخر". (الاعتصام للشاطبی، باب فی ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، ۶۶، دارالمعرفة، بیروت)

(۱) (صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین، باب حکم المرتد والمرتدة: ۱۰۲۳/۲، قدیمی)

(۲) (البحرالرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۲۱۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۵/۴، ۲۲۶، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین: ۲۵۳/۲، رشیدیه)

(۳) (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۷۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(۴) "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، ولایجوز فوق ذلک، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله، فیجوز فوق ذلک ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشیدیه) .... =

انتقام کی صورت

سوال[۶۷۹۳]: بدلہ لینا بموجبِ تفسیر بیان القرآن محض زبانی الفاظ سے ہے(۱)، یا دستی زدوکوب سے بھی جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظالم نے زبان سے کچھ کہا تو اس کا انتقام زبان سے درست ہے بشرطیکہ وہ لفظ کہنا حرام نہ ہو، مثلاً ایک نے ماں باپ کی گالی دی اور زانی کہا تو اس کے عوض میں اس کے ماں باپ کو زانی کہنا درست نہیں، اگر اس نے کاذب کہا اور واقع میں وہ کاذب نہیں ہیں تو عوض میں اس کو بھی کاذب کہنا درست نہیں (۲)۔ اگر ہاتھ سے ظلم کیا ہے تو اس کو بھی اسی طرح اسی قدر ہاتھ سے بھی انتقام درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

= (وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۶۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد الرياض)

(۱) (بيان القرآن، تحت قوله تعالىٰ: ﴿وجزاء سيئة﴾ الخ، سورة الشورى: ۲۲/۲۵، مركز اشرف العلوم ديوبند)

(۲) قال العلامة القرطبي رحمه الله تحت قوله تعالىٰ: ﴿وجزاء سيئةٍ سيئةٌ مثلها﴾: هذا في المجروح ينتقم من الجارح بالقصاص دون غيره من سب أو شتم .... وإذا قال: أخزاه الله أو لعنه الله أن يقول مثله، ولا يقابل القذف بقذف ولا الكذب بكذب .... وسمى الجزاء سيئةً؛ لأنه في مقابلتها، فالأول ساء هذا في مال أو بدن، وهذا الاقتصاص يسوء ه بمثل ذلک أيضاً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۲۸/۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(والبسط في التفسير المظهري: ۳۹۲/۸، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وبيان القرآن: ۲۲/۲۵، مركز اشرف العلوم ديوبند)

(۳) "والمعنى أنه يجب إذا قوبلت الإساءة أن تقابل بمثلها من غير زيادة". (تفسير المدارک: ۵۱۴/۲، قديمي) =

انتقام کی صورت

سوال[۶۷۹۴]: وہ کون سا گناہ ہے جو برابر کا بدلہ لیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مثلاً کسی نے آپ کا ایک روپیہ چھین لیا تو آپ بھی اس کا کسی طرح ایک روپیہ وصول کر لیجئے اگر چہ اس میں تعریضاً کذب کی نوبت آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲/۲/۶۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (راجع للبسط التفسير الخازن: ۱۰۵/۴، حافظ کتب خانه)

(والتفسير المظهری: ۳۲۹/۸، حافظ کتب خانه)

(۱) "استدل الشافعي رحمه الله بحديث الباب على مذهبه في أن الدائن إن ظفر بشئ من مال المديون المماطل، جاز له استيفاء دينه من ذلك المال، سواء كان المال من جنس حقه، أو غيره .... غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسئلة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأقضية، باب قضية هند: ۵۷۸/۲، دار العلوم كراچی)

"وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس للمجانسة في المالية". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس): أى من النقود أو العروض؛ لأن النقود يجوز أخذها عندنا على ماقررناه آنفاً.

وقال القهستاني: وفيه إيماء إلى أن له أن يأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة في المالية، وهذا أوسع، فيجوز الأخذ به وإن لم يكن مذهبنا، فإن الإنسان يعذر في العمل به عند الضرورة كما في الزاهدي .... والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان لاسيماً في ديارنا لمداومتهم للعقوق".

عفاء على هذا الزمان فإنه زمان عقوق لازمان حقوق

وكل رفيق فيه غير مرافق وكل صديق فيه غير صدوق

(رد المحتار كتاب الحدود، مطلب: يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة: ۹۵/۴، سعيد)

(والجامع لأحكام القرآن للقرطبي رحمه الله: ۲۷/۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

فصل فی التعزیر بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

گناہ پر مالی جرمانہ

سوال[۶۷۹۵]: اگر کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ یا صغیرہ صادر ہوجائے تو توبہ شرعی کے بجائے تاوان یا جرمانہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جرمانہ شریعت کے اندر ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح احادیثِ نبویہ وقدسیہ وکتبِ فتاوی سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے اندر جرمانہ نہیں، بلکہ گناہ کی جزا صرف توبہ اور قصاص کے بدلہ قصاص ہے۔ اور اگر کسی کو توبہ کے بجائے جرمانہ عائد کیا جائے، مثلاً: کسی نے زنا کیا، یا نماز وغیرہ کو ترک کردیا تو ایسے فاسق آدمی پر جرمانہ عائد کیا جائے، بدونِ توبہ شرعی کے تو اس جرمانہ کے روپیہ کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تعزیر اپنے ماتحت پر گناہوں کی وجہ سے حسبِ حال کی جاسکتی ہے(۱)۔ مالی جرمانہ درست نہیں، ابتدا میں مالی جرمانہ تھا، پھر منسوخ ہوگیا:

---

(۱) "(و) التعزير (ليس فيه تقدير بل هو مفوض إلى رأى القاضي)؛ لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فيه مختلفة .... و كل مرتكب معصية لا حدّ فيها، فيها التعزير .... (يعزر المولى عبده والزوج زوجته) .... (والأب يعزر الابن)......... للولي ضرب ابن سبع على الصلاة. .... وله ضرب اليتيم فيما يضرب ولده". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، ۶۲/۴، ۶۷، ۷۷، ۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، ۷۱، ۸۲، ۸۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۶/۳، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، رشيديه)

"فی المجتبی: کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ، الخ". درمختار۔ "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال، الخ". شامی(۱)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". کو ناسخ بتایا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالی جرمانہ لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۷۹۶]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطورِ جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم مذکورہ کو مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جوابِ سوال تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطورِ جرمانہ وصول کرلی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں:

"قال فی الفتح: وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز، ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلک روایة عن أبی یوسفؒ. قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظَّلَمة علی أخذ المال للناس فیما یأکلون، اهـ. ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان. وأفاد فی البزازیة أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساک شیء من ماله عنده مدةً لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴، ۶۲، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۵/۳، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(۲) لم أظفر علی مأخذه

بنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبیٰ: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". ردالمحتار: ۲/۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۰ھ۔

مالی جرمانہ

سوال[۶۷۹۷]: کیا تعزیر با خذ المال جائز ہے؟ اور "و یعزر كل مرتكب منكر، الخ". سے کونسی تعزیر مراد ہے، مالی یا بدنی؟ کیا علاقہ کے قاضی کو تعزیر کے طریقہ پر کچھ مال لے لینے کا اختیار ہے؟ ہمارے یہاں پر معمول ہے کہ اگر کسی سے کوئی حرکت خلاف ہو جائے تو مولوی، پیر یا سید اس کو تعزیر لگاتے ہیں، مثلاً یک صد کی روٹی یا روٹی مقرر کر کے اس کے حساب سے نقد دام وصول کر کے یا تو بذات خود خرچ کر دیتے ہیں، یا کسی مکتب مدرسہ میں داخل کر دیتے ہیں اور سوائے اس کے اور کوئی طریقہ اس کے لئے چارۂ کار نہیں ہو سکتا۔ اگر تعزیر مالی نہ کیا جائے تو بہت کم عبرت ہوتی ہے۔ کیا طریقۂ مسئولہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر کے متعلق درمختار میں ہے:" لا يأخذ مال في المذهب، بحر" یعنی تعزیر ضرب، حبس، فرکِ اذن وغیرہ سے ہے، تعزیر باَخذ المال جائز نہیں۔ آگے فرماتے ہیں : "وفيه عن البزازية: وقيل: يجوز،

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

ومعناه أن يمسكه مدةً لينزجر، ثم يعيده له، فإن أيس عن توبته صرفه إلى ما يرى. وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ". ٢/٤١٠ (١)۔

مجتبیٰ کی عبارت بتلاتی ہے کہ تعزیر باخذ المال ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی، قال الطحطاوی تحت قول الدر: (ثم نسخ): "لئلا يكون ذريعةً إلى أخذ الظَّلَمة أموال الناس بغير حق". ٢/٤١١ (٢)۔

صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرعی قاضی اور والی کے لئے تعزیر باخذ المال جائز ہے، وہ بھی جب کہ بعد توبہ مال واپس کردیا جائے، اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ فتاوی عالم گیری میں ہے: ۲/۷۸:

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، كذافي فتح القدير. و معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق"(٣)۔

---

(١) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(٢) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دار المعرفة، بيروت)

(٣) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

اگر اس اطراف کے قاضی، سید، پیر، مولوی شرعی قاضی اور والی کا تسلط اور حکم رکھتے ہیں تو ان کے لئے صرف امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعزیراً اخذ المال جائز ہے شرعی طور پر، بشرطیکہ مرتکبِ فعلِ شنیع کا مال اس کے توبہ کرنے کے بعد واپس کردیں، یا اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ مال اپنے کام میں نہ لاویں بلکہ صرف مصرفِ خیر پر خرچ کردیں (۱)، ورنہ تعزیراً اخذ المال جائز نہیں۔ قاضی شرعی کے شرائط پر نظر کرتے ہوئے ہرگز توقع نہیں کہ وہاں کے سید اور پیر قاضی شرعی کا حکم رکھتے ہیں، لہٰذا تعزیراً اخذ المال ان کے لئے جائز نہیں اور تعزیر میں مال لے کر اپنے خرچ میں لانا کسی کے نزدیک کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر تنبیہ کی ضرورت ہو تو مقاطعہ اور ترکِ موالات سے کرنا چاہئے (۲)۔ "و یعزر کل مرتکب منکر" کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اس سے کونسی

---

(۱) "ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كمايتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال احد بغير سبب شرعي .... فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى".

(الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۴۹۷/۱۰، دار المعرفة،بيروت)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبه الرشد الرياض)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي: ۳۵۵/۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچي)

تعزیر مراد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، عبد الرحمٰن عفی عنہ، ۲/۱۱/۵۱ھ۔

مالی جرمانہ کا دینی کام میں صَرف کرنا

سوال[۶۷۹۸]: زید کی بیوی اور بکر میں ناجائز تعلق پیدا ہوگیا، گاؤں والوں نے بکر پر کچھ روپیہ جرمانہ کے طور پر عائد کیا، بکر نے وہ روپیہ دیدیا تو کیا وہ روپیہ دین کے کام میں لگایا جاسکتا ہے، مثلاً: مسجد کی تعمیر یا بچوں کے معلم کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ درست نہیں، جو لیا ہے واپس کردیا جائے، کسی اَور کام میں خرچ نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مالی جرمانہ اور اس کا مصرف

سوال[۶۷۹۹]: گاؤں میں جو پنچایت کے ذریعہ زانی، مجرم، ظالم، موذی پر جرمانہ کیا جاتا ہے، یہ جرمانہ کرنا اور تاوان لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ رقمیں کہاں اور کن کاموں میں صرف کرنا چاہئے، یا انہی لوگوں کو واپس کردینا چاہئے؟ اس صورت میں پنچایت کی کوئی وقعت نہیں رہے گی اور نہ انہیں کوئی خوف دامن گیر ہوگا۔ بتلائیے ان لوگوں کا کیا کیا جائے جو یہ راہ راست پر آجائیں، پھر کسی برائی پر آمادہ نہ ہوں؟

محمد علی، مدرس اعلیٰ ٹاؤن ہال اسکول، بردوان، ۴/ جنوری/ ۵۱ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی

---

(۱) (قد تقدم تخریجہ تحت المسئلة السابقة)

لازم ہے(۱)۔ انسدادِ جرائم کے لئے ارشاد، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے تاکہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو، جنت و دوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب، کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے، تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۸/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

مالی جرمانہ

سوال[۲۸۰۰]: مجرم پر مالی جرمانہ کرنا کیسا ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے(۳)۔ اگر مجرم کے ذمہ حقوق العباد ہے تو ان کو ادا کرے یا معاف

---

(۱) (راجع، ص: ۱۳۷، رقم الحاشیه: ۱، ۲، ۳)

(۲) "قال الإمام البخاری رحمه الله تعالیٰ: "باب ما یجوز من الهجران لمن عصی". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: أراد بهذه الترجمة بیان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهی مخصوص بمن لم یکن لهجره سببٌ مشروعٌ، فتبین هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصیة، فیسوغ لمن اطلع علیها منه هجره علیها لیکف عنها". (فتح الباری، کتاب الأدب، باب ما یجوز من الهجران لمن عصی: ۴۹۷/۱۰، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی شرح صحیح البخاری لابن بطال رحمه الله تعالیٰ، کتاب الأدب، باب ما یجوز من الهجران لمن عصی: ۲۷۲/۹، مکتبه الرشد الریاض)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الأداب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشیدیه)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم للمفتی محمد تقی العثمانی، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الهجر فوق ثلاث بلاعذر شرعی: ۳۵۵/۵، ۳۵۶، مکتبة دارالعلوم کراچی)

(۳) "قال فی الفتح: وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما =

کرائے (۱) اور خدا کے سامنے صدقِ دل سے توبہ کرے، امید ہے کہ قصور معاف ہوجائے گا (۲)۔ اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کو ترکِ تعلقات کی سزا دی جائے (۳)۔

= وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية عن أبي يوسفؒ. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظَّلَمة على أخذ المال للناس فيما يأكلون، اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم بنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبىٰ: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الأثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دارالمعرفة،بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشيديه)

(۱) " وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة توبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال و إرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث .... و أما إن كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ماقدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بماقال من ذلك و يتحلل منهم، الخ". (شرح الملا علی القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۰)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوق ذلك إلا إذا =

"وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". رد المحتار: ۲٤٦/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۱/۲۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف بقلم خود، یکم/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۱۰۸۰۲]: قومی پنچایت میں یہ قانون سرپنچ اور دیگر اشخاص نے مقرر کیا کہ جس شخص سے کوئی خطا سرزد ہو تو اس کی سزا روپیہ کا جرمانہ ہوگی۔ لہذا یہ جرمانہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال کا جرمانہ ناجائز ہے (۲)، احکامِ شرعیہ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترکِ تعلقات وغیرہ کی دی جائے (۳):

"وفرك الأذن، وبالكلام العنيف، وينظر القاضي له بوجه عبوس، ويشتم غير القذف، لا بأخذ مال في المذهب". تنویر۔ "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ

= كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ....فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۶۰۹/۱۰، قديمى)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالىٰ، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد الرياض)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشية: ۳)

المال". شامی، ص: ۳۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۶۸۰۲]: یہاں پر بعض برادریوں میں ایسا ہے کہ اگر کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس سے کچھ روپیہ بطورِ کفارہ کے لیتے ہیں، اور اس کے اوپر یہ بھی لازم کردیتے ہیں کہ مثلاً فلاں جامع مسجد میں پانی بھرو کچھ دنوں تک۔ مجھے روپے لینے پر اشکال تھا اور اسے تعزیر بالمال سمجھتا تھا اور تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک حرام ہے، آج ہی فتاویٰ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھ رہا تھا تو مولانا جلد ثلاث، ص: ۴۸ میں لکھتے ہیں "تنبیہ کے لئے یہ جرمانہ لینا جائز ہے"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر زجر وتوبیخ ہی کے لئے ہوتی ہے، خواہ چپت مار کر ہو یا کان پکڑوا کر ہو(۳)، اسی مقصد کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے، اس کی اجازت نہیں۔ جو سزا شریعت کی حد کی طرح متعین نہ ہو وہی تعزیر ہے(۴) اور اس سے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۶۲/۴، سعید)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۴/۳، ۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ (مترجم) لمولانا عبدالحی اللکنوی، کتاب القضاء، استفساء نمبر: ۲، عنوان: اہل پنچایت کسی کو پنچایت سے خارج کرتے ہیں تو پھر جرمانہ لے کر اسے پنچوں میں شامل کرتے ہیں، تنبیہاً جائز ہے: ۵۳/۳، سعید)

(۳) "و (بالصفع) على العنق (وفرك الأذن و بالكلام العنيف) .... المقصود منه الزجر".

(الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۴/۳، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۴) "هو (أي التعزير) تأديب دون الحد، أكثره تسعة و ثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار).

"(قوله: أكثره تسعة و ثلاثون سوطاً) لحديث: "من بلغ حداً في غير حد، فهو من المعتدين". و حد =

مقصود اصلاح ہے، اسی ذیل میں فقہاء نے مال لینے کو منع فرمایا ہے، جیسا کہ بحر(۱)، شامی وغیرہ میں ہے(۲)۔ مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے وہ ان سب کتب کے خلاف ہے اور اس پر مولانا کے دستخط بھی نہیں، اگر اس پر فتویٰ دیدیا جائے تو قوم (پنچ) شیر مادر کی طرح ایسا روپیہ کھاتے رہیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۶۸۰۳]: میرے گھر میں ہرن پلا ہوا تھا کہ پڑوس کے کتے نے اس پر حملہ کردیا، اس پر ہرن

= الرقيق أربعون فنقص عنه سوطاً .... (وقوله: ثلاثة): أی أقل التعزير ثلاث جلدات، وهكذا ذكره القدوری. فكأنه يری أن ما دونها لا يقع به الزجر، وليس كذلک، بل يختلف ذلک باختلاف الأشخاص، فلا معنی لتقديره مع حصول المقصود بدونه، فيكون مفوّضاً إلی رأی القاضی يقيمه بقدر ما يری المصلحة فيه .... فلو رآی أنه ينزجر بسوط واحد، اكتفی به". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۰/۴، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۳۴۵/۵، مصطفی البابی الحلبی مصر)

((وكذا فی منحة الخالق حاشية البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزير: ۶۹/۵، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل فی التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الحدود، فصل فی التعزير: ۳۴۵/۵، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(۱) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعی .... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا فی النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزير: ۱۶۵/۳، رشيديه)

بھاگ کر تالاب میں جا گھسا، اس کے پیچھے کتا بھی ہولیا اور وہ بھی تالاب میں گھس گیا، اس کے بعد کتا تو نکل گیا مگر میرے ہرن کی حالت خراب ہوگئی، لوگوں نے کہا کہ مرجائے گا، اس لئے میں نے اس کو ذبح کر دیا اور لاکر پڑوسیوں کے گھر پر ڈال کر تھانہ میں رپورٹ لکھوادی، تھانہ دار آیا اور پکڑ کر لے گیا، بعد میں چیئر مین نے صلح کرادی کہ ہرن کا گوشت وغیرہ بھی میرے پاس رہے گا اور ستر ۷۰/ روپیہ جرمانہ بھی مجھے دلوادیا۔ تو یہ ستر ۷۰/ روپیہ جرمانہ لینا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ لوں تو پڑوسی نادم ہونے کے بجائے اور مزید سرکش ہوجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان لوگوں نے قصداً اپنے کتے کو آپ کے ہرن کو شکار کرنے کے واسطے نہیں چھوڑا اور پکڑنے کے لئے برانگیختہ نہیں کیا، بلکہ کتا از خود اس پر حملہ آور ہوا اور ہرن جان بچانے کے لئے بھاگا، کتا اس کا تعاقب کرتا رہا حتی کہ تالاب میں گھس گیا۔ پھر اس کی حالت خراب دیکھ کر دوسروں کے کہنے پر آپ نے اس کو ذبح کرلیا۔ فیصلہ میں وہ ہرن بھی آپ کے پاس رہا اور ہرن کا جرمانہ ۷۰/ روپیہ بھی آپ کو ملا، اس صورت میں شرعاً وہ آپ کو لینا درست نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے(۱)۔ آپ ایسے طریقہ پر اس کو دیدیں جس سے وہ احسان مند ہوجائے

---

(۱) "لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق ، كتاب الحدود ، باب حد القذف، فصل في التعذير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في التعز بأخذ المال : ۶۱/۴، ۶۲،سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود ،فصل في التعزير: ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق : كتاب الحدود : ۱۶۵/۳ ، إمداديه ملتان)

ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم ، و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه".

(رد المحتار ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع : ۳۸۵/۶، سعيد) .... =

اوران کواحساس ہوکہ آپ ان کا روپیہ باوجود فیصلہ کے رکھنا نہیں چاہتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۱۱/۸۹ھ۔

گورکنی میں شرکت نہ کرنے والے پر جرمانہ

سوال[۶۸۰۴]: جب کوئی فوت ہوجاتا ہے سب مل کر بلا اجرت قبر کھودتے ہیں۔یہاں کے ذی اثر حضرات نے تنبیہاً وسیاسۃً وانتظاماً تجویز کیا کہ جو شخص گورکنی میں شرکت نہ کرے اس سے پانچ روپے جرنامہ وصول کیا جائے اور اس سے قطع تعلق ترکِ موالات کیا جائے۔چنانچہ لوگ اس کی وجہ سے جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنے لگے وعلیٰ ہذا نماز وغیرہ میں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تجویز صرف مصلحت دینی کے اعتبار سے انتظاماً مباح ہے یا مکروہ یا حرام، اگر مکروہ ہے تو اس مصلحت کی وجہ سے اس کا تحمل درست ہے یا نہیں؟ سوم اس جرمانہ کو کسی کی طرف سے تصدق کردیا جائے تو کیا حکم ہے؟ چہارم اگر صاحب جرمانہ پنچ کو تصرف جائز کی اجازت دے دے برضا ورغبت تو کیا حکم ہے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر اجرت پر کھدوانا بھی جائز ہے(۱)، مگر آپس میں بلا اجرت کھودنا ہمدردی ومروت کی بات ہے۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۷/۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(۱) "يجوز الاستيجار على حمل الجنازة وحفر القبور". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب في غسل الميت ومايتعلق به من الصلوة على الجنازة: ۱/۱۹۰، رشيديه)

"التركة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز الميت ودفنه، والدين، والوصية، والميراث. فيبدأ أولاً بجهازه وكفنه ومايحتاج إليه في دفنه بالمعروف، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

يُبدأ من تركة الميت بتجهيزه ودفنه .... الخ". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ =

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے(۱) اس میں سستی کرنا غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ نماز پنج وقتہ فرض عین ہے(۲) اس کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے(۳) اگر استخفاف کی وجہ سے چھوڑے تو کفر تک نوبت پہونچ

=العالمكيرية، كتاب الفرائض، الفصل الأول في أصحاب الفرائض: ٦/٤٥٣، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، مقدمة، ص: ٢، سعيد)

(١) "الصلوة على الجنازة فرض كفاية، إذا قام به البعض واحداً كان أو جماعةً، ذكراً كان أو أنثى، سقط عن الباقين. وإذا ترك الكل، أثموا، هكذا في التتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ١/١٦٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في الصلوة على الجنائزة، الأول: في نفس الصلوة وصفتها: ٢/١٦٧، قديمي)

(٢) "الصلوة الخمس فريضة على المسلمين العاقلين البالغين من الرجال والنساء دون الحائض والنفساء في المواقيت المعروفة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة: ١/٢٩٦، قديمي)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ١/٥٠، رشيديه)

"هي فرض عين على كل مكلف". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: هي): أي الصلوة الكاملة، وهي الخمس المكتوبة (قوله: على كل مكلف): أي بعينه، ولذا سمي فرض عين، بخلاف فرض الكفاية، فإنه يجب على جملة المكلفين –كفاية– بمعنى أنه لوقام به بعضهم كفى عن الباقين، وإلا أثموا كلهم. ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو أنثى أو عبداً". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة: ١/٣٥١، ٣٥٢، سعيد)

(٣) "لم يقل المتروكات ظناً بالمسلم خيراً؛ إذ التأخير بلا عذر كبيرة لاتزول بالقضاء". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله: لاتزول بالقضاء) وإنما يزول إثم الترك، فلا يعاقب عليها إذا قضاها وإثم التأخير باق، بحر. (قوله: بالتوبة): أي بعد القضاء، أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ٢/٦٢، سعيد)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة. ولا يقتل تارك الصلوة عامداً غير منكر وجوبها بل يحبس حتى يحدث توبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ١/٥٠، رشيديه)

جاتی ہے(۱)۔ جو شخص نماز چھوڑے اس سے تعلقات چھوڑ دینے چاہیں جب تک وہ توبہ نہ کرے اور نماز کا پابند نہ ہو(۲)۔ مال کا جرمانہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاضی وحاکم کے لئے جائز ہے اور بعد توبہ واپس کردینا چاہیے۔ اگر مجرم توبہ نہ کرے تو پھر مصرف خیر پر صرف کرنا جائز ہے خود رکھنا جائز نہیں۔ طرفین کے نزدیک مال کا جرمانہ جائز نہیں۔ لہٰذا احوط یہ ہے کہ مال کا جرمانہ نہ کیا جائے بلکہ ترک تعلقات وغیرہ دوسری سزائیں مقرر ہوں۔

"عن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أن التعزیر من السلطان بأخذ المال جائز، کذا فی الظهیریة. وفی الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رآی القاضی ذلك أو الوالی، جاز، ومن جملة ذلك رجلٌ لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال، اه. وأفاد فی البزازیة أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساك شئ من ماله عنه مدةً لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال، کما یتوهمه الظلمة؛ إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. وفی المجتبیٰ: لم یذکر کیفیة الأخذ، وأری أن یأخذ فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی مایری. وفی شرح الأثار: التعزیر

(۱) "وعن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "بین العبد وبین الکفر ترک الصلوة". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، الفصل الأول، ص: ۵۸، قدیمی)

"وعن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " العهد الذی بیننا وبینهم الصلوة، فمن ترکها فقد کفر". (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث بریدة رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۲۲۴۹۸): ۲۸۸/۶، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة، والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح، کتاب الأداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۷۵۹/۸، رشیدیه)

بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ". بحر: ٥/١٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۲/۱۲/۲۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل: في التعزير: ٦٨/٥، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٦١/٤، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ١٦٥/٣، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤١١/٢، دارالمعرفة بيروت)

باب الحد بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

شراب نوشی کی سزا

سوال[۶۸۰۵]: شراب نوشی کی کیا سزا ہے؟

محمد سلیم، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی حکومت ہو تو کوڑے لگائے جائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرةً .... ثمانین سوطاً". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الحدود، باب حد الشرب: ۴/۳۷، ۴۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد الشرب: ۵/۴۷، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب السادس في حد الشرب: ۲/۱۶۰، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الحدود، باب حد الشرب: ۳/۲۱۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

باب القصاص والدیة

(قصاص اور دیت کا بیان)

قتل کی سزا

سوال[۲۸۰۶] : جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی دنیوی معاملہ میں بر سبیلِ دشمنی وعداوت قتل کردے اور اس قاتل کو موجودہ حکومت ثبوتِ قتل ہوجانے پر سزائے موت یعنی پھانسی دیدے تو کیا قاتل کے ذمہ سے قصاصِ شرعی ادا ہوجائے گا اور آخرت کے مواخذہ سے کچھ بچت ہوجائے گی یا کیونکر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ قاتل کو سزائے موت مل گئی اور مقتول کے ورثاء نے حکومت سے سزا دلائی ہے تو قصاص ہوگیا اگرچہ شرعاً قصاص میں قتل کیا جاتا ہے(۱)، پھانسی نہیں دی جاتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

---

(۱) "(ولا يقاد إلا بالسيف) وإن قتله بغيره .... المراد بالسيف إلسلاح .... والتخصيص باسم القَود لا يمنع إلحاق غيره به، ألا ترى أنا ألحقنا الرمح والخنجر بالسيف في قوله عليه السلام: "لا قود إلا بالسيف". فما في السراجية: مَن له قودٌ قادَ بالسيف، فلو ألقاه في بئر أو قتله بحجر أو بنوع آخر عُزّر، وكان مستوفياً، يُحمل على أن مراده بالسيف السلاح". (الدرالمختار، كتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود و ما لا يوجبه، : ۵۳۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب الثاني فيمن يقتل قصاصاً ومن لايقتل : ۴/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، نوع آخر : ۳۸۳/۶، رشيديه)

تادیباً مارنے سے موت واقع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۸۰۷]: ایک شخص نے اپنی بیوی کے مرجانے کے بعد بیوی مرحومہ کی بیوہ بہن سے نکاح کیا تو کیا یہ نکاح شریعت میں جائز ہے؟ واضح ہو کہ بیوہ بہن کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی، کسی معاملہ پر ایک روز اس شخص نے اس لڑکی کو مارا، دفعتاً لڑکی چند گھنٹے کے بعد مرگئی، درحقیقت اس شخص کا ارادہ جان سے مارنے کا نہ تھا۔ تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے مارنے سے وہ لڑکی مرجائے اس کے ذمہ ضمان واجب ہے: "كضرب المعلم إجماعاً. وإن ضرب بإذنهما، لا ضمان على المعلّم إجماعاً". كذا في الدر المختار: ۱/۴۰۱(۱)، والمحيط(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہونے والے کی دیت

سوال[۶۸۰۸]: زید عام راستے سے چلا جارہا تھا، پیچھے سے اسکوٹر سوار کے اسکوٹر کی ٹکر سے ایکسیڈنٹ ہو گیا، جس سے زید فوت ہو گیا۔ لہٰذا مقتول کے اولیاء کو قاتل اور قاتل کے اولیاء سے صلح علی المال کا حق ہے یا نہیں؟ اگر زید کے اولیاء کو مال لے کر صلح کرنے کا حق ہے تو اس کی آخری حد کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلح علی المال کا حق ہے، قتلِ خطا میں دیت کی مقدار معین ہے، اس سے زیادہ پر صلح کا حق نہیں۔ اگر سونا

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الجنايات، فصل في الفعلين: ۶/۵۶۶، سعيد)

"رجل ضرب ولده الصغير في أدب فمات، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يضمن الدية، وعليه الكفارة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الجنايات، فصل في القتل الذي يوجب الدية: ۳/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الأمر بالجناية ومسائل الصبيان و ما يناسبها: ۶/۳۴، رشيديه)

(۲) لم أظفر بالمأخذ

دیت میں لیا جائے تو ایک ہزار دینار سے زائد نہ ہو۔ اگر دیت مقررہ کی جنس کے علاوہ لی جائے تو اس میں کوئی قید نہیں، مثلاً غلہ لیا جائے:

”وصح (الصلح) في العهد بأكثر من الدية والإرش أو بأقل، لعدم الربا. وفي الخطأ لاتصح؛ لأن الدية في الخطاء مقدرة، حتى لو صالح بغير مقاديرها، صح كيف ما كان بشرط المجلس لئلا يكون ديناً بدين، اهـ“. درمختار۔ ”(حتى لو صالح) أفاد أن الكلام فيما إذا صالح على أحد مقادير الدية، وصح مأة بعير أو مائتا شاة أو مائتا حلة أو ألف دينار وعشرة الاٰف درهم“. شامي مختصراً: ٤/٤٧٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلح: ٥/٦٣٤، ٦٣٥، سعيد)

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

ادائے شہادت جب کہ صحیح فیصلہ کی توقع نہ ہو

سوال[۶۸۰۹]: پنجاب میں وراثت کی تقسیم کی نسبت اسلامی قانون کے بجائے برادر یہ رواج کے مطابق تقسیم ہوتی ہے، لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، بیوگان کو بجائے شرعی قانون کے ان کے حق دینے سے محض گذارہ دینا چاہتے ہیں، اگر وہ عدالت میں دعوی کرتی ہے تو تمام جائیداد پر وہ قابض ہوجاتی ہے اور دوسرے وارث محروم ہوجاتے ہیں۔ اگر وراثت کے متعلق کوئی مقدمہ موجودہ عدالت میں پیش ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ عدالت میں شریعت مقدسہ کے خلاف فیصلہ صادر ہوگا تو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص عدالت میں شہادت نہ دے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس بات کا یقین ہے کہ عدالت فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں کرے گی بلکہ خلاف کرے گی اور سچی شہادت پر ثمرہ مرتب نہیں ہوگا تو ایسی حالت میں شاہد کے ذمہ شہادت واجب نہیں۔ اور جب ظنِ غالب ہو کہ عدالت شہادت کو قبول کر کے شرعی فیصلہ کرے گی اور بغیر شہادت ادا کئے مسلم کا حق ضائع ہوجائے گا تو ایسی حالت میں مسلم کے ذمہ ادائے شہادت (بغیر مشقتِ کبریٰ) واجب ہے:

قال العلامة ابن النجيم رحمه الله تعالىٰ: "الثاني: أن يعلم أن القاضي يقبل شهادته، فإن علم أنه لا يقبلها، لايلزمه .... الخامس: أن يكون القاضي الذي طلب

الشاهد للأداء عنده عدلاً". بحر: ۷/۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۹۷، ۹۸، رشيديه)

"وإن علم أن القاضي لايقبل شهادته، لايأثم". (تبيين الحقائق، كتاب الشهادات: ۵/۱۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشهادة: ۳/۲۵۹، غفاريه)

کتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

لقطہ کی تفصیل

سوال[۱۰ ۲۸۱]: ضلع پنچ محال کا اجتماع گودھرا میں ۴/اپریل/۸۹ء کو مرکزی مسجد میں ہوا تھا۔ مسجد ابرار کی پہلی صف میں سے ۳/اپریل کو بوقتِ شب ایک بھروچ ضلع بھاری گاؤں کی جماعت میں سے بھائی یوسف کو ایک قیمتی رقم سونے کی ملی۔ اجتماع دو روز رہا، اجتماع میں دونوں روز برابر اعلان ہوتا رہا۔ یوسف صاحب نے امیر جماعت یعقوب جی بھائی کو وہ رقم دیدی، انہوں نے مولانا ابراہیم صاحب سے تذکرہ کیا۔ راندیر کے مفتی اورمولانا عبدالرحیم لاجپوری کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے شہر کی مسجد میں تحریری اعلان کرایا اور زبانی اعلان ہر مسجد میں ہوا۔ ۳ تا ۴/مئی کو گودھرا میں اجتماع رہا، تین آدمیوں کی جماعت گودارا آئی اور لقطہ کا مطالبہ کیا۔ مشورہ میں طے ہوا کہ فتویٰ حسب ذیل باتوں کا پوچھا جائے:

۱......ایک سال دو ماہ کا عرصہ ہو گیا تو لقطہ بھاری والے جماعتی کو دیدیا جائے کیوں کہ ان کا تقاضا بہت ہے۔

۲......یہ رقم لقطہ گودھرا سے ملی ہے اور جس کو ملی وہ سو میل کے فاصلے پر رہتا ہے، یہ لقطہ گودھرا کے فقراء پر صرف کیا جائے یا جس کو ملی ہے اس جگہ یعنی بھاری ضلع بھروچ پر صرف کیا جائے؟

۳......اس مسئلہ کی صفائی کے وقت یعنی لقطہ دیتے وقت مولانا ابرہیم دیولوی صاحب کا وجود ضروری ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جس میں یہ امانت دی تھی۔

۴......نظام الدین میں جماعتوں کی آمد و رفت بہت ہے اور وہاں خرچہ بہت ہے، وہاں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵......بھاری والے صاحب کی تمنا یہ ہے کہ اس رقم سے بھاری کی مسجد کی صفیں لائی جائیں تو شرعی نقطۂ

نظریہ کیسا ہے؟

۶.....شریعت کے مطابق وہ لقطہ خرچ کر دیا گیا اور بعد میں صحیح مالک آ گیا تو اس مالک کو دینے کی ذمہ داری کس کی رہے گی؟

۷.....شرعی حکم کے مطابق بھاری والے کو دینا ہوا تو اس کے پاس تحریری اقرار نامہ لکھوانا ضروری ہے۔

۸.....مذکورہ مسئلہ میں اَور بھی وضاحت ہو تو ضرور کرلیں، کیونکہ میں غریب بہت ہی پریشان ہوں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....جس کو لقطہ ملا تھا، اس کو دیدیا جائے (۱)۔

۲.....اس کی کوئی پابندی نہیں، جس کو زیادہ حاجت مند پائے اس پر صدقہ کردے (۲)۔

۳.....مولانا ابراہیم صاحب کا موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ ان کی اجازت بھی کافی ہے (۳)۔

۴..... بظاہر جماعت کے ہی کسی آدمی کی رقم ہے، پس جماعت کے ہی ضرورت مند پر صدقہ کردینا اقرب ہے۔ مرکز نظام الدین بھیج دینے پر بھی اغلب ہے کہ اصل مالک کا پتہ چل جائے، کیونکہ وہاں پر ہر طرف سے جماعتیں آتی رہتی ہیں، اس صورت میں وہ اصل مالک کے پاس پہونچ جائے تو زیادہ اچھا ہے، پھر صدقہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۴)۔

---

(۱) "أی فینتفع الرافع بها لو فقیراً، وإلا تصدق: أی مَن رفعها من الأرض: أی التقطها. و أتی بالفاء، ودل علی أنه إنما ینتفع بها بعد الإشهاد و التعریف إلیٰ أن غلب علی ظنه أن صاحبها لا یطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها و التصدق، وله إمساکها لصاحبها". (ردالمحتار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم: ۲۰۹/۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) "وإلا تصدق بها علی فقیرٍ ولو علی أصله و فرعه و عرسه". (الدرالمختار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(۳) "ظاهر کلامهم متوناً و شروحاً أن حل الانتفاع للفقیر بعد التعریف لا یتوقف علی إذن القاضی". (ردالمحتار، کتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعید)

(۴) "و ینبغی أن یعرفها فی الموضع الذی أصابها. وفی الجامع: فإن ذلک أقرب إلی الوصول إلی صاحبها". (الهدایة، کتاب اللقطة: ۲۱۵/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

۵......اس کی اجازت نہیں۔

۶......جس نے وہ لقطہ اٹھایا تھا، اس کی ذمہ داری رہے گی (۱)۔

۷......امین اپنی برأت ذمہ کے لئے اگر تحریر اقرارنامہ لے لے کہ میں نے یہ رقم لقطہ فلاں شخص کو جس نے کہ وہ اٹھائی تھی اور میرے پاس امانتاً رکھی ہوئی تھی اس کو دیدی تو زیادہ وثوق ہو جائے گا (۲) اور بطورِ سند یہ تحریر اپنے پاس رہے گی تا کہ بوقتِ ضرورت کام آئے، اگر گواہوں کے سامنے واپس ہو جائے خاص کر جن کے سامنے دی گئی تھی تو یہ بھی کافی ہے۔

۸......جو توضیح مطلوب ہو اس کو لکھئے، توضیح وتشریح کردی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۸ھ۔

دھوکہ میں کسی کا سامان اٹھانے کا حکم

سوال [۶۸۱۱]: تین آدمی ایک ساتھ موٹر میں اپنے گاؤں آئے، جب بستی آئی تو موٹر میں صرف یہ تین آدمی اور تین ہی تھیلے تھے، بکر اپنا سامان اتارنے اوپر چڑھ گیا اور زید نے یوں سمجھ کر کہ ہم تین ہی آدمی ہیں اور تین تھیلے ہیں، لہذا اس نے یہ تھیلہ اٹھالیا اور ایک تھیلہ عمر نے۔ زید چونکہ اپنا اور بکر کا تھیلا لے کر نیچے کھڑا تھا، بکر جب اپنے سامان سے فارغ ہوا تو زید نے یوں کہہ کر اسے تھیلا دیدیا کہ یہ تھیلا، بکر نے یوں سمجھا کہ کہیں ان پر وزن ہوگا، لاکر انہی کے گھر ان کا تھیلہ پہونچا اور دونوں تھیلا لینے گھر پہونچے۔ اب زید کو پریشانی ہوئی کہ یہ تھیلا کس کا ہے، کیا بکر یہ تمہارا نہیں؟ میں تو یہ تمہارا سمجھ کر یہاں تک لایا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تمہارا سمجھ کر اتارا تھا۔ لہذا اس معاملہ میں رہنمائی فرمائیں۔

---

(۱) "فإن جاء مالكها بعد التصدق، خُيِّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، و له ثوابها أو تضمينه، فيملكها الملتقط من وقت الأخذ، و يكون الثواب له، خانية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۸۰/۴، سعيد)

(۲) "وهل للملتقط دفعها إلى غيره ليعرّفها؟ فقيل: نعم إن عجز. الخ، و في القهستاني: له دفعها لأمين، و له استردادها منه". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

اس تھیلے میں اور چیزوں کے ساتھ ایک کلو امرود بھی ہیں، ان کو کیسے محفوظ رکھیں جب کہ بچوں نے اس میں سے چند کھا بھی لئے، آیا اس سے کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جب دوسرے کا تھیلہ مغالطہ میں اٹھایا تو وہ ان کا ضامن بن گیا، لأنه أخذ مال غيره بغير إذن الشرع(۱)، لہذا اگر اس شخص کا پتہ چل جائے تو اس کو تھیلا اور جو کچھ اس میں سامان ہے واپس کرے اور جو خرچ کرلیا اس کی قیمت ادا کرے، یا اگر بازار میں موجود ہو تو خرید کر کے دے۔ اور اگر اتنے دن تک پتہ نہیں چلا کہ غالب گمان ہوگیا کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا، تو جو کچھ موجود ہے اس کو صدقہ کردے، اور جو موجود نہیں بلکہ خرچ کرلیا، اس کی قیمت صدقہ کردے، لیکن اگر مالک نے آکر مطالبہ کیا تو دینا پڑے گا(۲)۔

"كان يفتي صدر الشهيد: يغلب على ظنه أنه لا يطالبها مالكها بعدها .... ثم إذا مضىٰ وقت التعريف و لم يظهر صاحبه، يتصدق به". شرح الياس: ۲/۱۷۰(۳)۔

اگر خود غریب ہے تو بطورِ صدقہ خود بھی رکھ سکتا ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) "وأخذ مال الغير بغير إذنه لنفسه سبب لوجوب الضمان". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة: ۸/۳۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ثم إذا عرّفها و لم يحضر صاحبها مدة التعريف، فهو بالخيار: إن شاء أمسكها إلى أن يحضر صاحبها، وإن شاء تصدق بها على الفقراء .... وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار، إن شاء أمضى الصدقة و له ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط". (بدائع الصنائع، كتاب اللطقة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۸/۳۳۳-۳۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (شرح المولوي إلياس على هامش شرح النقاية، كتاب اللقيط و اللقطة و الأبق: ۲/۲۸۴، سعيد)

(۴) "وإن كان فقيراً، فإن شاء تصدق بها على الفقراء، وإن شاء أنفقها على نفسه". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع باللقطة: ۸/۳۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۸، شركت علميه ملتان)

پرانے کپڑوں سے سوروپیہ کا نوٹ ملا، اسے کیا کیا جائے؟

سوال[۲۸۱۲]: زید نے ایک عام گزرگاہ میں تین کپڑے پرانے پڑے ہوئے پائے، ان کپڑوں میں اسے ایک سوروپیہ کا نوٹ بھی ملا۔ زید نے راستہ سے گزرنے والے تمام لوگوں سے دریافت کیا، لیکن اس کے مالک کا پتہ نہیں چلا، آج ہفتہ عشرہ سے زیادہ ہوگیا۔ فرمائیے اس رقم اور کپڑے کا کیا کیا جائے، مسجد میں لگادیا جائے، یا کسی مدرسہ میں دے دیا جائے، یا فقیروں، حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے؟

محمد اسحٰق انصاری، رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دل یہ گواہی دے کہ اب مالک اپنے کھوئے ہوئے کپڑوں کو اور نوٹ کو تلاش نہیں کرے گا تو کسی غریب کو دے دیں، طالب علم ہو یا کوئی اَور(۱)۔ مسجد میں خرچ کرنا، یا مدرسہ کی تعمیر، یا تنخواہ مدرس میں خرچ کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "(قوله: فينتفع الرافع): أى مَن رفعها من الأرض: أى التقطها. وأتى بالفاء، فدل على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق ...... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

"ويعرّف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

"ويكفي في الإشهاد قوله من سمعتموه ينشد لقطة فدلوه عليّ. ويعرفها في مكان أخذها، وفي المجامع مدة يغلب على ظنه عدم طلب صاحبها بعدها، هو الصحيح". (مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۵/۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) لقطہ واجب التصدق ہے اور واجب التصدق اشیاء کسی کو معاوضۃً نہیں دی جاسکتیں:

"ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وإلا لا): أى لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض".

(ردالمحتار، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر: ۳۵۶/۲، سعيد) =

لقطہ میں تصرف

سوال[۶۸۱۳]: ایک شخص نے اپنی اہلیہ کے ساتھ پاکستان کا سفر کیا، باؤڈر پر واپسی میں ایک تھیلہ ملا جس میں کچھ کپڑا وغیرہ تھا، باؤڈر سے نکل کر شوہر کو معلوم ہوا، ابھی تک دوسرا باؤڈر پار نہیں ہوا تھا، اس کی تحقیق کی مگر مالک کا پتہ نہ چلا۔ باؤڈر پر کسٹم وغیرہ بھی اس پر لگا پھر گھر آ کر اہلیہ نے کچھ کپڑے اس میں سے سلوائے۔ شوہر نے مسئلہ معلوم کیا۔ تو کیا ایسی صورت میں اس لقطہ کو صدقہ کیا جائے جب کہ سلائی و کسٹم وغیرہ خرچ ہوا، یا کپڑے کی اصل قیمت صدقہ کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کا پتہ نہ چلے اور پوری کوشش کے باوجود ناکامی ہی رہے تو وہ کپڑا بحیثیتِ لقطہ صدقہ کردیا جائے (۱) اور اس پر جو کچھ سلائی اور کسٹم میں خرچ ہوا ہے، اس کو اس میں سے وضع نہ کیا جائے، یہ خرچہ مالک کو تلاش کرنے یا کپڑے کی حفاظت کرنے میں نہیں ہوا، بلکہ اپنے مقصد کے لئے ہوا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۸ھ۔

لقطہ کا خود استعمال کرنا

سوال[۶۸۱۴]: خدمتِ اقدس میں التماس یہ ہے کہ تعریف کر کے اصل مالک گھڑی کا تلاش کرنا

= "ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً أجزأه وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة، كذا في معراج الدراية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذكوة، الباب السابع في المصارف، قبيل فصل ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۱) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق.......... فينتفع الرافع: أي مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

(والهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

بظاہر ناممکن ہے، کیونکہ عرصہ ۸/ سال سے زائد ہو چکا ہے اور گھڑی ریلوے لائن کے کنارہ پڑی ہوئی ملی تھی جو کہ ایک عام راستہ ہے، نہ معلوم کس کی ہوگی۔ دوسرے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اب اس وقت اگر تعریف کرکے مالک کو تلاش کیا جائے تو ایسا نہ ہو کہ پولیس وغیرہ کسی قسم کا شر وفساد کریں اور چوری وغیرہ کا الزام لگادیں، لہٰذا اب شرعی حکم تحریر فرمایا جائے۔

اس گھڑی کی قیمت (جو کہ فروخت ہو چکی ہے اور خریدنے والے کے پاس بھی نہیں ہے، بلکہ پتہ یہ لگا ہے وہاں سے بھی غائب ہو چکی) کیا کیا جاوے؟ اس کی قیمت کو خیرات کرکے اس کا ثواب اصل مالک کو بخش دیا جائے، یا اگر پانے والا صاحبِ ضرورت ہو تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد صدیق احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب غالب خیال یہ ہے کہ اصل مالک نے اب گھڑی کی تلاش کرنا ترک کردیا تو اس کی قیمت کو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جاوے، اگر خود فقیر ہو تو خود بھی قیمت رکھنا درست ہے۔ اصل مالک کو تلاش نہ کرنے کا گناہ ہوا، اس کے لئے استغفار کیا جاوے اور اصل مالک کو کچھ ثواب بھی پہونچا دیا جائے، اگر چہ وہ زندہ ہی ہو، ثواب زندہ کو بھی پہونچ جاتا ہے(۱)۔ اصل مالک جب بھی ملے، اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قیمت کا

---

(۱) "ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين .... ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيّر بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

"ثم تصدق، فإن جاء ربها أجازه، وله أجره: أي ثواب التصدق .... وينتفع بها فقيراً، وإلا: أي وإن لم يكن فقيراً، تصدق ولو على أصله وفرعه وعرسه".

قال العلامة عبدالحي اللكنوي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله: فقيراً: "أي حال كونه فقيراً، فإن كان غنياً لا ينتفع به بل يتصدق على الفقراء؛ لحديث فإن لم يأت: أي صاحبها فليتصدق به. أخرجه الدار قطني مع حديث: فإن جاء صاحبها فأدفعها إليه، وإلا فانتفع، فالأول محمول على ما إذا كان الملتقط غنياً والثاني على ماإذا كان فقيراً". (شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية، كتاب اللقطة: ۲/۳۳۵، ۳۳۶، سعيد)

مطالبہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ربیع الثانی/۶۳ھ۔

لقطہ سے تجارت کرنا

سوال[۶۸۱۵]: کسی شخص نے راستہ میں ایک ہزار روپیہ پایا، اس وقت مالک کو دینے سے انکار کردیا اور اس روپیہ سے تجارت شروع کردی جس سے بہت نفع ہوا۔ نیز اب مالک کا روپیہ واپس کرنے کا خیال ہے۔ تو اب مع نفع کے واپس کرنا ہوگا، یا صرف ایک ہزار ہی واپس کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ایسا کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے۔ اس روپیہ سے جتنا نفع کمایا ہے اس کو غرباء پر صدقہ کردے اور اصل روپیہ مالک کو واپس دیدے(۲) اور اپنی اس غلطی اور خیانت کی اس سے معافی بھی مانگے، توبہ واستغفار

---

(۱) "إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها. لم يجعل للتعريف مدةً اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه .... فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير .... و في الخلاصة: له بيعها أيضاً .... (فإن جاء مالكها) بعد التصدق، خُيّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، وله ثوابها". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، ۲۸۰، سعيد)

"فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها، فهو بالخيار: إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها؛ لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لم يحصل بإذنه، فيتوقف على إجازته". (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: " وإن أخذها لنفسه حرم؛ لأنها كالغصب ". (الدرالمختار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۶، سعيد)

"و أخذ مال الغير بغير إذنه لنفسه سبب لوجوب الضمان". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة: ۸/۳۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"ومن غصب ألفاً، فاشترى بها جارية، فباعها بألفين ثم اشترى بألفين جارية، فباعها بثلثة الآف =

بھی کرے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لقطہ کا صدقہ کرنا

سوال[۶۱۸۱۲]: ا......زید کو ایک عرصہ سے چاندی سونے کی چیز کھیت میں ملی، کھیت راستہ کے قریب ہے، تو بلا تلاشِ مالک خیرات کردیا، اس لئے کہ وہ چیز بہت عرصہ پہلے کی معلوم ہورہی تھی۔ تو اب زید پر کوئی تلاش وغیرہ ضروری تو نہیں؟

لقطہ کا خریدنے کے بعد استعمال کرنے کا حکم

۲......زید نے ایک شخص سے ملی ہوئی چیز خریدی اور اب تک استعمال نہیں کرتا ہے تو اس کا استعمال مناسب ہے یا نامناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......تلاش کرنا پہلے لازم تھا، اب جب کہ صدقہ کرچکا ہے تو تلاش لازم نہیں، تاہم اگر مالک مل جائے

= درهم، فإنه يتصدق بجميع الربح، وهذا عندهما، وأصله أن الغاصب والمودع إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح لايطيب له الربح عندهما". (الهداية، كتاب الغصب: ۳۷۳/۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "أن لها ثلثة أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور وہ مطالبہ کرے تو ضمان لازم ہوگا (۱)۔

۲......جس شخص کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اور اس نے اٹھائی تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ مالک کو تلاش کرے، جب پوری جستجو کے بعد مالک نہ ملے تو پھر صدقہ کردے۔ اگر وہ خود غریب محتاج ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے (۲) اور اس سے دوسرا آدمی بھی خرید سکتا ہے، اس پر مؤاخذۂ اخروی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۵ھ۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۵/۱۲/۸۵ھ۔

ڈیڑھ سال تک لقطہ کا مالک نہ آئے تو کیا کیا جائے؟

سوال [۲۸۱۷]: زید نے سفر کے دوران ریل گاڑی میں سے ایک کیمرہ کافی قیمتی پایا، اس نے ریلوے حکام کو اس کی اطلاع دی کہ وہ مختلف جگہوں پر اس کی تشہیر کریں اور جن صاحب کا وہ کیمرہ ہو وہ مجھ سے لے لیں۔ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا، مگر اس کا کوئی دعویدار ظاہر نہ ہوا۔ اب اس کیمرہ کا کیا کیا جائے؟ اور کتنے عرصہ کے بعد اس کیمرہ پر حق مالکانہ ہوسکے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خود استعمال نہ کرے، حفاظت سے رکھے، نقصان نہ ہونے دے، مالک کو

---

(۱) "فلو لم يشهد مع التمكن منه أو لم يعرفها، ضمن .... والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساكها لصاحبها. وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً و إمساك ثمنها. ثم إذا جاء ربها، ليس له نقض البيع لو بأمر القاضي، و إلا فلو قائمةً، له إبطاله. وإن هلكت، فإن شاء ضمن البائع". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، ۲۷۹، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللقطة: ۶۱۱/۲، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۲) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أى مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

تلاش کرتا رہے، مناسب ہوتو اخبارات میں اعلان دے(۱)۔ پوری جدوجہد کے بعد جب تلاش کر کے تھک جائے مثلاً: سال بھر گزر جائے اور مالک کا پتہ نہ لگے اور دل یہ کہے کہ اب مالک بھی تلاش کر کے مایوس ہوگیا ہوگا، تو اس کو کسی غریب کو بطورِ صدقہ دیدے، اس نیت سے کہ اس کا وبال سر پر نہ رہے، اگر مالک مسلمان ہے تو اس صدقہ کا ثواب اس کو ملے(۲)۔ اس کے بعد اگر مالک آجائے اور وہ صدقہ کرنے پر راضی نہ ہو، بلکہ قیمت کا مطالبہ کرے تو قیمت کا دینا لازم ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

لقطۂ مسجد کا حکم

سوال[۲۸۱۸]: ایک نابالغ لڑکی کو مسجد کے صحن میں ایک نائلون کی تھیلی میں لپٹے ہوئے مبلغ ۳۱/ روپے دستیاب ہوئے، اسی صحن میں ایک مولوی صاحب دینی تعلیم بچوں کو دے رہے تھے، اس لڑکی نے وہ تھیلی مولوی صاحب کے حوالہ کردیا، مولوی صاحب نے مؤذن کو دیدی کہ ہر نماز کے بعد اعلان کریں۔ تقریباً چار پانچ ماہ سے زائد کا عرصہ ہوتا ہے ابھی تک اس تھیلی کا کوئی مالک نہیں آیا۔ لہٰذا اس رقم کو از روئے شریعت کیا کیا جائے، اگر خیرات کریں تو اس کا حق دار کون ہوگا؟

---

(۱) "وينبغي أن يعرّفها في الموضع الذي أصابها. وفي الجامع، فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها". (الهداية، كتاب اللقطة: ۳/۲۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أي مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

"ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيرٌ بين أن يحفظها حسبةً وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

(۳) "وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار: إن شاء أمضى الصدقة، وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط أو الفقير إن وجده؛ لأن التصدق كان موقوفاً على إجازته". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع باللقطة: ۸/۳۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس قدر اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب مالک کے ملنے کی توقع نہیں رہی تو اس کو ایسے غریب کو دیدیں جو مستحق زکوۃ ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

بکری کا لقطہ

سوال[۶۸۱۹]: ایک بکری کا بچہ لاوارث ملا ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ملتا، اب اس کا کیا حکم ہے؟ اس کو کھانا یا کسی کو دینا درست ہے یا نہیں؟ کیا کوئی بکری پالنے والا، یا مولوی صاحب جبراً اس سے لے سکتے ہیں؟ اس کا مسئلہ پوری طرح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بکری کا بچہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہوگا کہ مالک کو تلاش کیا جائے(۲)، پوری تلاش کے بعد جب مالک کا پتہ نہ چلے تو کسی غریب کو بطور صدقہ دیدیا جائے۔ پھر وہ اس کو ذبح کر کے کل یا جز بغیر ذبح کیے ہی جس کو دے دے اس کو لینا اور کھانا درست ہے(۳)۔ کسی کو اس غریب سے جبراً لینے کا حق نہیں، نہ بکری پرورش کرنے والے کو نہ مولوی صاحب کو۔ اس سب کے بعد بھی اگر مالک مل جائے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت کا دینا لازم

---

(۱) (راجع، ص: ۱۶۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "و يجوز الالتقاط في الشاة والبقر و البعير ...... و ينبغي أن يعرّفها في الموضع الذي أصابها. وفي الجامع، فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها". (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۲۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أي مَن رفعها من الأرض .... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

ہوگا اور صدقہ کا ثواب اس دینے والے کو مل جائے گا، اس مسئلہ کی پوری تفصیل فتاوی عالم گیری، کتاب اللقطة میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

بھینس کا لقطہ

سوال[۲۸۲۰]: تقریباً عرصہ سوا سال ہوا، ایک بھینس فرار شدہ آئی جسے زید نے اپنی نگرانی میں لے کر اسے اپنے یہاں روک دیا اور یہ خیال کیا کہ اگر اس کا مالک آ جاوے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے، اور آنے جانے والے لوگوں سے برابر اس کا تذکرہ کرتا رہا، مگر ابھی تک کوئی اس کا مالک نہیں آیا اور نہ اس کو پتہ چل سکا۔ تو از روئے شرع اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لقطہ کے اعلان کا جو شرعی طریقہ ہے، زید کو لازم ہے کہ اس کو اختیار کرے(۲)، ابھی اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۶/۲۴ھ۔

---

(۱) "ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيرٌ بين أن يحفظها حسبةً وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) "إذا رفع اللقطة يعرفها، فيقول: التقطتُ لقطةً، أو وجدتُ ضالةً، أو عندي شيء، فمن سمعتوه يطلب، دُلّوه عليّ، كذا في قاضي خان .... ونوع آخر يعلم أن صاحبه يطلبه كالذهب والفضة و سائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها و يحفظها و يعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، ۲۹۰، كتاب اللقطة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(۳) جو لقطہ مل جائے اس کی ایک سال تک تشہیر کی جائے، اگر اس دوران اس کا مالک آ جائے تو وہ لقطہ اس کے حوالے کر دیا جائے، ورنہ اس لقطہ کو فقراء پر صدقہ کر دیا جائے، یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کر لی جائے:

"والصحيح أنها غير مقدرة بمدة معلومة بل هي مفوضة إلى رأى الملتقط، فيعرّفها إلى أن =

....

= يغلب على ظنه أنها لاتطلب بعد ذلك، وقدرها محمد ومالك والشافعي رحمهم الله تعالىٰ بحول من غير فصل". (شرح الوقاية، كتاب اللقطة: ۳۳۴/۲، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدةً اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لايطلبه، وصححه في الهداية، والمضمرات والجوهرة، وعليه الفتوىٰ. وهو خلاف ظاهر الرواية من التقدير بالحول في القليل والكثير كما ذكر الإسبيجابي، وعليه قيل: يعرّفها كل جمعة، وقيل: كل شهر، وقيل: كل ستة أشهر بحر". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

"قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجته وولده لوفقيراً): أي ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۶۴/۵، رشيديه)

"إن كان الملتقط محتاجاً، فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لايصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۹/۲، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لورجى وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لايوجد صاحبه لايجب إيصاؤه، وإن كان يرجو وجود المالك، وجب الإيصاء، اهـ. والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فلذا عمم الشارح". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب اللقطة: ۲۸۰/۴، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفه حتى يوصلها إلى صاحبها". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۲۹۷/۵، قديمی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

چیل سے مرغی کا بچہ گرا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۶۸۲۱]: بکر نے ایک مرغی کا بچہ چیل کے پنجہ سے چھڑا لیا، یا چیل نے خود اس کے آنگن میں بچہ گرادیا، بکر نے اس بچہ کی پرورش کی اور پال پوس کر اس کو بڑا بنایا۔ اس وقت اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تلاش کرنے کے بعد بھی اگر مالک کا پتہ نہ لگے تو کسی غریب کو دیدے، خود غریب ہو تو خود بھی رکھ سکتا ہے، مالک معلوم ہونے پر اس کو دے دے، کذا فی البحر الرائق (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجته وولده لوفقيراً): أى ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۶۴/۵، رشيديه)

"إن كان الملتقط محتاجاً فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لايصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۹/۲، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لورجى وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لايوجد صاحبه لايجب إيصاؤه، وإن كان يرجو وجود المالك وجب الإيصاء، اهـ. والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فلذا عمم الشارح". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۸۰/۴، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفه حتى يوصلها إلى صاحبها". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۳۹۷/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کا استعمال

سوال[۶۸۲۲]: سیلاب میں بہت سی چیزیں مویشی وغیرہ بہہ کر آتی ہیں، کیا اس کو استعمال کر سکتے ہیں جب کہ پتہ نہ ہو کہ کس کی ہے اور کہاں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، لقطہ کی طرح مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالہ کیا جائے (۱)، ہاں! اگر خود غریب مصرفِ صدقہ ہے تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا حکم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خوفِ دشمن سے جو مال چھوڑ کر چلا جائے اس کا حکم

سوال[۶۸۲۳]: وہ مال کہ کوئی شخص دشمن کے مقابلہ میں گیا بوجہ خوفِ دشمن مال چھوڑ کر چلا آیا، اتفاقاً دشمن بہت دور ہے اور وہاں پر کوئی نہیں، فقط وہاں کے باشندے ہیں، مال مذکور کو وہاں کے باشندے تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ لڑنے والے دونوں فرقے کافر ہیں۔ مالِ مذکور کا کیا حکم ہے؟ اس کو مال فیٔ کہیں گے، مالِ غنیمت یا مالِ زائد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے باشندہ کو اس مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں اور اس مال کو مال فیٔ اور غنیمت نہیں کہہ

---

(۱) "ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيّر بين أن يحفظها حسبةً و بين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها .... ويحفظها و يعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۸۹، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) "فإن جاء مالكها بعد التصدق، يُخيَّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، و له ثوابها، أو تضمينه".

(ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

سکتے۔ اگر اس کو مسلمان اٹھالیں گے تو وہ ان کی ضمان میں آجائے گا اور اس کا اصل مالک کو پہونچانا ضروری ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۶۴/۳/۴ھ۔

جو شخص پاکستان چلا گیا اس کے سامان اور مکان کا حکم

سوال[۶۸۲۴]: احمد کا کمرہ یہاں ہے، یہ پاکستان گئے تھے، وہیں مقیم ہوگئے، ان کے کمرہ میں کچھ سامان ہے۔ احمد صاحب کے پاس سامان کے لئے خط لکھا تو کوئی خاص جواب نہیں دیا، لیکن وہ حیات ہیں۔ اب ان کے سامان کے لئے کیا حکم ہے؟

زید جو احمد کے دوست ہیں احمد کے کمرہ کا کرایہ دے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ایک عزیز کو اس کمرہ میں رکھ بھی دیا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان وہاں موجود ہے، اس کو محفوظ رکھا جائے (۲) اور مالک سے دریافت کرلیا جائے، وہ اگر ہبہ، بیع، صدقہ کرنے کو لکھے تو اس پر عمل کیا جائے۔ اگر مالک کہے تو کمرہ مالک کو دیدیا جائے یا اس سے معاملہ کرلیا جائے تاکہ وہ اس مغالطہ میں نہ رہے کہ احمد نے زید کو دے رکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ

سوال[۶۸۲۵]: محمد عبد الخالق از قانونِ حکومت ہندوستان کے باشندے ہیں۔ شخص مذکور اپنے

(۱) "وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف .... وإن كان يرجو وجود المالك، وجب الإيصاء، والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها ولم يجز تصدق الملتقط". (ردالمحتار: ۲۸۰/۴، كتاب اللقطة، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لقطہ میں تصرف"، رقم الحاشية: ۱)

والدین بہن اور ایک بھائی حافظ محمد عبدالحق، خویش اقرباء کو چھوڑ کر بالاختیار حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا۔ جاتے وقت اپنے بھائی حافظ محمد عبدالحق سے کہا کہ میرے مال وزمین سے والدین کی خدمت کرنا اور کل جائیداد کے مالک تم ہو، محلّہ کی مسجد میں بھی اس قسم کے اختیارات بھائی کو دیا ہے۔ اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ہندو لوگ میری داڑھی توڑنے کو کہتے ہیں، ہر اعتبار سے ستانے کی وجہ سے مجھ کو اس دیش سے نفرت ہوگئی ہے۔ بالآخر سب کو ناراض کر کے اپنی اولاد ازواج کو لے کر حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا، اب ۹،۸/ سال وہیں رہا، اس درازز مانہ میں والد کا انتقال ہوا۔

حافظ محمد عبدالحق نے مقروض ہو کر دو بیگہ زمین فروخت کیا، اب وہ شخص پاکستان سے ہندوستان آیا اور حکومتِ ہند میں مقدمہ دائر کیا کہ مجھ کو ظلماً بھیجا گیا، میں اس دیس کا باشندہ ہوں، تین سال بعد حکومتِ ہند نے مقدمہ سے بری کر دیا۔ اب وہ شخص دعویٰ کرتا ہے بھائی کے مشتری سے کہ میری زمین مجھ کو واپس کرو، نہیں تو میں مقدمہ چلاؤں گا۔ وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں بات ایسی اگر نہ ہو تو داڑھی کتروا دوں گا، فلاں بات ایسی نہ ہو تو سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوڑ دوں گا۔

اب دریافت طلب چند سوالات کے جواب تحریر فرمائیں:

۱...... آیا شرعاً وہ اپنی زمین لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز ثمنِ مشتری کا ضمان دینا پڑیگا یا نہیں؟

۲...... اس قسم کے صریح جھوٹ مقدمہ لڑانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عند الشرع شہادت اس کی کیسی ہے؟ اس کے پیچھے اقتدا کرنا وضمانت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۳...... ''فلاں بات اگر ایسی نہ ہو تو داڑھی کتروا دوں گا، سنت رسول چھوڑ دوں گا'' کہنا کیسا ہے؟

۴...... مع الاختیار ہندوستان کو خیر باد کر کے جانا، پھر آنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، باغیٔ حکومت کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو لوگ باقاعدہ حکومت کو اطلاع کر کے پاکستان گئے، ان کی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کر لیا ہے اور استیلائے حکومت کی وجہ سے وہ جائیداد حکومت کی ہوگئی، بھائی یا کسی کو بھی یہ کہنا کہ ''میری جائیداد کے مالک تم ہو'' مفید نہیں۔ اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ نہیں کیا اور جائیداد بھائی کو دیدی اور بھائی نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ

جائیداد بھائی کی ہوگئی، شرعاً اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ بھائی نے جو زمین فروخت کردی اس کی واپسی کا بھی حق نہیں، کذا فی الشامی(۱)۔

۲...... جھوٹ بولنا اور جھوٹا مقدمہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے(۲) جو شخص ایسا کرے وہ امامت کے لائق نہیں، کذا فی رد المحتار (۳)۔

۳...... جہالت ہے، منع ہے، دین سے بُعد ہے(۴)۔

۴...... اس کے لئے کوئی کلی حکم سب کے لئے نہیں، مختلف حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن غلبوا على أموالنا و أحرزوها بدارهم، ملكوها، الخ". (ردالمحتار: ۴/۱۶۰، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(و كذا فى شرح الوقاية، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۲/۳۱۰، سعيد)

"إذا غلب كفار الترك على كفار الروم فسبوهم، وأخذوا أموالهم ملكوها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲/۲۴۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من نفاق حتى يدعها: إذا حدث كذب". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمى)

(۳) "يكره إمامة عبد .... وفاسق -من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر: كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربا، و نحو ذلك". (ردالمحتار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلوة، باب الإمامة، سعيد)

(۴) "وإن فعله فعليه غضبه، أو سخطه، أو لعنة الله، أو هو زان، أو سارق، أو شارب خمر، أو آكل ربا، لا يكون قسماً، لعدم التعارف". (ردالمحتار مع الدر المختار: ۳/۷۲۱، قبيل مطلب: حروف القسم، سعيد)

مالک نے کہا کہ "باغ کا جو پھل جو لے وہ اسی کا ہے"

سوال[۶۸۲۶]: زید ایک پھل کے درخت کا مالک ہے، پھل آنے پر جو پھل پک کر تیار ہو گئے ہیں وہ زید اُتار لیتا ہے، اور کچھ جواً بھی کچے ہیں ان کے متعلق کہتا ہے کہ جو چاہے استعمال کرے یعنی اپنی ملکیت سے خارج کر دیتا ہے۔ کیا ایسے پھل ہر کس و ناکس کو استعمال کرنا جائز ہے اور کیا یہ پھل وقف کئے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مالک نے ان کچے پھلوں کو دوسروں کیلئے مباح کر دیا، لہذا دوسرے لوگ بھی لے سکتے ہیں، لیکن اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا، نہ کسی کو مالک بنایا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

کسی کے درخت سے گرا ہوا پھل اٹھانا

سوال[۶۸۲۷]: زید کا ایک باغیچہ ہے اور درخت ہیں، کوے نے بیٹھ کر پھل کو درخت سے نیچے گرادیا، وہ پھل اسی درخت کے نیچے ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس پھل کو اٹھا کر کھالے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس گرانے کی وجہ سے وہ پھل زید کی ملک سے نہیں نکلا، بغیر مالک کی اجازت کے اس کا لینا اور کھانا درست نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ألقى شيئاً وقال: من أخذه فهو له، فلِمَن سمعه أوبلغه ذلک القول أن يأخذه .... لأنه أخذه على وجه الهبة، وقد تمّت بالقبض". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: ألقى شيئاً وقال، الخ: ۲۸۵/۴، سعيد)

(۲) "وحاصل مافي شرحها عن الخانية وغيرها أن الثمار إذاكانت ساقطةً تحت الأشجار، فلو في المصر، لايأخذ شيئاً منها مالم يعلم أن صاحبها أباح ذلک نصاً أو دلالةً؛ لأنه في المصر لايكون مباحاً عادة". (ردالمحتار، كتاب اللقطه، مطلب فيمن وجد حطباً، الخ: ۲۸۴/۴، سعيد)

"إذا مرّ في أيام الصيف بثمار ساقطة تحت الأشجار، فهذه المسئله على وجوه: إن كان ذلک في الأمصار، لايسعه التناول منها، إلا أن يعلم أن صاحبها قد أباح ذلک إمانصاً أودلالةً بالعادة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب اللطقه: ۲۹۰/۲، رشيديه)

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

ٹرکوں کا فیکٹری سے کام لینے میں شرکت اور خاندان کے دیگر افراد کا اس شرکت میں حکم

سوال [۱۸۲۸]: ۱- ایک فرم (کمپنی) جس کا نام "حاجی علی محمد اینڈ سنز" ہے، اس میں شریک تمام ایک ہی گھر کے ہیں۔ دو بھائی کے دو خاندان ہیں:

۱- لال محمد، محمد شفیق، محمد حنیف، محمد اصغر، محمد سعید۔ محمد شفیق سب میں بڑے ہیں۔

۲- محمد حسین، محمد رفیق، محمد خلیق، محمد عزیز، محمد جلیل۔ محمد رفیق سب سے بڑے ہیں۔

کئی سال سے لال محمد، محمد حسین کاروبار کرتے چلے آتے ہیں، دونوں پر قرض کا بوجھ بہت ہو گیا ہے۔ شفیق صاحب کا کافی بڑے لوگوں میں میل جول ہے، ایک بڑی فیکٹری سے بات کی تھی کہ ہمارے کاروبار کا حال ٹھیک نہیں تو اس نے کہا کہ ہمارے یہاں ٹرک چلانے کا کام ہے، ہمارا ڈھوئیے (۱)۔ شفیق نے رفیق سے کہا کہ تم پریشان ہو، ہم لوگ بھی، اللہ نے کام دیا ہے، تم مشینری کا کام جانتے ہو، ہمارا ٹرک دیکھا کرو۔ اس پر رفیق راضی ہو گئے اور اپنے والد سے بھی کہا کہ اللہ نے ہماری مشکلات دور کرنے کا انتظام کر دیا، ہمارا قرض دور ہو جائے گا۔ رفیق کو مالک فیکٹری کے پاس لے گئے، ہمارا بہت بڑا خاندان ہے، سب کے سب کام کریں گے اور کام اچھا کریں گے۔ رفیق نے کہا ہم سب سنبھالیں گے۔

اب شفیق اور رفیق نے یہ طے کیا کہ رفیق انجن وغیرہ کا کام جانتے ہیں اور حساب کتاب تو یہ کریں اور شفیق اوپر کی نگرانی وغیرہ دیکھ بھال، نقصان آدھا آدھا ہوگا، کام اللہ کے فضل سے شروع ہو گیا۔ رفیق قرض میں الجھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بھائی عزیز کو اپنی طرف سے ٹرک کی دیکھ بھال اور حساب کر دیا، خرچ رفیق نے

---

(۱) "ڈھونا: بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، لادنا، اٹھا کر لے جانا، چوری لے جانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۸۲، فیروز سنز لاہور)

اپنے پاس سے دیا۔ عزیز نے اچھا کام کیا تو شفیق نے رفیق سے کہا کہ تم نے عزیز کو اپنی طرف سے کردیا تو کام بے فکری سے ہونے لگا، خوشی ظاہر کی۔ اور جب لڑکوں میں بڑا کام ہوا تو رفیق نے اپنے سامنے خود کرایا۔

کام ایک ماہ نہ چلنے پایا کہ جب شفیق نے دیکھا کہ کام اچھا ہے اور آمدنی اچھی ہے، مگر رفیق رہے گا تو سارا حال آمدنی کا معلوم ہوگا تو من مانی آمدنی خرچ نہ کرسکوں گا، نیت میں فرق آ گیا تو ہر وقت رفیق سے کہتا ہے، تم کچھ نہیں کرتے۔ رفیق نے کہا اپنی جگہ عزیز کو بھی لگادیا، اور خود بھی دیکھ رہے ہیں، لیکن آپ پھر بھی ہمیشہ کہہ رہے ہیں، اس سے پہلے بھی اپنے باپ کے سامنے رفیق کو بہت ڈانٹا، اس پر غصہ میں رفیق نے کہہ دیا کہ میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرتا، جب آپ اتنی تیزی کرتے ہیں، شفیق وہاں سے چلا گیا۔ شفیق کے والد نے کہا کہ رفیق! تم کام کرو، یہ تو ایسے ہی غصہ ہوتے ہیں، رفیق نے کہا مجھے اپنی فکر نہیں ہے، سب گذر کسی طرح کرلوں گا، اور جو بھائی چاہیں جاکر دیکھ لیں، لیکن ان کے حکم کو سوچ کر دوسرے نہ کرسکیں گے۔

رفیق خود کام جاکر دیکھتا رہا۔ رمضان المبارک میں ایک ہفتہ کے بعد شفیق نے کہا کہ کام کرو، تم کچھ کام نہیں کرتے۔ دن رات روزہ کھولنے کے بعد بھی رفیق کام خود ہی کرتا رہا، اسے غصہ آ گیا اور کہا کہ کیا بات ہے، آپ ہر دم یہی کہتے ہیں تو اس پر شفیق نے کہا کہ تمہاری شرکت ختم ہے، کوئی حصہ نہیں ہے، ہم چاہیں دیں گے یا نہ دیں گے، چند گھنٹے کے بعد رفیق نے پوچھا ہمارا حصہ ہے یا نہیں؟ تو شفیق نے جواب دیا کہ کوئی حصہ نہیں آپ جاسکتے ہیں۔

۱.....کیا اس میں سارے شرکت داروں کا برابر کا حق ہے یا صرف رفیق، شفیق کا یا صرف شفیق کا؟

۲.....شفیق ناحق پر ہے یا حق پر؟

۳.....رفیق اپنے حصہ کا حق دار ہے یا نہیں؟

۴.....شفیق والد صاحب کی نافرمانی کر رہے ہیں یا ان کو خوش کر رہے ہیں؟

۵.....اگر رفیق اپنا حق مانگتے ہیں یعنی ۱/۲ حصہ اور شفیق نہیں دے رہے ہیں تو کیا قانون کی رو سے مدد درکار ہو تو غلطی پر تو نہ ہوں گے؟

۶.....ایسا آدمی اسلام کی نظر میں کیسا ہے کہ اپنے سارے کنبہ کا خیال نہ کرتے ہوئے اور اپنے والد کا تو قرضہ سے بے حد پریشان حال ہیں کوئی بات بھی نہ مانے اور اپنے پندرہ سو روپے خرچ کرے، لیکن مدد کرنے کو

تیار نہ ہو اور اس کے والد کی یہ حالت ہو کہ سو روپے کے لئے پریشان ہو۔ اللہ ان سے خوش ہوں گے یا ناراض؟

۷...... والد اپنے لڑکے سے کہتے ہیں کہ تم جو کمائی کرتے ہو اپنے کھانے پینے کو لے لو، باقی روپیہ ہمیں دو۔ تو کیا لڑکا نہ لے تو نافرمان اور گنہگار رہوگا؟

۸...... جو شخص جماعت اور اپنے والدین کی بات نہ مانے اس کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ابتداءً معاملہ کی گفتگو شفیق نے کی، پھر رفیق کو شریک ٹھہرایا، اس کی پختگی کے لئے فیکٹری کے مالک کے پاس بھی رفیق کو لے جا کر سامنے کرادیا اور اس نے شرکت کو منظور کرلیا، لہٰذا رفیق باقاعدہ شرکت دار ہوگا، اور سب خاندان کے کام میں لگنے کو بھی مالک پر ظاہر کر کے ریٹ میں اضافہ کرنے کو کہا، اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ خاندان کے لوگ اس کام میں ہم دونوں کی اعانت کریں گے جس کی وجہ سے ان کو بھی کچھ دینا ہوگا۔ پس شرکت دار دو ہیں: شفیق اور رفیق، باقی ان کے معاون ہیں (۱)۔

۲...... شفیق کا انکار غلط ہے۔

۳...... رفیق کو قرارداد کے موافق حصہ کا حق ہے۔

---

(۱) "وشركة الصنائع والتقبل: وهي أن يشترك خياطان، أو صباغ وخياط على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۵۵۶/۲، ۵۶۱، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"شركة الأعمال: هي عقد شركة على تقبل الأعمال .... فالأجيرانِ المشتركان يعقدانِ الشركة على تقبل: أي التزام العمل الذي يطلبه منهما المستاجر سواء متساوياً، أو تفاضلاً في ضمان العمل". (شرح المجلة: ۷۳۶/۲، ۷۳۷، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، دارالكتب العلمية بيروت)

"أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة، لم يكن لهما مالٌ، فالكسب كله للأب إذاكان الابن في عيال الأب، لكونه معيناً له، ألاترى أنه لو غرس شجرةً تكون للأب. وكذا الحكم في الزوجين إذا لم يكن لهما شئ، ثم اجتمع بسعيهما أموال كثيرة، فهو للزوج، وتكون المرأة معينةً له، إلا إذا كان لها كسب عليحدة، فهو لها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۲، كتاب الشركة، الباب الرابع: في شركة والوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

۴...... یہ تو بغیر مسئلہ دریافت کئے بھی ہر شخص جان سکتا ہے، خود شفیق بھی اور والد صاحب بھی جانتے ہیں کہ کہنا نہ ماننا نافرمانی ہے(۱)۔

۵...... جب دوٹرک اپنے اپنے الگ نہیں تھے کہ نفع ونقصان اپنا اپنا الگ الگ ہوتا، بلکہ فیکٹری کی طرف سے دوٹرک کا انتظام ہوا تو نفع ونقصان برابر رہے گا۔ رفیق کو ۲/۱ کے مطالبہ کا حق ہے، اور شفیق کو اس کا دینا ضروری ہے(۲)۔ رفیق کو قانونی مدد لینے کا بھی حق ہے، مگر بہتر اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں آپس ہی میں مل کر معاملہ صاف کرلیں تاکہ خاندانی محبت اور تعلق میں بھی فرق نہ آئے۔

۶...... والد کا بہت بڑا حق ہے، اپنے اوپر تنگی برداشت کرکے والد کی خدمت کرنا اور ان کو راحت پہونچانا عینِ سعادت ہے(۳)، اس کے برخلاف خود عیش وراحت میں رہنا اور والد کو تنگی میں پڑا رہنے دینا بڑی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فوحداً. ومن أصبح عاصياً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فوحداً". قال رجل: وإن كان ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۱، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمی)

(۲) "الشريكان يستحقان الأجر بضمان العمل، فإذا عمل أحدهما وحده ولم يعمل الآخر بأن مرض أو سافر أو توانی، فيقسم الربح والأجرة بينهما على الوجه الذى شرطاه". (شرح المجلة: ۷۳۹/۲، (رقم المادة: ۱۳۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

"ان يشترك الخياطان أو الساجان أو الأسكافيان على أن يتقبلا الأعمال ويعملا على أن يكون النفع بينهما نصفين .... وكذلك اشترطا أن تكون الوضيعة بينها أثلاثاً، فلا يجوز ذالك متفقاً".

(النتف في الفتاوى، كتاب الشركة، شركة الأبدان، ص: ۳۳۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۲۲/۴، كتاب الشركة، مطلب في شركة التقبل، سعيد)

(۳) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "بينما ثلثة نفر يتماشون أخذهم المطر، فمالوا إلى غار في الجبل، فانحطت على فم غارهم صخرةٌ من الجبل، فأطبقت عليهم، فقال: بعضهم لبعض: انظروا أعمالاً عملتموها لله صالحةً فادعوا الله بها لعله يفرجها، فقال: اللهم! إنه كان لي والدانِ شيخان كبيرَانِ، ولي صبية صغار، كنت أرعى عليهم، فإذا رُحت عليهم، فحلبت بدأت =

نالائقی کی بات ہے، نہ خدا کو پسند ہے، نہ رسول کو پسند، نہ عرفاً، نہ عقلاً، نہ اخلاقاً، غرض کسی طرح بھی پسند نہیں، بلکہ بہت مذموم اور قبیح ہے۔

۷..... حدیث شریف میں ہے "أنت ومالك لأبيك"(۱) یعنی تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لئے ہے۔ پس نفقہ واجب ہے جو کچھ اپنے پاس ہو، اس سے والد کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

۸..... اس کو دلی ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھانا چاہئے (۲) اور اس کے لئے دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو نرم فرمادے۔ اور کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اس کا تعلق کرایا جائے، ان کی برکت سے

= بوالديّ أسقيهما قبل ولدي، وإنه قد نآى بي الشجر فما أتيت حتى أمسيت، فوجدتهما قدناما، فحلبت كما كنت أحلب، فجئت بالحلاب، فقمت عند رؤوسهما أكره أن أوقظهما وأكره أن أبدأ بالصبية قبلهما والصبية يتضاغون عند قدميّ، فلم يزل ذلك دأبي ودأبهم حتى طلع الفجر. فإن كنت تعلم أني فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا فرجةً نرى منها السمآء، ففرّج الله لهم حتى يرون السمآء .... اهـ". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، ص ۴۲۰، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) (فيض القدير (رقم الحديث: ۲۷۱۲): ۱۳۰۲/۵، مكتبه نزاد مصطفىٰ الباز رياض)

"عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قال: يارسول الله! إن لي مالاً وولداً وإن أبي يريد أن يجتاح مالي فقال: "أنت ومالك لأبيك". (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب ماللرجل من مال ولده، ص: ۱۶۵، قديمي)

(وأخرجه الطبراني في الكبير: ۱۹۶۱/۷)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فقولا له قولاً ليناً لعله يتذكر أو يخشى﴾ (سورة طه: ۴۴)

"وحاصل أقوالهم أن دعوتهما له تكون بكلام رقيق ليّن سهل رفيق، ليكون أوقع في النفوس وأبلغ وأنجح، كماقال: ﴿أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ اهـ". (تفسير ابن عباس رضي الله تعالى عنه: ۱۵۳/۳، سورة طه: ۴۴)

﴿فقولا له قولاً ليناً﴾ قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: لاتعنفاه في قولكما وارفقا به في الدعاء". (روح المعاني: ۱۹۴/۱۶، ۱۹۵، (سورة طه: ۴۴)، داراحياء التراث العربي بيروت)

انشاء اللہ نفع ہوگا۔قرض کے ادا ہونے کے لئے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار اول وآخر درود شریف ۱۱مرتبہ پابندی سے پڑھنا بہت مفید اور مجرب ہے،حق تعالیٰ برکت دے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۱۶/۱۰/۹۰ھ۔

قبضہ کی جائیداد میں شرکت کی ایک صورت

سوال[۶۸۲۹]: زید نے ایک کھیت پر ایسے وقت میں قبضہ کیا کہ عام طریقہ سے لوگ زمینوں پر قبضہ کر رہے تھے۔اس دور میں زید نے اس کھیت پر قبضہ کیا،مگر اس وقت زید کے تین بھائی تھے،لیکن ایک بھائی اس پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی الگ ہوگئے تھے،اور زید بکر دونوں ایک ساتھ رہتے تھے۔مگر زید نے قبضہ کرنے کے بعد جب نام لکھوانے کا وقت آیا تو صرف اپنا نام لکھوایا اور بکر کا نام نہیں لکھوایا،حالانکہ دونوں کا نام مشترک ہوا کرتا تھا،پھر زید کا انتقال ہوگیا۔اس وقت زید کے دو بیٹے تھے،اور بکر کے دولڑکے اور دولڑکیاں تھیں۔اور بکر کا انتقال زید سے قبل ہی ہوگیا تھا۔

زید نے لڑکوں وغیرہ کی شادی خود کی،بکر کے لڑکوں نے کچھ خرچ وغیرہ کے بارے میں معاملات دیکھ کر علیحدگی حاصل کرلی۔علیحدہ ہوتے وقت زید کے لڑکوں کے اوپر یکجائی خرچ کا قرض رکھ دیا گیا اور چالبازی سے ہر ایک جائیداد نصف نصف بانٹ لی گئی،زید کے مقبوضہ کھیت میں سے بھی آدھا لے گیا۔زید کے لڑکے قانونی کارروائی کرکے رکھ سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی دوسرے کے کھیت پر بلاوجہ شرعی قبضہ کرنا جائز نہیں(۱)اور ایسا قبضہ کرنے سے قابض کی ملک بھی ثابت نہیں ہوئی(۲)،پس اگر زید نے اس کھیت پر قبضہ کرکے ایسی صورت کرلی تھی،جس سے وہ شرعی مالک

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "ان الغصب محظور، فلايكون سبباً للملك". (ردالمحتار: ۲۰۱/۶، كتاب الغصب، سعيد) =

ہوگیا تھا تو اس میں بکر کا حق نہیں تھا، بکر نے اس میں روپیہ خرچ بھی نہیں کیا تھا، زید نے ہی اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تھا۔ پھر زید اور بکر کے انتقال کے بعد اس کھیت کو مشترک مان کر دونوں کے ورثاء کے درمیان مشترک قرار دینا بھی صحیح نہیں، وہ صرف زید کے ورثاء کا ہے، مشترکہ خرچ کا قرضہ اگر زید کی اولاد پر معاہدہ کے ماتحت ڈالدیا گیا اور اس نے تسلیم کرلیا تو اس کے ذمہ ہی اس کا ادا کرنا ہے۔ اگر زید نے اپنی زندگی میں بکر کو شریک مان لیا تھا تو وہ کھیت اب دونوں کے ورثاء کا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

شرکت میں نقصان ایک شریک پر ڈالنا

سوال [۶۸۳۰]: زید نے عمر کو روپیہ دیا اور کہا کہ ہم دونوں شرکت کے ساتھ تجارت کریں گے اور جو نفع ہوگا وہ دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ کچھ دن گذرنے کے بعد زید نے عمر سے کہا کہ میں نفع کا ایک حصہ لوں گا اور تم نفع کے تین حصہ لینا، مگر شرط یہ ہے کہ تجارت میں جو کچھ نقصان ہوگا وہ نقصان تمہارے ذمہ ہوگا۔ تو اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ دونوں نے دیا ہے تو یہ شرکت ہے، اس میں نقصان کو صرف ایک شریک پر ڈالنا درست نہیں (۲)،

= (وكذا في قواعد الفقه، ص: ۴۹، (رقم القاعدة: ۱۹۶)، الصدف پبلشرز کراچی)

(۱) "يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب هو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء .... والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "وإن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة بصفة فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة؛ لأن الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة، وإن وضعا فالوضيعة على قدر رأس مالهما".

(الفتاوىٰ التاتارخانية: ۵/۶۵۵، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، إدارة القرآن كراچی)

"الربح على ماشرطا، والوضيعة على قدر المالين". (فتح القدير، كتاب الشركة، فصل: =

اگر روپیہ زید کا ہے اور محنت عمر کرے گا تو یہ مضاربت ہے(۱)، نقصان مضارب پر ڈالنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصہ کو فروخت کرنا

سوال[۶۸۳۱]: ایک ملکیت جس میں دوآدمیوں کا حق ہے، ایک کا حق ۱۲/آنے کا اور دوسرے کا حق چار آنے ہے، اگر یہ ملکیت فروخت کی جائے اور پہلا شخص ۱۲/آنے کا حصہ دار دوسرے شخص چار آنے کے حقدار کو بتلائے کہ ملکیت دس ہزار روپے میں فروخت کی گئی، مگر وہ بیچی گئی ہو، اَسّی ہزار روپے میں، اگر لینے والا شہادت دے پہلے شخص سے مل کر کہ یہ سَودا دس ہزار روپے میں طے ہوا ہے۔ اس وقت دوسرے شخص کا جو حق مارا جاتا ہے اس کے لئے پہلے شخص پر کتنی ذمہ داری ہے، نیز خریدنے والا جھوٹی شہادت دے، اس پر کتنی ذمہ

= ولاتنعقد الشرط الخ: ۶/۱۷۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفان، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاك جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان شئ مماهلک من ماله على صاحبه، وشرط الضمان على الآخر فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة، حتى لو عملا وربحا فالربح بينهما على ماشرط، فالشركة ممالا تبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۴۰۱، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، نوع منه في شرط الربح والوضيعة وهلاک المال، مكتبة غفاريه كوئٹة)

(۱) "المضاربة عقد على الشركة بمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الأخر، ولامضاربة بدونها". (الهداية، كتاب المضاربة: ۳/۲۵۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ويبطل الشرط كشرط الوضيعة: هي الخسران على المضارب؛ لأن الخسران جزء هالک من المال، فلايجوز أن يلزم غير رب المال، لكنه شرطٌ زائدٌ يوجب قطع الشركة في الربح، ولاالجهالة فيه فلايفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة كالوكالة". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب المضاربة: ۸/۴۵۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

داری ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلا شخص (جس کا حق بارہ آنے کا حصہ ہے) کو صرف اپنا حصہ فروخت کرنے کا حق ہے، اگر اس نے اپنے دوسرے شریک کا حصہ بھی فروخت کردیا تو یہ شریک کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دے گا تو یہ بیع نافذ ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ اگر صورتِ مسئولہ میں اس نے اجازت دے دی ہے اور اس کے بعد اس سے اصل قیمت کو چھپایا گیا ہے تو اس میں جتنی مقدار کو چھپایا گیا ہے، اس کے ایک چوتھائی کا وہ حقدار ہے، لازم ہے کہ اس کو ادا کرے ورنہ غاصب اور سخت گنہگار ہوگا اور یہ مال اس کے لئے حرام ہے (۲)۔ اور جو شخص جھوٹی گواہی دے

---

(۱) "کل من الشرکاء فی شرکة الملک أجنبی فی حصة سائرهم، فلیس أحدهم وکیلاً عن الآخر، ولایجوز له من ثم أن یتصرف فی حصة شریکه بدون إذنه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۰۱، (رقم المادة: ۱۰۷۵)، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وکل منهما أجنبی فی نصیب الآخر، حتی لایجوز له التصرف فیه إلا بإذن الآخر کغیر الشریک، لعدم تضمنها الوکالة". (مجمع الأنهر: ۲/۵۴۳، کتاب الشرکة، مکتبة غفاریه کوئٹة)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة: ۵/۴۲۱، کتاب الشرکة، الفصل الأول، إدارة القران، کراچی)

(۲) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه".

"عن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "علی الید ما أخذت حتی تؤدّی".

"عن السائب بن یزید عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "لایأخذ أحدکم عصا أخیه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخیه، فلیردها إلیه". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"عن عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "لاجلب ولاجنب ولاشغار فی الإسلام، ومن انتهب نهبةً، فلیس منا". (جامع الترمذی، ۱/۲۱۳، کتاب النکاح، باب ماجاء من النبی عن النکاح الشغار، قدیمی)

کہ اس کی مدد کرتا ہے وہ بھی سخت گنہگار ہے (۱)، اس کے لئے ضروری ہے کہ حقیقت حال کا اظہار کرے اور اپنی جھوٹی گواہی سے رجوع کر لے اور توبہ واستغفار کرے (۲)۔ البتہ دوسرے شریک کے بقیہ حصہ دار کا ذمہ دار پہلا شریک ہوگا، خریدار نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

زمین کے بٹوارہ میں شرکاء کو کم وزیادہ حصہ دینا

سوال[۶۸۳۲]: ایک باپ کے پانچ بیٹے ہیں جب علیحدہ ہوئے تو زمین بھی آپس میں بحصہ برابر تقسیم کر لی گئی، پٹواری کا غذاتی کاروائی کے اعتبار سے تقسیم نہیں ہوئی اور سرکاری کھاتہ سب کا ایک ہی رہا۔ جب چک بندی شروع ہوئی تو ان پانچوں اولاد نے درخواست لکھ کر پٹواری کو دی کہ سب کا کھاتہ علیحدہ کر دیا جائے، ان پانچوں بھائیوں کو زمین کا ایک کھیت جو پانچ بیسوا ہے (۴) گاؤں کے قریب ہے، ان میں سے بیسوا پلاٹوں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحلت لكم الأنعام إلا مايتلى عليكم، فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أفلايتوبون إلى الله، ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (المائدة: ۷۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾.

"ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر .... وعبارة المازري: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور ولاتجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني، سورة التحريم، مبحث في: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الخ، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المباشر ضامن وإن لم يتعمّد". (شرح المجلة: ۱/۶۰، (رقم المادة: ۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) "بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۰۴، فيروز سنز، لاهور)

میں دوسرے کے پاس چلے گئے۔ پٹواری نے تین بیسوا کی تقسیم اس طرح کی کہ ایک حصہ کو پانچ مرلہ دیا اور ایک حصہ کو چار مرلہ دیا، اور تین حصہ داروں کو تین مرلہ دیا۔

اب وہ تین حصہ دار یہ کہتے ہیں کہ ہم برابر کا حصہ لیں گے۔ گاؤں کی پنچائت جمع ہوئی اور یہ فیصلہ کیا کہ تم تینوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور یہ بھی کہا کہ تم آپس میں بھائی ہو، اگر یہ دے دیں تو فیصلہ کرلو، مطلب یہ کہ حکومت نے سب کو برابر نہیں دیا۔ اب وہ تین بھائی پانچ مرلہ والے کو تنگ کرتے ہیں، تقسیم دوبارہ کرو، اور چار مرلہ والے سے کچھ نہیں کہتے۔ تو اس کا یہ سوال شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب بھائی برابر کے حقدار ہیں، لہٰذا ہر ایک کو برابر ملنا چاہئے، لأن مطلق الشركة التسوية(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

قرض یا شرکت میں معاملہ کی پابندی

سوال[۲۸۳۳]: میرے دیور کا ایک موٹروں کا کارخانہ ہے جس میں چار لوگوں کا حصہ تھا، انہوں نے تین کو کچھ سالوں کے بعد برخواست کردیا۔ اور اب مزید ان کو کام کرنے کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے، انہوں نے آکر ہم لوگوں سے کہا کہ کچھ پیسے ہوتو لگاؤ، میں ماہانہ آپ کو تین سو روپیہ دونگا۔ ہمارے یہاں نقد پیسہ تو نہیں تھا۔ ہم نے ایک مکان – جو سولہ سترہ ہزار کا تھا – چھ ہزار میں بیچ کر انہیں چھ ہزار روپیہ دے دیئے تھے۔ اس

---

(۱) "رجل اشترى عبداً وقبضه، فطلب رجل آخر منه الشركة فيه فأشركه فيه، فله نصفه بنصف الثمن اشتراه، بناءً على أن مطلق الشركه يقتضي التسوية إلا أن يبين خلافه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۹۴، الفصل الثاني في الالفاظ التي تصح بها والتي لاتصح، رشیدیه)

"ان مقتضى الشركة يقتضي التسوية، قال الله تعالى: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾". (فتح القدير، كتاب الشركة: ۶/۱۶۶، مصر)

"لان الشركة تقتضي التسوية". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۳۸۰، كتاب الشركة، ومما يتصل بهذاالفصل، مكتبه غفاريه كوئٹه)

لئے رسید وغیرہ نہ لی گئی اور نہ ہی پیسہ کسی کے سامنے دیا گیا۔ اس کارخانہ کے پیچھے میرے دیور نے خوب محنت کی اور کارخانہ کی مالیت بڑھ کر پچاس ہزار تک ہوگئی۔

کارخانہ میں پیسہ لگانے کے بعد میرے شوہر بھی حصہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ طے یہ پایا تھا کہ آفس کا کام میرے شوہر کریں گے، ٹیکنیکل کام میرے دیور کریں گے۔ جس وقت آ کر انہوں نے پیسہ لگانے کی پیش کش کی تھی تو مجھ سے بڑے وعدہ وعید کئے تھے، جب کارخانہ خوب ترقی کر گیا تو میرے شوہر اور میرے دیور کی نہ بننے لگی، بات بڑھتے بڑھتے ہاتھاپائی تک پہونچ گئی اور میرے دیور کے سر میں چوٹ بھی آئی تھی۔ اس کے بعد میرے شوہر علیحدہ ہوگئے، مگر چونکہ بات اس قدر بڑھ چکی تھی کہ میرے دیور نے ایک پیسہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بھائی نے کارخانہ میں پیسہ مار کے کھایا ہے، اس لئے اب میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا، اور سر کی چوٹ پر کہا کہ دراصل یہ میرے قتل کی سازش تھی۔

اب ہمارے لئے بڑی پریشانی کی بات تھی، کیونکہ ذریعۂ آمدنی کچھ نہ تھا اور افرادِ خانہ تیرہ ہیں۔ آخر میں نے جا کر ان کے ہاتھ پاؤں پکڑے، اس کے بعد میں نے نوکری کر لی (۱)، جب وہ ہر طرح سے انکار کر دیئے تو میں نے بہت عاجزی سے کہا کہ آپ میرے پڑھائی ختم ہونے تک قرض سمجھ کر دے دیجئے، میں بعد میں ادا کر دوں گی۔ انہوں نے کہا: خیر اب میں خود آپ لوگوں کا پیسہ رکھنا نہیں چاہتا، تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک ماہ کے وقفہ سے ادا کر دوں گا، اس طرح انہوں نے ہمیں دو تین سال تک تین سو روپیہ برابر دیئے۔ اس کے بعد کچھ خاندانی جھگڑے ہوئے تو پیسے بند کر دیئے، میں پھر گئی تو بولنے لگے کہ اب میں اتنے نہیں دے سکتا، میری بچی کی شادی ہوگی، صرف دو سو دونگا، ہم اس پر بھی راضی ہوگئے، مگر دو سال دینے کے بعد بولے کہ اب میں ایک سو دوں گا، ہم نے اس پر بھی صبر کر لیا۔

چار ماہ کے بعد سو روپیہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہیں دونگا، میرے سے کچھ نہیں ہوسکتا، اصل رقم جو کارخانہ میں لگائی تھی تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ سب اسی میں ادا ہوگئی، یہ میری مہربانی تھی جو اَب تک دیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بتایئے کہ ان کا یہ فیصلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''نوکری کرنا: ملازمت کرنا، عاجزی کرنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۷، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس تفصیل کے ساتھ معاملہ ہوا ہے، اسی تفصیل کے ساتھ روپیہ دینا لازم ہے، جس قدر دے دیا ہے اس کو حساب میں لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو دے دینے کے بعد سب معاملہ ختم نہیں کیا جاسکتا، جب کہ معاملہ شرکت کا تھا یا قرض کا، اگر شرکت کا تھا تو اس کی پابندی لازم ہے، اگر قرض کا تھا تو اس کی پابندی لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۸۹ھ۔

نوٹ: لیکن شرکت میں معیّن رقم کسی شریک کو دینے کی شرط لگانے سے شرکت فاسد ہو جاتی ہے اور قرض دیکر منافع لینا سود ہے(۲)۔

---

(۱) "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". فإذاشرط في عقد مايجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أو صفة بطل". (فيض القدير: ۹/ ۴۴۹۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۲)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"وإن عقد القرض يقصد به الرفق بالناس ومُعاونتهم على شئون العيش وتيسير وَسَائل الحياة، وليس هو وسيلةً من وسائل الكسب ولا أسلوباً من أساليب الاستغلال، ولهذا لايجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله، تبعاً للقاعدة الفقهية: كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۳/ ۱۴۷، ۱۴۸، دارالكتب العربي بيروت)

(۲) "وركنها الإيجاب والقبول، وشرطها عدم مايقطعها كشرط دراهم معينة من الربح لأحدهما". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۴۴، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح؛ لأنه شرطٌ يوجب انقطاع الشركة في بعض الوجوه، فلعله لايخرج إلا القدر المسمى لأحدهما من الربح". (تبيين الحقائق: ۴/ ۲۴۸، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴/ ۳۰۵، كتاب الشركة، سعيد)

"يشترط أن تكون حصص الربح التي تنقسم بين الشركاء جزءاً شائعاً كالنصف والثلث والربع، فإذا اتفق الشركاء على إعطاء أحدهم قدراً معيناً، كانت الشركة باطلةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/ ۱۳/ ۷، (رقم المادة: ۱۳۳۷)، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/ ۲۹۴، كتاب الشركة، امجد اكيڈمي لاهور) .... =

بلا اجازتِ شرکاء ایک شریک کا مشترکہ زمین میں کاشت کرنا

سوال[۶۸۳۴]: ۱......زید، عمر، بکر، خالد کا مشترکہ باغ ہے جس کی تقسیم ان چاروں کے درمیان نہ قانونی ہوئی اور نہ باہمی رضامندی سے۔ اب اگر ایک شریک اس میں کاشت کرے اور دوسرے شرکاء کو کچھ نہ دے تو ایسی صورت میں دوسرے شرکاء کا منافع طلب کرنا، یا حساب مانگنے کا حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ میں نے جو کچھ کاشت کی ہے وہ اپنے حصۂ رسد کے اندر ہی کی ہے، اس لئے دوسرے شرکاء کی رضامندی کی ضرورت نہیں؟

۲......اس باغ کے لئے ایک انجن شرکاء نے خریدا تھا جو باغ لگا ہوا تھا، ایک شریک نے اس کو وہاں سے ہٹا کر اپنی زمین میں لگالیا، جس سے باغ کو نقصان پہونچا۔ کیا بقیہ شرکاء کو نقصان طلب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......بغیر دیگر شرکاء کی رضامندی کے اس کو کاشت نہیں کرنا چاہیے، تقسیم کرالے پھر اپنے حصہ میں کاشت کرلے، لیکن موجودہ صورت میں جب اس نے اپنے حصہ ہی میں کاشت کی ہے اور دیگر شرکاء نے اجازت نہیں دی تو ان کو پیداوار میں سے حصہ طلب کرنے کا بھی حق نہیں (۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۲۹۶/۵، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(والكرم والأرض إذا كان مشتركاً بين رجلين وأحدهما غائب، أو كان الأرض بين بالغ ويتيم، يرفع الأمر إلى القاضي، فإن لم يرفع الأمر إلى القاضي وزرع الأرض بحصة، طاب له". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة: ۶۱۲/۳، فصل في شركة العنان، رشيديه)

"إذا زرع أحد الشركاء الأراضي المشتركة، فليس للأخر أن يطلب حصته من الحاصلات على عادة البلدة مثل الثلث أو الربع". (شرح المجلة: ۶۰۳/۱، (رقم المادة: ۱۰۷۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"كذلك لو زرع واحد مستقلاً أرضاً يملكها بالاشتراک مع اخر بلا إذنه، فلشريكه بعد استرداد حصته من الأرض أن يضمنه مايصيبه من نقصانها الذي حدث بزراعته، وليس له أن يأخذ من الزارع حصة نصيبه من الغلة". (شرح المجلة: ۵۰۵/۱، ۵۰۶، (رقم المادة: ۹۰۷)، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

۲......اس شریک کے لئے اس انجن کو باغ مشترکہ سے منتقل کرکے اپنی ذاتی انفرادی زمین میں لگانے کا حق نہیں تھا، اس نے غلطی کی، اس کی وجہ سے باغ کو جو نقصان پہونچا ہے، اس سے دیگر شرکاء کو وصول کرنا درست نہیں، جتنے روز اس نے اپنی زمین میں انجن استعمال کیا ہے، اس کا معاوضہ بھی اس سے وصول کرنے کا حق نہیں، اگرچہ اس کا استعمال کرنا غلط، حق تلفی اور ایک قسم کا غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

مشترکہ آمدنی سے بچا کر روپیہ الگ رکھنا اور اس سے مکان خریدنا

سوال[۶۸۳۵]: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین!

امابعد! جناب مولانا مولوی مفتی صاحب!

السلام علیکم!

عرض کہ فدوی پانچ بھائی تھے اور ہمارے باپ ماں بھی حیات ہیں، میں سب سے بڑا بھائی ہوں اور سب میرے سے چھوٹے تھے اور ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے، اور سب بھائیوں میں مَیں ہی کمانے کے قابل تھا، کیونکہ اَور بھائی چھوٹی عمر کے تھے، اور ان سب کو کام سکھائے گئے۔ اب ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، اس وقت چار بھائی موجود ہیں اور تین بہنیں موجود ہیں۔

ایک بھائی جو کہ میرے سے چھوٹا اور دو سے بڑا ہے، اس کو درزی کا کام سکھایا گیا ہے، پہلے وہ اس قابل نہیں تھا کہ کچھ کما سکے سب اکٹھے اپنی گذر اوقات کرتے رہے، اور ان کو کام سکھاتے رہے۔ جب وہ بھائی کمانے کے قابل ہوگیا، اس وقت وہ اپنی کمائی علیحدہ جمع کرتا رہا، حتی کہ اپنا خرچہ خوراک بھی ہم کو نہیں دیتا تھا اور ماں باپ اس کو ہر چیز سمجھاتے رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ مناسب نہیں کہ تم اپنی کمائی الگ جمع کرتے رہو، کم از کم

---

(۱) "لو استعمل واحد مالاً، أو عطل منافعه كما إذا غصب حيواناً فأمسكه ولم يستعمله بدون إذن صاحبه، كان عاصياً، فلايلزمه ضمان منافعه". (شرح المجلة: ۳۱۸/۱، (رقم المادة: ۵۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"منافع الغصب استوفاها أو عطلها، فإنها لاتضمن عندنا". (الدرالمختار، كتاب الغصب، مطلب في ضمان منافع الغصب: ۲۰۶/۲، سعيد)

اپنا خرچہ ان کو دیتے رہا کرو، مگر وہ کچھ خیال نہیں کرتا تھا۔ اس کی شادی بھی شاملات میں رہتے ہوئے کردی گئی، شادی ہونے پر اس نے کوئی خرچہ اپنا اور اپنی بیوی کا ہمیں نہیں دیا، عرصہ تک دونوں میاں بیوی بلاخرچہ دیئے ہمارے ہی شاملات میں کھاتے رہے۔

جب اس کو بہت کہا گیا تو کبھی کبھی پانچ چار سو روپے دیا کرتا، اس کے بعد اپنا مکان علیحدہ خرید لیا۔ جس وقت وہ علیحدہ ہونے لگا، اس وقت اس کو کہا گیا کہ جب تک اَور بھائی بہنوں کی شادی نہ ہوجائے اور یہ بھائی کمانے کے قابل نہ ہوجائیں، اس وقت تک تم کو علیحدہ ہونا ٹھیک نہیں، مگر وہ نہ مانا اور مکان خرید کر علیحدہ ہوگیا، اور اسی رقم سے اس نے مکان خریدا جو اس نے کما کر اکھٹا کی تھی۔ ہمارے ذمہ کچھ قرض بھی ہوگیا، اس میں بھی اس نے کچھ نہیں دیا۔

اس نے جو مکان خریدا وہ قابلِ مرمت تھا، میں چونکہ معماری کا کام جانتا ہوں، بہت دن تک اپنی مزدوری اس میں خرچ کی اور خیال یہ تھا کہ اگر بھائی اس کے اندر رہے گا تو کچھ مزدوری نہیں لوں گا اور اگر فروخت کرے گا تو مزدوری لوں گا۔ جب سے بدامنی ہوئی ہے اس وقت سے وہ از حد کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کرکے پاکستان چلا جائے، اس کو ہر چند کہا گیا کہ مکان فروخت نہ کرو، مگر وہ نہیں مانا۔ مکان فروخت کرنے کی غرض سے ایک سال سے اپنے آپ کو پاگلوں اور دیوانوں کی حالت میں تبدیل کررکھا ہے، ہر چند یہ کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کردے، حالانکہ اس وقت بھی اس کے پاس چھ سو روپیہ نقد اور اتنے کے زیوارات موجود ہیں۔

اس کو کہا جاتا ہے کہ اس رقم اور زیورات میں سب کا حصہ ہے، ان کو بھی دینا چاہیئے، مگر وہ نہیں مانتا، حالانکہ ماں باپ بہت ضعیف ہیں، نماز بھی مشکل سے ادا کرتے ہیں اور بھائی بھی ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ اپنا گذارہ بخوبی کرسکیں، یہاں تک کہ ماں باپ کا بھی اعتبار نہیں کرتا، اپنی جمع کردہ رقم دوسروں کے پاس رکھتا ہے۔ کیا دوسروں کو وہ رقم رکھنی جائز ہے، جبکہ ان کو معلوم ہے کہ مشترکہ سب کی ہے اور شاملات میں رہتے ہوئے اکھٹی کی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم اس نے کسی سے چوری نہیں کی، بلکہ خود کمائی ہے تو یہ چوری کا مال نہیں، لہذا جس کے پاس یہ

رقم رکھی ہے، اس کو رکھنا درست ہے۔ اگر ماں باپ اور بھائیوں کے مال کو چوری کر کے رقم جمع کی ہے تو یہ چوری کا مال ہے، ایسی حالت میں اس شخص کو رقم کا رکھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۲۸۳٦] : ۱...... اس رقم کے اندر ماں باپ، بھائی، بہو کا حق ہے یا نہیں؟

۲...... جو مکان اس نے خریدا ہے اس کے اندر بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟

۳...... اس کو اس طرح علیحدہ ہونا جائز تھا جب کہ بھائیوں کی شادیاں نہیں ہوئیں اور برسرِ روزگار بھی نہیں؟

۴...... اس کو قرضہ دینا جائز تھا یا نہیں جو کہ شاملات میں رہتے ہوئے ہوا؟

۵...... اگر وہ مکان فروخت کرے تو جو مزدوری میری خرچ ہوئی ہے، لینا جائز ہے یا نہیں؟

٦...... اگر وہ رقم ہمیں دے تو اس کو ماں باپ، بھائی بہنوں میں کس طرح تقسیم کریں؟

۷...... اس شخص کے لئے کچھ سزا ہے یا نہیں، جو کہ سب بات کو جانتے ہوئے اس کی رقم کو رکھتا ہے؟ اور

---

(۱) اس صورت میں اس رقم کا رکھنا اعانت علی المعصیۃ کی بنیاد پر رکھنا جائز نہیں:

قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان، واتقو الله، إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائدة: ۲)

"يأمر تعالیٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر والتقوى وترك المنكرات، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/٦، تفسير سورة المائدة، دارالفيحا، بيروت)

"﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية، فيعمّ النهى كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصى".
(روح المعانى: ٦/۵۷، (سورة المائدة: ۲)، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"فإن ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها لمافيه من الإعانة على مالا يجوز، كل ما أدى إلى مالايجوز، لايجوز". (الدرالمختار: ٦/۳٦۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى للبس، سعيد)

اگر ہے تو حشر کے روز اس کی کیا سزا ہے؟

۸......اور میرے بھائی کی کیا سزا ہے، جس نے کہ اتنی پریشانیاں پیدا کیں اور اگر ہے تو حشر کے روز کیا سزا ہے تا کہ اس کو سمجھا دیا جائے اور وہ راہ راست پر آسکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر ماں باپ، بھائی بہنوں سے چوری کی ہے تب تو سب انہیں کی ہے، اگر خود کمائی ہے تو خود اس کمانے والے کی ہے، ماں باپ وغیرہ کا اس میں حق نہیں، ہاں! جو کچھ انہوں نے اس پر خرچ کیا ہے اگر قرض کہہ کر خرچ کیا ہے، وہ لے سکتے ہیں(۱)۔ اور بوقتِ حاجت والدین کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہوتا ہے جس میں دوسرے اولاد کے ساتھ یہ بھی شریک ہے(۲)۔

---

(۱) "فصل: القرض هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال الأخر ليردّ مثله" (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۶۱/۵، فصل في القرض، سعيد)

"وإن كان مال الصغير غائباً، أمر الأب بالإنفاق عليه ويرجع في ماله، فإن أنفق عليه بغير أمره لم يرجع، إلا أن يكون أشهد أنه يرجع، ويسعه فيما بينه وبين الله تعالىٰ أن يرجع وإن لم يشهد إذا كانت نيته يوم دفع أنه يرجع، وأما في القضاء فلا يرجع إلا أن يشهد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الاولاد: ۵۶۲/۱، رشيديه)

(۲) "ولأبويه وأجداده وجداته لو فقراء: أي تجب النفقة لهولاء". (البحرالرائق: ۲۰۵/۴، باب النفقه، كتاب النكاح، رشيديه)

"وعلى الرجل الموسر أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه في الدين". (الهداية: ۴۴۰/۲، كتاب النكاح، باب النفقة، مكتبه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۶۴/۱، الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

"إذاعمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله، فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعدّ معيناً له. فيه قيدان احترازيان: الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملامعاً في صنعة واحدة؛ إذ لو كان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده، فربحه له". (شرح المجلة: ۷۴۱/۱، (رقم المادة: ۱۳۹۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۲، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

۲......اس میں بھائیوں کا حق نہیں۔

۳......علیحدہ ہونا اس کو جائز ہے، لیکن ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہ کر کھانا، پہننا، اور اپنی کمائی علیحدہ جمع کرنا بہت بڑی بے مروتی اور انتہائی احسان فراموشی ہے جس کا نتیجہ بہت خراب ہے(۱)۔

۴......جس طرح وہ کھانے پینے میں سب کے شریک رہا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں جو قرض ہوا، اس کے ادا کرنے میں بھی سب کے ساتھ شریک رہے۔

۵......اگر کوئی معاملہ طے کیا ہے تو اس معاملہ کے موافق مزدوری لینا درست ہے، محض دل میں رکھنا اور نیت کر لینا کافی نہیں (۲)۔

۶......اس کی سعادت یہ ہے کہ والدین کی خدمت میں وہ رقم پیش کردے، پھر والدین سب کو برابر دے دیں۔

۷......اس کا جواب سب سے پہلے نمبر میں آ گیا۔

۸......اس کو نصیحت کی جائے والدین کے حقوق بتائے جائیں (۳)، اگر نہ مانے تو اس کے لئے

---

(۱) "أنت ومالک لأبیک". یعني: أن أباک کان سبب وجودک ووجودک سبب وجود مالک، فصار له بذلک حق کان به أولی منک بنفسک، فإذا احتاج فله أن یأخذ منه قدر الحاجة". (فیض القدیر: ۲۳۰۶/۵، (رقم الحدیث: ۲۷۲۱)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز)

(۲) "تنعقد الإجارة بالإیجاب والقبول کالبیع. الإیجاب والقبول فی الإجارة عبارةٌ عن الکلمات التی تستعمل لعقد الإجارة". (شرح المجلة: ۲۴۳/۱، رقم المادة: ۴۳۳، ۴۳۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"والأصل أن الضمانات فی الذمة لاتجب إلا بأحد الأمرین: إمابأخذ أو بشرط، فإذا عدما لم تجب، والشرط قبول العقد کالشراء والاستیجار والکفالة ونحوها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۶)، ص: ۱۵، صدف پبلشرز)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ معاملہ طے نہیں کیا ہے، اس لئے مزدوری لینے کا حق دار نہیں ہے۔

(۳) "عن جریر بن عبد الله رضی الله تعالی عنه قال: بایعت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی إقام الصلوة، وإیتاء الزکوة، والنصح لکل مسلم". (صحیح البخاری، باب: ۱۲۸/۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۵۲/۱، قدیمی)

دعائے خیر کی جائے اور معاف کردیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ اس سب پریشانیوں پر بہت بڑا اجر ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/ ۶۷ھ۔

ہوٹل کے ایک شریک کا اپنے دوستوں کو مشترکہ کھانا کھلانا

سوال[۶۸۳۷]: ایک ہوٹل میں زید، عمر، بکر، تینوں شریک تھے۔ زید کے ملنے والے آدمی ہوٹل آتے ہیں اور چائے کھانا وغیرہ بعض مرتبہ یا اکثر اوقات کھلانا پڑتا ہے اور زید کے دل میں خیال آتا ہے چوں کہ ہوٹل میں کئی آدمی شریک ہیں، ایسا نہ ہو کہ عمر وبکر اس بات کا خیال کریں کہ زید کے آدمی چائے وغیرہ پیتے ہیں، لہذا زید نے عمر وبکر سے یہ بات کہہ دی کہ اگر چہ آپ کو کھلانا پلانا بُرا نہ لگتا ہو، مگر میرے دل میں یہ بات گوارا نہیں، لہذا ہم یہ فیصلہ آپس میں کرلیں کہ تین چار سال کا تخمینہ آمدنی دیکھیں کہ ہوٹل کی آمدنی ماہواری کیا ہے۔

چنانچہ حساب لگایا تو تین ہزار روپیہ کی ماہوار آمدنی ہوئی، لہذا زید چاہتا ہے کہ عمر وبکر کو یعنی دونوں کو ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار ادا کردے۔ خواہ ہوٹل میں آئندہ چل کر اتنی ہی آمدنی ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو یا نہ ہو، دونوں کو ایک ایک ہزار روپے دیدیا کرے۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے ملنے والے آدمی چائے، کھانا تینوں کا مشترک کھاپی لیتے ہیں اور زید ان سے قیمت نہیں لیتا ہے، عمر وبکر بھی زید کے تعلق کی بناء پر اس کو برداشت کرلیتے ہیں، یہ ان کا زید پر احسان ہے، زید اگر اس احسان کے عوض بے ضابطہ ان کو کچھ رقم دیدیا کرے (ایک ہزار یا کم وبیش حسبِ صوابدید) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿خذ العفو وأمر بالمعروف وأعرض عن الجاهلين﴾. (سورة الأعراف: ۱۹۹)

(۲) یعنی شرکت کا معاملہ برقرار رہتے ہوئے اپنی جیب سے ایک ایک ہزار روپیہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ زید کی طرف سے احسان کا بدلہ ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

ایک شریک کا مشترکہ مکان سے نفع اٹھانا

سوال [۶۸۳۸]: مسمی عبداللہ نے ۱۹۰۱ء میں ایک مکان تعمیر کرایا، جس میں وہ خود اور اس کے تین لڑکے: زید، بکر، عمر رہتے ہیں۔ مکان کے اندر ایک قطعۂ اراضی خالی پڑی تھی جس کو عبداللہ کے بڑے لڑکے نے بہ اجازتِ والد بلا شرکتِ غیرا پنے پیسے سے تعمیر کرایا۔ مسمی عبداللہ نے اپنی حیات میں ہی مکان کو تین حصوں میں تقسیم کردیا، لیکن زید کو کچھ حصہ زیادہ بوجہ زیادہ بال بچے دار ہونے کے، اس کو تینوں نے بخوشی منظور کرلیا۔ بوقتِ تقسیم زید کے علاوہ عمر اور بکر بھی تھے جن کی عمر تقریباً بیس اور پچیس سال کے درمیان تھی۔

عرصہ تقریباً چالیس سال کا ہورہا ہے کہ عمر اور بکر نے بغرضِ کسبِ معاش اپنے آبائی مکان کو بالکل چھوڑ کر دوسرے ضلع میں سکونت اختیار کرلی۔ اتنی مدت گذرنے کے بعد عمر اور بکر اب مکان میں مساوی حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، ۱۹۶۱ء سے لے ۱۹۶۵ء تک کبھی دونوں نے مکان سے کوئی تعلق نہیں رکھا، نہ کبھی مرمت کرائی، اور نہ کسی قسم کی مالی یا غیر مالی امداد کی، چونکہ زید ہی اس میں رہتا رہا ہے، اس لئے تمام ذمہ داری مکان کی اسی پر رہی۔ بوجہ پرانا ہونے کے جب مکان کے حصے گرتے رہے تو ہمیشہ زید نے ہی اس کو مکمل اپنے پیسے سے تعمیر کرایا۔

زید نے کہا کہ اگر تم حصہ کا مطالبہ کرتے ہو تو ۶۵/ برس میں جو رقم تعمیر میں خرچ ہوئی اس کا ثلث حصہ دو، تب تم حصہ دار بن سکتے ہو۔ لیکن عمر اور بکر بلا ادائیگی حصہ چاہتے ہیں۔ اس میں عندالشرع کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبداللہ نے وہ مکان تینوں لڑکوں کو ہبہ کردیا اس طرح کہ ہر ایک کا حصہ جداگانہ ممتاز کرکے ایک کا قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ اٹھالیا تو ہبہ تام اور نافذ ہوگیا(۱) اور تینوں کی ملکیت اپنے اپنے حصہ پر ثابت ہوگئی۔ پھر اگر

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتمّ بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"هی [أی الهبة] تمليک عين بلاعوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل".

(مجمع الأنهر: ۴۸۹/۳، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنها الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملک للموهوب له غير لازم، وتتم الهبة =

دولڑکوں نے اپنے اپنے حصہ سے نفع نہیں اٹھایا، بلکہ اپنے تیسرے بھائی کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ تنہا مکان میں سکونت کرلے اور خود دوسرے جگہ چلے گئے، پھر تو یہ دونوں بھائیوں کا تیسرے بھائی کے ساتھ تبرع اوراحسان ہوا۔

پھر جب وہ مکان گرگیا اور اس کو ایک بھائی نے جو کہ اس میں سکونت کرتا تھا اپنی رقمِ خاص سے بنوایا، اب اگر یہ تبرع اوراحسان کے طور پر اپنے دونوں بھائیوں کو دوثلث دیدے اوران سے معاوضہ نہ لے جس طرح کہ ان دونوں نے اپنا اپنا حصہ مدتِ دراز تک اس کو دیئے رکھا تو یہ لائق اورزیبا ہے اور مکارمِ اخلاق میں داخل ہے(۱) لیکن اگر وہ اپنے قلب میں اس تبرع واحسان کی وسعت نہ پائے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس صورت میں دوشکلیں ہیں: ایک یہ کہ ان کے حصہ کی تعمیر میں جس قدر روپیہ خرچ ہوا ہے اس کے لینے کا تو حق نہیں (۲)، البتہ جس قدر ملبہ عمارت کا اس وقت موجود ہے اس کی قیمت تخمینہ کراکے وہ دونوں بھائی دیدیں اوراپنا اپنا حصہ مکان سے لے لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی تعمیر وہاں سے گراکر اپنا ملبہ اٹھالے اور

= بالقبض الكامل". (الدرالمختار: ۶۸۹/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۲۰)

(۲) "والثاني كما في سفلٍ الهدم، فإن صاحبه لايجبر على البناء على مامر، فذوالعلو مضطر إلى البناء وصاحبه لايجبر، فإذ أنفق ذوالعلو لايكون متبرعاً، وكذا الحائط المنهدم إذا كان عليه حمولةٌ لأخر، بخلاف ما إذا كان مريدُ الإنفاق غير مضطر، وكان صاحبه لايجبر كدارٍ يمكن قسمتها وامتنع الشريك من العمارة، فإنه لايجبر، فلو أنفق عليها الأخر بلا إذنه فهو متبرع؛ لأنه غيرمضطر، أو يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها، كماصرح به في الخانية. ويعلم مما يأتي من التقييد بمالايقسم أيضاً، وبه علم أنه لابد من التقييد بالاضطرار كماقلنا". (ردالمحتار: ۳۳۳/۴، كتاب الشركة، سعيد)

"إذا رمّ الشريك الملك المشترك بدون إذن شريكه أو من الحاكم كان متبرعاً: أي ليس له أن يرجع على شريكه بمقدار ماأصاب حصته من النفقة، سواء كان ذلك الملك المشترك قابل القسمة أولم يكن". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹۹/۱، (رقم المادة: ۱۳۱۱)، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

ان کے حصہ کی جگہ خالی کردے(۱)۔ جس بات پر راضی ہوکر تصفیہ کرلیں بہتر ہے، مقدمہ عدالت میں لے جانے سے بہت نقصان ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۵ھ۔

کارخانہ میں بیس فیصد نقصان برداشت کرنے کی شرط لگانا

سوال[۶۸۳۹]: ایک کارخانہ دار نے اپنے کارخانہ کے لئے ایک شخص سے روپیہ لیا ہے جس نے آمدنی میں تقسیم کے حساب کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرلیا کہ اگر نقصان ہوتو اپنے لگائے ہوئے روپیہ میں بیس فیصد سے زیادہ کو برداشت نہیں کروں گا، حالانکہ نقصان اصل مال کا مشترکہ قیمت کے حساب سے برداشت کرنا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کارخانہ مذکورہ کی آمدنی اس غلط معاملہ کی وجہ سے حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نقصان کی اس تحدید کی بناء پر کارخانہ کی کل آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك، له أن ينقض بناءه". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۱، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

"وإذابنى أحد الشركاء في الملك المشترك القابل القسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۸۸، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۶۸، كتاب القسمة، سعيد)

(۲) شریک کا کارخانہ دار کے ساتھ بیس فیصد نقصان قبول کرنے پر معاہدہ کرنا شرطِ فاسد ہے اور شرکت کا معاملہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود ہی باطل ہوجاتی ہے، اس لئے مذکورہ معاملہ درست ہے: .... =

مکانِ مشترک کے پُرانے کواڑوں کو اپنے کام میں لانا

سوال[۳۸۴۰]: مشترکہ مکان کے کوئی حصہ دار نے مکان کے پُرانے اور شکستہ کواڑوں کو نکلوا کر اپنے پاس سے نئے کواڑ لگوادیئے، توان کواڑوں کو جو قیمت میں نئے سے کم ہے وہ دیگر حصہ دار سے کہے بغیر اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نئے کواڑ اپنے پاس سے لگا کر پُرانے اور شکستہ کواڑوں کو اپنے کام لاتا ہے تو درست ہے جبکہ شرکاء کو اس پر اعتراض نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= "إن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة بصفة فاسدٌ، ولكن بهذا لاتبطل الشركة؛ لأن الشركة لاتبطل بالشروط الفاسدة. وإن وضعا فالوضيعة، على قدر رأس مالهما".
(الفتاوى التاتارخانية، الفصل الرابع في العنان: ۶۵۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفان، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاک جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان مماهلک من ماله على صاحبه، وشرطُ الضمان على الأخر فاسد، ولكن بهذالاتبطل الشركة، حتى لو عملا وربحا بينهما على ماشرط، فالشركة ممالاتبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۴۰۱/۶، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(۱) شریک سے پوچھے بغیر نئے کواڑ لگوانا تبرع ہے اور پرانے کواڑ شریک کی اجازت سے لے جانا مشترک چیز میں تصرف ہے جو کہ شریک کی اجازت سے جائز ہے:

"إذا رمّ الشريک الملک المشترک بدون إذن من شريكه أو من الحاكم، كان متبرعاً".
(شرح المجلة: ۶۹۹/۱، (رقم المادة: ۱۳۱۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"كل من الشركاء في الشركة أجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الأخر، ولايجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة: ۶۰۱/۱، (رقم المادة: =

مشترکہ زمین پر کسی حصہ دار کا مکان تعمیر کرنا

سوال[۶۸۴۱]: ایک بنگلہ میں کچھ حصہ داران تھے، ان میں سے ایک زید کے اوپر گورنمنٹ کا کچھ قرضہ باقی تھا، قرض ادا نہ کرنے پر زید کا حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نیلام کردیا گیا، اس حصہ کو بکر نے خریدلیا، دوسرے حصہ داران کا حصہ بدستور قائم رہا۔ بکر نے کچھ حصہ داران کا حصہ بھی خریدلیا، دو حصہ داران نے اپنا حصہ فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ بنگلہ کا جب نیلام خریدا گیا تو بلڈنگ بالکل منہدم تھی، بکر نے خود اس کو تعمیر کی۔ اس کے بعد اس کو گورنمنٹ نے کرایہ پر لے لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد گورنمنٹ کے ۱۸/ ہزار روپے کی رقم دے کر بنگلہ خریدنا چاہا، مگر بکر نے انکار کردیا ہے، بکر نے اپنی زوجہ کے مہر میں بنگلہ کو لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر کا انتقال ہوگیا، زوجہ بکر نے بھی ۱۸/ ہزار کی قیمت لینے سے انکار کردیا اور مقدمہ گورنمنٹ پر دائر کردیا، ۲۰/ برس تک مقدمہ چلتا رہا، اس دوران میں خرچ مقدمہ سب بکر کی زوجہ نے ادا کیا۔ اب ایک حصہ دار نے خفیہ عدالت میں دعوی دائر کردیا کہ ہمارا بھی حصہ ہے، مگر عدالت نے یہ کہہ کر باطل کردیا کہ دعوی معینہ مدت کے بعد کیا گیا ہے، دوسرے حصہ دار حقیقی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، ان کے اہل عیال حیات ہیں۔

اب زوجۂ بکر مقدمہ جیت گئی اور گورنمنٹ نے ۱۸/ ہزار سے بڑھ کر ۵۳/ ہزار کی رقم بطورِ قیمت ادا کردی۔ ایک تیسرے حصہ دار کو ان کا معاوضہ الگ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور کچھ کاشتکاروں کا حصہ ان کے ہاتھ میں دیا، پھر زوجہ بکر کو ان کا حصہ دیا۔ سوال یہ ہے:

= ۱۰۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ". (شرح المجلۃ: ۱/ ۶۱، (رقم المادۃ: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"کل واحد من الشریکین أو الشرکاء شرکۃ ملک أجنبی فی نصیب الآخر، حتی لایجوز لہ التصرف فیہ إلا باذن الأخر کغیر الشریک، لعدم تضمنہا الوکالۃ". (مجمع الأنہر، کتاب الشرکۃ: ۵۴۳/۲، مکتبہ غفاریہ کوئٹۃ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/ ۳۰۰، سعید)

۱......عدالت سے جن دوحصہ داروں کا حق باطل ہوگیا تھا، اپنے حصہ کی رقم میں سے معاوضہ دے۔

۲......اگران کا حصہ دینا فرض ہے تو ۱۸/ ہزار میں سے دے یا جو مقدمہ لڑکر ۵۳/ ہزار رقم لی ہے، اسی میں سے دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے جب از سرِ نو بلڈنگ تعمیر کی اور وہاں دو حصہ داروں کا بھی حصہ تھا جنہوں نے فروخت نہیں کیا تھا، تو کیا بکر نے ان دونوں سے کہا تھا کہ میں تعمیر کررہا ہوں، تم لوگ اس جگہ کو تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ کرلو تاکہ اس پر میری تعمیر ہو، اور تم کو اختیار ہے کہ تم اپنی تعمیر جداگانہ کردو یا بلا تعمیر رہنے دو، یا فروخت کردو یا ہبہ کردو، یا وقف کردو۔ اگر تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ نہیں کیا تو میرے ہاتھ فروخت کردو تاکہ پوری زمین پر میری تعمیر رہے۔ اگر فروخت نہیں کرتے تو تعمیر میں جتنی رقم خرچ ہوگئی ہے، اپنے حصہ کی نسبت سے اس میں شریک رہو، یعنی اتنی رقم تمہارے ذمہ ہوگی تاکہ تم تعمیر میں بھی حصہ دار رہو۔

اگر رقم میں بھی شرکت نہیں کرتے تو اپنے حصہ کی زمین مجھے کرایہ پر دیدو تاکہ تعمیر کل میری رہے اور تمہارے حصہ کے بقدر زمین کا کرایہ میں تم کو ادا کرتا رہوں۔ اگر کرایہ پر بھی نہیں دیتے تو اپنے حصہ پر تعمیر کرنے کی مجھے اجازت دے دو، جب تم چاہو گے میں اپنی تعمیر ہٹا کر تمہارے حصہ کی زمین خالی کردوں گا۔ ان پانچ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت پیش آئی ہو تو اس کے موافق معاملہ رہے گا۔

اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں بلکہ بکر نے خود ہی اس پر اپنی تعمیر کرلی تو اتنی مدت کا کرایہ ان کے حصہ کی زمین کا لازم ہوگا (۱)، مدت طویل ہونے کی وجہ سے ان کا حصہ باطل اور ختم ہوگا نہیں (۲)۔ پھر جب گورنمنٹ نے اس کی قیمت ادا کردی تو وہ قیمت محض زمین کی نہیں بلکہ بلڈنگ کی ہے جس میں کسی دوسرے کی کوئی رقم خرچ نہیں ہوئی، لہٰذا بلڈنگ تعمیر ہونے سے لے کر اس کے فروخت ہونے کے وقت تک جتنا کرایہ ان دونوں کے حصہ کی زمین کا دو تجربہ کار متدین آدمی تجویز کریں وہ ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) جب بکر نے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مشترکہ زمین پر اپنے لئے مکان بنایا تو یہ مکان بکر کا ہوگیا، لیکن یہ غصب ہے=

....

= اورغصب میں منافع مضمون نہیں ہیں، اس لئے دوسرے شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق نہیں ہیں، البتہ شرکاء کومکان گراکر زمین تقسیم کرنے کا حق حاصل ہے اور بکر نے دوسرے شرکاء کی اجازت سے مکان بنایا ہے تو شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق ہیں اور بکر تعمیر کے خرچ کا:

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها؛ فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن يكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۷۳، كتاب الغصب، مصر)

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها، فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن تكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال بأن بناه لذلك أو اشتراه لذلك". (الدر المختار، كتاب الغصب، ۶/۲۰۶، سعيد)

"سئل فيما إذا بنى قصراً بماله لنفسه في دار مشتركة بينه وبين إخوته بدون إذنهم، فهل يكون البناء ملكاً له؟ الجواب: نعم، إذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك له أن ينقض بناءه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الشركة، ۱/۱۰۰، مكتبه ميمنيه مصر)

"إذابنى أحد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة، ص: ۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۱، كتاب الشركة،)

"عمّر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها، لصحة أمرها. ولو أمرها لنفسه بلا إذنها فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرصة، فيؤمر بالتفريغ بطلبها ذلك، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو متطوع". (الدر المختار). "كل من بنى في دار غيره بأمره فالبناء لآمره ولو لنفسه بلا أمره فهو له، وله رفعه". (رد المحتار: ۶/۷۴۷، مسائل شتى، سعيد)

(۲) "ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلايسقط بالتقادم". (الدر المختار: ۴/۳۱، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، سعيد)

"الحق لايسقط بتقادم الزمان". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۱۶)، ص ۷۷، صدف پبلشرز)

"لا يسقط الحق بتقادم الزمان". (شرح المجلة، ص: ۹۹۲، (رقم المادة: ۱۶۷۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کاشت میں ایک بھائی کا نام درج ہے، کام سب کا مشترک ہے

سوال[۶۸۴۲]: ۱.....ایک کھیت جو باپ دادا کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور لگان پر تھا، کاشت نہیں تھی اور ہم لوگ مشترک تھے، تین بھائی تھے اور اس زمانہ میں ایک بھائی کے نام سے کاشت لگ گئی اور ہم لوگ برابر (کاشت) زراعت کرتے چلے آئے اور علیحدہ ہوجانے کے بعد بھی کھیتی مشترک رہی، اب آپس میں ایک نام کی بناء پر اختلاف پڑا ہوا ہے۔ تو شرعاً تینوں بھائیوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

۲.....ہم لوگ تینوں بھائی جب ایک میں تھے تو زمیندار سے کھیت لگان پر لیا گیا اور کھیتی کرنے لگے تو ایک بھائی کے نام سے کاشت لگ گئی، مگر علیحدہ ہوجانے کے بعد ہم لوگ مشترک طور پر برابر کھیتی کرتے رہے۔ نام کی بناء پر اختلاف ہے تو شرعاً تینوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ کتب عنایت ہو۔

(مولوی) محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....جب زبانی معاملہ مشترک ہے اور اس پر عمل درآمد ہے اور کاغذ میں صرف ایک بھائی کا نام درج ہونے کے باوجود تینوں بھائی مشترک کاشت کرتے چلے آئے تو اختلاف اور تردد کی کوئی وجہ نہیں، بلاتردد تینوں شریک ہیں (۱)۔ اور وہ کاغذی اندراج محض کاغذی ہے، کچھ مؤثر نہیں، جیسا کہ ہزل کی صورت میں طے شدہ معاملہ کا اعتبار ہوتا ہے ایسا ہی یہاں پر بھی ہوگا، یہ اندراج ہزل سے زیادہ نہیں۔

---

(۱) "شركة الأعمال هي عقد شركة على تقبل الأعمال كما إذا اتفق خياطان أو صباغ على تقبل الأعمال، فلايلزم اتحاد صنعة ومكان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/ ۷۳۶، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فالصحيحة أن يشترك اثنان على أن يتقبلا. وفي الهداية: وأماشركة الصنائع وتسمى شركة التقبل، فالخياطان والصباغان يشتركان على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما، فيجوز ذلك، وما تقبله كل واحد منهما من العمل، يلزمه ويلزم شريكه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال، إدارة القران، كراچی)

۲......تینوں بھائیوں کا حق ہے، صرف ایک کا نہیں۔ ہزل کی بحث کتب اصول میں مفصل موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

دو بھائیوں نے یکجا محنت سے جائیداد کمائی تو وہ باپ کی ملک ہے

سوال[۶۸۴۳]: ایک شخص کے دولڑکے ہیں، بڑا لڑکا برسرِ روزگار ہے۔ چھوٹا لڑکا جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہے، کبھی کبھی بڑے لڑکے نے بھی محنت کی ہے، اب یہ دونوں الگ الگ ہورہے ہیں۔ تو جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد کی جس جائیداد پر ان دونوں بھائیوں نے محنت کی ہے وہ ان کی ملک نہیں ہوگی، بلکہ ان کے والد ہی کی ہے، اس کو ازخود تقسیم کرلینے کا حق نہیں:

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة، ولم يكن لهما شئ، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، ألاترى لو غرس شجرةً تكون للأب". انتهى. كلام الشامي: "قلت: فما كان المال للأب كان كله بالأولى". شامي: ۳/ ۴۸۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الهزل في اللغة: اللعب، وفي الاصطلاح: هو أن يراد بالشئ مالم يوضع له ولا ماصح له اللفظ استعارة، والهازل يتكلم بصغية العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لايختار ثبوته الحكم ولايرضاه، والاختيار هو القصد إلى الشئ وإرادته والرضاء هو إيثاره واستحسانه". (ردالمحتار: ۴/۵۰۷، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۴/۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله، فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يُعد معيناً له، وكذا إذا أعانه ولده الذي في عياله عند غرسه شجرةً، فتلك الشجرة للأب لايشاركه ولده =

زمین ودوکان وگھوڑی میں شرکت کی ایک صورت

سوال[۶۸۴۴]: زید عمر، بکر خالد حقیقی بھائی ہیں سرکار نے دو مربع زمین عمر کو عطا کی جس کیلئے ایک راس گھوڑی عمدہ رکھنی شرط ہے برائے قانون انگریزی عمر کا خلف اکبر زمین کا مالک ہوگیا۔ تقدیر سے عمر فوت ہوگیا عمر کے لڑکے کے نام زمین منتقل ہوگئی کچھ مدت بعد عمر کا لڑکا بھی فوت ہوگیا عمر لاولد ہوگیا اب بروئے قانون انگریزی اسی خاندان میں جو عمر میں سب سے بڑا ہوگا اس کے نام زمین داخل خارج ہوگی قانوناً زید جو سب سے بڑا ہے وارث تصور ہوا لیکن زید وخالد نے منتظم صاحب کی عدالت میں درخواست دی کہ ہم (زید وخالد) راضی ہیں کہ ہر دو مربع مع گھوڑی بکر کے نام ہو۔

درخواست منظور ہوگئی ہر دو مربع بکر کے نام داخل وخارج ہوگئی بکر نے کہی جگہ تبادلہ بسبب ناقص ہونے زمین کے کرایا اور کئی جگہ بنجر شگافی کی اب تیسری جگہ بکر آباد ہے کہ عرصہ بعد خالد بھی فوت ہوگیا بکر نے بڑی نیک نیتی سے کام کر کے بائیس ۲۲ ہزار کی زمین مربعات اس جگہ آمدنی سے خریدی، جو زید اور بکر کے نام بحصہ نصف نصف کرائی گئی اب زید بکر کو کہتا ہے کہ ایک مربع مجھ کو دو، کیا زید بکر سے از روئے قانون اسلامی ایک مربع لے سکتا ہے یا نہیں۔

= فیها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۷۴۱، (رقم المادة: ۱۳۹۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له، يكون جميع ماتحصل من الكسب لأبيه. وماشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراءه لأبيه بإذنه، لايكون له الاختصاص بدون وجه شرعي، بل هو خاص بالأب، فإن كان شرائه نفسه ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه، يكون خاصاً به، وبدل الثمن مضمون للأب". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۱، كتاب الشركة، رشيديه)

"أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال، فاجتمع لهما من الكسب أموال، فالكل للأب؛ لأن الابن إذا كان في عياله، فهو معين له، ألاترى أنه لوغرس شجرةً فهي للأب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۹۵/۱، كتاب الشركة، ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۲، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

دیگر زید بکر نے دوکان پارچہ کھولی، جس میں ابتداء میں دوکان کا سرمایہ دوسو روپیہ بکر نے دیا اور تین سو روپیہ زید نے دیا، جس کو عرصہ چار سال کا ہوگیا ہے، دوکان بفضلہ بڑی نفع میں ہے دوکان کا کام زید کا لڑکا کرتا ہے بکر نے روپیہ بنیت اشتراک دیا تھا اب دوکان سے تو زید جواب دیتا ہے یعنی کچھ نہیں دیتا اور مربعات سے حصہ مانگتا ہے۔ بینوا وتوجروا بالسنة والكتاب، توجروا يوم الحساب ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب تفصیل سے تحریر کیجئے اس کے بعد جواب مکمل ہوگا۔

۱......سرکار نے دو مربع زمین جو عمر کو عطا کی ہے وہ بطور تملیک ہے یا بطور عاریت یعنی کیا عمر اس کو فروخت کرسکتا ہے یا دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے وغیرہ وغیرہ جو تصرفات مالک اپنی زمین میں کرسکتا ہے عمر کو ان تصرفات کی اجازت ہے یا نہیں؟

۲......گھوڑی بھی سرکار نے دی ہے یا عمر نے خود خریدی ہے۔ اگر سرکار نے دی ہے تو بطور تملیک یا بطور عاریت۔

۳......عمر نے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے، صلبی وغیر صلبی مذکر ومؤنث مفصل تحریر کیجئے۔

۴......عمر کے لڑکے نے اپنے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے تفصیل سے تحریر کریں۔

۵......زید وخالد نے جو بکر کے نام زمین کرائی تو ہبہ کی ہے یا محض اپنا کارکن بنایا ہے یا دونوں نے بکر کو مالک بنایا ہے اگر وہ اس زمین کو فروخت کردے تو بھی ان دونوں کو کچھ سروکار نہیں، مالک نہیں بنایا بلکہ مختار کام بنایا ہے۔

۶......بکر نے کئی جگہ تبادلہ بسبب ناقص ہونے زمین کے کرایا اس کا کیا مطلب ہے۔

۷......خالد نے کون کون وارث چھوڑے؟

۸......بائیس ہزار کی زمین جو خریدی گئی ہے اور وہ زید وبکر کے نام نصفاً نصف ہوئی تو کیا بکر نے وہ نصف زمین زید کو ہبہ کی اور اس پر زید کا قبضہ کرادیا۔ یا ہبہ نہیں کی بلکہ محض کاغذ میں نام درج کرایا ہے؟

۹......ان تمام باتوں کا تفصیل سے جواب تحریر کیجئے۔ تب جواب مکمل ہوگا۔ دیگر اگر زید اور بکر معاملہ

میں شرکت بھی ٹھہرا ہے تو شرط کے موافق دونوں نفع ونقصان میں شریک ہوں گے۔فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/۳/۱۳۵۲ھ۔

جوابات تنقیح:

اللھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔

۱.....عمر کو جو زمین سرکار نے عطا کی ہے عمر اس کو بلا مخالفت شخصے فروخت کرسکتا ہے لیکن کوئی حصہ اس کا فروخت نہیں کرسکتا بلکہ کل رقبہ مع گھوڑی ومکان مسکونہ بغیر مخالفت احدے فروخت کرسکتا ہے۔

۲.....گھوڑی عمر نے خود خریدی تھی، اب بکر اس کا قانوناً وارث ہے۔

۳.....عمر کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ زمین تقسیم نہیں کر سکتے، کیونکہ حکام وقت کے قانون میں فقط خلف اکبر ہی وارث ہوتا ہے۔

۴.....جواب ۳ ہے۔

۵.....زید خالد نے بکر کو کارکن نہیں بنایا بلکہ بکر کو موافق قانون حکام وقت مالک تسلیم کرلیا گیا ہے۔

۶.....بکر نے کئی جگہ تبادلہ جو کیا اس سے کسی کی حق تلفی مطلوب نہ تھی بلکہ پہلی زمین ناقص تھی اس کے عوض عمدہ زمین جو قانوناً جائز ہے لی۔

۷.....کا جواب ۳ ہے۔

۸.....جو زمین خریدی گئی ہے اس میں زید نصف حصہ کا قابض ومالک ہے۔اور بکر نصف حصہ کا روپیہ بکر نے دیا مگر زید چونکہ بکر کا بڑا بھائی ہے اس لئے بکر زید کو نصف حصہ کا مالک تسلیم کرتا ہے۔جواب (دیگر) زید کی بکر میں شرکت ہے چونکہ زید کالڑکا دوکان کا کام کرتا ہے وہ اپنے کام کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعد بیانات مذکورہ بالا شرعاً مربع کا مالک بکر ہوا یا زید یا مشترک

المستفتی: محمد اسماعیل آدکار پنہالہ چسک ۳ ضلع گجرات۔پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کے انتقال کے بعد اگر اس کا وارث صرف اس کا بیٹا تھا اور کوئی دوسرا وارث شرعی مستحق نہیں تھا، تو عمر

کے کل ترکہ کا مالک اس کا بیٹا ہوگیا(۱)، اور اگر کوئی اور بھی وارث شرعی مستحق تھا تو موافق شرع اپنے حصہ کا مالک ہوا تھا۔ پھر اگر اس کے انتقال کے بعد اس کا کوئی وارث شرعی نہ تھا صلبی نہ غیر صلبی نہ دختری نہ پسری نہ مذکر نہ مؤنث۔ غرض بجز زید، بکر، خالد کے کوئی وارث نہ تھا تو یہ تینوں اس کے کل ترکہ کے برابر وارث ہوں گے(۲)۔ قانون سرکاری کا اس میں کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

پھر زید وخالد نے چونکہ بکر کو اپنا حصہ ہبہ کردیا ہے یعنی بکر کو اپنے حصہ کا مالک بنادیا ہے کہ وہ بیع وغیرہ جو تصرفات چاہے کرے(۳) زید وخالد کو کوئی سروکار نہیں اور بکر کا اس پر پورا پورا قبضہ بھی کرادیا۔ تو بکر کل زمین

---

(۱) اس لئے کہ بیٹا عصبہ میں سے ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کا مستحق ہے: "العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۲۸۵/۷، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(۲) "وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم ......لكل واحد سهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۶۲/۲، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه پشاور)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء، يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۴۳/۱، (رقم الماده: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وگھوڑی کا مالک ہوگیا۔اورزید وخالد کا اس میں کوئی حصہ نہ رہا۔اس کے بعد جب بکر نے ۲۲ ہزار کی زمین خریدی تو اس میں چونکہ زید کو نصف کا شریک بنایا ہے یعنی نصف حصہ زید کو ہبہ کردیا اور تقسیم کرکے اس پر زید کا قبضہ کرادیا تو زید اس نصف حصہ کا مالک ہوگیا(۱)۔لہذا زید اس بائیس ۲۲ ہزار کا نصف طلب کرسکتا ہے اور کچھ نہیں طلب کرسکتا اگر زید کو بکر اس نصف کا مالک نہ بناتا تو زید کو اس کے مطالبہ کا کوئی بھی حق نہ تھا(۲)۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ شرعی قانون کے ذریعہ سے اگر بکر کل زمین کا مالک ہوگیا تھا تو زید ۲۲ ہزار والی زمین میں نصف کا شریک ہے کیونکہ بکر نے وہ نصف زید کو ہبہ کرکے قبضہ کرادیا ہے(۳)،لیکن اگر بکر کل زمین کا شرعاً مالک نہیں ہوا تو جتنی کا مالک ہوا ہے اس میں نصف کا شریک ہے بکر کے مالک ہونے نہ ہونے کی تفصیل اوپر بیان ہوچکی۔دیگر جس قدر دیانت دار اور ہوشیار زید کا لڑکا ہے،اگر ایسا ہی کوئی دوسرا شخص دوکان پر ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ بھی اتنا ہی کام کرتا جتنا کہ زید کے لڑکے نے کیا ہے تو اس کو جس قدر اجرت دیجاتی ہے اسی قدر

---

(۱) راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشية :۳

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده".

(شرح المجلة لسليم رستم : ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار :۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار : ۶۹۰/۵، كتاب الهبة ، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء ، يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۴۳/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اجرت زید کے لڑکے کو دیجائے گی۔ اور دکان میں موافق شرط زید اور خالد دونوں شریک ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۶ھ

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/۴/۱۳۵۲ھ

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۹/۴/۵۲ھ۔

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال[۶۸۴۵]: اگر صاحبِ تالاب مچھلی شکار کرنے کے لئے اہلِ محلہ وغیرہ کے لوگوں کو بلائے یا خود بخود لوگ آجائیں اور اس بات پر مچھلی پکڑتے ہیں یا پکڑواتے ہیں کہ نصف تالاب والے کا اور نصف پکڑنے والے کا۔ ان صورتوں میں شکار کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مچھلی تالاب والے کی ملک نہیں، بلکہ جو پکڑے اسی کی ملک ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں تالاب والے کو کوئی حق نہیں، اس کا اپنے لئے نصف مچھلی مقرر کرنا خلافِ شرع و ناجائز ہے: "لاتصح احتطاب واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات وماحصله". تنویر الأبصار: ۳/ ۵۳۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) چونکہ شرکت زید اور بکر کے درمیان ہے، زید کا لڑکا اس صورت میں اجنبی ہے، لہٰذا وہ اپنے عمل اور کام کی اجرت لے سکتا ہے:

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل ممالايصلح أوله إلابآخره. وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف في الفتاوىٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الاجارة، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۶۹ كتا ب الاجاره، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/ ۲۳۹، كتاب الإجارة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/ ۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) .... =

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی کے تالاب میں مچھلیاں ازخود آجائیں، اس کی سعی وکوشش کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور نہ ہی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کی کوئی تدبیر کی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلیاں تالاب والے کی نہیں۔

لیکن اگر تالاب کے مالک نے مچھلیوں کے نشوونما کے لئے ان کو پکڑ کر تالاب میں ڈال دیا ہو، یا مچھلیاں تالاب میں ازخود آئی ہوں، لیکن اس نے واپس نہ جانے کی تدبیر کی ہو تو اس صورت میں مچھلیاں اگرچہ تالاب والے کی مملوک ہیں لیکن سوال میں مذکور طریقہ سے مچھلیاں پکڑنا شریعت کی رو سے اس لئے ناجائز ہے کہ یہ قفیز الطحان کے قبیل سے ہے جو کہ ناجائز ہے۔

= "ولاتصح شركة في احتطاب واصطياد واستقاء، وكذا في أخذ كل مباح كالاحتشاش واجتناء الثمار". (تبيين الحقائق: ۲۵۴/۴، كتاب الشركة، فصلي في الشركة الفاسدة، دارلكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۹۶/۴، كتاب الشركة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۶۳/۲، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۶۳۰/۵، الشركة بالإعمال، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتح القدير: ۱۹۱/۶، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"والحاصل أنه إذا دخل السمك في الحظيرة، فإما أن يعدها لذلك أو لا، ففي الأول يملكه، وليس لأحد أخذه. ثم إن أمكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم، وإلا لم يجز، لعدم القدرة على التسليم. وفي الثاني: لايملكه، فلايجوز بيعه لعدم الملك، إلا أن يسد الحظيرة إذا دخل، فحينئذ يملكه. ثم إن امكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه، وإلافلا. وإن لم يعدها لذلك لكنه أخذه وارسله فيها، ملكه". (ردالمحتار: ۶۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: اى بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أوثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسد ت في الكل؛ لأنه استأجر بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه –صلى الله عليه وسلم– عن قفيز الطحان". (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال[۶۸۴۶]: چند کشتی والے مشترک ہوکر مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور ہر ایک کشتی میں دو آدمی ہوتے ہیں اور کوئی کشتی والا مچھلی پاتا ہے اور کوئی نہیں پاتا ہے۔ اور تقسیم کرتے وقت تمام کشتی چلانے والے، مچھلی شکار کرنے والے اپنے وعدہ کے مطابق حصہ کرکے لیتا ہے برابر۔ اس طرح سے شکار کرکے مچھلی تمام شرکاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس پر سب کا راضی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شرکت درست نہیں (۱)، جس کشتی والے نے جو مچھلی شکار کی ہے وہ اس کی ہے، دوسرے کشتی والے اس میں حصہ دار نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ولاتصح شركة في احتطاب واصطياد واستقاء، وكذافي أخذ مباح كالا حتشاش واجتناء الثمار من الجبال". (تبيين الحقائق: ۲۵۴/۴، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا تجوز الشركة فيما لاتجوز الوكالة كالاحتطاب والاحتشاش والاصطياد والاستقاء، وما جمعه كل واحد فله، وإن أعانه فله أجر مثله". (مجمع الأنهر: ۵۶۳/۲، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسده، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لاتصح الشركة في احتطاب احتشاش واصطياد، وسائر مباحات، وماحصله أحدهما فله، وماحصلاه معاً فلهما". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۳۲۵/۴، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"ولاتصح شركة في الاحتطاب والاصطياد والاستقاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسده، رشيديه)

"ومالاتصح فيه الوكالة، لاتصح فيه الشركة، ومثل ذلك شركة الاصطياد والاحتطاب من مباح". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۷۳۴/۲، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشركة، الفصل الأول، جنس آخر: ۲۹۶/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

مسلم اور غیر مسلم کا مائک وگراموفون مشترک خریدنا

سوال[۶۸۴۷]: اگر کوئی مسلمان اور غیر مسلم دونوں مل کر مشترکہ لاؤڈ اسپیکر مع گراموفون (۱) خریدیں تاکہ کرایہ پر چلاکر آمدنی حاصل کریں اور مسلمان اپنے جلسوں میں کرایہ پر چلاکر آمدنی حاصل کریں، اور غیر مسلم ناٹک شادی وغیرہ میں چلاکر وصول کریں (۲) اور خود لے لیں، یہ دونوں صورتوں کی کمائی کو تقسیم کرلیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر مالک صرف مسلمان ہوں اور یہ اشیاء ہندو کو کرایہ پر دیدیں تو یہ کیسا ہے؟ مدلل مفصل تسلی بخش جواب ممنون فرمادیں، احسان عظیم ہوگا۔ فقط والسلام۔

نذیر احمد، متعلم جامعہ اسلامیہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل، لمبساڑ، گجرات۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح مل کر یہ دونوں چیزیں مشترک خریدنا درست نہیں (۳)، اگر صلح کرکے گراموفون غیر مسلم کو

---

(۱) ''گراموفون (Gramophone) باجہ جس پر دھاری دار ٹکیاں بجائی جاتی ہیں''۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page No: 364, Feroz Sons, Lahore Pakistan)

ایک آلہ جس کے ریکارڈ سے آواز نکلتی ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸۷، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''ناٹک: روپ، ڈرامہ، نقل، کھیل، بہروپیا، ایکٹر''۔ (نور اللغات: ۴/۱۴۵۵، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۳) لہو ولعب اور فحش مجلسوں میں استعمال ہونے کی بناء پر اعانت اور استیجار علی المعصیۃ ہے اور وہ دونوں ناجائز ہیں:

"وبيع الأمرد ممن يعصي وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسةً أو بيت نار وأمثالها، فكله مكروه تحريماً إن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً، وإن علم وصرح كان داخلاً في الإعانه المحرمة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، : ۴۵۳/۲، مكتبه دار العلوم كراچى)

"ولايجوز الاستيجار على الغناء والنوح، وكذا سائر الملاهي؛ لأنه استيجار على المعصية، والمعصية لاتستحق بالعقد". (الهداية: ۳۰۱/۳، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي، سعيد)

دے کر لاؤڈ اسپیکر خود مسلمان رکھ لے اگرچہ کچھ نقد بھی دینا پڑے تو بہتر ہے، پھر لاؤڈ اسپیکر جائز جلسوں اور تقریروں میں لے کر اس کا کرایہ وصول کرلیا جائے تو یہ آمدنی درست ہوگی۔ اگر دونوں چیزیں مشترک دیں اور مسلمان صرف جائز جلسوں میں اسپیکر کی آمدنی لیا کرے تب بھی درست ہے۔ اگر آمدنی مشترک ہی رہے تو پھر غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر زائد آمدنی جائز مقامات پر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ہو اور کم آمدنی ناجائز ہو تو بھی مسلمان کے لئے نصف آمدنی بحصہ رسد اس آمدنی کا لینا درست ہے(۱)، گراموفون کے آمدنی درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) لیکن ناجائز آمدنی کی بقدر صدقہ کرنا لازم ہے اور گراموفون بنفسہ آلۂ معصیت نہیں، البتہ اگر ناجائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو اس کی آمدنی ناجائز ہوگی:

"إن المراد ليس هو نفس الحرام؛ لأنه ملكه بالخلط، وإنما الحرام التصرف فيه قبل أداء بدله، ففي البزازية قبيل كتاب الزكوٰة: ماأخذه من المال ظلماً ويخلطه بماله أو بمال مظلوم اٰخر، يصير ملكاً له، ينقطع حق الأول، فلا يكون أخذه عندنا حراماً محضاً، نعم لايباح الانتفاع به قبل أداء البدل".

(رد المحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوٰة، باب السائمة، سعيد)

سوال: "یہاں اکثر حضرات- جو تعلیم یافتہ طبقہ سے ہیں- یہ کہتے ہیں کہ گراموفون میں اگر صرف قرآن شریف کے ریکارڈ بجائے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں .... استفتاء یہ ہے کہ گراموفون باجہ خریدنا اس کا بجانا، خود سننا، دوسروں کو سنانا درست ہے یا نہیں؟ الخ"۔

الجواب: "احکام کبھی شئی کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کر کے اور ان دونوں کے احکام کبھی باہم مختلف بھی ہوجاتے ہیں، پس اگر اس آلہ من حیث الآلہ کی ذات پر نظر کی جاوے تو حقیقت اس کی باجہ نہیں، چنانچہ ضرب یا قرع یا غمز سے نہیں بجتا اور نہ اس میں کوئی خاص صوت ہے، بلکہ یہ حکایت ہے اصوات کی، جیسے گنبد میں صدا، یعنی آواز بازگشت کی پیدا ہوجاتی ہے، اس کو کوئی باجہ نہیں کہتا۔ پس وہ حکم میں تابع ہوگی صوت محکی عنہ کے، اگر صوت معارف ومزامیر کی ہے اس کے حکم میں ہے۔ اور اگر وہ مشروع ہے یہ بھی مشروع، اگر وہ غیر مشروع ہے یہ بھی غیر مشروع ہے، یہ تو تفصیل ہے حکم کی اس کی حقیقت پر نظر کرنے کے اعتبار سے .... الخ"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، باب: غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، عنوانِ مسئلہ: حکم سماع قرآن از گراموفون: ۴/۲۴۵، ۲۴۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

نیلام در نیلام

سوال[۶۸۴۸]: ایک جنگل کے نیلام کا اعلان ہوا، ایک جماعت اس کی خریداری کے لئے تیار ہوئی اور آپس میں معاہدہ کرلیا کہ اس کو متفقہ طور پر خرید لیا جاوے کسی ایک کے نام، اور سب شریک رہیں، اس کے بعد آپس میں اس کی بولی بولی جاوے، جو شخص جتنے نفع پر اس کا خریدار ہو، اس کا منافع وہیں ختم ہوجاوے گا، اسی طرح سے اور باقی شرکاء کریں گے، مثلاً نیلام کو زید نے سو روپے میں لیا جس میں دس شریک ہیں، اب عمر نے اس جنگل کی قیمت ۱۵۰/ روپے تجویز کی کہ اتنے میں میں خریدار ہوں، اس سے زیادہ میں نہیں، تیسرے شریک نے اس کی قیمت دوسو روپے تجویز کی کہ میں اتنے کا خریدار ہوں زیادہ کا نہیں، اسی طریقہ سے سلسلہ وار ہر شخص بولی بولے گا، یا انکار کرے گا۔

اس معاہدہ کے موافق کہ جو شخص جتنی قیمت تک خریدار ہوگا وہ اسی منافع کا شریک ہوگا، جو اس وقت ہیں، اگر دوسرے شرکاء اس کے منافع میں اضافہ کریں تو یہ شخص اس سے زیادہ منافع میں شریک نہیں۔ یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بعد ایک صورت یہ بھی ہے کہ دس میں سے دو شخص شریک ہوکر پھر متفقہ طور سے خریدار ہوتے ہیں، اور وہ بھی آپس میں یہی طے کرتے ہیں کہ ہم پھر آپس میں معاملہ طے کریں گے۔ اب دونوں میں جو نفع ہوگا اس میں تو ان آٹھ میں سے کوئی شریک اس میں ہوگا یا نہیں؟

منشی محمد شفیع، متصل مدرسہ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب خریدنے میں برابر کے شریک ہیں تو نفع میں بھی برابر ہی کے شریک رہیں گے(۱)، محض قیمت

---

(۱) "الأموال المشتركة شركة الملک تقسم حاصلاتها بين أصحابهم على قدر حصصهم، فإذا شرط أحد الشريكين لنفسه في الحيوان المشترک شيئاً زائداً على حصته من لبن ذلک الحيوان أو نتاجه لايصح". (شرح المجلة: ۱/۶۰۰، (رقم المادة: ۱۰۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والربح في شركة الملک على قدر المال". (شرح المجلة: ۲/۷۲۷، (رقم المادة: ۱۳۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه) ....=

زیادہ تجویز کرنے سے نفع کی زیادتی ناجائز ہے، ہاں! اگر کوئی شریک دوسرے شرکاء کے حصے بھی خرید لے تو ان کے حصوں کا نفع بھی یہی لے گا، جو حکم مجموعہ دس شرکاء کا ہے وہی دو شریکوں کا ہے۔

اور جس شریک کا حصہ جتنے میں خریدے گا اسی حساب سے نفع دے گا، اور خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ بیع قطعی ہو کر معاملہ طے ہو جائے، صرف بولی بولنا کافی نہیں۔ اور مجموعہ میں شریک ہیں، اس لئے جو خریدے گا وہ اپنے حصہ کے علاوہ دوسروں کے حصہ کو خریدے۔ مجموعہ کو خریدنا جس میں اپنا حصہ بھی داخل ہے، ناجائز ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد عفی عنہ، صحیح: عبداللطیف۔

= "وهذا صحيح في شركة العقد لافي شركة الملك؛ لأن الربح فيها على قدر الملك، فإذا شرطا الشراء بينهما مناصفة، يكون الربح كذلك". (ردالمحتار: ۳۱۶/۴، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا، سعيد)

"شركة الملك، وركنها اجتماع النصيبين وحكمها وقوع الزيادة على الشركة بقدر الملك". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۰۱/۲، كتاب الشركة، الباب الأول، رشيديه)

عدمِ جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیع میں بائع ومشتری کا متعدد ہونا ضروری ہے، ایک آدمی بائع ومشتری ایک ہی حالت میں نہیں بن سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع پر کوئی نہ کوئی فائدہ کا مرتب ہونا ضروری ہے جبکہ اپنے ہی مال کو خریدنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"ان البيع لايكون إلابين اثنين، وأيضاً لايجوز أن يكون الرجل الواحد بائعاً ومشترياً إلافي مكان واحد، وهو أن يشترى ماله ابنه من نفسه". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۷۵، كتاب الولاء، سعيد)

"هو (أى البيع) مبادلة شئ مرغوب فيه بمثله على وجه مفيد مخصوص. وخرج بمفيد مالايفيد، فلايصح بيع درهم بدرهم استويا وزناً وصفةً ولامقايضة أحد الشريكين حصة داره بحصة الآخر". (الدر المختار: ۵۰۴-۵۰۱/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الشريك مخيّر إن شاء باع حصته من شريكه، وإن شاء باعها من أجنبي بدون الشريك". (شرح المجلة: ۶۰۸/۱، (رقم المادة: ۱۰۸۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مضارب کے لئے تنخواہ

سوال[۶۸۴۹]: ۱...... زید نے عمر سے مضاربت کا معاملہ کیا، یعنی: رقم زید کی ہے جس سے عمر تجارت کرتا ہے، گویا زید کا مال ہے اور محنت عمر کی ہے اور نفع میں دونوں نصف نصف ہیں۔ اب عمر کہتا ہے کہ نفع کے علاوہ بھی بطورِ تنخواہ کے دوکان سے کچھ رقم ملنی چاہیے، چنانچہ زید نے دوکان سے سو روپیہ ماہوار بطورِ تنخواہ بھی طے کر دیا۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ مضارب کو نفع کے حصہ کے علاوہ اس تجارت سے ماہانہ تنخواہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

شرکت وانعام

سوال[۶۸۵۰]: ۲...... خالد اور بکر نے ایک ایک ہزار روپیہ ڈال کر دونوں نے دو ہزار سے تجارت شروع کی، اور معاملہ طے ہوا کہ خالد تجارت میں کوئی کام نہیں کرے گا، بلکہ تمام کام صرف بکر ہی کرے گا۔ اس لئے بکر کہتا ہے کہ نفع کے تین حصے کئے جائیں: ایک حصہ خالد کا اور دو حصے میرے: ایک نصف مال کی وجہ سے اور دوسرا میری محنت کی وجہ سے، جبکہ خالد کوئی کام نہیں کرتا۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ مضارب کے لئے تنخواہ تجویز ہونا درست نہیں (۱)۔

---

(۱) "لا أجر للشریک فی العمل بالمشترک". (ردالمحتار: ۳۲۶/۴، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة، مطلب: یرجع القیاس، سعید)

"لو کان طعام بین رجلین فقال: أحد هما لصاحبه: احمله إلی الموضع کذا، ولک فی نصیبی من الأجر کذا. أو قال: اطحنه ولک فی نصیبی کذا من الأجر، جاز ذلک فی قول زفر ومحمد بن صاحب. ولایجوز فی قول أبی حنیفة وأبی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ". (النتف فی الفتاوی، ص: ۳۴۹، کتاب الإجارة، إجارة الشریک شریکه، سعید)

"لأن الأجیر ملک النصف فی الحال بالتعجیل، فصار الطعام مشترکاً بینهما، فلا یستحق الأجر؛ لأنه لایعمل شیئاً لشریکه إلا وقد وقع بعضه لنفسه". (ردالمحتار: ۵۸/۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

۲...... یہ درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳/ ۷/ ۸۸ھ۔

ایک شریک کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم نہ کرنا

سوال[۱۸۵۱]: زید وبکر وعمر نے مشورہ کیا کہ ٹیلرنگ کا کاروبار کرلیا جائے اور زبانی گفتگو سے طے پایا کہ بکر کا پورا سرمایہ ہوگا۔اور زید، عمرو بکر تین آدمی شرکت دار رہوں گے، زید چار آنے کا، عمر چھ آنے کا اور بکر چھ آنے کا نفع کے حصہ دار رہوں گے۔ زید، عمر دوکان کی دیکھ بھال کریں گے، اور دوکان کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کام ہوگا سب کریں گے۔اور بکر نے نو ہزار روپے عمر کے حوالہ کیے، پھر تین ہزار روپے مزید دیئے، کل ۱۲/ ہزار روپے عمر کو دیئے گئے۔

زید نے ایک دوکان لی اور اس میں نام عمر کا ڈالدیا جو کہ زید کا حقیقی بھائی ہے تو بکر نے اس بات پر اعتراض کیا، کیوں کہ سارا روپیہ بکر ہی کا تھا، زید نے بکر کو زبانی طور سے مطمئن کردیا، اور دوکان کی پوری پوری

---

(۱) "إذا تساوى الشريكان في رأس المال وشرطا من الربح حصةً زائدةً، لأحدهما كالثلثين مثلاً، وشرط أيضاً عمل الاثنين، فالشركة صحيحةٌ والشرط معتبر. أما إذا شرط عمل أحدهما وحده فينظر: العمل إن كان مشروطاً على الشريك الذى شرط له زيادة الربح، فالشركة صحيحةٌ والشرط معتبر، ويصير ذلك الشريك مستحقاً ربح رأس ماله بماله والزيادة بعمله". (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني: ۲/۷۲۸، (رقم المادة: ۱۳۷۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وتصح مع التساوى فى المال دون الربح وعكسه، وهو أن يتساويا فى الربح دون المال، ومعناه أن يشترطا الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملاً". (تبيين الحقائق. ۴/۲۴۴، ۲۴۵، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتصح فى نوع من التجارات أوفى عمومها، وببعض مال كل منهما، وبكله، ومع التفاضل فى رأس المال والربح، ومع التساوى فيهما، وفى حدعملهما دون الأخر عندهما، ومع زيادة الربح للعامل عند عمل أحدهما". (مجمع الأنهر: ۲/۵۵۳، كتاب الشركة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۳۱۲، كتاب الشركة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى حاشيه الشلبى على تبيين الحقائق: ۴/۲۴۴، ۲۴۵، كتاب الشركة، دارالكتب العلمية بيروت)

آمدنی عمر اور زید لیتے رہے، اس طرح بکر کو اپنی رقم ڈوب جانے کا خدشہ ہوا تو بکر نے ایک مسودہ بنایا جس کو زید وعمر نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ ان دونوں نے ایک ایک مسودہ تیار کیا جو بکر کے لئے قابلِ تسلیم نہیں تھا، چونکہ اس میں بکر کے روپیہ کا تذکرہ بھی نہیں تھا، بکر کے اصرار پر بادلِ نخواستہ اس لئے مانا کہ بکر کے روپیہ تحریر میں آجائے، تب بکر نے قطعی طور پر محسوس کرلیا کہ زید وعمر دونوں مل کر دھوکہ دے رہے ہیں، کیونکہ روپے ملنے کی کوئی صورت نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب سارا سرمایہ بکر کا تھا اور زید عمر محنت کے ذمہ دار تھے، ان کا سرمایہ بالکل نہ تھا، بکر کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم کرنے اور دوکان بند کرنے کو تیار نہیں ہیں اور نہ ہی دوکان چھوڑنے کو تیار ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲...... بکر جس کا سرمایہ پورا کا پورا ہے، وہ زید وعمر کو دوکان سے الگ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اختلافی صورت میں جب رفعِ نزاع کے لئے مسئلہ دریافت کیا جائے تو سوال پر فریقین کے دستخط ہونا ضروری ہے، تب ہی رفعِ نزاع ہوسکتا ہے، ورنہ دوسرا فریق یہ کہہ دے گا کہ شرعی حکم سرآنکھوں پر مگر سوال صحیح نہیں کیا گیا، بلکہ واقعہ بدل کر کیا گیا، تاہم جو صورت اس سوال میں درج ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ مضاربت سمجھ کر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت، تجارت ونفع میں شرکت، مگر یہاں تجارت نہیں ہے اس لئے اس کو مضاربت (صحیحہ) قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس کی تشکیل یہ ہوگی کہ کل روپیہ کا مالک بکر ہے، اس نے زید وعمر کو روپیہ دیا جس سے انہوں نے جو سامان بھی خریدا وہ سب بکر کا ہے: مشین بھی، فرنیچر وغیرہ بھی، دوکان کا کرایہ دار بھی بکر ہے اگرچہ رسید کرایہ داری عمر کے نام ہے، بعد میں مزید ساماں جو کہ ہزار میں لیا گیا، وہ بھی بکر کا ہے، زید عمر کی اس میں کوئی شرکت نہیں، وہ موجودہ سامان میں سے کسی چیز کے حقدار نہیں، اتنی مدت میں مشینوں کے ذریعہ جتنے بھی روپیہ کی کمائی ہوئی ہے، اس کے کسی جز کے بھی معاملہ کے رو سے حقدار نہیں، وہ سب روپیہ بکر کا ہے، وہ سب بکر کو ادا کریں۔

اور اہلِ بصیرت مشورہ سے طے کریں کہ اتنی مدت میں جو زید وعمر نے کام کیا ہے، اگر ان کو اجرت

میں رکھا جاتا تو وہ کتنی اجرت کے مستحق ہوتے، جتنی اجرت ان کی ہوتی اتنی اجرت کے وہ حقدار ہیں، بشرطیکہ معاملہ مذکورہ میں مقرر کردہ شرح: ۴، ۶، سے زیادہ نہ ہو(۱)، اگر اس سے زیادہ ہوتو اسی چار چھ کی مقدار کے حقدار ہوں گے۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ زید وعمر دونوں نے کام کیا ہو، ورنہ اگر ایک کا نام معاہدہ میں فرضی ہو اور کام صرف ایک نے کیا ہے تو صرف کام کرنے والا حسبِ تشریح بالا اجرت کا مستحق ہوگا۔ جس وقت سے بکر نے دوکان ختم کرنے کو کہہ دیا ہے اس کے بعد دوکان چالو رکھنے اور کام کرنے کا حق زید کو نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، یکم/صفر/۸۹ھ۔

خیانت کرکے مضارب نے مکان خریدا، اب وہ مکان کس کا ہوگا؟

سوال[۲۸۵۲]: خالد اپنا روپیہ دے کر بکر سے بطورِ کمیشن کاروبار چمڑے وچربی کا کراتا ہے، حسبِ ضرورت کیف ما اتفق برابر دیئے جاتا ہے، پھر چالان روانگی مال خالد وبکر کا لین دین حساب بھی باہم سمجھ لیا کرتے ہیں۔ یہ کاروبار تقریباً تین، چار سال سے جاری ہے۔ چار، پانچ ماہ ہورہے ہیں بکر نے جعلی خریداری

---

(۱) "ویملک المضارب في المطلَقة البیع .... والإجارة استیجار، فلو استأجر أرضاً بیضاء لیزرعها أو یغرسها، جاز. قال الرحمتي: كان هذا في عرفهم أنه من صنیع التجارة، وفي عرفنا لیس منه". (تقریرات الرافعي، کتاب المضاربة: ۵/ ۲۴۱، سعید)

"(قوله: فلو استأجر أرضاً) .... كان هذا في عرفهم أنه من صنیع التجارة، وفي عرفنا لیس هو من صنیعهم، فینبغي أن لا یملكه". (تکملة ردالمحتار، مطلب: حیلة جواز المضاربة في العروض: ۸/ ۲۸۹، سعید)

(۲) "فإذا فسدت المضاربة فالربح كله له، والمضارب بمنزلة أجیر، له أجر المثل". (شرح المجلة: ۲/ ۷۵۶، (رقم المادة: ۱۴۲۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وإن فسدت فأجیر، فله أجر مثله، ربح أو لم یربح، ولا یزاد علی ما شرط له عند أبي یوسف رحمه الله تعالیٰ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب المضاربة: ۳/ ۴۴۴، مکتبه غفاریه)

(وکذا في الدر المختار: ۵/ ۶۴۶، کتاب المضاربة، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۵/ ۵۱۶، کتاب المضاربة، دار الکتب العلمیة بیروت)

کی رسید بنا کر دکھلا کر معمول سے زائد رقم لے کر ایک مکان خرید کر والد کے نام رجسٹری کرادیا، جس کا کرایہ بھی چالیس روپیہ ماہوار مل رہا ہے۔

جب خالد کو بکر کی اس بات کا علم ہوا تو خالد نے بکر کے والد کو لکھا جس پر انہوں نے بکر کو بے حد ملامت کی اور کہا کہ خالد با قاعدہ حساب کر کے لکھیں، ان کا کس قدر کمیشن تھا، یا رہتا ہے اور بکر سے کاروبار بالکل بند کر دیجئے، موجودہ مال اپنے قبضہ میں لے لیجئے، یعنی رقم میں اپنی بساط کے مطابق ماہ بماہ آپ کو ادا کرتا رہوں گا، خاطر جمع رکھیں۔ لیکن خالد نے غالباً کسی مصالح کے پیش نظر بکر سے اپنا کاروبار جاری ہی رکھا ہے۔

اب خالد کا تقاضا ہو رہا ہے کہ مکان میرے نام منتقل کر دیا جائے، میرے پیسہ سے خرید کیا گیا ہے اور کرایہ کا بھی میں ہی حقدار ہوں، تا آنکہ جب تک میرا بقایا ہی وضع کرتے رہیں اور والد بھی ماہ بماہ دے رہے ہیں، بتدریج ان شاء اللہ جلد ہی ادا ہو جائے گا، بہر حال ادائیگی ہو رہی ہے۔ اب کیا جانے تقاضا شدید کیوں بار بار ہو رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... اپنے نام خالد وہ مکان شرعاً منتقل کرا سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... خالد ہی کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

۳...... چمڑے و چربی میں بعض موقعوں پر بوقتِ ضرورت اسامیوں کو مال حاصل کرنے کے لئے پیشگی رقم دی جاتی ہے۔ بعض بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ گاہے گاہے رقم تو دیتے ہیں۔ یہ خسارہ کون برداشت کرے گا، رب المال یا کمیشن دار؟

۴...... بعض وقت نقصان ہو جاتا ہے تو نقصان کس طرف عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... خیانت اور بددیانتی معلوم کرنے کے باوجود خالد نے کاروبار بدستور جاری رکھا، اور اس کو فسخ نہیں کیا، اور بکر کے والد کی بات پر اعتماد کر کے ماتجی رقم کو ماہ بماہ (بساط کے موافق) لیتے رہنے پر رضامندی دیدی، اب مکان کو اپنے نام منتقل کرنے کا حق نہیں رہا، ہاں! اگر ماہ بماہ ادا کرنے کا وعدہ پورا نہ ہو تو پھر پوری رقم یک لخت وصول کرنے کا حق ہوگا، خواہ نقد کی شکل میں، خواہ مکان وغیرہ کی شکل میں۔ محض اس وجہ سے کہ بکر نے

خیانت کر کے اور غلط جعلی خریدار دکھلا کر رقم بچائی اور اس سے مکان اپنے والد کے نام خرید لیا وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا۔

۲..... جب وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا تو اس کے کرایہ کا مستحق بھی خالد نہیں (۱)، البتہ اپنی بقایا رقم کے عوض میں کرایہ کو محسوب کرنے کا معاملہ اگر ہو جائے تو یہ درست ہے۔

۳..... یہ مضاربت کی شکل ہے، مضاربت میں جس قدر نفع ہوا، اس میں رب المال اور مضارب (کمیشن دار) دونوں شریک ہوتے ہیں، مثلاً: ایک روپیہ نفع ہو تو چار آنے کمیشن دار کو ملے گا اور بارہ آنے مضارب کو، یا کسی اور نسبت سے یہ شرکت تجویز ہو جائے (۲)، اگر نقصان ہو تو اولاً وہ نفع میں سے لگایا جائے گا،

---

(۱) اس لئے کہ مکان بکر کی ملک ہے:

"إذا تجاوز المضارب حد مأذونيته وخالف الشرط، كان غاصباً. وفي هذا الحال يعود الربح والخسارة في تجارته له وعليه، ولايملك المضارب تجاوز بلد وسلعة أووقت أو شخص عينه المالك، فإن فعل ضمن، وكان الشراء له". (شرح المجلة: ۷۵۴/۲، (رقم المادة: ۱۴۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن قيدت ببلد أو سلعة أو وقت أومعامل معين، فليس له أن يتجاوز، كمافي الشركة، فإن تجاوز ضمن؛ لأنه صار غاصباً بالمخالفة، وكان المشترى له، والربح له: أى للمضارب". (مجمع الأنهر: ۴۴۹/۳، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وإذاخالف المضارب، كان غاصباً ضامناً للمال". (المبسوط للسرخسي: ۱۸/۱۱، كتاب الرهن، باب جناية الرهن في الحضر، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۲۸/۵، كتاب المضاربة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۵۱/۵، كتاب المضاربة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۴۹/۳، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹة)

(۲) "تصح المضاربة حتى يكون الربح مشاعاً بينهما بأن يكون أثلاثاً أو منصّفاً". (مجمع الأنهر: ۴۴۶/۳، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وكون الربح بينهما مشاعاً، فتفسد إن شرط لأحد هما عشر دراهم مثلاً". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۴۴۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹة) .... =

اگر نفع نہ ہو یا نفع سے زائد نقصان ہو جائے تو یہ زیادتی رب المال کے ذمہ ہوتی ہے۔ کمیشن دار پر اس کا تاوان نہیں پڑتا (۱)۔

۴......اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر: ۳ کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

ایک شریک کا تنخواہ لینا

سوال [۶۸۵۳]: ۱......زید، عمر، بکر، خالد چاروں نے مل کر ایک کپڑے کی دوکان ڈالی، ان چاروں نے ایک پانچویں شخص محمود کو چلانے کے لئے دی اور یہ محمود اس دوکان میں شریک نہیں، صرف چلانے کے عوض میں اس کو نفع کا نصف حصہ ملے گا، باقی نصف شرکاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ اب اس کے بعد محمود کو نفع کا نصف حصہ کم پڑتا ہے، اس لئے اس نے شرکاء سے کہا کہ ہر مہینہ تنخواہ مقرر کر دو نصف حصہ پر، تو شرکاء نے جواب دیا کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے محمود نے کہا کہ ہر مہینہ مجھے بعنوانِ ہدیہ سَو روپے دیا کرو۔ تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمود کا یہ تأویل کر کے سو روپیہ لینا اور شرکاء کو بھی اس طرح دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ صورت مضاربت کی ہے؟

= "لاتصح المضاربة إلا إذا كان الربح بينهما مشاعاً". (تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وما هلك من مال المضاربة فمن الربح، فإن زاد الهالك على الربح، لم يضمن المضارب". (كنز الدقائق، ص: ۳۴۴، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في حاشيه الشلبي على تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۴۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۱) "وماهلك من مال المضاربة، صرف الربح أولاً دون رأس المال؛ لأنه تابع، ورأس المال أصل .... فإن زاد الهالك على الربح، لايضمن المضارب لكونه أميناً، سواء كان عمله أولا". (مجمع الأنهر: ۳/۴۵۸، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، سعيد)

۲......اسی صورت مذکورہ میں محمود جو دوکان چلانے والا ہے ان چاروں شرکاء کے ساتھ اگر وہ بھی شریک ہوجائے تو اب اس کو دوکان چلانے کے عوض میں نصف حصہ ملتا ہے اور رأس المال میں شریک ہونے کی وجہ سے نصف کا پانچواں حصہ بھی ملتا ہے۔ آیا یہ صورت جائز ہے کہ نہیں؟

۳......اگر محمود رأس المال میں بھی ان چاروں کیساتھ شریک ہے اور دوکان چلانے کے لئے بعنوانِ ہدیہ ہر مہینہ لیتا ہے اور نفع کا ہر حصہ بھی چلانے کے عوض میں، مطلب یہ ہے کہ اس کو تین طریقہ سے آمدنی ہوتی ہے: ایک رأس المال میں شرکت کی وجہ سے، اور ایک دوکان چلانے کے عوض نفع کا نصف حصہ اور ہر مہینہ بعنوان ہدیہ سو روپے۔ تو یہ صورت عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......مضاربت کے لئے ضروری ہے کہ نقد مضارب کے حوالہ کیا جائے، خود مال خریدے (۱)۔ پس اگر ان چاروں شرکاء نے کپڑا خرید کر دوکان قائم کر لی اور پھر وہ دوکان محمود کو چلانے کے لئے دی تو یہ مضاربت صحیح نہیں ہوئی، محمود اس کے نفع میں شریک نہیں، بلکہ اجرِ مثل کا مستحق ہے (۲)۔ اگر نقد روپیہ محمود کو دیا اور کپڑے کی

---

(۱) "ولاتصح المضاربة إلابمال تصح به الشركة من النقدين والتبر والفلس النافق". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۵، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"يشترط أن يكون رأس المال مالاً تصح به الشركة......... وذلك لأن المضاربة تصير شركةً بحصول الربح، فلا بد من مال تصح به الشركة وهو الدراهم والدنانير والتبر أوالفلوس النافقة". (شرح المجلة: ۲/۷۴۵، (رقم المادة: ۱۴۰۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب المضاربة: ۵/۵۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) اس لئے کہ اس صورت میں مضاربت کا معاملہ فاسد ہوا: "وإن فسدت المضاربة بشيء فأجير؛ لأن المضارب عامل لرب المال......... فله : أي للمضارب أجر مثله". (مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۳/۴۴۴، غفاريه كوئٹه)

"سئل في المضاربة إذا فسدت بعد ماعمل المضارب فيها مدةً، فهل له أجر مثله، لايزاد على المشروط؟ الجواب: نعم، قال في التنوير: وإجارة فاسدة إن فسدت فلاربح حينئذٍ، بل له أجر مثله مطلقاً، لايزاد على المشروط". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۷۰، كتاب المضاربة، مكتبه ميمنيه مصر) =

دوکان کے لئے اس سے کہہ دیا اور محمود نے کپڑا خرید کر کام شروع کیا تو مضاربت صحیح ہے، لیکن وہ نفع میں شریک رہے گا، تنخواہ کا مستحق نہیں ہے (۱)۔ مزید سوروپے کا نام ہدیہ رکھنے سے ہدیہ نہیں ہوگا، ہدیہ کا اس طرح جبریہ مطالبہ نہیں ہوا کرتا ہے (۲)، لہٰذا یہ تنخواہ ہی ہے جوکہ ناجائز ہے۔ نفع ہونے کی صورت میں مضارب خود ہی شریک بن جاتا ہے (۳) اور مضاربت خود اس کا بھی کام ہوتا ہے اور اپنے (کل یا جز) کام کی تنخواہ لینے کا کوئی معنی نہیں (۴)۔

۲......اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

۳......اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں، کمامر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ٦٤٦/٥، سعيد)

(١) "لا أجر للشريك في العمل بالمشترك". (ردالمحتار: ٣٢٦/٤، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجح القياس، سعيد)

"لو كان طعام بين رجلين فقال أحدهما لصاحبه: احمله إلى الموضع كذا، ولك في نصيبي من الأجر كذا. أو قال: اطحنه ولك في نصيبي كذا في الأجر، جاز ذلك في قول زفر ومحمد بن صاحب، ولايجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى". (النتف في الفتاوى، ص: ٣٤٩، إجارة الشريك لشريكه، سعيد)

(٢) "لاجبر على الصلات إلا في مسائل". (الأشباه والنظائر: ٣٤٣/٢، (رقم المادة: ١٥٨٦)، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الهبة، إدارة القرآن كراچي)

(٣) "والمضارب أمين، وبالتصرف وكيل، وبالربح شريك". (البحر الرائق: ٤٤٦/٧، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع ردالمحتار: ٦٤٦/٥، كتاب المضاربة، سعيد)

"وإذا ربح، كان شريكاً فيه: أي في الربح؛ لأنه حصل بالمال والعمل فيشتركان فيه". (شرح المجلة: ٧٤٩/٢، (رقم المادة: ١٤١٣)، الفصل الثالث في أحكام المضاربة، مكتبه حنفيه كوئته)

(٤) (راجع رقم الحاشية: ١)

کیا مضارب نفع میں شریک ہے، نقصان میں نہیں؟

سوال[۶۸۵۴]: زید اور بکر کی شرکت تجارت میں اس شرط کے ساتھ ہوئی ہے کہ زید کی رقم اور بکر کی محنت۔ معاہدہ یہ طے ہوا ہے کہ نفع ونقصان میں نصف نصف ہوگا اگر بکر نے اصل رقم میں یعنی رأس المال کی زکوٰۃ مالک یعنی زید کی رقم میں سے اس کے سامنے نکالی، مگر یہ صاف ظاہر نہیں کیا کہ یہ رقم نفع میں کی ہے یا صرف اصل مالک کے نفع کے حصہ کی ہے جو کہ مالک یعنی زید کا نفع بھی اس میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوئی تو ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ فاسد ہے، مضاربت میں کام کرنے والا (مضارب) صرف نفع میں شریک رہتا ہے، نقصان میں شریک نہیں رہتا(۱)۔ اب جو کچھ زکوٰۃ کے نام سے پیسے دیئے ہیں، اس سے اصل مالک (رب المال) زید

---

(۱) مضارب پر نقصان میں شرکت کی شرط لگانا مفسدِ عقد نہیں ہے، بلکہ ایسی شرط خود ہی باطل ہوجاتی ہے، اور مضاربت درست ہوجاتی ہے:

"ویبطل الشرط کشرط الوضیعة: أی الخسران علی المضارب؛ لأن الخسران جزء هالک من المال، فلایجوز أن یلزم غیر رب المال، لکنه شرط زائد لا یوجب قطع الشرکة فی الربح ولاالجهالة فیه، فلایفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة کالوکالة". (مجمع الأنهر: ۴۴۷/۳، کتاب المضاربة، مکتبة غفاریه کوئٹه)

"کل شرط یوجب جهالةً فی الربح، أو یقطع الشرکة فیه، یفسدها، وإلابطل الشرط وصح العقد". (الدرالمختار). "(قوله: بطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب". (ردالمحتار: ۶۴۸/۵، کتاب المضاربة، سعید)

"وکل شرط یوجب جهالة الربح یفسدها، وإلالا، ویبطل الشرط کشرط الوضیعة علی المضارب......... وشرط الوضیعة شرطٌ زائد لایوجب قطع الشرکة فی الربح ولاالجهالة فیه، فلایکون مفسداً، وتکون الوضیعة -وهو الخسران- علی رب المال؛ لأنه مافات جزء من المال بالهلاک یلزم صاحب المال دون غیره، والمضارب أمین فیه، فلایلزمه بالشرط، فصار الأصل فیه أن کل شرط یوجب جهالةً فی الربح أو قطع الشرکة فیه مفسدٌ، ومالافلا". (تبیین الحقائق، ۵۲۱/۵، کتاب المضاربة، =

کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، البتہ اگر زید نے اجازت دی ہو تو درست ہے(۱)۔ بکر نفع میں شریک نہیں، بلکہ اجرِ مثل کا مستحق ہے، نفع سب زید کا ہے۔ اور جو پیسے بلا اجازت خرچ کئے ہیں اس کا ضمان لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۶/۸/۹۰ھ۔

جانوروں کی مضاربت میں شرکت

سوال[۶۸۵۵]: ۱...... مضاربت کے عقد میں رقم دینے والا اس شرط پر رقم دے کہ جانوروں کی تجارت کرو، خریدنا، چارنا تمہارے ذمہ ہے۔ تو جانوروں کا چارنا اس پر صحیح ہے یا نہیں؟ مدلل حوالہ سے جواب مطلوب ہے۔

۲...... مضاربت میں رقم دہندہ دو شخصوں سے کہے کہ ایک تم میں سے مال خریدے اور دوسرا مال چارے بالتعیین، یعنی خریدنے والے کی اور چارنے والے کی تعیین کرکے دوسری شرائط مضارب کی تصحیح کرکے کہے۔ تو یہ اختیار مضارب کو ہے یا نہیں؟

۳...... جانور مثلاً سو ہیں، ایک شخص ان سب کی قیمت لگادے، فی جانور ۵/ روپیہ، کل قیمت پانچ سو روپے ہوئی، اب دوسرے شخص کو بیچے کہ آدھے ڈھائی سو روپیہ کے معاوضہ میں آدھے جانور تمہارے اور آدھے

= دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی شرح المجلة: ۲/۷۵۷، (رقم المادة: ۱۴۲۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) "(ولم یزکّ مال الآخر إلا بإذنه): أی أحدهما؛ لأنه لیس من جنس التجارة، فلایکون وکیلاً عنه فی أدائها إلا أن یأذن له". (البحر الرائق: ۵/۳۰۸، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۳۶، کتاب الشرکة، الباب السادس فی المتفرقات، رشیدیه)

(۲) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه. وإن فعل، کان ضامناً". (شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح، سعید)

میرے، جاؤتم چراؤ، اس منافعہ کو جب حصہ تقسیم کریں گے مشترک ہے، تقسیم کی یہ صورت جائز ہے یانہیں؟

۴......اگر اپنے حصہ کے جانوروں کو چروائی دے تو اس وقت جائز ہے یا نہیں اور عقد کے وقت جانوروں کی تقسیم ضروری ہے یانہیں؟ فقط۔

۱۷/ربیع الثانی/۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جانور خرید کر ان کی تجارت کرو، اوران کے فروخت ہونے تک ان کو چرانے کی ضرورت پیش آئے تو خود چرا کر لاؤ تو یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے اور صحیح ہے(۱)۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں کے لئے گھاس اپنی قیمت سے خریدو، میں قیمت نہیں دوں گا اور وہ قیمت مالِ مضارب میں محسوب نہ کرے تو یہ شرط ناجائز ہے(۲)۔

۲......اس طرح عمل کی تقسیم جائز ہے(۳)، لیکن خرچ جو کچھ ہوگا وہ رب المال کا ہی ہوگا، اس کو عامل

---

(۱) "على المضارب في المضاربة المقيدة أن يتقيد بشرط رب المال وتقيده مهما كان". (شرح المجلة: ۲/۷۵۴، (رقم المادة: ۱۴۲۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الأصل أن رب المال متى شرط على المضارب شرطاً في المضاربة، إن كان شرطاً لرب المال فيه فائدةٌ، يصح، ويجب على المضارب مراعاته والوفاء، وإذا لم يف به، صار مخالفاً وعاملاً بغير أمره. وإن كان شرطاً لا فائدة فيه لرب المال، فإنه لايصح، ويجعل كالمسكوت عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۲۹۷، كتاب المضاربة، الباب السادس فيما يشترط على المضارب من الشرط، رشيديه)

(۲) "ويبطل الشرط كشرط الوضيعة على المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(۳) "وإن باع المتاع مرابحةً حسب ما أنفق على المتاع من الحملان وأجرة السمسار والقصار والصباغ ونحوه مما اعتيد ضمه ويقول البائع: قام عليّ بكذا وكذا، يضم إلى رأس مايوجب زيادة فيه حقيقةً أو حكماً، أو اعتاده التجار كأجرة السمسار". (ردالمحتار: ۵/۶۵۸، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، فصل في المتفرقات، سعيد)

کے ذمہ لگانا شرعاً جائز نہیں (۱)۔

۳..... بلاتقسیم بلاتعیین کے آدھے جانور فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں کہ اس صورت میں بیع مجہول ہے (۲)، بعد تقسیم وتعیین درست ہے۔ پھر شرکت کس شئی میں کی ہے اور منافع سے کیا مراد ہے، جانوروں کے دودھ اور بچے مراد ہیں، یا فروخت کر کے قیمت مراد ہے۔

اور تمام جانوروں کا چرانا ایک کے ذمہ کیوں ہے اور اس کو کوئی اجرت ملے گی یا نہیں، اگر نہیں ملے گی تو کیوں؟ کیونکہ یہ شرکت کی صورت نہیں، بلکہ ایک مال علیحدہ ہے اور عاقدین نے اس کو عقدِ مضاربت قرار دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو جائز ہے۔ عقدِ مضاربت میں نقد کا مضارب کے حوالہ کرنا ضروری ہوتا ہے (۳)، نیز مضارب کی طرف سے صرف عمل ہوتا ہے، مال نہیں ہوتا۔ مال صرف دوسری جانب سے ہوتا ہے (۴)۔

اگر اپنے جانوروں کی چروائی خود دے تو اس طرح چراوانا شرعاً درست ہے، اس لئے کہ اجارہ کی صورت ہے اور منافع میں شرکت نہیں۔ اگر اس کو شرکتِ عنان قرار دیا جائے کہ نصف قیمت ایک دیدے اور نصف دوسرا، ہر جانور مشترک ہو جائے، اور پھر چرانا صرف ایک کے ذمہ ہو اور فروخت کر کے قیمت میں اور بچہ پیدا

---

(۱) "ویبطل الشرط کشرط الوضیعة علی المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، کتاب المضاربة، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وفسد البیع ماسکت فیه عن الثمن......... وبیع عبد من ثوبین أو عبد من عبدین، لجهالة المبیع".

(الدرالمختار: ۵/۶۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "ولاتصح المضاربة إلابمالٍ تصح به الشرکة من النقدین والتبر والفلس". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۵، کتاب المضاربة، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۴) "هی (أی المضاربة) شرکة فی الربح من جانب، وعمل من جانب، وهو المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۳، کتاب المضاربة، مکتبة غفاریہ کوئٹہ)

ہونے پر صرف نفس مال میں بھی شرکت برقرار رہے، اور نفع بھی نصفا نصف ہو تو یہ شرکت کی صورت جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "والحيلة أن يبيع نصف البقرة من هذا الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر بثمن معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۱۴/۴، كتاب الشركة، الفصل السادس في الشركة بالأعمال، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۵، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

تمام جائیداد وقف کردینا

سوال[۶۸۵۶]: ایک شخص نے آج سے پانچ سال قبل اپنی تقریباً ساری زرعی زمین اوقاف کمیٹی باندی پورہ کے نام وقف کی، مذکورہ شخص کا ہفتہ بھر پہلے انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا:

(الف) یہ وقف نامہ جائز ہے؟ اور کیا اس کے ورثہ اس کی موت کے بعد وقف پر کوئی اعتراض کرسکتے ہیں؟ حالانکہ متوفی لاولد اور لا زن ہے اور اس کے ماں باپ اور کوئی بھائی زندہ نہیں، البتہ چچا، چچیرے بھائی اور کچھ ماموں زاد بھائی موجود ہیں؟

(ب) مذکورہ اوقاف کمیٹی اس جائیداد کی آمدنی کن مصارف میں صرف کرسکتی ہے؟

(ج) کیا یہ مذکورہ اوقاف کمیٹی مذکورہ جائیداد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس زمین کا تبادلہ یا بیع کرنے کی مجاز ہے؟

(د) کیا کوئی شخص اپنی زندگی میں ورثہ کے ہوتے ہوئے اپنی ساری جائیداد وقف کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) مالک نے اوقاف کمیٹی کو متولی بنا کر اپنی زرعی زمین وقف کر کے متولی کے قبضہ میں دیدی جس کو پانچ سال گزر چکے ہیں اور اوقاف کمیٹی اس کی آمدنی کو واقف کے منشاء کے مطابق مصارفِ خیر میں صرف کررہی ہے تو یہ وقف نامہ صحیح اور درست ہے، متوفی کے ورثہ میں سے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور اس میں

وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)۔

(ب) جب وہاں کمیٹی موجود ہے اور پانچ سال سے وہ کمیٹی خود صرف کر رہی ہے جس کی اطلاع خود واقف کو بھی ہے تو اب اس میں کیا چیز تحقیق طلب ہے۔

(ج) اس وقف کو تجارتی مال نہ بنایا جائے، اوقاف کمیٹی کو اس کے بیع کرنے کا حق نہیں ہے (۲)۔

(د) اگر ورثہ کو نقصان پہونچانا اور محروم کرنا مقصود نہ ہو اور وہ حاجتمند بھی نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کچھ دے رکھا ہو تو وقف کر سکتا ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ان سے مشورہ کر کے وقف کرے تا کہ ان کو حق تلفی کی بدگمانی نہ ہو اور موتِ واقف کے بعد خود دعوائے وراثت نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ پر خود ان کے بھی دستخط کرا دیئے جائیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع و لا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۷۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: مرضت عام الفتح حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: "لا". قلت: فالشطر؟ قال: "لا". قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثير، إن تذرْ ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس".

(سنن ابن ماجة، باب الوصية بالثلث، ص: ۱۹۴، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول، ص: ۲۶۵، قديمي)

واقف کا جائیدادِ وقف سے خود نفع اٹھانے کی شرط لگانا

سوال[۶۸۵۷]: ۱......واقف نے اگر بوقتِ تحریر وقف نامہ شرط لگائی کہ: میں تاحیات خود اَراضی موقوفہ زرعی وسکنی سے بذاتِ خود فائدہ اٹھاؤں گا اور اپنے تصرف میں لاؤں گا۔ تو یہ شرط لگانا اور جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانا باوجود اس کے کہ وہ غنی ہو جائز ہے یا نہیں اور یہ وقف ہے یا نہیں اور وہ صحیح ہے یا نہیں؟

۲......اگر واقف بوقتِ تحریر وقف نامۂ مذکورہ غنی نہ ہو اور کچھ مدت گزرنے کے بعد مالدار ہو جائے تو جائیدادِ موقوفہ مذکورہ سے واقف اس وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......اگر واقف وقف علی الاولاد میں یہ شرط لگائے کہ: میں تاحیات خود جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھاؤں گا اور میری زندگی کے بعد میری زوجہ اور اس کی زندگی کے بعد میری دختر ہذا اور اس کی زندگی کے بعد اولاد ذکور واناث بحصۂ مساوی فائدہ اٹھائیں گے۔ تو کیا اگر یہ لوگ جس وقت ان کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا مالدار ہوں تو ان کے لئے جائیداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور یہ وقف ان پر صحیح ہوگا یا نہیں؟

۴......واقف کا اپنی زندگی کے بعد اول زوجہ پر وقف ہونے کی شرط کرنا اور بعدش اپنی ایک دختر پر وقف ہونے کی اولاد موجود ہونے کے اور نیز دوسری جائیداد بلا وقف موجود ہونے کے اور عورتوں کو وراثت نہ ملنے کا قانون موجود ہونے کی حالت میں صحیح اور درست ہے یا نہیں اور اس تحریری (وقف) نامہ کو وقف علی الاولاد کہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی فتح الدین، مقام چک: ۲۵۱، ضلع لائلپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......"فی الذخیرة: إذا وقف أرضاً أو شیئاً آخر وشرط الکل لنفسه أو شرط البعض لنفسه ما دام حیاً وبعده للفقراء.......... وقال أبو یوسف: الوقف صحیح. ومشایخ بلخ أخذوا بقول أبی یوسف، وعلیه الفتویٰ، اهـ". عالمگیری، ص: ۹۸۹(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع: ۲/۳۹۷، رشیدیه)

"ولو قال: وقفت علی نفسی، ثم من بعدی علی فلان، ثم علی الفقراء، جاز عند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثانی: ۲/۳۷۱، رشیدیه) =

۲......شرطِ مذکور کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، کذا فی الھندیۃ: ۹۷۵(۱)۔

۳......اگران سب کے فائدہ اٹھانے کے لئے محتاج ہونے کی شرط نہیں کی تو سب کو نفع حاصل کرنا درست ہے، اگر محتاج ہونے کی شرط کی ہے تو مالدار کو نفع حاصل کرنا درست نہیں، محتاج کو درست ہے(۲)۔

۴......واقف کو اختیار ہے کہ اپنی جائیداد تمام اولاد پر وقف کرے، یا بعض پر، یا اور اقرباء پر۔ جس پر وقف کیا ہے اس کو اس سے حصہ ملے گا اور جس پر وقف نہیں کیا اسے اس جائیدادِ موقوفہ سے حصہ نہیں ملے گا اور اولاد اور اقرباء کہ جن پر جائیداد کو وقف کیا ہے، سب کو ختم ہو جانے پر جائیداد موقوفہ کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی:

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: "وإن سمي جهةً تنقطع، يكون بعدها للفقراء وإن لم يسمهم.......... لأن قصد الواقف أن يكون آخره للفقراء وإن لم يسمهم

= "(وجاز جعل غلة الوقف) أو الولاية (لنفسه عند الثاني)، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۴/۴، سعيد)

(۱) "رجل قال: أرضي صدقة موقوفة علی نفسي، يجوز هذا الوقف على المختار، كذا في خزانة المفتيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۳۷۱/۲، رشيديه)

"(وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه، أو جعل الولاية إليه، صح)، أما الأول: وهو ما إذا جعل غلة الوقف لنفسه، فالمذكور هنا قول أبي يوسف رحمهم الله تعالىٰ.......... فإذا شرط البعض أو الكل لنفسه، فقد شرط ما صار لله تعالىٰ لنفسه، وهو جائز". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۸/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وحاصله أن المعتمد صحة الوقف على النفس، واشتراط أن تكون الغلة له". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۹/۵، رشيديه)

(۲) "ولو قال: على الفقراء من وُلده، ولم يزد على ذلک، يدخل مَن كان فقيراً وقت حدوث الغلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۳۷۳/۲، رشيديه)

.... فکان تسمیة هذا الشرط ثابتاً دلالةً". کذا فی البدائع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۵۵ھ۔

واقف کو شرائطِ وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار

سوال [۲۸۵۸]: واقف وقف کرنے کے بعد موقوفہ چیز میں شرائط کا اضافہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے وقف کرتے وقت اگر شروط میں اضافہ کا اختیار باقی رکھا ہے تو خیار حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

"وفی الإسعاف: لایجوز له أن یفعل إلا ما شرط وقت العقد، اهـ. وفیه: لو شرط فی وقفه أن یزید فی وظیفة مَن یری زیادته، أوینقص من وظیفة مَن یریٰ نقصانه، أزیدخل معهم مَن یری إدخاله، أو یخرج مَن یریٰ إخراجه، جاز. ثم إذا فعل ذلك، لیس له أن یغیّره؛ لأن شرطه وقع علی فعل یراه، فإذا راه وأمضاه فقد انتهیٰ ما راه". شامی: ۴۳۱/۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الوقف والصدقة، فصل شرائط جواز الوقف: ۳۲۸/۵، رشیدیه)

"رجل قال: وقفت أرضی هذه علی ولدی وقفاً و آخره للمساکین، فمات ولده، قال أبو القاسم رحمه الله تعالیٰ: تصرف الغلة إلی الفقراء". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی الوقف علی الأولاد والأقرباء والجیران: ۳۲۰/۳، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یجوز الرجوع عن الشروط: ۴۵۹/۴، سعید)

"أن الواقف إذا جعل لنفسه التبدیل والتغییر والإخراج والإدخال والزیادة والنقصان، ثم فسّر التبدیل باستبدال الوقف، هل یکون صحیحاً؟ و هل تکون له و لایة الاستبدال؟ والشیخ الإمام الوالد سقی الله عهده .... أفتی بصحة ذلک". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۷۴/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"لو اشترط فی الوقف أن یزید فی وظیفة مَن یری زیادته، أو ینقص من وظیفة مَن یری نقصانه، =

ایک وقف نامہ کی تنقیح

سوال [۶۸۵۹]: وقف نامہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم کئی مرتبہ سامنے آیا، غور کیا، ایک دفعہ جواب جناب مفتی نظام الدین صاحب نے لکھا، پھر جواب اس فقیر نے لکھا، پھر آیا تو جواب جناب مفتی احمد علی سعید صاحب نے لکھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ دیکھنے سے جو نقشہ ذہن میں مرتسم ہوا ہے، جواب لکھتے وقت کہیں وہی اثر انداز نہ ہو، اس لئے ہر مرتبہ جداگانہ مجیب نے جواب لکھا، تاکہ گذشتہ تصور سے فارغ ہو کر از سر نو غور کیا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کر لیا جائے کہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم اور ان کے نسلی اور غیر نسلی ورثاء کسی سے ہماری واقفیت نہیں، نہ اندرونی حالات کا علم ہے، اگر واقفیت ہو بھی تب بھی کسی تعلق اور واقفیت کی بنا پر غلط فتوی دے کر اپنے دین کو برباد کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ پہلے لکھا گیا وہ بھی دیانۃً وحسبۃً للہ لکھا گیا اور اب بھی جو کچھ لکھا جا رہا ہے، نہ کسی کی حمایت مطلوب ہے، نہ مخالفت، نہ اپنی ضد کی بات، نہ دوسروں پر رد۔ سمجھنے اور لکھنے میں غلطی کا امکان ہر وقت ہے اور ہر ایک سے ہے، اپنے بیان کے فتوے کے جس جزو میں لغزش اور کوتاہی کا ادراک پہلے ہوا اس کو تسلیم کر لیا، اب بھی جس غلطی کا علم ہو جائے اس کو تسلیم کرنے کے لئے سینہ کھلا ہوا ہے، بایں ہمہ وما أبرئ نفسي۔

یہاں کے فتوے میں "وقف علی الأولاد" کے لفظ کو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا اور اس کے کچھ قرائن بتائے گئے ہیں، دوسرے بعض حضرات نے اس کو تو حقیقی معنی پر حمل کیا، مگر "وارثانِ شرعی" اور "بحصۂ شرعی" کو حقیقتِ شرعیہ پر محمول نہیں کیا، انہوں نے بھی کچھ قرائن بیان کئے ہیں، وہ حضرات ممکن ہے کہ ذاتی واقفیت کی بنا پر واقف کے ذہن اور منشاء کو بھی سمجھتے ہوں، جیسا کہ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کے ہی قرائن قوی بلکہ صحیح ہوں، لیکن بار بار وقف نامہ اور تنقید نامہ میں غور کرنے کے باوجود دار العلوم کے فتوے کا حتمی طور پر غلط ہونا واضح نہیں ہوا، ورنہ رجوع کر لینے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

= و من أهل الوقف، وأن يدخل معهم مَن يرى إدخاله، وأن يخرج من يرى إخراجه، جاز". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل: ۲/۲۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في أحكام الأوقاف للجصاص، ص: ۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

تنقید نامہ کے ایک ایک جز پر تنقید کرنا قاطعِ نزاع نہیں اور کچھ مفید بھی نظر نہیں آتا کہ یہ مستقل بابِ جدل ہے، اس لئے ہمارے خیال میں رفعِ نزاع کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس وقف سے تعلق رکھنے والے سب متفق ہو کر تین شخصوں کو ثالث اور حَکم تجویز کرلیں جو اہلِ فہم اور دیانت ہونے کے ساتھ ساتھ مسائلِ فقہ، فرائض پر بھی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہوں، وہ جس جانب کے قرائن کو قوی دیکھ کر فیصلہ فرمادیں گے، امید ہے کہ وہ عنداللہ بری ہوں گے اور اس پر عمل کرنا معصیت نہ ہوگا۔

حق تعالیٰ صحیح بات دل میں ڈالے، کسی کا حق تلف نہ ہو، آپس کا نزاع ختم ہو، مقدمات میں مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ آمین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۰ھ۔

احقر نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، سید احمد علی سعید، ۹۱/۲/۱۰ھ۔

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال [۶۸۶۰]: ۱...... اگر کوئی شخص ایسی زمین یا چیز مسجد میں وقف کردے جس کا وہ مالک نہ ہو اور نہ وہ چیز اس کی زرخرید ہے اور نہ وہ حاصل کیا ہے۔ اب اس صورت میں اس کا وقف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲...... زید کی زمین کل ۲۰/ ڈسمل، ۹/ کڑی ہے(۱) اور زید مسجد میں ۶۷/ ڈسمل زمین وقف کرتا ہے۔ تو کیا زائد زمین موصوفہ مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... اپنی ملک کو وقف کرنے کا اختیار ہے، جس زمین کا خود مالک نہیں اس کے وقف کرنے کا اختیار نہیں، لہٰذا اس زمین (۲۰ ڈسمل) کا وقف صحیح ہوگا، زائد کا صحیح نہیں: "ومن شرائطه الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً". مجمع الأنهر: ۱/۷۳۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۴ھ۔

---

(۱) "کڑی: جریب کا باریک اور پتلا حصہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ: ک-ڑ، ص: ۱۰۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال[۶۸۲۱]: ایک عورت نے کچھ زمین عرصہ سے زمیندار سے لگان پر بخیال آبادی لی، اپنی حیات میں اس عورت نے اپنی دختر کے نام یہ زمین ہبہ ایک روپیہ کے کاغذ پر کردی اور وہ لڑکی برابر لگان اپنے شوہر کے ذریعہ زمیندار کو کچھ عرصہ تک ادا کرتی رہی، اب جب کہ اسی عورت کی لڑکی کا انتقال ہوگیا تو کچھ لوگوں کے بہکانے سے اس عورت نے مسجد کے نام وقف کردیا۔

کیا ایسی زمین جو کہ ایک دفعہ کسی کے نام ہبہ ہوچکی ہو مسجد کے نام وقف ہوسکتی ہے، ایسی چیز مسجد کے واسطے کہاں تک جائز یا ناجائز ہے؟ وہ زمین قریباً ۲۵ یا ۲۶/ سال سے ہبہ ہوئی ہے جس کا لگان اب تک اس عورت کا داماد برابر دیتا چلا آرہا ہے، مسجد کے متولیان نے ابھی تک کوئی لگان اس کا ادا نہیں کیا، حالانکہ اس کو پندرہ سال گزر چکے، اب متولیانِ مسجد اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا التماس ہے کہ جیسا شرع شریف کا حکم ہو، مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے شئ موقوف کا ملکِ واقف ہونا ضروری ہے، اگر وہ عورت اس زمین کی مالکہ نہیں تو اس کا وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے(۱)، اسی طرح اپنی لڑکی کے نام جو اس نے ہبہ کی ہے تو وہ ہبہ بھی صحیح

= "الخامس من شرائطه الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لا تكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲ ، رشيديه)

(۱) "الخامس من شرائط الملكُ وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۲۸/۲، غفاريه كوئٹه)

نہیں ہوا۔ اگر وہ عورت اس زمین کی مالکہ ہے تو شرعاً ہبہ صحیح ہے، پس اگر ہبہ کر کے لڑکی کا قبضہ زمین پر کرا چکی ہے(۱) تو لڑکی کے مرنے کے بعد باقاعدہ اس میں میراث جاری ہوگی اور اس میں سے جس قدر حصہ اس عورت کو ملے گا وہ اس حصہ کو وقف مسجد کر سکتی ہے، دوسرے کے حصہ کو وقف نہیں کر سکتی (۲)۔ حصۂ موقوفہ پر -جس کا وقف صحیح ہو- متولی کو قبضہ کرنے کا حق ہے، غیر موقوف پر (جس کا وقف صحیح نہ ہو) قبضہ کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ شعبان/ ۵۸ھ۔

دوسرے کی مِلک کو وقف کرنا

سوال[۲۸۶۲]: زید نے چند درختانِ امبہ زمیندار کی اراضی میں نصب کر لیا تھا اور اس پر اس کا ہر طرح کا تصرف تھا، مگر اس کے نام کسی قسم کا کوئی اندراج کاغذات وبہی میں نہیں تھا، کچھ گھریلو ضرورتوں کے تحت اپنے نصب کردہ درختان بکر سے مناسب قیمت لے کر فروخت کر دیا۔ اسی درمیان میں سرکاری حکم کے بموجب پٹواریوں کو یہ ہدایت ہوئی کہ متفرق درختان کا اندراج مع ملکیت کے کیا جاوے، اس موقعہ پر بکر نے کاغذات وبہی میں باغ کا اندراج اپنے نام کرالیا، جس پر زید کو کوئی عذر نہیں تھا اور نہ گاؤں کے لوگوں ہی کو کوئی اعتراض پیدا ہوا۔

بکر کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا عالمِ دنیا میں آیا تو کچھ لوگوں کو ضد پیدا ہوئی اور اس کے تحت

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول: أحكام الأملاك: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ولو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه، جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني، فصل في وقف مشاع: ۲/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف و شرائط صحته: ۵/۶۹۸، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً" (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

ایک پارٹی بنا کر اس اراضی کو گرام سماج (۱) کی ملکیت بنانی چاہی، چونکہ اس کے اردگرد بلا اندراج قبرستان بھی ہے، لوگ باغ مذکور کو بھی قبرستان بنانا چاہتے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ باغ مذکور پر عمر کا تصرف شرعاً ناجائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس کے وقف ہونے کا شرعی ثبوت نہ ہو، والد کا وارث ہونے کی حیثیت سے عمر کا اس پر قبضہ درست ہوگا، اصل مالک کے قبضہ سے بلا وجہ شرعی کوئی چیز نکالنا ظلم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۹۷ھ۔

زمین وقف کر کے دوسرے شخص کو اس کی تملیک کرنا

سوال [۶۸۶۳]: اب سے دس سال پہلے جناب ابوقلندر صاحب نے پونا شہر کے مضافات میں کاتریج میں پانچ گنڈے (۳) زمین مکان کی غرض سے خریدی تھی، فونڈیشن پائے کی بنیاد بھی شروع ہوگئی تھی۔ تقریباً دو سال گزرنے کے بعد ان کے پاس حافظ ادریس اور چند علمائے کرام اس غرض سے تشریف لے گئے کہ پونا میں کوئی مدرسہ نہیں ہے اور ہم سب مدرسہ کی خاطر جگہ کی تلاش میں ہیں۔ جناب ابوقلندر صاحب سخاوت اور فراخدلی میں اپنی مثال آپ ہیں اور سب حضرات ان کی سخاوت سے واقف ہیں۔

بہر حال ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی پانچ گنڈے زمین- جو کاتریج میں ہے- مدرسہ کے لئے فی سبیل اللہ وقف کرتا ہوں، لیکن اس کی تمام تعمیرات وغیرہ کا انتظام آپ حضرات کے ذمہ ہے، اور حافظ

---

(۱) ''گرام: گاؤں، موضع بستی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸۷، فیروز سنز، لاھور)

''سماج: معاشرہ، سوسائٹی، انجمن، کمیٹی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۸، فیروز سنز، لاھور)

(۲) ''ومن شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً''.

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵٦۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۳) ''گنڈا: حلقہ، چھلا، کڑا، چوڑی، چار عدد، چار کوڑیاں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۰۹، فیروز سنز، لاھور)

ادریس صاحب ہی اس مدرسہ کے اہتمام کی باگ دوڑ سنبھالیں گے۔ گو بعد میں آج سے قبل چہ می گوئیاں بھی ہوئیں کہ کاتریج کی زمین مدرسہ کے لئے مناسب نہیں رہے گی، کیونکہ پونا شہر کافی دوری پر ہے اور آس پاس میں آبادی بھی نہیں ہے، بالکل جنگل میں ہے۔ بعض حضرات نے بخوشی مدرسہ کے لئے اس زمین کا انتخاب فرمایا تھا۔

اچانک ابوقلندر صاحب کی ملاقات ان کے ایک دوست شیخ وکیل الدین سے ہوئی، ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ: شیخ وکیل الدین صاحب! میں نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کے لئے اپنی کاتریج والی زمین پانچ گنڈے وقف کردی تو فوراً فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا نیک کام کیا، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، ایسی بات ہے تو اس نیک کام میں میں بھی حصہ لینا چاہتا ہوں، لیکن ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ آپ بجائے پانچ گنڈے زمین برائے مدرسہ وقف کرنے کے دس گنڈے زمین وقف فرمادیجئے، کیونکہ میں نے جو پانچ گنڈے زمین کاتریج میں وقف کی ہے، وہ آپ اپنے مصرف میں لائیں۔ مقصد یہ تھا کہ دو مقامات کے بجائے ایک جگہ ہو جائے گی اور مدرسہ کی تعمیرات کے لئے دشواری ہوگی۔ تو جناب ابوقلندر صاحب کے کہنے پر شیخ وکیل الدین نے اقرار کیا تھا کہ میں دس گنڈے زمین شیواپور والی وقف کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب گفتگو زبانی ہوئی تھی۔

وکیل الدین صاحب وقف کرنے کے بعد لکھا پڑھی کاغذی کارروائی کرنے میں تاخیر فرما رہے ہیں۔ شیخ وکیل الدین صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ سال کی ہو چکی ہے۔ خدانخواستہ ان کی اجل آجائے یا کوئی اَور بات پیش آجائے تو ان کے بعد ان کے وارثین حضرات سے ہمیں ذرہ برابر بھی امید نہیں ہے کہ وہ اپنے عزیز شیخ وکیل الدین صاحب کی وقف کردہ دس گنڈے زمین کو عربی مدرسہ کی خاطر عنایت فرمائیں گے، کیونکہ عقائد کے اعتبار سے وہ حضرات مختلف ہیں، بدعتی ہیں، ہمارے سخت مخالف ہیں، وہ اکثریت میں ہیں، کسی بھی صورت میں شیواپور میں مدرسہ کا اجراء نہیں کرنے دیں گے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ابوقلندر صاحب نے کاتریج والی زمین کا وعدہ کیا ہے کہ وکیل الدین کو دوں گا، اب اگر کاغذی کارروائی نہ ہوئی تو یہ پانچ گنڈے زمین جناب ابوقلندر صاحب کی وقف کردہ بھی بغیر فائدہ اٹھائے ہوئے ان کے قبضہ میں چلی جائے گی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ جناب حافظ ادریس صاحب اور دیگر علماء حضرات بزبانِ حال نہ کہ بزبانِ

قال اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اب مدرسہ کی زمین کی انہیں ضرورت نہیں رہی، کیونکہ اسٹیشن والی مسجد کی جگہ میں حافظ ادریس صاحب پچھلے دنوں پڑھا رہے تھے، اب امامت پنشن والی مسجد میں کررہے ہیں۔

خیر! اب اصل استفتاء یہ ہے کہ جناب ابوقلندر صاحب اپنی پانچ گنڈے زمین کا ترتیج والی وکیل الدین صاحب کی رضامندی سے واپس لے کر جس کی قیمت اس وقت پندرہ ہزار سے پچیس یا تیس ہزار روپے ہے، جب کہ خریدتے وقت اب سے دو سال قبل سات ہزار روپے کی تھی، لیکن ابوقلندر صاحب وقف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس زمین پر جوانہوں نے وقف کی تھی مدرسہ اوپر تعمیر کردیں یعنی جو موجودہ رقم زمین کی، اس رقم سے اوپر کے حصہ میں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے نچلے حصہ میں اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں اور اوپر کا حصہ مدرسہ کا رہے گا اور اس کی قیمت مدرسہ پر خرچ کرنے کے سبب نیچے والا زمین کا حصہ ہمیشہ کے لئے موقوف ابن ابوقلندر کا ذاتی ہوجائے گا یا نہیں؟

دوسری بات: جناب ابوقلندر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس وقف کردہ زمین کو خرید کر اس کا تمام سرمایہ کسی مدرسہ کو دیدیں اور اپنا کاروبار اس وقف کردہ زمین میں جاری کردیں، اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بچ جائیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی بحال رہیں، طعنہ وغیرہ سے محفوظ رہیں اور شریعت کی نگاہ سے بھی نہ گریں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین وقف کر کے اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی ملکیت میں دیدی جائے، اپنا قبضہ مالکانہ ہٹا کر اس کو للہ کردیا جائے تو اس کی بیع درست نہیں اور وہ زمین مملوک بننے کے قابل نہیں رہی (۱)۔ یہ بھی درست نہیں کہ

---

(۱) "و عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه .... الخ: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

"(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك، فلما بيننا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع و لا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

نیچے کے حصہ میں اپنا کاروبار کیا جائے اور اوپر کے حصہ میں مدرسہ بنادیا جائے (۱)، البتہ اوپر کے حصہ میں مدرسہ بناکر نیچے کے حصہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (۲) اور وہ کرایہ مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

وقفِ مشترک

سوال [۶۸۶۴]: اگر کوئی جائیداد مدرسہ مدینہ منورہ اور ہندوستان کے ادارے میں مشترک ہے اور گوناگوں مشکلات کی وجہ سے مدرسہ مدینہ منورہ کو اس کا حصہ پہنچانا ناممکن ہے اور اندریں صورت مدرسہ مدینہ

---

(۱) "قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذ جعل حانوتاً ومسكناً، تسقط حرمته، وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد، فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

"قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه، لايجوز، اهـ". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها ومايتصل به من صرف غلة الأوقاف على وجوه أخر: ۵/۸۶۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجد او في أحكامه وأحكام ما فيه: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر، يرغب الناس في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً يُواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

"وإذا أراد أن يبني فيها بيوتاً يستغلها بالإجارة، فهذه المسألة في الأصل على وجهين: إن كانت أرض الوقف متصلةً ببيوت المصر، يرغب في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الأرض و النخيل، كان له ذلك". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف: ۳/۳۱۳، رشيديه)

منورہ کے متولی نے یہ کہہ دیا ہے کہ کل جائیداد اپنے حصہ میں لگائی جائے، تمام جائیداد کی آمدنی پہلے ادارے میں صرف کی جائے، کیونکہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر ایک مسجد کی کوئی شی اس مسجد میں کارآمد نہیں ہوسکتی اور ضائع ہوتی ہو تو دوسری مسجد میں اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ توحسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱..... کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

۲..... اگر ایسا ہوسکتا ہے تو یہ دائمی ہوگا، یا جب حصہ کا پہنچانا ممکن ہو، پہنچانا ہوگا؟

۳..... اگر پہنچانا ضروری ہوگا تو صرف آئندہ یا کہ گذشتہ وصول شدہ اور خرچ شدہ بھی واپس کرنا ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فقہاء کا کلیہ ہے: "شرط الواقف کنص الشارع، إلا ما استثنی"(۱)۔ جب واقف نے ایک موقوف علیہ مثل مدرسہ مدینہ منورہ کی تصریح کردی تو اب اس کو خود بھی تبدیل کرنے کا حق باقی نہیں رہا۔ وہاں کے متولی کا یہ کہنا کہ "کل جائیداد اپنے حصہ میں لگائی جائے" بے سود اور ناقابل التفات ہے۔ فقہاء نے ایک مسجد کی شی دوسری مسجد میں منتقل کرنے میں یہ قید لگائی ہے کہ لوگوں کو اس مسجد کی حاجت باقی نہیں رہی، خواہ اس لئے کہ وہاں آبادی ختم ہوگئی، لوگ اجڑ کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے اب وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں رہا، یا یہ مسجد پرانی ہوکر خود گرگئی اور دوسری مسجد تعمیر ہوگئی، لوگ اس دوسری نئی مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں، یہاں کوئی نہیں آتا(۲)۔

مدرسہ مدینہ منورہ بھی باقی ہے، وہاں اس سے منتفع ہونے والے بھی موجود ہیں، لہٰذا اس کے حصہ کو دوسرے ادارے کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں، رہا یہ کہ مدرسہ مدینہ منورہ میں اس کا پہنچانا تو یہ ناممکن نہیں، بلکہ ممکن ہے، ممالکِ غیر میں روپیہ منتقل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جن کو تجار اختیار کرتے ہیں اور ایسے بینک بھی

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة .... اهـ".

(قواعد الفقه ص: ۸۵، الصدف پبلشرز)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "سئل شیخ الإسلام عن أهل قریةٍ رحلوا، وتداعی مسجدها إلی الخراب .... ولاینتفع المارّة، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل یجوز نقلها إلی رباط آخر ینتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، ویحصل ذلک بالثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید)

موجود ہیں جن کے ذریعہ یہ کام بسہولت ہوسکتا ہے۔ ہندوستانی ادارہ امین ہے، وہ امانت پہنچانے کی پوری کوشش کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مشترکہ جائیداد میں سے کوئی شریک اپنا حصہ وقف کرسکتا ہے؟

سوال[۶۸۶۵]: اگر ہم میں سے کوئی بھائی اپنا حصہ کسی مذہبی ادارہ کے نام وقف کرنا چاہیں تو وقف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ وقف کوئی توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

مشترک جائیدادوں میں سے جس کا دل چاہے اپنا حصہ فروخت کردے یا وقف کردے، کسی شریک کو اعتراض کا حق نہیں (۲)۔ وقف تام اور لازم ہوجانے کے بعد اس کو توڑا نہیں جاسکتا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذ لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وفي الذخيرة: ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فقال: إذا كانت الأرض بين رجلين، وقف أحدهما نصيبه منها، وهو النصف، له أن يقاسم شريكه، فيفرز حصة الوقف؛ لأن ولاية الوقف إليه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/۶۹۹، إدارة القرآن كراچي)

"ولو أن رجلين بينهما أرض، فوقف أحدهما نصيبه، جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۷، رشيديه)

"لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک، الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فإذا تمّ ولزم، لايملک ولايملّک ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملک): أي =

شریکِ وقف کی علیحدگی ہونے پر اس کی رقم کی واپسی

سوال[۶۸۶۶]: خالد، ولید، عمرو وغیرہ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے باہمی اتفاق سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی کہ جس کے بقاء اور قیام کی غرض سے باہمی مشورہ پر مناسب قوانین تجویز کئے ہیں۔ اور منجملہ قوانین مجوزہ کے ایک قانون یہ بھی ہے کہ: کوئی شریک بدونِ عذرِ معقول کے درمیانِ سال میں خارج نہیں ہوسکے گا اور اگر زبردستی خارج ہونا چاہتا ہے تو اس کی جمع کردہ رقم واپس نہیں دی جائے گی، ہاں! اگر عذر معقول ہے تو خارج ہوسکتا ہے تو اس کا حساب صاف کرکے مع رقم جمع کردہ کے اس کو رخصت کی جاتی ہے۔

نیز وعدہ لیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق انجمن سے نکل جائے گا تو اس کی جمع کردہ رقم کسی مناسب جگہ پر وقف کردی جائے گی۔ تو شرکاء میں سے ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق نکلنا چاہتا ہے اور پاس شدہ قانون کے مطابق اپنی رقم کے وقف ہونے پر راضی نہیں ہوتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ محض وقف کردینے کے وعدہ سے اس کی رقم موقوف ہوگئی اور مطالبہ کا حق باقی نہیں، یا عندالوقف اس کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور بدون اس کی اجازت کے وقف نہیں ہوسکتا؟ نہایت اطمینان بخش فیصلہ عنایت فرمائیں۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شروع میں مالک نے یہ رقم اپنی ملکیت سے خارج کرکے دے دی تھی تو اب واپس لینے کا حق دار نہیں (۱)۔ اگر بطورِ امانت تھی تو اس رقم کی واپسی ضروری ہے (۲)، اس کا وقف بہرحال ناجائز ہے، اولاً اس لئے

= لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلّم، جاز، ولایکون له أن یرجع". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۱، رشیدیه)

(۲) "وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانةً فی یده، ووجوب أدائه عند =

کہ نفسِ رقم میں وقف کی صلاحیت نہیں، کیونکہ وقف اصالۃً غیر منقول کا ہوتا ہے اور منقول کا وقف صحیح نہیں:

"إلا ما استثنیٰ منها (أی من شرائط الوقف) أن یکون المحل عقاراً أو داراً، فلا یصح وقف المنقول إلا فی الکراع والسلاح، کذا فی النهایة، اهـ". عالمگیری: ۹۶۰/۲(۱)۔

ثانیاً اس لئے کہ شروع شرکت کے وقت جو کچھ شرط ہوتی ہے، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اور وعدۂ وقف سے وقف نہیں ہوتا (۲)۔

ثالثاً اس لئے کہ اگر شروع شرکت کے وقت کے الفاظ کو وعدہ نہ تسلیم کیا جائے، بلکہ وقف ہی مانا جائے تب بھی یہ وقف منجز نہیں، بلکہ وقف کی تعلیق ہے اور وقف معلق صحیح نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منجز ہونا ضروری ہے:

"ومنها أن یکون منجزاً غیر معلق، فلو قال: إن قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین، فجاء ولده، لایصیر وقفاً، کذا فی فتح القدیر، اهـ". عالمگیری، ص: ۹۵۹(۳)۔

نیز اس میں موقوف علیہ کی تعیین نہیں، واقف رضامند نہیں۔ غرض یہ وقف کسی طرح صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۵۸/۴/۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

= طلب مالكه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة، الكتاب السادس في الأمانات، الفصل الثاني في أحكام الوديعة وضمانها: ۴۴۰/۱، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه، الخ: ۳۵۷/۲، رشيديه)

(۲) "وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: لايزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلم إليه، وعليه الفتوى، وبقول محمد يفتي، كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۱/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۶۹۲/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوقف، الأول في المقدمة: ۴۰۷/۴، رشيديه)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۵/۲، رشيديه)

"وأن يكون منجزاً غير معلق، فإنه مما لايصح تعليقه بالشرط، فلو قال: إن قدم ولدي، فداري =

تعلیمِ دین کے لئے وقف عمدہ ہے

سوال[۶۸۶۷]: زید ایک زمین وقف کرنا چاہتا ہے، گاؤں میں ایک مدرسہ قائم ہے جس میں اسلامی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ ایک اسکول بھی ہے جو کہ سرکار سے رجسٹرڈ ہے اور اس میں خاص تعلیم انگریزی وسرکاری ہوتی ہے اور اسکول کے متعلق سرکار مطالبہ کر رہی ہے کہ کوئی شخص رقبہ دیدے اور اسے اسکول کے لئے رجسٹرڈ ابدی کردیا جائے، اس لئے واقف زید تشویش میں ہے کہ مدرسہ کے مقابل اسکول میں وقف کرنا کیسا ہے؟ اور کس میں دینا افضل ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً :

وقف نیک کام کے لئے کرنا بڑی عبادت اور موجبِ اجر وثواب ہے، لہٰذا دینی تعلیم کے لئے وقف کردے تا کہ صدقۂ جاریہ رہے اور بعد میں بھی ثواب ملتا رہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أوعلم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله". رواه مسلم، اهـ". مشكوة شريف، ص: ۳۳(۱)۔

= صدقة موقوفة على المساكين، فجاء ولده، لاتصير وقفاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، ۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۳۲، قديمي)

"وأول وقف خيري عرف في الإسلام، هو وقف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لسبع حوائط (بساتين) بالمدينة .... و قبض النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تلك الحوائط السبعة، فتصدق بها: أي وقفها، ثم تلاه وقف عمر رضي الله تعالىٰ عنه، ثم تتابعت بعد ذلك أوقاف الصحابة". (الإسعاف في أحكام الأوقاف، لبرهان الدين بن إبراهيم بن أبي بكر الطرابلسي، ص: ۹، ۱۰، بحواله: وقف املاک کے شرعی احکام، مولانا مجاهد الإسلام قاسمي، ص: ۹)

"رجل جاء إلى فقيه وقال: إني أريد أن أصرف مالي إلى خير، عِتقُ العبيد أفضل أم اتخاذ الرباط للعامة؟ قال بعضهم: الرباط أفضل، وقال الفقيه أبو الليث: إن جعل للرباط مستغلاً يصرف إلى =

قال الشارح تحت قوله: "(صدقة جارية)" كالوقف"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

وقف کے لئے قبضہ شرط نہیں

سوال[۶۸۶۸]: کسی نے مدرسہ وغیرہ میں کتاب یا اور کوئی چیز وقف کی، مگر مدرسہ میں اب تک داخل نہیں کی۔ تو پھر وقف کو رد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلياً:

جیسے ہی اس نے کتاب وغیرہ کو وقف کیا تب ہی وہ وقف ہوگئی اگرچہ مہتمم کا قبضہ نہ کرایا ہو، اب اس کو واپس لینے کا اختیار نہیں رہا، یہی راجح ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= عمارة الرباط، فالرباط افضل، وإن لم يجعل إلا رباطاً فالإعتاق أفضل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۹، ۳۲۰، رشيديه)

"وجه قول العامة الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخلفاء الراشدين وعامة الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين، فإنه روى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقف، ووقف سيدنا أبو بكر، و سيدنا عمر، و سيدنا عثمان، وسيدنا عليّ وغيرهم رضى الله تعالىٰ عنهم، وأكثر الصحابة وقفوا". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۸/۳۹۲، ۳۹۳، دارالكتب العلميه بيروت)

"وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا ببر الأحباب و في الآخرة بالثواب يعني بالنية". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۹، سعيد)

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۴۵۳، (رقم الحديث: ۲۰۳)، رشيديه)

(۲) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد) .... =

وقف کے لئے منجز ہونا ضروری ہے

سوال[۶۸۶۹]: مرحوم الحاج اشرف علی صاحب کے وارثین ایک وقف نامہ میں لکھتے ہیں: غنیر گرام میں ایک دینی مدرسہ قائم ہوا، اس کے چلانے کے لئے کوئی مستقل جائیداد وغیرہ نہ تھی، بلکہ چندہ پر چلتا تھا، اس لئے میت نے اپنی جائیداد سے کچھ زمین وقف کرنی چاہی اور ہم وارثین کو بلا کر دلی خواہش ظاہر کی کہ اگر میری حیات یاوری نہ کرے تو مذکورہ چھ بیگھے زمین کاغذ کرکے دے دینا اور باقی زمین باقاعدہ وراثت آپس میں تقسیم کرلینا۔

ہم نے ان کی دلی خواہش پوری کرتے ہوئے وقف نامہ لکھ کر زمین وقف کردی۔ اب اگر کسی وجہ سے وہ مدرسہ مذکورہ ختم ہوجائے تو اس زمین کا نفع اپنے محلّہ میں بنا ہوا مکتب یا نیا بنا کر اس میں صرف کرنا ہوگا۔

= "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول، وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلمه إليه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

وقال ابن الهمام تحت قوله: "(فلذا كان قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أوجه عند المحققين). في المنية: الفتوى على قول أبي يوسف، وهذا قول مشايخ بلخ". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۹/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فلو قال: هذه الشجرة للمسجد، لا تكون له ما لم يسلمها إلى قيم المسجد عند محمد رحمه الله تعالىٰ، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ .... فالحاصل أن الترجيح قد اختلف، والأخذ بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أحوط وأسهل، ولذا قال في المحيط: ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ترغيباً للناس في الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۲۹/۵، رشيديه)

"(قوله: واختلف الترجيح): أي والإفتاء أيضاً كما في البحر، ومقتضاه أن القاضي والمفتي يخيّرَانِ في العمل بأيّهما كان. ومقتضى قولهم: (يعمل بأنفع للوقف) أن لا يعدل عن قول الثاني؛ لأن فيه إبقاءه بمجرد القول، فلا يجوز نقضه". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۵۳۳/۲، دار المعرفة، لبنان)

"واكتفى أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ بلفظ موقوفة فقط، قال الشهيد: ونحن نفتي به للعرف". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، سعيد)

اب دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ بیان سے شرعاً یہ وقف میت کی عبارت سے منعقد ہوا یا وارثین کی عبارت سے؟ وارثینِ میت کا وکیل ہونا یا وصی ہونا فتح القدیر کی عبارت: "قوله: إذا متُّ فاجعلوها وقفاً، فإنه يجوز؛ لأنه تعليق التوكيل لا تعليق الوقف بنفسه، الخ"(۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ وارثین وکیل بالوقف ہے، اگر وکیل بالوقف ہیں، جیسا کہ صاحب فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو ان وارثین کو سابق تفصیل کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

وقف کے وقت مدرسہ ایک خالص دینی قومی مدرسہ تھا جس میں فقط درسِ نظامی، عربی، فارسی اور اردو کا دینی حیثیت سے درس دیا جاتا تھا، اس کے اخراجات چندہ اور اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے، اس حالت میں بہت سال گزرے۔ اس کے بعد کمیٹی کے لوگوں میں یہ گفتگو شروع ہوئی کہ مدرسہ میں سرکاری نصاب شروع کیا جائے اور سرکاری امداد لی جائے۔ گفتگو ہوتے ہوئے جب یہ پاس ہی کرلیا تو تمام مدرسین نے جو بانیانِ مدرسہ تھے، جن کی ترغیب وکوشش سے یہ جائیداد مدرسہ میں وقف ہوئی، مع جمیع طلباء مدرسہ سے الگ ہوگئے، یہاں تک کہ مدرسہ معطل ہوگیا اور دو تین سال تک مدرسہ کا گھر مقفل رہا۔ اس کے بعد ایک کمرہ میں پرائمری اسکول کھولا گیا، پھر اس کے بہت دن بعد دوسرے کمرے میں مڈل کا نام دے کر ایک مولانا صاحب نے ایک طالب علم کو مڈل ہی کے سرکاری نصاب کے ساتھ پڑھانا شروع کیا جو ترقی کرتے ہوئے سرکاری امداد کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، بنگلہ اس حد تک داخل کیا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کے تغیر نصاب اور امداد منجانب حکومت کے فیصلہ پر تمام مدرسین مع جمیع طلباء مدرسہ سے چلے جانے کے بعد تقریباً تین سال تک مقفل ومعطل ہوجانے کی وجہ سے یہ موقوفہ جائیداد اور بتفصیل واقفین محلہ کے مکتب میں منتقل ہوگا یا نہیں؟

محمد مخلص الرحمٰن، دارالعلوم بانسکنڈی، ضلع کچھاڑ، آسام۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے اس کا منجز ہونا شرط ہے، وقف مضاف الی مابعد الموت صحیح نہیں، البتہ وہ وصیت میں ہوگا جس کی تنفیذ ثلثِ ترکہ سے ہوگی:

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۰۸/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"وشرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً لا معلقاً، إلا بكائن، ولا مضافاً، اهـ".

درمختار۔ "(قوله: و لا مضافاً) يعنى إلى ما بعد الموت، فقد نقل فى البحر أن محمداً نص فى السير الكبير أنه إذا أضيف إلى ما بعد الموت يكون باطلاً عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اهـ. نعم سيأتى فى الشرح أنه يكون وصيةً لازمةً من الثلث بالموت، لاقبله". ردالمحتار: ۳/۳۶۰(۱)۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عبارتِ میت سے وقف نہیں ہوا، بلکہ یہ وصیت ہے، ورثاء اس کے وصی ہیں، ان کے ذمہ ایک ثلثِ ترکہ سے اس کا پورا کرنا لازم ہے، اگر انہوں نے وقف کر دیا ہے تو خود ان کے وقف کرنے سے وقف ہوا۔

وصیتِ میت کے وقت مدرسہ کا جو نصب العین اور نصاب تھا اور اسی کے پیشِ نظر یعنی دینی و مذہبی تعلیم کی خاطر وقف کرنے کی وصیت کی تھی وہ ختم ہوگیا، بلکہ مدرسہ ہی معطل و مقفل ہوگیا تو پھر اس (زمین) جائیداد موقوفہ کو اس مدرسہ کے نصب العین اور نصاب کے موافق دوسرے قریب ترین مدرسہ کی طرف منتقل کرنا شرعاً درست اور منشائے میت کے عینِ موافق ہے(۲)، اور وصی نے جو شرط کی ہے وہ شرعاً معتبر ہے:"شرط الواقف

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"وفى الخلاصة: ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فى السير الكبير أن الوقف إذا أضيف إلى ما بعد الموت، فهو باطل أيضاً عند أبى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه، وهو الصحيح، لكن أصحابنا أخذوا بقولهما". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف و شرائط صحته: ۵/۶۹۴، إدارة القرآن كراچى)

"وكذا لو أوصى بأن يوقف، يجوز من الثلث فى قولهم". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۶، رشيديه)

(۲) "وحكى أنه وقع مثله فى زمن سيد الإمام الأجل فى رباط فى بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، و يحصل ذلك بالثانى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۹، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر فى الأوقاف =

كنص الشارع"(۱)۔ لہٰذا اس زمین کی آمدنی کو مڈل اسکول وغیرہ کسی بھی جگہ صرف کرنا درست نہیں، نہ مدرسہ کی عمارت یا کسی کمرے کو ایسے اسکول کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے: "يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". شامی: ۳/۳۷۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقفِ معلق یا منجز

سوال[۶۸۷۰]: فی الحال آپ کے فتاویٰ محمودیہ کا ص: ۴۹۲، ۴۸۹، خاص طور پر سامنے ہے، بندہ کو آنجناب اصل مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔ بندہ کی رائے کے مطابق حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی آئی ہے۔

چھ آدمیوں کی زمین توسیع مسجد کے لئے لی گئی ہے جن میں سے دو آدمیوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مسجد کی توسیع ہو اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہ دیں گے تو جھگڑا ختم کرنے کی غرض سے اس جگہ کے بجائے دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے۔ تو مذکورہ دونوں آدمیوں کی زمین واپس کرنا ہوگی یا وہ زمین وقف ہو چکی ہے؟ بینوا توجروا۔

= التي يستغني عنها وما يتصل به من صرف غلة الأوقاف إلى وجوه أخر، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵ رشيديه)

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

"رباط يستغني عنه، وله غلة، فإن كان بقربه رباط، صرفت الغلة إلى ذلك الرباط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر: ۲/۴۷۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

"وشرطه (أی شرط الوقف) شرط سائر التبرعات، وأن یکون منجزاً لا معلقاً، اهـ".

درمختار مختصراً۔ "(قوله: لامعلقاً) کقوله: إذا جاء غد، أو إذا جاء رأس الشهر، أو إذا کلمت فلاناً، فأرضی هذه صدقة موقوفة، أو إن شئت أو أحببت، یکون الوقف باطلاً؛ لأن الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر". ردالمحتار(۱)۔

صورتِ مسئولہ میں چھ آدمیوں کی زمین توسیعِ مسجد کے لئے لی گئی ہے، مالکانِ زمین نے دینے سے قبل یہ کہہ دیا تھا کہ "اگر مسجد کی توسیع ہو اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر اس پر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہ دیں گے" اس سے وہ زمین وقف نہیں ہوئی، کیونکہ یہ معلق ہے، منجز نہیں (۲)۔ جھگڑا ختم کرنے کے لئے اگر دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے تو یہ زمین واپس کر دینا ضروری ہے اور جب حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی وہی ہے جو آپ کی ہے تو بس انشاء اللہ کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعید)

(۲) "وشرائطه .... وأن یکون منجزاً غیر معلق، فإنه مما لایصلح تعلیقه بالشرط .... وذکر فی جامع الفصولین: الوقف فیما لایصح تعلیقه بالشرط .... وفی البزازیة: و تعلیق الوقف بالشرط باطل. وفی الخانیة: و لو قال: إذا جاء غد فأرضی صدقة موقوفة، أوقال: إذا ملکت هذه الأرض فهی صدقة موقوفة، لا یجوز؛ لأنه تعلیق، والوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر؛ لأنه لا یحلف به، فلا یصح تعلیقه کما لایصح تعلیق الهبة". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۳، ۳۱۴، رشیدیه)

"أما شرطه فهو .... وأن یکون منجزاً غیر معلق، فلو قال: إن قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین، فجاء ولده، لا یصیر وقفاً". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

"أما شرائطه .... ومنها أن یکون منجزاً غیر معلق، فلو قال: إن قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین فجاء ولده، لا یصیر وقفاً، کذا فی فتح القدیر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۵، رشیدیه)

وقف علی اللہ میں سے کچھ حصہ حق الخدمت کے لئے مقرر کرنا

سوال[۶۸۷۱]: ایک شخص نے ایک ریاست سے کافی زمین سالانہ لگان پر حاصل کی، اس کے بعد اس پر ایک کوٹھی تعمیر کی، بقیہ زمین کوٹھی کے چاروں طرف افتادہ پڑی رہی، اس کوٹھی وزمین کو گھیرنے کے لئے خام چہار دیواری بنادی، وقتاً فوقتاً ملازمین کے لئے اس زمین پر جھونپڑے بھی بنتے رہے اور کافی زمین افتادہ پڑی رہی، کوٹھی والی زمین اور پڑی زمین کا ریاست کا لگان دیا جاتا رہا۔ پھر اس شخص نے یہ کل زمین اور کوٹھی ایک عورت کو دیدی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس عورت نے اس سب زمین اور کوٹھی کو وقف علی اللہ کردیا اور کچھ حصۂ آمدنی بطورِ حق الخدمت اپنی اولادِ نرینہ ودختری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دینا تحریر کردیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ وقف علی اللہ صحیح ہے یا نہیں؟ شبہ اس لئے ہوتا ہے کہ زمین کا لگان حسبِ سابق اب بھی ریاست کو دیا جاتا ہے جس سے واضح ہے کہ زمین کی مالک ریاست ہے۔ دوسرے آمدنی کا ۱/۴ حصہ وقف نامہ کی رو سے بطورِ حق الخدمت اولادِ نرینہ ودختری کو ہمیشہ ہمیشہ ملنا تحریر ہے۔ وقف علی اللہ میں اس طرح کی شرط کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب تو مالکانِ مکان سے بھی ٹیکس لیا جاتا ہے، اگر اس کے لگان کی بھی یہی صورت ہے تو یہ وقف کرنا بھی درست ہے۔ اور وقف میں اگر کچھ حصہ مثلاً ۱/۴ بطورِ حق الخدمت اولادِ نرینہ ودختری کے لئے تجویز کردیا جائے تو اس سے وقف میں خلل نہیں آتا۔ ۳/۴ دیگر بقیہ دیگر مصارفِ خیر میں جن کو واقف نے متعین کیا ہو صرف کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثى. وإذا جاز هذا الوقف فمادام يوجد واحد من ولد الصلب، كانت الغلة له لا غير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده ونسله: ۲/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۱۹، رشيديه) .... =

قاضی کے لئے زمین وقف کرنا

سوال[۶۸۷۲]: سرکارِدوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانشین فرمائے، خداوند کریم آپ کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ کیا عہدۂ قضاء بھی کوئی چیز ہے؟ اگر ہے تو کیا اس کا اصلی وارث (یعنی جو متقی پرہیزگار ہے) اپنے حق کا وارث اور مالک ہوسکتا ہے جب کہ اس پر کوئی شرائط وقف وغیرہ کے لازم نہ آتے ہوں اور موجود نہ ہوں۔ فقط والسلام۔

ڈاکٹر عبدالمجید خاں، نائب سیکرٹری، جمعیۃ العلماء، دفتر میونسپل بورڈ، قصبہ کوزوریا، ضلع اٹاوہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اسلامی حکومت میں رعایا کے مقدمات فیصل کرنے اور لاوارثوں کے حقوق کی نگرانی وغیرہ کے لئے قاضی کا مقرر کرنا مشروع ہے(۱)، اس کی شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں (۲)۔ بعض جگہ غیر مسلم بادشاہوں نے

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد أو نفسه وأقربائه: ۶/۲۷۲، رشيديه)

(۱) "عن الحارث بن عمرو بن أخي المغيرة بن شعبة عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لمّا أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن، قال: "كيف تقضي إذا عرض لك قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: "فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "فإن لم تجد في سنة رسول الله ولا في كتاب الله"؟ قال: أجتهد برأيي ولا الو، فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدره، فقال: "الحمد لله الذى وفّق رسول رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- لِمَا يرضي رسول الله". (سنن أبي داؤد، باب اجتهاد الرأى في القضاء: ۲/۱۴۹، إمداديه ملتان)

"والقضاء هو حكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عزوجل، فكان نصب القاضي لإقامة الفرض، فكان فرضاً ضرورةً". (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضي: ۵/۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول: ۳/۳۰۶، رشيديه)

(۲) "الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ، ومنها الإسلام، ومنها الحرية، ومنها البصر، ومنها النطق، ومنها السلامة عن حد القذف". (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضي، فصل: وأما =

بھی مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر کئے ہیں، بعض جگہ رعایا نے اپنے معاملاتِ خاصہ: نکاح وغیرہ کے لئے خود بھی قاضی کو مقرر کیا ہے۔ پس اگر کسی جگہ قاضی کے لئے کچھ شرائط ہوں اور کسی نے اس کے لئے وقف کیا ہو تو وہ قاضی اس وقف کا مستحق ہوگا اور اس کے انتقال کے بعد حسبِ شرائطِ واقف جو اہل ہو وہ قاضی مستحق وقف ہوگا (۱)، یعنی اگر واقف نے کسی مخصوص خاندان کے لئے کوئی وقف کیا ہے تو اس خاندان کے افراد مستحق ہوں گے۔

اور اگر کچھ شرائط مقرر کی ہیں، مثلاً: یہ کہ جو شخص اس خاندان کا متقی اور فلاں فلاں صفت کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق ہے تو ان شروط کی رعایت لازم ہے اور جو شخص ان صفات سے خالی ہوگا وہ مستحق نہ ہوگا (۲)۔ اسی طرح خاندان کی تخصیص نہیں کی، بلکہ کام کی تخصیص کی ہے تو محض خاندانی ہونے کی وجہ سے استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ اس کام کی وجہ سے استحقاق ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= بيان من يصلح للقضاء : ۴۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء : ۳۵۴/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول: ۳۰۷/۳، رشيديه)

(۱) "وقف ضيعه على أولاده الفقهاء وأولاد أولاده إن كانوا فقهاء، ثم مات أحدهم عن ابن صغير تفقه بعد سنين، لايوقف نصيبه، ولايستحق قبل حصول تلك الصفة، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده، الخ : ۳۷۳/۲، رشيديه)

(۲) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على أصاغر ولدي، كان الوقف على الصغار خاصةً، ويعتبر في الاستحقاق مَن كان صغيراً عند الوقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۳۷۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳۲۵/۳، رشيديه)

(۳) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على ولدي الذين يسكنون البصرة، فالغلة لساكني البصرة دون غيرهم، ويعتبر ساكنوا البصرة يوم وجود الغلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۳۷۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه على ....، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران. ۳۲۴/۳، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۵/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

وقف میں تو جو شرط واقف نے لگائی ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا(۱)، لیکن عہدۂ قضاء میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس میں جو اہل ہو اور جس کو وقت کے اربابِ حلّ وعقد قاضی بنائیں وہ قاضی ہوسکتا ہے۔ آج کل ہندوستان میں حکومت اسلامی نہیں، صرف وہ لوگ قاضی کہلاتے ہیں جو نکاح خوانی وغیرہ کراتے ہیں، یا کسی قاضی کی اولاد میں ہیں، محض نکاح خوانی یا کسی قاضی کی اولاد میں ہونے سے قاضی نہیں بن جاتا۔ ایسے لوگوں کو اہلِ شہر جب چاہیں بدل سکتے ہیں، نہ وہ سرکاری قاضی ہیں اور نہ ان کے احکام قضاۃ کے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد، ۱۶/ جمادی الأولیٰ/ ۶۹ھ۔

وقف زمین میں اکھاڑہ

سوال[۲۸۷۳]: ایک خانقاہ ہے اور اس میں تھوڑی سی زمین میں پہلوانوں کے کشتی وغیرہ کرنے کے لئے مقرر ہے، پہلے متولی جو تھے انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ مال وقف اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں، لہذا ان پرانے متولیوں کو کسی وجہ سے علیحدہ کردیا گیا اور دوسرے متولیوں کو تجویز کیا گیا اور ان متولیوں نے جو اس زمین میں کشتی وغیرہ کرتے ہیں، وہ خلافِ شرع کرتے ہیں یعنی ستر کھول کر، ان کو منع کیا تو وہ منع نہیں ہوئے۔ تو حاصل سوال کا یہ ہے کہ اگر ان پہلوانوں کو فساد روکنے کے واسطے دو تین مہینے کے واسطے اجازت دیدی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کیونکہ عدمِ اجازت سے فساد کا زیادہ اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی زمین کو جو اہل اللہ کے ذکر وشغل کے لئے وقف کی گئی ہے، اکھاڑہ بنانا غرضِ واقف کے خلاف

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴۴۵/۴، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

ہے، لہٰذا ناجائز ہے(۱)۔اور ستر کھول کر کشتی کرنا تو کہیں بھی جائز نہیں (۲)۔واللہ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

وقف مرض الموت میں نہیں ہے تو وقف ہے

سوال[۶۸۷۴]: ہدایت نامی شخص کا لڑکا بہت نافرمان تھا، اپنے نانا کے گھر والدین سے الگ رہتا تھا، اس نے اپنا آدھا گھر مسجد کو وقف کر دیا اور آدھا سات سو روپے میں مسجد کو بیچ دیا اور کہا: جب تک زندہ ہوں، یہ روپے خرچ کروں گا اور جب روپیہ ختم ہو جائے تو بستی والے ہمارے خرچ کے ذمہ دار ہیں، تجہیز و تکفین سے جو رقم بچ جائے، وہ مسجد میں لگا دی جائے۔ پھر وہ مکان بیچنے اور مسجد میں وقف کرنے کے ۱۵/ یوم بعد مرگیا۔ تجہیز

---

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "عن عبدالرحمن بن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه عن أبيه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل، ولا المرأة إلى عورة المرأة". (الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمى)

قال الإمام النووى فى شرح هذا الحديث: "وأما أحكام الباب، ففيه تحريم نظر الرجل إلى عورة الرجل والمرأة إلى عورة المرأة، وهذا لاخلاف فيه. وكذلك نظر الرجل إلى عورة المرأة، والمرأة إلى عورة الرجل حرام بالإجماع". (الكامل للنووى على الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس: ۶/۳۶۴، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى النظر: ۴/۱۹۹، غفاريه كوئٹه)

وتکفین سے فراغت کے بعد پانچ سو روپیہ بچا۔ اب اس کا لڑکا کہتا ہے کہ میں اس کا وارث ہوں جب کہ مرحوم نے آدھا مکان مسجد کو وقف کردیا اور آدھا مکان مسجد کو بیچ دیا۔ لہٰذا جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ وقف مرض الموت میں نہیں کیا گیا، اس سے پہلے کیا ہے اور اس پر مسجد کا قبضہ کرادیا ہے تو وقف صحیح ہوگیا(۱) اور نصف بصورتِ بیع اور نصف بصورتِ وقف ہوکر کل مکان مسجد کا ہوگیا، کسی وارث کا اس میں کوئی حق نہیں رہا(۲)۔ تجہیز وتکفین کے بعد جو روپیہ بچا، اگر وہ مرحوم کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہے تب تو وہ بصورتِ وصیت مسجد کو دے دیا جائے، اگر وہ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ ہے تو ایک تہائی ترکہ کے اندر اندر مسجد میں دے دیا جائے، بقیہ ورثہ کا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۵/۲۳ھ۔

---

(۱) "ویزول ملكه عن المسجد والمصلي بالفعل ولقوله: جعلته مسجداً عند الثاني". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۵، ۳۵۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(۲) "وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع ولا يوهب ولايورث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۳) "وإذا وقف الرجل أرضه في مرضه على الفقراء والمساكين، فالوقف جائز من الثلث، كما لو أوصى بأن يوقف أرضه بعد وفاته، فإنه يعتبر من الثلث". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الخامس عشر في وقف المريض: ۵/۸۰۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب العاشر في وقف المريض: ۲/۴۵۳، ۴۵۴، رشيديه)

غیرآباد مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کا تبادلہ

سوال[۶۸۷۵]: ایک شخص نے اپنی اراضی جو کہ ایک ویران مقام پر واقع ہے، اس میں محض اس خیال سے کہ باغ میں رہنے والوں کو نمازِ مسجد کا ثواب ملے۔ تقریباً ایک بسہ زمین اراضی مذکور کے وسط میں مسجد کے نام سے وقف کردی ہے، حالانکہ نہ وہاں کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی راستہ ہے جو باغ میں ہو کر جاتا ہو جس سے کہ راہ چلنے والے آکر نماز پڑھیں۔

اب اگر وہ اپنی اراضی فروخت کرنا چاہے اور خریدنے والا کوئی غیر مسلم ہو، اس حالت میں جب کہ اس مسجد کا کوئی نشان بھی باقی نہیں ہے، کیا اراضی کے ساتھ ایک بسہ زمین کا جو مسجد کے نام سے وقف تھی اس کو فروخت کرنا درست ہے، کیا اس کی گنجائش ہے کہ اس ایک بسوہ(۱) زمین کی قیمت کسی آباد مسجد میں لگادی جائے، یا اتنی ہی اراضی یا اس کی قیمت سے اراضی کسی مسجد کے لئے خرید دیوے؟ کیونکہ یہ ایک بسوہ وقف شدہ اراضی باغ کے بالکل بیچ میں ہے، اس لئے کسی کو بیع کرنے کی صورت میں اس کے بچا لینے کی کوئی صورت بھی نہیں ہے اور کسی غیر مسلم سے یہ امید بھی نہیں کہ وہ اس اراضی کو دینی ضرورت کے لئے استعمال کرے گا اور مسجد کا احترام برقرار رکھے گا۔ ان سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں شریعت کا جو فیصلہ ہو، اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف تام ولازم ہونے کے بعد اس کی بیع جائز نہیں: "إذا تم ولزم، لایملك ولایملّك"۔ "أي لایکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملك) : أي لاتقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، الخ". شامی: ۵۰۷/۳(۲)۔

(۱) "بسوہ: بیگھا کا بیسواں حصہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ: ب،س، ص: ۱۲۵، فیروز سنز، لاهور)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"(قوله : لایملك الوقف) بإجماع الفقهاء کما نقله في فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضي الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه) .... =

لیکن اگر اس کے تحفظ کی کوئی صورت نہ رہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر نفسِ وقف ہی کے باطل ہو جانے کا مظنہ ہو تو مجبوراً دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کرلیا جائے، کذا فی عمدۃ القاری للعینی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

وقف معلق بالموت کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۶۸۷۶]: ایک شخص نے اپنی زمین کو معلق بالموت وقف کیا، اب اس شخص کو ضرورت پڑی۔ آیا وقف نامہ زمین فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبدالعلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف معلق بالموت وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، جس طرح موصی کو اپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنا درست ہے، اسی طرح وقف معلق بالموت میں بھی واقف کو وقف سے رجوع کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا اگر واقف اپنے وقف سے رجوع کرے اور اس موقوفہ زمین کو فروخت کرنا چاہے تو شرعاً درست ہے:

"والحاصل أنه إذا علقه: أي الوقف بموته، فالصحيح أنه وصية لازمة، لكن لم يخرج

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الاول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۱) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته، (رقم الحديث: ۱۴۸۹): ۱۲۲/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"والثاني: أن لايشرطه، سواء شرط عدمه أو سكت، لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بان لايحصل منه شئ أصلاً، اولا يفي بمؤنته، فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدلال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۱/۵، ۳۷۴، رشيديه)

عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته لما يلزم منّ إبطال الوصية، وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته، بحر. اهـ". درمختار: ۳/ ۵٦ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۹/ ٦۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ رمضان/ ۱۳٦۲ھ۔

جبراً وقف کرانا

سوال[٦٨٧٧]: ۱...... ایک مشترکہ زمین جو درمیان چند مسلمان اور غیر مسلم کے تھی، اور آبادی میں واقع تھی، یہ مشترکہ زمین تقریباً ۵۰، ٦۰/ سال سے مسلم وغیر مسلم کے نام تھی۔

۲...... زید نے اس مشترکہ زمین میں سے بلا تقسیم کے غیر مسلم کا حصہ خرید لیا اور زید اس کی تقسیم بذریعۂ عدالت منصفی کرا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دیا ہے۔

۳...... اس مشترکہ زمین پر عمر نے ایک ٹال تقریباً ۳۰/ سال سے ڈال رکھی ہے، کیونکہ ابھی زید نے اپنے حصہ کی تقسیم نہیں کرائی ہے، اس وجہ سے یہ متعین نہیں ہو سکا کہ عمر نے یہ ٹال کس کے حصہ پر لگائی ہے۔

۴...... عمر تقریباً ۳۰/ سال سے اس کا کرایہ مسجد کو ادا کر رہا ہے، نیز عمر کا یہ کہنا ہے کہ میں یہ زمین اس وقت چھوڑوں گا جب کہ زید اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دے۔

۵...... عمر نے ایک پنچایت کر کے - جس میں اس کے اپنے لوگ اور شہر کے سرکردہ لوگ شامل تھے - یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے اور زید کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اب شہر کے آدمی بھی اس کے اس پروپیگنڈہ کو صحیح مان کر یہی فیصلہ کر رہے ہیں کہ واقعی یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے۔ اس کا نہ تو

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۴۵، سعید)

"والحاصل أنه إذا علقه بموته كما إذا قال: إذا متُّ فقد وقفت داري على كذا، فالصحيح أنه وصية لازمة، لكن لم تخرج عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته. وإنما لم يكن وقفاً، لما قدمنا من أنه لايقبل التعليق بالشرط". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/ ۲۰۷، ۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ٦۳۸، شركت علميه ملتان)

کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ کوئی کاغذ، جب کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ زید نے اس مشترکہ زمین میں سے ایک حصہ خریدا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔

۶......زید کا یہ کہنا ہے کہ اس میں میرا بھی حصہ ہے اور میرے پاس بیعنامہ کا کاغذ موجود ہے، اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ میں اپنے حصہ میں سے ایک حصہ مدرسہ کے نام وقف کردوں اور ایک حصہ میں اپنا ذاتی کاروبار کروں اور مسجد کے لئے میں اتنا کرسکتا ہوں کہ میں مسجد کو مبلغ چار ہزار روپے دے دوں، یہ سب میں اپنی خوشی سے کروں گا، مگر زید پر اہلِ محلہ کا پورا اصرار ہے کہ وہ اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کردے، مگر زید ایسا کرنا نہیں چاہتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر زید جبراً بغیر اپنی مرضی وخوشی کے اپنا حصہ مسجد کے نام وقف کردے تو آیا یہ شرعاً وقف معتبر ہوگا یا نہیں؟ اور آیا زید کو اس وقف کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز جبراً وقف کرانے والے کسی مواخذہ کے ذمہ دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے نام وقف کردینے سے یقیناً زید ثواب کا مستحق ہوگا (۱)، مگر دوسرے لوگوں کو زبردستی کرنے کا حق نہیں (۲)۔ پس اگر اس کو شرعی اکراہ کے ساتھ مجبور کیا گیا اور اس نے مجبور ہوکر وقف کردیا تو یہ شرعی وقف نہیں ہوگا اور اکراہ کرنے والے گنہگار ہوں گے اور زید کو حق ہوگا کہ وہ اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو واپس لے لے (۳)

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یارسول الله إن أمي توفیت وأنا غائب عنها أینفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة علیها". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضي أو بستاني صدقة لله، الخ: ۱/۳۸۶، قدیمی)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(وکذا في السنن الکبری للبیهقي: ۴/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) "فإن شرط الوقف التأبید، والأرض إذا کانت ملکاً لغیره فللمالک استردادها وأمره بنقض البناء، =

کیوں کہ یہ حق العبد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۱ھ۔

نابالغ کا وقف

سوال[۶۸۷۸]: ایک بچہ جس کی عمر ۱۲، ۱۳/ سال تھی، اس نے اپنا مکان وقف کردیا تھا۔ دراصل یہ کام دباؤ دے کر پھوپی نے کردیا، وہ بچہ پھوپی کے زیرِ پرورش تھا۔لہٰذا میرا یہ مکان وقف ہوگیا یا نہیں؟ اب خدا نے میرا نکاح کرادیا ہے، میرا دَر رہتا تو گھر بساتا۔ اس صورت میں اس وقف کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً

نابالغ کا وقف کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے(۱)، اگر وقف کرتے وقت آپ نابالغ تھے تو وہ وقف صحیح نہیں ہوا اور آپ کی مِلک ختم نہیں ہوئی اور پھوپی کو از خود یہ حق نہیں کہ وہ آپ کے مکان کو وقف کردے، لہٰذا اس صورت میں آپ مکان واپس لے سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا وقف معتبر نہیں

سوال[۶۸۷۹]: زید نے شادی کی، زید کے دولڑکے ہوئے جو اَب بالغ ہیں۔زید کی بیوی کا

= وكذا لو كانت ملكاً، له فإن لورثته بعده ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة، الخ: ۳۹۰/۴، سعيد)

(۱) "و أما شرائطه فمنها العقل، والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تعريفه وركنه وشرائطه، كتاب الوقف: ۳۵۲/۲، رشيديه)

"وشرائطه: أهلية الواقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط في سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

انتقال ہوگیا، پھر زید نے دوسرا نکاح کیا جس سے ایک لڑکا دولڑکیاں ہیں، دونوں لڑکیاں بالغ ہیں۔لڑکے کی عمر سات سال ہے جونابالغ ہے۔زید کا انتقال ہوگیا، زید نے ترکہ میں کچھ زمین چھوڑی، گاؤں کے مسلمان اس زمین پر مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، زید کی پہلی بیوی کے جولڑکے ہیں وہ اسی زمین کومسجد کی تعمیر کے لئے دے رہے ہیں۔کیااس زمین پر مسجد تعمیر ہوسکتی ہے؟فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وہ زمین اس مرحوم کا ترکہ بن کر ورثہ کا حق ہے، ورثہ بخوشی مسجد کے لئے دیدیں تو وہاں مسجد بنانا درست ہے۔جو وارث نابالغ ہوں، ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)، نہ اس کی طرف سے کسی بالغ وارث کی اجازت معتبر ہے۔اگراس نابالغ کے ولی اس کے حق میں یہ مناسب سمجھیں کہ اس کا جس قدر حصہ اس زمین میں ہووہ فروخت کرکے مسجد بنانے کے لئے حوالہ کردیں اوراس کی قیمت سے مناسب زمین نابالغ کے نام پر خریدلیں توشرعاً درست ہے، ورنہ جس قدراس کا حصہ ہواس کوچھوڑ کر بقیہ ورثہ کی اجازت سے مسجد بنالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: من أهلها) و هو المسلم العاقل، وأما البلوغ فليس بشرطٍ لصحة النية و الثواب بها، بل هو شرط هنا لصحة التبرع". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۹/۴، سعيد)

"وأما شرائطه: فمنها العقل، والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبی والمجنون، كذا فی البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعريفه وركنه وشرائطه: ۳۵۲/۲،رشيديه)

"أما الذی يرجع إلى الواقف فأنواع: منها العقل، ومنهاالبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبی والمجنون؛ لأن الوقف من التصرفات الضارة، لكونه إزالة الملك بغيرعوض، والصبی والمجنون ليسا من أهل التصرفات الضارّة، ولهذا لاتصح منهما الهبة والصدقة والإعتاق ونحوه ذلك". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۳۹۵/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط فی سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفى البابی الحلبی مصر)

وعدۂ وقف پر ووٹ دینا

سوال[۶۸۸۰]: زید اپنی ممبری کے لئے چند مسلمانوں سے اپنے موافق ووٹ دلانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے معاوضہ میں مسجد کی کچھ اصلاح مرمت وغیرہ کرادوں گا اور واسطے خرچ مسجد کے کوئی عمارت بنادوں گا اور اس کی آمدنی کرایہ مسجد میں وقف کردوں گا۔ تو کیا ایسی رقم سے مسجد میں امداد لینا تعمیر کرانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید حقیقۃً ممبری کے لائق ہے تو اس کو رائے دیکر ممبر بنانا چاہئے (۱)۔ اور زید اگر ثواب کی نیت سے خواہ ممبری کے شکرانہ میں سہی مسجد کی تعمیر کرادے یا کچھ وقف کردے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے (۲)۔ ممبری کے ووٹ اور رائے دینے کے عوض میں اگر مسجد کی تعمیر کرادی اور اس کو رائے کی اجرت قرار دے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے (۳)۔ اگر زید ممبری کے لائق نہیں تو اس کو رائے دینا اور ممبر بنانا جائز نہیں (۴) اور اس پر روپیہ لینا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

وقف کے لئے رجسٹری ضروری نہیں

سوال[۶۸۸۱]: اگر بغیر رجسٹری شدہ زبانی وقف کی زمین بنائی گئی تو نماز پڑھنا اس میں جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تکتموا الشهادة، ومن یکتمها، فإنه آثم قلبه﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۲۸۳)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: إنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من بنی مسجداً". قال بکیر: حسبت أنه قال: "یبتغی به وجه اللہ، بنی اللہ له مثله فی الجنة".

(صحیح البخاری، باب من بنی مسجداً: ۱/۶۴، قدیمی)

(۳) "عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الراشی والمرتشی". (سنن أبی داؤد، کتاب القضاء، باب فی کراهیة الرشوة: ۲/۱۴۸، إمدادیه ملتان)

(و کذا فی جامع الترمذی، باب ما جاء فی الراشی والمرتشی، الخ: ۱/۲۴۸، سعید)

(و کذا فی مجمع الزوائد، کتاب الأحکام، باب فی الرشا: ۴/۱۹۹، دارالفکر بیروت)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلیٰ أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے رجسٹری ہونا شرط نہیں، زبانی وقف بھی درست اور کافی ہوتا ہے(۱) اور ایسی صورت میں نماز اس مسجد میں درست ہے اور جمعہ بھی درست ہے بشرطیکہ شرائطِ جمعہ اس آبادی میں موجود ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

وقف منقول علی الاولاد

سوال[۶۸۸۲]: منقولہ اشیاء وقف علی الاولاد ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مثلاً: لوہے لکڑی کا سامان، انجن مشین، خیرادو اوزار آہنی وغیرہ متعلق کارخانہ؟

---

(۱) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، سعيد)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول، وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلمه إليه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(فلذا كان قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أوجه عند المحققين) وفي المنية: الفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وهذا قول مشايخ بلخ". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۹/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فالحاصل أن الترجيح قد اختلف، والأخذ بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أحوط وأسهل، ولذا قال في المحيط: ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ترغيباً للناس في الوقف".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۲۹/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۸/۴، ۳۵۱، سعيد)

(۲) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

الجواب حامداًومصلياً:

"وكما صح أيضاً وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، قلت: بل وَرَدَ الأمر للقضاة بالحكم به .... وقدر وجنازة و ثيابها و مصحف وكتب؛ لأن التعامل يترك به القياس.......... بخلاف ما لا تعامل فيه كثياب ومتاع، وهذا قول محمد رحمه الله تعالىٰ ، و عليه الفتوى، اختيار. وألحق في البحر السفينة بالمتاع. وفي البزازية: جاز وقف الأكسية". در مختار مختصراً۔

"(قوله: كل منقول قصداً) أما تبعاً للعقار، فهو جائز بلا خلاف عندهما كمامر. لا خلاف في صحة وقف السلاح والكراع: أي الخيل للآثار المشهورة، والخلاف فيما سوى ذلك، عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ لا يجوز، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز ما فيه تعامل من المنقولات، واختاره أكثر فقهاء الأمصار، كما في الهداية، رهو الصحيح كما في الإسعاف، و هو قول أكثر المشايخ كما في الظهيرية؛ لأن القياس قد يترك بالتعامل. ونقل في المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رحمه الله تعالىٰ ، وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ، و تمامه في البحر، والمشهور الأول، اهـ". شامي(۱)۔

اصل یہ ہے کہ وقف غیر منقول شی کا ہوتا ہے، لیکن بعض اشیاء بعض صورتوں میں مستثنیٰ ہیں کہ منقول ہونے کے باوجود بھی ان کا وقف درست ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ اختلافی ہے: جس شی منقول کا قصداً یعنی بلا غیر منقول کے تابع قرار دیئے وقف کرنے کا تعامل ہوا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقف کو جائز فرماتے ہیں اور جس میں تعامل نہ ہو اس کو ناجائز فرماتے ہیں۔اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہر طرح ناجائز فرماتے ہیں، خواہ تعامل ہو خواہ نہ ہو۔اور غیر منقول کے تابع

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف ، مطلب في وقف المنقول قصداً: ۳۶۳/۴-۳۶۵،سعید)

قرار دیکر منقول کا وقف دونوں جائز فرماتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر صورت میں منقول کا وقف ناجائز ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے(۱)۔ وقف علی الاولاد اور وقف علی الفقراء دونوں کا اس مسئلہ میں ایک ہی حکم ہے، کوئی فرق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۲/۵۸ھ۔

اگر کارخانہ معہ مکان وسامان وقف کرنا ہے تو یہ وقف صحیح ہے اور اگر تنہا اوزار ومشین ہی کو وقف کرنا ہے تو یہ صحیح نہیں، چونکہ عام طور پر یہاں ان چیزوں کے وقف کرنے کا رواج نہیں۔

صحیح: عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ، ۲۱/صفر/۵۸ھ، مفتی مدرسہ ہذا۔

حسبِ حصص وقف علی النفس وعلی الاولاد

سوال[۶۸۸۳]: الف: ایک شخص نے اپنی جائیداد اپنی حیات تک اپنی ذات پر، اس کے بعد اولاد در اولاد، نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطنٍ حسبِ ارثِ شرعی وقف کی۔ واقف کی زندگی میں اس کی بیٹی یا بیٹا فوت ہوگیا، لیکن اس کی اولاد باقی ہے تو کیا بعد وفات واقف متوفی کی اولاد کو حصہ دیا جائے گا؟

ب: اگر یہ شرط لگائی گئی کہ حصہ صرف وہ ہی پاتے رہیں گے جو میری نسل سے ہوں گے یعنی لڑکیوں کے شوہر یا لڑکوں کی بیویاں جو (غیر نسلی) ہیں وہ محروم رہیں گی، یا جب تک اس کی نسل میں کوئی باقی ہے حصہ پاتا رہے گا، بعد میں مساکین کا حق ہے، لیکن بوجہٴ عصبہ ہونے کے غیر نسل میں جائیداد نہ جائے تو ایسی شرط سے

---

(۱) "یجب أن یعلم أن وقف المنقول تبعاً للعقار جائز .... وأما وقفه مقصوداً: إن کان کراعاً أو سلاحاً، یجوز .... وإن کان سوی ذلک شیئاً لم یَجرِ التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان، لا یجوز عندنا. وإن کان متعارفاً کالفأس والقدوم والجنازة و ثیاب الجنازة و مایحتاج إلیه من الأواني والقدور في غسل الموتی والمصحف بقرأة القرآن، قال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: لایجوز، وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: یجوز، وإلیه ذهب عامة المشایخ، منهم الإمام شمس الأئمة الحلواني". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، نوع من ذلک: وقف المنقول: ۵/۰ ۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثاني فیما یجوز وقفه وما لا یجوز في وقف المشاع: ۲/۳۶۱، رشیدیه)

گنہگار اور: "من حرم الوارث عن میراثه، حرم الله میراثه من الجنة" أو كما قال(۱) کے مصداق تو نہیں بنے گا؟

ج: واقف کی لڑکی اس کی زندگی میں مرگئی اور متوفی نے ایک لڑکی اور شوہر اور علاتی بھائی بہن چھوڑے، یہ ورثہ واقف کے بعد تک زندہ رہے۔ اب وہ جائیداد واقف کی ذات سے اولاد میں آئی تو کیا تقسیم اس طرح ہوگی کہ ۴/۱ علاتی بھائی بہن ۲/۱ لڑکی اور ۴/۱ شوہر پالے گا؟ اور بالفرض قبل وفاتِ واقف اور بعد وفات بنتِ واقف لڑکی کا یہ شوہر بھی مرگیا، واقف کے مرنے پر حصے جب اولاد میں آئے تو ۴/۱ جو لڑکی کے مرنے کے بعد شوہر کا حق ہوا تھا، کیا شوہر کے ورثہ میں تقسیم ہوگا؟ مقصد یہ ہے کہ وراثت میں تو جو لڑکا یا لڑکی مورث کی موجودگی میں فوت ہوجائے اس کی اولاد محروم ہوجاتی ہے، وقف میں کیا صورت نکلے گی، یہاں حقیقت اولاد کی واقف کے بعد ثابت ہوگی، یا اس کی زندگی میں؟ وقف میں قید یہ ہے کہ "بعد میری وفات اولاد میں جاری ہو"۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: اگر متوفی کی اولاد کو واقف کی وراثت پہونچتی ہے تو حسب حصص شرعیہ وقف سے حصہ ملے گا، اگر وہ دیگر ورثہ کی وجہ سے محروم الارث ہے تو وقف سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ واقف نے مطلقاً وقف علی الاولاد نہیں کیا، بلکہ اپنی وفات کے بعد وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس کو بھی "حسبِ ارثِ شرعی" کی قید سے مقید کیا ہے، نیز "نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطنٍ" کی قید لگائی ہے، لہٰذا جب تک بطنِ اول موجود ہو بطنِ ثانی کی طرف یہ وقف منتقل نہیں ہوگا، كذا في الهندية: ۳۷۶/۲(۲)۔

ب: ایسی شرط جائز اور معتبر ہے، اور جو واقف کی نسل سے نہیں ان کو حصہ نہیں ملے گا، صرح به الشامي في ردالمحتار(۳)۔ کیونکہ وقف حقیقۃً اِرث نہیں بلکہ شبیہ بالارث ہے: العبارة بتمامها: "نعم هو (أي

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۲۶۶/۱، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب الوصايا، ص: ۱۹۴، قديمي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴ سعيد)

(۳) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، =

الوقف) شبیه بالإرث، من حیث انتقال نصیب الأصل إلی فرعه". شامی(۱)۔

ج: بنتِ واقف متوفاۃ کے جوعلاتی بھائی بہن ہیں تو وہ واقف ہی کی اولاد ہیں جوکہ بعدوفاتِ واقف زندہ ہیں اور بطنِ اول ہیں، لہٰذا جائیداداُن کی طرف منتقل ہوگی، اور متوفاۃ کا شوہر نسلِ واقف سے نہیں اس کو حصہ نہیں ملے گا۔ اور متوفاۃ کی لڑکی بطنِ ثانی سے ہے بطنِ اول کی موجودگی میں وہ مستحق نہیں حسبِ تصریحِ واقف ''نسلاً بعدنسل بطناً بعد بطنٍ''(۲)۔ مزید تفصیل پورا وقف نامہ دیکھنے سے معلوم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعیداحمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور، ۲۴/۴/۶۴ھ۔

وقفِ مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اولاد پر

سوال[۲۸۸۴]: مسمیٰ مواجالو عیلی مرحوم مسلکِ شافعیہ کے پابند، شہر ممباسہ، مملکت کینیا افریقہ کا

= وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قال: للذكر كانثيين و لم يوجد، الخ: ۴/۴۷۱، سعيد)

(۲) "ويكون ولد الابن عند عدم ولد الصلب بمنزلة ولد الصلب، ولا يدخل فيه ولد البنت في ظاهر الرواية، وبه أخذ هلال رحمة الله عليه". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه علی نفسه وأولاده وأقربائه، الفصل الأول: ۳/۳۱۹، رشيديه)

"وقال الرازي: إذا وقف علی ولده وولد ولده، يدخل فيه الذكور والإناث من ولده، فإذا انقرضوا فهو لمن كان من ولد ابن الواقف دون ولد بنت الواقف". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۳۲۰، رشيديه)

باشندہ ذی حیثیت اور صاحبِ جائیداد دیندار مسلمان تھا، اس کی جائیداد شہر و بیرونِ شہر تھی۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی میں اس نے شہر ممباسا میں ایک مسجد تعمیر کی جو ''کو یجالو'' مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی حیات میں زبانی طور پر خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کی جائیداد میں سے کچھ زمین مسجد مذکور کے لئے وقف ہونی چاہئے، اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے رشید بن مویجالو اور اس کے سالے علی بن بشیری نے اس کی جائیداد کو مسجد مذکور کے لئے وقف کردیا اور متولی کی حیثیت سے یہ دونوں کام کرتے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں حکومت کینیا نے قانون ''وقف کمشنر ایکٹ'' پاس کیا اور ۱۹۰۳ء میں متولیان مذکور نے جائیداد مذکورہ کو وقف کمیشن کے سپرد کردی۔

ان دونوں جائیداد مذکورہ کی آمدنی بہت قلیل تھی یعنی تقریباً ۲۴/ روپیہ سالانہ جو مسجد کے مصارف کے کام آتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اشیاء کی قیمتیں بڑھتی رہیں۔ وقف کمیشن کی طرف سے جائیداد مذکورہ کرایہ پر دیا جاتا رہا جس سے آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا رہا اور اسی آمدنی سے مزید جائیداد خرید کر آمدنی میں اور بھی اضافہ کرلیا گیا۔ اب بحالتِ موجودہ مسجد مذکور کے لئے جو جائیداد وقف ہے، اس کی سالانہ آمدنی تقریباً /۸۰۰ء۱۰ شلنگ سکۂ رائج الوقت ہے جب کہ مسجد مذکور کے سالانہ مصارف تقریباً /۴۰۰ء۲ شلنگ ہیں اور باقی رقم محفوظ کردی جاتی ہے جس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔

واقفِ مذکور کے خاندان کے لوگ جو تقریباً ۳۰۰/ لوگ ہیں، ان میں سے بیشتر زبوں حالی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ضعیف ہیں، بہت سی بیوائیں ہیں، جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں، لیکن اپنے جدِ امجد کی جائیداد اور اس کی آمدنی سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں کہ وہ وقف کمیشن کی تولیت میں ہے۔

حالاتِ مذکورہ کے تحت اور شافعی مسلک کے مطابق کیا یہ ممکن ہے کہ وقفِ مذکورہ کو وقف کمیشن سے لے کر واقف کے خاندان کے لوگ اپنی تولیت میں لیکر مسجد مذکورہ کے انتظام وانصرام کے بعد جو رقم بچتی ہے اس کو واقف کے خاندان کے لوگوں کی اعانت، فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کیا جاسکتا ہے؟ فقط۔

محمد مشتاق حسین، مرغی بازار، جہانگیر آباد، مکان نمبر ۱۰، بھوپال، ایم پی انڈیا، ۲۰/مئی/۱۹۷۴ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جائیداد مسجد کے لئے وقف کردی گئی ہے، اس کی آمدنی مسجد کے علاوہ واقف کے خاندان پر صرف

کرنا درست نہیں، اگر آمدنی کی رقم زائد ہے تو اس کے ذریعے دیگر جائیداد خرید کر وقف میں اضافہ کردیا جائے (۱)، پھر زائد آمدنی دیگر حاجتمند مساجد پر بھی صرف کرنے کی گنجائش ہو سکے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۸ھ۔

یہ دعویٰ کرنا کہ چند کمرے خاص قبیلے کے لئے وقف ہیں

سوال[۶۸۸۵] :۱- احمد آباد میں حضرت پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگ گزرے ہیں جو خاندانِ سادات میں سے تھے اور جن کے مریدین سنت وجماعت، قوم بواہیر اور دیگر جماعتوں کے مسلم افراد تھے۔ آپ تمام عمر مجرّد رہے، اس وجہ سے لاولد ہی وفات پائی اور وفات کے بعد آپ کے مریدین نے روضہ اور اس کے متعلق مسجد تعمیر کرائی ان عطیات سے جو وقتاً فوقتاً سنی بوہروں کے علاوہ دوسرے مریدین بھی دیتے تھے، متعدد کمرے اور دوکانیں تعمیر کرائی گئیں جن کی آمدنی فی زمانہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے۔ روضہ اور متعلقہ جائیداد کا انتظام ''سائیں'' کیا کرتے تھے (۳) جو سنی بوہرہ جماعت کے نہ تھے۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۴۶۳/۲، رشيديه)

"وقف على فقراء، ثم افتقر الواقف أو وارثه، لا يعطى من الوقف شيئاً عند الكل". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، السادس في وقف على الفقراء الخ: ۲۷۷/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن فيما إذا وقف على الفقراء الخ: ۳۹۵/۲، رشيديه)

(۲) "(الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

"رباطٌ في طريق بعيد استغنى عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبوشجاع: يصرف غلته إلى الرباط الثاني". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۳) ''سائیں: آقا، مالک، شوہر، خصم، عارف، گدا، فقیر، وہ کلمہ جس سے درویش ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں''۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۷۱، فيروز سنز لاهور)

۲-وقتاً فوقتاً جو جائیدادیں درگاہ مذکورہ کے لئے وقف کی گئیں، یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی ان کی دستاویزوں میں لکھا ہے کہ یہ جائیداد درگاہ کے لئے وقف کی گئی، یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی۔ ان دستاویزوں میں سے بعض میں "وقف لـمـرضات اللّٰہ" تو تحریر ہے، مگر کسی میں یہ نہیں لکھا کہ یہ وقف کسی خاص فرد یا مخصوص جماعت کے فائدہ کے لئے، یا اس میں کسی فرد خاص یا جماعت کے مالکانہ حقوق محفوظ ہیں۔

۳-سٹی سروے کی ۱۸۲۱ء، ۱۸۸۰ء اور ۱۹۲۲ء کی پیمائش وتحقیقات کے مطابق پیمائش دفتر روضہ مذکورہ مسجد اور جائیداد متعلقہ کا اندراج بحیثیت وقف ہوا ہے۔

۴-۱۸۸۰ء میں روضہ اور جائیداد متعلقہ کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جن میں بعض ممبر حضرت پیر محمد شاہ صاحب کے مرید یا مریدوں کے اولاد نہ تھے اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو سنی بوہرے نہ تھے۔

۵-روضۂ مذکورہ میں عامۂ مسلمین فاتحہ خوانی کرتے ہیں، مسجد متعلقہ میں نماز بھی پڑھتے ہیں، نماز جمعہ اور عیدین میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

۶-حضرت پیر محمد شاہ روضہ کمیٹی کا -جس میں اب صرف سنت جماعت بوہرے شامل ہیں- یہ دعوی ہے کہ روضۂ مذکورہ متعلقہ مسجد کمرے اور دوکانیں وغیرہ صرف سنت و جماعت بوہرہ قوم کے مریدین کے لئے وقف ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اس ملکیت سے مستفید ہونے، یا اس کے انتظام میں دخیل ہونے کا حق نہیں یعنی تمام کے لئے وقف نہیں ہے، بلکہ صرف سنت جماعت قوم بواہیر کے لئے ہے۔ درآنحالیکہ اس کمیٹی کے پاس اس بات کا کوئی دستاویزی یا دیگر تحریری ثبوت نہیں کہ ملکیتِ مذکورہ صرف سنی بوہرہ کے مریدین کا مخصوص وقف ہے۔ نظر بہ حقائقِ مذکورہ بالا علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین دام إقبالهم و كثر أمثالهم فرمائیں کہ:

۱......کیا حضرت پیر محمد شاہ درگاہ کمیٹی اپنے دعوی میں حق بجانب ہے؟

۲......کیا وقفِ مذکورہ صرف سنت و جماعت بوہرہ مریدین کے لئے مخصوص ہوسکتا ہے؟

۳......کیا وقفِ مذکورہ عام وقف نہیں ہوسکتا؟

۴......بوہرہ قوم کے علاوہ تمام مسلمان اس ملکیت موقوفہ سے مستفید ہونے کا حق نہیں رکھتے؟

۵......موجودہ دور میں رفاہ عام کے نہایت ہی ضروری امور کی انجام دہی کے بجائے کیا اس شاندار

آمدنی کا تمام تر صرف سنت وجماعت قوم بواہیر ہی کے لئے مخصوص ہوجانا شرعاً جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سائل نے دستاویزوں سے جس قدر الفاظ نقل کئے وہ اصل اغراضِ وقف پر غور کرنے کے لئے کافی نہیں، لہذا جب تک وقف نامہ بلفظہ یا اس کی نقل بعینہ سامنے نہ ہو، کوئی حتمی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ جب اس جائیداد کا درگاہ کے لئے وقف ہونا تسلیم ہے تو پھر اس وقف کے مخصوص ہونے عام نہ ہونے سے تمام مسلمانوں کے مستفید نہ ہونے، رفاہ عام کے ضروری امور کی انجام دہی وغیرہ کے سوالات کا کیا مطلب ہے؟ واقف نے جو مصارف متعین کردیئے ہیں اور جو شرائط مقرر کردیئے ہیں، ان کے خلاف کرنا شرعاً درست نہیں جب تک ان میں کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو:

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة، اهـ". الأشباه والنظائر، ص: ۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۲۸۸۶]: (الف) کسی غیر مسلم نے اپنی زمین کے قطعات مکانوں کے لئے بیچنا چاہی، مسلمانوں نے اپنی حسبِ حیثیت ایک ایک قطعہ خرید لیا اور کہا کہ اس نئی آبادی میں مسجد نہیں ہے، ایک قطعۂ زمین مسجد کے لئے دیا جائے تو ہم کو سہولت ہوتی ہے اس کو صاحبِ زمین نے مان لیا اور مطلوبہ قطعہ بلا قیمت دیدیا،

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به".
(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"وماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه فى الوقف نصاً أو ظاهراً، اهـ. و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه، كما صرح به فى شرح المجمع للمصنف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

یعنی رجسٹری کردی۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کی وقف کردہ زمین پر مسجد بنانا، یا غیر مسلموں کے چندہ سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز، اور بعض مسجد کے حصار یا بیرونی کام میں خرچ کرنے کے قائل ہیں۔

(ب) کسی غیر مسلم نے مسجد کے تحت یعنی مؤذن، پیش امام، یا مسجد کے خرچوں کے لئے زمین دیدی یعنی رجسٹری کردیا کیا اس آمدنی سے مسجد کے خرچ وغیرہ پورے کرسکتے ہیں یا نہیں؟ صحیح طریقہ سے مطلع فرمایئے، اس بارے میں مستند اقوال زیب رقم فرمایئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس غیر مسلم کے نزدیک مسجد بنانا نیک کام ہے، اس لئے اس نے چندہ دیا، یا زمین مسجد کے لئے وقف کی ہے تو درست ہے، وہاں مسجد بنالی جائے اور وہ پیسہ بھی مسجد میں لگالیا جائے۔ شامی میں وقف غیر مسلم کی بحث موجود ہے جس کا حاصل وہی ہے جو یہاں لکھا گیا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

مسجد کے لئے قادیانی کا وقف

سوال[۶۸۸۷]: ایک نقشہ میں ایک مسجد کی جائیداد ظاہر کی گئی ہے، اس میں آٹھ دوکانیں ہیں جو آٹھ نمبروں سے ظاہر کی گئی ہے، درمیان میں مسجد ہذا کا دروازہ ہے۔ دوکانوں کے سامنے کچھ زمین ہے جو ایک

---

(۱) "(و شرطه شرط سائر التبرعات) كحرية و تكليف، وأن يكون قربةً في ذاته معلوماً". (الدرالمختار). "أي بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته و صورته قربةً .... بخلاف الذمي، لما في البحر وغيره أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۱، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا و عندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

صاحب کی ہے جو قادیانی مذہب کا ہے اور قادیانی مذہب کا پکا پیرو بھی ہے، وہ صاحب اسی زمین کو مسجد ھذا کو وقف کرتے ہیں۔ قادیانی صاحب کا یہ وقف ہماری مسجد یا جائیدادِ مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ صاحب یہ جائیداد وقف یا کسی طرح مسجد کی زمین نہ دیں تو مسجد یا دوکانوں کا راستہ بند ہوسکتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ یہ زمین مسجد میں کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسلمان اپنا اصلی مذہب اسلام چھوڑ کر قادیانی ہوجائے وہ اسلام سے خارج ہوکر مرتد قرار دیا جاتا ہے(۱)، مرتد کی کوئی عبادت قبول نہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس فرقہ میں داخل ہوا ہے، اس فرقہ کے نزدیک جن امور میں وقف صحیح ہوتا ہے ان امور میں اس کا وقف صحیح ہے، اس طرح مسجد اس کا وقف بھی معتبر ہے(۲)۔ علاوہ ازیں جب اس نے اپنے مالکانہ حقوق ختم کردیئے اور مسجد کے حوالہ زمین کردی (۳)۔ اور اگر یہ

---

(۱) "وشرعاً الراجع عن دين الإسلام، وركنها (أى ركن الردة) إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان". (تنوير الأبصار مع الدرالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۲۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۱، رشيديه)

(۲) "فما تقول في المرتد عن الإسلام إذا انتحل ديناً من أديان .... و أما قول محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ، فإنه يجيز له من ذلك ما يجوز لأهل الدين الذي انتحله و يسلك به تلك السبل".

(أحكام الأوقاف للخصاف، مطلب في وقف المرتد، ص: ۲۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"لو وقف في حال ردته، فهو موقوف عند الإمام .... و عند محمد رحمه الله تعالىٰ: يجوز منه ما يجوز من القوم الذين انتقل إلى دينهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المرتد: ۴/۳۴۰، سعيد)

"وشرط صحة وقفه أن يكون قربةً عندنا وعندهم". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "إذا تم ولزم، لا يملك و لايملك و لا يعار و لا يرهن". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

شخص خود قادیانی نہیں ہوا بلکہ اس کا والد قادیانی ہوا تھا اس سے یہ پیدا ہوا ہے تو اس کا وقف بھی معتبر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۲۸۸۸]: نجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے ہے منتقل ہو کر اس کے پاس پہونچی، نجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے۔ تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلياً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعلِ حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۹ھ۔

کیا وقف کے لئے افراز عن الملک کافی ہے یا نماز باجماعت بھی ضروری ہے؟

سوال[۲۸۸۹]: ایک صاحبِ خیر نے تقریباً ایک بیگھہ زمین وقف کیا اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میری زمین میں مسجد و مدرسہ دونوں ہونے چاہیے۔ ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اہلِ مدرسہ نے تھوڑی سی زمین میں مسجد کی بنیاد بھی رکھ دی، حالانکہ مدرسہ کے حالات کے پیشِ نظر اس جگہ مسجد کی بنیاد مناسب نہیں تھی۔ مدرسہ کی تنگی کو دیکھتے ہوئے واقف صاحب نے مسجد کی بنیاد کی جگہ جو کہ ابھی صرف بنیاد کی حد تک ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی تعمیر نہیں ہوئی ہے، اور نہ ایسا کوئی کام کیا گیا ہے جو مسجد ہونے پر دال ہو، یہاں تک کہ آج تک کسی نے

---

(۱) حرام کی آمدنی سے ہونے کی صورت میں مکروہ ہوگا: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

بھی اس میں نماز نہیں پڑھی، مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دے دی ہے۔ اب اس وقت اہلِ مدرسہ، مدرسہ کی تنگی کی وجہ سے نہایت پریشان ہیں، لہٰذا شرعاً جواز کی جو صورت ہو تو تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: منجانب مدرسہ انوار العلوم، مئو آئمہ الہ آباد (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا بنى مسجداً، لايزول ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه ويصلي فيه واحد. وفي رواية: شرط صلوة بجماعة جهراً بأذان وإقامة، حتى لو كان سراً بأن كان بلا أذان ولا إقامة، لايصير مسجداً اتفاقاً؛ لأن أداء الصلوة على الوجه المذكور بالجماعة، وهذه الرواية صحيحة، كما في الكافي وغيره". مجمع الأنهر: ۱/۷۵۵(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ وہ جگہ ابھی مسجد نہیں بنی، واقف کو حق ہے کہ اگر وہاں مسجد بنانا مناسب نہیں تو اس کی جگہ مدرسہ بنانے کی اجازت دے دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

ذاتی عداوت کی وجہ سے وقف کی آمدنی کو روکنا

سوال[۲۸۹۰]: مسماۃ مریم فاطمہ وکنیز فاطمہ ساکنانِ قصبہ محمد آباد نے کچھ اراضی اور چند دوکانیں ۱۹۱۲ء میں مساجد ودیگر امورِ خیر کے لئے وقف کیا، بروقتِ وقف دستاویز میں تحریر کرایا کہ:

"ہم اس جائیداد کی ملکیت سے آج کی تاریخ سے دست بردار ہو گئیں ہیں، بعد تکمیلِ تحریر وقف نامہ ہذا ہم کو اور ہمارے جملہ عزیزانِ قریب وبعید کو جائیداد موقوفہ مسطورہ

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، ۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن للناس بالصلوة فيه، فإذا صلى فيه واحد، زال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن ملكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۳۳، كتاب الوقف، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

میں کس قسم کی دست اندازی کا اختیار باقی نہیں رہا اور نہ کبھی ہوگا (علمائے اہل سنت حنفی مذہب سکنائے فرنگی محلی بلدہ لکھنؤ پر جس سے مسلمانان محمود آباد رجوع کریں واجب ہوگا کہ خالصاً للہ بعداز یکدیگر اس کارِ خیر کو اپنے ہاتھ میں لیں اور یہ تجویز خود متولی مساجد و مہتمم کارِ خیر مقرر فرماتے رہیں)''۔

عبارتِ بالا جو بریکٹ کے اندر ہے دستاویز میں موجود ہے، مگر ہر دو واقفہ نے اس پر کبھی عمل نہ کیا اور نہ اب عامل ہیں، بلکہ ہمیشہ اپنی رائے سے متولی مقرر کرتی رہیں اور اس کے نام سرکاری داخل خارج بھی ہوتی رہی اور اب بھی جس شخص (محمد حسین عرف داروغہ) کو مقرر کیا ہے۔ اس کے نام متولی مذکور نہایت احتیاط اور دیانت سے مثلِ سابق متولی غلام جیلانی کے کہ جس کی وفات کے بعد اس کا تقرر ہوا ہے، وقف کی نگرانی کرتا ہے اور حساب و کتاب درست رکھتا ہے اور حسبِ شرائطِ دستاویز وقف نامہ اخراجات کرتا ہے، مگر بعض لوگ جن کو واقفہ اُولیٰ موجودہ (ثانی واقفہ انتقال کر چکی ہے) اور متولی موجود سے ذاتی طور پر عداوت ہے، محض بر بنائے بغض و عداوت انتظام وقف میں روک تھام کرتے ہیں، دوکانداروں کو کرایہ اور کاشتکاروں کو لگان دینے سے منع فرمایا۔

یہ لوگ از روئے شرع گنہگار رہیں یا نہیں؟ مسلمانوں کو ان مانعین کی امداد کرنی چاہئے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ واقفہ بریکٹ کے اندر کی تحریری جو دستاویز میں ہے، اگر تبدیل کرنا چاہے تو بدل سکتی ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ جب کہ دوکان کا کرایہ رک جانے کی شکل میں کہ مانع کا اثر ہے اس وقت جو رقم واقفہ اپنے پاس سے صرف کر رہی ہے وہ بعد وصولیابی لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ولاية نصب القيّم إلى الواقف، قال في البحر: قدمنا أن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وإن لم يشترطها، وأن له عزل المتولي، اهـ“. شامی: ۶۳۸/۳(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: ولاية نصب القيم إلى الواقف، الخ: ۴۲۱/۴، سعيد)

”قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: الولاية للواقف، وله أن يعزل القيّم“. (التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۷۴۲/۵، إدارة القرآن كراچی) .... =

"للواقف عزل الناظر مطلقاً: أي سواء كان بجنحة أولا، وسواء كان شرط له العزل أولا .... به يفتيٰ، اهـ". در مختار وشامی: ۶۳۸/۳(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ تولیت کا حق واقف کو حاصل ہے اور دوسرے شخص کو متولی بنانا بھی اصالۃً واقف ہی کا حق ہے، نیز واقف کو یہ بھی حق ہے کہ متولی اور وقف کے نگراں کو معزول کردے، خواہ اس کا کوئی قصور ثابت ہو خواہ نہ ہو۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اراضی و دو کانیں موقوفہ میں ہر دو واقفہ کو خود نگرانی اور تولیت کا حق حاصل ہے۔ اگر باقاعدہ کسی دوسرے متولی کے قبضہ میں تولیت پہنچ جائے اس کو معزول بھی کرسکتی ہیں۔ خاص کر جب کہ وہ لوگ جن کی تولیت کو دستاویز میں لکھا ہو متدین اور متقی نہ ہوں تو ان کو متولی بنانا بھی درست نہیں اور دستاویز کی عبارت متعلقہ تولیت غیر متدین شرعاً ناقابل عمل ہوگی: "وفي الإسعاف: لايولى إلا أمين، اهـ". هندية: ۹۹۶/۲(۲)۔

پس جو لوگ محض ذاتی عداوت کی بنا پر وقف کو نقصان پہونچا رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ اگر ذاتی عداوت نہ ہو بلکہ وقف کی خیر خواہی مقصود ہو تب بھی لگان اور کرایہ بند کرانے کی کوشش کرنا، یا کسی اور طرح وقف کو نقصان پہونچانا کسی طرح جائز نہیں، جو لوگ اس نقصان پہونچانے میں مددگار ہیں وہ بھی گناہگار ہیں۔

= "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: الولاية للواقف، وله أن يعزل القيم في حياته. و إذا مات الواقف، بطل و لاية القيم. ومشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۷/۵، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: للواقف عزل الناظر: ۴۲۷/۴، سعيد)

"وأما عزله قدمنا أن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ جوّز عزله للواقف بغير جنحة و شرط؛ لأنه وكيله". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۷۹/۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۷۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

یہ گفتگو متعلق تولیت اس وقت ہے جب کہ عبارتِ منقولہ دستاویز کا مطلب یہ ہو کہ واقف نے علمائے فرنگی محلی کو متولی بنایا ہے، اگر یہ مطلب نہ ہو بلکہ یہ مطلب ہو کہ ان کو اختیار ہے جس کو چاہیں متولی تجویز کردیں، گویا کہ واقفہ نے تجویزِ متولی کے لئے اپنی طرف سے وکیل بنایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ موکل جب اس کام کو انجام دے جس کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنایا ہے تو اس کی وکالت منسوخ ہوجاتی ہے اور وکیل معزول ہوجاتا ہے۔

اگر واقفہ اپنے پاس سے روپیہ بطورِ قرض خرچ کررہی ہے اور اس پر شرعی ثبوت ہے تو بعد وصولیابی اپنا روپیہ لے سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۸/۶/۲۷ھ۔

"قيّم أنفق في عمارة المسجد من مال نفسه، ثم رجع بمثله في غلة الوقف، جاز، سواء غلته مستوفاة أو غير مستوفاة. ثم قال: وللقيّم الاستدانة على الوقف لضرورة العمارة لا لتقسيم ذلك على الموقوف عليهم". ۲۱۱/۵(۱)۔

"في فتاوى أبي الليث: قيم وقفٍ طلب منه الجبايات والخراج وليس في يده من مال الوقف شيء، وأراد أن يستدين، فهذا على وجهين: إن أمر الواقف بالاستدانة، فله ذلك". بحر بتقديم وتأخير: ۳۱۱/۵، ۳۱۰(۲)۔

محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ رجب، ۵۸ھ۔

وقف کو منسوخ کرنا

سوال[۶۸۹۱]: ایک شخص نے اراضی و مکان کسی مدرسہ کو وقف کردیئے، چند سال گزر جانے کے

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۲/۵، ۳۵۳، رشیدیه)

"أن الناظر إذا أنفق من مال نفسه على عمارة الوقف ليرجع في غلته، له الرجوع ديانةً".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في إنفاق الناظر من ماله، الخ: ۴۴۰/۴ سعید)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۱/۵، رشیدیه)

"قيم وقفٍ طلب منه الخراج والجبايات و ليس في يده شيء من مال الوقف، فأراد أن يستدين، قال: إن أمر الواقف بالاستدانة، له ذلك .... كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، کتاب الوقف: ۴۲۴/۲، رشیدیه)

بعد اب وہی شخص اس وقف کو منسوخ کر کے دوسرے کے حق میں وصیت کرنا چاہتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے مدرسہ کو وقف نہیں کیا تھا جب کہ وقف نامہ کی عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اسے اراضی موقوفہ سے کسی قسم کا قبضہ یا تعلق نہیں رہا۔ سوال یہ ہے کہ کیا شخصِ مذکور کے اس طرح کہنے سے وقف منسوخ ہو جائے گا یا نہیں؟ شرعی حکم مع حوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف تام ہو جانے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کا حق نہیں، نہ اس میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف کا حق رہا، یعنی واقف نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے، نہ وصیت کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے:

"فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". در مختار۔ "(قوله: لايملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولايملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. ولا يعار، و لا يرهن لاقتضائهما الملك". شامي(۱)۔

"والوصية هي تمليك مضاف إلى ما بعد الموت عيناً كان أو ديناً، الخ". در مختار: ٥/٦٨٥ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع و لا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶/ ۶۴۷، ۶۴۸، سعيد)

"الإيصاء في الشرع تمليكٌ مضافٌ إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع، سواء كان عيناً أو منفعةً، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/ ۹۰، رشيديه)

ضلعی انجمن کی تقسیم

سوال[۶۸۹۲]: ۱......دارالعلوم میں ایک ضلعی انجمن ہے جو قیام انجمن کے فارغین حضرات اور موجودہ افراد کے روپے سے چل رہی ہے اور انجمن میں کتاب اور روپیہ پیسہ وغیرہ چیزیں موجود ہیں، جن میں سے انجمن کے ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے اور ان میں کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ اب اگر وہ ضلع سرکاری حکم سے دو حصوں میں بٹ جائے اور دونوں الگ الگ نام سے موسوم کردے تو انجمن کو دو حصوں میں اس طرح پر تقسیم کرلینا کہ ایک حصہ میں دوسرے حصہ والوں کا کوئی انتفاع کا حق نہ رہے، بلکہ اپنے اپنے حصوں میں ہر ہر فرد کو صرف حقِ انتفاع ہو درست ہوگا یا نہیں؟ یا تقسیم کی کوئی اَور صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہو تو آدھا آدھا دو حصوں میں کیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرمایئے۔

۲......انجمن میں عوام کی امداد بھی ہے اور بعض حضرات نے مستقل چند کتب بھی بطورِ وقف داخل کی ہیں، اور تمام معطین حضرات نے جو بھی امداد کئے ہیں اسی انجمن کو کئے اور اب تک جو جو سامان موجود ہے اسی انجمن کے ساتھ خاص ہے، کسی کی ملکیت نہیں ہے اور ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے۔ اب اگر تقسیم جائز ہے تو وہ کتابیں اور وہ سامان جو کسی مخصوص شخص نے اس مخصوص انجمن کو امداد کیا تھا، ان چیزوں میں بٹوارہ کس طرح کیا جائے گا۔ مفصل ومدلل تحریر فرمائیں، بڑا کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سرکاری حکم سے اگر دو ضلع بن گئے تو اس سے کیا ہوا، کیا انجمن کے لوگوں کو بھی ساتھ رہنے سے ممانعت کردی گئی۔ یہ سب سر جوڑ کر حسبِ سابق مشترکہ طور پر رہیں، امید کہ ان پر جرمانہ نہیں ہوگا، نہ حکومت ان کو قید کرے گی۔ اگر یہ صورت امکان سے باہر ہے تو انجمن کو ہی دو ضلع کے نام سے توسیع کردی جائے کہ یہ انجمن فلاں فلاں ضلع کی ہے، کسی تقسیم کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بھی ناممکن ہے تو دونوں ضلع کی افراد کے لحاظ سے کتابیں اور نقدی تقسیم کردیں(۱)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسموا المسجد و ضربوا فيه حائطاً ولكلٍ منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لابأس به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

"ضيعة موقوفة على الموالي، فلهم قسمتها قسمةَ حفظ و عمارة لاقسمةَ تملک، اهـ".
(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۷، رشيديه)

۲...... جواب نمبر ایک سے اس کی صورت سمجھ کر عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

کسٹوڈین اگر جائیدادِ مقبوضہ کو واپس کردے تو اس کا حکم

سوال[۶۸۹۳]: اپنی ایک جائیداد وقف علی الاولاد کی، اس میں اس نے بیٹوں اور بیٹیوں کے حصے مقرر کئے اور وصیت کی کہ یہ وقف نسلاً بعد نسلٍ رہے گا۔ ۱۹۴۷ء میں عبداللہ کی تمام اولاد سوائے ایک لڑکی کے پاکستان چلی گئی اور وقف جائیداد پر کسٹوڈین (۱) نے قبضہ کرلیا۔ عبداللہ کی جو اولاد پاکستان چلی گئی تھی اس نے وہاں اس وقف جائیداد کے عوض حکومت پاکستان سے جائیداد حاصل کی، گویا استبدال ہوگیا ہے۔ ہندوستان میں کئی سال کے بعد کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو مذکورہ وقف جائیداد سپرد کردی اور کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو یہ تحریر بھی دیدی کہ یہ جائیداد اب تمہارے تصرف میں رہے گی، تم انتظام کروگی، اور کوئی اس میں حق نہیں رکھتا ہے۔

اب پاکستان سے عبداللہ کے پوتے کی لڑکی کی شادی ہوکر ہندوستان آئی ہے اور کئی سال کے بعد اس کو ہندوستان کی شہریت مل گئی ہے اور اپنے دادا کی بہن سے جس کو کسٹوڈین نے سپرد کردی ہے مطالبہ کررہی ہے کہ مجھ کو اس جائیداد میں سے میرے والد کا حصہ دیا جائے۔ عبداللہ کی بیٹی- جو اس جائیداد پر متصرف ہے جس کو کسٹوڈین نے دی ہے- کہتی ہے کہ تمہارے باپ پاکستان کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے عوض میں کلیم کرکے معاوضہ لے چکے ہیں (۲) اور یہ بھی کہتی ہے کہ باپ کے زندہ ہوتے ہوئے تم کو اس جائیداد میں سے کچھ طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے:

۱...... عبداللہ کی اولاد میں سے جو اولاد پاکستان چلی گئی ہے اور انہوں نے وہاں کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے بدلہ میں معاوضہ لے لیا ہے، کیا ان کو اب ہندوستان کی جائیداد میں سے حصہ پہونچتا ہے؟

۲...... کیا باپ کے زندہ ہوتے ہوئے اس کی اولاد کو وقف جائیداد میں سے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے؟

---

(۱) ''کسٹوڈین: محافظ، نگران، رکھوالا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''کلیم: حق، دعویٰ، مطالبہ، استغاثہ، نالش''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۶، فیروز سنز لاهور)

۳.....حکومتِ ہند جب کسی کو ہندوستانی شہریت کے حقوق دیتی ہے تو پہلے یہ لکھوالیتی ہے کہ تم یہاں کوئی مطالبہ جائیداد کا نہیں کروگے اور یہ عبداللہ کے پوتے کی بیٹی سے بھی کی گئی ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....پاکستان پہونچ کر جن لوگوں نے یہاں کی وقف جائیداد کا معاوضہ لے لیا تو اس کا حصہ یہاں کی جائیداد سے ختم ہوگیا ہے، اس بنا پر ان کو یہاں مطالبہ کا حق نہیں ہے(۱)۔

۲.....واقف نے کن شرائط کو وقف میں ملحوظ رکھا ہے، ان کی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے یعنی بتفصیلِ وراثتِ شرعیہ حصہ مقرر کیے ہیں، یا کوئی اَور صورت اختیار کی ہے، اس لئے وقف نامہ یا اس کی نقل بھیجئے تب یہ معلوم ہوسکے گا کہ کس کو کس وقت مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

۳.....جب یہاں کی جائیداد کا عوض پاکستان میں دیا جاچکا تو گویا کہ یہاں کی حکومت نے جائیداد خرید لی ہے، پس حکومت کا اس قسم کی تحریر لکھوانا حسبِ ضابطہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع". (الدرالمختار). "إلا في أربع .... الثانية : إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء، حتى صار بحراً، فيضمن القيمة و يشترى المتولي بها أرضاً بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر، الخ: ۳۸۸/۴، سعيد)

(۲) "أن يجحده الغاصب و لا بينة: أى و أراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها، ليشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر، الخ: ۳۸۸/۴، سعيد)

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

وقف کو بدلنا

سوال[۶۸۹۴]: زید نے ۱۹۵۶ء میں کچھ زمین قبرستان کے لئے وقف کی، لیکن زمین کے سامنے جن کے مکانات تھے، انہوں نے میت کو دفن کرنے سے روکا جس کی وجہ سے کافی دقت پیش آئی، اس وقت کے پیش نظر متولی نے واقف سے دوسری زمین ۶۱ء میں وقف کرائی، اسی میں فی الحال قبرستان ہے اور پہلی زمین وقف شدہ غیر مسلم کے ہاتھ فروخت ہوئی، اب اس سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔

۱......وقفِ اول کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۲......کیا متولی وقف کو بدل سکتا ہے؟

۳......دوسرا وقف اس کا بدل شمار ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۴......جب کہ وقفِ اول کو واقف نے فروخت کردیا وہ بھی غیر مسلم کے ہاتھ، اس کا کیا حکم ہے؟

۵......فی زمانہ اس مقدمہ کا فیصلہ شریعت کے نزدیک کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کردی جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے وقف ہوجاتی ہے، اس کی بیع کا کسی کو اختیار نہیں رہتا، نہ واقف کو نہ متولی کو، اگر بیع کردی جائے تو وہ شرعاً ناقابلِ نفاذ ہوتی ہے(۱)۔ ہاں! اگر واقف نے یہ شرط کردی

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية). "(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك فلِمَا بيّنّا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا يملک و لا يملّک و لا يعار و لا يرهن". (الدر المختار). قال ابن =

ہو کہ جب زمین قابلِ انتفاع نہ رہے تو اس کا دوسری زمین سے تبادلہ کرلیا جائے تو ایسی صورت میں اس شرط کے ساتھ اس کا تبادلہ درست ہوتا ہے، خواہ زمین کا تبادلہ زمین سے کیا جائے، یا زمین فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۱)۔

اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے کہ واقف کی نیت پوری نہ ہوسکتی ہو اور زمین موقوفہ پر کسی کا ناجائز قبضہ ہوجائے جس سے وقف ہی باطل اور ضائع ہوجائے تو مجبوراً اس کا معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۲)۔ یہاں صورتِ مسئولہ میں اولاً کوشش کی جائے کہ بیع فسخ کرکے زمین واپس مل جائے، اگر پوری کوشش کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوسکے تو مجبوراً معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین جو اس کام کے لئے

= عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لا يملک): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولا يملّک: أى لايقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۱) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشترى بثمنه أرضاً اخرى إذا شاء، فإذا فعل، صارت الثانية كالأولى". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: جاز شرط الاستبدال به، الخ) الأول أن يشترط الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

"إذا شرط فى أصل الوقف أن يستبدل به أرضاً أخرى إذا شاء ذلک، فتكون وقفاً مكانها، فالوقف والشرط جائزان عند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، وكذا لو شرط أن يبيعها ويستبدل بثمنها مكانها. وفى واقعات القاضى الإمام فخرالدين: قول هلال رحمه الله تعالىٰ مع أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوى، كذا فى الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط فى الوقف: ۳۹۹/۲، رشيديه)

(۲) "وفيها (أى فى الأشباه) لا يجوز استبدال العامر إلا فى الأربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلا فى أربع) .... الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا ولا بينة: أى و أراد دفع القيمة، فللمتولى أخذها، ليشترى بها بدلاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا فى اربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

وقف کی گئی ہے، اس میں اس معاوضہ کو صَرف کیا جائے جس سے وقف کا مقصد حاصل ہو اور مسلمان مُردے اس میں دفن کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۲۱/۱۱/ ۸۷ھ۔

استبدالِ وقف

سوال[۶۸۹۵]: ایک شخص نے اپنا مکان مدرسہ اسلامیہ محلّہ بندوقچیان کے نام وقف کیا اور اس میں تحریر کیا کہ:

''جب تک میں زندہ ہوں تو اس کا متولی میں خود رہوں گا، میرے مرنے کے بعد میرا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اس کے مرنے کے بعد میرے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد میرے چھوٹے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اسی طرح نسلاً بعد نسل چلتا رہے گا۔ اور جب میرے لڑکوں میں سے نرینہ کوئی نسل نہ رہے گی تو میرے لڑکوں میں سے جس کی بڑی لڑکی ہوگی تو وہ متولی ہوگی، یا اس کا لڑکا متولی ہوگا۔ اور جب یہ نسل بھی باقی نہ رہے گی تب اس وقت جو شخص مدرسہ کا مہتمم ہوگا، وہی میرے مکان موقوفہ کا متولی ہوگا''۔

اس مکان کی مالیت ایک ہزار روپیہ ہے، اس کا کرایہ دس روپیہ سالانہ تحریر ہے اور مدرسہ کو پچاس پیسے سال دینا تحریر ہے، لیکن ابھی تک ہم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اس وقت اس شخص کا بڑا لڑکا فضل الرحمٰن متولی ہے، اب ہم اس کو بدلنا چاہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس مکان کا آدھا حصہ تو برسات میں گر گیا، ہم اتنے نادار ہیں کہ اس کی مرمت بھی نہیں کرا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم دونوں بھائی ایک ہزار روپے کے مقروض ہیں اور اس وقت موقع بھی بدلنے کا اچھا ہے، کیونکہ ہمارے پڑوس میں ایک مالدار آدمی ہے اس کو اپنے کاروبار کے لئے اس جگہ کی ضرورت ہے، اس لئے وہ اس کے بدلے میں ایک مکان اور کچھ نقد روپے دے رہا ہے۔

۱......دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکانِ موقوفہ کو بدل سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ وہ مکان جو اس کے بدلہ میں آئے گا اسی کو اسی طرح وقف کر دیں؟

۲......اور اس کے بدلہ میں نقد روپیہ ملے گا، اس کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

۳......اس نقد روپیہ سے اپنا قرض ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، یا اس روپیہ کو مدرسہ میں داخل کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ وہ مکان مدرسہ کے لئے وقف ہے تو اس کو فروخت کرنا اور اس کے عوض دوسرا مکان خریدنا اور اس کی قیمت کو اپنے کام میں لانا کچھ بھی جائز نہیں (۱)، وہ مکان مدرسہ کے حوالہ کردیا جائے، مدرسہ اس کی مرمت یا تعمیر کرائے گا۔ہاں! اگر وہ مکان بالکل ہی قابلِ انتفاع نہ رہے اور اس سے کوئی آمدنی حاصل نہ ہو اور مرمت وتعمیر کی بھی وسعت نہ ہو تو اس کو بدل لینا درست ہے (۲)۔اس طرح اس کو فروخت کرکے اس کے عوض

---

(۱) "الثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا يملك ولايملّك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولايملّك: أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه (أما امتناع التمليك فلما بيّنا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع و لا يورث و لا يوهب". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتا ب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "وفيها لايجوز استبدال العامر إلا في أربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: إلا في أربع) .... الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة، وأحسن صقعا، فيجوز على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب الاستبدال العامر إلا فى اربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها مكانها أخرى؟ قال: نعم". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه) =

دوسرا مکان لے کر مدرسہ میں شرائطِ واقف کے تحت وقف کر دیا جائے، اس کا روپیہ شرائطِ واقف کے خلاف کسی کام میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۹۰ھ۔

خستہ حال مکان کے بدلے دوسرا مکان خریدنا

سوال [۶۸۹۶]: ایک اسلامی ادارہ میں ایک موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ (مثلاً: ۵۰) ماہانہ ہے اور وہ اس قدر خستہ حال پر ہے کہ کسی وقت بھی منہدم ہوسکتا ہے، ہر سال اس کی مرمت وغیرہ میں اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، ادارہ کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ اس کو از سرِ نو تعمیر کرا سکے۔ کیا ایسی صورت میں اس موقوفہ مکان کو بیچ کر اس کی قیمت سے کوئی دوسری جائیداد خریدی یا بنوائی جاسکتی ہے اور اس کو اس موقوفہ مکان کا نام دیا جاسکتا ہے؟

اندازہ کیا گیا ہے کہ اس مکان کی اتنی قیمت مل سکتی ہے کہ اس سے خریداری یا بنوائی ہوئی جائیداد تقریباً ایک سو روپے ماہانہ پر اُٹھے گی۔

جمیل احمد رحمانی، مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ عالم نگر، سیتاپور۔

= "سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

"وشرط في البحر خروجه على الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۶، سعيد)

"أما بدون الشرط أشار في السير أنه لايملك الاستبدال الا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۰۶، رشيديه)

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے، ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا مکان خرید کر وقف کر دیا جائے تو درست بلکہ قابلِ تحسین ہے، خاص کر جب کہ نوخرید کردہ مکان سے آمدنی نسبۃً زیادہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۶۸۹۷]: مخدومکرم بندہ جناب مولانا صاحب مدفیوضکم!

السلام علیکم.......................!

آپ کو معلوم ہے کہ حاجی عبدالقیوم صاحب مرحوم نے بزمانۂ حیات خود اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی تھی جس کا وقف نامہ آپ کے دفتر میں موجود ہے، کیونکہ منافع میں سے حصہ پانے والوں میں ایک آپ کا مدرسہ بھی ہے، وقف نامہ میں متولی مجھ کو کیا گیا ہے اور مجھ کو اختیارات متولی حسبِ صراحت وقف نامہ دیئے گئے ہیں۔ منجملہ جائیداد موقوفہ ایک مکان مسکونہ بھی ہے جس کی آمدنی اس وقت (مثلاً: ۲۰ روپے) ماہوار ہے۔ مکان مذکورہ سے بصورت موجودہ تاوقتیکہ کوئی کثیر رقم خرچ نہ کی جاوے اضافہ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے۔

اس مکان سے ملحق مکان حافظ محمد صدیق صاحب وکیل مرحوم کا ہے، اس کے ورثاء بوجۂ تنگی اپنے مکان کے بصورتِ تبادلہ یا بیع معقول قیمت مکان موقوفہ کے دے سکتے ہیں اور یہ امید کی جاتی ہے کہ اگر زرِ بیع

---

(۱) "سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقفٍ تهدم و لم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولا تعميره .... أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳٦٨/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشيديه)

سے دوسری جائیداد خریدی جاوے تو اضافۂ آمدنی وقف ہو جاوے گا۔ وقف نامہ متولی کو جائیداد موقوفہ کے کسی طور پر منتقل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱...... سوال یہ ہے کہ آیا اس شرط کے ہوتے ہوئے قاضی یعنی ڈسٹرکٹ جج صاحب ایسے تبادلہ یا بیع کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسی اجازت کی بنا پر انتقالِ مکانِ موقوفہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا ورثاء حصہ داران وحقداران وقف کی رضامندی لینا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟ یہ بھی قابلِ اظہار ہے کہ واقف کی حیات میں بھی سوال تبادلۂ مکان اٹھا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس وقت التوا میں پڑ گیا۔

۲...... وقف نامہ مذکور میں جزوِ آمدنی پر فصل پر برائے مرمتِ مکان واخراجاتِ مقدمات وغرباء جمع کیا جانا درج ہے، لیکن کوئی تعیینِ مدت کہ کب تک جمع رکھی جاوے درج نہیں۔

وقف کو قریباً چار سال ہو گئے اور تقریباً دوسو روپیہ اس مد میں جمع ہو گئے، مقدمات کا کوئی امکان ظاہری نہیں اور مرمت مکان کے لئے جو فوری ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں پس انداز رقم زیادہ ہے۔ اس صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ ایک حصہ فوری مرمت کے تخمینہ کے موافق رکھ کر باقی روپیہ ورثاء وحقدارانِ وقف کو تقسیم کر دینا جیسا کہ ورثاء کی خواہش ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

۳...... بوقتِ تحریر وقف نامہ واقف کے تین نبیرگان موجود تھے(۱)، چنانچہ واقف نے ان کے نام لکھ کر ان کے لئے حصہ منافع جائیداد میں مقرر کر دیا۔ بعد وفاتِ واقف دو پوتے اور ایک پوتی اور پیدا ہو گئے ہیں جن کے متعلق وقف نامہ میں صاف طور پر کچھ تحریر نہیں۔ کیا وقف نسلاً بعد نسل ہے، کیا اس صورت میں منافع بقدرِ حصہ رسدی ان کو بھی دیا جا سکتا ہے؟ وقف نامہ کی شرائط ملاحظہ فرما کر جواب سے جلد مطلع فرمایا جاوے۔

فضل الرحمٰن رئیس ومجسٹریٹ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... واقف نے جب کہ وقف نامہ میں مکان وجائیداد موقوفہ کے ہر قسم کے انتقال کو صراحۃً منع کر دیا ہے تو متولی کو کسی طرح اس کے انتقال کا حق نہیں، البتہ اگر جائیداد بالکل نا قابلِ انتفاع ہو جائے تو شرعی قاضی کو

(۱) ''نبیرگان: نبیرہ کی جمع ہے، معنی: بیٹے کا بیٹا، پوتا''۔ (نور اللغات: ۱۴۹۰/۴)

''پوتا، نواسہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۰، فیروز سنز، لاهور)

اس کا استبدال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

"هذا إذا شرط الاستبدال فی أصل الوقف، وأما إذا لم یشترط فقد یخصص برأی أول القضاة الثلثة المشار إلیه بقوله علیه السلام: "قاض فی الجنة، وقاضیان فی النار". المفسَّر بذی العلم والعمل، لئلا یحصل التطرق إلی إبطال أوقاف المسلمین، كما هو الغالب فی زماننا". إسعاف(۱)۔

"والمعتمد أنه یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالكلیة، وأن لا یكون هناك ریع للوقف یعمر به، وأن لا یكون البیع بغبن فاحش، كذا فی البحر الرائق. وشرط فی الإسعاف أن یكون المستبدل قاضی الجنة المفسَّر بذی العلم، كذا فی النهر الفائق". فتاوی عالمگیری: ۲/۹۹۱(۲)۔

اور صورتِ مسئولہ میں مکانِ مذکور قابلِ انتفاع ہے اور ایک رقم اس پر صرف کرنے کے بعد زیادہ آمدنی کی بھی امید ہے اور واقف نے مکان کی مرمت وغیرہ کے لئے ایک جزوِ آمدنی متعین کیا ہے جو کہ موجود بھی ہے،

---

(۱) لم أجد الإسعاف، وقال فی النهر: "وشرط فی الإسعاف أن یكون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل .... وأنت خبیر بأن المستبدل إذا كان هو قاضی الجنة، فالنفس به مطمئنة ولا یخشی الضیاع معه ولو بالدراهم والدنانیر، والله الموفق". (النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۲۰، رشیدیه)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، الخ: ۴/۴۴۵، سعید)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف: ۲/۴۰۱، رشیدیه)

"وشرط فی البحر: خروجه عن الانتفاع بالكلیة، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۶، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۵ رشیدیه)

لہذا اس مکان کا فروخت کرنا درست نہیں (۱)۔

۲......شرائطِ وقف نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان کی ہر قسم کی ضروریات مرمت ومقدمہ وغیرہ کے لئے ایک جزوآمدنی کا جمع رکھنا ضروری ہے، لہذا اگر وہ جزوِ آمدنی اس قدر جمع ہے کہ مکان کی آئندہ ضروریات کے لئے کافی ہوکر بھی بچ جاوے تو زیادتی کو مستحقین پر صرف کرنا درست ہے، مکان کی حیثیت کے موافق مرمت اور مقدمہ کے اخراجات کا تعین متدین اور تجربہ کاروں کے ظنِ غالب سے ہوسکتا ہے:

"لو وقف ضيعةً على مسجد على أن ما فضل من العمارة، فهو للفقراء، فاجتمعت الغلة، والمسجد لا يحتاج إلى العمارة للحال، هل تصرف تلك إلى الفقراء؟ اختلفوا فيه، والمختار أنه لو اجتمع من الغلة مقدار مالو يحتاج المسجد والضيعة إلى العمارة يمكن العمارة منها وزيادة، صرفت الزيادة إلى الفقراء، ليكون جمعاً بين شرط الواقف و صيانة الوقف، كذا في محيط السرخسي". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۳۳(۲)۔

سوال نمبر:۱میں مکان کے تبادلہ کی غرض زیادتی آمدنی ظاہر کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ: بصورتِ

---

(۱) "(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك فلما بينا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲ رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه .... اهـ: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"قال الفقيه أبو الليث: والصحيح عندي أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة، يمكن العمارة منها وتبقى زيادة شئ من الغلة، تصرف الزيادة إلى الفقراء على ماشرط الواقف .... وهو المختار للفتوىٰ". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۶، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۸، رشيديه)

موجودہ تاوقتیکہ کوئی کثیر رقم خرچ نہ کی جاوے اضافہ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں''۔ سوال نمبر:۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''رقم پس انداز زیادہ ہے''۔ پس اگر یہ رقم اتنی ہے کہ جس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ ہوسکتا ہے تب تو اس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ کر لیا جائے تا کہ واقف اور سائل دونوں کی غرض پوری ہو جاوے اور مکان فروخت کر کے دوسری جگہ خرید کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اگر یہ رقم اتنی نہیں کہ جس سے یہ غرض پوری ہو سکے تو اس کو زیادہ کہنا اور زیادتی کی وجہ سے تقسیم کا سوال کرنا بے محل ہے۔

۳...... گو وقف نسلاً بعد نسل ہے، لیکن واقف نے نمبر:۱ میں تحریر کیا ہے کہ ''میرے خاندان کے غریب اور حاجت مند اشخاص کو فی روپیہ ایک آنہ گیارہ پائی آگے چل کر ۱۲/ میں ان اشخاص کے نام اس رقم کو ان پر تقسیم کر دیا بلوغ تک بلا قید ان کو رقم ملے گی اور بلوغ کے بعد بشرطِ حاجت مندی''۔ لہذا اگر وہ نبیرگان بالغ نہیں ہوئے، یا بالغ ہوگئے، مگر وہ حاجت مند ہیں تو اس رقم کو ان کے لئے برابر جاری رکھا جائے (۱)۔

اور اگر حاجت مند نہیں رہے اس طرح کہ صاحبِ نصاب ہوگئے تو ان کے دوسرے بھائی بہنوں کے لئے بشرطیکہ وہ حاجت مند ہوں جاری کر دیا جائے اور ان کے لئے بلوغ کی قید نہیں، بلکہ اگر حاجت مند ہیں تو تمام عمر یہ رقم ان کو دی جائے (۲)۔ اگر وہ بھی حاجت مند نہ ہوں تو خاندان کے دوسرے مستحقین کو یہ رقم دی جائے، البتہ نمبر (ی) میں ہے (☆) کہ ''میری اولاد و زوجہ میں نسلاً بعد نسل موجبِ شرع شریف تقسیم ہوگی''۔

---

(۱) "إذا قال: أرضي هذه صدقة على فقراء قرابتي، أو قال: على فقراء ولدي ومن بعدهم على المساكين، فهذا الوقف صحيح، والمستحق للغلة مَن كان فقيراً يوم تحقق الغلة عند هلال رحمه الله .... ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على المساكين من قرابتي أو على المحتاجين من قرابتي، كان الجواب فيه ماهو في قوله: على فقراء قرابتي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع في الوقف على فقراء قرابته : ۳۸۴/۲، رشيديه)

(۲) "والفقير في هذا الباب من يعد فقيراً في باب الزكاة، هذا هو المشهور، كذا في الحاوي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۳۸۵/۲ ، رشيديه)

(☆) نمبر (ی) سے مراد بظاہر وقف نامہ کے اندر شقوں کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے ''ی'' میں جو کچھ لکھا گیا ہے، کیونکہ اصل نسخہ میں حروفِ تہجی کے ساتھ نمبر نہیں۔

ایک روپیہ میں سے ۶/ اس کے ماتحت اولاد وزوجہ میں نسلاً بعد نسلٍ ایک روپیہ میں ۶/ کو موافق حصصِ شرعیہ برابر جاری رکھا جائے گا(۱) اس میں بلوغ یا حاجت مندی کی قید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۲/۵۳ھ۔

۱- وقف نامہ میں اصل چیز یہ ہے کہ شرائطِ واقف جن کی واقف نے تصریح کی ہو، ان کا اتباع کیا جائے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" کتب فقہ، باب الوقف میں منجملہ مسلمہ اصولِ موضوعہ میں سے ہے(۲)۔ البتہ جن شرائط کی تصریح واقف نے نہ کی ہو، یا مبہم اور مجمل چھوڑ دیا ہو، ان میں قاضی کے اجتہاد اور تصرف کی گنجائش ہے۔ وقف نامہ ہذا میں مصارف اور شرائط کو بالکل واضح کردیا ہے، مجمل نہیں چھوڑا۔

اور جن صورتوں میں فقہاء کے کلام سے قاضی کو تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے، وہ خاص خاص صورتوں میں ہے، مثلاً: موقوفہ چیز کا بالکل قابلِ انتفاع نہ رہنا، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے، باقی تبادلہ انفع چیز سے جو موقوفہ چیز سے زیادہ نافع ہو محض انفع ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں ہوسکتی، بالخصوص جب کہ واقف نے تبادلہ کی ممانعت کردی ہو، لہذا صورتِ مسئولہ مذکورہ بالا میں حسب تصریحِ فقہاء وحسبِ تصریحِ شرائطِ وقف نامہ کے گنجائشِ تبدیل نہیں اور متولی یا قاضی کو بھی حقِ تبادلہ حاصل نہیں۔

نیز ان قیود وشرائط کے ساتھ میں جن کی طرف پہلے اشارہ ہوچکا ہے اس قاضی کو اجازت ہے جو قاضی شرعی ہو یعنی قاضی مسلم، عالم باعمل ہو، ہر قاضی یا اس کے قائم مقام کو اجازت نہیں۔

۲- کے متعلق یہ ہے کہ وقف نامہ میں تصریح ہے کہ "مرمتِ مکان ومقدمات اور ضروریات متعلق مکان کے لئے رقم بدستور جمع رہے گی"۔ اور اس قسم کی ضروریات کا کوئی وقت مقرر نہیں، لہذا حسبِ تصریحِ واقف اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا(۳)۔ اور کسی مصرف سے کسی رقم کو زائد کہنا اس وقت

---

(۱) "وإن قال: علی ولدی و ولد ولدی وولد ولد ولدی –ذکر البطن الثالث– فإنه تصرف الغلة إلى أولاده أبداً ما تناسلوا، ولا يصرف إلى الفقراء ما بقي أحد من أولاده وإن سفل". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۳/ ۳۲۰، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في قولهم : شرط الواقف .... اهـ: ۴/ ۴۳۳، سعید)

(۳) "فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن =

درست ہوسکتا ہے کہ وہ رقم اس قدر تعداد پر پہونچ گئی ہو کہ بداہۃً وظاہراً زائد معلوم ہوتی ہو، یا اس مرمت جس کی طرف مکان مذکور محتاج ہے اور سوال میں اس کی ضرورت تسلیم ہے اس کی تشریح ہو کر اور کسی معمار یا مستری ثقہ اور معتبر سے اس کا اندازہ معلوم ہو جائے اور پھر موجودہ رقم سے زائد بچے۔

نیز جب وقف نامہ میں تحدید نہیں کی گئی کہ اتنی مدت تک اگر رقم خرچ نہ ہوسکے، اس رقم زائد کو ورثاء پر تقسیم کیا جائے، بلکہ دوسرا مصرف اس کا متعین کیا گیا۔ ایسی صورت میں شرائطِ واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو صحیح اور درست نہیں۔ علاوہ اس کے اگر اس چار سال کی مدت کو زائد قرار دیا جاسکتا ہے اور ورثاء پر تقسیم ہونے کا دعویٰ یا خواہش کی جاسکتی ہے، اندریں صورت سوائے ایک سال کی آمدنی کے اس مد میں کوئی آمدنی جمع نہ ہوسکے گی اور یہ امر صریح شرائطِ وقف نامہ کے خلاف ٹھہرا، لہٰذا اس مد کو ورثاء پر خرچ کرنے کی گنجائش نہیں۔

عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تتمہ سوال بالا

سوال[۶۸۹۹]: سلسلہ عریضہ سابقہ سوال نمبر:۳ میں یہ غلط درج ہوگیا کہ "واقف کے انتقال کے بعد دو پوتے اور ایک پوتی اَور پیدا ہوگئی"۔ اصل میں پوتی بزمانۂ حیاتِ واقف موجود ہے اور پوتے بعد میں پیدا ہوئے، مگر واقف نے پوتی کا نام باوجود موجودگی وقف نامہ میں صراحۃً درج نہیں کیا ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر جواب ارسال فرمایا جاوے۔

محمد فضل الرحمٰن۔

جوابِ تتمہ:

پوتی جب کہ واقف کے سامنے ہی موجود تھی اور واقف نے کوئی حصہ اس کے لئے نبیرگان کے ساتھ متعین نہیں کیا تو وہ نبیرگان کے ساتھ اس رقم میں شریک نہیں ہوسکتی (۱)، البتہ نبیرگان بعد بلوغ اگر حاجت مند نہ

= معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب : شرائط الوقف معتبرة .... اهـ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۱) "أرضي صدقة موقوفة على أولادي .... و ما دام يوجد من ولد الصلب يصرف له، فإذا انقرضوا، فإلى الفقراء لا إلى ولد الولد". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد، الخ: ۶/۲۷۲، رشيديه)

رہیں تب پوتی کو دوسرے مستحقین میں بشرطِ حاجت مندی شمار کیا جاسکتا ہے۔
حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مسجد کے نام وقف زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا

سوال[۶۹۰۰]: ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے جو مسجد سے الگ کچھ فاصلہ پر ہے، مسجد کو اس سے فائدہ کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ آبادی کے اندر اور گھروں کے گھراؤ میں بھی پڑتی ہے۔ ایک صاحب کو مکان بنانے کے لئے اس زمین کی ضرورت ہے اور وہ زراعت والی زمین جو اس سے دوگنی ہے مسجد کو بدلہ دے رہے ہیں، اس سے مسجد کی آمدنی بھی بڑھ جائے گی۔ تو تبدیلی شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور زائد زمین لینا سود تو نہیں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس زمین سے مسجد کو نفع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو تبدیل کرنا اور نفع والی زمین مسجد کے لئے حاصل کرنا درست ہے(۱)، اس زمین کے زائد ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۹۷ھ۔

---

(۱) "والثاني: أن لايشرطه، سواء شرط عدمه أو سكت، لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلاً، أولا يفي بمؤنته، فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدل الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۲، ۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب: شروط الاستبدال: ۲/۴۰۰، ۴۰۱، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي وهو الكيل والوزن، فليس الذرع والعد بربا". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فليس الذرع والعد بربا) : أى بذى ربا أو بمعيار ربا، فهو على حذف مضاف، أو الذرع والعد بمعنى المذروع والمعدود: أى لا يتحقق فيها ربا، والمراد ربا الفضل لتحقق ربا النسيئة، فلو باع خمسة أذرع من الهروى بستة أذرع منه أو بيضةً ببيضتين، جاز لويداً بيد، لا لو نسيئةً؛ لأن وجود الجنس فقط يحرم النسأ لا الفضل كوجود القدر فقط". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۶۹، ۱۷۰، سعيد)

مسجد کی موقوفہ زمین کو بدلنا

سوال[۶۹۰۱]: مسجد کی وقف شدہ ایک بیگہ زمین کے بدلہ دو بیگہ زمین دینا اپنی سہولت کے لئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین موقوفہ مسجد میں لینا درست نہیں، اگر اس کے عوض دو چند زمین مسجد کو دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۰ھ۔

مسجد کے لئے وقف کردہ شئی کا ردوبدل کرنا

سوال[۶۹۰۲]: مسجد کی وقف کی ہوئی چیزیں مسجد کے فائدہ کے لئے ردّوبدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں شرعی طور پر وقف ہو جائیں اس کو فروخت کرنا درست نہیں (۲)، ہاں! اگر وہ بالکل ہی قابلِ

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"والثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، و بدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، و هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك و لا يعار و لا يرهن". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

انتفاع نہ رہے تو ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایسی ہی کارآمد شی مسجد کے لئے خرید کر وقف کر دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۲ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۲۹۰۳]: ۱...... کسی جائیداد کو ایک مصرفِ خیر کے لئے وقف کر دیا گیا، اس کے بعد اس وجہ سے کہ دوسری جگہ اس کی ضرورت زیادہ ہے، تو اس جائیداد کو دوسری طرف منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... ایک شخص کی زمین پر دوسرے شخص کا غاصبانہ قبضہ ہے، اس کو مالک نے جامع مسجد کے نام وقف کر دیا اور کہہ دیا کہ متولی جانے، میں تو وقف کر چکا۔ اس کی مالیت ایک ہزار روپیہ کی ہوگی، لیکن وہ شخص قبضہ نہیں چھوڑتا اور ایک ہزار روپیہ کے بجائے دو ہزار روپیہ دینے کو تیار ہے۔ تو اس کو فروخت کر کے جامع مسجد میں ناکارہ جائیداد کو کارآمد بنالیں، یا دوسری جائیداد خرید لے اور جامع مسجد ہی کے لئے ذریعہ آمدنی بنالیں۔

---

(۱) "و ذکر أبو الليث في نوازله: حصير المسجد إذا صار خلقاً واستغنى أهل المسجد عنه، و قد طرحه إنسان، إن كان الطارح حياً فهوله، وإن كان ميتاً و لم يَدَعْ له وارثاً، أرجو أن لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير او ينتفعوا به في شراء حصير آخر للمسجد. والمختار أنه لا يجوز لهم أن يفعلوا ذلک بغير أمر القاضي، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

"وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلک له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً. وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يباع ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى المسجد الآخر". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۴۲۳/۵ رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۴۷/۵، إدارة القرآن كراچي)

یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......دوسری جگہ اس حالت میں منتقل کردینا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۲......ایسی مجبوری میں اگر متولی دو ہزار روپیہ لے کر کوئی اور جائیداد جامع مسجد کے لئے وقف کردے تو درست ہے:

" و لو صارت الأرض بحالٍ لا ینتفع بها، والمعتمد أنه بلا شرطٍ، یجوز للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة، وأن لا یکون هناك ریع لوقف یعمر به، وأن لا یکون البیع بغبن فاحشٍ". شامی: ۳۸۸/۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۴ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز تغیر الوقف عن هیئته، فلا یجعل الدار بستاناً، ولا الخان حماماً، ولا الرباط دکاناً، إلا إذا جعل الواقف إلی الناظر ما یری فیه مصلحة الوقف، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات: ۴۹۰/۲، رشیدیه)

"ولا یجوز للناظر تغیر ضیعة الواقف کما أفتی به خیر الرملی والحانوتی و غیرهما، فکیف تباع العین بلا مسوغ شرعی". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف: ۱۱۵/۱ المطبعة المیمنیه مصر)

"(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملک و لا یعار و لا یرهن)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی اشتراط الإدخال والإخراج: ۳۸۶/۴، سعید)

"الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین، فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره، ولیس ذلک إلا للقاضی". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشیدیه)

"لا یجوز استبدال العامر إلا فی الأربع". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: إلا فی أربع) .... الثالثة: أن یجحده الغاصب و لا بینة: أی و أراد دفع القیمة، فللمتولی أخذها، یشتری بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایستبدل العامر إلا فی أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۶۹۰۴]: ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعۂ عدالت کردیا تھا جس کو تقریباً ۲۰، ۲۲/ سال گزر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اختر مسجد کے چند ممبران نے بلاکسی مشورہ سے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعۂ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرانے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کراکے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

مدرسہ کے لئے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا

سوال[۶۹۰۵]: کیا مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کرکے بلاکسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لینا جائز ہے، یا مدرسہ کا فنڈ علیحدہ جمع کرکے مدرسہ تعمیر کرنا چاہیے؟

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة، إذا لم تخالف الشرع، و هو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء، مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه".

(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه و ما لا يجوز، الخ: ۲/۳۶۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کرکے بلا کسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں لانا جائز نہیں، مدرسہ کے فنڈ سے جداگانہ تعمیر کی جائے (۱)۔ مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا ہو تو مشورہ کے بعد اس کا کرایہ مقرر کرکے تعمیر کریں (۲)، زمین مسجد کی رہے اور تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے مسجد کو

---

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شئ يصرف إليه بعد عمارة البناء، كذا في الحاوي القدسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول فيما يكون مصرفاً للوقف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

"قالوا: إن كان الوقف على مصالح المسجد، جاز للقيم ذلك؛ لأن هذا من مصالح المسجد. وإن كان الوقف على عمارة المسجد، لايجوز؛ لأن هذا ليس من عمارة المسجد، كذا في فتاویٰ قاضي خان. والأصح ماقال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء، كذا في فتح القدير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، أو خاناً أو سقاية أو مقبرةً: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكذا لو سكن دار الوقف بغير أمر القيم وبغير أمر الواقف، وكذا لو رهن الوقف حين لم يصح، فسكنه المرتهن يجب أجر المثل سواء أعدّ للاستغلال أولا (الغياثية)

قال الصدر الشهيد حسام الدين: "هو المختار للفتوىٰ". (الفتاویٰ الأنقروية، كتاب الوقف، الثامن في التصرفات المتولي وضمانه وفيما يقبل: ۱/۲۳۴، دار الإشاعة العربيه قندهار افغانستان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعة، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر مالا يتغابن الناس فيها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۰، رشيديه)

دیا جائے، یا تعمیر بھی مسجد کے روپے سے ہو تو پھر وہ تعمیر بھی مسجد ہی کی ہوگی اور مدرسہ کرایہ دیتا رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد یا اَور کسی کارِ خیر کے لئے وقف کرنا

سوال[۶۹۰۶]: ایک مخیّر اور سخی حنفی سنی شخص نے ایک کھلی جگہ-جس کی قیمت اسٹامپ پڑھائی ہزار روپے ہے- مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدی، اب وہ شخص یہ جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع یہ فعل کیسا ہے، اور اس کا اجر وثواب ہے یا نہیں؟

خانپور میں ایک فیاض ہستی نے ایک کھلی جگہ اپنی اہلیہ کے نام سے خریدی اور یہ ارادہ کیا کہ مدرسہ یا انجمن کو وقف کردیں گے، جہاں یتیم اور مفلس بچوں کی تعلیم کا پروپیگنڈہ تھا۔ تقریباً آٹھ نو سال سے یہ جگہ خالی پڑی ہے، نہ مدرسہ قائم ہوا اور نہ انجمن، البتہ نمائش کے طور پر چندے سے ہی دوسری جگہ ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی کی گئی، مستقبل میں بھی مدرسہ یا انجمن قائم ہونے کا امکان نہیں، کیوں کہ خانپور کی زمین موزوں نہیں اور نہ یہاں مدرسہ یا انجمن چلنے کے لئے آسانیاں فراہم ہیں۔

مسلمانوں کے صرف تین سو گھر ہیں، نیز شہر قریب نہیں جس کی وجہ سے کسی یونیورسٹی یا دارالعلوم یا انجمن کا قیام ناممکن ہے، مدرسہ یا انجمن کا نام لیکر چندہ اٹھانا پیشہ بن گیا ہے۔ چند افراد کا منظم پروگرام جس سے چند غیر مستحق حضرات کی شکم پری مقصود ہے(۲)۔ ایسی صورت میں وہ فیاض شخص خان پور میں ہی یہ جگہ، یا اس کی قیمت

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرةً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "شکم: پیٹ، بطن"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۲، فیروز سنز، لاهور)

"پُری: بھر جانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۹۳، فیروز سنز لاهور)

مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ مسجد کی آمدنی قلیل ہے، مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، نیز مسجد کی چند دوکانیں جس کے کرایہ سے مسجد کے اخراجات میں مدد ملتی ہے، خستہ حالت میں ہیں، اگر جلد تعمیر یا مرمت نہ ہوئی تو گرنے کا احتمال ہے۔ مسجد کی کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے جس سے یہ ضرورتیں پوری کی جاسکیں اور دوکانوں کی مرمت کرکے ان کو گرنے سے بچایا جاسکے۔

ایسی ضرورت کی حالت میں یہ جگہ اور اسکے ساتھ زیادہ رقم شامل کرکے مسجد اور اس کی آمدنی بڑھانے کے لئے وقف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

۱......یہ کھلی اور خالی جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......نام نہاد مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا مستحق ہے یا نہیں؟

۳......کسی مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟

۴......انجمن یا مدرسہ موجود ہوا اور وہاں حاجت نہ ہو تو یہ جگہ کسی دوسرے کارِ خیر میں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵......انجمن یا مدرسہ بھی ہے اور مسجد بھی، کیا مسجد کو مقدم رکھنا گناہ ہوگا؟

۶......خان پور کے بجائے دوسرے کسی شہر میں انجمن یا مدرسہ کو وقف کرنے کے بجائے خان پور میں ہی مسجد کے لئے یہ جائیداد وقف کرنا ناجائز تو نہیں؟ آمدنی بڑھنے کی صورت میں بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ کے امکانات ہوں۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......مدرسہ یا انجمن کی نیت سے خریدنے کے بعد بھی وہ جگہ خریدار کی ملک میں ہے(۱)، محض نیت سے

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال و الملک، الخ: ۵۰۲/۴ سعيد)

"أرض في يد رجل يدّعي أنها له، أقام قومٌ البينة أن فلاناً وقفها عليهم، لم يستحقوا شيئاً؛ لأنه=

مدرسہ یا انجمن پر وقف نہیں ہوئی(۱)، اب اگر اس کے نزدیک مسجد کے لئے وقف کرنا زیادہ مفید ہوتو مسجد پر وقف کردینے کا اس کو حق حاصل ہے(۲)۔

۲......جب وہاں نہ مدرسہ ہے نہ انجمن جو کہ مدرسہ بنائے اور چلائے تو پھر مسجد میں ہی وقف کردے(۳)۔

۳......نمبر:۱میں جواب آ گیا۔

۴......اگر وہاں حاجت نہ ہوتو دوسرے کارِ خیر میں وقف کردینا بہتر ہے(۴)۔

= قد يقف مالا يملك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى الخ، الفصل الثاني في الشهادة: ۲/۴۳۸، رشيديه)

(۱) "و الملك يزول عن الموقوف باربعة .... أوبقوله: وقفتها في حياتي و بعد و فاتي مؤبداً".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، ۳۴۷، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "ولأن الوقف ليس إلا إزالة الملك عن الموقوف، وجعله لله تعالیٰ خالصاً، فأشبه الإعتاق، وجعل الأرض أوالدار مسجداً". (بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الوقف والصدقة، شرائط جواز الوقف: ۵/۳۲۷، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علماً علمه ونشره .... أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه". (سنن ابن ماجة، باب ثواب معلم الناس الخير، ص: ۲۲، قديمي)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۲/۳۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وقد وقف رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ووقف أصحابه المساجد والأرض والآبار".

(فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۱۷، مكتبة دار الكتاب العربي)

(۴)"وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلیٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

"وما فضل من من ربع الوقف واستغني عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صُرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". =

۵......گناہ تو بالکل نہیں۔

۶......ناجائز نہیں، جوصورت اَنفع ہو اس کو اختیار کرلیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی صورت

سوال[۶۹۰۷]: مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے؟اور کسی مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو کیسے کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو، اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں۔یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کردیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو، مسجد کی توسیع کے لئے آس پاس کی زمین خرید لی جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

= (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۲۹، مكتبه دار الكتب العربى بيروت)

"وحكى أنه وقع مثله فى زمن سيدنا الإمام الأجل فى رباط فى بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلىٰ رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، و يحصل ذلك بالثانى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس فى استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبنى فيها بيوتاً فيؤاجرها". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى: ۶/۲۴۱، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

فیضِ عام کے لئے وقف شدہ زمین کو مسجد کے لئے منتقل کرنا

سوال[۶۹۰۸]: زید نے چند مکانات فیضِ عام ہائی اسکول کے لئے وقف کئے تھے جس کو عرصہ ۳۰/سال کا ہوگیا جس میں ایک مکان کچا بوسیدہ تھا جس کی کل زمین ۸/گز لمبی اور ۶/گز چوڑی تھی، اب وہ عرصہ ہوا کہ کوٹھا گر گیا اور زمین پڑی ہوئی ہے، اس کے تعمیر کرنے میں دو ہزار روپے کا خرچ ہے، ہائی اسکول کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ یہ جگہ کورٹ کے قریب ہے آئندہ یہ جگہ کورٹ کی نذر ہونے والی ہے اس لئے اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ اس اراضی کو مسجد میں منتقل کرالی جائے تاکہ واقف کو ثواب بھی پہونچے اور جگہ بھی محفوظ ہوجائے۔ کیا یہ منتقلی جائز ہے؟

الجواب حامداًو مصلياً:

یہ ۸/گز لمبی زمین اور ۶/گز چوڑی زمین اس موقع پر مسجد ہی کے کس کام میں آئے گی، تاہم اگر وقف اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ضائع ہوجائے گا تو ایسی مجبوری کی حالت میں یہ صورت شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صُرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/ ۵۲۹، مكتبة دارالكتب العربي بيروت)

"وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلىٰ رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، و يحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

"وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۴، رشيديه)

بیر موقوفہ کا سامان نئی تعمیر میں

سوال[۶۹۰۹]: ایک مسجد کے قریب ایک کنواں ہے جس کو ایک تھانیدار نے زمینداروں سے لیکر رفاہ عام کے لئے آباد کیا تھا، کچھ عرصہ کنواں جاری رہا، پھر اس تھانہ دار کی تبدیلی پر دوسرے تھانہ دار نے جاری کرنے پر غور نہ کی اور سامان چوبی اکثر لوگوں نے اکھیڑ کر جلا دیا اور کچھ سامان بچ گیا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر بچا ہوا سامان مسجد شریف کی تعمیر میں لگایا جائے تو شرعاً اجازت ہے یا نہ؟ اگر بعینہ نہ لگ سکے تو اس کو فروخت کر کے اس رقم کو محفوظ رکھیں اور دوسری جگہ سے قرضہ لیکر مسجد میں لگا دیں اور اس رقم سے قرضہ اتار دیں، یہ کس طرح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ کنواں آباد ہے اور اس کی ضرورت ہے تو وہ سامان اسی کنویں میں صرف کرنا چاہئے، اگر وہ غیر آباد ہے اس کی ضرورت نہیں رہی، دوسرا کنواں موجود ہے تو پھر اس سامان کو کسی قریب کے دوسرے کنویں میں حسب ضرورت صرف کر دیا جائے، مسجد میں صرف نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی دوسرے کنویں میں ضرورت نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اس بقیہ سامان کو بھی دوسرے لوگ اٹھا کر لے جاویں گے تو پھر اس کو مسجد کی عمارت وغیرہ میں لگانا درست ہے۔

بہتر یہ ہے کہ وہ سامان فروخت نہ کیا جائے، بلکہ بعینہ مسجد میں لگایا جائے۔ اگر وہ کار آمد نہ ہو تو اس کی قیمت خرچ کی جاوے، هكذا يفهم من ما في ردالمحتار: ۳/۵۷٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/۶/۵۷ھ۔

---

(۱) "وكذا (الرباط والبئر إذالم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر)". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلى أقرب مسجد أو رباط، الخ) -لف ونشر مرتب- وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض و عكسه. وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد) .... =

جو زمین مزار کے لئے وقف ہے، اس کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال[۶۹۱۰]: ۱.....موضع سرسادہ میں ایک بہت پرانا مزار حضرت مخدوم جی صاحب کا ہے۔ علاقہ میں ان کے نام پر زمین ہے۔ حضرت مخدوم جی کا سالانہ میلہ بھی لگتا ہے اور بدعاتِ سیئہ اور دوسری خرافات بھی ہوتی ہیں، وہاں پر کوئی لنگر خانہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی کچھ خرچ ہے۔ اب وقف کردہ زمین کی آمدنی حضرت مخدوم جی کی کمیٹی کو دینی چاہئے یا اپنے گاؤں کی مسجد میں لگانی چاہئے، جب کہ مسجد کا خرچ مقامی مسلمانوں سے برداشت نہیں ہوتا؟

ایضاً

سوال[۶۹۱۱]: ۲.....وقف کردہ زمین کے سرہانوں پر جو درخت لگائے گئے ہیں، وہ اس زمین سے باہر بلکہ سڑک اور زمین کی ڈول (۱) پر واقع ہیں، ان کو بیچ کر مسجد میں لگالیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کے متعلق قرآن کریم کا مدرسہ قائم کردیا جائے اور اس زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دی جائے، وہ مدرس امام ہو یا کوئی اَور۔ اس سے مسجد بھی آباد رہے گی، دینی تعلیم بھی ہوگی اور صاحبِ مزار کو اس کا ثواب بھی پہونچتا رہے گا جو کہ واقف کا اصل منشاء ہے (۲)۔

= "رباط بعید استغنی عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السید الإمام أبوالشجاع: یصرف غلته إلی الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب واستغنی عنه أهل القریة، فرفع ذلک إلی القاضی، فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر، جاز". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشیدیه)

(۱) "ڈول: ڈولا، کھیت کی باڑ، مینڈھ، کھیت کی چاردیواری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۸۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) "وحکی أنه وقع مثله فی زمن سیدنا الإمام الأجل فی رباط فی بعض الطرق خرب، ولا ینتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل یجوز نقلها إلیٰ رباط آخر ینتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ویحصل ذلک بالثانی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید) .... =

۲......اگر وہ درخت بصورت موجودہ آمدنی کا ذریعہ نہیں ہیں تو ان کو فروخت کرکے نمبر:۱- کے مصرف میں صرف کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۱۷ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ صرف کرنا

سوال[۲۱۹۱۲]: ایک شخص کچھ زمین وقف کرتا ہے، واقف کی نیت مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنا ہے، لیکن وقف کرتے وقت اس معاملہ پر کوئی دینی مصرف نہ ہونے کی وجہ سے وقف شدہ جائیداد کو مسجد کے نام

= "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلىٰ مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

"رباط بعيد استغنى عنه المارّة، وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبوشجاع: تصرف غلته إلىٰ الرباط الثاني". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۱/۳، رشيديه)

"رباط يستغنى عنه و له غلة، فإن كان بقربه رباط، صرفت الغلة إلى ذلك الرباط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(۱) "في مجموع النوازل: سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة: هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تكن وقفاً على وجه آخر". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۸۷۵/۵ إدارة القرآن كراچي)

"وإن لم يعلم الغارس، فالرأي فيها يكون للقاضي، إن رأى أن يبيع الأشجار ويصرف ثمنها إلىٰ عمارة المقبرة، فله ذلك، ويكون في الحكم كأنها وقف". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في الأشجار: ۳۱۱/۳، رشيديه)

"وإن غرس للمسجد، لا يجوز صرفها إلا إلىٰ مصالح المسجد الأهمّ فالأهمّ كسائر الوقوف، وكذا إن لم يعلم غرض الغارس، اهـ. ومقتضاه في البيت الموقوف إذا لم يعرف الشرط أن يأخذها المتولي لبيعها و يصرفها في مصالح الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

سپرد کردیا۔ جائیداد کی آمدنی اتنی ہے کہ ضروریاتِ مسجد پوری ہونے کے بعد بچ جاتی ہے۔ دینی مدرسہ میں یتیم، غریب طلباء تعلیم پاتے ہیں اس میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ صحیح جواب ارقام فرمائیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب واقف نے جائیداد مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنے کے لئے وقف کردی اگرچہ زبانی کیا تو یہ وقف صحیح ہوگیا(۱)، اس کے بعد کسی کو کسی ایک مصرف کے لئے تخصیص وتعیین کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ اس موقوفہ جائیداد کو مسجد ودینی مدارس اور دیگر دینی مصرف میں خرچ کرنا درست ہے:

"وفي الإسعاف: ولا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد. وفي فتاوى الشيخ قاسم: وماكان من شرط معتبر في الوقف، فليس للواقف تغييره و لا تخصيصه بعد تقرره، ولا سيماً بعد الحكم، فقد ثبت أن الرجوع عن الشرط لا يصح". شامي: ۹۷/۳ (۲)۔

لیکن اگر پہلے تخصیص کی نیت نہیں کی، مگر وقف کرتے وقت تخصیص مسجد کی کردی تو اب دوسری جگہ صرف کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه و ركنه، الخ: ۳۵۱/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط: ۴۵۹/۴، ۴۶۰، سعيد)

"لو اشترط في الوقف أن يزيد في وظيفة مَن يرى زيادته .... ثم إذا زاد أحداً منهم شيئاً أو نقصه مرةً، أو أدخل أحداً أو أخرجه، ليس له أن يغيره بعد ذلك؛ لأن شرطه وقع على فعلٍ يراه، فإذا راٰه وأمضاه، فقد انتهى ما راٰه إلا لشرطه". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"قلت: فإن زاد أحداً منهم شيئاً مما سمى له، أو أخرج منهم أحداً، أو أدخل أحداً، أو نقص أحداً .... قال: إذا فعل ذلك مرةً، فليس له أن يغير ذلك؛ لأن الرأى إنما هو على فعلٍ يراه، فإذا راٰه و أمضاه، فليس له بعدذلك أن يغيره". (أحكام الأوقاف للخصاف، ص: ۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجلٌ مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، =

ایک وقف کو دوسری جگہ خرچ کرنا

سوال[۶۹۱۳]: یہاں پر چونکہ الگ الگ مسجدوں کے اوقاف ہیں، لیکن چند آدمیوں نے مل کر تقریباً دس مسجدوں کے اوقاف اکٹھے کر کے ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے لگے۔ تو (کیا) یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے، اس کی آمدنی اس مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

= (لا) يجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور ....
قال الخير الرملي: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجلٌ مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور. تنبيه: قال الخير الرملي: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".
(البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة، يتبع شرط الواقف. وقد علم بهذا التقرير إعمال العلتين: الإحياء و رعاية شرط الواقف، هذا هو الحاصل من الفتاوى". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

مسجد کے لئے وقف زمین کوفروخت کرکے مدرسہ میں لگانا

سوال[۶۹۱۴]: محلے کی مسجد کا ذریعۂ آمدنی نہ ہونے کی بنا پر ایک صاحب خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کردیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحبِ خیر نے ایک دوسرا قطعۂ زمین خرید کر پانچ دوکانیں بنا کر اس مسجد مذکور کے نام وقف کردی ہیں، اب مسجد کافی سے زیادہ خود کفیل ہوچکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کوفروخت کرکے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسہ کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا متولی صاحب کے لئے اس سے پہلے قطعۂ زمین کوفروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی قیمت کے استعمال اور اس کوفروخت کرنے نہ کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوقطعۂ زمین دوکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کردیا ہے، اس کوفروخت کرکے اس کی رقم کو مدرسہ کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو: "فإذا تم و لزم، لا يملك ولا يعار ولا يرهن"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۹۱ھ۔

موقوفہ زمین کی بیع

سوال[۶۹۱۵]: تقریباً چالیس سال قبل ایک شخص نے کچھ زمین دینی درسگاہ کے لئے وقف کی تھی، اس کے بعد اس زمین کے اندر مدرسہ کا مکان بھی تعمیر ہوگیا تھا، وقف کرنے کے پانچ یا سات سال کے بعد

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"قوله: (لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليك، فلما بيّنا من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع و لا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه و ركنه و سببه، الخ: ۲/۳۵۰، رشيديه)

حادثہ میں یہ مدرسہ بالکل نابود ہوگیا جس کی بنا پر مدرسہ کے متولی صاحب نے یہ زمین اور مکان فروخت کردی، وقف کنندہ نے زمین خرید لی۔ اس کے بعد مدرسہ کی دوسری وقف شدہ زمین کے ساتھ ساتھ سرکار کے محصول ادا نہ ہونے کی بناء پر گورنمنٹ نے یہ زمین نیلام کردی، دوسرے ایک شخص نے گورنمنٹ سے خرید لی، وقف کنندہ نے اس شخص سے گفت شنید کے بعد دوبارہ اس زمین کو حاصل کرلی۔

وقف کنندہ کے انتقال کے بعد اس زمین کے متصل مدرسہ کے مکان کی دوبارہ تعمیر ہوئی جو سرکاری زمین ہے اور اب یہ مدرسہ بھی سرکاری مدرسہ ہوگیا ہے۔ وقف کنندہ کے لڑکے نے یہ سوچا کہ ممکن ہے اس زمین کے عوض جو روپیہ ادا کیا گیا ہے، وہ مدرسہ کے کام میں نہیں لگا ہو، لہٰذا اس نے دوبارہ زمین کی قیمت کے اعتبار سے اتنے روپیہ مدرسہ میں خیرات کردیئے اور فی الحال لڑکا اس زمین پر اپنا مکان تیار کرا رہا ہے۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس لڑکے کے لئے مندرجہ بالا طریقہ پر اس حاصل شدہ زمین پر اپنا قبضہ رکھنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہ ہو تو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین ایک دفعہ صحیح طریقہ پر وقف ہوجائے تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۱)، لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہاں اپنا ذاتی مکان نہ بنائے، بلکہ اس زمین کو کرایہ پر لے لے اور مکان بنالے، زمین مدرسہ کی رہے گی اور مکان اس شخص کا رہے گا، زمین کا کرایہ مدرسہ کو دیتا رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملک ولایعار ولایرهن)". (الدرالمختار). قال ابن عابدین: "(قوله: لا یملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملّک: أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴ سعید)

"وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجهٍ تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، ولایباع و لا یوهب و لا یورث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

(۲) "کثر فی زماننا إجارة أرض الوقف مقیلاً ومراحاً قاصدین بذلک لزوم الأجر، وإن لم تروَّ بماء النیل، ولاشک فی صحة الإجارة؛ لأنها وإن لم تستأجر للزراعة وغیرها وهما منفعتان مقصودتان". (الأشباه =

وقف کی بیع بشرطِ اقالہ

سوال[۶۹۱۶]: مسلمانوں کے درخواست کرنے پر سرکار نے عیدگاہ کے لئے زمین صرف پانچ روپیہ شکرانے لے کر عطا کی اور اس کا قبالہ بھی عطا کیا، چنانچہ اس عیدگاہ کی زمین کو مسلمانوں کے عام چندہ سے ہموار کرالیا گیا۔ نمازِ عیدین عرصہ تین سال سے اس عیدگاہ میں ادا ہو رہی ہے، آج کل عموماً حسبِ قانون جدید ہر قبالہ میں یہ عبارت مطبوعہ درج ہوتی ہے کہ بکارِ رفاہِ عام سرکار جب چاہیں گے واپس لے لیں گے۔

بطور حاشیہ دوسرے مقام پر بسلسلۂ ہدایات سرکاری حکام کو ہدایت کی ہے کہ اگر عبادت گاہ تعمیر شدہ سدراہ ہو تو تاامکان اس کا خیال رکھا جائے اور اس فرقہ کے لوگوں کا دل دُکھا کر جبراً نہ لی جائے اور صورت مسئولہ میں صرف زمین ہموار کردہ ہے، بسلسلۂ نظام اس کے قریب آبادی ہو جانے کی وجہ سے سمسان بھومی (۱) یا مرگھٹ قدیم اٹھایا (۲) جا کر خاص عیدگاہ مذکور کی زمین میں منتقل کیا گیا ہے اور منتقل کرنے سے سال بھر ہوا کہ سرکاری گزٹ میں اعلان بھی شائع ہوا تھا کہ اگر کسی کو کچھ (عذر) ہو تو ظاہر کرے اور صرف پندرہ ہی دن کی میعاد دی گئی تھی۔ چند آدمیوں کو علم ہوا، انہوں نے عذرداری کی درخواست دی، مگر ایک نہ چلی۔

اور یہ عیدگاہ مذکورہ اہل حدیث صاحبان کی ہے اور ان میں سے چند معزز حضرات اور ان کے مولوی

= والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۱۱-۱۱۲، (رقم القاعدة: ۱۲۵۹)، إدارة القرآن كراچی)

"اجر القيم دار الوقف بعوض، جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. قال بعض المشايخ: إنما يجوز في الوقف ماتعارفه الناس أجرةً من العروض في الإجارات". (الفتاویٰ الغیاثیه، كتاب الوقف، فصل في التصرف في الوقف من المتولي والقيم، ص: ۱۳۵، مکتبه اسلامیه کوئٹه)

(۱) "قبالہ: بیع نامہ، کاغذ، جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، مکان کا غذیا سند"۔ (فيروز اللغات، ص: ۹۴۷، فيروز سنز لاهور)

"سمسان بھومی: بھوی، زمین، دھرتی، دنیا، جگہ، مقام، ملک، ولایت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۱، فيروز سنز لاهور)

(۲) "مرگھٹ: مسان، شمشان، ہندوؤں کے مردہ جلانے کی جگہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز لاهور)

صاحبان نے اپنی منشاء کے موافق عیدگاہ کی زمین کے بدلے میں دوسری زمین لینا اور روپیہ لینا جائز بتلا کر عیدگاہ کی زمین سرکار کو دیدیا اور اب قریباً بیس روز ہوئے کہ خاص عیدگاہ کی زمین میں اور اس کے مشرقی اور شمالی جانب مرگھٹ بن گئے ہیں—إنا لله وإنا إليه راجعون—چنانچہ حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... ہر پٹہ یا بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی سے اگر مشتری کی ملک نہیں تو رہن کی صورت ہے یا نہیں؟

۲...... ہر پٹہ یا بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی بعد البیع عند الشرع باطل اور مانع وقف ہے یا نہیں؟

۳...... سب واقف مسلمان سکوت کرنے والے اور کوشش نہیں کرنے والے عیدگاہ فروشی کی نگاہ میں داخل ہیں یا نہیں؟

۴...... اب اگر عیدگاہ کی خاص زمین سے بڑی مشکل اور جانفشانی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مرگھٹ جائیں تو یہ صورت ہوگی کہ عیدگاہ کے مشرق وشمال مرگھٹ رہیں گے۔ اور ایک جانب شاہراہ قدیم گزرگاہ ہندو مسلم ہر دو کے ایک ہے، اس لئے ہر دو فریق کا اجتماع وتصادم بہت ممکن ہے۔ اور سوختگی مردگان کے ہوائی اثرات قرب وجوار، یا اہل مرگھٹ کے گریہ وبکاؤ سے، یا بصورت کھلے مصلی ہونے مقام مصلی پر مردہ جلانا یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔

۵...... تمام مسلمان، یا خبردار بے خبر سکوت میں ہیں اور اب اپنی جماعت میں سے بھی چند آدمیوں کا کوشش کرنے کا ارادہ ہے، اس لئے عرض ہے کہ اگر ہم پر کوشش کرنا ضروری ہے تو حتی الامکان کوشش کریں، ورنہ چپ رہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر توجہ تام فرما کر بروئے احکامِ شرعیہ مطہرہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے کہ بصورت موجودہ ہم مسلمانوں کو کونسی صورت اختیار کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ شرط مفسدِ بیع ہے اور بیعِ فاسد کا فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن جب مشتری بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرتا ہے تو اس شی پر ملکیتِ مشتری ثابت ہوجاتی ہے اور ایسی بیع کو اگر مشتری باقاعدہ وقف کردے تو شرعاً وہ وقف صحیح ہوجاتا ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "بيع الوفاء صورته: أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن، رد عليه العين. ثم إن ذكر الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم،

كان بيعاً فاسداً، اهـ". درمختار مختصراً: ٤/٣٤٢(١)۔

"ولـو قبـض المبيع بيعاً فاسداً بإذن بائعه، ملكه، ولكل منهما فسخه قبل القبض، وبعده مادام في ملك المشترى، اهـ". مجمع الأنهر بحذف: ٢/٦٥، ٦٦(٢)۔

"فـإن بـاع الـمشتـرى ما اشتراه شراءً فاسداً بيعاً صحيحاً: أى انعقد بيعه، وكذا ينفذ لو أعتـقه بعد قبضه، أو وهبه وسلمه، أو رهنه، أو أوصىٰ به، أو وقفه وقفاً صحيحاً، صح وسقط حق الفسخ، اهـ". سكب الأنهر بحذف: ٢/٦٨(٣)۔

---

(١) (الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ٥/٢٧٦، ٢٧٧، سعيد)

"لكل من المتعاقدين فسخ البيع الفاسد .... غير أنه يشترط فى الفسخ علم العاقد الآخر لا رضـاه و لا قـضـاء قـاضٍ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السابع، الفصل الثانى فى حكم أنواع البيوع، (رقم المادة: ٣٧٢) : ١/٢٠٨، مكتبه حنيفيه كوئٹه)

"و يـجـب عـلـى كـل واحـد منهـمـا فـسـخـه قبل القبض .... أو بعده ما دام المبيع فى يد المشترى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٩٠، ٩١، سعيد)

(٢) (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل: ٣/٩٣، ٩٥، رشيديه)

"(و إذا قبـض الـمشتـرى الـمبيع برضا) عبر ابن الكمال بإذن (بائعه صريحاً أو دلالةً) .... فـى البيـع الـفـاسد .... (مَلَكه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٨٨، ٨٩، سعيد)

"وفـاسـد و هـو المشروع بأصله دون الوصف، ويفيد الملك إذا اتصل به القبض". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/٧٧، غفاريه)

(وكذا فى شرح المجلة، لسليم رستم باز، (رقم المادة: ٣٧١): ١/٢٠٧، ٢٠٨، الباب السابع، الفصل الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(٣) (الدر المنتقى فى شرح الملتقى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/٧٧-٧٩، غفاريه)

"(فـإن بـاعـه): أى باع المشترى المشتريٰ فاسداً (بيعاً صحيحاً باتاً) .... (أو وهبه وسلم، أو أعتـقـه) .... (بـعـد قـبـضـه) .... (أو وقفه) وقفاً صحيحاً؛ لأنه استهلكه حين وقفه وأخرجه عن ملكه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٩٢، ٩٣، سعيد) =

۲...... یہ صورت وقف کی نہیں، بلکہ بیع فاسد کی صورت ہے، كما مرَّ في الجواب الأول۔

۳......اگر اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے تو اس کو فروخت کرنا کسی حال میں جائز نہیں، اس کی بیع ہی درست نہیں، اس کی واپسی ضروری ہے، اس کو فروخت کرنے والے گنہگار ہیں، حتی الوسع اہل علم وفہم وارباب حل وعقد کے مشورہ کے مطابق اس کی واپسی کی کوشش ضروری ہے:

"فإذا تم ولزم، لايملك: أى لا يصير ملكاً لصاحبه، ولايملّك: أى لايقبل التمليك بغير البيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". طحطاوى: ۲/۵۳٤(۱)۔

۴، ۵......اگر یہ وقف صحیح ہے جیسا کہ اس کے عیدگاہ ہونے سے ظاہر ہے تو حتی الوسع چھڑانے میں قانون داں اور تجربہ کار عالم کے مشورہ کے مطابق کوشش لازم ہے، تمام چھوٹے، یا بعض حصہ چھوٹے جتنا بھی ممکن ہو، تاکہ اغیار کے تصرف وتملک سے محفوظ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/۵/۵۷ھ۔

دوسری جائیداد خریدنے کے لئے موقوفہ جائیداد فروخت کرنا

سوال[۷۱۹۱]: مسجد کی جائیداد کھیت وغیرہ کو دوسری قسم کی جائیداد بنانے کے لئے فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= (وكذا في شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۱/۲۰۹، (رقم المادة: ۳۷۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۹، ۸۰، دار المعرفة بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الوقف: ۲/۵۳۴، دار المعرفة بيروت)

"(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... (أما امتناع التمليك، فلما بيّنا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف جائیداد کی بیع درست نہیں (۱)، اس کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ دوسری جائیداد بنانے کے لئے دوسرا انتظام کریں، موقوفہ کھیت اور جائیداد کو فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۷/۹۱ھ۔

وقف کے مصارف اوراس کی بیع

سوال[۲۹۱۸]: ایصالِ ثواب کے لئے لیچی کا باغ وقف ہے اور وصیت ہے کہ ہر سال میلاد شریف وکھانا مسکین ومسجد وغیرہ لیچی کی آمدنی سے کیا جاوے، مگر چند مجبوری مثلاً لیچی چوری ہوجانا، اس کی وجہ سے متولی صاحب نے لیچی کے باغ کو بیچ دیا۔ ایسی صورت میں اس پیسہ کو اس مذکورہ کارِ خیر میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو کوئی اور صورت بیان فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف کی بیع ناجائز ہے (۲)، اس بیع کو فسخ کرکے روپیہ دے کر باغ واپس لیا جائے، اگر باغ فروخت

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیكه". (الهدایة، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، شركت علمیه ملتان)

"(قوله: ولا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وكذا في فتح القدیر، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

(۲) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیكه، الخ". (الهدایة، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علمیه ملتان)

"(قوله: ولا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء كمانقله في فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع ولا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه) .... =

نہیں کیا بلکہ پھل فروخت کیا ہے تو حسبِ قواعدِ شرعیہ پھل کی بیع درست ہے، اس کی قیمت کو مسکینوں کی امداد، مسجد کی مرمت اور بقرعید پر قربانی میں خرچ کیا جائے (۱)۔ میلادِ مروجہ کی جگہ دینی مواعظ کا انتظام کیا جائے جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات وارشادات کو بیان کیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

وقفِ مشاع مسجد کے تیل کی بیع

سوال[۶۹۱۹]: ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے: نوع اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو یا دوکانیں ہوں، اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوع دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۲) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں۔ اب نہ اس قدر قلیل کو کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا اس کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے، سو ایسی حالت میں بعض بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ نوع دوم کی وقف وقف کرنے والے کے نام فروخت کردیں اور کل آمدنی مسجد میں لگادیں۔ سو یہ درست ہے کہ نہیں؟

سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نیت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو۔ اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۰، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "وما غرس في المساجد من الأشجار المثمرة .... وإن غرس للمسجد، لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهمّ فالأهمّ كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، والمسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة وأراضي الوقف الخ: ۲/۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(۲) "بسوہ: ایک بیگے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۴، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

جوز مین باقاعدہ وقف کردی گئی ہو، اس کوفروخت کرنا جائز نہیں (۱)، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر وقف کردی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)۔ جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے، اس کی آمدنی اس کو خود استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳)، متولی اور دیگر اہلِ مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ جو تیل مسجد کی ضرورت سے زائد آوے، اس کوفروخت کرکے دوسری ضروریاتِ مسجد میں صرف کرنا درست ہے (۴) بشرطیکہ تیل

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولاتمليكه. الخ". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء كمانقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۳۵۰ الباب الأول، رشيديه)

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ، أو شرط بيعه، ويشترى بثمنه أرضاً أخرىٰ إذا شاء". (الدرالمختار). "(قوله: وجاز الاستبدال به، الخ) .... الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره، أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف، الخ: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۳) "وفي الفتاوى: إذا جعل أرضاً صدقةً موقوفةً على الفقراء والمساكين، فاحتاج بعض قرابته أو احتاج الواقف، إن احتاج الواقف، لا يعطى له من تلك الغلة شيء عندالكل، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن: ۲/۳۹۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۷۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(والبزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، السادس في الوقف على الفقراء: ۶/۲۷۷، رشيديه)

(۴) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً. وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يباع ذلك و يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۸۴۷، إدارة القرآن كراچی)

دینے والا اس پر رضامند ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۴/۲۵ھ۔

صحیح:عبداللطیف، الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ۔

آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال[۶۹۲۰]: مسجد کی کچھ زمین وقف شدہ ہے،اس زمین کے قرب وجوار میں آبادی ہوگئی ہے، اب اس کی آمدنی پہلے سے کم ہونے لگی ہے۔اب متولیانِ مسجد چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کردیا جائے اور دوسری زمین خرید لی جائے یا تبادلہ کرلیا جائے،لیکن واقف نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔تو اب اس کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جوزمین باقاعدہ مسجد کے لئے وقف ہے،آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں،اس کو اسی طرح رکھا جائیگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف (رقم القاعدة: ۱۲۵۰): ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد و تصرف القيم: ۴۶۳/۲، رشيديه)

(۲) "والثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه: ۳۸۴/۴، سعيد) .... =

آمدنی کم ہونے پر مکانِ موقوفہ کی بیع

سوال[۱۹۲۱]: ایک مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سالانہ پچاس روپیہ ہے، اگر اس زمین کو فروخت کر کے دوسری زمین خریدی جائے تو اس صورت میں سالانہ آمدنی پانچ چھ سو روپیہ ہوگی، لہذا متولی اہل مسجد کی رائے سے اس زمین کو فروخت کر کے دوسری زیادہ آمدنی والی زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کچھ روپیہ بچا کر بنائے مسجد مذکور میں ضرورۃً لگا سکتے ہیں یا نہیں، اس حال میں کہ باقی روپیہ سے بھی سالانہ پانچ سو روپیہ آمدنی ہونے کی توقع ہے اور مقدار زمین میں بھی پہلی زمین سے زیادہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کی جاتی ہے، اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ زمین باقی رہے اور اس کے منافع کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے (۱)، وہ زمین تجارت کے لئے نہیں دی جاتی ہے، لہذا اس کا فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کی زمین حاصل کرنا جائز نہیں (۲)۔ الا یہ کہ موقوفہ زمین سے انتفاع ہی ختم ہوجائے تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس

= "وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ما هو خيرٌ منه مع كونه منتفعاً به، فيبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى، و لأنه لا موجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط و في الثاني الضرورة، و لا ضرورة في هذا؛ إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيته كما كان". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مكتبه مصطفى البابى الحلبى مصر)

"وبيع أرض الوقف لا يجوز، فكذلك ما كان تبعاً له". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما يدخل في الوقف من غير ذكر و ما لا يدخل: ۳۱۰/۳، رشيديه)

(۱) "وعندهما هو (أى الوقف) حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ و صرف منفعتها على من أحب و لو غنياً، فيلزم، فلايجوز إبطاله، و لا يورث عنه، وعليه الفتوى". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعيد)

"و عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، و لا يباع و لا يوهب و لا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لايملك و لايملّك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: =

کے عوض دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ وقف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

مسجد کا کوئی حصہ قوالی کے لئے خالی کرنا، یا اپنی ملک قرار دے کر عوض میں دوسری جگہ دینا

سوال[۶۹۲۲]: ۱...... مسجد معمورہ کا بعض حصہ اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا کیسا ہے بشرطیکہ اس بعض حصہ کی شکل میں تغیر کر دیا ہو اور اس کو مسجد سے علیحدہ کر دیا ہو؟

۲...... کیا کسی صورت میں مسجد معمورہ یا غیر معمورہ اپنے ذاتی امور میں مستعمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳...... مسجد کے بعض حصہ کو یا ساری مسجد کو دوسری جگہ وہاں سے ہٹا کر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴...... کیا زید، بکر، عمر کو یہ جائز ہے کہ مسجد کے کچھ حصہ کو اپنے ذاتی اور عرس قوالی میلاد وغیرہ مسجد کی صورت بدل کر استعمال میں لائیں اور حصہ کے عوض میں اتنی جگہ دوسری جہت سے مسجد میں داخل کریں؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو ایسا کرنے والے کا کیا حکم ہے، کیا ان سے قہراً وہ حصہ جو مسجد کا تھا لے سکتے ہیں یا نہیں؟

= "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه، الخ". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف تهدم، ولم يكن له شيء يعمر منه .... أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، و يشترى بثمنه وقف مكانه". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وشرط في البحر خروجه على الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسَّر بذي العلم والعمل". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وشرط في البحر) .... و لو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها، والمعتمد أنه بلا شرط، يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به .... و هو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير، فإنا قد شاهدنا النظار يأكلونها". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۶، سعيد)

۵...... جو جگہ پہلے مسجد میں داخل تھی اور اب جو اس کے عوض میں دوسری جہت میں بصورت مسجد جو جگہ ہے، اس کا کیا حکم ہے، آیا دونوں جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد کا حکم رکھیں گے یا ایک، اور وہ جگہ جو پہلے مسجد تھی یا اب جو اس کے قائم مقام ہے؟

۶...... عوام مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے، کیا اس میں چشم پوشی کرنی چاہئے یا جدوجہد، یعنی مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہے؟

۷...... کیا مسجد بھی کسی کی ملک ہو سکتی ہے اگر کوئی اپنی ملکیت بنالے تو اس کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: جواب مفصل تحریر فرمایئے۔ اشاعت کرنی ہے اور اس کی تحریک اٹھانی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... مسجد وقف ہے اس کے کسی حصہ کو علیحدہ کرنا اور اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے، مسجد تحت الثریٰ تک اور فوق الثریا تک اللہ کے واسطے ہوتی ہے، حق العبد اس سے منقطع ہوتا ہے، البتہ ملحقاتِ مسجد دوکان وغیرہ میں مصالحِ مسجد کے ماتحت امام ومؤذن کی رہائش کی اجازت دینا شرعاً جائز ہے:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك و لا يعار و لا يرهن، اهـ". تنوير۔ "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (ولايعار و لا يرهن) لاقتضائهما الملك، اهـ". شامى(۱)۔

"قال فى البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾، اهـ". شامى(۲)۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليک، فلما بينّا من قوله عليه الصلاة والسلام: "تصدق بأصلها، لا يباع و لا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد) .... =

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع. ولو قال: عنيتُ ذلك، لم يصدق، تاتارخانية. فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه و لو على جدار المسجد. و لا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً و لا سكنى، بزازية، اهـ". درمختار(۱)۔

۲.....نہیں(۲)۔

۳......اگر پہلی مسجد غیر آباد ہوجائے اور دوسری جگہ مسجد تعمیر کی جائے تو پہلی مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے، ورنہ نہیں(۳)۔

= "و حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]، بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"علم أنه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لا يضرّ فى كونه مسجداً؛ لأنه من المصالح. فإن قلت: لو جعل مسجداً، ثم أراد أن يبنى فوقه بيتاً للإمام أو غيره، هل له ذلك؟ قلت: قال فى التاتارخانية: إذا بنى مسجداً و بنى غرفةً، وهو فى يده، فله ذلك .... فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه. ولا يجوز اخذ الأجرة. وفى البزازية: و لا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً و لا مسكناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه و لا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة". (حاشية الشيخ چلپى على فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) "ونقل فى الذخيرة عن شمس الأئمة الحلوانى أنه سئل عن مسجد أو حوضٍ خرب و لا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضى أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الدرالمختار،=

۴......ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً ناجائز ہے، ان سے زبردستی مسجد کا وہ حصہ واپس لیا جائے گا۔

۵......جوجگہ پہلے سے مسجد تھی وہ تو بہرصورت مسجد ہے(۱) اور جو دوسری جگہ دی ہے، اگر اس کو وقف کر کے مسجد بنادیا تو وہ مسجد بن گئی، ورنہ مسجد نہیں بنی (۲)۔

۶......مسجد کی واپسی کے لئے اربابِ بصیرت کے مشورہ کے مطابق مناسب مگر کامل جدوجہد کریں۔

۷......مسجد اللہ کے لئے ہوتی ہے، کسی کی ملک نہیں ہوسکتی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے وقف مکان کی بیع

سوال[۲۹۲۳]: ایک متولی صاحب نے مسجد کا وقف مکان سنی سینٹرل وقف بورڈ سے اجازت لے کر فروخت کردیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

= کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی". (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۲) "ویزول ملکه عن المسجد و المصلی بالفعل، و بقوله: جعلتُه مسجداً عند الثانی". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب: إذا وقف کل نصف علی حدة، صارا وقفین: ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعید)

(۳) "وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجهٍ تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، و لا یباع و لا یوهب و لا یورث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه و رکنه، الخ: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جومکان مسجد کے لئے وقف ہو، اس کوفروخت کرنے کے لئے سنی سینٹرل وقف بورڈ کی اجازت کافی نہیں، وقف شدہ مکان کی بیع کا حق نہیں (۱)، متولی صاحب سے مطالبہ کیا جائے کہ اس کو کیوں فروخت کیا، یہ تو فروخت کے قابل نہیں ہے (۲) اور بیع کو فسخ کرکے حسبِ سابق مکان کو وقف قرار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۰ھ۔

جس زمین کو مسجد بنانے کی وصیت کی گئی ہے اس کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

سوال [۶۹۲۴]: زید اپنی زمین کو مسجد بنانے کے لئے وصیت کرکے مرگیا، اب گاؤں کے لوگ ایک دوسری جگہ کو مسجد کے لئے مناسب سمجھتے ہیں، اس وصیت کردہ زمین پر بنیاد وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تو کیا تبادلہ کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوزمین مسجد بنانے کے لئے دی ہے، اس کو دوسری زمین سے بدلنے کا حق نہیں (۳)، بدلنے کے لئے

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركت علميه ملتان)

"(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء كما نقله فى فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضى الله تعالىٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲ سعيد)

"وإذا لزم الوقف، فإنه لا يجوز بيعه ولاهبته ولا التصرف فيه بأىّ شئ يزيل وقفيته". (فقه السنة، انعقاد الوقف: ۳/۵۲۲، دارالكتب العربى بيروت)

(۳) "والثالث: أن لايشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع فى المجلة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز =

گاؤں کے لوگوں کا دوسری جگہ کو مسجد کے لئے زیادہ مناسب سمجھنا کافی نہیں۔ وصیت کردہ زمین میں مسجد نہ بن سکتی ہو یا کوئی شرعی مانع ہو تو اس کو مفصل لکھ کر دریافت کرلیں: "نص الواقف کنص الشارع، اھ"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۳ھ۔

مسجد آباد توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال[۱۹۲۵]: مسجد آباد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آباد مسجد کو جس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو توڑ کر صرف عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ بنانا جائز نہیں ہے، خصوصاً جب کہ عیدگاہ پہلے سے موجود بھی ہو، اولاً اس لئے کہ وہ مسجد کی ویرانی اور تعطل کا سبب ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیها اسمه و سعیٰ فی خرابها﴾(۲)۔

ثانیاً اس لئے کہ اس مسجد کی حرمت ساقط ہوتی ہے، کیونکہ شرعاً جو احترام مسجد کا ہے وہ عیدگاہ کا نہیں ہے:

"وأما المسجد لصلوة العید، فالمختار أنه مسجد فی حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، وفیما عدا ذلك، فلا، رفقاً بالناس، خلاصة". عالمگیری(۳)۔

= استبداله علی الأصح المختار". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعید)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة، اھ". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۴۵۶/۲، رشیدیه) =

نیز یہ کہ مسجد اگر آبادی میں ہے تو اس کو عیدگاہ بنانے سے بلا عذر سنت (خروج إلی الجبانة) کا ترک لازم آتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبداللطیف، عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

مسجد کو عیدگاہ بنانا

سوال[۶۹۲۶]: ایک گاؤں میں ایک مسجد تھی، اہلِ محلہ نے مشورہ کرکے اس کو دوسری جگہ بنائی، اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ پہلی مسجد کی جگہ چاروں طرف سے ملا کر عیدگاہ بنالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی مسجد کی جگہ کے ساتھ اور کچھ ملا کر عیدگاہ بنائی جائے تو اس میں بلا کراہت عید کی نماز جائز ہوگی یا مع الکراہة ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام پر عید کی نماز جائز ہے، وہاں عید کی نماز مسجد میں بھی جائز ہے اور عیدگاہ میں بھی جائز ہے، لیکن اگر عذر قوی نہ ہو تو عیدگاہ میں جاکر پڑھنا سنت ہے یعنی: اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہے جس کی آبادی کم از کم تین ہزار ہو تو وہاں مسجد اور عیدگاہ دونوں جگہ عید کی نماز درست ہے۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه و مسائله: ۴۲۱/۴، رشيديه)

"أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، وبه يفتي، نهاية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرةً: ۳۰۱/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(قوله: سنة) فلو لم يتوجه إليها [أي الجبانة] فقد ترك السنة". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۳/۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

اگر وہ گاؤں ایسا نہیں ہے بلکہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں عید کی نماز نہ مسجد میں درست ہے نہ عیدگاہ میں۔

مسجد کو عیدگاہ بنانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ اس میں نماز پنجگانہ بھی ہوتی رہے اور اس قدر وسیع ہو جائے کہ بوقتِ ضرورت عید کی نماز بھی ہو سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ اس وقت ہے جب کہ وہاں عید کی نماز درست ہو جاتی ہو۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو صرف عید کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور نماز پنجگانہ اس سے موقوف کر دی جائے تو یہ قطعاً ناجائز ہے(۱)، خواہ وہاں عید کی نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، کیونکہ اس سے مسجد معطل ہو جائے گی:

"صلوة العيدين واجبة على من تجب عليه الجمعة بشرائطها، و قد علمتها، فلا بد من شرائط الوجوب جميعها و شرائط الصحة سوى الخطبة". مراقى الفلاح، ص:۳۰۷(۲)۔

"شرط صحتها (أى الجمعة) أن تؤدى فى مصر، حتى لا تصح فى قرية و لا مفازة لقول علىّ رضى الله تعالىٰ عنه: "لا جمعة ولا تشريق و لاصلوة فطر ولا أضحىٰ إلا فى مصر جامع أو فى مدينة عظيمة". رواه ابن أبى شيبة، وصححه ابن حزم، وكفى بقوله قدوةً وإماماً. وهو (أى المصر) كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود .... ما عزوه لأبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على

---

(۱) نماز پنجگانہ کو موقوف کر کے صرف عید کی نماز کے لئے مخصوص کرنا استبدالِ وقف ہے جو کہ بغیر ضرورتِ داعیہ کے ناجائز ہے، کیونکہ غرضِ واقف کے خلاف ہے:

"لو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) (مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص:۵۲۷، ۵۲۸، قديمى)

"اعلم أن صلوة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب .... لا تجب عليه؛ إذ من شرائطها المصر، و يشترط لها جميع ما يشترط للجمعة وجوباً وأداءً إلا الخطبة، فإنها ليست بشرط لها، بل هى سنة". (الحلبى الكبير، فصل فى صلوة العيد، ص:۵۶۵، ۵۶۶، سهيل اكيڈمى لاهور)

إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث. قال في البدائع: وهو الأصح، اهـ". بحر: ۲/ ۱۴۰(۱)۔

"وفي القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً، اهـ". درمختار، ص: ۸۶۵(۲)۔

"الخروج إلى المصلى -وهو الجبانة- سنةٌ وإن كان يسع الجامع، وعليه عامة المشايخ، لِمَاثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يخرج يوم الفطر و يوم الأضحى إلى المصلى، فإن ضعف القوم عن الخروج، أمر الإمام من يصلي بهم في المسجد، روي ذلك عن علي رضي الله تعالىٰ عنه. وفي جامع الفقه و منية المصلي والذخيرة: يجوز إقامتها في المصر و فنائه في موضعين فأكثر، اهـ". كبيرى، ص: ۵۲۹(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی القعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، رشيديه)

"لما روى ابن أبي شيبة عن عليّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". وصححه ابن حزم في المحلى".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (الدرالمختار، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۷۱، ۵۷۲ سهيل اكيڈمی لاهور)

"والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد وإن كان يسعهم الجامع عندعامة المشايخ، وهوالصحيح اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

"ومنها: أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يخلف رجلاً يصلي لأصحاب العلل في المصر صلاة العيد، لما روي عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما قدم الكوفة، استخلف أبا موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه ليصلي بالضَّعَفَة صلاة العيد في المسجد، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشي ويمشون. ولأن في هذا إعانة للضعفة على إحراز الثواب، فكان حسناً. وإن لم =

مسجد کی زمین پر عیدگاہ

سوال[۶۹۲۷]: مسجد کی زمین کے تھوڑے سے حصے پر عیدگاہ بنالینا کیسا ہے؟ اگر تیار ہو چکی ہو تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں پر کھیتی وغیرہ موجود نہ ہو تو نمازِ عید پڑھ لینا درست ہے(۱)، لیکن اس کی آمدنی کو ختم کر کے مستقل

= يفعل لا بأس بذلك؛ لأنه لم ينقل ذلك عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا عن الخلفاء الراشدين سوى علي رضي الله تعالىٰ عنه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، مايستحب يوم العيد: ۶۲۵/۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون في صلاة العيدين: ۲۱۳/۱، ۲۱۴، رشيديه)

(۱) عیدگاہ کا شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے، لیکن بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرماتے تھے، اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کی نماز باہر ادا کی جائے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة العيد في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب يصلي الناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۱۷۱/۱، رحمانيه لاهور)

قال العلامة خليل أحمد سهارنفوري رحمه الله تعالى: "قال ابن الملك: يعني كان صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي صلوة العيد في الصحراء إلا إذا أصابهم مطر، فيصلي في المسجد، فالأفضل أداء ها في الصحراء في سائر البلدان .... وقد اختلف: هل الأفضل فعل صلوة العيد في المسجد أو الجبانة؟ فذهبت العترة ومالك رحمه الله تعالى إلى أن الخروج إلى الجبانة أفضل، واستدلوا على ذلك بما ثبت من مواظبته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الخروج إلى الصحراء". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب يصلي الناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲۱۲/۲، مكتبه امداديه لاهور)

تاہم بوقت ضرورت مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے، تو جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہے اس میں عید کی نماز پڑھ لینا بطریقِ اولیٰ درست ہے:

"الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة=

عیدگاہ بنالینا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کو ذریعۂ آمدنی ہی بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۰ھ۔

=المشايخ، وهو الصحيح، هكذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۳، رشيديه)

"ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام، والواجب مطلق التوجه والخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح". (الدرالمختار). "(قوله: والواجب مطلق التوجه): أي لا التوجه المترتب على ماذكر .... (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية: وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام، والصحيح هو الأول، اهـ".

وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲/۲۱۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم ولدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ الأنقروية، كتاب الوقف، السابع عمارة الوقف وفي البناء الخ: ۱/۲۲۱، دارالإشاعة العربية قندهار افغانستان)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ =

مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا

سوال[۲۹۲۸]: ا......ایک متقی شخص نے اپنی مقبوضہ ومملوکہ ایک قطعہ زمین بنائے مسجد اور اس کے صحن کے لئے خصوصی طور پر لسانی ہبہ کر دیا تھا، چنانچہ بناءً علیہ اس کے کچھ حصہ پر اس کی عینِ حیات میں ایک جامع مسجد بنائی گئی اور باقی حصہ اسی وقت سے جو تقریباً سال کا عرصہ ہے بطورِ صحنِ مسجد منصرف ومستعمل ہیں۔ اب واجب الاستفتاء یہ ہے کہ اسی صحن کو اس کی وفات کے بعد کسی سرکاری اسکول کی بقاء وتحفظ کی خاطر سے اس کے لوازمات میں شمار کر کے ضلع بورڈ میں گورنمنٹ کے نام پر ھبہ کر دینا یا متولی یا مصلیوں کے واسطے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......اسی شخص مذکور کی مذکورہ قطعۂ زمین کا بعض حصہ جو مسجد مذکورہ کے متصل جنوبی جانب پر واقع ہے، وہ اپنی حیات میں ایک دینی درسگاہ کی بناء کیلئے خصوصی اجازت اس کے بارے میں عطا فرمائی، چنانچہ اس بنا پر وہاں ایک خالص مذہبی تعلیم گاہ عرصہ دس سال تک قائم رہی، مگر بعد کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی، اب وہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے۔

واضح رہے کہ بنائے درسگاہ سے قبل اسی شخص نے زمین سے وہاں ایک مقبرہ بنانے کے واسطے سفارش کی تھی، مگر انھوں نے مدرسہ کی محبت میں محو ہو کر مقبرہ بنانے سے صریح انکار کر دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل محلہ کے بعض کا ارادہ ہے کہ مالک مرحوم کے حسبِ اجازتِ سابق قدیم طور پر دوبارہ مذہبی مدرسہ قائم کر دیا جائے اور بعض کی کوشش ہے کہ وہاں مقبرہ تیار کرلیں۔ شرعاً دونوں فریق میں مصیب کون سا ہے؟

۳......ابتداء سے جو درسگاہ دینی و مذہبی حیثیت سے ہو کر سالہا سال جاری رکھی گئی اور ہمدردِ دین مسلمین نے بھی صدقہ جاریہ سمجھ کر اس کی امداد واعانت کی تھی اور فی الحال اس کے معاونین نہ بقیدِ حیات موجود ہیں اور نہ ان کے نام ومقام معلوم ہے جس سے ان کے عطایا کے متعلق تجدیدی اجازت ممکن ہے اور نہ تردیدی نیت مقصود ہے۔ اب اس کو سرکاری سکول قرار دینا۔ جس میں برائے نام بھی مذہبی تعلیم و دینی تعلیم کو کوئی قانونی

= العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

انتظام نہیں۔ممبران اراکین کو شرعاً استحقاق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ناجائز ہے، جس کام کیلئے واقف نے وہ قطعۂ زمین وقف کیا ہے اس کے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں اور اس کو اور دیگر نمازیان وغیرہ کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کریں یا منتقل کریں: "نص الواقف كنص الشارع(۱)"۔

۲......جبکہ واقف اپنی زندگی میں جس جگہ قبرستان بنانے کی صراحۃً ممانعت کرچکا ہے اور دینی درسگاہ کے لئے مخصوص کرچکا ہے، اب کسی کو اس جگہ قبرستان بنانے کا حق حاصل نہیں، دینی درسگاہ بنانا عین منشائے واقف ہے(۲)۔

۳......جو عطایا دینی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص کردیئے گئے ہیں ان کو کسی دوسرے مصرف پر صرف کرنا خواہ وہ سرکاری تعلیم ہو یا اور کوئی شئی ہو، ہرگز ہرگز جائز نہیں، نہ متولی کو اس کا حق ہے نہ کسی اور کو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "فقد نص أبو عبد الله الدمشقي في كتاب الوقف عن شيخه شيخ الإسلام قول الفقهاء: نصوصه كنصوص الشارع". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۸، غفاريه كوئٹه)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، و فى المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانى، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء، الخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۳) "قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر=

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۶۹۲۹] : ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعہ عدالت کردیا تھا جس کو تقریباً ۲۰/ یا ۲۲/ سال گذر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اختر مسجد کے چند ممبران نے بلاکسی مشورہ سے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعہ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرانے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کراکے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

جائے نماز مسجد میں دینے کے بعد ملکیت ختم ہوگئی

سوال[۶۹۳۰] : ایک شخص نے جائے نماز خرید کر مسجد میں دے دی، کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری

= للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه : ۴/۳۶۱، سعيد)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة : ۲/۲۶۹، سعيد)

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد. ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً بها. فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لايجوز، الخ: ۲/۳۶۲، رشيديه)

ملکیت ہے، میں گھر میں رکھوں گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس کو یہ کہنے کا حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(فإذا تم ولزم، لايملک ولا يملک ولايعار ولايرهن)". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لا يملک): أى لايكون مملوكاً لصاحبه. ولايملّک: أى لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴ سعيد)

"وعندهما: حبس العين على حكم ملک الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع و لا يوهب و لا يورث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کے فرائض

سوال[۶۹۳۱]: متولی صاحب کے لئے کن امور کا انجام دینا ضروری ہے؟ براہ کرم تفصیل کے ساتھ جواب جلد دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کی حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان کے موافق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدہ کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا۔ یہ اوصاف جس متولی میں ہوں وہ قابلِ قدر ہے، اس کو علیحدہ نہ کیا جائے، جس متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں، وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی سعی کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولي إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، و ليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، و كذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به، ويستوي فيه الذكر والأنثى .... و قالوا: لا يعطى له، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد، والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في =

متولی کے اختیارات

سوال[۶۹۳۲]: متولی کے کیا اختیارات ہیں؟ عوام کی رائے ومشورہ کے بغیر وہ کوئی تصرف کا مجاز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو کام مصالحِ وقف کے موافق اور احکامِ شرع کے مطابق ہوں متولی کرسکتا ہے، جواس کے خلاف ہوں اس پر اعتراض کا حق ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

متولی کے معزول کرنے کے اسباب

سوال[۶۹۳۳]: متولی کا عزل کن وجوہ سے ہوسکتا ہے اور عزل کا اختیار عوام میں سے کس کو ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالحِ وقف کی رعایت نہ رکھنے اور خلافِ شرع عمل کرنے کی وجہ سے وہ مستحقِ عزل ہوتا ہے بعد تحقیق جماعتِ منتظمہ خود، یا کسی وقف بورڈ، یا حکومت کے ذریعہ سے اس کو معزول کرایا جاسکتا ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

= الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشیدیه)

"نعم و يتصرف القيّم في الوقف بما فيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۲۰۹/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) "نعم! لأن للناظر التصرف في الوقف بما فيه الحظ والمصلحة، وحيث عرض المتولى المشروط له".

(تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظائر: ۲۲۱/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "وينزع وجوباً لوغير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد) ....=

تولیتِ وقف کی تعیین

سوال[۶۹۳۴]:ا......میں اپنی جائیداد جواس کاغذ میں لکھی ہے وقف کرتی ہوں۔

۲......مُقرہ تاحیاتِ خود متولیۂ جائیدادِ موقوفہ کی رہے گی اوراس کا اہتمام وانتظام حسبِ وقف ہذا کرتی رہے گی اورآمدنی جائیدادِ موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گی جووقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

۳......بعدوفاتِ مُقرہ کے میرے شوہر خوش وقت جلیل احمد خان صاحب اس جائیداد موقوفہ کے متولی رہیں گے اوراہتمام وانتظام جائیداد موقوفہ کا کرتے رہیں گے اورآمدنی جائیداد موقوفہ ان مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف کریں گے جومصارف وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ بعدوفات میرے شوہر خوشوقت جلیل احمد خان صاحب کے مُقرہ کی اولاد میں جواز قسمِ ذکورسب سے عمر میں بڑااورتدین میں زیادہ ہوگا، وہ متولی ہوگا اور اہتمام جائیداد موقوفہ حسبِ وقف ہذا کرتے رہیں گےاورآمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کریں گے جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں،اسی طرح سلسلۂ تولیت نسلاً بعدنسلٍ چلاجائے گا۔

۴......خدا تعالیٰ نخواستہ!اگر جوسب سے بڑا تدین میں زیادہ ہوفوت ہوجائے تو پھر میری اولاد میں سے جواز قسمِ ذکوراس سے چھوٹا ہوگا، وہ متولی رہے گااوراہتمام جائیداد موقوفہ کرتارہے گااورآمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گا جووقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ اگر خدانخواستہ میری اولاد ذکور میں سے کوئی نہ رہےتو پھر سلسلۂ تولیت مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ میری اولاداز قسم اناث میں منتقل ہوجائے گا اوررہے گا، جو میری اولاداناث میں سے جوسب سے بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی اس کے بعداس سے چھوٹی.........اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعدنسل، بطناً بعدبطنٍ چلاجائے گا۔

= "و صرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن و اجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولاشک فيه". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيديه)

"وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي" (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۳۸۹/۴، سعيد)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل، وليقس ما لم يقل".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

اور جب کہ میرے بعد شوہر بھی فوت ہوجائیں اور میری اولاد ذکور واناث اور میری اولاد کے سلسلہ ذکور واناث میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے تو پھر میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلے میں سے ذکورِ وقت سب سے بڑا اور متدین حنفی المذہب اَزقسم ذکور ہوگا وہ متولی ہوگا، اس کے بعد اس سے چھوٹا ازقسم ذکور ہوگا، اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔ جب میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلے میں بھی کوئی شخص ازقسم ذکور باقی نہ رہے، یا زندہ ہو مگر تولیت منظور نہ کرے تو پھر خاندان شروانیان سے جو بظاہر زیادہ متدین اور اہل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

۵...... بعد ادائے مالگذاری ودیگر اخراجات ضروری متعلق تحصیل وصول ودیگر مطالبہ جاتِ سرکاری جو منافعہ جائیداد موقوفہ ہوگا، اس سے دس روپے سال مندرجہ ذیل مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف ہوتے رہیں وہ مصارف یہ ہیں:

"تبلیغ و اشاعتِ اسلام، و خدماتِ علماء و صلحاء، و مدارسِ دینیہ عربیہ، و اعانتِ امور ہر قسم متعلق مذہبِ اسلام، و تعمیرِ مساجد، و امداد بیوگان غیر مستطیع مسلمان، ویتٰمیٰ، وغیر مستطیع مسلمانان"۔

بعد منہائے ان دس کے باقی منافع جو بچے گا وہ اپنی حیات تک میں اپنے صرف میں لاؤں گی اور بعد انتقال میرے شوہر خوشوقت جلیل احمد خان صاحب اپنے صرف میں لائیں گے اور میرے شوہر کے انتقال کے بعد میری اولاد کو حسبِ حصص شرعی یعنی بقاعدہ ﴿للذکر مثل حظ الأنثیین ﴾ تقسیم کی جایا کرے گی اور یہ سلسلہ تقسیم کا میری اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ جاری رہے گا۔

میرے اور میرے شوہر کے بعد جب میری اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد، اولاد در اولاد الی آخرہ کے سلسلہ میں سے کوئی باقی نہ رہے تو پھر بعد ادائے مالگذاری ودیگر اخراجاتِ ضروری متعلق تحصیل ضروری ودیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافعہ جائیداد مذکورہ ہذا کا بچے گا، اس میں سے بجائے دس کے تین سو روپے سال مصارف مذکورہ بالا مندرجہ وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافعہ میرے ان ورثائے شرعی کو بحصۂ شرعی دیا جائے گا کہ جو ورثاء میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں، خواہ وہ ازقسم ذکور ہوں یا اناث۔

اور جب میرے ایسے ورثاء بھی جو میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں باقی نہ رہیں تو پھر ادائے مالگذاری و دیگر اخراجاتِ ضروری متعلق تحصیل وصول و دیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافعہ جائیداد موقوفہ کا ہوگا، اس میں سے مبلغ ۵/ سو روپے سال مصارفِ خیر مذکورہ بالا وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافعہ جو بچے گا وہ متولی کو بطورِ حق الخدمت دیا جائے گا۔

۶...... اور مجھ کو ان قواعد وقف نامہ ہذا کے اندر تغیر و ترمیم کا ہر وقت اختیار رہے گا، مگر وہ ترمیم اگر رجسٹری شدہ ہوگی تو معتبر اور قابلِ عمل ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے متولی کی بھی ہمیشہ کے لئے تعیین کردی جائے، بلکہ اگر کسی کو بھی متولی مقرر نہ کرے تب بھی مفتی بہ قول کے موافق وقف صحیح ہو جاتا ہے(۱):

"لو وقف رجل أرضاً له، ولم يشترط الولاية لنفسه و لا لغيره، ذكر هلال والناطفي: أن الولاية تكون للواقف. و ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ عليه في السير الكبير: أنه إذا وقف ضيعةً أوأخرجها إلى القيم، لاتكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط لنفسه. وهذه المسئلة مبنية على ما تقدم من أن التسليم شرط عند محمد رحمه الله تعالىٰ، فلا تبقى له ولاية إلا بالشرط منه له، وليس بشرط عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فتكون الولاية له من غير شرط لنفسه، وبه أخذ مشايخ بلخ. ولو شرط أن تكون الولاية له و لأولاده في الولية القود و عزلهم والاستبدال بالوقف و في كل ما هو من جنس الولاية وسلمه إلى المتولي، جاز ذلك". إسعاف(۲)۔

(۱) "وإذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وقول الأئمة الثلاثة، وهو قول أكثر أهل العلم، وعلى هذا مشايخ بلخ. وفي المنية: وعليه الفتوى كذا في فتح القدير، وعليه الفتوى كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه، الخ: ۲/ ۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۰۲، ۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۳۷، شركت علميه ملتان)

(۲) لم أجده

البتہ "خانیہ" میں یہ مسئلہ موجود ہے، چنانچہ اسی میں ہے: .... =

اُور بھی کوئی شرط وقف نامہ میں خلافِ شرع معلوم نہیں ہوئی، لہذا یہ وقف نامہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

تولیت کے متعلق جو کچھ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، صحیح ہے، باقی اُور دفعات میں اکثر جگہ اجمال ہے۔ جس جگہ رقم مقرر کی گئی ہے اگر بجائے اس کے آمدنی کا حصہ رکھا جائے تو اچھا ہے، اسی طرح متولی کے لئے دفعہ نمبر۵/ کے آخر میں ''جو کچھ بچے، وہ حق الخدمت تجویز کیا گیا ہے'' یہاں بھی تعیین ہونی چاہئے۔

تولیت کے شقوق میں گو تفصیل کی گئی ہے مگر پھر بھی ابہام اور اجمال باقی ہے، نمبر:۱ میں ''وقف کرتی ہوں'' کے بجائے ''میں نے جائیداد مندرجہ ذیل کو مصارفِ ذیل بشرائطِ ذیل وقف کردیا'' ہو تو مناسب ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

متولی وقف کیسا ہونا چاہئے؟

سوال[۶۹۳۵]: ۱......تولیتِ مسجد کے لئے متشرع ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ مسلمان متدین موجود ہوتو اس کو چھوڑ کر ناحق جو غیر متدین ہو اس کو متولی بنانا کیسا ہے؟

۲......متولی مسجد کس درجہ کا مسلمان ہونا چاہئے؟

۳......اگر واقفِ جائیداد کو خود ہی متولی قرار دیدیا جائے تو کیسا ہے؟

= ''رجل وقف أرضاً علی جهة و لم يشترط الولاية لنفسه و لا لغيره، ذكر هلال و الناطفي رحمه الله تعالىٰ: أن الولاية يكون للواقف، و ذكر محمد رحمه الله تعالىٰ في السير: أنه إذا وقف ضيعةً وأخرجها إلى القيم، لاتكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط الولاية لنفسه''. (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۵/۳، رشيديه)

(و كذا في البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۲۵۲/۶، ۲۵۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے جو امین ہو (خائن نہ ہو) دیندار ہو (بددین نہ ہو) انتظامِ وقف کی اہلیت اور اس سے دلچسپی رکھتا ہو، اس کو بلاوجہ ہٹا کر، یا ابتداءً کسی فاسق غیر متدین کو متولی بنانا گناہ ہے:

"وفي الإسعاف: لايولى إلا أمين قادرٌ بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به". بحر (۱)۔

۲...... اس کا جواب نمبر:۱ سے واضح ہے۔

۳......درست ہے:" وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه، صح: أى لو شرط عند الإيقاف ذلك، اعتبر شرطه". بحر (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال[۶۹۳۲]: مہذب حسین ولد محمد حسن متولی مسجد ہونے کا خواہش مند ہے۔ مہذب حسین کی

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

"جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع، و كذا لو لم يشترط لأحد، فالولاية له عند الثاني، و هو ظاهر المذهب". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۷۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۷/۵، رشيديه)

والدہ بے نکاحی ہی محمد حسن کے نکاح میں تھی جس سے مہذب حسین پیدا ہوا تھا۔ مہذب حسین کے پاس جو بیوی ہے وہ بھی بے نکاحی ہے، وہ ولی محمد کی بیوی ہے، ولی محمد سے دو بچے بھی ہیں، ولی محمد نے طلاق بھی نہیں دی ہے۔ دفعہ نمبر ۳۵۴ کے تحت مہذب حسین پر مقدمہ بھی چل رہا ہے، ایک غیر مسلم کے گھر چوری کی اور اس کی بیوی کی آبروریزی بھی کی، مسجد کا پیش امام ہونے کا اپنے کو اہل بتاتا ہے۔ کیا یہ متولی بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو تجویز کیا جائے جو دیانت دار ہو، مسجد کو آباد رکھنے کا انتظام کرسکتا ہو، آمد وخرچ کا حساب صحیح صحیح رکھ سکتا ہو(۱)۔ سوال میں جو اوصاف مذکور ہیں ان کے پیشِ نظر شخصِ مذکورہ کو مسجد کا متولی ہرگز نہ بنایا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

متولی مسجد اگر غافل یا خائن ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۶۹۳۷]: اگر کسی مسجد کے متولیان ومنتظمان مسجد کے انتظام میں غفلت وخیانت کریں،

---

(۱) "وفي الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود. وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل له". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي ومايملكه: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

حساب وآمدنی وخرچ کو ظاہر نہ کریں اوران کی غفلت سے مسجد کے انتظام میں خلل واقع ہوجاوے اور مسجد کے کسی حصہ کو نقصان پہونچے، یا مسجد کے کسی حصہ پر غیر مسلم کا قبضہ ہوجاوے اور مسجد کی شان وعظمت برقرار نہ رہے۔ تو ایسے منتظمان کو کیا شرعاً حق ہے کہ اپنی نظامت پر قائم رہیں اور کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ ایسے لوگوں کو تولیت سے علیحدہ کردیں اوران کی جگہ ان لوگوں کو منتظم بنائیں جو کہ متدین ہوں اورانتظامِ مسجد کو مطابقِ حکمِ شرع کے قائم رکھیں؟ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به .... والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة، وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل، كالقاضي إذا فسق، لا ينعزل على الصحيح المفتى به، اهـ". ردالمحتار: ۲/۵۹۵(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر متولی خائن ہے، یا غافل ہے، یا عاجز ہے کہ موافقِ شرع وقف کا انتظام صحیح طور پر نہیں کرسکتا اوراس سے وقف کو نقصان پہونچتا ہے، نیز یہ چیز شرعی شہادت سے ثابت ہے تو متولی مذکور اس تولیت سے علیحدگی کے قابل ہے، یعنی حاکمِ وقت کے یہاں درخواست دیکر اور متولی کی خیانت کو ثابت کرکے تولیت سے علیحدہ کرادیا جائے اوراس کی جگہ کسی دیندار، صالح، امین اور لائق شخص کو متولی کیا جاوے تاکہ وقف کا انتظام شرع کے مطابق رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۶/۵۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

"وفي الإسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، ويستوي فيه الذكر والأنثى، وكذا الأعمى والبصير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

اگر سوال مطابقِ واقعہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے، اگر سوال خلافِ واقعہ ہے تو ایک مسلم پر غلط اتہام لگانے اور بلاوجہ بدنام کرنے کا وبال اور گناہ سائل کے ذمہ ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/۲/۵۷ھ۔

کیا وقف کا متولی خود واقف ہوسکتا ہے؟

سوال[۲۹۳۸]: جائیدادِ موقوفہ کی ولایت کا مستحق کون ہے؟ اور کس کو ولی بنانا بہتر ہے؟ واقف بھی متولی بن سکتا ہے کہ نہیں؟ اس کی اہلیت کے جو شرائط ہوں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف خود بھی متولی بن سکتا ہے(۱)، جو شخص جائیداد موقوفہ کا حسبِ شرائطِ وقف دیانت داری سے انتظام کر سکے وہ اہل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

بے نمازی کا متولّی مسجد ہونا

سوال[۲۹۳۹]: جو متولی نماز نہیں پڑھتا ہے، وہ قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمامِ مسجد ہے، اس میں ماہر ہونا ضروری ہے، لیکن چونکہ متولی کو امین اور دیانت دار ہونا بھی لازم ہے اور جو شخص تارکِ فرائض بھی ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں:

---

(۱) "جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۴۰۸/۲، مكتبه غفاريه)

(۲) (راجع، ص: ۳۵۰، رقم الحاشية: ۱)

"الصالح للنظر مَن لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف، هكذا في فتح القدير. وفي الاستيعاب: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، الخ". عالمگیری: ۲/۹۹٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

متولی کا قومِ واقف سے ہونا

سوال[۶۹۴۰]: جس قوم نے یہ مسجد تعمیر کرائی ہے، کیا یہ لازمی ہے کہ ہمیشہ کو متولی اسی قوم میں سے ہو اگرچہ کوئی وقف نامہ تحریری ایسی ہدایت کا موجود نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب واقف نے کسی کو متولی نہیں بنایا اور موجودہ متولی مالِ وقف کو صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتا تو اربابِ حل وعقد کو چاہئے کہ حاکم مسلم کے ذریعہ سے باقاعدہ متولی موجود کو معزول کراکے دوسرے دیانتدار شخص کو متولی بنائیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۷ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ذكر هلال: إذا وقف الرجل أرضه و لم يشترط الولاية لنفسه ولا لغيره أن الوقف جائز".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس: الولاية في الوقف: ۵/۷۳۸، إدارة القرآن كراچی)

"للقاضي أن يعزل الذي نصبه الواقف إذا كان (أي العزل) خيراً للوقف، كذا في فصول العمادية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۹، رشيديه)

"وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۴/۳۸۰، سعيد) .... =

زبانی وقف اور خاندانِ واقف کا متولی ہونا

سوال[۶۹۴۱]: زید کے والد محترم نے مسجد کے لئے دینی اجتماع میں جگہ وقف کی زبانی، پنچوں نے اسے قبول کیا اور نماز ہونا شروع ہوگئی۔ زید کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، زمین قانونی وقف نہیں تھی، اس لئے زید اور اس کے چچا جو پہلے وقف پر راضی تھے، اب ان لوگوں کی بھی نیت ہے کہ ہماری ملکیت رہے اور ہماری زیرنگرانی پکی مسجد بنے، اس کی نگہبانی اور حکمرانی ہماری ہو اور اس کی انکم (آمدنی) ہمارے پاس ہی ہو، ہماری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ ہو۔ پنچوں کو اصرار ہے کہ قانونی وقف کریں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ابھی قانوناً وقف کریں۔ اور لوگوں کا کہنا ہے کہ نیت زید کی اور اس کے چچا کی بدل گئی ہے۔ ایسی حالت میں اس مسجد میں یا اس جگہ پر نماز ہوتی ہے یا نہیں، پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر ان لوگوں کا مقصود یہ ہے کہ مسجد پکی ہمارے انتظام اور نگرانی میں بنے اور آباد ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، کہ واقف کے خاندان کے لوگ متولی اور منتظم ہونے کے وہ زیادہ مستحق ہیں جب کہ ان میں صلاحیت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

= "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

"في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن التولية مقيدة بشرط النظر".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۱) "وفي الأصل: الحاكم لا يجعل القيم من الأجانب ما دام من أهل بيت الواقف مَن يصلح لذلك، وإن لم يجد منهم من يصلح و نصب غيرهم، ثم وجد منهم مَن يصلح صرفه عنه إلى أهل بيت الواقف". =

بانی کے اہلِ خاندان تولیت کے زیادہ حق دار ہیں

سوال[۲۹۴۲]: پہلا متولی علیحدہ کردیا گیا، کیا ان کو حق ہے کہ کسی دوسرے کو زبانی اپنی طرف سے تقرر کردیں، جب کہ دوسرا متولی مالکِ مسجد کا بھائی اور یہ مسجد قدیمی میرے بزرگوں کی رہی، میرا خاندان سب خرچ کرتا تھا، اب میں خرچ کرتا ہوں؟

الجواب حامداًومصلياً:

بانی مسجد کے خاندان جب تک متولی ہونے کے اہل موجود ہیں تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

= (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۲/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۳/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف، لا يجعل المتولي من الأجانب".

(الدرالمختار). "(قوله: و ما دام أحد) و لا يجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك". (ردالمحتار. كتاب الوقف، مطلب: لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴۲۴/۴، سعيد)

(۱) "ما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف، لا يجعل المتولي من الأجانب". (الدرالمختار).

"(قوله : ومادام أحد) ولايجعل القيم فيه من الأجانب ماوجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴۲۴/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۲/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۳/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسجد کی تولیت میں وراثت

سوال[۲۹۴۳]: ایک مسجدِ قدیم مشہور چھوٹی مسجد واقع ہے، عمارتِ مسجد میں ضرورت کے وقت مناسب ترمیم واضافہ ہوتا رہا ہے، عام دستور کے مطابق تعمیرِ مسجد میں اور اس کے بعد ضروریات مسجد میں عام مسلمانوں کا پیسہ ہی صرف ہوتا رہا ہے، عمارتِ مسجد ایک قاضی صاحب کی پٹہ شدہ موقوفہ زمین پر ہے۔ اور قریب ۲۳،۲۲/ سال سے اس مسجد میں پیش امام واقف کے ورثاء میں تھا، اس کو اہل محلہ نے کسی خامی کی وجہ سے ہٹا کر دوسرا امام رکھ لیا جو فی الحال امامت کرتا ہے۔ اس مسجد کے متصل ایک کنواں رفاہِ عام کے لئے بنا ہوا ہے، اس کی ضرورت ختم ہونے کی بناء پر حال ہی میں اہلِ محلہ نے کنویں کی تعمیر ختم کر کے چند دوکانیں تعمیر کی ہیں جو کرایہ پر اٹھی ہوئی ہیں۔

دوکانوں کی تعمیر وآمدنی دیکھ کر سابق امام کے ورثائے - جو قاضی صاحب کے ورثاء میں ہیں- مسجد کی دوکانوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کے بجائے واقف کے خاندان ہی کے لئے تیار کی گئی تھی اور ہم اس کے مالک ہیں، ہم ہی امامت کریں گے اور آمدنی لیں گے، جس کی مرضی ہو اس مسجد میں نماز پڑھے یا دوسری مسجد میں پڑھے۔

تو کیا سابق امام کا دعوی موروثی وامامت کا کرنا اور اپنی خاندانی مسجد بنانا جائز ہے؟ کیا مسجد میں اذنِ عام جمعہ وپنجگانہ باجماعت ہونے پر وہ مسجد وقف ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد بنادے اور عام اجازت نماز کی دیدے تو کیا اس کے مرنے کے بعد ورثاء کو اختیار ہے کہ اس میں نماز سے لوگوں کو روک دے؟

نوٹ: یہ مسجد محکمۂ اوقاف میں بھی درج ہے اور سابق امام خاندانی قاضی نہیں ہیں، بلکہ محکمۂ اوقاف کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، دراصل وہ قریشی ہیں۔ اور ''مسجد قاضیان'' کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد ذاتی روپیہ سے وقف شدہ زمین میں تعمیر کر کے عام مسلمانوں کو اجازت دے دی اور وہاں اذان اور جماعت پنجگانہ اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی، کسی پر کوئی روک ٹوک نہیں اور محکمۂ اوقاف میں اس کا اندراج بھی

مسجد ہی کے نام سے ہے تو بلاشبہ وہ شرعی مسجد ہے (۱)، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، نہ اس پر کسی کا دعوائے ملک صحیح ہوگا (۲)، نہ وہاں کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا۔

''مسجد قاضیان'' یا کسی بھی نام سے موسوم ہوجانے کی وجہ سے اس کے مسجد شرعی ہونے میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ ''مسجد اکبری، مسجد شاہجہانی، جہانگیری، عالمگیری'' بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ بخاری شریف میں مستقل مضمون ہے کہ مسجد بنی فلاں سے موسوم کرنا صحیح ہے (۳)۔ جو شخص جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، یا جس

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً، ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الخ: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاویٰ قاضى خان على هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچى)

"وإذا بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه و يأذن للناس بالصلاة فيه، فإذا صلى فيه واحد زال عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن ملكه". (الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو جعل له واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام و صلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق؛ لأن أداء الصلاة على هذا الوجه كالجماعة". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالى". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۴۲، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۳) "حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أنا مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سابق بين الخيل التى أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، =

کے مکان کے قریب جو مسجد ہوتی ہے اس کو اپنی مسجد کہا کرتا ہے، اس کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مملوکہ مسجد ہے۔ جو جائیداد مسجد کی زمین میں بنائی جائے اور اہلِ محلّہ چندہ کرکے مسجد کے لئے بنائیں، اس پر کسی خاص شخص یا خاندان کا دعوائے ملکیت ہرگز صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

جو متولی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے، اس کا حکم

سوال [۶۹۴۴]: اگر کوئی متولی وقف شدہ عمارت سے اتنے عرصہ تقریباً ۱۲/ سال سے بے تعلق رہے تو مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں، نیز ازروئے شرع متولی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کو ایسی حالت میں چاہئے کہ کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کردیں (۲) جو پوری ذمہ داری کے ساتھ وقف کی نگرانی اور خدمت کرے اور وقف کو ضائع نہ ہونے دے اور حتی الوسع غرضِ واقف کے پورا کرنے میں ساعی رہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۳/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

= وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وأن عبد الله بن عمر كان فيمن سابق بها". (صحيح البخاري، بابٌ: هل يقال: مسجد بني فلان: ۱/ ۵۹، ۶۰، قديمي)

(۱) "فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك و لايعار ولا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولايملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أوظهربه فسق". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، في نصب المتولي و ما يملكه أولاً: ۶/ ۲۵۳، رشيديه)

(۳) "ولو أوصى الواقف إلى جماعة، وكان بعضهم غير مأمون، بدله القاضي بمأمون". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۹، رشيديه) .... =

متولی کا شرائطِ واقف کے خلاف عمل

سوال[۶۹۴۵]: چند مسلم واقفوں نے مسلمانوں کی ایک انجمن کو بذریعۂ رجسٹری ایک قطعۂ اراضی وفنڈ مذکورہ انجمن کو متولی قرار دے کر حوالہ کیا تاکہ اس پر ایک عمارت دینی مدرسہ چلانے کے لئے تعمیر ہو اور ساتھ میں چند شرائط رکھی گئیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-متولی انجمن اس زمین پر ایک دومنزلہ پکی عمارت تعمیر کرائے جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ ہو۔

۲-اس زمین پر مدرسہ کی عمارت کے علاوہ کسی قسم کی دوکانیں ورہائشی مکانات یا کسی قسم کی عمارت تعمیر نہ ہو۔

۳-ایک منزل لڑکوں کے لئے دوسری منزل لڑکیوں کے لئے مخصوص ہو۔

۴-جو فنڈ اس وقف نامہ اور زمین کے ساتھ دیا گیا ہے، وہ صرف تعمیر عمارت پر ہی صرف ہو۔

۵-اس مدرسہ میں دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے اور ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کا بھی خیال رہے۔

۶-مدرسہ میں داخلہ کے وقت محلّہ کے لڑکے لڑکیوں کو اوّلیت دی جائے۔

۷-متولی انجمن جلد از جلد تعمیر لائسنس حاصل کرکے عمارت کی تعمیر مکمل کرائے۔

۸-متولی انجمن واقف حضرات میں سے تعمیر کمیٹی میں دو اصحاب کو لے۔

اب مذکورہ متولی انجمن تمام شرائط نامہ کی حسب ذیل خلاف ورزی کرچکا ہے۔

۱-تعمیر کمیٹی میں کسی دو واقف حضرات کو نہیں لیا گیا۔

۲-دوکان کی تعمیر زمین پر ہوئی۔

۳-بچوں کی تعلیم کے لئے دومنزلہ کے بجائے ایک منزلہ تعمیر ہوئی۔

۴-بجائے مدرسہ میں دینی تعلیم جاری کرنے کے متولی انجمن نے اپنا پہلے سے چلتا ہوا مڈل اسکول جو

= "الثالث إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله و ينصب أميناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۱/۵، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

دوسری جگہ تھا اس کو اس عمارت میں منتقل کردیا تاکہ حکومت سے ملنے والا گرانٹ وکرایہ بدستور ملتا رہے۔

اب مسلمانانِ محلّہ مُصر ہیں کہ انجمن مذکورہ کی تولیت کو ختم کیا جائے۔کیا انجمن مذکورہ کی تولیت شرعی رو سے برقرار رہ سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کو واقف کے شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے جب تک وہ شرائط موافقِ شرع ہوں (۱) اور وقف کے لئے نافع ہوں، مضر نہ ہوں (۲)۔ جو متولی شرائطِ وقف کے خلاف کرے وہ تولیت سے علیحدگی کا مستحق ہوتا ہے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

ذمہ داری پوری نہ کرنے پر متولی کی علیحدگی

سوال [۶۹۴۶] : متولیانِ اوقاف اپنے فرضِ منصبی کو ادا نہ کریں، اوقاف کی ضرورت کو پیشِ نظر نہ

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة ، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم و الدلالة، اهـ".

(الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وبهذا علم أن قولهم: "شرط الواقف كنص الشارع" ليس على عمومه. قال العلامة قاسم في فتاواه: أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به، ومنها ما ليس كذلك".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲/۴۱۱، رشيديه)

(۳) "إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۶/۲۵۳، رشيديه)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب الخمر و نحوه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

رکھیں، اوقاف کی جائیداد کی حفاظت نہ کریں، اوقاف کی دوکانوں کا کرایہ وصول نہ کریں، اوقاف کی مساجدوں کو جا کر کبھی نہ دیکھیں، مسجدوں میں حاضر ہو کر نماز باجماعت سوائے جمعہ کے کبھی ادا نہ کریں، صرف جمعہ کے دن دفترِ اوقاف میں بیٹھ کر کاغذ پر حکم نویسی کریں اور بستی کے تمام مسلمانوں پر اپنے کو حاکم مانیں اور سب کو محکوم جانیں اور تمام مسلمانوں کی بے عزتی پر آمادہ ہوں، مسلمانوں کی ناک کٹوائیں، گردنیں کٹوائیں اور ان کی عورتوں کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھیں اور خود مسجدوں کی دوکانوں میں کم کرایہ سے رہ کر ان کا کرایہ ادا نہ کریں اور بستی میں کوئی شخص فی سبیل اللہ کام کرے تو اس کو کام نہ کرنے دیں اور اس کے کام میں روڑے اٹکاویں اور فتویٰ منگاویں۔ تو کیا ایسے اشخاص شرعی اعتبار سے متولی اور صدر رہنے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہو تو ایسے لوگ اس منصب کے حقدار نہیں، مگر بغیر تحقیق کوئی اقدام نہ کیا جائے جس سے فتنہ پیدا ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو متولی وقف کو فروخت کرے وہ مستحقِ عزل ہے

سوال[۶۹۴۷]: کسی وقف کے متولی نے وقف کے ایک حصہ کو بیچ کر بقایا حصہ کی مرمت پر خرچ کر دیا ہے۔ کیا متولی کا یہ فعل شرعاً جائز ہے، کیا ایسا شخص متولی رہ سکتا ہے؟ اور قاضی شرعی کی عدم موجودگی میں مسلمانانِ قصبہ کو ایسے متولی کے عزل کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

---

(۱) "فإن طعن في الوالي طاعن، لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۴۲۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲۰۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وصرح بأنه مما يخرج به الناظر ما إذا ظهر به فسق". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

وقف کے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں (۱)، وقف کی آمدنی کرایہ وغیرہ سے مرمت کرنا درست ہے (۲)۔ اگر حاکم مسلم کے ذریعہ سے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے متولی کو علیحدہ کرنا دشوار ہوتو پھر قصبہ کے ارباب حل وعقد علیحدہ کرسکتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذیقعدہ/ ۵٦ھ۔

متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے تو اس کی برطرفی

سوال [۲۹۴۸]: ۱......ایک مسجد ہے، اس کے تین متولی ہیں، مسجد کی آمدنی سالانہ ایک ہزار روپیہ ہے، حضرات متولین کا خیال ہے کہ آمدنی کا سارا روپیہ کھالیں اور مسجد میں گھڑے لوٹے تک کا انتظام نہ کریں۔

---

(۱) "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها منها؛ ليرم الباقي، ليس له ذلك، فإن باعه فهو باطل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳۲۷/۳، إمداديه ملتان)

(۲) "و يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳٦٦/۴، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ٦۴۱/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في مصارف الوقف، الخ: ۳٦۸/۲، رشيديه)

(۳) "وفي الجواهر: القيّم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون أوعاجزاً، أو ظهر به فسق". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

ایضاً

سوال[۶۹۴۹]: ۲.....مسجد ہی کی کچھ زمین ہے، جبراً انہیں لوگوں نے قبضہ کر کے اس پر مکان بھی بنوالیا ہے۔ یہ سب کیسا ہے؟ اگر ہم باہم مشورہ کر کے اسے وقف بورڈ کے حوالہ کردیں اور حکومت ہی کے زیر اہتمام کوئی متولی ہو تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱.....ایسے متولیوں کو تولیت سے الگ کرنا واجب ہے(۱)، دیانت دار، متبعِ شریعت، بااثر چند حضرات کی کمیٹی بنالی جائے (۲) اور موجودہ متولیوں کو برطرف کر کے وقف بورڈ کو اطلاع کردی جائے کہ فلاں تاریخ سے فلاں کمیٹی کے سپرد مسجد اور اس کی جائیداد کا انتظام کردیا جائے اور قانونی طور پر مسجد کی جائیداد اور آمدنی کو اُن کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۵ھ۔

---

(۱) "إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وصرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه". (البحرالرائق، كتاب الوقف، باب: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(۲) "في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

ایک متولی کے مظالم

سوال[۶۹۵۰]: ا...... ہمارے موضع سلطان پور کناری میں ایک جامع مسجد ہے، اس مسجد کے پیچھے ایک حصہ خالی پڑا ہوا تھا، مسجد کو بڑھانے کے لئے اس خالی حصہ میں ایک کھنڈ تعمیر کیا(۱)، مگر اس کی صرف دیواریں تیار ہوئی تھیں، چھت اس پر نہیں ڈال سکے تھے کہ اس کا کام رک گیا اور کام رکنے کی وجہ یہ ہوئی کہ منشی نور الحسن کا بھائی جس کے پاس مسجد کا روپیہ تھا وہ روپیہ لے کر بھاگ گیا۔

تقریباً ۱۸/ سال ہوگئے وہ کھنڈ اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ چند سال پہلے لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس حصہ کو چھپوا دینا چاہئے، چنانچہ لوگوں نے پیسہ اکٹھا کر کے امام صاحب کے پاس رکھدیئے۔ امام صاب کا حج کا سفر تھا، اس لئے امام صاحب نے چلتے وقت لوگوں سے کہا کہ اس روپیہ کو تم جس کو دینا چاہو دیدو، میں سفر حج میں جا رہا ہوں اور پیسہ لاکر لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ منشی نور الحسن گاؤں کا بڑا آدمی ہے سب پر اس کا رعب ہے، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ پیسہ میں رکھوں گا، لوگ ناراض ہوئے کہ مسجد کا پیسہ اس کے پاس نہیں رکھنا چاہئے، یہ بھی اپنے بھائی کی طرح ضبط کر جائے گا۔ اس جملہ پر منشی نور الحسن کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ اس پیسہ کو ہم سے کون لے سکتا ہے، کسی کی طاقت نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص مجلس میں سے کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ منشی صاحب! تم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ مسجد کا روپیہ ہے، یہ تو امانت ہے۔ منشی کو اس پر سخت ناراضگی ہوئی اور اس شخص کی خوب پٹائی کی اور خود جبراً متولی بن بیٹھا اور کوئی جواب ان پیسوں کا آج تک نہیں دیا۔

اس مسجد کی چار دوکانیں ہیں، تیس روپے ماہوار ان کو کرایہ پر دے رکھا ہے، سب پیسہ خود ہی وصول کرتا ہے اور اس پیسہ کا حساب نہ تو گاؤں والوں کو دیتا ہے اور نہ ہی اس کو مسجد میں لگواتا ہے۔ اس سال پھر لوگوں نے مشورہ کیا کہ مسجد کے اس نئے حصہ کو مکمل کرلیا جائے، اور مشورہ سے خزانچی دوسرا مقرر کیا، چنانچہ چندہ وصول کرنا شروع کردیا، ہر چندہ دینے والا یہ کہتا ہے کہ ہم تمہارے اعتماد پر روپیہ دے رہے ہیں، اس کو مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر نہ لگایا تو ہمارا روپیہ واپس کردینا۔

جب کچھ پیسے جمع ہوگئے اور کچھ سامان بھی آ گیا تو لوگوں نے منشی نور الحسن سے دوکانوں کے کرایہ کا

(۱) ''کھنڈ: منزل، درجہ، ٹکڑا، حصہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فیروز سنز، لاهور)

حساب مانگا، منشی نورالحسن نے حساب دینے سے انکار کردیا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے، یا تم مسجد کا پیسہ نہیں دیتے تو مسجد کی دوکانیں چھوڑ دو، اس پر منشی کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ میری بادشاہت ہے، میں یہ کرایہ کسی کو نہیں دے سکتا اور میں اس سے اپنا قبضہ ختم نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پھر خود جبراً متولی بن بیٹھا اور مسجد میں اپنی حکومت چلائی۔ کسی کو مسجد میں بولنے کا حق نہیں ہے، سوائے اس کے، اگر کوئی مسجد کے متعلق بولتا ہے تو اس کے ساتھ مار پیٹ کرتا ہے اور بُرا بھلا، گالی گلوچ کرتا ہے۔

اس طرح اس نے چھ اماموں کو ذلیل کر کے مسجد سے نکالا ہے، گاؤں کا کوئی بھی آدمی ان سے ناراض نہیں تھا سوائے منشی نورالحسن کے، اور نہ ہی ان میں سے کسی کے اندر ایسا نقص تھا جو قابلِ اعتراض ہو اور امام کی شان کے خلاف ہو، مگر منشی نے ان پر اعتراض کیا۔ ایک امام صاحب کے گھر میں آگ لگادی اور اس کو بھگادیا، ایک امام صاحب نے بچوں کو حفظ شروع کرادیا تو اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ تم نے مکتب خراب کردیا اور سب بچوں کو بھگادیا اور امام صاحب کو بھی رخصت کردیا، حالانکہ گاؤں کی ۸/ ہزار کی آبادی ہے، مگر کوئی حافظ نہیں ہے۔

جنازہ کی نماز پڑھانے والا بھی کوئی نہیں ہے، امام صاحب اگر نہ ہوں تو جنازہ کی نماز کیلئے پریشانی ہوجاتی ہے۔ کسی امام کو خطبہ پڑھنے پر جھڑک دیا جس کی وجہ سے امام صاحب خود چلے گئے کہ میں کسی کا تابع بن کر نہیں رہوں گا، کسی پر یہ اعتراض کیا کہ تم دوکانوں پر بیٹھتے ہو، گاؤں میں گھومتے ہو اور اس کو اسی بناء پر رخصت کردیا، کسی امام صاحب کو اس بناء پر نکالا کہ وہ لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ اسلام کو اپناؤ، قوم کی ترقی کرو، اپنے مکتب کی ترقی کرو اور مسجد کا حصہ مکمل کرو، ورنہ اس کا بوجھ گاؤں والوں پر پڑے گا۔ امام صاحب کے کہنے پر لوگوں نے چندہ شروع کیا، جب ہزاروں روپیہ سے زائد ہوگئے تو منشی کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ میری موجودگی میں امام صاحب نے ایسا کیوں کیا، اس پر اَور طرح طرح کے اعتراضات لگا کر رخصت کردیا، مگر سب اعتراض والزامات تصدیق کے بعد غلط ثابت ہوئے۔

الغرض دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا شخص جو مسجد کو مسجد نہ سمجھتا ہو، لوگوں کو ناحق ستاتا ہو اور اماموں کو ذلیل کرتا ہو اور جس نے بچوں کو حفظ کرنے سے روک دیا ہو، اس کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ یہ شخص اتنا حرامی ہے تو کیا وجہ ہے کہ خارج عن الاسلام نہیں ہوگا؟

۲...... مسجدِ مذکورہ کا کچھ روپیہ ہزار گیارہ سو جمع ہو گیا تھا مسجد کا حصہ چھپوانے کے واسطے، مگر منشی کے جھگڑا کرنے کی وجہ سے نہیں چھپوا سکے تو وہ پیسہ رکھا ہوا ہے۔ اور چندہ دیتے وقت لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اگر تم یہ پیسہ مسجد میں نہیں لگاؤ گے تو واپس کر دینا تو اب وہ لوگ اپنا روپیہ طلب کرتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس روپیہ کو دوسری مسجد میں لگاؤ، مسجد مذکور میں لگانے سے منع کرتے ہیں کہ اس پر منشی کی حکومت ہے، لہذا یہاں پر یہ پیسہ صرف نہ کیا جائے گا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس روپیہ کو واپس کر دیں، یا دوسری مسجد میں خرچ کر دیں جب کہ لوگ اجازت دے رہے ہیں دوسری جگہ خرچ کرنے کی؟ اور یہ بات بھی طے ہے کہ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ اس لئے جواب توجہ سے لکھیں کہ ان حالاتِ مذکورہ کی موجودگی میں کیا ہونا چاہئے؟

۳...... جس مسجد میں ایک ہی شخص کی چلتی ہو، دوسرے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے، اگر بولتا ہے تو اس کی پٹائی ہوتی ہے اور وہ شخص مسجد میں اپنی حکومت چلاتا ہو اور دوسروں کو حق بات میں ذلیل کرتا ہو، اماموں کو ناحق ذلیل کرتا ہو اور ان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہو جب کہ سب لوگوں کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے اور مسجد میں اذنِ عام نہ ہو تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... مسجد وقف اور خدا کا گھر ہے، کسی اَور کی ملک نہیں (۱)، دعوئے ملک کرنا غلط ہے اور کسی کے دعویٰ کرنے سے وہ اس کی ملک نہیں ہو جائے گی (۲)۔ جو شخص متولی ہے وہ امانت دار ہے، مالک نہیں (۳)، اس

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (سورة الجن: ۱۹)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه و لا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالى". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك، الخ". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا يملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملّك: أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۳) "وقد صرح علماؤنا قاطبةً بأن يد الناظر على الوقف يد أمانة لا يد عدوان". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام الناظر، الخ: ۲۱۵/۱، مکتبہ میمنیہ مصر)

کے ذمہ مسجد کا اور مسجد کے متعلق اشیاء کا حفاظت کرنا اور صحیح انتظام کرنا ہے جس سے مسجد آباد ہو (اور وقف کی ترقی ہو)۔ مسجد کا کوئی پیسہ اپنی ذاتی ملک تصور کرنا، یا بے محل خرچ کرنا غلط ہے، خیانت ہے، غصب ہے، اگر یہ چیز ثابت ہو جائے تو ایسے متولی کو معزول کر دینا چاہیے (۱) اور امانات وانتظامات اس سے لے کر کسی صالح شخص یا جماعت کے سپرد کر دیے جائیں (۲)۔

اپنے اقتدار کی خاطر کسی ادنیٰ شخص کو بھی ذلیل کرنا جائز نہیں، ہر مسلمان کی آبرو کا احترام لازم ہے چہ جائیکہ امام کو کہ وہ مقتدا ہے اور خدائے پاک کی بارگاہ میں ادائے فرض کے لئے نمائندہ اور سفیر کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا احترام بہت لازم ہے (۳)۔

---

(۱) "لو أنكر المتولي الوقف وادّعى أنه ملكه، يصير غاصباً له، ويخرج من يده؛ لصيرورته خائناً بالإنكار". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار، الخ: ١/٢٣٠، مكتبه ميمنيه مصر)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بمالا يجوز، كان خائناً، يستحق العزل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٩٢، رشيديه)

"لأن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة، ويجب الإفتاء والقضاء لكل ما هو أنفع للوقف، وحيث راى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف بذلك، فقد صح عزله". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار، الخ: ١/٢٠٨، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٧٨، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ٢/٤٠٨، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ٤/٣٨٠، سعيد)

(۳) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، و من أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ٦/٢٩١٣، (رقم الحديث: ٣٦٢٠)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"أكرموا حملة القران، فمن أكرمهم فقد أكرمني". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ٦/١٢٩٥، (رقم الحديث: ١٤٢٠٠)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

جو واقعات سوال میں درج ہیں اگر یہ صحیح ہیں تو شخص مذکور عند اللہ وعند الشرع نہایت قبیح ومبغوض ہے۔ سب مسلمانوں کو کوشش کر کے اپنے مسجد کی دیکھ بھال کرنا ضروری ہے اور اس شخص کو اہل علم حضرات کے ذریعہ تفہیم کرائی جائے اور اس کے لئے دعاء بھی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے افعال کی قباحت وشناعت اس کے دل پر واضح فرما کر توبہ وندامت اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو اس سے مسجد کی امانتیں جس طرح بھی ممکن ہو حاصل کر لی جائیں اور انتظام میں دخیل ہونے سے بالکل روک دیا جائے۔

تنبیہ: بغیر ثبوت کے کسی کی طرف افعالِ قبیحہ کا منسوب کرنا بھی تہمت ہے جو کبیرہ گناہ ہے، اس سے ہر ایک کو اجتناب لازم ہے (۱)۔ ان افعال کی وجہ سے شخصِ مذکور کو حرامی کہنا بھی جائز نہیں، نہ اس کو اسلام سے خارج کہا جائے۔

۲...... روپیہ دینے والوں نے اس شرط پر روپیہ دیا کہ اس مسجد میں لگا دیا جائے اور جس کو دیا ہے اس کو وکیل بنایا ہے مالک نہیں بنایا، اب جب کہ ان کے منشاء کے مطابق اس مسجد میں روپیہ نہیں لگتا اور وہ اپنا روپیہ واپس مانگ رہے ہیں تو ان کو واپس لینے کا بھی حق ہے اور دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دے رہے ہیں تو دوسری مسجد میں خرچ کرنے کے لئے وکیل بنا رہے ہیں، ان کو اس کا بھی حق ہے، مؤکل کو اپنے وکیل کے معزول کر دینے کا حق کتب فقہ میں بصراحت مذکور ہے (۲)، البتہ وکیل کو بغیر اجازتِ مؤکل دوسری جگہ خرچ

---

(۱) "وأخرج أحمد: "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، و قتل النفس بغير حق، وبهت مؤمن، الخ".

والطبراني: "من ذكر امرءاً بشيئ ليس فيه ليعيبه به، حبسه الله في نار جهنم حتى يأتي بنفاذ ما قال فيه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المأتين: ۲/۱۴، دارالفكر بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قيل: يا رسول الله! ما الغيبة؟ قال: "ذكرك أخاك بما يكره". قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "فإن كان فيه ماتقول، فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهتّه". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۲/۲۶۸، دارالحديث ملتان)

(۲) "فللموكل العزل متى شاء مالم يتعلق له حق الغير". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۵/۵۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۷/۳۱۷، رشيديه)

کرنے کا حق نہیں (۱)، یہ حکم چندہ کا ہے جو مقصدِ مذکور کے لئے دیا گیا۔

اگر کوئی جائیداد کسی مسجد کے لئے وقف ہو تو اس کی آمدنی کو اسی مسجد میں خرچ کرنا ضروری ہے، دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں: "لأن شرط الواقف كنص الشارع" (۲) ۔ اِلّا یہ کہ وہ مسجد خدانخواستہ ویران ہوجائے اور وہاں نماز پڑھنے والے موجود نہ رہیں اور وقف پر کسی کے غاصبانہ تسلط کا قبضہ ہو تو مجبوراً اس کی آمدنی بھی دوسری مسجد میں خرچ کی جاسکتی ہے، كذا في البحر الرائق (۳)۔

۳...... جب یہ مسجد وقف اور شرعی مسجد ہے تو بلاشبہ اس میں نماز درست ہے اور مسجد کی نماز کا ثواب بھی ملے گا۔ جو شخص اس کو اپنی ملک قرار دیتا ہے وہ جھوٹا اور خدا کے نزدیک بہت مجرم ہے، مگر اس کے اس دعویٰ سے وہ مسجد اس کی ملک نہیں بن جاوے گی ﴿أن المساجد لله﴾ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "أى لأن الوكيل عامل لغيره، فمتى عمل لنفسه فقط، بطلت الوكالة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالخصومة والقبض: ۵/۵۳۲، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الوقف كنص الشارع: أى في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۴، رشيديه)

"ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن: ۱۹)

"ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه و لا يبيعه ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالىٰ". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

متولی کا اپنے آپ کو رجسٹری کرالینا

سوال[۱۹۵۱]: ایک مسجد کے متولی صاحب ایک عرصۂ دراز سے بہ حسن وخوبی مسجد کا کام انجام دے رہے تھے، انہوں نے کسی وجوہات سے دوسرے شخص کو متولی بنادیا۔ جدید متولی صاحب نے مسجد کی جگہ میں دوکانیں وغیرہ بنا کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا، جدید متولی نے بغیر جماعت کو معلوم کرائے اپنے نام سرکاری طور سے رجسٹری کرالی کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے، میں ہی مسلمانوں کا صدر اور متولی رہوں گا۔ متولی صاحب کا اس طرح رجسٹری کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم متولی صاحب نے بغیر اہل الرائے کے مشورہ کے خود بخود ہی نئے آدمی کو متولی بنادیا، یہ غلطی کی جس کی وجہ سے اب پریشانی ہورہی ہے(۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے متعلق کوئی کمیٹی بھی نہیں، اب جب کہ جدید متولی صاحب نے اپنے نام رجسٹری کرالی ہے کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا تو قانوناً ان کی پختگی حاصل ہوگی، ان کا اپنے حق میں اس طرح رجسٹری کرالینا اور اپنے صدر اور متولی ہونے کا اختیار حاصل کرلینا شرعاً درست نہیں تھا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا أراد المتولي أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته، لا يجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس: الولاية في الوقف: ۵/۷۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "رجل طلب التولية في الأوقاف، قال: لايعطى له التولية، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۶، رشيديه)

"طالبُ التولية كطالب القضاء لا يولى بالنص". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، —

جدید متولی کا امام کو پریشان کرنا

سوال[۱۹۵۲]: جدید متولی صاحب پیش امام مسجد پر اپنی فوقیت جتاتے ہوئے تکلیفیں دے رہے ہیں، ان پر ظلم کر رہے ہیں۔ جدید متولی صاحب کا کہنا ہے کہ پیش امام نوکر ہے اور ہم ان پر افسر ہیں، ہماری بات کو ماننا چاہئے۔ پیش امام نے مجبور ہو کر جمعہ کی نماز کے بعد متولی صاحب نے جو تکلیفیں دی ہیں وہ بیان کیں۔ متولی صاحب پیش امام پر برہم ہوگئے کہ تم کو کس نے اجازت دی تھی، بغیر اجازت کے تم نے غیر مذہبی باتیں کیوں بیان کیں؟ ہم تم سے قانونی کاروائی کریں گے۔ متولی جو کہتے ہیں وہ حق بات ہے یا جو پیش امام نے کہا وہ حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا منصب بہت بلند ہے، متولی صاحب کا امام کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلت آمیز معاملہ کرنا غلط ہے، ناجائز ہے(۱)۔ امام کو بھی اس طرح جمعہ کے بعد مجمع میں متولی کی زیادتیوں کو بیان کرنا نہیں چاہئے تھا، خود متولی صاحب سے دو چار بااثر آدمی کی موجودگی میں افہام وتفہیم کے طور پر اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کر لیتے کہ یہ یہ پریشانی ہے، اس کا حل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کو درگاہ اور مسجد کا متولی بنانا

سوال[۱۹۵۳]: ایک درگاہ کی جائیداد کا انتظام ایسے غیر مسلم کے ہاتھ میں ہے جو بڑے اعتقاد کے

= كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي، الخ: ۲/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۵/۷۳۹، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۶/۲۹۱۳، (رقم الحديث: ۳۶۶۰)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"أكرموا حَمَلة القرآن، فمن أكرمهم فقد أكرمني". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۱۲۹۵، (رقم الحديث: ۱۴۲۰)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

ساتھ انتظام اورآمدنی کی حفاظت کرتا ہےاور مصارف میں خرچ کرتا ہے، اگر اس کا انتظام کسی مقامی مسلمان کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے۔کیا ایسی حالت میں وقف بورڈ اس کو متولی بنا سکتا ہے یا نہیں؟ تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ ایسا اوقاف ہے جن کی تولیت نامزد نہیں ہے اور نہ واقف کا کوئی موصیٰ لہ موجود ہے۔عوام ومعتقدین انتظام کریں۔ جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا انتظام باقاعدہ ہنود چلارہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ جواب اس انداز سے لکھیں کہ سوال کی ضروری باتیں اس میں آجائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا، آپ نے لکھا ہے کہ ’’اگر جائیداد وقف کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے‘‘ اور یہ کہ ’’غیر مسلم بڑے اعتقاد کے ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتا ہے اور مصارف مقررہ میں خرچ کرتے ہیں‘‘۔ نیز ’’جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا باقاعدہ انتظام ہنود چلارہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے‘‘؟

مسلمان اتنا گر گیا ہے کہ اس میں نہ انتظام کی صلاحیت رہی، نہ دیانت داری رہی، حتی کہ اس کی عبادت گاہ کا انتظام وہ کرتا ہے جو خود ہی اس عبادت کا قائل نہیں۔ جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کو محفوظ رہنے اور انتظام کے برقرار رہنے کی صرف یہی صورت ہے تو مجبوراً برداشت کیا جاسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۸ھ۔

---

(۱) "ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف: ولو كان عبداً، يجوز قياساً واستحساناً، والذمي في الحكم كالعبد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، ۳۷۹، رشيديه)

بلا اجازتِ متولی جنگل کو نیلام اور مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کرنا

سوال[۶۹۵۴]: ایک جنگل جامع مسجد سکروڈہ کے نام وقف ہے عرصہ بیس سال سے، اور اس وقف کے متولی خاص کوئی نہیں، وقف نامہ میں یہ تحریر ہے کہ ''جملہ نمبرداران دہ (۱) مذکورہ عرصہ بیس سال سے باہتمام واتفاقِ جملہ نمبرداران دہ جنگل کو نیلام کیا جاتا تھا اور آمدنی مسجد کے اخراجات میں صرف کی جاتی تھی''۔ امسال جو نیلام کیا گیا، وہ صرف چند اشخاص کے ذریعہ سے نیلام ہوا، جملہ نمبرداران کی رائے واتفاق سے اس کا نیلام نہیں کیا گیا۔ وقف ہونے سے اب تک جنگل کا ٹینڈ پولا وغیرہ نیلام ہو کر دور کرادیا جاتا تھا، مگر مویشیوں پر جو وہاں چرنے اور پانی پینے جاتے تھے کسی قسم کی چونگی یا ٹیکس یعنی ان کی چرائی پر کوئی محصول باتفاقِ جملہ نمبرداران نہیں لیا جاتا تھا۔

اس سال کے نیلام میں چند آدمیوں نے بوقتِ نیلام مویشیوں کی چرائی پر محصول قائم کردیا جس سے عوام کو بہت تکلیف ہونے لگی کہ اگر حلقہ سے دور دور تک مویشیوں کو پانی پلانے کا موقعہ نہیں ہے اور عام طور سے اسی جنگل سے مویشیوں کو لے جانا پڑتا ہے اور اسی جنگل سے پانی پلایا جاتا ہے اور عام طور سے کاشتکار اپنے کھیتوں میں اپنے مویشیوں کو اسی راستہ سے لے جاتے ہیں کہ یہ عام گذرگاہ ہے اور جنگل کی کوئی حدود تار یا خاص نشان سے قائم نہیں، بلکہ اس کی حدود دوسری زمینوں کی حدود سے محفوظ ہیں، ایسا کرنے سے لڑائی جھگڑے کا بھی ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔

پس سوال یہ ہے کہ کسی چراگاہ پر مویشیوں کے چرانے کے لئے یا کسی پانی کے موقعہ پر مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کردینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، خصوصاً جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ جملہ نمبرداران (حسبِ تصریح وقف نامہ) اس کے مہتمم ومتولی ہیں تو پھر بعض کا اس کو بلا دوسروں کی رائے نیلام کرنا شرعاً جائز نہیں:

"لیس لأحد الناظرین التصرف دون الآخر عندهما خلافاً لأبي یوسف رحمه الله

---

(۱) ''دہ: گاؤں، قریہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۸، فیروز سنز لاهور)

تعالیٰ". بحر: ۵/۲٤۱(۱)۔

نیز پانی پر ٹیکس قائم کرنا بھی ناجائز ہے(۲)۔اور جب کہ عام گذرگاہ کا اور کوئی راستہ نہیں، بلکہ صرف وہی راستہ ہے تو عام گذرگاہ میں گزرنے کا شرعاً سب کو حق حاصل ہوتا ہے(۳)، لہٰذا گزرنے والوں سے محصول لینا درست نہیں۔گھاس جو خودرو ہو بغیر کاٹے اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے(۴)، البتہ کاٹ کر فروخت کرنا درست ہے(۵)۔ جو تصرفات کئے جائیں، وقف نامہ کی شرائط کے مطابق کئے جائیں، اس کے خلاف

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۴، رشیدیہ)

"إذا جعل الواقف الولاية إلى اثنين أو صارت الولاية إلى الوصي والمتولي، لم يكن لأحدهما بيع غلة الوقف، و ينبغي على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يكون له ذلك. فإن باع أحدهما وأجاز الآخر، أو وكل أحدهما صاحبه به، جاز، كذا في الحاوي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف ، الخ: ۲/۴۱۰، رشیدیہ)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیہ)

(۲) "ولا يباع الشرب، ولا يوهب، ولا يؤجر و لا يتصدق به؛ لأنه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع الشرب: ۵/۸۰، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۱۵۴، رشیدیہ)

(۳) "أما النافذة، فلا منع من الفتح فيها؛ لأن لكل أحد حق المرور فيها". (ردالمحتار، باب التحكيم، مسائل شتى، مطلب في فتح باب آخر للدار: ۵/۴۴۶، سعید)

"بخلاف النافذة؛ لأن المرور فيها حق العامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات: ۳/۴۴۴، رشیدیہ)

(۴) "عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلث: في الماء، والكلأ، والنار".

(السنن لأبي داؤد، كتاب الإجارة، باب في منع الماء: ۲/۱۳۶، إمداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الرهون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، ص: ۱۷۸، قديمي)

(۵) "أما إذا أحرز الماء بالاستقاء في آنية والكلأ بقطعه، جاز حينئذ بيعه؛ لأنه بذلك ملكه .... فأما =

کرنا ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱/۵۷ھ۔

کمیٹی کے ایک آدمی کا تنہا مسجد میں تصرف

سوال[۱۹۵۵]: ایک مسجد کے نمازیوں نے مسجد کا نظم پانچ آدمیوں کے سپرد کر رکھا ہے، ان میں زید بھی شامل ہے، مگر زید بغیر باقی آدمیوں کے مشورہ کے اپنی رائے سے مسجد کے نظم میں تصرف کرتا رہتا ہے، خود ہی امام رکھتا ہے، خود ہی کچھ دنوں بعد کچھ الزام لگا کر نکال دیتا ہے۔ ایسے ہی تعمیرات کے بارے میں لوگ کچھ کہتے ہیں تو مانتا ہی نہیں، آپس میں بات بڑھتی ہے۔ اس صورت حال کو دس سال ہو چکے ہیں۔ شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہاں کے سمجھدار آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ زید کے ان تصرفات سے مسجد کو نقصان پہونچتا ہے تو وہ اس کو ایسے تصرفات سے روک دیں، ہرگز اجازت نہ دیں(۲)، بغیر پانچوں آدمیوں کے وہ تنہا کرنے کا

= لو كان سقى الأرض وأعدها للإنبات، فنبتت، ففي الذخيرة والمحيط والنوازل: يجوز بيعه؛ لأنه ملكه، وهو مختار الصدر الشهيد". (فتح القدير، باب البيع الفاسد: ۴۱۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۴۴۰/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، الفصل الثاني في بيع الثمار، الخ: ۱۰۹/۳، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل". (البحرالرائق، كتاب الوقف ۳۹۲/۵، رشيديه)

"وينزع وجوباً لو غيرمامون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، مطلب في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

حقدار نہیں (۱)، حساب بھی صاف رکھنا ضروری ہے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے مسجد ویران ہو، اور تفرقہ پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

واقف کا متولی کو تبدیل کرنا

سوال[۶۹۵۶]: مسجد اہل سنت والجماعت وقف کردۂ محمود خاں ہے، بروقتِ تبدیلیٔ سکونت پاکستان میرے بھائی سید حامد حسین کو متولی کر گئے تھے۔ کچھ شرائط پورا نہ کرنے کی وجہ سے اب پاکستان سے خط رجسٹری آیا ہے کہ سابق متولی کے بجائے دوسرے بھائی عبدالحفیظ خاں کو دے دی جائے۔ تو کیا مالکِ مسجد پاکستان سے متولی تبدیل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں، کسی کی کوئی مسجد ذاتی مِلک نہیں: ﴿وأن المساجد للّٰه﴾ الآية (۲)۔

بانیٔ مسجد کو حق ہے کہ جس کو مناسب سمجھے انتظام کے لئے متولی بنادے، البتہ جو شخص دیانت دار نہ ہو، یا انتظام کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اس کو بنانا درست نہیں (۳)، اگر بنادیا تو اس کو الگ بھی کیا جا سکتا ہے (۴)، بلاوجہ

---

(۱) "وليس لأحد الناظرين التصرفُ بغير رأى الآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۰/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۲/۵، رشيديه)

(۲) (سورة الجن: ۱۸)

(۳) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، و ليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، و كذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به، ويستوى فيه الذكر والأنثى .... و قالوا: لا يعطى له، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد . والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(والفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۴) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع=

الگ کرنا بھی درست نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر اجازتِ متولی امامت کرنا

سوال[۶۹۵۷]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد میں امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر متولی کا تجویز کردہ امام صالح، پابند موجود ہو تو کسی اَور کو امامت کا حق نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بغیر اجازتِ متولی مسجد میں رہنا

سوال[۶۹۵۸]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد ہذا میں رہ سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ ان کا ذاتی مکان مسجد کے قریب ہے؟

= الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فی نصب المتولی وما یملکه اولا: ۲۵۳/۶، رشیدیه)

(۱) "فإن طعن فی الوالی طاعنٌ، لم یخرجه القاضی من الولایة إلا بخیانة ظاهرة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف الخ: ۴۲۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۲/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "والأحق بالإمامة تقدیماً بل نصباً .... الأعلم بأحکام الصلوة، ثم الأحسن تلاوةً وتجویداً للقراءة، ثم الأورع". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثانی: ۸۳/۱، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں سونا مکروہ ہے، اپنے مکان پر سویا کریں، متولی کو اجازت دینے کا بھی حق نہیں۔ جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو اس کے لئے گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مرمتِ مسجد بلا اذنِ متولی

سوال[۶۹۵۹]: بغیر اجازتِ متولی محمد آفاق مرمتِ مسجد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کے انتظامات میں کسی اَور کو دخل نہیں دینا چاہیے(۲)، اگر مرمت وغیرہ کی ضرورت ہو تو متولی

---

(۱) "ویکرہ النوم والأکل فیہ: أی المسجد لغیر المعتکف". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیہ)

"والنوم فیہ لغیر المعتکف مکروہ، وقیل: لا بأس للغریب أن ینام فیہ". (الحلبی الکبیر، ص: ۶۱۲، فصل فی أحکام المسجد، سہیل اکیڈمی، لاہور)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الفرس فی المسجد: ۶۶۱/۱، سعید)

(۲) "فی الکبریٰ: مسجد مبنی، أراد رجل أن ینقضہ ویبنیہ ثانیاً أحکَمَ من البناء الأول، لیس لہ ذلک؛ لأنہ لا ولایة لہ، کذا فی المضمرات". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق بہ، الفصل الأول: ۴۵۷/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیة علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد، الخ: ۲۶۸/۶، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۲۰/۵، رشیدیہ)

"أما إذا أحدث رجل عمارةً فی الوقف بغیر إذن، فللمتولی أن یأمرہ بالرفع، إذن لم یضر رفعہ البناء القدیم". (مجمع الأنہر، کتاب الوقف: ۶۰۵/۲، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

سے کہا جائے اور اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۴ھ۔

شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے انتظام لے لینا

سوال[۶۹۶۰]: ڈیڑھ سو سالہ ایک قدیم مسجد شیعہ صاحبان کی تھی، انہیں کی نماز ہوتی تھی، زمانے کے ردوبدل سے صرف ایک گھران کا رہ گیا۔وہ مسجد ان کے متولی صاحب نے اہل سنت والجماعت کو دے دی کہ تم اپنی اذان وجماعت کرلو، مگر انتظام ان کے ہاتھ میں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ انتظام ہمارے ہاتھ میں ہو، وہ انتظام چھوڑنا نہیں چاہتے۔تو ان سے انتظام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمانۂ قدیم سے وہ مسجد کے انتظامات کرتے چلے آرہے ہیں اور کوئی نقصان یا خیانت ثابت نہیں ہے تو ان کو اس انتظام سے الگ نہ کیا جائے (۱)، بلکہ ان کے ساتھ تعاون کیا جائے، ہاں! اگر وہ خود ہی انتظام سے دست بردار ہوجائیں تو دوسری بات ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۴ھ۔

مسجد کی اشیاء چوری ہوئی تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

سوال[۶۹۶۱]: ایک مسجد سے ایک کوئنٹل کے قریب وزن کے تانبہ کے برتن ایسی حالت میں چوری ہوگئے کہ نہ تو صدر دروازہ پر کسی قسم کا تالا لگا تھا، اور نہ ہی کوئی محافظ مسجد کی حفاظت کے لئے مقرر تھا، البتہ جس کمرہ میں برتن تھے اس پر تالا لگا تھا جسے چوروں نے بہ آسانی توڑ کر برتن نکال لئے۔ایسی صورت میں یعنی

---

(۱) "فإن طعن في الولي طاعنٌ، لم يخرجه القاضي من الولاية إلا بخيانة ظاهرة" (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ: ۴۲۵/۲، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: يأثم لتولية الخائن: ۳۸۰/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشیدیه)

معقول حفاظت نہ کرنے پر متولی مسجد پر کوئی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر جرم عائد ہوتا ہے تو تلافی کے لئے کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مساجد کے صدر دروازے پر عموماً تالا نہیں لگایا جاتا، تاکہ جو شخص جب بھی دل چاہے مسجد میں آکر عبادت کرسکے۔ نیز ہر مسجد میں محافظ بھی مقرر نہیں ہوتا، بلکہ اوقاتِ نماز میں مؤذن آتا ہے اور مسجد کی صفائی اور صف بچھانے کا کام کرتا ہے۔ اگر یہی صورت آپ کے یہاں بھی ہے تو حجرہ پر قفل کا ہونا ہی حفاظت کے لئے کافی ہے(۱)، متولی پر کوئی ضمان لازم نہیں (۲)۔ ہاں! اگر وہ جگہ چوروں کی ہے اور چوری کے واقعات مسجد وغیرہ میں پیش آتے رہتے ہیں اور صرف حجرۂ مسجد پر قفل کا ہونا حفاظت کے لئے کافی نہیں سمجھا جاتا تھا تو پھر حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۷ھ۔

---

(۱) "کره غلق باب المسجد، وقيل: لا بأس بغلق المسجد في غير أوَانِ الصلوة صيانةً لمتاع المسجد، وهذا هو الصحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

"كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدر المختار). "(قوله: إلا لخوف على متاعه) هذ أولى من التقييد بزماننا؛ لأن المدار على خوف الضرر، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك إلا في أوقات الصلوة، أولا فلا، أو في بعضها، ففي بعضها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبله: ۲/۵۹، ۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وهي أمانة مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تضمن بالهلاک .... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۴، سعيد)

اولادِ واقف کو انتظام میں دخل دینے کا حق

سوال[۶۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص نے اپنی حمیت اور قوتِ دینی سے ایک مدرسہ دینی اپنے مکان پر قائم کیا اور وہ ہمیشہ اس مدرسہ کی ترقی کی کوشش ونگرانی کرتا رہا، اس نے یہ بھی کیا کہ شہر کے چند متدین اور عمائد کی ایک کمیٹی بنائی جو مدرسہ کے انتظام اور اس کی ترقی کے مشورے دے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدرسہ کے قائم اور برقرار رکھنے کے لئے دکانی جائیداد موقوفہ کا انتظام ہوگیا، لیکن پرانے ممبران جب یکے بعد دیگرے مرگئے تو اس شخص نے جدید ممبران قائم کئے اور خود بھی مرگیا۔

اس کے انتقال کے بعد چند ممبروں کی وجہ سے مدرسہ کی ترقی میں صورتِ زوال پیدا ہوگئی، لہذا بانی مدرسہ کی اولاد نے چاہا کہ چونکہ ہمارے بزرگوں کا قائم کردہ مدرسہ ہے، لہذا ہم کو اس کی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ مفید سلسلۂ تعلیم ٹوٹ نہ جائے، لیکن موجودہ ممبران بانی مدرسہ کی اولاد کو نہ مدرسہ کی نگرانی کرنے دیتے ہیں، نہ کمیٹی میں شامل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ مدرسہ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور بانی مدرسہ کی اولاد کے دخل کو برا جانتے ہیں۔

سائل: حکیم سید عبدالستار صاحب، ساکن بانس بریلی، محلّہ چھاؤنی اشرف خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں چونکہ موجودہ ممبران اصلی متولی مرحوم کے مقرر کردہ ہیں اور اصلی متولی کو حق تھا کہ جس کو چاہے متولی مقرر کردے، کما صرح بہ فی العالمگیریة: ۲/۹۹۹: "للمتولی أن یفوّض لغیرہ عند موتہ"(۱)۔ لہذا متولی مرحوم کی اولاد کو بغیر رضامندیٔ ممبرانِ مدرسہ محض ترقی رک جانے

---

(۱) "و للمتولی أن یفوّض لغیرہ عند موتہ کالوصی لہ أن یوصی إلی غیرہ، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف و تصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۲، رشیدیہ)

"المتولی إذا أراد أن یفوّض إلی غیرہ عند الموت الولایةَ بالوصیة، یجوز". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، الولایة فی الوقف: ۵/۷۴۴، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۲۵، سعید)

کی وجہ سے نگرانی یا انتظامات میں دخل دینے کا حق نہیں تاوقتیکہ ممبران کی جانب سے کوئی خیانت ظاہر ہو، البتہ اگر ممبر خیانت کریں تو واقفین کو اختیار ہے کہ قاضی کے یہاں دعویٰ کر کے ان ممبران کی تولیت کو باطل کر دیں۔ عالمگیری میں ہے:

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى رجل و ولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه، فهو غاصب يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". ۲/۱۰۲٤(۱)۔

موجودہ متولیوں کا اس کو اپنی ملک قرار دینا برائے خیانت ہے، بلکہ خیانت ہی خیانت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۵۱ھ۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۱ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۴۷، رشيديه)

"إذا أنكر والي الوقف: أي قيم الوقف، فهو غاصب، فيخرج من يده، فإن نقص منها شيء بعد الجحود فهو ضامن". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الدعاوى والخصومات، الخ: ۵/۸۲۰، ۸۲۱، إدارة القرآن كراچي)

"رجل جعل أرضاً له صدقةً موقوفةً لله أبداً على قوم بأعيانهم، ثم من بعدهم على المساكين، ودفعها إلىٰ رجل و ولاه إياها، فجحد الرجل المدفوع إليه الوقف ذلك وادّعى أنه ملك له، قال: هو غاصب، ويخرج الوقف من يده". (أحكام الأوقاف للخصاف، كتاب الوقف، باب الأرض أو الدار توقف فتغصب، ص: ۲۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركت علميه ملتان)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"و صرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن واجب عليه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه) .... =

مزار کی حفاظت کا طریقہ اوراس کے محافظ کا وظیفہ

سوال[۲۹۶۳]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائیکواد نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے، وہ اس زمین کو کاشت کر کے اس کی پیداوار کھائے، اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے۔ اور گاؤں کے لوگ سب درگاہ پر پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں۔ مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو بُرا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو اس زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

درگاہ کی حفاظت کرے اور پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھا دیا کرے کہ اس چڑھاوے سے نہ تم کو فائدہ ہے نہ صاحبِ مزار کو فائدہ ہے(۱)، اگر دو رکعت نفل پڑھ کر ان کو ثواب پہونچا دو تو تم کو بھی نفع ہے اور ان کو بھی نفع ہے اور اس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي و ما يملك، الخ: ۶/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۱) "ذكر ابن الحاج في المدخل: أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد، فيجعلونه على الميت في قبره، وإن ذلك لم يرو عن السلف، فهو بدعة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص:۲۰۸، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنت جالساً عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ أتته امرأة فقالت: يا رسول الله! إني كنت تصدقت على أمي بجارية وإنها ماتت، قال: "وجب أجرك و ردها عليك الميراث". قالت: يا رسول الله! كان عليها صوم شهرٍ أفأصوم عنها؟ قال: "صومي عنها". قالت: يارسول الله! إنها لم تحج قط أفأحج عنها؟ قال: "نعم، حجي عنها". (جامع الترمذي، أبواب الزكوة، باب ماجاء في المتصدق يرث صدقته: ۱/۱۴۴، سعيد)

"من صام أو صلى أو تصدق، جعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ليصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة". (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

جوزمین ہے اس کی پیداوار کھانا اس کے لئے جائز ہوگا (۱)، مگر جو چیز مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قال فی خزانة الأکمل: لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلیٰ الإمام والمؤذن والقیم، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته بشرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلیٰ قدر کفایتهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(۲) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام و ما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل و حرام". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم: ۴۳۹/۲، سعید)

باب، أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجدِ کبیر کی تعریف

سوال[۶۹۶۴]: کیا مسجدِ کبیر جو چالیس ذراع کی ہوتی ہے، وہ عرض رُبع مراد ہے یعنی کل چالیس ذراع، یا لمبائی چوڑائی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چالیس ذراع لمبی، چالیس ذراع چوڑی۔ ایک قول میں ساٹھ ذراع (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۶ھ۔

مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف

سوال[۶۹۶۵]: خورجہ کی جامع مسجد میں ایک صف میں تقریباً پچاس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں، اور پوری مسجد میں تقریباً چھ سو یا سات سو آدمی آسکتے ہیں تو یہ مسجدِ کبیر کا حکم رکھتی ہے یا مسجدِ صغیر کا؟ اور مسجدِ صغیر اور کبیر کی کیا تعریف ہے؟ اور ان دونوں مساجد کے متعلق نمازیوں کے لئے کیا کیا احکامات ہیں؟ ایک مولوی صاحب اس مسجد کو مسجد کبیر کہتے ہیں اور دیگر علمائے کرام اس مسجد کو صغیر کہتے ہیں۔

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر. والصغير بعكسه، أفاده القهستاني، وأفاد أن المختار الأول، الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فيما لايفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد چالیس گز (شرعی) لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہو وہ مسجد کبیر ہے، جو اس سے چھوٹی ہو وہ مسجد صغیر ہے، کذافی ردالمحتار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۰ھ۔

حدِ مسجد

سوال[۶۹۶۶]: مسجد کی حد کہاں تک شمار کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے متعین کر دیا گیا ہو(۲)، وہاں بلا غسل جانا منع ہے(۳)، وضو کی جگہ

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو ان يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر، والصغير بعكسه، افاده القهستاني، وأفاد أن المختار الأول". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الصلوة، فصل فيما لايفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمي)

(۲) "عرفاً: الموضوع المبني للصلوة". (القاموس الفقهي، حرف السين، ص: ۱۷۴، ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه)

(۳) "قال: حدثني جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها تقول: جاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... فقال: "وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لاأحل المسجد لحائض ولاجنب". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۴، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، إمداديه ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور، هكذا في منية المصلي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه) ....=

عام طور پر خارجِ مسجد ہوتی ہے(۱)، مسجد کے فرش پر پیر رکھتے ہی نیتِ اعتکاف مناسب ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۹ھ۔

مسجد ہونے کا حکم کب ہوگا؟

سوال[۶۹۶۷]: ایک عرصۂ دراز سے ایک مقام لبِ سڑک سرکاری ایک پختہ چبوترہ مسجد ہے اور وہ مسجد بھی مشہور ہے، مؤذن امام مقرر ہیں، اذان وجماعت باضابطہ ہوتی ہے۔ ایک عرصہ ہوا کہ ایک حاکمِ وقت نے مجمعِ عام مسلمانان وہنود میں زبانی اس کے مسجد ہونے کو تسلیم کیا اور اس کے مسجد ہونے کا اعلان کیا۔ یہ مسجد ہوگی یا نہیں اور اس کو مسجد قرار دینا صحیح ہے یا نہیں؟

سائل: بندہ عبداللطیف، مدرسۃ المؤمنین، قصبہ منگلور۔
بندہ محمد علی عفی عنہ، محلہ قلعہ قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۱/۶۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱/۱۷۱، سعيد)

(۱) "والوضوء فيما أعد لذلك". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

"ومنها حرمة البصاق فيه. أقول: المراد من الحرمة هنا كراهة التحريم مما في البدائع . ويكره التوضي في المسجد؛ لأنه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثالث، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۸۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچي)

(۲) "قوله: (وأقله نفلاً ساعة) لقول محمد رحمه الله تعالىٰ في الأصل: إذا دخل المسجد بنية الاعتكاف، فهو معتكف ما أقام، تارك له إذا خرج، فكان ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس چبوترہ کا مسجد مشہور ہونا، امام ومؤذن مقرر ہونا، اذان وجماعت کا وہاں باضابطہ ہونا، نیز حاکمِ وقت کا مجمعِ عام مخالف وموافق میں اس کے مسجد ہونے کو تسلیم کرنا اوراس کا اعلان کرنا یہ امور ایسے ہیں کہ اس کے مسجد ہونے کے لئے شاہدِ عدل اور بہت کافی ہیں (۱)، اگر وقف نامہ موجود نہ ہو، یا وقف کا علم نہ ہو تب بھی اس کے مسجد ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، کیونکہ امورِ مذکورہ کا مسجد کے ساتھ مختص ہونا کسی پر مخفی نہیں۔

بے شمار مسجدیں ملیں گی کہ نہ ان کا وقف نامہ موجود ہے، نہ واقف کا حال معلوم ہے، کبھی ایک شخص یا چند اشخاص نے مل کر کچھ حصۂ زمین کو، کبھی پختہ چبوترہ بنا کر اور کبھی (عدم وسعت کی وجہ سے) کچا ہی رکھ کر نماز وغیرہ عبادات کے ساتھ خاص کردیا اور عام طور پر مسلمانوں کو اس میں نماز کی اجازت دے دی ہے۔ اور صورتِ مسئولہ میں تو امام ومؤذن بھی مقرر ہیں، اذان وجماعت بھی باقاعدہ ہوتی ہے، اس کے مسجد ہونے کو حاکم وقت نے تسلیم کر کے اعلان عام بھی کردیا ہے، لہٰذا اس کے مسجد شرعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کو غیر مسجد قرار دینا صحیح نہیں:

"التسليم في المسجد أن يصلي الجماعة بإذنه، ويشترط مع ذلك أن يكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً. ولوجعل رجل رجلاً واحداً موذناً وإماماً، فأذّن وأقام و صلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، اهـ". فتاوى عالمگیری مختصراً: ۱۰۳/۲ (۲)۔ "والحكم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط: ۱۳۰/۱۷ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ففي الذخيرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۴۱۵/۵، ۴۱۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد ۳۵۶/۴، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۵/۲، رشيديه)

"وبالصلاة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه يصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً، و يشترط مع ذلك أن يكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لاسراً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۲۳۳/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، باب الحمل والمملوك والكافر: ۱۵۹/۹، غفاريه كوئٹه)

کیا بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم ہو جائے گا؟

سوال[۲۹۶۸]: مسجد کو پوری عمارت تعمیر ہونے کے بعد مسجد کہا جائے گا یا صرف بنیاد کا پڑنا ہی کافی ہے؟ اگر بنیاد ہی کافی ہے تو ایسی مسجد میں جس کی صرف بنیاد ہی پڑی ہو، وضو کرنا غسل کرنا، کھیتیاں کرنا، جانوروں کو چرانا، یا معماروں کا بیڑی سگریٹ پینا، چہل قدمی کرنا، ننگے بدن وہاں جانا سب ممنوع ہونا چاہیے؟

مولوی: ابوطلحہ، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کی وہ زمین ہے، اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی اور یہ نیت کرلی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت ہوا کرے گی اور اس کو مسجد قرار دے دیا تو وہ شرعی مسجد بن گئی، اب جو چیز مسجد میں منع ہے وہاں بھی منع ہے، مسجد کا پورا احترام لازم ہے، فتاوی عالمگیری: ۳۳۸/۳(۱)۔

اگر ایسا نہیں کیا بلکہ نیت یہ ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اذان، نماز، جماعت شروع کی جائے گی اور

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة، هذا على ثلاثة أوجه: أحدها: إمّا إن أمرهم بالصلوة فيها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فيها أبداً، أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لومات لا يورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

"التسليم فى المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه .... و يشترط مع ذلک أن تكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً .... ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذّن واقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچى)

اسی وقت اس کو مسجد قرار دیا جائے گا تو اس پر مسجد کا حکم تکمیلِ عمارت کے بعد جاری ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی بنیاد در کھنے سے حکمِ مسجد

سوال[۶۹۶۹]: ۱...... مسجد کی بنیاد رکھنے سے مسجد کے احکام جاری ہوجاتے ہیں، یا اذان جماعت ہونے پر جاری ہوں گے؟

۲...... جس مسجد کا ذکر ہے اس مسجد کا مصلی اور سمت قبلہ کی دیوار قدِ آدم تک تیار ہوچکی ہے اور دونوں بغلوں یعنی شمال وجنوب کی دیواریں قائم ہوچکی ہیں اور بھراؤ صحن مسجد بھی بھر دیا گیا ہے۔ یہ مسجد مدرسہ فیض القرآن کی جگہ میں ہے جو کہ مدرسہ کی ہے۔ اس محلہ میں چار مسجدیں ہیں، ایک مسجد تو تعمیر مسجد سے چالیس قدم پر ہے اور اذان کی آواز بھی اور مسجدوں سے آتی ہے۔ اس قدر تعمیر ہوجانے کے بعد بانیانِ مسجد کو اس طرف توجہ ہوئی کہ اگر قریب مساجد کی وجہ سے یہ مسجد آباد نہ ہوئی تو ہم عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے، اس لئے کہ اس مسجد میں صرف طلباء ہی نماز پڑھ سکتے ہیں، محلّہ والوں کو تو دوسری مساجد کافی ہیں، طلباء یہاں صرف ظہر وعصر اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ مدرسینِ مدرسہ خاص اہتمام طلباء کو روکنے کا کریں اور ان دو وقتوں کے علاوہ اوقات میں تو اذان کا اہتمام بھی دشوار ہے، اس وجہ سے بھی کہ طلباء عموماً نوعمر ہیں یعنی دس گیارہ سال سے زیادہ کوئی بچہ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب کہ مسجد کی تعمیر (جس میں سو روپیہ چندہ سے لگ چکا ہے اور پچیس روپیہ ایک شخص کا دیا ہوا آئندہ تعمیر کے لئے امانت ہے) ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اس کی تعمیر کو روک کر اس مکان کو موجودہ شکل میں، یا

---

(۱) "وأما القبض والتسليم فشرط لصيرورته مسجداً عند أبي حنيفة ومحمد، وعند أبي يوسف ليس بشرط، حتى أن عنده يصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم. وبالصلوة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفي "ملتقط الناصري": وإذا بنى مسجداً لايصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد، لا يباع ولا يوهب ولا يرهن ولا يورث، وفتح الباب وأذن فيه وأقيم وأذن للناس بالدخول فيه عامة، فيصير مسجداً إذا صلى بجماعة فيه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچي)

سمت کے تغیر کے ساتھ اس نئی مسجد کو مدرسہ کے مکان کی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، جائز ہوگا یا نہیں اور جس شخص کا روپیہ امانت ہے اس کو واپس کردیا جائے تو وہ شخص اس روپیہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا کسی دوسری مسجد میں دیدے؟

سائل: عظیم اللہ، مہتمم مدرسہ فیض القرآن، محلہ چاہ چوڑہ پانی پت ضلع کرنال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲...... وہ جگہ پہلے سے مدرسہ کے لئے وقف ہے اور جو شخص متولی یا مہتمم ہے اس کو واقفین کی طرف سے اختیار عام حاصل ہے کہ اس زمین میں جو تعمیر مدرسہ کی مصلحت کے موافق سمجھے بنائے، پھر اس نے ہیئت مسجد اس کی بنیاد رکھی، نیز اسی نیت اور نام سے لوگوں نے چندہ دیا اور جو تعمیر اب تک ہوئی وہ اسی نیت اور ہیئت پر ہوئی، لہٰذا اس پر شروع ہی سے مسجد کے احکام جاری ہوں گے (۱)۔ اگرچہ ابھی تک اس کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی اور اس میں اذان و جماعت بھی نہیں ہوئی، لیکن جس طرح مسجد کی مسجدیت کو باطل کرکے کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں، اسی طرح تعمیر مذکور بدلنا یا بغیر بدلے مسجد کی ہیئت پر رکھے ہوئے مسجد کے کام میں نہ لانا درست نہیں (۲)۔

---

(۱) "و یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً، عند الثانی". (الدرالمختار).

"(قوله: بالفعل): أی بالصلاة فیه، ففی شرح الملتقی: إنه یصیر مسجداً بلاخلاف، ثم قال عند قول الملتقی: "وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یزول بمجرد القول": ولم یرد أنه لا یزول بدونه لما عرفت أنه یزول بالفعل أیضاً بلا خلاف، اهـ. قلت: وفی الذخیرة: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف .... و یصح أن یراد بالفعل الإفراز". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۲۷۰/۴، ۲۷۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به: ۴۵۴/۲، رشیدیه)

(۲) "إذا خرب، ولیس له ما یعمر به، و قد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القریة، أو لم یخرب لکن خربت القریة بنقل أهلها، واستغنوا عنه، فإنه یعود إلی ملک الواقف أو ورثته. قال ابویوسف رحمه الله تعالیٰ: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة، لا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله، ونقل ماله =

آبادی اور غیر آبادی سے متعلق پہلے سوچنے کی بات تھی، کارکنانِ مدرسہ کا فریضہ ہے کہ مسجد مذکور کو آباد رکھنے کی سعی کریں، پانچوں وقت کچھ آدمی ضرور وہاں اذان کہہ کر نماز پڑھا کریں اور جہاں تک ہو سکے مدرسہ کو ترقی دیں اور اس میں بیرونی طلباء کو رکھیں تا کہ مسجد و مدرسہ ہر دو آباد رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مسجد کیسے مسجد بن جاتی ہے؟

سوال[۲۹۷۰]: ایک شخص نے تقریباً چالیس سال قبل ایک مسجد بنائی، لوگوں کو نماز پڑھنے کے لئے کہا اور زبانی وقف کر دیا۔ اس وقت اس کی پوتی مسجد کے احاطہ میں دیوار وغیرہ کرنے سے لوگوں کو روکتی ہے جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسجد تو وقف نہیں کی گئی، بلکہ اس زبانی وقف کو توڑتی ہے اور مصلیانِ مسجد کا خیال یہ ہے کہ جب کاغذ میں لکھ کر وقف نہ کیا جائے تو وقف صحیح نہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح زبانی وقف کرنے سے وقف صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور اس عورت کو روکنا درست ہے یا نہیں اور مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب کہ مسجد بنائی اور زبانی وقف کر کے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی اور وہاں اذان و جماعت ہونے لگی اور اپنی مِلک سے اس مسجد کو راستہ وغیرہ سے ممیز کر دیا تو وہ بالاتفاق شرعی مسجد بن گئی، اگرچہ تحریرِ وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، وہاں نماز دوسری مسجدوں کی طرح بلا تامل درست ہے، واقف کے ورثہ کو اس میں کوئی ایسا تصرف درست نہیں جو وقف کے خلاف ہو اور بطورِ وراثت ملک کا دعویٰ کرنا غلط ہے(۱)۔

= إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(۱) "وأما المسجد، فليس له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/ ۲۳۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۶/ ۲۰۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"و یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل: أی بالصلوة فیه، ففی شرح الملتقی: إنه یصیر مسجداً بلا خلاف. ثم قال عند قول الملتقی: "وعند أبی یوسف یزول بمجرد القول": ولم یرد أنه لا یزول بدونه لما عرفت أنه لا یزول بالفعل أیضاً بلا خلاف، اهـ. قلت: وفی الذخیرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه جماعةً، فإنه یصیر مسجداً، اهـ. ویصح أن یراد بالفعل الإفراز، ویکون بیاناً للشرط المتفق علیه عند الکل لما قدمناه من أن المسجد لو کان مشاعاً، لا یصح إجماعاً، وعلیه فقوله عندالثانی مرتبط بقول المتن بقوله: جعلتُه مسجداً، اهـ". درمختار وشامی: ۵۱۱/۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ۔

اذان وجماعت کی اجازت سے اس جگہ کا مسجد بن جانا

سوال[۲۹۷۱]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور عبادت خانہ کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی راستہ جدا نہیں کیا تو یہ مسجد شرعاً ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، فی أحکام المسجد ۳۵۵/۴، ۳۵۶، سعید)

"وبالصلاة بجماعة یقع القبض والتسلیم بلا خلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فیه یصلی فیه جماعة، فإنه یصیر مسحداً. و یشترط مع ذلک أن یکون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً". (التاتارخانیه، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں لوگوں کو نماز کی اجازت دے دی اور اذان وجماعت ہونے لگی اور آنے جانے کا ایسا راستہ موجود ہے کہ رکاوٹ نہیں تو وہ شرعی مسجد بن گئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱/۱۷ھ۔

جب مالک کی اجازت سے اذان وجماعت ہونے لگی پس وہ مسجد بن گئی

سوال [۶۹۷۲]: ۱…… زید کی مملوکہ زمین میں باجازتِ زید عام قوم نے اپنے چندہ سے مسجد کی تعمیر کرادی اور چند سال اس میں صلوۃ باجماعت اور نماز جمعہ ہوتی رہی، اس کے بعد زید کہتا ہے کہ میں نے وقف نہیں کیا، خواہ میں کسی کو نماز پڑھنے دوں یا نہ دوں اور مسجد کو بند کردوں۔ آیا اس کو نمازیوں کو مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور زید کو علاوہ اس پیش امام کے جس کو عام قوم نے نماز پڑھانے کے واسطے مقرر کر رکھا ہے دوسرا پیش امام جو جمعہ کا خطبہ بھی غلط پڑھتا ہے مقرر کرنا درست ہے؟

۲…… اگر قوم اپنے واسطے جداگانہ بطور استعارہ جگہ مانگے اور اس میں نمازِ جماعت شروع کریں تو یہ جماعت صحیح یا غیر صحیح ہے جب کہ یہ زمین ملکیت انگریزوں کی ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱…… جب زید کی اجازت سے مسجد بنائی گئی ہے اور اس میں نماز باجماعت ہوتی رہی اور پھر بھی زید

---

(۱) "ومن بنی مسجداً، لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه، ویأذن بالصلاة فیه، وإذا صلی فیه واحدٌ زال ملکه. أما الإفراز، فإنه لایخلص لله تعالیٰ إلا به". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۱۶/۵، رشیدیه)

"وفی الذخیرة: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه جماعةً، فإنه یصیر مسجداً، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۶/۴، سعید)

"وإذا بنی مسجداً، لایصیر مسجداً حتی یقرّ بلسانه ………. وفتَحَ الباب وأذّن فیه وأقیم، وأذِن للناس بالدخول فیه عامةً، فیصیر مسجداً إذا صلی بجماعة فیه". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۷۴۰/۵، إدارة القرآن کراچی)

نے منع نہیں کیا تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کو حق نہیں کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے روکے، یا اس کو بند کرے:

"التسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة بإذنه، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً، كما قال محمد رحمه الله تعالى، والصحيح رواية الحسن، كذا في فتاوى قاضيخان. ويشترط مع ذلك أن تكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً، حتى لو صلى جماعةً بغير أذان وإقامة سراً لا جهراً، لا يصير مسجداً عندهما، كذا في المحيط والكفاية. ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، كذا في الكفاية وفتح القدير". فتاوی عالمگیری: ۲/۱۰۳(۱)۔

"وكره غلق باب المسجد؛ لأنه يشبه المنع من الصلوة، قال تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه﴾ اهـ". ردالمحتار: ۱/۶۸۶(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

"التسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة بإذنه، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ في رواية أخرى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا صلى واحد بإذنه يصير مسجداً. إلا أن بعضهم قالوا: إذا صلى فيه واحد بأذان وإقامة، في ظاهر الرواية لم يذكر هذه الزيادة، اهـ". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(ومنحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"(قوله: و غلق باب المسجد)؛ لأنه يشبه المنع من صلاة، قال تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيهااسمه﴾ [البقرة، آیت: ۱۱۴]، والإغلاق يشبه المنع، فيكره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

جوشخص غلط پڑھتا ہے، اس کو نہ زید امام مقرر کرسکتا ہے، نہ عام قوم امام مقرر کرسکتی ہے، صحیح پڑھنے والے اور لائق اور دیندار کو مقرر کرنا چاہئے (۱)۔

۲......اگر مالکِ زمین کی اجازت سے وہاں نماز پڑھیں یا جماعت کریں تو درست ہے (۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ آپس میں سب اتفاق سے رہیں اور اسی مسجد میں نماز جماعت سے ادا کریں، لڑائی جھگڑے سے اجتناب کریں کہ یہ بڑی خرابی و بربادی کا سبب ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر العلوم، ۱۶/۱/۵۱ھ۔

---

(۱) "ولا غير الألثغ به: أي بالألثغ على الأصح .... فلا يؤمّ إلا مثله، و لا تصح صلا ته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۱، ۵۸۲، سعيد)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوةً و تجويداً للقرأة، ثم الأورع".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الامامة، من هو أحق بالامامة: ۱/۶۰۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۲، ۳۴۳، سعيد)

(۲) "تكره في أرض الغير لو مزروعةً أو مكروبةً إلا إذا كانت بينهما صداقة، أو رأى صاحبها لا يكرهه، فلابأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، الخ: ۱/۳۸۱، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأطيعوا الله ورسوله ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصّٰبرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

قال الله تعالىٰ: ﴿إنما المؤمنون إخوة، فأصلحوا بين أخويكم، واتقوا الله، لعلكم ترحمون﴾ (سورة الحجرات: ۱۰)

بانی مسجد کون ہے؟

سوال[۶۹۷۳]: ۱......کونسا آدمی کس وقت بانی مسجد کہا جاسکتا ہے؟

مسجد کا بانی اول اور بانی دوم

سوال[۶۹۷۴]: ۲......زید کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے لڑکوں میں سے کسی نے وقف شدہ زمین پر مسجد بنائی پھر ۲۰، ۲۵/ برس کے بعد دوسرے لڑکے نے پہلی مسجد کے سامان کو فروخت کردیا اور یہ روپیہ اور مزید خود کا روپیہ ڈال کر، نیز لوگوں سے چندہ پیسہ وصول کرکے دوسری مسجد بنائی، توان میں سے مسجد کا بانی کون ہوگا، یا سب کو مسجد کا بانی کہا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو آدمی جس وقت مسجد بنائے وہی بانی مسجد ہے۔

۲...... پہلا شخص بانی اول ہے، دوسرا شخص بانی دوم ہے اور جن لوگوں نے اس میں پیسہ دیا اور محنت کی وہ بھی بناء میں شریک ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۸۹ھ۔

بغیر صریح وقف کے اذان وجماعت کی اجازت سے بھی مسجد بن جاتی ہے

سوال[۶۹۷۵]: ۱......ایک آدمی نے زمین وقف نہیں کی اور جس میں ستر اسّی برس ہوتے ہیں مسجد بن چکی ہے۔ تو اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۲......میں بھی اس مسجد کا نمازی ہوں، اس مسجد کا مینارہ بنایا جارہا ہے، لیکن لوگ مجھ سے چندہ نہیں لیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مالکِ زمین نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھالیا اور ہر ایک کو اجازت دیدی اور اذان ونماز شروع ہوگئی، تو اتنی بات سے وہ مسجد بن گئی، وہاں نماز وجماعت سب ٹھیک ہے(۱)۔

---

(۱) "ففي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بني مسجداً وأذِن للناس =

۲...... یہ تو ان سے ہی دریافت کرنے کی بات ہے کہ وہ آپ کا چندہ کیوں نہیں قبول کرتے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۹/۶/۸۹ھ۔

عارضی ضرورت کے لئے بنی ہوئی مسجد کا حکم

سوال[۶۹۷۶]: دربھنگہ کے ایک گاؤں موضع کھٹیلہ میں پرانی مسجد مخدوش ہوجانے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے توڑ کر از سرِ نو بنانے کا ارادہ کیا ہے، جب تک نماز پڑھنے کے لئے عارضی طور پر مسجد کے احاطہ سے باہر ایک مسجد بنائی گئی ہے، جس کو پختہ مسجد کے تیار ہونے کے بعد توڑ دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خام مسجد جو کہ عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے، اس میں نماز کے علاوہ دوسرا مصرف (مثلاً: مکان، کھیتی، پیشاب و پاخانہ وغیرہ) لے سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ یہ جامع مسجد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں عارضی طور پر مسجد تیار ہونے تک نماز کا انتظام کرلیا گیا ہے اور اس کو وقف کر کے مسجد نہیں بنایا گیا تو وہ شرعی مسجد نہیں بنی، اس کا وہ حکم نہیں جو شرعی مسجد کا ہوتا ہے، اس کا حال ایسا ہی ہے جیسے مکان میں کسی جگہ نماز پڑھتے ہوں، یا باغ اور کھیت میں نماز پڑھتے ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد نہیں (۱)۔ نیز عیدگاہ میں مسجد کے

= بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

(منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۴۱۵/۵، ۴۱۶، رشيديه)

"حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(۱) "رجل له ساحة لابناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها .... وإن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنةً، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبيد، والتوقيت يُنافي التأبيد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، ۲۹۱، رشيديه) =

سب احکام جاری نہیں ہوتے، جیسا کہ بحر اور رد المحتار اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں تصریح ہے(۱)۔ جب وہاں نماز پڑھنا موقوف کردیا جائے تو مالک کو اپنی مِلک میں تصرف کا اختیار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی

سوال[۶۷۷۲]: ایک گاؤں ہے جس میں آج سے تقریباً سوسال قبل ایک جگہ چھوٹی مسجد تھی۔ گاؤں میں جب آتشزدگی ہوئی تو مسجد میں لپٹ آگئی، پھر سے اس جگہ مسجد نہیں بنائی گئی، بلکہ گاؤں کے ایک حاجی صاحب جو دو بھائی تھے، ان کے دروازے پر دونوں کی مشترکہ زمین پر مسجد بنائی گئی تاکہ حاجی صاحب مسجد

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(۱) "مسجد اتخذ لصلاة الجنازة أو لصلاة العيد هل يكون له حكم المسجد .... وما اتخذ لصلاة العيد لايكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام .... وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلوة لاغير، وهو والجبانة سواء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

"وأما المسجد المتخذ لصلوة العيد، فالمختار أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، وفيما عدا ذلك فلا، رفقاً للناس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۱، رشيديه)

کی پوری حفاظت کریں۔ گاؤں والے اس وقت سے آج تک پنج وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے متفق ہوکر مسجد بنائے تھے۔ پہلے والی مسجد کی زمین صرف تین ڈسمل زمین جو آبادی سے قریب ہوتی آرہی ہے، کاغذی اعتبار سے نئی مسجد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زمین مالک کے نام سے ہے۔

گزشتہ سال محلہ والوں نے گاؤں سے چندہ جمع کرکے موجودہ زمین کو پختہ بنانے کی نیت سے اینٹ خریدی۔ حاجی صاحب مرحوم کے ایک پوتے نے کہا کہ ہم مسجد میں ایک بیگہ زمین وقف کردیں گے۔ یہیں سے اختلافی صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ گاؤں کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ قبالہ کسی ایک آدمی کے نام سے ہو(۱)، پھر فروخت کرکے اس رقم کو مسجد میں لگائیں گے۔ واقف کہنے لگا کہ فروخت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی آمدنی مسجد کی حفاظت اور آئندہ ترقی کے لئے صَرف ہوگی۔

شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اب نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ مسجد پرانی زمین پر بنے گی، چونکہ اول وہاں مسجد تھی یہاں جائز نہیں۔ نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا یا نہیں، ہم لوگوں کو کوئی علم نہیں، نہ کوئی شہادت دیتا ہے۔ نیز اینٹ اس جگہ کی نیت سے خریدی گئی ہے، یہاں وہاں کرنے سے کھیل تماشہ بن جائے گا۔ چونکہ ہمارے صوبہ بہار میں ماشاء اللہ دارالقضاء بھی ہے، انہوں نے فیصلہ دیا ہے کہ پرانی ہی جگہ مسجد بنائی جائے، وہیں جمعہ کی نماز ادا کرنی درست ہے، موجودہ مسجد پنج وقتہ نماز کے لئے رہے۔ بر بنائے حکم پرانی جگہ کے حامیوں نے اس جگہ نفیس مسجد بنا کر جمعہ ادا کرنا شروع کردیا ہے۔ دونوں مسجد شمالاً جنوباً سوگز کے فاصلہ پر ہے۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب کے دروازہ والی مسجد کی خریدی ہوئی اینٹ سے پختہ بنا کر نمازِ جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، یا قاضی کے فیصلہ پر؟ امید ہے کہ خلاصۂ جواب مدلل عنایت فرمائیں گے۔ حاجی صاحب کی مسجد کی زمین کی کھیتیاں بھی وقف برائے مسجد ہے۔

---

(۱) ''قبالہ: تمسک بیع نامہ، کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، مکان کا غذیا سند''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۷، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلياً:

جو پرانی مسجد ہے، وہ بھی شرعی مسجد ہے، آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی (۱) اور جو نئی مسجد ہے وہ بھی مسجد ہے (۲)۔ جس جگہ مسجد بنانے کے لئے اینٹ خریدی گئیں ہیں اس اینٹ سے وہیں مسجد بنائی جائے (۳)۔ یہ کوئی اختلاف اور لڑائی کی بات نہیں، آپس کی ضد کو ختم کردیں۔ اگر وہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جس مسجد میں جمعہ ہوتا تھا، اس میں جمعہ بھی ادا کرتے رہیں اور دونوں مسجدوں کو آباد رکھیں (۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوى القدسي". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۸، رشيديه)

(۲) "إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة، فيه فصلى فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً". (التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن، كراچى)

"ولو جعل له واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: أحكام المسجد: ۶/۲۳۳، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۳۵۵، رشيديه)

(۳) "إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف، الخ: ۴/۳۶۵، سعيد)

"والواقف لو عين إنساناً للصرف، تعين، حتى لوصرف الناظر لغيره، كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

(۴) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

"قوله: (شرط أدائها المصر): أى شرط صحتها أن تؤدى في مصر، حتى لاتصح في قرية ولا مفازة؛ لقول عليّ رضي الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولاتشريق ولاصلوة فطر ولاأضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة". (البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

قاضی صاحب نے حالات سے واقفیت پر جو فیصلہ دیا ہے اس کو رد کرنے کی بھی کوئی حاجت نہیں، اگر اس پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو قاضی صاحب سے دریافت کرکے رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۴ھ۔

مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھنا

سوال[۶۹۷۸] : یہاں پر ایک مسجد ''مسجدِ حرم'' کے نام سے تعمیر ہورہی ہے، بعض حضرات اس کے نام سے اعتراض کررہے ہیں کہ یہ نام مسجد حرم خانہ کعبہ کا ہے، اس لئے یہ نام بدل دیا جائے۔آپ سے گذراش ہے کہ مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلام احمد قادیانی نے یہی تلبیس کی تھی کہ اپنا نام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام تجویز کیا، اپنی بیوی کا نام ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام تجویز کیا اور اپنی مسجد کا نام سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کا نام تجویز کیا، اپنے قبرستان کا نام مدینہ پاک کے قبرستان کا نام تجویز کیا، اس طرح اس نے اپنی امت کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے بے نیاز و بے تعلق بنانے کی کوشش کی۔

اپنی مسجد کا نام آپ حضرات بھی مسجد حرم نہ رکھیں کہ بے علم مسلمانوں کو اس سے دھوکہ لگتا ہے اگرچہ آپ حضرات کی نیت تلبیس کی نہ ہو، تاہم دھوکہ اور مغالطہ سے بچنا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۹ھ۔

غیر آباد مسجد کو محفوظ کرنے کی صورت

سوال[۶۹۷۹] : جالندھر شہر میں ایک مسجد تھی جو بالکل مسمار ہوچکی ہے، اس مسمارشدہ مسجد کی ایک

---

(۱) ''اتقوا مواضع التهم'' هو معنى قول عمر: ''من سلک مسلک التهم، اتُّهِم'' رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق عن عمر موقوفاً بلفظ: ''من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلو منّ مَن أساء الظن به''.

(الموضوعات الكبرىٰ للملا علي القاري، ص: ۴۹ (رقم الحديث: ۱۵۱)، قديمي)

جانب مسجد کی ملکیت میں دوکانیں ہیں۔ اگر مسمار شدہ مسجد کی جگہ صحن کو موجودہ دوکانوں میں شامل کر کے ان دوکانوں کی چھت پر جدید مسجد تعمیر کرادی جائے تاکہ مسلمان نماز ادا کرسکیں اور مسجد کی جگہ محفوظ ہوجائے، ورنہ اس جگہ پر غاصبانہ قبضہ کا احتمال ہے۔ اس وقت مسجد کی جگہ پر غلاظت اکٹھی ہورہی ہے۔ جدید مسجد کی تعمیر دوکانوں کا کرایہ دار (غیر مسلم) اپنی لاگت سے کرائے گا۔ کل رقم کرایہ میں ادا ہوتی رہے گی، کل جائیداد وقف ہے اور آئندہ بھی وقف ہی رہے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ وقف کر کے نماز کے لئے مسجد بنادی گئی وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، اس کو کسی دوسرے کام میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱) اس قاعدہ کلیہ کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ رکھنا اور اپنے امکان کی حد تک نماز کے لئے آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور دوکانیں بنانا جو اصل مسجد کا حصہ تھا اس کو دوکانوں کی صورت میں تعمیر کردیا جائے اور چھت پر مسجد رہے، درست نہیں (۲)۔

قانونِ تحفظِ اوقاف کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ کرنے اور نماز کے لئے مخصوص کرنے کی پوری کوشش کی

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی، حاوی القدسی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانی) فلا یعود میراثاً و لا یجوز نقله و نقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی، حاوی القدسی". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

(۲) "ولا بد من إفرازه: أی تمیزه عن ملکه من جمیع الوجوه، فلوکان العلو مسجداً والسفل حوانیت أو بالعکس، لا یزول ملکه لتعلق حق العبد به". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۶/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

جائے، خواہ اس صورت سے ہی کیوں نہ ہو کہ وہاں چہار دیواری بنا کر قفل ڈال دیا جائے اور جب نماز پڑھنے کا موقع وہاں ملے، قفل کھول کر نماز ادا کی جائے۔ اگر پوری کوشش کے باوجود تحفظ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر وقف کے برباد و باطل ہو جانے کا ظنِ غالب ہو تو مجبوراً سوال میں درج شدہ صورت کو بھی گوارا کیا جاسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۲ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۲ ۸۸ھ۔

مسجد کے وضوخانہ اور استنجاخانہ کی چھت کا حکم

سوال [۶۹۸۰]: ایک مسجد ہے جس کے باہر گیٹ ہے، سامنے اس گیٹ کے اندرونی ایک طرف استنجاخانہ ہے اور دوسری طرف وضوخانہ کے اوپر اور استنجاخانہ کے اوپر کمرے ہیں، ان سب کے اوپر پوری ایک چھت ہے اور یہ چھت مسجد کے فوقانی کا برآمدہ ہو چکا ہے۔ تو اب یہ چھت مسجد کے اندر داخل ہو گئی ہے یا نہیں، جبکہ اس کے نیچے کا حصہ مسجد میں داخل نہیں ہے؟ اس چھت کے بارے میں (حالانکہ بعد میں بنائی گئی ہے) لوگوں کو خیال ہو رہا ہے کہ یہ داخل ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خارج ہے، اسی وجہ سے جماعتِ ثانیہ بہت سے لوگ نہیں کرتے، اور کچھ لوگ بلا کھٹک کر لیتے ہیں اور مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہے۔ اس کے نیچے پاخانہ بنا کر کمرہ یا استنجاخانہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحن کا جو حصہ نماز کے لئے تجویز کیا گیا ہے اس کے اوپر کی چھت تو مسجد ہے (۲)، لیکن وضوخانہ اور

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(۲) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: =

استنجا خانہ کے اوپر کی جو چھت ہے وہ شرعی مسجد نہیں، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)۔اگر اتفاقیہ کبھی دو چار آدمی جماعت سے رہ گئے، مثلاً: سفر سے ایسے وقت آئے کہ جماعت ہو چکی ہے تو ان کو وہاں جماعت کرنا ممنوع ومکروہ نہیں(۲)، لیکن اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ جو مسجد بن چکی ہے اس کے نیچے تہ خانہ یا استنجا خانہ یا کمرہ بنانے کی اجازت نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كره استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۲۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة : ۱/ ۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "وفي فتاوى الفضلي: بيتٌ فوقه بيتٌ، وهو متصل بالمسجد، يتصل صف المسجد بصف البيت الأسفل ويصلي في البيت الأسفل في الصيف والشتاء، اختلف أهل المسجد و أرباب البيت الذين يسكنون العلو، قال الأرباب: إن ذلك ميراث لنا ، فالقول قولهم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوى والخصومات والشهادات : ۵/ ۸۲۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: إذا لم تكن على الهيئة الأولى، لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح. و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/ ۳۹۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) "و أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكّن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد : ۴/ ۳۵۸، سعيد)

"وإذا أراد الإنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه، ليس له ذلك، كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به : ۲/ ۴۵۵، رشيديه)

الفصل الأول فی بناء المسجد وتعمیره

(مسجد کے بنانے اوراس کی تعمیر کا بیان)

مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دعاء

سوال[۲۹۸۱]: مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے کیا پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

﴿و إذ یرفع إبراهیم القواعد من البیت وإسماعیل، ربنا تقبل منا إنك أنت السمیع العلیم﴾(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بضرورت نئی مسجد بنانا

سوال[۲۹۸۲]: دراس موضع لداخ کا ایک علاقہ ہے، اس علاقہ میں آبادی دور تک پھیلی ہوئی ہے، سرحدی اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے گھنی آبادی والا موضع ملنا مشکل ہے۔ ان ہی حالات کے پیشِ نظر بزرگانِ دین نے یہاں نماز جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جامع مسجد تعمیر کی گئی تھی، لیکن اب مسجد فوجی تحویل میں آچکی ہے، چنانچہ ملٹری کے قبضہ میں ہے، پنج وقتہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف نمازِ جمعہ کی اجازت ہے اور جب ایمرجنسی حالات ہوتے ہیں تو ان دنوں میں نماز جمعہ کی اجازت بھی نہیں ہوتی، ہفتہ بھر اس موضع کے لوگ خاص طور سے نماز باجماعت سے محروم رہتے ہیں۔

اور چونکہ اس جامع مسجد کے علاوہ اور کوئی مقامی مسجد نہیں ہے، یہاں کے چند نوجوانوں نے نئی مسجد کی

---

(۱) "فجعل إسماعیل یأتي بالحجارة وإبراهیم یبني، حتی إذا ارتفع البناء، جاء بهذا الحجر فوضعه له، فقام علیه وهو یبني وإسماعیل یناوله الحجارة، و هما یقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم﴾ قال: فجعلا یبنیان حتی یدورا حول البیت و هما یقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم﴾. (تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۴۳، (البقرة: ۱۲۶)، دارالسلام ریاض)

تعمیر کے لئے فراہمی چندہ کا پروگرام بنایا، دو ہزار روپیہ بھی جمع ہو چکے، لیکن بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ جامع مسجد کی موجودگی میں نئی مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی ہے، نہ اسے منہدم کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے فراہمی چندہ میں رکاوٹ ہوگئی۔ یہ طے ہوا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے پورے حالات لکھ کر فتویٰ حاصل کیا جائے۔ کیا جو جامع مسجد فوجی تحویل میں ہے اس کو اس طرح رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؟ کیا موجودہ مسجد کو منہدم کر کے تعمیری لکڑی کو نئی مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جب کہ پرانی مسجد کو چہار دیواری سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شریعت کے مطابق مسجد بنائی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بن جاتی ہے (۱)، نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ درست ہوتا ہے (۲)، نہ کسی کو نماز سے روکنے کا حق ہوتا ہے (۳)، نہ اس کو گرانا درست ہے (۴)۔ اگر وہ پرانی مسجد دوسروں کے قبضہ میں ہے اور وہ پانچ وقت نماز کی اجازت اس میں نہیں دیتے، صرف جمعہ کی اجازت دیتے ہیں اور وہ مسجد محفوظ ہے تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ محفوظ ہی رکھا جاوے اور پنجگانہ نماز کے لئے دوسری مسجد تعمیر کر لی جائے۔ اینٹ لکڑی وغیرہ کا نئی مسجد کے لئے مستقل انتظام کیا جائے، پرانی مسجد کو توڑ کر نئی مسجد میں

(۱) "ولو خرب ما حوله و استغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) "والفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا يعود إلى ملكه أبداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن كراچى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، و سعى فى خرابها﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

خرچ نہ کریں(۱)اور پرانی مسجد کو واگذار کرانے کی آئینی کوشش کی جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

نئی آبادی میں نئی مسجد بنانا

سوال[۲۹۸۳]: ایک نوآباد محلّہ جس سے موضع کی قدیم دونوں مسجدیں تقریباً ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہیں،اذان کی آواز بھی ہمیشہ سنائی نہیں دیتی،محلّہ میں نمازی باجماعت ادا کرنے والے بھی بہت کم ہیں۔چندایسی وجوہات کے تحت محلّہ مذکور میں نئی مسجد بنانے کاارادہ کیا جارہا ہے۔تعمیر مسجد جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

مسجد مسلمانوں کی اہم ضرورت ہے،جہاں آباد ہوں گے مسجد کا بھی اہتمام کریں گے،اور کرنا چاہئے،اس نوآباد محلّہ میں ضرورت ہوتو وہاں بھی بنالی جائے (۳)،مگر اس کو آباد رکھنے کی فکر وکوشش بھی لازم ہے،ایسا نہ

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي".
(البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "واگذار کرنا: چھوڑ دینا،پابندی یاشرط اٹھالینا،واپس کرنا"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فيروز سنز لاهور)

(۳) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنكم أكثرتم، وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً -قال بُكير: حسبت أنه قال: "يبتغي به وجه الله - بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري، باب من بنى مسجداً: ۶۴/۱، قديمي)

"فيه أن التعاون في بنيان المسجد من أفضل الأعمال أنه مما يجري للإنسان أجره بعد موته".
(عمدة القاري، باب التعاون في بناء المسجد: ۲۰۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

"عن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (روح المعاني، (سورة التوبة: ۱۰۷): ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

ہو کہ مسجد تو جوش میں بنالیں اور آباد نہ رکھ سکیں، اس لئے تبلیغ کر کے مسلمانوں کو نمازی بنانا زیادہ ضروری ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۲/۶ھ۔

مالک کی اجازت سے اس کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۶۹۸۴]: بیوہ عبدل محلہ کٹرہ میں رہتی ہے اور محلہ کٹرہ میں ایک بڑا مکان ہے، ایک دروازہ اور چھوٹا سا صحن ہے اور عام راستہ ہے جس میں علی رضا خان اور احمد رہتا ہے جس نے ایک قتل بھی کیا ہے، یہ سزایاب بھی ہے۔ یہ سب لوگ مل کر اسی صحن میں مسجد بنوانا چاہتے ہیں، وہ صحن تقریباً ۲۰/ سال سے میرے قبضہ میں ہے اور وہ اراضی حکیم ایوب صاحب کی ہے، تقریباً دو سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ حکیم صاحب نے ہم کو مسجد بنوانے کے لئے صحن دیا ہے، مگر ہم ان کی رعایا ہیں، ہم کو انہوں نے کوئی اطلاع مسجد بنوانے کی نہیں دی ہے، لہذا اب حکیم صاحب کے بیٹے کہتے ہیں کہ اس جگہ مسجد بنے گی، کیونکہ علی رضا وغیرہ شورہ پشت ہیں(۱)۔ میں غریب بیوہ عورت مجبور ہوں، کیا کر سکتی ہوں۔ یہاں پر کیا شرعاً مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ میری مرضی نہیں ہے جبراً بنوانا چاہتے ہیں اور وہ لوگ بے نمازی ہیں۔

زوجہ عبدل مرحوم۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس جگہ کے مالک نے یہاں مسجد بنانے کے لئے کہہ دیا ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے تو جن لوگوں کو کہا ہے ان کو وہاں مسجد بنانا درست ہے(۲)، آپ کو یا کسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آپ کے

= (وكذا في معالم التنزيل للبغوي، سورة التوبة: ۳۲۷/۲، تاليفات رشيديه ملتان)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور وأن تطهر وتطيب". (سنن ابن ماجة، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

(۱) "شورہ پشت: سرکش، نافرمان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۴۹، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ التسليم ليس بشرط لا في المسجد ولا في غيره من =

لئے رہنے کی جگہ نہیں ہے تو اللہ سے دعاء کیجئے کہ وہ آپ کو جگہ دے اور اللہ کا گھر بنانے کے لئے جب آپ جگہ چھوڑ دیں گی تو یقیناً آپ کے اخلاص کی برکت سے دوسری جگہ مل جائے گی۔ مسجد بنانے والے شورہ پشت ہوں، یا بے نمازی ہوں وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں، اللہ پاک ان کو ہدایت دے اور آپ کی پریشانی کو دور کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہیے

سوال [۶۹۸۵]: ایک مسجد پہلے سے ہے اور اس کے قریب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں تو شرعاً دونوں مسجدوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے، جگہ تنگ ہے، اس لئے دوسری مسجد کی ضرورت پیش آئی تو اتنی دور بنائیں کہ قرأتِ امام کی آواز نہ ٹکرائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۱ھ۔

= الأوقاف، فإذا قال: جعلت هذا مسجداً وأذِن الناس بالصلاة فيه، يتم ذلك". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول ملكه بمجرد القول الذي قدمناه صحة الوقف به".

(فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يزول بمجرد قول الواقف، ولا يجوز بيعه، ولو مات لا يورث عنه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

"لأنهم اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

(۱) حضرت مفتی صاحب نے بظاہر احتیاط کی بناء پر یہ بات کہی ہے، ورنہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر ایک مسجد کے درمیان =

مسجدِ قدیم میں پنجوقتہ نماز ہو اور جمعہ کے لئے مستقل مسجد بنانا

سوال[۶۹۸۰]: اگر کسی مسجد میں صرف پنج وقتہ نماز ادا کر لیا کریں، وہی ایک یا دو آدمی اور قریب ہی مسجد صرف جمعہ پڑھنے کے ارادہ سے بنائی جائے تو اس صورت میں اس قریب موضع میں مسجد صرف جمعہ کے لئے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

زین العابدین راجستھانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد قدیم میں لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں آتے اور دوسری جگہ جامع مسجد کی ضرورت ہے تو دوسری جگہ جامع مسجد بنانا جائز ہے (۱)، لیکن علاوہ جمعہ کے دوسری نمازیں بھی اس میں پڑھا کریں تا کہ وہ آباد

= دیوار کھڑی کی جائے اور دونوں میں الگ الگ جماعت ہو تو بھی جائز ہے:

"أهل المحلة قسموا المسجد و ضربوا فيه حائطاً، ولكلٍ منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۰۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع: ۶۶۳/۱، سعيد)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبه: ۱۰۷)، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا في روح المعانى: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوى: ۳۲۷/۲، تاليفات رشيديه ملتان)

"وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع". (الدرالمختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها جماعة". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعيد)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يتخذ المسجد في الدور وأن تطهر و تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

رہے، صرف جمعہ کیلئے مخصوص نہ کریں اور مسجد قدیم کوحتی الوسع آباد رکھنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۱۰/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/ شوال/ ۵۷ھ۔

اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد مشترکہ زمین میں بنانا

سوال [۶۹۸۷]: ایک موضع میں پہلے سے ایک پختہ مسجد موجود ہے، چندروز سے مسلمانوں میں نااتفاقی ہوکر دو پارٹی ہوگئیں، ایک پارٹی نے اس نااتفاقی کے باعث ایک مسجد جدید تعمیر کی، لیکن جس جگہ میں مسجد تعمیر کی یہ جگہ مسلمانوں کی مشترکہ ہے اوراس کے مالک دونوں پارٹیوں کے لوگ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کون سی مسجد میں ثواب زیادہ ہے، مسجد کی زمین دونوں پارٹیوں کی ملک ہے، لیکن قبضہ صرف دوسری پارٹی کا ہے۔ والسلام۔

سائل: مبارک حسین مادری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مشترکہ زمین میں سب مالکوں کی اجازت سے بنائی گئی تو دونوں میں نماز جائز ہے (۱) اور یہ کوشش کرنا کہ کسی ایک مسجد میں نماز نہ ہو، گناہ ہے (۲)، لیکن پہلی یعنی پرانی مسجد میں افضل ہے (۳)، تاہم نئی مسجد جب باقاعدہ مسجد بن گئی تو اس کو بھی آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر نئی مسجد بغیر سب مالکوں کی اجازت کے بنی ہے

---

(۱) "حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلی فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعی في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلی بيته، فإنه أفضل حينئذٍ، لسبقه حقيقةً وحكماً. وذكر قاضي خان وصاحب منية المفتي وغيرهما أن الأقدم أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

تو جب تک سب مالک اجازت نہ دے دیں، اس میں نماز نہ پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

دفعِ نزاع کے لئے دو مسجدیں بنانا

سوال[۶۹۸۸]: ایک دیہات میں دو جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ کچھ دنوں سے دونوں مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے بعض مسلمان جن کی زمین میں مسجد ہے منع کرتے ہوں تو جن مسلمان بھائیوں کو منع کیا گیا ہے تو کیا وہ ایک نئی مسجد بنا کر جمعہ کی نماز وغیرہ ادا کر سکتے ہیں، یا جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز مسجد میں، یا اپنے گھر میں ادا کریں گے؟

نوٹ: ان دونوں مسجدوں میں پہلے سے جمعہ رائج ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص اپنی زمین میں مسجد بنا دے، یا مسجد بنانے کے لئے زمین دیدے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی بھی مسلمان کو وہاں نماز پڑھنے سے روکے، نماز پڑھنے سے روکنا بڑا ظلم ہے:

﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الآية (۲)۔

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں، وہاں حسبِ ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی جمعہ درست ہے (۳)۔ جب مسلمانوں کو مذکورہ دونوں مسجدوں میں نماز سے روکا جاتا ہے اور وہاں جانے میں جھگڑے کا قوی

---

(۱) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة .... وأرض مغصوبة". (الدر المختار).

"وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لاينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبني في أرض مغصوبة، اهـ .... فالصلوة فيها مكروهة تحريماً في قول، وغير صحيحة في قول آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة في الأرض المغصوبة: ۱/ ۳۸۱، سعيد)

(۲) (سورة البقرة : ۱۱۴)

(۳) "و تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوىٰ". (الدر المختار). "(قوله: على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ جواز إقامتها في مصر واحد وفي مسجدين وأكثر، وبه نأخذ". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۴۴، سعيد) =

اندیشہ ہے کہ لڑائی ہوکر سر پھوٹیں گے، مقدمات چلیں گے تو جھگڑے سے بچنے کے لئے علیحدہ مسجد بنالینا درست ہے(۱)، پھر وہاں جمعہ بھی پڑھتے رہیں۔ نیز جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، کسی بھی کھلی جگہ جہاں کسی کو آنے کی رکاوٹ نہ ہو، جمعہ پڑھ سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۱۴۰۶ھ۔

گھر کو مسجد بنا دینا

سوال[۶۹۸۹]: زید کا اپنا ذاتی مکان ہے، اس نے قبضہ کے عام مسلمانوں کو تحریری اقرارنامہ روبرو عدالت کے بنوا کر مسلمانوں کو دیا اور کہا کہ اس وقت سے ہمیشہ کے لئے عام طور پر میرے مکان کے اندر باجماعت نماز پنج وقتہ پڑھنے کا حق ہے، میں اور میری بیوی جب تک زندہ رہیں مکان کے اس کونہ میں رہیں گے، بقیہ تمام مکان پر کل مسلمانوں کا حق رہے گا۔

چنانچہ عام مسلمان پنج وقتہ نماز اس مکان میں جا کر ادا کرتے رہے، عدالت کا فیصلہ بھی یہی ہو چکا تھا کہ مسلمان اس مکان میں نماز ادا کر سکتے ہیں، باہر گاؤں میں مسجد بنا کر نماز ادا نہیں کر سکتے۔ گویا عدالت نے اس مکان کو مسجد قرار دے دیا تھا۔ اب زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی موجود ہے، گاؤں کے چند ہندوؤں کے ورغلانے سے اور اس کے بعض اعزاء کے کہنے پر وہ عورت اور اس کے بعض اعزاء اب نماز کے ادا کرنے میں

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۱) "أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه).

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فروع: ۱/۶۶۳، سعيد).

(۲) "و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر، الخ .... أو فنائه و هو ما حوله". (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

حائل ہیں اور اس کو اپنا مکان بنا کر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

ایسی حالت میں عام مسلمانوں کو از روئے شرع شریف کیا عمل درآمد کرنا چاہئے اور ان مسلمانوں کے ساتھ جو کہ نماز پڑھنے اور مکان میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، کیسے تعلقات رکھنے چاہئیں؟ فقط والسلام۔

نذیر احمد، ۱۷/ دسمبر، ۱۹۳۸ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید نے بحالتِ صحت وتندرستی اس مکان کو مسجد بنا دیا اور اس کا راستہ بھی الگ کر کے اس سے اپنا قبضہ ہٹا لیا اور عام مسلمانوں کو اجازت دے دی اور انہوں نے با قاعدہ اس میں اذان و جماعت شروع کر دی تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کی بیوی یا کسی کا اس پر کوئی حق نہیں رہا، جو دعویٰ کرے وہ لغو اور باطل ہے۔ اگر مرض الموت کی حالت میں اس مکان کو مسجد بنایا تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اور دو تہائی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے:

"فلو جعل وسط داره مسجداً أو أذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً في قولهم جميعاً، وإلا فلا، عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وقالا: يصير مسجداً، وتصير الطريق من حقه من غير شرط، كذا في القنية. ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم، يصير مسجداً". عالمگیری: ٤/ ٤٣٨(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ رجب المرجب/ ۵۷ھ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، الخ: ۲/ ۴۵۴، ۴۵۵، رشيديه)

"وإن جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه، فله أن يبيعه. وفي السغناقي: ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم، يصير مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/ ۸۴۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيديه) .... =

غیر مسلم سے مسجد ومدرسہ کی بنیا درکھوانا

سوال[۶۹۹۰]: کسی غیر مسلم سے کسی مسجد یا مدرسہ کی بنیا درکھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم اگر معمار ہو یا انجینئر ہو اور ست سے خوب واقف ہو اور اسلام کی تعریف یا اعزاز کی نیت ہو، اس سے بنیا درکھوانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۷ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/ ۲۷۰، ۲۷۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الأخر، وجاهد في سبيل الله، لايستوون عندالله، والله لايهدى القوم الظلمين﴾ (التوبة: ۱۹)

قال الحافظ ابن كثير تحتها: "قال العوفي في تفسيره عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في تفسير هذه الآية قال: إن المشركين قالوا: عمارة بيت الله وقيام على السقاية خيرٌ ممن آمن وجاهد، وكانوا يفخرون بالحرم، ويستكبرون به من أجل أنهم أهله وعماره .... فخير الله الإيمان والجهاد مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عمارة المشركين البيت وقيامهم على السقاية، ولم يكن ينفعهم عندالله مع الشرك به، وإن كانوا يعمرون بيته ويحرمون به". (تفسير ابن كثير: ۲/ ۴۵۰، مكتبه دارالسلام، رياض)

(وكذا في روح المعاني: ۱۰/ ۶۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''عمارت مسجد جس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک کافر نہیں کر سکتے، بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری درو دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں غیر مسلم سے کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)''۔ (معارف القرآن: ۴/ ۳۳۱، إدارة المعارف كراچى)

نئی تعمیر میں مسجد کا فرش اونچا رکھ کر نیچے تہہ خانہ بنادیا تو نماز کہاں پڑھی جائے؟

سوال[۱۹۹۱]: ایک پرانی مسجد توسیع کی غرض سے منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی گئی اور ابتداہی میں بنیاد کے موقع پر فرشِ مسجد کو پرانے فرش سے اونچا رکھنے کی تجویز بالاتفاق طے پائی، لیکن مٹی سے پاٹ کر اونچا کرنے کے بجائے یہ صورت آسان سمجھی گئی کہ دیواروں کی کرسی اونچی لاکر درمیان میں پائے بنا کر خلا کو مٹی سے پُر کرنے کے بجائے لنٹر ڈال دیا جائے تا کہ نچلا حصہ بھی بوقتِ ضرورت کارآمد ہو سکے اور جمعہ کے دن یا جب بھی مصلیوں کی کثرت ہو، اس کا دروازہ کھول کر اس حصہ سے بھی کام لیا جائے۔

اور اس بارے میں مقامی علمائے کرام اور مفتی مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ وغیرہ حضرات سے مشورہ بھی کیا گیا اور بہت سے علمائے کرام نے ہیئتِ مذکورہ کو تشریف لاکر ملاحظہ بھی کیا۔ چنانچہ تقریباً ۷/ فٹ زمین سے اونچی کرسی لاکر پرانے فرش کے قائم مقام فرش کے واسطے لنٹر ڈال دیا گیا اور اس فرش تک چوڑا زینہ بنوادیا گیا کہ ہر شخص جو مسجد میں داخل ہونا چاہے وہ سیدھے اس فرش پر پہونچے۔ اور اسی غرض سے نچلے حصے میں سامنے دروازہ نہیں رکھا گیا، بلکہ اشتباہ سے بچنے کے لئے دوسری طرف دروازہ رکھا گیا۔

اب مسجد کی موجودہ ہیئت یہ ہے کہ باہر سے کوئی شخص مسجد کے سامنے آئے تو فرش مذکورہ ہی کو اصل مسجد سمجھے گا، نچلے حصہ کی طرف اس کا ذہن بھی نہ جائے گا، اور اگر بالفرض نچلے حصہ میں جماعت کی نماز ہورہی ہو تو اس سے اس کا علم بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ بغیر رہنمائی کے اس نچلے حصہ میں وہ بہ آسانی پہونچ بھی سکتا ہے۔

۱...... یہ فرش جو نمازِ پنجگانہ کے لئے بنایا گیا یہ فرش کے حکم میں ہے یا چھت کے، جب کہ پُرانا فرش نچلے حصہ کی صورت میں ہے؟

۲...... مسجد کا اصل حصہ کون سا حصہ ہے، یہ فرش جو پرانے فرش کا قائم مقام سمجھا گیا یا وہ نچلا حصہ جسے ہنگامی ضرورتوں کے لئے بنوایا گیا، مسجد کے حکم میں مسجد کا کل حصہ ہوتا ہے یا بعض (یعنی باعتبار تحت وفوق کے)؟

۳...... نمازِ پنجگانہ کس حصہ میں ادا کی جانی چاہیے؟

۴...... اگر اوپر والے فرش پر نماز پڑھی جائے جس کو اسی غرض سے بنایا گیا ہے اور اسی میں ہر طرح کی سہولت بھی ہے (کیونکہ نچلا حصہ بوجہ پست ہونے کے اس میں تاریکی وحبس ہے، نہ اس میں ہوا آنے کی کوئی صورت ہے) تو نماز بلا کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

۵......حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتاویٰ دار العلوم جدید :۴/۱۵۰، سوال:۱۶۳۱، کے تحت فرماتے ہیں کہ:

''بعد نقل عبارت شرح خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارات سے جوازِ نمازِ فوقِ مسجد معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے''(۱)۔

صورتِ مسئولہ میں اس فتوے سے گنجائش فرشِ مذکور پر نماز ادا کرنے کی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

۶......اگر اصل مسجد نچلا حصہ ہے اور اسی میں نماز پڑھنی ضروری ہے اور اس کو خالی چھوڑ کر اوپر کے فرش پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، تو چونکہ یہ حصہ پست ہونے کی وجہ سے تاریک بھی ہے، اس میں حبس بھی ہے اور دروازہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لئے غیر معروف بھی اور دوسری کئی دقتوں کے پیشِ نظر اس اصل مسجد کی پوری عمارت کو مٹی بھر کر ضائع اور بیکار کر دینا کیا درست ہے؟ یعنی اس سے وقتی ضرورتوں پر مصرف میں لانے کے لئے کارآمد اور باقی رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے، یا ناقابلِ استعمال اور بیکار بنا دینا ضروری ہے، یا پھر طوعاً وکرہاً اسی حصہ میں نماز ادا کرنا لازمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا اور اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲)، اسی پر قیاس کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے کہ ہر مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے، لہٰذا شدتِ گرما کے وقت مسجد کی چھت پر جا کر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے:

''الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مسجد کی دوسری منزل میں نماز پڑھنا کیسا ہے: ۴/۱۵۰، (رقم السوال: ۱۶۲۱)، إمدادیہ ملتان)

(۲) ''وتكره الصلاة على سطح الكعبة، لما فيه من ترك التعظيم''. (الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة ومايكره: ۱/۱۰۸، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الصلوة في الكعبة: ۲/۲۵۴، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كراهة الصلوة، فروع، ص: ۳۶۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

فوقه، إلا إذا ضاق المسجد، فحينئذٍ لايكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب".

عالمگیری: ٤/٩٤، ہندی(١)۔

لیکن صورتِ مسئولہ میں مسجد کی جو ہیئت بن چکی ہے، اس فرشِ مسجد کو مسجد کی چھت کا حکم نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس نئی عمارت کی جو چھت ہے، وہ سطحِ مسجد ہے اور سابقہ مسجد بمنزلۂ سرداب کے ہے جس کو مصالحِ مسجد کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے، سخت دھوپ اور لُو کے وقت میں وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لئے اس کو مٹی سے پُر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسجد تحت الثریٰ سے فوق الثریا تک مسجد ہی ہوتی ہے یعنی اس سے حق العبد منقطع ہوتا ہے، جیسا کہ البحر الرائق اور شامی وغیرہ میں تصریح ہے(٢)۔

جس طرح عامۂ مسجد کے دو حصہ ہوتے ہیں: ایک شتوی، ایک صیفی (مسقف اور صحن) اور دونوں حصوں میں حسبِ مصالح نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر مسجد کے دو حصے ہوں: ایک فوقانی، ایک تحتانی تو ان دونوں میں بھی نماز درست ہے(٣)، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ سطحِ مسجد پر چڑھنے کی وجہ سے

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ٣٢٢/٥، رشيديه)

"وحكى عن شمس الأئمة الحلواني: الصلوة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد ولم يجد موضعاً يصلي فيه، فلا بأس به".

(التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره: ٥٢٩/٥، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ٥٧٠/١، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ٦٥٦/١، سعيد)

(٢) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً؛ لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ٨]، بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٤٢١/٥، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٣٥٨/٤، سعيد)

(٣) "ويكره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلي؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (الهداية، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبله: ٦٠/٢، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ٦٠/٢، رشيديه) =

احترامِ مسجد باقی نہیں رہا، عرفاً اس کو سطح نہیں کہتے، بلکہ سطح تو اوپر والی منزل کی چھت ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاویٰ سے تو سطحِ مسجد پر بھی نماز میں کراہت معلوم نہیں ہوتی۔

امید ہے کہ آپ کے تمام سوالات کے جواب واضح ہو جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۸/۱۱/۱۳۹۹ھ۔

اختلافِ مکتبِ فکر کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال[۲۹۹۲]: دیو بندیوں کو بریلوی صاحبان بُرا بھلا کہتے ہیں، نیز اکابرِ علمائے دیو بند کو بُرا کہتے ہیں، مسجد میں نماز پڑھنے سے جھگڑے کا زبردست خطرہ ہے۔ کیا اس صورت میں دوسری مسجد بنا سکتے ہیں؟ دیو بندیوں نے ایک جگہ مسجد کے لئے مقرر بھی کر لی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری مسجد کی ضرورت بھی ہے اور اس میں جھگڑے سے بھی امن ہے تو دوسری مسجد بنالینا درست ہے، بلکہ قرینِ مصلحت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: وكره عبثه بثوبه الخ: ۱/۱۹۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، التوبة: ۱۰۷، دارالكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/۳۲۷، تاليفات اشرفيه، ملتان)

عاشورہ خانہ کو مسجد بنانا

سوال[۲۹۹۳]: ایک ہندو نے ممبری کے لئے مسلمانوں سے ووٹ مانگے اور اس کے عوض ایک عاشورہ خانہ بنوادیا تھا، اب گاؤں میں مسجد کی ضرورت ہے۔ تو اس عاشورہ خانہ کو مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہے تو مشورہ سے اس عاشورہ خانہ کو مسجد بنالینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

سڑک پر مسجد کی ڈاٹ اور دو منزلہ مسجد

سوال[۲۹۹۴]: مسجد واقع سبزی منڈی شاہجہاں پور میں تنگ ہونے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے، لہٰذا متولی مسجد واہل محلہ کی رائے ہوئی کہ مسجد دو منزلہ بنوائی جائے اور صحن بالا خانہ سڑک تک جانب پورب (۲) بنایا جائے، اس طریق سے مسجد میں توسیع ہو جائے گی اور نمازیوں کے واسطے خارج سڑک

---

(۱) "فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۱، رشيديه)

"رجل له ساحة لابناء فيها، أمَرَ قوماً أن يصلوا فيها بجماعة .... إن أمرهم بالصلوة فيها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فيها أبداً........ صارت الساحة مسجداً، لومات لايورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد: ۴۵۵/۲، رشديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ : ۲۹۰/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "پورب: مشرق"۔(نور اللغات، ص: ۸۶۳، فیروز سنز لاهور)

"مشرق، سورج نکلنے کی سمت دریائے گنگا کا مشرقی علاقہ"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاهور)

پر ڈاٹ لگانا جائز ہے(۱)، جب کہ چونگی اجازت دیدے، صرف ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنے کی اور زمین چونگی ہی کی ملک ہے اور راہگیروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، کیونکہ ڈاٹ زمین سے بارہ چودہ فٹ بلند ہوگی۔ نماز اس ڈاٹ پر جائز ہوگی یا نہیں اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اسی مسجد میں نالہ پر ڈاٹ بنانے کی اجازت دی جا چکی ہے اور اس پر بھی نماز ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سڑک پر ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنا صورتِ مسئولہ میں شرعاً درست ہے اور جب کہ صحنِ مسجد کے ساتھ یہ ڈاٹ متصل ہے اور صفوفِ مسجد وہاں تک متصل ہیں تو جماعت کا ثواب بھی ملے گا(۲)، لیکن یہ ڈاٹ مسجدِ شرعی کے حکم میں نہ ہوگی، کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک کسی کی ملک نہیں ہوتی، بلکہ محض للہ وقف ہوتی ہے(۳) اور یہاں ڈاٹ کے نیچے سڑک ہے جو چنگی کی ملک ہے۔ مقامی مصالح (مثلاً اندیشۂ فساد کسی غیر

---

(۱) "ڈاٹ: دوسری منزل میں جو تین چار فٹ چھت باہر نکلا ہوا ہوتا ہے"۔

(۲) "لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به، ليس بينهما طريق، فاقتدى به، صح اقتداؤه عندنا؛ لأنه إذا كان متصلاً به، صار تبعاً لسطح المسجد، وسطحُ المسجد له حكم المسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۷، سعيد)

"ولو قام على دكان خارج المسجد متصل بالمسجد، يجوز الاقتداء، لكن بشرط اتصال الصفوف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء، الخ: ۱/۸۸، رشيديه)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق، وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به .... وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً ينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

مذہبی جلوس کے گذرنے کے وقت) کا مشورہ ارباب حل وعقد اور وہاں کے تجربہ کار مدبروں اور علماء سے موقع دکھلا کرلیا جائے۔

دومنزل مسجد بنا کر عام طور پر نیچے کا حصہ بیکار کردیا جاتا ہے، معمولی سی گرمی کو بہانہ بنالیا جاتا ہے، صرف اوپر کے حصہ پر نماز ہوتی ہے، حالانکہ اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ بھی ہے، اس لئے ایسی حالت میں دومنزلہ مسجد بنانا مناسب نہیں۔ہاں! اگر بالاصالۃ مسجد کے نیچے کے حصہ میں جماعت ہو اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے مقتدی چھت پر کھڑے ہوجائیں تو شرعاً یہ جائز ہے اور اس سہولت کے لئے دو منزل مسجد بنانے یا مسجد کی چھت پر سائبان ڈالنے میں مضائقہ نہیں، مگر سہارنپور میں تو یہی مشاہدہ ہے کہ نیچے کا حصہ اکثر بیکار رہتا ہے:

"وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، اه".

درمختار۔ قال الشامي: "ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد، اه. ويلزمه كراهة الصلوة أيضاً فوقه، فليتأمل. (قوله: لأنه مسجد) علة الكراهة ماذُكر فوقه. قال الزيلعي: ولهذا يصح اقتداء مَن على سطح المسجد بمن فيه إذا لم يتقدم على الإمام. (قوله: إلى عنان السماء) وكذا إلى تحت الثرىٰ، اه". ردالمحتار: ۱/۶۸۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، عفی عنہ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/رجب/۵۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهذا إذا اشتدّ الحر، يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه، إلا إذا ضاق المسجد، فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

"قوله: (والوطء فوقه والبول والتخلي): أى وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۰، رشيديه) =

محلہ میں مسجد تعمیر ہونے کے بعد نماز کہاں ادا کی جائے؟

سوال[۶۹۹۵]: شیخ انصاریوں نے مسجد کا سلسلہ قائم کیا اور بنیاد کھود دی گئی اور پھر سب لوگوں نے چندہ دیا اور تمام مسلم اس وقت پر جدوجہد کرتے رہے کہ مسجد تیار ہو جائے، لیکن ہم لوگوں کی بدقسمتی کہ تیار تو کر نہ سکے البتہ جھگڑا ضرور کرلیا۔ برادرانِ جھوجھہ تقریباً کا شتکار ہیں، اگر وہ اس میں نماز پڑھنے آتے ہیں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں، اور مسجد کے قریب زیادہ تر برادرانِ جھوجھہ ہی ہیں اور کم برادران انصاری ہیں۔

یہ لوگ مسجد پر کوئی توجہ بھی نہیں دیتے، نماز کا اہتمام بھی نہیں کرتے، اذان بھی کبھی وقت پر نہیں ہوتی، کبھی کبھی جماعت بھی نہیں ہوتی ہے۔ اگر ان کو بطورِ مشورہ کے کہا جاتا ہے تو جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ہے۔ تقریباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ اس میں نماز شروع کردی تھی۔ ہم کو اس بات کا خوف ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں۔ اگر کوئی ان کی برادری سے الگ کا انسان ان کو مسجد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے ایک بیٹھک بنادی ہے اور حقہ بھر کر رکھ دیا ہے، بس جس کی سمجھ میں آئے پیئے نہ پیئے، ہم تو کہنے کے لئے نہیں جائیں گے۔

براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کا رہنا اس کے قریب ہے، ورنہ ہماری مسجد دوسری ہے جو ہمارے بڑوں کی تھی، اب ہم کو محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم ہے یا مسجدِ سابق میں؟ اور یہ سب باتیں مسجد میں پیش آئی ہیں۔ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدِ محلہ کا آباد رکھنا لازم ہے، اس کو ویران چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے(۱)۔ مسجد کسی کی ذاتی مِلک

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱۴۴/۱، شركة علميه ملتان)

(۱) "رجل صلى في المسجد الجامع لكثرة الجمع لايصلي في مسجد حيه، فإنه يصلي في مسجد منزله. وإن كان قومه أقل، ولم يكن في مسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إلى مسجد منزله ويؤذن فيه ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدي حقه .... قالوا: يؤذن هو ويقيم ويصلي وحده، ذلك أحب من أن يصلي في مسجد آخر". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۶۷/۱، رشيديه) .... =

نہیں(۱)، ہر مسلمان کو اس میں نماز پڑھنے کا حق ہے، لیکن وہ جھگڑا نہ کریں نماز پڑھنے دیں(۲) تو پھر دوسری مسجد میں جا کر پڑھ لیا کریں، جھگڑا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۶/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل السادس والعشرون في المسجد: ۱/۲۲۸، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ الاية (الجن: ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): اى لايكون مملوكاً لصاحبه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۱/۳۵۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الأية العموم في كل مانع وفي كل مسجد، وخصوص السبب لايمنعه .... ﴿وسعى في خرابها﴾: اى هدمها وتعطيلها". (روح المعاني: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، (البقرة: ۱۱۴)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

الفصل الثانی فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

مسجدِ ضرار

سوال[۶۹۹۶]: ایک مسجد نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے تعمیر کی گئی تھی، پھر کسی مصلحت کی وجہ سے مثلاً یہ مسجد محلہ سے ایک طرف ہے، یا پانی وغیرہ کا انتظام وہاں نہیں، یا اور کوئی صورت پیش آئے اور پہلی جگہ سے دوسری جگہ باتفاقِ اہلِ محلہ اس مسجد کے چھپر یا اینٹ وغیرہ کو منتقل کردیا۔ اب اس دوسری مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اس کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس دوسری مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق آئے گی یا نہیں اور مسجد منتقل کرنا کیسا ہے؟

طبیب الدین، متعلم مدرسہ، ۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قیل: کل مسجد بنی مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". مدارك: ۲/ ۱۱۱ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد سے مقصود ریا وسمعۃ یا اور کوئی خلاف شرع امر ہو، یا غیر طیب مال سے بنائی جائے، مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور سوال میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں کیا گیا جس سے اس مسجد کو مسجد ضرار کے

---

(۱) (تفسير المدارك: ۱/ ۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً وسمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحقٌ بمسجد الضرار". (الكشاف: ۲/ ۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/ ۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

حکم میں داخل کیا جائے۔ سو مسجدِ ثانی کا حکم تو یہ ہے کہ اگر وہ باقاعدہ مسجد بن گئی اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو اس میں نماز درست ہے، اس کا احترام ضروری ہے، کوئی کام اس میں احترامِ مسجد کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیونکہ جو مسجد کہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے:

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك عند الإمام، ولا يعار و لا يرهن"(۱)۔ "ولو خرب ماحوله، واستغنى عنه، يبقىٰ مسجداً عند الإمام والثانى، وبه يفتى، اهـ". تنوير: ۳/۵۷۲(۲)۔

مسجد کا منتقل کرنا بھی ایک مسجد کی جگہ کے عوض دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے لینا جائز نہیں:

"لوكان مسجدٌ فى محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله فى داره، ويعطيهم مكاناً عوضاً ماهو خيرله، فيسع فيه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك، كذا فى الذخيرة،

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: لم يجز بيعه و لاتمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليك، فلما بيّنّا من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث و لا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۴، رشيديه)

"إذا خرب و ليس له ما يعمر به، و قد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية، أو لم يخرب لكن خربت القرية، ينقل أهلها أو استغنوا عنه، فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا فى الحاوى القدسى". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

اھ". عالمگیری: ۲/۱۰۳۱(۱)۔

اور مسجد اول کا سامان نقل کرنا مسجدِ ثانی کی طرف جب تک کہ مسجدِ اول آباد ہے ناجائز ہے (۲)، ہاں! اگر ایسی صورت ہو جائے کہ مسجد اول بالکل غیر آباد ہو جائے اور کوئی اس میں نماز پڑھنے والا موجود نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ مسجد کا سامان دوسرے لوگ اٹھا کر لیجائیں گے، تب البتہ اس سامان کو مسجد ثانی میں لا کر لگا دینا شرعاً درست ہے، کذا فی رد المحتار: ۱/۵۷۵ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/۵۵ھ۔

ذاتی اغراض کی وجہ سے قدیم آباد مسجد کو مسجد ضرار کہہ کر ویران کرنا

سوال [۶۹۹۷]: ایک مسجد بہت مدت سے آباد ہے، متولی مسجد نے اغراض و مقاصد کی وجہ سے

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

"ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله و لا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخل هو داره، و يعطيهم مكانه عوضاً من داره ما هو خيرٌ له، أيسع لأهل المسجد ذلك؟ قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(قوله: عند الإمام الثاني) قال: لايعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوی القدسی". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۳) "سئل شيخ الإسلام عن أهل القرية رحلوا و تداعى مسجدها إلى الخراب، و بعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرف إلى بعض المساجد، أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

اس مسجد کو توڑ کر ۱۰۰/قدم، یا ۱۰۰۰/قدم پر ایک دوسری مسجد بنوائی۔ آیا اس طرح مسجد قدیم کو ویران کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شخص مذکور ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾(۱) کی وعید میں داخل ہوگا یا نہیں؟

آیت کریمہ ﴿اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ کے تحت میں تفسیر کبیر: ۴/۵۱۷ میں ہے:

"قال الواحدي: قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ومجاهد وقتادة وعامة أهل التفسير: ﴿الذين اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ كانوا اثني عشر رجلاً من المنافقين، بنَوا مسجداً يضارّون به مسجد قباء"(۲)۔

تفسیر احمدی، ص: ۴۷۸ میں ہے:

"قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه"(۳)۔

اس تفسیر کے مطابق آیا وہ مسجد ضرار میں داخل ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسجد کہ شرعاً مسجد بن چکی ہو اس کو بلا ضرورتِ شدیدہ منہدم کرنا جائز نہیں (۴) اور ضرورتِ شدیدہ مثلاً تنگی و کہنگی (پرانی ہونے) کی وجہ سے توڑ کر از سرِ نو تعمیر کرنا جائز ہے (۵)، لیکن ویران کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں:

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) (التفسير الكبير: ۱۶/۱۹۳، (التوبة: ۱۰۷)، دارالكتب العلمية طهران)

(۳) (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۴) "وأما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۵) "مسجدٌ مبني، أراد رجلٌ أن ينقضه و يبنيه أحكَم، ليس له ذلك؛ لأنه لا و لاية له، إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، وتأويله أن لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهلها فلهم أن يهدموه ويجدّدوا بناءه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد) .... =

لقوله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾۔ قال البيضاوي تحت قوله: ﴿في خرابها﴾: "بالهدم أوالتعطيل". البيضاوي(۱)۔

تفسیر مدارک التنزیل،ص:۲۶۰، میں ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لا حق مسجد الضرار"(۲)۔

بنابریں اگر متولی نے واقعی اغراضِ دنیویہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنوائی ہے اور پہلی مسجد کو ویران کرنا مقصود تھا اور للّٰہیت مقصود نہ تھی تو یہ مسجد ضرار کے ساتھ لاحق ہے۔ البتہ اگر وہ مسجد مالِ حلال سے بنائی گئی ہے اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو نماز پڑھنا اس میں درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۳ھ۔

نئی مسجد، مسجد ضرار نہیں

سوال[۶۹۹۸]: کرنٹاڑ بشلا میں ایک مکان کے ساتھ ۸،۹/ہاتھ کے فاصلہ پر شمال جانب ایک مسجد پھونس کی محلہ کے لوگ بنا کر اس میں تقریباً ۲۸،۲۹/سال سے نماز جمعہ و جماعت ادا کرتے تھے اور مسجد کی جانب شمال مشرقی میں ایک عام بیٹھک گھر بھی ہے جو اس صورت پر ہے، جہاں دن رات اکثر عوام وخواص کا ہجوم رہتا ہے۔ مصلیانِ مسجد بوقتِ نماز وقتی اور جمعہ اکثر ہجوم کے شور وغل سے پریشان رہتے تھے اور اکثر اوقات

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۴۵۷/۲، رشيديه)

(۱) (تفسير البيضاوي (البقرة: ۱۱۴)، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه)

(۲) (مدارك التنزيل: ۵۱۹/۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۳۱۰/۲، (التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مستورات کی آوازیں بھی پہونچ جایا کرتی تھی جس کی وجہ سے خطرات وتفکرات پیدا ہوتے تھے۔ لہٰذا اکثر نمازیوں کی دلی خواہش تھی کہ اس ضرر کوکسی طرح دفع کرنا چاہئے۔

اسی اثناء میں ایک متولی صاحب نے ایک مسجد ٹین سے بنوانے کا شوق ظاہر کیا تو تمام نمازیوں اور مقتدیوں، متولیوں نے مسجد کے لئے بصد خوشی ایک جگہ تقریباً ۴۵، ۴۰/ گز فاصلہ پر مسجد مذکورہ سے مشرق کی جانب متعین کردی۔ متولی مذکورہ نے اس متعینہ جگہ پر ایک مسجد مٹی کی دیوار اور ٹین کی چھت لوجہ اللہ تیار کردی، اور محلّہ کے تمام نمازی باتفاقِ رائے اس میں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نماز باجماعت اکتالیس ۴۱/ سال سے بلاشک وشبہ پڑھتے ہیں اور وہ پھونس کی مسجد آہستہ آہستہ منہدم یعنی ٹوٹ پھوٹ گئی اور کوئی چیز اس کی نہ تو کہیں منتقل ہوئی اور نہ استعمال کی گئی۔ اس کے بعد مالکِ جگہ نے تقریباً ۱۵/ سال کے بعد ایک بیٹھک گھر ۳۴، ۳۵/ ہاتھ تیار کردیا، عام طور پر اس کو استعمال کرتے ہیں۔

فی الحال کوئی عالم صاحب کہتے ہیں جو مسجد بنائی گئی وہ مسجد ضرار ہے، لہٰذا وہ مذکورہ پھونس کی مسجد کی جگہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر محلّہ کے نمازی دوفریق ہوکر ایک فریق مسجد منتقلہ میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، دوسرا فریق اسی گھر میں آج تین چار مہینہ سے نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب اس میں سے کون مسجد ضرار ہوگی؟ بینوا توجروا۔

احمد علی، مقام ژاڑبشلا، پوسٹ ہنڈواباڑی، ضلع رنگ پور۔

الجواب حامداًومصلياً:

دوسری مسجد جب کہ ضرورت مذکورہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے اور مالکِ زمین نے بخوشی وہ جگہ مسجد کے لئے دیدی اور اس پر باقاعدہ نماز وجماعت ہونے لگی اور مالکِ اصلی کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رہا تو وہ شرعی مسجد بن گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں (۱)، لہٰذا اس میں نماز وجماعت بلاشبہ درست ہے۔ اگر جمعہ کے شرائط اس

---

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفى ملتقط الناصرى: وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقرّ بلسانه أنه مسجد، لايباع، ولا يوهب، ولا يرهن، ولا يورث .... وقال: أبويوسف: يصير مسجداً بقوله: جعلتُه مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادى والعشرون فى المساجد: ۸۳۹/۵، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچى)

بستی میں پائے جاتے ہیں تو جمعہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں (۱)۔ پہلی مسجد بھی جب کہ باقاعدہ مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہے، منہدم ہوجانے اور ٹوٹ جانے سے بھی وہ مسجد ہی رہے گی (۲)۔

بہتر یہ تھا کہ ضرورتِ مذکورہ کی وجہ سے دوسری مسجد نہ بناتے، بلکہ شور وغل وغیرہ جو نماز میں مخل ہوتا اس کو دفع کرنے کا کوئی اچھا انتظام کردیتے، تاہم جب دوسری مسجد بن گئی تو دونوں کو آباد رکھنا چاہئے، قصداً کسی مسجد کو چھوڑنا اور غیر آباد کرنا جائز نہیں (۳)۔

اگر پہلی مسجد بالکل گرگئی اور اس کو درست کرنے کی گنجائش نہیں اور غیر آباد ہے، کسی صورت سے اس کو آباد نہیں کیا جاسکتا ہے تو اس کا ایک احاطہ بنا کر اس کو محفوظ کردیا جائے اور اس کا وہی احترام کیا جائے جو کہ ایک مسجد کا شریعت نے بتایا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

نزاع سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا، کیا وہ مسجد ضرار ہے؟

سوال [۶۹۹۹]: ایک مسجد میں کچھ نزاع کی بنا پر نمازیوں میں اختلاف ہوگیا اور دو مسجدیں بن گئیں، ایک مسجد والوں نے اپنے ہم خیال بدعتی عالم کو بلوا کر تخریبِ اذہان کی صورت شروع کردی۔ بعض ان

---

(۱) "و يشترط لصحتها سبعة أشياء : الأول المصر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعىٰ في خرابها﴾ (سورة البقرة : ۱۱۴)

(۴) (راجع رقم الحاشية : ۲)

میں صلح پسند، دیوبندی خیال رکھنے والے لوگ ہیں، جو اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ تو کیا ان صلح پسندوں کے لئے یہ گنجائش ہے کہ ایک مستقل مسجد بنالیں اور اسے مسجد ضرار تو نہ کہیں گے؟ یہاں کے بعض عالم وہی بدعتی خیال اس کو مسجد ضرار کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ویسے تو افرادِ امت کا جھگڑا بہت برا ہے، لیکن اگر نزاع کی بنیاد اس قسم کی چیز ہے جو صورت مسئولہ میں مذکور ہے اور پھر جھگڑے کو فرو کرنے کے لئے برطرفی اختیار کر لی جائے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ صلح پسند لوگوں نے جس مسجد کے بنانے کا ارادہ کیا ہے ان کا مقصد تخریبِ اذہان کے فتنے سے بچنا ہے، اس مسجد کو مسجد ضرار کہنا بہت برا ہے (۲)۔

قرآن پاک میں جس کو مسجد ضرار کہا گیا ہے اول تو اُسے مسجد کہنا ان کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا (۳)، ورنہ فی الحقیقت وہ دشمنانِ خدا ورسول کا اڈہ تھا اور پھر نصِ قرآنی یہ بتلارہی ہے کہ مسجد بنانے کا باعث چار چیزیں تھیں: مؤمنین کو نقصان پہونچانے کا تصور اور خود بنانے والوں کا کافر ہونا اور مؤمنین کے درمیان تفریق پیدا کرنا اور دشمنانِ خدا ورسول کے لئے مواد فراہم کرنا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿والذين اتخذوا مسجداً ضراراً، وكفراً، وتفريقاً بين المؤمنين وإرصاداً لمن حارب الله و رسوله من قبل﴾ (٤)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسّموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۰/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾. (الحجرات: ۱۲)

(۳) "کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا" مطلب یہ نہیں کہ مسجد کا نام "ضرار" ہی کفار نے رکھا تھا، کیونکہ ضرار تو قرآن پاک نے کہا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو "مسجد" کہنا ہی کفار نے شروع کیا تھا، ورنہ درحقیقت وہ مسجد تھی ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک سازش گاہ تھی۔ (ابوالحسنات فضلِ مولیٰ ابن القاضی)

(۴) (سورة التوبة: ۱۰۷)

اوران لوگوں نے جس مسجد کو بنانے کا ارادہ کیا ہے، یہ چیزیں اس کے لئے بنیاد نہیں، لہٰذا اُسے مسجد ضرار کہنا مسجد ضرار کی حقیقت سے ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

بلاضرورت دوسری مسجد بنائی گئی، تو کیا وہ مسجدِ ضرار ہے؟

سوال[۷۰۰۰]: ایک مسجد جس میں صلوۃ پنجگانہ اور جمعہ ہوتا ہے، متصل مکان زید ہے اور زید فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے، اس لئے لوگوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی اور ایک دوسری جدید مسجد کی تعمیر کی اوراس میں نماز پڑھنے لگے۔ بس اب یہ مسجد مسجد ضرار کے حکم میں ہوگئی یا نہیں، اگر نہیں تو مسجد جدید میں نماز ہوگی یانہیں اور وہ لوگ گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

وزیر احمد، بسال، بنگال۔

الجواب حامداًومصلياً:

محض ایک شخص کے فسق وفجور کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا اوراس میں جمعہ قائم کرنا جس سے پہلی مسجد ویران ہوجائے شرعاً درست نہیں (۱)، البتہ فتنہ وفساد کے خوف سے دوسری مسجد بنائی گئی تو شرعاً عذر ہے (۲)،

---

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

"وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبه: ۱۰۷)، دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير معالم التنزيل للبغوي: ۲/۳۲۷، إداره تاليفات رشيديه ملتان)

(۲) "يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۶۲، رشيديه)

"وفي الحاوي: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول =

تاہم اگر مسجد جدید باقاعدہ مسجد بن چکی ہے تو اس میں جمعہ وغیرہ درست ہے اور اس کو مسجد ضرار کا حکم دیکر اس میں نماز کو ناجائز کہنا، یا اس کو منہدم کرنا قطعاً درست نہیں (۱) اور مسجد قدیم کی آبادی بھی حتی الوسع لازم ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۹/۷/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/رجب/۵۳ھ۔

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۰۱]: ہمارے موضع کے چند شر پسند افراد چند خیر پسند اور خادمانِ دین کے راستے میں برابر رکاوٹ ڈالتے رہے اور ان خادمانِ دین پر- جنہوں نے اس علاقہ میں ایک مدرسہ اسلامیہ بھی قائم کیا ہو ان کے خلاف- برابر ریشہ دوانی کرتے رہے ہیں۔اور ۱۳/رمضان/ ۱۳۹۸ھ کو ان شر پسند افراد نے ان خیر پسند لوگوں پر اچانک حملہ کر دیا جب کہ وہ لوگ نمازِ مغرب ادا کرنے کے لئے جارہے تھے، اور وہ لوگ گولیوں

= وینتفعوا بثمنه فی الذی یبنونه . قال الفقیه: هذا الجواب علی قول محمد، وعلی قول أبی یوسف: لایجوز بیع المسجد بحال". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۸/۵، إدارة القرآن کراچی)

"فی فتاویٰ الحجة: لوصار احد المسجدین قدیماً وتداعی إلی الخراب فأراد أهل السکة بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید، فإنه لایجوز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

(۱) "وأما لو تمت المسجدیة، ثم أراد هدم ذلک البناء، فإنه لایمکن من ذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ : ﴿إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الأخر، وأقام الصلوة، وآتی الزکوة، ولم یخش إلا الله، فعسی أولئک أن یکونوا من المهتدین﴾. (سورة التوبة: ۱۸)

"وروی الترمذی عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد، فاشهدوا له بالإیمان". (تفسیر القرطبی، (سورة التوبة: ۱۸): ۹۰/۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

اورلاٹھیوں سے مسلح تھے۔اس لئے ان خیر پسند افراد کی جان کا خطرہ ہوگیا تھا، اس لئے ان لوگوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کرائی۔

چنانچہ انہیں لوگوں نے جنہوں نے اس حملہ کے بعد یہ نئی مسجد تعمیر کرائی ہے، مورخہ ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۰۱ھ کو ایک جلسہ سیرۃ النبی منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا مفتی محمد واصف صاحب اور حضرت مولانا بلال اصغر صاحب اور حضرت مولانا رشید الوحیدی صاحب اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولانا حافظ اکرام الٰہی صاحب نے شرکت کی۔ اس کے بعد بغیر کسی اعلان کے وہ لوگ اسی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے چلے گئے جہاں پر ان خیر پسند لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا، جب کہ دوسری جدید مسجد اس وقت دو آدمی نمازِ جمعہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد لوگوں نے یہ مشہور کردیا کہ مسجدِ جدید ناجائز ہے، اس لئے ان علماء حضرات نے اس مسجد میں نمازِ جمعہ ادا نہیں کی۔

اس کے بعد لوگوں نے حضرت مولانا بلال اصغر صاحب سے گفتگو کی تو موصوف نے ہمارے اس فعل یعنی جدید مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کو قطعاً ناجائز بتلایا، ہم نے معافی طلب کرتے ہوئے ان سے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی پیروی میں ایسا کیا ہے۔ تو اس پر موصوف نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس لئے بیت اللہ شریف کو چھوڑا تھا کہ اس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اس بات پر کافی مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور مسلمانوں نے عالم کے ادب میں خاموشی اختیار کرلی۔

ہم لوگ جلسہ کے انتظام میں لگے ہوئے تھے اس لئے کسی حقیقت کا انکشاف نہ کرسکے۔ اس لئے اس بات کو بیان کرتے ہوئے ہم حضرت والا سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اگر علماء کی نظر میں یہ مسجد جدید ناجائز ہے تو پھر اس کو منکشف کیجئے کہ ہم اس مسجد کے ساتھ کیا برتاؤ کریں، کیا اس پھوس پرال (۱) سے بنی ہوئی مسجد کو آگ لگادیں اور اس دین کو جب جان کا خطرہ ہونے کے باوجود کسی عذر کے قبول کرنے کی گنجائش نہ ہو — العیاذ باللہ — الوداع کہہ دیں؟

---

(۱) ''پھوس: وہ لمبی گھاس جس کا چھپر بناتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۱۹، فیروز سنز، لاهور)

''پَرال: بھس، نالی، بچھالی، دھان کے پودوں کی نالی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۸، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ کی خوشنودی کے لئے بنانا بہت اجر وثواب کا کام ہے(۱)، آپ کی ناراضگی کی وجہ سے، یا ایک مسجد کو ویران کرنے کے لئے دوسری مسجد بنانا شرعاً مذموم اور ناپسند ہے(۲)، لیکن اگر مسجد بنالی گئی اور وقف کردی گئی تو اس کو بھی آباد رکھنے کی ضرورت ہے، نہ اس میں آگ لگائیں، نہ ویران کریں (۳)۔

جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں اور وہاں متعدد جگہ جمع ہوتا ہو اور باہر سے آنے والے علماء بڑی مسجد میں جمعہ ادا کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے دوسری مسجد کو شرعی مسجد نہیں سمجھا، یا دوسری جگہ جمعہ کو ناجائز قرار دیا۔ ''دین کو الوداع'' کہنے کا لفظ نہایت سخت ہے، ہرگز ہرگز ایسا لفظ زبان سے نہ کہا جائے، نہ قلم سے لکھا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "أنه سمع عثمان ابن عفان رضي الله تعالیٰ عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنیٰ مسجد الرسول صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: إنكم أكثرتم وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من بنیٰ مسجداً .... بنی الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري: ۱/۶۴، كتاب الصلوة، باب من بنی مسجداً، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنى لله مسجداً، ص: ۵۴، قديمی)

(۲) "قيل: كل مسجد بنی مباهاةً أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحقٌ بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۲۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمی)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربی، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير احمدی، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۳) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۴) "ومن قال: أنا بريئ من الإسلام، قيل: يكفر". (شرح الفقه الأكبر للملا علی القاری، ص: ۱۸۴، قديمی)

خاندانی اعزاز کے لئے بلاضرورت مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۲]: ۱......ایک ایسے آدمی نے کہ جن کو نہ خود نماز کی پرواہ اور نہ جماعت کی، نہ داڑھی سنت کے مطابق بلکہ غیر شرعی، اپنی ایک افتادہ مختصر زمین مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے خاندان کے لوگوں میں وقف کردی، مگر اس کے باوجود محض اپنی امتیازی حیثیت کے پیشِ نظر مستقل مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے ہی نام سے درخواست بھی دیدی، اوران کے خاندان کے لوگ اپنی خاندانی حیثیت وامتیاز کے پیش نظر اپنے ہی لوگوں میں چندہ فراہم کر کے تعمیر کریں۔ پھر اپنے خاندانی اعزاز کے پیش نظر اسے آباد کریں جب کہ اس خاندان کے افراد محلّہ کی قدیمی مسجد کے مستقل مصلی ہیں اور محلّہ کی قدیمی مسجد کے اہتمام کے پیش نظر اذان واقامت بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کے ہٹنے سے یقین ہے کہ قدیمی مسجد غیر آباد ہو جائے گی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ محلّہ کی قدیمی مسجد کو غیر آباد کر کے محض اپنے خاندانی اعزاز میں الگ مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲......پھر قدیمی مسجد سے منتقلی دریں صورتِ مذکورہ بالا شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

۳......محلّہ کی قدیمی مسجد کی امداد واعانت روک کر محض اپنے خاندانی اعزاز میں دوسری مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۴......محلّہ کی قدیمی مسجد کافی مقروض ہے اس کی ادائیگی کا لحاظ وخیال کئے بغیر دوسری مسجد کی تعمیر شرعاً کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱-۴......مسجد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بنائی جائے تو اس میں اجر عظیم ہے(۱)، کسی دوسری غرض

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من بنیٰ مسجداً یذکر فیه اسم اللہ، بنی اللہ له بیتاً فی الجنة". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنی لله مسجداً، ص: ۵۴، میر محمد کتب خانه)

"انه سمع عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عند یقول عن قول الناس فیه حین بنی مسجد الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: إنکم اکثرتم وإنی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم =

کے لئے بنائی جائے تو وہ مقبول نہیں۔ اس طرح پر ایسی جگہ بنانا جس سے قدیم مسجد کو ضرر پہونچے، ممنوع ہے جس مسجد کے ذمہ قرض ہے اس کی ادائیگی کی فکر مقدم ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لا حق بمسجد الضرار. وعن شقيق أنه لم يدرك الصلوة في مسجد بني عامر، فقيل له: مسجد بني فلان لم يصلوا فيه بعد، فقال: لاأحب أن أصلي فيه، فإنه بني على ضرار، وكل مسجد بني على ضرار أو رياءً وسمعةً، فإن أصله ينتهي إلى المسجد الذي بني ضراراً. وعن عطاء: لمّا فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". كشاف: ١/٥٦٨(١)۔

اگر نئی مسجد ابھی نہیں بنائی گئی ہے تو اعتراض مذکورہ سوال کی خاطر ہرگز نہ بنائی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

جدید مسجد بنانا جس سے قدیم مسجد کو نقصان پہونچے

سوال[۷۰۰۳]: ایک صاحب نے اپنی افتادہ زمین مسجد کی تعمیر کے لئے وقف کی، اور موصوف

= يقول: "من بنى مسجداً .... بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري: ١/٦٤، كتاب الصلوة، باب من بنى مسجداً، قديمي)

"والأصح أنه إن لم يكن له بدّ منه، يرفع الأمر إلى القاضي، حتى يأمر بالاستدانة، كذا قال الفقيه رحمه الله تعالىٰ، ثم يرجع في الغلة، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ: ٢/٤٢٤، رشيديه)

(١) (الكشاف: ٢/٣١٠، (سورة التوبة: ١٠٧)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التوبة :١٠٧): ١١/٢١، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في مدارك التنزيل للبغوي، سورة التوبة: ٢/٣٢٧، اداره تاليفات رشيديه ملتان)

(وكذا في تفسير أحمدي، ص:٤٧٨، حقانيه پشاور)

کے خاندان میں سے بعض افراد نے اپنے طور پر اینٹیں خرید کر موقوفہ زمین کی احاطہ بندی کے لئے اینٹیں وقف کردی ہیں، مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں ہوئی۔ اس جدید مسجد کی تعمیر سے محلّہ کی قدیم مسجد کو بایں طور ضرر پہونچ جانے کا قوی امکان ہے۔

۱...... یہ کہ واقف خاندان کے تقریباً تمام حضرات محلّہ کی قدیم مسجد کے متصل مقیم ہیں، بلکہ قدیم مسجد کے نظم ونسق کے ذمہ دار بھی ہیں اور باضابطہ متولی ہیں اور وقتاً فوقتاً اذان واقامت کے امور بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ نئی مسجد کی تعمیر کے بعد یہ تمام حضرات قدیم مسجد سے منتقل ہوجائیں گے اور محلّہ کی قدیم مسجد غیر آباد ہوجائے گی۔

۲......محلّہ کی قدیم مسجد وجدید تعمیرات کے باعث کافی مقروض ہے، اور تاہنوز اس کی تعمیر وتوسیع نامکمل ہے۔ اس جدید مسجد کی تعمیر کی وجہ سے قدیم مسجد کے لئے یہ رکاوٹ ہے۔ تو اس حالت میں جدید مسجد کا کیا حکم ہے، تعمیر ہونی چاہئے یا تعمیر روک دینی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں پہلے سے مسجد موجود ہے اور نمازیوں کے لئے کافی ہے تو دوسری مسجد بنانا بلاضرورت قرینِ دانشمندی نہیں ہے (۱)، اس سے پہلے مسجد کے نمازی بھی تقسیم ہوکر کم ہوجائیں گے، اخراجاتِ تعمیر مستقل ہوں گے، پھر اس کے آباد رکھنے کے بھی مصارف درکار ہوں گے، قدیم وجدید مسجدوں کو پوری طرح آباد رکھنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس ضمن میں نئی مسجد تعمیر نہ کی جائے، بلکہ دیگر مکانات، دوکانیں وغیرہ بنا کر قدیم مسجد میں اس کو صرف کیا جائے تاکہ وقف بھی رہے اور اس کی آمدنی مسجد کے لئے صرف ہو (۲)۔ محض

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه) .... =

زمین دیدینے سے ابھی وہ مسجد نہیں بنی (۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نافذ فرمایا تھا کہ ایک مقام پر اس طرح دو مسجدیں نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہونچے (۲)، اگر دوسری مسجد کی ضرورت ہو تو پھر وہاں مسجد بنائی جائے (۳)، اگر ضرورت نہ ہو اور پھر بھی مسجد بنائی جائے تو نماز بہر صورت درست ہو جائے گی اور مسجد کی نماز کا ثواب مل

= (وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

(۱) "وعندهما لا یصیر مسجداً بمجرد البناء ما لم یوجد القبض والتسلیم". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادی والعشرون فی المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالیٰ الأمصار علی ید عمر رضی الله تعالیٰ عنه، أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لایتخذوا فی مدینة مسجدین یضارّ أحدهما صاحبه". (الکشاف: ۲/۳۱۰، (سورة توبه: ۱۰۷)، دارالکتاب العربی بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۱۱/۲۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن یتخذ المسجد فی الدور، وأن تطیب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهیر المساجد وتطیبها، ص: ۵۵، میر محمد کتب خانه)

"یجوز لأهل المحلة أن یجعلوا المسجد الواحد مسجدین". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۲/۶۲، رشیدیه)

"وفی الحاوی: سئل أبوبکر عن قوم ضاق مسجدهم، فبنوا مسجداً آخر، قال: یبیعون الأول وینتفعون بثمنه فی الذی یبنونه. قال الفقیه: هذا الجواب علی قول محمد، وعلی قول أبی یوسف لایجوز بیع المسجد بحال". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۸، إدارة القرآن کراچی)

"فی فتاویٰ الحجة: لوصار أحد المسجدین قدیماً وتداعی إلی الخراب، فأراد أهل السکة بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید، فإنه لایجوز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۲/۴۵۸، رشیدیه)

جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۸۹ھ۔

ایک مسجد کی ضد میں دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۴]: مسجد کے بنوانے والے سابقہ امام متولی کے ساتھ قبل ازیں تعمیر مسجد جعل سازی کرکے قید اور جرمانہ کا مستوجب ہوا تھا یعنی اس وقت مسجد کے تعمیر کی وجہ صرف امام مسجد متولی کے ساتھ بدلہ لینے کی ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایک مسجد ضرورت کے موافق موجود ہے اور دوسری محض ضد کی وجہ سے بناتا ہے تو یہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پرانی مسجد کو چھوڑ کر مقابلہ میں نئی مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۵]: یہاں پر ایک پرانی جامع مسجد تھی، عوام الناس نے ملکر اس کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ۱۲/گز کے فاصلہ پر عمدہ جامع مسجد بنائی، درمیان پرانی جامع مسجد کے اور نئی کے صرف سڑک ہے جو تقریباً

---

(۱) "وعن عطاء: لمّا فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، و أن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، و لم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، (سورة التوبة: ۱۰۷)، حقانيه پشاور)

"وقيل: كل مسجد بُني مباهاةً، أو رياءً وسمعة، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل: ۱/۵۱۹، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

۱۲/گز کی ہوگی، سڑک سے بائیں جانب پرانی مسجد ہے اور داہنی طرف نئی جامع مسجد ہے۔ تقریباً ۹/ برس تک نئی جامع مسجد میں نماز ہو چکی ہے، اس وقت بعض علماء نے فتوی دیا کہ نئی مسجد مسجد نہیں ہے، پرانی جامع مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے۔ اس لئے لوگوں نے یعنی عوام الناس نے اس نئی مسجد کو چھوڑ کر پھر دوبارہ جامع مسجد میں نماز پڑھنا شروع کر دیا۔

شرعاً کوئی ایسی وجہ نہ تھی کہ پرانی مسجد کو چھوڑیں، مثلاً جگہ بھی تھی، یعنی مسجد کے پیچھے جگہ مسجد کے لئے تھی، گو داہنی جانب سڑک تھی اور بائیں طرف کسی کا گھر تھا اور سامنے اور پیچھے جگہ تھی۔ جب پرانی مسجد میں نماز دوبارہ پڑھنی شروع ہوئی تو بعض عالموں نے فتویٰ دیا کہ مسجد نئی اتفاق سے بنی ہوئی ہے، یہی مسجد ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔

پرانی مسجد کے جائز کرنے والوں نے عالمگیری:۲/۴۴۳: "متولی مسجد جعل منزلاً موقوفاً علی المسجد، وصلی الناس فیه سنین، ثم ترك الناس الصلوة فیه، فأعید منزلاً، جاز؛ لأنه لم یصح جعل المتولی إیاہ مسجداً"(۱) دکھلایا تو اس کے جواب میں نئی مسجد کے جائز کرنے والوں نے جواب دیا کہ یہ مسجد کے وقف میں ہوا اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کو کہا گیا کہ انتقالِ مسجد ایسی صورت میں جائز نہیں، انہوں نے کہا جائز ہے۔ برائے مہربانی مطلع فرمائیں کہ آیا نئی مسجد، مسجد ہے یا نہیں؟ اور انتقالِ مسجد ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کا اطلاق کتبِ فقہ میں جامع مسجد پر آتا ہے یا نہیں؟ والسلام

عبدالقدیم عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تمام تحریر میں پہلی مسجد کو چھوڑنے اور دوسری مسجد بنانے کی وجہ بیان نہیں کی کہ آخر ایسا کیوں کیا؟ اگر پرانی مسجد میں جگہ موجود تھی، پھر اس کے مقابلہ یا محض نام ونمود وشہرت وفخر کے لئے دوسری مسجد بنائی گئی ہے تو اس کا بنانا درست نہ تھا، اس کے بنانے سے ثواب نہیں ہوگا:

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۲/۴۵۵، ۴۵۶، رشیدیه)

"وقيل: كل مسجد بني مباهَاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا: يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". الإكليل: ۲۸۴/۴(۱)۔

تاہم وہ جب کہ باقاعدہ مسجد بن گئی تو وہ شرعی مسجد ہے، اس میں نماز درست ہے۔ اگر کسی اور وجہ سے نئی مسجد بنائی گئی ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی اور وجہ ترجیح نہ ہو تو مسجد قدیم میں نماز افضل ہے، لیکن کسی مسجد کو بلاوجہ معطل کرنا شرعاً درست نہیں (۲)، نماز و جماعت دونوں میں ہونی چاہئے اور جس کے قریب جو مسجد ہو وہ وہاں نماز پڑھے۔

جامع مسجد پر کتب فقہ میں مسجد کا اطلاق بطریق اولیٰ آتا ہے، وہاں نماز کی فضیلت پانچ سو نماز کے برابر حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے (۳) اور جامع مسجد میں اعتکاف کی فضیلت کتب فقہ میں صراحۃً

---

(۱) "الإکلیل" تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوئی، البتہ تفسیر احمدی میں اسی طرح کی عبارت موجود ہے:

"وقيل: كل مسجد بُني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا: يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدى، ص:۴۷۸، (سورة التوبة: ۱۰۷)، حقانيه پشاور)

(وكذا في الكشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة =

مذکور ہے(۱)۔

"اختلفوا: هل الأفضل مسجد حيّه أم جماعة المسجد الجامع؟.......... وإن استوى المسجدان فأقدمهما أفضل، فإن استويا فأقربهما، اهـ". طحطاوی، ص:۱۵٦(۲)۔

عبارتِ عالمگیری سے صورت مسئولہ کو کوئی تعلق نہیں، اس سے استدلال بالکل بے محل ہے اور مجیب نے اس کا جواب صحیح دیا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ربیع الثانی/ ٦۷ھ۔

مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا

سوال[۷۰۰٦]: مسلمانوں کی تیار کردہ مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجدِ قدیم کو نقصان پہونچانے کے لئے عداوت کی وجہ سے دوسری مسجد بنائی جائے تو اس سے

= الرجل في بيته بصلوة، وصلوته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلوة، وصلوته في المسجد الذي يجمّع فيه بخمس مأة صلوة، وصلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قديمي)

(وكذا في إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب: الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجراً، ص:۵۷، قديمي)

(۱) "وفي الخلاصة: الاعتكاف في المسجد الحرام أفضل، ثم في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المدينة، ثم في مسجد بيت المقدس، ثم في المسجد الجامع". (التاتارخانية، كتاب الصوم، الاعتكاف: ۲/۴۱۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۰، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

"ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ بسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

ثواب نہیں ملے گا، ایسا کرنا شرعاً قبیح ہے(۱)۔لیکن اگر شرعی طور پر وقف کرکے مسجد بنادی گئی تو اس کو آباد کرنا ضروری ہے، اس کو مسجد ضرار کہہ کر منہدم کرنا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قيل: كل مسجد بُني مباهاةً، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمالٍ غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۱۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

الفصل الثالث فی المحراب والمنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

مسجد میں محراب کا حکم

سوال[۷۰۰۷]: مسجدوں میں جو محراب بنائے جاتے ہیں یہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں، یا مکروہ ہیں؟ جو بھی ہو بحوالۂ کتب جواب عنایت فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کتب فقہ میں عبارات مختلف ہیں: بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے محراب کا ثبوت ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے اس کا رواج شروع ہوا ہے۔ اس طرح کتبِ تاریخ سے بھی مختلف اقوال ظاہر ہوتے ہیں: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جزب القلوب، ص: ۸۳، میں تحریر فرماتے ہیں:

"و علامتِ محراب کہ اندرونِ مساجد متعارف است او (عمر بن عبد العزیز) ساخت و پیش ازاں نبود، اھ". (۱).

اور علامہ ابراہیم حلبی، تلمیذ شیخ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر، کبیری ص: ۳۴۸، میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام: ولا يخفى أن امتياز الإمام مقرّرٌ مطلوبٌ فى الشرع فى حق المكان حتى كان التقدم واجب عليه، وغايته هناك كونه فى خصوص مكان ولا

---

(۱) اصل کتاب کی عبارت اس طرح ہے:

"بعد ازاں ہم در موضع محراب کہ امروز مقرر ست متعین شد، در شان آن سر در علامتِ محراب کہ الآن در مساجد متعارف است نبود، ابتدائے آن از وقتِ عمر بن عبدالعزیز است در وقتیکہ امیر مدینہ منورہ بود"۔ (جذب القلوب، باب ششم، ص: ۸۷، مطبع نامی منشی دهلی)

أثـر لذلك، فإنه بنى فى المساجد المحاريب من لدن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولو لم تُبن كانت السنة أن يتقدم فى محاذاة ذلك المكان؛ لأنه يحاذى وسط الصف وهو المطلوب؛ إذ قيامه فى غير محاذاته مكروه، اھ"(۱)۔

فقہاء محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانے کوتو مکروہ لکھتے ہیں، لیکن نفسِ محراب بنانے کومکروہ نہیں لکھتے، بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کوبھی جائز لکھتے ہیں(۲)،علیٰ ہٰذا القیاس محراب کے دوسرے احکام کوبھی ذکر فرماتے ہیں، اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا جائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۰/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف،مفتی مدرسہ مظاہر علوم،۱۰/۶/۵۶ھ۔

محراب بنانے میں انہدامِ مسجد کا خطرہ ہوتو کیا کرے

سوال[۷۰۰۸]: کسی مسجد کووسعت دینے کی وجہ سے محراب اگر درمیان میں نہ رہ پائے اور دیوار

---

(۱) (غنية المستملى شرح منية المصلى لإبراهيم الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى ما يكره فعله فى الصلوة فروع، ص: ۳۶۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

"ولا يخفى ان امتياز الإمام مقرر مطلوب فى الشرع فى حق المكان، حتى كان التقدم واجباً عليه، وغاية ماهنا كونه فى خصوص مكان، ولا اثر لذلک؛ لأنه يحاذى وسط الصف و هو المطلوب؛ إذ قيامه فى غير محاذاة مكروه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۵/۲، رشيديه)

(۲) "فالحاصل أن مقتضى ظاهر الرواية كراهة قيامه فى المحراب مطلقاً، سواء اشتبه حال الإمام أولا، وسواء كان المحراب من المسجد أم لا. وإنما لم يكره سجوده فى المحراب إذا كان قدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم فى مكان الصلاة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلى و ما لا يكره: ۵۶۷/۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۴۶/۱، سعيد)

توڑ کر محراب درمیان میں بنانے سے مسجد گر جانے کا اندیشہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر دیوار توڑ کر درمیان میں محراب بنانا مسجد کے گر جانے کے خطرہ سے دشوار ہے تو بغیر بنائے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے اس طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۶ھ۔

دیوارِ پشت اور درمیانی محراب کا حکم

سوال [۷۰۰۹]: محراب کا حکمِ کراہیت، قیامِ امام تنہا مسجد کی پشت ہی کی دیوار میں ہے یا درمیانی دیوار کا بھی؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

درمیان دیوار کے در میں کھڑا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ جدارِ پشت کی محراب میں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، الا ترى أن المحاريب ما نُصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عينت لمقام الإمام، اهـ". (الدرالمختار). "وفي التتارخانية: و يكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۴۶، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي و ما لا يكره : ۲/۵۶۸، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة .... والأصح ما روى عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو زاوية و ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه بخلاف عمل الأمة ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۴۶، سعيد) .... =

مینار، محراب اور طاق بنانا

سوال[۷۰۱۰]: مسجد کے اندر محراب میں طاق بنانا عورتوں کے طاق بھرنے کی غرض سے کیسا ہے(۱)؟ مینار، محراب، طاق بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا طاق بھرنا مسجد کی ضرورت میں داخل نہیں (۲)، گنبد، مینار، محراب کی اگر ضرورت ہو تو ان کا بنانا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/شعبان/۶۱ھ، صحیح: عبداللطیف۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي و ما لا يكره : ۵۶۷/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

(۱) "طاق بھرنا: مسجد یا مزار کے طاق میں چراغ جلا کر پھول بتاشے وغیرہ چڑھانا"۔(فيروز اللغات، ص: ۸۷۲، طبع فيروز سنز لاهور)

(۲) "وكرهوا إحداث الطاقات في المساجد، روى ذلك عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه. فبهم الجامع القديم (اجر موضعاً تحت ظلة الباب لبعض الصكاكين، لايصح". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد : ۴۱۹/۵، رشيديه)

"و لا يجعل شيئاً منه مستغلاً ولاسكنى، بزازية". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات : ۲۸۵/۶، سعيد)

(۳) "ويجوز أن يبنى منارةً من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها، ليكون أسمع للجيران. وإن كانوا يسمعون الأذان بدون المنارة، فلا، كذا في خزانة المفتيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ : ۴۶۲/۲، رشيديه)

محرابِ مسجد بھی داخلِ مسجد ہے

سوال[۷۰۱۱]: یہاں پرایک مسجد بن رہی ہے، کیا اس مسجد کی محراب شاملِ مسجد ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کی کثرت کے وقت امام محراب کے اندر داخل ہوکر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محراب تو داخلِ مسجد ہے، مگراس کے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کے پیر پورے خارجِ محراب ہوں یا کچھ حصہ خارجِ محراب ہو، اگر چہ داخلِ محراب کھڑے ہوکر نماز پڑھانے سے بھی نماز ادا ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۸/۱۳ھ۔

محرابِ مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۰۱۲]: مسجد کی سابقہ محراب کو وسعت کے لحاظ سے منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو منتقل کرسکتے ہیں، محراب بیچ میں ہونی چاہیے، تاکہ دونوں طرف کی صف برابر رہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۲۴ھ۔

---

(۱) "إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام على القوم، لابأس بأن يقوم الإمام في الطاق ؛ لأنه تعذر الأمر عليه. وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام، لاينبغي للإمام أن يقوم في الطاق؛ لأنه يشبه تباين المكانين .... وهو وإن كان المحراب من المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۳۶/۲، رشيديه)

"أى لأن المحراب إنما بُني علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كماهو السنة، لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن اشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها : ۶۴۶/۱، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره : ۵۶۷/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لأن المحراب إنما بُني علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف، كما هو السنة". =

منبر کا مقام اور اس کی کیفیت

سوال[۷۰۱۳] : ۱......ایک مسجد میں مقام خطیب یعنی منبر کس جگہ موضوع ہونا چاہیے؟

۲......جس طرح مدرسہ مظاہر العلوم دار الطلبہ کی اور مدرسہ قدیم کی مسجد میں جس جگہ جس جانب منبر موضوع ہے، اسی طرح مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں اور بیت اللہ شریف میں منبر موضوع ہے کیا؟

۳......ساری دنیا کی مسجدوں کا مساجد مذکور کے منبر جہاں جہاں جس جانب موضوع ہے ویسا ہی موضوع ہونا چاہیے کیا؟

۴......مدرسہ مظاہر العلوم کی مسجد کا منبر مثلاً جس جگہ جس طرح موضوع ہے، اس موضوعیتِ مخصوصہ پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی موجود ہے کیا؟

۵......جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، نماز کے واسطے وہاں امام کی دائیں یا بائیں طرف اندر کو یعنی: جزاویہ مسجد کے قبلہ کی طرف زیادہ کر کے بنایا جاتا ہے، اسی گوشہ کے اندر منبر موضوع کرنا عرفاً یا شرعاً کسی قسم کی مخالفت لازم آتی ہے کیا؟

۶......اس کا نقشہ یہ ہے:

۷......اور جتنی مسجدیں نظر سے گزریں ان میں منبر اس طرح موضوع ہے:

ہر ایک مسئلہ کا جواب دلیل کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

= (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ، ومایکرہ فیھا: ۱/۶۴۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا: ۲/۴۵، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلوۃ، مایکرہ للمصلی ومالایکرہ: ۱/۵۶۷، إدارة القرآن کراچی)

۸......کیا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں؟

۹......کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں دوسری سیڑھی پر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسری پر کھڑے ہوتے تھے؟

۱۰......تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جب قبلہ کی طرف پشت کی جائے (جیسا کہ خطبہ کی حالت میں ہوتی ہے) تو منبر محراب سے بائیں جانب ہونا چاہیے:

"(قوله: المنبر) بكسر الميم، إن المنبر وهو الارتفاع دون السنة أن يخطب عليه اقتداءً بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، بحر. وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني، اهـ". شامي: ۷۷۰/۱(۱)۔

۲......جی ہاں! بیت اللہ شریف میں مقامِ ابراہیم سے بائیں جانب ہے:

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة، اهـ". بذل: ۱۷۸/۲(۲)۔

۳......ساری دنیا کی مسجدوں کے منبر تو دیکھے نہیں، سنت طریقہ اوپر تحریر کر دیا گیا۔

۴......شامی: ۷۷۰/۱، اور بذل المجہود: ۱۷۸/۲، کی عبارتیں اس کی دلیل ہیں (۳)۔

۵......امام کے گوشہ میں ہونے سے امام قوم کے سامنے نہیں رہے گا، لہٰذا یہ طریقہ خلافِ سنت ہوگا (۴)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۶۱/۲، سعيد)

(۲) (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۱۷۸/۲، إمداديه ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۲،۱)

(۴) "قلت: أى لأن المحراب إنما بنى علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۴۶/۱، سعيد)

۶......اس کا جواب نمبر:۵، میں آگیا ہے۔

۷...... یہ طریقہ مسنون ہے(۱)۔

۸......جی ہاں! تین سیڑھیاں:

"ومنبره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان ثلاث درجات، اھ". شامی: ۱/ ۷۷۰(۲)۔

"قال العینی: ثم اعلم أن المنبر لم یزل علی حاله ثلاث درجات، اھ". بذل: ۲/ ۱۷۸(۳) وفتح الباری: ۲/ ۳۳۱(٤)۔

۹......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی جگہ اختیار نہیں کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار نہیں کی بلکہ ایک سیڑھی اور نیچے اترے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار کی اور نیچے جگہ نہ رہنے اور مساوات کا احتمال نہ رہنے کی وجہ سے اوپر کی سیڑھی کو اختیار فرمالیا، هکذا فی کتب السیر:

"وأخرج الطبرانی فی الأوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لم یجلس أبوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه فی مجلس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم علی

---

(۱) "وکان منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن یمین المحراب إذا استقبلت القبلة، اھ". (بذل المجهود، کتاب الصلوة، باب موضع المنبر: ۲/ ۱۷۸، امدادیه ملتان)

"ومن السنة أن یخطب علیه اقتداءً به -صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم- بحر. وأن یکون علی یسار المحراب، قهستانی". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۶۱، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۶۱، سعید)

(۳) (بذل المجهود، باب اتخاذ المنبر: ۲/ ۱۷۸، إمدادیه ملتان)

(۴) "ولم یزل المنبر علی حاله ثلاث درجات حتی زاده مروان فی خلافة معاویة ست درجات من أسفله". (فتح الباری، کتاب الجمعة، باب الصلوة علی المنبر والسطوح: ۲/ ۵۰۷، قدیمی)

المنبر حتی لقی اللّٰہ عزوجل، ولم یجلس عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی مجلس أبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه حتی لقی اللّٰہ، ولم یجلس عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی مجلس عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه حتی لقی اللّٰہ، اھ". تاریخ الخلفاء، ص: ۵۳ (۱)۔

۱۰......اس کا جواب نمبر: ۹ میں آ گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۹/ ۶۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان/ ۶۴ھ

مسجد میں مینار

سوال [۷۰۱۴]: ہمارے یہاں مسجد میں پہلے پرانے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں، اب اس کے بعد آگے کا برآمدہ بنانا ہے، اس کے آگے بھی میناروں کی بنیاد رکھی ہے اور وہ مینار بھی برآمدہ کے برابر یعنی چھت سے دو ڈھائی فٹ اوپر کر کے چھوڑ دیئے ہیں، اب لوگوں کا ارادہ بنانے کا ہے۔ چھ مینار ہو جائیں گے تو کچھ شریعت کے خلاف تو نہیں، آیا دو مینار توڑ دیئے جائیں؟ وہ چھوٹے ہیں، ان دو میناروں کو ان سے بڑے بڑے بنانا چاہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعیین نہیں، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے۔ عامۃً دو مینار بنانے کا معمول ہے، کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر یہ سب کسی شرعی امر کی وجہ سے نہیں، نہ ممانعت ہے، البتہ بلاوجہ پیسہ خرچ نہ کیا جائے، خاص کر وقف کا

---

(۱) (تاریخ الخلفاء، فصل فی مبایعته رضی اللہ تعالیٰ عنه، ص: ۶۳، مؤسسة الکتب الثقافیة بیروت لبنان)

"لما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، قام أبو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه علی المنبر دون مقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بمرقاة، ثم قام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه دون مقام أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه بمرقاة، ثم لما ولی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه صعد ذروة المنبر". (نفحة العرب، ص: ۳۶، قدیمی)

پیسہ کہ اس میں بہت احتیاط ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و لا بأس بنقشه خلا محرابه بجصٍ وماء ذهب لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل". (الدرالمختار). "وأما من مال الوقف، فلا شک أنه لا يجوز للمتولي فعله مطلقاً؛ لعدم الفائدة فيه، خصوصاً إذا قصد به حرمان أرباب الوظائف، كما شاهدناه في زماننا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلبٌ: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ : ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة : ۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق المسجد : ۱/۱۰۹، رشيديه)

الفصل الرابع فی بیع المسجد وأوقافه

(مسجد اوراس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

مسجد کی زمین کی بیع

سوال[۷۰۱۵]: کسی نے قطعۂ زمین کو کسی مسجدِ معین کے واسطے بایں شرط وقف کیا کہ اس کے متعلق جو کام درپیش ہوں اس کے منافع کو اس میں خرچ کریں۔ تو جب اس کو دوبارہ بنوانے کی ضرورت ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اس میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے تابید شرط ہے حتی کہ بعض فقہاء نے تابید کی تصریح کو بھی لازم قرار دیا ہے، جس وقف میں خلافِ تابید کوئی شرط ہو وہ وقف صحیح نہیں ہوتا: إلا وقف المسجد، فإنه يصح و يبطل الشرط.

وقف کے تام اور لازم ہو جانے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی:

"وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية و تكليف، وأن يكون قربةً في ذاته معلوماً منجزاً لا معلقاً إلا بكائن، و لامضافاً ولا موقتاً، ولا بخيار شرط، و لا ذكر معه اشتراط بيعه و صرف ثمنه لحاجته، فإن ذكره بطل وقفه، بزازية، اهـ". در مختار: ۳/۳۵۹۔ "(قوله: ولا ذكر معه اشتراط بيعه، الخ) في الخصاف: لو قال: على أن لي إخراجها من الوقف إلى غيره، أو على أن أهبها وأتصدق بثمنها، أو على أن أهبها لمن شئتُ، أو على أن أرهنها متى بدأ لي، وأخرجها عن الوقف، بطل الوقف. ثم ذكر أن هذا في غير المسجد، أما المسجد لو اشترط إبطاله أو بيعه، صح و بطل الشرط، اهـ". شامی: ۳/۳۶۰(۱)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، سعيد)

"و شرائطه أهلية الواقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً، و أن يكون منجزاً غير معلق، فإنه =

"فإذا تم ولزم، لا یملك و لا یملك و لا یعار ولا یرهن، اهـ". درمختار: ۳/۳٦۷۔

"(قوله: "فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد رحمه الله تعالىٰ لا یتم إلا بالقبض والإفراز والتأبید لفظاً. وعند أبی یوسف رحمه الله تعالىٰ بالتأبید فقط ولو معنىً كما علم، لما مر. "(قوله: لایملك): أی لا یكون مملوكاً لصاحبه. (ولایملك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملكه، اهـ". شامی: ۲/۳٦۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/٦٦ھ۔

= مما لا یصلح تعلیقه بالشرط .... و فی البزازیة: وتعلیق الوقف بالشرط باطل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشیدیه)

"ومنها أن لا یذكر معه اشتراط بیعه و صرف الثمن إلى حاجته، فإن قاله لم یصح الوقف فی المختار، كما فی البزازیة". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه: ۲/۳۵٦، رشیدیه)

"وأما الذی یرجع إلى نفس الوقف فهو التأبید، وهو أن یكون مؤبداً، حتى لو وقّت لم یجز؛ لأنه إزالة الملك لا إلى أحد، فلا تحتمل التوقیت كالإعتاق و جعل الدار مسجداً". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة، فصل: وأما الذی یرجع إلى الموقوف: ۵/۳۲۹، رشیدیه)

"إذا جعل أرضاً له مسجداً وشرط من ذلك شیئاً لنفسه، لایصح بالإجماع .... واتفقوا على أنه لو اتخذ مسجداً على أنه بالخیار، جاز الوقف و بطل الشرط .... فی وقف الخصاف: إذا جعل أرضه مسجداً وبناه وأشهد أن له إبطاله وبیعه، فهو شرط باطل ویكون مسجداً". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، الخ: ۲/۴۵۷، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیكه". (الهدایة، كتاب الوقف: ۲/٦۴۰، مكتبه شركة علمیه ملتان)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وكذا فی فتح القدیر، كتاب الوقف: ٦/۲۲۰، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

وقف مسجد کا فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۶]: کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے:
نوع اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو خواہ دوکانیں ہوں اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوع دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۱) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں، اب نہ اس قدر قلیل کہ کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی کچھ آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے۔ سو ایسی حالت میں بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ نوع دوم کی وقف، وقف کرنے والے کے نام فروخت کریں اور کل آمدنی مسجد میں لگا دیں تو یہ درست ہے کہ نہیں؟
سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نسبت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو، اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین با قاعدہ وقف کر دی گئی ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لیکر وقف کر دی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)، جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے اس کی آمدنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳)، متولی اور دیگر اہل مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔

---

(۱) ''بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۴، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "وأجمعوا أنه إذا شرط الاستبدال لنفسه في أصل الوقف أن الشرط والوقف صحيحان و يملك الاستبدال .... و لو شرط أن يبيعها و يشتري بثمنها أرضاً أخرى ولم يزد، صح استحساناً، وصارت الثانية وقفاً بشرائطه الأولى، ولايحتاج إلى إيقافها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۳) "وفي الفتاوى: إذا جعل أرضاً صدقةً موقوفةً على الفقراء والمساكين، فاحتاج بعض قرابته، أو احتاج الواقف، إن احتاج الواقف، لايعطى له من تلك الغلة شيء عند الكل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن: ۲/۳۹۵، رشيديه)

جو تیل مسجد کی ضروریات سے زائد آوے اس کو فروخت کرکے دوسری ضروریات مسجد میں صرف کرنا درست ہے(۱) بشرطیکہ تیل دینے والا اس پر رضامند ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع کرنا

سوال[۷۰۱۷]: مسجد کی موقوفہ زمین بیچنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ کوئی متعین متولی نہ ہو، موضع کے بڑے بڑے لوگ نگرانی کرتے ہوں اور اگر ہے تو کون بیچ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وقف زمین کو فروخت کرنا درست نہیں اس کی بیع قطعاً ناجائز ہے(۳)، بلکہ اس زمین سے آمدنی حاصل کرکے مصالحِ مسجد پر صرف کرنا واجب ہے(۴)۔ اگر واقف نے وقف نامہ میں یا زبانی کسی کو متولی نہیں

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۷۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، السادس في الوقف على الفقراء: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(۱) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوَرثته إن كان ميتاً. وعند أبي يوسف: يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۸۴۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۳) "(قوله: لم يجز بيعه و لا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء .... أما امتناع التمليك، فلما بينا من قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تصدق بأصلها، لايباع، ولا يورث، ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۴) "مسجدٌ له مستغلات و أوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلةِ الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

بنایا تو سربرآوردہ مقامی معزز دیندار مسلمان اس کی آمدنی کو مصالحِ مسجد پر صرف کریں اور اس کے محافظ رہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

زیادہ آمدنی کی توقع پر مسجد کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۸]: مسجد کے مصارف کے لئے موقوفہ زمین فروخت کرنا اور اس کی قیمت سے مسجد ہی کے مصارف کے لئے دوسری جگہ مکان یا دوکان وغیرہ بنوانا جس میں مذکورہ فروخت شدہ زمین کی آمدنی سے زیادہ آمدنی متوقع ہو جائز ہے کہ نہیں؟ نیز مذکورہ فروخت شدہ زمین میں بنائے ہوئے مکان یا اسکول وغیرہ میں اگر کبھی کسی زمانہ میں بھی کسی نے کوئی غیر اسلامی حرکت کی ہو تو موجودہ منتظمین اور فروخت کرنے والے پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف ہو چکی ہے اس کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت نہیں کہ اس کو فروخت کرکے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خریدی جائے:

"وإذا تم (أی الوقف) ولزم، لايملك ولايملك: أی لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه،

= حشيشاً .... تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ما شاء وإن لم يوسع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد، الخ: ۴۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(۱) "جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع. وكذا لو لم يشترط لأحد، فالولاية له عند الثانى، وهو ظاهر المذهب .... ثم لوصيّه إن كان، وإلا فللحاكم". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۷۹/۴، سعيد)

لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه، اهـ". شامی: ۵۰۷/۳(۱)۔

البتہ اگر مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے اور اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو(۲) تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۳)۔ یا اگر وقف شدہ زمین قابلِ انتفاع نہ رہے، تب بھی اجازت ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کردی جائے (۴)، پھر زمین، مکان، دوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر دیا گیا اور اب وہ مسجد کا نہیں رہا اور

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه، ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مكتبه مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) "واگذاری: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "الثالثة: أن يجحده الغاصب و لا بينة: أى و أراد دفع القيمة، فللمتولى أخذها، يشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۵/۵، رشيديه)

(۴) "و قد روينا عن محمد في فصل العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيّم يجد بثمنها أرضاً أخرى أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشترى. وفي المنتقى: قال هشام: سمعت محمداً رحمه الله تعالىٰ يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه و يشترى بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: من له الاستغلال لا يملك السكنى وبالعكس: ۳۷۶/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

خریدار نے اس میں کوئی غیر اسلامی حرکت کی، تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ منتظمین (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۸۹ھ۔

مسجد کے لئے وقف قطعۂ زمین کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۹]: محلے کی مسجد کا ذریعۂ آمدنی نہ ہونے کی بناء پر ایک صاحبِ خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دوکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کردیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحبِ خیر نے ایک دوسرا قطعۂ زمین خرید کر پانچ دوکانیں بنا کر اسی مسجد مذکور کے نام وقف کردی ہیں۔ اب مسجد کافی زیادہ خود کفیل ہوچکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسہ کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا متولی صاحب کے لئے اس پہلے قطعۂ زمین کو فروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی قیمت کے استعمال اور اس کو فروخت کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قطعۂ زمین دوکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کردیا ہے، اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو مدرسہ کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو:

"فإذا تم ولزم، لایملك ولایملك ولا یعار ولایرهن". درمختار۔ "أي لایکون مملوكاً لصاحبه (ولایملّك): أي لایقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه". شامی، ص: ۳۶۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "كلٌّ یتصرف في ملكه كیف شاء". (شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحکام الأملاك: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه، ولاتملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

اراضی مسجد پر قبضہ کے اندیشہ سے ان کو فروخت کر کے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال[۷۰۲۰]: جامع مسجد کے نام سے اراضی معافی ریاست ٹونک کے زمانہ رہیں جس کا لگان کاشتکاروں سے وصول کر کے جامع مسجد کے مصارف میں آتا رہا۔ اب راجستھان حکومت نے اراضیات معافی پر لگان کی رقم قائم کردی جو سرکار میں داخل ہورہی ہے، جو جامع مسجد کو داخل کرنا ہوتی ہے۔ چونکہ زمانۂ معافی میں کاشتکاروں سے مقررہ رقم قدیم سے وصول ہورہی تھی اور سرکار میں کچھ نہیں دیا جاتا تھا، اس لئے پوری رقم مسجد کے مصارف میں آتی تھی اور اب اسی رقم میں سے سرکاری قائم شدہ لگان بھی دیا جاتا ہے تو کسی زمین کے لگان میں مسجد کو برائے نام بچت رہتی ہے اور کسی میں برابر اور کسی میں کمی رہ جاتی ہے۔ باوجود کوشش کے کاشتکاران زرِ اجارہ میں مسجد کے حق میں پیش کرنے کو تیار نہیں، نہ ہی زمین کو چھوڑنے پر رضامند ہوتے ہیں۔

حکومتِ راجستھان کی اراضی سے متعلق نئے نئے قانون جاری ہورہے ہیں۔ کاشتکاران قانونی رعایتوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کو اپنی مِلک تصور کرنے لگے ہیں، اس وقت وہ تقاضوں کے باوجود وقف پر مقررہ زرِ اجارہ مسجد کو نہیں دیتے۔ ایسے حالات پیدا ہوتے جارہے ہیں کہ ایسی اراضیات کا وجود خطرہ میں پڑ جائے اور مسجد کو کچھ بھی نہ مل سکے۔ کاشتکار اتنے سرکش ہوگئے ہیں کہ بعض نے ان ارضیات کو اپنی مِلک سمجھتے ہوئے زمین پر رقم قرض لے کر دوسروں کے پاس رہن بالقبض کردیا ہے۔ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کا وجود مسجد کے حق میں عدمِ وجود کے برابر ہوگیا ہے۔

کیا ایسی صورت میں اراضیات متذکرہ کا بدل ہوسکتا ہے، یعنی ان اراضیات کو فروخت کر کے جو رقم مل سکے اس سے مکان، دوکانات کی خریداری یا جدید تعمیر کی جاسکتی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے ہوسکیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صورتِ واقعہ یہی ہے تو ان اراضیات کو فروخت کر کے ان کے عوض مکانوں یا دوکانوں کی تعمیر

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

کرلی جائے (۱) جس پر مسجد کا دوامی قبضہ رہے اور مسجد کو آمدنی ہوتی رہے، لیکن ارباب رائے اور اہلِ محلّہ کو پوری صورت بتا کر سب کے مشورے سے یہ کام کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ اوقاف کی فروختگی کا مطلقاً دروازہ کھل جائے، کیونکہ وقف کی بیع جائز نہیں، اِلّا یہ کہ وقف کے ضائع ہوجانے کا مظنہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۹ھ۔

مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۰۲۱]: مسجد میں وقف شدہ زمین کو مسجد تعمیر کرنے کے لئے متولی یا دوسرے لوگوں کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے کہ نہیں؟ اگر لوگوں نے مسجد کے لئے زمینیں وقف کیں ان میں سے بعض انتقال کرچکے ہیں، ان کے ورثاء موجود ہیں، بعض زندہ ہیں اور وقف کے وقت اس کی تفصیل نہ کی کہ یہ مسجد کے کس کام میں لگے گی۔ اسے بیچا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ کچھ تصریح نہ کیا تو اس حالت میں اب واقف کے ورثاء کی اجازت سے ان زمینوں کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگوں نے حال میں یہی کہہ کر زمین وقف کیا ہے کہ اس کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں لگایا جائے۔ تو اسے تعمیر کے لئے

---

(۱) "وفی الذخیرة: سئل شمس الأئمة الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطّلت وتعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها ويشتری مكانها أُخری؟ قال: نعم......... وقد روينا عن محمد فی فصل العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أرضاً أخری أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشتری". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۹/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"إذا غصبه غاصب، وأجری عليه الماء حتی صار بحراً، فيضمن القيمة، ويشتری المتولی بها أرضاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر إلا فی أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "قيم وقفٍ خاف من السلطان أو من وارث يغلب علی أرض وقف، يبيعها ويتصدق بثمنها، وكذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك، له أن يبيع ويتصدق بثمنها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشيديه)

فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کردی گئی ہے اس کو فروخت کرنے کا حق نہیں، نہ متولی کو، نہ واقف کو، نہ واقف کے ورثاء کو۔ جو زمین مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی اس کو تعمیرِ مسجد کے لئے متولی، واقف، واقف کے ورثاء اور اہلِ محلّہ سب باہمی مشورہ سے فروخت کرنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے(۱):

"فإذا تمّ (الوقف) ولزم، لایملك ولایملّك، اھ". درمختار۔ "أی لایکون مملوکاً لصاحبه (ولا یملّك): أی لایقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، اھ". ردالمحتار: ۳/۳۶۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۸ھ۔

مسجد کی نیت سے چھوڑی ہوئی زمین میں تصرف درست نہیں

سوال[۷۰۲۲]: ہمارے یہاں ایک نئی آبادی بنائی گئی ہے، وہاں ایک قطعۂ زمین مسجد بنانے کے لئے چھوڑی گئی ہے، ابھی وقف نہیں کیا اور نہ ہی ابھی تک مسجد کی بنیاد وغیرہ پڑی ہے۔ اور یہ زمین ہندو پٹواری

(۱) "المتولی إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد، فإن أراد المتولی أن یبیع ماشتری......... وقال بعضهم: یجوز هذا البیع، وهو الصحیح".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۶، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۷، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولاتملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

نے چھوڑی ہے، اب وہ پٹواری اس زمین میں سے نصف یا کم ایک مولوی صاحب کے نام کرنا چاہتے ہیں اور بننے والی مسجد بھی انہیں کی ماتحتی میں چلانا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اس زمین میں سے مولوی صاحب کے نام کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ ابھی تک وہاں مسجد نہیں بنی اور اس زمین کو وقف بھی نہیں کیا گیا، لیکن جب زمین کی منظوری مسجد کے واسطے لی گئی تو اس کو کسی اَور کے نام پھر نہ کیا جائے (۱)۔ مسجد کی تعمیر اور اس کا انتظام سب کے باہمی مشورہ

---

(۱) حکومت کی طرف سے مسجد وغیرہ کے لئے کوئی زمین وقف کرنا صحیح ہے، چاہے حکومت مسلمانوں کی ہو یا کفار کی، کیونکہ صحتِ وقف کے لئے اسلام شرط نہیں:

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشيديه)

اوراسی طرح پٹواری حکومت کی طرف سے اپنے عہدے کی حدود تک نائب اور وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور وکیل کے تصرفات مؤکل کے تصرفات کی طرح ہوتے ہیں:

"والحاصل أنها في اللغة بمعنى التوكيل، وهو تفويض التصرف إلى الغير. الثاني في معناها اصطلاحاً، فهي: إقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم .... فإن فعل شيئاً خارجاً من ذلك النوع، لم ينفذ على المؤكل دون إنفاذه". (البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۷/۲۳۵، رشيديه)

اور چونکہ پٹواری نے یہاں پر مسجد کے نام سے حد بندی کرکے ایک مخصوص جگہ متعین کردی ہے کہ یہ مسجد کی جگہ ہے، لہٰذا اس صورت میں وقف تام ہوگیا:

"وفي فتاویٰ أبي الليث: سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أرض الكورة في مسجدهم ويزيدوا فيه ويتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبوبكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوةً، جاز أمره إذا كان لايضر بالمارة". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

اور جب وقف تام ہوجاتا ہے تو اس کے بعد اس کا کسی کے نام کرنا اور اس کو تملیکاً دینا جائز نہیں۔ سوال سے یہی ظاہر ہورہا ہے کہ یہ زمین سرکاری تھی اور حکومت یا تو عوام میں تقسیم کررہی تھی یا پھر بیچ رہی تھی، اسی دوران پٹواری نے زمین مسجد کے نام کردی تھی اور اب وہ امام صاحب کے نام کرنا چاہتے ہیں، تو یہ درست نہیں: .... =

سے ایک شخص کے سپرد کریں جس کو مسجد اور نماز سے گہرا تعلق ہو، اس میں انتظام اور تولیت کی صلاحیت ہو، بلکہ ایک کمیٹی بنائی جائے تو بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

کسی کے نام ہونے سے وقف میں فرق نہیں آتا، مسجد کی دوکان قرض میں دینا

سوال[۷۰۲۳]: مسجد کے ممبران حضرات نے مسجد کی آمدنی کے لئے چندہ وصول کیا مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں، لیکن اب تک یہ کام شروع نہیں ہوا اور چندہ محفوظ ہے، مذکورہ مسجد وقف نہیں ہے، بعض ناموں کے اوپر لکھی گئی ہے، ان ناموں میں ایک شخص کا بعض تجارتی امور کی بناء پر دیوالیہ نکل گیا، مشکل یہ پیش آئی کہ کورٹ کا فیصلہ ہے کہ مسجد کی دوکان سے لیا جائے، تو کمیٹی کے سرپرست نے کورٹ والوں کو سمجھایا کہ دیوالیہ والے کے حصہ کو دوکان سے لیا جائے نہ کہ مکان مسجد کو۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ چندہ سے جو مکانوں کی تعمیر کے لئے ہے اس میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں تاکہ مسجد برقرار رہے؟ اس لئے کہ استعمال سے کمیٹی والوں کی ذمہ داری رہے گی۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی صاحب نے مسجد تعمیر کرکے اس کا راستہ الگ کردیا اور اس میں عام لوگوں کو اجازت دے دی تو

= "(فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن)". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. ولايملك: أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۱) "وفي الإسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

محض کسی کے نام پر ہونے سے اس کے وقف ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مسجد وقف ہی شمار ہوگی (۱)، مسجد کی دوکان کو قرض کی ادائیگی میں نہیں دیا جاسکتا (۲)، اس کو واگذار کرایا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

بچی ہوئی موم بتی بیچ کر امام کی تنخواہ وغیرہ میں لگانا

سوال[۷۰۲۴]: ۱...... موم بتی وغیرہ جو ضروریات مسجد سے زیادہ ہو جائے، اس کو فروخت کرکے دوسرا کام جیسے مسجد کے امام کی تنخواہ، موذن کی تنخواہ، مسجد کی چٹائی وغیرہ میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں، کیونکہ یہ کام خلافِ مقصودِ واقف ہیں، کیوں کہ واقف نے صرف جلنے کے لئے دیا ہے؟ دیگر یہ کہ کوئی شخص کچھ زمین مسجد کے خرچ کے لئے وقف کیا اور اس کا کوئی مصرف ذکر نہیں کیا تو اس زمین کی آمدنی سے کون کون سے کام کرنے جائز ہوں گے، صرف بنائے مسجد کے متعلق خرچ کرنا ہوگا، یا تنخواہِ امام وموذن اور مسجد کی چٹائی، بتی وغیرہ میں بھی خرچ کرنا جائز ہوگا؟

مسجد کے درخت کا پھل فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۵]: ۲...... مسجد کی آس پاس جو زمین موقوفہ علی المسجد رہتی ہے، اس میں کوئی پھل کے

---

(۱) "فلو جعل وسط داره مسجداً، وأذِن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۴، رشیدیه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "متولي الوقف إذا رهن الوقف بدين، لايصح. وفي جامع الفتاویٰ: وكذلك أهل الوقف إذا رهنوا، لا يجوز". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيّم في الأوقاف: ۵/۷۶۰، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۳) "واگذار: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز، لاهور)

درخت لگانا اس غرض سے کہ محلّہ کے لوگ اس کو کھائیں گے، یا بیچ کر مسجد کی ضرورت میں لگایا جائے گا تو مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جو شخص موم بتی مسجد کیلئے دے اس سے دریافت کرلیا جائے کہ اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہے تو اسے فروخت کر کے مسجد کی دیگر ضروریات میں صرف کرنے کی اجازت ہے، جب وہ اجازت دیدے تو پھر کوئی اشکال نہیں (۱)۔ مسجد کی مصالح کے لئے اگر کسی نے زمین وقف کردی ہے تو اس کی آمدنی کو امام کی تنخواہ، موذن کی تنخواہ، چٹائی، موم بتی وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔

۲.....مسجد کی موقوفہ زمین اگر کاشت کیلئے یا کرایہ پر دی جاسکتی ہو تو کاشت کر کے یا کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائے (۳)، ورنہ اس میں درخت لگا کر پھل فروخت کر کے مسجد میں

---

(۱) "بعث شمعاً فی شهر رمضان إلی مسجد، فاحترق وبقی منه ثلثه أو دونه، لیس للإمام ولا للمؤذن أن یأخذ بغیر إذن الدافع، ولو کان العرف فی ذلک الموضع أن الإمام والمؤذن یأخذه من غیر صریح الإذن فی ذلک، فله ذلک". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

(۲) "مسجدٌ له مستغلات وأوقاف، أراد المتولی أن یشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصیراً أو حشیشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصی، قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم، وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ما شاء". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۷/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۴۶۱/۲، رشیدیه)

"ولو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل أحکام المسجد: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۲/۴، ۳۶۷، سعید)

(۳) "وأن یبنی بیوتاً یستغلها إذا کانت الأرض متصلة ببیوت المصر لیست للزراعة، فإن کان زراعتها =

صرف کریں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

زائد سامانِ مسجد کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۶]: ایک مسجد تعمیر ہو چکی ہے، اس کا زائد اور بیکار سامان مثلاً کچھ لکڑیاں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں تو اس کو سب لوگوں کی رائے سے فروخت کر کے مسجد کے مصارف میں روپیہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، کذا فی البحر(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۷]: اگر مسجد میں بالٹی، فرش وغیرہ زائد ہوں تو ان کو بیچ کر مسجد کے اخراجات میں لگا

= أصلح من الاستغلال، لا یبنی". (فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف: ۲/۴۱۴، رشیدیه)

(۱) "مسجد فیه شجرة التفاح، قال بعضهم: یباح للقوم أن یفطروا بهذا التفاح، والصحیح أنه لا یباح؛ لأن ذلک صار وقفاً للمسجد یُصرف إلی عمارته". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات و المقابر، الخ: ۲/۴۷۷، رشیدیه)

(۲) "وفی الحاوی: فإن خیف هلاک النقض، باعه الحاکم، وأمسک ثمنه لعمارته عند الحاجة، فعلی هذا یباع النقض فی موضعین: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاکه". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشیدیه)

"وأما إذا اشتراه المتولی من مستغلات الوقف، فإنه یجوز بیعه بلا هذا الشرط؛ لأن فی =

سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں مسجد کی ضرورت کے لئے مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی ہیں، ان کو مسجد کی ضرورت کے لئے فروخت کر کے مسجد ہی کے کام میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔اور جو چیزیں کسی نے مسجد میں دی ہیں، ان کو دینے والے کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد کے کام میں لگانا درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۸]: مسجد کی ٹین، یا چوکی، یا بانس خرید کر کے اپنے گھر میں، یا دوسری مسجد پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اہلِ محلہ ویران یا غیر ویران مسجد کا مال یعنی ستون وغیرہ فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

= صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحةٍ عرضت".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۷۷/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۴/۶، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "وأما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ وهذا لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحةٍ عرضت". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۴/۶، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۷۷/۴، سعيد)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في مالو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا جو سامان وقف ہے اس کی بیع ناجائز ہے اور جو وقف نہیں بلکہ مسجد کے لئے وقتی ضرورت کے ماتحت کسی نے دیا ہے، یا خریدا گیا ہے، ضرورت پوری ہونے پر اس کی بیع جائز ہے۔ جو مسجد ویران ہو چکی ہے اس کے سامان کو کسی قریب کی مسجد میں صرف کر دیا جائے اور مسجد کی جگہ محفوظ کر دیا جائے کہ بے حرمتی نہ ہو:

" ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي. وعاد إلى ملك الباني أو ورثته عند محمد. وعن الثاني ينقل إلى مسجد اخر بإذن القاضي، و مثله في الخلاف المذكور حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، اهـ". درمختار. "ولو خرب المسجد وما حوله، وتفرق الناس عنه، لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف، و يباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد، اهـ". ردالمحتار: ۳/۵۷۵(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

پرانی مسجد کے سامان کو فروخت کرنا اور حجرۂ امام میں صرف کرنا

سوال[۷۰۲۹]: ایک کچی مسجد کو گرا کر پکا بنانا چاہتے ہیں، جو سامان اس کچی مسجد سے اترا ہے وہ پکی میں تو نہیں لگا سکتے، اس لئے جدید سامان اور عمدہ خرید کیا گیا ہے اور ایسا بیکار بھی نہیں کہ اس کو ضائع کر دیا

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"إذا خرب و ليس له ما يعمر به، و قد استغنى الناس عنه .... قال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي. وأما الحصير والقناديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لايعود إلى ملك متخذه، بل يحول إلى مسجد آخر، أويبيعه قيم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

جائے، بلکہ سب سامان مفید اور کارآمد ہے تو کیا اس سامان سے مسجد میں حجرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی قیمت بنا کر وہ قیمت مسجد پر لگانی ضروری ہے، یا یہ کہ بغیر اس سامان کی قیمت کرنے اور مسجد پر لگانے کے حجرہ ضروریات مسجد کے لئے بنایا جاسکتا ہے؟ اور کیا طالب علم اور امام اور مؤذن مسجد کی سکونت حجرہ میں ضروریاتِ مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟

اور اگر حجرہ بنوانا جائز نہیں تو کیا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد پر لگائی جائے یا نہیں؟ اور جب فروخت کرنا جائز ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری مسجد ہی کے لئے فروخت کیا جائے، یعنی کسی دوسری مسجد کے متولی اس مسجد کے اترے ہوئے سامان کو خرید کر اس کو اپنی مسجد میں لگادیں، یا ہر شخص خرید سکتا ہے، خواہ اس سے اپنا ذاتی مکان بنوائے یا کسی اَور مصرف پر خرچ کرے؟ اور اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت جائز نہ ہو اور پڑے پڑے بوسیدہ اور کہنہ ہو جاوے اور کوئی صورت اس کے کارآمد ہونے کی نہ ہو تو کیا اس میں تضییع مال نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بعینہ وہی سامان مسجد میں لگایا جائے، اگر بعینہ اس کو مسجد میں لگانا دشوار ہو تو اس کو اہل محلہ اور حاکم کی رائے سے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اس کی مثل سامان خرید کر اس کو مسجد میں لگادیا جائے، خریدار کی کوئی قید نہیں کہ وہ مسجد کے لئے خریدے بلکہ اس کو ہر شخص خرید سکتا ہے، پھر وہ چاہے مسجد میں لگائے یا اپنے مکان وغیرہ میں۔

امام وغیرہ کے لئے مسجد میں حجرہ بنانا مسجد ہی کی ضروریات میں داخل ہے جیسے غسل خانہ وغیرہ مسجد کی ضروریات میں داخل ہے، سامانِ مذکور کو اس میں لگانا درست ہے، بیکار ڈال کر ضائع کردینے کی ضرورت ہرگز نہیں، نہ ایسا کرنا جائز ہے:

”ویصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج، ولا يقسمه بين مستحقي الوقف، بيانٌ لما انهدم من بناء الوقف وخشبه. و ذكر في القاموس أولاً: أن النقض بالكسر المنقوض. وثانياً: أنه بالضم ما انتقض من البنيان. وفاعل يصرف الحاكم .... قال في الهداية: وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى

مصرف المبدل، وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث أمكن إعادته. .... وفي الحاوي: قال خيف هلاك النقض، باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، اهـ. فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه، اهـ". بحر بحذف: ٥/٢١٩(١)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

انہدامِ مسجد پر اس کی اشیاء کی بیع

سوال[۷۰۳۰]: بنائے مسجد کے بعد اگر کوئی چیز زیادہ ہو، یا پرانی مسجد کو توڑ کر بنایا گیا ہو اور اس میں سے ٹوٹی پھوٹی لکڑی بال یا بٹن وغیرہ الغرض جو بچے تو ان اشیاؤں کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور فروخت کرنے کے بعد کیا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه. وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته، فيصرفه فيها .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". الهداية: ٢/٦٢٢(٢)۔

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣٦٧، ٣٦٨، رشيديه)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه . وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته، فيصرف فيها .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ٢/٦٤٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ٤/٢٦٧، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ٤/٣٧٦، ٣٧٧، سعيد)

(٢) (الهداية، كتاب الوقف: ٢/٦٤٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج .... وإلا يمسكه حتى يحتاج =

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اشیاء کو خود، یا اگر خود کارآمد نہ ہوں، تو ان کی قیمت کو مسجد ہی کے کام میں مرمت وغیرہ میں صَرف کرنا چاہیے، هكذا في الدر المختار : ۲/۳۸۲(۱)۔ واللہ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن، صحیح: عبداللطیف، ۵/۸/۵۲ھ۔

نقائضِ مسجد کی بیع

سوال[۷۰۳۱]: کسی مسجد کی لکڑیاں اور اسپلٹو وغیرہ (۲) اس کے کام میں لگنے کے نہیں یعنی ضرورت سے زائد ہیں تو کوئی ان چیزوں کو خرید کر اپنے کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ محلہ کے مشورہ سے ان زائد از ضرورت اشیاء کی بیع درست ہے اور خریدنے والے کو اپنے کام میں لگانا بھی درست ہے، قیمت مصالحِ مسجد میں صرف کردی جائے:

"سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم: هل لواحدٍ من أهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد، أو إلى هذا المسجد؟

= إليه .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (تبيين الحقائق كتاب الوقف: ۴/۲۶۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(۱) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، و يمسك ثمنه، ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۴/۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(۲) "اسپلٹو: لکڑی کی چیٹھیاں بنانا، لکڑی کے پتلے پتلے ٹکڑے کرنا، چٹھی"۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page: 887, Feroz Sons Lahore)

قال: نعم". شامی(۱)۔ "لاحرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمةٌ إذا بسط، اهـ".
عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/ ۶۶ھ۔

مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۲]: زید نے کچھ اینٹ عیدگاہ بنانے کے لئے متولی ہونے کی حیثیت سے خریدی، لیکن کچھ وجوہ کی بنا پر مسجد کی تعمیر رُکی ہوئی ہے، اب زید جو کہ متولی ہے لوگوں کی رائے سے چاہتا ہے کہ اینٹ بیکار رکھی ہوئی ہے، فروخت کردوں۔ چونکہ اس وقت اس کی گرانی ہے، اس لئے مسجد کا فائدہ ہوگا، کیونکہ سب رقم مسجد ہی پر لگے گی۔ تو دریافت یہ ہے کہ مسجد (عیدگاہ) کی اینٹ فروخت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

رحمت اللہ، متعلم مدرسہ انوار العلوم، بھیری بلیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اینٹ وقف نہیں، بلکہ مسجد کے لئے خریدی گئی اور فی الحال مسجد میں ضرورت نہیں، مصالحِ مسجد کے پیشِ نظر اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، بحر وشامی میں صراحۃً جزئیہ موجود ہے(۳)۔ فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۴/۳۶۰، سعید)
(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۵، رشيديه)
(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً، وللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۴/۳۷۷،سعيد) .... =

مسجد کے فرش کے ملبہ کا نیلام اور استعمال

سوال[۷۰۳۳]: مسجد کا فرش پرانا ہوگیا تھا، اس کو توڑ کر دوسرا نیا فرش لگ رہا ہے۔ فرش کا ملبہ اینٹ روڑے وغیرہ نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس ملبہ کو خریدنے والا بنیادوں میں یا کسی تعمیری کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اس کو خریدنا اور بنیادوں وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دی ہوئی اشیاء کو بار بار نیلام کرنا

سوال[۷۰۳۴]: مرغا، انڈا، کپڑا وغیرہ لوگ مسجد میں خدا کے نام پر دیدیتے ہیں، پھر اس کی نیلامی ہوتی ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جب کہ نیلامی چھڑا کر پھر اس چیز کو مسجد میں دیدیتے ہیں، بار بار ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

نیلام کا یہ طریقہ اس چیز کو اپنی ملک بنانے کے لئے نہیں، بلکہ یہ نیلام خریدنے سے مقصود مسجد کی امداد

= "أما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحةٍ عرضت". (فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲/ ۲۲۴، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۳۶۸، رشيديه)

(۱) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۸، رشيديه)

کرنا ہے، اگر اس میں نام ونمود مقصود نہ ہو تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۸۹ھ۔

مسجد کے تیل کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۵]: جو تیل مسجد میں زائد اکٹھا ہوجائے اس کا فروخت کرنا درست ہے یا نہیں اور قیمت کس جگہ صرف کرنا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تیل ڈالنے والوں کی اجازت سے فروخت کرنا اور جس جگہ وہ اجازت دیں اس جگہ قیمت صرف کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل وغیرہ فروخت کرنا

سوال[۷۰۳۶]: مسلمان مسجد میں چراغ جلانے کے لئے تیل اور پنکھے اور جھاڑوئیں اور چٹائیاں، مٹکیاں، لوٹے وغیرہ لاتے ہیں، بوقتِ ضرورت مذکورہ چیزیں فروخت کرکے متولی اسی مسجد کے دوسرے

---

(۱) نام ونمود چونکہ ریا ہے اور ریا ایک مذموم امر ہے، اس سے بچنا ضروری ہے:

"وعن جندب قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يُرائي يرائي الله به". متفق علیه". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول: "من صلی يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدّق يرائي فقد أشرك".

(مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۵، قديمي)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۴۲۳، رشيديه)

مصارف میں صَرف کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم،۲۶/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/رجب/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد ویران ہونے پر اس کی جائیداد اور سامان کو بیچنے اور رہن رکھنے کا حکم

سوال[۷۰۳۷]: ہماری ایک غیر آباد مسجد کی جائیدادِ غیر منقولہ کو متولی نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردیا، بعد ایک مدت کے اس مسجد کو محلّہ والوں نے آباد کیا، اب اس کے متولی دوسرے لوگ ہیں۔ضروریاتِ مصلّیوں کے لئے پانی کی ٹنکی، غسل خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بنائے، کچھ مسجد کی زمین اور کچھ مسجد کی اس زمین میں جو متولی اول نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔اس وجہ سے دوسری مسجد کے متولیوں نے اس زمین کے قبضہ کو چھڑوانے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ عدالتِ عالیہ نے بعد تحقیقاتِ بلیغہ کے یہ فیصلہ کردیا کہ زمین درحقیقت مسجد غیر آباد کی ہے،متولی کو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

الغرض! دستاویز کو بھی غلط ناقابلِ عمل قرار دیا، مگر چونکہ ہند کے مطابق بارہ برس سے زیادہ مدت کا قبضہ

---

(۱) "مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء. وإن لم يوسع، ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد، ليس للقيم أن يشتري ماذكرنا. وإن لم يعرف شرط الواقف في ذلك، ينظر هذا القيم إلى من كان قبله، فإن كانوا يشترون من أوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجر وماذكرنا، كان للقيم أن يفعل ذلك، وإلا فلا، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۵۸۱، ۵۸۲، قديمي)

دوسری مسجد والوں کا ہے اس لئے زمین کا قبضہ دوسری مسجد والوں کو دیا جاتا ہے، اس لئے کہ دوسری مسجد والے اس کو آباد رکھنا نہیں چاہتے، بلکہ ضرار وغیرہ کا فتویٰ لے کر دوبارہ ویران کرنے کی پوری کوشش کر چکے تھے، تمام غسل خانہ، پیشاب خانے، پانی کی ٹنکی، مسجد کی سیڑھیاں وغیرہ بامداد پولیس توڑ پھوڑ کر ایک ڈھیر بنادیا، یہاں تک کہ جس کنویں کا پانی مسجد میں لیا جاتا تھا اس میں گوبر، پاخانہ وغیرہ ڈالا اور اس میں پیشاب کیا، مسجد میں آنے کا ایک طرف کا راستہ بند کردیا۔

یہ واقعہ ہے جو جناب کی سہولت کے لئے گوش گذار کیا گیا، اب چند امور کا استفتاء کیا جاتا ہے:

۱...... ایک مسجد کی زمین دوسری مسجد میں لی جاسکتی ہے؟

۲...... کیا متولیوں کو اس کو شرعاً بیچنے کا حق ہے؟

۳...... ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں لینا حرام ہے یا حلال؟

۴...... اگر متولیوں کو مسجد کی زمین بیچنے کا حق شرعاً نہیں ہے تو پھر مسجدِ ثانیہ کے متولیوں کو مسجد کی دوسری جائیدادِ منقولہ وغیر منقولہ کو فروخت کر کے متنازعہ فیہا زمین کے لئے مقدمہ لڑنا جائز ہے؟

۵...... عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے از روئے شریعت صحیح ہے، اور فیصلہ پر عمل کرنا مسلمانوں کو جائز ہے؟

۶...... عدالت نے مسجدِ اُولیٰ کے متولیوں پر مسجد ثانیہ کا خرچہ ڈالا، کیا یہ خرچہ وصول کرنا اور اس کا مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے، اگر اس رقم کا ناجائز پیسہ مسجد میں خرچ کیا جائے تو اس مسجد میں نماز مکروہ تو نہ ہوگی؟

۷...... متنازع فیہا زمین مسجدِ اول کسی کو کرایہ پر نہیں دی، بالکل ویران پڑی رہی۔ اس ڈگری کے بعد مسجدِ ثانیہ کے متولی اس زمین کا کرایہ سالانہ بطور حرجانہ اتنی مدت کا جس مدت تک ویران پڑی رہی بذریعۂ عدالت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کرایہ وصول کرنا شرعاً درست ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس بارے میں جو امداد کرے وہ کس جرم کا مستحق ہے اور یہ پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے؟

۸...... جو لوگ بر بنائے عدالت مسجد اُولیٰ کی توڑ پھوڑ میں شریک ہوئے یا مشورے میں شریک رہے اور اس پر خوش ہوئے اور یوں کہا کہ ہم نے جنت خریدی، ایسے لوگ شرعاً جرم کے مستحق ہوئے، کیا ان کے ایمان میں کچھ خلل تو نہیں پیدا ہوا؟ امام اور بعض لوگ یہاں تک بدکلامی کرتے ہیں کہ ایسے مندر تو بہت توڑے گئے، کیا اس سے لوگ دائرہ اسلام میں رہ گئے ہیں اور کیا ان کی زوجہ نکاح میں رہ سکتی ہے؟

۹......کنویں میں پیشاب وغیرہ کرنا کرانا تاکہ مصلی پانی استعمال نہ کرسکے، اسی طرح ایک طرف کا راستہ مسجد میں آنے کا بند کرادینا تاکہ مصلی تکلیف اٹھا کر دوسری مسجد میں چلا آئے وغیرہ امور کے ارتکاب کرنے والے لوگ ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰہ﴾ الخ(۱) کے تحت داخل ہوسکتے ہیں؟ نیز آیت شریفہ کی کچھ تفصیل بھی بیان فرمائیں۔

۱۰......اگر امام مسجد اس توڑ پھوڑ اور کنویں میں پیشاب کرانے میں شریک ہو اور اس کارِ ناشائستہ کو دخولِ جنت کا ذریعہ سمجھتا ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ کیا مسلمانوں پر ایسے امام کو امامت سے الگ کرنا واجب ہے؟ امام اور بعض لوگ اس مسجد کے مالِ غنیمت سمجھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

۱۱......چند لوگ صلح بین الفریقین کے لئے پڑے ہیں، بات یہاں تک پہنچی ہے کہ مسجد اُولیٰ کے لئے اتنی زمین چھوڑ دی جائے جس میں غسل خانہ وغیرہ بن سکے اور عدالت کا خرچہ نصف مسجد اولی دے۔ کیا یہ صلح موافقِ شرع ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی زمین دوسری مسجد میں دی جاسکتی ہے، شرعاً کچھ قباحت تو نہیں ہے؟ اس بارے میں صلح کی پہلو شرعاً کیا ہے؟

۱۲......ایسے مصلحین شرعاً مجرم تو نہ ہوں گے؟

۱۳......مسجد کو جدید فیشن پر لانے کے لئے مسجد کی پختہ عمارت توڑنا جائز ہے؟ اس جدید فیشن سے صفوں میں بھی کمی آجاتی ہے۔

۱۴......اگر کوئی شخص اس توڑنے کی وجہ سے ناراض ہوکر قانونی چارہ جوئی سے اس کی رکاوٹ کرادے تو وہ شخص گناہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳......اصل یہ ہے جب کوئی شئی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہوجائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنادیا گیا، اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں ہے(۲)، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)

(۲) "فإذا تم ولزم، لایملک ولایملّک، ولا یعار ولا یرھن، اھ". (الدرالمختار). "(قولہ: لا یملک) ای لا یکون مملوکاً لصاحبہ. ولا یملّک: ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ؛ لاستحالۃ =

اور مسجد بن چکی۔ جائیداد منقولہ جو کہ مسجد کی مِلک ہے، وہ اس بارے میں مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

جب مسجد غیر آباد ہو جائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس جائیداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے (۱) اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ بعینہ اس جائیداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے۔ اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں خرچ کیا جائے (۲) اور غیر آباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لئے اگر اس کی چہار دیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنایا جائے جو جائیداد غیر منقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لئے خریدی گئی۔

مسجد کے غیر آباد ہونے یا ضرورت شدیدہ پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہلِ محلّہ کی رائے سے درست ہے اور جو جائیداد غیر منقولہ خود واقف نے وقف کی ہے، اس کی بیع درست نہیں ہوئی (۳)، بلکہ مسجد کے غیر آباد ہونے کی صورت میں اس جائیداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہلِ محلّہ کی رائے سے صرف کرنا

= تملیک الخارج عن ملکه، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "وفی الذخیرة: سئل شمس الأئمة الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطّلت و تعذر استغلالها، هل للمتولی أن یبیعها و یشتری مکانها أخری ؟ قال: نعم". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(۲) "وأما الحصیر والقندیل، فالصحیح من مذهب أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه لا یعود إلی ملک متخذه، بل یحول إلی مسجد آخر، أو یبیعه قیّم المسجد للمسجد". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۳۷/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد، جنس آخذ: ۴۲۴/۴، رشیدیه)

(۳) "وإن لم یُعرف بانی المسجد وبنیٰ أهل المسجد مسجداً، ثم أجمعوا علی بیعه واستعانوا بثمنه فی حق إصلاح المسجد الآخر، لا بأس بها. وإذا عُرف، فلیس لهم أن یبیعوه". (خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد جنس آخر: ۴۲۴/۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۷/۵، ۸۴۸، إدارة القرآن کراچی)

درست ہے(۱)۔اس عبارت سے نمبر:۱،۲،۳ کے جوابات واضح ہوگئے۔

۴...... جب وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے تو اس کو رہن رکھنا درست نہیں ہوتا(۲)۔

۵...... عدالتِ عالیہ کے فیصلہ میں جیسا کہ آپ نے نقل کیا ہے ایک جز شریعت کے مطابق اور قابلِ عمل ہے یعنی یہ کہ ''وقف کی بیع کا متولیوں کو حق نہیں'' اور دستاویز ناقابلِ عمل ہے(۳)۔اور دوسرا جز شریعت کے خلاف ہے اور اہلِ اسلام کے حق میں ناقابلِ قبول ہے یعنی یہ کہ ''بارہ برس سے زیادہ مدت گزرجانے کی بناء پر قبضہ دوسری مسجد والوں کو دیا جاتا ہے''(۴)۔

۶...... یہ خرچہ لینا جائز نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے، مگر مسجد میں اس سے نماز ممنوع نہ ہوگی(۵)۔

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب .... هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم .... ولاينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرةً، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارّة، ويحصل ذلک بالثاني، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(۲،۳) (راجع، ص: ۴۸۱، رقم الحاشية: ۲)

(۴) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۵) "(قوله: لابأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، اهـ. ومثله في المعراج. و ظاهره أن ذلک روايةٌ ضعيفةٌ عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: و لا يفتى بهذا لمافيه من تسليط الظلَمَة على أخذ مال الناس فيأكلونه، اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. (قوله: و فيه): أي في البحر حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لاأن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلَمَة .... و في شرح =

۷...... یہ حرجانہ لینا شرعاً ناجائز ہے اور جو شخص مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ناجائز کام میں امداد کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اگر یہ حرجانہ وصول کرلیا ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، اس کو مسجد میں یا اپنے صرف میں لگانا جائز نہیں (۱)۔

۸...... اگر وہ مسئلہ سے واقف ہیں یعنی یہ کہ شرعاً اس کو توڑنا پھوڑنا ناجائز ہے (۲)، اس میں شرکت کرنے والے سب گنہگار ہوگئے۔ اگر مسجد کی توہین اور تحقیر کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ سخت خطرناک اور اسلام کے خلاف حرکت ہے۔ اسی طرح مسجد کو مندر کہنا اور اس کو شرعی مسجد سمجھتے ہوئے خانۂ خدا کی تحقیر و تذلیل کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ کفر ہے (۳)، اہلِ اسلام سے اس کی توقع نہیں۔ ایسی حالت میں ایسے لوگوں کو علی الاعلان تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح لازم ہے (۴)۔

۹...... کنویں میں نجاست ڈالنا اور پیشاب کرنا خلافِ انسانیت حرکت ہے، اس کی قباحت کسی پر مخفی

= الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعید)

(۱) (راجع، ص: ۴۸۳، رقم الحاشیة: ۵)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "والاستهزاء بشیء من الشرائع کفرٌ". (الدرالمختار، کتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۴، سعید)

"قلت: ویظهر من هذا أن ما کان دلیل الاستخفاف، یکفر به وإن لم یقصد الاستخفاف". (ردالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعید)

(۴) "ما یکون کفراً اتفاقاً، یبطل العمل والنکاح، و أولاده أولاد زنا. و ما فیه خلاف، یؤمر بالاستغفار والتوبة و تجدید النکاح". (الدرالمختار). "(قوله: والتوبة): أی تجدید الإسلام". (ردالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، ومنها ما یتعلق بتلقین الکفر، الخ: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

نہیں۔ مجوس اور نصاریٰ نے بیت المقدس میں نجاست ڈالی تھی اور اس کو خراب و ویران کیا تھا(۱) اور مشرکین عرب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور اس میں نماز پڑھنے سے مقام حدیبیہ میں روک دیا(۲)، ان کی برائی اس آیت شریفہ میں نازل ہوئی کہ:

''اس سے ظالم کون ہے کہ جو اللہ کے گھر میں ذکر ہونے سے روکے اور اس کے گھر کو ویران کردے کہ لوگ وہاں سے اس کا نام نہ لے سکیں، ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے''(۳)۔

اب جو شخص خانۂ خدا کی بے حرمتی کرے اور اس کو ویران کرے اس کا حکم یہی ہے۔

۱۰...... مسجد کا مال کسی حال میں قابلِ غنیمت نہیں، جو لوگ اس کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں(۴) وہ گناہ عظیم

---

(۱) "قال: هم النصارى، وقال المجاهد: هم النصارى كانوا يطرحون في بيت المقدس الأذى و يمنعون الناس أن يصلوا فيه .... وقال السدي: كانوا ظاهروا بخت نصر على خراب بيت المقدس، حتى خربه، و أمر أن تطرح فيه الجيف، وإنما أعانه الروم على خرابه". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۵۶، (سورة البقرة: ۱۱۴)، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) ﴿ومن أظلم ممن منع﴾ الخ، قال: هؤلاء المشركون الذين حالوا بين رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الحديبية .... عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه، أن قريشاً منعوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة عند الكعبة". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۱۶، (البقرة: ۱۱۴)، دارالسلام رياض)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها، أولئك ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم في الدنيا خزيٌ ولهم في الآخرة عذاب عظيم﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) مسجد وقف ہوتی ہے اور وقف واقف کی مِلک سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی مِلک اس طرح بنتا ہے کہ اس کی نفع بندگانِ خدا تعالیٰ کو پہونچتی ہے، لہٰذا وقف کو غنیمت سمجھنا درست نہیں:

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجهٍ تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولايباع ولايوهب ولايورث". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حقٌ، قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾".

(فتح القدير، كتاب الوقف، احكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

میں مبتلا ہیں۔توڑ پھوڑ کرنے والوں کا حکم جواب نمبر:۸ میں گزر چکا ہے، اس جواب میں امام ومقتدی سب کا ایک حکم ہے۔

۱۱...... جب یہ مسجد آباد ہورہی ہے تو اس کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی دوسری مسجد میں نہیں دی جاسکتی، اور وہ زمین جس پر مسجد تھی اس کو تو کسی دوسری مسجد میں دینے کا احتمال ہی نہیں (۱)۔ جو زمین دوسری مسجد والوں نے خریدی تھی، اس کی قیمت پہلی مسجد والے واپس کردیں اور دوسری مسجد والے وہ زمین پہلی مسجد والوں کے حوالہ کردیں (۲)۔ خرچۂ فریقین بذمۂ فریقین ہے۔

۱۲...... جواب نمبر:۱۱ کے موافق صلح کرلینے سے مجرم ہوں گے (۳)۔

۱۳...... محض شوقیہ مسجد توڑنا ہرگز جائز نہیں (۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوى القدسي". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً و لا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوى القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۴۲/۵، رشيديه)

(۳) چونکہ یہ وقف زمین کی بیع ہے جو کہ ناجائز ہے، جب کہ انہوں نے ناجائز معاملہ کرنے والوں کے درمیان صلح کرکے ناجائز کو ناجائز ہی برقرار رکھا ہے، لہٰذا یہ اعانت علی المعصیۃ ہے اور وہ گناہ اور جرم ہے:

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۴) "﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾: أى هدمها وتعطيلها". (روح المعاني: ۳۶۴/۱، (سورة البقرة: ۱۱۴)، مكتبه داراحياء التراث العربي بيروت)

"وفي الكبرى: مسجد مبنى أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من البناء الأول، ليس له ذلك؛ لأنه لاولاية له، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۵۷/۲، رشيديه) ....

۱۴..... گناہ گار نہیں، بلکہ مستحقِ ثواب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/۴/۱۹ھ۔

غیر آباد مسجد کی بنیاد کا مصرف

سوال [۷۰۳۸]: جنگل میں سیکڑوں برس سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ کچھ عمارت کی بنیادیں پختہ ہیں، اس میں ایک بنیاد بطورِ مسجد کے معلوم ہوتی ہے۔ اب اس کی بنیاد نکال کر مسجد میں لگادی جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مسجد ہونا ظاہر ہے، یا کاغذات وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا ثبوت ہے تو اس کی بنیاد کا مسجد میں لگادینا درست ہے (۱) اور اس جگہ کو احاطہ کے ذریعہ سے محفوظ کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۸/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۹/رجب/۶۱ھ۔

= (وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) "ونقل في الذخيرة: عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

غیرآباد مسجد کوفروخت کرنا

سوال[۷۰۲۹]: ہمارے یہاں سے مسلمانوں کے چلے جانے سے بہت سی مساجد ویران ہوگئی ہیں۔عرض یہ ہے کہ کھر، پھونس(۱)،لکڑی، اسپلٹو(۲) وغیرہ سے بنائی ہوئی کچی مسجد کا گھر ہندو کے پاس فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مسلمان خریدار نہیں اور گھر پڑے رہنے میں اضاعتِ اموال اور قیمتی سامان چوری ہوتا ہے۔بصورتِ جواز مسجد کے ایریا کی حفاظت کے لئے شرعی رائے کیا ہے؟ بعض حضرات البحرالرائق کے حوالہ سے مٹی کھود کر پھینکنے کو کہتے ہیں،مگر یہ مٹی کہاں اور کتنی پھینکی جائے، یہ نہیں بتلاتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کتاب کھول کر دیکھو۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاضی خان میں قدآدم پختہ دیوار بنانے کا حکم ہے۔

حضرت والا سے دوسری گزارش یہ ہے کہ مدرسہ کی آمدنی کے لئے مہتمم مدرسہ رجسٹری کردہ موقوفہ اراضی کا مالک بوقت عدم عدم احتیاج مدرسہ کون ہے، واقف یا کمیٹی، اگر کمیٹی ہوتو مہتمم فروخت کرکے دوسرے مدرسہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف کی بیع ناجائز ہے، وقف کا مالک کوئی نہیں، جواس کوفروخت کرسکے(۳)۔اگر مسلمان موجود نہیں رہےتو مسجد کو یا مسجد کے ذمہ دار کوفروخت کرنے کا پھر بھی اختیار نہیں، مسجد کی جگہ کو اگر محفوظ کردیں تو بہتر ہے۔ مسجد کے وقف پر اگر غیر لوگ زبردستی قبضہ کرکے اس کا معاوضہ دیں تو معاوضہ لےکر دوسری جگہ مسجد بنالینا

---

(۱)''پھونس:وہ لمبی گھاس جس کا چھپر بناتے ہیں،پرانی گھاس،جلدجل جانے والا''۔(فیروز اللغات، ص: ۳۱۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲)''اسپلٹو:لکڑی کی چھٹیاں بنانا،لکڑی کے پتلے پتلے ٹکڑے کرنا،چھٹی''۔

(English to english and Urdu Dictionary, Page: 887, Feroz sons Lahore)

(۳) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

درست ہے(۱)۔

غیر آباد مسجد کا سامان فروخت کرنے کے بجائے ایسی مسجد میں منتقل کردیا جائے جہاں وہ کارآمد ہو۔ مسجد کی زمین کو کھود کر مٹی کو پھینک دینے کا مسئلہ مجھے معلوم نہیں، جنہوں نے بتلایا ہے ان سے عبارت نقل کرادیں، یا باب، فصل وجلد کا حوالہ دیکر بھیجیں، تاکہ اس موقع پر تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۰ھ۔

غیر آباد مساجد کو کرایہ پر دینا، یا اس کے سامان کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۴۰]: ۱.....صوبہ جموں کشمیر کے کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کی مسجدیں غیر آباد ہیں اور وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا، ان مسجدوں کی دیواریں گرگئیں اور ملبوں کا ڈھیر بن چکی ہیں اور مسجدوں کی اینٹیں، لکڑیاں اور تختے ضائع ہورہے ہیں، یا وہ غیر مسلم جو ان علاقوں میں رہتے ہیں اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں مجلسِ اوقافِ اسلامیہ جموں یہ کرسکتی ہے کہ گری ہوئی مسجدوں کی اینٹوں کو اور دوسرے سامانوں کو فروخت کرکے دوسری آباد مسجدوں میں یا عام مسلمانوں کی دوسری ضروریات میں ان رقموں کو لگائے؟

۲.....ایسے علاقوں میں بعض مسجدیں ایسی بھی ہیں جہاں پر غیر مسلم پاخانہ، پیشاب اور دوسری گندگیاں کرتے ہیں اور پھیلاتے ہیں۔ کیا ایسی مسجد کسی غیر مسلم کو کرایہ، پر یا بغیر کرایہ رہائش کے لئے دینا تاکہ وہ ناپاکی سے پاک رہے اور دوسری غلاظتوں سے محفوظ رہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر ان مسجدوں کے آباد کرنے کی کوئی صورت نہیں اور سامان ضائع ہورہا ہے تو اس سامان

---

(۱) "إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء، حتى صار بحراً، فيضمن القيمة، و يشترى المتولى بها أرضاً بدلاً. الثالثة: أن يجحد الغاصب ولا بيّنة: أى و أراد دفع القيمة، وللمتولى أخذها، يشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: لایستبدل العامر إلا فی أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۷۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

کو دوسری مساجد میں لگایا جائے (۱) اور ان گری ہوئی مساجد کی چہار دیواری بنا کر اس طرح گھیر دیا جائے کہ ان کی حفاظت ہو جائے۔ اگر چہار دیواری بنانے کے لئے پیسہ نہ ہو تو اس گرے ہوئے ملبہ اینٹ وغیرہ سے بنادیں، یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے بنادیں (۲)، اس کی قیمت کسی دوسرے کام میں صرف نہ کریں، بلکہ مساجد ہی کی ضروریات میں صرف کریں۔

۲...... ان کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں (۳)، حسبِ قدرت واگذار کرانے کی کوشش کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ونقل في الذخيرة: عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه؛ لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".
(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن لبصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".
(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۴) "واگذار: چھوڑا ہوا، پابندی اٹھایا ہوا، واپس کیا گیا۔ واگذار کرانا: جائیداد کو کسی کے قبضے (رہن وغیرہ) سے چھڑانا"۔
(فيروز اللغات، ص: ۶۹۶، فيروز سنز، لاهور)

الفصل الخامس فی المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو گرا کر نئی تعمیر کرنا

سوال[۷۰۴۱]: کسی محلہ میں ایک مسجد جس کی دیواریں اور محراب پختہ ہیں اور اس کی چھت اسپلٹو کی، مگر کثرتِ مصلی کی وجہ سے اہلِ محلہ نے ایک اَور حصہ اس کے متصل بڑھا دیا جس کی تھونیاں لوہے کی ہیں اور بھونچال(۱) کی وجہ سے مسجدِ قدیم کی دیواریں پھٹ گئیں(۲)۔ اب یہ محلہ والے چاہتے ہیں کہ دونوں کو توڑ کر ایک پختہ مستحکم بڑی مسجد بنا دیں تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

وفی الجزء الثانی من البخاری: "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أخبره: أن المسجد كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مبنياً باللبن، وسقفه الجريد، وعمده خشب النخل، فلم يزد فيه أبو بكر رضي الله تعالىٰ عنه شيئاً، وزاد فيه عمر رضی الله تعالیٰ عنه وبناه على بنيانه فی عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم باللبن والجريد، وأعاد عمده خشباً، ثم غيّره عثمان رضی الله تعالیٰ عنه، فزاد فيه زيادةً كثيرةً، وبنیٰ جداره بالحجارة المنقوشة والقصّة، وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج"(۳)۔

قوله: "ثم غيره عثمان" سے اخیر تک کس بات کا مؤید ہے؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

---

(۱) "تھونی: کھمبا، تھم، کھم، ستون، وہ لکڑی جو چھپر یا چھت کے نیچے سہارا دینے کے لئے لگاتے ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۹۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) "بھونچال: زلزلہ، زمین کا لرزہ"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۴۱، فیروز سنز لاهور)

(۳) (صحيح البخاری: ۶۴/۱، كتاب الصلاة، باب بنيان المسجد، قديمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"فی الکبریٰ: مسجدٌ مبنیٌّ أراد رجلٌ أن ینقضه و یبنیه ثانیاً أحکمَ من البناء الأول، لیس له ذلك؛ لأنه لا ولایة له، کذا فی المضمرات. و فی النوازل: إلا أن یخاف أن ینهدم إن لم یهدم، کذا فی التتارخانیة. وتأویله: إذا لم یکن البانی من أهل تلك المحلة، وأما أهل المحلة، فلهم أن یهدموا و یجددوا بنائه و یفرشوا الحصیر ویعلقوا القنادیل، لکن من مال أنفسهم، أما من مال المسجد فلیس لهم ذلك إلا بأمر القاضی، کذا فی الخلاصة". فتاوی عالمگیریه(۱)۔

اس عبارت سے نفسِ سوال کا جواب اورحدیث شریف کا محمل، وفقہ سے تطابق واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ویران ہوجانے کے بعد مسجد کا حکم

سوال[۷۰۴۲]: کسی جگہ کوئی مسجد تھی، بعض مصلحت کی بنا پر اس مسجد کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنوادی گئی تو کیا مسجدِ اول کی زمین وقف کے حکم میں ہمیشہ رہے گی، یا اس کی بیع وفروخت جائز ہوگی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ باقاعدہ شرعی مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، اس کی زمین کو فروخت کرنا یا عاریت پر دینا ناجائز ہے:

قال العلامة الحصکفی رحمه اللّٰه تعالیٰ: "فإذا تم ولزم، لا یملك و لا یملّك و لا یعار و لا

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به: ۲/۴۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد و أوقافه: ۴/۴۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد و ما یتصل به: ۶/۲۶۸، ۲۶۹، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۷، سعید)

یرھن، اھـ". درمختار علی ھامش ردالمحتار: ۵٦٧/٣ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح ہے: عبداللطیف، ۱۵/ ذی القعدہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مسجد ویران ہونے پر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۴۳]: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسجدے بوجۂ تفرقِ اھلِ محلہ ویران شدہ است، نہ اذان، نہ چراغ. بل نوبتِ باینجا رسید کہ اسبابِ منقولش را مالِ غنیمت می شمارند، حتی کہ دلو فروش وغیرہ ازاں دزدیدہ شد، اغلب این است کہ ھیچ از منقولش باقی نماند، وباقی مسجدے خود موجود است. آدمی خواھد کہ وَی را نقل کردہ بجائے دیگر کہ شدید الاحتیاج الی المسجد است بنائے جدید سازد. روا باشد یا نہ؟ برتقدیرِ ثانی اگر نقل کردہ، بمسجدِ ثانی نماز ادا شود یا نہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بهتر آنست کہ اسبابش بسوئے مسجدِ اقرب نقل کردہ شود بمشورۂ اربابِ حل و عقدِ محلہ(۲). اگراین سهل نباشد، دربنائے مسجدِ جدید صَرف نمودن روا خواهد

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) "وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد) .... =

شد، و احترامِ مسجدِ قدیم نیز علی حاله خواهد ماند(۱). ومسجد جدید نماز گزاردن، وجائے که آن وقف شده با ضابطه حکمِ مسجدِ شرعی یافت بے دغدغه روا خواهد شد، والأدلة فی رد المحتار: ۲/۵۷٤(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۹/۲۰ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشیدیه)

(۱) "حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد آخر. ولو خرب أحد المسجدین فی قریة واحدة، فللقاضی صرف الخشبة إلی عمارة المسجد الآخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۵/۴۲۴، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۴/۳۵۹، سعید)

(۲) "ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل و بقوله: جعلتُه مسجداً". (الدرالمختار). "قلت: فی الذخیرة: و بالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف، حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذِن للناس بالصلاة فیه جماعةً، فإنه یصیر مسجداً، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۵، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن کراچی)

ترجمہ سوال و جواب: علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد اہلِ محلہ کے متفرق ہوجانے سے ویران ہوگئی ہے کہ نہ اذان نہ چراغ، بلکہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ اسبابِ منقولہ کو لوگ مالِ غنیمت شمار کرتے ہیں حتی کہ اس کا ڈول وغیرہ چرالئے گئے۔ اغلب یہ ہے کہ کوئی چیز اسباب منقولہ سے باقی نہیں رہی، باقی خود موجود ہے۔ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کو منتقل کر کے دوسری جگہ جہاں مسجد کی شدید حاجت ہے جدید مسجد بنائے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ برتقدیر ثانی اگر منتقل کرلی گئی تو مسجد ثانی میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ اس کا سامان محلہ کے اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے قریب ترین مسجد میں منتقل کردیا جائے۔ اگر یہ سہل نہ ہو تو جدید مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا بھی درست ہوگا اور مسجد قدیم کا احترام بھی علیٰ حالہ باقی رہے گا اور مسجدِ جدید میں نماز ادا ہونا اور اس جگہ میں جو وقف ہو کر باقاعدہ مسجد بنے گی بے شبہ درست ہوگا۔ ردالمحتار میں دلائل موجود ہیں۔ فقط۔

مکانات کے فروخت کرنے سے ویران مسجد کا حکم

سوال[۷۰۴۴]: ۱...... ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں تقریباً دوسو سال سے مختلف قوم کے لوگ رہتے ہیں، اس میں سوڈیڑھ سو گھر مسلمانوں کے بھی ہیں۔ اس گلی میں ایک مسجد بھی ہے، کئی سال محلّہ اور مسجد آباد رہی، اب کسی وجہ سے مسلمان ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو غیر قوم یعنی کفار کے ہاتھ فروخت کر کے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو مسجد ویران ہوجائے گی۔ تو مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے اس طرح مکانات فروخت کرنا کیسا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اہلِ ثروت حضرات اس ویران ہونے والی مسجد کا خیال رکھ کر آباد کرنا چاہتے ہیں تو آباد کرسکتے ہیں، مثلاً زکوۃ وغیرہ کے روپے جمع کر کے اس سے فروخت شدہ مکانات واپس لیکر کرایہ پر ان کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۳...... اگر کوئی مالدار مسجد کا خیال رکھتے ہوئے اسی محلّہ میں نیا گھر تعمیر کرے، یا تعمیر کرنے والوں کی امداد کرے تو کیسا ہے؟

۴...... اہلِ ثروت حضرات کو بار بار اس مسجد کی ویرانی کے اسباب سنائے جاتے ہیں، مگر کوئی ایک بھی اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں خدائی فرمان کیا ہے؟

۵...... ایک حدیث سنی گئی ہے جو حج سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ ویران ہونے والی مسجد کو آباد کیا جائے۔ یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جہاں تک جوازِ بیع کا تعلق ہے، وہ تو ظاہر ہے کہ مالک کو اپنی ملک فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، اهـ". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعریف المال: ۴/۵۰۲، سعید)

"کلّ یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر یمنع المالک من تصرفه لوجه الاستغلال". (شرح المجلة، الفصل الأول فی بعض أحکام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

اور بطریقِ شرعی ایجاب وقبول سے بیع صحیح ہوجائے گی (۱)، لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کو اس کا لحاظ چاہئے کہ بغیر مجبوری کے ایسا نہ کریں، مجبوری کی حالت میں تو ہجرت بھی ثابت ہے۔

۲......اگر وہ اپنے فروخت کردہ مکانات کو پھر خرید کر مسلمانوں کو کرایہ پر دیدیں جس سے مسجد آباد ہوجائے تو یقیناً بہت بڑا اقدام ہوگا، مگر اس کی ترغیب ہی دی جاسکتی ہے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور زکوۃ کا روپیہ اس میں خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ غرباء کا حق ہے (۲)۔

۳......انشاء اللہ تعالیٰ اپنی نیت کے پیشِ نظر اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا (۳)۔

۴......ان کے لئے از خود کوئی وعید تجویز نہیں کیا جاسکتی، ترغیب دی جاسکتی ہے۔

۵......مجھے یہ روایت محفوظ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو گرانا

سوال [۷۰۴۵]: کیا سابق متولی کی اجازت کے بغیر مسجد گرائی جائے، عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "البیع ینعقد بالإیجاب والقبول إذا کانا بلفظی الماضی". (الهدایة، کتاب البیوع: ۱۸/۳، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) "لا یصرف إلی بناء مسجد ولا إلی کفن میت و قضاء دینه". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف: ۱۸۸/۱، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکاة: ۲۷۲/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "إنما الأعمال بالنیات وإنما لامریء ما نوی". (صحیح البخاری: ۲/۱، باب کیف کان بدء الوحی، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کیوں گرائی جارہی ہے؟ کیا پرانی ہوگئی تھی؟ یا جگہ ناکافی تھی؟ یا کوئی اَور بات ہے؟ صاف صاف لکھا جاوے تب جواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/۲/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

پرانی مسجد کو آباد کرنا

سوال[۷۰۴۶]: میں نے تعمیرِ مکان کے لئے زمین خریدی، اس زمین کے احاطہ میں ایک گوشہ میں ایک قطعۂ زمین ۶/ فٹ لمبی ۱۵/ فٹ چوڑی مسجد کے نام سے گھری ہوئی ہے، دیواریں تین فٹ سے زائد اونچی ہیں۔ اور لوگ بتلاتے ہیں کہ کسی وقت یہاں نماز ہوا کرتی تھی، مگر سالہا سال سے اس میں اذان اور نماز قطعاً موقوف ہے، اس محلّہ میں دو مسجدیں اَور ہیں جہاں باقاعدہ نماز واذان پنجگانہ ادا ہوا کرتی ہے۔ تو اس زمین کو فروخت کر کے محلّہ کی دوسری مسجد میں اس کے روپے کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پھر مسجد کے نام سے ہی باقی رکھا جائے، یا اس کی تعمیر ضروری ہے، یا اس میں نماز ادا کرنا ہی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب یہ معلوم ہے کہ یہاں نماز ادا ہوا کرتی تھی اور اس کی ہیئت بھی بتاتی ہے کہ یہ قطعۂ زمین جداگانہ ہے، کسی کے مکان کا جزو نہیں ہے اور تین فٹ سے زائد اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور کوئی ملک کا مدعی نہیں، اس لئے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔ اگر اس کی تعمیر کی اہلِ محلّہ میں گنجائش نہیں تو بغیر تعمیر ہی وہاں اذان ونماز جماعت کا انتظام کیا جائے، آہستہ آہستہ اس کی تعمیر کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "فإذا تمّ ولزم، لا يملك و لا يملّك ولايعار ولا يرهن، اهـ". (الدر المختار). "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

مسجد قدیم کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۴۷]: عرصہ دس سال کا ہوا ہمارے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جس پر ہندو مسلم تنازعہ پیدا ہوا اور تعمیرِ مسجد رُک گئی، مگر اذان ونماز اور نمازِ جمعہ اس میں برابر ہو رہی ہے۔ مگر اب ہندو لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو چھوڑ کر تم کسی دوسری جگہ مسجد بنالو اور اس زمین کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرلو، مثلاً اسلامیہ مدرسہ بنالو اور یہ زمین مسجد کے نام سے رجسٹری ایک مسلمان نے کرادی ہے، ایسی صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد بناسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہاں اذان وجماعت دس سال سے ہو رہی ہے تو اس اذان وجماعت کو بند نہ کریں، بدستور جاری رکھیں، وہ جگہ شرعاً مسجد ہے(۱)، اس کو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص نہ کریں(۲)، نہ اس کے عوض دوسری جگہ مسجد بنائیں(۳)۔ اگر اس کی چہار دیواری نہیں ہے تو چہار دیواری بنا کر دروازہ لگا کر محفوظ کردیں اور پانچویں وقت اذان وجماعت کا اہتمام رکھیں۔ اتنی بات پر دوسروں کو بھی اعتراض نہیں۔

اگر فساد کا اندیشہ ہے تو ایسی پختہ مسجد نہ بنائیں، البتہ اس میں تعلیمِ قرآن شریف کا انتظام کردیں کہ وہاں تعلیم بھی ہوا کرے اور نماز بھی، حسبِ ضرورت بچوں کے بیٹھنے کے لئے سائبان وغیرہ کا انتظام کرلیں(۴)،

(۱) "ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، كذا في الكفاية". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد: ۲/۴۵۵، رشيديه)
(وكذا فی فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد: ۶/۲۳۳، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثانی أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".
(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)
(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۳) "والثالث: أن لا يشترط أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(۴) "ومن علم الأطفال فيه، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان فی المسجد لا بأس به، اهـ". (الدر المختار =

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا مسجد بن جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۸ھ۔

پرانی مسجد کی اینٹیں، پتھر، جوتے رکھنے کی جگہ لگانا

سوال[۷۰۴۸]: ایک جھوٹی سی مسجد تھی اس کو شہید کر کے بڑی مسجد بنائی گئی، اس کا فرش، صحن پتھر کا تھا، وہ پتھر نالی سے باہر جوتے اتارنے کی جگہ لگا دیا گیا، اب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس پتھر پر سجدہ ہوتا تھا، آج وہ پتھر جوتے اتارنے کی جگہ لگا دیا ہے، جس سے بے حرمتی ہوتی ہے۔ بہر حال اس پر جوتے اتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پتھر ایسی جگہ نہ لگائے جاتے تو بہتر تھا جہاں جوتے نکالے اور رکھے جاتے ہیں، کیوں کہ یہ خلافِ تعظیم ہے:

"ویجوز رمی برایة القلم الجدید، ولا ترمی برایة المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم، کذا فی القنیة، اھ". عالمگیری: ۹۵/٤(۱)۔

= مع ردالمحتار، فصل فی البیع: ۴۲۸/٦، سعید)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتکاف و ذکر شرعي و تعلیم علم أو تعلمه وقراءة قرآن". (الأشباه والنظائر مع شرحه غمز عیون البصائر للحموی، القول فی احکام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۴/۵، رشیدیه)

"یجوز رمی برایة القلم الجدید ولاترمی برایة القلم المستعمل، لاحترامه، کحشیش المسجد وکناسته لایُلقی فی موضعٍ یخل بالتعظیم". (الدرالمختار، کتاب الطهارة: ۱۷۸/۱، سعید)

تاہم اب جب کہ ان پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو ان کا وہ حکم نہیں جو مسجد کے فرش میں لگے ہوئے کا تھا:

"لاحرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمته إذا بسط، اھ". بحر: ۵/ ۲۵۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۵ھ۔

پرانی مسجد چھوڑ کر نئی مسجد میں جانا

سوال[۷۰۴۹]: ایک مسجد جو تقریباً عرصہ سو سال سے قائم ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ادا کرتے چلے آئے ہیں، مگر ایک رئیس صاحب نے دوسری مسجد بنوا کر مسجدِ اول کے نمازیوں کو بہکانا شروع کر دیا ہے کہ جس کے اثر سے اکثر نمازی اب مسجدِ ثانی میں نماز ادا کرتے ہیں، لہذا بہکانے والوں کو کیا کہا جائے گا اور ایسے نمازیوں کی نماز کیسی ہوگی؟ اور مسجد ثانی حکم میں مسجد کے ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد ثانی بنوانے کے اسباب کیا ہیں، اگر مسجد اول میں جگہ کی قلت اور نمازیوں کی کثرت ہے تو مسجد ثانی یقیناً مسجد ہے(۲) اور ایسی حالت میں نمازیوں کی نماز میں کوئی اشکال نہیں، البتہ نمازیوں کو بہکانا برا ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۱۹/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیہ)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن یتخذ المسجد فی الدور وأن تطھر وتطیب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطھر المساجد وتطیبها، ص: ۵۵، قدیمی)

"وعن عطاء: لما فتح اللہ تعالیٰ الأمصار علی ید عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه، أمر المسلمین أن یبنوا المساجد، وأن لایتخذوا فی مدینة مسجدین یضار أحدھما صاحبه". (الکشاف: ۳۱۰/۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالکتاب العربی بیروت)

(وکذا فی روح المعانی: ۲۱/۱۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت) .... =

بہتر یہ ہے کہ جس نمازی کے قریب جو مسجد ہو اس میں نماز پڑھے تا کہ دونوں مسجد آباد رہیں (۱)۔ اگر کسی اور سبب سے دوسری مسجد بنوائی گئی ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ شعبان/ ۶۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في معالم التنزيل للبغوى: ۲/ ۳۲۷، إدارہ تاليفات أشرفيه لاهور)

"أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لا بأس به. والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۴۱۹، رشيديه)

(۱) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذٍ لسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات. وذكر قاضي خان وصاحب منية المفتي و غيرهما أن الأقدم أفضل، فإن استويا في القدم فالأقرب أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی توسیع

سوال[۷۰۵۰]: تعمیر مسجد کے بارے میں مسجد کن وجوہات کی بنا پر باندھنی لازم ہوگی:

۱..... سوسال پرانی مسجد آبادی کے لحاظ سے بالکل تنگ ہو رہی ہے۔

۲..... پرانی مسجد کے چاروں طرف بڑھانے کی جگہ نہیں، بلکہ دو جانب ہی بڑھا سکتے ہیں۔

۳..... مسجد عین پبلک راستے کے کنارہ پر واقع ہے جس کے سبب بعض دفعہ مسجد کے پائے کو بیل گاڑی کے پہیوں کی ٹھوکریں لگ جاتی ہیں، گاڑیوں کی وجہ سے مسجد میں دھول ہی دھول ہو جاتی ہے(۱)۔

۴..... پرانی مسجد کے آگے اتنا بڑا صحن نہیں ہے کہ حصار کمپاؤنڈ بنا سکیں تا کہ سامنے جو جنرل سڑک روڈ پر سے وضو کرتے وقت نامحرم اور ہر مذہب کی عورتیں گزرتی ہیں، ان پر نظر نہ پڑے جس کی وجہ سے وضو میں خرابی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر بستی والوں کی تکلیفیں دور کرنے کی خاطر قریب ہی پرانی مسجد ویسی ہی رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پرانی مسجد کو دینی مدرسہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمازی زیادہ ہیں اور مسجد میں نہیں سما سکتے تو مسجد کو بڑھا لیا جائے، جس طرف سے بھی جگہ ملے، جگہ لیکر مسجد کو توسیع کر لیا جائے (۲)۔ اگر گنجائش نہ ہو تو حسب ضرورت مناسب موقع پر

---

(۱) "دھول: خاک، گرد، راکھ، مٹی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۸، فیروز اینڈ سنز، لاہور)

(۲) "أرض وقف علی مسجد، والأرض بجنب ذلک المسجد، وأرادوا أن یزیدوا فی المسجد شیئاً من الأرض، جاز، لکن یرفعون الأمر إلی القاضی لیاذن لهم. ومستغل الوقف کالدار والحانوت علی هذا". =

دوسری مسجد ہی تعمیر کرلی جائے (۱)، اس طرح کہ ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے نہ ٹکرائے اور خلل پیدا نہ ہو اور دونوں نئی پرانی مسجدیں حسن وخوبی سے آباد رہیں (۲)۔

شرعی مسجد کو مستقلاً کسی دوسرے کام مثلاً تعلیم وغیرہ کے لئے تجویز ومخصوص کردینا جائز نہیں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توسیعِ مسجد کی ایک صورت

سوال [۷۰۵۱]: کشمیر میں ایک قصبہ توپیاں کے نام سے واقع ہے، اسی قصبہ میں اہلِ اسلام کی ایک جامع مسجد ہمیشہ سے آباد ہے، امتدادِ زمانہ سے یہ مسجد نہایت خستہ ہوگئی تھی، اور رمضان شریف کے جمعہ میں

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، الخ: ۴/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(۱) "عن انس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببناء المسجد فقال: "يا بني النجار! ثامنوني حائطكم هذا". قالوا: لا والله! لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عزوجل". (صحيح البخاري: ۱/۳۸۸، كتاب الوصايا، باب إذا وقف جماعة أرضاً مشاعاً، الخ، قديمي)

(۲) "أهل المحلة قسّموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد، لابأس به. والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۸، رشيديه)

نمازیوں کے لئے غیر مکتفی تھی، علاقہ بھر کے مسلمان نمازی نہیں سما سکتے تھے، لہذا مقامی لوگوں نے اس مسجد کو وسعت کے ساتھ تعمیرِ نو کرنے کے متعلق فیصلہ کرلیا، مگر سوائے حصۂ مغرب کے کسی طرف میں توسیع کی گنجائش نہ تھی، صرف جہتِ مغرب میں اس مسجد کا خرد بردمقبوضہ رقبۂ زمین واقع تھا، لہذا مسجد کو اسی جہت آگے بڑھانے کا مشورہ پاس ہوگیا۔

کشمیر میں شاہانِ مغل کے انداز میں تعمیر کے مطابق جامع مسجد کی بھی ایک ساخت ہوتی ہے، اسی کے مطابق تعمیر جدید کا نقشہ مرتب ہوگیا کہ سابقہ مسجد کا چوتھا حصہ جہتِ مغرب سے تعمیر جدید میں شامل ہوگیا، باقی تین حصہ مسجد ہذا کے صحن کی صورت میں احکام میں مسجد بغیر بام رہ گئے، یعنی جدید تعمیر کو اگر چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے تین حصہ مغربی طرف کے مذکورہ مسجد پر واقع ہوئے ہیں اور باقی چوتھا حصہ سابقہ مسجد کے رہنے سے پورا ہوجاتا ہے۔ اب جہتِ مشرق کو اصل مسجد کے تین حصہ کی زمین ہے وہ اب بغیر بام (۱) مسجد بصورتِ صحن بغیر کسی انفصال کے محفوظ وموجود ہے، اس میں ہی بادل برف وبارش نہ ہونے کے وقت پر نوافل وفرائض کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس صحن میں بے غسل وبے وضو داخل ہوجانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بدستور مسجد جامع کا اطلاق دونوں پر کیا جاتا ہے دروازہ مشرقی خاص ایسی زمین پر بنا ہوا ہے جس پر قدیم دروازہ تھا۔ نقشۂ دیوار استفتاء سے واضح ہوجائے گا۔ کیا یہ تعمیر مسجد جامع ہذا بموجب شریعت اسلام جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو مسئلہ: "ویجوز جعل المسجد رحبة، والرحبة مسجداً". کا کیا مفہوم ہے؟ یہ عمل تعمیر مسجد جو یہاں کے اہل اسلام نے کیا ہے اس میں ثواب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تصرف واقف یا بانی یا اکثر اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے کیا گیا ہے اور اس سے مسجد کی مسجدیت یا اَور کوئی مصلحت فوت نہیں ہوتی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بوقتِ ضرورت شرعاً ایسا تصرف جائز ہے اور باعثِ اجروثواب ہے:

"في الكبرى: مسجدٌ أراد أهله أن يجعل الرحبة مسجداً أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، وأرادوا أن يحوّلوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر

(۱) "بام: چھت کے اوپر کے حصہ، بالاخانہ، کوٹھا، بالائی منزل"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۷۳، فيروز سنز لاهور)

وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". فتاوى عالمگیری: ۲/۴۵٦(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

بلاضرورت توسیعِ مسجد کے لئے برآمدہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۰۵۲]: ۱۹۴۶ء میں ایک مسجد بنائی، بناتے وقت میں نے یہ نیت کی کہ یہ مسجد دروازہ تک ہے، یہ مسجد کا حصہ ہے اور یہ باہر کا حصہ ہے جس کو برآمدہ کہتے ہیں، یہ مسجد سے باہر ہے مسجد نہیں۔ میں مسجد کی تعمیر کرنے والا تھا۔ آج ۳۹/ سال ہوئے، اب جماعت کے چند آدمی یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا برآمدہ (جو باہر کا حصہ ہے) کو مسجد میں شامل کردو۔ کیا یہ ہوسکتا ہے؟ مسجد میں کچھ کمی نہیں، بہت جگہ ہے، بلاضرورت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر باہر کا حصہ مسجد میں داخل کردیا جائے تو معتکف برآمدہ میں ٹہل سکتے ہیں اور باہر کیا ہورہا ہے دیکھے اور ہواخوری کرے۔ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اس مقصد کے لئے کہ معتکف اعتکاف میں رہتے ہوئے باہر کی چیزیں دیکھ لیا کرے، مسجد کی توسیع کی ضرورت نہیں، لہٰذا جو حصہ باہر کا ہے اس کو باہر ہی رہنے دیا جائے، مسجد میں داخل نہ کیا جائے۔ ہاں! اگر مسجد میں اتنی تنگی ہے کہ نمازی نہ آسکتے ہوں تو آپس کے مشورہ سے وہ حصہ داخل کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵٦، رشيديه)

"سئل أبو القاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبةً، والرحبة مسجداً، أو يتخذوا له باباً، أو يحولوا بابه عن موضعه، وأبى البعض ذلك، قال: إذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم، ليس للأقل منعهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲٦۸، رشيديه)

(۲) "وفي الكبرى: مسجدٌ أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبةً، وأرادو أن يحدثوا له=

مسجد کے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۰۵۳]: مسجد سے ملی جلی شروع سے بنامِ مدرسہ الگ سے ایک جگہ متعین ہے، کیا اس جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ چلایا جاسکتا ہے؟ اور بسا اوقات نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر مذکورہ بالا جگہ میں امام مسجد ہی کی امامت میں باجماعت نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۱)، اگر جداگانہ (وقف) ہے مدرسہ کے لئے، تو اس کو مسجد میں شامل نہ کیا جائے (۲)، اگر مسجد کے لئے وقف ہے تو آپس کے مشورہ سے حسبِ ضرورت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے (۳)۔ مجمع زیادہ ہونے کے وقت اگر وہاں تک صفوف

= باباً، وارادو أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك. فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک، الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاک: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلک: أي الصرف المذكور". (الدرالمختار). "ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر. وهي واقعة الفتوی، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(۳) "وفي الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له =

متصل ہیں تو امام کی اقتداء میں وہاں نماز درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

مسجد کے متصل قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

الاستفتاء [۷۰۵۴]: مسجد کی دیوار کے باہر پختہ قبریں بنی ہیں اور مسلمان مسجد کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو کیا قبروں کی اینٹیں نکال کر قبروں کو برابر کر کے مسجد کو آگے بڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے اس جگہ کی قبریں برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۲) اوران قبروں کی اینٹوں کو بھی مالک کی اجازت سے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی

= باباً، و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۸، رشيديه)

(۱) "هذا إذا لم تكن الصفوف متصلةً علي الطريق، أما إذا اتصلت الصفوف لا يمنع الاقتداء و لو كان على الطريق واحد لايثبت به الاتصال، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء و ما لا يمنع: ۱/۸۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، رشيديه)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد؟: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة دمشق)

ہوں کہ اب ان میں میت موجود نہ ہو، بلکہ مٹی بن چکی ہو(۱)۔ اگر وہ جگہ قبروں کے لئے وقف ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

صحنِ مسجد سے متصل قبروں کا حکم

سوال[۷۰۵۵]: ایک مسجد کے تین نمبر ہیں: نمبر:۱- سہ دری وغیرہ۔ نمبر:۲- صحن وغیرہ۔ نمبر:۳- قبریں۔ یہ شاہی زمانہ کی مسجد ہے۔ نمبر:۱، میں پانچوں وقت کی نماز ہوتی ہے، نمبر:۲، میں گرمی میں عشاء کی نماز ہوتی ہے اور عید کی نماز، نمبر:۳، کھلی جگہ ہوتی ہے اور بیڑی وغیرہ پینے کے لئے بھی بیٹھتے ہیں، متولی صاحب منع کرتے ہیں تو اس میں حصہ مسجد کون ہے اور خارج مسجد حصہ کون؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمبر:۳ کی جگہ بظاہر مسجد نہیں ہے، اس لئے کہ وہاں قبریں موجود ہیں، لہذا اس جگہ پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، وہاں بلاغسل جانا بھی درست ہوگا(۳)۔ نماز میں اگر قبریں سامنے ہوں تو وہاں نماز پڑھنا

---

(۱) "ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ و البناء علیہ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(۲) "مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیہا آثار المقبرۃ، ہل یباح لأہل المحلۃ الانتفاع بہا؟ قال أبو نصر رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یباح". (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، الخ: ۳/۳۱۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مکتبہ مصطفی البابی مصر)

(۳) "أی یمنع الحیض دخول المسجد، وکذا الجنابۃ، وخرج بالمسجد غیرہ کمصلی العید والجنائز =

ممنوع ہوگا اگرچہ نمازِ عید ہو(۱)۔ قبروں کا بھی احترام ہے، وہاں دنیا کی باتیں کرنا اور بیڑی پینا اگرچہ اس درجہ میں منع نہ ہو جس درجہ میں مسجد میں منع ہے، لیکن قبروں کے احترام کے خلاف ہے، وہاں قرآن پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ متولی صاحب کو بھی چاہئے کہ اس معاملہ میں سختی نہ کریں، بلکہ نرمی سے نصیحت کریں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۸۹ھ۔

مسجد کے صحن میں توسیع کے لئے قبر کو داخلِ مسجد کرنا

الاستفتاء [۷۰۵۶]: ایک مسجد ہے جس کا فرش چھوٹا ہے، اس کی توسیع کی ضرورت ہے، جو فرش بنا ہوا ہے اس کے آگے بڑھانے میں ایک قبر پڑتی ہے۔ کیا شرعاً یہ گنجائش ہے کہ اس قبر پر ڈاٹ لگادی جائے اور اس کو صحن مسجد میں لے لی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر مملوکہ زمین میں ہے اور اتنی پرانی ہے کہ اس میں میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو مالک کی اجازت سے اس زمین کو مسجد میں داخل کرنا درست ہے اور قبر کو بالکل ختم کر دیا جائے، اس کا کوئی نشان باقی نہ رکھا

= والمدرسة والرباط، فلا يمنعان من دخولها .... وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۷۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطي و الجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن﴾ الآية. (سورة النحل: ۱۲۵)

جائے: "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، اهـ". درمختار (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے۔ اور اگر قبر مسجد ہی کی زمین میں ہے تو بغیر کسی کی اجازت کے متولی اس کو فرشِ مسجد میں داخل کرسکتا ہے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

مسجد میں قبریں شامل کرنا

سوال [۷۰۵۷]: ایک مسجد کا صحن کم ہے، پورب کی جانب قبریں ہیں۔ کیا ان کو برابر کرکے مسجد میں شامل کرسکتے ہیں، تاکہ زیادہ لوگ آسکیں اور برابر کرنے کی کیا صورت ہے؟ بعض قبریں پختہ ہیں اور بعض خام ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قبروں کی زمین مملوکہ ہے یا وقف ہے اور یہ قبریں نئی ہیں یا پرانی کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے، اگر

---

(۱) (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلى الميت، و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، و زرعه، و البناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم ار بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعه المنيرية، دمشق)

زمین مملوک ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے (۱)۔ اور اگر قبریں اتنی پرانی نہیں تو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے قبروں اور موتی کی توہین ہوتی ہے (۲)، نیز موتی کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تب بھی شامل کرنا جائز نہیں (۳)۔ اور اگر قبریں پرانی ہوچکیں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اَور مُردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے:

"ولو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره و زرعه والبناء عليه، اهـ".

زيلعي: ١/٢٤٦ (٤)۔ "قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنىٰ قوم عليها

---

(۱) "وأما المقبرة الدائرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "إن كان فيها ميت لم يَبْل، و ما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تَبل أربابها وإدخال أجانب عليهم، فهو من المنكر الظاهر". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۳) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل تباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالىٰ: لا يباح". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مكتبه مصطفى البابي مصر)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"و لو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

مسجداً، لم أربذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد، اهـ". عینی شرح بخاری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزار کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا

سوال[۷۰۵۸]: ہمارے یہاں مسجد کے اندر بخاری شاہ صاحب کا مزار ہے، وہ اتنا لمبا چوڑا ہے کہ جس کی وجہ سے نماز کے لئے بڑی دقت ہوتی ہے اور مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے تو کیا اس مزار شریف کو کاٹ کر حسبِ ضرورت چھوٹی قبر کر سکتے ہیں یا نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر کا احترام ضروری ہے، خاص کر کسی بزرگ کی قبر کا، لیکن قبر وہی ہے جس میں مردہ ہو، جتنی مقدار قبر کی مردہ سے زائد بنادی جائے وہ قبر نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے، اس کا حکم قبر کی طرح نہیں۔ پس اگر اتنی لمبی چوڑی ہے کہ مردہ کے قد سے بہت زیادہ ہے تو مقدارِ زائد کا کاٹ کر ختم کر دینا قبر کی بے حرمتی نہیں ہے۔ اگر قبر اتنی پرانی ہے کہ میت اس میں باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن کر ختم ہو جائے تو قبر کا حکم بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس جگہ حسبِ ضرورت تعمیر وغیرہ کی بھی اجازت ہوتی ہے(۲)۔

---

(۱) (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "و لو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره و زرعه و البناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه).

(وكذا فى ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد) .... =

اگر ایسی قبر مسجد میں ہوتو اس جگہ کوصاف کر کے مسجد کے کام میں بھی لایا جاسکتا ہے، لیکن تمام نمازیوں اور سمجھدار لوگوں سے مشورہ کر کے اول اہل محلہ کو پوری طرح ذہن نشین کرادیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مزار شریف کا کوئی حصہ یا تمام توڑنے سے فتنہ پیدا ہو اور فساد کی صورت ہو کر مقدمہ بازی کی نوبت آئے اور موجودہ مسجد بھی خطرہ میں پڑ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

توسیع کے لئے کچھ راستہ مسجد میں لینا

سوال[۷۰۵۹]: مسجد کے پاس عام راستہ جو پچھم سے پورب (۱) کی طرف ہے، اس راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر سب کی اجازت نہ ہو اور کچھ کی اجازت ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر راستہ بڑا ہے، کچھ حصہ مسجد میں لینے سے تنگی نہیں ہوگی تو مشورہ کر کے بقدر ضرورت مسجد میں لے سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے (۲)، اس پر سب کو رضامند ہونا چاہیے۔ اتنی جگہ نہ لیں کہ راستہ تنگ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۱۱ھ۔

= "وأما المقبرة الدائرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى به، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۱) "پچھم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز لاهور)

"پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاهور)

(۲) "طريق للعامة هى واسع فبنى فيه أهل المحلة مسجداً للعامة، ولا يضر ذلك بالطريق، قالوا: لا بأس به، وهكذا روى عن أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ؛ لأن الطريق للمسلمين والمسجد لهم أيضاً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۲، ۲۹۳، رشيديه) .... =

راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کرنا

سوال[۷۰۲۰]: مسجد میں جگہ کی تنگی ہے، مسجد کے پیچھے ایک عام راستہ پڑا ہے، اگر مسجد کو کچھ بڑھا لیا جائے تو کسی کو تکلیف نہ ہوگی، سب نمازی اس پر متفق ہیں، مگر ایک شخص نے کچھ مٹی ڈال کر اس پر قبضہ جما رکھا ہے، وہ مخالف ہے۔ اس حالت میں اگر مسجد کو بڑھا لیا جائے تو اس میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ راستہ کسی کی مِلک نہیں، عام لوگوں کے چلنے کے لئے ہے اور مسجد میں تنگی ہے اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے اور اس بڑھانے سے گزرنے والوں کو تنگی اور پریشانی نہیں ہوگی، نہ کسی کا راستہ رُکے گا تو مسجد کو بقدرِ ضرورت بڑھا لیا جائے۔ اگر اس کے لئے کسی کی مملوکہ زمین مسجد میں شامل کرنا چاہیں، وہ بلا قیمت نہ دیں تو اس سے خرید کر مسجد میں شامل کر سکتے ہیں:

"جعل شيء من الطريق مسجداً لضيقه ولم يضرّ بالمارّين، جاز. تؤخذ أرض بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً، اهـ". درمختار مختصراً: ۳۸۳/۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱/۲۳ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵۹۵/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۷/۴، ۳۷۹، سعيد)

"قوله: (وإن جعل شيء من الطريق مسجداً، الخ) يعني إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتّسع، فأدخلوا شيئاً من الطريق يتسع المسجد، وكان ذلك لايضر بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لماروى عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، رشيديه) .... ـــ

توسیعِ مسجد کے لئے پڑوسی کی زمین لینا

سوال[۷۰۶۱]: دکھن(۱) طرف مکان ہے اور اُتر (۲) طرف مسجد ہے، مسجد کا دروازہ پورب طرف ہے(۳)، مکان اور مسجد کے درمیان زمین افتادہ ۲۴۰/ ہاتھ پڑتی ہے۔ دکھن جس کا مکان ہے اس کا صحن بھی اسی طرف ہے، وہ مکان والا چاہتا ہے کہ مکان بنائے اور ایک شخص نے وہ زمین چھ ہاتھ کھور(۴) چھوڑ کر مسجد کے لئے خرید کر چھوڑ دیا ہے جس کا اس کو اقرار ہے۔ تو اب مکان بنانے کے لئے کسی کو دی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مسجد کے بڑھانے کا ارادہ پہلے سے تھا، پڑی ہوئی زمین وقف ہوئی یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ عبارت عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے خرید کر مسجد کے لئے وقف کردی ہے تو وہ مسجد کی زمین ہے، کسی دوسرے شخص کو مکان کے لئے مفت یا قیمتاً دینا جائز نہیں: "الوقف إذا تم ولزم ....لا يملك، اهـ". در مختار: ۳/۳۶۷، مطبوعہ نعمانیہ دیوبند(۵)۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "دکھن: جنوب کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) "اُتر: شمال"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳، فیروز سنز لاهور)

(۳) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاهور)

(۴) "کھور: مویشیوں کے کُٹی کھانے اور پانی پینے کی ناند یا نالی۔ غار، کھوہ، چھوٹی وادی، راستہ گلی، چینی، ڈھکنا، سرپوش، لحاف، رضائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۴، فیروز سنز لاهور)

(۵) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أصاب عمر بخيبر أرضاً فأتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: أصبت أرضاً لم أصب مالاً قط أنفس منه، فكيف تأمرني به؟ قال: "إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها". فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها، ولا يوهب، ولا يورث". (صحيح البخاري: =

جو زمین خرید کر وقف نہیں کی وہ مسجد کی نہیں، اس میں مالک کو تصرف کا اختیار ہے، لیکن اگر مسجد میں تنگی ہو اور اس کے بڑھانے کی ضرورت ہو تو مالک سے قیمتاً لے لی جائے، اگر چہ مالک فروخت کرنے پر رضامند نہ ہو:

"ولو ضاق المسجد على الناس، وبجنبه أرض لرجل، تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، كذا في فتاوى قاضي خان، اه". عالمگیری: ۲/۴۵۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

= ۱/۳۸۹، کتاب الوصايا، باب الوقف و كيف يكتب، قديمی)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۶، رشيديه)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس و بجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روى عن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم: لما ضاق المسجد الحرام، أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: كتاب الوقف مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۹، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۸، رشيديه)

مسجد کو راستہ بنا کر مسجد کے لئے دوسری جگہ لینا

سوال[۷۰۶۲]: پونا کارپوریشن کے ارباب بسط وکشاد کا خیال ہے کہ جو مسجد راستہ میں آتی ہے تو کارپوریشن اس کی متبادل جگہ اپنے سرمایہ سے خرید کر آپ کے نقشہ کے مطابق تعمیر کردیتے ہیں، آپ اس میں نماز پڑھئے آپ کو پسند آئے، ہم مذکورہ مسجد جو راستہ میں پڑتی ہے اس کو توڑ کر راستہ بنائیں گے۔ تو کیا ایسا ہو سکتا ہے، جب کہ مسجد اَبد الآباد تک مسجد ہی رہے گی، یا کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اسی طرح بعض مسجد کا کچھ حصہ راستہ میں جاتا ہے، تو کیا کچھ حصہ کارپوریشن کو دیکر اس کا معاوضہ لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجدیں سب اللہ کی ہیں، نہ کسی کو ان کے گرانے کا حق ہے، نہ بدلنے کا ﴿وأن المساجد لله﴾(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۹۰ھ۔

سڑک کی توسیع میں مسجد کا نصف حصہ دے دینا

سوال[۷۰۶۳]: ہمارے یہاں بازار میں لب سڑک ایک مسجد تعمیر شدہ ہے، یہاں کی میونسپلٹی سرکار اس سڑک کو کشادہ کرنا چاہتی ہے جس کے تحت سڑک میں آدھی مسجد چلی جائے گیا اور آدھی باقی رہ جائے گی۔ یہاں کے ایک سیٹھ نے بھی یہ مشورہ دیا ہے کہ مسجد کے شمال کی جانب ہماری جگہ ہے، جتنی جگہ مسجد کی جاتی ہے، وہ روڈ میں دے دو اور اتنی جگہ شمال کی جانب دیتا ہوں، تم لوگ شمال کی طرف کشادہ کرلو۔ اور مسجد کے جنوب کی طرف سینٹرل گورنمنٹ کے پانی کا پائپ ہے اس کا پلان چوراسی ۸۴/ فٹ کشادہ ہے۔ رام سیٹھ کا کہنا یہ ہے کہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن : ۱۸)

"أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلک البناء، فإنه لا يمكن من ذلک". (ردالمحتار، كتاب الوقف : ۴/ ۳۵۸، سعيد)

"وفي الفتاوى: سئل أبوالقاسم: من أراد أن يهدم مسجداً ويبنيه أحكَمَ من بنائه الأول؟ قال: ليس له ذلک". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد : ۵/ ۸۴۴ إدارة القرآن كراچی)

میں جوجگہ دیتاہوں اسے بڑھاؤ تو میں یہ مشین دلا دیتاہوں اور دومنزل یا تین منزل بناؤ۔

یہاں کے لوگوں نے بہت سے علمائے دین سے دریافت کیا، سبھوں نے جواب دیا کہ جہاں مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوگئی تو اس کو بڑھایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی جگہ کو چھوڑ کر مسجد کو توڑ کر کم نہیں کیا جاسکتا اور نہ وہاں سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ حکومت معلوم نہیں بعد میں کس طرح سے پیش آئے، حالانکہ پانی کے پائپ سینٹرل گورنمنٹ کی طرف سے گنجائش ہے، مگر میونسپل سرکار ادھر جانا نہیں چاہتی ہے۔ یہاں آکر مسئلہ بہت الجھ گیا ہے۔ لہٰذا جواب بہت جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوجگہ ایک دفعہ شرعی مسجد میں بنادی گئی وہ ساری عمر کے لئے مسجد ہوگئی، اس کو فروخت کرنا، یا اس کا تبادلہ کرنا، یا اس کا کوئی اور مکان، دوکان، مدرسہ، مسافرخانہ وغیرہ بنانا، یا وہاں کھیتی کرنا، مُردے دفن کرنا بالکل جائز نہیں (۱)۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کا کچھ حصہ حکومت لینا چاہتی ہے تو اس سے بیع وغیرہ کا معاملہ نہ کیا جائے، نہ اس سے لڑائی کی جائے، نہ اشتعال انگیزی کی جائے، نہ رام سیٹھ سے تبادلہ کی بات کی جائے۔

جب حکومت اپنے منشاء کے مطابق جگہ لے لے اور رام سیٹھ اپنی زمین کی توسیع کے لئے دے دے اور وہ اس کو کارِ خیر سمجھ کر دے تو اس کو لے کر مسجد میں شامل کرلیں، بحالتِ مجبوری یہی صورت مناسب ہے: "فإذا تَمَّ (الوقف) ولزم، لایملك ولایباع ولایرھن، الخ". درمختار (۲)۔

اور بحر وغیرہ میں غیر مسلم کے وقف کی بحث بھی مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولو خرب ماحوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلی قیام الساعة، (وبه یفتی) حاوي القدسي". (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد وغیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، في أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الوقف، فصل: وأما حکم الوقف الجائز: ۲۲۱/۶، سعید)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴، ۳۵۳، سعید)

(۳) "وشرطه شرط سائر التبرعات کحرمة وتکلیف وأن یکون قربةً في ذٰلک معلوماً". (الدرالمختار). =

توسیعِ مسجد کے لئے حکومت سے امداد

سوال[۷۰۶۴]: ایک مقامی مسجد (پاکستانی مسجد) کی تعمیرِ جدید مسلمانوں کے عوامی چندہ سے مکمل ہوئی تھی، مگر اب نمازیوں کی کثرت اور روز افزوں زیادتی کی وجہ سے مسجد کی موجودہ عمارت بالکل ناکافی ہے اور مسجد کی تنگی نمازیوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے، اس لئے مسجدِ مذکورہ کی مجلسِ انتظامیہ نے یہ طے کیا کہ مسجد کو وسیع کیا جائے، کیونکہ مسجد ہر چار طرف سے عوامی شاہراہوں اور شہری عمارتوں میں گھری ہوئی ہے، اس لئے کسی طرف سے بھی وسیع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بنابریں یہ طے ہوا کہ پختہ چھت ڈال کر اوپر کی طرف سے ایک اَور منزل تعمیر کی جائے، چنانچہ یہ مسئلہ سابق وزیرِ اعظم کے سامنے رکھا گیا، موصوف نے مسجد کی وسعت کے متعلق پورا اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ تعمیرِ جدید کے لئے نصف خرچ حکومتِ وقت سے دلادیں گے، چنانچہ درخواست دی گئی اور موصوف کی سفارش سے موجودہ حکومت نے نصف خرچ دینا منظور کرلیا ہے، باقی نصف خرچ عوامی چندہ سے پورا کیا جائے گا۔

ملیشیا کے سربراہِ مملکت، مسلمان، وزیرِ اعظم اور ان کی رکنیت کے وزراء، نیز ممبرانِ پارلیمنٹ کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے، مگر طرزِ حکومت اور دستورِ مملکت جمہوری اور غیر اسلامی ہے۔

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکومتِ مذکورہ کے خزانہ سے دی ہوئی رقم (جو کہ لاٹری بورڈ کے ٹیکس اور دوسری ہر قسم کی حلال وحرام اور جائز وناجائز اشیاء کے ٹیکسوں پر مشتمل ہو) مساجد کی تعمیر وتوسیع یا مرمت کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

= "أی یکون من حیث النظر إلی ذاته وصورته قربةً .... بخلاف الذمی، لما فی البحر وغیره أن شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۴۱، سعید)

"وأما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط کونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۱۶، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/ ۵۶۸، غفاریه کوئٹه)

واضح رہے کہ پورے ملک میں مذکورہ رقم سے بے شمار مساجد اور دینی مدارس تعمیر ہو چکے ہیں اور یہاں کے قابلِ ذکر اور متدین علماء نے اسے جائز اور حلال بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں مخدومی جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی پاکستان سے بھی رائے لی گئی ہے اور موصوف نے بھی اس مخلوط سرکاری رقم کو مساجد کی تعمیر و توسیع کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ پس مسئلۂ مذکورہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ گذارش ہے کہ حضرت والا مسئلہ مذکورہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور حضرت والا کا فیصلہ ہی قول فیصل تصور کیا جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سرکار نے جب جائز اور ناجائز آمدنی کو مخلوط کر دیا اور اس مخلوط آمدنی سے مسجد کے لئے رقم دی تو اس کو حرام نہیں کہا جائے گا، اس کو لینا اور مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۱)۔ چونکہ خلط استہلاک ہے، جب حکومت نے جائز و ناجائز کو مخلوط کر دیا، اور اس پر قبضہ کر لیا تو حکومت اس کی مالک ہو گئی، اور حکومت نے جن سے غلط طریقہ پر لیا ہے ان کو ضمان دینا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ضرورتِ مسجد کے لئے صحن کے درخت کاٹ دینا

سوال [۷۰۶۵]: ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کی، متولی نے (جبکہ مسجد کی کوئی کمیٹی نہ

(۱) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

"اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز مالم يعلم إنه يعطيه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالیٰ: و به نأخذ مالم نعرف شيئاً حراماً بعينه، وهو قول أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) "من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على الدر المختار، باب زكوة الغنم: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، دار المعرفة بيروت)

تھی) اس میں مختلف قسم کے درخت لگادیئے ہیں اور وہ جگہ مسجد میں شامل کرلی گئی تھی۔ اب ممبرانِ کمیٹی نے ان درختوں کو اکھاڑ کر موسم سرما میں دھوپ میں نماز پڑھنے کا اہتمام کردیا ہے۔ کیا یہ عمل درست ہے؟ متولی درخت اکھاڑنے پر راضی نہیں اور قوم اکھاڑنا چاہتی ہے۔ کیا ان درختوں کو اکھاڑ کر نماز کے لئے جگہ بنایا جاسکتا ہے؟ صرف ایک درخت پھلدار ہے، باقی سب بغیر پھل کے ہیں اور ان سے آمدنی کچھ بھی نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا صحن نماز کے لئے ہے، وہاں درخت لگانا ہی ٹھیک نہیں، الّا یہ کہ مسجد کے مصالح کا تقاضہ ہو تو دوسری بات ہے، مثلاً وہاں پانی کا اثر ہو کہ وہ درختوں میں جذب ہوسکتا ہے، درمختار اور شامی میں اس کی تصریح ہے(۱)۔ اگر مصالحِ مسجد کا تقاضا یہ ہے کہ صحن کو درختوں سے صاف کردیا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے(۲)، اس میں کسی کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ویکرہ .... غرس الأشجار إلا لنفع کتقلیل نز وتکون للمسجد". (الدرالمختار). "قال فی الخلاصة: غرس الأشجار فی المسجد لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد، بأن کان المسجد ذا نز والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لایجوز". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۰، ۶۶۱، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: ویکره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، باب مایفسد الصلوة، ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشیدیه)

(۲) "ویکره غرس الشجر فی المسجد؛ لأنه تشبیه بالبیعة وشغلٌ لمکان الصلوة، إلا أن تکون فیه منفعة للمسجد". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل: کره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل فی المسجد: ۱/۶۵، رشیدیه)

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

مسجد کی خالی جگہ میں دوکان بنانا

سوال[۷۰۲۶]: ایک پرانی مسجد ہے جس میں دیوارحرم کے آگے محرب کی دائیں بائیں جگہ خالی ہے، اس کونشہ باز قسم کے لوگ اپنے مشغلہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مسجد کی اس خالی جگہ پر آمدنی اور مذکورہ گندگی سے صفائی کی خاطر دوکانیں بنادی جائیں تو درست ہے یانہیں؟ اس مسجد کی شمالی دیوارحرم سے متصل گندی گلی ہے جس میں غلاظت کی نالی بہتی ہے، نیز دوسری سمت کے باشندے گندگی اور غلاظتیں پھینکتے ہیں، جگہ چونکہ میونسپلٹی کی ہے، اس لئے ہم کسی کو روک بھی نہیں سکتے ہیں۔

اس مسجد کی تعمیر اور توسیع کا کام ہونے والا ہے تو اگر شمالی دیوار کو اپنی جگہ پر بغیر کھڑکیوں کے اونچا کردیں اور وہاں سے نودس فٹ جنوب سے نئے حرم کی دیوار لیں جس میں ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں وغیرہ ہوں تو اس چھوڑی ہوئی جگہ پر بھی نماز پڑھنے کا انتظام رہے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد کی اس خالی جگہ میں مسجد کی آمدنی کے لئے اور گندگی سے صفائی کی خاطر دوکانیں بنوادینا درست ہے(۱)، جس دیوار کو بھی مصالحِ مسجد کے لئے بلند کرنے کی ضرورت ہو بلند کرسکتے ہیں۔ پھر کھڑکیوں کا اس میں رکھنا مناسب ہوتو رکھیں، نہ رکھنا مناسب ہوتو نہ رکھیں۔ باہمی مشورہ بھی کرلیا جائے تاکہ کسی کو اعتراض نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و لو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر، یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک =

نیچے دوکانیں اوپر مسجد

سوال[۷۰۶۷]: زید ایک قطعۂ زمین جن کا رقبۂ اراضی سات یا سوا سات بیسہ ہے(۱)، اس میں پانچ یا چھ دکانیں بنوا کر اوپر منزل پر مسجد تعمیر کراتا ہے، نیچے کی دکانوں کا کرایہ وصول کر کے اپنے صرف میں لاتا ہے اور مسجد کے واسطے کچھ نہیں دیتا، یہ کہتے ہوئے کہ میں نے مسجد کو اوپر والی منزل پر تجویز کیا ہے، نہ کہ زمین پر، حالانکہ کہ زمین خداوند تعالیٰ کی ساخت ہے، مسجد کے خرچ کی کفالت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ مگر بکر اعتراض کرتا ہے کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر عرش معلّٰی تک شمار ہوتی ہے اور اگر بالفرض بوجہٗ حادثاتِ زمانہ چھت تباہ ہوجائے تو مسجد بھی اور مسجد کی زمین مسمّٰی بھی کالعدم ہونے کا خدشہ ہے، لہذا یہ خیال غلط ہے۔

زید کہتا ہے کہ میں نے پہلے نیت ہی ایسی کی تھی کہ نچلی دوکانیں میری ملکیت ہوں گی اور اوپر کی وقف۔

جناب مولوی صاحب! چونکہ امر متنازعہ فیہ خاص قسم کا ہے جس کے واسطے جناب سے فتویٰ پوچھنا ضروری ہے، لہذا فتویٰ بمع حوالاجات تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں یہ مسجد شرعی نہیں ہوئی، اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، اگر یہ زمین پہلے سے مسجد کے لئے وقف تھی، زید کی ملکیت نہیں تھی تو زید کو ان دوکانوں وغیرہ کا کرایہ اپنے کام میں لانا ہرگز جائز نہیں، مسجد میں صَرف کرنا واجب ہے اور یہ دوکانیں مسجد ہی کی ہوں گی اور مسجد شرعی ہوگی:

"ومن جعل مسجداً تحته سرداب أوفوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله، فله أن يبيعه، إن مات يورث عنه. ولو كان السرداب لمصالح المسجد، جاز، كمافي

= فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف : ۲/۴۱۴، رشيديه)

(۱) "بیسہ: بیس بسوے، ایک بیگھہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۵۶، فيروز سنز، لاهور)

اگلے صفحہ میں بیگھہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بیگہ: زمین کی ایک مقدار، چار کنال یا ۸۰/ مرلے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۵۷، فيروز سنز، لاهور) ان دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "بیسہ" ایک مرلہ کو کہتے ہیں، جو کہ "کنال" کا بیسواں حصہ ہے۔

بیت المقدس. کذافی الهدایة". فتاویٰ عالمگیری:۲/۴۵۵(۱)۔

"وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد، أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية. قال في البحر: حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ فهو كسرذاب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية، الخ". ردالمحتار:۳/۵۷۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

نیچے دوکان اور اوپر مسجد

سوال[۷۰۲۸]: زید اپنی دوکان کے بالائی حصہ پر مسجد بنوانا چاہتا ہے اور وقف بھی صرف اتنے حصہ کو کیا تھا جس کے متعلق یہ معلوم ہوگیا کہ جب تک اوپر اور نیچے ہر دو حصے مسجد کے نامزد نہ ہوجائیں گے، وہ مسجد شرعی مسجد نہ ہوگی، اگرچہ نماز، جماعت صحیح ہوجایا کرے گی، مگر وہ مسجد دوامی نہ ہوگی۔ زید کو یہ داعیہ اس لئے ہوا کہ جس جگہ زید نے مسجد بنوانے کا ارادہ کیا ہے، دیگر مساجد وہاں سے فاصلہ پر ہیں جس کی وجہ سے وہاں سے قریب جو مسلمان ہیں وہ نماز میں کوتاہی کرتے ہیں۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

"وفي الجامع الصغير: رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه، فإنه لا يصير مسجداً، حتى لو مات يُورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب الوقف، والمسجد، ص: ۲۲۶، ۲۲۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

"وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

نیز یہ جگہ بازار میں ہے، قریب سے روڈ گیا ہے، جس کی وجہ سے امید ہے کہ بس اڈہ بن جائے اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ وہاں پر ایک مسجد بن جائے کہ مسافر اور بازار والوں کو سہولت رہے اور وہاں کے قریبی مسلمان اغلب ہے کہ نمازی بن جائیں (مسجد کی تعمیر کے بارے میں انفرادیت سے اگر مضائقہ ہوتو اور بھی لوگ چندہ دینے کے لئے بخوشی تیار ہیں)۔

اس جگہ کے علاوہ اور اِدھر اُدھر ہٹنے میں غیر مسلموں کے مکانات ہیں جو کبھی مفسدہ کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد مسجد جس دوکان پر بنوائی جائے گی، اس کی حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر ٹیوب ویل اور تیل کی مشین ہے جو کہ بکر کی شرکت میں ہے، جس کا منتقل کرنا دشوار ہے۔ اس قضیہ کے سلجھانے کی خاطر مندرجہ ذیل صورتوں میں کیا حکم مرتب ہوگا:

الف: دوکان کے اوپر مسجد بنوا کر مسجد کے پانی اور روشنی کا انتظام خود دوکان والے کردیں گے۔

ب: دوکان والوں سے کرایہ لیں اور پھر روشنی اور پانی کا انتظام مسجد اپنے خرچ سے کرے۔

ج: تحتانی اور فوقانی دونوں حصوں کو وقف کردیں، مگر ٹیوب ویل اور مشین اپنی ہی جگہ پر رہے، جو کرایہ مناسب سمجھیں مسجد کو ادا کردیا کریں۔ جب کبھی مسجد کو ضرورت پڑے گی دوکان کو خالی کرالے گی، اگر خالی نہ کرانے کی صورت میں مسجد کو پانی اور روشنی بسہولت مہیا ہوجائے گی۔

مذکورہ معروضات واقف کی طرف سے ہوں گے یا اہلِ قصبہ کی طرف سے کہ یہاں متولی کی قائم مقامی عوامی پنچایت کرتی ہے؟ امید ہے جواب سے جلد ہی سرفراز فرمائیں گے۔

نسیم اللہ مظاہری، مدرسہ باب العلوم، باپو گنج پرتاب گڈھ (یوپی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصۂ زمین کو شرعی مسجد بنایا جائے یعنی نماز کے لئے متعین ومخصوص کیا جائے وہ بالائی وتحتانی (ثریٰ سے ثریا تک) سب ہی جگہ مسجد ہوجاتی ہے (۱)، اس طرح کہ اس سے حق العبد منقطع ہوجاتا ہے۔ نیچے دوکان

---

(۱) "وکره تحريماً الوطء فوقه .... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

کرایہ پر چلے اوپر مسجد ہو، یہ ٹھیک نہیں (۱)، جب کہ نیچے کا حصہ بھی مسجد ہوگا تو وہاں خرید وفروخت اور تمام لوازمِ بیع کا صدور ہوگا (۲)، گفتگو میں بھی احترامِ مسجد باقی نہ رہے گا، پاک وناپاک ہر قسم کا آدمی بھی آئے گا۔ ناپاکی جوتوں میں، کپڑوں میں، بدن میں ہوگی، ہر ایک کی تفتیش دشوار ہوگی، آج کل کرایہ دار سے دوکان خالی کرالینا بھی آسان کام نہیں۔

الف، ب، ج: کی مصالح ومفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اقدام سے روکا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ

سوال [۷۰۶۹]: یہاں بمبئی میں ایک دوجگہ پر کچھ اہلِ خیر حضرات نے اپنی جگہ پر مسجد قائم کرلی،

---

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، ۳۵۸، سعيد)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراء كم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

"ويكره كل عملٍ من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: ويكره استقبال القبلة، الخ: ۴۲۲/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

اس میں ایک جگہ پر تو جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، مگر اشکال طلب امر یہ ہے کہ وہ دونوں مسجد کے اوپر رہائش گاہ بھی ہے، سب لوگ رہتے بھی ہیں۔تو کیا وہ مسجد کے حکم میں مانی جائے گی؟ اور وہاں جماعتِ ثانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس پر مسجد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟ اور جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے، صرف پنجوقتہ نماز ہوتی ہے اور اس کے اوپر بھی رہائش ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک وقف کرکے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کرکے اس کا راستہ ہی الگ نہ کردیا جائے اور اس میں سب کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی (۱)۔ اوپر کے حصہ میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصہ میں اذان وجماعت ہونے لگے، اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لئے کافی نہیں (۲)، وہاں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "من بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه .... فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً في قولهم، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۴، ۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۹، ۴۲۰، رشيديه)

(۲) "وفي الجامع الصغير: رجلٌ جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه، فإنه لايصير مسجداً، حتى لومات يورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجدٍ لا إمام له ولا مؤذن". (الدرالمختار). "ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق، جاز إجماعاً، كما في مسجد =

دیوارِ مسجد میں دوکان کی الماری بنانا

سوال[۷۰۷۰]: ایک مسجد لبِ سڑک ہے جس کا فرش قدِ آدم سے بھی دوفٹ زیادہ اونچا ہے، مسجد کی ایک دوکان چھوٹی سی ہے، اگر وسعت دینے کے لئے ایک چھوٹی سی الماری بنادی جائے جس میں سامان خیاطی رکھا جاسکے، یہ الماری فرشِ مسجد سے نیچے کی طرف ہوگی۔ یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ شرعاً مسجد ہوتی ہے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہوتی ہے، دیوارِ مسجد میں اس طرح الماری بنانا کہ وہ فرشِ مسجد سے نیچے پڑتی ہو، اور اسے کرایہ پر دینا، ذریعۂ آمدنی بنانا شرعاً درست نہیں (۱)، خواہ وہ الماری خیاطی کے لئے یا کسی اَور سامان کے لئے ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۶ھ۔

حفاظت وبقائے مسجد کے لئے صحنِ مسجد میں دکانیں بنانا

سوال[۷۰۷۱]: مسجد گلزار شاہ کے کچے شرقی صحن میں سے کچھ صحن جو پاپوش اتارنے کے لئے

= لیس له إمام ولامؤذن، ویصلی الناس فیه فوجاً فوجاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد: ۵۵۲/۱، ۵۵۳، سعید)

(۱) "قیم المسجد لایجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناً، تسقط حرمته، وهذالایجوز، والفناء تبع المسجد، فیکون حکمه حکم المسجد، کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۴۶۲/۲، رشیدیه)

"قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ: لایجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الثامن فی المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشیدیه)

استعمال ہوتا تھا، بٹوارہ سے بہت پیشتر پتھروں سے پختہ کرکے مسجد کے فرش میں ملایا گیا تھا۔ مسجد کی ہر چہار سمت غیر مسلم آبادی سے گھری ہوئی ہے اور آس پاس بھی اس وقت کوئی مسلمان آباد نہیں۔ مسجد کی کوئی آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے روشنی اور پانی تک کا کوئی انتظام نہیں، نہ کوئی صف، نہ مؤذن، نہ امام، بٹوارہ کے بعد کچھ غیر مسلم مسجد کو رہائش گاہ بنا کر رہتے رہے۔ مسجد حکّام کی مداخلت سے خالی ہوگئی۔

اس کس مپرسی کے عالم میں اب بھی مسجد کا غسل خانہ پاخانہ کی جگہ استعمال ہوتا رہا ہے۔ کیا مسجد کے مفاد کے لئے کچھ جگہ جو صحن غسل خانہ اور گزرگاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کی دوکان بنائی جاسکتی ہے؟ اور اس کے بعد بھی کافی صحن باقی رہتا ہے، تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہوکر مسجد کی روشنی، پانی، صفوں اور مؤذن کا معقول انتظام ہوسکے۔ یہ دوکان ایک مسلمان کے صرفہ سے تعمیر ہوگی جو ملکیت مسجد کی رہے گی اور وہ مسلمان محض کرایہ دار کی حیثیت سے مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار رہے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصۂ زمین ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہتا ہے، اس کو مسجد سے خارج کرکے دوکان وغیرہ بنانا درست نہیں (۱)۔ جوتے اتارنے کی جگہ کو جو حصۂ مسجد نہیں تھا پختہ فرش میں داخل کرنا اگر واقف یا قائم مقام واقف کی اجازت سے نہیں تھا، بلکہ ویسے ہی کسی ایک یا متعدد آدمیوں نے داخل کرلیا تھا تو وہ حصہ شرعی مسجد نہیں بنا (۲)۔ مسجد کے مصالح کے لئے اصحاب الرائے حضرات کے مشورہ سے اتنا حصہ دوکان کے لئے

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(۲) "تم التسليم في المسجد أن يصلي فيه بالجماعة بإذنه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۰/۵، إدارة القرآن كراچي)

الگ کرلینا درست ہے(۱) تاکہ مسجد کے لئے آمدنی اور حفاظت کا انتظام بسہولت ہوسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا

سوال[۷۰۷۲]: ہمارے شہر اندور میں تقریباً سو سال پرانی ایک جامع مسجد کو منہدم کرکے ازسرنو تعمیر کی گئی، مسجد کی تعمیر جدید کے لئے جو کمیٹی بنائی تھی اس نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا تھا کہ مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور مسجد کے اوپر وسیع ہال تعمیر کیا جائے۔ تہہ خانہ کو جماعت خانہ کے طور پر اور مسجد کی بالائی منزل کو مدرسہ کیلئے اور تقریبات: شادی بیاہ، عقیقہ وغیرہ مواقع پر لوگوں کو کھانا کھلانے اور باراتیوں کو ٹھہرانے کیلئے جن میں مرد و عورتیں، بوڑھے بچے، نمازی بے نمازی سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نیز دیگر کاموں کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کرایہ بھی وصول کیا جائے گا، تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی ہے اور اب مسجد کی موجودہ شکل یہ ہے کہ نیچے ایک تہہ خانہ ہے اور درمیان میں مسجد اور مسجد کے اوپر ہال، جبکہ مسجد کی تعمیرِ جدید سے قبل اس کے نیچے کوئی تہہ خانہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اُور منزل تھی۔ مسجد کے شمال میں ایک گلی ہے، تہہ خانہ اور مسجد کی بالائی منزل کے دو راستے ہیں: ایک راستہ مسجد کے اندر سے ہے اور دوسرا راستہ باہر گلی میں ہے۔

اس کے علاوہ محلّہ میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جس کو تقریبات کے لئے، یا بطورِ جماعت خانہ کے استعمال کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں محلّہ کے لوگوں کے اذہان مختلف ہیں: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تہہ خانہ اور اوپر والے حال کو جماعت خانہ اور تقریبات کے لئے استعمال کرنا درست ہے اور چونکہ متبادل کوئی جگہ محلے میں نہیں اس لئے

---

(۱) "وسئل الخجندی عن قیّم المسجد یبیح فناء المسجد لیتّجر القوم، هل له هذه الإباحة؟ فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد، فلا بأس به إن شاء الله تعالى". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۰، رشیدیه)

"قال في الخلاصة: وهذا دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى نفقة، تؤاجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۳۹، رشیدیه)

مجبور بھی ہیں، لہذا بحالتِ مجبوری اجازت ملنی چاہیے۔

اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کی اوپر والی منزل بھی مسجد کے حکم میں ہے، لہذا اس کا استعمال بطورِ جماعت خانہ اور باراتیوں کے قیام کے لئے جائز نہیں ہے، البتہ تہ خانہ کو جماعت خانہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ تفصیل کے پیشِ نظر دریافت طلب امور یہ ہیں:

(الف) ازروئے شرع مسجدِ مذکور کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کیا حکم ہے، وہ مسجد کے حکم میں ہیں یا خارج از مسجد؟

(ب) محلہ میں جماعت خانہ یا تقریبات منانے کے لئے کوئی اَور جگہ نہیں ہے اور نہ مستقبل میں کوئی ایسی جگہ میسر آسکتی ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں مسجد کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں، یا بلا کرایہ تقریبات کے لئے یا باراتیوں کو ٹھہرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف، ب) جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہی ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو، وہ ممنوع ہے۔ مسجد کے بالائی حصہ یا تحتانی حصے کسی جگہ سے بھی حق العبد متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ہال تقریبات کے لئے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہلِ تقریبات کو اس کے استعمال کا حق ہو اور ان میں وہ کام بھی ہوں جن سے مسجد کو بچانا لازم ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ تہہ خانہ مسجد کا سامان چٹائی وغیرہ رکھنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں، یہ احترامِ مسجد کے خلاف نہیں ہے:

"وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، اهـ".

درمختار۔ "ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه، اهـ. .... "(قوله: إلى عنان السماء) –بفتح العين– وكذا إلى تحت الثرىٰ .... ولو جعل تحته سرداباً لمصالحه، جاز".

شامی: ۱/۴۸۵(۱)۔

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قوله: (والوطء فوقه والبول والتخلي): أي وكره الوطء فوق المسجد وكذا البول والتغوط؛ =

املاه العبد محمود غفرلہ، چھتہ مسجد، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا

سوال[۷۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ:

مسجد شیخ فرخ میں جگہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے سوختہ مکانوں کی چھتوں پر رکھا جاتا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے، متولیان نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ تدبیر سوچی ہے کہ فرشِ مسجد میں جانب جنوب ایک تہہ خانہ تعمیر کردیا جائے جس سے یہ ضرورت رفع ہوجائے۔ یہ تہہ خانہ پہلے سے قائم نہیں ہے، جدید قائم کیا جائے گا، فرشِ مسجد بدستور ہموار رہے گا، محض فرش کے نیچے تصرف کیا جائے گا۔ اگر یہ صورت جائز ہوتو تحریر فرمائیں۔

فقط والمرقوم، ۱۰/ دسمبر/ ۳۸ء۔

سائل محمود حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا تصرف ناجائز ہے، کوئی اَور انتظام کیا جائے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح. أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيتُ ذلك، قال: لم يصدق، تاتارخانية. فإذا كان هذا في الواقف، فكيف

= لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء بمن تحته، و لا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه، ولايحل للجنب الوقوف عليه. والمراد بالكراهة كراهة التحريم". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

بغیرہ، فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد". درمختار: ۱/ ۵۳۷۔ "مع أنه لم یأخذ من هواء المسجد شیئاً. "(قوله: لو بنی فوقه بیتاً للإمام): أی وهو فی یده قبل أن یخلی بینه وبین الناس لیصلوا فیه، كذا یفاد من البحر.......... (قوله: عنیت ذلك): أی قصدت بناء البیت حال بناء المسجد". طحطاوی: ۲/ ۵۳۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ۷/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ۵۷ھ۔

مسجد کا کچھ حصہ چھوڑ دینا

سوال[۷۰۷۴]: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے بالکل پی ڈبلیو روڈ کے متصل، پرانی مسجد کو منہدم کرکے نئی مسجد تعمیر کرتے وقت ــــ ہاتھ چھوڑ کر شمال کی طرف ڈھائی ہاتھ بڑھائی ہے۔ جدید معترین حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب کہ ہم نئی مسجد تعمیر کرارہے ہیں، تو کچھ بجانب شمال ہٹالیں تاکہ کار، موٹر، سامان وغیرہ کی آمدورفت میں ٹھوس دھکا وغیرہ نہ لگے۔ دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ راستہ سے تین فٹ زمین گورنر کی ہے اسے چھوڑ دینا چاہئے، لیکن اس زمین کا عوض جو گورنر سے لیا جاتا ہے وہ واقفِ زمین نے نہیں لیا ہے، کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیز جو نئی مسجد تعمیر کی ہے اس میں لوہے وغیرہ سے احاطۂ مسجد بنایا ہے، محراب کا بھی نقشہ بنوا کر قدیم محراب سے شمال کی طرف ہٹوالیا، اس کو اگر پھر دوبارہ منہدم کرکے بجانب جنوب لیا جائے تو مسجد کا مال مزید ضائع ہو جائے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ وجوہات کی بناء پر معترین حضرات کو یہ کام کرنا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ نیز جو دو ہاتھ ہٹا کر مسجد بنانا شروع کیا ہے اسے احاطۂ مسجد میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اگر اسے دیوار سے کردیں تو شرعاً مفصل جواب عنایت فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد بن چکی ہے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، اس کو چھوڑنے اور مسجد سے علیحدہ کرنے کا حق نہیں، البتہ جو حصہ مسقف ہو وہ کچھ صحن میں آجائے، یا اس کا عکس ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر رہے مسجد ہی میں، اس

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الوقف: ۲/ ۵۳۷، دار المعرفة بیروت لبنان)

سے خارج نہ ہو، نہ کسی اَور کام میں اس کو لایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

مسجد کی چھت سے بجلی کے تار گذروانا

سوال [۷۰۷۵]: مسجد کے عقب میں کوئی راستہ نہیں ہے، کچھ اشخاص کی اَراضی بلا تعمیر پڑی ہوئی ہے، اگر کوئی شخص یا چند اشخاص مسجد کے شمال کی جانب بجلی محکمۂ بجلی سے لینا چاہیں اور وہ اراضی کے مالکان اجازت نہ دیں تو کیا مسجد کی چھت پر سے بجلی کے تار گذروا دیئے جائیں؟ اس کے کچھ اشخاص مخالف ہیں کہ بجلی کے تار گذروانے سے بجلی لینے والوں کو قانونی حق ہو جائے گا۔ مسجد کو دوبارہ از سرِ نو تعمیر کرانا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افتادہ اراضی کے مالکان اجازت نہیں دیتے، قانونی حق سے تحفظ کے لئے تو یہ خطرہ مسجد کو بھی ہوگا، پھر جب کہ مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرانا بھی تجویز ہے تو اس کا لحاظ بھی رکھا جائے کہ تعمیر کے وقت پریشانی لاحق نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۷/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۷/۲ھ۔

مدرسہ والوں کے آنے جانے کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار میں دروازے بنانا

سوال [۷۰۷۶]: مسجد کے مغربی حصہ میں قبرستان تھا، وہاں پر اسلامی مدرسہ بنا تو مدرسہ والوں نے

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی، حاوی القدسي". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۲۸۸/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

مسجد کی مغربی دیوار کو توڑ کر تین دروازہ بنایا جس سے طلباء آتے جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ تو اس طرح دروازہ کرنا اور مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ مدرسہ کا اپنی آمد ورفت کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار توڑ کر تین دروازے نکالنا غلط طریقہ ہے، جو مسجد میں آنے کا عام راستہ ہے اس سے آنا جانا چاہیے، یہ تصرف غلط ہوا(۱)۔ مدرسہ مسجد کی جس سمت پر حسبِ مصلحت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۵ھ۔

مسجد کی چھت پر مائیک کی حفاظت کے لئے حجرہ بنانا

سوال[۷۰۷۷]: مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کا مائک رکھا ہوا ہے اور اس کے چوری ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے گنبد کے پاس تین فٹ مربع گھر بنا دیا گیا ہے تاکہ اس کی حفاظت ہوسکے۔ تو چھت پر اس قسم کا اضافہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد کے لئے ایسی جگہ یہ اضافہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) "دارٌ لمدرس المسجد مملوكةٌ أو مستأجرةٌ متصلةٌ بحائط المسجد، هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته باباً إلى المسجد، وهو يشترى هذا الباب من مال نفسه؟ فقالوا: ليس له ذلك وإن شرط على نفسه ضمان نقصان ظهر فى حائط المسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(۲) "لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لايستحب ذلك، و لكنه لو جعل فى الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دارالكتب العلمية بيروت) ....

مسجد کی چھت پر لاوڈ اسپیکر کے لئے الماری بنوانا

سوال[۷۰۷۸]: مسجد کے اوپر کے حصے میں گنبد کے قریب صندوق کے طور پر اینٹ کی پختہ الماری - جس کی لمبائی چوڑائی تین تین فٹ اور اونچائی دوفٹ کے قریب ہوگی - بنوائی جائے، تاکہ لاوڈ اسپیکر کی مشین بحفاظت رکھی جاسکے اور اذان کے وقت استعمال کی جاسکے۔ تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خارجِ مسجد الماری ایسی جگہ بنائیں کہ وہاں رکھے ہوئے لاوڈ اسپیکر کو استعمال کرنے کیلئے مسجد کی چھت پر جانے کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے، کیونکہ فقہانے مسجد کی چھت پر بے ضرورت چڑھنے کو مکروہ لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱/۱۷ھ۔

دیوارِ مسجد کی مرمت کی بجائے سائبان بنانا

سوال[۷۰۷۹]: ایک مسجد ہے جس کی دیوار کچی ہے، زید کہتا ہے کہ میں اس کی دیوار میں پختہ اینٹیں لگوا کر سائباں بنادوں گا جس سے مسجد مضبوط ہوجاوے گا اور میرا کام بھی ہوتا رہے گا تو کیا زید کا اس مسجد کی دیوار میں اس نیت سے اینٹیں لگوانا جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی مرمت یا پختگی اور ضروریات کے پورا کرنے میں تو کوئی تردد نہیں کہ یہ سب چیزیں مستحسن اور باعثِ اجر ہیں (۲)۔ اور اس کا مطلب "میرا کام بھی ہوتا رہے گا" سمجھ میں نہیں آتا، اس کام کی تفسیر معلوم ہونے

= "لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۱) "الصعود على سطح كل مسجد مكروه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۳۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "عن عكرمة قال: قال لي ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ولابنه عليّ: انطلقا إلى أبي سعيد فاسمعا =

پر اس کا حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف۔

احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ بنانا

سوال[۷۰۸۰]: جامع مسجد شیخ پورہ پرتگال پورہ جو کہ پانی کے بہم ہونے تک ایک کلومیٹر کا فاصلہ ہے، بوجۂ عوام کی سہولت کے مسجد شریف کے اندر طہارت خانہ عمل میں لایا گیا، ٹیوب ویل مسجد کے باہر ہے، مسجد کے دروازہ کے ساتھ ہی طہارت خانہ قائم کیا گیا ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مسجد کے اندر طہارت خانہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بنادی گئی اور نماز جماعت کے لئے مخصوص کردی گئی وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن گئی، پھر اس کا کوئی بھی حصہ دوسرے کام کے لئے مخصوص ومتعین کردینا جائز نہیں، مثلاً: طہارت خانہ، غسل خانہ بنادینا کہ وہاں نماز نہ پڑھی جاسکے درست نہیں، البتہ مسجد سے متعلق جو زمین زائد موجود ہو اگرچہ وہ اسی احاطہ میں ہو وہاں طہارت خانہ وغیرہ بنادینا درست ہے:

"لو بنی فوقه بيتاً للإمام، لايضرّ؛ لأنه من المصالح. أما لوتمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيتُ ذلك، لم يصدق، تاتارخانيه. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية، اه". درمختار(۱)۔

= من حديثه، فانطلقنا، فإذا هو في حائط يصلحه، فأخذ ردآءه، فاحتبى، ثم أنشأ يحدثنا حتى أتى على ذكر بناء المسجد، فقال: كنا نحمل لبنةً لبنةً وعمار لبنتين لبنتين، فرآه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجعل ينفض التراب عنه، الخ". (صحيح البخاري: ۶۴/۱، كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المسجد، الخ، قديمي)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"(قوله: ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، اهـ. ونقل في البحر قبله: ولايوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه، اهـ. قلت: وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره، فإنه لايحل ولو دفع الأجرة. (قوله: ولا أن يجعل، الخ) هذا ابتداء عبارة البزازية، والمراد بالمستغل أن يوجر منه شئ لأجل عمارته، وبالسكنى محلها. وعبارة البزازية على ما في البحر: ولامسكناً، وقد ردّ في الفتح مابحثه في الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة، توجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح. قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولاسيما مايترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه، اهـ". ردالمحتار: ۲۷۱/۳(۱)۔

اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب راستہ بہت کشادہ ہو تو کچھ حصہ راستہ کا مسجد میں داخل کر لینا درست ہے جب کہ گذرنے والوں کو ضرر نہ ہو۔ اگر مسجد کشادہ ہو اور راستہ تنگ ہو تو مجبوراً مسجد میں گذرنے کی گنجائش ہے، مگر اس کی وجہ سے اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ باقی رہے گی:

"جعل شئ: أي جعل الباني شيئاً مِنَ الطريق مسجداً لضيقه ولم يضرّ بالمارين، جاز؛

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"لوبنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لايضر في كونه مسجداً؛ لأنه من المصالح. فإن قلت: لوجعل مسجداً ثم أراد أن يبنى فوقه بيتاً للإمام أو غيره هل له ذلك؟ قلت: قال في التتارخانية: إذا بنى مسجداً وبنى غرفةً وهو في يده، فله ذلك. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني، لايتركه. وفي جامع الفتاوىٰ: إذا قال: عينت ذلك، فإنه لايصدق، اهـ. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولايجوز أخذ الأجرة. وفي البزازية: ولايجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

لأنهما للمسلمين كعكسه: أى كجواز عكسه، وهوما إذا جعل فى المسجد ممرّ لتعارف أهل الأمصار فى الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمرّ فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والدواب، زيلعى. كما جاز جعل الإمام الطريق مسجداً لاعكسه، لجواز الصلوة فى الطريق لا المرور فى المسجد، اه". درمختار۔

"(قوله: لجواز الصلوة فى الطريق) فيه أن الصلوة فى الطريق مكروهة كالمرور فى المسجد، فالصواب لعدم جواز الصلوة فى الطريق، كما قدمناه عن جامع الفصولين، يعنى أن فيه ضرورةً، وهى أنهم لو أرادوا الصلوة فى الطريق، لم يجز، فكان فى جعله مسجداً ضرورة، بخلاف جعل المسجد طريقاً؛لأن المسجد لايخرج عن المسجدية أبداً، فلم يجز، اه".

ردالمحتار،ص: ۳۸٤(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۵ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى جعل شئ من المسجد طريقاً: ۳۷۷/۴-۳۷۹، سعيد)

"(وإن جعل شئ من الطريق مسجداً، صح كعكسه) معناه: إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع، فادخلوا شيئاً من الطريق فى المسجد، وكان ذلك لايضرّ بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرضٌ، تؤخذ أرضه كرهاً، لماروى عن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم أنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكرهٍ من أصحابها بالقيمة، وزادوا فى المسجد الحرام. (وقوله كعكسه): أى كما جاز عكسه، وهوما إذا جعل فى المسجد ممرّ لتعارف أهل الأمصار فى الجوامع،وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والنفساء، لما عرف فى موضعه". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل: ومن بنى مسجداً: ۲۷۳/۴، ۲۷۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۸/۵، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، ۸۴۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، ۴۵۷، رشيديه)

مسجد کے اندر رہنے یا دفتر وغیرہ کے لئے کمرہ بنانا

سوال[۷۰۸۱]: مسجد کا اندرونی حصہ ہے، اصل میں مسجد کی زمین تین کونے والی ہے، جب مسجد بنائی گئی تو سیدھی بنائی گئی ہے، ایک کونہ اس کا بچا رہا، لیکن مسجد کے بیرونی حصہ فرش میں اس کو بھی شریک کرلیا گیا، اور جمعہ کے دن جب لوگوں کی کثرت ہوتی ہے تو اس میں بھی لوگ نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس حصہ میں مسجد کا ایک کمرہ بنا دیا گیا جس میں اب مدرسہ کے بچے رہا کریں گے، یا مدرسین رہیں گے، یا ناظم صاحب کا دفتر ہوگا جو کہ مسجد کے امام بھی ہیں۔ کیا اس کمرہ کو جو مسجد ہی کے حصہ میں بنایا گیا ہے رہنا، سونا یا دفتر بنانا جائز ہے یا نہیں، یا امام کے لئے اس حجرہ کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ بھی نماز کے لئے ہی وقف اور متعین کردی گئی ہے تو اب اس جگہ مستقلاً امام یا ناظم کا رہائش اختیار کرنا، یا اس میں کارِ دفتر کرنا، یا اس کو مدرسہ کے بچوں کا دارالاقامہ قرار دینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۵/۱۲ھ۔

مسجد میں وضو کی جگہ بنانا

سوال[۷۰۸۲]: ایک مسجد میں صحن کے اندر وضو کرنے کی کوئی جگہ نہ تھی (عرصۂ دراز کے بعد جن صاحب نے مسجد کی تعمیر کی تھی) ان صاحب نے عینِ صحن کے اندر وضو کرنے کی جگہ پختہ بنوادی ہے۔ اس کا کیا حکم شرعی ہے؟

---

(۱) "لوبنى فوقه بيتاً للإمام لايضر ؛ لأنه من المصالح. اما لوتمّت المسجديّة، ثم اراد البناء، مُنع. ولو قال: عنيتُ ذلک، لم يصدق، تاتر خانية. فإذا كان هذافي الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولايجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولاسكنى، بزازية. (ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى)، حاوى القدسى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کر کے وقف کردی گئی، وہاں وضو کی جگہ پختہ بنوانا جس کی وجہ سے اتنی جگہ محبوس ہو جائے کہ وہاں نماز نہ پڑھی جا سکے درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۷ھ۔

مسجد سے متعلق بیت الخلا

سوال [۷۰۸۳]: جامع مسجد کے فرش کے قریب پاخانہ کھلا ہوا ہے، یا حوض جس میں پاخانہ غلیظ عرصہ دراز تک جمع ہوتا رہتا ہے، جیسے کہ انگریزی طریقہ کے پاخانہ ہوتے ہیں۔ تو ایسے پاخانہ قریب مسجد یا قریب فرش مسجد جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں پر اجازت دی ہے؟ کیا عربی مدرسہ کے احاطہ میں بھی بیت الخلا بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل، پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا، بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ بھی، بارش بھی اس میں کو آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس پر دری اور چٹائی بھی نہیں تھی (۲)۔ یہ سب چیزیں آہستہ

---

(۱) "ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد إلا أن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولا يصلي فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۶۱/۲، رشيديه)

"ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

"قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(۲) "وقال أبو سعيد رضي الله تعالىٰ عنه: كان سقف المسجد من جريد النخل، وأمر عمر ببناء =

آہستہ مسجد سے متعلق کی جاتی رہی ہیں، حتی کہ بعض علاقوں میں مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے، وہاں بستر رہتے ہیں، امام اور مؤذن کے رہنے کے لئے بھی کمرہ ہوتا ہے۔ بعض جگہ مدرسہ بھی ہوتا ہے جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں۔ بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلا بھی نمازیوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں بکثرت باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگر ضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہو تو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے۔

اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں، بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں جن کو اللہ نے گھر دیا ہے اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں تو پھر محض شان وشوکت دکھانے کے لئے ایسی چیزیں مسجد سے متعلق جگہ میں نہ بنائی جائیں، اگر کسی کو اتفاقیہ ضرورت پیش ہی آجاوے تو وقتی طور پر اپنی جانی پہچانی جگہ ضرورت رفع کر سکتا ہے۔ مسجد کے قریب ایسی جگہ بیت الخلاء نہ بنایا جاوے کہ بدبو مسجد میں آوے اور نمازیوں اور ملائکہ کو اذیت ہو(۱)۔ مدرسہ کے لئے جو احاطہ لیا گیا ہے اس کو کرایہ پر اٹھا سکتے ہیں تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری کی جاسکیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

= المسجد .... عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أخبره أن المسجد كان على عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبنیاً باللبن، وسقفه الجريد، وعمده خشب النخل، فلم يزد فيه أبو بكر شيئاً، وزاد فيه عمر، وبناه على بنيانه في عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باللبن والجريد، وأعاد عمده خشباً، ثم غيّره عثمان فزاد فيه زيادةً كثيرةً وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصّة، وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج". (صحيح البخاري: ۱/۶۴، كتاب الصلوة، باب بنيان المسجد، قديمي) (وسنن أبي داؤد: ۱/۱۷، باب في بناء المساجد، إمداديه ملتان)

(۱) "ويحرم فيه السؤال و يكره الإعطاء .... وأكل نحو ثوم، يمنع منه". (الدرالمختار). "(قوله: وأكل نحو ثوم): أي كبصل و نحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... خلافاً لمن شذ، ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۱، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق =

مسجد سے متصل بیت الخلاء

سوال[۷۰۸۴]: مسجد کے عقب پچھم رخ (۱) ملحقہ دیوار امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، درمیان میں دیوار ہے، پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ دیوار میں ایسی صورت میں روشن دان بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

وحید اللہ خان امین پوری۔

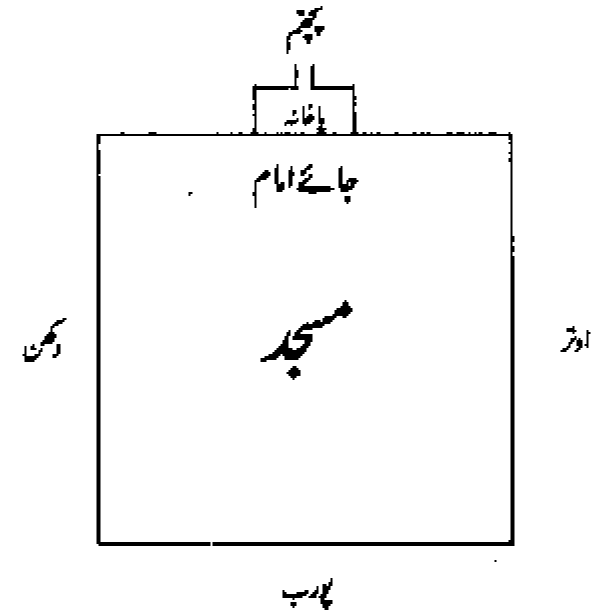

الجواب حامداًومصلياً:

خارجِ مسجد پاخانہ بنانا جائز ہے (۲)، دیوار درمیان میں ہونے کی وجہ سے نماز میں بھی کوئی خرابی نہ

= غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيّم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "پچھم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۸۱، فيروز سنز لاهور)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز؛ لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين، صار ذلك لله تعالىٰ أيضاً......... لو جعل تحته حانوتاً، وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لايستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد و الوقف =

ہوگی، لیکن ایسی جگہ پاخانہ بنانا جس سے نمازیوں کو بدبو کی تکلیف ہو اور ہر وقت مسجد میں بدبو آیا کرے اور مسجد کی جانب پاخانے کا روشن دان کھولنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۱)، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر گنجائش ہو تو کسی دوسری جگہ مسجد سے الگ پاخانہ بنانا چاہئے اور روشندان بھی مسجد کی طرف نہ کھولنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

مسجد کے قریب بیت الخلا بنانا

سوال [۷۰۸۵]: مسجد کی کچھ اینٹیں برآمدہ مسجد میں لگی ہوئی تھیں، مریدین نے برائے شیخ مذکورہ وہ اینٹیں اٹھا کر اندرونِ مسجد یعنی صحن کے سامنے بیت الخلا بنایا۔ مگر انصاف پسند لوگوں نے روک ٹوک کی تو مریدین اور پیر صاحب نے التفات نہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیخ مذکور کے لئے مناسب یہ تھا کہ متولی اور نمازیوں کے مشورہ سے تصرف کرتے تاکہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ نمازیوں کی ضرورت کے لئے اگر مسجد کے قریب بیت الخلا بنایا جائے تو شرعاً گنجائش ہے، مگر اس کا لحاظ چاہئے کہ بدبو مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۵ھ۔

= الذی تحتہ". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/ ۲۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) "ویحرم فیہ السؤال و یکرہ الإعطاء .... وأکل نحو ثوم، یمنع منہ". (الدرالمختار).

"(قولہ: وأکل نحو ثوم): أی کبصل و نحوہ مما لہ رائحة کریھة، للحدیث الصحیح فی النھی عن قربان آکل الثوم والبصل فی المسجد. قال الإمام العینی فی شرحہ علی صحیح البخاری: قلت: علة النھی أذی الملائکة وأذی المسلمین .... خلافاً لمن شذ. و یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحة کریھة ماکولاً أو غیرہ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، سعید)

(۲) "إذا کان تحتہ شیء ینتفع بہ عامة المسلمین، یجوز". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب=

مسجد سے متعلق جگہ میں بیت الخلا بنانا

سوال[۷۰۸۶]: ایک قطعۂ اراضی مسجد کے نام سے وقف کی گئی اور وہ بصورت ایک حجرہ کے مسجد کے جانب غرب وجنوب کے گوشہ میں واقع ہے جس کا دروازہ باہر سڑک کی جانب ہے۔ اس وقف کی ہوئی جگہ جو کہ نقشہ میں ۲۶/نمبر درج ہے، بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

حجرہ نمبر ۲۶/ میں کوئی روزن نہیں (۱) جس سے مسجد میں بدبو جائے، ہاں اس کی چھت کے اوپر مسجد کی دیوار میں روشندان ہے، مگر حجرہ کی چھت سے تقریباً ایک گز اوپر ہے اور تین جانب سے دیوار ہے جس کی وجہ سے وہاں بدبو نہیں پہنچ سکتی۔ صرف آفتاب کی روشنی کی غرض سے روشندان کھولا گیا ہے۔

نقشہ کے نمبروں کی تفصیل یہ ہے: ۱،۲- اندرونِ مسجد، ۳- صحنِ مسجد، ۴- حجرہ امام صاحب، ۵- دیوار نالی برائے وضو، ۶- نالی برائے وضو، ۷- مُردے کی چارپائی وتختہ کی جگہ، ۸، ۹- غسلخانہ، ۱۰- کنواں، ۱۱- پختہ فرش، حمام وغسل خانہ کی طرف جانے کا راستہ ہے، ۱۲- کچا فرش، پاپوش کی جگہ، ۱۳- دروازۂ مسجد، ۱۴- وہ طہارت کرنے جگہ، ۱۵، ۱۶- وضو کرنے کی نالی، ۱۷- حمام کمرہ، ۱۸، ۱۹، غسل خانہ، ۲۰- راستہ غسل خانہ، ۲۱- کنواں، ۲۲- برآمدے جہاں نماز پڑھتے ہیں، ۲۳- جہاں نالی وضو کرنے کی، ۲۴- سائبان، ۲۵- حجرہ طالب علم، ۲۶- حجرہ، جس کا مسئلہ دریافت طلب ہے۔

= الوقف : ۴/ ۲۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أى المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"و يحرم فيه السؤال و يكره الإعطاء .... وأكل نحو ثوم، يمنع منه". (الدرالمختار).

"(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل و نحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل فى المسجد. قال الإمام العينى فى شرحه على صحيح البخارى: قلت : علة النهى اذى الملائكة واذى المسلمين .... خلافاً لمن شذ. و يلحق بما نص عليه فى الحديث كل رائحة كريهة ماكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۱ ،سعيد)

(۱) "روزن: سوراخ، روشندان، شگاف"۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۲۷، فيروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ جگہ مصالح مسجد کے لئے وقف ہے اور اہل مسجد کو وہاں بیت الخلاء کی ضرورت ہے، نیز اس جگہ بیت الخلاء بنانے سے مسجد کے احترام میں خلل بھی نہیں آتا اور بدبو بھی مسجد میں نہیں پہونچتی تو اس جگہ بیت الخلاء بنانا شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/۶/۶۰ھ۔

وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ

سوال[۷۰۸۷]: مسجد میں وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ بنانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نمازیوں کی ضرورت کے لئے ہے، اگر کچھ دور ہو تو ٹھیک ہے تاکہ مسجد میں بدبو نہ آئے اور وضو کرنے والوں کو اذیت نہ ہو اور ضرورت بھی پوری ہوتی رہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز". (حاشية الشبلي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۱/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، سعيد)

(۲) "(وكذا يكره) .... (بول وغائط في ماء ولو جارياً) .... (وبجنب مسجد ومصلى عيد) .... (وأن يبول قائماً أو مضطجعاً أو مجرداً من ثوبه بلا عذر أو) يبول (في موضع يتوضأ) هو (أو يغتسل فيه) لحديث: "لايبولنّ أحدكم في مستحمّه، فإن عامة الوسواس منه". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۴۲/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۴۲۲/۱، رشيديه)

مسجد کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ

سوال[۷۰۸۸]: جامع مسجد دھمتری کی وقف شدہ جائیداد کا زید کرایہ دار ہے، اس نے کمیٹی کے کرایہ پر دیئے ہوئے پلاٹ پر ناجائز قبضہ کررکھا ہے اور یہ ناجائز زائد قبضہ عرصہ دس سال سے کئے ہوئے ہے۔ اب کمیٹی ناجائز بلا کرایہ قبضہ کو زید سے واپس اس لئے لینا چاہتی ہے کہ اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ سے جامع مسجد کی کم وبیش سوروپے ماہانہ آمدنی بلا مبالغہ بڑھ سکتی ہے۔ اب اگر زید اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ کو کمیٹی کے قواعد وضوابط کے تحت واپس نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا کرایہ بالمقابل دیگرے دینے کو تیار ہے اور نہ ہی ناجائز قبضہ چھوڑتا ہے تو زید پر اس معاملہ میں شرعی حکم کیا ہے اور کس قدر مجرم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو وہ کرایہ دار غاصب ہے، ظالم ہے، کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ زائد حصہ فوراً خالی کردے اور جتنے زمانہ تک اس پر ناجائز قبضہ کررکھا ہے اس کا کرایہ بھی ادا کردے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۱۵ھ۔

---

(۱) "وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولىٰ، ويجب أجر المثل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

"قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف: أى قيم الوقف، فهو غاصب. فيخرج من يده، فإن نقص منها شيء بعد الجحود، فهو ضامن". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعوىٰ ....: ۸۲۰/۵، ۸۲۱، إدارة القرآن كراچی)

"ولو غصبها من الواقف أو من واليها غاصبٌ، فعليه أن يردها إلى الواقف، فإن أبى وثبت غصبه عند القاضيٰ، حبسه حتى رد، فإن كان دخل الوقف نقص، غرم النقصان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشيديه)

"ويفتى بالضمان في غصب عقار الوقف و غصب منافعه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۶/۵، رشيديه)

مسجد کے حُجرے پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے کو نکالنا

سوال[۷۰۸۹]: ایک شخص مسجد کے حجرے پر غاصبانہ قابض ہے اور مسجد کا کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتا، بلکہ بارش میں چار صفیں باہر پڑی رہ گئی تھیں، اس وقت یہ شخص موجود تھا، وہ بھیگ کر خراب ہوگئیں، لیکن اس نے ان کو اٹھایا تک نہیں۔ اور مسجد میں اگر کوئی آدمی تیل وغیرہ دینے کو کہتا ہے کہ اگر برتن وغیرہ ہو تو دے دو، تیل لا کر مسجد میں ڈالوں گا تو یہ شخص اس سے پیسہ لے کر ہضم کر جاتا ہے، تیل وغیرہ نہیں لاتا۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک دولہا مسجد میں سلام کرنے آیا اور اس نے امام صاحب کو سو روپیہ دیا تو اس کو لے کر خرچ کرلیا، لوگوں کو معلوم ہوتو شور کیا اور بار بار کہنے پر بڑی مشکل سے اس نے وہ سو روپے واپس دیئے، ورنہ تو وہ ہضم ہوگیا تھا۔ یہ واقعہ تو معلوم ہوگیا لیکن نہ جانے کتنے واقعات ایسے ہوئے ہیں۔ اپنا خرچ اسی طرح چلاتا ہے اور کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔ اور لوگوں نے سات آٹھ بار حجرے سے نکال دیا، مگر دس پندرہ روز کے بعد پھر آجاتا ہے، حالانکہ اس کا اپنا گھر موجود ہے، وہاں اس لئے نہیں رہتا کہ وہ کام کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو مسجد میں رہنے اور سونے سے بالکل روک دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کو امام کا اپنے نام کرالینا

سوال[۷۰۹۰]: ایک مسجد کی کچھ زمین وقف ہے، وہ امام کے لئے ہے کہ جب تک جو شخص امام رہے گا اس کی اجرت لیتا رہے گا، لیکن موجودہ امام نے اس کو اپنے نام ریکارڈ کرالیا ہے، بستی والے کہہ رہے ہیں کہ مسجد کے نام کردیں، مگر وہ نہیں کرتے تو امام کا جبراً مسجد کی زمین اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ فعل

---

(۱) اس میں چونکہ مسجد کا نقصان ہے اور مسجد کی اشیاء کا بے جا استعمال ہے، فقہاء نے مسجد کی معمولی چیز کے استعمال کو بھی بغیر خریدے ناجائز قرار دیا ہے: "وإذا رأى حشيش المسجد فرفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

ناجائز ہوتو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ زمین مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ جائز نہیں، بلکہ غصب ہے(۱)؛ امام اور اس کے بھائیوں کے ذمہ ضروری ہے کہ فوراً یہ مالکانہ قبضہ اٹھالیں اور زمین مسجد کے نام کردیں، ورنہ آخرت میں سخت بازپرس ہوگی اور امام صاحب کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اور وہ امامت سے الگ کئے جانے کے قابل ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۹ھ۔

مسجد کی زمین پر مالکانہ قبضہ

سوال[۷۰۹۱]: مسجد کے صحن اور نماز جنازہ کی جگہ اور مذہبی اجتماع کی جگہ اور تعزیہ کے راستہ پر قبضہ کرکے مکان بنانا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك، ولايملّك ولايعار، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك) : أي لايكون مملوكاً لصاحبه. ولايملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة وقوله فموقوفة على فلان: ۴/۳۵۱، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف : ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف : ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف : ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق، الخ". (الدرالمختار). "أما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لما ذكرنا ". (ردالمحتار، باب الإمامة : ۱/۵۶۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر مالکانہ قبضہ غصب اور حرام ہے(۱)، اس قبضہ کو ہٹا کر مسجد کے قبضہ میں دینا ضروری ہے، پھر اس کی چہار دیواری بنا کر حسبِ مصالح مسجد کے کام میں لائیں، تا کہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

مسجد کی زمین میں امام کا حجرہ بنانا

سوال[۷۰۹۲]: ۱.....مسجد کے امام صاحب نے رہنے کے لئے صحنِ مسجد میں ایک حجرہ بنایا جس کو پہلے نماز کے لئے تیار کیا گیا تھا۔یہ جائز ہے یا نہیں؟

ایک مسجد کی زمین پر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۹۳]: ۲.....ایک مسجد کی موقوفہ زمین پر خلافِ شرطِ واقف اہلِ محلّہ کے اتفاقِ رائے سے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اہلِ محلّہ نے یہ طے کیا کہ اس دوسری مسجد کے مصلیان پہلی مسجد والے کو اس موقوفہ زمین کے عوض میں کچھ روپیہ دیں تو یہ روپیہ دینا دوسری مسجد والوں پر ضروری ہوگا یا نہیں؟ اور پہلی مسجد والے دوسری مسجد والے کو یہ زمین بلاعوض دے سکیں گے یا نہیں؟ اور روپیہ دینا طے ہونے کی صورت میں دوسری مسجد والے اگر پہلے طے شدہ روپیہ نہ دیں تو یہ دوسری مسجد کیسی ہوگی اور اس میں نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ اور یہ طے شدہ روپیہ دے کر دوسری مسجد بنانا صحیح ہوگا یا نہیں؟ یہ مسجد بن کر نماز ہو رہی ہے۔شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملّک ولایعار ولایرهن) .... ولو سکنه المشتری أو المرتهن ثم بان أنه وقف أو الصغیر لزم أجر المثل". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. ولایملک: أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه".
(ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلی رجل وولاه القیام بذلک المدفوع إلیه، فهو غاصب یخرج الأرض من یده". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشیدیه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱...... جوجگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف کر کے مسجد بنادی گئی ہو، وہاں امام یا کسی اَور کے لئے حجرہ بنانا درست نہیں (۱)۔

۲...... جوزمین جس مسجد کے لئے وقف کردی گئی وہاں دوسری مسجد بنانے کا حق نہیں (۲)، نہ اس کو دوسری مسجد کے لئے فروخت کیا جاسکتا ہے (۳)، نہ اس کا روپیہ لیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ پہلی مسجد ویران ہوجائے، وہاں مسلمان باقی نہ رہیں اور جہاں وہ زمین ہے وہاں مسلمان موجود ہوں اوران کومسجد کی ضرورت ہوتواس زمین پردوسری مسجد بنالینا درست ہےاوروہاں نماز درست ہوگی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف : ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد : ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ : ۲/۴۵۸، رشيديه)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلبٌ: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ : ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ : ۴/۳۴۳، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الواقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف : ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۳) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف : ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف : ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف : ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف : ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۴) وفي جامع الفتاویٰ: لهم تحويل المسجد إلى مكان آخر إن تركوه بحيث لايصلى فيه، ولهم بيع =

مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ اور رہائشی مکان

سوال[۷۰۹۴]: ۱...... مسجد کی بچی ہوئی زمین پر مدرسہ درسگاہیں، مدرسین وطلباء کے رہنے کے گھر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسجد کمیٹی کی ناخوشی کے باوجود ایسا کرنا

سوال[۷۰۹۵]: ۲...... اگر اس میں مسجد کی کمیٹی کی طرف سے ناراضی اور ناخوشی ظاہر ہو تو جھگڑا اور زبردستی اس پر قبضہ کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو جگہ مسجد کی ہے اس میں اگر طلباء کے رہنے یا تعلیم کے لئے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کر لیا جائے اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کر دیا کریں (۱)۔

۲...... زبردستی قبضہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز نہیں (۲)، کمیٹی کی رضامندی سے جگہ کے کرایہ کا معاملہ کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۶ھ۔

= مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف لمنه في مسجد آخر، سائحاني، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب =

صحنِ مسجد میں کنواں بنانا

سوال[۷۰۹۲]: کیاارشادفرماتے ہیں علمائے شرع متین اس بارے میں کہ:

یہاں کی جامع مسجد میں باوجوداس کے کہ ایک سرکاری نلکہ پانی کالگاہواہے جو پانی دینے کے لئے کافی ہے، گرمیوں میں نلکے کا پانی تھوڑا ہو جاتا ہے تو ضرورت رفع کرنے کے لئے ایک کنواں بھی ہے۔ اندریں حالات مسجد والوں نے چاہا کہ ایک کنواں اَور کھودنا چاہیے جس میں بجلی کی مشین لگوائیں اور پانی کی بہتات ہو، اور یہ کنواں مسجد کے مال وقف کے صرفہ سے صحن مسجد میں کھودنا تجویز ہوا۔ اور درآں حالانکہ واقفِ زمین مسجد فوت ہو چکا ہے۔

یہاں کے علماء میں سے بعض نے ان کو منع فرمایا کہ مسجد ما أعد للصلوة ہے اور یہ تصرف زمینِ مسجد میں جائز نہیں۔ بعض نے عالمگیری کی کتاب الصلوة والی اورقبیل باب إحیا الموات والی روایتوں کے اختلاف کودیکھ کر کچھ تساہل سے جواب دیا فائدہ اس تساہل سے لے کرانہوں نے کنواں کھودنا شروع کیا۔ اب سوال یہ ہے:

۱......آیا کنواں کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اور جب کھودا گیا تو اب یہ پانی اجزائے مسجد میں سے شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ بنا بریں کہ مسجد الیٰ تحت الثریٰ مسجد ہے۔ اور آیا اس پانی کا استعمال وضو وغیرہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ پانی مشین کے ذریعہ سے مسجد سے باہر نکالا جائیگا اور استعمال کیا جائے گا۔

المستفتی: امام مسجد جامع نوشہرہ صدر ضلع پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنا کر وقف کر دی گئی ہے، اس جگہ کو مستقلاً کسی دوسرے کام میں لانا غرضِ واقف کے خلاف ہے، ایسی جگہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، اس کا احترام لازم ہوتا ہے۔ اگر اس جگہ کنواں بنایا جائیگا تو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے غیر صلوۃ کے کام میں محبوس رہے گی، حالانکہ وہ نماز کیلئے محبوس کی گئی تھی۔ نیز وہاں پانی لینے کے لئے طاہر وجب سب جائیں گے اور عامۃً کنویں پر شور وشغب ہوتا ہے، پانی لینے میں نزاع ہوتا ہے،

= البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

بسا اوقات پانی لینے والے عوام کے پیر اور برتن میل کچیل میں ملوث ہوتے ہیں، یہ امور احترامِ مسجد کے خلاف اور ممنوع ہیں۔ نیز اس سے مسجد میں تنگی ہوگی اور صفوف میں تفریق ہوگی:

قال في الدر المختار في أحكام المساجد: "والوضوء إلا فيما أعد لذلك، وغرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نز، اهـ". "(قوله: والوضوء) وإن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع. ....ولا يظن أن ماحول بئر زمزم يجوز الوضوء والغسل من الجنابة فيه؛ لأن حريم زمزم يجرى .... عليه حكم المساجد، فيعامل بمعاملتها من تحريم البصاق و المكث مع الجنابة فيه.......... قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نزٍ والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لا يجوز، اهـ. وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله و لايضيق على الناس و لا يفرق الصفوف، لا بأس به. وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره، أو يفرق الصفوف، أو كان في موضعٍ تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد، يكره، اهـ .... لأن فيه شغل ما أعد للصلوة ونحوها وإن كان المسجد واسعاً، اهـ". شامی(۱)۔

قال في شرح المنية: "ولا يحفر في المسجد بئر ماء؛ لأنه لا يؤمن من دخول النساء والصبيان، فتذهب حرمة المسجد ومهابته. ولو كان البئر قديماً، يترك كبئر زمزم، اهـ"(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ،وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد : ۱/۶۶۰، ۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ : ۱/۱۱۰، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد ، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و لا يتخذ في المسجد بئر ماء؛ لأنه يخل حرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب والحائض، وإن حفر فهو ضامن بما حفر، إلا أن ما كان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ : ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ : ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

پانی مباح الاصل ہے، اس کا استعمال ہر شخص کو جائز ہے، پانی اجزائے مسجد میں شمار نہیں ہوگا۔ تحت الثریٰ تک مسجد ہونے سے مراد یہ ہے کہ حق العبد منقطع ہو جائے، کوئی شخص دعوائے ملک نہ کرسکے، صرح بہ الشامی (۱)۔ فتاویٰ عالمگیری کی دونوں عبارتیں بھی اس جواب کے خلاف نہیں رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ربیع الأول/ ۷۰ھ۔

پرنالہ دوسرے کی جگہ میں اور مسجد کی دیوار میں ایسا تصرف جس سے کسی کی بے پردگی ہو

سوال [۷۰۹۷]: زید نے دو قطعے زمین مالکان زمین سے خریدی جس کی سرحد مسجد کے مغرب وجنوب کی دیوار تک تھی جس میں سے ایک قطعۂ زمین جانبِ مغرب افتادہ پڑتی تھی، دوسرے قطعہ جنوب کے کچھ حصہ پر مالکِ زمین نے اپنا مسکونہ مکان بنا رکھا تھا جو جانبِ مغرب ومشرق کی لمبائی میں واقع تھا۔

زید نے خریدنے کے بعد اپنی پوری زمین پر قبضہ کرانے کے لئے دونوں جانبوں میں مسجد تک اپنی دیوار بنا کر احاطہ ومکان کی شکل دے دی۔ مسجد کی جنوبی دیوار میں جھروکے (۲) بشکل روشندان بنائے تھے، جس سے زید کے صحن میں بال بچوں کی بے پردگی ہوتی تھی۔ مسجد کی جنوب کی دیوار کے بعد ایک گلی جو کہ ایک ضعیفہ کا مکان خام بنا ہوا تھا جو زید نے خریدنے کے بعد اپنا صحن بنا دیا، اور جھروکے کو اپنے صحن کی طرف سے بے پردگی کے خیال سے چاروں سوراخوں میں مٹی رکھ کر بند کر دیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد رائے عام مصلیانِ مسجد سے بضرورتِ شدید مسجد کی ایک الماری اچھی، خاصی نصب

---

(۱) "حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) "جھروکے: کھڑکی، دریچہ، روشن دان، ایسی کھڑکی جو پُر منظر، اطراف میں سیر یا نظارہ کی غرض سے رکھی گئی ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۳، فیروز سنز، لاهور)

ہوئی جس کو لگتے تقریباً ۲/ سال ہوگئے، اپنی جگہ بدستور باقی ہے اور مسجد کی مصلحت فوت نہ ہوئی، اور زید کی بے پردگی کا سوال ختم ہوگیا۔ اور یہ نہیں معلوم کہ جھروکے مالکِ زمین کی اجازت سے بنائے گئے یا افتادہ زمین کی طرف یوں ہی کھولے گئے۔

اب زید صحنِ مذکورہ کو مکان کی شکل میں تعمیر کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسجد سے ملا کر اپنی دیوار پختہ بنا کر تعمیر کرلے اور پانی جو مسجد و مذکورہ ضعیفہ کے دونوں دیواروں کے بیچ میں گرتا تھا وہ پانی زید اپنے صحن خانہ کی طرف گرائے اور زید کا مکان بسبب گلی چھوڑنے سے غیر محفوظ نہ ہو۔ زید کا کہنا ہے کہ مسجد و دیوار زید میں گلی ہوگی، مسجد کا بھی نقصان ہوگا، برسات کے پانی کے ریلے و چھینٹے دونوں دیواروں کو خراب کریں گی اور نیز چور ونقب زن کے چھپنے کا خطرہ رہے گا۔ دوسرا مجھ کو خیال یہ ہے کہ جھروکے جہاں اس وقت الماری نصب ہے بڑا سا جنگلہ لگا دیا جائے، مگر اس شکل میں بے پردگی کا مسئلہ پیش آتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا زید کو اپنی زمین پر مکان تعمیر کرنے کا شرعاً حق ہے، یا اپنی دیوار مسجد سے نہیں ملا سکتا؟ اگر نہ ملائے تو کس قدر فصل چھوڑنا ضروری ہے؟ نیز جھروکوں کی کیا حیثیت ہے؟ آیا ان کا باقی رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو زید کے مکان کے غیر محفوظ ہونے اور بے پردگی کا کیا حل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد یسین، قصبہ سرائے میر، محلّہ فاہر خان اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی زمین میں مکان صحن سب کچھ بنانے کا پورا اختیار حاصل ہے(۱)، لیکن اگر مسجد کے متصل مسجد کی مصالح کے لئے کچھ راستہ مالک نے چھوڑ دیا ہو، یا پانی گرانے کے لئے حق دیا ہو جس کو زید کے ہاتھ فروخت نہیں کیا گیا تو زید کا اس راستہ کو ختم کرنا، یا پانی گرانے کی جگہ کو ختم کرکے دوسری طرف منتقل کرنا

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکہ کیف شاء، لکن إذا تعلق بہ حق الغیر، یمنع المالک من تصرفہ بوجہ الاستغلال". (شرح المجلۃ، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۱/ ۶۵۴، (رقم المادۃ: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک والمتقوم: ۴/ ۵۰۲، سعید)

درست نہیں (۱)۔ آج زید اس جگہ پر پانی گرانا برداشت نہیں کرتا تو کل کو زید کے ورثاء مسجد کا پانی اپنے مکان پر کیسے برداشت کریں گے؟ نزاع پیدا ہوگا، وہ کہیں گے کہ مسجد کا پانی ہمارے صحن میں نہ آئے، کسی اَور طرف راستہ کیا جائے۔

مسجد کے جنوبی دیوار کے جھروکوں سے اگر زید کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے تو زید کو چاہیے کہ وہ اپنے مکان کی دیوار بنائے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ اگر زید میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ دیوار بنا سکے تو جو الماری مسجد کے لئے اس جگہ پر بنائی گئی اس سے بے پردگی ختم ہوگی، اب جنگلہ لگا کر اس کے مکان کو بے پردہ نہ کیا جائے۔ برسات میں مسجد کے پانی کی وجہ سے اگر زید کی دیوار کو اندیشہ ہو تو اس کے تحفظ کے لئے نالی پختہ کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ادھار لگائی ہوئی اینٹوں کی واپسی

سوال [۷۰۹۸]: ایک آدمی نے اپنا مکان بنانے کے لئے آٹھ ہزار اینٹیں ۶/۴/۷۷ء کو منگائیں تھیں، مسجد کے کچھ آدمیوں نے مشورہ کر کے وہ آٹھ ہزار اینٹیں ادھار لے کر مسجد میں لگادیں۔ اب بستی والے اینٹ واپس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تم اپنی اینٹ مسجد سے نہیں لے سکتے، جب کہ اینٹ دیئے ہوئے تین سال ہو چکے۔ جس نے اینٹ دی ہے وہ بہت غریب اور پریشان حال ہے اور وہ اپنی مرضی سے دینا نہیں چاہتا۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے وہ اینٹیں مسجد والوں نے خرید کر لگائی ہیں تو وہ مسجد توڑ کر اینٹیں لینے کا حقدار نہیں رہا (۲)،

(۱) "لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلة: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر، الخ: ۶/ ۲۰۰، سعید)

(۲) "إذا کان البیع لازماً نافذاً، فلیس لأحد المتبائعین الرجوع عنه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، =

البتہ قیمت کا حقدار ضرور ہے(۱)۔اگر قیمت میں روپیہ مقرر کیا گیا تھا تو اس کو روپیہ دیا جائے، اگر قیمت میں اینٹیں ہی تجویز کی گئی تھیں یعنی ادھار لی تھیں تو اس قسم کی اینٹیں منگا کر اس کو دی جائیں، یا اس کی قیمت دی جائے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كتاب البيوع: ۱/۱۱۱، (رقم المادة: ۳۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مختصر القدوري، كتاب البيوع، ص: ۱۱۵، سعيد)

(۱) "ومن باع سلعةً بثمن، قيل للمشتري: ادفع الثمن أولاً، فإذا دفع، قيل للبائع: سلم المبيع".

(مختصر القدوري، كتاب البيوع، ص: ۱۱۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۳۱، ۳۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "والقرض شرعاً عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثلي لآخر ليردّ مثله. وصح القرض في مثلي، هو كل مايضمن بالمثل عند الاستهلاك". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى، الخ: ۳/۸۳۸، سعيد)

الفصل الثامن فی السکونۃ فی المسجد

(مسجد میں رہائش رکھنے کا بیان)

مسجد کے بالائی حصہ پر امام صاحب کا کمرہ بنانا

سوال[۷۰۹۹]: مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ ہے جو اس وقت خارجِ مسجد ہے، لیکن اب اس مسجد کی توسیع کا ارادہ ہے۔ تو امام صاحب کے حجرہ کو نیچے سے مسجد میں شامل کرلیں اور اوپر کے حصہ میں مع اہل وعیال کے رہیں۔ تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس حجرہ کو نماز کے لئے مسجد میں داخل کر کے مسجد قرار دیا جائے تو بالائی حصہ پر بھی ایسا حجرہ بنانا درست نہیں جس میں امام صاحب مع اہل وعیال قیام کریں (۱)۔ اگر اس کو مسجد بنانا مقصود نہیں، صرف یہ مقصود ہے کہ وقتِ ضرورت وہاں بھی نمازی کھڑے ہوجایا کریں اور اوپر والے حصہ میں امام صاحب رہیں تو یہ درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "لو بنی فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح. أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "يمنع الحيض دخول المسجد، وكذا الجنابة .... و حرمة الدخول للجنب. وفناء المسجد له =

جس کوٹھڑی کی چھت کو مسجد بنالیا گیا اس میں رہائش کا حکم

سوال[۷۱۰۰]: مسجد جس کا تقریباً پانچ گز اونچا ہے اور مسجد کے بائیں جانب کو ایک حجرہ تھا بالکل مسجد کی دیوار سے ملا ہوا اور اس حجرہ کے نیچے دو کوٹھڑی ہیں، اس کوٹھڑی کو واضع نے امام کی رہائش کے لئے بنائی تھی تا کہ مع اہل وعیال کے رہے۔اب چند سال بعد حجرہ کی دیوار توڑ کر کوٹھڑی کی چھت توڑ کر کوٹھری کی چھت اور مسجد کے صحن کو ایک کرلیا گیا ہے۔اور مسجد کا حکم متولی مسجد نے لگایا ہے تا کہ صف لمبی ہو سکے۔اور اوپر سارا صحن مسجد کے حکم میں ہے اور نیچے رہائش کی کوٹھڑی آیا۔

اب امام صاحب کا اسی کوٹھڑی میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جواز کی شکل ہو تو ضرور ارشاد فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو اپنے تصرف میں کسی طریقہ سے لاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور جواب تک امام بغیر تحقیق کے کوٹھڑی کے اندر رہا ہے گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ مسجد قرار دے دی جائے وہ اوپر نیچے سب ہی مسجد ہے (۱)، اب امام صاحب کو ان کی کوٹھڑیوں

= حكم المسجد في حق جواز الاقتداء بالإمام وإن لم تكن الصفوف متصلةً ولا المسجد ملآناً. وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه. وأما ما في شرح الزاهدی من أن سطح المسجد و ظلة بابه في حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد في الظلة بأنها حكمه في حق جواز الاقتداء لا في حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۸/۱، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۳۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى، كما في البيرى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد)

میں رہائش کی اجازت نہیں (۱)۔ جن کی چھت کو صحن مسجد بنادیا گیا ان میں مسجد کا سامان، صف وغیرہ رکھ سکتے ہیں (۲)۔ ناواقفیت سے جو کچھ کیا اس سے استغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

امام سابق ضعیف العمر کا تعاون اور مکانِ مسجد میں ان کی رہائش

سوال [۷۱۰۱]: ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ انچولی ہے، اس میں ایک مسجد ہے جس میں چالیس سال سے ایک امام صاحب متعین تھے، انھوں نے فرائضِ امامت بہت خوبی سے انجام دیئے، اب ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہیں، ان کی جگہ دوسرے امام متعین ہوچکے ہیں۔ دوسال تک تمام مقتدیوں نے ان کی اس طرح خدمت کی جس طرح امام ہونے کی صورت میں کرتے ہیں، مسجد کا ایک مکان ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔

اب تنازع مابین المقتدیین یہ ہوگیا ہے کہ امامِ اول کی اعانت کی جائے یا نہ کی جائے، مقتدی تین قسم کے ہوگئے ہیں: ۱- امام اول مکان میں اسی طرح مقیم رہے جس طرح سے رہتے چلے آئے ہیں اور ان کا تعاون حسبِ حیثیت کیا جائے اور وہ لوگ تعاون کررہے ہیں۔ ۲- امام صاحب کو فوراً مکان سے علیحدہ کردیا جائے اور اس قسم کا تعاون ان سے روانہ رکھا جائے۔ ۳- مذبذب میں محلّہ کے مقتدی اعلان کرتے ہیں کہ امام کو کھلانا پلانا

---

(۱) "قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً".

(فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (الدرالمختار). "صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

بالکل حرام ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ امامِ اول کا مسجد کے مکان میں رہنا اوران کی اعانت کرنا شرعاً کیسا ہے، آیا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس امام نے مدتِ دراز تک خدمت انجام دی اوراب وہ ضعیف العمر ہو، اس کا لحاظ خدماتِ دینیہ اور ضعف کی وجہ سے ضروری ہے(۱)، اہل محلّہ کو چاہیے کہ باہمی مشورہ کر کے ان کے مکان میں رہنے کا انتظام کریں، اگر مکان کو خالی کرانا ہواور مسجد کی ضرورت ہوتوان کیلئے دوسرا مکان تجویز کردیں، ورنہ مسجد ہی کے مکان میں رہنے دیں، البتہ مکان کا کرایہ چندہ کر کے دے دیا کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کوٹھڑی میں عورت کو رکھنا

سوال[۷۱۰۲]: میں نے بڑی مشکل سے ایک مسجد کی کوٹھڑی۔جس میں ایک پلنگ کی جگہ ہے۔ کرایہ پر لی ہے، اس کوٹھڑی کو لینے کی میری غرض صرف اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں کسی غریب بیوہ شریف دیندار سے عقد کرلوں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں کوشش بھی شروع کررکھی ہے، لیکن محلّہ کے کچھ لوگ اس کوٹھڑی میں زنانہ رکھنے کو ناجائز اورخلافِ شرع کہتے ہیں، اس لئے میرا عقد کرنے اور کرانے سے کتراتے ہیں اور کہتے ہیں

---

(۱) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله ، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۶۹۱۳، (رقم الحديث : ۳۶۶۰)، مكتبه نزار مصطفى رياض)

(۲) "لو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبنى فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف : ۲/۴۱۴، رشيديه)

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي : ۶/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کہ پہلے گھر کا انتظام کرلوں پھر نکاح کا انتظام کرنا۔

مسجد کا نقشہ اس طرح پر ہے کہ جو کوٹھڑی میں نے لے رکھی ہے، اس کا دروازہ باہر کی طرف نالی سے ذرا اوپر ہے اور مسجد کا دروازہ اس کوٹھڑی کے دروازے سے دوگز چار گرہ کے فاصلہ پر ہے۔ اس دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی دوگز چار گرہ (۱) پر میری کوٹھڑی کا روشن دان نما جنگلہ ہے اور یہیں پر نمازی جوتے اتارتے ہیں اور جہاں پر نمازی جوتا اتارتے ہیں یہیں پر کوٹھڑی کی پشت ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ شرعاً عورت کو اس کوٹھڑی میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کوٹھڑی میں جانے کا دروازہ مسجد سے علیحدہ باہر سڑک کی طرف ہے تو اس میں زنانہ کے ساتھ رہنا منع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۰ھ۔

امام کا اہل وعیال و مویشی کو مسجد میں رکھنا

سوال[۷۱۰۳]: کیا کسی ایسے شخص کو جو کسی دوسرے مقام پر امامت کرتا ہو، وہ کسی بھی دوسری مسجد

---

(۱) ''گرہ: گز کا سولہواں حصہ تقریباً تین انگل کی چوڑائی''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴،سعيد)

"(ودخول مسجد): أى يمنع الحيض دخول المسجد، وكذا الجنابة .... وأما فى جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه. وأما ما فى شرح الزاهدى من أن سطح المسجد و ظلة بابه فى حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد فى الظلة بأنها حكمه فى حق جواز الاقتداء لا فى حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لايخفى". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۸/۱، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع فى أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۳۸/۱، رشيديه)

کو اپنے اہل وعیال، مویشی، اور دیگر ضروریاتِ خانگی کے لیے استعمال کرسکتا ہے، بالفرض اس نے مسجد میں روشنی وغیرہ پر خرچ کیا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اہل وعیال کو رکھنا اور مویشی وہاں پر باندھنا جائز نہیں (۱)، مسجد نماز اور ذکر اللہ کے لئے ہے، ان کاموں کے لئے نہیں (۲)۔ ظالموں اور کافروں کی طرح خانۂ خدا پر قبضہ کرنا اور ان کو دلیلیں پیش کرنا خطرناک صورت ہے، کہیں وہی انجام نہ ہو جو اُن ظالموں کے لئے تجویز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بوقتِ ضرورت مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنانا کیسا ہے؟

سوال [۷۱۰۴]: ۱…… ایک مسجد سہ منزلہ ہے، اس میں امام اور مؤذن کے رہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، نیز مسجد کے احاطہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں امام اور مؤذن کے لئے کمرے برائے رہائش بنائے جاسکیں۔ ایسی صورت میں مسجد کے کم حصہ یا پوری چھت پر کمرہ یا کمرے برائے دینی مدرسہ ور ہائش طلباء بنانا جائز

---

(۱) "قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وكذا في البزازية، کتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشیدیه)

(۲) "والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، وقال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ اهـ".

(فتح القدير، کتاب الوقف، فصل أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

"﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها .... ﴿أولئک﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها ﴿ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم﴾، اهـ". (روح المعاني: ۳۶۴/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے یانہیں؟

آمدنی کے لئے کرایہ لے کر مسجد کی چھت پر مسافروں کو ٹھہرانا

سوال[۷۱۰۵]: ۲......اگر مسجدِ مذکور کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جو مسجد کے اخراجات کے لئے کافی ہو تو کیا ایسی صورت میں اگر بالائی چھت پر مسافروں کے واسطے کمرے بنا دیئے جائیں اور آمدنی بڑھانے کے لئے ان مسافروں سے کرایہ وصول کیا جائے تو جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اجازت نہیں، کذا فی البحر الرائق: ۲۵۱/۵(۱)۔

۲......اس کی بھی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

ضرورتِ مسجد کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۶]: مسجد کے احاطہ میں تین عدد غسل خانے اور تین استنجا گاہیں اور ایک سبیل آٹھ نلکوں پر مشتمل برابر برابر بنی ہوئی ہیں، لیکن بنائے مسجد سے ہی شرعی مسجد کے حکم سے یہ اشیاء خارج تھیں، کیونکہ

---

(۱) "لو جعل مسجداً، ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره، هل له ذلك؟ قلت: قال في التاتارخانية: إذا بنى غرفةً وهو في يده، فله ذلك. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني، لايتركه. إذا قال: عينتُ ذلك، فإنه لايصدق". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) "ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

"قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

قوم کے افراد نے تمام مسجد کو پختہ کیا اور نئی بنایا، لیکن مذکورہ بالا اشیاء آج تک پرانے طرز پر موجود ہیں۔ لہٰذا مسجد کی کمیٹی نے ایک رائے پیش کی، کیونکہ احاطۂ مسجد میں بچے داخل ہوکر پاک وناپاک ہاتھوں سے غسل خانوں کی جگہ سے پانی لیتے ہیں۔

دوسرے اس کنویں کے ڈول کو سبیل میں پانی بھرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بعض اوقات جماعت چھوٹنے کا باعث بن جاتی ہے، کیونکہ ماشاء اللہ مصلی زیادہ ہیں اور سبیل کافی نہیں ہوتی۔ استنجا گاہوں کو واٹر مشین لگا کر وسیع کیا جائے، کیونکہ مسجد کے نام وقف کافی ہے۔ اس لئے قوم نے اس گیرج کو غسل خانوں میں تبدیل کردیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر مسجد کی آمدنی استعمال نہیں کی جاسکتی، لیکن لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ کام مسجد کی پاکیزگی اور صفائی کے لئے کررہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مصالحِ مسجد کے لئے غسل خانہ باہر تعمیر کئے جاسکتے ہیں یا نہیں، یا اس کے لئے علیحدہ سے چندہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی پاکیزگی اور نماز باجماعت میں سہولت پیدا ہونے کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کردینا درست ہے (۱)۔ جس طرح قدیم غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہوا ہے اگر اسی طرح ان غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہو تو کیا اشکال ہے، تاہم اگر اشکال ہے تو کوئی بڑی بات نہیں، اس کے لئے مستقلاً چندہ کرلیا جائے۔ جب تک کوئی اشکال سامنے نہ آئے تو اس کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ماترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"(قوله: وأكل نحو ثوم) للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

حجرۂ امام کا شہتیر جدارِ مسجد پر

سوال[۷۱۰۷]: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ! شاہی مسجد سیوہارہ کی جنوب وشمال میں ہردو جانب زمانۂ قدیم کے بنے ہوئے دو حجرے ہیں جن میں سے ایک حجرے کی قلمدانی ڈاٹ مسجد کی دیوار میں ہضم ہورہی ہے، دوسرا شمالی حجرہ سادہ بنا ہوا ہے جس کو شکستہ ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ اس شمالی حجرہ کے اوپر دوسری منزل کی تعمیر کا خیال ہے اور مصلحت تعمیر کی بناء پر اس دوسری منزل کی چھت کا شہتیر ایک طرف مسجد کی دیوار میں رکھا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ تصرف جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے خاص ملحوظات یہ ہیں:

۱- یہ حجرے زمانۂ قدیم سے مسجد کے ہیں۔

۲-ان کی بالائی منزلیں بھی مسجد ہی کی ہیں۔

۳-اس مسجد کے احاطہ میں ایک مذہبی مدرسہ بھی ہے جس کی عمارت مسجد کے مملوکہ زمین پر بنائی گئی ہے۔

۴-اوران حجروں سے حسبِ ضرورت مدرسہ کا کام لیا جارہا ہے اور مسجد کا بھی، اگرچہ تعلیم کے سلسلہ کے وقت یہ اخراجاتِ مدرسہ کی مد سے ہوتے ہیں، لیکن استعمال عمارت مشترک قسم کا ہے۔

لہٰذا دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حجروں کے بارے میں یہ نوعیت جس کو اپنے اکابر ہمیشہ بلانکیر ملاحظہ فرماتے چلے آرہے ہیں کیسی ہے؟

احقر: ثروت حسین، سیوہارہ ضلع بجنور، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ٦٩ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تصرف شرعاً جائز نہیں: "ولا یوضع الجذع علیٰ جدار المسجد وإن کان من أوقافه، اهـ". شامی(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

"ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وإن کان من أوقافه، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

ظاہر حالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجرے مصالحِ مسجد کے لئے وقف ہیں، مدرسہ کا کام لینا ان حجروں سے شرعاً درست ہے، مگر مسجد کا احترام ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، ۲۸/ جمادی الأولیٰ/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "أما المعلم الذی يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره، لا يكره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في المسجد و ما يتصل به: ۱/ ۲۲۹، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۶۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۲۸، سعيد)

الفصل التاسع في انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اوراس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۸]: ملک بنگال میں ایک جگہ مسجد تھی جس میں جمعہ پڑھا کرتے تھے، اب اس جامع مسجد میں کوئی شخص نماز پڑھنے نہیں آتا، اگر آتے ہیں تو صرف ایک یا دو آدمی۔ اور اس سے قریب ہی ایک اور موضع ہے جہاں بہت آدمی رہتے ہیں، وہ لوگ اس کو منتقل کر کے اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں، اور منتقل شدہ جامع مسجد میں جمعہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اب قدیم جامع مسجد کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ وہاں سے سارا سامان اٹھا لیا گیا ہے، صرف زمین مسجد کی باقی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ اس پہلی مسجد میں بعض آدمی نماز پڑھنے کے لئے اب بھی آتے ہیں تو اس کو کسی دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اس مسجد کے قریب آبادی کم ہونے کی وجہ سے اگر نماز جمعہ دوسری مسجد میں جس کے قریب آبادی زیادہ ہو پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲) بشرطیکہ وہاں شرائط

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع". (الدرالمختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها=

جمعہ بھی متحقق ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/۵۷ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۹]: کچھ عرصہ پہلے کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے، حسبِ ذیل چند معتبر عذر در پیش ہوئے:

فی الحال جہاں مسجد قائم ہے وہاں برسات کا پانی ہو کر مسجد کے اندر اور صحن کے قریب جاتا ہے، بہت دنوں تک مسجد کے احاطہ سے باہر منتقل ہو کر نماز پڑھنی پڑی ہے، مسجد کے بناتے وقت وہاں پانی نہیں ہوا کرتا تھا۔ مسجد کے مشرقی جانب چالیس پچاس گز فاصلہ پر بہت عمدہ جگہ موجود ہے، وہاں بھی برسات کا پانی نہیں ہوا کرتا ہے اور نہ ہونے کا اندیشہ ہے اور یہاں پر مسجد ستون پر ہے اور اس کے اطراف میں دیمک کی وجہ سے ستون کی کڑی وغیرہ رکھنا بھی بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔

مذکور فاضل اونچی جگہ پر منتقل کرکے دیوار اٹھا کر ہمیشہ کے لئے مسجد کا احترام باقی رکھنے پر محلہ کے سب لوگ متفق ہیں اور عذر یہ بھی موجود ہے کہ مصلیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں لوگ سمانہیں سکتے ہیں، مسجد کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، لیکن مذکورہ مشرقی جانب فاصلہ نہیں، منتقل کرنے اور کسی جانب مسجد بڑھانے کی جگہ بھی نہیں۔ مذکورہ عذروں سے کوئی عذر کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ اور واضح رہے کہ فاضل پر انتقال کرنے سے بھی موضع سابق اسی مسجد کی منشفع میں رہے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اسی صورت مذکورہ عذروں کے سبب سے مسجد کی بنا پر مذکورہ چالیس پچاس گز کے فاصلہ پر منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز نئی مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا مع حوالہ کتب۔

مستفتی ریاض الدین احمد۔

= جماعة". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعید)

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر، الخ". (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر موجودہ مسجد باقاعدہ مسجد شرعی ہے تو جب تک وہ آباد رہے اس کے سامان کو منتقل کرنا اور کسی نئی پرانی مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ اگر یہ مسجد غیر آباد ہو جاوے اور لوگ اس میں نماز پڑھنا ترک کردیں، خواہ قریب آبادی بڑھنے کی وجہ سے، یا دوسری مسجد بنانے کی وجہ سے تو اس کے سامان کو دوسری مسجد میں اہل محلّہ کی رائے سے منتقل کرنا درست ہوگا اور احترام اس قدیم مسجد کا بھی واجب ہے، اس کا احاطہ بنا کر حفاظت کرنا ضروری ہے۔

جس قدر روپیہ جدید مسجد بنانے میں خرچ ہوگا، کیا ممکن نہیں کہ اس روپیہ کے ذریعہ سے مسجد میں پانی کی حفاظت اور وسعت کا انتظام کیا جاسکے، اگر ممکن ہے تو پھر جدید مسجد بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس سے قدیم مسجد ویران ہو جاوے گی:

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي. وعاد إلى الملك: أي ملك الباني أو وارثه عند محمد رحمه الله تعالىٰ. وعن الثاني: ينتقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، اهـ". درمختار(۱)۔

"وفي فتاوىٰ النسفي: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبين يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم: هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"إذا خرب و ليس له ما يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية .... فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لايعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوىٰ". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد، الخ: ۴۲۴/۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن كراچی)

قال: نعم". ردالمحتار: ۳/۵۷۵ (۱)۔

"وصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج". تنوير الأبصار شامي: ۵/۴۱۹ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/۶/۵۹ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال [۷۱۱۰]: کسی محلّہ میں زمانۂ قدیم سے ایک جگہ جامع مسجد تھی، مسجد مذکور کے متصل ایک مکتب ہے، حال ہی میں ترقی یافتہ زمانہ نے محلّہ مذکورہ کے قریب ایک چھوٹا سا ڈیلی بازار کی بنیاد ڈالی جہاں صبح وشام روزمرہ لوگوں کی آمد ورفت ہے۔ اب اگر مسجد کو بازار مذکور کے متصل لیا جائے تو مصلی اور انجان لوگوں کے لئے عبادت کے علاوہ حفاظت مسجد میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔ مصلحت بالا کی بنا پر اہل محلّہ مسجد کو قدیم جگہ سے اٹھا کر بازار کے متصل بنانا چاہتے ہیں۔ شرعاً مسجد کی جگہ میں تغیر وتبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پرانی مسجد کی جگہ کو مکتب میں الحاق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور صورتِ ثانی میں اس جگہ کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ ایک دفعہ مسجد شرعی بنادی جائے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے اب اس کو وہاں سے منتقل کرنا اور اس جگہ کو مکتب کے لئے مخصوص کرنا ہرگز جائز نہیں (۳)، بلکہ اس مسجد قدیم کو بدستور مسجد ہی رکھا جائے اور اس

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

"كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية، فرفع ذلك إلى القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۴، رشيديه)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، =

میں اذان و جماعت کا بھی اہتمام رہے، جس طریقہ سے اب تک حفاظت رہی ہے اسی طریقہ سے آئندہ بھی حفاظت کی جائے، نہ اس کو قیمتاً دینا درست ہے، نہ کسی مکان یا زمین کے عوض دینا درست ہے:

"لو كان مسجد في محلة، فضاق على أهله و لا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخله في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خيرٌ له، فيسعهم فيه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك، كذا في الذخيرة".

فتاوی عالمگیری: ۳/۳٤۸(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

مسجد کا تبادلہ

سوال[۷۱۱۱]: ہمارے گاؤں میں ایک جگہ مسجد کے نام سے مشہور ہے، کاغذات پٹواری میں مسجد کے نام سے درج ہے، جگہ منہدمہ ہے، ویسے کسی کو نماز پڑھتے ہم نے نہیں دیکھا، اس کے پاس مندر بنا ہوا ہے جس میں روزانہ گھنٹی بجتی ہے، آس پاس غیر مسلموں کے مکانات ہیں، مسلمان کچھ فاصلہ پر آباد ہیں۔ اور یہاں کوئی دوسری مسجد بھی نہیں ہے، مسجد کی سخت ضرورت ہے، اس جگہ میں مسجد بنانے میں فساد کا اندیشہ ہے۔ مسلمان

= حاوی القدسی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، و لا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد اخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

"ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخل هو في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خيرٌ له، أيسع لأهل المحلة؟ قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يسعهم ذلك". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

کہتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے اپنے جائے وقوع پر مسجد تعمیر کرلیں تو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہیں گے، غیر مسلم اس جگہ کے بجائے ہمارے جائے وقوع وسکونت پر زمین دینے کے لئے تیار ہیں۔ تو کیا ہمارے لئے شرعاً اجازت ہے کہ اس کے بدلے میں جگہ یا اس کی قیمت لے لیں اور دوسری مسجد تعمیر کرائیں۔

حسین بخش، اجمیر شریف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی طرف سے زمین کا تبادلہ یا بیع کا معاملہ نہ کیا جائے اور اگر وہ زمین نہ چھوڑیں اور دوسری جگہ آپ کے مناسب زمین دیں، یا قیمت دیں، تو مجبوراً لے کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا

سوال [۷۱۱۲]: ۱...... ایک محلہ میں لوگ پہلے سے جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں اور یہ مسجد اس محلہ

---

(۱) "الثالثة: أن يجحده الغاصب، ولا بينة: أى وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها، ليشترى بها بدلاً".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۳۰۶، رشيديه)

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها، هل للمتولي أن يبيعها ويشترى بثمنها أخرى؟ قال: نعم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

"رجل وقف موضعاً في صحته، وأخرجه عن يده، فاستولى عليه غاصب، وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: يأخذ من الغاصب قيمتها ويشترى بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائط الأول. قيل له: أليس بيع الوقف لايجوز؟ فقال: إذا كان الغاصب جاحداً، أوليس للوقف بينة، يصير مستهلكاً، والشئ المسبل إذا صار مستهلكاً، يجب له الاستبدال".

(فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول: ۳/۳۱۲، رشيديه)

کے کنارہ پر واقع تھی، اب لوگ دوسرے محلّہ میں جمعہ پڑھنے لگے اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا، مگر وہاں پر عام راستہ نہیں بنایا، بلکہ اس کے چاروں طرف احاطہ کردیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس جگہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا کیسا ہے جب کہ دوسرے کنارہ پر ازسرِ نو مسجد بنائی گئی اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا ہو؟

۲......اگر یہ مسجد دوسری جگہ کسی ضرورت سے منتقل کی گئی ہے تو یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں اور اگر بلاضرورت منتقل کردی گئی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ایک مسجد منہدم کر کے دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اگر پہلی مسجد کہنہ اور غیر آباد ہو، نیز اس کی حاجت نہ رہی ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کا سامان ضائع ہوجائے گا تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا درست ہے، كذا في ردالمحتار: ۳/۵۷۵(۲)۔

۲......جواب نمبر ایک سے معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدرالمختار). "(قوله: عندالإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد اخر .... وهو الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا

سوال[۷۱۱۳]: اگر کوئی مسجد بوسیدہ ہوگئی ہو، اس کے نمازی بھی نہ رہے ہوں اور یہ بھی خطرہ ہے کہ عوام الناس اس جگہ کو گندگی سے ملوث کردیں گے۔ اگر مسجد کی دیواریں وغیرہ ختم کردی جائیں تو ایسی صورت میں مسجد کے سامان کو فروخت کرکے دوسری مسجد میں لگانا، یا اس سے دوسری جگہ مسجد بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہاں مسلم آبادی نہیں رہی اور مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں، نہ قفل کارآمد ہے، نہ چہار دیواری، تو خطرہ مذکورہ کے پیشِ نظر اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نقشۂ اوقاتِ نماز ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال[۷۱۱۴]: ایک شخص نے زید کی مسجد میں اپنی ذاتی آمدنی سے اوقات کا نقشہ مسجد میں لگایا اور وقف کردیا۔ عرصہ ۶/ سال سے وہ بالکل بے سود اور بیکار و بے عمل لگا ہوا ہے، یعنی اس مسجد کے امام اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں اگر وہ وقف شدہ نقشۂ اوقاتِ نماز کسی دوسری مسجد میں جہاں پابندی سے نماز ہو رہی

---

(۱) "وهكذا نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه أنه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

"ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد. ۲۳۶/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ہے اوراس مسجد میں نقشہ بھی نہیں، اس مسجد سے نکال کراس ضرورت والی مسجد میں وقف کرایا جائے تو درست ہوگا، یا پرانی مسجد میں وقف ہونے کی بناء پر مسجد میں درست نہ ہوگا؟ اور وقف کرنے والے کو بے عمل والی مسجد میں لگا رہنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اصل مالک نے متعین طور پر اسی مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور وہ وقف صحیح بھی ہوگیا تو اس کو پھر دوسری مسجد میں منتقل کرنے کے لئے فقہاء کے دوقول ہیں، راجح یہ ہے کہ منتقل کرنا جائز نہیں، لہٰذا امام اور مقتدی کو چاہئے کہ اس نقشہ سے کام لیں تاکہ واقف کی نیت پوری ہو اور اس کے ثواب میں اضافہ ہو۔ نفسِ وقف کا ثواب بہرحال اس کو حاصل ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ مسجد غیر آباد ہوجائے تو پھر دوسری مسجد میں اس کو منتقل کرنا درست ہوگا۔

قرآن کریم کو جس مسجد پر وقف کیا جائے اس کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا مسئلہ ردالمحتار:۳/۵۸۰ میں مذکور ہے(۱)۔ اسی کے ذریعے صورتِ مسئولہ کا حکم تحریر کیا گیا ہے۔ اگر وہ نقشہ وقف نہیں ہوا تو اس کو منتقل

---

(۱) "وفي القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراء ة، ليس له بعد ذلک أن يدفعوه إلى آخر من غير أهل ذلک المحلة للقراء ة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم، الخ : ۳۶۵/۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳۱۸/۳، إمداديه ملتان)

"وفي وقف الحسن بن زياد: إذا اشترى مصاحف وجعلها في المسجد الحرام أو في غيره من المساجد وقفاً مؤبداً لأهل ذلک المسجد ولجيرانه ولمارة الطريق ولابن السبيل يقرؤن، فهو جائز في قول أبي يوسف". (التاتارخانية، كتاب الوقف، وقف المنقول: ۷۱۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

"فإن وقفها على مستحقي وقفه، لم يجز نقلها". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۵/۴، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳۱۸/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المنتقى، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا وقف كتباً وعيّن موضعها، فإن وقفها على أهل ذلک الموضع، لم يجز نقلها منه، لا لهم ولا لغيرهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۳۶۶/۴، سعيد)

کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگانا

سوال [۷۱۱۵]: مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفت ہوں یا قیمتاً، کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پتھر وغیرہ کوئی چیز مسجد کیلئے خریدی گئی، پھر اس کی ضرورت نہیں رہی تو مدرسہ یا کسی دوسری مسجد میں قیمتاً اس کو لگانا درست ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

ایک مسجد کا پنکھا دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۱۱۶]: کیا واقف کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اس مسجد سے بجلی کا پنکھا نکال کر دوسرے محلّہ کی مسجد میں لگا دیں جب کہ اس مسجد میں پنکھا وقف کر دیا گیا ہے، آیا پنکھا نکالنے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ پنکھا وقف کر کے مسجد میں لگا دیا گیا ہے تو اس کو نکال کر دوسری مسجد میں لگانا

---

(۱) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد ۶/۲۲۴، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۶۰ھ، سہارنپور۔

پرانی مسجد توڑ کر اس کا سامان نئی مسجد میں لگانا، یا فروخت کرنا

سوال [۷۱۱۶]: کسی پرانی مسجد کو توڑ کر وسعت دے کر نئی مسجد بنائی جائے اور اس پرانی مسجد کا کچھ اسباب مثلاً: اینٹ، لکڑی وغیرہ بچ جائے تو اس کا فروخت کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی مسجد کا جو سامان نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد نہ ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد سامان خرید لیا جائے۔ اور جو سامان پرانی مسجد کا فروخت کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد ہی کے کام میں اس کو لگایا جائے، کوئی شخص اس کو خرید کر اپنے رہائشی مکان میں استعمال کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

"وقال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولايجوز نقله و نقل ماله إلىٰ مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوى القدسي. وفي المجتبىٰ: وأكثر المشايخ على قول أبي يوسف، ورجح في فتح القدير قول أبي يوسف بأنه الأوجه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلاحفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسک ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۷۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه) .... =

پرانی مسجد کے گرکر بہہ جانے کا اندیشہ ہوتو اس کی اینٹ وغیرہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۱۱۸]: ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے جو پانی چڑھنے کی وجہ سے شہید ہونے لگی اور اندیشہ ہے کہ کچھ دن یہی حال رہا تو اینٹ وغیرہ سب پانی میں بہہ جائیں گے، لہٰذا اگر اینٹیں وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد منہدم ہورہی ہے اور وہاں پانی کا قبضہ ہورہا ہے اور مسجد کی اینٹ وغیرہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے تو وہاں سے اینٹ وغیرہ اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

دریابُرد گاؤں کی مسجد کا سامان کس مسجد میں استعمال کیا جائے؟

سوال[۷۱۱۹]: جمنا کے کنارے ایک موضع ہے جو سب دریابُرد ہوگیا ہے، صرف چند مکان اور ایک مسجد باقی ہے۔ سرکار نے اس گاؤں کو دوسری جگہ بسا دیا ہے جس میں تین مسجدیں ہیں۔ اب قدیم مسجد ویران ہے، اس کے سامان کے استعمال میں نزاع ہورہا ہے تو کون سی مسجد میں اس کو استعمال کر سکتے ہیں، یا ابھی نہیں کر سکتے؟

= "وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف خشبه إلى عمارة المسجد الآخر إذا لم يعلم بانيه ولا وارثه، وإن علم يصرفها هو بنفسه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۴/۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب تک قدیم مسجد موجود ہے اس کے سامان کہیں منتقل نہ کریں، بلکہ اسی مسجد کو آباد کریں(۱)۔اوراگر کسی وقت وہ بھی دریابُرد ہوجائے اوروہاں پانی کا قبضہ ہوجائے، پھراس کا سامان ورقوم باہمی مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہووہاں منتقل کردیں(۲)۔اگرمشورے میں اتفاق نہ ہو، یاسب مسجدیں برابرہوں تو پھرتینوں میں تقسیم کردیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

حویلی کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لے جانے کا حکم

سوال[۷۱۲۰]: موضع بسیرہ کنور ضلع بجنور میں جب کوئی مسجد نماز ادا کرنے کے لئے نہ تھی، تو ایک صاحب نے اپنی جگہ پرچبوترہ قائم کیا بستی کے تمام لوگ وہاں پر نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے، اسی اثناء میں الیکشن کا دور چلا۔ایک صاحب جوبستی کا اعتماد علم وعمل میں حاصل کئے ہوئے تھے پردھان کے سیٹ حاصل کرنے کے کھڑے ہوگئے، دوسری طرف گاؤں کا زمیندار کھڑا تھا۔لوگوں نے اپنا ووٹ زمیندار کو کامیاب

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانی) فلا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذافی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

"فی فتاویٰ الحجة: لو صار أحد المسجدین قدیماً، وتداعی إلی الخراب، فاراد أهل السکة بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید، فإنه لایجوز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

(۲) "ونقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه، هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیره: ۳۵۹/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

کرنے میں اپنے مستقبل کو روشن جانا اور ایسا نہ ہوتا تو قومی مفاد خطرہ میں تھا۔ اس بستی میں مسلم آبادی صفر کے دائرہ میں ہے۔

شخصِ مذکور عالم ہونے کے سبب امام بھی تھے، انہوں نے عام مسلمانوں کو اپنے چبوترہ پر نماز پڑھنے سے روک دیا اور سخت سست کہا، عام مسلمانوں نے شاہراہِ عام پر جگہ انتخاب کر کے مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ کچھ عرصہ بعد ۲، ۳/ آدمیوں میں ضد کی بنا پر اس چبوترہ پر دوسری مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ چبوترہ والی مسجد حویلی کے اندر ہے اور پردہ کی حویلی ہے۔ عورتیں کبھی برا بھلا کہتی ہیں، آئندہ اور بھی برائیاں ہوں گی۔ اور یہ جگہ آج تک وقف نہیں ہوئی۔ اب حویلی مذکور کے لوگ چاہتے ہیں کہ مسجد شہید کر کے اس کا سامان جامع مسجد میں لگا دیا جائے اور اس کا ملبہ کام میں لایا جائے۔ اگر اس کو رہائشی مکانوں میں لگا دیا جائے تو کیا کچھ حرج واقع ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ جگہ (چبوترہ والی) وقف نہیں اور مالک نے وہاں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی اور وہ حویلی کے اندر ہے کہ سب کو وہاں نماز کے لئے جانے کی اجازت نہیں تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں (۱)، جو سامان جن لوگوں کا ہے وہ خود لے جاسکتے ہیں (۲)، اگر چندہ کر کے خریدا ہے تو چندہ دینے والوں کی اجازت سے اس کو دوسری مسجد میں حسبِ ضرورت و مصلحت لگا سکتے ہیں (۳)۔ اگر اصل حقیقت اس کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ

---

(۱) "فإن شرط الواقف التأبید، والأرض إذا کانت ملکاً لغیره فللمالک استردادها، وأمره بنقض البناء، وکذا لو کانت ملکاً له فإن لورثته بعده ذلک". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلبٌ: مناظرة ابن الشحنة: ۴/ ۳۹۰، سعید)

"الخامس من شرائطه: الملک وقت الوقف". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴/ ۳۱۴، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۳، رشیدیه)

(۲) "وکذا لو اشتری حشیشاً أو قندیلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، کان ذلک له إن کان حیاً، ولورثته إن کان میتاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴/ ۴۲۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی مالو خرب المسجد أوغیره، اهـ: ۴/ ۳۵۹، سعید)

(۳) "ولو ضرب أحد المسجدین فی قریة واحدة، فللقاضی صرف خشبه إلی عمارة المسجد الآخر إذا لم یعلم بانیه ولا وارثه، وإن علم یصرفها هو بنفسه". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام =

اس کا حکم بھی یہ نہیں ہوگا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۲ھ۔

مسجد کے پرانے سامان کا مصرف

سوال[۷۱۲۱]: ہمارے یہاں ایک پرانی مسجد ہے، اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں، اب اس پرانی مسجد کے سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور حفاظت کرنا بھی مشکل ہے۔لہٰذا اس سامان کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس سامان کو کسی مدرسہ یا میت رکھنے کی جگہ میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہمارے یہاں میت رکھنے کے لئے مستقل گھر بنائے جاتے ہیں۔ نیز اس مسجد کے پتھروں کو نئی مسجد کے احاطہ بنانے میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ مسجد اتنی پرانی ہوگئی کہ اس کے منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں تو اس کا جو سامان نئی مسجد میں کارآمد ہوسکتا ہے تو اس کو نئی مسجد میں لگادیں، جو سامان وہاں نہیں لگ سکتا، اس کو فروخت کرکے قیمت تعمیرِ مسجد میں خرچ کردیں یعنی اس قیمت کا نیا سامان اس مسجد میں لگادیں۔ جو شخص اس سامان پتھر وغیرہ کو خریدلے اس کو حق ہے کہ اپنے مکان میں استعمال کرے، یا مدرسہ، یا کسی دوسری مسجد کے لئے خریدلیا جائے، یا میت رکھنے کی جگہ خریدلیا جائے۔ یہ بھی درست ہے کہ نئی مسجد کے احاطہ میں استعمال کرلیا جائے، مگر یہ سب تصرف باہمی مشورہ سے کیا جائے:

"نقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه: هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض اخر؟ فقال: نعم. المسجد إذا خرب واستغنی عنه أهل القریة فرفع ذلك إلی القاضی، فباع الخشب، وصرف الثمن إلی مسجد اخر، جاز". کذا فی ردالمحتار بتقدیم وتأخیر۔ "وفی فتاویٰ النسفی:

= المساجد: ۴۲۴/۵، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشيديه)

سئل شیخ الإسلام عن أهل قریة رحلوا، وتداعی مسجدها إلی الخراب، وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلونه إلی دارهم، هل لواحدٍ من أهل المحلة أن یبیع الخشبة بأمر القاضی ویمسك الثمن لیصرفه إلی بعض المساجد أو إلی هذا المسجد؟ قال: نعم، اهـ". ردالمحتار(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره .... مطلب فی نقل أنقاض المسجد الخ: ۳۵۹/۴، ۳۶۰، سعید)

"رباط فی طریق بعید استغنی عنه المارّة، وبجنبه رباط آخر، قال السید الإمام أبو الشجاع رحمه الله: یصرف غلته إلی الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب واستغنی عنه أهل القریة، فرفع ذلک إلی القاضی، فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر، جاز". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشیدیہ)

"سئل شمس الأئمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولایحتاج إلیه لتفرق الناس: هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال: نعم". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها : ۴۷۸/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیہ، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها، الخ: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیہ)

"وصرف الحاکم أو المتولی نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عینه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه لیحتاج، إلا إذا خاف ضیاعه فیبیعه ویمسک ثمنه لیحتاج". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، سعید)

"سئل شیخ الإسلام عن أهل قریة افترقوا، وتداعی مسجد القریة إلی الخراب، وبعض المتغلبة یستولون علی خشب المسجد وینقلونه إلی دیارهم: هل لواحدٍ من أهل القریة أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه إلی بعض المساجد أو إلی هذا المسجد؟ قال: نعم. کذا فی =

مسجد کا قرآن دوسری جگہ لے جانا

سوال[۷۱۲۲]: مسجد میں اگر قرآن پاک کے پارے موجود ہوں تو قرآن خوانی کی غرض سے مسجد کے علاوہ جگہ پارہ لے جانا جائز ہے یا ناجائز، اسی طرح مسجد کی کتب بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو پارے یا کتب جس مسجد کے لئے وقف ہوں ان کو دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد کا قرآن گھر لا کر قیمت ادا کرنا

سوال[۷۱۲۳]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں بہت سے قرآن کریم قارئین کے لئے رکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قرآن شریف جو کہ (۱۳۸۱ھ، قاہرہ) عربی میں ٹائپ میں چھپا ہوا ہے، مجھے تلاوتِ قرآن کا شوق ہے، اس کو تلاوت کے لئے بغیر کسی مقتدی، یا متولی مسجد سے پوچھے اپنے گھر اٹھالایا، صرف اس غرض سے کہ یہ غیر ملکی ہے اور عربی ٹائپ میں ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کی جگہ میں اپنا قرآن شریف اس مسجد میں رکھ آؤں۔

= المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها، الخ: ۴۷۸/۲، ۴۷۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیه، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها، الخ: ۸۷۸/۵، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "وقف مصحفاً علی أهل مسجد للقرأة إن یحصون، جاز، وإن وقف علی المسجد جاز، و یقرأ فیه، ولا یکون محصوراً علی هذا المسجد، و به عرف حکم نقل کتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها، والفقهاء بذلک مبتلون. فإن وقفها علی مستحقی وقفه، لم یجز نقلها". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۵/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۳۸/۵، رشیدیه)

جواب طلب بات یہ ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا یہ چوری کے جرم میں ہے اور میرے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ اگر مجھے یہ قرآن شریف رکھنا ہو تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ براہِ کرم تفصیل سے بتائیں، کیونکہ یہ قرآن میں ضرور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

وہ قرآن پاک جس نے مسجد میں رکھا ہے، ظاہر ہے کہ مسجد کے لئے وقف کیا ہے کہ جس شخص کا دل چاہے مسجد میں آکر تلاوت کرے، اس کو مکان لے جاکر مستقلاً رکھنے کی اجازت نہیں (۱) اگرچہ اس کے بدل میں آپ دوسرا قرآن شریف مسجد میں رکھ دیں، شی موقوفہ پر عوض دے کر مالکانہ قبضہ کا حق نہیں (۲)۔

اگر آپ کو حاصل کرنا ہی ہے تو اس پر جو پتہ لکھا ہے وہاں سے منگوالیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ قرآن کریم اور دینی کتابیں قاہرہ وغیرہ سے منگا کر فروخت کرتے ہیں، ان کی دوکان پر ہندوستان میں بھی مل جائے گا۔ بمبئی، سورت میں ایسی دوکانیں موجود ہیں۔ نیز جو شخص حج کے لئے جائے اس سے فرمائش کردیں، وہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، جدہ کسی جگہ سے بھی لے آئے گا، وہاں عام طور سے ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۹ھ۔

مسجد کے قرآن پاک وغیرہ مدرسہ میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۲۴]: مسجد کے لئے وقف شدہ قرآن شریف اور پارے وغیرہ کا مدرسہ کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو قرآن شریف، پارے مسجد میں رکھے گئے ان کو ہر شخص مسجد میں استعمال کرسکتا ہے، چاہے وہ مدرسہ

---

(۱) (راجع المسئلة الآتية، رقم الحاشية : ۱)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کے طلباء ہوں چاہے دوسرے نمازی ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں لے جانا

سوال [۷۱۲۵]: چھوٹی مسجدوں کا فرش جامع مسجد میں استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں نہ لے جایا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۱۲۶]: زید جس شہر میں رہتا ہے اس کے ایک محلّہ میں ایک مسجد ہے جس میں جائیداد کافی وقف ہے اور متولی صاحب اس کے مالک ہیں، کیونکہ وہی ساری جائیداد کے متولی ہیں۔ اس میں فرش پر بچھانے

---

(۱) البتہ مسجد سے اٹھا کر مدرسہ لے جانا اور مدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں:

"لكن في القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراء ة، ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من غير أهل تلك المحلة للقراء ة.......... فما قدمه عن الخلاصة من حكاية القولين: من أنه لو وقف المصحف على مسجد: أي بلا تعيين أهله، قيل: يقرأ فيه: أي يختص بأهله المترددين إليه، وقيل: لايختص به: أي فيجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مرعن القنية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة، ومطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۲/۵، رشيديه)

(۲) "ولايجوز لقيّم شراء المصليات لتعليقها بالأساطين، ويجوز للصلوة عليها، ولكن لاتعلق بالأساطين، ولا يجوز إعارتها لمسجد آخر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشيديه)

"ولا يجوز إعارة أدواته لمسجدٍ آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۴/۴، (رقم القاعدة: ۳۷) إدارة القرآن كراچی)

کیلئے چٹائیاں بہت ہیں، بعض ضرورت مسجد سے زائد ہیں تو کیا وہ دوسری کسی مسجد میں اس کی ضرورت کے تحت دے سکتے ہیں تو کس صورت میں؟ مفصل تحریر فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر مسجد میں چٹائیاں زائد موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں تو زائد چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھانا درست ہے جہاں ضرورت ہو(۱) متولی اور دیگر اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے دے سکتے ہیں، بلامشورہ نہ دیں تا کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی چیز مدرسہ کے لئے اور مدرسہ کی چیز مسجد کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۲۷]: مسجد یا مدرسہ کے لئے کوئی چیز خرید لی گئی، وہ ان میں استعمال بھی ہوتی ہے، امام، مؤذن اور مدرسہ کے بچے غیر اوقاتِ نماز میں مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں، جیسے مسجد یا مدرسہ کا پائیدان وغیرہ؟

محمد انس، ڈرائی کلینرس، تلتلیہ نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے پیسے سے جو چیز خریدی گئی وہ مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے، اسی طرح مسجد کے پیسہ سے خریدی ہوئی چیز مسجد ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے (۲)۔اگر ایسی چیز جس مقصد کے لئے

---

(۱) "حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف : ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، =

خریدی گئی تھی اب وہ مقصد ختم ہوگیا، مثلاً مدرسہ کی ضرورت نہیں رہی اور مسجد کے لئے یا امام صاحب کے لئے ضرورت ہے تو مدرسہ سے خرید کر استعمال کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۲۴ھ۔

مسجد غیر آباد ہو جائے تو اس پر وقف زمین کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۱۲۸]: **الاستفتاء:** موضع بندہ کھیڑی میں مسجد کی زمین ۴۲/ بیگہ ہے، اب وہاں پر شرنارتھی آباد ہیں، مسجد غیر آباد ہے، اس کی زمین کی آمدنی کو متولی کھا رہے ہیں اور یہ زمین مسجد کے نام سے وقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی آمدنی کہاں خرچ کریں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

اگر وہ زمین اس مسجد کے نام وقف کردی تھی تو مالکانہ قبضہ درست نہیں (۱)، اس کی آمدنی اس مسجد پر خرچ کریں۔ اگر وہاں خرچ کرنے کی جگہ نہیں تو دوسرے گاؤں میں جو مسجد ضرورت مند ہو وہاں پر خرچ کریں (۲)،

= لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أى الصرف المذكور......... ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار). "وفى شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

"أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال، للقاضى أن يصرف فى ذلك، لكن على وجه القرض، فيكون ديناً فى مال الفيء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به: ۴۶۴/۲، رشيديه) .... =

کوئی اس کو اپنے خرچ میں نہ لائے، وہ کسی کی ملک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا

استفتاء [۷۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک نئی مسجد تیار ہوئی ہے، اس کے قریب میں ایک پرانی مسجد شکستہ و برباد حالت میں ہے تو اس شکستہ مسجد کو توڑ کر اس کے ملبہ سے نئی مسجد کے قریب مدرسہ، مسافر خانہ، یا امام و موذن کے رہنے کے لئے حجرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کا ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے اور اس کی آمدنی مسجد میں خرچ ہوتی ہے۔ تو اس مکان میں اس ملبہ یا اس کی قیمت کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

بندہ: سلیمان داود یوسف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی، اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے، مفتیٰ بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر وہ وہاں کارآمد نہ ہو تو اربابِ حل وعقد کی رائے سے اس کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے، لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگرچہ وہ مسجد کے قریب ہی ہو:

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة،

= "وعند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ: يباع ذلك و يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، فإن استغنى عنه هذا المسجد، يحول إلى مسجد آخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(۱) "(قوله: لا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء كما نقله فى فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضى الله تعالىٰ عنه: "تصدق بأصلها، لاتباع ولاتورث". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۲، مصطفى البابى الحلبى مصر)

وبه يفتي. وعن محمد وعن الثاني: ينقل إلى مسجد اخر بإذن القاضي، وكذا الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، اهـ". در مختارمختصراً(۱)۔

"(وقوله: ولو خرب ما حوله): أي ولو مع بقائه عامراً، وكذا لو خرب، وليس له ما يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر........... (قوله: وعن الثاني) جزم به في الإسعاف حيث قال: ولو خرب المسجد و ما حوله و تفرق الناس عنه، لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف، ويباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف القاضي إلى بعض المساجد. (قوله: إلى أقرب مسجد أو رباط، اهـ) -لف و نشر مرتب- وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه. وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". شامی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۷۱ھ۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"ولو خرب ما حول المسجد واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ؛ لأنه إسقاط منه، فلا يعود إلى ملكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعيد)

"وهكذا نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض اخر". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

"سئل شمس الأئمة الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها و يشتري مكانها أخرى؟ قال: نعم". (فتح القدير، كتاب الوقف، باب أحكام المساجد: =

نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد اور اس کے وقف کا حکم

سوال[۷۱۳۰]: ا...... ہمارے موضع میں ایک مسجد تھی جس میں باقاعدہ نماز وغیرہ ہوتی رہی بیس سال تک، اس کے بعد اس موضع میں دوسری جگہ وہ مسجد منتقل کردی گئی اور وہ جگہ چھوڑ دی گئی بیکار، ایک مکان کا فاصلہ تھا، اور قریب خراب ہونے کے بھی تھی۔ فی الحال منقولہ مسجد ایک مکان جس میں باغ لگا ہوا ہے موجود ہے اور منقول عنہ کی جگہ ویران پڑی ہے۔ اب اس میں نماز وغیرہ ہوتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۲...... پہلی مسجد کو منتقل کرنے کے بعد عدمِ حفاظت کی وجہ سے اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲...... ایک مسجد کو منتقل کر کے دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں (۱)، اگر پہلی مسجد غیر آباد ہوجائے اور اس کے سامان کی حفاظت دشوار ہوجائے تو ضائع ہونے کے خوف سے اس کے سامان کو منتقل کر کے قریب ترین دوسری مسجد میں صرف کردینا درست ہے (۲) اور پہلی مسجد کی جگہ کو بھی پورے طور پر محفوظ کردیا جائے تاکہ اس

= ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وأما الحصير والقناديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لا يعود إلى ملك متخذه، بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيّم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عندالإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنهم، فلا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، فيباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

میں کوئی کام خلافِ احترامِ مسجد نہ ہو سکے، بلا حفاظت اس کو چھوڑنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی".

(تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

الفصل العاشر فی إقامة المدرسة فی المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

مسجد کو مدرسہ بنانا

سوال[۷۱۳۱]: ہمارے شہر میں آج سے بارہ سال پہلے تمام مسلمان محلوں میں اعلان کرا کر حیدر علیؒ ٹیپو سلطان جامع مسجد کے نام سے ایک مسجد کا آغاز کیا گیا، اس وقت سے مسجد میں برابر پنج وقتہ نماز اور خطبۂ جمعہ بھی جاری ہے۔ اب مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے سامنے یہ تجویز آئی ہے کہ چونکہ مسجد کی جانب مسجد کے سامنے سے گزرنے والی سڑک کے اس پار غیر مسلموں نے ایک چھوٹا سا مندر بنالیا ہے، اس لئے اس مسجد کو ایک مدرسہ میں تبدیل کر دیا جائے، اور اس سے دو تین قدم ہٹ کر جنوبی جانب اسی نام سے ایک نئی مسجد بنا دی جائے۔

کیا از روئے شرع شریف مذکورہ تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مسجد کو مدرسہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ براہ کرم دلائل شرعیہ اور حوالہ جاتِ کتبِ فقہ سے جواب بالصواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ شرعی مسجد بن گئی، اور وہاں اذان و جماعت ہو رہی ہے تو اب مصالحِ مذکورہ کی وجہ سے اس کو مدرسہ بنانا اور وہاں سے مسجد ہٹا کر اس کے نام سے دوسری جگہ منتقل کر دینا ہرگز جائز نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے(۱)۔ اذان و جماعت کے ساتھ اس کو آباد رکھا جائے، مندر یا کوئی بھی عمارت قریب ہونے سے نماز

---

(۱) "و لو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عندالإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، و به یفتی". (الدرالمختار). "(قوله: عند الإمام والثانی) فلا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله و نقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی، حاوی القدسی". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۳۵۸/۴، سعید) ....=

میں خلل نہیں آئے گا: "فإذ أتم ولزم، لا یملك و لا یملك، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم دینے کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا جانا

سوال [۷۱۳۲]: ۱...... بھوپال کی ایک مسجد بنام "موتی مسجد" مشہور ہے، تقریباً جامع مسجد دہلی کا نقشہ ہے، اس کے تینوں طرف دالان ہے، مشرقی دالان میں چند سالوں سے ایک مدرسہ چل رہا ہے جس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور تعلیم حاصل کرنے والی نابالغ اور بالغ لڑکیاں ہیں، اوران کو پڑھانے والی بھی تقریباً جوان عورتیں ہیں، جن کا داخلہ مسجد میں آنا جانا ہر حالت میں ہوتا ہے۔ کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟

مسجد کے دالان میں مدرسہ

سوال [۷۱۳۳]: ۲...... دوسرا مکتب "موتی مسجد" میں کئی سالوں سے قائم ہے جس میں قرآن پاک ناظرہ اور دینی تعلیم اردو، ہندی میں ہوتی ہے، اس میں صرف لڑکے پڑھتے ہیں اور مرد جو اکثر علماء ہیں پڑھاتے ہیں۔ یہ شمالی اور جنوبی دالانوں میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی شاخ کے نام سے قائم ہے، اس کو شاہی اوقاف بھوپال والے ناپسند کرتے ہیں اور ہٹانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

= (و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به: ۲/۴۵۸، رشیدیه)

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

مسجد کے دالان کو دفتر انجمن بنانا

سوال[۷۱۳۴]: ۳......کچھ دنوں سے جنوبی دالان کے مغربی حصہ پر جس میں مکتب قائم تھا، اس میں ایک محفوظ کوٹھری بمنظوری سیکریٹری صاحب اوقاف شاہی بنائی گئی اور اس میں تجوری (۱) اور صندوقیں رکھی گئیں اور بنام انجمن اصلاح المسلمین جو بھوپال میں ایک زمانہ سے قائم ہے، اس کا دفتر پہلے ایک مکان میں تھا، وہاں سے ہٹا کر مسجد کے دالان میں وہ دفتر قائم کیا گیا، جس میں مسلمانانِ بھوپال اپنی رقومات بطورِ امانت رکھتے ہیں اور غریب مسلمان وہاں سے قرضہ لیتے ہیں۔ اس قرضہ اور امانت کی دفتری کاروائی ہوتی ہے جس میں لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے، اس میں اکثر عورتیں بھی آتی ہیں، ان کو وظیفہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ضرورت کی وجہ سے عورتیں ہر حالت میں آئیں گی۔

کیا شرعاً مسجد میں عورتوں کا ہر حالت میں آنا اور لوگوں کا اپنی دنیوی ضروریات کے لئے مسجد میں آنا جانا اور راستہ بنانا اور اس میں روپیہ بطورِ امانت رکھنا اور قرض لینا اور دفتر قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناپاکی کی حالت میں مسجد سے ہو کر گزرنا درست نہیں: "ولا تدخل المسجد وكذا الجنب؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب. الخ". هدايه أولين، ص: ۶۳ (۲)۔

---

(۱) "تجوری: لوہے کی الماری جس میں زرومال اور قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے رکھی جائیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۴۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) (الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۶۴/۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور. هكذا في منية المصلي. في التهذيب: لا تدخل الحائض مسجد الجماعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۳۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۸/۱، رشيديه)

اس لئے ضروری ہے کہ مسجد سے الگ جانے آنے کے لئے راستہ بنایا جائے، تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔

۲......اگر یہ واقف کے منشاء اور رضامندی سے ہے تو اس کو ہرگز نہ ہٹایا جائے (۱)، ورنہ کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے (۲)۔

۳...... جودالان مسجد کے مصالح کے لئے وقف ہے، اس کے کسی حصہ کو کسی دوسرے کام میں لانا

---

(۱) "وماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً، اهـ. و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، والحكم به حكم بلا دليل: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن) فيبطل شرط واقف الكتب الرهن شرط كما في التدبير. ولو سكنه المشترى أو المرتهن، ثم بان أنه وقف أو الصغير، لزم أجر المثل، قنية". (الدرالمختار). "(قوله: لزم أجر المثل) بناءً على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب سكن داراً ثم ظهرأنها وقف يلزمه أجرة ماسكن: ۴/۳۵۲، سعيد)

"آجر المتولى الوقفَ سَنةً، إن كان الواقف شرط أن لايؤاجر سَنةً، لا يجوز، وإن لم يشترط يجوز إلى ثلاث سنين، كذا اختاره الفقيه أبو الليث........... وفي غيرهم لا أكثر من سنة. وقال القاضي أبو علي: لاينبغي أن يفعل ولو فعل، صحت، فإذا أراد أن يصح بالإجماع، يرفعه بعد الإجارة بأكثر من ثلاث سنين إلى الحاكم، فيحكم بجوازه كما علم، فيجوز على قول الكل إن وجدت شرائط الحكم". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في إجارة الوقف: ۵/۳۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية المحقق سعد الله بن عيسى المفتي الشهير بسعدى چلبى على العناية، كتاب الإجارة ۹/۶۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

درست نہیں (۱)، اگر ضرورتِ مذکورہ کے لئے استعمال کرنا ہے تو کرایہ پر لے لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

مسجد کے پیچھے مدرسہ بنانا

سوال [۷۱۳۵]: دینی مدرسہ بنانا کیسا ہے، جب کہ جگہ مسجد کے پیچھے ہے؟ اس میں مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر بستی میں دینی مدرسہ ہونا بہت ضروری ہے، مسجد کے پیچھے مالک کی اجازت سے مدرسہ بنانا بالکل جائز ہے، اس سے نہ نماز میں خرابی آتی ہے نہ مدرسہ میں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "وبه صرح في الإسعاف: وإذا كان السرادب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ". قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر، يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوقه غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها، بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدةً من بيوت المصر، فإن ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجرها، كذا في فتاوىٰ قاضي خان".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، والفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من جاء مسجدي هذا لم يأته إلا لخير يتعلمه أو يعلمه، فهو بمنزلة المجاهد في سبيل الله، و من جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر إلى متاع غيره". .... =

صحنِ مسجد کو مدرسہ کے لئے لینا

سوال[۷۱۳۶]: ایک اراضی بہت مدت سے پڑی ہوئی ہے، مدرسہ عربی بنانے کے لئے منتظمِ مدرسہ نے حاصل کی تھی۔ منتظم مدرسہ نے مدرسہ نہیں بنایا، بلکہ اراضی کو کرایہ پر دیدیا ہے۔ صحن، صدر دروازہ جامع مسجد پر قبضہ کر کے مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ تصرف اور نمازِ جنازہ بھی وہاں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صحن مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر قبضہ کر کے وہاں مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو ملکِ مدرسہ قرار دینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ غصب اور ظلم ہے (۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ کے لئے ضرورت ہو اور مسجد کی مصالح اجازت

= و في حاشية ابن ماجة تحت هذا الحديث: "قوله: "من جاء مسجدي هذا، الخ". هذا بيان الموانع، لا أنه مخصوص بالمسجد النبوي كما في حديث مسلم: "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله و يتدارسونه بينهم إلانزلت عليهم السكينة". الحديث (إنجاح الحاجة حاشية ابن ماجة، المقدمة، في فضل العلماء والحث على طلب العلم، (رقم الحاشية: ۷)، ص: ۲۰، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب العلم، ص: ۳۲، قديمي)

"على أنهم صرحوا بأن مرعاة غرض الواقفين واجبة ...... وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي؛ لأنه صار حقيقةً عرفيةً في هذا المعنى". (رد المحتار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً: ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "واعلم أن الموقوف مضمون بالإتلاف مع أنه ليس بمملوك أصلاً، صرح به في البدائع". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

"أقول: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان، وجب. ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما لوهدم حائط: ۶/۱۸۱، سعيد) =

دیں، تو اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لیا جاسکتا ہے، تاکہ اس کا کرایہ مدرسہ مسجد کو دیتا رہے۔ تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین مسجد کی رہے(۱)۔

اگر وہ صحن مسجد کے لئے وقف نہیں ہے تو اہلِ محلّہ کو اعتراض کا حق نہیں، ہاں! جو شخص اس کا مالک ہو اس کو اعتراض کا حق ہے(۲) اور اہلِ مدرسہ اس سے معاملہ بیع یا وقف کا کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

= وقال العلامة الرافعي تحت قوله: "(قوله: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان، وجب، الخ) ومقتضاه أيضاً أنه يطالب أولاً برد البناء، وإن لم يمكن فالضمان". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الغصب: ٢٨٥/٦، سعيد)

"ومدرسة السليمانية في دمشق مبنية في أرض المرجة التي وقفها السلطان نور الدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق، والوقف يثبت بالشهرة، فتلك المدرسة خولف في بنائها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصلوة في الأرض المغصوبة ....: ٣٨١/١، سعيد)

(١) "(قوله: لزم أجر المثل) بناءً على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٥٢/٤، سعيد)

"ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيّم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ٤١٤/٢، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ٢٤١/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٢) "(قوله: ويجب رد عين المغصوب) لقوله عليه الصلوة والسلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه الصلوة والسلام: "لايحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لا عباًو لاجاداً، وإن أخذه فليرده عليه". زيلعي. وظاهره أن ردالعين هو الواجب الأصلي". (ردالمحتار، كتاب الغصب، في ردالمغصوب: ١٨٢/٦، سعيد)

"وأما حكمه فالإثم والمغرم عندالعلم، وإن كان بدون العلم بأن ظن أن المأخوذ ماله أو اشترى عيناً، ثم ظهر استحقاقه فالمغرم، ويجب على الغاصب رد عينه على المالك". (الفتاوىٰ العالمكيرية،=

مسجد کی جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۳۷]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور عبادت خانہ کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی راستہ جدا نہیں کیا۔ اگر اس جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کریں اور دوسری جگہ مسجد بنالیں تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

تحریر کردہ صورت اگر لوگوں کو نماز کی اجازت دے کر اذان وجماعت ہونے لگی ہو اور آنے جانے کا راستہ بغیر رکاوٹ کے ہو، تو یہ مسجدِ شرعی ہو کر اس جگہ میں اب مدرسہ بنانا اور اس جگہ کو دوسری جگہ سے تبدیل کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

= كتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشيديه)

"ويجب رد الزيادة المنفصلة، كما يجب رد الأصل، لوجود سبب وجوب الرد فيه". (بدائع الصنائع) "اتفق الفقهاء جميعاً على وجوب رد المغصوب إلى مالكه". (التعليق على بدائع الصنائع، كتاب الغصب: ۲۴/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۳۹۰/۴، سعيد)

(۱) "لا يجوز نقل المسجد، وإبداله، وبيع ساحته، و جعلها سقاية، والحوانيت إلا عند تعذر الانتفاع به". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثامن: ۷۶۸۱/۱۰، رشيديه)

"و لايجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوى القدسی". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

تنخواہ لیکر مسجد میں تعلیم دینا

سوال[۷۱۳۸]: مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وعظ میں دیکھا کہ: اہل پیشہ کو مسجد میں پیشہ کرنا جائز نہیں حتی کہ جو شخص قرآن شریف کو تنخواہ پر پڑھاتا ہو اس کو بھی تعلیمِ قرآن مسجد میں جائز نہیں۔ اس مسئلہ سے یہ سمجھا کہ تعلیم دین کی تنخواہ یا کسب پر دینا مسجد میں ناجائز ہے، مگر اب سوال یہ ہے کہ سہارنپور اور دیوبند کے مدرسہ میں مدرسین کو دیکھا کہ وہ تعلیم عربی مسجد میں دیتے ہیں اور تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ تو کیا اس میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہو، یا کچھ اور بات ہے؟ میں جس بچہ کو قرآن شریف پڑھاتا ہوں بوجہ جگہ نہ ہونے کے مسجد میں پڑھاتا ہوں تو یہ تعلیم دینا مسجد میں صحیح ہے یا نہیں اور اگر مجبوری ہو اور کوئی جگہ بیٹھنے کی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مصالحِ مسجد کے لئے مثلاً حفاظتِ مسجد کے لئے یا دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کو جائز ہے (۱)۔ اور محض پیشہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا اور تعلیم دینا ناجائز ہے اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۲)۔ سہارنپور یا دیوبند میں اگر کسی کو دیکھا ہے تو ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کو ایسا کام کرتے

---

(۱) "أما للتذكير أو للتدريس فلا؛ لأنه ما بني له و إن جاز فيه.......... ويجوز الدرس في المسجد وإن كان فيه استعمال اللبواد والبواري المسبلة لأجل المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة و اعتكاف وذكر شرعي و تعليم علم وتعلمه و قرأة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲۰/۲، رشيديه)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر للحموى: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "و تكره الصناعة فيه من خياطة و كتابة بأجر و تعليم صبيان بأجر لا بغيره". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۵۶/۴، إدارة القرآن كراچي)

"لو جوّزنا ذلك وقعت الحاجة إلى المهاياة، فتقبر فيه الموتى في سنة، ثم تنبش في سَنَة أخرى، و يزرع لمراعاة حق المالك، و يصلي الناس في المسجد في وقت، ويتخذ اصطبلاً في وقت =

ہوئے مسجد میں دیکھا ہو کہ وہ اس کے لئے ملازم نہیں اور اس کا معاوضہ نہیں لیتا، مثلاً کوئی ملازم ہے دفتر کے لئے اور سبق مسجد میں پڑھاتا ہے، یا کوئی اَور بات ہو۔ اور اس زمانہ میں کسی کا عمل حجت ہے بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

مسجد میں غیر شرعی لباس کے ساتھ دنیوی مخلوط تعلیم

سوال [۷۱۳۹]: مسجد میں قیام مدرسہ میں ۱۲، ۱۴/ برس کی لڑکیوں کا داخلہ ہے، ایسی صورت میں جب کہ حاجتِ ضروریہ کے لئے لڑکیوں کا کوئی الگ انتظام نہیں ہے، بلکہ اسی مدرسہ کے عام پاخانہ و پیشاب خانہ میں وہ بھی جاتی ہیں، باہر آدمی کھڑا رہتا ہے، جب وہ نکلتی ہے تو مرد جاتا ہے اور عام آدمی بھی۔ دیگر یہ کہ اس مسجد کے مدرسہ میں ایک ماسٹر ہیں جو بچوں کو انگریزی تعلیم وغیرہ دینے کے لئے آتے ہیں اور کوٹ پتلون یعنی مغربی لباس میں ہوتے ہیں۔ کیا ماسٹر صاحب کا ایسے لباس میں آکر مسجد کے ایک دینی ادارہ میں درس دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں ان لڑکیوں کا ایسے ادارہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں جہاں عورتوں کے ساتھ مردوں کا اختلاط ہو، اس لئے کہ اس میں وقوعِ فتنہ کا قوی اندیشہ ہے (۱)۔ نیز مسجد کے اندر علومِ دینیہ کے ماسوا

= آخر بحكم المهاياة، و ذلك ممتنع". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۶/ ۳۳، حبيبيه)

"إذا كان يخيط في المسجد، يكره، إلا إذا جلس لدفع الصبيان و صيانة المسجد، فحينئذٍ لا بأس به، و كذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر يكره، و بغير أجر لا. وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱/ ۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، غلق باب المسجد: ۱/ ۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ﴿و لا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ قال مجاهد: كانت المرأة تخرج تمشي بين يدي الرجال، =

دیگر علوم مثلاً انگریزی وغیرہ کی تعلیم درست نہیں، کما صرح به في شرح الحموي:

"لأن المسجد ما بني إلا لصلوة أو اعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم و تعلمه و قراءة القرآن، الخ". ص: ۵۶۱(۱)۔

نیز شرٹ پتلون پہن کر مسجد میں آکر تعلیم دینے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/ ۱۳۸۸ھ۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۷۱۴۰]: ۱...... ہمارے یہاں ایک مسجد میں میرے ماموں امام ہیں، امامت کی انہیں مسجد کی جانب سے تنخواہ ملتی ہے، اس کے علاوہ کچھ لڑکوں اور لڑکیوں کو ماہانہ تنخواہ لے کر مسجد میں جہاں کہ عبادت ہوتی ہے عربی تعلیم دیتے ہیں اور مسجد کی ایک الماری ہے جس میں مسجد کی وقف شدہ کتابیں اور قرآن شریف، پارے اور دیگر ضروری اسباب رہتا ہے، اس الماری میں مدرس صاحب ان بچوں کی پرائیویٹ کتابیں رکھواتے ہیں، مگر ہمارے یہاں پر چند عالم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ معاوضہ لے کر عبادت گاہ میں تعلیم دینا ناجائز ہے، چونکہ نابالغ بچوں اور بچیوں میں آدابِ مسجد اور پاکیزگی کا خیال نہیں ہوتا۔

۲...... اور مسجد کی مخصوص الماری میں عام بچوں کی کتابیں رکھوانا یہ بھی ناجائز ہے، چونکہ الماری کو قفل نہیں ہوتا، امام صاحب کو تعلیم دینی ہی ہے تو وہ مسجد کے بازو والے کمرہ میں یا مسجد کے صحن میں تعلیم دے سکتے ہیں اور دیگر کمرے میں یا دیگر الماری میں کتابیں رکھوا سکتے ہیں، مسجد کی الماری میں نہیں۔ اور چند عالم یہ کہتے ہیں

= فذلك تبرج الجاهلية". (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۳/ ۶۳۷، مكتبه دارالسلام رياض)

"فاتخذ أهل السهل عيداً يجتمعون إليه في السّنة، فتبرج النساء للرجال و الرجال لهن، و أن رجلاً من أهل الجبل هجم عليهم في عيدهم فراى النساء و صباحتهن، فاتى أصحابه فاخبرهم بذلك فتحولوا إليهن، فنزلوا معهن، فظهرت الفاحشة فيهن". (روح المعاني، سورة الأحزاب: ۲۲/ ۸، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي: ۴/ ۶۳، إدارة القرآن كراچي)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/ ۶۰، رشيديه)

کہ وہ بچوں سے تنخواہ لیکر مسجد میں تعلیم بھی دے سکتے ہیں اور مسجد کی مخصوص الماری میں کتابیں بھی رکھوا سکتے ہیں اور یہ دونوں امر جائز ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد میں مستقلاً تنخواہ لے کر تعلیم دینا مکروہ ہے، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کے قریب کمرہ بھی ہے جس میں تعلیم دی جاسکتی ہے(۱)۔ چھوٹے بچے جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتے بلکہ ان سے اندیشہ ہو کہ مسجد کو ناپاک کردیں گے، ایسے بچوں کو مسجد میں لانا ہی منع ہے(۲)۔ صحنِ مسجد جہاں نماز وجماعت ہوتی ہے وہ بھی مسجد ہی ہے، اگر فرشِ مسجد کے علاوہ کوئی خالی جگہ ہو جہاں نماز وجماعت نہیں ہوتی، وہاں بھی تعلیم دینا درست ہے۔

۲...... مسجد کی الماری کو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ تعلیم مسجد میں ہوتی ہے جب تعلیم مسجد میں نہیں

---

(۱) "إذا كان يخيط في المسجد، يكره، إلا إذا جلس لدفع الصبيان، وصيانة المسجد، فحينئذ لا بأس به، وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر، يكره، وبغير أجر لا .... وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، غلق باب المسجد: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس والعشرون في المسجد و ما يتصل به: ۱/۲۲۹، ۲۳۰، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "لو علّم الصبيان القرآن في المسجد، لا يجوز و يأثم .... و أما الصبيان فقد قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، و مجانينكم، و شرائكم، و بيعكم و خصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، و سلّ سيوفكم، و اتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع".

(سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۶/۴۲۸، سعيد)

"و يحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

ہوگی تو اس کی الماری کے استعمال کا سوال خود بخود ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۷۱۴۱]: کیا مسجد اور مسجد کی چھت کو مدرسہ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، جس میں مقامی چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں دینیات، یسرنا القرآن اور ناظرۂ قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آیا یہ طریقۂ تعلیم فی المسجد درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا احترام لازم ہے، اکثر بچے اور بچیاں صغیر السن ہوں کہ ناپاکی کی تمیز نہ رکھتے ہوں، یا شور وشغب کرتے ہوں، یا استاذ مار پیٹ کر کے احترام مسجد کو ختم کر دیتے ہوں تو ایسی حالت میں ان کو وہاں تعلیم دینے کی اجازت نہیں، سوال سے یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ الأشباہ والنظائر اور اس کی شرح حموی میں "أحکام المساجد" کے عنوان سے ایسے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے(۱)۔ مسجد کی چھت پر چڑھنے کو مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد؛ للمروی: "جنّبوا مجانینکم، وصبیانکم، مساجدکم". (شرح الأشباہ والنظائر للحموی، فی أحکام المسجد: ۵۶/۴، إدارۃ القرآن کراچی)

(والحدیث رواہ ابن ماجۃ، ص: ۵۵، مکتبہ میر محمد)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۴۱۹/۵، رشیدیہ)

"ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم، وإلا فیکرہ". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ مطلب: فی أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "الصعود علی سطح مسجد مکروہ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الکراهیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، سعید)

مسجد کے ایک حصہ میں بچوں کی تعلیم

سوال[۷۱۴۲]: ایک مسجد ہے، جس کے تحتانی حصہ میں نماز ہوتی ہے اور فوقانی حصہ میں بچے پڑھتے ہیں، مگر مسجد بناتے وقت اس کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اس میں بچے پڑھیں گے، بلکہ اس کا شمار مسجد ہی میں تھا۔ اب کیا ایسی صورت میں جماعت فوقانی حصہ میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس حصہ میں بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ مسجد جس طرح سے اس کے نیچے کا حصہ مسجد ہے اسی طرح اوپر کا حصہ بھی مسجد ہے(۱)، جماعتِ ثانیہ اوپر نہ کی جائے، بچوں کی تعلیم کے لئے کسی دوسری جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اگر کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو مجبوراً بچوں کو دینی تعلیم مسجد میں دینا درست ہے(۲)، مگر اتنے چھوٹے بچے نہ ہوں جن کو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ ہو، مثلاً گندے پیر مسجد میں رکھیں یا پیشاب کردیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ احترامِ مسجد کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے، مثلاً بچوں کو سخت الفاظ اور کڑک آواز سے ڈانٹنا، مارنا، سزا دینا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "قوله: "(والوطء فوقه والبول والتخلي): أي الوطء فوق المسجد، وكذا البول، والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة: ۱/۴۲۰، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، و تعليم علم و تعلمه، و قرأة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "و يحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد) .... =

نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال[۷۱۴۳]: ایک مسجد ہے، جواوپر کی منزل پر واقع ہے اوراس کے نیچے مدرسہ کی عمارت ہے، مسجد کی سیڑھی تعمیر کے سلسلہ میں توڑدی گئی تو سیڑھی ٹوٹنے کی حالت میں مسجد کے اوپر چڑھنا دشوار ہے، البتہ لکڑی کی سیڑھی لگا کر بآسانی چڑھا جاسکتا ہے، لیکن ضعیف قسم کے لوگ نہیں چڑھ سکتے۔ تو ایسی صورت کے اندر مسجد کو خالی چھوڑ کر نیچے کی عمارت میں جو کہ مدرسہ ہے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ضعیف لوگوں کے اس عذر کی بنا پر نیچے مدرسہ میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

شرعی مسجد کی شان یہ ہوتی ہے کہ نیچے کی منزل اوراوپر کی منزل مسجد رہے، یہ صورت کہ نیچے کی منزل مدرسہ قرار دیا جائے اوراوپر کی منزل مسجد رہے اورلکڑی کی سیڑھی لگا کر اوپر جا کر نماز ادا کی جائے شرعاً درست نہیں، شامی(۱) اور بحر میں یہ مسئلہ صاف صاف موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۲/۲۳ھ۔

= "و لا يجوز تعليم الصبيان القرآن في المسجد للمروي: "جنّبوا مجانينكم و صبيانكم مساجدكم". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، القول في أحكام المسجد: ۵۶/۴، (رقم القاعدة: ۱۶)، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(لا) يكره ما ذكر(فوق بيت) جعل (فيه مسجد) بل ولا فيه؛ لأنه ليس بمسجد شرعاً". (الدرالمختار). "(قوله: لايكره ماذكر) : أي من الوطء والبول والتغوط، نهر. (قوله: فوق بيت): أي فوق مسجد البيت: أي موضع أعد للسنن والنوافل .... فهو كما لو بال على سطح بيت فيه مصحف وذلك لا يكره، كما في جامع البرهاني، معراج". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(۲) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه، فله أن يبيعه، وإن مات يورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به". (الهداية)

قال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾. مع العلم بأن كل شيء له، فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه، وهو منتف فيما ذكر ...... =

مسجد کی جگہ پر نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال[۷۱۴۴]: ایک جگہ مسجد کے لئے زمیندار کاشت کار سے حاصل کر کے مسجد کی تعمیر کے لئے ٹاؤن ایریا کمیٹی زید پور سے منظوری لے کر بنیاد و مع پیش لحاق ڈالی گئی اور مسجد کی بنیادیں قدِ آدم سے زیادہ اونچی ہوگئی اور اس میں مٹی کی بھرائی و پٹائی بھی ہوگئی۔ اس کے بعد چند لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ قریب پانچ فٹ اندر سے مٹی نکال کر اور دیواروں کو قریب پانچ فٹ اونچی کر کے نیچے عمارت میں ابتدائی دینی تعلیم بچوں کو دی جائے اور بالائی حصے پر مسجد بن جائے۔ قریب پانچ فٹ پٹائی کی مٹی مسجد کے اندر سے محمد اکبر نے نکلوا کر اور مسجد کی دیواریں کٹوا کر دروازہ پر لگوادیا۔

اس کے علاوہ مسجد کے چندہ کی دس ہزار اینٹ مبلغ تین سو روپے نقد اور قریب ایک ٹرک مورنگ (۱) جو مسجد کی تعمیر کے لئے رکھا ہوا تھا، اس کو بھی اس میں لگا کر نیچے کی عمارت تیار کر لی اور بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ اور مسجد اب تک بالائی حصہ پر مکمل نہیں ہوئی۔ پھر مزید مسجد کا چندہ لگا کر بالائی حصہ پر تھوڑی بنیاد مع پیش لحاق مسجد کی پڑی ہے، اور مسجد پر چڑھنے کے لئے زینہ بھی نہیں ہے اور مسجد کے صحن میں باورچی خانہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مسجد کی عمارت کو مدرسہ جامعہ نور العلوم قرار دے کر محمد اکبر گورنمنٹ سے الحاق کر کے مدرسہ جامع نور العلوم کے نام منظوری لے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ عمارت مسجد کی ہے یا مدرسہ کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ جگہ زمیندار کاشت کار سے مسجد کے واسطے لی گئی اور ٹاؤن ایریا کمیٹی سے مسجد کی تعمیر کی

= وأما إذا كان العلو مسجداً، فلأن أرض العلو ملك لصاحب السفل". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المجسد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۱) "مورنگ: (Mooring) جہاز کا لنگر، زنجیریں اور رسے جن سے جہاز کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے" (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 546, Feroz Sons Lahore)

منظوری لے کر اس جگہ مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس جگہ مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں (۱)۔ مسجد کے چندہ کی اینٹ وغیرہ مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں (۲)۔

''مسجد'' اوپر نیچے سب مسجد ہی ہوتی ہے، یہ درست نہیں کہ چھت کے اوپر تو مسجد ہو اور نیچے مدرسہ ہو(۳)، وہاں مسجد ہی بنائی جائے۔ اب یہ ہوسکتا ہے کہ مسجد دومنزلہ بنادی جائے اگر اس کی ضرورت نہ ہو یا وسعت نہ ہو، تو صرف موجودہ جگہ ہی کو مسجد بنادیا جائے اور وہاں اذان، جماعت شروع کردی جائے۔ مدرسہ کے لئے کسی اَور جگہ کا انتظام کیا جائے، اس جگہ سے باورچی خانہ، میز، کرسی اور تعلیم کا سب نظم ختم کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "أما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع". (الدرلمختار). "(قوله: أمالو تمّت المسجديّة) .... وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني، لايترك ، اهـ. وبه علم أن قوله: وأمالو تمّت المسجديّة، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكّن من ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۲) "والواقف لو عين إنساناً للصرف، تعين، حتى لو صرف النّاظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۳) "وكره تحريماً الوطء فوقه .... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد)

"وفي الجامع الصغير: رجلٌ جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه، فإنه لايصير مسجداً، حتى لومات يورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۶۴۳/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

مسجد میں تعلیم کی حدود

سوال[۷۱۴۵]: ایک صاحب جو دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، حفظ کا مدرسہ معہ دارالاقامہ چلا رہے ہیں، مدرسہ اور دارالاقامہ کے لئے ایک مکان مسجد کے اوپر (کمپونڈ میں) گاؤں والوں کی طرف سے دیا گیا ہے، لیکن طلباء کی تعداد کثیر ہونے کی وجہ سے وہ ناکافی ہے۔ چونکہ مدرسہ میں داخلہ کی کوئی حد مقرر نہیں، بایں وجہ مجبوراً مدرسہ کی عمارت سے زائد مسجد کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ طلباء کی تعلیم بھی مسجد میں ہورہی ہے، اٹھنے بیٹھنے سونے کے لئے مسجد استعمال ہورہی ہے، کپڑے، دھان، مرچ وغیرہ مسجد میں سوکھاتے ہیں، طلباء رات میں سوکر پیشاب سے ناپاک کردیتے ہیں۔

مولانا (ناظم مدرسہ) اس طرف توجہ نہیں دیتے، توجہ دلانے پر ہمیں جاہل قرار دیتے ہیں۔ مسجد کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرنا کیسا ہے، جب کہ مصلیوں کو عبادت میں تکلیف ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قرآن کریم اور دینی تعلیم کے لئے کوئی جگہ نہیں تو مسجد میں تعلیم کی گنجائش ہے، لیکن مسجد کا احترام لازم ہے(۱)، نہ وہاں شوروشغب کیا جائے، نہ وہاں کوئی کام خلاف احترام مسجد کیا جائے (۲)۔ نماز کے اوقات

---

(۱) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي و تعليم وتعلمه و قراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الله قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم، و مجانينكم، و شراءكم، و بيعكم، و خصوماتكم، و رفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، وسلّ سيوفكم. واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

متعین ہیں، وہ اوقات تعلیم کے لئے نہیں، جس وقت اوقاتِ متعینہ میں لوگ نماز پڑھتے ہوں، تعلیم کی ایسی صورت اختیار نہیں کرنا چاہئے، جس سے نماز میں خلل آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً فى المساجد و غيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ كما هو مقرر فى كتب الفقه". (الأشباه والنظائر، القول فى أحكام المسجد: ۴/۶۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الثانى: ۲/۴۴۰، رشيديه)

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرائے پر دینے کا بیان)

مسجد کی وقف زمین کو کرایہ پر دینا

سوال[۷۱۴۶]: موقوفہ جگہ کرایہ پر دینا کسی کام کے لئے، چاہے مکان یا زراعت کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں اور مالک دینے کا کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرایہ پر دینا اور اس میں زراعت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ واقف کی غرض کے خلاف نہ ہو(۱) اور کرایہ پر دینے کا حق واقف کو یا متولی کو ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی کرسی اونچی کر کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا

سوال[۷۱۴۷]: غیر مسلموں کے محلّہ میں ایک مسجد ہے، مسلمانوں کے اب چار پانچ مکان ہیں جو

---

(۱) "متولی الوقف إذا اجر داراً موقوفةً علی الفقراء والمساکین أ کثر من سَنَة .... وهو المختار للفتوی، وکذلک المزارعة والمعاملة، کذا فی المحیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۹، رشیدیه)

"وإذادفع أرض الوقف مزارعةً، یجوز إذا لم تکن فیه محاباة قدر مالایتغابن الناس فیها".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۲۳، رشیدیه)

(۲) "وإنما یملک الإجارة المتولی أو القاضی". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۴، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۰، رشیدیه)

کہ مسجد کے صرفہ کی کفالت نہیں کر سکتے، اس مسجد کی حالت شکستہ ہے، گرنے کے قریب ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کو از سرِ نو بنایا جائے۔ مسجد کی کرسی بہت اونچی ہے، اس کا فرش تقریباً ۳/ فٹ اور اونچا کر کے نیچے دکانیں نکلوا کر اس پر از سرِ نو مسجد کی تعمیر کرائی جائے، تا کہ اخراجات مسجد کی کفالت مسجد ہی کر سکے۔

نوٹ: مسجد کا ملبہ سب مسجد ہی میں لگا دیا جائے گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو از سرِ نو تعمیر کر لی جائے (۱)، جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے وہ شرعی مسجد ہے، اب کرسی کو اونچا کر کے اس کے نیچے دکان بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں (۲)، احترام مسجد کے خلاف ہے، کرایہ دار دکان میں اپنے کام کرے گا جن کی مسجد میں اجازت نہیں (۳) اور مسجد کو کرایہ پر دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

---

(۱) "و تأويله إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهل تلك المحلة، فلهم أن يهدموا ويجددوا بناء ه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(۲) "و لو أن قيّم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد و فنائه، قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً ومستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۴/۵، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ (سورة الجن: ۱۸) (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه) =

قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس کی جگہ دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا

سوال[۷۱۴۸]: ہمارے محلّہ میں ایک قدیم مسجد منہدم کردی گئی اور دوسری مسجد اس کے پاس ہی بنائی گئی جو عرصہ بیس سال سے آباد ہے اور پہلی جگہ ویران غیر آباد ہے تو اس قدیم مسجد کو دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا اور اس کو جدید مسجد کے کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہاں مسلمان موجود ہیں تو اس کو بھی آباد کریں، یہ طریقہ جائز نہیں تھا کہ اس کو منہدم کردیں تب دوسری جگہ مسجد بنائیں، ایسا کرنے والے گنہگار ہوئے۔ اب پرانی مسجد کی جگہ دوکانیں نہ بنائیں (۱)، بلکہ وہاں بھی اذان وجماعت شروع کردیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

مسجد پر بورڈ لگا کر کرایہ وصول کرنا

سوال[۷۱۴۹]: ۱......اس سوال کے ہمراہ مسجد کا فوٹو مرسل ہے، یہ مسجد عام شاہراہ پر ہے، اس مسجد کے اوپر دو بورڈ بغرضِ اشتہار ریڈیو لگائے گئے ہیں جس سے مسجد کی کچھ آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے، حالانکہ مسجد کا متولی ہے اور مسجد ایک کاروباری علاقہ میں واقع ہے، مسلم تاجران کافی رقم دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

۲......مسجد کی کھلی چھت پر اس قسم کا پہلا اشتہار ہے، آئندہ متولی نہ معلوم کس کس قسم کا بورڈ آویزاں کرا کر مسجد کی بے حرمتی کریں گے، کل کو لکھا جائے گا "گنیش اسٹور لکشمی کمپنی"۔ کیا اس لادینی حکومت میں اس اشتہار بازی کو متولی روک سکتا ہے؟ ضرورت ہے کہ اس کا فوری سد باب کیا جائے۔ ان حالات کے پیشِ نظر یہ

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲، رشيديه)

مساجد پر اشتہار بازی جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مسجد کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دوکانیں تو بنائی جاسکتی ہیں (۱)، لیکن خود مسجد کو کرایہ پر چلانا اور اس سے روپیہ کمانا جائز نہیں (۲)۔ جو کچھ وجوہِ اعتراض وہاں کے مسلمانوں نے پیش کی ہیں وہ بھی اہم ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مسجد کے منتظم صاحب کو چاہیئے کہ وہ ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں۔ اگر بورڈ بغرضِ اشتہار لگادیا گیا ہے تو اس کو اتار کر معاملہ ختم کردیں، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وہاں کے اہلِ ہمت آمادہ اور خواستگار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی حصۂ مسجد کو ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال [۷۱۵۰]: جو لوگ مسجد کے اوپر نہاتے ہیں اور نیچے کرایہ کی دوکانیں ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مسجد بالائی منزل کو قرار دینا اور تحتانی حصہ میں دکانیں بنالینا کہ اوپر نماز ہوتی رہے، نیچے خرید وفروخت

---

(۱) "بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب".

(البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا يجوز للقيّم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

بازاری کام ہوتا رہے، احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۱)، اوپر نیچے سب جگہ مسجد ہی ہونا چاہئے، کسی حصۂ مسجد کو آمدنی کا ذریعہ بنالینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۴ھ۔

صحنِ مسجد سے درخت کاٹ کر برآمدہ برائے کرایہ بنانا

سوال[۷۱۵۱]: مسجد کی پورب کی جانب درخت لگے تھے، انہیں صاف کرکے صحن مسجد میں شامل کردیا گیا۔ اس پر میری اور میرے بھائی کی رائے ہے کہ برآمدہ مسجد کے اندر بنا کر اوپر ایک کمرہ بنایا جائے، دوکان مسجد پر پاخانہ اور صدر دروازے کے آگے حال میں بنوائی جائے، اور ایک کرایہ دار نمازی بچے دار آباد کیا جائے۔ آبادی ہندو کی ہے۔ نمازی آدمی رکھا جائے، تاکہ مسجد میں نماز وغیرہ پابندی سے ہُوا کرے۔ اس کی بابت علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس جگہ درخت تھے، اگر وہ خارجِ مسجد تھی تو محض درختوں کو کٹوا کر چبوترہ مسجد کے برابر بنوادینے سے وہ جگہ مسجد نہیں بنی (۳)۔ اگر اس پر چھت ڈلوا کر وہاں کوئی مکان اور بیت الخلاء وغیرہ اس طرح بنوادیا جائے کہ

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". [الجن: ۱۸] (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "و لا يجوز أخذ الأجرة منه، و لا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۶/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب لرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وعندهما لايصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم". (التاتارخانية، كتاب =

اس کا راستہ دروازہ باہر کو رہے اور بد بو وغیرہ مسجد میں نہ آئے تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ پھر اس مکان کو کرایہ پر بھی دیا جاسکتا ہے (۱)۔ جو حصہ نماز کے لئے مخصوص ہے اس کے اوپر مکان بنانا اور کرایہ پر دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۷ھ۔

حوض کی جگہ کرایہ کے لئے دوکان بنانا

سوال[۷۱۵۲]: یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں وضو کے لئے حوض بھی ہے، اس مسجد کی آمدنی کچھ نہیں ہے، متولی صاحب کل مصارف اپنی جیب سے برداشت کرتے ہیں۔ اب ان کا خیال ہے کہ حوض کی جگہ ٹونٹی لگوائیں اور حوض کو ختم کر کے ایک عمارت بنوادیں تاکہ متولی صاحب کے بعد بھی اس کے کرایہ

= الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وأما لو تمّت المسجديّة، ثم أراد البناء، مُنع .... ولايجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

"ولو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالیٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کیا شرعاً اس کا حق متولی کو حاصل ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نمازیوں کو وضو کی تنگی نہ ہو اور جو کام حوض سے لیا جاتا ہے وہ سہولت سے ٹونٹی سے حاصل ہو، نیز عمارت بنانے سے مسجد کی ہوا اور روشنی میں رکاوٹ نہ ہو تو مسجد کے مفاد کے پیش نظر وہاں کے سمجھدار آدمیوں کے مشورہ سے ایسا کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لئے دوکان بنانا

سوال[۷۱۵۳]: ایک جگہ مسجد کی ہے اس میں کوئی دوسرا شخص دوکان بنالے اور مسجد کو سالانہ کچھ مقرر کر کے دینا چاہے، بعد وصولی رقم دوکان مسجد کی ہو جائے گی۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی صورت اس طرح کر لی جائے کہ مسجد کی زمین اس شخص کو کرایہ پر دے دی جائے اور کرایہ پیشگی لے کر اس سے دوکان بنوادی جائے (۲)، جب دوکان مکمل ہو جائے تو وہ کرایہ دار کے حوالہ کر دی جائے، اس

---

(۱) "قال السندی: لکن أفتی الرملی بخلاف ما هنا فی عدة أسئلة، ففی فتاواه: سئل فی مدرسة احتاجت إلی نفقة لعمارة ماخرب منها، ولیس هناک مایعمر به من الوقف: هل یجوز أن توجر قطعة منها بقدر ماینفق علیها أم لا؟ أجاب: مقتضی مافی الخلاصة جواز ذلک .... وهذه المسئلة دلیل علی أن المسجد المحتاج إلی النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه، اهـ". (تقریرات الرافعی علی حاشیة ابن عابدین، کتاب الوقف: ۸۰/۴، سعید)

(۲) "تلزم الأجرة بالتعجیل، یعنی لو سلّم المستأجر الأجرة نقداً، ملکها الآجر، ولیس للمستأجر استردادها". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب الثانی فی الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثانی فی =

طرح وہ دوکان مسجد کی ہوگی اور کرایہ دار کو اتنی مدت استعمال کا حق ہوگا جس کا کرایہ وہ پیشگی ادا کر چکا ہے(۱)۔ یہ بھی درست ہے کہ خالی زمین دے دی جائے جس کا کرایہ وہ مسجد کو ادا کرتا رہے اور کرایہ دار خود اس میں تعمیر کرلے، پھر جب مدتِ کرایہ داری ختم ہو جائے تو اپنی تعمیر ہٹالے، خالی زمین مسجد کو دے دے، یا بعینہ تعمیر ہی مسجد کو دے دے(۲)۔ خالی زمین کرایہ پر دیتے وقت یہ شرط نہ کی جائے کہ اس زمین کا کرایہ یہ ہے کہ اس پر دوکان تعمیر کرکے اتنی مدت بعد وہ تعمیر مسجد کو دے دے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۳ھ۔

مسجد کی جگہ سینما کے بورڈ کے لئے کرایہ پر دینا

سوال[۷۱۵۴]: ہماری مسجد کی مسجد سے الگ ایک خالی جگہ پڑی ہے، اس کو سینما والے کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، وہ اس جگہ پر اپنی فلم کا بورڈ لگائیں گے اور تیس ۳۰/ روپیہ ماہانہ دیں گے۔ تو وہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے یا نہیں، اگر دے سکتے ہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا، کیا کرایہ کا روپیہ بھنگیوں کو بطورِ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

(فلم) سینما معصیت ہے، اس کے لئے یا اس کے بورڈ کے لئے مسجد کی جگہ کرایہ پر دینا اعانتِ

= المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة، الخ: ۱/ ۲۶۱، (رقم المادة: ۴۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجاره، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، الخ: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(۱) "يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة، المصدر السابق، (رقم المادة: ۴۷۳): ۱/۲۶۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "فإن قلت: إذا استأجر أرض الوقف سنين على عقود كثيرة للبناء وحكم بصحتها، ثم بنى، فزاد إنسان عليه، هل تنقض الإجارة؟ قلت: قال في المحيط وغيره: ولو استأجر أرضاً موقوفةً وبنى فيها حانوتاً وسكنها، فأراد غيره أن يزيد في الغلة ويخرجه من الحانوت، ينظر: إن كانت أجرته مشاهرةً، إذا جاء رأس الشهر، كان للقيم فسخ الإجارة؛ لأن الإجارة إذا كانت مشاهرةً، تنعقد في رأس كل شهر. ثم ينظر: إن كان رفع البناء لايضرّ بالوقف، فله رفعه؛ لأنه ملكه، وإن كان يضرّ به، فليس له رفعه؛ لأنه وإن كان ملكه فليس له أن يضرّ بالوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۸، رشيديه)

معصیت ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)، اگر کسی قول پر گنجائش نکلتی بھی ہے تب بھی مسجد کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۷/۷/۸۷ھ۔

سودی کاروبار کے لئے مسجد کی دوکان کرایہ پر لینا

سوال [۴۱۵۵]: مسجد کی ملکیت میں ایک مکان ہے جس کو ایک صاحب کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، کرایہ معقول ملے گا، مگر ان کا کاروبار خالص سود کے لین دین کا ہے۔ ان کو کرایہ پر مکان دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحب سودی کاروبار ہی کے لئے کہہ کر لیتے ہیں تو مسجد کا مکان ان کو کرایہ پر نہ دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے برتنوں کو کرایہ پر دینا

سوال [۴۱۵۶]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اخراجات کے مکمل کرنے کے لئے مسجد کی آمدنی سے کچھ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

﴿ولا تعاونوا علی الإثم﴾ وهو الذنب والمعصية، و هي كل ما منعه الشرع، أو حاك في الصدر و كرهت أن يطلع عليه الناس". (التفسير المنير: ۲۹/۵، طبع بيروت)

(۲) "ولا بأس بأخذ أجر على حمل خمر الذمي خلافاً لهما، رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً وبيعةً أو كنيسةً أو يباع فيه الخمر، فلا بأس به. و كذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، امجد اكيڈمی لاهور)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و تعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، و يندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني: ۵۷/۶، مبحث في ﴿وتعاونو على البر والتقوى﴾، دار إحياء التراث الغربي بيروت)

برتن خریدے جوشادی اور دوسری تقاریب کے لئے کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اور اس کا جو بھی کرایہ وصول ہوتا ہے اس سے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ تو کیا برتنوں کا اس طرح پر کرایہ وصول کرنا اور مدرسہ ومسجد کے انتظامات میں لانا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں (۱)، وہ کرایہ مذکورہ ضروریات میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

ناجائز فعل کے لئے کرایہ پر برتن دے کر مسجد پر خرچ کرنا

سوال [۷۱۵۷]: مسجد کے متولی نے دیگیں، شامیانے، بچھونے، کپ، رکابی وغیرہ کرایہ پر دینے کے لئے خرید رکھی ہیں اور لوگ ان کو جائز وناجائز تقریبات مثلاً: قوالی، رنڈی وغیرہ کی تقریب میں لے جاتے ہیں۔ اس سے جو کرایہ وصول ہوتا ہے اس کو مسجد میں لگانا کیسا ہے؟ اور متولی کا کرایہ پر دینا اور کرایہ لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "القیم إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن یستغل ویباع عند الحاجة، جاز إن کان له ولایة الشراء، وإذا جازله أن یبیعه، کذا فی السراجیة .... الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء؟ قیل: لایصرف، وإنه صحیح، ولکن یشتری به مستغلاً للمسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم وغیره فی حال الوقف علیه: ۴۶۲/۲، ۴۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۵۸۴/۵، قدیمی)

(۲) "و یبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد، ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم، ثم السراج والبساط، کذلک إلی آخر المصالح". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۶۷/۴، ۳۶۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز آمدنی سے جو کرایہ آئے وہ مسجد میں خرچ نہ کیا جائے (۱)، نیز ناجائز تقاریب میں یہ چیزیں کرایہ پر نہ دی جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا

سوال[۷۱۵۸]: مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۳)، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة: ۲۷۸/۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في فتاوىٰ قاضي خان........ أرض وقف على مسجد صارت بحال لاتزرع فجعلها رجل حوضاً للعامة، لايجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره الخ: ۴۶۲/۲، ۴۶۴، رشيديه)

(۴) "فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴، سعيد)

الفصل الثانی عشر فی استعمال أشیاء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی چیزوں کا ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۵۹]: مسجد کا سامان مسجد کے علاوہ تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں، مسجد کا سامان ڈول، لوٹا، لالٹین، موم بتی وغیرہ؟ اسی طرح مسجد کی اینٹ قرض لیکر باہر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کے صحن میں اگر خشک کرنے کی غرض سے کپڑا پھیلائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جملہ امور ممنوع ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۶۰]: جتنے مسجد میں لوٹے رکھے ہیں نمازی اور بے نمازی ان کو تمام کاموں میں استعمال کرتے ہیں، ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) "متولی المسجد لیس لہ أن یحمل سراج المسجد إلی بیتہ، ولہ أن یحملہ من البیت إلی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۲، رشیدیہ)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً، الخ: ۳/۲۹۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارۃ القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے لوٹوں کو تمام کاموں میں استعمال کرنا درست نہیں، صرف وضو، استنجا، غسل میں استعمال کریں، پانی پینے، یا کہیں کوئی معمولی کپڑا نماز کے لئے دھونے کی بھی گنجائش ہے، مسجد سے باہر اپنے مکان وغیرہ میں لے جانا اور استعمال کرنا منع ہے(۱)۔

مسجد کا مصلّٰی، لوٹا باہر لے جا کر استعمال کرنا

سوال[۷۱۶۱]: مسجد کا لوٹا، مصلّٰی وغیرہ مسجد کے باہر لے جا کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا لوٹا مسجد کے باہر نہ لے جائیں جب کہ احاطۂ مسجد میں ضرورت پوری ہونے کا انتظام ہے، مسجد کا مصلّٰی بھی خارجِ مسجد استعمال نہ کریں، خاص کر بیٹھ کر باتیں کرنے کے لئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۲ھ۔

مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے مخصوص کر لینا

سوال[۷۱۶۲]: مسجد کے کسی حصہ سے اپنا ذاتی فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے صحن یا اس کی چھت وغیرہ پر پودے وغیرہ لگانا، اس کا پھل استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی فائدہ کیلئے مخصوص کر لینا جائز نہیں ہے (۳)، حتیٰ کہ نماز کیلئے بھی اپنی جگہ

---

(۱) (سیأتي تخریجه تحت المسئلة الآتية آنفاً)

(۲) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۴/۳، رشيديه)

(۳) "ولا يتعين مكان مخصوص لأحد، حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه فسبقه غيره =

مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۰ھ۔

مسجد کا کوئی لوٹا اپنے لئے خاص کرنا

سوال [۷۱۶۳]: زید مسجد کا ایک لوٹا اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، دوسرا کوئی استعمال کرتا ہے تو ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناپاک سمجھتا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ طریقہ غلط ہے، اگر اس کو وہم ہے کہ دوسرے کے استعمال سے لوٹا ناپاک ہوجاتا ہے، اس وہم کو چھوڑ دے، اگر نہ چھوٹ سکے تو اپنا لوٹا خرید کر علیحدہ رکھے اور نماز کے وقت لے آیا کرے تاکہ دوسرے کو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= إليه، ليس له إزعاجه وإقامته منه. .... في القنية أيضاً: ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل، أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه، اهـ. وأعجب من ذلک أن بعض مدرسي الأروام يعتقد في المسجد الذي له مدرس أنه مدرسة وليس بمسجد حتى ينتهک حرمته بالمشي فيه بنعله المتنجس مع تصريح الواقف بجعله مسجداً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

(۱) "ويكره تخصيص مكان في المسجد لنفسه؛ لأنه يخل بالخشوع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۲۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) یہ لوٹا چونکہ مسجد کا ہے اس لئے اپنے لئے خاص کرنا درست نہیں ہے: "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج =

مسجد کا لوٹا اور جگہ مخصوص کرنا

سوال[۷۱۶۴]: اگر کوئی نمازی مسجد میں اپنی وضو کے لئے ایک لوٹا مخصوص کرلے اور اپنی نماز کے لئے جگہ مخصوص کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے ہر لوٹے سے ہر نمازی کو وضو کرنے کا حق ہے، اسی طرح مسجد کے ہر حصہ میں ہر نمازی کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے، اس لئے کوئی شخص کسی خاص لوٹے کے استعمال سے، یا کسی خاص حصہ میں نماز پڑھنے سے اپنی خصوصیت کی بناء پر کسی نمازی کو منع نہیں کرسکتا(۱)۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ خود کسی خاص لوٹے سے اس کے اچھا یا بڑا یا کسی اور وصف کی بناء پر وضو کیا کرے، کسی اور لوٹے سے نہ کرے۔ بلا وجہ شرعی

= المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، وتصرف القيم، الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(۱) "واعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد خصوصاً بسبب أمر دنيوى، وهذا كله جهل عظيم، ولا يبعد أن يكون كبيرةً، فقد قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد .... ولا يتعين مكان مخصوص لأحد .... له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، ۶۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

مسجد کے کسی خاص حصہ کو نماز کے لئے متعین کرنا منع ہے کہ یہ تخصیص بلامخصص شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/رجب/۵۸ھ۔

مسجد کی اشیاء کا امام ومؤذن کے لئے استعمال

سوال[۷۱۶۵]: مسجد کا متفرق سامان امام یا مؤذن حسب ضرورت استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دوقسم کی چیزیں ہوتی ہیں: قسمِ اول اہلِ محلہ دیتے ہیں، وہ اگر امام صاحب کو اپنے حجرہ میں استعمال کی اجازت دیں تو درست ہے (۲)۔ قسمِ دوم منتظمین مسجد کے لئے خریدتے ہیں، اگر وہ اجازت دیں تو ان کی اجازت سے درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویکره تخصیص مکان فی المسجد لنفسه؛ لأنه یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۲/۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "(قوله: اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفین علی المسجد: أحدهما علی العمارة والآخر إلی إمامه أو مؤذنه. والإمام والمؤذن لا یستقرّ لقلّة المرسوم، للحاکم الدین أن یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلی الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشیدیه)

(۳) "وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شرط ذلک فی الوقف، کذا فی الذخیرة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب =

حجرۂ مسجد میں کتابت

سوال[۷۱۶۶]: اگر کوئی شخص مسجد کی حفاظت کے لئے مسجد کے حجرے میں رہتا ہے اور وہاں کتابت بھی کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

مولوی رحمت اللہ سیتاپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقصد حفاظتِ مسجد ہے، تو درست ہے، فتاوی عالمگیری : ۷۰/٤(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا

سوال[۷۱۶۷]: مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں ان میں فرش یا کچھ اور چیز لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیرِ مسجد کو اس سے نقصان نہ پہونچے (دیوار کمزور نہ ہوجائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ

= الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۴۶۳/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأو قافه ومسائله: ۴۲۶/۴، رشیدیه)

(۱) "قالوا فی الخیاط: إذا جلس فیه لمصلحته من دفع الصبیان و صیانة المسجد، لا بأس به للضرورة .... والذی یکتب إن کان بأجر، یکره، وإن کان بغیر أجر، لا یکره". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۶۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل: کره غلق باب المسجد : ۱۱۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل: یکره استقبال القبلة : ۴۲۲/۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، السادس والعشرون فی حکم المسجد : ۸۲/۴، رشیدیه)

کے لئے وہاں رکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

مسجد کی الماری میں اپنا تجارتی سامان رکھنا

سوال[۷۱۶۸]: ایک مولوی صاحب مسجد میں بچوں کو پڑھاتے ہیں اوران کے پاس اپنا مکان بھی ہے، باوجود مکان ہونے کے مسجد کی الماری جوعینِ عبادت گاہ میں ہے تجارتی کتابیں رکھتے ہیں۔ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں الماری اس لیے بنائی جاتی ہے کہ اس میں مسجد کی چیزیں مثلاً: قرآن پاک، پنکھا، مصلی، وغیرہ رکھاجائے، کسی کو اپنا سامان تجارت کیلئے رکھنا مستقل طور پر اس کا حق نہیں، الماری خالی کردی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "ودلّ تعليلهم أن المبيع لو كان لايشغل البقعة، لايكره إحضاره كدراهم ودنانير يسيرة أو كتاب ونحوه". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، رشيديه)

"لأن إباحته في المسجد للضرورة، فلا يجاوز مواضعها". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۳۹۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول، فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/ ۲۳۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۳۹۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم. الخ". (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

مسجد میں دینی کتابیں وغیرہ رکھنا

سوال[۷۱۶۹]: اپنی ساری دینی کتابیں اور کچھ غیر دینی مثلاً جنتری وغیرہ مسجد کی الماری میں رکھتا ہوں بوجۂ حفاظت، کیونکہ گھر میں ان کے رکھنے کیلئے جگہ نہیں ہے اور کبھی کبھی ایک جوڑا کپڑا استعمال اور ناشتہ کی چیز مثلاً: گڑ، مٹھائی اور ہمیشہ دوا، صابون، تیل، سر میں لگانے کا کنگھا (میں امام ہوں)۔ جواب دہی فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اپنا گھریلو سامان، صابون، گڑ، مٹھائی، کپڑے وغیرہ نہ رکھیں کہ یہ اعتراض کی چیز ہے(۱)، اگر مسجد میں حجرہ سہ دری، وضوخانہ وغیرہ ہوتو وہاں رکھیں جہاں مستقل رات کو سوتے ہوں۔ ایسی کتابیں جن سے نمازی بھی فائدہ اٹھائیں مسجد میں رکھ لیں تو حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کتاب کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرنا

سوال[۷۱۷۰]: ایک امام مسجد نے ایسے محلّہ میں امامت کرنا شروع کی کہ جس محلّہ کے مسلمان امور غیر شرعی میں زیادہ مبتلا تھے، امام کا دل غیر شرعی امور میں مسلمانوں کو دیکھ کر کڑھتا، مگر مجبور تھا کہ ان کی اصلاح کیسے کی جائے۔ جب ان کو مسئلہ بتاتا تو لوگ ثبوت طلب کرتے، مگر امام صاحب کے پاس کوئی ایسی کتاب مستند نہیں تھی جو ان کو دکھا سکے۔ امام صاحب نے چندہ جمع کر کے ایک قرآن مترجم حضرت شیخ الہندؒ کا خرید لیا اور تفسیر حقانی بھی خریدی۔ امام صاحب مذکورہ کتابیں مکان میں رکھ کر مطالعہ کر کے لوگوں کو سناتا ہے، ثبوت کے لئے ان

---

(۱) "وکره إحضار المبیع والصمت والتکلم إلا بخیر، أما الأول فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد، وفیه شغله بها". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۵۳۱/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲۳۰/۱، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳۹۷/۲، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "لا یکره إحضاره کدراهم و دنانیر یسیرة أو کتاب ونحوه". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۵۳۱/۲، رشیدیه)

کو کتابیں دکھاتا ہے جس سے مسلمانوں کی کافی اصلاح ہوتی جارہی ہے۔کیا یہ کتابیں امام مکان میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس شکل میں کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

چندہ دینے والوں کو اطلاع کردے کہ میں نے آپ کے دیئے ہوئے پیسوں سے کتابیں خریدی ہیں، ان کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرتا ہوں، ان کو اعتراض نہ ہو تو بس کافی ہے۔اگر ان لوگوں نے امام کو پیسے کا مالک بنا دیا تھا تو پھر کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

مسجد کا تیل یا ڈھیلا اپنے ساتھ لے جانا

سوال[۷۱۷۱]: بہت سے آدمی مسجد کے چراغ میں سے ہاتھ پیروں میں تیل لگاتے ہیں اور بہت سے آدمی مسجد کے اندر سے ڈھیلے لے جا کر گھر پر رکھ دیتے ہیں، وہیں پر استنجا میں استعمال کرتے ہیں۔ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

ان دونوں باتوں کی اجازت نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلة، لسلیم رستم باز: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"الخامس فی حکمها، فمنه ثبوت ولایة التصرف الذی تناوله التوکیل، ومنه أن لا یوکل إلا بإذن أو تعمیم، و منه أنه أمین فیما فی یدہ". (البحر الرائق، کتاب الوکالة: ۷/ ۲۳۸، رشیدیہ)

(۲) "وفی الإسعاف: ولیس لمتولی المسجد أن یحمل سراج المسجد إلی بیته". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/ ۴۲۰، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/ ۴۶۲، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

حمام کے کوئلہ سے امام کو چائے بنانا

سوال[۷۱۷۲]: جس جگہ لکڑی بافراغت ملتی ہے تو حمام کے لئے جو کوئلہ وغیرہ دیا جاتا ہے تو امام اس سے چائے وغیرہ پکا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن لوگوں نے لکڑی دی ہے، اگر وہ اجازت دیدیں کہ امام اپنے استعمال میں بھی لائے تو امام کیلئے اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

متولی کی اجازت سے مسجد کا تیل امام ومؤذن کے لئے

سوال[۷۱۷۳]: مسجد میں جو عموماً عام لوگ تیل ڈال جاتے ہیں، آیا اس تیل کو امام ومؤذن مسجد ہٰذا اپنے حجرہ میں باذنِ متولی جلا سکتا ہے یا نہیں اور اس کا یہ اذن ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تیل دینے والوں کی بھی اجازت ورضامندی ہے تو جائز ہے اور متولی کا اذن بھی معتبر ہے ورنہ نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل امام کے لئے

سوال[۷۱۷۴]: امام کو کوئی شئی مسجد کی اپنے تصرف میں لانا مثلِ تیل وغیرہ شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع. ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن من ذلك، فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية فانظرها لزاماً)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے اس کے متعلق امام کو اجازت دی ہے اور اس کی مقدار متعین کردی ہے اور امام غریب ہے تو امام کو بقدرِ تعینِ واقف اس کا صرف کرنا درست ہے۔ اور اگر واقف نے تو اجازت نہیں دی، لیکن امام کی تنخواہ کا جز قرار دیا ہے، مثلاً ہر ماہ اتنے روپیہ اور اتنا تیل تنخواہ مقرر کی گئی ہے تب بھی امام کو اس تعین کے ماتحت اس میں تصرف کرنا درست ہے۔ اگر کوئی معاملہ واقف سے یا ملازم رکھنے والے سے نہیں کیا گیا تو امام کو مسجد کے چراغ سے مسجد میں رہتے ہوئے فائدہ اٹھانا جن اوقات میں مسجد کی ضرورت کے لئے چراغ روشن کیا جاتا ہے دیگر سب نمازیوں کی طرح درست ہے، تیل کو فروخت کرنا، اپنے گھر لے جاکر جلانا وغیرہ درست نہیں:

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف، كذا في الذخيرة. ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين. كذا في الخلاصة"(۱)۔

وفي الفتاوىٰ الهندية: "إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب في سراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلوة، قيل: لابأس به. وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لايكون له حق التدريس، كذا في فتاوىٰ

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم، الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

"ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل له، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۵۷، ۸۵۸، إدارة القرآن كراچی)

قاضی خان، اھ". عالم گیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ الاحد۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔

مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا

سوال[۷۱۷۵]: ۱......پیشِ امام اور مؤذن وغیرہ کو تنخواہ میں جو کہ چار یا پانچ روپیہ کی ہوتی ہے یا علاوہ تنخواہ کے ضرورت سمجھ کر ویسے ہی مذکورہ اشیاء یا ان کے دام متولی ان کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اور یہاں اکثر مسجدوں میں پیشِ امام وغیرہ کی تنخواہ نہیں ہے اور اکثر پیشِ امام مذکورہ چیزیں اپنا حق سمجھ کر اپنے گھر میں خرچ کرتے ہیں اور ان پر اکثر مقتدی و متولی کچھ بھی اعتراض نہیں کرتے، بلکہ اکثر کہہ بھی دیتے ہیں کہ یہ آپ کا حق ہے، آپ لے جایا کریں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو درست ہے۔

۲......اگر مسجد میں دینے والے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اشیاء ہم نے آپ کو دی ہیں، آپ اپنے گھر لے

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول فیما یصیر به مسجداً، الخ: ۲/۴۵۹، رشیدیه)

"فإذا أراد إنسان أن یدرس الکتاب بسراج المسجد إن کان السراج موضوعاً فی المسجد للصلوة، قیل: لابأس، وإن کان موضوعاً فی المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم عن صلاتهم وذهبوا إلی بیوتهم وبقی السراج فی المسجد، قالوا: لابأس بأن یدرس به إلی ثلث اللیل .... وفیما زاد علی ثلث اللیل، لیس لهم تأخیر الصلوة، فلا یکون لهم حق الدرس". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۰، رشیدیه)

جا کر استعمال کرلیں تو امام کو ایسا کرنا درست ہے(۱) اور دینے والے کے علاوہ اگر دوسرے مقتدی اجازت دیتے ہیں تو ان کی اجازت غیر معتبر ہے۔ اگر دینے والے دیتے ہیں مسجد میں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کی اشیاء میں امام کو شرعاً اس قسم کا حق حاصل ہوتا ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ رجب/ ۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد کا کنواں، نل، ڈول رسی استعمال کرنا

سوال[۷۱۷۶]: اگر مسجد میں کنواں یا نل لگا ہوا ہو تو اس کنویں سے پانی فقط وضو برائے نماز، نمازی ہی کام میں لا سکتے ہیں، یا دیگر آدمی محلّہ کے باشندے سے خرچہ ضروری میں لا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کنویں کا پانی علاوہ نماز کے دوسرے کام میں بھی لانا درست ہے(۲)، لیکن احتیاط ضروری ہے، یعنی وہ کنواں اگر مسجد کے فرش پر ہے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسجد کا فرش نجاست سے ملوث نہ ہو(۳)، نیز مسجد کے ڈول رسی کا استعمال ہے(۴)۔ اور مسجد کے نل کو اتنا زیادہ اور زور سے استعمال نہ کیا جائے کہ جلد خراب ہو جائے اور اگر مسجد کی آمدنی سے لگایا ہے تو ضروریاتِ نماز کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۵/۳۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المارّة فراجعها وطالعها)

(۲) "ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر، و يسقى دابته، ويتوضأ منه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(۳) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

(۴) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق و بقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع. ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن من ذلك، فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

مسجد کے چراغ میں اپنا وظیفہ پڑھنا

سوال[۷۱۷۷]. تیل وغیرہ یا اَور روشنی جو مسجد میں ہو، اس سے فقط جس وقت تک عشاء کی نماز ختم ہونے کا وقت ہو، نماز ہی کے کام میں لا سکتے ہیں، یا نمازی و امام مسجد یا کوئی دوسرا آدمی اس روشنی سے قرآن مجید یا وظیفہ وظائف کے پڑھنے کے وقت کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کے لئے جب تک روشنی رہنے کا معمول ہو اس وقت اس روشنی میں قرآن شریف اور وظیفہ وغیرہ پڑھنا بلاشبہ درست ہے اور اس کے بعد یعنی جب روشنی چراغ گل کر دیا جاتا ہو، اس وقت تیل دینے والے کی اجازت سے روشنی کرنا اور اس میں قرآن شریف وغیرہ پڑھنا درست ہے، بلا اجازت نہیں چاہیے۔اور اگر تیل وقف کی آمدنی سے خرید اگیا ہے، مگر واقف نے یہ شرط نہیں کی کہ تمام رات مسجد میں چراغ روشن رہے تب بھی قرآن شریف وغیرہ پڑھنے کے لئے علاوہ وقتِ نماز کے چراغ کو روشن کرنا درست نہیں، كذا في الهندية، ص: ۱۰۳۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۵/۵۶ھ۔

مسجد میں چراغ کب تک جلے

سوال[۷۱۷۸]: ایک مسجد میں چراغ تیل سے بھر کر مغرب کی نماز سے پہلے جلا دیا جائے اور پھر عشاء کی نماز ختم ہونے پر جب کہ نمازیوں کے آنے کی امید نہ رہے تو کیا چراغ بجھا دینا بہتر ہے یا نہیں یا صبح تک اس کا بجھانا مناسب ہے یا نہیں؟ فقط۔

معرفت: نصیر الدین، کتب خانہ یحیوی،
سہارنپور، ۲۴/ جولائی/ ۳۶ء۔

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "مسجد میں چراغ کب تک جلے" رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب آدمیوں کے آنے کی توقع نہ رہے تو چراغ بجھادینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

مسجد کا چراغ کب تک جلے اور فرش کب تک بچھے

سوال[۷۱۷۹]: مسجد میں تیل جو جمع رہتا ہے اس کا کسی چراغ میں جلانے کا کیا حکم ہے اور کتنی دیر تک حکم ہے، یا کہ حجرہ اور پیر صاحب کا راستہ میں آنے جانے کی سہولت کے لئے چراغ جلانے درست ہیں اور تمام رات جلتے رہتے ہیں اور مسجد کے فرش وفروش عام لوگوں کی مجلس جمانے کیلئے بچھانے درست ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب تک عامۃً لوگ نماز پڑھتے ہوں مسجد میں چراغ جلایا جائے (۲)، وضوخانہ اور غسل خانہ وغیرہ اور

---

(۱) "و لا بأس بأن يترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى وقت العشاء، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الأول ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(۲) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه) =

راستہ میں بھی حسبِ ضرورت چراغ جلایا جاسکتا ہے۔ مسجد کے فرش نماز و جماعت کیلئے بچھانا درست ہے، اگر فرش ہر وقت بچھا رہتا ہو اور پیر صاحب اور ان کے مریدین مجلس جما کر اس پر بیٹھ جائیں تو مضائقہ نہیں۔ اگر نماز کے بعد فرش کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہو تو پھر ایسے وقت میں مجلس جما کر بیٹھنے کے لئے مستقلاً فرش مسجد کو استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

مسافر کیلئے مسجد کی چٹائی کا استعمال کرنا

سوال[۷۱۸۰]: مسافر اگر مسجد کی چٹائی لیٹنے کیلئے استعمال کرے تو کیا یہ فتویٰ کی رو سے درست ہے، اور تقویٰ کی رو سے ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتویٰ کی رو سے درست ہے اور تقویٰ کی رو سے احتیاط اَولیٰ ہے، حرام نہیں (۱)۔

تبلیغی جماعت کیلئے اشیائے مسجد کا استعمال

سوال[۷۱۸۱]: ۱..... یہاں جامع مسجد شہر علی گڑھ میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں اور اپنا قیام مسجد میں کرتی ہیں، اور اپنا اجتماع مسجد میں کرتی ہیں۔ نماز ظہر کی جماعت اور سنت ونوافل کے بعد وہ اپنی کتاب پڑھنا، دین کی باتیں کرنا شروع کرتیں ہیں۔ اسی درمیان میں وہ مسجد کا پنکھا بھی چلاتی ہیں، بجلی خرچ کرتی ہیں اور مسجد کا

= (وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد ۵/۴۲۰، رشیدیه)

(۱) "وقیل: لا بأس للغریب أن ینام فیه، والأولی أن ینوی الاعتکاف، لیخرج من الخلاف". (الحلبی الکبیر، ص: ۶۱۲، فصل فی أحکام المسجد، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ ۵/۳۲۱، رشیدیه)

پنکھا استعمال کرتی ہیں، اس کا خرچ بھی مسجد کے وقف پر پڑتا ہے جب کہ مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے صرف اوقات جماعت میں پنکھا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان جماعتوں کو اپنے اوقات میں مسجد کا پنکھا بجلی وغیرہ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲..... کیا مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ اس قسم سے اخراجات مسجد کی وقف آمدنی پر ڈالیں؟

۳..... کیا مسجد کی وقف انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بھی فرد یا جماعت کو غیر اوقات فرض نماز باجماعت میں مسجد کی املاک استعمال کرنے کی اجازت دے؟

۴..... کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ کوئی فرد یا جماعت کوئی کتاب پڑھتے وقت بجلی کا پنکھا استعمال کرے اور بجلی کا خرچہ اپنی جیب سے ادا کرے یا اپنے ٹھہرنے اور سونے کے لئے بجلی کا پنکھا استعمال کرے؟

۵..... کیا مسجد کی املاک کو غیر نماز کے مقصد میں استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وقف مسجد کا پیسہ مسجد کی اور وقف کے تحت وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی نگرانی و تجویز سے صرف کیا جاتا ہے(۱)، منشائے واقف کے خلاف خرچ کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ کمیٹی کو بھی حق نہیں کہ وہ اجازت دے(۲)۔

---

(۱) "و يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: ثم ما هو أقرب لعمارته) والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف: أى من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيّناً، فإن كان الوقف معيّناً على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد) .... =

۱.....جائز نہیں(۱)۔

۲.....اجازت نہیں(۲)۔

۳.....صرف اوقاتِ جماعت تک محدود نہ رکھے، بلکہ جماعت سے قبل اور بعد کی سنتوں ونفلوں، نیز مسبوق کی نماز پوری ہونے تک کی گنجائش دیدی جائے، معمولی تاخیر ہوجائے تو قابل تسامح ہے(۳)۔

۴.....یہ جماعتیں دینی کام نماز وغیرہ ہی کے لئے نکلتی ہیں اور مساجد میں قیام کرتی ہیں اوران کے اس کام سے بہت بڑا نفع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ان جماعتوں کو مسجد میں رہنے، ٹھہرنے، اپنی کتاب سنانے کی اجازت دےدی جائے اوران کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ جماعتیں اوقاتِ نماز وجماعت کے علاوہ بجلی کواستعمال کریں اوراس کا صرفہ دیدیں، یہ صرفہ مسجد پر نہ ڈالیں، انتظامیہ کمیٹی کو وہ صرفہ ان جماعتوں سے قبول

= (وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۱۰٦/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك .... أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا ...... إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب بسراج المسجد للصلاة، قيل: لا بأس به. وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم و ذهبوا إلى بيوتهم و بقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، و فيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

کر لینا چاہیے۔

۵.....ان جماعتوں کا قیام نماز کیلئے ہے، مقصدِ نماز کے خلاف کسی غلط یا غیر مقصود کے لئے نہیں، اس لئے اگر یہ مسجد کا لوٹا، چٹائی، نل، ڈول، رسی، استعمال کریں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے (۱)، البتہ جو مصارف زیادہ ہوں بجلی کیلئے، وہ ان سے وصول کر لئے جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۶/۸/۹۰ھ۔

بجلی کا ہیٹر اپنی ضروریات یا تلاوت کے لئے استعمال کرنا

سوال [۷۱۸۲]: بجلی کا ہیٹر نمازی یا منتظمِ مسجد استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا تلاوت کے وقت استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

منتظمین یا عام نمازی جس وقت عام ضرورت کے وقت استعمال کریں تو درست ہے، خاص کر آدمی اپنی تلاوت کے لئے استعمال نہ کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویجوز الدرس فی المسجد وإن کان فیه استعمال اللبود و البواری المسبلة لأجل المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

(۲) "هل یجوز أن یدرس الکتاب بسراج المسجد؟ والجواب فیه أنه إن کان موضوعاً للصلاة، فلا بأس به. وإن وضع لا للصلاة بأن فرغوا من الصلاة و ذهبوا، فإن أخر إلی ثلث اللیل، لا بأس به. وإن أخر أکثر من ثلث اللیل، لیس له ذلک، کذا فی المضمرات فی کتاب الهبة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۲/۵، رشیدیه)

(۳) "ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلوة فیه، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشیدیه) =

بجلی کا پنکھا غیر اوقاتِ نماز میں چالو کرنا

سوال[۷۱۸۳]: مسجدوں میں بجلی اور پنکھے وغیرہ لگے ہوئے ہیں، نماز کے علاوہ دوسری ضروریات کے واسطے ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں، جیسے تلاوت کلام پاک، مطالعۂ کتب، تبلیغی تعلیم وغیرہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پنکھے چونکہ نماز کے وقت استعمال کرنے کیلئے لگائے گئے ہیں، ان کو دیگر اوقات میں استعمال کی اجازت نہیں (۱)، اوقاتِ نماز میں جب نماز کیلئے کھولے جائیں تو مطالعہ کی بھی اجازت ہے (۲) "شرط الواقف کنص الشارع" (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۲ھ۔

= (وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول ۴۵۹/۲، رشيديه)

(۲) "يجوز ترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى العشاء لا كل الليل، إلا إذا جرت العادة بذلك كمسجد سيدنا عليه السلام. والتدريس بسراجه إذا وضعوه إلى ثلث الليل للصلاة أو لغيره لا بأس به". (البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۲۶۹/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

(۳) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، سعيد)

مسجد میں بجلی کا پنکھا

سوال[۷۱۸۴]: مسجد میں بجلی کی روشنی وبجلی کا پنکھا نماز باجماعت کی حالت میں یا اوقاتِ نماز میں پنکھے کا چلنا کیسا ہے، جب کہ نمازیوں ہی نے اپنے پاس سے بجلی وبجلی کا پنکھا مسجد میں لگوایا ہے؟ اور اس کا ماہواری خرچ بھی نمازی ہی اپنے پاس سے ادا کرتے ہیں اور متولی یا مسجد کی آمدنی سے ایک پائی خرچ نہیں کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں پنکھے کا چلنا جائز ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی، یا نماز میں اس سے کچھ فساد آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرمی کے وقت نمازیوں کی راحت واطمینان کے لئے بجلی کا پنکھا مسجد میں چلنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا، بلاتردد نماز درست ہوگی اور ایسی منفعت وراحت کا انتظام کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ بجلی کی روشنی سے بھی نماز میں خرابی نہیں آتی، زمانۂ سلف میں یہ دونوں چیزیں موجود نہیں تھیں، مگر چراغ کی روشنی کا عام دستور تھا حتی کہ زیادہ تاریکی میں کہ سمتِ قبلہ کا صحیح پتہ نہ چل سکے فقہاء نے نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ دستی پنکھے بھی مساجد میں موجود رہتے تھے، فرشی پنکھے کو مجموعہ فتاویٰ میں مولانا عبدالحیٔ نے مباح لکھا ہے(۱)۔ کوکب دری میں ہے:۱/۹۹:

"(قوله: بالقنو والقنوين) فيعلقه، فيه دلالة على تعليق المراوح في المساجد لِمَا أنها ليست بأقل نفعاً من القنو مع ما في القنو من الشغل والتلويث ما ليس في المروحة، اهـ"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، سہارنپور، ۶۰ھ۔

مسجد کے پنکھے کا استعمال

سوال[۷۱۸۵]: ۱...... ہماری مسجد کے امام صاحب دس بجے شب میں اعتکاف کی نیت کرتے ہیں

---

(۱) "مسجد میں فی نفسہ فرشی پنکھا لگانا مباح ہے، کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری"۔ (مجموعة الفتاوىٰ، لعبدالحیٔ (اردو) کتاب المساجد: ۱/۱۷۷، سعید)

(۲) (الكوكب الدري: ۴/۸۴، أبواب التفسير، الصلوة الوسطى، لقنو يعلق في المسجد، إدارة القرآن كراچي)

اور مسجد میں سو جاتے ہیں اور مسجد کے پنکھے استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب دو بجے شب میں اعتکاف ختم کردیتے ہیں۔ پنکھوں کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... چند روزہ دار حضرات مسجد کا پنکھا استعمال کرتے ہیں اور مسجد میں سو جاتے ہیں۔ ویسے تو روزہ خود عبادت ہے، فرض ہے تو ان لوگوں کو پنکھے کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... مسجد کا پنکھا چلا کر کلامِ پاک کا دَور کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور مسجد میں سونا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جس نے مسجد کے لئے پنکھا دیا ہے، اگر پنجگانہ نماز کے لئے دیا ہے تو دیگر اوقات میں اس پنکھے کو استعمال نہ کیا جائے (۱)، امام اور دوسرے لوگ اس میں سب برابر ہیں۔

۲...... اس کا جواب بھی جواب نمبر:۱، سے ظاہر ہے۔

۳...... اس کا حال بھی یہی ہے۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ یہ پنکھا استعمال کرنے والے حضرات مسجد کو پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے جس قدر مصارف زیادہ ہوں وہ دے دیں (۲)۔ اور جس نے مسجد کو پنکھا دیا ہے وہ بھی دوسرے اوقات میں استعمال

---

(۱) "ولو وقف علی دهن السراج للمسجد، لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین، ویجوز إلی ثُلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلوة فیه، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد ومایتصل به: ۲۶۹/۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "ولا بأس بالجلوس فی المسجد لغیر الصلوة، لکن لو تلف به شیء، یضمن". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی المسجد: ۶۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل: یکره باب غلق المسجد، الخ: ۱۱۰/۱، رشیدیه)

کرنے کی اجازت دے دے۔ غرض نہ مسجد پر مصارف زیادہ پڑیں، نہ پنکھا دینے والے کے منشاء کے خلاف ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۱۳۹۹ھ۔

غسل خانہ وغیرہ میں روشنی کا انتظام

سوال[۷۱۸۶]: زید کے چھوٹے بھائی نے اپنے صرفہ سے مسجد میں بجلی لگوائی اور وہی بل ادا کرتا ہے۔ صرف دو بلب اندر باہر لگے ہوئے ہیں، غسلخانہ میں کوئی روشنی نہیں۔ زید جب خود فارغ ہو جاتا ہے تو بجلی بند کر دیتا ہے، حالانکہ اور نمازی مشغول رہتے ہیں۔ اگر کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم ہی نے تو بجلی لگوائی ہے، بل زیادہ آئے گا، اگر کہا جاتا ہے کہ تم صرفہ لے لو تو انکار کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بجلی کافی نہیں ہے تو جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد والے وہاں وہاں روشنی کا انتظام کر لیں، خواہ چراغ سے ہو یا بجلی سے (۲)، ان صورتوں میں جس قدر زائد بجلی خرچ ہو وہ مسجد والے دیدیا کریں۔ جس نے

---

(۱) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً في ذلك الموضع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(۲) "ولهم أيضاً أن يفرشوا بالآجر و الحصير و يعلقوا القناديل، لكن من مال أنفسهم لا من مال المسجد إلا بأمر الحاكم". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد و ما يتصل به: ۶/۲۶۸، ۲۶۹، رشيديه)

"أراد أن يشتري للمسجد دهناً أو حصيراً، فإن كان المسجد مستغنياً عن الدهن محتاجاً إلى الحصير، فالحصير أفضل، وإن كان على العكس فشراء الدهن أفضل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات: ۲/۴۸۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

ثواب کے لئے بجلی لگوائی ہے اس کو ضرور ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی بجلی دوسرے کو دینا

سوال[۷۱۸۷]: کیا مسجد سے دوسرے شخص کو بجلی اور روشنی دی جاسکتی ہے جبکہ کوئی نقصان نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک ہو سکے مسجد کی بجلی کا تعلق دوسرے سے نہ ہونا چاہیے (۱) اگرچہ اس میں مسجد کی بجلی پر کوئی فرق نہ آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی جائے نماز وغیرہ کا محافظ کون ہے؟ اور تقریبات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں

سوال[۷۱۸۸]: مسجد کا مصلّی و دیگر جائے نماز جو کہ چندے کا ہے، وہ امام کی ذمہ داری میں رہنا چاہیے یا کسی اَور کی، یہاں پر لوگ اپنے مکان میں رکھتے ہیں، مسجد میں نہیں لاتے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نوکر تھوڑی ہیں جو لادکر لاویں اور لے جاویں۔ مسجد کے جائے نماز شادی کی تقریبات، بستر وغیرہ کے بچھانے کے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم الخ: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۴/۳، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی حفاظت کے لئے ملازم رکھا جائے (۱)، مثلاً موذن اذان بھی کہے، مسجد کی صفائی اور حفاظت بھی کرے (۲)، اس کی تحویل ونگرانی میں سامان رکھا جائے اور نماز وغیرہ بھی رہے کہ مسجد کی چیز صحیح جگہ پر خرچ ہو اور نمازیوں کو بھی تکلیف نہ ہو۔ مسجد کی جائے نماز شادی کی تقریبات وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "وللمتولی أن یستاجر من یخدم المسجد یکنسه و نحو ذلک بأجر مثله". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، الخ : ۲/ ۴۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف : ۵/ ۴۰۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/ ۲۴۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "المتولی إذا أمر المؤذن أن یخدم المسجد، وسمی له أجراً معلوماً لکل سَنَة. قال الشیخ الإمام أبو بکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ : تصح الإجارة؛ لأنه یملک الاستیجار لخدمة المسجد".

(البحر الرائق، کتاب الوقف : ۵/ ۴۰۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ : ۳/ ۲۹۳، ۲۹۴، رشیدیه)

(۳) "متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته، وله أن یحمله من البیت إلی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الثانی فی الوقف وتصرف القیم الخ: ۲/ ۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد : ۵/ ۸۵۱، إدارة القرآن کراچی)

مسجد کا سامان اور مکان جو استعمال کرے وہ کرایہ دے

سوال[۷۱۸۹]: مسجد کے مکانات اس کے درودیوار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہے؟ امامِ مسجد، مؤذن اور متولی میں سے زیادہ حق کس کو ہے، مثلاً سیڑھی اور دوسری اشیاء کے متعلق، امام، مؤذن اور متولی کا کیا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے مکانات کے استعمال کی کسی کو بھی اجازت نہیں، جو استعمال کرے معاوضہ دے۔ امام یا مؤذن کو اگر کوئی مکان یا کمرہ دیا جائے تو وہ حق الخدمت میں دیا جائے، یعنی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ آپ کو اتنی تنخواہ ملے گی اور رہنے کے لئے کمرہ ملے گا(۱)۔ متولی اگر استعمال کریں تو وہ بھی کرایہ ادا کریں (۲)۔ سیڑھی اور دیگر اشیائے مسجد کو بھی بلا معاوضہ کسی کو استعمال کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۶/۳ھ۔

مسجد کی چھت سے گری ہوئی لکڑی کو پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۹۰]: مسجد کی چھت سے اتری ہوئی لکڑی وغیرہ سے مسجد کے نمازیوں کے لئے پانی گرم

---

(۱) "وللمؤذن أن يسكن في بيت هو وقف على المسجد، كذا في الغرائب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۰/۵، رشيديه)

(۲) "حتى لو آجر الوقف من نفسه أو سكنه بأجرة المثل، لايجوز، وكذا إذا آجره من ابنه .... للتهمة، ولا نظر معها، كذا في الإسعاف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۴/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيّم في الأوقاف، الخ: ۴۱۹/۲، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدر السابق، رشيديه)

"وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، ويجب أجر المثل، كما قدمناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ سامان بیکار ہے، لکڑی وغیرہ تو مسجد کی ضرورت کیلئے ہے اس سے پانی گرم کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۷ھ۔

مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا

سوال[۷۱۹۱]: ایک شخص اہل محلّہ سے کچھ چندہ لیکر اور اپنا زرِ کثیر خرچ کر کے ایک مسجد تعمیر کرے اور پھر مسجد کے مخصوص ضروریات کے لئے یعنی: فقط بوریے، تیل، لوٹے اور مرمت مسجد کیلئے مکان اور دوکان وقف کردی ہے، اس کی آمدنی ہمیشہ مذکورہ ضروریاتِ مسجد پر خرچ ہوتی ہے۔اہل محلّہ تقاضہ کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے اور صاحبِ وقف کہتا ہے کہ مذکورہ مخصوص ضروریات کیلئے وقف کیا ہے۔اس صورت میں کیا حکم ہے؟

علاوہ ازیں یہ بھی دریافت طلب چیز ہے کہ رواج ٹھہر گیا ہے کہ اہل محلّہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کیلئے، ہر بے نماز اس سے غسل کرتا ہے اور گھروں میں لے جاتے ہیں۔ بے نماز کا غسل کرنا اور گھر عورتوں اور مَردوں کا-نمازی ہو یا غیر نمازی ہو-گھروں میں لیجانا جائز ہے یا نہیں؟

الراقم: دین محمد۔

---

(۱) بے کار سامان کا جس طرح بیچنا جائز ہے، اسی طرح مسجد کی ضروریات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے:

"سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف تهدم و لم يكن له شيء يعمر منه و لا أمكن إجارته ولا تعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب و خشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلک، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲۰۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته: ۳۷۶/۴، ۳۷۷ سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، شركت علميه ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے تو"نص الواقف کنص الشارع" کے ماتحت پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کو خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے۔ جو لوگ اپنے دام خرچ کر کے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہیں، ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نمازی کو استعمال نہ کرنے دیں (۲)، نیز کسی کو اپنے گھر نہ لے جانے دیں۔ جو شخص بلا ان کی اجازت اپنے گھر لے جائے گا گنہگار ہوگا، کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا، بلکہ اہلِ محلّہ خود گرم کرتے ہیں، دارومدار اہل محلّہ کی اجازت پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

بے نمازیوں کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا

سوال[۷۱۹۲]: مسجد کا گرم پانی جو وضو کے لئے ہوتا ہے، اس سے بے نمازی کا غسل کرنا، ہاتھ منہ دھونا، کپڑا دھونا کیسا ہے، جب کہ عشاء کے بعد اگر اس کو استعمال نہ کیا تو فجر میں وہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا؟

محمد انس ڈرائی کلینرس، تلتلیہ نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو پانی مسجد میں نمازیوں کے لئے گرم کیا جائے بے نمازیوں کا اس کو منہ دھونے یا کپڑے دھونے

---

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به".

(الدرالمختار، كتاب الوقف. ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

کے لئے استعمال کرنا درست نہیں، بہت بے غیرتی ہے، مکان پر بھی نہ لے جائیں (۱)، احاطۂ مسجد ہی میں وضو کریں۔ عشاء کے بعد بچا ہوا گرم پانی بھی کسی دوسرے کام میں استعمال نہ کریں، اگر چہ وہ صبح تک ٹھنڈا ہو جائے گا، پھر گرم کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ گرم پانی تحصیلِ طہارت کے لئے ہے خواہ جسم کی طہارت ہو یا کپڑے کی، پس اگر کپڑے پر نجاست لگ گئی تو غسل کے ساتھ اس کو بھی دھونے کی اجازت ہے، مستقلاً کپڑے اس پانی سے نہ صاف کریں۔

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آئیں، لیکن ہر ایک کے لئے اس کا انتظام آسان نہیں، نیز مسجد میں پانی گرم اور وضو و غسل کے نظم کا عُرف عام ہو چکا ہے، اس لئے مسجد کی طرف سے انتظام کرنا بھی غلط نہیں ہے، بلکہ نمازیوں کے لئے سہولت کا ذریعہ ہے جس سے ان کی نماز و جماعت کی پابندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

مسجد کی سیڑھی وغیرہ اپنے گھر لے جا کر استعمال کرنا

سوال [۷۱۹۳]: متولی مسجد کی اجازت سے کوئی شخص مسجد کی سیڑھی، تپائی گھر لے جا کر استعمال کرے، یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو چیز مسجد کے پیسے سے خریدی گئی، اور دوسرے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مسجد سے مانگتے ہیں تو اس

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"لايجوز الوضوء، من الحياض المعدة للشرب في الصحيح، ويمنع من الوضوء منه، وفيه. وحمله لأهله إن مأذوناً به، جاز، وإلا لا". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، کتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

کو عام طور پر وہ چیز نہ دی جائے (۱)، ہاں! اگر مسجد کی مصالح کا تقاضہ ہے تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۱ھ۔

مسجد کا سامان مانگنا

سوال [۷۱۹۴]: مسجد کا سامان مثلاً سیمنٹ، قلعی، روغن، وغیرہ اگر چھٹانک دو چھٹانک مانگ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کی چیز بلا اجرت اور بلا قیمت لینے کا حق نہیں، نہ اجازت سے نہ بلا اجازت (۲)۔ جو چیز اُجرت پر دینے کے لئے ہو اس کو اجرت پر لینا درست ہے (۳) اور جو چیز فروخت کرنے کے لئے ہو اس کی قیمت دیکر اس

---

(۱) "ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۴/۴، (رقم المادة: ۳۷)، إدارة القرآن كراچی)

"متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في فتاویٰ قاضي خان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في وقف المسجد وتصرف القيم الخ: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۷/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۴/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "فإذا تم لزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(ولا يعار ولا يرهن) لاقتضائهما الملك". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

(۳) "ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۹/۲، رشديه)

کا لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

مسجد کے ٹانکہ سے محلّہ والوں کا پانی لے جانا

سوال[۷۱۹۵]: مسجد میں ٹانکہ ہے اس میں نل لگے ہیں، شہر سے بذریعۂ نل پانی ٹانکہ میں آتا ہے، پانی کا ٹیکس مسجد کی کمیٹی ادا کرتی ہے، محلّہ کے لوگ آکر اپنی ضروریات کا پانی لے جاتے ہیں۔ وضو کرنے کی جگہ مسجد کے اندر ہے، اس جگہ پر باوضو مصلی حضرات پیر رکھ کر مسجد میں آتے ہیں۔ باہر کے بچے مسجد کے اندر نل سے پانی لے جاتے ہیں، باہر کی خراب مٹی مسجد میں بھرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد کے ٹانکے سے محلّہ کے لوگ اپنی ضروریات کے لئے پانی لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پانی کنویں کے پانی کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو لینے کا اختیار ہو، بلکہ یہ گھڑے میں رکھے ہوئے پانی کی طرح ہے کہ مالک نے اپنی ضرورت کے لئے گھڑے میں بھر رکھا ہے، وہ اس پانی کا مالک ہوگیا، کسی شخص کو بغیر اس کی اجازت کے لینے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "وإذا رأى حشيش المسجد فدفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوَرثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "(وله سقي شجرٍ أو خضرٍ زرع في داره حملاً إليه بجراره) وأوانيه (في الأصح)، وقيل: لا إلا بإذنه (والمحرز في كوز وحب) بمهملة مضمومة، الخانية. (لاينتفع به إلا بإذن صاحبه) لملكه باحرازه" =

مسجد کے نل سے اہلِ محلّہ کا پانی لے جانا

سوال[۷۱۹۶]: ہمارے یہاں مسجد میں جو نل (ہینڈ پمپ) لگا ہوا ہے، محلّہ کے چھ مکانات کے لوگ اس نل سے اپنی ضروریات کیلئے پانی استعمال کرتے ہیں، اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس نل سے اہل محلّہ کو پانی لینا درست ہے، مگر احتیاط سے استعمال کریں (۱)، اگر خراب ہو جائے تو اس کی اصلاح بھی کرا دیا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو اہل محلّہ بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

درختِ مسجد کے پھل کا استعمال

سوال[۷۱۹۷]: ایک مسجد ہے اور اس مسجد کے اندر درخت ہے اور اس درخت میں پھل لگا ہے اور پھل پک چکا ہے۔ تو کیا یہ پھل کسی شخص کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس مسجد میں کوئی تبلیغی جماعت پہونچ جائے تو یہ پھل اس جماعت والوں کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

= (الدر المختار، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ٦/٤٣٩، سعيد)

"وفي التوضؤ من السقاية إذا اتخذها للشرب اختلافُ المشايخ، ولو اتخذها للتوضؤ، لا يجوز الشرب منه بالإجماع". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٥/٤٢٧، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ٢/٤٦٥، رشيديه)

(١) "ولا يجوز الوضوء من الحياض المُعدّة للشرب في الصحيح، ويمنع من الوضوء منه، وفيه. وحمله لأهله إن مأذوناً به، جاز، وإلا لا". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٢٧، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ٢/٤٦٥، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ٥/٤٢٧، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ وہ درخت مسجد کا ہے، پھل کی قیمت مسجد میں دے دی جائے، پھر جس کو دل چاہے کھلا دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے مسجد میں اعلان آویزاں کرنا

سوال [۷۱۹۸]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے نظم ونسق باقی رکھنے کے لئے مسجد میں ہر وقت کے شور اور ہنگامہ کو بچانے کے لئے مندرجہ ذیل اعلان اویزاں کیا ہے:

۱- بجلی کے پنکھے اذان کے وقت کھولیں جائیں گے اور بعد فراغت نماز بند کر دئے جائیں گے۔

۲- پانچوں وقت کی اذان، نماز مسجد کی گھڑی سے ہوگی۔

۳- امام مسجد کے علاوہ مسجد میں کسی دوسرے کو بغیر اجازت تقریر کرنا منع ہے۔

۴- مقرر کو ضروری ہوگا کہ آدابِ مسجد کا خیال کرتے ہوئے تقریر فرمائیں اور کسی کے اختلافی مسائل کو بیان نہ کریں نہ ہی کوئی اشتعال انگیز تقریر فرمائیں۔

۵- مسجد کا کوئی سامان بغیر اجازت استعمال کرنا منع ہے۔

۶- مسجد کی دیواروں پر اشتہار چسپاں کرنا منع ہے۔

۷- مسجد کے نل سے بغیر اجازت پانی بھرنا منع ہے۔

۸- مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔

۹- امام یا مؤذن کے متعلق کوئی شکایت ہو تو اس کو لکھ کر مسجد کمیٹی کو دیں۔

۱۰- مسجد میں نماز اور نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے سلام آہستہ کریں تاکہ نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

---

(۱) "غرس في المسجد أشجاراً تثمر إن غرس للسبيل، فلكل مسلم الأكل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب: الكلام على الأشجار في المقبرة وغير ذلك: ۲/۴۷۷، رشيديه)

اس طرح کا اعلان مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

انتظام صحیح رکھنے اور خلفشار سے بچانے کیلئے یہ اعلان مناسب ہے، لیکن اگر پانی لینے کا کوئی اَور انتظام قریب نہ ہوتو مسجد کے نل سے پانی بھرنے میں کچھ سہولت دینے کی ضرورت ہے(۱)، البتہ اگر مشین سے مسجد کی ٹینکی یا حوض میں پانی جمع کرلیا گیا ہےتو اس کو بھر کر اپنے گھر نہ لے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

مسجد کے صحن میں کاروباری اشتہار

سوال[۷۱۹۹]: ۱...... مسجد کے صحن کے اندر یا مسجد کے کسی حصہ میں کاروباری اشتہار لگانا کیسا ہے؟

نقشۂ افطار وسحر میں دوکان کا اشتہار

سوال[۷۲۰۰]: ۲...... ایک شخص رمضان المبارک کے افطار وسحر کے نقشہ میں نیچے کے حصہ میں اپنی دوکان کی مشتہری کے لئے اشتہار لکھوالے اور اس نقشہ کو مسجد کے صحن یا مسجد کے کسی حصہ میں لگائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد (جہاں نماز پڑھی جاتی ہے) کے صحن یا کسی بھی حصہ کو تجارت گاہ نہ بنایا جائے، کاروباری اشتہار وہاں نہ رکھے جائیں (۳)۔

---

(۱) "و لا بأس أن يشرب من الحوض والبئر، ويسقي دابته و يتوضأ منه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۷/۵، رشيديه)

(۲) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في وقف المسجد وتصرف القيم: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۷/۵، رشيديه)

(۳) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا =

۲......ایسا نقشہ مسجد کے بیرونی دروازے اور دیوار پر لگادیا جائے تو مضائقہ نہیں، تاکہ افطار وسحر کا علم بھی اس سے ہوسکے اور دوکان کی مشتہری بھی ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔

= مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم وشراءكم ورفع أصواتكم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

"وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول، فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد، وفيه شغله". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۷، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	بقیة کتاب الوقف	
	الفصل الثالث عشر فی مکبّر الصوت	
	(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)	
۳۰	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حدیث پاک سنانا	۱
۳۱	غفلت کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر حدیث سنانا	۲
۳۱	تبلیغ اور گم شدہ بچے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے	۳
۳۲	وعظ میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا	۴
۳۳	ماہ مبارک میں رات کو مسجد کے مائک پر نظم وغیرہ پڑھنا	۵
۳۳	تبلیغی نصاب مسجد کے مائک میں پڑھنا	۶
۳۴	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے علاوہ حمد ونعت پڑھنا	۷

۸	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر نعت وغزل پڑھنا........................	۳۵
۹	ایک مائیک کی آواز پورا گاؤں سنے تو کیا دوسری مسجدوں میں مائیک کی ضرورت ہے؟........	۳۶
۱۰	مسجد کے مائیک پر اعلان جب کہ اس کے پھول مسجد کے مناروں پر لگے ہوں..........	۳۷
۱۱	روپیہ لیکر مسجد کے مائک پر اعلان کرنا........................	۳۷
۱۲	مسجد کے مائک سے مسجد میں پیسہ دینے والے کا اعلان........................	۳۸
۱۳	فیس دیکر مسجد کے مائک سے اپنا اعلان کرانا........................	۳۸
۱۴	مسجد کے مائک سے ترغیب کے لئے چندہ دینے والے کے ناموں کا اعلان..............	۳۹
۱۵	مسجد کے مائک سے دوسرے اعلان........................	۴۱

الفصل الرابع عشر فی صرف مال المسجد فی غیرہ

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

۱۶	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا........................	۴۲
۱۷	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا........................	۴۳
۱۸	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ میں چندہ دینا........................	۴۴
۱۹	مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۴۵
۲۰	مسجد کی آمدنی مدرسہ پر صَرف کرنا........................	۴۶
۲۱	ورکنگ کمیٹی کا مسجد کے فنڈ سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنا................	۴۷
۲۲	مسجد ومدرسہ کی رقوم بطور قرض ایک دوسرے میں صرف کرنا................	۴۷
۲۳	مسجد ومدرسہ کی زائد آمدنی دوسری مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا................	۴۸
۲۴	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا........................	۴۹
۲۵	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگانا........................	۵۰
۲۶	مسجد قدیم کی آمدنی مسجد جدید پر خرچ کرنا........................	۵۱
۲۷	ایک مسجد میں رقم لگانے کا ارادہ کرنے کے بعد دوسری مسجد میں صَرف کرنا................	۵۲

۲۸	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لئے قرض دینا............	۵۲
۲۹	ایک مسجد کی آمدنی دیگر مساجد پر صَرف کرنا............	۵۳
۳۰	مسجد کے لئے چندہ جمع کر کے مدرسہ بنانا............	۵۵
۳۱	مسجد کے روپے سے عیدگاہ بنانا یا بالعکس............	۵۸
۳۲	مسجد کی آمدنی سے تنخواہ میں تقلیل اور اسکول میں خرچ کرنا............	۵۸
۳۳	مسجد کی آمدنی سے امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا............	۵۹
۳۴	مسجد کی آمدنی سے امامِ مسجد کا حجرہ واستنجا خانہ بنوانا............	۶۰
۳۵	مسجد کے پیسہ سے بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا، لہو ولعب کی تقریب میں شرکت............	۶۱
۳۶	مسجد کا چندہ عمومی کام میں خرچ کرنا............	۶۳
۳۷	مسجد قدیم کی آمدنی کا مصرف............	۶۴
۳۸	مسجد کی فاضل رقم کا مصرف............	۶۵
۳۹	مسجد کی آمدنی سے مسجد میں لائبریری چلانا............	۶۶
۴۰	مسجد کے روپیہ سے قبرستان کی زمین خریدنا............	۶۷
۴۱	مسجد کی رقم تحفظِ مسجد کے لئے لڑے جانے والے مقدمہ کے مصارف میں خرچ کرنا............	۶۷
۴۲	مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا............	۶۹
۴۳	مسجد کا روپیہ مسجد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟............	۷۰
۴۴	مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا............	۷۰
۴۵	مسجد کے پیسے سے مسجد کے غسل خانہ کے لئے بالٹی خریدنا............	۷۱
۴۶	مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا............	۷۲
۴۷	مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا............	۷۳
۴۸	مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا............	۷۳
۵۹	عیدین وجمعہ کے موقعہ پر مسجد کی آمدنی سے عام شاہراہ پر فرش بچھوانا............	۷۴

۵۰	مسجد کے روپے سے کسی غریب کی حالت کو سدھارنا	۷۴
۵۱	مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا	۷۵
۵۲	افطار کے لئے دیا ہوا روپیہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صَرف کرنا	۷۶
۵۳	امام کی تنخواہ وقف زمین کی آمدنی سے	۷۶
۵۴	مسجد کی آمدنی سے حافظِ تراویح کو انعام دینا	۷۷
۵۵	رقمِ مسجد تراویح کے حافظ پر خرچ کرنا	۷۸
۵۶	عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا	۷۸
۵۷	مسجد کا دھان ادھار دینا	۷۹
۵۸	مسجد کے پیسہ سے تجارت	۷۹
۵۹	مسجد کا روپیہ تجارت کے لئے دینا	۸۰
۶۰	مسجد کا روپیہ کسی کے ذمہ ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا	۸۱
۶۱	مسجد کی آمدنی کو ختم کردینے کا کسی کو بھی حق نہیں	۸۱
۶۲	مسجد کی دوکانوں کے کرایہ اور شادی کی آمدنی سے امام کی تنخواہ	۸۲

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

۶۳	مالِ حرام مسجد میں صرف کرنا	۸۴
۶۴	کسی سے جبراً مال لے کر مسجد میں صرف کرنا	۹۳
۶۵	مسجد میں مالِ حرام صَرف کرنے سے متعلق شامی کی عبارت	۹۵
۶۶	مالِ حرام سے مسجد، کنواں اور مکان کی تعمیر	۹۵
۶۷	مالِ حرام سے بنائی ہوئی مسجد	۹۷
۶۸	مالِ حرام سے مسجد و مدرسہ وغیرہ بنانا	۱۰۰
۶۹	حلال وحرام روپے سے بنی ہوئی مسجد میں نماز	۱۰۱

۷۰	وصیت اور خواب کہ سود کا روپیہ مسجد میں دیا جائے۔..................	۱۰۲
۷۱	سودی قرضہ کا روپیہ مسجد میں لگانا..................	۱۰۴
۷۲	مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر قرض لینا..................	۱۰۵
۷۳	مسجد کے لئے سودی قرض..................	۱۰۵
۷۴	سود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں لگانا..................	۱۰۶
۷۵	سودخور کو ترکہ میں ملی ہوئی رقم مسجد میں لگانا..................	۱۰۸
۷۶	تعمیرِ مکان کے لئے مسجد کمیٹی کا سُود پر رقم لینا..................	۱۰۸
۷۷	بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا روپیہ مسجد میں..................	۱۰۹
۷۸	مسجد کی رقم خرچ کر کے سودی قرض لے کر مسجد میں دینا..................	۱۱۰
۷۹	قیمتِ شراب سے بنی ہوئی مسجد میں نماز..................	۱۱۰
۸۰	شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ..................	۱۱۱
۸۱	شراب کے کاروبار والے کی جائز آمدنی سے چندہ..................	۱۱۲
۸۲	مخلوط آمدنی سے مسجد میں چندہ..................	۱۱۲
۸۳	ایضاً..................	۱۱۲
۸۴	چوری کے مال سے چندہ..................	۱۱۲
۸۵	شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ..................	۱۱۲
۸۶	غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا..................	۱۱۳
۸۷	چوری کا سیمنٹ مسجد میں لگانا..................	۱۱۵
۸۸	مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد و مدرسہ میں..................	۱۱۶
۸۹	ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں..................	۱۱۶
۹۰	مالِ غیر طیب سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم..................	۱۱۷
۹۱	خنزیر کے بالوں سے برش بنانے کی اجرت کا پیسہ مسجد میں لگانا..................	۱۱۸

۹۲	ایضاً	۱۱۸
۹۳	خنزیر کے بالوں کے برش کی اجرت کا پیسہ مسجد میں دیا ہو تو کیا واپس کیا جائے گا؟	۱۱۸
۹۴	جس مسجد میں خنزیر کے بالوں کی اجرت کا روپیہ لگا ہو، اس میں نماز	۱۱۸
۹۵	ساہوکار کا روپیہ مسجد میں	۱۱۹
۹۶	طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز	۱۲۰
۹۷	رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا	۱۲۱
۹۸	رنڈی کا مسجد میں ٹین ڈلوانا	۱۲۱
۹۹	فاحشہ کی دی ہوئی چیز کا مسجد میں استعمال	۱۲۳
۲۰۱	مالی جرمانہ اور اس کو مسجد میں صرف کرنا	۱۲۴
۱۰۱	قرض لے کر تعمیر مسجد میں رقم دی وہ حلال ہے	۱۲۵
۱۰۲	قوالی اور اس کی آمدنی مسجد میں دینا	۱۲۶
۱۰۳	بیعانہ مسجد میں لگانا	۱۲۸
۱۰۴	لقطہ کا روپیہ مسجد میں لگانا	۱۲۹
۱۰۵	ہبہ شدہ چیز دوبارہ لے کر اس کی قیمت مسجد میں دینا	۱۳۰

الفصل السادس عشر فی صرف مال الکافر فی المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

۱۰۶	تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کا روپے لگانا اور ﴿ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد اللّٰہ﴾	☆
☆	کا مطلب	۱۳۲
۱۰۷	مسجد میں اہلِ ہنود کا روپیہ	۱۳۶
۱۰۷	غیر مسلم کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا	۱۳۷
۱۰۹	غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنے کا حکم	۱۳۹
۱۱۰	مسجد کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا	۱۴۰

۱۱۱	غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا	۱۴۱
۱۱۲	کفار کا روپیہ مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا	۱۴۲
۱۱۳	کافر بے دین کا روپیہ جدید مسجد میں	۱۴۲
۱۱۴	ہندو مسلم کا مخلوط پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کرنا	۱۴۳
۱۱۵	ہندو کا مسجد میں لوٹے دینا	۱۴۴
۱۱۶	غیر مسلم کی زمین سے مٹی لیکر مسجد میں لگانا	۱۴۵

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

۱۱۷	چندۂ مسجد کا حکم	۱۴۶
۱۱۸	مسجد کا خرچ ذاتی پیسہ سے ہو یا چندہ سے؟	۱۴۷
۱۱۹	بجائے متولی کے چندہ فنڈ میں جمع کرنا	۱۴۸
۱۲۰	مسجد و مدرسہ کے نام سے مشترکہ چندہ کرنا	۱۵۰
۱۲۱	مسجد و مدرسہ کے مشترکہ چندہ سے مسجد کی توسیع اور مدرسہ کے لئے دوکان بنانا	۱۵۱
۱۲۲	اذان خانہ کے لئے چندہ کیا گیا اس سے مسافر خانہ بنانا	۱۵۲
۱۲۳	چندۂ مسجد وانجمن سے مٹھائی وغیرہ	۱۵۳
۱۲۴	جبراً چندہ لینا	۱۵۵
۱۲۵	مسجد کے لئے جبراً چندہ لینا	۱۵۷
۱۲۶	مسجد کی تعمیر کے لئے زبردستی چندہ لینا	۱۵۷
۱۲۷	مسجد کے لئے چندہ دیکر واپس لینا	۱۵۸
۱۲۸	چندہ کے ضمان کی ایک صورت، چندہ وقف نہیں ہوتا	۱۶۰
۱۲۹	قوالی کے لئے جمع کیا گیا روپیہ مسجد میں لگانا	۱۶۲
۱۳۰	چندہ حوض کے لئے جمع کیا گیا، پھر اس کو دوسرے کام میں خرچ کرنا	۱۶۲

۱۳۱	دروازۂ مزار پر صندوق کے چندہ سے مؤذن وامام کی تنخواہ	۱۶۵
۱۳۲	مسجد میں بدعتی کا چندہ	۱۶۶
۱۳۳	بھیک سے مانگا ہوا پیسہ مسجد میں صرف کرنا	۱۶۶
۱۳۴	لاوارث میت کے کفن کے لئے جمع شدہ رقم میں سے بچی ہوئی رقم مسجد میں خرچ کرنا	۱۶۷
۱۳۵	لاوارث کا مال مسجد میں	۱۶۸
۱۳۶	رجب کے کونڈے کی قیمت مسجد میں	۱۶۹

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

۱۳۷	غیر وقف زمین میں مسجد بنانا	۱۷۰
۱۳۸	ارضِ مغصوبہ میں مسجد ودوکانیں	۱۷۱
۱۳۹	جائیدادِ مغصوبہ میں مسجد بنانا	۱۷۲
۱۴۰	دوسرے کی زمین کو مسجد بنالینا	۱۷۳
۱۴۱	دوسرے کا مکان مسجد کو دینے سے وہ مسجد کا نہیں ہوجاتا	۱۷۴
۴۲	کرایہ کا مکان مالک نے مسجد کو وقف کردیا	۱۷۵
۱۴۳	سرکاری زمین پر مسجد بنانا	۱۷۶
۱۴۴	ایضاً	۱۷۷
۱۴۵	ایضاً	۱۷۸
۱۴۶	ایضاً	۱۷۹
۱۴۷	ریاست کی حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا	۱۸۰
۱۴۸	افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات ودوکانیں بنانا	۱۸۱
۱۴۹	مسجد کے قریب غیر مملوکہ زمین میں مصالح مسجد کے لئے دوکان وغیرہ بنانا	۱۸۱

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

۱۵۰	آدابِ مسجد	۱۸۳
۱۵۱	دخولِ مسجد کی دعاء کہاں پڑھی جائے؟	۱۸۴
۱۵۲	جوتا پہن کر مسجد میں جانا، جوتے میں نماز پڑھنا	۱۸۵
۱۵۳	مسجد کے متصل فرش پر جوتہ پہن کر جانا	۱۸۶
۱۵۴	مسجد کے خام صحن میں جوتا پہن کر جانا	۱۸۸
۱۵۵	ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا	۱۹۱
۱۵۶	فرشِ مسجد کے متصل کپڑے دھونا	۱۹۲
۱۵۷	ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا	۱۹۳
۱۵۸	مسجد میں تولیہ، آئینہ اور منبر پر غلاف	۱۹۳
۱۵۹	مسجد کی صفائی برش سے	۱۹۴
۱۶۰	تالاب کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا	۱۹۵
۱۶۱	ناک صاف کرکے مسجد سے ہاتھ پونچھنا	۱۹۶
۱۶۲	مسجد میں کنگھی کرنا	۱۹۷
۱۶۳	اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا	۱۹۷
۱۶۴	مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا	۱۹۸
۱۶۵	ایضاً	۱۹۹
۱۶۶	مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا	۲۰۰
۱۶۷	مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سننا	۲۰۱

۱۶۸	مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا	۲۰۲
۱۶۹	مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا	۲۰۳
۱۷۰	مسجد میں چہل قدمی کرنا	۲۰۳
۱۷۱	مسجد میں ٹہلتے ہوئے تسبیح پڑھنا	۲۰۵
۱۷۲	شاہی مسجد کو تفریح گاہ بنانا	۲۰۵
۱۷۳	مسجد کی زمین اور قبرستان میں فٹ بال وغیرہ کھیلنا	۲۰۶
۱۷۴	مسجد میں افطاری اور سحری	۲۰۷
۱۷۵	مسجد میں قربانی کرنا	۲۰۸
۱۷۶	مسجد میں چھپکلی مارنا	۲۰۸
۱۷۷	مسجد کی چھت پر سے چڑیا کا شکار	۲۰۹
۱۷۸	مسجد میں کبوتر پکڑنا	۲۰۹
۱۷۹	گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا	۲۱۰
۱۸۰	ایضاً	۲۱۲
۱۸۱	مسجد میں سے ہو کر غسل خانہ جانا	۲۱۳
۱۸۲	عورتوں کا مسجد میں جانا	۲۱۳
۱۸۳	عورتوں کا مسجد کو گذر گاہ بنانا	۲۱۴
۱۸۴	مدرسہ کا راستہ مسجد میں سے	۲۱۵
۱۸۵	بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل کرنا	۲۱۶
۱۸۶	وضو کی نالی صحنِ مسجد کے نیچے سے گزرتی ہو تو اس کا حکم	۲۱۷
۱۸۷	مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا	۲۱۷
۱۸۸	فرشِ مسجد پر وضو	۲۱۸
۱۸۹	مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر وضو کرنا	۲۱۹

۱۹۰	مسجد کا پانی راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہونا چاہیے	۲۲۰
۱۹۱	بازار میں واقع مسجد میں لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ	۲۲۱
۱۹۲	کیا متولی کے منع کرنے سے اس مسجد میں نماز نہیں ہوگی؟	۲۲۲
۱۹۳	مسجد میں کسی کے لئے جگہ روکنا	۲۲۲
۱۹۴	دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا	۲۲۳
۱۹۵	صحنِ مسجد میں نماز	۲۲۳
۱۹۶	صحنِ مسجد کا احترام	۲۲۴
۱۹۷	مسجد کا پھول توڑنا	۲۲۵
۱۹۸	مسجد میں پھول کے گملے	۲۲۵
۱۹۹	مسجد میں درخت لگانا	۲۲۶
۲۰۰	مسجد میں تعزیہ رکھنا	۲۲۷
۲۰۱	مسجد میں کلنڈر اور اشتہارِ کتب لٹکانا	۲۲۹
۲۰۲	مسجد میں آئینہ اور پنجتن کا طغرہ لٹکانا مکروہ ہے	۲۲۹

الفصل الثانی فی النیام والقیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

۲۰۳	مسجد میں سونا	۲۳۱
۲۰۴	ایضاً	۲۳۲
۲۰۵	ایضاً	۲۳۳
۲۰۶	مسجد میں سونا، آرام کرنا اور اعتکاف کرنا	۲۳۳
۲۰۷	امام کا مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنا	۲۳۴
۲۰۸	مسجد میں چارپائی پر آرام کرنا	۲۳۵
۲۰۹	مسجد میں قیام وغیرہ	۲۳۶

۲۱۰	مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا........................	۲۳۷
۲۱۱	مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت سے قیام کرنا........................	۲۳۸

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

۲۱۲	کیا بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟.....	۲۳۹
۲۱۳	حالتِ حیض و جنابت میں اور بغیر استنجا کئے مسجد میں آنا........................	۲۴۰
۲۱۴	مسجدِ بیت میں حائضہ کا داخل ہونا........................	۲۴۱

الفصل الرابع فی دخول الكافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

۲۱۵	غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا........................	۲۴۲
۲۱۶	غیر مسلموں کا مسجد کے حوض سے ہاتھ پیر دھونا........................	۲۴۲
۲۱۷	مشرک کو مسجد میں آنے سے روکنا........................	۲۴۳

الفصل الخامس فی إدخال الأشياء المنتنة فی المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

۲۱۸	مسجد میں بدبودار رنگ کرنا........................	۲۴۵
۲۱۹	مٹی کا تیل مسجد میں لے جانا........................	۲۴۵
۲۲۰	مٹی کا تیل مسجد میں جلانا........................	۲۴۶
۲۲۱	ایضاً........................	۲۴۷
۲۲۲	مٹی کا یا شراب سے کھینچا ہوا تیل مسجد میں جلانا........................	۲۴۸
۲۲۳	معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا اور حقہ پینا........................	۲۴۹

۲۲۴	صحنِ مسجد میں سگریٹ پینا	۲۴۹
۲۲۵	جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں جانا	۲۵۰
۲۲۶	کوڑھی کا مسجد میں جانا	۲۵۱
۲۲۷	خارش وجذام والے کا مسجد میں آنا	۲۵۲
۲۲۸	جذام والے کا مسجد میں آنا	۲۵۴
۲۲۹	مسجد میں ریح خارج کرنا	۲۵۴
۲۳۰	مسجد میں خروج ریح	۲۵۵

الفصل السادس فی زخرفة المساجد والکتابة علیها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

۲۳۱	مسجد میں نقش ونگار	۲۵۶
۲۳۲	مسجد کا نقش ونگار مسجد کے مال سے	۲۵۷
۲۳۳	سلور جوبلی پر مسجد میں چراغاں	۲۵۹
۲۳۴	مسجد میں روضۂ اقدس کی تصویر لگانا	۲۶۱
۲۳۵	مسجد میں کعبہ اور مسجدِ نبوی کا فوٹو لٹکانا	۲۶۲
۲۳۶	دیوارِ مسجد میں آیات وغیرہ لکھوانا	۲۶۳
۲۳۷	چندہ سے تعمیر شدہ مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگانا	۲۶۳
۲۳۸	مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا اور اپنے لئے دعاء کرانا اور اپنا نام لکھنا	۲۶۴
۲۳۹	نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا	۲۶۶

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

۲۴۰	مسجد میں خرید وفروخت	۲۶۷

۲۴۱	مسجد میں خرید وفروخت	۲۶۸
۲۴۲	مسجد میں تجارت کرنا	۲۶۹
۲۴۳	امام کا مسجد میں تجارت کرنا	۲۷۰
۲۴۴	غسل خانہ یا جوتہ اتارنے کی جگہ بیع وشراء	۲۷۱
۲۴۵	مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں	۲۷۱

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

۲۴۶	مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنا	۲۷۳
۲۴۷	مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا	۲۷۳
۲۴۸	مسجد میں مسجد، ختم اور امام کے لئے چندہ	۲۷۴

الفصل التاسع فی الحَفلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

۲۴۹	مسجد میں جلسہ وتقریر	۲۷۷
۲۵۰	مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا	۲۷۸
۲۵۱	مسجد میں پڑھنے آنے والے بچوں سے تقریر کرانا	۲۷۹
۲۵۲	مسجد میں نعت پڑھنا	۲۸۰
۲۵۳	مسجد میں الیکشن	۲۸۰

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

۲۵۴	مسجد کے سامنے باجہ وغیرہ	۲۸۲
۲۵۵	مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا	۲۸۳

۲۵۶ آواز دار گھڑی مسجد میں ۲۸۳

باب المتفرقات

۲۵۷ مسجد کے نام پر دینی درسگاہ بنانا ۲۸۵
۲۵۸ مسجد کی بجلی کا تار کسی کے مکان پر سے گزروانا ۲۸۷
۲۵۹ مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا ۲۸۷
۲۶۰ مسجد کا لینٹر پڑوسی کی دیوار پر ۲۸۸
۲۶۱ مسجد کا بیمہ ۲۹۰
۲۶۲ مسجدوں کا جنت میں جانا ۲۹۱
۲۶۳ ذاتی مسجد کا حال ۲۹۱
۲۶۴ مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟ ۲۹۱
۲۶۵ مسجد میں گلگلے اور شیرینی آئے اس کا مستحق کون ہے؟ ۲۹۲
۲۶۶ مکان اور مسجد کے درمیان کتنا راستہ چھوڑا جائے؟ ۲۹۳
۲۶۷ مخصوص مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا ۲۹۳
۲۶۸ مسجد کے خادم کو ضعیف ہوجانے پر مسجد سے تنخواہ دینا کیسا ہے؟ ۲۹۴
۲۶۹ خادمِ مسجد کو وراثت کا حق نہیں ۲۹۵
۲۷۰ باہمی نااتفاقی کی بناء پر ایک مسجد کو ویران کرنا ۲۹۷
۲۷۱ مقروض کا قرض خواہ کی طرف سے قرض مسجد میں دینا ۲۹۸
۲۷۲ نقصان شدہ شی کا ضمان مسجد میں دینا ۲۹۹
۲۷۳ امام کے ذمہ مسجد کا قرض ہے اس کی وصولی کی صورت ۳۰۰
۲۷۴ کفن کا مصلی مسجد میں ۳۰۱
۲۷۵ مسجد سے متصل اسکول بنانا ۳۰۲

۲۷۶	چھنکے ہوئے سیمنٹ کو درستگی کے بعد فروخت کر کے مسجد کا فرش بنانا........	۳۰۳
۲۷۷	کمپنی سے ٹین کی سستی چادریں خرید کر مسجد میں استعمال کرنا........	۳۰۴
۲۷۸	مسجد کا غلہ فروخت کرنے والے سے ضامن بننے کی صورت میں قیمت کی وصولی........	۳۰۴
۲۷۹	مخصوص خاندان کا اپنی بنائی ہوئی مسجد کو اپنی ملک کی طرح سمجھنا........	۳۰۵
۲۸۰	مسجد کے لئے پتھر خریدے اور ایک پتھر بطور یادگار دے دیا........	۳۰۶
۲۸۱	ضد کی وجہ سے پہلی مسجد کو گرانا........	۳۰۸
۲۸۲	مسجد کو شہید کرنے سے ضمان........	۳۰۹
۲۸۳	مسجد میں روپیہ دینے کا وعدہ کر کے روپیہ نہ دینا........	۳۱۲
۲۸۴	سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا........	۳۱۳
۲۸۵	غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا........	۳۱۴
۲۸۶	محض ضد کی وجہ سے مسجد چھوڑنا........	۳۱۶
۲۸۷	حفاظتِ سامان کے لئے مسجد میں تالا ڈالنا........	۳۱۶
۲۸۸	مسجد کی آبادی........	۳۱۷
۲۸۹	مسجد نما اور درمیان میں قبر بنانے کا حکم........	۳۲۰

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

۲۹۰	کیا عیدگاہ کے لئے وقف ہونا لازم ہے؟........	۳۲۲
۲۹۱	عیدگاہ کی جو زمین ندی میں بہہ کر پھر مل گئی، اس کو حکومت سے اپنے نام کرنے کا حکم........	۳۲۲
۲۹۲	کیا عیدگاہ پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں؟........	۳۲۴
۲۹۳	عیدگاہ میں کھیل کھیلنا........	۳۲۴
۲۹۴	عیدگاہ اور مسجد میں فرق........	۳۲۵

۲۹۵	عیدگاہ اور مسجد میں فرق، عیدگاہ میں اسکول، مدرسہ، راستہ بنانا اور کھیل کھیلنا............	۳۲۶
۲۹۶	عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے کا حکم............	۳۲۷
۲۹۷	متعدد عیدگاہ بنانا، جب کہ پرانی عیدگاہ ناکافی ہو............	۳۲۸
۲۹۸	رفعِ فساد کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا............	۳۳۰
۲۹۹	رنجش رفع ہونے پر دوسری بنائی گئی عیدگاہ کے ساتھ کیا کیا جائے؟............	۳۳۱
۳۰۰	اگر جدید عیدگاہ بھی بنالی جائے تو نماز کس میں ادا کریں؟............	۳۳۳
۳۰۱	پرانی عیدگاہ تنگ ہو تو نئی عیدگاہ بنانا............	۳۳۴
۳۰۲	عیدگاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا............	۳۳۵
۳۰۳	عیدگاہ کو دومنزلہ بنانا، قدیم عیدگاہ کا مصرف............	۳۳۶
۳۰۴	عیدگاہ کا تبادلہ............	۳۳۷
۳۰۵	عیدگاہ کے لئے وقف زمین کو مسجد کے نام کرکے آمدنی مسجد میں صَرف کرنا............	۳۳۹
۳۰۶	عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا............	۳۴۰
۳۰۷	عیدگاہ کو قبرستان بنانا............	۳۴۱
۳۰۸	عیدگاہ کو اسکول بنانا............	۳۴۲
۳۰۹	عیدگاہ سے متعلق چند سوالات............	۳۴۳
۳۱۰	کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟............	۳۴۳
۳۱۱	ایضاً............	۳۴۳
۳۱۲	نمازِ عیدین کے علاوہ عیدگاہ کا حکم............	۳۴۴
۳۱۳	کیا عیدگاہ کی دیواروں اور محراب سے عیدگاہ کی حیثیت میں فرق آتا ہے؟............	۳۴۴
۳۱۴	عیدگاہ کن کن کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟............	۳۴۴
۳۱۵	عیدگاہ کو مسقّف بنانا اور دوسری تیسری منزل بنانا............	۳۴۴
۳۱۶	مسجد کے لئے زمین دی اور بعد میں عیدگاہ بنانے کو بھی کہا............	۳۴۷

۳۱۷	مرہونہ زمین پر عیدگاہ بنانا	۳۴۷
۳۱۸	عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرنا	۳۴۸
۳۱۹	عیدگاہ کو اپنا کھیت کہنے والے شخص کا حکم	۳۴۹

بابٌ فی أحکام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

۳۲۰	قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۰
۳۲۱	ایسے مقبرہ میں مسجد بنانا جس میں قبروں کے نشانات نہ ہوں	۳۵۱
۳۲۲	پرانے قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۱
۳۲۳	پرانے قبرستان کو مسجد بنانا	۳۵۳
۳۲۴	قدیم قبرستان میں بنی ہوئی مسجد بھی شرعی مسجد ہے	۳۵۵
۳۲۵	قبرستان کی خالی زمین جوت کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا	۳۵۷
۳۲۶	قدیم غیر مستعمل قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۷
۳۲۷	قبرستان کی زمین کا تبادلہ	۳۵۹
۳۲۸	قبرستان میں مدرسہ بنانا	۳۵۹
۳۲۹	ایضاً	۳۶۱
۳۳۰	قبرستان میں خانقاہ	۳۶۲
۳۳۱	قبرستان میں عیدگاہ بنانا	۳۶۳
۳۳۲	قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا	۳۶۴
۳۳۳	مشتبہ قبرستان کی زمین کو خریدنا اور اس پر مکان بنانا	۳۶۵
۳۳۴	جو زمین بچوں کی قبروں کے لئے ہے اس کو فروخت کرنا	۳۶۶
۳۳۵	فقیر نگران کا قبرستان کی زمین کو فروخت کرنا	۳۶۸

۳۳۶	قبروالی زمین کی بیع	۳۶۸
۳۳۷	چک بندی میں قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رشوت دے کر چھڑانا	۳۶۹
۳۳۸	قبرستان کی آمدنی مدرسہ وعیدگاہ میں خرچ کرنا	۳۷۰
۳۳۹	قبرستان کی آمدنی مسجد میں	۳۷۱
۳۴۰	قبرستان کی آمدنی سے مساجد کی مرمت	۳۷۲
۳۴۱	قبرستان کے باغ کی آمدنی مسجداور مدرسہ کے کاموں میں صَرف کرنا	۳۷۳
۳۴۲	پرانے قبرستان میں مکان وبیت الخلاء وغیرہ	۳۷۴
۳۴۳	پرانے قبرستان میں کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا	۳۷۵
۳۴۴	قبرستان کے درختوں کا مصرف	۳۷۶
۳۴۵	قبرستان کے پھل کا حکم	۳۷۸
۳۴۶	قبرستانِ موقوفہ میں کاشت کرنا	۳۷۸
۳۴۷	قبرستان میں کھیتی کرنا	۳۸۰
۳۴۸	قبرستان میں کھیتی کرتے وقت ہڈیاں نکلیں تو کیا کیا جائے؟	۳۸۱
۳۴۹	قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا	۳۸۲
۳۵۰	قبرستان کی چہاردیواری سینما کی آمدنی سے بنانا	۳۸۳
۳۵۱	قبرستان میں پڑے پتھروں کواس کے کمپاؤنڈ بنانے میں خرچ کرنا	۳۸۴
۳۵۲	عیدگاہ اور قبرستان بستی کی کس جانب میں ہو؟	۳۸۵
۳۵۳	مخصوص قبرستان میں بلا اجازت دفن کرنا	۳۸۵
۳۵۴	قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا	۳۸۷
۳۵۵	قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا	۳۸۸
۳۵۶	قبرستان کی مٹی کا حکم	۳۸۹
۳۵۷	قبرستان میں نماز عید	۳۸۹

۳۵۸	جو قبریں راستہ میں ہوں ان کو وہاں سے ہٹانا....................................	۳۹۱
۳۵۹	قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا....................................	۳۹۳
۳۶۰	قبرستان میں برہنہ پا ہونا....................................	۳۹۴
۳۶۱	قبرستان میں راستہ بنانا....................................	۳۹۴
۳۶۲	قبرستان میں بیڑی پینا....................................	۳۹۵
۳۶۳	قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا....................................	۳۹۵
۳۶۴	قبرستان میں کبڈی وغیرہ کھیلنا....................................	۳۹۶

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول في تولية المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

۳۶۵	مدرسہ کا مہتمم مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے یا نہیں؟....................................	۳۹۷
۳۶۶	کثرتِ رائے کا فیصلہ شریعت کی نظر میں....................................	۴۲۴
۳۶۷	مدارس کا نظام کیسا ہونا چاہیے؟....................................	۴۳۸
۳۶۸	بے دین لوگوں کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانا....................................	۴۳۸
۳۶۹	جب مدرسہ کا دستور نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟....................................	۴۳۹
۳۷۰	ادارہ کو مخالف گروپ کی تباہی سے بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟....................................	۴۴۰
۳۷۱	وقتِ ضرورت خرچ نہ کرنا بھی خیانت ہے....................................	۴۴۲
۳۷۲	غبن کے اتہام پر حساب دینا....................................	۴۴۳
۳۷۳	مدرسہ عربیہ کی مخالفت اور دیگر خیانتوں کے سبب قوم کے امام پر اشکالات....................................	۴۴۴
۳۷۴	مہتمم مدرسہ اور ملازمین کو بلا وجہ معزول کرنا برطرفی کے مہینہ کی تنخواہ کا استحقاق....................................	۴۴۸
۳۷۵	ناظمِ مدرسہ کا ماتحت مدرسین سے باز پرس کرنا....................................	۴۴۹

۳۷۶	مہتمم کا ملازم کو اجازت سے چندہ کے سفر کا ٹکٹ بنوانے کے بعد روکنا..........	۴۵۰
۳۷۷	دینی مدارس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے دور میں..........	۴۵۲
۳۷۸	مدارس اور تبلیغ کی صورت میں خدمتِ دین کا طریقہ..........	۴۵۳
۳۷۹	مدرس کو دوسری جگہ ملازمت کر کے پہلے مدرسہ کو ویران کرنا..........	۴۵۴
۳۸۰	بلاوجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا..........	۴۵۵
۳۸۱	جدید مدرسہ بنانے پر قدیم مدرسہ کا حکم..........	۴۵۶
۳۸۲	دینی مکتب و مدرسہ کو ذاتی ملک سمجھنا..........	۴۵۷
۳۸۳	مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟ اور کیا مدرسہ کا چندہ وقف ہے؟..........	۴۵۸
۳۸۴	مدرسہ سے متعلق ایک وصیت نامہ..........	۴۶۱
۳۸۵	درسگاہ میں گھنٹہ بجنے سے پہلے نشانی رکھ دینا..........	۴۶۲

الفصل الثانی فی مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

۳۸۶	مصرف بدلنا..........	۴۶۴
۳۸۷	مدرسہ کی آمدنی سے امارتِ شرعیہ کی امداد..........	۴۶۵
۳۸۸	چندہ کا روپیہ جلسۂ انعامی میں خرچ کرنا..........	۴۶۶
۳۸۹	مجلسِ شوریٰ نے جس کے لئے جو چیز تجویز کر دی وہ اسی کے لئے ہے..........	۴۶۷
۳۹۰	مدرسہ کے لئے دی ہوئی رقم اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا..........	۴۶۸
۳۹۱	ایضاً..........	۴۶۹
۳۹۲	سفر بکارِ مدرسہ میں اپنا ذاتی سامان ضائع ہو جائے تو اس کا حکم..........	۴۷۰
۳۹۳	دینی مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کی پیداوار اسکول میں دینا..........	۴۷۰
۳۹۴	ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کے طالبِ علم کو دینا درست نہیں..........	۴۷۱
۳۹۵	ایک مدرسہ کے لئے جمع شدہ روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا..........	۴۷۲

۳۹۶	ایک مدرسہ کا روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا	۴۷۳
۳۹۷	طلبہ کی انجمن کا روپیہ دار العلوم میں دینا	۴۷۴
۳۹۸	موقوفہ کتب کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا	۴۷۵
۳۹۹	شیخ کے مہمانوں کا مدرسہ کے کلوخ استعمال کرنا	۴۷۶
۴۰۰	مدرسہ کا کھانا تبلیغی جماعت کو کھلانا	۴۷۶
۴۰۱	طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا	۴۷۷
۴۰۲	مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا	۴۷۷
۴۰۳	مدرسین کے لئے خاص کھانا	۴۷۸
۴۰۴	خرچ شدہ رقم سے زائد مدرسہ سے وصول کرنا	۴۸۰
۴۰۵	کمرۂ مسجد میں مدرسہ کا کرایہ مسجد کو دینا	۴۸۱
۴۰۶	مدرسہ کے ڈھیلوں کا سفر میں استعمال	۴۸۴
۴۰۷	مسجد یا مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟	۴۸۴

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فیه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

۴۰۸	مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا	۴۸۵
۴۰۹	مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کرنا	۴۸۵
۴۱۰	مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا	۴۸۶
۴۱۱	زمین مدرسہ کو دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں	۴۸۶
۴۱۲	مدرسہ میں زمین دینے کے بعد اس سے انکار کرنا	۴۸۹
۴۱۳	زمین مدرسہ کو دینے کا ارادہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی	۴۹۰
۴۱۴	دینی وقف مدرسہ کو اسلامی اسکول کے لئے دینا	۴۹۰
۴۱۵	کتاب پر وقف لکھ دینے اور موت سے قبل وصیت سے رجوع کرنے کا حکم	۴۹۱

۴۱۶	کیا مدرسہ میں گھڑی دینے کی نیت سے اس کا وقف صحیح ہوجائے گا؟	۴۹۳
۴۱۷	تبدیلِ نیت کا وکیل کو حق نہیں	۴۹۳
۴۱۸	لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا	۴۹۴
۴۱۹	مدرسہ کے لئے وقف زمین انگریزی اور بنگلہ تعلیم آنے کی وجہ سے نئے مدرسہ کو دینا	۴۹۶
۴۲۰	مدرسہ کی زمین سے مدرسہ کے زیرِ تولیت مسجد کی توسیع	۴۹۷
۴۲۱	مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا	۴۹۷
۴۲۲	مدرسہ کی زمین سے راستہ	۴۹۸
۴۲۳	مدرسہ کی رقم سے تجارت اور عمارتِ مدرسہ میں مسجد	۵۰۰
۴۲۴	مدرسہ کے روپیہ سے تجارت	۵۰۲
۴۲۵	مدرسہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ کو قرض دینا	۵۰۳
۴۲۶	مدرسہ کا روپیہ قرض دینا	۵۰۴
۴۲۷	مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطورِ قرض خرچ کرنا	۵۰۵
۴۲۸	مدرسہ ومسجد کا روپیہ سود پر قرض دینا	۵۰۶
۴۲۹	مدرسہ کی آمدنی ذاتی ضروریات میں بطورِ قرض خرچ کرنا	۵۰۶
۴۳۰	مدرسہ کے ذمہ دار کا مدرسہ کے روپیہ کو کھالینا	۵۰۷
۴۳۱	اسکول فنڈ سے شیرینی تقسیم کرنا	۵۰۸
۴۳۲	طلبہ کو مدرسہ کی رقم سے انعام دینا	۵۰۸
۴۳۳	فساد کے خوف سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا	۵۰۹

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

۴۳۴	زکوٰۃ کی رقم سے خرید کردہ غلہ نرخ کم ہونے کے بعد فروخت کرنا	۵۱۱

۴۳۵	طلبہ کی قرآن کریم وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا............	۵۱۲
۴۳۶	اساتذہ کا امتحانی کاپیوں کو فروخت کرنا............	۵۱۳
۴۳۷	تعلیم کے لئے موقوفہ عمارت میں مہتمم کا قیام، یا اس کا کرایہ وصول کرنا............	۵۱۳
۴۳۸	تعلیم گاہ کو کرایہ پر دینا............	۵۱۵
۴۳۹	مدرسہ موقوفہ کی جگہ برات کے لئے کرایہ پر دینا............	۵۱۶
۴۴۰	مکانِ مدرسہ میں ملازم کا بلا کرایہ رہنا............	۵۱۷
۴۴۱	مدرسہ کا مکان کرایہ دار سے خالی کرانا............	۵۱۸
۴۴۲	مدرسہ کے کمرہ میں ملازم کے بچوں کو رکھنا............	۵۱۹
۴۴۳	ملازمِ مدرسہ کی اولاد کا مدرسہ کے مکان میں رہنا............	۵۲۰
۴۴۴	مدرسہ کے کمرہ میں پولیس کا قیام............	۵۲۲

الفصل الخامس فی وظائف المدرّسین

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

۴۴۵	جن مہینوں میں خالص مدرسہ کا کام کیا جائے ان مہینوں کی تنخواہ وصول کرنا............	۵۲۳
۴۴۶	تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق............	۵۲۴
۴۴۷	ایامِ تعطیل میں کام کرنے کی تنخواہ............	۵۲۶
۴۴۸	تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق............	۵۲۷
۴۴۹	مدرسہ کی تعطیلِ کلاں کی تنخواہ جب کہ تعطیل کے ختم پر دوسری جگہ چلا گیا............	۵۲۸
۴۵۰	عارضی مدرس کیلئے تعطیلِ کلاں کی تنخواہ............	۵۲۹
۴۵۱	تعطیلِ کلاں کے بعد استعفیٰ پر تنخواہ کا استحقاق............	۵۳۰
۴۵۲	بلا نوٹس استعفیٰ سے استحقاقِ تنخواہ............	۵۳۱
۴۵۳	فساد کے اندیشہ سے کچھ مدت گھر بھیجے گئے مدرس کو اس زمانہ کی تنخواہ............	۵۳۲
۴۵۴	زمانۂ قید و بیماری کی تنخواہ............	۵۳۳

۴۵۵	ملازم کے لئے غیر حاضری کی تنخواہ........................	۵۳۵
۴۵۶	مدرس کی تنخواہ کا ناغہ کاٹنا........................	۵۳۶
۴۵۷	رخصتِ بیماری میں روحانی بیماری کا توریہ........................	۵۳۶
۴۵۸	بغیر پڑھائے مدرسہ میں حاضر رہ کر تنخواہ لینا........................	۵۳۸
۴۵۹	مدرس کو مہتمم نے الگ کیا، پھر سرپرست نے رکھ لیا، مدتِ علیحدگی کی تنخواہ کس کو دینی ہے؟.....	۵۳۸
۴۶۰	عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد معذور ہوا، تو کیا وہ تنخواہ لینے کا حقدار ہے؟...........	۵۳۹
۴۶۱	تنخواہ میں اضافہ کا وعدہ........................	۵۴۱
۴۶۲	تدریس وامامت کی قلیل تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ........................	۵۴۳
۴۶۳	مہتمم صاحب کی تنخواہ ماہ رمضان میں دوگنی اور کارِ مفوضہ انجام نہ دینا........................	۵۴۴
۴۶۴	مدرس کو علیحدہ کرنے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا........................	۵۴۶
۴۶۵	سال بھر پورا ہونے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا اور ہر چھٹی پر تنخواہ وضع کرنا........................	۵۴۸
۴۶۶	تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی صورتیں........................	۵۴۹
۴۶۷	لوگوں کی طرف سے مدرسین کو جو کھانا دیا جائے، وہ اباحت ہے یا تملیک؟........................	۵۵۰
۴۶۸	بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنا اور تعمیرِ مدرسہ میں قیام کرنا........................	۵۵۱
۴۶۹	معلم کی تنخواہ میں انجمن کا پیسہ........................	۵۵۲
۴۷۰	تنخواہِ مدرسین میں گورنمنٹ کی امداد کا روپیہ........................	۵۵۳
۴۷۱	کیا دینی معلم کی تنخواہ پرائمری کے معلم سے کم ہونا اہانت ہے؟........................	۵۵۳
۴۷۲	امام اور قاضی کی تنخواہ کا معیار........................	۵۵۵
۴۷۳	مدرس اور امام کی تنخواہ کی حیثیت........................	۵۵۶
۴۷۴	قرض میں تنخواہ کو محسوب کرنا........................	۵۵۸
۴۷۵	تبلیغ کے لئے مدرسہ سے تنخواہ........................	۵۵۹
۴۷۶	مدرس کو ڈیڑھ سو روپیہ دے کر دو سو پر دستخط لینا........................	۵۶۱

۴۷۷	زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا	۵۶۲

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سُفراءاور چندہ کے احکام)

۴۷۸	سفیر کی غلطی پر جرمانہ	۵۶۳
۴۷۹	مدرسہ کے سفیر کا دھوکہ دینا	۵۶۴
۴۸۰	سفیر اور منتظم کے درمیان اختلاف ہوتو ایک کوحکم بنالیا جائے	۵۶۵
۴۸۱	کمیشن پر چندہ وصول کرنا، سفیر کا زکوۃ اور دیگر صدقات کومخلوط کرنا	۵۶۷
۴۸۲	سفرائے مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے؟ کمیشن پر چندہ	۵۶۸
۴۸۳	سفیر کا خود تملیک کرنا	۵۷۰
۴۸۴	سفیر کا قبل التملیک قرض دینا	۵۷۰
۴۸۵	مدرس کا قبل التملیک خرچ کرنا	۵۷۰
۴۸۶	کیا سفیر کی خوراک جزوِتنخواہ ہے؟	۵۷۱
۴۸۷	سفیر کوسبکدوش کردینا	۵۷۲
۴۸۸	مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ لینا	۵۷۳
۴۸۹	جتنے طلبہ کے لئے سرکار سے وظیفہ ملے اور پھران کی تعداد کم رہ جائے تو کیا کرے؟	۵۷۴
۴۹۰	چندہ کے لئے معطی پر اصرار، تدریس کے ساتھ تجارت	۵۷[illegible]
۴۹۱	چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو اپنا مکان کہنا، بہشتی زیور کے بعض مسائل کوصحیح نہ جاننا	۵۷۸
۴۹۲	مدرسہ کے لئے چندہ کرکے جوعمارت بنائی جائے کیا وہ وقف ہے؟	۵۷۹
۴۹۳	رسمی رقموں کی وصولی اور خرچ	۵۸۱
۴۹۴	نکاح کے موقعہ پر مدرسہ کیلئے روپیہ لینے کی رسم	۵۸۳
۴۹۵	منتظمین کا تعلیم کے بجائے عمارت، بیل وغیرہ پردھیان دینا	۵۸۳
۴۹۶	ادائے حقوقِ ملازمین میں کوتاہی کرنیوالے رئیس کی دینی ادارہ میں امداد	۵۸۴

۴۹۷	صغیر وکبیر کے مخلوط مال سے چندہ	۵۸۶
۴۹۸	نابالغ کا مدرسہ کے چندہ میں پیسے دینا	۵۸۸
۴۹۹	جعلی سفیر سے زائد روپیہ وصول کرنا	۵۸۹
۵۰۰	جعلی رسید سے جمع کردہ چندہ کا مصرف	۵۹۰
۵۰۱	محض دفتری خانہ پُری کر کے سرکار سے امداد لینا، گرانی الاؤنس سے زائد دکھلا کر زیادہ وصول کرنا	۵۹۱
۵۰۲	مدرسہ کے کاغذات، مہریں، رسیدیں لیکر چندہ کرنے کا حکم	۵۹۲
۵۰۳	مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں وصول کرنا	۵۹۳
۵۰۴	مدرسہ کے چندہ سے دوکانیں بنانا	۵۹۵
۵۰۵	چندہ کے پیسہ سے تنخواہ دینا	۵۹۶
۵۰۶	مدرسین کی پنشن کا علم چندہ دہندگان کو ہونا چاہئے	۵۹۷
۵۰۷	چندہ کا روپیہ جلسہ انعامی میں خرچ کرنا	۵۹۷
۵۰۸	چندہ سے خوشحال بچوں کی تعلیم	۶۰۰
۵۰۹	خیراتی مدرسہ میں مالدار بچوں کی تعلیم	۶۰۱
۵۱۰	ہائی اسکول میں چندہ دینا	۶۰۲
۵۱۱	چندہ کا مخصوص طریقہ	۶۰۳
۵۱۲	مدرسہ قدیم کی امداد بند کر کے مدرسہ جدید کی امداد کرنا	۶۰۳
۵۱۳	دینی مدرسہ میں سرکاری امداد	۶۰۴
۵۱۴	پراویڈنٹ فنڈ دینی مدرسہ میں خرچ کرنا	۶۰۵

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

۵۱۵	مدارس کے لئے ناجائز مال سے چندہ	۶۰۶

۵۱۶	شراب کی آمدنی سے زمین خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا........................	۶۰۸
۵۱۷	مالِ حرام سے دینی خدمت........................	۶۰۸
۵۱۸	سنیما کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۶۰۹
۵۱۹	مدرسہ کے کرایہ داروں کا پیشہ باجہ بنانا ہے تو اس آمدنی سے اخراجاتِ مدرسہ........................	۶۱۰
۵۲۰	فلم ایکٹر کی آمدنی مسجد و مدرسہ میں........................	۶۱۰
۵۲۱	ایضاً........................	۶۱۰
۵۲۲	مدرسہ چلانے کے لئے سینما اور عُرس........................	۶۱۱
۵۲۳	مزار کا پیسہ مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۶۱۲
۵۲۴	کبڈی کا مقابلہ شرط کے ساتھ اور اس کا انعام مدرسہ میں........................	۶۱۳
۵۲۵	ہندو اور پیشہ ور عورت کا مال مدرسہ میں لگانا........................	۶۱۵
۵۲۶	طوائف کے بنائے ہوئے مکان کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لینا........................	۶۱۷
۵۲۷	مدارسِ اسلامیہ کے لئے عیسائیوں سے امداد لینا........................	۶۲۰
۵۲۸	غیر مسلم کی امداد دینی مدرسہ میں........................	۶۲۱

باب المتفرقات

۵۲۹	کیا دستار بندی ضروری ہے؟........................	۶۲۲
۵۳۰	جو شخص علمائے حق کو برا کہے اس کو معلّم بنانا........................	۶۲۳
۵۳۱	مہتمم کا اساتذہ و طلباء کے خطوط بلا اجازت پڑھنا........................	۶۲۴
۵۳۲	کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا........................	۶۲۵
۵۳۳	مہتمم اگر زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو کیا ملازم اپنے طور پر صرف کر سکتا ہے؟........................	۶۲۵
۵۳۴	فاضل وقت میں عالم سے مدرسہ کا دوسرا کام لینا........................	۶۲۷
۵۳۵	مدرسہ کے وقت میں چائے وغیرہ........................	۶۲۸

۵۳۶	مدرسہ میں جعلی رجسٹر کی کاروائی	۶۲۹
۵۳۷	مدرسہ کے پڑوسی کی دیوار میں نزاع	۶۳۰
۵۳۸	پانی کے نل کی درستگی کے لئے دوسروں سے پیسہ لینا	۶۳۱
۵۳۹	مدرسۃ البنات کا قیام ودیگر سوالات	۶۳۲
۵۴۰	مدرسہ کے طلباء وطالبات کی امداد اوران کو بُرے الفاظ کہنا	۶۳۵
۵۴۱	سفیرِ مدرسہ کے ورثاء کو بطورِ امداد کچھ رقم دینا	۶۳۶
۵۴۲	امام ومدرس کی بدچلنی کا علم ہوتے ہوئے لوگوں کو واقف نہ کرنا	۶۳۷
۵۴۳	عربی پڑھ کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت	۶۳۸
۵۴۴	مدرسین کے لئے مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھنے کا فیصلہ	۶۳۹
۵۴۵	یومِ عاشورہ کی تعطیل مدارس میں	۶۴۰
۵۴۶	یوم عاشورہ کی تعطیل	۶۴۴
۵۴۷	تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا	۶۴۵
۵۴۸	مدرسہ ہے یا چوپال	۶۴۵

☆......☆......☆

بقية كتاب الوقف

الفصل الثالث عشر فی مكبّر الصوت

(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حدیث پاک سنانا

سوال[۷۲۰۱]: حدیث پاک صبح کو لاؤڈ اسپیکر سے بیان کرنا کہ دین کی باتیں معلوم ہوں اور نماز روزہ کا شوق بڑھے، خصوصاً عورتوں کو کہ وہ گھر میں رہتی ہیں کہ انہیں یہ مسائل معلوم ہو جائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں یہ فائدہ بھی ہے اور بہت سے آدمی اپنے مشاغل میں لگے رہتے ہیں، اس طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے، نیز خود طلب اور شوق سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں کہ گھر بیٹھے آواز آتی ہے، حدیث پاک اور دینی مسائل سے یہ بے توجہی کہ آواز آنے کے باوجود اپنے مشاغل میں لگے رہیں اور توجہ نہ کریں بڑی ناقدری ہے(۱)۔ اگر

---

(۱) مجلسِ نبوی علی صاحبہ الف الف صلوۃ وسلام کی صفت اور قدر دانی یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح توجہ اور سکینت کے ساتھ بیٹھتے تھے کہ گویا کہ اگر ان کے سروں کے اوپر پرندے بیٹھ جائیں تو ان کو یہ پتہ نہ چلے کہ ہم کسی جامد چیز پر بیٹھے ہیں یا انسانوں کے سروں پر، یہی قدر دانی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے اونچے مقامات سے سرفراز فرمایا تھا:

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة فانتهينا إلى القبر فجلس وجلسنا كأن على رؤسهم الطير".

وقال الشيخ عبدالغني المجددي تحت هذا الحديث: "كأن على رؤسهم الطير" قال الطيبي: هو كناية عن إطراقهم رؤسهم وسكوتهم وعدم التفاتهم يميناً وشمالاً: أي على رأس كل واحد الطير =

سننے ہی کے لئے جمع ہوں اور آواز نہ پہونچنے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جائے تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۵ھ۔

غفلت کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر حدیث سنانا

سوال[۷۲۰۲]: ۱...... صبح کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں کوئی حدیث پڑھی جائے درآنحالیکہ مسجد میں کوئی شخص نہیں ہوتا اور گھروں میں مرد وعورتیں دھیان وتوجہ سے نہیں سنتے۔ ایسی صورت میں پڑھنا کیسا ہے؟

تبلیغ اور گم شدہ بچے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے

سوال[۷۲۰۳]: ۲...... محلہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان اور گم شدہ بچے کا اعلان کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ مسجد میں کوئی آدمی موجود نہیں اور اپنے اپنے مکانوں میں مرد وعورت اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں، کوئی متوجہ نہیں تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر پر حدیث شریف سنانا بے محل ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)۔

= بريد صيدها ولايتحرك. وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا تكلم، طرق جلساءه كأنهم على رءوسهم الطير". (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في جلوس في المقابر، (رقم الحاشية: ٣)، ص ١١١)

(۱) جب کہ سب نمازی اپنی اپنی ضرورتوں اور کاموں میں مصروف ہوں تو اس وقت مسجد کی اشیائے موقوفہ کا استعمال کرنا بے محل ہونے کی بنیاد پر جائز نہیں ہوتا، اس طرح صورتِ مذکورہ میں بھی چونکہ اس وقت لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں، لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر اس وقت حدیث وغیرہ سنانا مناسب نہیں۔

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لايجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الأول: ٢/٤٥٩، رشيدية) =

۲.....محلّہ کے گھروں میں جو تبلیغ ہوتی ہے اس کا اعلان درست ہے، گم شدہ بچے کا اعلان خارجِ مسجد کیا جاسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۱۲/۲۱ھ۔

وعظ میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

سوال[۷۲۰۴]: لاؤڈ اسپیکر مسجد میں رکھ کر اس میں وعظ ونصیحت اس نیت سے کرنا کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچ جائیں، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(۱) یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاطی رائے ہے جس میں مسجد کے ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض دیگر حضرات گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت اور ضرورت کی بناء پر مسجد میں جائز قرار دیتے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''البتہ گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیشِ نظر جائز ہے''۔ ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا: ''اور گمشدہ بچے کا اعلان بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۴۴، مکتبہ بینات)

(وكذا في فتاوىٰ حقانيه: ۵/۹۵، دار العلوم حقانيه)

(۲) جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں، ان کے کانوں میں بھی دین کی باتیں پہونچانے کی غرض سے لاؤڈ اسپیکر کو بھی دوسرے اشیائے موقوفہ کی طرح بقدر حاجت استعمال کرنا جائز ہے:

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، ومايتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد. ۵/۴۲۰، رشيديه)

ماہ مبارک میں رات کو مسجد کے مائک پر نظم وغیرہ پڑھنا

سوال[۷۲۰۵]: گاؤں میں کئی سال سے رمضان شریف کی رات میں مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر گانا شروع کردیتے ہیں، کبھی تقریر کرتے ہیں، کبھی نظم پڑھتے ہیں، ٹائم کا اعلان کرتے ہیں، اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تہجد اور قرآن شریف پڑھتے ہیں، ان کی نماز اور قرآن میں کافی خلل پڑتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلان کرنے سے نماز وتلاوت پر تشویش ہوتی ہے، مگر اعلان کرنے والے بھی اپنے اعلان کو تہجد اور تلاوت سے کم نہیں سمجھتے، بلکہ زیادہ ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا تہجد تنہا تنہا کا تہجد ہے اور ہمارے اعلان کی بدولت سب بستی والے بیدار ہوتے ہیں، بہت سے تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں اور سحری کی اطلاع سب کو ہوجاتی ہے جس سے سب کے روزے سنت کے مطابق اور آسان ہوجاتے ہیں۔ اعلان کرنے والے حضرات مانتے نہیں، اپنا کام برابر کیے جاتے ہیں، ان کو سمجھایا ہی جاسکتا ہے، لڑائی ہرگز نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی نصاب مسجد کے مائک میں پڑھنا

سوال[۷۲۰۶]: مسجد میں اذان اور کسی عالم کی تقریر کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، اب اگر اس پر قرآن کریم، نعت یا نظم یا تبلیغی نصاب، یا کوئی تعلیمی کتاب پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس وقت کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی نصاب ان لوگوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے جو وہاں موجود ہوں، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز ان کو پہونچ جاتی ہے، پھر کیوں لاؤڈ اسپیکر پر ان کو سنایا جاتا ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتي هي أحسن﴾. (سورة النحل: ۱۲۵)

خاص کر جب کہ نمازیوں کو اس سے پریشانی ہوتی ہے(۱)۔ زور زور سے نعت بھی لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے علاوہ حمد ونعت پڑھنا

سوال[۷۲۰۷]: محلّہ حسو کٹرہ فیض آباد میں ایک مسجد ہے، جس میں محلّہ کے تمام لوگ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان ہوتی ہے، بعد نماز اکثر لوگ حمدیہ اور نعتیہ کلام بھی پڑھ لیا کرتے ہیں جس کی وجہ سے مسجد کے پڑوس میں بسے ہوئے ایک مسلمان کو بظاہر لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے بڑی تکلیف ہوتی ہے، جس کے خلاف وہ برابر زبانی یا تحریری شکایتوں کو حاکموں تک پہونچایا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اہل محلّہ کو پولیس نے مارا بھی ہے۔ اس واقعہ کے بعد اہل محلّہ کو اندازہ ہوا کہ شاید یہ بات بڑھ جائے اس لئے خاموش ہوگئے۔

خازنِ مسجد نے ان کے پاس کہلایا کہ معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر کے خلاف آپ نے حاکموں تک شکایت کی ہے تو انہوں نے جوش میں آکر کہا کہ اگر یہ بات میرے اوپر ثابت ہوجائے تو مجھے پچاس جوتے ماریں، ورنہ نہ ثابت کرنے والے کو سو جوتے ماروں گا۔ دوبارہ خازن نے کہلا بھیجا کہ میں سو جوتے کھانے کو تیار ہوں اس شرط پر کہ وہ مسجد میں آکر قسم کھالیں کہ ہم نے کوئی شکایت نہیں کی ہے اور نہ کرائی ہے۔ بہرحال پڑوسی موصوف نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں حلف نہیں اٹھاؤں گا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جملہ مسلمانانِ شہران کے ساتھ کیا رویہ برتیں، بول چال کھانا پینا اور رسم وراہ رکھیں یا نہیں؟ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمائیں کہ آیا مسجد میں مائیک پر حمد ونعت واذان دی جائے یا نہیں؟

---

(۱) "واجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعةً فی المساجد وغیرھا من غیر نکیر، إلا أن یشوش جهرهم بالذکر علی نائم أو مصل أو قاریٔ، کما هو مقرر فی کتب الفقه". (شرح الأشباہ والنظائر للحموی، (رقم القاعدۃ: ۲۹)، القول فی احکام المسجد : ۴/۶۱، إدارۃ القرآن، کراچی)

(وکذا فی مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، الفصل الثانی: ۲/۴۴۰، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان پڑوسی سے کہا جائے کہ ہم کو ایسی ہی خبر ملی تھی، اگر یہ خبر غلط ہے، نہ آپ نے شکایت کی اور نہ کسی سے شکایت کرائی تو اس بات میں ہمارا دل آپ کی طرف سے صاف ہے، اب یہ معاملہ ختم کر دیا جائے، نہ ان سے قسم لیں، نہ سلام وکلام ترک کریں، بلکہ اخلاق ومحبت سے پیش آئیں۔ لاؤڈ اسپیکر پر صرف پانچ وقت کی اذان کہیں جس سے مقصود لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ہو، بقیہ دوسری چیزوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کریں، ہاں! کوئی جلسہ کرنا ہو تو اس وقت حمد ونعت اور تقریر ووعظ کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال کر لیں۔ پڑوسی کا خیال رکھنا بھی شرعاً لازم ہے(۱)، بلاوجہ ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اذیت پہونچے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۴/۹۶ھ۔

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر نعت وغزل پڑھنا

سوال[۷۲۰۸]: یہاں مقامی مسجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا، لیکن عشاء کے بعد روزانہ تین چار گھنٹے لوگ نعت، قصیدہ، غزل پڑھتے ہیں اور اسے نیک فعل بتلاتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کو کافی دقت ہوتی ہے۔ کیا ان کو ایسا کرنا چاہئے، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموی، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۲۹) : ۶۱/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثاني : ۱۲۱/۲، رشيديه)

(وكذا في أوجز المسالك: ۲۲۷/۲)

(۲) "عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قالوا: يارسول الله! أيّ الإسلام أفضل؟ قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۶/۱، قديمي)

"فيه (أي في الحديث المذكور) الحث على ترك أذى المسلمين بكل مايؤذي". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۲۱۴/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ صحیح نہیں، اس کو بند کیا جائے، اس میں مسجد کی بھی حق تلفی ہے اور نمازیوں کی بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۸/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مائیک کی آواز پورا گاؤں سنے تو کیا دوسری مسجدوں میں مائیک کی ضرورت ہے؟

سوال [۷۲۰۹]: ایک گاؤں میں کئی مسجدیں ہیں جن میں سے صرف ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (مائک) ہے، جب مائک میں اذان ہوتی ہے تو آواز تقریباً پورے ہی گاؤں میں پہونچ جاتی ہے، پھر بھی دوسرے محلّہ کی مسجد والے مائک لانا چاہتے ہیں۔ یہ اسراف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ایک مسجد کے مائک سے سب گاؤں میں اذان کی آواز پہونچ جاتی ہے اور نمازوں کے اوقات قریب ہی قریب ہیں تو دوسری مسجد میں مائک لگانا بے ضرورت ہے، اس کے لئے مسجد کا پیسہ صرف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۸/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا يشغل المسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچى)

"واجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه".

(شرح الأشباه والنظائر للحموی: ۶۱/۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۴۴۰/۲، رشيديه)

مسجد کے مائیک پر اعلان جب کہ اس کے پھول مسجد کے مناروں پر لگے ہوں

سوال[۷۲۱۰]: مسجد کا مائیک لوگوں کے چندہ سے خریدا گیا ہے اور خریدنے والوں کی نیت یہ تھی کہ اعلان کیا کریں گے، مائیک مسجد کے حجرے میں رکھا ہوا ہے اور اس کے لاؤڈ اسپیکر کے پھول مسجد کے میناروں پر ہے۔ تو کیا اعلان کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اذان کے علاوہ کوئی اور اعلان کرنا چاہتے ہیں تو اس جگہ اعلان نہ کریں، مثلاً: کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا ہو، یا کسی اور بات کی خبر دینی ہو، جس کا تعلق نماز اور مسجد سے نہ ہو تو خارج مسجد یہ کام کریں (۱)۔ مینارہ پر مائیک کے پھول اس کے لئے استعمال نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

روپیہ لیکر مسجد کے مائک پر اعلان کرنا

سوال[۷۲۱۱]: مسجد کے مائک پر جو اعلان کیا جاتا ہے اس کے لئے جو ایک روپیہ لیا جاتا ہے، وہ اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(وعرف): أی نادی علیها حیث وجدها وفی المجامع". (الدرالمختار). "(قوله: نادی علیها) إنی وجدت لقطةً لا أدری مالکها. (قوله: حیث وجدها وفی المجامع): أی مجامع الناس کالمساجد والأسواق والشوارع، إلا أنه ینادی علی أبواب المساجد لافیها". (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب اللقطة: ۲/۵۰۱، دارالمعرفة بیروت)

(۲) "ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح، هذا إذا لم یکن معیناً، فإن کان الوقف معیناً علی شئ، یصرف إلیه". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها: ۳۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد ومایتصل به: ۲۷۰/۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۱۸/۵، رشیدیه)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداًومصلياً:

مسجد میں مائک پر اعلان کرنے کا روپیہ لینا درست نہیں (۱)۔فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۱۳/۹/۹۹ھ۔

مسجد کے مائک سے مسجد میں پیسہ دینے والے کا اعلان

سوال[۷۲۱۲]: ۱.....مسجد میں چندہ دینے والوں کا نام اگر لاؤڈ اسپیکر پر لیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو اور مسجد کو پیسہ کی سخت ضرورت بھی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

فیس دیکر مسجد کے مائک سے اپنا اعلان کرانا

سوال[۷۲۱۳]: ۲.....گاؤں کے لوگ اگر اپنی کسی چیز کی بابت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرائیں جب کہ مسجد کی کمیٹی اعلان کرانے کی فیس لیتی ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

۱.....اہل مسجد کو اس کے استعمال پر معاوضہ لینا درست ہے، دینے والا رضامندی سے معاوضہ دیتا ہے تو نفسِ استعمال لاؤڈ اسپیکر کے معاوضہ میں مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اعلان کرانے والے کا اگر مقصد یہ ہے کہ میرا نام سب کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اتنا پیسہ دیا ہے تو یہ مقصد غلط ہے، شہرت اور ناموری کی نیت سے مسجد میں

---

(۱) "و لا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى. بزازية". (الدرالمختار). "لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعةٌ منه بقدر ما ينفق عليه، بانه غير صحيح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۹/۵، رشيديه)

(۲) "رجل استأجر حجرةً موقوفةً من أوقاف المسجد، فكسر فيها الحطب بالقدوم، والجيرانُ لا يرضون بذلك، والمتولي يرضى به، قالوا: إن كان من ذلك ضرر بين بالحجرة مثل ضرر القصار والحداد، والمتولي يجد من يستأجرها بتلك الأجرة، كان على المتولي أن يمنعه من ذلك، فإن لم يمتنع أخرجه من الحجرة يؤاجرها من غيره". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في إجارة الوقف: ۳۱۳/۲، رشيديه)

پیسہ دینا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں (۱)۔

۲......درست ہے۔

تنبیہ: اس کا خیال رہے کہ مسجد کو کمائی کی جگہ اور کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں، مسجد سے علیحدہ اس کا انتظام کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۵ھ۔

مسجد کے مائک سے ترغیب کے لئے چندہ دینے والے کے ناموں کا اعلان

سوال [۷۲۱۴]: ایک شخص نے مسجد میں مائک وقف کیا، اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس سے مسجد کی ضروریات پوری کی جائیں۔ اب مسجد کے اندر ایک بڑا کام شروع کیا جا رہا ہے، مثلاً: فرش بنوانا، یا بوسیدہ دیوار کا صحیح کرانا۔ ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کے لئے کافی رقم کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا ہم کارکنان کے مشورہ سے یہ اسکیم جاری کی ہے کہ مائک سے یہ اعلان کر دیا جائے اور جس کی جتنی ہمت ہو وہ آکر دیتا رہے، اس میں بچے اور عورتیں اور بڑے آدمی بھی دیتے ہیں اور دینے والوں کے نام مائیک سے بول دیئے جاتے ہیں: فقط اس نیت سے کہ دوسروں کو رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دینے کی توفیق ہو، مثلاً: اس طرح بول دیتے ہیں کہ:

"زید نے پانچ روپے، یا عمر نے دس روپے دیئے، یا فاطمہ نے اپنے والد ماجد کی طرف سے بیس روپے دیئے، یا کسی نے اپنے مرحوم والد کی طرف سے دس روپے دیئے"۔

---

(۱) "عن أبي سعيد بن أبي فضالة رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليومٍ لاريب فيه، نادىٰ منادٍ: من كان أشرك في عمل عمله لله أحداً، فليطالب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنىٰ الشركاء عن الشرك". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم أسمع أحداً يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من سمّع سمّع الله به، ومن يراء ى يراء ى الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۲/۹۶۲، قديمي)

اس طریقہ پر نام بولنا اور اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اعلان کرنے میں ترغیب بھی اور مفسدہ بھی ہے۔ ترغیب تو ظاہر ہے، مفسدہ دو طرح ہے: ایک اس طرح کہ اس نام بنام اعلان کی وجہ سے لوگ تعریف کریں گے، اس تعریف کی وجہ سے بعض لوگ چندہ دیں گے تا کہ ہمارا نام بھی بولا جائے اور لوگ سن کر ہماری بھی تعریف کریں گے، سو یہ نیت اخلاص کے خلاف ہے جس سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے(۱)۔ دوسرے اس طرح مفسدہ ہے کہ جس نے چندہ کم دیا ہے اس کو شرمندگی ہوگی اور لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے، عار دلائیں گے، یہ ناجائز ہے، اس لئے اعلان کی یہ صورت قابلِ احتراز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۶ھ۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾: أى جاعلين أنفسهم خالصةً له تعالىٰ في الدين". (روح المعاني، سورة البينة: ۲۰۴/۳۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اور ریا ونمود مذموم ہے: "عن أبي سعيد بن أبي فضالة رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليوم لاريب فيه، نادىٰ منادٍ: من كان أشرك في عمل عمله لله أحداً، فليطالب ثوابه من عند غير الله، فإن الله أغنىٰ الشركاء عن الشرك". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"عن سلمة قال: سمعت جندباً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -ولم أسمع أحداً يقول: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- "من سمّع سمّع الله به، ومن يرائى يرائي الله به". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹۶۲/۲، قديمي)

(۲) "عن أبي وائل عن أبي مسعود قال: أمرنا بالصدقة، قال: كنا نحامل، قال: فتصدق أبو عقيل بنصف صاع، قال: وجاء إنسان بشيء أكثر منه، فقال المنافقون: إن الله لغني عن صدقة هذا، ومافعل هذا الآخر إلا رياء، فنزلت: ﴿الذين يلمزون المطوعين من المؤمنين في الصدقات والذين لايجدون إلا جهدهم﴾ وهم يلفظ بشر بالمطوعين". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكوة، باب الحمل بأجرة يتصدق بها والنهي الشديد عن تنقيص التصدق بقليل: ۳۲۷/۱، قديمي)

مسجد کے مائک سے دوسرے اعلان

سوال[۷۲۱۵]: ۱…… مسجد کے حجرے میں حدودِ مسجد سے باہر بغرضِ اذان مائک ہے، بعض اشخاص آکر یہ اعلان کراتے ہیں کہ ہمارا بچہ گم ہوگیا ہے اس کا اعلان کرو۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور ان سے کچھ معاوضہ لے کر مسجد میں جمع کردیا جائے۔

۲…… یا یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے، فلاں جگہ اور فلاں وقت نماز جنازہ ہوگی۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱،۲…… جو مائک اذان کے لئے ہے اس میں دوسرے اعلانات نہ کئے جائیں، نہ معاوضہ لیکر، نہ بلا معاوضہ(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

---

(۱) "ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

"ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية". (الدر المختار).

"لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعةٌ منه بقدر ما ينفق عليه، بأنه غير صحيح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر، ولا يشتغل المسجد بالمتاع". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الرابع عشر في صرف مال المسجد في غيره

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال[۷۲۱۶]: ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست وریخت مسجد کے لئے روپیہ جمع وموجود ہو اور زیادہ روپیہ جمع رہتے ہیں تو کیا ان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیمِ دین اور تبلیغِ اسلام اور تدریسِ علوم شرعیہ پر صرف کر سکتے ہیں؟

از دار العلوم پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائیداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں، اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائیداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کر لیا جائے تا کہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". عالمگیری: ۱۰۳۶/۲(۱)۔

"الذى يبدأ من ارتفاع الوقف عمارته، شَرَطَ الواقف أم لا، ثم إلى ماهو أقرب إلى

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد الخ، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد وتصرف القيم، الخ: ۴۶۳/۲، رشيديه)

العمارة أعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة". عالمگیری :۲/ ٥٦٧(۱)۔

اگر یہ بھی دشوار ہوتو اقرب مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے(۲)۔

محمود گنگوہی، ۱۶/۴/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۳ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا

سوال[۷۲۱۷]: مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا جائز نہیں (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳٦۸، رشیدیه)

"ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته، کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳٦٦،۳٦۷، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵٦، رشیدیه)

(۲) "الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما، فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب المسجد أو رباط أو بئر أوحوض". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعید)

"وفي شرح الملتقی: یصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف علیهما أو قافاً، لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "أي الصرف المذکور .... ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتویٰ، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳٦۰، ۳٦۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳٦۲، رشیدیه)

مسجد کی آمدنی سے مدرسہ میں چندہ دینا

سوال[۷۲۱۸]: یہاں ایک مسجد کی عمارت میں اس محلّہ کا ایک مدرسہ قائم ہے جس کے اخراجات اہلِ محلّہ اور منتظمینِ مدرسہ ہر سال ڈیڑھ ہزار دو ہزار روپیہ کا چندہ کرکے پورا کرتے ہیں، محلّہ کی مذکورہ مسجد کی آمدنی تقریباً نو دس ہزار روپے بینک میں جمع ہیں جو مسجد کے حالیہ اور مستقبل کے متوقع ضروریات سے فاضل ہے، اس لئے مسجد کے منتظمین اس مسجد کی عمارت میں جاری محلّہ کے مذکورہ مدرسہ میں امداد کے طور پر سالانہ تین سو روپیہ کی رقم اس مسجد کی آمدنی سے دیتے ہیں۔ اگر یہ تین سو روپیہ کی رقم بند کردی جائے تو ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ چندہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے اخراجات پورے نہیں ہوسکتے اور مدرسہ کا نظم لازمی طور پر متاثر ہوگا، لہٰذا ایسی صورت پر مسجد کی فاضل رقم سے مدرسہ کی اس امداد کی شرعاً اجازت وگنجائش ہے کہ نہیں؟ فقط۔

مصلح الدین بڑودہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اوقاف مسجد میں مدرسہ چلانے کے لئے کوئی مد مقرر نہیں کیا، بلکہ محض مسجد کے مصالح کے لئے وہ اوقاف ہیں تو اس کی آمدنی سے مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۱) "لأن شرط الواقف كنص الشارع". كذا في كتب الفقه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار) "(قوله: لايجوز له ذلك): أي الصرف المذكور ....قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة مااذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه =

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۱۹]: زید ایک زمین کا مالک تھا، لیکن وہ زمین مسجد کے نام وقف تھی، اس کا کرایہ ایک مدت تک مسجد کو ملتا رہا ہے، لیکن موقع پر آکر کرایہ دار سے وہ مکان خالی کرایا گیا ہے۔ کارکنانِ مسجد جو اس مکان کا کرایہ وصول کر کے مصارف مسجد میں صرف کیا کرتے تھے انہوں نے زید سے خالی کرا کے زمین مدرسہ تعمیر کرنے کے لئے کارکنانِ مسجد کو بلا کسی معاوضہ کے دیدی، اب کارکنانِ مسجد نے اس زمین پر کچھ چندہ وصول کر کے اور زیادہ تر مسجد کی دیگر آمدنی سے مدرسہ تعمیر کیا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید نے جو زمین مدرسہ کے لئے وقف کی ہے اس پر مسجد کی دیگر آمدنی کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی تعمیر کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف کر دیا ہو تو کارکنانِ مسجد کا کہنا ہے کہ یہ مدرسہ بھی تو مسجد ہی کا ہے، آیا ایسا کوئی مدرسہ ہے جس کی تعمیر یا مصارف میں کسی مسجد کی وقف شدہ زمین کا پیسہ صرف کیا جا رہا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آمدنی کا پیسہ مسجد ہی میں خرچ کرنا لازم ہے(۱)، مدرسہ وغیرہ کی تعمیر، یا دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جنہوں نے وہ پیسہ مدرسہ میں خرچ کیا ہے وہ ذمہ دار ہیں۔ مسجد بھی خدا کی ہے اور مدرسہ بھی خدا کا ہے، مگر ایک کی آمدنی دوسرے کی آمدنی میں خرچ کرنا جائز نہیں، جس طرح ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ

= والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف: ۱۲۶/۱، مکتبه میمنیه مصر)

(۱) "والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الوقف: ۳۲۲/۳، إمدادیه ملتان)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

کرنا جائز نہیں، ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ سب نظام گڑبڑ ہوجائے گا:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيء واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوزله ذلك، الخ". درمختار (۱)۔

لیکن اگر مدرسہ اصل ہو اور اس کے ہی لئے مسجد بنائی جائے تو مسجد کے اخراجات مدرسہ سے پورے کئے جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۰ھ۔

مسجد کی آمدنی مدرسہ پر صَرف کرنا

سوال[۷۲۲۰]: مسجد کی آمدنی تقریباً دو ہزار روپے سالانہ ہے، مگر اس رقم کو منتظمینِ مدرسہ کے اخراجات یا دیگر اخراجات میں صَرف کردیتے ہیں، مسجد کی مرمت، روشنی کا بل اور دوسرے کام چندہ وغیرہ اور چرمِ قربانی سے کرتے ہیں۔ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورت جائز نہیں، مسجد کی آمدنی مدرسہ میں خرچ نہ کی جائے، قیمتِ چرمِ قربانی، تنخواہ یا مرمت یا مسجد کی لائٹ میں خرچ کرنا درست نہیں (۲)، ایسا کرنے سے اتنی مقدار کا ضمان لازم ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعید)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں "صورت مسئولہ میں قربانی تو جائز ہوگئی لیکن کھال کو بیچنے کے بعد اس =

ورکنگ کمیٹی کا مسجد کے فنڈ سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۲۱]: مذکورہ بالا ادارہ کی ورکنگ کمیٹی میں ایک ایسی جامع مسجد جو مدرسے کا انتظام کرتی ہے جو مدرسہ سے متصل ہے، اور اس مسجد کی آمدنی کچھ وقف سی ہے، اور کچھ مسجد کی دوکانوں کے کرایہ سے۔ تو کیا یہ کمیٹی مُجاز ہے کہ اگر مدرسہ کے فنڈ میں روپیہ نہ ہو تو مسجد سے قرض لے کر مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صَرف کرے، نیز جو رقم قرض کے نام سے مسجد سے لی جائے وہ واجب الادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے روپے سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، مسجد کا روپیہ امانت ہے، اس میں تصرف کا حق نہیں، جو رقم اس طرح لے گئی ہو اس کو جلد از جلد واپس کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد و مدرسہ کی رقوم بطورِ قرض ایک دوسرے میں صرف کرنا

سوال[۷۲۲۲]: ضرورت ہو تو مسجد کی رقم مدرسہ میں اور مدرسہ کی رقم مسجد میں بطورِ قرض لے کر استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں، جن لوگوں نے کھال کی قیمت کا اپنا حصہ غیر مصرف میں صرف کیا ہے گناہ گار ہوں گے"۔ (کفایت المفتی، چرمِ قربانی کے مصارف: ۲۱۹/۸، دار الاشاعت)

(۱) "والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"مع أن القيّم ليس له إقراض مال .... فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

"ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قرض وصول ہونے پر اعتماد ہو، ضائع ہونے کا احتمال نہ ہو تو منتظمہ کمیٹی کے مشورہ سے درست ہے:

"للمتولی إقراض مال المسجد بأمر القاضی، اھ". شامی: ٤٠٣/٤ (١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد ومدرسہ کی زائد آمدنی دوسری مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۲۲۳]: ایک مسجد اور اس سے متعلق مدرسہ کے لئے بہت سی جائیداد وقف ہے جن سے کافی آمدنی ہوتی ہے، وہ آمدنی ان کے اخراجات سے بہت زیادہ ہے تو کیا اس آمدنی کو کسی اَور مصرفِ خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمدنی زائد جس کی نہ فی الحال ضرورت ہے، نہ مستقبل میں ضرورت کا اندازہ ہے اور تحفظ کی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہیں، تو دوسری مسجد اور دوسرے دینی مدرسہ میں حسبِ ضرورت ووسعت صرف کرنا درست ہے (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) لم أجد

"لايملك استدانة إلابأمر القاضی". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في إنفاق الناظر الخ: ۴۴۰/۴، سعيد)

"مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

"وأما إقراض ما فضل من الوقف، قال في وصايا النوازل: رجوت أن يكون ذلك واسعاً إذاكان ذلك أحرز للغلة من إمساكه، فإن فضل من غلته، فصرف الفضل إلى حوائجه على أن يرده إذا احتاج إلى العمارة، قال: لايفعل ذلك وينزه غاية التنزه، فإن فعل مع ذلك، ثم أنفق فيه، رجوتُ أن ذلك يبرأه عما وجب عليه". (خلاصة الفتاوی، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، الخ: ۴۲۳/۴، رشيديه)

(۲) "والذی ينبغی متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلافرق بين مسجد أو حوض، كما أفتى به =

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۲۴]: ایک گاؤں میں جامع مسجد ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے خرچ کے علاوہ ہے، اس کو کون سی کون سی جگہ خرچ کر سکتے ہیں؟ اور اس مسجد کے کئی لاکھ روپے بینک میں فضول پڑے ہوئے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ اس روپیہ میں سے کسی غریب کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا دوسری مسجد کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں، یا صرف اسی مسجد میں صرف کرے، یا اور کارِ خیر میں صرف کر سکتے ہیں؟ کتاب کے حوالہ کے ساتھ مہربانی کر کے مسئلہ کا جواب عنایت فرمادیں۔ یا اگر مسلمان بچوں کو اس مسجد کی آمدنی میں دنیوی یا دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم میں انگریزی، گجراتی، اردو کی تعلیم میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقف کی وہ آمدنی ہے، اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہوا اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالحِ مسجد میں سے ہے، هكذا يفهم مما في البحر الرائق: ۵/۲۱۵ (۲)۔

= الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني –وكفى بهما قدوةً–، ولاسيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل، يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم، ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف مطلب في أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة لاباس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعدعمارة البناء، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۵۷/۵، رشيديه)

(۲) "أي مصالح المسجد، فيدخل المؤذن والناظر؛ لأنا قدمنا أنهم من المصالح، وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام؛ لأنه إمام الجامع، فتحصل أن الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقاً بعد العمارة: =

دنیوی تعلیم مصالح مسجد میں سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو خواہ مسائلِ شرعیہ کی تعلیم ہو اور پھر چاہے عربی زبان میں ہو، چاہے اردو میں، چاہے گجراتی زبان میں ہو سب کا حکم ایک ہے۔

تنبیہ(☆): چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے (۲)، جو گاؤں بڑا ہو اور اپنی آبادی اور دیگر ضروریاتِ روزمرہ کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو جس میں تین چار ہزار آدمی رہتے ہوں وہاں جمعہ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگانا

سوال [۷۲۲۵]: ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہیں: ایک امیر ہے دوسری غریب۔ امیر مسجد میں برسوں تک کوئی ضروری کام تعمیری بھی نہیں، اس کے برعکس دوسری غریب مسجد کا پلاستر بھی ہونا باقی ہے، فرش بھی نامکمل ہے، تو کیا امیر مسجد کا روپیہ دوسری غریب مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

= الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر وثمن القناديل والزيت والحصر".
(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشيديه)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أى الصرف المذكور". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

(☆) "تنبیہ" کے اس عنوان کا تعلق بظاہر نہ تو سوال سے ہے اور نہ ہی جواب سے، اصل نسخہ کی مراجعت کے بعد سیاق وسباق میں بھی کوئی اس قسم کا مسئلہ نہیں ہے، ممکن ہے اصل استفتاء میں کئی سوالات ہوں، ان میں سے ایک سوال میں جمعہ فی القریٰ سے متعلق کچھ اشارہ ہو، حضرت نے آخر میں بطور تنبیہ ارشاد فرمایا ہو، یہ سوال اصل نسخہ کے مطابق: ۱۸۵/۱ پر ہے۔ (مصحح)۔

(۲) "وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، المصدر السابق)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ روپیہ چندہ کا ہے تو چندہ دینے والوں کی رائے واجازت سے غریب مسجد میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی مسجد جدید پر خرچ کرنا

سوال[۷۲۲۶]: پہلی مسجد کی آمدنی منقولہ مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلی مسجد جب غیر آباد ہوگئی تو اس جگہ کی حفاظت کردی جائے اور اس کی آمدنی کو دوسری منقولہ مسجد میں صرف کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۵/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۵/۲۱ھ۔

---

(۱) "وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي .... حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

"وسئل شمس الأئمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقات التي يستغني عنهما : ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۲) "عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، =

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۲۷]: کسی نے روپیہ کسی مسجد میں لگانے کا ارادہ کیا پھر وہ دوسری مسجد میں اس روپیہ کو لگانے کا ارادہ کرتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج ہے تو لگا سکتا ہے، اگر دوسری مسجد میں زیادہ احتیاج نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلی ہی مسجد میں لگائے، گو جائز دوسری مسجد میں لگانا بھی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/محرم الحرام/۵۴ھ۔

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لئے قرض دینا

سوال[۷۲۲۸]: ہمارے گاؤں کی مساجد کے ٹرسٹ الگ الگ ہیں، ایک مسجد میں بالکل پیسہ نہیں

= مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن اشترى الدهن أو الحصير للمسجد: أيهما أفضل؟ قال: هما سواء، فقال الفقيه أبو الليث: إن كان المسجد محتاجاً إلى أحدهما فشراؤه أفضل، وإن كان سواء في الحاجة إليهما، كانا في الثواب والأجر سواء أيضاً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۱/۵، إدارة القرآن كراچى)

ہے تو دوسری مسجد کے وقف سے اس کا خرچ چلا سکتے ہیں یا قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

متولی باہمی مشورہ سے ایک وقف سے دوسرے وقف کو بطورِ قرض حسبِ ضرورت رقم دے سکتے ہیں، پھر اس کی واپسی ضروری ہے:

"يجب عليه أن يجعل لكل نوع منها بيتاً يخصه ولا يخلط بعضه ببعض، وأنه إذا احتاج إلى مصرف خزانة، وليس فيها ما يفي به، يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصل التي استقرض بها مال، يؤدى إلى المستقرض". ردالمحتار: ۵۷/۲(۱)۔

یہ اس وقت ہے جب کہ متولی مشترک ہو، یا کوئی منتظمہ کمیٹی مشترک ہو کہ وہ سب اوقاف کا انتظام کرتی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۵ھ۔

ایک مسجد کی آمدنی دیگر مساجد پر صَرف کرنا

سوال[۷۲۲۹]: ہمارے شہر میں ایک مسجد شاہی وقت کی ہے اور عرصہ سے ایک رجسٹرڈ انتظامیہ کمیٹی کے زیرِ نگرانی ہے اور شہر کی چھ مسجدیں اور ایک مسجد دیہات کی بھی اسی کمیٹی کے زیرِ انتظام ہے، ان مساجد کی آمدنی میں تین قسم کی جائیدادیں ہیں:

۱-مسجد سے ملحق کوٹھریاں اور دوکانیں۔ ۲-موقوفہ مکانات۔ ۳-مسجد کی آمدنی سے خرید کردہ مکانات۔

(۱) (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب العشر، مطلب في بيان بيوت المال ومصارفها: ۳۳۷/۲، سعيد)

"وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هذه الأنواع بيتاً ليخصه ولا يخلط بعضه ببعض؛ لأن لكل نوع حكماً يختص به، فإن لم يكن في بعضها شيء، فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك، ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء، رده في المستقرض منه". (تبيين الحقائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ۱۷۱/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ۲۰۰/۵، ۲۰۱، رشيديه)

انتظامی عملہ کی تنخواہ جامع مسجد سے دی جاتی ہے، اس کے علاوہ دیگر اخراجات وآمدنی کا حساب ہر مسجد کا الگ الگ رہتا ہے۔ اورحتی الوسع یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہر مسجد کا آمد وخرچ متوازن ہو، مگر سب ہی مسجدوں میں مستقل آمدنی سے زائد خرچ ہوجاتا ہے جوکہ جامع مسجد کی آمدنی سے پورا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں ایک مسجد کی ضرورت کے تحت دوسری مسجد کی آمدنی صَرف کی جاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں: "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيءٍ واحدٍ. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أورجل مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك". ردالمحتار: ۳۷۲/۳(۱)۔

ہاں! اگر بالکل فاضل ہو، حفاظت دشوار ہو، ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اس کی اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

"أما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة، يتبع شرط الواقف، وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياءً للوقف ورعاية شرط الواقف. هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ، اهـ. وقد علم أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد) .... =

مسجد کے لئے چندہ جمع کر کے مدرسہ بنانا

سوال[۷۲۳۰]: عمر مسجد بنوانے کی فکر میں تھا، برابر اس کے جدوجہد بھی کرتا رہا، کچھ حصہ مسجد کا تعمیر بھی ہوگیا، لیکن ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھی کہ اس نے اسی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور الحمدللہ ۳۶/ طلبہ بھی داخل ہوگئے جس میں کچھ مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ بھی شامل ہیں، یعنی کچھ تعلیم کی فیس ادا کر سکتے ہیں کچھ نہیں۔ اور اس رمضان المبارک میں عمر نے مدرسہ کے لئے چندہ بھی کیا جس میں زکوۃ، صدقات، اعانت کی رقم شامل ہے، لیکن مدِ زکوۃ کی رقم زیادہ ہے تو خیال یہ ہے کہ مسجد پوری تعمیر ہوجائے اور اس میں فی الحال مدرسہ قائم رہے۔ اور اس کے بعد انشاء اللہ مسجد کے سامنے ایک پلاٹ ہے، اس کی تعمیر ہوجانے کے بعد مدرسہ اس میں منتقل ہوجائے گا۔

آیا مسجد کی تعمیر میں مدِ زکوۃ، صدقات، اعانت وغیرہ کی رقم تملیک کے ذریعہ لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، اگر تملیک کر کے لگائی جاسکتی ہے تو تملیک کی کہاں ضرورت ہے؟ اگر نہیں لگ سکتی تو اس کے مصرف واضح فرمائیں، مدرسہ کی تعمیر کے لئے اس رقم کو کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اور طلبہ کی پڑھائی پر کس طرح صرف کیا جاسکتا ہے؟ کیا مدِ زکوۃ، صدقات، چرمِ قربانی سے غیر مستطیع طلبہ کی تعلیمی فیس ادا کی جاسکتی ہے؟ ایک صاحب بینک اور بیمہ کا سود اسکول اور طلبہ کے لئے دینا چاہتے ہیں، کیا لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مدرسہ میں صَرف کرنا جائز نہیں، مدرسہ کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو مسجد پر صَرف کرنا جائز نہیں (۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے مقرر ہوجائے وہاں مدرسہ بنانا اور تعلیمی کام کے

= "سئل عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۴۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، =

لئے اس جگہ کو متعین کر دینا جائز نہیں (۱)۔ اس جگہ ایسے چھوٹوں کو بھی تعلیم نہ دی جائے جو مسجد کا احترام باقی نہ رکھ سکیں (۲)۔

زکوۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرمِ قربانی کو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دینا جائز نہیں، وہ صرف غریبوں کا حق ہے، جو نادار مستحقِ زکوۃ طلبہ تعلیم پاتے ہوں ان کے کھانے، کپڑے پر یہ رقوم خرچ کی جاسکتی ہے (۳)، ان رقوم

= لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله: لایجوز له ذلک): أی الصرف المذکور ....قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشیدیه)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنّبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم، وشراء کم، وبیعکم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مایکره فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیها﴾ الآیة (سورة التوبة: ۶۰)

"ویتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال وجراب .... لابمستهلک کنحل ولحم ونحوه کدراهم، فإن بیع اللحم أو الجلد به: أی بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنویر الأبصار مع ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لایصرف إلی بناء نحو مسجد ولا إلی کفن میت". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

"أی مصرف الزکاة والعشر .... هو فقیر، وهو من له أدنی شئ". (الدرالمختار). "وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبة، کما فی القهستانی". =

سے ان کو نقد وظیفہ بھی دینا درست ہے، پھر وہ چاہیں تو ان رقوم سے مدرسہ کی فیس بھی ادا کردیں۔ قربانی کرنے والے حضرات اگر چرمِ قربانی مدرسہ کے مہتمم ومتولی کو بطورِ ہبہ (گوشت قربانی کی طرح) دے دیں اور وہ اس کو فروخت کر کے تعمیر یا تنخواہ میں حسبِ صوابدید لگا دیں تو یہ درست ہے (۱)۔

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، خواہ بینک کا ہو یا بیمہ کا (۲)۔ ایسا پیسہ جو کچھ ملے اس کو غریبوں محتاجوں کو بلانیتِ ثواب صدقہ کردیں (۳)۔ پھر وہ لوگ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد بغیر کسی دباؤ کے دے دیں تو تعمیر وغیرہ میں لگانا بھی درست ہوگا (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

= (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعید)

(۱) "ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیره .... ویطعم الغنی والفقیر جمیعاً، کذا فی البدائع. ویهب منها ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الأضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة، الخ: ۶/۳۳۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

"واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی یبیعه بما لا ینتفع به إلا بعد الاستهلاک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة: ۵/۳۰۱، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البیع وحرم الربوا﴾ الآیة (البقرة : ۲۷۵)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۳) "ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

(۴) "وقدمناه أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء". (الدرالمختار). "(قوله: أن الحیلة): أی فی الدفع إلی هذه الأشیاء مع صحة الزکاة ...... ویکون له ثواب الزکاة، وللفقیر ثواب هذه القرب". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعید) =

مسجد کے روپے سے عیدگاہ بنانا یا بالعکس

سوال[۷۲۳۱]: مسجد کے روپیہ سے عیدگاہ بنانا، یا عیدگاہ کے روپیہ سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقفِ مسجد سے حاصل شدہ روپیہ سے عیدگاہ بنانا اور وقفِ عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۶/۹/۲۴ھ۔

مسجد کی آمدنی سے تنخواہ میں تقلیل اور اسکول میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۳۲]: مساجد کے اماموں کی تنخواہ ۵۰، ۶۰، ۷۰/ روپے ماہانہ دی جاتی ہے جو بہت ہی قلیل ہے، حالانکہ آمدنی بہت کافی ہے، لیکن اس آمدنی کو مسجد کے لئے اور اماموں کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کے بجائے اسکول میں دنیوی تعلیم میں زیادہ خرچ کیا جاتا ہے اور دنیوی تعلیم بھی بہت ناقص ہے۔ تو مساجد کی اَسّی ۸۰/ فیصد آمدنی اسکول میں دنیوی تعلیم پر خرچ کرنا جائز ہے؟ دینی تعلیم نہیں دیجاتی ہے۔

= "(والحيلة في ذلک) أن يتصدق السلطان بذلک على الفقراء، ثم الفقراء يدفعون ذلک إلى المتولي، ثم المتولي يصرف ذلک إلى الرباط، كذا في الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكوة: ۲/۳۹۲، رشيديه)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلک): أي الصرف المذكور .... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے اس کی آمدنی اس مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)، جب ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں تو پھر مسجد کی آمدنی اسکول میں خرچ کرنا کیسے جائز ہوگا؟ جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، ان کے ذمہ ضمان لازم ہے، ایسے لوگوں کو اوقاف کا منتظم بنانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۲ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا

سوال[۷۲۳۳]: مسجد کے لئے ہمارے گاؤں کی کچھ زمین مسجد بن جانے کے بعد متفرق کاموں کے لئے وقف ہوئی ہے، کسی میں مسجد بنانے کا ذکر ہے، کسی میں مرمت کرانے کا ذکر ہے، کسی میں روزمرہ ضروریات کا ذکر ہے، کسی میں مسجد کی زیبائش وآرائش کا ذکر ہے۔ اب ان زمینوں کی مخلوط آمدنی سے نمازیوں کی سہولت کے لئے غسل خانہ، بیت الخلاء، امام صاحب کی قیام گاہ وغیرہ وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد سے متعلق زمینوں کی آمدنی سے مذکورہ ضروریات بنانا اور ان میں حسبِ مصالح وہ روپیہ خرچ

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف علیها أوقافاً، لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله :لایجوز له ذلک): أی الصرف المذکور ....قال الخیر الرملی:أقول:ومن اختلاف الجهة ماإذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(۲) "وینزع وجوباً، لو غیر مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدرالمختار). "مقتضاه إثم القاضی بترکه والإثم بتولیة الخائن، ولاشک فیه .... القیّم إذا لم یراع الوقف، یعزله القاضی".
(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیة الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امامِ مسجد کا حجرہ واستنجا خانہ بنوانا

سوال[۷۲۳۴]: مسجد کی دوکان کے کرایہ سے یا وقف کے روپے سے امام کے لئے حجرہ بنانا یا استنجا خانہ بنانا کیسا ہے؟ اور امام کے لئے حجرہ بنانا کیا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہے؟ اور نہ بنانے کی صورت میں امام مسجد میں ظہر سے عشاء تک رہے اور ریح وغیرہ اس میں خارج ہو تو کیسا ہے، کیونکہ ریح تو اپنے قابو میں نہیں اور جس شخص کو ابتلاء زیادہ ہو تو کیا کرے، مسجد میں ریح خارج کرنا کیسا ہے؟ نیز متولی امام کے لئے پنکھا و بجلی لگوا سکتا ہے یا نہیں اگرچہ وقف ہی کا پیسہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجرۂ امام اور استنجا خانہ مسجد کی دوکانوں کے کرائے سے بنانا درست ہے(۲)، وقف کے روپے سے

---

(۱) "(قوله: اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد: أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه، والإمام والمؤذن لايستقر لقلة المرسوم، للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعيد)

"والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرّس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۷،۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس". (الدر المختار). "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شَرَطَ الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم لمصلحة كإمام للمسجد، والمدرس للمدرسه يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط =

بھی بنانا درست ہے۔ حجرہ نہ ہو اور امام شب و روز مسجد میں رہائش اختیار کرے اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۷ھ۔

مسجد کے پیسہ سے بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا، لہو ولعب کی تقریب میں شرکت

سوال[۷۲۳۵]: مسجد کے پیسہ سے مسجد کے امام کے لئے پائخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نمازیوں کے لئے پانی کے انتظام کی بابت خرچ کرنا کیسا ہے؟ اور شادی وغیرہ میں اگر محلّہ کی چند عورتیں جمع ہو کر گیت گاتی ہیں تو اس شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے، یعنی کھانا وغیرہ خصوصاً علماء کے لئے کیا حکم ہے؟ شادی وغیرہ میں ہم اپنے رشتہ داروں کو دعوت وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی زمین پر ٹھیکہ دینا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں اس شرط پر ہوتا ہے کہ تمہاری زمین سال بھر تک رہے گی تم ہمیں اتنے من اناج دینا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس طرح غسل خانہ، وضو خانہ مسجد کے پیسہ سے بنایا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن وامام کے لئے پاخانہ بنانے کی ضرورت ہو تو وہ بھی درست ہے(۲)۔ وضو، استنجا، غسل کے لئے پانی کا انتظام بھی مسجد کے پیسہ سے

= كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشيديه)

(۱) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "أي فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شيئ .... والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف: أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى =

درست ہے۔گانا باجہ بجانا جائز نہیں(۱)،جس محفل میں گانا بجانا ہو اس میں شرکت کرنا اور کھانا درست نہیں، خاص کر علماء وصلحاء کے لئے (۲)۔مسجد کی ضروریات ومصالح کے لئے جو زمین وقف ہو اس کی آمدنی اس میں خرچ کی جائے اس کو ٹھیکہ پر دینا درست ہے(۳)۔

= آخر المصالح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارته بما هو أقرب إلیها: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشیدیه)

(۱) "وفی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام، لقوله علیه الصلوة والسلام: "استماع الملاهی معصیة، والجلوس علیها فسق، والتلذذ بها کفر". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعید)

(۲) "وعن سفینة أن رجلاً ضاف علیّ بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فأکل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع یدیه علی عضادتی الباب، فرأی القرام قد ضرب فی ناحیة البیت، فرجع، قالت فاطمة: فتبعته فقلت: یارسول الله! ما ردّک؟ قال: "إنه لیس لی أو لنبیّ أن یدخل بیتاً مزوّقاً". رواه أحمد وابن ماجة". (مشکوة المصابیح، باب الولیمة، الفصل الثانی، ص: ۲۷۸، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحته: "وفیه تصریح بأنه لایُجاب دعوة فیها منکر، اهـ". (مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمة: ۶/۳۷۴، رشیدیه)

"ولو دعی إلی دعوة فالواجب أن یجیبه إلی ذلک، و إنما یجب علیه أن یجیبه إذا لم یکن هناک معصیة ولا بدعة .... من دعی إلی ولیمة فوجد ثمة لعباً أو غناء، فلا بأس أن یقعد ویأکل، فإن قدر علی المنع یمنعهم، وإن لم یقدر یصبر. وهذا إذا لم یکن مقتدی به، أما إذا کان ولم یقدر علی منعهم، فإنه یخرج ولایقعد. ولو کان ذلک علی المائدة، لاینبغی أن یقعد وإن لم یکن مقتدی به. وهذا کله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور، فلا یحضر؛ لأنه لایلزمه حق الدعوة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/۳۴۳، رشیدیه)

(۳) "ولا یجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، کذا فی محیط السرخسی .... وإذا استأجر أرض وقف ثلاث سنین بأجرة معلومة هی أجر المثل حتی جازت الأجرة فرخصت أجرتها، لاتفسخ الإجارة، =

سال بھر کا کرایہ نقد روپیہ تجویز کیا جائے، یا غلہ مثلاً اتنی مقدار فلاں قسم کا اناج ہم کو ایک سال میں دینا اور جو تمہارا دل چاہے زمین میں کاشت کرنا سب طرح درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۷ھ۔

مسجد کا چندہ عمومی کام میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۳٦]: چند حضرات نے مسجد کے لئے روپیہ جمع کیا تھا، لیکن وہ روپیہ عمومی کام میں صرف کرنا چاہتے ہیں، اگر چہ باقاعدہ حساب مع رسیدوں کے موجود ہے، لیکن سب چندہ دہندگان کا موجود ہونا ان کے گھروں پر جاکر دریافت کرنا ایک امرِ مشکل ہے۔ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح چندہ جمع کیا ہے(ان کو جمع کرکے یا گھروں پر جاکر) اس طرح ان سے اجازت لے لی جائے، یا ان کا چندہ واپس کردیا جائے(۲)، جب رسیدیں بھی موجود ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے۔ یا اعلان کیا

= كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "إنما يجوز في الوقف عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ماتعارفه الناس أجرةً وثمناً في الإجارات والبياعات مثل الحنطة والشعير". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۵۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولاتعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب؟ أجاب: إذاكان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه، فإذا لم يكن، رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا، ولايصرف للفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۴/۳۷٦، سعيد)

"الوكيل إذا خالف، إن خلافاً إلى خير في الجنس كبيع بألف درهم فباعه بألف ،ومأة، نفذ،ولو بمأة دينارلا،ولو خيراً". (الدر المختار، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۵۲۱، سعيد)

جائے کہ اس چندے کو فلاں کام میں خرچ کیا جائے گا، جس کو نا منظور ہو وہ اپنا چندہ واپس لے لے۔ اور یہ اعلان اس طرح کیا جائے کہ چندہ دہندگان تک بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے، مثلاً ایک اشتہار چھپ کر تقسیم کیا جائے، یا محلوں اور مساجد میں کہہ دیا جائے، غرض اپنی وسعت کے مطابق اعلان کردیں یا واپس کردیں، اس سے زائد ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

مسجد قدیم کی آمدنی کا مصرف

سوال [۷۲۳۷]: ۱..... پہلی مسجد کے علاوہ مسجد کی زمین موقوفہ ہے، موضع کے معتبر لوگوں کی رائے یا بغیر رائے کے موقوفہ جگہ میں کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... موقوفہ زمین کی آمدنی کہاں خرچ کی جائے اور کیسے خرچ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... خلافِ غرضِ واقف کا استعمال ناجائز ہے، بلکہ اس کی شرطوں کے موافق استعمال کرنا چاہیے (۱)، اگر وہ مسجد کے منافع کے لئے وقف ہے تو اس کو کرایہ پر دیکر اس کا کرایہ مصالحِ مسجد پر صرف کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

مسجد کی فاضل رقم کا مصرف

سوال[۷۲۳۸]: مساجد کی لاکھوں روپیہ کی غیر سودی رقم جو بینک میں جمع ہے جس پر خواہ مخواہ سود چڑھتا رہتا ہے اور حکومت اس میں سے لون لیا کرتی ہے تو کیا ان مساجد کی وہ غیر سودی رقم جبکہ ان مساجد کی حالیہ ضروریات نیز مستقبل کی متوقع ضروریات سے بھی فاضل ہے، تو اس رقم کو مالی اعتبار سے نہایت کمزور، ضرورت مند مساجد کی تعمیر اور مرمت میں اس رقم کا کچھ حصہ استعمال کرنا یا مؤذن اور اماموں کی تنخواہوں میں دینا یا مکاتب ومدارس دینیہ کی امداد یا جدید مکاتب دینیہ قائم کرنا یا غریب بچوں کو وظیفہ دینا، یہ روپیہ ان مذکورہ مدوں میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر مسجد کی رقم اصالۃً اسی مسجد میں صرف کی جائے اگر اس مسجد میں ضرورت نہ ہو اور آئندہ بھی ضرورت متوقع نہ ہو یا رقم کی حفاظت دشوار ہو اور ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر قریب کی مسجد میں اس کے بعد بعید کی مسجد میں حسب ضرورت ومصالح مسجد کی تعمیر، صرفہ پانی، روشنی، تنخواہ امام ومؤذن میں صرف کرنا درست ہے(۱) جب تک یہ مصارف موجود ہوں تو مسجد کے علاوہ دیگر مواقع مثلاً مدارس ومکاتب کی تعمیر یا وہاں کے

= حشیشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ماشاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد الخ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، الخ: ۴۶۱/۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أوخاناً، الخ: ۲۹۷/۳، رشیدیه)

(۱) "ولابأس بنقشه خلامحرابه بجص وماء ذهب لوبماله، لامن مال الوقف فإنه حرام، وضمن متولیه لو فعل النقش أو البیاض، إلا إذا خیف طمع الظلمة، فلابأس به، کافی". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خیف): أی بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها، کما فی القهستانی". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة لابأس دلیل علی أن المستحب غیره الخ: ۶۵۸/۱، سعید)

(وأیضاً ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعید)

ملازمین کی تنخواہوں یا تعلیم پانے والے طلبہ کے وظیفوں میں ہرگز صرف نہ کریں، اگر مساجد میں صرف کرنے کی دور نزدیک کی کوئی صورت نہ رہے تو پھر دینی مدارس ومکاتب کے مواقع مذکورہ میں صرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

مسجد کی آمدنی سے مسجد میں لائبریری چلانا

سوال [۷۲۳۹]: یہاں پر مسجد کے ایک کمرہ میں ایک لائبریری قائم ہے جس میں کچھ مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ہے اور کچھ سیاسی اخبار "تجلی" اور "نشیمن" وغیرہ بھی پڑھے جاتے ہیں اور ایک ملازم مقرر ہے۔ استفتاء یہ ہے کہ مسجد کے روپیہ سے اخباروں کی قیمت ادا کی جاتی ہے اور مسجد ہی کے روپے سے ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ یہ لائبریری کے اخراجات مسجد کے روپیہ سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین جائیداد و دوکان کے لئے وقف ہو، یا جو چندہ مسجد کے نام سے وصول کیا گیا ہو، اس سے کوئی لائبریری قائم کرنا، رسائل واخبار منگانا اور لائبریری کے ملازم کو تنخواہ دینا شرعاً درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لاينقطع ويبقى مابقي الإسلام". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/ ۲۸۸، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/ ۷۴۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/ ۴۶۴، رشيديه)

(۲) "إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون، الخ: ۴/ ۳۶۵، سعيد)

مسجد کے روپیہ سے قبرستان کی زمین خریدنا

سوال[۷۲۴۰]: ایک پڑی ہوئی زمین جس کا مالک ایک ہندو تھا، اس زمین کے کچھ کچھ حصے میں تقریباً سوسال سے مسلمانوں نے قبرستان بنا رکھا ہے، اب وہ زمین اس ہندو سے ایک مسلمان نے خرید لی، لیکن قبرستان اسی طرح برقرار ہے۔ پھر اس زمین کو مسجد کے قریب ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی صاحب نے گاؤں کے دو چار آدمیوں کے مشورہ سے مسجد کے روپے سے مسجد کے نام پر خرید لیا اس نیت سے کہ وہ قبرستان رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ جس حصے میں قبرستان ہے وہ حصہ قبرستان رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کی کمیٹی (قبرستان رکھا جائے یا نہ رکھا جائے) اس بارے میں کچھ فیصلہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا قبرستان باقی رکھنے کے لئے اور کوئی صورت ہے؟ اگر قبرستان کو باقی نہ رکھا جائے تو فتنہ ضرور ہوگا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس زمین کو خریدنے میں جتنا روپیہ مسجد کا خرچ ہوا ہے وہ روپیہ سب مسلمان چندہ کر کے مسجد کو دیدیں اور اس زمین کو قبرستان ہی رکھیں، مسجد کے روپے سے قبرستان کے لئے زمین خریدنے کا حق نہیں (۱) لہٰذا مسجد کا روپیہ وصول ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۲۶ھ۔

مسجد کی رقم تحفظِ مسجد کے لئے لڑے جانے والے مقدمہ کے مصارف میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۴۱]: ایک مسجد ہے اس کے اردگرد کی زمین مسجد ھذا کے نام وقف ہے، جس کا اندراج سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ میں ہے۔ وقف بورڈ کی طرف سے مسجد ہٰذا کے ایک رجسٹرڈ متولی ہیں۔ متعلقہ مسجد کے کچھ لوگ مسجد کے اردگرد کی زمین میں مدرسہ بنانا چاہتے تھے، متولی نے اس میں رکاوٹ کی، کیونکہ اس زمین

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلك): أي الصرف المذكور ....قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

کی گھاس پھونس کی آمدنی میں مدرسہ بننے سے وقف مسجد کو کافی مالی نقصان پہونچا تھا اور شرعی اعتبار سے بھی مسجد کی وقف جائیداد میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز نہیں۔

ایسی شکل میں آپس میں جھگڑا ہوگیا اور خلاف لوگوں نے متولی کے خلاف دوسری پارٹی بنالی اور اپنا ایک نام نہاد متولی بھی بنالیا اور یہ لوگ اسی کے پاس متعلقہ مسجد کا پیسہ جمع کرنے لگے۔ ان لوگوں نے متولی کو الگ کرانے کے لئے وقف بورڈ کو متولی کے خلاف شکایتی درخواستیں بھی بھیجی جو انکوائری پر جھوٹی ثابت ہوئی اور متولی الگ نہ ہوسکے۔ اس خصوصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں نے فوجداری جھگڑا کیا جس پر مقدمہ چالو ہوگیا۔

ایسی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیچے لکھے گئے سوالات کے جوابات درکار ہیں:

١...... اس مقدمہ میں رجسٹرڈ متولی مسجد کا پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

٢...... نام نہاد متولی مسجد کا پیسہ اس مقدمہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

٣...... ایسی شکل میں خلاف پارٹی کے لوگوں کو الگ پیسہ جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی وقف شدہ زمین میں زبردستی مدرسہ بنانے کا حق نہیں (١)، اگرچہ دینی مدرسہ بنانا اور دینی تعلیم کو عام کرنا بہت بڑے اجر وثواب کی چیز ہے، مگر ناحق طریقہ کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے، اور اس کے لئے متولی سے جھگڑا کرنا اور اس کو تولیت سے الگ کرانا اور مقدمہ لڑانا بہت مذموم اور گناہ ہے (٢)۔

١...... اگر اس مقدمہ کی کامیابی میں مسجد کا تحفظ ہے اور اس کی جائیداد کا تحفظ ہے تو رجسٹرڈ متولی کو اس میں مسجد کا روپیہ خرچ کرنا درست ہے کہ یہ درحقیقت مسجد ہی کے لئے ہے (٣)۔

---

(١) "قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه: ٣٦١/٤، سعيد)

(٢) "لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولايخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٤١١/٥، رشيديه)

(٣) "لو استولى عليه الظالم، ولم يمكنه دفعه عنه إلا بصرف ماله فصرف، لايضمن". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ٤٠٢/٥، رشيديه) .... =

۲.....سوال میں تحریر کردہ حالات کے تحت اس کو مسجد کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔

۳.....نہ جھگڑالو آدمی کا ساتھ دیا جائے، نہ اس کے لئے چندہ کیا جائے، بلکہ جھگڑا ختم کرا کے صلح کی کوشش کی جائے، اسی میں خیر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا

سوال[۲۴۲۱]: کیا مساجد کا روپیہ حکومت کو ہنگامی حالات میں دینا جائز ہے؟ نیز مساجد کا روپیہ کہاں کہاں خرچ کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا روپیہ، وقف کا روپیہ جو کہ امانت ہے، متولی کو مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۱ھ۔

= "والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة .... ثم السراج والبساط کذلک إلی آخر المصالح". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها: ۳۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(۱) "فاستفید منه أنه إذا لم یمنع من یتلف شیئاً للوقف، کان خائناً ویعزل .... فاستفید منه أنه إذا تصرف بما لایجوز، کان خائناً یستحق العزل، ولیقس مالم یقل". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشیدیه)

(۲) "إذا ذکر للوقف مصرفاً، لابد أن یکون فیهم تنصیص علی الحاجة حقیقةً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: متی ذکر للوقف مصرفاً لابد أن یکون، الخ: ۳۶۵/۴، سعید)

"إذا قصر المتولی فی شئ من مصالح الوقف هل یضمن؟ قلت: إن کان فی عینٍ، ضمنها، وإن کان فیما فی الذمة، لایضمن". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشیدیه)

"ولو اشتری بغلته ثوباً ودفعه إلی المساکین، یضمن مانقد من مال الوقف لوقوع الشراء له". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۶/۵، رشیدیه)

مسجد کا روپیہ مسجد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۷۲۴۳]: گورکھپور شہر میں جامع مسجد کمیٹی کی طرف سے ایک رؤیتِ ہلال کمیٹی قائم ہوئی، اس سلسلے میں کچھ روپے خرچ ہوئے اور روپے مذکورہ بالا جامع مسجد کے پیسے سے خرچ ہوئے۔ سوال صرف یہ ہے کہ مسجد کا پیسہ رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں ازروئے شریعت خرچ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ جب کہ وقف نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اس موقوفہ یا نذر کی آمدنی مصلّیوں کے مفاد میں خرچ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رؤیتِ ہلال کا تعلق اس مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں، لہذا اس مسجد کے وقف کا پیسہ اس سلسلہ میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، لأن شرط الواقف کنص الشارع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا

سوال[۷۲۴۴]: رواجاً مسجد میں جو سریر اور چارپائی مُردوں کے نہلانے اور قبرستان لے جانے کے واسطے مہیا کی جاتی ہے تو وہ مساجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے بنانا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ وقف مساجد کے مصارف کے لئے ہوتا ہے اور یہ چیزیں اہل محلہ اور عام مسلمانوں کی سہولت کے لئے ہوتی ہیں تو مسجدوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، لہذا دلائل کے ساتھ مسئلہ کی شرعی صورت تحریر فرمائیں کہ ان امور میں

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، کتاب الوقف الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

"قال الخیر الرملی: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: أحدهما للسکنی والآخر للاستغلال، فلایصرف أحدهما للآخر، وهی واقعة الفتوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعید)

وقف کی آمدنی کا صرف کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ وقف ناموں میں بالعموم جزئیات نہیں ہوتیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے:"لیس لقیّم المسجد أن یشتری جنازةً، وإن ذکر الواقف أن یشتری جنازةً، کذا فی السراجیة". فتاوی عالمگیری: ٢/٤٦٢ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے پیسے سے مسجد کے غسل خانہ کے لئے بالٹی خریدنا

سوال[۷۲۴۵]: مسجد کے وقف مال میں سے مسجد کے غسل خانوں میں غسل کے واسطے بالٹی خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کوئی شخص بالٹی خرید کر مسجد کو وقف کرتا ہے تو کیا اس بالٹی کو عوام الناس کے غسل کے واسطے غسل خانہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالح مسجد کے لئے جو وقف ہو اس کی آمدنی سے غسل کے لئے بالٹی خریدنا اور غسل خانۂ مسجد میں رکھ دینا تا کہ نمازی وقت ضرورت اس سے غسل کرلیا کریں جائز ہے (۲)، اسی طرح کوئی شخص بالٹی ہی خرید کر اس

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۲، رشیدیہ)

"ذکر الواقف فی کتاب الوقف أن القیم یشتری جنازةً، لایجوز للقیم أن یشتری جنازةً من غلة الوقف، ولو اشتری ونقد الثمن من غلة الوقف، یکون ضامناً .... وشراء الجنازة لیس من مصالح المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۷، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیة علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد وما یتصل به: ۶/۲۶۹، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه، الخ: ۴/۴۲۲، رشیدیہ)

(۲) "والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ماھو أقرب إلی العمارة، =

مقصد کے لئے وہاں رکھ دے تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۱ھ۔

مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا

سوال[۷۲۴۶]: جو روپیہ مسجد میں جمع ہو اس سے پانی گرم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے جمع ہو اس روپیہ سے نمازیوں کے لئے سردی کے زمانہ میں پانی گرم کرنا درست ہے، تاکہ وہ باآسانی وضو کرلیا کریں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد......... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳۶۷/۴، سعيد)

(۱) "والأصح ماقال الإمام ظهيرالدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول فى المتولى: ۲۴۱/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وأوقافه، الخ: ۴۲۲/۴، رشيديه)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به: ۲۶۹/۶، رشيديه)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجدو مدرس مدرسة". (الدرالمختار).
"(قوله: ثم ماهو أقرب لعمارته) والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف: أى من غلته عمارته، شَرَط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة الخ: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه) .... =

مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا

سوال[۷۲۴۷]: مسجد کی آمدنی سے قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ مدرسہ اس مسجد کے تابع ہے یعنی بانی نے مسجد بنائی اور اس کے تابع ہی مدرسہ بنایا اور ہدایت کی کہ یہ مدرسہ مسجد کے تابع رہے گا اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ چلایا جائے گا تو شرعاً یہ درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا

سوال[۷۲۴۸]: مسجدوں میں اسپیکر رکھے جاتے ہیں تو اس کی بیٹری بھرواتے ہیں، اس میں جو صرفہ ہوتا ہے۔کیا اس کو مسجد کے جمع شدہ روپیہ سے ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کی ضرورت کے لئے یہ صرفہ ہے تو مسجد کے لئے جمع شدہ روپیہ سے ان کو پورا کرنا درست ہے(۲) ورنہ اس کا انتظام علیحدہ سے کیا جائے۔فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف عمارته .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح". =

عیدین وجمعہ کے موقعہ پر مسجد کی آمدنی سے عام شاہراہ پر فرش بچھوانا

سوال[۷۲۴۹]: جمعۃ الوداع اور عیدین کے موقعہ پر اندر صحن اور کوٹھے کی جگہ بھر جاتی ہے، اور مسجد کے باہر پورب، اتر، دکھن پختہ سرکاری سڑک ہے(۱)، اس پر لوگ صف قائم کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جامع مسجد کی آمدنی سے کرایہ پر شامیانے اور دریاں بچھوائی جاتی ہیں، جس پر سالانہ پانچ سو روپے خرچہ آتا ہے۔ کیا حدودِ مسجد کے باہر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ شامیانے اور دریوں کا انتظام مسجد کی آمدنی سے کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ انتظام بھی اسی مسجد کے نمازیوں کے لئے ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

مسجد کے روپے سے کسی غریب کی حالت کو سدھارنا

سوال[۷۲۵۰]: جن مساجد کے پاس کافی روپیہ جمع ہے، وہ غرباء کو قرض دے کر ان کی حالت

= (كنز الدقائق). "(قوله: إلى آخر المصالح): أى مصالح المسجد، فيدخل المؤذن .... وثمن القناديل والزيت والحصر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵٦/۵، ۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۳٦۷/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۳/۲، ۵۸۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "پورب: مشرق"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۰۸، فيروز سنز، لاهور)

"اتر: شمال، جواب"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳، فيروز سنز لاهور)

"دکھن: جنوب کی سمت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۴۲، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح .... والبساط: أى الحصير، ويلحق بهما معلوم خادمها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵٦/۵، ۳۵۹، رشيديه)

سدھار سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱/۲۱ھ۔

مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا

سوال [۷۲۵۱]: جامع مسجد اور دیگر مساجد متعلقہ میں رمضان شریف میں اسی آمدنی (مسجد کی ملحقہ دوکانوں اور موقوفہ مکانات) سے نمازیوں کو افطار کرایا جاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس پر جو دوکان وقف ہے اور واقف نے افطار کی اجازت دی ہے اس کی آمدنی سے اسی مسجد میں افطار کے لئے صَرف کرنے کی اجازت ہے، واقف کی اجازت نہ ہو تو درست نہیں (۲)۔ ہاں! اگر واقف کے زمانہ سے یہ دستور برابر چلا آرہا ہو تو بھی درست رہے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء؟ قیل: لایصرف، وإنه صحیح، ولکن یشتری به مستغلاً للمسجد، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۳، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قیم المسجد: ۵/۸۶۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شَرَط ذلک فی الوقف، کذا فی الذخیرة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۳، رشیدیه)

(۳) "بعث شمعاً فی شهر رمضان إلی مسجد، فاحترق، وبقی منه ثلثه أو دونه، لیس للإمام ولا للمؤذن=

افطار کے لئے دیا ہوا روپیہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صَرف کرنا

سوال[۷۲۵۲]: ہمارے قصبہ میں دوتین مسجدیں ہیں، رمضان شریف میں افریقہ سے ہمارے یہاں کے اشخاص افطار کے واسطے چند روپے روانہ کرتے ہیں اور یہاں مسجد کے متولی صاحب ان روپوں میں سے بعض روپے افطار میں خرچ کرتے ہیں اور اکثر روپے مسجد کے اَور کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اور کبھی ان روپوں میں سے اکثر افطار کے لئے خرچ کرتے ہیں اور بعض مسجد کے اَور کام کے لئے خرچ کرتے ہیں، دونوں طرف مساوی خرچ ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ جو روپے صرف افطار کے لئے وصول ہوں اس میں سے مسجد کے لئے بھی خرچ کئے جائیں؟ صحیح جواب مع حوالہ کتب کے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دینے والے محض افطار کے لئے دیتے ہیں تو بغیر ان کی اجازت کے دوسرے کام میں صَرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ متولی ایسی حالت میں معطی کا وکیل ہے اور وکیل کو مؤکل کے امر کے خلاف صَرف کرنا درست نہیں، هكذا في كتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

امام کی تنخواہ وقف زمین کی آمدنی سے

سوال[۷۲۵۳]: ایک امام صاحب کی تنخواہ کم ہے، متولی اوقاف میں خیانت کر رہے ہیں، ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کر رکھی ہے، خود کاشت کاری کرتے ہیں اور آمدنی مسجد میں دیتے ہیں۔ اگر یہ

= أن يأخذ بغير إذن الدافع. ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن في ذلك، فله ذلك، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۹/۲، سعيد)

شخص کچھ غلہ اپنی زمین سے امام صاحب کو بغیر متولی کی اطلاع کے دے دیں تو دے سکتے ہیں اور امام اس کو لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام کی تنخواہ متولی نہیں دیتا تو بقدرِ تنخواہ مسجد کی زمین کی پیداوار سے وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی سے حافظِ تراویح کو انعام دینا

سوال[۷۲۵۴]: ختمِ تراویح اور شبینہ کے موقع پر اُسی آمدنی سے حفاظ کو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں، حالانکہ وقف کنندگان میں سے کسی کی تحریر میں ان مدات میں خرچ کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن کریم سنانے والوں کو روپیہ دینا درست نہیں (۲)، ہاں! اگر وہ ہمیشہ کا امام بھی ہو اور اس کو رمضان المبارک میں اصل تنخواہ سے زائد کچھ دیا جائے تو اسی مسجد کے اوقاف سے دینے کی

---

(۱) "لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم، اھ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب بعمارته، کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(۲) "(قوله: ولا لأجل الطاعات) الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لایجوز الاستیجار علیها عندنا، لقوله علیه الصلوة والسلام: "اقرأوا القرآن ولاتأکلوا به". (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستیجار علی الطاعات: ۵۵/۶، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإجارة: ۱۳۷/۲، مکتبه میمنیه مصر)

اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

رقمِ مسجد تراویح کے حافظ پر خرچ کرنا

سوال[۷۲۵۵]: آیا مسجد کی رقم سے تراویح سنانے والے حافظ کا خرچ طعام دیا جا سکتا ہے؟ صرف دووقت کھانا یا اس کی قیمت دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں دینا چاہیے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۱ھ۔

عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا

سوال[۷۲۵۶]: عیدگاہ یا مسجد کے لئے لوگوں نے چندہ کیا۔اس روپیہ سے قرض دینا اور لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، وہ امانت ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۶/۹/۲۴ھ۔

---

(۱) "لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم، اهـ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ من غلة الوقف بعمارته: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۹/۵، رشیدیه)

(۲) "وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شَرَط ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد: ۴۶۳/۲، رشیدیه)

(۳) "مع أن القیم لیس له إقراض مال المسجد. قال فی جامع الفصولین: لیس للمتولی إیداع مال =

مسجد کا دھان ادھار دینا

سوال[۷۲۵۷]: مسجد کا کچھ دھان اس کی زمین میں کھیتی کرنے والوں کو ادھار دے دیا اور پیداوار کے موسم میں ادھار کیا تھا تو اس وقت بھاؤ سستا ہوا ہے اور جس وقت دھان دیا تھا اس وقت مہنگا ہوتا ہے۔ اس طرح دو تین سو روپیہ مسجد کا نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طریقہ پر مسجد کا دھان قرض دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعاً یہ درست نہیں، مسجد کا جس قدر نقصان ہو رہا ہے اس کا ضمان لازم ہے(۱)، جتنا دھان دیا تھا، اگر اتنا ہی وزن کر کے واپس مل گیا تو ضمان لازم نہیں اگرچہ قیمت میں فرق ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۸/۹۰ھ۔

مسجد کے پیسہ سے تجارت

سوال[۷۲۵۸]: مسجد کے پیسہ سے مسجد کے لئے تجارت کر سکتا ہے یا نہیں؟

= الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۱، رشيديه)

(۱) "مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد .... فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۱، رشيديه)

(۲) چونکہ یہ معاملہ قرض ہے اور قرض میں قاعدہ یہی ہے کہ ذوات الامثال میں اس چیز کی مثل دینا ضروری ہے، اور اتنا ہی واپس کرنا ضروری ہے جتنا لیا تھا:

"(والقرض) شرعاً عقد مخصوص: أي بلفظ القرض ونحوه (يَرِد على دفع مال مثلي) خرج القيمي (لآخر ليردّ مثله)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، فصل في القرض: ۵/ ۱۶۱، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلک مطلب: الديون تقضى الخ: ۳/۸۳۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا پیسہ متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس میں اُور کسی قسم کا تصرف کرنا روزگار وغیرہ میں لگانا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا روپیہ تجارت کے لئے دینا

سوال[۷۲۵۹]: مسجد کی جورقم جمع تھی اس رقم کو متولی مسجد نے اپنے ایک رشتہ دار کو بیوپار کرنے کے لئے دے دی، اس شخص نے مسجد کا کوئی حصہ طے نہیں کیا۔اس تجارت میں کافی نفع ہوا، اس نے مسجد کی رقم واپس کرتے ہوئے مبلغ ۲۲۵/ روپے زائد دے دیئے۔یہ زائد رقم جو اس نے دی ہے، یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟اور آئندہ یہ رقم مسجد کا متولی کسی صورت سے اپنے رشتہ دار کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی رقم متولی کے پاس امانت ہے، کسی کو بیوپار کے لئے دینے کا اس کو حق نہیں، ہرگز کسی کو نہ دی جائے (۲)۔جو رقم دی تھی وہ بطورِ قرض تھی، قرض میں یہ شرط کرنا کہ واپسی کے وقت اتنی رقم زائد لی جائے گی جائز نہیں کہ یہ سود ہے (۳)، لیکن بغیر شرط کے اگر قرض لینے والا یہ کہہ کر قرض واپس کردے کہ اتنی رقم تو قرض تھی، یہ واجب الاداء ہے، اور اتنی رقم میں بلا کسی التزام کے اپنی طرف سے زائد دیتا ہوں تو یہ شرعاً درست ہے اور حدیث

---

(۱) "وفي القنية: ولايجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

"والوديعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(۲) "والوديعه لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(۳) "عن عليّ أمير المومنين رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جرمنفعةً فهو ربا : ۴۹۸/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز، رياض)

پاک سے ثابت ہے، اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا روپیہ کسی کے ذمہ ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا

سوال[۷۲۶۰]: مسجد کے متولی، امام، یا مسجد کے کسی خدمتی مؤذن وغیرہ کو مسجد کی بقایا رقم جب کہ مجبوری ہو ادا نہ کر سکتا ہو، معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو معاف کرنے کا حق کسی کو نہیں (۲)، جو لوگ معاف کرنا چاہتے ہیں وہ چندہ کر کے اس کی طرف سے ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی آمدنی کو ختم کر دینے کا کسی کو بھی حق نہیں

سوال[۷۲۶۱]: جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں وہ جامع مسجد کی زمین پر بنی ہوئی ہیں اور جامع مسجد ہی کی ملکیت ہیں، مسجد کو ان دوکانوں سے تقریباً ۲/۷ ہزار روپے سالانہ کی آمدنی

---

(۱) "وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان لی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دینٌ، فقضانی وزادنی". رواہ أبوداؤد". (مشکوۃ المصابیح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۳، قدیمی)

(۲) "أکار تناول من مال الوقف فصالح المتولی علی شئ، فهذا علی وجهین: إما أن یکون الأکار غنیاً أو فقیراً، ففي الوجه الأول لایجوز الحط من مال الوقف". (التاتارخانیة، کتاب الوقف، تصرف القیم فی الأوقاف: ۷۶۰/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف، الخ: ۴۲۲/۲، رشیدیه)

"وأما إذا کان علی أرباب معلومین ومستحقین مخصوصین، لاتجوز المسامحة والحط بالصلح مطلقاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۶/۵، رشیدیه)

ہے۔ گورنمنٹ کا محکمہ ''ڈی-ڈی-اے'' ان تمام دوکانوں کو ہٹا کر باغیچہ وغیرہ بنانا چاہتے ہیں، اگر ایسا ہوگا تو مسجد کی آمدنی ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔ انہیں حالات کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کیا گورنمنٹ کو حق ہے کہ وہ زبردستی مسجد کی آمدنی کو ختم کردے؟

۲...... کیا مسجد کے منتظمین کو حق ہے کہ وہ مسجد کی ملکیت اور آمدنی کو اس کام کے لئے ختم کردیں؟

۳...... اگر گورنمنٹ کی اس خواہش کو پورا کیا جائے تو کن صورتوں میں اس خواہش کو پورا کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی کو ختم کرنے کا کسی کو حق نہیں (۱)، ایسی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۶ھ۔

مسجد کی دوکانوں کے کرایہ اور شادی کی آمدنی سے امام کی تنخواہ

سوال[۷۲۶۲]: مسجد کا پیسہ جو دوکانوں کے کرایہ اور شادی کے موقع پر حاصل ہوتا ہے اس سے

---

(۱) "ففي فتاویٰ قاری الهداية: سئل: إذا استأجر شخص داراً وقفاً ثم إنه هدمها وجعلها طاحوناً أو فرناً أو غيره مايلزمه؟ أجاب: ينظر القاضي إن كان ماغيرّها إليه أنفع لجهة الوقف، أخذ منه الأجرة وبقي ماعمّر لجهة الوقف، وهو متبرع بما أنفقه في العمارة ولا يحسب له الأجرة. وإن لم يكن أنفع ولا أكثر ريعاً، أُلزم بهدم ماصنع وإعادة الوقف إلى الصفة التي كان عليها بعد تعزيره بما يليق بحاله".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا هدم المشتري أو المستأجر دارالوقف ضمن: ۴/۴۴۷، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۴۴۴، (رقم القاعدة: ۱۱۷۱)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں یانہیں؟ نیز غسل خانہ وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے روپیہ کو تنخواہ امام میں دینا اور مسجد کے حمام اور غسل خانہ میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱/۲/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لو وقف علی مصالح المسجد، یجوز دفع غلته إلی الإمام والمؤذن والقیم، اهـ" (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

"والذی یبدأ به من ارتفاع الوقف: أی من غلته عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلی العمارة، وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلی قدر کفایتهم".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها: ۳۶۷/۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف: ۳۶۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

الفصل الخامس عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

مالِ حرام مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۶۳]: حیدرآباد سے ایک پرچہ بنام ''اطلاع'' نکلتا ہے جس میں ''پوچھئے اور سنیئے'' کی سرخی کے تحت ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں پوری طاقت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''حرام مال بطور چندہ کے مسجد ومدرسہ میں لے سکتے ہیں، اس میں شرعی کوئی قباحت نہیں ہے''۔ وہ مضمون دوقسط بناکر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا، پہلی قسط اب روانہ کررہا ہوں اور مختصراقتباس بناکرارسال کررہا ہوں۔

امید ہے کہ حضرت والا اپنی مصروفیتوں میں تھوڑا وقت ضرور بالضرور فارغ فرماکر جواب روانہ فرمائیں تو عین کرم ہوگا، کیونکہ دکن کا اکثر حصہ مشائخ پرست اور بدعات کے تابع ہے اور خود ایڈیٹر صاحب مستقل حیدرآباد کے مشہور واعظ حسام الدین صاحب جن کا مشائخ میں شمار ہے، ان کے صاحبزادے کے بیٹے ہیں یعنی پوتے ہیں، ان کے قلم سے نکلنے کے بعد خصوصاً جب کہ آیات واحادیث سے مشید کیا گیا ہے تو کافی لوگ مغالطہ میں پڑگئے ہیں۔

اس فاسد عقیدہ وعمل سے نجات دلانے کے لئے آنجناب مبرہن ومدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں اور اس کو چھاپ کر شائع کردیا جائے تاکہ عوام الناس غلط فہمی کے شکار نہ رہیں۔

سوال: ''جس کی آمدنی کا کل حصہ یا کل کی کل آمدنی حرام ہو جیسے سودخور ہو، یا مسکرات کی آمدنی رکھتا ہو، اس کے پاس دعوت میں جانا، یا اس سے کسی کارخیر میں چندہ لینا، یا ایسے سے مسجد کے لئے روپیہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ اکثر علماء ناجائز بتاتے ہیں براہ کرم آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب دیجئے۔

جواب: ''شرع محمدی میں جس قدر معقولیت ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں

نہیں اور جو اصول مقرر ہیں ان سے کسی مسئلہ میں ٹکراؤ نہیں پایا جاتا ہے۔ روپیہ استعمال صرف دو ہی طریقوں سے ہوا کرتا ہے:

۱- آمدنی کے لحاظ سے، ۲- خرچ کرنے کے لحاظ سے۔

چنانچہ اسلام میں بھی ان ہی دو طریقوں سے امر و نہی فرمائی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ روپیہ کمانا ہو تو ان ذرائع سے کمایا جائے جسے حلال کیا گیا ہے، جیسے: تجارت، زراعت یا ملازمت وغیرہ، یعنی اس سلسلہ میں وہ طریقے نہ رہیں جو حرام کئے گئے ہیں، جیسے: سود، جھوٹ، رشوت، چوری وغیرہ۔

ایسا ہی خرچ کرنے کے جو مدات ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو حرام جیسے: شراب اور دیگر مسکرات خریدنا، سود دینا، یا ناجائز کام پر خرچ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ بُرائی کی مدد کے لئے روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چاہے وہ وجہ حلال سے کمایا ہوا روپیہ کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (۱) اس لحاظ سے غیر مسلموں کو چندہ دینا بھی قرآن مجید کے حکم سے ممنوع ہے، الخ۔

جب غیر مسلموں سے چندہ لیں گے تو ان کو بھی چندہ دینا پڑے گا، اس لئے غیر مسلموں سے چندہ نہ لیا جائے۔

دعوی: جائز کام کے لئے خرچ کرنے کے واسطے ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

دلیل اول: اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے اوصاف میں فرمایا ہے کہ: ﴿وأنفقوا مما رزقناهم سراً وعلانيةً يرجون تجارةً لن تبور﴾ الآية (۲)۔ اس میں وجہ حلال کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ فرمایا گیا ہے "جو کچھ بھی ہم نے ان کو دیا ہے" تو وجہ حرام کی کمائی بھی جب کہ غیر اللہ سے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا وہی

---

(۱) (سورة المائدة: ۲)

(۲) (سورة فاطر: ۲۹)

اللہ تعالیٰ ہی ہے تو حرام کمائی بھی خرچ ہوسکتی ہے اور اس طرح پر خرچ کی جاسکتی ہے جس کا اجر ملے، چونکہ اس آیت میں مندرجہ بالا آیت کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے: ﴿لیوفیهم أجورهم و يزيدهم من فضله، إنه غفور شكور﴾(۱)۔

اس آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''غفور'' فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جو اچھے کاموں پر خرچ کرے گا، وہ اگر روپیہ کو ناجائز طریقہ سے کمایا ہو تو اس کا اس طرح پر خرچ کرنا بخشے جانے کا موجب ہوگا۔

دلیل دوم: اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے، وہاں اچھی کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی ہے، مگر کمائی کا جہان ذکر ہے، یا اپنے استعمال میں لانے کا جہاں ذکر ہے، وہاں پاک طریقہ اور اچھی چیزوں کو مخصوص فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یا أيها الذين امنوا كلوا من طيبت ما رزقناكم﴾ الآية(۲)۔

تو کھانا چونکہ اسی کا ہوتا ہے جسے کمایا جاتا ہے اس لئے اچھے طریقہ سے کمانے کا حکم سمجھا جانا چاہئے اور ہے ہی یہی، لہذا کمانے کے لئے وجہ حلال کی صراحت کی گئی ہے، مگر خرچ کرنے کے لئے خواہ وہ نیک کام ہی کیوں نہ ہوں حلال وحرام کی صراحت نہیں کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اچھے کام پر خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے، خواہ آمدنی کیسی ہی ہو، چنانچہ:

سوم: حج کے لئے استطاعت کو مشروط فرمایا گیا ہے، مگر روپیہ کے لئے تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ حلال کمائی ہی کی ہو اور اس حلال کمائی کی وجہ سے حج کو جانے کی استطاعت ہونی چاہئے تو پھر جب حج جو اسلام کا ایک رکن ہے حرام روپیہ سے کیا جاسکتا ہے تو حرام کمائی والے کے پاس سے جائز دعوت میں کھانا کیسے حرام ہوسکتا ہے اور اس سے نیک کام میں چندہ لینا کیسے نادرست ہوسکتا ہے؟

---

(۱) (سورة فاطر: ۳۰)

(۲) (سورة البقرة: ۱۷۲)

چہارم: یہ معلوم رہے کہ ناجائز کمائی اس کمانے والے کی حد تک ناجائز ہے، نہ کہ حلال نوعیت سے روپیہ اس سے لینا بھی دوسرے کے لئے ناجائز ہو، اگر ایسا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے لئے نذرانہ وغیرہ لینے کا حکم ان سے دیتا جن کی حلال کمائی ہو، بلکہ فرمایا گیا ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً تطهرهم و تزكيهم بها، وصل عليهم﴾ الآية(۱)۔

تو جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نذرانہ لیتے وقت اسے معلوم کرنے کی تاکید نہیں ہے کہ یہ تمہارا روپیہ حلال طریقہ سے کمایا ہوا ہے یا حرام؟ تو پھر کسی کو اسی طرح دعوت کے موقعہ پر یا دیگر موقعوں پر یہ سمجھنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ روپیہ دینے والے کی کمائی حرام ہے یا حلال؟

پنجم: علاوہ ازیں جب زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف اس کمائی کا اڑھائی فی صد زکوٰۃ میں دیں جسے حلال طور پر کمایا ہے، بلکہ حلال وحرام سب کے مجموعہ پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے تو اسلام کے ایک رکن زکوٰۃ میں جو خرچ کے مدات سے ہے، حرام روپیہ بھی خرچ ہوسکتا ہے اور اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے تو حرام کمائی میں سے حرام کمانے والا اگر نیک کام پر روپیہ دے، تو اسے لینے سے انکار کسی مسئلۂ شرعی کی بناء پر درست نہیں ہوسکتا، ورنہ حرام روپیہ کمانے والے حج وزکوٰۃ وغیرہ سے مستثنیٰ ہو جائیں گے جو غلط ہے۔

ضروری وضاحت:

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کسی حرام کمائی کرنے والے سے نیک کام میں روپیہ لینے کو جائز کہنے کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ مثلاً مسجد کے لئے لاٹری ڈالی جائے، کیونکہ اس صورت میں مسجد کی طرف سے حرام روپیہ فراہم کرنا پایا جائے گا، جو ویسا ہی حرام جیسا کہ کوئی شخص خود لاٹری ڈالے، ہاں! لاٹری جو کھلم کھلا جوا ہے،

(۱) (سورة التوبة : ۱۰۳)

کوئی مسلمان روپیہ حاصل کر کے اس میں سے مسجد کو چندہ دے تو وہ رقم چندہ کی قرار پائی ہے جو جائز ہے، جوے سے مسجد کے لئے روپیہ فراہم کرنا نہیں رہا، اس لئے جوے میں روپیہ کمانے والے سے چندہ لینے اور مسجد کے لئے فنڈ کو جمع کرنے کے لئے لاٹری ڈالے اس فرق کو تمیز کرنے کی ضرورت ہے تا کہ حلال وحرام میں فرق معلوم ہو سکے۔ جو علماء اس کے خلاف کہتے ہیں ان کو میرے پیش کردہ دلائل پر غور کرنا چاہئے اور نظرِ ثانی کے بعد اپنے قول سے رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حرام مال مسجد میں لگانا درست نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی (بمنزلۂ حرام) ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص و ماء ذهب بماله الحلال، اه". درمختار. وقال ابن عابدين: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ، شرنبلالية". رد المحتار: ۱/۴۴۲(۱).

حرام اور حرام مال نہ اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے، نہ اپنے اہل وعیال پر، اپنے پاس رکھنا بھی درست نہیں، بنیتِ ثواب صدقہ کرنا بھی جائز نہیں، ایسے مال میں ثواب کی نیت کرنا بہت خطرناک ہے، جس مال پر ملک ہی حاصل نہ ہو اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں:

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه، فتجب الزكوٰة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقوله أوفق؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب. وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط، مفصل عنه، يوفي دينه،

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا باس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن الباس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعيدية. وفي شرح الوهبانية عن البزازية: إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي، اهـ". درمختار(۱)۔

"في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكوٰة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، اهـ.......... ما وجب التصدق بكله، لا يفيد التصدق ببعضه؛ لأن المغصوب إن عُلمت أصحابه أو ورثتهم، وجب رده عليهم، وإلاوجب التصدق به، اهـ"(۲)۔

"رجل دفع على فقير من المال الحرام شيئاً، يرجو به الثواب، يكفر. ولو علم الفقير بذلك، فدعا له وأمّن المعطي، كفرا جميعاً.......... ينبغي أن يكون كذلك لو كان المؤمن أجنبياً غير المعطي والقابض، وكثير من الناس عنه غافلون، ومن الجهال فيه واقعون. قلت: الدفع إلى الفقير غير قيد، بل مثله فيما يظهر: لو بنى من الحرام بعينه مسجداً ونحوه مما يرجو به التقرب؛ لأن العلة رجاء الثواب فيما فيه العقاب، ولايكون ذلك إلا باعتقاد حله.......... أي مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله، كما مر، فافهم، الخ". ردالمحتار ۲/۲۵، ۲۹(۳)۔

حج میں مالِ حرام کا خرچ کرنا حرام ہے، اس سے حج قبول نہیں ہوتا:

"و قد يتصف (الحج) بالحرمة كالحج بمال حرام". درمختار۔ "وإنما يحرم من حيث الإنفاق، وكأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه. قال في البحر: ويجتهد في تحصيل

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثاني في المصرف: ۴/۸۲، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً، فنوى بذلك أداء الزكاة إليه: ۲/۲۹۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲/۳۲، (رقم الحديث ۳۰۱)، رشيديه)

نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كماورد في الحديث، اهـ". ردالمحتار: ۱٤/۲(۱)۔

اگر کسی وارث کو معلوم ہو کہ مورث کے پاس فلاں مال حرام ہے، تو اس کو وراثۃً لینا وارث کے لئے جائز نہیں، بلکہ اصل مالک معلوم ہو تو اسے واپس کردے، ورنہ صدقہ کردے:

قال ابن عابدينؒ: "لا يحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه. في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لا يحل له أخذه. والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل، ويتصدق به بنية صاحبه، اهـ". ردالمحتار: ۱/۱۸۰(۲)۔

فقہاء کے بیان کردہ مسائل، کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ثابت ہیں۔ایک صحابی کوایک شخص نے کمان ہدیۃً دی تھی جس میں عدمِ مشروعیت کی شان تھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ آگ کی کمان ہے"(۳)۔کسی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی اور مالک کی اجازت کے بغیر بکری ذبح کرلی (کہ قیمت پھر دیدیں گے) حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور نوش فرمانے سے انکار فرمادیا(۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(۳) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إليّ رجل منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلأسألنّه. فأتيته، فقلت: يا رسول الله! رجل أهدى إليّ قوساً .... قال: "إن كنت تحب أن تطوّق طوقاً من نار فاقبلها" (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في كسب المعلم: ۱۲۹/۲، إمداديه ملتان)

(۴) "وعن عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة، فرأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو على القبر =

﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے لئے نذرانہ وصول کرنے کا حکم نہیں، بلکہ وہ صدقہ ہے، جیسا کہ صراحۃً اس کو صدقہ ہی فرمایا گیا ہے، صدقہ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حرام تھا، بلکہ آپ کے اہلِ بیت کے لئے بھی حرام تھا، آپ کے نواسہ نے بہت ہی بچپن میں ایک کھجور منہ میں دے لی تھی اور وہ زکوۃ کی تھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً اس کے منہ میں انگلی دے کر وہ کھجور نکال لی اور بچے کو اس سے روک کر اس کی زبان میں سمجھایا کہ صدقہ ہمارے لئے جائز نہیں (۱)۔ کتب حدیث وفقہ میں بہت صاف صاف اس کو بیان کیا گیا ہے۔ پس اس صدقہ کو نذرانہ قرار دینا علم وفہم کے افلاس کی بنا پر ہے۔

جس طرح ﴿کلوا من طیّبات﴾ الخ میں "أکلِ طیّب" کا حکم ہے، جس کا مآل یہ ہے کہ اکل حرام

= یوصی الحافر، یقول: "أوسع من قبل رجلیه، أوسع من قبل رأسه". فلما رجع استقبله داعی امرأته، فأجاب، و نحن معه، فجیء بالطعام، فوضع یده، ثم وضع القوم، فأکلوا فنظرنا إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یلوک لقمةً فی فیه، ثم قال: "أجد لحم شاة أخذت بغیر إذن أهلها". فأرسلت المرأة تقول: یارسول الله! إنی أرسلت إلی النقیع –وهو موضع یباع فیه الغنم– لیشتری لی شاةً، فلم توجد، فأرسلت إلی جار لی قد اشتری شاةً أن یرسل بها إلیّ بثمنها، فلم یوجد، فأرسلت إلی امرأته، فأرسلت إلیّ بها، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أطعمی هذا الطعام الأساریٰ" (مشکوة المصابیح، باب المعجزات، الفصل الثالث، ص: ۵۴۴، قدیمی)

(وسنن أبي داؤد، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الغصب: ۱۵۳/۷، سعید)

(۱) "حدثنا محمد بن زیاد قال: سمعت أبا هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: أخذ الحسن بن علیّ تمرةً من تمر الصدقة، فجعلها فی فیه، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "کخ، کخ". لیطرحها. ثم قال: "أما شعرت أنا لا نأکل الصدقة". (صحیح البخاری، کتاب الزکوة، باب ما یذکر فی الصدقة للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲۰۲/۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الزکوة، باب تحریم الزکوة علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعلی آله وهم بنو هاشم، الخ: ۳۴۴/۱، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الزکوة، باب من تحل له الصدقة، ص: ۱۶۱، قدیمی)

کی ممانعت ہے، اسی طرح دوسری آیت میں انفاق کے لئے بھی طیب کو ضروری قرار دیا ہے: ﴿یا أیها الذین امنوا أنفقوا من طیّبات ما کسبتم﴾ الخ(۱)۔ جب کہ کسب خبیث خبیث ہے، اس کی اجازت نہیں تو کسبِ طیب لازم ہے اور اسی سے انفاق کا حکم ہے، پھر کسبِ خبیث سے انفاق کیسے موجبِ قربت ہوگا، اس کی صراحت بھی آگے فرمادی گئی ہے: ﴿ولا تیمّموا الخبیث منه تنفقون﴾ الآیة(۲)۔

حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر ۲/۴۰ میں لکھتے ہیں: "أی لا تعدلوا عن المال الحلال، وتقصدوا إلی الحرام، فتجعلوا نفقتکم منه، اهـ"(۳)۔

تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں (۴)، مگر یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا جہاں ذکر فرمایا ہے وہاں اچھی کمائی کی تخصیص نہیں فرمائی" قرآن کریم سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، ورنہ علم کے باوجود کوئی مسلمان انکارِ نصِ قرآنی کی جرأت نہیں کرسکتا۔

ایک عجیب بات فاضل مجیب نے لکھی ہے کہ:

> "وجہ، حرام کی کمائی بھی جب کہ غیر اللہ سے ملی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ حقیقی دینے والا ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس بنا پر حرام کمائی خدا کی راہ میں خرچ کرنا درست، بلکہ موجبِ اجر ہے"۔

تو اس کے ذریعہ حرام کمانے والوں کے واسطے بہت بڑا باب کھول دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب حرام کا بھی دینے والا خدا ہی ہے اور اس کے خرچ کرنے پر بھی اجر و فضل و مغفرت ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ اس

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۶۷)

(۲) (سورة البقرة: ۲۶۷)

(۳) (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "﴿ولا تيمموا الخبيث﴾: أی تقصدوا الخبيث ﴿منه تنفقون ولستم بآخذيه﴾: أی لو أعطيتموه ما أخذتموه إلا أن تتغاضوا فيه، فالله أغنى عنه منكم، فلا تجعلوا لله ماتكرهون".

"عن عبدالله بن مغفل في هذه الآية: ﴿ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون﴾ قال: كسب المسلم لايكون خبيثاً، ولكن لايصدق بالحشف والدرهم الزيف وما لاخير فيه". (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة: ۲۶۷): ۱/۳۲۰، ۳۲۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

راہ سے کما کر خدا کے راستہ میں خرچ کیا جائے، کچھ گناہ اگر حرمت کی وجہ سے ہوگا بھی تو وہ خرچ کرنے سے اجر وثواب بلکہ حصولِ جنت کا ذریعہ بن جائے گا۔ مقامِ غور ہے کہ یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

قرآن، حدیث، فقہ کو باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کئے بغیر آیات، روایات، احکام کو تختۂ مشق نہ بنایا جائے، اور جولانیٔ قلم کے لئے کوئی دوسرا میدان تجویز کیا جائے جس میں آخرت کی باز پرس کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ:

﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال و هذا حرام، لتفتروا على الله الكذب، إن الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون﴾(١)، اور ﴿ومن أظلم ممن افترىٰ على الله كذباً﴾(٢)، اور "من قال فى القرآن برأيه" (٣)، اور "من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ"(٤) کی سخت وعیدیں سامنے۔ اور ایسے مضامین کی وجہ سے جو مخلوق گمراہ ہوئی اس کا وبال مستقل ہے: ﴿وليحملن أثقالهم و أثقالاً مع أثقالهم، و ليسئلن يوم القيامة عما كانوا يفترون﴾(٥)۔ فقط واللہ الهادی إلی صراط مستقیم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کسی سے جبراً مال لے کر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۲۶۴]: ا...... گاؤں شاملات مسجد کی تعمیر ومرمت کے لئے ایک شخص لگان، یا رقم معین بطور چندہ نہیں دیتا، دوسرے فریق جبراً اور حقہ پانی ترک کر کے لگان لینا چاہتے ہیں۔ اس طریقہ سے لینا جائز ہے یا

---

(۱) (سورة النحل: ۱۱۶)

(۲) (سورة الأنعام: ۲۱)

(۳) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال فى القرآن برأيه، فليتبوأ مقعده من النار". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۵، قديمى)

(۴) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اتقوا الحديث عنى إلا ما علمتم، فمن كذب عليّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". رواه الترمذى". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۵، قديمى)

(۵) (سورة العنكبوت: ۱۳)

نہیں؟ اگر نہ ہو تو جبراً لیکر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر نا جائز ہو تو ایسے روپے کو حمام یا حجرہ وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

۲..... سودی لین دین کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۳..... ایک بھینسہ موضع چوزی سے موضع منڈی میں آ کر بھینسوں میں رہنے لگ گیا، چند روز میں اس کو مارنے کا عیب ہو گیا، اس عیب کی وجہ سے اہل گاؤں موضع چوزی والوں سے اجازت لیکر فروخت کر دیا۔ اس روپیہ کا مسجد، حمام وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... جبراً لینا جائز نہیں، نہ مسجد کے لئے، نہ حجرہ، حمام وغیرہ کے لئے (۱)۔

۲..... نا جائز آمدنی خواہ سود کے ذریعہ سے حاصل کی ہو خواہ اور کسی ذریعہ سے، مسجد میں لگانا درست نہیں (۲)۔

۳..... مالک کی اجازت سے فروخت کر کے مسجد میں قیمت کو لگانا شرعاً درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن البيهقي، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان: ۳۸۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب. الخ". (صحيح البخاري، باب الصدقة، من كسب طيب: ۱۸۹/۱، قديمي)

"أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۳) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب =

مسجد میں مالِ حرام صَرف کرنے سے متعلق شامی کی عبارت

سوال [۷۲۶۵]: فتاویٰ دارالعلوم، امداد المفتین وعزیز الفتاویٰ جلد پنجم وششم، ص: ۲۸۸، میں شامی کی یہ عبارت منقول ہے:

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً مخلوطاً من الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله"۔

بندہ نے شامی کی کتاب الوقف و دیگر ابواب میں تلاش کیا، مگر بندہ کی کوتاہ نظری کی بنا پر نہ مل سکی، حضرت والا برائے کرم جلدی سے صفحہ وابواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شامی ۱/۴۴۲، مکروهات الصلوة، مطلب في أحكام المساجد میں قولِ درمختار: "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص و ماء ذهب لو بماله الحلال" ہے، اس لفظ "الحلال" کے ذیل میں عبارتِ مسئولہ بحوالہ شرنبلالیہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالِ حرام سے مسجد، کنواں اور مکان کی تعمیر

سوال[۷۲۶۶]: زید افریقہ میں دوکان کرتا ہے اور دوکان پر ناجائز چیزیں: شراب خنزیر وغیرہ رکھتا ہے، اس نے کاروبار سے رقم جمع کر کے اپنے وطن کے قبرستان میں کنواں تعمیر کرایا، ایک مسجد افریقہ میں تعمیر کرائی، ایک مکان تعمیر کرا کے اپنی قوم پنچایت کے نام کر دیا ہے۔ ان سب کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

چودھری عبدالرحمٰن، محمد یوسف آڑھتی، سبزی منڈی شملہ۔

= في تعريف المال والملك والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(تنبیہ): عبارتِ مذکورہ: "مطلب في أحكام المساجد" میں نہیں، بلکہ حوالہ مذکورہ بالا میں ہے، لیکن اس کے بعد: "مطلب في أفضل المساجد" ہے، شاید اس سے التباس ہوا۔ (مخرج)

الجواب حامداًو مصلیاً:

زید کی دوکان میں کوئی چیز جائز بھی ہے یا تمام اشیاء خمر وخنزیر کی طرح حرام ہی ہیں، اگر کوئی جائز چیز بھی ہے تب تو اس کی آمدنی حرام وحلال سے مرکب ہوئی اور حرام وحلال کے خلط سے آدمی تمام کا مالک ہوجاتا ہے اگرچہ حرام کا ضمان اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا مسجد، کنواں، مکان تینوں اشیاء کا استعمال شرعاً درست ہے اور جس قدر مال حرام طریقہ پر خمر وخنزیر وغیرہ حرام اشیاء سے حاصل کیا ہے اس کا ضمان واجب ہے:

"لما خلطها: أی أموالاً غیر طیبة ملکها، و صار مثلها دیناً فی ذمته لا عیناً". ردالمحتار ۳۸/۲(۱)۔

اور اگر اس کی دوکان میں جائز چیز تجارت کے لئے کوئی نہیں، بلکہ تمام مال حرام ہے اور تمام آمدنی حرام طریقہ سے حاصل کرتا ہے، تب یہ حکم ہے کہ اگر وہ حرام مال اولاً بائع کو دیدیا اور اس کے بعد اس کے عوض میں زمین خریدی ہے پھر اس سے تعمیر کی ہے، یا حرام مال کو متعین کر کے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خرید کر تعمیر کی ہے تو شرعاً وہ مسجد، مسجد نہیں، اس میں نماز پڑھنا منع ہے(۲)۔

اسی طرح اس مکان کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ لیکن کنویں کے پانی میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ حرام مال سے پانی پیدا نہیں ہوا، صرف حرام مال سے تعمیر کردہ کنویں کی دیواروں سے متصل ہے، اس اتصال سے پانی میں حرمت نہ ہوگی۔ اور اگر حرام مال کے عوض میں زمین خریدی ہے، مگر قیمت ادا کی ہے کسی حلال مال سے مثلاً: قرض لے کر، یا اور کسی طرح، یا حلال مال کے عوض میں خریدی، پھر دیا حرام مال، یا زمین خریدی ہے بلا تعیینِ حرام وحلال، اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان سب صورتوں میں اس مکان کا استعمال درست ہے، نیز مسجد مذکور میں نماز بھی جائز ہے اور کنویں کے پانی میں تو کوئی اشکال ہی نہیں:

فی ردالمحتار: "رجل اکتسب مالاً من حرام، ثم اشتری، فهذا علی خمسة أوجه:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم مطلب فیما لو صادر السلطان جائراً فنوی بذلک أداء الزکاة إلیه: ۲۹۱/۲، سعید)

(۲) "کل مسجد بني مباهاةً، أو ریاءً، أو سمعةً، أو لغرض سوی ابتغاء وجه الله، أو بمال غیر طیب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (المدارک علی هامش تفسیر الخازن: ۲۸۱/۲، حافظ کتب خانه)

إمـا إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترىٰ قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترىٰ مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترىٰ بدراهم اٰخر و دفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له و لا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول. وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الاٰن على قول الكرخي"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳۰/محرم/۵۵ھ۔

مالِ حرام سے بنائی ہوئی مسجد

سوال[۷۲۶۷]: عرصہ ۳۵/سال کا گزرا ایک زانیہ عورت (رنڈی) جو زنا کا پیشہ کرتی تھی، ایک ہندو کے پاس رہتی تھی، اس کے پاس اس کمائی ناجائز سے دس پندرہ ہزار روپیہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر اس روپیہ سے ایک جامع مسجد قصبہ متھرا کے اندر تعمیر کرادی جائے تو بہت ثواب ملے گا، اس خیال سے اس نے قصبہ کے اندر ایک جامع مسجد بڑی شاندار بنوادی، مسجد تیار ہوگئی۔ مسلمانوں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا تو مسلمانوں نے اور مولویوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ مسجد رنڈی کے سرمایہ سے بنی ہے، لہذا ہماری نماز اس میں

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، الخ: ۵/۲۳۵، سعيد)

"وأما الثاني. وهو ما إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة و ربح، فهو على وجوه ………… فقد قال الكرخي رحمه الله تعالىٰ: إنه على أربعة أوجه: إما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، و في كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعين، فيستوي وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد منهما ………… و اختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام".

(البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، ۳۷۴، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

نہیں ہوگی اور سب مسلمانوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کردیا۔

اس کے بعد اس رنڈی نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھو گے تو میں اس مسجد میں ٹھاکر جی کا بت رکھوادونگی اور اس کو مندر بنوادوں گی۔ اس حکم کے سننے کے ساتھ ہی چند پیر صاحبان اور مولوی صاحبان نے فوراً یہ فتوی دے دیا کہ بت خانہ سے مسجد ہزار درجہ بہتر ہے اور سب مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ جب سے اب تک ۳۰، ۳۵/ سال کا زمانہ گزرا ہوگا، برابر اس مسجد میں عیدین و جمعہ پنجوقتہ نمازیں پڑھی جارہی ہیں، لیکن اتنا عرصہ نکل جانے کے بعد اب کچھ مولوی صاحبان اس مسجد میں نماز پڑھنے کو ناجائز بتلاتے ہیں۔

تو اب ہم مسلمانان قصبہ متھرا آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب ہم لوگ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں گے تو مسجد بغیر اذان و چراغ بتی کے ویران ہوجاوے گی تو اس حالت میں ہم گناہگار رہوں گے یا نہیں؟ یا اب عالیشان مسجد کو تالا لگا کر بند کردیا جائے یا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

۲۶/شوال/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام روپیہ سے کوئی شی خریدنے میں تفصیل ہے: بعض صورتوں میں بیع بالکل ناجائز ہے، اور اس شی میں حرمت آجاتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس شی میں حرمت نہیں آتی اور بیع درست ہوتی ہے۔ اگر حرام روپیہ کو پہلے متعین کرکے اور اس کی جانب اشارہ کرکے اس کے عوض زمین وغیرہ خریدی اور مسجد وغیرہ بنوائی ہے تب تو وہ زمین اس کی ملک میں نہیں آئی اور وہ مسجد، مسجد ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر بلاتعین واشارہ کے زمین خریدی ہے اور پھر وہ حرام روپیہ قیمت میں ادا کردیا، یا کسی دوسرے حلال روپیہ کو متعین کرکے زمین وغیرہ خریدی، لیکن قیمت میں حرام روپیہ ادا کیا، یا حرام روپیہ متعین کرکے خریدی لیکن پھر قیمت میں کوئی حلال روپیہ دیدیا تو ان سب صورتوں میں بیع درست ہوگی۔ اور پھر باقاعدہ اس کو وقف کردیا ہے تو وہ مسجد ہوگئی، اس میں نماز درست ہے،

ھکذا یفھم مما فی رد المحتار: ٥/١٣٣ (١)۔

اور پہلی صورت میں جب کہ بیع درست نہیں ہوئی تب بھی اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو کہ احترام مسجد کے خلاف ہے جائز نہیں (٢)، البتہ وہاں نماز مکروہ ہے (٣)۔ اور تاوقتیکہ پوری تحقیق نہ ہو، اس کو مسجد ہی کہا جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٣/١١/٥٦ھ۔

---

(١) "(کما لو تصرف فی المغصوب والودیعة) بأن باعه (وربح) فیه (إذا کان) ذلک (متعیناً بالإشارة، أو بالشراء بدراهم الودیعة، أوالغصب و نقدها): یعنی یتصدق بربح حه لٰ فیهما إذا کانا مما یتعین بالإشارة. وإن کان مما لا یتعین، فعلی أربعة أوجه: فإن أشار إلیها و نقدها، فکذلک یتصدق (وإن أشار إلیها و نقد غیرها، أو) أشار (إلی غیرها) و نقدها (أو أطلق) و لم یشر (ونقدها، لا) یتصدق فی الصور الثلاث عند الکرخی . قیل: (و به یفتی). والمختار انه لا یحل مطلقاً -کذا فی الملتقی- ولو بعد الضمان......... واختار بعضهم الفتویٰ علی قول الکرخی فی زماننا، لکثرة الحرام، و هذا کله علی قولهما". (الدرالمختار).

"(قوله: فکذلک یتصدق)؛ لأن الإشارة إلیه لا تفید التعیین، فیستوی وجودها و عدمها، إلا إذا تأکد بالنقد منها، زیلعی. (قوله: أو اطلق) بأن قال: اشتریت بألف درهم و نقد من دراهم الغصب، أو الودیعة، عزمیة. وفی التاتارخانیة عن الذخیرة: أنه إذا أطلق و لم یشر، فإن نوی النقد منها، فلا یخلو: إن حقق نیته، فنقد منها، فالأصح أنه لا یطیب، وإن لم یحقق نیته، یطیب؛ لأن مجرد العزم لا أثرله. وإن لم ینو، ثم نقد منها، طاب. قال الحلوانی: إنما یطیب إذا نوی أن لا ینقد منها، ثم بدا له، فنقد. أما إذا نوی النقد منها مع علمه أنه ینقد، لا یطیب، ملخصاً. و فی البزازیة: وقول الکرخی علیه الفتوی، ولا تعتبر النیة فی الفتوی، ثم حمل ما مر علی حکم الدیانة". (ردالمحتار: ٦/١٨٩، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: فیمن ورث مالاً حراماً: ٥/٩٩، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الغصب: ٨/٢٠٧، رشیدیه)

(٢) (راجع الحاشیة المتقدمة)

(٣) (راجع، ص: ١٠١، رقم الحاشیة: ١)

مالِ حرام سے مسجد ومدرسہ وغیرہ بنانا

سوال[۷۲۶۸]: بعض لوگوں کی کمائی سینما، یاسٹہ، یا جوا، یا شراب کی ہوتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یا مسجد میں دیں تو کیا طریقہ اختیار کریں؟ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطور قرض لے کر دینی مدرسہ، یا تعمیر مسجد میں دیدیں اور اپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کو ادا کریں۔ تو کیا یہ طریقہ جائز ہے، اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ سارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے پاس ناجائز کمائی کا روپیہ ہے، وہ اگر کسی سے جائز روپیہ قرض لے کر مدرسہ یا مسجد کے لئے دیں تو یہ درست ہے(۱)، ناجائز دیں تو مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کے واسطے نہ لیا جائے:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجصٍّ و ماء ذهب لو بماله الحلال، اهـ". درمختار. "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً و مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". شامی: ۱/۴۲۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۴ھ۔

---

(۱)"إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (الفتاویٰ العالمكرية، كتاب المناسک، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۱/۳۱۳، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة: "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۱/۶۵۸، سعيد)

"و قيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷) دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷) مكتبه دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير الأحمدي، ص: ۴۷۸، مكتبه حقانيه پشاور) .... =

حلال وحرام روپے سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

سوال[۷۲۶۹]: ۱.....حلال وحرام مال سے مسجد بنائی جائے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲.....اگر وہی مسجد حلال مال سے خریدی جائے، اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ پھر مشتری کو اس وقت اگر لوگ واپس کردیں تو وہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....مالِ حرام مسجد میں لگانا ناجائز ہے، اگر حرام مال سے خرید کر زمین پر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز مکروہ ہے(۱)۔

۲.....اگر حرام مال سے خرید کر بیع فسخ کرکے پھر حلال مال سے خرید کر مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۹/۶۶ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲۸۱/۲، حافظ كتب خانه)

قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (امداد الفتاویٰ، كتاب الوقف، حكم مسجد بنا كرده بمال حرام: ۶۷۲/۲)

(وأحسن الفتاوىٰ، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۴۳۱/۶)

(وامداد الأحكام، فصل في احكام المسجد وآدابه، طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم: ۴۴۰/۱)

(و امداد المفتين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المدام في حكم المسجد النبي بالمال الحرام، ص: ۶۶۶)

(۲) "رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترىٰ، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى =

وصیت اور خواب کہ سود کا روپیہ مسجد میں دیا جائے

سوال[۷۲۷۰]: جو مسجد بالکل ویران بے امام و بے مؤذن کے ہے، ایک حاجی صاب جن کے پاس بیاج(۱) کے پیسے تھے، انہوں نے ایک صاحب سے وعدہ کیا کہ میں مسجد کے جملہ تعمیری اخراجات کو پورا کردوں گا، مگر چند دن بعد حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ خواب میں اس شخص کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کئی دن سے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، لہذا میرے سود بیاج کے تمام کے تمام روپے میری بیوی سے لے کر مسجد میں لگادو، تاکہ اس دردناک عذاب سے چھٹکارا پالوں۔ اب وہ شخص حاجی صاحب کے ورثاء اور ان کی بیوی کے پاس گیا، انہوں نے کہا کہ اگر سود کا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہو تو ہم بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ سود کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سود کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں، مرنے والا اگر خواب میں آ کر بتائے تب بھی جائز نہیں (۲)۔ جو

= البائع أولاً، ثم اشتری منه بها، أو اشتری قبل الدفع بها ودفعها، أو اشتری قبل الدفع بها و دفع غیرها، أو اشتری مطلقاً و دفع تلک الدراهم، أو اشتری بدراهم أخر و دفع تلک الدراهم، قال أبو نصر: یطیب له و لا یجب علیه أن یتصدق إلا فی الوجه الأول، وإلیه ذهب الفقیه أبو اللیث، لکن هذا خلاف ظاهر الروایة، فإنه نص فی الجامع الصغیر: إذاغصب ألفاً، فاشتری بها جاریةً، وباعها بألفین، تصدق بالربح. وقال الکرخی فی الوجه الأول والثانی: لا یطیب، و فی الثلاث الأخیرة: یطیب. و قال أبوبکر: لا یطیب فی الکل، لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی، دفعاً للحرج عن الناس .... وقال بعضهم: لا یطیب فی الوجوه کلها، ولکن الفتویٰ الیوم علی قول الکرخی، دفعاً للحرج عن الناس، لکثرة الحرام". (ردالمحتار: ۲۳۵/۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اکتسب حراماً ثم اشتریٰ، سعید)

(و کذا فی الهدایة: ۳۷۳/۳، ۳۷۴، کتاب الغصب، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا فی البحر الرائق: ۲۰۶/۸، کتاب الغصب، رشیدیہ)

(۱) "بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله، شرنبلالیة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" =

وعدہ زندگی میں کیا تھا مرنے کے بعد ورثاء کے ذمہ اس کا پورا کرنا واجب نہیں (۱)، نہ ان کے ترکہ سے کسی کو زبردستی لینے کا حق ہے (۲)۔ ہاں! میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے، قرآن پاک کی تلاوت کر کے نفل نماز پڑھ کر ثواب پہونچایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۰ھ۔

= دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (التفسير الأحمدي، ص: ۴۷۸، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، مكتبه دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في مدارك التنزيل: ۱/۵۱۹، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(۱) "(قوله: أما دين الله تعالىٰ، الخ) محترز قوله: من جهة العباد، وذلك كالزكاة والكفارات و نحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلا يلزم الورثة أداؤها إلا إذا أوصى بها، اوتبرعوا بها من عندهم". (ردالمحتار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعيٍّ". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية". (ردالمحتار: ۲/۲۴۳، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء الثواب للميت، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۰۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

سودی قرضہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۷۱]: سودی رقم قرض پرلیکر مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جورقم سود پر قرض لی گئی ہے وہ رقم حرام نہیں (۱)، اس کا مسجد کی تعمیر میں لگانا بھی درست ہے (۲)، لیکن سود پر رقم لینا، سود دینا گناہ ہے، اس سے باز آنا ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا .... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، .... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط، يصير ديناً عليه، ولاتكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجىٰ عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۳، ۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۶۰، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله، و ذروا ما بقى من الربوا، إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله و رسوله﴾. (سورة البقرة: ۲۷۹)

"عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا و موكله و شاهده و كاتبه". (سنن أبى داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب فى آكل الربا ومؤكله، إمداديه ملتان)

مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر قرض لینا

سوال[۷۲۷۲]: مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر روپیہ قرض لے کر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود پر روپیہ لینا حرام ہے(۱)، خاص کر مسجد کی تعمیر کے لئے حرام فعل کا ارتکاب ہرگز نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے سودی قرض

سوال[۷۲۷۳]: علاقہ گنگوہ کے ایک قریہ بہادر نگر میں ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس کی تعمیر کے صرفہ کی صورت یہ ہے کہ اہل قریہ نے تعمیر مسجد کے لئے فی ہل کچھ غلہ معین کر کے بطور چندہ غلہ فراہم کیا تھا کہ اس کو بیچ کر مسجد کی تعمیر کریں گے۔ کچھ دنوں غلہ جمع رہا، جب قریہ کے بعض لوگوں کو خورد ونوش کی تنگی ہوگئی اور بھوکے مرنے لگے، ان کو وہ غلہ ادھار دیدیا وعدہ پر کہ موجودہ فصل میں ادا کردینا۔

چونکہ مسجد کے لئے اینٹیں خریدی ہوئیں موجود تھیں، گاؤں والوں نے تعمیر شروع کرادی، جب معمار اور مزدوروں نے مزدوری مانگی تو لوگوں نے کہا کہ مسجد کا پیسہ نہیں ہے، فصل کٹانے کے بعد لوگوں سے وصول

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۴، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"ولما نقل النوويّ: قول الإحياء: لو سقف المسجد بحرام، حرم الجلوس تحته؛ لأنه انتفاع بالحرام .... والمختار أنه لا يحرم القعود". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۲/۴۴۹، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، رشيديه)

کر کے دیں گے۔ معمار اور مزدوروں نے نہ مانا۔ پس گاؤں والوں نے جہالت کے سبب سودی قرضہ لیکر معماروں کو بھی دیدیا اور چونہ لکڑی وغیرہ بھی خرید کر تعمیر مسجد میں لگا رہے ہیں۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ سودی قرضہ سے مسجد میں صرف کرنا، یا مزدوری میں دینا کچھ نقصان شرعاً ہوتا ہے یا نہیں، اگر نقصان ہے تو اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

سودی قرض تو شرعاً ناجائز ہے(۱)، لیکن اس طرح قرض لے کر جو معماروں اور مزدوروں کی اجرت ادا کی گئی ہے اور اس قرضہ سے مسجد کے لئے چونہ وغیرہ خریدا گیا، اس سے اس مسجد کی نماز ممنوع نہ ہوگی، بلکہ نماز اس میں درست ہے(۲)۔ سودی قرض لینے سے آئندہ اجتناب کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

سود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں لگانا

سوال[۷۲۷۴]: ۱...... تقریباً پندرہ سال ہوئے ہیں ہماری مسجد میں سودخواروں کے پیسہ سے بجلی

---

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) اس لئے کہ مسجد کی تعمیر اور مزدور کی اجرت میں قرض کی رقم خرچ ہوئی ہے، نہ کہ حرام پیسہ، اس لئے درست ہے، البتہ قرض پر زائد رقم وصول کرنے کے لئے وہ زائد رقم حرام ہے:

"أخرج الحارث بن أسامة في مسنده عن علي رضي الله تعالىٰ عنه: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". ذكره السيوطي في الجامع الصغير". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/۵۶۸، دار العلوم كراچی)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع و حرّم الربوا﴾ . (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الرباء، وموكله، و شاهده، و كاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، إمداديه ملتان)

کی فٹنگ وپنکھا لگا ہوا ہے۔ شرعاً یہ حرام ہے یا نہیں، اس بجلی کی روشنی اور پنکھے کے نیچے نماز ہوگی یا نہیں؟

۲......آج تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں (۱)، اگر بجلی کی فٹنگ اور پنکھے میں ناجائز پیسہ لگایا گیا ہے تو جس نے لگایا ہے وہ پنکھا یہاں سے لے جائے اور حلال کمائی سے لگایا جائے، بجلی کی فٹنگ میں میٹریل اور تار، بلب جو کچھ بھی وہاں موجود ہے اس کو نکال کر جائز آمدنی سے لگایا جائے۔ اگر ایسا کرنے میں فتنہ ہو تو مجبوراً یہ صورت کرلی جائے کہ جتنا پیسہ اس میں خرچ ہوا ہے وہ پیسہ سود کا تھا تو اتنا پیسہ اصل مالک کو (جس سے سود لیا تھا) اسی کو واپس کردیا جائے، اگر اصل مالک معلوم نہ ہو تو اتنا پیسہ غریبوں کو صدقہ کردیا جائے (۲)، لیکن پہلے اس کی

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربّيها لصاحبه كما يربی أحدكم فلوّه، حتی تكون مثل الجبل". (صحيح البخاری، باب الصدقة من كسب طيب: ۱۸۹/۱، قديمی)

قال الحافظ عماد الدين إسماعيل بن كثير القرشی: "قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال و أجوده و أنفسه، و نهاهم عن التصدق برذالة المال أو دنيئه، وهو خبيثه، فإن الله لا يقبل إلاّ طيباً". (تفسير ابن كثير: ۳۲۰/۱، (سورة البقرة: ۲۶۷)، سهيل اكيڈمی لاهور)

و قال العلامة ابن عابدين: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالیٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل علی أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو مات مسلم وترک ثمن خمر، لا يحل لورثته ان ياخذوا ذلک؛ لأنه كالمغصوب .... وعلی هذا لو مات رجل و كسبه من ثمن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة، تعود الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً .... و يردّونه علی أربابه إن عرفوهم، و إلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرا لرائق: ۳۶۹/۸، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، رشيديه) =

تحقیق بھی کرلی جائے کہ اس میں سودی رقم بھی صرف کی گئی ہے۔ جونمازیں اس روشنی وہوا میں پڑھی گئی ہیں وہ درست ہوگئیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

سودخور کوترکہ میں ملی ہوئی رقم مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۷۵]: ایک سودخور کواپنے والدین سے جوترکہ ملا ہے وہ اس سے خاص کرکے مسجد کے کاموں میں لگانا چاہتے ہیں، کیا اس کے روپے کومسجد میں لگایا جاسکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس سودخور کے روپے کا حساب نہیں ہے کہ اصل کتنا ہے اورسودی کتنا ہے، اوروہ اس روپے سے کھیتی باڑی کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کے ترکہ سے جوحلال روپیہ ملا ہے، اگر وہ روپیہ مسجد میں دے تواس کامسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

تعمیرِ مکان کے لئے مسجد کمیٹی کاسُود پر رقم لینا

سوال[۷۲۷۶]: سابقہ مسجد کمیٹی نے مکان تعمیر بابت بدرجۂ مجبوری کچھ رقم ریزویشن کرکے باقاعدہ

= (وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۶۰، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی رد المحتار: ۶/ ۳۸۵، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(۱) "کل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غيرطيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارک التنزیل علی هامش تفسیر الخازن، (سورة التوبة:۱۰۷) : ۲/ ۲۸۱، حافظ کتب خانه)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام، وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث: ۶/ ۳۶۰، رشیدیه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانیة: ۱/ ۳۴۳، إدارة القرآن کراچی)

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/ ۳۴۳، رشیدیه)

قانونی لکھاپڑھی کر کے ایک ساہوکار سے بیاج پر اٹھائی تھی (۱)۔ اور نہ وہ رقم اور نہ ہی وہ سود ادا کر پائی تھی کہ نیا الیکشن ہوا اور کمیٹی بدل گئی اور برسرِ اقتدار کمیٹی میں دوسرے لوگ آگئے تو ساہوکار اب اپنی رقم مع سود موجودہ کمیٹی سے طلب کر رہا ہے۔ تو کیا مع سود وہ رقم موجودہ کمیٹی ادا کرے، جب کہ شرعی حکم ہے کہ سودی لین دین دونوں ناجائز ہے؟ تو اب اگر ہم ساہوکار کی رقم مع سود ادا کردیں تو خدا کی گرفت میں آئیں گے یا بچ سکیں گے، اس بارے میں ہمارے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی ذمہ داری سابقہ کمیٹی پر ہے جس نے سود پر مسجد کے لئے رقم لی ہے، اگر یہ صورت کسی طرح ممکن ہو کہ مسجد کی طرف سے اصل رقم موجودہ کمیٹی دے اور سود سابقہ کمیٹی اپنے پاس سے دے دے، یا معاف کرالے تو آپ لوگ بالکل بچ جائیں گے، یہ نہ ہوسکے تو موجودہ کمیٹی مجبور ہے۔ پھر اعلیٰ بات یہ ہے کہ سود مسجد کی طرف سے نہ دیا جائے، بلکہ کمیٹی آپس میں چندہ کر کے اس مصیبت کو برداشت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۵ھ۔

بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا روپیہ مسجد میں

سوال [۷۲۷۷]: جو تاجر بلیک مارکیٹنگ کا کام کرتے ہیں وہ اگر مسجد کے لئے چندہ دیں تو ان کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملکیت تو اس صورت میں بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو مسجد میں صَرف کرنا بھی درست ہے (۲)،

---

(۱) "ساہوکار: سود پر پیسے چلانے والا، صراف"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز، لاھور)

"بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز، لاھور)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

مگر خود یہ طریقہ ایسا ہے جس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، جان کا بھی خطرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

مسجد کی رقم خرچ کر کے سودی قرض لے کر مسجد میں دینا

سوال[۷۲۷۸]: ایک آدمی کے پاس مسجد کی امانت کا روپیہ جمع تھا انہوں نے اس کو خرچ کر ڈالا، اس امین صاحب نے ایک دوسرے آدمی سے سودی قرض لے کر مسجد کی امانت کے روپے کو واپس کر دیا۔ کیا اس روپے کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود پر جو قرض لیا گیا ہے وہ قرض کا روپیہ حرام نہیں، اس کو مسجد کے روپے کے ضمان میں دینا درست ہے(۱)، البتہ قرض کے ساتھ جو روپیہ سود کا دیا جائے اس کا دینا ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

قیمتِ شراب سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

الاستفتاء[۷۲۷۹]: زید مسلمان شراب کی بیع کرتا ہے اور بہت دولتمند ہوگیا ہے، پنجگانہ نماز پڑھتا

---

(۱) "وأما القرض المشروط بالفضل والمنفعة، فلم يقل أحد: إنه من باب الإرفاق، بل اتفقوا على كونه مثل البيع. ثم اختلفوا .... وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، .... ومرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً: أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط، يصير ديناً عليه، ولاتكون أمانة غير مضمونة". (إعلاء السنن، رسالة كشف الدجىٰ عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۳، ۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافاً مضٰعفةً﴾ (سورة آل عمران : ۱۳۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع و حرّم الربوا﴾ . (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن عبد الله ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الرباء و موكله و شاهده و كاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۱۱۷، كتاب البيوع، باب في آكل الربا و مؤكله، سعيد)

ہے، مگر فی الحال زید خود نہیں کرتا، نوکر واقرباء کرتے ہیں، مگر زید ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ کیا اس کی مسجد میں ہم مسلمانوں کی نماز ہوگی؟ اور مسجد میں جو روپیہ صرف ہوا ہے وہ شراب کا روپیہ ہے، ہمارے یہاں کے علماء فرماتے ہیں کہ اس کی عبادت قبول بھی نہیں ہوگی، اس کی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ مسجد شراب کی آمدنی سے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے(۱)، جو نمازیں وہاں پڑھی گئیں وہ بکراہت ادا ہوگئیں، آئندہ احتیاط کی جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال[۷۲۸۰]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر ریڈمبرا میں ایک عمارت خریدنا ہے تاکہ ہماری مذہبی

---

(۱) "كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲/۲۸۱، (رقم الآية: ۱۰۷)، حافظ كتب خانه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، احکام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱)

(وإمداد الأحكام، كتاب الصلوة، فصل في احكام المسجد و آدابه: ۱/۴۴۰)

(وإمداد المفتيين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المرام في حكم المسجد المبني بالمال الحرام، ص: ۶۶۲)

ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چند کمرے جو مسجد کا خرچہ پورا کرنے کے لئے کرایہ پر دیئے جائیں گے) اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں، اس کے حصول کے لئے چند مسائل درپیش ہیں، جواب سے نوازیں:

(الف) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور اس عمارت کے لئے چندہ بھی دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

شراب کے کاروبار والے کی جائز آمدنی سے چندہ

سوال [۷۲۸۱]: (ب) زید شراب کا کاروبار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کاروبار سے پہلے کے میرے دو تین مکانات ہیں، ان کا حساب الگ رکھا ہوا ہے۔ ان مکانوں کی آمدنی کرایہ سے رقم مسجد میں دینا چاہتا ہے۔

مخلوط آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال [۷۲۸۲]: (ج) زید کی ایک دوکان ہے جس میں کچھ حلال اشیاء ہیں، اور کچھ ٹین کے ڈبوں میں بند عیسائیوں اور یہودیوں کا ذبح شدہ (بغیر تکبیر کے) گوشت ہے۔ کیا ایسی آمدنی لے سکتے ہیں؟

ایضاً

سوال [۷۲۸۳]: (د) زید کی دوکان میں چند حلال چیزیں ہیں، اور کھلا ہوا سور کا گوشت بھی ہے اور بند ڈبوں میں بھی۔

چوری کے مال سے چندہ

سوال [۷۲۸۴]: (ہ) زید کی سبزی کی دوکان ہے اور دوسری کپڑے کی، مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چوری شدہ مال سستا خرید کر فروخت کرتا ہے۔ کیا اس سے چندہ لینا جائز ہے؟

شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ

سوال [۷۲۸۵]: (و) زید کی اشیائے خوردنی کی ایک دوکان ہے، مگر ایک طرف اس میں شراب بھی فروخت کرتا ہے۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال[۷۲۸۶]: (ز) ایک غیر مسلم ایسی عمارت کے لئے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم، روکس برک اسٹریٹ، اے ڈن برگ، اسکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف) شراب کی آمدنی سے مسجد کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائے (۱)، اگر جائز آمدنی سے مثلاً قرض لے کر دے تو درست ہے(۲)۔

(ب) یہ درست ہے(۳)۔

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان، وكان يستقرض بجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به دينه. والحيلة في مثل هذه المسائل أن يشتري شيئاً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال أحب". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۴/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۱/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق =

(ج) حلال چیزوں کی آمدنی سے دیدے تو درست ہے، اگر مخلوط آمدنی سے دے اور حلال غالب ہو تب بھی درست ہے(۱)۔

(د) جواب ''ج'' سے اس کا جواب بھی ظاہر ہے۔

(ھ) اگر زید کو اس کا اقرار ہے، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہے تو چوری سے خریدے ہوئے مال کی آمدنی سے چندہ نہ لیا جائے(۲) اور بغیر ثبوت کے شبہ نہ کیا جائے۔

(و) جواب ''الف، ج'' سے اس کا جواب معلوم ہوسکتا ہے۔

(ز) اگر وہ ثواب سمجھ کردے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا، تو لینا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

= بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب". الحديث (صحيح البخاري، باب الصدقة من كسب طيبه: ۱۸۹/۱، قديمي)

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أمرهم بالإنفاق من أطيب المال وأجوده وأنفسه، ونهاهم عن التصدق برذالة المال ودنيئته، وهو خبيثة، فإن الله لا يقبل إلا طيباً". (تفسير ابن كثير، (سورة البقرة: ۲۲۷): ۳۲۰/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳۴۳/۱، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۲) (راجع حاشية رقم: ۱)

(۳) "وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا، وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۸/۲، غفاريه كوئٹه)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۸۷]: سرکاری کام کرنے والے ٹھیکدار جو سرکاری چوری سے سیمنٹ فروخت کرتے ہیں، اس کو مسجد کے غسل خانوں، یا نالی وغیرہ، یا مسجد کی ذاتی عمارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ سرکاری انجینئر بل منظور کرتے ہیں کہ اس عمارت میں مثلاً دوسو کٹہ سیمنٹ کے لگ جائیں گے، اسی حساب سے ٹھیکدار کا لائسنس منظور کرتے ہیں، مگر اس کام کو ٹھیکدار پورا کر کے سیمنٹ بچا لیتے ہیں اور اس سیمنٹ کو ٹھیکدار سرکاری چوری سے فروخت کرتے ہیں۔ اس شکل میں یہ سیمنٹ کیا ہم خرید کر مسجد کے غسلخانوں یا مدرسہ کی عمارت میں لگوا سکتے ہیں، یا نہیں؟ مع حوالہ کتب احادیث تحریر فرما کر خادم کو ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ یہ سیمنٹ چوری کا ہے تو اس کا خریدنا اور مسجد کی عمارت یا اس کے غسل خانہ وغیرہ میں لگانا جائز نہیں، چور کی اس پر ملکیت بھی حاصل نہیں، پھر اس سے خریدنا ہی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں پاک مال لگایا جائے، وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے، ناپاک (حرام) مال نہ لگایا جائے، کما فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ. ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث ۲/۴۴۹، رشيديه)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوقف، احکام المسجد، حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام: ۲/۶۷۲)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم: ۶/۴۳۱) =

مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد و مدرسہ میں

سوال[۷۲۸۸]: ایک صاحب ہیں جن کی آمدنی جائز نہیں، مگر آمدنی کے ذرائع ان کے پاس ایسے بھی ہیں جو بالکل حلال ہیں۔ کیا ان سے چندہ کا روپیہ مسجد و مدرسہ میں لیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں اپنی پاک کمائی سے یہ چندہ دے رہا ہوں، میں یہ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ حرام آمدنی کو کارِ خیر میں لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس کا چندہ لیا جاسکتا ہے۔

مصطفیٰ علی لاری، نیپال۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے شخص کا چندہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں

سوال[۷۲۸۹]: شرابی اور تاش والے کا پیسہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۸۹ھ۔

= (وإمداد الأحكام، كتاب الصلوة، فصل فى احكام المسجد وآدابه: ۱/۴۴۰)

وإمداد المفتيين، كتاب الوقف، أحكام المساجد، رسالة نيل المرام فى حكم المسجد المبنى بالمال الحرام، ص: ۲۶۲)

(۱) "فى البزازية: غالب مال المهدى إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أواستقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى الهدية والميراث: ۲/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) قال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق فى ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، =

مالِ غیر طیب سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم

سوال[۷۲۹۰]: ایک شخص زمیندار جس کی آمدنی کی چار صورتیں ہیں: کاشت زمین، سوداگری، رشوت، سود۔ آمدنی زیادہ سود کی ہے، اس منجملہ آمدنی سے اس نے ایک مسجد بنوائی جس کی تعمیر کو آج چالیس سال ہو چکے ہیں، بعض اشخاص اس میں نماز پڑھتے ہیں، بعض نہیں پڑھتے۔ آیا اس میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

خادم: خدا بخش خان، از تنگھتلہ، ضلع حصار، ۱۴/ فروری/ ۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے وہ کفار سے سود لینے کو جائز فرماتے ہیں، پس اگر سود کفار سے حاصل کیا ہوا ہے تو وہ ان علماء کے نزدیک درست ہے اور اس سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز شرعاً جائز اور صحیح ہے(۱)۔ اگر وہ سود مسلمان سے حاصل کیا ہے اور دوسری تمام آمدنی سے غالب ہے، یا کفار و مسلمین ہر دو سے حاصل کیا ہے اور مسلمانوں سے حاصل کیا ہوا زیادہ ہے، غرض غلبہ ناجائز آمدنی کو ہے اور جائز آمدنی بھی اس میں شامل ہے تب بھی سب کو مخلوط کرنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملکیت متحقق ہوگئی (اگرچہ جن لوگوں سے ناجائز طریقہ سے مال لیا، اس کا اصل مالک کو واپس کرنا، یا گلوخلاصی کے لئے صدقہ کرنا واجب ہے)، لہذا اس مسجد میں نماز ادا کرنا درست ہے:

= فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و لا ربا بين حربي و مسلم مستأمن و لو بعقد فاسد، أو قمار ثمه؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه". (الدر المختار: ۵/۱۸۶، كتاب البيوع، باب الربوا، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۸۷، كتاب البيوع، باب الربوا، مكتبه امداديه ملتان)

"من ملك أموالاً غير طيبة، أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً".

شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۵ھ۔

خنزیر کے بالوں سے برش بنانے کی اجرت کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۲۹۱]: ۱...... سور کے بالوں کے برش بنانے والوں کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

ایضاً

سوال[۷۲۹۲]: ۲...... جو لوگ برشوں کے کارخانے میں ملازم ہیں اور برش بناتے ہیں ان کا پیسہ مسجد میں لگانا اور ان کا کھانا بھی جائز ہے یا نہیں؟

خنزیر کے بالوں کے برش کی اجرت کا پیسہ مسجد میں دیا ہو تو کیا واپس کیا جائے گا؟

سوال[۷۲۹۳]: ۳...... جو روپیہ ہم نے سور کے بالوں کے برش والا مسجد میں لگایا ہے وہ واپس کرنا چاہئے یا نہیں؟

جس مسجد میں خنزیر کے بالوں کی اجرت کا روپیہ لگا ہو اس میں نماز

سوال[۷۲۹۴]: ۴...... کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا اللہ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟ دو عالم یہ

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، سعید)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، دار المعرفة بيروت)

"آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لا يقبل ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لا بأس به". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق، إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

کہتے ہیں کہ اس مسجد میں عبادت قابلِ قبول نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... محض برش بنانے کی اجرت اس طرح کہ اتنی دیر کام کرو، اس کا معاوضہ یہ ہوگا، درست ہے حرام نہیں (۱)، اس کا پیسہ مسجد میں بھی لگایا جاسکتا ہے، مگر فی نفسہ یہ معاملہ نہیں چاہیئے کہ سور کے بال سے انتفاع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں (۲)۔

۳...... اس کا جواب نمبر ۱، ۲ سے ظاہر ہے۔

۴...... جب وہ نماز حسبِ قواعدِ شرعیہ ادا کی جائے گی تو فریضہ بھی ادا ہوجائے گا اور اخلاص ہوگا تو قبول بھی ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۲۰ھ۔

ساہوکار کا روپیہ مسجد میں

سوال [۷۲۹۵]: ایک مسجد بہت شکستہ ہے اس کو نئے سرے سے بنوانے کے لئے ایک صاحب جن

(۱) "وإن استأجره لينحت له طنبوراً أو بربطاً، ففعل، طاب له الأجر إلا أنه يأثم به". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۰/۴، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان ما یجوز من الإجارة و ما لا یجوز، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۲۴/۲، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(۲) "وشعر الخنزير بنجاسة عينه، فيبطل بيعه، وإن جاز الانتفاع به لضرورة .... و كره البيع، فلا يطيب ثمنه، ويفسد الماء على الصحيح، خلافاً لمحمد رحمه الله تعالىٰ .... وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يكره الخرز به؛ لأنه نجس". (الدرالمختار: ۷۲/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۵۸/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، شرکت علمیه ملتان)

(۳) "عن عبد الله الصنابحي قال: زعم أبو محمد أن الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه: كذب أبو محمد، أشهد أني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، مَن أحسن وضوء هن، وصلاهن لوقتهن، وأتم ركوعهن، وخشوعهن، كان له على الله عهداً أن يغفرله، و من لم يفعل، فليس له على الله عهد، إن شاء غفرله، و إن شاء عذبه".

(سنن أبي داؤد: ۶۱/۱، کتاب الصلوة، باب المحافظة علی الصلوات، سعید)

کا پیشہ ساہوکاری کا ہے(۱)، وہ پانچ ہزار روپے مسجد کو دینا چاہتے ہیں، بلکہ انہوں نے ایک صاحب کو اس کا مالک بنادیا ہے کہ وہ اس کو مسجد میں خرچ کردیں۔ تو اس کو خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر وہ رقم سود کی نہیں ہے تو مسجد کی تعمیر میں اس کا صرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۸ھ۔

طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز

سوال[۷۲۹۲]: اگر کوئی طوائف، یا زنخہ (۳) وغیرہ کوئی مسجد تعمیر کرائے تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں مسافر کو؟ نیز اگر اس محلّہ میں کوئی دوسری مسجد نہ ہو تو اہلِ محلّہ بھی اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

مکروہ ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''ساہوکار: سود پر پیسے چلانے والا، صراف''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها، ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ، ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۳۶۰، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/ ۳۴۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۳) ''زنخہ: وہ مرد جو عورتوں کی طرح بات چیت یا حرکات کرے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۵۲، فیروز سنز، لاهور)

(۴) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، و مهر البغي خبيث، و كسب الحجام خبيث". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

"والمعنى مهر الزانية خبيث: أي حرام إجماعاً؛ لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، و وسيلة=

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۷۲۹۷]: نجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے ہے منتقل ہو کر اس کے پاس پہونچی، نجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعل حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/ ۸۹ھ۔

رنڈی کا مسجد میں ٹین ڈلوانا

سوال[۷۲۹۸]: ایک زمین ایک بزرگ کے مزار کے نام وقف تھی، چونکہ وہ زمین لب سڑک ہے

= الحرام حرام. وسماه مهراً؛ لأنه في مقابلة البضع". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب الحلال، (رقم الحديث: ۲۷۶۳): ۶/۱۶، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنّ الله طيّبٌ لا يقبل إلا الطيب". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

"كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن: ۲/۲۸۱، حافظ كتب خانه)

(وكذا في مجموعة الفتاوىٰ لعبد الحيّ اللكنوي: ۱/۱۸۵، كتاب المساجد، زانیہ یا گانے والی نے اپنی ناجائز آمدنی سے جو مسجد بنائی، اس پر مسجد کا حکم نہیں، سعيد)

(۱) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، الفن الأول، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

اور کنواں بھی اس کے اندر موجود ہے، ایک شخص نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے نمازیوں کے لئے اس زمین میں ایک چبوترہ اور ایک دیوار برابر قد آدم اور اس میں محراب بنوادیا ہے، اس شخص کے اندر زیادہ گنجائش نہیں تھی کہ اس کے سایہ کا بھی انتظام کرتا، دھوپ اور بارش کے موقع پر نماز پڑھنے میں دقت ہوتی تھی، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک رنڈی پیشہ گر عورت نے ایک شخص کو کہا کہ تمہیں میں روپیہ دیتی ہوں، چونکہ میرا روپیہ تو خراب ہے، لہٰذا تم اپنا روپیہ سے مسجد میں ٹین ڈلوادو(۱)، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس شخص نے ٹین ڈلوادیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز ممنوع نہ ہوئی، خصوصاً جب کہ ٹین دوسرے شخص نے جائز روپیہ سے ڈلوادیا ہے اور پھر روپیہ رنڈی سے لے لیا ہے(۲) اگرچہ اس شخص کو رنڈی سے روپیہ لینا جب کہ قطعی طور پر اس روپیہ کا حرام ہونا اس کو معلوم ہے ناجائز ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) ''ٹین: خیمہ، شامیانہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۴۳۵، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "و فی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ: أن الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان یأخذ جائزة السلطان یقضی به دیونه. والحیلة فی هذه المسائل أن یشتری نسیئة، ثم ینقد ثمنه من أیّ مال شاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۳۴۹/۴، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والمیراث، رشیدیه)

"إذا أراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین للحج، ویقضی دینه من ماله".

(التاتارخانیة، کتاب المناسک، باب المتفرقات: ۵۷۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "عن رافع بن خدیج رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ثمن الکلب خبیث، و مهر البغی خبیث، و کسب الحجام خبیث". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب و طلب الحلال، ص: ۲۴۱، قدیمی)

فاحشہ کی دی ہوئی چیز کا مسجد میں استعمال

سوال[۷۲۹۹]: ۱...... ایک بازاری طوائف عورت کا گزر اوقات وخورد ونوش حرام کی کمائی پر ہے اور وہ عورت سوت کات کر(۱)، یا چھالیا کتر کر اس پیسہ سے مسجد میں صفیں یا لوٹے دیتی ہے اور کمائی کھاتی ہے۔ حرام کی اس کے صفیں لوٹے مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... ایک بازاری طوائف اپنی حرام کی کمائی سے مکان بنواتی ہے، اس کے مرنے پر اس کے بھائی اس مکان کو فروخت کرتا ہے اور کچھ روپیہ ایک ہندو سے قرض حسنہ لے کر صحنِ مسجد پر سائبان ڈالتا ہے اور ہندو کو روپیہ ادا کرتا ہے۔ اس حرام کمائی کے مکان کو فروخت کر کے تو اس کا یہ سائبان مسجد میں ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... اسی طرح سے اگر بازاری عورت مسجد میں بجلی لگوادے اور اس کا کرایہ ہندو سے لیکر ادا کیا کرے اور اس ہندو کو اپنی ناجائز کمائی سے ادا کرے تو کیسا ہے؟

نوٹ: لوٹے اور صفیں مسجد میں علیحدہ رکھی ہوئی ہیں، جواب جلد عنایت ہو، تاکہ اس پر عمل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ایسے لوٹوں اور صفوں کا استعمال مسجد میں درست ہے، کیونکہ یہ عینِ حرام کی کمائی سے خرید کر نہیں دیئے(۲)۔

۲...... اس سائبان میں بھی کوئی حرج نہیں (۳)۔

---

(۱) ''سوت کاتنا: چرخے پر رُوئی سے سوت بنانا، چرخے کے ذریعے روئی کے تار نکالنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۶۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "غالب مال المهدی إن حلالاً، لا بأس بقبول هدیته و أكل ماله، مالم یتعین أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا یقبلها ولا یأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الكراهیة، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث: ۶/۳۶۰، رشیدیه)

(وكذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانیة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الكراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(۳) قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: "وفی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی: أن=

۳...... یہ بھی نمبر ۱، ۲ کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۶/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

مالی جرمانہ اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۳۰۰]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطور جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقم مذکور کو مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سوال تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہبِ معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطور جرمانہ وصول کرلی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں (۱)۔

= الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان، وكان يستقرض بجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به ديونه. فالحيلة في مثل هذه المسائل أن يشتري شيئاً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال أحبّ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۳۴۹/۴، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"إذا أراد أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله".

(التاتارخانية، كتاب المناسك، باب المتفرقات: ۵۷۲/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دارالمعرفة بيروت) =

"قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: و لا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظَّلَمة على أخذ المال للناس فيما يأكلونه، اهـ. و مثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيئٍ من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال كما يتوهمه الظَلَمَة. ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. و في شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ". ردالمحتار: ۳/۳۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/ جمادی الثانیہ/۶۰ھ۔

قرض لے کر تعمیر مسجد میں رقم دی وہ حلال ہے

سوال[۷۳۰۱]: زید نے ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بکر سے سو روپے قرض لے کر دیئے، بعد میں جوئے یا سٹے غرض حرام کی کمائی سے اپنا قرض ادا کیا۔ تو موجودہ صورت میں وہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے یا حرام؟

= "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعيّ، وإن أخذه وجب عليه رده". (شرح المجلة: لسليم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (رد المحتار: ۴/۶۱، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/۶۸، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۱۶۷، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ قرض لے کر دیا ہے، وہ روپیہ تو سٹے یا جوئے کا نہیں تھا، اس میں یہ حرام مؤثر نہیں ہوگا (۱) اس کی حرمت مستقل علیحدہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

قوالی اور اس کی آمدنی مسجد میں دینا

سوال [۷۳۰۲]: میرا ذریعۂ معاش فنِ قوالی ہے اور خدا کے فضل وکرم سے آمدنی بہت اچھی ہے۔ اس آمدنی سے مساجد وغیرہ اور قرآن خوانی کرا کے قرآن کریم پڑھنے والوں کے ساتھ مالی تعاون کروں تو جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ پیسہ مسجد کے لئے ناجائز ہے اور نہ ہی اس سے کوئی ثواب حاصل ہو سکے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پیشہ شرعاً ممنوع ہے، اس کی آمدنی بھی ممنوع ہے (۳)، اللہ کے گھر میں ایسی آمدنی نہ لگائی

---

(۱) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانيؒ: أن الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه، فالحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال شاء".

(الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۴۹، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر والميسر والمزر والكوبة والقنين، وزادني صلوة الوتر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۳۵۱، (رقم الحديث: ۶۵۱۱)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن، المصدر السابق)

(۳) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت =

جائے (۱)، اس لئے اگر آپ مسجد کی اعانت کرنا چاہتے ہیں تو کسی سے جائز آمدنی کا روپیہ قرض لے کر مسجد میں دیدیں (۲) اور کہہ دیں کہ یہ میں قرض لے کر دے رہا ہوں، تا کہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ اور کوئی دوسرا جائز آمدنی کا ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، حق تعالیٰ سے دعاء بھی کریں، اللہ پاک جائز اور پاک آمدنی عطا فرمائے۔

قرآن خوانی کے صلہ میں تو کسی آمدنی سے بھی تعاون درست نہیں کہ یہ اجرت کے مشابہ ہے اور اجرت پر جو قرآن پڑھا جائے اس کا ثواب نہیں ہوتا، ایسی اجرت لینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے اور دینے والا بھی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۹ھ۔

= مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تصدق به". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، مطلب الاستيجار على المعاصي، سعيد)

"كسب المغنية كالمغصوب لم يحل لأحد أخذه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذالك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۲۷۸/۱، دارالمعرفة، بيروت)

(۲) "وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة رحمه الله تعالىٰ: أن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان يقضي بها ديونه. والحيلة في هذه المسائل أن يشتري نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أيّ مال شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث: ۳۴۹/۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل العشرون في المتفرقات، ۵۷۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرء وا =

بیعانہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۴۰۲]: ایک شخص نے ایک مسجد کے متولی سے ایک مکان کا سودا کیا جو کہ مسجد کی ملکیت ہے اور کچھ روپیہ پیشگی بطور بیعانہ متولی کو دیا، ازاں بعد اس شخص کے پاس روپیہ کا انتظام نہ ہوسکا اور متولی مسجد نے وہ مکان دوسرے کو فروخت کردیا۔ اب متولی مسجد اس شخص کی وعدہ خلافی کے باعث وہ روپیہ اس کو نہیں دیتا۔ تو کیا وہ روپیہ مسجد کے مصرف میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی خریدار کے باعث مشترین بیعانہ واپس نہیں دیتے تو کیا ان کو رکھنا جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ روپیہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں تو اس روپیہ کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

حافظ عبدالرحیم سہارنپور۔

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر کسی وجہ سے بیع کا معاملہ بائع اور مشتری پورا نہ کرسکیں تو بیعانہ کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس کا رکھ لینا ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا متولی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ روپیہ اس شخص کو واپس کردے(۱)، ایسے روپیہ کو مسجد

= القرآن و لا تأکلوا بہ". وفی آخر ما عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی عمرو بن العاص: "وإن اتّخذت مؤذناً، فلا تأخذ علی الأذان أجراً". و لأن القربة متی حصلت وقعت علی العامل، ولهذا تتعین أهلیته، فلا یجوز له أخذ الأجرة من غیره کما فی الصوم والصلوة.......... وقال العینی: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان" (ردالمحتار: ۶/۵۵، ۵۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"لأن المعروف کالمشروط، والقرآن بالأجرة لا یستحق الثواب، والآخذ والمعطی آثمان". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/۱۳۸، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، مکتبه میمنیة مصر)

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن بیع العربان".

"قوله: (نهی عن بیع العربان). أقول: قال الزرقانی فی شرح هذا الحدیث: هو باطل عند =

میں لگانا بھی جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لقطہ کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۰۴]: پایا ہوا روپیہ مسجد میں لگ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ لقطہ ہے، مالک کو تلاش کرکے اس کو دیا جائے (۲)، اس کا پتہ نہ چلے تو مایوس ہونے کے بعد غریب کو

= الفقهاء، لما فيه من الشرط والغرر و أكل أموال الناس بالباطل". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۲۶/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، مكتبه رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(۲) "و عرّف: أي نادى عليها حيث وجدها وفي المجامع، إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها". (الدرالمختار). "(قوله: إن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدة اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لايطلبه، وصححه في الهداية، و عليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

صدقہ کردیا جائے (۱) مسجد میں نہ دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

ہبہ شدہ چیز دوبارہ لے کر اس کی قیمت مسجد میں دینا

سوال [۷۳۰۵]: زید عمر بکر نے کچھ جگہ و درخت جو کہ اس جگہ میں اس وقت ایستادہ تھے اور اب بھی ہیں، خالد وعمر کو بطور بخشش کے دیئے تھے اور اس جگہ میں خالد وغیرہ کے قبرستان بھی ہیں۔ اب زید، عمر، بکر وغیرہ کی اولاد خالد وغیرہ کی اولاد سے جبراً درخت لے کر اور اس کو فروخت کر کے وہ رقم مسجد کے اخراجات میں لگانا چاہتے ہیں۔ آیا یہ رقم مسجد میں صرف کرنا جائز ہے؟

العبد محمد حسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین اور درخت با قاعدہ ہبہ کر کے موہوب لہ کا قبضہ کرادیا تو شرعاً یہ ہبہ تام ہوگیا، اب واہب اور موہوب لہ کے انتقال کے بعد اس سے رجوع کرنے کا اولاد کو شرعاً حق حاصل نہیں، نہ ایسی رقم کا شرعاً صرف کرنا درست ہے:

"هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين أو من جماعة صحيحةٌ عندهما، وفاسدة عند الإمام رحمه الله تعالىٰ، وليست بباطلة، حتى تفيد الملك بالقبض، كذا في جواهر

---

(۱) "فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير و لو على أصله و فرعه و عرسه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۵۷/۵، رشيديه)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

الأخلاطي". هندية: ٣٧٨/٤(١)۔ "ويمنع منه: أي من الرجوع في فصل الهبة ياصاحبي حروف "دمع خزقة" .... والميم موت أحد العاقدين، اه". مجمع الأنهر: ٣٦٠/٢(٢)۔

اگر باقاعدہ ہبہ نہیں کیا، یا موہوب لہ کا قبضہ نہیں کرایا، یا اس ارضِ موہوبہ اور اشجارِ موہوبہ کو تقسیم نہیں کرایا، نہ زید، عمر، بکر وغیرہ کے حصص بتلائے کہ کس کا کتنا حصہ ہے، نہ خالد وغیرہ کو یہ بتایا گیا کہ کس کو کتنا حصہ ملا ہے، بلکہ وہ ارض واشجار واہبین کے درمیان بھی مشاع ہیں اور موہوب لہ کے درمیان بھی مشاع ہی رہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ زید، عمر، بکر کی مِلک بدستور باقی رہی، ان کے ورثہ میں حسبِ حصصِ شرعیہ میراث جاری ہوگی:

"لايثبتُ الملك للموهوب له إلا بالقبض، هو المختار، هكذا في الفصول العمادية. والشيوع من الطرفين فيما يحتمل القسمة مانعٌ من جواز الهبة بالإجماع، اه". عالمگیری: ٣٧٨/٤(٣)۔

اس صورت میں بعد تقسیمِ میراث ہر وارث کو اختیار ہے کہ اپنا حصہ خواہ مسجد میں صَرف کرے خواہ اُور کسی جگہ (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة ومالايجوز: ۳۷۸/۴، رشیدیہ)

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها: ۵۰۰/۳، ۵۰۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة ومالايجوز: ۳۷۸/۴، رشیدیہ)

(۴) "كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاک: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لأن الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک، الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

الفصل السادس عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کا روپے لگانا اور ﴿ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله﴾ کا مطلب

سوال[۷۳۰۶]: معروض اینکہ مسئلہ مذکورۂ ذیل میں مجھے اختلافِ آراء کی بناء پر شک واقع ہو گیا ہے، اس لئے مہربانی فرما کر فریقین کے مدلل اقوال نقل فرما کر طریقِ تطبیق کو فرماتے ہوئے، قولِ راجح سے مطلع فرمادیں اور حوالجات ضرور نقل فرمادیں، تحریر مفصل ہو تاکہ اشکال زائل ہو جائے۔

مسئلہ: کیا مساجد کی تعمیر جدید یا مرمت میں ہنود کا اور غیر مسلم اقوام کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ نیز اگر غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں جائز ہے تو آیت شریفہ: ﴿ما كان للمشركين أن يعمروا مسا جد الله شا هدين على أنفسهم بالكفر﴾ الآية(۱) کا کیا مطلب ہے؟ باوجودیکہ صاحبِ تفسیر احمدی نے تصریح کی ہے اور کہا ہے: "فالمقصود فيه أن الله تعالیٰ منع المشركين عن تعمير المساجد حال كونهم على الشرك، الخ"(۲)۔ اور بعد میں جا کر لکھتے ہیں: "فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم، الخ "(۳) میں ممانعت پر تصریح ہے۔ اور اگر غیر مسلم اقوام کو مساجد کی تعمیر نا جائز ہے تو فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے اجازت کیوں دی؟ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی اور فتویٰ دیا، فتاویٰ رشیدیہ: ۹٤/۲، کتاب الوقف:

سوال: "شیعہ، یا ہندو، یا نصاریٰ، یا یہود مسجد بنادے، یا اس کی مرمت

(۱) (سورة التوبة: ۱۷)

(۲) (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۵۴، سورة التوبة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۳) (التفسيرات الأحمدية، المصدر السابق)

کرے، یا چندہ مسجد وغیرہ میں شریک ہوتو جائز ہے یا نہیں''؟

حضرتؒ جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: ''اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مسجد ان لوگوں کی بنائی ہوئی بحکمِ مسجد ہے، اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے۔ ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''(۱)۔

اس فتویٰ اور ملاجیون کی تفسیر آیت: ﴿ما کان للمشرکین﴾ کے جو مخالف معلوم ہوتا ہے اس کو واضح فرما کر جواب شافی مفصل مدلل تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کفار کے وقف اور وصایا کا بیان کتبِ فقہ، ہدایہ، درمختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مستقل موجود ہے کہ کس صورت میں معتبر ہے، کس میں نہیں (۲)۔ حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اسی پر مبنی ہے، اسی واسطے قید لگائی ہے کہ:

''اگر یہ لوگ مسجد میں روپیہ لگانا ثواب جانتے ہیں تو ان کا وقف درست ہے، ایسے ہی اوپر کی عمارت میں شریک ہوں تو بھی درست ہے''۔

پس کفار کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے بشرطیکہ یہ ان کے نزدیک ثواب ہو(۳) نیز اور کوئی مانع موجود

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۲۰۸، کتاب الوقف، باب: مساجد کے احکام کا بیان، عنوان: مسجد کے لئے کافر کا چندہ، سعید)

(۲) "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"و أما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۳) "ثم الحاصل أن وصايا الذمي على أربعة أقسام .... و منها: إذا أوصىٰ بما يكون قربةً في حقنا وحقهم، كما إذا أوصىٰ بأن يسرج في بيت المقدس، أو يغزى الترك و هو من الروم، وهذا جائز، سواء كان القوم بأعيانهم أو بغير أعيانهم؛ لأنه وصية بما هو قربة حقيقةً في معتقدهم أيضاً". (الهداية: =

نہ ہو، مثلاً: یہ کہ وہ کل کو اپنی ملکیت اور شرکت کا دعویٰ مسجد پر نہ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، اوران کو عار دلائیں کہ ہم نے تمہاری مسجد بنوائی اوراس میں چندہ دیا۔ بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل دینے کی اباحت شامی وغیرہ میں موجود ہے(۱)۔

یہ اصل مسئلہ ہے اور یہی صحیح ہے، باقی ملاجیون کا تفسیر احمدی میں اس کے خلاف فرمانا وہ قرآن کریم کی تفسیر نہیں، کشاف کے بیان کردہ جزئیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کا اپنا ذاتی استنباط ہے، کسی نقلِ مذہب کے ساتھ مؤیدنہیں (۲)، اس وجہ سے بہت کمزوراور دبے ہوئے الفاظ میں اس کو لکھا ہے اور کوئی نقل نہیں پیش کی، بلکہ نقل کی نفی کی ہے۔ اور یہ استنباط بھی من حیث المنطوق نہیں، بلکہ من حیث المفهوم ہے، چنانچہ اولاً ایک عبارت کشاف کی نقل کی، پھراس پر متفرع کرتے ہوئے:

”فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولىٰ، فإن أراد كافر أن يبنيٰ مساجد أو يعمرها، يمنع منه، و هو المفهوم من النص وإن لم يدل عليه رواية، اهـ“(۳)۔

صاحب کشاف معتزلی ہیں، ان کی تفسیر معتبر نہیں، البتہ صنائع اور بدائع کے نکات جو کچھ وہ بیان کریں معتبر ہیں، لہٰذا اس کی جو کچھ حیثیت مذہب میں ہوگی وہ معلوم ہے، بخلاف فتویٰ حضرت گنگوہیؒ کے کہ وہ کتب

= ۶۸۵/۴، کتاب الوصايا، باب وصية الذمي، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۹۶/۶، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۳۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲)”چنانچہ صاحب کشاف کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقال صاحب المدارك: وكذا القاضي الأجل اخذاً من كلام صاحب الكشاف: و عمارتها تتناول رمّ ما سترمّ منها، وقمها، وتنظيفها، وتنويرها بالمصابيح، وصيانتها مما لم تبن له المساجد من احاديث الدنيا، لأنها بنيت للعبادة والذكر، والمراد من الذكر درس العلم، انتهىٰ كلامه. فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الأولىٰ“. (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۵۴، سورة التوبة، مكتبه حقانيه)

(۳) (التفسيرات الأحمدية، المصدر السابق)

مذہب: متون، شروح وفتاویٰ سب میں موجود ہے، كما لا يخفىٰ على من له ممارسة بالفقه(۱)۔

علاوہ ازیں کتنی ہی ہندو ریاستیں ہیں جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خانہ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور زمانۂ فتوحات میں آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس کی تعمیر کو تعمیرِ کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب رہی یہ بات کہ آیت کا مطلب کیا ہے، سو مطلب یہ ہے:

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، فإنهم هم الجامعون هذه الكمالات العلمية والعملية، والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادةُ والذكر فيه، و درس العلم والقرآن.

عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد، -و في رواية-: يتعاهد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان، فإن الله تعالىٰ قال: ﴿إنما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الأخر﴾، اه". رواه الترمذي و ابن ماجة والدارمي والبغوي، اهـ". تفسير مظهري، سورة التوبة(۲)۔

اگر تفسیر بیان القرآن آپ کے پاس موجود ہو تو اس کو دیکھئے اس میں اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے(۳) اور اصولی بحث احکام القرآن میں ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۸/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۳۴، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (التفسير المظهري: ۴/۱۴۷، ۱۴۸، سورة التوبة، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۳) "مطلب یہ ہے کہ عمارتِ مساجد گو عملِ محمود ہے، لیکن باوجود شرک کے کہ اس کا منافی ہے اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ محض غیر معتد بہ ہے پھر فخر کی کیا گنجائش ہے"۔ (بيان القرآن: ۴/۱۰۰، سورة التوبة، سعيد)

(۴) "عمارة المسجد بمعنيين: أحدهما: زيارته والكون فيه. والآخر: بنائه و تجديد ما استرم منه، =

مسجد میں اہلِ ہنود کا روپیہ

سوال[۷۳۰۷]: عمارتِ مسجد میں اہلِ ہنود، یا اہلِ تشیع کا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر خرچ کرنا جائز ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا ﴿ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر﴾ الآية(۱)؟ اگر کرنا جائز ہے تو بیت اللہ شریف کی عمارت کی کیا توجیہ ہوگی، جو زرِ مشرکین سے بنی تھی، اور عہدِ نبوی کے بعد تک قائم رہی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ان کے نزدیک مسجد بنانا عبادت وثواب ہے اور کوئی دوسرا مانع بھی نہیں، تو ان کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا شرعاً درست ہے(۲)۔ آیت میں "عمارت" سے مراد مسجد کی آبادی، تولیت، انتظام ہے(۳) جیسے کہ پہلے

= وذلک لأنه يقال: اعتمر إذا زار، و منه العمرة؛ لأنها زيارة البيت، و فلان من عمار المساجد إذا كان كثير المضي إليها والسكون فيها، وفلان يعمر مجلس فلان إذا أكثر غشيانه له، فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها، وتولّي مصالحها، والقيام بها لانتظام لفظ الأمرين". (أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۹/۳، ۱۳۰، سورة التوبة، قديمي)

(۱) (سورة التوبة: ۱۷)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على القدس". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۱/۴، سعيد)

"أما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، رشيديه)

(۳) "عمارة المسجد بمعنيين: أحدهما: زيارته والكون فيه، والآخر: بنائه، وتجديد ما استرم منه .... فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولي مصالحها والقيام فيها لانتظام لفظ الأمرين". (أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۹/۳-۱۳۰، سورة التوبة، قديمي)

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين، فإنهم هم الجامعون هذه الكمالات العلمية=

سے بیت اللہ پر مشرکین کا تسلط وقبضہ تھا جس کا ظہور خاص طور پر ایامِ حج میں ہوتا تھا، کعبہ شریف کی چابی بھی انہی لوگوں کے پاس رہتی تھی، جس کو چاہتے داخل ہونے دیتے، جس کو چاہتے روک دیتے، چنانچہ قبل ہجرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روکا اور حدیبیہ کے موقعہ پر مستقل ہنگامہ برپا کیا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۰۸]: کسی غیر مسلم کا روپیہ مسجد کی عمارت میں صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں روپیہ وغیرہ دے اور بنیتِ حصولِ ثواب یعنی اس کو عبادت سمجھ کر تو شرعاً اس کا

= والعملية. والمراد بعمارة المسجد أو مرمته العبادةُ والذكر فيه ودرس العلم والقرآن. عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد". وفي رواية: "يتعاهد المسجد، فاشهداو له بالإيمان، فإن الله تعالىٰ قال: ﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر﴾ اهـ". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي والبغوي". (التفسير المظهري: ۱۴۷/۴، ۱۴۸، سورة التوبة، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۱) "عن عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحكم -يزيد أحدهما على صاحبه- قالا: خرج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عام الحديبية في بضع عشرة مأة من أصحابه، فلما أتى ذا الحليفة قلد الهدى وأشعره وأحرم منها بعمرة وبعث عيناً له من خزاعة، وسار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، حتى إذا كان بغدير الأشطاط أتاه عينه، قال: إن قريشاً جمعوا لك جموعاً وقد جمعوا لك الأحابيش الأشطاط، وهم مقاتلوك وصادوك عن البيت ومانعوك. فقال: "أشيروا أيها الناس عليّ أترون أن أميل إلى عيالهم وذراريّ هؤلاء الذين يريدون أن يصدونا عن البيت، فإن يأتونا كان الله قد قطع عيناً من المشركين وإلا تركناهم محروبين". قال أبوبكر: يارسول الله! خرجت عامداً لهذا البيت لاتريد قتل أحد ولا حرب أحد، فتوجّه له فمن صدنا عنه، قاتلناه. قال: "امضوا على اسم الله". (صحيح البخاري: ۵۹۷/۲، ۶۰۱، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، قديمي)

(وكذا في تاريخ الطبري: ۲۷۰/۲، ۲۷۲، باب ذكر الخبر عن عمرة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التي صده المشركون فيها عن البيت، و هي قصة الحديبية، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

مسجد میں لینا درست ہے(۱)۔ اور اگر کوئی اَور مانع ہو مثلاً: اس روپیہ کی وجہ کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا اہلِ اسلام اور اہلِ مسجد پر احسان سمجھ کرے، یا احسان کا اظہار کرے وغیرہ وغیرہ تو اَمرِ آخر ہے(۲)، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ روپیہ کسی مسلم کو دیدے اور پھر وہ مقروض یا دیگر مسلم اس روپیہ کو مسجد میں دیدے اور اس روپیہ کو تعمیرِ مسجد میں خرچ کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ جمادی الثانی/۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمی أن یکون قربةً عندنا وعندهم، کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب: قدیثبت الوقف بالضرورة، سعید)

"و أما الإسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط کونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/۳۱۶، کتاب الوقف، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، کتاب الوقف، الباب الأول، رشیدیه

(۲) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المنافع: أی إذا تعارض مفسدة ومصلحة، قدم رفع المفسدة".

(شرح المجلة لسلیم رستم، باب: ۱/۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(و کذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۲۹۰، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "و فی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله تعالیٰ: أن الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان یقضی به دیونه، فالحیلة فی هذه المسائل أن یشتری نسیئةً، ثم ینقد ثمنه من أیّ مال شاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(و کذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۴۹، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والمیراث، رشیدیه)

"إذا أراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین للحج و یقضی دینه من ماله".

(التاتارخانیة، کتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/۵۷۶، إدارة القرآن کراچی)

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال[۷۳۰۹]: کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر میں اپنا ذاتی روپیہ خرچ کر کے اس پر چھت ڈالدے، اور اس کے فرش کو پختہ کرادے۔ چاروں طرف اس کے دیواریں بنوادے شرعاً ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

معرفت مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرانا وصیت للمسجد کے حکم میں ہے، پس اگر وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت اور ثواب سمجھتا ہے تو یہ جائز ہے اور مسجد میں اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس میں نماز پڑھنا درست ہے۔ اور اگر وہ اس کو اپنے عقیدہ میں قربت اور ثواب کا کام نہیں سمجھتا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں، مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اس قسم کے کام قربت ہی سمجھ کر کرتے ہیں، ان کی کوئی اور غرض اس سے نہیں ہوتی، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں:

"ولو أن ذمياً أوصى بأن يشترى بثلث ماله رقاباً، وتعتق عنه بأعيانهم أو بغير أعيانهم، أو أوصىٰ بأن يتصدق بثلث ماله على الفقراء والمساكين، أو أن يسرج به فى بيت المقدس، أو يبنىٰ فيه، أو يغزى به الترك أو الديلم، والموصى من النصارىٰ، فالوصية صحيحة .... ولو أوصىٰ بثلث ماله بأن يحج عنه قوم من المسلمين، أو يبنىٰ به مسجد للمسلمين، إن كان ذلك لقوم بأعيانهم، صحت الوصية، وتعتبر تمليكاً لهم، وكانوا بالخيار: إن شاؤا، أحجوا به، و بنوا المسجد، وإن شاؤا، لا. وإن كان ذلك لقوم غير معينين، فالوصية باطلة". فتاوى عالمگیری: ٤/٥٣٧(١)۔

"وجملة الكلام فى وصايا أهل الذمة أنها لاتخلو: إما إن كان الموصى به أمراً هو قربة

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/١٣١، ١٣٢، كتاب الوصايا، الباب الثامن فى وصية الذمى والحربى، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى: ٩/٣٠٣، ٣٠٤، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوصايا، باب وصية الذمى: ١٠/٤٩٣، ٤٩٤، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

عنـدنـا وعندهم، أو كان أمراً هو قربة عندنا لا عندهم، وإما إن كان أمراً هو قربة عندهم لا عندنا، فإن كـان الـمو صى به شيئاً هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصى بثلث ماله أن يتصدق به على الفقراء المسلمين، أو على فقراء أهل الذمة، أو بعتق الرقاب، وبعمارة المسجد الأقصى ونحو ذلك، جاز فـي قولهم جميعاً؛ لأن هذا مما يقرب به المسلمون وأهل الذمة، الخ". بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۳٤۱/۷ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۵۳/۱۲/۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

مسجد کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا

سوال[۷۳۱۰]: ہم ایسی جگہ پر رہتے ہیں جہاں پر مسلمان پورے شہر میں ۱۲/ ہیں، یہاں پر ۴۷ء سے پہلے مسجد ہے اور وہ ویران ہے یعنی گری پڑی ہے جس کی مرمت بہت ضروری ہے اور ہم لوگوں میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس میں خاص رقم لگا کر مرمت کریں۔ تو ہم شہر میں ہندوؤں سے چندہ لے سکتے ہیں، اور زکوۃ، فطرہ کی رقم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مسجد تعمیر کرنے کے لئے ہندوؤں سے چندہ نہ مانگیں کہ بڑی بے غیرتی ہے (۲)، زکوۃ اور صدقۃ

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الوصایا: ۵۰۰/۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیرہ: ۶۹۶/۲، سعید)

وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا، باب وصیة الذمی: ۳۰۳/۹، ۳۰۴، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾ (سورة النسآء: ۱۴۱)

"الإسـلام يـعـلـو و لا يـعلى". (فيض القدير: ۲۵۴۲/۵، (رقم الحديث: ۳۰۶۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"وقال: ﴿لاتتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾. فنهى في هذه الآية من موالاة الكفار و إكرامهم .... و نهىٰ عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين، =

الفطر کا پیسہ بھی مسجد کی تعمیر میں صرف نہ کریں کہ وہ غریبوں کا حق ہے(۱)، بہت معمولی سے مسجد چھپر ڈال کر ذاتی پیسہ سے بنالیں، اللہ تعالیٰ اس کے پختہ کردینے کا بھی انتظام فرمادے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا

سوال[۷۳۱۱]: ہمیں برطانیہ کے ایک شہر ''ریڈمبرا'' میں مذہبی ضروریات (مسجد، بچوں کی تعلیم کے لئے کمرے، مسجد کمیٹی کا دفتر اور چند کمرے کا جو مسجد کا خرچہ پورا کرنے کرایہ پر دیئے جائیں) کے لئے ایک مکان خریدنا ہے، تاکہ یہ ضروریات اس بلڈنگ سے پوری کی جائیں تو اگر کوئی ایک غیر مسلم ایسی عمارت کے چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

حافظ عبدالکریم، روکس برک اسٹریٹ، اے ڈن برگ، اسکاٹ لینڈ (یوکے)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ثواب سمجھ کر دے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا، تو لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

= لما فيه من العز وعلو اليد، وكذلك كتب عمر إلى أبي موسىٰ ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرك في كتابته". (أحكام القرآن، سورة براءة، مطلب في تميز الطبقات: ۹۹/۳، دارالكتاب العربي، بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم و في الرقاب والغارمين و في سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن ميت و قضاء دينه، ولا إلى ثمن ما يعتق، لعدم التمليك، و هو الركن". (الدرالمختار: ۳۴۴/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۲۱/۲، ۴۲۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "و أما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه) .... =

کفار کا روپیہ مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا

سوال[۴۲۱۲]: کفار کا روپیہ وغیرہ مسجد یا عیدگاہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ تیل جلانے کے واسطے مسجد میں دیں تو مسلمانوں کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے نزدیک یہ روپیہ تیل وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو، مثلاً: کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں، یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کردیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے، هكذا يفهم من وقف الذمي و وصيته (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

کافر بے دین کا روپیہ جدید مسجد میں

سوال[۴۲۱۳]: کافر بے دین کا روپیہ مدد لے کر نئی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بے دین مشرک کا روپیہ امداد لے کر مدرسہ میں لگانا، یا مدرسہ تیار کرنا اور طلباء کے کھانے کے خرچ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے دین (کافر ومشرک) سے مسجد یا دینی مدرسہ کے لئے مدد طلب کرنا بے محل ہے، ہرگز طلب نہ

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۸/۲، غفاريه كوئٹه)

(۱) "أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۳۴۱/۴، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۳۱۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

کریں(۱)، اگر وہ خود مدد کرے اور اس مدد سے کسی غلط اثر کا اندیشہ نہ ہو تو قبول کر لینا درست ہے(۲)۔ غلط اثر یہ ہے کہ مثلاً: وہ ملکیت کا دعویٰ کرے، یا احسان جتائے، یا اپنے مندر وغیرہ کے لئے چندہ طلب کرے، یا ووٹ وغیرہ کا مطالبہ کرے، ایسی حالت میں مدد قبول نہ کی جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

ہندو مسلم کا مخلوط پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۳۱۴]: تعمیر مسجد کے واسطے ہم لوگوں نے ایک بکس مسجد کے کنارے عام راستہ پر لٹکایا دیا، اس بکس میں مسلمان، ہندو، عیسائی وغیرہ سب ہی لوگ پیسہ ڈالتے ہیں۔ کیا یہ مشترکہ پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے؟ اگر غیر مسلموں کے اس صندوق میں پیسہ ڈالنے سے پیسہ مشتبہ ہو جائے تو اس پیسہ کو کس جگہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونكم لا يألونكم خبالاً﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۸)

"فنهى الله تعالیٰ المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانةً من دون المؤمنين، وأن يستعينوا في خواص أمورهم. و أخبر عن ضمائر هؤلاء الكفار للمؤمنين، فقال: ﴿لا يألونكم خبالاً﴾ يعني لا يقصرون فيما يجدون السبيل إليه من إفساد أموركم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحكام القرآن للجصاص: ۳۶/۲، ۳۷، دار الكتاب العربي بيروت)

"فنهى في هذه الآية عن موالات الكفار وإكرامهم .... و نهىٰ عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين، لما فيه من العز وعلو اليد، و كذالک كتب عمر إلیٰ أبي موسیٰ رضي الله تعالیٰ عنهما ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرک في كتابته". (أحكام القرآن للجصاص: ۹۹/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۳۴۱/۴، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۱۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۳) "درءُ المفاسد أولیٰ من جلب المنافع: أي إذا تعارض مفسدة و مصلحة، قدم رفع المفسدة".

(شرح المجلة لسليم رستم: ۳۲/۱، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۲۹۰/۱، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

لگایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تعمیر مسجد کے لئے راستہ کے کنارے کوئی صندوق لٹکا دیا گیا اور رہ گزر اس میں پیسے ڈالتے ہیں تو وہ پیسہ اس تعمیر میں لگانا درست ہے، خواہ ڈالنے والے مسلم ہوں یا غیر مسلم، سب کا پیسہ اس صورت میں لگا سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۲۰ھ۔

ہندو کا مسجد میں لوٹے دینا

سوال [۷۳۱۵]: ایک ہندو کمہار مسجد میں وضو کے لئے مٹی کے لوٹے بنا کر مفت دینا چاہتا ہے، مسجد کے لئے اس سے لوٹے بلا قیمت دیئے لیکر مسجد میں وضو کے لئے رکھے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کمہار کسی ثواب کی نیت سے دیتا ہے اور مصلحت کے خلاف بھی نہیں تو وضو کے لئے ان کا لینا درست ہے: "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف علىٰ الفقراء أو على مسجد القدس". شامی: ۳/۵۵۶ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۵/۵/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم، كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس".

(ردالمحتار: ۴/ ۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/ ۳۱۶، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/ ۳۴۱، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم".

(البحر الرائق: ۵/ ۳۱۶، كتاب الوقف، رشيديه) .... =

غیر مسلم کی زمین سے مٹی لیکر مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۱۶]: ایک غیر مسلم کی زمین ہے، اس کے بغل میں مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ جو غیر مسلم کی زمین ہے اس کی ایک مسلم دیکھ ریکھ کرتے ہیں، لیکن محلّہ کے لوگ اس غیر مسلم کی زمین سے مٹی کاٹ کر مسجد میں لگاتے ہیں، اور جس شخص کی نگرانی میں وہ زمین ہے اس کے منع کرنے پر اس کا بائیکاٹ کردیا ہے تو ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر مسلم کی زمین سے بغیر مالک کی اجازت کے مٹی لینا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے یہ لوگ ظالم اور گنہگار رہیں (۱)۔ اللہ پاک کے گھر میں پاک مال لگایا جاوے، حرام مال اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے (۲)۔ ان لوگوں کو اپنی اس حرکت سے باز آنا چاہئے اور جس قدر مٹی لی ہے وہ واپس کردیں، یا پھر اصل مالک سے اس کو خرید لیں اور قیمت ادا کردیں تب مسجد میں لگائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۲۵۵/۱، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

(۲) "(قوله: لو بمال حلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۷۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة، دار المعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيّبٌ، لا يقبل إلا الطيب" (مشكوة المصابيح: ۲۴۱/۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، رشيديه)

(۳) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعيّ، وإن أخذه .... وجب عليه ردّه عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيمياً، ومثله إن كان مثلياً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

چندۂ مسجد کا حکم

سوال[۷۳۱۷]: زید نے کچھ روپیہ اپنے پاس سے اور کچھ چندہ سے جمع کیا مسجد کے حصہ کو بڑھانے کے واسطے، مگر وہ روپیہ ابھی تک کسی خرچ میں نہیں آیا تھا کہ زید کا انتقال ہوگیا، اب وہ حصہ داران اس شخص سے جس کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے لیکر مہتمم مسجد کو ادا کردیں تاکہ وہ مسجد میں لگادیں۔ اگر وہ روپیہ دینے سے انکار کرے تو اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شخص کو وہ روپیہ خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر زید نے اس کے خرچ کرنے کے متعلق اس شخص کو وصیت کی ہے تب تو مہتمم اور اہل محلہ کے مشورہ کے موافق مسجد میں صرف کردے، ورنہ مہتمم مسجد کو دیدے، یا جن سے زید نے بطور چندہ وصول کیا ہے (ان کو دیدے)، خود رکھنے اور اپنے خرچ میں لانے سے یہ شخص خائن اور غاصب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "رجل جمع مالاً من الناس، لینفقه فی بناء المسجد، وأنفق من تلک الدراهم فی حاجة نفسه، ثم رد بدلها فی نفقة المسجد، لایسعه أن یفعل ذلک. وإذا فعل إن کان یعرف صاحب المال، رد الضمان علیه، أو یسئله لیأذن له بإنفاق الضمان فی المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشیدیه)

(۲) "فإن طلبها ربها حبسها، وهو قادر علی تسلیمها: أی الودیعة، صار غاصباً، فیضمن إن ضاعت، لوجود التعدی بمنعه". (مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۴۷۰/۳، غفاریه کوئٹه) .... =

مسجد کا خرچ ذاتی پیسہ سے ہو یا چندہ سے؟

سوال[۷۴۱۸]: میں ضلع بلند شہر میں رہتا ہوں، اس کے ایک محلّہ میں مسجد شیشہ والی موجود ہے جس کی تعمیر اپنی معرفت شیخ خیراتی صاحب نے اپنے آباء واجداد والی زمین میں اپنے ذاتی پیسے سے کرائی تھی اور تاحیات برابر مسجد مذکور کا کل اہتمام، انتظام، مرمت وغیرہ اپنی ہی ذاتی پیسہ سے کرتے رہے۔ اس مسجد میں کبھی کسی کا چندہ کا پیسہ نہ شیخ خیراتی صاحب نے لگایا۔ ان کی وفات پر ان کی تجہیز وتکفین بھی اسی مسجد کے ایک حصہ میں ہوئی، جہاں ان کی تولیت تک ان کا قیام رہا تھا۔

بعد وفات شیخ خیراتی صاحب مرحوم ان کی اولاد در اولاد مسجد کی نگہداشت، مرمت وغیرہ کا کام خود انجام دیتی رہی اور اب تک وہی انجام دے رہے ہیں اور کسی کا کوئی چندہ کا پیسہ اس مسجد میں نہیں لگایا گیا ہے اور اپنے ذاتی پیسہ سے ہی کل کام انجام دیتے ہیں۔ اس مسجد میں کتبہ بھی ہمارے مورث اعلی شیخ مرحوم صاحب کا لگا ہوا ہے۔

اب شیخ املی، محمد ولی شیخ املی وغیرہ اس قصبہ کے لوگ ہم کارکنان کے کام میں رخنہ انداز ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس مسجد میں عام مسلمانوں کا ہی چندہ کا پیسہ لگایا جائے، صرف شیخ خیراتی کی اولاد در اولاد کا کوئی حق نہ رکھا جائے۔

قبلہ مولانا صاحب! ان لوگوں کے اس خیال سے چندہ کی رقم مسجد میں لگانے سے ہم اور ہمارے دیگر برادران خاندان کو سخت اعتراض ہے جب کہ ہم لوگ اپنے ذاتی پیسہ لگا کر کام انجام دے رہے ہیں اور آئندہ لگانے پر تیار ہیں، کسی شخص سے کوئی حاجت چندہ مانگ کر پیسہ لگانے کی نہیں ہے۔ لہذا اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱......مسجد مذکورہ کا کل اہتمام، انتظام اولاد در اولاد شیخ مرحوم پر لازم ہے یا نہیں؟

۲......اگر کچھ اشخاص بغیر ہماری مرضی واجازت اپنی کوشش سے چندہ کریں تو ان لوگوں کا یہ فعل یعنی چندہ کرکے مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۳۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بانیٔ مسجد کی اولاد اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی ضروریات پوری کرتی اور انتظام درست رکھتی ہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے تو دوسرے لوگوں کا دخل دینے اور انتظام سنبھالنے اور چندہ کر کے تعمیر وغیرہ وہاں بنانے کا حق نہیں (۱)، ان لوگوں کا یہ اقدام غلط ہے، نہ کسی اَور تصرف کا حق ہے۔ اگر کوئی انتظامی شکایت ہو تو متولی ومنتظم سے کہہ کے اس کا انتظام کرالیں۔ ہاں! اگر ان کے پاس پیسہ نہ ہو تو پھر ضروریاتِ مسجد کے لئے چندہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۰ھ۔

بجائے متولی کے چندہ فنڈ میں جمع کرنا

سوال[۷۳۱۹]: یہاں قصبہ میں متولیانِ مساجد کی طرف سے اکثر لوگ شاکی رہتے ہیں، چونکہ بعض متولی آمد وصرف مسجد کی حساب فہمی اہل محلّہ کو نہیں کراتے، حتی کہ بعض متولی سے خیانت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہاں قصبہ میں ایک اسلامی فنڈ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانانِ قصبہ سے حسب حیثیت چندہ

---

(۱) "وفي الأصل: الحاكم لا يجعل القيم من الأجانب ما دام من أهل بيت الواقف من يصلح لذلك".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/ ۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۵/ ۷۴۳، إدارة القرآن كراچی)

"رجل بنى مسجداً لله تعالىٰ، فهو أحق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواري والحصر والقناديل والأذان والإقامة والإمامة إن كان أهلاً لذلك، فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق المسجد، الخ: ۱/ ۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

قرض لیا جاتا ہے اور غریب مسلمانوں کو بالخصوص زیور لے کر بلاسودی قرضہ دیا جاتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ متولیانِ مساجد بھی سرمایۂ مساجد کو اسلامی فنڈ میں اپنی ذمہ داری پر بطورِ قرض کے داخل کر دیں اور جس وقت صرف کے لئے ضرورت ہوا کرے فنڈ سے واپس لے کر صرف کر دیا کریں، کیونکہ فنڈ کا یہ قاعدہ ہے کہ قرض دہندہ اپنا قرضہ کل یا جزاپنی ضروریات پر جس وقت واپس لینا چاہتا ہے، اس وقت اس کو واپس دیدیا جاتا ہے۔

خیال ہے کہ اس صورت میں رقم مساجد محفوظ ہوجاوے گی اور ہر شخص کو حساب فہمی میں آسانی ہوگی۔آیا اس صورت میں رقم مساجد کو فنڈ میں بطور قرض کے داخل کر کے اس پر تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر متولی مسجد سے خیانت ثابت ہوجائے تو باقاعدہ حاکمِ وقت کے ذریعہ اس کا ثبوت دے کر تولیت سے علیحدہ کر دیا جائے۔اور اگر محض شبہ وظن ہے ثبوت نہیں تو علیحدہ نہ کیا جائے، البتہ متولی کو لازم ہے کہ جملہ حساب کتاب صاف رکھے، یا اربابِ حل وعقد کی ایک کمیٹی بنادی جائے تا کہ کسی کو شبہ واعتراض کی گنجائش نہ ہو:

”فإن طعن في الوالي طاعنٌ، لم يخرجه القاضي عن الولاية إلا بخيانة ظاهرة“.
عالمگیری: ۲/۴۲۰(۱)۔

سرمایۂ مساجد متولی کے پاس امانت ہوتا ہے، اس کو اپنے کام میں لانا، یا کسی کو قرض دینا درست نہیں، اس کو صرف مسجد کے کام میں خرچ کرنے کا حق ہے، ناحق اگر تصرف کرے گا تو ضامن ہوگا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۲، رشيديه)

”وقدمناه أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، و لا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة“.

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۲) ”ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، لا إقراضه، فلو أقرضه ضمن، وكذا =

مسجد ومدرسہ کے نام سے مشترکہ چندہ کرنا

سوال[۷۳۲۰]: ایک بستی والے مسجد ومدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا چندہ ایک جگہ کرنا چاہتے ہیں۔کیا ایسا کرنا جائز ہے؟اگر چندہ یکجا کرلیا جائے اور چندہ دہندہ سے کہہ دیا جائے کہ ہم مسجد ومدرسہ دونوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔اور چندہ دینے والا یہ کہہ دے کہ دونوں میں سے کسی میں استعمال کرلو۔تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا دونوں کا علیحدہ علیحدہ چندہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجداور مدرسہ دونوں کے لئے مشترکہ چندہ کرنا درست ہے(۱)اور جب یہ اعلان کردیا کہ دونوں کی تعمیر ہوگی اور دونوں کے لئے لوگ چندہ دے رہے ہیں تو پھر کیا تردد ہے۔علیحدہ علیحدہ کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے، پھر جو چندہ جس کے لئے وصول کیا ہے اس کو اسی میں صَرف کرنا چاہیے،ایک کا چندہ دوسرے مصرف میں صرف نہ کرے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۲/۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹۲/۲/۱۹ھ۔

= المستقرض". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيديه)

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۰/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(۱) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني: ۴۶۰/۲، رشيديه)

(۲) "أما إذا اختلف الواقف أواتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف والجهة، يتبع شرط الواقف .... هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ، وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة =

مسجد و مدرسہ کے مشترکہ چندہ سے مسجد کی توسیع اور مدرسہ کے لئے دوکان بنانا

سوال[۷۴۲۱]: مسجد سے ملحق ایک جگہ نئے مدرسہ کی تعمیر کے لئے چندہ کرکے مشترک پیسہ سے خریدی گئی اور ضرورت کے مطابق مسجد میں اضافہ کردیا گیا اور چار دکانیں بنوائی گئیں، دکانوں کے کرایہ کی آمدنی سے لاگت وصول ہوکر مسجد کے حساب میں قریب قریب پوری جمع ہوچکی ہے۔ مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ آیا تو چاروں دوکانیں مدرسہ کی ملکیت مان کر اوپر مدرسہ کی تعمیر کرادی گئی جو کہ دوکانیں اور مدرسہ کی عمارت مسجد کے ایک سائڈ میں واقع ہے، مسجد اور مدرسہ ایک ہی بنایا گیا ہے۔

ایک مسجد کے خرچہ سے فاضل آمدنی مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، کیا خریدی ہوئی زمین کی تقسیم مدرسہ اور مسجد میں کردینی درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ تقسیم جائز ہوئی یا نہیں، جب کہ دونوں ادارے قومی ہیں؟ اس تقسیم کی کاروائی باضابطہ تحریر میں ہے جس میں ہے کہ یہ دکانیں مدرسہ کی ملکیت ہیں اور رہیں گی، مسجد کی ملکیت کاغذات سرکاری میں غلط درج ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تعمیر مدرسہ اور توسیعِ مسجد کے لئے مشترک چندہ کیا گیا اور اس مشترک رقم سے زمین خریدی گئی اور حسبِ ضرورت مسجد میں اضافہ کرلیا گیا اور ایک جانب میں دکانیں بنوائی گئیں تو جس طرح مسجد میں جس قدر اضافہ کیا گیا وہ زمین مخصوص طور پر مسجد کی ہوگئی، بلکہ مسجد بن گئی، اس میں کوئی دوسرا کام مستقل کرنا مثلاً مدرسہ بنانا صحیح اور درست نہیں ہے(۱)۔

= صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعید)

(۱) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع .... ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوی القدسی". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد و ما يتعلق به: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

اس طرح اگر ارباب مدرسہ کے نزدیک مناسب ہو کہ دوکانیں مدرسہ کے لئے مخصوص کردی جائیں اور ان کے کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہو اور ان کے اوپر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے تو یہ بھی درست ہے، ان کا جو کرایہ مسجد میں جمع کردیا گیا ہے اس کو مسجد سے واپس نہ لیا جائے، کیونکہ اس وقت مدرسہ کی تعمیر کا سلسلہ نہ تھا اور ان میں صَرف شدہ رقم مشترک تھی، جس کا حاصل یہ تھا کہ حسبِ ضرورت مسجد و مدرسہ میں صرف کیا جائے۔ کاغذی اندراجات صحیح کرائے جائیں تاکہ آئندہ نزاع نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

اذان خانہ کے لئے چندہ کیا گیا اس سے مسافر خانہ بنانا

سوال[۷۳۲۲]: ہمارے گاؤں کے دو آدمیوں نے مسجد میں اذان خانہ بنوایا ہے، اس غرض سے باہر دیہات میں جاکر رقم چندہ جمع کیا ہے اور اس رقم کو اہل کار اور پنچ لوگوں نے قبضہ میں لیکر مسجد کا اذان خانہ تو درکنار مسجد کے کسی بھی کام میں نہ لاتے ہوئے مسافر خانہ وغیرہ کی درستی میں صرف کردیا، جس کی وجہ سے جن صاحبوں نے چندہ جمع کیا ہے وہ بہت ناراض ہیں اور ہر وقت کہتے ہیں اہل کار پنچوں سے کہ ہماری رقم جو خرچ کردی واپس کردو، ہم ایک وضو خانہ بنانا چاہتے ہیں، مگر پنچ کہتے ہیں کہ مسجد اور مسافر خانہ ایک ہی ہے، مسجد میں خرچ نہیں ہوا تو کیا ہوا، اپنی جماعت کا مکان تو درست ہوگیا۔ اب از روئے شرع کیا کریں، کیا مسجد کی رقم دوسرے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اذان خانہ بنوانے کے لئے چندہ جمع کیا گیا ہے اور چندہ دینے والوں نے یہ کہہ کر چندہ دیا تو پنچ لوگوں کے لئے اس کا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے(۱)، ان کے ذمہ ضمان واجب ہے(۲)۔ جو

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، و قد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "(وإن طلبها ربها، فحبسها قادراً على تسليمها، فمنعها): يعني لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه، وهو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/۴۷۰، غفاريه كوئٹه) ....=

لوگ اپنا چندہ واپس مانگ رہے ہیں ان کو واپس مانگنے کا حق ہے اور پنچ لوگوں کے ذمہ اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

چندۂ مسجد وانجمن سے مٹھائی وغیرہ

سوال[۷۳۲۳]: ایک جگہ نہر کے محکمہ کے مسلمان ملازموں نے ایک مسجد عام چندہ سے بنائی اور اس میں امام مقرر کیا جس کو چندہ اکٹھا کر کے تنخواہ بھی دیتے ہیں۔ ایک انجمن بھی آبادیٔ مسجد کے لئے بنائی گئی ہے، اس کے اکثر ممبر یہی اہل کار ہیں، اپنی اپنی تنخواہوں میں سے حسبِ حیثیت آٹھ آنہ، روپیہ، دو روپیہ، پانچ، دس روپے دیتے ہیں، وہ سب روپیہ جمع کر کے خزانچی کے پاس جمع کر دیا جاتا ہے۔ اس انجمن کے چند ممبر مخصوص عہدوں پر بعد انتخاب ممتاز کیے گئے ہیں، مثلاً: صدر، ناظم، خزانچی، سفیر۔ یہ ممتاز اصحابِ مسجد کی خدمت بلا معاوضہ کرتے ہیں۔

چونکہ ان کی رہائش اس جگہ دائمی نہیں ہوتی، بلکہ تبدیل بھی ہو جاتی ہے، اس تبدیلی کے موقعہ پر اس ممتاز مخصوص صاحب کی اس خدمت کا شکریہ ادا کرنے کے واسطے ''ٹی پارٹی'' کی جاتی ہے، احباب جمع ہوتے ہیں جن میں چندہ نہ دینے والے بھی شامل ہوتے ہیں، اس موقع پر کچھ.......... رقم اس جمع شدہ چندہ سے خرچ کی جاتی ہے، مثلاً: مٹھائی وغیرہ خرید کر حاضرین کو تقسیم کی جاتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

۱.... یہ جمع شدہ چندہ مالِ وقف ہے یا نہیں؟

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۵، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة: ۱/۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"رجل جمع مالاً من الناس، لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك، وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

۲......اس ممتاز مخصوص صاحب کی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ٹی پارٹی پر اس جمع شدہ چندہ سے مٹھائی وغیرہ خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳......اس مٹھائی کو چندہ نہ دینے والے احباب کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴......چندہ دینے والے اصحاب جو اس وقت شریک نہیں ہوئے ان کا حق باقی ہے یا نہیں؟

۵......اس طرح کرنے کے لئے سب چندہ دینے والوں کی اجازت ضروری ہے یا صرف ان ممتاز اصحاب کا فیصلہ کافی ہے؟

۶......اس جمع شدہ رقم میں مدّ عمارت، تیل مسجد، عطیۂ غیر مسلم وغیرہ بھی شامل ہو اور ان کے خرچ کا الگ الگ حساب بھی کوئی نہیں، سب رقم ایک جگہ جمع ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

ان سب امور کا شرعی فیصلہ ارشاد فرمایا جائے تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ جمع شدہ مال وقف نہیں (۱)۔

۲......اگر چندہ دینے والوں کی اجازت ہے اور اس چندہ کا مصرف یہ بھی ہے تو یہ مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً درست ہے، ورنہ نہیں (۲)۔

۳......اگر چندہ دینے والوں کی طرف سے اس مٹھائی کو کھانے کے لئے چندہ دہندہ ہونا شرط نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی طرف سے چندہ نہ دینے والوں کو بھی اجازت ہے تو ان کو کھانا بھی جائز ہے (۳)۔

---

(۱) "ولو وقف دراهم أو مكيلاً أو ثياباً، لم يجز. وقيل: في موضع تعارفوا ذلك، يفتي بالجواز، قيل: كيف؟ قال: الدراهم تقرض للفقراء، ثم يقبضها، أو تدفع مضاربةً ويتصدق بالربح، والحنطة تقرض للفقراء يزرعون، ثم تؤخذ منهم، والثياب والأكسية تعطى للفقراء ليلبسوها عند حاجتهم، ثم تؤخذ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لايجوز: ۲/۳۶۲، ۳۶۳، رشيديه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

۴......اگران کی طرف سے تاکید ہے کہ ہمارا حق باقی رکھا جائے تب تو حق باقی رکھا جائے، اگران کی طرف سے اجازت ہے کہ ہمارا حق باقی رکھنے کی ضرورت نہیں تو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

۵......اگر چندہ دہندگان نے ممتاز ارکان کو فیصلہ کا اختیار دیا ہے تب تو ان ممتاز ارکان کا فیصلہ کافی ہے، اگر اختیار نہیں دیا تو کافی نہیں، بلکہ سب کی رائے اور اجازت ضروری ہے۔

۶......بہتر یہ ہے کہ مسجد کا مدّ اور انجمن کا مدّ علیحدہ علیحدہ رکھا جائے تاکہ ہر ایک کا چندہ صحیح مصرف پر صرف ہو۔ غیر مسلم اگر مسجد میں دے اور اس کے مذہب کے اعتبار سے مسجد میں دینا ثواب ہو تب تو اس کو مسجد میں صرف کیا جائے (۱)، ورنہ انجمن میں۔ اور اب تک چونکہ سب رقم ایک جگہ جمع ہے، لہذا جو کچھ خرچ ہوا وہ سب مشترک خرچ ہوا، اگر چندہ دہندگان کی اجازت ہو تو خرچ شدہ رقم کو انجمن کے حساب میں لگا کر مسجد کی رقم کو برقرار اور موجود تصور کیا جائے اور حساب علیحدہ علیحدہ کرلیا جائے۔ اگر اجازت نہ ہو تو دونوں کے حساب میں شمار کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، 　الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جبراً چندہ لینا

سوال[۷۴۲۴]: محرر تھانہ کہتا ہے: میں مسجد شریف کے لئے زمینداروں سے چندہ کروں گا، کیونکہ لوگ ایسے نیک کام میں امداد بالکل نہیں دیتے، اس لئے میں ان سے کہوں گا کہ مسجد کے لئے ضرور چندہ

= "ألا لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۱) "بخلاف ما لو وقف علی مسجد بیت المقدس، فإنه صحیح؛ لأنه قربة عندنا و عندهم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، مطلب فی وقف الذمی، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشیدیه)

(وکذا فی شرح العینی علی کنز الدقائق، کتاب فی بیان أحکام الوصایا، باب وصیة الذمی، ص: ۲۷۳، إدارة القرآن کراچی)

دو، بہرحال وصول کروں گا کارِ خیر کے لئے، میرا ذاتی نہیں ہے۔ اس پر محرر صاحب سے کہا گیا کہ جو شخص چندہ خوشی سے دے اُن سے بہ سہولت لیا جائے، اس پر انہوں نے فرمایا: جس طرح دیں مسجد کے لئے ہے، ضرور کچھ نہ کچھ لوں گا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے، اگر اس کے متعلق وہی قرضہ والی صورت مسطورہ بالا لیجائے تو درست ہے یا نہیں؟ جواب سے جلدی مطلع فرماویں، مسجد شریف کا کام شروع ہونے والا ہے تاکہ اس جواب کے آنے سے پہلے شروع نہ ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جبراً چندہ وصول کرنا ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے اس سے لے لیا جائے جو نہ دے اس سے جبر کرنا گناہ ہے(۱) اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے:

"لأن الله تبارك و تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية، اهـ". شامي: ۱/ ٦٨٨(۲)۔

جبراً تو لینا جائز ہی نہیں قرض لیکر دے یا کسی اَور طرح، جس سے جس قدر روپیہ لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۵۷ء۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ جون/ ۱۹۵۷ء۔

---

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۱/ ۶۵۸، سعيد)

(۳) "إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/ ۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/ ۶۸، رشيديه) =

مسجد کے لئے جبراً چندہ لینا

سوال[۷۳۲۵]: جبراً کسی شخص کو دباؤ دے کرنا جائز چندہ وصول کرنا مسجد کے واسطے کیسا ہے؟ مہربانی فرما کر حامل پرچہ ہذا کو جواب دے کر مشکور فرمائیں اور جواب علیحدہ علیحدہ تحریر فرمانا اور صاف صاف یعنی مفصل۔

خادم: انعام اللہ خان، دفتر تعلیم میونسپل بورڈ سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں اگر ایسا کیا ہے تو اس چندہ کی واپسی لازم ہے اس کو مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

مسجد کی تعمیر کے لئے زبردستی چندہ لینا

سوال[۷۳۲۶]: ایک گاؤں ہے، جس کے باشندے نہایت ہی گمراہی میں مبتلا ہیں، زناکاری، سود خوری، شراب نوشی عام ہے۔ اس گاؤں میں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے جس کا چندہ زبردستی وصول کیا تھا۔ آیا اس صورت میں مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ نیز اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں، جب کہ گاؤں کے لوگ

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث، والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ۶۵۸/۱، سعيد)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذ ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه ردّه عيناً، وإن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۷): ۶۲/۱، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، امداديه ملتان)

نہایت ہی غربت میں مبتلا ہیں؟ نیز کسی غیر مسلم کے چندے سے مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں، اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اعمال بھی غضبِ خداوندی کے موجب ہیں اور زبردستی چندہ وصول کرنا بھی منع ہے(۱)، جن لوگوں سے زبردستی چندہ لیا گیا وہ اب معاف کردیں اور خدا کے نام پر دیئے ہوئے پیسے کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں، اس مسجد میں سب ہی آکر گناہوں سے توبہ کریں، اعمالِ قبیحہ سے باز آجائیں۔ نماز اس مسجد میں درست ہوگی۔ غیر مسلم سے تعمیرِ مسجد کے لئے چندہ مانگنا بڑی بے غیرتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

مسجد کے لئے چندہ دیکر واپس لینا

سوال[۷۳۲۷]: ۱...... مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے چندہ دیا تھا اور امداد کیا تھا، مسجد کی تعمیر کی اجازت ہر محلہ جات کے سربرآوردہ اصحاب سے لی گئی، تو فرمایا کہ بسم اللہ کرو اور کام شروع کرو۔ پھر کچھ اختلاف ہوگیا جس سے وہ لوگ اپنا چندہ جو اُسی مسجد کے لئے دیا تھا اور مسجد کی تعمیر کے بہت سے سامان بھی خرید لئے گئے تھے۔ ایسی صورت میں شرعاً وہ لوگ کیا اپنی امداد اور زرِ چندہ واپس لے سکتے ہیں یا نہیں اور

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص:۲۵۵، قديمي)

(وسنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دارالكتب العلمية بيروت)

"إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

متولی مسجد پر کیا یہ ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے کہ وہ ان کا چندہ واپس کردے اور متولی کو شرعاً اس کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

۲......اس مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں جن اصحاب نے امداد کی تھی اس میں بہت سے حضرات نے اپنے دادا، نانا، نانی ودیگر خویش واقارب مرحومین ونیز اپنی نابالغ اولاد اور آنحضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوۃ وخلفائے راشدین مہدیین کی جانب سے کی تھی۔ کیا ان رقوم کو بھی وہ حضرات واپس لے سکتے ہیں، اور متولی ان رقوم کو ان اصحاب کو شرعاً واپس دے سکنے کا اختیار رکھتے ہیں؟ اب اس میں بعض حضرات مسجد ٹیڑھی ہونے کے پردہ میں عوام کو ورغلاتے ہیں کہ اس میں تو نماز ہی صحیح وجائز نہ ہوگی اور دوسری مسجد تعمیر کرا کر جمعہ الگ پڑھا جائے گا۔ اس پر عرض ہے کہ تفریق بین المسلمین وتفریقِ جماعت کا کتنا بڑا ثواب یا عذاب ہے اور دوسری مسجد بنوا کر یا دوسری جگہ جامع مسجد ہذا کو چھوڑ کر جمعہ ادا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جب کہ وہ چندہ سب کا مخلوط ہے اور اس کا سامان بھی خرید لیا گیا ہے تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا نہ متولی کو واپس دینے کا حق ہے(۱)۔

۲......اس چندہ کا حکم بھی مثل نمبر:۱ ہے۔ ایسی مسجد کے قبلہ میں اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔ اتنی اتنی باتوں پر تفریق کرنا اور مسجد کو چھوڑنا شرعاً سخت مذموم وممنوع ہے ویسے ہی جگہ جگہ مسلمان مختلف صورتوں سے تباہ ہورہے ہیں، لہذا ایسی باتوں سے درجہ احتیاط واجتناب لازم ہے۔ اور دوسری مسجد بنوانے سے اگر رضائے خداوندی مقصود نہ ہو، بلکہ اپنی بات کی ضد، یا تفریق بین المسلمین، یا کوئی اَور نام ونمود

---

(۱) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح؛ لأنه وإن كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد، فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۴۶۰/۲، رشيديه)

"الصدقة كالهبة، لا تصح إلا بالقبض، و لا رجوع في الصدقة؛ لأن المقصود هو الثواب، وقد حصل". (الهداية، كتاب الهبة، فصل في الصدقة: ۲۹۳/۳، مكتبه شركت عليمه ملتان)

مقصود ہوتو ایسی مسجد بنانے سے ثواب نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے علماء نے اس کو مسجد ضرار کے حکم میں تحریر فرمایا ہے اگر چہ شرعی مسجد بن جانے کے بعد نماز درست ہوگی:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً و سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجهٖ أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار، اهـ". مدارك(۱)۔

"قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لمّا فتح الله الأمصار على عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه" -هذا لفظه- فالعجب من المشايخين المتعصبين فى زماننا يبنون فى كل ناحية مساجد، طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشانهم واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما فى هذه الآية والقصة من شناعة حالهم و سوء أفعالهم، اهـ". تفسيرات أحمديه (۲)۔

"وقال فى المنية: ونهى الصلوة فى مسجد الضرار مخصوص به، فلايتعدى إلى ملحقاته". الإكليل: ٤/٢٨٤ (٣)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الاول/۶۷ھ۔

چندہ کے ضمان کی ایک صورت، چندہ وقف نہیں ہوتا

سوال[۷۳۲۸]: پبلک نے مسجد بنانے کے واسطے روپیہ چندہ کر کے جمع کیا، اس میں سے کچھ روپیہ

---

(۱) (مدارک التنزیل: ۱/۵۱۹، (التوبة: ۱۰۷)، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی: ۱۱/۲۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (التفسیرات الأحمدية، ص: ۴۷۸، حقانیه پشاور)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار .... وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضى الله تعالىٰ عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضارّ أحدهما صاحبه".

(الكشاف: ۲/۳۱۰، التوبة: ۱۰۷، دار الكتب العربى بيروت)

(۳) لم أظفر عليه

مسجد کا سامان خریدنے کے لئے زید کو دیا، زید عمر کے پاس سے وہ چیز خرید کر لایا، لیکن وہ چیز پبلک کو ناپسند آئی۔ زید اس چیز کو واپس کرنے کے لئے عمر کے پاس گیا، عمر نے کہا کہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دوسرے وقت آکر روپیہ لے لینا۔ اس وقت زید نے عمر سے کہا کہ تم یہ روپیہ بکر کے ہاتھ دیدو، عمر نے وہ روپیہ بکر کو دے دیا۔ روپیہ نہ پہونچنے پر دوبارہ زید عمر کے پاس آیا، عمر نے کہا کہ میں نے روپیہ بکر کو دے دیا۔ اب زید نے جب بکر سے روپیہ طلب کیا تو بکر نے ٹال مٹول کر کے دھوکہ دیا، اب وہ روپیہ بکر دیتا ہی نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ روپیہ جائیداد موقوفہ میں شامل ہوگا یا نہیں، اگر جائیدادِ موقوفہ میں شامل ہو تو اس روپیہ کا ذمہ دار زید ہوگا یا بکر، اور کس سے روپیہ وصول کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہ روپیہ زید کے ذمہ واجب الادا ہے یعنی پبلک زید سے وصول کر سکتی ہے اور زید بکر سے (۱)۔ چندہ کا روپیہ وقف نہیں ہوتا (۲) اس لئے اس کو جائیدادِ موقوفہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر اس روپیہ سے کوئی شی قابلِ وقف خرید کر مسجد میں وقف کر دی جائے تو وہ شئ وقف ہوگی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) "قال الإمام النسفي: وحكمها كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه والأداء عند الطلب".
(البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۷/۴۶۵، رشيديه)

(۲) "رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح؛ لأنه وإن كان لايمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد، فإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض، كذا في الواقعات الحسامية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۲/۴۶۰، رشيديه)

"چندہ وقف نہیں معطیین کا مملوک ہے، چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج نہیں ہوا"۔ (تحفة العلماء: ۱/۶۱۳، فصل نمبر: ۴، ادارۂ تالیفات اشرفیه)

(وكذا في امداد الفتاوىٰ، كتاب الوقف: ۲/۵۷۲، دار العلوم ديوبند)

قوالی کے لئے جمع کیا گیا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۷۳۲۹]: کچھ حضرات نے چندہ جمع کیا ایک مزار پر قوالی وغیرہ کرانے کے لئے، اس میں ہندوؤں کا بھی چندہ شامل ہے۔ تاریخِ مقررہ پر جب قوالی کا وقت آیا تو موجودہ متولی وقف بورڈ نے بذریعۂ پولیس رکاوٹ کی اور کہا کہ میں یہ کام نہیں ہونے دوں گا۔ چندہ جو جمع کیا گیا تھا ان میں سے کچھ روپیہ ہندوؤں کے مندر میں دے دیا گیا اور کچھ روپیہ جامع مسجد میں دے دیا گیا۔ سب حضرات کی رضامندی سے یہ روپیہ مسجد میں دیا گیا ہے۔ یہ روپیہ جامع مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چندہ والوں کی رضامندی واجازت سے جامع مسجد میں یہ روپیہ دیا گیا ہے تو جامع مسجد کی ہر ضرورت میں حسبِ صوابدید اس کو صَرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

چندہ حوض کے لئے جمع کیا گیا پھر اس کو دوسرے کام میں خرچ کرنا

سوال[۷۳۳۰]: ۱..... مال یا جائیداد وقف کر دینے کے بعد واقف کا کوئی حق رہتا ہے یا نہیں؟

۲..... اگر واقف اس صراحت کے ساتھ کوئی رقم وقف کرے کہ فلاں کام میں صَرف کیا جائے اس کے علاوہ مال کسی دوسرے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳..... علاوہ متولیانِ اوقاف کے کوئی شخص جس کے پاس رقم موجود ہو، امانت ہو، اپنی مرضی سے اس کام کے علاوہ جس کام کے لئے وہ وقف کی گئی ہے، صَرف کر سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "رجل أعطی درهماً في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الثانی: ۲/۴۶۰، رشیدیه)

"کل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

سوالات مذکورہ بالا کی وضاحت

حوض جامع مسجد بھرنے کے لئے بستی کے تمام مسلمانان نے چندہ جمع کیا تھا کہ اس رقم سے کوئی موٹر کنویں میں لگوائیں تاکہ حوض بھرائی میں آسانی ہو۔ چندہ میں رقم قلیل جمع ہوئی، اس سے موٹر فٹ نہ ہو سکا، ایک ہاؤس پاور کی موٹر لگوائی تھی اس نے کام نہیں کیا، وہ واپس کر دیا گیا اور اس کی رقم واپس لے لی گئی، صرف کنویں میں بجلی فٹنگ کو اس لئے باقی رکھا گیا کہ آئندہ مزید چندہ جمع ہونے پر بڑی موٹر لگوائی جاسکے۔ بجلی کا سامان مسجد کے کنویں میں فٹ موجود ہے۔

بستی کے مسلمانوں نے پھر چندہ جمع نہیں کیا اور جمع شدہ رقم سے کنویں میں مسلمانوں کے مشورہ سے ہینڈ پمپ لگا دیا گیا جس سے ایک بار حوض بھی بھرا گیا اور چند روز بعد وہ ہینڈ پمپ خراب ہو گیا۔ چونکہ اس بستی میں کوئی مستری نہیں ہے، بار بار باہر سے مستری بلوانے اور درست کرانے کی وجہ سے پمپ نکلوا کر مسجد کے حجرہ میں رکھوا دیا گیا، اس زمانہ میں موٹر کی فٹنگ کا کام چالو تھا۔ حوض کے خالی ہو جانے اور مسلمانوں کی تکلیف کے باعث جمعہ کے بعد مسلمانوں اور متولیوں کے مشورہ سے اس جمع شدہ رقم سے حوض بھرائی میں پیسہ دے دیا گیا، اور متولی مسجد نے حوض بھرائی میں اوقاف سے کوئی پیسہ نہیں دیا۔

پھر اسی جامع مسجد کی چند دکانات کو تعمیر کرنے کے سلسلہ میں مزید چندہ مسلمانوں کی جانب سے جمع کیا گیا اور تعمیری کام کو شروع کر دیا گیا، چندہ ہوتا رہا اور کام کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ لوگوں نے چندہ جمع کرنا بند کر دیا اور دینے والے بھی سست پڑ گئے اور لینے والے بھی سست ہو گئے اور مزدوروں کی مزدوری دینے کا فکر تھا اور رقم زیرِ تحویل بالکل موجود نہ تھی، تو جمعہ کے دن تمام مسلمانوں کے سامنے اپیل کی گئی کہ موٹر کے نام سے جو رقم جمع کی گئی تھی جس میں سے کچھ تو ہینڈ پائپ پر صَرف ہو گئی کچھ زیرِ تحویل ہے، سب کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں سے کچھ رقم مزدوری دے دی جائے۔

اس پر بعض لوگوں نے اجازت دے دی اور بعض ساکت رہے، لیکن سب کے علم میں یہ بات آچکی تھی، اس پر وہ بقایا رقم جو موٹر کے لئے جمع کی گئی مزدوری میں ادا کر دی گئی، لیکن واقف تو ایک شخص ہے نہیں اور

واقف نے کوئی مال یا جائیداد وقف نہیں کی ہے، صرف پیسہ چندہ میں جمع کیا ہے اور تمام بستی کے مسلمان اس کے واقف ہیں، انہیں کے مشورہ سے موٹر کی جگہ ہینڈ پمپ لگا تھا اور پھر بقیہ رقم انہیں کے علم ومشورہ سے اسی جامع مسجد کے تعمیری کام میں صَرف ہوئی۔ اب متولی صاحب کا اعتراض ہے کہ یہ رقم وقف شدہ ہے، متولی کو اس کے صرفہ کا حق ہوتا ہے، کسی دیگر شخص کا حق نہیں، یہ رقم واپس کی جائے۔ تو سامان بجائے موٹر کے ہینڈ پمپ وغیرہ کا ہے وہ بھی متولی لینے کے لئے تیار نہیں۔

جو لوگ اس میں کارکن تھے متولی ان سے جھگڑا کرنے کو تیار ہیں۔ اور اس میں متولی کا جھگڑا کرنا اس وجہ سے ہے کہ کمشنری اوقاف صدر جمہوریہ کی طرف سے متولی کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ آمدنی سے ایک آنہ فی روپیہ اوقاف میں جمع کریں، اس طرح سولہ سو کچھ روپیہ کا مطالب ہے جس میں سے کچھ رقم جائیداد وقف سے متولی ادا کر چکے ہیں۔ اور گیارہ سوہ روپیہ کا اُور مطالبہ ہے جس میں ادا نہ کرنے کی صورت میں متولی کی جائیداد سے وصول کرنے کے نوٹس آرہے ہیں اور مقامی عدالت کے ذریعہ وصولی ہوگی بذریعۂ جائیداد قرقی۔

۱......اس پر متولی کی جانب سے اس ہینڈ پمپ کی رقم کا مطالبہ، اپنی جائیداد کی حفاظت کے سلسلے میں مطالبہ رقم خرچ شدہ کا کہاں تک درست ہے؟ اور پھر اس رقم کو لے کر کمشنری اوقاف میں بھیجنا کہاں تک درست ہے؟

۲......اگر واقف اس صراحت کے ساتھ رقم وقف کرے کہ فلاں چیز میں صرف کی جائے تو کیا اس کے علاوہ دیگر کام میں صَرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو کیا رقم ہینڈ پمپ اور موٹر کی جو تمام مسلمانوں کی جانب سے جمع شدہ ہے اور لوگ اچھی طرح واقف ہیں اور سبھی کے مشورہ سے تیسرا شخص خرچ کر رہا ہے تو کیا متولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس موٹر کی رقم کو بطور تاوان جھگڑا کر کے وصول کر کے اپنی جائیداد کا تحفظ کرے؟

۳......علاوہ متولی کے کوئی اُور شخص وقف شدہ رقم امانت کو اپنی مرضی سے اس کام کے علاوہ جس کام کے لئے وہ وقف کی گئی ہے صَرف کر سکتا ہے یا نہیں؟ متولی کے علاوہ وہ شخص موٹر کی فٹنگ میں کوشاں رہے، انہوں نے اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کیا ہے، بلکہ تمام مسلمانوں کے علم ومشورہ سے یہ کام کرتے رہے ہیں۔ ان

تشریحات کے ملاحظہ کے بعد جواب دیں، تاکہ تنازعہ دور ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳.....حوض بھرنے کے لئے موٹر لگانے کے لئے جو چندہ کیا گیا ہے وہ وقف نہیں (۱)۔ چندہ دینے والے چاہے خود اس کو خرچ کریں، یا متولی کے سپرد کریں، یا کسی اور کے سپرد کردیں، سب طرح درست ہے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ پھر جب ہینڈ پمپ سب کی مرضی سے لگا دیا تو یہ بھی درست ہوا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں جو مزدوری باقی رہ گئی، وہ چندہ دہندگان کی اجازت سے دے دی گئی، یہ ٹھیک ہوا، خواہ صراحۃً اجازت دی گئی ہو، یا اعلان پر سکوت کرنے سے اور اس رقم کا ضمان لینے کا حق نہیں (۲)۔ وہ سرکاری مطالبہ کی جواب دہی اس طرح کریں کہ چندہ کی رقم وقف نہیں تھی، چندہ دینے والوں نے جہاں چاہا اپنی مرضی سے اس کو خرچ کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۱ھ۔

دروازۂ مزار پر صندوق کے چندہ سے مؤذن وامام کی تنخواہ

سوال[۷۳۳۱]: کچھار ضلع میں موضع تولرقل میں ایک مزار ہے جو لنگر شاہ کے مشہور مقام ٹیں ہے، اس احاطہ میں ایک مسجد بھی ہے۔ لوگ آتے جاتے مقام کے سامنے جو صندوق رکھا ہوا ہے اس میں روپے ڈالتے ہیں، ہندو مسلمان وغیرہ ہر قوم کے لوگ ڈالتے ہیں، کسی کی کیا نیت ہے معلوم نہیں۔ کیا مسجد کے مؤذن اور امام کی تنخواہ اس صندوق کے روپے سے دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہ ہو تو ان روپے کو کیا کیا جائے؟ یہ آمدنی کبھی بند نہ ہوگی، مقامی کمیٹی کے لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال میں بیس سے تیس ہزار روپے وصول ہوتے ہیں۔

---

(۱) "وأما شرائطه، ومنها أن يكون المحل عقاراً أو داراً، فلا يصح وقف المنقول إلا في الكراع والسلاح، كذا في النهاية". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الأول: ۲/۳۵۷، رشيديه)

(۲) "وفي القنية: أخذ أحد الشريكين حمار صاحبه الخاص، وطحن به فمات، لم يضمن؛ للإذن دلالة قال: عرف بجوابه هذا أنه لايضمن فيما يوجد الإذن دلالةً، وإن لم يوجد صريحاً". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الصغير بدون إذن صريح: ۶/۲۰۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تو یہ ہے کہ یہ روپیہ مسجد ومزار کے تحفظ وضروریات کے لئے اس میں ڈالتے ہیں، پس یہ روپیہ دونوں ہی ضروریات میں صَرف کرنا درست ہے(۱)۔ بلکہ اگر وہاں ایک مکتب قائم کردیا جائے تو زیادہ مناسب ہے تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور صاحبِ مزار کو بھی ثواب ملتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں بدعتی کا چندہ

سوال[۷۳۳۲]: کوئی بدعتی مسجد میں چندہ دے تو اس کے روپے کو مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خرچ کیا جاسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۶ھ۔

بھیک سے مانگا ہوا پیسہ مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۳۳۳]: ہمارے محلہ میں ایک ضعیف العمر بڑھیا رہتی ہے جس کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں،

---

(۱) "(اتحد الواقف والجهه وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما، (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه)؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۲، رشيديه)

(۲) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته و أكل ماله، مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميراث: ۶/ ۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱/ ۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۳، رشيديه)

ہے وہ مانگنے کا پیشہ کرتی ہے، محلہ والے اس کی مدد کرتے ہیں، لہٰذا مانگا ہوا پیسہ کچھ اس کے پاس جمع ہوگیا تو اس نے مسجد کے واسطے ایک جائے نماز اور ایک قرآن شریف اور ایک تسبیح منگوادی ہے۔ لوگوں کو اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ نہ اس پر نماز جائز ہے اور نہ بڑھیا کو کوئی ثواب ملے گا بڑھیا ابھی زندہ ہے۔ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت مانگنا گناہ ہے (۱)، لیکن جب اس نے پیسہ مانگا اور اہل محلہ نے بخوشی اس کو دیا تو وہ بڑھیا مالک ہوگئی اور اس نے جو کچھ مسجد میں دیا ہے وہ دینا صحیح ہے (۲)، اس مصلے پر نماز بلاشبہ جائز ہے۔ بڑھیا کو سمجھا دیا جائے کہ اب تم کو مانگنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

لاوارث میت کے کفن کے لئے جمع شدہ رقم میں سے بچی ہوئی رقم مسجد میں خرچ کرنا

سوال [۷۳۳۴]: ایک لاوارث شخص مرگیا جس کے کفن کے لئے چندہ کیا گیا ہے، بعد کفن دفن کچھ چندہ بچ گیا تو اس کو مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے چندہ دیا ہے ان کی اجازت سے مسجد میں بھی خرچ کرسکتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سال مسألةً، وهو عنها غنی، جاء ت یوم القیامة کدوحاً فی وجهه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵۵/۲، ۵٦، (رقم الحدیث: ۴۲٦۰)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۴۳۵/۱، (سورة البقرة: ۲۷۳)، دار السلام ریاض)

(۲) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة: ۲۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک، الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

(۳) "مسجدٌ له مستغلات وأوقافٌ أراد المتولی أن یشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصیراً أو=

لاوارث کا مال مسجد میں

سوال[۷۳۳۵]: نظام الدین نامی ایک شخص تھا، وہ انتقال کر چکا اور کچھ سامان وروپیہ چھوڑ گیا ہے اور کوئی اس کا وارث بھی نہیں ہے کہ جس پر تقسیم کیا جائے اور نہ اس نے کوئی وصیت کی ہے۔ اب محلہ والوں کی خواہش ہے کہ اس کا مال مسجد میں صَرف کر دیا جائے۔ تو کیا یہ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے؟ نیز اگر مسجد میں صَرف نہ کیا جا سکے تو اس کی شکل کیا ہوگی، اور کس پر صَرف کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص کا دور نزدیک کوئی وارث نہیں تو موجودہ حالت میں اس کے ترکہ کو مدرسہ و مسجد میں صَرف کیا جائے: کذا فی الدر المختار: ۵/۷۴۹۔

"ثم یوضع فی بیت المال لا إرثاً بل فیئاً للمسلمین"(۱)۔ کذا فی الشامی: ۲/۸۹:

"ورابعها الضوائع مثل مالایکون له أناس وارثون". "(قوله: ورابعها) فمصرفه جهات، الخ. موافق مما نقله ابن الضیاء فی شرح الغز نویه عن البزدوی من أنه یصرف إلی المرضی والزمنی واللقیط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبه ذلك".(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= حشیشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصی، قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ماتری من مصلحة المسجد، کان له أن یشتری للمسجد ماشاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشیدیه)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة أو ولایة علیه، وإن فعل، کان ضامناً". (شرح المجلة لسیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب العشر، مطلب فی بیان بیوت المال ومصارفها: ۲/۳۳۸، سعید)

رجب کے کونڈے کی قیمت مسجد میں

سوال[۷۳۳۶]: رجب کے کونڈے جس میں پوریاں، شیرینی، کھیر وغیرہ بھرتے ہیں، ان کو تبرک ہوجانے کے خیال سے گھروں میں استعمال نہیں کرتے، اور مسجدوں میں لے جاتے ہیں۔ کیا ان کونڈوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت مسجد کے کسی کام میں صرف کرسکتے ہیں، جیسے مرمت، صفائی، تیل، فرش وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کونڈوں کی اصل شرعاً کچھ نہیں (۱)، اگر بہ نیتِ ثواب دیں تو حسبِ نیتِ معطی ان کا استعمال مسجد میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "كان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما إذا رأى الناس و ما يعدون لرجب، كره ذلك". (مصنف ابن أبى شيبة: ۲/ ۱۰۲، مكتبة الدار السلفية بمبئى)

(۲) "مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولى أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ما شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد، الخ: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

"رجل بسط من ماله حصيراً فى المسجد، فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه، فإن ذلك يكون له .... وإن بلى ذلك، كان له أن يبيع و يشترى بثمنها حصيراً آخر، وكذا لواشترى حشيشاً، أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً .... وعند أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ يباع و يصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، الخ". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۳، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۳، رشيديه)

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

غیر وقف زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۳۳۶]: ایک قریہ میں مسجد تعمیر ہو رہی تھی، ابھی صرف بنیاد بھری تھی کہ تعمیر رُک گئی، دراصل اس کا کچھ حصہ غیر ملک تھا جو اَب گرام سماج کی ملکیت ہے، جس کے متصل ہی ایک مکان بن گیا ہے، جس سے صرف پونے چار فٹ جگہ باقی رہ گئی ہے، جس سے اہلِ محلّہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کی زمین کے پیچھے بھی مالکِ زمین سے اجازت نہیں لی تھی، اب جب کہ بنجر ہوگیا ہے تو ایسی حالت میں گورنمنٹ سے بھی پٹہ وغیرہ نہیں ملا ہے۔ تو اس حالت میں موجودہ مسجد اس زمین پر رہ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ زمین مالک نے وقف نہیں کی اور اب بھی وقف نہیں تو وہاں مسجد نہ بنائی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "أما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً، لو مات يورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

"وإن أمرهم بالصلاة شهراً أوسنةً، ثم مات، يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، ۲۹۱، رشيديه)

ارضِ مغصوبہ میں مسجد ودوکانیں

سوال[۷۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

اول: تو یہ کہ مسجد دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت بنانے کا ارادہ کرنا یا تعمیر شروع کرنا کیسا ہے، نماز ہوجاوے گی یا نہیں؟

دوسرے: کسی شخص کی زمین میں مسجد کے نام سے دوکان بنانی کیسی ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے کام میں خرچ کرنی کیسی ہے؟ اور یہ بھی بات ہے کہ زمین مسلمان کی ہے تو تب کیا حکم ہے اور اگر غیر مذہب کی ہو تب کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اجازت نہ دے تو کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت مالک کے مسجد بنانا جائز نہیں ہے(۱) اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے(۲)۔ دوسرے کی زمین میں مسجد کے لئے دوکان بنانا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں خرچ کرنا بھی ناجائز ہے،

= "قلت: وهو كذلك، فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له، فإن لورثته بعده ذلك، فلا يكون الوقف مؤبداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۳۹۰/۴، سعيد)

(۱) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب، لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة و في طريق و مزبلة و مجزرة .... وأرض مغصوبة أو للغير". (الدرالمختار). "وفي الواقعات: بنى مسجداً على سور المدينة، لا ينبغي أن يصلى فيه؛ لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبني في أرض مغصوبة، اهـ .... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول، و غير صحيحة له في قول آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، الخ: ۳۸۱/۱، سعيد)

خواہ وہ مسلم کی زمین میں ہو یا غیر مسلم کی (۱) بلکہ غیر مسلم کی زمین میں بغیر اجازت تصرف کرنا اَور بھی زیادہ گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جائیدادِ مغصوبہ میں مسجد بنانا

سوال [۷۳۳۹]: ایک فقیر کی میراث یعنی ایک جائیداد کسی دھوکہ سے، یا جبراً لی گئی۔ اب وہ جائیداد جس نے جبراً لی ہے اس کے بیٹے کو، یا کسی اپنی قوم، یا رشتہ دار کو، یا مسجد میں دے سکتا ہے یا نہیں، یا خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب وہ بلا حقِ شرعی لی گئی ہے تو اس کو اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، بغیر مالک کی اجازت کے خود خرچ کرنا، یا کسی رشتہ دار کو دینا، یا مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". هندیه: ۲/۷۷۸(۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن الله تعالیٰ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله، اهـ. شرنبلالیة".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی حد القذف، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر ۳/۱۶۵، مکتبه إمدادیه، ملتان)

دوسرے کی زمین کو مسجد بنالینا

سوال[۷۳۴۰]: زید نے ایک زمیندار شخص سے ایک زمین خریدی تھی۔زید پاکستان چلا گیا، محکمہ کسٹوڈین (۱) جو کہ ایسے مکانات اور زمین کو سرکاری طور پر اپنے قبضہ میں کرتی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔اس محکمہ نے جب یہ دیکھا کہ زید پاکستان چلا گیا تو اس کی زمین اپنے قبضہ میں کرلیا یعنی گورنمنٹ کا ہوگیا۔ یہ محکمہ والے اس زمیندار کے گھر رہتے تھے۔جس سے زید نے یہ زمین خریدی تھی، محکمہ والوں نے یہ زمین اسی زمیندار کو دیدی یا تو قیمتاً یا رشوتاً یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے گھر رہتے تھے، اس لئے بہرکیف مالک پھر بھی زمیندار بن گیا۔

اس کے بعد اس زمیندار سے اس زمین کو اس کے ساتھ کچھ حصہ ملا کر بکر، خالد، عمر، اکبر نے مل کر قبرستان کے لئے خرید لی۔اس زمین کا لگان اور باقی جو زمین کے لئے ہوتی ہے انہیں کے لئے آنی شروع ہوگئی، جو دلیل ہے اس بات کی کہ زمین کے مالک قانونِ حکومت کے اعتبار سے بکر وغیرہ ہوگئے۔اس کے بعد ایک پارٹی اور تیار ہوئی: امیر، جمیل، رفیق کی، انہوں نے بغیر اس مذکورہ مالک کی اجازت کے اس میں مسجد تعمیر کرلی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر، خالد وغیرہ کی نہیں بلکہ یہ یا تو زید کی ہے جو پاکستان چلا گیا، یا کسٹوڈین والوں کی ہے جنھوں نے زید کے پاکستان جانے کے بعد اس پر قبضہ کرلیا۔

اب مقصدِ سوال یہ ہے کہ بکر، خالد اس زمین کا شرعی طور پر مالک ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مسجد بکر کی بغیر اجازت کے بنی ہے تو بکر زمین ہذا کا مالک بنا ہے یا نہیں؟ نیز اس زمین میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہوا یا نہیں؟ پھر اس میں نماز پڑھنا جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے مسجد بنائی وہ تو کسی جہت سے بھی مالک نہیں، انہوں نے گویا زمین غصب کر کے اس پر مسجد بنادی ہے، وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۲)۔بکر خالد عمر نے جب وہ زمین خرید لی تو ضابطہ میں وہ مالک

---

(۱) ''کسٹوڈین: محافظ، نگران، رکھوالا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير لو مزروعةً أو مكروبةً''.

(الدر المختار). ''وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لا ينبغي أن يصلى فيه؛ لأنه حق العامة، =

ہوگئے۔ زید کے پاکستان چلے جانے سے جب محکمۂ گورنمنٹ نے اس پر مالکانہ قبضہ کرلیا تھا تو زید کے ملک ختم ہوگئی تھی۔ مسجد بنانے کے لئے زید کی اجازت کی تو ضرورت نہیں تھی، کیونکہ وہ مالک ہی نہیں رہا تھا، البتہ مالک کا وقف کرنا اور مالک سے اجازت لینا ضروری تھا۔ اب اگر مالک خود اجازت دیدے اور اس کو مسجد قرار دیدے تو شرعی مسجد بن جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۴ھ۔

دوسرے کا مکان مسجد کو دینے سے وہ مسجد کا نہیں ہوجاتا

سوال[۷۳۴۱]: میرے ایک عزیز کا مکان تھا جو پاکستان چلے گئے تھے، میں ہی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا، بعد کو میں نے اس کو مسجد کو دیدیا، مکان بالکل خالی اور گرا ہوا ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت ہے، میں اس میں خود ہی رہنا چاہتا ہوں، مسجد والوں کو صرف زبانی ہی کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کافی جگہ ہے، تم ہی اس کو مسجد میں رکھ لینا، لکھا پڑھی کچھ نہیں تھی۔ اب جب کہ مجھے اس کی ضرورت ہے، میں نے ان سے کہا تو وہ منع کرتے ہیں، میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ مسجد کو کچھ پیسہ دیدوں، مگر وہ نہیں مانتے۔ اب آپ لکھیں کہ وہ میرا حق ہے یا نہیں؟

نوٹ: مالکِ مکان جو پاکستان میں موجود ہے اس نے مجھ کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ تم اس کو فروخت کرو، یا مسجد میں دو، اصل مالک تو وہی ہے، اور یہ کام میری غلطی یا ناسمجھی سے ہوا۔

= فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبنى فى أرض مغصوبة .... فالصلوة فيها مكروهة تحريماً فى قول، وغير صحيحة له فى قول آخر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الصلوة فى الأرض المغصوبة: ۱/ ۳۸۱، سعيد)

(۱) "أما لو وقف ضيعة غيره على جهات، فبلغ الغير فأجازه، جاز بشرط الحكم والتسليم". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۴، رشيديه)

"ولو أجاز المالك وقف فضولي، جاز". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/ ۳۴۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول فى تعريفه و ركنه و سببه ، الخ: ۲/ ۳۵۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ اس مکان کے مالک نہیں، بلکہ اس کی دیکھ بھال کے فقط ذمہ دار ہیں تو آپ کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کو مسجد میں دیدیں، یا کسی کے ہاتھ فروخت کردیں (۱)۔ اپنے ذاتی پیسہ سے مسجد کی جس قدر خدمت واعانت کریں سب موجبِ اجر وثواب ہے (۲)، البتہ مالکِ مکان کی اجازت کے تحت آپ کو استعمال کرنے کا صرف حق ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۹ھ۔

کرایہ کا مکان مالک نے مسجد کو وقف کردیا

سوال [۷۳۴۲]: ایک مکان زین الدین صاحب کا ہے، اس میں برکت علی ۱۹۲۲ء سے رہتے تھے، وہ برابر مالکِ مکان کو کرایہ دیتے رہے، ان کے بعد ان کے لڑکے اور پوتے رہے، لیکن ان لوگوں نے کرایہ نہیں دیا، انہوں نے مکان کی مرمت بھی کرائی، توڑ کر چنائی بھی کرائی۔ اب زین الدین کے پوتوں نے اس کی رجسٹری مسجد کے نام کردی ہے۔ یہ فیصلہ کس کے حق میں صحیح ہے؟

---

(۱) "لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی الأشباہ والنظائر، کتاب الغصب، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۴۴۴، (رقم القاعدة: ۲۱۷۱)، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(۲) "رجل أعطی درهماً فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد، صح". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، الفصل الثانی: ۲/۴۶۰، رشیدیه)

(۳) "ولو قال: جعلت لک سکنی داری هذه شهراً، أو قال: داری لک سکنی، أو قال: عمری لک سکنی، کانت عاریة، هکذا فی الظهیریة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب العاریة، الباب الثانی فی الألفاظ التی تنعقد بها العاریة، الخ: ۴/۳۶۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مکان زین الدین کی ملکیت میں تھا، برکت علی اس میں کرایہ پر رہتے تھے، پھر آئندہ چل کر برکت علی کی اولاد نے کرایہ نہیں دیا اور اولاد کی اولاد نے بھی کرایہ نہیں دیا، اور زین الدین کی اولاد نے نہ وہ مکان برکت علی کی اولاد کو ہبہ کیا، نہ بیع کیا۔ اب زین الدین کے بعد جو وارث رہے انہوں نے، یا ان کے بعد جو وارث شرعی رہے انہوں نے یہ مکان مسجد کو دیدیے، چاہے وقف کیا ہو، چاہے بیع کیا ہو تو وہ مسجد کا ہوگیا (۱)۔ برکت علی کے پوتے کو چاہیے کہ وہ مسجد کے حق میں اس کو خالی کردیں، یا اگر مسجد کے متولی وذمہ دار حضرات کرایہ پر دینا مناسب سمجھیں تو کرایہ کا معاملہ کرلیں (۲)، بلاوجہ غاصبانہ قبضہ کرنا گناہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سرکاری زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۳۴۳]: عرصۂ دراز سے ایک سرکاری زمین پر ایک خاندان قابض ہے، مگر سالانہ کرایہ سرکار کو ادا کرتے رہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس خاندان نے اس زمین کا کچھ حصہ برائے مکتب اور مسجد وقف کردیا،

---

(۱) "و في الحاوي القدسي: و عن محمد يذكر عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ: لو جعل أرضاً له وقفاً على المسجد، جاز، ولم يكن له أن يرجع". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۴/۵، إدارة القرآن كراچي)

"ولو كانت الأرض وقفاً على عمارة المساجد أو على مرمة المقابر، جاز، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۶۰/۲، رشيديه)

(۲) "وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، و يجب أجر المثل، كما قدمناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۹/۵، رشيديه)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۹/۲، رشيديه)

(۳) "عن سالم عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

گورنمنٹ نے اعتراض کیا، مگر جب مسجد کا نام سنا تو اجازت دیدی اور زمین کی ایک حد مقرر کردی۔ اب مسجد بن گئی اور چھ سال سے جماعت ہورہی ہے، اور مکتب میں بچے پڑھ رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مسجد شرعی مسجد ہوگی یا نہیں، جب کہ زمین گورنمنٹ واپس نہیں لے گی؟

نوٹ: سائل نے دونقشے مسجد قدیم وجدید بھی سوال کے ساتھ بھیجے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب زمین ملک سرکار تھی، جن لوگوں کے تصرف میں تھی ان کی مملوک نہیں تھی، وہ اس کا کرایہ ادا کرتے تھے، ان کو وقف کرنے اور مسجد ومکتب بنانے کا حق نہیں تھا، لیکن جب سرکار کی طرف سے مسجد ومکتب بنانے کی اجازت ہے، پھر سرکار اس کو خالی نہ کرائے گی، نہ کرایہ وصول کرے گی، تو اس اجازت کے بعد حسب صوابدید مصلحتِ مسجد ومکتب کے لئے جگہ متعین کرکے ہر دو کی تعمیر درست ہے، خواہ نقشہ سابق کے موافق ہو یا ردو بدل کرکے ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۷/۵/۲۶ھ۔

سرکاری زمین پر مسجد بنانا

سوال[۷۴۴۴]: ایک تالاب دھوبیوں کو الاٹ کیا گیا، تالاب کے پاس کچھ افتادہ زمین ہے، ہم نے اس پر چھان ڈال رکھی ہے اور پانچوں وقت اس میں نماز پڑھ لیتے ہیں، حکومت کے کاغذات میں بھی یہ جگہ مسجد ہی لکھی ہے۔ کچھ لوگ اس کو غصب کرنے کی وجہ سے ناجائز بتلاتے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد انس نینی تال۔

---

(۱) "سلطان أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أرض البلد حوانيت موقوفةً على المسجد، وأمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، ينظر: إن كانت البلدة فتحت عنوةً، يجوز أمره إذا كان لا يضرّ بالمارة؛ لأن البلدة إذا فتحت عنوةً، صارت ملكاً للغزاة فجاز أمر السلطان فيها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۷/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۷/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ افتادہ ملکِ سرکار ہے اورسب کی اجازت ورضامندی سے وہاں اذان و جماعت ہورہی ہے اور سرکار نے اس کو مسجد تسلیم کرلیا ہے، تو اس زمین کو غصب کہنا درست نہیں۔ جو شخص اس کے مسجد ہونے میں رکاوٹ ڈالتا ہے، وہ غلطی پر ہے، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، مسلمان وہاں باقاعدہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

سرکاری زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۳۴۵]: ہمارا مکان لب سڑک ہے، اس کے سامنے ہمارا صحن ہے جو کہ گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے اور نشاندہی کی وجہ سے گورنمنٹ کی زمین کہی جاتی ہے، اس زمین پر ہم نے مسجد کی بنیاد ڈالدی ہے جو ابھی چبوترہ کی شکل میں ہے، جس پر پنج وقتہ نماز باجماعت ہورہی ہے۔ تو اس زمین کو مسجد بنانا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ وہ زمین گورنمنٹ کی ملک ہے اور اس کی حدود میں ہے تو مسجد بنانے کے لئے گورنمنٹ سے

---

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً، و أذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد: ۲۳۳/۶، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة .... أما إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصّ بأن قال: صلّوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلوٰة مطلقاً ونوى الأبد، ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

باقاعدہ اجازت حاصل کرلی جائے، بلااجازت مسجد بنانے میں خطرہ واندیشہ ہے شرعاً بھی قانوناً بھی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۷۳۴۶]: ہماری بستی کی آبادی تقریباً ۲۰/ ہزار ہے جس میں ۱/۴ مسلمان ہیں۔ بستی میں وضو، طہارت کی سہولتیں مہیا ہیں، عبادت گاہ کے اطراف میں سوگھر کی آبادی ہے، پنجگانہ نماز میں ۳۰، ۴۰/ نمازی ہوتے ہیں، دور سے عبادت گاہ کا حلیہ مسجد کی طرح نظر آتا ہے، لیکن چونکہ یہ عبادت گاہ سرکاری زمین پر بلااجازت حکومت بنائی گئی ہے اس لئے حکومت جب چاہے نابود کرسکتی ہے۔ تو ان حالات میں:

۱..... یہ عبادت گاہ مسجد کہلائے گی یا نہیں؟

۲..... نمازی کو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

۳..... بستی میں دیگر دو مساجد ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ تو کیا اس عبادت گاہ میں نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۴..... بارش کے ایام میں دیگر دونوں مساجد میں عید کی نماز ہوتی ہے۔ تو کیا اس عبادت گاہ میں بھی

---

(۱) "قلت: وهو كذلك، فإن شرط الوقف التأبيد. والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء. وكذا لو كانت ملكاً له. فإن لورثته بعده ذلك، فلا يكون الوقف مؤبداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۳۹۰/۴، سعيد)

"أما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو سَنَة، ثم مات، يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لابد من التأبيد، والتوقتُ ينافي التأبيد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، ۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

نمازِ عیدادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... بحالتِ موجودہ اس عبادت گاہ کا احترام مسجد ہی کی طرح کیا جائے گا اور اس میں کوئی کام خلافِ احترام مسجد نہ کیا جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب بھی مسجد ہی کا ملے گا(۱)۔

۳...... اس عبادت گاہ میں نماز جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں، آخر پنجگانہ نمازیں پڑھتے ہی ہیں۔

۴...... یہاں بھی نمازِ عید ادا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مسجد چھتہ دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ذی قعدہ/ ۱۴۰۶ھ۔

ریاست کی حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا

سوال[۷۳۴۷]: ایک زمین کا سالانہ لگان ریاست کو دینا پڑتا ہے جس سے واضح ہے کہ ریاست زمین کی مالک ہے۔ اس حالت میں اس زمین کو وقف علی اللہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریاست سے وہ زمین سالانہ لگان پر جو حاصل کی ہے، اگر اس کو مالکانہ تصرفات کے حق کے ساتھ ملی ہے اگرچہ لگان بھی ادا کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کو تملیکاً دے دی ہے تو اس کا وقف کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "(قوله: لا مصلى عيد و جنازة) فليس لهما حكم المسجد في ذلك وإن كان لهما حكمه في صحة الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف، ومثلهما فناء المسجد". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۱۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه)

(۲) "أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لا يكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح، وإن ملكه بعد بشراء أو صلح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد) =

افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات ودوکانیں بنانا

سوال[۷۳۴۸]: مسجد سے متصل ایک افتادہ زمین پڑی تھی جس میں ملبہ بہت تھا، جب ملبہ صاف کیا گیا تو مکان کی دیواریں نکل آئیں، ۸۰/ سالہ افراد سے معلوم کیا مگر جواب ملا کہ ہماری پیدائش سے یہی حالت تھی۔اب اس افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات یا دوکانیں بنوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ زمین مسجد کی ملک ہے جیسے کہ سائل سے زبانی معلوم ہوا تو وہاں مسجد کے مصالح کے لئے مکان یا دوکان اہل الرائے کے مشورہ سے بنا دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۴/۸۹ھ۔

مسجد کے قریب غیر مملوکہ زمین میں مصالحِ مسجد کے لئے دوکان وغیرہ بنانا

سوال[۷۳۴۹]: مسجد خمران سیکڑوں سال پرانی ہے، ایک کنواں جو مسجد سے متصل ہے مسجد کا کنواں کہلاتا ہے، مگر وہ مسجد سے باہر تھا، بعد میں کسی صاحبِ خیر نے مسجد کے لئے مسجد میں کنواں بنوا دیا اور مسجد سے باہر والا کنواں ویران ہوگیا، پھر محلّہ کی ۹۰/ فیصد رائے سے کنویں کو پاٹ کر کئی مسجد کے پیشاب گھر اور

= "و من شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵٦۷، ۵٦۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ٦/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

دوکانیں تعمیر کی گئیں (۱)۔ یہ تعمیر مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ سرکاری ریکارڈ میں یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، صرف چاہ پختہ لکھا ہے۔

عبدالغنی، پٹھان پورہ، دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے قریب کچھ جگہ عامۂ مصالحِ مسجد کے لئے خالی چھوڑ دی جاتی تھی، ایسا ہی حال اس جگہ کا معلوم ہوتا ہے، خاص کر جب کہ کوئی اس کی ملکیت کا مدعی بھی نہیں تو ایسی حالت میں اس جگہ مصالحِ مسجد کے لئے متفقہ رائے سے دکانیں وغیرہ بنوا دینا شرعاً درست ہوا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''پاٹ دینا: بھر دینا، پُر کر دینا''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۶۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل داره مسجداً، أو خاناً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲/۲۴۱، مكتبه مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

آدابِ مسجد

سوال[۷۳۵۰]: عنداللہ وعندالرسول مسلمانوں کے لئے مسجد کا احترام اوراس کے آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

خادم العلماء محمد علی، نائب خطیب مسجد شاہی لاہور۔
منجانب انجمن اسلامیہ، لاہور پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری ہے:

"اعلم أن مبنى الشرائع على تعظيم شرائع الله تعالىٰ والتقرب بها إليه تعالىٰ .... و معظم شرائع الله تعالىٰ أربعة: القرآن والكعبة والنبي والصلوة .... وأما الكعبة فكان الناس في زمن إبراهيم عليه السلام توغلوا في بناء المعابد والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من الكواكب، و صارعندهم التوجه إلى المجرد غير المحسوس بدون هيكل يبنى باسمه، يكون الحلول فيه والتلبس به نقرباً منه أمراً محالاً، تدفعه عقولهم بادي الرأى، فاستوجب أهل ذلك الزمان أن تظهر رحمة الله بهم في صورة بيت يطوفون به ويتقربون به إلى الله، فدعوا إلى البيت وتعظيمه. ثم نشأ قرنٌ بعد قرن على علم أن تعظيمه مساوق لتعظيم الله، والتفريط في حقه مساوق للتفريط في حق الله، فعند ذلك وجب

حجه، وأمروا بتعظيمه". حجة الله البالغة، ص: ٦٦(١)۔

"فضل بناء المسجد، وملازمته، وانتظار الصلوة فيه ترجع إلى أنه من شعائر الله، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم مسجداً أو سمعتم مؤذناً، فلا تقتلوا أحداً". وأنه محل الصلوة، ومعتكف العابدين، ومطرح الرحمة، و شبيه الكعبة من وجه، وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من خرج من بيته متطهراً إلى صلوة مكتوبة، فأجره كأجر الحاج المحرم، و من خرج إلى تسبيح الضحىٰ لا ينصبه إلا إياه، فأجره كأجر المعتمر". و قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مررتم برياض الجنة، فارتعوا". قيل: و ما رياض الجنة؟ قال: "المساجد".

...... وآداب المسجد ترجع إلى معان: منها: تعظيم المسجد،.......... و منها: تنظيفه مما يستقذر و يتنفر منه، ومنها: الاحتراز عن تشويش العباد و هيشات الأسواق، الخ". حجة الله البالغة مختصراً، ص: ١٩٧، ١٩٨(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/صفر/۵۶ھ۔

دخولِ مسجد کی دعاء کہاں پڑھی جائے؟

سوال[۷۳۵۱]: ایک شاہی مسجد ہے، اس کا بیرونی احاطہ بہت وسیع ہونے کی وجہ سے اصل مسجد کے حدود سے علیحدہ ہیں۔ ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے کی دعاء کون سے دروازہ سے داخل ہوتے وقت پڑھی جائے جب کہ بیرونی یعنی احاطہ کے دروازہ سے داخل ہونے کے وقت یا اندرونی دروازہ سے داخل ہوتے وقت جہاں کہ نماز پڑھی جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین اور وقف ہے کہ وہاں ناپاکی کی حالت میں جانا جائز نہیں (۳)، خواہ مسقف

---

(١) (حجة الله البالغة، باب تعظيم شعائر الله: ٢٠٦/١، ٢٠٨، قديمي)

(٢) (حجة الله البالغة، المساجد من شعائر الله: ٥٤١/١-٥٤٤، قديمي)

(٣) "ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور". =

ہو یا غیر مسقف ہو وہاں پیر رکھتے وقت دعاء پڑھی جائے (۱)، جو جگہ مسجد کے مسقف، یا غیر مسقف حصہ سے متصل ہے اور وہ نماز کے لئے متعین نہیں اور ناپاکی کی حالت میں وہاں جانا منع نہیں، وہ شرعی مسجد نہیں اگرچہ احاطہ میں داخل ہو (۲)، وہاں داخل ہوتے وقت دعاء نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۶ھ۔

جوتا پہن کر مسجد میں جانا، جوتے میں نماز پڑھنا

سوال [۷۳۵۲]: جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو وہ لوگ کس امام کی پیروی کرتے ہیں جو جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتے پہن کر نماز پڑھنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی منقول ہے (۳)، اب ہماری مساجد کی وہ حالت نہیں جو اس زمانہ میں تھی، اب فقہاء نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فروع، ص: ۲۰، ۲۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "عن جدتها فاطمة الكبرى رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا دخل المسجد صلى على محمد وسلم، وقال: "رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك، الخ".

(جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب مايقول عند دخوله المسجد: ۱/۷۱، سعيد)

(۲) "وفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه، يصح .... دون حرمة مرور الجنب ونحوه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه، فوضعها عن يساره، فلما رأى القوم ذلك، ألقوا نعالهم، فلما قضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلاته قال: "ما حملكم على إلقائكم نعالكم"؟ قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، الخ". (سنن أبي داؤد: ۱/۱۰۲، كتاب الصلاة، باب الصلوة في النعل، مكتبه إمداديه ملتان) =

مسجد میں جانا مکروہ ہے، کذا فی عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے متصل فرش پر جوتہ پہن کر جانا

سوال[۷۴۵۳]: ایک جامع مسجد جس کا نقشہ درج ذیل ہے:

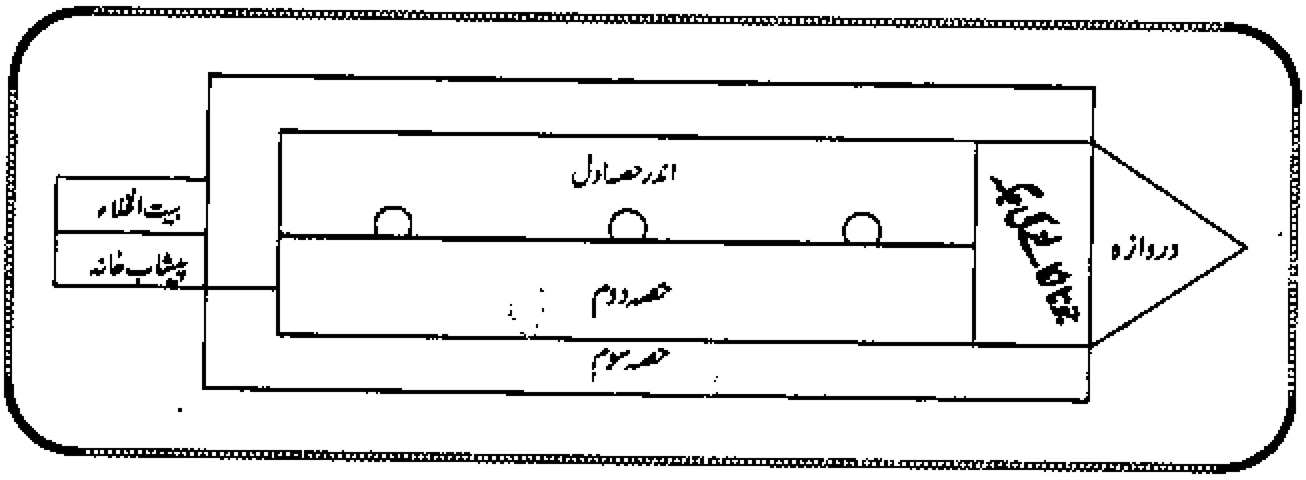

یہ مسجد ڈیڑھ سو برس سے زیادہ کی ہے جب کہ موضع میں اتنی آبادی نہ تھی جتنی اب ہے۔ یہ سرخ نقطہ والی جگہ یہ کسی زمانہ میں پختہ تھی مگر ٹوٹ گئی تھی، اس پر عیدین کی صفیں آتی تھیں۔ چونکہ اس میں گڑھے تھے اور

= "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي حافياً ومتنعلاً". (سنن أبى داؤد، المصدر السابق: ۱/۱۰۳)

"عن النعمان بن سلام عن ابن أبى أوس قال: كان جدى أوس أحياناً يصلى، فيشير إلىّ وهو فى الصلوة، فأعطيته نعليه، ويقول: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلى فى نعليه". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الصلوة فى النعال، ص: ۷۲، قديمى)

(۱) "ودخول المسجد متنعلاً مكروه، كذا فى السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب: فى أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

بیرونی حصہ پرلوگ وضوکرتے تھے جس کی وجہ سے تھوک وغیرہ اس پر رہتا تھا۔ کئی سال کا عرصہ ہوا ایک آدمی نے اس جگہ کی یہ حالت دیکھ کر اس کو پھر پختہ کردیا اور توسیع کردی جس پر عیدین کی بھی صفیں آجاتی ہیں اور گرمیوں میں اکثر لوگ سنتیں پڑھتے ہیں اور وضو خانے سے وضو کر کے ننگے پیر اندرونِ مسجد تک چلے جاتے ہیں۔ اس آبادی میں صرف دو شخص ایسے تھے جو ضداً نقشہ والی مسجد پر جوتے پہن کر جاتے ہیں۔

لہٰذا ایسی صورت میں کہ یہ نقطہ والے فرش پر عیدین کی صفیں آتی ہیں لوگ وضو کر کے ننگے پیر اندر مسجد میں جاتے ہیں، نیز جوتہ پہن کر چلنے سے پھر ٹوٹ کر حالت سابقہ پر آجائے گی۔ اس پر جوتے پہن کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے ہی کنویں کی جگہ پر اور جہاں پر وضو کا لوٹا رکھا رہتا ہے، عام مسلمان جب وضو کے لئے جاتے ہیں تو دروازہ پر جوتہ اتارتے ہیں، اور اگر کسی شخص کو استنجا کے لئے جانا ہوتا ہے، یا پشتِ مسجد سے گھوم کر آتا ہے، یا جوتے ہاتھ میں لے کر پیشاب خانے کے دروازہ تک جاتا ہے اور وہاں سے جوتہ پہن کر پیشاب خانے میں جاتا ہے۔

نیز یہ بھی بتلایئے اس طرح جوتہ پہن کر جانے سے توہینِ مسجد لازم آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا عند اللہ العظیم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ نقطوں والا حصہ مسجد کا جزء نہیں، لہٰذا اس کے اوپر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱) کہ جس طرح جوتہ پہن کر مسجد میں جانا ممنوع ہے اسی طرح اس حصہ میں بھی ممنوع ہو اور نہ اس سے مسجد کی توہین ہوگی۔ لیکن جب کہ یہ حصہ مسجد کے ساتھ بالکل متصل ہے اور نمازی اس جگہ سنتیں

---

(۱) "لا یکرہ ما ذکر في بیت فیه .... أو فوقه في ذلک البیت مسجد، وهو مکان فی البیت أعد للصلاة، فإنه لم یأخذ حکم المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیها، فصل: کرہ استقبال القبلة: ۲/۶۴، رشیدیه)

"وفناء المسجد لیس له حکم المسجد، حتی لو اقتدی بالإمام منه، یصح .... دون حرمة مرور الجنب و نحوہ". (الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل: کرہ غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشیدیه)

بھی پڑھتے ہیں تو اس جگہ جوتہ پہن کر نہیں جانا چاہئے، بلکہ اس جگہ کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے، جیسے کہ کوئی شخص اپنے مکان میں نماز کے لئے کوئی جگہ یا چبوترہ مخصوص کرلے اس کو بھی پاک صاف رکھتا ہے، حالانکہ وہ جگہ اور چبوترہ بھی مسجد نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/ ۵۹ھ۔

مسجد کے خام صحن میں جوتا پہن کر جانا

سوال [۷۳۵۴]: ہمارے علاقہ کا عام رواج یہ ہے کہ جب مسجد کی تعمیر ہوتی ہے تو اگرچہ مسجد کے حدود: دالان اور صحن وغیرہ مقرر ہو جاتے ہیں، حواشی اربعہ کی چاروں دیواریں بشکلِ احاطہ بنادی جاتی ہیں یا نہیں بنائی جاتی ہیں، بہرحال جب تک صحن کی زمین خام غیر مفروش رہتی ہے، اس زمین صحن میں جوتے پہن کر چلنا پھرنا عرفِ عام میں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی عرف پر مسجد مدرسہ ہٰذا کے صحن میں عمل درآمد تھا۔

بہ تقریبِ جلسہ سالانہ علماء کا ورود مدرسہ میں ہوا تو ایک جید عالم عارف باللہ بزرگ نے فرمایا:

''ایسا ہرگز نہ چاہیے، بے ادبی اور ناجائز ہے، جہاں تک صحن بنانا بانی کی نیت میں ہے کسی حصہ میں جوتا پہن کر داخل نہیں ہونا چاہیے''۔

اور ایک مقامی عالم کا خیال ہے کہ:

''صحن بایں معنیٰ یقیناً مسجد ہے کہ حائضہ، نفساء کا داخلہ ممنوع ہے، معتکف کا صحن میں آنا جائز ہے، خواہ فرش پختہ ہو یا خام، مگر جوتے پہن کر داخلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر فرش پختہ ہے تو بے ادبی ہونے کے سبب ناجائز ہے، اہلِ عرف اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور ادب کا مدار عرف پر ہے اور کوئی نص اس کے معارض نہیں، بلکہ "ما راه المسلمون حسناً،

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور، وأن تطهر و تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

فھو عندا للہ حسن"(۱) کامفہوم اس کا مؤید ہے، لیکن صحن کا فرش خام ہوتو نہ تلویث مسجد ہے اور نہ عرف۔

اور حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کا عمل تعامل پر تھا کہ جوتے پہن کر مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے، چونکہ اس کا فرش حَصا کا تھا، اسی بناء پر فقہائے حنفیہ نے متنعلاً نماز پڑھنا افضل لکھا ہے، جو علامہ شامی کے نزدیک فرشِ خام پر محمول ہے، اور حنابلہ رحمہم اللہ تو سنت پر ہونے کے قائل ہیں، پھر گناہ اور بے ادبی ہونا چہ معنیٰ؟ اور اس کی تصریح ہے کہ وہی جوتے چپل پہن کر مسجد میں تشریف لاتے تھے جس کو پہن کر بازار اور گلی کوچوں میں ٹہلا پھرا کرتے تھے۔ ان دلائل کا تقاضا بلا کراہت جواز کا ہے۔ شامی مطبوعہ مصری: ۱/۶۱۵، پر پوری تفصیل موجود ہے"(۲)۔

مذکورہ اختلاف کی بناء پر اب ہم لوگ متحیر ہیں کہ کس بات پر عمل کریں، لہٰذا گزارش ہے کہ آپ حضرات فیصلہ فرمائیں کہ دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح اور واجب العمل ہے؟ اور اگر تیسرا قول ہو تو اس کی تصریح

---

(۱) "قال عليه السلام: "ماراه المسلمون حسناً، فهو عند الله حسن".

"قلت: غريب مرفوعاً، ولم أجده إلا موقوفاً على ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه. وله طرق". (نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۳۳/۴، مكتبه مؤسسة الريان، بيروت)

(۲) "وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه، وصلاته فيهما أفضل". (الدرالمختار). "(قوله: وصلاته فيهما): أى فى النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود، تاتر خانية. وفي الحديث: "صلوا فى نعالكم، ولا تشبهوا باليهود". رواه الطبراني، كما فى الجامع الصغير رامزاً لصحته. وأخذ جمع من الحنابلة أنه سنة ولو كان يمشى بها فى الشوارع؛ لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وصحبه كانوا يمشون بها فى طرق المدينة، ثم يصلون بها. قلت: لكن إذا خشى تلويث فرش المسجد بها، ينبغى عدمه وإن كانت طاهرة. وأما المسجد النبوى فقد كان مفروشاً بالحصا فى زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بخلافه فى زماننا، ولعل ذلك محمل مافى عمدة المفتى من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب، تأمل" (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

فرمائی جائے۔ ہر قول مدلل مع حوالہ کتب ہو۔ جزاکم اللہ خیراً۔

افتخار احمد، نائب ناظم مدرسہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض واقف کی نیت کرنے اور صحن ودالان کی جگہ متعین کرلینے سے مسجد کے احکام جاری نہیں ہوجاتے، کیونکہ صرف اتنی بات سے مسجدیت تام نہیں ہوجاتی، بلکہ جب مسجد میں اذان وجماعت ہونے لگے تب مسجدیت تام ہوکر اس پر پورے احکام جاری ہوتے ہیں (۱)۔ پس دورانِ تعمیر جب وہاں مسجد کا ملبہ، اینٹ، گارہ وغیرہ پڑا ہو تعمیر ہورہی ہو، معمار مزدور آجارہے ہوں تو اس کا حکم اَور ہے اور جب وہاں نماز وجماعت ہورہی ہو، اس کا حکم اَور ہے۔

جتنا حصہ نماز وجماعت کے لئے متعین کردیا گیا ہے اور وہاں نماز وجماعت ہونے لگی ہے، اس پر پورے احکام مسجد کے جاری ہوں گے (۲)، وہاں جوتا پہن کر جانا بھی احترام کے خلاف ہوگا۔ دورِاول میں جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا خلافِ احترام نہیں تھا، مگر اب وہ عرف نہیں رہا: "دخول المسجد متنعلاً مکروہ، كذا في السراجية، اھ". عالمگیری ۔ ۹۳/٤ (۳)۔

---

(۱) "وعندهما لايصير مسجداً لمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم، وبالصلاة بجماعة يقع القبض والتسليم، وبالصلوة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

"وينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه =

عُرف کو دیکھ لیا جائے، اگر جوتے پہن کر مسجد کے خلافِ احترام ہو تو اس سے پرہیز کیا جائے، مسجد مفروش ہو یا غیر مفروش، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر -بحوالہ سوال- نے پختہ غیر پختہ (مفروش غیر مفروش) کا فرق بھی بر بنائے عرف کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا

سوال[۷۳۵۵]: اگر میں ٹوپ(۱) پہن کر مسجد میں بغرضِ ادائے نماز حاضر ہوں تو درست ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

آپ کا نیاز مند: شجاعت اللہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد دربارِ خداوندی ہے اور نماز عبادت ہے اور عبادت کے لئے دربار میں ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کو پسند ہو اور وہ لباسِ مسنون ہے، یعنی خدا کے محبوب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس اور آپ کے متبعین کا لباس۔ ایسا لباس پہن کر حاضر نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں، یعنی جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ہمارے یہاں وہ خدا کے نافرمانوں یعنی کفار وفساق کا لباس ہے، انگریزی ٹوپ وغیرہ بھی اس میں داخل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذیقعدہ/۵۶ھ۔

= احترازاً عن تلويث المسجد، وقد قيل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (البحر الرائق، كتاب لصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/ ۶۱، رشيديه)

(۱) "ٹوپ: بڑی ٹوپی، انگریزی ٹوپی (ہیٹ)، لوہے کی ٹوپی جو لڑائی کے وقت پہنتے ہیں (خود)"۔ (فيروز اللغات، ص: ۴۲۱، فيروز اينڈ سنز، لاهور)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۲۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

فرشِ مسجد کے متصل کپڑے دھونا

سوال[۷۳۵۶]: مسجد میں نماز کے پڑھنے کا اندرونی حصہ اور بیرونی فرش کے علاوہ جو جگہ ہوتی ہے، مثلاً سہ دری، حجرہ وغیرہ، کیا یہ بھی مسجد کے حکم میں شامل ہے؟ اگر کوئی شخص جس جگہ کنواں، نل وغیرہ لگا ہوا ہو وضو کی جگہ کپڑے دھوئے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں رہنے والوں کو مثلاً طالب علم وغیرہ مسجد کے ملاؤں کو اجازت ہے کہ وہاں کپڑے دھولیں، اور کوئی نمازی دیندار ہو دھوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد نہیں یعنی اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی، وہاں اس طرح کپڑے دھونا کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو اور مسجد کے فرش پر مستعمل پانی، یا اس کی چھینٹ نہ جائے درست ہے(۱) اور اس میں ملا وغیر ملا سب برابر ہیں۔ مگر جو شخص مسجد ہی میں رہتا ہے اس کو دوسری جگہ کپڑے دھونے کے لئے جانے میں دقت ہے اس لئے اس کے حق میں توسع ہے اور زائد توسع ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے کہ وہ بسہولت دوسری جگہ جاسکتے ہیں، یا اپنے گھر میں دھوسکتے ہیں، ان کے کسی دوسری جگہ جانے میں مسجد کی نگرانی یا کسی اہم کام میں خلل نہیں آتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

= (ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"قال القاري: أي من تشبه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ". (بذل المجهود، باب في لبس الشهرة: ۵/ ۴۱، مكتبه معهد الخليل الاسلامي كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷) : ۸/ ۱۵۵، رشيديه)

(۱) "وفناء المسجد ليس له حكم المسجد، حتى لو اقتدى بالإمام منه، يصح .... دون حرمة مرور الجنب و نحوه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و ما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام ..... وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيديه) =

ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا

سوال[۷۳۵۷]: مسجد میں ناپاک کپڑا رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں:"وإدخال نجاسة فيه. عبارة الأشباه: وإدخال نجاسة فيه، منه التلويث، و مفاده الجواز لو جافةً، لكن في الفتاوى الهندية: لا يدخل المسجد مَن على بدنه نجاسة". شامی : ۶۸۶/۱(۱)۔ قلت: قال الطحطاوي: "وإن لم تصب المسجد، أبوالسعود". (۲)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نجس کپڑا مسجد میں نہ رکھے، اگر اس وقت کسی کی معرفت باہر بھیجنا یا خود رکھنا دشوار ہوتو مجبوراً مسجد میں اس طرح رکھنا کہ تلویث نہ ہو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/رجب/۵۷ھ۔

مسجد میں تولیہ، آئینہ اور منبر پر غلاف

سوال[۷۳۵۸]: مسجد میں تولیہ رکھنا اور آئینہ رکھنا کیسا ہے؟ نیز منبر پر غلاف یعنی منبر پر کپڑا اڑھانا

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۴/۲، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۶۵۶/۱، سعيد)

"وأشار إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۲۷۷/۱، دارالمعرفة بيروت)

کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب تکلفات ہیں، جولوگ اپنے مکانات پر تکلف کے ساتھ رہتے ہیں اپنے انتظام سے مسجد میں بھی یہ چیزیں رکھتے ہیں، فی نفسہ یہ چیزیں نہ ضروری ہیں کہ مسجد کی طرف سے ان کا انتظام کیا جائے، نہ ممنوع ہیں کہ ان کو حرام کہا جائے۔ اصل تو یہ ہے کہ اپنے مکان سے وضو کر کے آدمی مسجد جائے (۱)۔ اگر مسجد ہی میں وضو کرنا ہو تو اپنا تولیہ ساتھ لے جائے۔ وضو کے بعد آئینہ دیکھنا نہ کوئی شرعی چیز ہے نہ عرفی، اس عادت کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ منبر پر غلاف بھی ایک تکلف ہے، درودیوار کو کپڑے پہنانے کی حدیث میں بھی ممانعت آئی ہے (۲)۔ ہاں! اگر گرمی سے تحفظ مقصود ہو تو مضائقہ بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۹ھ۔

مسجد کی صفائی برش سے

سوال [۷۳۵۹]: مسجد میں بجائے جھاڑو کے بالوں کا بنا ہوا برش استعمال کرنا کیسا ہے؟

ہندہ، محلہ پٹھان پورہ، سہارنپور۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة الجميع تزيد على صلوته في بيته وصلوته في سوقه خمساً وعشرين درجةً، فإن أحدكم إذا توضأ فأحسن الوضو وأتى المسجد لايريد إلا الصلوة، لم يخط خطوةً، إلا رفع الله بها درجةً وحط بها خطيئةً حتى يدخل المسجد". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب الصلوة في مسجد السوق: ۱/۶۹، قديمي)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف عليّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعتُه، فقلت: يارسول الله! ما ردك؟ قال: "إنه ليس لي أولنبي أن يدخل بيتاً مزوّقاً": أي مزيناً منقشاً". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خنزیر کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک ہے اور نجاست کو مسجد میں داخل کرنا منع ہے(۱)۔ اور اگر خنزیر کے علاوہ کسی دوسرے جانور کے بالوں سے بنا ہے تو وہ ناپاک نہیں، اس کو مسجد میں داخل کرنا ناجائز نہیں، تاہم اگر اس میں اشتباہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہئے:

"و شعر الميتة و غير الخنزير طاهر". در مختار مختصراً۔ قال الشامی: "(قوله: على المذهب): أی على قول أبی يوسف الذی هو ظاهر الرواية: أن شعره نجس، وصححه فی البدائع، و رجحه فی الاختيار". شامی: ۱/۱۱۲(۲)۔

"وإدخال نجاسة فيه (أی فی المسجد)". قال الشامی: "فی الفتاوىٰ الهندية: لا يدخل المسجد مَن على بدنه نجاسة". ۱/۶۸۶(۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۴/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تالاب کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا

سوال[۷۳۶۰]: ایک تالاب کا پانی ناپاک ہے، اس کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تالاب دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو، تو وہ ناپاک نہیں(۴) اس کی گیلی مٹی ناپاک نہیں، اس

---

(۱) "(و) كره تحريماً .... (وإدخال نجاسة فيه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب فی أحكام الدباغة: ۱/۲۰۶، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۶۰، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

"وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

(۴) "إن الغدير العظيم كالجاری لا ينجس إلا بالتغير من غير فصل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

سے مسجد کو بھی لیپا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۱/۲۷ھ۔

ناک صاف کر کے مسجد سے ہاتھ پونچھنا

سوال[۷۳۶۱]: ناک چھینک کر مسجد کی دیوار سے انگلی پونچھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ تہذیب ہے اور دوسروں کے لئے باعثِ اذیت اور مسجد سے بے اعتنائی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۱/۲/۲۳ھ۔

= الطهارة، باب المياه: ۱/۱۸، رشيديه)

"ولذا قال في الخلاصة: الماء النجس إذا دخل الحوض الكبير، لا ينجس الحوض وإن كان الماء النجس غالباً على ماء الحوض؛ لأنه كلما اتصل الماء بالحوض، صار ماء الحوض غالباً عليه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب: لو دخل الماء من أعلى الحوض، الخ: ۱/۱۹۱، سعيد)

(۱) "ولا يبزق على حيطان المسجد، ولابين يديه على الحصى، ولافوق البوارى، ولاتحتها، وكذا المخاط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كذا يكره أن يمسح رجله من الطين بأسطوانته أو حائطه". (فتح القدير، المصدرالسابق)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۹، الفصل السادس والعشرون في المسجد، الخ: ۱/۲۲۹، رشيديه)

مسجد میں کنگھی کرنا

سوال[۷۳۶۲]: مسجد کے اندر کنگھی کرنا کیسا ہے؟

محب علی کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، جب کہ بال مسجد میں نہ گرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۰ھ۔

اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا

سوال[۷۳۶۳]: دو حدیثوں کا مفہوم ہے کہ اذان کے وقت بات کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے، اور مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے ۴۰/ برس کی نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اکثر بازاروں میں، یا نماز کے لئے آتے وقت، یا بوقتِ اذان لین دین، یا باتیں کرتے ہیں، اگر کوئی شخص خاموش رہے تو شدید تکلیف ہوگی۔ ایسے مواقع پر کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے وقت باتیں کرنے سے ایمان جاتے رہنے کا خوف کس حدیث میں ہے، مجھے وہ حدیث محفوظ نہیں، آپ لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا منع ہے(۲)، اگر نماز

---

(۱) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۲/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه) .... =

کے لئے مسجد میں جائے اور وہاں کوئی اتفاقیہ تجارت وملازمت وغیرہ کی باتیں بھی کسی سے کرلے تو یہ اس حکم میں نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال[۷۳۶۴]: ۱...... مسجد کے اندر بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا۔

۲...... مسجد میں اخبارات کا پڑھنا، کیونکہ بعض اوقات اذان کے بعد سنت پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں جب کہ دیگر نمازی سنتیں ادا کررہے ہوں تو اخبارات کا آواز کے ساتھ پڑھنا۔

خاکسار محمد صدیق خان، سہانپور، ۴/ جمادی الاخری/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا ناجائز ہے(۲)، البتہ اگر نماز وغیرہ عبادات کے لئے مسجد میں آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آئے تو مباح کلام کرنا ایسے طریقہ پر کہ دوسرے عبادت کرنے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشيديه)

(۱) "وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث: أى كلام الناس في المسجد، لكن قيده بأن يجلس لأجله .... أما إن جلس للعبادة، ثم بعدها تكلم، فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

والوں کو اذیت نہ ہو درست ہے(۱) اور غیر مباح کلام جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں، اور ایسی حالت میں اخبار کا بلند آواز سے پڑھنا کہ نمازیوں کو اذیت ہو درست نہیں، كذا في نفع المفتي والسائل، ص: ۱۲۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۴ھ۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال[۷۳۶۵]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے؟ خزانة المفتيين میں جو یہ تحریر ہے کہ جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس روز کا عمل برباد کرتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

محمد انس ڈرائی کلینرس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین کی گئی ہے جہاں بلاغسل جانا ممنوع ہے وہ مسجد ہے(۳)، وہاں نماز

---

(۱) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله .... قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث ماذون شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۲) "قيل: يجوز الكلام المباح من الدنيا ولا يجوز الكلام المنكر، كالقصص و حكايات الدنيا الكاذبة، فقد نقل في فتاوى عالمگير عن التمرتاشي: أن الكلام المباح يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله". (مجموعة رسائل اللكنوى، رسالة نفع المفتي والسائل ما يتعلق بالمساجد: ۴/ ۱۸۱، ادارة القرآن كراچي)

"والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۳) "المسجد: الموضع الذي يسجد وبيت الصلوة، وهو اصطلاحاً: الأرض التي جعلها المالك مسجداً بقوله: جعلته مسجداً، وأفرز طريقه وأذن بالصلوة فيه، فإن صلى واحد زال ملكه". (قواعد =

تلاوت ذکر کے لئے جانا چاہیے، دنیا کی باتیں کرنے کے لئے وہاں بیٹھنے پر وعید ہے(۱)۔ جو وعید آپ نے نقل کی ہے وہ محلِ کلام ہے، اگر جانا ہوتو نماز کے لئے اور تبعاً کچھ مباح بات بھی کرلی اس پر وعید نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا

سوال[۷۳۲۶]: عرض یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر کچھ آدمی مسجد کی بابت مشورہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشوروشغب کے اس طرح بیٹھ کر مشورہ کرسکتے ہیں کہ مسجد کا ادب ملحوظ رہے اور کسی کی نماز میں خلل نہ آئے (۳)۔ مسجد کی ضروریات، مثلاً: تقررِ امام، وتعیینِ اوقات نماز وغیرہ کے متعلق مشورہ کرنا دنیا کی بات

= الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۴۸۴، صدف پبلشرز)

(۱) "الكلام المباح في المسجد مكروة ياكل الحسنات كما تأكل النار الحطب .... ولا باس أن يتحدث بمالا إثم فيه .... ويلازم قراءة القرآن والحديث والعلم والتدريس وسير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقصص الأنبياء وحكايات الصالحين وكتابة أمر الدين". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۵۳۱، ۵۳۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۸، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۲، سعيد)

"وصرح في الظهيرية بكراهة الحديث: أي كلام الناس في المسجد، لكن قيده بأن يجلس لأجله .... أما إن جلس للعبادة، ثم بعدها تكلم، فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/ ۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۳) "الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله .... =

نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سننا

سوال[۷۳۶۷]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آج کل باہر سے جو ٹیپ ریکارڈ آرہے ہیں اس میں دینی تقاریر کے علاوہ نماز واذان وغیرہ بھرے ہوئے ہوتے ہیں تو امام صاحب نے رمضان شریف میں اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں مسجد میں رکھ کر عوام کو سنایا۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر رکھ کر سنایئے۔ امام صاحب نے کہا: مسجد میں رکھ کر سنا سکتے ہیں۔ ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں ایک قوی اندیشہ تو یہ ہے کہ لوگ صرف ٹیپ ریکارڈ سننے پر کفایت کریں گے اور اسی سے شوق پورا کرلیا کریں گے، خود تلاوت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ اور پھر یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے لوگ غلط قسم کی چیزیں سنانے لگیں اور اس سے استدلال کریں گے، لہٰذا اس طریقہ کو بند کردیا جائے، کیونکہ یہ چیز بڑھتے بڑھتے دور تک پہونچ جاتی ہے۔ بعض جگہ یہ بھی ہے کہ نماز کا وقت آیا اور اذان کا ریکارڈ بجالیا اور سمجھ لیا کہ اذان ہوگئی، پھر امامت کا ریکارڈ بجادیا اور اس کا بھی اقتداء کرلیا، حالانکہ نہ اس طرح اذان ہوئی، نہ امامت ہوئی، نہ اقتدا صحیح ہوئی، نہ نماز ادا ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۱) "بخلاف السماع من الببغاء والصدى، فإن ذلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلك ليس بتلاوة صحيحة، لعدم أهليته لانعدام التميز". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: سبب وجوبها و بيان من تجب عليه السجدة: ۱/۴۳۰، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۰۸، سعيد)

مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا

سوال[۷۳۶۸]: ۱...... ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ مسجد میں رکھ کر تلاوتِ قرآن یا کسی مقرر کی تقریر سنی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲...... زید جامع مسجد میں اعلان کرتا ہے کہ آج بعد نمازِ عشاء اس مسجد میں فلاں شخص کی تقریر ہوگی، آپ حضرات تشریف لائیں، بچوں کو بھی لاویں، عورتوں کے بیٹھنے کا بھی معقول انتظام ہے۔ لیکن بعد نمازِ عشاء بذریعۂ ٹیپ ریکارڈ تقریر سنوائی جاتی ہے۔ تو زید کے اس بیان یا اعلان پر کیا حکم ہے؟

۳...... یہ کہ جملہ مسلمان اس جلسے میں شریک ہو کر بذریعۂ ٹیپ ریکارڈ مسجد میں تقریر سنیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ از روئے شرع جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۳...... فی نفسہٖ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے اگر تلاوتِ کلامِ پاک یا وعظ کی آواز آئے تو اس کا سننا مسجد اور غیر مسجد سب جگہ درست ہے (۱)، لیکن اگر مسجد میں یہ طریقہ شروع کر دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں کے لئے مکانات کی طرح مسجد میں بھی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال ہونے لگے گا اور جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہ رہے گی، اس لئے مسجد میں ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے (۲)۔ تقریر کا اعلان کر کے ٹیپ ریکارڈ سے تقریر سنوانے میں ایک قسم کا فریب ہے، لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ واقعۃً تقریر ہوگی، حالانکہ وہ تقریر

---

(۱) "الأمور بمقاصدها يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر، يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر". (شرح المجلة، المقالة الثانية (رقم المادة: ۲): ۱/۱۷، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، (رقم القاعده: ۷۸): ۱/۱۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه (رقم القاعدة: ۵۱)، ص: ۲۲، الصدف پبلشرز)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراء كم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسلّ سيوفكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

کی نقل ہے۔ جب ان جلسوں اور تقریروں کا حال معلوم ہوگیا، ان کے سننے کا بھی حال خود بخود واضح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۴ھ۔

مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا

سوال[۷۳۶۹]: مسجد میں دینی کتابیں پڑھنے اور دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے خط لکھنے میں کیا حکم ہے؟ (میں حضرت مولانا علی میاں سے بیعت ہوں)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا، دینی معلومات کے لئے خط لکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں چہل قدمی کرنا

سوال[۷۳۷۰]: وظیفہ پڑھنے والے بعد نماز فجر وعصر اندرونِ مسجد میں ٹہل ٹہل کر اپنا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ یہ فعل کیسا ہے؟ بعض عالم بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر بعد نماز عصر کے چہل قدمی فرمایا کرتے تھے، اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب کا اس زمین پر چہل قدمی کرنا پسند نہ فرمایا اس لئے جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری عطا فرمائی کہ اس پر میرا محبوب چلے جیسا کہ صحاح ستہ میں ہے کہ مسجد ومنبر کے درمیان جو حصہ ہے وہ اصلی جنت کی کیاریوں میں سے ایک ہے۔

---

(۱) "وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر يكره، و بغير أجر، لا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: يكره استقبال القبلة، الخ: ۴۲۲/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البزازية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۲/۴، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ٹہلنا وظیفہ کا جزنہیں، افضل وبہتر یہ ہے کہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ کر یکسوئی سے وظیفہ پڑھا جائے (۱)، اگر جماعت کا وقت قریب ہو اور نیند کا اثر ہو جس سے یہ خیال ہو کہ ایک جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے سے نیند آجائے گی، یا اسی قسم کی کوئی اَور ضرورت ہو تو مسجد میں ٹہلنے میں مضائقہ نہیں، لیکن مستقلاً ٹہلنے کے لئے مسجد کو تجویز کرنا بعد فجر ہو یا بعد عصر یا کسی اَور وقت مسجد کی غایت اور وضع کے خلاف ہے (۲)۔ مسجد ومنبر کے درمیان: "روضة من رياض الجنة" ہونا حدیث سے ثابت ہے (۳)۔ بعد عصر کے علاوہ دیگر اوقات میں اللہ پاک نے اس زمین پر

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً و خفية﴾ الآية. (سورة الأعراف: ۵۵)

قال العلامة الآلوسی: "﴿تضرعاً﴾: أی ذو تضرع، أو متضرعين .... وهو من الضراعة، وهی الذل والاستكانة .... وقال الزجاج: التضرع التملق وهو قريب مما قالوا: أی ادعوه تذللاً".

(روح المعانی: ۸/۱۴۰، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(۲) "وعن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالّة فی المسجد، فليقل لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن لهذا". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، باب النهی عن إنشاد الضوال فی المسجد، ص: ۵۶، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد و ما يقول من سمع الناشد: ۱/۲۱۰، قديمی)

قال الملا علی القاری تحته: "(من سمع رجلاً ينشد ضالّة فی المسجد) .... ويدخل فی هذا الأمر كل أمرٍ لم يُبنَ له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلك، اهـ". (مرقاة المفاتيح، باب المساجد الخ، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۷۰۶): ۲/۴۱۱، رشيديه)

(۳) "وعن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ما بين بيتی ومنبری روضة من رياض الجنة، ومنبری علی حوضی". (صحيح البخاری: ۱/۲۵۳، فضائل المدينة، باب بلا ترجمة، قديمی)

(ومشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمی)

اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چلنا کیسے پسند کیا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں ٹہلتے ہوئے تسبیح پڑھنا

سوال[۷۳۷۱]: کیا مسجد میں ٹہل کر تسبیح وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تسبیح چلتے پھرتے ٹہلتے ہر طرح پڑھنا درست ہے: "أما الذكر في قوله تعالىٰ: ﴿فإذا قضيتم الصلوة فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبكم﴾ هو الصلوة، ولكنه على أحد وجهين: إماالذكر بالقلب، وهو الفكر في عظمة الله تعالىٰ وجلاله وقدرته في خلقه وصنعه من الدلائل عليه وحكمه وجميل صنعه. والذكر الثاني الذكر باللسان بالتعظيم والتسبيح والتقديس. وروى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لم يعذر أحد في ترك الذكر إلامغلوباً على عقله، اه". أحكام القرآن: ۲/ ۳۲۳(۱).

قال أبو السعود في قوله تعالىٰ: ﴿فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبكم﴾: "أي فداوموا على ذكر الله تعالىٰ وحافظوا على مراقبته ومناجاته ودعائه في جميع الأحوال حتى في حال المسابقة والقتال، كما في قوله تعالىٰ: ﴿إذا لقيتم فئةً فاثبتوا، واذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون﴾ اه". تفسير أبي السعود: ۳/ ۹(۲).

لیکن بلاضرورت مسجد میں ٹہلنا نہیں چاہیے(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شاہی مسجد کو تفریح گاہ بنانا

سوال[۷۳۷۲]: شہر برہان پور میں شاہی زمانہ کی بنی ہوئی مسجد ہے جو فنِ تعمیر میں نرالی ہے، مگر

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۳۷۳، سورة النساء، ذكر اختلاف الفقهاء في الصلوة في حال القتال، مطلب: الذكر على وجهين، قديمي)

(۲) (تفسير أبي السعود، (سورة النساء: ۱۰۳): ۱/ ۲۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

افسوس یہ ہے کہ وہ مسجد تفریح گاہ بن گئی ہے، ہندو و مسلم، مرد و زن، وقت بے وقت مسجد میں گھومتے رہتے ہیں اور مؤذن ان کو مسجد میں گھما کر رہبری کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو کیا مسجد کو تفریح گاہ بنانا اور مرد و زن کا بے خطر اس میں داخل ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورتِ حال مسجد کے منشاء و احترام کے تحت خلاف ہے: "فإن المساجد لم تُبنَ لهذا". مشکوة شریف، ص: ٦٨ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

مسجد کی زمین اور قبرستان میں فٹ بال وغیرہ کھیلنا

سوال [۷۳۷۳]: مسجد کی زمین یا قبرستان میں فٹ بال کھیلنا، ہاکی اور والی بال، کرکٹ اور بیڈمنٹن کھیلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کی زمین اور قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین کا حکم بحیثیتِ احترام مسجد کا حکم نہیں ہے، ہر جائز کام وہاں درست ہے اور ہر ناجائز کام وہاں ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۱ھ۔

---

(١) الحديث بتمامه: "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالةً في المسجد، فليقل لا ردّها الله عليك، فإن المساجد لم تُبنَ لهذا". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ٦٨، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلوة، أبواب المساجد والجماعات، باب النهي عن إنشاد الضوال في المسجد، ص: ٥٦، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ومايقول من سمع الناشد: ١/٢١٠، قديمي)

(٢) "والمختار للفتوى في المسجد الذي اتخذ لصلاة الجنازة والعيد أنه مسجد في حق جواز الاقتداء =

مسجد میں افطاری اور سحری

سوال[۷۳۷۴]: مسجد میں روزہ افطار کرنا ایسے ہی سحری کھانا کیسا ہے؟ اگر مکان پر افطاری کرتا ہے تو جماعت فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف کی نیت کرلے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں افطار کرنا یا سحری کھانا درست ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو مسجد کو ملوث نہ کیا جائے، یا جو جگہ قریب مسجد ہو وہاں کھایا پیا جاوے تو بہتر ہے(۲)۔

سعید احمد غفرلہ، ۲۶/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۷/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

= وإن انفصل الصفوف رفقاً بالناس، وفيما عدا ذلك ليس له حكم المسجد، اهـ. و ظاهر ما في النهاية أنه يجوز الوطء والبول والتخلي في مصلى الجنائز والعيد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۴۳، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد، الخ: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(۱) "ويحرم فيه السؤال .... وأكل، ونوم إلا لمعتكف وغريب". (الدر المختار) "(قوله: و أكل ونوم، الخ) وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ، أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، كذا في السراجية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "لأن تنظيف المسجد واجب". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

مسجد میں قربانی کرنا

سوال[۷۳۷۵]: مسجد کے اندر قربانی کرنا یعنی مسجد کے صحن میں قربانی کرنا جب کہ مسجد کی دیوار میں خون کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔اس کا کیا حکم ہے اور اگر چھینٹیں نہ پڑیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوحصہ مسجد ہے یعنی نماز کے لئے وقف ہے وہاں نماز پڑھتے ہیں،اس جگہ ذبح کرنا حرام ہے کہ ناپاک خون سے مسجد گندی ہو جائے گی (۱)۔احاطۂ مسجد میں جہاں جوتے رکھتے ہیں،وہاں بھی ذبح کرنے کی ممانعت ہے وہ جگہ اس لئے وقف نہیں دوسری جگہ ذبح کیا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۸۸/۶/۲ھ۔

مسجد میں چھپکلی مارنا

سوال[۷۳۷۶]: مسجد کے اندر چھپکلی کا مارنا کیسا ہے؟

---

(۱) "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"لأن تنظيف المسجد واجب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵،سعيد)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أى في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں مارنا چاہئے، اس کو وہاں سے باہر نکال کر مارا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۸/ ۹۲ھ۔

مسجد کی چھت پر سے چڑیا کا شکار

سوال[۷۳۷۷]: مسجد کی چھت پر بیٹھ کر بندوق سے چڑیا مارنا، یا کسی ایسے درخت سے جس سے گر کر مسجد میں آوے شکار کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چھت پر شکار کے لئے چڑھنا منع ہے (۲) اور ایسی طرح شکار کھیلنا کہ جانور مسجد میں گرے اور مسجد ملوث ہو یہ بھی منع ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۱۱/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کبوتر پکڑنا

سوال[۷۳۷۸]: زید کہتا ہے کہ اپنے گاؤں کی مسجد سے کبوتر بغرضِ شکار پکڑنا جائز ہے اور بکر کہتا ہے

---

(۱) (راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "والصعود على سطح كل مسجد مكروه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۵۶، سعيد)

(۳) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"لأن تنظيف المسجد واجب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۴۴۵، سعيد)

کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ شکار کرنا کبوتر کا جائز ہے(۱)، مگر مسجد کا احترام بھی لازم ہے، لہذا ایسی طرح نہ پکڑیں کہ جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۷۳۷۹]: ایک صاحب کا اعتراض ہے کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان حدیث کی رو سے درست نہیں ہے، اس سلسلے میں حدیثوں کا مطالعہ کیا تو ہر جگہ "ضالةً" کا لفظ ملا، مثلاً:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من سمع رجلاً ينشد ضالةً فی المسجد، فليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تُبنَ

(۱) "عن أبی ثعلبة الخشنی رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا رميت الصيد، فأدركته بعد ثلث ليال وسهمك فيه، فكُلْ ما لم ينتن". (سنن أبی داؤد: ۳۹/۲، باب فی اتباع الصيد، إمداديه ملتان)

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالايؤكل". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۲۲۶/۸، رشيديه)

"لعل مناسبته أن كلاً منهما مما يورث السرور وهو مباح .... قال المصنف: وإنما زدته تبعاً له، وإلا فالتحقيق عندی إباحة اتخاذه حرفة؛ لأنه نوع من الاكتساب وكل أنواع الكسب فی الإباحة سواء علی المذهب الصحيح، كما فی البزازية وغيرها". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۱/۶، ۴۶۲، سعيد)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم و شراءكم و بيعكم و خصوماتكم و رفع أصواتكم و إقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره فی المساجد، ص: ۵۴، قديمی)

"منها: تعظيم المسجد، ومؤاخذة نفسه أن يجمع الخاطر، ولا يسترسل عند دخوله، وهو قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا دخل أحدكم المسجد، فليركع ركعتين قبل أن يجلس". (حجة الله البالغة: ۵۴۳/۱، المساجد وآداب المسجد، قديمی)

لهذا". رواه مسلم". مشكوة(۱)۔

لغات میں "ضالة" گم شدہ اونٹ یا جانور کو کہتے ہیں، لہذا مطلب کو مخصوص ہی معنی میں لیا جاسکتا ہے کہ کسی گم شدہ اونٹ یا جانور کا اعلان مساجد میں نہ کرنا چاہئے۔ "فإن المساجد لم تُبنَ لهذا" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کی ساخت اس کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کا محل ہے۔ عین الهداية میں بھی "فوائد" کے ذیل میں مرقوم ہے کہ "منجملہ مکروہات کے گم شدہ جانور کا پتہ ڈھونڈنا"۔

میرا خیال ہے کہ مساجد کی حدود میں گم ہونے والی چیزوں کا اعلان یا دریافت اس ذیل میں نہیں آتا، لیکن شارحینِ حدیث اور فقہاء نے مطلقاً کسی چیز کے گم ہونے کے اعلان کو ناجائز یا مکروہ لکھا ہے تو سمعنا وأطعنا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"(قوله: وإنشاد ضالة) هي الشيء الضائع، وإنشادها السؤال عنها، وفي الحديث: "إذا رأيتم من ينشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لا ردها الله عليك". اهـ". شامي: ۱/۴۷۳(۲)۔ قال ابن الأثير: "وهي الضالة من كل شيء من الحيوان وغيره، اهـ". نهاية: ۲/۲۶(۳)۔

"وأما إنشاد الضالة، فالمنهي عنه رفع الصوت بذلك؛ إذ فيه الإضرار دون غيره، وفيه سوء تأديب نسبة إلى المسجد، اهـ". الكوكب الدري: ۱/۱۵۴(۴)۔ "وأما إنشاد الضالة، فله

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص:۶۸، قديمي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۶۰، سعيد)

"(قوله: إنشاد ضالة) لقوله عليه السلام: "إذا رأيتم من ينشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لاردها الله عليك". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۲۷۸، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (النهاية لابن الأثير، باب الضاد مع اللام: ۳/۹۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مجمع بحار الأنوار، ضلل: ۳/۴۱۲، مجلس دائرة المعارف العثمانية دكن)

(۴) (الكوكب الدري، أبواب الصلاة، باب في البيع والشراء وإنشاد الضالة والشعر في المسجد: ۱/۳۱۹، إدارة القرآن كراچي)

صورتان: إحداهما: إن ضل شيء في خارج المسجد و ينشده في المسجد لا جتماع الناس، فهو أقبح وأشنع، وأما لو ضل في المسجد، فيجوز الإنشاد بلا شغب". العرف الشذی، ص: ۸۰(۱)۔ هكذا في معارف السنن: ۳/۳۱۳(۲)۔

عباراتِ منقولہ سے مسئلہ کی حیثیت واضح ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۷۳۸۰]: حدودِ مسجد میں اگر کسی نمازی کا جوتا، گھڑی، یا اور کوئی چیز گم ہو جائے تو مسجد میں اس کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغیر اعلان کے طلب و تفتیش درست ہے، اعلان کرنا ہو تو وضوخانہ، دروازۂ مسجد پر (خارج مسجد) اعلان کرے، كذا في معارف السنن شرح الترمذي (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۱/۸۰، سعيد)

(۲) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: و هي أقبح و أشنع بأن يضل شئ خارج المسجد، ثم ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳/۳۱۳، سعيد)

(۳) خلاصہ جواب یہ ہے کہ عبارات مذکورہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ احادیثِ مبارکہ میں اعلانِ گمشدگی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، فقہائے کرام نے اس حکم کو عام رکھا ہے، البتہ صرف وہ چیز جو کہ مسجد کے اندر ہی سے گم ہو تو اس کے اعلان کی اجازت دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ضروری یہ ہے کہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے شور وشغب سے اجتناب کیا جائے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) "وأما إنشاد الضالة، فله صورتان: إحداهما: و هي أقبح و أشنع بأن يضل شئ خارج المسجد، ثم =

مسجد میں سے ہوکر غسل خانہ جانا

سوال[۷۳۸۱]: مسجد کے فرش پر چل کر غسل خانہ میں جانا پڑتا ہے اور یہ دستور قدیم سے کر رکھا ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غسل خانہ تک جانے کا راستہ بجز مسجد میں کو گذرنے کے کوئی نہیں تو ناپاک آدمی تیمم کرکے وہاں کو جائے اور کوشش کرے کہ راستہ کسی اَور طرف کو بنایا جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

عورتوں کا مسجد میں جانا

سوال[۷۳۸۲]: عورتوں کا پردہ کے ساتھ باجازتِ شوہر کے مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے (۲)، بعض

= ينشده في المسجد لأجل اجتماع الناس فيه. والثانية: أن يضل في المسجد نفسه، فينشده فيه، وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب". (معارف السنن، أبواب الصلوة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء وإنشاد الضالة في المسجد: ۳/ ۳۱۳، سعيد)

(۱) "ويحرم بالحدث الأكبر دخول مسجد ولو لعبور، إلا بضرورة، حيث لايمكنه غيره". (الدرالمختار). "عن المبسوط: مسافر مرّ بمسجد فيه عين ماء، وهو جنب، ولا يجد غيره، فإنه يتيمّم لدخول المسجد عندنا، اهـ......... ولا نجيز العبور في المسجد بلا تيمم". (ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۷۱، ۱۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/ ۳۸، رشيديه)

(۲) "عن يحيى بن سعيد عن عمرة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله =

اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کا مسجد کو گذرگاہ بنانا

سوال [۷۳۸۳]: کیا مسجد کے اندر سے مسلم اور غیر مسلم عورتوں کا آنا جانا جائز ہے؟

= تعالیٰ علیه وسلم ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد کما مُنعت نساء بنی إسرائیل". (صحیح البخاری: ۱/۱۲۰، کتاب الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس، قدیمی)

(والصحیح لمسلم کتاب الصلوة، باب خروج النساء إلی المساجد: ۱/۱۸۳، قدیمی)

(۱) "وهذا هو محمل ما رواه ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما من خروجهن بعد فتح مکة، ثم منعهن الصحابة بعد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لفساد الزمان .... وکان ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه یُخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول: "أخرجن إلی بیوتکن خیرٌ لکن". رواه الطبرانی".
(إعلاء السنن، أبواب العیدین، باب وجوب صلوة العیدین: ۸/۸۸، إدارة القرآن کراچی)

"ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به، لفساد الزمان". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشیدیه)

''چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے تھے جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہوا، وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا تھا، کسی نے ان کو کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گراں ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ ان کو اگر گراں ہوتا ہے تو منع کردیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا، ان کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ جہاں کو جاتی تھی، راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گزری تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا ہی، مگر ان کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں، اس کے بعد انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا، کہنے لگیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا''۔ (حکایات صحابہ، ص:۱۲۱، کتب خانہ فیضی لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کو گذرگاہ نہ بنایا جائے، نہ مردوں کے لئے نہ عورتوں کے لئے (۱)۔ عورتوں کو تو نماز کے لئے بھی مسجد میں آنے سے روک دیا جائے (۲)۔ غیر مسلم عورتوں کا وہاں کیا کام ہے، وہ کیوں آئیں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔

مدرسہ کا راستہ مسجد میں سے

سوال [۷۳۸۴]: ایک مدرسہ مسجد سے ملحق ہے، اس کا راستہ مسجد کے اندر سے ہے یعنی مسجد ہی کے دروازے سے۔ تو یہ مدرسہ کا راستہ مسجد سے الگ ہونا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ مسجد سے ہی متعلق ہے اور اس کا دروازہ دوسری جانب نہیں کیا جا سکتا، تو مجبوراً مسجد میں آنے

---

(۱) "لایتخذ طریقاً فی المسجد بأن یکون له بابان، فیدخل من هذا ویخرج من ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

"رجل یمر فی المسجد ویتخذه طریقاً إن کان لغیر عذر، لایجوز". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۶۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الصلوة: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "عن یحیی بن سعید عن عمرة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو أدرک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ماأحدث النساء، لمنعهن المسجد کما مُنعت نساء بنی إسرائیل". (صحیح البخاری: ۱۲۰/۱، کتاب الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الصلوة، باب خروج النساء إلی المساجد: ۱۸۳/۱، قدیمی)

"ویکره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به، لفساد الزمان". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۶۶/۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام والمأموم: ۸۹/۱، رشیدیه)

جانے کی اجازت ہوگی، ایسی حالت میں مسجد میں مرور کی شامی نے گنجائش دی ہے(۱)، اگر دوسری جانب کو راستہ بن سکتا ہو تو دوسری جانب راستہ بنا دیا جائے، یہی احوط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل کرنا

سوال [۷۳۸۵]: مسجد میں ایسے چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو داخل کرنا حرام ہے جن کی نجاست کا گمان غالب ہو اور گمان غالب نہ ہو تو مکروہ ہے (آداب المساجد)۔ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچے صاف ستھرے رہیں تو مکروہ تحریمی نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "(واتخاذه طريقاً بغير عذر) وصرح في القنية بفسقه باعتياده". (الدرالمختار). "(قوله: بغير عذر) فلو بعذر، جاز". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/ ۶۵۶، سعيد)

"قوله: (وإن جعل شئ من الطريق مسجداً، صح كعكسه). ومعنى قوله: (كعكسه) أنه إذا جعل في المسجد سمراً، فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمرّ فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والنفساء، لما عرف في موضعه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۸، رشيديه)

(۲) "لأهل المحلة تحويل باب المسجد من موضع إلى موضع آخر". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/ ۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه: ۶/ ۲۳۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويحرم إدخال صبيان و مجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدرالمختار). "(فقوله: إلا فيكره): أي تنزيهاً، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب =

وضو کی نالی صحنِ مسجد کے نیچے سے گزرتی ہو تو اس کا حکم

سوال[۷۳۸۶]: مسجد کے برآمدہ کے متصل دائیں جانب وضو کرنے کی نالی ہے اور وہ نالی باہر کے مسجد کے صحن کے نیچے کو نکالی گئی اور باہر والی وضو کی نالی پر آکر مل جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وضو کا پانی مسجد کے صحن کے نیچے کو گزر جاتا ہے، اس کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ احترامِ مسجد کے خلاف ہے، آیا نماز میں بھی کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مسجد بناتے وقت نالی کی یہی صورت رکھی گئی ہے تو شرعاً درست ہے، اس سے نماز میں فرق نہیں آتا، لیکن اگر اس نالی کا رخ کسی دوسری طرف بدلا جاسکتا ہے تو وہ انسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا

سوال[۷۳۸۷]: بغیر اجازتِ متولی مسجد کے غسل خانہ میں محمد آفاق پاخانہ کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز، جب کہ یہ غسل خانہ صرف استنجا پاک کرنے کے لئے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل خانے میں پاخانہ کرنا منع ہے(۲)، متولی کو اس کی اجازت دینا بھی منع ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۴ھ۔

= فی أحکام المسجد: ۱/ ۲۵۶، ۲۵۷، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۴/ ۵۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "و یحرم فیه السؤال ویکره الإعطاء .... و الوضوء فیما أعد لذلک". (الدرالمختار). "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماءه مستقذر طبعاً، فیجب تنزیه المسجد عنه، کما یجب تنزیهه عن المخاط والبلغم، بدائع". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۰، سعید)

(۲) "عن الحسن عن عبدالله بن مغفل رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لایبولن أحدکم =

فرشِ مسجد پر وضو

سوال[۷۳۸۸]: مسجد کے فرش پر وضو کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے فرش پر جو کہ نماز کے لئے مقرر ہے وضو کرنا جائز نہیں ہے، اگر نالی وضو کے لئے موجود ہے تو وہاں وضو کریں، ورنہ فرشِ مسجد سے علیحدہ جا کر وضو کریں۔ غرض! وضو کا مستعمل پانی مسجد کے فرش پر ڈالنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= في مستحمه ثم يغتسل فيه". قال أحمد رحمه الله تعالىٰ: "ثم يتوضأ فيه" فإن عامة الوسواس منه".

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في البول في المستحم: ۱/۱۵، مكتبه إمداديه ملتان)

"عن عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى أن يبول الرجل في مستحمّه وقال: إن عامة الوسواس منه". (جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ماجاء في كراهية البول في المغتسل: ۱/۱۲، سعيد)

(وكذا في سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب كراهية البول في المستحم: ۱/۱۵، قديمي)

(۳) چونکہ غسل خانہ غسل کرنے کے لئے ہے اور بغیر غسل کے کسی اَور کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، جیسے وضو کے لئے بنائے گئے حوض سے پانی پینا درست نہیں: "وإذا جعل السقاية للشرب، فأراد أن يتوضأ منها......... وإذا وقف للوضوء، لايجوز الشرب منه، وكل ما أعد للشرب حتى الحياض، لايجوز منها التوضؤ، كذا في خزانة المفتين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۵/۸۶۵، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "الأولى تفسيرها بالطهارة ومقدماتها، ليدخل الاستنجاء والوضوء والغسل، لمشاركتها لهما في =

مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر وضو کرنا

سوال[۷۳۸۹]: محلہ کی مسجد کے صحن کی دیوار ماہی پشت تھی (۱)۔ جنوب کی دیوار کو محلہ کی انجمن کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب- جو کہ حافظ، قاری، عالم ہیں- اوپر کے حصے کو توڑ کر چوکور بنواتے ہیں اور اس دیوار پر بیٹھ کر وضو خود بناتے ہیں اور دیگر لوگ بھی وضو اس پر بیٹھ کر بناتے ہیں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فی نفسہ وضو وہاں درست ہے، جب کہ وضو کا پانی مسجد میں نہ گرتا ہو (۲)، لیکن ہیڈ مدرس صاحب کو

= الاحتياج وعدم الجواز في المسجد .... قال في البدائع: فإن كان (الغسل) بحيث يتلوّث (المسجد) بالماء المستعمل يمنع (المعتكف) منه ؛ لأن تنظيف المسجد واجب، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد، إلا أن يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولايصلى فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"ويحرم فيه السؤال .... ويكره الإعطاء .... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه كمايجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

(۱) "ماہی پشت: گنبدی، قبہ دار، محدب، وہ چیز جو آس پاس سے نیچی اور درمیان میں اونچی ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۹۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "ويحرم فيه السوال .... والوضوء فيما أعد لذلك". (الدرالمختار). (قوله: والوضوء)؛ لأن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيهه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (الدرالمختار، باب أحكام المساجد، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۶۶۰/۱، سعيد)

مسجد کی دیوار میں ازخود متولی اور مصلیوں سے مشورہ کئے بغیر اس تصرف کا حق نہیں تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۳ھ۔

مسجد کا پانی راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہونا چاہیے

سوال[۷۲۹۰]: ہمارا گاؤں تقریباً ۱۶، ۱۷/ سال سے آباد ہے، ہم نے شروع میں کچی مسجد بنالی تھی، اب پکی خوشنما مسجد بن گئی ہے۔ مسجد کی چہاردیواری کھڑے آدمی کے سر کے برابر ہے اور اندر تھوڑی زمین اس لئے رکھ لی ہے کہ گاؤں کی بڑھتی آبادی کے ساتھ ساتھ عمارت بھی بڑھتی رہے گی۔ اس زمین میں اس وقت ارنڈ وغیرہ کے پیڑ لگائے ہوئے ہیں (۱)۔ اندر ہی دوغسلخانے ہیں جن کا گندا پانی شروع ہی سے باہر جاتا تھا۔

اب ایک شخص نے غسل خانے کا پانی دیوار توڑ کر مسجد کی زمین میں ڈال دیا ہے جو مندرجہ بالا لکھی ہوئی ہے اور اس پانی کو مسجد کی زمین میں ڈالنے پر جولاگت آئی ہے، یہ روپیہ اس شخص نے مسجد کے خزانے سے نکالا ہے، کیونکہ وہ شخص خود متولی مسجد ہے۔ اس نے یہ پانی اس وجہ سے مسجد کی زمین پر ڈالا ہے کہ سڑک پر کیچڑ رہتا تھا۔ براہِ کرم اس بارے میں فتویٰ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے غسل خانوں کا پانی اس طرح پر نکالنا کہ وہاں کیچڑ ہو جائے اور چلنے والوں کو تکلیف ہو، نہیں چاہیے، اگر اندرونِ احاطہ پانی کی جگہ ہے جس کے ذریعہ راستہ محفوظ رہ سکے تو راستہ کو بچانا چاہیے، مسجد کے متولی صاحب نے ٹھیک کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) پیڑ: درخت، شجر، پودا، بوٹا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۹، فیروز سنز، لاهور)

"ارنڈ: ایک درخت جس کے بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے۔ ارنڈ خربوزہ: ایک خاص قسم کا پھل، پپیتا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "عن أبي بردة عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه قال: قالوا: يارسول الله! أيّ الإسلام أفضل؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، بابٌ: أيّ الإسلام أفضل: ۱/۶، قديمي)

بازار میں واقع مسجد میں لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ

سوال[۷۳۹۱]: ایک مسجد جو کہ بازار میں واقع ہے اور بازار کے لوگ مسجد کے نل سے پانی بھرتے ہیں۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز لوگ مسجد کے غسل خانوں میں آکر گندگی بھی کر جاتے ہیں، نیز دیہاتی عورتیں مسجد میں آکر بیٹھتی ہیں اور کھانا وغیرہ کھاتی ہیں جس سے مسجد میں چھپکلی اور دوسرے کیڑے مکوڑے آتے ہیں اور بھی بہت سی بے حرمتی ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ غسل خانہ میں لوگ بھنگ بھی پیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مسجد غیر اوقاتِ نماز میں بند کردی جائے یا بند نہ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ اوقاتِ نماز کے علاوہ مسجد کو بند کردینا بھی درست ہے(۱)، مگر مناسب نہیں کہ لوگوں کو پانی کی تکلیف ہوگی۔ جو کام مسجد میں غلط کئے جائیں ان سے روکنے کے لئے مسجد کے مؤذن کو تنبیہ کردے، یا اعلان لکھ کر لگادیا جائے، جب بار بار اُن کو منع کیا جائے گا تو توقع ہے کہ مان لیں گے۔ نیز اوقاتِ نماز میں جب وہ مسجد میں آئیں تو ان سے درخواست کی جائے کہ وہ نماز ادا کریں، محض بطورِ مسافر خانہ مسجد کو استعمال نہ کریں (۲)۔ اگر وہاں تبلیغی جماعت کا طریقہ اختیار کیا جائے تو انشاء اللہ زیادہ نفع کی امید ہے، اس سے مسجد کا احترام بھی قلوب میں پیدا ہوگا جس سے غلط کاموں سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "(و) كما كره (غلق باب المسجد) إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة مايكره فيها: ۱/۴۲۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة و مايكره فيها: ۱/۶۶۱، سعيد)

کیامتولی کے منع کرنے سے اس مسجد میں نماز نہیں ہوگی؟

سوال[۷۳۹۲]: اگرکسی مسجد میں اذنِ عام نہ ہواور مسجد کے متولی صاحب نمازیوں کودیکھ کر یہ کہیں کہ شہر کے اندر ۱۷/مسجدیں اَور ہیں، یہیں کوئی ضروری ہے۔تو کیااس بات کے کہنے سے اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی مسجد سے کسی نماز پڑھنے والے کونماز سے روکنے کا حق نہیں، جوشخص روکتا ہے وہ غلطی پر ہے(۱)، اس کے روکنے کی وجہ سے وہ مسجد اس کی ملکیت نہیں ہوجائے گی، بلکہ اس کا روکنا غلط ہوگا(۲)۔اورنماز اس مسجد میں درست رہے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

مسجد میں کسی کے لئے جگہ روکنا

سوال[۷۳۹۳]: مسجد یاعیدگاہ میں صفِ اول میں اُمراءاوررُؤساء کے لئے جگہ روکنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اُمراء یاکسی اَور کے لئے عیدگاہ یامسجد کی صفِ اول میں جگہ روکنے کا حق نہیں، جو پہلے آکر جہاں بیٹھ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "وأعجب من ذلک أنه إذا غضب علی شخص يمنعه من دخول المسجدخصوصاً بسبب أمر دنيوی، وهذا كله جهلٌ عظيمٌ، ولا يبعد أن يكون كبيرةً، فقد قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾، فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد مابنی إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في غمز عيون البصائر علی الأشباه والنظائر: ۳/۲۳، إدارة القرآن كراچی)

جائے وہ اسی کی جگہ ہوگی، اس کو وہاں سے اٹھانے کا بھی حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا

سوال [۷۳۹۴]: مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں، ان میں فرش یا کچھ اور چیز لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیرِ مسجد کو اس سے نقصان نہ پہونچے (دیوار کمزور نہ ہو جائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا مطالعہ کے لئے وہاں رکھنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۴ھ۔

صحنِ مسجد میں نماز

سوال [۷۳۹۵]: صحنِ مسجد کو اگر حکم مسجد میں داخل نہ مانا جائے تو کیا اس میں فرائض، تراویح نماز

---

(۱) "و یکره تخصیص مکان فی المسجد لنفسه؛ لأنه یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشیدیه)

"وتخصیص مکان لنفسه، و لیس له إزعاج غیره منه". (الدرالمختار). "(قوله: و تخصیص مکان لنفسه)؛ لأنه یخل بالخشوع، کذا فی القنیة: أی لأنه إذا اعتاده، ثم صلی فی غیره، یبقی باله مشغولاً بالأول .... قال فی القنیة: له فی المسجد موضع معین یواظب علیه، و قد شغله غیره، قال الأوزاعی: له أن یزعجه، و لیس له ذلک عندنا، اهـ: أی لأن المسجد لیس ملکاً لأحد". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "ودل تعلیلهم أن المبیع لو کان لایشغل البقعة، لایکره إحضاره، کدراهم ودنانیر یسیرة أو کتاب ونحوه". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۱، رشیدیه)

"لأن إباحته فی المسجد للضرورة، فلا یجاوز مواضعها". (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۳۹۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

باجماعت ادا کی جائے گی، نیز یہاں ادا کرنے میں ثواب میں تو کمی نہ ہوگی اور افضلیت کس میں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی صورت میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا(۱) اور مسجد کو معطل کرنے کا وبال مستقل ہوگا(۲)، جماعت کا ادا کرنا مسجد میں بالیقین افضل ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحنِ مسجد کا احترام

سوال[۷۳۹۶]: مسجد کے صحن کا کچھ حصہ جو حدودِ مسجد میں ہے بغیر مرمت و پلاستر وغیرہ کے ہے، اس جگہ اینٹ روڑا وغیرہ پڑا ہوا ہے، ناہموار ہونے کی وجہ سے یہاں باقاعدہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ کیا اس کا احترام صحنِ مسجد کی طرح ضروری ہے، یہاں جوتا وغیرہ لے جانا، غسل وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "ولو اتخذ في بيته موضعاً للصلوة، فليس له حكم المسجد اصلاً". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۶۴/۲، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاةً". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب ما جاء في صلاة في المسجد الجامع، ص: ۱۰۲، قديمي)

"لأن الصلوة في الجماعة تفضل صلوة الفذ بخمس و عشرين، أو سبع وعشرين درجةً". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد: ۶۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلوة الجميع تزيد على صلوته في بيته وصلوته في سوقه خمساً وعشرين درجةً". (صحيح البخاري: ۲۹/۱، كتاب الصلوة، باب الصلوة في مسجد السوق، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ زمین کو مسجد قرار دیدیا گیا ہے وہ مرمت نہ ہونے کے باوجود قابلِ احترام ہے، اس میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو آدابِ مسجد کے خلاف ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

مسجد کا پھول توڑنا

سوال[۷۳۹۷]: مسجد میں اگر خوشبودار پھول کا پیڑ لگادیا جائے (۲) تو اس کا پھول توڑنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پھول کا درخت مسجد میں لگایا ہے تاکہ نمازیوں کو اس سے راحت پہنچے تو اس کا پھول توڑ کر باہر نہ لے جائیں، وہیں لگا رہنے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۷ھ۔

مسجد میں پھول کے گملے

سوال[۷۳۹۸]: مسجد میں خوشبو کیلئے پھول وغیرہ لگانا کیسا ہے؟

مولانا محمد مصطفیٰ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد : ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى احكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبى الكبير، فصل فى أحكام المسجد : ۶۱۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) "پیڑ: درخت، شجر، پودا، بوٹا"۔(فيروز اللغات، ص: ۳۲۹، فيروز سنز، لاهور)

(۳) (راجع، ص: ۲۲۶، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر احاطۂ مسجد میں کوئی کیاری ہوتو وہاں پھول لگانا، یا گملے میں رکھنا خوشبو کے لئے درست ہے(۱)، مگر جوجگہ نماز کے لئے متعین ہے اس کو پھول کے پودوں سے مشغول نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں درخت لگانا

سوال[۷۴۹۹]: درخت بوہڑیعنی: بڑ، یا پیپل (جس کی ہنود پوجا اور تعظیم کرتے ہیں، ان کی

---

(۱) "ولو غرس في المسجد يكون للمسجد؛ لأنه لا يغرس لنفسه في المسجد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۴، رشيديه)

"و(يكره) غرس الأشجار إلا لنفع كتقليل نز، وتكون للمسجد". (الدرالمختار). "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

"وإذا غرس شجراً في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/۸۷۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في احكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المشغول: ۶/۲۵۸، رشيديه)

شاخیں اور پتے کسی کو توڑنے نہیں دیتے) احاطۂ مسجد یعنی فنائے مسجد میں لگانا، یا درخت بڑخراب شدہ کے اردگرد کچھ زمین بشکل چبوترہ گول چھوڑ کر پانچ یا چھ فٹ گہری کھال کھود کر بوہڑ خراب شدہ کی آب پاشی کرنا تاکہ اس کی شاخیں تروتازہ ہوکر بڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مصلی فنائے مسجد میں کھڑا ہوکر اقتداء بھی نہیں کرسکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں اگر مسجد کو یا نمازیوں کو کوئی منفعت ہوتو درست ہے، اگر کوئی منفعت نہ ہو یا کفار کے ساتھ تشبہ ہوتو ناجائز ہے، هكذا يستفاد مما في ردالمحتار: ۱/۶۶۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں تعزیہ رکھنا

سوال [۷۴۰۰]: ۱...... مسجد میں تعزیہ بنانا، یا رکھنا، نماز اور جماعت کے وقت کھٹ کھٹ اور شور وغل کرنا اور مسجد کی بجلی وغیرہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد، لابأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نز، والأسطوانات لاتستقر بدونها، وبدون هذا لايجوز. وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله ولايضيّق على الناس ولايفرق الصفوف، لا بأس به. وإن كان لنفع لنفسه بورقه أو ثمره، أو يفرق الصفوف، أو كان في موضع تقع به المشابهة بين المسجد والبيعة، يكره". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

"ويكره غرس الأشجار في المسجد؛ لأنه يشبه البيعة، إلا أن يكون به نفع للمسجد كأن يكون ذانز، أو أسطوانية لا تستقر، فيغرس ليجذب عروق الأشجار ذلك النزّ، فحينئذ يجوز، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصلاة، السادس والعشرون في حكم المسجد: ۶/۸۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل: و يكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

۲......مسجد کے چبوترہ پر رکھنا اور ڈھول وتاشہ بجانے والوں کے لئے اور مسجد کے پاس نماز، بلکہ جماعت کے وقت شوروغل مچانے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

۳......مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا، مسجد کی مٹکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً بیاہ، شادی یا غمی میں دینا یا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ناجائز ہے(۱)۔

۲......یہ لوگ گناہ گار ہیں، ان کو توبہ ضروری ہے(۲)۔

۳......ناجائز ہے(۳)، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وما كان صلاتهم عند البيت إلا مكاءً و تصديةً﴾. (سورة الأنفال: ۳۵)

قال العلامة الآلوسي: "يروى أنهم كانوا إذا أراد النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أن يصلي يخلطون عليه بالصفير والتصفيق، ويرون أنهم يصلون أيضاً". (روح المعاني: ۲۰۳/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العموم في كل مانع، و في كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه". (روح المعاني: ۳۶۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "ولا تجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۴/۴، إدارة القرآن كراچی)

"فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد) .

(۴) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن =

مسجد میں کلنڈر اور اشتہارِ کتب لٹکانا

سوال[۷۴۰۱]: مسجد میں کلنڈر یا کتابوں کے فروخت کرنے کا اشتہار یا مدرسہ کے جلسہ کے اشتہارات لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہ کریں، جدارِ قبلہ میں نقش ونگار کو بھی ردالمحتار میں مکروہ قرار دیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۷ھ۔

مسجد میں آئینہ اور پنجتن کا طغرہ لٹکانا مکروہ ہے

سوال[۷۴۰۲]: ۱......مسجد کے سامنے دیوار پر آئینہ لٹکانا کیسا ہے؟

۲......پنجتن پاک کا طغرہ دیوار پر لٹکانا (گھروں میں یا مسجدوں میں) کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسجد کی سامنے والی دیوار میں کوئی بھی ایسا کام (آئینہ، طغرہ، نقش ونگار) جس سے مصلی کی توجہ اس طرف ہو، مکروہ ہے(۲)۔

= معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۱) "(ولابأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة". (الدرالمختار). "وكره بعض مشايخنا النقش على المحراب وحائط القبلة؛ لأنه يشغل قلب المصلي". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي، كما في فتح القدير وغيره". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال =

۲......اگر اس کے ذریعہ آرائش وزینت مقصود ہے تو مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= القبلة: ۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۴۲۱/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لاباس" دليل على أن المستحب غيره: ۶۵۸/۱، سعيد)

(۱) "(ولا نقشه بالجص وماء الذهب): أي ولا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ: "لابأس به". وقيل: يكره للحديث: "إن من أشراط الساعة تزيين المساجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۴/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۱۹/۵، رشيديه).

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب كلمة "لابأس"، دليل على أن المستحب غيره" الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

الفصل الثانی فی النیام و القیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

مسجد میں سونا

سوال[۷۴۰۳]: مسجد میں سونا عوام کو یا خواص کو، چار پائی پر یا بغیر چار پائی کے، بوڑھا ہو یا جوان درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب مع تشریح لکھا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معتکف کو اور ایسے مسافر کو جس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو درست ہے، چار پائی پر ہو یا بلا چار پائی کے، جوان ہو یا بوڑھا ہو، اَوروں کو احتیاط چاہئے کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے:

"ویکره النوم والأکل فیه: أی المسجد لغیر المعتکف، وإذا أراد أن یفعل ذلك، ینبغی أن ینوی الاعتکاف، فیدخل فیه و یذکر الله تعالیٰ بقدر ما نویٰ. ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح فی المذهب، و الأحسن أن یتورع، فلا ینام، اهـ". عالمگیری: ۳۲۱/۵(۱)۔

بعض صحابہ سے بعض اوقات مسجد میں سونا ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

"والنوم فیه لغیر المعتکف مکروه، و قیل: لا بأس للغریب ان ینام فیه، والأولیٰ أن ینوی الاعتکاف، لیخرج من الخلاف". (الحلبی الکبیر، ص: ۶۱۲، فصل فی أحکام المسجد، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۶۶۱/۱، سعید)

تعالیٰ عنہما کے متعلق منقول ہے:

"إنه كان ينام –و هو شابٌ أعزب لا أهل له– في مسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(۱)۔

ہمارے علماء نے اس کو ضرورت پر محمول کیا ہے، كذا في فيض البارى (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد میں سونا

سوال [۷۴۰۴]: ایک شخص ایسا ہے جس کے مکان بھی ہے اور اہل وعیال بھی ہیں، وہ ہمیشہ بجائے گھر کے مسجد میں سوتا ہے، مسجد کو گویا اس نے اپنا مکان سمجھ رکھا ہے، حالانکہ وہ اپنا سامان نہیں رکھتا علاوہ بستر کے۔ تو کیسا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

محمد عباس سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہئے، یہ مکروہ اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۳)، لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو اور اس کی جماعت ترک ہوتی، یا نماز قضا ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز باجماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے، یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے، یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی تو اس کے لئے اجازت بھی ہے، بعض صحابہ بھی دینی

(۱) (صحيح البخاري: ۱/۶۳، باب نوم الرجال في المسجد، قديمي)

(۲) "قلت: ولا تمسك فيه؛ لأن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان أحوج الناس وأفقر من الغرباء، لم يكن له بيت ولا شئ، فإذا جاز للغريب أن ينام في المسجد فكيف به". (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۴۹/۲، خضر راه بك ڈپو ديوبند)

(۳) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

ضرورت کے لئے مسجد میں سوتے تھے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

مسجد میں سونا

سوال[۷۴۰۵]: مسجد میں امام ہو یا محلّہ کا کوئی شخص ہو، چار پائی بچھا کر روزمرہ سونا کیسا ہے؟ حالانکہ حجرہ اور سونے کی جگہ موجود ہے۔

محمد عمر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوسری جگہ موجود ہے تو پھر مسجد میں سونا اور وہ بھی روزمرہ سونا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہئے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۷/۵۷ھ۔

مسجد میں سونا، آرام کرنا اور اعتکاف کرنا

سوال[۷۴۰۶]: ۱...... مسجد میں داخلہ کے وقت اعتکاف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... مسجد میں بستی کا کوئی شخص یا مسافر آرام کرسکتا ہے یا نہیں، یا جماعتیں اکثر آیا کرتی ہیں، یہ آرام کرسکتی ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "عن عبید اللہ قال: حدثني نافع قال: أخبرني عبد اللہ بن عمر رضي اللہ تعالیٰ عنهما أنه كان ينام -وهو شاب أعزب لا أهل له- في مسجد النبي صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم " (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد: ۱/۶۳، قديمي)

"قلت: و لا تمسك فيه؛ لأن ابن عمر رضي اللہ تعالیٰ عنهما كان أحوج الناس و أفقر من الغ[ر]باء لم يكن له بيت و لا شيء، فإذا جاز للغريب أن ينام في المسجد، فكيف به". (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۲/۴۹، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۲) (راجع ،ص :۲۳۴، رقم الحاشية : ۱)

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد نماز کی جگہ ہے، سونے اور آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے جو مسافر پردیسی ہو، یا کوئی معتکف ہو، اس کے لئے گنجائش ہے (۱)۔ جماعتیں عموماً پردیسی ہوتی ہیں، یا پھر مسجد میں رات کو رہ کر تسبیح ونوافل میں بیشتر مشغول رہتی ہیں، کچھ دیر آرام بھی کرلیتی ہیں، اس طرح اگر ان کے ساتھ مقامی آدمی بھی شب گزاری کریں تو نیتِ اعتکاف کرلیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۴ھ۔

امام کا مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنا

سوال[۷۴۰۷]: جس مسجد میں امام کے رہنے کے لئے کمرہ نہ ہو تو وہاں امام سردی، گرمی، برسات میں چارپائی بچھا کر مسجد میں لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے احترام کے خلاف اور دوسروں کے لئے موجبِ توحش ہے (۳)، آج کل مسجد میں چارپائی بچھانے کو مسجد کی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے، ایسے مسائل میں عرف کا لحاظ چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف ليخرج من الخلاف". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الصلوة، باب نوم الرجال في المسجد: ۲/۴۹، خضر راه بک ڈپو ديوبند)

(۲) "(قوله: وأكل و نوم) وإذا أراد ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه، ويذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۳) "توحش: وحشت، نفرت، وحشت ہونا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۸۹، فيروز سنز لاهور)

(۴) "والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قديدار". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۷۴، دارالكتاب) =

مسجد میں چارپائی پر آرام کرنا

سوال[۷۴۰۸]: ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا ناجائز ہے، چاہے مسافر ہو چاہے معتکف ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اعتکاف میں سریر کا مسجد میں ہونا اور اس پر آرام فرمانا احادیث میں صاف صاف مذکور ہے، اس لئے اس کو ناجائز کہنا غلط ہے(۱)۔ البتہ آج کل عرفاً اس چیز سے عوام میں توحش پیدا ہوتا ہے اس بناء پر احتیاط کی جائے تو مناسب ہے(۲)، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سریر پر وہاں آرام فرمانا تعبداً وتاکیداً للأمۃ نہیں تھا، بلکہ مصلحۃً (آرام کے لئے) تھا(۳)، پس اس سے

=(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في الشرط الفاسد إذا ذكر بعد العقد أو قبله: ۸۸/۵، سعيد)

"ادب کا مدار عرف پر ہے، اس لئے اختلافِ ازمنہ سے وہ مختلف ہوسکتا ہے، حضرات صحابہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے اور اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے"۔ (تحفۃ العلماء، بحوالہ انفاس عیسیٰ: ۱۲۳/۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

(۱) "عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الصيام، باب في المعتكف يلزم مكاناً في المسجد، ص: ۱۲۷، قديمي)

(وإعلاء السنن، كتاب الصوم، باب جواز طرح الفراش في المسجد للمعتكف: ۱۵۹/۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) راجع، ص: ۲۳۴، رقم الحاشية: ۴)

(۳) فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ:

"جائز است چہ برائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در مسجد سریرے نہادہ شدے وبرآں در ایام اعتکاف آرام می فرمودند کما فی سفر السعادۃ و ابن از ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما روایت کردہ: "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

احتیاط میں نہ ترکِ تعبد ہے نہ ترکِ سنت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں قیام وغیرہ

سوال[۷۴۰۹]: مسجد میں کپڑے، دھان وغیرہ سوکھانا، رات میں آرام کے طور پر استعمال کرکے اس کو اور جائے نماز کو پیشاب سے ناپاک کرنا کیسا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دھان (۱) وغیرہ سوکھانے کے لئے خود مدرسہ موجود ہے، مسجد میں یہ کام نہ کریں (۲)، ایسے بچوں کو نہ

=كان إذا اعتكف، طرح له فراشه أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة" والله أعلم". (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۱۵)

بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مسافر و معتکف کے لئے مسجد میں سونا مکروہ ہے، بحالت ضرورت شدیدہ یہ تدبیر اختیار کرسکتا ہے کہ پہلے بنیت اعتکاف داخل ہوکر کچھ عبادت کرے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وأكل ونوم إلا معتكف وغريب الخ". وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وأكل ونوم) وإذا أراد ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل ويذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى، ويصلي، ثم يفعل ماشاء فتاوىٰ هنديه. (ردالمحتار: ۱/ ۶۱۹)

''دراصل ادب یا بےادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائے گی، وہ چارپائی پر قیاس کرکے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کردیں گے، لہٰذا اب معتکف کے لئے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں، جیسے پہلے پاک جوتا پہن کر مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا، مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بےادبی سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی پاک جوتا پہن کر مسجد میں آجائے تو عوام اس پر ہنگامہ برپا کردیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب الوقف، باب المساجد، عنوان مسئلہ: مسجد میں چارپائی بچھانا: ۶/ ۴۵۲، ۴۵۳، سعید)

(۱) ''دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۱، فیروز سنز لاھور)

(۲) "(قوله: والوضوء)؛ لأن ماء ه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد منه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، =

لیٹنے اور بیٹھنے دیں جو پیشاب کر کے مسجد اور جائے نماز کو ناپاک کر دیں، ان کے لئے مسجد کے خارج میں انتظام کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا

سوال[۷۴۱۰]: مسجد میں کون لوگ قیام کر سکتے ہیں؟ اس طرح مسجد کے اندر رات بھر پنکھا چلا کر بجلی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح مسجد کے اندر بجلی اور پنکھے رات کو کون سے حصہ تک چلانا، استعمال کرنا مسئلہ سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص معتکف ہو، یا مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانہ نہ ہو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے (۲)۔

= باب مایفسد الصلوة ومایکره بها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/۶۶۰، سعید)

"فإن كان بحيث يتلوث المسجد، يمنع منه؛ لأن تنظيف المسجد واجب". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

"لأن تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم .... واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات باب مايكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(۲) "ويكره النوم والأكل فيه: أي المسجد لغير المعتكف، وإذا أراد أن يفعل ذلك، ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل فيه و يذكر الله تعالىٰ بقدر ما نوىٰ أو يصلي، ثم يفعل ما شاء. ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح في المذهب، و الأحسن ان يتورع فلاينام، كذا في خزانة الفتاوى".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

اور جو شخص نماز تہجد و فجر کے اہتمام کی خاطر مسجد میں رہے اس کے لئے بھی اجازت ہے، لیکن اپنے لئے مسجد کو آرام گاہ نہ بنایا جائے۔ مسجد کا پنکھا اور مسجد کی روشنی اصالۃً نماز کے لئے ہے، جب تک نمازی عامۃً نماز پڑھتے ہیں اس وقت تک استعمال کریں، اگر علاوہ نماز کے دیگر مقاصد کے لئے استعمال کریں تو اس کے معاوضہ میں مسجد کی خدمت بھی کر دیا کریں، فتاوی عالمگیری میں چراغِ مسجد کے متعلق مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت سے قیام کرنا

سوال[۷۴۱۱]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيديه)

(۲) "وهو ثلاثة أقسام: واجب بالنذر، وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان، ومستحب في غيره من الأزمنة، هو بمعنى غير المؤكدة" (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۱/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۱/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲۲۴/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

کیا بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟

سوال[۷۴۱۲]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز تھا یا نہیں، اگر جائز تھا تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی یا سب کے واسطے برابر حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان کا دروازہ مسجد میں تھا(۱)، لہذا بحالتِ جنابت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرور کی اجازت تھی، ہر ایک کو ہر مسجد میں بحالتِ جنابت داخل ہونا اس وقت بھی جائز نہ تھا اور اب بھی کسی کے لئے جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: "كان رسول الله ﷺ إذا اعتكف، أدني إلیّ رأسه وهو في المسجد، فأرجله، وكان لايدخل البيت إلا لحاجة الإنسان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، الفصل الأول، ص: ۱۸۳، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي ﷺ قالت: كان النبي ﷺ يصغي إلیّ رأسه وهو مجاور في المسجد، فأرجله وأنا حائض". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الحائض ترجل المعتكف: ۱/۲۷۱، قديمي)

"قال ابن الملك رحمه الله تعالیٰ: أي أخرج رأسه من المسجد إلى حجرتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب الإعتكاف، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۱۰۰): ۴/۲۰۲، رشيديه)

(۲) "قال حدثتني جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضي الله تعالیٰ عنها تقول: جاء رسول الله=

حالتِ حیض وجنابت میں اور بغیر استنجا کیے مسجد میں آنا

سوال[۷۴۱۳]: مسجد کے باہر پیشاب خانہ ہے، کوئی اس میں پاخانہ کردے اور کچے ڈھیلے سے صاف کرکے بغیر آبدست (۱) لئے ہوئے اندرون مسجد آسکتا ہے یا نہیں بغرض پانی لینے کے، یا بغیر آبدست لئے قطعی نہ آنا چاہئے، اسی طرح جنبی، حائضہ کا مسجد میں آنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنب، حائضہ کا فرشِ مسجد، اندرونِ مسجد داخل ہونا جائز نہیں (۲) اور بغیر آبدست لئے ڈھیلے سے

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ووجوه بيوت أصحابه شارعة في المسجد، فقال: "وجهوا هذه البيوت عن المسجد". ثم دخل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يصنع القوم شيئاً رجاء أن تنزل فيهم رخصة، فخرج إليهم، فقال: "وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب".

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد: ۱/۳۲، إمداديه ملتان)

"وقد علم أن دخوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المسجد جنباً، و مكثه فيه من خواصه".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۱۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۹، رشيديه)

(۱) "آبدست: استنجاء، طہارت، پاکیزگی جو پانی سے کی جائے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۳، فيروز سنز لاهور)

(۲) "ولا تدخل المسجد، وكذا الجنب لقوله عليه السلام: "فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب".

(الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۱/۶۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما و على الجنب الدخول في المسجد، سواء كان للجلوس أو للعبور، هكذا في منية المصلي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

"قوله: (ودخول مسجد): أي يمنع دخول المسجد، وكذا الجنابة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه)

"ويحرم الحدثُ الأكبرُ دخولَ مسجد .... و لو للعبور، إلا لضرورة". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱/۱۷۱، سعيد)

صاف کرنے کے بعد آنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجدِ بیت میں حائضہ کا داخل ہونا

سوال[۷۴۱۴]: جیسا کہ لکھا ہے کہ گھر کی مسجد بالکل مسجد کے حکم میں نہ ہوگی، تو کیا گھر کی مذکورہ مسجد میں حیض ونفاس والی عورتیں اور ناپاک مرد وعورت داخل ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داخل ہو سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد، بل و لا فیہ؛ لأنہ لیس بمسجد شرعاً". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استبال القبلة، الخ ۲/۲۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الھدایة، کتاب الصلوة، فصل: و یکرہ استقبال القبلة، الخ: ۱/۱۴۴، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

الفصل الرابع فی دخول الکافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

سوال[۷۴۱۵]: اگر غیر مسلم مرد یا عورت مسجد میں داخل ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ ناپاک ہیں یا پاک ہیں، تو داخلہ جائز ہے یا نہیں اور اہلِ مسجد پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو اور دوسری بھی کوئی چیز مضرت ومفسدہ نہ ہو تو اجازت ہے(۱)، اہلِ مسجد پر گناہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں کا مسجد کے حوض سے ہاتھ پیر دھونا

سوال[۷۴۱۶]: حوض کے پانی سے غیر قوم کو ہاتھ پیر دھونے کا حق ہے یا نہیں؟

---

(۱) "و لا بأس أن یدخل الکافر و أهل الذمة المسجد الحرام و بیت المقدس و سائر المساجد لمصالح المسجد و غیرها من المهمات". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۰/۵، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً: ۴۷۸/۴، سعید)

(و کذا فی أحکام القرآن للجصاص، (سورة التوبة: ۲۸): ۱۳۱/۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

مشرک کومسجد میں آنے سے روکنا

سوال[۷۴۱۷]: ایک مشرک ہماری مسجد میں آیا کرتا ہےاور کبھی کبھی نماز میں بھی شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک دن خواب میں دیکھا کوئی اذان دے رہا ہے۔ کیا ایسے شخص کو مسجد میں آنے اور نماز میں شریک ہونے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم بزرگ کا پتہ اس کو بتلا دیا جائے، یا وہاں پہونچا دیا جائے تا کہ بات پوری طرح سمجھ لے، اس کو اسلام کی اصل خوبی نظر آجائے اور جب تک اس کا موقع نہ آئے مسجد میں آنے سے اس کو نہ روکیں (۲)۔ اللہ پاک سے دعاء کرتے رہیں کہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کو نفسِ اسلام

---

(۱) "وإذا جعل السقاية للشرب، فأراد أن يتوضأ منها، اختلف المشايخ فيه. وإذا وقف للوضوء، لا يجوز الشرب منه. وكل ما أعدّ للشرب حتى الحياض، لا يجوز منها التوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، و هو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، و له أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع فى كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف، كنص الشارع: أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة، اهـ". (الدرالمختار كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وقال أصحابنا: يجوز للذمى دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، [سورة البرأة] مطلب فى حجية الإجماع: ۳/۱۳۱، قديمى) .... =

سے نفرت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "و لا بأس أن يدخل الكافر و أهل الذمة المسجد الحرام و بيت المقدس و سائر المساجد لمصالح المسجد و غيرها من المهمات". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشیدیه)

الفصل الخامس فی إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مسجد میں بدبودار رنگ کرنا

سوال[۷۴۱۸]: مسجد میں ایسا رنگ روغن کرنا جس میں تارپین اور دیگر اقسام کے اجزائے روغنی ڈال کر جس میں بدبو ہو، رنگ پکا کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بدبو کافی دنوں تک رہتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے، ایسے رنگ مسجد میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مکروہ تحریمی ہے، مسجد کو ہر بدبودار چیز سے محفوظ رکھنا چاہئے، حتی کہ کچی پیاز ولہسن کھا کر بغیر منہ صاف کئے بدبودار منہ لے کر مسجد میں آنے کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے(۱)، فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مٹی کا تیل مسجد میں لے جانا

سوال[۷۴۱۹]: اگر کوئی رات کو کلام مجید کی تلاوت کرنا چاہے اور کڑوا تیل نہ ہو تو مٹی کے تیل کی

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(۲) "ويكره أكل نحو ثوم، ويمنع منه، وكذا كل مؤذ ولو بلسانه". (الدرالمختار). "(وأكل نحو ثوم): أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

بتی جلا کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱) مگر بدبودار تیل وغیرہ مسجد میں لے جانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۵۱ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۷۴۲۰]: مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

بشارت علی۔

---

(۱) مسجد میں بدبودار تیل جلانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس چیز سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے جس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، حضرت علامہ مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے اور ہر بدبودار شیٔ کا مسجد میں داخل کرنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ''جو کوئی پیاز لہسن خام کھاوے مسجد میں داخل نہ ہوئے'' اور علی ھذا کپڑے اور بدن کی بدبو کے ساتھ مسجد میں آنے کو منع فرمایا کہ ''ملائکہ اذیت پاتے ہیں اس چیز سے جس سے انسان اذیت پاتے ہیں'': لہٰذا اس تیل کے جلانے میں بھی چونکہ جن وانس وملائکہ کو اذیت ہے تو اس کا جلانا حرام ہوتا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم''۔

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ: ''اس تیل کا جلانا البتہ مساجد میں مکروہ ہے''۔

(تالیفات رشیدیہ، کتاب الوقف، باب مساجد کے احکام کا بیان، عنوان مسئلہ: مساجد میں مٹی کا تیل جلانا، ص: ۴۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

"من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". "(قوله: المنتنة): أي الثوم ويقاس عليه البصل والفجل وماله رائحه كريهة كالكرات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، (رقم الحديث: ۷۰۷): ۲/۲۱۲، حقانيه)

(۲) "قال: حدثنا عبد الوارث عن عبد العزيز قال: قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربنّ مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم والبقول، الخ: ۲/۸۲۰، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة، ص: ۶۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مٹی کے تیل میں بدبو ہوتی ہے جس سے مسجد میں آنے والے ملائکہ اور نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے، اس لئے اس کو مسجد میں جلانا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۸/۵۶ھ۔

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۷۴۲۱]: ۱...... یہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت خستہ ہے، وہ مسجد میں میٹھا تیل نہیں جلا سکتے، اس لئے مٹی کا تیل مسجد میں جلا سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... خارجِ مسجد جہاں پر وضو وغیرہ کرتے ہیں اس جگہ مٹی کا تیل جلا سکتے ہیں یا نہیں، خواہ اس کی روشنی صحنِ مسجد میں بھی آتی رہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ بدبو سے ملائکہ کو بہت اذیت ہوتی ہے اور انسانوں کو بھی، اس لئے بدبودار چیز مسجد میں لانا منع ہے(۲)۔ اگر مٹی کا تیل مسجد سے باہر رکھا جائے اس طرح کہ بدبو مسجد میں نہ آئے تو درست ہے۔ اس کی روشنی کا مسجد میں آنا منع نہیں ہے، بلکہ بدبو کا آنا منع ہے، چاہے وضو کی جگہ رکھیں چاہے بیرونی دروازہ کی دیوار

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ٦٨، قديمي)

"قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء لرواية: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذّ. ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ٦٦١، سعيد)

(۲) (راجع حاشية المتقدمة آنفاً)

وغیرہ پر، جہاں مناسب سمجھیں رکھ کر جلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مٹی کا یا شراب سے کھینچا ہوا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۷۴۲۲]: یہاں پر تمام مسجدوں میں گیس کے ہنڈے جلتے ہیں، سنا گیا ہے کہ ان میں تیل جو جلتا ہے، مثلاً شراب سے کھنچتا ہے۔ تو اس کو مسجد میں جلانا کوئی شرع کے لحاظ سے ممانعت تو نہیں ہے؟ اگر منع ہے تو تحریر سے اطلاع دیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس تیل میں شراب کے اجزاء ہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہے(۱)۔ اور اگر شراب کے اجزاء نہیں، بلکہ صرف مٹی کا تیل ہے تو اس کو مسجد میں جلانا منع ہے(۲)۔ ہاں! اگر کوئی اور تیل ہے جس میں بدبو نہیں، یا مٹی ہی کے تیل کو کسی طرح ایسا صاف کرلیا ہے کہ بدبو نہیں رہی تو مسجد میں جلانا بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان/۵۵ھ۔

---

(۱) "وأشار المصنف إلى أنه لا يجوز إدخال النجاسة المسجد، وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاواه أن قولهم: إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيدٌ بغير المساجد، فإنه لا يجوز الاستصباح به في المسجد، لما ذكرنا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

قال الشيخ المفتي رشيد أحمد رحمه الله تعالىٰ: "حدیث میں ہے کہ کچی پیاز یا لہسن کھانے والا مسجد کے قریب نہ آئے اور مٹی کے تیل کی بو ان چیزوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے، لہٰذا اسے مسجد میں جلانا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ، باب المساجد، مسجد میں لالٹین جلانا: ۶/۴۵۱، سعید)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، أحكام المساجد: ۲/۶۹۸، دار العلوم كراچی)

(۳) کسی بدبودار چیز کو مسجد میں لانے کی ممانعت کی علت "تأذی ملائکہ" ہے اور جب کہ مذکورہ صورت میں مذکورہ اشیاء میں بدبو نہیں =

معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا اور حقہ پینا

سوال[۷۴۲۳]: مسجد کے اندر تعمیر کے دوران معماروں کو حقہ پینا اور گھٹنے کھلے رکھنا کیسا ہے، متولی پر ان کو روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھٹنے کھلے رکھنا کسی کے سامنے خارج مسجد بھی منع ہے چہ جائیکہ مسجد میں (۱)، متولی کو چاہئے کہ ایسے معماروں اور مزدوروں کو ہدایت کرے کہ ایسا نہ کریں۔ مسجد میں حقہ پینے سے بھی ان کو روکا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۷ھ۔

صحنِ مسجد میں سگریٹ پینا

سوال[۷۴۲۴]: صحنِ مسجد میں اور مجلسِ قرآن خوانی میں، یا جلسۂ امام المسلمین میں بیڑی

= پائی جاتی لہٰذا اذی بھی نہیں، اس وجہ سے ان اشیاء کا مسجد میں لانا اور استعمال کرنا درست ہے:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح فى النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العينى فى شرحه على صحيح البخارى: قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجده عليه الصلوة والسلام، بل الكل سواء، لرواية مساجدنا بالجمع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فى الغرس فى المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

(۱) "وستر عورة، ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح". (الدرالمختار). "(قوله: وجوبه عام): أى فى الصلاة وخارجها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، مطلب فى ستر العورة: ۴۰۴/۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث فى شروط الصلاة: ۵۸/۱، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، شرائط الصلاة، ص: ۲۱۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشية: ۲)

وسگریٹ کا استعمال کرنا شرعاً کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں بعض علماء جواز کے قائل ہیں اور علامہ شامی کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔اور حضرت مولانا عبدالحیٔ کے فتاویٰ میں جواز منقول ہے، اس کو سن قلیل پر حمل کرتے ہیں یعنی مولانا عبدالحیٔ صاحب علامہ شامی کے اعتبار سے کم عمر ہیں اور کم عمری میں انتقال ہوگیا ہے۔اس مسئلہ کی بابت ہمارے یہاں بہت سخت اختلاف ہورہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر دو اختلاف کرنے والوں کے دلائل وعبارات معہ حوالۂ کتاب وجلد واضح نقل کریں، پھر راجح مرجوح اور قوی وضعیف کے متعلق کچھ لکھا جائے گا، جس سے اختلاف کے ختم یا نرم ہونے کی صورت پیدا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں جانا

سوال[۷۴۲۵]: بعض آدمی بعض خاص بیماری کی وجہ سے اپنے صحیح سالم پیر کو زخم کرکے اس میں دوا لگا کر چڑھا دیتے ہیں اور اس میں سے ہر دم ایک قسم کا لہو اور پیپ نکلتا رہتا ہے، اس زخم پر ایک گول دیتے ہیں تاکہ پیپ وغیرہ باہر نہ نکلے اور اس کو کپڑے سے بند کردیتے ہیں، اس طرح سال دوسال تک رکھتے ہیں۔تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس سے جس بیماری کے لئے کیا جاتا ہے اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور بدن میں طاقت وقوت آجاتی ہے۔بڑے حکیم وڈاکٹروں سے یہ ثابت ہے۔

دوسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ اس کے زخم سے ہر وقت بدبو آتی ہے۔مسجد وغیرہ میں اس کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ عرفاً اس کو گول دینے والا کہتے ہیں اور اس فعل کو گول کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اور دوسروں کو اذیت پہونچتی ہو مسجد میں جانا منع ہے:

"وأكل نحو ثوم يمنع منه، وكذا كل موذٍ ولو بلسانه، اهـ". درمختار: "أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد.

قال الإمام العینی فی شرحہ علی صحیح البخاری: قلت: علة النھی أذی الملائکة وأذی المسلمین، ولا یختص بمسجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بل الکل سواء؛ لروایة: "مساجدنا" بالجمع، خلافاً لمن شذّ.

ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحةٌ کریھةٌ مأکولاً أوغیرہ، وإنما خص الثوم ھنا بالذکر و فی غیرہ أیضاً بالبصل والکراث، لکثرة أکلھم لھا، وکذا ألحق بعضھم بذلك من بفیہ بخر أو بہ جرح لہ رائحة، الخ". شامی: ۱/۶۹۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

کوڑھی کا مسجد میں جانا

سوال [۷۴۲۶]: زید کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہے، دیکھنے میں تندرست معلوم ہوتا ہے، مگر زیر علاج ہے، بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں کجی آ گئی۔ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس وقت تمہارے خون میں کوئی خرابی نہیں۔ ایسی حالت میں زید مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مرض متعدی ہوتا ہے، لہٰذا زید کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوڑھ کا اثر خون میں نہیں، بدن سے رطوبت نہیں نکلتی، بدبو نہیں آتی تو مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور جماعت میں شریک ہونا درست ہے، محض دو انگلیوں میں کجی آ جانے کی وجہ سے مسجد کی جماعت سے اس شخص کو محروم نہ کیا جائے۔ مرض متعدی نہیں ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیھا، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

"یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریھة، لقولہ علیہ الصلاة والسلام: "من أکل الثوم والبصل والکراث، فلا یقربنّ مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منہ بنو آدم". متفق علیہ".
(الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی أحکام المسجد، ص: ۶۱۰، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۲) "عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حین قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا عدوی ولا =

ہاں! اگر نمازیوں میں وحشت پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے لوگ مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہو، یا اس کے جانے کی وجہ سے نزاع کا اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو خود ہی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے مکان پر نماز ادا کر لینی چاہیے۔ مشکوۃ شریف میں کوڑھی سے الگ رہنے کی بھی تاکید ہے(۱) اور اس کے ساتھ کھانا کھانے کی بھی تصریح ہے(۲)، دونوں کا محمل یہی ہے کہ ذاتی طور پر ہر مرض کو متعدی سمجھنا غلط ہے، اور احتیاط کے درجہ میں پرہیز کرنا درست ہے، مگر جب معالج کے ماتحت مرض موجود نہیں پھر اس سے یہ پرہیز بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خارش وجذام والے کا مسجد میں آنا

سوال[۷۴۲۷]: ایک انسان ایسے مرض میں مبتلا ہے جو متعدی ہے یعنی خارش اور جذام ہے اور عوام اس سے نفرت بھی کرتے ہیں اور مسجد کی جائے نماز وغیرہ اس کے استعمال کرنے سے لوگ متنفر ہوں تو ایسے آدمی کے لئے مسجد کی اشیاء استعمال کرنے اور مسجد میں آنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

= صفر و لا هامة". فقال أعرابي: يا رسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجيء البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳۰، بابٌ: لاعدوى ولا طيرة، الخ، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۲/۶۳۸۹، (رقم الحديث: ۹۹۰۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) "وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا عدوى ولاطيرة ولاهامة ولا صفر، وفرّ من المجذوم كما تفر من الأسد". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، الفصل الأول، ص: ۳۹۱، قديمي)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أخذ بيد مجزوم، فوضعها معه في القصعة وقال: "كلْ ثقةً بالله و توكلاً عليه". رواه ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، باب الكهانة، الفصل الثاني، ص: ۳۹۲، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی بھی مرض کو فی نفسہ متعدی سمجھنا غلط ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے(۱)، لیکن جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کر لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں اوران کے عقیدے غلط ہوجانے، یاغلط عقیدوں کے پختہ ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس شخص کو اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ اپنے مکان سے وضو کرکے جائے۔ اگر مسجد جانے سے بھی لوگوں میں نفرت پیدا ہو، یااس کے جسم سے بدبوآتی ہو، یارطوبت ٹپکتی ہوتو اس کو اپنے مکان ہی پر نماز پڑھنی چاہیے، مسجد نہ جائے، جماعت اس سے ساقط ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: حين قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا عدوى ولا صفر ولا هامة". فقال أعرابي: يارسول الله! فما بال الإبل تكون في الرمل كأنها الظباء، فيجئ البعير الأجرب، فيدخل فيها فيجربها كلها؟ قال: "فمن أعدى الأول". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۲۳۰، باب: لاعدوى ولاطيرة ، قديمى)

(وكذا في فيض القدير: ۱۲/ ۶۴۸۹، (رقم الديث: ۹۹۰۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكة)

(۲) "(قوله: وأكل نحو ثوم): أى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهى عن قربان ٦كل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العينى في شرحه على صحيح البخارى: قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أوغيره .... وكذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخرٌ أو به جرحٌ له رائحةٌ، وكذلك القصاب، والسماك، والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق. وقال سحنون: لاأرى الجمعة عليهما .... وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وليقعد في بيته" صريحٌ في أن كل هذه الأشياء عذر في التخلف عن الجماعة وأيضاً هنا علتان: أذى المسلمين وأذى الملائكة، فبالنظر إلى الأولى يعذر في نرك الجماعة وحضور المسجد، وبالنظر إلى الثانية يعذر في ترك حضور المسجد ولوكان وحده، اهـ. ملخصاً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيدمى لاهور)

جذام والے کا مسجد میں آنا

سوال[۷۴۲۸]: ایک شخص جو جذام وبرص کی بیماری میں مبتلا ہے، اس کو نماز باجماعت میں کس جگہ کھڑا ہونا چاہیے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بدن سے رطوبات بہتی ہیں جس سے مسجد بھی گندی ہوتی ہو اور نمازیوں کے کپڑے بھی خراب ہوں، یا اس کے بدن سے بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہو، جیسا کہ برص یا جذام والے مریض کو بعض دفعہ ہوتا ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے اس سے جماعت ساقط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں ریح خارج کرنا

سوال[۷۴۲۹]: جو لوگ مسجد میں مسافر طالب علم وغیرہ، نمازی وغیرہ بیٹھے رہتے ہیں، یا سوجاتے ہیں، ان کی وہاں ریح قصداً یا بلا قصد خارج ہوجاتی ہے۔ تو کیا یہ ادبِ مسجد کے خلاف ہے؟ یہ جو مشہور ہے کہ اگر کسی کی مسجد میں ریح خارج ہوجاتی ہے تو اس کو فرشتے اپنے منہ میں لے کر باہر پھینکتے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتیاط اور ادب یہ ہے کہ مسجد میں قصداً ریح خارج نہ کرے، بلکہ مسجد سے باہر جاکر خارج کرے، یا اگر سوتے یا جاگتے میں بلا قصد خارج ہوجائے تو معذوری ہے۔ ایسے شخص کو جس کے لئے دوسری جگہ سونے کی موجود ہو بلا شدید ضرورت کے مسجد میں سونا مکروہ ہے(۲)۔

"لایخرج فیه الریح من الدبر کما فی الأشباه، واختلف فیه السلف فقیل: لا بأس، وقیل:

---

(۱) (راجع، ص: ۲۵۳، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) "ویکره النوم والأکل فیه: أی المسجد لغیر المعتکف". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۱، رشیدیه)

يخرج إذا احتاج إليه، هو الأصح، حموی عن الشرح الجامع الصغير، اهـ". درمختار: ۱/۶۸۷(۱)۔

فرشتوں کا ایسی بدبودار چیز سے اذیت پانا تو حدیث پاک سے ثابت ہے(۲)، لیکن اس کا منہ میں لے کر باہر پھینکنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد میں خروج ریح

سوال[۷۴۳۰]: ایک شخص کو خروجِ ریح کی بیماری ہے تاہم معذور کے حکم میں نہیں، کئی سال سے اعتکاف کا متمنی ہے۔ ایسے شخص کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں اخراجِ ریح کو فقہاء نے منع لکھا ہے، ایسی حالت میں ایسے شخص کو بار بار مسجد سے نکلنا ہوگا، یا کراہت کا ارتکاب کثرت سے کرنا ہوگا(۳)، لہٰذا احوط یہی ہے کہ ایسا شخص اعتکاف نہ کرے، بلکہ اللہ پاک سے دعاء کرتا رہے اور اس کو آرزو اور تمنا کا اجر ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وإخراج الريح من الدبر: أي يكره. أقول: في شرح الجامع الصغير للتمرتاشي في كتاب الكراهية: واختلف السلف في الذي يفسو في المسجد، فلم يره بعضهم بأساً، وبعضهم: لا يفسو، بل يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۲/۴، إدارة القرآن كراچی)

"واختلف في الذي يفسو في المسجد، فلم ير بعضهم بأساً، وبعضهم قالوا: لا يفسوا، و يخرج إذا احتاج إليه، وهو الأصح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة افضل من يوم الجمعة: ۱/۴۷۲، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب المساجد مواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمی)

(۳) "وإذا فسا في المسجد، فلم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، و هو الأصح". (ردالمحتار، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة: ۱/۴۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشيديه)

الفصل السادس في زخرفة المساجد والكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

مسجد میں نقش ونگار

سوال[۷۴۳۱]: مسجد میں خواہ اندر ہو خواہ باہر، نقش ونگار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

محمد عثمان عفا اللہ عنہ چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جدارِ قبلہ کے علاوہ مسجد میں نقش ونگار کرنا درست ہے، لیکن مالِ وقف سے درست نہیں:

"و لا بأس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب و نحوه .... إذا فعل من مال نفسه. أما المتولي، فلا يجوز أن يفعل من مال الوقف إلا ما يرجع إلى إحكام البناء، حتى لو جعل البياض فوق السواد للنقاء ضمن، اهـ". كبيري، ص: ۵۷۱(۱)۔ "يجوز نقشه بالجص و ماء الذهب إذا تبرع به إنسان، سوى جدار القبلة، اهـ". سكب الأنهر: ۱/۱۲۷(۲)۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

"و لا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج و ماء الذهب .... و هذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي يفعل من مال الوقف ما يرجع إلى إحكام البناء دون ما يرجع إلى النقش، حتى لو فعل، يضمن". (الهداية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و ما لا يكره، فصل: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) (الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما =

لیکن زیادہ تکلفات کرنا مکروہ ہے:" وفي الفتح: دقائق النقوش و نحوها مکروه". مجمع الأنهر: ۱/۱۲۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۷/۱/۵۷ھ۔

مسجد کا نقش ونگار مسجد کے مال سے

سوال[۷۴۳۲]: مسجد میں شیشہ کا کام مسجد کے پیسہ سے کرایا گیا ہے، حالانکہ اہلِ محلّہ اور بعض اہلِ شہر نے متولیان کو منع کیا کہ یہ روپیہ ایسے کام میں ضائع مت کرو، بلکہ مسجد کی دوکانات جنوبی کو از سرِنو تعمیر کرا کے اس کے اوپر کمرہ تعمیر کراؤ کہ جس سے مسجد کو کافی آمدنی ہو، اور جائیداد بھی محفوظ ہو جائے، لیکن متولیان نے ایسا نہیں کیا، بلکہ شیشہ کے کام میں صرف کر دیا جو تقریباً پانچ سو روپیہ کے ہوگا۔ کیا یہ خرچ اسرافِ بیجا ہے یا نہیں، اگر اسراف بیجا ہے تو یہ گراں رقم مسجد کو کون ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي. ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها كأخشاب ثمينة وبياض بنحو سبيداج، خصوصاً في جدار القبلة بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل النقش أو البياض، إلا

= يكره فيها، فصل: ۱/۱۹۰، غفاریه کوئٹه)

"و لا يكره نقش المسجد، وهو المذكور في الجامع الصغير بلفظ "لا بأس به".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۲/۶۴، رشيديه)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيه (فصل): ۱/۱۹۱، غفاريه كوئٹه)

"و محمل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصاً في المحراب". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

إذا خيف طمع الظلمة، فلا بأس به: أي بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العبارة، وإلا فيضمنهما، اهـ". درمختار وشامی مختصراً: ۱/۶۸۸ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں علاوہ محراب کے دوسرے حصوں: چھت وغیرہ میں نقش ونگار کرنا اپنے حلال روپیہ سے جائز ہے، لیکن محراب میں یعنی جانبِ قبلہ کی دیوار میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کی توجہ منتشر ہو، مکروہ ہے، اس طرح زیادہ تکلف کے بعد باریک باریک نقوش اور بیل بوٹے نکلوانا بھی مکروہ ہے اور مالِ وقف سے تو ان چیزوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں۔

جو چیز تعمیر کو پختہ اور مستحکم کرنے والی ہو وہ تو حسبِ ضرورت مالِ وقف سے جائز ہے، باقی زیبائشی کام میں مالِ وقف کو خرچ کرنا حرام ہے، اگر متولی مالِ وقف کو زیبائش کے کام میں صرف کرے گا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ البتہ اگر مالِ وقف زیادہ جمع ہو جائے اور مسجد کو عمارت کی ضرورت نہ ہو، بلکہ ضروریاتِ مسجد سے وہ روپیہ قطعاً زائد ہو اور متولی کو قوی اندیشہ ہو کہ اس روپیہ کی حفاظت کسی طرح نہیں ہو سکتی اور دوسرے ظالم لوگ اس روپیہ پر قبضہ کر کے اپنی ضروریات میں صرف کر لیں گے تو پھر ایسی مجبوری کے وقت اس روپیہ کو مسجد کے زیبائشی کام میں بھی صرف کرنا درست ہے اور ظاہر یہ ہے کہ شیشے لگانا زیبائش ہی کے لئے ہے، عمارت کے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره، الخ: ۱/۶۵۸، سعید)

"ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه؛ لأنه يلهي المصلي، كما في فتح القدير وغيره. قال المصنف في الكافي: و هذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف ما يُحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حينئذٍ، لمافيه تضيع المال، فإن اجتمعت أموال المساجد و خاف الضياع بطمع الظلمة فيها، لا بأس به حينئذ، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشيديه)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و ما لا يكره، فصل: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(و كذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(و كذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

لئے نہیں۔ اگر نمازی کی تصویر ان شیشوں میں نظر آتی ہے تو اس میں اَور بھی تصویر پرستی کی مشابہت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۵/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سلور جوبلی پر مسجد میں چراغاں

سوال [۷۴۳۳]: ۱...... سلور جوبلی کے سلسلے میں چراغاں میں روشنی یا زینت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سلور جوبلی جارج پنجم کی ۲۵/ سالہ حکومت کی سال گرہ کی خوشی منانا ہے۔

۲...... مسجد کی آمدنی اس سلور جوبلی کی خوشی کے سلسلے میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل خادم یوسف انصاری گنگوہی، مقیم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اوقات شرعاً امت کے قابلِ احترام اور مواقع مسرت ہیں، ان میں زینت اور روشنی مساجد کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حسبِ تصریح فرماتے ہیں:

"ومن البدع المنكرة مايفعل في كثير من البلدان إيقاد القناديل الكثيرة في ليالي معروفة في السنة كليلة النصف من شعبان، خصوصاً بيت المقدس، فيحصل بذلك مفاسد كثيرة: منها: مضاهاة المجوس في الاعتبار بالنار، والإكثار منها. ومنها: مايترتب على ذلك في كثير من المساجد من اجتماع الصبيان، وأهل البطالة، ورفع أصواتهم، وامتهانهم بالمساجد، وانتهاك حرمتها، وحصول أوساخ فيها، وغير ذلك من المفاسد، يجب صيانة المسجد عنها. ومن المفاسد مايجعل في الجوامع، وهو من إيقاد القناديل، وتركها إلى أن تطلع الشمس، وترفع، وهو من فعل اليهود في كنائسهم. وأكثر مايفعل ذلك في العيد، وهو حرام .... ومما يشبه ذلك وقود الشموع الكثيرة ليلة عرفة، اهـ". حموی شرح أشباه، ص: ۵۶۱(۱)۔

---

(۱) (شرح غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۶۲، إدارة القرآن كراچی)=

ا.....سلور جوبلی کو اسلام اور شعائرِ اسلام سے جس نوع کا تضاد ہے وہ کسی ذی احساس اور معمولی سے معمولی مسلم پر بھی مخفی نہیں، پھر اس کی خوشی منانا، اس میں روشنی یا زینتِ مساجد وغیرہ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے(۱)۔

۲.....فقہاء کی مذکورہ بالا تصریح مطلق ہے، لہٰذا وقف اور مسجد کی آمدنی کو اس میں خرچ کرنا اور بھی زیادہ ممنوع اور گناہ ہوگا اور متولی اس کا ضامن ہوگا:

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبما له الحلال، لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل النقش أو البياض، اهـ". درمختار مختصراً، ص: ۶۸۸(۲)۔ فقط

= "رجل أوصى بثلث ماله لأعمال البر، هل يجوز أن يسرج المسجد من ذلك؟ قال الفقيه أبوبكر رحمه الله تعالى: يجوز، ولا يجوز أن يزاد على سراج المسجد؛ لأن ذلك إسراف، سواء كان في رمضان أو غيره. ولا يزين المسجد بهذه الوصية". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۱، رشيديه)

"وإسراج السرج الكثيرة في السكك، والأسواق ليلة البراءة بدعة، وكذا في المساجد ويضمن القيم". (البحر الرائق: ۵/۳۵۹، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) سلور جوبلی منانے میں کفار کی مشابہت ہے، اور کفار کے شعار وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا شرعاً ممنوع ہے: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الشهرة ۲/۲۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

قال علي القاري: "(قوله: من تشبه بقوم): أي من تشبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (قوله: فهو منهم): أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر الباب". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد) =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ (صدر مدرس)

الجواب صحیح: بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ فقیر زکریا قدوسی مدرس مدرسہ ھذا۔ الجیب مصیب، عبدالشکور۔

یہ جواب صحیح ہے: اسعد اللہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: نور محمد بقلم خود۔

جواب صحیح: صدیق احمد، مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب صحیح: بندہ ظہور الحسن عفی عنہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: جمیل احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

مسجد میں روضۂ اقدس کی تصویر لگانا

سوال[۷۴۳۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کی تصویر مسجد میں لگانا جائز ہے

= "قوله: (ولا نقشه بالجص وماء الذهب): أي ولايكره نقش المسجد .... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي، فإنما يفعل من مال الوقف، ما يحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حينئذ، لما فيه تضييع المال". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۵، رشيديه)

"وليس للقيم أن يتخذ من الوقف على عمارة المسجد شرفاً، أو ينتقش المسجد من ذلك، ولو فعل، يكون ضامناً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۱، رشيديه)

"وكذا يضمن إذا أسرف في السرج في رمضان، وليلة القدر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۰، رشيديه)

یا نہیں؟ خانہ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں، مگر سامنے نہ لگائیں جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے، اونچائی پر لگائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند

مسجد میں کعبہ اور مسجدِ نبوی کا فوٹو لٹکانا

سوال [۷۴۳۵]: مسجد میں ایک طرف کعبہ کا نقشہ آویزاں ہے اور دوسری طرف مسجدِ نبوی کا ہے۔ ایسا نقشہ مسجد میں لگانا یا لٹکانا کیسا ہے، اور خاص کر دا ہنے جانب ضروری سمجھ کر لٹکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسجد میں ایسے نقشے اور کتبے لگانا، یا دیوارِ مسجد میں ایسے نقش ونگار کرنا جس سے نمازیوں کا دھیان اس کی طرف جائے، مکروہ ہے (۲) اور ضروری سمجھنا تو بالکل ہی غلط و باطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "یجوز نقشه بالجص و ماء الذهب إذا تبرع به إنسان سوی جدار القبلة". (الدر المنتقی فی شرح الملتقی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: ۱/۱۹۰، غفاریه کوئٹه)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و مایکره فیها: ۱/۶۵۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشیدیه)

(۲) "ولابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه یکره؛ لأنه یلهی المصلی. ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة .... وقیل: یکره فی المحراب دون السقف المؤخر". (الدرالمختار، کتاب الصلوة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل علی أن المستحب غیره: ۱/۶۵۸، سعید)

"ومحل الاختلاف فی غیر نقش المحراب، أما نقشه فهو مکروه؛ لأنه یلهی المصلی". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۵، رشیدیه) =

دیوارِ مسجد میں آیات وغیرہ لکھوانا

سوال[۷۴۳۶]: عام طور پر مساجد کی دیواروں پر آیاتِ قرآنی، احادیث، یا خلفائے راشدین واصحابِ عشرہ مبشرہ کے اسمائے مبارکہ لکھے جاتے ہیں۔ یہ کس حد تک درست ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت یہ چیزیں وہاں نہ لکھی جائیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

چندہ سے تعمیر شدہ مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگانا

سوال[۷۴۳۷]: ہمارے یہاں میدان جوگل تحصیل ہندوارہ میں ایک جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ ایک شخص ایک پتھر جو کہ سنگِ مرمر کا ہے اس پر تاریخ سنگِ بنیاد اور ذاتی نام کھدوا کر دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، مگر مسجد شریف متذکرہ عوامی چندہ سے تعمیر ہو رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی اپنا نام سنگ مرمر پر کھدوا کر اس کو دیوار میں نصب کرنا چاہتا ہے، چندہ کی فراہمی اور دیگر کام میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ اس پر برانگیختہ ہو گئے ہیں اور شدید ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، حتیٰ کہ اب مسجد شریف پر بھی رُکاوٹ پڑنے کا احتمال ہے۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة: ۴۲۱/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۵، ۶۱۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "ولا ينبغي الكتابة على جدرانه: أى خوفاً من أن تسقط وتوطأ، بحر عن النهاية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح: ۶۶۳/۱، سعيد)

"وفي النهاية وليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران، لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱۰۹/۱، رشيديه)

چونکہ آپ کا ادارہ ایک مستند دینی ادارہ ہے اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کر کے فتویٰ صادر کریں کہ آیا ہم لوگ اس پتھر کو اس شخص کے نام کے ساتھ دیوار میں نصب کریں یا نہیں، بہتر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہلیانِ مسجدان صاحب کو مسجد کا متولی ومہتمم قرار دے لیں اور ان کے انتظام واہتمام سے مسجد کا کام انجام پائے تو اس سنگِ مرمر پر اس طرح سے عبارت لکھ دی جائے کہ ''اس مسجد کی تعمیر فلاں صاحب کے انتظام واہتمام سے ہوئی'' تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، لیکن خودان صاحب کا مطالبہ کہ میرا نام پتھر پر کندہ کر کے لگایا جائے اخلاص کے خلاف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناموری کے خواہش مند ہیں، یہ خواہش نہایت غلط ہے، ثواب کو ختم کرنے والی ہے۔ دنیا میں ایسے شخص کی شہرت وتعریف ہوجائے گی، مگر آخرت میں عمل خالص کے ثواب سے محروم رہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا اور اپنے لئے دعاء کرانا اور اپنا نام لکھنا

سوال[۷۴۳۸]: ہمارے یہاں مسلم ایسوسی ایشن تختہ سیاہ پر مندرجہ ذیل حدیثیں کسی معتمد رسالہ سے نقل کر کے مسجد کے داخلی دروازے کے پاس اندرونِ مسجد آویزاں کرتی ہے اور اس کا مقصد مسلم بھائیوں کی اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔ نمازی حضرات سے یہ جماعت اپنے لیے دعائے خیر کی گذارش کرتی ہے۔ کیا ازروئے شریعت اس طرح پر کسی فرد یا جماعت کا اپنی اصلاح اور خیر کی دعاء کرانا احکامِ ربی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے سے پہلے کسی فرد یا ادارہ کا اول یا آخر نام لکھنا منع ہے؟

مندرجہ ذیل حدیثیں ہم لوگ لکھتے ہیں:

۱......دین سیکھو اور سکھاؤ۔

---

(۱) "والمراد بوجه الله تعالیٰ ذات الله، وابتغاء وجه الله في العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته في ذلك طلب مرضاة الله تعالیٰ من دون رياء وسمعة، حتى قال ابن الجوزي: من كتب اسمه على المسجد الذي بنيه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۱۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

۲......حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا شفقت اور مجسمۂ رحمت ہونے کے باوجود نماز کو باجماعت ادا نہ کرنے والوں پر اس قدر برہم ہیں کہ ان کے گھروں کو آگ لگادینے پر آمادہ ہیں (۱)۔ نماز کو باجماعت نہ پڑھنے کے سلسلے میں اَور بہت سے وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کی پوری کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو سچا نمازی بنادے، ٹھیک وقت پر پورے سکون خشوع وخضوع کیساتھ باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

۳......نماز کے متعلق چالیس حدیثیں وغیرہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی فرد یا جماعت کا اپنے لئے دعاء کے لئے درخواست کرنا منع نہیں (۲)۔ احادیث لکھ کر دعاء کی درخواست کرنا کہ اللہ ہم کو بھی عمل کی توفیق دے، یہ بھی منع نہیں۔ نام چاہے آخر میں لکھا جائے یا پہلے، مگر اس طرح نام لکھنے سے اس لکھنے والے فرد یا جماعت کی بھی تشہیر ہوتی ہے، جس کی بنا پر لوگ تعریف کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ کام کا مقصود تعریف ہی تک محدود رہ جائے، رضائے خداوندی اور اشاعتِ احادیث واحکام مقصود نہ رہے، یا اس کے ساتھ نام آوری بھی مقصودیت کے درجہ میں آجائے، جیسا کہ کثرت سے اشتہاری لوگوں کا حال دیکھنے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فَقَدَ ناساً في بعض الصلوات، فقال: "لقد هممت أن آمر رجلاً يصلي بالناس، ثم أخالف إلى رجالٍ يتخلفون عنها، فآمر بهم، فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم، ولو علم أحدهم أنه يجد عظماً سميناً لشهدنا". يعني صلوة العشاء". (الصحيح لمسلم: ۲۳۲/۱، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، قديمي)

(۲) "عن سالم بن عبد الله عن أبيه عن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: استأذنت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في العمرة، فأذِن لي، قال: "لاتنسنا يا أخي من دعائك". فقال كلمةً ما يسرّني أن لي بها الدنيا". (سنن أبي داؤد: ۲۱۷/۱، كتاب الصلاة، أبواب الوتر، باب الدعاء، إمداديه ملتان)

(وكذا في جامع الترمذي، أبواب الدعوات، أحاديث شتى من أبواب الدعوات: ۱۹۶/۲، سعيد)

(وكذا في سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب فضل دعاء الحاج، ص: ۲۰۸، قديمي)

میں آتا ہے۔اللہ پاک اس مصیبت سے محفوظ رکھے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۵/۹۰ھ۔

نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا

سوال[۷۴۳۹]: متوفی کی طرف سے مسجد بنا کر اس کے نام کا پتھر کھدوا کر لگانا جائز ہے یا نہیں؟

عبدالعلی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایصال ثواب کے لئے مسجد بنوا دینا اور اس نیت سے پتھر پر کھدوا کر لگانا کہ دوسروں کو اس قسم کے کاموں کی رغبت ہو، یا کوئی شخص اس پتھر کو دیکھ کر میت کے لئے خصوصیت سے ایصال ثواب کرے، درست ہے(۲) اور شہرت کی بنا پر نام کھدوانا درست نہیں (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صحیح:عبداللطیف،۱/محرم الحرام/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والمراد بوجه الله ذاتُ الله، وابتغاء وجه الله في العمل هو الإخلاص، وهو أن تكون نيته في ذلك طلب مرضاة الله تعالىٰ من دون رياء وسمعة، حتى قال ابن الجوزي: من كتب اسمه على المسجد الذي يبنيه كان بعيداً من الإخلاص". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۱۳/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۲) "فيه أن التعاون في بنيان المسجد من أفضل الأعمال أنه مما يجرى لإنسان أجره بعد موته، ومثل ذلك حفر الآبار، الخ". (عمدة القاري، باب من بنى مسجداً: ۲۰۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

مسجد میں خرید وفروخت

سوال[۷۴۴۰]: کسی شخص کا مسجد میں خرید وفروخت کرنا کیسا ہے، اگر جائز ہے تو کن کن چیزوں کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں خرید وفروخت منع ہے(۱)، صرف معتکف کو اتنی اجازت ہے کہ ضروری چیز کا معاملہ اس شخص سے کرلے جو مسجد میں آیا ہو، اس طرح کہ سامان ساتھ نہ ہو۔ مسجد میں سامان رکھ کر اس کو خریدنا یا فروخت کرنا معتکف کے لئے بھی درست نہیں بلکہ مکروہ ہے، ردالمحتار :۲/۱۳٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "نهی عن الشراء والبیع فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امدادیه ملتان)

(وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء فی المسجد: ۱/۷۳، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن البیع والشراء فی المسجد: ۱/۱۷۱، قدیمی)

"وقید بالمعتکف؛ لأن غیره یکره له البیع مطلقاً، لنهیه علیه الصلاة والسلام عن البیع والشراء فی المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید)

(وکذا فی ملتقی الأبحر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۱/۳۷۹، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویکره .... کل عقد إلا لمعتکف بشرطه". (الدرالمختار). "(قوله: بشرطه) وهو أن لا یکون للتجارة، بل یکون ما یحتاجه لنفسه أو عیاله بدون إحضار السلعة". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید) ....

مسجد میں خرید وفروخت

سوال[۷۴۴۱]: مسجد میں خرید وفروخت جائز ہے کہ نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس صورت میں اور کس وقت؟ کیونکہ یہاں پر مدراس کے علاقہ میں علماء ہوں، یا غیر علماء ان کو اگر کوئی کتاب فروخت کرنی ہوتی ہے تو وہ مسجد میں آ کر تقریر کریں گے اور اس کتاب کے فضائل بیان کریں گے اور آخر میں اس کی قیمت بتا کر مسجد میں خرید وفروخت شروع کر دیں گے۔ اور ایسے ہی ایک صاحب نے ایک نقش تیار کر کے ممبر کے اوپر رکھ دیا اور اس کو فریم کرایا اور اس کے فضائل اپنی تقریر میں بیان کئے کہ اس میں باری تعالیٰ کے اسماء ہیں اور اس کو اخیر میں انہوں نے تین تین روپے میں فروخت کر دیا، مسجد کے اندر یہ عمل کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں خرید وفروخت اس طرح بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۲ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

"(وكره): أي تحريماً؛ لأنها محل إطلاقهم (إحضار مبيع فيه)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امداديه ملتان)

(وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۱/۷۳، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد ۱/۱۷۱، قديمي)

"وقيد بالمعتكف؛ لأن غيره يكره له البيع مطلقاً؛ لنهيه عليه الصلاة والسلام عن البيع والشراء في المسجد" (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۳۷۹، غفاريه كوئٹه)

مسجد میں تجارت کرنا

سوال[۷۴۴۲]: اندرون مسجد کاروبار یا دوکان بنا کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہے اس جگہ کو کاروبار تجارت وغیرہ کے لئے متعین کرنا اور وہاں تجارت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)۔ جو جگہ نماز کے لئے نہیں اور مسجد کی مصالح کے لئے وقف ہے، اور اس جگہ کو دوکان وغیرہ بنانے میں مسجد کے احترام اور اس کی تعمیر وغیرہ میں فرق نہ آئے تو اس کو مسجد کی آمدنی وآبادی کے لئے کرایہ پر دینا درست ہے (۲)۔ مسجد کا اندرونی حصہ یا صحن (بیرونی حصہ) ہو سب کا ایک ہی حکم ہے، کسی جگہ بھی وہاں تجارت کرنا، یا کرایہ پر دینا شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الشراء والبیع فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امدادیه ملتان)

(وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء فی المسجد: ۱/۷۳، سعید)

(وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن البیع والشراء فی المسجد: ۱/۱۷۱، قدیمی)

"وقید بالمعتکف؛ لأن غیره یکره له البیع مطلقاً، لنهیه علیه الصلاة والسلام عن البیع والشراء فی المسجد". (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۹، سعید)

(۲) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر، یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخیل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳) "ولو أن قیم المسجد أراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد و فنائه، قال الفقیه أبواللیث رحمه الله تعالیٰ:=

امام کا مسجد میں تجارت کرنا

سوال[۷۴۴۳]: اگر کوئی امام مسجد میں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں، جہاں نماز پڑھی جاتی ہے وہاں کپڑا وغیرہ رکھ کر تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)، اگر امام اس سے باز نہ آئے تو وہ علیحدگی کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۲ھ۔

= لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً و لامستغلاً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۸۶۰/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱۶۱/۱، امداديه ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱۷۱/۱، قديمی)

(وجامع الترمذی، كتاب الصلوة، باب ماجاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۷۳/۱، سعيد)

"(وكره): أی تحريماً؛ لأنها محل إطلاقهم (إحضارُ مبيع فيه)". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۹/۲، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً، للنهي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف. ۵۳۰/۲، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۳۷۹/۱، غفاريه كوئٹه)

غسل خانہ یا جوتہ اتارنے کی جگہ بیع وشراء

سوال[۷۴۴۴]: مسجد کی وہ جگہ جہاں جوتا اتارا جاتا ہے یا غسل خانہ اور وہ حجرہ یا مکان جو مصالحِ مسجد یا اس کی ضروری بات کے لئے تعمیر کرایا گیا ہو، وہاں غیر معتکف کے لئے بیع وشراء-عام اس سے کہ شئی مبیع وہاں موجود ہو یا نہ ہو- جائز ہے یا نہیں؟

سعید الدین آلہ آبادی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع وشراء احترامِ مسجد کے منافی ہے(۱) اور حصۂ مذکورہ فی السوال شرعاً مسجد نہیں اور اس کا احترام ضروری نہیں، لہٰذا وہاں بیع وشراء شرعاً درست ہے(۲)، بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ جمادی الاولیٰ/۵۵ھ۔

مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں

سوال[۷۴۴۵]: ایک شیشم کا درخت مسجد ہی کا ہے، اس کی خرید وفروخت جہاں نماز ہوتی ہے جائز

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب مايكره في المساجد، ص: ۵۵، قديمي)

(۲) اس لئے کہ حصہ مذکورہ فی السوال کی جگہیں یقینی طور پر مسجد کی حدود سے باہر ہیں اور جو جگہ مسجد سے باہر ہوتی ہے اس میں مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۶/۱، قديمي)

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: "فيه البحث على ترك أذى المسلمين بكل ما يؤذى". (عمدة القاري، كتاب الإيمان، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۲۱۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ مسجدیں نماز و جماعت کے لئے متعین کی گئی ہیں، اس لئے وہاں خرید و فروخت کرنا درست نہیں (۱)، الگ ہٹ کر کی جائے اگر چہ وہ درخت مسجد ہی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة: ۱/۱۶۱، امداديه ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ۱/۱۷۱، قديمي)

(و سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية البيع والشراء في المسجد: ۱/۷۳، سعيد)

"وكره إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً، للنهي". (الدرالمختار).

"ويأكل: أي المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشتري فيه لا غيره. قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ في شرحه: أي لا يفعل غير المعتكف شيئاً من هذه الأمور في المسجد، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۳۷۹، غفاريه كوئته)

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنا

سوال[۷۴۴۶]: مسجد کے اندر مدرسہ کا چندہ اس طرح سے مرحباً اور سبحان اللہ بول کر وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی ضرورت کے لئے مسجد میں چندہ کرنا مرحباً اور سبحان اللہ کہہ کر درست ہے، مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا

سوال[۷۴۴۷]: آج کل ہر جگہ چندہ کنندگان مسجد، مدرسوں، انجمنوں، عیدگاہوں، یتیم خانوں،

---

(۱) اس قسم کا چندہ کرنے میں اگر مسجد کے آداب کا خیال رکھا جائے تو اس میں بظاہر کوئی حرج نہیں، جیسے کہ سائل کو آدابِ مسجد کا خیال رکھتے ہوئے عطیہ پیسے وغیرہ دینا جائز ہے:

"و یکرہ التخطی للسؤال بکل حال". (الدرالمختار). "قال فی النہر: والمختار أن السائل إن کان لایمرّ بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب و لا یسأل إلحافاً، بل لأمر لا بد منہ، فلا بأس بالسؤال و الإعطاء، اھـ". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة، مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعید)

(وکذا فی البزازیة، الثالث والعشرون فی الجمعة، نوع: ۲/۷۶، رشیدیه)

(وکذا فی النہر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعة: ۱/۳۶۵، امدادیه ملتان)

بورڈنگوں، اسکولوں، مقبروں، گورکنوں کے اعلان مسجد میں کرتے ہیں، حتیٰ کہ کسی چیز کے گم ہونے کا بھی اعلان کرتے ہیں اور ملی ہوئی چیز کا بھی اظہار مسجد میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں پیر کے بیٹے بیٹیوں کی شادی، مؤذن وامام کی امداد کی بار بار پکار مسجدوں میں کررہے ہیں، حالانکہ امام ومؤذن کی تنخواہ بھی ملتی ہے۔ تو یہ کام مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام مسجد سے باہر مناسب ہیں، کیونکہ بسا اوقات ان چیزوں میں بات اپنی حد پر قائم نہیں رہتی بلکہ شور وشغب تک نوبت آجاتی ہے(۱)۔ اور گم شدہ چیز کو تلاش کرنے کی تو مسجد میں ممانعت بھی ہے۔ اسی طرح ملی ہوئی چیز کا اعلان بھی مسجد سے باہر کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں مسجد، ختم اور امام کے لئے چندہ

سوال[۷۴۴۸]: مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا منع ہے، دنیاوی باتوں کی وضاحت کیجئے۔ مسجد کے اندر ختم شریف کے سلسلہ میں جو چندہ ہوتا ہے، وہ چندہ نام بنام لکھا جارہا تھا تو ایک صاحب نے اعتراض کیا

---

(۱) جس طرح مسجد میں سوال کرنے کے آداب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی گناہ ہوگا:

"وفیها و لا یجوز الإعطاء إذا لم یکونوا علی تلک الصفة المذکورة. وقال الإمام أبو نصر العیاضي: أرجو أن یغفر الله تعالیٰ لمن یُخرجهم من المسجد". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة علی سؤال المسجد: ۱۶۴/۲، سعید)

(وکذا في البزازیة، الثالث والعشرون في الجمعة، نوع: ۷۶/۶، رشیدیه)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا رأیتم مَن ینشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لا ردها الله علیک". (جامع الترمذي، أبواب البیوع، باب النهي عن البیع في المسجد: ۲۴۷/۱، سعید)

(وسنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب کراهیة إنشاد الضالة في المسجد: ۶۹/۱، دارالحدیث ملتان)

"ویکره إنشاد ضالة، الخ". (الدرالمختار). "هي الشيء الضائع، وإنشادها السؤال عنها، و في الحدیث: "إذا رأیتم من ینشد ضالةً في المسجد، فقولوا: لا ردها الله علیک". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب في أفضل المساجد: ۶۶۰/۱، سعید)

کہ دنیا کی خرافات نہ ہونا چاہئے، دوسرے شخص نے کہا کہ تمام مسجدوں میں امام صاحب کے لئے چندہ ہوتا ہے اور دیا جاتا ہے۔ تو مذکورہ بالا حضرت بولے کہ مسجد کے اندر لینا دینا دونوں حرام ہے، حرام کی وضاحت نہیں کی۔ تو آیا یہ سچ ہے کہ لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باتیں کس قسم کی ہونا چاہئے؟ مسجد میں تعمیری وانتظامی کام سب ہی ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دنیا کی باتیں جیسے: خرید وفروخت کی باتیں، مقدمات کی باتیں، کھیت اور باغ کی باتیں، یہ سب دنیا کی باتیں ہیں۔ مسجد کی تعمیر یا امام کی تنخواہ کے لئے چندہ کرنا مسجد میں منع نہیں، بشرطیکہ شور وشغب نہ ہو(۱) جیسا کہ عامۃً آج کل ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، غیرت دلاتے ہیں، کم چندہ دینے پر جھگڑتے ہیں۔ غرض مسجد کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے، یہ طریقہ منع ہے۔ ختم شریف کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے، وہ اکثر زور دے کر لیا جاتا ہے اور اس میں زیادہ تر دکھاوا اور مقابلہ مدِ نظر ہوتا ہے، یہ بھی منع ہے(۲)۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر اليَحْصُبيّ قال: سمعت معاوية رضى الله تعالىٰ عنه يقول: .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إنما أنا خازن، فمن أعطيتُه عن طيب نفسى فمبارك له فيه، و من أعطيته عن مسئلة وشره، كان كالذى يأكل و لايشبع". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۳۳، كتاب الزكوة، باب النهى عن المسئلة، قديمى)

"ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء مطلقاً، وقيل: إن تخطى". (الدرالمختار). "(قوله: وقيل: إن تخطى) هو الذى اقتصر عليه الشارح فى الحظر حيث قال: فرع: يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس.......... لأن علياً رضى الله تعالىٰ عنه تصدق بخاتمه فى الصلاة، فمدحه الله تعالىٰ بقوله: ﴿ويؤتون الزكاة و هم راكعون﴾". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى أفضل المساجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۰، سعيد)

(وكذا فى البزازية، الثالث والعشرون فى الجمعة، نوع: ۴/۷۶، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۳۶۵، إمداديه ملتان)

(۲) "عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب =

مسجد میں تلاوت، تسبیح، درود شریف، استغفار میں مشغول رہنا چاہئے، ایسے طریقہ پر کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ اگر مسائل کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی مسجد میں درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= لغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۱) "لأن المسجد ما بُني إلا لها من صلاة أو اعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه و قراءة القرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

الفصل التاسع فی الحفلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں جلسہ وتقریر

سوال[۷۴۴۹]: موجودہ زمانہ میں جب کہ مساجد میں جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جو اپنے اندر بہت سی پیچیدگیوں کے حامل ہوتے ہیں، جن میں علاوہ تقاریر کے شوروغل، ہاتھہ پائی اور گالی گلوچ تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے اور ایک دوسرے پر آوازے کسے جاتے ہیں اور طعن وتشنیع سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو اکثر سامعین اور بعض مقررین حضرات ایسی پستیٔ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کا ثبوت قہوہ خانوں میں بھی محال ہے۔ ایسے افعال کے مرتکب مساجد کا کیا حکم ہے؟

خادم العلماء محمد علی نائب، منجانب: انجمن اسلامیہ لاہور پنجاب، خطیب مسجد شاہی لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

احکامِ شرعیہ بیان کرنے کے لئے مسجد میں جلسہ کرنا درست ہے(۱)، مقرر اور واعظ کو چاہئے کہ نہایت

---

(۱) "کما یجوز لأهل المحلة أن یجعلوا المسجد الواحد مسجدین، فلهم أن یجعلوا المسجدین واحداً لإقامة الجماعات، أما للتدریس أو للتذکیر، فلا؛ لأنه ما بُنی له وإن جاز فیه". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها فصل: کره استقبال القبلة، الخ: ۶۲/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، باب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة: ۶۶۰/۱-۶۶۳، سعید)

"لأن المسجد ما بُني إلا لها من صلاة أو اعتکاف و ذکر شرعي و تعلیم علم أو تعلمه و قراءة القرآن". (الأشباه والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن کراچی)

متانت اور سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حاضرین کو سنائے اور سمجھائے۔ اور سامعین کو بھی چاہئے کہ نہایت ادب اور احترام سے اس کو سنیں اور عمل کریں۔ جو صورت سوال میں درج ہے اس طریقہ پر جلسہ کرنا اور ایسی حرکات کا ارتکاب احترامِ مسجد کے قطعاً خلاف اور ناجائز ہے، فقہاء نے "أحکام مسجد" میں ایسے شور وغل اور لڑائی کو بالکل ممنوع تحریر کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/صفر/۵۶ھ۔

مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا

سوال[۷۲۵۰]: جب کہ مسجد کے اندر منبر ہے اور وہ پیوست ہے باہر نہیں آ سکتا، تو اس شکل میں اگر کوئی دینی وعظ ونصیحت کرنے والا مسجد کے برآمدے میں یا فرش پر جہاں منبر نہیں ہے، وہاں کرسی یا موڑھا(۲) بچھا کر اس پر بیٹھ کر وعظ ونصیحت لوگوں کو سنائے تو یہ کیسا ہے؟

---

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شرائکم و بیعکم و خصوماتکم و رفع أصواتکم". الحدیث. (سنن ابن ماجة، باب ما یکره في المسجد، ص: ۵۵، میر محمد کتب خانه)

"وههنا ابحاث: الأول فیما تصان عنه المساجد: یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة لقوله علیه السلام: "من أکل الثوم والبصل والکراث، فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه بنو آدم". متفق علیه. وعن حدیث الدنیا، وعن البیع والشراء، وإنشاد الأشعار، وإقامة الحدود، و نشدان الضالة، والمرور فیها لغیر ضرورة، ورفع الصوت، وإدخال المجانین والصبیان لغیر الصلاة ونحوها، الخ". (الحلبي الکبیر، فصل: في أحکام المسجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۲/۲۰، رشیدیه)

(۲) "موڑھا: سرکنڈوں اور سونج کی بنی ہوئی کرسی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۱۹)

الجواب حامداً ومصلياً:

منبر نہ ہوتو کرسی یا موڑھا بچھا کراس پر بیٹھ کر وعظ وتقریر درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۱۲/۵/۹۶ھ۔

مسجد میں پڑھنے آنے والے بچوں سے تقریر کرانا

سوال[۷۴۵۱]: مسجد میں جو بچے پڑھنے آتے ہیں ان سے صبح کے وقت نظمیں،نعت اور تقریر وغیرہ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد میں جو بچے پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے ان کو تقریر کی مشق کرانا اور نعت پڑھوانا بھی درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۲۱/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "وحدثنا شيبان بن فروخ قال: نا سليمن بن المغيرة قال: نا حميد بن هلال قال: قال أبو رفاعة رضي الله تعالىٰ عنه: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يخطب قال: فقلت: يارسول الله! –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– رجل غريب جاء يسأل عن دينه لايدرى مادينه؟ قال: فاقبل عليّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وترك خطبة حتى انتهى إليّ فاتي بكرسي حسبتُ قوائمه حديداً قال: فقعد عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وجعل يعلّمني مما علمه الله، ثم أتى خطبته فأتم آخرها".

(الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، باب من دخل المسجد والإمام يخطب: ۱/۲۸۷، قديمي)

(۲) "و من هنا يعلم جهل بعض مدرسي زماننا مِن منعهم مَن يدرس في مسجد تقرر في تدريسه، أو كراهتم لذلك زاعمين الاختصاص به دون غيرهم، وهذا جهل عظيم .... لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة أو اعتكاف وذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه وقراء ة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد، (رقم القاعدة: ۳۵): ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲۰/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۶۶۳/۱، سعيد)

مسجد میں نعت پڑھنا

سوال[۷۴۵۲]: مسجد میں بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پڑھ سکتا ہے، جب کہ مضمون صحیح ہو اور کوئی خارجی مفسدہ بھی نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں الیکشن

سوال[۷۴۵۳]: اگر کوئی شخص الیکشن کے سلسلہ میں کوئی سیاسی میٹنگ مسجد میں کر کے مسجد کو انتخابی

---

(۱) "وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يضع لحسان منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أو ينافح". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۰، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالیٰ: "وقال غيره: يحتمل أن البخاري أراد أن الشعر المشتمل على الحق حق، بدليل دعاء النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لحسان على شعره، وإذا كان حقاً جاز في المسجد كسائر الكلام الحق، ولا يمنع منه كما يمنع من غيره من الكلام الخبيث، واللغو الساقط .... وأما ما رواه ابن خزيمة في صحيحه والترمذي وحسّنه من طريق عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: نهى رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن تناشد الأشعار في المساجد .... فالجمع بينها وبين حديث الباب أن يحمل النهي على تناشد أشعار الجاهلية والمبطلين، والمأذون فيه ما سلم من ذلك. وقيل: المنهي عنه ما إذا كان التناشد غالباً على المسجد حتى يتشاغل به من فيه". (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب الشعر في المسجد، (رقم الحديث: ۴۵۳): ۱/۷۲۱، قديمي)

"ويكره إنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر". (الدرالمختار). "(قوله: أو شعر) .... فما كان منه في الوعظ والحِكَم و ذكر نعم الله تعالیٰ و صفة المتقين، فهو حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في إنشاد الشعر: ۱/۶۶۰، سعيد)

اورسیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرے، تو کیا از روئے شریعت یہ درست ہے اور ایسے آدمیوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدیں دنیاوی الیکشنوں کے لئے نہیں بنائی گئیں، ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں، جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "و یکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۵/ ۳۲۱، رشیدیہ)

"الجلوس فی المسجد للحدیث لا یباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بُنی لأمور الدنیا. وفی خزانة الفقه: یدل علی أن الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام". (الفتاویٰ العالمکیریه، المصدر السابق)

(وکذا فی البحر الرائق، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها فصل: کره استقبال القبلة، الخ: ۲/ ۶۳، رشیدیه)

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

مسجد کے سامنے باجہ وغیرہ

سوال[۷۴۵۴]: مسجدوں کے سامنے-خواہ جماعت کا وقت ہو یا نماز ہورہی ہو- باجہ، ڈھول، تاشہ، انگریزی باجہ، شہنائی (۱) وغیرہ کے بجانے سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باجہ بجانے والوں کو روکنا چاہئے یا نہیں جب کہ وہ شارعِ عام راستے سے باجہ بجاتے چلے جارہے ہوں؟ شادی وجلوس وغیرہ میں بعض وقت روکنے سے باجہ والوں کو فساد کا خوف بھی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شاہراہ عام پر ہر شخص کو گزرنے کا حق حاصل ہے (۲)، لیکن ایسی حرکت کرنا جس سے آس پاس والوں یا اہلِ مسجد کو خصوصاً اوقاتِ صلوٰۃ میں اذیت پہونچے، منع ہے (۳)۔ حسنِ تدبیر سے اگر فہمائش کردی جائے، یا کسی ذی اثر آدمی کے ذریعہ کہلوا دیا جائے تو بہتر ہے، ورنہ فتنہ وفساد سے اجتناب چاہئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''شہنائی: نفیری، بانسری، الغوزہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۵۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''أما النافذة فلا منع من الفتح فيها؛ لأن لكل أحد حق المرور فيها''. (ردالمحتار، باب التحكيم، مسائل شتى، مطلب في فتح باب آخر للدار: ۴۴۶/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات: ۴۴۴/۳، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ الآية (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) ''عن طارق بن شهاب وهذا حديث أبي بكر قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلوة مروان، فقام إليه رجل، فقال: الصلوة قبل الخطبة، فقال: قد ترک ماهنالک، فقال أبو سعيد رضي الله تعالىٰ =

مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا

سوال[۷۴۵۵]: مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحری کے لئے مکان کی چھت پر نقارہ بجانے کی اجازت ہے(۱)، مسجد میں یا مسجد کی چھت پر نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

آواز دار گھڑی مسجد میں

سوال[۷۴۵۶]: وہ بڑی گھڑی جو اکثر دیوار پر لگائی جاتی ہے اور ہر آدھ گھنٹہ پر گونجتی ہوئی آواز میں ٹھوکے دیتے ہوئے خصوصاً مسجد میں لگانے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

= عنه: أما هذا، فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمي)

"ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له، إذ النهي عن الشئ أمر بضده وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف . وشرطهما أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، (رقم الحديث: ۵۱۳۸)، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وإنشاد ضالة أو شعر إلا ما فيه ذكر ورفع صوت بذكر إلا للمتفقهة". (ردالمحتار، مطلب في إنشاد الشعر : ۱/۶۶۰، سعيد)

"أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۵۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس گھڑی کا مقصدِ اصلی بھی وقت ہی معلوم کرنا ہے اور ستار باجہ کی طرح آواز سننا مقصد نہیں، لیکن گانا بجانا عام ہوجانے کی وجہ سے اس کی آواز میں اس طرح کا لحاظ کرلیا گیا ہے کہ اگر کوئی باجہ کی آواز نہ سننا چاہے، بلکہ اس سے نفرت کرتا ہوتو وہ بھی بے اختیار اس کو سنے۔ اس کو ستار وغیرہ کی طرح بالکل ناجائز تو نہیں کہا جائے گا، ہاں ضرور کسی قدر تشبیہ پیدا ہوجائے گا، اس لئے ایسی گھڑی کے مقابلے میں وہ گھڑی قابلِ ترجیح ہوگی جس میں آواز نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والسادس: أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

باب المتفرقات

مسجد کے نام پر دینی درسگاہ بنانا

سوال[۷۴۵۷]: یہاں کے مسلمانوں کا ارادہ ہے کہ اس شہر میں اسلامی مسجد بچوں کے لئے دینی درسگاہ قائم کی جائے جس کے لئے مسجد تعمیر کمیٹی نے کام شروع کیا ہے، لیکن تعمیر کمیٹی میں سے چند افراد کا ارادہ ہے کہ اگر یہاں کی حکومت کو یہ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کی جماعت یہاں پر ایک مشرقی وضع قطع پر یوتھ سینٹر تعمیر کرنا چاہتی ہے، اس طرح جمع شدہ رقم پر حکومت اور لوکل کارپوریشن سے ۷۵٪ فی صد گرانٹ ملنے کا کافی امکان ہے، لیکن اس کے برعکس اگر یہ بتلایا جائے کہ ہم لوگ مسجد بنانے والے ہیں، تو حکومت مذہب کے نام سے کچھ بھی مدد دینے کے لئے تیار نہیں، لیکن یوتھ سینٹر کے نام سے گرانٹ مل سکتی ہے جو وضع قطع میں بینارہ، گنبدنما، بلڈنگ ہوگا۔

اس میں ایک کمرہ عبادت کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ اس طریقہ پر ایک پنتھ (۱) دو کاج والا معاملہ ہوتا ہے، گرانٹ (۲) بھی مل جائے گی اور مسجد بھی بن جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس تمام مسلمانوں سے یہی مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ بچوں کے لئے مسجد و دینی درسگاہ بنارہے ہیں۔ تو کیا اس طریقہ پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے وقف کردیا جائے، اس پر کسی کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہے، اس کا راستہ بھی الگ ہو، ایسا نہ ہو کہ راستہ کسی کے مکان کے اندر ہو اور وہ جب چاہے اپنا مکان بند کردے اور مسجد میں

---

(۱) ''پنتھ: فرقہ، قوم، ملت، مذہب، دھرم، گروہ، راہ، راستہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز لاھور)

(۲) ''گرانٹ: (Grant) حق دے دینا، منتقل کرنا، ھبہ کرنا، بخشا، مرحمت کرنا، منظور کرنا، قبول کرنا، ماننا، تسلیم کرنا، فرض کرنا''۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page No: 365, Feroz Sons, Lahore)

آنے والے نہ آسکیں۔ وہاں اذان وجماعت کی اجازت ہو، پھر وہ جگہ مستقل کسی دوسرے کام (تعلیم وغیرہ) کے لئے مخصوص نہیں ہوسکتی، اور نماز پڑھنے سے وہاں منع نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

اگر اسی طرح وہاں کے قانون کے مطابق مسجد بنانے کی گنجائش نہیں، بلکہ کچھ مدت بعد مسجد کو توڑ کر مستقلاً دوسرے کام میں استعمال کرنے کا خطرہ ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہاں دینی درسگاہ کے نام سے تعمیر کی جائے اور اس کے کسی ہال میں نماز وجماعت کا بھی انتظام رہے اور چندہ بھی یہی بتا کر لیا جائے کہ دینی درسگاہ بنائی جائے گی جس میں نماز وجماعت کا بھی انتظام ہوگا۔ حکومت سے حاصل شدہ رقم بھی اس میں صرف ہوسکتی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) "ومن بنیٰ مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه، وإذا صلىٰ فيه واحد، زال ملكه ....أما الإفراز فلأنه لا يخلص لله إلا به؛ لأنه مادام حق العبد متعلقاً به، لم يتحرر لله .... ومن جعل مسجداً تحته سرداب أوفوقه بيت، وجعل بابه إلىٰ الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذِن للناس بالدخول، فله بيعه، ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله، لبقاء حق العبد فيه، والمسجد لايكون إلا خالصاً لله، لما تلونا. ومع بقاء حق العبد في أسفله او في أعلاه أو في جوانبه محيطاً به لايتحقق الخلوص كله .... وأما إذا اتخذ وسط داره مسجداً، فلأن ملكه محيط بجوانبه، فكان له حق المنع من الدخول، والمسجد من شرطه أن لايكون لأحد فيه حق المنع، قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ [البقرة :۱۱۴]، ولأنه لم يفرزه حين أبقىٰ الطريق لنفسه، فلم يخلص لله، حتى لو عزل بابه إلى الطريق الأعظم، صار مسجداً". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۲۷۰، ۲۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۲) " ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام .... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه =

مسجد کی بجلی کا تار کسی کے مکان پر

سوال[۷۴۵۸]: اگر مسجد میں بجلی لگانے سے تار کسی دوسرے شخص کے مکان کے اوپر کو آجائے، اور صاحبِ مکان موجود نہ ہو، آنے پر وہ ناراض ہو تو بجلی لگوانے والے خود اس کو الٹا بُرا اور سخت بات کہیں تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے مکان پر تار آنے سے نقصان ہے تو اس کو وہاں سے ہٹا کر ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس کو نقصان نہ پہونچے (۱)، ورنہ وہیں رہنے دیا جائے، ذرا ذرا سی بات پر نزاع کرنا اور اشتعال کی بات کہنا بہت برا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا

سوال[۷۴۵۹]: مسجد سے آگے کی سمت (مغرب کی جانب) یا بازو میں کسی طرف مسجد سے متصل ایک شخص کی زمین ہے اور وہ شخص اپنی اس زمین میں عمارت بنوا رہا ہے جو کہ مسجد کی عمارت سے (یعنی دیوار سے) ہی شروع کرتا ہے۔ اگر چہ وہ زمین اسی کی ملکیت میں ہے، لیکن قانون گورنمنٹ کے اعتبار سے اس کو کم از کم تین فٹ جگہ چھوڑ کر عمارت بنانا چاہئے، لیکن وہ شخص اس کے لئے رضامند نہیں ہے۔ قانون کے لحاظ سے تو

= الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و نحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، مطلب في مصارف بيت المال: ۲۱۷/۴، سعيد)

(۱) "لاضرر ولاضرار". قال العلامة المناوی: "(لاضرر): أی لا يضر الرجل أخاه، فينقصه شيئاً من حقه .... أو لا فعل ضرر أو ضرار بأحد في ديننا: أی لا يجوز شرعاً إلالموجب خاص". (فيض القدير: ۶۴۸۴/۱۲، (رقم الحديث: ۹۸۹۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹/۱، (رقم المادة: ۱۹)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿وأطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصّٰبرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

اس کو نوٹس دیکر روکا جاسکتا ہے تحفظِ مسجد کے لئے، کیونکہ اگر یہ شخص دیوار ملا کر شروع کرتا ہے تو اس وجہ سے مسجد کو نقصان پہونچے گا کہ اس مسجد کا پرنالہ اور اس کے روشن دان وغیرہ بند ہوجائیں گے جس سے مسجد کے نقصان کا اندیشہ ہے۔

تو کیا ایسی حالت میں قانون کے ہوتے ہوئے بمطابقِ شرع بھی اس کی مملوکہ زمین سے مسجد کے تحفظ کے مدنظر بلا رضائے رب الارض نوٹس دے کر روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: قاری حسام الدین، میرٹھ شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چھت کا پانی گرنے کے لئے جگہ کا چھوڑنا حقِ مسجد ہے، لہٰذا تحفظِ مسجد کے لئے بھی اس کو روکنے کی ضرورت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۷ھ۔

مسجد کا لینٹر پڑوسی کی دیوار پر

سوال[۷۴۶۰]: مسجد کا ایک حجرہ میرے مکان کے ایک کمرہ سے ملا کر مسجد تعمیر کرانے والوں نے

---

(۱) "لایمنع احد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضره بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۵۷/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الضرر الفاحش هو کل مایمنع الحوائج الأصلیة، یعنی المنفعة الأصلیة المقصودة من البناء، کالسکنیٰ، أو یضر البناء بأن یجلب علیه وهناً، ویکون سبب انهدامه". (شرح المجلة، المصدر المتقدم، (رقم المادة: ۱۱۹۹)

"یدفع الضرر الفاحش بأیّ وجه کان، مثلاً: لو اتخذ فی اتصال دار دخان حداد أوطاحون، وکان من طرق الحدید، ودوران الطاحون یحصل وهن للبناء، أو أحدث فی جانبها فرن أو معصرة، فتأذیٰ صاحب الدار من دخان الفرن ورائحة المعصرة، حتیٰ تعذرت علیه السکنیٰ، فهذا کله ضرر فاحش یدفع ویزال بأیّ وجه کان". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۵۸/۱، الفصل الثانی، (رقم المادة: ۱۲۰۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

تعمیر کرایا، میرے مکان کی خام دیوار کو چھانٹ کر اپنے حجرے کی دیوار قائم کر لی، میری دیوار میں سے ایک فٹ دبا کر لینٹر ڈال لیا ہے۔ میں نے حافظ صاحب سے نہایت تہذیب سے دیوار بنانے کی شکایت کی، مگر توجہ اور معقول جواب نہیں دیا۔ کیا بغیر مالک کی اجازت کے ایسا کرنا جائز تھا؟ نیز ایک چھت اَور بنوائی ہے جو مذکورہ چھت سے ملائی گئی اور روشن دان رکھ دیا جس کی وجہ سے بے پردگی ہوگی۔ یہ بھی میری غیر موجودگی میں کیا گیا، حالانکہ باہر جاتے وقت وہاں سے کہہ کر گیا کہ خیال کر کے کام کرنا، کوئی قابلِ اعتراض نہ ہو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

رحیم بخش باندہ بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد خدا کا گھر ہے (۱)، اس میں کسی دوسرے کی زمین بغیر مالک کی اجازت کے شامل کر لینا، یا اس کی دیوار پر مسجد کا گاڈر یا لینٹر وغیرہ رکھنا، یا مسجد میں کوئی ایسا روشندان کھولنا کہ جس سے دوسرے کے مکان کی بے پردگی ہو، شرعاً یہ جائز نہیں (۲)، یہ حق تلفی ہے، گناہ ہے۔ اگر مسجد میں کسی کی زمین کی ضرورت ہو تو قیمتاً خریدی جائے، لہٰذا ایسی صورت مسئولہ میں مسجد کے ان تصرفات کے لئے دیوار کا کوئی حصہ لے لیا گیا ہو تو اس کی قیمت ادا کی جائے (۳)۔ اگر بے پردگی ہو تو اس کا انتظام کیا جائے اور جس کی حق تلفی کی گئی، اس سے معذرت بھی کی جائے،

---

(۱) "إن بیوت الله تعالیٰ فی الأرض المساجد". (فیض القدیر: ۱۹۶۶/۴، (رقم الحدیث: ۲۲۵۸)، مکتبة نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) "أخرج إلی الطریق العامة کنیفاً أو میزاباً أو جرصناً کبرج وجذع وممر علو وحوض طاقة ونحوها أو دکاناً، جاز إن لم یضر بالعامة، ولم یمنع منه، فإن ضر، لم یحل". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الجنایات، باب ما یحدثه الرجل فی الطریق وغیره: ۵۹۲/۶، سعید)

(۳) "وکذا إذا ضاق المسجد علی الناس وبجنبه أرض لرجل، تؤخذ أرضه بالقیمة کرهاً، لما روی عن الصحابة رضی الله عنهم لمّا ضاق المسجد الحرام، أخذوا أرضین بکره من أصحابها بالقیمة، وزادوا فی المسجد الحرام". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، رشیدیه) .... =

ورنہ آخرت کی بازپُرس سے نجات نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۵/۶/۸۷ھ۔

مسجد کا بیمہ

سوال[۷۴۶۱]: مسجد کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ یہاں کی مسجد گذشتہ فساد میں جلادی گئی تھی، مسجد کا سامان چٹائیاں مصلّے وغیرہ سب جلادیئے گئے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں تو مجبوراً بیمہ کرانا درست ہے(۱)،مگر اس سے حاصل ہونے والی سودی رقم مسجد میں صرف نہ کی جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۵/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) مفتی صاحب نے ہندوستان کے حالات کے پیشِ نظر بیمہ کی اجازت دی ہے جیسے سوال سے ظاہر ہے، لیکن پاکستان میں بیمہ کے جواز کی صورت نہیں ہوسکتی ہے، حضرت مفتی صاحب نے ضرورت کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا ہے:

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۲۵۱/۱، (رقم القاعدة: ۵٦۸)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹/۱، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۹، (رقم القاعدة: ۱۷۰)، الصدف پبلیشرز)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة". (الأشباه والنظائر: ۲٦۷/۱، (رقم القاعدة: ۲۱۷)، إدارة القرآن)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۳/۱، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۷۵، (رقم القاعدة: ۱۰۸)، الصدف پبلیشرز)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة: ٦۵۸/۱، سعيد)

مسجدوں کا جنت میں جانا

سوال[۷۴۶۲]: تمام مسجد اپنی پوری ہیئت کے ساتھ خانہ کعبہ میں مل کر جنت میں جائے گی یا صرف زمین؟

محمد ناظر، جونپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ فقط۔

ذاتی مسجد کا حال

سوال[۷۴۶۳]: یہاں متولی صاحب کی اپنی ذاتی مسجد ہے، وقف جائیداد سے خرچ کرتے ہیں، نہ کوئی کمیٹی ہے اور نہ کاموں میں کسی مقتدی سے صلاح ومشورہ لیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتی (۱)، متولی کو وقف کی جائیداد کا حساب کتاب رکھنا لازم ہے(۲)، اگر غلط طریقہ پر صَرف کرے گا تو سخت باز پرس ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۰/۳/۸۸ھ۔

مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟

سوال[۷۴۶۴]: جو چڑھاوا مسجد میں آتا ہے وہ کس کا حق ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله ، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن : ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲،سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علمية ملتان)

(۲) "وينبغي للقاضي أن يحاسب أمناء ه فيما في أيديهم من أموال اليتمىٰ، ليعرف الخائن، فيستبدله، وكذا القوّام على الأوقاف .... فقد علمت أن مشروعية المحاسبات للنظار إنما هي ليعرف القاضي الخائن من الأمين". (البحر الرائق، كتاب الوقف، قبيل أحكام المساجد: ۵/۴۰۷ ، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں کھانے پینے کی جو چیزیں دی جاتی ہیں، وہ امام اور مؤذن کے لئے دی جاتی ہیں، ان کا ہی حق ہے(۱)۔ اگر مسجد کے لئے کوئی چیز دی جائے، مثلاً: صف، لوٹا، جائے نماز وغیرہ تو وہ مسجد کی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

مسجد میں گلگلے اور شیرینی آئے اس کا مستحق کون ہے؟

سوال[۷۴۶۵]: مسجد میں گلگلے یا شیرینی تقسیم ہونے کو آتی ہے۔ لہٰذا اس کو کون کون سے لوگ کھاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صدقہ بتا کر یہ چیزیں دی جائیں تو ان کے مستحق غرباء ہیں(۳)۔ اور اگر مؤذن وغیرہ کے لئے دی جائیں تو مؤذن وغیرہ مستحق ہیں(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الصدقة هی المال الذی وهب لأجل الثواب". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع فی الهبة: ۱/۲ : ۴، (رقم المادة: ۸۳۵)، مكتبه حنفية كوئٹه)

"يملک الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة : ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "رجل بسط من ماله حصيراً فی المسجد .... أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء .... وعند أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ: يباع ويصرف ثمنه إلىٰ حوائج المسجد". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳ ، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲ ، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

(۴) "رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم أو مأة منٍ من حنطة، وقال: إدفع إلى فلان الفقير فدفع إلى غيره، =

مکان اور مسجد کے درمیان کتنا راستہ چھوڑا جائے؟

سوال[۷۴۶۶]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پورب جانب ایک صاحب کی جگہ ہے، وہ مکان بنائے مسجد کے قریب تک آگئے، اب گاؤں والے روکتے ہیں، کم ازکم بارہ فٹ چھوڑ کر بنانا چاہئے، وہ کہتا ہے کہ اگر میں چھوڑ کر بناتا ہوں تو میرے ایک کمرہ کا نقصان ہوتا ہے۔ اب اس میں فیصلۂ شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عام راستہ کے لئے اتنی جگہ چھوڑ دی جائے جس میں آدمی اور وہاں کے مطابق بیل گاڑی، چھکڑا وغیرہ بسہولت گذر جائے، اس سے زیادہ چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲۹/۹۵ھ۔

مخصوص مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا

سوال[۷۴۶۷]: جس مسجد پر فساق کا غلبہ ہو جس مسجد پر فسق وفجور کے خلاف کسی کو دینی حکم شائع نہ کیا جاسکتا ہو اور جس مسجد میں ادائیگی نماز کے لئے جاتے ہوئے نمازیوں پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا ہو، جبکہ وہ لوگ کسی فساد میں بھی شریک ہوتے ہوں۔ اور جس مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے موضع کے تین چوتھائی مسلمان اپنی آبرو کا خطرہ محسوس کرتے ہوں، کیا وہ مسجد پورے موضع کی جامع مسجد رہنے کے قابل ہے؟ کیا اس صورت میں اس جدید تعمیر شدہ مسجد میں عام نمازیں اور بشمول نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

= في الحاوي أنه يضمن". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۰۸/۴، رشيديه)

"والواقف لو عين إنساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره، كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۱) "ثم أنه إذا اختلفا في مقدار عرض الطريق المشترك، ففي الأرض يقدر بقدر ممرّ الثور، وفي الدار بقدر عرض باب الدار الأعظم بارتفاعه: أي يترك للطريق". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر في أنواع الشركات، الفصل الثامن في بيان أحكام القسمة: ۶۴۵/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۵)، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب القسمة: ۲۶۳/۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص کو ایک مسجد میں جانے سے جان کا یا عزت کا خطرہ ہو، وہ دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کرلے، حسبِ ضرورت ومصلحت ایک سے زائد مساجد میں بھی جمعہ درست ہے(۱)، جھگڑے اور فساد سے پورا پورا پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

مسجد کے خادم کو ضعیف ہو جانے پر مسجد سے تنخواہ دینا کیسا ہے؟

سوال[۷۴۶۸]: ایک مسجد کا ایک قدیم ملازم ہے جو کام کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا ہے، تھوڑا تھوڑا کام کرتا رہتا ہے تو اس کو پوری تنخواہ مسجد سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی طاقت کے موافق کام بھی تجویز کر دیا جائے، اتنی مراعات کی گنجائش ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(وتؤدى في مصر في مواضع): أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمه الله تعالىٰ، وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجمعة: ۲/۵۳ مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأطيعوا الله ورسوله ولاتنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصابرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

(۳) "والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلىٰ العمارة ....ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، اهـ .... والبساط: -بكسر الباء- أي الحصير، ويلحق بهما معلوم خادمها، وهو الوقاد والفراش، فيقدمان". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، ۳۵۹، رشيديه)

"وللمتولي أن يستأجر من يخدم المسجد يكنسه ونحوه ذلك بأجر مثله أو زيادةٍ يتغابن =

خادمِ مسجد کو وراثت کا حق نہیں

سوال[۷۴۶۹]: ۱......قصبہ کی جامع مسجد میں زید کے دادا ووالد بحیثیتِ مؤذن وامام مقرر تھے، دادا ووالد کے انتقال کے بعد زید اس کی جگہ نہ سنبھال سکا، لہٰذا مؤذن وامام دوسرے حضرات مقرر ہوئے، البتہ زید کے لئے وہی مراعات جو زید کے دادا ووالد کے لئے اس وقت قصبہ کی طرف سے تھی بحال رہی، لیکن اب ساکنانِ قصبہ زید کی کچھ نازیبا حرکتوں مثلاً مسجد کے انتظامی امور میں بے جامداخلت وغیرہ کی بناء پر زید سے متنفر ہیں اور تمام مراعات ختم کررہے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

۲......زید کے دادا ووالد کے لئے جو حجرہ مسجد کی طرف سے تھا، اس میں زید کی اب بھی رہائش ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے، اگر ہے تو کیوں؟

۳......زید کا کہنا ہے کہ حجرہ کی توسیع وتعمیر میں میرے والدین کی رقم خرچ ہوئی ہے، لہٰذا اس میں رہائش میرا حق ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

۴......زید مسجد کی ہر چیز پر پورے طور پر قابض ہے، یہاں تک کہ مسجد کی زمین پر لکڑی کی دوکان کرلی ہے اور مسجد کے درختوں کو اپنی ملکیت بتاتا ہے، درختوں کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ہمارے باپ دادا کے لگائے ہوئے ہیں اور اس بناء پر درختوں پر زید کا پورا تصرف ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

۵......حجرہ، مسجد کے احاطہ میں ہے اور دوکان مذکور مسجد کی زمین میں ہے۔ کیا یہ سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں؟ نیز مسجد کی حدودِ شرعی کا تعین فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسجد کے کسی خادم (مؤذن، امام) کی اگر خدمتِ مسجد کی وجہ سے مراعات کی جاتی ہے تو وہ اسی خادم کی ذات بلکہ خدمت تک محدود رہتی ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کہ خادم کے انتقال کے

= فیها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۵، إدارة القرآن كراچی)

بعد ورثہ بھی استحقاق کی بناء پر مراعات کا مطالبہ کریں، مراعات نہ کرنے کی وجہ سے ان کو بیجا مداخلت کا کوئی حق نہیں (۱)۔

۲...... یہ ''رہائش'' بھی دادا اور والد کو خدمتِ مسجد کی وجہ سے دی گئی تھی، اب جبکہ خدمت ختم ہوگئی بلکہ خدمت کرنے والے بھی ختم ہوگئے تو موجودہ اولاد کو بحیثیتِ وراثت اس کا حق نہیں پہونچے گا (۲)۔

۳...... والدین نے جو رقم دی تھی وہ ثواب کے لئے دی تھی جو آخرت میں ملے گا، دنیا میں اپنا اور اپنی اولاد کا حق قائم کرنے کے لئے نہیں دی تھی، ورنہ اپنی مملوکہ زمین میں اپنے روپے سے تعمیر بناتے -جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے- مسجد کی زمین میں مسجد کا حجرہ وسیع کرنے کیلئے روپے نہ دیتے۔ اگر اس طرح روپیہ دینے کی وجہ سے حقِ رہائش کو قائم کیا جانے لگے تو جتنے لوگوں نے مسجد میں روپیہ دیا ہے وہ بھی اپنا حق قائم کرنے لگیں گے، پھر وہ مسجد بجائے خانۂ خدا ہونے کے خانۂ چندہ دہندگان بن جائے گی (۳)۔

۴...... مسجد کی زمین پر دوکان لگانے کا اس کو حق نہیں، یہ قبضہ غاصبانہ ہے، یا زمین خالی کرے یا کرایہ مناسب مقرر کیا جائے، جتنی مدّت زمین پر اب تک قبضہ رہا اس کا بھی کرایہ ادا کرے (۴)۔ اس زمین پر درخت اگر مسجد کے لئے لگائے تھے تو وہ مسجد کی ملک ہے، زید کو ان میں حقِ تصرف نہیں (۵)۔

---

(۱) "حکم (ملک الله تعالیٰ وصرف منفعتها علیٰ من أحب) ولو غنیاً، فیلزم، فلایجوز له إبطاله، ولایورث عنه، وعلیه الفتوی، ابن الکمال، وابن الشحنة". (الدر المختار، کتاب الوقف، قبیل مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعید)

(۲) "فإذا تمّ ولزم، لا یملک ولا یملک ولایعار ولایرهن". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(۳) (راجع الحاشیة رقمها: ۲)

(۴) "(یفتی بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه) أو إتلافها، کما لو سکن بلاإذن أو أسکنه المتولي بلاأجر، کان علی الساکن أجر المثل ولو غیر معدّ للاستغلال، به یفتی صیانةً للوقف". (الدرالمختار). "ودخل ما لو کان الوقف مسجداً أو مدرسةً، سکن فیه، فیجب فیه أجرة المثل، کما أفتی به في الحامدیة" (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب سکن المشتري دارالوقف: ۴۰۸/۴، سعید)

(۵) "وإذا غرس شجراً في المسجد، فالشجر للمسجد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب =

۵......مسجد تو وہ ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں تو نہ رہائش درست ہے نہ دوکان درست ہے، مسجد کی ملک اس کے علاوہ بھی ہوتی ہے، مثلاً: مسجد کا حجرہ، غسل خانہ، وضوخانہ، مسجد کی زمین، جائیداد، باغ، دوکان، مکان۔ جو چیز بھی مسجد کی ملک ہو خواہ کسی نے وقف کی ہو، یا مسجد کے لئے خریدی گئی ہو، اس پر بھی کسی کا غاصبانہ قبضہ جائز نہیں، اس کا واگذار(۱) کرانا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

باہمی نااتفاقی کی بناء پر ایک مسجد کو ویران کرنا

سوال[۷۴۷۰]: آپس کی نااتفاقی کی بناء پر کسی نے یہ کہا کہ یہ مسجد ہماری ہے، تو دوسرے فریقان نے الگ مسجد تیار کرلی اور وہ مسجد ایسی جگہ میں تیار کرلی ہے کہ اس زمین کا مقدمہ چل رہا ہو۔ جس کے قبضہ میں وہ زمین ہے اس نے مسجد بنالی، اس خیال سے کہ پہلی مسجد ویران ہوجائے اور اس میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی نہ جائے۔ اور پہلی مسجد میں نمازی نہیں ہیں، کم ہیں، ایک یا دو آدمی نمازی نماز پڑھ لیتے ہیں اور باقی آدمی وہ مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس مقدمہ والی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ پہلے یہ قبرستان تھا، مگر اب اس میں کوئی قبر نہیں ہے، لیکن کسی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس میں کچھ قبریں اب بھی ہیں پرانی، اور ایک پختہ مزار اب بھی موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بہت غلط کام کیا کہ پہلی مسجد کو آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ویران کر دیا، اس کا وبال بہت

= الثاني عشر: المسائل التي تعود إلى الأشجار: ۲/ ۴۷۳، رشيديه)

(۱) "واگذار: چھوڑا ہوا"۔ (لغات سعدی، ص: ۸۵۳، سعید)

(۲) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: سكن المشتري دار الوقف: ۴/ ۴۰۸، سعيد)

"(وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير، وردّ العين قائمة)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/ ۱۷۹، سعيد)

سخت ہے(۱)۔ اگر دوسری جگہ مسجد بنائی گئی اور سامنے کوئی قبر نہیں اور وہ جگہ مالک نے مسجد کے واسطے دیدی ہے، یا پہلے سے قبرستان کے لئے وقف ہے، مگر اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، بلکہ دفن کے لئے دوسری جگہ موجود ہے تو اس مسجد میں بھی نماز درست ہے(۲)۔ اب دونوں مسجدوں کو آباد کیا جائے اور آپس کی لڑائی کو ختم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

مقروض کا قرض خواہ کی طرف سے قرض مسجد میں دینا

سوال[۱۷۴۷]: ایک شخص کے ذمہ کچھ قرض ہے، جس کا قرض ہے اس شخص نے یہ کہا کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ واجب ہے، وہ مسجد میں دیدو۔ قرض دار نے بقدر اس کے قرض کے مسجد میں روپیہ اپنی جانب سے دیا، لیکن یہ بات معلوم ہونے پر کہ تم کو پہلے قرض ادا کرنا چاہئے تھا مسجد میں۔ روپیہ والا جو مقروض ہے یہ کہتا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مسجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي: "﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها ﴿أولئك﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها". (روح المعاني: ۱/ ۳۶۴، (سورة البقرة: ۱۱۴)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجداً ليصلیٰ فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

"وإن بقي من عظامهم شيئ، تنبش وترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لماروی أن مسجد النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين، فنبشت، كذا في الواقعات". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۹، رشيديه)

ہے کہ میں نے جو کچھ دیا بخوشی قرضہ والے کی جانب سے اس کے حق میں ادا کرتا ہوں اور اس کا ثواب بھی بخوشی کہتا ہوں کہ جس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، اس کو حق تعالیٰ دیں۔ یہ لفظ جس کا روپیہ ہے اس کے روبرو کہے تو یہ مسجد میں دیا ہوا روپیہ اس کے قرض میں مجرا ہو جائے گا اور وہ ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قرض ادا ہو جائے گا اور اس کا ثواب بھی ملے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۱ھ۔

نقصان شدہ شئی کا ضمان مسجد میں دینا

سوال[۷۴۷۲]: دیہات میں غیر اقوام کے بچوں نے ایک غیر قوم کے جنگل میں اس کا چارہ (جو کہ جانور وغیرہ کھاتے ہیں) جلا دیئے ہیں، اس آدمی نے ان کے والدین سے یعنی لڑکوں کے بطور جرمانہ یا معاوضہ کچھ روپے طلب کئے اور انہوں نے اس کو روپیہ بھی دے دیئے، وہ آدمی جس نے روپے لئے تھے وہ یہ کہتا ہے کہ اس روپے سے کچھ روشنی کے لئے خرید کر مسجد میں دینا چاہئے۔ تو کیا اس کی یہ چیز مسجد میں لگانا اور اس کا اس طریقہ سے لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنا نقصان کیا ہے، اس کی قیمت وصول کرنے کا حق ہے(۲)، پھر اس قیمت کو اپنے کام میں لائے

---

(۱) "ولو أمره: أي أمر رجلٌ مديونه بالتصدق بما عليه، صح أمر بجعله المالَ لله تعالىٰ، وهو معلوم".

(تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/ ۵۱۹، سعيد)

(۲) "المباشر ضامن، وإن لم يتعمد". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۰، (رقم المادة: ۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لو أتلف واحد مال آخر، أو نقص قيمته تسبباً، يعني: لو فعل ما كان سبباً مفضياً إلى تلف مال أو نقصان قيمته، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الغصب، الفصل الثانى فى الإتلاف تسبباً: ۱/ ۵۱۲، (رقم المادة: ۹۲۲)، مكتبه حنفية كوئٹه)

یا مسجد کی روشنی کے لئے دیدے درست ہے، یہ اس وقت ہے کہ اس کی مملوکہ شی کا نقصان کیا ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

امام کے ذمہ مسجد کا قرض ہے اس کی وصولی کی صورت

سوال[۷۴۷۳]: ایک جگہ مسجد میں امام رہتا تھا اور امام صاحب کا فصلانہ تھا جس سے امام صاحب کے اخراجات پورے ہوتے تھے، جس وقت فصل کا وقت آیا یعنی فصل کٹنی شروع ہوئی تو امام صاحب کے اوپر الزام اٹھایا گیا، یہ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ الزام سچ ہے یا جھوٹ ہے، بہرحال اس الزام کی گرفتاری میں امام صاحب تشریف لے گئے تمام فصلانہ چھوڑ کر۔ اب امام کا ایک آدمی رہ گیا فصلانہ لینے کی غرض سے، چند آدمیوں نے فصلانہ باقی نہیں دیا۔

اور کسی مجبوری کی وجہ سے امام نے مسجد کے پیسے سے کچھ قرض لیا تھا۔ تو جس وقت امام وہاں سے چلے، کوئی پیسہ اپنے پاس نہیں تھا، اب مسجد والوں نے امام سے پیسوں کا تقاضہ کیا تو امام نے جواب دیا کہ میرا فصلانہ ابھی باقی ہے، دس بارہ بچوں کا انعام بھی رہ گیا ہے، جن کو ہم نے قرآن مجید پڑھایا ہے، اب ان بچوں سے انعام لے کر اور فصلانہ وصول کر کے مسجد کا جو قرضہ مجھ پر ہے، پہلے وہ وصول کرلو پھر باقی روپے مجھے دیدو۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا جواب صحیح ہے، اس کے موافق عمل کیا جائے (۲)، مسجد کا پیسہ چھوڑنے کا کوئی حق

---

(۱) "کلٌّ یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۱/ ۲۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیة کوئٹه)

"لأن الملک مامن شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعید)

(۲) "فإن کان یؤمّ فی المسجد وقت الحصاد، یستحقه، وصار کالجزیة". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۸۴/۵، رشیدیه)

نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

کفن کا مصلی مسجد میں

سوال [۷۴۷۴]: مُردوں کو کفنانے کیلئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے، اس میں سے بعض حضرات ایک مصلے کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیدیتے ہیں۔ آیا اس مصلے کا استعمال اہلِ مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلے کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کپڑا جزوِ کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کیلئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کا استعمال کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "أكار تناول من مال الوقف، فصالحه المتولي على شئ والأكار غني، لايجوز الحط من مال الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف ۴۰۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۷۶۰/۵، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "ولو كفن ميتاً فافترسه سَبُعٌ، فإن الكفن يكون للمكفِّن إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره المسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

مسجد سے متصل اسکول بنانا

سوال[۷۴۷۵]: آج کل مسلمانوں میں اردو تعلیم کی شدید ضرورت کی بناء پر اسکول کھولے جار ہے ہیں، ان میں معلموں اور معلمات کا تقرر ہوتا ہے، مگر معلم کم اور معلمات زیادہ ہوتی ہیں، ان میں کافی بے تعلقی ہوجاتی ہے، پردہ کا لحاظ بھی ختم ہوجاتا ہے، تعلیم دینے اور گانے بجانے کی وجہ سے آواز کا پردہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے اسکول عام طور پر مسجد سے متصل ہوتے ہیں، کیونکہ گورنمنٹ ان اسکولوں کے لئے جگہ نہیں دیتی، اس لئے ان عورتوں کی آواز نمازیوں کے کانوں میں بکری کی طرح گونجتی ہے اور نمازیوں میں گڑبڑ ہوجاتی ہے، کچھ لوگ مسجد چھوڑنے پر مجبور ہورہے ہیں، مگر زید مخالفت کرتا ہے۔ زید کے حق میں کیا حکم ہے؟ کیا اردو کی تعلیم کے لئے عورتوں کو بے پردگی اور بلند آواز کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اردو کی پاسداری وقت کی اہم ضرورت ہے، مگر احکامِ شرعی کی پابندی حسبِ نصوصِ خداوندی دائمی وابدی ہے، نماز کا احترام ہمیشہ لازم ہے(۱)۔ ترکِ پردہ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط کے مفاسد اظہر من الشمس ہیں(۲)، وقف کو شرط واقف کے خلاف استعمال کرنے کا حق نہیں(۳)۔ مسجد کے قریب ایسا شور وشغب خواہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلوة كانت على المؤمنين كتباً موقوتاً﴾ (سورة النساء: ۱۰۳)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها النبي قُل لأزواجك وبنتك ونساء المؤمنين يُدنين عليهن من جلا بيبهنّ﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"وعن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم، اهـ". (رواه البخاري، باب: لايخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم: ۷۸۷/۲، قديمي)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الوقفين واجبة: ۴۴۵/۴، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم. شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي) .... =

بچوں کے سبق یاد کرنے کا ہی ہو، جس سے نماز میں خلل پیدا ہو، درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۵ھ۔

پھینکے ہوئے سیمنٹ کو درستگی کے بعد فروخت کر کے مسجد کا فرش بنانا

سوال [۷۴۷۶]: او، این، جی، سی کمپنی کا بورڈنگ کنڈکٹر نے اعلیٰ افسر کے آرڈر کمپنی کے گودام میں رکھا ہوا سیمنٹ گودام سے خارج کر کے پھینک دیا ہے، لیکن کمپنی کے ایریے میں چھوڑ رکھا تھا (۲)۔ پھر اس کو مزدور نے ریفائن (۳) کر کے بستہ بندی کی ہے اور فی بوریہ/۲۵ روپے قیمت دے کر خریدا گیا۔ حسب مناسب رات کو ۹/ بجے ٹھیلہ کر کے وہ سیمنٹ مناسب مقام پر رکھ کے اس سے مسجد کا فلور سطح سفلی تیار کیا گیا، تقریباً ۹/ بورے سرف کر کے یہ کام انجام دیا گیا ہے، پھر تقریباً مہینہ بھر نماز پڑھی جاتی رہی۔ بعد میں مقامی معتبر حضرات کو شبہ ہوا کہ اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے شرعی رائے طلب کرتے ہیں، بر تقدیرِ عدمِ جواز مستقبل میں یہ فلور توڑ کر پھینکی جائے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو بیکار قرار دیکر پھینک دیا گیا تھا، کہ جس کا دل چاہے اٹھالے تو اب نماز میں کوئی شبہ نہ کریں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۴۰۱ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(۱) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وبيعكم، وشراءكم، ورفع أصواتكم، وسلّ سيوفكم، وإقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(۲) "ایریا: رقبہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۴، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "ریفائن: (refine) نتھارنا، مصفا کرنا، خالص بنانا، میل دور کرنا، مانجھنا، آراستہ کرنا، خوشگانی کرنا، چمکانا"۔
(English to English & Urdu Dictionary, Page No. 755, Feroz Sons Lahore)

(۴) "ألقى شيئاً، وقال: من أخذه، فهو له، فلمن سمعه أو بلغه ذلك القول أن يأخذه، وإلا لم يملكه؛ =

کمپنی سے ٹین کی سستی چادریں خرید کر مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۷۴۷۷]: قصبہ میں ٹاؤن ایریا کمیٹی اس میں چار مسلمان ممبر اور چھ دیگر ہیں، چیئرمین نے پرانی ٹین کی استعمال شدہ چادریں ہندوؤں کو بطور دان (۱) دینی چاہیں ان کی تعداد ۳۱/ ہے اور قیمت تقریباً بارہ سو روپے ہے۔ ان چادروں کو ایک مسلم سوسائٹی دان میں نہ لے کر صرف ایک سو روپے میں خرید کر مسجد پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ٹاؤن ایریا کمیٹی بااختیار ہے، وہ مفت بھی دینے کی مجاز ہے، تو اس سے خرید کر بھی ان چادوروں کا مسجد میں استعمال کرنا درست ہے اگرچہ قیمت بہت کم لگائی گئی ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کا غلہ فروخت کرنے والے سے ضامن بننے کی صورت میں قیمت کی وصولی

سوال[۷۴۷۸]: مسجد کا غلہ کسی ایک آدمی نے فروخت کر دیا اور پیسوں کا ذمہ دار فروخت کرنے والا

= لأنه أخذه إعانةً لمالكه ليردّه عليه، بخلاف الأول؛ لأنه أخذه على وجه الهبة وقدتمت بالقبض".

(ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: القى شيئاً وقال: من أخذه فهو له: ۲۸۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب اللقطه: ۲۵۷/۵، رشيديه)

(۱) "دان: چندہ، تحفہ، نذر، خیرات"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۱۱، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "(ويكون بقول أو فعل، أما القول فالإيجاب والقبول) .... (فالإيجاب) هو (مايذكر أولاً من كلام) أحد (المتعاقدين)، والقبول مايذكر ثانياً من الآخر، سواء كان بعتُ أو اشتريتُ (الدال على التراضي) قيّد به اقتداءً بالآية، وبياناً للبيع الشرعي". (الدرالمختار، كتاب البيوع، شرائط البيع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال، ينعقد بإيجاب وقبول بلفظي الماضي) .... والإيجاب والقبول والتعاطي علةٌ مادية له، والمبادلة يكون بين اثنين، فهما العلة الفاعلية. ولم يقل: على سبيل التراضي، ليشمل ما لايكون بالتراضي كبيع المكره، فإنه ينعقد، هو الصحيح". (شرح الوقاية، كتاب البيع: ۱۰/۲، ۱۱، سعيد)

ہوگیا کہ پیسے آجائیں گے، لیکن خریدار نے پیسے نہیں دیئے۔ تو فروخت کرنے والے سے پیسے وصول کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا مسجد کو قیمت دے اور خریدار سے وصول کرے یا معاف کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۱۴۰۱ھ۔

مخصوص خاندان کا اپنی بنائی ہوئی مسجد کو اپنی ملک کی طرح سمجھنا

سوال[۷۴۷۹]: ایک مسجد کسی مخصوص خاندان، یا مخصوص انسان، یا مخصوص قوم نے بغیر کسی قوم کے تعاون کے کرائی اور پھر وقف فی سبیل اللہ کردی۔ بعدہ جو کام ہوا، عوام کے تعاون سے ہوا، لیکن پھر بھی اس قوم یا خاندان یا انسان سے کوئی ایسی بات پیش آئی ہو جس سے عوام پر غلط اثر پڑتا ہو، یا اس کی حرکت سے مصلیانِ مسجد حیران ہوں اور اس کی حرکات وسکنات سے محسوس ہوتا ہو کہ یہ مسجد کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس قسم کی ناجائز حرکات کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایسی مسجد کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم، ایسے انسان، ایسے خاندان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد وقف کردی گئی، خواہ عوام کے پیسہ سے اس کی تعمیر ہوئی ہو، یا کسی خاندان کے پیسے سے، یا کسی شخص خاص کے پیسے سے، بہر صورت وقف ہو جانے کے بعد اس پر کسی کا دعویٰ ملک کرنا صحیح نہیں: "الوقف إذا

---

(۱) "ولو اشترى بغلته ثوباً، ودفعه إلى المساكين، يضمن مانقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له، كذا فى البحر الرائق ناقلاً عن الإسعاف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۴۱۸/۲، رشيديه)

"فإن فضل من غلته، فصرف الفضل إلى حوائجه على أن يرده إذا احتاج إلى العمارة، قال: لايفعل، ويتنزه غاية التنزه، فإن فعل مع ذلك، ثم أنفق فيه، رجوتُ أن ذلك يبرأ عما وجب عليه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وأو قافه: ۴۲۳/۴، رشيديه)

تم ولزم، لایملك ولایُملّك". درمختار(۱)۔ قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للّٰه﴾ الآیة(۲).

جوشخص یا جو جماعت مسجد کو اپنی ملک سمجھے اس کا سمجھنا غلط ہے، لوگ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کریں، فتنہ فساد سے پورا اجتناب رکھیں۔ اگر وہ شخص یا خاندان دوسرے آدمیوں کو مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے روکے تو ایسا شخص ایسا خاندان بڑا ظالم ہے: ﴿من أظلم ممن منع مساجد اللّٰه أن یذکر فیها اسمه﴾(الآیة)(۳)۔ مگران کی اس حرکت پر بھی لڑائی جھگڑا نہ کیا جائے کہ سر پھٹول ہو، مقدمہ بازی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۱۳۹۹ھ۔

مسجد کے لئے پتھر خریدے اور ایک پتھر بطور یادگار دے دیا

سوال[۷۴۸۰]: ایک بستی کے اندر اہل بستی نے تین آدمیوں کو مسجد کیلئے پتھر کی فرشی لینے کے لئے ایک دوسرے شہر میں بھیجا، یہ لوگ وہاں گئے اور انہوں نے مسجد کے لئے مذکورہ چیزیں خرید لیں۔ پیسہ وغیرہ دیدینے کے بعد اور سامان کو لادتے وقت ان میں سے ایک شخص نے دکاندار سے کہا کہ ایک پتھر مجھے بھی دیدیجئے، دکاندار نے کہا کہ کیا اپنی ذاتی ضرورت کیلئے لے رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں، دکاندار نے کہا کہ آپ کو جو پتھر دیا جائے گا وہ مسجد کے بھاؤ میں نہیں، اس لئے کہ میں نے مسجد کی وجہ سے بھاؤ میں رعایت کی ہے۔ تو مذکورہ شخص نے کہا کہ پھر میں نہیں لے سکتا، بلکہ میں تو مسجد کے بھاؤ سے بھی کم پر چاہتا ہوں۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(۲) (سورة الجن: ۱۸)

(۳) (سورة البقرة: ۱۱۴)

اس کے بعد دوکاندار نے کہا کہ آپ اس پتھر کو کس مقصد کے لئے لے رہے ہیں؟ مذکورہ شخص نے کہا: محض یادگار کے لئے لے رہا ہوں، اس لئے کہ اس اطراف میں یہ پتھر نہیں ملتا۔ اس بات کو سن کر دکاندار نے کہا کہ میں آپ کو ایک پتھر یادگار کے لئے مفت دیتا ہوں اور اس نے ایک پتھر نوکروں سے نکلوا کر مسجد کے پتھروں میں رکھوادیا۔ اور اس شخص کے دونوں ساتھیوں سے کہہ دیا کہ یہ پتھر میں اس کو دے رہا ہوں، اس کا مسجد کے پتھروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ پتھر اس کی ذاتی ملکیت ہوگا، یا مسجد کی ملکیت مانا جائے گا؟ ایک شخص اس کے مسجد کی ملکیت ہونے پر ھدایا العمال اور ابن ابی شیبہ کی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں: "هذا مالكم، وهذا هديةٌ أهديت لي". الخ(۱)۔ یہ بات ذہن نشین رہے، کہ تینوں حضرات مسجد کے اخراجات پر یہ مذکورہ چیزیں خریدنے گئے تھے۔ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

العارض: نصیر الدین، بیت العلوم، مالیگاؤں ناسک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس تفصیل کے تحت یہ پتھر ہدایا العمال میں داخل نہیں (۲)، اس لئے کہ اول تو انہوں نے یہ پتھر صدقہ وچندہ میں وصول نہیں کئے، بلکہ خریدے ہیں، بخلافِ ابن لبید کے کہ یہاں خریداری کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ صدقاتِ واجبہ کی وصول یابی تھی، بیت المال کے لئے جس میں بے جا رعایت اور فروگذاشت کا مظنہ تھا(۳)، یہاں خریداری ہے، بائع نے خود تصریح کردی کہ مسجد کی خاطر کم قیمت لی ہے، نہ کہ ایک پتھر دیکر

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال العلامة ابن عابدين: "وتعليل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم دليل علی تحريم الهدية التی سببها الولاية". (ردالمحتار، مطلب فی هدية القاضی: ۵/۳۸۳، سعيد)

(۳) "عن أبی حميد الساعدیّ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: استعمل النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم رجلاً من بنی أسد يقال له: ابن اللتبيّة علی صدقة، فلما قدم قال: هذا لكم، وهذا أهدی لی، فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم علی المنبر، قال سفيان: أيضاً، فصعد المنبر فحمد اللہ وأثنیٰ عليه، ثم قال: "مابال العامل نبعثه فيأتی فيقول: هذا لک، وهذا لی، فهلّا جلس فی بيت أبيه أو أمّه فينظر أهدیٰ له أم لا الخ".

(صحيح البخاری، كتاب الأحكام، باب هدايا العمال: ۲/۱۰۶۴، قديمی)

زیادہ قیمت لی ہے۔

دوسرے اصالۃً اس، پتھر کا معاملہ بیع کا کیا جارہا تھا(۱)، ہدیہ کا نہیں تھا، البتہ قیمت میں رعایت چاہتے تھے، جس کا بائع نے صاف انکار کردیا، پھر جب کہ یادگار کے طور پر رکھنے کی بات سنی تو اس نے بلا قیمت ہی دیدیا کہ یہ میری طرف سے یادگار ہے(۲)۔ البتہ وہاں سے لانے میں اس پر جو صَرفہ ہوگا، وہ مسجد کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تنبیه: چونکہ یہ پتھر مسجد کی غرض اور مسجد کے صرفۂ سفر کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس لئے اپنی جانب سے مسجد کو دیدیں تو یہ اعلیٰ بات ہے، مگر مسجد کو مطالبہ کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۹۲ھ۔

ضد کی وجہ سے پہلی مسجد کو گرانا

سوال [۷۴۸۱]: ۱...... اگر مسجد کو امام، متولی سابقہ کے بغیر بنوالیں تو عندالشرع اس میں نماز جائز ہے یا ناجائز؟

۲...... اگر گاؤں کے سابقہ نمازی اس مسجد میں نماز بالکل نہیں پڑھیں گے، کیونکہ ان کی رضامندی کے بغیر بنائی جارہی ہے، ان کی کوئی صلاح وغیرہ نہیں لی گئی، کیونکہ نمازیوں نے پچھلے سال ہی اس مسجد کی چھت دوبارہ ڈلوائی تھی، انہوں نے مسجد کو جبراً گرادیا۔ آیا اس مسجد کی تعمیر جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... اگر مسجد میں نماز پڑھنی ناجائز ہو تو کیا اور مسجد بنائی جائے اور اس میں نماز پڑھی جائے تو جائز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

...... ضد اور لڑائی کی وجہ سے مسجد کو گرانا اور ازسرِنو بنانا گناہ ہے، تاہم اس میں نماز جائز ہے(۳)۔

---

(۱) "البيع ينعقد بالإيجاب والقبول، إذا كانا بلفظي الماضي". (الهداية، كتاب البيوع: ۳/ ۲۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "الهبة تمليك مال لآخر بلاعوض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع في الهبة: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)=

۲...... بلا وجہ شرعی مسجد کو محض ضد کی بنا پر گرادینا حرام ہے اور نمازیوں کو اس ناراضگی کی وجہ سے کہ ہم سے صلاح نہیں لی گئی، مسجد کو چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔ جب مسجد کسی نے جہالت اور حماقت سے گرادی ہے تو اس کا تمام صرفہ اس گرانے والے کے ذمہ واجب ہے، اس کے ذمہ اس کی تعمیر ضروری ہے(۱)۔

۳...... اور مسجد کے بنانے کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو جہالت اور ضد کو چھوڑ کر آپس میں اتحاد واتفاق سے رہنا چاہیئے، آپس کی ضد کا خمار خدا کے گھر پر نکالنا بہت بڑی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ امام اور متولی اور گرانے والے اور نمازی سب کو لڑائی مٹا کر اتحاد واتفاق سے خدا کے گھر کا احترام اور اس کو آباد کرنا فرض ہے، ورنہ اس کا وبال سب پر آئے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم، ۲۸/صفر/۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

مسجد کو شہید کرنے سے ضمان

سوال[۷۴۸۲]: ۱...... میاں جی نور بخش ومشیت اللہ ومحمد احمد، عبد الرحمن ورحیم الدین صاحب پسر

= قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العمومُ في كل مانع، وفي كل مسجد، وخصوص السبب لايمنعه، ﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها .... ﴿أولئك﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها ﴿ماكان لهم أن يدخلوها إلاخائفين﴾". (روح المعاني: ۱/۳۶۳، ۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي الليث: مسجدٌ بجنبه نهر ماءٍ، فانكسر حائط المسجد من ذلك الماء، ينبغي لأهل المسجد أن يرفعوا الأمر إلى القاضي؛ ليأمر أهل النهر بإصلاحه، حتى إذا لم يصلحوه بعد أمره، وانهدم حائط المسجد، ضمنوا قيمة ما انهدم". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۸۶۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۲/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني، ۴۶۳/۲، رشيديه)

ان بعض مستریان موضع دھنورہ ٹیکری ضلع میرٹھ نے اپنے حصۂ ارض پر ایک کچی مسجد بنائی، مسجد بنا کر اذان ونماز باجماعت ادا کرنے لگے۔ عرصۂ دراز کے بعد جب مستری میاں جی نور بخش صاحب کا انتقال ہوگیا اور عبدالرحمٰن نے موضع برکٹہ سکونت اختیار کرلی تو مسجد میں اذان وجماعت کا کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسجد ویران نظر آنے لگی تو رحیم الدین کو بطورِ امانت دے کر گیا تھا جس کا کوئی معاوضہ استعمال پر نہ تھا۔

عبدالرحمٰن نے آکر اپنا مکان رحیم الدین سے واپس لے لیا اور مسجد کو پختہ بنانے میں اپنے ہمراہ دیگر اہل اسلام کو بھی شامل کرلیا اور چند مخلصین حضرات کو لے کر تعمیری سلسلہ شروع کردیا او تقریباً ایک گز تعمیر ہوگئی کہ عبدالرحیم ورحیم الدین نے چند اہل ہنود کو بہکا کر مسجد کی تعمیر بند کرادی۔ حافظ عبدالمجید جو کہ میوات میں مقیم تھے، واپس آئے، انہوں نے جملہ مسلمانوں سے معلومات کی کہ جب آپ حضرات نے مسجد کی تعمیر شروع کی تھی، پھر کیوں رُکوائی؟ معلوم ہوا کہ ان کے چچا عبدالرحیم نے بند کرائی ہے تو اس پر عبدالمجید نے ہندو ذی فہم لوگوں سے مل کر مسجد کو مکمل کردیا۔

لیکن عبدالرحیم اندرونی طور پر مخالفت پر رہا۔ اور عبدالرحیم نے پسِ پشت جبکہ وہ کسی جلسہ میں گئے تھے موقعہ پاکر اہل ہنود کو اُکسایا کہ مسجد کو شہید کردیا جائے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ پہل تم کرو، پھر ختم ہم کردیں گے۔ چنانچہ عبدالرحیم نے پہل کر کے ہندوؤں سے مسجد شہید کرادی۔ اس پر قانونی کارگذاری کی گئی، تحقیقات ہوئی اور تصفیہ ہوگیا، جملہ مسلمانان نے طے کیا کہ اگر تم نے مسجد نہ بنائی تو تم سے ترکِ معاملات کیا جائے گا، اور کوئی بھی اہلِ اسلام تم سے نہ مل سکے گا۔ پھر عبدالرحیم نے بذریعۂ چند ساتھیوں کے مسجد تعمیر کرائی، مگر جو جگہ مسجد کی تھی وہ اہل ہنود کو دی اور دوسری جگہ مسجد مع محراب کے بنائی۔

۲......اب سوال یہ ہے کہ اس سے جو اس شخص نے مسجد کا نقصان کیا ہے اور تمام تر رقم برباد کی، اس کا معاوضہ اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور جس مکان کا ذکر اوپر ہوا، اس پر اب بھی بالجبر قبضہ کئے ہوئے ہے۔ فرمایئے یہ حق العباد ہے یا نہیں؟ اور شروع میں جب مسجد گرادی اور اہل ہنود نے جب ظلم شروع کردیا تو چند مسلم حضرات ہجرت کر گئے تھے، فرمایئے یہ ان کی ہجرت حق بجانب ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس نے مسجد کا جس قدر روپیہ اس کو گرا کر ضائع کیا، اس کا ضمان لازم ہے، اس سے وصول

کرلیا جائے، یا اس کے عوض تعمیر کرائی جائے (۱)۔ دوسرے کے مکان پر بغیر مالک کی رضامندی واجازت کے جبراً قبضہ وتصرف کرنا ظلم اور غصب ہے، ہرگز جائز نہیں (۲)۔ جس کو ایک مقام پر ظالموں سے امن نہ ملے اور وہ مجبوراً وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوجائے تو شرعاً درست ہے (۳)۔

---

(۱) "هدمَ حائطَ مسجد، يؤمر بتسويته وإصلاحه، كذا في القنية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الثالث فيما لا يجب الضمان باستهلاكه: ۱۲۹/۵، رشيديه)

"من هدم حائط غيره، فإنه يضمن نقصانها، ولا يؤمر بعمارتها، إلا في حائط المسجد، كما في كراهية الخانية". (الأشباه والنظائر). قال الحموى في شرحه: "لو هدم حائط الوقف، تلزمه على القيمة إلا في حائط المسجد، فإن عليه تسويتها. وذكر فيه أن المثلي يضمن بالقيمية، إذا كان بلد الخصومة غير بلد الغصب". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، (رقم القاعدة: ۵۴)، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (صحيح البخارى، أبواب المظالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض: ۳۳۲/۱، قديمى)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمى)

"إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۳) "سئل الحلواني عن أوقاف المسجد: إذا تعطلت وتعذر استغلالها، هل للمتولي أن يبيعها ويشترى بثمنها أخرى؟ قال: نعم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

۲......اصل تو یہی ہے کہ آپس میں فیصلہ کرلیا جائے، جب اس کی کوئی صورت نہ ہوتو عدالت کی طرف رجوع کیا جائے:﴿وإن جنحوا للسلم، فاجنح لها﴾ الآية(۱)۔ ایسی حالت میں جبکہ ثبوت فراہم کرنا دشوار ہو اور وہ لوگ شہادت کے لئے آمادہ نہ ہوں اور بغیر شہادت کے انصاف کی صورت نہ ہوتو فیصلہ ہی مناسب ہے۔ جو جگہ ایک دفعہ مسجد قرار دیدی جائے اور اس میں اذان جماعت بلا روک ٹوک ہونے لگے، اس کو کسی اور کام میں صرف کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

مسجد میں روپیہ دینے کا وعدہ کرکے روپیہ نہ دینا

سوال[۷۴۸۳]: مسمی ابوالحسن نے اپنے والد کی طرف سے محلّہ کی مسجد میں تین سو روپیہ متولی مسجد کو دینے کا وعدہ کرلیا اور ایک تحریر مہاجن کو-- جس سے ابوالحسن کا لین دین تھا- دیدی کہ تین سو روپیہ متولی مسجد کو برائے محلّہ کی مسجد دے دینا، مگر اب ۵،۶/ ماہ بعد ابوالحسن روپیہ دینے سے اعراض کر رہا ہے۔ تو کیا روپیہ لکھ دینے کے بعد اب بھی ابوالحسن کو ترمیم وتنسیخ کا حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف کی صورت نہیں کہ معاملہ واقف کے قابو سے باہر ہو جائے اور واقف بے بس ہو جائے، بلکہ یہ چندہ ہے اور آئندہ کے لئے وعدہ ہے، جب تک ہو سکے وعدہ پورا کرنا چاہیے، محض مال کی محبت یا معمولی تنگی کی وجہ سے وعدہ خلافی نہ کی جائے کہ یہ شرعاً مذموم ہے(۳)۔ بایں ہمہ اگر ابوالحسن رقم موعودہ نہ دے تو اس سے جبراً

---

(۱) (سورة الأنفال: ۶۱)

(۲) "لو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة =

وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۸ھ۔

سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا

سوال[۷۴۸۴]: مسجد کے پاس باہر پانی کی ایک ٹنکی لگی ہوئی ہے، جو میونسپلٹی کی طرف سے رفاہ عام کے لئے ہے۔ اگر مسجد کے لئے استعمال کرنا چاہیں کہ اس نل کے ذریعہ پائپ یا بالٹی یا کسی صورت سے مسجد میں ذخیرہ کرلیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنا خلافِ قانون نہ ہو، بلکہ میونسپلٹی کی طرف سے اجازت ہو تو جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

= المنافق: ۱/۱۰، قدیمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ مسلم إلابطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۴/۳۸۷، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب و العارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "ولابأس بأن يشرب من البئر والحوض، ويسقي دابته وبعيره، ويتوضأ منه، كذا في الظهيرية".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۶۵، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۷، رشيديه)

"قال في المعراج: لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية: ۲/۱۷۲، سعيد)

"لأن طاعة الإمام فيماليس بمعصية فرض". (الدر المختار، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا

سوال[۷۴۸۵]: ایک مسجد میں چند سال اہل دہ(۱) نماز پڑھتے رہے اور اصل مسجد جو پہلے سے بنائی گئی تھی وہ اس کے سوا دوسری ہے، یہ نئی مسجد صرف چند ایک اَمکنہ کے مالکوں نے گاہ گاہ نماز ادا کرنے کے لئے بنائی تھی، دراصل ان کی مسجد قدیمی بھی وہی ہے جو اصل مسجد پہلے بنائی تھی۔ اب چند سال کے بعد یہ نئی مسجد چونکہ اہل مسجد کے مرکھپ جانے سے ویران ہوگئی تھی (۲)، اس وجہ سے اگر اس میں کسی میت کو دفن کردیا گیا ہو، بعد میں بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ میت کو قبر سے نکال دیا جائے۔

اور بعض کا یہ فتویٰ ہے کہ اب میت کو بناء برعبارتِ درمختار وشامی: "ولا يخرج منه إلا لحق ادمي الخ"۔ "(قوله: إلا لحق ادمي) احترز عن حق الله تعالى، الخ". شامي، باب الجنائز(۳) نہ نکالا جائے، حالانکہ مسجد پھر ویران ہوچکی ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد فی الحال ویران ہے، یعنی اس میں نماز نہیں ہوتی، تاہم اس سے اس کی مسجدیت میں فرق نہیں آتا اور اس کی مسجدیت ہمیشہ برقرار رہے گی (۴)، اس لئے اس میں مُردوں کو دفن کرنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ غرضِ بانی وواقف واحترامِ مسجد کے خلاف ہے (۵)، لیکن اگر عدمِ واقفیت کی بناء پر کسی کو دفن کردیا گیا ہے تو اس کو قبر

---

(۱) "دہ: گاؤں، بستی"۔ (لغات سوری، ص: ۳۳۷، سعید)

(۲) "مرکھپ: مرکر خاک میں مل جانا، مرکر تمام ہونا جا، بہت زیادہ کوشش کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز لاهور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

(۴) "لو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۵) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

کھود کر نکالنے کی ضرورت نہیں کہ اس سے میت کی توہین ہوتی ہے، اور نبشِ قبر بلاحقِ آدمی کے ناجائز ہے جیسا کہ عام متون میں مذکور ہے(۱) اور یہاں کسی کا حق فوت نہیں ہوتا، واقف کا اس لئے نہیں کہ اس کی ملکیت نہیں رہی، عام مسلمین کا اس لئے نہیں کہ وہ اس میں نماز نہیں پڑھتے، مسجد غیر آباد ہے، لہٰذا آئندہ کے لئے مسجد کی حفاظت کردی جائے کہ کوئی اَور میت مدفون نہ ہو، اور دفن شدہ کو نہ نکالا جائے کہ چند روز میں قبر خود زمین کے برابر ہوجائے گی، اور میت کے پرانا ہونے پر قبر کو زمین کے ہموار کرنا اور اس پر چلنا اور نماز پڑھنا درست ہوجائے گا(۲)۔

اگر اس سے پہلے وہ مسجد آباد ہوجائے تو قبر پر کھڑے ہوکر، یا اس کی جانب رخ کرکے نماز نہ پڑھیں(۳)، اگر گنجائش نہ ہو اور جگہ کی تنگی ہو تو پھر قبر کو ہموار کردیا جائے کہ اس صورت میں نمازیوں کا-جن کے

---

(۱) "قوله: (ولايخرج من القبر إلا أن تكون الأرض مغصوبةً): أى بعد ما أهيل التراب عليه، لايجوز إخراجه لغير ضرورة، للنهي الوارد عن نبشه، وصرحوا بحرمته. وأشار بكون الأرض مغصوبةً إلى أن يجوز نبشه لحق الأدمي، كمااذا سقط فيهامتاعه أو كفن بثوب مغصوب، أو دفن فى ملك الغير".

(البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، ۲۳۸، سعيد)

(۲) "لوبلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعُه والبناءُ عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲،رشيديه)

(۳) "لاتكره الصلاة فى جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين، وقع بصره عليه، كما فى جنائز المضمرات". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى بيان السنة والمستحب الخ، تتمة: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۰،رشيديه)

لئے مسجد وقف ہے۔حق فوت ہوتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور،۲/۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۵۷ھ۔

محض ضد کی وجہ سے مسجد چھوڑنا

سوال[۷۴۸۶]: صرف چند اشخاص جو اس کے ساتھ ہیں، باقی تمام گاؤں کے مسلمان اس کے ساتھ شامل نہیں ہیں اور وہ اشخاص جو کہ دائمی نمازی ہیں، ان کو مطلقاً مسجد کے بنانے میں شامل نہ کیا جائے، بلکہ وہ اشخاص اب باہر در بدر نمازیں پڑھتے ہیں۔آیا اس حال میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض ضد کی وجہ سے کہ ''ہمیں شامل نہیں کیا، ہم سے مشورہ نہیں لیا'' مسجد چھوڑنا اور در بدر نماز پڑھنا منع ہے، نماز مسجد ہی میں پڑھنی چاہیے(۱) اور مسجد بنانے والوں کو بھی بغیر نمازیوں کے مشورہ کے مسجد میں تعمیر کرنا، یا گرانا بُری بات ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/ ۵۷ھ

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/صفر/ ۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

حفاظتِ سامان کے لئے مسجد میں تالا ڈالنا

سوال[۷۴۸۷]: مسجد میں بوجۂ چوری وبغرضِ حفاظت اگر تالا ڈال دیا جائے تو کیا حکم ہے، جائز

---

(۱) "وعن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم: "صلوة الرجل فی بیته بصلوةٍ، وصلوته فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلوةً، وصلوته فی المسجد الذی یجمع فیه بخمسمأة صلوةً". (مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قدیمی)

(۲) "مسجد مبنی معمور لیس للمتولی أن یهدمه ثانیاً یتکلف فی تزیینه". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۷/۲، رشیدیه)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ سامانِ مسجد محفوظ نہیں تو اس کی حفاظت کے لئے تالا ڈالنا شرعاً درست، بلکہ ضروری ہے، کذا فی البحر الرائق: ۳۳/۲(۱)، مگر ہر نماز کے وقت وہاں سب کے آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

مسجد کی آبادی

سوال[۷۴۸۸]: ۱......ایک مسجد کے محلہ میں چار پانچ اقوام آباد ہیں، ایک قوم کے تقریباً پندرہ سولہ گھر ہیں اور دیگر اقوام کے دو دو ایک ایک گھر ہیں۔ قوم کثیرین میں سے صرف دو تین آدمی نماز پڑھتے ہیں، باقی اسی قوم کثیر کے آدمی نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے کو مانتے ہیں اور نہ یہ قوم کثیر مع نمازیوں کے وقتِ معینہ پر بجز ایک دو اشخاص کے پیشِ امام کی خدمت کرتے ہیں، اس لئے مسجد مذکور میں جو کہ قومِ کثیر کے نام سے منسوب اور جتھہ میں ہے، کوئی امام نہیں ٹھہرتا۔

اور اگر دیگر اقوام کے آدمی جن میں آٹھ نو نمازی ہیں، یہ قوم کثیر کے ایک دو آدمی سے رائے لے کر کوئی

---

(۱) "قوله: "(وغلق باب المسجد)؛ لأنه يشبه المنع من الصلوة، قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيما اسمه﴾ [البقرة: ۱۱۴]. وقيل: لابأس به إذاخيف على متاع المسجد، وهو أحسن من التقييد بزماننا، كمافي عبارة بعضهم، فالمدار خشية الضرعلى المسجد، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك، إلافي أوقات الصلاة، أو لا فلا، أو في بعضها ففي بعضها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسده الصلوه ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۵۹/۲، ۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱۰۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۶۵۶/۱، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۴۲۱/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

امام رکھ لیتے ہیں تو جب پیشِ امام کی وقتِ معینہ پر خدمت کرنے کا موقع آتا ہے تو قوم کثیر انواع واقسام کے عذرات پیش کرتی ہے، کوئی کہتا ہے: کیا امام مسجد ہم سے پوچھ کر رکھا تھا، کوئی کہتا ہے کہ یہ امام جو تم نے مقررہ آمدنی پر رکھا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ غرض! نہ دینے کی وجہ سے اکثر ناجائز عذر پیش کرتے ہیں، اس لئے مسجدِ مذکور اکثر امام سے خالی رہتی ہے اور اقوام قلیلہ تنہا اس مسجد کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی۔

۲......اگر کوئی دوسری مسجد میں جانے کا حکم نہیں ہے تو اگر مسجد مذکور سابق کی غیر آبادی کے باعث کوئی غضب الٰہی نازل ہونے لگے تو اقوامِ قلیلہ کے نمازی غضبِ الٰہی سے محفوظ رہیں گے، یا قوم کثیر کے ہمراہ مغضوب ہوجائیں گے؟ مدلل جواب فرمایا جاوے۔

۳......اگر اقوام قلیلہ کے نمازی قوم کثیر کے ہمراہ رہیں گے تو ایسی حالت میں قوم کثیر اور اس کی مسجد سے کنارہ کرسکتے ہیں اور غضب الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

عبدالحمید، مرزاپوری، طالب علم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت اصح قول پر واجب ہے اور بعض کے نزدیک فرض عین ہے، بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہے، بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے، تارکِ جماعت بلاعذر پر تعزیر ہے، اگر سب ترکِ جماعت کی عادت کرلیں تو امام کو ان سے قتال کرنا چاہیے:

قال الحلبي الكبير: "قيل إنها فرض عين إلا من عذر، وهو قول أحمد وداؤد وعطاء وأبي ثور رحمهم الله تعالىٰ. وقيل: فرض كفاية. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ في الأصل: اعلم أن الجماعة سنة مؤكدة، لايرخص الترك فيها إلا بعذر مرض أو غيره. وأول هذا الكلام يفيد السنية، وآخره يفيد الوجوب، وهو الظاهر معنى الغاية. قال عامة مشايخنا: إنها واجبة. وفي المفيد: إنها واجبة، وتسميتها سنةً لوجوبها بالسنة .... تاركها من غير عذر يعزّر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه، وهذا كلها أحكام الواجب، الخ".

الحلبی الکبیر، ص: ٤٧٤(١)۔

مگر ساتھ ہی محلّہ کی مسجد کو آباد رکھنا بھی ضروری ہے، اگر تمام نمازی دوسری مسجد میں نماز کے لئے جائیں گے یہ مسجد ویران ہوجائے گی (۲)۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے مصالحت اور نرمی سے مسجد کو آباد رکھنا چاہیے۔ اگر غرباء امام کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتے اور بلا اجرت امام میسر نہیں آتا تو اُمراء ہی کی رائے سے کسی صالح کو امام مقرر کرلیا جائے (۳)۔

---

(۱) (غنیة المستملی شرح منیة المصلی لإبراهیم الحلبی الکبیر، فصل فی الإمامة، وفیها مباحث، ص: ۵۰۸، ۵۰۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"قوله: (الجماعة سنة مؤكدة): أی قويةٌ تشبه الواجب فی القوة. والراجح عن أهل المذهب الوجوب، ونقله فی البدائع عن عامة مشايخنا .... والظاهر أنهم أرادوا بالتأكيد الوجوب؛ لاستدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وصرح فی المحيط بأنه لايرخص لأحد فی تركها بغير عذر، حتی لوتركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن ائتمروا، وإلا يحل مقاتلتهم. وفی القنية وغيرها: بأنه يجب التعزير علی تاركها بغير عذرويأثم الجيران بالسكوت". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۰۲، ۲۰۳، رشیدیه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعید)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب صلاة الجماعة: ۱/۳۸۴، رشیدیه)

(۲) "وإن لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه، ويصلی وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدی حقه. مؤذن مسجد لايحضر مسجده أحدٌ، قالوا : هويؤذن ويقيم ويصلی وحده، وذلك أحبّ من أن يصلی فی مسجد آخر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعید)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فی المسجد: ۱/٦۷، رشیدیه)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس والعشرون فی المسجد: ۱/۲۲۸، رشیدیه)

(۳) "فإن عرف فالبانی أولی، وكذا فی نصب الإمام والمؤذن، وولد البانی وعشيرته من بعده أولی من غيرهم .... وإن تنازعوا فی نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، إن كان مااختاره أهل المحلة أولی من الذی اختاره البانی، فما اختاره أهل المحلة أولی؛ لأن ضرره ونفعه عائد إليهم، وإن كان سواء =

۳،۲...... جب دوسری مسجد میں تمام نمازیوں کے جانے اور پہلی مسجد کو چھوڑنے کا حکم نہیں ہے (۱) تو مسجدِ مذکور سابق غیر آباد کیوں ہوگی۔ اگر اقوام کثیرہ زبردستی مسجد سے نکال دیں اور نماز نہ پڑھنے دیں اور اقوام قلیلہ اس فتنہ کی وجہ سے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کو اس مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا، کیونکہ فتنہ اور فساد سے بچنا ضروری ہے، تاہم فتنہ پر آمادہ ہونا اور مسجد کو چھوڑنا ہرگز ہرگز مسلمانوں کی شان سے نہیں، مصالحت سے کسی صالح امام کو مقرر کرلینا چاہیے، تاکہ مسجد بھی آباد رہے اور غضبِ الٰہی بھی کسی پر نازل نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

مسجد نما اور درمیان میں قبر بنانے کا حکم

سوال [۷۴۸۹]: ایک شخص تعلیم یافتہ نہیں ہے، ہاں نماز پڑھانے کے لئے چند سورتیں یاد ہیں، اس کو بھی صحیح طریقہ پر نہیں پڑھتا، اگر کوئی کہتا ہے تو غیر مسلموں کا سہارا لے کر مسلمانوں کی مخالفت اس درجہ میں کرتا ہے کہ ان کو موقع پاکر گرفتار بھی کرا دیتا ہے۔ اس بناء پر اہلِ مسجد نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور جب وہ نہیں گیا تو وہاں کے مسلمین نے اس کا بائیکاٹ کردیا۔ اب مسلمانوں میں سے کوئی اس کا ہمنوا نہیں رہا، لیکن چونکہ غیر مسلم اس کے ہمدرد ہیں، اس بناء پر غیر مسلموں کے روپے سے ایک مزار کے اوپر مسجد کا نمونہ بنا کر بیٹھا ہے اور مزار کا چڑھاوا وغیرہ بھی کھاتا ہے اور جو کچھ ذہن میں آتا ہے تقریر بھی کرتا ہے۔

مسجد کے باہر کے حصہ میں پہلی صف میں جو مزار ہے وہ بیچ دروازہ کے بالکل لگتا ہے، مسجد مذکور کے

= فنصب الباني أولى". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۲۶۹/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل في المسجد: ۶۷/۱، ۶۸، رشيديه)

(۱) "قوله: (ومسجد حيه أفضل من الجامع) لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه، ويصلي ولو كان وحده؛ لأن له حقاً عليه، فيؤديه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في أفضل المساجد: ۶۵۹/۱، سعيد)

بننے سے اور اس شخص کے رہنے سے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان و مال کا خطرہ ہے۔ لہذا اس مسجد میں اور اس شخص کے پیچھے نماز کا پڑھنا کیسا ہے؟ مسجد ضد بازی سے بنائی گئی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ جگہ مسجد بنانے اور نماز پڑھنے کے لئے نہیں دی گئی، بلکہ مالک کی اجازت ومنشاء کے خلاف ایک شخص نے مسجد نما بنالی ہے (۱) اور قبر درمیان میں ہے کہ فرش پر جب نماز پڑھنے والے سجدہ کرتے ہیں تو قبر کی طرف سجدہ ہوتا ہے تو وہاں نماز نہ پڑھی جائے (۲) اور اس شخص کو امام نہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استرداده وأمره بنقض البناء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة: ۴/۳۹۰، سعيد)

"وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة، و في طريق ومزبلة .... وأرض مغصوبة، أو للغير لو مزروعة أو مكروبة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۹، ۳۸۱، سعيد)

(۲) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطي والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۳) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول: "ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوة: من تقدم قوماً وهم له كارهون". الحديث (سنن أبي داؤد: ۱/۹۵، كتاب الصلوة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، مكتبه امداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أمّ قوماً وهم له كارهون: ۱/۸۲، ۸۳، سعيد)

"ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً، لحديث أبي داؤد: "لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

باب المُصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

کیا عیدگاہ کے لئے وقف ہونا لازم ہے؟

سوال[۷۴۵۰]: عیدگاہوں کے لئے وقف ہونا شرط ہے، یا اجازتِ مالک ہی کافی ہے؟ بہرحال سالہا سال سے عیدین کی نماز ہوتی چلی آئی ہے جو اسی کام کے لئے تعمیر کی گئی ہے، اس کے لئے وقف یا اذنِ عام کا تحریری ثبوت اور دلیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ عید کے لئے وقف ہونا اور لوگوں کا وہاں نماز ادا کرنا بس اتنا ہی کافی ہے، تحریری ثبوت لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

عیدگاہ کی جو زمین ندی میں بہہ کر پھر مل گئی، اس کو حکومت سے اپنے نام کرنے کا حکم

سوال[۷۴۵۱]: زید کی زمینداری کے وقت زید کے مورثِ اعلیٰ نے جو تقریباً پچاس سال سے زائد ہی ہوئے کہ ایک عیدگاہ بنوائی تھی، موجودہ حکومت نے زمینداری لے لی اور حال سروے جو لگ بھگ تیس سال ہوئے کہ عیدگاہ والا قطعہ بہار سرکار کے کھاتے اندراج پایا۔ ان زمینوں میں سے جس قطعہ پر عیدگاہ واقع

---

(۱) "وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: یزول ملکه بمجرد القول". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۳۷، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۳۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۶، رشیدیه)

تھی وہ ندی میں بہہ گیا، ایک طویل مدت تک وہ ندی کی شکل میں رہا۔ اب وہ زمین ندی سے باہر نکل چکی ہے، لیکن عیدگاہ کی کوئی علامت اور نشانی باقی نہیں ہے۔ زید نے مذکور فی السوال بہار سرکار سے اَور زمینوں کے ساتھ ایک قطعہ کو جس پر کبھی عیدگاہ تھی اپنی ناواقفیت اور کوئی نشاندہی نہیں رہنے کی وجہ سے سرکار سے نذرانہ اور سلامی دے کر بندوبست کرالی ہے اور سالانہ مالگذاری بھی دین ہوتا ہے۔

گاؤں والوں نے دوسری مناسب جگہ اپنی عیدگاہ بنالی ہے۔ مذکورہ صورت میں زید کا عیدگاہ والا قطعہ جو فی الوقت میں ہے، بندوبست کرنا درست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا زید کی آبادی کے بعد زید کے لئے بٹائی لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جو قطعۂ زمین زید نے سلامی دے کر حاصل کی ہے، یہ وہی قطعہ ہے جس پر عیدگاہ تھی یعنی یہ وقف ہے تو زید کا اس کو اپنے لئے آباد کرنا اس کی آمدنی حاصل کرنا درست نہیں (۱)، بلکہ اس کی آمدنی جو حاصل کر چکا ہے اس عیدگاہ کو دے دے جو دوسری جگہ بنائی جا چکی ہے (۲) اور اس حاصل شدہ قطعہ پر اہلِ بستی کے مشورہ سے دوبارہ پھر عیدگاہ بنائی جائے تا کہ واقف کی نیت پوری ہو (۳)۔ اور اگر متعین طور پر یہ

---

(۱) "وإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه، (ولا يملك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "رباط استغنىٰ عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد، أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۰۵، رشيديه)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين ،الخ : ۴/۴۴۵، سعيد)

معلوم نہیں کہ یہ حاصل کردہ زمین وہی ہے جس پر عیدگاہ تھی تو پھر زید کو اس کی آمدنی حاصل کرنا اور استعمال کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عیدگاہ پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں؟

سوال [۷۴۵۲]: ۱...... یہاں ایک مقامی میدان ہے جس کا رقبہ بہت وسیع ہے، قبرستان شمار کیا جاتا ہے، اسی رقبہ کے ایک میدان میں عیدگاہ پختہ واقع ہے، عیدگاہ پختہ چہار دیواری سے گھری ہوئی اور دروازہ لگا ہوا ہے، عیدگاہ اور قبرستان کے ایک ہی متولی ہیں۔ یہ کل رقبہ صدیوں سے وقف ہے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز بھی صدیوں سے ہو رہی ہے۔ وقف نامہ موجود نہیں، زبانی وقف شمار کیا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اور مسجد کے کل احکام اس پر عائد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... دوم یہ کہ عیدین کے دن عیدگاہ کے اندر مصلیوں کے سامنے قبل نماز کانگریس، مسلم لیگ کے پروپیگنڈے، مواعظ ورسم، جھنڈا کشائی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

عیدگاہ میں کھیل کھیلنا

۳...... سوم یہ کہ اسی میدان کے کچھ حصہ میں فٹ بال اور مختلف کھیل کود ہوتے ہیں۔ یہ حرکات کس حد تک جائز ہیں؟

المستفتی: حاجی حمید اللہ، مقام نوری، ضلع بیر بھوم، بنگال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... عیدگاہ جوازِ اقتداء کے حق میں مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ امور میں مسجد کے حکم میں نہیں، جیسا کہ بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے اس طرح عیدگاہ میں ممنوع نہیں، کذا فی الدر المختار (۱)۔

---

(۱) "أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، وبه يفتى، فحل دخوله لجنب و حائض كفناء مسجد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، رشيديه) .... =

۲......عیدگاہ میں بطورِ تشکر نماز ادا کرنے کے لئے اجتماع ہوتا ہے، لہٰذا نماز اور عید کے مختلف احکام اور مواعظ بیان کئے جائیں، مسلم لیگ اور کانگریس رسوم کے لئے علیحدہ اجتماع کیا جائے تو بہتر ہے۔

۳......فٹ بال کھیلنا بھی وہاں غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس سے بھی احتراز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۱۰/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/شوال/۶۱ھ۔

عیدگاہ اور مسجد میں فرق

سوال [۷۴۵۳]: مسجد اور عیدگاہ کا حکم ایک ہے یا علیحدہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ اقتداء میں دونوں کا حکم ایک ہے، کذا فی الدرالمختار: ۱/۲۶۹ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "وأما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في حق جواز الاقتداء". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

"وما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن كان منفصلاً عن الصفوف. و أما فيماسوى ذلك، ليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلاة لاغير". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/۲۰۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچي)

عیدگاہ اور مسجد میں فرق، عیدگاہ میں اسکول، مدرسہ، راستہ بنانا اور کھیل کھیلنا

سوال[۷۴۵۴]: عیدگاہ کا حکم شرعاً بعینہ مسجد کا حکم ہے، اگر مابین کچھ فرق ہے تو وہ فرق کیا ہے؟ بہر حال عیدگاہ کے حدود کے اندر اسکول یا دینی مدرسہ قائم کرنا کیسا ہے اور عیدگاہ کے حدود کے اندر سے انسان اور مویشیوں کا عام راستہ چلنا، بچوں کا کھیل کود کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر عیدگاہ کے بالمقابل بلا حائل قبرستان ہو، ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جوازِ اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں، بلکہ فنائے مسجد اور مدرسہ وغیرہ کے حکم میں ہے، جو چیزیں فنائے مسجد و مدرسہ وغیرہ میں جائز ہیں وہ عیدگاہ میں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز ہیں۔ ظاہر ہے کہ مدارس اور فنائے مسجد مویشیوں یا عوام کے راستہ کے لئے نہیں ہوتے، پس عیدگاہ کی اس سے حفاظت چاہیے۔ بچوں کا کھیل کھیلنا گنجائش رکھتا ہے، لیکن مستقل کھیل کے لئے عیدگاہ کو مقرر کرنا، یا اس کو فیلڈ بنانا نہیں چاہیے:

"وأما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، به يفتىٰ، نهاية. فحل دخوله لجنب أو حائض كفناء مسجد ورباط و مدرسة". درمختار: ۶۸۷/۱(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۷/۱، سعيد)

"مسجد اتخذ لصلاة الجنازة أو لصلاة العيد، هل يكون له حكم المسجد؟ .... و ما اتخذ لصلاة العيد، لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن كا ن منفصلاً عن الصفوف. وأما فيما سوى ذلك، ليس له حكم المسجد .... و في الواقعات: المسجد الذي اتخذ لصلاة العيد، فالمختار للفتوى أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، و أما ما عدا ذلك، فلا، رفقاً بالناس". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً، أو خاناً، أو سقايةً أو مقبرةً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

اگر قبریں بالکل متصل ہیں اور سجدہ کے سامنے ہیں تو وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر دائیں، یا بائیں، یا پیچھے ہیں تو اس ترتیب سے کراہت میں کمی ہے، اگر فاصلہ زیادہ ہے تو کراہت نہیں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ۔

عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے کا حکم

سوال [۷۴۵۵]: عیدگاہ آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس کو توڑ کر آبادی کے باہر منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو توڑ کر اس کی زمین کو عام استعمال کے لئے بعض دوکان، مکان وغیرہ تعمیر کرنے کے لئے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یا عیدگاہ کو مسجد بنا دیا جائے؟ اگر آپ مسجد کا حکم دیں گے تو جہاں پر عیدگاہ واقع ہے وہاں پر مسجد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ مسجد بالکل قریب ہے، انہیں کے لئے نمازی ناکافی ہیں اور مدرسہ بھی عیدگاہ کے قریب ہے، اس لئے مدرسہ بھی نہیں بنا سکتے۔

---

(۱) "عن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیها". (رواه الترمذی، أبواب الجنائز، باب كراهية الوطی علی القبور والجلوس علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

"وتكلموا أيضاً فی معنی الكراهة إلی القبر، قال بعضهم: لأن فیه تشبهاً بالیهود .... و هذا كله إذا لم یكن بین المصلی و بین هذه المواضع حائط أو سترة، أما إذا كان، لا یكره، و یصیر الحائط فاصلاً. وإذا لم یكن بین المصلی و بین هذه المواضع سترة، فإنما یكره استقبال هذه المواضع". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الكراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد و القبلة والمصحف، الخ: ۵/۳۱۹، ۳۲۰، رشیدیه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یكره فیها، مطلب فی بیان السنة و المستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعید)

(وكذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مكروهات الصلاة، ص: ۳۵۷، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں (۱)، محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۷ھ۔

متعدد عیدگاہ بنانا، جب کہ پرانی عیدگاہ ناکافی ہو

سوال[۷۴۵۶]: ا...... آپ سے چندروز قبل ایک فتویٰ لیا تھا، آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ:

"اگر عیدگاہ وقف ہے تو اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس میں کسی تغیر کی ضرورت نہیں، اس کو اپنے حال پر رکھیں"۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ عیدگاہ کو محض آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے منتقل نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عیدگاہ کو موجودہ عیدگاہ سے وسیع بنانا بھی مقصود ہے، کیونکہ یہ بہت چھوٹی ہے، نماز کے موقع پر دشواری ہوتی ہے، اس کے اندر پورے نمازی نہیں سماتے۔ نیز وضاحت فرمائیں کہ آبادی کے باہر عیدگاہ بنانا کس درجہ میں داخل ہے، آیا واجب ہے یا افضل؟ اور باہر بنانے سے شریعت کا کیا مقصد ہے اور آبادی

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لا ستحالة تمليك الخارج من ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مكتبه مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، سعيد)

سے باہر عیدگاہ بنانا ہمارے حنفی مسلک کے مخالف ہے یا موافق؟

۲...... یہ کہ عیدگاہ کی زمین وقف ہی ہے، لیکن اس میں کیا حرج ہے کہ موقوفہ زمین کوفروخت کرکے اس کے پیسوں سے جدید عیدگاہ تعمیر کردی جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... آبادی سے باہر صحرا میں جاکر نماز عید ادا کرنا افضل اور سنت ہے، خواہ عیدگاہ ہو یا نہ ہو(۱)۔ عیدگاہ مستقل بنالینا قرینِ مصلحت ہے تا کہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ ہماری زمین وہمارے کھیت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں، نیز ممکن ہے کہ نماز کے وقت جگہ خالی نہ ملے کھیتی کھڑی ہو۔ موجودہ عیدگاہ اگر ناکافی ہے اور آبادی سے باہر عیدگاہ بنانے کی ضرورت ہے تو دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں، اجازت ہے، بنالی جائے۔ ضعفاء اور کمزوروں، بیماروں کے لئے موجودہ عیدگاہ کو باقی رکھا جائے، پنجگانہ نماز بھی اس میں درست ہے:

"وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء، و بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. وإن لم يستخلف، فله ذلك، الخ. الجبانة على المصلي العام: أي في الصحراء. بحر عن المغرب". شامی(۲)۔

---

(۱) "(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)، هو الصحيح". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

"الخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين الخ: ۵۳۱، قديمي)

"يجوز إقامة صلاة العيد في موضعين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، ۱۴۵، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۱۶۹/۲، سعيد) =

۲.....عیدگاہ کی زمین جب وقف ہے، تو اس کی بیع جائز نہیں: "(فإذا تم ولزم، لا یملك و لا یملّك، الخ): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملّك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه". شامی(۱)۔

وقف زمین ملک سے ہی خارج ہے اور بیع اپنی ملک کی ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی بیع درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۴ھ۔

رفعِ فساد کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۵۷]: ایک عیدگاہ میں پہلے سے مع الاتفاق عید کی نماز ہوتی رہی، بعد کو چند آدمی نے ایک فساد کی بنا پر دوسری عیدگاہ بنائی۔ اب شرعاً کونسی عیدگاہ میں نماز ہوگی اور عیدگاہ ثانی ضرار کے حکم میں داخل ہوگی یا نہیں؟

مولوی عبدالغنی ملہٹی۔

= "والسنة أن یخرج الإمام إلی الجبانة، ویستخلف غیره، لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی والأضراء، و یصلی هو فی الجبانة بالأقویاء والأصحاء. وإن لم یستخلف أحداً، کان له ذلک". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، باب صلاة العیدین: ۱/۱۸۳، رشیدیه)

"الجبانة المصلی العام فی الصحراء". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین: ۲/۲۷۸، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب ما یستحب یوم العید: ۱/۲۲۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی کتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون فی صلاة العیدین: ۱/۲۱۳، ۲۱۴، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

فساداورتفرقہ پیدا کرنے کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا ناجائز ہے(۱)،البتہ اگرفساد کسی وجہ سے پیدا ہوگیا اوراس کا دفعیہ بجز دوسری عیدگاہ بنانے کے دشوار ہےتو دوسری عیدگاہ بنانا درست ہے(۲)۔بہرحال جب وہ عیدگاہ بن چکی اور باقاعدہ وقف کردی گئی تو اس میں اور پہلی عیدگاہ میں دونوں میں نماز درست ہے،[پہلی]عید گاہ مستحق تقدیم ہے(۳)،حتی الوسع رفع فسادضروری ہے۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۳/ذی قعدہ/۵۵ھ۔

رنجش رفع ہونے پردوسری بنائی گئی عیدگاہ کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال[۷۴۵۸]: ایک بستی کےاندرپانچ محلے ہیں،تین محلے الگ ہوگئے،آپس میں رنجش ہوگئی اور

---

(۱) "قيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۶۵۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وتؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، والخلاف إنما هو في الجمعة". (الدرالمختار، باب صلوة العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

"أهل المحلة قسّموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(۳) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ، لسبقه حقيقةً وحكماً، كذا في الواقعات. و ذكر قاضي خان و صاحب منية المفتي و غيرهما: أن الأقدم أفضل، فإن استويا في القِدم، فالأقرب أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد: ۶۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

انہوں نے عیدگاہ کے لئے ایک زمین خریدی اور نماز عید بھی پڑھی۔ اب پھر باہم متفق ہوگئے اور سابقہ عیدگاہ میں ہی نماز پڑھنے لگے۔ تو جو زمین عیدگاہ کے نام سے خریدی تھی اور اس میں نماز پڑھ لی ہے تو وہ زمین عیدگاہ ہی رہے گی یا اس میں دیگر کام کر سکتے ہیں؟

محمد حبیب الرحمان، معرفت محمد الیاس، ہرسی اسٹریٹ، کلکتہ نمبر:۹۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر چندہ کی رقم سے زمین خریدی گئی اور وہاں عید کی نماز ادا کی گئی ہے اور اس زمین کو نماز عیدین کے لئے وقف کر دیا گیا ہے تو اب اس کو فروخت کرنا جائز نہیں:

"لأن الوقف إذا تم و لزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن، اهـ"۔ "أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (و لا يملّك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لا ستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اهـ". شامی: ۲٫٦۷/۳(۱)۔

اب مذکورہ خرید کردہ زمین میں نماز عیدین ہی ادا کی جائے وقف کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا، بلکہ وقف کرنے کا ارادہ تھا اور محض عارضی طور پر وہاں نماز ادا کر لی گئی تو پھر چندہ دینے والوں کی اجازت سے وہاں مکان، دوکان، باغ لگانا، کاشت کرنا سب کچھ درست ہے، بلکہ فروخت کرنا بھی درست ہے(۲)۔ اس کی قیمت یا آمدنی کو بہتر یہ ہے کہ سابقہ عیدگاہ، یا دیگر مساجد اور دینی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵ رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة .... أما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً، لو مات يورث عنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(و كذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره =

کاموں میں حسب مشورہ صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

اگر جدید عیدگاہ بھی بنالی جائے تو نماز کس میں ادا کریں؟

سوال[۷۴۵۹]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے اٹھارہ عیدگاہ کے لوگوں نے مل کر ۱۹۴۸ء میں ایک عیدگاہ بنایا، فخر الدین صاحب کی آدھ بیگہ زمین پر، جدید بڑی عیدگاہ بنادی۔ جو قدیم چھوٹی چھوٹی عیدگاہیں تھیں وہ بالکل معطل ہوگئیں۔ اکثریت مسلمانوں کی جدید عیدگاہ میں جاتی ہے، کچھ لوگ قدیم عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، آپس میں اختلاف بہت شدید ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر سب لوگ قدیم عیدگاہوں کو چھوڑ دیں تو پھر ان عیدگاہوں کا کیا کیا جائے؟

نوٹ: قدیم عیدگاہ آدھ بیگہ زمین وقف ہے اور جدید میں دو بیگہ وقف ہے۔ الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام آجائیں تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے، جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہوکر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کر کے آباد کرلیں (۱) اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کریں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید

= مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "في الكبرىٰ: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، أو أرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۶/۲ رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۸/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۸۴۱/۵، إدارة القرآن كراچی)

کی نماز پڑھا کریں اور جولوگ معذور ہوں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں (۱)، اس طرح دونوں عیدگاہیں آباد رہیں گی اور واقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہ سکیں، وہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہ کریں (۲)، اگر کوئی صورت نہ ہو سکے، پھر وہاں باغ لگا کر، یا کھیتی کر کے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صرف کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۲ھ۔

پرانی عیدگاہ تنگ ہو تو نئی عیدگاہ بنانا

سوال [۷۴۶۰]: یہاں کی عیدگاہ تنگ ہے اور شکستہ، مشرق اور مغرب دونوں جانب..........توسیع ممکن نہیں، برسات میں اگر عیدین ہوتی ہیں تو مزید دشواریوں کا سامنا..........کرنا ہوتا ہے۔ کیا بجائے اس جگہ کے دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جا سکتی ہے اور اس عیدگاہ کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں صَرف کی جا سکتی ہیں؟ نئی جگہ جو تجویز کی گئی ہے وہ ایک بہت ہی قدیم قبرستان لبِ سڑک ہے۔

---

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء، و يصلي هو في الجبانة بالأقوياء والأصحاء. وإن لم يستخلف أحداً، كان له ذلك". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب صلاة العيدين، الخ: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۱/۶۲۵، رشيديه)

(۲) "أما مصلى العيا لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلاً عن الصفوف، و فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد. و قال بعضهم: يكون مسجداً حال أداء الصلوة لا غير، وهو والجبانة سواء. ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: إذا وقف كل نصف على حدة، صارا وقفين: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسری عیدگاہ بنانے کی اجازت ہے، جب کہ موجودہ عیدگاہ میں توسیع کی گنجائش نہ ہو،لیکن موجودہ عیدگاہ میں اگر موقوفہ زمین ہوتو اس کوتوڑ کر اسی کی اینٹیں نئی عیدگاہ میں استعمال کی اجازت نہیں(۱)۔البتہ اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے،خواہ اس کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد بنادیا جائے۔اگر اس کی ضرورت نہ ہواوراس پر کسی غیر کے قبضہ کا اندیشہ ہوتو وہاں دینی مدرسہ ومکتب بھی بناسکتے ہیں(۲)،باغ بھی لگاسکتے ہیں جس کی آمدنی نئی عیدگاہ کی مصالح میں خرچ کی جائے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

عیدگاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا

سوال[۷۴۶۱]: مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسجد ہےاورایک عیدگاہ بھی ہے،عیدگاہ کا ایک باغ

---

(۱) "ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدرالمختار). "فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، هو الفتوىٰ، حاوي القدسي". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أورباط أو بئر أوحوض". (الدرالمختار).
"رباط استغنى عنه المارّة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(۳) " وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتاً يستغلها بالإجارة، لايكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ : ۳۰۰/۳، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعةً، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم، الخ: ۴۲۳/۲، رشيديه)

ہے اور مسجد کا بھی ایک باغ ہے۔ اب تمام بستی والے اس بات پر راضی ہیں کہ عیدگاہ کے باغ کے کچھ درخت کٹوا کر مسجد کی تعمیر ومرمت میں صرف کرادیں۔ تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو باغ عیدگاہ کے لئے وقف ہے اس کے درخت نہ کٹوائے جائیں، البتہ جو درخت خشک ہوگئے اور ان سے کوئی نفع نہیں، ان کو کٹوا کر عیدگاہ کے لئے عمارت میں صرف کردیا جائے (۱)، اگر عیدگاہ میں ضرورت نہ ہو، نہ آئندہ ضرورت کی امید ہو تو پھر وہاں کی مسجد کی تعمیر میں صرف کی اجازت ہے (۲) اور جس قدر ضرورت ہو وہ چندہ سے پوری کرلی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۰ھ۔

عیدگاہ کو دو منزلہ بنانا، قدیم عیدگاہ کا مصرف

سوال [۷۴۶۲]: مظفر نگر کی عیدگاہ آبادی میں آگئی ہے اور نمازیوں کے لئے ناکافی ہوتی

---

(۱) "وكذلك لو وقف شجرةً بأصلها على مسجد، فيبست أو يبس بعضها، يقطع اليابس، و يترك الباقي، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات الخ، فصل في الأشجار: ۴۷۵/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية،، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳۱۰/۳ رشيديه)

"سئل نجم الدين .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۲۶۱/۶، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار).

"(قوله: إلى أقرب المسجد أو رباط، الخ) .... يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۶/۵، إدارة القرآن كراچی)

ہے، آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنانا اَولیٰ ہے یا اسی کو دوسری منزل کردیا جائے؟ شقِ اول پر قدیم عیدگاہ کو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دومنزلہ بناسکتے ہوں تو دومنزلہ بنالیں (۱)، اگر آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنائیں تو موجودہ عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے مسجد قرار دے دیں (۲)۔ یہ بھی وہ کرسکتے ہیں کہ موجودہ عیدگاہ کو عیدگاہ ہی رکھیں اوراس میں معذورین نمازِ عید ادا کیا کریں (۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

عیدگاہ کا تبادلہ

سوال[۷۴۶۳]: ایک قطعۂ اراضی جس میں چھوٹی سی ناکافی عیدگاہ ہے، چاروں طرف زرعی زمین

---

(۱) "وكره الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۴۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "في الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً، أو المسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، أو أردوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، و يستخلف غيره، ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضى والأضراء .... وإن لم يستخلف أحداً، كان له ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب العيدين و تكبيرات أيام التشريق: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، ما يستحب يوم العيدين: ۱/۶۲۵، رشيديه)

سے گھری ہوئی ہے اور دیوار عیدگاہ بھی مرمت طلب ہے، نمازیوں کی رائے اس کے بنانے کی ہے۔ اس پرانی عیدگاہ والی اراضی سے کچھ فاصلہ پر دوسری مزروعہ اراضی جو رقبہ میں تقریباً سہ چند ہے اور نہر سے ملحق لب سڑک ہے، بدلے میں مفت ہی مل رہی ہے، مالکانِ اراضیٔ قدیم وجدید ایک ہی ہیں۔ اگر اس جدید آراضی میں عیدگاہ دوبارہ از سرنو بنالی جاتی ہے تو نسبتاً ہر طرح سے آسائش اور سہولت رہے۔ درمیان اراضی قدیم وجدید کے چند کھیت اور پکی سڑک ہے۔

دریافت طلب امر تبادلۂ اراضی قدیم وجدید کی تصحیح ہے از روئے شریعت امور بالا کی بنا پر علمائے دین متین حکم صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر سابق عیدگاہ وقف ہے تو اس کے تبادلہ کی اجازت نہیں (۱)، اگر نماز عید ادا کرنے کے لئے دوسری وسیع جگہ عیدگاہ بنالی جائے تو یہ سابق عیدگاہ بھی وقف رہے گی (۲)، اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی جدید عیدگاہ کی ضرورت میں صرف کی جائے۔ جب مالکانِ اراضی کو اللہ نے وسعت دی ہے اور ہمت دی ہے تو جدید اراضی کو بھی دیدیں، ان کی طرف سے صدقہ جاریہ رہے گا اور ضروریاتِ عیدگاہ کے لئے آمدنی کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "(جاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى)". (الدرالمختار). "(قوله: جاز شرط الاستبدال به، الخ) .... والثالث: أن لا يشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، و بدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۸/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملک): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد) =

عیدگاہ کے لئے وقف زمین کو مسجد کے نام کر کے آمدنی مسجد میں صَرف کرنا

سوال[۷۴۶۴]: ایک کھیت قدیم زمانہ سے تھا جو عیدگاہ کے نام سے چلا آ رہا تھا، مگر کچھ لوگوں نے مشورہ کر کے اس کو جامع مسجد کے نام لکھوالیا اور پٹواری سے جامع مسجد کے نام سے اندراج کرالیا اور دوسری مسجد کی آمدنی نہیں ہے اور اس کھیت کی آمدنی صرف کرنے لگے۔ اور آج تک ان لوگوں نے گاؤں والوں سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ اس جگہ ایک دینی مدرسہ چل رہا تھا، اس میں کچھ لوگوں نے چندہ دینے سے انکار کر دیا، جب سے جامع مسجد بنی ہے تب سے کورانہ کے مدرسہ کا طالب علم امام مقرر ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہی امام مقرر رہے، مگر دوسرا فریق چاہتا ہے کہ باہر سے امام آنا چاہیئے۔ تو اس کھیت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کھیت عیدگاہ کے لئے وقف ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کی آمدنی کسی مسجد کے لئے صرف نہ کی جائے، بلکہ عیدگاہ میں صرف کی جائے (۱) اور کوشش کر کے پٹواری کے ذریعہ کاغذات کی تصحیح کرالی جائے۔ اگر عیدگاہ میں خرچ کی ضرورت نہ ہو اور روپیہ محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو تو گاؤں والوں کے مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو زائد آمدنی وہاں صرف کی جائے (۲)۔ اگر دونوں مسجدوں میں ضرورت ہو تو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(۱) "سئل نجم الدين .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب، يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، الخ، فصل في الأشجار: ۲/ ۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/ ۲۶۱، رشيديه)

"قال الخير الرملي: أقول: و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/ ۳۶۱، سعيد)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، و لا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". =

دونوں میں صرف کریں۔

اگر مسائلِ نماز وطہارت سے واقف طالب علم کو امام رکھا جائے تو یہ بہتر ہے کہ اس میں امامت کے ساتھ طالب علم کی خدمت اور دینی مدرسہ کی اعانت ہے، اہل علم سے رابطہ رکھنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۴۶۵]: موضع سلطان پور میں عیدگاہ کی زمین دوتین بیگہ پڑی ہے جس میں لوگ گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اس زمین میں دینی مدرسہ بناسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین عیدگاہ کی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو وہاں دینی مدرسہ بنادیں، مگر زمین کا کرایہ عیدگاہ کے لئے تجویز کردیں، زمین عیدگاہ کی رہے گی جس کا کرایہ مدرسہ دیتا رہے گا اور عمارت مدرسہ کی رہے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره : ۴/ ۳۵۹، سعيد)

"ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل، يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم .... و لا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها الخ: ۵/ ۸۷۸، ، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق =

عیدگاہ کو قبرستان بنانا

سوال[۷۴۶۶]: میری بستی میں ایک عیدگاہ قبرستان کے درمیان بنی ہوئی ہے، پہلے آبادی کم تھی، اس لئے تمام لوگ اس میں آجاتے تھے، لیکن اب اس میں گنجائش بالکل نہیں۔ ضرورت ہے کہ عیدگاہ کو وسیع کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ عیدگاہ کے چاروں طرف قبریں ہیں، اس لئے اہلِ بستی چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عیدگاہ بنالی جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس عیدگاہ کا ملبہ دوسری عیدگاہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اب اس عیدگاہ کا موجودہ مصرف کیا ہوگا؟ کیا اس عیدگاہ کو بھی قبرستان ہی بنالیا جائے، اس میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف ہے اور نمازِ عید کے لئے وقف ہے تو اس کو توڑ کر وہاں میت دفن کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو عیدگاہ ہی رکھا جائے (۱)۔ اس کے پاس جو قبرستان ہے وہ اگر پرانا ہوگیا اور اب وہاں میت دفن نہیں کی جاتی، بلکہ دوسری جگہ دفن کی جاتی ہے تو عیدگاہ کی توسیع کے لئے اس قبرستان سے جگہ لی جاسکتی ہے جب کہ قبروں میں میت مٹی بن چکی ہو (۲)، ورنہ تو یہ بھی درست ہے کہ نمازِ عید کا دوسری جگہ انتظام کرلیا جائے اور دو جگہ نمازِ عید

= غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبنى فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم فی الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف وتصرف القيم فی الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال العلامة بدر الدين العينی رحمه الله تعالیٰ: "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى علی قبور المسلمين؟=

ہوا کرے، یا پھر دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جائے اور موجودہ عیدگاہ میں نماز پنجگانہ ادا کی جائے (۱)۔ الحاصل موجودہ عیدگاہ کو توڑ کر نماز کے علاوہ دوسرے کام میں نہ لایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ کو اسکول بنانا

سوال[۷۴۶۷]: شولاپور میں ضلع عدالت کے قریب عالمگیر عیدگاہ ہے جو حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورِ حکومت میں بنائی گئی تھی۔ عیدگاہ کے نزدیک کئی جگہ جہاں بالکل انگریزی اور دو ہائی اسکول کی عمارت ہے، اسکول کے متولین عالمگیر عیدگاہ کو شہید کر کے اس جگہ اسکول کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ منتظمین

= قلت: قال ابن القاسم رحمه الله تعالىٰ: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الصلوة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۲۶۵/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"مقبرة كانت للمشركين أرادوا أن يجعلوها مقبرة للمسمين، قال أبو القاسم رحمه الله تعالىٰ: إن كانت آثارهم قد اندرست، لابأس بذلك، وإن كانت عظامهم باقية لابأس بأن تنبش ويقبر فيها المسلمون، فإن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين، فنبشت واتخذت مسجداً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فى المقابر والرباطات: ۳۱۳/۳، رشيديه)

(وكذ فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر الخ: ۴۶۹/۲، رشيديه)

(۱) "والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء والمرضى والاضراء، ويصلى هو فى الجبانة بالأقوياء والأصحاء". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱۸۳/۱، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۱۶۹/۲، سعيد)

اسکول مسلمان ہیں، مقامی مسلمان اس حرکت سے بے چین ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ کو توڑ کر اس کی جگہ اسکول کی عمارت بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ غرضِ وقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع". در مختار (۱)۔

منتظمین کو مسئلہ بتا کر روکا جائے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

عیدگاہ سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۴۶۸]: ایک وکیل صاحب نے چھ ۶/ صفحات پر مشتمل ایک تمہید لکھی اور اس کے بعد یہ سوالات قائم کئے جو تحریر ہیں:

کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

سوال [۷۴۶۹]: ۱...... کیا عیدگاہ مسجد ہے؟

ایضاً

سوال [۷۴۷۰]: ۲...... کیا عیدگاہ صرف اس مخصوص وقت کے لئے مسجد کے حکم میں آتی ہے، جب عیدین کا اجتماع یہاں منعقد ہو؟

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعید)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين: ۴/۴۴۵، سعید)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم و الدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نمازِ عیدین کے علاوہ عیدگاہ کا حکم

سوال [۷۴۷۱]: ۳..... عیدین کے اجتماع کے علاوہ عیدگاہ کا مقام کیا ہے اور ایسے وقت کیا یہ جنگل کی تعریف میں آتی ہے، جہاں پر کام کیا جاسکتا ہے؟

کیا عیدگاہ کی دیواروں اور محراب سے عیدگاہ کی حیثیت میں فرق آتا ہے؟

سوال [۷۴۷۲]: ۴..... مذکورہ بالا حالات کے تحت عیدگاہ کو اونچی دیواروں سے گھیر لئے جانے اور اس کی شاہی زمانہ کی وجدید تعمیر کردہ مغربی دیواروں میں محرابوں کے نشانات اور میناروں ومنبروں کے وجود سے کیا ان کی حیثیت میں فرق آگیا اور کیا ان نشانات کی موجودگی سے وہ مسجد کی تعریف میں آگئی؟

عیدگاہ کو کن کن کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

سوال [۷۴۷۳]: ۵..... کیا عیدین کے علاوہ عید کی نماز کے لئے مخصوص کی گئی جگہ کو ان کاموں کے لئے اور ان شرائط کے ساتھ جو پارہ: ۱۲، میں مذکورہ ہیں، استعمال کیا جاسکتا ہے، یا کسی مزید شرط کے ساتھ (جس کی نشاندہی فرمادی جائے) ان کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

عیدگاہ کو مسقّف بنانا اور دوسری تیسری منزل بنانا

سوال [۷۴۷۴]: ۶..... کیا عیدگاہ کو حالاتِ مذکورہ بالا کے تحت اور اس فقہی اصول کے تحت کہ: ''الضرورات تبیح المحظورات'' (۱) مسقف کیا جاسکتا ہے اور ایک منزل کے بعد دوسری تیسری مزید منزلیں بڑھائی جاسکتی ہیں؟

چونکہ ان سوالات کا تعلق صرف میرٹھ کی عیدگاہ سے نہیں ہے، بلکہ میرٹھ کے اس تجربہ کے بعد اس کو نمونہ بنا کر ہزاروں لاپرواہی کا شکار عیدگاہیں ایسے ہی خیر کے اجتماعی کاموں کے لئے استعمال کی جاسکیں گی، اس لئے جناب سے پوری توقع ہے کہ جناب والا ان سوالات کے جوابات پورے غور وفکر کے ساتھ اور حتی المقدور کم از کم

---

(۱) (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۷۰)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

وقت میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱-۶......نمازِ عیدین آبادی سے باہر جا کر کھلے (غیر مسقّف) میدان میں ادا کرنا مسنون ومستحب ہے(۱)، اس میں شوکتِ اسلام کا اظہار زیادہ ہے، دھوپ تیز ہونے سے پہلے ادا کرلی جائے۔شدید بارش کے وقت مسجدِ جامع میں ادا کی جائے۔ایسی حالت میں عیدالفطر ۲/ تاریخ کو اور عیدالاضحیٰ ۱۱ تا ۱۲/ تاریخ کو بھی درست ہے(۲)۔عیدگاہ کا میدان ادب واحترام کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے وہاں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں(۳)۔

---

(۱) "الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، وهو الصحيح". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(۲) "عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم أن ركباً جاء وا، فشهدوا أنهم رؤوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا صبحوا، يغدوا إلى مصلاهم". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الضحىٰ فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساء ة إن كانت التأخير بلا عذر، وبدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/۱۰۱، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(۳) "(وتكره الصلوة عليه في مسجد الجماعة) .... وقيد بمسجد الجماعة؛ لأنها لاتكره في مسجد أعِدّ لها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح، إلا في جواز الاقتداء".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي) =

جو جگہ نمازِ عید کے لئے وقف کردی گئی، اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کا حق نہیں رہا(۱)۔
جو جگہ مصارفِ عیدگاہ کے لئے وقف کردی گئی اب اس کے مصارف تبدیل کرنے کا حق نہیں رہا(۲)۔ علاوہ ازیں دیگر اقوام پر اس کے غلط اثرات بھی پڑ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی عبادت گاہ کو رہائش گاہ یا دفتر یا ہسپتال یا بینک یا زچہ خانہ وغیرہ بنالیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں وقتِ ضرورت اس قسم کا تصرف درست ہے، پھر غیر آباد مساجد میں اس کی اجازت کیوں نہ ہوگی۔ اب تک گورنمنٹ کو بھی یہی معلوم ہے کہ عبادت خانہ کسی دوسرے کام میں نہیں آسکتا، اس پر بے شمار مقدمات فیصل کئے گئے ہیں۔
اگر میرٹھ میں مسئولہ تصرفات کئے گئے تو یہ تمام ملک میں نظیر بنیں گے اور فتنوں کا نیا باب کھل جائے گا

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن مسجدٍ لم يبق له قوم، وخرب ماحوله، واستغنى الناس عنه: هل يجوز جعله مقبرةً؟ قال: لا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۰/۲، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة".
(الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والأخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳۶۱/۴، سعيد)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أورجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

"سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار .... قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ماهي وقف عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۶/۲، رشيديه)

اور گورنمنٹ بھی سماج کی ضرورت کے پیشِ نظر قبضہ کرنا شروع کردے گی اور اس کو خلافِ مذہب تصور نہیں کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۷ھ۔

مسجد کے لئے زمین دی اور بعد میں عیدگاہ بنانے کو بھی کہا

سوال[۷۴۷۵]: کسی شخص نے مسجد کو تھوڑی سی زمین وقف کی یوں کہہ کر کہ بعد میں اس زمین میں عیدگاہ بنالینا۔ تو اس طریقہ سے وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح زمین وقف کی ہے کہ مثلاً اس وقت اس میں کھیتی ہے اس کی آمدنی فلاں مسجد میں دی جائے، پھر کھیتی کٹنے پر یہاں عیدگاہ بنائی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۰ھ۔

مرہونہ زمین پر عیدگاہ بنانا

سوال[۷۴۷۶]: اگر کسی نے وقتِ متعینہ کے لئے ایک زمین فروخت کی، پھر جب وقتِ متعینہ واپسی کا آیا تو مشتری نے اس پر عیدگاہ بنادی اور بائع بار بار تقاضا کرتا ہے کہ عیدگاہ توڑ دی جائے۔ تو ایسا کر:

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبر إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۳۴۳/۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴۴۵/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أى في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچى)

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے جس سے انتفاع ناجائز ہے، اس کا وقف کرنا اور عیدگاہ وغیرہ بنادینا بھی درست نہیں، بلکہ مالک کو واپس کردینا ضروری ہے: "ومن شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم ملكها، لايكون وقفاً". مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرنا

سوال [۷۴۷۷]: متولی پاشا صاحب کہتے ہیں: عیدگاہ میں اپنے ہی پیسہ سے بنواؤں گا، مگر میرا نام عیدگاہ پر درج کرادینا۔ گذارش یہ ہے کہ عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدگاہ اللہ پاک کو راضی کرنے کے لئے بنانا بہت ثواب کا کام ہے، اس پر بنانے والے کا اپنا نام درج کرنا، یا اس کی پابندی لگانا شہرت اور ناموری کے لئے اس کے ثواب کو برباد کردے گا۔ متولی پاشا صاحب کو چاہیئے کہ ایسا نہ کریں اور ایسے ارادہ سے توبہ واستغفار کرکے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی دعاء کریں، جس کام میں اخلاص نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، ۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ومنها: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مالٍ دفعه إليه، لا تكون وقفاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه، الخ: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۲) "وعن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمّع سمّع الله به، ومن يرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، الفصل الأول، =

عیدگاہ کو اپنا کھیت کہنے والے شخص کا حکم

سوال[۷۴۷۸] : اگر کوئی مسلمان غصہ میں عیدگاہ کے متعلق یہ کہے: یہ عیدگاہ میرا ہے، اس میں ہل چلا کر فصل پیدا کروں گا، یہ میرا کھیت ہے، دیکھنا ہے کون اس میں نمازِ عید پڑھنے آتا ہے؟ تو ایسے آدمی پر شرعاً کون سا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نمازِ عید کے لئے جو عیدگاہ وقف ہو، اس کے متعلق ایسے الفاظ کہنے کا کسی کو حق نہیں، جو شخص ایسا کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے(۱)۔ اگر وہ واقعتاً وہاں ہل چلا کر کھیتی کرے اور نمازِ عید نہ پڑھنے دے تو وہ ظالم، غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ص: ۴۵۴، قدیمی)

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من صلی یرائی فقد أشرک، ومن صام یرائی فقد أشرک، و من تصدق یرائی فقد أشرک". رواهما أحمد". (مشکوة المصابیح، باب الریاء والسمعة، الفصل الأول، ص: ۴۵۴، قدیمی)

"لا ینبغي الکتابة علی جدرانه". (الدرالمختار). "أی خوفاً من أن تسقط و توطأ، بحر عن النهایة". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة، الخ، مطلب: فیمن سبقت یده إلی مباح: ۱/۶۶۳، سعید)

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(و کذ في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن سعید بن زید رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه یطوّقه یوم القیمة من سبع أرضین". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

بابٌ فی أحکام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال[۷۴۷۹]: ایک گاؤں میں جہاں غیر قومیں آباد ہیں مسلمان چند گھر ہیں، گاؤں میں مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کے پاس زمین نہیں، ایک مقبرہ ہے جس کی زمین کاغذات میں قبرستان کے لئے درج ہے۔ اس قبرستان میں ایک اونچی بلند جگہ ہے، جہاں چند پختہ قبریں پرانی موجود ہیں جو شہید وارے کے نام سے موجود ہے، اس کے اردگرد تحقیق سے ثابت ہے کہ کوئی قبر نہیں ہے۔

قبرستان کی زمین وسیع ہے، جہاں تک حکومت کے کاغذات میں درج ہے، وہاں کے مسلمان متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قبرستان کی اس جگہ میں جہاں قبریں نہیں ہیں مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔ اور وہ زمین اس خطرے سے بھی محفوظ ہو جائے کہ غیر قومیں اس پر قابض ہو جائیں جس کا اندیشہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس مذکورہ قبرستان کی زمین میں مسجد بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفنِ موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں، بلکہ درمیان میں دیوار حائل کردی جائے (۱):

---

(۱) "وفی القهستانی: لا تکره الصلاة فی جهة قبر، إلا إذا کان بین یدیه، بحیث لو صلی صلاة الخاشعین وقع بصره علیه، کما فی جنائز المضمرات". (ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی بیان السنة والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مکروهات الصلاة، ص: ۳۵۷، قدیمی)

(وکذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور: ۱/۲۰۱، قدیمی)

"لو أن مقبرةً من مقابر المسلمین عفت، فبنیٰ قوم فیها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم، لا یجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنیٰ من الدفن فیها، جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضاً وقف من أوقاف المسلمین ، لا یجوز تملیکه لأحد، فمعناهما واحد، اهـ". عینی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایسے مقبرہ میں مسجد بنانا جس میں قبروں کے نشانات نہ ہوں

سوال[۷۴۸۰]: ۱...... ایسے مقبروں میں جہاں قبروں کے نشانات نہ معلوم ہوتے ہوں، مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

پرانے قبرستان میں مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۱]: ۲...... ایک زمین ہے جہاں نہ قبروں کے نشان ہیں اور نہ موجودہ لوگوں میں سے کسی کو معلوم ہے کہ یہ کسی زمانہ میں مقبرہ تھا، لیکن مشتبہ ضرور ہے کہ شاید یہ مقبرہ رہا ہو، کیونکہ اس کے کچھ فاصلہ پر مقبرہ یقیناً تھا، لیکن وہاں بھی اب قبروں کے نشانات معلوم نہیں ہوتے۔ تو کیا اس زمین مذکورہ میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر قبروں میں میت باقی نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو اب احکام بدل گئے، وہاں زراعت کرنا تعمیر کرنا سب کچھ درست ہے:

---

(۱) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، الخ: ۱۷۴/۴ إدارة الطباعة المنیریة)

"وإن بقی من عظامهم شیء تنبش، و ترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لما روی أن مسجد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان قبلُ مقبرةً للمشرکین، فنبشت، کذا فی الواقعات". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت ۲۳۴/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۹/۲، رشیدیه)

"جاز زرعه (أي القبر) والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً، اهـ". زيلعي(۱)۔

جب قبرستان غیرآباد ہوجائے اوروہاں دفن ہونا موقوف ہوجائے تومسجد بنانا شرعاً درست ہے:

"قال ابن القاسم رحمه الله تعالىٰ: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنىٰ من الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". عيني(۲)۔

۲......**اگرقرائنِ ظاہرہ سےاس کامقبرہ قدیمہ ہونامعلوم ہوتاہےتواس میں مسجدبنانا شرعاًدرست ہے،** كما مر في الجواب الأول، **جب تک اس کےخلاف دلیل قائم نہ ہو**:"الحكم بالظاهر واجب عند تعذر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلي الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(۲) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"وإن بقي من عظامهم شيئ تنبش، و ترفع الآثار، وتتخذ مسجداً، لما روى أن مسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين، فنبشت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

"إن بقيت آثارهم بأن بقي من عظامهم شيئ، ينبش، ويقبر، ثم يجعل مقبرة المسلمين؛ لأن موضع مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان مقبرةً للمشركين، فنبشت، واتخذها مسجداً، كذا في المضمرات" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۶۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

الوقوف علی الحقیقة، اھـ". مبسوط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

پرانے قبرستان کو مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۲]: ایک جگہ سالم قبروں کو توڑ کر اور اس جگہ پر مسجد بنائی جاوے، کیا قبروں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں ان قبر کی جگہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین ہے اور اس میں قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت ان میں بالکل مٹی بن گئی تو ان قبروں کو توڑ کر زمین کو ہموار کر دینا اور وہاں مسجد، مدرسہ، دوکان سب کچھ بنانا درست ہے(۲)۔

میت کے مٹی بن جانے کے بعد قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ اگر میت مٹی نہیں بنی تو وہاں مسجد وغیرہ بنانا اور قبر کو توڑنا ناجائز ہے، ایسی حالت میں قبر کا احترام ضروری ہے(۳)۔ قبر کو سامنے کر کے نماز

---

(۱) (المبسوط للسرخسی، باب الحمیل والمملوک والکافر: ۹/۱۵۲، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "وذکر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم یبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملکاً لأربابها، فإذا عادت ملکاً، یجوز أن یبنی موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرة مسجداً وغیر ذلک". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنیریة دمشق)

"میتٌ دفن فی أرض إنسان بغیر إذن مالکها، کان المالک بالخیار، إن شاء رضی بذلک، وإن شاء أمر بإخراج المیت، وإن شاء سوّی الأرض، و زرع فوقها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۲، رشیدیه)

(۳) "یکره أن یبنی مسجد علی القبر .... و فیه منع بناء المساجد علی القبور، ومقتضاه التحریم، کیف و قد ثبت اللعن علیه، و أما الشافعی وأصحابه فصرحوا بالکراهة". (معارف السنن، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة أن یتخذ علی القبر مسجداً: ۳/۳۰۵، المکتبة البنوریه، کراچی) =

پڑھنا ناجائز ہے(۱)، بلکہ اس کے قریب بھی پڑھنے سے احتیاط چاہئے کہ بعض صورتوں میں کراہت زیادہ ہوتی ہے، بعض میں کم (۲):

"ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ، وزرعه، والبناء علیه، اھ". تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۱/۲٤٦ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۸/۱۲/۱۸ھ۔

اگر وہ قبرستان پرانا اور وقف ہے اور اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، دوسرا قبرستان موجود ہے اور اس قبرستان کے بے کار پڑے رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر دوسرے لوگ غلط قبضہ کریں گے اور وہاں مسجد بنانا مناسب ہے تو مسلمانوں کے باہم مشورہ سے مسجد بنانا درست ہے، کذا فی العینی شرح البخاری(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴/۴۷۰، ۴۷۱، رشيديه)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطيء والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۲) "وقال في الحلية: و تكره الصلاة عليه و إليه، لوُرود النهي عن ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في بيان السنة والمستحب والمندوب، الخ: ۱/۲۵۴، سعيد)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(۴) "قال ابن قاسم رحمه الله تعالىٰ: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أربذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق) =

قدیم قبرستان میں بنی ہوئی مسجد بھی شرعی مسجد ہے

سوال[۷۴۸۳]: ایک مسجد احاطۂ قبرستان میں عرصہ گیارہ سال سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد میں برابر نمازِ جمعہ اور نمازِ پنجگانہ ہوتی ہے۔ تمام اہلِ محلّہ اسی میں نماز پڑھتے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ مسجد قبروں پر بنی ہوئی ہے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس احاطہ میں قبروں کے نشانات موجود تھے اور دیکھنے والوں کو بخوبی یاد ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ نشانات کہاں کہاں تھے؟ تمام نشانات عرصہ دراز سے موجود تھے، مگر اب جو عرصہ گیارہ سال سے یہ نشانات مسجد میں شامل ہو چکے ہیں، اس لئے بعض افراد کو نماز کے بارے میں شک گذرتا ہے کہ یہاں نماز ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

اس مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا کیسا ہے؟ اگر اس مسجد میں نماز ناجائز قرار دی جائے تو ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جنہوں نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور جن لوگوں نے اس مسجد کی تعمیر میں حمایت کی، یا مسجد تعمیر کرنے والے شخص پر زور دیا اور تمام اخراجات برداشت کئے۔ آیا وہ شخص مسجد کے مخالفین سے اخراجات کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ ان کی نماز کے خراب ہونے کا کون شخص ذمہ دار ہے؟ بہرصورت اب یہ سوال ہے کہ اس مسجد کو آباد کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو جگہ مردے دفن کرنے کے لئے وقف کی جائے وہاں مسجد بنانا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس لئے منع ہے(۱)۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا منع ہے جہاں سامنے قبریں ہوں (۲)۔ لیکن اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ

= (وکذا فی ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۴، سعید)

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) "عن أبی مرثد الغنوی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی علیه السلام: "لاتجلسوا علی القبور، ولاتصلوا إلیها". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعید)

اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے اور پرانی قبریں وہاں موجود ہیں، مگر زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اب ان میں میت موجود نہیں بلکہ مٹی بن چکی ہے تو حسبِ ضرورت وہاں مسجد بنانا شرعاً درست ہے(۱)۔ قبر میں جب میت مٹی بن جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسی وجہ سے وہاں دوسرا مردہ بھی دفن کرنا درست ہے۔

اگر ذاتی زمین ہو تو وہاں کھیتی کرنا اور تعمیر کرنا بھی درست ہوتا ہے۔ غرض قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، ایسی مسجد کو شرعی مسجد کہا جاتا ہے۔ وہاں نماز پڑھنا درست ہوتا ہے، اس کو مسجد ضرار نہیں کہا جاتا، اس میں پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہوتا:

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المسجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أربذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعنا هما على هذا واحد، اه". عمدة القارى شرح البخارى: ۲/۳۵۹(۲)۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "كماجاز زرعه والبناء عليه إذا صار تراباً،

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أرفيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهليةُ يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۴، مكتبه إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۲) (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، ادارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"وإن بقي من عظامهم شيء، تنبش وترفع الآثار وتتخذ مسجداً؛ لماروى أن مسجد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان قبلُ مقبرةً للمشركين، فنبشت، كذا فى الواقعات". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر والخانات الخ: ۲/۴۶۹، رشيديه)

وکذا یجوز دفن غیرہ علیہ، اھ". درمختار(۱)، ردالمحتار: ۱/۶۰۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان کی خالی زمین جوت کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال[۷۴۸۴]: ۱...... چند آدمیوں نے مل کر کچھ زمین قبرستان کے نام دے دی۔ اب اس زمین کے کچھ حصہ میں تو قبریں ہیں اور کچھ حصہ خالی ہے۔ تو جو حصہ خالی ہے اس کو جوت کر اس کی پیداوار مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ جنہوں نے زمین قبرستان کے نام دی ہے اس پر راضی ہیں۔

قدیم غیر مستعمل قبرستان میں مسجد بنانا

سوال[۷۴۸۵]: ۲...... ایک ایسی زمین ہے جس میں کافی قبریں ہیں، جس میں چند ایسی قبریں ہیں جو کہ بالکل ہموار ہوگئی ہیں اور کچھ ایسی قبریں ہیں جو کہ ابھی صحیح وسالم ہیں۔ تو ایسی پرانی قبروں کو ہموار کر کے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر مسجد بنالی تو اس میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... قبرستان کے لئے زمین دیتے وقت اگر یہ کہہ دیتے کہ اس کی خالی زمین کی پیداوار مسجد میں دی جائے تب تو اجازت ہو جاتی، مگر اس وقت انہوں نے ایسا نہیں کیا، اب اجازت نہیں، بلکہ اس کی پیداوار قبرستان ہی پر صَرف کی جائے(۳)۔ لیکن اگر وہاں ضرورت نہیں اور کوئی قبرستان بھی حاجتمند نہیں اور آمدنی کے روپے کا

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(۳) "سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار: هل یجوز صرفها إلی عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تکن وقفاً علی وجه آخر. قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف إلیها أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات .... والمسائل التی تعود إلی الأشجار، الخ: ۲/۴۷۶، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، نوع فی وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشیدیه)

تحفظ دشوار ہے تو پھر سب کے مشورہ سے آمدنی مسجد میں صَرف کر سکتے ہیں (۱)۔ اس کا بھی لحاظ رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے سے کہیں دوسروں کے قبضہ میں آکر وقف ہی ختم نہ ہوجائے۔

۲......اگر قبرستان پرانا ہوجائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا ہو اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کرلے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کرکے وہاں مسجد بنانے کی اجازت ہے (۲)۔ باہمی مشورہ سے کام کیا جائے تو انشاء اللہ فتنہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أوغيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك باساً؛ وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعُه والبناءُ عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال[۷۴۸۶]: اگر قبرستان کی جگہ کسی دیگر جگہ میں تجویز کی جائے تو درست ہے یا نہیں، یا پیش امام کے لئے دوسری اراضی تجویز ہو، یہ قبرستان ہی رکھا جائے؟ جو اس میں مناسب و بہتر ہو، اسے تحریر فرمایا جائے۔

المستفتیان: عبدالرزاق، عبدالستار، رائے پور، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ زمین مردے دفن کرنے کے لئے واقف نے وقف کی ہے تو امام کو دوسری زمین کاشت کے لئے دی جائے (۱)۔ اگر وہ واقف نے ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف کی ہے، تو مردے دفن کرنے کے لئے دوسری زمین تجویز کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الاولی/۶۱ھ۔

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۴۸۷]: ایک گاؤں کٹر کنڈلہ ہے، اس کی مسلم آبادی دوسو ہے، دو قبرستان ہیں جو تقریباً

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، و هو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "والأصح ما قال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد: ۲/۴۶۲، رشيديه)

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر؛ لأنه من المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

پچاس سال کی مدت کے لئے کافی ہوسکتے ہیں۔اس گاؤں کے قبرستان میں ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے جس میں چالیس سال سے نماز پڑھی جارہی ہے۔مسجد کے متصل دوسو پچاس مربع گز زمین خالی ہے،اب اس زمین پر پختہ عمارت مدرسہ کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں،کیونکہ یہ جگہ آبادی کی تمام مسلمانوں کے مکانات سے قریب تر ہے۔تو اس جگہ مدرسہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعلیم درست ہے(۱)۔اگر قبرستان وقف ہے تو منشائے واقف ہی میں اس کو استعمال کیا جائے(۲)،لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہوجائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا بھی درست ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وذكر أصحابنا إذا خرب و دثر لم يبق حوله جماعة. والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرة مسجداً، وغير ذلك". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(۳) "و ما فضل من ريع الوقف، و استغنى عنه، فإنه يصرف في نظير ذلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف، فاضل ريع الوقف، الخ: ۵۲۹/۳، دارالكتاب العربي بيروت)

"و في شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، الخ: ۵۹/۴، سعيد)

ایضاً

سوال[۷۴۸۸]: شہر کے درمیان مسجد ہے، اس کے احاطہ میں قبرستان ہے۔ لوگ اس میں دینی مدرسہ کے لئے عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ کتنی مدت گذر جانے کے بعد عمارت بنائی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مُردے دفن کئے جائیں، اس کے علاوہ کسی اَور کام میں اس کا استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)۔ البتہ یہ قبرستان اتنا پُرانا ہوگیا کہ اب میت مٹی بن چکی ہوگی اور جدید مردے دفن نہیں کئے جاتے، اس کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے اس کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر لوگ غاصبانہ قبضہ کرلیں گے تو ایسی حالت میں وہاں دینی مدرسہ تعمیر کرلیا جائے (۲)، یا کوئی اَور عمارت بنا کر اس کو کرایہ پر اٹھایا جائے اور کرایہ دوسرے قبرستان کی ضروریات میں صَرف کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ : ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "وذکر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم یبق حوله جماعة. والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملکاً لأربابها، فإذا عادت ملکاً، یجوز أن یبنی موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً وغیر ذلک". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش القبور شرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنیریة، دمشق)

(۳) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر یرغب الناس فی استیجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ : ۲/۴۱۴، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، تصرف القیم فی الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۶/۲۵۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ : ۳/۳۰۰، رشیدیه)

قبرستان میں خانقاہ

سوال[۷۴۸۹] : قصبہ شوروم ضلع مظفر نگر میں ایک تکیہ ہے، اس تکیہ میں ایک مزار ہے اور مزار کے چاروں طرف قبرستان ہے، اس قبرستان کے چاروں طرف کوٹ (۱) گھرا ہوا ہے اور اس کے اندر چار دروازے تھے اور کوٹ کی چہار دیواری ٹوٹ گئی ہے، اس وجہ سے بجائے چار دروازے کے اس وقت بہت سے راستے بن گئے ہیں۔ ایک فقیر نے اس میں ایک مقبرہ بنالیا تھا اور مقبرہ میں بیٹھ کر لوگوں کو سٹہ بتانے لگا اور مقبرے میں بھی سٹہ کے پیسے کو لگانے لگا، وہ فقیر انتقال کر گیا ہے، اب اس مقبرے میں گاؤں کے بچے تعلیم پا رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے زبردستی اس کا تالا توڑ کر اندرونِ مقبرہ دو قبریں منہدم کر کے برابر کر دیا ہے اور اس مقبرہ میں بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس خانقاہ کے نزدیک اس کی دو عمارت بنی ہوئی ہیں، لیکن عمارت پر اس وقت کڑیاں نہیں ہیں، پہلے جو اس مقبرہ کا نگراں تھا اس نے ان عمارتوں کی کڑیاں اتار کر جلالی تھیں۔

اس خانقاہ کے چاروں طرف کچھ درخت بھی موجود ہیں جو لوگ یہاں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ مقبرہ کے درختوں کو کاٹ کر ان عمارتوں پر کڑیاں اور کواڑ وغیرہ لگا دیئے جائیں، یا یہ کہ درخت کی لکڑیوں کو فروخت کر کے اس کا روپیہ خانقاہ کے کمزور حصوں پر صرف کر دیا جائے، چونکہ ایک طرف سے کوٹ کے ٹوٹ جانے سے کچھ حصہ قریب کے تالاب میں پہونچ گیا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ تکیہ قبرستان کے لئے وقف ہے اور وہ خانقاہ بھی اس سے متعلق ہے تو درختوں کو کاٹ کر قیمت کا روپیہ اس عمارت کی مرمت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ وہاں کسی فقیر کا سٹہ کی خبر بتانا، یا کسی اَور غلط کام میں

---

(۱) ''کوٹ: قلعہ، حصار، گڑھ، فصیل، شہر پناہ، چار دیواری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''وإن نبتت الأشجار فيها بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، فإن علم غارسها، كانت للغارس. وإن لم يعلم الغارس فالرأى فيها يكون للقاضي، إن رأى أن يبيع الأشجار ويصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلک، و يكون في الحكم كأنها وقف''. (فتاویٰ قاضی خان هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار في =

اس جگہ کا استعمال کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر اس کے ویران ہونے یا تالاب میں چلے جانے کا اندیشہ ہے اور بچوں کی تعلیم کے ذریعہ تحفظ ہوسکتا ہے تو بہتر ہے کہ وہاں بچوں کو تعلیم دیجائے (۲)، مگر قبروں کی بے حرمتی نہ کریں، اس کا خیال رہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۷ھ۔

قبرستان میں عیدگاہ بنانا

سوال [۷۴۹۰]: یہاں پر ایک قبرستان ہے، قبرستان جاری ہے، قبرستان کی زمین بہت بڑی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ قبرستان کے ایک حصہ میں عیدگاہ بنالی جائے، عیدگاہ کے لئے وہ حصہ مختص کیا گیا ہے جہاں پر ان

= المقبرة: ۲/۴۷۳، ۴۷۴، رشیدیه)

(۱) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالىٰ: لا يباح". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل فی المقابر، الخ: ۳/۳۱۴، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیه)

(۲) "لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنیٰ قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنیٰ من الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تمليكه لأحد، فمعناهما على هذا واحد، اهـ". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، الخ: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية)

(۳) "ويكره أن يبنى على القبر، أو يقعد، أو ينام عليه، أو يوطأ عليه، أو يقضی حاجة الإنسان من بول أو غائط". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۶، ۱۶۷، رشیدیه)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی زيارة القبور، ص: ۶۲۳، قديمی)

قبروں کے آثار بہت کم ہیں۔ کیا اس قبرستان میں عیدگاہ بنانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں عیدگاہ بنانے کی اجازت نہیں، خاص کر جب کہ وہ جاری ہو اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں اس لئے عیدگاہ دوسری جگہ بنائی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا

سوال [۷۴۹۱]: موقوفہ قبرستان کو اگر عیدگاہ میں شامل کرلیا جائے تو ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دفن کے لئے دوسرا قبرستان موجود ہے، جو قبرستان عیدگاہ کے متصل ہے، وہاں دفن کا سلسلہ بند کرکے اس کو عیدہ گاہ میں شامل کرنے کے لئے وہاں کے لوگ متفق ہوں اور اس میں کوئی فتنہ نہ ہو تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے (۲)۔ قبریں جب اتنی پرانی ہوجائیں کہ ان میں میت موجود نہ رہے بلکہ مٹی بن جائے تو

---

(۱) "سئل الأو جندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، و لم یبق فیها أثر الموتی، لا العظم، ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۱/۴۷۰، رشیدیه)

"لایجوز لأهل القریة الانتفاع بالمقبرة الداثرة". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بُنی فیها مسجد لیصلی فیه، فلم أر فیه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وکذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة المنیریة، دمشق)

حکم بدل جاتا ہے، ایسی صورت میں قبروں کو ہموار کر کے وہاں نماز پڑھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

مشتبہ قبرستان کی زمین کو خریدنا اور اس پر مکان بنانا

سوال[۷۴۹۲]: مسجد کے قریب ایک زمین ہے جس کے متعلق تحریر نہیں، مگر شہرت اس طرح کی ہے کہ ایک مسلم خاندان کا گورستان تھا جس میں مدت ہوئی مُردوں کے دفن کرنے کی سرکاری حکم سے ممانعت کردی گئی، چند قبور پختہ اس میں اب بھی موجود ہیں۔ اور بوڑھے مسلمان کہتے ہیں کہ یہ مسجد بھی بعد میں گورستان ہی کی زمین میں تعمیر ہوئی، بلکہ صحنِ مسجد میں قبریں بنی ہوئی ۲۵، ۳۰/ برس ہوئے کہ اس وقت دیکھی ہیں جواَب بے نشان ہوگئیں، نہ معلوم ابتدا میں کیا صورت ہوئی۔

زید مسلمان کا اس پر قبضہ ہوا اور اسی نے مسجد وکنواں وغسل خانہ اور مکتب کے لئے ایک کمرہ اس میں بنوایا۔ زید مقروض ہو کر وفات پا گیا اور ہندو دائن نے ڈگری جاری کرا کے مجبور کیا کہ وہ نیلام ہو۔ ورثائے زید نے اپنے طور پر سارا قطعہ جس میں مشتبہ گورستان بھی شامل تھا نیلام کردیا۔ اور ایک ہندو نے اس کو خرید کر قبضہ کر لیا اور نمودار قبروں کی وجہ سے ہندو اس پر تعمیر کرنے سے خائف رہا اور ایک مسلمان کے ہاتھ وہ سارا قطعہ بیچ دیا جس میں قبریں تھیں۔ اس خریدار نے اس کے ٹکڑے کر کے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کردیئے اور اس میں مکانات تعمیر ہوگئے۔ ایک مختصر قطعہ مسجد کے متصل باقی ہے جس میں اندیشہ ہے کہ کسی ہندو نے خرید لیا تو فتنہ ہوا کرے گا۔ مسجد میں اتنی وسعت نہیں کہ خرید سکے۔

پس آیا کوئی گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس کو خرید کر مکان مسکونہ بنالے اور موجودہ پختہ قبر بحالہ محفوظ

---

(۱) "بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعُہ والبناءُ علیہ، اھـ". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

رکھے؟ اور اس مسجد کا کیا حکم ہے، آیا اس میں نماز صحیح ومستحب ہوگی اور حکم مسجد کا دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جن مسلمانوں نے اس کو خرید کر تعمیر کیا ہے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عادتِ عامہ کے موافق قبور زمینِ وقف ہی میں بنائی جاتی ہیں، خواہ وہ وقف عام ہو جیسے گورِ غریباں، یا وقف خاص ہو جیسے کوئی مخصوص خاندان اپنی قبور کے لئے کوئی قطعۂ زمین وقف کردے، گو کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس قطعۂ ارض کو وقف ہی کہا جائے گا: "لأن الحكم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط (۱)۔

اور وہ مسجد بھی جب کہ ایک مسلمان کی بنائی ہوئی ہے، بظاہر شرعی مسجد ہے: "لأن حمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن إلا أن تقوم البينة". مبسوط سرخسی (۲)۔

مگر دلیلِ قطعی نہ اس مسجد کے وقف ہونے پر ہے اور نہ مسجد کے شرعی مسجد ہونے پر، کیونکہ نہ کوئی شہادت ہے نہ وقف نامہ وغیرہ، تاہم مسجد ہونا اقوی ہے، کیونکہ اس کے خلاف کا احتمال بہت ہی مرجوح ہے اور اس زمین کا وقف ہونا اتنا قوی نہیں، نیز مفادِ مسجد کے خلاف فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے "من ابتلي ببليتين، فليختر أهونهما" (۳)، گنجائش ہے کہ کوئی مسلمان اس قطعہ کو خرید کر مکان وغیرہ بنالے اور مفادِ مسجد کے خلاف فتنہ سے امن ہو جائے، خصوصاً جب کہ دوسرے قطعات میں تصرف بھی ہو چکا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/محرم الحرام/۵۴ھ۔

جو زمین بچوں کی قبروں کے لئے ہے اس کو فروخت کرنا

سوال [۷۴۹۳]: اگر کسی بستی میں بڑے قبرستان علیحدہ ہوں اور بچوں کے علیحدہ، مگر چونکہ بچوں کے

---

(۱) (المبسوط، باب الحميل والمملوك والكافر: ۹/۱۵۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) (المبسوط، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلك: ۹/۷۳، غفاريه كوئٹه)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۸۶، إدارة القرآن، كراچی)

قبرستان میں کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے اور لوگ وہاں مکان بنانا چاہتے ہیں، ان سے اگر اس قبرستان کی جگہ کی قیمت لے لی جائے تو وہ کس جگہ صرف کرنی چاہیے۔ قبرستان میں عیدگاہ بھی ہے، کچھ ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہی ہے۔ اگر جائز ہو تو کیا وہ روپیہ اس میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین قبرستان کے لئے وقف ہو خواہ بچوں کے دفن کے لئے یا بڑوں کے دفن کے لئے، وہاں ذاتی مکان بنانا شرعاً جائز نہیں (۱)، کوڑا کرکٹ بھی وہاں نہ ڈالا جائے۔ البتہ اگر وہ زمین وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کو اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، پھر قیمت اپنے کام میں لائے، یا عیدگاہ وغیرہ میں جہاں چاہے صرف کرے، اسے سب طرح اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۴ھ۔

---

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

"وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست، و لم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم و لا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۷۰/۱، ۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل يباح لأهل المحلة الانتفاع؟ قال أبونصر رحمه الله تعالىٰ: لا يباح". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳۱۴/۳، رشيديه)

(۲) "إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض، وزرع فيها". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۲/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فقیر نگران کا قبرستان کی زمین کو فروخت کرنا

سوال[۷۴۹۴]: ہمارے بزرگوں کا قدیم قبرستان ہے اور اس میں شبراتی فقیر کو بطورِ نگران رکھ دیا تھا، اس نے اس کی زمین ایک دوسرے شخص کو فروخت کردی ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ فقیر محض نگراں کی حیثیت سے رہتا تھا، مالک نہیں تھا تو اس کا اس زمین کو مالک بن کر فروخت کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

قبر والی زمین کی بیع

سوال[۷۴۹۵]: ایک شخص نے ایک قطعۂ زمین خرید کیا اور خریدنے والے کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس زمین میں بہت سی قبریں ہیں، اب صاحب مذکور نے اس زمین میں تالاب کھدایا ہے، کھودتے وقت مردار کے سر اور ہاتھ کی ہڈی اور لاشیں پائی گئیں، سب ہڈیاں دوسری جگہ زمین میں دفن کردیں۔ آیا اب قبر والی زمین کو تالاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مالک سے کسی نے زمین خرید لی، تو اب مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین میں تالاب بنائے یا کچھ

---

(۱) "(بطل بيع ما ليس في ملكه) .... لأنه عليه السلام نهى عن بيع ما ليس عند الإنسان".

(تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۸، ۵۹، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه و لا تملكيه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰ مكتبه شركت علميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

اَور کام کرے(۱)، البتہ ان ہڈیوں کو توڑنا درست نہیں (۲)، بلکہ احتیاط سے ان کو ایک جگہ دفن کردیا جائے (۳)۔فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے،اگر قبرستان وقف ہوتو اس کی بیع اوراس میں تالاب وغیرہ بنانا، ناجائز ہے (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چک بندی میں قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رشوت دے کر چھڑانا

سوال[۷۴۹۶]: ہمارے موضع میں چک بندی ہورہی تھی،حکومت کی طرف سے قبرستان ومدرسہ

---

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء، لکن إذا تعلق به حق الغیر یمنع المالک من تصرفه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)

"والقیاس أن من تصرف فی خالص ملکه، لا یُمنع منه وإن أضرّ بغیره، لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیره". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الکتاب السابع فی الحجر والاکراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول فی بعض قواعد فی احکام الاملاک، تحت رقم المادة: ۱۱۹۷، ص: ۶۵۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "کسر عظم المسلم میتاً ککسره وهو حی، قال مالک: تعنی فی الإثم". (مؤطأ إمام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء وهو النبش، ص: ۲۲۱)

"وحاصله أن عظم المیت له حرمة مثل حرمة عظم الحی، لکنه لاحیاة فیه، فکان کاسره فی انتهاک الحرمة ککاسره عظم الحی". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز: ۴/۵۴۹، دارالقلم دمشق)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۵۸، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "ولا یحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لا یوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجزٌ من تراب". (ردالمحتار: ۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید)

(۴) "وإذا صح الوقف، فلا یملک ولا یملّک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۵۸۰، کتاب الوقف، غفاریه کوئٹه)

"فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعید)

کے لئے کچھ زمین چھوڑنے کا حکم تھا، مگر اہلکار نہیں چھوڑ رہے تھے، بہت کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ کچھ رشوت لینا چاہتے ہیں تو بجبوری مدرسہ اور قبرستان کی زمین کے لئے سو روپیہ اہل کار کو دیا گیا جس میں پچاس روپیہ مدرسہ کا تھا، اور پچاس روپیہ قبرستان کا تھا، تو قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین دی گئی اور عمل درآمد بھی ہو گیا اور زمین مدرسہ کے لئے حاصل کر لی گئی۔ آیا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مدرسہ وقبرستان کے لئے زمین چھوڑنا قانونی حق تھا اور بغیر روپیہ کے اس حق کو حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا تو مجبوراً روپیہ دینے والے گنہگار نہیں ہوئے (۱)، وہ زمین مدرسہ وقبرستان دونوں کی ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مدرسہ وعیدگاہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۴۹۷]: ۱..... قبرستان کی رقم مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر لگائی جاسکتی ہے تو کون کون سے کام میں؟ خصوصاً مدرسہ کے مکان یا مدرسین کی تنخواہوں میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا قبرستان کی آمدنی سے عیدگاہ بناسکتے ہیں، نیز قبرستان کی آمدنی کس مصرف میں آسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی اور کام (مدرسہ وعیدگاہ) میں صرف کرنا درست نہیں: "لأن

(۱) "لا بأس بالرشوة .... إذا خاف على دينه .... وفيه أيضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حقٍ له، ليس برشوة، يعني في حق الدافع، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فروع: ۶/۴۲۳، ۴۲۴، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشيديه)

(وكذا في احكام القرآن للجصاص، (سورة المائدة)، باب الرشوة، مطلب في وجوه الرشوة: ۲/۴۳۳، ۴۳۴، دارالكتاب العربي، بيروت)

شرط الواقف کنص الشارع"۔ کذا فی رد المحتار (۱)۔ ہاں! اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً: حفاظت کے لئے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو، آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ وغیرہ (۲) تو پھر باہمی مشورہ سے مدرسہ وعیدگاہ میں جہاں ضرورت ہو تعمیر، تنخواہ، وظیفہ، خرید کتب وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں تا کہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو اور اس پر کسی کی ملک نہ ہو اور غاصبانہ قبضہ نہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۰ھ۔

قبرستان کی آمدنی مسجد میں

سوال [۷۴۹۸]: موضع شاہ پور گاؤں میں ہمیشہ سے مسجد کے متعلق ایک ڈھائی بیگہ پختہ رقبہ جس میں دس بسوہ خام رقبہ میں مسجد ہے (۳)، باقی میں کاشت ہوتی ہے جس کی آمدنی پیش امام کے پاس جاتی ہے، اور ہمیشہ سے تمام موضع کے مُردے بھی اسی میں دفن ہوتے ہیں اور قبریں چھوڑ کر کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرعاً جائز

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"لأن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/۱۲۶، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) "سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار: هل یجوز صرفها إلی عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تکن وقفاً علی وجه آخر. قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب، یصرف إلیها أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه إن عرف. وإن لم یکن للمسجد متولٍ و لا للمقبرة، فلیس للعامة التصرف فیها بدون إذن القاضی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، المسائل التی تعود إلی الأشجار، الخ: ۲/۴۷۶، ۴۷۷، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی الأشجار: ۳/۳۱۱، رشیدیه)

(۳) "بسوہ: زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۴، فیروز سنز، لاہور)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ زمین ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہے، یا مُردے دفن ہونے کے لئے وقف ہے، اول صورت میں ثانی عمل ناجائز ہے اور ثانی صورت میں اول عمل ناجائز ہے(۱)۔ جس کام کے لئے واقف نے وقف کیا ہے اس میں وہی کام کرنا چاہیے: "لأن نص الواقف کنص الشارع"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ۔

قبرستان کی آمدنی سے مساجد کی مرمت

سوال[۷۴۹۹]: ہمارے قصبہ میں قبرستان پرانے بہت ہیں اور حکومت نے بھی ان سے ملحقہ قبرستان کے لئے مزید اراضی دیدی ہے، اگر اس میں کاشت کرا کر اس کی پیداوار بوسیدہ جامع مسجد، یا دیگر امور خیر میں خرچ کردیں تو درست ہے یا نہیں؟ اگر مساجد وغیرہ کی مرمت نہ کی گئی تو ان کے گرنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اکثریت مسلمانوں کی یہاں سے چلی گئی، بہت معمولی تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔ جو اس کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے تو کیا قبرستان کی پیداوار سے مرمت ہوسکتی ہے اور مساجد محفوظ ہوسکتی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین قبرستان ہی کے کام میں استعمال کی جائے، اگر وہاں کے قبرستان میں ضرورت نہیں اور ان کی ضرورت کے لئے کافی جگہ موجود ہے اور اس زمین کے خالی رہنے سے اندیشہ ہے

---

(۱) یعنی ضروریاتِ مسجد کے لئے وقف ہونے کی صورت میں دفنِ موتی ناجائز ہے، اور مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہونے کی صورت میں آمدنی امام کے پاس جانا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "لأن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی وجوب العمل به، وفی المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثانی: الفوائد، کتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

کہ دوسرے لوگ اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیں گے اور اس قبضہ کو ختم کرانا دشوار ہوجائے گا جس سے اصل وقف ہی ضائع ہوجائے گا تو مجبوراً اس میں کاشت کرکے اس کی آمدنی سے مساجد کی مرمت کرنا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

قبرستان کے باغ کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے کاموں میں صرف کرنا

سوال [۷۵۰۰]: ایک شخص نے مدرسہ اور مسجد میں امامت کی، مسجد اور مدرسہ کے منتظمین نے تنخواہ ماہانہ قبرستان کے فنڈ سے دی۔ یہ باغ اس نیت سے لگایا گیا قبرستان میں کہ اس کی آمدنی سے مدرسہ اور مسجد کا خرچ چل سکے۔ ایک صاحب نے فتویٰ منگایا، فتویٰ میں جواب یہ آیا کہ قبرستان کی آمدنی قبرستان ہی میں صرف کی جائے گی، اس کے علاوہ مدارس و مسجد میں صرف کرنے کا کوئی مجاز نہیں ہے۔ اور وہ شخص جس نے فتویٰ منگایا تھا، امام مسجد سے بتایا کہ ڈیڑھ ماہ سے جتنی نمازیں میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہیں وہ سب میں نے لوٹائیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور ان صفوں پر نماز بھی نہیں ہوتی جو کہ اس پیسے سے خریدی گئی ہوں۔

ان حالات میں امام مذکور نے امامت و مدرسی سے علیحدگی اختیار کرلی۔ کچھ اشخاص نے یہ کہا کہ آپ اس پیسے کو کسی سے بدل لیں۔ وہاں کے لوگوں کی اکثریت، نیز منتظمین امام مذکور کو رکھنا چاہتے ہیں۔ مدلل و مفصل

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغني عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة، كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد .... فإن هذا الفاضل لا سبيل إلى صرفه إليه، ولا إلى تعطيله، فصرفه في جنس المقصود أولى، وهو أقرب الطرق إلى مقصود الواقف". (فقه السنة، كتاب الوقف، فاضل ريع الوقف يصرف في مثله: ۵۲۹/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدرالمختار). "و في شرح الملتقى": "يصرف وقفها لأقرب مجانس لها، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

جواب درکار ہے، ایسی جگہ ملازمت درست ہے یا نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مسئلہ کی وجہ سے مسجد یا مدرسہ سے علیحدگی کی کوئی ضرورت نہیں، تنخواہ کے متعلق معاملہ کرلیا جائے کہ اس فنڈ سے تنخواہ نہیں دیں گے۔ جو نمازیں پڑھی جاچکی ہیں ان کے لوٹانے کی بھی ضرورت نہیں (۱)۔ جو صفیں اس فنڈ سے خریدی گئی ہیں ان کی قیمت اس فنڈ میں جمع کردی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۵ھ۔

پرانے قبرستان میں مکان وبیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال[۷۵۰۱]: ایک مکان قبرستان میں بنایا گیا ہے اور قبریں بالکل برابر ہوگئیں، ان کا کوئی نشان نہیں رہا ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ یہاں پر قبریں تھیں۔ تو اس مکان میں بیت الخلا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی ہوچکی ہوگی تو اس کے احکام قبرستان کے نہیں رہے، وہاں مالک کو اور مالک کی اجازت سے دوسروں کو مکان بنانا شرعاً درست ہے

---

(۱) "بنی مسجداً فی أرض غصب، لابأس بالصلاة فیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی أرض مغصوبة: ۱/۳۸۱، سعید)

(۲) "سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار .... قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف إلیها، أو إلی المسجد؟ قال: إلی ما هی وقف علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، مطلب الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/۴۷۶، رشیدیه)

"(قوله: لا یجوز له ذلک): أی الصرف المذکور .... قال الخیر الرملی: أقول و من اختلاف الجهة ما إذا کان الوقف منزلین: احدهما للسکنی، والأخر للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للأخر، و هی واقعة الفتویٰ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۱، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی، الخ: ۲/۴۷۸، رشیدیه)

اور بیت الخلا بنانا بھی جائز ہے، جو حکم اُور زمین کا ہے وہی حکم اس جگہ کا ہے۔ احترام میت کا تھا، جب وہ نہیں تو اس جگہ کا کوئی خاص احترام بھی نہیں: "جاز زرعه والبناء علیه إذا صار تراباً، زیلعی، اھ". درمختار (۱)۔

اگر وہ قبرستان وقف ہے تو وہاں اپنا مکان بنانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

پرانے قبرستان میں کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا

سوال [۷۵۰۲]: ایک مسجد کے روبرو قبرستان ہے جس کے دونوں جانب شاہراہ ہے۔ اہلِ مسجد یہ چاہتے ہیں کہ اس شاہراہ کے دونوں جانب کمرے تعمیر کرا کر اجارے پر دے دیئے جائیں جس کا کرایہ مسجد کی ضروریات: تنخواہ امام وموذن، بجلی وغیرہ یا تعمیرِ مسجد پر خرچ ہوتا رہے۔ اس تعمیر کے اندر چند بوسیدہ قبریں بھی آجائیں گی۔ یہ تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا کرایہ مندرجہ بالا ضروریات پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کی ہے اور قبریں اتنی پرانی ہیں کہ میت ان میں باقی نہیں، بلکہ مٹی بن چکی ہے تو باہمی

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۸، سعید)

"و لو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، و زرعُه والبناءُ علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وسئل هو أیضاً عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق أثر الموتی، لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۲/۴۷۰، رشیدیه)

"مقبرة قدیمة .... هل یباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لا یباح". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳/۳۱۴، رشیدیه)

"ویکره أن یبنی علی القبر". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

مشورہ سے وہاں دوکانیں تعمیر کراکر کرایہ پر دینا اور وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد، تعمیر، تنخواہ امام وموذن میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ جب قبر پرانی ہو جائے اور میت مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا:

"لأن المیت إذا بلی وصار تراباً، جاز زرعه والبناء علیه". کذا فی الدرالمختار والزیلعی(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان کے درختوں کا مصرف

سوال[۷۵۰۳]: ایک احاطۂ قبرستان جس کے درمیان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی گئی ہے، قبرستان بہت پرانا ہے جس کے چاروں طرف انگریزوں کی ملکیت ہے، اس کا کوئی ایک مالک ہے اور وہ بھی اپنی ملکیت کی زمین فروخت کر چکا ہے۔ اگر قبرستان کے درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لائے جائیں اور مسجد کے مصارف چندہ سے پورے ہوتے ہوں تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ درخت مسجد میں لگ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے(جیسا کہ عرف ہے) تو کسی شخص کو درخت وغیرہ کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز نہیں، بلکہ مصارفِ وقف پر صرف کرنا واجب ہے(۳)۔ اور سبز درخت کا کاٹنا قبرستان سے ناجائز ہے،

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة، یعطون بقدر کفایتهم". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الوقف: ۶۴۱/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعُه والبناءُ علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(۳) "وإن نبت الأشجار فیها بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، فإن علم غارسها، کانت للغارس. وإن لم یعلم =

البتہ سوکھا درخت کاٹ کر مصارفِ وقف پر صرف کردیا جائے (۱)۔ اگر واقف نے مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو وہاں بھی خرچ کرنا درست ہے۔ جو شخص اپنی ملکیت فروخت کرچکا ہے، اس کو کسی حال میں بھی کاٹنا اور اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اگر وہ قبرستان وقف نہیں، بلکہ ملک ہے تو مالک کو سوکھا درخت کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز ہے (۲):

"سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار، هل یجوز صرفها إلی عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم یکن وقف علی وجه اخر. قیل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلی الخراب یصرف

= الغارس، فالرأی فیها یکون للقاضی، إن رأی أن یبیع الأشجار ویصرف ثمنها إلی عمارة المقبرة، فله ذلک، ویکون فی الحکم کأنها وقف". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی الأشجار: ۳/۳۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، نوع فی وقف المنقول: ۲۶۱/۶، رشیدیه)

(۱) "یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور: ۲/۲۴۵، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۳، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "مقبرة علیها أشجار عظیمة، فهذا علی وجهین: إما إن کانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرةً، أو نبتت بعد اتخاذ الأرض مقبرةً، ففی الوجه الأول المسألة علی قسمَین: إما إن کانت الأرض مملوکةً لها مالکٌ، أو کانت مواتاً لا مالک لها، واتخذها أهل القریة مقبرةً، ففی القسم الأول الأشجار بأصلها علی ملک رب الأرض، یصنع بالأشجار ما شاء. وفی القسم الثانی الأشجار بأصلها علی حالها القدیم.

وفی الوجه الثانی المسألة علی قسمین: إما إن عُلم لها غارس أولم یعلم، ففی القسم الأول کانت للغارس، و فی القسم الثانی الحکم فی ذلک إلی القاضی، إن رأی بیعها و صرف ثمنها إلی مقبرة، فله ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحیاض والطرق الخ، مطلب: الکلام علی الأشجار التی فی المقبرة: ۲/۴۷۴، رشیدیه)

إليهـا، أو إلى المسـجد؟ قـال: إلى مـا هي وقف عليه إن عرف. وإن لم يكن للمسجد متولي ولا للمقبرة، فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي، اهـ". عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۵۷ھ۔

قبرستان کے پھل کا حکم

سوال[۷۵۰۴]: قبرستان کے اندر پھل کے درخت ہیں، مثلاً: آم، امرود، پیپل، انار وغیرہ، ان کو ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کے پھل توڑ کر اس کا پیسہ ہم اپنے اوپر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے تو اس پھل کو فروخت کر کے قبرستان کی ضروریات میں قیمت صرف کریں، خود استعمال نہ کریں، نہ پھل نہ اس کی قیمت (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستانِ موقوفہ میں کاشت کرنا

سوال[۷۵۰۵]: ایک قبرستان بہت ہی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عرصۂ دراز سے یوں ہی پڑا ہوا ہے، فی الحال اس میں کوئی قبر نہیں ہے اور نہ بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس حصہ میں مُردے دفن کئے گئے یا نہیں۔ اس سال زبردست سیلاب آ کر قبرستان کو کمر بھر اونچا کیچڑ سے کر دیا جس کو ہماری

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر، مطلب: الكلام على الأشجار التي في المقبرة: ۴۷۶/۲، ۴۷۷، رشيديه)

(۲) "سئل نجم الدين عن رجل غرس تالة في مسجد، فكبرت بعد سنين، فأراد متولي المسجد أن يصرف هذه الشجرة إلى عمارة بئر في هذه السكة، والغارس يقول: هي لي، فإني ما وقفتُها على المسجد؟ قال: الظاهر أن الغارس جعلها للمسجد، فلا يجوز صرفها إلى البئر، ولا يجوز للغارس صرفها إلى حاجة نفسه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، القبر والدفن: ۸۷۶/۵، إدارة القرآن كراچی)

اصطلاح میں اچانک پڑھنا کہتے ہیں (۱)۔قبر کا نام ونشان نہیں ہے۔ایک شخص نے اس حصہ پر اپنی دیدہ ودانستہ دھان کی تخم ریزی کردی، ہاں! اگر غلطی سے دو چار قدم قبر والی زمین میں بھی بیج پڑ گیا ہو تو نہیں کہا جا سکتا، دھان ماشاءاللہ بہت اچھا ہوا اور اسی حصہ میں فصلِ ربیع بھی بلا جوتے لگا رکھا ہے۔

تو اب قابلِ سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے اور اس زمین سے حاصل شدہ پیداوار کو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟ اگر کسی مدرسہ میں دے دی جائے یا از خود طلبہ پر خرچ کیا جائے تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کیا قابلِ کاشت ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں کاشت کرنا جائز نہیں (۲)، خواہ بالفعل اس میں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں، "لأن شرط الواقف کنص الشارع". کذا فی رد المحتار (۳)۔ اب جو دھان اس میں پیدا ہوا بہتر یہ ہے کہ اس کو غرباء، طلباء پر صدقہ کیا جائے، بیواؤں یتیموں کو دیدیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دیدے کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صرف کردے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "اچانک پڑھنا: دفعۃً، ناگاہ، یکایک، (فقرہ) وہ سفر کا قصد کر ہی رہے تھے کہ غدر نے اچانک آدبایا"۔ (نور اللغات: ۱/۲۵۳، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

(۲) "وسئل هو أيضاً عن المقبرة في القرى إذا اندرست، و لم يبق فيها أثر الموتى، لا العظم ولا غيره: هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، و لها حكم المقبرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۱/۴۷۰، رشیدیه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۴، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لا =

قبرستان میں کھیتی کرنا

سوال[۷۵۰۶]: یہاں کے زمین دار قبرستانوں کو بیل سے جتوا کر کاشت کاری کرتے ہیں، بعض قبرستان پر قبریں موجود ہیں، ان پر ہل چلاتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ جن کا قبرستان ہے وہ مانع ہوتے ہیں کہ ہمارا قدیم قبرستان ہے، زمیندار کہتے ہیں کہ ہمارے نام کی زمین ہے، مگر قبریں پرانی بنی ہوئی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب درست ہے: "ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفنُ غیرہ فی قبرہ، وزرعُه والبناءُ علیه، اھ". بحر(۱)۔

اگر زمینداروں کی ملک نہیں، بلکہ دوسروں کی ملک ہے تو ایسی حالت میں زمیندار غاصب اور گنہگار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= یقطع". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، قبیل باب الرجل یجعل داره مسجداً: ۲۸۸/۳، رشیدیه)

(۱) (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشیدیه)

"ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، وزرعُه والبناءُ علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۸/۲، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "الغصب فی الشریعة أخذ مال متقوم محترم بغیر إذن المالک علی وجهٍ یزیل یده .... وعلی الغاصب رد عین المغصوبة". (الهدایة، کتاب الغصب: ۳۷۰/۳، ۳۷۱، إمدایه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشیدیه)

"وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه=

قبرستان میں کھیتی کرتے وقت ہڈیاں نکلیں تو کیا کیا جائے؟

سوال[۷۵۰۷]: نمبر۵ کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے(☆) کہ:

''اگر قبریں اس قدر پرانی ہوں کہ میت بالکل گل چکی ہوگی تو اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا سب کچھ درست ہے:"و لو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره، و زرعهٔ والبناءُ علیه". بحر (۱)۔

آپ کا ارشاد ختم ہوا، مگر یہاں یہ واقع ہے کہ ہل چلانے میں ہڈیاں نکلتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے، قبر میں اگر ہڈی سر وغیرہ کی نکلے تو کیا حکم ہے، کیا دوسری میت دفن کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں اس زمین میں ہل چلانا اور کاشت کرنا جائز نہیں (۲)، البتہ اگر مملوکہ زمین میں بلا مالک کی اجازت کے کوئی میت کو دفن کردے تو مالک کو یہ اختیار رہتا ہے کہ اپنی زمین سے میت کو قبر کھود کر نکال دے، یا اس کو زمین سے ہموار کردے اور کھیتی وغیرہ جو دل چاہے کرے اور چاہے اس قبر کو باقی رہنے دے:

"ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي، كأن تكون الأرض مغصوبةً، أو أخذت بشفعة. و يخير المالك بين إخراجه و مساواته بالأرض: أي ليزرع فوقه مثلاً؛ لأن حقه

= وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(☆) اصل قدیم نسخہ میں نمبر:۵، اس سوال سے قبل نہیں، راجع، فتاوی محمودیہ:۷/۲۴۷، نسخہ قدیمہ۔ لیکن شاید اس سے مراد ما قبل کا سوال ہو جس کا عنوان ہے:''قبرستان میں کھیتی کرنا'' جو کہ اصل نسخہ کے مطابق:۷/۲۴۷، کا ہے۔

(۱) (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشيديه)

(۲) "لا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلى الأول، فلم يبق له عظم". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وخصوصاً إن كان فيها ميت لم يبل، وما يفعل جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل أربابها، وإدخال أجانب عليهم، فهو من المنكر الظاهر". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

فی باطنها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفیٰ، فتح". درمختار وشامی: ۹۳۸/۱(۱)۔

اگر پہلے سے علم ہے کہ اس جگہ قبر کھودنے سے ہڈیاں نکلیں گی تو وہاں نہ کھدوائے، اگر پہلے سے علم نہ ہو اور قبر کھودتے وقت ایک دو ہڈی نکل آوے تو اس کو وہیں ایک طرف کو رکھ دیا جائے اور مٹی اس کے درمیان اور میت کے درمیان حائل کردی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا

سوال[۷۵۰۸]: قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا کیسا ہے؟ اگر بنالیا گیا تو مسرفین اور مبذرین میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بنانے والا بدعتی ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعید)

"إذا دفن الميت في أرض غيربغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض، و زرع فيها، كذا في التجنيس". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

"ولا ينبش بعد إهالة التراب .... إلا لعذر .... والعذر أن الأرض مغصوبة، أو يأخذها شفيع .... فإن أحب صاحب الأرض أن يسوى القبر، ويزرع فوقه، كان له ذلك، فإن حقه في باطنها و ظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۴۷۲/۲، رشیدیه)

(۲) "إلا أن لا يوجد، فيضم عظام الأول، و يجعل بينهما حاجزاً من تراب". (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چاردیواری بنالینا درست بلکہ بہتر ہے، یہ اسراف اور تبذیر نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبرستان کی چہاردیواری سینما کی آمدنی سے بنانا

سوال[۷۵۰۹]: یہاں پر قدیم قبرستان ہے جس کی چہاردیواری نہیں کی گئی، اب اس کی صورت یہی ہے کہ کسی طرح اس کی چہاردیواری کرائی جائے۔ چندہ کی تحریک کی جاچکی ہے، مگر مسلمانوں کی بدحالی کی وجہ سے چندہ اکٹھا نہیں ہورہا ہے اور خرچ کا تخمینہ بہت زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوچار شوسینما کے کرا کر اس کی آمدنی سے چہاردیوار کرادی جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر کوئی دوسری صورت ہوتو اس سے بھی آگاہ کرنے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مقصد کے لئے سینما کرانے اور اس سے رقم حاصل کرنے کی اجازت نہیں، معصیت ہے(۲)۔ اگر

---

(۱) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بناءً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان، فلا بأس. وبعد مابنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ۲/۴۶۷، ۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(۲) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمةٌ لا "بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کر کے ان کو کرایہ پر اٹھادیا جائے، اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے جب کہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو(۱)۔ تعمیر کے لئے رقوم قرض میں لی جائیں، ایسے آدمی آج کل بسہولت مل جائیں گے جو پیشگی رقم دیدیں، اور دوکان اس کو دیدی جائے اور پیشگی دی ہوئی رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے۔ ایک کمیٹی بنالی جائے اور سب کام باہمی مشورہ واتفاق سے کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

قبرستان میں پڑے پتھروں کو اس کے کمپاؤنڈ بنانے میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۱۰]: ہمارے گاؤں کا قبرستان صدیوں پرانا ہے، کہیں کہیں پتھروں اور اینٹوں کا خاصہ انبار لگا ہوا ہے، لیکن قبرستان کا کوئی محافظ کمپاؤنڈ نہیں اور قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لئے کمپاؤنڈ بنانے کا ارادہ ہے۔ کیا مذکورہ اینٹ، پتھروں کو اس کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجر ها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۱۴/۲ رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۴۷۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۵۴/۶، رشيديه)

"أرض لأهل قرية جعلوها مقبرةً، وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً لوضع اللبن وأداة القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية، أو رضي بذلك بعضهم، قالوا: إن كان في المقبرة سعةٌ بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان، لا بأس به. وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان، رفع البناء حتى يقبر فيه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في المقابر والرباطات: ۱۱۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۴۶۷/۲، ۴۶۸ رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانے قبرستان میں اینٹوں کا انبار ہے جن کا مالک کوئی نہیں (۱)، اس کا احاطہ حفاظت کے لئے بنانا ہے تو ان اینٹوں کو اس چہار دیواری بنانے میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۱۲/۲۵ھ۔

عیدگاہ اور قبرستان بستی کی کس جانب میں ہو؟

سوال [۷۵۱۱]: کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ عیدگاہ ہمیشہ آبادی کے مغرب میں ہونی چاہیئے اور قبرستان آبادی کے مشرق میں ہونا چاہیئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آبادی سے جانب مغرب عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جس جانب بھی موقع ہو بنالی جائے، ان دونوں چیزوں کی یہ پابندی بے اصل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

مخصوص قبرستان میں بلا اجازت دفن کرنا

سوال [۷۵۱۲]: ایک زمین قبرستان کے نام سے ایک خاندان کے لئے نامزد ہے، زمین مذکورہ میں خاندان موصوفہ کی میتیں مدفون ہوں، عوام الناس کو عام طریقہ پر اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص غیر متعلق اپنا مردہ بلا اجازتِ اشخاص خاندان موصوفہ قبرستانِ مذکورہ میں دفن

---

(۱) اینٹ یا پتھر اکثر لوگ قبروں پر رکھنے کے لئے لاتے ہیں، بعض اوقات ضرورت سے زائد ہوتے ہیں وہ بغیر استعمال کے رہ جاتے ہیں، لہٰذا ایسے مواقع میں ان کا استعمال درست ہے: "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل: فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(۲) قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "والیوم اعتادوا التسنیم باللبن صیانةً للقبر عن النبش، ورأوا ذلک حسناً، وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما راٰه المسلمون حسناً، فهو عند الله حسنٌ".

(ردالمحتار، مطلب فی وقف المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

کردے تو یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر اجازت حاصل کرنی چاہیئے تو جملہ خاندان کے اشخاص کی ضرورت ہے، یا صرف ایک دو شخصوں کی کافی ہے؟ اگر صرف دو چار اشخاص نے اجازت دیدی اور دیگر انکار کردیں تو اس اجازت پر عوض جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین شرعی طریق پر وقف ہے تو واقف کی شرائط کے موافق عمل کرنا چاہیئے، اگر واقف کی طرف سے اجازت ہے تو دفن کرنا درست ہے، اگر غیر متعلق اشخاص کے دفن کرنے کی ممانعت ہے تو دفن کرنا ناجائز ہے:

"شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً، وله أن يخص صنفاً من الفقراء، ولو كان في كلهم قربة، اهـ". ردالمحتار (۱)۔

اگر وقف نامہ موجود نہیں، نہ شرائطِ واقف کا علم ہے اور عمل پہلے سے یہ ہے کہ غیر متعلق اشخاص کو اس میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے تو اس میں دفن نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ وقف نہیں، بلکہ مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دفن کرنا چاہیئے، بلا اجازتِ مالک کے دفن کرنا ناجائز ہے (۲)۔ جو جو اس کے مالک ہیں، مشترک اور مقسوم ہونے کی وجہ سے سب کی اجازت ضروری ہے، اگر تمام نے کسی ایک دو کو اس میں تصرفات اور اجازت وممانعتِ دفن کے لئے اپنا وکیل بنادیا ہے تو اس ایک دو کی اجازت کافی ہے (۳)، بلا اجازت دفن کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ میت کو قبر سے باہر نکال دے، یا قبر کو برابر کردے:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعید)

(۲) "فإن أحب صاحب الأرض أن يسوى القبر ويزرع فوقه، كان له ذلك، فإن حقه في باطنها وظاهرها، فإن شاء ترك حقه في باطنها، وإن شاء استوفاه". (فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"ولو بلي الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعهٔ والبناءُ عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعید)

(۳) "ولو قال: أنت وكيلي في كل شئ جائز أمرك، يصير وكيلاً في جميع التصرفات المالية كبيع وشراء و هبة و صدقة". (ردالمحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۰، سعید)

"إذا دفن الميت فی أرض غيره بغير إذن مالكها، فالمالك بالخيار: إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوّى الأرض وزرع فيها، كذا فی التجنيس". فتاوی عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/شعبان/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال[۷۵۱۳]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ(۲) چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بےحرمتی ہوتی ہے۔اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کردیں(۳) لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں۔ ہاں! اگر قبروں پر مقدار شرع سے زائد مٹی ہوتو اس کو اتار سکتے ہیں(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، باب الجنائز، فصل فی الدفن: ۲/۱۴۱، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۲) "مینڈھ: بغیر"ھا" کے بمعنی: حد، کنارہ۔مینڈ بندی بمعنی حد بندی، حد باندھنا"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی حملها و دفنها، ص: ۶۱۱ قديمی)

(۴) "ولايخرج منه بعد إهالة التراب، اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائزة، مطلب =

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال[۷۵۱۴]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہیئے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہیئے، عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی، متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لأنــه وقف(۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے "لأنــه مـلـكـه"۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ مُحدَث ہے۔ میت جب تک خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو کھیتی کرنا درست ہے(۲)، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا

= في دفن الميت: ۲/۲۳۸، سعيد)

وقال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: ومقدار التسنيم أن يكون مرتفعاً من الأرض قدر شبر أو أكثر قليلاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فى سنة الدفن: ۲/۳۵۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وعندهما: هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب و لو غنياً، فيلزم". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فيلزم) تفريعٌ على ما أفاده التعريف من خروج العين عن ملك الواقف، لثبوت التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه باتفاق أئمتنا الثلاثة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "و لو بلى الميت و صار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعُه والبناءُ عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر عالم کسی قبر کی مٹی تبرکاً لا کر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کرے گا، لہذا اجتناب چاہیئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مٹی کا حکم

سوال[۷۵۱۵]: قبرستان کی مٹی یا قبرستان کی جگہ پاک ہے یا نجاستِ غلیظہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی نجاست نہیں ہے تو محض قبروں کے اندر میت ہونے کی وجہ سے اوپر کی مٹی کو نجس نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۶ھ۔

قبرستان میں نمازِ عید

سوال[۷۵۱۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے، قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کئے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے، اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کئے جاتے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اُسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں

---

(۱) "أي فإن التراب طاهر ولا يحل أكله". (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/ ۲۰۹، سعید)

خریدیں گے، ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائے گی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کرسکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہوجائے گی۔

اب اہل شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کردیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔ امید ہے کہ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشۂ قبرستان ملاحظہ فرمائیں:

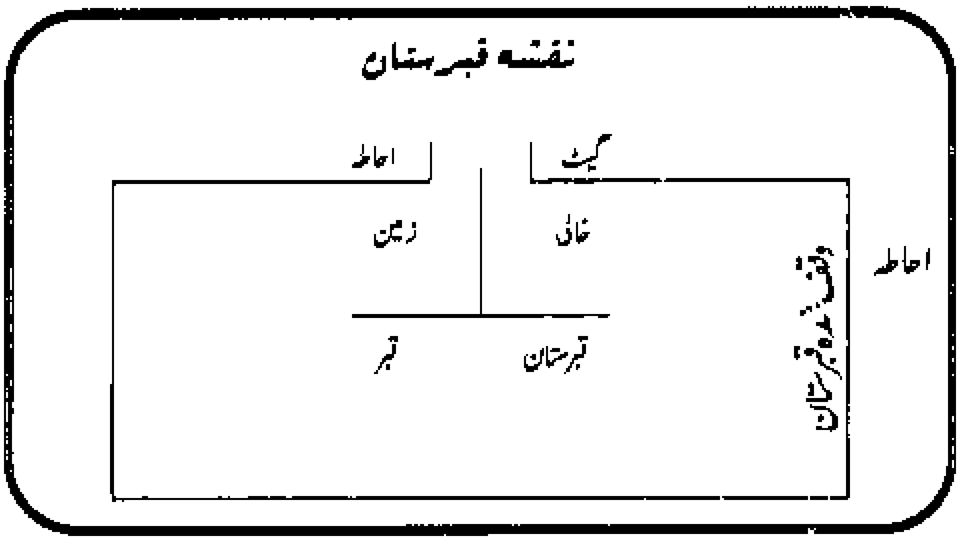

الجواب - حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی پرانی ہر قسم کی موجود ہیں تو وہاں نمازِ عید ادا نہ کی جائے (۱)، بلکہ اس کے قریب جو جگہ موجود ہے اور اس کو خرید کر عیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تو اسی کو خرید

---

(۱) "سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القری إذا اندرست، ولم یبق فیها أثر الموتی، لا العظم ولا غیره: هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، الخ: ۱/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل فی المقابر: ۳/۳۱۴، رشیدیه)

کر عیدگاہ بنالیں، اس میں خلفشار وانتشار نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جو جگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے، حتی الوسع شرعاً منشائے واقف کی رعایت لازم ہے: "لأن شرط الواقف کنص الشارع" (۱)۔ قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۲۸ھ۔

جو قبریں راستہ میں ہوں ان کو وہاں سے ہٹانا

سوال [۷۵۱۷]: یہاں کارپوریشن کے ذمہ دار حضرات کا کہنا ہے کہ راستے میں جتنے مزارات آتے ہیں اس کو ہم کرین سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کردیں گے، پورے احترام کے ساتھ۔ تو کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ بعض علماء مزارات توڑنا یا ہٹانا اپنے نزدیک مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں، جب کہ پونا کارپوریشن کے ذمہ داروں کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ فوراً جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ قبریں اگر وقف زمین میں ہیں تو اس زمین کو منشائے واقف کے خلاف دوسرے کام میں استعمال کرنا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۶، مکتبہ میمنیہ مسر)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "عن أبی مرثد الغنوی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیها". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز: ۱/۲۰۳، سعید)

"بقی فی المکروهات أشیاء أخر .... منها .... والصلاة فی مظان النجاسة کمقبرة و حمام". (ردالمحتار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، مطلب فی بیان السنة والمستحب، الخ: ۱/۶۵۴، سعید)

درست نہیں:"لأن شرط الواقف كنص الشارع، الخ"(۱)۔ اگر مملوک زمین میں ہیں اور اتنی پرانی ہیں کہ اب صرف قبور کے نشانات موجود ہیں، لیکن میت مٹی بن چکی ہے تو اب قبور کا حکم بدل چکا ہے، مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین کو کاشت، تعمیر وغیرہ جس کام میں چاہے استعمال کرے، چاہے فروخت کردے(۲)۔ لیکن اگر وہاں کسی بزرگ کا مزار ہے جس کی وجہ سے اس جگہ کاشت یا راستہ بنانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے، وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کرنا مفاسد سے خالی نہیں، اس لئے اس کی اجازت نہیں(۳)۔

"جاز زرعه (أي: القبر) والبناء عليه إذا بَلِيَ و صار تراباً، اهـ". درمختار(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "وذكر أصحابنا إذا خرب ودثر، لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت ودثرت، تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً، يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلك" (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹ إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"إن صاحب الأرض مخير: إن شاء أخرجه منها، وإن شاء ساواه مع الأرض، وانتفع بها زراعةً أو غيرها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(۳) "لاينبغي إخراج الميت من القبر إلا إذا كانت الأرض مغصوبةً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"وبعد مادفن لايسع إخراجه بعد مدة طويلة أو قصيرة إلا بعذر". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب في غسل الميت ومايتعلق به: ۱/۱۹۵، رشيديه)

(۴) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد) .... =

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا

سوال[۷۵۱۸]: قبرستان میں جوتہ پہن کر جانا کیسا ہے، اگر قبریں بہت کثیر تعداد میں ہوں تو ادھر سے گزر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبروں پر راستہ بنانا منع ہے(۱) خواہ جوتا پہن کر ہو یا برہنہ پاؤں۔ اور قبروں سے بچ کر جوتا پہنے ہوئے بھی چلنا درست ہے: "والمشی فی المقابر بنعلین لا یکرہ عندنا، کذا فی السراج الوهاج". فتاوی عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ، وزرعُه والبناءُ علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

(۱) "وکرہ أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ أن یوطأ علی قبر، أو یجلس علیه، أو ینام علیه". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی سنة الدفن: ۶۵/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و یکرہ أن یوطأ علی القبر، یعنی بالرجل أو یقعد علیه، أو یقضی علیه حاجته". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱۶۷/۱، رشیدیه)

"ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰ قدیمی)

"ولو وجد طریقاً فی المقبرة، و هو یظن أنه طریق أحدثوا، لا یمشی فی ذلک، وإن لم یقع ذلک فی ضمیرہ، لا بأس بأن یمشی فیه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، بیان أن النقل من بلد إلی بلد مکروہ، الخ: ۱۹۵/۱، رشیدیه) .... =

قبرستان میں برہنہ پا ہونا

سوال[۷۵۱۹]: بعض ممالک کا رواج ہے کہ قبرستان پر سے گزرتے ہوئے برہنہ پا ہو جانا چاہیے، چونکہ پاپوش کے ساتھ گزرنے کے اندر مردہ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ مع حوالہ وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کے اوپر چلنا بے حرمتی ہے، خواہ جوتہ پہن کر ہو یا برہنہ پا۔ اور تمام قبرستان میں جوتہ پہن کر چلنا بے حرمتی نہیں ہے: "کره وطئها بالأقدام، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ٣٦٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

قبرستان میں راستہ بنانا

سوال[۷۵۲۰]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کر کے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد وعورت سب چلتے ہیں۔ مع حوالہ تحریر کیجئے۔

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۳ قديمي)

"قال في الفتح: و يكره الجلوس على القبر و وطؤه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، الخ: ۱۶۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۵۹۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ويكره أن يوطأ على القبر، يعني بالرجل، أو يقعد عليه، أو يقضى عليه حاجته". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہوتو وہاں کوراستہ،سڑک بنانا درست نہیں (۱)، درختوں کوکاٹ کرجتنی جگہ کوراستہ بنایا جاوے گا،اس میں مردے دفن نہیں کیے جاسکیں گے، یہ منشائے واقف کے خلاف ہے:"شرط الواقف کنص الشارع". شامی(۲)۔ ہاں!اگرمردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں توراستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جاسکیں،تواس میں مضائقہ نہیں ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبرستان میں بیڑی پینا

سوال[۷۵۲۱]: ۱......قبرستان میں بیڑی پینا کیسا ہے؟

قبرستان میں آگ جلاکر کھانا پکانا

سوال[۷۵۲۲]: ۲......قبرستان میں آگ جلاکر کھانا پکانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......وہ عبرت کی جگہ ہے، بیڑی وغیرہ سے احتراز چاہیے (۴)۔

۲......قبرستان کومطبخ نہ بنانا چاہیے، بلکہ وہاں جاکر قرآن پاک پڑھ کرایصال ثواب کریں اور میت کے لئے

---

(۱) "ولو وجد طریقاً فی المقبرة و هو یظن أنه طریق أحدثوا، لا یمشی فی ذلک، وإن لم یقع ذلک فی ضمیره، لا بأس بأن یمشی فیه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، بیان أن النقل من بلد إلی بلد مکروه، الخ: ۱/۱۹۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة ،الجنائز، القبر والدفن: ۲/۱۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف کنص الشارع: ۱/۱۲۲، مکتبه میمنیه)

(۳) "وفی شرح المشکاة: والوطء لحاجة کدفن المیت لایکره. وفی السراج: فإن لم یکن له طریق إلا علی القبر، جاز له المشی علیه للضرورة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۰، قدیمی)

(۴) "عن سلیمان بن بریدة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:=

اور اپنے لئے دعاء کریں اور سوچیں: ہمیں بھی قبر میں جانا ہے، اس کے لئے تیاری کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۹ھ۔

قبرستان میں کبڈی وغیرہ کھیلنا

سوال[۷۵۲۳]: عام قبرستان جس کی کچی قبریں برابر ہوگئی ہوں، ان میں کبڈی، گیند، کرکٹ وغیرہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو اس میں یہ سب کام منع ہیں، چاہے قبریں ظاہر ہوں یا برابر ہوگئی ہوں: "لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فقد أذن لمحمد في زيادة قبر أمه، فزوروها، فإنها تذكّر الأخرة".
(جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في الرخصة في زيارة القبور: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۱) "وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلي في بيته ركعتين، يقرأ في كل ركعة الفاتحة، وآية الكرسي مرةً واحدةً، والإخلاص ثلاث مرات، و يجعل ثوابها للميت، يبعث الله تعالىٰ إلى الميت في قبره نوراً، ويكتب للمصلي ثواباً كثيراً، ثم لا يشتغل بما لا يعنيه في الطريق، فإذا بلغ المقبرة .... يقول: السلام عليكم يا أهل القبور! يغفر الله لنا ولكم، أنتم لنا سلف، ونحن بالإثر، كذا في الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في زيارة القبور و قرأة القرآن في المقابر: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في المسجد: ۶/۳۵۸، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعيد)

"إن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، و في المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، شرط الواقف كنص الشارع: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول فی تولیة المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

مدرسہ کا مہتمم مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے یانہیں؟

سوال [۷۵۲۴]: ہمارے یہاں کئی سال ہوئے چند اہلِ خیر حضرات نے مسلم بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ قائم کرنے کا مشورہ کیا، اس پر متفق ہوکر کام شروع کردیا گیا۔ زمین حاصل کی گئی، چندہ جمع کیا گیا، نقشہ میونسپلٹی سے منظور کراکے تعمیر شروع کردی گئی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، مدرسہ بن گیا۔ اس کی ضروریات (دارالاقامہ، مطبخ وغیرہ بھی) فی الجملہ تیار ہوگئیں۔ یہ سب کام مجلسِ انتظامیہ کے تحت ہوا۔ اور یہ طے پایا کہ مدرسہ کے لئے اساتذہ اور دیگر ملازمین کا تقرر وعزل ونصب اور ان کی تنخواہوں کا اور عہدوں کا تعین وغیرہ تمام چیزیں مجلسِ انتظامیہ کیا کرے گی۔ مجلسِ انتظامیہ میں اکثر اہلِ علم ہیں، بعض غیر عالم تعمیر وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے ہیں، مگر سب اہلِ فہم واہلِ تدین ہیں۔ اساتذہ وملازمین کا تقرر ہوگیا، طلبہ داخل ہوئے اور تعلیم شروع ہوگئی۔

مدرسہ سے متعلق ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی، مسجد کے لئے ایک امام صاحب کو رکھا گیا، ایک صاحب کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کیا گیا، مہتمم صاحب کو تمام حسابات آمد وخرچ درست رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ مجلسِ انتظامیہ گاہے گاہے (عامۃً تین ماہ گذرنے پر) حسابات کی جانچ کرتی رہی، اور مدرسہ کے لئے جائیداد خرید کر اور وقف کی ترغیب دے کر آمدنی کی صورتیں بڑھاتی رہی۔ مہتمم صاحب کی کوتاہیوں پر حسنِ ادب کے ساتھ توجہ دلاتی رہی، مگر مہتمم صاحب نے کوتاہیوں کی اصلاح نہیں فرمائی جس سے نظام متاثر ہوا۔ بار بار توجہ دلانے پر مہتمم صاحب نے اپنا رخ بدلا اور فرمایا کہ میں مختارِ کل ہوں، آپ لوگوں کی حیثیت تو صرف مشیر کی ہے، میرا دل چاہے

کسی بات میں مشورہ کروں، نہ دل چاہے تو مشورہ نہ کروں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ میں آپ کے مشورہ پر عمل کروں۔ اب بحث یہ شروع ہوگئی کہ صاحبِ اختیار مہتمم صاحب ہیں کہ جس کو چاہیں ملازم رکھیں، جس کو چاہیں الگ کردیں، یا مجلسِ انتظامیہ جس کو مشیر یا مجلسِ شوریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ادھر مسجد کے امام صاحب نے بھی فرمایا کہ امام پر نکتہ چینی کرنے کا کسی کو حق نہیں، نماز پڑھانے والا صرف ایک شخص ہوتا ہے جو کہ مصلے پر کھڑا ہوتا ہے، وہی امام ہے، بقیہ سب لوگ ارکانِ شوریٰ وغیرہ مقتدی ہیں، سب امام کی حرکت وسکون کے تابع ہیں، کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے، اگر امام نماز میں غلطی بھی کرتا ہے تو اس میں بھی امام کا اتباع لازم ہے، اگر امام میں کوتاہی ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا ضروری ہے۔

مہتمم صاحب اور امام صاحب نے مل کر ایک مقالہ تیار کیا جس میں اپنا اپنا اقتدارِ اعلیٰ ثابت کیا ہے اور سب کو اپنا کلیۃً ماتحت اور تابع قرار دیا، مقالہ طویل ہے، اس میں غیر دینی سیکولر عہدہ داروں کا تذکرہ بطورِ مثال ودلیل کیا ہے، مثلاً: کلکٹر ایک ہوتا ہے اور تمام حکامِ ضلع اس کے ماتحت اور تابع ہوتے ہیں، گورنر ایک ہوتا ہے، کمشنر ایک ہوتا ہے، وزیرِ اعظم ایک ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان مثالوں کو بطورِ دلیل بیان کیا ہے، ان کے متعلق تو ہمیں کچھ نہیں پوچھنا، کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ مثالیں شرعی مسائل کی بنیادیں نہیں، نہ حکومت نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری حکومت شرعی حکومت ہے، بلکہ وہ تو بار بار اعلان کرچکی ہے کہ یہ لادینی حکومت ہے۔ جو شخص لادینی نظام پر دینی نظام کو قیاس کرنا چاہے ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ لغویت کیا ہوگی، اس کے جواب کی تو ضرورت نہیں، کیونکہ کوئی سمجھدار آدمی اس مغالطہ میں نہیں آئے گا۔ البتہ مقالہ کے بعض مندرجہ امور سے شبہ ہوتا ہے، ان کے متعلق دریافت کرنا ہے:

ا...... گھر کا امیر باپ ہوتا ہے، اولاد سب تابع ہوتی ہے، اولاد کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوتا کہ ہم کماتے ہیں، آپ ہمارے نوکر کی حیثیت سے رہیئے، گھر کی خدمت انجام دیجئے اور جو کچھ ہم اس کے معاوضہ میں دیں، لے کر کھالیا کیجئے۔

۲...... حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہم امور میں حسبِ ارشادِ باری تعالیٰ، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا، پھر جو کچھ شرح صدر ہوا، اس پر عمل کیا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے اور ان کی کثرت رائے کے پابند نہیں ہوئے۔

۳......اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے مشورہ کیا، آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے سلسلہ میں مگر ملائکہ کی رائے کے خلاف عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ امیر مجلسِ شوریٰ کا پابند نہیں۔

۴......کیا امیر کی اطاعت ہر کام میں لازم ہے، جب کہ وہ معصیت نہ ہو؟

۵......کیا امیر کی کسی غلطی پر توجہ دلانا شرعاً حرام اور بغاوت ہے؟

۶......کیا امیر پر اعتراض کرنے والا اور اس کی رائے سے اختلاف کرنے والا واجب القتل یا مستحقِ قتل ہے؟ اسلاف میں اس کے کچھ نظائر ہوں تو پیش فرمادیں۔

۷......مہتمم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ: مہتمم کی حیثیت سلطانِ وقت کی ہے کہ اس کو پورے اختیارات حاصل ہیں، البتہ اس کے پاس فوج، پولیس، خزانہ نہیں ہے اس لئے وہ شرعی سزائیں نہیں دے سکتا، اس حد تک وہ سلطان معذور ہے۔

۸......کیا امامِ نماز ....بھی ایسا ہی صاحبِ اقتدار ہے کہ مقتدی اس کی تمام غلطیوں میں اتباع کرنے پر مجبور ہیں۔

۹......اگر مقتدی امام صاحب کی غلطیوں کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے ناخوش ہوں تو ایسی حالت میں امام صاحب کا جبراً نماز پڑھانا اور کہنا کہ ''مجھے کوئی الگ نہیں کرسکتا'' کہاں تک درست ہے؟

۱۰......کیا کثرتِ رائے کسی حالت میں بھی معتبر نہیں اور کیا یہ غیر دینی طریقہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے گناہ ہوگا؟

۱۱......امام صاحب، مہتمم صاحب، ملازم صاحب کو کسی حالت میں برطرف بھی کیا جاسکتا ہے، یا وہ ہر حالت میں اپنے عہدوں پر تاحیات برقرار و تنخواہ دار رہیں گے؟

نوٹ: سوالات طویل ہوگئے ہیں، مگر امید ہے ہماری مجبوری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفصل، مدلل جوابات تحریر فرمائیں گے۔ ان اطراف میں مہتمم صاحب کے اس مقالہ سے بہت خلفشار ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب واللّٰہ الهادی إلی الصواب:

نحمده ونصلي علی رسوله الكريم:

محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱...... باپ سے متعلق یہ خیال اور قول صحیح ہے کہ باپ کا درجہ بلند ہے، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرماتے ہوئے والدین کے ساتھ احسان کا بھی حکم فرمایا ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ أَن لَّاتَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (۱)۔ نیز حدیث شریف میں ہے: "أنت ومالك لوالدك، اھ". مشکوۃ شریف، ص: ۲۹۱ (۲)۔

اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک دوکان شروع کی، پھر اس کا بیٹا بھی اس میں کام کرنے لگا جس سے ترقی ہوئی، پھر باپ بوڑھا ہوگیا، کام کے قابل نہیں رہا تو بیٹا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں دوکان کا مالک ہوں، یا اس میں شریک وحصہ دار ہوں، کیونکہ میری محنت سے ترقی ہوئی ہے، بلکہ وہ دوکان باپ کی ملکیت ہوگی اور بیٹا معاون شمار ہوگا (۳)۔ نیز یہ بھی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ باپ سے ملازم کی طرح خدمت لے کہ یہ احترامِ والد کے خلاف ہے (۴)۔

لیکن اس سے مسئلۂ مہتمم پر استدلال کرنا غلط اور مغالطہ ہے، کیونکہ باپ تو اصل ہوتا ہے اور اولاد اس

---

(۱) (سورۃ الإسراء: ۲۳)

(۲) والحدیث بتمامه: "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رجلاً أتی إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: إنّ لی مالاً وإنّ والدی یحتاج إلی مالی، قال: "أنت ومالک لوالدک، إن أولادکم من أطیب کسبکم، کلوا من کسب أولادکم". رواہ أبوداؤد وابن ماجة". (مشکوۃ المصابیح، باب النفقات وحق المملوک، ص: ۲۹۱، قدیمی)

(۳) قال العلامة ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ: "الأب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة، ولم یکن لهما شیء، فالکسب کله للأب إن کان الابن فی عیاله، لکونه معیناً له، ألا تری لو غرس شجرةً تکون للأب".

(ردالمحتار، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة: ۴/۳۲۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الشرکة، الباب الرابع شرکة الوجوه والأعمال: ۲/۳۲۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ الکاملیة، کتاب الشرکة، ص: ۵۱، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) "ولا یجوز استیجار الرجل أباه لیخدمه، لأنه مأمور بتعظیم أبیه، وفی الاستخدام استخفاف به، فکان حراماً". (بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، ۲/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، وہ اولاد کی پرورش کرتا ہے، تعلیم دیتا اور تربیت کرتا ہے۔ مدرسہ میں شوریٰ کا وجود ومنصب پہلے ہے، اس نے اہتمام کا منصب تجویز کیا اور مہتمم صاحب کو لاکر بٹھایا اور ان کے لئے تنخواہ تجویز کی، پس مہتممِ مدرسہ اور شوریٰ کا حال باپ اور اولاد کے حال سے بالکل برعکس ہے۔

۲......حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رسول اور مؤید بالوحی ہونے کے باوجود حکمِ خداوندی: ﴿وشاورهم في الأمر﴾(۱) کے تحت اہم امور میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ بھی فرمایا اور ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾(۲) کے تحت شرحِ صدر پر عمل بھی فرمایا۔

اور بعض مواقع میں جو اپنی رائے عالی کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دل جوئی کے پیشِ نظر ترک بھی فرمایا، غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے مدینہ طیبہ سے باہر جاکر جنگ کرنے کی نہیں تھی، مگر شہادت کے شوقین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے کو اختیار فرمایا(۳)۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ کی رائے مصالحت کی تھی، مگر انصار کے دو قبیلوں کے سرداروں کی رائے نہیں ہوئی، آپ نے ان کی رائے کو قبول فرمالیا(۴)۔

---

(۱) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۲) (سورة آل عمران: ۱۵۹)

(۳) "وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكره الخروج، فقال رجال من المسلمين، ممن أكرم الله بالشهادة يوم أحد وغيره، ممن كان فاته بدر: يارسول الله! أخرج بنا إلى أعدائنا، لايرون أنا جبنّاعنهم وضعفنا؟ .... فلم يزل الناس برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذين كان من أمرهم حب لقاء القوم، حتى دخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيته، فلبس لأمته، وذلك يوم الجمعة حين فرغ من الصلوة .... ثم خرج عليهم". (السيرة النبوية لابن هشام، غزوة أحد، مشاورة الرسول القوم فى الخروج أو البقاء: ۶۷/۳، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البداية والنهاية، غزوة أحد فى شوال سنة ثلاث: ۱۲/۴، ۱۳، دارالفكر بيروت)

(وكذا فى تاريخ الطبرى، غزوة أحد: ۱۸۹/۲، مؤسسة الأعلمى بيروت لبنان)

(وكذا فى سيرة ابن هشام: ۶۸/۳)

(وكذا فى البداية والنهاية: ۱۳/۴، بيروت)

(۴) "فأراد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يصالح غطفان على أن يعطيهم ثلث الثمرة، ويخذلوا =

"من قال: لاإلٰه إلا الله" کے لئے جنت کی خوشخبری سنانے کے واسطے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعلین شریفین دے کر بھیجا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی رائے عالی کو ترک فرمادیا(۱)۔ یہ سب واقعات کتبِ احادیث صحاح میں صاف صاف مذکور ہے۔

= بين الناس وينصرفوا عنه، فأبت ذلك الأنصارُ، فترك ما كان أراد من ذلك". (الطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخندق وهي غزوة الأحزاب: ۶۹/۲، دارصادر، بيروت)

(وكذا في السيرة النبوية لابن هشام، غزوة الخندق، همّ الرسول بعقد الصلح بينه وبين غطفان ثم عدل: ۲۲۳/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تاريخ الطبرى، ذكر الخبر عن غزوة الخندق: ۲۳۸/۲، ۲۳۹، مؤسسة الأعلمي بيروت لبنان)

(وكذا في البداية والنهاية لابن كثير: ۱۰۲/۴، مكتبة الرياض الحديثية ودارالفكر بيرت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا قعوداً حول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، معنا أبوبكر وعمر في نفرٍ، فقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من بين أظهرنا .... قال: فأتيت فاحتفرت كما يحتفر الثعلب وهؤلاء الناس ورآني فقال: "يا أباهريرة!" -وأعطاني نعليه- قال: "اذهب بنعليَّ هاتين، فمن لقيتَ من وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبُه، فبشّره بالجنة". فكان أول مَن لقيتُ عمرُ، فقال: ماهاتان النعلان ياأباهريرة!؟ قلتُ: هاتين نعلاً رسولِ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بَعَثني بهما: مَن لقيتُ يشهد أن لاإله إلا الله مستيقناً بها قلبُه، بشّرتُه بالجنة. قال: فضرب عمر بيده بين ثدييَّ ضربةً، فخررت لإستي، فقال: ارجع يا أباهريرة!. فرجعتُ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فاجهشت بكاءً، وركبني عمر، فإذا هو على أثري، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مالك يا أباهريرة"؟ قلتُ: لقيتُ عمر، فأخبرتُه بالذي بَعَثْتني به، فضرب بين ثَدييَّ ضربةً خررت لإستي، قال: ارجع. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ياعمر! ماحملك على مافعلت"؟ قال: يارسول الله! بأبي انت وأمي! أبَعثتَ أباهريرة بنعليك مَن لقي يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً بها قلبه، بشّره بالجنة؟ قال: "نعم". قال: فلا تفعل، فإني أخشى أن يتكل الناس عليها، فخلِّهم يعملون. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فخلّهم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً: ۴۶/۱، قديمي) .... =

ظاہر یہ ہے کہ ان مواقع پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر شرحِ صدر اور عزم ہوگیا۔ نبی کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہاں غلط چیز پر شرحِ صدر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وحی الٰہی عاصم ومحافظ ہے۔

لیکن مجلسِ شوریٰ اور مہتمم کو اس پر قیاس کرنا غلط در غلط ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رفیع مقامات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم وتزکیہ اور فیضِ صحبت کی بدولت حاصل ہوئے: ﴿یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾(۱)۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منصبِ رسالت نہیں دیا، بلکہ ﴿الله أعلم حیث یجعل رسالته﴾(۲)۔ پھر مہتمم کے منصبِ اہتمام کو جو کہ شوریٰ کا دیا ہوا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ أستغفر الله العظیم۔

۳...... ''جماعتِ ملائکہ'' کے لئے ''مجلسِ شوریٰ'' کا لقب بڑا عجیب لقب ہے اور آیت قرآنی: ﴿وإذ قال ربك للملئكة إني جاعل في الأرض خليفةً﴾(۳) کا مطلب ''مشورہ طلب کرنا'' عجیب در عجیب ہے، نہ یہاں شوریٰ ہے، نہ مشورہ ہے، لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ملائکہ کی شوریٰ کا پابند نہیں اسی طرح مہتمم بھی مدرسہ کی شوریٰ کا پابند نہیں، بالکل بے محل ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بھیجنے کے لئے ملائکہ سے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ جس طرح دیگر کائنات سے متعلقہ خدمات ملائکہ کے سپرد ہیں، اسی طرح خلیفہ سے متعلقہ خدمات بھی ان کے سپرد کی جائیں گی، ملائکہ کو تخلیقِ آدم -علیہ الصلوۃ والسلام- کی حکمت کا علم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اپنے منصب سے بڑھ کر بات کی جس پر ان کو جواب دیا گیا: ﴿قال إني أعلم مالا تعلمون﴾(٤)، پھر انہوں نے

=(وکذا فی إزالة الخفاء، الفصل الثالث فی جنس آخر من مقامات الیقین: ۱۶۵/۲، ۱۶۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۱) (سورة آل عمران: ۱۶۴)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۲۴)

(۳) (سورة البقرة: ۳۰)

(۴) (سورة البقرة: ۳۰)

اعترافِ قصور کیا(۱)۔

حق تعالیٰ خالق ہیں، ملائکہ مخلوق ہیں، خالق کو مخلوق سے مشورہ لینے کا کیا محل ہے؟ اللہ پاک کا علم ذاتی ہے(۲)، ملائکہ کا علم حصولی (اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا) ہے، پھر وہاں مشورہ کی کیا گنجائش ہے۔ ملائکہ کو ملائکہ اللہ تعالیٰ نے بنایا، اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ملائکہ نے نہیں بنایا، کیا مدرسہ کے مہتمم اور شوریٰ کا بھی یہی حال ہے۔ نعوذ باللہ من شرور أنفسنا۔

۴......امرِ امیر (سلطان) کی اطاعت واجب ہے، جب کہ موافقِ شرع ہو، معصیت نہ ہو:

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". أشباه من القاعدة الخامسة، وفوائدشتی (۳)۔

"فلو أمر قضاته بتحليف الشهود، وجب على العلماء أن ينصحوه ويقولوا له: لا تكلّفْ قضاتك إلى أمر يلزم منه سخطك أو سخط الخالق، اه". درمختار۔ "وفی "ط" عن الحموی:

---

(۱) اسی لئے ملائکہ نے کہا: ﴿سبحٰنک لاعلم لنا إلّا ما علّمتنا إنک أنت العليم الحکيم﴾ (سورة البقرة: ۳۲)

(۲) "والعلم: أی عن الصفات الذاتية وهی، صفة أزلية ....اهـ". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأكبر، ص: ۱۶، حقانيه پشاور)

"والعلم فإنه تعالىٰ عالم بجميع الموجودات ويعلم الجهر ومايخفى بعلمه الذی هو صفة أزلية". (شرح الإمام الماتريدی على الفقه الأكبر، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، مجلس دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد دكن)

"العلم وهی صفة أزلية". (شرح العقائد النسفية للتفتازانی، ص: ۴۱، ميرمحمد كتب خانه كراچی)

"لم يزل عالماً بعلمه: أی دائماً عالماً بعلمه القديم الأزلی والأبدی .... والعلم صفة فی الأزل: أی العلم الذی هو صفةٌ له تعالىٰ ثابت فی الأزل كذاته تعالىٰ". (أحسن الفوائد شرح الفقه الأكبر، ص: ۵۵، مكتبة شمس العلوم ژوب بلوچستان)

(۳) (الأشباه والنظائر، النوع الثانی، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة، تنبيه: (رقم القاعدة: ۴۳۰): ۱/۳۳۱، ۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

إن صاحب البحر ذكرناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصيته واجبةٌ، فلو أمر بصوم يوم وجب، اھ". شامي: ٤/٣٤٤(١)۔

لیکن اگر اکثر کے نزدیک امام کی رائے میں ضرر ہو تو اکثر کی رائے کا اتباع کیا جائے گا:

"قال في الملتقى: وينبغي للإمام أن يعرض الجيش عنددخول دارالحرب ليعلم الفارس من الراجل. قال في شرحه: وأن يكتب أسماء هم لأن يؤمّر عليهم مَن كان بصيراً بأمور دارالحرب وتدبيرها ولو من الموالي، وعليهم طاعته؛ لأن مخالفة الأمير حرام، إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضررٌ، فيتبع، اھ". شامي: ٣/٢٣٤(٢)۔

۵......نہ بغاوت ہے، نہ حرام ہے، بلکہ ضرر سے بچانے کے لئے خواہ ضرر دنیوی ہو یا اُخروی، امیر کو نصیحت کرنا علماء کے ذمہ واجب ہے، جیسا کہ نمبر:۴ میں گزرا ہے:"وجب على العلماء أن ينصحوه،اھ"(٣)۔

۶، ۷...... "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يارسول الله! أيكون بعد هذا الخير شرٌّ كما كان قبله شرٌّ؟ قال: "نعم". قلت: فما العصمة؟ قال: "السيف". قلت: وهل بعد السيف بقية؟ قال: "نعم، تكون إمارة على أقذآء، وهدنة على دخن". قلت: ثم ماذا؟ قال:" ثم ينشأ دعاة الضلال، فإن كان لله في الأرض خليفةٌ، جلد ظهرك وأخذ مالك فأطعه، وإلا فمُتْ

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء: ٥/٤٢٢، سعيد)

"إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة، لم ينفُذ أمره شرعاً، إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ١/٣٧٣، إدارة القرآن كراچي)

"لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصيةٍ فرضٌ". (البحرالرائق، كتاب السير، باب البغاة: ٥/٢٣٦، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل في كيفية القسمة: ٤/١٤٥، ١٤٦، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها: ٢/٤٣٢، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٣) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء: ٥/٤٢٢، سعيد)

وأنت عاضٌ على جذل شجرة". الحديث(۱)۔

اس کی شرح مرقاۃ:۵/۱۴۳،میں ہے(۲)۔

ایک ہی شخص کو ایک ہی وقت دفعِ شر کے لئے سیف (قتال) کا حکم دیا اور دوسرے وقت میں جسمانی و مالی اذیت وظلم کو برداشت کرتے ہوئے اطاعتِ امیر (خلیفہ) کا حکم دیا، نیز "كلمة حقٍ عند سلطان جائر" کو "أفضل الجهاد" قرار دیا، كذا في شرح الجامع الصغير، ص: ۸۱ (۳)۔

چند واقعات واقوال امراء (خلفاء) کے نقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ امیر کی رائے سے اختلاف اور اس پر اعتراض کی ان کے یہاں کیا سزا اور کیا قدر تھی:

۱– سب سے اول اور سب سے افضل خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جب وہ خلیفہ

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، الفصل الثاني، ص: ۴۶۳، قديمي)

(۲) "وفيه: "قلت: ثم ماذا"؟ قال: "ثم ينتج المهر، فلا يركب حتى تقوم الساعة". وفي رواية: "هدنة على دخن وجماعة على أقذاء". قلت: يارسول الله! الهدنة على الدخن ماهي؟ قال: "لاترجع قلوب اقوام" وفيه: قال: "نعم، تكون إمارة على أقذاء" .... وفي النهاية: الأقذاء جمع قذى، وهي: مايقع في العين والماء والشراب من تراب أو تبن أو وسخ أو غير ذلك، وأراد أن اجتماعهم يكون على فساد قلوبكم، فشبّهه بقذى العين. قال القاضي رحمه الله: أي إمارة مشوبة بشئ من البدع وارتكاب المناهي "وهدنة على دخن": أي مع خداع ونفاق وخيانة. وفي الفائق: هدن: أي سكن ضربه مثلاً، لما بينهم من الفساد الباطن تحت الصلاح الظاهر، ويمكن اجتماع الناس على من جعل أميراً بكراهية نفس لابطيب قلب .... اهـ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۹/۲۷۲، ۲۷۳، كتاب الفتن، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۵۳۹۶)، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه.......... أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر". وقال العلامة شمس الدين رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث: "لأن مجاهد العدو متردد بين رجاء وخوف، وصاحب السلطان إذا أمره بمعروف تعرض للتلف، فهو أفضل من جهة غلبة خوفه، ولأن ظلم السلطان يسري إلى جم غفير، فإذا كفه فقد أوصل النفع إلى خلق كثير بخلاف قتل كافر". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۱۱۶۷، (رقم الحديث: ۱۲۴۲)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، الرياض)

(ومسند الإمام أحمد: ۶/۳۳۳، (رقم الحديث: ۲۱۶۵۳)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

ہوئے تو خطبہ دیا اور فرمایا:

"ثم تکلم أبوبکر، فحمدالله وأثنیٰ علیه، ثم قال: أما بعد! أیها الناس! فإنی قد وُلّیتُ علیکم ولستُ بخیرکم، فإن أحسنتُ فأعینونی، وإن أسأت فقوِّمونی، اھ". تاریخ الخلفاء، ص: ۵۸(۱)۔

"فإذا رأیتمونی استقمتُ فاتبعونی، وإذا رأیتمونی زغت فقوّمونی، اھ". تاریخ الخلفاء، ص: ۶۰(۲)۔

یعنی: "اگر میں سیدھا سیدھا چلوں تو میری اتباع کرو اور میری اعانت کرو، اگر میں ٹیڑھا پن اختیار کروں تو اس میں میری اتباع مت کرو، بلکہ مجھے ہی سیدھا کردو"۔

اسی ارشاد سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نتیجہ نکالا:

"قال مالك: لایکون أحدٌ إماماً أبداً إلا علی هذا الشرط، اهـ". تاریخ الخلفاء، ص: ۶۰(۳)۔

"کوئی شخص کبھی بھی امام نہیں بن سکتا، مگر اسی شرط کے ساتھ" (جو خلیفہ اول نے بیان فرمائی)۔

۲-خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"لا تزیدوا فی مهور النساء علی أربعین أوقیة، فمن زاد ألقیت الزیادة فی بیت المال. فقالت امرأة: ما ذاك لك. قال: ولِمَ؟ قالت: لأن الله یقول: ﴿وآتیتم إحداهن قنطاراً﴾ فقال عمر رضی الله تعالیٰ عنه: امرأةٌ أصابت ورجلٌ أخطأ، اھ". مرقاة المفاتیح: ۴۴۷/۳(۴)۔

---

(۱) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، ذکر أبی بکر، فصل فی مبایعته، ص: ۵۸، نور محمد کتب خانه کراچی)

(۲) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل فی مبایعته، ص: ۶۰، نور محمد کتب خانه کراچی)

(۳) (تاریخ الخلفاء، المصدر السابق)

(۴) (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الصداق، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۳۳۰۴): ۳۵۹/۶، ۳۶۰، رشیدیه)

ایک عورت نے امیر المؤمنین کی رائے سے اختلاف کیا، اس کی قدر فرمائی، عتاب نہیں فرمایا۔

۳- ”عن أبي وائل قال: جلستُ مع شيبة على الكرسي في الكعبة، فقال: لقد جلس هذا المجلس عمر، فقال: لقد هممتُ أن لاأدَعَ فيها صفراء ولا بيضاء إلا قسمته. قلت: إن صاحبيك لم يفعلا. قال: هما المرآنِ أقتدي بهما“. بخاری شریف، باب كسوة الكعبة، ص: ۲۱۶(۱)۔

یہاں بھی کوئی عتاب نہیں فرمایا، بلکہ اپنی رائے کو ترک فرمایا۔

٤- وفيه روى أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كان يعسّ بالمدينة الليل، فسمع صوت رجل في بيتٍ يتغنىّ، فتسور عليه فوجد رجلاً عنده امرأةٌ، وخمرٌ، فقال: يا عدوّ الله! أظننت أن الله يسترك وأنت على معصيةٍ؟ فقال: وأنت يا أمير المؤمنين! فلاتعجل على أن أكُ عصيت الله في واحدة، فأنت عصيته في ثلاث: قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تجسّسوا﴾ وقد تجسّستَ، وقال: ﴿وأتوا البيوت من أبوابها﴾ وقد تسوّرتَ عليّ، وقال الله تعالىٰ: ﴿لاتدخلوا بيوتاً غير بيوتكم حتى تستأنسوا وتسلموا على أهلها﴾ وقد دخلت بيتي بغير إذن ولا سلام. فقال عمر: فهل عندكم من خير إن عفوت عنك؟ قال: نعم ياأمير المؤمنين لئن عفوت عنّي لا أعود لمثلها أبداً، فعفا عنه، اهـ“. إزالة الخفاء: ۲/ ٤۳(۲)۔

دیکھئے! یہاں نہ صرف اختلاف کیا، بلکہ کتنی سخت گرفت کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا نہیں دی۔

خلیفہ ہونے کے بعد خطبہ دیا، اسی خطبہ میں فرمایا:

”وروى أنه قال يوماً على المنبر: يامعاشر المسلمين! ماذا تقولون لو

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب المناسک، باب کسوة الكعبة: ۱/ ۲۱۷، قديمی)

(۲) (إزالة الخفاء، مطلب: حکایات گشت حضرت ایشان: ۲/ ۷۷، ۷۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مِلتُ برأسی إلی الدنیا کذا –وميّل رأسه– فقام إليه رجل فاستلّ سيفه، وقال رجل: كنا نقول بالسيف كذا –وأشار إلى قطعه– فقال: إياى تعنى بقولك؟ قال: نعم، إياك أعنى بقولي. فنهره عمر ثلاثاً وهو ينهره عمر. فقال عمر: رحمك الله! الحمد لله الذى جعل فى رعيّتى مَن إذا تعوّجتُ قوّمنى". إزالة الخفاء: ٤/٥٦، چهارم مترجم(١)۔

"قال عمر (رضى الله تعالىٰ عنه) فى مجلسٍ فيه المهاجرون والأنصار: أرأيتم لو ترخصتُ فى بعض الأمور ماذا كنتم فاعلين؟ فسكتنا، فقال ذلك مرّتين أو ثلثاً: لو ترخصتُ لكم فى بعض الأمور ماذا كنتم فاعلين؟ قال بشر بن سعد: لو فعلتَ ذلك لقوّمناك تقويم القدح. فقال عمر (رضى الله تعالىٰ عنه): أنتم إذاً أنتم". إزالة الخفاء: ٤/١٢٢ (٢)۔

خلیفہ ہوتے ہی عام اجازت دی کہ میری جو بات قابلِ اعتراض ہو، سرِ دربار مجھے ٹوک دیا جائے۔ آپ کی طرف سے اعلان دیا گیا کہ:

"أحبّ الناس إلىّ من رفع إلىّ عيوبى" (٣)۔

یعنی "سب سے زیادہ میں اس شخص کو پسند کروں گا جو میرے عیوب پر مجھے اطلاع دے"۔

"اس کے بعد ادنیٰ ادنیٰ لوگوں نے سرِ دربار آپ پر نکتہ چینی شروع کی اگرچہ وہ نکتہ چینی غلط ہوتی تھی، مگر آپ اس پر خوش ہوتے تھے اور بڑی توجہ سے سنتے تھے اور اس کا

---

(١) (إزالة الخفاء، الفصل الثانى فى جنس من مقامات اليقين أشير إليه فى قوله: ﴿أشدّاء على الكفار﴾: ٢/١٥٧، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(٢) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس، قبول قول الناصح وإن شدوا: ٢/١٧٦، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(٣) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس، مطلب: قبول قول الناصح: ٢/١٧٦، سهيل اكيڈمى، لاهور)

جواب دیتے تھے، اھ"۔ سیرت فاروق اعظم، ص:۱۵(۱)۔

آپ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔خطبہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوکا:

"أتت برودٌ من اليمن إلى عمر بن الخطاب (رضي الله تعالىٰ عنه)، فقسمها بين أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم برداً برداً، ثم صعد المنبر يوم جمعة، فخطب الناس في حلة منها -والحلة عند العرب ثوبان من جنس واحد، وكان ذلك من أحسن زيّهم- فقال: ألا! اسمعوا، ألا! اسمعوا، ثم وعظ الناس. فقام سلمان، فقال: والله! مانسمع، والله! مانسمع. قال: وما ذلك؟ قال: إنك أعطيتنا ثوباً ثوباً ورحت في حلة، فقد تفضّلت علينا بالدنيا. فتبسّم، ثم قال: عجلتَ ياأبا عبدالله، رحمك الله! إني كنتُ غسلت ثوبي الخلق، فاستعرتُ برد عبدالله بن عمر فلبسته مع بردي. فقال سلمان: الآن نسمع". إزالة الخفاء: ١٢١/٤(٢)-

"قال ابن عون: كان الرجل يقول لمعاوية رضي الله تعالىٰ عنه: والله! لتستقيمنّ بنا يامعاوية! أو لنقوّمنّك. فيقول: بماذا؟ فيقول: بالخشب؟ فيقول: إذاً نستقيم، اه". تاريخ الخلفاء، ص: ١٤٩(٣)-

دیکھئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا سخت کلمہ کہا، مگر انہوں نے کیا معاملہ کیا۔

یزید کو جب ولی عہد بنانے کا قصہ پیش آیا، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گفتگو کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمبر آیا:

---

(۱) (الفاروق سیرت فاروق اعظم: ۳۸۲/۲، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) (إزالة الخفاء، الفصل الخامس: التفوق علی الإخوان: ۱۷۵/۲، ۱۷۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) (تاريخ الخلفاء للسيوطي، فصل: معاوية بن أبي سفيان، ص: ۱۴۹، میر محمد کتب خانه، کراچی)

"ثم أرسل إلى ابن الزبير رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، فقال: یا ابن الزبیر! إنما أنت ثعلب روّاغ، کلما خرج من جحرٍ دخل فی آخر، وإنك عمدتَ إلی هذین الرجلین، فنفخت فی مناخرهما وحملتهما علی غیر رأیهما. فقال ابن الزبیر: إن کنت قد مللت الإمارة فأعتزلها، وهلم ابنك فلنبایعه، أرأیت إذا بایعنا ابنك معك لأیّکما نسمع ونطیع، لا تجتمع البیعة لکما أبداً، اه". تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۰، ۱۵۵(۱)۔

غور کیجئے اور جاریہ بن قدامہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنا سخت ہے، اس کو بھی دیکھئے:

"إن قوائم السیوف التی لقیناك بها بصفّین فی أیدینا، قال (معاویة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه): إنك لتهددنی؟ قال: إنك لن تملکنا قسرة ولم تفتتحنا عنوةً، ولکن أعطیتنا عهوداً ومواثیق، فإن وفیتَ لنا، وفینا، وإن ترغب إلی غیر ذلك فقد ترکنا وراء نا رجالاً مداداً وأذرعاً شداداً وأسنّةً حداداً، فإن بسطتَ إلینا فتراً من غدر، زلفنا إلیك بباع من ختر. قال معاویة: لا أکثر اللّٰہ فی الناس أمثالك، اه". تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۳(۲)۔

یزید الناقص ابوخالد بن الولید نے جو خطبہ دیا اس میں صاف صاف اعلان کیا:

"فإن أردتم بیعتی علی الذی بذلت لکم فأنا لکم، وإن ملت فلا بیعة لی علیکم. وإن رأیتم أحداً أقوی منی علیها، فأردتم بیعته، فأنا أوّل من یبایعه، ویدخل فی طاعته، وأستغفر اللّٰہ لی ولکم، اه". تاریخ

(۱) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، فصل: معاویة بن أبی سفیان، ص: ۱۵۰ – ۱۵۵، میر محمد کتب خانه، کراچی)

(۲) (تاریخ الخلفاء للسیوطی، معاویة بن أبی سفیان، فصل فی نبذة من أخباره، ص: ۱۵۲، میر محمد کتب خانه، کراچی)

الخلفاء للسیوطی، ص: ۱۹٤(۱)۔

دیکھیے! ان اکابر اسلاف کے پاس فوج اور پولیس بھی تھی، بیت المال کا خزانہ بھی تھا، مگر اپنے سے اختلاف کرنے والوں اور اعتراض کرنے والوں کو قتل نہیں کیا، نہ قید کیا، بلکہ غایتِ تحمل سے کام لیا اور تاکیدی اعلانات کیے کہ ہم سے جو کوئی کوتاہی ہوجائے وہ بلاخوف ہمارے سامنے پیش کردو، تاکہ ہم اس کی اصلاح کریں۔ اگر اختلاف کرنے والے کو قتل کرنا واجب ہوتا تو یہ حضرات قدرت کے باوجود ترکِ واجب کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

۸......امام کا مقام بہت بلند ہے، اس کو حق جل شانہ کی بارگاہ میں اپنا نمائندہ بنا کر نماز ادا کی جاتی ہے(۲) وہ اعلیٰ صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیئے، احکامِ نماز کا وہاں سب سے زیادہ عالم ہو، قرآن کریم تجوید کے ساتھ صحیح پڑھتا ہو، سب سے زیادہ متقی ہو، وغیرہ وغیرہ:

"الأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوة بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة، ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقرأة، ثم الأورع: أي الأكثر اتقاءً للشبهات، اھ". درمختار على هامش ردالمحتار: ۱/۳۷٤(۳)۔

---

(۱) (تاريخ الخلفاء، ذكر يزيد الناقص أبو خالد بن الوليد، ص: ۱۹۴، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(۲) "فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة، وكذلك سائر الأنبياء أئمة عليهم السلام. لما ألزم الله تعالىٰ الناس من اتباعهم، والائتمام بهم في أمور دينهم، فالخلفاء أئمة؛ لأنهم رتبوا في المحل الذي يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم، والقضاة والفقهاء أئمة أيضاً، ولهذا المعنى الذي يصلي بالناس يسمّى إماماً؛ لأن من دخل في صلاته، لزمه الاتباع له والائتمام به".

وقال المصنف رحمه الله تعالىٰ بعد أسطر: وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ماذكرناه، ثم العلماء والقضاة العدول ومن ألزم الله تعالىٰ الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلوة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمی)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه) .... =

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام نے بھول کر غلطی کی تو مقتدی کو اس غلطی میں بھی اتباع لازم ہوتا ہے، تاکہ امام کی مخالفت فعلاً لازم نہ آئے، مثلاً: قنوت، تکبیرات العید، قعدۂ اُولیٰ، سجدۂ سہو، سجدۂ تلاوت، اگر امام ترک کردے تو مقتدی بھی اتباعِ امام میں ترک کردے، امام کی مخالفت نہ کرے:

"تجب متابعة الإمام فی الواجبات فعلاً، وکذا ترکاً إن لزم من فعله مخالفة الإمام فی الفعل کترکه القنوت أو تکبیرات العید أو القعدة الأولیٰ أو سجود السهو والتلاوة، فیترکه المؤتم أیضاً، اه". شامی: ۳۱۶/۱(۱)۔

لیکن ہر غلطی کا یہ حکم نہیں، جو امور بدعت ہوں، یا منسوخ ہوں، یا نماز سے ان کا تعلق نہ ہو ان میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا، مثلاً: ایک سجدہ زائد کرے، یا تکبیراتِ عید میں اقوالِ صحابہ پر زیادتی کرے، یا نمازِ جنازہ میں چار سے زائد تکبیر کہے، یا پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے تو ان صورتوں میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وانه لیس له أن یتابعه فی البدعة والمنسوخ ومالا تعلق له بالصلوة، فلا یتابعه لوزاد سجدةً، أو زاد علی أقوال الصحابة فی تکبیرات العیدین، أو علی أربعٍ فی تکبیر الجنازة، أو قام إلی الخامسة ساهیاً، اه". شامی: ۳۱۶/۱(۲)۔

سنن میں فعلاً امام کا اتباع واجب نہیں، مثلاً: امام تکبیرِ تحریمہ کے لئے رفع یدین نہ کرے، یا ثناء نہ پڑھے، یا رکوع وسجود کے لئے تکبیر نہ کہے، یا سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الأعلی نہ پڑھے، یا سمع اللّٰہ لمن حمدہ نہ کہے تو ان امور میں امام کا اتباع واجب نہیں:

قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وانه لاتجب المتابعة فی السنن فعلاً وکذا ترکاً،

= (وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة: ۶۶۹/۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقیق متابعة الإمام: ۴۷۰/۱، سعید)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

فـلا يتـابـعـه فی ترك رفع اليدين فی التحريمة والثناء وتكبير الركوع والسجود والتسبيح فيهما والتسميع، اھ". شامی: ۱/۳۱٦(۱)۔

اگر امام کسی واجبِ قولی کو ترک کردے جس کے کرنے سے واجبِ فعلی میں مخالفت لازم نہ آتی ہو، مثلاً: تشہد، سلام، تکبیر تشریق کو ترک کردے تو اس میں امام کا اتباع نہیں کیا جائے گا:

"وکـذا لایتـابعه فی ترك الواجب القولی الذی لایلزم من فعله المخالفة فی واجبٍ فعلی كالتشهد والسلام وتكبير التشريق، اھ". شامی: ۱/۳۱٦(۲)۔

ہر فرض میں اتباعِ امام کو کلیتاً فرض کہنا بھی صحیح نہیں:

"وكـون الـمتـابـعة فـرضـاً فـی الـفـرض لايـصـح علی الإطلاق؛ لما صرّحوا به من أن الـمسبـوق لـوقـام قبل قعود الإمام قدر التشهد فی الصلوة، تصح صلوته إن قرأ ماتجوز به الصلوة بـعـد قـعـود الإمـام قـدر التشهد، وإلا لا، مع أنه لم يتابع فی القعدة الأخيرة، فلو كانت المتابعة فرضاً فی الفرض مطلقاً، لبطلت صلوته، اھ". شامی: ۱/۳۱٦(۳)۔

۹......جس شخص کی امامت کو قوم ناپسند کرے اس لئے کہ اس میں خرابی ہے، یا اس سے زائد لائق امامت دوسرے آدمی موجود ہیں، پھر وہ شخص جبراً امام بن کر نماز پڑھائے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس کی نماز مقبول نہیں:

"ولـو أمّ قـومـاً وهـم له كارهون، إن الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره لـه ذلك تـحـريـمـاً، لحديث أبی داؤد: "لا يقبل الله صلوة من تقدّم قوماً وهم له كارهون، اھ". درمختار: ۱/۳۷٦(٤)۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: مهمّ فی تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، المصدر المتقدم: ۱/۴۷۱، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(والحديث رواه أبوداؤد فی سننه فی باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون: ۱/۹۵، إمداديه ملتان)

قدرِ سنت سے قرأت واذکار کو طویل کرنا جو کہ قوم پر بار ہو، مکروہ تحریمی ہے: "ویکره تحریماً تطویل الصلوۃ علی القوم زائداً علی قدر السنة فی قراء ۃ وأذکار، اھ". : ۱/۳۷۹(۱)۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کی نماز میں قرأت طویل کی، ایک مقتدی نے نماز توڑ دی، معاملہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو امام صاحب ہی کو تنبیہ فرمائی:

"فأقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ قال: "یامعاذ! أفتانٌ أنت، اقرأ ﴿والشمس وضحاها﴾. ﴿والضحی واللیل إذا یغشی﴾. ﴿سبح اسم ربك الأعلی﴾". متفق علیه، الخ". مشکوۃ شریف، ص: ۷۹(۲)۔

یہاں سے قرأتِ مسنونہ کا اندازہ ہوا۔

ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر شکایت کی کہ فلاں شخص صبح کی نماز طویل پڑھاتا ہے جس کی وجہ سے میں شریکِ نماز نہیں ہوتا، یہ شکایت سن کر امام پر بہت شدید عتاب فرمایا:

"عن قیس بن حازم قال: أخبرنی أبو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رجلاً قال: واللہ یارسول اللہ! إنی لأتأخر عن صلوۃ الغداۃ من أجل فلان مما یطیل بنا، فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی موعظة أشد غضباً منه یومئذٍ، ثم قال: "إن منکم منفرین، فأیکم مَن صلی بالناس، فلیتجوّز، فإن فیهم الضعیف والکبیر وذا الحاجة". متفق علیه".

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامة: ۱/۵۶۴، سعید)

(۲) الحدیث بتمامه: "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم یأتی، فیؤمّ قومه. فصلی لیلةً مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العشاء، ثم أتی قومه، فأمّهم، فافتتح بسورۃ البقرۃ، فانحرف رجلٌ، فسلّم، ثم صلی وحده، وانصرف، فقالوا: أنافقتَ یا فلان!؟ قال: لا واللہ! ولآتینّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلأخبرنّه، فأتیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: یارسول اللہ! إنا أصحاب نواضح نعمل بالنهار، وإن معاذاً صلی معک العشاء، ثم أتی قومه فافتتح بسورۃ البقرۃ، فاقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی معاذ، فقال: "یامعاذ! أفتّانٌ أنت؟ اقرأ: ﴿والشمس وضحٰها﴾ ﴿والضحی واللیل إذا یغشیٰ﴾ ﴿وسبح اسم ربک الأعلیٰ﴾". متفق علیه". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب القراءۃ فی الصلوۃ، ص: ۷۹، قدیمی)

مشکوۃ شریف: ۱/۱۰۱(۱)۔

تمام عالی صفات کے باوجود اگر امام سے نماز میں غلطی ہوجائے خواہ سہواً ہی ہو، اس سے کلیۃً صرفِ نظر نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو متنبہ کیا جائے گا، اگر قرأت میں غلطی ہوجائے تو نماز کو فساد سے بچانے کے لئے لقمہ دیا جائے گا، غلطی فاحش ہوجانے کی صورت میں اعادہ نماز کا حکم ہوگا۔ اگر صلوۃِ رباعی میں تیسری رکعت پڑھ کر بیٹھنے لگے تو اس کو یاد دلایا جائے گا کہ کھڑا ہوجائے، اگر چوتھی پڑھ کر کھڑا ہونے لگے تو اس کو بٹھایا جائے گا، اگر وہ نہ بیٹھے تو اس کا اتباع نہیں کیا جائے گا(۲)۔

اگر امام سے سہواً کوئی واجب ترک ہوجائے تو سجدۂ سہو سے مکافات کی جائے گی، اگر نماز میں واجب کا ترک ہونا یاد ہی نہ آیا، یا قصداً سجدۂ سہو نہ کیا، یا عمداً واجب کو ترک کیا تو اعادۂ نماز کا حکم ہوگا(۳)۔ غرض اصلاحِ نماز کی کوشش میں امام کے بلند درجات حائل ومانع نہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھول ہوگئی تو مطلع ہونے پر مکافات فرمائی، نیز ارشاد فرمایا:

"إنما أنا بشرٌ مثلكم أنسى كما تنسون، فإذا نسيتُ فذكّروني". متفق عليه. مشکوۃ، ص: ۸۲(۴)۔

یہ بھی حکم فرمایا کہ: میرے قریب اہلِ عقل وفہم کھڑے ہوا کریں، تاکہ اگر کوئی بات پیش آجائے تو نماز کو فساد سے بچانے میں سہولت رہے:

"لِيَلِيَنِي منكم أولو الأحلام والنهى، الخ". شامی: ۱/۳۸۴(۵)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۱۰۱، قديمي)

(۲) "وأنه ليس له أن يتابعه في البدعة والمنسوخ ومالا تعلق له بالصلوة فلا يتابعه لو زاد سجدة..... أو قام إلى الخامسة ساهياً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب مهمّ في تحقيق متابعة الإمام: ۱/۴۷۰، سعيد)

(۳) "(ولها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۵۶، سعيد)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب السهو في الصلوة، ص: ۹۲، قديمي)

(۵) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول: ۱/۵۷۱، سعيد) =

مسلمانوں میں دینی انحطاط بڑھتا جارہا ہے، امامت کے اوصاف بھی کم ہوتے جارہے ہیں۔ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کولکھنا پڑا:"الجهل في القرّاء غالب، الخ". شامی: ۱/۴۰۳(۱)۔

امامت کو بہت سے حضرات نے پیشۂ معاش بنالیا ہے، متولی صاحبان بھی ان سے تاجروں کی طرح معاملہ کرتے ہیں، جوامام کم نرخ کا ملتا ہے اس کو رکھتے ہیں۔مختلف علاقوں میں اماموں کی ذمہ داریاں بھی عجیب عجیب دیکھنے میں آتی ہیں اوران کی آمدنی کے شعبے بھی عجیب عجیب ہیں۔

ایک امام صاحب سے ملاقات کے لئے جانا ہوا، ان کے حجرے میں پانی کے متعدد گھڑے رکھے ہوئے تھے، دریافت کرنے پر بتایا کہ محلّہ کی مستورات جب ایامِ ماہواری سے فارغ ہوتی ہیں تو وہ پانی کا گھڑا امام صاحب کے پاس بھیجتی ہیں، امام صاحب چند مخصوص آیتیں اور سورتیں پڑھ کر اس پر دم کرتے ہیں، اس پانی سے مستورات غسل کرتی ہیں تب پاک ہوتی ہیں، ہر گھڑے پر دم کرنے کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔اگر امام صاحب سفر میں گئے ہوں تو جب تک وہ واپس آکر پانی پر دم نہ کریں تو وہ پانی غسل کے لئے کارآمد نہ ہوگا، وہ مائے طہور نہ بنے گا، امام صاحب کے دم کرنے سے اس میں طہوریت کی صفت آئے گی۔اس دم کرنے میں امام صاحب کسی کو اپنا نائب بھی نہیں بناتے، اس لئے مستورات کئی کئی روز بلاغسل اور بلانماز رہتی ہیں۔إنا لله وإنا إليه راجعون۔

اہلِ محلّہ کی میت کو غسل دینا، اس کی نماز پڑھانا، اس کو قبر میں رکھنا، پھر سوئم وچہلم وغیرہ یہ سب چیزیں امام صاحب ہی کے متعلق رہتی ہیں، اوران میں ہر کام کا معاوضہ بھی ہوتا ہے۔مرغی، بکری وغیرہ ذبح کی جائے تو وہ بھی امام صاحب ہی ذبح کریں گے اوراس کا معاوضہ لیں گے۔عیدالاضحیٰ میں چرمِ قربانی اور عیدالفطر میں صدقۃ الفطر میں امام صاحب کا حق سمجھا جاتا ہے۔

= "عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلوة ويقول: "استووا، ولا تختلفوا، فتختلف قلوبكم، لِيَلِيَنِي منكم أولوا الأحلام والنُّهى، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، ص: ۹۸، قديمي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۹۹، سعيد)

فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے:

"وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتمّ لأمر دينه، وبأن في تقديمه تعظيمٌ، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. ولايخفى أنه إذا كان أعلم من غيره، لاتزول العلّة، فإنه لا يؤمَن عليه أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشىٰ فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لِما ذكرنا. قال: ولذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند مالك وروايةً عن أحمد، اه". شامی: ۱/۳۷۶(۱)۔

اگر کوئی غیر متقی، بے عمل، فاسق امام مسلط ہو جس کو الگ کرنے پر قدرت نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز ادا کر لی جائے، تاکہ جماعت ترک نہ ہو:

فى حديث أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه : "والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، براً كان أوفاجراً وإن عمل الكبائر ، اه". مشکوۃ شریف، ص: ۱۰۰(۲)۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حجاج کے پیچھے ایسی ہی مجبوری میں نماز پڑھی ہے(۳)۔

۱۰..... اگر مجلسِ شوریٰ میں امام اور مہتمم کے انتخاب یا عزل کا مسئلہ پیش ہو اور اس میں اختلافِ رائے ہو تو شرعی دلائل سے ترجیح دی جائے، اگر دلائل مساوی ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے، یا اہلِ علم کی کثرتِ رائے

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۴، ۸۵، رشيديه)

(۲) والحديث بتمامه: "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "الجهاد واجبٌ عليكم مع كل أمير، برّاً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة على كل مسلم، برًّا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۱۰۰، قديمى)

(۳) "(قوله: ولايجب الخروج عليه) ؛ لأن فساد الخروج أكثر من ظلمه وفسقه .... وبقاؤه فى إمامته أخف عن الفتن، وقد صبر الصحابة فى إمامة بنى أمية وزَمَن يزيد والحجاج ولم يخرجوا عليه بالعزل". (تقريرات الرافعى، باب الإمامة: ۱/۶۸، سعيد)

کو ترجیح دی جائے، بے علم اور بے عمل عوام کی کثرت رائے معتبر نہیں:

"فإن استووا يُقرع بين المستويين، أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتُبِر أكثرهم. وإن قدّموا غير الأولىٰ، أساء وا بلا إثم". درمختار: ۱/۳۷۵(۱)۔

"فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر، اه". "قال في شرح المشكوة: لعله محمولٌ على الأكثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لكثرة الجاهلين، قال الله تعالىٰ: ﴿ولكن أكثرهم لايعملون﴾، اه". طحطاوی، ص: ۲۰۳(۲)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے لئے چند حضرات میں سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثریت کی رائے کے پیشِ نظر انتخاب کیا جس سے پھر سب ہی نے اتفاق کرلیا (۳)، شروحِ بخاری: فتح الباری (۴)، عمدۃ القاری وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے (۵)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، ۵۵۹، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۳، دارالمعرفة، بيروت) (ومرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحديث: ۱۱۲۳): ۳/۱۹۹، رشيديه)

(۳) "وأنه دار تلك الليالي كلها على الصحابة ومن وافى المدينة من أشراف الناس، لايخلو برجل منهم إلّا أمره بعثمان". (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب فضائل أصحاب النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب قصة البيعة، والاتفاق على عثمان بن عفان رضی الله تعالىٰ عنه: ۸۶/۷، قديمی)

"وأيضا: "قال (عبدالرحمن): ارفع يدك ياعثمان، فبايعه، فبايع له عليّ وولج أهل الدار فبايعوه". (فتح الباری، المصدر السابق: ۸۶/۷، قديمی)

(۴) "عن الزهری أن حميد بن عبدالرحمن أخبره أن المسور بن مخرمة أخبره أن الرهط الذين ولاّهم عمر –رضی الله تعالىٰ عنه– اجتمعوا فتشاوروا. فقال لهم عبدالرحمن: لستُ بالذی أنافِسُكم على هذا الأمر، ولكنكم إن شئتم اخترتُ لكم منكم، فجعلوا ذلك إلى عبدالرحمن، فلما ولّوا عبدالرحمن أمرهم، فمال الناس على عبدالرحمن حتى ماأرىٰ أحداً من الناس يتبع أولئك الرهط ولايطأ عقبه. ومال الناس إلى عبدالرحمن يشاورونه تلك الليالی، حتى إذا كانت الليلة التی أصبحنا منها فبايعنا عثمان. قال المسور: طرقنی عبدالرحمن بعد هجع من الليل، فضرب الباب حتى استيقظتُ، فقال: أراك نائماً، فوالله! ماكتحلتُ هذه الثلاث بكثير نوم، انطلق فادعُ الزبير وسعداً فدعوتُهما له فشاورهما =

نیز سوال نمبر:۴ کے جواب میں امام (سلطان) کی رائے کے خلاف کرنے کی ممانعت کے ذیل میں شامی کی عبارت نقل کی گئی ہے: "إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضرر، فيتبع، اهـ". (۱)۔

کثرتِ رائے کو اگر چہ وہ اہلِ علم اور اہلِ تدیّن کی ہو، بالکل نا قابلِ اعتبار قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ غیر دینی طریقہ ہے، غلط ہے۔ ایک مسئلہ میں اگر فقہائے کرام کا اختلاف ہو تو دیگر وجوہِ ترجیح کے علاوہ اس کو بھی بیان کیا گیا ہے: "وعليه الأكثر"۔ علامہ شامی نے ردالمحتار (۲)، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۳)، شرح

= ثم دعاني، فقال: ادْعُ لي عليًّا. فدعوتُه، فناجاه حتى ابهارّ الليل، ثم قام عليٌّ من عنده وهو على طمع .... ثم قال: ادْعُ لي عثمان، فدعوتُه، فناجاه حتى فرّق بينهما المؤذن بالصبح. فلما صلى الناس الصبح واجتمع أولئك الرهط عند المنبر، فأرسل إلى مَن كان حاضراً من المهاجرين والأنصار، وأرسل إلى أمراء الأجناد وكانوا وافوا تلك الحجة مع عمر. فلما اجتمعوا تشهّدَ عبدالرحمن، ثم قال: أما بعد! يا عليُّ! إني قد نظرتُ في أمر الناس فلم أرهم يعدلون بعثمان، فلا تجعلنّ على نفسك سبيلاً. فقال: أبايعك على سنة الله وسنة رسوله والخليفتين من بعده، فبايعه عبدالرحمن وبايعه الناس المهاجرين والأنصار وأمراءُ الأجناد والمسلمون". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، بابٌ: كيف يبايع الإمام الناس: ۱۰۶۹/۲، ۱۰۷۰، قديمي)

(وراجع للتفصيل فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأحكام، بابٌ: كيف يبايع الإمام الناس: ۳۳۸/۱۳، قديمي)

(وأيضاً فتح الباري، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب قصة البيعة، والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه: ۷۴/۷، قديمي)

(۵) (راجع عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب قصه البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه: ۲۰۷/۱۶، ۲۱۰، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل في كيفية القسمة: ۱۴۵/۴، ۱۴۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب الغنائم وقسمتها: ۴۳۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن اختلفوا، يؤخذ بقول الأكثرين، ثم الأكثرين ممّا اعتمد عليه الكبارُ المعروفين منهم". (ردالمحتار، المقدمة، مطلب في رسم المفتي: ۷۱/۱، سعيد)

(۳) "متى اختلف في المسألة، فالعبرة بما قاله الأكثر". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، المقدمة فوائد =

عقود رسم المفتی (۱) میں اس کی تصریح کی ہے، حدود کے اندر رہتے ہوئے اس پر عمل کرنا گناہ نہیں، اور "للأکثر حکم الکل" تو ایسا مشہور ہے کہ فقہاء نے جگہ جگہ اس سے استدلال کیا ہے۔

۱۱......حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوبہ کوفہ کے گورنر تھے، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، بہت قدیم الاسلام تھے، مستجاب الدعوات تھے، جنہوں نے نماز براہِ راست حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھی تھی، جنہوں نے کسریٰ کو شکست دی، ملکِ فارس کو فتح کیا۔ ان کی شکایت کی گئی، جس میں تھا کہ یہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے: "انہ لایحسن یصلی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان سے نماز کی کیفیت کو دریافت کیا اور سن کر فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم اس طرح پڑھاتے ہوں گے (یعنی شکایت غلط ہے)۔

پھر آدمی کوفہ بھیج کر تحقیق کی تو سب نے ان کی تعریف کی، مگر ایک شخص نے شکایت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ایسا ہو، چنانچہ اس کا بہت بُرا حال ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت غلط ہونے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول فرمادیا اور ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متعین فرمادیا، بخاری شریف، ص: ۱۰۴ میں یہ واقعہ مذکور ہے (۲)۔

= تتعلق بآداب المفتي: ۱/۳، مكتبه ميمنية، مصر)

(۱) "وإذا لم يوجد في الحادثة منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولاً واحداً، يؤخذ به. فإن اختلفوا، يؤخذ بقول الأكثرين مما اعتمد عليه الكبارُ المعروفين". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۶، ۲۷، دار الإشاعت، كراچي)

(۲) "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: شكى أهل الكوفة سعداً إلى عمر رضي الله تعالىٰ عنه، فعزله واستعمل عليهم عمّاراً، فشكوا حتى ذكروا انه لايحسن يصلّي فارسل إليه، فقال: ياأبا اسحٰق! إنّ هؤلاء يزعمون أنك لاتحسن تصلي. قال: أما أنا والله! فإني كنتُ أصلي بهم صلوة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأخرم عنها، أصلي صلوة العشاء فاركد في الأولين وأخفّ في الأخريين، قال: ذاك الظنّ بك ياأبا إسحٰق! فأرسل معه رجلاً أو رجالاً إلى الكوفة يسأل عنه أهل الكوفة، ولم يَدَعْ مسجداً، إلاسأل عنه، ويثنون عليه معروفاً، حتى دخل مسجداً لبني عبس، فقام رجلٌ منهم يقال له: =

اَور بھی متعدد مقامات پر اپنی عادت کے موافق امام بخاری نے اس کو بیان فرمایا ہے۔

جس نے جو عہدہ دیا تھا اسی نے واپس لے لیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدعادی، نہ ان سے ناراض ہوئے، نہ کوئی احتجاج کیا کہ مجھے بلاقصور علیحدہ کر دیا، نہ نظام میں کوئی فرق آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برأت بھی فرمادی کہ ان کا قصور نہیں تھا، بلکہ مصلحۃً وانتظاماً علیحدہ کیا ہے، ازالۃ الخفاء، ج۲، ص: ۳۲۵، میں یہ صاف صاف مذکور ہے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ علیحدہ کرنے کے لئے قصوردار ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ مصلحتاً وانتظاماً بھی علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول فرمایا جس کی تفصیل ازالۃ الخفاء، ص: ۲۳۴ میں ہے (۲)۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدۂ سپہ سالاری سے علیحدہ ہوکر بھی ناخوشی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ یہ فرمادیا کہ میرا مقصود عہدہ نہیں بلکہ خدمتِ اسلام ہے، اب سپاہی ہوکر خدمت کروں گا۔ الجواہر المضیۃ میں متعدد فقہاء وقضاۃ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو فلاں عہدہ دیا گیا، پھر معزول کیا گیا، پھر عہدہ دیا گیا (۳)۔

= أسامة بن قتادة يكنى أبا سعدة، فقال: أما إذ نشدتنا فإن سعداً كان لايسير بالسرية، ولا يقسم بالسوية، ولا يعدل في القضية. قال سعد: أما والله! لأدعون بثلث: اللّهمّ إن كان عبدك هذا كاذباً، قام رياءً وسمعةً فأطل عمره، وأطل فقره، وعرّضه بالفتن. كان بعدُ إذا سئل يقول: شيخ كبيرٌ مفتون أصابتني دعوة سعدٍ. قال عبدالملك: فأنا رأيته بعدُ قد سقط حاجباه على عينيه من الكبر، وإنه ليتعرّض للجواري في الطرق يغمظهنّ". (صحيح البخاري، باب: وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلّها في الحضر والسفر: ۱/۱۰۴، قديمي)

(۱) "وہمچنین چون سعد را از عراق معزول فرمود بجہتِ خوفِ اختلاف قوم بروے ہیچ فتنہ برنخاست، ودر آخر عمر تصریح نمود بآنکہ عزلِ سعد نہ بنابر عجزِ او بود یا بسبب صدور خیانتے از وے، بل بجہتِ احتیاط از مظانِ اختلاف"۔ (إزالة الخفاء، حكاياتِ سياستِ فاروق اعظم: ۲/۶۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "دیگر آنکہ خالد بن ولید شاعرے را بر مدیح خود دَہ ہزار درہم صلہ داد، چو رسم فاسد بود، گوارائے طبیعتِ حضرت فاروق نیفتاد، خالد را از حکومت قنسرین معزول ساختہ، ودر مدینہ نشاند، و إلیٰ آخر العمر او را الحکومتے نامزد نہ کرد"۔ (إزالة الخفاء، حكايات سياست فاروق اعظم: ۲/۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) "محمد بن إبراهيم بن داؤد بن حازم الأسدي .... رجع إلى دمشق ودرس بالشبلية سنةً، ثم =

جب کہ باہم طے کیا گیا کہ عزل ونصب مجلسِ انتظامیہ کے اختیار میں ہے تو جس طرح مجلسِ انتظامیہ نے امام صاحب، مہتمم صاحب، مدرس صاحب، ملازم صاحب کو عہدہ دیا، ان کے لئے تنخواہ مقرر کی، کام سپرد کیا، اسی طرح مجلسِ انتظامیہ کو عہدہ واپس لینے اور معزول کردینے کا بھی حق ہے، مگر اس میں نفسانیت نہ ہو، للّٰہیت ہو، ان کی خدمات اور وقار کا لحاظ رکھا جائے، تذلیل وتحقیر ہرگز نہ کی جائے۔ امام صاحب ومہتمم صاحب وغیرہ کو خود بھی علیحدہ ہوجانے کا اختیار ہے، وہ بھی مجلسِ انتظامیہ کی تذلیل وتحقیر سے پورا پرہیز کریں۔

اجارہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی پر ہوتا ہے، ابتداءً بھی بقاءً بھی (۱)، اگر ماہانہ پر معاملہ ہوا ہے تو جو اس معاملہ کو ختم کرنا چاہے، وہ ایک ماہ قبل اطلاع کردے تاکہ طرفِ ثانی اپنا دوسرا انتظام کرلے۔ معاملۂ ملازمت ختم ہوجانے پر بھی تعلقات میں ناگواری اور کشیدگی نہ ہونے پائے۔

اگر آپ پورا رسالہ ارسال کردیتے تو ممکن ہے معلومات میں اضافہ ہوتا اور جواب کے لئے مزید بصیرت حاصل ہوتی۔

ایقاظ:

جو شخص امارت کی حرص یا طلب کرے، وہ اس کا مستحق نہیں:

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إنکم ستحرصون علی الإمارة، وستکون ندامةً یوم القیامة، فنعم المرضعة وبئست الفاطمة". الخ"(۲)۔

"عن أبی موسیٰ رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخلتُ علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنا ورجلین من قومی، فقال أحد الرجلین: أمّرنا یارسول الله!، وقال الآخر مثله. فقال:

= تولیٰ القضاة بدمشق .... عوضاً عن ابن الحریری سَنةً کاملةً، ثم توجه إلی دیار المصریة وهو معزول". (الجواهر المضیئة: ۲/۲، قدیمی)

(۱) "ویشترط فی صحة الإجارة رضی العاقدین". (شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۴۷) : ۲۵۴/۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب مایکره من الحرص علی الإمارة : ۱۰۵۸/۲، قدیمی)

"إنا لانولّي هذا مَن سأله ولامَن حرص عليه. الخ". بخاری شریف،ص: ۱۰۵۸(۱)۔

امارت کی حرص وطلب کو ناپسند فرمایا گیا اور اس کا انجام قیام میں خراب بتایا گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عہدۂ قضاء پیش کیا گیا، مگر انہوں نے انکار فرمادیا، اس کی سزا میں دس کوڑے روزانہ لگتے تھے اور جیل میں ڈال کر زہر دے کر ان کو ختم کردیا گیا، مگر وہ اپنے استقلال پر قائم رہے، عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا(۲)۔ رحمه الله تعالیٰ ورفع درجته آمين ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی جو کیفیت سوال میں بیان کی گئی ہے، اسی کے متعلق جواب تحریر کیا گیا ہے، اگر کسی مجلسِ منتظمہ (شوریٰ) کی کیفیت اس سے مختلف ہو تو اس کا حکم بھی مختلف ہوسکتا ہے۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور، ۱۸/ جمادی الثانیہ/ ۷۵ھ۔

کثرتِ رائے کا فیصلہ شریعت کی نظر میں

سوال[۷۵۲۵]: دینی مدارس میں اہم امور مثلاً: ملازمین کا عزل ونصب، عہدوں کا تقرر، ترقی وتنزل، تعمیرات، آمدنی کے ذرائع، خرید جائیداد وغلہ وغیرہ اور ہنگامی حوادث پر غور وخوض اور ان کی انجام دہی کے لئے مجلسِ شوریٰ کے نام سے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہوتی ہے، اس میں فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے۔

زید کا کہنا ہے کہ کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا غیر دینی اور مغربی طریق ہے، یہ ہمارے دینی اداروں میں انگریزوں سے آیا ہے، اس کو خارج کرنا لازم ہے، جو شخص مجلس کا صدر ہو فیصلہ اس کی رائے پر ہونا چاہیے، کثرتِ رائے کی قرآن کریم میں بہت جگہ مخالفت کی گئی ہے:

---

(۱)"(صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب مايكره من الحرص على الإمارة : ۱۰۵۸/۲، قديمي)

(۲) "حَكَمَ ابنُ هبيرة أبا حنيفة أن يَلِيَ له قضاء الكوفة، فأبىٰ عليه، فضربه مأة سوط وعشرة أسواط، في كل يوم عشرة أسواطٍ، وهو على الامتناع .... اهـ". (تاريخ بغداد : ۳۲۶/۱۳، بيروت)

"وروىٰ جماعة أنه رُفع إليه قدحٌ فيه سمٌ ليشرب، فامتنع، فقال: إني لأعلم مافيه ولا أعِينُ على قتل نفسي، فطرح، فصُبّ في فيه قهراً، فمات". (الخيرات الحسان، ص: ۱۶)

(وكذا في ردالمحتار ، كتاب القضاء، مطلبٌ: أبو حنيفة دُعي إلى القضاء ثلاث مرات، فأبىٰ: ۳۶۸/۵،سعيد)

﴿أكثرهم لايعلمون﴾(١)، ﴿أكثرهم لايعقلون﴾(٢)، ﴿أكثرهم فاسقون﴾(٣) وغیرہ وغیرہ۔ ہر دائرہ اور ہر طبقہ کا یہی حال ہے کہ فاسق و نافرمان اکثر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زید نے متعدد آیات پیش کی ہیں۔

دریافت طلب یہ بات ہے کہ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟ دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان کے مسلک پر چلنے والے دیگر مدارس کے ذمہ دار حضرات کے یہاں کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ انگریزوں کا طریقہ ان حضرات نے کیوں اختیار فرمایا؟ شرعی دلائل سے جواب دیا جائے، اکابرِ دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون کی کوئی سند مل جائے تو زیادہ باعثِ اطمینان ہوگی۔

المستفتی: محمد سعید، مدرس و مفتی دار العلوم آزادول، جنوبی افریقہ، ۱۴۱۰/۳/۱۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی مدارس کی مجلس شوریٰ میں جو مسائل پیش ہوتے ہیں، ان میں تفصیل ہے:

۱- ایسے مسائل جن میں نص موجود ہو، وہاں عمل کے لئے نص متعین ہے (۴)۔

---

(١) (سورة الأنعام: ٣٧)

(٢) (سورة المائدة: ١٠٣)

(٣) (سورة التوبة: ٨)

(٤) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن قال: "كيف تقضي إذا عرض لك قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله. قال: "فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: فبسنّة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قال: "فإن لم تجدْ في سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد برأيي ولا آلوا. قال: فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على صدره وقال: "الحمدلله الذي وفّق رسول رسول الله لِمَا يرضى به رسول الله". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب العمل في القضاء والخوف منه، الفصل الثاني، ص: ٣٢٤، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في القاضي كيف يقضي: ١/٢٤٧، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء (رقم الحديث: ٣٧٣٧): ٧/٣٠٨، رشيديه)

"لامساغ للاجتهاد في مورد النص .... ومعنى هذه المادة أنه لايسوغ الاجتهاد بقضية =

۲-ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور ان میں دو پہلو ہیں: ۱-جلبِ منفعت، ۲-دفعِ مضرت۔ وہاں دفعِ مضرت کی رعایت غالب رہتی ہے(۱)۔

۳-ایسے مسائل جن میں نص موجود نہیں اور دفعِ مضرت کا ضابطہ بھی رہنما و کارفرما نہیں، جیسے: دو شخصوں میں کس کو مہتمم بنایا جائے، یا کس کو صدر مدرس تجویز کیا جائے، یا مطبخ کے لئے سامان کس دوکان سے خریدا جائے، یا طلبہ کتنی تعداد میں داخل کئے جائیں، یا امتحان کن تاریخوں میں لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور ارکانِ شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہو لیکن سب ارکان اس بات پر متفق ہو جائیں کہ معاملہ صدر محترم کی صوابدید اور شرحِ صدر کے سپرد کر دیا جائے تو یہ بھی درست ہے(۲)۔ اگر صدر صاحب کا شرحِ صدر نہ ہو تو کثرتِ رائے پر عمل کر لیا جائے، یہ بھی درست ہے۔

۴-جس رائے پر متفق ہو کر ارکانِ شوریٰ اجماع کر لیں اور صدرِ محترم کی رائے ان سب کی متفقہ رائے کے خلاف ہو تو صدرِ محترم اپنی رائے پر اصرار نہ کریں۔

زید کا یہ خیال کہ: ''کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا کلیۃً مغربیت ہے، غیر دینی طریقہ ہے، انگریزوں کی

= شرعيةٍ وَرَدَ عليها النص صراحةً؛ لأن الاجتهاد إنما يكون فيما لانصّ عليه مثلاً: وَرَدَ النص بمنع الظلم ولعب القمار، فلا مساغ للاجتهاد بتجويز هما.......... اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم، المقالة الثانية فى القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۱۴) : ۱/۲۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الظهار، مطلب: مايسوغ فيه الاجتهاد: ۴۶۶/۳، سعيد)

(۱) "درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشدّ من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۳۰)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۱، الصدف پبلشرز، كراچى)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصيةٍ فرضٌ، فكيف بما هو طاعة". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعيد)

تقلید و پیروی ہے، کسی حال میں درست نہیں، اس کو دینی اداروں سے خارج کر دیا جائے'' صحیح نہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب ولی عہد بنانے کا مسئلہ آیا اور چند حضرات کے نام پیش کئے گئے جن کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ آپ ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے (ہر شخص میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے، کچھ کمزوری بھی ہوتی ہے) تو آپ نے کسی کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ مجلسِ شوریٰ بنادی کہ وہ انتخاب کرلے اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے پر عمل کرنے کی سخت تاکید فرمادی:

"عن عمرو بن ميمون الأودي قال: قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه حين طعن لصهيب: صلِّ بالناس ثلاثاً وليدخل على عثمان وعليّ وطلحة والزبير وسعد وعبدالرحمن بن عوف، وليدخل ابن عمر في جانب البيت، وليس له من الأمر شيء، فقم ياصهيب! على رؤوسهم بالسيف وإن بايع خمسة ونكص واحد، فاجلد رأسه بالسيف، وإن بايع أربعة ونكص رجلان فاجلدوه سهماً حتى يستوثقوا على رجل، اهـ". الاعتصام للشاطبي: ٢/٢٦٥(١).

"الطريقة الثالثة أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه لما ضُرِب وأحس بالموت، خاف أن يترك المسلمين بدون خليفة لئلا يختلفوا، ولم يكن أمام نظره مَن لو استخلفهٗ يكون مطمئنّ النفس من قبله، فلم يشأ أن يتحمل أمر المسلمين حياً وميتاً، فاختار ستةً من كبار الصحابة وممن يرى أنه لايتطلع لأمر الخلافة غيرهم، ووضع لهم نظاماً ينتخبون به الخليفة من بينهم، فأمر أن يجتمعوا بعد وفاته في حجرة عائشة ويختاروا الخليفة في مدةٍ لاتزيد على ثلاثة أيام، وجعل للأغلبية الرأي القبول، فيجب على الأقلية الرضوخ لحكمها، وإلا اعتبر خارجاً يستحق القتل". تاريخ الأمم الإسلامية، ص: ٦٤٤(٢).

---

(١) (الاعتصام للشاطبي، باب في السبب الذي لأجله افترقت المبتدعة عن جماعة المسلمين: ٢/٥٢٠، دارالمعرفة، بيروت)

(والحديث رواه البخاري في صحيحه في كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان، ومقتل عمر بن الخطاب: ١/٥٢٣، قديمي)

(٢) (تاريخ الأمم الإسلامية، باب: مقتل عمرو عثمان رضي الله تعالىٰ عنهما، وكيف انتخب: ٢/٢٠-٢٤، المكتبة التجارية الكبرى، مصر) .... =

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسنِ تدبیر سے کثرتِ رائے کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتخب ہوگئے، پھر سب ہی نے بیعت کی اور اتفاق کرلیا اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتخب ومتعین فرمادیا ہو(۱)۔

پھر خلیفۂ ثالث کی شہادت کے بعد اربابِ حل وعقد کی کثرتِ رائے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے، ہر دو کی تفصیل تاریخ الخلفاء میں ہے(۲)، یہ حضرات انگریزوں کی پیروی کرنے والے نہیں تھے۔

کثرتِ رائے کو کلیۃً نظر انداز کردینا غلط ہے، علامہ شامیؒ اصولِ افتاء تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واختلف الذين قد تأخروا يرجح الذى عليه الأكثر

وإذا لم يوجد فى الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر، وتكلم فيه المشايخ المتأخرون قولاً واحداً، يؤخذ به، فإن اختلفوا يوخذ بقول الأكثر، الخ". شرح عقود رسم المفتى، ص:۳۳(۳).

= (وكذا فى تاريخ الأمم والملوك لأبى جعفر محمد بن جرير الطبرى، قصة الشورىٰ: ۳۳/۴-۳۸، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۱) "بويع (أى عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه) بالخلافة بعد دفن عمر بثلث ليال، فروى أن الناس كانوا يجتمعون فى تلك الأيام إلى عبدالرحمن بن عوف رضى الله تعالىٰ عنه يشاورونه ويناجونه، فلا يخلو به رجل ذو رأى فيعدل بعثمان أحداً. ولما جلس عبدالرحمن للمبايعة حَمِد الله وأثنى عليه، وقال فى كلامه: إنى رأيت الناس يأبون إلا عثمان .... وفى رواية : أمّا بعد! يا على! فإنى قد نظرتُ فى الناس فلم أرهم يعدلون بعثمان، فلا تجعلن على نفسك سبيلاً، ثم أخذ بيد عثمان، فقال: نُبايعك على سنة الله وسنة رسوله وسنة الخليفتين بعده، فبايعه عبدالرحمن وبايعه المهاجرون والأنصار رضى الله تعالىٰ عنهم". (تاريخ الخلفاء للسيوطى، عثمان بن عفان، فصل فى خلافته، ص: ۱۱۹، نور محمد كتب خانه كراچى)

(۲) "فى مبايعته ومانشا عن ذلك، قال ابن سعد: بويع علىّ بالخلافة الغد من قتل عثمان بالمدينة فبايعه جميع من كان بها من الصحابة". (تاريخ الخلفاء، ذكر على بن أبى طالب، فصل فى مبايعته، ص: ۱۳۳، نور محمد كتب خانه كراچى)

(۳) (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۷۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

"السادس ما إذا كان أحد القولين المصححين قال به جلّ المشايخ العظام، ففي شرح البيري على الأشباه: أن المقرر عن المشايخ أنه متى اختلف في المسئلة، فالعبرة بما قاله الأكثر، انتهى. وقدمنا نحوه عن الحاوي القدسي ، اهـ". ص: ٤٠(١)۔

یعنی مشائخِ فقہاء کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے کہ اختلاف کے وقت کثرتِ رائے ہی معتبر ہوگی، اگر انتخابِ امام میں اختلاف ہو اور دلائل مساوی ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے، یا اہلِ علم کی کثرتِ رائے سے ترجیح دی جائے:

"فإن استووا، يُقرع بين المستويين، أو الخيارُ إلى القوم، فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر، اهـ". درمختار: ۱/۳۷۵(۲)۔

"قال في شرح المشكوة: لعله محمول على الأكثر من العلماء إذا وجدوا، وإلا فلا عبرة لكثرة الجاهلين، قال الله تعالى: ﴿ولكن أكثرهم لايعلمون﴾، اهـ". (۳) طحطاوی، ص: ۲۰۳(٤)۔

کیا صاحبِ درمختار اور شامی اور شارحِ مشکوۃ اور طحطاوی انگریزوں کی تقلید میں کثرتِ رائے کو ترجیح دینے کی تلقین کررہے ہیں۔

۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور قائم ہوا، ان دونوں درسگاہوں کے قائم کرنے والے، پھر ان کو چلانے والے، ان کی نگرانی کرنے والے، ان کی شوریٰ کے ارکان اور سرپرست اور صدر مدرس اپنے اپنے وقت کے اعلیٰ درجہ کے بے مثال فقیہ، محدّث، مفسر، متکلم، مناظر، عارف، روشن ضمیر، مجاہد، اولیاء اللہ ہوئے جن کے دینی کارنامے آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ میدانِ شاملی کے ذرات، مالٹا کے خاردار حوالات، کراچی کی تنگ وتاریک کوٹھریاں گواہ ہیں کہ یہ حضرات ہرگز ہرگز انگریز کی پیروی کرنے

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۸۹، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، ۵۵۹، سعید)

(۳) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، (رقم الحديث: ۱۱۲۳): ۳/۱۹۹، رشیدیہ)

(۴) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۲۴۳، دارالمعرفة، بيروت)

والے نہیں تھے۔

اصلاح انقلاب اُمّت، اصلاح الرسوم، بہشتی زیور، حجۃ الاسلام، تقریر دل پذیر وغیرہ کو پڑھنے والا ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ ان حضرات نے کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنا انگریزوں سے لیا اور سیکھا۔ جو حضرات ذرا ذرا سی جزئیات میں خلافِ سنت کا ادنیٰ شائبہ برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ دینی اداروں کے فیصلہ کا مدار انگریزوں کی تقلید پر رکھ دیں گے، ہرگز نہیں۔ چند اکابر کے نام یہ ہیں:

''حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، قطبُ الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، محدثِ کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوّر اللہ مراقدہم''۔

اب تھانہ بھون، دیوبند، سہارنپور تینوں جگہ کے اکابر کی تحریرات بھی نقل کی جاتی ہیں:

تحریر تھانہ بھون

''ایک مرتبہ حضرت مرشدی (حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی) نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ: جب اہلِ دیوبند مجلسِ شوریٰ میں شریک ہونا چاہتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تو اس پر بہت شور تھا اور فتنہ کا اندیشہ تھا تو میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت دفعِ شورش کے لئے کیا حرج ہے، اگر ایک دو کو مجلسِ شوریٰ میں لے لیا جائے، آخر تو تعداد ہمارے حضرات ہی کی زیادہ رہے گی اور کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو جواباً مولانا گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا کہ: نااہل کا ممبر بنانا معصیت ہے جو سبب ہے ناراضیٔ خدا و رسول کا، اس لئے ہم نااہل کو مدرسہ کا ممبر نہ بنائیں گے، چاہے مدرسہ رہے یا نہ رہے، ہم کو رضائے الٰہی مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں''۔

(جامع ،ص: ۱۴۰۔ جدید ملفوظات مجموعہ سہ رسائل: ۱- اشرف التنبیہ ملقب بہ محفوظات، ۲- ملفوظات، ۳- محظوظات، من ابتدائے صفر، ۱۳۴۸ھ۔ ضبط کردہ: مولانا محمد نبیل صاحب واصل ٹانڈوی، شائع کردہ: مولانا ظہور الحسن صاحب از تھانہ بھون) (۱)۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا ہے، اس میں صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا کہ: فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نکیر نہیں فرمایا۔

اگر یہ طریقہ غلط تھا تو جس طرح بحیثیتِ سرپرست حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درخواست (مشورہ) کو رد فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان کردی جو کہ قابلِ قبول ہے اور اس پر عمل بھی کیا گیا، اسی طرح کثرتِ رائے کی تردید فرمادیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ رائے پر فیصلہ اُس وقت سے بلانکیر جاری ہے۔

تحریرِ دیوبند

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ایک اجلاس کا حال لکھتے ہیں:

”ممبروں کی پوری جماعت نہیں آتی تھیں، مگر آراء آتی تھیں، حاضرین کی پارٹیاں اگرچہ ایک ہی خیال نہ رکھتی تھیں، مگر آخر میں سب اس پر متفق ہوگئیں کہ ہم مولانا تھانوی کے ان ہی اختیارات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں جو ۴۵ھ، میں مولانا نے تحریر فرمائے تھے اور جنھیں ۴۹ھ، میں مولانا نے ترمیم بھی کی تھی، الغرض! وہ اختیارات مع ترمیم کے تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ مولانا خود جلسہ میں شرکت فرمایا کریں۔ مگر ”شرط“ کے لفظ کو حامیین نے صراحۃً کہنا پسند نہیں کیا، اس لئے یہ لکھا گیا تھا کہ: ہم فلاں فلاں دفعہ کو مع ترمیم قبول کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مولانا خود شرکتِ جلسہ فرمایا کریں۔ مولانا نے خوشی سے

(۱) (مجموعۂ سہ رسائل، اشرف التنبیہ، محفوظات، محظوظات، جمع کردہ مولانا محمد نبیل صاحب واصل ٹانڈوی، ص: ۴۸، برق پریس دھلی)

(وکذا فی فی تحفة العلماء، نااہل کو ممبر بنانا: ۱/ ۹۸، ادارہ تالیفات اشرفیه، ملتان)

اس کوقبول فرمالیا۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سرپرست کومتفق علیہ تجویز میں کوئی اختیارِ مداخلت نہیں، مختلف فیہ میں اختیارِ مداخلت ہے، جس جانب کو چاہیں ترجیح دے دیں، خواہ اکثریت کو یا اقلیت کو، بشرطیکہ ان کو کسی جانب میں شرحِ صدر ہوجائے، ورنہ اکثریت ہی کو ترجیح ہوگی، اھ"۔

(مکتوباتِ شیخ الاسلام: ۱/۱۶، مکتوب نمبر: ٦٦) (۱)۔

حضرت حکیم الامت نے بخوشی قبول فرمایا کہ سرپرست کومتفق علیہ میں اختیارِ مداخلت نہیں، مختلف فیہ بشرطِ شرحِ صدر ہے، جس کو چاہیں ترجیح دیں اور بوقتِ عدمِ شرحِ صدر کثرتِ رائے کو ترجیح ہوگی۔ کیا یہ انگریز کی پیروی میں قبول فرمایا گیا۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"محترما! میں نے جو کچھ لکھا تھا کہ "ہم تینوں کا اشتراکِ عمل مدرسہ کی بہبود اور ترقی کے لئے ضروری ہے" اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنی انفرادی زندگی کے لئے تو ہر ایک ایسے سامان رکھتا ہے کہ جن کی بناء پر کسی کو کسی کی حاجت نہیں، مستقل طور پر گذر بسر کرتا اور کرسکتا ہے، مگر دارالعلوم کی بہبود اور ترقی کے لئے ہم تینوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے، آپس میں سر جوڑ کر ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں، تمام امورِ مہمہ میں مشورہ کو قبول کریں، کبھی اپنی رائے پر ہٹ نہ کریں، جو مفید اور حق بات ہو قبول کریں، خواہ اپنی رائے اس کے خلاف ہو، اپنی بات کی پچ نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کی ہدایت ہے: منفرد ہوکر، یا آمر وڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں (۲)۔

میں نے اپنے آپ کو امور بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ممبروں نے بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے۔ بحیثیتِ اہتمام اگرچہ قوتِ

(۱) (مکتوبات شیخ الإسلام، (مکتوب نمبر: ٦٥) : ۱/۱۵۱، مکتبہ دینیہ، دیوبند)

(۲) "ڈکٹیٹر: آمر، حاکمِ مطلق، مطلق العنان حکمران"۔ (فیروز اللغات، ص: ٦٧٩، فیروز سنز، لاہور)

عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی، مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو، اور اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو، اسی لئے تھی، اھ"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام:۲/۱۹۲، مکتوب نمبر:۶۲)(۱)۔

تحریر سہارنپور

سوال: "ہر دو سوال پیش کر کے شرعی فتویٰ چاہتا ہوں:

۱- ہمارے دونوں مدرسوں: سہارنپور، دیوبند میں ایک مجلس شوریٰ ہے اور دوسرے ایک صاحب مہتمم یا ناظم کے نام سے ہیں جو کار مدارس کے ذمہ دار کہلائے جاتے ہیں، آپ کے نزدیک ان میں سے امیر کون ہے، آیا مجلسِ شوریٰ یا مہتمم یا ناظم؟ اور ﴿إذا عزمت فتوكل على الله﴾(۲) کا حکم کس کو ہے؟

۲-امور جو بھی ہوں اس کے اختیارات کیا ہیں اور فرائض شرعاً کیا ہیں؟ یہ سوال اس لئے ہے کہ میں اپنی نسبت دیکھ سکوں کہ میں وہ فرائض ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ والسلام۔

احقر شبیر علی عفی عنہ، ۹/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۴ھ۔

الجواب: ۱- مدرسہ مظاہر علوم کے دستور العمل میں سر پرستان اور مہتمم و ناظم کے اختیارات وفرائض بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل اختیارات سر پرستان کو ہیں اور ناظم و مہتمم اس کے ماتحت ہیں، کام کی نگرانی کا ذمہ دار ہے، اس دستور میں اختلافِ آراء کی صورت میں فیصلہ کی تصریح نہیں ہے، لیکن قدیم سے معمول یہ ہے کہ فیصلہ کثرتِ رائے پر ہوتا ہے، اس لئے یہ دستور کثرتِ رائے پر مبنی معلوم ہوتا ہے، اس میں کسی کو امیر تسلیم نہیں کیا گیا ہے، ناظم یا مہتمم سر پرستان کی اکثریت کے تابع ہو کر عمل کرتا ہے۔ اب یہ بحث علیحدہ ہے کہ شرعاً کثرتِ رائے پر عمل کرنے کا کیا درجہ ہے، دیوبند کا

---

(۱) (مکتوبات شیخ الإسلام سید حسین أحمد المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ، (مکتوب نمبر: ۶۲): ۲/۲۳۵، مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارنپور)

(۲) (سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

دستور العمل میرے پاس نہیں ہے۔ سنا یہ ہے کہ وہاں بھی کثرتِ رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم کے دستور میں سرپرستان کے یہ اختیارات مذکور ہیں:

دفعہ ۱: سرپرستانِ مدرسہ کو تمام امور مدرسہ: ترقی، تنزل، عزل، نصبِ ملازمان، تغیر وتبدل دفعات آئین وغیرہ کا کلی اختیار ہے اور ان کی تجویز جملہ امورِ مدرسہ میں قطعی ہوگی۔

دفعہ ۲: مہتمم کو مہتم بالشان امور میں تمام سرپرستان سے استفسار اور رائے لینا ضروری ہوگا۔ (معائنہ جات، ص:۳۶)(۱)۔

اختیارات وفرائضِ ناظم ومہتمم:

دفعہ ۱: مہتمم جملہ ملازمینِ مدرسہ کے ہر کام کی نگرانی اور درستی حساب کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ ۲: امورِ انتظامیہ اور مصارفِ روزمرہ معمولی میں مہتمم مجاز ہے، حسبِ صوابدید خود عمل کرے اور جزئی اور معمولی خرچ بھی کرسکتا ہے، مگر کثیر اخراجات غیر معمولی اور خاص انتظامات بلا استصوابِ سرپرستان نہ ہوں گے۔

ان دفعات سے سرپرستان اور ناظم کے فرائض اختیارات ظاہر ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کلی اختیارات اس دستوری سرپرستان کے ہیں اور ہر کام کی نگرانی اور جزئی اختیارات ناظم کے ہیں، شرعاً بھی کسی ادارہ کے کارکنان پر وہی فرائض اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو اس ادارہ کے دستور میں تسلیم کی گئی بشرطیکہ کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو"۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ربیع الاول/ ۶۴ھ"۔

(منقول از فتاویٰ مظہریہ، ۲۳/۲۷۰)(۲)۔

---

(۱) (لم أجده)

(۲) (فتاویٰ مظهری للمفتی مظهر الله دهلوی رحمه الله: ۲۳/۲۷۰، مدینه پبلشنگ کمپنی کراچی)

دنیا کا حال

اہلِ علم اقل ہیں اہلِ جہل اکثر، مومن اقل ہیں کافر اکثر، موحد اقل ہیں مشرک اکثر مخلص اقل ہیں منافق اکثر، مطیع اقل ہیں فاسق اکثر، مصلح اقل ہیں مفسد اکثر، کامل العقل اقل ہیں ناقص العقل اکثر، ایسی اکثریت قابلِ تقلید وترجیح نہیں: ﴿وإن تطع أكثر من فى الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (۱)۔

غالباً زید کا ذہن ''کثرتِ رائے'' کے لفظ سے ایسی ہی اکثریت کی طرف متوجہ ہوگیا جس کا مشاہدہ آج کل کے الیکشنوں میں ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کا ممبر ایسی ہی اکثریت سے منتخب ہوتا ہے اور اکثریت کی رائے بھی کہیں روپیہ وعہدہ وغیرہ کے لالچ میں کہیں قسم قسم کے دباؤ سے حاصل کی جاتی ہے، کہیں ووٹ بھی جعلی ڈالے جاتے ہیں۔ مگر ایسی اکثریت کے سامنے دینی مدارس کے مسائل پیش نہیں کئے جاتے، ایسی کثرتِ رائے پر ارکانِ شوریٰ کی کثرتِ رائے کو قیاس کرنا بدیہہ البطلان اور روزِ روشن کو شبِ تاریک بنانا ہے۔ دینی مدارس میں جو ارکانِ شوریٰ ہیں جن کے چند اسمائے گرامی اوپر تحریر کئے گئے ہیں وہ اس اکثریت کے افراد نہیں جن کے ذمائم، قبائح، رزائل زید نے بیان کئے ہیں، بلکہ اس کے مقابل وبرعکس مدائح، محاسن، فضائل کے حامل ہیں۔

جیسے پہاڑوں میں لاکھوں مَن کے پتھر ہیں اور ان میں خال خال کوئی ہیرا ہوتا ہے، ہیرا روشن ہوتا ہے، اگر ایک جگہ دو ہیرے ہوں اور دوسری جگہ دس ہیرے ہوں تو یہ کثرت مذموم وقبیح نہیں، بلکہ ممدوح وقابلِ تحسین ہے۔ ایک کارخانہ کی ایک سائز کی موم بتی میں جتنی روشنی ہوتی ہے، دو میں اس سے زائد، تین میں اس سے زائد، چار میں اس سے زائد ہوگی۔ کوئی اہلِ عقل اس کثرت کو موجبِ ظلمت اور قبیح نہیں کہے گا۔ ایک پھول میں جتنی خوشبو ہے، متعدد پھولوں میں خوشبو زائد ہی ہوگی، پھولوں کی کثرت سے سارا چمن بلکہ اس کا ماحول بھی مہک جائے گا۔

ایسا ہی حال ان اکابر اہل اللہ کا اور ان کی کثرت کا ہے کہ ان کی آراء کی کثرت سے قلوب واذہان منور ومعطر ہو جائیں گے۔

زید کا یہ کہنا کہ ''ہر دائرہ اور ہر طبقہ کی اکثریت کا یہی حال ہے کہ وہ فاسق ونافرمان ہوتے ہیں'' زید کو لازم ہے کہ وہ اس پر نظرِ ثانی کرے اور غور سے سوچے کہ طبقۂ محدثین کی اکثریت ایک حدیث کو صحیح قرار دے تو

(۱) (سورة الأنعام: ۱۱٦)

کیا اس کثرتِ رائے پر وہ سارے ذمائم، قبائح، رذائل چسپاں کردے گا۔ استغفر اللّٰہ العظیم۔

اسی طرح طبقۂ مجتہدین، فقہاء اور دوسرے اہلِ علم واہلِ حق کے طبقات پر غور کرے۔ دینی مدارس میں جس قدر اساتذۂ کرام درسِ حدیث دیتے ہیں، خانقاہ میں زید کے کسی بزرگ مرشد کے تحت جو لوگ تزکیۂ باطن میں مشغول ہیں ان کی اکثریت کے متعلق وہ کیا الفاظ اختیار کرے گا؟

''فاسق'' کے معنیٰ ''طاعت سے خارج ہونے والا''۔ ابلیس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿کان من الجن ففسق عن أمر ربه﴾(۱)۔ اہلِ کتاب نے انبیاء کو دیکھا، ان کے معجزات کا مشاہدہ کیا، ان پر نازل شدہ کتابوں کو پڑھا پھر بھی اکثر ایمان نہیں لائے، ان کے اکثر کو فاسق کہا گیا۔

لعنت وغیرہ کے الفاظ ان کے لئے استعمال کئے گئے:

﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد وعيسىٰ بن مريم .... ولكن كثيراً منهم فاسقون﴾(۲)۔ ﴿يا أهل الكتاب هل تنقمون منا .... وأن أكثركم الفاسقون﴾(۳)۔ ﴿ولو امن أهل الكتاب لكان خيراً لهم، منهم المؤمنون وأكثرهم فاسقون﴾(۴)۔

یہاں "أكثرهم الفاسقون" کو "منهم المؤمنون" کے مقابلہ میں لایا گیا: ﴿أفمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً لا يستوون﴾(۵)۔ جس طرح "الذين يعلمون" اور "الذين لا يعلمون" میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۶) اور اعمیٰ وبصیر میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے(۷)۔ اسی طرح مومن

---

(۱) (سورة الكهف: ۵۰)

(۲) (سورة المائدة: ۸۱)

(۳) (سورة المائدة: ۵۹)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۱۰)

(۵) (سورة الٓمٓ السجدة: ۱۸)

(۶) قال الله تعالىٰ: ﴿قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ (سورة الزمر: ۹)

(۷) قال الله تعالىٰ: ﴿قل هل يستوى الأعمىٰ والبصير أم هل تستوى الظلمٰت والنور﴾ (سورة الرعد: ۱۶) =

اورفاسق میں مساوات نہیں، بلکہ صریح تقابل ہے، پھر دونوں کے انجام کو الگ الگ بتایا گیا ہے:

﴿أما الذين امنوا وعملوا الصالحات، فلهم جنات المأوى نزلاً بما كانوا يعملون، وأماالذين فسقوا فمأواهم النار، كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها﴾ الخ (۱)۔

منافقین کے متعلق ارشاد ہے: ﴿إن المنافقين هم الفاسقون﴾ الخ (۲)۔

امید ہے کہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گا کہ قرآنِ کریم میں ﴿أكثر هم فاسقون﴾ کی ضمیر کا مرجع دینی مدارس کے ارکانِ شوریٰ نہیں، اہلِ حق کی خانقاہوں کے ذاکرین، شاغلین نہیں، اساتذۂ حدیث وفقہ نہیں، محدثین وفقہاء، مجتہدین نہیں۔ غرض کوئی بھی اصحابِ تقویٰ وخشیت اس کا مرجع نہیں۔

جو آیات مشرکین، کافرین، منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، خوارج ان کو مؤمنین پر چسپاں کیا کرتے تھے، كما في صحيح البخاري (۳)۔ یہ ان کا زیغ وضلال تھا، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ رکھے۔ زید کو چاہئے کہ اس سے پورا پرہیز وگریز کرے۔

الحاصل: دینی مدارس سے متعلق جزئیات غیر منصوص میں اختلافِ آراء کے وقت مصالحِ مدرسہ کے

= وقال الله تعالىٰ: ﴿وما يستوى الأعمىٰ والبصير، ولا الظلمٰتُ ولا النُّور، ولا الظِّلُّ ولا الحرور﴾ (سورة الفاطر: ۱۹-۲۱)

(۱) (سورة آلمّ السجدة: ۱۹، ۲۰)

(۲) (سورة التوبة: ٦٧)

(۳) "باب قتال الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجّة عليهم، وقول الله ﴿ماكان الله ليضل قوماً بعد إذ هداهم حتى يُبيّن لهم مايتقون﴾ وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يراهم شرار خلق الله، وقال: إنهم انطلقوا إلى آياتٍ نزلت في الكفار، فجعلوها على المؤمنين". (صحيح البخاري، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين وقتالهم، باب قتال الخوارج والملحدين: ۱۰۲۴/۲، قديمي)

(وراجع للتفصيل، فتح الباري كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم: ۱۲/ ۳۵۰-۳۵۴، قديمي)

(وأيضاً عمدة القاري شرح البخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين: ۸۴/۲۴، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

پیشِ نظر ارکانِ شوریٰ کی اکثر رائے کو ترجیح دے کر عمل کرنا انگریزوں کی پیروی نہیں، شرک نہیں، کفر نہیں بلکہ شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴۱۰/۳/۲۵ھ۔

مدارس کا نظام کیسا ہونا چاہیئے؟

سوال[۷۵۲۶]: مدرسہ اسلامیہ کا شرعی نظم وضبط کیسا ہو، اس کا دستور العمل کیسا ہونا چاہیئے؟ نیز امامِ مسجد کو چھٹی مع تنخواہ وبلا تنخواہ کس قدر رہنی چاہیئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دار العلوم کا نظام چھپا ہوا ہے، اس کو منگا کر دیکھ لیں۔ اس کے علاوہ اربابِ مدرسہ حدودِ شرع میں جو معاملہ طے کرلیں، درست ہے۔ امام سے بھی جو معاہدہ ہو جائے، حسبِ صوابدید ومصالح درست ہے(۱)۔ اس کا لحاظ کرلیا جائے کہ نہ امام کو تنگی ہو، نہ نمازیوں کو، نہ مسجد غیر آباد ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۴/۲۴ھ۔

بے دین لوگوں کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانا

سوال[۷۵۲۷]: کسی ادارہ کی ورکنگ کمیٹی میں ایسے افراد کا رکھنا جو علماء پر تنقید کرتے ہوں، کیسا ہے؟ ایسے افراد جن کی وضع قطع خلافِ شرع ہو، صلوۃ وصوم کے پابند نہ ہوں، ان کو مجلسِ شوریٰ میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی ادارہ کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا جائے جو خود بھی دیندار ہوں اور دین کا جذبہ رکھتے ہوں، باسلیقہ ہوں (۲)، ورنہ نظام صحیح نہیں رہے گا۔ اور اہلِ علم کی جو تحقیر ہوگی اس کا سبب بڑی حد تک

---

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فاتقوا الله وأصلحوا ذات بينكم، وأطيعوا الله ورسوله إن كنتم مؤمنين﴾ (سورة الأنفال: ۱)

(۲) "قال في الإسعاف: ولا يولّى إلّا أمينٌ قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخلّ بالمقصود". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه) .... =

وہی لوگ ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جب مدرسہ کا دستور نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟

سوال[۷۵۲۸]: مدرسہ میں کسی قسم کا کوئی قانون نہیں ہے اور نہ کوئی دستور بنا ہوا ہے، ناظم جس وقت جو کچھ زبان سے نکال دے وہی دستور ہے، جب چاہتا ہے بلا اطلاع تنخواہ کاٹ لیتا ہے، بلا عذر مدرّسوں کو ملازمت سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اربابِ خیر واہلِ صلاح کی ایک کمیٹی بنالی جائے اور کسی باوجاہت اہلِ علم، اہلِ تقویٰ، تجربہ کار کو سرپرست تجویز کرلیا جائے تاکہ حساب وکتاب درست رہے (۲)، ہر مدّ کا پیسہ اسی مدّ میں خرچ ہو، اور کسی بڑے

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحدث إذ جاء أعرابي، فقال: متى الساعة؟ قال: "إذا ضُيعت الأمانة فانتظر الساعة". قال كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسد الأمر إلى غير أهله، فانتظر الساعة". (مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، الفصل الأول، ص: ۴۶۹، قديمي)

"إذا وُسّد": أي أسند وفوّض "الأمر" إلى غير أهله": أي ممن لم يوجد فيه شرائط الاستحقاق: كالنساء والصبيان، والجَهَلة، والفَسَقة، والبخيل، والجبان .... وأرباب المناصب من التدريس، والفتوىٰ والإمامة، والخطابة، وأمثال ذالك مما يتفاخر به الأقران". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة (رقم الحديث: ۵۴۳۹) : ۳۳۳/۹، ۳۳۴، رشيديه)

(۲) "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه، أو بنائبه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

مدرسہ کا دستور سامنے رکھ کر (مثلاً: دارالعلوم دیو بند کا) اس مدرسہ کے مناسب دستور بنالیا جائے تا کہ بے راہ روی نہ ہونے پائے اور لوگوں کو یہ اعتراض وبدگمانی کا موقع نہ ملے۔

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں اور مدرسہ کا روپیہ مسجد میں صَرف کرنا جائز نہیں (۱) ایسا کرنے سے ضمان لازم ہوگا۔ زکوۃ کا پیسہ بے محل صَرف کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی اور ضمان لازم ہوگا (۲)۔ مدرسہ و مسجد کا پیسہ امانت ہے، اس کو تاجروں کو دینا کہ وہ اپنے کام میں خرچ لیں، پھر وقت پر دے دیں، درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۵/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۵/۱۵ھ۔

ادارہ کو مخالف گروپ کی تباہی سے بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟

سوال [۷۵۲۹]: ایک شخص ایک ادارہ کا سربراہ ہے، عالم بھی ہے، کچھ روز سے اس میں انانیت آگئی ہے، نوجوان لڑکیوں کو بے پردہ تعلیم دلاتا ہے، چونکہ کمیٹی میں اس کی اکثریت ہے، اس لئے اس کو الگ کرنا بھی دشوار ہے۔ اس ادارہ کے استاذ بھی تنگ آکر چلے گئے ہیں اور نئے استاذ آگئے۔ دو پارٹیاں ہیں، دونوں

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد .... سئل القاضي شمس الإسلام محمد الأوزجندي رحمه الله تعالىٰ عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد يعني آجروا المستغل، وله متول، قال: لايصح تصرفهم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(۲) "ولو خلط زكاة موكليه، ضمن" (الدرالمختار). "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۹۹، رشيديه)

(۳) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم ردّ بدلها في نفقة المسجد، لايسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال ردّ عليه الضمان، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان في المسجد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۲۹۹، رشيديه)

میں شدید اختلاف ہے۔اس شخص نے مخالف پارٹی کو پریشان کرنے کے لئے پولیس میں رپورٹ اور مقدمہ بازی شروع کردی ہے۔اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے لوگوں کو دباتا ہے، بعض کی آبروریزی کرتا ہے۔ پولیس اور غنڈوں کو روپیہ کھلاتا ہے اور خود بھی ایک ہزار روپیہ ماہانہ ہڑپ کر رہا ہے۔

لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس پر بھی مقدمہ چلایا جائے، خواہ جھوٹا ہی ہو اور خواہ جھوٹی گواہی دینی پڑے۔عوام کو سرسے بچانے کے لئے اور اس کی فلاح کے لئے ہمارا یہ فعل ازروئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو چیز حرام اور معصیت ہے، وہ سربراہ کے حق میں بھی حرام ومعصیت ہے، کارکنوں، ممبروں، عوام کے حق میں بھی حرام ہے(۱)۔ادارے کو تباہی سے بچانا سب کی ذمہ داری ہے، مگر اس کے لئے غلط طریقہ اختیار نہ کیا جائے(۲)۔تنازع اور تقابل کے وقت ہر فریق اپنے کو حق پر سمجھتا ہے، مخلص وہمدرد اسلام اور ادارے کا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن قريشاً أهمّهم شان المرأة المخزومية التي سرقت، فقالوا: من يكلم فيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فقالوا: من يجترئ عليه إلا أسامة حِبّ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- فكلمه أسامة. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتشفع في حد من حدود الله". ثم قام فاختطب فقال: "أيها الناس! إنما أهلك الذين قبلكم، إنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحدود، وأيم الله! لو أن فاطمة بنت محمد سرقت، لَقطعتُ يدها". (الصحيح لمسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، والنهي عن الشفاعة: ۲/۶۴، قديمي)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

قال العلامة السيد محمود الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة، وجب تركها، فإن ما يؤدى إلى الشر شرٌ". (روح المعاني: ۷/۲۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وكل ما أدى إلى ما لا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار: ۶/۳۶۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد) .... =

خیرخواہ قرار دیتا ہے، دوسرے فریق کو ناحق، غیر مخلص، اسلام سے بے تعلق، خودغرض قرار دیتا ہے، اس لئے دونوں فریق مل کر کسی کو ثالث تجویز کرلیں اور اس کے فیصلہ پر آمادہ ہوجائیں (۱)، پھر وہ سب کے بیان لے کر حالات کی تحقیق کر کے جو کچھ فیصلہ کردے اس کو قبول کرلیں، خواہ سربراہ کے موافق ہو یا مخالف۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ نزاع ختم ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقتِ ضرورت خرچ نہ کرنا بھی خیانت ہے

سوال [۷۵۳۰]: مدرسہ اسلامیہ کی رقم مبلغ ۴۰۰/ روپے ہے، اور یہ روپے مدرسہ کے صدر پر ہے، وہ مدرسہ کا روپیہ نہ تو مدرسہ میں لگاتے ہیں اور نہ طلب کرنے پر دیتے ہیں، کچھ لوگ اس کے گروپ کے ہیں، اس کو صدر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کو صدر رکھا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مدرسہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے، اس کے باوجود یہ رقم وہ مدرسہ میں نہیں دیتا، نہ خود ضرورت پوری کرتا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا روپیہ اپنے کام میں صَرف کرلیا، تو مدرسہ کے ممبر و بااثر لوگ مطالبہ

= "ووسيلة الحرام حرامٌ". (مرقاة شرح المشكوة: ۱٦/٦، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۷٦۳)، رشيديه)

(۱) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حَكَماً من أهله وحكماً من أهلها﴾. (سورة النساء: ۳۵)

. "حكّما رجلاً معلوماً، فحكم بينهما ببينة أو إقرار أو نكول و رضيا بحكمه، صح". (الدرالمختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۴۲۸/۵، سعيد)

"وإذا حكّمَ رجلان رجلا فحكم بينهما ورضيا بحكمه جاز؛ لأن لهما ولاية على أنفسهما، فصح تحكيمهما وينفذ حكمه عليهما". (الهداية، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۱۴۴/۳، شركة علميه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱۱۹۳/۲، (رقم المادة: ۱۸۴۱)، الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کریں۔ اگر خدانخواستہ خیانت ثابت ہوجائے تو اس کو صدارت سے الگ کردیں (۱) اور رقم وصول کرکے کسی دیانتدار کو ذمہ دار بنائیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲ھ۔

غبن کے اتہام پر حساب دینا

سوال [۷۵۳۱]: ایک مذہبی ادارہ کے صدر وسیکرٹری پر عام معاونینِ ادارہ ودیگر مسلمانوں کو غبن کا شبہ ہوا، لوگوں نے آمد وخرچ کی رپورٹ طلب کی، صدر حساب دینے سے کترا رہے ہیں اور کہتے ہیں (کہ) ادارہ کی تشکیل میں میری ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہے، مجھ سے کوئی حساب نہیں لے سکتا۔ جس سے لوگوں کو غبن کا یقین ہوگیا۔ کیا ایسے ادارے سے تعلقات ختم کرلینا موجبِ گناہ ہے؟ اور صدرِ مذکور کا جواب اطمینان بخش وصحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر، سیکرٹری کا دعویٰ مذکورہ صحیح نہیں ہے، وہ محض وکیل ہیں، مالک نہیں (۲)۔ انہیں حساب دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے، خاص کر جب کہ ان پر غبن کا شبہ کیا جارہا ہے (۳)۔ ان کو لازم ہے کہ ذمہ داران وممبران

---

(۱) "وينزع وجوباً لو الواقف –فغيره بالأولى– غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدر المختار).

"مقتضاه إثم القاضي بتركه والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه، بحر. لكن ذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"الثالث: إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله وينصب أميناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"وعن هذا أفتى في الحامدية: بأنه ليس للمتولي التصرف في أمور الوقف بدون إذن المشرف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴۵۸/۴، سعيد)

(۳) "لاتلزم المحاسبة في كل عام، ويكتفي القاضي منه بالإجمال لو معروفاً بالأمانة. ولو متهماً، يجبره =

وغیرہ کو حساب دکھلا کر مطمئن کردیں اور بدگمانیوں اور تہمتوں کو دور کرکے اپنی پوزیشن صاف کرلیں (۱)۔اگر کوئی رقم بے احتیاطی یا غلط فہمی سے بے موقع خرچ ہوگئی ہے تو اس کا انتظام کریں۔اگر بدگمانی عام ہوگئی ہے تو حساب لکھ کر شائع کردیں کہ مسلمانوں کی زبانیں طعن وتشنیع سے محفوظ رہیں اور اس مقصد کے لئے حسنِ تدبیر اور فہمائش سے کام لے کر ان پر اخلاقی زور بھی ڈالا جائے اور ادارہ سے تعلقات ختم نہ کئے جائیں۔

تنبیه: بلا دلیلِ شرعی کسی کو متہم کرنا بھی معصیت ہے(۲)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۴/۸۸ھ۔

مدرسہ عربیہ کی مخالفت اور دیگر خیانتوں کے سبب قوم کے امام پر اشکالات

سوال[۷۵۳۲]: جناب مفتی صاحب!ہماری پونڈا کے مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، جو کہ مسجد کا

= على التعين شيئاً فشيئاً، ولا يحبسه بل يهدده، ولو اتّهمه يحلفه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۴۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۷/۵، رشيديه)

(۱) "اتقوا مواضع التهم" : ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن، اتّهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومنّ من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمةً .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ من أساء به الظن". (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، (رقم الحديث: ۸۸): ۴۵/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظنّ، إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"يقول تعالىٰ ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثير منه .... وقال مالك: عن أبي الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". (تفسير ابن كثير، (سورة الحجرات: ۱۲) :۲۱۲/۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

انتظام کرتی ہے اور قوم کی مذہبی ضروریات کی نگرانی کرتی ہے۔ یہ ادارہ پچھلے تیس سال سے قاضی محمد مصطفیٰ کی نگرانی میں کام کررہا تھا، مولانا ہونے کی وجہ سے ان پر پورا اعتماد تھا اور ان کا عہدہ بغیر جھگڑے کے رہا، انہوں نے جماعت کی کبھی میٹنگ طلب نہیں کی اور نہ ہی کبھی حساب داخل کیا، بعض اوقات اہم انتظامی معاملات میں کچھ حضرات سے مشورہ کیا ہے۔

انہوں نے کبھی قوم کو کوئی مذہبی منفعت پہونچانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کا رجحان گورنمنٹ کی ملازمت کی طرف ہوگیا اور مسلم قوم کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شعبۂ تعلیم میں ایک جگہ مل گئی، یہ بہت اچھی تنخواہ کی جگہ ہے۔ وہ قوم کی خدمت کی طرف کم توجہ دیتے ہیں، اس سے تنگ آکر جماعت کے نوجوان اور باعزت ممبران نے ایک عربی مدرسہ شروع کیا، کیونکہ ہمارے بچوں کے لئے ایسی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مذکورہ مولانا نے اس مدرسہ کی مخالفت کی، کیونکہ ان کے خیال میں اگر دوسروں نے عربی پڑھ لی تو ان کی اہمیت کم ہوجائے گی۔

دعوت نامہ کے باوجود انہوں افتتاحیہ میٹنگ میں شرکت نہیں کی اور نہ کوئی پیغام بھیجا، بلکہ اس مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا۔ اب یہ مدرسہ گذشتہ ۴/ ماہ سے چل رہا ہے اور اس وقت ۱۲۰/ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ اس نیک کام کو برداشت نہ کرتے ہوئے مولانا صاحب نے ایک عربی مدرسہ کے لئے چندہ شروع کردیا، جب جماعت کے ذہن میں یہ بات آئی تو ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کس کے حق میں چندہ جمع کررہے ہیں، کیا جماعت نے آپ کو مقابلہ پر مدرسہ قائم کرنے کے لئے کوئی اختیار دیا ہے؟ جواب دینے کے بجائے انہوں نے ڈرانا دھمکانا شرع کردیا۔

باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ہزار ہا روپیہ مسلم قوم سے بغیر جماعت کے اختیار دیتے ہوئے جمع کیا ہے۔ پہلے انہوں نے چندہ جمع کرنے سے انکار کیا، لیکن جب ان کے سامنے رسیدات پیش کیں تو انہوں نے کہا کہ چند سال قبل جماعت نے چندہ جمع کرنے کے لئے اختیار دیا تھا۔ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے انہوں نے ایک میٹنگ بلائی اور اپنے ہم خیال ۶/ ممبران کے دستخط کرائے جب کہ کمیٹی کے ممبر ۲۰۰/ ہیں۔ جب ان سے درخواست کی گئی کہ وہ جماعت کی میٹنگ میں تشریف لائیں اور بیان دیں، لیکن وہ تشریف نہیں لائے۔

اب جماعت نے بالاتفاق ان کو صدارت سے علیحدہ کردیا، اس کے ردِ عمل میں انہوں نے نئے منتخب صدر کو ایک نوٹس بھیجا ہے کہ ان کو ان کے عہدہ سے کوئی علیحدہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ ان کا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے جو دوسرے مسلمانوں پر فوقیت رکھتا ہے جو کہ غریب اور جاہل ہے۔ اپنے زمانۂ صدارت میں ایک پیش امام کے خاندان کو مسجد کے احاطہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی، اس کے خاندان کی عورتیں مسجد کی تمام چیزوں کو استعمال کرتی ہیں، جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں عالم ہوں اور تم سے بہتر جانتا ہوں۔

مذکورہ بالا مولانا صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور اس کی متعلقہ جائیداد ان کی اور ان کے خاندان کی ہے، جس وقت سے ان کے خسر نے وقف کی، لیکن مسجد کی تعمیر قوم کے ممبران کے عطیہ سے تیار ہوئی اور ان کے خسر کو کچھ رقم ادا کی گئی ہے، حالانکہ دستاویز پر دستخط بحیثیتِ وقف کے کئے گئے ہیں۔ مولانا نے چندہ اکھٹا کر کے مسجد میں کچھ ترمیمات کی ہیں، مگر اس کا کوئی حساب کتاب نہیں دیا ہے۔ جب شہادت لی گئی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے رقم کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ مولانا کو دمہ اور مختلف امراض ہیں، وہ کسی کو بحیثیتِ نمائندہ امام بنادیتے ہیں۔

ان مولانا صاحب کا ایک بھائی شہر کا ایک بدمعاش ہے، اس نے بہت سے یتیم بچوں کا مال ہضم کرلیا ہے اور جیل میں بھی گیا ہے، لیکن ہمارے مولانا صاحب اس کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور بھائی کے گندے کام میں شریک ہیں۔ تمام لوگوں میں یہ صرف ایک مولانا ہیں جنہوں نے پرتگالی حکومت کے دور میں درخواست دی کہ آغا خان کے حقوق ان کو دے دیئے جائیں تاکہ پوری مسلم قوم کے کام انجام دے سکیں۔ اس طرح سے وہ پیغمبری کا دعویٰ مسلمانوں میں کرنا چاہتے تھے جو کہ شرک ہے۔ تمام مسلمانوں نے اس کی مخالفت پوری مستعدی سے کی۔

ہماری جماعت کے ممبر اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ مندرجہ بالا کاموں کی وجہ سے ان کے خلاف قانونی کارروائی کریں، اور ذمہ داران کی معرفت ان سے کہلایا گیا کہ حسابات وغیرہ دے دیں اور باعزت طریقہ سے اس عہدہ سے سبکدوش ہوجائیں۔ ہم ممبر نہیں چاہتے کہ مولانا کو مصیبت میں گرفتار کرائیں، لیکن اگر وہ سخت رہے تو قوم کے مفاد کو نظرانداز کر کے ایک شخص کی عزت نہیں بچائی جاسکتی۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ ہمیں بتایا جائے کہ اگر ہم ان کی امامت برداشت کریں تو کیا ان کی امامت جائز ہے اور ہمیں ان کے

خلاف کارروائی کرنی چاہیے یانہیں؟ برائے مہربانی ہمارے اس مسئلہ کو بذریعہ فتویٰ حل کردیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا انتظام وحساب رکھنا ضروری ہے، دیانت دار اور منتظم آدمی وقف کا متولی ہوسکتا ہے، اور رہ سکتا ہے(۱)، جس متولی کے متعلق خیانت ثابت ہوجائے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عہدۂ تولیت سے الگ کردیا جائے(۲)۔ دینی تعلیم کے لئے مدرسہ ہونا بہت ضروری ہے، اس کی مخالفت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مولانا صاحب اپنی رَوش پر نظرِ ثانی کرلیں اور جو شکایات ان سے ہیں ان کی اصلاح کرلیں۔ مسجد ومدرسہ کا شریعت کے مطابق انتظام اور حساب صاف رکھیں۔ اگر ایسی چیزوں سے پرہیز کریں جن سے ان کی حیثیت شرعاً مجروح ہوتی ہے تو ان کو برقرار رکھا جائے(۳)، ورنہ پھر لامحالہ کام صحیح رُخ پر چلانے کے لئے دوسرے لائق آدمی کا انتظام ناگزیر ہوگا(۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر".
(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو الواقف .... غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدرالمختار). "مقتضاه إثم بتركه والإثم بتولية الخائن، ولاشك، بحر. وذكر في البحر أيضاً عن الخصاف أن له عزله أو إدخال غيره معه .... وفيه: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۳) "وكذا لو أخرجه لفسق وخيانة فبعد مدةٍ تاب إلى الله وأقام بينةً أنه صار أهلاً لذلك، فإنه يعيده".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

مہتمم مدرسہ اور ملازمین کو بلاوجہ معزول کرنا، برطرفی کے مہینہ کی تنخواہ کا استحقاق

سوال [۷۵۳۳]: ایک پرانے مدرسہ میں نئی کمیٹی کے برسراقتدار آتے ہی پہلی میٹنگ میں مدرسہ میں تقریباً تیس برس پرانے انتہائی صادق، امانت دار، دیانت دار مہتمم کو کسی خامی وغلطی بتائے وثابت کئے بغیر معزول کردیا گیا۔ نئی کمیٹی کی ماتحتی میں مدرسہ کے پرانے مدرسین حسبِ سابق کام کرتے رہے، معمول کے مطابق ششماہی سالانہ امتحانات ہوئے۔ امتحان سالانہ کے بعد حسبِ معمول مدرسہ میں تعطیل ہوگئی کہ اچانک ۴/۵/ رمضان المبارک کو مدرسہ کے نئے مہتمم کی طرف سے پرانے تمام مدرسین کو- جن کی تعداد نو ہے- مدرسہ سے معطّلی کا نوٹس مل جاتا ہے۔ معطّلی کا نوٹس ملتے وقت رمضان سمیت مدرسین کی چار چار ماہ کی تنخواہ مدرسہ کے ذمہ باقی تھیں، وسطِ رمضان میں تین ماہ کی تنخواہیں مدرسین کو مل گئیں، مگر رمضان کی تنخواہ دینے سے صاف انکار کردیا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح بلاقصور تیس سالہ ناظم کو معزول کردینا ازروئے شرع کیسا ہے؟ مذکورہ بالا حالات میں مدرسین رمضان کی تنخواہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور نئے ناظم کا مدرسین کی تنخواہیں رمضان کی روک لینا ازروئے شرع کیسا ہے؟

محمد نیازالدین، پیش امام جامع مسجد چمپانگر، بھاگل پور (بہار)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ ناظم اور مدرسین صحیح طریقے پر حسبِ ضوابطِ مدرسہ پابندی سے کام کررہے ہوں تو بلاوجہ ان کو معزول یا معطّل کرنے کا حق نہیں، نہ تنخواہ روکنے کا حق ہے، هكذا يفهم مما في ردالمحتار، ص: ٣٨٦، تحت مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلاجنحة(۱)۔ پوری بات جب معلوم ہوگی کہ فریقِ ثانی کا

---

(۱) "قال في البحر: واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة وعدم أهلية خصوصاً إن كان المقرر عن مدرسٍ أهلٍ، فإن الأهل لم ينعزل، وصرح البزازى في الصلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة: ۳۸۲/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

بیان بھی سامنے آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۵ھ۔

ناظمِ مدرسہ کا ماتحت مدرسین سے باز پرس کرنا

سوال[۷۵۳۴]: مدرسہ کے ناظم صاحب کا اپنے ماتحت مدرسین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سیاست میں حصہ نہ لیں۔ تو اگر کوئی مدرس یا صدر مدرس اس کے خلاف کرے اور سیاست میں حصہ لے تو ناظم صاحب کو باز پُرس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں ناظم صاحب کو باز پرس کرنے کا حق حاصل ہے، کہ اس نے خلافِ عہد کیوں کیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لاإيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لاعهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

(وكذا في مسند أحمد: ۳/۱۳۵، (رقم الحديث: ۱۲۷۸۷)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مہتمم اور منتظم کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اس قسم کی شرائط اپنے مدرسین کے لئے مقرر اور وضع کریں، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسے نظائر موجود ہیں جن میں حاکم کا اپنے محکوم کے لئے ایسی شرائط مقرر کرنا مصرح ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: أنه كان إذا بعث عمّاله، شرط عليهم أن لا تركبوا برزَوناً، ولا تأكلوا نقيًّا، ولا تلبسوا رقيقاً، ولا تغلقوا أبوابكم دون حوائج الناس، فإن فعلتم شيئاً من ذلك فقد حلت بكم العقوبة، ثم يشيّعُهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب ماعلى الولاة من التيسير، الفصل الثالث، ص: ۳۲۴، قديمي)

اسی طرح قوانین اور قواعد کے تحت فرائضِ منصبیہ کو پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی حاکم کو باز پرس کا حق حاصل ہے، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ممکنہ کوتاہیٔ عمل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ "اگر =

مہتمم کا ملازم کو اجازت سے چندہ کے سفر کا ٹکٹ بنوانے کے بعد روکنا

سوال[۷۵۳۵]: زید مدرسِ مدرسۂ دینیہ بیمار تھا، آب وہوا کی تبدیلی کی غرض سے بسلسلۂ چندہ مدرسہ سے یعنی منجانب مدرسہ باغونوالی سفر کرنا چاہتا تھا، مہتمم مدرسہ سے ذکر کرنے پر زبانی اجازت دے دی، اور زید نے مہتمم مدرسہ سے ذکر کر کے ٹکٹ روانگی بنوالیا۔ ٹکٹ بن جانے پر مہتمم مدرسہ نے سفر سے بسلسلۂ چندہ انکار کردیا اور رخصت دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ زید نے سفر کے روز سے تقریباً ایک ہفتہ قبل رخصت کی درخواست دے دی، مہتمم نے مدرسہ سے سفر کے روز عینِ وقت پر رخصت دینے سے انکار کردیا۔

اگر ایسی صورت میں زید نے اپنے ذاتی صرفہ سے سفر کرلیا تو زید شرعاً مجرم ثابت ہوگا یا نہیں؟ نیز مہتمم صاحب کا بعد وعدہ کے عین وقت پر انکار کرنا جرم ہے یا نہیں؟ نیز صورتِ بالا میں زید کو برخاست کرنا صحیح ہے یا غلط ہے؟

ضابطۂ مدرسہ

۱- طلباء ہوں یا مدرس، تحریری رخصت لینا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنے پر تدارک کیا جائے گا۔

۲- باستثناء رخصت اتفاقیہ ایک ماہ بیشتر درخواست دینا ضروری ہے، قانون غیر معمول بہا ہے، زید بلکہ جملہ ملازمین حتی کہ محرر قانون سے وقت سفر تک ناواقف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس کو ملازمت کا معاملہ کرتے وقت مدرسہ کے کم از کم ان ضوابط کا معلوم کرنا ضروری ہے، جن کی

= میں نیک کام کروں تو میری اتباع کرو اور اگر برا کام ہو تو میری اصلاح کرو' جب کہ حاکم اپنی اصلاح کے لئے رعایا سے اپنی اصلاح کی التجا کرتا ہو تو اسی طرح حاکم کو بھی حق ہے کہ اپنے ماتحت کی اصلاح کرے:

"وروی انه قال یوماً علی المنبر: یامعاشر المسلمین! ماذا تقولون: لوملت برأسی إلی الدنیا کذا -ومیّل رأسه- فقام إلیه رجل فاستلّ سیفه، وقال: أجل کنا نقول بالسیف کذا -وأشار إلی قطعه- فقال: إیای تعنی بقولک؟ قال: نعم إیاک أعنی بقولي، فنهره عمر ثلثاً وهو ینهر عمر، فقال عمر: رحمک الله، الحمد لله الذی جعل فی رعیتی من إذا تعوّجت قوّمنی". (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، الفصل الثانی فی جنس من مقامات الیقین الخ، ص: ۱۵۷، سهیل اکیڈمی لاهور)

پابندی اس کے ذمہ لازم ہے، یا جن کے تحت اس کو مراعاۃ دی جاسکتی ہے، ضوابطِ مدرسہ سے ناواقف رہنا بڑی کوتاہی ہے۔ ذمہ دارانِ مدرسہ (مہتمم وغیرہ) کو بھی لازم ہے کہ مدرس ملازم کو ضوابط سے آگاہ کردیا کریں، تاکہ نظم میں خلل پیدا نہ ہو۔ بعض مدارس میں زبانی اجازت لینا بھی کافی ہوتا ہے، پھر رجسٹر میں اندراج ہوتا ہے اور زبانی انکار بھی کافی ہوتا ہے، اگر وہاں کا معمول یہی ہے تو یہ اجازت کافی تھی (۱)۔ اور اگر مصالحِ مدرسہ کے پیشِ نظر سفر سے مہتمم صاحب نے منع کردیا تو یہ منع بھی صحیح ہے، البتہ ٹکٹ کی واپسی میں جو پیسہ خرچ ہوں وہ مہتمم صاحب دے دیں (۲)۔

پھر حسبِ وعدہ سفر کی رخصت دینا مہتمم صاحب کے ذمہ تھا، لیکن اگر عینِ وقت پر مانعِ قوی پیش آنے کی وجہ سے رخصت نہیں دی تو وہ وعدہ خلافی کے مجرم نہیں (۳) اور اس سفر کے کام کا معاوضہ پانے کا بھی حق

---

(۱) اس لئے کہ امور غیر منصوصہ میں عرف کا اعتبار ہوگا:

"ومالم ينص عليه، حمل على العرف". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، (رقم القاعدة: ۶۲۸) : ۲۶۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۸۵)، ص: ۹۲، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں مدرس وکیل اور سفیر ہے، مہتمم مؤکل ہے اور وکیل کی آمدورفت کا خرچہ مؤکل کے ذمہ ہوگا:

"إذا اشترطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل، استحق الأجرة. إطلاقه يدل على أنه لافرق فيما إذا وقّت وقتاً معلوماً لإيفاء الوكالة، أولا". شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۴۶۷): ۷۸۹/۲، مكتبه حنفيه)

(وكذا في الفقه الإسلامي، كتاب الوكالة، البحث الأول في تعريف الوكالة: ۴۰۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۶، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۷۲/۳، ۵۷۳، سعيد)

(۳) "عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمى)

(وتفصيله في مرقاة المفاتيح، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱) : ۶۱۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

نہیں، لیکن اگر اپنی ذاتی ضرورت سے رخصت لے کر سفر کرے اور مدرسہ کے لئے چندہ بھی لا کر دے اور اس کا معاوضہ طلب نہ کرے تو یہ مدرسہ کے ساتھ خیر خواہی ہے جو کہ موجبِ اجر ہے۔ ہاں! اس میں بھی کوئی مفسدہ ہو تو بچنا لازم ہے۔

مدرسہ کے خیر خواہ کا معمولی بے عنوانی کی وجہ سے الگ کر دینا غلط ہے، پھر اچھا آدمی میسر نہیں ہوتا، لیکن جس کی ذات سے فتنہ پیدا ہوتا ہو، بعد تحقیق اس کو الگ کر دینا لازم ہے، ذاتی تعلقات کی بنا پر ایسے آدمی کو مدرسہ میں رکھنا خیانت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

دینی مدارس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے دور میں

سوال[۷۵۳۶]: فی زماننا ہمارے ملک میں بہتیرے دینی مدارس قائم ہیں جن میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے طعام و قیام کا بھی بندوبست ہے، آمدنی کے تمام ذرائع عام طور پر عوام کے چندے، زکوۃ وصدقات ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ کیا اس کی مثال صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے ملتی ہے۔ اگر نہیں تو پھر جواب کی کیا صورت ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دَورِ حاضر کے دینی مدارس اور موجودہ زمانہ کی درسگاہوں کی مثال عہدِ نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اصحابِ صُفّہ کی زندگی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وینزع وجوباً لو الواقف غیر مامون، أو عاجزاً، أو ظهره به فسق کشرب خمر ونحوه". (الدرالمختار). "مقتضاه إثم القاضي بتركه والإثم بتوليه الخائن، ولا شك .... وقدمنا أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، بل بخيانة ظاهرة بيّنة". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۰/۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) اصحاب صفہ بھی فقر، تنگی اور مشقتوں کی زندگی گزار کر علم دین حاصل کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے: .... =

مدارس اور تبلیغ کی صورت میں خدمتِ دین کا طریقہ

سوال[۷۵۳۷]: حضرتِ والا السلام مسنون! مجھے دار العلوم کا اجازت نامہ بھیجا جائے تاکہ میں یہاں دین کی خدمت کرسکوں اور تحریر کریں کہ کون کون سے کام خادمِ دین کے سپرد ہوتے ہیں، تاکہ میں لوگوں کو دین بتلاسکوں؟

سید عبدالحمید، موہڑا پونڈی راجوری، کشمیر۔

= "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمت ناساً من أهل الصفة الكتابة والقرآن، فأهدى إليّ رجلٌ منهم قوساً ليست لي بمال ....اهـ". (مسند الإمام أحمد، حديث عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه: ۶/۴۳۰، (رقم الحديث: ۲۲۱۸۱)، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه .... قال في حديث طويل: قال: "يا أباهر يرة! قلت: لبيك يارسول الله! قال: "الحق! أهل الصفة فادعوهم لي". قال: وأهل الصفة أضياف الإسلام لايأوون على أهل ولامال ولا على أحد، إذا أتته صدقة، بعث بها إليهم .... اهـ". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۹۵۵، قديمي)

"عن عمارة بن غزية أن ربيعة بن أبي عبدالرحمن أخبره أنه سمع أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يقول: أقبل أبو طلحة يوماً فإذا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يقرئ أصحاب الصفة –على بطنه فصيلٌ من حجر يقيم به صلبه من الجوع– كان شغلهم تفهم الكتاب وتعلمه ....اهـ".

"وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتىٰ علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونحن أناس من ضعفة المسلمين ورجل يقرأ علينا القرآن ويدعولنا". الحديث". (حلية الأولياء، ذكر أهل الصفة: ۱/۳۴۲، دارالكتاب العربي بيروت)

"والصفّة كانت موضعاً مظللاً في مسجد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كان فقراء المهاجرين الذين ليس لهم منزل يسكنونها. وقيل: سُمّوا بأصحاب الصفة؛ لأنهم كانوا يصفون على باب المسجد؛ لأنهم غرباء". (عمدة القاري، باب نوم الرجال في المسجد: ۴/۱۹۸، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دارالعلوم دیوبند میں جو قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ، اصولِ کلام اور افتاء کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہے جس میں کئی سال صَرف ہوتے ہیں، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات لئے جاتے ہیں، تب سند دی جاتی ہے۔ اور ہر شخص خدائے پاک کی توفیق سے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تدریس، تالیف، تذکیر وغیرہ دینی علمی خدمات انجام دیتا ہے۔ محض کسی کی درخواست پر اس کو کوئی سند نہیں دی جاتی۔ آپ کو خدمت کا شوق وجذبہ ہے تو تبلیغ کیجئے، مرکزِ تبلیغ نظام الدین دہلی سے جماعت بلوا لیجئے وہ جماعت گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں نماز کے لئے جمع کرتی ہے، کلمہ سنتی ہے، نماز سنتی ہے، تعلیمی حلقہ قائم کرتی ہے، اس کا پورا نظام سمجھ لیجئے۔

بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے آپ خود دہلی نظام الدین جایئے وہاں سب کام دیکھئے، پھر اپنے مقام پر بھی کام شروع کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور آپ سے اپنے دین کی خدمت لے اور ہدایت پھیلائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۷ھ۔

مدرس کو دوسری جگہ ملازمت کر کے پہلے مدرسہ کو ویران کرنا

سوال[۷۵۳۸]: زید ایک مستند عالم ہے اور ایک مذہبی بین الاقوامی ادارہ میں کام کرتا ہے، چار سال کام کیا، اس کے ساتھ بڑے احسانات کئے گئے، مگر اس سے ایسی کوتاہیاں ہوئیں کہ اگر مہتمم وصدر مدرس نہ سنبھالتے تو یہ کہیں کا نہ رہتا، مگر زید نے اس ادارہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی کوشش کی۔ طلباء میں پارٹی بندی کرادی اور طلباء سے کہہ دیا کہ میں شوال میں نہیں آؤں گا، تم بھی نہ آنا۔ اور چندہ دہندگان کو سمجھایا کہ فلاں ادارے میں نہ کوئی طالب علم ہے نہ استاد ہے، وہاں نہ لڑکوں کو بھیجنا نہ چندہ دینا۔ اس طرح قدیم ادارہ کو توڑنا اور جدید جگہ پر طلباء کو لے جانا، یا ادھر ادھر منتشر کر کے ادارے کو بند کرانے کی سعی کرنا زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

ایم مجاہد فارسٹ رینجر (ریٹائرڈ) بیلگام، کرناٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت سخت مذموم، قابلِ نفرت، قابلِ ملامت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

بلا وجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا

سوال [۷۵۳۹]: ایک قصبہ میں عرصہ سے ایک مدرسہ اسلامیہ چل رہا ہے، جس کا انتظام چند ممبرانِ کمیٹی اور ایک منیجر کے سپرد ہے، جملہ مسلمان مدرسہ میں چندہ دے کر مدرسہ کی اعانت کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کے پیسہ سے مدرسہ کا کام چلتا ہے، سبھی مسلمانوں کے بچے مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب عرصہ ایک ماہ ہوا کہ بغیر کسی وجہ اور میٹنگ اور بغیر کسی مشورہ کے منیجر مذکورہ نے مدرسہ کو تالا لگا دیا، بچوں کی دینی تعلیم بند ہوگئی۔ اب جملہ مسلمان پریشان ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ منیجر کو بدل دیں۔ اگر از روئے شرع کوئی جرم ثابت ہوتا ہے تو تحریر فرمائیں، جب کہ علمِ دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کا بند کرنے والا کس جرم کا مرتکب ہوا، اور اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا اور تالا ڈالنا درست نہیں، منیجر کوئی وجہ معقول پیش نہ کرے تو علیحدگی کا مستحق ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تبغ الفساد في الأرض، إن اللہ لایحب المفسدين﴾ (سورة القصص: ۷۷)

قال الحافظ ابن كثير تحتها: "﴿ولا تبغ الفساد﴾: أي لاتكن همتك بما أنت فيه أن تفسد به في الأرض وتسيئ إلى خلق اللہ". (تفسير ابن كثير: ۳/۳۹۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "وينزع وجوباً لو الواقف -فغيره بالأولى- غير مامون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد) ....=

جدید مدرسہ بنانے پر قدیم مدرسہ کا حکم

سوال[۷۵۴۰]: ایک واقف نے حسب ذیل شرائط کے ساتھ اپنا مکان مدرسہ کے لئے میمن جماعت کو وقف کرکے سپرد کیا تھا، شرائط یہ تھیں:

۱- مدرسہ میں اہل سنت والجماعت کی بچوں کو تعلیم دی جائے۔

۲- تعلیم کی کوئی فیس نہ لی جائے۔

۳- مدرسہ میں انگریزی تعلیم نہ دی جائے۔

ان شرطوں کے ساتھ یہ مدرسہ تقریباً ساٹھ برس سے چلتا ہے۔ فی الحال میمن جماعت نے مدرسہ کے لئے نیا مکان بنوایا ہے، اور اس مدرسہ کو متولی کو واپس کردیا ہے، اب یہ مدرسہ چھ ماہ سے بند پڑا ہے۔ مدرسہ قدیم کی کوئی آمدنی نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کو چلایا جاسکے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ مدرسہ کو کسی بھی اہل سنت والجماعت کی جماعت برادری کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱- جو حضرات بھی قرآن پاک اور دینی تعلیم کا انتظام کرسکیں ان کے حوالہ کردیا جائے (۱) تاکہ واقف کو ثواب پہونچتا رہے اور مدرسہ کو چالو کردیا جائے۔

۲- اگر آمدنی کی کوئی صورت نہیں تو بالائی حصے میں تعلیم کا انتظام کردیا جائے اور تحتانی (نیچے) کا حصہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۳/۲، رشيديه)

(۱) "ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر. وليس من النظر تولية الخائن، وكذا تولية العاجز؛ لأنه يخل بالمقصود" (ردالمحتار: ۳۸۰/۴، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۷۸/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۰۸/۲، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

کرایہ پر دیدیا جائے، تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری ہوسکیں (۱)۔

۳-اعلیٰ بات یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے چندہ کرکے مدرسہ چلایا جائے اور دونوں منزلوں میں مدرسہ ہی رہے (۲)، کرایہ پر دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۵ھ۔

دینی مکتب ومدرسہ کو ذاتی ملک سمجھنا

سوال [۷۵۴۱]: ایک دینی مکتب ومدرسہ جو عوام کے تعاون سے چلتا ہو، جس میں مقامی مسلمانوں کا کم اور بیرونی مسلمانوں کا تعاون زیادہ ہو، کیا ایسے مکتب یا مدرسہ کو کوئی مخصوص قوم، یا کوئی مخصوص خاندان، یا کوئی مخصوص انسان اپنی ملکیت یا جاگیر سمجھے، یا اپنی ملکیت بنانے کی سعی کرے تو ایسی صورت میں ایسی ملکیت اور مدرسہ کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایسی قوم، ایسے خاندان، ایسے انسان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا مدرسہ کسی شخص یا کسی خاندان کی ذاتی ملک نہیں، نہ اس پر دعوائے ملکیت صحیح وقابلِ تسلیم ہے (۳)،

---

(۱) "وهذا كالخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج فيه إلى خادم، يكسح الخان ويفتح الباب و يسده، فيسلم المتولي بيتاً من بيوته إلى رجل بطريق الأجرة له ليقوم بذلك، فهو جائز". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۱۴، ۴۱۵، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۷۴۶، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۷/۴۳، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوىٰ﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لايملك و لا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولايملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۲۰، كتاب الوقف، رشيديه) .... =

جو چیز اپنی ملک نہ ہو اس کو اپنی ملکیت سمجھنا، یا قرار دینا غلط ہے، کسی ایسے غلط عمل کی وجہ سے دینی مدرسہ سے تعلق منقطع نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اس کے ساتھ تعاون کرتے رہنا چاہیئے۔ جو لوگ غلط طور پر اس کو اپنی ملک سمجھتے ہیں ان کو فہمائش کی جائے۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی کہ ایسے مدرسہ کو وہ لوگ اپنی ذاتی ملک کیسے سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۹ھ۔

مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟ اور کیا مدرسہ کا چندہ وقف ہے؟

سوال[۷۵۴۲]: ۱......بعض حضرات رقوم اداروں کے مہتمم صاحبان یا ان کے نمائندوں کو ادا کر دیتے ہیں اور کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے، سفر وغیرہ کی مجبوری سے وہ رقم ادارے کو بہت دیر میں پہونچتی ہے، اس دوران میں دینے والے کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو ان اداروں کے نمائندگان اور مہتمم ومنتظم حضرات کے ذمہ اس رقم کی واپسی واجب ہے یا نہیں؟

۲......نیز اگر مہتمم ومنتظم، سفیر وغیرہ کے قبضہ میں بعینہ رقم موجود ہو، یا مدرسہ کے خزانہ میں، یا بینک میں جمع ہے مگر ابھی تک غرباء ومساکین پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تملیک کرائی گئی تھی کہ دینے والا کا انتقال ہو گیا تو اس رقم کی واپسی اس کے ورثاء کو واجب ہے یا نہیں؟

۳......نیز جن اداروں کو زکوۃ کی رقم دی جا چکی ہے اور وہ اس کو خرچ بھی کر چکے ہیں، مگر انہوں نے شرعی طریقہ پر تملیک نہیں کرائی، بغیر تملیک کرائے اس کو خرچ کر چکے ہیں تو ان اداروں کو دینے سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

۴......سفیر اور مہتمم صاحبان کے نمائندگان امداد دینے والوں کے وکیل، یا غرباء ومساکین ومصارفِ صدقات وزکوۃ کے وکیل ہیں، جب کہ ان اداروں میں مصارفِ زکوۃ موجود ہیں اور ان کے اخراجات کی کفالت وہ ادارہ کرتا ہے؟

محمد احمد تھانوی، مدرسہ اشرفیہ سکھر۔

= (وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۶۴۰/۲، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ سے سوال کیا تھا، وہ اور اس کے جواب مع حذفِ مکرر امداد الفتاویٰ: ۲/۲۷۲-۲۷۷، میں منقول ہے جو کہ درج ذیل ہے:

سوال: ''مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے اگر یہ وقف ہے تو بقائے عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے؟ اور اگر یہ ملک معطی کا ہے تو اس کے مر جانے کے بعد واپسی ورثاء کی طرف واجب ہے''؟

جواب: ''عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں، مگر اہلِ مدرسہ مثلِ عمالِ بیت المال، معطین وآخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں''۔

سوال: ''عمالِ بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان کی ولایت عامہ ہے، اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے اور مقیس میں ولایتِ عامہ نہیں، اس لئے آخذین کا وکیل کیسے بنے گا؟ کیونکہ نہ توکیل صریح ہے نہ دلالۃً، اور مقیس علیہ میں دلالت ہے کہ جب وہ اس کے زیرِ اطاعت ہیں تو وہ واجب الاطاعت ہے''۔

جواب: ''بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں: ایک **حکومت**: جس کا ثمرہ ہے تنفیذِ حدود وقصاص۔ دوسرا: انتظام حقوقِ عامہ ہے۔

امرِ اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، امرِ ثانی میں اہلِ حل وعقد بوقتِ ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اہلِ حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصبِ سلطان وابستہ ہے جو بابِ انتظام سے ہے، لہٰذا مالی انتظام مدرس جو برضائے مالک وطلبہ بقائے دین کے لئے کیا گیا ہے، بالا ولیٰ معتبر ہوگا، ذرا غور فرماویں انتظام جمعہ کے لئے عامہ

کا نصب امام معتبر ہونا ہی جزئیات میں شاید اس کی نظیر ہو سکے‘‘(۱)۔

ایک تحریر تذکرۃ الرشید:۱/۱۶۴میں زیرِ عنوان ’’**شبہاتِ فقہیہ و مسائلِ مختلف فیہا**‘‘ موجود ہے، اس کو بھی نقل کرتا ہوں:

سوال: ’’مدرسہ میں چندہ وغیرہ کا جو روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقائے عین واجب ہے اور صَرف بالاستہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم صاحب وکیل ہے تو معطی چندہ اگر مر جائے تو غرباء اور ورثاء کا حق ہے، اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانۂ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں بھی یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعدِ شرعیہ سے حل نہ ہوا۔ اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیے اور مستہلک (بفتح اللام) ملک مستہلِک ہوکر جو صَرف کیا جائے اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا۔ اگر یہ ہے تو اہلِ مدرسہ یا امینِ انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے تشفی فرمادیں گے‘‘۔

جواب: ’’مہتمم، مدرسہ کا قیم و نائب جملہ طلباء کا ہوتا ہے جیسا کہ امیر نائب جملہ عالَم کا ہوتا ہے، پس جو شئے کسی نے مدرسہ کو دی، مہتمم کا قبضہ خود طلباء کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملکِ معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا، اگر چہ وہ مجہول الکمیۃ والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے، پس بعد موتِ معطی کے ملک ورثاء معطی کی اس میں نہیں ہوسکتی۔ اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثۂ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک۔ واللہ اعلم‘‘(۲)۔

---

(۱) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ، مہتمم مدرسہ معطین چندہ کی طرف سے وکیل ہے اور زکوۃ کا روپیہ تنخواہ مدرسین میں صرف نہیں کرسکتا، الخ: ۳/۵۱۵، ۳/۵۱۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، عنوان: شبہات فقیہ ومسائل مختلف فیہا: ۱/۱۶۴، إدارہ اسلامیات، لاھور)

(وکذا فی جواھر الفتاویٰ للمفتی عبدالسلام چاٹگامی: ۱/۶۳-۷۵، عنوان: ’’تملیک زکوۃ میں مولانا گنگوہی اور مولانا سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا موقف‘‘، اسلامی کتب خانہ کراچی)

اس تحریر میں شبہ مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور جواب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کا ہے، امید ہے کہ آپ کا مسئلہ ان تحریرات سے حل ہو جائے گا۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند: ۱۵/۳/۸۸ھ۔

مدرسہ سے متعلق ایک وصیت نامہ

سوال[۷۵۴۳]: ذیل کی لکھی ہوئی وصیت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

''حبیب اللہ! تم میرے انتقال کے بعد جامع مسجد میں تمام نمازیوں سے چند باتیں بتلا دینا، کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں چل رہی ہے:

۱- میں نے جو تحریر مدرسہ اور مسجد کے بارے میں لکھی ہے، ان پر عمل کیا جائے، وہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دینا۔

۲- تمام لوگ مل کر ایک مجلسِ انتظامیہ بنالیں اس میں ہر طرف کے آدمی ہونے چاہیے، اگر مجلس ٹھیک کام نہیں کرتی تو اس کو بدلا بھی جاسکتا ہے اور دوسری مجلسِ انتظامیہ بنائی جاسکتی ہے۔

۳- جو بھی رقم مسجد یا مدرسہ کے لئے وصول کی جائے اس کی رسید باقاعدہ لوگوں کو دی جائے، بغیر رسید کے کسی کی رقم نہ لینی چاہیے، اور جو رقم وصول کی جائے اسے فوراً ڈاکخانے میں جمع کر دیا جائے، کیونکہ آج کل زمانہ بہت نازک ہے۔

۴- میری تحویل بمدِ زکوۃ وصدقات کو تم ڈاکخانے میں جمع کر دینا، مدرسہ کے نام جو منتظمہ کمیٹی بنائی جائے اس کو ڈاک خانے کی کتاب دے دینا۔

۵- کسی عالم ہم خیال وعقیدۂ حنفی دیوبندی کو تعلیم کے واسطے مدرسہ میں ضرور مقرر کرنا، میرے بعد تعلیم سے غافل نہ ہونا، ورنہ مجھے بڑا دکھ ہوگا۔ دیکھو! آئندہ اپنے فعل کے تم سب ذمہ دار ہوگے''۔

سائل: حبیب اللہ معرفت مولانا سکندر حسین سمدھن، فرخ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب باتیں شرعاً درست اور مفید ہیں (۱)۔ڈاک خانہ میں ایسی صورت بھی ہے جس میں سود کا معاملہ نہیں، اسی صورت میں جمع کریں اور جو رقوم واجبُ التملیک ہوں ان کو مستحقین تک پہونچانے کا مناسب انتظام کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۹ھ۔

درسگاہ میں گھنٹہ بجنے سے پہلے نشانی رکھ دینا

سوال[۷۵۴۴]: طلبائے دارالعلوم دیوبند عام طور پر ایسا کرتے ہیں کہ اسباق میں بیٹھنے کے لئے گھنٹہ بجنے سے پہلے ہی درسگاہوں میں اپنی نشانی رکھ دیتے ہیں۔اس طور پر نشانی رکھنے سے اس جگہ پر ان کے بیٹھنے کا استحقاق ہوجاتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

مختار احمد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے ہی سے محض اس نشانی کو رکھ دینے کی وجہ سے ان کا حق لازم ومستقر نہیں ہوجاتا، کوئی دوسرا طالب علم آکر وہاں بیٹھ جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔البتہ دوسری جگہ موجود ہو تو نشانی والے کو وحشت میں ڈالنے سے اخلاقاً

---

(۱) "وإن مات القيم وقد أوصى إلى أحد، فوصيُّ القيم بمنزلة القيم. وهذه المسئلة دليلٌ على أن للقيم تفويضاً إلى غيره عند الموت بالوصية؛ لأنه بمنزلة الوصّي عند الموت، وللوصيّ أن يوصي إلى غيره".

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في نصب المتولي ومايملكه: ۲۵۱/۳-۲۵۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوصيّ يصير متولياً بلا نصٍ: ۴۲۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۴۰۹/۲، رشيديه)

(۲) مذکورہ رقم منتظمین کے پاس امانت ہے اور امانت کو مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدّوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

احتراز مناسب ہے۔

ہاں! اگر کوئی شخص پہلے سے آ کر بیٹھ چکا تھا، پھر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً تجدید وضووغیرہ کی وجہ سے اٹھ کر گیا اور نشانی رکھ گیا تاکہ ضرورت سے فارغ ہوکر بلاتشویش آ کر بیٹھ جائے تو اس کی جگہ دوسرے کو بیٹھنے کا حق نہیں۔ شامی (۱) وعالمگیری (۲)، شرح اشباہ (۳)، شرح بخاری شریف (۴) میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه، وقد شغله غيره، قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا، اهـ: أي لأن المسجد ليس ملكاً لأحد. قلت: وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة كمالوقام للوضوء مثلاً، ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده .... وكذا كل مايكون المسلمون فيه سواء كالنزول في الرباطات والجلوس في المساجد للصلوة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فيمن سبقت يده إلى مباح: ۱/۶۶۲، سعيد)

(۲) "ذكر الفقيه رحمه الله تعالىٰ في التنبيه: حرمة المسجد خمسة عشر .... والتاسع أن لا ينازع في المكان، والعاشر أن لايضيق على أحد في الصف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المساجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۳) "وقال في شرح المهذب في باب الجمعة: لايقام أحد من مجلسه ليجلس في موضعه، فإن قام باختياره، لم يكره". (شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة من الفن الأول: ۱/۳۲۱، إدارة القرآن كراچى)

"يجوز لكل واحد الانتفاع بالمباح، لكنه يشترط أن لايضرّ بالعامة". (شرح المجلة، الفصل الثالث في أحكام الأشياء المباحة التي رقم المادة: ۱۲۵۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي مسلماً، أضعف الله له أجر الصف". (شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله، كتاب الأذان، باب الصف الأول: ۲/۳۴۶، مكتبة الرشد، رياض)

الفصل الثاني في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اوراس کو بدلنے کا بیان)

مصرف بدلنا

سوال[۷۵۴۵] : زید نے ایک جوڑی بیل مدرسہ کو دے دی، مدرسہ نے اس کو فروخت کر دیا، اب زید کہتا ہے کہ بیلوں کی قیمت بجائے مدرسہ کے مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائے۔ کیا زید کا یہ کہنا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ بیل مسجد کو نہیں دیئے، بلکہ مدرسہ کو دیئے ہیں اور مدرسہ نے ان کو فروخت کر دیا تو اب زید کا یہ کہنا کہ ''قیمت مسجد میں خرچ کی جائے'' بے محل ہے، قابلِ اتباع نہیں۔ وہ قیمت مدرسہ ہی میں صرف کی جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك ولايملّك ولا يرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: اتحد الواقف والجهة) من أنه ليس له إعطاء الغلة لغير مَن عيّنه، لخروج الوقف عن ملكه بالتسجيل، فإنه صريح في عدم صحة الرجوع عن الشروط .... وفي الإسعاف: و لا يجوز له أن يفعل إلا ماشرط وقت العقد .... و في فتاوى الشيخ قاسم: وماكان من شرط معتبر في الوقف، فليس للواقف تغييره و لا تخصيصه بعد تقرره و لا سيما بعد الحكم". (ردالمحتار: ۴/۴۵۹، كتاب الوقف، مطلب: لايجوز الرجوع عن الشروط، سعيد)

مدرسہ کی آمدنی سے امارتِ شرعیہ کی امداد

سوال[۷۵۴۶]: ایک مدرسہ کی آمدنی کی رقم سے دوسرے مدارس یاامارتِ شرعیہ وغیرہ کا تعاون جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

ایک مدرسہ کی وقف کی آمدنی دوسرے مدارس، یاامارت شرعیہ کے تعاون میں صرف کرنا جائز نہیں ہے:

"اتحد الواقف والجهة وقلّ مرسوم بعض الوقف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذٍ كشيء واحد. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، و وقف عليها أوقافاً، لايجوز له ذلك". درمختار على هامش الشامية: ۵۱۵/۳(۱)- "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع". شامی: ۴۹۹/۳(۲)- فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۶۰/۴، كتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعید)

"قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار: ۳۶۱/۴، كتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعید)

"و قد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحرالرائق: ۳۶۲/۵، كتاب الوقف، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، : ۳۴۳/۴، سعید)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل: ۶۰۸/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف كنص الشارع: ۱۲۶/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

چندہ کا روپیہ جلسۂ انعامی میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۴۷]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے قصبہ سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے، جس میں زیادہ تعداد صدقاتِ واجبہ: زکوۃ، چرمِ قربانی کی ہوتی ہے اور مصارفِ مدرسہ: تنخواہِ مدرسین اور خرچ یتیم خانہ دو بڑی مدیں ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجاتِ مدرسہ کی تفصیل نہیں ہوتی اور نہ ہر ہر وقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے جس میں طلباء کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچ آمد ورفت دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا اجازت نہیں کیا جاسکتا تو اجازت زکوۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دیدیتا ہے، ان کو صدقات کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالحِ مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے، ان کو بغیر تملیک کے غیر

---

(۱) "ومن اختلاف الجهة: ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "مسجد له أوقاف مختلفة، لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها، وإن خرب حانوت منه، فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر؛ لأن الكل للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه) =

محل: یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)۔

جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے، ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد وصرف کا حساب مدّ وار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعۂ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد بتلا کر مصرف (یعنی جو رقم زکوۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں، اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔ ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ صاحب اپنا روپیہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہیے۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کر دیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہو تو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کر دے۔ جلسۂ انعامی بھی مصالحِ مدرسہ میں سے ہے۔ رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوۃ وغیرہ ادا ہوگئی، اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہو تو جو شخص مالک بننے کے بعد از خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

مجلسِ شوریٰ نے جس کے لئے جو چیز تجویز کر دی وہ اسی کے لئے ہے

سوال [۷۵۴۸]: مدرسین کا اس مال سے تنخواہ لینا کیسا ہے جو زکوۃ، صدقہ، امداد میں مخلوط ہو، اور بلا

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۲۶۹/۶، ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

(۱) "وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر: نعم". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

تملیک ہو، اگر شوریٰ نے کوئی شی کسی ایک کے لئے عملہ میں سے منتخب کردی تو کیا دوسرا آدمی اسی عملہ کا اس سے چیزیں لے سکتا ہے، ضرورت کے پیشِ نظر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ وصدقہ سے تنخواہ لینا درست نہیں ہے (۱)۔ شوریٰ نے جس کے لئے جو شی تجویز کردی، بغیر شوریٰ کی اجازت کے کسی دوسرے کو اُس کے لینے کا حق نہیں (۲)، ضرورت ہو تو شوریٰ سے کہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

مدرسہ کے لئے دی ہوئی رقم اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا

سوال [۷۵۴۹] : ۱...... میں کمیٹی کی طرف سے بنایا ہوا ایک مدرسہ کا مہتمم ہوں۔ زید مدرسہ کے نیچے کی منزل کا کرایہ دار ہے، مدرسہ کو کرایہ دیتا چلا آیا ہے۔ میری زید سے مخالفت ہوگئی تو زید نے یہ عمل کیا کہ مدرسہ کے ایک کمرہ میں ایک مدرس کو اپنی ذمہ داری پر تعلیم کے لئے بٹھا دیا، میں نے بوجہ فتنہ کوئی مخالفت نہیں کی۔ زید کے اوپر دو سال کا کرایہ مدرسہ کا واجب ہوگیا، اس سے کرایہ کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے

---

(۱) زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے اور تنخواہ عوض میں دی جاتی ہے لہٰذا یہ جائز نہیں: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵٦، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "وقفٌ له متولٍّ ومشرف، لايكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۲/۴۱۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الثاني: ۴/۴۱۱، امجد اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/۲۴۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

رکھے ہوئے مدرس کو تنخواہ دیتا ہوں، آپ کو نہیں دوں گا۔ اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ میں اس کے اس عمل سے متفق نہیں ہوں، تو مدرسہ کا دو سال کا کرایہ اس پر واجب ہے، یا شرعاً ادا ہو گیا؟

ایضاً

سوال [۷۵۵۰]: ۲..... شادی وغیرہ کے موقع پر بعض لوگ مدرسہ کو رقم دیتے ہیں، مذکورہ شخص وہ رقم لے کر مدرسہ میں دینے کے بجائے اپنے مدرس کو تنخواہ دیتا ہے۔ اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ سب کچھ میری مخالفت کی وجہ سے کر رہا ہے، اور وہ شادی وغیرہ کی رقم اس کے ذمہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟

لئیق احمد، مدرسہ خادم القرآن، سردھنہ میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... حسب معاہدہ زید کے ذمہ کرایہ کا ادا کرنا واجب ہے (۱)، اپنی ذمہ داری پر کسی مدرس کو تنخواہ دینے سے کرایہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر بطورِ چندہ مدرسہ میں وہ روپیہ یا سامان دے، یا طلباء کو کھانا دے اس سے بھی کرایہ ساقط نہیں ہوگا (۲)۔

۲..... جو چیز رقم وغیرہ کسی نے اس کو مدرسہ میں دینے کے لئے دی ہے وہ چیز امانت ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ مدرسہ کے ذمہ دار کے حوالہ کرے، خود اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا درست نہیں، اس طرح سے حقِ امانت ادا نہیں ہوتا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) "واعلم أن الأجر لايلزم بالعقد، فلا يجب تسليمه به، بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة .... أو الاستيفاء للمنفعة أو تمكنه منه". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۱۰، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

(۲) چونکہ مدرس کو زید ہی نے رکھا ہے، لہٰذا زید ہی کے ذمہ اس کی تنخواہ ہے، مدرسے کی رقم سے نہیں دے سکتا ہے، كما تقدم في الحاشية المتقدمة.

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

سفر بکارِ مدرسہ میں اپنا ذاتی سامان ضائع ہوجائے تو اس کا بدل

سوال[۷۵۵۱]: مدرسہ کے کام سے کہیں گئے اور اپنا ذاتی سامان کھوگیا تو کیا مدرسہ سے مطالبہ کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۲/۲۶ھ۔

دینی مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کی پیداوار اسکول میں دینا

سوال[۷۵۵۲]: والد مرحوم نے اپنی حیات میں ایک دینی مدرسہ کی خدمت کے واسطے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی، پہلے دینی تعلیم اور اسی کورس کی تعلیم ہوتی تھی، چند سال بعد ممبران مدرسہ نے اسے بدل کر انگریزی، ہندی شامل کر کے پورا ہائر سکنڈری کورس کے مطابق چلایا۔ اس وقت وہ کالج ہے، طلبہ کی وضع قطع بالکل بدل گئی۔ گورنمنٹ کی طرف سے روپیہ مدرسہ کو ملتا ہے، سرکاری امتحانات ہوتے ہیں، سرکاری مشورہ سے نصاب میں ترمیم وتنسیخ بھی ہوتی ہے۔ والد صاحب اس وقت مخالف ہوئے اور ممبری سے استعفا دیدیا، اور وقف زمین کی پیداوار غلہ دھان وغیرہ بجائے اس مدرسہ میں دینے کے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس کو جہاں دینی تعلیم ہو، دینے لگے۔

اب والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ہم چار بھائی ہیں، ہم سب کا بھی وہی خیال ہے جو والد صاحب کا تھا۔ کمیٹی والے ہم کو زور دے رہے ہیں کہ تم بھی دو، کیونکہ تمہارے والد صاحب نے مدرسہ میں زمین وقف کی تھی۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ رجسٹرڈ نہیں ہے کہ آپ کا مدرسہ جس حال میں بھی ہو قیامت تک اس کا غلہ دیا جائے۔ بہرحال زمین رجسٹرڈ نہیں ہے۔

---

(۱) "الأصل أن الضمانات في الذمة لاتجب إلا بأحد الأمرين: إما بأخذ أو بشرط، فإذا عدما، لم تجب. قال: الأخذ وهو الغصب وقبض الرهن والتقاط من غير إشهاد ونحوها، والشرط قبول العقد كالشراء والاستيجار ونحوها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۶)، ص: ۱۵، الصدف پبلشرز، کراچی)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/۵۴، (رقم المادة: ۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں اس کا غلہ اس مدرسہ میں دیا جائے یا دوسرے مدارسِ اسلامیہ کو جہاں دینی تعلیم ہوتی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

عبدالمنان چودھری جدامانک، گنج کچھاڑ، آسام۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس دینی خدمت کے لئے آپ کے والدِ مرحوم نے وہ زمین مدرسہ کو دی تھی جب وہ خدمت وہاں نہیں رہی، بلکہ اس کے خلاف کا سلسلہ قائم ہوگیا، اور والد صاحب نے خود بھی اس جگہ اس زمین کا غلہ دینا بند کردیا تو آپ سب بھی وہاں غلہ نہ دیں، بلکہ دینی تعلیم پر خرچ کریں۔ واقف کی غرض فوت ہونے کی وجہ سے ممبروں کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں۔ غرض! واقف کی رعایت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ بحر (۱) تبیین (۲) ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۴ھ۔

ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کے طالبِ علم کو دینا درست نہیں

سوال [۷۵۵۳]: مدرسہ کے نام پر وصول کی ہوئی رقم کسی ایسے محتاج طالب علم کو دینا جو اس مدرسہ میں داخل نہ ہو، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو رقم ایک مدرسہ کے لئے وصول ہوئی ہو، وہ کسی غیر متعلق آدمی کو دینا درست نہیں، اگر چہ وہ کسی

---

(۱) "لو شرط عندالإيقاف ذلک، اعتبر شرطه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۱، رشيديه)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق: ۴۱۱/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "لأن شرط الواقف معتبر، فيراعى كالنصوص". (تبيين الحقائق: ۲۶۹/۴، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً .... وشرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴۹۵/۴، كتاب الوقف، سعيد)

دوسرے مدرسہ کا طالب علم ہی ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

ایک مدرسہ کے لئے جمع شدہ روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۵۴]: ایک جماعت نے مدرسہ اسلامیہ قائم کر کے اس کے نام رسید وغیرہ بھی جاری کر کے چندہ وصول کیا اور چند ماہ تک مدرسہ کو اس چندہ سے چلاتے رہے، بعد میں کافی رقم ہونے پر چند اشخاص نے دوسری جگہ مدرسہ اسلامیہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اب وہ روپیہ جو مدرسہ موجودہ کے لئے جمع کیا گیا تھا دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ پہلے مدرسہ میں روپیہ کی سخت ضرورت ہے اور مدرسہ روپیہ کا سخت محتاج ہے۔ صاف ومدلل جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مدرسہ کے لئے متعین طور پر چندہ وصول کیا ہے جب تک وہ مدرسہ آباد ہو اور اس میں وہ روپیہ خرچ ہوسکتا ہو تو دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں (۲)، کیونکہ جماعت چندہ وصول کنندہ امین ہے،

---

(۱) متولی اور مہتمم مدرسہ رقم دینے والوں کی طرف سے وکیل ہے، اور وکیل کو مؤکل کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا حق نہیں ہے: "و هنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل و قد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲/ ۲۶۹، کتاب الزکاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاء، سعيد)

"و لو اشترى بغلة الوقف ثوباً و دفعه إلى المساكين، يضمن ما نقد من مال الوقف، لوقوع الشراء له". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۴۱۸، كتاب الوقف، الباب الخامس، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۵/ ۳۶۰، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "قال الخير الرملي: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى". (ردالمحتار: ۴/ ۳۶۱، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعيد)

"وأما إذا اختلف الواقف، أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً و مسجداً وعيّن لكلٍ وقفاً، و فضل من غلة أحدهما، لايبدل شرط الواقف .... و قد علم منه أنه لا يجوز لمتولي =

جس مدرسہ کے لئے وصول کیا ہے اس میں خرچ کرنا ضروری ہے اور دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا امانت اور دیانت کے خلاف ہے، اور جو خیانت کرے وہ متولی ومہتمم بننے کا مستحق نہیں:"وفي الإسعاف: لا يولّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، اهـ". عالمگیری: ۲/۴۰۸ (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر پہلا مدرسہ غیر آباد ہو جائے تب دوسرے مدرسہ میں صرف کرنا درست ہے، بشرطیکہ چندہ دہندگان منع نہ کریں (۲)۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایک مدرسہ کا روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۵۵۵]: بارات کے سمدھی (معطی) نے بعد تحقیق وتفتیش یہ واضح طور پر بتلایا کہ میں نے کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ میں پچاس روپے لوجہ اللہ دیئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان روپیوں کو کسی دوسرے مدرسہ کے متولی نے عیاری سے لے لیا۔ استفتاء یہ ہے کہ ان روپیوں کا کھیڑے والی مسجد اور مدرسہ کے علاوہ کسی دوسرے مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ معطی بار بار یہ کہہ رہا ہے کہ میری یہ خیرات کھیڑے

= الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق: ۵/۳۶۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۰۸، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۳۸۰، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۷۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه، لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ قال: نعم". (ردالمحتار: ۴/۳۵۹، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۲، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۷۸، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، رشيديه)

والے مدرسہ اور مسجد کے لئے ہے۔شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جگہ خرچ کرنے کے لئے وہ روپیہ دیا ہے اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے(۱)، اگر دوسری جگہ خرچ کردیا تو ضمان لازم ہوگا۔اس لئے کہ متولی امین اور وکیل ہے، معطی کی تصریح کے خلاف خرچ کرنے کا اس کوحق نہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمودغفرلہ،۲۲/۵/۹۰ھ۔

طلبہ کی انجمن کا روپیہ دارالعلوم میں دینا

سوال[۷۵۵۶]: افریقی طلباء کی ایک انجمن ہے جس کا نام ''افریقا مسلم اسٹوڈنٹس یونین'' ہے، یہ وقتی طور پر معطل قرار دی گئی ہے،اس کا چندہ اکثر جنوبی افریقہ سے آتا تھا،ہم نے وہاں کے ایک رسالہ کے ذریعہ انجمن کے معطل ہونے کا عام اعلان کیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا کہ انجمن کا معمولی سامان ڈابھیل کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں امانت رہے گا،اور رقم دارالعلوم دیوبند میں بطورِ عطیہ دی جارہی ہے۔کیا اس صورت میں اس رقم کو دارالعلوم میں داخل کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

چندہ دینے والوں کواگر یہ منظور ہے اوراس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایسا کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۵/۸/۹۵ھ۔

---

(۱) "و ماخالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... وشرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۲/۱۰۶، كتاب الوقف، الفن الثاني، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۶۰۸، كتاب الوقف، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "و هنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يمك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة ثمن المبيع وفاء، سعيد)

(۳) "الإذن والإجازة توكيل". (شرح المجلة لخالد آتاسي: ۴/۴۰۵، (رقم المادة: ۱۴۵۲)، كتاب =

موقوفہ کتب کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال[۷۵۵۷]: ایک قدیم مدرسہ ہے جس میں بہت سی کتب ہیں، اس وقت وہ بند ہے، کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ دیمک کی نذر ہورہی ہے تو کیا شرعی رو سے اگر کوئی شخص جو کسی دوسرے مدرسہ میں پڑھ رہا ہو ان سے استفادہ کرسکتا ہے؟ یا ایک مدرسہ جو جاری ہے البتہ وہ کتب جن کی ضرورت ہے اس وقت رکھی ہوئی ہیں، کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے، فی الحال مدرسہ کو ضرورت ہے، تو کیا کسی کو بطور استفادہ دے سکتے ہیں، واپسی ہر حالت میں ضروری ہے بعد استفادہ کے؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

واقف و مہتمم مدرسہ اور دیگر اصحابِ رائے باہمی مشورہ کرکے ان کتب کو ایسے مدرسہ میں منتقل کرسکتے ہیں جہاں ان سے استفادہ کیا جاسکے اور دیمک سے بھی حفاظت ہوجائے، واقف کا مقصد بھی فی الجملہ ہو، جیسا کہ درمختار کی جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے(۱)۔ دوسرے مدرسہ میں پڑھنے والا قابلِ اطمینان ہو کہ کتابیں واپس

= الوكالة، حقانيه پشاور)

"يشترط أن يكون المؤكل ممن يملك التصرف بالنوع الذى وكله؛ لأن الوكيل يستفيد ولاية التصرف من المؤكل و يقدر عليه من قبله". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۴۷۰، (رقم المادة ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني في بيان شروط الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(۱) "جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما كشئ واحد". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولاينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباطٍ آخرٍ ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

"وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراء ة إن يحصون، جاز. وإن وقف على المسجد، جاز، ويقرأ فيه، ولايكون محصوراً على هذا المسجد، وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها =

کردے گا تو اس کو استفادہ کے لئے دینا بھی درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

شیخ کے مہمانوں کا مدرسہ کے کلوخ استعمال کرنا

سوال[۷۵۵۸]: جولوگ سہارنپور میں حضرت شیخ کے مہمان بنتے ہیں وہ رمضان میں قبلہٗ ، یا بعدہ مدرسہ کے کلوخ بیت الخلاء وغیرہ استعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

رمضان المبارک کے سلسلہ میں جو مہمان حضرت شیخ کی وجہ سے سہارنپور آتے ہیں وہ خود بھی براہِ راست مدرسہ کی خدمت واعانت بڑی مقدار میں کرتے ہیں اور کھانے ،بجلی وغیرہ کا وہاں پورا خرچ حضرت شیخ ادا کرتے ہیں، جس میں ڈھیلے بھی شامل ہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۱/۲۵ھ۔

مدرسہ کا کھانا تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال[۷۵۵۹]: ایک مدرسہ میں مہتمم صاحب نے تبلیغی مرکز قائم کررکھا ہے، ہر جمعرات کو جماعتیں آتی ہیں تو انہیں مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلایا جاتا ہے۔مدرسہ کے روپے سے تبلیغی جماعت کو کھانا کھلانا درست ہے یانہیں؟ جماعت میں غریب امیر سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ان مہتمم صاحب کا یہ طریقہ غلط ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

= للانتفاع بها، والفقهاء بذلک مبتلون". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، ۳۸۲، رشيديه)

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۲) واضح رہے کہ جب حضرت شیخ مدرسہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہیں تو مہمان گویا حضرت شیخ ہی کی چیز کو استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) (راجع ،ص: ۴۷۷، رقم الحاشية: ۱)

طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا

سوال[۷۵۶۰]: کسی مدرسہ میں بچے تعلیم پاتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی آتی ہے، چندہ مدرسہ خیر السلام اور دار المسافرین کے نام سے ہوتا ہے، پھر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جس مدرسہ میں ہم غلہ دیتے ہیں اس میں تبلیغی جماعت کے آدمی کھاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غلہ مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دیا گیا ہے اس میں سے تبلیغی جماعت کے لوگوں کو کھلانا درست نہیں، جب تک دینے والوں کی طرف سے اجازت نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۱ھ۔

مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا

سوال[۷۵۶۱]: ۱...... مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... مدرسہ کے نام سے جو کچھ وصول ہوتا ہے: روپے، دھان، چاول، پاٹ، آلو، پیاز وغیرہ ان سب چیزوں سے تبلیغ کے مہمانوں اور مبلغین اور سامعین کو کھلانا کیسا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

۳...... مدرسہ کے روپے سے کسی آدمی یا مبلغ کو خرچہ دیکر کلکتہ دہلی وغیرہ کسی مرکز، یا اجتماع میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسةً، و وقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك". (الدر المختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أى اله

الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان

للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى

مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، سعيد)

"فإن كان الوقف معيناً على شيء، يصرف إليه بعد

كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(و كذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۷/۵، ر

۴......روزانہ جو مٹھی کھانا پکنے کے وقت نکالی جاتی ہے (مدرسہ کے نام) وہ چاول یا آٹا تبلیغ میں خرچ کرنا اور تبلیغ والوں کو کھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو روپیہ مدرسہ میں طلباء کے کھانے، کپڑے کے لئے دیا گیا ہے اس کو تبلیغ میں باہر بھیج کر خرچ نہ کیا جائے (۱)۔

۲......یہ چیزیں بھی طلباء پر خرچ کرنے کے لئے دی گئی ہوں تو ان کو مواقعِ مسئولہ پر خرچ نہ کریں۔

۳......اس کا جواب نمبر:۱ سے ظاہر ہے۔

۴......اس کا جواب نمبر:۲ میں آ گیا، غلہ وغیرہ دینے والوں کو اگر بتا دیا جائے کہ اس کو تبلیغ وغیرہ میں بھی خرچ کیا جائے گا اور وہ اس کی اجازت دیدیں تو درست ہے (۲)۔

مدرسین کے لئے خاص کھانا

سوال[۷۵۲۲]: ۱......مجلسِ منتظمہ کی اجازت سے اگر مدرسہ کے روپے سے مدرسہ کے طلباء کے لئے عام اور مدرسین کے لئے خاص کھانا پکے تو یہ خاص کھانا مدرسین کے لئے جائز ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا"۔

(۲) "مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

"فإن فعل، فإن عرف صاحب ذلك، ردّ المال عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۵/ ۸۷۹، إدارة آن كراچي)

في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية : ۳/ ۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، رشيديه)

۲......عام اور خاص کا برتاؤ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

۳......کیا اسلام میں اس کی کوئی نظیر یا دلیل موجود ہے؟ اگر ہے تو مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں۔

۴......کیا ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر بعض لوگ عام اور بعض لوگ خاص کھانا کھا سکتے ہیں؟ کیا حدیث شریف میں عام وخاص کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں ہے "أنزلوا الناس منازلهم" جیسا کہ مسلم (۱) اور ابوداود (۲) کی روایت سے جامع صغیر ا/۱۰۸ میں مذکور ہے (۳)۔ اس حدیث کے پیشِ نظر تخصیص وتعمیم کے بے شمار واقعات ظاہر ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں ایک سائل آیا تو اس کو معمولی چیز دے کر چلتا کر دیا، ایک مہمان آیا تو اس کو بٹھا کر اہتمام سے کھانا کھلایا (۴)۔ نماز میں بڑے آدمیوں کا صفِ اول میں کھڑا ہونا اور بچوں کا پیچھے ہونا کتبِ فقہ میں مذکور ہے (۵)۔ امام کے قریب اہلِ علم، اہلِ عقل کا کھڑا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے:

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن ننزل الناس منازلهم". (الصحيح لمسلم: ۱/۴، المقدمة، قديمی)

(۲) "عن ميمون بن أبي شبيب، أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرّ بها سائل، فأعطته كسرةً، ومرّ بها رجل عليه ثياب وهيأة، فأقعدته فأكل، فقيل لها في ذلك، فقالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۱۷، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، امداديه)

(۳) قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ: "أنزلوا الناس منازلهم": أي احفظوا حرمة كل أحد على قدره، وعاملوه بما يلائم حاله في دين و علم وشرف، فلا تسوّوا بين الخادم والمخدوم، والرئيس والمرؤوس، فإنه يورث عداوةً وحقداً في النفوس .... و قد عدّ الأسكري هذا الحديث من الأمثال والحِكَم، وقال: هذا مما أدّب به المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمته من إيفاء الناس حقوقَهم من تعظيم العلماء والأولياء و إكرام ذي الشيبة و إجلال الكبير وما أشبه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵/۲۳۲۲، (رقم الحديث: ۲۷۳۵)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۴) (راجع سنن أبي داؤد، المصدر المتقدم)

(۵) "(يصفّ الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان، ثم الخناثىٰ، ثم النساء)". (الدر المختار). =

"لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى"(۱)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت میں عوام وخواص کا فرق کیا کرتے تھے(۲)۔

نشست میں بھی، نوع طعام میں بھی، اَور چیزوں میں کافی فرق ہوتا ہے، مثلاً: مدرس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے، طالب علم کا وظیفہ کم ہوتا ہے، مدرس اچھے کپڑے پہنتا ہے اور طالب گھٹیا، مدرس کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہوتی ہے، کبھی دری ہوتی ہے کبھی گدا، کبھی تکیہ بھی، اور طلباء کے واسطے یہ چیزیں نہیں ہوتیں، مدرس کا کمرہ مخصوص ہوتا ہے، عامۃً وہ تنہا رہتا ہے، طلباء ایک کمرے میں کئی کئی رکھے جاتے ہیں۔

غرض تمام ہی چیزوں میں فرق ہوتا ہے اور ان پر اشکال نہیں کیا جاتا، تو کھانے میں ہی اشکال کی کیا وجہ ہے۔ اگر مدرسہ کی طرف سے مدرسین کو کھانا کچھ مخصوص دیا جائے جو کہ جزوِ تنخواہ ہے اور طلباء کو عام کھانا دیا جائے جو کہ کسی تنخواہ کا جزو نہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

خرچ شدہ رقم سے زائد مدرسہ سے وصول کرنا

سوال[۷۵۶۳]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ ہے، مدرسہ کا کوئی کام کیا اور دس روپے خرچ ہوئے اور مدرسہ میں ساڑھے بارہ روپے لکھواتے ہیں۔ تو کیا اس طرح پر مدرسہ کے پیسے لینا جائز ہے؟

= "(قوله: ظاهره يعم العبد) أشار به إلى أن البلوغ مقدم على الحرية، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى": أى البالغون". (ردالمحتار: ۱/۵۶۸-۵۷۱، كتاب الصلوة، باب الإمامة، سعيد)

(۱) الحديث بتمامه: "عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلوة، ويقول: "استووا و لاتختلفوا، فتختلف قلوبكم، لِيَلِيَنِيْ منكم أولوا الأحلام والنهى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، الفصل الأول، ص: ۹۸، قديمي)

(۲) لم أقف عليه

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جھوٹ اور فریب ہے جس کا ناجائز ہونا بالکل واضح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۹ھ۔

کمرۂ مسجد میں مدرسہ کا کرایہ مسجد کو دینا

سوال[۷۵۶۴]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں ایک کمرہ ایسا ہے جس میں عرصۂ دراز سے پیش امام رہتا تھا اوراس میں بچوں کو دینی تعلیم دیتا تھا۔ ایک موقع پر جب کوئی پیش امام نہیں تھا، زید نے مسجد مذکور کے متولی عمر کے کہنے سے کسی تنخواہ کا معاملہ کئے بغیر امامت شروع کردی اور اس کمرہ میں خود رہنے کے بجائے ایک مولوی صاحب کو بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کردیا، بچوں سے کوئی فیس نہیں رکھی گئی۔ مولوی صاحب کی تنخواہ آٹے کی چٹکی (۲) اور چندہ سے اہلِ محلّہ کی طرف سے دی جاتی رہی۔ متولی عمر نے اس کمرہ کا راستہ بیرونِ مسجد کردیا اور کہا کہ اب اس کمرہ کو کرایہ پر دے گا، زید نے کہا کہ آپ اس کمرہ کا کرایہ نہ لگایئے، ہم نماز تو پڑھایا ہی کرتے ہیں، اس کمرہ کا کرایہ ہماری تنخواہ سمجھ لینا۔

مدرسہ کرایہ دینے سے مجبور ہے، لیکن عمر اپنی بات پر جم گیا۔ اکثر واقفینِ مسجد متولی عمر کی اس رائے کے خلاف ہیں، سب کا خیال یہی ہے کہ جب تک امام کے لئے دوسرا کمرہ نہ بن جائے اس وقت تک اس کمرہ کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: "الخطاب بهذه الآية يتضمن جميع أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض بغير حق، فيدخل فيه القمار، والخداع، والمغصوب، وجحد الحقوق، وما لا تطيب به نفس مالكه، أو حَرَّمَتْه الشريعة وإن طابت نفس مالكه".

(تفسير القرطبي: ۲/۲۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/۵۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا، قديمي)

(۲) "چٹکی: مٹھی بھر آٹا، مٹھی بھر چکنا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۵۲۱، فيروز سنز لاهور)

کرایہ لگانا مناسب نہیں۔ متولی عمر نے وعدہ کیا کہ کچھ عرصہ کرایہ دے دو تاکہ مسجد اس پیسہ سے دوسری طرف کھپریل (۱) ڈال دے اور پھر اس طرف مدرسہ منتقل کردینا۔

اس معاہدہ کے تحت مدرسہ نے چودہ ماہ تک مبلغ ۲۱۰/ روپیہ مسجد کو کرایہ دیا اور مدرسہ کے ذمہ دار زید برابر نماز پڑھاتے رہے۔ اس درمیان میں متولی عمر سے کرایہ کی پریشانی برابر کہی جاتی رہی، لیکن متولی عمر نے دوسری طرف کھپریل کا انتظام نہیں کیا، حتی کہ وہ وقت بھی آگیا جب کہ مدرسہ کرایہ دینے سے بالکل مجبور ہوگیا اور تاہنوز مجبور ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد متولی عمر نے مسجد کے دوسرے حصے کی طرف چھت بنوائی ہے، لیکن ایک دوسرے پیش امام کو مقرر کردیا اور وہ نئی جگہ ان کے حوالہ کردی اور مدرسہ کے معزز سیکرٹری کے نام عدالت میں کرایہ داری اور تخلیہ کا مقدمہ دائر کردیا۔

زید اور دیگر واقفینِ مسجد کے لئے یہ صورتِ حال بہت پریشان کن ہے، خود عمر کو بھی اس مقدمہ سے تشویش ہے اور اس تنازعہ کا کوئی مناسب حل شریعت کی روشنی میں چاہتا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ چونکہ ہم نے متولی عمر کے کہنے سے امامت کی ہے اس لئے ہمیں تنخواہ کے مطالبہ کا حق ہے، متولی عمر ہمیں امامت کا معاوضہ سابقہ پیش امام حضرات کی تنخواہ کی مناسبت سے دے دیں۔ وہی روپیہ ہم مدرسہ کی طرف سے بطورِ کرایہ ادا کردیں گے۔

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ:

۱.....کیا زید کو اب صورتِ مسئولہ میں اپنی تنخواہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

۲.....کیا عمر مسجد کی طرف سے زید کو گذشتہ مہینوں کی تنخواہ دینے اور مدرسہ سے کرایہ لینے کی اس صورت میں معاملہ کرنے کا مجاز ہے؟

۳.....اور مسجد کا متنازعہ مدرسہ کرایہ پر دیا جائے یا بلا کرایہ پر دیا جائے؟

عبدالصبور، کان پور۔

---

(۱) ''کھپرا: چھال، چھلکا، مٹی کا ٹھیکرا جو کھپریل پر بچھایا جاتا ہے، کھپریل: کھپروں سے چھائی ہوئی چھت''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... تنخواہ کا معاملہ نہیں ہوا تھا، لہٰذا زید کو تنخواہ کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں، خاص کر جب کہ وہاں تنخواہ دار امام کے بغیر ہی نماز وجماعت ہو رہی تھی (۱)۔

۲...... عمر کو مسجد سے زید کی گذشتہ امامت کی تنخواہ دینے کا اختیار نہیں (۲)، وہ کمرہ اگر امام کے رہنے اور تعلیم دینے کے لئے بنایا گیا تھا تو اس کو کرایہ پر دینا اور اس کا کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۳)۔ اگر کرایہ کے لئے بنایا گیا تھا تو کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرنا درست ہے (۴)۔

۳...... نمبر:۲، سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

---

(۱) "وتنعقد بأعرتُک هذه الدار شهراً بكذا؛ لأن العارية بعوض إجارة، بخلاف العكس، أو وهبتُک، أو أجرتُک منافعها شهراً بكذا؟ أفاد أن ركنها الإيجاب والقبول". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۴،۵، سعيد)

(۲) "المتولي لو أمياً، فاستأجر الكاتب لحسابه، لايجوز إعطاء الأجرة من مال الوقف. ولو استأجر لكنس المسجد، وفتحه وإغلاقه بمال المسجد، يجوز". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد ومايتصل به: ۶/۲۷۲، رشيديه)

(۳) "(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً، فيما إذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: وإذا كان السرداب، أو العلو لمصالح المسجد، أو كان وقفاً عليه، صار مسجداً، اهـ. شرنبلالية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

(۴) "(قوله: يراعى شرط الواقف في إجارته): أي وغيرها لما سيأتي في الفروع من أن شرط الواقف كنص الشارع، كما سيأتي بيانه إلا في مسائل تقدمت. (قوله: فلم يزد القيم، الخ) يعني إذا شرط الواقف أن لا يوجر أكثر من سنة، والناس لا يرغبون في استيجارها أكثر من سنة أنفع للفقراء، فليس للقيم أن يوجرها أكثر من سنة بل يرفع الأمر للقاضي، حتى يوجرها؛ لأن له ولاية النظر للفقراء، والغائب، =

مدرسہ کے ڈھیلوں کا سفر میں استعمال

سوال[۷۵۲۵]: اپنے مدرسہ کے استنجے کے ڈھیلے ہم طالب علم سفر میں استعمال کرسکتے ہیں، اگر متولی اجازت دے تو وہ شرعاً اجازت سمجھی جاوے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ ڈھیلے مدرسہ میں استعمال کرنے کے لئے ہیں، سفر میں لے جانے کے لئے نہیں (۱)، متولی کی اجازت کے متعلق اول تحقیق کیجئے، خود متولی کو اجازت دینے کی بھی اجازت ہے یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

مسجد یا مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال[۷۵۲۶]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی۔ سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ یا مسجد کے پاس جب رقم بقدرِ نصاب ہو تو اس میں زکوۃ لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= والميت وإن لم يشترط الواقف، فللقيم ذلک بلا إذن القاضي، كما في المنح عن الخانية".
(ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته: ۴/۴۰۰، سعيد)

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، و هذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، مطلب: ماخالف شرط الواقف الخ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "(قوله: ملک نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملک". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، مطلب في أحكام المعتوه: ۲/۲۵۹، سعيد)

"فمنها الملک، فلا تجب الزكوة في سوائم الوقف والخيل المسبلة، لعدم الملک. وهذا لأن في الزكوة تمليكاً، والتمليک في غير الملک لا يتصور". (بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل: أما الشروط التي ترجع إلى المال: ۲/۸۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الزكوة: ۲/۱۹، دارالكتب العلمية، بيروت)

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فیه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۵۶۷]: ۱...... عام مسلمانوں نے مدرسہ بنانے کے لئے چندہ کرکے ایک زمین خریدی اور اس زمین پر مدرسہ کی عمارت بھی بنائی گئی اور اس میں تعلیم بھی عرصہ ۱۵/ سال سے جاری ہے۔ مدرسہ کا نام ''مدرسہ اسلامیہ'' ہے اور اوقاف بورڈ میں ہے، مدرسہ کے نام سے اب تک چندہ بھی مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ اب شہر رام پور کے کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی عمارت جس میں دینی تعلیم ہوتی ہے جو موقوفہ ہے اور بنام مدرسہ ہے، مدرسہ کی عمارت توڑ کر اس پر مسجد بنائیں گے۔ شرعاً مسجد مدرسہ کی موقوفہ زمین پر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جو مسلمان اس کے لئے ازحد سعی کررہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ حالانکہ اس مدرسہ کے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بڑی عالیشان مسجد موجود ہے۔

مدرسہ کی زمین کے علاوہ دوسری جگہ بھی زمین مل سکتی ہے، مگر وہ چند مسلمان صرف ضد میں ہیں کہ ہم لوگ مدرسہ کو ہی مسجد بنائیں گے اور یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موقوفہ زمین پر مسجد بنانا جائز ہے۔

مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کرنا

سوال[۷۵۶۸]: ۲...... اگر ارا کینِ مدرسہ موجودہ عمارت مدرسہ کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کردیں تو اراکینِ مدرسہ کو مسجد کے لئے مدرسہ کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چندہ مدرسہ کے لئے کیا گیا اور اسی نیت سے دینے والوں نے دیا ہے اور اس پیسے سے زمین خرید کر مدرسہ کے لئے اس کو وقف کردیا گیا اور پھر مدرسہ تعمیر کردیا گیا اور اس میں دینی تعلیم جاری ہے، تو اب اس کو گرا کر مسجد تعمیر کرنا یا مسجد کے لئے اس کو خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، حتی کہ مدرسہ کی آمدنی مسجد میں خرچ کرنا بھی

جائز نہیں:

"فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لا یملك ولا یملّك، ولا یعار و لا یرهن". درمختار۔

"(قوله: لایملك): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملّك): أی لا یقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، اهـ". شامی: ۳/۷٦٧(١).

"اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاکم أن یصرف من فاضل الوقف الآخر علیه. وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجلٌ مسجداً ومدرسةً، و وقف علیهما أوقافاً، لایجوز له ذلك". درمختار(٢).

لہذا یہ خرید وفروخت بالکل ناجائز ہوگی، ہرگز ایسا نہ کریں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۷ھ۔

مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

سوال[۷۵۲۹]: ایک شخص نے مدرسہ کے لئے ایک جائیداد وقف کیا اور اس جائیداد کے بعض حصہ میں تو مدرسہ کا گھر بنایا گیا ہے اور بعض قطعۂ زمین اس لئے رکھا کہ اس کو اجارہ پر دے کر منافع سے کل جائیداد کا خراج ادا کیا جائے، البتہ اگر مدرسہ کے متعلق کوئی ضرورت پیش آئے تو اس کو مدرسہ کے کام میں صرف کیا جائے۔ اور خراج کا بندوبست متولی کرے گا۔ یہ بھی واضح رہے کہ مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵١، ۳۵٢، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ٦/٢٢٠، کتاب الوقف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الهدایة: ۲/٦۴٠، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(٢) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳٦٠، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳٦٢، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الوقف: ۲/۵۳۸، دار المعرفة، بیروت)

(۳) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعه و لا تملیکه". (الهدایة: ۲/٦۴٠، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

تو ہے مگر شرعی مسجد نہیں ہے، اب متولی جائیداد چاہتا ہے کہ مدرسہ کے گھر کے علاوہ جو قطعہ زمین کا ہے اس میں ایک شرعی مسجد بنا کر جماعت سے نماز پڑھ کر ثواب وافر سے بہرہ مند ہو۔ اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ مدرسہ میں مسجد شرعی بنانا ضروریاتِ مدرسہ میں شامل ہو کر مسجد شرعی ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر قریب کوئی دوسری مسجد نہیں جس میں اہلِ مدرسہ نماز ادا کرسکیں، یا مسجد تو موجود ہے مگر تنگ ہے کہ سب اس میں سما نہیں سکتے، یا وہاں نماز پڑھنے کے لئے جانے سے مدرسہ کی مصالح فوت ہوتی ہے، مثلاً: وقت کا زیادہ حرج ہوتا ہے، یا مدرسہ کی حفاظت نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا ضروریاتِ مدرسہ میں شامل ہے، ایسی حالت میں مسجد مسجدِ شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ شوال/ ۱۳۵۵ھ۔

زمین مدرسہ کو دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں

سوال[۷۵۷۰]: ایک قطعۂ زمین کو مالکانِ زمین نے مدرسہ بدرالاسلام کو منتقل کیا اور دستاویز مستقل رجسٹری کرایا۔ دستاویز کی اصل عبارت یہ ہے:

نقل از اصل دستاویز

"ہم کو شیخ عبدالمجید ولد حاجی حافظ شیخ محمد صاحب مرحوم، ساکن قصبہ شاہ گنج پرگنہ انگلی، ڈاکٹر شاہ گنج جون پور، جو کہ ہم مقرّ قطعہ احاطۂ موقوعہ کوڑیا شاہ گنج پرگنہ انگلی کے مالک

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدرالمختار).

"شَرَطَ الواقف أولا، ثم ماأقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة .... ثم السراج والبساط، وكذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتب الوقف، الباب الحادی عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۶۲/۲، رشيديه)

مستقل ہیں، جن پر ہم بنفاذِ جمیع حقوق مالکانہ وقابض دخیل ہیں، علاوہ ہم مقر کے کوئی دوسرا شریک وسہیم جائیداد مفصلہ میں نہیں ہے اور ہم مقر حصر طور پر اس کے کریں گے۔ شاہ گنج میں ایک مدرسہ موسوم مدرسہ بدرالاسلام واسطے تعلیم دینی وغیرہ قائم وجاری ہے جس کے لئے عمارت ودرسگاہ کی سخت ضرورت ہے، لہذا ہم مقر کی اپنی خواہش ہوئی کہ بنظرِ ثواب عقبیٰ ہم مقر جائیداد متصلہ ذیل کو اغراضِ مدرسہ کے لئے دے دیں، لہذا ہم مقر بحالتِ صحت وبدرستیٔ ہوش وحواس، بلا جبر واکراہ، برضاء ورغبت اپنے بلاتحریکِ ترغیب دیگرے ذریعہ تحریر تملیک نامہ پابند شرائطِ ذیل کے ہوتے ہیں، اورحسبِ ذیل اقرار کرتے ہیں:

الف: ہم مقر نے زمین احاطۂ متصلہ ذیل مبلغ ایک سوروپیہ مدرسہ اسلامیہ موسومہ بدرالاسلام کے لئے دیدیا ہے، کارکنان ومنتظمین مدرسہ کو اختیار ہے کہ احاطۂ ذیل میں درسگاہ یادارالاقامہ تیار کرادیں، یامدرسہ کے واسطے بطریق مناسب استعمال کریں۔

ب: تا قیامِ مدرسہ مذکورہ جائیداد مذکورہ صرفہ ذیل مکتب مدرسہ میں رہے گی، اگر خدانخواستہ کسی وقت مدرسہ قائم نہ رہے تو اس حالت میں جائیداد مذکورہ مصرحہ ذیل ہم مقر خواہ ورثاء ہم مقر کی طرف عود کر جائے گی اور ہم مقر زندہ رہے تو ہم مقر ورنہ ورثاء کا حق ہو جائے گا۔

ج: تا قیامِ مدرسہ ہم مقر خواہ ہم مقر کے ورثاء کو احاطۂ مذکورہ کو واپس لینے یا قبضہ کرنے کا استحقاق نہیں ہوگا، لہذا ہم مقر نے تملیک نامہ لکھدیا تاکہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے‘‘۔

مدرسہ بدرالاسلام نے زمین ملنے کے بعد اس پر قبضہ کیا اور کچھ تعمیری سلسلہ میں بھی کام ہوا، مگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے تعمیر کی تکمیل نہ ہوسکی اور عرصہ سے تعمیری کام رُکا رہا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ مدرسہ بدرالاسلام کو دی ہوئی یہ زمین مدرسہ بدرالاسلام کے مہتمم وناظم کی مرضی کے بغیر جب کہ مدرسہ بدرالاسلام پہلے کی طرح اب بھی جاری ہے، بلکہ ترقی پذیر ہے، زمین کو دینے والے لوگ واپس لے کر کوئی مدرسہ یا مکتب جس کا مدرسہ بدر اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو، تعمیر کرنا چاہیں تو کیا از روئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟

مہتمم مدرسہ بدرالاسلام، شاہ گنج جون پور، ۴/صفر ۱۳۹۳ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ احاطہ دوام کے لئے مدرسہ بدرالاسلام کو دیا گیا ہے جیسا کہ (الف نمبر) میں تصریح ہے، اس پر تا قیامِ مدرسہ، مدرسہ کی ملکیت رہے گی جیسا کہ (الف نمبر) میں مذکور ہے۔ اس کے واپس لینے کا نہ معطی کو حق ہے نہ معطی کے ورثہ کو حق ہے جیسا کہ (ج) میں مذکور ہے۔ مدرسہ بدرالاسلام حسبِ مصالح اس پر تعمیر کا حق رکھتا ہے، اور کسی کو مدرسہ بدرالاسلام کے علاوہ کوئی مکتب ومدرسہ وہاں قائم کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۳ھ۔

مدرسہ میں زمین دینے کے بعد اس سے انکار کرنا

سوال [۷۵۷۱]: ایک شخص نے کچھ زمین مدرسہ میں دی اور اعلان کیا کہ میں زمین دے چکا، مگر اب وہ انکار کر رہا ہے۔ ایسے شخص کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زمین مدرسہ میں دینے اور وقف کرنے کے گواہ موجود ہیں تو اس کے انکار کا اعتبار نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لا یملک ولایملک ولایعار و لا یرھن". (الدرالمختار). "(قوله: لایملک): أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولایملّک): ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه".

(ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، کتاب الوقف، سعید)

"إذا جعل أرضاً وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولایکون له أن یرجع" (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲۹۱، باب الرجل یجعل داره مسجداً، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

(۲) "إذا جعل أرضاً وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولایکون له أن یرجع". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲۹۱، باب الرجل، یجعل داره مسجدا، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۶۴۰، کتاب الوقف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

زمین مدرسہ کو دینے کا ارادہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی

سوال[۷۵۷۲]: ایک صاحب درسِ نظامی کے مدرسہ میں کچھ زمین دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے، بعد میں اس مدرسہ کا تعلق حکومت سے کیا گیا، یہ مدرسہ خالص مذہبی مدرسہ نہیں رہا۔ تو یہ زمین کسی دوسرے مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محض وعدہ وارادہ کر لینے سے وہ زمین اس کی ملک سے خارج نہیں ہوئی (۱)، جس دینی مدرسہ میں اب دینا چاہے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۹۱ھ۔

دینی وقف مدرسہ کو اسلامی اسکول کے لئے دینا

سوال[۷۵۷۳]: ا...... مدرسہ اسلامیہ عربیہ محلہ بندوقچیان جس جگہ پر قائم ہے وہ موقوفہ ہے اور واقف کی شرط ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کی جاتی ہے، اس میں تعلیمی درسگاہیں، مکان رہائشِ طلبہ واساتذہ کرام، یا باغیچہ صرف مدرسہ اسلامیہ کے لئے بنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت مدرسہ کی تعلیمی حالت یہ ہے کہ درجۂ حفظ وناظرۂ قرآن، اردو میں دینی تعلیم کا رسالہ اور تعلیم الاسلام وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں، اور درجہ پانچ تک بیسک ریڈر کی تعلیم ہوتی ہے۔ اب کچھ ترقی پسند لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں مسلم ہائی اسکول قائم کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس موقوفہ جائیداد میں جو درسگاہیں تعمیر ہیں ان کو مسلم ہائی اسکول کے لئے مدرسہ کی منتظمہ کمیٹی اجازت دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالىٰ، أو على وجه الخير والبر. واكتفىٰ أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به، للعرف". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۷، ۳۲۰، كتاب الوقف، رشيديه)

۲......اس موقوفہ جائیداد میں مسلم ہائی اسکول قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......جب واقف نے اس شرط کی تصریح کردی ہے کہ یہ جگہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے لئے وقف ہے تو پھر مسلم ہائی اسکول کے لئے منتظمہ کمیٹی کو دینے کی ہرگز اجازت نہیں:"لأن شرط الواقف كنص الشارع". شامی(۱)۔

۲......بالکل نہیں ہوسکتا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتاب پر وقف لکھ دینے اور موت سے قبل وصیت سے رجوع کرنے کا حکم

سوال[۷۵۷۴]: کسی نے کتاب وغیرہ مدرسہ میں وقف کردیا، یہ لکھ دیا کہ ''میرے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر پر یہ کتابیں وقف ہیں''۔تو کیا مدرسہ مذکورہ کو ہی دینا ضروری ہے یا دوسرے مدرسہ کو دے سکتا ہے؟ اگر دوسرے غریب کو دے دے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟ دوسرے یہ کہ صاحبِ نصاب کو کوئی چیز وقف کرسکتا ہے یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب پر لکھ دیا تھا کہ مدرسہ بیت العلوم پر یہ کتاب وقف ہے، بعد کو مدرسہ کا نام کاٹ دیا، اپنی زندگی میں ان چیزوں کو باوجود ورثاء کے بیچ ڈالے یا کسی کو دے دے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

مولانا اصغر حسین صاحب نے مفید الوارثین میں لکھا ہے کہ ''قبل مرض الموت کے اپنی چیز جس کو چاہے دے سکتا ہے''۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اپنے (مرنے کے) بعد مدرسہ میں کتاب کو وقف کرنے کے لئے کہنا یا لکھ دینا وصیت ہے، ایک

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۶۹، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت)

تہائی مال کے اندر اندر اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں اگر وصیت سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو حق ہے:

"شرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً، لامعلقاً إلابكائن، ولا مضافاً، اه".

درمختار۔ "(قوله: ولا مضافاً) يعني إلى مابعد الموت .... سيأتي في الشرح أنه يكون وصية لازمة من الثلث بالموت لا قبله، اه". شامی: ۳/ ۲۶۰(۱)۔ "وله: أي للوصيّ الرجوعُ عنها". درمختار: ۵/ ۴۲۱(۲)۔

پس جس مدرسہ کے لئے چاہے وصیت کردے، بشرط الانتفاع سے مقید کرنا بھی درست ہے، کیونکہ یہ درحقیقت وصیت ہے جس کا نفاذ موتِ موصی کے بعد ہوگا(۳)۔ مالک کو اپنی چیز کے متعلق پورا اختیار ہے، مرض الوفات سے پہلے جس کو چاہے دے(۴)، البتہ ہونے والے ورثاء کو محروم کرنے کی نیت نہ ہو، ورنہ ظلم ہوگا(۵)۔ محض

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/ ۳۴۱، سعید)

"لو علق الوقف بموته، ثم مات، صح، ولزم إذا خرج من الثلث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۲۳، رشیدیہ)

(وکذا في تبيين الحقائق، کتاب الوقف: ۴/ ۲۶۲، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۶/ ۶۵۸، سعید)

"وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۲۲، رشیدیہ)

(وکذا في الهداية، کتاب الوصایا، باب في صفة الوصية، مايجوز من ذلك، ومايستحب منه، ومايكون رجوعاً منه: ۴/ ۶۵۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۴) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة: ۱/ ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۵) "وفي الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة .... وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوىٰ بينهم". (الدرالمختار، کتاب الهبة: ۵/ ۶۹۶، سعید)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد: ۳/ ۲۷۹، رشیدیہ)

کتاب پر وقف لکھنے سے وقف تام نہیں ہوتا جب تک وہ مدرسہ میں نہ دیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

کیا مدرسہ میں گھڑی دینے کی نیت سے اس کا وقف صحیح ہو جائے گا؟

سوال[۷۵۷۵]: ۱..... کسی شخص نے یہ نیت کی تھی کہ میں مدرسہ میں ایک گھڑی وقف کروں گا، ابھی تک گھڑی لایا نہیں، اور مسجد میں گھڑی کی سخت ضرورت ہے تو اس نے کہا کہ مسجد میں رکھدو، تو ایک حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ مدرسہ کی نیت کو بدل کر اب مسجد کی نیت نہیں کر سکتے۔ لہذا اس مسئلہ کو واضح کردیں کہ وہ گھڑی کہاں رکھیں؟

تبدیلِ نیت کا وکیل کو حق نہیں

سوال[۷۵۷۶]: ۲..... ایک شخص کے بھائی نے مدرسہ کے واسطے روپیہ بھیجا، اسی کا بھائی اب کہتا ہے کہ مدرسہ کے منتظمین صحیح استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے اس روپیہ کی کوئی خرید کر جس کی مدرسہ میں ضرورت ہو مدرسہ میں دیدے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... محض نیت وارادہ کرنے سے گھڑی کا مدرسہ میں وقف کرنا لازم نہیں ہوگا (۲)، اس کو یہ بھی حق ہے

---

(۱) "ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له، صح، ويكون تمليكاً، فيشترط التسليم، كما لو قال: وقفت هذه المائة للمسجد، يصح بطريق التمليك إذا سلمه للقيم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۵۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وصحته: ۷/۱۱، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

(۲) "وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ: كموقوفة لله تعالىٰ، أو على وجه الخير والبر. واكتفى أبو يوسف بلفظ موقوفة فقط. قال الشهيد: ونحن نفتي به، للعرف". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۳۴۰، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۱، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه) .... =

کہ بالکل گھڑی کہیں بھی نہ دے، یہ بھی حق ہے کہ کسی دوسرے مدرسہ میں دیدے، یہ بھی حق ہے کہ مسجد میں دیدے(۱)۔

۲......جس نے مدرسہ کے لئے روپیہ بھیجا ہے، اگر وہ اس کی طرف سے اجازت ہوتو چاہے روپیہ دیدے، چاہے کوئی چیز مدرسہ کی ضرورت کی خرید کر دیدی جائے، تب تو یہ حق ہے کہ روپیہ نہ دے، بلکہ حسبِ صواب دید کوئی چیز خرید کر دیدے، اگر اجازت نہ ہوتو پھر روپیہ ہی دینا چاہئے (۲)۔ اگر مدرسہ کے انتظام پر اعتماد نہیں تو بھائی کو مشورہ دیکر اجازت حاصل کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا

سوال[۷۵۷۷]: ایک مدرسہ ہم لوگوں نے ایسی جگہ قائم کیا ہے جو زمین تکیہ دار کے نام سے مشہور تھی، پھر وہاں امام باڑہ بنایا گیا تو اس نام سے مشہور ہوگئی۔ اس زمین میں آٹھ قبریں تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے۔ امام باڑہ کی تعمیر کا نشان ابھی تک باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، کچھ دیواریں بھی بنالی ہیں۔ تو اس جگہ دینی مدرسہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ بنالیا گیا۔ گویا کہ وہ جگہ لاوارث اور

= (وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۷، ۳۱۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلايملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۷۷۴، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وقف ہے یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں، جو چاہتا ہے قبضہ کر لیتا ہے۔ ایسی جگہ دینی تعلیم کا مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے(۱)، مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسنِ تدبیر سے کام لیا جائے۔ نیز ایسی جگہ کوئی اپنا ذاتی مکان نہ بنائے (۲)، یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "وأما المقبرة الدائرة إذا بُني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أرفيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعنا هما واحد". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، باب: هل تنبش قبور مشركی الجاهليةُ يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۴/۴، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

"فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنىٰ قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك؛ لأن المقابر وقفٌ من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقفٌ من أوقاف المسلين، لايجوز تملكه لأحد، فمعنا هما على هذا واحد". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، المصدر السابق: ۱۷۹/۴)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فی قبره، وزرعه والبناء عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب فی دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "فإذاتم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أی لايكون مملوكاً لصاحبه (ولايملك): أی لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولاتمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فی فتاوى قاضی خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

مدرسہ کے لئے وقف زمین انگریزی اور بنگلہ تعلیم آنے کی وجہ سے نئے مدرسہ کو دینا

سوال[۷۵۷۸]: زید نے کسی مدرسہ میں پچاس سال پہلے زمین وقف کی تھی، آج تک مدرسہ کو اس کا فائدہ ملتا رہا۔ پہلے نصاب میں صرف، نحو، فارسی، فقہ، منطق تھا اور اب قرآن وحدیث تفسیر تک ترقی ہو چکی ہے، ضرورت کی بنا پر بنگلہ (بنگلہ دیشی زبان) اور انگریزی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اب واقفوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس میں انگریزی اور بنگلہ آ گئی ہے، اس لئے ہمارے نئے مدرسہ میں اس کو دیدیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کرتے وقت مدرسہ غالباً ابتدائی حالت میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ترقی دی اور حدیث وتفسیر کی تعلیم بھی شروع ہوگئی، یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے اور اس میں واقف کا اخلاص بھی کارفرما ہے۔ جس طرح منطق اور ادب مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مُعین اور مددگار کی حیثیت سے بقدرِ ضرورت تبعاً پڑھاتے ہیں، اسی طرح اگر کچھ بنگلہ اور انگریزی بھی بقدرِ ضرورت تبعاً پڑھائی جائے تو اس کی وجہ سے واقف کو وقف کے واپس لینے کا حق نہیں (۱)۔

مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ خدانخواستہ یہ بنگلہ اور انگریزی آہستہ آہستہ مقصود بن کر غالب نہ آ جائے، جیسا کہ بہت سے مدارس جو کہ اصالۃً دینی مدراس تھے اور کچھ مدت کے بعد ختم ہو گئے اور دینی تعلیم ختم ہوگئی وہ اسکول اور کالج بن گئے، اس لئے اس کا انتظام پہلے کرلیا جائے، اگر انتظام نہ ہوسکا تو پھر وہاں بنگلہ اور انگریزی کو ہرگز داخل نہ کیا جائے، واقف کے ورثاء کو اس میں جدوجہد کا پورا حق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولا یجوز الرجوع عن الوقف إذا کان مسجلاً". (الدر المختار: ۴/۴۵۹، کتاب الوقف، سعید)

"إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلم، جاز، ولا یکون له أن یرجع". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۲۹۱، باب الرجل یجعل داره مسجداً، کتاب الوقف، رشیدیه)

"فإذا تم (أی الوقف) ولزم، لایملک ولا یرهن". (الدر المختار: ۴/۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۳۴۲، کتاب الوقف، رشیدیه)

مدرسہ کی زمین سے مدرسہ کے زیرِ تولیت مسجد کی توسیع

سوال[۷۵۷۹]: مسجد چھتہ جودارالعلوم دیوبند کے زیرِ تولیت ہےاوراز اول تا آخراس کاانتظام وانصرام دارالعلوم سے متعلق ہے، دارالعلوم کی جانب سے ہی اس کے امام اور مؤذن کا تقررعمل میں آتا ہےاور دارالعلوم ہی کی جانب سے اس کی صفائی اور فرش وشامیانہ کا انتظام ہوتا ہے، اس کی طرف سے اس کی مرمت وغیرہ پر مصارف کئے جاتے ہیں۔ کیا مسجد کے تنگ ہوجانے کی وجہ سے اس کی توسیع کے لئے مدرسہ کی زمین لے کراس کی توسیع کیا جاسکتی ہے؟ آیا حضرت مہتمم صاحب یا مجلسِ شوریٰ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مدرسہ کی ضرورت سے مسجد کی توسیع کی خاطر مدرسہ کی زمین کو مسجد میں شامل کردیں؟ اس مسجد کی توسیع جانبِ مغرب ہی ممکن ہے جہاں مدرسہ کی زمین واقع ہے، بقیہ جوانب توسیع کرنے میں دشواری ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جوزمین مصالحِ مدرسہ کے لئے ہواوراہلِ مدرسہ کے نزدیک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہےتواس زمین کوداخلِ مسجد کر کےتوسیع کی اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۷ھ۔

مدرسہ کودوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۵۸۰]: اگر مدرسہ دوسری جگہ منتقل ہوا، یادرمیان میں نام بدل دیا گیا، پھراس کا نام وہی

---

(۱) ”ويرفع من غلاتها ما يحتاج إليه لنوائبها، فما فضل من ذلك، يُصرف إلى عمارة المسجد بموضع كذا .... وما فيه مصلحة للمسجد على أن للقيم أن يتصرف في ذلك ما يرى فيه“. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۸۵۲/۵، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، إدارة القرآن كراچی)

”فيقدم أولاً العمارة الضرورية، ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما يقوم به الحال، فإن فضل شيء يعطى لبقية المستحقين؛ إذ لا شك أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أومدرسته، لامجرد انتفاع أهل الوقف“. (ردالمحتار: ۳۶۸/۴، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۳۰/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

رکھا گیا تو کیا مہتمم مدرسہ کسی شرعی قباحت میں ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بلاضرورت مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا غرضِ واقف کے خلاف ہے اور منشائے واقف کو حتی الوسع پورا کرنا لازم اور اس کی مخالفت ممنوع ہے(۱)، البتہ اگر پہلی جگہ غیر آباد ہوجائے تو دوسری جگہ منتقل کرنا اور نام بدلنا کچھ درست ہے کہ اس میں اضاعت سے حفاظت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

مدرسہ کی زمین سے راستہ

سوال[۷۵۸۱]: نقشہ میں جو قدیمی راستہ دکھایا گیا ہے جو مدرسہ کے آخری سرے پر واقع ہے، اس کو اہلِ مدرسہ اب بند کررہے ہیں، چونکہ اہلِ مدرسہ نے راستہ سے بالکل ملی ہوئی زمین اندازاً دوسو روپیہ میں خرید

---

(۱) "و ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً .... شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، كتاب الوقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۱۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "نقل عن شمس الأئمة الحلواني انه يجوز للقاضي و للمتولي أن يبيعه و يشتري مكانه آخر وإن لم ينقطع، و لكن يؤخذ بثمنه ما هو خيرٌ منه للمسجد لا يباع. وقد روى عن محمد: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعاً، كان له أن يبيعها و يشتري بثمنها ما هو أكثر ريعاً". (البحر الرائق: ۵/۳۴۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية : ۵/۸۷۷، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها و ما يتصل به، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۳۷۹، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۰۱، كتاب الوقف، الباب في ما يتعلق بالشرط في الوقف، رشيديه)

لی ہے۔اب اہل محلہ کو مسجد میں جانے اور سڑک دہرہ دون پر جانے میں بہت تکلیفیں ہوں گی۔

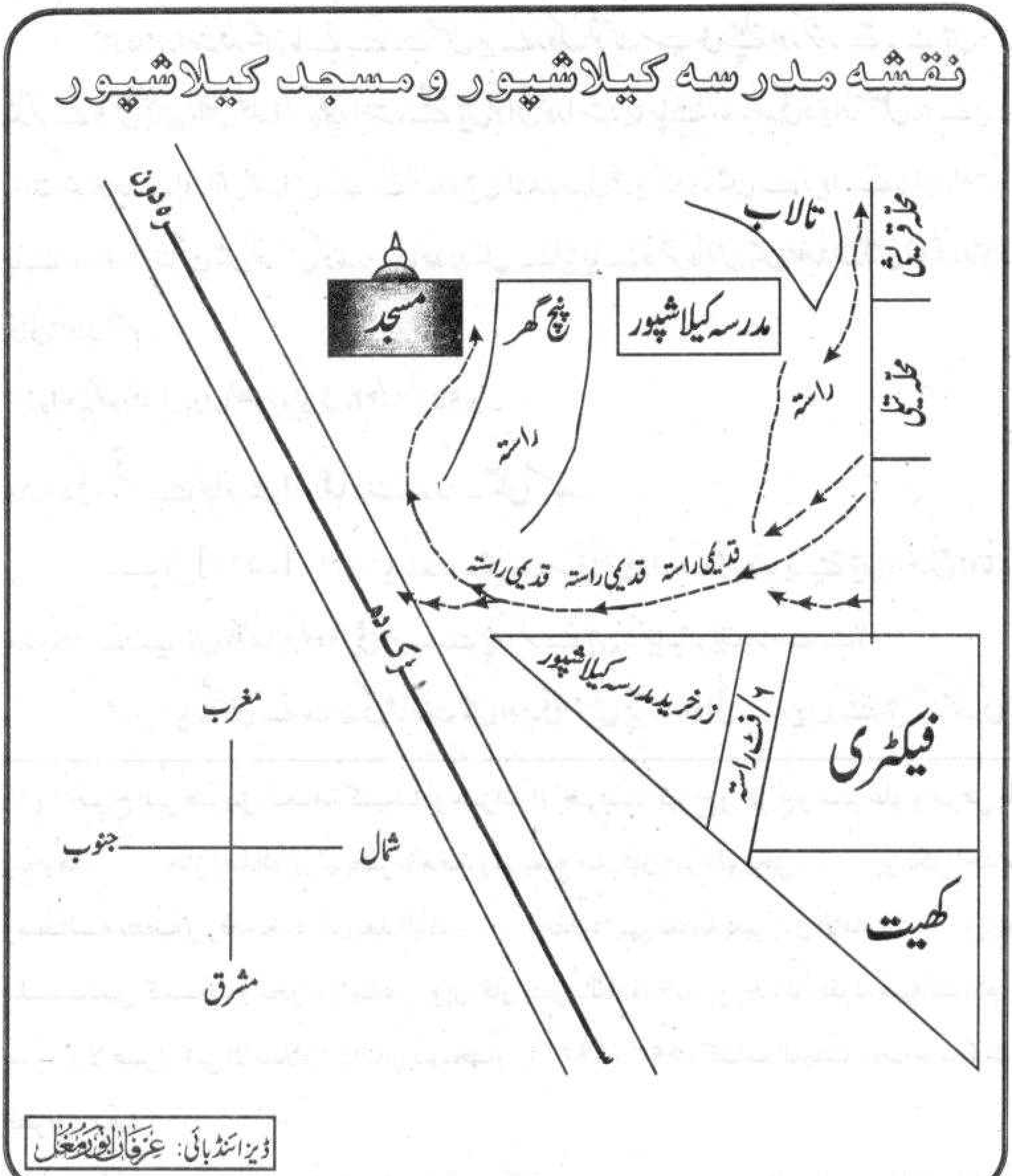

اس لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ جو زمین نئی مدرسہ نے خریدی ہے، اس میں سے ہمیں چار پانچ فٹ کا ایک راستہ دیدیا جائے۔سوال یہ ہے کہ مدرسہ کی زمین میں سے یہ راستہ دینا جائز ہے یانہیں، جبکہ ہم اپنے قدیمی راستہ کو دے رہے ہیں؟ فقط۔

سعید احمد کیلاشپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عام راستہ قدیم زمانے سے ہے جس پر بے روک ٹوک سب ہی چلتے اور گزرتے رہے ہیں، اس کو بند کرنے کا حق نہیں، اہلِ محلّہ اگر کچھ راستہ مانگتے ہیں تو ان کو راستہ دینا چاہیئے، مدرسہ کی دیوار متصل بنانے پر جب راستہ بند ہوجائے اور اہل محلّہ اس کے لئے آمادہ ہیں کہ مدرسہ کی خرید کردہ زمین سے دیوار کے برابر راستہ دیدیا جائے اور جو راستہ صحن میں تھا اس کو مدرسہ کی حدود میں لے لیا جائے تو شرعاً اس میں مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۵ھ۔

مدرسہ کی رقم سے تجارت اور عمارتِ مدرسہ میں مسجد

سوال[۷۵۸۲]: ۱......ایک مدرسہ میں مدرسہ کی تحویلدار غلہ وغیرہ خرید لیتے ہیں، اگر نفع ہوتا ہے تو مدرسہ کو دے دیتے ہیں، نقصان کو وہ اپنی جیب سے پورا کرتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

۲......ایک شخص نے مدرسہ کی عمارت میں اوپر کی منزل پر مسجد بنوائی ہے، یوں کہتے ہیں کہ محلّہ کی مسجد

---

(۱) "اخرج إلی طریق العامة کنیفاً أو میزاباً أو جرصناً کبرج و جزع و ممر علو وحوض طاقة ونحوها........... جاز إحداثه إن لم یضرّ بالعامة، ولم یمنع منه. فإن ضرّ، لم یحل .... و لکل أحد منعه ومطالبته بنقضه و رفعه بعده: أی بعد البناء .... هذا إذا بنی لنفسه بغیر إذن الإمام .... وإن بنیٰ للمسلمین کمسجد و نحوه، لا ینقض. وإن کان یضر بالعامة، لایجوز إحداثه، لقوله علیه السلام: "لا ضرر و لا ضرار فی الإسلام". (الدر المختار: ۵۹۲/۶، ۵۹۳، کتاب الدیات، باب ما یحدث فی الطریق، سعید)

"قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلی مکان لیتسع، وبجنبه طریق المسلمین، فاخذوا شیئاً من الطریق، وادخلوه فی المسجد، فإن کان لا یضر بأصحاب الطریق، رجوتُ أن لا یکون به بأس". (التاتارخانیة: ۸۴۲/۵، کتاب الوقف، باب أحکام المسجد، إدارة القرآن کراچی)

"قوم بنوا مسجداً و احتاجوا إلی مکان لیسع المسجد، فأخذوا من الطریق، وأدخلوه فی المسجد، إن کان یضرّ بالطریق لا یجوز، وإلا فلا بأس به". (البحر الرائق: ۴۲۸/۵، کتاب الوقف، رشیدیه)

میں لوگ طلباء پر اعتراض کرتے ہیں کہ بدھنی توڑتے ہیں(۱)، شور کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ شرعاً مسجد کے حکم میں ہے؟ اور اگر محلّہ کا کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھے تو اس کو مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... تحویلدار امین ہے، اس کو امانت کے روپیہ میں اس طرح تصرف کرنے کا حق نہیں، آئندہ احتیاط رکھے(۲)۔

۲...... یہ شرعی مسجد نہیں جب کہ تحتانی منزل مدرسہ کی ہے، یہاں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ہوگا، مگر نماز ادا ہو جائے گی(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) "بدھنی: مٹی کی ٹونٹی دار لٹیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) "أهل المسجد لو باعوا غلة المسجد، أو نقض المسجد بغير إذن القاضي، الأصح أنه لايجوز .... وفي فتاوىٰ النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد، قال: لايجوز بأمر القاضي وغيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر: ۲/۴۶۳، ۴۶۴، رشيديه)

"ولا يجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه .... ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد". (البحر الرائق: ۵/۴۰۱، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۶۱، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل بابه إلى الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ، لبقاء حق العبد متعلقاً به .... وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۷-۳۵۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

مدرسہ کے روپیہ سے تجارت

سوال[۷۵۸۳]: درسِ نظامی کورس کے مطابق ایک خالص دینی مدرسہ ہے، اس مدرسہ میں مختلف عطایا بطورِ امداد کے لوگ دیتے ہیں، مثلاً: زکوۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی اور اس کی قیمت، منت وغیرہ کی۔ اور وہ روپیہ مدرسہ کے لڑکوں کے کھانے وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے، لیکن مدرسہ کے سیکریٹری صاحب نے مدرسہ کے مفاد کے لئے تجارت کی نیت سے کئی ہزار روپیہ مدرسہ کے فنڈ سے لیکر گول آلو خرید کر برف گھر میں رکھ دیئے، کئی مہینہ کے بعد جب بیچنے کا ارادہ کیا اس وقت آلو کا دام بازار میں گر گیا تھا جس سے سولہ سو روپے کا نقصان ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ سے جمع شدہ روپیہ کو لیکر اس طریقہ سے آلو یا اور کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدنا سیکرٹری صاحب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو روپیہ نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور اگر نفع ہوتا تو نفع کے روپیہ کا مالک کون ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا روپیہ سیکرٹری کے پاس امانت ہے، اس سے تجارت کرنا جائز نہیں، جتنا نقصان ہوا، اس کا ضمان سیکرٹری پر لازم ہوگا(۱)۔ اگر وہ روپیہ زکوۃ کا تھا تو اتنی مقدار زکوۃ دینے والوں کو واپس کرے، اگر وہ لوگ پھر دیدیں کہ اس کو طلباء پر خرچ کردو تو مستحق طلباء کے لئے اس روپیہ سے کھانے کپڑے کا انتظام کردے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۹ھ۔

---

(۱) "و مقتضى ماقاله أبو السعود أنه يُقبل قوله في حق براء ة نفسه، لا في حق صاحب الوظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف". (ردالمحتار: ۴۴۹/۴، كتاب الوقف، مطلب: إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۰۲/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

"ولا يجوز للقيم شراء شئ من مال المسجد لنفسه.......... ولا البيع له وإن كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد". (البحر الرائق: ۴۰۱/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۸۶۱/۵، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد =

مدرسہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ کو قرض دینا

سوال [۷۵۸۴]: اراکینِ مدرسہ حسینیہ تجویدالقرآن منصور پور مدرسہ کی تحویل میں سے کچھ رقم قرضِ حسنہ شرعیہ کسی مدرسہ کو دینا چاہتے ہیں، ایسی رقم قرضِ حسنہ کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟ بحکم جناب مہتمم صاحب مدرسہ ہذا یہ امر استفسار طلب ہے۔

عبدالوحید صدر مدرس مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اراکینِ مدرسہ امین ہیں، مدرسہ کی تحویل امانت ہے، امین کو امانت سے قرض دینا جائز نہیں (۱)۔ ہاں! اگر چندہ کی رقم ہو اور چندہ دینے والوں کی طرف سے اجازت ہو تو گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۶ھ۔

= بـدلها فى نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال، رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بإنفاق الضمان فى المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۹/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقايةً أو مقبرةً، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية. ۸۷۹/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فى الأوقاف التى يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "وأما حكمها، فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانةً فى يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه. والوديعة لا تودع و لا تعار و لا تواجر ولا ترهن. وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۶۶۹/۵، كتاب الوديعة، سعيد)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فى بناء المسجد، فأنفق من تلك الدراهم فى حاجة نفسه، ثم رد بدلها فى نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك، رد المال عليه، أو سأله تجديد الإذن فيه". (التاتارخانية: ۸۷۹/۵، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فى الأوقاف =

مدرسہ کا روپیہ قرض دینا

سوال[۷۵۸۵]: ایک مکتب ہے جس کی زیادہ تر آمدنی چرم قربانی، صدقۂ فطر، غلہ کا چالیسواں حصہ ہے۔ مہتمم مدرسہ نے ایک مدرس کو بطورِ قرض کے کچھ روپیہ دیا تھا، اتفاق سے ان کی موت ہوگئی۔ اب اس قرض کی واپسی کی کوئی شکل نہیں ہے اور نہ مہتمم صاحب ہی موجود ہیں کہ خود قرض کو اپنی طرف سے ادا کردیں۔ اس بارِ قرض کو ختم کرنے کے لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فطرہ کی آمدنی میں سے کسی غریب کے حوالہ کردیا جائے اور اس غریب ماسٹر صاحب کے قرض کی ادائیگی میں روپیہ مدرسہ میں جمع کرایا جائے۔ اگر یہ صورت شرعاً جائز ہو تو دونوں صاحبان قرض کے بارے میں سبکدوش ہوجائیں گے۔ اور کیا مدرسہ کی اس طرح کی آمدنی سے کسی ضرورت مند کو قرض دیا جاسکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

اس طرح قرض ادا کردینا مناسب ہے جب کہ اور کوئی صورت نہ ہو(۱)۔ مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں، مہتمم امین ہے اور امانت میں ایسا تصرف کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= التي يستغني عنها، إدارة القرآن كراچي)

"مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ما شاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(۱) "وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه". (الدرالمختار). "(وحيلة الجواز): أى فيما إذا كان له دين على معسر وأراد ان يجعله زكاةً عن عين عنده أو عن دين له على آخر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۷۱، سعيد)

"ومن له على فقير دينٌ، وأراد جعله عن زكاة العين، فالحيلة أن يتصدق عليه، ثم يأخذ منه عن دينه، وهو أفضل من غيره". (الأشباه والنظائر، الفن الخامس، الفصل الثالث في الزكوة: ۳/ ۲۹۶، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "اما حكمها، فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانةً في يده، ووجوب أدائه =

مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطورِ قرض خرچ کرنا

سوال[۷۵۸۶]: مدرسہ کے روپے پیشگی چھ سوسات سو روپے اپنے کام میں خرچ کر دینا جائز ہوگا، مدرسہ کے کام کے وقت نہ دے سکے اور ہر مہینہ کی تنخواہ میں کاٹ دیا جائے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جس کے پاس مدرسہ کا روپیہ امانت رکھا ہو اس کو وہ روپے اپنے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے جو کہ بروئے حدیث منافق کی علامت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

= عند الطلب. والوديعة لا تودع ولاتعار، ولا تواجر ولا ترهن. وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة، الباب الأول : ۳۳۸/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعه: ۴۶۷/۷، رشيديه)

"وليس للقيم أن يأخذ مافضل عن وجه عمارة المدرسة ديناً ليصرفها إلى الفقهاء وإن احتاجوا إليه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم: ۴۱۵/۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالَ: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري: ۱۰/۱، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمي)

"و مقتضى ماقاله ابو السعود أنه يقبل قوله في حق براء ة نفسه، لا في حق صاحب وظيفة؛ لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف؛ لأنه عامل له، و فيه ضرر بالوقف". (ردالمحتار: ۴۴۹/۴، كتاب الوقف، مطلب: إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله، سعيد)

"رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد و أنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه، ثم رد بدلها في نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك. وإذا فعل إن كان يعرف صاحب المال، رد الضمان عليه، أو يسأله ليأذن له بانفاق الضمان في المسجد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۹/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة، رشيديه) =

مدرسہ ومسجد کا روپیہ سود پر قرض دینا

سوال[۷۵۸۷]: اگر مسجد، یتیم خانہ، مدرسہ عربی کا چندہ یا دوکان وجائیداد کی آمدنی امام، مہتمم ومدرس کی تنخواہ دینے کے بعد رقم تحویل میں بچ رہتی ہے، اگر کوئی دیانتدار ہزار روپیہ یکمشت اس آمدنی سے لے بغرضِ تجارت اور طے شدہ رقم سالانہ مثلاً دوسو روپیہ دیتا رہے، خواہ اس کو نفع ہو یا نقصان، اور جس وقت رقم طلب کی جاوے گی یکمشت ادا بھی کردے گا۔ تو ایسی چندہ وآمدنی والی رقم دینا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ جس کی آمدنی مدرسہ وغیرہ میں صرف ہو جس میں ترقی زیادہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسو روپے سالانہ کی جو رقم بطورِ ترقی وآمدنی حاصل ہوگی یہ سود ہے، سود کا معاملہ حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مدرسہ کی آمدنی ذاتی ضروریات میں بطورِ قرض خرچ کرنا

سوال[۷۵۸۸]: مدرسہ کی آمدنی سکریٹری یا اراکینِ مدرسہ اپنی نجی ضرورتوں میں صرف کرلیتے ہیں، مگر جب ضرورت پڑتی ہے تو دے دیتے ہیں اور مدرسہ کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

= (وكذا في التاتارخانية: ۵/۸۷۹، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و أحل الله البيع و حرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا اتقوا الله، و ذروا ما بقي من الربوا، إن كنتم مؤمنين﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه، وقال: "هم سواءٌ". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

جوروپیہ مسلمانوں نے چندہ میں دیا ہے، یہ روپیہ امانت ہے(۱)،اپنے ذاتی مصارف میں اس کوخرچ کرنا جائز نہیں(۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۸/۱/۸۸ھ۔

مدرسہ کے ذمہ دار کامدرسہ کے روپیہ کوکھالینا

سوال[۷۵۸۹]: زید نے مسجد یامدرسہ میں یاکسی بھی نیک کام میں روپے دیئے اورامانت داروں نے وہ روپے کھالئے اورحساب نہیں لگایا،توکیادینے والے کوثواب ملے گا؟

عبدالغفارلکھیم پوری۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زیدکوثواب ملے گا(۳)درمیان میں کھانے والوں کی پکڑ ہوگی،ان کے ذمہ ضمان لازم ہوگا(۴)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۵/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاری: ۱/۸، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، قديمی)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه فی بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم فی حاجة نفسه، ثم رد بدلها فی نفقة المسجد، لا يسعه أن يفعل ذلك". (التاتارخانية : ۵/۸۷۹، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی يستغنی عنها، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية : ۳/۲۹۹، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿إن المصّدّقين والمصّدّقات و أقرضوا الله قرضاً حسناً، يضٰعف لهم، ولهم أجر كريم﴾ (سورة الحديد : ۱۸)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلی أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸) =

اسکول فنڈ سے شیرینی تقسیم کرنا

سوال[۷۵۹۰]: دینیات کے امتحان میں بچوں اور حاضرین کو شیرینی تقسیم کرنے میں اسکول فنڈ سے خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فنڈ میں جمع کرنے والے اگر اس تصرف سے راضی ہیں تو جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

طلبہ کو مدرسہ کی رقم سے انعام دینا

سوال[۷۵۹۱]: ۱......کیا مہتمم مدرسہ چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت پر انعام دے سکتا ہے؟

= "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد اخلف، وإذا أوتمن خان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمی)

"الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، لايلزمه الضمان. وأما إذا هلكت بتعدی الأمين أو تقصيره، فإنه يضمن". (شرح المجلة: ۳۲۶/۱، (رقم المادة: ۷۶۸)، الكتاب السادس فی الأمانات، الباب الأول فی احكامه، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وكذا ردالمحتار، كتاب الوديعة: ۶۶۹/۵، سعيد)

(۱) "إذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك فی الوقف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه: ۴۶۳/۲، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد: ۳۶۴/۴، سعيد)

"مسجد له مستغلات و أوقاف وأراد المتولی أن يشتری من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً .... قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد، كان له أن يشتری للمسجد ما شاء". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی منه: ۴۶۳/۲، رشيديه)

۲......حضرتِ والا! ایک مدرس درکار ہے، ایسا ہو کہ کتبِ متوسط: تلخیص، اصول الشاشی، شرح تہذیب وغیرہ پڑھا سکے، اس کے علاوہ اگر کوئی مدرس درجۂ قرأت کے لئے ہو تو مطلع فرمائیں۔ مولوی محمد یوسف صاحب بہرائچی کا خط جو احقر کے پاس آیا ہے، وہ حضرتِ والا کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں، اگر آنجناب مناسب خیال فرمائیں تو ان ہی کو رکھ لیا جائے، وہ اس سے پیشتر بھی کام کر چکے ہیں۔

عبدالغنی، مدرسہ مدینۃ العلوم سدھن، ضلع فروخ آباد۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

ا......جس طرح طلبہ کو وظیفہ دے سکتے ہیں اسی طرح چندہ کی رقم سے طلباء کو ان کی محنت اور امتحان میں کامیابی پر ان کو انعام بھی دے سکتے ہیں (۱)۔

۲......الحمدللہ! سب خیریت ہے، استفتاء کا جواب تحریر کر دیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب پہلے وہاں رہ چکے ہیں، وہاں کے آدمی اُنہیں جانتے ہیں، آپ نے بھی ان کو نزدیک سے دیکھا ہے، مجھ سے زیادہ آپ ان سے واقف ہیں، ایسی حالت میں آپ کی رائے ان شاء اللہ خیر ہوگی، استخارہ مسنونہ کرلیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اگر ان کا معاملہ ہو جائے تو پھر شاید آپ کو مدرس کی ضرورت نہ رہے، معاملہ نہ ہو یا پھر ضرورت باقی رہے تو مطلع کریں اور مشاہرہ بھی لکھ دیں۔ قاری ابھی موجود نہیں، آخر سال میں امید ہے مل جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

فساد کے خوف سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۲]: زید، بکر، عمر نے کچھ زمین مدرسہ شاہ پور میں وقف کیا، مدرسہ کے ممبران اس پر دخل

---

(۱) "ويبدأ من غلة الوقف بعمارته، ثم ماهو أقرب كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة .... وكذلك إلى آخر المصالح. هذا إذا لم يكن معيناً، فإن كان الوقف معيناً على شئ، يصرف إليه بعد العمارة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۳۶۷/۴، سعيد)

"وكذا الوقف على الذين يختلفون إلى هذه المدرسة، أو على متعلميها، أو على علمائها، يجوز للقيم أن يفضّل البعض ويحرم البعض إذا لم يعين الواقف قدرما يعطى لكل واحد". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۸/۵، رشيديه)

نہیں کر سکے، اگر دخل کرتے ہیں تو بڑا فساد ہوگا، خون کا بے حد خطرہ ہے، اس زمین کے خریدار ہیں۔ تو کیا اس کا بیچنا جائز ہے؟ اسے بیچ کر دوسری زمین مدرسہ شاہ پور کے لئے دینا جائز ہوگا اور جن لوگوں نے مدرسہ کو وقف کیا اس کو واپس دینا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو زمین مدرسہ شاہ پور میں دی گئی ہے اگر اس پر قبضہ کرنے میں فساد اور خون ہو جائے گا تو مجبوراً اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری مناسب زمین خرید کر اسی مدرسہ میں دے دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۰/۱۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا و تداعى مسجدها إلى الخراب، و بعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لراحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي و يمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذاالمسجد؟ قال: نعم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعيد)

"رجل وقف موضعاً في صحته وأخرجه عن يده، فاستولىٰ عليه غاصب، وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: يأخذه من الغاصب قيمتها، ويشتري بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائط الأول". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۱۲/۳، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۲، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف، رشيديه)

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

زکوٰۃ کی رقم سے خرید کردہ غلہ نرخ کم ہونے کے بعد فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۳]: ایک دینی مدرسہ کے صدر نے مدرسہ کے مطبخ کے خرچ کے لئے فصل کے موقع پر گندم اس خیال سے خرید لیا کہ سال گذشتہ غلہ کا نرخ بہت گراں ہوگیا تھا، اس سال نرخ گر گیا کہ ۳۱/ پیسہ فی کلو کا فرق ہوگیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صدر مدرس نے ایک روپیہ ۳۱/ پیسہ کے حساب سے گندم دس کوئنٹل خرید لیا، اب یہاں کا بھاؤ ایک روپیہ ۵/ پیسہ ہے۔ اب طلباء کے نہ ہونے سے مطبخ بھی بند ہوگیا، اب اس کے فروخت کرنے میں مدرسہ کا خسارہ ہے، گندم بھی زکوٰۃ کی رقم سے خریدا گیا ہے تو اب یہ خسارہ کون دے گا؟ اور زکوٰۃ کی رقم سے گندم کی خریداری درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم سے طلباء کے لئے غلہ خریدا، اس وقت طلباء کے واسطے مطبخ موجود تھا، پھر طلباء موجود نہ رہے، مطبخ بند کردیا گیا، غلہ طلباء ہی کے لئے لیا گیا تھا اور زکوٰۃ طلباء کے کھانے کے واسطے ہی دی گئی تھی، لہذا مطبخ بند ہوجانے پر وہ غلہ معطین کو واپس کردینا چاہیئے تھا، یا ان کی اجازت سے دیگر مستحقین کو دینا چاہیئے تھا(۱)، مگر ایسا نہ کیا گیا، بلکہ غلہ فروخت کرکے روپیہ بنالیا گیا جس میں خسارہ ہوا، مدرسہ کے ذمہ دار پر اس خسارہ کا ضمان لازم نہیں ہوگا (۲)۔ البتہ اس کو چاہیئے کہ معطین کو پوری صورت حال کی اطلاع دے کر قیمت کے متعلق

---

(۱) "و ھنا الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل، و قد أمره بالدفع إلیٰ فلان، فلا یمک الدفع إلی غیره". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، قبیل باب السائمة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة. ۲/۲۸۴، کتاب الزکاة، الفصل التاسع، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "المال الذی قبضه الوکیل بالبیع والشراء و إیفاء الدین واستیفائه، والمال الذی قبضه الوکیل بقبض=

استصواب رائے کریں، وہ اگر اپنی قیمت واپس لینا چاہیں اور خود مستحقین پر صرف کرنا چاہیں تو ان کو واپس دیدے۔ اگر وہ بعد تملیک تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت دیں تو اس کے موافق عمل کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۹/۲۹ھ۔

قرآن کریم وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۴]: مردہ کے ایصال ثواب کے لئے بعض لوگ مدرسہ میں قرآن شریف وقف کرتے ہیں، مدرسہ والے اس کو فروخت کرکے قیمت کو مدرسہ کے کام میں لگاتے ہیں۔ تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل، فإذا تلف بلا تعدّ ولا تقصير، لا يلزم الضمان والمال؛ لأن يد الوكيل .... يد نيابة عن المؤكل " (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۷۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۱۵۸، ۱۵۹، كتاب الوكالة، الفصل الخامس، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۲۹۳، ۲۹۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، ولا يصرف إلى بناء مسجد و كفن ميت .... لعدم التمليك و هو الركن .... و قدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء".

(الدر المختار: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

"والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف". (التاتارخانية: ۲/۲۷۲، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۴، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصفكي: "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولا يرهن". =

اساتذہ کا امتحانی کاپیوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۵۹۵]: مکاتب کے امتحان سہ ماہی وسالانہ وغیرہ طلبہ سے کاپیاں بنوائی جاتی ہیں، طلبہ امتحان کے بعد وہ کاپیاں اساتذہ کے پاس جمع کر دیتے ہیں بلکہ اساتذہ جمع کر لیتے ہیں، پھر ان کو حسبِ موقع فروخت کر کے قیمت خود استعمال کر لیتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر استاذ کی خدمت میں وہ ہدیۂ پیش کر دیتے ہیں تو حسبِ قاعدۂ شرعیہ ہبہ تام ہونے پر موہوب لہ کو ان کاپیوں کے اوراق کی قیمت کا اپنے کام میں لانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم کے لئے موقوفہ عمارت میں مہتمم کا قیام، یا اس کا کرایہ وصول کرنا

سوال[۷۵۹۶]: مدرسہ کے لئے وقف شدہ عمارت کو صحیح اس وقت سمجھا جاوے گا جب کہ اس میں

= (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أى لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا فى الهداية: ۲/۶۴۰، كتاب الوقف، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۶/۲۲۰، كتاب الوقف، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۱) چونکہ ہبہ کرنے سے شی موہوبہ اس کی ملک ہوگئی، اور اپنے ملک میں ہرقسم کا تصرف جائز ہے: "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث فى أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"كلٌ يتصرف فى ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۵۰۲، كتاب البيوع، مطلب فى تعريف المال والملك والتقوم، سعيد)

تعلیم ہو، یا منتظمینِ مدرسہ اگر کسی کو کرایہ پر دیدیں اور اس کا کرایہ مدرسہ کو ملے، یا مہتمم مدرسہ قیام کریں اور اس سلسلہ میں ان کی تنخواہ سے بچت ہو۔ کیا ان دونوں صورتوں میں بھی عمارت کو مدرسہ کے لئے وقف سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ واقف کی غرضِ اصلی تعلیم ہے تو اصالۃً اس عمارت کو تعلیم ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہئے، تعلیم کے کام کو بند کر کے رہائش میں استعمال کرنا منشائے واقف کے خلاف اور وقف کے ساتھ خیانت ہے(۱)۔ البتہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش کے کام میں بھی تبعاً وضرورۃً اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے(۲)، مثلاً مہتمم مدرسہ کے پاس کوئی رہنے کا مکان نہیں اور کرایہ پر لینے کی وسعت نہیں اور مدرسہ کا کام کرنے کی وجہ سے مدرسہ میں قیام ضروری ہے تو گنجائش ہے(۳)۔ اسی طرح اگر عمارتِ مدرسہ کے مختلف حصے ہیں، اکثر حصے تعلیمی کام میں مشغول ہیں اور کوئی حصہ خالی اور بیکار ہے جو کرایہ پر چل سکتا ہے تو اس کو

---

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار: ۴/۴۴۵، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص .... شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۹۵، کتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعيد)

"متولي الوقف باع شيئاً منه أو رهن، فهو خيانة، فيعزل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(۲) "للحاكم الديّن أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الوقف متحداً؛ لأن غرضه إحياء وقفه، وذلك يحصل بما قلنا". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۳) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "أى من غلته عِمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم .... وكذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

کرایہ پر دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم گاہ کو کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۷]: دینی تعلیم کے لئے ایک عمارت برادری کے پیسے سے بنائی گئی،لیکن شہر کے جو مدرسہ کے ذمہ دار اور امین ومتولی ہیں ان لوگوں نے عام لوگوں کی رائے کے بغیر اس عمارت کو تعلیم کا کام بند کرکے سرکار کو تین سو روپے ماہوار میں کرایہ پر دیدیا۔اب بچے تعلیم کے لئے پریشان ہیں۔کیا امین اور متولی کا ایسا فعل شرعاً جائز ہے؟ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے جن کو بچوں کی تعلیم سے زیادہ دنیوی روپے پیسے محبوب ہیں؟ جب ان سے کہا گیا کہ دینی تعلیم بھی ضروری ہے اور یہ قوم کی امانت ہے۔تو جواب دیا کہ پڑھاؤ یا نہ پڑھاؤ،ہم نے دے دیا۔اب ان لوگوں کو کس لفظ سے یاد کرنا چاہیے اور کیا کہنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو عمارت دینی تعلیم کے لئے عام مسلمانوں کے چندہ سے بنائی گئی اور وہاں دینی تعلیم ہوتی ہے،تو ایسی عمارت کو روپے حاصل کرنے کے لئے کرایہ پردے دینا اور دینی تعلیم کو بند کردینا متولی کے لئے شرعاً درست نہیں(۲)، ایسے شخص کو متولی نہ بنایا جائے(۳)۔اگر صورت حال کچھ اور ہے تو اس کو تفصیل سے لکھیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالیٰ: إذا لم يذكر الواقف .... إجارة الوقف، فرأى القيم أن يؤاجرها و يدفعها مزارعةً، فما كان أدرّ على الوقف و أنفع للفقراء، فعل". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۳۲، كتاب الوقف، فصل في إجارة الوقف، رشيديه)

(۲) "فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملك ولايعار و لا يرهن". (الدرالمختار) "(قوله: لايملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولايملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (ردالمحتار: ۴/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۵/۳۴۲، كتاب الوقف، رشيديه)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجنديّ عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد: يعني آجروا المستغل و له متول؟ قال : لايصح تصرفهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۶۳، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه، رشيديه)

(۳) "و ينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب الخمر و نحوه". (الدرالمختار). =

مدرسہ موقوفہ کی جگہ برات کے لئے کرایہ پر دینا

سوال[۷۵۹۸]: ہمارے گاؤں کھیڑی کی آبادی ۱۹۴۷ء سے پہلے تقریباً چھ سو مسلمان گھرانوں پر مشتمل تھی، اس دوران یہاں ایک چھوٹا مدرسہ قائم کیا گیا، جب اس کے اندر طلباء نہ آسکے تو پھر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا گیا تھا، مگر خدا کی شان کی بات ہے، گڑبڑ ہوجانے کی وجہ سے تمام مسلمان چلے گئے، صرف پچاس ساٹھ گھر مسلمانوں کے رہ گئے۔ اب جو چھوٹا مدرسہ ہے اس کے اندر ہم لوگ یہاں شادی میں آنے جانے والے آدمیوں کے اتارنے کا سلسلہ چل رہا ہے اور بڑے مدرسہ کے اندر دس پندرہ بچے پڑھنے والے ہیں، وہ وہاں تعلیم پاتے ہیں۔

اب ہمارے یہاں کے لوگوں کی کمزوری ہونے کی وجہ سے قربانی، فطرہ اور خیرات کی رقم اس چھوٹے مدرسہ پر مسافر خانہ کے لحاظ سے لگانا چاہتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹا اور پرانا مدرسہ خالی پڑا ہے، اس میں جو لوگ بیاہ شادی میں مہمانوں کو ٹھہراتے ہیں ان سے کچھ کرایہ لیا جائے اور وہ کرایہ کی رقم نئے مدرسہ میں جو بڑا ہے اور آباد ہے اس میں خرچ کی جائے (۱)۔ فطرہ اور

= "قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (ردالمحتار: ۳۸۰/۴، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۰۸/۲، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۹۱/۵، ۳۹۲، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) "قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: إذا لم يذكر الواقف .... إجارة الوقف، فرأى القيم، يؤاجرها و يدفعها مزارعةً، فما كان أدر على الوقف و أنفع للفقراء، فعل". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۲/۳، كتاب الوقف، فصل في إجارة الوقف، رشيديه)

"اتحد الواقف والجهة، وقلّ مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما كشيء واحد". (الدرالمختار). "وحكى أنه =

قیمت چرم قربانی مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکانِ مدرسہ میں ملازم کا بلا کرایہ رہنا

سوال[۷۵۹۹]: ایک شخص مدرسہ میں ملازمت کرتا ہے اور مدرسہ کے مکان میں بلا کرایہ ادا کئے رہتا ہے اور اپنی ضرورت کے سب ہی کام اس میں کرتا ہے تو اس کے لئے مکان جائز ہونے کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے خطر صورت تو یہ ہے کہ مدرسہ کو کرایہ ادا کرے، لیکن اگر مدرسہ اپنے ملازم کو مکان بھی دیتا ہے اور کرایہ نہیں لیتا اور یہ مکان کا بلا کرایہ دینا بمنزلۂ جزوِ تنخواہ ہے کہ اگر مکان نہ دے تو ملازم زیادہ تنخواہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کا مفاد اسی میں ہے کہ کم تنخواہ کا ملازم رکھا جائے اور مکان بھی اس کو بلا کرایہ دیا جائے، تو اس میں بھی گنجائش ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارّة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر لينتفع به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة به، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار: ۳۶۰/۲، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم، وفي الرقاب والغٰرمين و في سبيل الله و ابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ويصرف إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكاً لا إباحة، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت". (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات و إصلاح الطرقات و كرى الأنهار و الحج والجهاد و كل ما لا تمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(۲) "يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة، يعطون بقدر =

مدرسہ کا مکان کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال[۷۶۰۰]: ایک مسلمان حجام نے اپنا مکان کرایہ پر دوسرے کو دے دیا ہے، اس پر کرایہ دار نے چکی لگادی، کچھ عرصہ کے بعد مالکِ مکان نے خالی کرانے کی کوشش کی، کرایہ دار نے خالی نہیں کیا۔ مالکِ مکان نے نصف مکان مدرسہ اسلامیہ میں دے دیا ہے اور بقیہ نصف مکان عیدگاہ کی مرمت کے لئے وقف کردیا ہے۔ جس نصف مکان کو مدرسہ میں دیا تھا، اس میں تین کمرے تیار ہوئے ہیں جن میں سے دو کمروں میں مدرسہ کا کام ہو رہا ہے اور ایک کمرہ سابق کرایہ دار کے قبضہ میں ہے، دو روپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگ اس کمرے کے ۲۰/ روپیہ ماہوار کرایہ دیتے ہیں، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔

اور جو نصف مکان مالک مکان نے عیدگاہ کے لئے دیا تھا وہ بھی اسی کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں کرلیا ہے جس کا دو روپیہ ماہوار کرایہ دیتا ہے۔ مالک مکان نے محفلِ میلاد شریف قائم کرکے تمام مسلمانوں کے درمیان یہ کہا تھا کہ یہ نصف مکان بیچ کر عیدگاہ کی مرمت کرادی جاوے۔ مالکِ مکان کا انتقال ہو چکا ہے اور اب تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ اس مکان کو نیلام کرکے عیدگاہ کی مرمت کرادی جاوے، لیکن کرایہ دار خالی نہیں کرتا ہے۔ ایسی صورت مسئولہ میں مسئلہ شرعی کیا ہے اور مسلمانوں کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کا کمرہ اس چکی والے سے خالی کراکے دوسرے شخص کو آباد کرادیا جاوے۔ اس کے لئے قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ اگر اہلِ مدرسہ مناسب سمجھیں تو موجودہ کرایہ دار کو خالی کرانے کا نوٹس دے دیں کہ مدرسہ کے لئے ضرورت ہے اور قانوناً ایسی صورت میں وہ خالی کرنے پر مجبور ہوگا، پھر اس جگہ بھی مدرسہ کے لئے کمرہ بنادیا جاوے، یا سمجھوتہ کرکے کرایہ میں اضافہ کرالیا جاوے اور کہہ دیا جاوے کہ اگر اضافہ نہ کیا تو مقدمہ کرکے خالی

= کفایتهم". (الدرالمختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، و كذلك إلى آخر المصالح".

(ردالمحتار: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب، سعيد)

(و كذا في البحرالرائق: ۳۵۶/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(و كذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۵۸۷/۲، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

کرایا جائے گا(۱)۔

نصف مکان جوعیدگاہ کے لئے دیا ہے، اگر فروخت کر کے مرمت کے لئے دیا ہے تو اس کو فروخت کردیا جائے (۲)۔ پھر خریدار اگر مضبوط ہوگا تو وہ خالی کرائے گا، یا کرایہ میں اضافہ کرے گا(۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۰ھ۔

مدرسہ کے کمرہ میں ملازم کے بچوں کو رکھنا

سوال[۷۶۰۱]: امام صاحب کے بچے اوراہلیہ مدرسہ کے کمرہ میں رہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو

---

(۱) "الواقف إذا آجر الوقف إجارةً طويلةً إن كان يخاف على رقبتها التلفَ بسبب هذه الإجارة، فللحاكم أن يبطلها، وكذلك إن آجرها من رجل يخاف على رقبتها من المستأجر، فينبغي للحاكم أن يبطل الإجارة". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷۵۲/۵، إدارة القرآن كراچی)

"حانوت وقف وعمارته ملك لرجل، أبىٰ صاحب العمارة أن يستأجر بأجر مثله، ينظر: إن كانت العمارة لو رفعت يستأجر بأكثر مما يستأجر صاحب العمارة، كلّف رفع العمارة، ويؤجر من غيره؛ لأن النقصان عن أجر المثل لايجوز......... وفيه: وكذا إذا آجرها الواقف سنين كثيرةً ممن يخاف أن تتلف في يده، قال: يبطل القاضي الإجارة ويخرجها من يد المستأجر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۷/۵، ۳۹۸-۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في إجارة الأوقاف: ۳۳۴/۳، ۳۳۵، رشيديه)

(۲) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة: ۳۴۳/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴۹۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

حرام بتلا کر عوام کو بہکاتے ہیں۔ آیا مدرسہ اسلامیہ میں اہلیہ کو رکھنا حرام ہے یا حلال؟ جو حرام بتلاتے ہیں شریعت کے نزدیک وہ کیسے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو شخص امام یا کوئی بھی مدرس ہو اور اس کی ملازمت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مکان کا بھی معاملہ ہے تو اس کو اپنے بچوں اور اہلیہ کو مدرسہ میں مکان میں رکھنا شرعاً درست ہے(۱)۔ جو شخص اس کو ناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ پردہ کا لحاظ بہرحال ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ملازمِ مدرسہ کی اولاد کا مدرسہ کے مکان میں رہنا

سوال[۷۶۰۲]: ہندوستان سے پانچ سال کی مدت کے لئے ایک استاذ مدرسہ میں پڑھانے کی غرض سے بلائے گئے، یہاں ان کو تنخواہ کے علاوہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ مکان بلا کرایہ دیا گیا جس میں ہر ماہ پانی اور بجلی کا خرچ بھی مدرسہ کے ذمہ رہا۔ پانچ سال پورے ہونے پر ملازمت کی تجدید نہیں کی گئی، مگر موصوف نے پڑھانے کا کام جاری رکھا۔ اور اس اوقاف کے مکان میں موصوف کے دونوں صاحبزادوں کا قیام ہے، ان میں ایک شادی شدہ اور دوسرا غیر شادی شدہ ہے۔ شادی شدہ لڑکے کی دو دکانیں ہیں اور غیر شادی شدہ لڑکے کی آمدنی اپنے باپ کی آمدنی سے زیادہ ہے۔ یہ دونوں صاحبزادے اسی اوقاف کے مکان میں اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔

---

(۱) "یبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد و مدرس مدرسة، یعطون بقدر کفایتهم". (الدرالمختار). "ثم ما هو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، یصرف إلیهم إلی قدر کفایتهم، ثم السراج والبساط، وکذلک إلی آخر المصالح".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۳۵۶/۵، کتاب الوقف، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المنتقی علی مجمع الأنهر: ۵۸۷/۲، کتاب الوقف، غفاریه کوئٹه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وقرن فی بیوتکن و لا تبرجن تبرّج الجاهلیة الأولی﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

لڑکے کی شادی ہوجانے کی وجہ سے مکان تنگ ہو رہا ہے اور ساتھ ہی پانی اور بجلی کے خرچ میں اضافہ ہو رہا ہے، تو کیا اب بھی مدرسہ، استاذ اور ان کے لڑکوں کی رہائش کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معاملہ ملازمت کا پانچ سال کے لئے تھا کہ مدت پوری ہونے پر ملازمت ختم ہوگئی، نہ مدرسہ کے مکان میں قیام کا حق رہا، نہ تنخواہ کا استحقاق باقی رہا(۱)۔ لیکن پانچ سال گذرنے کے بعد اہلِ مدرسہ نے ان کو بدستور کام پر رکھا، وہ کام کرتے رہے، تنخواہ ملتی رہی، مدرسہ کے مکان میں قیام رہا تو یہ عملی طور پر گویا معاملۂ ملازمت بشرطِ سابق تجدید ہوگئی، جب تک مدرسہ ان کو الگ نہ کرے وہ ملازم ہے(۲)۔ ان کے جو لڑکے بالغ اور کمانے والے ہیں اور ان کا نفقہ خود ان کی کمائی سے پورا ہوتا ہے، والد کے ذمہ واجب نہیں(۳)، ان کو مستقلاً مدرسہ کے مکانِ موقوف میں رہنے کا حق نہیں ہے(۴)، خاص کر جب کہ ان کی وجہ سے بجلی و پانی کے مصارف

(۱) "لو استؤجر عقاراً کل شهر بكذا من دون بيان عدد الأشهر، يصح العقد، لكن عند ختام الشهر الأول لكلٍّ من الآجر والمستاجر فسخُ الإجارة في اليوم الأول وليلته من الشهر الثاني الذي يليه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۴)، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۲۷۴/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة: ۸۴/۶، سعيد)

(۲) "لكن عند ختام الشهر الأول لكل من الآجر والمستاجر فسخ الإجارة في اليوم الأول من الشهر الثاني الذي يليه. وأما بعد مضي اليوم الأول، فليس لهما ذلك، بل يصح العقد في الشهر الثاني. وإذا مضى الشهر الثاني ولم يفسخ أحدهما في اليوم الأول وليله من الشهر الثالث، صح العقد أيضاً فيه؛ لأنه إذا مضى اليوم الأول وليله ولم يفسخ أحدهما بحضور الآخر، كان سكوتهما دلالةً على الرضى".

(شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۲۷۴/۱، (رقم المادة: ۴۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"السكوت في الإجارة يُعدّ قبولاً ورضى". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲۴۴/۱، (رقم المادة: ۴۳۸)، كتاب الإجارة، الفصل الأول في ركن الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار، إلا أن يكون الولد عاجزاً عن الكسب لزمانةٍ أو مرضٍ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، باب النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۵۶۳/۱، رشيديه)

(۴) "يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو إتلافها كما لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر، كان على الساكن أجر المثل ...... ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسةً سكن فيه، فتجب فيه أجرة المثل". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۰۸/۴، سعيد) .... =

مدرسہ پر زیادہ پڑتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کے کمرہ میں پولیس کا قیام

سوال[۷۱۰۳]: گورنمنٹ کہتی ہے کہ چھٹی کے موقعہ پر آپ کے مدرسہ میں پولیس کے قیام وطعام کا انتظام رہے گا۔ بند خالی کمروں میں پولیس کا رہنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مدرسہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے وقف ہے، غیر متعلق لوگوں کا وہاں قیام وطعام غرضِ واقف کے خلاف ہے، اس لئے اجازت نہیں (۱)، اس کا انتظام دوسری جگہ کیا جائے، ہاں! اگر مدرسہ ہی کے مصالح کے لئے ہو تو اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۸/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "وليس للقيم أن يسكن فيها أحداً بغير أجر". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم: ۷۴۹/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۱) "صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار: ۴۴۵/۴، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

"ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴۹۵/۴، كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۱۱/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "نعم! يتصرف القيم في الوقف بما فيه نفع للوقف، والمسئلة في الخيرية والإسعاف". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۰۹/۱، كتاب الوقف، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في التاتارخانية: ۷۵۷/۵، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم، إدارة القرآن كراچی)

"سئل الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندي رحمه الله تعالىٰ عن أهل المسجد تصرفوا في أوقاف المسجد: يعني آجروا المستغل، و له متول، قال: لايصح تصرفهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۴۶۳/۲، رشيديه)

الفصل الخامس في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

جن مہینوں میں خالص مدرسہ کا کام کیا جائے ان مہینوں کی تنخواہ وصول کرنا

سوال[۷۶۰۴]: مہتمم مدرسہ تمام سال اہتمام بلا تنخواہ کرتے ہیں، کچھ اپنا نجی کام بھی کرتے ہیں، مگر جن ایام میں تحصیلِ چندہ کا کام ہوتا ہے، اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ اپنا نجی کاروبار بھی نہیں کر سکتے۔ تو ان مہینوں کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں مہتمم صاحب کو چاہیے کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے سامنے اس چیز کو پیش کر دے کہ سال بھر میں مثلاً دو ماہ چندہ کرتا ہوں اپنا نجی کام نہیں کرتا، اس لئے ان دو ماہ کے لئے میری تنخواہ تجویز کر دی جائے، بقیہ دس ماہ حسبۃً للہ خدمت مدرسہ انجام دوں گا، کوئی معاوضہ نہیں لوں گا(۱)۔ اگر مہتمم صاحب نے اس طرح باقاعدہ معاملہ نہ کیا تو تہمت اور اعتراض کا مظنہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیو بند، ۶/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مدرسہ کے لئے مہتمم صاحب برائے چندہ سفر کریں تو اربابِ شوریٰ (ٹرسٹیوں) کے مشورہ سے مناسب تنخواہ مقرر کر لی جائے اور وہ تنخواہ دی جائے، یا پھر اربابِ شوریٰ سے مناسب انعام دے دیا جائے، دوسری صورت میں الغرض کمیشن کی صورت سے بچتے ہوئے اصحابِ شوریٰ کے مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے، معاملہ مخفی رکھنا بالکل مناسب نہیں، اس میں اربابِ شوریٰ نیز عوام کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا، اور اس میں مہتمم کی بدنامی بھی ہے، اور مہتمم کا اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرنا بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے اور اصحاب شوریٰ کو بھی مدرسہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب فیصلہ کرنا ہوگا، اتنی بڑی رقم قبول کرنے کا ان کو بھی اختیار نہ ہوگا"۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الاجارة ومالایجوز، بیرون ملک چندہ کے لئے جانے والے مہتمم کا چندہ میں سے ایک بڑی رقم بطور اجرت لینا: ۹/۳۰۴، دارالاشاعت)

(۲) "اتقوا مواضع التهم": ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه =

تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۶۰۵]: ایک دینی ادارہ جس میں چند مدرسین چند سالوں سے کام کررہے ہیں۔ اتفاق سے گذشتہ درمیانِ سال میں مہتمم صاحب سے کچھ مدرسین کو شکایت ہوئی جس کی وجہ سے حسبِ قانونِ مدرسہ مدرسین نے استعفیٰ دیدیا یعنی ایک ماہ سے بیشتر، مگر مہتمم صاحب اور دوسرے اراکین نے باصرار تمام اس معاہدہ پر کہ آئندہ رمضان کی ۳۰/ تاریخ تک آپ لوگ استعفاء مؤخر کردیں اور ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ آپ لوگوں کو دی جائے گی، گویا کہ آپ لوگ باوجود چھٹیوں کے اور اس کے بعد مدرسہ میں نہ آنے کی صورت میں ۳۰/ رمضان تک مدرسہ میں ملازم ہوں گے، چھٹیوں کے استعمال کا حق آپ لوگوں کو ہوگا۔ اس تصریح کے ساتھ ان مدرسین کو روک لیا۔

اب حسبِ سابق ان مدرسین نے مدرسہ میں آخرِ سال یعنی ۱۸/ شعبان تک کام کیا، اس کے بعد، یا اس سے پہلے ایک دوروز کی رخصت لیکر چلے آئے۔ آنے سے قبل صرف فنڈ کا روپیہ وصول کرلیا اور شعبان و رمضان کی تنخواہ اس وجہ سے کہ پہلے سے یہ تنخواہیں آتے وقت نہیں دیتے تھے، شعبان کی تنخواہ گھر بھیج دیتے تھے اور رمضان کی واپسی پر چھوڑ کر چلے آئے، مطالبہ اور سرکاری رقم جو آئندہ آنے والی ہے، مدرسہ کے ذمہ باقی ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کے بعد ان مدرسین کو ۱۸/ شعبان کے بعد ۳۰/ رمضان تک کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں اور مہتمم صاحب کو ان تک پہونچانا واجب ہے یا نہیں؟ اور ادا نہ کرنے کی صورت میں مہتممِ مدرسہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عموماً دینی مدارس کا ہمارے اطراف میں تعاملِ معروف یہ ہے کہ ختمِ سال ماہ شعبان کی جس تاریخ کو

= بمعنی قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "من سلک مسالک الظن، اتّھم". ورواہ الخرائطی فی مکارم الأخلاق: "من أقام نفسہ مقام التھم، فلا یلومنّ من أساء الظن بہ". وروی الخطیب فی المتفق والمفترق عن سعید بن المصیب قال: وضع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثمانی عشرۃ کلمۃ .... "ومن عرض نفسہ للتھمۃ، فلا یلومنّ من أساء بہ الظن". (کشف الخفاء، الھمزۃ مع التاء المثناۃ، (رقم الحدیث: ۸۸): ۱/۴۵، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

بھی فراغت ہو اس تاریخ کی تنخواہ توبوجہ کارکردگی لازم ہوتی ہے، اس کے بعد تعطیلِ کلاں ہوتی ہے، اس تعطیلِ کلاں (بقیہ شعبان، کامل رمضان، ابتدائے شوال) کی تنخواہ کا استحقاق اس شرط پر ہوتا ہے کہ ملازم بعد تعطیل حاضر ہو کر کام میں مشغول ہو جائے، اگر ملازم حاضر نہ ہو، بلکہ ملازمت ختم کردے تو استحقاق نہیں ہوتا (۱)۔

لیکن صورتِ مسئولہ میں جب کہ مہتمم صاحب اور دیگر ارکینِ مدرسہ نے وعدہ کرلیا ہے تو اس مدت کی تنخواہ لینے کا مدرسین کو حق حاصل ہے، وعدہ صریح کی بناء پر تعامل معروف کو ترک کردیا جائے گا، الأشباہ والنظائر میں ہے:"الخلف فی الوعد حرام"(۲)۔

اگر مہتمم صاحب اور ارکین کے نزدیک اس وعدہ میں مدرسہ کی خیرخواہی مضمر تھی تو ان کو وعدہ کرنے کا حق تھا اور اس کو پورا کرنا لازم ہے، ورنہ مواخذۂ اُخرویہ باقی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً". (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانیة فی بیان القواعدالفقهیة: ۱/۳۷، مکتبه حنفیة کوئٹه)

"ومنها البطالة فی المدارس کأیام الأعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان فی درس الفقة، لم أرها صریحةً فی کلامهم، والمسئلة علیٰ وجهین: فإن کانت مشروطةً، لم یسقط من المعلوم شیء، وإلا فینبغی أن یلحق ببطالة القاضی، وقد اختلفوا فی أخذ القاضی مارُتّب له .... فی یوم بطالته، فقال فی المحیط: إنه یأخذ فی یو م البطالة". (شرح الأشباہ والنظائر، الفن الأول فی القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفة فی یوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعید)

(۲) (الأشباہ والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الأداب، باب المزاح، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۸۹۲): ۸/۶۲۷، رشیدیه)

ایامِ تعطیل میں کام کرنے کی تنخواہ

سوال[۷۶۰۶]: ۱...... مدرسینِ مدرسہ رمضان شریف کو موقعہ پر مدرسہ کا کام کرتے ہیں جبکہ وہ ان کی رخصت کا وقت ہوتا ہے۔ اب ان کو اجرت کس حساب سے دی جائے، کیا فیصد مقرر کرکے دی جائے یا بلا تعین دی جائے؟

۲...... جو مدرسین تعلیم کے اوقات میں مدرسہ کا کام کرتے ہیں، ان کو اجرت دینے کی کیا شرح ہونی چاہیے؟

۳...... دارالعلوم دیوبند میں مدرسین یا سفیرِ مدرسہ کو رخصت اور عدمِ رخصت میں مدرسہ کا کام کرنے پر جو دیا جاتا ہے اس کی کیا شرح ہے، کیا آپ بغیر تنخواہ کام کرتے ہیں؟

مہتمم جامعہ امدادالعلوم زید پور بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ نہیں ہے تو طرفین باہمی مشورہ سے معاملہ طے کرلیں، مثلاً: اس طرح کہ مستقل ملازم اگر ایامِ تعطیل میں فراہمی چندہ کی خدمت حسبِ تجویزِ ارکانِ مدرسہ انجام دے گا تو اس کو اتنے ایام کی تنخواہ دوچندہ دی جائے گی، یا اس سے کچھ زیادہ یا کم، جو کچھ طے ہوجائے، تاکہ جہالت باقی نہ رہے۔ فی صد مقرر نہ کریں کہ اس میں جہالت ہے، کیونکہ یہی متعین نہیں کہ کس قدر وصول ہوگا، بلا تعین دیئے جانے پر قناعت دشوار ہے...... جہالت کی وجہ سے نزاع کا بھی مظنہ ہے، وھذا ظاھر (۱)۔

۲...... اوقاتِ تعلیم کی تو تنخواہ ملتی ہے، اگر تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا کام ان اوقات میں ان سے لینا ہے تو کام کی اور مدرسین کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرلیا جائے۔ برضائے طرفین حسبِ مصالحِ مدرسہ جو کچھ

---

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/ ۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۵۱)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/ ۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

بھی طے ہوجائے (۱) اگر وہ اپنی اصلی تنخواہ تدریس پر ہی دوسرا کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہوجائیں تو یہ بھی درست ہے جب کہ مفادِ مدرسہ بھی اس میں ہو۔

۳......اس کو دفتر اہتمام سے دریافت کیا جائے، مجھے اس کی شرح معلوم نہیں۔ میں نے خود کبھی دینی خدمات بلا معاوضہ انجام نہیں دی، بلکہ میری تنخواہ مقرر رہتی ہے۔ جس پر معاوضہ کا مسئلہ سامنے آیا ہو، کارِ مفوضہ کا جو کچھ مشاہرہ مجھے ملتا ہے وہ بھی میری قابلیت وحیثیت سے زیادہ ہے، اس کے علاوہ مدرسہ کبھی کوئی کام لیتا ہے تو اس کے معاوضہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۴ھ۔

تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۶۰۷]: زید ایک ادارے کا مہتمم ہے، بے جا غلط فہمی کی بناء پر انہوں نے بکر مدرس سے ۱۵/ شوال کو مستعفی ہونے کو کہا، بکر نے استعفیٰ پیش کردیا۔ تو کیا اس صورت میں بکر تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے، جب کہ مطالبۂ استعفیٰ معزول کردینے کے ہم معنیٰ ہے اور بصورتِ معزول ادارۂ مذکورہ کے دستور کے مطابق مزید ایک ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے؟ غرضیکہ بکر مدرس تنخواہ تعطیل کلاں کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے کہ استعفیٰ مہتمم کے مطالبہ پر دیا گیا ہے اور مہتممِ مدرسہ برعکس اس کے تعطیل کلاں کی کچھ حاصل کی ہوئی تنخواہ کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور بکر کا سامان- جو اس کے پاس بطورِ امانت رکھا ہوا ہے- واپس نہیں کرتا۔

مہتمم مذکور کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر کو تعطیلِ کلاں کی تنخواہ ملنی چاہئے یا نہیں؟ اور جو کچھ بسلسلۂ تنخواہ لے چکا ہے اس کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟

سائل: مشتاق احمد فیض آبادی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تعطیل، استعفاء، معزولی کے متعلق مستقلاً کوئی معاملہ نہیں ہوا تھا تو عام دینی مدارس کے عرف کو حکم

---

(۱) "وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة، معلوماً علماً يمنع المنازعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

تجویز کیا جائے گا(۱)۔صورت مسئولہ میں جب کہ مدرس نے استعفیٰ نہیں دیا،شوال میں حاضر ہوکر کام کرنا چاہتا تھاتو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا حقدار ہے، پندرہ شوال (تاریخ مطالبۂ استعفاء) تک کی تنخواہ اس کو دی جائے (۲) اور جوسامان اس کا محبوس کرلیا وہ واپس دیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۳/۹۵ھ۔

مدرسہ کی تعطیلِ کلاں کی تنخواہ جب کہ تعطیل کے ختم پر دوسری جگہ چلا گیا

سوال[۷۲۰۸]: زید بحیثیتِ عربی مدرس ایک ادارہ میں ملازم تھا اور مستقل تھا، جمادی الاولیٰ میں ساز باز کر کے دوسری جگہ ملازمت کی بات کی اور رمضان شریف میں تقرر کرالیا،شعبان میں رخصت پر گیا اور بعد رمضان نئی جگہ پر چلا گیا اور شعبان اور رمضان کی تنخواہ دھوکہ سے لے لی، جب کہ اس ادارہ کا قانون ہے کہ کم از کم ایک ماہ قبل استعفیٰ دے اور اس ماہ کام بھی کرے تاکہ ادارہ دوسرے معلم کا انتظام کرلے،لیکن زید نے اس کے خلاف کیا، پورے شوال غیر حاضر رہ کر ذی قعدہ میں اپنے نہ آنے کو مطلع کیا۔نصف شعبان اور رمضان کی تنخواہ زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة: ۱/۳۷، حنفیة کوئٹه)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الأول فی القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعید)

(۲) "ومنها البطالة فی المدارس کأیام الأعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان فی درس الفقه، لم أرها صریحةً فی کلامهم، والمسألة علیٰ وجهین: فإن کانت مشروطةً لم یسقط من المعلوم شئ، وإلا فینبغی أن یلحق ببطالة القاضی .... فقال فی المحیط: إنه یأخذ فی یوم البطالة؛ لأنه یستریح للیوم الثانی".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول فی القواعد: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفة فی یوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۹۵)، کتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۱/۲۷۴، مکتبه حنفیة کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وقتِ ملازمت تعطیل کے متعلق کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تو دیگر مدارس میں جو کچھ تعامل ہے، اس کے مطابق عمل کیا جائے (۱)، وہ یہ ہے کہ ماہ شعبان میں سالانہ امتحان سے فراغت پر تعطیل ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کا پورا مہینہ تعطیل میں گذر جاتا ہے، پھر شوال کا بھی کچھ وقت تعطیل میں محسوب ہوتا ہے، مگر اس سے مستفید ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ بعد تعطیل مدرسہ کھلنے پر ملازم حاضر رہ کر مدرسہ کے کام میں مشغول ہو جائے، ورنہ اس کو ان ایّام کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ پس جو شخص شوال میں حاضر نہیں ہوا، نہ رُخصت لی (رُخصتِ استحقاقی بھی حاضری کے حکم میں ہے) بلکہ اس نے دوسری جگہ ملازمت کر لی، اس تعطیل کی مدّت کی تنخواہ کا مستحق نہیں (۲)، اگر تنخواہ لے چکا ہے تو واپس کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

عارضی مدرس کیلئے تعطیلِ کلاں کی تنخواہ

سوال [۷۶۰۹]: نذیر احمد کو مدرسہ مظہر العلوم شموگہ کے ذمہ داروں نے ماہ ذی الحجہ/۹۴ھ سے آخر سال تعلیم شعبان تک کے لئے عارضی مدرس رکھا۔ اب کیا مسمّیٰ مذکور ایامِ تعطیل کلاں از پندرہ شعبان تا پندرہ شوال

---

(۱) "إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت .... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱ - ۴۳)، المقالة الثانية فى بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/۱۳۰، سعيد)

(۲) "ومنها البطالة فى المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان فى درس الفقه، لم أرها صريحة فى كلامهم، والمسألة علىٰ وجهين: فإن كان مشروطةً لم يسقط من المعلوم شئ، وإلا فينبغى أن يلحق ببطالة القاضى .... فقال فى المحيط: إنه يأخذ فى يوم البطالة؛ لأنه يأخذ فى يوم البطالة؛ لأنه يستريح لليوم الثانى". (الأشباه والنظائر، الفن الأول فى القواعد، القاعده السادة: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى استحقاق القاضى والمدرس الوظيفة فى يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

پوری دو ماہ کی تنخواہ کا شرعاً حق دار ہے یا نہیں، جب کہ ہر مدرس کو علی حالہ پوری تنخواہ دی جارہی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ عارضی ملازمت ہی شعبان تک تھی تو پھر تعطیل کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں، مستقل مدرسین پر قیاس نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند ۱۱/۹/۹۵ھ۔

تعطیل کلاں کے بعد استعفیٰ پر تنخواہ کا استحقاق

سوال[۷۶۱۰]: پورے سال بھر پڑھانے کے بعد اگر کوئی شخص رمضان کی تعطیل میں استعفیٰ دینا چاہتا ہے تو وہ شرعاً رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو کیا استحقاق کی کوئی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں قانون یہ ہے کہ رمضان کی تنخواہ کا استحقاق تعطیل ہونے کی صورت میں اُس وقت ہے جب کہ شوال میں مدرسہ کھلنے پر حاضر ہوکر کام کرے ورنہ استحقاق نہیں، وہاں کا قانون بھی یہی ہو تو حکم بھی یہی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) "إذا عقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً .... لوعقدت الإجارة في أول الشهر لسَنة، تعتبر اثنى عشرة شهراً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۷۲، ۲۷۳، (رقم المادة: ۴۸۸، ۴۹۲)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۶، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أولم يستعمله، وبمقدارمامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

(۲) "وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان لم أره، وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي، واختلفوا فيها، =

بلانوٹس استعفیٰ سے استحقاقِ تنخواہ

سوال[۷۶۱۱]: زید نے ایک مدرسہ میں قوانین مدرسہ کے اقرار پابندی کے ساتھ قریب دو سال تک مدرسی کی، ایک روز افراد کمیٹی نے تعلیمی انحطاط کو دیکھ کر زید کی عزت ووقار سے تعرض کئے بغیر سنجیدگی کے ساتھ بوجہ انحطاطِ تعلیم کے توجہ الی الطلبہ کی یاددہانی کرائی تو زید کو ناگوار گذری، اس بناء پر مدرسی سے استعفاء دیدیا اور اب قوانینِ مدرسہ کا انکار کرتا ہے، استعفیٰ والے مہینے میں بیس یوم تعلیمی کام کیا اور دس دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ قوانین یہ ہیں:

۱- کسی مدرس کو نوٹس دینے، یا کسی مدرس کو ازخود نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ کم ازکم ایک ماہ قبل اطلاع دی جائے۔

۲- اگر اطلاع کئے بغیر کسی مدرس کو فوری طور پر نکالا گیا تو افراد کمیٹی مدرس کو ایک ماہ کا مشاہرہ دیکر نکال سکتے ہیں۔

۳- اسی طرح سے فوری طور پر نکلنے والے مدرس پر بس ایک ماہ کی تنخواہ عائد ہوتی ہے۔

تو اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ازروئے شرع مدرس کے انکار مع الاقرار کی بناء پر مدرس کی بیس

= والأصح أنه يأخذ؛ لأنها الاستراحة، أشباه. إنه أظهر، فينبغي أن يكون كذلك في المدرس .... فينبغي أن يعطي ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ماذكره في مقابلة من البناء على العرف، فحيث كانت البطالة معروفةً في يوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعيدين، يحل له الأخذ". (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۹۵)، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: ۱/۲۷۴، حنفيه كوئٹه)

"المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانيه في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفية كوئٹه)

دن کی تنخواہ افرادِ کمیٹی کے ذمہ واجب الاداء سمجھی جائے یا مجرم قانون شکن مدرس پر بقیہ دس دن کا مشاہرہ عائد کیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

تعلیمی انحطاط دیکھ کر توجہ دلانا مدرسہ سے علیحدہ کرنا نہیں، اس سے متاثر ہو کر مدرس نے استعفیٰ دیا ہے تو ایک ماہ قبل استعفیٰ دینا لازم ہے، استعفیٰ دیکر ایک ماہ کام کرے تو اس ماہ کی تنخواہ کا مستحق ہوگا(۱)، اب ان بیس یوم کی تنخواہ کا مستحق نہیں اگر استعفیٰ دے کر فوراً کام ترک کر دیا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۹۰ھ۔

فساد کے اندیشہ سے کچھ مدت گھر بھیجے گئے مدرس کو اس زمانہ کی تنخواہ

سوال[۷۶۱۲]: طلباء میں باہمی نزاع کی بناء پر اربابِ مدرسہ نے ایک مدرس کو گھر بھیج دیا، پندرہ روز بعد یہ مدرس مدرسہ میں آگئے۔ تو اس پندرہ دن کی تنخواہ دینا اور ان کو لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الإجارة إلا بإتمام العمل .... وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة ما عمل". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إمّا بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۱۰، سعيد)

(۲) "فإن عرض في المدة مايمنع الانتفاع .... سقطت الأجرة بقدر ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة .... الخ: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

"والمعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/ ۲۷۸، إدارة القرآن كراچى)

"المعروف كالمشروط يوجب إلحاق ماذكر بالمشروط" (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۳/ ۱۳۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/ ۳۷، حنفية كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فساد کے اندیشہ سے مدرسہ کے مصالح کی خاطر مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی نے جب ایک مدرس کو ۱۵/ دن کے لئے اس کے وطن بھیج دیا، پھر فساد کا اندیشہ دفع ہونے پر باہمی مصالحت کے بعد مدرس کو بلالیا تو پندرہ دن کی تنخواہ مدرس کو دی جاسکتی ہے اور اس کو لینے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ اگر مدرس نے استعفاء دیدیا ہوتا، یا اس کو اہلِ مدرسہ نے الگ کردیا ہوتا، یعنی اس کی ملازمت ختم کردی جاتی اور تقررِ جدید کرکے بلایا جاتا تو اس مدت کی تنخواہ لینا اور دینا درست نہ ہوتی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زمانۂ قید وبیماری کی تنخواہ

سوال[۷۶۱۳]: زید کو مدرسہ اشرف العلوم برما کی طرف سے چندہ کے لئے مشرق پاکستان

---

(۱) "منها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درسٓ الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسألة علىٰ وجهين: فإن كانت مشروطةً، لم يسقط من المعلوم شئ". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/ ۳۰۰، إدارة القرآن كراچي)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان، لم أره، وينبغي إلحاقة ببطالة القاضي .... والأصح أنه يأخذ". (الدرالمختار). "إن كان الواقف قدّر لكل يوم مبلغاً، فلم يدرس........... لايحل له أن يأخذ .... بخلاف ما إذا لم يقدّر لكل يوم مبلغاً، فإنّه يحل له الأخذ وإن لم يدرس فيها للعرف".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق المدرس والقاضي في يوم البطالة: ۴/ ۳۷۳، سعيد)

"يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۴۸): ۱/ ۲۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لكن ليس له أن يمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لايستحق الأجر". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/ ۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص: ۴/ ۵۰۰، رشيديه)

بھیجا گیا، مگر بنگلا دیش بننے کی وجہ سے وہ وہاں پر مقید ہوگیا اور دو سال تک مقید رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دو سالوں کی زید کو مقررہ تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

(الف) اشرف العلوم کی طرف سے زید کے گھر فی ماہ اسّی روپے گزروقت کے حساب سے دیا جاتا تھا، حسبِ شرع یہ اسّی روپیہ قرض ہوگا، یا اس کی تنخواہ میں شمار ہوگا؟

(ب) زید نے پہلے سال چار مہینے تحصیل کا کام کیا، دوسرے سال وہ بیماری میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے تحصیل بھی نہ کرسکا۔ اس صورت میں کیا حکم ہوگا، آیا پورے دو سال کی تنخواہ ملے گی یا صرف ایامِ تحصیل کی تنخواہ ملے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کو مدرسہ نے ملازمت سے برطرف کرکے اطلاع نہیں کی اور زید نے بھی استعفاء نہیں دیا، نہ وہاں کوئی دوسری جگہ ملازمت وغیرہ کا شغل اختیار کیا، بلکہ مدرسہ اشرف العلوم ہی کا ملازم اپنے کو تصور کرکے حتی الوسع کوشش میں لگا رہا تو ان ایام کی اس کو تنخواہ ملے گی (۱)۔

(الف) اگر زید کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ میرے مکان پر اسّی روپیہ یا اہلِ خانہ کے طلب ظاہر کرنے پر جس قدر وہ روپیہ طلب کریں، یا اپنی صوابدید کے موافق مناسب مقدار گھر میں دے دیا کریں، تو اس روپیہ کو تنخواہ میں محسوب کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولايشترط عمله بالفعل". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/ ۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

"ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقه، لم أرها صريحةً في كلامهم، والمسئلة علىٰ وجهين: فإن كانت مشروطةً، لم يسقط من المعلوم شئ، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي .... فقال في المحيط: إنه يأخذ في يوم البطالة". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/ ۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وفيه قال: أنفقْ عليّ أو على عيالي أو على أولادي، ففعل، قيل: يرجع بلاشرطه". (الدر المختار).

"وكذا لوقال: أنفق من مالك على عيالي أو في بناء داري، يرجع بما أنفق". (ردالمحتار، كتاب =

(ب) اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے کوئی ضابطہ ہے تو اس پر عمل کیا جائے، یعنی ایسے ملازم کو بیماری کی وجہ سے سال بھر میں جتنی رخصت مل سکتی ہو وہ مع تنخواہ ملے گی، اس سے زائد پر تنخواہ وضع ہوگی۔ اگر کوئی ضابطہ نہ ہو تو پھر دیگر مدارس میں جو ضابطہ ہو اُسی کے موافق عمل کیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

ملازم کے لئے غیر حاضری کی تنخواہ

سوال[۷۲۱۴]: ملازم وقف دو دن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہیے کہ نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورتِ مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیلِ رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی۔ غرض! حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم۔

= الطلاق، باب النفقة، مطلب: أمر غيره بالإنفاق ونحوه هل يرجع: ۶۱۷/۳، ۶۱۸، سعيد)

(۱) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۲۷۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"إنما تعتبر العادة إذا طردت أو غلبت .... المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۱-۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۳۷/۱، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسألة الدراهم: ۱۳۰/۳، سعيد)

(۲) "يلزم مراعاة الشرط بقدر الإمكان". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۸۳)، كتاب الإجارة: ۵۴/۱، حنفية كوئٹه) .... =

مدرس کی تنخواہ کا ناغہ کاٹنا

سوال[۷۶۱۵]: ایک شخص امامت ومدرسی پر ملازم ہے، تنخواہ الگ الگ متعین نہیں۔ اس حالت میں مدرسہ کے ناغہ پر کیا کاٹنا ضروری ہے، یا منتظمین کی مرضی سے جائے تو کچھ نہ کٹے گا، چاہے وہ تبلیغ میں جائے، یا نجی ضرورت سے جائے، منتظمین اجازت دیدیں اور کچھ تنخواہ نہ کاٹیں تو گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مستقل معاملہ طرفین کی رضامندی سے طے کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

رخصتِ بیماری میں روحانی بیماری کا توریہ

سوال[۷۶۱۶]: بعض احباب اپنے اخلاقی ومعاشرتی وروحانی امراض کی بناء پر اپنی چھٹی بڑھاتے ہیں، ضابطہ میں جتنی چھٹی ہوتی ہے اس سے زیادہ، مثلاً: ایک ماہ بیماری کے نام سے تار یا خط لکھ کر بڑھوائی، وہ بڑھ گئی، اسے اپنی روحانی بیماری کے علاج میں گذار کر واپس ہوئے، وہاں جا کر پھر ملازمت شروع کردی، اس بیماری کی چھٹی کی تنخواہ بھی مل گئی۔ تو اس تنخواہ کا لینا کیسا ہے؟ کیونکہ اس دفتر میں بیماری سے مراد معروف بیماری

= (وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۴۹)، ص: ۸۴، الصدف پبليشرز كراچى)

"أما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه هو المنفعة معلوماً، ومنها بيان المدة. وأما في حق الأجير الخاص، فلايشترط بيان جنس المعمول فيه، وإنما يشترط بيان المدة فقط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ۱/۲۶۴، مكتبه حنفية كوئته)

(۱) "يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۴۸)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۴، مكتبه حنفية كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

جسمانی ہوتی ہے، اس مہینے میں دفتر کا کوئی کام نہیں کیا اور جسمانی بیماری جو معروف ہے وہ بھی نہ تھی، روحانی بیماری کا توریہ کیا تھا تو اس تنخواہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اگر ناجائز اور واپس کرنے کا حکم ہو اور واپس کرنا مشکل ہو تو اس رقم کا مصرف کیا ہوگا، آیا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں کو دے سکتا ہے، یا غرباء وفقراء پر تقسیم کردیں، یا کیا کرے؟ اور اس ملازمت میں دولتِ مسلم یا غیر مسلم ہونے میں تنخواہ کے جواز وعدمِ جواز میں کیا فرق ہوگا؟ چونکہ ابھی ایک صاحب نے یہ ہم سے پوچھا ہے اور وہ دور ملک کے رہنے والے ہیں، ان کو جلدی جواب دینا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مبتلیٰ بہ خود جانتا ہے کہ کونسی بیماری زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے جس کے لئے چھٹی کی ضرورت ہے، صورتِ مسئولہ میں توریہ درست ہے (۱) اور یہ تنخواہ بھی درست ہے (۲)۔ دولت مسلم اور غیر مسلم سے اس میں فرق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمينان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (ردالمحتار، كتاب الإكراه، مطلب: بيع المكره فاسد وزوائده مضمونة بالتعدي: ۱۳۴/۶، سعيد)

"التورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا اطمينان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه: ۲۴۱/۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية، :۵۹۲/۶، مكتبة حقانية پشاور)

(۲) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴۱۳/۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۱۰/۶، ۱۱، سعيد)

(وكذا شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة: ۲۶۱/۱، مكتبه حنفية، كوئٹه)

بغیر پڑھائے مدرسہ میں حاضر رہ کر تنخواہ لینا

سوال[۷۶۱۷]: زید کسی عارضی وجہ سے ایک دن مدرسہ کے درسگاہ میں حاضر نہیں ہوا اور نہ سبق پڑھایا، بلکہ مدرسہ کے احاطہ میں اپنے کمرہ میں رہا۔ تو اس کو اس مذکورہ دن کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مدرسہ کا قانون یہ ہے کہ لڑکے جب غلہ وغیرہ کی وصولی کے لئے جاتے ہیں تو مدرس کے ذمے اگرچہ کوئی کام نہیں رہتا، لیکن اس کو مدرسہ کے احاطہ میں رہنا ضروری ہوتا ہے، چاہے درسگاہ میں رہے یا اپنے حجرہ میں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تنخواہ اس دن کی لینے کا حق نہیں (۱)، یہاں سبق نہ پڑھانا اپنی ذاتی ضرورت سے ہے، غلہ کی وصولی کے لئے لڑکے چلے جاتے ہیں اور اس وقت سبق نہیں پڑھایا جاتا تو یہ مدرسہ کی ضرورت ہے اس لئے قیاس صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۰ھ۔

مدرس کو مہتمم نے الگ کیا، پھر سرپرست نے رکھ لیا، مدتِ علیحدگی کی تنخواہ کس کو دینی ہے؟

سوال[۷۶۱۸]: مدرسہ اسلامی کے ایک مدرس کو ایک شکایت کے مسموع ہونے پر اپنے طور پر تحقیق کرنے کے بعد- جو ان کے نزدیک درست تھی- مہتمم مدرسہ نے بمشورۂ چند ارکینِ مدرسہ مدرس مذکور کو ملازمتِ

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذاكان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... غير أنه يشترط أن يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كالمطر والمرض، فلا أجر له، ولكن ليس له أن يمنع عن العمل. وإذا امتنع، لا يستحق الأجرة". (شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة: ۱/۲۳۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"بخلاف غيرهما من أيام الأسبوع، حيث لايحل له أخذ الأجرعن يوم لم يدرس فيه مطلقاً، سواء قدر له أجر كل يوم أولا". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۴/۳۷۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۹، رشيديه)

مدرسہ سے برخاست کردیا، بعد برخاستگی مدرس مذکور اپنے وطن چلے گئے، سرپرستِ مدرسہ کو جب برخاستگی کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے شکایت مسموع کا شرعی ثبوت فراہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ برخاستگی کالعدم قرار دے دی، مدرس مذکور کو ملازمت پر بحال کردیا، چنانچہ ان کو وطن سے بلا کر کار متعلقہ ان کے سپرد کردیئے گئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرس مذکور ایامِ برخاستگی کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر مستحق ہیں تو پھر یہ تنخواہ اور جو مالی نقصان ان کو ہوا ہے کس کے ذمہ واجب ہے، آیا ان کو منجانب مدرسہ تنخواہ دی جائے یا مہتمم مدرسہ اور وہ اراکین جن کے مشورہ سے برخاستگی عمل میں آئی تھی، اپنے طور سے ادا کریں گے؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مہتمم کو اختیار تھا برخاست کرنے کا اور اپنے گمان کی حد تک ثبوت کے بعد برخاست کیا ہے تو ان ایام کی تنخواہ مہتمم پر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سرپرست اپنے پاس سے دیدے۔ اگر مہتمم کو بغیر سرپرست کی اجازت کے اختیار نہیں تھا تو مہتمم صاحب پر ذمہ داری ہے (۱)۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو قانونی شکل نہ دی جائے، بلکہ مہتمم صاحب وغیرہ خارجی طور پر بہ حیثیتِ اعانت ان کی خدمت کردیں تا کہ ان کے نقصان کی بھی تلافی ہوجائے اور بلا کام کئے تنخواہ کا بار مدرسہ پر بھی نہ پڑے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد معذور ہوا، تو کیا وہ تنخواہ لینے کا حقدار ہے؟

سوال[۷۲۱۹]: ۱......زید نے عرصۂ دراز تک بعوضِ تنخواہ ایک مدرسہ میں رہ کر درسِ کلام پاک کی

---

(۱) "باع القاضي أو أمينه عبداً لدين الغرماء وأخذ المال، فضاع ثمنه عند القاضي، واستحق العبد، لم يضمن؛ لأن أمين القاضي كالقاضي، والقاضي كالإمام، وكل منهم لايضمن بل ولا يحلف". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مسائل شتیٰ: ۴۵۸/۵، سعيد)

"وقف له متولي ومشرف، لا يكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (فتاویٰ قاضي خان علیٰ هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً............: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف: ۴۵۸/۴، سعيد)

تعلیم انجام دی، اب بوجہ مسلسل بیمار و بزمانۂ پیرسالی مدرسہ مذکور کی کسی بھی قسم کی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اب فرمایئے کہ اس صورت میں مدرسہ سے تنخواہ پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

۲......زید مذکور اپنی عادت بد کی وجہ سے مدرسہ کے نظم میں خلل اندازی بھی کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے مدرسہ کے طلباء کی تعلیم و تربیت میں حرج واقع ہوتا ہے۔ زید مدرسہ میں ہی رہتے ہیں، ان کے عزیز و اقارب گھر لے جانا چاہتے ہیں اور یہ جاتے نہیں ہیں جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مدرسہ کے کارکن حضرات زید مذکورہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے زید مذکور کو مدرسہ سے الگ کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور مدرسہ کی بدنظمی جو ان کی وجہ سے ہورہی ہے اس کا کارکن حضرات کو بھی سخت احساس ہے۔ اب تحریر فرمائیں کہ کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تنخواہ تو کام کا معاوضہ ہے، جب مدرسہ کا کوئی کام نہیں کرتے تو پھر تنخواہ کس بات کی ہے(۱)۔

۲......اس حالت میں ان کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کا قیام ترک کردیں (۲)، کارکنانِ مدرسہ جو ان کے تلامذہ ہیں وہ آداب و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کردیں اور ان کی جانی مالی خدمت حسبِ استطاعت بحق

---

(۱) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذاكان في مدة الإجارة حاضراً للعمل، ولايشترط عمله بالفعل، غير أنه يشترط ان يتمكن من العمل، فلو سلّم نفسه ولم يتمكن منه لعذر كالمطر والمرض، فلا أجر له". (شرح المجلّة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵): ۱/۲۳۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

"فلو امتنع ولو حكماً كمطر ومرض فلاأجر له". (الدر المنتقىٰ على هامش مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۴۷، غفارية كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترك: ۹/۳۳۱، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وليس للقيّم أن يُسكِن فيها أحداً بغير أجر؛ لأنه إتلاف منافع الوقف بغير عوض". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۷، مكتبه غفارية كوئٹه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيديه)

شاگردی کرتے رہیں (۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ میں ان کے قیام سے مدرسہ کا نفع ہو، مثلاً: ان کے اثر سے مدرسہ کا نظم وضبط قائم رہتا ہو اور ان کی تجربہ کارانہ رائے سے کارکنوں کو روشنی ملتی ہو اور ان کی صحبت سے اصلاح وتربیت ہو تو پھر مدرسہ میں قیام بھی درست ہے اور تنخواہ کی بھی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۱ھ۔

تنخواہ میں اضافہ کا وعدہ

سوال [۷۶۲۰]: ایک مدرسہ کے عملۂ ملازمین نے بسلسلۂ اضافۂ تنخواہ مدرسہ کے مہتمم کو درخواست دی، مہتمم نے سرپرستِ مدرسہ کے خدمت میں اس درخواست کو پیش کردیا، سرپرستِ مدرسہ اپنی مشغولیت کی وجہ سے چند ماہ غور نہ فرماسکے۔ ملازمینِ مدرسہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد درخواست دیتے رہے، مہتمم نے ملازمینِ مدرسہ سے وعدہ کرلیا کہ جو بھی اضافہ ہوگا وہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے ہوگا، سرپرست مدرسہ نے موجودہ ماہ سے اضافہ فرمایا اور تحریر فرمایا کہ اسی ماہ سے اضافہ ہوگا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اضافہ گذشتہ ماہ محرم الحرام سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

احقر: جمیل احمد نذیری۔

---

(۱) قال العلامة برهان الإسلام الزرنوجي: "الحرمة خيرٌ من الطاعة، ألا ترىٰ أن الإنسان لايكفر بالمعصية، وإنما يكفر باستخفافها وبترك الحرمة .... ومن تعظيم العلم تعظيم المعلم .... وقال مشايخنا رحمهم الله: من أراد أن يكون ابنه عالماً، فينبغي أن يراعي الغرباء من الفقهاء ويكرمهم ويطعمهم ويعظّمهم ويعطيهم شيئاً". (تعليم المتعلم للزرنوجي، ص: ۲۱، ۲۲، قديمي)

(۲) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعمّ للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم .... وكذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة: ۴/۳۶۷، سعيد)

"نعم يتصرف القيّم في الوقف بمافيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سرپرستِ مدرسہ ہی نے یکم محرم سے تنخواہ کے اضافہ کا وعدہ کیا تھا، لیکن ان کو یادنہیں رہا، وعدہ پورا کرنے کا موقع نہیں ملا، نیز مصلحتِ مدرسہ کا تقاضا یہ ہے کہ یکم محرم سے اضافہ کردیا جائے، ورنہ بدزبانی وبدگمانی کا دروازہ کھلے گا، اَور بھی کوئی نامناسب صورت پیش آسکتی ہے، مثلاً: خدانخواستہ مدرسین بغاوت کردیں، اپنا کام چھوڑ دیں، یا طلباء کے اندر غلط قسم کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کریں وغیرہ وغیرہ تو یکم محرم سے اضافہ کرسکتے ہیں(۱)۔ اگر سرپرست نے وعدہ نہیں کیا تھا، بلکہ مہتمم نے وعدہ کیا تھا اور مہتمم کو اس کا اختیار نہیں تو مہتمم کو یکم محرم سے اضافہ کرنے کا حق نہیں (۲)۔

بصورتِ دیگر مدرسین کے لئے زیبا یہ ہے کہ گذشتہ ایام کے مطالبہ کا ارادہ نہ کریں، بلکہ جس روز سے باضابطہ تجویز کیا جائے اسی روز سے اس اضافہ کو قبول کریں، یہ ان کے مقامِ بلند کے لئے بہت لائق اور بہتر ہے، ان کا حال اونچا ہونا چاہئے کہ (اُن کی) نظر دینی تعلیم، خدمت اور افادۂ طلباء اور ترقی مدرسہ اور خشیت پر ہو، روپیہ کمانے کی نیت ہرگز نہ ہو کہ یہ تو فیکٹریوں کے ملازمین اور مزدوروں کا حال ہوتا ہے کہ ان کے سامنے بس اپنا

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"يبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار). "ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(۲) "وقف له متولي ومشرف، ليس للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلىٰ المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ لاغير". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً .... اهـ: ۳/۲۹۷، رشيديه)

روپیہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قناعت وتوکل کی دولت سے نوازے اور ﴿ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ﴾ (۱) پر پورا اعتماد عطا ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۶ھ۔

تدریس وامامت کی قلیل تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ

سوال [۷۶۲۱]: ۱..... زید ایک مسجد کا امام ہے اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے، ۱۷۵/ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ چند ماہ بعد زید نے تمام نمازیوں کو یہ حکم دیا کہ باری باری ہر فرد مجھے کھانا بھیج دیا کرے، ورنہ وہ سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مزید اس نے بچوں کا داخلہ بند کر دیا جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم پر اثر پڑ رہا ہے۔ تو کیا زید اور اس کی حامیوں کی اطاعت از روئے شرع واجب ہے یا نہیں؟

۲..... جو لوگ امام صاحب کی اس بات پر حامی نہیں، ان کو شوقیانہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کیا یہ اسلامی شعار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... امام صاحب موصوف کو ایسا اعلان نہیں کرنا چاہیے، اس قسم کی وعید سنانے کا حق نہیں، جب معاملہ ۱۷۵/ روپیہ ماہانہ پر ہوا ہے، کھانا شرط نہیں تھا تو اب ایسا طریقہ اختیار کرنا غلط ہے (۲)۔

غلط بات کو تسلیم نہ کرنے سے ایمان میں فرق نہیں آئے گا (۳)، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا

---

(۱) (سورة الطلاق : ۳)

(۲) "یشترط أن تکون الأجرة معلومةً، سواء کانت من المثلیات أو من القیمات، أو کانت منفعةً أخرىٰ؛ لأن جهالتها تفضي إلی المنازعة، فیفسد العقد". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۴۵۰)، کتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط الإجارة: ۱/۲۵۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار: ۶/۵، کتاب الإجارة، سعید)

(۳) غلط بات کو تسلیم نہ کرنا تو ایک امر مستحسن ہے، جبکہ اہلِ سنت وجماعت کے ہاں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے بھی ایمان زائل نہیں ہوتا: "ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن کانت کبیرةً: أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتکاب کبیرة وصف الإیمان". (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري، ص: ۱۷، قدیمي) =

ضروری ہے(۱)۔

۲...... بلا وجہ شرعی کسی کے لئے شوقیانہ الفاظ اختیار کرنا درست نہیں، یہ ہرگز اسلامی شعار نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہتمم صاحب کی تنخواہ ماہ رمضان میں دوگنی اور کارِ مفوضہ انجام نہ دینا

سوال[۷۶۲۲]: ایک دینی مدرسہ کے ذمہ دار (ناظم و مہتمم صاحب) نے اپنی تنخواہیں صدر مدرس اور شیخ الحدیث سے بھی زیادہ کر رکھی ہے اور مفوضہ خدمات یعنی فراہمیٔ مالیات کے لئے صرف ماہ رمضان میں تشریف لے جاتے ہیں، رجسٹر حاضری کے دستخط سے بھی وہ مبرّا ہیں۔ مدرسہ کا پورا عملہ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے پریشان رہتا ہے، چھ چھ، سات سات، ماہ کی تنخواہیں چڑھ جاتی ہیں۔

رمضان میں گیارہ ماہ آرام کے بعد اور اپنے نجی دھندے کر کے چندہ کو جاتے ہیں تو نام نہاد شواری کے ممبروں کو حلوے انڈے کھلا کر- وہ بھی مدرسہ ہی کے- ان سے کہا کہ دیکھئے صاحب! ہماری ایک مہینہ کی چھٹی ہوتی ہے اور اسی میں ہم باہر رہتے ہیں، لہذا اسی مہینہ کی ہمیں دوگنی تنخواہ ملنی چاہیئے، اب یہ ناظم اور مہتمم صاحب

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۹/۵، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من وُلد له ولد، فليحسن اسمه وأدبه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قديمي)

"فليحسن اسمه وأدبه": أي معرفة أدبه الشرعيّ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح: ۳۰۰/۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيّها الذين اٰمنوا لايسخر قوم من قوم عسىٰ أن يكونوا خيراً منهم .... ولاتلمزوا أنفسكم ولاتنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (سورة الحجرات: ۱۱)

"عن علقمة، عن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولااللعان ولا الفاحش ولاالبذيّ". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في اللعنة: ۱۸/۲، ۱۹، سعيد)

بجائے بارہ ماہ کے سال میں ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ پاتے ہیں۔

آیا یہ ساڑھے تیرہ ماہ کی تنخواہ ایک سال کے لئے درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بے چارے مدرسین گیارہ ماہ پوری تندہی، دیانت ومحنت کے ساتھ تعلیم دیتے ہیں اور ماہ مبارک میں چندہ کر کے اپنی تنخواہوں کا خود بندوبست کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ اس طرح ہو کہ فلاں ماہ میں اتنی تنخواہ ملے گی تو اس کی گنجائش ہے (۱)، لیکن جو کام سپرد ہوا ہو، اس کو پورا کرنا ضروری ہے، کارِ مفوضہ کا انجام نہ دینا اور تنخواہ لینا جائز نہیں (۲)، ارکانِ شوریٰ اگر علم کے باوجود اجازت دیں تو اس سے وہ تنخواہ حلال نہیں ہو جاتی، البتہ جرم میں وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں (۳)، اگر دنیا میں کوئی باز پرس نہ کر سکے تو قیامت میں بہرحال حساب دینا ہے، کوئی بھی نہ ناظم ومہتمم کو بچا سکے گا، نہ مدرسین کو، نہ

---

(۱) "یشترط فی صحة الإجارة رضی العاقدین .... ویشترط أن تکون الأجرة معلومةً". (شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة، الفصل الثالث، (رقم المادة: ۴۴۸، ۴۵۰) : ۱/۲۵۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۱۱۴، رشیدیه)

(۲) "الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذاکان فی مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لیس له أن یمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لایستحق الأجرة". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون فی بیان حکم الأجیر الخاص: ۴/۵۰۰، رشیدیه)

(۳) "وفی الإسعاف: ولایُولّٰی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیة الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیه)

ارکانِ شوریٰ کو(۱)۔

مدرسین کو تنخواہ نہ ملے اور ناظم ومہتمم استحقاق سے بھی زیادہ وصول کریں، یہ صریح ظلم ہے جس کا وبال دنیا وآخرت میں سخت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ۔

مدرس کو علیحدہ کرنے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا

سوال[۷۶۲۳]: زید عربی مدرسہ میں دوسال سے ملازم تھا، بوقتِ تعطیل کلاں رمضان المبارک میں اس نے مہتمم صاحب سے کہا: میں چندہ کرنے سے قاصر ہوں، میرے بارے میں جو فیصلہ ہوا ہے، آپ ظاہر کردیجیے۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ تم کو رمضان المبارک کے کچھ دن یہاں مدرسہ میں رہنا ہے، تمہارے بجائے میں جاؤں گا، لہٰذا زید مکان مذکور سے واپس آیا اور مہتمم صاحب کی واپسی تک مدرسہ میں رہا اور مہتمم صاحب کی اجازت سے مکان چلا گیا، راستہ میں مہتمم صاحب کے کہنے پر جو کام بتلایا تھا وہ بھی انجام دیا۔ مہتمم صاحب نے شوال کے دوسرے ہفتے میں اطلاع دی کہ تمہاری ملازمت ختم ہوگئی ہے، زید کہتا ہے کہ اس کو شوال کی تنخواہ ملنی چاہیے۔ از روئے شرع وہ کتنی تنخواہ کا حق دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتمم صاحب نے جس وقت سے اطلاع کی ہے، اس وقت (تک کی) تنخواہ بلاشبہ لازم ہے(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿واتقوا یوماً لاتجزی نفس عن نفس شیئاً، ولایقبل منها عدل، ولاتنفعها شفاعة، ولاهم ینصرون﴾ (سورة البقرة: ۱۲۳)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالی عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "قال اللہ: ثلثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استاجر أجیراً فاستوفیٰ منه ولم یعطه أجره". رواه البخاری". (مشکوٰة المصابیح، باب الإجارة، الفصل الأول: ۲۵۸/۱، قدیمی)

(۳) "الإجارة لاتخلو من وجهین: إما أن تقع علی وقت معلوم أو علی عمل معلوم، فإن وقعت علی عمل =

پورے ماہ شوال کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ اگر مدرسہ کا کوئی ضابطہ مقرر ہے، یا زید سے اس کے متعلق معاہدہ ہوا ہے (مثلاً جب دل چاہے زید ملازمت ترک کردے اور جب دل چاہے مہتمم صاحب علیحدہ کردیں تو اس وقت معاملہ ختم ہوجائے گا اور آئندہ کا کوئی حساب یعنی بلا کام کئے تنخواہ دینے کا حق باقی نہ رہے گا، اس طرح گذشتہ کام کی تنخواہ ضبط کرنے کا بھی حق نہیں رہے گا) تب تو اس کے مطابق عمل درآمد ہوگا (۱)، ورنہ عمومی مدارس کا طریقہ یہ کہ اگر مہتمم علیحدہ کرنا چاہیں تو ایک ماہ پیشتر اطلاع کردیں کہ یکم ذیقعدہ سے آپ سبکدوش ہیں۔ اگر ایسا نہیں کیا، بلکہ فوری طور پر علیحدہ کیا تو ایک ماہ کی تنخواہ مزید دیکر علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مدرس کا حال ہے کہ وہ اپنی علیحدگی کے لئے ایک ماہ پہلے اطلاع کردے، ورنہ ایک ماہ کی تنخواہ سے دست بردار ہوجائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۴ھ۔

= معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل .... إن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل .... وإذا وقعت على وقت معلوم فتجب الأجرة بمضي الوقت .... وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف للفتاویٰ، كتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إمابشرط التعجيل أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(۱) "المعلق بالشرط يجب ثبوته عند ثبوت الشرط". (شرح المجلة لسليم، (رقم المادة: ۸۲): ۱/۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، الفصل الثاني: ۱/۲۶۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "المعروف عرفاً كالمشروط شرعاً". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۳۷، مكتبه حنفية كوئٹه) ....=

سال بھر پورا ہونے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا اور ہر چھٹی پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۷۶۲۴]: زید ایک ایسے مدرسہ میں ملازم ہے جہاں کا قانون یہ کہ پورے سال میں رخصتِ علالت واتفاقیہ ایک دن بھی نہیں ہے، بلکہ رخصت کے بجائے ایک مہینہ زائد کی تنخواہ دی جاتی ہے اور حسبِ ضرورت ناغہ ہونے پر ایک گھنٹہ تک کی بھی تنخواہ وضع کرلی جاتی ہے۔ اب اگر زید نے ناظم یا ممبرانِ مدرسہ کے یہاں کسی ضرورت کی بناء پر یہ درخواست پیش کی کہ مجھے بلا معاوضہ رخصت عطا کی جائے اور ممبرانِ مدرسہ نے اس کو منظور کرلیا تو ازروئے شرع زید کی یہ درخواست پیش کرنا اور ممبران حضرات کا اس کو منظور کرلینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ قوم نے ناظم یا ممبران کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا ہے؟ درصورتِ عدمِ جواز وجہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی ضرورت کے تحت درخواست دینے میں تو کوئی اشکال نہیں، وہ یہ بھی درخواست دے سکتا ہے کہ میرے ساتھ اَور بھی خصوصیات برتی جائیں، مگر ہر درخواست لائق قبول نہیں، ناظم اور ممبران کو ایسی درخواستوں کے قبول کرنے میں دشواری ہوگی، وجہِ خصوصیت بتلانے میں بھی مشکل ہوگا۔ دوسرے ملازم درخواست دیں تو اس کو رد کرنا بھی مشکل ہوگا، قسم قسم کے الزامات عائد ہوں گے۔ اور قوم نے بھی اس کو نمائندہ اس لئے نہیں بنایا کہ زید کے لئے خصوصی رعایت کریں، بلکہ قانون عام ہوتا ہے(۱)۔

البتہ اگر ناظم وممبران مل کر قانون میں ہی مدرسے کی بہتری کے لئے کوئی اس قسم کی تبدیلی وترمیم کریں

= "ومنها البطالة في المدارس كأيام الأعياد ويوم عاشوراء وشهر رمضان في درس الفقة، لم أرها صريحةً .... فإن كانت مشروطةً لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: ۱/۲۷۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "علىٰ أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيحٌ معتبرٌ يعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

جس سے سب نفع اٹھا سکیں اور مدرسہ کا بھی نقصان نہ ہوتو اس کا حق ہوگا پھر اس تبدیلی وترمیم میں قوم کو بھی آگاہ کر دیں تو بہتر ہوگا، تاکہ قوم مطمئن رہے کہ ہمارے نمائندے مدرسہ کا مال صحیح طور پر صرف کر رہے ہیں، اپنے ذاتی تعلق والوں پر بے ضابطہ روپیہ خرچ نہیں کرتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی صورتیں

سوال [۷۶۲۵]: یہاں اس شہر میں ایک مدرسہ ہے جس میں شہر کے بچوں کو ناظرۂ قرآن اور نماز وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابلِ التفات ہیں:

۱...... بچے سب اسی شہر کے ہیں اور صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ یہاں تعلیم پاتے ہیں اور پورے دن سرکاری پرائمری اسکول میں پڑھتے ہیں۔

۲...... رمضان شریف میں اس مدرسہ کے لئے شہر سے زکوٰۃ کا روپیہ وصول کیا جاتا ہے اور اخراجات میں سوائے تنخواہ مدرسین کے کوئی دوسری مد نہیں ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

۳...... کیا حیلۂ تملیک کے بعد مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیرونی بچے اس مدرسہ میں نہیں، سب مقامی ہیں اور غریب نادار ہیں تو ان کو بطورِ وظیفہ زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے جس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے (۲)، پھر ان کے اولیاء سے کہا جائے کہ وہ اس بچے کی فیس مدرسہ میں

(۱) "نعم يتصرف القيم في الوقف بما فيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۲۰۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في المصادقة على الاستحقاق: ۴/۴۴۱، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين، والعاملين عليها، والمؤلفة قلوبهم، وفي الرقاب، والغٰرمين، وفي سبيل الله، وابن السبيل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزكاة هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولامولاه مع قطع =

داخل کردیں اور وہ پیسہ بچوں سے لیکر فیس دیدیں، اس فیس سے تنخواہ وغیرہ کا کام چل سکتا ہے(۱)۔ بچے اگر بالغ ہوں تو خود ان سے بھی فیس میں وہ پیسہ لینا درست ہے، اولیاء کا واسطہ و اجازت بھی ضروری نہیں۔ جو بچے نادار نہیں ان کو زکوٰۃ کا پیسہ وظیفہ میں دینا درست نہیں (۲)۔ اور اگر کسی غریب مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو بھی تعلیم میں خرچ کرنا درست ہے، خواہ تنخواہ میں دیا جائے یا تعمیری کام میں خرچ کیا جائے:

"والحيلة أن يتصدق به على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، اه". درمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۲/۶۳ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۹۱ھ۔

لوگوں کی طرف سے مدرسین کو جو کھانا دیا جائے، وہ اباحت ہے یا تملیک؟

سوال [۷۶۲۶]: یہاں مدرسہ میں تنخواہ کے ساتھ کھانے ناشتہ کا بھی نظم ہے، گاؤں والے کھانا باری سے دیتے ہیں، کم ہوجائے تو مطالبہ نہیں، زیادہ ہو تو واپس نہیں ہوتا، یہی معمول ہے۔ اگر کوئی مسافر ہو تو ساتھ کھالیتا ہے، کسی کو اعتراض نہیں ہوتا ہے۔ کھانا گاؤں کے کسی فرد کو کھلائیں تو اعتراض ہوتا ہے، لیکن لوگ کھل کر کچھ نہیں کہتے۔ ان سے پہلے مدرس تھے وہ کھانا اپنے گھر لیجا کر کھاتے تھے، اس پر لوگوں کا خیال تھا کہ مدرسہ ہی میں کھائیں تو بہتر ہے کہ دو تین کھانوں میں ایک آدمی اگر زائد آجائے تو وہ بھی شریک ہوجائے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کھانا دینا مدرسہ میں اباحت ہے یا تملیک جب کہ دینے والوں کی طرف سے اس

= المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، : ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۲/۱۷، ۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۴۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۱۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

کی کوئی تصریح نہیں ہوتی اور دوسروں کو کھانے میں خواہ وہ گھر کے ہی کیوں نہ ہوں شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کھانا مدرس کے پاس بھیج دیا اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس مہمان یا جس مسافر کو چاہے اپنے ساتھ شریک کرلے، اور جو کھانا بچ جائے اس کی واپسی نہیں ہوتی، نیز تنخواہ کے ساتھ کھانے کا بھی معاملہ ہے تو یہ سب علامات ہیں کہ یہ کھانا ان کو تملیکاً دیا جاتا ہے، اباحۃً نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۹۳ھ۔

بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنا اور تعمیرِ مدرسہ میں قیام کرنا

سوال[۷۶۲۷]: مہتمم مدرسہ جو بلا مقررہ تنخواہ لئے ہوئے صرف عمارت میں قیام کو اپنی خدمت کا صلہ سمجھتا تھا، وہ شرعی نقطۂ نظر سے گنہگار رہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔

عبدالمنان، تاجر برتن، زیر جامع مسجد سلطان پورا (اودھ)، ۱۴/جنوری/۴۸ء۔

---

(۱) اباحت میں کھانے کے سوا دوسرے تصرفات کی اجازت نہیں ہوتی ہے جب کہ تملیک میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے:

"دعا قوماً إلى طعام و فرّقهم على أخوِنَة، ليس لأهل خوان مناولة أهل خوان آخر، ولا إعطاء سائل وخادم وهرّة لغير رب المنزل، ولا كلبٍ ولو لرب المنزل". (الدرالمختار: ۵/۷۱۰، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۴، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۴۳، كتاب الهبة، الباب الثالث في الحظر والإباحة والإحلال منه، رشيديه)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والتحقيق أن المنفعة ملك لا مال؛ لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۴/۵۰۲، كتاب البيوع، مطلب في تعريف الملك والمال والتقوم، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں گنجائش ہے، مگر مہتمم کو چاہئے کہ مدرسہ کی خدمت حسبۃً للہ انجام دے اور اس قیام کو خدمات کا صلہ تصور نہ کرے، بلکہ خدماتِ مدرسہ کے لئے مدرسہ کی ضرورت سے مدرسہ میں قیام کی تجویز کردیا جائے تاکہ ہر وقت پوری نگرانی اور حفاظت میں سہولت رہے، جیسا کہ بعض مساجد میں امام یا مؤذن کا قیام مسجد کے حجرے میں تجویز ہوتا ہے کہ وہ خدمت کی صلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ خدمت کا معاوضہ مستقل ہوتا ہے، یا خدمت محض ثواب کی نیت سے کرتا رہے اور قیام ضرورت کے لئے، ایسا ہی معاملہ مدرسین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ وہ مدرسہ کی عمارت میں قیام کرتے ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

معلم کی تنخواہ میں انجمن کا پیسہ

سوال[۷۶۲۸]: یہاں پر ایک انجمن اصلاح المسلمین قائم ہے جس کا مقصد مکتب کو فروغ دینا ہے، انجمن کی کچھ رقم جمع ہے۔تو کیا اس رقم کو مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب انجمن اصلاح المسلمین کے مقاصد میں سے مکتب کو فروغ دینا بھی ہے تو اس کا پیسہ مکتب کے معلم کی تنخواہ میں دینا شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) "يبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدرالمختار). "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذالك إلىٰ آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ من غلة الوقف بعمارته: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(۲) "يبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد، ومدرس مدرسة يعطون بقدر =

تنخواہِ مدرسین میں گورنمنٹ کی امداد کا روپیہ

سوال[۷۶۲۹]: مدرسہ عربیہ کو گورنمنٹ سے کچھ روپیہ ملتا ہے، لیکن ان کا صحیح پتہ نہیں چل سکا کہ استاذوں کے ہیں یا مدرسہ کے، بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ہیں، استاذوں کے نہیں۔ تو کیا ان کو استاذوں کی تنخواہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گورنمنٹ کی طرف سے جو روپیہ بطورِ امداد مدرسہ میں ملتا ہے، اس کو مدرسین کی تنخواہ میں صَرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۹ھ۔

کیا دینی معلم کی تنخواہ پرائمری کے معلم سے کم ہونا اہانت ہے؟

سوال[۷۶۳۰]: عربی فارسی کی تعلیم دورۂ حدیث تک ہوتی ہے، نیز اردو ہندی حساب کی تعلیم درجہ

= كفايتهم". (الدر المختار). "ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(۱) "ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم .... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب الجزية، مطلب في مصارف بيت المال: ۲۱۷/۴، سعيد)

"والجزية والخراج ومال التغلبي وهدية أهل الحرب .... يصرف في مصالحنا كسد الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية القضاة والعلماء". (البحر الرائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ۱۹۸/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب العشر والخراج والجزية: ۱۷۰/۴، سعيد)

پنجم تک تو حدیث وتفسیر کے اساتذہ کی تنخواہ خشک اور پرائمری درجات کی معلمین کی تنخواہ مع خوراک وناشتہ کے اس تناسب سے کہ حدیث تفسیر کا درس دینے والے اساتذہ باعتبار پرائمری درجات کے معلمین کے کم تنخواہ پائیں کہ یہ علماء اور علمِ دین کی اہانت نہیں اور کیا واقعۃً پرائمری درجات کے معلم ہی فوقیت کے مستحق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ علم حضرات کو علوم دین کی خدمت محض اللہ کے لئے کرنی چاہئے، تنخواہ کے لئے نہیں، جو کچھ ملے اس کو مالکِ حقیقی کا عطیہ تصور کرنا چاہئے، خدمتِ دین کا معاوضہ نہیں (۱)، انشاء اللہ اجر وثواب بھی پورا ملے گا، حق تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور دنیا میں بھی عزت حاصل ہوگی۔ اگر روپیہ وتنخواہ کے لئے کام کریں گے تو رُخ دوسرا ہوگا، تنخواہ زیادہ لینے کی ہوس پیدا ہوگی اور تنخواہ کی زیادتی کو عزت تصور کریں گے کہ تنخواہ پر ذلت واہانت ذہن میں قائم ہوگی اور طرح طرح قلب میں انتشار پیدا ہوگا۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل عزت اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا ہے جس کا مدار اخلاص پر ہے، اہانت وذلت اس کی بارگاہ سے مردود ہونا ہے دنیا والوں کی عزت کرنا، یا ذلیل سمجھنا حقیقی عزت، وذلت نہیں (۲)۔ جو حضرات مدرسہ کے اربابِ حل وعقد ہیں ان کے ذمہ بھی لازم ہے کہ وہ اہلِ علم کے سامنے ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں جس سے اہلِ علم کی تحقیر واہانت ہوتی ہو، ورنہ وہ سخت مجرم ہوں گے اور ان سے باز پرس ہوگی (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن، فأولئک كان سعيهم مشكوراً. كلًّا نمدّ هؤلآء وهؤلآء من عطاء ربک، وما كان عطاء ربک محظوراً﴾ (سورة الإسراء: ۱۹، ۲۰)

"عن راشد الحبراني قال: قال عبد الرحمن بن شبل رضی الله تعالیٰ عنه: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول: "اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۷) : ۴۴۶/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقكم﴾ (سورة الحجرات: ۱۳)

(۳) "عن أبي أمامة رضی الله تعالیٰ عنه: حامل القرآن حامل راية الإسلام، مَن أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۳۶۰۰) : ۲۹۱۳/۶، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض)

امام اور قاضی کی تنخواہ کا معیار

سوال[۷۶۳۱]: ۱...... میں اپنے یہاں کی مسجد میں امام ہوں اور قاضی بھی، دین کا کام فی سبیل اللہ عرصہ سے کرتا آرہا ہوں، نیز گاؤں میں ایک عالیشان مسجد اور کنواں بھی تعمیر کروادیا ہے، مگر اب میں مجبور اور ضعیف ہوگیا ہوں، گاؤں کے لوگ میری مجبوری کو دیکھتے ہوئے تنخواہ دینے کو تیار ہیں۔ تو کیا چندہ کی رقم سے گھر کے اخراجات کے لئے تنخواہ لینا درست ہے؟

۲...... سفیر امام عالم کو اندازاً کتنا روپیہ لینا چاہئے؟ ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... آپ نے اتنی مدت تک خدمت کی ہے، حق تعالیٰ اجر عظیم سے نوازے اور آپ کی تنگ دستی دور کرے۔ جو چندہ مسجد وغیرہ کے لئے کرتے ہیں اس میں سے آپ اپنے خرچ کے لئے نہ لیں (۱)، ہاں! آپ کو یہ حق ہے کہ اہلِ مسجد سے کہہ دیں کہ پہلے مجھے ضرورت نہیں تھی تنخواہ کی، اب مجھے ضرورت ہے، اس لئے تنخواہ دی جائے۔ اہلِ مسجد کو بھی چاہئے کہ وہ مناسب تنخواہ مقرر کردیں (۲)۔ قاضی کا کام جن لوگوں کے لئے کرتے ہیں، ان سے بھی مناسب تنخواہ لے سکتے ہیں (۳) اور ان لوگوں کو بھی چاہئے کہ دیدیا کریں۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو

---

(۱) چونکہ محصل معطین کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دے سکتا: "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان، فلا يملك الدفع إلىٰ غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "ويفتىٰ اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان".
(الدرالمختار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة: ۴/۴۴۸، رشيديه)

(۳) "يستحق القاضي الأجر علىٰ كتب الوثائق والمحاضرات والسجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتي، فإنه يستحق أجر المثل علىٰ كتابة الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، مسائل شتىٰ: ۶/۹۲، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء، الجنس الثاني في الأقضية: ۴/۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب التاسع في رزق القاضي: ۳/۳۳۰، رشيديه)

جولوگ چندہ دیتے ہیں، ان کو آپ اطلاع کردیں کہ اس میں سے میں اتنا روپیہ اپنے گھر کے لئے رکھوں گا اور وہ اس پر رضامند ہوں تو اجازت کے مطابق لینا درست ہے(۱)۔

۲......سفیر، امام، معلم اپنی حیثیت، ضرورت اور کام کے مناسب جو تنخواہ مقررہ کرے اس کا لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرس اور امام کی تنخواہ کی حیثیت

سوال[۷۶۳۲]: ائمۂ مساجد اور مدرسین کی تنخواہیں چونکہ مقرر ہوتی ہیں اور قلیل بھی ہوتی ہیں، لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ حق الخدمت ہے، لیکن زید ایک عالمِ دین ہے، اس کا خیال ہے کہ یہ نفقہ ہے، حق الخدمت نہیں ہے، اور تعیین دفعِ نزاع کے لئے ہوتی ہے۔ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے، اور اس تنخواہ کا لینا معاوضۂ دین ہونے کی وجہ سے حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ مدرسین اور ائمۂ مساجد ان خدمات کو بلا معاوضہ ادا کریں اور نیت محض اللہ پاک کو راضی کرنا ہو، مگر چونکہ ضروریاتِ نفقۂ واجبہ ان کے ذمہ بھی ہے اور ہر شخص کے پاس آمدنی کے ذرائع موجود نہیں، اگر یہ حضرات امامت اور تدریس کی پابندی کرتے ہیں تو نفقاتِ واجبہ کے ادا ہونے کی کوئی صورت نہیں، اگر نفقاتِ واجبہ کی تحصیل میں مصروف ہوتے رہیں تو یہ خدمات معطل رہتی ہیں جس سے دین ضائع ہوتا ہے، اس مجبوری کی بناء پر فقہائے کرام نے اجازت دی ہے، تاکہ نفقاتِ واجبہ بھی ادا ہوتے رہیں اور یہ حضرات بے

---

(۱) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد، فليس له ذلک، إلا إن كان الواقف شرط ذلک في الوقف .... ولو شرط الواقف فی الوقف الصرف إلیٰ إمام المسجد وبين قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه: ۴/۴۲۶، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۵۵۵، رقم الحاشية: ۲)

فکر ہوکر اپنی دینی خدمات میں مشغول رہیں (۱)۔

تنخواہ اور تعطیل وغیرہ کے معاملہ کو صاف کرلیا جائے، کوئی بات گول مول نہ رہے جس سے نزاع پیدا ہو (۲)، چنانچہ بڑے مدارس میں اس کے متعلق بات صاف رہتی ہے، اور دستور میں چھپی رہتی ہے، چھوٹے مدارس ان کے تابع ہوتے ہیں، اس طرح نزاع نہیں ہوتا۔ بعض مساجد میں بھی یہ طریقہ ہے اور بعض میں عرف کے ماتحت عمل ہوتا ہے، البحر الرائق میں کتاب الوقف میں اس پر بحث موجود ہے (۳)۔

---

(۱) "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتىٰ اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ ....وزاد في مختصر الوقاية .... تعليمَ الفقه. وزاد متن المجمع الإمامةَ .... وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: الفتوىٰ علىٰ جواز الإجارة على تعليم القرآن: ۲/۱۳۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، إمدادية ملتان)

(۲) "والأصل في شرط المعلم بالأجرة قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من استأجر أجيراً، فليعلمه أجره". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۶/۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً .... لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة، فيفسد العقد".

(شرح المجلة لسليم رستم، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ۱/۲۵۴، (رقم المادة: ۴۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(۳) "فإن قلت: ما يأخذه صاحبُ الوظيفة أجرةٌ أو صدقةٌ أو صلةٌ؟ قلت: الطرسوسي في أنفع الوسائل إن فيه شوب الأجرة والصلة والصدقة، فاعتبرنا شائبة الأجرة في اعتبار زمن المباشرة وما يقابله من المعلوم .... وقد كثر وقوع هذه الحادثة بالقاهرة، فأفتىٰ بعض الحنفية بما قالوا في حق الأولاد من اعتبار مجئ الغلة، حتىٰ أن بعضهم يفرغ عن وظيفة قبل مجئ الغلة بشهر أو جمعة، وقد كان =

معاہدہ اور معاملہ کرنے والے کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کرنے کہ "وہ حرام لیتے ہیں، حرام کھاتے ہیں" یہ جہالت اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز ہے، ہرگز جائز نہیں (۱)۔ پھر جس کو اپنے دین کا رہبر تجویز کیا اور سب سے بڑی عبادت اس کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں اس کے متعلق ایسا کہنا انتہائی بے غیرتی بھی ہے، تاہم نماز ان کی بھی ہوجاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

قرض میں تنخواہ کو محسوب کرنا

سوال [۷۶۳۳]: ایک شخص مدرسہ چلاتا تھا، اس نے اپنے کام کے لئے مجبوراً مدرسہ کا روپیہ قرض لیا اور نیت کی کہ ضرور ادا کروں گا، مگر کسی مجبوری کو نہیں بتلایا۔ اس کے بعد بلا تنخواہ چند ماہ کام کیا اور گھر میں ظاہر کیا کہ ہم تو بلا تنخواہ کام کر رہے ہیں (گویا کہ قرض میں وضع کردیں گے)، لیکن کسی مجبوری کو نہیں بتلایا۔ تو تنخواہ نہ لینے کا روپیہ قرض میں محسوب سمجھا جائے گا یا نہیں، جبکہ مقروض کا انتقال ہوچکا ہے اور مدرسہ بھی ختم ہوچکا ہے؟

= باشر غالبَ السَّنَة .... ولكن بالقاهرة إنما تعتبر الأقساط .... الخ ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵ /۳۸۲، رشيديه)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفرٌ". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمى)

"عن ابن مسعودٍ رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطّعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذى". رواه الترمذى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثانى، ص: ۴۱۳، قديمى)

(۲) "ولو أمّ قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفسادٍ فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك. وإن هو أحق، لا، والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۹، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل السادس، أما الكلام فى بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداًومصلیاً:

پڑھانے کا معاملہ نہیں کیا گیا، تنخواہ مقرر نہیں کی گئی، اس لئے اس قرض کو محسوب کرنے کا حق نہیں (۱)، یہ مدرسہ میں بلا تنخواہ کام کرنا تبرع اور احسان ہے، اس کا اجر ملے گا۔ جتنا روپیہ چندہ کا اپنے کام میں خرچ کیا ہے وہ قرض ہے، ورثاء اگر ادا کرنا چاہتے ہیں تو پورا روپیہ ادا کریں (۲) اور دینی مدرسہ میں -جہاں مناسب ہو- دیدیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغ کے لئے مدرسہ سے تنخواہ

سوال[۷۶۳۴]: کیا کوئی آدمی تبلیغ کا کام کرکے مدرسہ سے تنخواہ کا پیسہ لے سکتا ہے، مثلاً زید نے یہ طے کیا کہ اگر مجھے تبلیغ کے کام سے دو چار روز چھٹی ملی تو پڑھادوں گا، ورنہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اہلِ مدرسہ تعلیم کے لئے بھی ملازم رکھتے ہیں، تبلیغ کے لئے بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن اگر معاملہ تعلیم کے

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني: ۴۱۳/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۰/۶، ۱۱، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة: ۲۶۱/۱، كوئٹه)

(۲) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه. ثم رد بدلها، لايسعه أن يفعل ذلك .... وفي القضاء يكون ضامناً، فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها وصرف غلة الأوقاف: ۸۷۹/۵، ۸۸۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۴۲۳/۴، رشيديه)

لئے کیا گیا ہو تو مدرس کو اس کی پابندی لازمی ہوگی، اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ چار دن، چھ دن موقع مل گیا تو پڑھادوں گا ورنہ تبلیغ کروں گا(۱)، اس سے تعلیم کا حرج ہوگا۔

اور زکوٰۃ سے تنخواہ دینا براہ راست کسی کے لئے جائز نہیں ہے، نہ معلم کو، نہ مبلغ کو(۲)۔ مدرسہ کے ذمہ دار حضرات صرف معطیین کے ہی وکیل نہیں، بلکہ وہ تعلیم کے بھی ذمہ دار ہیں، اسی بناء پر معطیین نے ان کو وکیل بنایا ہے، اس لئے ان کو ایسی صورت اختیار کرنا جائز نہیں جس سے تعلیم کا حرج ہو(۳)، ہاں! اگر سب لوگ تبلیغ کو اصل قرار دیکر تعلیم کو تابع قرار دیں تو پھر دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۸/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل، نقص من أجرته بقدر ماعمل". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۷۰، سعيد)

"وإنما سمي أجير وَحْدٍ؛ لأنه لايمكنه أن يعمل لغيره؛ لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له، والأجر مقابل بالمنافع". (الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۳/۳۰۸، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الأول، (رقم المادة: ۴۲۲، ۴۲۵): ۱/۲۳۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰكين والعٰملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغٰرمين وفي سبيل الله﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخليفة إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفة) أي: من هو نائب عنه، ونظيره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صحّ)؛ لأنه تمحض تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذٍ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكوة، آخر باب المصرف: ۱/۴۳۲، دارالمعرفة)

(۳) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر يعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

مدرس کوڈیڑھ سوروپیہ دے کر دوسو پر دستخط لینا

سوال[۷۶۳۵]: ایک دینی مدرسہ گورنمنٹ سے ملحق ہے اور گورنمنٹ کے اسکیل کے مطابق مدرسین کی تنخواہیں متعین ہیں جس میں گورنمنٹ مدرسین کی آدھی تنخواہ ومہنگائی وغیرہ بذریعۂ منیجر مدرسہ مدرسین کو دے دیتی ہے، لیکن منیجر اور مجلسِ منتظمہ اس رقم کا ۱/۴ (چوتھائی) حصہ مدرسین سے جبراً لیتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرس دینے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اخراج کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اپنی مرضی کے مطابق مدرسین کو مثلاً کسی کی تنخواہ دوسو روپیہ ہے تو ڈیڑھ سوروپیہ دیکر دوسو پر دستخط لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا کرنا مجلسِ منتظمہ کے لئے درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسین کو اس کٹوتی پر نیکی ملے گی یا نہیں؟ بصورتِ دیگر مدرسین کی خاموشی گناہ کا سبب بنے گی یا نہیں، ایسے ماحول میں مدرسین کیا کریں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

منتظمہ کا یہ طرزِ عمل جھوٹ ہے، خیانت ہے، بددیانتی ہے، ظلم ہے۔ مدرسین مظلوم ہیں، جتنا صبر کریں گے ان کو اجر ملے گا۔ یہ کاٹا ہوا روپیہ منتظمہ کے لئے نہ خود رکھنا درست ہے، نہ مدرسہ کے کسی کام میں خرچ کرنے کا حق ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعيّ وإن أخذه .... وجب ردّه". (شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية: ۱/۶۲، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، باب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

زکوٰۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال[۷۶۳۶]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں کہ زکوٰۃ وعطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں، بلکہ گڈمڈ ہوں، اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یانہیں؟ اور پھر زکوٰۃ کی رقم میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوٰۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے اداہوتی ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زکوٰۃ کی رقم کا تنخواہ دینا جائز نہیں ہے(۱)، مخلوط میں سے جتنی رقم زکوٰۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوٰۃ ادانہیں ہوئی ہے، معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوٰۃ خوداداکریں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل الله﴾. (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو دفعها المعلم لخلیفة إن کان بحیث یعمل له لولم یعطه صح، وإلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: ولو دفعها المعلم لخلیفة) أی: من هو نائب عنه، ونظیره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشیخ لمن یحضره، (قوله: صحّ)؛ لأنه تمحض تبرعاً فإذا نوی به الزکوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حینئذٍ بمنزلة العوض". (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الزکوة، اٰخر باب المصرف: ۱/۴۳۲، دارالمعرفة)

(۲) "المذکر إذا سأل للفقیر شیئاً وخلط ما أخذ بعضها ببعض، إن لم یأمره الفقیر بالسؤال والأخذ، یکون ضامناً، فإن أدی ذلک المال بعد ذلک إلی الفقیر، یکون متصدقاً لنفسه من مال نفسه، ولایجزئ ذلک عن أرباب الأموال. وإن کانوا دفعوا إلیه بنیّة الزکاة، لاتسقط زکاتهم". (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً .... الخ: ۳/۲۹۹، رشیدیه)

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

سفیر کی غلطی پر جرمانہ

سوال[۷۶۳۷]: زید وبکر مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے ایک طویل سفر اس لئے کرتے ہیں کہ دو ہزار روپیہ ضرور ہو جائیں گے، مگر ۱۷/ دن کی دوڑ دھوپ کے بعد کل چندہ چھ سو پچاس روپیہ کے قریب ہوتا ہے اور خرچہ تقریباً دوسو روپیہ ہوتا ہے جس میں ایک روپیہ بھی ناجائز خرچ نہیں کیا۔ اب سفیر چندہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے خرچ میں کمی اس صورت سے کرتے ہیں کہ عمر نے پچاس روپے دیئے، اس کو رسید ہی میں پانچ بنا دیا اور خرچ کا پرچہ بجائے دوسو روپیہ کے ایک سو پچاس بنا کر مہتمم کو پیش کر دیا، اس نیت سے یہ کام کیا کہ ہم پر تو مدرسہ کا کوئی پیسہ نہیں رہا۔

اب کسی وجہ سے مہتمم کو معلوم ہوگیا کہ رسید میں پچاس روپیہ کو پانچ روپیہ بنایا گیا۔ معلوم کرنے پر زید اور بکر نے بتا دیا کہ ہم نے یہ غلطی محض اس لئے کی تھی کہ چندہ بہت کم ہوا اور خرچ بہت ہوگیا، نہ تو ہم پر مدرسہ کا کچھ رہتا ہے اور نہ مدرسہ پر ہمارا رہتا ہے صرف لکھنے کا پھیر ہے۔ مہتمم کہتا ہے کہ ۴۵/ روپے تم کو دینے ہوں گے۔ کیا وہ دینا شرعاً جائز ہے۔ جبکہ سفیر غلطی کی معافی طلب کر رہے ہیں اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کرتے ہیں؟ کیا زید، بکر کو شرعاً دینا واجب ہے، اگر نہ دیں تو کیا وہ گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفیر نے غلطی کی اگرچہ نیک نیتی سے کی، اب اس کی تصحیح کر دیں، جرمانہ سفیر سے وصول نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸) .... =

مدرسہ کے سفیر کا دھوکہ دینا

سوال[۷۶۳۸]: اگر زید کسی بڑے ادارہ میں اس شرط پر سفیر ہے کہ رمضان میں کبھی اس ادارہ کے کام کو نہیں چھوڑے گا اور دستور کا پابند رہے گا، لیکن زید دھوکہ دیکر بغیر استعفیٰ دیئے چلا گیا اور مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، کہیں مدرسہ کے نام پر چندہ کیا اور ڈبہ توڑ کر رقم نکال لی۔ تو کیا ایسا شخص قابل لعن وطعن نہیں ہے؟ کیا اس پر مقدمہ دائر کیا جائے اور اس سے تنخواہ واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معاملہ اسی طرح ہے تو وہ شخص بہت ہی قابلِ ملامت ہے(۱)۔ جس قدر مدرسہ کا مال لیا ہے،

= "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا إلا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(وکذا فی السنن الکبریٰ للبیهقی، (رقم الحدیث ۱۱۵۴۹۲) : ۳۸۷/۴، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

"لایأخذ مال فی المذهب .... وفی المجتبی: إنه کان فی ابتداء الإسلام، ثم نسخ". (الدرالمختار). "قال فی الفتح: "وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال. وعندهما وباقی الأئمة لایجوز، ومثله فی المعراج. وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف. قال فی الشرنبلالیة: ولایفتی بهذا؛ لما فیه من تسلیط الظَّلَمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه .... إذلایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۱۶۵/۳، إمدادیه ملتان)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قدیمی)

اس سے واپس لیا جائے (۱)۔ غیر حاضر رہ کر جو تنخواہ لی ہے، وہ بھی واپس لی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

سفیر اور منتظم کے درمیان اختلاف ہو تو ایک کو حکم بنالیا جائے

سوال[۷۶۳۹]: ایک صاحب کو مدرسہ میں ملازم رکھا گیا جن سے مندرجہ ذیل باتیں طے پائیں:

۱- سفارت۔ ۲- مدرسہ میں مقیم ہونے پر تعلیم وتدریس کا کام، معاوضہ اسّی روپے، ترقی پانچ روپے ماہوار، سو روپے پر ترقی بند، سال میں ایک ماہ کی رخصت، آنے جانے کا خرچہ۔

لیکن انہوں نے حسب ذیل خلاف ورزیاں کیں:

۱- ایک بار بغیر اجازت صرف اطلاع دے کر مدرسہ میں تالا ڈال کر چلے گئے۔ ۲- گھر سے واپسی پر تاخیر سے پہونچے۔ ۳- سفارت کا پروگرام بنا کر چلے گئے، راستہ سے لکھا کہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ کام نہیں کروں گا اور فلاں مقام پر کام نہیں کروں گا۔ ۴- سفر میں اپنی تنخواہ کی رقم پیشگی نکال لی جبکہ معاملہ یہ طے نہیں ہوا تھا۔

---

(۱) "یلزم رد المغصوب عیناً وتسلیمه إلی صاحبه فی مکان الغصب، إن کان موجوداً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۸۹)، کتاب الغصب: ۱/۴۸۸، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"هی إزالة ید محقة بإثبات ید مبطلة فی مالٍ متقومٍ قابلٍ للنقل بغیر إذن مالکه. واعلم أن المغصوب مضمون بالإتلاف مع أنه لیس بمملوک أصلاً، صرح به فی البدائع. فلو قال: بلا إذن من له الإذن، لکان أولی. وحکمه الإثم .... وردّ العین قائمةً والغرم هالکةً". (الدرالمختار، کتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۹، سعید)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی، کتاب الغصب: ۱۱/۵۳، ۵۴، مکتبه غفاریة کوئٹه)

(۲) "الأجیر الخاص یستحق الأجرة إذا کان فی مدة الإجارة حاضراً للعمل .... لکن لیس له أن یمتنع عن العمل. إذا امتنع، لایستحق الأجرة". (شرح المجلة لسلیم، (رقم المادة: ۴۲۵)، کتاب الإجارة، الباب الأول: ۱/۲۳۹، مکتبه حنفیة کوئٹه)

(وکذا فی النتف للفتاوی، کتاب الإجارة، ص: ۳۳۸، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۶/۷۰، سعید)

۵-گوشوارہ نامکمل بنا کے دیا اور کہا: یہ میری ذمہ داری نہیں۔ ۶- ہم نے لکھا کہ آپ رقم نجیب آباد میرے آدمی کے پاس رکھ دیں، انہوں نے لکھا کہ میں رقم ان کو نہیں دوں گا واپس آکر دوں گا۔ ۷-ایک بار پروگرام بنا کر نہیں دیا تھا تو صرف چار جگہ کام کیا، ایک ماہ پورا لگایا۔ ۸- اس مرتبہ بے ترتیب کام کیا جس سے مدرسہ کے اخراجات بھی زیادہ ہوئے اور دن بھی زیادہ لگے۔ ۹- مدرسہ میں ۲۰/ یوم تاخیر سے پہونچے۔ ۱۰-تعویذ گنڈوں کی اجرت اتنی بڑھادی جس کو دیکھ کر دل کانپتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر بلا کسی مہلت کے سفیر صاحب کو مدرسہ سے خارج کردیا، انہوں نے دو ماہ رہنے کی اجازت چاہی، ہم نے ان کو لکھا کہ اگر آپ آئندہ کو اصلاح کی کوشش کریں تو دیگر اراکینِ مدرسہ سے گفتگو کریں۔ جس کا جواب حسبِ ذیل ملا:

یہ کام میرے بس کا نہیں، آپ مہلت دیں یا نہ دیں، جو رقم ان کی طرف نکل رہی تھی اس کیلئے پندرہ اگست تک کا وعدہ فرمایا۔ آٹھ ماہ بعد جب تقاضا کیا گیا تو لکھا کہ آپ نے اچانک مجھ کو علیحدہ کیا ہے۔ اس لئے ایک ماہ کی تنخواہ آپ ہی مجھے دیں، ۱۵/ یوم پڑھانے کی تنخواہ۔ ۱۸/ جولائی کو مجھے علیحدہ کیا ہے اس لئے ماہ جولائی کی ۱۸/ یوم کی تنخواہ مزید آپ مجھے دیں۔ شرائط میں یہ باتیں طے نہیں ہوئی تھی کہ ایک ماہ کی تنخواہ دی جائے گی، اگر اچانک علیحدہ کریں گے۔ ۱۸ یوم کی تنخواہ کے لئے ہم ان کو لکھ چکے تھے کہ آپ اپنی تنخواہ کاٹ لیں۔ اب آپ ازروئے شرع بتائیں کہ اراکینِ مدرسہ غلطی پر ہیں یا سفیر صاحب؟ فقط۔

عبدالجبار، ناظم مدرسہ اسلامیہ، اوپر بازار پوری گڑھوال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نزاعی شکل ہے، اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سفیر صاحب اپنا بیان تحریر کردیں اور دونوں فریق باہم مشورہ کرکے کسی کو ثالث (حَکَم) مان لیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائیں (۱)، ورنہ یک طرفہ بیان پر حکم

---

(۱) "إذا حكم رجلان رجلاً، فحكم بينهما ورضيا بحكمه، جاز". (الهداية: ۱۴۳/۳، كتاب آداب القاضي، باب التحكيم، إمداديه ملتان)

"حكما رجلاً معلوماً، فحكم بينهما ببينة أو إقرار أونكول ورضيا بحكمه، صح".

(الدر المختار: ۴۲۸/۵، ۴۲۹، كتاب القضاء، باب التحكم، سعيد) .... =

تحریر کرنے سے نزاع ختم نہیں ہوگا، دوسرا فریق سائل کی تغلیط کردے گا، متفقہ بیان پر حکم کا فیصلہ دونوں کے لئے قابلِ تسلیم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۰ھ۔

کمیشن پر چندہ وصول کرنا، سفیر کا زکوٰۃ اور دیگر صدقات کو مخلوط کرنا

سوال [۷۶۴۰]: دورِ حاضر میں مدارس کی جانب سے سفراء تحصیلِ چندہ کیلئے بھیجے جاتے ہیں جو خیرات، صدقات، زکوٰۃ وصول کرکے مخلوط رقم جمع کرلیتے ہیں، تنخواہ یا کمیشن دے کر حساب میں جمع کرلی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات تو حیلۂ شرعی کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زکوٰۃ بالکلیہ بے محل ہضم کرلی گئی ہے، یا بے محل تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں بلاتملیک صرف کردی گئی ہے، وہ ادا نہیں ہوئی (۱)۔ مختلف لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کو معطی کی اجازت سے مخلوط کرنا درست ہے، پھر جب مقدارِ واجبہ مستحقین کو دیدی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، سفیرِ مدرسہ سے کمیشن پر کام لینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة: ۱۸۴۱)، كتاب القضاء، الباب الرابع: ۱۱۹۳/۲، ۱۱۹۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، لايصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه .... ولا إلى ثمن ما: أي قنٍّ يعتق، لعدم التمليك وهو الركن". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصارف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(۲) مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کمیشن پر چندہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دو وجہ سے جائز نہیں: ....=

سفرائے مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے؟ کمیشن پر چندہ

سوال[۷۶۴۱]: مدارسِ اسلامیہ کے مدرسین وسفراء جو برائے وصولِ صدقات وزکوٰۃ وغیرہ دیگر مقامات کا سفر کرتے ہیں اور مدارس کے لئے رقمیں وصول کرتے ہیں، ان کا سفر خرچ وغیرہ کس مد سے دیا جائے؟ آیا ان کی حیثیت عاملینِ صدقات کی سی ہے یا نہیں؟

نیز جو لوگ کمیشن پر چندہ وصول کرتے ہیں، یا ان سے اسی طرز سے وصول کرایا جاتا ہے اور فیصد متعین کرکے کمیشن دیا جاتا ہے، یہ عمل عند الشریعہ کیسا ہے؟ جبکہ عوام الناس اس کو بالکل معیوب اور ناپسند سمجھتے ہیں۔ بعض مدارس اس کا شکار ہیں جس سے عوام بے حد بدظن رہا کرتے ہیں۔

= ۱-اجرت من العمل ہے جو ناجائز ہے، ۲-اجیر اس عمل پر بنفسہ قادر نہیں، قادر بقدرۃ الغیر ہے، اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے بنفسہ شرط ہے، چنانچہ قفیزِ طحان کے فساد کی علت بھی یہی ہے کہ متاجر قدر علی الأجرۃ بقدرۃ العامل ہے، بنفسہ قدر نہیں۔ حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور متاجر کا قادر علی تسلیم الأجرۃ ہونا صحت عقد کے لئے شرط ہے۔

معاملہ مذکورہ میں قفیزِ طحان سے بھی زیادہ فساد ہے، اس لئے کہ قفیزِ طحان میں اجرت جو حق اجیر ہے وہ اسی اجیر ہی کے عمل پر موقوف ہے اور وہ بذریعہ عمل وصول اجرت پر قادر ہے مگر مسئلہ زیرِ بحث میں اجیر کو عمل پر کسی قسم کی بھی قدرت حاصل نہیں غیر کا محتاج ہے۔

قفیزِ طحان اجارۂ فاسدہ ہے اور کمیشن پر چندہ کا معاملہ اجارۂ باطلہ ہے بصورت حصہ مقررہ اس کی اجرت حرام ہے۔ مہتمم اور سفیر دونوں پر اس اجارۂ فاسدہ سے توبہ واجب ہے اور سفیر کو اجرت مسمی و اجر مثل میں سے اقل ملے گا۔(احسن الفتاویٰ، کتاب الإجارۃ، کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں:۷/۲۷۶، سعید)

"ولو دفع غزلاً لآخر لینسجه له بنصفه، أو استأجر بغلاً لیحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً لیطحن بره ببعض دقیقة، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلك نهیه صلی الله علیه وسلم عن قفیز الطحان". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، ۵۷، سعید)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان: ۴/۴۴۴، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

سفراء کا خرچ زادِراہ زکوٰۃ اورصدقاتِ واجبہ سے نہ دیا جائے، بلکہ عطایا سے دیا جائے (۱)۔ان لوگوں کا حال عاملین کا حال نہیں ہے، اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ بیت المال کے عاملین کو دینا لازم ہوتا ہےاوروہ اس کے وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اربابِ اموال اگران کو زکوٰۃ نہ دیں تو مجرم اورسخت سزا کے مستحق ہوتے ہیں، مدارس کے سفراء کی یہ حیثیت نہیں (۲)

کمیشن پرسفیر کورکھنا کہ جتنا چندہ لاؤگے اتنا فیصد اس میں سے تم کو تملیکاً دیا جائے گا شرعاً غلط اورممنوع

---

(۱) "هي (أى الزكوة) تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالى". (البحرالرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكوة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۵۲/۲، كتاب الزكوٰة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۰/۱، كتاب الزكوٰة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما توفي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، استخلف أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه بعده، وكفرمن كفر من العرب .... فقال أبوبكر: والله لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله! لومنعوني عناقاً كانوا يؤدّونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتُهم على منعها". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الزكوٰة، الفصل الثالث، ص: ۱۵۷، قديمي)

"وعامل يعم الساعي والعاشر". (الدرالمختار). "(قوله: يعم الساعي) هو من يسعى في القبائل لجمع صدقة السوائم. والعاشر: من نصبه الإمام على الطرق ليأخذ العشر ونحوه من المارة". (ردالمحتار: ۳۳۹/۲، كتاب الزكوٰة، باب المصرف، سعيد)

"هو من نصبه الإمام ليأخذ الصدقات من التجار". (البحرالرائق: ۴۰۲/۲، كتاب الزكوٰة، باب العاشر، رشيديه)

"(قوله: والعامل) تقدم تفسيره في باب العاشر، وعبربالعامل دون العاشر ليشمل الساعي أيضاً". (البحر الرائق: ۴۲۰/۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

ہے، یہ اجارہ درست نہیں، یہ قفیز طحان کے تحت داخل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۴/۲۶ھ۔

سفیر کا خود تملیک کرنا

سوال[۷۶۴۲]: ۱...... ایک سفیر نے چندہ کیا، کیا اس کی تملیک خود کر سکتا ہے جبکہ وہ خود بھی کچھ جائیداد کا مالک ہے، لیکن نقد اس کے پاس کچھ نہیں ہے؟

سفیر کا قبل التملیک قرض دینا

سوال[۷۶۴۳]: ۲...... یہ سفیر باہر جمع شدہ روپے کو قبل التملیک کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟

مدرس کا قبل التملیک خرچ کرنا

سوال[۷۶۴۴]: ۳...... ایسے ہی اگر مدرسہ کے مدرس نے چندہ کیا اور خرچ کر لیا اور اپنی تنخواہ میں سے جو خرچ کیا ہے حساب کر دیا، تو کیا مدرس کے لئے تملیک سے قبل اپنے لئے خرچ کرنا درست ہے یا نہیں اگرچہ اس روپیہ کی تملیک یقیناً ہوئی ہے جو اس نے تنخواہ میں کٹوایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لوگوں نے سفیر کو اس لئے چندہ نہیں دیا کہ وہ خود مالک بن بیٹھے بلکہ اس لئے دیا ہے کہ طلبہ پر کھانے کپڑے میں خرچ کیا جائے، اس لئے اس کا خود مالک بننا درست نہیں (۲)۔

---

(۱) "لو دفع غزلاً لآخر لينسجه، له بنصفه أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن براً ببعض دقيقة، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان: ۴/۴۴۴، رشيديه)

(۲) "وهنا الوكيل: إنما يستفيد التصرف من المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصى لزيد بكذا، ليس للوصي الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

۲......اس کو حق نہیں، وہ امین ہے(۱)۔

۳......اس کو بھی حق نہیں، وہ امین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

کیا سفیر کی خوراک جزوِ تنخواہ ہے؟

سوال[۷۶۴۵]: مدرسہ کا چندہ کرنے کے لئے جو مدرس یا سفراء باہر جاتے ہیں ان کی تنخواہوں کے ساتھ ان کا کھانا بھی منجانب مدرسہ طے ہوتا ہے، چنانچہ کہیں سستا کہیں مہنگا جیسا بھی ملتا ہے مدرسہ کا خرچ ہوتا ہے، اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے۔ اگر یہ غیر معین ہونے کے باوجود اس لئے درست ہو کہ متاجر کے ذمہ اجیر کا کھانا بھی سفر کی حالت میں ہوگا تو فبہا، ورنہ کیا یہ صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ جن اوقات میں اہلِ خیر حضرات اس سفیر کو کھانا کھلائیں جیسا کہ عام دستور ہے کہ مدرسہ کی اعانت سمجھ کر سفیر کو کھانا کھلا دیتے ہیں، ان اوقات کے علاوہ کو وہ سفیر درج کرلے اور وقت یا دن کے حساب سے، مثلاً: فی یوم ایک روپیہ تنخواہ پر مزید اضافہ کیا جائے، یا مطلقاً جتنے دن سفر کرے اتنے دن کے ایک روپیہ کے حساب سے مثلاً مقرر کردیا جائے، خواہ وہ خرید کر کھائے یا کوئی اس کو کھلائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسی ذیل میں یہ کھانا داخل کرلیا جائے جس کو آپ نے ''فبہا'' لکھا ہے۔ اگر تنخواہ کا جز قرار دے کر ایک روپیہ یومیہ مثلاً مزید تجویز ہوجائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے(۲)، خواہ یہ ''مزید'' کل یا جز خرچ ہوجائے یا بچ

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمر أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

"وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانةً فی یده ووجوب أدائه عند طلب مالکه. والودیعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولاترهن. وإن فعل شیئاً، منها ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۳۸، کتاب الودیعة، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/۴۶۷، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۵/۶۶۹، کتاب الودیعة، سعید)

(۲) "إذا زاد الآجر والمستأجر فی المعقود علیه أو فی المعقود به، إن کانت الزیادة مجهولةً، لاتجوز .... وإن کانت معلومةً من جانب الآجر تجوز، سواء کانت من جنس ماآجر أومن خلاف جنس ماآجر". =

جائے اور بالکل مزید ہی بن جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۴/۹۲ھ۔

سفیر کو سبکدوش کر دینا

سوال[۷۶۴۶]: ہمارے یہاں ایک سفیر صاحب عرصہ آٹھ ماہ سے تھے،ان کو ایام کارکردگی کی تنخواہ پیشگی بھی دی جاتی رہی،حسبِ ضرورت ان کو قرض بھی دیا جاتا رہا،جس کا صاحبِ موصوف کو احساس بھی معلوم ہوتا ہے۔آج کل حالات اور گرانی کی وجہ سے مدرسہ کی مالی حالت کمزور ہو کر پیشگی رقم ایامِ کارکردگی دینے میں تاخیر ہوتی رہی جس کو موصوف تکلیف پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ جن حالات سے وہ دوچار ہو رہے تھے-احقر بھی پانچ بچے والا ہے-مگر موصوف ان ناگزیر حالات میں تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مدرسہ کے کام کو چلانے میں مدد کرنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ مالی حالت کمزور ہے اس لئے میں چلا جانا چاہتا ہوں،تو احقر نے زبانی جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔

پھر ان کی احساس کمتری پر غصہ آیا کہ انہوں نے ان حالات میں ایسا کیوں کہا، حالانکہ ماہانہ سو روپے ان کو دیئے جاتے ہیں۔غرض ان کو سمجھانے کے بجائے غصہ آکر پرچہ لکھ دیا کہ فلاں تاریخ تک آپ اپنی خواہش کے مطابق سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ان تمام حالات کے پیشِ نظر جو غصہ کیا گیا برمحل ہے، یا ان کی عاجزی منت کرکے سمجھانا مناسب تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قوتِ برداشت سب کی یکساں نہیں ہوتی، ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق معاملہ کرنا

= (الفتاویٰ العالمکیریة، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة بعد صحتها والزيادة فيها: ۴/۴۳۹، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: إذا زادت الأجرة في أثناء المدة: ۱/۱۰۹، مكتبه ميمنيه مصر)

چاہیے(۱)، نرمی سے سمجھا دینا قرینِ مصلحت تھا، مدرسہ کا بھی فائدہ تھا، کیونکہ دوسرا معاون آپ کے پاس موجود نہیں۔ اپنے احساس اور حسنِ کارکردگی کی بناء پر غصہ ہوکر ایسی کاروائی کرنا اپنے احسان کو ختم کر دینا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/ ۷/ ۹۳ھ۔

مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ لینا

سوال[۷۶۴۷]: ایک مولوی صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں خالص عربی فارسی کی تعلیم ہوتی ہے اور یہ علاقہ از روئے دینی تعلیم نابلد ہے۔ ہر قسم کا چندہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ رقوم جمع ہوجائے تو یہاں پر کھانے کا انتظام کیا جائے گا۔ کیا اس امید پر ہر قسم کا چندہ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر فی الحال غریب مستحق طلبہ کے لئے رقم ناکافی ہونے کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہیں اور وہ اس کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس کا انتظام کریں اور اس کی غالب توقع ہے تو وہ ایسی رقم بھی لے سکتے ہیں (۳)، مگر اس کا

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحيح لمسلم: ۱/۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحسن كما أحسن الله إليک﴾ (سورة القصص: ۷۷)

"أي أحسن إلى خلقه كما أحسن هو إليک". (تفسير ابن كثير، سورة القصص، :۳/۳۹۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً، فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، رشيديه)

(۳) قال الله تبارک وتعالى: ﴿للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله، لايستطيعون ضرباً في الأرض، يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف، تعرفهم بسيماهم، لايسئلون الناس إلحافاً، وماتنفقوا من خير، فإن الله به عليم﴾ (سورة البقرة :۲۷۳) .... =

خیال رہے کہ جو رقم جس مد کے لئے لی جائے اس مد میں اس کا خرچ کرنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۸۸ھ۔

جتنے طلبہ کے لئے سرکار سے وظیفہ ملے اور پھر ان کی تعداد کم رہ جائے تو کیا کرے؟

سوال[۷۶۴۸]: ۱…… سرکاری طور پر ہر بچہ کو جو اردو پڑھاتے ہیں دو روپیہ فی بچہ منظور ہو کر آتے ہیں کہ ان کو دیدیں۔ اب ہر طالب علم کو دو روپیہ دینا ضروری ہے، یا اربابِ اختیار کتب وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۲…… بعض طالب علم اب غیر حاضر ہیں ان کی رقم مدرسہ میں محفوظ ہے۔ اب ان طلبہ کے گھر پہونچا ئے جائیں، یا مدرسہ میں صرف کرلی جائے، یا کسی اَور طالب علم کو دیدی جائے؟

= "﴿لایستطیعون﴾ لاشتغالهم بذلک ﴿ضرباً فی الأرض﴾: أی مشیاً فیها وذهاباً للتکسب والتجارة، وهم أهل الصفة -رضی اللّٰه تعالی عنهم- قاله ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما. وکانوا نحواً من ثلثمأة من فقراء المهاجرین یسکنون سقیفة المسجد یستغرقون أوقاتهم بالتعلم والجهاد". (روح المعانی: ۴۶/۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"عن جریر رضی اللّٰه عنه قال: کنافی صدر النهار عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فجاء قوم عراة مجتابی النمار ……… فتمعر وجه رسول اللّٰه لمارأی بهم من الفاقة، فدخل، ثم خرج، فأمر بلالاً، فأذن وأقام فصلی وخطب، فقال: "یا أیها الناس! اتقواربکم ……… اهـ". (سنن ابن ماجة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ص: ۲۳، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالی عنه: جاء رجل یوم الجمعة -والنبی صلی اللّٰه علیه وسلم یخطب- بهیأة بذة، فقال له رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "أصلیت"؟ قال: لا، قال: "صل رکعتین" وحث الناس علی الصدقة، فألقوا ثیابهم". (سنن النسائی، کتاب الجمعة، باب حث الإمام علی الصدقة: ۲۰۸/۱، قدیمی)

(۱) "وهنا الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل، وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلایملک الدفع إلی غیره". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲۶۹/۲، سعید)

۳......مثال کے طور پر کسی مدرسہ میں ۲۰/طلباء کی فہرست گئی، اب صرف ۱۵/ طالب علم باقی رہ گئے، رقم ۲۰/ کی آ گئی اب ۵/ طالب علم کسی اَور مدرسہ کے لکھ کر ۲۰/ کی تعداد پوری کر دیں، بعض لڑکے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ کی رقم کی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حسبِ ہدایتِ معطی ہر مستحق طالب علم کو دو روپیہ دے دیں، پھر چاہے اس کو توجہ دلا دیں کہ وہ اس کی فلاں کتاب خرید لے۔

۲......غیر حاضر کا نام آپ نے خارج تو نہیں کیا، اس کا حصہ محفوظ رکھیں، حاضر ہونے پر دے دیں، یہ بھی حق ہے کہ اس کو مکان پر ہی دے دیں (۱)۔

۳...... جب ۲۰/ طلباء کی فہرست گئی اور اب ۱۵/ رہ گئے تو جن غیر حاضر طلبہ کی رقم آئی ہے وہ واپس پہونچا دیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل، و قد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع الى غيره (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۲/۴۷۷، (رقم المادة: ۱۴۵۷)، كتاب الوكالة، الباب الثاني في بيان شروط الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "والمال الذى قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته هو في حكم الوديعة بيد الوكيل .... والمال الذى في يد الرسول من جهة الرسالة أيضاً في حكم الوديعة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲/۸۰۷، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، كتاب الوكالة، الباب الثالث في أحكام الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه).

"وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانةً في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه". (الفتاویٰ العالمكيرية : ۴/۳۳۸، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوديعة: ۵/۶۶۴، سعيد)

چندہ کے لئے معطی پر اصرار، تدریس کے ساتھ تجارت

سوال[۷۶۴۹]: ۱...... کسی نیک کام کا چندہ وصول کرنے کے لئے چندہ دینے والوں کو پریشان کرنا مثلاً چندہ دینے والا پانچ یا دس روپیہ دیتا ہے اور وصول کرنے والے خوشامد کرکے یا خفگی کا اظہار کرکے اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ اور زیادہ دو، تو مجبوراً زیادہ دیتا ہے۔ تو کیا اس طرح چندہ کرنا جائز ہے؟ اور ایسے چندہ کو کار خیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں پر بعض عالم اس قسم کے چندہ کو بالکل ناجائز اور حرام بتاتے ہیں، حالانکہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ایسے چندہ کو کار خیر میں لگانا جائز لکھا ہے(۱)۔ یہاں کے علماء کہتے ہیں کہ مواعظِ اشرفیہ میں ایسے چندہ کو حرام لکھا ہے۔ اس کی تحقیق مقصود ہے۔

۲...... ایک مولانا صاحب تجارت کرتے ہیں، بازار میں دوکانیں ہیں اور دینی خدمت مثلاً: بچوں کی تعلیم، کتابوں کی تصنیف اور فتاویٰ کے جوابات دیتے ہیں، یہ سب کام بلا اجرت کے جائز ہے یا نہیں؟ یہ عالم قابلِ تعریف ہیں یا قابلِ مذمت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چندہ کا یہ طریقہ غلط اور ممنوع ہے(۲) جیسا کہ امداد الفتاویٰ جلد رابع میں حضرت تھانویؒ نے ممنوع لکھا ہے(۳)۔ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں بھی یہی ہے(۴)، لیکن اس قسم کے چندہ کا طریقہ ناجائز

---

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الوقف، عنوان''جو چندہ زبردستی وصول کیا ہو اس کا مصرف'': ۱/۵۹۷، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه" (مشکوة المصابیح، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(والسنن الکبری للبیهقي، باب شعب الایمان: ۴/۳۸۷، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳)''**سوال**: اگر کسی محلّہ کی مسجد میں مؤذن کی خوراک وغیرہ کے لئے کچھ لوگ محلّہ کے چندہ دیتے ہیں اور کچھ مسلمانوں کو دینے سے انکار ہے تو ایسی حالت میں زمیندار مالک محلّہ اگر جبراً ان کو چندہ میں شریک کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں''۔ (امداد الفتاوی، مسائل شتی عنوان: ''حرمتِ جبر بر چندہ'': ۴/۵۰۲، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۴) مفتی عزیز الرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ: ''اصل یہ ہے کہ اس طرح تنگ کرکے لینا تو اچھا نہیں ہے، لیکن جب مالک نے کسی =

ہونے کے باوجود کارِ خیر میں لگانا جس طرح حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے آپ نے نقل کیا ہے کہ درست ہے، اس طرح تھانویؒ نے جس جگہ ناجائز لکھا ہے اس کو بھی نقل کردیں تو غور کرلیا جائے۔

۲...... حقوقِ واجبہ ادا کرنے کے لئے اور حلال روزی کمانے کے لئے تجارت کرنا شرعاً مذموم نہیں، بلکہ پوری اجازت ہے، حتی کہ بعض حالات میں واجب ہے(۱)۔ اس کے ساتھ دینی علمی خدمت میں لگے رہنا بڑی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے، اگر حق تعالیٰ کسی کو یہ توفیق دے تو بڑی نعمت ہے۔ مگر تجارت کے ساتھ دوکان پر بھی تدریس افتاء کی خدمات انجام دینے میں اقرب یہ ہے کہ تدریس، افتاء کا پورا احترام نہیں ہوسکے گا، نہ اس طرف پوری توجہ ہوگی جس کی وجہ سے غلطی بھی امکان ہے(۲)، اس لئے اگر اوقات تقسیم کردیئے جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ کچھ وقت تدریس افتاء کے لئے بھی مخصوص کرلیا جائے، کچھ وقت دوکان چلانے کے لئے، کچھ معمولی تدریس دوکان کے ساتھ بھی جاری رہے، جس میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہ ہو، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ یہ بھی بعض

= طرح طوعاً وکرہاً دیدیا اور کارِ خیر میں لگا دیا، تو آئندہ کو اس مال میں حرمت نہیں رہی، کیوں کہ یہ چوری اور غصب کا مال نہیں ہے"۔ (فتاوی دار العلوم، کتاب الوقف، عنوان: "جو چندہ زبردستی وصول کیا ہو اس کا مصرف": ۱/۵۶۷، دار الإشاعت کراچی)

(۱) "عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة". رواہ البیهقی". (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، ص: ۲۴۲، قدیمی)

(۲) "ینبغی أن لایفتی فی حال تغیر خُلقه وتشغل قلبه ویمنعه التأمل کغضب، وجوع، وعطش وحزن، وفرح غالب، ونعاس، أو ملل، أو حر مزعج، أو مرض مؤلم، أو مدافعة حدث، کل حال یشتغل فیه قلبه، ویخرج عن حد الاعتدال، فإن أفتی فی بعض هذه الأحوال وهو یری أنه لم یخرج عن الصواب، جاز، وإن کان مخاطراً بها". (المجموع شرح المهذب، باب آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی، فصل فی أحکام المفتین وفیه تسع مسائل، الرابعة: ۱/۷۶، دار الفکر بیروت)

(وکذا فی مقدمة شرح عقود رسم المفتی، ص: ۱۰، میر محمد کتب خانه کراچی)

"یشترط تیقظه وقوة ضبطه وأهلیة اجتهاده". (البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل فی المفتی: ۶/۴۴۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب القضاء، الباب الأول: ۳/۳۰۸، رشیدیه)

سلف سے منقول ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۴/۹۴ھ۔

چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اوراس کو اپنا مکان کہنا، بہشتی زیور کے بعض مسائل کو صحیح نہ جاننا

سوال[۷۶۵۰] : ایک مولوی صاحب کے پانچ بھائی موجود ہیں،انہوں نے اپنے باپ سے ڈیڑھ بیگہ زمین مدرسہ کے نام سے اپنے نام بیع نامہ کرالیا ہے، چکبندی کے محکمہ نے اس بیع نامہ کو مان لیا۔ باپ نے وہ زمین وقف للمدرسہ نہیں کی، اب چکبندی میں اس کا چک علیحدہ کٹے گا۔مولوی صاحب موصوف سے لوگ وقف کرنے کے لئے کہتے ہیں،تو وہ اسے وقف نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر میں وقف کردوں تو مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔

مدرسہ کے لئے چندہ خود ہی کرتے ہیں، کہنے پر بھی حساب نہیں دکھاتے۔ چندہ میں امداد، زکوۃ،صدقہ وغیرہ ہر قسم کا مال آتا ہے۔اس رقم سے ایک مکان بصورت مدرسہ تعمیر ہورہا ہے۔موصوف کا کہنا ہے کہ جب تک بچے یہاں پڑھیں گے، پڑھاؤں گا، ورنہ مکان میرا ہے، حال یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو وہ مدرسہ میں نہیں رکھتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مدرسہ میں گاؤں کے ہی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی نہیں کہ جن کا مدرسہ کفیل ہو۔موصوف کہتے ہیں کہ اس سے میرے باپ کو ثواب ملے گا۔

ایسے شخص کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ نیز اس کے باپ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اکثر بیشتر غلط مسئلے بتاتے ہیں، بہشتی زیور کے تمام مسئلوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ایسے شخص کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ اور صدقہ کو نہ تعمیر مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے، نہ تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے، بلکہ وہ تو نادار

---

(۱) جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے: "قد تواتر عنه أنه كان يتجر في الخز مسعوداً ماهراً فيه، وله كان في الكوفة شركاء يسافرون له في شراء ذلك ويبيعه مستغنياً بنفسه". (الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، الفصل الخامس والعشرون في أكله من كسبه، مطبعة المدني المؤسسة السعودية بمصر)

غریبوں کو دیناواجب ہے(۱)۔ چندہ کر کے مدرسہ تعمیر کرنا اور یہ کہنا کہ یہ تو مکان میرا ہے غلط طریقہ ہے(۲)،ان کو ان سب کی اصلاح لازم ہے۔ مسائل کیا غلط بتاتے ہیں، بغیر تفصیل سامنے آئے کیا کہا جائے۔ مولوی صاحب اگر اپنے حالات ٹھیک نہ کریں تو ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۸/ ۹۴ھ۔

مدرسہ کے لئے چندہ کر کے جو عمارت بنائی جائے کیا وہ وقف ہے؟

سوال[۷۶۵۱]: ایک مدرسہ دینیہ ۳۸/ سال قبل یہاں قائم کیا گیا، درس تدریس کا کام کرایہ کی عمارت میں شروع ہوا، چندہ خصوصی وعمومی سے مدرسہ کے مصارف پورے کئے جاتے ہیں۔ مدرسہ قائم ہونے

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالی: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"الزکاة: هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ها شمی ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّک من کل وجه للہ تعالی". (البحر الرائق، کتاب الزکوة: ۲/ ۳۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الزکوة: ۲/ ۲۵۶، سعید)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن): أی لایکون مملوکاً لصاحبه. (ولایملّک): أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع وغیره، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۳/ ۲۸۵، رشیدیه)

(۳) "ویکره إمامة عبد وأعرابی، وفاسق، وأعمی ونحوه .... أماالفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه، وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقدوجب علیهم إهانته شرعاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغیره: ۱/ ۸۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، رشیدیه)

کے چند سال بعد والیٔ ریاست ٹونک نے ایک ہزار سالانہ رقم مقرر فرمادی، چونکہ یہ آمدنی رقم مدرسہ کے مصارف کی کفیل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے بذریعۂ سفیر بیرون جات سے چندہ بھی ہوتا رہا اور اب بھی ہورہا ہے۔ اور ریاست کے حکمران کی مقرر کردہ امداد بچند وجوہ اس دورِ حکومت میں ملنا بند ہوگئی۔ منتظمینِ مدرسہ نے عرصہ ہوا ایک عمارت مع اس کے وسیع احاطہ کے خرید لی، جب سے اس مدرسہ کا کام اس عمارت میں ہورہا ہے، ساتھ ہی ساتھ احاطہ سے باہر چند دکانیں بھی تعمیر کردی گئیں، کرایہ کی آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہوتی ہے۔ چندہ کی وصولی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

مسلم وقف بورڈ کا مطالبہ یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اور دکانوں کا رجسٹریشن وقف بورڈ میں کرایا جائے اور شرح معینہ کے تحت سالانہ چندہ بھی داخل کیا جاتا رہے، منتظمین مدرسہ کا عذر یہ ہے کہ مدرسہ کی عمارت اور دکانیں کسی کی وقف کردہ نہیں ہیں، بلکہ چندہ عمومی سے جو رقم پس انداز کی جاتی رہی اس سے یہ عمارت خریدی گئی اور دکانیں تعمیر کرائی گئی ہیں، اس لئے یہ جائیداد وقف کی تعمیر میں نہیں آتی اور موقوفہ نہیں کہی جاسکتی۔

چندہ نگرانی کی بابت یہ عذر ہے کہ دکانوں کے کرایہ کی اس حد تک آمدنی نہیں ہے کہ مدرسہ کے مصارف کی کفیل ہوسکے مزید مصارف چندہ سے پورے کئے جاتے ہیں، پھر چندہ نگرانی بورڈ کہاں سے ادا کیا جائے اور کس وجہ سے دیا جائے؟ وقف بورڈ اس کل جائیداد کو موقوفہ قرار دیتا ہے۔

استدلال: یہ ظاہر ہے اگرچہ عمارت دوکانات کسی کی وقف کردہ نہیں، لیکن عام مسلمانوں کی چندہ کی بھی رقم سے یہ جائیداد بنائی تو اس پر موقوفہ کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔

بدلائلِ شرعیہ مطلع فرمایا جائے کہ فریقین ہذا کے استدلالات میں سے کسی کی دلیل قابلِ توجہ ہوسکتی ہے۔ اور بقولِ منتظمین مدرسہ یہ جائیداد موقوفہ نہیں کہی جاسکتی، یا بقولِ وقف بورڈ موقوفہ تسلیم کی جائے۔ جو حکم شرعی اس جائیدادِ مدرسہ پر عائد ہوتا ہے اگر اس سے جلد مطلع فرمایا جائے تو باعث تکریم ہوگا۔

سائل احقر محمد عبدالحی، سرونج، ایم، پی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عمارت چندہ کرکے بنائی گئی ہو یا خریدی گئی ہو، وہ ابھی وقف نہیں ہوئی جب تک اس کو وقف نہ

کردیا جائے اور مصالح مدرسہ کا تقاضا ہے کہ اسے اب سے وقف کردیا جائے، قاضی خاں جلد چہارم ص۳۰، میں ہے:

"المتولی إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخراً، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد. إن أراد المتولی أن يبيع ما اشتری وباع، اختلف فيه، قال بعضهم: لايجوز هذا البيع؛ لأن هذا صار من أوقاف المسجد، وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح؛ لأن المشتری يذكر شيئاً من شرائط الوقف، فلايكون مااشتری من جملة أوقاف المسجد"(۱)۔

اگر وقف کرنا مصالحِ مدرسہ کے خلاف ہے تو وقف نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

رسمی رقموں کی وصولی اور خرچ

سوال[۷۶۵۲]: میں ایک سرکاری مکتب کا معلم ہوں، اس لئے سرکاری تنخواہ کے علاوہ مکتب کے طلباء وعوام سے متعلق رکھتے ہوئے چند آدمیوں کا جو قدیم رواج مدت سے ہے اور ابھی تک چلتا آرہا ہے علمائے دین سے فیصلہ لینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل آمدنی میرے حق میں کیسی ہوگی؟

۱...... کسی تقریب کا جیسے ۱۵/ اگست، ۲۶/ جنوری ٹیچرس ڈے، ششماہی وسالانہ امتحانات کے موقع پر بچوں سے تقریب کے خرچ کے تخمینہ سے زیادہ رقم وصول کرنا اور خرچ سے بچی ہوئی رقم کو اپنے مصرف میں صرف کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہوگا؟

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، رشيديه)

"وفي العتابية، فإذا اجتمعت غلة فاشترى بها بيوتاً للغلة، جاز. وهل تصير وقفاً؟ اختلف المشايخ فيه، والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه". (التاتارخانية: ۷۵۶/۵، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقات، إدارة القرآن كراچی)

"اشترى المتولي بمال الوقف داراً للوقف، لاتلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها في الأصح". (الدرالمختار: ۴۱۶/۴، ۴۱۷، كتاب الوقف، مطلب: اشترى بمال الوقف داراً للوقف، يجوز بيعها، سعيد)

۲...... بچوں سے داخلہ کے وقت ایک روپیہ یا دوروپیہ کر کے وصول کرنا سند دیتے وقت فی لڑکا پانچ یا دوروپیہ جبراً رسم بنا کر وصول کرنا جبکہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ ہفتہ وار، جمعراتی، عیدی، بقرعیدی شروع کرائی رسم بنا کر وصول کرنا، اس میں بھی جب کہ سرکار کا کوئی قانون نہیں۔ تو ان رقموں کو اپنی ذاتی مصرف میں خرچ کرنا شرعی اعتبار سے کیسا ہوگا؟ رسم نہیں، اگر نذرانہ کے طور پر دینے والا دے تو کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... رقوم دینے والوں کو اگر علم ہو کہ خرچ سے زائد حصہ آپ رکھتے ہیں اور وہ اس پر رضامند ہوں تو جائز ہے (۱)۔

۲...... جبراً جائز نہیں، زبردستی کی ہوئی رقم کا واپس کرنا ضروری ہے (۲)۔ "لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث (۳)۔ بخوشی دی ہوئی رقم کا استعمال کرنا درست ہے کہ یہ ہدیہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۱۵ھ۔

---

(۱) "لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الدر المختار: ۲۰۰/۶، کتاب الغصب، سعید)

(۲) قال الله تعالی: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلاسبب شرعي". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإیمان، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۴) "هی (أی الهبة) المال الذی یعطی لواحد أویرسل إلیه إکراماً له". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: =

نکاح کے موقعہ پر مدرسہ کیلئے روپیہ لینے کی رسم

سوال[۷۶۵۳]: نکاح کے موقعہ پر ناکح پر دعوی کر کے مسجد ومدرسہ کے لئے روپیہ لیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یا رسم ہونے کی وجہ سے دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے موقع پر ناکح پر دعوی کر کے زبردستی مدرسہ کے لئے روپیہ لینا جائز نہیں، وہ بخوشی دیں تو اجازت ہے، پابندیٔ رسم کی وجہ سے مجبوراً دیں تب بھی درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

منتظمین کا تعلیم کے بجائے عمارت، بیل وغیرہ پر دھیان دینا

سوال[۷۶۵۴]: ایک ادارہ میں مالی وسعت کافی ہے، وہ ادارہ علمی اعتبار سے مرکزیت حاصل کرسکتا ہے، مگر افسوس کہ منتظمین کی کج اندیشی، خودغرضی اور مفاد پرستی پر کہ وہ ادارہ کو ترقی دینا نہیں چاہتے۔ اور جتنی تعلیم اس وقت ہے اس کی جائیداد موجود تعلیم وطلباء ومدرسین پر خرچ کرنے کے لئے کافی ہے، نیز اس جائیداد کا غلط مصرف ہے زمین کا خریدنا، مقصدِ اصلی تعلیم سے ہٹ کر بیلوں اور کاشت وعالیشان عمارت پر خرچ کرنا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عندالشرع یہ سب باتیں درست ہیں یا نہیں؟ نیز اس کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

= ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۴)، الكتاب السابع فی الهبة، مکتبه حنفیه کوئٹة)

(وكذا فی قواعد الفقه، القواعد الفقهية، ص: ۱۵۵، باب الهاء، الصدف پبلیشرز کراچی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". (سنن الکبری للبیهقی، کتاب الغصب، باب من أخذ لوحاً فأدخله فی سفینة أو بنی علیه جداراً، (رقم الحدیث: ۱۱۵۴۵): ۶/۱۶۱، طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ادارہ کے پاس مالی وسعت اتنی ہے کہ بغیر چندہ اور بغیر زکوۃ لئے ہوئے اس کے مصارف پورے ہوسکتے ہیں تواس کو چندہ نہ مانگنا چاہئے، نہ زکوۃ، معطی حضرات بھی ایسے ادارہ کو نہ دیں بلکہ جومدرسہ غریب اور مستحق ہواور دینی تعلیم وتربیتِ اخلاق میں زیادہ کوشاں ہو، وہاں دے(۱)۔علمِ دین کے ادارہ کااصلی مقصد دینی تعلیم وترتیب ہے۔کھیت، زمین، بیل وغیرہ کی فراہمی اس مقصد کے استحکام وترقی کیلئے ہے۔مقصدِ اصلی سے صَرفِ نظرکر کے محض مالی وسعت وترقی ہی میں منہمک رہنا توتجارتی مقصد ہے جس سے ''آلہ''اصل مقصد کی جگہ لے لیتاہےاور''مقصد'' تابع بن جاتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

ادائے حقوقِ ملازمین میں کوتاہی کرنیوالے رئیس کی دینی ادارہ میں امداد

سوال[۷۶۷۵]: ایک رئیس جوکہ مسلمان ہیں اورنماز روزہ کے پابند ہیں، ساتھ ہی تبلیغی جماعت میں بغرضِ تبلیغ دور دورتک بڑے بڑے عالموں کے ساتھ جاتے رہتے ہیں۔ان کے یہاں گورنمنٹ کے پراجکٹ کا کام ہوتاہےاوروہ اپنے ملازمین کو پندرہ یوم پرتنخواہ دیتے تھے،لیکن اب سات سال سے وہ وقت مقررہ پرملازمین کوتنخواہ نہیں دیتے ہیں اورملازمین پریشان ہوکر ناامید ہوکر چلے جاتے ہیں۔اوروہ رئیس ہرسال

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿للفقراء الذین أحصروا فی سبیل اللہ، لایستطیعون ضرباً فی الأرض، یحسبهم الجاهل أغنیاء من التعفف، تعرفهم بسیماهم، لایسئلون الناس إلحافاً، وماتنفقوامن خیر، فإن اللہ به علیم﴾. (سورة البقرہ: ۲۷۳)

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولامولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للہ تعالیٰ". (البحرالرائق: ۳۵۲/۲، کتاب الزکوۃ، سعید)

"ولایحل أن یسأل شیئاً مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب .... ولوسأل للکسوة أو لاشتغاله عن الکسب بالجهاد أو طلب العلم، جاز لو محتاجاً". (الدرالمختار: ۳۵۵/۲، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف، سعید)

ہندوستان کے ایک بہت بڑے دینی تعلیمی ادارہ کوزکوۃ دیتے ہیں اوراس دینی ادارہ کے ناظم بھی بہت بڑے عالم ہیں، ساتھ ہی وہ رئیس ان کے مرید بھی ہیں۔

نیز ان رئیس صاحب کے یہاں جو ماہانہ تنخواہ پرنوکر ہیں ان کو بھی کبھی پوری تنخواہ ہر ماہ نہیں دی، بلکہ جس نوکر کی تنخواہ چار سوروپے ہے اس کو دوسوروپے دے کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگلے ماہ حساب کروں گا، لیکن وہ وقت کبھی نہیں آتا ہے کہ نوکر کو پورا حساب ملے۔ اس طرح کسی نوکر کی ۱۷/ ماہ کی تنخواہ روک لی اور کسی کی ایک سال کی۔ جب کہا گیا تو جواب ملا کہ کیا مجھ پر احسان کرتا ہے، جب ہوگی تب مل جائے گی، آخر کار نوکر عاجز ہوکر چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے اور آج تک ان کی مزدوری باقی ہے۔

کیا ایسے رئیس کی زکوۃ یا کسی قسم کا روپیہ لینا اس ناظم اعلیٰ کو جائز ہے اور دینی تعلیمی ادارہ میں لگانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعی اسی طرح ہے تو ان رئیس صاحب کی بڑی کوتاہی ہے جو ظلم کی حد میں داخل ہے، حقوق العباد کو ادا نہ کرنا اور مزدوروں کی تنخواہ کو ان کے پورے کام کے باوجود ضبط کر لینا جس سے وہ پریشان ہوکر چلے جائیں۔ معمولی چیز نہیں نہایت سخت چیز ہے(۱)۔ دو پیسے (پرانے) اگر کسی کے رکھ لئے اور نہیں دیئے تو قیامت کے دن سات سو فرض مقبول نمازیں اس کے عوض دلائی جائیں گی (۲)۔ جبکہ وہ صاحب تبلیغ میں بھی باہر جاتے ہیں تو ان کو سوچنا چاہیے کہ تبلیغ کا پہلا اور اعلیٰ مقصد اپنی اصلاح ہے، اس سے بے توجہی نہایت غلط طریقہ ہے۔ اس سب کے باوجود وہ جو کچھ زکوۃ دیتے ہیں وہ ادا ہو جاتی ہے اور جس کو بھی زکوۃ دیتے ہیں اس کو ان کے حالات

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله تعالىٰ: "ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً، فاستوفى منه ولم يعطه أجره". (صحيح البخاري: ۱/۳۰۲، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، قديمي)

(۲) قال العلامة ابن نجيم: "جاء في بعض الكتب أنه يوخذ لدانق ثواب سبع مأة صلاة بالجماعة".

(الأشباه والنظائر: ۱/۱۴۰، الفن الأول في القواعد تحت القاعدة الأولى، إدارة القرآن كراچی)

معلوم ہونے کے باجود زکوۃ کا لینا اور صحیح مصرف میں خرچ کرنا درست ہے(۱)، لیکن اہل علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے مریدین اور متعلقین کی اصلاح وتربیت کا خاص فکر واہتمام رکھیں، ہر مناسب موقع پر ان کو غلطیوں سے بچنے کے لئے نصیحت کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

صغیر وکبیر کے مخلوط مال سے چندہ

سوال[۷۶۷۶]: ۱...... زید اور بکر دو بھائی ہیں، اپنے باپ کے مرنے کی وجہ سے دونوں مال متروکہ کے وارث ہوئے، بکر نابالغ یتیم ہے اور مال مشترک ہے اور زید بالغ ہے اور روزی کر کے مال متروکہ کو بڑھاتا ہے، جتنی جائیداد ہے اس کی حفاظت وغیرہ بھی کرتا ہے۔ زید اس مالِ مشترک سے قربانی ادا کرتا ہے، صدقات دیتا ہے، نیز لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے، مدرسہ وغیرہ دینی کاموں میں چندہ بھی دیتا ہے۔ زید کو مذکورہ کارِ خیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ بھی مالِ مشترک شمار کیا جائے گا حالانکہ بکر کچھ روزی نہیں کماتا۔

۲...... ہمارے دیار میں اکثر لوگوں کا مال یتیموں کے مال کے ساتھ مختلط ہوتا ہے، مدارس دینیہ کے چندہ وصول کنندہ جب چندہ کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں تو چندہ دیتے ہیں، لیکن قوی اندیشہ ہے کہ مال مختلط سے دیتے ہیں لیکن چندہ وصول کنندہ اس کی تفتیش کئے بغیر چندہ لیتا ہے۔

اب دریافت امر یہ ہے کہ اس قسم کا چندہ مشتبہات میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر مشتبہات میں شمار ہو تو دینی مدارس کیلئے اس میں شرعاً کچھ وسعت وگنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش نہ ہووے تو مدارسِ دینیہ قائم رکھنا دنیا میں دشوار ومحال ہو جائے گا، حالانکہ دنیا بھر کے اکثر مدارسِ دینیہ قومیہ: دیو بند، سہارن پور، بنگال، آسام، ہندوستان کے اکثر شہروں کے مدارس چندہ ہی پر موقوف ہیں۔ جواب باصواب مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

محمد یونس سلہٹی۔

---

(۱) "وفي الفصل العاشر من التاتر خانية عن فتاوىٰ الحجة: من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه فيها، وإن بلغت نصاباً؛ لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوة عندنا اهـ. فأفاد بقوله: (وإن لم يكن له سواها نصاب الخ) أن وجوب الزكوة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۱، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

مالِ مشترک سے ایسے مواقع میں خرچ کرنا درست نہیں، کیونکہ ہر دو بھائی ایک دوسرے کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتے، بلکہ بمنزلۂ اجنبی کے ہیں، کذافی العالمگیری(۱)۔ البتہ جو روزی وہ علیحدہ کماتا ہے اس میں تصرف کرسکتا ہے، مواقعِ مذکورہ میں بھی صرف کرسکتا ہے(۲)۔

۲...... جہاں ظنِ غالب ہو کہ یہ یتیموں کے مخلوط مال سے چندہ دیتا ہے وہاں تفتیش کرلی جائے، اگر یہ ظن صحیح ثابت ہو تو چندہ لینے سے انکار کردے۔ اور جہاں ظنِ غالب نہ ہو، یا اس کے خلاف کا ظن ہو، وہاں تفتیش کی ضرورت نہیں (۳)۔ جب اہلِ مدارس دیانت کے ساتھ اس کے حلال روپے سے مدرسے چلانے کا پختہ عزم کریں گے اور حرام روپے سے اجتناب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ کی امداد بالیقین شامل حال رہے گی، لقوله تعالى:

---

(۱) "ولايجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول، الفصل الأول منه: ۳۰۱/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الشركة: ۳۰۰/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الشركة: ۲۷۹/۵، ۲۸۰، رشيديه)

(۲) "إلا إذا كان لها كسب على حدة، فهو لها". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۳۲۵/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"لأن من أصله أن الدراهم المغصوبة من أناس متى خلط البعض بالبعض، فقد ملكها الغاصب، ووجب عليه مثل ماغصب. وقالا: لايملك تلك الدارهم، وهي على ملك صاحبها، فلايحل له الأخذ". (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدرالسابق)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في المال من الإهداء والميراث وغير ذلك: ۳۴۸/۴، رشيديه)

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً، ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللّٰہ، فھو حسبہ﴾ الآیۃ(۱)۔

اللہ پاک کا وعدہ بالکل سچا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا: "إن اللّٰہ لا یخلف المیعاد"(۲)۔ دیگر دنیا دارالامتحان ہے، اس میں حسب حیثیت ہر ایک کی آزمائش ضرور ہوتی ہے، اس میں استقامت از حد ضروری ہے کہ یہ بہت بڑا کمال ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ "اللھم ارزقنا منہ حظاً وافراً"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نابالغ کا مدرسہ کے چندہ میں پیسے دینا

سوال[۷۶۷۷]: مدرسہ کے نابالغ بچے جو اپنے ناشتہ کے لئے پیسے اپنے گھر سے لاتے ہیں۔ اگر وہ مدرسہ میں بطورِ چندہ دے دیں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے ولی نے مدرسہ میں دینے کے لئے پیسے دیئے ہیں تو جائز ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (سورۃ الطلاق: ۲، ۳)

(۲) (سورۃ ال عمران: ۹)

(۳) "قال: یجوز أن یقبل فی الھدیۃ والإذن قول العبد والجاریۃ والصبی؛ لأن الھدایا تبعث علی أیدی ھؤلاء .... فلو لم یقبل قولھم، یؤدی إلی الحرج". (الھدایۃ، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الأکل والشرب: ۴/ ۴۵۴، إمدادیہ ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۶/ ۳۴۵، سعید)

"ویشترط أن یکون الوکیل عاقلاً ممیزاً، ولا یشترط أن یکون بالغاً، فیصح أن یکون الصبی الممیز وکیلاً". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، (رقم المادۃ: ۱۴۵۸)، کتاب الوکالۃ، الباب الثانی فی شروط الوکالۃ: ۱/ ۷۷۵، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

جعلی سفیر سے زائد روپیہ وصول کرنا

سوال[۷۶۷۸]: زید کسی مدرسہ کی سفارت کرتا تھا، پھر وہ اس ذمہ داری سے معزول کر دیا گیا۔ سفارت سے برخاست ہونے کے بعد زید نے مدرسہ مذکور کی طرف سے جعلی رسید چھپوائی اور در پردہ ناجائز طور پر اس رسید کے ذریعہ چندہ وصول کرنے لگا، چند دنوں کے بعد پردہ فاش ہوگیا۔ اور ارا کینِ مدرسہ کے پوچھ گچھ کے بعد اس نے بتلایا کہ اس نے کل دو سو تیئس ۲۲۳/ روپے وصول کئے ہیں جس وصولیابی کی یہ رسید شاہد ہے اور میں اس بات پر حلف بھی اٹھا سکتا ہوں۔

لیکن ارا کینِ مدرسہ نے اس کی نہ مانی اور کہا کہ تو نے نو سو اڑسٹھ روپے وصول کئے ہیں، لیکن ارا کینِ مدرسہ کے پاس ۹۶۸/ روپے زید کے سر تھوپنے کی نہ تو کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ لہٰذا زید سے دو سو تیئس ۲۲۳/ کے علاوہ جو زائد روپیہ کمیٹی وصول کرے گی وہ دیانۃً اور عند اللہ یقیناً وہ روپے ہوں گے جو زید اپنے گھر سے دے گا۔ چندہ سے ان زائد روپیوں کا قطعاً تعلق نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ دو سو تیئس یا نو سو اڑسٹھ روپے جو زید کمیٹی کو دے گا ان روپیوں کا مدرسہ میں صرف کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کمیٹی کے پاس نو سو اڑسٹھ روپے کا ثبوت موجود ہے اور زید حلف کر کے انکار کرتا ہے تو کمیٹی کو اس روپیہ کے وصول کرنے کا حق نہیں۔ اگر وصول کرلیا ہو تو واپسی ضروری ہے(۱)، مدرسہ میں ہرگز خرچ نہ کیا جائے، ہاں! جتنے روپیوں کا ثبوت ہے وہ ضرور اس سے وصول کرلیا جائے اور مدرسہ میں خرچ کیا جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ،

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلافيضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان قواعد الفقهية: ۱/۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

صدقاتِ واجبہ کا مستحق ہو تو مستحقین پر تملیکاً صرف کیا جائے (۱) اور اس کا انتظام کیا جائے کہ زید پھر ایسی حرکت کرکے قوم کو دھوکہ نہ دے سکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

جعلی رسید سے جمع کردہ چندہ کا مصرف

سوال [۷۶۷۹]: ایک شخص نے جعلی رسید لیکر مدرسہ کا چندہ کیا، حالانکہ مدرسہ بھی نہیں ہے، وہ شخص شبہ کی وجہ سے پکڑا گیا اور اس سے مدرسہ کی تصدیق طلب کی گئی جس کی وجہ سے وہ رات ہی میں فرار ہوگیا اور مبلغ ایک سو چالیس روپیہ ورسید چھوڑ کر بھاگا۔ اب اس کا مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے کسی دینی مدرسہ میں ایسی رقم کا خرچ کرنا درست ہے (۲)، اگر وہ مدرسہ موجود ہے جس کے نام پر چندہ کیا گیا ہے تو اسی میں دیدیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "الزکاۃ: هي تمليک المال من فقير مسلم غير هاشمي ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّک من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوٰة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكوٰة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۰، رشيديه)

(۲) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر، وإذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أورباط أو بئر أو حوض إليه". (الدرالمختار). "في شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيمالو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۲/۴۷۸، رشيديه)

محض دفتری خانہ پُری کر کے سرکار سے امداد لینا، گرانی الاؤنس سے زائد دکھلا کر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۶۸۰]: ایک مدرسہ میں چند مدرسین درسِ نظامی کی تعلیم پر مامور ہیں اوراس کی انہیں تنخواہ ملتی ہے اور ۳۰/ روپیہ ماہانہ گرانی الاؤنس بھی ملتا ہے۔ان اخراجات کی آمدنی کے لئے کوئی مستقل ذریعہ نہیں ہے، بلکہ اہتمام کی طرف سے مختلف ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں، ان ہی میں سے ذریعہ کے طور پر بعض دیگر ادارتی مصلحتوں کی بناء پر سرکار سے الحاق کرلیا گیا ہے، مگر سرکاری نصاب کی تعلیم نہیں ہوتی، صرف دفتری خانہ پُری کے ذریعہ تعلیم دکھلا دی جاتی ہے۔ سرکار مختلف ناموں سے امداد دیتی رہتی ہے: لائبریری کے نام سے، کبھی تنخواہوں کے نام سے اور دیگر تعلیمی اخراجات کے نام سے۔ اور مہتمم ان رقوم کو ادارتی مصلحتوں میں خرچ کرتا رہتا ہے اور مدرسین کو ان دفتری خانہ پری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب گورنمنٹ نے ۳۰/ روپیہ ماہانہ گرانی الاؤنس دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طریقہ سے گورنمنٹ سے رقم لینا اور اپنی حسبِ صوابدید ادارہ پر خرچ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر الحاق کی شرائط موجود نہیں، غلط بیانی کر کے شرائطِ الحاق موجودہ ظاہر کر کے الحاق کیا گیا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا، صرف دفتری خانہ پری کر کے بتلا دیا جاتا ہے کہ تقاضوں کو پورا کر دیا گیا اور اس طور پر امداد حاصل کی جاتی ہے تو یہ زُور وخداع ہے(۱)، اس کا لینا دانشمندی کے بھی خلاف ہے، پھر اس کی تقسیم کا

---

(۱) غلط طریقہ سے کسی کا مال کسی بھی درجے میں کھانا جائز نہیں:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من غشنا": ۱/۷۰، قديمي)

سوال بے محل ہے۔ کیا مدرسین حضرات ایسی رقم لینے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے، امید تو یہ ہے کہ اگر ان کو دی جائے تب بھی وہ قبول نہیں کریں گے، ان کی دیانت اس کی اجازت نہیں دے گی بلکہ اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۰ھ۔

مدرسہ کے کاغذات، مہریں، رسیدیں لیکر چندہ کرنے کا حکم

سوال[۷۶۸۱]: مدرسہ اسلامیہ حنفیہ سعادت گنج بارہ بنکی کے ناظم وصدر صاحب کچھ عرصہ تک بخوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے ہیں، انہوں نے خفیہ پارٹی بنالی اور ایک دن موقع پاکر مدرسہ مذکورہ کا تمام ضروری سامان، کاغذات، رقم، رسیدیں، مہریں وغیرہ اٹھا کر چلے گئے اور پھر کسی طرح کارکنوں سے مصالحت نہ ہوسکی۔ سوالات یہ ہیں کہ:

۱......مدرسہ مذکورہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۲......مدرسہ کا سامان، مہریں وغیرہ واپس کرنا چاہیے یا نہیں؟

۳......مدرسہ مذکورہ کی رسیدوں سے وصول کی ہوئی رقم مدرسہ ہی کی ہے یا نہیں؟

۴......مدرسہ کی رسیدوں سے کچھ چندہ وصول کرکے انہوں نے علیحدگی کے بعد ایک نیا مدرسہ کھولا تھا، ان رسیدوں کی وصول شدہ رقم اپنے مدرسہ میں لگائی۔ کیا وہ رقم اس جدید مدرسہ میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مدرسہ کی رقم ذاتی مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں، اس کی واپسی ضروری ہے(۱)۔

---

(۱) "رجل جمع مالاً من الناس لينفقه في بناء المسجد، وأنفق من تلك الدراهم في حاجة نفسه. ثم رد بدلها، لايسعه أن يفعل ذلك.......... وفي القضاء يكون ضامناً، فيكون ذلك ديناً عليه لصاحب المال". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغني عنها وصرف غلة الأوقاف: ۸۷۹/۵، ۸۸۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۴۲۳/۴، رشيديه)

۲......اس سب کی بھی واپسی ضروری ہے۔

۳......وہ رقم بھی مدرسہ کی ہے(۱)۔

۴......سابق مدرسہ کے نام پر اس کی رسیدوں سے چندہ وصول کر کے اپنے قائم کردہ مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں، جبکہ سابق مدرسہ موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۴ھ۔

مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں وصول کرنا

سوال[۷۶۸۲]: مدارسِ عربیہ کے اراکین اور اساتذہ کرام زکوٰۃ، صدقات، قربانی کی کھالیں مدرسہ کی رسید دیگر غریب بچوں کے نام پر وصول کرلیا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں صرف یہ بتلادیں کہ سب سے پہلے کس شخص نے کس سن میں کس مدرسہ کی رسید پر زکوۃ یا فطرہ یا قربانی کی کھال وصول کی تھیں؟ یہ طریقہ کس کا ایجاد کردہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿و اتوا الزکوۃ﴾(۳)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية(٤)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عاملین کو زکوۃ وصول

(۱) (راجع، ص: ۵۹۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلك: أي الصرف المذكور. قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذاكان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۲، رشيديه)

(۳) (سورة البقرة: ۴۳)

(۴) (سورة التوبة: ۱۰۳)

کرنے کے لئے بھیجا، وہ لیکر آئے، پھراس کو مستحقین پر خرچ فرمایا(۱)۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے عاملین کے ذریعہ زکوۃ وصول کی اور بیت المال میں جمع کر کے مستحقین کو دی (۲)۔

پھر جب بیت المال کا حال بعد کے لوگوں نے صحیح نہیں رکھا تو اربابِ اموال خودزکوۃ ادا کرنے لگے۔ اور دین کی اشاعت کے لئے جب مدراس قائم کیے گئے تو اول اول سلاطین نے ان کے اخراجات برداشت کئے (۳)۔ پھرارباب مدارس نے خودانتظام کیااورزکوۃ،صدقات وصول کر کے طالبِ علم دین پرخرچ کرنے کا انتظام کیا۔ یہ سلسلہ بحمد اللہ بہت مفید ہےاوراسلاف سےمنقول ہے،قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن، فقال: "إنك تأتي قوماً أهل كتاب، فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، فإن هم أطاعوا لذلك فاعلمهم أن الله قد فرض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لذالك فإياك و كرائم أموالهم .... اهـ". (مشكوة المصابيح ، ص: ١٥٥ ، كتاب الزكاة، الفصل الاول، قديمي)

"وعن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما وجّهه إلى اليمن، أمره أن يأخذ من البقرة من كل ثلثين تبيعاً تبيعةً". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكاة، باب ما تجب فيه الزكوة، الفصل الثاني، ص: ٨٥٦، ٨٥٧، قديمي)

(٢) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما توفي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف ابوبكر بعده وكفر من كفر من العرب .... فقال أبو بكر: "والله! لأقاتلن من فرّق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال. والله! لو منعوني عناقاً كانوا يؤدّونها إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتُهم على منعها". (مشكوة المصابيح: ١٥٧/١ ، كتاب الزكاة، الباب الأول ، قديمي)

(٣) "ومن ذلك مسئلة الاستيجار على تلاوة القرآن المجردة .... فإن المفتى به صحة الاستيجار على تعليم القرآن لا على تلاوته .... فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ أن الاستيجار على الطاعات باطل، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين =

مدرسہ کے چندہ سے دوکانیں بنانا

سوال[۷۲۸۳]: ایک مدرسہ کی تعمیر چندہ کے روپے سے کی گئی ہے، اب مہتمم صاحب کی یہ رائے ہے کہ اس مدرسہ کی چار دکانیں نکال دی جائیں اور اسی کے اوپر اس کے بجائے مدرسہ تعمیر کرالیا جائے تاکہ مدرسہ میں کرایہ کی آمدنی آتی رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے۔ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالحکیم غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اہلِ محلّہ اور چندہ دہندگان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر مدرسہ بن چکا ہے تو اب اس میں دوکان بنانا جائز نہیں (۲)، اگر ابھی بنا نہیں اور چندہ دینے والے

= هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت". (شرح عقود رسم المفتي للعلامة ابن عابدين، مطلب: لا بد من المراجعة إلى المأخذ الأصلي الخ، ص: ۴۷، الرشيد (الوقف)، كراچى)

(۱) "مسجدٌ له مستغلات وأوقافٌ، وأراد المتولي أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً.......... قالوا: إن وسع الواقفُ ذلک للقيم وقال: تفعلُ ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشترى للمسجد ماشاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الثاني: ۲/ ۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/ ۲۹۷، رشيديه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً و مدرسةً، ووقف عليهما أوقافاً، لايجوز له ذلک". (الدرالمختار). "(قوله: لايجوز له ذلک): أى الصرف المذكور.......... قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلايصرف أحدهما للآخر، وهى واقعة الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۲، رشيديه)

راضی ہیں تو جائز ہے(۱)۔ سعید احمد غفرلہ، ۲۳/شوال/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مظاہر علوم سہارنپور۔

چندہ کے پیسہ سے تنخواہ دینا

سوال[۷۶۸۴]: ایک مدرس رمضان شریف میں مدرسہ کی جانب سے چندہ وصول کرنے جاتا ہے جس میں وہ زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ کے روپے لیکر آتا ہے۔ تو گھر پر آجانے کے بعد قبل از تملیک اس پیسہ میں سے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسہ سے تنخواہ دینا جائز نہیں (۲)، جب مستحق کے پاس بطورِ ملک پہونچ جائے گا تب زکوٰۃ اداہوگی، پھر وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی طرف سے بطیبِ خاطر مدرسہ میں دیدے تو تنخواہ میں دینا درست ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته بلاشرط؛ لأن قصد الواقف صرف الغلة مؤبداً، ولاتبقى دائماً إلابالعمارة .... وإنما تستحق العمارة عليه بقدر مايبقى الموقوف على الصفة التي وقفه .... فأما الزيادة على ذلك، فليست بمستحقة............ فلايجوز صرفه إلى شيء آخر إلابرضاه". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۴۸/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (سورة التوبة : ۶۰)

"الزكوة: هي تمليك جزء مال من فقير مسلم، غير هاشمي ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالى". (البحرالرائق، كتاب الزكوة : ۲۵۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۳۵۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكبرية، كتاب الزكوة، الباب الأول: ۱۷۰/۱، رشيديه)

(۳) "الحيلة في الجواز .... أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى =

مدرسین کی پنشن کا علم چندہ دہندگان کو ہونا چاہئے

سوال[۷۶۸۵]: مدرسہ عربیہ کے ضعیف معذور مدرسین کو پنشن دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا چندہ دینے والوں کو اس کا علم ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اربابِ مدرسہ نے قانون بنا کر شائع کردیا اور چندہ دینے والوں کو علم ہوگیا کہ ہمارے دیئے ہوئے روپیہ سے معذور اور ضعیف العمر مدرسین کو پنشن بھی دی جاتی ہے، انہوں نے اس کو منظور کرلیا، اس پر اعتراض نہیں کیا تو پنشن دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۷ھ۔

چندہ کا روپیہ جلسہ انعامی میں خرچ کرنا

سوال[۷۶۸۶]: یہاں مدرسہ اسلامیہ کے لئے قصبہ سے سالانہ چندہ کیا جاتا ہے جس میں زیادہ تعداد صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ، چرم قربانی کی ہوتی ہے اور مصارفِ مدرسہ تنخواہ مدرسین اور خرچ یتیم خانہ دو بڑی

= هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۴۲۴/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۱۲۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "مسجدٌ له مستغلاتٌ وأوقافٌ، وأراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً، أوجصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقفُ ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۴۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً .... الخ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۹۶): ۶۱/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مدیں ہیں، اس کے علاوہ روزمرہ کے کچھ متفرق خرچ ہوجاتا ہے۔ چندہ دہندگان کے ذہن میں اخراجاتِ مدرسہ کی تفصیل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہروقت ان سے ہر ہر خرچ کی اجازت لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دو تین سال میں جلسہ انعامی بھی ہوتا ہے، جس میں طلباء کو کتابیں انعام میں اور علماء کا خرچ آمدورفت دیا جاتا ہے۔

آیا یہ خرچ جلسہ بھی مدرسہ کے چندہ کی رقم میں سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا اجازت نہیں کیا جاسکتا تو اجازت زکوٰۃ دہندگان سے لی جایا کرے، یا تملیک کرنے والے جو زکوٰۃ کی رقم اپنی ملک میں لے کر مدرسہ میں داخل کردیتا ہے، یا قرض لے کر مدرسہ میں دے دیتا ہے، ان کو صدقات کی رقم اپنا قرض ادا کرنے کیلئے دیدی جاتی ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چندہ دہندگان نے مصرف کی تعیین کردی ہے تو اسی مصرف پر چندہ صرف کیا جائے گا، اس کے خلاف نہ کیا جائے (۱)۔ اگر مصرف کی تعیین نہیں کی، بلکہ مہتمم کو مصالحِ مدرسہ میں صرف کرنے کا کلی اختیار دیدیا ہے تو پھر ہر مصلحت میں صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ جن رقوم میں تملیک واجب ہے ان کو بغیر تملیک کے غیر محل یعنی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں (۳)۔ جب انعامی جلسہ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ چندہ دہندگان بھی

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذالم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصيةً. وله أن يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربةً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة: ۴/۳۴۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبريعمل به". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "مسجدٌ له مستغلاتٌ وأوقافٌ، وأراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً، أوجصاً، قالوا: إن وسع الواقفُ ذلك للقيم وقال: تفعل ماترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ماشاء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً .... الخ: ۳/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني منه: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) "هي تمليك المال من فقير مسلم، غير هاشمي ولامولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملّك من =

کثیر مقدار میں جمع ہوتے ہوں گے، ان کے سامنے مدرسہ کا پورا آمد وصرف کا حساب مدوار پیش کیا جاتا ہوگا، یہ ان کے لئے ذریعۂ علم ہے، پھر ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ ہر ہر مد بتلا کر مصرف (یعنی جو رقم زکوۃ وصدقات کے علاوہ یکمشت مدرسہ میں آتی ہے، اس کے لئے تفصیل کی ضرورت نہیں اجمالی علم ان مدات کا ان کو ہوتا ہی ہے، وہ کافی ہے) کا دریافت کرنا ضروری نہیں۔

ہاں! اگر قرائن سے معلوم ہوجاوے کہ یہ صاحب اپنا روپیہ فلاں مد میں صرف کرنا پسند نہ کریں گے تو ان کا روپیہ اس مد میں بلا اجازت صرف نہیں کرنا چاہئے (۱)۔

اگر اب تک چندہ دہندگان کے سامنے جملہ مدات کو پیش نہیں کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ ان کو ضرور پیش کردیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ ہمارا روپیہ کہاں کہاں صرف ہوتا ہے اور جس شخص کو اس طرح چندہ دینے سے گریز ہو تو وہ اس میں خرچ کرنے سے منع کردے۔ جلسہ انعامی بھی مصالح مدرسہ میں سے ہے، رقم واجب التملیک میں مستحقین کو انعام دینا درست ہے اور غیر مستحقین کو بلا تملیک درست نہیں۔ جب رقم واجب التملیک کی تملیک ہوگئی تو اصل دہندہ کی زکوۃ وغیرہ ادا ہوگئی (۲)۔ اب اگر کسی مد میں صرف کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت ہو تو جو شخص مالک بننے کے بعد از خود مدرسہ میں دے گا اس سے اجازت لی جائے، سابق دہندہ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، گنگوہی مظاہر علوم سہانپور، ۲۲/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبداللطیف۔

= كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، سعيد)

(۱) "وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلايملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة: ۲/۲۸۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "الحيلة في الجواز أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة، وللفقير ثواب هذه القربة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه) .... =

چندہ سے خوشحال بچوں کی تعلیم

سوال[۷۶۸۷]: کسی مدرسہ میں باہر کے دو چار بچے داخل کر کے پورے علاقہ سے چندہ جمع کرتے ہیں اور ان غریب بچوں کی آڑ میں خوشحال آدمیوں کے بچے بھی پڑھتے ہیں اور سال بھر میں زیادہ سے زیادہ دو چار روپیہ دیتے ہیں خوشحال بچے والے۔ اور مدرس کی تنخواہ پچاس روپیہ ہے اور ایک دو سفیر بھی رہتے ہیں تو سال بھر ان اشخاص کی تنخواہ اٹھارہ سو روپیہ ہوتی ہے جس میں پچاس ساٹھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

نوٹ: چندہ ایک بھیک ہے جس کو خیرات کہتے ہیں، اس سے خوشحال بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، ملازمین اس سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ کہاں تک جائز ہے؟ خوشحال بچوں کو اس پیسے سے پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے لئے دینی تعلیم کا انتظام لازم ہے(۱)، لیکن جب مسلمانوں کو اس کا احساس نہ رہے، یا وہ مجبور ومعذور ہوں تو لامحالہ چندہ سے انتظام کیا جائے گا۔ جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ اپنے اور متعلقین کے نفقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لئے چندہ کے پیسے سے تنخواہ لیں گے اور یہ تنخواہ ان کی درست ہے(۲)، پھر ان کے ذریعہ غریبوں اور مالداروں کے جو بچے تعلیم حاصل کریں گے، وہ بھی درست ہے۔ مگر

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعيد)

(۱) "عن أبي سعيد وابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوّجه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲۷۱، قديمي)

"فليحسن اسمه وأدبه": أي معرفة أدبه الشرعي". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، (رقم الحديث: ۳۱۳۸)، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح: ۶/۳۰۰، رشيديه)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار). "قال في الهداية: وبعض مشائخنا استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الإجارة، مطلب في الاستيجار على الطاعات: ۶/۵۵، سعيد) .... =

مالداروں کے لئے غیر تمندی کے ساتھ خود غور کرنے کی بات ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی حیثیت کی موافق زیادہ سے زیادہ مدرسہ میں چندہ دیں، بلکہ اہلِ وسعت ایک دو مدرس کی تنخواہ اپنے پاس سے دے دیں کہ چندہ کی ضرورت نہ رہے اور صرف اس کی دی ہوئی تنخواہ سے مدرس سب بچوں کو تعلیم دے تو یہ اس کی وسعتِ مالی اور عزتِ ایمانی کا تقاضا اور صدقۂ جاریہ ہے۔

تنبیہ: زکوۃ اور صدقۂ فطر کا پیسہ تنخواہ میں دینا درست نہیں (۱)۔ دینی خدمت کے لئے جو چندہ کیا جائے اس کو بھیک سمجھنا اور حقیر سمجھ کر دینا دین کی بڑی ناقدری اور دین سے بے تعلقی کی نشانی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خیراتی مدرسہ میں مالدار بچوں کی تعلیم

سوال [۷۶۸۸]: جو مدرسے زکوۃ، چرمِ قربانی، فطرہ اور امداد کی رقم سے چلتے ہیں تو ایسے مدارس میں صاحبِ نصاب کے بچے تعلیم پاسکتے ہیں، یا صاحبِ نصاب کو کچھ فیس یا امداد ماہوار کچھ دینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبِ نصاب کے بچے ایسے مدارس میں تعلیم تو پاسکتے ہیں، مگر ان بچوں کو مدرسہ سے سیپارہ، کھانا، کپڑا وغیرہ دوسری چیزیں لینا جائز نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/ ۳۰۱، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسده: ۶/۱۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو دفعها المعلم لخليفة إن كان بحيث يعمل له لولم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار).

"(قوله: و لو دفعها المعلم لخليفة) أي: من هو نائب عنه، ونظيره: إذا دفعها المؤجر لمن استأجره أو الشيخ لمن يحضره، (قوله: صح)؛ لأنه تمحض تبرعاً فإذا نوى به الزكوة صح، (قوله: وإلا لا)؛ لأن المدفوع حينئذٍ بمنزلة العوض". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكوة، آخر باب المصرف: ۱/۴۳۲، دار المعرفة)

(۲) "الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه، بشرط قطع المنفعة عن المملك =

ہائی اسکول میں چندہ دینا

سوال[۷۶۸۹]: میرے علاقہ میں ہندواور مسلمان دونوں مل کرایک ہائی اسکول کھول رہے ہیں، جس میں دونوں چندہ دے رہے ہیں، مجھے بھی پانچ سو روپے دینے کو کہتے ہیں۔تو مجھ کواس میں کچھ ثواب ملے گا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ اپنے بچے بھی اس میں تعلیم حاصل کریں گےتو کچھ تو ثواب ضرور ہوگا، اگرچہ خالص اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا ثواب اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے(۱)، مگراس کا خیال رہے کہ وہاں بددینی کی تعلیم نہ ہوجس سے عقائدواخلاق تباہ ہوجائیں، ورنہ سخت وبال ہوگا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۱/۸۸ھ۔

= من كل وجه لله تعالى". (البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۲۵۶، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أنفق المسلم نفقةً على أهله وهو يحتسبها، كانت له صدقةً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب أفضل الصدقة، الفصل الأول: ۱/۱۷۰، قديمي)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿وقد نزل عليكم في الكتب أن إذا سمعتم ايات الله، يكفر بها ويستهزأ بها، فلا تقعدوا معهم﴾ (سورة النساء: ۱۴۰)

جن مجالس سے بددینی پھیلنے،اورعقائد کے خراب ہونے کااندیشہ ہوایسی مجلسوں میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے: "وعن الحسن: لاتجالس صاحب هوىٰ فيقذف في قلبك ماتتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك".

"وعن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الأهواء ولاتجادلوهم، فإني لاآمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرىٰ مصيرهم إلا إلى النار". (الاعتصام للشاطبي، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵، دارالمعرفة بيروت)

چندہ کا مخصوص طریقہ

سوال[۷۶۹۰]: مسجد یا مدرسہ کے چندہ کے لئے مجمع کے ساتھ مع جھنڈے کے لوگوں کے گھروں پر جانا اور چند اشخاص کا باہم آواز ملا کر اشعارِ نعتیہ وترغیبیہ پڑھنا اور اس طرح نظم خوانی کے ساتھ چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس چندہ کی رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چندہ کا یہ طریقہ سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۹۶ھ۔

مدرسہ قدیم کی امداد بند کر کے مدرسہ جدید کی امداد کرنا

سوال[۷۶۹۱]: زید ایک مدرسہ اسلامیہ میں - جو بہت قدیم درسگاہ ہے اور اس کے آبا واجداد نے قائم کی تھی - امداد برابر کرتا رہتا تھا، مگر اب کسی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ اس مدرسہ میں امداد نہ دوں گا، دوسری جگہوں میں دوں گا۔ تو اس قدیم مدرسہ کی امداد بند کر دینا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً مصلياً:

اگر دوسرے مدرسہ کو کوئی شرعی وجہِ ترجیح حاصل ہے تب تو مضائقہ نہیں، ورنہ ترجیح المرجوح لازم آتی ہے، اور "خير العمل ماديم عليه" کے بھی خلاف ہے(۱)۔ اگر دونوں مدرسہ تمام امور میں مساوی ہوں تب بھی قدیم افضل ہے، ونظیرہ: "وإن استوى المسجدانِ فأقدمهما أفضل". طحطاوی علی

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يحتجر حصيراً بالليل فيصلي، و يبسطه بالنهار فيجلس عليه، فجعل الناس يثوبون إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فيصلون بصلاته حتى كثروا، فأقبل، فقال: "يا أيها الناس! خذوا من الأعمال ما تطيقون، فإن الله لا يملّ حتى تملّوا، وإن أحب الأعمال إلى الله ما دام وإن قلّ". (صحيح البخاري: ۲/۸۷۱، كتاب اللباس باب الجلوس على الحصير ونحوه، قديمي)

(وسنن ابن ماجة: ۲/۳۱۲، كتاب الزهد، باب المداومة على العمل، قديمي)

مراقی الفلاح، ص: ١٥٦ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد

سوال[۷۶۹۲]: جس گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہو، مگر گاؤں والے امداد نہیں کرتے، بلکہ لڑکے بھی بڑی مشکل سے اکٹھے ہوتے ہیں تو اگر ڈسٹرکٹ بورڈ سب ڈپٹی یا ڈپٹی انسپکٹر مدرسہ اسلامیہ سے امداد کی درخواست کی جائے اور وہ درخواست امداد منظور ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کو مدرسہ اسلامیہ کی ضرور امداد کرنی چاہیے (۲)۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لینے میں اگر یہ خیال ہو کہ مدرسہ کو سرکار اپنے قبضہ میں کر کے اپنی تعلیم اس میں جاری کرے گی اور دینی تعلیم یا بالکل بند کر دے گی یا مختصر کر کے برائے نام جاری رکھے گی تو سرکار سے امداد نہیں لینی چاہیے۔ اور اگر یہ اطمینان ہو کہ دینی تعلیم بدستور رہے گی اور بھی کسی قسم کا شرعی نقصان نہیں تو درست ہے، اور اس کا کام میں لانا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۲/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ رجب المرجب/۵۲ھ۔

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٢٨٧، باب الإمامة، كتاب الصلوة، قديمي)

"وقالوا: في المسجدين يختار أقدمهما، فإن استويا فأقربهما". (النهر الفائق: ١/٢٣٩، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبه امداديه ملتان)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البرّ والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ٢)

(٣) "درأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قُدّم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشدّ من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفصل الأول في القواعد، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ١/٢٩٠، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ٢٠)، المقالة الثانية في القواعد: ١/٣٢، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ٨١ (رقم القاعدة: ١٣٣) الصدف پبلشرز كراچی)

پراویڈنٹ فنڈ دینی مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۷۲۹۳]: آج کل دنیوی فیکٹریوں اور کالجوں کے علاوہ بھی بعض مدرسہ دینیہ میں جو حضرات کہ مدرس یا ملازم ہیں ان لوگوں کی تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم روک لی جاتی ہے (اور یہ روکنا ان کی مرضی سے ہوتا ہے) مثلاً ہر ماہ دس روپیہ روک لیا جاتا ہے۔ تو منجانب مدرسہ بھی اتنی ہی رقم ملا کر فنڈ میں جمع کر دیتے ہیں اور اس فنڈ کو پرائیویٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔ اب جب اس ملازم یا مدرس کا انتقال ہو جائے، یا بعذرِ معقول وہاں سے منتقل ہونے لگے تو اس کی جمع شدہ رقم کے ساتھ ساتھ وہ رقوم جو بمقدارِ جمع منجانب مدرسہ ملایا گیا ہے تمام ان کے ورثاء یا ان کو دیا جاتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں علمائے دین سے سوال ہے کہ اس طرح کچھ رقم تنخواہ سے لے کر اسی مقدار میں منجانبِ مدرسہ ملا کر جمع کر دینا اور بروقت ان کو یا ان کے ورثاء کو دیا جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو وہ مزید رقم (جسے منجانب مدرسہ ملایا گیا ہے) کس حکم میں داخل کیا جائے گا؟ کیا مدرس یا ملازم کی تنخواہ میں شمار کریں گے یا کوئی اور وجہِ جواز نکل سکتی ہے؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرما کر احسانِ عظیم فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس یا ملازم کی رضامندی سے جزءِ تنخواہ جمع کرنا پھر اختتامِ ملازمت پر جمع شدہ مع اضافہ دینا درست ہے(۱)، یہ اضافہ حسنِ خدمات کی وجہ سے انعام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲۶۴/۱، (رقم المادة: ۴۷۳)، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يشترط في صحة الإجارة رضى المتعاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲۵۴/۱ (رقم المادة: ۴۴۸)، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴۱۱/۴، رشيديه)

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

مدارس کے لئے ناجائز مال سے چندہ

سوال[۷۲۹۴]: ہندوستان کے طول وعرض میں چھوٹے بڑے دینی مدارس برسہابرس سے بڑی خاموشی کے ساتھ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، مجھے بیشتر مدارسِ دینیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور ہر چھوٹی بڑی درسگاہ کے سفراء سے بھی ہر سال واسطہ پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان درسگاہوں کا قیام اہلِ خیر حضرات پر ہی ہے اور بصورتِ چندہ وصولی رقم جمع کی جاتی ہے، بلاکم وکاست ہر مدرسہ کا دارومدار اسی چندہ کی صورت پر منحصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی عوام کمزور وخستہ حال ہے، جیسے کچھ انہیں دینی مدارس کا تعاون کرنا چاہیے، اس کے کرنے سے وہ معذور ہیں۔ جو طبقہ درمیانی پوزیشن رکھتا ہے، زکوۃ وصدقات کی ادائیگی میں وہ قرابتداروں کو اولین حیثیت دیتا ہے، باقی بچا کھچا، ایک ایک، دودو روپیہ کی صورت میں مدارس کا تعاون کرتا ہے۔

اب رہا وہ مالدار طبقہ جو ہر حیثیت سے مضبوط پوزیشن رکھتا ہے، الا ماشاء اللہ کو چھوڑ کر اکثر کی کمائی مشکوک ہے، بلکہ یقینی حد تک ناجائز کہی جاسکتی ہے، کوئی شراب کا (جو آج کل انگریزی نام دے کر اس کی حرمت وقباحت کو کم کرنے یا ختم کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے) بیوپاری ہے، کوئی سودی لین دین کا ایجنٹ ہے، کوئی سٹہ، جوئے کا خوگر ہے، کوئی اسمگلر ہے، کوئی اسمگلنگ میں اپنا جواب نہیں رکھتا، کوئی سینماؤں کا مالک یا ایکٹرس وکلاکار ہے، بلاشبہ اور بھی بڑے بڑے مرچنٹیں ہیں (۱)۔ بس ایسے ہی لوگ ہمارے سفراء کو چندہ زیادہ دیتے ہیں۔ اور ہر سفیر پہلی ملاقات میں نہ سہی، دوسری تیسری بار تو جان ہی جاتا ہے کہ اس کا فلاں دھندہ ہے، اس کے باوجود بلاروک وٹوک رمضان میں سُفراء ان داتاؤں کی چوکھٹ پر صف بستہ آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں (۲)۔

---

(۱) ''مرچنٹ: بیوپاری، تاجر، بڑا سوداگر''۔ (انگلش ٹو انگلش اینڈ اردو ڈکشنری، ص: ۵۵۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''آس لگانا: اُمید لگانا، خواہش، آرزو، بھروسہ، سہارا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸، فیروز سنز، لاہور)

اب سوال یہ ہے کہ کیا معلوم ہوتے ہوئے بھی ایسے حضرات کا پیسہ لینا جائز ہے؟ اگر درست ہے تو یہ شکل بھی درست ہونی چاہیے کہ بعض ایکٹرس وکلا کار شو دکھلا کر اور سرکس کا مالک ایک شو کی آمدنی بطورِ عطیہ کہہ کر دے دیتے ہیں؟ چونکہ بعض سفرائے کرام کی جواز کی دلیل یہ ہے کہ صاحب کیا کیا جائے جب کہ اس کے سوا بقائے نسل کی سبیل دکھائی نہیں دیتی، ہاں بعض غیر مسلم حضرات سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے؟

ایم اے شیخ جی، شیر جی روڈ کوپرگاؤں احمد نگر (ایم ایس)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گردشِ روزگار کا حال آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ نہ مال کمانے والوں میں عموماً یہ فکر ہے کہ حلال راستہ سے کمائیں، نہ چندہ وصول کرنے والے اربابِ مدارس میں قناعت وتوکل ہے کہ مالِ حرام سے بچ کر قلیل حلال پر گزارہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم کے زیادہ اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے (۱)۔ چندہ لینے والے کہیں کچھ حیلۂ تملیک وغیرہ کرلیتے ہیں، کہیں تحقیق سے چشم پوشی کرتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لینے سے صاف انکار کردیتے ہیں، مگر یہ بہت کم ہے۔

وہ خود کچھ ایسی پریشانی میں مبتلا ہیں کہ قلیل پر قناعت کرنے والے نہ ان کو مدرس وملازم ملتے ہیں، نہ طلبہ ملتے ہیں، نہ وہ مدرسین وملازمین طلبہ کی قلیل مقدار پر کفایت کرتے ہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں ان کو چندہ ہی ملنا مشکل ہوجائے گا اور جو حیثیت مدرسہ کی قائم کر رکھی ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔ تاہم موجودہ صورت میں بھی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيبٌ لا يقبل إلّا طيباً، وإنّ الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يأيُّها الرُّسُل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ وقال تعالىٰ: ﴿يا أيّها الّذين امنوا كلوا من طيّبات مارزقنكم﴾. ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعثَ اغبرَ يمدّ يديه إلى السمآء يارِبّ يارِبّ! ومطعمه حرامٌ ومشربه حرامٌ وملبسه حرامٌ وغُذِي بالحرام، فأنّى يُستجاب لذلك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

"وعنه أيضاً: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتي على الناس زمانٌ لايبالي المرء ما أخذ منه، أمِنَ الحلالِ أم من الحرام". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

علومِ دینیہ کی حفاظت بڑی حدتک ہورہی ہے اوران میں ہی سے کچھ اچھے بھی نکل آتے ہیں۔اس کے باوجوداس صورتِ حال سے بہت گھٹن اورکڑھن ہے۔فإلی اللہ المشتکی۔فقط۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۴/۴/۹۵ھ۔

شراب کی آمدنی سے زمین خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا

سوال[۷۶۹۵]: شراب کی تجارت کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کسی مدرسہ میں یاکسی مسجد میں وقف کی جاسکتی ہے یانہیں(☆)؟

مالِ حرام سے دینی خدمت

سوال[۷۶۹۶]: بعض لوگوں کی کمائی سینمایاسٹہ یاجوا یاشراب کی ہوتی ہےاوروہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم دینی مدرسہ یامسجد میں دیں توکیاطریقہ اختیارکریں۔بعض اہلِ یہ کہتے ہیں کہ کسی شخص سے روپیہ بطورِقرض لےکر دینی مدرسہ یاتعمیرِ مسجد میں دےدیں اوراپنی اس کمائی کی رقم سے اس قرض کواداکریں توکیایہ طریقہ جائز ہے؟اس طریقہ سے وہ رقم دینی مدرسہ یامسجد میں خرچ کرسکتے ہیں؟سارے جواب حدیث وفقہ کی روشنی میں دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے پاس ناجائز کمائی کاروپیہ ہے وہ اگرکسی سے جائز روپیہ قرض لےکر مدرسہ یامسجد کے لئے دیں تویہ درست ہے۔ناجائز دیں تومدرسہ یامسجد کی تعمیر کے واسطے نہ لیاجائے۔

"ولا بأس بنقشه علی محرابه بجصٍ وماء ذهب لو بماله الحلال، اهـ". درمختار۔"قال: تاج الشریعة: أما لوا أنفق فی ذلك مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن اللہ تعالیٰ لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بمالا یقبله، اهـ. شرنبلالیة". شامی: ۱/۴۲۲(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۳/۹۱ھ۔

(☆)(اس کاجواب مع تخریج باب الحظر والاباحۃ،باب المال الحرام میں موجود ہے،وہاں ملاحظہ فرمائیں)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب: کلمة "لابأس" دلیل، اهـ: ۱/۶۵۸، سعید)

سنیما کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۶۹۷]: مسجد یا مدرسہ میں سنیما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سنیما ہاؤس، مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کرکے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنیما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے (۱)۔ غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مَصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سنیما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرائے جائز محل میں صَرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے، یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر مِلک ثابت نہیں اس پر زکوۃ نہیں (۲)، بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۵۵/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(۲) "هذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكاة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر". (الدرالمختار). "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۹۱/۲، سعيد)

(۳) "سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام: هل تجب عليه فيه الزكوة؟ الجواب: لا تجب عليه فيه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجمعيه على الفقراء لا بنية الثواب". (الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكوة، ص: ۱۵، حقانيه پشاور)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكوة: ۴۱۴/۱، إمداديه ملتان)

مدرسہ کے کرایہ داروں کا پیشہ باجہ بنانا ہے تو اس آمدنی سے اخراجاتِ مدرسہ

سوال[۷۶۹۸]: مدرسہ کی جائیداد کے کرایہ دار اکثر ایسے ہیں جن کا کام باجہ بنانے یا بنوانے، یا باجہ فروخت کرنے کا ہے، دو یا تین کرایہ دار ایسے بھی ہیں جن کی تجارت دوسری ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جائیداد کا جو کرایہ آتا ہے اس سے مدرسہ کے اخراجات، تنخواہِ مدرسین وتعمیرات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

باجہ بنانا، فروخت کرنا مکروہ ہے، اس کی آمدنی حرام کے درجہ میں نہیں، مکروہ کے درجہ میں ہے، مجموعی کرایہ کی آمدنی کو ضروریاتِ مدرسہ میں صَرف کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۲/۲۵ھ۔

فلم ایکٹر کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں

سوال[۷۶۹۹]: ۱...... فلمی ایکٹر جو کہ صوم وصلوۃ کا پابند ہے، بخوشی کارِ خیر میں چندہ دیتا ہے۔ مسجد اور مدرسہ کے لئے اس سے چندہ لینا کیسا ہے؟

ایضاً

سوال[۷۷۰۰]: ۲... ایسے شخص کے پاس ارکینِ مدرسہ کو چندہ کے لئے جانا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) امداد الفتاویٰ میں ہے: "الجواب عن الأربعة: في العالمكيرية ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعنده لايجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر (أي إذا باعها ممن يستعملها أو يبيعها هذا المشتري ممن يستعملها كما فيها عن السير الكبير) فلا يجوز الانتفاع به كذا في المحيط". (۶۸/۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء کی خرید وفروخت امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز، پس خرید وفروخت نہ کرنا احتیاط ہے اور خرید وفروخت کرنے کی بھی گنجائش رکھتا ہے"۔ (امداد الفتاوی، للشيخ أشرف على التهانوي رحمه الله تعالى، كتاب الحظر والإباحة، غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، بچوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم: ۲۵۶/۴، دار العلوم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ناجائز آمدنی کا پیسہ نہ مسجد کے لئے قبول کیا جائے اور نہ مدرسہ کے لئے، اس کا غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے، جو غریب بالغ لڑکے یا غریب آدمی کے نابالغ لڑکے مدرسہ میں پڑھتے ہیں، وہ اس کا مصرف ہیں(۱)۔

۲......بالکل نہ جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

مدرسہ چلانے کے لئے سینما اور عُرس

سوال[۷۷۰۱]: اردو اسکول کی مالی حالت کمزور ہے، اس لئے خیرات کے نام پر سینما کا شو چلانا اور قوالی کرانا اور اس سے جو آمدنی ہو اس کو اردو اسکول یا مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ چلانے کے لئے سینما یا اس قسم کی کوئی چیز کرنا اور اس سے رقم حاصل کرنا جائز نہیں، ہرگز ہرگز

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لايقبل إلا الطيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلبٌ: كلمة "لابأس" دليلٌ على أن المستحب غيره : ۱/ ۶۵۸، سعيد)

"امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۶/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب : ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/ ۳۶۹، رشيديه)

(۲) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلک المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/ ۳۴۳، رشيديه)

ایسا نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

مزار کا پیسہ مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال [۷۷۰۲]: خراسان سے آنے والے جناب سید ابوالقاسم خراسانی نقشبندی طریقہ کے ایک ولی کامل تھے، پچھتر سال سے ان کے مزارِ مبارک کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی اور نواسے وغیرہ اسی مزار کی خدمت، جھاڑو دینا وغیرہ خاندانی طور پر پچھتر سال سے کرتے آرہے ہیں۔ زائرین حضرات پیسہ بھی عطیہ دیتے ہیں، فی الحال مذکور سید صاحب مرحوم کے نواسے بحیثیت خدّام مزار مذکور کا پیسہ مزار کے کام میں خرچ کرتے ہیں اور پیسہ فاضل رہنے سے اپنے کھانے پینے میں صَرف کرتے ہیں۔ فی الحال ایک گروہ مذکور مزار کے پیسہ کو مدرسہ کے کام میں خرچ کرنا چاہتا ہے اور اس کا مدعی بھی ہے یعنی مدرسہ میں بھی خرچ کرنا پڑے گا، حتی کہ زبردستی سے روپیہ پیسہ کو لینے کے لئے کوشاں ہے، جس سے مسلمانوں میں ایک بھاری پریشانی کا باعث بنا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ خراسانی سید صاحب مرحوم کے عطیہ کا زبردستی دوسرے کاموں میں صَرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خراسانی سید صاحب مرحوم کے نواسے کا مزار کی خدمت کرکے اپنا وقت صَرف کرنے کی وجہ سے مذکورہ عطیہ کا پیسہ اگر فاضل رہ جائے تو اپنے کھانے پینے میں صَرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ازروئے

---

(۱) "وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا تصدق به. وإن من غير شرط فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لا يطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر البتّة". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي: ۶/ ۵۵، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرّد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/ ۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

شرع اس کا کیا حکم ہے؟ دلائل اور معتبر کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زائرین جو پیسہ خادمِ مزار کو بسلسلۂ خدمت وتعلقِ صاحبِ مزار دیتے ہیں وہ خدامِ مزار کا ہے، اس کو جبراً مدرسہ کے واسطے لینے کا کسی کو حق نہیں، حدیث پاک میں ہے:"لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. اهـ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۱ھ۔

کبڈی کا مقابلہ شرط کے ساتھ اور اس کا انعام مدرسہ میں

سوال[۷۷۰۳]: اس شہر میں کبڈی کھیلنے کا بہت شوق ہے، ہر محلہ میں کبڈی کی ٹیمیں ہیں، جو آپس میں مقابلہ کرتی ہیں، جس میں ہر ٹیم فیس ادا کرتی ہے اور پھر وہ روپیہ کسی دینی مدرسہ میں دے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبڈی کے کھیل میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے، کبڈی میں لوگ ستر کھول کر کھیلتے ہیں تو کیا ازروئے شریعت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہار جیت کی رقم کا معاملہ اگر دونوں طرف سے ہو تو ناجائز ہے، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، جس سے لی ہے اسی کو واپس کردیں، کسی مدرسہ وغیرہ میں نہ دیں۔ اگر ہار جیت کی رقم کا معاملہ ایک طرف سے، مثلاً اس طرح کہ اگر فلاں ٹیم جیت گئی تو دوسری ٹیم اس کو اتنی رقم دے گی، اگر ہار گئی تو کچھ نہیں، یا کوئی تیسرا شخص انعام کا وعدہ کرے کہ جو ٹیم جیت جائے گی اس کو انعام دیا جائے گا، یہ جائز ہے، ایسی رقم مدرسہ کو دی جائے تو وہاں صَرف کرنا بھی جائز ہے، یہ حکم تو رقم کا ہے۔

کبڈی اگر ورزش اور جہاد کی مشق کے لئے ہو، اس میں ستر نہ کھلے، نیز اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ

---

(۱) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی". (شرح المجلة لسلیم رستم، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد: ۶۲/۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

ہو، اور بھی کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہوتو درست ہے، ورنہ جیسی جیسی چیز اس میں خلافِ شرع ہوگی، اسی کی نسبت سے ممانعت ہوگی:

"حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد، وحرم لو شرط من الجانبين، إلّا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". درمختار: ۲۵۸/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۴ھ۔

---

(۱) العبارة بتمامها: "ولا بأس بالمسابقة في الرمي والفرس والإبل، وعلى الأقدام؛ لأنه من أسباب الجهاد، فكان مندوباً .... حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد، وحرم لوشرط من الجانبين؛ لأنه يصير قماراً، إلا إذا أدخلا ثالثاً بينهما". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۲/۶، ۴۰۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في السابقة: ۳۲/۶، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۳۲۴/۵، رشيديه)

"و حرم شرط الجعل من الجانبين، لا من أحد الجانبين ...... و هو قمار، فلا يجوز". (تبيين الحقائق: ۴۶۶/۷، مسائل شتى، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن شرط فيها جعل من إحدى الجانبين أو من ثالث لأسبقهما، جاز، ومن كلا الجانبين يحرم، إلا أن يكون بينهما محلل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۶/۴، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ومنها أن يكون الخطر فيه من أحد الجانبين، إلا إذا وجد فيه محللاً، حتى لو كان الخطر من الجانبين جميعاً ولم يدخلا فيه محللاً، لا يجوز؛ لأنه في معنى القمار .... و لو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتُك فلا شيء عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين، لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع: ۳۴۹/۸، ۳۵۰، كتاب السباق، دارالكتب العلمية بيروت)

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله و تأديبه لفرسه و مناضلته بقوسه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۳۹۵/۶، سعيد) .... =

ہندواور پیشہ ورعورت کا مال مدرسہ میں لگانا

سوال[۷۷۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں؟

۱...... پاکستان کے باشندے اہل ہنود اپنی حلال کمائی سے بطیبِ خاطر بلا جبرواکراہ مقامی ایک اسلامی مدرسہ میں جس میں علاوہ دینیات کے بنگلہ، انگریزی وحساب وغیرہ کی تعلیم بھی ہوتی ہے، کچھ امداد کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مدرسے میں مختلف قسم کے کام بھی ہورہے ہیں جیسے بیت الخلاء کا پختہ کرنا، تالاب کے گھاٹ ودرسگاہ اوراس کے صحن وغیرہ پختہ کرنا، گھروں کا بندوبست کرنا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اہلِ ہنود کی امداد کو مدرسہ کے ان کاموں میں لگانا درست ہے یانہیں؟

۲ ..... مدرسہ میں غرباء کی تحویل بھی ہے جس میں سے غریب طلباء کی کپڑے وکتابیں ودیگر ضروریات میں امداد کی جاتی ہے۔ کیااس میں بھی شرعاً اہل ہنود سے امداد لینا جائز ہوگا یانہیں؟

۳ ...... ایک مسجد بھی ہے اسی مدرسہ کی، آیا تعمیری کاموں میں ان اہل ہنود کی امداد لینا درست ہے یانہیں؟

۴...... ایک کتب خانہ بھی ہے جس کی کتابیں طلبہ کو پڑھنے کے واسطے دی جاتی ہیں، مثلاً کتب حدیث وکتب تفسیراوردیگرفنون کی کتابیں، ان اہل ہنود کی امداد سے خریدنا جائز ہے یانہیں؟

۵...... پیشہ کار یعنی بازاری عورت کا مال حلال ہے یانہیں؟ اگر حرام ہے تو اس کے حلال کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا بالدلائل مع حوالہ کتب۔

عبدالصمد، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب وہ ثواب سمجھ کر بلا جبرواکراہ اپنی رغبت سے دیں اورکوئی مفسدہ بھی نہ ہو، لینا شرعاً درست ہے، فقہاء نے وصایائے ذمی کے متعلق ایسا ہی لکھا ہے، خاص کر جب کہ مدرسہ ومسجد کے مہتمم ومتولی کو دے دے

= "قال القاسم بن محمد: كل ما ألهى عن ذكر الله و عن الصلوة، فهو من الميسر". (تفسير ابن كثير: ۹۱/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في فتح القدير: ۲۵/۱۰، مسائل متفرقة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تو اس کو ان تمام مواقع میں صرف کرنا شرعاً درست ہے۔

۲......اس کا جواب بھی مثل جوب نمبر:۱، کے ہے۔

۳......اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۴......یہ بھی اس کی نظیر ہے:

"اعلم أن وصايا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصىٰ بما هو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يسرج في بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين، أولا. والثاني باطل بالاتفاق، وهو: ماإذا أوصى بما ليس قربة عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمعنيات والنائحات، أو بما هو قربة عندنا فقط كالحج وبناء المسجد للمسلمين، إلا أن يكون لقوم بأعيانهم، فيصح تمليكاً.

والثالث مختلف فيه، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربة عندهم كبناء الكنيسة لغير معينين، فيجوز عنده لاعندهما، وإن لمعنيين، جاز إجماعاً. وحاصله أن وصيته لمعيَّنين يجوز في الكل على أنه تمليك له. وماذكره من الجُنة من إسراج المساجد ونحوه على الطريقة المشهورة بالالتزام، فيفعلون به ماشاء وا؛ لأنه ملكهم، والوصية إنما صحت باعتبار التمليك. زيلعي ملخصاً". شامي: ٥/٤٤٥(١)۔

۵......جو مال بازاری عورت کو حرام کاری کے عوض میں ملا ہے، وہ حلال نہیں، اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، اس کے ذمہ واجب ہے کہ واپس کردے۔ اگر معطی مرگیا تو اس کے ورثہ کو دے دے، اگر ورثہ بھی موجود نہ ہو تو صدقہ کردے اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے مجھ کو بچالے اور اس صدقہ سے ثواب کی نیت نہ کرے۔

"وفي المنتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمرٍ اكتسبت مالاً، ردّت على أربابه إن

(١) (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦/٦٩٢، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ٤/٦٨٥، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ٤/٤٥١، مكتبه غفاريه كوئٹه)

علم، وإلا تتصدق به. وإن من غير شرط، فهو لها. قال الإمام الأستاذ: لايطيب، والمعروف كالمشروط. قلت: وهذا مما يتعين الأخذ به في زماننا؛ لعلمهم أنهم لا يذهبون إلا بأجر ألبتّة، اهـ". شامی: ۵/۳۴(۱)۔

"مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لايحل، ولكن لا يعلم الطالبَ بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ. وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً، وإن لم يعلم مالكه؛ لِمَا في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه حكماً، أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". شامی: ۴/۱۳۰(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ جمادی الأولیٰ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

طوائف کے بنائے ہوئے مکان کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لینا

سوال[۷۷۰۵]: ایک طوائف نے اپنی کسی حرام آمدنی سے ایک مکان تعمیر کیا، آیا اس مکان کو بغرضِ مدرسہ اسلامیہ کہ جس میں قرآن شریف وحدیث وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کرایہ پر لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مکان مذکورہ میں نماز جماعۃً اور منفرداً ادا کرنا کیسا ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

المستفتی: محمد شعیب، بقلم خود، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ امر ظاہر ہے کہ زنا کی اجرت حرام ہے، رنڈی اس کی مالک نہیں ہوتی، اصل مالک کو اور اس کی عدم

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

موجودگی کے وقت اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، یا علم نہ ہو تو تصدق بہ نیتِ گلو خلاصی واجب ہے۔ اگر رنڈی کے پاس حلال مال بھی تھا اور حرام بھی اور ان دونوں کے مجموعہ سے مکان کو تعمیر کیا ہے تو حرام کو حلال کے ساتھ خلط کر دینے سے ملک متحقق ہوگئی (اگرچہ حرام کا ضمان بطریق مذکور واجب ہے):

"وفي الفصل العاشر من التاترخانية عن فتاوى الحجة: من ملك أموالاً غير طيبة، أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً". ردالمحتار: ۳٤/۲(۱)۔

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه .... لو اختلط بحيث لايتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤدّ بدله". ردالمحتار: ۱۸۱/٤(۲)۔

لہٰذا اس مکان کو کرایہ پر لینا اور اس میں دینی تعلیم دینا اور نماز پڑھنا منفرداً و جماعۃً درست ہے۔

اگر رنڈی کے پاس حلال مال بالکل نہ تھا، بلکہ محض حرام مال سے زمین خریدی اور مکان تعمیر کرایا تھا تو اس میں تفصیل ہے: وہ یہ کہ اگر قیمت پہلے دے دی اور حرام مال سے دی ہے اور پھر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے تب تو اس کا کرایہ لینا ناجائز ہے اور اگر قیمت پہلے تو نہیں دی، لیکن اس حرام مال کو متعین کر کے مخصوص طور پر اس کے عوض میں زمین خریدی ہے اور وہی متعین کردہ حرام مال قیمت میں دے دیا تب بھی اس کا کرایہ پر لینا ناجائز ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس میں نماز پڑھنا بھی صلوۃ في الأرض المغصوبة کے حکم میں ہے۔

اور اگر زمین خریدی ہے، حرام کو متعین کر کے اور قیمت ادا کر دی غیر حرام سے، یا زمین خریدی بلاتعیینِ حرام وحلال اور قیمت ادا کی حرام سے تو ان تینوں صورتوں میں اس کا کرایہ پر لینا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے:

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكاة الغنم، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً، فنوى بذلك أداء الزكوة إليه: ۲۹۱/۲، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳٦۹/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳٤۹/۵، رشيديه)

"توضيح المسئلة مافى التاترخانية حيث قال: رجلٌ اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهـذا على خمسة أوجه: إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترىٰ قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أُخَرَ ودفع تلك الدراهم، قال أبو نصر: يطيب له، ولا يجب عليه أن يتصدق إلا فى الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث، لكن هذا خلاف ظاهر الراوية، فإنه نص فى الجامع الصغير: إذا غصب ألفاً فاشترى بها جاريةً وباعها بألفين، تصدق بالربح۔

قال الكرخى فى الوجه الأول والثانى: لايطيب، وفى الثلثة الأخيرة: يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب فى الكل، لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخى دفعاً للحرج عن الناس، اهـ. وفى الولوالجية: وقال بعضهم: لايطيب فى الوجوه كلها، وهو المختار، ولكن الفتوىٰ اليوم على قول الكرخى دفعاً للحرج، لكثرة الحرام، اهـ". ردالمحتار: ٤/٣٠٤(١)۔

تاہم ایسے مکان کوکرایہ پر لینے سے خصوصاً تعلیمِ دین کے لئے اوراس میں نماز پڑھنے سے احتیاط اور اجتناب بہرحال انسب وافضل ہے، ترجيحاً للمختار ولاسيما فى زماننا دفعاً لطعن العوام(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۵۴/۱۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۲۷/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، فصل: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ٥/٢٣٥، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب الغصب: ٣/٣٧٣، ٣٧٤، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الغصب: ٨/٢٠٦، رشيديه)

(٢) "اتقوا مواضع التهم". ذكره فى الإحياء، قال العراقى فى تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر رضى الله تعالىٰ عنه: "من سلك مسالك الظنّ اتُّهِمَ". ورواه الخرائطى فى مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهَم فلا يلومنّ مَن أساء الظنّ به". وروى الخطيب فى المتفق والمتفرق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه ثمانى عشرة كلمةً =

مدارسِ اسلامیہ کے لئے عیسائیوں سے امداد لینا

سوال[۷۷۰۶]: ہمارے یہاں ایک دینی مدرسہ ہے جس کی نہ کوئی ذاتی عمارت ہے اور نہ ہی حکومت سے کوئی امداد ملتی ہے، مدرسہ کے ذمہ داروں کے سامنے اس وقت مسائل درپیش ہیں۔ امید ہے کہ جناب والا شرعی حیثیت سے اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

مدرسہ کی بدحالی کو دیکھ کر بعض غیر ملکی عیسائیوں نے تمام اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا، اور ایک مدت سے وقفہ وقفہ سے کچھ رقم برابر ادا کرتے رہے ہیں، جس سے مدرسہ کی عمارت، اساتذہ کی تنخواہ اور طلباء کی کفالت وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ کیا فقہی نقطۂ نظر سے عیسائیوں کی اس رقم کو ایک دینی و اسلامی مدرسہ کے لئے خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی بھی غیر مذہب کا آدمی اہلِ اسلام کے دینی کام کے لئے کارِ ثواب سمجھ کر روپیہ دے تو فی نفسہٖ اس کا لینا اور وہاں صَرف کرنا شرعاً درست ہے، جب کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو(۱)۔ عیسائی لوگ جو رقم دینِ اسلام کے مدرسہ کے لئے دیتے رہتے ہیں اس سے ان کی بھی کچھ غرض ہوتی ہے، وہ اہلِ اسلام کو زیرِ احسان رکھتے ہیں، اپنے اخلاق کا اثر ڈالتے ہیں، بچوں کے اخراجات دے کر ان کو اپنے سے قریب کرتے ہیں، اپنے اسکولوں میں ان کو داخل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اپنے نظریات کو دماغوں میں اتارتے ہیں، اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی کتابیں وہاں پڑھانے کے لئے کہتے ہیں، اپنا مدرس وہاں رکھنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔

یہ سب کام بہت آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقہ پر کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کم ہوکر

= .... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومنّ مَن أسآء به الظنّ". (كشف الخفاء، الهمزة مع التاء المثناة، (رقم الحديث: ۸۸): ۱/۴۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "اعلم أن وصايا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو: ما إذا أوصى بما هو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يُسرج في بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين أولا". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۶۸۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۴۵۱، مكتبه غفاريه كوئته)

عیسائی تعلیم وتربیت اس کی جگہ فروغ پاتی ہے، پھر وہ اول مخلوط مدرسہ یا اسکول بنتا ہے، پھر کالج بن جاتا ہے، اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے ہمارے اکابر نے انگریز سے امداد قبول نہیں کی، اَور بھی مفسدہ ہے۔

ناواقف لوگوں نے امداد قبول کی، ان کے مدرسہ کا بگڑتا ہوا حال ہم نے خود دیکھا، جہاں پہلے حدیث شریف کی تعلیم ہوتی تھی اس امداد کی نحوست سے اب دینی تعلیم کچھ نہیں رہی، اس کی جگہ انگریزی اور دوسری تعلیم نے لے لی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۱۴۰۱ھ۔

غیر مسلم کی امداد دینی مدرسہ میں

سوال [۷۷۰۷]: ایک کافر، دین کے مدرسہ میں کچھ کپڑے اناج یا روپیہ کی امداد کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ امداد غریب طلبہ ومسکینوں پر خرچ کردی جائے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ثواب سمجھ کر دیتا ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ اہلِ مدرسہ طلبہ وغیرہ یا دیگر اہل اسلام پر اپنے احسان کا اظہار نہیں کرے گا، نہ کسی اَور مضرت کا اندیشہ ہے تو لینا جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ رمضان/۵۶ھ۔

---

(۱) "مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم .... مصالحنا كسدّ الثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء". (الدر المختار). "وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية، فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، مطلب في مصارف بيت المال: ۲۱۷/۴، سعيد)

"واعلم أن وصايا الذمي ثلثة أقسام: الأول جائز بالاتفاق، وهو ماإذا أوصى بماهو قربةٌ عندنا وعنده، كما إذا أوصى بأن يُسرَج في بيت المقدس .... سواء كان لقوم معينين أولا". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶۹۶/۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۶۸۵/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴۵۱/۴، مكتبه غفاريه كوئته)

باب المتفرقات

کیا دستار بندی ضروری ہے؟

سوال[۷۷۰۸]: ادارۂ شریعت کے اندر مولوی اور مولانا اور عہدۂ قضاء، مسندِ افتاء پر مفتی باضابطہ ادارۂ تعلیماتِ اسلامیہ سے ہونا ضروری ہے، یا خود ساختہ بن سکتا ہے۔ مروج دستار بندیٔ فضیلت ان امورِ شرعیہ میں ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اہلیت وصلاحیت ضروری ہے، مروجہ دستار بندی ضروری نہیں، نا اہل کو عہدہ سپرد کرنا اس منصب کو ذلیل وبرباد کرنا ہے جو کہ بروئے حدیث شریف قیامت کی علامت ہے(۱)۔ جو شخص خود عہدہ کا طالب وساعی

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''بعض مدارس کی رسم ہے کہ جب طالب علم نے کتابیں پڑھ لیں خواہ اس کی استعداد ہو یا نہ ہو، اس کو فضیلت کی سند دے دیتے ہیں، اور دستار بندی کر دیتے ہیں (لیکن) غور کرنا چاہیے کہ دستار بندی کی رسم واقع میں اساتذہ ومشائخ کی طرف سے عوام کے روبرو اس امر کا اظہار اور شہادت ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک اس قابل ہے کہ دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے مسائل پوچھ کر عمل کیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص آج سے مقتدائے دین ہے۔ جب اس کی حقیقت یہ ہے تو جو شرائط شہادت کے ہیں وہ اس میں بھی ہونا واجب ہے اور شہادت کی بڑی شرط یہ ہے کہ شاہد کو اس امر کا پورا علم اور یقین ہو جس کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ صحیح ہے تا کہ اس کو جھوٹ کا گناہ اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا گناہ نہ ہو اور کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی طرح یہاں بھی اس شخص کی نسبت پوری تحقیق ہونی چاہیے کہ (یہ شخص جس کو سند دی جا رہی ہے) مقتدائی الدین بننے کے قابل ہے یا نہیں، اگر علمائے حاضرین کو اس پر پورا اطمینان ہو اور اس کی علمی وعملی حالت قابل قناعت ہو تو دستار بندی بہت خوب (اچھی) رسم ہے کہ اس میں ناواقفوں کے روبرو اظہار ہو جاتا ہے بشرطیکہ تکلفاتِ زائد جس میں کہ ریا واسراف لازم نہ کئے جائیں۔ اور بدون اہلیت کے ہرگز ہرگز دستار بندی نہ کی جائے، نہ سند دی جائے کہ بجز اضلال خلق (مخلوق کو گمراہ کرنے کے) اس کا دور کیا ثمر ہے''۔ (تحفۃ العلماء، سند اور دستار بندی کی شرعی وفقہی حقیقت: ۱/۳۱۴، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان) .... =

ہو وہ مستحق عہدہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۶ھ۔

جو شخص علمائے حق کو برا کہے اس کو معلّم بنانا

سوال[۷۷۰۹]: زید لوگوں کو بھی ورغلاتا ہے، جس سے مسلمانوں کے درمیان فساد ہو چکا ہے اور اس کی طرف سے اب بھی فساد ہونے کا اندیشہ ہے، زید اس سے پہلے اسی جامع مسجد کا امام بھی رہا ہے، مدرسہ دار العلوم کے متعلقین کو اپنی تقریروں میں وہابی اور کافر کہتا ہے، بڑا جوش واشتعال پھیلا چکا ہے، جس کی وجہ سے مسجد سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ صرف مدرسہ میں برائے تعلیم بعض لوگوں کی گٹ (ضد) پر اس کو اپنے لوگوں نے مدرسہ میں رکھ لیا ہے جس کی وجہ سے اس کو موقع ورغلانے کا ملتا رہتا ہے۔ نیز بعض لوگ بھی عمداً اس کو یہ موقع دیتے رہتے ہیں جس سے ہر وقت فساد کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسے اشخاص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور زید مُفسد کا کیا حکم ہے؟ ایسے آدمی سے تعلیم دلانا، اس کے پیچھے اقتدا کرنا، یا امام بنانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً مصلياً:

ابن سیرینؒ کی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے کہ "یہ علم دین ہے، دیکھ لو، غور کرلو! کس سے اپنا دین

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مجلس يحدّث القوم، جاء ه أعرابيٌّ فقال: متى الساعة؟ فمضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحدّث. فقال: بعض القوم: سمع ما قال، فكره ما قال. وقال بعضهم: لم يسمع، حتى إذا قضى حديثه، قال: "أين". أراه السائل عن الساعة. قال: ها أنا يا رسول الله! قال: "إذا ضيّعت الأمانة فانتظر الساعة". فقال: كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وُسّد الأمر إلىٰ غير أهله، فانتظر الساعة". (صحيح البخاري: ۱/۱۴، كتاب العلم، باب من سئل علماً و هو مشتغل في حديثه، قديمي)

(۱) "عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه قال: دخلت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنا و رجلان من بني عمّي، فقال: أحدهما: يا رسول الله! أمّرنا علىٰ بعض ما ولّاك الله، و قال الآخر: مثل ذلك. فقال: "إنا والله! لا نولّي علىٰ هذا العمل أحداً سأله، ولا أحداً حرص عليه". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۰، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، قديمي)

حاصل کرتے ہو'' (۱)، جیسا علمِ دین کی تعلیم دینے والا ہوگا ویسا ہی پڑھنے والوں پر اثر پڑے گا، کیونکہ بچے اپنے استاذ کے اثر کو قبول کرتے اور اس کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، لہذا غلط آدمی جو جماعت کا تارک ہو، جمعہ کا تارک ہو، علمائے حق کو بُرا کہتا ہو، وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو استاذ اور معلم بنا کر بچوں کو ان کے سپرد کردیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۷ھ۔

مہتمم کا اساتذہ وطلباء کے خطوط بلا اجازت پڑھنا

سوال [۱۰۷۷۱]: اگر کوئی مہتمم مدرسہ، اساتذہ وطلباء کے آمدہ خطوط پڑھتا ہے بغیر اجازت اور کہتا ہے کہ یہ انتظام مدرسہ کے لئے ضروری ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مہتمم اور ذمہ دار کو انتظام برقرار رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے تو بطورِ ضابطہ وقانون اس کو شائع کردے، خواہ فارم داخلہ میں درج کردے تاکہ سب اس پر مطلع ہوجائیں، جس کا دل چاہے اس کو تسلیم کرکے داخلہ لے، نہ دل چاہے داخلہ نہ لے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۱۲ھ۔

---

(۱) لم أجده في أبي داؤد وقد رواه مسلم في مقدمة صحيحه فقال: "عن هشام عن محمد بن سيرين قال: "إن هذا العلم دينٌ، فانظروا عن من تأخذون دينكم". (والصحيح لمسلم: ۱/۱۱ باب بيان أن الإسناد من الدين، قديمي)

"قال: "إن هذا العلم دين": اللامُ للعهد، وهو ما جاء به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لتعليم الخلق من الكتاب والسنة وهما أصول الدين. "فانظروا عمن تأخذون دينكم" المراد الأخذ من العدول والثقات. "وعن" متعلقٌ "تأخذون" على تضمين معنى تَرْوُون". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۵۲۸، رشيديه)

(۲) مصالحِ مدرسہ کے لئے ایسے قوانین جو خلاف شرع نہ ہو وضع کرنا جائز ہے، لہذا ایسے قوانین کی پابندی کا وعدہ جب طلباء واساتذہ سے لیا جائے تو حسب وعدہ ان کے لئے اس وعدہ کو پورا کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا:

قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴) =

کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا

سوال[۷۷۱۱]: اکثر مدرسین جب بچے اسکول میں پاس ہوجاتے ہیں تو بچوں سے انعام وصول کرتے ہیں اور کبھی کبھی پہلے ہی وصول کرلیتے ہیں، اس انعام کا لینا کسی صورت سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر طلبہ بطورِ خوشی کے بطورِ شکرانہ کے انعام دیں تو لینا درست ہے، انعام ہوتا ہی وہ ہے جو خوش ہوکر دیا جائے، مدرس کا حق نہیں، زبردستی کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر کوئی انعام نہ دے تو اس پر طعن وغیرہ کرنا اور آئندہ اس کو حقیر سمجھنا، ذلیل کرنا، اس کے ساتھ محنت میں کمی کرنا ہرگز جائز نہیں: "لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

مہتمم اگر زکوۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو کیا ملازم اپنے طور پر صرف کرسکتا ہے؟

سوال[۷۷۱۲]: زید اور بکر دونوں دیوبند کے فارغ ہیں، زید ایک عربی مدرسہ کا ناظم ہے، اس مدرسہ میں بظاہر صدر مہتمم ممبران سب کچھ ہیں، لیکن مدرسہ کا سارا کام لوگوں نے زید کے سپرد کردیا ہے اور وہی سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ مدرسہ میں زکوۃ، صدقات، امداد، نیز مسجد کے نام پر بھی مدرسہ کی مسجد میں رقم آتی ہے۔ زید ان تمام رقومات کو مدرسہ کے صدر اور مہتمم اور بعض ممبران کے پاس رقم دیتا ہے۔ یہ سب لوگ تاجر ہیں، مدرسہ

= "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له". رواه البیهقی". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الثانی، ص: ۱۵، قدیمی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) (السنن الکبری للبیهقی: ۳۸۷/۴، (رقم الحدیث: ۵۴۹۲)، دار الکتب العلمیة بیروت)

(ومشکوة المصابیح: ۲۵۵/۱، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعیّ". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

کی رقم کو تجارت میں لگادیتے ہیں، ضرورت کے مطابق زید ان لوگوں سے رقم لے کر مدرسہ میں صرف کرتا ہے، زید اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی حساب رکھتا ہے کہ مسجد کی رقم مسجد میں استعمال ہو، زکوٰۃ کی رقم مدِ زکوٰۃ میں استعمال ہو، بلکہ جس میں جتنی رقم درکار ہوئی لیکر صرف کردیا، اور شعبان میں قرض روئیداد چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کردیا کرتا ہے۔

بکر عرصہ تین سال سے مدرسہ کے صدر مہتمم، ناظم، ممبران سے کوشش کرتا ہے کہ کسی صورت سے مدرسہ کی آمدنی جائز طور پر استعمال ہو، لیکن اس کی کوشش بے کار جاتی ہے، بکر نے عاجز آکر یہ کہہ دیا کہ میرے ذریعہ سے جو آمدنی مدرسہ کو ہوگی اس کو میں خود خرچ کروں گا، کسی کو نہیں دوں گا، بکر کے ذمہ مدرسہ میں مطبخ کا کام سپرد ہے۔ چنانچہ اس سال بکر نے تقریباً چار ہزار روپے وصول کئے اور اپنی مرضی سے خرچ کررہا ہے، اب بھی اس بات کی کوشش کررہا ہے کہ حساب وکتاب درست ہوجائے۔

زید نے حساب وکتاب یہاں تک گڑبڑ کررکھا ہے کہ رسیدات تک کا حساب نہیں کہ کتنی چھپ کرآئیں اور کتنی ختم ہوئیں اور کتنی باقی ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ بکر کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

بکر ملازم ہے جتنا اختیار اس کو دیا گیا ہے اس سے زائد تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا (۱)، خواہ کتنا ہی نیک نیت ہو، بکر کی طرح اگر ہر ملازم اس طرح کرنے لگے تو کسی کو کیسے روکا جائے گا، اور ہر شخص پر کیسے اعتماد کیا جائے گا، اس لئے بکر کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، البتہ زید کی روش میں اصلاح کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "وقفٌ له متولٍ ومشرف، لا يكون للمشرف أن يتصرف في مال الوقف؛ لأن ذلك مفوّض إلى المتولي، والمشرف مأمور بالحفظ والأمانة لا غير". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۷/۳، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أوخاناً، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۵۸/۴، كتاب الوقف، مطلب: ليس للمشرف التصرف، سعيد)

(۲) "عن طارق بن شهاب .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رأى منكم =

فاضل وقت میں عالم سے مدرسہ کا کوئی دوسرا کام لینا

سوال[۷۷۱۳] : خطۂ گجرات میں جب کسی عالم کی ضرورت ہوتی ہے کچھ شرائط لگا کر طلب کرتے ہیں، دو یا پانچ سال بعد حیلہ کر کے اسے نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ شرائط قبول کرنے کے بعد تا وقت......... کے لئے آتا ہے، مگر اس پر طرح طرح کا کام ڈال دیتے ہیں، مثلاً: فتویٰ دینے کے لئے اگر کسی کو رکھا ہے تو اگر اتفاق سے کبھی نہیں آیا تو مدرسہ کی دوسری ذمہ داری ڈال دیتے ہیں۔ تو اگر وہ عالم انکار کر دے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

جو معاملہ صاف صاف طے کیا جائے اس کی پابندی کے باوجود ملازم کو علاحدہ کرنے کے لئے حیلہ بہانا کرنا اور اس پر زیادہ بار ڈالنا جائز نہیں۔ اور جب کہ اس سے ایک سال کا معاہدہ ہے تو بلا وجہ اس کو الگ بھی نہیں کرنا چاہئے (۱)، اس سے ملازم بھی بددل ہوتا ہے اور آئندہ کو کام کا آدمی بھی سہولت سے نہیں ملتا، ادارہ بھی بدنام ہوتا ہے، ادارہ میں ہمیشہ نئے نئے آدمی آنے سے خیر و برکت بھی نہیں ہوتی، ملازمین کو ادارہ کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا تعلق بھی پیدا نہیں ہوتا۔

جس کو فتویٰ کے لئے ملازم رکھا جائے اور اس کے پاس فتوے کا کام کم ہو، وقتِ فاضل بچتا ہو اور مدرسہ کو ضرورت ہو تو اسباق پڑھانے سے انکار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد خدمتِ دین ہے، خواہ تدریس کی شکل میں ہو یا فتوے کی شکل میں، میل ملازم کی طرح علماء کو کام نہیں کرنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

= منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان" (الصحيح لمسلم: ۱/۵۱، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

"واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بغير جنحة".

(ردالمحتار: ۴/۳۷۲، كتاب الوقف، مطلب: لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، سعيد) =

مدرسہ کے وقت میں چائے وغیرہ

سوال[۷۷۱۴]: مدرسہ کے اوقات میں چائے وغیرہ بنانا اور ناشتہ پانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

سبق پڑھا کر طلبہ کا پورا حق ادا کر دینے کے بعد اگر وقت مل جائے تو گنجائش ہے کہ اتفاقیہ کبھی چائے بنالی جائے یا ناشتہ کرلیا جائے (۱)، طلبہ کو سبق نہ پڑھا کر ان کا پورا حق ادا نہ کر کے وقت بچانا اور اس میں اپنا کام کرنا (چائے ناشتہ وغیرہ) جائز نہیں (۲)، یہ خیانت ہے۔ مدارس کا معاملہ بہت سخت ہے، ان میں قوم کا پیسہ آتا ہے، اگر وہ برمحل خرچ نہ ہو تو سب کے حقوق ذمہ میں باقی رہتے ہیں، سب سے معاف کرانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۳۹۴/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعاً أو نحوه أو لمصيبة أو لاستراحة، لابأس به، ومثله عفوٌ في العادة والشرع". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۳۸۵/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر ۲۷۳/۱، الفن الأول في القواعد، القاعدة السادسة: العادة محكمة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۱۹/۴، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، سعيد)

(۲) "وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل، نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدر المختار: ۷۰/۶، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۰۸/۳، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۲۳۷/۱، (رقم المادة: ۴۲۲)، كتاب الإجارة، الباب الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مدرسہ میں جعلی رجسٹر کی کاروائی

سوال[۷۷۱۵]: (الف) بہار میں اکثر مدارس بہار اگزامینیشن بورڈ سے ملحق ہیں، مدرسین کو مدرسہ کے علاوہ بورڈ بھی کچھ رقم دیتا ہے، لیکن اگر گرانی کے باعث منجانب مدرسہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے تو معلوم ہوجانے کی صورت میں بورڈ اضافہ شدہ رقم کے مطابق تنخواہ کم کردیتا ہے، اب مدرسین حضرات اس کٹوتی کے ڈر سے کم ہی تنخواہ کا بل بورڈ کو پیش کرتے ہیں، تاکہ تنخواہ میں کٹوتی نہ ہو، حالانکہ تنخواہ زیادہ ہوتی ہے۔

(ب) ملحق مدرسہ کی کل کاروائی حکومت کے سامنے بوقت طلبی پیش کی جاتی ہے، جس میں اصل میٹنگ کی بات نہیں دی جاتی ہے، بلکہ جو عوامی فیصلہ ہوتا ہے وہ پرائیویٹ رجسٹر میں درج ہوکر الگ رہتا ہے اور مدرسہ کے مفاد کے پیشِ نظر حکومت کو فرضی میٹنگ اور کاروائی حقیقت کی شکل میں بناکر پیش کی جاتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) جتنی تنخواہ کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بطورِ حصر کے نہیں ہے، اس کو اصل تنخواہ قرار دے لیا جائے اور جو اضافہ ہے، اس کو خدمتِ زائدہ، مثلاً: طلبہ کی نگرانی، مسجد کی امامت وغیرہ کا معاوضہ تجویز کرلیا جائے تو بات صحیح رہے گی (۱)۔

(ب) جو کاروائی میٹنگ میں ہوئی وہ پیش کی جاتی ہے تو وہ کذب نہیں، اگرچہ مدرسہ میں اس پر عمل نہ ہوا ہو، وہاں تو بتایا جاتا ہے کہ میٹنگ نے یہ پاس کیا اور یہ صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۱۱ھ۔

(۱،۲) واضح رہے کہ اصل تنخواہ سے کم بتاکر زیادہ وصول کرنا درحقیقت دھوکہ ہے، اس لئے کہ حکومت کی طرف سے تنخواہ پڑھانے کی ملتی ہے، نگرانی وغیرہ کی نہیں، تاہم اس طرح حیلہ بناکر جواز کی حد تک تو گنجائش ہے، لیکن درحقیقت یہ دھوکہ ہی ہے جس کا ترک کرنا اَولیٰ وافضل ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: من غشنا، قديمی)

مدرسہ کے پڑوسی کی دیوار میں نزاع

سوال[۷۷۱۶]: ایک اسلامی مدرسہ کی تعمیر ہورہی ہے، اس وقت ذمہ دارانِ مدرسہ نے برابر کے مکان والے سے کہا کہ تم اپنی کچی دیوار کو پختہ بنالو، کیونکہ ہم کو اس طرف غسل خانہ وغیرہ بنانے ہیں، ایسا نہ ہو کہ دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچ جائے۔ اس نے جواب دیا کہ میں دیوار کو تو پختہ نہیں بناتا، مگر دیوار کی جگہ آپ کو دے سکتا ہوں آپ اس کو پختہ بنالیں، مدرسہ کے ذمہ دار اس پر راضی ہوگئے، مگر انہوں نے کہا اس دیوار سے تم کو فائدہ ہوگا، کیوں کہ اس طرف تمہارا مکان ہے، اس دیوار کی نصف اینٹوں کا خرچہ تم کو دینا ہوگا، مگر صاحبِ مکان نے انکار کردیا۔

پھر ذمہ داران مدرسہ نے کہا کہ اچھا مزدوری میں جو پچاس روپیہ خرچ ہوگا، اس کا نصف ۲۵/ روپیہ تو آپ کو ضرور دینا ہوگا، اس پر صاحب مکان راضی ہوگیا۔ پھر مکان کی جگہ میں دیوار فریقین کے اتفاق سے تیار ہوگئی، مزدوری کا نصف نصف روپیہ بھی لینا دینا ہوگیا، اور معاملہ صاف ہوگیا۔

تعمیر کے وقت دیوار میں صاحبِ مکان کی جانب انگیٹھی الماریاں بھی فریقین کی رضامندی اور موجودگی میں تیار کرادی گئی۔ اس کے بعد فریقین میں کسی بات پر تنازع ہوگیا، اور ایک دوسری کی مخالفت شروع ہوگئی۔ چونکہ مدرسہ کے اراکین میں بھی تبدیلی ہوگئی، یہ بھی تنازع کا سبب بن گیا۔ اب مدرسہ کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ دیوار مدرسہ کی ہے، آپ کا اس میں کوئی حق نہیں، لیکن صاحبِ مکان نے دیوار میں سابقہ معاملہ اور معاہدہ کی بناپر اپنا حق سمجھتے ہوئے دیوار سے متصل اپنا کوٹھا بنالیا ہے اور اس کے اوپر اپنے مکان کے لینٹر کی اینٹیں رکھ دیں اور الماری وانگیٹھی سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا، تقریباً چار سال سے تنازعہ ہورہا ہے، جس وقت سے کہ مدرسہ کا عملہ بدلا ہے۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ آیا صاحبِ مکان کے لئے مدرسہ کی دیوار پر لینٹر کی اینٹیں رکھنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کے تصفیہ کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر کوٹھے کو گرادیا جائے یا ہٹادیا جائے تو اس میں صاحبِ مکان کا بے حد نقصان ہے، تصفیہ کی شرعی شکل سے مطلع فرمائیں تاکہ فریقین کے لئے باعثِ اطمینان ہو اور عمل درآمد ہوسکے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب مکان والے نے دیوار کے لئے مدرسہ کو جگہ دیدی تو وہ جگہ مدرسہ کی ہوگئی (۱)، پھر اہلِ مدرسہ کا اس سے اینٹوں کی قیمت یا مزدوری کا مطالبہ کرنا غلط تھا (۲)، کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دیوار کو مشترک قرار دینا چاہتے تھے جو ہمیشہ کے لئے نزاع کی جڑ ہے۔ اب بہتر صورت یہ ہے کہ جس قدر مزدوری اس سے لی تھی یعنی (پچیس) روپیہ وہ اس کو واپس کردیں اور اپنی دیوار بنا کر، یا پائے اٹھا کر لینٹر اس پر رکھدے، تا کہ مدرسہ اگر وہاں سے اپنی دیوار کسی وقت ہٹانا چاہے تو اس کے لینٹر اور تعمیر کو نقصان نہ پہونچے اور مدرسہ کی دیوار پر اس کا کوئی حق وتصرف نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

پانی کے نل کی درستگی کے لئے دوسروں سے پیسہ لینا

سوال [۷۷۱۷]: ہمارے یہاں اسکول میں ایک نل ہے، اس کا پانی پینے کے لئے عالم صاحب نے اپنے ہاتھ سے نل کھولا، بعد اس کے ٹھیک نہیں کرسکا اور مستری لاکر اس کو ٹھیک کیا اور مستری کو پیسہ دینے کے لئے

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا يملك و لا يملك و لا يعار و لا يرهن". (الدرالمختار). "اى لا يكون مملوكاً لصاحبه ...... و لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۶۴۰/۲، كتاب الوقف، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۰/۲، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه و لو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۲/۱، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ہر طالب علم سے دس پیسہ زبردستی لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس نے نل خراب کیا، درست کرانا بھی اسی کے ذمہ ہے(۱)، دوسروں سے جبراً پیسہ لینا درست نہیں (۲)۔ ہاں! اگر دوسرے لوگ اس کو درست کرانے کی اجرت خوشی سے دے دیں تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۹ھ۔

مدرسۃ البنات کا قیام ودیگر سوالات

سوال[۷۷۱۸]: ۱...... کیا سلف نے دینی مدرسہ عورتوں اور بچوں کے متعلق قائم کیا ہے؟

۲...... اس دور میں جب کہ طلباء وطالبات اسکولوں وکالجوں میں داخل ہوئے دینی مدارس کا قیام درست ہے؟

۳...... ایسے مدرسہ میں بغیر محرم کے قیام شرعاً کیسا ہے؟

۴...... اس وقت کوئی مدرسہ ایسا قائم کریں جہاں بچیاں قیام کرکے تعلیم حاصل کرسکیں، نیز دین کی حفاظت لڑکیوں میں کس طرح ممکن ہے؟

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، یضاف الحکم إلی المباشر". (شرح المجلة لسلیم رستم، ۱/۵۹، (رقم المادة: ۹۰)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۵۲، الصدف پبلشرز)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملکه، وجب علیه رده". (شرح المجلة لسلیم رستم، ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة فی القواعد، مکتبه حنفیه کوئٹه)

۵.....لڑکیوں کا وعظ کرنا بذریعۂ لاؤڈ اسپیکر کیسا ہے؟

۶.....عورتوں کی اصلاح کا بہترین طریقہ اس زمانہ میں کون سا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سلف صالحین میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا عام رواج تھا کہ ماں باپ یا دیگر اعزہ خود تعلیم دیا کرتے تھے، ان کے لئے مستقل مدارس یا ادارے نہیں تھے۔

۲.....غلط تعلیم اور اس کے اثرات سے بچوں کو روکنے اور محفوظ رکھنے کے لئے اب بھی یہی صورت اختیار کی جائے کہ جب تک سیانی نہ ہوں، ان کی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ بھی کھولا جاسکتا ہے جس میں ان کی تعلیم بھی ہو اور تربیت بھی ہو، غیر دینی تعلیم ہر حال میں مضر ہے(۱)۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''کفایت المفتی'' میں بنات کی تعلیم سے متعلق رقمطراز ہیں کہ: ''باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو غذا، لباس اور تادیب وتعلیم سے تعلق رکھتی ہیں چند درجات پر منقسم ہیں: فرائض وواجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق ومعاشرہ اور روزگار اور پیشہ وہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی وطبعی درجات کے مطابق مستحب ومباح ہے''۔

اس سے چند سطر پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اجمالاً یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد ورفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، نیک کردار... پاکدامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے۔ اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابلِ اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔ قریب البلوغ لڑکیاں عورتوں کے حکم میں ہیں، جس طرح بالغ عورت کی آواز پردہ ہے تو اسی طرح ان کی آواز بھی پردہ ہے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ: ''سن بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلف ہوجانا ممکن ہے.....لڑکیوں کے لئے ستر عورت کا حکم یہ ہے کہ ستر واجب ہوجاتا ہے اور دس سال کی لڑکی کے لئے ستر کی حد مثل بالغہ عورت کے ہے، درمختار میں ہے: ''ثم كبالغ'' صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: ''أي عورته تكون بعد العشرة كعورة البالغين''۔

اور صاحب ردالمحتار نے درجہ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے:

''واختلفوا في حد المشتهاة، وصحح الزيلعي أنه لااعتبار بالسن عن السبع على ماقيل أو التسع، وإنما المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلةً ضخمةً، والعبلة المرأة التامة الخلق''. (كفايت=

۳...... چھوٹی اور ناسمجھ بچیاں بغیر محرم کے بھی پڑھنے کے لئے آسکتی ہیں، جب کہ کوئی خطرہ نہ ہو(۱)۔

۴...... ہمارے اطراف میں بیشتر مستورات اپنے اپنے مکانات میں بچوں کو تعلیم دیتی ہیں، مگر جس طرح بیرونی لڑکوں کے لئے قیام وطعام اور وظائف کا انتظام ہے کہ وہ دور دراز سے آکر رہتے ہیں اور کئی کئی سال قیام کر کے پورا درس پڑھ کر عالم وفاضل ہوکر جاتے ہیں، یہ صورت لڑکیوں کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

۵...... لڑکی جب بالغہ ہو جائے یا قریب البلوغ ہو تو اس کو مستورات میں اس طرح وعظ کہنا کہ اس کی آواز نامحرم مرد بھی سنتے ہوں نہیں چاہیئے (۲)۔

= المفتی، کتاب العلم، تیسرا باب: تعلیم زناں: ۲/۶۷، دارالاشاعت کراچی)

"وفي الخلاصة الفتاوىٰ: امرأة تتعلم القرآن من الأعمى، إن تعلمت من المرأة أحب".
(خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، جنس اخر: ۱/۱۰۳، امجد اکیڈمی لاهور)

"وإذا كان الشرع أذن للمرأة أن تتعلم ماينفعها في أمر دينها ودنياها، فيجب أن يكون هذا التعليم بمعزل عن الذكور، وبمناى عنهم، حتى يسلم للبنت عرضها وشرفها، وحتى تكون دائماً حَسَنَة السمعة، كريمة الخلق، كثيرة الاحترام". (تربية الأولاد في الإسلام، مسؤولية الواجب التعليمي: ۱/۳۷۷، دارالاسلام للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت)

(۱) شریعت مطہرہ نے پردہ بالغہ عورتوں پر فرض کیا ہے، کیونکہ وہاں پر اغلب یہ ہے کہ فتنہ پیدا ہو، جب کہ چھوٹی بچیوں کے لئے پردہ شرعاً لازم نہیں، لیکن اگر یہاں بھی خوفِ فتنہ ہو تو بھی احتیاط ضروری ہے:

"(وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين رجال) لا لأنه عورة بل (لخوف الفتنة) .... فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة مع عدم العورة". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(لاعورة للصغير جداً) وكذا الصغيرة كما في السراج، فيباح النظر والمس كما في المعراج".
(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، ۴۰۷، سعيد)

(۲) "نغمة المرأة عورة، وتعلمها القرآن من المرأة أحب. قال عليه الصلوة والسلام: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء" فلا يحسن أن يسمعها الرجل، اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر. قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل: إذا جهر بالقراءة في الصلوة فسدت، كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلوة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام =

۲......عورتوں کے شوہر، والد، چچا، بھائی ماموں سب ہی فکر کرکے ان کی تعلیم وتربیت کے لئے کوشش کریں، اپنے طور پر ان کو پڑھائیں، انشاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ان کے مَردوں میں بھی علم واخلاق کی روشنی موجود ہو اور ان کو فکر بھی ہو، اگر وہ خود ہی بے بہرہ ہوں تو کیا فکر کریں گے اور کیا تعلیم وتربیت کرسکیں گے، وہ تو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیج کر تباہ ہی کریں گے، اس لئے مَردوں میں دینی اخلاق وفکر پیدا ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۵ھ۔

مدرسہ کے طلباء وطالبات کی امداد اور ان کو بُرے الفاظ کہنا

سوال[۹۱۷۷]: زید ایک ہمدردِ قوم ہے، بہت سے طلباء وطالبات کی خود بھی امداد کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کراتا ہے۔ کیا زید کا یہ عمل قابلِ طعن ہے؟ کیا ان لڑکے اور لڑکیوں کو زید کا غلام، لونڈی، بیوی، معشوق اور محبوب بولنا صحیح ہے، یہ الزام اور بہتان ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے علمِ دین حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات کی اعانت کرتا ہے، ذاتی ونفسانی خواہش ومفاد پیشِ نظر نہیں، تو اللہ کے نزدیک اس کا رتبہ بہت بلند ہے اور بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق ہے(۱)۔ اس کے لئے طعن وملامت کا لفظ بولنا جائز نہیں، بے بنیاد الزام اور تہمت لگانا حرام

= بسهوه إلى التصفيق، اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد، ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لافطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا لا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك؛ لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في ستر العورة: ۱/۴۰۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله، ثم لا يتبعون ما أنفقوا مناً ولا أذىً، لهم أجرهم عند ربهم، ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾. (سورة البقرة: ۲۶۲)

اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۵ھ۔

سفیرِ مدرسہ کے ورثاء کو بطورِ امداد کچھ رقم دینا

سوال[۷۷۲۰]: زید ایک دینی درسگاہ میں سفیر کی حیثیت سے تھے، موصوف نہایت ہی مستعدی کے ساتھ کارِ سفارت (چندہ وغیرہ) انجام دیتے تھے، لیکن بقضائے الٰہی کچھ دنوں بیمار رہ کر اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اراکینِ مدرسہ نے زید موصوف کے ورثہ کو ایامِ علالت کی تنخواہ کے علاوہ اس بات کا فیصلہ کیا کہ منجانب مدرسہ کچھ رقم ورثائے زید کو دے دی جائے، تاکہ ان لوگوں کو فی الوقت پریشانی سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

اب دریں مسئلہ علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ آیا زید کے ایامِ مرض کی تنخواہ کے علاوہ جو اُن کے ورثاء کو اراکینِ مدرسہ نے دینے کا فیصلہ کیا ہے وہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

الف: اگر فیصلہ شدہ رقم ورثائے زید کو دینا جائز ہے تو اُسے تنخواہ میں شمار کیا جائے گا یا علیٰ سبیل الامداد ہوگا؟

ب: اور کیا اراکینِ مدرسہ یا مہتمم کو اس بات کا حق ہے کہ متعلقینِ مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے ورثاء کو علاوہ ان کی تنخواہ کے کچھ امداد کے طور پر دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کی رقم ملازم مدرسہ کی ملازمت ختم ہونے پر اس کے ورثاء کو بطورِ امداد دینے کا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن يكسب خطيئةً أو إثماً، ثم يرم به بريئاً، فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبيناً﴾ (سورة النسآء: ۱۱۲)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم، ولا تجسسوا، ولا يغتب بعضكم بعضاً﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اللعانين لا يكونون شهداء و لا شفعآء يوم القيامة". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان، الفصل الأول، قديمي)

حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

امام ومدرس کی بدچلنی کا علم ہوتے ہوئے لوگوں کو واقف نہ کرنا

سوال[۷۷۲۱]: ایک آدمی کسی مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس کے متعلق بدچلنی جانتا ہے، اس کی چال چلن کے بارے میں موضع والوں کو آگاہ نہ کرے، جب کہ تمام آدمی اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں اور موضع کے لڑکے لڑکیاں مدرسہ میں پڑھنے جاتے ہیں جب کہ وہ آدمی اس امام کو بدچلن جانتا ہے۔ ایسے آدمی پر کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ امام کا عیب ظاہر نہ ہو اور لوگوں کی نظروں میں وہ ذلیل نہ ہو، بلکہ تنہائی میں اس کو نصیحت کردے اور امام بدچلنی سے باز آجائے، توبہ کرے تو اس شخص کا یہ طریقہ درست اور بہتر ہے(۲)۔

---

(۱) یہ رقم وقف نہیں، البتہ متعین مدرسہ کے طلبہ کے لئے ہے، جب مصرف متعین ہو کسی اور مصرف میں صرف کرنا درست نہیں:

"وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون، جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ فيه". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إن يحصون، جاز) هذا الشرط مبني على ماذكره شمس الأئمة من الضابط وهو أنه إذا ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً كالفقراء، أو استعمالاً بين الناس كاليتامى والزمنى". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة: ۳۶۵/۴، سعيد)

کیونکہ یہ وقف کا مال ہے اور وقف کا مال کسی کو تملیکاً دینے کا حق نہیں:

"فإذا تم ولزم، لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لايملك): أي لايكون مملوكاً لصاحبه. (ولايملك): أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، قديمي) =

اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے تو اس کو ظاہر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۹۴ھ۔

عربی پڑھ کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت

سوال[۷۷۲۲]: دارالعلوم اور مظاہر علوم کے فارغین امتحانِ فاضل دے کر سرکاری مدرسہ یا اسکول میں داخل ہو رہے ہیں، پبلک مدرسہ چھوڑ کر تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے۔ اس بارے میں حضرت والا کی رائے مبارک کیا ہے، جب کہ تنخواہ اتنی کم ہے جس سے گزارہ نہیں ہوتا، حقوق ادا کرنا مشکل ہو رہے ہیں؟

ابوبکر، ۲۴، پرگنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمِ دین تو دین درست کرنے، دین کی خدمت کرنے اور خدا کو راضی کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے، اس کی تحصیل کے بعد اگر فاضل وغیرہ کا امتحان دیکر سرکاری اسکول میں ملازمت کریں اور تنخواہ زیادہ کمائیں تو اصل مقصد تو حاصل نہ ہوگا، جس کے لئے مدرسہ میں قیام کیا، وظیفہ لیا، پڑھا، لیکن اس تنخواہ کو ناجائز نہیں کہا جائے گا جب کہ تعلیم میں خلافِ شرع چیزیں نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۴ھ۔

= "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، و من وعظ علانيةً فقد فضحه و شانه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح : ۸/۸۶۰، ۸۶۳، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، رشيديه)

(وكذا في حاشية النووي على صحيح مسلم: ۱/۵۱، كتاب الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، قديمي)

(۱) تنخواہ چونکہ اس کے عمل کی اجرت ہے، اس لئے نفس تنخواہ میں کوئی قبح نہیں: "والإجارة لاتخلو: إما أن تقع على وقتٍ معلومٍ أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم .... إن كان يصلح أوّله دون آخره فتجب الأجرة بمقدار ما عمل، و إذا وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل أو باستيفاء المعقود عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه) =

مدرسین کے لئے مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھنے کا فیصلہ

سوال [۷۷۲۳]: مدرسہ مچنگ باڑی نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسین نماز ظہر علیحدہ جماعت سے پہلے پڑھ لیں اور پھر تعلیم شروع کردیں، حالانکہ مدرسین وقفہ میں جماعت سے پہلے نماز پڑھتے تھے، وقفہ ایک بجے سے دو بجے تک رہتا تھا، اب ساڑھے بارہ بجے سوا بجے تک کردیا۔ ایسے حضرات کے لئے کیا حکم ہے؟ اسکول میں جہاں سنتِ مؤکدہ حکماً ترک کردی جائے، چرمِ قربانی زکوۃ وغیرہ دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی جماعت میں مدرسین کو شرکت کی اجازت دی جائے (۱)، جتنا وقت اس میں صرف ہو اس کی تلافی شروع یا آخر میں ہوسکتی ہے۔ ترکِ جماعت کا جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ قابلِ تنفیذ نہیں، اس کو واپس لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۵ھ۔

= (وكذا في الدر المختار: ۶/۱۰، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا الگ سنت ہے اور اس کا جماعت کے ساتھ پڑھنا الگ سنت ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں ایک سنت کا ترک لازم آتا ہے، اسی طرح صورتِ مذکورہ میں ترکِ مسجد کی بناء پر مسجد کے ثواب سے بھی محروم ہوگا:

"عن أبي الأحوص قال: قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: لقد رأيتنا وما يختلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، أو مريض، إن كان المريض ليمشي بين رجلين، حتى يأتي الصلوة. وقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى، الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل جماعة المسجد: ۱/۲۳۲، قديمي)

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) .... (وقيل: واجبة، وعليه العامة) .... (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج)". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۵۶، سعيد)

"وسئل الحلواني عمن يجمع بأهله أحياناً: هل ينال ثواب الجماعة؟ فقال: لا، ويكون بدعةً ومكروهاً بلا عذر". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة =

یومِ عاشورہ کی تعطیل مدارس میں

سوال[۷۷۲۴]: ۹، ۱۰/محرم کو اس اطراف کے مدارس میں اکثر بہتیرے چھوٹے لڑکے پڑھنے نہیں آتے اور بڑے لڑکے عربی خواں طلبہ میں سے بھی بعض طلبہ پڑھنے سے گریز کرتے ہیں اور بعض طوعاً وکرہاً شریکِ درس ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں ان تاریخوں میں تعطیل کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ ان دنوں میں روزہ مسنون و مستحب ہے، پس ان دنوں میں روزہ رکھا جائے اور اسی کے ضمن میں تعطیل کردی جائے جیسا کہ رمضان میں تعطیل ہوتی ہے۔ اور عمر کہتا ہے کہ درست نہیں، تعطیل میں اہلِ تشیع و اہلِ بدعت کا تشبہ لازم آتا ہے، کہ وہ ان دنوں میں کاروبار چھوڑ کر ماتم، مرثیہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں اور کاروبار کو معیوب سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بہرکیف شریعت کی روشنی میں جو حکم ہو صاف صاف مدلل بیان فرمایا جاوے۔

نیز قطعِ نظر لڑکوں کے آنے نہ آنے اور قطعِ نظر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے تعطیل کرنا کیسا ہے؟ جواب مدلل مع حوالہ عنایت ہو۔

محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

= لمخلوق فی معصیة الخالق". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۲۱، کتاب الإمارة والقضاء، قدیمی)

"وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ عزوجل". (مسند أحمد: ۱/۲۱۲، (رقم الحدیث: ۱۰۹۸)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"وذكر الجزری فی أسنی المناقب بسنده عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: دعانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال: "یاعلی! إن فیک من عیسیٰ مثلاً أبغضه الیهود حتی بهتوا أمه، وأحبته النصاری حتی أنزلته بالمنزلة التی لیس بها". فقال علی کرم اللہ وجهه: إنه یهلک فی محب مطرلی یقرظنی بما لیس فیّ، ومبغض مفتر یحمله علی أن بهتنی، ألا! وإنی لست بنبیّ ولا یوحی إلیّ، ولکنی أعمل بکتاب اللہ وسنة رسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مااستطعت له، فما أمرتکم من طاعة اللہ فحق علیکم طاعتی فیما أحببتم أو کرهتم، وما أمرتکم بمعصیة اللہ أنا أو غیری، فلا طاعة لأحد فی معصیة اللہ، إنما الطاعة فی المعروف. حدیث حسن رواه الحاکم فی صحیحه، وقال: صحیح الإسناد ولم یخرجاه، اهـ".

(مرقاة المفاتیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی: ۷/۲۷۴، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

دس محرم کو روزہ کی فضیلت حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)، اَور بھی متعدد خصوصیات اس دن کی واردہوئی ہیں (۲)، لیکن اس دن میں تعطیل کرنا اورکاروبار یامدارس کو بند رکھنا روافض کا شعار ہے جس سے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مارأيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتحرّى صيام يوم فضّله على غيره إلا هذا اليوم: يوم عاشوراء، وهذا الشهر، يعني رمضان". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۸، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماهذا اليوم الذي تصومونه"؟ قالوا: هذا يوم عظيم أنجى الله فيه موسىٰ وقومه، وغرق فرعون وقومه، فصامه موسىٰ شكراً، فنحن نصومه. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فنحن أحق وأولىٰ بموسىٰ منكم". فصامه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأمر بصيامه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء: ۱/۳۵۹، قديمي)

(۲) چندفضائل یہ ہیں: قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ: "ثنا الحاكم أبو الحسن علي بن الحسين السردري، حدثنا أبو جعفر أحمد بن حاتم، حدثنا يعقوب بن جندب عن حامد عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطاه الله تعالىٰ ثواب عشرة آلاف ملك. ومن صام يوم عاشوراء من المحرم، أعطي ثواب عشرة آلاف حاج ومعتمر وعشرة آلاف شهيد. ومن مسح يده على رأس يتيم يوم عاشوراء، رفع الله تعالىٰ له بكل شعرة درجة. ومن فطر مؤمناً ليلة عاشوراء، فكأنما أفطر عنده جميع أمة محمد عليه الصلوة والسلام وأشبع بطونهم". قالوا: يارسول الله لقد فضل الله يوم عاشوراء على سائر الأيام؟ قال: "نعم! خلق الله تعالىٰ السمٰوٰت والأرضين يوم عاشوراء، وخلق الجبال يوم عاشوراء، وخلق البحر يوم عاشوراء، وخلق اللوح والقلم يوم عاشوراء، وخلق آدم يوم عاشوراء، وخلق حواء يوم عاشوراء، وخلق الجنة، وأدخله الجنة يوم عاشوراء، وولد إبراهيم يوم عاشوراء، ونجاه الله من النار يوم عاشوراء، وقد أمِرَ بالذبح يوم عاشوراء، وفدى ولده من الذبح يوم عاشوراء، وأغرق فرعون يوم عاشوراء، وكشف البلاء عن أيوب يوم عاشوراء، وتاب الله على آدم يوم عاشوراء، وغفرذنب داود يوم عاشوراء، ورد =

....

= ملک سليمان يوم عاشوراء، وولد عيسى في يوم عاشوراء، ورفع الله إدريس وعيسى يوم عاشوراء، وولد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى يوم عاشوراء، ويوم القيامة فى يوم عاشوراء.

"حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حد ثنا إبراهيم بن يوسف، حدثنا السبب بن أبى بكر عن عكرمة رضى الله تعالىٰ عنه قال: يوم عاشوراء هو اليوم الذى تيب فيه على آدم، وهو اليوم الذى أهبط فيه نوح من السفينة فصامه شكراً، وهو اليوم الذى أغرق فيه فرعون وفلق البحر لبنى إسرائيل فصاموه، فإن استطعت أن لايفوتک صومه فافعل.

قال: حدثنا محمد بن الفضل، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا إبراهيم بن يوسف، حدثنا سفيان عن إبراهيم عن محمد بن ميسرة قال: بلغنا أن: "من وسّع على عياله يوم عاشوراء وسّع الله عليه سائر السنة". قال سفيان: جرّبناه فوجد ناه كذلک.

وروى سعيد بن جبير عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قدم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسألهم عن ذلک فقالوا: إن هذا اليوم أظهر الله فيه موسىٰ وبنى إسرائيل على قوم فرعون، فنحن نصومه تعظيماً له، فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نحن أولى بموسى منكم" فامر بصومه.

قد اختلفوا فى تفسير هذا اليوم، قال بعضهم: إنما سمى عاشوراء؛ لأنه عاشر يوم من المحرم. وقال بعضهم: لأن الله تعالىٰ أكرم فيه عشرةً من الأنبياء بعشر كرامات: تاب الله على آدم يوم عاشوراء، وولد إبراهيم عليه السلام فى يوم عاشوراء، واتخذه خليلاً وأنجاه من النار كذلک، وتاب الله على داود يوم عاشوراء، ورفع الله عيسىٰ يوم عاشوراء، وأنجى الله موسىٰ من البحر وأغرق فرعون يوم عاشوراء، وأخرج يونس من بطن الحوت يوم عاشوراء، ورد ملک سليمان يوم عاشوراء، وولد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم عاشوراء.

قال بعضهم: إنما سمى عاشوراء؛ لأنه عاشر عشر كرامات أكرم الله بها هذه لأمة: أولها: شهر رجب وهو شهر الله الأصم، وإنما جعله كرامةً لهذه الأمة، وفضله على سائر الشهور كفضل هذه الأمة على سائر الأمم. والثانى: شهر شعبان وفضله على سائر الشهور كفضل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على سائر الأنبياء عليهم الصلوة والسلام. والثالث: شهر رمضان وفضله على سائر الشهور كفضل الله تعالىٰ على خلقه. والرابع: ليلة القدر، وهى خير من ألف شهر. والخامس: يوم الفطر، وهو يوم الجزاء. =

اجتناب لازم ہے: "من تشبہ بقوم، فھو منھم" (۱) اور "من کثّر سواد قوم، فھو منھم". الحدیث(۲)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنۃ" میں اس تاریخ کی خصوصیات اور بدعات کو جمع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ فلاں بات اصل ہے اور فلاں بات بے اصل ہے۔ جیسے کہ فی نفسہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر مباح ہے ممنوع نہیں، لیکن یومِ عاشورہ میں خصوصیت سے ذکر کرنا تشبہ روافض کی وجہ سے ممنوع ہے:

"سئل عن ذکر مقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی یوم عاشوراء: یجوز أم لا؟ قال: لا؛ لأن ذلك من شعار الروافض"۔

عامۂ اسلامی اداروں میں جمعہ کے روز تعطیل ہوتی ہے، اتوار کی تعطیل سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس روز غیر مسلم تعطیل کرتے ہیں۔

رہا ۹، ۱۰/ روزہ رکھ کر تعطیل کرنا اور اس کا سبب روزہ کو قرار دینا محض حیلہ ہے، ذی الحجہ کے نو دن میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۳)، ۱۵/ شعبان میں بھی روزہ کا ثبوت ہے (۴)، شوال میں چھ روزوں کا ثبوت ہے (۵)،

= والسادس: أیام العشر، وھی أیام ذکر اللہ تعالیٰ. والسابع: یوم عرفۃ، وصومہ کفارۃ ستین. والثامن: یوم النحر، وھو یوم القربان. والتاسع: یوم الجمعۃ، وھو سید الأیام. والعاشر: یوم عاشوراء، وصومہ کفارۃ سنۃ، فلکل وقت من ھذہ الأوقات کراماتٌ جعلھا اللہ تعالیٰ لھذہ الأمۃ لتکفیر ذنوبھم وتطھیر خطایاھم". (تنبیہ الغافلین، باب فضل یوم عاشوراء، ص: ۱۸۲، ۱۸۳، رشیدیہ)

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۷۵، کتاب اللباس، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) والحدیث بتمامہ: "عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من کثر سواد قوم فھو منھم، ومن رضی عمل قوم، کان شریکاً لمن عملہ". (المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ: ۲/۴۲، مکۃ المکرمۃ)

(۳) "عن ھنیدۃ بن خالد عن امرأتہ عن بعض أزواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصوم تسع ذی الحجۃ، و یوم عاشوراء، وثلاثۃ أیام من کل شھر، أول اثنین من الشھر والخمیسن". (سنن أبی داؤد: ۱/۳۳۸، کتاب الصوم، باب فی صوم العشر، إمدادیہ ملتان) =

ہر ماہ میں ایامِ بیض کے روزوں کا ثبوت ہے (۱)، پیر اور جمعرات کے روزوں کا ثبوت ہے (۲)، کہاں تک رمضان کی حرص کر کے تعطیل کی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

یوم عاشورہ کی تعطیل

سوال [۷۷۲۵]: یوم عاشورہ کی تعطیل اسلامی مدارس میں کرنی چاہئے کہ نہیں؟ دار العلوم دیو بند میں چھٹی عشرہ محرم کی چھٹی ہوتی ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر سجاد خان میگل گنج کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ محرم کی تعطیل دار العلوم میں نہیں ہوتی، اسلامی مدارس و مکاتب میں اس کی تعطیل نہ

= (۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم حتى نقول: لا يفطر، و يفطر حتى نقول: لايصوم. و ما رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استكمل صيام شهر إلا رمضان، و ما رأيته أكثر صياماً منه في شعبان". (صحيح البخاري: ۱/۲۶۴، كتاب الصوم، باب صوم شعبان، قديمي)

(۵) "عن أبي أيوب صاحب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من صام رمضان، ثم أتبعه بست من شوال، فكأنما صام الدهر". (سنن أبي داود: ۱/۳۳۰، كتاب الصوم، باب في صوم ستة أيام من شوال، إمداديه)

(۱) "عن أنس أخي محمد عن أبي ملحان القيسي عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يأمرنا أن نصوم البيض: ثلث عشرة وأربع عشرة و خمس عشرة. قال: قال: "هن كهيأة الدهر". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۳۲، كتاب الصوم، باب في صوم الثلث من كل شهر، إمداديه)

(۲) "عن حفصة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم ثلثة أيام من الشهر، الإثنين والخميس والإثنين من الجمعة الأخرى". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۳۲، كتاب الصوم، باب من قال: الإثنين والخميس، إمداديه)

کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۴ھ۔

تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا

سوال [۷۷۲۶]: تعلیم کی غرض سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو صبح کے وقت نعت حضور پُر نور پڑھوایا جاتا ہے تاکہ بچوں کو شوق ہو اور دوسرے بچے تعلیم کے لئے آئیں۔ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام مستقل قربت وسعادت ہے۔ بچے اور بڑے سب ہی پڑھا کریں۔ مگر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک جداگانہ تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے۔ آواز ملا کر جس میں گانے اور قوالی کا طرز پیدا ہو جائے نہ پڑھیں۔ نعت کا بھی یہی حال ہے۔ ترانے کے طور پڑھنے سے اس میں لہو لعب کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے پوری احتیاط چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۵ھ۔

مدرسہ ہے یا چوپال

سوال [۷۷۲۷]: ۱...... ایک چوپال (۲) موضع شورم پٹی میر بخش میں مسجد سے ملحق ہے جس میں ہمیشہ سے دینی تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے، اس کی مرمت مسجد کے پیسوں سے ہوتی ہے۔ جائز یا ناجائز؟

۲...... وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی بارات آتی ہے تو بچوں کی چھٹی ایک دو روز کی کر دی جاتی ہے۔

۳...... تمام مسلمان ہمیشہ خوش رہے ہیں اور امداد دیتے ہیں، کسی نے سر نہیں اٹھایا۔

۴...... اس پٹی میں تقریباً ۵/ ہزار مسلمان جو مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس مدرسہ کا نام

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "یوم عاشورہ کی تعطیل مدارس میں")

(۲) "چوپال: بیٹھک، نشست گاہ، گاؤں کا وہ پنچائتی مکان جس میں لوگ مل کر بیٹھتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۳۹، فیروز سنز، لاہور)

بدر العلوم ہے۔

چند پارٹی اور شرپسند جن کی تعداد ۱۰،۱۵/ ہوگی، اقتدار کی خواہش میں مدرسہ میں دخل انداز ہوگئے۔اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ چوپال سانگ (۱) تماشے کے لئے ہوتی ہے، اس میں مدرسہ کا کیا کام ہے؟ فی الحال اس مدرسہ میں دوسو سے زیادہ بچے اور چار مدرس ہیں۔اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ عمارت کی دیواریں جن پر مدرسہ کا نام لکھا ہوا ہے اس کو مٹا دیں۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عدالتی کارروائی کریں۔انہوں نے درخواست دی ہے اور پولیس تحقیقات کے لئے آئی اور پولیس افسر نے تمام محلے والوں سے تصدیق کی ہے، سب مسلمانوں نے کہا کہ اس میں ہمیشہ سے تعلیم ہوتی چلی آرہی ہے۔

وہ بھی یہ کہہ کر گئے ہیں کہ اس میں سے مدرسہ نہیں ہٹایا جائے گا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ مدرسہ رہے گا۔تو اس جگہ کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے، مدرسہ رہے یا چوپال؟ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حقیقتِ حال تو خدا ہی کو معلوم ہے، لیکن ظاہر صورت اور طرزِ عمل سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ جگہ مدرسہ ہے، اس میں دینی تعلیم ہوتی ہے، اور مسجد کے پیسے سے اس کی مرمت کی جاتی ہے، کسی تقریب کے موقع پر اس کو مدرسہ سے عاریت پر لے کر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے اور تعلیم کی چھٹی کر دی جاتی ہے، یہ تعلقات کی رواداری کی بات ہے اس سے یہ سمجھنا کہ یہ چوپال ہے، مدرسہ نہیں بظاہر درست نہیں۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ مسجد سے متعلق مدرسہ ہے اس وجہ سے مسجد کے پیسے سے مرمت کی جاتی ہے، دینی تعلیم کو وہاں سے ختم نہ کیا جائے گا اور مدرسہ کا نام جو دیوار پر لکھا ہوا ہے اس کو نہ مٹایا جائے گا۔اور شر کو حسنِ تدبیر سے ختم کیا جائے گا (۲)۔

---

(۱) ''سانگ: نقل، اداکاری، کھیل تماشا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۹، فیروز سنز، لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادفع بالتی ھی أحسن﴾ (سورۃ حم السجدۃ: ۳۴)

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت ھذہ الآیۃ: "أی ادفع السیئۃ حیث اعترضتک من بعض أعادیک بالتی ھی أحسن منھا وھی الحسنۃ". (تفسیر روح المعانی، (سورۃ حم السجدۃ: ۳۴): ۱۲۳/۲۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

آپسی نزاع کے اندر بہت خرابی ہے، اس کے نتائج بھی نہایت خراب ہوتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنازعوا، فتفشلوا وتذهب ريحكم، واصبروا، إن الله مع الصّٰبرين﴾ (سورة الأنفال: ۴۶)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إياكم وسوء ذات البين، فإنها الحالقة". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

قال الملا علي القاري تحت حديث آخر: "وقال بعض المحققين: أى لاتشغلوا بأسباب العداوة؛ إذ العداوة مما لااختيار فيه، فإن البغض من نفار النفس عما مايرغب عنه، وأوّله الكراهةُ، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۸): ۸/۷۶۱، رشيديه)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیرِ نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

۱	خچر کی بیع	۲۷
۲	کتے کی بیع	۲۸
۳	کتے کی تجارت	۲۹
۴	کتے کی خرید وفروخت	۳۱
۵	حرام جانوروں کی بیع	۳۲
۶	مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا	۳۳

۷	کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا.................................	۳۴
۸	گوشت کی تجارت.................................	۳۶
۹	ہڈی کی خرید وفروخت.................................	۳۶
۱۰	کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین خریدنا.................................	۳۷
۱۱	بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا.................................	۳۹
۱۲	گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا.................................	۴۰
۱۳	بیع مشاع.................................	۴۱
۱۴	ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا.................................	۴۳
۱۵	بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا.................................	۴۴
۱۶	قسطوں پر کوئی شی خریدنا.................................	۴۶
۱۷	تجارت میں نفع کی حد.................................	۴۸
۱۸	بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف.................................	۴۹
۱۹	زیادہ بھاؤ پر خریدنا.................................	۵۰
۲۰	جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا.................................	۵۱
۲۱	غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا.................................	۵۱
۲۲	درختوں پر پھلوں کی بیع.................................	۵۲
۲۳	لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ.................................	۵۵
۲۴	بھیک کے مال کی فروختگی.................................	۵۹
۲۵	مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا.................................	۶۰
۲۶	ایضاً.................................	۶۰
۲۷	دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت.................................	۶۱
۲۸	سانپ کی کھال کی بیع.................................	۶۲

۲۹	انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا	۶۳
۳۰	گوبر کی بیع	۶۴
۳۱	اسپرٹ کی تجارت	۶۵
۳۲	بیع اسٹامپ	۶۵
۳۳	جوتاجرزکوۃ نہ دیتا ہواس سے مکان خریدنا	۶۶

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

۳۴	خنزیر کی بیع	۶۸
۳۵	خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع	۶۹
۳۶	چڑھاوا کی بیع	۷۰
۳۷	چڑھاوے کے بکرے کی بیع	۷۲
۳۸	آزادعورت کی بیع	۷۴
۳۹	حرہ کی بیع پر ایک قیاس	۷۴
۴۰	بیوی کو بیچنا	۷۶
۴۱	مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا	۷۷
۴۲	خون کی بیع وشراء	۷۸
۴۳	شراب وغیرہ کی بیع	۷۹
۴۴	دارالاسلام میں ذمی کوحرام اشیاءفروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے	۸۱
۴۵	مول پر آم کی بیع	۸۲

۴۶	چوری شدہ شی کی خریداری	۸۶
۴۷	کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت	۸۷

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

۴۸	بیع میں شرطِ فاسد	۸۸
۴۹	بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا	۸۸
۵۰	بیع بشرطِ اقالہ	۹۰
۵۱	بیع قبل القبض	۹۱
۵۲	خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع	۹۳
۵۳	فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا	۹۴
۵۴	کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع	۹۶
۵۵	پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع	۹۷
۵۶	کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط	۱۰۰
۵۷	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع	۱۰۱
۵۸	اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع	۱۰۲
۵۹	باغ فروخت کر کے کچھ آم مستثنیٰ کرنا	۱۰۳
۶۰	ایضاً	۱۰۶
۶۱	قبرستان کی گھاس فروخت کرنا	۱۰۷
۶۲	مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع	۱۰۸
۶۳	بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع	۱۰۹
۶۴	دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا	۱۱۰

۶۵	دوسروں کا جوتیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا	۱۱۱
۶۶	قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کردینا	۱۱۳
۶۷	پنشن کی بیع	۱۱۴
۶۸	فون پر بیع	۱۱۶
۶۹	غیر مسلم کا نابالغ بھتیجہ کی زمین فروخت کرنا	۱۱۷
۷۰	بیع مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال	۱۱۷
۷۱	بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت	۱۱۹

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

۷۲	نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت	۱۲۰
۷۳	افیون وغیرہ کی بیع	۱۲۱
۷۴	افیون کی تجارت اور اس کی آمدنی کا حکم	۱۲۳
۷۵	افیون کی بیع اور کاشت	۱۲۴
۷۶	بوڑی کی بیع	۱۲۵
۷۷	تمباکو میں رہی ملا کر فروخت کرنا	۱۲۶
۷۸	آلاتِ لہو کی بیع	۱۲۷
۷۹	ہارمونیم کی تجارت	۱۲۸
۸۰	ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال	۱۲۸
۸۱	بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل	۱۳۰
۸۲	شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا	۱۳۱
۸۳	شراب کی خالی بوتلوں کی بیع	۱۳۳

۸۴	پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت	۱۳۴
۸۵	آتش بازی بنانا اور اس کی تجارت کرنا	۱۳۵
۸۶	مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا	۱۳۷
۸۷	پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا	۱۳۸
۸۸	تعلیمی تاش کی بیع	۱۳۹
۸۹	مہوا کی بیع غلہ سے	۱۴۱
۹۰	''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع	۱۴۱
۹۱	چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کر دینا	۱۴۲
۹۲	دودھ میں پانی ملا کر بیچنا	۱۴۳
۹۳	دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا	۱۴۵
۹۴	ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا	۱۴۶
۹۵	غیر قانونی مال خرید کر دوسرے مُلک میں فروخت کرنا	۱۴۸
۹۶	راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۱۴۹
۹۷	کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟	۱۴۹

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

۹۸	ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا	۱۵۱
۹۹	ادھار میں قیمت زیادہ لینا	۱۵۲
۱۰۰	ایضاً	۱۵۳
۱۰۱	ایضاً	۱۵۴
۱۰۲	ایضاً	۱۵۶

۱۰۳	نقد وادھار کی قیمت میں فرق	۱۵۷
۱۰۴	نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ	۱۵۷
۱۰۵	ایضاً	۱۵۸
۱۰۶	ایضاً	۱۵۸
۱۰۷	ایضاً	۱۵۸
۱۰۸	ایضاً	۱۵۸
۱۰۹	مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع	۱۶۰
۱۱۰	مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا	۱۶۲
۱۱۱	اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا	۱۶۳
۱۱۲	مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا	۱۶۴
۱۱۳	افیم کی بلیک کا حکم	۱۶۵
۱۱۴	بلیک مارکیٹ	۱۶۶

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

۱۱۵	بیعانہ کا حکم	۱۶۷
۱۱۶	بیعانہ لینے سے بیع	۱۶۸

باب المتفرقات

۱۱۷	اناج کی بیع فصل کی قیمت	۱۷۰
۱۱۸	کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا	۱۷۱
۱۱۹	کھوٹے روپے کا حکم	۱۷۲
۱۲۰	مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے	۱۷۳

۱۲۱	بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟	۱۷۵
۱۲۲	بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا	۱۷۶
۱۲۳	قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت	۱۷۶
۱۲۴	۵/کلو شکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا	۱۷۷

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

۱۲۵	گڈول کی شرعی حیثیت	۱۷۸
۱۲۶	ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت	۱۷۹
۱۲۷	کتابوں کا حق طباعت بیچنا	۱۸۲
۱۲۸	حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا	۱۸۳
۱۲۹	حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع	۱۸۴

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

۱۳۰	شیئرز کی بیع اور اس کی زکوٰۃ	۱۸۸
۱۳۱	سودی کمپنی کے حصص خریدنا	۱۹۱
۱۳۲	نیلام کے ذریعے خرید وفروخت	۱۹۳

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

۱۳۳	پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا	۱۹۶

۱۳۴ ماہانہ پرچوں کی بیع ۱۹۸

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

۱۳۵ بیعِ فضولی ۲۰۰

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

۱۳۶ بیع مرابحہ ۲۰۲
۱۳۷ ایضاً ۲۰۲

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

۱۳۸ بیع سَلم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت ۲۰۴
۱۳۹ قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا ۲۰۵
۱۴۰ بیع سلم ۲۰۷
۱۴۱ بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ۲۰۸
۱۴۲ بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا ۲۰۹
۱۴۳ ایک من مکّی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت ۲۱۱
۱۴۴ بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط ۲۱۲
۱۴۵ ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سَوا دو من گندم لینا ۲۱۴

۱۴۶	ایک مَن گندم کو رقم تصور کر کے آئندہ فصل میں اس کے عوض سوا مَن گندم لینا	۲۱۵
۱۴۷	دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو من گندم واپس لینا	۲۱۵
۱۴۸	بیع سلم کی تین صورتیں	۲۱۷
۱۴۹	بلا شرائط بیع سلم	۲۱۸
۱۵۰	بیع سلم کی شرطیں	۲۱۹
۱۵۱	مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم	۲۲۰
۱۵۲	قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی	۲۲۳
۱۵۳	بیع سلم فی الفلوس	۲۲۵
۱۵۴	اشکال بر جوابِ مذکورہ	۲۲۷
۱۵۵	قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا	۲۳۱

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

۱۵۶	ذخیرہ اندوزی کا حکم	۲۳۴
۱۵۷	ایضاً	۲۳۵

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

۱۵۸	نوٹ وروپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ	۲۳۷
۱۵۹	ایضاً	۲۳۸
۱۶۰	دینار کی قیمت	۲۴۱
۱۶۱	درہم کی قیمت	۲۴۱

۱۶۲	روپیہ،نوٹ، ریزگاری کی متفاضلاً بیع	۲۴۱
۱۶۳	نوٹ کی بیع کمی بیشی سے	۲۴۶
۱۶۴	نوٹ بمنزلۂ روپے کے ہے	۲۴۷
۱۶۵	حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۶	ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۷	ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا	۲۵۰
۱۶۸	غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع	۲۵۰
۱۶۹	سونے کے سیال پانی کی بیع	۲۵۱
۱۷۰	بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا	۲۵۲
۱۷۱	سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا اور چاندی نکالنا	۲۵۴

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

۱۷۲	بیع الوفاء	۲۵۵
۱۷۳	بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا	۲۵۷
۱۷۴	زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کرکے بعد میں انکار کرنا	۲۵۹
۱۷۵	دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا	۲۶۰
۱۷۶	ایضاً	۲۶۱
۱۷۷	مکان فروخت کرکے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ	۲۶۳
۱۷۸	زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا	۲۶۴
۱۷۹	کٹ قبالہ کا حکم	۲۶۵
۱۸۰	بیع الوفاء کی ایک صورت	۲۶۶

۱۸۱	میعادی بیع اور اس کا نفع	۲۶۸
۱۸۲	بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع	۲۶۹

باب الربوا

(سود کا بیان)

۱۸۳	سود کسے کہتے ہیں؟	۲۷۱
۱۸۴	دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق	۲۷۲
۱۸۵	حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم	۲۸۱
۱۸۶	بینک سے سودی قرض لینا	۳۰۱
۱۸۷	سودی قرض لینا	۳۰۲
۱۸۸	سرکاری قرضہ	۳۰۳
۱۸۹	سود پر قرض لینا	۳۰۵
۱۹۰	سرکاری سودی قرضہ	۳۰۶
۱۹۱	سرکاری سودی قرض	۳۰۸
۱۹۲	باہمی سودی فنڈ	۳۰۸
۱۹۳	ایضاً	۳۰۹
۱۹۴	ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا	۳۱۰
۱۹۵	مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا	۳۱۱
۱۹۶	حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا	۳۱۲
۱۹۷	مسلم بینک کا قیام اور اس کی آمدنی	۳۱۳
۱۹۸	مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا	۳۱۴
۱۹۹	مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق	۳۱۷

۲۰۰	جواب مذکور پر اشکال	۳۲۵
۲۰۱	اشکال باقی ہے	۳۲۸
۲۰۲	کمپنی کے فارم فروخت کرنا	۳۳۲
۲۰۳	مقروض ہندو سے دودھ لینا	۳۳۴
۲۰۴	قسط وقت پر ادانہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے	۳۳۶
۲۰۵	مستاجر سے قرض لینا	۳۳۷
۲۰۶	مسلمان سے سود لینا اور سود در سود حرام در حرام	۳۳۸
۲۰۷	ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا	۳۴۰
۲۰۸	قرض پر منافع سود ہے	۳۴۱
۲۰۹	منافع قرض	۳۴۳
۲۱۰	قرض پر نفع لینا سود ہے	۳۴۴
۲۱۱	غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا	۳۴۵
۲۱۲	مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع	۳۴۶
۲۱۳	قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا	۳۴۷
۲۱۴	سودی کام میں شرکت	۳۴۸
۲۱۵	سودی معاملہ کی اعانت	۳۴۹
۲۱۶	سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا	۳۵۰
۲۱۷	دار الحرب کی تعریف اور سود لینا	۳۵۱
۲۱۸	دار الحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم	۳۵۲
۲۱۹	ہندوستان میں سود کا حکم	۳۶۷
۲۲۰	دار الاسلام اور دار الحرب کی تحقیق اور مسئلہ سود	۳۷۸
۲۲۱	غیر مسلم سے سود لینا	۳۷۷

۲۲۲	سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟	۳۷۸
۲۲۳	توبہ کے بعد سودی مال کا حکم	۳۷۹

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

۲۲۴	بینک کے سود کا مصرف	۳۸۱
۲۲۵	ایضاً	۳۸۲
۲۲۶	بینک کا سود اور زکوٰۃ سادات کو دینا	۳۸۳

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاۃ

(بیمۂ زندگی کا بیان)

۲۲۷	بیمہ کرانا	۳۸۷
۲۲۸	جان کا بیمہ	۳۸۹
۲۲۹	زندگی کا بیمہ	۳۸۹
۲۳۰	مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کارپوریشن کے لئے طبی معائنہ	۳۹۱

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

۲۳۱	پراویڈنٹ فنڈ پر زائد رقم	۳۹۳
۲۳۲	ایضاً	۳۹۴

فصلٌ فی المتفرقات

۲۳۳	سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے	۳۹۵
۲۳۴	اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا	۴۰۰

۲۳۵	باہم چندہ جمع کر کے رقم پر بولی بولنا........	۴۰۲
۲۳۶	برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود........	۴۰۳

باب القرض

(قرض کا بیان)

۲۳۷	قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا........	۴۰۵
۲۳۸	نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا........	۴۰۷
۲۳۹	ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ........	۴۰۸
۲۴۰	چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں........	۴۰۹
۲۴۱	غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا........	۴۱۱
۲۴۲	قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے........	۴۱۲
۲۴۳	قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا........	۴۱۲
۲۴۴	غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا........	۴۱۳
۲۴۵	حقِ واجب ادا نہ کرنا........	۴۱۶
۲۴۶	قرض لے کر واپس نہ کرنا........	۴۱۶
۲۴۷	اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا........	۴۱۹
۲۴۸	ناجائز مال سے قرض وصول کرنا........	۴۲۰
۲۴۹	مال حرام سے قرض ادا کرنا........	۴۲۱
۲۵۰	مقروض کا نفلی چندہ دینا........	۴۲۴
۲۵۱	مقروض کے تین حالات........	۴۲۵
۲۵۲	دینِ قرض کا مطالبہ........	۴۲۷

۲۵۳	قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت	۴۲۸
۲۵۴	جوشخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب	۴۲۸
۲۵۵	کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا	۴۳۰
۲۵۶	کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جو لاپتہ ہو	۴۳۰
۲۵۷	مالِ کافر کی ادائیگی	۴۳۱
۲۵۸	ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا	۴۳۲
۲۵۹	دھان کا قرض	۴۳۲
۲۶۰	آٹے کا ادھار	۴۳۳

باب القمار

(جوئے کا بیان)

۲۶۱	مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی	۴۳۵
۲۶۲	لاٹری کا حکم	۴۳۶
۲۶۳	لاٹری کا ٹکٹ	۴۳۸
۲۶۴	لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت	۴۳۸
۲۶۵	جوے کی ایک صورت	۴۳۹
۲۶۶	بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی	۴۴۰
۲۶۷	معمہ حل کرنے کی اجرت	۴۴۱
۲۶۸	اخباری معمہ حل کرنا	۴۴۳
۲۶۹	شمع معمہ حل کرنے پر انعام	۴۴۴
۲۷۰	اخبار کے لائف ممبر بنانا	۴۴۷

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

۲۷۱	ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟	۴۴۹
۲۷۲	پیشۂ وکالت	۴۵۰
۲۷۳	وکالت کا پیشہ	۴۵۲
۲۷۴	وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ	۴۵۲
۲۷۵	وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا	۴۵۵

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

۲۷۶	زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟	۴۵۷
۲۷۷	خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا	۴۵۸
۲۷۸	فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا	۴۶۰
۲۷۹	ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار	۴۶۱
۲۸۰	کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ	۴۶۲
۲۸۱	قاضی کی شرعی حیثیت	۴۶۳
۲۸۲	فاسق کو قاضی بنانا	۴۶۴

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

۲۸۳	کسی کو حَکَم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع	۴۶۵
۲۸۴	کیا حَکَم کے فیصلہ کو رد کرنے کا حق ہے؟	۴۶۷

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

۲۸۵	ہبہ اور تملیک میں فرق	۴۶۹
۲۸۶	ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے	۴۶۹
۲۸۷	ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الأولاد	۴۷۰
۲۸۸	زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں	۴۷۲
۲۸۹	ہبۂ جائیداد زبانی	۴۷۳
۲۹۰	ہبہ کی ایک صورت	۴۷۴
۲۹۱	ہبۂ مشاع	۴۷۶
۲۹۲	ایضاً	۴۷۸
۲۹۳	غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا	۴۸۰
۲۹۴	حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ	۴۸۱
۲۹۵	نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ	۴۸۲
۲۹۶	بچے کی ملک میں مربی کا تصرف	۴۸۳
۲۹۷	ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا	۴۸۵
۲۹۸	خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی	۴۸۶

۲۹۹	مرض الموت میں ہبہ	۴۸۷
۳۰۰	مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ	۴۸۸
۳۰۱	مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم	۴۹۰
۳۰۲	مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط	۴۹۲
۳۰۳	اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا	۴۹۳
۳۰۴	واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال	۴۹۴
۳۰۵	اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل	۴۹۶
۳۰۶	ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا	۴۹۸
۳۰۷	لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی	۵۰۱
۳۰۸	اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی	۵۰۳
۳۰۹	بیٹے کو زمین ہبہ کر کے واپس لینا	۵۰۷
۳۱۰	پوتے کو ہبہ کر کے پھر رجوع کرنا	۵۰۹
۳۱۱	مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ	۵۱۰
۳۱۲	ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت	۵۱۱
۳۱۳	ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا	۵۱۳
۳۱۴	متبنّٰی کو ہبہ یا وراثت	۵۱۵
۳۱۵	انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے	۵۱۶
۳۱۶	غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ	۵۲۰

كتاب الضمان والوديعة

بابٌ في الضمان

(ضمان کا بیان)

۳۱۷	ضمان کی تعریف	۵۲۱

۳۱۸	ضامن پرقسم کا حکم	۵۲۱
۳۱۹	حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا	۵۲۲
۳۲۰	ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا	۵۲۲
۳۲۱	کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟	۵۲۲
۳۲۲	مؤذن سے روپیہ ضائع ہوگیا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۴
۳۲۳	مہتمم پر ضمان	۵۲۵
۳۲۴	مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت	۵۲۷
۳۲۵	اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہو جائے تو ضمان کس پر ہے؟	۵۲۷
۳۲۶	کرایہ کی سائیکل چوری ہو جائے تو اس کا حکم	۵۲۸
۳۲۷	دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۹
۳۲۸	بچپن کی چوری کا ضمان	۵۲۹
۳۲۹	بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان	۵۳۰
۳۳۰	دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان	۵۳۰
۳۳۱	ملزم کی ضمانت کرنا	۵۳۲

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

۳۳۲	مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف	۵۳۳
۳۳۳	فساد زدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟	۵۳۳
۳۳۴	کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟	۵۳۵
۳۳۵	امانت کی واپسی کے لئے شرط	۵۳۶
۳۳۶	امانت کا ادا نہ کرنا	۵۳۷

۳۳۷ چاندی کا روپیہ امانت رکھا اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟........................ ۵۳۹
۳۳۸ امانت کے نوٹ کو بدل دینا........................ ۵۳۹

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

۳۳۹ امانت کا ضمان........................ ۵۴۱
۳۴۰ ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں........................ ۵۴۲
۳۴۱ امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان........................ ۵۴۲
۳۴۲ امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان........................ ۵۴۴
۳۴۳ غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا........................ ۵۴۵
۳۴۴ امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم........................ ۵۴۶
۳۴۵ مسجد کی امانت چوری ہوجائے تو ضمان کا حکم........................ ۵۴۷
۳۴۶ انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟........................ ۵۴۸
۳۴۷ حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر امانت کا ضمان........................ ۵۵۱
۳۴۸ امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان........................ ۵۵۲
۳۴۹ امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان........................ ۵۵۳

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحیحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

۳۵۰ اجارہ کی تعریف........................ ۵۵۵

۳۵۱	اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال.........	۵۵۵
۳۵۲	زمین اجارہ پر دینا.........	۵۵۷
۳۵۳	زمین کی اجرت دھان قرار دینا.........	۵۵۸
۳۵۴	زمین اور باغ کا اجارہ.........	۵۵۹
۳۵۵	کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں.........	۵۶۰
۳۵۶	جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا.........	۵۶۰
۳۵۷	جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈوٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم.........	۵۶۱
۳۵۸	کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا.........	۵۶۲
۳۵۹	جانور ذبح کرنے کی اجرت.........	۵۶۲
۳۶۰	امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت.........	۵۶۳
۳۶۱	کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/منٹ میں واپس کر دینا.........	۵۶۵
۳۶۲	نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ.........	۵۶۶
۳۶۳	شوہر کے لیے بیوی کی ملازمت.........	۵۶۷
۳۶۴	گیسٹ ہاؤس کی آمدنی.........	۵۶۸
۳۶۵	سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی.........	۵۶۹
۳۶۶	جوتی بنانے کا پیشہ.........	۵۷۰
۳۶۷	ٹھیکیداری کا پیشہ.........	۵۷۱
۳۶۸	ملازمت کے وقت میں دوسرا کام.........	۵۷۲
۳۶۹	تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہے یا اجیرِ مشترک؟.........	۵۷۲
۳۷۰	روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا.........	۵۷۴
۳۷۱	غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے.........	۵۷۶
۳۷۲	مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا.........	۵۷۶

۳۷۳	حکم کے لئے حق محنت اور فریقین کے یہاں کھانا	۵۷۷
۳۷۴	قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا	۵۷۸
۳۷۵	حکومت سے اپنا حق تنخواہ وصول کرلینا	۵۷۹
۳۷۶	باغ کو کرایہ پر دینا	۵۸۱
۳۷۷	مکان کی پگڑی	۵۸۲
۳۷۸	ایضاً	۵۸۳
۳۷۹	مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی	۵۸۴

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

۳۸۰	کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت	۵۸۶
۳۸۱	کھیت کٹائی کی مجہول اجرت	۵۸۷
۳۸۲	کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا	۵۸۸
۳۸۳	کھیت کی کٹائی کی اجرت	۵۸۹
۳۸۴	آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا	۵۹۰
۳۸۵	سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے	۵۹۰
۳۸۶	جلن کا کاٹنا	۵۹۲
۳۸۷	فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت	۵۹۳
۳۸۸	گائے کو کرایہ پر دینا	۵۹۳
۳۸۹	ادھیان پر جانور دینا	۵۹۴
۳۹۰	بکریوں کو ادھیا پر دینا	۵۹۵
۳۹۱	بکری پالنے کے لئے دینا	۵۹۶

۳۹۲	ایضاً	۵۹۷
۳۹۳	گائے پالنے کے لئے دینا	۵۹۷
۳۹۴	پال پر جانور دینا	۵۹۸
۳۹۵	بکری پال پر دینا	۵۹۹
۳۹۶	ایضاً	۶۰۰
۳۹۷	گائے پال پر دینا	۶۰۱
۳۹۸	پال پر جانور دینا	۶۰۲
۳۹۹	جانور کی جفتی کی اجرت	۶۰۳
۴۰۰	گابھن کرانے کی اجرت	۶۰۳
۴۰۱	جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا	۶۰۴
۴۰۲	کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا	۶۰۵
۴۰۳	کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط	۶۰۶
۴۰۴	کتابیں کرایہ پر دینا	۶۰۷
۴۰۵	قلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا	۶۰۷
۴۰۶	ہنڈی اور منی آرڈر	۶۰۸
۴۰۷	کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟	۶۱۰
۴۰۸	جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا	۶۱۰
۴۰۹	جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے	۶۱۱
۴۱۰	کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی	۶۱۳
۴۱۱	دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت	۶۱۴
۴۱۲	ملازم کو سفر خرچ کی جعلی رسید بنانا	۶۱۵

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

۴۱۳	بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت	۶۱۷
۴۱۴	اجرتِ دلال	۶۱۸
۴۱۵	دلالی کا حکم	۶۱۸
۴۱۶	کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا	۶۱۹
۴۱۷	سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ	۶۲۰
۴۱۸	نیلام کرنے کی اجرت	۶۲۱
۴۱۹	کمیشن پر نیلام	۶۲۲
۴۲۰	کمیشن پر سفیر رکھنا	۶۲۳
۴۲۱	ایضاً	۶۲۵
۴۲۲	کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا	۶۲۸
۴۲۳	کمیشن پر چندہ کرنا	۶۲۹
۴۲۴	ایضاً	۶۳۰
۴۲۵	اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا	۶۳۱
۴۲۶	نوٹ پر کمیشن	۶۳۲

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

۴۲۷	کرایہ دار کے مرنے سے عقد اجارہ کا فسخ ہونا	۶۳۴

۴۲۸	ایضاً	۶۳۷
۴۲۹	اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟	۶۴۰
۴۳۰	کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟	۶۴۲
۴۳۱	مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا	۶۴۲
۴۳۲	کرایہ کا مکان خالی کرنا	۶۴۳
۴۳۳	وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا	۶۴۵
۴۳۴	قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا	۶۴۶

☆......☆......☆

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

خچر کی بیع

سوال[۷۷۲۸]: خچروں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) "ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۱۴، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیه)

"ویصح بیع الکلب والفهد وسائر السباع، عُلّمت) الکلب والفهد والسباع (أولا)". (مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹة)

"ویصح بیع الکلب والسباع وسائر أنواعها". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳/۲۲۶، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۵۳۰، کتاب البیوع، باب المتفرقات، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/۲۸۶، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۱۰۳، کتاب البیوع، مسائل منثورة، مکتبه شرکت عامیه ملتان)

کتے کی بیع

سوال[۷۷۲۹]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے، خنزیر کی طرح اس کی بیع ناجائز ہے(۱)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وماعلمتم من الجوارح مكلّبين تعلّمونهن مما علمكم الله، فكلوا مما أمسكن عليكم﴾(۳)۔

نیز کھیت اورجانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے، حدیث شریف میں مذکور ہے(۴)، جب کتا پالنا اور نفع اس سے اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی بیع کا مسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتاہے۔ اورکتبِ فقہ:

---

(۱) "فأما الشافعي رحمه الله تعالىٰ فعمدته شيئان: أحدهما: ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۴/۴۸۴-۴۸۶، من نهي بيع الكلب، دارالكتب العلمية بيروت)

"فقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: "لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۴/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وليس الكلب نجس العين، ألاترى أنه ينتفع به حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية: ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز، شركت علميه ملتان)

(۳) (سورة المائدة: ۴)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً، فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراط، إلاكلب حرث أوماشية". وقال ابن سرين وأبو صالح: عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "إلاكلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخاري: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

البحر الرائق(۱)، درمختار(۲) میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲۹ھ۔

کتے کی تجارت

سوال[۷۷۳۰]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ ایک شخص کتا پالتا ہے، یا کتے کے بچے کو بھی فروخت کرتا ہے، کتے کے بچے کے بدلے میں بکری کا بچہ لیتا ہے اور پھر اس بکری کے بچے کو پال کر بیچتا ہے، یا اس بچے سے اس کے بکریوں کی نسلیں بڑھتی ہیں، اس میں سے بیچتا ہے اور قربانیاں بھی کرتا ہے اور خیرات بھی دیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جگہوں سے معلوم ہوا کہ کتے کی بیع وشراء حرام ہے۔ حرام کس کے نزدیک ہے اور حرام کی علت کیا ہے؟ اور اگر حلال ہے تو احناف کی دلیل تحریر فرمائیں۔ کیا عام طریقہ سے کتوں کی تجارت کا رواج پیدا کرنا جائز ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے خنزیر کی طرح(۳)، اس کی بیع ناجائز ہے(۴)۔

---

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المتفرقات: ۲۸۶/۶، رشيديه)

(۲) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار: ۲۲۶/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم: ۵۳۱/۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۴۲۴/۱۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "فأما الشافعي رحمه الله تعالىٰ فعمدته شيئا: أحدهما: ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۴۸۴/۴-۴۸۶، من نهى بيع الكلب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "فقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، مااختلفوا في بيعه وإن لم يكن نجس العين، دارالكتب العلميه بيروت)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے(۱)، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وما علّمتم من الجوارح مكلّبين تعلّمونهن مما علّمكم الله، فكلوا مما أمسكن عليكم﴾ الآية(۲)۔

نیز کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت حدیث شریف میں مذکور ہے(۳)۔

کتا پالنا اور اس سے نفع اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ تو پھر اس کی بیع کا مسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتا ہے۔ اور کتب فقہ: ردالمحتار(۴) اور البحرالرائق، وغیرہ میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے(۵)۔

---

(۱) "وليس الكلب نجس العين، ألاترى أنه ينتفع حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية: ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذى يجوز به الطهارة ومالايجوز، مكتبه شركت علميه بيروت)

"واعلم أنه ليس الكلب بنجس العين عند الإمام، وعليه الفتوى". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۲۰۸، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيد)

(۲) (سورة المائدة: ۴)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً، فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراطٌ، إلا كلب حرث أوماشية". وقال ابن سيرين وأبو صالح: عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "إلا كلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخاري: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

(۴) "وصح بيع الكلب والفهد والقرد والسباع". (ردالمحتار: ۵/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(۵) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع ". (البحر الرائق: ۶/۲۸۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم: ۱/۵۳۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، إدارة القران كراچى)

بیع خواہ نقد کے عوض میں ہو یا کسی اَور شی بکری وغیرہ کے عوض میں ہو، اس کی قیمت (نقد) کو جس طرح کام میں لانا درست ہے اسی طرح اس کو بکری کے عوض فروخت کیا ہو تو اس بکری کو اس کی نسل کو سب کو کام میں لانا درست ہے، جیسا کہ زیلعی میں تصریح ہے(۱):

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن السنّور والكلب، إلا كلب صيد". نسائي شريف:۲/ ۲۳۰(۲)، وجمع الفوائد :۱/ ۶۳۸(۳)۔ والأعلام بأحاديث الأحكام، ص: ۳۱۴(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتے کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۱]: کتے کی تجارت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شوق کے طور پر بلا ضرورت حفاظت وشکار وغیرہ کتا پالنا منع ہے اور بضرورت جائز ہے(۵)

---

(۱) "أن الشرع أباح الانتفاع به حراسة واصطياداً فكذا بيعاً، ولأنه يجوز تمليكه بغير عوض كالهبة والوصية، فكذا بعوض". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۴/ ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن النسائي: ۲/ ۲۳۰، كتاب البيوع، باب بيع الكلب، قديمي)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب البيوع: ۲/ ۲۳۸، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (لم أجده)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "من اقتنى كلباً، فإنه يُنقص من عمله كل يوم قيراطٌ، إلا كلب حرث أو ماشية". عن سفيان بن أبي زبير، قا ل: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "من اقتنى كلباً، لا يغني عنه زرعاً ولا ضرعاً، نقص من عمله كل يوم قيراطٌ". فقيل له: أنت سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: أي ورب هذا المسجد!". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، أبواب الصيد، باب النهي عن اقتناء الكلب، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/ ۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۲/ ۲۰، كتاب المساقات والمزارعة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه وبيان =

اور کتے کی بیع بھی درست ہے(۱)۔

"(قوله: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب) وهذا التحريم كان إذا أمر بقتل الكلاب وحرم الانتفاع بها، فإذا استثنى كلب الماشية والصيد وغيره، جاز بيعه، اهـ".

الكوكب الدري: ۱/ ۳۳۷(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/۵/۶۰ھ۔

حرام جانوروں کی بیع

سوال[۷۷۳۲]: بندر، بلی، چوہا وغیرہ جیسے حرام جانوروں کی تجارت کر کے روزی کمانا کیسا ہے؟

کریم اللہ فتح پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان حرام جانوروں کی کھال، ہڈی وغیرہ کارآمد ہوں، یا ان سے دوا بنائی جائے تو ان کی خرید فروخت کرنا جائز ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع بسائر أنواعها حتى الهرة، وكذا الطيور سوى الخنزير –وهو المختار– للانتفاع بها

= تحريم اقتنائه، الخ، قديمي)

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

"صح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور، لمارواه أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه صلى الله عليه وسلم رخص في ثمن كلب الصيد، ولأنه مالٌ متقوّمٌ آلة الاصطياد، فصح بيعه". (البحر الرائق: ۲۸۲/۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الكوكب الدري، أبواب النكاح، باب كراهية مهر البغي: ۳۳۷/۱، المكتبة اليحيويه سهارنپور)

وبجلدها". درمختار، کتاب البیوع، باب المتفرقات(۱)۔

"ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا

سوال[۷۷۳۳]: مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ، یا کیکڑہ وغیرہ احناف کے نزدیک کھانا، یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں دیگر ائمہ ومجتہدین کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک جائز نہیں (۳)۔ اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً: دوا کے

---

(۱) (الدرالمختار: ۲۲۶/۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة: ۱۱۴/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات، رشیدیه)

"ویصح بیع الکلب ولوجرداً أو عقوراً، والفهد والفیل والقرد وسائر السباع بسائر أنواعها حتی الهرة". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

"ویجوز بیع الکلب والفهد والسباع .... وجه روایة الجواز أنه یمکن الانتفاع بجلده، وهذا هو وجه روایة إطلاق بیع الکلب والسباع، فإنه مبنیّ علی أن کل مایمکن الانتفاع بجلده أو عظمه یجوز بیعه". (فتح القدیر: ۱۱۸/۷، کتاب البیوع، مسائل منثورة، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۳) "ویحرم أکل کل ذی ناب.......... والضب والیربوع وابن عرس والسلحفاة والحشرات". (ملتقی الأبحر). قال فی المجمع: "(قوله: والحشرات) کالفارة والوزغة وسام أبرص، والقنفذ والحیّة والضفدع". (مجمع الأنهر: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، کتاب الذبائح، غفاریة کوئٹة)

"(ولا یؤکل من حیوان الماء) وهو الذی مثواه وعیشه فی الماء عندنا، لقوله تعالیٰ: ﴿ویحرّم علیهم الخبائث﴾ إلا السمک بأنواعه". (مجمع الأنهر، المصدر السابق: ۱۶۲/۴، غفاریه کوئٹه)

طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں، یا گوہ کی کھال کارآمد ہوتو ان زندہ جانوروں کی بیع وشراء شرعاً درست ہے(۱)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق ان کے محققین اہلِ فتوی سے کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا

سوال[۷۷۳۴]: کانجی ہاؤس وغیرہ میں جب جانور زیادہ دنوں تک رہ جاتے ہیں تو سرکار کی جانب سے اس کو فروخت کردیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جولوگ اس جانور کو خرید کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کی ملک ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس جانور پر سرکار کو استیلاءً ملک حاصل ہوجاتی ہے تو اب خریدنے والا مالک سے ہی خریدتا ہے اور مالک سے خریدنے میں ثبوتِ ملک میں کوئی اشکال نہیں: "وإن غلبوا (أی أهل الحرب) على أموالنا

---

(۱) "الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"يجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها للأدوية، وماجاز الانتفاع بجلده أو عظمه: أي من حيوانات البحر أو غيرها. قال في الحاوي: ولايجوز بيع الهوام كالحية والفارة والوزغة والضب والسلحفاة والقنفذ • كل مالاينتفع به ولابجلده، وبيع غير السمك من دواب البحر إن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز". (ردالمحتار: ۶۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ويجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها في الأدوية. وإن كا ن لاينتفع بها، لايجوز، والصحيح أنه يجوز بيع كل شئ ينتفع به. .... ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، رشيديه)

"الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۵/۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

وأحرزوھا بدارھم، ملکوھا، الخ". درمختار(۱)۔

نیز حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الجھاد: ۱۶۰/۴، باب استیلاء الکفار، سعید)

(وکذا في کنز الدقائق مع البحر الرائق: ۱۶۱/۵، کتاب السیر، باب استیلاء الکفار، رشیدیہ)

(وکذا في ملتقی الأبحر مع مجمع الأنھر، کتاب السیر، باب استیلاء الکفار: ۴۴۳/۲، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۲۵/۲، کتاب السیر، الباب الخامس في استیلاء الکفار، رشیدیہ)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۱۲۳/۴، کتاب السیر، باب استیلاء الکفار، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) **الجواب:** "في الدر المختار: وإن غلبوا: أي أھل الحرب علی أموالنا وأحرزوھا بدارھم ملکوھا".
اور عملۂ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکاری ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا قربانی بھی اس کی درست ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدیٰ کے لئے زیب نہیں۔ اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے، اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، کما صرحوا به في الدر المختار آخر باب جنایة البھیمة:

"أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع أو کرم إن سائقاً ضمن ما أتلف، وإلا لا. وقیل یضمن. وقال الشافعي مرجحاً للقول الثاني: أقول: ویظھر أرجحیة ھذا القول لموافقته لما مرّ أول الباب من أنه یضمن ما أحدثته الدابة مطلقاً إذا أدخلھا في ملک غیرہ بلا إذنه لتعدیة. وأما لو لم یدخلھا، ففي الھدایة: ولو أرسل بھیمة فأفسدت زرعاً علی فورھا، ضمن المرسل، وإن مالت یمیناً أو شمالاً وله طریق الأخر، لا یضمن لما مر، اھ". (إمداد الفتاویٰ، کتاب الذبائح والأضحیة، حکمِ قربانی جانور خرید کردہ از نیلامِ کانجی ہاؤس وحکم ادخال جانور درآن: ۵۴۱/۳، دار العلوم کراچی)

(وکذا في إمداد الأحکام: ۳۶۶/۳، کتاب البیوع، کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، ان کا حکم، دار العلوم کراچی)

گوشت کی تجارت

سوال[۷۷۳۵]: کیا یہ تجارت شرعاً جائز ہے کہ ہر روز ایک دو یا دس یا پانچ گائے ذبح کر کے گوشت فروخت کرے؟ اس میں نفع زیادہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، لأنه متوارث من خير القرون شرعاً عرفاً من غير نكير (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

ہڈی کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۶]: جو شخص ہڈیوں کی خرید وفروخت سوکھی اور گیلی دونوں کی کرتا ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

محمد یوسف گنگوہی، امام مسجد قریشیان، گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہڈی کی خرید وفروخت جائز ہے گیلی ہو یا سوکھی، اس کی آمدنی درست ہے، اس کا کھانا

---

(۱) "كل ماينتفع به فجائز بيعه والإجارة عليه". (القواعد الفقهية، ص: ۱۲۸، دار القلم دمشق)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۸۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز لحم حيوان بلحم حيوانٍ غير جنسه متفاضلاً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۲۵، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۶۵، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ۳/۸۶، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

درست ہے(۱)، لیکن خنزیر کی ہڈی نہ ہو کہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین کو خریدنا

سوال[۷۷۳۷]: زید نے ایک زمیندار سے زمین سالانہ کرایہ پر لے کر اس پر مکان تعمیر کیا جس کو ۳۰/ برس کا عرصہ گذرا۔ اب زمیندار بوجہ ضروریات اپنی زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے علاوہ ملبہ کے۔ لہٰذا اس کا ملبہ چھوڑتے ہوئے بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "وشعر الميتة وعظمها وصوفها وقرنها لابأس، بالانتفاع بها، وبيع ذلك كله جائز؛ لأنه لاحياة في هذه الأشياء، فلايحلها الموت، فلايتنجس". (المحيط البرهاني: ۳۰۲/۷، كتاب البيع في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

"ولابأس ببيع عظام الميتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها ووَبُرها، والانتفاع بذلك كله؛ لأنها طاهرة لايحلها الموت لعدم الحياة". (الهداية: ۵۵/۳، كتاب البيوع،باب البيع فاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويباع عظمها، وينتفع به، وكذاعصبها وقرنها وصوفها وشعرها ووَبرها، وكذا عظم الفيل".
(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۸٦/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)
(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۷/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وشعر الميتة وعظمها". (الدرالمختار). "قوله عليه السلام في شاة ميمونة: "إنماحرم أكلها". وفي رواية: "لحمها". فدل على أن ماعدا اللحم، لايحرم، فدخلت الأجزاء المذكورة".
(ردالمحتار: ۲۰٦/۱، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(۲) "لابأس ببيع عظام الفيل وغيره من الميتات، إلا عظم الآدمي والخنزير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرمات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۸/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا في ردالمحتار: ۷۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)، پھر خریدار اس کرایہ دار سے کہے کہ تم اپنا ملبہ یہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردو، یا میرے ہاتھ فروخت کردو(۲)۔ بہتر یہ ہے کہ زمین فروخت کرنے سے پہلے کرایہ دار سے مالک خود ہی معاملہ کرلے، اس کے بعد فروخت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس .... فإن مضت المدة، قلعهما وسلّمها فارغةً، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أى البناء مقلوعاً ويتملكه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۳۰، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة، سعيد)

"وصح استيجار الأرض للبناء والغرس، وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً، إلا أن يغرم المؤجر قيمة ذلك مقلوعاً برضى صاحبه". (مجمع الأنهر: ۳/۵۲۲، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، غفاريه كوئٹه)

"وصح أيضاً للبناء والغرس وسائر الانتفاعات، كطبخ آجر وحذف ومقيلاً ومراحا، حتى تلزم الأجرة بالتسليم .... وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً من البناء والغرس، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم المؤجر للمستأجر قيمة ذلك مقلوعاً، لكن برضى صاحبه". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۲۲، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة مالايجوز، غفاريه كوئٹه)

لیکن خریدار کو مدتِ اجارہ پوری ہونے سے زمین خالی کرانے کا حق نہیں ہے:

"لو باع الأجر المأجور بدون إذن المستاجر، كان البيع نافذاً بين البائع والمشترى وإن لم يكن نافذاً بحق المستاجر، حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع فى حق المستاجر، وليس له الامتناع عن أخذ المبيع، إلا أن يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة". (شرح المجلة لخالد الأتاسى، ص: ۳۱۵، (رقم المادة: ۵۹۰)، الفصل الثانى فى تصرف العاقدين فى المأجور بعد العقد، حقانيه پشاور)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۱۹۴، كتاب الإجارة، دارالكتب العربية بشاور)

بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا

سوال[۷۷۳۸]: زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنے روپیہ سے تجارت کرائی اور ایک مکان بھی اس کے نام خریدا، لیکن زید کی نیت اس کو مالک بنانے کی نہیں تھی، بلکہ اپنی مصلحت کی بناء پر ایسا کیا تھا اور بعد میں تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کر دیا، اور بکر بطورِ ملازم کام کرتا رہا، باقاعدہ دستاویز تحریر کی گئی ہے۔ اب بکر کا انتقال ہو گیا، اب اس کے ورثاء کو کوئی حق وراثت پہونچتا ہے یا نہیں؟

معرفت: مولانا منظور احمد صاحب مدرس مدرسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا رکن "ایجاب وقبول" ہے(۱)، اگر زید نے اپنے لئے مکان خریدا ہے اور بکر سے اس کا اظہار کر دیا کہ میں اپنے لئے مکان خریدتا ہوں اور کسی مصلحت سے تیرے نام سے خریدتا ہوں تو اس کا مالک زید ہے، پس اگر اس کے بعد زید نے ہبہ وغیرہ نہیں کیا تو اس میں بکر کے ورثہ کا حق نہیں، کیونکہ محض بکر کے نام خریدنے سے زید کی - جو اصل مشتری ہے- ملک زائل نہیں ہوئی (۲)۔ علی ہذا القیاس جب کہ بکر بطورِ ملازم تجارت میں کام کرتا تھا اور اس کا ثبوت بھی زید کے پاس موجود ہے، نیز زید نے مالک ہونے کی حیثیت سے

---

(۱) "البیع ینعقد بإیجاب وقبول". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ویکون بقول أو فعل، أما القول فالإیجاب والقبول". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب البیوع: ۵۰۴/۴، سعید)

"وینعقد بإیجاب وقبول". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع: ۴/۳، غفاریه کوئٹه)

(۲) چونکہ اسبابِ ملک تین ہیں، ان میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے ملک ثابت ہو جاتی ہے اور چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی ایک سبب بھی نہیں پایا گیا، لہٰذا اصل مشتری (زید) کی ملک زائل نہیں ہوئی:

"إعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة. وخلافة: کإرث. وإصالة: وهو الاستیلاء حقیقةً بوضع الید، أو حکماً بالتهیئة کنصب شکبة الصید". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۶۳/۶، کتاب الصید، سعید)

(وکذا في إمداد الفتاوی: ۳۱/۳، دارالعلوم کراچي)

اس تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کردیا تو اب بعد انتقال بکر کے ورثہ اس تجارت کے مالک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا

سوال[۷۷۳۹]: ایک زمین ہے جس کی مالک گورنمنٹ ہے، اب اگر اس زمین کی بولی بغیر گورنمنٹ کی اجازت کے بولی جائے تو اس کو لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور جتنے میں نیلام ہو، وہ روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمیندار کی ملک ختم کرکے گورنمنٹ مالک ہوگئی (۱) تو اس کی اجازت سے اس کا نیلام درست ہوگا، پس اگر پردھان کو اجازت تھی (۲) اور اس نے نیلام کیا تو خریدنے والے کو خریدنا درست ہے (۳)۔ اور اس کی قیمت کا روپیہ اگر بنیتِ ثواب مسجد کے لئے دیا جائے تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) ہندوستانی حکومتوں نے مختلف اوقات میں زمینداروں کی ملکیتیں ختم کرکے زمینیں اپنی تحویل میں لے لی ہیں، اور یہ صورت ''استیلاء'' کی ہے اور اس ''استیلاء'' سے ملک ثابت ہوتا ہے:

"اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة، وخلافة: کارث، وإصالة: وهو الاستیلاء". (الدرالمختار، مع رد المحتار: ۴۶۳/۶، کتاب الصید، سعید)

"فالأسباب ثلاثة یثبت للمک، وهو: الاستیلاء. وناقل للملک، وهو: البیع ونحوه. وخلافة، وهو: المیراث والوصیة". (غمز عیون البصائر شرح الأشباه النظائر: ۱۳۳/۳، القول فی الملک، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ''پردھان: رہنما، صدر، مکھیا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه.......... أو وکالة منه أو ولایة علیه". (شرح =

بیعِ مشاع

سوال[۷۷۴۰]: مسمی بشیر علی نے اپنے حصۂ مکانات کا بیع نامہ بحقِ مسجد معروف ''حسن والی'' کیا اور زرِ ثمن کو بحقِ مسجد ہبہ وبخشش کردیا۔ منجانبِ مسجد بذریعۂ متولی دعوائے تقسیم عدالت میں دائر کیا گیا، مدعی علیہ بسم اللہ کی طرف جواب دہی ہوئی کہ یہ دستاویز بیع نامہ نہیں، بلکہ ہبہ نامہ ہے اور ہبہ نامۂ مشاع جائز نہیں ہے، اس لئے دعوائے تقسیم صحیح نہیں ہے۔ نقلِ بیع نامہ ونقلِ عرضِ دعوی ونقلِ جوابِ دعوی ونقلِ سفینہ جات ہم رشتۂ سوال ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً یہ بیع نامہ ہے یا ہبہ نامہ اور زرِ ثمن کا ہبہ یا اسقاط ہوا یا نہیں، یا زرِ ثمن باقی ہے؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

سائل: فیض الحسن از سہارنپور، ۸/ جمادی الاولی/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ حسبِ عبارتِ بیع نامۂ مسلکہ بیع ہے، ہبہ نہیں، کیونکہ صراحۃً بیع اور فروخت کا لفظ مذکور ہے، نیز بیع کی تعریف "هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". بحر: ۵/۲۵٦(۱) ''وہ بدلہ کرنا ہے مال کا مال کے ساتھ ساتھ رضامندی کے'' اس پر صادق آتی ہے۔

ہبہ اگرچہ مشاع کا جائز نہیں، لیکن بیع وشراء مشاع کی بالاتفاق جائز ہے:

"لايفسد بيع عشرة أسهم من مأة سهم اتفاقاً، لشيوع السهم". درمختار، ص: ۸(۲)۔

= المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۱، (رقم المادة: ۲۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الإذن والإجازة توكيلٌ". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۷۷۱، (رقم المادة: ۱۴۵۲)

(۱) (البحر الرائق: ۵/۴۲۹، كتاب البيع، رشيديه)

"وأما تعريفه، فهو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۷۵، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۴۵، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ما وقع عليه وإن ظن البائع =

"وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم، جاز في قولهم جميعاً". هدایہ،ص:۲۹(۱)۔

لہٰذا یہ بیع شرعاً تام اور صحیح ہے۔زرِثمن میں قبضہ سے پہلے ہبہ وغیرہ کا تصرف کرنا بھی شرعاً جائز ہے:

قال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "والتصرف في الثمن قبل القبض جائز بالبيع والهبة والإجارة والوصية، سواء كان ممايتعين أولايتعين عندنا، سوى بدل الصرف والسلم؛ لأن الملك مطلق". فتح القدير: ۲۶۹/۵(۲)۔

مکانات کا حصہ بیع کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا اور زرِثمن ہبہ اس کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۵/۱۰ھ۔

صحیح:عبدالرحمٰن غفرلہ۔

صورتِ مذکورہ میں حسبِ تحریر بیعنامہ بیع ہے، ہبہ نہیں ہے، اور ثمن کا ابراء ہے۔اور اگر ہبہ بھی مان لیا جائے تو ثمن کا ہبہ مشتری کو بلا اس کے کہ بائع قبضہ کرے درست ہے اور مشتری کے لئے ثمن پر قبضۂ سابق

= والمشتري أنه أقل أو أكثر، سعيد)

"وصح بيع عشرة أسهم من مأة سهم من دار". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۸/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر من عقار مملوك قبل الإفراز".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۰۳، (رقم المادة: ۲۱۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الهداية: ۲۳/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (فتح القدير: ۵۱۸/۶، فصل: من اشترى شيئاً ممايتنقل ويتحول، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"وصح التصرف في الثمن قبل قبضه، لقيام المطلق وهو الملك .... وأطلق التصرف قبل قبضه، لقيام المطلق، فشمل البيع والهبة والإجارة والوصية وتمليكه ممن عليه بعوض وغير عوض".

(البحر الرائق: ۱۹۷/۶، كتاب البيوع، فصل في بيان التصرف، رشيديه)

"(وصح التصرف في الثمن) ببيع وهبة وإجارة ووصية وتمليك ممن عليه بعوض وغير عوض (قبل قبضه)". (مجمع الأنهر: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، فصلٌ، غفايه كوئٹه)

تمامیٔ ہبہ کے لئے کافی ہے، جدید قبضہ کی ضرورت نہیں (۱)، لہذا فریقِ ثانی کا یہ دعوی کہ "یہ ہبۂ مشاع ہے" غلط ہے، جائیداد کا بائع نے ہبہ نہیں کیا ہے تاکہ مشاع ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ ہبۂ زرِ ثمن کیا ہے جو شرعاً قبل قبضۂ ثمن کے بھی درست ہے:

"وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبيع أو غيرهما لو عيناً: أی مشاراً إليه، ولو ديناً بالتعين كمكيل، أولا كنقود، ومثال التمليك بغير عوض هبةٌ ووصيةٌ له، فإذا وهب منه الثمن، ملكه بمجرد الهبة، لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". درمختار(۲) طحطاوی(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۲ھ۔

ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا

سوال[۱۷۷۴۱]: اگر کوئی بائع کسی کو رعایۃً ایک روپیہ میں ۸/ کا مال دیدے تو مشتری آٹھ آنہ اگر اس بہانہ سے کہ مجھ پر قرض ہے، بائع کو دیدے جبکہ بائع کسی دوسری تدبیر سے لینے کو تیار نہ ہو تو یہ فریب جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "والأصل أن القبضين إذا تجانسا، ناب أحدهما عن الآخر. وإذا تغايرا، ناب الأعلى عن الأدنى لاعكسه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۴۹، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۵/۱۵۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: فی التصرف فی المبيع والثمن قبل القبض والزيادة، سعيد)

(۳) "وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبيع أوغيرهما ولو عيناً: أی مشاراً إليه. ولو ديناً، فالتصرف فيه تمليكه ممن عليه الدين ولو بعوض". (الدرالمختار). قال الطحطاوی: "(قوله: ولوبعوض) كأن اشترى البائع من المشتری شيئاً بالثمن الذی له عليه، أو استأجر به عبداً أوداراً للمشتری. ومثال التمليك بغير عوض هبته ووصيته له، نهر. فإذا وهب منه الثمن، ملكه بمجرد الهبة، لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۳/۱۰۱، كتاب البيوع، فصل فی التصرف فی المبيع، دارالمعروفة بيروت)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۷، (رقم المادة: ۲۵۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بائع قصداً رعایت کرکے ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا مال دے رہا ہے تو یہ آٹھ آنہ اس کے قرض نہیں(۱)، ان کو قرض کہنا غلط ہے اور خلافِ واقعہ ہے، اگر رعایت کا بدل کرنا ہی ہے تو ہدیۃً کچھ اس کو دیدے(۲) جس سے اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا

سوال[۷۷۴۲]: ایک فرضی مسئلہ دریافت ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کی مثال کا جواب مستنبط ہوجائے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے، وہ یہ کہ مثلاً: ایک شخص زید عمرو کے پاس ایک قیمتی چیز (جس کی قیمت تقریباً سودوسو تک ہوگی) لایا اور کہا کہ یہ میری چیز ہے، میں کسی ضرورت کی بناء پر اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، تم خریدلو۔

---

(۱) "وکذا صح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن قبل المشتري ذلک؛ لأنه تصرف في حقه، وملکه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصته من الثمن". (مجمع الأنهر: ۳/۱۱۶، کتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه کوئٹه)

"إعلم أن الزيادة في الثمن والمثمّن صحيحة ثمناً ومثمناً، ويلحق بأصل العقد، ويجعل كأن العقد على الابتداء ورد على الأصل والزيادة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۴۴۷، في الزيادة المشروطة، غفاريه کوئٹه)

"مازاده البائع في المبيع بعد العقد، يكون له حصةٌ من الثمن المسمى، مثلاً: لو باع ثماني بطيخات بعشرة قروش، ثم بعد العقد زاد البائع في المبيع بطيختين، فصارت عشراً، وقبل المشتري في المجلس، فكأنه باع عشر بطيخات بعشرة قروش، حتى لو تلفت البطيختان المزيدتان قبل القبض، لزم تنزيل ثمنهما قرشين من أصل ثمن البطيخ، فليس للبائع حينئذٍ أن يطلب من المشتري سوى ثمن ثماني بطيخات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۴، (رقم المادة: ۲۵۸)، مكتبه حنفيه کوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۴۲، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۲۰)

عمرو نے انکار کیا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، میں نہ لوں گا۔ اس پر زید نے کہا کہ جو کچھ تم اس کی قیمت دیدو، میں اسے فروخت کردوں گا۔ عمرو نے کہا: میں پانچ روپیہ میں لے سکتا ہوں، زید نے فروخت کردیا اور چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عمرو کو شبہ ہوا کہ مال کہیں چوری کا نہ ہو، لیکن اب معاملہ کو رد کرنے کی صورت نہیں ہے، زید پتہ نہیں کہاں کا ہے اور کہاں گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مشتری عمرو کے لئے حلال اور درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو اب عمرو کیا کرے؟

محمد عبدالقدوس رومی، مدرسہ قرآنیہ حسن منزل، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ قیمتی چیز چوری کی ہے جو اس قدر ارزاں فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۱)، فتاویٰ رشیدیہ ج ۲، ص: ۱۰۹، میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ اگر خرید لی اور واپسی دشوار ہے اور مالک کا پتہ نہیں تو صدقہ کردے (۳)۔

---

(۱) "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمةً، وباعوها في الأسواق، فإنه لا ينبغي شرائها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۹۲/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دارالمعرفة بيروت)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل، يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعداوته، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقةً (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها". البيهقي". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، الفصل الرابع: الحلال والحرام في الحياة العامة للمسلم في المعاملات، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامي)

(وكذا في ردالمحتار: ۹۸/۵، ۹۹، ۳۸۵/۲، سعيد)

(۲) "جواب: جب چوری کا مال یقیناً معلوم ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، باب: بیع فاسد کا بیان، ص: ۱۷۷، سعید)

(۳) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۲، ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

اگر ظنِ غالب یہ نہ ہوتو اس کا خریدنا شرعاً درست ہے(۱)۔

"ألا یریٰ أن أسواق المسلمین لا تخلو عن المحرم والمسروق والمغصوب، ومع ذلك یحل التناول اعتماداً علی الغالب، وهذا لأن القلیل لا یمکن الاحتراز عنه، ولا یُستطاع الامتناع، فسقط اعتباره دفعاً للحرج، اھ". مجمع الأنهر: ۲/۷۳٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/صفر المظفر /۷۱ھ۔

قسطوں پر کوئی شی خریدنا

سوال[۷۷۴۳]: ایک موٹر سائیکل ہے جو نقد لینے سے پانچ ہزار روپیہ میں ملتی ہے اور قسطوار لینے سے پانچ ہزار پانچ سو روپیہ میں ملتی ہے۔ تو کیا قسطوار لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا منع نہیں، مگر قسطیں متعین ہو جائیں (۳)۔ اور پھر یہ نہ ہو کہ کسی قسط

---

(۱) "متی اعتقد المشتری أن الذی مع البائع ملکه، فاشتراه منه علی الظاهر، لم یکن علیه إثم فی ذلك. وإن کان فی الباطن قد سرقه البائع، لم یکن علی المشتری إثم ولا عقوبة، لا فی الدنیا، ولا فی الآخرة .... فمن فرق بین من یعلم ومن لا یعلم، فقد أصاب. ومن لا، أخطأ". (مجموعة الفتاویٰ لابن تیمیة رحمه الله، قواعد جامعة فی عقود المعاملات والنکاح، فصل فی المحرمات فی الشرعیة ترجع إلی الظلم: ۲۹/۱۶۲، مکتبة العُبَیکان)

"ولذا حل التناول مما فی الأسواق مع أنها لا تخلو عن محرم ومسروق ومغصوب، فالقلیل من المحرم لا یمکن الاحتراز عنه، کقلیل نجاسة .... فی الخانیة وغیرها: لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۷۲، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴/۲۷۰، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

(۳) "البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومةً فی البیع بالتأجیل والتقسیط". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثین، فقد أجازوا البیع المؤجل بأکثر من سعر النقد، بشرط أن یبتّ العاقدانِ بأنه بیع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفقٍ علیه عند العقد". (بحوث فی =

کے وقتِ متعین پر وصول نہ ہونے سے مزید اضافہ قیمت میں کیا جائے، وصول شدہ رقوم ہی ضبط ہو جائے اور موٹر سائیکل بھی ہاتھ سے چلی جائے، ایسی صورت ہو تو شرعاً یہ معاملہ درست نہیں، بلکہ اس میں سود(۱) اور جُوا ہوگا(۲)، ان دونوں کی ممانعت نصوص میں مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۰/۹۰ھ۔

= قضايا فقهية معاصرة، ص: ۷، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، شركت علميه ملتان)

"ولأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۴۲، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۱) "أما مايفعله بعض الناس من تحديد ثمن البضاعة على أساس سعر النقد، وذكر القدر الزائد على أساس أنه جزء من فوائد التأخير في الأداء، فإنه ربا صراح". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۰، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"كان الرجل في الجاهلية: إذا كان له على إنسان مأة درهم إلى الأجل، فإذا جاء الأجل ولم يكن المديون واجداً لذلك المال، قال: زِدْني في المال حتى أزيد في الأجل، فربما جعله مأتين". (تفسير كبير، (سورة آل عمران: ۱۳۰): ۹/۲، دارالكتب العلمية طهران)

"مالك عن زيد بن أسلم أنه قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق قال: أتقضي أم تربي، فإن قضى، أخذ، وإلا زاده في حقه وأخّر عنه في الأجل". (موطاء الإمام مالك، كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا في الدين، ص: ۲۰۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

تجارت میں نفع کی حد

سوال[۷۷۴۴]: مالِ تجارت پر منافع لینے کی کوئی تعداد اگر ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً کوئی تعداد مقرر نہیں(۱)، مگر زیادہ نفع لینا مروّت کے خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: غلا السعر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقالوا: یا رسول الله! قد غلا السعر فسعّر لنا، فقال: "إن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۹، أبواب التجارات، باب من کره أن یسعر، قدیمی)

"من اشتری شیئاً وأغلی في ثمنه، جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۲۱/۳، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولیة، کتاب البیوع، رشیدیه)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (کنز الدقائق، ص: ۲۲۷، کتاب البیوع)

(۲) نفسِ جواز میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن بعض اوقات خریدنے والا، یا بیچنے والا مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے، تو وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے سامنے والے شخص کی مرضی کے مطابق معاملہ کرتا ہے، اور کسی کی ایسی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کے مطابق اس کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ خلافِ مروّت ہو کر ممنوع ہے:

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: "سیأتي علی الناس زمان عضوض یعضّ الموسر علی ما في یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالیٰ ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾ ویباع المضطرّون، وقد نهی النبي صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر .... اهـ". (سنن أبي داؤد: ۱۲۴/۲، باب في بیع المضطر، إمدادیه ملتان)

"أي من لایتعطف علیهم ولا یرأف بهم، والظاهر أنه إخبار، ویحتمل أن یکون دعاء، والمعنی أنه لایکون من الفائزین بالرحمة الکاملة، والسابقین إلی دار الرحمة .... قال الطیبي: الرحمة الثانیة محمولة علی الحقیقة، والأولیٰ علی المجاز؛ لأن الرحمة من الخلق التعطف والرقة، وهو لایجوز علی الله تعالیٰ، والرحمة من الله الرضا عمن رحمه؛ لأن من رق له القلب فقد رضي عنه، أو الإنعام وإرادة الخیر؛ لأن الملک إذا عطف علی رعیته ورق لهم أصابهم بمعروفه وإنعامه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول: ۲۸۰/۸، رشیدیه) .... =

بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف

سوال[۷۷۴۵]: زید کے پاس قصاب کا لڑکا آیا، اس نے گوشت کی قیمت چارروپیہ سیر بتلائی، زید نے کہا کہ تین روپیہ سیر دیں گے، لڑکا جانے لگا، مگر خاموش رہا اور پھر آکر گوشت دیدیا، لڑکا کچھ بولا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر سری پائے دیدیا اور قیمت دوروپیہ بتلایا، زید نے قیمت ۴/ روپیہ بتلائی اس سے زائد نہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ زید نے گوشت کی قیمت ۳/ روپیہ کے حساب سے دیکر بات ختم کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سری پائے کی قیمت تو طے ہوگئی تھی، اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ گوشت کی قیمت زید نے اپنی طرف سے طے کر کے بتادی کہ تین روپیہ سیر، جس پر لڑکا خاموش ہوکر گیا اور گوشت لے آیا، لہذا یہ بیع فاسد نہیں ہوئی (۱)، پھر چارروپیہ سیر کے حساب سے بتانا غلط تھا، تاہم تین روپیہ سیر کے حساب سے دیکر بات ختم کردی گئی تو بہتر ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، ۸۹/۵/۲۵ھ۔

= "عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يرحم الله من لا يرحم الناس". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲۱، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قديمي)

(۱) "رجل ساوم رجلاً بثوب، فقال البائع: أبيعه بخمسة عشر، وقال المشترى: لاآخذه إلابعشرة، فذهب به، ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشرة إن كان المبيع في يد المشترى حين ساومه. وإن كان في يد البائع، فأخذه منه المشترى ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۳، (رقم المادة: ۱۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لو قال: أبيعه بخمسة عشر فقال: لاآخذه إلابعشرة، فذهب ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشر إن كان المبيع في يد المشترى حين ساومه. وإن كان في يدالبائع فأخذه منه المشترى، ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (البحر الرائق: ۴۴۷/۵، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۷/۳، كتاب البيوع، الباب الثانى فيما يرجع إلى انعقاد البيع وفي حكم المقبوض على سوم الشراء، الفصل الأول فيما يرجع إلى انعقاد البيع، رشيديه)

زیادہ بھاؤ پر خریدنا

سوال [۷۷۴۲]: ۱...... گیارہ آدمی ساڑھے اکتالیس من دھان خرید کرلے جارہے ہیں جس کی قیمت گیارہ سو بارہ سو روپے ہوگی۔ جب وہ گیارہ آدمی ہمارے گاؤں پہونچے تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے ان کے تمام دھان بیل کی پیٹھ سے اتارلیا اور کہا کہ بتاؤ تم لوگوں نے تیس روپے من دھان کیوں خریدا، حالانکہ بازار کا بھاؤ اٹھائیس روپے تھا، تم لوگوں نے دو روپیہ زیادہ کردیا، آج چھوڑیں گے نہیں، تمام لوٹ لیں گے۔ سارا دن ان گیارہ آدمی کے اوپر ظلم کیا۔ کیا اس طرح پر شریعت نے جائز رکھا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو اس طرح پریشان کیا جائے؟

۲...... جب لوگوں نے گیارہ آدمیوں کے دھان روک لئے تو مذکورہ عالم صاحب زور سے کہنے لگے کہ ان کے تمام دھان روک لو، کیونکہ انھوں نے بھاؤ زیادہ کردیا۔ کیا شرعاً کوئی ایسا قانون ہے کہ لوگوں کے مال کو غصب کرنے کے لئے حکم دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ سخت ظلم کیا گیا، ظالم کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی ظلم کا وبال بھگتنا پڑتا ہے، اس پر لعنت بھی آتی ہے:

"عن أبي بکر الصدیق رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ملعون من ضارّ مؤمناً أو مکربه، اھ". مشکوۃ شریف، ص: ۴۲۸ (۱)۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، ص: ۴۲۸، باب ما ینهی عنه من التهاجر، والتقاطع واتباع العورات، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۱۱/۵۵۲۵، (رقم الحدیث: ۸۲۰۶، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما، قال: صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم المنبر، فنادیٰ بصوت رفیع، فقال: "یا معشر مَن أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروهم". الحدیث. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الأدب، ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹ قدیمی)

۲......عالم کا منصب یہ تھا کہ مسئلہ صحیح بتا کر ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے، مگر انھوں نے ظالموں کی تائید کی، یہ بہت بڑا ظلم ہے(۱) إنا لله وإنا إليه راجعون۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا

سوال[۷۷۴۷]: ایک شخص نے مرغی پالی ہے، وہ پڑوسیوں کا کافی نقصان کرتی ہے، وہ شخص اس کے انڈے فروخت کرتا ہے۔ اس سے انڈے خرید کر ہم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو ضروری ہے کہ اپنی مرغی کا انتظام کرے جس سے پڑوسیوں کا وہ نقصان نہ کر سکے(۲)، مگر اس کے انڈے خریدنا ناجائز نہیں، بلکہ وہ حلال ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا

سوال[۷۷۴۸]: تاجروں کی عادت ہے جب کسی سے مال خریدتے ہیں تو چونکہ عام طور پر غلہ میں

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن أوس بن شرحبيل أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظالم ليقوّيه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۳۶، كتاب الأدب، باب الظلم، قديمی)

(۲) "الضرر يزال". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الضرر يزال". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، إلا أن تكون تجارةً عن تراضٍ منكم﴾. (سورة النساء: ۲۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (تبيين الحقائق: ۲۷۵/۴، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

مٹی ہوتی ہے، اس لئے اس کے عوض میں ہر ایک من غلہ کے اوپر مثلاً ایک کلو غلہ دوسرے کو فروخت کرتے ہیں تو مٹی کے عوض کچھ بھی نہیں دیتے، بلکہ مشتری اگر مانگتا ہے تو تاجر کہتا ہے کہ یہ تو تاجروں کی عادت ہے، اس لئے مٹی کے عوض میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا تاجروں کا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ناانصافی ہے(۱)، تاہم اگر طرفین اس پر رضامند ہو جائیں تو بیع درست ہو جاوے گی، لعدم المفسد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

درختوں پر پھلوں کی بیع

سوال[۷۷۴۹]: آج کل عموماً پھلوں کی بیع قبل صلاحیتِ خوردگی ہوتی ہے۔ کیا جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کا استعمال کیسا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کافر باغ خرید کر پھلوں کو بیچتا ہے اور مسلمان خرید لے تو جائز ہے اور اس قول کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ چند سال پیشگی باغات کی فروختگی ہو جاتی ہے، یہ مبیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل معلوم ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں کافر سے پھل خرید سکتے ہیں؟

---

(۱) "عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: سیأتي علی الناس زمان عضوض یعض المو سر علی ما في یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالی: ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾". (إعلاء السنن: ۲۰۴/۱۴، کتاب البیوع، باب النهي عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارةً عن تراض منکم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"أما تعریفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع ورکنه وشرطه وحکمه وأنواعه: ۲/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۴۳۰/۵، کتاب البیع، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۲۷۵/۴، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچے پھلوں کی بیع جائز ہے(۱) اور وقوعِ بیع کے بعد اگر مالکِ درخت کی اجازت سے پھل درخت پر رکھے جائیں تو بھی درست ہے(۲)۔ البتہ اگر درمیانِ عقد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی(۳) اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا قبضہ کے بعد مالک ہو جاتا ہے، البتہ اس کا استعمال کرنا مشتری

---

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهة والفساد (أولا، صح)". (النهر الفائق: ۳/۳۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"بيع الثمر على الشجر لايخلو إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز، والثاني جائز بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بني آدم، أوعلف الدواب، أولم يبد؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به في الحال أوفي الزمان الثاني، فصار كمبيع الجحش والمهر". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناء ها في البيع الخ، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها اولم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به في الحال أوفي المآل .... (ويقطعها المشتري للحال)". (مجمع الأنهر: ۳/۲۵، كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا في الدرالمختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "فالحاصل أن إباحة الإبقاء جائز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولم يقيده بأن لايكون هناك عرف، فلاحاجة إلى هذا التقييد عند شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ .... ولذلك قال في العرف الشذي: كنتُ متردداً في هذا، حتى أني وجدت في فتاوىٰ ابن تيمية عن أبي حنيفة والثوري رحمهما الله تعالىٰ أنهما أجازا البيع مطلقاً إذا أجازه البائع الترك على الأشجار، فإذن لما وجدت عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فلا أبالي، فالحاصل: إذا لم يشترط الإبقاء في صلب العقد، يصح البيع وإن كان معروفاً بالمعروف". (تكملة فتح الملهم، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوصلاحها: ۱/۳۹۵، دارالعلوم كراچی)

(۳) چونکہ بیع کی اس صورت نے ایک عمومی مشکل اختیار کی ہے اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے، لہٰذا عمومِ بلویٰ کی =

کو درست نہیں ہے، فسخِ بیع لازم ہے، تاہم اگر مشتری نے کسی اَور کے ہاتھ اس مبیع کو فروخت کردیا تو مشتری ثانی کو اس کا استعمال ہر طرح درست ہے:

"ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها، أو قد بَدَا، جاز البيع؛ لأنه مال متقوم، الخ ....

وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً، أو بشرط القطع. وإن شرط تركها على النخيل، فسد البيع؛ لأنه شرطٌ لايقتضيه العقد. .... لو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". كذافي الهداية: ۱۰/۳(۱)۔

اور مذکورہ تاویل صحیح نہیں، جس طرح بیعِ فاسد سے مسلم کے حق میں مبیع میں خبث ہوتا ہے اسی طرح کافر کے حق میں بھی بیعِ فاسد اور بیعِ باطل کے احکام کے سلسلہ میں کافر اور مسلم دونوں برابر ہیں:

"وأما إسلام المتبايعين، فليس بشرطٍ لجريان الربوا، فيجري الربا بين أهل الذمة وبين المسلم والذمي، وإن حرمة الربوا ثابتة في حقهم". كذافي البدائع: ۲۹۳/۳(۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تتمۂ امداد الفتاوی میں مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۴ھ۔

= بناء پر پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی وجہ سے شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"وإن باع بشرط الترك، لم يصح قياساً عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وصح استحساناً عند محمد رحمه الله تعالىٰ. وفي الأسرار: أن الفتوى على قوله، كذافي الكافي".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۰۶/۳، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(۱) (الهداية: ۳۱/۳، ۳۲، كتاب البيوع، فصل، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جريان الربا: ۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) **سوال:** "باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کرکے بیچ دیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا باقی پر درخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: "في الدرالمختار: وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع، حاوي. وقيل (قائله محمد): لايفسد إذا تناهت الثمرة المتعارف، فكان شرطاً يقتضيه العقد، وبه يفتي، بحر عن الأسرار الخ". في ردالمحتار قبل القول المذكور تحت قوله: (وأفتى الحلواني بالجواز لو =

لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ

سوال [۷۷۵۰]: استفتاء: از منشور احمد اعظمی، سی سی صندوق البرید نمبر۳۴ المطار الظہر ان۔ سعودی عربیہ، ۲۳/ مارچ/ ۸۰ء۔

۱......اسلام میں لونڈی رکھنے کی اجازت ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں، یا وقتی اجازت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی؟

۲......کیا خریدی ہوئی لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز ہے اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟

۳......کیا بچے پیدا ہونے پر وراثت میں حصہ پائیں گے؟

۴......اگر منکوحہ بھی ہو تو کیا لونڈی کے ساتھ جماع جائز ہے؟

۵......اگر کوئی آدمی پچاس ہزار روپے میں لونڈی خریدتا ہے ساری عمر کے لئے، تو ایک طوائف جو پچاس روپیہ یومیہ لیتی ہے کیوں حلال نہیں ہے؟

۶......کیا منکوحہ کے بچے اور لونڈی کے بچے وراثت میں برابر حصہ پائیں گے؟

۷......بغیر نکاح کے لونڈی کیسے حلال ہوگئی، اسے زنا کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟

۸......جس طرح بیک وقت دو یا زائد بیوی رکھنے پر اسلام کہتا ہے کہ مباشرت برابر کی جائے تو کیا منکوحہ اور لونڈی دونوں رہنے پر بھی یکساں مباشرت کی قید ہے؟

= الخارج أکثر) بعد بحث طویل قلت: "لکن یخفی تحق الضرورة فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الأشجار والثمار". إلی أخر ماقال وأطال: ۵۹/۴. فی الدرالمختار: "ولابیع بشرط إلی قوله: ولم یجر العرف به الخ" وفیه: "أو جدی العرف به. إلی قوله: استحساناً للتعامل بلا نکیر". فی ردالمحتار بعد کلام طویل: "ومقتضی هذا أنه لوحدث عرف یؤد فی شرط غیر الشرط فی النعل أو الثبوت والقبقاب أن یکون معتبراً إذا لم یؤد إلی المنازعة، الخ". ص: ۱۸۶-۱۹۰.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہوجاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں"۔ ۲۸/ رمضان/ ۱۳۳۱ھ۔ (إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، بیع فاسد، بیع ثمار بربعض شروط مروجه: ۹۶/۳، دارالعلوم کراچی)

۹.....لونڈی خدمت کے لئے رکھی جاتی ہے، مباشرت حلال کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....شرعی طریقہ پر جہاد کیا جائے اور اس میں دشمن اسلام گرفتار کرکے قیدی بنائے جائیں جن کو امیر المؤمنین غازیوں کے درمیان تقسیم کردے ایسے قیدی مرد ہوں تو غلام کہتے ہیں عورت ہو تو لونڈی کہلاتی ہے(۱)۔ یہ حکم منسوخ نہیں وقتی نہیں جب بھی اللہ پاک مسلمانوں کو ایسی شوکت عطا فرمائے کہ امیر المؤمنین شرعی طریقہ پر جہاد کرے اور اس میں اعداء اسلام گرفتار ہو کر آئیں وہ غلام لونڈی بن جائیں گے(۲)۔

۲.....نمبر:۱، میں جس لونڈی کی تشریح کی گئی ہے اس کی خرید وفروخت درست ہے(۳)۔ اور جب تک اس کی شادی نہ کردی ہو مالک اس سے مباشرت کرسکتا ہے(۴)۔

---

(۱) "الإسلام أباح الاسترقاق بشرط أن يكون في جهاد شرعي ضد الكفار .... وإنما الإمام له في أمرهم خيارات أربعة: إما أن يقتلهم، وإما أن يسترقهم، الخ". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، الرق في الإسلام: ۱/۲۶۴، دارالعلوم كراچی)

"الرق في عرف الفقهاء عبارة عن عجز حكمي شرع في الأصل جزاءً عن الكفر، ويقابله الحرية، والرقيق من يتصف بالرق" (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۳۰۸، الصدف پبلشرز كراچی)

(وكذا في القاموس الفقهي، حرف الراء، ص: ۱۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "فالحق الواضح الصريح أن الاسترقاق مباح في الإسلام بأحكامه وحدوده التي سبقت، لم ينسخه شئ، وفيه الحِكَم التي أسلفنا ها، والقول بنسخه مردود مخالف للإجماع لاحجة له في الأدلة الشرعية". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، رد من زعم أن الاسترقاق منسوخ : ۱/۲۷۲، دارالعلوم كراچی)

(۳) اس لئے کہ یہ مال ہے: "وركن البيع مبادلة المال بالمال". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۷، غفاريه كوئٹه)

(راجع للتفصيل الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، رشيديه)

(۴) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

۳...... مالک نے جب شرعی لونڈی سے مباشرت کی اور اس سے بچے پیدا ہوئے وہ بچے مالک کے بیٹے ہوں گے، مالک ان کا باپ ہوگا مگر وہ بیٹے آزاد ہوں گے، ان کو وراثت ملے گی (۱)۔

۴...... ایک شخص کے نکاح میں بیوی موجود ہے وہ کسی لونڈی کا مالک ہو جاوے تو اس کو اس لونڈی سے مباشرت درست ہے (۲)۔ جب تک اس کا نکاح کسی سے نہ کردے (۳)۔

۵...... طوائف کسی کی مِلک نہیں وہ اپنے عضو سے کسی شخص کو پچاس روپیہ میں نفع اٹھانے کی اجازت دے تو یہ اجارہ ہوا جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اپنے عضو کو اجارہ پہ دینے کا حق نہیں ہے (۴)۔ لونڈی مملوک

---

(۱) وراثت میں ان کو حصہ اس لئے ملتا ہے کہ یہ آزاد ہیں، لہٰذا دوسرے آزاد اولاد کو جو حصہ ملے گا، وہی ان کو بھی ملے گا:

"ولم يكره استيلاد الأمة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً" (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ۲/ ۲۴۱، قديمي)

"أقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/ ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۶/ ۷۷۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذی، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهی حامل: ۱/ ۲۱۴، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمي)

"من ملك استمتاع أمة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/ ۳۷۴، سعيد)

(۴) قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

"المعنى: مهر الزانية خبيث: أي حرام إجماعاً؛ لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، ووسيلة الحرام حرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع: ۶/ ۱۲، رشيديه) ....=

ہے، مالک کی شریعت نے مالک کو اس سے انتفاع کی اجازت دی ہے(۱)۔ ہاں اگر مالک اس کا نکاح کسی سے کردے تو مالک کو اس سے انتفاع کا حق نہیں رہا(۲)۔

۶..... بیٹا ہونے میں جب برابر ہیں کہ دونوں قسم کی اولاد ایک شخص سے شرعی طریقہ پر پیدا ہوئی ہے تو ان دونوں قسم کی اولاد کا وہ باپ ہے اس لئے وراثت بھی برابر ملے گی (۳)۔

۷..... اس لئے کہ قرآن کریم نے اس کو حلال قرار دیا ہے: ﴿أو ماملكت أيمانكم﴾ (٤) اور زنا کو حرام قرار دیا ہے: ﴿ولا تقربوا الزنا﴾ (۵)۔

= راجع للتفصيل (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الإستيجار على المعاصي: ٦/٥٥، سعيد)

(١) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ٥)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ٣)

(٢) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهي حامل: ١/٢١٤، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ٢٩٠، قديمي)

"من ملك استمتاع أمَة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ٦/٣٧٤، سعيد)

(٣) "ولم يكره استيلاد الأمَة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ٢/٢٤١، قديمي)

"أقرب العصبات الإبن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ٦/٤٥١، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ٦/٧٧٤، سعيد)

(٤) (راجع رقم الحاشية: ١)

(٥) (سورة الإسراء: ٣٢)

۸......نہیں (۱)۔

۹......مباشرت کے حلال ہونے کی وجہ اوپر بیان ہوچکی ہے (۲) مالک کو اختیار ہے کہ صرف خدمت لے یا مباشرت بھی کرے اس کا نکاح جب کسی سے کردے گا تو مالک کو اس سے مباشرت درست نہ ہوگی (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

بھیک کے مال کی فروختگی

سوال [۷۷۵۱]: جو لوگ سوال کرتے ہیں یعنی بھیک مانگتے ہیں اور اس غلہ کو دوکانوں پر فروخت کرتے ہیں، تو وہ غلہ دوکاندار کو خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نے بھیک مانگ کر جو غلہ جمع کیا ہے، وہ اس کا مالک ہوگیا، جب دوکان پر لے جاکر فروخت

(۱) "إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما، فإنه يفهم أنه لايجب بين الحرة والأمة".
(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۱/۳، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الحادى عشر في القسم: ۳۴۰/۱، رشيديه)
(وكذا في فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في القسم: ۴۳۹/۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالى: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهى حامل: ۲۱۴/۱، سعيد)
(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمى)

"من ملك استمتاع أمة .... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه في الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۳۷۴/۶، سعيد)

کرتا ہے تو دوکاندار کو اس کا خریدنا درست ہے(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢/٣/٨٩ھ۔

مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا

سوال[٧٧٥٢]: مردار جانور کا چمڑا پہلے چمار نکالتے تھے، مگر اب نہیں نکالتے۔ تو کیا خود چمڑا نکال کر کارآمد یا فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گائے بھینس مردار کا چمڑا اس کے بدن سے چھڑانا شرعاً درست ہے۔ نیز اس کو دباغت دے کر خواہ پکا کر یا نمک وغیرہ کے ذریعہ اصلاح کر کے فروخت کرنا درست ہے(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٠/٩/٨٧ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٠/٩/٨٧ھ۔

ایضاً

سوال[٧٧٥٣]: حلال مردار جانور جیسے: گائے، بھینس، بکری، مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ یا گیڈر

---

(١) "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع، أنواع أربعة: ٥٠٥/٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ٤٣٣/٥، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه: ٥٦٤/٦، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض. ولو بالثمن، فباطل. وبعده: أى الدبغ يباع، إلاجلد إنسان وخنزير وحية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٧٣/٥، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فماكانت مذبوحةً أومدبوغةً، جاز بيعها، وماكان بخلافه، لم يجز. وهذا بناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلاجلد الإنسان والخنزير. وإذا طهرت بالدباغ أو بالذكاة، جاز الانتفاع به، ويكون محلاً للبيع". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ٣٠٢/٧، في بيع المحرمات، غفاريه كوئته)

وغیرہ کی کھال اتار کر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ جواب اگر اثبات میں ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ جانور مرجائیں تو ان کی کھال اتار کر دباغت دے کر فروخت کرنا درست ہے: "کل إهاب دبغ فقد طهر". کذافی کتب الفقه من الهداية وغيره(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۵ھ۔

دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۵۴]: میں بھینسوں کا بیوپار کرتا ہوں اور کئی پال(۲) بھینس مر بھی جاتی ہیں۔ تو ان مری ہوئی بھینسوں کے چمڑے کی قیمت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ چمڑے کی قیمت نہیں لینی چاہیے، اگر قیمت نہ لوں تو میرا کافی نقصان ہوتا ہے۔

مولوی محمد عثمان صاحب بدرگڈھ پالن پور گجرات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مولوی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ مردار چمڑے کی فروخت جائز نہیں، البتہ اس کو اگر نمک وغیرہ

---

(۱) (الهداية: ۱/۴۰، باب الماء الذى يجوز به الوضوء، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها". (المحيط البرهانى فى الفقة النعمانى: ۳۰۲/۷، فى بيع المحرمات، غفاريه كوئته)

"فجاز بيعه. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدباغ، حتى يجوز بيعها". (تبيين الحقائق: ۳۷۸/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وقيد بالميتة؛ لأن جلد المذكاة يجوز بيعه قبل الدباغة. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدبغ، فيجوز بيعها". (البحر الرائق: ۱۳۳/۶، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "پال لینا: پرورش کرنا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۶۲، فيروز سنز، لاهور)

لگا کر دباغت دے لیں تو گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو پھر اس کو فروخت کرنا، قیمت وصول کرنا شرعاً درست ہو جائے گا، هکذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۶ھ۔

سانپ کی کھال کی بیع

سوال [۷۷۵۵]: ہمارے یہاں سانپ کے چمڑے کی تجارت ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ غیر مسلم قوم سانپ کو زندہ پکڑتی ہے اور سانپ کو بیہوش کر کے اس کا چمڑا نکال لیتی ہے اور مسلمان کچے چمڑے خریدتے ہیں اور دباغت کے بعد فروخت کرتے ہیں۔ تو یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سانپ کا کچا چمڑا دباغت سے قبل خریدنا و بیچنا درست نہیں، دباغت کے بعد خریدا و بیچا جاوے:

"إذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم.........اه. فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". كذا في الهداية: ۳۳/۳(۲)۔ والصحيح أنه بيع كل شئ ينتفع

---

(۱) "جلد ميتة قبل الدبغ ولو بالعرض بالثمن فباطل، وبعده: أى الدبغ يباع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۷۳/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وجلد الميتة قبل الدبغ: أى لم يجز بيعه .... وبعده يباع". (البحر الرائق: ۱۳۳/۲، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وبيع جلود الميتات باطل إذا لم تكن مذبوحةً أو مد بوغةً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳۳/۲، كتاب البيوع، فصل فى البيع الفاسد، رشيديه)

"وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مدبوغاً أو مذبوحاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به شرعا، فكان مالاً. وإن لم يكن مد بوغاً ولامذبوحاً، لاينعقد بيعه". (بدائع الصنائع: ۵۵۴/۲، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الهداية: ۴۹/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

به، كذا في التتارخانية، وكذا في الفتاوىٰ الهنديه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا

سوال[۷۷۵۶]: انسان کا بول وبراز جو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں مٹی ملا کر کھاد بنادیتے ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، خالص بول وبراز کی بیع مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/ ۹۶ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات، رشيديه)

"وأما جلود السباع والحمر والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها، وما لافلا. وهذا بناء على أن الجلود تطهر بالذكاة أو بالدباغ، إلا جلد الإنسان والخنزير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس، رشيديه)

"وإن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز، وإلافلا". (ردالمحتار: ۶۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القرمز، سعيد)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ): أي لم يجز بيعه (وبعده يباع وينتفع به)". (البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "(كره بيع العذرة) رجيع الآدمي خالصة لا يكره، بل يصح بيع السرقين: أي الزبل، خلافاً للشافعي. وصح بيعها مخلوطةً بتراب أو رماد غلب عليها في الصحيح". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۸۵/۶، =

گوبر کی بیع

سوال[۷۷۵۷]: گوبر کی کھاد بیچنا اور خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گوبر جب مٹی بن جائے تو اس کا خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= کتاب الخطر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

"ویکره بیع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً برماد أو تراب". (مجمع الأنهر: ۴/۱۱۱، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، غفاریه کوئٹه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۳۶۵/۸، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، رشیدیه)

(وكذا فی تبیین الحقائق: ۵۷/۷، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) گوبر (جانوروں کا فضلہ) کی مٹی بن جانے سے پہلے بھی خرید وفروخت جائز ہے:

"ویجوز بیع السرقین والبعر، والانتفاع بها. وأما العذرة، فلایجوز الانتفاع بها مالم یخلط بالتراب، ویکون التراب غالباً، وهذا لأن محلیّة البیع بالمالیة، والمالیة بالانتفاع، والناس اعتادوا الانتفاع بالبعر والسرقین من حیث الإلقاء فی الأرض لکثرة الریع". (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۳۰۲/۷، کتاب البیع فی بیع المحرمات، غفاریه کوئٹة)

"ویکره بیع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً، وجاز بیع السرقین مطلقاً فی الصحیح عندنا، لکونه مالاً منتفعاً به لتقویة الأرض فی الإنبات". (مجمع الأنهر: ۲۱۱/۳، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، غفاریه کوئٹه)

"کره بیع العذرة لاالسرقین؛ لأن المسلمین یتموّلون السرقین، وانتفعوا به فی سائر البلاد والأمصار من غیر نکیر، فإنهم یُلقونه فی الأراضی لاستکثار الریع". (البحر الرائق: ۳۶۵/۸، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، کوئٹه)

"قال الإتقانی: ولنا أن السرقین مال، فجاز بیعه کسائر الأموال". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۵۷/۷، کتاب الکراهیة، دارالکتب العلمیة بیروت)

اسپرٹ کی تجارت

سوال[۷۷۵۸]: اسپرٹ کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اس کو بعض لوگ پینے کے لئے بھی لے جاتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے، ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تجارت حرام نہیں (۱)، جو لوگ آپ کے علم میں پینے کے لئے خریدتے ہیں اور اس سے نشہ ہوتا ہے ان کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۸ھ۔

بیع اسٹامپ

سوال[۷۷۵۹]: ا.....کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فری اسٹامپ (۲) جو تمسک بیعنا مہ وہبہ

---

(۱) "إن بيع العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد لأجل التخمير، حرم".
(شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۹۷، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، إدارة القرآن كراچی)

"والضابط عندهم أن كل مافيه منفعةٌ تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الأول: عقد البيع، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد: ۵/۳۴۳۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، سعيد)

"وإنما نبّهتُ على هذا؛ لأن "الكوحل" المسكرة (ALCOHALS) اليوم صارت تستعمل في معظم الأدوية، ولأغراض كيمياوية أخرىٰ، ولا تستغنى عنها كثير من الصناعات الحديثة، وقد عمت بها البلوى، واشتدت إليها الحاجة، والحكم فيها على قول أبي حنيفة سهل.......... فالحاصل أن هذه الكوحل لولم تكن مصنوعةً من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاقٍ بين أبي حنيفة وصاحبيه. وإن كانت مصنوعةً من التمر أو من المطبوخ من عصير العنب، فكذلك عند أبي حنيفة، خلافاً لصاحبيه. ولو كانت مصنوعةً من العنب النيئ، فبيعها حرام عندهم جميعاً. والظاهر أن معظم الكوحل لاتصنع من عنب ولا تمر، فينبغي أن يجوز بيعها لأغراض مشروعة في قول علماء الحنفية جميعاً". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: ۱/۵۵۱، دارالعلوم كراچی)

(۲) "فری اسٹامپ: فری، آزاد، بلا قیمت، مفت"۔ (فيروز اللغات، ص: ۹۳۱، فيروز سنز، لاهور)

نامہ، وکرایہ نامہ، رہن نامہ، ضمانت نامہ، مختارنامۂ عام، مختارنامۂ خاص وغیرہ۔

۲......کورٹ فیس جس کے ذریعہ نالش (۱) دائر کی جاتی ہے۔ اس سب اسٹامپ کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۲،۱......جائز ہے جیسا کہ تتمۂ امدادالفتاوی (حوادث فتاوی) میں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

جوتاجرزکوۃ نہ دیتاہواس سے مکان خریدنا

سوال [۷۷۶۰]: ان اطراف میں مسلمان تاجر اکثر زکوۃ نہیں دیتے اور ان کے معاملات صاف

= ''اسٹامپ: مہر، چھاپ، دستاویز لکھنے کا سرکاری کاغذ جس پر سکہ مع قیمت چھپا ہوتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳، فیروز سنز، لاهور)

(۱) ''نالش: دعویٰ واپس لینے کی غرض''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۷۵، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''کاغذات اسٹامپ میں دو مقام میں کلام ہے: ایک یہ کہ فی نفسہ لیسنس دارکو ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں، اور دوسرے یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جو ان پر سودی مضمون لکھے گا۔ آپ نے امر ثانی کو پوچھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بیع ناجائز نہیں ہوتی ہے، اور چونکہ لکھنا باختیار کاتب ہوگا اس لئے کاغذ بیچنے والا معین نہ کہا جاوے گا''۔ (إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، جائز وناجائز، یا مکروہ معاملات کی بیع، تحت عنوان: ''اسٹامپ کی بیع'': ۱۱۲/۳، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(وكذا في عطر هدايه، ص: ۱۴۵، زمزم پبلشرز)

"هو (أي البيع) مبادلة شيء مرغوب فيه، مثله على وجه مفيد مخصوص". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴، سعيد)

"البيع مبادلة مال بمال .... والمراد بالمال عين يجري فيه التنافس والابتذال ....

وحينئذٍ فالمال يثبت بالتمول: أي بادخار كل الناس أو بعضهم، فإن أبيح الانتفاع به شرعاً فتقوم".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"المالية تثبت بتمول الناس كافةً أو بعضهم". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۱۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳۴۵/۴، الفصل الأول: عقد البيع)

نہیں رہتے۔ ایسے تاجر سے کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ خریدنا بہتر ہے یا ہندو سے خریدنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان سے خریدنا بہتر ہے(١)، جب تک متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام شے فروخت کر رہا ہے(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) افضل تو یہ ہے کہ مسلمان ہی سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے، البتہ اگر کافر اصلی سے حلال اشیاء کی خرید وفروخت کی جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں:

قال العلامة الكاساني: "ولا بأس بعمل الثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك إليهم، لانعدام معنى الإمداد والإعانة .... إلا أن الترك أفضل؛ لأنهم يستخفون بالمسلمين ويدعونهم إلى ماهم عليه". (بدائع الصنائع: ٩/٢٠٢، كتاب السير، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويتعين أن لا يشترى المسلم الدقيق من طواحين أهل الكتاب، ولا يطحن عندهم، لوجوه: أحدها ما تقدم من أنه يعين أهل الكفر بذلك. الثاني: أنه يترك إعانة إخوانه المسلمين". (المدخل لابن أمير حاج: ٤/١٧٤، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في جواهر الفقه، باب: شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات: تحت عنوان: معاملات کفار میں تعلیمات: ٢/١٨٣، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(٢) قال العلامة الطحطاوي: "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها في الأسواق، فإنه لاينبغي شراء ها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٤/١٩٢، دارالمعرفة، بيروت)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٥/٣٤٢، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ٤/١٨٦، غفاريه كوئٹه)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

خنزیر کی بیع

سوال[۷۷۶۱]: ایک مسلم شخص کو جنگل میں ایک زخمی سور مل گیا ہے، وہ اس کو روپے میں فروخت کرتا ہے۔ کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

خنزیر نجس العین (۱) اور قطعی حرام ہے (۲)، اس کو فروخت کرنا بیعِ باطل ہے، ہرگز جائز نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۱۰ھ۔

---

(۱) "بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين؛ إذ الهاء في قوله تعالىٰ: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به: ۱/۴۱، شركت علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة: ۳)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وبطل مال غير متقوم: أي غير مباح الانتفاع به وخنزير وميتة". (الدرالمختار: ۵/۵۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لم يجز بيع [الميتة] والدم والخنزير والخمر والحُرّ وأم الولد والمدبر والمكاتب، لعدم ركن البيع، وهو مبادلة المال بالمال، وبيع هذه الأشياء باطل". (تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب =

خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع

سوال[۷۷٦٢]: آج کل جوتا وغیرہ صاف کرنے کے جو برش آتے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں خالص خنزیر کے بال ہوتے ہیں۔ چونکہ ان برشوں میں علاوہ ان بالوں کے لکڑی وغیرہ بھی ہوتی ہے، اس بناء پر بھی بیع وشراء کی کسی درجہ میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

لکڑی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے اس کی خریداری اصالۃً مقصود نہیں ہوتی ہے، وہ تابع ہوتی ہے، اس لئے لکڑی وغیرہ کی وجہ سے خنزیر کے بالوں کی بیع کی اجازت نہیں دی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۵ھ۔

= البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وکذا یبطل بیع مال غیر متقوم کالخمر، والخنزیر بالثمن". (مجمع الأنهر: ۷۸/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۷۸/۳، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۱٦/٦، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱۱٦/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات، رشیدیه)

(۱) "ولایجوز بیع شعر الخنزیر؛ لأنه محرم، فیبطل، لنجاسته". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ۸۵/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

"وشعر الخنزیر، ینتفع به للخرز: أی لایجوز بیع شعره، ویجوز الانتفاع به، للخرز؛ لأنه نجس العین". (کنز الدقائق). "(وشعر الخنزیر): أی لم یجز بیعه إهانةً له، لکونه نجس العین کأصله". (البحرالرائق: ۱۳۲/٦، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

"وشعر الخنزیر لنجاسة عینه: أی عین الخنزیر بجمیع أجزائه، فیبطل بیعه". (ردالمحتار: ۷۱/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

چڑھاوا کی بیع

سوال[۷۷۶۳] : ۱...... جو ہندو لوگ رام کے نام پر برہمنوں کو پن کرتے ہیں (۱) اور خیرات کرتے ہیں، کپڑا یا جانور دیتے ہیں۔ تو وہ جانور یا کپڑا مسلمانوں کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... جو مسلمان لوگ یا ہندو لوگ چڑھاوا چڑھاتے ہیں یعنی مسلمان پیر کے نام پر کپڑا یا جانور چڑھاتے ہیں، تو اس چیز کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۳...... جو ہندو لوگ دیوی یا بت کے نام پر جانور یا کپڑا چڑھاتے ہیں تو یہ مسلمان کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جائز ہے (۲)۔

---

(۱) ''پن: خیرات، صدقہ، دان، عطا، کارِ خیر، نیک کام''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) **سوال**: ''سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہٰذا مفصل تحریر فرمایئے، اور تفسیر احمدی ملا جیون ؒ ملاحظہ فرمالیجئے، اور ﴿ماجعل الله من بحيرة ولاسائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے''؟

جواب: ''اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کر دیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: ''هذا عقيقة فلان'' یہ بلا شبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکم وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کر دیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجب ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابل اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیت بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فسادِ نیتِ مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب وسرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیت فاسدہ سے توبہ کرلی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع =

۲......وہ بکرا یا کپڑا وغیرہ اس چڑھانے والی کی ملک ہے، کسی دوسرے کی ملک میں داخل نہیں ہوا(۱)، پس اگر اصل مالک سے خریدے، تو درست ہے(۲) اور کسی دوسرے فقیر وغیرہ سے جو کہ چڑھوائے اس کا خریدنا درست نہیں۔ اصل مالک اس کے متعلق نیت فاسد کر چکا ہے، اس سے توبہ ضروری ہے(۳)۔

= علة النهي. اور ﴿ما جعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم"۔ (إمداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاوى، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/۱۵، سعيد)

(۱) "في الصيد أنه لايملكه إذا لم يحه، وكذا في الدابة إذا سيبها، كمابسطه الشرنبلالي". (الدر المختار: ۶/۴۷۷، كتاب الصيد، قبيل كتاب الرهن، سعيد)

"ولقائل أن يقول: يستدل بالآية على نظير ذلك، وهو مايُلقى في الأنهار والطريق وقرب الأشجار من طرح البيض والفراريج ونحو ذلك، فلايجوز فعله، ولايزول ملك المالك". (تفسير القاسمي: ۴/۴۰۴، سورة المائدة: ۱۰۳)

(۲) "يشرط لنفاذ البيع أن يكون البائع مالكاً للمبيع، أووكيلاً لمالكه". (شرح المجلة لسليم رستم، باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه............اهـ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۳۳، كتاب البيوع رشيديه)

(۳) "ولايجوز لخادم الشيخ اخذه ولا أكله ولاالتصرف فيه بوجهٍ من الوجوه، إلا أن يكون فقيراً، أوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرّون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتداة وأخذه أيضاً مكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله، وصرفه إلى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ". (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۷۱، كتاب الصوم، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲، كتاب الصوم، فصل في النذر، إمداديه ملتان)

۴..... جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۹ھ۔

نمبرا، میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ توبہ سے قبل بھی خریدنا جائز نہیں، بعد توبہ خرید سکتا ہے، هكذا في حواشي الدرر۔

باقی جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہٰذا۔

چڑھاوے کے بکرے کی بیع

سوال [۷۷۶۴]: دریائے گنگا کو ہندو دیوتا مانتے ہیں اور ہندو عورتیں اس سے اولاد کی مرادیں مانگتی ہیں، اولاد ہونے پر عورتیں بکری کا بچہ لے کر بال منڈوانے کی غرض سے گنگا کے کنارے جاتی ہیں جہاں بچہ کا سر منڈاتی ہیں اور بکری کے بچہ بطور چڑھاوے، یا دان (۱) کے زندہ پانی میں ڈال دیتی ہیں۔ گھاٹ کے ٹھیکدار بکری کو پانی سے نکال لیتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں جسے ہندو مسلمان سب ہی خریدتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے لئے اس کی خرید وفروخت اور ذبح کر کے کھانا جائز وحلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، انجمن امداد المسلمین، قصبہ ضلع باڑہ، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دیا گیا اور چڑھاوے کے طور پر چڑھا دیا گیا، وہ بالکل مردار اور میتۃ کے حکم میں ہے، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور ذبح کر کے کھانا سب حرام ہے (۲)۔ اس کی تفصیل اور دلیل

---

(۱) "دان: نذر، خیرات"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام".

(الدر المختار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

"وكذا مايقع من المعتقدين للأموات من الذبح على قبورهم، فإنه ما أهل به لغير الله، ولا فرق بينه وبين الذبح للوثن". (فتح القدير للشوكاني: ۱/۱۷۰، مصر)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبيحةً، وقصد بذبحها التقربَ إلى غير الله، صار مرتداً، =

مطلوب ہوتو فتاوی عزیزیہ:۱/۲۲، دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولی/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

= وذبيحته ذبيحة مرتد". (تفسير النيشابوري على هامش تفسير الطبري: ۲/۱۲۰، دار المعرفة بيروت)

"لو أن مسلماً ذبح، وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد".

(التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي: ۵/۱۱، طهران)

سوال: "سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہٰذا مفصل تحریر فرمائیے، اور تفسیر احمدی ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمالیجئے، اور ﴿ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کردیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب ورضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: "هذا عقيقة فلان" یہ بلاشبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکم وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کردیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجب ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فساد نیت قابل اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیت بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فساد نیت مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیت فاسد سے توبہ کرلی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع علة النهي. اور ﴿ماجعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاویٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/۵۱، سعيد)

(۱) (فتاوی عزیزی، مسائل حج، عنوان: معنی آیت وما أهل لغير الله، ص: ۵۰۷، سعيد)

آزاد عورت کی بیع

سوال[۷۷۶۵]: عورت کے وارث کو روپیہ دے کر نکاح کرنا، یعنی عورت کی خرید کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرہ عورت کی خرید وفروخت حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرہ کی بیع پر ایک قیاس

سوال[۷۷۶۶]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زرخرید عورت بغیر نکاح کے رکھنا درست ہے، اگر درست ہے تو پھر بازار کی طوائف عورت بھی درست ہونا چاہئے، کیونکہ اس کو بھی انسان دس منٹ کے لئے خریدتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی طریقہ پر جب جہاد کیا جائے، اس میں جو عورتیں گرفتار کر کے لائیں جائیں اور امیر المومنین ان کو غازیوں میں تقسیم کرے تو وہ شرعی باندی ہوتی ہیں (۲)، جس کی ملک میں شرعی طریقہ سے آجائیں اس کو

(۱) "عن سعيد بن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "قال الله تعالى: (ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعط أجره)". (صحيح البخاري: ۲۹۷/۱، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً، قديمي)

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر والبيع". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۰/۵-۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۱۵/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحر: ۱۱۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶۲/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۱۲/۶، كتاب البيع، باب خيار العيب، رشيديه)

(۲) "ما فتح الإمام عنوةً قسّمه بين المسلمين: أي الفاتحين، كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر، فحينئذ يكون نفس البلاد عشرية، وفيه أشعار بأنه يسرّق نساء هم، وذراريهم". (مجمع الأنهر: =

بلانکاح استعمال کرنے کا حق ہے(۱)، آج ایسی باندیاں موجود نہیں، نہ اسلامی طریقہ پر جہاد ہے۔ بازار سے کسی حرہ عورت کو خریدنا(۲) اور بلانکاح اس کو استعمال کرنا حرام ہے(۳)۔ اور دس منٹ کے لئے خریدنا، خریدنا نہیں

= ۴۲۱/۲، کتاب السیر والجهاد، باب الغنائم وقسمتها، غفاریه کوئٹه)

"وإن ظهر المسلمون عليهم، فلم يسلّموا، فالإمام بالخيار إن شاء استرقّهم وقسمهم وأموالهم بين الغانمين" (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۵/۲، الفصل الأول في الغنائم، رشيديه)

"مافتح الإمام عنوةً .... يعني: إذا فتح الإمام بلدةً قهراً، فهو بالخيار: إن شاء قسّمها بين الغانمين". (تبيين الحقائق). قال العلامة الشلبي: "(قوله: إن شاء، قسّمها بين الغانمين): أي مع رؤوس أهلها استرقاقاً، وأموالهم". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها: ۹۶/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على أزواجهم أوماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾ (المومنون: ۶)

"إعلم أن الفرج لايحل إلامن وجهين لاثالث لهما، وهما: النكاح، والملك، لقوله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلاعلى أزواجهم أو ماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾. (النتف في الفتاوى، ص: ۱۶۳، كتاب النكاح، سعيد)

(۲) "عن سعيد بن أبي سعيد، عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: قال الله تعالىٰ: ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفىٰ منه ولم يعط أجره". (صحيح البخاری، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً: ۲۹۷/۱، قديمی)

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحر: ۱۱۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) آزاد عورت کو خرید کر بغیر نکاح اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا ہے اور زنا نصِ قرآنی سے حرام ہے، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

بلکہ حرامکاری کر کے منہ کالا کرنا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۹ھ۔

بیوی کو بیچنا

سوال[۷۷۶۷]: جو اپنی بیوی کو بیچتا ہے اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ اور بائع سے پھر روپیہ واپس لے لیں، اب اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ اور محلہ دار جو زور دے کے اسے روپیہ دلواتے ہوں تو ان کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بیوی کو بیچنا حرام ہے(۲)، بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں گنہگار ہیں، روپیہ واپس کرنا فرض ہے، خریدنے سے اس سے جماع حلال نہ ہوگا، بلکہ وہ زنا ہوگا، لہذا بیوی جس کی ہے اس کو واپس کردی جائے اور روپیہ جس کا ہے واپس کردیا جائے(۳)۔

---

(۱) "عن علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن متعة النساء". الحدیث. (جامع الترمذی: ۲۱۳/۱، أبواب النکاح، باب ماجاء فی نکاح المتعة، سعید)

"عن ربیع بن سبرة عن أبیه رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرّم متعة النساء". (سنن أبی داؤد: ۲۹۰/۱، کتاب النکاح، باب فی نکاح المتعة، مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۲) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "قال اللہ تعالی: (ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استاجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعط أجره". (صحیح البخاری: ۲۹۷/۱، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراً، قدیمی)

(۳) "قبض المشتری المبیع بیعاً باطلاً بإذن مالکه، لایملکه، وهو أمانة فی یده عند البعض، ومضمون عند البعض". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۹۴/۳، کتاب البیوع، غفاریہ کوئٹہ)

"والبیع الباطل حکمه عدم ملک المشتری إیاه إذا قبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"البیع الباطل لایفید الحکم أصلاً، فإذا قبض المشتری المبیع بإذن البائع فی البیع الباطل، کان المبیع أمانةً عند المشتری، فلو هلک بلاتعد، لایضمنه". (شرح المجلة، لسلیم رستم باز، ص: ۲۰۷، (رقم المادة: ۳۷۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

محلہ والوں کو حرام کام کی امداد کرنا حرام ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا

سوال [۷۷۶۸]: مردہ جانور کی گیلی کھال بکرا، یا بھیڑ کی جو چمار لوگ نکال کر لاتے ہیں جو گیلی ہوتی ہے، وہ کھال مسلمان خرید کر اس پر نمک وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نمک لگانا اپنے ہاتھ سے کیسا ہے، اور کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی گیلی کھال بغیر دباغت دیئے ناپاک اور حرام ہے، اس کو خریدنا بھی حرام ہے، یہ بیع باطل ہے، دباغت کے بعد وہ پاک ہوجائے گی، اور خرید وفروخت بھی درست ہوگی (۲)۔ اولاً چمار وغیرہ سے نمک وغیرہ لگوا کر اس کو دباغت دے لیا جائے، پھر اس کو خریدا جائے (۳)۔ مردار کی گیلی کھال کو ہاتھ لگا کر دباغت دینا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فيعم النهي كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني، سورة المائدة، (رقم الآية: ۲) : ۶/۵۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وجلد الميتة قبل الدبغ: أي لم يجز بيعه؛ لأنه غير منتفع به، قال عليه السلام: "لاتنتفعوا من الميتة بإهاب" .... وبعده يباع وينتفع به". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۳) "ولابيع جلود الميتة قبل أن تدبغ؛ لأنه غير منتفع، ولابأس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ". (الهداية: ۳/۵۸، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

"لايجوز بيع جلود الميتة قبل الدباغ؛ لأنها غير منتفع بها، وليست بمال، لنجاستها، فيبطل، بخلاف الثوب والدهن المتنجس، فإنهاعارضة. ويجوز بيعها بعده: أي بعد الدباغ". (مجمع الأنهر: ۳/۸۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶، كتاب البيوع، الباب السابع في خيار الرؤية، الفصل الخامس، رشيديه)=

جائز ہے، ہاتھ ناپاک ہونے پر ہاتھ پاک کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/ ۸۵ھ۔

خون کی بیع وشراء

سوال[۷۷۶۹]: ایک تندرست آدمی اپنا خون بینک میں جمع کرواسکتا ہے یانہیں، یا اگر کسی کی جان خطرہ میں ہو تو اپنا خون دے سکتے ہیں یانہیں؟

غلام صابر، لندن انگلینڈ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون کی خرید وفروخت جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے(۱)۔ اگر ایسی حالت ہو کہ جان بچنے کی کوئی صورت

=(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "بطل بيع ماليس بمال كالدم المسفوح، فجاز بيع كبد وطحال". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۱، سعيد)

"وإذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم .... فنقول: البيع بالميتة والدم باطل، وكذا الحر، لانعدام الركن وهو مبادلة المال بالمال، فإن هذه الأشياء لاتُعد مالاً عند أحد". (الهداية: ۳/۵۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

"بيع الخمر والميتة والدم وذبيحة المجوسي.......... باطل". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۱۳۳، فصل في البيع الباطل، رشيديه)

"وبيع ماليس بمال، والبيع به باطل كالدم والميتة والحر". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۷۷، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۵۴۹، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۳۶۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۱۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

نہ ہوتو مجبوراً بقدرِ ضرورت خون کا ایثار کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۵ھ۔

شراب وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۷۰]: ایک مسلم، غیر مسلم کے ذریعہ شراب کی تجارت کرتا ہے اور شراب خود بناتا ہے اور سُلفا، افیون کی تجارت بھی کرتا ہے(۲)۔ اس کی شریعت مطہرہ میں جواز کی کیا صورت ہے؟

---

(۱) عورت کا دودھ پینا حرام ہے، لیکن تداوی کے لئے ضرورۃً اس کا پینا جائز ہے، اس طرح اگر خون سے کسی کی جان بظاہر بچنے کی امید ہوتو اس کی بھی گنجائش ہے: "ولا بأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل، ولو أدى إلى قتله". (الأشباه والنظائر: ۲۷۵/۱، ۲۷۶، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"جان بچانے کے لئے مجبوری واضطرار کی صورت میں انسانی خون کو استعمال کر لینے کی اور اس کا انجکشن لگا دینے کی تداوی بالمحرم کے قاعدہ کے مطابق شرعاً گنجائش ہے، مگر اس گنجائش کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خون مباح الاصل ہوگیا، یا مطلقاً جائز الاستعمال ہوگیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعفِ بشری اور معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے بطور مراحم خسروانہ اس استعمال پر آخرت میں مواخذہ یا گرفت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والے عنداللہ گنہگار شمار نہ ہوں گے، بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ ہوگا ....

اھ"۔(نظام الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، خون اور انسانی اعضاء کو طبی اغراض کے لئے استعمال کرنے کا حکم: ۳۵۶/۱، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۰۵/۸، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ حقانيه، كتاب الكراهية والإباحة، باب التداوي، بیمار کو خون دینے کا حکم: ۴۰۰/۲، جامعه دارالعلوم حقانيه نوشهره)

(۲) "سُلفا: ایک دفعہ چلم بھرنے کے قابل تمباکو، یا چرس"۔(فيروز اللغات، ص: ۸۰۶، فيروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب کی بیع جائز نہیں (۱)۔ کتب فقہ: بحر وغیرہ میں تصریح ہے (۲) سلفہ، افیون وغیرہ کی تجارت بھی منع ومکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

(۱) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۰۴، باب حرمة بيع الخمر، إدارة القرآن كراچی)

"قال عطاء بن أبي رباح: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح وهو بمكة: "إن الله ورسوله حرّم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۷، باب مالايحل بيعه، قديمی)

"عن عائشه رضي الله تعالیٰ عنها قالت: لمانزلت ايات الربوا، قام رسول صلى الله عليه وسلم على المنبر، فتلاهنّ على الناس، ثم حرم التجارة في الخمر". (سنن النسائی، ص: ۲/۲۳۰، بيع الخمر، قديمی)

"قال ابن عباس: إن رجلاً أهدى لرسول الله صلى الله عليه وسلم راوية فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل علمت أن الله تعالى قد حرمها"؟ قال: لا، فسارّ إنساناً، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بم ساررته"؟ فقال: أمرته ببيعها، فقال: "إن الذى حرم شربها، حرم بيعها". (الصحيح لـ سلم: ۲/۲۲، كتاب المساقات والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر، قديمی)

(۲) "لم يجز بيع الميتة والدم والخنزير والخمر والحر". (البحر الرائق: ۶/۱۱۲، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۳) یہ اس صورت میں منع ہے کہ حکومت کی طرف سے افیون کی خرید وفروخت پر پابندی ہو اور افیون فروخت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون سے ہیروئن بنائے گا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ کو کچھ معلوم نہ ہو کہ خریدار افیون سے کیا بنائے گا، اور یا یہ معلوم ہو کہ خریدار فیون کو ادویات میں استعمال کرے گا تو ان صورتوں میں افیون کی خرید وفروخت جائز ہے:

"طاعة الإمام حق على المرء المسلم مالم يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله، فلاطاعة له".

قال العلامة المناوى تحته: "(طاعة الإمام) الأعظم (حق على المرء المسلم) وإن جار (مالم =

دارالاسلام میں ذمی کو حرام اشیاء فروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے

سوال[۷۷۲۱]: کتاب غنیۃ الطالبین مترجم امان اللہ خاں سرحدی، ناشر ملک پبلشرز پرائیوٹ لمٹیڈ، دیوبند ضلع سہارن پور، ص ۲۶۳، پر تحریر ہے کہ:

= يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله فلا طاعة له)؛ لأنه لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. وخص المسلم؛ لأنه الأحق بالتزام هذا الحق، وإلا فكل ملتزم للأحكام كذلك. وفيه أن الإمام إذا أمر بمندوب، يجب طاعته فيه، فيصير المندوب واجباً، كما إذا أمرهم به ثلاثة أيام في الاستسقاء فإنه يلزمهم الصوم ظاهراً وباطناً، بل ذكر بعض الشافعية أنه إذا أمر بصدقة أو عتق، يجب". (فيض القدير (رقم الحديث: ۵۲۲۶): ۳۸۵۴/۷، ۳۸۵۵، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۷۲/۲، ۲۶۴/۴، سعيد)

"وبيع العصير ممن يتخذ ه خمراً، وبيع الأمرد ممن يعصي به، وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر، أو يتخذ ها كنيسةً أو بيتَ نار وامثالها، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع أو الآجر، من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم، كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۵۳/۲، دارالعلوم كراچى)

"وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه، بل بعد تغيره". (الدرالمختار). "(قوله: ممن يعلم) فيه إشارة إلى أنه لولم يعلم، لم يكره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۳۹۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"ويحل القليل النافع من البنج وسائر المخدرات للتداوي ونحوه؛ لأن حرمته ليست لعينه، إنما لضرره". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۵۵۰۵/۷، رشيديه)

سوال: "افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب: زمان سابق میں افیون تداوی میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً تلہی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آج کل افیون دوا کے طور پر بکثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے، بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، لہٰذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ تلہی کے طور پر استعمال کرے گا اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے"۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب البیوع، عنوان: افیون کی کاشت و بیع جائز ہے: ۴۹۴/۶، سعید)

''ذمی، یہودی، نصرانی، مجوسی، سور، شراب وغیرہ جیسی حرام چیزیں فروخت کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت دینی چاہیئے، ہاں قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا مقرر کرلیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان لوگوں کو یہ چیزیں فروخت کرنے کی اجازت دیدو اور ان کی قیمت کا دسواں حصہ ان سے لے لو''(۱)۔

گذارش یہ ہے کہ حکومت اسلامی میں رہنے والے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاتا ہے اور اس کے بدلے ان کی جان ومال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو کیا جزیہ لینے کے بعد حرام چیزوں کی فروخت پر قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز، اور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کفار ذمی بن کر دارالاسلام میں رہیں، ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے(۲) اور ان کے جان ومال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور شراب وخنزیر کی بیع ان کے مذہب میں جائز ہے، اس پر پابندی عائد نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کو فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، جو کتبِ فقہ میں مذکورہ ہے(۳)۔ اور جزیہ یا

---

(۱) "عن سوید بن غفلة: أن بلالاً قال لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إن عُمّالک یأخذون الخمر والخنازیر فی الخراج، فقال: لا تأخذوھا منھم، ولکن ولوھم ببیعھا وخذوا أنتم من الثمن". (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب حرمة بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام: ۱۴/۱۱۱، ۱۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا یدینون دین الحق، من الذین أوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون﴾ (سورہ التوبة: ۲۹)

"وتوضع (أی الجزیة) علی کتابيّ ومجوسيّ ووثنيّ عجميّ لاعربيّ". (البحر الرائق: ۱۸۶/۵، کتاب السیر، فصل فی الجزیة، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۵۷/۴، کتاب السیر، فصل فی الجزیة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "والذمی کالمسلم فی بیع غیر الخمر والخنزیر .... ومالا یجوز من الربا وغیرہ، لایجوز لھم إلافی الخمر والخنزیر، فإنّ عقدھم فیھا کعقد المسلم علی العصیر والشاة". (تبیین الحقائق: ۵۳۲/۴، =

خراج حسبِ اصول لیا جاتا ہے، دسواں حصہ متعین نہیں (۱)۔ غنیۃ الطالبین حنفی مسلک کی کتاب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۱/۱۲ھ۔

مول پر آم کی بیع

سوال [۷۷۷۲]: آج کل جو آم اور دیگر پھل خریدے جاتے ہیں، ان کی عموماً بیع ناجائز ہوتی ہے، کیونکہ اکثر اس طریقہ سے خریدے جاتے ہیں کہ آم چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، اسی وقت خرید لیتے ہیں۔ اور بعض مول آنے آنے خرید لیتے ہیں۔ جب بیع ناجائز ہو چکی تو پکنے کے بعد جو خرید کر کھائے جاتے ہیں، ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا وجہ جب بیع اول باطل ہو چکی؟ اگر ناجائز ہے تو کیا وجہ؟ اس کے اندر اکثر علماء بھی شرکت فرماتے ہیں۔ کوئی وجہ جواز کی اس میں نکلتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مول پر آم کی بیع باطل ہے (۳)، ایسی بیع کے خرید ہوئے آم کھانا اور خریدنا منع ہے، جس کو بھی معلوم

= كتاب البيوع، باب المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت)

"الذمي كالمسلم إلا في الخمر، فإنها في حقه كالخل، والخنزير في حقه كالشاة.......... في البحر: لايُمنعون من بيع الخمر والخنزير". (مجمع الأنهر: ۱۵۲/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹة)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۲۸/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۰۳/۳، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "توضع على الظاهر الغني في السنة ثمانية وأربعون درهماً، وعلى المتوسط نصفها، وعلى الفقير القادر على الكسب رُبعها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۱/۲، كتاب السير والجهاد، فصل في الجزيه، غفاريه كوئٹه)

(۲) یہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرةٍ لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه ومالايجوز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه) .... =

ہو، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اس کا خریدنا ناجائز ہے(۱)۔ ہاں! اگر درخت پر آم آچکے ہیں اور ان کی کچھ قیمت مل سکتی ہے، تو انکی بیع درست ہے(۲)، لیکن اسی وقت ان کا توڑنا لازم ہے۔ اگر بائع کی مرضی کے خلاف ان کو نہ

= "لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر". (فتح القدیر: ۲۸۷/۶، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"بیع الثمار علی الشجر لایخلو: إما أن یکون قبل الظهور أو بعده، والأول لایجوز". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲۸۷/۶، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"بیع الثمار قبل الظهور لایصح اتفاقاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار: ۱۰۶/۳، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۳۵۹/۳، إمدادیه ملتان)

(۱) "والبیع الباطل حکمه عدم ملک المشتری إیاه إذاقبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"والبیع الباطل لایفید الملک وإن اتصل به القبض". (فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۳۳/۲، کتاب البیوع، فصل فی البیع الباطل، رشیدیه)

"الحرمة تتعدی فی الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۵۰۴/۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "بیع الثمار قبل الظهور لایصح اتفاقاً، فإن باعها بعد أن تصیر منتفعاً بها، یصح. وإن باعها قبل أن تصیر منتفعاً بها بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب، فالصحیح أنه یصح". (الفتاوی العالمکیریة: ۱۰۶/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار، رشیدیه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم یبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لکونه منتفعاً به فی الحال أو فی المآل (ویقطعها المشتری للحال)". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ۲۵/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، تصح)؛ لأنه مال منتفع به فی الحال أو فی المال، ویقطعها المشتری". (تبیین الحقائق: ۲۹۵/۴، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۵۵۴/۴، ۵۵۵، کتاب البیوع، فصل فیما یدخل فی المبیع تبعاً =

توڑا تو جس قدر زیادتی آموں میں ہوگی، وہ مشتری کی ملک میں نہ ہوگی، بلکہ بائع کی ہوگی (۱)۔

اور اگر آم بالکل بڑے ہونے کے بعد بیع کی اور نفسِ عقد کے وقت بائع سے مشتری نے اجازت لے لی خواہ بذریعۂ اعارہ، بطریقِ اجارہ، یا بطریقِ شرط یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس صورت میں بیع فاسد ہوگی جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)، تاہم مفیدِ ملک ہوگی، یعنی اگر مشتری سے کسی اَور نے وہ آم خریدے تو وہ بیع صحیح ہوگی۔ تاہم ایسی چیز خریدنے سے بھی علم کے بعد احتیاط چاہیے (۳)۔

اور اگر نفسِ عقد ختم ہونے کے بعد مشتری نے بائع سے اجازت لے لی، یا زمین ہی کرایہ پر لے لی ہے، یا کسی دوسرے طریق سے معلوم ہوگیا کہ بائع رضامند ہے تو اس کو اسی وقت ان آموں کا توڑنا لازم نہیں اور نیز بیع در بیع سب درست ہے۔ عالم اور جاہل کو ان آموں کا خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۵۶ھ۔

= ومالا یدخل، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، کتاب البیوع، إمدادیه ملتان)

(۱) "وإن ترکها بإذن البائع بلااشتراط، طاب له الزیادة. وإن ترکهابغیر إذنه، تصدق بمازادفی ذاتها".
(ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۲۷، غفاریه کوئٹه)

"لو ترکها بإذن البائع، طاب له الفضل، وهو مازاد فی ذات المبیع. وإن بغیر إذنهم، فإن لم یتناه عظمها، تصدق به". (النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، کتاب البیوع، إمدادیه ملتان)

(۲) عمومِ بلویٰ کی وجہ سے آم کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانے کی بھی گنجائش ہے:

"أن تباع الثمار بعد ماتناهی عظمها وبَدَا صلاحها، فشرط الترک فی هذه الصورة جائزة عند محمد، وبه أفتی کثیرٌ من المشایخ، لعموم البلوی، واختاره الطحاوی، وإلیه مال ابن الهمام وابن عابدین". (تکملة فتح الملهم، باب النهی عن بیع الثمار قبل بدوّ صلاحها، حکم مایتعامل به الناس الیوم: ۱/ ۳۹۴، دارالعلوم کراچی)

(۳) "الحرمة تتعدد فی الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۴/ ۵۰۴، إدارة القرآن کراچی)

چوری شدہ شی کی خریداری

سوال[۷۷۷۳]: ایک لڑکا مراہق بازار میں چلا جارہا تھا اس کے پاس قیمتی شی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اس کو بیچتا ہوں، قیمت بہت کم بتلائی اور انتہائی کم قیمت میں وہ شی خریدی گئی، اس سے معلوم کیا کہ چوری کی تو نہیں اس نے انکار کیا، لیکن قرائن سے اغلب یہی ہے کہ وہ چوری کی شی تھی۔ اب اسے کیا کریں آیا صدقہ کریں یا کچھ اور کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شی کے متعلق قرائن سے غالب خیال یہ ہو کہ یہ چوری کی ہے اس کو خریدنا درست نہیں (۱)، اگر خرید چکا ہے تو واپس کردے، اگر مالک کا علم ہوجائے تو اس کے حوالہ کردے (۲) پھر چاہے تو اس سے معاملہ کرکے خریدلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۳/ ۸/ ۶۲ھ۔

---

(۱) قال عليه الصلوة والسلام: "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/ ۵۶۵۴، (رقم الحديث: ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشترى شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو ماخوذ من صاحبه بغير حق، قال عليه السلام: "من اشترىٰ سرقةً": أى مسروقاً "وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها". (الحلال والحرام، في الإسلام ليوسف القرضاوى، الفصل الرابع في المعاملات، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامى)

"فمن علمت أنه سرق مالاً أو خانه في أمانته أو غصبه فاخذه من المغصوب، قهراً بغير حق، لم يجزلى أن آخذه منه، لا بطريق الهبة ولا بطريق العوض ولا وفاءٍ عن أجرة ولا ثمن مبيع". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية: ۲۹/ ۲۴۲، مكتبة العُبيكان سعودى عرب)

"لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/ ۲۰۰، سعيد)

(۲) "والحاصل: إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه عليهم". (ردالمحتار، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/ ۹۹، ۶/ ۳۸۵، سعيد) ....

کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت

سوال[۷۷۷۴]: موئے انسانی جو نائی کاٹ کر پھینک دیتا ہے، بطورِ کھاد کے کھیتوں میں استعمال کرنا اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۳ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الكاملية، ص: ۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولايجوز بيع شعر الآدمي، ولاالانتفاع به، ولابشيئ من أجزاءه؛ لأن الآدمي مكرّم غيرمبتذل". (مجمع الأنهر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعر الإنسان يعني لايجوز بيع شعر الإنسان والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم، فلايجوز أن يكون جزءه مهاناً". (تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۱/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق: ۱۳۳/۶، باب البيع الفاسد، رشيديه)

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

بیع میں شرطِ فاسد

سوال[۷۷۷۵]: قربانی کی کھالوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور پھر ان کو فروخت کر کے ان کے مصارف میں رقم صرف کی جاتی ہے، لیکن کھالوں کی بکری کے وقت خریدار سے یہ شرط کرلی جاتی ہے کہ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو جتنی کھالیں جمع ہوں گی انہیں تمہیں اسی نرخ پر خریدنا ہوگا۔ اس طرح بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کے لئے شرطیں لگانا مفسدِ عقد ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا

سوال[۷۷۷۶]: ایک شخص کی زمین ہے اس میں چونہ کا بھٹہ اور گودام ہے، وہ کرایہ پر دے

---

(۱) "ولو كان البيع بشرطٍ لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أى البائع والمشترى، أو لمبيعٍ يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أى هذا البيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۹۰/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، يفسده". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۲/۳، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لو كان فى الشرط منفعة لأحدالمتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أو على القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۵۰/۳، كتاب البيوع، الفصل الخامس فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول فى تعريف البيع، رشيديه) =

رکھا ہے۔ دوسرا شخص اس زمین کا خریدار ہے، لینا چاہتا ہے، اس زمین کا بھٹہ وغیرہ توڑ کر اپنا مکان بنائے گا۔ کمپنی کی طرف سے قانون ہوگیا ہے کہ بھٹہ ایک سال میں اٹھا دیئے جائیں، لہٰذا وہ خریدار اس بات کو کہتا ہے کہ جب تک کمپنی اجازت دے اس وقت تک کرایہ بھٹہ آپ لئے جائیں، خواہ ایک سال ہو یا دو سال ہو، اس وقت تک کوئی مکان وغیرہ نہیں بناوے گا۔

اس صورت میں بائع کو کرایہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز بھی ہو اس میں کوئی میعاد کی جاوے یا بلا میعاد بھی جائز ہوسکتا ہے؟ جو شرع شریف کا حکم ہو اس سے مطلع کیا جاوے تا کہ عند اللہ ماخوذ نہ ہوں۔

محمد اکرام الحق، ۲/ جولائی/ ۱۹۴۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت بیع کی جاوے گی، وہ زمین مشتری کی ملک میں آجائے گی اور بائع کی ملک سے خارج ہوجائے گی (۱)، بائع کو اس سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور اس شرط سے فروخت کرنا کہ زمین مشتری کے قبضہ میں فی الحال نہ جاوے، بلکہ بائع بدستور اس سے نفع حاصل کرتا رہے اور بھٹہ اٹھنے کے بعد زمین پر مشتری کا قبضہ ہو، یہ ناجائز ہے (۲)، خواہ اس کی کچھ میعاد مقرر ہو یا نہ ہو، لہٰذا جواز کی صورت یہ ہے کہ ابھی

= (وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(۱) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(۲) "ولو كان البيع بشرط لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أي البائع والمشتري، أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أي هذاالبيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ولو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشتري أوعلى القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۳/۵۰، كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان) =

مشتری کو جلدی بھی نہیں، اس لئے ابھی فروخت نہ کی جاوے، جب بھٹہ اٹھ جاوے اور زمین فارغ ہو جاوے اس وقت بیع کر کے اس پر مشتری کا قبضہ کرادیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲/۶/۵۹ھ۔

بیع بشرطِ اقالہ

سوال[۷۷۷۷]: زید نے تقریباً پانچ بیگھ زمین آبادی کے متصل اس شرط پر خریدی کہ جب تک تم یہاں رہو اس وقت تک میں جو چاہو بناؤ، اور تم جب جانا چاہو تو اپنی قیمت واپس لے کر ہماری زمین واپس کردو۔ زید نے اس زمین میں رہنے کا مکان اور نماز پڑھنے کا چبوترہ بنایا جس پر وہ باضابطہ باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ اب وہاں سے وہ جانا چاہتا ہے تو کیا شرط کے مطابق قیمت واپس لیکر زمین واپس کرنا، اور زمین دار کا چبوترہ توڑ کر رہائش کا مکان بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت ناجائز ہے، اس سے بیع فاسد ہوئی (۱)، جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)۔

= (وكذا في الهداية: ۳/۲۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۱) "كل شرط اشترط في البيع ليس من البيع، فيه منفعة للبائع أو للمشترى أو للمشترىٰ له، فالبيع فيه فاسدٌ". (كتاب الآثار، ص: ۱۶۲، باب التجارة والشرط في البيع، إدارة القرآن كراچی)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل لا بدّ أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه". (النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۸۴، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) "(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض): أي فسخ البيع الفاسد (أو بعده مادام المبيع بحال في يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (رد المحتار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد) ....=

قیمت واپس لیکر زمین بائع کے حوالہ کردے(۱)، پھر وہ اپنی زمین میں جو چاہے کرے۔ بیع فاسد کے ذریعہ زمین حاصل کر کے نماز کے لئے چبوترہ بنایا ہے، وہ مسجد شرعی نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۹ھ۔

بیع قبل القبض

سوال[۷۷۷۸]: زید نے عمر کو بارہ آنہ کے حساب سے مختلف قسم کے صندوق بنانے کے لئے قیمت دی یا اور بتلایا کہ بیس دن میں بنا دینا۔ اب عمر صندوق بنا رہا ہے۔ بیس دن پورے نہیں ہوئے، زید نے عمر سے کہا کہ تم صندوق چودہ آنہ کے حساب سے بیچ کر چودہ آنہ کے حساب سے مجھ کو قیمت دینا۔ اب عمر نے رکھ لیا کہ میں ایک روپیہ کے حساب سے بیچ کر دو آنہ نفع حاصل کروں گا۔ یہ معاملہ جائز ہے؟

بندہ: عبدالغفور سہارنپور۔

= "ولكل منهما فسخه يعني على كل واحد منهما فسخه؛ لأن رفع الفساد واجب عليهما".

(تبيين الحقائق: ۴۰۲/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، فصل: ۹۶/۳، غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبعد الفسخ لا يأخذه بائعه حتى يرد ثمنه المنقود". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۹۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ مشتری نے اس جگہ مسجد نہیں بنائی ہے، بلکہ اسکی حیثیت مصلی کی ہے، البتہ اگر مشتری اس کو شرعی مسجد بنالیتا تو اسے شرعی مسجد قرار دی جاتی، کیونکہ بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی زمین پر شرعاً مسجد بنانا درست ہے:

"وإذا قبض المشترى المبيع برضا بائعه صريحاً أو دلالةً في البيع الفاسد ولم ينهه، ملكه.......... وإذا ملكه، تثبت كل أحكام الملك إلاخمسة: لايحل له أكله، ولالبسه، ولاوطؤها، ولا أن يتزوجها منه البائع، ولاشفعة لجاره لو عقاراً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۸۹/۵، ۹۰، باب البيع الفاسد، سعيد)

"أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد.......... وصح وقف ماشراه فاسداً بعد القبض، وعليه القيمة للبائع". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد) .... =

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے، زید کو چاہئے کہ پہلے اپنے صندوق پر قبضہ کرے(۱)، اس کے بعد اگر چاہے تو عمر کے حوالہ کردے کہ میں نے یہ صندوق ۱۴/آنہ میں تیرے ہاتھ فروخت کردیا اور عمر اس کو خریدنے پر جس قیمت پر چاہے فروخت کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

= "ولابدّ من إفرازه: أی تميزه عن ملكه من جميع الوجوه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۶/۴، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

(۱) "للمشترى أن يبيع المبيع من آخر قبل قبضه إن كان عقاراً، وإن كان منقولاً فلا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الرابع في بيان المسائل المتعلقة بالتصرف في الثمن والمثمن ۱۲۸/، (رقم المادة: ۲۵۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومن اشترى شيئاً ممايِنقل ويحول، لم يجز بيعه حتى يقبضه؛ لأنه نهى عن بيع مالم يقبض، ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك". (الهداية: ۷۷/۳، كتاب البيوع، باب التولية، إمداديه ملتان)

"لايجوز بيع المنقول قبل القبض، لمارويناه، ولقوله عليه السلام: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتى تستوفيه". (تبيين الحقائق: ۴۳۷/۴، فصل: كتاب البيوع، صح بيع العقار قبل قبضه، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يُقبض". (مجمع الأنهر: ۱۱۳/۳، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۳۵۰/۱، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۳/۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب الثالث في معرفة المبيع، رشيديه)

خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع

سوال[۷۷۶۹]: ۱...... زید نے باہر سے مال برائے تجارت بذریعۂ بینک منگایا، مال آجانے پر زید چھڑا نہیں سکا، مال چھوڑا نہیں۔ جس قدر زید سے تاخیر ہوئی، اسی قدر اس پر محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ زید نے بکر سے کہا میں نے اپنا مال جو منگایا ہے، چھڑا نہیں سکتا ہوں، اس لئے اس مال کو بلا منافع تمہارے ہاتھ پر فروخت کرتا ہوں، جو بلٹی بذریعۂ بینک آئی ہے، تم اس کو خرید لو۔ بکر نے اس مال کا روپیہ اور جو کچھ اس پر محصول تھا سب کچھ ادا کر کے مال کو اپنے قبضہ میں کر کے سنبھال لیا۔ اس کے بعد بکر نے زید کے ہاتھ پر وہی مال منافع سے فروخت کر دیا، منافع تمام اس رقم پر لگا دیا جو اس پر خرچ ہوا۔

۲...... زید اور بکر دونوں کا دلی منشا بھی یہی تھا کہ اول زید اپنے مال کو بلا منافع بکر کے ہاتھ فروخت کرے اور بکر اپنے روپے سے اس مال کو چھڑا کر مقرر کردہ منافع پر زید ہی کو فروخت کردے، مقررہ کردہ طریقہ پر آپس میں زید اور بکر مال کو خرید و فروخت کرتے ہیں۔

۳...... بکر نے زید سے یہ شرط بھی کی کہ جس وقت تک میرا کل مطالبہ تحریر نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کو روزانہ کی بکری مجھے دینی ہوگی، اور اس درمیان میں جو مال آپ منگایا کریں گے، وہ مال اسی طرح پر میرے ہاتھ مقررہ شرائط پر فروخت کرنا پڑے گا، اور اسی طرح مال پر منافع لگا کر آپ کو فروخت کر دیا کروں گا۔ زید نے شرط منظور کی۔

مندرجہ بالا طریقہ عند الشرع درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبد الباری، ۱۰/ اگست/ ۴۳ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مندرجہ بالا طریقہ خلافِ شرع و ناجائز ہے۔ جب تک زید اس مال پر اپنا قبضہ نہ کرے اس کو فروخت نہیں کرسکتا (۱)۔ جواز کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر اول مال چھڑا لے، پھر جس کے ہاتھ

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من ابتاع طعاماً، فلا یبیعه حتی یقبضه". قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: وأحسب كل شئ بمنزلة الطعام".

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من ابتاع =

جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ روزانہ کی بکری کا مطالبہ بھی صورت مسئولہ میں ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۸/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/ ۸/ ۶۲ھ۔

فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا

سوال[۷۷۸۰]: ہمارے اطراف میں غریب کو غلہ اس شرط پر دیتے ہیں کہ آج سے دو ماہ کے بعد جو غلہ کا بھاؤ ہوتا ہے، اسی حساب سے اس غلہ کی قیمت لوں گا، یا اس قیمت کا جو غلہ ہوگا، وہ لوں گا۔ اسی طرح مکئی اس شرط پر دیتے ہیں کہ دو تین ماہ کے بعد اس کے عوض میں اتنا ہی چاول لوں گا۔

= طعاماً، فلا يبعه حتى يستوفيه". قال حدثني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتى تستوفيه". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۵، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، قديمی)

(وسنن أبي داؤد: ۲/ ۱۳۷، كتاب البيوع، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفى، إمداديه ملتان)

"فيحرم بيع كل شئ قبل قبضه، طعاماً كان أو غيره". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۱/ ۳۵۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"لا يصح بيع المنقول قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يقبض". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/ ۱۱۳، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/ ۷۷، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/ ۱۹۳، كتاب البيع، فصل في بيان التصرف في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/ ۴۳۵، كتاب البيوع، فصل: صح بيع العقار قبل قبضه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) روزانہ بکری کا مطالبہ چونکہ شرطِ فاسد ہے، لہٰذا یہ بیع فاسد ہے: فإن كان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، فالبيع فاسد؛ لأن الشرط باطل في نفسه، والمنتفع به غير راض بدونه، فتتمكن المطالبة بينهما بهذا الشرط، فبهذا فسد به البيع". (المبسوط للسرخسي، باب البيوع إذا كان فيها شرط: ۱۳/ ۱۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح قیمت لینا تجویز ہو تو وہ بوقتِ عقد مجہول ہے، اور جہالتِ ثمن مفسدِ بیع ہے۔ اگر قیمت میں غلہ لینا قرار پائے جس کا نرخ بھی وقتِ عقد معلوم نہیں تو اس میں جہالتِ ثمن کے ساتھ قیمت قرار دینے کی وجہ سے غلہ کی بیع غلہ سے ہوئی جو کہ نہ "یداً بیدٍ" ہے اور نہ "مثلاً بمثل"۔ اگر مکئی کے عوض چاول لینا طے ہو تو اس میں "یداً بیدٍ" نہیں کہ ربائے نسیئہ ہے:

"وعلته: أی تحریم الزیادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا، حرم الفضل والنسأ، فلم یجز بیع قفیزبُرٍّ بقفیز منه متساویاً وأحدها نسأ. وإن وجد أحدهما: أی القدر وَحْدَه أو الجنس، حل الفضل وحرم النسأ، فحرم بیع کیلي ووزني بجنسه متفاضلاً، وحل متماثلاً". درمختار(۱)۔

"وشرط لصحته معرفة قدر مبیع وثمن. وخرج أیضاً مالوکان الثمن مجهولاً کالبیع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، کتاب البیوع، باب الربوا، سعید)

"(وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنسأ بهما): أی بالجنس والقدر، لما بیّنّا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم النسأ، وحل التفاضل بوجودهما، أما القدر دون الجنس کالحنطة بالشعیر، أو الجنس دون القدر کالهروی بالهروی، لقوله علیه السلام: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبر، والشعیر بالشعیر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، فإذا اختلف هذه الأصناف، فبیعوا کیف شئتم إذاکان یداً بید". (تبیین الحقائق: ۴/ ۴۵۱، ۴۵۲، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بیع الکیلی والوزنی بجنسه متفاضلاً أو نسیئةً ولو غیر مطعوم کالجص والحدید، وحل متماثلاً بعد التقابض أو متفاضلاً غیر معیر کخفنة بخفنتین، وبیضة ببیضتین، وثمرة بثمرتین، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، کتاب البیوع، باب الربا، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/ ۲۱۱، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/ ۸۱، باب الربوا، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

بقيمته أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل مااشتراه فلان، فإن علم المشترى بالقدر في المجلس، جاز. ومنه أيضاً مالو باعه بمثل مايبيع الناس، إلا أن يكون شيئاً لايتفاوت".

ردالمحتار، کتاب البیوع(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع

سوال[۷۷۸۱]: کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے اس کی پیداوار کی فروخت کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ھذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۲۹/۴، كتاب البيوع، مطلب: مايبطل الإيجاب سبعة، سعيد)

"وأما جهالة الثمن فمانعة أيضاً كما إذا باع شيئاً بقيمته أو بحكم المشترى أو فلان.......... وبيع الشئ برقمه أو برأس ماله ولم يعلم المشترى كذلك". (البحر الرائق: ۴۵۹/۵، كتاب البيوع، رشيديه)

"يلزم أن يكون معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲۸۰/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱۲/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۲۷/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثامن في جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(۲) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"نهى رسول صلى الله عليه وسلم عن بيع ماليس عند الإنسان، ورخص في السَّلَم". (بدائع =

پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع

سوال[۷۷۸۲]: ہمارے دیار میں یہ رواج ہے کہ آم درخت میں جب چھوٹے چھوٹے ہی رہتے ہیں، تو مالکان اسے فروخت کردیتے ہیں، اور پک جانے کے بعد مشتری (خریدار) اپنے کام میں لاتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح باغ کو خریدنا درست ہے(۱)، لیکن مشتری (خریدار) کے ذمہ واجب ہے کہ فوراً آم توڑ لے

= الصنائع، کتاب البیوع، فصل فیما یرجع إلی المعقود علیه: ۵۶۸/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وبیع (أی لایجوز بیع) مالیس فی ملکه، لبطلان بیع المعدوم". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۸/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"وشرط المعقود علیه کونه موجوداً، فلم ینعقد بیع المعدوم". (ردالمحتار: ۵۰۵/۴، کتاب البیوع، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی، (رقم المادة: ۱۹۷، ۱۹۹)،

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۷۵/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن سلف وبیع والشرطین فی بیع وربح مالم یضمن وبیع مالیس عنده، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهةَ والفسادَ (أولا، صح)". (النهر الفائق: ۳۵۹/۳، کتاب البیوع، رشیدیه)

"بیع الثمر علی الشجر لایخلوا: إما أن یکون قبل الظهور أو بعده، والأول لایجوز، والثانی جائز، بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بنی آدم، أوعلف الدواب، أولم یبد؛ لأنه مال متقوم، لکونه منتفعاً به فی الحال أوفی الزمان الثانی، فصار کمبیع الجحش والمهر". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲۸۷/۲، کتاب البیوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناء ها فی البیع الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم یبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لکونه منتفعاً به فی الحال أوفی المآل .... (ویقطعها المشتری للحال)". (مجمع الأنهر: ۲۵/۳، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مکتبه غفاریه کوئٹه) .... =

اور بائع (بیچنے والا) کے درخت سے اپنی ملک علیحدہ کرلے۔ اگر خریدتے وقت شرط کرلی ہے کہ آم پکنے تک درخت پر لگے رہیں گے اور پکنے کے بعد توڑوں گا تو یہ شرط فاسد ہے اور مفسدِ بیع ہے (۱)۔ ہاں! اگر بیع میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو اور بیع کے بعد بائع سے اجازت لے لی جائے تو جائز ہے: "ومن باع ثمرةً لم يبدصلاحها، أوقد بَدَا، جاز". هدایه (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الدرالمختار: ۵۵۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) عام تجار اور بائعین کی عادت اور ان کا تعامل اس وقت یہ ہے کہ پھلوں کو قبل از بدوِّ صلاح خریدتے ہیں، اور اس میں درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے اس تعامل اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے پھلوں کو خریدتے وقت درختوں پر چھوڑ دینے کی شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"ان تباع الثمار بعد ماتناهى عظمها وبَدَا صلاحها، فشرط الترك في هذه الصورة جائزة عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وبه أفتى كثيرٌ من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوى، وإليه مال ابن الهمام .... ففي هذه الصورة سعة أيضاً عند عموم البلوى ...... وذكر ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ أنه لوكان الترك متعارفاً بينهم، فسد البيع وإن لم يشترط الترك في العقد لفظاً؛ لأن المعروف كالمشروط، ولكن لم يقبله شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ فقال: وتفصيل الشامي ليس بمختارعندى". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حكم مايتعامل به الناس اليوم: ۳۹۴/۱، دارالعلوم كراچي)

قال العبد الضعيف: "أن العرف إذا جرى ببيع الثمار بعد بدوّ الصلاحها بشرط الترك واشتدت إليه الحاجة، كان قياس قول محمد رحمه الله تعالىٰ الجواز". (تكملة فتح الملهم، المصدر السابق)

مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوتے ہیں:

۱- جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے، اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدین نے بُروزِ البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے　=

....

کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانے میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورت شدیدہ وابتلائے عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

۲-پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابلِ انتفاع بھی ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

۳-حیوان کے لئے بھی قابلِ انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قولِ جواز راجح ہے۔

۴-کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔

۵-صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دے دی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسدِ عقد ہونے کی علت افضاء إلی المنازعۃ ہے، اور تعاملِ ابقاء کی صورت میں احتمالِ منازعہ نہیں"۔ (احسن الفتاوی، کتاب البیوع، باغ پر پھل کی بیع کی مختلف صورتیں: ۶/۴۸۶، سعید)

(۲) (الهداية: ۳/۳۱، كتاب البيوع، فصل، شركت علميه ملتان)

"ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الهداية: ۳/۳۲، كتاب البيوع، شركت علميه ملتان)

"والحاصل أن الشرط إذا لم يكن في العقد ولم يأمره البائع بالقطع، طاب له تركه، سواء كان معروفاً أولا. ولا ألتفت إلى ماقاله الشامي: إن المعروف كالمشروط، بعد ماوجدتُ روايةً عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية في فتاواه. والله أعلم". (فيض الباري: ۳/۲۵۵، ۲۵۶، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۰۶، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط

سوال[۷۷۸۳]: یہ جو شرط ہے کہ جب آم کچے بالکل تیار ہوجائیں تو اس کو مشتری درخت سے علیحدہ کرلے اور اس کا درخت خالی کردے اور اس کو درخت پر نہ پکاوے اور اگر اس نے درخت پر پکالیا جیسا کہ یہاں دستور ہے تو اس پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط صحیح ہے(۱)، معاملہ صحیحہ کے بعد اگر بائع نے اپنے درخت پر لگے رہنے کی اجازت دیدی تو درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها: وقد بَدَا، جاز البيع، وعلى المشترى قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (الهداية، كتاب البيوع، فصل: من باع داراً، دخل بناء ها في البيع: ۳/ ۲۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا،صح، ويقطعها المشترى) تفريغاً لملك البائع إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (تبيين الحقائق: ۴/ ۲۹۵، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا ، صح) (كنز الدقائق). "(وقوله: ثمرةً): أى ظاهرةً، قيدنا به؛ لأن بيعها قبل الظهور لايصح اتفاقاً، وقبل بدو الصلاح بشرط القطع في المنتفع به صحيح اتفاقاً".

(البحر الرائق: ۵/ ۵۰۲، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۲۶، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (تبيين الحقائق: ۴/ ۲۹۵، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(وإن تركها): أى الثمرة الغير متناهية على الشجر (بإذن البائع بلا اشتراط) تركها حالة العقد (طاب له): أى للمشترى الزيادة الحاصلة في ذات الثمرة بالترك؛ لأنه حصل بطريق مباح". (مجمع الأنهر: ۳/ ۲۷، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه) ....

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال[۷۷۸۴]: جن درختوں پر پھل آیا ہو، خرید سے پہلے ٹھیکہ لینا جائز نہیں، یا پھل آنے پر ٹھیکہ لینا چاہئے؟ ایسے پھلوں کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر زمین ٹھیکے پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۲۷/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳۲/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكروم الخ، رشيديه)

(۱) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم، باز، ص: ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولافي عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوّ الصلاح". (ردالمحتار: ۵۵۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"ان تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل أولا". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوّ صلاحها: ۳۹۳/۱، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، صح)؛ إذ لاخلاف في عدم جواز بيعها قبل أن يظهر". (النهر الفائق: ۳۵۹/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۹۶/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناء ها في البيع، الخ، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) بشرطیکہ زمین کا مالک مستاجر کے لئے حلال قرار دے: .... =

اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۸۵]: زمین کے اندر جو چیزیں جیسے آلو، پیاز تو وہ اندازہ سے خریدنا درست ہے یانہیں؟ اگر دونوں رضامند ہوں تو حکم عدمِ جواز کا رہے گا یا جواز کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آلو وغیرہ بغیر اکھاڑے خریدنے میں بسا اوقات دھوکہ ہوتا ہے جس سے خریدار یا مالک کو نقصان ہوتا ہے اور نزاع بھی ہوتا ہے، اس لئے اس طرح فروخت نہ کیا جائے (۱)، نہ خریدا جائے، ہاں! اگر دھوکہ نہ ہو تو درست ہے، مثلاً خرید کر جب ہی سامنے اکھاڑ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= "وفي ثمار الأشجار يشترى الموجود، ويحل له البائع مايوجد". (البحر الرائق: ۵/۵۰۳، كتاب البيع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار، رشيديه)

"والحيلة في كون الحادث للمشترى أن يشترى أصول الباذنجان، والبطيخ والخيار والقطن، ليكون الحادث على ملكه.......... وفي الأشجار الموجودة، ويحل له البائع مايوجد". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۳/۲۹، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"والحيلة في الكل أن يستاجر موضعاً معلوماً لعطن الماشية ويبيح الماء والمرعى". (ردالمحتار: ۶/۶۳، كتاب الإجارة، مطلب الإجارة إذا وقعت على العين لاتصح والحيلة فيه، سعيد)

(۱) "(اللبن في الضرع): أى لايجوز بيعه، للغرر، فعساه انتفاخ، ولأنه يتنازع في كيفية الحلب، وربما يزداد فيختلط المبيع بغيره.......... (واللؤلؤ في الصدف) للغرر، وهو مجهول لايعلم وجوده ولاقدره". (البحر الرائق: ۶/۱۲۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"ولايجوز بيع اللبن في الضرع، فإنه فاسد للغرر، وهومجهول لايعلم وجوده ولاقدره". (مجمع الأنهر: ۳/۸۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) لیکن اس وقت ناجائز ہے کہ آلو وغیرہ کا وجود معلوم نہ ہو، اور اگر ان کا وجود یقینی ہو، اور وہ کسی حد تک قابلِ انتفاع بھی ہو جائیں تو ان کی بیع جائز ہے، لیکن خریدار کو ایک معتد بہ حصہ دیکھنے تک خیارِ رؤیت حاصل ہوگی:

"(المعدوم كبيع حق التعلي) ....ومنه بيع ماأصله غائب كجزر وفجل، أو بعضه معدوم =

باغ فروخت کرکے کچھ آم مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۲]: زید ایک باغ نیلام کرتا ہے اور نیلام کے لئے کچھ شرائط مقرر کرتا ہے، مثلاً:

۱- اس کی قیمت کے علاوہ من آم کچے اور دو من پکے لئے جائیں گے۔ ان آموں کا دارومدار قیمت پر ہوتا ہے، اگر دام کم ہوں گے تو آم زیادہ لئے جائیں گے، اگر دام زیادہ ہوں گے تو آم کم لئے

= کورد ویاسمین وورق .... وجوّزه مالک، لتعامل الناس، وبه أفتى بعض مشايخنا عملاً بالاستحسان. هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم، جاز، وله خيار الرؤية، وتكفى رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (الدرالمختار). "(قوله: هذا إذا نبت) الإشارة .... ما أصله غائب وكان الأولى أن يقول: هذا إذا لم ينبت أو نبت ولم يعلم وجوده، فإنه لايجوز بيعه فيهما". (ردالمحتار: ۵/۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده، يجوز، وله خيار الرؤية، إن شاء أخذه. وتكفى رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۱/۲۵۱، مكتبه ميمنيه مصر)

"وإن كان المبيع مغيباً تحت الأرض كالبصل والثوم بعد النبات إن عرف وجوده تحت الأرض، جاز، وإلا فلا. فإذاباعه، ثم قلع منه نموذجاً، ورضي به، فإن كان ممايباع كيلاً كالبصل أو وزناً كالبقل، بطل خياره عندهما، وعليه الفتوى". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۵۵، كتاب البيوع، فصل: من اشترى مالم يره، غفاريه كوئٹه)

"وإن باع ماهو مغيب فى الأرض كالجزر والبصل وأصول الزعفران والثوم والشلجم والفجل، إن باع بعد ما ألقى فى الأرض قبل النبات أو نبت الآن غير معلوم، لايجوز البيع. فإن باع بعد مانبت نباتاً معلوماً يعلم وجوده تحت الأرض، يجوز البيع ويكون مشترياً شيئاً لم يره عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ثم لايبطل خياره ما لم ير الكل ويرضى به. وعلى قول صاحبيه لايتوقف خياره الرؤية على رؤية الكل، وعليه الفتوى". (البحر الرائق: ۵/۵۰۴، كتاب البيوع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح فى بيع الدار، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۱۹۰، كتاب البيوع، فصل فى خيار الرؤية، رشيديه)

جائیں گے۔

۲-نصف قیمت ایک ہفتہ میں اور نصف قیمت آم کے پکنے کے بعد لی جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرط ہے کہ آم اسی باغ پر لئے جائیں گے تو درست نہیں کہ یہ استثناء باطل ہے جس کو قدوری (۱)، ہدایہ وغیرہ جملہ کتب فقہ میں منع لکھا ہے (۲)۔ اگر اس باغ کے آم ہونا شرط نہیں اور قسم آم کی متعین کرلی جائے کہ جہالتِ مفضی الی النزاع مرتفع ہو جائے تو ان کو جزوِ ثمن قرار دیا جائے گا۔ اور بقیہ مذکورہ شرائط طرفین کی اجازت سے طے شدہ سب جائز ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۷ھ۔

---

(۱) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً ویستثني منها أرطالاً معلومةً". (مختصر القدوری، ص: ۱۱۹، کتاب البیوع، سعید)

(۲) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً، ویستثني منها أرطالاً معلومةً، خلافاً لمالک رحمه الله تعالیٰ؛ لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معیناً ؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة". (الهدایة: ۳/۳۲، کتاب البیوع، فصل ومن باع داراً دخل بناءها في البیع ، شرکت علمیه ملتان)

"أجازه قیاساً علی استثناء شجرة معینة قلنا: قیاس مع الفارق؛ لأن الباقي بعد إخراج المستثنی غیر مشار إلیه معلوم الکیل المخصوص، فکان مجهولاً، بخلاف الباقي بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم مفرز بالإشارة". (فتح القدیر: ۶/۲۹۵، کتاب البیوع، فصل : ومن باع داراً، دخل بناءها في البیع ، الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

لیکن اگر اسی باغ کے آم کو مستثنیٰ کرلیا جائے تو تعامل کی وجہ سے بھی جائز ہے، بشرطیکہ آم کی مقدار اور وصف اس طرح واضح ہو کہ اس سے جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔ اور اس میں یہ بھی شرط ہے کہ باغ کی موجودہ حالت سے یہ گمان غالب ہو کہ باغ میں مستثنیٰ مقدار سے زیادہ ہی آم لگے گا۔ .... =

....

= **سوال:** ''کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا باغ پھل ظاہر ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ قیمت لیں گے اور اس قدر لے، یعنی ہزار پانسو انبہ ہم لیں گے، خریدار اپنا سمجھوتہ یا بہ قیمت کرکے خرید لیتا ہے، اور انبہ دینے پر بھی راضی ہوجاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ انبہ لینے جائز ہیں یا نہیں، اگر ناجائز تو صورتِ جواز کیا، اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے انبہ کی تعیین کرے؟ اکثر باغ والے اس صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود تو کھا نہیں سکتے اس صورت سے کھا بھی لیتے ہیں اور فروخت بھی کردیتے ہیں۔ دیوبند کو لکھا تھا، مفتی صاحب نے لکھا کہ تعدادِ انبہ ہزار پانچسو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے، درمختار میں ہے۔ حسبِ اتفاق مرادآباد کے نوجوان علماء یہاں ایک تقریب میں آئے ان کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: ناجائز ہے، بیع مجہول ہے، صفقہ فی صفقتین ہے۔ اس سے خلجان ہوگیا، لہٰذا گزارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرماویں تاکہ کسی امر کا وثوق ہوجاوے۔ فقط۔

الجواب: ''اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سواس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ انبہ معہودہ کو بدل قرار دیا جاوے، یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے: ایک اتنا روپیہ دوسرا اتنا انبہ، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اتنی مقدار کے انبہ بیع سے مستثنیٰ سمجھے جاویں، سواس میں بھی یہ خدشہ ہے کہ اول تو انبہ مقدار میں تفاوت کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، اس میں نزاع کا احتمال۔ دوسرے ممکن ہے کہ کل انبہ اتنے ہی پیدا ہوں تو استثناء کہاں صحیح ہوگا۔ تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو غیر مبیع ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن تعامل عام کے سبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب عادۃً نزاع نہ ہوا اور غالباً انبہ زیادہ ہوں تو جائز کہہ دیں گے۔ اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کرلیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں''۔

(إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، پھلوں اور پھولوں کی بیع: ۹۸/۳، دار العلوم کراچی)

"فصح استثناء قفيز من صبرة وشاة معينة من قطيع وأرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها ولو التمر على رؤوس النخل على الظاهر". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، فصل في مايدخل في المبيع تبعاً ومالايدخل فيه: ۵۵۸/۴، سعيد)

(۳) اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مدت معلوم ہو: "يلزم أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، : ۱۳/۳، غفاريه كوئٹه)

باغ فروخت کرکے کچھ پھل مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۷]: جنس کی شے کسی کو تحفہ دینا اس حال میں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ شے جو مجھ کو دیتا ہے جنس کی ہے تو اس کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں اور جنس کو فروخت کرنا جبکہ خریدار کو علم ہے کہ یہ جنس کی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنس میں اگر درخت کی تعیین تھی تو ایسی جنس کرنا اور اس کو فروخت کرنا منع ہے(۱)، ورنہ درست ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی کے ساتھ ہو، کوئی اَور امر مفضی الی النزاع، یا کوئی اَور امر خلافِ شرع نہ ہوں۔ اگر درخت کی تعیین نہیں کی، مثلاً یہ کہا کہ اس باغ کی قیمت میں سو روپیہ لوں گا، اور سو آم لوں گا، خواہ کسی درخت یا باغ کے دے، یا یہ کہا کہ کل باغ میں جس قدر آم ہیں اس میں سے ایک چوتھائی مثلاً لوں گا تو یہ جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) یہ صورت اس میں ناجائز ہے کہ آم کی ایک خاص مقدار کو ایک معین درخت سے مستثنیٰ کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں غرر لازم آئے گا، اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خاص مقدار اس معین درخت سے حاصل نہ ہو جائے۔ البتہ اگر وہ خاص مقدار اس قدر ہو کہ اس کا ملنا یقینی ہو اور کوئی نزاع اور جھگڑا نہ ہو، یا باغ فروخت کرتے وقت ایک معین درخت کو مستثنیٰ کیا جائے تو ان صورتوں میں خرید وفروخت کرنا جائز ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله عليه وسلم نهی عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر". (إعلاء السنن: ۱۱۲/۱۴، کتاب البيوع، باب النهی عن بيوع الغرر، إدارة القرآن کراچی)

"ولايجوز أن يبيع ويستثنی منها أرطالاً معلومةً .... بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معيناً؛ لأن الباقی معلوم بالمشاهدة". (الهداية: ۳۲/۳، کتاب البيوع، مکتبه شرکت علميه ملتان)

(وكذا فی إمداد الفتاویٰ، کتاب البيوع، پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار پھل کی مقرر کرنا: ۹۷/۳، ۹۸، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۲) "فإن استثنی جزءاً كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقاً". (ردالمحتار: ۵۵۹/۴، کتاب البيوع، فصل =

قبرستان کی گھاس فروخت کرنا

سوال[۷۷۸۸]: ہمارے یہاں قبرستان پرگھاس اُگتی ہے، اس میں جانور: گائے، بیل، بھینس چرنے کے لئے چھوڑنا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا اور مسجد پر صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو گھاس خودرو ہو اس کو بغیر کاٹے ہوئے فروخت کرنا مثلاً اس طرح کہ گائے وغیرہ کو وہاں چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی چرلیں اور اس کا معاوضہ لے لیا جائے، یہ معاملہ شرعاً درست نہیں (۱)، احترام قبور کے بھی خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= في مايدخل في المبيع تبعا ومالايدخل فيه، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۵۰۷، كتاب البيوع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار، رشيديه)

(۱) "عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم. ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلاث: الماء، والكلأ، والنار". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب في الماء: ۲/۱۳۶، إمداديه ملتان)

"والمراعي (أي بطل بيعها): أي الكلأ وإجارتها. أما بطلان بيعها، فلعدم الملك، لحديث: "الناس شركاء في ثلاث: في الماء، والكلأ، والنار". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"والمراد به الكلأ دون رقبة الأرض؛ لأن بيع الأرض وإجارتها جائز إذا كان مالكاً لها، وإنما لايجوز بيع الكلأ وإجارته؛ لأنه ليس بمملوك له؛ إذ لايملكه بنباته في أرضه مالم يحرزه، لقوله عليه الصلوة السلام: "المسلمون شركاء في ثلاثة: في الماء، والكلأ، والنار". (تبيين الحقائق، ۴/۳۷۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۸۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۰۹، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۲۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "عن عمر بن حزم رضي الله تعالىٰ عنه قال: رآني النبي صلى الله عليه وسلم متكئاً على قبر، فقال:=

مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع

سوال[۷۷۸۹]: ہمارے یہاں ایک زمیندار کی تقریباً ہزار بیگھ زمین ہوگی، اس میں چائے کی کاشت ہوتی ہے، لیکن اس زمین میں بانس وغیرہ کے درخت اُگ آتے ہیں جن کو کھیت کے سپاہی اور مزدور مالک کی چوری سے فروخت کردیتے ہیں۔ تو کیا ان کو خریدنا اور فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ ابتلائے عام ہے ہماری طرف، تو کچھ تخفیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر مالک کی اجازت کے چوری سے خریدنا اور فروخت کرنا درست نہیں، وہ گھاس کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

= "لاتوذ صاحب هذاالقبر". أو "لا توذه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۴۹، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، قديمى)

(۱) "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۱۱/۵۲۵۴، (رقم الحديث، ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشترى شيئاً يعلم أنه مغصوب او مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل يعين الغاصب أو السارق أو المعتدى على غصبه وسرقته وعداوته، قال عليه الصلاة والسلام: "من اشترى سرقةً (أى مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترک فى إثمها وعارها". (الحلال والحرام، فى الإسلام ليو سف القرضاوى، ص: ۲۱۲، المكتب الإسلامى بيروت)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غير ه بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومانقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبى، فقال: هو محمول على مالم يعلم بذلک، أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلک الآخر، فهو حرام". (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد) =

بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع

سوال[۷۷۹۰]: مالک کی اجازت کے بغیر بعض لوگ پتے توڑ کر لاتے ہیں اوران کولوگ خرید کر اپنے جانوروں کوکھلاتے ہیں۔ان جانوروں کا دودھ پینے اوران کی قربانی اورعقیقہ کا حکم؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بغیر اجازتِ مالک کے پتے توڑنا اورفروخت کرنا منع ہے، ایسے لوگوں سے پتے خرید نا بھی منع ہے(۱)،اجازت کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ مالک کومعلوم ہواوروہ منع نہ کرے(۲)،لیکن جس جانورکو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "لأن الكلأ مالاساق له، والشجر له ساق، فلا تدخل فيه، حتى يجوز بيعها إذا نبتت في أرضه، لكونها ملكه". (البحر الرائق: ۱۲۷/۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"ويدخل في الكلأ جميع أنواع ما ترعاه، رطباً كان أو يابساً، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالاساق له والأشجار لهاساق، فلاتدخل فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۰/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۲/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "وإن كان في البستان، فلو الثمار ممايبقى ولايفسد كالجوز واللوز، لايأخذه مالم يعلم الإذن. ولو مما لايبقى، فقيل: كذلك، والمعتمد أنه لابأس به إذا لم يعلم النهي صريحاً أو دلالةً أو عادةً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطباً في نهر: ۲۸۴/۴، سعيد)

(۳) "ان جديا غذى بلبن خنزير، لا بأس بأكله؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذى به يصير مستهلكاً، لايبقى له أثر". (فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۳، كتاب الصيد والذبائح، رشيديه)

"كماحل أكل جدى غذى بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذى به يصير مستهلكاً، لا يبقى =

دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا

سوال[۷۷۹۱]: ۱...... ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ لوگ دودھ خریدتے ہیں اور اس کا دام اس طرح طے کرتے ہیں کہ دودھ کا جائزہ لینے کی جو شیشی آتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا دودھ خراب ہے یا اچھا ہے، اگر تغیر نہیں ہوا تو سترہ روپے بیس کلو ہوتے ہیں۔ اور اگر ڈھائی نمبر نکلا تو سولہ روپے اور اگر دو نمبر نکلا تو پندرہ روپے۔ اور اس کو روزانہ نہیں ناپتے، بلکہ مہینہ میں دو تین مرتبہ ناپ لیتے ہیں۔ تو یہ صورت جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہیں تو کیوں؟

۲...... بعض دودھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ناپو، یا نہ ناپو، ایک ہی سیر کے نکلتے ہیں۔ تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے علاوہ اکثر دودھ ایسے ہیں کہ کبھی اچھے ہوتے ہیں، کبھی پانی ملے ہوئے ہوتے ہیں، دو تین مرتبہ ناپ کر پورے مہینہ کا اسی طرح شمار کر کے پیسے متعین کیے جاتے ہیں۔ تحریر فرمادیں کہ اس طرح خریداری جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... عقدِ بیع کرتے وقت قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہے، قیمت مجہول ہونے سے بیع صحیح نہیں ہوتی ہے۔ صورت مسئولہ میں وقتِ عقد قیمت معلوم ومتعین نہیں، بلکہ متردّد ہے، اس لئے یہ بیع صحیح نہیں۔ خریدتے وقت روزانہ ہی ناپ لیا جائے اور اسی وقت قیمت تجویز ہوجائے، یا پھر ایک دفعہ ناپ کر کہہ دیا جائے کہ مہینہ بھر تک اسی قیمت سے لیں گے تب بھی درست ہے:

ویمکن أن یُشَمّ رائحة الاستدلال لعدم الجواز ممافی الهندية عن الخلاصة:

"رجل باع علی أنه بالنقد هكذا وبالنسيئة هكذا، أو إلی شهر كذا، أو إلی شهرين

= له أثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۳۴۱، کتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في البزازية: ۶/ ۳۰۲، کتاب الصيد، نوع في الجلالة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية: ۵/ ۲۹۰، كتاب الذبائح، الباب الثالث، رشيديه)

بكذا، فلا يجوز، الخ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا

سوال[۷۷۹۲]: تیلی سے تیل خریدنا جو خلط ملط تیل نکالنے والوں سے بچا کھچا اکٹھا کرتا ہے، یا کٹ فٹ کر لیتا ہو، اس کے ساتھ جائز تیل بھی ملا ہوا ہوگا، وہ فروخت کرتا ہے۔ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ نور احمد، مدرس مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ سرقہ کر کے دوسروں کا تیل فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۲)۔ اگر اپنا ذاتی بھی اس

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶/۳، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، رشيديه)

"وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشر وبنسيئة بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعين". (جامع الترمذي: ۲۳۳/۱، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو (قال) إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطعه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا إذا افترقا على هذا". (المبسوط للسرخي: ۹/۱۳، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئته)

"وأما البطلان فيما إذا قال: بعتكه بألف حالاً وبألفين إلى سنة، فلجهالة الثمن". (فتح القدير: ۲۶۲/۶، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "قال عليه الصلوة والسلام: "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد شرك في عارها وإثمها". (فيض القدير: ۵۶۵۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوبٌ، أو مسروقٌ، أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل، يُعين الغاصب أو السارق أو المعتد على غصبه وسرقته وعداوته. قال رسول الله =

میں مخلوط ہوتا ہے تو خلط کی وجہ سے وہ مالک ہوجاتا ہے(۱)، لیکن قبل ادائے ضمان تیلی کو اس میں بیع وغیرہ کا تصرف ناجائز ہوتا ہے(۲)۔ تاہم اگر کوئی خریدے گا تو وہ مالک ہوجائے گا(۳)۔ بایں ہمہ خریدنے سے اجتناب احوط ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

= صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقةً (أى مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقةٌ، فقد اشترک فى إثمها وعارها". البيهقى". (الحلال والحرام فى الإسلام ليوسف القرضاوى، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامى للطباعة والنشر)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲/۳۸۵، كتاب فى الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(۱) "لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه .... لأن الخلط استهلاک إذا لم يُمكن تمييزه عند أبى حنيفة رحمه الله، وقوله أرفق للناس؛ إذ قلّما يخلو مالٌ عن غصب". (الدرالمختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاک) بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة لا بالأعيان. (قوله: كما فى النهر)؛ لأنا نقول: إنه لما خلطها، ملكها، وصار مثلها ديناً فى ذمته لاعينُها". (ردالمحتار: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

(۲) "مات وكسبه حرامٌ، فالميراث حلال. ثم رمز وقال: لا نأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة، فتنبه، اهـ، ح. ومفاده الحرمة وإن لم يعلم أربابه. وينبغى تقييده بما إذا كان عين الحرام، ليوافق ما نقلناه؛ إذ لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل التصرف فيه مالم يؤدّ بدله".

(ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالاً حراماً، سعيد)

(۳) "وأما صفة الملک الثابت للغاصب فى المغصوب، فلاخلاف بين أصحابنا فى أن الملک الثابت له يظهر فى حق نفاذ التصرفات، حتى لو باعه أو وهبه أو تصدق به قبل أداء الضمان، ينفذ، كما تنفذ هذه التصرفات فى المشترىٰ شراءً فاسداً". (بدائع الصنائع: ۱۰/۴۵، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "قال عليه الصلوة والسلام: "دعْ ما يريبک إلى مالا يريبک". (فيض القدير: ۲/۳۲۲۶، (رقم الحديث: ۴۲۱۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کردینا

سوال[۷۷۹۳]: یہاں پر مدرسہ اسلامیہ شیرکوٹ کے ممبران نے قربانی ہونے سے قبل ہی قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بیچ ڈالا۔ یہ بیع جائز ہے یا باطل؟ آیا قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح چرم قربانی کی بیع ناجائز ہے(۱)۔قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً درست ہوگی۔شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد جانور کی کھال بغیر دباغت کے ہی فروخت کرنا شرعاً درست ہے(۲)،لیکن اگر جانور مرجائے تو اس کی کھال بغیر دباغت کے فروخت کرنا درست نہیں (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "وفسد بیع ماسکت فیه عن الثمن.......... وصوف علی ظهر غنم. وجوزه الثاني ومالک. وفي السراج: لوسلم الصوف واللبن بعد العقد، لم ینقلب صحیحاً، وکذا کل ما اتصاله خلقيّ کجلد حیوان ونویٰ تمرٍ وبن وبطیخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۰، ۶۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"وأشار المصنف إلی أن کل ما بیع في غلافه، فلایجوز کاللبن في الضرع واللحم في الشاة الحیة أو شحمها أو إلیتها أو أکارعها أوجلو دها". (البحرالرائق: ۶/۱۲۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر: ۶/۴۱۲، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "(وجلد میتة) قید بها؛ لأنها لو کانت مذبوحةً فباع لحمها، أو جلدها، جاز؛ لأنه یطهر بالذکاة، إلاالخنزیر". (ردالمحتار: ۵/۷۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، ۶/۱۳۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۴/۳۷۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "(وجلدالمیتة قبل الدبغ) یعني لا یجوز بیعه .... وبعده یباع". (تبیین الحقائق، ۴/۳۷۷، =

پنشن کی بیع

سوال[۷۷۹۴]: زید مسلم ومحکوم، بکر غیر مسلم حاکم حکومت موجودہ ہے:

۱......زید بکر کا ایک مدت (طے شدہ) تک ملازم رہا، بعد ختم مدتِ معینہ بکر نے زید کو بصلۂ حق الخدمت ایک رقم ماہانہ تازیست (۱) مقرر کر کے خدمتِ متعلقہ سے سبکدوش کر دیا۔

۲......یہ رقم ماہانہ مقرر شدہ تازیست زید، زید بکر دونوں کے علم میں ہے اور بکر کے قبضہ میں ہے۔

۳......زید اپنی ماہانہ مقرر شدہ رقم کا ایک جز بکر کو تازیست دے کر اس سے ایک معقول رقم یکمشت لینا چاہتا ہے، بکر رضامند ہے۔ زید اپنے اس اسقاط کا مختار اور بکر اپنے عطیۂ احسان کی صورت کو تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔

۴......زید اور بکر کا لین دین ہے تو تمام زندگی کے لئے لیکن میعادِ زندگی علمِ خداوندی میں ہے، اس لئے بکر زید کی زندگی کا ایک تخمینہ وانداز ہ بذریعہ اپنے مبصرین کے تعین کراتا ہے اور اس فرضی اندازے کی کل رقم یکمشت زید کو دے دیتا ہے، نہ اس میں کسی قسم کا سود ہے اور نہ طرفین میں سے کسی کو دھوکہ۔

اندازۂ عمر ایک فرضی قیاس ہے، نہ قطعی حکم۔ کیا شارع علیہ السلام وائمۂ عظام کے نزدیک بھی لین دین جائز ہے اور اس رقم سے کوئی کارِ خیر مثلاً حج وغیرہ ہوسکتا ہے؟ جواز وعدم جواز دونوں صورتوں میں بحوالہ کتبِ شرعیہ ارقام فرمانے کی زحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس معاملہ میں بظاہر ایک خرابی تو یہ ہے کہ جو چیز ابھی تک ملازم کے قبضہ میں نہیں آئی، وہ اس کی بیع

= کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دار الکتب العلمیة بیروت)

"ولا بیع جلود المیتة قبل الدباغ، ویجوز بعده، وینتفع به". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۸۵/۳، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۳۳/۶، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۱) "زیست: زندگی، حیات، عمر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۵۷، فیروز سنز لاهور)

کررہا ہے جو شرعاً ناجائز ہے، لکونه غیر مقدور التسلیم۔

دوسری (خرابی) یہ ہے کہ جس شئے پر ابھی تک ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی تھی، اس کی بیع کررہا ہے، یہ بھی ناجائز ہے، "نهی عن بیع مالا یملك۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ عمر کا تخمینہ خود ایک فرضی چیز ہے جس میں زیادتی کمی کا امکان غالب ہے، اس لئے ایک صورت میں ملازم کے پاس رقم زیادہ آنے کا امکان ہے اور دوسری صورت میں کم کا احتمال ہے، یہ بھی ممنوع ہے، لکونه قماراً۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر معاملہ ثمنین کا ہے تو اس میں یداً بید ومثلاً بمثلٍ ہونا ضروری ہے، وہ یہاں موجود نہیں لہذا ناجائز ہے، لکونه ربوا۔

لیکن ملازمت سے سبکدوشی پر تازیست ملازم کو رقم ماہانہ متعین کرکے بنام حق الخدمت دینا واجب نہیں، بلکہ تبرع ہے، جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کا دل چاہے دے نہ چاہے نہ دے۔ جس طرح ماہانہ رقم دینا تبرع ہے جبر نہیں، اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ اندازہ کرکے مجموعی رقم یکمشت دیدے۔ یہ درحقیقت احسان ہی کی ایک صورت ہے، اس میں اس لئے اصالۃً نہ بیعِ مالا یملک ہے، نہ بیعِ مالیس عندہ ہے، نہ قمار ہے، نہ ربوا، لہذا یہ لین دین شرعاً درست ہے:

ونظیره بیع العرایا، قال فی العنایة فی شرح الهدایة، ص: ۶۹۵، هامش فتح القدیر: "وتأویلها أن یهب الرجل ثمرة نخلة من بستانه لرجل، ثم یشق علی المُعْری دخول المعْریٰ له، الخ". (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۶/۴۱۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"قال: معنی ذلک عندنا أن یعری الرجل الرجل نخلةً من نخله، فلا یسلم ذلک إلیه حتی یبدو له، فرخص أن یحبس ذلک ویعطیه مکانه بخرصه تمراً". (فتح القدیر: ۶/۴۱۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"الثالث قول مالک رحمه الله تعالیٰ المشهور، والعرایا عنده أن یهب الرجل ثمرة نخلة أو =

فون پر بیع

سوال[۷۷۹۵]: یہاں دوکانیں کافی دور ہیں، فون پر سودا لکھا دیا، جب تیار ہوکر پوری بندھ گئی تو ملازم جاکر لاتا ہے۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ ''اگر خریدار بوقتِ وزنِ مبیع موجود نہ ہوں تو اس کا ظرف ہونا چاہیے'' اور فرمایا کہ ''یہ امر تعبدی ہے''(۱)۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے فرمایا: ''اگر مشتری کے نزدیک بائع قابلِ اعتماد ہو تو خود موجود ہونا ضروری نہیں ہے'' اور ظرف بائع کی طرف سے ہونے کی قید نہیں لگائی، اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ بیع بشرط الکیل والوزن نہ ہو(۲)، بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ

= نخلات من حائطه لرجل بعينه، ثم يتأذى بدخول موهوب له في حائطه لمكان أهل بيته في الحائط، فيجوز للواهب أن يشتري الثمار المعلّقة من الموهوب له بخرصها تمراً .... والرابع قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وتفسير العرايا عنده عين ما فسر به مالك غير أنه يقول: إنه ليس ببيع حقيقةً، وإنما هو استبدال موهوب بموهوب آخر قبل أن يقبضه الموهوب له". (تكملة فتح الملهم: ۱/۴۰۸، كتاب البيوع، باب بيع العرايا، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد والباطل: ۶/۵۲۱، سعيد)

(۱) (احسن الفتاویٰ، كتاب البيوع، مروجہ بیوع میں مشتری پراعادۂ وزن کی تحقیق: ۶/۴۹۷، سعید)

(۲) لیکن اس صورت میں مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے کہ مبیع اگر مکیلات یا موزونات کے قبیل سے ہو تو اس کی قدر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر قدر معلوم نہ ہو تو مبیع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

"لا يصح البيع إلا بمعرفة قدر المبيع والثمن ووصف الثمن إذا كان كلٌّ منهما غير مشار إليه، أما المشار إليه، فغير محتاج إليهما". (البحر الرائق: ۵/۴۵۶، كتاب البيع، رشيديه)

"والحاصل أن الأعواض إذا كانت غير مشار إليها، سواء كانت ثمناً أو مثمناً بشرط فيها معرفة المقدار في المبيع ومعرفة مقدار الثمن ووصفه". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشتري؛ لأن بيع المجهول فاسد.......... ولهذا لو كان =

اتنے روپے کی فلاں چیز دیدو، ہمارا آدمی آکر لے جائے گا، یا آپ اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دے۔ یہ بحث ہی نہ ہو کہ کس نرخ کا ہے، پھر بوری یا تھیلا کسی کا بھی ہو، سب طرح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۵ھ۔

غیر مسلم کا نابالغ بھتیجہ کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۷۹۶]: ایک غیر مسلم کا لڑکا نابالغ جس کا باپ مر چکا ہے، اس لڑکے کے حقیقی چچا موجود ہیں، چچا اپنی زمین اور اس لڑکے کے باپ کی زمین ولی بن کر فروخت کرنا چاہتا ہے، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ پنشن بیچنا جائز نہیں، یہ بیع جائز ہے یا نہیں، مسلمان خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے مذھب میں چچا کو حق ہے کہ بھتیجے کی زمین کو ولی ہونے کی حیثیت سے فروخت کردے تو مسلمان کو اس کا خریدنا درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۰/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ۱۴/شوال/۵۶ھ۔

بیعِ مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال

سوال[۷۷۹۷]: بہشتی زیور اختری پانچواں حصہ، ص: ۷، مسئلہ نمبر ۴ (۲) پر ایک حاشیہ جناب کا

= المبيع غير مشار إليه، لزم جنسه ونوعه وقدره ووصفه بما يرفع الجهالة الفاحشة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۳۰/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "ولو قهر الحربي بعض أحرارهم، فأراد بيعهم من المستأمن، ينظر: إن كان الحكم عندهم أن من قهر منهم صاحبه نفذ ملكه، جاز الشراء، وإلا فلا". (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب المستأمن: ۲۲۸/۳، رشيديه)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**مسئلہ:** نقد داموں پر ایک روپیہ کے بیس سیر گیہوں بکتے ہیں، مگر کسی کو ادھار لینے کی　　=

ہے، ''عـــ'' نشان دے کر بظاہر آپ کے حاشیہ کا مطلب متن کی عبارت سے میل نہیں کھاتی، کیونکہ متن میں بیس سیر اور پندرہ سیر کے الفاظ صاف درج ہیں اور آپ نے لکھا ہے کہ ''طے نہیں ہوا، بات گول مول رہ گئی''۔ ذرا اس کو دیکھ لیجئے، اگر مسامحۃً ہو تو درست کردیا جائے، ورنہ میری جسارت معاف فرما کر مجھے اس کی مختصر وضاحت لکھ بھیجی جائے۔

خادم سراج الحق مچھلی شہری، گورنمنٹ کالج، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارتِ حاشیہ بالکل متن کے مطابق ہے، متن میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: ایک جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین ہو جائے، دوسری عدمِ جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین نہ ہو کہ نقد لے گی۔ ''یا ادھار'' اسی کے حاشیہ پر ہے کہ: ''بات گول مول رہ گئی، نہ یہ طے ہوا کہ ادھار لے گی، نہ یہ طے ہوا کہ نقد لے گی''۔ اور اسی تعیینِ نقد ونسیہ وعدمِ تعیینِ نقد ونسیہ پر جواز وعدمِ جواز کا مدار ہے، اس تعیین وعدمِ تعیین سے نرخ کی تعیین وعدم تعیین مراد نہیں، کیونکہ نرخ دونوں صورتوں میں بیس سیر اور پندرہ سیر متعین ہے۔

اور عربی عبارت جو حاشیہ پر ہندیہ سے نقل کی ہے: ''وأما البطلان فيما إذا قال: بعتك بألف حالاً، الخ''۔

اس میں عدمِ جواز کی علت جہالتِ ثمن کو قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں ''ألف'' اور ''ألفين'' کے الفاظ صاف درج ہیں، لیکن چونکہ حالاً یا إلى سنة کی تعیین نہیں ہوئی، اس لئے ثمن کی بھی تعیین نہیں ہوئی۔

اسی طرح متن میں چونکہ نقد یا ادھار کی تعیین نہیں ہوئی، بات گول مول رہ گئی، اس لئے کہا جائے گا کہ بیس سیر یا پندرہ سیر کی بھی تعیین نہیں ہوئی کہ کس نرخ سے بیع ہوئی ہے، لہٰذا اس طرح بیع ناجائز ہے۔ ہاں! اگر یہ طے ہو جائے کہ نقد ہے یا ادھار ہے تو بیع درست ہے۔ امید ہے کہ اشکال حل ہو کر کہ انطباقِ حاشیہ علی المتن واضح

= وجہ سے اس نے روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں دیئے تو یہ بیع درست ہے، مگر اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے کہ ادھار مول لے گی''۔ (بہشتی زیور)

اور حاشیہ میں ہے: ''مطلب یہ ہے کہ اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ ادھار لے گی یا نقد تو جائز ہے اور اگر طے نہ ہوا اور بات یونہی گول مول رہ گئی تو جائز نہیں''۔ (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۵۰، عنوان: ''ادھار لینے کا بیان'' دار الاشاعت)

ہوجائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ٦٦ھ۔

بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت

سوال [۷۷۹۸]: آج کل جو آم بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ان کے متعلق معلوم نہیں کہ خریدار نے جو باغ خریدا ہے کس وقت خریدا ہے، آیا زمانہ کوہر میں خریدا ہے ایسی حالت میں بازار سے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق اور ظنِ غالب ہو کہ اس بائع نے بیع باطل سے خریدا ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے، اگر اس کی تحقیق یا ظنِ غالب نہ ہو تو اس کے خریدنے میں گنجائش ہے:

"وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجبٌ ماأمكن، إلا أن تقوم البينة، اه".

مبسوط سرخسی: ۱۷/ ۷۲۵ (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الأولیٰ/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لم أجد في المبسوط، وبمعناها في القواعد الفقهية: "أمور المسمين على السداد حتى يظهر غيره"، من مسائله أن من باع درهما وديناراً بدرهمين وديناراين جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحريا للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح، إلا إذا نص: أن الدرهم بالدرهم والدينار بالدينار فإنه يفسد البيع". (القواعد الفقهية، (رقم القاعدة: ۵۲)، ص: ٦۳، الصدف پبلشرز)

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۹۹]: افیون اور اسپورٹ اور اس جیسی نشہ آور اشیاء مثلاً گانجہ وغیرہ کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کو دواءً استعمال کیا جائے خارجاً یا داخلاً جائز ہے یا نہیں؟

شریف احمد کھرنی، مسجد اعظم نگر، بریلی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چار قسم کی شراب تو حرام ہے(۱)، اس کی تجارت بھی حرام ہے(۲)۔ اور اس کے علاوہ جو چیزیں نشہ

---

(۱) "الأشربة المحرمة أربعة: الخمر، وهی عصیر العنب إذا غلا واشتدّ أو قذف بالزبد. والعصیر إذا طبخ، حتی یذهب اقل من ثلثیه. ونقیع التمر، وهو السکر. ونقیع الزبیب إذا اشتدّ وغلا". (الهدایة: ۴۹۲/۴، کتاب الأشربة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۹۹/۸، کتاب الأشربة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴۴۸/۶، کتاب الأشربة، سعید)

(۲) "ان الذی حرم شربها، حرم بیعها وأکل ثمنها". (الهدایة: ۴۹۱/۴، کتاب الأشربة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ولایجوز بیعها، لحدیث مسلم: "الذی حرم شربها، حرم بیعها". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۴۹/۶، کتاب الأشربة، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۲۳/۳، کتاب الأشربة فصل فی معرفة الأشربة، رشیدیه)

آور ہیں ان کا استعمال بطورِ دوا اتنی مقدار میں کہ نشہ نہ ہو بوقتِ ضرورت جائز ہے (۱)۔ اور ان کی تجارت حرام نہیں، البتہ مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۹ھ۔

افیون وغیرہ کی بیع

سوال [۷۸۰۰]: گانجہ (۳)، بھنگ، افیون کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گانجہ، بھنگ، افیون کی تجارت مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کسی نے کرلیا تو صحیح ہوجائے گی:

---

(۱) "وإن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر، وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب". (ردالمحتار: ۴۲/۴، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الخامس: حد الشرب وحد السكر والأشربة، المبحث الرابع: أحكام الأشربة المسكرة غير الخمر: ۵۵۰۵/۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱۲۶/۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(۲) "وصح بيع غير الخمر مما مرّ، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. قلت: وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة: هل يجوز؟ فكتب: لايجوز. فيحمل على أن مراده بعدم الجواز عدم الحل". (الدرالمختار). "(قوله: وصح بيع غير الخمر): أي عنده، خلافاً لهما في البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله في البيع، وعلى قولهما في الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلا فعلى قوله، كما في التاتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح، لكنه يكره". (ردالمحتار: ۴۵۴/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ ہے کہ فروخت کنندہ کو معلوم ہو کہ خریدار اس کو نشہ کے طور پر استعمال کریگا۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو جائز ہے، كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية، فليراجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "گانجا: بھنگ کا پودا، ایک نشہ دار درخت کا نام جس کے بیج چلم میں رکھ کر پیتے ہیں"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۰۷۹، فيروز سنز، لاهور)

"(وصح بیع غیر الخمر): أی عنده، خلافاً لهما فی البیع والضمان، لکن الفتوی علی قوله فی البیع، وعلی قولهما فی الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك یعرف بالقرائن، وإلافعلی قوله، کمافی التاتارخانیة وغیرها. ثم إن البیع وإن صح، لکنه یکره، کمافی الخانیة".

شامی(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۴۵۴، کتاب الأشربة، سعید)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریدار مذکورہ چیزوں کو ناجائز طور پر استعمال کرے گا۔اور اگر فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریداران کو ناجائز طور پر استعمال نہیں کرے گا، یا خریدار کے استعمال کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرے گا، یا یہ معلوم ہو کہ خریداران کو ادویات میں ملائے گا تو ان صورتوں میں مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے۔البتہ اگر حکومت کی طرف سے مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت پر پابندی ہو تو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں:

"ثم السبب .... إن لم یکن محرکاً وداعیاً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لایحتاج فی إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر ممن یتخذه خمراً، فکله مکروه تحریماً بشرط أن یعلم به البائع والآجر من دون تصریح به باللسان، فإنه إن لم یعلم کان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام، عنوان: اقسام السبب وأحکامه: ۲/ ۴۵۲، مکتبة دارالعلوم کراچی)

"یجوز بیع العصیر ممن یعلم أنه یتخذه خمراً؛ لأن المعصیة لاتقوم بعینه بل بعد تغیره". (الدرالمختار). "(قوله: حتی یعلم) فیه إشارة إلی أنه لو لم یعلم، لم یکره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۶/ ۳۹۱، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

"(ویجوز بیع العصیر ممن یتخذ ه خمراً): أی من ذمی، فلو من مسلم، کره بالاتفاق؛ لأنه إعانة علی المعصیة، ومفاده أنه إن لم یعلم ذلک، لم یکره بلاخلاف". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۲۱۲، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، غفاریه کوئٹه)

"ان العصیر ممن یتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد به لأجل التخمیر، =

افیون کی تجارت اوراس کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۸۰۱]: ہمارے علاقے میں خاص طور سے ہمارے گاؤں میں لوگ افیون کا کاربار کرتے ہیں، اسی کاروبار سے جورقم حاصل ہوئی، زمین، کھیت اور باغ خریدے، اب ان میں کاشت بھی ہوتی ہے اور افیون کا کاروبار بھی جاری ہے۔ کیا ایسے لوگوں کی آمدنی درست ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اگر افیون کی کمائی سے مسجد، سرائے، یا دینی مدارس میں چندہ دیں تو کیسا ہے؟

حافظ رضی محمد ٹکرا، عثمان پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔ افیون کی آمدنی سے جو زمین خرید کر اس میں کاشت کرتے ہیں، اس کاشت کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا(۲)، ایسی آمدنی سے چندہ لینا بھی درست ہے اوران کے یہاں کھانا

= حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۹۷/۱، باب البيع الفاسد، إدارة القرآن كراچي)

"وشرب البنج للتداوى لابأس به". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۲۶/۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الأشربة: ۹/۲۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۲/۴، باب حد الشرب، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإنما طاب للبائع ماربح في الثمن .... لايطيب للمشترى: أى ماربح فى بيع يتعين بالتعين بأن باعه بأزيد". (الدرالمختار). "(قوله: بان باعه بأزيد) تصويرٌ لظهور الربح، فلا يطيب له ذلك الزائد عما اشترىٰ به، وأفاد أن ذلك في أول عقد. وأما إذا أخذ الثمن واتّجر وربح بعده أيضاً، يطيب له، لعدم التعين في العقد الثاني". (ردالمحتار: ۹۷/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ومن اشترى جارية بيعاً فاسداً وتقابضا وباعها وربح فيها، يتصدق بالربح. وإن اشترى البائع بالثمن شيئاً وربح فيه، طاب له الربح". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۱/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۰/۳، رشيديه) =

پینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیون کی بیع اور کاشت

سوال[۷۸۰۲]: افیون کی کاشت کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کی تجارت کے لئے کیا حکم ہے، اس کا حکم بحکم شراب ہے یا اس سے جدا ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کا کھانا حرام ہے، اگرچہ اس کی حرمت شراب کی حرمت سے کم درجہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے(۱) اور افیون کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے:

"ویحرم أكل البنج والأفيون والحشيشة، لكن دون حرمة الخمر، فإن أكل شيئاً من ذلك، لاحد عليه وإن سكر، بل يعزّر بما دون الحد". شامی ودرمختار(۲)۔

کاشت خشخاش کی کی جاتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی تجارت بھی جائز ہے(۳)۔ البتہ اس

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۰۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "يحد مسلم ناطق مكلف شرب الخمر ولو قطرةً أسكر من نبيذ طوعاً". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴/۳۷، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۶/۴۵۷، سعيد)

"حرمة أكل بنج وحشيشة وأفيون، لكن دون حرمة الخمر. ولوسكر بأكلها، لايحد، بل يعزّر". (ردالمحتار: ۴/۴۲، كتاب الحدود، باب حد الشرب، سعيد)

"ويحرم أكل البنج والحشيشة والأفيون لكن دون حرمة الخمر، فإن أكل شيئاً من ذلك، لاحدّ عليه، بل يعزر بمادون الحد". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۵۱، كتاب الأشربة، غفاريه كوئٹه)

(۳) "وجاز بيع العصير من خمار؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه، بل بعد تغيره .... ولأن العصير يصلح للأشياء كلها جائزة شرعاً، فيكون الفساد على اختياره". (البحر الرائق: ۸/۳۷۱، كتاب الكراهية، =

سے افیون نکال کر اس کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بوڑی کی بیع

سوال[۷۸۰۳]: بوڑی کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ بوڑی کی اصل یہ ہے کہ ایک درخت جس سے کہ افیم نکلتی ہے، اس میں پھول آتا ہے، اس کو بوڑی بولتے ہیں۔ اس کے پینے سے معمولی نشہ آتا ہے، چائے کی طرح اس کو پیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بوڑی نشہ ہی کے لئے استعمال ہو، دوسرا کوئی فائدہ اس سے نہ ہو تو اس کی بیع مکروہ ہے اگرچہ نشہ اس سے تھوڑا ہی ہوتا ہو(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۴/۱/۸۸ھ۔

= فصل في البيع، رشيديه)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذ خمراً؛ لأن المعصية لا تقوم بنفس العصير، بل بعد تغيره، فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۹۷، الفن الأول: مباحث النية، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "ثم السبب .... إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً .... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على =

تمباکو میں ریہی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۴]: زید مدت سے تمباکو کی تجارت کرتا ہے۔ پہلے ہر جنس کا نرخ ارزاں تھا اس لئے تمباکو میں صرف شیرہ ملا کر فروخت کرتے تھے، اس وقت تمباکو دو سیر کر کے بھی مزدوری ہاتھ آجاتی تھی، لیکن جب سے ہر چیز کی گرانی ہوئی ہے، ہر طرح کی دشواری ہوگئی ہے، تمباکو پر سرکاری ٹیکس اور تاوان اور زیادہ ہوگیا، اس لئے زید بمجبوری تمباکو میں ریہی ملا کر ۴/ سیر کے نرخ سے فروخت کر رہا ہے۔ اس کے سوا خالص تمباکو بھی بناتا ہے، چونکہ اس کا نرخ مہنگا ہے، اس لئے اس کی بکری بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر خریداروں کو ریہی کا ملانا بھی معلوم ہوگیا ہے، تاہم اسی کو زیادہ خریدتے ہیں۔ پس یہ تجارت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریداروں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اس میں ریہی بھی ہے، یہ خالص نہیں تو درست ہے(۱)۔ اور اگر اس کو خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے تو یہ دھوکہ ہے جو ناجائز ہے اور گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۲/ ۴۵۲، مكتبة دار العلوم كراچی)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً: أي من ذمي، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية. ومفاده أنه لو لم يعلم ذلك، لم يكره بلا خلاف". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره، فأوحي إليه أن "أدخِلْ يدك فيه". فادخل يده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غش". (بذل المجهود: ۵/۲۷۳، كتاب الإجارة، باب في النهي عن الغش، إمداديه ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً فقال: "ماهذا ياصاحب الطعام"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! =

آلاتِ لہو کی بیع

سوال[۷۸۰۵]: زید ایک دوکان کھولنا چاہتا ہے جس میں اس قسم کا سامان لگائے گا اور فروخت کرے گا کہ جس سے طبل ومزامیر تیار ہوتے ہیں، مثلاً: چادر پیتل کی کہ جس سے باجے بنتے ہیں، اس قسم کا دیگر سامان جس سے باجے تیار ہوتے ہیں۔ اور ایسے موقع اور مقام پر کھولنا چاہتا ہے کہ جہاں پر باجے بہت بنتے ہیں اور بازار بھی باجوں کا ہے۔ تو اس قسم کے سامان کی دوکان ایسے موقع پر کھولنا جائز ہے اور مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکره تحريماً بيع السلاح من أهل الفتنة إن علم؛ لأنه إعانة على المعصية، وبيع مايتخذ منه كالحديد ونحوه". درمختار۔ "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه بخلاف مالا يقاتل به، إلابصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بهاعينها، ولايكره بيع الخشب المتخذة هي منه"(۱)۔

= فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟ من غش فليس مني". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۸، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، قديمي)

"لايحل لمسلم باع من أخيه بيعاً وفيه عيب إلابيّنه له". (تبيين الحقائق: ۳۳۵/۴، كتاب البيوع، باب خيار العيب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة.......... لأنه إعانة على المعصية ....وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذي يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۲۶۸/۳، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية قيّد بالسلاح؛ لأن بيع مايتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولايكره بيع مايُتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر الرائق: ۲۴۰/۵، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدان﴾ [المائدة: ۲] وإنما يكره بيع نفس السلاح دون مالايقاتل به، =

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ ایسی تجارت کراہت سے خالی نہیں، اگر چہ اس کو بالکل ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ہارمونیم کی تجارت

سوال[۷۸۰۶]: میں ہارمونیم (۱) بنا کر سب عیب بتلا کر بیچتا ہوں، گانا بجاتا نہیں، خود دستکار ہوں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہارمونیم گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کی تجارت مکروہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۸/۱۷ھ۔

ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال[۷۸۰۷]: زید ریڈیو کا کام کرتا ہے اور گھر پر ریڈیو بھی رکھتا ہے، عمر اس پر اعتراض کرتا ہے کہ ریڈیو رکھنا جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ریڈیو کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں رکھا جاسکتا؟

= إلابصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألاترى أن العصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف لايكره بيعه؛ لأنه لامعصية فى عينها". (تبيين الحقائق: ۴/۹۹، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ہارمونیم: "ایک قسم کا انگریزی باجا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۴۲۸، فيروز سنز، لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۱۲۷، رقم الحاشية: ۱)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة وفى عساكرهم؛ لأنه إعانة على المعصية .... وإنما يكره بيع نفس السلاح لابيع مالايقاتل به إلابصنعة، ألاترى أنه يكره بيع المعازف ولا يكره بيع الخشب". (الهداية: ۲/۱۱۶، كتاب السير، باب البغاة، إمداديه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۶/۱۰۸، كتاب السير، باب البغاة، المصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

الجواب حامداًومصلیاً:

ریڈیو کی بیع ومرمت درست ہے، پھر اگر خریدنے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے، فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "لایکره بیع الجاریة المغنیة والکبش النطوح والدیک المقاتل والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکراً، وإنما المنکر فی استعمال المحظور. قلت: لکن هذه الأشیاء تقام المعصیة بعینها، لکن لیست هی المقصود الأصلی منها، فإن عین الجاریة للخدمة مثلاً والغناء عارض، فلم تکن عین المنکر، بخلاف السلاح فإن المقصود الأصلی هو المحاربة به، فکان عینه منکراً، إذا بیع لأهل الفتنة فصار المراد بما تقام المعصیة به ماکان عینه منکراً بلاعمل صنعة فیه، فخرج نحو الجاریة المغنیة؛ لأنها لیست عین المنکر". (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، کتاب الجهاد، باب البغاة، سعید)

"رجل آجر بیتاً لیتخذ فیه ناراً، أو بیعةً أو کنیسةً أو یباع فیه الخمر، فلابأس به، وکذا کل موضع تعلقت المعصیة بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوی: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، کتاب الکراهیة، الفصل التاسع فی المتفرقات، جنس آخر، امجد اکیڈمی لاهور)

"ولابأس بأن یواجر المسلم داراً من الذمی لیسکنها، فإن شرب فیها الخمر، أو عَبد فیه الصلیب، أودخل فیها الخنازیر، لم یلحق المسلمَ إثمٌ فی شئ من ذلک؛ لأنه لم یواجر ها لذلک، والمعصیة فی فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسی: ۴۳/۱۶، کتاب البیوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲۴۰/۵، کتاب السیر، باب البغاة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۹۹/۴، کتاب السیر، باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت)

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقینی پتہ چل جائے کہ وہ اس کو گناہ ہی میں استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے:

"ثم السبب إن لم یکن محرکاً وداعیاً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لایحتاج فی إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر =

بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل

سوال[۷۸۰۸]: میری تمام گذر بسر اس بات پر ہے کہ میں بینڈ باجہ فروخت کرتا ہوں، مگر گھر میں ہمیشہ بربادی رہتی ہے، ہروقت جیب خالی، پیٹ خالی، ہاتھ دوسروں کے سامنے پھیلا رہتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کام جانتا نہیں، یہ میرا مشغلہ ہے۔ میرے لئے کیا مشورہ ہے کہ میں اس بربادی سے چھٹکارا پاجاؤں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بینڈ باجہ بجانا ناجائز، اس کا سننا ناجائز ہے(۱)، اس کا فروخت کرنا ناجائز ہے(۲)۔ اس نحوست کا یہ اثر

= ممن يتخذه خمراً.......... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۱) "استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرامٌ، لقوله عليه الصلوة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكر، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لايسمع، لِمَا روى أنه عليه الصلوة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۴۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس، سعيد)

"دلّت المسئلة على أن الملاهي كلها حرام حتى التغني بضرب القضيب .... واختلفوا في التغني المجرد: قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً والاستماعُ إليه، لإطلاق مارويناه". (تبيين الحقائق: ۳۰/۷، ۳۱، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۱/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف، رشيديه)

(۲) "وكره بيع السلاح من أهل الفتنة .... لأنه إعانة على المعصية .... وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذي يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۲۶۸/۳، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية قيّد بالسلاح؛ لأن بيع مايتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولايكره بيع مايُتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر =

ہے کہ آمدنی زیادہ ہونے کے باوجود کوئی خیر برکت نہیں ہوتی۔ اللہ کے سامنے رو کر توبہ کریں اور حلال روزی مانگیں خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی مزدوری کرلیں اگرچہ اپنی شان کے خلاف ہو۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار، اول وآخر درود شریف ۱۱/ بار۔ نماز فجر کے بعد سورۃ ﴿إذاجاء نصر اللّٰه﴾ ۲۱/ بار، ظہر کے بعد ۲۲/ بار، عصر کے بعد ۲۳/ بار، مغرب کے بعد ۲۴/ بار، عشاء کے بعد ۲۵/ بار پڑھا کریں۔ نیز کوئی ایک وقت مقرر کرکے باوضو قبلہ رو بیٹھ کر درود شریف ۵۰۰/ بار پڑھا کریں، انشاء اللہ روزی فراغت کی ملے گی اور پریشانی دور ہوگی۔ خدائے پاک اپنا فضل فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۹]: ایک شخص کباڑی کا کام کرتا ہے جیسے پرانا لوہا اور پلاسٹک اور خالی شدہ بوتلیں خریدنے اور بیچنے کا کام کرتا ہے، اس میں شراب کی بھی خالی شدہ بوتلیں آجاتی ہے، وہ بوتل شراب بنانے والے کو فروخت کرتا ہے جس میں شراب ساز دوبارہ شراب بھی فروخت کرتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے شراب

= الرائق: ۵/ ۲۴۰، کتاب السیر، باب البغاة، رشیدیه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ [المائدة: ۲]

وإنما يكره بيع نفس السلاح دون مالايقاتل به، إلابصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألاترى أن العصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف لايكره بيعه؛ لأنه لامعصية فى عينها". (تبيين الحقائق: ۴/ ۱۹۹، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

"قلت: وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه، يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً، نهر". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه، بخلاف مالا يقاتل به إلا بصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيره كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها".

(الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۸، سعيد)

کی بوتلیں بیچنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو ان کو فروخت کرنا ایک حیثیت سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت ہے(۱) اور حدیث پاک میں شراب بیچنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، خریدنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اگر چہ وہ اس کو پیتا نہ ہو(۲)، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بیع أشیاء لیس لها مصرف إلافی المعصیة، فیتمحض بیعها وإجارتها وإن لم یصرح بها، ففی جمیع هذه الصور قامت المعصیة بعین هذاالعقد، والعاقدان کلاهما آثمان بنفس العقد، سواء ستعمل بعد ذلک أم لا". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام: ۴۴۸/۲، ارالعلوم کراچی)

"لکن الإعانة هی ماقامت المعصیة بعین فعل المُعِین، ولا یتحقق إلابنیة الإعانة أوالتصریح بها و تعینها فی استعمال هذا الشئ بحیث لایحتمل غیر المعصیة". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی سئلة الإعانة علی الحرام، أقسام السبب وأحکامه، القسم الثانی: ۴۵۲/۲، دارالعلوم کراچی)

"وماکان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، کتاب الحظر والإباحة،قبیل: فصل فی اللبس سعید)

"قال النووی: فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشهادة علیهما، وبتحریم الإعانة علی الباطل". (مرقاة المفاتیح: ۵۱/۶، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۸۰۷)، رشیدیه)

(۲) "عن أنس رضی الله تعالی عنه، قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إلیه، وساقیها، وبائعها، وآکل ثمنها، والمشتری لها والمشتری له". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثانی، قدیمی)

شراب کی خالی بوتلوں کی بیع

سوال[۷۸۱۰]: شراب کی خالی بوتلوں کولا کر بیچنا جائز ہے یانہیں؟ یہ بوتلیں شراب کی کمپنی میں جاتی ہیں اوران میں شراب بھری جاتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بوتل مالِ متقوم ہے(۱)، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا فی نفسہ درست ہے۔ جو شخص اس میں شراب بھرتا ہے وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے(۲)۔ بعض ائمہ نے اس کو بھی منع کیا ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کی اعانت علی المعصیۃ ہے، وهو الأحوط(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۱۲ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أو بعضهم، والتقوّم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعاً".

(ردالمحتار: ۵۰۱/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "لايكره بيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديك المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعماله المحظور". (تبيين الحقائق: ۱۹۹/۴، كتاب السير، باب البغاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا بأس بأن يواجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عَبَد فيها الصليب أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ في شيّ من ذلك؛ لأنه لم يواجرها لذلك، والمعصية في فعل المستاجر". (المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفارية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۲۴۰/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۸/۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

(۳) "وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. وقيل: يكره لإعانته على المعصية". (ردالمحتار: ۳۹۰/۶، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، سعيد)

لیکن اگر بائع کو معلوم ہے کہ خریدار اس کو ناجائز کام میں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے: =

پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت

سوال[۷۸۱۱]: ۱..... پتنگ کی ڈور کا کاروبار یعنی اسکی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

۲..... آتشبازی کا کاروبار اور کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو ڈور صرف پتنگ کے کام آتی ہے، اور کسی کام میں نہیں آتی ہے اس کا کاروبار مکروہ ہے(۱)۔

۲..... یہی حکم آتشبازی کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۲/۵ھ۔

= "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً .... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۱) پتنگ بازی اور آتشبازی کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱- کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى رجلاً يتبع حمامةً فقال: "شيطان يتبع شيطانةً". (أبو داؤد: ۱۹۴/۲)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دنیویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

۲- مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہو جانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے: ﴿ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة﴾.

۳- پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہو کر اڑائے جاتے ہیں، جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ .... =

آتش بازی بنانا اور اس کی تجارت کرنا

سوال[۷۸۱۲]: آتش بازی بنانے والے کی آمدنی کیسی ہے، کیا آتش بازی بنانا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! گناہ ہے(۱)، مگر اس کی تجارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۴- بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں، اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس پر آڑ نہ ہو۔

۵- بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ معصیت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔ (أحسن الفتاوی: ۸/۱۷۶، باب متفرقات الحظر والإباحة، سعید)

(وكذا في جواهر الفقه، باب أحكام القمار، عنوان: پتنگ بازی اور کبوتر بازی: ۲/۳۵۰)

(وبهشتی زیور، ص: ۳۰۸، ششم)

اسی وجہ سے پتنگ بازی کا سامان فروخت کرنا اعانت علی المعصية کی بناء پر ناجائز ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل".

(مرقاة المفاتيح، باب الرباء، الفصل الأول: ۶/۵۱، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۲/۲۸، باب الربا، قديمي)

(۱) چونکہ آتش بازی میں مال فضول اور بے محل صَرف ہوتا ہے اور قرآن کریم میں مال کے فضول اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، نیز دین ودنیا کا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بھی یہ ممنوع اور ناجائز ہے: .... =

....

= قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشيٰطين﴾ (الاسراء: ۲۷)

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه".

(الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۵/۶، سعيد)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول .... "كل شئ يلهو به الرجل باطلٌ إلارميه بقوسه، وتأديبه فرسه، وملاعبته امرأته، فإنهن من الحق".

(مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الثاني، ص: ۳۳۷، قديمي)

(وكذا في جواهر الفقه، باب أحكام القمار: ۳۵۸/۲)

(وبهشتي زيور، ص: ۴۰۸، حصۂ ششم)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلافي المعصية، فيتمحض بيعها وإجارتها وإن لم يصرح بها، ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذاالعقد، والعاقدان كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلك أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۸/۲، دارالعلوم كراچي)

"لكن الإعانة هي ماقامت المعصية بعين فعل المُعِين، ولا يتحقق إلابنية الإعانة أوالتصريح بها أو تعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل غير المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الاعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، دارالعلوم كراچي)

"وماكان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، كتاب الحظر والإباحة،قبيل: فصل في اللبس سعيد)

"قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل".

(مرقاة المفاتيح: ۵۱/۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۸۰۷)، رشيديه)

بظاہر کراہت کا قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان جیسے مسائل کے متعلق حلت کا قول منقول ہے:

"ويجوز بيع البربط والطبل والمزمار والدف والنرد وأشباه ذلك في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعندهما لايجوز بيع هذه الأشياء قبل الكسر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۶/۳، كتاب =

مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا

سوال[۷۸۱۳]: ہمارے ملک برما میں ہندو مسلم مشترکہ آبادی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں ایک رسم رائج ہے، وہ یہ کہ جب ان میں کا کوئی اولاد حدِ بلوغ کو پہونچ جاتی ہے تو اس کے سر کو منڈوادیتے ہیں اور ایک کپڑا بطورِ کفنی (۱) کے بمقدار تیرہ ہاتھ لمبائی کے ہلدی سے رنگ کر اس لڑکے کو پہنادیتے ہیں۔ پہنانے کے بعد کسی مندر کے سادھو کو دیتے ہیں، اس قسم کے کپڑا کو برہمی زبان میں "پھونگی تنگا" (سادھو کا لباس) کہتے ہیں۔ پھونگی بمعنی "سادھو"۔ چاؤں بمعنی "مندر"۔ اور یہ لباس مذکور سوائے سادھوؤں کے کوئی استعمال نہیں کرتا۔

اس قسم کا کپڑا مسلمانوں کو خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جو کہ خاص سادھوں کے شعار میں سے ہے؟ بینوا بالدلیل والتفصیل وتوجروا بأجر جزیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا کی خرید وفروخت مسلمانوں کے لئے شرعاً درست ہے، پھر کفار اس کو خرید کر اور رنگ کر جس طرح اور جس کام کے لئے چاہیں استعمال کریں، مسلمانوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ اور مخصوص طور پر

= البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۳۰۳/۷، کتاب البیوع، الفصل السادس فیما یجوز ومالایجوز بیعه، نوع آخر فی بیع المحرمات، غفاریه کوئٹه)

(۱) "کفنی: فقیروں کے پہننے کا پیراہن جو مردے کی کفنی کی طرح ہوتا ہے۔ وہ بے آستین کرتا جو مردے کو پہناتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۷، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "لایکره بیع الجاریة المغنیة، والکبش النطوح، والدیک المقاتل، والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکراً، وإنما المنکر فی استعماله المحظور". (تبیین الحقائق: ۱۹۹/۴، باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"رجل آجر بیتاً لیتخذ فیه ناراً أو بیعةً أو کنیسةً، أو یباع فیه الخمر، فلابأس به، وکذا کل موضع تعلقت المعصیة بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوی: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، امجد اکیڈمی لاهور) =

ایسا کپڑا بھی فروخت کرنا درست ہے جو کہ مخصوص ہے اور سادھوں کا شعار ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک یہ کفار کا شعار کچھ اعزاز کی چیز نہیں، بلکہ وضع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے:

"وفي المحيط: لايكره بيع الزنانير من النصراني والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلك إذلالٌ لهما". درمختار، ص: ۲۴۵(۱)۔

تاہم ایسی تجارت سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا

سوال[۷۸۱۴]: ہمارے محلہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور، سیندور(۲)، گنیش کی مورتیں(۳)، نرسودھا، ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلم کے پوجا کے بھی کام میں آتی ہیں اور خود وہ

= "ولا بأس بأن يواجر داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر، أو عبَدَ فيها الصليب، أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ في شيء من ذلک؛ لأنه لم يواجرها لذلک، والمعصية في فعل المستأجر". (المبسوط للسرخي: ۴۳/۱۶، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۹۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"لايكره بيع الزنانير من النصراني، والقلنسوة من المجوسي؛ لأن ذلک إذلالٌ لهما". (تبيين الحقائق: ۲۵/۴، كتاب الكراهية، فصل في بيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "گنیش: شوجی اور پاربتی کا بیٹا، جسے ہندو دانائی اور مشکل کشائی کا دیوتا مانتے ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۰، فیروز سنز، لاهور)

چیزیں نجس یا حرام نہیں جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے(۱)، ان کا مسجد میں دینا درست ہے۔ اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۲)، ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کرکے دیں تو مسجد میں لیا جائے گا ورنہ نہیں(۳)، اللہ تعالیٰ پاک مال کو قبول فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۱۱ھ۔

تعلیمی تاش کی بیع

سوال[۷۸۱۵]: تعلیمی تاش کی بیع اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی کا خریدنا، فروخت کرنا اور کھیلنا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنو إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه سمع رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول عام الفتح وهو بمکة: "إن اللہ ورسو له حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (مشکو ة المصابیح، ص: ۲۴۱، کتاب البیو ع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) "والحاصل أن جواز البیع یدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/۶۹، کتاب البیو ع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، کتاب البیو ع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

"والضابط عندهم أن کل مافیه منفعة تحل شرعاً، فإن بیعه یجوز؛ لأن الأعیان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الأول، عقد البیع، المبحث الرابع: البیع الباطل والبیع الفاسد: ۳۴۳۱/۵، رشیدیه)

(۳) "عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "إن اللہ طیب لایقبل إلا طیباً، وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمربه المرسلین". الخ. (مشکوة المصابیح، کتاب البیو ع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

فی نفسہ یہ مالِ متقوم ہے، خرید وفروخت درست ہے(۱)، لیکن یہ تاش اور اس کا کھیلنا بسا اوقات پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتا ہے قمار کا کہ اس پر مالی ہار جیت کا معاملہ ہونے لگتا ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت سے اور کھیل سے احتراز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أوبعضهم، والتقوم إذاً يثبت بالمالية وبإباحة الانتفاع به شرعاً".
(ردالمحتار: ۴/۵۰۱، كتاب البيوع، سعيد)
(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) "وماكان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

"عن الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع مايريبك إلى ما لا يريبك". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب الحلال وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمي)

واضح رہے کہ مذکورہ تعلیمی تاش کا حکم عام تاش سے مختلف ہے، کیونکہ عام تاش کسی معتد بہا فائدہ سے خالی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا ہے وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں، اور رقم بھی دوطرفہ ہو یا یک طرفہ، ہر حال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں، حدیث میں ہے:

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلة بقوسه". [ردالمحتار: ۵/۲۵۳] کبوتر بازی، پتنگ بازی، بیٹر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں"۔(جواهر الفقه: ۲/۳۵۸، دارالعلوم كراچي)

(نور الدین عفااللہ عنہ)

مہوا کی بیع غلہ سے

سوال[۷۸۱۶]: مہوا(موہا)(۱) سے کوئی اناج برابروزن یا کم وبیش بدل سکتے ہیں یانہیں؟

محمدعثمان بمبئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بدل سکتے ہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع

سوال[۷۸۱۷]: مہوا کی خرید وفروخت جائز ہے یانہیں،جبکہ لینے والااس سے شراب کشید کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''مہوا'' خودنجس یا نشہ آور نہیں، اس کی بیع جائز ہے، پھر خریدار اپنے عمل سے خود اس سے شراب

---

(۱)''مہوا:ایک درخت جس کا پھل کھاتے،بیجوں کا تیل نکالتے اور پھولوں کی شراب بناتے ہیں''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۴، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "(فإن وجد الوصفان): أی الكيل أو الوزن مع الجنس، حرم الفضل. وإن عدما، حلّا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۱/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئته)

"(فحرم الفضل والنسأ بهما): أی بالجنس والقدر، لمابيّنا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم النسأ وحل التفاضل بوجود أحدهما". (تبيين الحقائق: ۴۵۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(وحرم الفضل والنسأ بهما، والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم التأخير لاالفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۲۱۳/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۷۲/۵، سعيد)

(وكذا فی الهداية: ۸۱/۳، كتاب البيوع، باب الرباء، مكتبه شركت علميه ملتان)

بناتا ہے تو یہ اس کا عمل ہے، مہوا فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)، خود یہ نیت نہ کرے کہ شراب بنانے کے لئے فروخت کررہا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۵ھ۔

چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کردینا

سوال[۷۸۱۸]: چھوٹے گز رکھنا اور اس سے کپڑا ناپ کردینا کیسا ہے، اس طرح کمائی ہوئی رقم کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "وجاز بيع العصير من خمار؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره .... ولأن العصير يصلح الأشياء كلها جائز شرعاً، فيكون الفساد إلى اختيار". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۶۴/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويجوز بيع عصير العنب ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بنفس العصير، بل بعد تغيره، فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقو م بعينه بل بعد تغيره".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "أن بيع العصير ممن يتخذه خمراً إن قصد به التجارة، فلا تحرم. وإن لأجل التخمير حَرُم".

(الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۹۷/۱، إدارة القرآن كراچى)

"ولكن الإعانة حقيقةً هي ماقامت المعصية بعين فعل المُعين ولايتحقق إلابنية الإعانة، أو التصريح بها، أو تعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثاني: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرفاً جس قدر گز لوگوں میں مشہور ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں، اس سے چھوٹے گز رکھنا اور اس سے ناپ کر کپڑا بیچنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے(۱)۔ خریدار نے بڑے گز کی قیمت دی ہے، حالانکہ اس کو کپڑا چھوٹے گز سے دیا گیا ہے تو جس قدر قیمت زائد وصول کی ہے، وہ اس کے لئے ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا

سوال[۷۸۱۹]: آج کل جو لوگ دودھ کی تجارت کرتے ہیں، دودھ میں پانی ملا کر بیچتے ہیں، کچھ بھینسوں والے پانی ملا کر دوکانداروں کو دیتے ہیں، پھر دوکاندار اس میں اَور پانی ملا کر بیچتے ہیں، اس لئے دودھ میں مزا بھی نہیں رہتا۔ اگر دوکانداروں کو کہتے ہیں کہ بھائی اب ۵ اور ۶/ سیر کے دام لیتے ہیں تو دودھ میں پانی

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ياصاحب الطعام! ماهذا"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی يراه الناس"؟ ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذی، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ماجاء فی كراهية الغش فی البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۵۹۲۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۸۷۸)، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(۲) "وإن باع ثوباً علی أنه عشرة أذرع كل ذراع بدرهم، أخذه المشتری بعشرة لو عشرةً ونصفاً بلاخيار، وبتسعةٍ لوتسعةً ونصفاً بخيار. ولو قال: كل ذراع بكذا ونقص، أخذ بحصته أو ترك. وإن زاد، أخذ كل ذراع بكذا أو فسخ، لما قدمنا أنه وإن كان وصفاً إذا أفرد بثمن صار أصلاً، وارتفع عن التبعية، فنزل كل ذراع منزلة ثوب". (البحر الرائق: ۴۸۶/۵، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲۸۴/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۲۴/۳، كتاب البيوع، الباب الثامن فی جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن البائع أو المشتری أنه أقل أو أكثر: ۵۴۴/۴، سعيد)

ملا کر نہ دو۔ اس پر جواب ملتا ہے کہ ہم پانی ملا کر ہی دیں گے، تمہارا جی چاہے لو یا نہ لو۔ اس پر انہوں نے جواز کا فتویٰ گھڑ رکھا ہے، ہم تو کہہ دیتے ہیں، چونکہ ضرورت مند جیسا ملتا ہے، یہ مجبوری لے کر کھا پی لیتے ہیں، لیکن دل بہت دُکھتا ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ دھوکہ نہیں دیتے، بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں پانی ملا رکھا ہے، تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن حكيم بن حزام رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا وبيّنا بُورِكَ". الحديث(الصحيح لمسلم). قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "أى بين كل واحد لصاحبه مايحتاج إلى بيانه من عيب ونحوه في السلعة والثمن، وصدقه في ذلك". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين: ۶/۲، قديمى)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار، مالم يتفرقا، فإن صدقا": أى فى صفة المبيع والثمن وما يتعلق بهما "وبيّنا": أى عيب الثمن والمبيع "بورك": أى أكثر النفع "لهما فى بيعهما": أى شرائهما، والمرادفى عقدهما "وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما". (مرقاة المفاتيح: ۴۶/۶، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الاول، رشيديه)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المسلم أخو المسلم، ولايحل لمسلم باع من أخيه بيعاً فيه عيب، إلابيّنه له". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۲، باب من باع عيباً فليبيّنه، قديمى)

"أجمع الفقهاء على أن البراءة من عيوبٍ سماها للمشترى ولم يرها جائزةٌ". (إعلاء السنن: ۹۳/۱۴، باب البيع بالبراءة من كل عيب، إدارة القرآن كراچى)

"وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۷۳/۱، باب الخيارات ومطالبه، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۹، (رقم المادة: ۱۸۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴۲/۵، مطلب فى البيع بشرط من كل عيب، سعيد)

دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۰]: فی الحال گاؤں میں چالیس روپے کا ایک بورہ دھان فروخت ہوتا ہے، بیوپاری لوگ مالک سے دو روپیہ زیادہ دے کر خریدتے ہیں یعنی نقد بیالیس روپیہ سے خریدتے ہیں، پھر بیوپاری لوگ اس دھان میں پانی ملا کر آڑھت والے کو فروخت کرتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مالک جانتا ہے کہ بیوپاری اس دھان میں پانی ملا کر فروخت کرے گا تو اس مالک کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ وہ جاننے کے باوجود بیوپاری کو دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نقد روپے سے بیع ہورہی ہے تو ناجائز نہیں ہے۔

اب کہنا یہ ہے کہ مالک جاننے کے باوجود بیوپاری کو وہ مال فروخت کرلے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب اور نام حوالہ فرما کر دین کی بڑی خدمت انجام دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس علم کے باوجود مالک کے لئے بیوپاری کے ہاتھ اصل دھان کا فروخت کرنا درست ہے(۱)، بیوپاری اگر اس میں پانی ملا کر دھوکہ دے کر فروخت کریگا تو وہ خود گنہگار ہوگا: "من غشنا فلیس منا". الحدیث(۲)۔ اصل مالک قدیم پر اس کا گناہ نہیں ہوگا: ﴿ولا تزر وازرۃٌ وِزرَ أخری﴾(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۵۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۴، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) (سنن ابن ماجۃ، ص: ۱۶۱، باب النهی عن الغش، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۱۱/۵۹۲۴، (رقم الحدیث: ۸۸۷۹)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول صلی الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره فأوصی إليه أن "أدخل يدک فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلی عليه وسلم: "ليس منا من غشنا". (سنن أبی داؤد، باب فی النهی عن الغش: ۱/۱۳۳، إمداديه ملتان)

"عن واثلة بن الأسقع رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: "من باع عيباً لم ينبه، لم يزل فی مقت الله، أولم تزل الملائكة تلعنه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۹، كتاب البيوع، باب المنهی عنها من البيوع، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) (سورة فاطر: ۱۸)

ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا

سوال[۷۸۲۱]: ایک غیر مسلم نے اپنی مملوکہ زمین ایک مسلم کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ کیا، خریدار نے اس زمین کی قیمت ساڑھے آٹھ سو روپے لگائی۔ یہی گفتگو ایک دوسرا مسلمان سن رہا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بات میں کوئی دخل نہیں دیا، مگر غیر مسلم مالک نے خریدار سے یہ کہا کہ میں سوچ کر تم کو اس کا جواب دوں گا۔ خرید وفروخت کی کوئی پختہ بات نہیں ہوئی تھی کہ مجلس برخواست بعد ہوگئی۔ ازاں دوسرے مسلمان نے غیر مسلم مالک زمین سے زمین کو ۹۶۰/ روپیہ میں خرید لیا۔ پس اب دریافت طلب یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے استحقاق خریدار زمین پہلے شخص کو ہے جس نے ۸۵۰/ روپیہ زمین کی قیمت لگائی تھی، یا دوسرے شخص کو ہے جس نے ۹۶۰/ روپیہ میں وہ زمین خریدی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے آٹھ سو پچاس روپے قیمت لگائی تھی، مالک نے زمین اس کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے ہاتھ اس قیمت پر فروخت کردوں گا، بلکہ یہ کہا کہ ''یہ سوچ کر جواب دوں گا'' وہ مجلس بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد دوسری مجلس میں دوسرے شخص نے نوسوساٹھ روپے میں قطعی طور پر خرید لی تو وہ اس کی ملک میں آگئی، پہلے شخص کا اس میں قضاءً کوئی حق نہیں رہا، البتہ دوسرے شخص کے لئے افضل یہ تھا کہ جب پہلے شخص کو اس کی تجویز کردہ قیمت پر فروخت کرنے سے مالک انکار کردیتا تب اس سے معاملہ کرکے خریدتا، تاہم پہلا شخص اب دوسرے شخص سے لینے کا حقدار نہیں:

”ولابأس ببيع مَن يزيد وهو بيع الفقراء، وبيع من كسدت بضاعته. والاستيام على سوم الغير مكروهٌ. والفرق بين المزايدة والاستيام على سوم الغير أن صاحب المال إذاكان ينادى على سلعته، فطلبها إنسان بثمن فكفّ عن النداء، وركن إلى ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد في ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكفّ عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً على سوم الغير.

وإن كـان الـدلال هـو الـذی ينادی علی السلعة وطلبها إنسان بثمن، فقال الدلال: حتی أسـأل، فـلابـأس لـلـغير أن يـزيد بعد ذلك فی هذا الحآلة، فإن أخبر الدّلال المالك، فقال: بعه بـذلك واقبـض الثـمـن، فـلـيـس لأحـد أن يـزيـد بعد ذلك، وهذااستيام علی سوم الغير، كذا فی المحيط". فتاوی عالمگيری:۳/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۰، كتاب البيوع، الباب العشرون فی البياعات المكروهة، رشيديه)

"والاستيـام عـلـی سـو م الـغير مكروه، قال عليه الصلوة والسلام: "لايستا م الرجل علی سوم أخيه". فـظـن بعض الناس أن بيع المزايدة استيامٌ علی سوم الغير، وليس كذلك، والفرق بين المزايدة وبيـن الاستيام علی سوم الغير عرفاً أن صاحب المال إذا كان ينادی علی سلعة فطلبه إنسان بثمن، فكفّ عـن الـنداء، وركن إلی ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد فی ذلك، وهذا استيام علی سوم الـغيـر. وإن لـم يكف عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً علی سوم الغير". (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۸/۲۶۱، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون فی البياعات المكروهة والإباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن أبی هريرة رضـی الله تـعـالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "لايسـم المسلم علی سوم أخيه". قوله: "لايسم المسلم علی سوم أخيه" صورة السوم أن يتراضيا بثمن ويقع الركون به، فيـجـیء آخر، فيدفع للمالك أكثر أومثله. قال الخير الرملی: ويد خل فی السوم الإجارة. والحاصل أن مـو قـع الـنهی إن مايأتی بعد استقرار الثمن بين البائع والمشتری الأول وبعد ركونهما إلی البيع .... مـفاد هذاالنهی عند الجمهور هوكراهة البيع علی بيع أخيه والسوم علی سوم أخيه، فلوفعل أحدٌ ذلك، صح البيع". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل علی بيع أخيه وسومه علی سومه وتحريم النجش: ۱/۳۲۵، دارالعلوم كراچی)

(وكـذا فـی إعـلاء الـسـنـن: ۱۴/۱۸۳، كـتـاب الـبـيـوع، بـاب الـنهی عن سوم بعض علی بعض، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۱۰۱، سعيد)

غیر قانونی مال خرید کر دوسرے مُلک میں فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۲]: بنگلہ دیش کا سامان لاکر انڈیا میں فروخت کرتے ہیں جو انڈیا کی سرکار کے خلاف ہے۔ تو انڈیا کے لوگوں کو وہ سامان خرید کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جو سامان خریدے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے(۱)، اس کو اپنے سامان کا حق ہوجاتا ہے کہ خود استعمال کرے، یا کسی کو ہبہ کردے، یا فروخت کرے(۲)۔ اور پھر اس سے خریدنے والے کو اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، کیونکہ وہ مالک ہوگیا، لیکن آدمی جب کسی حکومت کے ماتحت رہتا ہے تو اس کے قانون کی پابندی قانوناً لازم ہوتی ہے، اس کے خلاف کرنا قانونی چوری ہے(۳)، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے، اپنی عزت ومال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وأما حکمه فثبوت الملک فی المبیع للمشتری، وفی الثمن للبائع إذا کان البیع باتاً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۳، کتاب البیوع، رشیدیه)

"ومحله المال، وحکمه ثبوت الملک: أی فی البدلین لکل منهما فی بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، کتاب البیوع، سعید)

(۲) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء.........اهـ". (شرح المجلة لسلم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لایمنع أحد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغیره .... اهـ". (شرح المجلة، الکتاب السابع فی الحجر والإکراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۶۵۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴۴۸/۵، کتاب القضاء، باب القاضی إلی القاضی وغیره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب لهم ذلک، سعید)

(۳) "لأن طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة فرض، فکیف فیما هو طاعة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعید)

راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۳]: آج کل راشن میں شکر اور ڈالڈا اور دیگر اشیاء- جو راشن کارڈ میں ملتی ہیں- اپنے کارڈ سے حاصل کر کے اس کو بلیک دام میں- جو عموماً زیادہ ہوتے ہیں- لوگ فروخت کر لیتے ہیں، اس سے ان کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راشن کارڈ کے ذریعہ سے خرید کر آدمی مالک ہو جاتا ہے(۱)، مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے(۲) لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر یہ خلافِ قانون ہے تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۹ھ۔

کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۷۸۲۴]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے، اگر دلال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ

---

(۱) "وحكمه ثبوت الملك للمشترى في المبيع، وللبائع في الثمن إذا كان باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۲۷۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشترى، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة". (الدر المختار: ۴۶۳/۶، كتاب الصيد، سعيد)

(۲) "هو (أي البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضي". (البحر الرائق: ۴۲۹/۵، كتاب البيع، رشيديه)

"أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۷۵/۴، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے، نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرول ریٹ کے دام سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے، نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے (۱)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تسعیر یعنی کنٹرول ریٹ مقرر کرنا زیادتی بھاؤ کی وجہ سے جائز ہے: "وإن كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضي عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورة أهل الرأي والبصر، فإذا فعل ذلك، ثم تعدّىٰ رجلٌ عن ذلك القدر، فباعه بثمنٍ فوقه، أجازه القاضي يعني أمضاه ولم يبطله". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار: ۸/ ۲۶۸، غفاريه كوئٹه)

"فإن باع بأكثر مما سعره، أجازه القاضي". (مجمع الأنهر: ۴/ ۲۱۵، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

"وظاهره أنه لو باعه بأكثر، يحل وينفذ البيع. ولا ينافي ذلك ما ذكره الزيلعي وغيره من أنه لو تعدّى رجلٌ وباع بأكثر، أجازه القاضي؛ لأن المراد أن القاضي يُمضيه ولا يفسخه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/ ۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۳۷۱، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۲) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة .... وتعتبر القيمة يوم الوجوب .... ويقوّم في البلد الذي المال فيه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/ ۲۸۵، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۷۸۲۵]: ۱......اگر کوئی شخص بوجہِ مجبوری روپیہ ادھار لیتا ہے اور پھر کوئی چیز اس کی ادائیگی میں دیتا ہے تو روپیہ دینے والا شخص بازاری قیمت سے کافی کم قیمت لگاتا ہے، جیسے دھان کی قیمت ۱۶۰/، مگر بھاؤ طے کرتا ہے ۱۰۰/روپے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

۲...... نقد بیل یا بھینس کی قیمت ۲/ ہزار ہے تو ادھار میں کچھ دینے کے بعد بھی دوگنی سے ڈھائی گنی لی جاتی ہے۔ اس میں لینے والے کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲......خرید وفروخت میں اگر قیمت نقد دیجائے تو عموماً وہ کم ہوتی ہے، ادھار کا معاملہ ہو تو قیمت زیادہ ہوتی ہے، شرعاً یہ درست ہے(۱)، لیکن زیادہ فرق بے مروّتی ہے، خاص کر جب کہ خریدار حاجت مند ہو کہ اس

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسو ل الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

قال الترمذي: "وقد فسّر بعض أهل العلم: قالوا: بيعتين في بيعةٍ أن يقول: أبيعُک هذاالثوب بنقدٍ بعشر وبنسيئةٍ بعشرين ولايفارقه على أحد البيعتين، فإذا فارقه على أحدهما، فلابأس إذا كانت العقدة على واحد منها". (جامع الترمذي: ۲۳۳/۱، باب النهي عن بيعين، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أوقال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم من شرطين في بيع......... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتمّا العقدعليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۹/۱۳، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه) =

کے پاس گذارہ کرنے کے لئے غلہ نہیں ہے، یا کھیتی کا وقت ہے بیل نہیں ہے۔

نقد ادا کرنے کے لئے روپیہ بھی نہیں ہے، مجبوراً ادھار لیتا ہے تو وہ مستحق رحم وشفقت ہے، اس کو مجبور اور بے بس پاتے ہوئے زیادہ قیمت لینا خلافِ مروت ہے۔ حدیث میں ہے: ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' (۱) اور: ''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں ہوتا ہے'' (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال [۷۸۲۶]: ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرے تو بیع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فروخت کرتے وقت بات صاف کر لی جائے کہ مثلاً دو ماہ بعد قیمت دی جائے گی اور یہ قیمت ہے تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۷ھ۔

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذاملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۷۶/۳، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختارمع رد المحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۲/۶، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۷، ۸، دارالعلوم كراچی)

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرّحمون يرحمهم الرحمن، ارْحموا مَن في الأرض، يرحمكم من في السماء". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۳، قديمی)

(۲) "عن جرير بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايرحم الله من لايرحم الناس". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۱، قديمی)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومةً في البيع بالتأجيل والتقسيط =

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی

سوال[۷۸۲۷]: زید نے ایک رکشا چار سو روپے کا خریدا اور زید نے اس رکشے کو ساڑھے چھ سو روپے میں دیا اور اس وقت بکر سے زید نے پچاس روپے لیا اور بقایا چھ سو روپے ساڑھے بارہ روپے کے ہفتہ کے حساب سے دیتا رہے، جب تک رقم وصول نہ ہو جائے یہ قسط دیتا رہے گا اور رقم پوری ہو جانے کے بعد رکشا بکر کے نام کر دیگا۔ اس مدت میں رکشا بکر بھی استعمال میں لائے گا اور توڑ پھوڑ کا ذمہ دار بکر ہی ہوگا۔ تو اس طرح سودا کرنا درست ہے یا نہیں، جبکہ ادھار کی آسانی کی وجہ سے ۴۰۰/ کی قیمت ۶۰۰/ ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح کی ہے: "الاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل"(۱)۔ لیکن اتنی زیادتی نہ کی جائے جو کہ عرفاً قابلِ برداشت نہ ہو

= إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوماً أو شهراً، أو إلى وقت معلوم عند العاقدين كيوم قاسم أو النيروز، صح البيع إذا كان يوم القاسم أو النيروز معلوماً عند المتبايعين. أما لو كان مجهولاً عندهما أو عند أحدهما فقط، فلايصح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴، ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۱) (الهداية: ۶۷/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو اشترى بألف نسيئة وباع بربح مأة ولم يبين، خيّر المشتري؛ لأنه يزاد على الثمن لأجل الأجل، فكان له شبهة بالمبيع، والشبهة في هذا الباب ملحقة بالحقيقة". (تبيين الحقائق: ۴۳۳/۴، كتاب البيوع، باب التولية، دار الكتب العلمية بيروت)

"من اشترى ثوباً بعشرة نسيئةً وباعه بربح واحد حالاً، ولم يبين ذلك فعلم المشتري خيانته، يصير مخيراً: إن شاء رده، وإن شاء قبله؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع، الاترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (مجمع الأنهر: ۱۱۲/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

کہ یہ خلافِ مروّت ہے(۱)۔ فقہاء نے بیع مرابحہ کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اس میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا

سوال[۷۸۲۸]: زید نے گڑ چالیس روپے من خریدا، دو ماہ بعد گڑ کا بھاؤ ۳۶/ روپے ہوگیا (فی من) ایک شخص عمر نے زید سے سو روپے بطور قرض مانگے، زید نے اس کو روپے نقد تو نہ دیئے، بلکہ وہی گڑ جو

---

(۱) "ولا يسعّر حاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً، فيسعر بمشورة أهل الرأى". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۹۹/۶، سعيد)

"واعلم أنه لارد بغبن فاحش هو مالا يدخل تحت تقويم المقوّمين فى ظاهر الرواية، وبه أفتى بعضهم مطلقاً كما فى القنية. ثم رقم وقال: ويفتى بالرد رفقاً بالناس، وعليه أكثر روايات المضاربة، وبه يفتى. ثم رقم وقال: إن غره: أى غر المشترى البائع أو بالعكس أو غرّه الدلال، فله الرد، وإلا لا، وبه أفتى صدر الإسلام وغيره". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

"وإن كان أرباب الطعام يتحكمون على المسلمين، ويتعدون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورةٍ من أهل الرأى والبصر". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهية والأرباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن على بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه قال: "سيأتىٰ على الناس زمان عضوض يعض الموسر على مافى يده ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾. ويباع المضطرون، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر.......... قال الشامى: وهو أن يضطرّ الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك فى الشراء منه .... قال الخطابى: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز فى الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله فى حق الدّين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچى)

چالیس کے بھاؤ خریدا تھا چالیس کے بھاؤ دیا، جب کہ اس وقت چھتیس روپے بھاؤ ہے۔ کیا زید نے ٹھیک کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپیہ من دیدیا یعنی فروخت کردیا اور عمر نے اس کو خرید کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی (۱)، عمر کے ذمہ چالیس من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی، اگرچہ گڑ کی قیمت ۳۶/ روپے من بازار میں ہے اور زید نے چالیس روپیہ من بازار میں خریدا تھا۔

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہے اور یہ شرعاً درست ہے (۲)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی قیمت لینا جس سے اس کو خسارہ ہو، یہ بات خلافِ مروت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۳ھ۔

---

(۱) "(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي، ويلزم): أي البيع (بإيجاب وقبول)". (النهر الفائق: ۳۳۹/۳، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء المحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد بشرط أن يبتّ العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن، متفق عليه، عند العقد". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، أحكام البيع بالتقسيط، زيادة الثمن من أجل التأجيل، ص: ۷، دارالعلوم كراچی)

(۲) "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلايقابله شئ حقيقةً إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويُزاد في الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لاتفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(وكذا في جامع الترمذي: ۲۳۳/۱، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين، سعيد)

(۳) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعضّ الموسر على =

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا

سوال[۷۸۲۹]: زیادہ نفع کی حرص میں کوئی چیز اضعافاً مضاعفۃً قیمت میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)، مگر خلافِ مروّت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

= مافي يده ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾. ويباع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر .... قال الشامي: وهو أن يضطرّ الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه .... قال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدِّين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۵، رقم الحاشية : ۲)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم، إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". الحديث......... هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ....
وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولايفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذاالوجه وأن لا يقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن كراچي)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مونة ترهقه، فيبيع مافي يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين، والمروءةُ أن لا يباع على هذاالوجه، وأن لايقتات عليه بما له، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود: ۲۵۲/۵، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، إمداديه)

1

نقد وادھار کی قیمت میں فرق

سوال[۷۸۳۰]: زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج ہے کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسطوار قیمت ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے۔ تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیا صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کرلے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مجلس میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہوجائے کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ

سوال[۷۸۳۱]: ا...... عبداللہ نے عبدالغفار سے ماہ جمادی الثانیہ میں دکان خریدی، عبدالغفار نے

---

(۱) "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقدٍ بعشرةٍ وبنسيئةٍ بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعتين، فإن فارقه على أحدهما، فلابأس به إذا كانت العقدة على أحد منها". (جامع الترمذي: ۱/۲۳۳، أبواب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في بيع .... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمنٍ معلومٍ وأتمّا العقدعليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۹۰، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

کہا کہ تم آج ہی قیمت دیتے ہو تو کوئی بات ہی نہیں ہے، بازاری قیمت لے لوں گا اور اگر ماہ رجب میں دیتے ہو تو قیمت زیادہ لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۲]: ۲......دوسری صورت یہ ہے کہ دھان ادھار لئے گئے، جس کی وجہ سے قیمت زیادہ بازار سے لی جارہی ہے۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۳]: ۳......دھان ادھار لئے گئے اور ادائیگی قیمت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا، بازاری نرخ کا علم نہیں، لیکن عبدالغفار نے کہا کہ ۲۵/ روپیہ من لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۴]: ۴......خود عبدالغفار دھان ادھار دے رہا ہے اور قیمت رجب میں وصول کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور قیمت کی بھی تعیین کردی، بازاری نرخ کا علم نہیں ہے، نمبر:۳،۴، میں تعین کا فرق اور عدمِ تعینِ وقت کا فرق۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۵]: ۵......دھان ادھار دیئے جارہے ہیں اور قیمت کی ادائیگی ماہ رجب میں بازاری قیمت سے ہوگی۔ اس صورتوں میں سے کونسی جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس طرح گول مول طریقہ پر بیع درست نہیں ہے(۱)، پہلے خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ تم

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".

"وعن سماك عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين في صفقة". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۷۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتن في بيعة، إدارة القرآن كراچي)

قیمت اب دوگے یا رجب میں دوگے، اگر اس نے کہا کہ اب دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۰/روپے قیمت لوں گا، اگر اس نے کہا رجب میں دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۵/روپے قیمت لوں گا۔ غرض ایک بات متعین ہوجائے (۱)۔

۲......ادھار کی وجہ سے معمولی زیادہ قیمت طے کرلینا درست ہے (۲)۔

۳......دام دینے کا وقت اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع نہ ہو تو یہ بیع درست ہوگی، ورنہ فاسد ہوگی (۳)۔

۴......یہ درست ہے (۴)۔

۵......یہ بیع فاسد ہے، اس میں قیمت نہیں ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) "وبثمن حال مؤجل بأجل معلوم .... قید بمعلوم؛ لأن جهالة الأجل تفضي إلی المنازعة، فالبائع یطالب في مدة قریبة والمشتری یأباها، فیفسد". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

"(بأجل معلوم)؛ لأن جهالته تفضي إلی المنازعة، فیفسد". (الدرالمنتقی بذیل مجمع الأنهر: ۱۳/۳، کتاب البیوع، مکتبه غفاریه کوئٹة)

"یلزم أن تکون المدة معلومةً في البیع بالتأجیل والتقسیط: ای أنه یلزم أن یکون الأجل معلوم الوقت عند کلا العاقدین؛ لأنّ جهالته تفضي إلی النزاع، فیفسد البیع به". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۴) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۵) "یلزم أن یکون الثمن معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البیع". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ولابد من معرفة قدر ووصف ثمن غیر مشار؛ لأن جهالتهما تفضي إلی النزاع المانع من التسلیم والتسلم، فیخلو العقد عن الفائدة، وکل جهالة تفضي إلیه یکون مفسداً". (تبیین الحقائق: =

مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع

سوال[۷۸۳۶]: ۱......اگرکسی چیز کی خریداری میں کم قیمت ادا کی جائے اور فروخت کنندہ سے زیادہ قیمت بوجۂ مجبوری یا بیماری یا ضعیف العمری یا ناامید زیست کی بناء پر ایک دو یوم مرنے سے قبل فروخت کنندہ سے دیگر اشخاص کے بلامشورہ، خفیہ طور پر کہ جو بااعلان نہ ہو، ایسا بیعنامہ کرایا جائے تو اس بات میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

۲......جب کہ خریدار مذکور خود رقم قرض کے اندراج کو تسلیم کرتا ہے، لیکن قیمتِ باقی ماندہ کو ادا نہیں کرتا اور جو شئے بیعنامہ فروخت کنندہ سے حاصل کی گئی ہے، اس کے جز کی واپسی بھی عدمِ ادائیگی قیمت کے لحاظ سے نہیں کرتا ہے جس سے رقم اداشدہ اور شئے حاصل شدہ مساوی حالت میں ہو جاویں۔

۳......اگر فروخت کنندہ فوت ہو چکا ہے اور خریدار مذکور قیمت قرض کو مانتا ہے تو یہ قیمت باقی ماندہ خریدار اگر ادا کریں، تو وارثانِ فروخت کنندہ مذکورہ اس قیمت کے پانے کے مستحق ہوں گے۔

۴......اگر کسی جائیداد یا مکانِ مقبوضہ خود کی بابت یہ علم ہو جاوے کہ اس کی قیمت یا معاوضہ اصل مالک کو ادا نہیں ہوا اور صرف قانونی قبضہ ایک عرصۂ دراز سے مطابق قانونِ دنیوی چل رہا ہے، لہٰذا ایسا قبضہ بدستور باقی رکھنا جائز ہے، یا بعد ادائیگی قیمت معاوضہ مالکان کو قبضہ کرنا جائز ہوگا؟

نیازمند سید ممتاز علی، قصبہ نہٹور، ضلع بجنور، ۸/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......اگر یہ بیعنامہ ایسے شخص کے حق میں ہوا ہے کہ جو شرعاً بائع کا وارث بھی ہے تو یہ بیع بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دیں گے تو نافذ ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔ اگر یہ بیعنامہ کسی اجنبی کے حق میں

= ۲۸۰/۴، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايصح البيع في غيره: أي في غير المشار إليه بلامعرفة قدره كعشرة ونحوها، وصفته ككونه مصرياً أو دمشقياً؛ لأن جهالتهما تفضي إلى النزاع المانع من التسليم والتسلم، فيعرى العقد عن المقصود، وكل جهالة هذاصفتها تمنع الجواز". (مجمع الأنهر: ۱۲/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۱۲/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

ہوا ہے (یعنی جو شرعاً وارث نہیں) تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانت داری اور تجربہ کار آدمی اس چیز کی قیمت تجویز کریں اور پھر دیکھیں کہ مشتری نے اس سے کس قدر کم ادا کی ہے، اگر وہ کمی بائع کے ایک ثلث ترکہ کے برابر یا اس سے کم ہو تب تو یہ بیع صحیح ہوگی، ورنہ اجازتِ ورثہ پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں تو مشتری سے کہا جاوے گا کہ اس کی قیمت پوری کرو، ورنہ بیع کو فسخ کردیا جائے گا (۱)، کیونکہ یہ کمی وصیت کے حکم میں ہے، هکذا في مرآة المجتبی: ۱/۱۹۱ (۲)۔

۲...... بیع کی صحت وعدمِ صحت کا حکم جواب نمبر: ۱، میں آچکا ہے۔ اگر خریدار بیع کو برقرار اور اس شئے کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً اس کی وہی صورت ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور معصیت ہے۔

۳...... اس کا جواب نمبر: ۱، سے ظاہر ہے۔

۴...... ایسا قبضہ ناجائز ہے (۳)، یا مالکان کی قیمت ادا کردے، یا ہبہ کرالے۔ اگر وہ بیع یا ہبہ

---

(۱) "إذا باع المريض في مرض موته شيئاً من ماله لأحد ورثته، صار ذلک موقوفاً على إجازة سائر الورثة، فإن أجازوا بعد موت المريض، نفذ البيع، وإلا فلا. وإذا باع المريض في مرض موته شيئاً من أجنبيّ بثمن المثل، صح بيعه. وإن باعه بدون ثمن المثل وسلم المبيع، كان بيعه بيع محاباة يعتبر من ثلث ماله، فإن كان الثلث وافياً بها، صحّ. وإن كان الثلث لايفي بها، لزم المشترى إكمال مانقص من ثمن المثل، وإعطاء ه للورثة، فإن فعل، لزم البيع، وإلا كان للورثة فسخه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص ۲۲۱، ۲۲۲، (رقم المادة: ۳۹۳، ۳۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وقف بيع الغاصب على إجازة المالک.......... وبيع المريض لوارثه على إجازة الباقي". (الدر المختار). "أو على صحة المريض، فإن صح من مرضه نفذ، وإن مات منه ولم تُجز الورثة، بطل".

(ردالمحتار: ۱۱۲/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في الفضولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۵۴/۳، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف، رشيديه)

(۲) لم أجده

(۳) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي". =

پر رضامند نہ ہوں بلکہ اپنا مکان وغیرہ خالی کرانا چاہیں تو اپنا قبضہ اٹھانا اور مکان کو خالی کرنا واجب ہے، بلکہ پہلے اپنا قبضہ اٹھا کر مالک کے قبضہ میں دیدیا جاوے، اس کے بعد بیع یا ہبہ کی گفتگو کی جاوے تاکہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ رہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/محرم الحرام/ ۵۷ھ۔

مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۸۳۷]: اگر کوئی شخص ایک سودا خریدے اور خریدار بیچنے والے سے علاوہ خرید شدہ چیز کے اور کوئی چیز مانگے جس کو ''رنگا'' کہتے ہیں اور بیچنے والا خوشی سے دے بھی دے تو کیا وہ رنگا مانگنا اور لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ رنگا جزوِ بیع ہے، لہٰذا اگر اس شئی کے واپس کرنے کی نوبت آئے تو رنگا بھی واپس کرنا ہوگا (۲)، ایسی

= (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۱) "وعن أبی حرّة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

(۲) "وکذا صح الزیادة فی المبیع، ولزم البائعَ دفعُها إن قبل المشتری ذلک؛ لأنه تصرف فی حقه وملکه، ویلتحق بالعقد، فیصیر حصتَه من الثمن، حتی لو هلکت الزیادة قبل القبض، تسقط حصتُها من الثمن". (مجمع الأنهر: ۱۱۶/۳، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل: لا یصح بیع المنقول، غفاریه کوئٹه)

"وصح الزیادة فی المبیع، ولزم البائعَ دفعُها إن فی غیر سلم وقبل المشتری، وتلتحق أیضاً بالعقد، فلو هلکت الزیادة قبل قبض، سقط حصتُها من الثمن". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۵/۵، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی التصرف فی المبیع والثمن، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲۰۰/۶، کتاب البیع، فصل فی بیان التصرف فی المبیع، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۴۲/۴، کتاب البیوع، باب التولیة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۳۳، (رقم المادة: ۲۵۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

صورت میں رنگنے کا رواج ترک کر دینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/۶۸ھ۔

اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا

سوال[۷۸۳۸]: میں نے مقروض ہو کر سودی لئے ہوئے قرض سے ایک انجن خریدا تھا جو حالات ناسازگار ہونے کی بناء پر مجھے ۲۹۰۰/ میں بیچنا پڑا۔ ۲۱۰۰/ وصول کر لئے، ۸۰۰/ روپے چالو ہونے پر وعدہ کیا گیا ہے، مگر اب وہ روپیہ دیتا نہیں۔ عدالت سے فیصلہ ہوگا۔ وکیل کہتے ہیں کہ ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرو۔ جب کامیابی کی کچھ امید ہے ایسی صورت میں ۲۹۰۰/ کا دعویٰ کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۲۱۰۰/ روپے کے وصول پانے کی آپ نے ان کو رسید دے دی ہے تو آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ۲۱۰۰/ روپے وصول کر چکا ہوں، ۸۰۰/ باقی ہیں (۱)۔ بیعنامہ مکمل ہو جانے اور انجن فٹ ہو کر چالو ہو جانے کے بعد محض بقیہ ۸۰۰/ واجب الادا کے مطالبہ پر تو شاید بیع کو عدالت فسخ نہ کرے، بلکہ آپ کا روپیہ دلوادے۔ اگر آپ نے ۲۱۰۰/ کی رسید نہیں دی اور آپ ۸۰۰/ کا مطالبہ کریں اور عدالت اس کی کل قیمت ۸۰۰/ ہی تجویز کر دے، بیعنامہ تحریر موجود نہ ہو تب بھی آپ کو ۸۰۰/ روپیہ مل جائے تو مطالبہ پورا ہو جائے گا۔

اگر بیع فسخ کر دے اور انجن آپ کو واپس ملے تو آپ کو ضابطہ میں ۸۰۰/ دینا پڑے گا۔ اس صورت میں

---

(۱) "عن ابن عمر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "من طلب حقاً، فليطلبه في عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبة: ۲/۱۷۴، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل يطلب نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدين أو بحق، فتكلم ببعض الكلام، فهمّ صحابة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم به، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " مه إن صاحب الدين له سلطان على صاحبه حتى يقضيه". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب: لصاحب الحق سلطان: ۲/۱۷۴، قديمي)

قانوناً آپ نفع میں رہیں گے، ۱۳۰۰/ آپ کو بچے گا (مگر شرعاً اس کا رکھنا درست نہیں ہوگا)۔ تاہم اگر قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے (جن کو میں نہیں جانتا) ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرنا ضروری ہے تو فیصلہ اور ڈگری ہونے پر آپ کو صرف مطالبہ ۸۰۰/ ہی رکھنے کا حق ہوگا، جو رقم زائد ملے اس کو واپس کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۵ھ۔

مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا

سوال[۷۸۳۹]: کیا بلیک کرنا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اصل یہ ہے کہ مالک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت جس قیمت پر چاہے فروخت کرے (۲)، لیکن مالک اگر مال کو زیادہ قیمت پر فروخت کریں اور عام مخلوق قیمت کی زیادتی کی وجہ سے سخت پریشان ہو اور اس کا حل بجز نرخ متعین کرنے (کنٹرول) کے کچھ نہ ہو تو حکومت کے لئے درست ہے کہ اہل الرائے کے

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) "ويكره التسعير ...... ولأن الثمن حق العاقد، فلاينبغي له أن يتعرض لحقه". (مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئته)

"وأما لايسعر لِمَاروى أن السعر قد غلا بالمدينة، فطلب من النبي صلى الله عليه وسلم أن يُسعّر، فأبىٰ، وقال: "إن الله تعالى هو المسعّر القابض الباسط الرازق". وفي حديث الحر قال: "الله تعالى يخفض ويرفع، وإني لأرجو أن ألقى الله تعالى وليس لأحدٍ منكم عندى مظلمةٌ". ولأن الثمن حق البائع؛ لأنه يقابل ملكه، فيكون التقدير إليه". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئته)

مشورے سے قیمت متعین (کنٹرول) کردے (۱) جس میں مالک کا نقصان بھی نہ ہو اور عام مخلوق کو پریشانی سے نجات مل جائے، پھر بلیک کرنا یعنی متعینہ نرخ سے زائد پر فرخت کرنا قانون شکنی ہے، جس کے نتیجہ میں خطرہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہیئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیم کی بلیک کا حکم

سوال [۷۸۴۰]: افیم کی بلیک کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلیک (۳) قانونی جرم ہے (۴)، منفعت کی خاطر جان، مال، عزت، کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولا يسعّر حاكم إلا إذا تعدّى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً، فيسعر بمشورة أهل الرأى".
(الدرالمختار: ۳۹۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"ويكره التسعير إلا إذا تعدّى أرباب الطعام فى القيمة تعدياً فاحشاً، فلا بأس به بمشورة أهل الخبر" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، غفاريه كوئٹه)

"وإن كان أرباب الطعام يتحكّمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقوق المسلمين إلابالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورةٍ من أهل الرأى والبصر".
(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة، والأرباح الفاسدة، فصل فى الاحتكار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى البيع: ۲۱۵/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳۷۰/۸، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(۲) "طاعة الإمام فيماليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار: ۱۷۲/۲، كتاب الصلوة، باب العيدين، سعيد)

(۳) "بلیک: مقررہ قیمت سے زیادہ پر چوری سے مال فروخت کرنا"۔ ....=

بلیک مارکیٹ

سوال[۷۸۴۱]: بغیر سیل ٹیکس ادا کئے پوشیدہ طور پر مال کی فروختگی کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اپنے مال کی تجارت خاطر خواہ طریقہ پر جائز ہونے کے باوجود سیل ٹیکس انسپکٹر سے چھپانا اور چوری سے فروخت کرنا اپنی عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے جوکہ قرینِ دانشمندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۳۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "بلیک مارکیٹ: مقررہ مارکیٹ سے زیادہ قیمت پر چوری مال فروخت کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۱۴، فیروز سنز لاهور)

(۴) حکومتی مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی شرعاً ناجائز ہے، جب کہ اس میں شرعی مفسدہ نہ ہو: "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

(۵) "درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع. ومما يتفرع من هذه القاعدة أن الرجل يمنع من التصر ف في ملكه إذا كان تصرفه يضرّ بجاره ضرراً فاحشاً؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولي من جلب المنافع لنفسه". (شرح المجلة، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قدم دفع المفسدة غالباً". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۴، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) راجع الحاشية السابقة)

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کا حکم

سوال[۷۸۴۲]: ادھر دستور ہے کہ جب کوئی شی خرید وفرخت کی بات چیت ہوتی ہے تو بات کو پختہ ومستحکم بنانے کے لئے چیز والا خریدار سے کچھ رقم یا نقد روپیہ لیتا ہے، اس کو "بیعانہ" کہتے ہیں۔ اگر خریدار نے بات چیت کے مطابق وہ چیز لی تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں لی تو وہ بیعانہ سوخت ہوجاتا ہے، خریدار کو واپس نہیں ملتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بیعانہ جزوِ قیمت ہے جس کو پیشگی وصول کیا جاتا ہے، پھر بقیہ قیمت معاملہ پختہ ہونے پر وصول کر لی جاتی ہے۔ اگر معاملۂ بیع طے نہ ہو بلکہ ختم ہوجائے تو یہ بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روکنا اور سوخت کردینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان. قال مالك: وذلك فيماترى -والله تعالى أعلم- يشترى الرجل العبد أو الوليدة أويتكارى الدابة، ثم يقول للذى اشترى منه أو تكارى منه: أعطيتُك ديناراً أو درهماً أو أكثر من ذلك أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبتُ ماتكاريت منك، فالذى أعطيتُك من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركتُ ابتياع السلعة أو كراء الدابة فما أعطيتُك لك باطلٌ بغير شئ". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۶۶، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع العربان، إدارة القرآن كراچی)

"ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شئ من الثمن، فإن اشترى حُسب من الثمن، وإلافهو له مجاناً، وفيه معنى المَيسر". (حجة الله البالغة: ۲/۲۸۸، بيوع فيها معنى الميسر، قديمى) =

بیعانہ لینے سے بیع

سوال[۷۸۴۳]: عمر نے زید کوایک مکان کا چوتھائی حصہ چار سوروپیہ میں فروخت کر دیا اور مبلغ سو روپیہ بطورِ بیعانہ لے کر یہ تحریر لکھ دی کہ میں مبلغ سوروپے بطورِ بیعانہ اب لیتا ہوں اور مبلغ تین سوروپے رجسٹری کے وقت لوں گا۔ زید نے جب عمر بائع سے رجسٹری کا تقاضا کیا تو عمر بائع رجسٹری کو ٹالتا رہا اور کچھ عرصہ بعد مکان پر جبراً اپنا قبضہ کرلیا اور جو مبلغ سوروپے بطورِ بیعانہ لیا تھا اس کے واپس دینے سے بھی انکار کردیا۔ اب یہ باتیں دریافت طلب ہیں:

۱......کیا یہ بیع صحیح ہوگئی یا نہیں؟

۲......اگر صحیح ہوگئی تو بائع کو مکان پر جبراً بلا رضامندیٔ زید (مشتری) قبضہ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......کیا بائع عمر کو جبراً بیع کے فسخ کا اختیار ہے؟

۴......اگر صحیح نہیں ہوئی، یا بائع کو جبراً فسخِ بیع کا اختیار ہو تو مبلغ سوروپیہ بائع کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟

۵......مشتری کو اپنے اس روپیہ کے واپس لینے کا حق ہے یا نہیں جو اس نے بطورِ بیعانہ بائع کو دیئے تھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صحیح ہوگئی (۱)۔

= "بیع العربان: وصورته أن یشتری الرجل شیئاً فیدفع إلی المبتاع من ثمن ذلک المبیع شیئاً علی أنه إن نفذ البیع بینهما، کان ذلک المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ینفذ ترک المشتری بذلک الجزء من الثمن عند البائع، ولم یطالبه به، وإنما صار الجمهور إلی منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل مالٍ بغیر عوض". (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد، الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا: ۸/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۸، أبواب التجارات، باب بیع العربان، قدیمی)

(۱) "البیع ینعقد بإیجاب وقبول". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

۲......نہیں(۱)۔

۳......نہیں(۲)۔

۴......بیع تھی، اب اگر بائع اس کو فسخ کرنا چاہے تو مشتری کی رضامندی سے مبلغ سوروپے واپس دے کر فسخ کرسکتا ہے(۳)۔

۵......اگر بائع مکان نہیں دیتا اور جھگڑا کرتا ہے تو مشتری کو حق حاصل ہے کہ اپنا روپیہ واپس لے لے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵۳/۳/۲۷ھ۔

جواب صحیح ہے: عبداللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

= "البيع مبادلة مالٍ بمالٍ، وينعقد بإيجاب وقبول". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"هو (أى البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضى، ويلزم بإيجاب وقبول". (كنز الدقائق، كتاب البيوع: ۴۲۹/۵، رشيديه)

(۱) "وفى بيع سلعة بثمن سلم هو أولاً إن لم يكن مؤجلاً". (ملتقى الأبحر). قال الفقيه عبدالرحمن بن محمد رحمه الله تعالىٰ: "فإنه لو كان موجلاً لايمكن التسليمُ أولاً، بل يجب تسليم المبيع". (مجمع الأنهر: ۳۲-۳۱/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"القبض ليس بشرط فى البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشترى أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، (رقم المادة : ۲۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "من شرائطها (أى الإقالة) اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين؛ لأن الكلام فى رفع عقد لازم". (رد المحتار: ۱۲۱/۵، باب الإقالة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۵۷/۳، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر فى الإقالة، رشيديه)

"للعاقدين أن يتقايلا البيع برضاهما بعد انعقاده، فالرضا شرط فى الإقالة، كمافى سائر العقود". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۲، (رقم المادة : ۱۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) یعنی اقالہ کرکے اپنے پیسے واپس لے لے: "وينفسخ البيع: أى ويجب ردّ مثل الثمن الأول". (شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۷۷/۲، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا فى النهر الفائق: ۴۵۲/۳، كتاب البيوع، باب الإقالة، قديمى)

باب المتفرقات

اناج کی بیع فصل کی قیمت

سوال[۷۸۴۴]: اس وقت نرخ گندم پانچ سیر ہے اور ایک غریب آدمی جس کے یہاں اناج نہیں ہے ہم سے اناج لینا چاہتا ہے تو اس کو بجائے ۵/ سیر کے چار سیر دیتے ہیں اور اس سے وعدہ کرا لیتے ہیں کہ فصلِ ربیع یعنی ساڑھی میں اناج اسی بھاؤ کا جو بھاؤ فصلِ ربیع میں ہوگا لیا جائے گا۔ آپ تحریر فرمادیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھاؤ کی کیا شرط ہے، اناج بطورِ قرض دیجئے، جتنے سیر یا من اناج دیں اتنے سیر من اپنا اناج ساڑھی میں واپس لے لیں (۱)، خواہ کچھ ہی بھاؤ ہو قیمت سے کچھ تعلق نہیں (۲)۔ اگر فروخت کرنا ہے

---

(۱) "ویجوز القرض فیما هو من ذوات الأمثال کالمکیل والموزون والعددیّ المتقارب کالبیض".
(الفتاوی العالمکیریة: ۲۰۱/۳، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشیدیه)

"القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لآخر لیردّ مثله، وصح القرض فی مثلیّ لافی غیره". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۶۱/۵، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

"فلایجوز قرض ما لا مثل له.......... فتعین أن یکون الواجب فیه ردّ المثل، فیختص جوازه بماله مثل". (بدائع الصنائع: ۵۹۶/۱۰، کتاب القرض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار، والکمیّة دون المثلیة فی القیمة والمالیة". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، مسئلة تغیر قیمة العملة وربطها بقائمة الأسعر، عرض المسئلة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"وکذا کل مایکال ویوزن لما مرّأنه مضمونٌ بمثله، فلاعبرة بغلائه ورخصه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۶۲/۵، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

تو فروخت کردیجئے، اور ساڑھی میں قیمت لے لیں۔ جس وقت پر آپ نے فروخت کیا ہے، اسی وقت کی قیمت لی جائے خواہ ساڑھی میں کچھ بھی بھاؤ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ساڑھی میں اس کے پاس قیمت نہ ہو، اور بجائے قیمت کے اناج دینا چاہیں تو اس وقت نرخ طے کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا

سوال[۷۸۴۵]: بعض دیہات کی افتادہ زمین سے کمہار مٹی لے جاتے ہیں(۱) اور گاؤں والے ان سے لوٹے یا اور برتن اس اجرت پر مقرر کرلیتے ہیں، اور یہ لوٹے مسجد میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گاؤں والے اس زمین کے مالک ہیں اور وہ مٹی کمہاروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور کمہار قیمت میں لوٹے وغیرہ دیتے ہیں تو ان لوٹوں کا استعمال درست ہے(۲)۔ اگر مالک نہیں ہیں تو ان کو کمہاروں سے لوٹے مفت لینے کا کوئی حق نہیں اور اس صورت میں وہ لوٹے کمہاروں کو لوٹانا ضروری ہے(۳)، گھر میں

---

(۱) "کمہار: مٹی کے برتن بنانے والا، کوزہ ساز"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) اسلئے کہ مبیع کا مملوک ہونا ضروری ہے: "يشترط لنفاذ البيع أن يكون البائع مالكاً كالمبيع أو وكيلاً لمالكه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرط في المبيع كونه مالاً متقوماً شرعاً مقدور التسليم في الحال أو ثاني الحال، وزاد في البحر: أن يكون مملوكاً في نفسه". (الدر المنتقى بذيل مجمع الأنهر: ۵/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"أما شرائط المعقود عليه فأن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمي)

"عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدى". (مشكوة المصابيح،=

استعمال کرنا، یا مسجد میں دینا جائز نہیں (۱)۔ اگر گاؤں والے مالک ہونے کے بعد تعرض نہیں کرتے تو لوٹے لینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھوٹے روپے کا حکم

سوال[۷۸۴۲]: تجارت میں اگر پیسہ روپیہ کھوٹا آئے تو اس کو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معلوم ہے کہ کس کے پاس سے آیا ہے تب تو اسی کو دیدے (۲)، جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ

= المصدر السابق)

"التصرف فی مال الغیر حرام، فیجب التحرز عنه". (فتح القدیر: ۵۱۵/۶، کتاب البیوع، فصل: ومن اشتری شیئاً ماینقل، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه.......... أو وکالةٍ منه أو ولایةٍ علیه، وإن فعل، کان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن الله طیب لایقبل إلاطیباً، وإن الله تعالی أمر المؤمنین ما أمر به المرسلین". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۱، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، قدیمی)

(۲) "ومن قبض زیفاً بدل جیدٍ غیر عالم به، فأنفقه، أوهلک فهو قضاء"، قال فی المجمع: "قید بالإتلاف؛ لأنه لو کان قائماً، یرده ویسترد الجید عندهم". (مجمع الأنهر: ۱۵۴/۳، ۱۵۵، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹة)

"(ومن قبض زیفاً بدل جید) کان له علی آخر (غیر عالم به) فلو علم وأنفقه، کان قضاءً اتفاقاً (فأنفقه أو هلک) فلو قائماً، ردّه اتفاقاً". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱۴/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

"ولو قبض زیفاً بدل جید، کان له علی آخر جاهلاً به، فلو علم وأنفقه، کان قضاءً اتفاقاً، ونفق أو أنفقه فلو قائماً، رده اتفاقاً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۳۳/۵، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

بتا کر خواہ دھوکہ سے (۱)۔ اگر معلوم نہ ہو تو دھوکہ دینا جائز نہیں (۲)، بتا کردے دیا جائے اگرچہ لینے والا کم قیمت پر لے، یا اگر کسی جگہ اس سے کچھ ظلماً لیا جائے تو وہاں بلا بتائے بھی دینا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے

سوال [۷۸۴۷]: مسمی عبدالرحمٰن نے ایک کپڑا بیس گز ایک روپے چار آنہ کا فروخت کیا، وہ کپڑا پونے بیس گز ہوا، خریدار نے ایک روپے چار آنہ نہیں دیا، بلکہ چار گرہ کے دام کاٹ کر دیتا ہے ۳/ دیتا ہے، مسمی عبدالرحمٰن خریدار کو کہتا ہے کہ چار گرہ کے دام نہ کاٹ، مگر خریدار نے ضرور کاٹ لئے۔ اس کے بعد مسمی عبدالرحمٰن ایک کپڑا بیس گز اور فروخت کرنے گیا، اس کی قیمت بھی ۱۴/ آنے قرار پائی، مگر جس وقت ناپا تو سوا بیس گز ہوا، اب خریدار کہتا ہے کہ میں تو پورے بیس گز کے دام دوں گا، مسمی عبدالرحمٰن نے ہر چند کہا مگر اس نے پورے بیس گز کے دام ۱۴/ دیئے، چار گرہ کے نہیں دیئے۔

---

(۱) اس لئے کہ یہ در حقیقت اپنے حق کو حاصل کرنا ہے جو جائز ہے:

"وَجَدَ دنانیر مدیونہ، ولہ علیہ دراهم، لہ أن یأخذہ، لاتحادهما جنساً في الثمنیة".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۱۵۱/۶، کتاب الحجر، سعید)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ياصاحب الطعام! ماهذا"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی يراه الناس"؟ ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۵۹۲۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۸۷۸)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(وسنن أبي داود: ۱۳۳/۲، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح: ۲۴۸/۲، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، قديمي)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۲)

اب غور طلب یہ ہے کہ کپڑے میں ایک پیسہ کاٹ لیا اور دوسرے کپڑے میں جو سوا بیس گز تھا ان کا پورا ایک روپیہ چار آنے بھی دیا، کیا اس خریدار کو وہ پیسہ جائز ہو سکتا ہے؟ والسلام۔

معرفت: مولوی شبیر احمد گنگوہی، طالبعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیس گز کپڑا فروخت کیا اور مجموعہ کی قیمت ۱۴/ بتائی اور فی گز کے حساب سے کوئی قیمت نہیں بتائی اور معاملہ ایجاب وقبول سے پختہ کر دیا اور ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیس گز سے کچھ کم مثلاً پونے بیس گز ہے تو خریدار کو قیمت کاٹنے کا اختیار نہیں، بلکہ چاہے پوری قیمت دے کر خریدے اور چاہے واپس کر دے، واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ بیس گز سے کچھ زائد مثلاً سوا بیس گز ہے تو وہ سب کا سب ۱۴/ میں خریدار کا ہو گیا، فروخت کرنے والے کو زیادہ قیمت طلب کرنے، یا واپس لینے کا اختیار نہیں:

"ومن اشترى ثوباً على أنه عشرة أذرع بعشرة، أو أرضاً على أنها مأة ذراع بمأة، فوجدها أقلّ، فالمشترى بالخيار: إن شاء أخذ بجملة الثمن، وإن شاء ترك. وإن وجدها أكثر من الذراع الذى كان، فهو للمشترى، ولا خيار للبائع". هدايه :۳/ ۲۸ (۱) ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۵۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/ ۲۴، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وفي المذروع يأخذ الأقل بكل الثمن، أو بفسخ، والزائد له بلا خيار للبائع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۱۸، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"وإن نقص ذراع، أخذ بكل الثمن أو ترك. وإن زاد فللمشترى، ولا خيار للبائع؛ لأن الذرع في المذروع وصف؛ لأنه عبارة عن الطول فيه، لكنه وصف يستلزم زيادة أجزاء، فإن لم يفرد بثمن، كان تابعاً محضاً، فلا يقابل بشئ من الثمن". (البحر الرائق: ۵/ ۴۸۵، كتاب البيع، رشيديه)

"وإن باع المذروع مثله على أنه مأة ذراع مثلاً، أخذ المشترى الأقل بكل الثمن أو ترك .... وأخذ الأكثر بلا خيار للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/ ۵۴۳، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشترى أنه أقل أو أكثر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/ ۲۸۴، كتاب البيوع، دار الكتب العلمية بيروت)

بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟

سوال[۷۸۴۸]: زید سائیکل مرمت کا کام کرتا ہے اور سامان دوسرے بڑے دوکاندار سے خرید کر لاتا ہے، ایک مرتبہ سامان لینے گیا تو اس بڑے دوکاندار کے نوکر نے کچھ سامان مالک کی چوری سے زیادہ دیدیا، وہاں تو زید نے کچھ خیال نہیں کیا، لیکن گھر آکر بیجک ملایا تو سامان زیادہ نکلا۔ اب زید پس وپیش میں ہے کہ اگر مالک پر راز افشاء کرتا ہے تو ملازم کی ملازمت جاتی ہے اور نہیں کہتا تو مالک مکان کی چوری ہوتی ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے، سامان کی قیمت ملازم کو دے یا کہ نہ دے؟ جواب تمام باتوں کا قرآن وحدیث کی رو سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر بڑے دوکاندار کو دے سکتا ہے کہ حساب میں اتنے روپے آپ کا میری طرف ہے، وہ یہ ہے، لے لیجئے، تو یہ صورت بہتر ہے(۱)، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو ہدیہ کے طور پر دیدے، ملازم کے خیانت کرنے سے وہ سامان زید کے لئے حلال نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ سامان کا حکم امانت کا ہے اور امانت مالک کو واپس کرنا ضروری ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا﴾. "وذلک بالتسلیم إلیہ عند القدرة". (تبیین الحقائق: ۲۱۶/۴ کتاب اللقطة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن مَن خانک". (جامع الترمذی: ۲۳۹/۱، أبواب البیوع، سعید)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۱۶/۱۱، کتاب الودیعة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۲۶، (رقم المادة: ۷۶۹، ۷۷۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "لیس لأحد أن یأخذ مال غیرہ بلا سبب شرعی". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، (رقم المادة: ۲۶۹)، الصدف پبلشرز)

بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا

سوال[۷۸۴۹]: اگر کوئی شخص بازار سے ہمدرد کی دوائیں خرید کر مریضوں کو اس نام سے دے کہ گویا یہ دوائیں میں اپنی دے رہا ہوں اور اصل محنت سے کئی گناہ منافع حاصل کریں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمدرد کا اگر وہ ایجنٹ نہیں، بلکہ اپنے پیسہ سے خرید کر مالک ہو کر دوائیں فروخت کرتا ہے اور نفع لیتا ہے تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت

سوال[۷۸۵۰]: زید کی اراضی بکر نے قیمتِ متعینہ میں خریدی، لیکن بکر نے وقتِ متعینہ پر پوری رقم ادا نہیں کی، لیکن کھیت بکر کے قبضہ میں دیدیا گیا اور بکر پر ابھی چوتھائی رقم باقی ہے۔ تو اب صورت یہ کی گئی کہ اس فروخت شدہ اراضی سے ڈھائی ایکڑ اراضی علیحدہ تصور کر کے آٹھ سو روپیہ لگان سے اسی کو دیدیتے ہیں، اب بکر سیزن پر باقی ماندہ رقم کے علاوہ اور آٹھ سو روپیہ لگان کے دے گا۔ تو یہ آٹھ سو روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ بیع کل اراضی کی ایک معاملہ سے ہوئی اور سب مبیع قرار دی گئی ہے، پھر کچھ مخصوص قطعہ کو غیر مبیع اور ملکِ بائع قرار دے کر تجویز کر کے مشتری کو- جو سب زمین کا بذریعۂ بیع مالک ہو چکا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قیل: یا رسول اللہ! أیّ الکسب أطیب؟ قال: "عمل الرجل بیدہ، وکل بیع مبرور". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باع حلساً وقدحاً".

الحدیث. (جامع الترمذی، : ۱/۲۳۱، أبواب البیوع، باب ماجاء فی بیع من یزید، سعید)

ہے- لگان پر دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلا کہ اب مشتری اپنی ہی ملک کا لگان بائع کو دے گا، اب بائع باقی ماندہ چوتھائی قیمت سے زائد لینے کا حقدار نہیں (۱)۔ مشتری کو لازم ہے کہ وہ باقی ماندہ قیمت جلد از جلد ادا کر دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

۵/کلو شکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا

سوال [۷۸۵۱]: چینی کی اگر ۵/کلو کی ضرورت ہو تو درخواست ۲۵/کلو کی دینی پڑتی ہے، تب کہیں ۵/کلو مل پاتی ہے، اگر ۵/کلو کی درخواست دیں تو بمشکل ایک کلو ہی مل پائے گی جس سے ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ تو مذکورہ بالا صورت کذب میں تو داخل نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں ۵/کلو کا عنوان ۲۵/کلو ہے اور حکومت کی نظر میں بھی اس کا معنون ۵/کلو ہی ہے، تو عنوان اور معنون کا یہ فرق گویا حکومت کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) جتنی قیمت پر بیع ہوئی ہے اتنی ہی قیمت لینے کا بائع حقدار ہے اور باقی ماندہ رقم کے علاوہ لگان کے نام سے مزید رقم مشتری سے لینا سود ہے، کیونکہ یہ مشتری ہے، اس کے ذمہ باقی ماندہ قرض رقم کا نفع لینا ہے، اور قرض پر نفع لینا صریح سود ہے:

"كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۹۸/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دار الكتب العربي بيروت)

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

گڈول کی شرعی حیثیت

سوال[۷۸۵۲]: ایک کتابوں کی دوکان ہے جس کا نام رحمانیہ لائبریری ہے، دور دراز کے مقامات سے کتابوں کے آرڈر آتے ہیں۔ اس دوکان رحمانیہ لائبریری کے دو بھائی مالک ہیں، یہ رحمانیہ لائبریری دونوں بھائیوں کے باپ نے قائم کی تھی۔ اب یہ دوکان آپس میں تقسیم کرنی ہے، مال یعنی کتابیں شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق تقسیم کرلی جائیں گی، لیکن نام کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے جناب والا سے دریافت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں گڈول یعنی نام کی کیا حیثیت ہے؟ دنیاوی قانون کے اعتبار سے نام بھی جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی قیمت مثل جائیداد کے ہوتی ہے، لہذا مطلع فرمایا جائے کہ نام رحمانیہ لائبریری کی قیمت بھی شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڈول یعنی ''نام'' درحقیقت مال نہیں (۱)، بلکہ بمنزلۂ حیثیتِ عرفیہ کی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، قانون نے اس کو جو کچھ حیثیت دی ہے، وہ شریعت کی رو سے فتویٰ لے کر نہیں دی ہے، اس لئے یہ باہمی رضامندی سے معاملہ طے کرلیا جائے (۲)۔ جو بھائی حکم شرع کی قدر کرتے ہوئے عمل کرے گا، انشاء اللہ

---

(۱) "المال مایمیل إلیه طبع الإنسان، ویمکن ادّخاره إلی وقت الحاجة، منقولاً کان أوغیر منقول".

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۷۱، (رقم المادة: ۱۲۶)

(۲) لیکن اگر ایک بھائی دست برداری کے طور پر اپنے حصے کا عوض لینا چاہے تو یہ جائز ہے:

"ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة، وعلی هذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف. وفیها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، =

نقصان میں نہیں رہے گا، ایثار سے کام لینا دنیا وآخرت میں بہت زیادہ عزت ومنفعت کا ذریعہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت

سوال[۷۸۵۳]: ۱...... مسمی ''الف'' بمبئی میں ایک ٹیکسی کا پرمٹ رکھتا ہے۔ اس پرمٹ پر جو گاڑی پرانی ہوچکی تھی اس کے عوض حکومت کی طرف سے نئی گاڑی حاصل کرنے کے لئے اجازت نامہ ملا ہے، یہ اجازت نامہ چونکہ محدود ہوتا ہے، اس لئے اس کی مدت ختم ہوجانے کی صورت میں دوبارہ ملنے کا امکان نہیں ہے۔ اس اجازت نامہ کی بدولت ایک نئی کار کمپنی سے خریدی جائے تو مبلغ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہوتی ہے۔ اس کار کو خریدنے کے لئے میں استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے مسمی ''ب'' سے میں حصہ داری کرنا چاہتا ہوں جو کہ اس موٹر پر اپنی رقم مکمل خرچ کرے گا اور یہ رقم وصول ہوجانے کے بعد ہی حصہ داری شروع ہوگی، اور یہ حصہ داری ابھی طے نہیں ہوتی ہے، نصف نصف یا کم وبیش ہوگی۔

حکومت پرمٹ اس صورت میں دیتی ہے کہ ''الف'' ہی ٹیکسی کا کاروبار کرے، کسی حصہ داری کی اجازت نہیں، ویسے بمبئی میں زیادہ تر ٹیکسی کا کاروبار حصہ داروں کی صورت میں ہوتا ہے اور حکومت اس سے واقف بھی ہوتی ہے۔ آپ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ''الف'' کو حصہ داری کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲...... حکومت کی طرف سے جو ٹیکسی کا پرمٹ ملتا ہے، اب سے پہلے اس کو لوگ ماہانہ کچھ رقم پر تین چار

= لكن أفتى كثير باعتباره، وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدر المختار: ۴/۵۱۹، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۱۲۱، (رقم المادة: ۲۱۶)، حقانيه پشاور)

''اپنے کاروبار کا کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، جس کو آج کل اصطلاح میں ''گڈول'' کہتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام ''عطرستان یا گلشن ادب'' رکھ لیا، اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہوگیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا، اور جب کہ ایک خاص نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیلِ مال اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے''۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب المعاملات، حقِ تصنیف سے متعلق سوال وجواب: ۲/۳۱۷، مکتبہ رحمانیہ)

سال کے لئے لیتے تھے، مگر چونکہ اب پرمٹ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے، اس کی مانگ نہیں رہی، مگر چونکہ مجھے نئی گاڑی کا اجازت نامہ ملا ہے اور میں خود گاڑی رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، کچھ لوگ میرے پرمٹ کو ماہانہ ۴۵/ روپے اور دو ہزار روپے سے الگ دے کر نئی گاڑی کی زندگی تک جو کہ ۶، ۷/ سال تک رہتی ہے، اس مدت کی رقم یکمشت دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ بغیر ماہانہ کے صرف یکمشت ہی رقم دینا چاہتے ہیں جو کہ مبلغ چار ہزار روپے سے زائد نہیں ہوتی۔ تو کیا رقم لینا بھی ''الف'' کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۳...... ''ب'' مجھ سے گاڑی میں حصہ داری کرنا چاہتے ہیں، اور وہ ایک شرط یوں بھی رکھتے ہیں کہ چونکہ ٹیکسی کا ڈرائیور عموماً کم دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے گاڑی تمام دن یا اس کے کچھ حصے میں ''الف'' کو چلانی پڑے گی، بمبئی میں ٹیکسی ڈرائیور خواہ وہ ٹیکسی کا مالک ہو یا نہ ہو، ٹیکسی چلانے کی اجرت بطورِ کمیشن ۲۰/ فیصد طعام کے خرچ کے بعد لیتا ہے۔ تو اس طرح کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

۴...... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ اجرت کے بجائے کچھ رقم طے کر لی جائے جو کہ گذارہ کے لئے کام آسکے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حصہ داری گاڑی کی قیمت وصول ہونے کے بعد ہی شروع ہوگئی۔

۵...... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ دو چار گھنٹہ چلا کر اور اس وقت کی تمام آمدنی ''الف'' اپنے استعمال میں لے لے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ''الف'' حصہ داری نہ کرے تو لامحالہ دوسروں کی گاڑی چلانی پڑے گی جو کہ کمیشن کی صورت میں ہوگی۔ اور الف چونکہ بنسبت دوسرے ڈرائیوروں کے روزگار میں کمتر رہتا ہے، اس لئے عموماً دوسرے کی گاڑی کم ملتی ہے، اور ملتی بھی ہے تو اس صورت میں کہ ڈرائیور نہ ہونے کے باعث گاڑی پڑی ہو تو بادل نخواستہ اس کو دیں گے۔ تو یہ کمیشن پر چلانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ''الف'' اگر ''ب'' سے =/۱۸۵۰۰/ روپے قرض لیکر کمپنی سے گاڑی خرید لے، پھر اس کی آمدنی سے ادا کر دے تو قرض ختم ہو جائے گا، پھر حصہ داری کرے، اس طرح کہ مثلاً نصف قیمت ''ب'' سے لے لے

اورگاڑی دونوں کی شرکت ہوکر آمدنی بھی نصف نصف ''ب'' کی رہے(۱) اوراس سے حصہ داری ہوجائے۔
اورآمدنی نصف نصف ہوکر''الف'' اپنے حصہ آمدنی میں سے''ب'' کا قرض بھی ادا کرتا رہے، چونکہ کل قیمت ''ب'' نے دی ہے جس میں سے نصف ''الف'' کے ذمہ بطورِ قرض ہے، تو یہ بھی درست ہے۔ قانون بھی غالباً اس طرح نہیں ہوگا۔

۲...... پرمٹ ایک حق ہے جس کے ذریعہ گاڑی خریدنے کا اختیار ہے، اس کے عوض روپیہ لینا درست نہیں(۲)۔

۳،۴...... میں شریک حصہ دار نہیں، اس وقت گاڑی چلانے کی اجرت مقررہ (۸ یا ۱۰) روزانہ یاماہانہ لینا شرعاً درست ہے(۳)۔

۵...... یہ صورت درست نہیں (۴)۔

---

(۱) "والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفليق بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منها على الشركة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه: ۶۷۱/۵، الشركة بالأعمال، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وشرط المعقود عليه .... كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

"وفي الأشباه : لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة"۔ (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۵۱۸/۵، سعيد)

(۳) "وهي (أي الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم .... والمنفعة تعلم تارةً ببيان المدة كالسكنى والزراعة، فتصح مدةً معلومةً أيّ مدة كانت". (مجمع الأنهر: ۵۱۱/۳، ۵۱۳، كتاب الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶، ۶، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها، الخ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۴) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو أستأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو =

۶......کمیشن پر اجرت لینا درست نہیں(۱)، روزانہ یا ماہانہ یا گھنٹوں کے اعتبار سے مقرر کی جائے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کتابوں کا حقِ طباعت بیچنا

سوال[۷۸۵۴]: بعض لوگ کتابوں کی رائلٹی وصول کرتے ہیں کہ میری کتاب اگر ایک ہزار کی تعداد میں چھپی ہو تو مجھے مبلغ ایک سو روپے، اور دو ہزار کی تعداد میں اگر چھپی ہو تو دو سو روپے دو۔ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ظہیر الاسلام بنی گنج ہردوئی۔

= ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله". (ردالمحتار: ۶/۵۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وفسدت استيجار حائك لينسج له غزلاً ببعضه، أو حماراً ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثوراً ليطحن له براً بقفيز من دقيقه". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۴۱، كتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "ويفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۴۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"يفسد الإجارة بشرط .... الفساد قديكون لجهالة قدر العمل بأن لايعين محل العمل، وقد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لايبيّن المدة، وقد يكون لجهالة البدل والمبدل". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

(۲) "ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواء كانت من المثليات أومن القيميات أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تُفضِي إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۵۴، (رقم المادة: ۴۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرا شخص اگر کتاب چھاپے تو اس سے یہ روپیہ لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا

سوال[۷۸۵۵]: اپنی کسی تالیف وتصنیف کا حقِ اشاعت محفوظ کرانا اور دوسروں کو اس کی اشاعت سے روکنا کیسا ہے؟ حق محفوظ کرانے سے جہاں مالی مفاد ملحوظ ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ کتاب کی طباعت واشاعت میں صحت وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض لوگ تو کتر بیونت کر کے اصل کتاب ہی کو ناقص شکل میں چھپا لیتے ہیں۔ نیز بعض حضرات حقِ اشاعت کے محفوظ کرنے کے سلسلہ میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس جنسِ وقت کی قیمت کے طور پر یہ حق محفوظ کرایا ہے، جو اس تصنیف کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ توجیہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مصنف کوئی تصنیف کرتا ہے تو وہ اس کا مالک ہے جس قدر اس میں محنت کی دردسری، دلسوزی، وعرق ریزی سے جو مسودہ بنایا جاتا ہے، اس کو پورا حق ہے کہ جس قدر قیمت میں معاملہ ہو سکتا ہو، اس قیمت پر فروخت کرے، چند اوراق کی قیمت ہزاروں یا لاکھوں روپے قیمت ہو سکتی ہے۔ بغیر قیمت کے کسی کو نہ دے نہ نقل کی اجازت دے۔ لیکن جب اس کی کتاب چھپ کر بازار میں آ گئی اور کسی شخص نے قیمت دیکر خریدی تو اس خریدی ہوئی کتاب سے نفع حاصل کرنے کا مشتری کو پورا اختیار ہے، کیوں کہ وہ اس کا مالک ہے، وہ اپنی ملک کو محفوظ کر کے بھی رکھ سکتا ہے، فروخت بھی کر سکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، نقلیں بھی کرا سکتا ہے، چھپوا بھی سکتا ہے، پھر چھپوا کر قیمت پر فروخت بھی کر سکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، بلکہ مفت تقسیم بھی کر سکتا ہے۔ اور اس میں مصنف کو ثواب پہونچانے کی نیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ مصنف کو حق نہیں پہونچتا ہے کہ مشتری جو کہ مالک

---

(۱) (سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا'')

ہےاس کواس کی مملوکہ شی میں تصرفات سے روکے(۱)۔

البتہ اصل کتاب میں کتر بیونت کرنا جس سے اصل مضمون خبط ہوجائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہوجائے، یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے،اوراس ترمیم شدہ چیز کواصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء وخداع ہے،اس کی اجازت نہیں، یہ شرعاً بھی ناجائز ہے اور اخلاقاً وعرفاً بھی مذموم وشنیع ہے۔ھذا عندی، دل چاہے تو دیگر علماء سے بھی تحقیق فرمالیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۳/۹۰ھ۔

حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع

سوال[۷۸۵۶]: بہت سے مصنفین ومولفین خوداپنی تصنیف کو،یا پھر وہ کسی ادارہ کواپنی تصنیف فروخت کردیتے ہیں تو وہ ادارہ حکومت سے قانونی طور پراس کے جملہ حقوق اپنے لئے محفوظ کرالیتا ہے، تاکہ

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حقِ تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے کوئی اور چھپوانہیں سکتا ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من عمّر أرضاً ليست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الكتاب السادس في إحياء الموات، (رقم الحديث: ۱۳۰) : ۳۴۷/۱، دارالفكر بيروت)

"عن أسمر بن مضرس رضي الله تعالى عنه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم: "من سبق إلى مالم يسبقه مسلم، فهو له". (سنن أبي داود: ۸۱/۲، كتاب الخراج، إمداديه ملتان)

"وإن كان العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ رجّح أن هذاالحديث وارد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشئ منها، فهي له، ولاشك أن العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، دارالعلوم كراچي)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادّي وهو الفائدة المادية التي يستفيدها من علمه، أو الجانب المعنوي وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۸۶۱/۴، القسم الثاني: النظريات الفقهية، المبحث الرابع: أحكام الحق، حق التاليف والنشر والتوزيع، رشيديه)

دوسرے شخص کے لئے اس کی طباعت کی قانونی طور پر گنجائش نہ رہے۔ اور رجسٹری کرانے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، چنانچہ شیخ الہند کا ترجمۂ کلام پاک، تعلیم الاسلام از حضرت مفتی صاحب، دینی تعلیم کے رسالے از الجمعیۃ بکڈپو وغیرہ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ جن کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جن کی طباعت بلا اجازت قانونی جرم ہے۔ سرکاری قانون سے قطع نظر شرعی نقطۂ نظر سے اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں:

۱......اس طرح بذریعۂ رجسٹری کسی کتاب کے حقوق اپنے لئے محفوظ کرالینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایسی تصنیف کہ جس کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جس نے محفوظ کرر کھے ہیں، اس کے پاس سے مناسب قیمت پر جس وقت جس قدر بھی مطلوب ہو، دستیاب ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے کے لئے بلا استصواب واستفسار کے یا استصواب واستفسار پر انکار اور منع کردینے کی شکل میں طبع کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۳......اپنی رجسٹری شدہ یا غیر رجسٹری شدہ کسی تصنیف کے حقوقِ طبع کسی فرد، یا ادارہ کے ہاتھ فروخت کردینا، یا اس کے معاوضہ میں رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۴......مذکورہ بالا امور کے سلسلہ میں مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا رائے تھی؟ اگر آں محترم کے علم میں ہو تو براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاوی رشیدیہ کامل مطبوعہ کراچی، ص: ۱۷۷، میں ہے:

سوال: ''حقِ تصنیفِ کتب کا ہبہ یا بیع یا ممنوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

جواب: ''حقِ تصنیف کوئی مال نہیں، جس کا ہبہ یا بیع ہوسکے، لہٰذا یہ باطل ہے: "ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة". أشباہ''(۱)۔

لہٰذا:

(۱) (الأشباہ والنظائر، ص: ۲۴۹، کتاب البیوع، الفن الثاني، دار الفکر بیروت)

۱...... یہ بے اثر ہے(۱)۔

۲...... اجازت ہے۔

۳...... درست نہیں (۲)۔

---

(۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ مصنف کو حقوقِ طبع محفوظ کرنے کا حق حاصل ہے کسی کو بغیر اجازت کے طبع کرانا جائز نہیں، کما تقدم ،فليراجع، ص: ۱۸۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) لیکن علماء نے حقوقِ طبع کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے:

"لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة، وعلى هذالايجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، لكن أفتى كثيرٌ باعتباره، وعليه فيفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۵۱۸/۴، سعيد)

"ومقتضى ذلك أن يجوز النزول عن حق الابتكار أو حق الطباعة لرجل آخر بعوضٍ يأخذه النازل، لكن هذا إنما يتأتى في أصل حق الابتكار وحق الطباعة، أما إذا قرن هذا الحق بالتسجيل الحكومي الذي يبذله المبتكر من أجله جهده وماله ووقته، والذي يعطى هذاالحق مكانة قانونية تمثلها شهادة مكتوبة بيد المبتكر وفي دفاتر الحكومة، وصارت تعتبر في عرف التّجار مالاً متقوماً، فلايبعد أن يصير هذا الحق المسجّل ملحقاً بالأعيان والأموال بحكم هذا العرف السائر، وقد أسلفنا أن للعرف مجالاً في إدراج بعض الأشياء في حكم الأموال والأعيان؛ لأن المالية -كماحكينا عن ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ- تثبت بتمول الناس، وأن هذا الحق بعد التسجيل يحرز إحراز الأعيان ويُدّخر لوقت الحاجة إدخار الأموال". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۲، دارالعلوم كراچي)

"والقول بجواز الاعتياض عن حق المؤلف بالمال لايتعارض مع نص، إنما يتعارض مع القياس، والقياس يترك بالعرف العام باتفاق العلماء. هذا إذا سلمنا أن حق المؤلف عن الحقوق المجردة، وهذا غير مسلّم إنما المسلّم والمقرر أنه من القسم الثاني من الحقوق التي تثبت لأصحابها ابتداءً، فلايكون القول بجواز الاعتياض بالمال متعارضاً مع نص ولا مع قياس". (حق الابتكار في الفقه الإسلامي المقارن، ص: ۱۸۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) .... =

۴...... مجھے علم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۲۱/۲، (رقم المادة: ۲۱۶)

مفتی نظام الدین اعظمی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ حق طباعت کا معاوضہ لینا مصنف کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی، یا وہ تحصیلِ مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ محض دفعِ ضرر کے لئے اثباتِ حق ہوتا ہے، مثلاً: حقِ شفعہ سُوئے جوار سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے، بے شک ایسے حقوق کا مالی معاوضہ لینا جائز نہیں، لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ صاحبِ حق کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے، مثلاً: حق وظائف یعنی شاہی مناصب، تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا، یا مال کے معاوضہ میں حق سے دست بردار ہونا جائز ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حق خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمایا تھا۔ [الأشباه والنظائر للحموي وشامي في غاية الأوطار]. اسی طرح کتاب کا حق طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق بالاصالۃ ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے''۔ (نظام الفتاوی: ۳۱۴/۲، كتاب المعاملات)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ولا يخفى أن صاحب الوظيفة ثبت له الحق فيه بتقرير القاضي على وجه الأصالة لا على وجه رفع الضرر، فإلحاقها بحق الموصى له بالخدمة، وحق القصاص ومابعده أولى من إلحاقها بحق الشفعة والقسم. وهذا كلام وجيه لايخفى على نبيه، وبه اندفع ماذكره بعض محشي الأشباه من أن المال الذي يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة، وهي حرام بالنص، والعرف لايعارض النص. وجه الدفع ماعلمت من أنه صلح عن حق كما في نظائره، والرشوة لاتكون بحق. واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن ابن سيدنا علي رضي الله تعالىٰ عنهما عن الخلافة لمعاوية رضي الله تعالىٰ عنه على عوض، وهو ظاهر أيضاً. وهذا أولىٰ مما قدمناه في الوقف عن الخيرية من عدم الجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص والجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص .... ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف، وعدم صحة الرجوع وبالجملة، فالمسألة ظنية والنظائر المتشابهة للبحث فيها مجال، وإن كان الأظهر فيها ماقلنا، فالأولىٰ ماقاله في البحر من أنه ينبغي الإبراء العام بعده. والله سبحانه تعالىٰ أعلم".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام: ۵۲۰/۴، سعيد)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئرز کی بیع اور اس کی زکوۃ

سوال[۷۸۵۷]: ۱...... ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے، اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خریدے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی، مگر جب اس کو بیچتے ہیں تو اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے۔ تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانۂ ماضی کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲...... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی۔ تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یا نہیں؟

۳...... چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے۔ تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوۃ ادا کرنی چاہئے، یا چھ ہزار کی؟ جبکہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا، تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴...... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا، اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سود کی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو اور اس کا کاروبار سود کا ہو، اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے(۱) بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو(۲)۔

---

(۱) "أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهي أن تشترك اثنان في نوع بر أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات". (الهداية: ۶۲۹/۲، كتاب الشركة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما عنان .... إن تضمنت وكالة .... فتصح من أهل التوكيل وإن لم يكن أهلاً للكفالة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۱۱/۴، كتاب الشركة، سعيد)

"أما شركة العنان، فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات برّ أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكران الكفالة خاصةً، وصورتها أن يشترك اثنان في نوع خاص من التجارات، أو يشتركان في عموم التجارات". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۱۹/۲، الباب الثالث في شركة العنان، رشيديه)

(وكذا في امداد الفتاوى، كتاب الشركة، القصص السنى في حكم حصص كمپني: ۴۹۴/۳، دارالعلوم كراچى)

(۲) "أن يكون التصرف مباحاً شرعاً، فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعاً كالغصب، أو الاعتداد على الغير". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الوكالة، شروط الوكالة: ۱۵۴/۴، حقانيه پشاور)

"إذا دفع المسلم إلى النصراني مالاً مضاربةً بالنصف، فهو جائز، إلا أنه مكروه، فإن اتّجر في الخمر والخنزير فربح، جاز على المضاربة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثاني والعشرون في المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر: ۳۳۳/۴، رشيديه)

"لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل، فصار كأنه باشره بنفسه، فلا يجوز". (الهداية: ۵۹/۳، باب البيع الفاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب المضاربة، باب مضاربة أهل الكفر: ۱۰۹/۲۲، مكتبه حبيبيه، كوئٹه)

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے(۱)۔ اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے، بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوٰۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بناپر) بری الذمہ ہوجاوے گا، صرف نفع کی زکوٰۃ باقی رہ جاوے گی، وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی براءت میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲..... اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے، خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے (۴)۔

۳..... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوٰۃ بھی اتنے ہی روپے

---

(۱) "(والمستفاد) ولو بهبة أو إرث (وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه) فيزكيه بحول الأصل".

(الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۹، سعيد)

"(قوله: وإن هلك): أى بعض النصاب، سقط حظه: أى حظ الهالك: أى سقط من الواجب فيه بقدر ماهلك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۲) "(و) لا في (هالك بعد وجوبها) ومنع الساعي في الأصح .... وإن هلك بعضه، سقط حقه". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا في هالك): أى لاتجب الزكاة في نصاب هالك بعد الوجوب: أى بعد مضى الحول بل تسقط، وإن طلبها الساعي منه، فامتنع حتى هلك النصاب على الصحيح .... (قوله: وإن هلك بعضه): أى بعض النصاب سقط حظه: أى الهالك: أى سقط من الوجوب فيه بقدر ماهلك منه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

(۴) "والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

کی ہوگی (۱)۔ اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے (۲)۔

۴...... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کر کے، یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں، مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سودی کمپنی کے حصص خریدنا

سوال [۷۸۵۸]: موجودہ دور میں محفوظ سرمایہ مثلاً زرعی جائیداد و مکانات وغیرہ سب خطرہ میں ہے، کیونکہ جو قابض ہو جاتا ہے وہ چھوڑتا نہیں۔ اس لئے محفوظ سرمایہ کے لئے کمپنی کے حصص خریدنا کیسا ہے، جب کہ آج کل علماء نے بیمہ کی حالتِ موجودہ میں اجازت دے دی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب دشواریاں بڑے سرمایہ کے لئے ہیں جس کے ذریعہ منڈی میں اپنی خاص اونچی حیثیت قائم کرنا

---

(۱) "(قوله: ولا في هالک، الخ): أي لاتجب الزكوة في نصاب هالک بعد الوجوب: أي بعد مضي الحول بل تسقط .... (قوله: وإن هلک): أي بعض النصاب، سقط حظه: أي حظ الهالک: أي سقط من الواجب فيه بقدر ما هلک". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲۸۳/۲، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل". (الأشباه والنظائر: ۳۴۳/۱، القاعدة الثانية إذا اجتمع الحلال والحرام، إدارة القرآن كراچی)

اور نام پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، اپنی گذر اوقات اور نفقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لئے نہ اتنے سرمایہ کی ضرورت ہے نہ اس میں دشواریاں ہیں، لہٰذا غیر ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب وبال ہی وبال ہے، خواہ سودی کمپنی کے حصص ہوں یا کوئی اور صورت (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹/محرم الحرام/۹۳ھ۔

---

(۱) ایسی کمپنیوں کے حصص خرید کر سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے اس بات کا خیال رہے کہ اگر یہ کمپنیاں سودی لین دین سے کمپنیاں چلاتی ہوں تو ان کے حصص خریدنا ناجائز ہے، اور اگر سودی کاروبار نہیں کرتیں تو چند شرائط سے ان کے حصص خریدنے کی گنجائش ہے:

۱- کمپنی حلال کاروبار کرے حرام نہ ہو، مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو، سود و قمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب یا اس کے علاوہ اور کوئی حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو۔

۲- کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے ہیں، مثلاً: بلڈنگ، زمین، مشین وغیرہ، رقم صرف نقدی شکل میں نہ ہو اور یہ شرط دراصل اپنے حصص کو دوسرے پر فروخت کرنے کے لئے ہے، کیونکہ رقم جب نقد ہو اور اس سے منجمد اثاثے نہیں خریدے گئے تو اس نقد رقم کو دوسرے پر کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا سود ہے جو حرام ہے۔

۳- کمپنی اگر سود کا لین دین کرتی ہو تو سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، کیونکہ یہ ہر مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنی اقتصادی زندگی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے سود کے لین دین کو ہر صورت میں بیخ و بن سے اکھاڑے اور اس کے خلاف مجمع میں آواز اٹھائی جائے۔

۴- جب سود کے خلاف آواز اٹھانا کارآمد نہ ہو تو اس شخص کو منافع تقسیم ہوتے وقت جو نفع سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو بغیر نیتِ ثواب کسی مستحق زکوۃ کو دیا جائے۔ ملخصاً۔ (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید و فروخت: ۱/۱۴۴-۱۵۱، میمن اسلامک پبلشرز)

قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹) .... =

نیلام کے ذریعے خرید وفروخت

سوال[۷۸۵۹]: سوتی گنج میرٹھ میں ایک چھوٹی سی کباڑی مارکیٹ ہے جس میں موٹروں کے پرزے نیلام ہوتے ہیں۔ اب ان کی یونین بن گئی ہے، کیونکہ پہلے لوگ مال ادھار لے جاتے تھے اور پیسہ نہیں دیتے تھے، اس سے چھوٹے تاجر بہت پریشان ہوتے تھے، اب یونین بنائی گئی ہے جس کے دوسو ممبران ہیں جو پانچ پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ اس طرح جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس سے یونین فروخت کنندہ کے مال کو آڑھت کے طریقہ پر نیلام کرتی ہے اور قیمت جو آخری ہوتی ہے اس میں سے پانچ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے کاٹ کر باقی فروخت کنندہ کو فوراً دیدیتی ہے۔

اور خریدار پر لازم ہوتا ہے کہ وہ پندرہ روز کے اندر پوری قیمت یونین کو ادا کردے، ورنہ اس پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ اس طرح یونین کو پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کی رقم بچتی ہے، یہ بچت کے روپیہ یونین اپنے ممبران پر تقسیم کردیتی ہے۔ غرض! یہ یونین آڑھت کے طریقہ پر کام کرتی ہے۔ اگر مال کے خریدار بھاگ جائیں، یا روپیہ ادا نہ کریں تو اس کی ذمہ داری یونین پر ہوتی ہے، مالکِ مال پر نہیں ہوتی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے:

۱......یونین کا یہ فعل سود ہے یا نہیں؟

۲......اگر سود ہے تو شرعی طریقہ پر اس کا متبادل طریقہ کیا ہے، تاکہ یہ یونین باقی رہ سکے اور لوگوں کا

= وقال الله تعالی: ﴿یایها الذین امنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یأتی علی الناس زمان، لایبالی المرء ماأخذ منه أمن الحلال أم من الحرام". (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب من لم یبال من حیث کسب المال: ۱/۲۷۶، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من رآی منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه وذلک أضعف الإیمان". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان: ۱/۵۱، قدیمی)

کاروبار ٹھپ نہ ہو؟

۳.....خریداری سے جو جرمانہ لیا جاتا ہے، شرعاً اس کی کوئی جائز صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہوسکتی ہے تو وہ کیا ہے؟

۴.....یونین کا مالکِ مال پر کوئی جبر نہیں ہے، جو اپنی خوشی سے چاہے اسی کا مال یونین نیلام کرتی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴.....نیلام میں آخری بولی پر یونین قیمت اپنے پاس سے ادا کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یونین خود خریدار ہے اور بولی بھی یونین ہی بولتی ہے تو بائع بھی ہے یعنی بائع کی طرف سے وکیل ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱)۔ نیز مال فروخت ہوجائے اور خریدار کا قبضہ ہوجانے کے بعد پندرہ روز میں قیمت وصول نہ ہونے پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ وصول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے(۲)۔

---

(۱) "إذا اشترى الوكيل بالبيع مال موكله لنفسه، لا يصح وإن أطلق له الموكل بقوله: بعْ ممن شئتَ؛ لأنه يصير حينئذٍ متولياً طرفي العقد، وهو لا يجوز". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۸، (رقم المادة: ۱۴۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵۸۹/۳، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع، رشيديه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً، فيبيعه من غيره، ثم يشتريه منه". (البحر الرائق: ۲۸۲/۷، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق بذيل البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۲۸۲/۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۲۱/۵، كتاب الوكالة، فصل: لا يعقد وكيل البيع والشراء، سعيد)

(۲) "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۴۹۸/۱۴، إدارة القرآن كراچی) =

معاملہ اس طرح کیا جائے کہ اصل مالک بولی بولے اور آخری بولی پر یونین خود خریدے اور قیمت اپنے پاس سے پوری دیدے، پھر بولی بولنے والے سے اپنا معاملہ مستقلاً نفع لگا کر لے، مثلاً دس پیسہ فی روپیہ۔ اگر اس خریدار سے معاملہ کرلے کہ ایک ماہ کے اندر پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اگر وہ ایک ماہ کا وعدہ نہ کرے بلکہ دو ماہ کا وقت لے تو اس سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ پندرہ پیسہ فی روپیہ منافع یونین لے گی تو اس طرح شرعاً درست ہے، جرمانہ بالکل نہ لے(۱)۔ یہ بیع مرابحہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جرنفعاً حرام: ۱٦٦/۵، سعيد)

(۱) "(قوله: لابأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز، اهـ. ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، قال في الشرنبلالية: ولايفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه .... لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ٦۱/۴، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۰٦/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۷۷/٦، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا

سوال[۷۸۷۰]: ہماری طرف جن کی گائے بھینس دودھ دیتی ہے، وہ دودھ باندھ دیتے ہیں، اور ماہ بماہ قیمت کا حساب کر لیتے ہیں۔ بعض غریب وضرورت مند کچھ رقم پیشگی لے لیتے ہیں اور دودھ میں حساب وضع ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دودھ دے کر ماہ بماہ قیمت لیتے رہنا تو درست ہے(۱)، مگر پیشگی روپیہ دے کر دودھ لینے دینے میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) "ما یستجرہ الإنسان من البیاع إذا حاسبہ علی أثمانھا بعد استھلاکھا، جاز استحساناً".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۱۶/۴، کتاب البیوع، سعید)

"ومما تسامحوا فیہ وأخرجوہ عن ھذہ القاعدۃ ما فی القنیۃ: الأشیاء التی تؤخذ من البیاع علی وجہ الخرج، کما ھو العادۃ من غیر بیع کالعدس والملح والزیت ونحوھا، ثم اشتراھا بعد ما انعدمت، صح، فیجوز بیع المعدوم ھنا". (البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۴/۵، رشیدیہ)

(وکذا فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادۃ: ۱۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب البیوع: ۸/۳، دارالمعرفۃ بیروت)

(۲) چونکہ پیشگی روپیہ دینے کی حیثیت قرض کی ہے جس میں آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہوتی ہے اور قرض میں شرط لگانا ناجائز ہے: .... =

....

= "قال في الولو الجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريتُ منك مأة منّ من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريتُ منك، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والأن المبيع معلوم: فينعقد البيع صحيحاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۱۶/۴ مطلب: البيع بالتعاطي، سعيد)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالك، ص: ۵۹۰، كتاب البيوع، باب جامع بيع الطعام، مير محمد كتب خانه)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتي. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشترى المتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشترى الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازمٌ على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳۶/۱، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم كراچى)

لیکن مذکورہ صورت میں بیع لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ جائز ہوتی ہے اگر چہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس لئے مذکورہ صورت بھی جائز ہے:

"والذي يظهر لي أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهي، وإن كانت قرضاً في الاصطلاح الفقهي، من حيث يجوز للمد له أن يصرفها في حوائج نفسه، من حيث كونها مضمونة عليه، ولكنها قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق؛ لكونه شرطاً متعارفاً، فإن الدفعات تحت الحساب لايقصد بها الإقراض، وإنما يقصد بها تفريغ ذمة المشترى عن أداء الثمن عند البيع اللاحق، وأن يتيسر له شراء الحاجات دون أن يتكلف نقد الثمن في كل مرة، فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع، والشرط كلما كان متعارفاً، فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما في شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع". (بحوث في قضايا فقهيه معاصره، البيع بالتعاطي والاستجرار، الاستجرار بمبلغ مقدم، ص: ۶۷، مكتبه دارالعلوم كراچى) =

ماہانہ پرچوں کی بیع

سوال[۷۸۷۱]: فی زمانناجورسالوں اور پرچوں (ماہناموں) کی خریداری کا دستور ہے کہ خریدار ابتدائے سال میں پیشگی قیمت روانہ کردیتا ہے اور سال بھر تک رسالے اور پرچے ہفتہ وار وماہوار وغیرہ تیار کراکے مالک کی جانب سے خریدار کے پاس روانہ کئے جاتے ہیں۔آیا یہ معاملہ درست ہے یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں "لأنه بيع معدوم"۔ اور بکر کہتا ہے کہ درست ہے "للضرورة"۔ اس میں کس کا قول صحیح ہے؟

مولوی محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ درست ہے، مجموعۂ قیمت کو سال بھر کے پرچوں پر تقسیم کرکے ہر ہر پرچہ کی وصولیابی کے وقت اس کی بیع کو درست کہا جائے گا۔گویا یہ ایک بیع نہیں، بلکہ بیوع متعددہ ہیں، ہر ہر پرچہ کی بیع اس وقت ہوتی ہے جب وہ مشتری کے پاس پہونچتا ہے،اور اس وقت وہ موجود ہے معدوم نہیں،هكذا في إمداد الفتاویٰ(۱)۔

= "ولا بيع بشرطٍ لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفعٌ لأحدهما، أو لمبيع من أهل الاستحقاق، ولم يجرِ العرف به، ولم يَرِد الشرع بجواز. أما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد كشرط أن يقطعه البائع ويخيطه قباء مثال لمالا يقتضيه العقد وفيه نفع للمشتري أو يستخدمه مثال لما فيه نفع للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۵، سعيد)

(۱) "متاخرین نے جائز رکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرار میں صاحب ردالمحتار نے ذکر کی ہے"۔(امداد الفتاویٰ: ۱۳۲/۳، جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام، دارالعلوم کراچی)

"قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريتُ منك مأة منّ من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريتُ منك، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم، فينعقد البيع صحيحاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع: =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ۴/۱۶۵ مطلب: البیع بالتعاطی، سعید)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، کتاب البیوع، باب جامع بیع الطعام، میر محمد کتب خانہ)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشترى المبتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشترى الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازمٌ على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وكذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۱/۲۶۳، (رقم المادة: ۱۷۵)، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(وكذا فی بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطی والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم کراچی)

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

بیعِ فضولی

سوال[۷۸۷۲]: بکر کا کتب خانہ ہے اور خالد جو کہ بکر کے نزدیک معتبر مراہق قریب البلوغ لڑکا ہے، اس کو بٹھا کر بکر کسی کام کو گیا۔ زید کتب خانہ کے اندر آیا خریدار کی حیثیت سے، بکر کی عدم موجودگی میں خالد نے کچھ کتابیں انتہائی کم قیمت کر کے دیدیں اور یہ کہا کہ میری کتابیں ہیں اور زید قیمت خالد کو دے کر چلا آیا۔ اب بکر تو موجود ہے لیکن خالد نہیں۔ آیا وہ کتاب زید کو خریدنا درست نہیں جبکہ صاف صریح دلالت اس بات پر ہے کہ یہ کتابیں بکر کی ہیں اور وہ جھوٹ بول کر اپنا کام لینا چاہ رہا ہے، اب زید کیا کرے، آیا بکر کو وہ کتابیں دکھانے کے بعد قیمت طے کرائے، یا صدقہ کردے، یا اپنے پاس رکھے مالک کی حیثیت سے؟ فقط۔

بندہ محمد عبدالرحمٰن، ۲۲/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بکر نے اگر خالد کو اپنی کتابوں کے فروخت کرنے کا وکیل نہیں بنایا تو یہ بیع، بیعِ فضولی ہوئی ہے جو کہ بکر کی اجازت پر موقوف ہے(۱)، براہِ راست بکر سے معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيه أو وليه نفذ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومن باع ملك غيره بغير أمره، فالمالك بالخيار: إن شاء أجاز البيع، وإن شاء فسخ".

(الهداية: ۸۸/۳، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولمن باع فضوليٌّ ملكه أن يفسخه، وله أن يجيزه، يعني ينعقد بيعه موقوفاً على إجازة المالك". (مجمع الأنهر: ۱۳۳/۳، كتاب البيوع، باب الحقوق والاستحقاق، فصل في بيع الفضولي، =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارن پور، ۲۳/ ۸/ ۶۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= غفارية كوئته)

"ومن باع ملك غيره، فللمالك أن يفسخه ويجيزه إن بقي العاقدانِ والمعقود عليه، وله وبه لو عرضا يعني أنه صحيح موقوف على الإجازة". البحر الرائق: ٦/٢٤٥، كتاب البيع، باب الاستحقاق، فصل في بيع الفضولي، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٤/٢٨٣، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع: ٥/١١٣، مطلب: البيع الموقوف نيفٌ وثلاثون، سعيد)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

بیع مرابحہ

سوال[۷۸۷۳]: ا...... میں دوکانداروں کو ادھار مال فروخت کرتا ہوں، وہ مجھے پہلے آڈر دیتے ہیں، یہ بھی طے کرلیا کہ کانپور والا مال جس کی خریداری ایک روپے کی ہوگی وہ ۱/۷ آنے میں فروخت ہوگا اور دہلی کا ایک روپیہ کا مال ۲۵/۱، میں فروخت ہوگا بشرطیکہ مال صحیح سالم ہو اور تاجر کی مرضی کے موافق ہو۔ تو اس طرح نفع لینا درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۷۸۷۴]: ۲...... ایک شخص نے اپنا مال خود کرایہ پر دے کر اس کے ہاتھ منگوایا، اگر لانے والے سے روپیہ تلف ہوجاتا یا مال ٹوٹ جاتا تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں تھی، بہر حال وہ مال لے آیا اور اس نے میرے قبضہ میں دیدیا، اس کے بعد میں نے وہ مال نفع لگا کر اس کے ہاتھ فروخت کردیا۔ تو یہ نفع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... اس طرح فروخت کرنا درست ہے(۱)۔

(۱) "هي (أي التولية) بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، ص: ۲۴۵، رشيديه)

"المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، باب =

۲...... یہ جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۹/۱/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= المرابحة الخ ، غفارية كوئته)

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۳۳/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة ، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۲۲/۴، كتاب البيوع، باب التولية، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۷۳/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

بیع سَلم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت

سوال[۷۸۷۵]: ایک شخص قرض روپے چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دو ماہ کے بعد روپیہ کے بعد گندم کو اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا اور اصلی معروف دوں گا۔ تو اس طریقہ سے قرض لینا اور دینا اور پھر اسی طریقہ سے ادا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ شرط کرنا کہ ''اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا'' مفسدِ بیع ہے، کیوں کہ یہ بیع سلم ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسی وقت یعنی روپیہ دیتے وقت نرخ متعین کرلیا جاوے(۱) اور صورت مسئولہ میں

---

(۱) ''وشرطه (أی السلم) بیان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلّه شهر، وقدر رأس المال فی المکیل والموزون والمعدود، ومکان الإیفاء فیما له حمل من الأشیاء''. (کنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشیدیه)

''وشرطه بیان الجنس کبرّ وشعیر، والنوع کسقیة، أو بخسیة، والصفة کجید أو ردئ، والقدر نحو کذا رطلاً أو کیلاً بما لا ینقبض ولا ینبسط، وأجل معلوم وأقله شهر فی الأصح، وقدر رأس المال إن کان کیلیاً أو وزنیاً أو عددیاً، فلا یجوز فی جنسین بلا بیان رأس مال کل منهما .... ومکان إیفائه إن کان له حمل ومؤنة''. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الهدایة: ۹۲/۳، کتاب البیوع، باب السلم، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، باب السلم، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۳۹۸/۱۴، أبواب السلم، إداره القرآن کراچی)

نرخ مجہول ہے، لہٰذا یہ معاملہ ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/محرم/۵۷ھ۔

قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا

سوال[۷۸۷۶]: احمد صاحب اناج کا بیوپار کرتے ہیں اور دوسرے بیوپار بھی کرتے ہیں۔ برسات میں ہم کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم لوگ پہلے ہی بھاؤ کر کے مال کا روپیہ لے جاتے ہیں اور اسی بھاؤ سے فصل پر اناج دیدیتے ہیں خواہ بھاؤ کم ہو یا زیادہ۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں، یہ سود تو نہیں؟ اس کا خلاصہ صاف لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ قرض دیا جائے تو پھر اس روپیہ کی واپسی لازم ہے(۱)، اس میں زیادتی کی شرط کرنا سود ہے(۲)۔ البتہ اگر واپسی کے وقت روپیہ موجود نہ ہو اور روپیہ کے عوض غلہ وغیرہ دینا چاہے تو دیتے وقت جو

---

(۱) "هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليردّ مثله، وصح في مثليّ لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"الديون تُقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود. ۳۸۹/۲، سعيد)

(۲) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا" (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۵۱۲/۱۴، ۵۱۳، إدارة القرآن كراچي

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلبٌ: كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

معاملہ کرلیا جائے وہ درست ہے، مثلاً جس وقت روپیہ قرض لیا، اس وقت غلہ کا نرخ تیرہ روپیہ کا تھا اور جب روپیہ واپس کرنے کا وقت آیا تو غلہ کا نرخ دس روپیہ کا ہوگیا اور دس کے حساب سے بجائے روپیہ دینے کے غلہ دیدیا تو یہ سود نہیں بلکہ درست ہے(۱)۔

اگر روپیہ قرض نہیں دیا بلکہ غلہ خریدا، اس طرح کہ روپیہ اب دیدیا اور غلہ لینے کا وقت فصل کا موقع تجویز کرلیا اور غلہ کا نرخ ابھی تجویز کرلیا کہ اس کے حساب سے غلہ لیں گے اور فلاں قسم کا غلہ ہو، فلاں جگہ پہونچانا ہوگا تب بھی درست ہے۔ اگر روپیہ دیتے وقت غلہ کا نرخ تیرہ کا ہو جو روپیہ دیا گیا ہے، وہ اس صورت میں پیشگی قیمت ہے(۲)، قرض نہیں، یہ بھی سود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "والثاني: بيع العين بالدين نحو بيع السلع بالأثمان المطلقة وبيعها بالفلوس الرائجة، والمكيل والموزون والمعدود المتقارب ديناً". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۴۹۹، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۶/۲۴۷، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۴۷، كتاب البيوع، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وشرطه (أي السلم) بيان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال في المكيل والموزون والمعدود، ومكان الإيفاء فيما له حمل من الأشياء". (كنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشيديه)

"وشرطه بيان الجنس كبُرٍّ وشعير، والنوع كسقية، أو بخسية، والصفة كجيد أو رديء، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال إن كان كيلياً أو وزنياً أو عددياً، فلا يجوز في جنسين بلا بيان رأس مال كل منهما .... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۱، ۱۴۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

بیع سلم

سوال[۷۸۷۷]: کوئی شخص بالکل غریب ہے کھانے کو کچھ نہیں، اس نے ۱۰/ روپیہ اس شرط پر دیا کہ جو بھی غلہ مثلاً گندم یا مکئی ہوگی وہ کتنے پر دو سیر یا تین سیر کے لوں گا، مثلاً بازار میں بھاؤ ڈیڑھ سیر کا نکلا۔ تو اب اس کو حسبِ وعدہ تین سیر کے غلہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ طے شدہ معاملہ ہے یا سود ہو جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سَلَم ہے، جو غلہ دینا طے پائے اس کی حفاظت اور نرخ وغیرہ اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے، پھر وقت پر بازاری نرخ کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جو نرخ طے کیا گیا ہے اسی نرخ سے دینا ہوگا، کذا فی الشامی(۱)۔ مگر اتنا نرخ مقرر کرنا جس سے غلہ دینے والے کو زیادہ نقصان ہو اور وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اسے منظور کرلیتا ہو، یہ ہمدردی اور مروت کے خلاف ہے کہ وہ بیچارہ مستحقِ امداد ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في ردالمحتار: ۵/۴ ۲۰۲، ۲۱۵، باب السلم، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۴ : /۳۹۸، أبواب السلم، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل .... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردئ. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يُوْفِيه فيه". (الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعض بعض =

بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

سوال[۷۸۷۸]: موجودہ وقت میں جیٹھ(۱) کے ماہ میں دھان(۲) پچیس روپیہ مَن بازار میں فروخت ہوتا ہے، زید نے کہا کہ اگر کاتک(۳) کے مہینے میں دھان کی قیمت دوگے تو ۳۵/ روپے لوں گا۔ تو ایک من دھان کے بدلہ میں ۳۵/ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۲..... بیع سلم کی صورت تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی وبیشی ہوتی ہے، یہ شرعاً سود نہیں ہے(۴)۔ جس قیمت پر

= الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾ ويباع المضطرون، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۱۴/۲۰۴، ۲۰۵، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "جیٹھ: ہندی سال کا دوسرا مہینہ جو پندرہ مئی سے ۱۵/ جون تک ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۰۶، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "کاتک: ہندی سال کا ساتواں مہینہ تقریباً ۱۵/ اکتوبر سے ۱۵/ نومبر تک کا زمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۶۹، فیروز سنز، لاهور)

(۴) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع ..... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما، ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأتمّا العقد عليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسي: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"إن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، قبيل: مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش، سعيد)

دھان فروخت کیا ہے وقتِ مقررہ پر وہی قیمت لینا درست ہے، لیکن جو شخص غریب ہے اور قیمت ادا نہیں کرسکتا اس کے ساتھ احسان کرنا چاہئے، قیمت میں زیادہ اضافہ کرنا خلافِ مروّت ہے(۱)۔

۲......بیع سلم یہ ہے کہ روپیہ پہلے دیا جائے اور گندم وغیرہ بعد میں وصول کیا جائے اور بیع کے لئے جنس، نوع، صفت، وقت، وصولیابی کی جگہ وغیرہ کی ایسی طرح تفصیل کردی جائے کہ نزاع کا احتمال باقی نہ رہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا

سوال[۷۸۷۹]: مثلاً آج کل منجی کا بھاؤ ۲۵/روپیہ من ہے، ہم سے زید روپیہ قرض مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فصل پر تم کو آٹھ روپیہ مَن منجی دیدوں گا۔تو اس طریقے سے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿ولاتنسوا الفضل بينكم﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷)

"والثاني: أن يضطر إلى البيع لدين أو مؤنة ترهقه، فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فسبيله من حيث المروءة أن لا يترك حتى يبيع ماله، ولكن يعاون، ويقرض، ويستمهل له إلى الميسرة حتى يكون له فيه بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۱۴/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۲۵۲/۴، معهد الخليل كراچي)

(۲) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقله شهر.......... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما في مكيل، وموزون، وعددي، غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل أو مؤنة ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۰۲/۵ - ۲۱۲، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم، غفاريه كوئته)

الجواب حامداًومصلیاً:

قرض کا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً درست نہیں: "لأن الأقراض تُقضی بأمثالها" (۱)۔ البتہ بیع سلم کا معاملہ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ قیمت پیشگی دی جائے اور منجی بعد فصل وصول کی جائے، اس کے لئے نرخ، قسم، وصولی کی جگہ، وصولی کا وقت، غرض سب چیزیں اس طرح صاف صاف طے کرلی جائیں کہ بعد میں نزاع نہ ہو (۲)۔ فصل پر عامۂ جو نرخ ہو اس کی پابندی لازم ہوگی، مگر اس کا خیال رہے کہ اس بیع سلم کو قرض لینے اور نرخ سے زیادہ منجی دینے کا حیلہ نہ بنایا جائے، جس سے سود کے ساتھ مشابہت ہوجائے، اس میں احتیاط کی ضرورت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "إن الديون تقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان، مطلبٌ: الديون تُقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوثٌ في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچی)

"فصل في القرض: هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليَردّ مثله، وصح القرض في مثليّ لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۲) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقلُّه شهر .... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما في مكيل، وموزون، وعددي، غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل أو مؤنة ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۵/۵، ۲۱۶، باب السلم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۳) "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل سلف وبيع". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل=

ایک من مکئی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت

سوال[۷۸۸۰]: یہاں پر بعض تجار لوگ زمینداروں کو ایک من مکئی وعدہ پر دیتے ہیں کہ فلانے مہینے میں اس کی جگہ ایک من گیہوں لیں گے۔ زمیندار لوگ لے لیتے ہیں اور وعدہ کئے ہوئے پر دیتے ہیں۔ اور اس میں ملا لوگ بھی مختلف ہیں، بعض حرام اور بعض جائز کہتے ہیں کہ وعدہ معلوم ہونے پر جائز ہے اور مجہول ہونے پر ناجائز ہے، بعض کیل ووزن کی بات نکالتے ہیں، لہٰذا جو صحیح ہو تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ ناجائز ہے، اگر جائز طریق پر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ فی الحال مکئی فروخت کردی جائے اور اس کی قیمت وصول کر کے کاشتکار کو یا جس سے خریدنا چاہیں اس کو دیدیں کہ اس روپیہ کے عوض ہم فلاں مہینے میں اس قسم کے اس نرخ پر گیہوں لیں گے اور وہ اس کو منظور کرلے، پس یہ صورت شرعاً درست ہے:

"إذا بيع قفيز حنطة بقفيزى شعير يداً بيد، حل الفضل، فإن أحد جزئى العلة وهو الكيل موجود هنا دون الجزء الآخر وهو الجنسية .... فلا يصح سلم هروى فى هروى، لوجود الجنس والنسأ فى المسلم فيه، ولا سلم بر فى شعير بوجود القدر مع النسأ، اه". مجمع الأنهر: ۲/ ۸۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

= الثاني، ص: ۲۴۸، قديمي)

ذكر المحشي: "أى لا يحل أن يقرضه قرضاً ويبيع منه شيئاً بأكثر من قيمته؛ لأن كل قرض جرّ نفعاً حرام". (حاشية مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۱) (مجمع الأنهر، شرح الملتقى الأبحر: ۳/ ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"وعلته: أى علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أى الزيادة والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حلّ الفضل وحرم النسأ". (ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، ۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

=

بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط

سوال[۷۸۸۱]: ایک شخص آج ایک روپیہ کا چاول مثلاً ۸/ سیر ہے اور اس خریدنے والے سے یہ کہے کہ میں دو مہینے کے بعد تم سے اس روپیہ کے عوض ۳۲/ سیر دھان لوں گا(۱)۔ اور جو شخص اس شرط پر وہ چاول لیجاتا ہے اسی کو دیا جاتا ہے اور دوسرے کو اس بھاؤ پر نہیں مل سکتا۔ تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

آفاق احمد بستوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ چاول کا معاملہ بلاشرطِ مذکور کیا جائے، پھر اس کی قیمت

= "(فإن وجد الوصفان): أي الكيل أو الوزن مع الجنس (حرم الفضل وحرم النسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حلّ التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ۱۲۱/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۳/۶، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۸۱/۳، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، الربا في كل مايكال ويوزن وأن الجيد والردئ ي الربويات سواء: ۲۶۰/۱۴، ۲۶۱، إدارة القرآن كراچی)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره، لا في غيره، فيصح في المكيل والموزون .... وشرطه بيان الجنس كبُرّ أو شعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردي، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم، وأقله شهر في الأصح، وقدر رأس المال ...... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۲/۳، ۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۱) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاھور)

(۲) "ولا بيع بشرط .... لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع، هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً .... ولم يَجرِ العرف به، ولم يَرِدِ الشرع بجوازه". =

میں جو ایک روپیہ واجب ہوگا، بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ ادا کردے، اگر اپنے پاس نہ ہو تو اس بائع سے یا کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر دیدے، اس کے بعد بائع وہ روپیہ مشتری کو دے اور معاملۂ سلم باقاعدہ طے کرے کہ اتنے روز بعد اس حساب سے اس روپیہ کے عوض اس قسم کے دھان مجھے دیدینا۔ غرض سلم کی پوری شرائط کی رعایت کرے کہ وصولیابی کے وقت کسی چیز کے ذکر نہ کرنے یا مبہم رہ جانے کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو(۱)۔

اگر چاول خریدتے وقت روپیہ ادا کرنے کی نوبت نہ آئے تو یہ بھی جائز ہے کہ چاول کی بیع پوری ہونے کے بعد اس طرح معاملہ کرے کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ چاول کی قیمت کا واجب ہے، اس کے عوض اتنی مدت بعد اس نرخ سے اتنے دھان دے دینا۔

صورت مسئولہ کے عدمِ جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر چاول کی قیمت روپیہ کو قرار دیا جائے تب تو یہ شرط کہ اس روپے کے عوض دھان لوں گا (روپیہ نہیں لوں گا) شرطِ فاسد ہے، نیز صفقۃ فی صفقۃ ہے اور یہ دونوں

= (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۵، سعيد)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل لابد أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين، وللمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم يرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۹۱/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۰/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل .... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردی. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود. وتسمية المكان الذي يُوفِيه فيه". (الهداية: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

چیزیں مفسدِ بیع ہیں، كما هو مصرح في كتب الفقه مثل الهداية(١) والدر المختار(٢) وغيرهما(٣)۔ اور اگر چاول کی قیمت دہان کو قرار دیا جائے، یہ ربا ہے، ومنعه أظهر من أن يذكر(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف ۲۸/ رجب/ ۵۸ھ۔

ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سوا دو من گندم لینا

سوال[۷۸۸۲]: ا...... ایک دوکاندار سے دوسرے شخص نے دو من غلہ گندم مثلاً لیا، اور تحریر کر دیا کہ دو ماہ بعد یعنی فصل گندم کٹنے کے بعد اس کے عوض سوا دو من دوں گا، اس کو اس جگہ بھتوی کہتے ہیں، یہ لین دین

(١) "ومن باع عبداً على أن يعتقه المشتري أو يدبّره أو يكاتبه، أو أمةً على أن يستولدها، فالبيع فاسد؛ لأن هذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع وشرط .... وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق، يفسده.......... وكذلك لو باع عبداً على أن يستخدمه البائع شهراً، أو داراً على أن يسكنها أو على أن يقرضه المشتري درهماً أو على أن يُهدي له هدية؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد .... ولأنه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شيء من الثمن، يكون إجارةً في بيع ولو كان لايقابلهما، يكون إعارةً في بيع، وقد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين في صفقةٍ". (الهداية: ۳/۲۲۲، ۲۲۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۸۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

(٣) "ولا بيع بشرط .... لايقتضيه العقد ولايلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً .... ولم يَجرِ العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعيد)

(٤) "وعلته القدر والجنس، فيحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً .... فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ۳/۱۱۹، ۱۲۰۔ كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

جس میں تفاضل بھی ہے اور مہلت بھی نہ یداًبید اور نہ سواءً بسواء ہے۔ یہ صورت بیع سلم کے اندر شرائطِ سلمیہ کے ملحوظ رکھنے کے بعد داخل ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں طرف سے جنس ہے نقد نہیں، داخل ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

ایک مَن گندم کو رقم تصور کر کے آئندہ فصل میں اس کے عوض سَوا مَن گندم لینا

سوال[۷۸۸۳]: ۲...... ایک من غلہ جس کی قیمت مثلاً دو روپیہ ہے، دوکاندار نے کہا کہ یہ ایک من غلہ جس کی قیمت اس وقت بازاری نرخ کے لحاظ سے دو روپیہ ہوتے ہیں، گویا تم کو دو روپیہ دے رہا ہوں، گیہوں کی فصل کٹنے کے بعد ان دو روپیوں کا گندم سوا من لوں گا، اس صورت میں وہی گندم دیتا ہے، اور گندم تفاضل کے ساتھ لیا ہے، نقد پھر بھی نہیں دیا، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں گندم قیمت کر کے نہیں دی تھی اس میں قیمت پائی گئی۔ اس صورت میں بھی لینا دینا جنس کا ہے فقط ربوا سے بچنے کے لئے بطور حیلہ کے یہ سلم میں داخل ہو کر جائز ہے یا نہیں؟

دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو مَن گندم واپس لینا

سوال[۷۸۸۴]: ۳...... تیسری صورت قرض کی ہے کہ ایک قیمت کے دوسرے کو دو من گندم قرض دے دو ماہ کے بعد پھر وہی دو من لے گا، اس میں تفاضل وزیادتی تو نہیں البتہ نسیئہ ہے یدًا بید نہیں ہے۔ آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ صورت ناجائز ہے: "العاشر: أن لا يشمل البدلين أحد وصفي علة ربا الفضل، وهو القدر والجنس، اه". فتاویٰ عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۸۰، الباب الثامن عشر فى السلم، رشيدية)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الذهب بالذهب مثلاً بمثل، والفضة بالفضة مثلاً بمثل، والتمر بالتمر مثلاً بمثل، والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح بالملح مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل، فمن زاد أو ازداد، فقد أربى". (جامع الترمذى: ۱/۲۳۵، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه، سعيد)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، باب الربا، قديمى) .... =

۲......اس صورت میں دو معاملہ ہوئے: ایک تو یہ کہ ایک من غلہ دو روپیہ میں فروخت کیا، دوسرا یہ کہ ان دو روپیوں کے عوض فلاں وقت سوا دو من غلہ لوں گا۔ پہلا بیع اجل کا ہے(۱) اور دوسرا بیع سلم کا ہے(۲)، پس اگر معاملہ پختہ اور ختم ہونے کے بعد مستقل طور پر دوسرا معاملہ کیا ہے، اس طرح کہ اولاً ایک من غلہ فروخت کیا اور اس میں کوئی شرط خلافِ مقتضائے عقد نہیں لگائی، البتہ قیمت مؤجل رہی جس کی اجل متعین کردی، پھر اس کے بعد دوسرا معاملہ کیا کہ تمہارے ذمہ دو روپیہ واجب الادا ہے، ان کے عوض اس نرخ سے فلاں وقت گیہوں دیدینا اس نے منظور کرلیا تو یہ معاملہ درست ہوگیا۔ اگر پہلے معاملہ کے لئے دوسرے معاملہ کو شرط قرار دیا ہے، مثلاً اس طرح معاملہ کیا کہ ایک من غلہ دو روپیہ کا اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ فلاں ماہ میں اس دو روپیہ کے عوض تم سے سوا دو من غلہ لوں گا تو یہ ناجائز ہے(۳)، اس سے نہ بیع اجل ہوئی نہ بیع سلم۔

۳......یہ جائز ہے، یہ قرض ہے: "الأقراض تقضى بأمثالها"(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۱/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/۱/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (وسنن ابن ماجه، ص: ۱٦۳، أبواب التجارات، باب الصرف ومالايجوز متفاضلاً يداً بيد، قديمي)

(۱) "البيع مع تأجيل الثمن، وتقسيطه صحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴)

"ويصح البيع بثمن حال ومؤجل بأجل معلوم". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن البيع يكون سلماً وهو بيع الدين بالعين" (فتح القدير: ۲۴۷/٦، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيم أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره .... وشرطه بيان الجنس كبُرّ أو شعير، والنوع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۳۷/۳، ۱۴۱، غفاريه كوئٹه)

(۳) "لو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أو على القلب، يفسد البيع". (خلاصة الفتاوى: ۵۰/۳، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٦۳/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۸۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(٤) "الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۲۸/۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل =

بیع سلم کی تین صورتیں

سوال[۷۸۸۵]: (الف) ہمارے یہاں مروج ہے کہ زمیندار لوگ ساہوکاروں کو کپاس لکھ دیتے ہیں(۱) یعنی فصل سے پہلے تحریر کر دیتے ہیں کہ میں دس من کپاس مثلاً بحساب فی من ۲۰/ ...... دوں گا اور تحریر دینے کے وقت رقم یا تو بالکل نہیں دیتے اور (۲۰/) فی من کے حساب سے اسی وقت لے لیتے ہیں، باقی ادائیگی کپاس کے بعد وصول کرتے ہیں، یا ساری رقم اسی وقت لے لیتے ہیں۔ تو مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے کس صورت میں بیع جائز ہے اور کس میں نہیں؟

(ب) اگر تحریر کرتے وقت مروج بھاؤ سے کم نرخ پر بیع کریں، مثلاً متعاقدین کی رضا سے ۲۰/ کی بجائے ۱۶/ نرخ طے ہوا اور زمیندار نے تمام رقم اسی وقت وصول کر لی۔ تو اس صورت میں بیع جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

بندہ نور احمد، مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم ہے، اگر دیگر شروط بھی موجود ہوں تو تیسری صورت میں بیع درست ہے، پہلی دو صورتوں میں درست نہیں (۲)۔

= وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچی)

"فصل في القرض: هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليَرُدّ مثله. وصح القرض في مثليّ، لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۱) "ساہوکار: تجار، سوداگر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) پہلی دو صورتوں میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا اور تیسری صورت میں قبضہ ہوگیا:

" وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأة نقداً ومأة ديناً على المسلم إليه =

(ب) درست ہے: "والسادس: أن يكون (رأس المال) مقبوضاً في مجلس السلم .... وفي النوازل: رجل أسلم عشرة دراهم في عشرة أقفزة حنطة، ولم تكن الدراهم عنده، فدخل بيته، ليخرج الدارهم، إن دخل حيث يراه المسلم إليه، لا يبطل السلم، وإن توارىٰ عنه بطل، كذا في الخلاصة، اه". عالمگیری: ۳/۱۷۹(۱)۔

"ولا بأس بالسلم في القطن والكتان والأبريشم، اه". عالمگیری: ۳/۱۸۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

بلا شرائط بیع سلم

سوال[۷۸۸۶]: بیع سلم جائز تو ہے، لیکن اگر مع شرائط نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور عدمِ شرائط کے ساتھ اس بیع کے کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

= فيكرّ، بطل في حصة الدين فقط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه". (الهداية: ۳/۹۸، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وبقي من الشروط: قبض رأس المال قبل الافتراق .... وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۶، ۲۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"(وقبض رأس المال قبل الافتراق) والصحيح أنه شرط بقائه على الصحة، فينعقد صحيحاً بدونه، ثم يفسد بالافتراق بلا قبض". (البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۵۱۴، باب السلم، سعيد)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۷۹، الباب الثامن عشر في السلم، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۸۵، الباب الثاني في بيان ما يجوز السلم فيه وما لا يجوز، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب مع شرائط نہ ہوتو جائز نہیں(۱)، ناجائز بیع کرنے والا گنہگار ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

بیع سلم کی شرطیں

سوال[۷۸۸۷]: بیع سلم کی کتنے شرائط ہیں؟ کیا ایک شرط کے ترک ہو جانے سے بیع سود ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع سلم کی صحت کے لئے چند شرائط ہیں: جس چیز میں بیع سلم کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو۔ نیز اس گیہوں وغیرہ کی کیفیت اس طرح بیان کردی جائے کہ لیتے وقت جھگڑا نہ ہو، مثلاً: فلاں قسم کا گیہوں ہو، بہت پتلا نہ ہو، نہ پالا مارا ہو(۳)، عمدہ ہو خراب نہ ہو، اس میں دیگر شی چنے مٹر ملی نہ ہو، مقدارِ مبیع معلوم ہو، تاریخِ ادائیگی کی تعیین ہو، اور کم از کم ایک مہینہ کی مدت ومہلت ہو، رأس المال کی مقدار متعین ہو، اگر مبیع

---

(۱) "ولا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردئ. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال". (الهداية: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۱۴/۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۰۸/۴، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۸، (رقم المادة: ۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وعلى كل واحد منهما فسخه قبل القبض، أو بعده مادام في يد المشتري إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (ردالمحتار: ۹۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "پالا مار جانا: برف یا کُہرے کا کسی سبز چیز کو خشک کر جانا۔ پالے کا مارا: سردی سے ٹھٹھرا ہوا، سردی کی وجہ سے خشک ہوا پودا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۶۶، فيروز سنز، لاهور)

وزنی شئ ہو جس کے لے جانے میں مزدوری لگتی ہو تو دینے کی جگہ معلوم ہو، جس چیز پر بیع سلم کی جارہی ہے وہ چیز ایسی ہو کہ لینے اور وصول پانے کے زمانہ تک بازار میں ملتی ہو، نایاب نہ ہو، مجلسِ عقد ہی میں رأس المال حوالہ کردیا گیا ہو۔

شرائطِ مذکورہ میں سے کسی ایک کا فقدان بیع سلم کے فساد کو مستلزم ہوگا، هکذا فی کتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم

سوال [۷۸۸۸]: ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپیہ بایں طریق ایک دوسرے شخص سے لئے کہ لینے کے دن سے چار ماہ بعد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض دو من گھی ادا کرے گا۔ اگر گھی

(۱) "لایصح السلم عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم کقولنا: حنطة أو شعیر. ونوع معلوم کقولنا: سقیة أوبخسیة. وصفة معلومة کقولنا: جید أو ردیٔ. ومقدار معلوم کقولنا: کذا کیلاً بمکیال معروف، أو کذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا کان یتعلق العقد علی مقداره کالمکیل والموزون والمعدود. وتسمیة المکان الذي یُوفیه فیه إذا کان له حمل ومؤنة .... ولا یصح السلم حتی یقبض رأس المال قبل أن یفارقه فیه". (الهدایة: ۹۸/۳، کتاب البیوع، باب السلم، شرکت علمیة ملتان)

"ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجوداً من حین العقد إلی حین المحل، حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل أو علی العکس أو منقطعاً فیما بین ذلک، لایجوز". (الهدایة: ۹۵/۳، باب السلم، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في ردالمحتار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۵۰۸/۴، ۵۰۹، کتاب البیوع، باب السلم، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۸/۳، ۱۷۹، کتاب البیوع، الباب الثامن عشر في السلم، رشیدیه)

نہ ہوسکا تو جتنی رقم بدن (۱) مروجہ کے طریق کے مطابق ہوگی اس کو تاریخ متعین پر ادا کردے گا، اور آج کل کی بدن مروجہ کی صورت بنیوں (۲) کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدن پر روپیہ لینے والا شخص جنس مقرر کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو ایام جنسِ معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں، ان سے جو دن ایسا ہو کہ سبھی جنس معہودہ گراں فروخت ہو تو اس نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں، مثلاً: مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ ادا نہ ہوسکی اور جنس معہود کے دام ادا کرتے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہوگیا تو دو من گھی کے دام ایک سو ساٹھ روپے لیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض سے تاریخ مقرر شدہ پر نہ ادا کی تو ایک سو ساٹھ روپیوں پر سود چالو ہو جاوے گا، مالک جب چاہے تین سال کے اندر اندر بذریعہ ڈگری اپنی رقم بمع سود وصول کرسکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کا فروخت ہوتا تھا اور اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہوگیا تو بنیا دو من گھی کے دام سیر کے نرخ کے حساب سے کاٹتے ہیں، دو سیر کے نرخ سے دو من گھی کے چالیس روپیہ نہ کاٹیں گے، یعنی مطلب یہ کہ پورے پچاس روپیہ یا پچاس سے کم روپیہ کبھی نہیں لیتے۔

اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر یہ روپیہ لینے والا شخص کسی سے بدنی مذکورہ پچاس روپیہ لیتا تو مشکل سے روپیہ ملتے اور ان پر روپیہ لیتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بایں طور روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنے مال حقیقت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ بہر صورت اس دو من گھی کو وقت پر ادا کردوں گا، تو اس صورت میں تاہم ایک بگڑی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ اس یقین مذکور کی بناء پر ایک ایسا معاملہ کرلیا جائے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپیہ لیتا تو ہے بدنی پر لیکن لینے والے کی نیت روپیہ لیتے ہی یہ ہوتی ہے کہ وقت پر وہ دام ادا کردوں گا جو دو من گھی کے مالک دام کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے۔

عبداللہ، موضع ماپوری، ضلع گوڑگانوں تحصیل نوح۔

مورخہ ۲/ جمادی الاولیٰ / ۵۹ھ۔

---

(۱) ''بدنا: شرط لگانا، اقرار کرنا، خاطر میں لانا، سمجھنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''بنیا: بقال، آٹا دال بیچنے والا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۰، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اس روپیہ کے عوض اس نرخ سے فلاں تاریخ کو گھی دیدوں گا تو درست ہے، لیکن گھی نہ دینے کی صورت میں بدنی مروجہ کے طریق پر رقم کی ادائیگی کو شرط قرار دینا مفسد ہے اور بیع ان عقود میں سے ہے جو کہ شرطِ فاسد سے فاسد ہوجاتی ہے۔ گھی کے ادانہ کرسکنے کی صورت اصلی رقم کی واپسی بلا کمی بیشی لازم ہے، کمی بیشی ناجائز ہے اور اس پر سود بالکل ہی حرام ہے:

"ولا يجوز لرب السلم شراء شيئ من المسلم إليه برأس المال قبل قبضه، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك": أى لا تأخذ إلا ماسلمت فيه حال قيام العقد أو رأس مالك بعد الانفساخ، اه". مجمع الأنهر: ۱/۱۰۳(۱)۔

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۳/۱۴۵، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"فإن تقايلا السلم، لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً: يعني قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک" : اى إلا سلمک حال قيام العقد، أو رأس مالک حال انفساخه". (تبيين الحقائق: ۴/۵۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"ولا يجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمک أو رأس مالک": أى إلا سلمک حال قيام العقد، أو رأس مالک حال انفساخه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۱۹، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۹۹، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

"كل قرض جرّ منفعة، فهو ربا". الحارث عن على". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن على أمير المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". أخرجه الحارث بن ابى أسامة فى مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جر منفعةً فهو ربا: ۱۴/۴۹۸، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلبٌ: كل قرض جرنفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

محض مال حیثیت کے اعتماد پر کسی عقد میں شرطِ فاسد کا لگانا درست نہیں ہے(۱)، اس صورت میں اصل رأس مال دینا تو درست ہے اور زیادہ دینا ناجائز ہے، البتہ اس میں ایک دھوکہ ہے وہ یہ ہے کہ دوسرا اس خیال میں ہے کہ مجھے وقتِ متعین پر گھی ملے گا اور یہ شروع سے ہی رأس المال ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے یہ نیت بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۵/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی

سوال[۷۸۸۹]: زید نے بکر کو ایک من دھان دیا اور زید نے بکر کے ساتھ شرط کیا کہ پوس(۲) مہینہ میں تم سے ڈیڑھ روپیہ لوں گا، مگر غریب اس وقت روپیہ ادا نہ کر سکا۔ دھان(۳) آسان ہے۔ اگر زید اسی نرخ معینہ کا اس وقت کے بازار کے حساب سے دھان لے تو یہ دھان لینا اس نرخ کا بیع سلم کے مطابق ہے یا نہیں؟ یا اور کسی طرح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط۔

مولوی ابوالحسن صاحب۔

---

(۱) "ليس كل شرط يفسد البيع، بل لابد أن لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، ولا يتعارف، وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، وللمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم يَرِد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۸۵/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۴۰/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "پوس: فصل سن (بکرمی) کا نواں مہینہ جو تخمیناً دسمبر کی پندرھویں تاریخ سے جنوری کی پندرھویں تاریخ تک رہتا ہے"۔

(فيروز اللغات، ص: ۳۰۹، فيروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بیع سلم نہیں، کیونکہ بیع سلم کے لئے تو ضروری ہے کہ مشتر کہ روپیہ پہلے دے اور مسلم فیہ کی صفات متعین کر کے وقتِ معینہ پر مسلم فیہ وصول کرلے(۱) اور یہاں ایسا نہیں ہوا، بلکہ یہاں ایک من دھان کی ڈیڑھ روپیہ کے عوض بیع کی اور ڈیڑھ روپیہ کی ادائیگی کا وقت معین کر دیا ہے۔ اب اصل تو یہ ہے کہ بکر سے اپنا ڈیڑھ روپیہ زید وصول کرلے، اگر بکر کے پاس ڈیڑھ روپیہ موجود نہیں تو وہ دھان فروخت کر کے کسی جگہ سے ڈیڑھ روپیہ لاکر زید کو دیدے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ زید اس ڈیڑھ روپیہ کے عوض بکر سے اس وقت کے نرخ سے دھان لے لے، اس میں سود نہ ہوگا۔

اگر زید اولاً دھان ڈیڑھ روپیہ کے عوض فروخت نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ ایک من دھان اس وقت لے لو اور پھر فلاں ماہ میں اس ایک من کے عوض مثلاً ڈیڑھ من مجھے دینا، یا اس طرح معاملہ کرتا کہ اس وقت ایک روپیہ کے دھان میں لے لوں گا تو ناجائز ہوتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "وشرطه بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر، وأجل وأقله شهر .... وبيان قدر رأس المال فی مكيل، وموزون، وعددی غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل .... وبقی من الشروط قبض رأس المال قبل الافتراق، وهو شرط بقائه على الصحة لاشرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۱۶، ۲۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر فی السلم، الفصل الخامس فی الإقالة فی المسلم والصلح فيه وخيار العيب، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۳/۱۴۴، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعلته: أی علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أی الزيادة والنسأ. و... =

بیع سلم فی الفلوس

سوال[۷۸۹۰]: زید ایک عالم شخص ہے، روپیہ کی ترقی کے لئے اس صورت سے ایک معاملہ کرتا ہے کہ زید نے عمر کو ۶/ ماہ کے وعدہ پر ۲۰۰/ روپیہ قرض دیا اور قرض دیتے وقت عمر سے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھوالی کہ میں نے مبلغ ۲۰۰/ روپیہ ۶/ ماہ کے وعدہ پر بطور سلم عمر کو دیا، میعاد کے ختم ہونے پر فی روپیہ نو دونی (بڑی چوگوشہ والی) کے حساب سے وصول کرلوں گا، عمر نے اس کو قبول کرلیا۔

میعاد گذرنے پر عمر نے حسب قرارداد دوسو روپیہ کی دونیاں نو دونی کے حساب سے ۱۸۰۰/ دونیان زید کے حوالہ کردیں، پھران دونیوں کو بازار میں لیجا کر روپیہ ونوٹ سے تبادلہ کرلیا۔ عوام کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو سودخوری کی تہمت لگائی، اس پر زید نے کہا کہ میرا یہ معاملہ بیع سلم ہے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علاوہ سونے چاندی کے سکوں کے اَور تمام سکوں میں بیع سلم درست ہے، تمام کتب فقہ درمختار شامی وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع سلم ہے یا سود کا حیلہ ہے، اگر سود کا حیلہ ہے تو بیع سلم فی الفلوس کی کونسی صورت ہے جو درست ہے؟ مثال سے واضح فرمادیا جاوے۔

نیز دستاویز والے معاملے میں سود لینے کا کیا قرینہ ہے اور اس کی کیا علامت ہے اور اگر یہ معاملہ بیع سلم ہے اور عندالشیخین جائز ہے تو ایسی حالت میں جبکہ عوام اس صورت کے مرتکب کو سودخوری کی تہمت لگائیں اور زید مذہبی مقتدا بھی ہو تو اس کو ایسے معاملات سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نظر اقدس میں کوئی عبارت کتب فقہ حنفی کی ایسی ہو کہ بیع سلم فی الفلوس میں اگر نیت سود لینے کی ہو تو حرام ہے ورنہ درست تو اس کے نشان سے مطلع فرماویں۔

محمد ساجد درگاہ، بازار کٹک۔

= عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل وحرم النسأ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۷۲/۵، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۲۰/۳، ۱۲۱، کتاب البیوع، باب الربا، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴۵۰/۴، ۴۵۱، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۸۰/۳، کتاب البیوع، باب الربوا، إمدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ بیع سلم فی الفلوس شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ ظاہر الروایت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی جواز کی منقول ہے، البحر الرائق: "وظاهر الرواية عن الكل الجواز". :٦/١٥٦(١)- فتح القدير: ٥/٣٢٧(٢)- شامی: ٥/٣١٨(٣) اور دیگر کتب میں بھی ظاہر الروایۃ ائمۂ ثلاثہ سے جواز کی موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اثمان یعنی سونا، چاندی میں بیع سلم جائز نہیں اور سلم، تانبا، کانسی وغیرہ کو اگر سکہ بنالیا جائے تو اس کو اصطلاحاً ثمن کہا جاوے گا، حقیقت میں وہ ثمن نہیں، جس وقت اس اصطلاح کو توڑ دیا جائے گا تو ثمنیت باطل ہو جائے گی۔ جب دو مسلمان کسی ایسے سکہ میں بیع سلم کرلیں حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ ثمن میں بیع بسلم جائز نہیں تو لامحالہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اصطلاحی ثمنیت کو باطل کردیا تو اب وہ نہ شرعاً ثمن ہے نہ اصطلاحاً، بلکہ مثل دوسری غیر متفاوت اشیاء کے ہے، جیسے ان اشیاء میں بیع سلم عدداً جائز ہے، اسی طرح اس سکہ میں بھی جائز ہوگی:

"وأما السلم في الفلوس عدداً، فجائز عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ لا يجوز، بناءً على أن الفلوس أثمان عنده، فلايجوز السلم فيها

---

(١) "(الفلس)؛ لأنه عددي يمكن ضبطه، فيصح السلم فيه .... وظاهر الرواية عن الكل الجواز". (البحر الرائق: ٦/٢٦١، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(٢) "(قوله: وكذا في الفلوس عدداً): أي يجوز السلم في الفلوس عدداً، هكذا ذكره محمد رحمه الله تعالىٰ في الجامع من غير ذكر خلاف، فكان هذا ظاهر الرواية عنه". (فتح القدير: ٧/٧٥، كتاب البيوع، باب السلم، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٣) "(قوله: وفلس) قيل: وفيه خلاف محمد لمنعه بيع الفلس بالفلسين، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما". (ردالمحتار: ٥/٢١٠، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ٣/٤٩٨، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣/١٣٩، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٤/٥٠١، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

كـمـا لايـجـوز السلم في الدراهم والدنانير. وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة، بل تحتمل الزوال؛ لأنهـا تثبت بالاصطلاح، فتزول بالاصطلاح، وإقدام العاقدين على عقد السلم فيها مع علمهما أنـه لا صحة للسلم في الأثمان اتفاقٌ منهما على إخراجهما عن صفة الثمنية، فتبطل ثمنيتها في حق العـاقـديـن سـابقاً على العقد، وتصير سلعاً عددية، فيصح السلم فيها، كما في سائر السِّلَع العددية". بدائع: ۵/۲۰۸(۱)۔

اس میں شک نہیں کہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر جب فقہاء نے جائز لکھا ہے تو عوام کے حرام کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا، البتہ اس قسم کے حیلہ سے بچنا اَولیٰ وافضل ہے(۲)، خصوصاً جب کہ اس حیلہ کی وجہ سے علماء کو سود خواری کی تہمت لگائیں اور برا سمجھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

اشکال بر جوابِ مذکورہ

سوال[۷۸۹۱]: ۱...... مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل: وأما الذي يرجع إلى المسلم فيه: ۷/۱۲۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ في "الجامع الصغير": ويجوز السلم في الفلوس عدداً. ذكر المسئلة مطلقاً من غير ذكر خلاف، فمِن مشايخنا مَن قال: إن جواز السلم في الفلوس قولهما؛ لأن ثمنية الفلوس عندهما قابلة للبطلان؛ لأن الفلوس إنما صار ثمناً باصطلاح الناس، وإلا فهي سلعة في الأصل. وما ثبت باصطلاحهم على خلافه، فإذا أقدما على السلم فيها، والسلم لايجوز إلا في المثمن ذلك إبطالاً لاصطلاح الأول، فعادت سلعةً، فيجوز السلم فيها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۸/۱۸۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۲/۱۶۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالا يريبك". (فيض القدير: ۶/۳۲۴۵، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، نزار مصطفىٰ الباز رياض)

جب کہ فقہاء نے ،الخ''۔تو عرض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک یہ حیلہ یقینی سود کا ہے، پھر فقہاء جائز کیسے لکھ سکتے ہیں، کیا ہمارے فقہاء حیلہ سے سود لینے کی تعلیم دیتے ہیں، مجھ کو وقت درس حضور نے سمجھایا تھا کہ شبہٗ ربا بھی حرام ہے،فقہاء نے اس سے بچنے کی تاکید شدید فرمائی ہے۔

۲......حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ امدادیہ، تتمۂ اُولیٰ، جلد ثالث، ص:۱۶۷اور تتمۂ ثالثہ، ص:۲۳، میں بیع سلم فی الفلوس کے جواب میں بیع سلم کی صحت تسلیم کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ:''اس حیلہ سے مقصود سود لینا ہے،لہٰذا ناجائز ہوگا''(۱)۔

۳......سائل کو بیع سلم فی الفلوس کی صحت اور اتفاقی جواز میں کلام نہیں، مقصود یہ ہے کہ واقعہ مندرج سوال بیع سلم میں داخل ہے یا حیلہ سے سود لینا؟ حضور نے فرمایا''حیلہ سے سود لینا''۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اس کی علامت کیا ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ یہاں سے سود لینا مقصود ہے، سائل کا خیال ہے کہ زید کا فوراً بازار میں جاکر دونیوں کے نوٹ اور روپیہ سے تبادلہ کرنا اس کی علامت ہے کہ

---

(۱)''**سوال**: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں، بارہا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا،حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں،انگریزی سکہ کے ایک روپیہ دے کرانگریزی سکہ بیس آنہ پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی ضرورت نہیں صرف حکم کافی ہے۔

الجواب: قال في الدر: ويصح فيما أمكن ضبط صفته كجودته ورداته ومعرفة قدره ككيل وموزون، وخرج بقوله: "مثمن" الدراهم والدنانير؛ لأنها أثمان، فلم يجز فيها سلم -خلافاً لمالك- وعددي متقارب كجوز وبيض وفلس، الخ". قال الشامي: "قيل: وفيه خلاف محمد، لمنعه بيع الفلس بالفلسين، فهو ثمن عنده، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما، وبيان الفرق في النهر وغيره، اهـ". (۳۱۵/۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جب کہ شرائطِ سلم کی رعایت کی جائے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جہاں ربا لینے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو وہاں با قاعدہ "مقدمة الحرام حرام" اس کو ناجائز کہا جائے گا۔جواز اس صورت میں ہے کہ اتفاقاً ہو جائے اور اس میں إفضاء إلى ترويج الربا کا احتمال نہ ہو''۔(اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔(إمداد الأحكام تكملة إمداد الفتاوى، كتاب البيوع، فصل في بيع السلم، بیع سلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں:۴۲۵/۳، ۴۲۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

مقصود سلم کی آڑ میں سود ہے۔ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟

۴...... بیع سلم فی الفلوس کی وہ کونسی صورت ہے جس میں مقصود بیع ہو، سود نہیں؟

محمد حسین بجنوری، وارد حال کٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے فقہائے حنفیہ -رحمہم اللہ تعالیٰ- حیلہ سے سود لینے کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ سود سے بچنے کا طریق اور مخرج بتلاتے ہیں، جس حیلہ سے سود لینا یا کسی شئی حرام کا ارتکاب یا ابطالِ حق غیر مقصود ہو اس سے ہمارے فقہاء نے منع فرمایا ہے اور جس حیلہ سے تخلص عن الحرام یا توصل إلی الحلال مقصود ہو، اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کو مستحسن کہا ہے:

"من مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة. وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال، فهي حسنة. والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلوٰة والسلام عن يمينه التي حلف: "ليضربنّ امرأته مأة عود". وعامة المشايخ علىٰ أن حكمها ليس بمنسوخ، وهو الصحيح من المذهب، كذا في الذخيرة". عالم گیری: ٤/٨٢٨، أول كتاب الحيل(١)۔

ایک شخص کسی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے والا ہے، اگر وہ اس حرام سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے تو شرعاً کچھ مذموم نہیں:

"الحِيَل جمع حيلة، وهي الحرق في تدبير الأمور، وهي تقليب الفكر حتى يهتدي إلى المقصود". الفن الخامس في الحيل في الأشباه، ص: ٤١٧(٢)۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٣٩٠، كتاب الحيل، الفصل الأول، رشيديه)

(٢) (الأشباه والنظائر، ص: ۴۷۷، الفن الخامس: الحيل، دار الفكر المعاصر بيروت)

لیکن مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: "فقہائے کرام نے فلوس میں بیع سلم کے جواز =

بہت سے فقہاء نے کتاب الحیل کو کتاب المخارج سے تعبیر کیا ہے:

"قال أبو سليمان: كذبوا على محمد، ليس له كتاب الحيل، وإنما هو الهرب من الحرام، والتخلص منه حسن، قال تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً﴾ الخ. وذكر في الخبر: أن رجلاً اشترىٰ صاعاً من تمر بصاعين، فقال صلى الله عليه وسلم: "أربيت، هلا بعت تمرك بسلعتك، ثم ابتعت بسلعتك تمراً". وهذا كله إذا لم يؤد إلى الضرر". انتهىٰ أشباه(۱)۔

اگر نیت فاسد ہو تو حیلہ ناجائز ہے، لیکن نیت پر اطلاع ہونا مشکل ہے، اس لئے حکمِ قطعی کسی کی نیت کے متعلق نہیں لگایا جاسکتا۔

۲......حضرت حکیم الامت أدام اللہ فیوضہم نے جو کچھ تحریر فرمایا، خود جناب قائل ہیں کہ انہوں نے بیع سلم کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے اور فسادِ نیت کی وجہ سے اس قسم کے معاملات کو ناجائز کہا ہے، سو حضرت کی تحریر یہاں کے جواب کے خلاف نہیں۔

۳......سائل کا خیال بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن احتمال یہ بھی کہ اول زید کو دونیوں کی ضرورت تھی پھر رائے بدل گئی، اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ زید کا مقصود حیلہ سے سود لینا ہی ہے۔

۴......کسی شخص کو کسی کام کے لئے ایسے سلور کی ضرورت ہے جس میں دوسری دھاتیں اس نسبت سے پڑی ہوں جس نسبت سے سلور کی چوگوشہ دونیوں میں ہوتی ہیں اور کہیں ایسا سلور بغیر سکہ کے ملتا نہیں تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ بیع سلم مقصود ہے، سود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/۷/۵۲ھ۔

جب عاقل بالغ کے کلام میں دو محمل ہوں: ایک صحیح ایک فاسد، تو شریعت کی تعلیم ہے کہ اس کا کلام صحیح

=کی جو دلیل پیش کی ہے کہ: "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما" مخدوش ہے، اس لئے کہ موجودہ دَور میں کسی چیز کی ثمنیت حکومتی قانون کی رو سے عمل میں آتی ہے، اس لئے فلوس میں بیع سلم کے جواز کا فتویٰ دینا مشکل ہے"۔ (کفایت المفتی: ۸/۵۹، کتاب البیوع، دار الإشاعت کراچی)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب البيوع، فصل في بيع السلم، بیع السلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں؟: ۳/۴۲۵، ۴۲۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفصل الخامس، الحيل، ص: ۳۹۷، قديمي)

محمل پر حمل کیا جائے گا(۱)۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/ رجب/۵۲ھ۔

قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا

سوال[۷۸۹۲]: یہاں پر سائیکل کے ایک تاجر نے چند ماہ سے یہ طریقہ شروع کیا ہے کہ سائیکل کے خریداروں کو بیس ماہ کے لئے ممبر خریداری بناتا ہے، ہر خریدار کو ایک خریداری نمبر دیتا ہے، ہر خریدار ہر ماہ مبلغ ۱۲/ روپیہ بیس ماہ تک جمع کرتا رہتا ہے، جب کہ کل رقم مبلغ ۲۴۰/ روپیہ ہو جاتی ہے تو سائیکل خریدار کو دے دی جاتی ہے۔ نیز دوکاندار اپنے خریداروں سے ہی لے کر ہر ماہ ایک سائیکل بطور انعام دیتا ہے، اپنے ممبران میں سے جس کا نمبر خریداری مقرر کردہ نمبر مطابق ہوتا ہے۔

انعام پانے والے خریدار کو اختیار ہوتا ہے، چاہے اب قسطیں بند کردے اور یہ سائیکل لے لے، یا دوسری سائیکل قسطوں کے اختتام پر حاصل کرلے۔ تو مذکورہ شکل کو بیع سلم مانا جائے گا یا نہیں؟ اور اس شکل میں بیع فاسد ہے یا باطل یا بیع صحیح ہے؟ اور یہ انعام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع سلم کے لئے مجلسِ عقد میں (رأس المال) ثمن پر مسلم الیہ کا قبضہ ضروری ہے، وہ یہاں مفقود ہے۔ اگر ثمن کا کچھ حصہ دے دیا جائے اور کچھ حصہ مسلم الیہ کی طرف بطورِ دَین کے ذمہ میں پہلے سے تھا تو مقدارِ دَین میں بیع سلم باطل ہو جائے گی اور صرف مقدار مخصوص میں صحیح رہے گی:

"فإن أسلم مأتي درهم في كرّبرّ مأة ديناً عليه: أي على المسلم إليه ومائة نقداً نقدها

---

(۱) "الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره". قال السيد عميم الإحسان: "من مسائله أن من باع درهماً وديناراً بدرهمين ودينارين، جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحرياً للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح". (قواعد الفقه، أصول الإمام الكرخي، (رقم القاعدة: ٦)، ص: ١٢، الصدف پبلشرز)

(وأيضاً في قواعد الفقه، القواعد الفقهيه، (رقم القاعدة: ٥٢)، ص: ٦٣، الصدف پبلشرز)

رب السلم وافترقا على ذلك، فالسلم في حصة الدين باطل، اهـ". درمختار(۱)۔

اور صورتِ مسئولہ میں تو بائع کے ذمہ مقدار بائع کو دی جائے۔ اور پھر اس قرض کے عوض سائیکل خریدی جائے تو یہ بیع مداینہ کے قبیل سے ہو جائے گی(۲)۔

ہر ماہ ایک سائیکل انعام میں دینا، یہ لالچ دے کر خریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلاضرورت مبلغ ۱۲/ روپے ماہانہ جمع کرادیا کریں، پھر ایک سائیکل تو بہر حال ملے ہی گی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آوے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں، جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی خط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۱۸/۵، باب السلم، سعید)

"وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأة نقداً ومأة ديناً على المسلم إليه في كر، بطل في حصة الدين نمط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۴/۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹة)

"فإن أسلم مائتي درهم في كُرّ بر مأة ديناً عليه ومأة نقداً، فالسلم في الدين باطل: أي في حصة الدين؛ لأنه دين بدين". (تبيين الحقائق: ۵۱۵/۴، كتاب البيوع، باب السلم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۷۳/۶، كتاب البيوع، باب السلم، رشيديه)

(۲) "فإن وقع الصلح عن إقرار، اعتبر فيه ما يعتبر في البياعات: إن وقع عن مال بمال، فتجرى فيه الشفعة إذا كان عقاراً .... ولو كان نقدين، لهما حكم الصرف، حتى لو لم يقبض المصالح عليه في المجلس، يبطل الصلح". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۳۰/۴، كتاب الصلح، رشيديه)

"وإذا وقع عن إقرار، اعتبر في مايعتبر في البياعات: إن وقع عن مال بمال لوجود معنى البيع، وهو مبادلة المال بالمال في حق المتعاقدين بتراضيهما، فتجرى فيه الشفعة إذا كان عقاراً". (الهداية: ۲۴۵/۳، كتاب الصلح، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۳۴/۷، كتاب الصلح، رشيديه)

سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت ساقط ہوجائے تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔ورنہ تو جوئے کی شکل میں ہوکرنا جائز ہوجائے گی(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولاخلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۳۲۹/۱، باب تحريم الميسر، دارالكتب العلمية بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة، فصل في البيع ۴۰۳/۶، سعيد)

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۳]: ایک شخص کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیاز، لہسن، آلو، گیہوں وغیرہ خرید کر جمع کرلیتا ہے اور جب یہ چیزیں مہنگی ہوجاتی ہیں تب بیچتا ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آتی اور دیر بعد جب موسم نہ رہے، ان کو گراں فروخت کرتا ہے اور گراں بھی اس قدر جو کہ قابلِ برداشت ہے تو اس میں گناہ نہیں، اس کی آمدنی درست ہے۔ اگر اس کے خریدنے سے تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ناقابلِ برداشت گراں فروخت کرتا ہے تو یہ سخت گنہگار ہے(۱) اور یہ طریقہ موجبِ لعنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وإن اشترى في ذلك المصر، وحبسه، ولا يضر بأهل المصر، لابأس به. وإذا اشترى من مكان قريب من المصر، فحمل طعاماً إلى المصر، وحبسه، وذلك يضرّ بأهله، فهو مكروه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل في الاحتكار، رشيديه)

"الاحتكار مكروه، وإنه على وجوه: أحدها: أن يشتري طعاماً في مصر أو ما أشبهه، ويحبسه، ويمتنع من بيعه ،وذلك يضر بالناس، فهو مكروه .... والثاني: أن يشتري في مكان قريب من المصر، فحمل إلى المصر، وحبسه، وذلك يضر بأهل المصر، فهو مكروه أيضاً للحديث". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۲۶۲/۸، كتاب البيع، فصل في الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

"احتكار قوت الآدميين والبهائم في بلد يضر بأهلها: يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها؛ =

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۴]: عمرو فصل کے موقعہ پر از قسم سبزی مثلاً آلو، اروی، پیاز وغیرہ خریدتا ہے اور جب فصل نکل جاتی ہے تو فروخت کرتا ہے جب کہ گراں ہو جاتی ہیں اشیائے مذکورہ۔ تو کیا صورت مذکورہ احتکار میں داخل نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے خریدنے سے بستی والوں کو ضرر ہوتا ہے کہ وہ چیز نایاب ہو جاتی ہے، یا گراں ہو جاتی ہے تو یہ احتکار میں (۱) داخل ہو کر ممنوع ہے، اگر ضرر نہیں ہوتا تو ممنوع نہیں ہوتا:

"وكره احتكار قوت البشر كتين وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". فإن لم يضر، لم يكره، اه". درمختار۔

"والتقييد بقوت البشر قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ، وكذا في الكافي. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: كل ما أضر بالعامة حبسه، فهو احتكار. (قوله: كتين وعنب ولوز): أي مما يقوم به بدنهم من الرزق، ولو دخناً، لا عسلاً وسمناً. (قوله: وقت) بالقاف والتاء المثناة من فوق الفصفصة -بكسر الفائين- وهي الرطبة من علف الدواب، اه. وفي المغرب: القت اليابس من الاسفست، اه، ومثله في القاموس. وقال في الفصفصة -بالكسر-: هونبات، فارسيته اسفست، تأمل. (قوله: في بلد) أو ما في حكمه كالرستاق،

= لقوله عليه الصلوة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحر الرائق: ۸/۳۷۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱۰۲، كتاب الكراهية، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۱۲، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۶، أبواب التجارات، باب الحكرة والجلب، قديمي)

والقرية. (قوله: يضر بأهله) بأن كان البلد صغيراً، اهـ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۹۸/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

"ويكره الاحتكار في أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلک في بلد يضرّ الاحتكار بأهله، وكذلک التلقی، فأما إذا كان لا يضر، فلا بأس به. والأصل فيه قوله عليه الصلوٰة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (الهداية: ۴/۴۶۸، کتاب الكراهية، فصل فی البیع، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"ويكره الاحتكار في أقوات الآدميين والبهائم ببلد يضر بأهله؛ لأنه تعلق به حق العامة". (ملتقى الأبحر). "قيد بقوله: (يضر بأهله)؛ لأنه لو كان المصر كبيراً لا يضر بأهله، فليس بمحتكر؛ لأنه حبس ملكه، ولا ضرر فيه لغيره". (مجمع الأنهر: ۲۰۳/۴، کتاب الكراهية، فصل فی البیع، غفاریہ کوئٹہ)

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

نوٹ وروپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ

سوال[۷۸۹۵]: ریزگاری روپیہ چاندی سکہ سابق، یا روپیہ کانسی سکہ جدید، یا نوٹ سے کمی بیشی یعنی نوٹ یا روپیہ دے کر چودہ یا اٹھارہ آنے سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ خالص چاندی کا روپیہ ہو، یا اس میں چاندی غالب ہو اس کی بیع ایسی ریزگاری کے عوض جو خالص چاندی کی ہو، یا اس میں چاندی غالب ہو کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، اس میں برابری ضروری ہے۔ اور ایسی ریزگاری کے عوض جو نہ خالص چاندی کی ہو اور نہ اس میں چاندی غالب ہو، کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں۔

اور جو روپیہ نہ خالص چاندی کا ہو اور نہ اس میں چاندی غالب ہو، اس کی بیع ایسی ہی قسم کی ریزگاری کے عوض کمی بیشی کے ساتھ شرعاً درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں، البتہ خالص وغالب چاندی کی ریزگاری کے عوض اس وقت درست ہوگی جب کہ اس کی چاندی روپیہ کی چاندی سے زائد ہو، خواہ کسی قسم کی ہو، کم زیادہ لینا دینا درست نہیں۔ اسی طرح نوٹ کے عوض روپیہ کم زیادہ لینا دینا درست نہیں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما، ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بهما إلا وزناً. وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً، اهـ". كنز۔

"أى وزناً و عدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة،

أو الـذهـب الـذی فی الآخر، ولکن یشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فی البعض لوجود الـفضة أو الذهب من الجانبین. ویشترط فی الغش أیضاً؛ لأنه لا یتمیز إلا بضرر. وکذا إذا بیعت بـالـفـضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن یکون الخالص أکثر من الفضة أو الذهب الذی فـی الـمـغشـوش، حتـی یـکـون قـدره بـمثـلـه، والـزائـد بالغش علی مثال بیع الزیتون بالزیت". بحر: ۲۱۷/۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۷۸۹۶]: ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنہ یا چودہ آنہ دینا یا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جبکہ قانوناً ہر دو یعنی نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنہ قیمت مقرر ہو، کیا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل ہوگا؟

(۱) (البحر الرائق: ۳۳۴/۶، کتاب الصرف، رشیدیہ)

"وما غالبه الفضة أو الذهب فضةٌ وذهبٌ، فلا یجوز بیع الخالص به، ولا بیع بعضه ببعض إلا متساویاً وزناً، ولا استقراضه إلا وزناً. وما غلب علیه الغش منهما، فهو فی حکم العروض، فبیعه بالخالص علی وجوه حلیة السیف، ویصح بیعه بجنسه متفاضلاً بشرط التقابض فی المجلس". (ملتقی الأبحر). "(قوله: علی وجوه السیف)؛ لأنه إذا کانت زیادة الخالصة معلومةً، یجوز البیع لو تقابضا قبل الافتراق، وتکون الفضة بالفضة، والزیادة فی مقابلة الغش هو النحاس وغیره علی مثال بیع الزیتون بالزیت. أما إذا کانت الخالصة مثل ما فی المغشوش، أو أقل، أو لم یعلم أیهما أقل، فلا یجوز". (مجمع الأنهر: ۱۶۷/۳، کتاب الصرف، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، کتاب البیوع، باب الصرف، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱۱۰/۳، کتاب الصرف، إمدادیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۱۹/۳، کتاب الصرف، الباب الثانی فی أحکام العقد بالنظر إلی المعقود علیه، الفصل الأول فی بیع الذهب والفضة، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ کے عوض کی زیادتی جائز نہیں(۱)، روپیہ کے عوض کی زیادتی درست ہے(۲) اور ریزگاری اور روپیہ میں خالص بیع صرف نہیں۔ البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری طرف بھی ایسا ہی ہو تو مساوات شرط ہے(۳)، ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ(۴)، یا دوسری دھات کے مقابلہ

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً ...... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم کراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۲) "اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم في الحاشية المتقدمة.

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولاتبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعضها ولا تبيعو منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲۴/۲، كتاب المساقاة والمزارعه، باب الربا، قديمي)

(۴) لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ خالص چاندی زیادہ ہو، تا کہ چاندی، چاندی اور زائد کھوٹ کے بدلے ہو جائیں: "لا بيع =

میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع ہوجائے گی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر ما في الزيتون والسمسم، لتكون الزيادة بالثجير". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۶/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"إذا كانت زيادة الخالصة معلومةً، يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة والزيادة في مقابلة الغش هو النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت". (مجمع الأنهر: ۱۶۷/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۲۵/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذي يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم كراچی)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلک في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم في العبارة الأولىٰ.

دینار کی قیمت

سوال[۷۸۹۷]: دو دینار شرعی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو دینار کی قیمت بازار سے دریافت کی جائے، شریعت نے اس کی قیمت مقرر نہیں کی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۱/ ۸/ ۸۷ھ۔

درہم کی قیمت

سوال[۷۸۹۸]: درہم کی قیمت موجودہ روپے کے حساب سے کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کے ۵۰۰/ درہم کا وزن ۱۳۲/ تولہ ہے(۱)، قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۱۱/ ۸۹ھ

روپیہ، نوٹ، ریزگاری کی متفاضلاً بیع

سوال[۷۸۹۹]: ۱..... فی الحال جو روپیہ رائج ہیں جس میں چاندی کم اور غش غالب ہو ان کو، یا

---

(۱) مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جب کہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہوگیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چوّن روپیہ بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹہ تئیس پائی نصاب زکوۃ ہوا.......... درہم کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے، تمام احکام ومعاملات شرعیہ میں جہاں کہیں درہم بولا گیا ہے، یہی درہم شرعی مراد ہوگا۔

اس لئے عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوئی اور مہر فاطمی کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی''۔ (جواهر الفقه، اوزان شرعیہ، چاندی، سونے سے صحیح نصاب: ۱/ ۴۲۳، ۴۲۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

نوٹ کو پہلے کے روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا جس میں چاندی غالب اور کھوٹ کم ہو جائز ہے یا نہیں؟

۲......روپیہ یا نوٹ کی بیع ریزگاری یا پیسوں سے تفاضلاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہر ریزگاری کا ایک حکم ہے یا مثل گلٹ کی ریزگاری کا دوسرا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

۳......آج کل کا روپیہ اور پہلے کا روپیہ دونوں مساوی الحکم ہیں یا پہلا روپیہ نقد کے حکم میں ہے اور فی الحال جو رائج ہے عروض کے حکم میں ہے؟

محمد یٰسین مبارکپوری، مدرس احیاء العلوم۔

الجواب: ۱، ۲، ۳ :سکوں کا ایک حکم ہے، کھوٹ کے کم وبیش کی وجہ سے قیمت کم وبیش نہیں ہوتی، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع تفاضلا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبدالرؤف قادری داناپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......موجودہ روپیہ کو سابقہ روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا شرعاً درست ہے، کیونکہ موجودہ روپیہ میں چاندی مغلوب بلکہ معدوم ہونے کی وجہ سے چاندی کے حکم میں نہیں کہ تفاضلاً بیع کی صورت میں ربا لازم آئے اور تساوی واجب ہو، بلکہ اس میں ہر طرح کی کمی بیشی درست ہے۔ نوٹ حوالہ ہے(۱)، اس میں کمی بیشی جائز نہیں: "لأن الأقراض تقضى بأمثالها"(۲)۔

اور کمی بیشی کی صورت میں ربا لازم آئے گا۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ موجودہ روپیہ میں بھی کچھ چاندی موجود ہے تو پھر اتنی شرط ضروری ہوگی کہ سابقہ روپیہ میں جس قدر چاندی ہے وہ اس چاندی سے زائد رہے جو کہ موجودہ روپیہ میں ہے، اس کے خلاف نہ ہو یعنی دونوں کی چاندی مساوی نہ ہو اور موجودہ روپیہ کی چاندی زائد نہ

---

(۱) اب نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمنِ عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ "نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے" کے تحت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

(۲) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"القروض یجب فی الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها" (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۴، مکتبه دار العلوم کراچی)

ہو، نیز تقابض ضروری ہوگا اور اس وقت موجودہ روپیہ کی چاندی کو اتنی چاندی کے مقابلہ میں قرار دیا جائے گا اور کھوٹ کو زائد چاندی کے مقابلہ میں، ودلیله ما سیأتي۔

۲.....نوٹ کے عوض ناجائز ہے(۱)، روپیہ کے عوض جائز ہے، ہر ریزگاری کا ایک ہی حکم ہے، اتحادِ جنس کے وقت تساوی وتقابض ضروری ہے، کما سیأتي۔

۳.....موجودہ روپیہ ستوقہ چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ فلوسِ نافقہ یا عروض کے حکم میں ہے اور گذشتہ روپیہ چاندی غالب ہونے کی وجہ سے فضہ کے حکم میں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير؛ لأن العبرة للغالب في الشرع، فصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أي بالمغشوش مثلها عدداً أو وزناً؛ لأن الغش من كل واحد منهما تقابل بالفضة أو الذهب الذي في الأخير، فلا يضرّ التفاضل فيهما لاختلاف الجنس. ويشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض لوجود الفضة والذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو

---

(۱) اس لئے کہ نوٹ کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے، البتہ روپیہ کے عوض تفاضل کے ساتھ اس لئے جائز ہے کہ روپیہ چاندی کا ہے اور ریزگاری دوسری دھات کی ہے:

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذي يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچي)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۱۰، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچي)

الذهب الخالص، لابدأن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذى فى المغشوش حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش، اه". زيلعى شرح كنز(١)۔

قوله فى المتن: "(وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم إلىٰ آخره) اعلم أن الكرخى رحمه الله تعالىٰ يسمى هذا النوع الستوق، فقال: الستوق عندهم ما كان الصفر أو النحاس هو الغالب، فإذا كان الصفر أو النحاس هو الغالب كانت فى حكم الصفر أو النحاس، حتى لاتباع بالصفر أو النحاس إلا مثلاً بمثل يداً بيد، ولكن إذا بيعت هذه الدراهم بجنسها متفاضلاً جاز، ويصرف الجنس إلى خلاف الجنس تجويزاً للعقد، ويشترط القبض لكونه صرفاً؛ لأنه بيع فضة بفضة، فلما اشترط القبض فى الفضة، اشترط فى الصفر أو النحاس أيضاً؛ لأن فى تمييزه .... مضرةٌ، انتهى". شلبى حاشية زيلعى: ١٤١/٤(٢).

وأيضاً فيه: "لما كان الغالب فيهما الغش، صارت كالفلوس"(٣).

"وما غلب عليه الغش منهما، فهو فى حكم العروض لا فى حكم الدراهم والدنانير؛ إذ الحكم للغالب فى الشرع، اه". مجمع الأنهر: ١٢٠/٢(٤).

وفيه: ٨٦/٢: "وجاز بيع فلس معين بفلسين معينين عند الشيخين -رحمهما الله تعالىٰ- خلافاً لمحمد رحمه الله تعالىٰ، اه".(٥)۔ وأيضاً فيه: ١١٩/٢: "وصح بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلةٍ، اه".(٦).

---

(١) (تبيين الحقائق: ۵۲۱/۴، ۵۲۲، كتاب الصرف، سعيد)

(٢) (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۵۲۲/۴، كتاب الصرف، سعيد)

(٣) (تبيين الحقائق: ۵۲۳/۴، كتاب الصرف، سعيد)

(۴) (مجمع الأنهر: ۱۶۷/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(۵) (مجمع الأنهر: ۱۲۳/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(۶) (مجمع الأنهر: ۱۶۶/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

والبسط فی البحر(۱) ورد المحتار(۲) ومراة المجلة وغيرها من كتب الفقه المتون۔

عباراتِ مذکورہ سے گذشتہ روپیہ موجودہ روپیہ وریز گاری سب کا حکم معلوم ہوگیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶۴/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۴/۹/۱۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان/۶۴ھ۔

---

(۱) "وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ يعنى، فلا يصح بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً .... وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أى وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة أو الذهب الذى فى الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فى البعض لوجود الفضة أو الذهب من الجانبين، ويشترط فى الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذى فى المغشوش، حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش على مثال بيع الزيتون بالزيت". (البحر الرائق: ۳۳۳/۶، كتاب الصرف، رشيديه)

(۲) "وما غلب فضته وذهبه فضةٌ وذهبٌ حكماً، فلا يصح بيع الخالص به ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً .... والغالب عليه الغش منهما فى حكم عروض اعتباراً للغالب، فصح بيعه بالخالص إن كان الخالص أكثر من المغشوش ليكون قدره بمثله والزائد بالغش". (ردالمحتار: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، كتاب البيوع، باب الصرف، سعيد)

"وصح بيع الفلس المعين بفلسين معينين عندهما، وقال محمد: لايجوز؛ لأن الفلوس الرائجة أثمان وهو لايتعين، ولذا لاتتعين الفلوس إذا قوبلت بخلاف جنسها كالنقدين". (البحر الرائق: ۲۱۹/۶، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"وصح أيضاً بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلة". (النهر الفائق: ۵۳۶/۳، كتاب الصرف، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا فى الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۱۵۱/۷، كتاب الصرف، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۹/۳، كتاب البيوع، الباب الثانى فى أحكام العقد، رشيديه)

نوٹ کی بیع کمی بیشی سے

سوال[۷۹۰۰]: بٹہ داری جائز ہے کہ نہیں یعنی کہ ایک روپیہ کے دام کسی سے لیتا ہو تو وہ روپیہ لیتا ہے اور اس کو ساڑھے پندرہ آنے واپس کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روپیہ اس کو لینا جائز ہے یا سود لینا ہوگا، یا نوٹ دے کر پندرہ آنے لیتا ہے تو یہ ایک آنہ رکھ لیتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نورالدین مچھرنگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی کے عوض کی جائے تو اس میں کمی زیادتی ناجائز ہے، اگر چاندی کی بیع چاندی کے علاوہ کسی دوسری شی کے ساتھ کی جائے خواہ وہ سونا ہو خواہ سلور، پیتل، تانبا وغیرہ کچھ ہو تو اس میں برابری شرط نہیں، بلکہ کمی زیادتی جائز ہے(۱)، اور پیسہ اصلِ خلقت کے اعتبار سے ثمن نہیں بلکہ متعاقدین نے اصطلاحاً اس کو ثمن قرار دیا ہے اور اس کا رواج ہوگیا ہے، لہٰذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے کہ زید وعمر جب فلوس کی بیع کریں تو مروجہ ثمنیت کا اعتبار ساقط کر کے اپنی بیع میں علیحدہ یعنی رواج کے علاوہ فلوس کی قیمت متعین کرلیں:

"واعلم أن الفلوس ليست بثمن في الأصل، وإنما ضربت لتقام مقام الكسور من الفضة لحاجة الناس إلى ذلك في شراء الدراهم اهـ". در منتقى: ۱۲۳/٤(۲)۔

"وكذا في الفلوس: أي يصح السلم فيها عدداً؛ لأن الثمنية ليست خلقية، وإنما الجواز فيها بالاصطلاح، فللعاقدين إبطالها، خلافاً لمحمد؛ لأنها أثمان. وفي البحر: وظاهر الرواية عن الكل الجواز، اهـ". مجمع الأنهر: ۹۸/۲(۳)۔

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۱۶۳، أبواب التجارات، قديمي)

(۲) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱۷۱/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱۳۹/۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه) .... =

ایک روپیہ کا نوٹ دے کر ۱۵/ آنہ لینا درست نہیں کیونکہ نوٹ کی خود قیمت ایک روپیہ یا ۱۵/ آنہ نہیں، بلکہ یہ ایک حوالہ اور رسید ہے(۱)، جتنے کی یہ رسید ہے اتنا ہی لیا دیا جاسکتا ہے اس میں کمی زیادتی جائز نہیں، ورنہ بدل قرض میں زیادتی کمی لازم آئے گی جو کہ ربا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ بمنزلۂ روپے کے ہے

سوال[۷۹۰۱]: موجودہ دور میں بیع صحیح کی شرعی پابندی کس طرح کی جائے جبکہ خریداری نوٹوں سے کی جاتی ہے جس سے چاندی سونا بھی خریدا جاتا ہے، ایک وقت میں ایک مقام پر خریداری نہیں ہوتی، قیمت میں دین بذریعہ چیک دیا جاتا ہے، یا وی پی سے بھی کیا جاتا ہے، اس حالت میں بیع شرعی کے شرائط پورے نہیں ہوتے، ورنہ کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب جبکہ روپیہ کا وجود بہت کم ہوگیا ہے گویا کہ نایاب ہوگیا تو نوٹ کو ہی بمنزلہ روپیہ کے قرار دیدیا گیا کہ سارا کاروبار اب نوٹ ہی سے ہوتا ہے، اگر نوٹ کی وہی اصل حیثیت (حوالہ) رہے تو عام مخلوق حرجِ عظیم

= مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ: ''فقہاء کی دلیل "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بابطالهما". مخدوش ہے، ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں مقدمۂ اُولیٰ کی صحت غیر مسلّم ہے، بلکہ "الثمنية تثبت بقانون الحكومة، ولا ترتفع إلا بقانون الحكومة". اس لئے جواز فی الفلوس النافقہ کا فتویٰ دینا مشکل ہے''۔ (کفایة المفتی: ۵۹/۸، باب السلم، فلوس میں بیع سلم کا حکم، دار الإشاعت کراچی)

اس لئے فلوس کی ثمنیت کو ساقط کر کے علیحدہ قیمت مقرر کر کے بیع کرنے کا جواز مشکل ہے۔

(۱) لیکن موجودہ نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمن عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ بعنوان: ''نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے''، میں مفتی صاحب نے موجودہ نوٹ کو ثمن قرار دیا ہے۔

میں مبتلا ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۲]: عام ملکوں کی حکومتوں کا دستور ہے کہ وہاں کی حکومت سعودیہ عربیہ میں حاجیوں کو خرچ کے لئے ایک خاص قسم کا نوٹ دیتی ہے جو سعودیہ عربیہ میں گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے، تو کیا حج کا سو روپے والا نوٹ اس ملک کے دوسرے نوٹ سے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نوٹ حکومت سعودیہ عربیہ میں چلانے کے لئے دیا جاتا ہے، اس کو اپنے ملک میں زیادہ قیمت پر چلانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۳]: زید سعودیہ عربیہ میں ملازمت کے دوران ڈالر (کرنسی) خریدتا ہے اور ہندوستان

---

(۱) "وبالجملة صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود، ويطلق عليها اسم النقد والعملة في العربية والإنكليزية والأردية .... فالذي أرىٰ أن القول بثمنيتها أصبح قوياً منذ أن جعلتها الحكومات أثماناً قانونيةً، وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم". (تكملة فتح الملهم: ۱/ ۵۲۰، باب تحريم مطل الغني، دارالعلوم كراچى)

"فالذي أراه حقاً وأدين الله عليه: أن حكم الورق المالي كحكم النقدين في الزكاة سواء بسواء؛ لأنه يتعامل به كالنقدين تماماً، ولأن مالكه يمكنه صرفه وقضاء مصالحه به في أيّ وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولاً كاملاً، وجبت عليه زكاته". (شرح الفتح الرباني: ۸/ ۲۵۱، آخر باب الزكاة الذهب والفضة)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۵۹، دارالعلوم كراچى)

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قانونِ حکومت کو مدنظر رکھ کر "درست نہیں" فرمایا، ورنہ ان نوٹوں کا دوسرے ملک کے نوٹوں سے نفسِ تبادلہ میں بظاہر کوئی حرج نہیں، كما سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية آنفاً.

میں جہاں بھی اس کو ڈالر کا بھاؤ اچھا ملتا ہے اسے فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنے پر اس کو بینکوں کے سرکاری بھاؤ سے کہیں زیادہ فائدہ ڈالر میں مل جاتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنا جائز ہے جبکہ ہندوستان کی حکومت غیر اسلامی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ڈالر کی حیثیت وہ ہے جو کہ انڈیا میں نوٹ کی ہے، یہ اصالۃً وہ رسید اور حوالہ تھا، اس رقم کا جو اس میں درج ہے کہ اس کے ذریعہ رقم وصول کی جاسکتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اب رقم تقریباً معدوم ہو چکی اور سب جگہ نوٹ ہی رقم کی طرح مستعمل ہے، پس یہ نوٹ بھی اب مبیع بن چکا ہے، اس کی بیع کی زیادتی کے ساتھ درست ہے تو ڈالر کی بیع بھی کی زیادتی کے ساتھ درست ہے، مگر اس کا خیال رہے کہ یہ قانونی جرم نہ ہو جس سے عزت اور مال دونوں خطرہ میں پڑ جائیں (۱)۔ اگر ڈالر کی حیثیت وہ نہیں جو ہندوستان میں نوٹ کی ہے تو اس کا حکم بھی

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً ما بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربا، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

دوسرا ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۴]: ملیشیا میں ایک سوڈالر کی قانونی قیمت ۲۴۵/روپے ہندوستانی ہے، مگر بلیک مارکیٹ میں ۱۰۰/ڈالر کی قیمت ۳۵۰/روپیہ ہے، کبھی زیادتی بھی ہوتی ہے۔ تو یہ زائد قیمت لے کر ڈالر دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا روپیہ اور ملیشیا کا روپیہ برابر نہیں ہے، جو نرخ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے وہ ایک قانونی چیز ہے، اس سے کم زیادہ پر فروخت کرنے میں جو روپیہ حاصل ہوگا وہ روپیہ شرعاً جائز ہوگا، مگر قانون کی رعایت بھی رعایا کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے روپیہ وعزت دونوں کا خطرہ ہے، عزت کی حفاظت بھی شرعاً ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع

سوال[۷۹۰۵]: ممالکِ غیر سے پاؤنڈ کی شکل میں لندن بینک کا ڈرافٹ ہندوستان آتا ہے، اس ڈرافٹ کا گورنمنٹ آف انڈیا نے جو بھاؤ متعین کیا ہے اس بھاؤ سے انڈیا کی بینک میں ڈرافٹ کو نہ تڑواتے ہوئے خانگی تاجروں کے ہاں گورنمنٹ کے معینہ بھاؤ سے زیادہ رقم ملنے کی وجہ سے ڈرافٹ تڑوانا جائز ہے یا نہیں، اس فعل کا مرتکب کیسا ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ڈالر کی بیع کی زیادتی سے")

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنے پر قانونی گرفت نہیں تو اس کی گنجائش ہے(۱)، بشرطیکہ مسلم کو خسارہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

سونے کے سیال پانی کی بیع

سوال[۷۹۰۶]: حل (یعنی سونے کا سیال پانی تیزابی اشیاء ڈال کر سونے کو محلول کر کے بنایا جاتا ہے اور اسے جوڑی پر پوتا جاتا ہے جس سے چوڑی سنہری خوشنما معلوم ہوتی ہے) یہاں بالعموم اس کی فروخت ادھار ہوتی ہے، لیکن اس زمانہ میں جب کہ ذریعۂ خرید چاندی نہیں، بلکہ نوٹ ہے تو حل کی ادھار خرید وفروخت سود میں تو داخل نہیں، کیا عموم بلویٰ کی وجہ سے درست ہے؟

خریدار نظام۔

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً ما بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي رباً، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) لیکن یہ شرط صحتِ بیع کے لئے لگانا مشکل ہے، کیونکہ مسلم کو خسارہ کی صورت میں بھی تراضی کے ساتھ جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں، اس کی خرید وفروخت ادھار بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۷]: گلٹ یا چاندی کا روپیہ ۲۰/آنہ میں بیچنا کیسا ہے؟ نیز پھٹے پرانے نوٹ کو بٹے پر لینا دینا کیسا حکم رکھتا ہے؟

صوفی محمد اسحاق انصاری نصیر آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی یا گلٹ کا روپیہ ۲۰/آنہ یا ڈیڑھ روپے میں بیچنا شرعاً درست ہے(۲)، کم زیادہ پر پھٹا پرانا

---

(۱) "إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثاني في العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس، رشيديه)

"سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئةً، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما في البزازية: لو اشترى مأة فلس بدرهم، يكفي التقابض من أحد الجانبين، ومثله ما لو باع فضةً أو ذهباً بفلوس". (رد المحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، آخر كتاب الربا، سعيد)

"وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز، وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا". (المبسوط للسرخسي: ۳۳/۱۴، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۹۴، باب الربا، دار الكتب العربية پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۵، كتاب الصرف، رشيديه)

(۲) آنے چونکہ تانبہ کے ہوتے ہیں اس لئے چاندی کے روپیہ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، البتہ گلٹ کے روپیہ=

نوٹ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، کیونکہ ان کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے جن میں کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا ناجائز ہے:

"إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث في بيع الفلوس، رشيديه)

"فالصحيح الراجح في زماننا أن مبادلة الأوراق النقدية إنما تجوز بشرط تماثلها، ولا يجوز التفاضل فيها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، دارالعلوم كراچى)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً .... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم كراچى)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله سلى عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲۳/۲، ۲۴، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد" (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب البيوع، باب الربا، قديمى)

"وفي المعراج: القدر عبارة عن العيار والجنس عبارة عن مشاكلة المعاني، اهـ. والأصل في هذا الباب الحديث المشهور وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، والذهب بالذهب، مثلاً بمثل، يداً بيد" .... وحرم الفضل والنسأ =

سناروں سے خاک خرید کراس سے سونا اور چاندی نکالنا

سوال[۷۹۰۸]: کچھ لوگ سناروں سے خاک خرید کراس سے سونا چاندی نکالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= بهما: أى بالقدر والجنس، لوجود العلة بتمامها .... والنسأ فقط بأحدهما: أى وحرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۲۱۲/۶، ۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۵۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۲۱/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(۱) لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی خاک کو سونے یا چاندی کے عوض میں خریدا جائے تو پھر مساوات شرط ہے اور اگر موجودہ نوٹ کے عوض خریدا جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے:

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۴/۲، قديمي)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، التمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۵۲/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۲۱۲/۶، ۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۲۱/۳، غفاريه كوئٹه)

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع الوفاء

سوال[۷۹۰۹]: زید اپنی جائیداد بکر کے حق میں بیع قطعی کرتا ہے اور زید بکر سے یہ درخواست کرتا ہے کہ بکر زید کو یہ رعایت دیدے کہ وہ عرصۂ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تو بکر زید کو جائیداد واپس کردے۔ آیا یہ بیع شرعاً جائز یا نہیں؟

۱۸/اگست/۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیعنامہ میں یا مجلسِ عقد میں بطورِ شرط یا بطورِ وعدہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ جس طرح اور لوگ شب وروز بیع وشراء کرتے ہیں، اسی طرح زید وبکر نے بھی بیع وشراء کرلی، پھر کسی دوسری مجلس میں دوسرے وقت زید نے بکر سے اس رعایت کی درخواست کرلی اور بکر نے اس کو منظور کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی۔ اب زید کو قانوناً مطالبۂ واپسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا(۱)، وہ کسی طرح بکر کو واپسی پر مجبور نہیں کرسکتا، بکر کو اس جائیداد میں

---

(۱) "والصحیح أن العقد الذی جری بینهما إن کان بلفظ البیع، لا یکون رهناً. ثم ینظر: ان ذکرا شرط الفسخ فی البیع، فسد البیع. وإن لم یذکرا ذلک وتلفظ بلفظة البیع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبیع الجائز. وعندهما: هذا البیع عبارة عن عقد غیر لازم فکذلک، وإن ذکرا البیع من غیر شرط، ثم ذکر الشرط علی وجه المواعدة، جاز البیع ویلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعید قد تکون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۶۵/۲، فصل فی الشروط المفسدة، رشیدیه)

"وکذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء، فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة =

مالکانہ تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر چاہے تو دوسرے شخص کو ہبہ یا بیع یا رہن سب کچھ کر سکتا ہے، زید کو ان تصرفات سے روکنے کا حق حاصل نہیں۔

اور عرصہ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تب بھی بکر کو اختیار ہے کہ وہ اگر مناسب سمجھے اور اس کی مصالح کے خلاف نہ ہو، اور بھی کوئی مانع نہ ہو تو واپس کردے۔ اور اگر مصالح کے خلاف ہو اور نقصان ہوتا ہو تو اس کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ زید کا روپیہ لینے سے انکار کردے، غرض! قضاءً اس پر کوئی حق باقی نہیں رہا، البتہ دیانۃً اس وعدہ کا پورا کرنا بہتر ہے، تاہم اگر وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی، لیکن بعد میں کسی مصلحت وذاتی ضرورت یا احتمال نقصان کی بنا پر پورا نہیں کرتا تو شرعاً اس پر گناہ نہیں (۱)۔

= السابقة". (جامع الفصولين: ۲۳۷/۱، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا في الفتاوى الأنقروية: ۲۹۳/۱، في بيع الوفاء، دار الإشاعة العربية قندهار)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، ۲۷۷، سعيد)

"وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم. قال بعض الفضلاء: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح في القنية بنفي الإثم؟ قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۷/۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجي للمعياد، فلا إثم عليه". قال الأشراف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها وإن لم يقترن معها المنوي وتختلف عنها، اهـ. ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفىٰ به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي، ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح: ۶۱۵/۸، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۶۲۷/۸، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۷۴۹)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

اگر بیعنامہ میں یا اس سے پہلے بطورِ شرط، یا بطورِ وعدہ واپسی کا ذکر آچکا ہے تو یہ بیع رہن کے حکم میں ہے،کل جائیداد جس کی بیع ہوئی ہے رہن رہے گی، بکر کو اس سے انتفاع ناجائز ہے، نہ اس کی آمدنی لے سکتا ہے، نہ اس کو بیع کرسکتا ہے، نہ اجارہ، نہ رہن، نہ ہبہ بلکہ اس جائیداد کا محض محافظ ہے، امین رہے گا اور اس کی جس قدر آمدنی ہوگی وہ بھی تمام رہن رہے گی، روپیہ وصول ہونے پر اس جائیداد کے ساتھ اس آمدنی کی بھی واپسی ضروری ہوگی۔ جس طرح بکر کو اس جائیداد سے اس عرصہ میں نفع حاصل کرنا ناجائز ہے اسی طرح زید کو بھی نفع حاصل کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۸ھ۔

بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا

سوال[۷۹۱۰]: ایک مکان زید نے پانچ سو روپیہ کا خریدا اور بیعنامہ تحریری لکھے جانے کے بعد بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ تم ایک اقرار نامہ علیحدہ اس امر کا لکھ دو کہ دس سال تک اگر بائع یا اس کے ورثہ اس کو واپس لینا چاہیں گے تو میں اسی دام پر واپس کردوں گا تاکہ ہم دونوں کا اطمینان ہوجائے۔ چنانچہ فریقین رضامند ہوگئے، بیعنامہ کے علاوہ ایک اقرار نامہ مضمون بالا کا لکھوایا گیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مشتری کو اس مکان خرید شدہ سے منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نثار احمد ٹھیکیدار، محلہ نخاسہ، شہر سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح. قال السيد الإمام: قلت للإمام الحسن الماتريدي: قد فشا هذا البيع، وفيه مفسدة عظيمة، وفتواك أنه رهن، وأنا أيضاً على ذلك".

(ردالمحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۵۲/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۴۸/۸، دار الإشاعت كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً بیع تام اور پختہ ہوچکی، بعد میں ایک اقرار نامہ بائع اور مشتری کے درمیان بطورِ وعدہ تحریر کیا گیا ہے جس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا مشتری مکان کا مالک ہے اور اس مکان سے نفع حاصل کرنا مشتری کو جائز ہے:

"وفي الخيرية: فيما لوأطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه، أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا لى أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوىٰ في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشترى عهد إلىٰ البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". ردالمحتار: ٥ /٢٧٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(١) (رد المحتار: ٥/٢٧٧، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلک أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشترى عهد إلى البائع بعد البيع المطلق أنه إن أوفىٰ بمثل ثمنه، فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان ثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (الفتاوى الكاملية ص: ٨٣، مطلب في بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

"إذا أطلق البيع لكن وكل المشترى وكيلاً بفسخ البيع إذا أحضر البائع الثمن أو عهد على أنه إذا أوفاه فسخ البيع، والثمن لايعادل المبيع، وفيه غبن فاحش، أو وضع المشترى على أصل المال ربحاً بأن وضع على مأة عشرين ديناراً، فرهن. وإن كان بلا وضع ربح بمثل الثمن أو بغبن يسير، فبات".
(الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٠٧، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في الحاشية الجليلة بذيل جامع الفصولين: ١/٢٣٦، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی)

زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کرکے بعد میں انکار کرنا

سوال[۷۹۱۱]: زید نے دس پندرہ آدمیوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں تمہاری زمین دو ہزار کم میں واپس کردوں گا، کیونکہ اس نے کچھ روپیہ کے بدلہ میں عمر کی زمین لے رکھی تھی اور مدت کوئی متعین نہیں تھی، یہ اقرار تھا کہ جب تو چاہے واپس لے سکتا ہے، اب عمر کے پاس پیسہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی زمین کو واپس لے، اب زید انکار کرتا ہے زمین واپس نہیں کرتا ہے۔ تو زید کا یہ قبضہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے وہ زمین رہن رکھی تھی تو اس کو اس زمین سے نفع حاصل کرنا اور اس کی پیداوار لینا جائز نہیں تھا(۱)، نیز دو ہزار کم کی شرط بھی بیکار اور غیر معتبر تھی، اس کو حق تھا کہ اپنا پورا قرض وصول کرکے زمین واپس کردیتا، اور اب لازم ہے کہ زمین واپس کردے۔ لیکن اگر زمین خریدی تھی اور اس میں یہ شرط تھی کہ دو ہزار کم میں واپس کردے گا، یہ بیع فاسد تھی (۲)، اس کا فسخ کرنا لازم ہے (۳)۔ اگر بیع میں تو شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہونے کے بعد علیحدہ اقرار کیا تھا، تو یہ وعدہ تھا جس کو پورا کرنا اخلاقاً زید کے ذمہ ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۷۳/۴، كتاب الرهن، غفارية كوئٹه)

(۲) "ولا بيع بشرطٍ لايقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع، وهو من أهل الاستحقاق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض أو بعده مادام المبيع بحاله في يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۰/۵، ۹۱، سعيد)

(۴) "لو ذكرا البيع بلا شرط، ثم ذكرا الشرط على وجه العقد، جاز البيع، ولزم الوفاء بالوعد؛ إذ المواعيد قد تكون لازمةً، فيجعل لازماً لحاجة الناس". (ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع بشرط فاسد، سعيد) .... =

دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا

سوال[۷۹۱۲]: میں نے اپنی جائیداد سکنائی قیمتی مبلغ دوہزارروپیہ بوجہ ضرورت خرچ خانگی مبلغ نوسو روپے میں ایک شخص کواس شرط پر بیع کردی کہ مبلغ نوسوروپیہ مذکورہ بالادس سال کے اندرادا کردوں تو مشتری مذکور بیع واپس کردے گا اور میرے حق میں بیعنامہ تحریر کردے گا، بدیں وجہ مشتری مذکور نے ایک اقرار نامہ بھی تحریر کرکے رجسٹری کرادیا کہ وہ دس سال کے اندر اپنا روپیہ لے کر بیع واپس کردے گا اور مشتری مذکور دس سال تک فائدہ آمدنی کرایہ وغیرہ سے اٹھاتا رہے گا۔

لہٰذا یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بیع مذکورہ جوکہ میعادی ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ دیگر یہ کہ مشتری جوکہ ہر ماہ میں آمدنی کرایہ وغیرہ وصول کرکے فائدہ اٹھاتا ہے وہ بھی جائز ہے یا ناجائز؟

محمد رفیع، ۵/ جولائی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے(۱) اور مشتری کو- جوکہ درحقیقت مرتہن ہے- اس

= (وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۴، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رشيديه)

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا بيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاوى، في الباب الأول: بيع الرفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن. قال رضي الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۸/۲۶۰، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة، غفاريه كوئٹه)

جائیداد سے میعادِ مذکور میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں (۱)، جس قدر آمدنی ہوگی، وہ اصل مالک یعنی بائع کی ہوگی جو کہ درحقیقت راہن ہے اور وہ آمدنی بھی جائیداد مذکور کے ساتھ رہن رہے گی (۲)، اصل مالک جبکہ مبلغ نوسو روپیہ- جو کہ صورت مسئولہ میں زیرِ رہن ہے- واپس کردے گا، اس وقت اس جائیداد اور اس کی آمدنی کے واپس لینے کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۷۹۱۳]: زید نے اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کر دیا اور دستاویز بیع قطعی کی رجسٹری کرادی اور دستاویز کے ساتھ ہی ایک اقرار نامہ عمر سے تحریر کرالیا کہ جو روپیہ زید نے عمر سے وصول کیا ہے، اگر وہ دس سال کے بعد زید عمر کو واپس کردے تو عمر زید کو مکان واپس کردے گا، اور بعد گذر جانے دس سال کے زید کو عمر سے مکان واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، مرمت، شکست وریخت دس سال تک عمر کے ذمہ رہے گی۔ ایسی صورت میں عمر کو اس مکان کا کرایہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بیع ہونے سے پہلے اقرار نامہ کی شرائط طے کرلی جاتی ہیں۔

المستفتی: عبد الکریم پسر حاجی رحیم بخش، سہارن پور۔

الحواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرطیں ایجاب وقبول بیع سے پہلے کی گئی ہیں، یا بیع کے ساتھ کی گئی ہیں تو ان دونوں کا ایک

---

(۱) "ولا ینتفع المرتهن استخداماً وسکنی ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن یقتضي الحبس إلی أن یستوفي دینه دون الانتفاع". (البحر الرائق: ۲۳۸/۶، کتاب الرهن، رشیدیه)

(۲) "ونماء الرهن کالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والأرش ونحو ذلک للراهن، لتولده من ملکه، وهو رهن مع الأصل تبعاً له". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۲۱/۶، کتاب الرهن، باب الرهن یوضع علی ید عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعید)

(وکذا في ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳۰۳/۴، کتاب الرهن، فصل في المتفرقات، غفاریه کوئٹه)

حکم ہے(۱)، اگر بیع قطعی کی گئی اور پھر شرطیں لگادی گئیں تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شرطوں کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ نفسِ بیع میں لگالینے سے ہوتا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع ہوگئی اور یہ اقرار نامہ علیحدہ ہے(۲)، اس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے، اگر پورا نہیں کرے گا تو وعدہ خلاف کہلائے گا(۳)، اس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح بتایا ہے:

"لو شرط بعد العقد يلتحق بالعقد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اھ". درمختار۔

"فيصير بيع الوفاء كأنه شرط في العقد. وقدمنا في البيع الفاسد ترجيح قولهم، لعدم التحاق

---

(۱) وہ حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع باطل اور بجمیع احکامہ رہن ہے:

"هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفا، سعيد)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۲۳۴/۱، الفصل الثاني عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه واقسامه، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(۲) "وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح". (البحر الرائق: ۱۴۲/۲، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين: ۳۲۲/۲، الفصل التاسع والثلاثون، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۳۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۳/۲، كتاب البيوع، باب الخيار، رشيديه)

(۳) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچي)

"قال النووي رحمه الله تعالىٰ: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيٍّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۶۲۷/۸، ۶۲۸، كتاب الأداب، باب المزاح، الفصل الثاني، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

الشرط المتأخر من العقد به، اھ". شامی: ۴/۳۷۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ شوال/ ۶۰ھ۔

مکان فروخت کر کے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ

سوال[۷۹۱۴]: زید مجبوری کی وجہ سے بکر کے نام اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور رجسٹری بھی کراتا ہے، اس طریقہ پر کہ اگر مجھے سہولت ہوگی تو ایک سال بعد رقم ادا کر کے حاصل کرلوں گا اور یہ مکان بکر کا ہوگا۔ کیا یہ طریقہ جائز ہے اور بکر کا زید کے اس مکان کو اپنے تصرف میں لانا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا بیعِ فاسد ہے، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے، اس کو بیع الوفاء کہتے ہیں، وہ مکان رہن ہوگا(۲)، اس سے نفع اٹھانا مرتہن کو درست نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بیع تو بلاشرط کے کرلی جائے، اس کے بعد دوسری مجلس میں پھر واپسی کا معاہدہ کرلیا جائے تو بیع درست ہوجائے گی(۳) اور مدتِ معینہ میں رقم ادا

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب: فی بیع الوفاء: ۵/۲۷۸، سعید)

(۲) "هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۸/۲۶۰، غفاريه كوئته)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامي كتب خانه، بنوري ٹاؤن كراچي)

(۳) "لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفىٰ مثل الثمن، يفسخ البيع معه؟ أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوى في ذلك أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أوفىٰ مثل ثمنه، فإنه يفسخ

کرنے پر حسبِ معاہدہ وہ مکان واپس کرنا اخلاقاً لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۷/۷/۸۷ھ۔

زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا

سوال [۷۹۱۵]: زید اپنی مجبوری کی بناء پر بکر سے ایک بیگھ زمین کو مناسب قیمت پر لے کر رجسٹر آفس جا کر بکر کو رجسٹری کر دی اور بکر اس کا مالک بن کر زمین کو آباد کرتا ہے، دوبارہ زمین واپس لینے کی شرط بھی نہیں رہتی ہے، مگر دل میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ معاملہ، معاہدہ کا ہو جس میں واپسی کی شرط نہیں تھی تو یہ بیع صحیح ہوگئی (۲)، پھر زبانی وعدہ خارج سے ہوا، اس کی تکمیل اخلاقاً کر دی جائے: "لأن الخلف في الوعد حرام". الأشباه والنظائر (۳)۔ لیکن بیع کو زبردستی واپس لینے کا حق نہیں۔ اگر وعدہ نفسِ بیع میں داخل ہے تو یہ بیع بالوفاء ہے جس کے متعلق شامی نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں راجح یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے، مگر معنیً رہن ہے (۴)۔ شیٔ مرہون سے انتفاع مرتہن کو

= معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (رد المحتار: ۵/۲۷۷، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۸۳، مطلب في بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۷، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۶، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(۱) (راجع، ص: ۲۶۱، رقم الحاشية: ۲)

(۲) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچي)

(۴) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۳)

جائز نہیں (۱)، لہٰذا اتنی مدت میں جو کچھ مال بطورِ نفع حاصل کیا ہے اس کو واپس کردے، یا اس کی قیمت میں جو کہ درحقیقت قرض ہے محسوب کرلے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے اس مسئلہ پر جس کا نام "الفلك المشحون" اس میں مفصل طور سے دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۸۹ھ۔

کٹ قبالہ کا حکم

سوال [۷۹۱۶]: ہمارے یہاں کٹ قبالہ کا عام رواج ہوگیا ہے، اس کی حقیقت وہی ہے جو بیع الوفاء کی ہے، یعنی لوگ بمجبوری روپیہ اپنی مملوکہ اراضی کا کل یا بعض کو اس شرط پر کہ مثلاً دس، گیارہ برس کی مدت میں جب واپس کردیئے جائیں گے تو زمین واپس کردی جائے (فروخت کرتے ہیں) اور اس وقت تک زمین سے برابر مشتری نفع اٹھاتا رہتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمین کی بیع واپسی کی شرط پر کی جاتی ہے تو شرعاً یہ بیع نہیں، بلکہ یہ رہن ہے، اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے، واپسی کی مدت تک جو آمدنی مشتری نے حاصل کی ہے، وہ درست نہیں بلکہ سود ہے:

"صورته أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين". درمختار۔ "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متىٰ جئتُ بالثمن، فهٰذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". شامي: ٤/٣٤١(٢)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۷۳، كتاب الرهن، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۴۳۸، كتاب الرهن، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۵۲۳، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد) .... =

بیع الوفاء کی ایک صورت

سوال[۷۹۱۷]: زید نے بکر سے کہا کہ بعوض سترہ سورو پیہ رقبہ دو بیگہ زمین گروی لے لو، بکر نے جواباً کہا کہ میں اس طرح خلاف شرع گروی کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لے سکتا، اگر تمہاری مرضی ہو تو چھتر سال کے واسطے بطور معاملہ پندرہ سورو پیہ مجھ سے لے کر اپنی دو بیگہ زمین میرے قبضہ میں دیدو اور سالانہ بیس روپے کے حساب سے دو بیگہ کا معاملہ ادا شدہ رقم سے منہا کرتے جاؤ، اگر اس عرصہ میں کسی وقت تم کو ضرورت لاحق ہو تو منہا شدہ رقم کے علاوہ باقی زر مجھے واپس کر کے اپنی زمین لے سکتے ہو، ہمارا اس پر کسی طرح کا حق دنیاوی و شرعی نہ ہوگا، مثلاً دس سال تک تم دوصد روپیہ معاملہ کا منہا کر چکے ہو۔

اب تیرہ سورو پیہ باقی ہے، اس موقع پر تمہاری رائے واپسی کی ہو تو وہ تیرہ سورو پیہ کی رقم دے کر اپنی زمین چھوڑا سکتے ہو اس عرصہ تک کاشتکاری اور اس کا نفع ہمارا مال ہوگا۔

زید نے اس موجودہ صورت پر معاملہ طے کیا اور رقم بکر سے لے لی اور زمین بکر کے حوالہ کردی، مگر کاغذات پٹواری میں اس کا اندراج بلفظ رہن ہوا ہے اور عاقدین کا منشاء رہن کا نہیں ہے۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ موجودہ صورت مذکورہ بالا ٹھیکہ ہے یا رہن؟ جواب سے مشرف فرمادیں۔

اس صورت میں بعض اس کو ٹھیکہ شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر رہن۔ پس واضح فرمایا جائے۔ نیز ٹھیکہ اور رہن کا فرق یا مابہ الامتیاز کیا ہے، جس سے ہم لوگوں کو آئندہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے؟ نیز امام احمد رحمہ اللہ

= "أن البيع الذی تعارف عليه أهل سمرقند، وسموه بيع الوفاء تحرزاً عن الربا فی الحقيقة رهنٌ، والمبيع فی يد المشتری كالرهن فی يد المرتهن، لايملكه ولا يحل الانتفاع به". (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون، فی البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۲۶۰/۸، غفاريه كوئٹه)

"أقول: وفی جواهر الفتاوی فی الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منک علی أن تبيعه منی متی جئتُ بالثمن. قال رضی الله تعالیٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكر، وهو الصحيح، ذكر الإمام محمد بن الفضل البخاری هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملک إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين. ۲۳۴/۲، الفصل الثامن عشر فی بيع الوفاء، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

تعالیٰ انتفاع بالمرہون کے کس بناء پر قائل ہوتے ہیں، جبکہ تصریحاتِ علمائے ثلٰثہ کی اس کے خلاف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عقد کا حاصل یہ ہے کہ مالکِ زمین زید نے اپنی زمین بکر کو کرایہ پر دی ہے اور رقم مذکور بطورِ کرایہ طے کر کے پیشگی وصول کرلی، مجموعی رقم کے ساتھ ہر سال کا کرایہ بھی ظاہر کر دیا اور بکر نے زید کو یہ بھی اختیار دیدیا کہ اگر مدتِ مذکورہ سے قبل اس معاملہ کو فسخ کرنا چاہو اختیار ہے، بقیہ رقم پیشگی وصول شدہ ہے، واپس کردی جائے گی۔

یہ معاملہ شرعاً کرایہ اور ٹھیکہ ہے، رہن نہیں (۱)، مگر حیلہ کی صورت ہے، اس لئے بوقتِ ضرورت ایسی صورت پر عمل کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ رہن میں شیٔ مرہون کو محض وثوق کے لئے مرتہن کے پاس رکھا جاتا ہے (۳) اور ٹھیکہ کا حاصل ہے "تمليك المنفعة بالعوض"۔ جو کہ رہن میں قطعاً مفقود ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "لبن الدر يحلب بنفقة

---

(۱) "هي (أي الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دَين أو عين. وما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (ملتقى الأبحر، كتاب الإجارة: ۳/ ۵۱، غفاريه كوئٹه)

"هي تمليك نفع بعوض، وكل ما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (الدر المختار: ۶/ ۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام، أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فهو فك عسرة الطلب عن الراهن، ووثوق قلب المرتهن بما يحصل ماله". (البحر الرائق: ۸/ ۴۲۷، ۴۲۸، كتاب الرهن، رشيديه)

"ولأنه عقد وثيقة لجانب الاستيفاء، فيعتبر بالوثيقة في طرف الوجوب، وهي الكفالة". (الهداية: ۴/ ۵۱۳، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

إذا کان مرھوناً، والظھر یرکب بنفقة إذا کان مرھوناً، وعلی الذی یحلب ویرکب النفقةُ، اھ"۔

ابوداؤد نے اس کی تخریج وتصحیح کی ہے(۱)۔اور بذل المجھود:۴/۲۹۴، میں بڑی تفصیل سے اس حدیث پرکلام کرکے اس کا محمل بیان کیا ہے جو کہ ائمۂ ثلاثہ کے خلاف نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۶/ربیع الثانی/۶۴ھ۔

میعادی بیع اور اس کا نفع

سوال[۷۹۱۸]: ۱......کریم بخش نے ایک مہاجن سے چار سو روپے سود پر قرض لئے اور اصل وسود کل پانچ سو روپئے ہوگئے۔کریم بخش نے مہاجن سے دوسو پچاس روپے میں اپنا حساب بیباق کرنا طے کرلیا اور مہاجن کو دوسو پچاس روپے دینے کے لئے اپنا مکان عمر کو تین سو روپے میں کردیا اور عمر سے ایک اقرار نامہ لکھوالیا کہ وہ اس کے تین سو روپے واپس کرنے پر مکان اس کو واپس کردے گا، اور چھ ماہوار کرائے کا ایک ٹھیکہ نامہ لکھ کر عمر کو دے دیا۔سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میعادی جائز ہے یا ناجائز؟

۲......یہ کہ چھ روپے ماہوار کریم بخش سے عمر کو کرایہ مکان لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سنن أبی داؤد: ۲/۱۴۱، کتاب البیوع، باب فی الرھن، إمدادیہ ملتان)

(۲) "وقد اختلف العلماء فی تأویلہ، فقال أحمد بن حنبل: للمرتھن أن ینتفع بالرھن بالحلب والرکوب بقدر النفقة ...... وقال الشافعی وأبوحنیفة ومالک وجمھور العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ: لاینتفع من الرھن بشیئ، بل الفوائد للراھن والمؤن علیہ ...... قال الحافظ فی الفتح: وأجاب الطحاوی عن الحدیث بأنہ محمول علی أنہ کان قبل تحریم الربوا، ولما حرم الربوا حرم أشکالہ من بیع اللبن فی الضرع، وقرض کل منفعة تجر ربوا. قال: فارتفع بتحریم الربوا ما أبیح فی ھذا للمرتھن. واحتج الموفق فی المغنی بأن نفقة الحیوان واجبة، وللمرتھن فیہ حق، وقد أمکن استیفاء حقہ من نماء الرھن والنیابة عن المالک فیما وجب علیہ واستیفاء ذلک من منافعہ، فجاز ذلک کما یجوز للمرأة أخذ مؤنتھا من مال زوجھا عند امتناعہ بغیر إذنہ والنیابة عنہ فی الإنفاق". (بذل المجھود: ۲۹۴/۵، کتاب البیوع، باب فی الرھن، إمدادیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے(۱) جس کا فسخ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)، یہ درحقیقت رہن ہے، رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہے(۳)، لہٰذا یہ میعادی بیع ناجائز ہے۔

۲...... یہ چھ روپے لینا ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع

سوال[۷۹۱۹]: زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی فروختگی کے شرائط یہ ہیں:

---

(۱) "ولو بشرطٍ لایقتضیه العقد وفیه نفع لأحد المتعاقدین أو لمبیع یستحق، فهو فاسد". (ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر: ۹۰/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله فی ید المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعها". (الدر المختار: ۹۰/۵، ۹۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۳) "هو أن یقول: بعت منک علی أن تبیعه منی متی جئتُ بالثمن، فهذا البیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، وهو الصحیح". (رد المحتار: ۲۷۶/۵ کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء، سعید)

"أقول: وفی جواهر الفتاویٰ فی الباب الأول: بیع الوفاء أن یقول: بعت منک علی أن تبیعه منی متی جئتُ بالثمن؟ قال رضی الله عنه: هذا البیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، هکذا ذکروا، وهو الصحیح. وذکر الإمام محمد بن الفضل البخاری هکذا. وقیل: بیع فاسد یوجب الملک إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشیة جامع الفصولین: ۲۳۴/۱، الفصل الثامن عشر، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی)

"لا یحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا؛ لأنه یستوفی دینه کاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا". (ردالمحتار: ۴۸۲/۶، کتاب الرهن، سعید)

۱- جو رقم میں نے اس وقت یعنی فروخت کرنے کے وقت عمر سے لی ہے اس رقم کو اگر دس سال میں واپس دیدوں تو زید کو عمر مکان لازمی واپس دے گا، اگر زید دس سال کے اندر رقم عمر کو ادا نہ کر سکا تو بعد گذر جانے دس سال کے بیع قطعی سمجھا جاوے گا یعنی پھر زید اپنا مکان عمر سے واپس نہیں لے سکتا۔

۲- اس دس سال کا کرایہ اس زید کے مکان سے عمر وصول کرے گا اور عمر اپنے تصرف میں لائے گا، اور جو کچھ مرمت، شکست وریخت مکان مذکور میں دس سال کے اندر ہوں گے وہ عمر مرمت کرادے گا۔ ایسی شکل میں زید کے اس مکان کا کرایہ جو میعادی بیع ہے عمر کو اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر کرایہ ناجائز ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے اور شی مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، لہذا مکان کی شکست وریخت کی مرمت اصل مالک یعنی زید کے ذمہ ہے اور دس سال کے کرایہ کا مالک بھی زید ہی ہے، عمر کو یہ کرایہ تصرف میں لانا درست نہیں:

"وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاویٰ: هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح، اهـ". شامي: ۲۷٤/٤(۱)۔

"ونفقة الرهن والخراج والعشر على الراهن، والأصل أن كل مايحتاج إليه لمصلحة الرهن بنفسه ونفقته، فعلى الراهن؛ لأنه ملكه، وكل ما كان لحفظه فعلى المرتهن؛ لأن حبسه له، اهـ". درمختار: ۳٤٦/٥(۲)۔

"لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن إذن له الراهن، اهـ". شامي: ۳٤۳/٥(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۲۷٦/٥، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ٤۸۷/٦، كتاب الرهن، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ٤۸۲/٦، كتاب الرهن، سعيد)

باب الربوا

(سود کا بیان)

سود کسے کہتے ہیں؟

سوال[۷۹۲۰]: کیسا نفع سود کہلاتا ہے اور سود کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زیادتی بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے(۱) جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا، دس

---

(۱) "الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه".
(الهداية: ۳/۸۰، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

"أما في اصطلاح الفقهاء، فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، مباحث الربا، تعريفه وأقسامه، دارالكتب العلمية بيروت)

"وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۱۷، الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير، رشيديه)

"باب الربا: هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال". (كنز الدقائق، ص: ۲۴۸، باب الرباء، رشيديه)

"الربا .... وشرعاً فضل ولو حكماً، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة".
(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۶۸، باب الربا، سعيد)
(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۴۳۶، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۱۹، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)
(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا ۱/۵۶۶، مكتبه دارالعلوم كراچی)

تولہ چاندی دے کر گیارہ تولہ چاندی لینا، پانچ تولہ سونا چاندی دے کر ساڑھے پانچ تولہ سونا لینا، سوروپے دے کر ایک سو پانچ روپیہ لینا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق

سوال[۷۹۲۱]: ہندوستان میں موجودہ حالات میں مختلف کاروبار کے لئے حکومت سے مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینا یا دینا کیسا ہے؟

(الف) نیز سود لینے پر ضرورت مند اور غیر ضرورت مند دونوں کا حکم ایک ہے یا فرق ہے، اگر فرق ہو تو براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ کس قدر ضرورت اور اضطراب عذر بن چکا ہے؟

(ب) سود کی حرمت مؤبد ومقید ہے، نیز سود کی حرمت جن حالات میں نازل ہوئی وہ کیسے تھے؟ مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشرتی حالت کیا اس وقت موجودہ مسلمانوں سے زیادہ بہتر تھی؟

(ج)"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". الأشباہ والنظائر، فن اول(۱) اس کا مصداق کیا ہے؟

(د) فتاویٰ عزیزی جلد اول، ص:۷ پر ہے:"ودادنِ سود بحربیان بایں وجہ حلال است کہ خورانیدنِ حرام بمسلمانان درست نیست، وآنہا حرام خوارند، اگر چیزے بطریقِ سود دادہ خواھد شد بیش ازیں نیست کہ حرام خواھد خورد"(۲)۔

اس عبارت کی اور مبسوط کی متعدد عبارتیں:"ولا ربوا بین حربی ومسلم مستأمن". درمختار: ۲/۴۳ (۳)۔ وغیرہ سے کیا ہندوستان میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینے پر استدلال صحیح ہے؟

(ہ)"ولاربا بین حربی ومسلم". جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یہ کس حدیث سے مستنبط

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدۃ الخامسۃ، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) (فتاویٰ عزیزی، مسئلۂ سود دادن بحربیان: ۱/۴۰، رحیمیہ دیوبند)

(۳) (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب الربا: ۵/۱۸۶، سعید)

ہے، نیز امام صاحب کے اس قول کی ان آیات قرآنیہ صریحہ دربارۂ حرمتِ ربا کے ساتھ - جن میں اطلاقِ سود کی حرمت وارد ہے- تطبیق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟

(و) مستأمن کے لئے دارالحرب میں بعض حالات میں اگر سود لینے یا دینے کی گنجائش نکلے تو کیا شرعاً صرف دارالحرب کے اس حکم ہی پر معاملہ ختم ہوجائے گا، یا دارالحرب کے دوسرے احکام کا اطلاق بھی مستأمن پر ہوگا؟ براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں، جیسا کہ وجوبِ ہجرت وغیرہ۔

(ز) ہمارے اکابر دیوبند کا اس بارے میں کیا مسلک رہا ہے؟ امید ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر جو ابتلا اس بارے میں ہورہا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

رشید احمد قاسمی، مالپوری، ضلع گوڑگانواں، میوات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) سود کی حرمت (سود لینے) والے اور سود دینے والے دونوں پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، بلکہ سود کا رُقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو بھی لعنت میں شریک کیا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم". مشکوٰۃ شریف، ص: ۲٤٤(۱)۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

"وعن عبد اللہ بن حنظلۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم أشدّ من ستۃ وثلاثین زنیۃً".

"وعن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أیسرھا أن ینکح الرجل أمہ". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"وعن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "أربعۃ حق علی اللہ أن لایدخلھم الجنۃ ولا یذیقھم نعیمھا: مُدْمن الخمر، وآکل الربوا، وآکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیہ". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۳۷، دارالفکر بیروت)

جو شخص اپنی ضرورت کی وجہ سے مجبور ہے، اپنی مجبوری اور اس مذکورہ لعنت دونوں کو وزن کرلے، پھر اگر ضرورت کا وزن زیادہ ہو تو وہ اپنی مجبوری کی حد تک مجبور ہوگا۔

(ب) سود کی حرمت قطعی ہے، مطلق ہے، مؤبد ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآیہ (۱)۔

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه: أن اٰخر مانزلت اٰية الربا وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض، ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة". رواه ابن ماجة والدارمي". مشكوة شريف، ص: ۲٤٦ (۲)۔

"قوله: (اٰخر مانزلت): أي اٰيةٌ تعلقت بالمعاملات آية الربو، ثابتة غير منسوخة، لكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها بحيث يحيط بجميع جزئياتها وموادها، فينبغي لكم أن تَدَعوا الربوا الصريح، وما يشبه الأمر فيه تورعاً واحتياطاً. هذا ما يفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطيبي: يعني أن هذه الاٰية ثابتة غير منسوخة غر مشتبهة، فذلك لم يفسرها النبي صلى الله عليه وسلم، فأخبرها على ماهي عليه، ولا ترتابوا فيها، واتركوا الحيلة في حل الربوا". لمعات هامش مشكوٰة شريف (۳)۔

جب سود کی حرمت نازل ہوئی، معاشی حالت عامۃً بہت کمزور تھی، ہفتوں بلکہ مہینوں گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، مہر میں دینے کے لئے لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، تن پوشی کو کپڑا تک نہیں تھا، لنگی ہے تو کرتا نہیں، کرتا ہے تو لنگی نہیں، صرف ایک لنگی بدن پر ہے، اس میں نصف مہر میں دینے کو آمادہ ہوگئے (۴)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴٦، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) (لمعات التنقيح على هامش مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴٦، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمي)

(۴) عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء ته امرأة، فقالت: يارسول الله! إني قد وهبت نفسي لك، فقامت قياماً طويلاً، فقام رجل فقال: يارسول الله! زوجنيها إن لم تكن لك بها حاجة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هل عندك من شيء تصدقها إياه"؟ قال: ماعندي إلا إزاري هذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنك إن أعطيتها إزارك =

یہود کے قرض میں دبے ہونے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام بنانے کی دھمکی دی گئی، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ چھوڑ کر روپوش ہونے کا ارادہ کرلیا(۱)، گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اندھیرا رہتا تھا

= جلست لا إزارلک، فالتمس شيئاً". قال: لا أجد شيئاً، قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد". فالتمس، فلم يجد شيئاً". (سنن أبي داؤد: ١/٢٨٧، باب في التزويج على العمل، إمداديه، ملتان)

(١) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهوريني رحمه الله تعالىٰ قال: لقيت بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فقال: ماكان له شيئ إلا أنا الذي كنت ألي ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفي، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فرآه عائلاً يأمرني، فانطلق، فأستقرض، فأشترى البردة والشيئ، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال يابلال! إن عندي سعة، فلا تستقرض من أحد إلا منّي، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك في عصابة من التجار، فلما رآني قال: يا حبشي! (قال) : قلت: يالبيه! فتجهمني، وقال قولاً عنيماً -أو غليظاً- وقال: أتدرى كم بينک وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينک وبينه أربع ليال، فآخذک بالذي لي عليكم، فإني لم أعطک الذي أعطيتک من كرامتک ولا من كرامة صاحبک، وإنما أعطيتک لتصير لي عبداً فأذرک ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلک.

قال: فأخذني في نفسي مايأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صلّيت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يارسول الله! بأبي أنت وأمي! إن المشرک الذي ذكرت لک أني (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندک مايقضي عني ولا عندي وهو فاضحي، فأذن لي أن آتي (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قدأسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مايقضي عني".

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وجرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت عليّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو يابلال! أجب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فانطلقت حتى آتيه، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءک الله بقضاء دينک".

فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ على الركائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن =

وغیرہ وغیرہ(۱)۔احادیث وسیَر میں بڑی حد تک یہ حالات مذکور ہیں، آج کل کا یہاں کا مسلمان عموماً ان حالات سے نا آشنا ہے۔

(ج) قاعدہ تو یہ بیان کیا ہے:"الحاجة تنزل منزلة الضرورة"(۲) ۔اسی ذیل میں استقراض بالربح کے جواز کو لکھا ہے، حاجت کی کوئی تفصیل وتشریح شرح میں بیان نہیں کی۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا ہے اور بغیر قرض لئے گذارہ کی کوئی صورت نہیں اور قرض بغیر ربا نہیں ملتا، وہ اپنی مجبوری کی حد تک معذور ہے۔

(د) مطبوعہ فتاوی عزیزی میں رطب ویابس کو شامل کردیا گیا، جس میں مبتدعین وروافض کی تدسیس بھی ہے، موضوع روایات بھی ہیں، غلط مسائل بھی ہیں، بغیر سوال وجواب کے بھی بعض عبارات ہیں، اس لئے جب تک کتب معتمدہ سے تائید نہ ہوجائے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ تقریباً پچاس مقامات کے متعلق تو میری یاداشت میں کلام ونظر۔ بعض مسائل تو بالیقین روافض کی تائید میں ہیں۔ جس نے حضرت شاہ صاحب کی "تحفہ اثناء

لک رقابهن وماعليهن –فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَک– فاقبضهنّ إليک ثم اقض دينک".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ أحمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ".

(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة فى سبيل الله، كيف كانت نفقة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قصة بلال رضى الله تعالىٰ عنه فى ذلک مع مشرک: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دار القلم دمشق)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان يأتى علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء لا أن نؤتى باللحيم". (صحيح البخارى، كتاب الرقاق، بابٌ: كيف كان عيش النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه: ۲/۹۵۶، قديمى)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، قديمى)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قديمى)

عشریہ'' کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے، حضرت شاہ صاحب کا مزاج ومذہب کیا تھا۔ اس لئے اس مجموعہ کو یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے صحیح نہیں:

''لا [ربوا] بین حربی ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فیحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثانی والثلثة''. درمختار (۱)۔

اس میں بظاہر جواز کا عموم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ربا اور عقدِ فاسد وقمار میں زیادتی کا حصول دونوں طرف محتمل ہے، لیکن تقاضائے حلت یہ ہے کہ جواز اسی صورت تک محدود ہے جب تک زیادتی مسلمان کو ہو: ''لأن ماله ثمة مباح''. اس لئے فتح القدیر سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

''فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة''. ردالمحتار: ۱۸۸/٤ (۲)۔

پھر اس کی تائید میں شرح السیر الکبیر سے نقل کیا ہے کہ:

''قلت: ویدل علی ذلك مافی السیر الکبیر وشرحه حیث قال: وإذا دخل المسلم دارالحرب بأمان، فلا بأس بأن یأخذ منهم أموالهم بطیب أنفسهم بأیّ وجه کان؛ لأنه إنما أخذ المباح علی وجه عُرّی عن الغدر، فیکون ذلك طیباً، والأسیر والمستامن سواء، حتی لو باعهم درهماً بدرهمین، أو باعهم میتةً بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطریق القمار، فذلك کله طیب له، ملخصاً. فانظر کیف جعل موضوع المسئلة الأخذ من أموالهم برضاهم، فعلم أن المراد من الربوا والقمار فی کلامهم ماکان علی هذا الوجه وإن کان اللفظ عاماً؛ لأن الحکم یدور مع علته غالباً''. ردالمحتار، ص: ۱۸۸ (۳).

---

(۱) (الدرالمختار: ۱۸٦/۵، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۱۸٦/۵، سعید)

(۳) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الربا: ۱۸٦/۵، سعید)

''ولا بین المسلم والحربی ثمة .... فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة، وقد ألزم الأصحاب فی الدرس: أن مرادهم من ''حل الربا والقمار'' ما إذا حصلت الزیادة للمسلم، نظراً إلی العلة وإن کان إطلاق الجواب خلافه''. (منحة الخالق علی البحرالرائق: ۲۲٦/٦، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه) .... =

اس تفصیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردہ فتویٰ میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس پر کچھ کلام کرنے کی حاجت نہیں ہی۔ خود اس قول "لاربوا، الخ". کی حیثیت اور "المبسوط" کی روایات کا جواب آگے آرہا ہے۔

(۵) نصب الرایہ، ص: ۴۴، میں "الحديث الثامن: قال عليه السلام: "لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب" قلت: غريب. وأسند البيهقي في المعرفة في كتاب السير عن الشافعي قال: قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إنما قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ هذا؛ لأن بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله صلى عليه وسلم "أنه لا ربا بين أهل الحرب". أظنه قال: "وأهل الإسلام". قال الشافعي: وهذا ليس بثابت، ولاحجة فيه". انتهى كلامه (۱)۔

یہ حدیث منقطع ہے، مکحول صحابی نہیں، واسطہ غیر معلوم ہے، جس کا صحابی ہونا بھی متعین نہیں کہ انقطاع کو غیر مضر کہا جائے۔ "غريب، ليس بثابت، لا حجة فيه" کی بھی تصریح ہے۔ اصحابِ صحاح نے اس کو اپنی کتاب میں نہیں لیا۔ اگر مرفوع، صریح، ثابت، بلاعلتِ قادحہ بھی روایت مل جائے تب بھی نصِ قرآنی کے لئے وہ مقید یا مخصص نہیں بن سکتی، کماهو المذكور في كتب الأصول (۲)۔

= "وقد التزم الأصحاب في الدرس: أن مرادهم من حلّ الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (فتح القدير: ۳۹/۷، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

"دخل مسلم أو ذمي دارالحرب بأمان أوبغيره، وعقد مع الحربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو درهماً بدينار إلى أجل معلوم، فذلك كله جائز عند الطرفين. وقال القاضي: لايجوز بين المسلم والحربي ثمة إلا ما يجوز بين المسلمين، والصحيح قولهما. رأيت في بعض الكتب أن هذا الاختلاف فيما إذا اشترى منهم درهمين بدرهم، أما إذا اشترى منهم درهماً بدرهمين، فلايجوز بالاتفاق، كذافي المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۴۸/۳، كتاب الصرف، الباب الخامس في أحكام العقد بالنظر إلى أحوال العاقدين، الفصل السادس في الصرف في دار الحرب، رشيديه)

(۱) (نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا، الحديث الثامن: ۴۴/۴، مؤسسة الريان، بيروت)

(۲) "تخصيص القرآن بخاص خبر الآحاد، فالعلماء متفقون على أن اللفظ العام الوارد في القرآن =

اس روایت کی بناء پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو، یا کسی اَور دوسری روایت پر ان کے قول کی بناء ہو، اس قول کی تشریح میں شراح وفقہاء نے کلام کیا ہے: **ایک تشریح** یہ ہے کہ "لاربوا" ہی ہے یعنی "ربا" اس موقعہ پر بھی جائز نہیں، کذافی العنایۃ(۱)۔

شبہ ہوتا تھا کہ حربی مباح الاموال ہے، اس لئے جس طرح بھی لیا اس کو قطع فرمایا کہ نصِ قطعی سے حرمت جیسا ثابت ہے تو اس کا ارتکاب جائز نہیں کہ تاویل کی حاجت ہو۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لیکر جو مسلم داخل ہوں، عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ جو مال حاصل کر کے لے آئے، وہ اسی کی ملک ہے، اس کو مالِ غنیمت تصور کر کے اس میں سے خمس وصول کرنے کا حق بیت المال کو نہیں۔ بخلاف اس کے اگر ایک جماعت حملہ کے لئے جائے اور وہاں سے لائے، اس جماعت کی حفاظت ومدد کی ذمہ داری امام المسلمین نے لی ہے، لہٰذا اس میں سے خمس لینے کا حق ہے، اس تشریح کی صورت میں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے پر ملکِ تام حاصل ہوگی (۲)۔

= يجوز تخصيصه بالقرآن، أو بالسنة المتواترة، ولكنهم يختلفون في جواز تخصيصه بسنة الآحاد؛ لأن القرآن قطعي الثبوت، والسنة الآحاد ظنية الثبوت، فلا يقوى الظني على تخصيص القطعي، وهذا ماقال به الأحناف، فلايجوز عندهم تخصيص عام القرآن بسنة الآحاد". (الوجيز في أصول الفقه، ص: ۳۱۸، طهران إيران)

"وذلك عام كله: أي النصوص الأربعة التي تمسك بها عليّ وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهما في الجمع بين الأختين والعدة، لكن عند الشافعي هو دليل فيه شبهة، فيجوز تخصيصه بخبر الواحد والقياس. أي تخصيص عام الكتاب بكل واحد من خبر الواحد والقياس. وعندنا هو قطعي مساوٍ للخاص، وسيجيئ معنى القطعي، فلايجوز تخصيصه بواحد منهما مالم يخص بقطعي". (التوضيح والتلويح، ص: ۷۶، ۷۸، ۷۹، نور محمد كتب خانه)

(۱) "ويحتمل بقوله: "لاربا" النهي عن الربا، كقوله تعالى ﴿ولا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج﴾. (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۳۹/۷، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "في كافي الحاكم: وإن بايعهم الدرهم بدرهمين نقداً أو نسيئةً، أو بيعهم بالخمر والخنزير والميتة، فلابأس بذلك؛ لأن له أن يأخذ أموالهم برضاهم في قولهما، ويجوز شئ من ذلك في قول أبي يوسف". (ردالمحتار: ۱۶۶/۴، باب المستامن، سعيد)

تیسری تشریح یہ ہے کہ مسلم مستامن جو مال عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے، اس پر ربا کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح سے مال مباح حطب وحشیش وغیرہ پر استیلاء سے ملک حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں قابض کی رضامندی ضروری ہے، وہ بصورتِ عقد حاصل ہے، تو موجبِ ملکِ عقد نہیں بلکہ موجبِ ملکِ استیلاء ہے اور عقد صرف تحصیلِ رضائے قابض کے لئے ہے:

"إن مال الحربي ليس بمعصوم، بل هو مباح في نفسه، إلا أن المسلم المستأمن منع عن تملكه من غير رضاه، ولما فيه من الغدر والخيانة، فإذا بذله باختياره ورضاه، فقد زال هذا المعنى، فكان الأخذ استيلاءً على مال مباح غير مملوك، وأنه مشروع مفيد للملك كالاستيلاء على الحطب والحشيش، وبه تبيّن أن العقد ههنا ليس بتملك بل هو تحصيل شرط التملك، وهو رضاه؛ لأن ملك الحربي لايزول بدونه، وما لم يزل ملكه لايقع الأخذ تملكاً، لكنه إذا زال فالملك للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء، لابالعقد، فلا يتحقق الربا؛ لأن الربا اسم لفضل يستفاد بالعقد". بدائع الصنائع: ۲/۵ (۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۸۱/۷، كتاب البيوع، فصل: في شرائط جريان الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

"إذادخل المسلم دارالحرب بأمان، أو بغير أمان، وعقد مع حربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو اشترى درهماً بدينار إلى أجل .... قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: ذلک كله جائز؛ وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز بين المسلم وأهل الحرب في دار الحرب، إلامايجوز بين المسلمين. والصحيح قولهما؛ لأن مال الحربي على الإباحة الأصلية، إلا أن الذي دخل دار الحرب بأمان التزم أن لايتعرض لهم ولِمَا في أيدهم إلا بتراضيهم، فحرم عليه الأخذ بدون رضاهم تحرزاً للغدر. وإذا أعطى برضا هم، فقد انعدم الغدر والخيانة، فيأخذه المسلم بحكم الإباحة الأصلية، وتأثير المعاقدة في تحصيل الرضا بالأخذ لافي التملک". (المحيط البرهاني: ۳۷۶/۸، كتاب الصرف، فصل العشرون في الصرف في دارالحرب، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۷۰/۱۴، كتاب البيوع، باب الصرف في دارالحرب، مكتبه غفاريه كوئٹه)

المبسوط کی روایت: "کل ربوا فی الجاهلیة فهو موضوع تحت قدمی" سے قبل کی ہیں، بعد میں تو یہ حکم نازل ہوا تھا: ﴿یا أیها الذین امنوا اتقوا اللّٰه وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله﴾ الآیة(۱)۔

یہ ربا اہلِ حرب ہی کے ذمہ تھا جس کو وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس مضمون کی روایت بھی المبسوط: ۵/ ۵۷، میں مذکور ہیں (۲)۔

(و) ۱۸۵۷ء میں شاملی کا معرکہ پیش آیا، پھر ریشمی خط کی تحریک چلی۔ کراچی، نینی جیل وغیرہ اسارتِ مالٹا کا واقعہ پیش ہوا۔ ہمارا شاندار ماضی، مسلمانوں کا روشن مستقبل، سفرنامہ اسیر مالٹا، نقشِ حیات، وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم

سوال [۷۹۲۲]: حکومت کے ترقیاتی منصوبوں میں ہندوستانی عوام کی خوش حالی اور فلاح و بہبود کے لئے بہت سے شعبے قائم کئے گئے ہیں جس کے ذریعہ حسبِ ضرورت و مصلحت طویل المیعاد قرضے دیئے جاتے ہیں اور برائے نام سود لیا جاتا ہے۔

چھوٹے انڈسٹریوں سے لیکر بڑے بڑے فیکٹری پلانوں تک میں حکومت قرض دیتی ہے، اس سے غیر مسلم حضرات خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دن بدن اقتصادی میدان میں ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قرض کے لینے میں دشواری یہ ہے کہ اس میں سود دینا پڑتا ہے، نیز آج کل لین دین اور تجارتی معاملات بڑی حد تک سودی طور پر چل رہے ہیں، کیونکہ آج کل تجارت کا انحصار بڑی حد تک بینکوں پر ہے جو تمام کے تمام سودی کاروبار پر مبنی ہیں۔

اگر مسلمان حکومت سے قرض لیکر اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی سعی کرتے ہیں تو قرآن کی

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۲) (المبسوط للسرخسی، کتاب البیوع، باب الصرف فی دار الحرب: ۱۴/ ۷۰، مکتبه غفاریه، کوئٹه)

آیاتِ حرمتِ سود اُن کا دامن روکتی ہیں اور اگر اس سے بچنے کی سعی کرتے ہیں تو اقتصادی میدان میں وہ پچھڑے جاتے ہیں۔ وقت کا اہم سوال یہ ہے کہ اُنہیں ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ ڈربن سے مسٹر احمد صاحب نے اسی قسم کا ایک سوال مرتب کر کے بطور استفساء ہندوستان کے علماء کی خدمت میں روانہ کیا ہے، حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا ہے، ہم اس جواب کو من وعن شائع کر رہے ہیں، انشاء اللہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس جواب سے بڑی روشنی حاصل ہوگی۔

قمر الدین ایڈیٹر ماہنامہ نظام کانپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں، بلکہ منصوص اور قطعی ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۱) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تحریمِ ربا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی، بلکہ اس کو بمنزلۂ شرطِ ایمان قرار دیا گیا: ﴿وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾(۲)۔

''سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' (قرآن)۔

جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لئے اعلان جنگ ہے: ﴿فإن لم تفعلوا، فأذنو ابحرب من اللہ ورسولہ﴾(۳)۔

''اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے''۔

سود خوار کا حشر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذین یأکلون الربوا لایقومون إلا کما یقوم الذی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

(۳) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

يتخبطه الشيطان من المس﴾(۱)۔

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھوکر مخبوط بنادیا ہو''۔

سودخوار کے لئے سخت وعید ہے:﴿یا أیها الذین امنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلکم تفلحون، واتقواالنار التی أعدت للکافرین﴾(۲)۔

''اے ایمان والو! سود در سود کر کے نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، شاید تم فلاح پاؤ، اور اس آگ سے ڈرو، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ خوفناک یہ آیت ہے:

"کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ یقول: هی أخوف آیة فی القرآن حیث أوعد الله المؤمنین بالنار المعدة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه". تفسیر مدارك التنزیل(۳)۔

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (سورة ال عمران: ۱۳۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿یمحق الله الربوا ویربی الصدقات﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"﴿وأخذهم الربوا، وقد نهوا عنه﴾ کان الرباء محرماً علیهم، کماحرم علینا ﴿وأخذهم أموال الناس بالباطل﴾ بالرشوة وسائر الوجوه المحرمة". (مدارک التنزیل وحقائق التأویل: ۱/۲۰۲، (سورة ال عمران: ۱۳۰)، قدیمی)

(۳) (تفسیر مدارک التنزیل، ۱/۲۹۶، (سورة النساء: ۱۶۱)، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال القرطبی: "من أخذ مال غیره لاعلی وجه إذن الشرع، فقد أکله بالباطل". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۲/۳۲۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

قال العلامة البغوی رحمه الله تعالیٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها". (معالم التنزیل للبغوی: ۲/۵۰، قدیمی)

آیت، آیتِ مذکورہ بالا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے ہے، اگر مؤمنین خدا سے نہ ڈریں اس کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرنے میں"۔

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو، وہ نارِ جہنم ہی کے لائق ہے، سود کا ایک درہم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے:

"عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلاثين زنيةً". رواه أحمد والدار قطني. وروى البيهقي في شعب الإيمان عباس رضى الله تعالىٰ عنه، وزاد وقال: "من نبت لحمه من السحت، فالنار أولىٰ به". مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٦ (١)۔

"حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "دیدہ ودانستہ سود کا ایک درہم (چار آنہ بھر) کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے"۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کا گوشت حرام غذا سے پرورش پایا ہے، وہ جہنم کے ہی زیادہ لائق ہے"۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور سب کو نفسِ گناہ میں برابر قرار دیا ہے:

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اٰكل الربوا

---

(١) (مشكوٰة المصابيح، ص: ٢٤٥، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن سمرة بن جندب رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى اللى عليه وسلم: "رأيت الليلة رجلين أتياني، فأخرجاني إلى أرض مقدسة، فانطلقنا حتى أتينا على نهرٍ من دمٍ، فيه رجل قائم، وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة. فاقبل الرجل الذى في النهر، فإذا أراد الرجل أن يخرج، رمىٰ الرجل بحجر في فيه، فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمىٰ فيه بحجر، فيرجع كماكان، فقلت: من هذا؟ فقال الذى رأيته: اٰكل الربوا". (الصحيح للبخاري: ١/ ٢٨٠، كتاب البيوع، باب اٰكل الربوٰ وشاهده وكاتبه، قديمي)

ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشكوه شريف(۱)۔

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا کہ: ''یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں''۔

سود کے ستر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جز ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کا انجام قلت ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمه".

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". رواهما ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان، وروى أحمد الأخير". مشكوة شريف، ص: ٢٤٦ (٢)۔

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سود کے ستر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے''۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٤، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمي)

"عن عليّ رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعن الله آكل الربوٰ ومؤكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهى عن النوح". (مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٦، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أتيت ليلة أسرى بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم، فقلت: من هؤلاء ياجبرئيل؟ قال: هؤلاء أكَلَةُ الربوا". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(٢) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ٢٤٦، قديمي)

نے فرمایا کہ: ’’سود سے اگرچہ مال بڑھتا ہے، مگراس کا انجام قلت ہے‘‘۔

حرمتِ ربا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔ شبہ ربا سے بھی بچنے کا حکم ہے:

”عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن اٰخرمانزلت اٰیة الربوا، وأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا، فدعوا الربوا والریبة“. رواہ ابن ماجة، والدار می“. مشکوة: ۲٤٦(۱)۔

’’قوله: (اٰخر مانزلت اٰیة الربوا) یعنی هی ثابتة غیر منسوخة، لکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبض ولم یفسر بحیث یحیط بجمیع جزئیاتها وموادها، فینبغی لکم أن تَدَعوا الربوا الصریح، وما یشتبه الأمر تورعاً واحتیاطاً. هذامایفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطیبی: یعنی أن هذه الاٰیة ثابتة غیر منسوخة غیر مشتبهة، فلذلك لم یفسرها النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فأجروها علی ماهی علیه، ولاترتابوا فیها، واترکوا الحیلة فی حل الربوا“. لمعات ومرقات(۲)۔

’’حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (معاملات سے متعلق) سب سے آخری سود کی آیت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسے وقت ہوئی کہ سود کی (ہر ہر جزئیات کی تفصیل) نہیں بیان کی، اس لئے سود کیساتھ ساتھ جس میں سود کا شبہ ہو اُسے بھی چھوڑ دو‘‘۔

’’عمر کے قول:”آخر مانزلت“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جزئیات کو بطورِ احاطہ بیان نہیں فرمایا، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم سود اور سود

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قدیمی)

(۲) حاشیه مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، (رقم الحاشیة: ۴)، ص: ۲۴۶، قدیمی)

(وبمعناه فی مرقاة المفاتیح: ۶/۶۷، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، رشیدیه)

کے مشابہ تمام چیزیں تورّع اور احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دو۔ ظاہر عبارت سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

طیبی نے کہا کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ غیر مشتبہ ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لئے تم لوگ اس کو اس کے ظاہری مفہوم پر جاری رکھو اور اس میں کچھ شک نہ کرو اور سود کے حلت کے سلسلہ میں حیلہ حیلہ ترک کردو"۔

مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی ربا ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قدمت المدينة، فلقيت عبدالله بن سلام، فقال: إنك بأرض فيها الربوا فاش، فإذا كان لك على رجل حق فأهدیٰ إليك حمل تبنٍ أو حمل شعير أوحمل قت، فلاتأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاری". مشكوة المصابيح(١)۔

---

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٦، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً، أيسرها مثل أن ينكح أمّه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ٣٧/٢، دارالفكر بيروت)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضی الله تعالیٰ عنه قال: "الربا اثنان وسبعون حوباً، أصغرها حوباً كمن أتیٰ أمه فی الإسلام، ودرهم من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً، قال: ويأذن الله بالقيام للبَرِّ والفاجر يوم القيامه إلالأكل الربا، فإنه لايقوم إلا كما يقوم الذی يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبد الرزاق: ٤٦١/١٠، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسول الله صلی الله عليه وسلم. من أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولی به".

(المعجم الصغير للطبراني: ١٤٧/١، دارالكتب العلمية بيروت)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: تم ایسے علاقہ میں رہتے ہو جس میں سود کا رواج بہت زیادہ ہے، پس اگر تمہارا کسی پر حق ہو اور وہ تمہیں ہدیہ میں بھوسہ یا جَو کا گٹھر یا، یا گھانس دے تو وہ بھی نہ لو، کیونکہ وہ بھی سود ہے''۔

ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اَور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں:

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "إذا أقرض أحدكم قرضاً، فأهدى إليه أوحمله على الدابة، فلايركبه ولايقبلها، إلا أن يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك". رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان". مشكوة شريف، ص: ٤٢٦(١)۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی کسی کو قرض دے، پس اس قرض خواہ کو اگر قرض دار کچھ ہدیہ دے، یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ سوار ہو، اور نہ اس ہدیہ کو قبول کرے، مگر یہ کہ قرض سے پہلے ہدیہ وغیرہ کا لین دین جاری ہو''۔

مسلمانانِ افریقہ کے جو حالات سوال میں درج ہیں، ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات

---

(١) (مشكوٰة المصابيح، ص: ٢٤٦، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ماظهر في قوم الزنا والربا، إلا أحلوا بأنفسهم عقاب الله". (مجمع الزوائد: ١١٨/٤، دارالفكر بيروت)

"وكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل نجران: "بسم الله الرحمٰن الرحيم. هذاماكتب محمد النبي رسول الله صلى الله عليه وسلم لنجران .... ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة محمد النبي على أنفسهم، وملتهم، وأرضيهم .... ولا يغير حق من حقوقهم، ولاملتهم .... ومن أكل الربا من ذي قبل، فذمتي منه برئة". (دلائل النبوة للبيهقي: ٣٨٩/٥، باب وفد نجران وشهادة الأساقفة لنبيناصلى الله عليه وسلم، دارالكتب العلميه بيروت)

زیادہ درد انگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود کو حرام قرار دیا گیا، اور سخت وعیدیں سنائی گئیں ہیں۔

وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہو کر انہوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لئے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا(۱)۔ وہ حضرات، پیٹ پر پتھر

---

(۱) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهوريني رحمه الله تعالىٰ قال: لقيت بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فقال: ماكان له شئ إلا أنا الذى كنت ألي ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفي، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فراٰه عائلاً يأمرني، فأنطلق، فأستقرض، فاشترى البردة والشئ، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضني رجل من المشركين، فقال يابلال! إن عندى سعة، فلا تستقرض من أحد إلا منّي، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك في عصابة من التجار، فلما راني قال: يا حبشي! (قال): قلت: يالبيه! فتجهمني، وقال قولاً عظيماً -أو غليظاً- وقال: أتدرى كم بينك وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينك وبينه أربع ليال، فاٰخذك بالذى لي عليكم، فإني لم أعطك الذى أعطيتك من كرامتك ولا من كرامة صاحبك، وإنما أعطيتك لتصير لي عبداً فأذرك ترعى في الغنم كما كنت قبل ذلك.

قال: فأخذني في نفسي مايأخذ في أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صلّيت العتمة، ورجع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لي، فقلت: يارسول الله! بأبي أنت وأمي! إن المشرك الذى ذكرت لك أني (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندك مايقضي عني ولاعندى وهو فاضحي، فأذن لي أن اتي (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قد أسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مايقضي عني".

فخرجت حتى أتيت منزلي، فجعلت سيفي وحرابي ورمحي ونعلي عند رأسي، فاستقبلت بوجهي الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت عليّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو. يابلال! أجب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فانطلقت حيت اتيه، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أبشر، فقد جاءك الله بقضاء دينك". .... =

باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے(۱)، دو دو، تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی۔

کپڑا ابھی پوری تن پوشی کے لئے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہہ بند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتا نہیں (۲)۔ نکاح کی خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں سے آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے (۳)۔ بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لئے یہود کی

= فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ على الركائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن لك رقابهن وماعليهن -فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَك- فاقبضهنّ إليك ثم اقض دينك".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ احمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ". (حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة فى سبيل الله، كيف كانت نفقة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، قصة بلال رضى الله تعالىٰ عنه فى ذلك مع مشرك: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دارالقلم دمشق)

(۱) "عن محمد بن سيرين قال: كنا عند أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه وعليه ثوبان ممشقان من كتان، فتمخط فى أحدهما، ثم قال: بخ بخ! يتمخط أبوهريرة فى الكتان، لقد رأيتنى وإنى لأخرّ فيما بين منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحجرة عائشة من الجوع مغشياً على، فيجئ الجائى فيضع رجله على عنقى يرى أن بى الجنون، ومابى جنونٌ وما هو إلا الجوع".

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا صلى بالناس يخر رجال من قامتهم فى الصلوة من الخصاصة وهم أصحاب الصفة". الحديث. (جامع الترمذى، ابواب الزهد، باب ماجاء فى معيشة أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۶۲/۲، سعيد)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة، مامنهم رجل عليه رداءٌ، إما إزارو إما كساء، قد ربطوا فى أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن تُرىٰ عورته". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۴۷، قديمى)

(۳) "عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جاء ته امرأة =

مزدوری کرنا پڑتی (۱)۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے نفقہ کے لئے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی (۲)۔ اسی حال میں آپ کا وصال ہوا (۳)۔ ان حالات کے باجودان

= فقالت: يا رسول الله: إني وهبت نفسي لك، فقامت طويلاً فقام رجل فقال: يارسول الله! زوجنيها إن لم تكن لك فيها حاجة، فقال: "هل عندك من شئ تصدقها"؟ قال: ماعندى إلا إزارى هذا. قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد". فالتمس فلم يجد شيئاً". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق، الفصل الأول، ص: ۲۷۷، قديمى)

(۱) "وأخرج الطبرانى -بإسناد حسن- عن فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتاها يوماً، فقال: "أين ابناى"؟ يعنى حسناً وحسيناً- قلت: أصبحنا وليس فى بيتنا شئ يذوقه ذائق، فقال على رضى الله تعالىٰ عنه: أذهب بهما فإنى أتخوّف أن يبكيا عليك وليس عندك شئ، فذهب إلى فلان اليهودى. فتوجه إليه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوجدهما يلعبان فى شَربة، بين أيديهما فضل من تمر. فقال: "ياعلى! ألا تقلب ابنىّ قبل أن يشتد الحر"؟

قال: أصبحنا وليس فى بيتنا شئ، فلو جلست يارسول الله! حتى أجمع لفاطمة رضى الله تعالىٰ عنها فضل من تمر، فجعله فى خرقة، ثم أقبل، فحمل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم احدهما وعلى الأخر حتى أقلباهما. كذا فى الترغيب". (حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، باب تحمل الشدائد فى الله، عنوان: جوع على وفاطمة رضى الله تعالىٰ عنها: ۱/۳۱۱، دار القلم دمشق)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: رهن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يهودياً درعاً وأخذ منه طعاماً". (المسند للإمام أحمد: ۲۳۸/۷، (رقم الحديث: ۲۵۴۰۳)، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب السلم والرهن، الفصل الأول، ص: ۲۵۰، قديمى)

(۳) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: ماشبع آل محمد من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۶، قديمى)

حضرات کو کفار کے مال ودولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا:

﴿ولاتمدّنّ عينيك إلى مامتعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خيرٌ وأبقى﴾(الآية).(١).

''اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیاوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے''۔

نیز ارشاد ہوا: ﴿ولولا أن يكون الناس أمةً واحدةً، لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سُقُفاً من فضة ومعارج، عليها يظهرون. ولبيوتهم أبواباً وسرراً عليها يتكئون. وزخرفاً، وإن كل ذلك متاع الحيوة الدنيا، والأخرة عند ربك للمتقين﴾(٢)۔

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہوجاویں گے تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے بھی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے، اور زینے بھی، جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خداترسوں کے لئے ہے''۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے، مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوئی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور ان ہی کی رَوش پر چلنے کے لئے راستہ تلاش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:"ان

(١) (سورة طه: ١٣١)

(٢) (سورہ الزخرف: ٣٣-٣٥)

الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل"(۱)۔

''سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، اس کا انجامِ کار قلّت ہے''۔

نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿يمحق الله الربوا﴾. (سورة البقرة: ٢٧٦)

''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں''۔

لہٰذا سودی کاروبار کو مالِ مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوصِ قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکامِ شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔

دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو کہ مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے۔

جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو، غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں، تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتویٰ دیدیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کیساتھ پیش کریں، متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سنا دیں۔

اگر کوئی شخص مستامن وغیرہ مخصوص حالات میں کسی بلا میں گرفتار ہو جائے اور اس کے لئے شرعی

---

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الربا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". (مسند أحمد بن حنبل: ۱/۴۵۳، (رقم الحديث: ۳۷۵۴)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما أحد أكثر من الربا، إلا كان عاقبة أمره إلى قلة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۵، باب التغليظ في الربا، قديمي)

اسباب کے پیشِ نظر کسی قول پر کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو عام ضابطہ بنا کر منہی عنہ کو ختم کردیا جائے:

﴿هذاصراطی مستقیماً، فاتبعو ه ولا تتبعوا السبل﴾ (الایة)(۱)۔

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو''۔

﴿ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾(۲)۔

''شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو''۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرے اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متأثر ہوکر مسلمان کے لئے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔علمائے بنی اسرائیل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ شریک ہوگئے تو سب پر لعنت کی گئی:

''عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''لماوقعت بنو إسرائیل فی المعاصی، نهتهم علمائهم، فلم ینتهوا، فجالَسوهم فی مجالسهم، وآکلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض، فلعنهم علی لسان داود وعیسی بن مریم، ذلك بماعصو وکانوا یعتدون''. قال: فجلس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وکان متکئاً فقال: ''لا، والذی نفسی بیده! حتی تأْطِرُه هم اَطْرًا''. رواه الترمذی وأبو داود.

فی روایة قال: ''کلا، والله! لتأْمرُنّ بالمعروف ولتنهوُنّ عن المنکر، ولتأخذنّ علی یدی الظالم، ولتأطرنه علی الحق اطراً، ولتقصرنه علی الحق قصراً، أو لیضربن الله بقلوب

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۶۸)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۳)

﴿یا أیهاالذین آمنوا لاتتبعوا خطوات الشیطان ﴾ (سورة النور: ۲۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً، ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة البقرة: ۱۶۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿کلوا ممارزقکم الله، ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۲)

بعضکم علی بعض، ثم لیلعننکم کما لعنهم". مشکوۃ شریف، ص: ٤٣٨(١)۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب بنی اسرئیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو علماء نے پہلے تو ان کو روکا، لیکن وہ نہیں رکے، مگر اس حال میں بھی ان کی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ملا دیا اور عیسیٰ بن مریم اور داود علیہما السلام کے ذریعہ ان پر لعنت بھیجی، اس لئے انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے تھے، اٹھ کے بیٹھے گئے اور فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ تم ان کو حق کی طرف مائل کرو''۔

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا کیا لعنت نازل ہوگئی۔ اگر طبقہ وارانہ کشاکش اور تباغض وتحاسد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے، بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے:

﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض﴾ (٢)۔

"ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد الله إخوانا". وفي روایه: "ولا تنافسوا". متفق علیه". مشکوۃ شریف، ص: ٤٢٧(٣)۔

''اللہ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔

''اور آپس میں حسد، بغض، اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو اور سب لوگ بھائی بھائی بن کر رہو''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''دنیا میں ایک دوسرے پر بڑھنے کی

(١) (مشکوۃ المصابیح، ص: ٤٣٨، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قدیمي)

(٢) (سورۃ النساء: ٣٢)

(٣) (مشکوۃ المصابیح، ص: ٤٢٧، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، قدیمي)

حرص مت کرو“۔

سرمایہ دار طبقہ کو ایثار و ہمدردی سکھائی ہے:

”عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لیس المؤمن الذی یشبع وجارُہ جائع إلی جنبه". مشکوۃ شریف، ص: ٤٣٤(١)۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”وہ مومن کامل ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو“۔

”عن جریر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم: "لایرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس". متفق علیه". مشکوۃ شریف(٢)۔

”حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جولوگوں پر رحم نہ کرے، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا“۔

غریب طبقہ کو صبر وقناعت کا سبق دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمومی حالاتِ زندگی سنائے جائیں:

”عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: ماشبع ال محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قُبض رسو ل اللّٰہ صلی للّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". متفق علیه".

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۴، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمی)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۱، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول، قدیمی)

”عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق صلی اللہ علیه وسلم: "لا تُنزع الرحمة إلامن شقیّ".

”وعن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "الراحمون یرحمهم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض، یرحمکم من فی السماء". (مشکوۃالمصابیح، ص: ۴۲۳، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

مشکوۃ المصابیح(۱)۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار دو دن تک جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی''۔

"عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: دخلت على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإذا هو مضطجع على رمال حصير ليس بينه وبينه فراش، قد اثر الرمال بجنبه متكئاً على وسادة من أدمٍ حشوها ليفٌ، قلت: يارسول الله! ادعُ الله، فليوسع على أمتك، فإن فارس والروم قد وسع عليهم، وهم لايعبدون الله. فقال: "أوَ في هذا أنت يابن الخطاب! أولئك قوم عجلت لهم طيباتهم في الحيوة الدنيا". وفي رواية: "أماترضى أن تكون لهم الدنيا ولنا الأخرة". متفق عليه"(۲)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس پر کوئی بستر بچھا ہوا نہیں تھا، جس سے آپ کے پہلو شریف میں چٹائی کے نشان بن گئے (جیسا کہ عموماً چٹائی وغیرہ پر بیٹھنے یا لیٹنے سے ہوتا ہے) اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اس پر آپ تکیہ لگائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ: یارسول

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۶، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبي صلى الله عليه وسلم، الفصل الأول، قديمي)

"وعنها (أي عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها) قالت: ماشبع ال محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومين من خبزبُرّ إلا وأحدهما تمر".

"وعنها (أي عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها) قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وماشبعنا من الأسودين". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۳۶۵، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، وماكان من عيش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۷، قديمي)

اللہ! دعاء فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت (مسلمانوں) پر وسعت فرمادے، روم اور فارس جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر دنیا کس قدر کشادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے ابن خطاب! کیا تم ابھی اس خیال میں ہو، ان کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں ان کی مرغوبات دیدی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت''۔

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء: إما إزار وإماكساء، قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين، ومنها مايبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهة أن تُرى عورته". رواه البخاری، اه". مشكوٰة المصابيح، ص: ٤٤٧(١)۔

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہ کو دیکھا، ان کے پاس کوئی چادر نہیں تھی، اگر ازار یا کملیاں بھی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کو گلے میں باندھ لیتے تو کسی صحابی کا کپڑا نصف پنڈلی تک ہوتا اور کسی کا ٹخنہ تک، وہ عامۃً اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے کہ کہیں کشفِ عورت نہ ہوجائے''۔

"عن قتادة بن النعمان رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "إذا أحب الله عبداً، حماه الدنيا، كما يظل أحدكم يَحمِی سقيمه الماء". رواه الترمذی، وأحمد". مشكوٰة شريف، ص: ٤٤٨(٢)۔

''حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۷، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبی صلی الله عليه وسلم، الفصل الأول، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۸، باب فضل الفقراء، وماكان من عيش النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الثانی، قديمی)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسے بچاتے ہیں جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے''۔

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من رضي من الله باليسير من الرزق، رضي الله عنه بالقليل من العمل"(۱)۔

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تھوڑے رزق پر اللہ سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل سے راضی رہیں گے''۔

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "من جاع، أو احتاج، فكتمه الناسَ، كان حقاً على الله أن يرزقه سَنةً من حلال". رواه البيهقي في شعب الإيمان(۲)۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو بھوکا ہو، یا کوئی حاجت مند ہو اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ ایک سال کا حلال رزق اس کے لئے مقدر فرمادیں'' (حاجت ظاہر نہ کرنے کی برکت سے)۔

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله يحب عبده المؤمن الفقير المتعفف بالعيال". رواه ابن ماجة". مشكوٰة شريف(۳)۔

''عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن بندہ کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو، عفیف اور بال

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۴۹، الفصل الثالث، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۳) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

بچوں والا ہو"۔

اسی طرح تعلیماتِ نبویہ عام ہوسکتی ہیں، اورامتِ مسلمہ کا طغرائے امتیاز باقی رہ سکتا ہے جس کے باقی رکھنے کی زیادہ ذمہ داری علماء کے سر ہے۔ اگر دورِ حاضر کے سیلِ رواں میں بہنا شروع کردیا تو یہ امت اپنا تاجِ افتخار مغربی اقوام کی قدموں پر نثار کرکے ان ہی اقوام میں منضم ہوجائے گی اور سخت قسم کا خسارہ اٹھائے گی اور اس طرزِ عمل سے ملتِ اسلامیہ کو بڑا دھکا لگے گا، جس سے قہار کا قہر جوش میں آجائے گا، اور گوناں گوں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس کے کچھ نمونے پیش آبھی رہے ہیں۔ جب نافرمانی عام ہوجائے اور اس طرح پر روک ٹوک نہ کی جائے تو عذابِ عام کی وعید حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی ہے:

"عن أبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: ما من قوم یعمل فیهم المعاصی، ثم یقدرون علی أن یغیّروا، ثم لا یغیّرون، إلا یو شك أن یعمهم اللّٰہ بعقاب"(۱)۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوم میں خدا کی نافرمانی ہورہی ہو اور کچھ لوگ نافرمانی کو روکنے پر قادر ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو ضرور اللہ پاک ان پر ایک عمومی عذاب نازل فرمائے گا"۔

"عن جریر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: "ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی، یقدرون علی أن یغیّروا علیه ولا یغیرون، إلا أصابهم اللّٰہ منه بعقاب قبل أن یموتوا". رواه أبو داود، وابن ماجة". مشکوة شریف، ص: ٤٣٦، ٤٣٧(٢)۔

"حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "اگر کسی قوم میں کوئی شخص معصیت میں مبتلا ہو اور اہلِ قوم اس کو روکنے پر قادر ہوں، پھر وہ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے قبل پوری قوم پر عمومی عذاب نازل فرمائے گا"۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

ایسی حالت میں دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت وحمایت بھی نہیں ہوگی:

"عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "والذي نفسي بيده! لتأمرنّ بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر، أوليوشكنّ الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، لتدعُنّه ولا يستجاب لكم". رواه الترمذي". مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٦(١)۔

"حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنا عذاب تم پر نازل کرے گا، پھر تم دعاء کروگے، لیکن دعا قبول نہ کی جائے گی"۔

تو پھر کیا ان تعمیرات اور تجارت میں عذابِ الٰہی روکنے کی قوت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو عذابِ الٰہی کا سبب ہیں، اگر ان کو حرام طریق (سودی کاروبار) سے تیار نہ کیا جاتا تو عذاب کیوں آتا۔ اور جہاں جہاں عذاب کا نمونہ آیا ہے، کیا وہاں ان تجارات وتعمیرات نے کوئی حفاظت کی؟ اگر موسم خراب ہو اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظانِ صحت کے ماہرین حدودِ میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخل ہونا بند کرادیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھارہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دیدی جائے۔ فقط۔ والله الموفق لما يُحبّ ويرضى۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک سے سودی قرض لینا

سوال [۷۹۲۳]: یہاں ملیشیا میں تجارت پیشہ مسلمان آباد ہیں، وہ لوگ بینک سے تجارت کے لئے روپیہ لیتے ہیں، بینک ان سے ایک فیصد زائد وصول کرتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ملازمت پیشہ ہیں وہ گورنمنٹ سے قرض لیتے ہیں تو اس کو نصف یعنی سو روپیہ میں نصف روپیہ زائد دینا پڑتا ہے۔ یہ سود ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے،سود لینے اور سود دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے،اور دونوں کو گناہ میں برابر فرمایا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم". مشکوٰۃ شریف، ص ۲٤٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سودی قرض لینا

سوال[۷۹۲۴]: میں پرائمری اسکول کا ماسٹر ہوں، پانچ بچے ہیں، والدہ ہیں،گھر کی ضروریات کے لئے سودی قرض لیتا ہوں، ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، حتی کہ دین کے کاموں کو بھی اچھی طرح سے نہیں ادا کر پاتا۔ایسی حالت میں اپنا ذریعۂ معاش ٹھیک کرنے کے لئے سرکار سے صنعتی قرضہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ جس میں کچھ سود بھی قسطوں کے ساتھ ادا کرنا پڑے گا،ایسی صورت میں میرے لئے گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود لینا اور سود دینا حرام ہے(۲)،اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہوتو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۳، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (البقرۃ، ۲۷۵)

"عن عبد اللہ بن حنظلة رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل الملائکة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "درھم ربوا یأکلہ الرجل وھو یعلم أشد من ستة وثلثین زنیةً".

"عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الربوا سبعون جزاءً أیسرھا أن ینکح الرجل أمہ". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کل قرض جرّ منفعةً، فھو ربا". (فیض القدیر، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

قرض لینے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

سرکاری قرضہ

سوال[۷۹۲۵]: مرکزی صوبائی حکومتیں کاروبار، کارخانہ جات اور دوسری صنعتوں وغیرہ کی ترقی وترویج کے واسطے روپیہ اور دوسری چیزیں بطورِ قرض معمولی سود پر دیتی ہیں، آپ بخوبی واقف ہیں کہ حکومت کے پاس جو روپیہ ہوتا ہے وہ سب پبلک سے ہی حصول کیا ہوا ہوتا ہے، یا وہ رقم ہوتی ہے جو ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے قرض کی شکل میں یا امداد کی شکل میں حاصل کرتی ہے۔

(الف) کیا حکومت سے سود پر انفرادی کاروبار یا کارخانہ جات وغیرہ کے لئے روپیہ قرض لیا جاسکتا ہے؟

(ب) کیا حکومت سے سود پر قرض مندرجہ بالا کاروبار کے واسطے جبکہ اجتماعی منافع کے لئے امداد باہمی

---

(۱) "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه) قال الحموی: "وذلک نحو أن یقترض عشرة دنانیر مثلاً ویجعل لربها شیئاً معلوماً فی کل یوم ربحاً". (غمز عیون البصائر للحموی: ۱/۲۹۴، القاعدة الخامسة، الفصل الأول، إدارة القرآن، کراچی)

"المشقة تجلب التیسیر". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۴، إدارة القرآن، کراچی)

"الضرورات تبیح المحظورات، ومن ثم جاز أکل المیتة عند المخمصة، .... وکذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدین بغیر إذنه، ودفع الصائل ولو أدی إلی قتله". (الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر یزال، قدیمی)

لیکن ضرورت جب پوری ہوجائے تو اس کے بعد مزید سودی قرض کا سلسلہ بڑھانا جائز نہیں:

"الحاجة إذا عمّت کانت لضرورة". (الأشباه للسیوطی، ص: ۱۷۹)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۴۵، إدارة القرآن کراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"الضرورات تتقدر بقدرها". (شرح المجلة، ص: ۳۰، رقم المادة: ۲۲)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن، کراچی)

کی بناپر چلائے جائیں، لیا جاسکتا ہے؟

(ج) کیا اس طرح سود پر قرض لے کر کئے گئے کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جو روپیہ دوسری حکومتوں سے قرض لیا ہے وہ اس کی مالک ہوگئی، اور واپسی کی ذمہ دار ہے، جو روپیہ پبلک سے قانونی حد میں یا قاہرانہ قوت سے لیا ہے وہ بھی استیلاء کی وجہ سے اس کی ملک میں آگیا (۱)۔

(الف) سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، سود قلیل ہو یا کثیر (۲)، اگر پبلک اس روپیہ کو اپنی ملک تصور کر کے قرض کے نام پر لے اور سود دے تو یہ مزید خسارہ ہے کہ اپنا ہی روپیہ لیا ہے، پھر اس کو واپس کرنا ہے اور سود دینا ہے۔

(ب) اس کی بھی اجازت نہیں (۳)۔

(ج) سود پر قرض لینا تو ناجائز ہوگا، مگر ایسے کاروبار سے جو آمدنی حاصل ہوگی اس کو ناجائز نہیں

---

(۱) "إذا سبى كافر كافراً آخر بدار الحرب، وأخذ ماله، مَلَكه، لاستيلاء ه على مباح .... وإن غلبوا على أموالنا ولو عبداً مؤمناً، وأحرزوها بدارهم، مَلَكوها". (الدرالمختار: ۱۲۰/۴، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۲، الباب الخامس في استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶۰/۵، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنيةً". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الرباء: ۱۱۷/۴، دار الفكر)

(ومشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) "ولهذا لايجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلاما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: كل قرض جرّ نفعاً، فهو ربا". (فقه السنه، البيع، القرض: ۱۴۸/۳، دار الكتاب العربي بيروت)

"كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

کہا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

سود پر قرض لینا

سوال [۷۹۲۶]: زید کو روپیہ کی اشد ضرورت پیش آئی اور اس نے بہ مجبوری اپنی جائیداد رہن رکھ کر سود پر روپیہ قرض لے لیا۔ ایسی حالت میں جب کہ سخت مجبوری کی حالت میں سود پر روپیہ لیا جائے تو اس کے لئے حکم کیا ہے اور کیا زید بحالتِ مجبوری اس فعل سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود دینا حرام ہے (۲)، ایسے شخص پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے (۳)۔ حرام کا ارتکاب

---

(۱) سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے بعد مقرض کو حاصل ہونے والا نفع میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط؛ لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً. وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى. مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، لاتكون أمانةً غير مضمونة. وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة": القرض بالشرط حرام والشرط لغو. وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسو ل صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (مشكوة المصابيح، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۳، قديمي)

اضطرار کی حالت میں معاف ہے، پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے، یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اَور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً: جائیداد فروخت ہوسکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے(۱)۔ اور اگر ایسی ضرورت نہیں بلکہ کسی اَور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳۰/شوال/۵۶ھ۔

سرکاری سودی قرضہ

سوال[۷۹۲۷]: ۱...... زید کاشتکار ہے اور اپنے ہل بیل سے کاشت کرواتا ہے، اچانک اس کے بیل مرجاتے ہیں اور وہ اپنے پاس سے بیل خرید سکنے کی گنجائش نہیں پاتا۔ لہٰذا اس کو بیلوں کے لئے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

۲...... زید کاشتکار کے بوجہ خشک سالی کئی سالوں سے پیداوار بہت ہی کم ہورہی ہے، حتی کہ گھریلو اخراجات کے لئے اس کو قرض لینے کی نوبت آگئی، حالانکہ وہ اتنی زمین رکھتا ہے کہ اگر آبپاشی وغیرہ کا معقول

---

(۱) "ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسه، قديمى)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، مع شرحه للحموى، ص:۱۸۷، الفن الأول، القاعده الخامسة، قديمى)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولا عاد، فإن الله غفور رحيم﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

انتظام ہو سکے تو خاصی پیداوار ہو سکتی ہے۔ چونکہ آبپاشی کا انتظام نہیں، بریں بنا زمین افتادہ رہ جاتی ہے، اور پوری زمین نہیں بو سکتے ہیں، زمین کے علاوہ زید کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا ہے جس سے اس کا کام چل سکے۔ ایسی مجبوری میں آبپاشی کی غرض سے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟ جبکہ اس میں سود بھی دینا ہوگا اور کبھی کبھی اصل قرض سے کم وبیش چھوٹ بھی مل جاتی ہے جس کی وجہ سے سود کا اضافہ اور چھوٹ کی کمی مل کر اوسط ادائیگی قرض اصل قرض کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن یہ شکل ہمیشہ نہیں ہوتی؟

۳..... سوسائٹی کے بنک (جس میں فیس ممبری جمع کر کے حصہ دار بننا پڑتا ہے اور اس میں صرف حصہ داری کو قرض دیا جاتا ہے) سے قرض لینا اور پیداوار کی ترقی کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا ہے، حصہ دار بننے کی کوئی صورت نہیں بلکہ سرکار سے براہ راست یا اور کسی شخص خاص سے سودی قرض لینا کیسا ہے؟ تینوں شکلیں یکساں ہیں، یا کوئی فرق ہے، جب کہ معاملۂ سود ہر ایک میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱،۲..... پہلی دونوں صورتوں میں سودی قرض لینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے اور بے حد درجے کی پریشانی ہو، اور بلا سود قرض نہ ملتا ہو تو بقدرِ ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ہر حالت میں خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اسی پر بھروسہ ہونا چاہیئے "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". كذافى الأشباه والنظائر، ص: ١١٥ (١)-

---

(١) (الأشباه والنظائر، ص: ٩٣، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمى)

"وفى القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحرالرائق، كتاب البيع، باب الربا: ٦/ ٢١١، رشيديه)

"وإذاكانت هناك ضرورة أو حاجة ملحّةٌ اقتضت معطى الفائدة أن يلجا إلى هذا لأمر، فإن الإثم فى هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده وهذا بشرط أن تكون هناك ضرورة أو حاجة حقة لامجرد توسع فى الكماليات أو أمور يستغنى عنها........... ومن ناحية أخرى، عليه أن يستنفد كل طريقة للخروج من مازقه المادى، وعلى إخوانه المسلمين أن يعينوه على ذلك، فإن لم يجد وسيلةً إلاهذ افأ قدم عليه غير باغ ولاعاد، فإن الله غفور رحيم". (الحلال والحرام فى الإسلام ليوسف القرضاوى، "مؤكل الربا وكاتبه"، ص: ٢١٩، المكتب الإسلامى، بيروت) ....=

۳.....ایسی سوسائٹی بینک (جس سے قرض لینے کے لئے ممبری فیس دینا ضروری ہو) سے قرض لینادرست نہیں: "کل قرض جرنفعاً، فھو حرام"(۱)۔ اورسودی لین دین ممنوع ومذموم ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۱۳ھ۔

سرکاری سودی قرض

سوال[۷۹۲۸]: ۱.....حکومتِ ہند بطورِ قرضہ کے کچھ روپیہ ورقم تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں قرض خواہ کو دیتی ہے، پھر حکومت اس روپیہ کی واپسی کے لئے قسط مقرر کرلیتی ہے اور اصل روپیہ سے کچھ زائد لیتی ہے۔ پس ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو لینا چاہئے یا نہیں؟ اور حکومت سے لین دین روپیہ کا اس صورت میں کیسا ہے؟

باہمی سودی فنڈ

سوال[۷۹۲۹]: ۲.....ہم چند نوجوانوں نے ایک فنڈ آپس میں جمع کرکے کھول رکھا ہے، چنانچہ اس فنڈ کے ماتحت بہت سے سامان خریدے جاتے ہیں، مگر اس کے فروخت کی نوعیت کے لئے تو خیر جو ہے وہ ٹھیک ہے، مگر ادھار کا سلسلہ یوں ہے کہ جو سامان لیتا ہے اس سے ایک ماہ کی، دو ماہ کی مدت متعین کرلی جاتی ہے۔ اب اگر وہ شخص اس متعینہ مدت میں روپیہ نہیں دیتا ہے تو ذمہ دارانِ فنڈ متعینہ مدت کی رقم میں اضافہ کرکے لیتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں جائز ہے؟

= (وكذا في شرح المجلة للأتاسي: ۱/۵۲، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"قال عليه السلام: "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحرث عن علي رضي الله تعالىٰ عنه".

(فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

ایضاً

سوال[۷۹۳۰]: ۳......ہم کپڑے سازی کا کاروبار کرتے ہیں اور مہاجنوں(۱) کے یہاں سے سوت ادھار لاتے ہیں اور ادھار ونقد میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً نقد ۴۵/ روپیہ کا ملے گا اور اگر ادھار لینا ہے تو وہی سوت ۵۰/ روپیہ کا ملتا ہے۔ بہر حال جو حضرات نقد لاتے ہیں، وہ گھر لاکر پھر گاہکوں کو ادھار کا دام رکھ کر فروخت کرتے ہیں، یا نقد لے کر گھر کے کسی آدمی کے نام بھی ادھار فروخت کردیتے ہیں اور گاہکوں کو ایک اصول کے مطابق نفع رکھ کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ سود ہے اور سود کا لینا بھی حرام ہے، دینا بھی حرام ہے(۲) جس کا گذارہ بغیر اس قرض کے ہوسکتا ہے وہ ہرگز قرض نہ لے۔

۲......سامان کی دو قیمتیں تجویز کرلی جاویں: ایک نقد کی، دوسری ادھار کی، پھر خریدار سے دریافت کیا جائے کہ آپ کس طرح خریدیں گے، نقد یا ادھار، پھر جو صورت وہ بتائے اس کے موافق اس کو قیمت بتادی جائے اور ادھار کی صورت میں مدت متعین کرلی جائے(۳)۔ اگر خریدار اس مدت میں قیمت نہ دے تو اس پر

---

(۱) "مہاجن: ساہوکاری، سوداگری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قديمي)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه.......... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه.......... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمي)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومةً في البيع بالتأجيل والتقسيط".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)　=

اضافہ نہ کیا جائے، اس طرح درست ہے، ورنہ سود ہوکر معاملہ ناجائز ہوجائے گا(۱)۔

۳......نمبر:۲ سے اس کا جواب واضح ہے، ادھار کی مدت کے اعتبار سے قیمتوں میں تفاوت جائز ہے، مگر اس کی صورت بھی یہی ہے کہ خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ کتنی مدت میں قیمت دیگا، اس کے اعتبار سے قیمت بتادی جائے (۲)، اس میں اگر تاخیر ہوتو قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۰ھ۔

ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا

سوال[۷۹۳۱]: زید بکر کو ایک روپیہ انتفاع کے لئے بمیعاد ایک سال قرضاً دیتا ہے، لیکن بکر سے

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷٦، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ٦/١١٤، كتاب البيع، باب المرابحة والتوالية، رشيديه)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قديمي)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه.......... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا".

(شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه.......... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ١٥٥، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمي)

(۲) "وإذاعقد العقد على أنه إلى أجل كذابكذا، وبالنقد بكذا، أو قال: على أنه إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا، فهوفاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذاهو تفسير الشرطين في بيع، ومطلق النهي يوجب الفساد في العقود الشرعية. وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كانا يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأعاد العقد عليه، فهو جائز".

(المبسوط للسرخسي: ۱۳/ ۸، باب البيوع الفاسدة، دار المعرفة بيروت)

روپیہ مقروضہ وصول کرنے کے وقت بجائے ایک روپیہ کے اٹھارہ آنہ پیسے لیتا ہے۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ صورت مرقومہ شرعاً جائز ہے نہیں؟ تسلی بخش جواب مع دلائل ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے، لہٰذا حرام ہے: ﴿أحل الله البیع وحرم الربوا﴾ (الآیة)(۱)۔ "کل قرض جرّ نفعاً حرام"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا

سوال[۷۹۳۲]: نیر بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بنانے والا سوت (۳) اور کچھ روپیہ لے کر کے

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی)

"قوله علیه السلام: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". الحارث عن عليّ رضی الله تعالیٰ عنه" (فیض القدیر، ۴۴۸۷/۹، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، بأن یقرض علی أن یکتب به إلی بلد کذا، لیوفی دینه. وفي الأشباه: کل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعید)

"عن عليّ أمیرالمؤمنین مرفوعاً: "کل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". "وعن عطاء قال: کانوا یکرهون کل قرض جرّ منفعةً". (إعلاء السنن: ۴۹۸/۱۴، ۵۰۰، کتاب الحولة، إدارة القرآن کراچی)

"محمد قال: أخبرنا أبوحنیفة عن حماد عن إبراهیم رحمهم الله تعالیٰ قال: "کل قرض جرّ منفعةً، فلاخیر فیه". (کتاب الآثار، ص: ۱۷۰، باب القرض، سعید)

"وعن أنس رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إذا أقرض الرجلُ الرجلَ، فلایأخذ هدیةً". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) "سوت: تاگا، دھاگہ، تار، سیدھ دیکھنے کا ڈور"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۷، فیروز سنز لاهور)

دیتا ہے اور تیار ہونے والے مال کو اپنی دوکان پر لانے کی پابندی عائد کرتا ہے، اور دوسری قسم کی پابندی میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، مثلاً سوت کو رنگ بھرانا، یا کسی دوسرے کے یہاں مال نہ بھرا جائے، لہٰذا سوت کی جب بکری کر کے دیتا ہے تو اس طرح کی پابندی کہاں تک صحیح ہے؟ بہر کیف سوت رنگاتے رنگاتے روپیہ بڑھ جاتا ہے۔ چونکہ ادھار ہماری طرف زیادہ ہوتا ہے، تو اس میں کمیشن ملتا ہے، بعد میں اس کمیشن کو وہی سوت فروخت کرنے والا لیتا ہے۔

نیز ساڑیاں کر کے جب مزدور لاتا ہے(۱) اور وہی سوت بیچنے والا دلال اس کو بھی بازار میں فروخت کرتا ہے جس میں پلاسٹک کی تھیلی لگتی ہے، اس کی قیمت بازار میں پانچ پیسہ ہے، مگر وہ دس پیسہ رکھتا ہے۔ پس یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سوت فروخت کیا اور روپیہ قرض دیا ہے تو ان پابندیوں کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۴/۹۰ھ۔

حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا

سوال[۷۹۳۳]: ایک شخص متولی اس خیال سے کہ شریعت اسلام میں اس چیز کی ممانعت ہے کہ کسی بینک میں روپیہ جمع کیا جائے، روپیہ اپنے پاس رکھتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ لوگوں سے بینک میں رکھنا بہتر ہے۔ اس میں کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی

(۱) "ساڑیاں کرنا: جمع ہے ساڑی کی، ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۴، فیروز سنز لاهور)

(۲) "لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضرَّ بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة، ص: ۶۵۷، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

روپیہ داخل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہاں روپیہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلم بینک کا قیام اور اس کی آمدنی

سوال[۷۹۳۴]: ۱...... یہاں پر مسلم تاجر حضرات صرف مسلمانوں ہی سے لین دین کی غرض سے اپنا خاص مسلم بینک قائم کرنا چاہتے ہیں۔اور جس طرح مسلم فنڈ کے اندر دیوبند وغیرہ میں ہر ایک سو روپیہ پر ایک فارم کی قیمت مقرر ہے کہ روپیہ لینے والے کو پہلے فارم قیمتاً خریدنا پڑتا ہے،تو اس طرح پر یہاں مسلم بینک میں اگر فارم کی قیمت متعین کی جائے تو یہ کیسا ہے؟ مسلم بینک میں صرف ضمانت پر بلا سود روپیہ دیا جائے گا۔

۲...... مسلم بینک کے حصہ دار اس کی آمدنی کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا اس کی آمدنی کو صرف دین اور مذہبی کاموں میں خرچ کر دیا جائے؟

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبك إلى لايريبك". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۴۲۱۱-۴۲۱۲): ۶/۳۲۲۵-۳۲۲۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"ولابأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عَبَد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شئ من ذلك؛ لأنه لم يؤاجرها لذلك، والمعصية في فعل المستاجر، وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم على رب الدار في ذلك". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۶/۲۹، مكتبه حبيبيه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً، ولهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، الفن الأول، قديمي كراچي)

"المشقة تجلب التيسير، والأصل فيها قوله تعالى: ﴿يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر﴾ (الأشباه والنظائر، ص: ۷۷، القاعدة الرابعة، الفن الأول، قديمي كراچي)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً .... ومنه تجويز بيع السَّلم مع أنه بيع المعدوم .... ومنه تجويز الاستيجار على الطاعات باطل قياساً، فجوزوه للحاجة استحساناً".
(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱.....ضمانت کے بغیر بھی بلاسود قرض لینا درست ہے، ایک روپیہ کا فارم خریدنا سود میں داخل نہیں (۱)۔

۲.....آمدنی کی کیا صورت ہے جبکہ وہاں سود نہیں لیا جاتا۔ جتنا روپیہ وہاں سے کسی نے قرض لیا ہے اتنا ہی واپس کرے گا، اور ایک روپیہ کا فارم ملتا ہے بلکہ مزید کچھ خرچ کرنا ہوگا، پھر آمدنی کی کیا صورت ہے جس کے استعمال کرنے کا سوال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۲ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۲ھ۔

مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا

سوال[۷۹۳۵]: علاقہ نجھار پور ضلع کٹک کے چند نوجوانوں نے جمیعۃ علمائے ہند کے شائع شدہ تعمیری پروگرام کی روشنی میں اور مسلم فنڈ دیوبند کے طرز پر ایک مسلم فنڈ قائم کیا ہے، اس میں داخل شدہ تمام رقوم امانت کی حفاظت کا فی الحال کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے اراکینِ مسلم فنڈ نے مشورہ کر کے ڈاکخانہ میں یہ رقوم جمع کر کے پاس بک کھلوالیا ہے، آئندہ ارادہ ہے کہ جب فنڈ کی آمدنی معتد بہ ہوگی تو اس کی حفاظت کا انتظام بھی اپنے طور پر کرلیا جائے گا۔ اس پر بعض ممبران کو اعتراض ہے کہ رقومِ امانت کا ڈاکخانہ یا بینک وغیرہ میں جمع کرنا جائز نہیں۔ ''چونکہ گورنمنٹ ان رقوم کے اندر تصرف کرتی ہے اور امانت کے اندر تصرف جائز نہیں''۔ یہ ہے مبنیٰ اعتراض کا۔

---

(۱) "﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

"لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الرباء، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهوفي الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض في معاوضة مال بمال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير الربا: ۳/۱۱۷، رشيديه)

"فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذا، الزيادة عوض". (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، المبحث الربا، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقومِ امانت بغرضِ حفاظت اگر ڈاکخانہ یا کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں جمع کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز واضح رہے کہ یہ مسلم فنڈ شائع شدہ دستور العمل کے ص: ۳ پہلی سطر بعنوان ''سرمایہ'' یہ عبارت مرقوم ہے ''مسلم فنڈ دیوبند کا سرمایہ خزانۂ دار العلوم اور کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہے گا''۔ اس معاملہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت عامۃً دو قسم کی رکھی جاتی ہے: ایک نوٹ کی شکل میں، دوسری سونے، چاندی یا زیور کی شکل میں۔ دوسری قسم کو توبعینہ محفوظ رکھا جاتا ہے، اس میں تصرف نہیں کیا جاتا۔ پہلی قسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے(۱)۔ آپ مسلم فنڈ سے براہ راست تحقیق کرلیں کہ اس کا کون سا سرمایہ خزانۂ دار العلوم یا رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہتا ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ امانت کو بعینہ محفوظ رکھنا ضروری ہے(۲)، اس میں تصرف جائز نہیں (۳)، ہاں! اگر اصل

---

(۱) "لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد مثلاً: لو أرى المشتري البائع ذهباً مجيدياً في يده، ثم اشترى بذلك الذهب شيئاً لا يجبر على أداء ذلك الذهب بعينه، بل له أن يعطي البائع ذهباً مجيدياً من ذلك النوع غير الذي أراه إياه.

يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة أو ما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة، فتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عيناً".

(شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أحكام النقد: لا يتعين في المعاوضات .... ولا يتعين في النذر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده فالعامة كذلك، ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (شرح الأشباه والنظائر: ۵۲/۳، أحكام النقد وما يتعين فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار. ۱۵۳/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "إذا أوتمن" -بالبناء للمفعول-: أي وُضع عنده أمانةً "خان": أي بالتصرف الغير الشرعي". (مرقاة الفاتيح: ۲۲۹/۱، كتاب الإيمان، رشيديه)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه. وإن فعل، كان =

مالک اجازت دیدے تو تصرف درست ہے، پھر یہ امانت نہیں رہے گی بلکہ اس کو قرض کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۴ھ۔

= ضامناً". (شرح المجلة، لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي". (شرح المجلة، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "وعارية الدراهم والدنانير والفلوس قرضٌ؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع، ولايتأتى الانتفاع إلا باستهلاک عينها، فيصير ماذوناً في ذلک". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۵۵، كتاب العارية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا استعار الدراهم، فقال له: أعرتک دراهمي هذه، كان بمنزلة أن يقول: أقرضتک، وكذلک كل مكيل وموزون؛ لأن الإعارة تمليک المنفعة، ولايمكن الانتفاع إلا باستهلاک عينها، فكان ذلک تمليكاً للعين اقتضاء، وتمليک العين إما بالهبة، أو القرض والقرض أدناهما". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، ۹/۱۳، كتاب العارية، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۸۱، كتاب العارية، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، رشيديه)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرضٌ". (البحرالرائق: ۷/۴۸۰، كتاب العارية، سعيد)

"عارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود والمتقارب عند الإطلاق قرض ضرورة استهلاک عينها، فيضمن المستعير بهلاكها". (ردالمحتار: ۵/۶۸۱، كتاب العارية، سعيد)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرض؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع به، ولا يتأتى الانتفاع بهذه الأشياء إلا باستهلاک عينها، ولا يملک الاستهلاک إلا إذاملكها فاقتضت تمليک عينها ضرورةً، و ذلک بالهبة أو بالقرض، والقرض أدناهما ضرراً، لكونه يوجب رد المثل، ولأن العارية توجب ردّ العين، والقرض يوجب رد المثل، وهو يقوم مقام العين". (تبيين الحقائق: ۶/۴۰، ۴۱، كتاب العارية، دارالكتب العلمية بيروت)

مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق

سوال[۷۹۳۶]: باسمہ سبحانہ تعالیٰ!

حضرت اقدس دامت برکاتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل جابجا مسلم فنڈ کا قیام ہوتا جارہا ہے، جمعیۃ العلماء کے پروگراموں میں اس کو بھی شامل کیا گیا ہے، دیوبند مسلم فنڈ کا قیام حضرت مولانا اسعد صاحب کی سرپرستی میں اور لکھنؤ ورائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی سرپرستی میں ہے اور جابجا اسی طرح ہوتا جارہا ہے۔

دیوبند مسلم فنڈ کے کسی پروگرام کے موقع پر آپ کے اردگرد مدرسے کے بہت سے مدرسین وعلماء جمع ہوگئے تھے، اس وقت آنجناب نے یہ فرمایا تھا کہ ایک فتوی میں نے لکھا ہے اس کو دیکھ لو، پھر سوال کرو میں جواب دوں گا، اس وقت سارے لوگوں کے سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری نے بار بار آپ کے پاس جاکر سوال کئے جس کو انہوں نے آکر بتلایا اور اخیر میں کہا کہ اب مجھ کو اطمینان ہوگیا۔

یہاں بھی مسلم فنڈ قائم ہے، آپ حضرات کے اس پرگروام کی ہمت افزائی کیوجہ سے ہم لوگوں کو شرح صدر رہا کہ جائز ہے، لیکن اسی دوران کچھ لوگوں نے بہار امارتِ شرعیہ اور دارالعلوم دیوبند مفتی احمد علی سعید صاحب سے فتوی منگائے جس میں ناجائز ہونے کا فتوی دیا گیا اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا لکھا ہوا فتوی جس پر حضرت والا کے دستخط ہیں، اس میں جائز کہا گیا، تینوں فتاوی منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے اس ملی کام کے لئے دفتر کا قیام، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر مصارف ضروری ہے۔ اگر فارم یا معاہدہ نامہ کی قیمت دفتری ضرورت کے موافق نہ رکھی جائے بلکہ کم رکھی جائے تو کام چلنا مشکل ہے۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے فتوی صادر فرمایا جائے۔

سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱......قرض کے فارم، معاہدہ نامہ کی قیمت، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر دفتری مصارف کے لحاظ رکھنا جائز یا نہیں؟

۲......قرض کی مدت ختم ہونے پر فارم قرض، معاہدہ نامہ کی تجدید اور اسی کی از سرِ نو قیمت لینا جائز

ہے یا نہیں؟

۳...... قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو بقدرِ قرض شی مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ "میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا"۔

۴...... فارم، قرض ومعاہدہ نامہ کی قیمت قرض دیتے وقت وضع کرلیا جائے یا وہ اپنے پاس سے ادا کرے؟

۵...... فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ اور ضروریاتِ مصارف سے بچ جائے۔اس کا مصرف کیا ہے؟ صرف فقراء پر اس کا صدقہ ضروری ہے یا مسلمانوں کے دیگر ملی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

۶...... قرض حاصل کرنے والے کی جو رقم مسلم فنڈ میں کسی دوسری قسط امانت وغیرہ میں جمع ہے، اگر مستقرض یہ چاہتا ہے کہ میرا قرض اس مد سے وضع کرلیا جائے اور میری مرہونہ شی مجھے واپس کردی جائے، فروخت نہ کی جائے۔تو ایسی صورت میں شی مرہونہ کی فروختگی جمع شدہ رقم سے وضع کے بغیر جائز ہے کہ نہیں؟

۷...... شی مرہونہ پر قرض کی میعاد گذرنے کے بعد کرایہ کے طور پر کوئی رقم قرض گیرندہ سے وصول کرنا کیسا ہے؟ شی مرہونہ کی حفاظت کا خرچہ کس کے ذمہ ہے، مسلم فنڈ پر یا مستقرض پر؟

۸...... مسلم فنڈ چلانے والے سودی لین دین سے مسلمانوں کی بچانے کی نیت رکھیں، یا اس سے حاصل شدہ آمدنی سے مسلمانوں کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ دینے کی نیت رکھیں، دونوں نیتوں میں سے کس کو اصل بنائیں؟

احرار الحق، بہرائچ۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترمی زیدَ احترامہ سلام مسنون!

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح ربا کی حرمت منصوص ہے، بیع مطلق کی حلت بھی منصوص ہے:قال اللہ تعالیٰ ﴿أحل اللہ

البیع وحرّم الربوا﴾(الآیہ)(۱)۔

معاملۂ سود کرنے کے سلسلہ میں متعدد اشخاص پر لعنت آئی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم"۔

یہ روایت بحوالۂ مشکوۃ شریف، ص: ۲٤٤، میں موجود ہے(۲)۔

دوسری روایت میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدترین فرمایا ہے(۳)۔ ایک روایت میں اپنی ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر بتایا گیا(۴)۔ اس لئے مسلمانوں کو سودی کاروبار لین دین کرنے کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ سود حاصل کرنے کی نیت سے حیلہ اختیار کرنا بھی ممنوع ہے، لیکن سود سے بچنے کی نیت سے جائز تدبیر اختیار کرنا بھی درست ہے(۵)۔ جو شخص صرف خوفِ خدا کے پیشِ نظر حرام سے بچنا

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) "عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "درھم ربوا یأکلہ الرجل وھو یعلم أشدُّ من ستۃ وثلثین زنیۃً". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۴) "عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ علیہ وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أیسرھا أن ینکح الرجل أمّہ". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۵) "إن کل حیلۃ یحتال بھا الرجل لإبطال حق الغیر، أو لإدخال شبھۃ فیہ، أولتمویہ باطل، فھی مکروھۃ. وکل حیلۃ یحتال بھا الرجل لیتخلص بھا عن حرام، أو لیتوصل بھا إلی حلال، فھی حسنۃ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۲/ ۳۹۰، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل وعدم جوازھا، رشیدیہ)

"فالحاصل أن ما یتخلص بہ الرجل من الحرام: ای یتوصل بہ إلی الحلال من الحیل، فھو أحسن، وإنما یکرہ ذلک: أن یحتال فی حق الرجل حتی یبطلہ، أوفی باطل حتی یموھہ، أو فی حق یدخل فیہ شبھۃ، فما کان علی ھذا السبیل، فھو مکروہ". (المبسوط للسرخسی: ۳۰/ ۲۳۰، کتاب الحیل، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخرج بنا دیتے ہیں: ﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً﴾(۱)۔

عقودِ مالیہ میں أحد العاقدین کو کچھ زیادتی حاصل ہو جائے اگرچہ مثلیات ہی میں ہو، اس میں بھی دوصورتیں ہیں: کبھی وہ زیادتی حرام ہوتی ہے اور کبھی وہ حلال۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا وہاں کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں''؟ عرض کیا گیا نہیں، دوصاع یہ معمولی کھجوریں دیکر ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لی جاتی ہیں، ارشاد فرمایا: ''ارے ارے! یہ تو سود ہے''(۲)۔

حدیث مشہور میں چھ چیزوں کو فرمایا گیا: ''مثلاً بمثل، یداً بید، والفضل ربوٰ'' ان میں کھجوریں بھی ہیں(۳)۔

---

(۱) سورة الطلاق: ۲)

(۲) ''عن یحیی بن حسان قال: نامعاویة– وهو ابن سلام– قال: أخبرني –یعني وهو ابن أبي کثیر– قال: سمعت عقبة بن عبد الغافر، یقول: سمعت أباسعید، یقول: جاء بلال بتمر برني، فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''من أین هذا''؟ فقال بلال: تمر کان عندنا ردِیٌّ فبعت منه صاعین بصاع لمَطعم النبي صلی اللہ علیہ وسلم. فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عند ذلک: ''أوّه! عینُ الربا، لاتفعل، ولکن إذا أردت أن تشتری التمر، فبعه ببیع آخر، ثم اشتر به''.

''عن أبي سعید الخدری رضی اللہ عنه قال: اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتمر فقال: ''ماهذا التمر من تمرنا''؟ فقال الرجل: یارسول اللہ! بعنا تمرنا صاعین بصاع من هذا. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''هذا الربا، فردوه، ثم بیعوا تمرنا، واشتروا لنا من هذا''. (الصحیح لمسلم: ۲/۲۶، ۲۷، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۲۹۳، باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منه، قدیمی)

(۳) ''عن أبي سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرّ، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، یداً بید، فمن زاد أو استزاد فقد أربی، الأخذ والمعطی فیه سواء''. (الصحیح لمسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قدیمی)

(وکذا في نصب الرایة، کتاب البیوع، باب الربا: ۳/۲۷، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدرایة في منتخب تخریج أحادیث الهدایة: ۳/۲۷، کتاب البیوع، باب الربا، شرکت علمیه ملتان)

پھر اس کی ترکیب بیان فرمائی کہ اعلیٰ کھجور روپے کے عوض میں خرید لو، مثلاً ایک روپیہ کی ایک صاع اور وہ پھر بائع اس روپے کے عوض تم سے تم دو صاع معمولی کھجور لے لے۔ حال تو یہی رہا کہ ادھر ایک صاع ادھر دو صاع جس کی ممانعت ہے، لیکن ایک صاع دو صاع کا براہ راست معاملہ نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں طرف کھجوریں روپے سے خریدی گئیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں "قال بعض الناس" فرما کر متعدد اعتراضات کئے ہیں، انہوں نے صرف مال کو دیکھا، لیکن یہ غور نہیں فرمایا کہ درمیان میں کوئی حائل بھی ہے۔ بیع کی قیمت عاقدین کی رضا مندی پر ہے جو کچھ طے ہو جائے، ایک چادر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً ستائیس اونٹوں میں خریدی تھی (۱)۔

اگر کوئی فرد یا جماعت سود سے بچنے کی نیت کرے اور اس کا اظہار بھی کردے تو اس کے اظہار رائے کے خلاف رائے قائم کرنے کا کسی کو کیا حق ہے: "هلا شققت قلبه"۔ حدیث پاک میں ہے: "لكل امرئ مانوى" (۲)۔ فقہ میں ہے: "الأمور بمقاصدها" (۳)۔

---

(۱) "عن علي بن زيد، عن إسحاق بن عبد الله بن الحارث أن رسول الله صلى الله اشترى حلةً ببضعة وعشرين قلوصاً، فأهداها إلى ذي يَزَنَ". (سنن أبي داؤد: ۲/ ۲۰۲، كتاب اللباس، باب في لبس الصوف والشعر، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ماهاجر إليه". (صحيح البخاري، بابٌ: كيف كان بدأ الوحي، اهـ: ۱/۲، قديمي)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۲۴، الفن الأول، القاعدة الأولى، قديمي كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۷، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۱، الفن الأول، القاعده الثانية، قديمي)

"الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر مثلاً: كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لايكره، وللتهاون يكره".

(قواعدالفقه، ص: ۲۲، (رقم القاعدة: ۵۱)، الصدف پبلشرز)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱۸/۱، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اس لئے سود حاصل کرنے کیلئے کوئی حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا ممنوع ہے اور سود سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ نماز جیسی عبادت بلکہ اہم العبادات بھی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے منہ پر پھینک کر ماردی جاتی ہے۔ اوراس کا ثمرہ ''ویل'' ملتا ہے ﴿فویل للمصلین﴾ الایہ (۱)۔ ہجرت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

جو شخص سود سے بچنا چاہتا ہے وہ ماجور ہے۔ جب دو معاملہ ہوں: ایک قرض کا جس کا تعلق روپے ورہن سے ہے، دوسرا بیع کا جس کا تعلق کاغذ وفارم سے ہے، اور دونوں شرعاً درست ہوں تو مجموعہ کو بھی درست کہنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے حوادث الفتاوی، حصہ ثانیہ، ص: ۱۵۵، پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

الجواب.

> ''منی آڈر، مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم پر لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے لی جاتی ہے۔ اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتوی مناسب ہے''۔ فقط، ۹/شوال/۱۳۳۲ھ (۲)۔

اگر ''صفقة فی صفقةٍ'' کا اشکال ہو تو منی آڈر میں بھی ہے، پس فنڈ سے روپیہ لینے میں دو معاملے ہیں: ایک رہن بالقرض یا قرض بالرہن، اس کا تعلق روپے سے ہے اور شئی مرہون زیور وغیرہ سے ہے۔ دوسرا معاملہ بیع ہے، اس کا تعلق کاغذ معاہدہ نامہ سے ہے۔ دونوں معاملے الگ الگ درست ہیں، پس مجموعہ بھی درست ہے۔

رہی یہ بات کہ ''فارم کی قیمت زیادہ ہے'' سو بعض کی اپنی اصلی مالیت کے اعتبار سے گو کم قیمت ہو، مگر کسی صفتِ خاصہ کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ سرکاری اسٹامپ مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں، خود اتنی مالیت کے نہیں، مگر ان کے ذریعہ عدالتی کارروائی کی جاتی ہے، اس لئے ان کی قیمت زیادہ ہے، ایسے ہی یہ فارم

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون، الذین هم یراء ون، ویمنعون الماعون﴾. (سورة الماعون: ۴، ۵، ۶، ۷)

(۲) (إمداد الفتاوی: ۱۴۶/۳، مکتبه دار العلوم کراچی)

چاہے کتنا ہی کم قیمت سہی اس کے ذریعہ قرض و رہن کا معاملہ سہل وآسان ہو جاتا ہے، اس لئے اگر زیادہ قیمت ہو تو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانویؒ نے منی آڈر کے جواز کی دوسری وجہ ابتلائے عام بھی بیان فرمائی ہے، مگر اول تو وہ پہلی علت کی وجہ سے جائز فرما چکے ہیں، یعنی ''دو معاملے الگ الگ' دوسرے یہ کہ ابتلائے عام حرام کو حلال کرنے میں موثر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتلائے عام درجۂ علت میں نہیں بلکہ موقعہ مصلحت میں ہے، اصل علت وہی ہے کہ دو معاملے الگ الگ ہیں۔

اب نمبر وار آپ کے سوالات کے جوابات درج ہیں:

ا.....فارم کی قیمت متعین کر لینا درست ہے، خاص کر جب کہ سود سے بچنے کیلئے دفتری طور پر یہ کام کیا جائے کہ کسی کو نفع اندوزی مقصود نہیں، فتح القدیر میں جزئیہ موجود ہے کہ ایک کاغذ کا پرزہ بڑی قیمت (ایک ہزار) پر فروخت کرنا درست ہے (۱)، یہاں تو یہ کاغذ کا پرزہ بھی نہیں، بلکہ ایک درجہ میں چیک کی حیثیت رکھتا ہے، چیک کی بیع کے متعلق ''ردالمحتار شرح الدرالمختار'' میں بحث موجود ہے (۲)۔

۲.....قرض کی مدت ختم ہونے پر معاملہ کر دیا جائے، مستقرض سے کہا جائے کہ: اپنا رہن واپس لے لو، قرض ادا کر دو، اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لئے نہ ہوں تو وہ کہیں سے قرض لیکر دیدے، پھر فنڈ سے مستقل معاملہ کرے، لیکن پہلا معاملہ ختم کئے بغیر فارم تو وہی رہے، فارم کی قیمت از سرنو لی جائے، یہ درست نہیں۔

۳.....جب معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہے کہ میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کر دیا جائے گا تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد راہن کو واپس کر دے۔

---

(۱) لم أجد

(۲) "بيع البراء ات التي يكتبها الديوان على العمال لايصح بخلاف بيع حظوظ الأئمة". (الدرالمختار). "(قوله. بخلاف بيع حظوظ الائمة) بالحاء المهملة، والظاء المشالة جمع حظ، بمعنى النصيب المرتب له من الوقف، فإنه يجوز بيعه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب البيوع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد)

۴......فارم قرض معاہدہ نامہ قیمت دے کر مستقل خریدا جائے تاکہ وہ معاملہ مستقل رہے۔

۵......فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ وضروری مصارف سے بچ جائے اس کو فنڈ کی توسیع میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔اور بہتر تو یہ ہے کہ جیسے جیسے رقم زائد بچتی جائے، فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت میں تخفیف کردی جائے۔

۶......جب کہ راہن کی کوئی رقم کسی دوسری مد میں فنڈ میں جمع ہے، اور وہ کہتا ہے کہ اگر مقدار قرض اس رقم سے وصول کرلیں اور میرا زیور واپس کردیں تو پھر شی مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ موکل نے وکیل کو بیع مرہون سے معزول کردیا، اب اس کو بیع کرنے کا حق نہیں۔

۷......شی مرہون واپس کرتے وقت قرض گیرندہ سے کوئی مزید رقم بنام کرایہ حفاظت وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔

۸......مسلم فنڈ چلانے والے مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے کی نیت رکھیں (۲)، مسلمانوں

---

(۱) "المصاريف التي تلزم لمحافظة الرهن كاجرة المحل، والحارس على المرتهن، ولو شرطت على الراهن، فالشرط باطل، ويراد بالمحل محل حفظ الرهن كمأوىٰ الغنم والإصطبل لو كان الرهن حيواناً، فأجرة ذلك واجبة على المرتهن ولو كان في قيمة الرهن فضل عن الدين؛ لأن وجوب ذلك بسبب الحبس، وحق الحبس في الكل ثابت له". (شرح المجلة، ص: ۳۹۹، (رقم المادة: ۷۲۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعليه: أي على المرتهن مؤنة حفظه: أي الرهن: أي مايحتاج في حفظ نفس الرهن، ومؤنة رده: أي رد الرهن إلى يده: أي إلى يد المرتهن إن خرج من يده .... وأجرة بيت حفظة وأجرة حافظه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۷۶، كتاب الرهن، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأجرة المأوىٰ والمسكن تكون على المرتهن". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرهن، فصل في جناية الرهن والجناية عليه ونفقه الرهن ومؤناته: ۳/۶۱۰، رشيديه)

(۲) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح .... لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۹۱، قديمي)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه =

کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی نیت ہرگز نہ رکھیں، بلکہ اگر فنڈ اس حیثیت میں ہو جائے کہ اس کو قرض کے فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت کی ضرورت نہ رہے تو فارم ومعاہدہ نامے بلا قیمت ہی دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۴۰۲ھ۔

جواب مذکور پر اشکال

باسمہ تعالیٰ!

سوال[۷۹۳۷]: حضرت اقدس مدت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

استفتاء کا جواب مل گیا، لیکن طالب علمانہ دو خلجان ہیں: پہلا یہ ہے کہ مسلم فنڈ، قرض اسی وقت دیتا ہے جب فارم خرید کر لایا جاوے، یہ بات لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، اسی پر تعامل ہے، یہ قرض بشرطِ بیع معلوم ہوتا ہے اور "لایحل سلف وبیع" کی ممانعت کے تحت داخل معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا خلجان یہ ہے کہ "دو معاملہ جب الگ الگ درست ہوں تو مجموعہ بھی درست ہو"، یہ قاعدہ سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بیع اور اعتاق، یا بیع اور اجارہ، یا بیع اور اعارہ وغیرہ دونوں الگ الگ صحیح ہوں اور ان سب کو بیع کیلئے شرط بنا دیا جاوے اور مجموعہ صحیح ہو جائے، ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان صورتوں میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگنے کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے قرض الگ صحیح ہو اور فارم کی بیع الگ صحیح ہو، اور بیع قرض کے لئے شرط بن رہی ہے، پھر بھی مجموعہ صحیح ہو محلِ اشکال ہے۔

احرار الحق غفرلہ،

۱۱/ رمضان المبارک/۱۴۰۲ھ۔

= بالمأمورات، ومن ثم جاز ترک الواجب دفعاً للمشقة، ولم يسامح في الإقدام على المنهيات".

(قواعد الفقه، ص: ۸۱، (رقم المادة: ۱۳۳)، الصدف پبلشرز)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہے کہ اس سے فارم خریدیں، پھر اس کو کوئی مطلب نہیں کہ خریدار اس کو استعمال کرتا ہے یا نہیں، یہ بلاشرط ہے درست ہے، اگرچہ بائع وکیل ہو مقرض کا، مگر حقوقِ عقدِ بیع (خیار أو بالعیب تسلیم قبض ثمن وغیرھم) وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، جب اصیل عاقد نہ ہو بلکہ وکیل عاقد ہو(۱)، حتی کہ اگر ملک مسلم میں کسی طرح کوئی ممنوع العقد چیز: خمر، خنزیر مثلاً آجائے، وہ خود اس کو فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے حق میں وہ مالِ متقوّم نہیں، البتہ کسی ذمی کی توکیل کے ذریعہ بیع ہوسکتی ہے(۲)۔

قرض اور دین کا معاملہ مقرض سے ہے، اس کی طرف سے اتنی شرط ہے کہ مخصوص فارم پُر کرکے دو،

---

(۱) "وشرائط الصحة أربع وعشرون، منها عامةٌ، ومنها خاصةٌ، فالعامة هي شرائط الانعقاد الإحدى عشرة المارة؛ لأن مالاينعقد لايصح، وعدم التوقيت ومعلومية المبيع والثمن بمايرفع الجهالة، وخلوالبيع من شرط مفسد والرضا والفائدة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۰۲، (رقم المادة: ۳۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايشترط إضافة العقد إلى المؤكل في البيع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم يُضفه الوكيل إلى موكله، واكتفى بإضافته إلى نفسه، صح أيضاً. وعلى كلتا الصورتين لاتثبت الملكية إلا لمؤكله، ولكن إن لم يُضف العقد إلى المؤكل، تعود حقوق العقد إلى العاقد: يعني الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وحقوق عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كبيع وإجارة وصلح عن إقرار، تتعلق به إن لم يكن محجوراً، فيسلم المبيع ويتسلمه، ويقبض الثمن ويطالب به، ويرجع به عند الاستحقاق، ويخاصم في عيب مشريه، ويرد به إن لم يسلمه إلى مؤكله، وبعد تسليمه لا إلا بإذنه، ويخاصم في عيب مبيعه".

(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۳۱۰، كتاب الوكالة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوكالة: ۵/۵۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، كتا ب الوكالة، الباب الأول، وأما مايتصل بذلك، رشيديه)

(۲) "ان المسلم لايملك بيع الخمر، ويملك توكيل الذمي به". (ردالمحتار: ۵/۵۱۱، كتاب الوكالة، سعيد)

یک طرح اس کا ثبوت نص میں بھی ہے: ﴿یا أیها الذین آمنو إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی، فاکتبوہ﴾ الایہ(۱) ۔اگر کوئی کاتب اجرتِ کتابت لے اس کے لئے یہ بھی جائز ہے(۲)، مگر ظاہر ہے کہ یہ قرض شرط نہیں ہے جس کی بناء پر معاملۂ قرض ناجائز ہوجائے۔ کاتب وکیلِ مقرض ہو یا غریب سب کا حکم ایک ہے۔

''شخصِ واحد سے دو معاملے ہوں اور ایک دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے، پھر بھی مجموعہ درست ہو'' اس پر جو خلجان ہے اس کا تعلق حضرت تھانویؒ کی منقولہ عبارات سے ہے، اس کا جواب جس طرح آپ میرے ذمہ سمجھ رہے ہیں، آپ کے ذمہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ دو معاملوں میں سے ایک کو دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے تب ناجائز ہے جیسے پھلوں کی بیع درختوں پر اور پھل پکنے تک درختوں کو اجارہ پر لیا جائے، یا اعارہ پر لیا جائے، یہ شرط کرلی جائے(۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۲)

(۲) "ونوع یرد علی العمل، کاستیجار المتحرفین للأعمال کالقصارة والخیاطة، والکتابة، وما أشبه ذلک، کذافی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة: ۴/ ۴۱۱، کتاب الإجارة، رشیدیه)

"یجوز إجارة الأدمی للخدمة، أولإجراء صنعة ببیان المدة، أو تعین العمل.......... مفاده أنه لابد فی إجارة الأدمی من تعین المنفعة : إما بتعیین المدة، وإما بتعیین العمل، وإلا فالإجارة فاسدة".

(شرح المحلة لسلیم رستم باز: ۱/ ۳۰۲، (رقم المادة: ۵۶۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "عن النبی صلی الله علیه وسلم: "أنه نهی عن بیع وشرط". (إعلاء السنن، باب النهی عن البیع بالشرط: ۱۴/ ۱۴۰، کتاب البیوع، إدارة القرآن، کراچی)

"وإن شرط ترکها علی الأشجار فسد البیع". (الدرالمختار). "وشرط ترکها علی الشجر، والرضا به، یفسد البیع عندهما، وعلیه الفتوی". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۶، سعید)

لیکن بیع اس صورت میں فاسد ہے کہ بیع بدوِ صلاح سے قبل ہو اور درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی جائے:

"وأما بیعها بعد الظهور قبل بدوّ صلاحها، فله صور ثلاثة.......... والصورة الثانیة أن یشترط المشتری ترک الثمار علی الأشجار حتی یحین الجداد، وهذه الصورة باطلة بالإجماع، ولایصح البیع فیها عند أحد". (تکملة فتح الملهم: ۱/ ۳۸۶، کتاب البیوع، مکتبه دارالعلوم کراچی)

میں نے تو مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں تا کہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ اگر کوئی مقرض کتابت کو شرط قرار دے تو یہ درست ہے۔

اس کی مہذب اور سہل صورت یہ فارم ہے اور اس کی قیمت بمنزلۂ اجرتِ کتابت ہے اور فارم بھی متقوم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۹/۱۴۰۲ھ۔

اشکال باقی ہے

الاستفتاء [۷۹۳۸]: حضرت اقدس مدّت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی دعاء سے بخیریت پہونچ گیا تھا، مدرسہ کی قریب والی مسجد میں اعتکاف اخیر عشرہ کا کیا ہے، دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ حضرت مولانا منور حسین صاحب مدت فیوضھم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے کہ مسلم فنڈ کے فتوی دینے کے بعد حضرت والا نے فرمایا تھا کہ مزید سوال کرنا چاہو تو کیجو، اجازت ہے، اس لئے چند سوالات کرتا ہوں:

تیسرا سوال یہ تھا کہ ''قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس دینے کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو، بقدرِ قرض شی مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں، ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ''میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کر دیا جائے گا''۔

تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد کو واپس کر دے۔

مدرسہ کے مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک اشکال کیا تھا، وہ اشکال مجھے بھی ہوا تھا تو حضرت والا نے جواب دیا تھا کہ دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے فروخت کرنے کو روک دے تو اس صورت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ موکل نے وکیل کو معزول کر دیا۔

دوسری صورت یہ کہ زبان سے منع نہ کرے بلکہ دل سے چاہتا ہو کہ فروخت نہ کرے تو ایسی صورت میں

فروخت کرنا جائز ہے۔ جواب اسی صورت پر محمول ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض ادا نہیں کرتا اور زبان سے شیٔ مرہون کی فروختگی کو روکتا ہے تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کیسے ہو، مستقرضین کا حال یہ ہے کہ ادائیگی میں بڑی ٹال مٹول کرتے ہیں تو ادائیگی قرض کی کیا شکل ہو؟ مسلم فنڈ کے ذمہ دار تنخواہ ملازمین سے کام کراتے ہیں، ایک ملازم صرف فارم فروخت کرتے ہیں، دوسرا ملازم قرض دیتا ہے، کاغذات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر ملازم اپنا متعلقہ کام اسی کاغذ کے آنے پر کرتا ہے، نہ ایجاب ہوتا ہے نہ قبول ہوتا ہے، سارا نفع فنڈ کو ملتا ہے۔

حضرت والا نے خلجان دوسرے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں نے مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں، تاکہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ مسلم فنڈ نے اگر اپنا ایک ملازم فارم فروخت کرنے پر مقرر کر دیا، حالانکہ وہ دفتر ہی کا آدمی ہے اور فائدہ مسلم فنڈ ہی کو ملتا ہے۔ تو کیا یہ صورت آپ کی مقرر کردہ صورت میں داخل ہے یا نہیں، یعنی اس صورت سے جو نفع مسلم فنڈ کو حاصل ہو وہ درست ہوگا یا نہیں؟

اگر اجنبی آدمی فارم فروخت کرے اور نفع خود لے تو ایسی صورت میں مسلم فنڈ کے اخراجات کیسے پورے ہوں، فارم کی قیمت تو فروخت کرنے والا لے گا، مسلم فنڈ کے ہاتھ کیا آئے گا کہ وہ ہر ضروریات پوری کرے؟ خط کشیدہ صورت کا نفع اگر مسلم فنڈ کو جائز ہو جاتا ہے تو "كل قرض جرّ به نفعاً، فهو ربوا" سے اس کا اخراج کس طرح ہوگا؟ اگر ایک آدمی قرض اس صورت پر دے کہ فلاں سامان میرے وکیل بالبیع سے خریدو اور وہ سامان بہت گراں فروخت کرتا ہے اور مستقرض مجبوراً اس کو خریدتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے درآنحالیکہ نفع مقرض ہی کو ملے گا؟ والسلام۔

احرار الحق غفرلہ۔

مکرم ومحترم زید مجدکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال في الدر المختار: "فإن شرطت الوكالة في عقد الرهن، لم ينعزل بعزل، ولا بموت

الراهن ولاالمرتهن، للزومهابلزوم العقد، الخ". وقال قبله: "فإن وكل الراهن المرتهن، أو وكل العدل أو غيرهما عند حلول الأجل، صح توكيله، الخ". الدرالمختار۔ قال الشامی تحت قوله: (للزومها بلزوم العقد): "لأنها لماشرطت فی ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه، وحقاً من حقوقه، ألاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله، وتمامه فی الهداية". ردالمحتار: ٥/٣٢٤(١)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ جب اصل قرضہ ورہن میں بطورِ معاہدہ یہ شرط درج ہے کہ میعادِ مقررہ پر اگر قرض واپس نہ کیا تو ہم اس کو یعنی شی مرہون کو فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلیں گے تو پھر مقرض کو حق ہے کہ حلولِ اجل پر مرہون کو بحیثیتِ وکیلِ راہن فروخت کردے، اگر راہن اجازتِ بیع نہ دے اور دین بھی واپس نہ کرے تو اس صورت میں وکیل معزول نہیں ہوگا۔ وکالتِ مقررہ سے یہ صورت وکالت جو کہ ضمنِ رہن میں ہے مستثنیٰ ہے، رہن بھی توثیق کے لئے ہے کہ اصل دین ضائع نہ ہوجائے اور توکیل زیادہ توثیق کے لئے ہے۔

سوال نمبر ٦، کے جواب میں جو کچھ عزلِ وکیل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، کیونکہ مستقرض کی رقم پہلے سے دوسرے مد میں جمع ہے، وہ اس سے دین وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے اور شی مرہون کو واپس مانگتا ہے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دین واپس کرکے مرہون کو واپس لیتا ہے (٢)، جب کہ مقرض کو جنسِ دَین بغیر کسی خلجان کے وصول ہورہا ہے تو مقصدِ دین (توثیق) اور مقصد وکالت (زیادہ توثیق) حاصل ہے اور وکالت اسی لئے تھی کہ وصولِ دین ہوجائے اور اب وہ وکالت بیعِ مرہون سے معزول کرتا ہے تو انعزال ہوجائے گا۔ نیز وکیل اگر بیع مرہون کرے اور پھر اس کی قیمت سے دَین وصول کرے تو یہ طول عمل بلا فائدہ ہے،

---

(١) (ردالمحتار: ٦/٥٠٣، کتاب الرهن، سعید)

"يصح توكيل الراهن المرتهنَ أو العدل أو غيرهما بيع المرهون عند حلول الأجل، وليس للراهن عزل ذلك الوكيل من الوكالة .... وذلك لأنها لماشرطت في ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أو صافه، وحقاً من حقوقه، ألا لاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٤٢١، (رقم المادة: ٧٦٠)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(٢) "وإذا أخذ المرتهن دينه، فعليه أن يرد الرهن، فإن منعه بعد سؤاله، فإنه غاصب". (النتف في الفتاوى، ص: ٣٧٢، كتاب الرهن، سعيد)

اس میں مستقرض کا ضرر بھی ہے۔

(دوم) جب حقوقِ عقد عاقد کی طرف عائد ہیں اور عاقد وکیلِ اصیل ہے تو کیا خلجان ہے، مقرض اَور ہے اور بائع اَور ہے اگرچہ بائع وکیلِ مقرض ہے، نیز بیع فارم بلاشرط ہے، البتہ مشتری اس سے فائدہ قرض کا حاصل کرتا ہے تو یہاں بیع پر قرض مرتب ہوتا ہے، نہ کہ قرض پر بیع، اور بیع میں نفع درست ہے، قرض میں درست نہیں، یہ نہیں فرمایا گیا کہ "کل بیع جر نفعاً فهو ربوا"(۱) حتی کہ بیع کی ایک مستقل قسم کا نام ہی بیع "مرابحہ" ہے، اس میں نفع صراحۃً ہوتا ہے(۲)۔

بیع کے لئے صریح ایجاب وقبول کے بجائے اگر تعاطی ہو جائے تب بھی درست ہے(۳) جیسے ایک

---

(۱) "لقوله عليه السلام "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحارث عن عليّ رضي الله تعالىٰ عنه". (فيض القدير، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ۲۵۷، قديمي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ربا النسيئة وأقسامه: ۱/۵۶۸، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۲) "عن أبي بحر عن شيخ لهم قال: رأيت عليّ عليّ رضي الله تعالى عنه إزاراً غليظاً، قال: "اشتريتُ بخمسة دراهم، فمن أربحني فيه درهماً، بعته إياه". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، إدارة القرآن، كراچي)

"التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (تبيين الحقائق، ۴/۴۲۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتوليه، دارالكتب العلمية بيروت)

"هي: أي التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (البحر الرائق: ۶/۱۷۷، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(۳) "وأما الفعل فالتعاطي وهو التناول في خسيس ونفيس ولو من أحد الجانبين". (الدرالمختار). "إن حقيقة التعاطي وضع الثمن، وأخذ المثمن عن تراض منهما من غير لفظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۱۳، سعيد)

"ويسمى هذا بيع التعاطي، مثال ذلك: أن يعطي المشتري للخباز مقداراً من الدراهم، فيعطيه الخباز بها مقداراً من الخبز بدون تلفظ بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۹، (رقم المادة: ۱۷۵)

شخص کارڈ فروخت کرتا ہے اس طرح کہ مشتری پیسے رکھ دیتا ہے، کارڈ اٹھالیتا ہے، زبانی ایجاب وقبول کچھ نہیں ہوتا:

"شراء الشیئ الیسیر بثمن غال، لحاجة القرض یجوز، ویکره، الخ". درمختار۔ وقال الشامی بعد نقل صُوَر الاختلاف: "وکان شمس الأئمة الحلوانی یفتی بقول الخصاف وابن سَلَمة، ویقول: هذا لیس بقرضٍ جرّ منفعةً، بل هذا بیعٌ جرّ منفعةً، وهی القرض، الخ". ردالمحتار: ٤/١٧٥ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمپنی کے فارم فروخت کرنا

سوال[۷۹۳۹]: ایک ایجنسی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنا چھپا ہوا فارم تقریباً -۱۰/ کو فروخت کرتی ہے، کمپنی مذکور کو اس ڈیڑھ آنہ میں فارم کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا، جس کی یہ صورت ہے کہ زید نے ایک فارم خرید کیا اس فارم پر کمپنی کی جانب سے پانچ خانہ ہے اور ہر خانہ میں ایک شخص کا نام معہ پتہ کے درج ہے، غرض ایک فارم پر پانچ اشخاص کے نام معہ پتہ کے اندارج ہیں۔

کمپنی مذکور کا یہ اصول ہے کہ جو شخص (زید) فارم خریدے وہ مبلغ ا/ بذریعہ منی آرڈر اس شخص کے پاس روانہ کردے جس کا نام خانہ نمبرا پر تحریر ہے، اس کے بعد کمپنی مذکور زید (جس شخص نے فارم خرید کیا اور ا/ روانہ کیا) کو چار فارم اور روانہ کردے گی کہ وہ ان فارموں کو اپنے دوستوں کو تقسیم کردے، ان چار فارموں پر زید کا نام نمبر: ۵/ پر ہوگا اور باقی.........غرض جس شخص کے پاس روپیہ گیا ہے، اس کا نام ان فارموں میں نہیں ہوگا۔

زید ان چار فارموں کو: ا—ب—ج—د، میں تقسیم کردے گا اور ا—ب، ۱۶، اشخاص اسی ترکیب سے عمل کریں گے، تو ۶۴×۴، ۶۴، اشخاص کے پاس زید کا نام نمبر: ۳، پر ہوگا اور یہ ۶۴، اشخاص اسی طرح کریں گے تو (۲۵۶×۴) اشخاص زید کا نام نمبر: ۲، پر پائیں گے، اور یہ ۲۵۶، اسی طرح کریں گے، تو (۲۵۶×۴) ۱۰۲۴۔ اشخاص سے زید کو ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۱۶۷، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض، سعید)

زید کا یہ فعل کیسا ہے، حکمِ شرع کیا ہے، اس روپیہ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز، فقط۔

بندہ احقر الیاس قریشی، سہارنپور۔

نوٹ: اس میں ہر شخص کو جو کہ کمپنی مذکور کے اصول پر عمل کرے گا، اس کو مبلغ ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا، یہ لاٹری والا حساب نہیں ہے کہ اگر سو آدمی شریک ہوں تو صرف ایک کو ملے، باقی محروم رہیں، اس میں ہر شخص کو ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کمپنی نے زید کے ہاتھ ۱۰/ میں فارم فروخت کیا، یہ ۱۰/ تو فارم کی قیمت ہوگی، اب زید اس شخص کے نام جس کا نام خانہ نمبر: ۱، پر ہے مبلغ ۱/ کیوں روانہ کرتا ہے، اور یہ ایک روپیہ کس شئی کا عوض ہے اور اخیر میں ۱۰۲۴/ جو زید کو ملے ہیں، یہ کیوں ملے ہیں، کس چیز کے عوض میں ملے ہیں، اگر اس ایک ۱/ روپیہ کا معاوضہ ہے تو تمام عوض اسے نہیں ملا کہ جس نے وہی ایک روپیہ روانہ کیا تھا۔ نیز ایک روپیہ کا معاوضہ ۱۰۲۴/ شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ یہی حال ہر شخص کی آمدنی کا ہے۔

پس صورت مسئولہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں اور سود وقمار پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کی آمدنی کا سلسلہ موقوف ہے دوسرے شخص کے ان فارموں کو تقسیم کرنے اور ۱/ روپیہ روانہ کرنے پر اور یہ معلوم نہیں کہ وہ

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النار التي أعدت للكافرين﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ [۲-۱۸۸] قال البغوي: "بالباطل بالحرام: يعني بالربا، والقمار، والغصب، والسرقة". (معالم التنزيل: ۲/۵۰)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح، بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد، أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطي فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمي)

ایسا کرے گا یا نہیں (۱) کیونکہ شرعاً/ میں فارم خرید نے پر اس کا معاملہ ختم ہو چکا۔/ روانہ کرنے اور فارم تقسیم کرنے کا وہ مکلف نہیں، پس یہ معاملہ اور یہ آمدنی شرعاً ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۹/ جمادیٰ الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

مقروض ہندو سے دودھ لینا

سوال [۷۶۴۰]: ہندوؤں سے دودھ خریدنا جائز ہے یا نہیں، جب ہندو مقروض ہو اور زیادہ بھی دیتا ہے اور روپیہ بھی وصول ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک بائع کا ہندو ہونا، دوسرے بائع کا مقروض ہونا اور اس وجہ سے اس کا زیادہ دینا۔ پہلی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب تک اس کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو اس کا خریدنا جائز ہے اور ناپاکی

---

(۱) "وحقيقته (أي حقيقة القمار) تمليك المال على المخاطرة". (أحكام القران للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الخمر: ۲/۴۶۵، دارالكتاب العربي بيروت)

"لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً، وينقص اخرى. وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/۴۰۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في التعريفات الفقهية الملحقة بقواعد الفقه، القاف، القمار، ص: ۴۳۴، الصدف پبلشرز، كراچى)

(۲) "والحرام المحض: هو مافيه صفة محرمة لايشك فيها: كالشدة المطربة في الخمر، والنجاسة في البول، أوحصل بسبب منهيّ عنه قطعاً: كالمحصل بالظلم، والربا، ونظائره". (إحياء علوم الدين للغزالي: ۲/۹۸، كتاب الحلال والحرام، الباب الثاني في مراتب) "الشبهات ومثاراتها وتميزها عن الحلال والحرام، (دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"أما المال المكتسب بطريقٍ لم يأذن به الشارع، وأُذن به مالك هذا المال، فإن كسبه محرم، لا يختلف عن الكسب الحاصل بطريق السرقة أو الربا". (أحكام المال الحرام، ص: ۶۳)

معلوم ہونے کے بعد ناجائز (۱)۔ دوسری چیز کے متعلق یہ ہے کہ یہ زیادتی سود کے حکم میں ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، ان کے نزدیک کفار سے سود لینا درست ہے اور جن کے نزدیک ہندوستان دارالحرب نہیں ان کے نزدیک یہاں سود لینادرست نہیں، دونوں طرف گنجائش ہے (۲)،

---

(۱) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مالابد منه، كذافي السراجية". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، رشيديه)

"لابأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

"وهو نظير سور الدجاجة إذا علم أنه كان على منقارها نجاسة، فإنه لايجوز التوضي به. والصلوة في سراويلهم نظير الأكل والشرب من أوانيهم، إن علم أن سراويلهم نجسة، لاتجوز الصلوة فيها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهيه، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

(۲) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں، اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کے کافرات کا حکم، ص: ۲۹۲، سعید)

سوال: "ہندوستان جہاں تک علمداری انگریزوں کی ہے، دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق، یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقھیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتیین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دار الحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصر آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي امنا بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط لاتصير دارالحرب ....اھ.

اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے، اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے =

اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۵/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

قسط وقت پر ادانہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے

سوال[۷۹۴۱]: ایک فرم شرکت میں جاری تھی، لیکن کسی وجہ سے شرکاء نے فرم سے علیحدگی اختیار کرلی، ایک شریک جس کے ذمہ اس کا لینا دینا آیا اور قسطوار دیگر شرکاء کی ادائیگی آئی، اگر روپیہ قسط وار ادانہیں ہوا تو ایک روپیہ فی صد ماہ وار خرچ حلال کرنے کا اختیار ہوگا۔ لہٰذا جواب عنایت فرمایا جائے کہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود کے ضمن میں تونہیں آیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ ایک روپیہ فی صد ماہ وار سود ہے، اس کا لینا دینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۹ھ۔

= ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟: ۱/۱۲۳-۱۲۶، سعید)

(۱) "قد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهور هم يورث شبهةً في الجواز، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ والحرام بيّنٌ، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دارالحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنْ قوية غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي: ۱۴/۳۶۶، ۳۶۷، إدارة القرآن، كراچی)

"ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقي أولى وأحرى". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۸، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا في دارالحرب بين المسلم والحربي، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵) .... =

مستاجر سے قرض لینا

سوال[۷۹۴۲]: میرے مکان میں کرایہ دار ہیں ان سے قرض لینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو اس شرط پر قرض دوں گا کہ جب تک قرض واپس نہیں کریں گے، میں کرایۂ مکان نہیں دوں گا۔ شرط درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیے (۱)، آپ یا تو ان کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز زیور

= وقال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلکم تفلحون، واتقو الله النار التی أعدت للکافرین﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱، ۱۳۲).

"محمد قال: أخبرنا أبو حنیفة رضی الله تعالی عنه قال: حدثنا عطیة العوفی عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالی عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: "الذهب بالذهب مثل بمثل والفضل ربوا، والفضة بالفضة مثل بمثل والفضل ربوا، والحنطة بالحنطة مثل بمثل والفضل ربوا، والشعیر بالشعیر مثل بمثل والفضل ربوا، والتمر بالتمر مثل بمثل والفضل ربوا، والملح بالملح مثل بمثل والفضل ربوا". وبه نأخذ، وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (کتاب الأثار، باب شراء الدراهم الثقال بالخفاف والربا، ص: ۱۶۹، سعید)

(والصحیح لمسلم: ۲۴/۲، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

(وکذا فی مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

(۱) چونکہ مستاجر نے قرض دینے کی وجہ سے اس کی ذمہ واجب الاداء رقم سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی ہے، یہ قرض کے بدلے ایک قسم کا نفع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"کل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۷، الفن الثانی، کتاب المداینات، قدیمی)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، علی أن یکتب به إلی بلد کذا لیوفی دینه. وفی الأشباه: کل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الدر المختار: ۱۶۶/۵، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض، سعید)

وغیرہ رہن رکھ دیں کہ جب آپ ان کا قرض واپس کردیں گے، اپنا رہن اس سے واپس لے لیں گے (۱) یا ان سے کرایہ پیشگی لے لیں اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلمان سے سود لینا اور سود در سود حرام در حرام

سوال[۷۹۴۳]: زید کا باپ سود در سود کھانے کا عادی ہے، مادری ترکہ میں زید بھی ایک دستاویز میں حصہ دار ہے اور سود خوار باپ کے حکم پر دستاویز کی نالش (۳) کر کے سود در سود کی ڈگری حاصل کرتا ہے اور وصولیابی کے لئے زید اپنے باپ کے ذریعہ وکیل کر کے کاروائی وصولیابی کر رہا ہے، باوجودیکہ زید بالغ ہوگیا ہے اور ذریعہ تحصیل علم دینی احکام خداوندی سے واقف بھی ہے۔ ایسی صورت میں زید کو خدا کے روبرو جواب دہی کرنی ہوگی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

راقم: راہ حق کا ایک طالب علم، ایک مسلمان۔ معروضہ، ۵/نومبر/۱۹۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم سے سود لینا حرام ہے اور سود در سود حرام در حرام ہے، قال اللہ تبارک وتعالی: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا اللہ لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی أعدت للکافرین﴾(٤)۔

---

(۱) "روی أنه علیه الصلوة والسلام اشتری من یهودی طعاماً، ورهنه بها درعه". (مجمع الأنهر: ۲۶۹/۴، کتاب الرهن، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "منها أن بدل الإجارة یستحق بالتعجیل أوبشرط فی الإجارة، ووجهه أن امتناع ثبوت الملک للمؤجر فی البدل لمجرد العقد إنما هو لتحقق المساواة، لکون أحد العوضین منفعةً لایمکن استیفاء ها حالاً .... أنه إذا عجله المستاجر أو شرط تعجیله، فیکون قد أبطل المساواة التی استحقها بمقتضی العقد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۶۲ (رقم المادة: ۴۶۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاهور)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "اجتنبوا السبع =

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام قرآن شریف میں سب سے زیادہ خوفناک ہے، اس میں اہلِ ایمان کو اس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو کہ کفار کے لئے تیار کی گئی۔ :

"كان أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول: هي أخوف اٰية في القراٰن حيث أوعَدَ الله المؤمنين بالنار المُعَدّة للكافرين إن لم يتقوه في اجتناب محارمه". تفسير مدارك: ۱/۱۴۱(۱)۔

جس طرح مسلم سے سود لینا حرام ہے، اسی طرح اس کی گواہی دینا، نیز اس کی کتابت کرنا وغیرہ بھی حرام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، سود کھلانے والے، سود کی گواہی دینے والے، سود کا کاغذ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اٰكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه". رواه مسلم(۲)۔

= الموبقات". قالوا: يارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلابالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات".

(صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾: ۱/۳۸۸، قديمي)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضي الله تعالىٰ عنه قال: الربا اثنان وسبعون حوباً أصغرها حوباً كمن أتى أمّه في الإسلام، ودرهمٌ من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً. قال: ويأذن للبرّ والفاجر إلا لأكل الربا، فإنه لايقوم إلاكما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبدالرزاق ۱/۲۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وشعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، (رقم الحديث: ۵۵۱۴): ۴/۳۹۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (تفسير مدارك التنزيل: ۱/۲۹۶، (سورة النساء، آيت: ۱۲۱)، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم: ۲/۲۷، كتاب المساقات والمزراعة عنها، باب الربا، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم. ومن أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولىٰ به". (المعجم الصغير للطبراني: ۱/۱۴۷، دارالكتب العلمية بيروت).................... =

لہٰذا زید اگر مسلم سے سود لے گا، یا کسی طرح مسلم سے سود وصول کرنے میں اپنے باپ کی امداد کرے گا تو وہ بھی باپ کی طرح گناہ کا مرتکب ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مَورِد بنے گا، اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا

سوال[۷۹۴۴]: ۱...... ایک آدمی نے دس نمبر رکھے ہیں، ایک روپیہ لگاتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے اس کو ۵۰/ روپیہ دیتے ہیں، جس کا نہیں نکلتا اس کو ساقط کر دیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اس مسئلہ میں یوں حیلہ کرتے ہیں کہ میں نے ہبہ کر دیا۔ تو کیا اس طرح ہبہ کر کے دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ معاملہ قمار بھی ہے اور ربا بھی، قمار اس لئے ہے کہ اگر نمبر نہ نکلا تو جو روپیہ دیا تھا، وہ ضبط ہو جائے گا۔ اور ربا اس لئے ہے کہ ایک روپیہ کے عوض نمبر نکلنے پر ۵۰/ روپیہ ملتے ہیں، اور قمار بھی حرام ہے اور ربا بھی حرام ہے۔

لقوله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه﴾ الأيه(١)۔ ولقوله تعالى: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾(٢).

= "قوله: "وكاتبه وشاهديه". قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ٦/ ٥١، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(١) (سورة المائدة: ٩٠)

قال الله تعالى: ﴿يسئلونک عن الخمر والميسر، قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس، وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ (سورة البقرة: ٢١٩)

وقال الله تعالى: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العدواة والبغضاء في الخمر والميسر، ويصدكم عن ذكر الله، وعن الصلوة، فهل أنتم منتهون﴾ (سورة المائدة: ٩١)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله حرم على أمتي الخمر، والميسر، والمزر، =

۲......نام بدلنے سے اصل حقیقت نہیں بدلتی، اس کا نام ہبہ رکھ دینے سے یہ حلال نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہی رہے گا:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قدمت المدینة، فلقیت عبد اللّٰه بن سلام، فقال: إنك بأرضٍ فیها الربوا فاش، فإذا کان لك علی رجل حقٌ، فأهدیٰ إلیك حمل تبن أوحمل شعیر أو حبل قت، فلا تأخذه، فإنه ربوا". رواہ البخاری". مشکوٰة المصابیح، ص:٢٤٦ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

قرض پر منافع سود ہے

سوال[۷۹۴۵]: زید نے بکر سے ایک ہزار روپیہ لیا اور کہا کہ میں چالیس روپیہ ماہوار منافع سمجھ کر دیتا رہوں گا جب تک اصل رقم نہ ادا کردوں، زید حسب وعدہ چالیس روپیہ ماہوار منافع کا دیتا رہا۔ ایک سال گذرنے کے بعد سوئے اتفاق سے زید کا کاروبار میں ہزار روپیہ کا گھاٹا ہوگیا، ذاتی رقم اور بکر کا ایک ہزار روپیہ سب خسارے میں چلا گیا، اسی پر بس نہیں بلکہ ہزاروں کا مقروض بھی ہوگیا، پھر بھی زید کسی نہ کسی طرح وعدہ کے مطابق بکر کو چالیس روپیہ ماہوار دیتا رہا۔ اور کبھی کبھی یکمشت سو دوسو روپیہ بھی دیئے۔

= والقنین، والکوبة، وزاد لی صلوة الوتر". (مسند أحمد بن حنبل، مسند عبداللّٰه عمرو رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما : ۳۵۵/۲، (رقم الحدیث: ۲۵۲۸)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السکر: ۱۶۲/۲، إمدادیه)

"لأن القمارمن القمر الذی یزداد تارةً وینقص اخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص".

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶، سعید)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقو اللّٰه، لعلکم تفلحون﴾

(سورة ال عمران: ۱۳۱)

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

۱......اس قسم کا معاہدہ کرنا ازروئے شرع جائز یا نہیں؟

۲......منافع سمجھ کر زید جو دے رہا ہے اس کا دینا اور بکر کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......زید نے معاہدہ کرتے وقت صراحتاً کہا تھا کہ تم کو میں بطورِ منافع کے چالیس روپیہ ماہوار دوں گا اور منافع ہی سمجھ کر دیتا رہا۔ کیا اس کے باوجود بھی سود ہوگا؟

۴......زید نے بطورِ منافع کے جو رقم بکر کو دی ہے، کیا قسط وار اصل رقم ایک ہزار کی ادائیگی قرار دی جاسکتی ہے؟

۵......اس نقصان کے باوجود کیا منافع کا چالیس روپیہ ماہوار دینا اب بھی لازم ہے، اور کیا اصل رقم بھی دینا ضروری ہے، اگر ہے تو موجودہ حالت میں مزید کس طرح وہ رقم ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......قرض پر اس طرح رقم دینے کا معاہدہ کرنا اور رقم دینا جائز نہیں، یہ یقیناً سود ہے، اس کا نام منافع رکھنے سے بھی سود ہی ہے، کتبِ فقہ میں ہے: "کل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار (۱) یعنی جس قرض سے نفع ملے وہ حرام ہے۔

۴......اس کو اصل قرض کی ادائیگی میں محسوب کرلیا جائے تو سود سے چھٹکارہ ہوجائے گا (۲)۔

۵..... اصل قرض کی واپسی لازم ہے، جتنی رقم منافع کے نام پر دی جاچکی ہے، اس رقم کو ادا تصور

---

(۱) (الدرالمختار، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعید)

"لایجوز أن یرد المقترض إلی المقرض إلا مااقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهیة القائلة: "کل قرض جرّنفعاً، فهوربا". (فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالکتاب العربی بیروت)

(۲) "إن سبیل التوبة مما بید من الأموال الحرام، إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً". (الجامع لأحکام القران للقرطبی، (سورة البقرة، تحت الآیة: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله، وإن تبتم فلکم رؤوس أموالکم﴾ (رقم الآیة: ۲۷۹): ۲۴۸/۳، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"ان من شرط التوبة أن ترد الظلامة إلی أصحابها، فإن کانت ذلک في المال، وجب أداء ه عیناً أو دیناً، مادام مقدوراً علیه". (القواعد للزرکشي: ۲۴۵/۲)

کیا جائے، بقیہ رقم یکمشت یا قسطوار ادا کی جائے، یا معاف کرالی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۰/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۸۰/۱۲/۲۶ھ۔

منافع قرض

سوال [۷۹۴۶]: زید نے بکر کو مبلغ چار ہزار روپے تجارت کیلئے دیا اور کہا کہ اس روپے میں خواہ تم کو نفع ہو، یا خسارہ ہو، بہر حال تم مجھے چالیس روپے ماہوار بطورِ نفع کے دیتے رہو، باقی جتنا بھی نفع ہو وہ سب تمہارا، اور میری رقم باقی رہے گی، نقصان جو ہو وہ سب تم کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے، کیا اس شرط کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ سود ہے (۲) اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے: ﴿أحل الله

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۳۸۹/۲، سعید)

(۲) "لقوله عليه السلام: "كل قرض جر مفنعةً، فهو ربا": أى في حكم الربا، فيكونُ عقد القرض باطلاً، فإذاشرط في عقده ما يجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أوصفة، بطل". (فيض القدير (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه صاحب النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "كل قرض جر منفعةً، فهو وجه من وجوه من الربا". (إعلاء السنن، ۵۰۱/۱۴، كتاب الحوالة، إدارة القران كراچى)

"كل قرض جر نفعاً حرام: أى إذا كان مشروطاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعید)

"لا يجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

البیع وحرم الربوا﴾ الآیۃ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرض پر نفع لینا سود ہے

سوال[۷۹۴۷]: زید نے عمر سے ایک ہزار روپیہ نقد اس شرط پر حاصل کیا کہ وہ اس روپیہ کو تجارت میں لگا کر عمر کو دس روپیہ ماہوار بطورِ منافع دیتا رہے گا، چنانچہ زید نے چالیس ماہ تک متواتر دس روپیہ ماہوار عمر کو ادا کئے اور زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا، باقاعدہ حساب تجارت کا جس سے نفع ونقصان ظاہر ہو یا جن لوگوں کا لینا یا دینا بذمہ زید پایا جاتا ہو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک کافی رقم قرضہ کی کئی ہزار روپیہ کی زید کے ذمہ بعد اس کے فوت ہونے کے ثابت ہوئی۔

ورثائے زید نے اپنے متوفی عزیز کو بارِ قرض سے سبکدوش کرنے کے لئے قرض خواہاں سے ان کی اصل رقوم معلوم کر کے ان کی واجب رقومات ادا بھی کردی ہے اور عمر کا روپیہ بھی ادا کردینا چاہتے ہیں، چنانچہ بعد انتقالِ زید کے قریب چار سو روپیہ بالاقساط عمر کو دے بھی چکے ہیں، لیکن ورثائے زید کہتے ہیں کہ زید نے چالیس ماہ تک رقم ادا کی ہے، وہ شرعی نقطۂ نظر سے منافع نہیں ہے، بلکہ سود ہے، کیوں کہ کوئی معاہدہ وشرائط تجارت کے نقصان میں بھی عمر کے شریک رہنے کی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اگر وہ رقم سے پوری کردی جائے تو باقی رقم ورثائے زید ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اور عمر کا بیان ہے کہ جو دس روپیہ ماہوار زید نے ادا کئے وہ بطورِ منافع کے دیئے ہیں، لہٰذا پوری رقم ورثاء کو ادا کرنا چاہیے، البتہ وہ رقم جو بعد فوت ہونے کے زید کے ورثاء سے عمر کو حاصل ہو چکی ہے اس کو اصل رقم سے وہ ضرور منہا کرنے پر وہ رضامند ہے، جو کچھ شرعی حکم ہو، بالتشریح عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر زید نے جو عمر سے ایک ہزار روپے شرطِ مذکور پر حاصل کیا ہے، یہ قرض ہے، اس صورت میں دس روپے کا منافع بالیقین سود ہے جس کا وصول کرنا عمر کو حرام ہے(۲)، لہٰذا اس رقوم کو بھی اصل رقم

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) "قال علیه الصلوة والسلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): =

میں شمار کرنا واجب ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۹۴۸]: اکثر کاشت کے وقت بیج دیتے ہیں اور ایک من کے بجائے سوا من کھیت کاٹنے کے بعد لیتے ہیں۔یہ سود ہے یا کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۹/۴۴۸۷، مکتبہ مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن علیّ أمیر المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہ، مرفوعاً: "کل قرض جرّ منفعةً، فھو ربا". وکل قرض شرط فیہ الزیادة، فھو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، کتاب الحوالہ، باب کل قرض جر منفعتة فھو ربا، إدارة القران، کراچی)

"کل قرض جرّ منفعةً، فھو وجہ من وجوہ الربا". (تکملة فتح الملھم: ۱/۵۷۵، کتاب المساقات والمزارعة، دارالعلوم کراچی)

"کل قرض جر نفعاً، فھو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

(وکذا فی الأشباہ والنظائر، الفن الثانی، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی)

(وکذا فی فقہ السنة، القرض: ۳/۱۴۸، دارالکتاب العربی بیروت)

(۱) یعنی جب اصل میں شمار ہوگا تو واپسی بھی اسی اصل کے تابع ہو جائے گی، چونکہ حرام مال کو مالک کی طرف واپس کرنا واجب بھی ہے:

"والحاصل: أنہ إن علم أرباب الأموال، وجب ردّہ علیھم، وإلا فإن علم عین الحرام، لایحل لہ، ویتصدق بہ بنیة صاحبہ". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الخامس عشر فی الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیہ)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: =

مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع

سوال[۷۹۴۹]: کسی نے مکایا شکر قندی اس نیت سے کسی کو دیدی کہ فصل پر گیہوں لے لوں گا۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکایا شکر قندی فروخت کرنا اس شرط پر کہ اس کے عوض فصل پر گیہوں لے گا، یعنی گیہوں کو قیمت قرار دینا اور اس کو فصل پر وصول کرنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۲۳۵/۱، سعيد)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۲/۴، مكتبه حقانيه)

(وكذا في الدراية في منتخب تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۷۷/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲۳۵/۱، كتاب البيوع، باب ماجاء في أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل الخ، سعيد)

"وعلته القدر مع الجنس، فإن وجدا، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل، وحرم النسأ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۷۲/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلي والوزني بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض، أو متفاضلاً غير معير كخفنة بخفنتين، وبيضة =

قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا

سوال[۷۹۵۰]: ایک قصاب نے زید سے چند روپے گوشت کی تجارت کے لئے، اور یہ شرط کی کہ جب میں دوسرے یا تیسرے روز اپنی گائے ذبح کروں گا تو تمہیں ایک سیر گوشت دیدوں گا، پھر ڈیڑھ دو ماہ بعد سب روپے ادا کردوں گا تو کیا اس گوشت کا جو روپے سے زائد قصاب کی طرف سے مل رہا ہے، اس کا کھانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صورت مضاربت میں داخل ہوسکتی ہے اور اگر زید نے اس کو کھالیا ہے اور وہ ناجائز ہے تو اس سے اس کے سبکدوش ہونے کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود ہے لہٰذا ناجائز ہے: "كل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار۔ قال الشامي: "أي إذا كان مشروطاً، اهـ". شامی: ۲/۲۴۲(۱)۔

= ببيضتين، وثمرة بثمرتين، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۲۰، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (ردالمحتار: ۵/۱۶۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"قال عليه الصلوة والسلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فيض القدير (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مكتبه مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علىّ أمير المؤمنين رضى الله تعالى عنه، مرفوعاً: "كل قرض جرّمنفعةً". فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، كتاب الحواله، باب كل قرض جر منفعتة فهو رباء، إدارة القران، كراچى)

"كل قرض جرّ منفعةً، فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، دار العلوم كراچى)

"كل قرض جرنفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى) .... =

اس سے سبکدوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس گوشت کی قیمت ادا کردے، یا اس روپے میں سے منہا کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

سودی کام میں شرکت

سوال[۷۹۵۱]: کفار کے اشتراک میں کوئی کام تجارت کھانا وغیرہ جائز ہے جبکہ وہ سودخور ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سودی کام میں اشتراک درست نہیں (۲)، سودی کھانا بھی درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فقه السنة، القرض: ۱۴۸/۳، دارالكتاب العربي بيروت)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردها عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، يتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾. (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتي أعدت للكافرين﴾. (سورة ال عمران، ۱۳۱)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (الصحيح لمسلم: ۲۷/۲، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمي)

"عن عبد الله بن حنظلة رضي الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنية". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الربا: ۱۱۷/۴، دارالفكر بيروت)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن =

سودی معاملہ کی اعانت

سوال[۷۹۵۲]: میں نے ایک شخص کو ادھار بیاج پر تین ہزار روپیہ تین ماہ کے لئے دلوادیا تھا(۱)، مگر روپیہ دینے والے نے بیاج کا معاملہ پہلے ہی کاٹ لیا اور میں نے اس کو تین ہزار روپے اپنے پاس سے ملا کر پورا کردیا، کیونکہ اس کو اتنے روپے کی ضرورت تھی اب وہ روپیہ مع بیاج کے واپس دے گا۔ ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ اپنا روپے لے سکتے ہیں، مگر اس سودی معاملہ کی اعانت کے گناہ میں آپ کی بھی شرکت ہوگئی (۲)، توبہ استغفار ضروری ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولاياكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكرهية، الباب الثاني عشر، رشيديه)

(۱) "بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن عبد الرحمن بن عبدالله ابن مسعود عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: إن النبى صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب فى آكل الربا وموكله: ۲/۱۱۷، مكتبه امداديه ملتان)

"قال الخطابى: سوّى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين آكل الربا وموكله، إذكل لا يتوصل الى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه، فهما شريكان فى الإثم كماكانا شريكين فى الفعل......... "وكاتبه وشاهديه" قال النووى: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين، والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"قوله: لعن رسول صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". هذاتصريح بتحريم كتابة المبايعة......... وفيه تحريم الإعانة على الباطل". (شرح النووى مع صحيح مسلم، ۲/۲۸، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿أفلا يتوبون إلى الله ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (سورة المائدة: ۷۴) =

سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا

سوال[۷۹۵۳]: گورنمنٹ کی طرف سے کاشتکاروں کو بونے کے لئے سود پر غلہ اونکہ فصل پر دی جاتی ہے، فصل کٹنے پر جتنا دیا جاتا ہے اس سے زیادہ مقررہ تعداد میں لے لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سود ہے، آج شاید ہی میری طرف کوئی ایسا کاشتکار ہو جو اس سے بچا ہو۔ ایسی صورت میں کیا اپنے کسی عزیز کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کاشتکار کو جو ملا ہے، قرض ہے(۱)، سود نہیں۔ پھر اس سے جو مقدار زائد واپس لی گئی ہے، وہ

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سوره التحريم: ٨)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ٣٥٤/٢، قديمي)

"والكلام في التوبة كثير، وحيث كانت أهم الأوامر الإسلامية وأول المقامات الإيمانية ومبدأ طريق السالكين ومفتاح باب الواصلين، لابأس في ذكر شئ مما يتعلق بها، فنقول: هي .... الندم على المعصية، لكونها معصية .... وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية. وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً. فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البراء ة منه. وركنها الأعظم الندم.

وفي شرح المقاصد: قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالىٰ، فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف .... ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر". (روح المعاني، سورة التحريم، مبحث في ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ١٥٨، ١٥٩، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(١) "هو (أي القرض) عقد مخصوص، يرد على دفع مثليّ لآخر، ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ١٦١/٥، سعيد)

"الديون تُقتضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ٣٨٩/٢، سعيد)

سود ہے (۱)، کاشتکار کے گھر کا کھانا سود نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود۔

دارالحرب کی تعریف اور سود لینا

سوال [۷۹۵۴]: کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ دارالحرب کی کیا شرائط ہیں؟ پھر دارالحرب کے اندر سود لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فمن الربا ما هو بيع، ومنه: ماليس ببيع، وهو ربا أهل جاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۹/۱، بيروت)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذلك أن أخذ الزيادة على ذلك ربا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّمنفعةً، فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعة فهو ربا: ۴۹۹/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) "لأن القرض إعارةٌ ابتداءً حتى يصح بلفظها، معاوضةٌ انتهاءً؛ لأنه لايمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه، فيستلزم إيجاب المثلي في الذمة .... ولايجوز في غير المثلي؛ لأنه لايجب ديناً في الذمة ويملكه المستقرض بالقبض كالصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

"والدليل على كون القرض صدقةً ابتداءً، مارواه الطبراني والبيهقي، بإسناد حسن عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل قرض صدقة". ....

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من مسلم يقرض مسلماً قرضاً مرةً إلا كان كصدقتها مرتين". رواه ابن ماجة". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعةً فهو ربا، دليل كون القرض صدقةً ابتداءً: ۵۰۸/۱۴، ۵۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

دارالحرب وہ مقام ہے جس کا اقتدارِ اعلیٰ مسلم کے قبضہ میں نہ ہو(۱)، اس اعتبار سے ہندوستان دارالحرب ہے۔ سود لینا حرام ہے، نصِ قطعی میں اس کی حرمت موجود ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۲)، اس میں کسی مقام کی تخصیص نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

دارالحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم

سوال[۷۹۵۵]: ایک شخص سود کو حلال سمجھتا ہے اور لوگوں کو ترغیب دیتا ہے۔ کیا سود لینا جائز ہے؟ جواز میں شخصی ومکانی خصوصیت کا اعتبار کیا گیا ہے یا نہیں، کاروبار کیسا ہے؟ کیا یہ مطلقاً ہر لحاظ سے دارالحرب ہے اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو مستحلِ سود کا کیا حکم ہے؟ پھر یہ اعتقادِ حلت کے بعد ترغیب کرنے والا اور عام طور سے ترویج دینے والا کیسا ہے؟ بالفرض ہندوستان میں سود حلال بھی ہو تو کیا عوام قوم کے عقائد وخیالات کی خرابی وتباہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی وہی حکم رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۳)۔ جو شخص سود سے احتراز نہ کرے اس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾(٤)۔

ابوالبرکات نسفی نے آیت: ﴿لاتأكلوا الربوا﴾(٥) کی تفسیر میں لکھا ہے:

(۱) "ان المراد بدار الإسلام بلادٌ يجرى فيها حكم إمام المسلمين، ويكون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ يجرى فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره". (فتاوى عزيزى، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۴) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين أمنو لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التى أعدت للكافرين﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱)

"کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ یقول: هی أخوف اٰیة فی القراٰن حیث أوعدالله المؤمنین بالنار المعدّة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه". مدارك التنزیل، ص: ۱/۱۴۱(۱)۔

حدیث میں سود کھانے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اٰکل الربوا وموکله، الخ". مسلم شریف، ص: ۲۴۴(۲)۔

سود کھانے والوں کا حشر اس طرح ہوگا:

"ثم ذکر عقوبة اٰکل الربوا، فقال: ﴿الذین یأکلون الربوا﴾ استحلالاً ﴿لایقومون﴾ من قبورهم یوم القیامة ﴿إلا کما یقوم﴾ فی الدنیا ﴿الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ من الجنون. ﴿ذلك﴾ التخبط علامة اٰکل الربوا فی الاٰخرة ﴿بأنهم قالوا إنما البیع مثل الربوا﴾". تفسیر ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه، ص: ۳۸(۳)۔

اس لئے علی الاطلاق تو کوئی اہل علم بھی جوازِ سود کا قائل نہیں ہوسکتا، البتہ دارالحرب میں مسلم مستامن

= وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتاکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۱) (مدارک التنزیل: ۱/۲۰۲، (سورة اٰل عمران: ۱۳۱)، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿الذین یاکلون الربوا لا یقومون إلا کمایقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال العلامه البغوی رحمه الله تعالیٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة". (معالم التنزیل: ۲/۵۰، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۲/۲۸، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً أیسرها مثل أن ینکح أمه، وإن أربی الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، (رقم الحدیث: ۲۳۱۵): ۲/۲۷، دارالفکر بیروت)

(۳) (تفسیر ابن عباسؓ، (سورة البقرة: ۲۷۵)، ص: ۳۲، صدیقیه کتب خانه اکوڑه خٹک)

کو کافر حربی سے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق سود لینے والے کے لئے گنجائش ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناجائز ہے:

"ولا (ربوا) بین المسلم والحربی فی دارالحرب، خلافاً لأبی یوسف رحمه الله تعالیٰ والأئمة الثلثة". الدر المنتقی: ۲/ ۹۹۰(۱)۔

سودی کاروبار کا مفہوم عام ہے جو سود لینے اور دینے ہر دو کو شامل ہے، اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ دینا مطلقاً کسی کے قول پر بھی درست نہیں، کیونکہ سود دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں:

"فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة، وقد ألزم أصحاب الدرس أن مرادهم من حل الربوا والقمار ما إذا حصلت الزیادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه، والله تعالیٰ أعلم، اه". منحة الخالق: ۱۳۶/۶(۲)۔

ہندوستان کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق میں ہر جانب دلائل موجود ہیں، بندہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ہے، گنجائش ہر جانب میں ہے، اختلاف کی وجہ سے اجتناب بالیقین احوط ہے(۳)۔

---

(۱) (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱۳۷/۳، باب الربا، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"ولا ربا بین المسلم والحربی فی درالحرب عند الطرفین خلافاً لأبی یوسف والشافعی رحمهما الله تعالیٰ". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۱۲۷/۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (منحة الخالق علی هامش البحر الرائق: ۲۲۶/۲، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه)

"فالظاهر أن الإباحة بقید نیل المسلم الزیادة، وقد ألزم الأصحاب فی الدر س أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزیادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن کا ن إطلاق الجواب خلافه". (رد المحتار: ۱۸۶/۵، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۳۸/۷، کتاب البیوع، باب الربا، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۳) "وقد اتفقت الأمة علی أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسیما خلاف جمهورهم یورث شبهةً فی الجواز، وقال النبی صلی الله علیه وسلم: "الحلال بیّنٌ، والحرام بیّنٌ. وبینهما شبهات، فمن اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه". لاسیما وکون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنْ قویةٌ غیر ضعیفة، والتوقی عنه واجب من غیر ریبة". (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، کتاب البیوع، باب الربا، إدارة القرآن، کراچی)

جن حضرات کے نزدیک ہے، وہ دارالحرب کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

"دارالحرب ماخافوا فیه من الکافرین". جامع الرموز"(۱)۔

"إذا أجروا فیها أحکام الشرك، فإنها تصیر دارالحرب، سواء کانت متصلةً بدار الحرب أولم تکن، یبقی فیها مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول أو لم یبق، اھ". خزانة المفتیین(۲)۔

"المراد بدارالحرب بلادٌ یجری فیها أمرُ عظیمها، وتکون تحت قهره، اھ، کافی. وأن لایبقی فیه مسلم ولاذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الکفر أو لا، اھ. إذا أجری أهل الحرب فی بلدة من بلاد أهل الإسلام أحکامَ أهل الحرب، تصیر دارالحرب کیف ماکان، اھ". فتاوی قاضی خان برهامش هندیه:۳/۵۸٤(۳)۔

جن حضرات کے نزدیک نہیں، وہ دارالحرب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"ودار الإسلام لاتصیر دارالحرب إلا بإجراء أحکام الشرك فیها، وأن تکون متصلةً بدارالحرب لایکون بینهما وبین دارالحرب مصرٌ اخر للمسلمین، ولا یبقی فیها مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط، لا تصیردار الحرب. ومعنی قولنا: أن لایبقی مسلم أو ذمی امناً بالأمان الأول أن لا یبقی مسلم أو ذمی امناً علی نفسه إلا بأمان المشرکین، اھ". خزانة المفتیین(٤)۔

"وفی سیر الأصل لأبی الیسر: أن دارالإسلام، لاتصیر دارالحرب مالم یبطل جمیع

---

(۱) (جامع الرموز: ۳/۵۵۲، باب الجهاد، المطبعة الکریمیة ببلدة قزان)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۱/۱۲۳، سعید)

(۳) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب الردة وأحکام أهلها، فصل فیما یبطله الارتداد: ۳/۵۸٤، رشیدیه)

(٤) (خزانة المفتیین، بحواله مجموعة الفتاویٰ بعبدالحیّ اللکنوی، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۱/۱۲۳، سعید)

ماصارت به دارالإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلة فما بقي من العلة شئ يبقى ببقائه. وفي المنثور دارالإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فمابقي علقةٌ من علائق الإسلام، يترجح جانب الإسلام، اه"(۱)۔

"وذكر الحلواني: إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدارالحرب، وأن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمي آمناً بالأمان الأول......... فإذا وُجدت الشرائط كلها، صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ما كان على ماكان أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً"(۲)۔

فریقین کے دلائل سامنے ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق ہیں۔ مولانا عبدالباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی لکھنوی، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہندوستان کو دارالحرب نہیں لکھا ہے، بلکہ دارالاسلام مانا ہے چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ: ۱/۲۳۶، میں ہے:

> "لیکن بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں، دارالحرب نہیں ہے، اور ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے اور ۲/۱۷۰، میں ہے ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، بلکہ دارالاسلام ہے۔ چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے إلی قولہ پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام اور نہ بمذہب صاحبین"(۳)۔
>
> اور: ۲/۲۴۵، میں ہے:

"والصحيح أنه (أي ملك الإنجريز) دارالإسلام، ولم يصر

(۱) (خزانة المفتيين، بحواله مجموعة الفتاوىٰ بعبدالحي اللكنوي، كتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟: ۱/۱۲۳، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۱۲، كتاب السير، الفصل الثالث في الحظر والإباحة، رشيديه)

(۳) (مجموعة الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۸، سعيد)

دار الحرب إلی الآن"(۱)۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ اپنی تائید میں نواب صدیق حسن صاحب کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"ھندوستان عموماً وریاساتِ اسلامیہ خصوصاً نزدِ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ دارالحرب نیست .... فی الحال درمُختار وفتویٰ مشاھیرِ فقھائے حنفیۂ ھند مثل علمائے دھلی ورام پور وبھوپال، وجۂ آں ھمیں است کہ مملکتِ ھند خصوصاً ریاساتِ اسلامیہ آں دارالاسلام است نہ دارالحرب. بعض معاصرین نوشتہ اند: "الاحتیاط أن نجعل ھذہ البلاد دارالإسلام وإن كانت السلاطين فی الظاھر ھؤلاء الشياطين، واللہ تعالی أعلم". مجموعہ رسالہ ھجرۃ و قربانیٔ گاؤ"۔

اورحضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ۱۲۳۳ھ میں ہندوستان کے اکثر حصہ کو دارالحرب قرار دیا ہے، چنانچہ صراطِ مستقیم میں، ص:۱۰۵، پرفرماتے ہیں:

"بلکہ حال ھندوستا ن رادریں جزو زماں کہ سن یک ھزار ودوصد وسی وسوم است کہ اکثرش دریں ایام دار الحرب گردیدہ، الخ" ۱۲ "(۲)۔

نیزان کے استاد اور چچا اور مرشد کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"درکافی می نویسند: إن المراد بدار الإسلام بلادٌ يجری، فيھا حكم إمام المسلمين وتكون تحت قھرہ، وبدارالحرب بلادٌ يجری فيھا أمر عظيمھا، وتكون تحت قھرہ، انتھی۔ **دریں شھر حکمِ امام المسلمین قطعاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است. ومراد از**

---

(۱) (مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب العلم والعلماء، عنوان مسئلہ: ھندوستان دارالحرب ھے یا نھیں: ۱/۱۲۳-۱۲۶، سعید)

(۲) (صراطِ مستقیم، (فارسی)، فصل چہارم، دربیان طریق ادائے طاعات، ص:۹۵، مطبع مجتبائی واقع دہلی)

اجرائے احکامِ کفر این است کہ در مقدمۂ ملک داری وبندوبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ طریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار بطورِ خودحاکم باشندآرے۔

اگر بعضِ احکامِ اسلام را مثلِ جمعہ وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنند نکردہ باشند، لیکن اصل الاصول این چیزھا نزدِ ایشان ھبا وھدر است، زیراکہ مساجد رابے تکلف ھدم می نمایند، وھیچ مسلمان یا باذمی بغیر استیمان ایشان درین شہر ودرنواحِ ان نمی تواند، آں برائے منفعت خود از واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمی نمانید۔

اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان دریں بلاد داخل نمی توانند شد، وازیں شہر تا کلکتہ عملِ نصاری ممتد است۔ آرے درچپ وراست مثل حیدر آباد ولکھنؤ ورام پور أحکامِ خود جاری نہ کردہ اند بسببِ مصالحت واطاعتِ مالکانِ آں ملک۔

وازروئے احادیث وتتبعِ سیرتِ صحابۂ کرام وخلفائے عظام ھمیں مفھوم می شود، زیراکہ درعھدِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملکِ بنی یربوع راحکمِ دارالحرب دادند، باوجودیکہ مسلمانان ھم دراں بلاد موجود بودند۔ وعلی ھذاالقیاس در عھدِ خلفائے کرام ھمیں طریق مسلوک بود، بلکہ در عھدِ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فدک وخیبر راحکمِ دارالحرب فرمود ند، حالانکہ تجارِ اھل اسلام بلکہ بعضے سکنہ آنجا نیز دراں مکانات در وادی القری

مشـرف بـاسلام بودند وفدک وخیبر راکمالِ اتصال بود بامدینه منوره.

انتهی". فتاوی، عزیزی(۱).

حضرت شاہ صاحب موصوف نے ایک دوسرے مقام پر دارالحرب کی تعریف میں تین قول نقل فرما کر تیسرے قول کوترجیح دی ہے اوراسی بناء پر ہندوستان وغیرہ انگریز کی عملداری کودارالحرب قراردیا ہے:

"وفرقۂ سوم ازیں هم ترقی کرده اند که حدِّ دارالحرب آنست:

"أن لایبقی فیه مسلم رلاذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الکفر أولا". وهمیں قولِ ثالث رامحققین ترجیح داده اند، وبریں تقریر معمولۂ انگریزان واشباهِ ایشاں بلاشبه دارالحرب است، اهـ". فتاوی عزیزی: ۱/۱۰۲ا(۲).

دارالحرب میں حربی کفار سے سود لینے کو جوشخص حلال اعتقاد کرے، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا اعتقاد صحیح ہے۔ جس سود کی حرمت پر اجماع ہے اوراس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس کے متعلق ملاعلی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں، ص:۲۱۲ پر لکھا ہے۔

"وفی جواهر الفقه: مَن جحد فرضاً مجمعاً علیه کالصلوة والصوم والزکوة والغسل من الجنابه، کفر. قلت: وفی معناه من أنکر حرمة محرم مجمع علیه کشرب الخمر والزنا وقتل النفس وأکل مال الیتیم والربوا"(۳)۔

ص:۲۲۱ پر لکھا ہے کہ:

"من أنکر حرمة الحرام المجمع علی حرمته، أو شك فیها: أی یسوی الأمر فیها کالخمر والزنا واللواطة والربوا، أو زعم أن الصغائر والکبائر حلال، کفر"(٤)۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۲، مسائل سود، سعید)

(۳) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۷۲، فصل من ذلک فیمایتعلق بالقرآن والصلاة، قدیمی)

(۴) (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۸۸، فصل فی الکفر صریحاً وکنایةً، قدیمی)

لیکن دوسرے مقام پر استحلالِ حرام کے ساتھ مقید کرکے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وعلى هذه الأصول يبتنى الفروع التى ذكر فى الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كانت حرمته لعينه، وقد ثبت بدليل قطعي، يكفر، وإلا فلا، بأن يكون حرمته لغيره، أو ثبت بدليل ظني. وبعضهم لم يفرق بين الحرام والحلال لعينه ولغيره، فقال: من استحل حراماً وقدعُلم فى دين النبى صلى عليه وسلم تحريمُه كنكاح ذوى المحارم، أو شرب الخمر، أو أكل ميتة، أو دم مسفوح، أو لحم خنزيز من غير ضرورة، فكافر". شرح فقه أكبر، ص ١٨٦ (١)۔

اسی طرح مجمع الأنهر: ١/٧٠٥ (٢)، اورفتاوی عالمگیری: ٢/٢٧٢ (٣) میں اس مسئلہ کومقید کرکے بیان کیا ہے۔علامہ ابن نجیم نے ایک اور بھی تفصیل کی ہے:

"(يكفر) بقوله: الحرام أحب إليّ جواباً لقول القائل له: كُلْ من الحلال، لابقوله: إني أحتاج إلى كثرة المال، والحلال والحرام عندى سواء، ولا بقوله لحرام: هذاحلال، من غير أن يعتقده، فلا يكفر السوقيّ بقوله: هذا حلال للحرام ترويجاً لشرائه. والأصل أن مَن اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لايكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا، وقيل: التفصيل فى العالم، وأما الجاهل فلايفرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره، وإنما الفرق فى حقه أن ماكان قطعياً كفربه، وإلافلا". بحر: ١٢٢/٥ (٤)۔

---

(١) (شرح الفقه الأكبر، ص: ١٥٢، مطلبٌ: استحلال المعصية ولو صغيرةً كفر، قديمي)

(٢) "وباعتقاد الحلال حراماً أو بالعكس، هذا إذا كان حراماً بعينه، وحرمته ثابتة بدليل قطعي، أمالو بالأخبار لا يكفر". (مجمع الأنهر: ٦٩٧/١، كتاب السير، باب المرتد، الخامس فى المتفرقات، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(٣) "من اعتقد الحرام حلالاً، أوعلى القلب، يكفر .... هذا إذا كان حراماً لعينه، وهو يعتقده حلالاً، حتى يكون كفراً. أما إذا كان حراماً لغيره، فلا. وفيما إذاكان حراماً لعينه إنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتةً بدليل مقطوع به، أما إذا كانت بأخبار الأحاد، فلايكفر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢٧٢/٢، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالحلال والحرام، رشيديه)

(٤) (البحرالرائق: ٢٠٢/٥، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

نیز مسئلۂ تکفیر میں سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کف اللسان من التکفیر لازم ہے۔ ہمیں اس اعتقاد کے باطل اور خلاف نصوص ہونے میں کوئی تامل نہیں:

"وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم، فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدتُ روايةً أنه لايكفر". بحر: ۵/ ۱۲۴"(۱)۔

تاہم اگر مستحل منکرِ نصوص ہے تو بلاشبہ کافر ہے:

"إذاكان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم. زاد في البزازية: إلا إذا صرّح بإرادة موجب الكفر، فلا ينفعه التأويل حينئذٍ. وفي التاتارخانية: لايكفر بالمحتمل؛ لأن الكفر نهاية في العقوبة فيستدعي نهايةً في الجناية، ومع الاحتمال لانهاية". بحر: ۵/۱۲۵"(۲)۔

حرام شی کو رواج دینا حرام ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾(۳)۔

حلال پر اعتقادِ حلت اور حرام پر اعتقادِ حرمت حکمِ شرعی اور مامور بہ ہے (۴)، اس میں اعتقادات اور خیالات عوام، قوم کی خرابی وتباہی کیا ہے، ہاں! عکس میں ضرور تباہی ہے، اسی طرح مباح کو درجۂ وجوب دینے میں بھی تباہی ہے (۵) اگر بصورتِ حلتِ أخذ ربا من الكافر الحربي، یہ مفضی ہو أخذِ ربا من المسلم

---

(۱) (البحر الرائق: ۵/ ۲۱۰، کتاب السیر، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

(۳) (سورة المائدة: ۲)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "القرآن على خمسة أوجه: حلال، وحرام، ومحكم، ومتشابه، وأمثال. فأحلّوا الحلال، وحرموا الحرام، واعملوا بالمحكم، وآمنوا بالمتشابه، واعتبروا بالأمثال". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۳۱، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، قديمي)

(۵) "وأما ما يفعل عقب الصلوة من السجدة، فمكروه إجماعاً؛ لأن العوام يعتقدون أنها واجبة أو سنة، أي وكل جائز أدّى اعتقاده ذلك، كره". (ردالمحتار: ۱/ ۳۷۱، كتاب الصلوة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت، سعيد)

تک تو بھی سداً للذرائع ممانعت کا حکم ہوگا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/صفر المظفر /۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) "سد الذرائع أصل من أصول الشريعة الإسلامية، وحقيقته منع المباحات التي يتوصل بها إلى مفاسد أو محظورات".

"سد الذرائع لايقتصر على مواضع الاشتباه والاحتياط، وإنما يشمل كل ما من شانه التوصل به إلى الحرام". (الفقه الإسلامي وأدلته، قرار رقم: ۹۵/۸/۹۶، بشأن سدا الذرائع: ۵۲۵۸/۷، رشيديه)

کوئی بھی مباح کام اگر کسی حرام اور ناجائز کام کے ارتکاب کا سبب بن رہا ہو، تو اس مباح کو سداً للذرائع ترک کرنا لازم ہے:

قال الله تعالى: ﴿ولاتسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم﴾ فنهى الله سبحانه عن سب الألهة الباطلة حذراً أن يكون سبباً بسب الإله الحق جل وعلا شانه، وقال الله تعالى: ﴿ولا تخضعن بالقول، فيطمع الذي في قلبه مرض﴾ ولها أمثال في الكتاب والسنة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، مكتبه دارالعلوم كراچي)

وقال الله تعالى: ﴿ولايضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن﴾. محقق أن إبداء الزينة بعينه مقصود بالنهي؛ لأنه قدنهى عما هو ذريعة إليه خاصةً؛ إذ الضرب بالأرجل لم يعلل النهي عنه أحد، لعلم أن المرأة ذات زينة وإن لم تظهر (أى الزينة) فضلاً عن مواضعها". (إمدادي الفتاوئ، عورتوں کے پردے اور نظر و لمس وغیرہ کے احکام: ۱۹۳/۴، مكتبه دارالعلوم كراچي)

عربی فارسی عبارات کا ترجمہ نمبر وار درج ھے

۱-اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے"۔ (بیان القرآن پ:۳)

۲-پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔ (بیان القرآن ۳)

۳-حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس آگ کی دھمکی دی ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے =

= اگر حرام چیزوں سے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے۔

۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

۵- پھر سود کھانے والے کی سزا ذکر فرمائی کہ جو لوگ سود کو حلال سمجھ کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اپنی قبروں سے اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپیٹ کر خبطی بنادے (یعنی حیران و مدہوش) یہ حیران و مدہوش ہونا آخرت میں سود خوار کی علامت ہے اس لئے کہ انہوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرتے ہوئے) کہا تھا کہ بیع بھی مثل سود کے ہے۔

۶- مسلم اور حربی کے درمیان دار الحرب میں ربا نہیں، امام ابویوسف اور ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مسلم اور حربی کے درمیان دار الحرب میں بھی ربا حرام ہے۔

۷- پس ظاہر یہ ہے کہ اباحت مسلم کو زیادتی حاصل ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور اصحاب درس نے اس کو لازم کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور جوئے کے حلال ہونے سے وہ صورت ہے جبکہ مسلم کو زیادتی حاصل ہو، علت کی جانب نظر کرتے ہوئے اگرچہ جواب کے اطلاق کا تقاضہ اس کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

۸- دار الحرب وہ ہے جس میں کفار سے خوف ہو (جامع رموز) جب کہ اس میں احکام شرک نافذ کردئے جائیں، تو وہ دار الحرب بن جائے گا، چاہے دار الحرب سے متصل ہو یا نہ ہو، مسلم اور ذمی پہلے امان سے مامون رہے یا نہ رہے، الخ۔ "المفتيين".

دار الحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو، (کافی)۔ یہ کہ نہ رہے اس میں کوئی مسلم اور نہ کوئی ذمی پہلے امان سے مامون، چاہے بعض شعائرِ اسلام ترک کردیئے گئے ہوں یا نہ، اور شعائر کفر کا اعلان ہو یا نہ الخ۔ اگر اہلِ حرب اہلِ اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر میں اپنے احکام جاری کردیں تو وہ شہر دار الحرب بن جائے گا جس طرح بھی ہو۔

۹- دار الاسلام دار الحرب نہیں بنتا مگر جب کہ احکامِ شرک اس میں نافذ کردیئے جائیں اور یہ کہ وہ دار الحرب سے متصل ہو جائے کہ اور دار الحرب اور اس کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو =

....

= اور نہ ہو کوئی مسلم یا کوئی ذمی امانِ سابق کے ساتھ مامون نہ رہے، پس جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ دارالحرب نہیں بنے گا۔ اور ہمارے اس قول کا مطلب: ''کوئی مسلم یا ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے'' یہ ہے کہ مسلم یا ذمی بغیر مشرکین کے امان دیئے مامون نہ ہوا ہو، الخ''۔

''ابوالیسر'' کی سیر''الاصل'' میں ہے دارالاسلام دارالحرب اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ وہ تمام باتیں ختم نہ ہو جائیں جن سے دارالاسلام بنا ہے، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو گیا تو علت کا جب تک کچھ بھی حصہ باقی رہے گا وہ حکم بھی باقی رہے گا اور منشور میں ہے: دارالاسلام احکامِ اسلام کے نفاذ کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب تک علائقِ اسلام میں سے کچھ بھی باقی ہے جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ حلوانی نے ذکر کیا کہ دارالحرب احکامِ کفر جاری کرنے سے بنتا ہے اور یہ کہ احکامِ اسلام میں سے اس میں کوئی حکم نہ چلتا ہو اور دارالحرب متصل ہو جائے اور کوئی مسلم اور ذمی امانِ اول سے مامون نہ رہے۔ پس یہ سب شرطیں جب پائی جائیں گی اس وقت دارالحرب بنے گا اور دلائل و شرائط کے تعارض کے وقت جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، یا احتیاطی طور پر جانب اسلام کو ترجیح دی جائے گی''۔

۱۰- ''صحیح یہ ہے کہ (ہندوستان) (ملک انگریز) دارالاسلام ہے، ابھی تک دارالحرب نہیں بنا''۔

۱۱- ''ہندوستان عموماً اور اسلامی ریاستیں خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب نہیں، ہند کے مشہور فقہائے حنفیہ مثلاً علمائے دہلی و رامپور و بھوپال کا فتویٰ اور مختار یہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مملکتِ ہند، خصوصاً اس کی اسلامی ریاستیں دارالاسلام ہیں، نہ کہ دارالحرب۔ بعض محاضرین نے لکھا ہے احتیاط یہی ہے کہ ہم ان شہروں کو دارالاسلام قرار دیں اگرچہ بظاہر سلاطین یہ شیاطین ہیں''۔

۱۲- بلکہ ہندوستان کا حال اس وقت ۱۲۳۳ھ میں یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دارالحرب ہو گیا ہے۔

۱۳- ''کافی میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور وہ ملک اس کے قبضہ میں ہو۔ اور دارالحرب سے مراد وہ ہے کہ جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں، بلکہ رؤسائے =

....

نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔

اور احکامِ کفر کے اجراء سے مراد یہ ہے کہ مقدمۂ ملک داری اور رعایا کے بندوبست اور مالِ تجارت سے ٹیکس وعشر کے یعنی، اور چور ڈکیتوں کے انتظام اور لڑائی جھگڑے کے فیصلے اور جرائم کی سزا کے معاملہ میں کفار اپنے طور پر حاکم ہوں، ہاں! اگر بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ وعیدین واذان اور ذبح گائے پر روک ٹوک نہ کریں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بلا تکلف منہدم کردیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان کے امان دیئے بغیر اس ملک اور اس کے اردگرد میں نہیں رہ سکتا۔

اپنے نفع کی خاطر آنے والے مسافروں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے بڑے لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہوسکتے۔ اور اس شہر کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد لکھنؤ ورام پور میں اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں، ان شہروں کے مالکوں نوابوں کی فرمانبرداری اور مصالحت کی وجہ سے۔

اور از روئے احادیث اور صحابہ کرام وخلفائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت میں تتبع وتلاش سے یہی سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملکِ بنی یرموع کو مسلمانوں کے اس میں ہونے کے باوجود دار الحرب کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، بلکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فدک وخیبر کو دار الحرب کا حکم دیا، حالانکہ مسلمان تاجر بلکہ بعض وہاں کے رہنے والے اور وادی القریٰ میں رہنے والے مشرف باسلام تھے اور فدک وخیبر مدینہ منورہ سے مکمل طور پر ملے ہوئے تھے''۔

۱۴- تیسرے فرقہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر دار الحرب کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں کوئی مسلم یا ذمی امانِ سابق کیساتھ مامون نہ رہے، بعض شعائرِ اسلام ترک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اور شعائرِ کفر کا اعلان ہوا ہو یا نہ ہوا ور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے، اس تقریر کی بنیاد پر انگریز اور ان جیسے لوگوں کی عملداری والا ملک بلاشبہ دار الحرب ہے''۔

۱۵- ''اس فرض کا انکار کرنا جس پر امت کا اتفاق ہے کفر ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جنابت کے غسل کرنا، اسی طرح جس نے ایسے حرام کام کی حرمت کا انکار کیا جس پر اتفاق ہے جیسے شراب

کا پینا، زنا، قتل نفس، یتیم کا مال اور سود کھانا''۔

۱۶-''جس نے ایسے حرام کی حرمت کا انکار کیا جس کی حرمت پر اتفاق ہے، یا حرمت میں شک کیا، یا شک وانکار دونوں برابر ہے، جیسے: شراب، زنا، لواطت، سود، یا گمان کیا کہ صغائر وکبائر جائز ہیں، یہ کفر ہے''۔

۱۷-''ان اصول پر چند فروع مبنی ہیں جو فتاویٰ میں مذکور ہیں یعنی اگر حرام کو حلال جانا، پس اگر اس کی حرمت لعینہ ہے (کسی دوسری چیز کی وجہ سے نہیں) اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، اس کی تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں، بایں طور کہ اس کی حرمت کسی دوسری چیز کی وجہ سے ہو یا دلیلِ ظنی سے اس کی حرمت کا ثبوت ہو۔

بعض نے حرام وحلال میں لعینہ ولغیرہ کا فرق نہیں کیا، چنانچہ کہا کہ جس نے حرام کو حلال جانا جبکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں حرام ہے جیسے: ذوی المحارم سے نکاح، شراب پینا، مردار کھانا، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت بغیر کسی (ایسی) ضرورت کے جس کی بناء پر حرام چیز حلال ہو جاتی ہے) حلال سمجھتا ہے، تو وہ کافر ہے''۔

۱۸-''اس بات کے کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کہ حرام مجھ کو زیادہ پسند ہے، اس کے جواب میں جو اس سے کہے کہ کھا تو حلال سے۔ اور اس طرح کہنے سے کافر نہیں ہوگا کہ مجھے زیادہ مال کی ضرورت ہے، حلال وحرام میرے نزدیک برابر ہے۔ اور نہ حرام کو حلال کہنے سے اس کے حلال ہونے کا اعتقاد کئے بغیر، پس بازاری آدمی (تاجر) کی اپنی خرید وفروخت کی ترویج کے لئے حرام کو حلال کہنے سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور اصل بات یہ ہے کہ جو حرام کو حلال اعتقاد کرے، پس اگر وہ حرام لغیرہ ہے (یعنی حرمت خود اس کی ذات میں نہیں) جیسے دوسرے کا مال تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ حرام لعینہ ہے، پس اگر اس کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے تو کافر ہو جائے گا، ورنہ نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تفصیل عالم کے بارے میں ہے، لیکن جاہل حلال وحرام لعینہ اور لغیرہ میں فرق نہیں کر سکتا، اس کے حق میں تو صرف یہ فرق ہے کہ اگر وہ قطعی ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں (یعنی جس حرام کو حلال یا حلال کو حرام اعتقاد کیا ہے، اگر اس کی حرمت، حلت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں'')۔

ہندوستان میں سود کا حکم

سوال[۷۹۵٦]: ہمارے علاقہ میں ایک عالم صاحب ہیں جو دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، لہٰذا یہاں مسلمان ہندوؤں سے سودی لین دین کرسکتا ہے، یعنی سود لے سکتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے تو یہ معلوم ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں موجود تھے، یہ مسئلہ وہاں زیرِ گفتگو آیا، دیگر اہلِ علم حضرات اس پر گفتگو فرما رہے تھے، حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ فرمائیں تو یہ جواب دیا تھا:

''جس کو جہنم میں جانا ہو، راستہ سیدھا ہے، مگر ہماری گردنوں کو پل بنا کر مت جاؤ''۔

قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہے ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ حرمتِ ربا سے قبل جو لوگ اہلِ حرب سے معاملات کرتے تھے ان کو ہی گذشتہ بقیہ سود لینے سے منع فرمادیا گیا: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا مابقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

=

۱۹-''فتاوی صغری میں ہے کہ کفر بڑی خطرناک چیز ہے میں کسی مؤمن کو کافر نہیں کہوں گا جب تک اس کو کافر نہ کہنے کی کوئی روایت موجود ہے''۔

۲۰-''اگر مسئلہ میں چند وجوہ تکفیر کی ہوں اور صرف ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مؤمن کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کو ترجیح دے جو عدمِ تکفیر کی ہے۔ بزازیہ میں یہ زیادتی ہے کہ: مگر جب کہ ارادۂ کفر کی وضاحت ہوجائے تو اس وقت تاویل فائدہ نہیں دے گی''۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ احتمال کے ساتھ تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ کفر سزا میں انتہاء ہے، تو جرم بھی انتہا ہونا چاہیے، اور احتمال کے ساتھ انتہا نہیں ہوسکتی''۔

۲۱-''اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو، اور گناہ وزیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو''۔ (بیان القرآن، پ:٦)۔

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲)(سورة البقرة: ۲۷۹) .... =

دارالاسلام اوردارالحرب کی تحقیق اورمسئلۂ سود

سوال[۷۹۵۷]: ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں اور برتقدیرِ دارالحرب بینک سے سود جائز ہے کہ نہیں؟ علمائے دیوبند اس امر میں مختلف ہیں، جناب کیا فرماتے ہیں، حضرت گنگوہی سے بعض جواز بیان کرتے ہیں۔ مولانا سہول صاحب مفتی مدرسہ دیوبند بڑے زور سے نہ صرف بینک بلکہ عام کفار سے جائز فرماتے ہیں۔ اور بھی بعض علماء، مگر حضرت تھانویؒ مدظلہ العالی قائلِ حرمت ہیں۔ مفصل جواب معہ ادلہ مرحمت ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق اختلاف ہے، اکثر علماء اس کو دارالحرب فرماتے ہیں اور بعض اس کے منکر ہیں۔ فتاوی رشیدیہ میں مختلف فتاوی موجود ہیں، بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب ہونے کو ترجیح فرماتے ہیں(۱)، بعض میں اس کی عدمِ تحقیق کا اظہار فرماتے ہیں(۲)۔ مولانا عبدالحئی صاحبؒ اپنے فتاوی: ۲/۲۲٦،

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبي: "من أخذ مال غيره لاعلى وجهٍ أذن الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۳۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة البغوي: "﴿بالباطل﴾ يعني بالربا والقمار والغصب". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يارسول! وماهن؟ قال: "الشرك، والسحر، و قتل النفس التي حرم الله إلابالحق، وأكل الربوا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الله: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلماً﴾ الخ: ۱/۳۸۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها: ۱/٦۴، قديمي)

(۱) "سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب: جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کی کافرات کا حکم، ص:۲۹۲، سعید)

(۲) **الجواب:** "ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیقِ حال بندہ کو نہیں ہوئی، حسب اپنی تحقیق کے=

میں تحریر فرماتے ہیں:

"بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہے دار الحرب نہیں ہے، ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے"(۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے ایک طویل فتویٰ میں فرماتے ہیں:

"و در کافی می نویسد: "إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیها حکم إمام المسلمین، ویکون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ یجری فیها أمر عظیمها، وتکون تحت قهره، انتهی۔ دریں شہر حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است.

=سب نے فرمایا، اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، باب: سود کے مسائل کا بیان، عنوان: ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں، ص: ۱۸۲، سعید)

(۱) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربا، عنوان: ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟: ۲/۱۵۱، ۲، سعید)

(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، عنوان مسئله: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہرِ احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۷، سعید)

سوال: "ہندوستان جہاں تک عملداری انگریزوں کی ہے، دار الحرب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: "ہندوستان دار الحرب نہیں ہے بلکہ دار الاسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانة المفتین میں ہے۔

"دار الإسلام لاتصیر دار الحرب إلا بإجراء أحکام الشرک فیها، وأن یکون متصلاً بدار الحرب لایکون بینها وبین دار الحرب مصرٌ آخر للمسلمین، وأن لایبقی فیه مسلم وذمی آمناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصیر دار الحرب .... اهـ"۔

اور ظاہر ہے کہ بلادِ ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائرِ اسلام میں ہنود حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلافِ اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں۔ پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دار الحرب نہیں ہے"۔

(مجموعة الفتاویٰ: ۱/۱۲۳-۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

ومراد از اِجرائے احکامِ کفر این ست که در مقدمۂ ملک داری، وبند وبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار خود حاکم باشند آرے اگر بعضے احکامِ اسلام رامثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشان هدر است، زیراکه مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمانے وذمی بغیرِ استیمانِ ایشان دریں شهر ودر نواحِ آں نمی تواند آمد برائے منفعتِ خود از واردین ومسافرین وتجّار مخالفت نمی نمایند. اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان دریں بلده داخل نمی تواند شد، وازیں شهر تاکلکته عملِ نصاریٰ ممتد است. آرے درچپ وراست مثل حیدرآباد ولکھنوٴ ورام پور احکامِ خود جاری نکرده اند بسببِ مصلحت واطاعتِ مالکان آن ملک". فتاوی عزیزی، ص: ۱۷(۱).

وص: ۱۱۵، پرتحریرفرماتے ہیں:

" واَصحّ آنست که دارالاسلام دارالحرب می شود، دریں اختلاف است که کی می شود، طائفه می گویند که: اگر یک چیز ازشعائرِ اسلام ممنوع باشد، مثلِ اذان وختان دارالحرب می گردد. وطائفه گفته: مدارِ صیرورتِ دارالاسلام دارالحرب بر محوِ شعائر اسلام نیست، بلکه هرگاه شعائرِ کفر بے دغدغه باعلان شود، دارالحرب می گردد، گو شعائرِ اسلام هم بر قرار باشند. وفرقه سوم ازیں هم ترقی کرده اند، وگفته اند که: حدِّ دارالحرب آنست که: لا یبقی فیه مسلم

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

وذمی امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أو لا، وسواء أعلن شعائر كفر أولا، **وهمیں قولِ ثالث لا محققین ترجیح داده اند، وبریں تقدیر معمور انگریز واشباهِ ایشان بلاشبه دارالحرب است**"(۱)۔

اسی طرح اور بھی متعدد تحریرات میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر فرمایا ہے: "إذاثبت الشيئ ثبت بلوازمه" یعنی جب ہندوستان کا دارالحرب ہونا ثابت ہو گیا تو یہاں حسبِ شرائط سود لینا بھی درست ہے۔ جس شدت سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اَخذِ ربا کی اجازت دیتے ہیں، اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت سے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ دارالحرب ہونے کا انکار کر کے سود منع فرماتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے (ان عبارات کا اقتباس یہ ہے):

"فی سير الأصل لأبی اليسر: أن دارالإسلام لا يصير دارالحرب مالم يبطل جميع ماصارت به دارالإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلته فمابقی شئ من العلة، يبقی بتمامه، وفی المنشور دارالإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فمابقی علقةٌ من علائق الإسلام يترجح بجانب الإسلام"(۲)۔

اور بزازیہ میں ہے:

"والبلاد التی فی أيدی الكفَرة اليوم لاشك أنها بلاد الإسلام، لعدم اتصالها ببلاد الحرب ولم يظهروا فيها أحكام الكفر، بل القضاة مسلمون.......... وأما البلاد التی عليها والٍ من جهتهم يجوز إقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج، وتقليد القضاة، وتزويج الأيامیٰ.......... وأماالبلاد التی عليها ولاة كفار، فيجوز فيها أيضاً إقامة الجمعة والأعياد، والقاضی قاض

---

(۱) فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۲، مسائل سود، سعید)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ، كتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/ ۲۳۸، سعید)

بتراضي المسلمين.......... وقد تقرر أن ببقاء شئ من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بلاخلاف بأن هذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان أو الجمعة والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوى والتدريس ذائعٌ بلانكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من بلاد الحرب لاجهة له نظراً إلى الدراسة و الدراية، وإعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس، والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بنی قریظة بانتهود وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب.

وذكر الحلواني: أنه إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر أن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب، وأن لايبقى فيها مسلم ولاذمي امناً بالأمان الأول.......... فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دارالحرب. وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ماكان على ماكان، أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً. وظاهره أنه إذاجرت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لاتكون دارالحرب، الخ"(۱)۔

ان عبارات کے بعد حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب کی شرائط کا ہندوستان میں انکار کیا ہے اور آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ:

''پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہبِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ ونہ بمذہب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ'' ۔۲/۱۷۰(۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۱۱/۶، كتاب السير، فصل في الحظر والإباحة، رشيديه)

(۲) العبارة بتمامها: ''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دارالحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصرٌ آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي امناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصير دارالحرب .... اهـ". ....=

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے بعض ائمہ کے نزدیک ہندوستان سے دارالحرب ہونے کی نفی معلوم ہوتی تھی اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا تھا۔ اور مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی دارالحرب نہیں۔ اگر ہندوستان دارالحرب نہیں تب بھی تو کسی کے نزدیک بھی کسی کو کسی سے سود لینا درست نہیں، اگر دارالحرب ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم مستامن (جوکہ دارالاسلام کا رہنے والا ہو اور امن لے کر کسی ضرورت سے کچھ مدت کے لئے دارالحرب میں گیا ہو) کو حربی سے ہندوستان میں سود لینا درست ہے۔ ائمہ ثلاثہ: امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھر بھی جائز نہیں (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ فتاویٰ میں عدمِ جواز ہی مذکور ہے، حضرت تھانوی مدظلہم نے بڑی شدت کے ساتھ انکار فرمایا ہے، چنانچہ "رافع الضنك من منافع البنك" میں اس کے عدمِ جواز کو بڑی

= اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنود حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۱/۱۲۳، ۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

(۱) "وبین الحربی والمسلم ثمة: أی لاربا بینهما فی دارالحرب، وکذلک إذا تبایعا بیعاً فاسداً فی دارالحرب، فهو جائز، وهذا عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ. وقال أبو یوسف والشافعی رحمهما الله تعالیٰ: لایجوز". (تبیین الحقائق: ۴/۴۷۲، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

"(ولا بین حربی ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فیحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثانی والثلاثة". (الدرالمختار: ۵/۱۸۶، باب الربا، سعید)

"(ولا بین الحربی والمسلم ثمة): أی لاربا بینهما فی دارالحرب عندهما خلافاً لأبی یوسفؒ". (البحرالرائق: ۶/۲۲۶، باب الربا، رشیدیه)

"قال إبراهیم النخعی وأبوحنیفة والثوری ومحمد رحمهم الله تعالیٰ: إنه لاربوا بین أهل الحرب وأهل الإسلام فی دارالحرب. وقال أبو یوسف والشافعی وأحمد ومالک رحمهم الله تعالیٰ بخلافه". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۳۳، باب الربا فی دارالحرب، إدارة القرآن، کراچی)

تفصیل سے تحریر فرمایا ہے(۱)۔ دونوں طرف اہل تحقیق ہیں، لہٰذا سود لینے میں بھی گنجائش ہے، اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے(۲)۔ بہتر ہے کہ بنک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے (۳)، اگر داخل کیا جائے تو وہاں کا سودی روپیہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ وہاں سے وصول ضرور کر لینا چاہیے اور اس کے بعد مقتضائے تقویٰ یہ ہے کہ اس کے مصارفِ خیر غرباء و مساکین پر صرف کر دیا جائے (۴)۔

"لا (ربوٰ) بین حربی ومسلم مستأمن ثمة ولو بعقد فاسد كقمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح مستحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثاني والثلاثة". در مختار، والبسط في ردالمحتار(۵)۔

---

(۱) (إمداد الفتاوى: ۱۵۷/۳، رساله: رافع الضنک عن منافع البنک، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهةً في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ، والحرام بيّنٌ، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبها ت فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذنْ قويةٌ غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان، واتقوا الله، إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائدة: ۲)

(راجع للتفصيل جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، ۴۵۵، دارالعلوم كراچی)

(۴) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، سعيد)

(۵) (ردالمحتار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

اور سود کے جواز کے شرائط "رافع الضنک" میں مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں اتنی قیود ہیں: ا- وہ محل دارالحرب ہو، ۲- معاملہ ربوا کا حربی سے ہو، ۳- مسلم اصلی سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لیا ہو خود یا تبعاً للآباء، ۴- معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو، اس قید میں رابع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاہمت حجت ہیں، اس بناء پر اوپر کی روایات سے یہ قید لازم ہے"۔ (امداد الفتاوی، کتاب الربا، رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک: ۱۵۷/۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

ترجمہ:

"دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے کہ جس میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو اور دارالحرب سے وہ ملک مراد ہے، جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔ احکامِ کفر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمہ، ٹیکس اور مالِ تجارت سے عشر وصول کرنے چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزاء دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ عیدین، اذان اور گائے کے ذبح کے ساتھ تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر کے درجہ میں ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کراتے ہیں۔

اور کوئی مسلمان ذمی بغیر ان سے امن لئے اس شہر میں اور اس کے گرد ونواح میں نہیں آسکتا، اپنے فائدہ کی خاطر آنے والوں سے مسافروں سے اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے، اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد لکھنؤ واور رام پور میں اپنی مصلحت اور اس طرف کے مالکوں کے فرمانبرداری ہونے کی وجہ سے اپنے احکام انہوں نے جاری نہیں کئے ہیں۔ .... =

....

فتاوی عزیزیہ، ص:۱۷، وص: ۱۱۵، پر تحریر فرماتے ہیں: اور صحیح بات یہ ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ شعائرِ اسلام سے اگر ایک چیز بھی روک دی جائے مثلاً اذان اور ختنہ تو وہ دارالحرب ہو جاتا ہے۔ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب بن جانے کا مدار شعائرِ اسلام مٹ جانے پر نہیں بلکہ جس جگہ شعائرِ کفر بے کھٹکے اعلان کے ساتھ موجود ہوں، وہ دارالحرب ہو جاتا ہے، اگرچہ شعائرِ اسلام برقرار رہیں۔

تیسری جماعت اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ دارالحرب کی تعریف یہ ہے: ''کوئی مسلمان اور ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے، چاہے بعض شعائرِ اسلام متروک ہوئے ہوں یا نہیں، اور چاہے شعائرِ کفر علی الاعلان ہوں، یا نہ ہوں'' اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اور اس تقدیر پر انگریز اور ان جیسوں کی آبادی بلاشبہ دارالحرب ہے، الخ''۔

''سیر الاصل لابی الیسر میں ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بنتا جب تک وہ تمام چیزیں جن سے دارالاسلام بنتا ہے باطل نہ ہو جائیں، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک اس علت میں سے کچھ بھی باقی رہے وہ حکم بتمامہ باقی رہتا ہے۔ اور منشور میں ہے کہ دارالاسلام کا مدار احکامِ اسلام کے جاری ہونے پر ہے، پس جب تک کوئی علاقہ علائقِ اسلام میں سے باقی رہے گا اس وقت تک جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی''۔

''اور وہ شہر جو آج کفار کے قبضہ میں ہیں، بلاشبہ وہ بلاد اسلام ہیں کیونکہ یہ شہر دارالحرب کے شہروں کے ساتھ متصل نہیں ہیں، اس کے بعد کہ انہوں نے اس میں احکامِ کفر ظاہر نہیں کئے، بلکہ قضاۃ (فیصلہ کرنے والے) مسلمان ہیں، لیکن وہ شہر جن پر کوئی حاکم ان کی طرف سے مقرر ہے تو اس کی وجہ سے بھی جمعہ واعیاد کا مقرر کرنا، خراج لینا، قاضیوں کی تقلید، بیواؤں کی شادی کرنا جائز ہے، لیکن وہ شہر جن پر تمام حکام ہی کافر مقرر ہیں ان میں بھی جمعہ واعیاد کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے جس کو قاضی مقرر کرلیا جائے وہ قاضی ہوگا اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کچھ بھی علت باقی رہنے سے حکم باقی رہے گا۔

اور تاتاریوں کے استیلاء سے قبل ہم نے ان دیار کے دیار اسلام میں سے ہونے کا حکم کیا تھا اور ان کے استیلاء کے بعد جمعہ وجماعات کا اعلان اور مقتضی شریعت کے مطابق حکم کرنا، فتوی دینا، درس دینا، ان کے بادشاہوں کی طرف سے نکیر کے بغیر شائع ہے، پس اس کے دارالحرب میں سے ہونے کے

غیر مسلم سے سود لینا

سوال[۷۹۵۸]: زمین دار کاشتکار پر دعوی دائر کرتا ہے لگان داخل نہ کرنے کا اور حکومت فیصلہ کے بعد زمیندار کو کاشت کار سے جمع مع سود کے دلواتی ہے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو حکومت کی مالگذاری میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں دے سکتے تو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کاشت کار مسلمان ہے تو اس سے سود لینا درست نہیں (۱)، اگر حکومت نے دلوا دیا تو اسے واپس کر دے (۲)، اگر کاشتکار غیر مسلم ہے تو ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی تقدیر پر طرفین کے قول کی بناء پر سود

= حکم کرنے کی دراست ''وداریت'' کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں۔ اور شرابوں کے بیچنے کا اعلان اور نوائب وٹیکس کا لینا اور نقضِ عہد کا حکم رسم تار کے مطابق بنو قریظہ کے طاغوت کو طلب کرنے کے اعلان کے مثل ہے، اور وہ (بنو قریظہ) اس کے باوجود بلا شبہ اسلامی شہر تھا۔

اور حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ دار الحرب صرف احکامِ کفر جاری ہونے سے ہوتا ہے کہ اس میں احکامِ اسلام میں سے کسی حکم کے مطابق حکم نہ کیا جاتا ہو اور اس چیز سے کہ وہ دار الحرب سے مل جائے اور اس چیز سے کہ اس میں کوئی مسلمان وذمی امانِ سابق سے امن والا نہ رہے۔ پس جب یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو وہ دار الحرب ہو جائے گا اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جو تھا وہی باقی رہے گا''۔ یا احتیاطاً جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے احکام اور اہلِ شرک کے احکام دونوں جاری نہ ہوں تو وہ دار الحرب نہیں ہوگا''۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام البغوي رحمه الله تعالىٰ: "﴿بالباطل﴾ بالحرام: يعني بالربا والقمار". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمي)

"ولا بين حربي ومسلم". (الدر المختار). "احترز بالحربي عن المسلم الأصلي والذمي، وكذا عن المسلم .... فإنه ليس للمسلم أن يرابي معه اتفاقاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عددا: ۵/۱۸۶، سعيد)

(۲) "ان سبيل التوبة مما بيد من الأموال الحرام إن كانت من الربا، فليردّها على من أربى عليه، ويطلبه =

لینادرست ہے، پھراس کواپنے کام میں لانااور مالگذاری میں دینابھی درست ہے:

"لاربوا بین مسلم وحربی ثمة ؛ لأن ماله ثمة مباح". درمختار۔ "(قوله: ثمة): أی فی دارالحرب". ردالمحتار: ۲۰۹/٤ (۱)۔

مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احوط ہے کہ ان کے نزدیک سود کی بالکل اجازت نہیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہرعلوم سہارنپور۔

سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟

سوال[۷۹۵۹]: وہ کون سی ضرورت ہے جس میں سودی قرض لیناجائز ہے؟

= إن لم يكن حاضراً". (الجامع لأحكام القران للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹) :۲۴۸/۳، داراحياء التراث العربی بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۹/۵، سعيد)

(۱) (ردالمحتار: ۱۸٦/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴۲۳/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی بدائع الصنائع، فصل: فی شرائط جريان الربا: ۸۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربی فی الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقی عنه أولیٰ وأحریٰ". (إعلاء السنن: ۳٦۸/۱۴، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، تحقيق كون الهند دارالحرب، أو دارالإسلام، الخ، إدارة القرآن، كراچی)

"عن النعمان بن بشير رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعته يقول: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول -وأهوى النعمان بإصبعيه إلى أذنيه-: "إن الحلال بيّن وإن الحرام بيّن، وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات، استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام". (الصحيح لمسلم: ۲۸/۲، كتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، قديمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

ناقابلِ برداشت مجبوری کے وقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے، هكذا حكم سائر المحرمات(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توبہ کے بعد سودی مال کا حکم

سوال[۷۹۲۰]: کسی کے یہاں سود کا کام ہوتا رہا ہے، اب اس کا کہنا ہے کہ میں نے سود ترک

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله، فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحرالرائق: ۲۱۱/۶، كتاب البيوع، رشيديه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمي)

"وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحّة اقتضت معطي الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم في هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده، وهذابشرط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لامجرد توسع في الكماليات أو أمور يُستغنىٰ عنها". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف، القرضاوي، ص: ۲۱۹، بيروت)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة ،ص: ۲۹، مادن نمبر: ۲۱)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول ، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن، كراچي)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱)، ص: ۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أوخاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشبا والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، القاعده الخامسه. إدارة القرآن كراچي)

کردیا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جمع ہوا مال پاک ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کے یہاں دعوت کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مقدار سود کی لی ہے اس کو واپس کردے، بقیہ سے کھانا اور کھلانا سب درست ہے، کذا فی ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ویردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"ان سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً. فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۳۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"إن من شرط التوبة: أن تردّ الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلک في المال، وجب أداء ه عيناً أو ديناً مادام مقدوراً عليه". (القواعد للزركشي: ۲۴۵/۲، بيروت)

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

بینک کے سود کا مصرف

سوال[۷۹۶۱]: بینک یا ڈاکخانہ میں پبلک اپنی آمدنی کی پس انداز رقم جمع رکھتے ہیں، اس جمع رقم پر جو فاضل رقم (جس کو سود کہتے ہیں) دی جاتی ہے، از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسے چھوڑ دیا جائے یا لے کر صدقہ کر دیا جائے؟ جواب بالدلائل مرحمت فرمائیں۔

سید محمود، بی، اے، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات علماء کے نزدیک دارالحرب میں حربی سے سود لینا درست ہے، ان کے نزدیک اس فاضل رقم کو خود استعمال کرنا بھی درست ہے۔ اور جن کے نزدیک درست نہیں، ان کے نزدیک خود استعمال کرنا بھی درست نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بینک یا ڈاکخانہ میں کوئی رقم جمع ہی نہ کی جائے (۱)، اگر جمع کر دی ہے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ

(۱) "عن الشعبی قال: سمعت النعمان بن بشیر –ولا أسمع أحداً بعده– یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "إن الحلال بیّن، وإن الحرام بیّن، وبینهما أمور متشابهات". وأحیاناً یقول: "مشتبهة، وسأضرب فی ذلک مثلاً: إن لله حمیً حِمیً وإن حمی اللہ محارمه، وإنه من یرعی حول الحمی یوشک أن یخالطه، وإنه من یخالط الریبة یوشک أن یجسر". (سنن أبی داود: ۱۱۶/۲، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات، إمدادیه)

وقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "دع مایریبک إلی مالایریبک". (فیض القدیر: ۳۲۴۵/۶، (رقم الحدیث: ۴۲۱۱)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

رکھے، یہی احوط ہے(۱)۔ اگر سرکاری محکمہ سے سود کی رقم حاصل ہوئی تو اس کو غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا بھی درست ہے، بلکہ صدقہ سے مقدم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۷۹۶۲]: بینک کا سُود اگر کوئی شخص لینے کو تیار نہ ہو تو بھی حکومت زبردستی دیتی ہے، تو اس کو لینا حکومت کے قوانین کے مطابق ضروری ہے یا نہیں؟ دریں صورت کیا کرنا چاہیے، اس کا مصرف کیا ہے؟

---

(۱) "لایقصد به: أی بالتصدق من المال الخبیث تحصیل الثواب، بل تفریغ الذمة". (مجموعة الفتاوی، ۲/۲۲۷، سعید)

"قال شیخنا: ویستفاد من کتب فقهائنا کالهدایة وغیرها: أن من ملک بملک خبیث، ولم یمکنه الرد إلی المالک، فسبیله التصدق علی الفقراء .... قال: إن المتصدق بمثله ینبغی أن ینوی به فراغ ذمته، ولایرجو به المثوبة". (معارف السنن، ۱/۳۴، أبواب الطهارة، باب ماجاء: لاتقبل صلاة بغیر طهور، سعید)

"ویردّونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصد ق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(۲) وہ ٹیکس جس کا حکومت کو دینا واجب ہو، اس میں ادا کرنا جائز نہیں جب کہ یہ ٹیکس جائز طور پر لگایا گیا ہو، اور اگر ناجائز طور پر ظالمانہ ٹیکس ہو تو اس میں ادا کرنا جائز ہے:

"شمل الردّ حکماً لما فی جامع الفصولین: وضع المغصوب بین یدی مالکه، برئ وإن لم یوجد حقیقة القبض". (ردالمحتار: ۶/۱۸۲، کتاب الغصب، سعید)

"غصب دراهم إنسان من کیسه، ثم ردها فیه بلاعلمه، برئ، وکذالو سلمه إلیه بجهة أخری کهبة، وإیداع، وشراء، وکذا لوأطعمه فأکله". (الدرالمختار: ۶/۱۸۲، کتاب الغصب، سعید)

"کما أن الضرائب التی تفرض علی المسلمین إذاکانت جائزةً، فإنه لاینبغی أن یعالج جورها بأسلوب محرم لایقرّه الشرع؛ لأن الحرام لایواجه بالحرام، فالمسلم الزانی لایعاقب بالاعتداء علی عرضه، بل یجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا یواجه بسرقة ماله بل یقطع یده والضرائب الجائزة لاتواجه بالفائدة الربویة". (أحکام المال الحرام، ص ۳۳۱، ۳۳۳، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار ہی کو دیدی جائے، یا پھر محتاج غرباء کو دیدے ثواب کی نیت نہ کرے، کذا في رد المحتار، کتاب الزکوۃ (۱) وکتاب البیوع (۲) وکتاب الغصب (۳) وکتاب الحظر والإباحة (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک کا سود اور زکوۃ سادات کو دینا

سوال [۷۹٦۳]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں، سوال یہ تھا کہ: ''بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے، ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ: ''بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلباء کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء بنانا بالکل درست نہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ کہ بینک جو سود دیتی ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے، یعنی بینک کا سود، سود ہے یا نہیں، جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے؟ اگر بینک کا سود حرام ہے یا اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "ولو نوى في المال الخبيث الذي وجبت صدقته أن يقع عن الزكوة وقع عنها، اهـ: أي نوى في الذي وجب التصدق به، لجهل أربابه". (ردالمحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ٦/۱۸۹، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) (ردالمحتار: ٦/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے (۱)، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اس لئے وہ حرام ہے۔ بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ضرر ظاہر ہے، اس کو ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے (۲)، پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دیدیا جائے (۳)، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ اس کے گذارے کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اس کے مستحق ہیں۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے (۴)، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گذارے کے لئے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وما اتيتم من ربوا ليربو في أموال الناس، فلايربوا عند الله﴾ (سورة آل عمران: ۳۹)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه، ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر، رشيديه)

"سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام هل عليه فيه الزكوٰة؟ الجواب: لاتجب عليه فيه الزكوٰة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لابنية الثواب إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب زكوة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام: ۲۹۲/۲، سعيد)

(۴) "عن المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه والفضل بن عباس انطلقا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثم تكلم أحدنا: يارسول الله! جئناك لتأمرنا على هذه الصدقات فنصيب مايصيب الناس من المنفعة، ونؤدي إليك مايؤدي الناس، فقال: "إن الصدقة لاتنبغي لمحمد، ولالآل محمد، إنما هي أوساخ الناس". .... =

بھیک مانگنے پر مجبور ہوجائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شافعیہ میں سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے(۱)، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر اس کو زکوۃ دیدی جائے، تو یہ اہون ہے۔

اگر چہ یہ قول ظاہر الروایت ہے، اور عامۃً اس کو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری(۲) اور العرف الشذی میں منقول ہے(۳)۔ تاہم جہاں تک ہوسکے سادات کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ وافضل اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔

= "عن علی رضی اللہ تعالی عنہ قال: قلت للعباس: سَلْ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان مستعملک علی الصدقات نسئلہ فقال: "ماکنت لأستعملک علی غسالۃ ذنوب المسلمین". (إعلاء السنن: ۸۳/۹، کتاب الزکوۃ، إدارۃ القرآن، کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱۸۹/۱، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فی المصارف، رشیدیہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳۳۹/۲، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، سعید)

(۱) "واختار الطحاوی دفعها إلی بنی هاشم". (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، ص: ۷۲۰، قدیمی)

(۲) "ونقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف أنه جاز دفع الزکوۃ إلی آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند فقدان الخمس، فإن فی الخمس حقهم، فإذا لم یوجد صح صرفها إلیهم .... قلت: وأخذ الزکوۃ عندی أسهل من السؤال، فأفتی به أیضاً". (فیض الباری، کتاب الزکوۃ، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۵۲/۳، حضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

(۳) "وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیۃ وفخر الدین الرازی من الشافعیۃ بجواز الزکوۃ للهاشمی فی هذه الصورۃ". (العرف الشذی علی هامش جامع الترمذی: ۱۴۳/۱، أبواب الزکوۃ، باب کراهیۃ الصدقۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وأهل بیته وموالیه، سعید)

اسکول کی تعمیر اور پیشاب خانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دے دیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے، جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر:۵۰۵۴، ۹۲/۱۱/۲۵ھ، میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

بیمہ کرانا

سوال[۷۹۶۴]: موجودہ زمانہ میں بیمہ کرانا اپنا، یا دوکان اور موٹروغیرہ کا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیمہ میں سود بھی ہے، اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے(۱)، لیکن اگر کوئی شخص

---

(۱) "ولا خلاف بین أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مالَ صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"الربا: هو فضلٌ خالٍ عن عوض بمعيار شرعي، شرط لأحد المتعاقدين في المعاوضة". (ردالمحتار: ۱۶۸/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وأما الذي يرجع إلى نفس القرض، فهو أن لا يكون فيه جر منفعة، فإن كان، لم يجز، نحو: ما إذا أقرضه دراهماً غلةً على أن يردّ عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعةٌ، لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جرّ نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضلٌ لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل: في الشروط: ۵۹۷/۱۰، ۵۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"والثاني: أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضاً مؤجلاً بزيادة مشروطة، فكانت الزيادة =

ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہوسکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بدلاً من الأجل، فأبطله الله وحرّمه". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۱/۴۶۷، دار الكتاب العربي بيروت)

"الربا: هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر وأفضل مما أخذ". (حجة الله البالغه: ۲/۲۸۲، الربا سحت باطل، قديمي)

"وروى مالك عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا حل، قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الآخر في الأجل". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۳۱۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"الفضل المشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبداً؛ لإجماع المجتهدين على حرمته". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن كراچى)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجى عن وجة الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن، كراچى)

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلةلسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص:۸۷، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

البتہ بیمہ کی وجہ سے حاصل ہونے والے منافع کو صدقہ کرنا ضروری ہے: "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد الماخوذ بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

جان کا بیمہ

سوال[۷۹۲۵]: زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں؟ آج کل ہندوستان میں بیمہ زندگی کی بہت کمپنیاں قائم ہوگئیں، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمہ کرائے تو اسے خاص وقت تک کرانا پڑتا ہے اور ششماہی ایک مقرر رقم کمپنی کو دینی پڑتی ہے، مثلاً میں نے، ۲۵/ سال کی عمر میں، ۲۵/ برس کے واسطے اکیس روپیہ، ۷/ رقم ششماہی پر بیمہ زندگی کرایا، اب مجھے ہر ششماہی میں ۲۳/ کمپنی کو دینے پڑتے ہیں، اگر وقت کے ایک مہینہ بعد تک نہ دے تو کمپنی مجبور کرتی ہے، اگر ادا نہ کروں تو رقم سے ناامیدی ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بیمہ کرانے کے بعد چاہے ابھی ایک ہی قسط ادا کی ہو۔ مر جاوے تو کمپنی اس کے وارثوں کو جن کا وہ خود نام زندگی میں کمپنی کو دے چکا ہے، مبلغ ایک ہزار روپیہ فوراً ادا کر دیتی ہے۔ اور اگر، ۲۵/ برس زندہ رہے اور چندہ وقت پر دیتے رہے تو، ۲۵/ برس کے بعد کمپنی ایک ہزار روپیہ مع منافع تقریباً تین چار سو روپیہ کے اس شخص کو ادا کرتی ہے۔ منافع پانچ سال کے بعد لگایا جاتا ہے اس سال فی ہزار اٹھارہ روپیہ لگایا گیا ہے۔ جواب شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد فاسد اور ناجائز ہے، کیونکہ بیمہ کرانے والے نے جس قدر روپیہ کمپنی کو دیا ہے کمپنی اس سے زائد ادا کر دیتی ہے تو زیادتی بیمہ کرانے کی جان کے مقابلے میں ہے، یا مال کے مقابلے میں، اول صورت میں وہ زیادتی ناجائز ہے کیونکہ شرعاً جان متقوم نہیں۔ دوسری صورت میں بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ھذا، ۲۵/ ۵/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زندگی کا بیمہ

سوال[۷۹۲۶]: حکومت انگلینڈ کا قانون ہے کہ کوئی بھی شخص کسی فیکٹری یا دوکان میں کام کرے، یا

(۱) (راجع، ص: ۳۷۸، رقم الحاشیة: ۱)

خودکاروبارکرے توبغیرانشورنش کارڈ کے کام نہیں کرسکتا۔ پھرانشورنش سے بنے ہوئے قانون کے مطابق اس کی انگلی وغیرہ کٹ جانے سے اس کومعاوضہ ملتاہے اوراس کویاانشورنش والے ''لائف انشورنس'' بولتے ہیں (زندگی کا بیمہ)۔ یہ پیسہ لینا کیساہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ بغیرکاروباریافیکٹری یادوکان کے گزارہ دشوارہے، اوراس پر یہ قانونی پابندی ہے تو مجبوراًاس بیمہ زندگی میں آدمی کومعذورقراردیاجائے گا(۱)، تاہم جورقم پاؤنڈ وغیرہ اس کے داخل کردہ یاتنخواہ سے وضع کردہ رقم سے زائدہے، اس کوغرباء پرصدقہ کردے، اپنے کام میں نہ لائے (۲)۔ اگراس قسم کی معذوری اورمجبوری نہ ہوتو ایسے بیمہ کی شرعاً اجازت نہیں (۳)۔ اگرمقصودیہ ہے کہ مالک کواعتمادحاصل ہواورکام کرنے والے کے نقصان کے وقت ضرورت سے تلافی کی جائے تویہ بیمہ کے حکم میں نہیں، بلکہ یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے اگرچہ اس کا نام بھی بیمہ ہے۔ انگلی وغیرہ کٹ جانے سے جورقم ملے اس کالینادرست ہے(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر".

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قديمی)

(۲) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۳۸۷، رقم الحاشية: ۱)

(۴) یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے:

"لاشک فی جواز التأمين التعاونی فی الإسلام؛ لأنه يدخل فی عقود والتبرعات، ومن قبيل =

مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کارپوریشن کے لئے طبی معائنہ

سوال[۷۹۶۷]: کیا کسی مسلمان ڈاکٹر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بیمۂ زندگی کارپوریشن کی جانب سے مقرر ہوکر ان لوگوں کی صحت کی معائنہ کرے جن کا بیمہ ہوتا ہے؟ ڈاکٹر کو ہر معائنہ کے عوض فیس کارپوریشن کی جانب سے دی جاتی ہے، معائنہ کرنے سے پہلے یا بعد ڈاکٹر کو کوئی مطلب نہیں رہتا، وہ تو صرف ان باتوں کی تصدیق یا تشخیص کرتا ہے جس کا اعلان بیمہ کرانے والا اپنی درخواست میں اپنی صحت کے بارے میں کرتا ہے۔

ہندوستان میں بیمہ کارپوریشن حکومت کی جانب سے چلائے جانے والا ایک ادارہ ہے اور ہندوستان میں جمہوری حکومت ہے۔ متذکرہ بالا طور پر ہوئی آمدنی کو ڈاکٹر اپنے کام میں لاسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس مصرف میں صرف کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زندگی کا بیمہ ناجائز ہے(۱)، ڈاکٹر معائنہ کرنے کی فیس لیتا ہے وہ جائز ہے، اس کو ہر کام میں خرچ

= التعاون على البر؛ لأن كل مشترك يدفع اشتراكه بطيب نفس لتخفيف آثار المخاطر وترميم الأضرار التي تصيب أحد المشتركين أياً كان نوع الضرر، سواء في التأمين على الحياة، أو الحوادث الجسمانية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد، حكم التأمين التعاوني: ۵/۳۴۴۱، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين امنوا اتقوا الله، وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الاية. (سورة البقرة: ۲۷۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب الأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائده: ۹۰)

"عن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۴۷۳، باب في آكل الربا، مكتبه دار الحديث ملتان)

"بیمۂ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (دھوکہ) ہے، سود تو ظاہر ہے اور دھوکہ اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے تو اداشدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں، للهذا یہ فاسد در فاسد ہے، مفتی کفایت اللہ فرماتے ہیں: =

کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

=''اشیاء کا بیمہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی......الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین اٰمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربوا﴾ الخ. وقال الله تعالیٰ: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان﴾ الخ". وفی الحدیث: "لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اٰکل الربا ومؤکله وشاهده وکاتبه". (رواه البخاری)(کفایت المفتی: ۸۲/۸، مکتبہ دارالاشاعت کراچی)

(۱) "سئل فی رجل به داءٌ فی ظهره، اتفق مع طبیبه علی مداواته، وجعل له أجرةً، ولم یضرب له مدةً ودواءً، یرید الطبیب أجرة مثله، وما أنفقه فی ثمن الأدویة، فهل له ذلک؟ الجواب: نعم، والمسئلة فی الخیریة من الإجارة". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۵۱/۲، کتاب الإجارة، للطبیب أجرة مثله، رشیدیه)

"سئل فی رجل به داءٌ فی أنفه، اتفق مع طبیب علی مداواته، وجعل له أجرةً، ولم یضرب لذلک مدةً، وداواه، فما الحکم؟ أجاب: للطبیب أجرة مثله وما أنفق فی ثمن الأدویة، لفساد الإجارة علی الوجه المذکور". (الفتاوی الخیریه علی هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیه: ۱۸۲/۲، کتاب الإجارة، رشیدیه)

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

پراویڈنٹ فنڈ پر زائد رقم

سوال [۷۹۶۸]: پراویڈنٹ فنڈ جو ملازمت سے کٹتا ہے، اس پر سود بھی ملتا ہے اور سود اصل مال میں جڑتا رہتا ہے۔ کیا یہ سود لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ رقم درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے: "قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن: يعني لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلك".

(البحر الرائق: ۷/۵۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

"وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه". (الهداية: ۳/۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالتمكن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحةً". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثاني، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم القاعدة: ۴۶۸)، ص: ۲۶۱، ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۴۹، ۵۵۰، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب الربوا، حکم رقمے کہ بنام سود ملازمان را از سرکار بدست می آید: ۳/۱۴۸، مكتبه دار العلوم كراچى)

ایضاً

سوال[۷۹۲۹]: جنوری ۱۹۶۳ء کے نظام باب الاستفسار میں ایک استفتاء پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق نظر سے گزرا جس میں تحریر ہے کہ یہ فاضل رقم جو فنڈ کے طور پر ملازمت سے علیحدگی کے بعد ملتی ہے وہ سود میں داخل نہیں۔ اس مسئلہ کی ذرا وضاحت فرما دیجئے۔ فرض کیجئے فنڈ میں تنخواہ سے مبلغ پانچ سو روپے کٹا اور سات یا آٹھ سو روپیہ بعد میں ملا تو پانچ سو سے جو فاضل رقم ہے تو اگر سود نہیں تو اور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزوِ تنخواہ ملازم نے خود جمع نہیں کیا، بلکہ یہ سلسلہ حکومت نے اپنے قانون کے پیشِ نظر جاری کیا ہے جس سے ملازم کی خیر خواہی مقصود ہے، جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہو یہ ملازم کی ملکیت نہیں، لہٰذا اس پر جو کچھ اضافہ ملتا ہے یہ بھی سود نہ ہوگا (۱)، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض محکموں میں ملازمت ختم ہونے پر حسن کارکردگی کے صلہ میں پنشن ملتی ہے، اس کو بھی سود نہیں کہاں جاتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (راجع للتخریج المسئلة السابقة)

فصلٌ فی المتفرقات

سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے

سوال[۷۹۷۰]: ۱......چند مسلم حضرات نے مل کر ایک سوسائٹی بنائی ہے اور اس کو گورنمنٹ سے منظور کرا کر رجسٹرڈ بھی کرالیا۔ اس سوسائٹی کا کام پبلک کو روپیہ تقسیم کرنا اور قسط کی صورت میں مع سود وصول کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان صاحبان کی کمائی محض سود کی ہے۔ کیا یہ سوسائٹی یا کوئی منفرد بطور چندہ کے مسجد، عربی مدرسہ، اور رمضان شریف کی شب قدر وغیرہ میں کچھ رقم دینا چاہیں تو اس کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر دے بھی دی ہے تو کیا متولی اس رقم کو مندرجہ بالا تینوں قسم کی مد میں استعمال کرسکتا ہے؟ اور شب قدر کے موقع پر حافظ جی یا امام مسجد اس کو لے لے تو اس پر کیا اثر پڑے گا؟

۲......کیا سوسائٹی اپنے دیگر دوست واحباب مسلمانوں کو جو اس سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں ان کو کسی کھانے پینے کی دعوت پر مدعو کرسکتے ہیں، اور ان کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

۳......اگر اس سوسائٹی کی شاخ کسی دوسرے شہر یا قریہ میں کام کر رہی ہو اور اس شاخ کے کام چلانے والے بجائے سوسائٹی کے ممبر کے ملازم کی حیثیت سے کام کرتے ہوں اور یہ ملازمین پڑوسی اور دیگر احباب کی دعوت کریں، یا ان کے گھروں پر کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے؟

۴......اگر یہی ملازمین نمبر ایک کی طرح مسجد، عربی مدرسہ اور شب قدر وغیرہ کا چندہ دینا چاہیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے یا نہیں؟

یہاں پر کچھ صاحبان کا یہ خیال ہے کہ چونکہ سوسائٹی کے ممبران اپنا پیسہ بقدرِ حصہ لگا کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور پھر اس پیسے سے سودی کاروبار کرتے ہیں، لھذا ان کی حیثیت اور ملازمین کی حیثیت میں فرق ہے، کیونکہ ملازمین کا پیسہ فنڈ میں شامل نہیں ہے، البتہ ان کی تنخواہ سود کے پیسہ سے ہی دی جاتی ہے۔ ان تمام حضرات کی بظاہر کوئی دوسری آمدنی کی صورت نہیں ہے۔

۵...... ہمارے اس شہر میں ایسی ہی ایک شاخ ہے جس میں ملازمین بھی کام کرتے ہیں اور غالباً کبھی سوسائٹی کے ایک دوممبران بھی آکر یہی کام کرنے لگتے ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کے مہینہ میں، ستائیسویں یعنی شب قدر کے ختم قرآن کے موقع پران ملازمین نے کچھ چندہ دیا جس کو متولی نے قبول کیا اور حافظ جی کو ایک رقم دی، حافظ جی نے اس رقم میں سے وہ رقم واپس کردی جو کہ ملازمین نے چندہ کی صورت میں دی تھی۔ کیا حافظ جی کو ایسا کرنا چاہیئے تھا؟ متولیان یہ پیسہ کہیں سے لائے ہوں ان کی ذمہ داری ہے، حافظ جی کا خود براہ راست اس پیسہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا، کیونکہ ان کو بذریعۂ متولی ملا تھا۔ وضاحت فرمایئے گا۔

۶......اس شاخ نے چند مسلم احباب کی دعوت بھی کی اور کچھ نے کھایا اور کچھ نے نہیں کھایا اور کہا ان کے یہاں کھانا جائز تھا، نہ کھانے والے کہتے ہیں کہ یہ سودخور لوگ ہیں۔ اور کھانے والے حضرات کہتے ہیں کہ دعوت وغیرہ ملازمین نے اپنی تنخواہ سے کی ہے، حالانکہ ان کی تنخواہ سود ہی کی رقم سے دی جاتی ہے۔ وضاحت فرمایئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سود کا روپیہ مسجد، شب قدر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)، اگر اصل مالک کو واپس نہ کیا جاسکے

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن الله طيب لايقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمی)

قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "(إلا طيباً): أی منزهاً عن العيوب الشرعية والأغراض الفاسدة فی النية. قال القاضی رحمه الله تعالىٰ: الطيب ضد الخبيث، فإذا وصف به تعالىٰ أريد به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الأفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أريد به أنه المتعری عن رزائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلی بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أريد به كونه حلالاً من خيار الأموال ومعنى الحديث أنه تعالىٰ منزه عن العيوب، فلا يقبل، ولا ينبغی أن يتقرب إليه إلا بما يناسبه فی هذا المعنى، وهو خيار أموالكم الحلال كما قال تعالىٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتى تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين) "ما" موصولة، والمراد بها أكل الحلال، وتحسين الأموال". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: =

تو غرباء پر صدقہ کردیا جائے، غریب طلباء پر بھی صَرف کیا جاسکتا ہے، ان کے کھانے کپڑے کے لئے دیدیا جائے (۱)، عربی مدرسہ وغیرہ کی تعمیر یا تنخواہ میں دینا درست نہیں (۲)۔

۲......جس دعوت میں سود کا کھانا کھلایا جائے اس کو ہرگز قبول نہ کرے (۳)، ایسا کھانا غریبوں کو بطورِ

= ۲۷۶۰): ۶/۸۰۷، رشیدیه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۳/۲۴۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذرالرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۲) مالِ حرام ہاتھ میں آنے سے ملک نہیں آتا، اور چونکہ تنخواہ اجرت ہے اور اجرت اپنی ملکیت سے دی جاتی ہے، لہٰذا یہاں بھی اس سے تنخواہ دینا درست نہیں:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۳) "اهدى إلى رجل شيئاً، أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، =

صدقہ دیدیا جائے(۱)۔

۳.....جو شخص سود لینے دینے کی ملازمت کرے اور اس کو تنخواہ سود میں سے ملے، اسی میں سے کھلائے تو اس کا کھانا درست نہیں، وہ غریبوں کا حق ہے (۲)۔

۴.....ملازم ہو یا غیر ملازم جس کے پاس بھی سود کا پیسہ ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے (۳)۔

= فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۲، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لا يأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن ذلك الطعام غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۳/۲۴۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۳۹۷، رقم الحاشية: ۳)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيب =

۵......جب حافظ صاحب کو معلوم ہو کہ متولی صاحب نے ان کو امامت کے تحت ناجائز روپیہ دیا ہے تو ان کو واپس ہی کردینا چاہئے، یہ توجیہ کافی نہیں کہ متولی کے ہاتھ سے ملا ہے اس نے جہاں سے بھی لاکر دیا ہو، اس توجیہ سے وہ روپیہ حلال نہیں ہوگا۔

۶......سودی روپیہ خواہ تنخواہ میں ملا ہو یا خود سود میں ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، نہ کہ خود کھانا، نہ دوست واحباب کو دعوت میں کھلانا کسی طرح درست نہیں، وہ واپس کیا جائے، یا غریبوں کو دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۲ھ۔

= لايقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "(إلا طيباً): أى منزهاً عن العيوب الشرعية والأغراض الفاسدة في النية. قال القاضي رحمه الله تعالىٰ: الطيب ضد الخبيث، فإذا وصف به تعالىٰ أريد به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الأفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أريد به أنه المتعرى عن رذائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلى بأضداد ذلك، وإذا وصف به الأموال أريد به كونه حلالاً من خيار الأموال ومعنى الحديث أنه تعالىٰ منزه عن العيوب، فلا يقبل، ولا ينبغي أن يتقرب إليه إلا بما يناسبه في هذا المعنى، وهو خيار أموالكم الحلال كما قال تعالىٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتى تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين) "ما" موصولة، والمراد بها أكل الحلال، وتحسين الأموال". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۲۷۶۰): ۸۰۷/۲، رشيديه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار: ۶۵۸/۱، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، =

اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا

سوال[۷۹۷۱]: میرا معمول یہ ہے کہ جب بھی پاس بک میں سودی پیسے کا اندراج ہوتا ہے تو میں سودی رقم کو الگ کردیتا ہوں، پاس بک میں اصل رقم باقی رہ جاتی ہے، مگر مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہے، شبہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ بیع وشراء میں جنس تو متعین ہوتی ہے، ثمن یعنی رقم متعین نہیں ہوتی۔ غالباً اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کو زکوۃ کے روپے بذریعہ آڈر روانہ کئے جاتے ہیں، وہ روپیہ تو مقامی ڈاکخانہ میں ہی رہ گیا، صرف منی آڈر فارم چلا گیا جس سے وہاں کے ڈاکخانہ نے اپنے یہاں سے رقم کی ادائیگی کرادی، وہ زکوۃ کی رقم تو نہیں پہونچی۔

دوسری نظیر: ایک شخص اپنی سودی رقم نکالنے کے لئے ڈاکخانہ گیا، وہاں کچھ رقم نہیں تھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے صاحب منی آڈر کرنے اور چلے گئے، اب ڈاکخانہ والوں نے اس رقم میں سے سود کی ادائیگی کردی۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم سود، سود والے کی نہیں ہے۔ اگر یہ معاملات صحیح قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ طریقہ کیوں صحیح نہیں کہ مثلاً ایک ہزار روپے کے سو شامل ہوکر گیارہ سو ہوگئے، اب یہ شخص اپنے پاس سے سو روپے سودکی نیت سے نکالتا ہے اور بینک میں جو سود کا اضافہ ہوا ہے، اصل میں شامل کرکے گیارہ سو روپے کی اصل رقم قرار دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

= (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲۴۵/۲، بيروت)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو نظائر آپ نے پیش کئے ہیں ان کا حاصل بھی وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن جس مال کو سود کہہ کر دیا جائے خواہ وہ مال دینے والے کی ملک ہو یا نہ ہو، بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعیدیں ہے، اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کا صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاکخانہ بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام ہے اور موجبِ لعنت ہے، اس کو خود کھائے اس سے قلبِ سلیم اجتناب کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) بہتر تو یہی ہے کہ معینہ سود کی رقم کو صدقہ کیا جائے، لیکن اگر سودی رقم پر کسی طرح سے مِلک ثابت ہونے کے بعد ذمہ فارغ کرنے کے لئے کسی دوسری رقم کو صدقہ کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا، کیونکہ نقود میں تعیین نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بینکوں والے سودی رقم الگ نہیں دیتے، بلکہ اصل رقم کے ساتھ ملا کر دیتے ہیں:

"لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يمكن تميزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله: أرفق للناس؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب". (الدر المختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاك): أي بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة -فتنبه- لابالأعيان؛ لأنانقول: إنه لماخلطها ملكها، وصار مثلها ديناً في ذمته، لاعينها". (ردالمحتار: ۲/۲۹۰، كتاب الزكوة، مطلب فيما لوصادر السطان جائزاً، الخ، سعيد)

"مات وكسبه حرام، فالميراث حلال. ثم رمز، وقال: لانأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة -فتنبه- ومفاده الحرمة، وإن لم يعلم أربابه، وينبغي تقييده بما إذاكان عين الحرام، ليوافق مانقلناه، إذ لو اختلط بحيث لا يتميزيملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصر ف فيه مالم يؤدّ بدله، كما حققناه قبيل باب الزكاة". (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالاً حراماً، سعيد)

"ثم الخلط أنواع ثلاثة: خلطٌ يتعذر التمييز بعده كخلط الشئ بجنسه، فهذا موجب للضمان؛ لأنه يتعذر به على المالك الوصول إلى عين ملكه". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۹۳، كتاب الوديعة، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

باہم چندہ جمع کرکے رقم پر بولی بولنا

سوال[۷۶۷۲]: ۱...... ہمارے محلہ میں چند ممبران روپیہ رکھا کرتے ہیں مثلاً: ہر ممبر سو روپیہ، ۲۰/ ممبران کے دو ہزار ہوگئے۔ اب اس رقم پر بولی بولی جاتی ہے، جو زیادہ دیتا ہے اس کو دے دیتے ہیں۔ تو اس پر بولی بولنا کیسا ہے، یہ سود تو نہیں ہے؟ یہ جائز ہے یا نہیں، جبکہ وہ روپیہ جمع کر چکا ہے یعنی سو روپیہ، تو پھر بولی بولنا کیا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے؟

۲...... ایک شکل یہ بھی ہے کہ چند ممبران چندہ جمع کرنا شروع کردیتے ہیں مثلاً: تین سال تک فی ممبر سو روپیہ ماہانہ دے گا، اگر وہ رقم لینا چاہے تو قلیل سود مثلاً ۳/ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے اس میں لے کر کاروبار چلا سکتا ہے اور بعد میں وہ مع سود کے ادا کرے یا مع منافع کے ادا کرے، خواہ نام سود دیا جائے یا منافع۔ تو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں، اور اس طرح پیشگی جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ صورت ناجائز ہے۔

۲...... یہ صورت بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) دوسرا معاملہ تو صراحۃً سود کا ہے اور پہلا معاملہ چونکہ نقد رقم ادھار سے خریدی جارہی ہے، اس میں کمی بیشی بھی ہے، لہٰذا یہ بھی سود ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"وفي حديث ابن رمح: قال نافع: فذهب عبد الله وأنا معه والليثي، حتى دخل على أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: إن هذا أخبرني أنك تخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، وعن بيع الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل. فأشار أبو سعيد بأصبعيه إلى عينيه، وأذنيه، فقال: أبصرت عيناي، وسمعت أذناي رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "لاتبيعوا الذهب بالذهب، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولاتشفوا بعضه على بعض، ولا تبيعوا شيئاً =

برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود

سوال[۷۹۷۳] : برما میں بعض عالم کافروں کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز اور سود کھانا حلال اور مردار کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا حلال اور سور کے گوشت کی سپلائی کرنا حلال کہتے ہیں۔ایسے علماء کی شریعت کی نظر میں کیا سزا ہونی چاہیئے،اور اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے؟ان کی باتوں کو سن کر جو لوگ مذکورہ کاموں کو کرتے ہیں،ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان عالموں سے جواز کی دلیل دریافت کرکے لکھئے تاکہ اس میں غور کیا جائے۔ان چیزوں کا ناجائز اور حرام ہونا تو قرآن کریم (۱) وحدیث شریف (۲) اور فقہ سے واضح ہے (۳)، پھر وہ کس بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔

= غائباً منه بناجز إلایداً بید". (الصحیح لمسلم: ۲/۲۴، کتاب المساقاة والمزراعة، باب الربا، قدیمی)

(والصحیح للبخاری: ۱/۲۹۰، ۲۹۱، کتاب البیوع، باب بیع الفضة بالفضة، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد: ۲/۱۱۹، کتاب البیوع، باب في الصرف، إمدادیه)

"قال علیه الصلوة والسلام: "کل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". (فیض القدیر: ۹/۴۲۷۸، (رقم الحدیث: ۶۳۳۲)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض شرط فیه الزیادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، کتاب الحوالة، باب: کل قرض جر منفعةً، فهو ربا، إدارة القرآن ، کراچی)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البیع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضی الله تعالیٰ عنه غسیل الملائکة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "درهم ربوا یاکله الرجل وهو یعلم أشدُّ من ستة وثلثین زنیةً". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) "وأما الذی یرجع إلی نفس القرض، فهو أن لایکون فیه جرمنفعة، فإن کان لم یجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلةً علی أن یرد علیه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فیه منفعةً، لما روی عن رسول =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۱۰/۵۹۷، ۵۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"بطل بيع ماليس بمال، كالدم والميتة والحر والبيع". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعيد)

"وبطل بيع مال غير متقوم كخمر، وخنزير، وميتة لم تمت حتف أنفسها". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعيد)

باب القرض

(قرض کا بیان)

قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا

سوال[۷۹۷۴]: یوسف کا قرض بشیر پر ہے، غالباً اب سے چودہ پندرہ سال ہوئے اب تک قرض ادا نہ کر سکا، اب دیتا ہے۔ یوسف کہتا ہے کہ جس سال میں نے قرض دیا تھا اس وقت چاندی کا بھاؤ دو یا ڈھائی روپیہ تولہ تھا اب تو میں اتنی چاندی کے نوٹ لوں گا، کم نہیں لے سکتا۔ یہ خیال محمد یوسف کا درست ہے یا نہیں؟

۲...... زید کا قرض بکر پر اس زمانے کا آتا ہے جس زمانے میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا، یا اس کا نوٹ تھا، اب بکر ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ میں نے تو چاندی کے روپے دیئے تھے، یا تو روپے لاؤ چاندی کے یا اتنی چاندی کے نوٹ لاؤ، ورنہ میں نہیں لیتا۔ زید کا یہ خیال کیسا ہے؟

۳...... ایک شخص اپنا قرض لینا نہیں چاہتا، قرضدار چاہتا ہے کہ دنیا ہی میں دیدے تاکہ قیامت کے دن دینا نہ پڑے، رسوائی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، کیسے ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اب سے ۱۴، ۱۵/ برس پہلے قرض جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی نوٹ واپس کرنے کا حکم ہے(۱)،

---

(۱) "القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچی)

"الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها: ۸۴۸/۳ سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمي)

"هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مثلي ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب =

چاندی کا بھاؤ تیز ہوجانے کی وجہ سے قرض کے نوٹ زیادہ لینا درست نہیں (۱)۔

۲......اگر چاندی کے روپے قرض دیئے تھے تو اتنی چاندی (۲) یا اس کی قیمت واپس کی جائے (۳)۔

۳......جس سے جو قرض لیا تھا، اب وہ واپس لینا نہیں چاہتا تو وہ معاف کردے۔ اگر نہ واپس لیتا

= المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعید)

"والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۶۶/۵، کتاب الکراهیة، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشیدیه)

(۱) "رجل استقرض من آخر مبلغاً من الدراهم و تصرف بها، ثم غلا سعرها، فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم و رخصها". (تنقيح الفتاوى الحامدية، باب القرض: ۲۹۴/۱، رشیدیه)

(وکذا فی رسائل ابن عابدین، تنبيه الرقود على مسائل النقود: ۶۴/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: كنت أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير و آخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو في بيت حفصة، فقلت: يا رسول الله! رويدك أسئلك أني أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، وآخذ هذه من هذه، وأعطي هذه من هذه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لابأس أن تأخذ بسعر يومها مالم تتفرقا و بينكما شئ". (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۱۲۰/۲، إمداديه ملتان)

"فذهب أكثر أهل العلم إلى جوازه ومنع من ذلك أبو سلمة بن عبدالرحمن وأبو شبرمة، وكان ابن أبي ليلى يكره ذلك إلا بسعر يومه، ولا يعتبر غيره السعر ولم يبالوا كان ذلك بأغلى أو أرخص من سعر اليوم، انتهى". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق: ۲۴۶/۵، إمداديه ملتان)

ہے اور نہ معاف کرتا ہے تو مقدارِ قرض اس کے سامنے رکھ دی جائے، پھر اس کا جو دل چاہے کرے، یہ بَری ہوجائے گا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱۲ھ۔

نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا

سوال[۷۵۹۷]: نوٹ بنانے والے (گورنمنٹ) دھوکہ کرتی ہے، وہ اس طرح کہ اتنا سونا پاس نہیں ہوتا جتنا کہ وہ نوٹ چھاپ کر ملک میں پھیلاتے ہیں، اشیاء کی گرانی بھی بہت ہے، تو اگر ۳۸ھ میں کسی نے سو روپیہ قرض لیا جب کہ سونا سو روپیہ تولہ تھا تو اب قرض میں سو روپیہ اگر مقروض ادا کرے گا تو سونا ڈھائی سو روپیہ کا ایک تولہ آئے گا۔ تو مقروض کس طرح ذمہ سے سبکدوش ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ بنانے والوں نے جو بھی دھوکہ بازی کی ہو اس کے ذمہ دار وہ ہیں۔ جن سے نوٹ قرض لیا ہے اس سے نوٹ ہی واپس لینے کا حق ہے، اگر سو کا نوٹ لیا تھا تو سو کا نوٹ واپس کردے، بری الذمہ ہوجائے گا، اس کی گرانی سے اس پر اثر نہیں ہوگا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۳ھ۔

---

(۱) "وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة". (ردالمحتار: ۵۶۲/۴، كتاب البيوع، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

(۲) "ولو استقرض فلوساً نافقةً و قبضها ولم تكسد، لكنها رخصت أو غلت، فعليه ردّ مثله ماقبض بلاخلاف". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في حكم البيع: ۲۳۷/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"سئلت عن رجل أقرض آخر مقداراً من الريال المحيدى وقت رواجه بثلاثين قرشاً، ثم رد المستقرض له مثل المقدار الذى استقرضه منه بعد أن نزل إلى عشرين قرشاً، فامتنع المقرض من قبوله، وطلب منه صرفها على سعر ثلاثين قرشاً، فهل ليس له ذلك؟ فالجواب أنه ليس له الامتناع من قبول مثل ما دفع .... و في "نتيجة الفتاوى" مانصّه: والمقبوض على وجه القرض مضمون بمثله. وفيها نقلاً عن جامع الفصولين: والواجب في القرض ردّالمثل". (الفتاوى الكاملية، ص: ۹۲، باب القرض، مطلب الواجب في القرض ردالمثل، مكتبه حقانيه پشاور)

ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ

سوال[۷۹۷۶]: میں نے زید سے راب(۱) کی تجارت کی، اس میں کل رقم ساڑھے تین ہزار کی تھی جو میرے حصہ کی تھی، مگر وہ بے ایمان ہوگئے اور انہوں نے میری رقم دبالی۔ جب وہ حج کو جانے لگے تب میں نے کہا کہ تم صاحبِ ثروت ہو، میری رقم دیدو، مگر انہوں نے حیلہ حوالہ کیا۔ بعدہ میں نے یہ سوچ کر معاف کردی کہ یہ اگر حج سے واپس آگئے تو دیکھا جائے گا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب دورانِ گفتگو کہنے لگے کہ مجھے تم معاف کردو گے، میں نے ایک دم ان سے کہہ دیا کہ میں نے معاف کیا اور نیت یہ تھی کہ واپس آکر خود شرمندہ ہوکر ادا کریں گے۔ اب واپسی پر میں نے مطالبہ کیا تو اب بھی انہوں نے سنی اَن سنی کردی۔

اب سوال یہ ہے کہ زید کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا زید مجھ سے روپیہ معاف کرا کر اللہ کے سامنے جواب دہ نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب رقم معاف کردی ہے تو وہ معاف ہوگئی، اب مطالبہ کا حق نہیں رہا اگر چہ بلا وجہ شرعی کسی کی رقم دبالینا اور باوجود وسعت کے مطالبہ پر بھی واپس نہ کرنا حرام اور ظلم ہے، لیکن آپ کو معاف کردینے کے بعد اب مطالبہ نہیں کرنا چاہئے: "الساقط لا یعود". أشباہ(۲)۔ "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه".

---

(۱) "راب: شیرہ، پتلا گڑ جو اکثر تمباکو میں پڑتا ہے، گنے کا رس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۴، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (الأشباہ والنظائر، ص: ۳۱۱، الفن الثالث، بیان أن الساقط لایعود، قدیمی)

"الساقط لا یعود کما أن المعدوم لا یعود ...... و یتفرع علیها مسائل .... ومنها: لو أبرأ الدائن مدیونه من الدین الذی علیه، سقط الدین، ولا تسمع الدعوی به". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۰، (رقم المادۃ: ۵۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلک الحق، ولا یبقی له أن یدعی به .... هذا إذا کان الحق مما یسقط کالدین". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۸۴۸، (رقم المادۃ: ۱۵۶۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الإقرار، فصل فی مسائل شتی: ۵/۶۲۴، سعید)

(وکذا فی قواعد الفقه، ص: ۸۳، (رقم القاعدۃ: ۱۴۴)، الصدف پبلشرز کراچی)

الحدیث(۱)۔ طحاوی شریف(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں

سوال[۷۷۹۶]: عمر کا زید سے لین دین تھا، مثلاً زید کے ذمہ عمر کے ۹۳۶/ روپے اصل تھے اور باقی سود تھا، اس صورت میں عمر نے زید کے اوپر نالش کردی (۳) اور اس پر بڑا بھاری مقدمہ لڑا، دونوں فریق کا کافی روپیہ خرچ ہوا۔ عمر مقدمہ ہار گیا، زید نے عمر کا روپیہ طلب کرنے پر نہیں دیا، لیکن اقرار کرتا رہا۔ زید نے جو روپیہ لیا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس وقت وہی سکہ رائج تھا، نوٹ نہیں تھا۔ اب زید کے وارث عمر کے وارثوں کو وہ اصل روپیہ ۹۳۶/ روپے نوٹ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں، مگر عمر کے وارث یہ کہتے ہیں کہ ہمارے چاندی کے روپیہ تھے، ہم تو چاندی ہی کے لیں گے اور جو مقدمہ میں خرچ ہوا ہے اور جو مقدمہ کے ہارنے پر ہم سے ڈگری وصول ہوئی ہے وہ سب لیں گے، کیونکہ روپیہ ہمارے طلب کرنے پر نہیں دیا تھا۔

اب اگر عمر کے وارث اصل رقم نہ لیں جیسا کہ وہ مطالبہ کررہے ہیں سود وغیرہ کا، اور زید کے وارث سود دینے سے انکار کررہے ہیں تو اس شکل میں کیا ہوگا؟ زید کو قرض سے نجات کیسے ملے؟ آیا اس روپیہ ۹۳۶/ کو خیرات کردیں یا کیا کریں؟

نوٹ: عمر کے وارث مطالبہ خود نہیں کررہے بلکہ زید کے وارث دینا چاہتے ہیں۔ اس پر عمر کے وارث سود کا مطالبہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اس پر شرعی حکم جو وارد ہوتا ہو اس کو بتلایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، سود لینے اور دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) لفظ الطحاوی هکذا: "عن عمرو ویثربی قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال: "لایحل لامرئ من مال أخیه شئ إلا بطیب نفسٍ منه". (الطحاوی، کتاب الکراهیة، باب الرجل یمر بالحائط، اهـ: ۲/ ۳۷۵، سعید)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاهور)

ہے،اس لئے سود کا مطالبہ ہرگز نہ کیا جاوے، نہ سود اَدا کیا جائے، لہذا سود تو بالکل ختم ہے(۱)۔

جب زید کو اقرار تھا تو مقدمہ عمر کیوں ہار گیا، سمجھ میں نہیں آیا، نیز اقرار کے باوجود مقدمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر زید کے پاس ادا کرنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس کو مہلت دی جاتی، ایسی صورت میں مہلت دینے کا حکم ہے:﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ الاية(۲)۔

غالب گمان یہ ہے کہ عدالت میں اقرار نہیں کیا ہوگا اور تحریری ثبوت موجود نہیں ہوگا۔ تاہم جو ہوا ہوا، اب اگر مرحوم مقروض کے ورثاء دینا چاہتے ہیں تو ۹۳۶/ روپے چاندی کا دیں (۳)، اگر یہ دشوار ہو تو اس نو سو چھتیس ۹۳۶/ روپے کی جو اس وقت قیمت ہو وہ دیں (۴) اور جو روپیہ مقدمہ ہارنے پر ڈگری کے تحت وصول کیا

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال: "هم سواء".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، ۲۴۶، باب الربوا ، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۲۸۰)

"وعن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان له على رجل حقٌّ، فمن أخّره، كان له بكل يوم صدقة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار ، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان ، سعيد)

"القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۷۴، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۴) "وإن كان من المثليات، يلزمه إعطاء مثله .... وإن انقطع المثل بأن لا يوجد في السوق. وإن كان يوجد في البيوت، فقيمته يوم الخصومة: أي وقت القضاء عند الإمام الأعظم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۸۹۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو استقرض الفلوس أو العدالي فكسدت، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: مثلها كاسدة، ولا يغرم قيمتها. و قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: قيمتها يوم القبض. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: قيمتها في آخر يوم كانت رائجةً، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۴/۳، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع ، رشيديه)

گیا ہے وہ دیں (۱) اور یہ سب مقروض کے ترکے سے ادا کریں، اپنے پاس سے ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۱ھ۔

غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا

سوال [۷۹۷۸]: ایک صاحب کے ذمہ میرے ٹرک کا کرایہ ۹۵/ روپے باقی تھے، میرے ٹرک ڈرائیور نے ان کی سائیکل چھین لی، اب وہ سائیکل ۱۰/ ماہ سے میرے پاس رکھی ہے، باوجود تلاش کے نہ وہ ملے اور نہ خود آئے۔ سائیکل میں نے استعمال بالکل نہیں کی، کیونکہ وہ بہت خراب حالت میں ہے اور مشکل سے اس کی قیمت پچاس روپے ہوگی۔ کیا میں یہ سائیکل نیو کرنے کے بعد اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں، یا فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں لاسکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سائیکل جتنی قیمت کی بازار میں ہے، اتنی مقدار گویا کہ آپ نے اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اس کو ٹھیک کرا کے استعمال میں لائیں یا فروخت کر کے قیمت استعمال میں لائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۶/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "المسبِّب لا يضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/۲۵۶، (رقم المادة: ۹۳)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "وجد دنانير مديونه و له عليه درهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنية .... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي، عن جده الأشقر، عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم مطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۶/۱۵۱، كتاب الحجر، سعيد)

"قال الحموي: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما في ديارنا". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار. ۴/۸۶، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۷/۵۴۵۱، كتاب السرقة، رشيديه)

قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے

سوال[۷۹۷۹]: زید نے عمر سے تنگ دستی کی وجہ سے ایک مَن جو قرض لئے تھے، اس وقت بھاؤ بھی ۲۰/روپیہ تھا، اب اس کو دو سال کا عرصہ ہوگیا۔ عمر اپنے غلہ کا تقاضا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو چالیس روپے کے بھاؤ لگالیا ہے۔ تو عمر کو یہ لینا اس طرح سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک من جَو قرض لئے ہیں، ایک من جَو ہی کی واپسی لازم ہے، اس کی قیمت کا واپس کرنا لازم نہیں، خواہ کچھ ہی نرخ ہو۔ پس چالیس روپے قیمت لگا کر وصول کرنے کا حق نہیں: "الأقراض تُقضیٰ بأمثالها" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا

سوال[۷۹۸۰]: مالابد منہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی سے قرض لیا کرتے تھے تو کچھ زیادہ دیا کرتے تھے(۲)۔ تو یہ زیادہ دینا بخوشی کیسا ہے؟ لینے والے کے لئے تو سود نہیں ہوگا؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار والکمیة، دون المثلیة فی القیمة والمالیة". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"(هو عقد مخصوص یَرِد علی دفع مثلیّ) خرج القیمی الآخر (لیردّ مثله)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض: ۱۶۱/۵، سعید)

"الدیون تقضی بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثانی، کتاب المداینات، قدیمی)

(۲) "پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں دَین ادا کردے، زیادہ از قدرِ واجب واداے، بجائے نیم وسق یک وسق، وبجائے یک وسق دو وسق دادے، ومی فرمود کہ ایں قدر حق تست، وایں قدر افزونی از من است، ایں زیادہ دادن بے شرط ربو انیست، جائز است، بلکہ مستحب است"۔(مالا بد منه فارسی، کتاب التقوی، ص: ۱۰۶، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

جس سے قرض لیا جاوے واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دینا یہ کہہ کر کہ اتنا آپ کا اصل مطالبہ ہے اتنا میری طرف سے زائد ہے، یہ حدیث پاک سے ثابت ہے(۱)، لیکن قرض دینے والے کو پہلے سے اس کا لالچ اور خیال نہ ہونا چاہئے کہ زیادہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا

سوال[۷۹۸۱]: بعض مالدار لوگ جن کے پاس عالی شان بلڈنگ ہے، باغات ہیں، اراضی ہیں،

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: كان لرجل على النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم سن من الإبل، فجاءه يتقاضاه، فقال: "أعطوه" فطلبوا سنه، فلم يجدو له إلا سناً فوقها، فقال: "أعطوه" فقال: أوفيتنی أوفی الله لک. قال النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن خياركم أحسنكم قضاءً".

"عن عبد الله بن جابر رضی الله تعالىٰ عنه قال: أتيت النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم وهو فی المسجد، قال مسعر: أراه قال: ضحی، فقال: "صل ركعتين". وكان لی عليه دين، فقضانی و زادنی".

(صحيح البخاری: ۱/۳۲۲، باب حسن القضاء، قديمی)

"عن جابر رضی الله تعالىٰ عنه قال: كان لی على النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم دينٌ، فقضا لی وزادنی". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمی)

"من استقرض شيئاً، فرد أحسن أو أكثر منه من غير شرطه كان محسناً، ويحل ذلك للمقروض. و قال النووی رحمه الله تعالىٰ: يجوز للمقروض أخذ الزيادة، سواء زاد فی الصفة أو فی العدد. ومذهب مالک أن الزيادة فی العدد منهيٌّ عنها، وحجة أصحابنا عموم قوله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "فإن خير الناس أحسنهم قضاءً". و فی الحديث دليل على أن ردّ الأجود فی القرض أو الدين من السنّة و مكارم الأخلاق، و ليس هو من قرضٍ جر منفعةً". (مرقاة المفاتيح: ۱۱۷/۶، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۲۹۲۵)، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰۲/۳، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشيديه)

(وكذا فی إعلاء السنن: ۵۰۰/۱۴، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۱۶۶/۵، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض، سعيد)

اس کے باوجود وہ قرض خواہوں کا قرضہ ادا نہیں کرتے ہیں، بلکہ چھڑوانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا وہ "مطل الغنی ظلم" (۱) کے تحت ظالم نہیں؟

۲......اس طرح کے اقدامات سے معاملات کے اندر نادہندگی کا ایک بہت غلط راستہ کھل رہا ہے جو پوری مارکیٹ کے لئے مہلک ہے۔ تو کیا ایسے اغنیاء "من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا و وزر من عمل بھا" (۲). کے مصداق نہیں ہیں؟

۳......ایسے اغنیاء کا جملہ مطالبہ میں کچھ دینا اس شرط پر کہ جملہ مطالبات کی رسیدات بھر پائی لکھ دو (۳)۔ تو ان کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور قرض خواہوں کا محض اغنیاء کے اعزاز میں رسیدات کی بھر پائی، غلط گوئی کے ساتھ صراحۃً جھوٹ ہے یا نہیں؟ اور قرض خواہوں کا جھوٹ لکھنا معصیت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... "مطل الغنی ظلم". الحدیث (٤) اور دوسری روایت میں ہے: "لیُّ الواجد یحل عرضہ وعقوبتہ" (٥)۔ اس لئے قرض خواہ کا قرض جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہے، اپنے گزارہ میں تنگی وترشی برداشت

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمى)

(۲) (سنن ابن ماجه، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ص: ۱۸، قديمى)

(۳) "بھر پائی: پورے داموں کی رسید"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳۳، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم فإذا أتبع أحدكم على ملئ فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمى)

(وصحيح البخارى: ۱/۳۲۳، كتاب في الاستقراض وأداء الديون، باب: مطل الغني ظلم، قديمى)

(وجامع الترمذى: ۱/۲۴۰، أبواب البيوع، باب ماجاء في مطل الغني ظلم، سعيد)

(۵) "عن الشريد قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". قال ابن المبارك: "يحل عرضه" يغلظ له عقوبته يحبس له". (مشكوة الـ صابيح، ص. ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمى)

"عن عمر بن الشريد، عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". (سنن النسائى: ۱/۲۳۳، مطل الغنى، قديمى) =

کرکے ادا کرنا چاہئے۔ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ قرض ہوگیا تھا،حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال فروخت کردیا تاکہ قرض ادا کردیا جائے،حتی کہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالی رہ گئے،ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا(۱)۔

۲......اگر کوئی شخص صاحب وسعت ہوکر بھی قرض ادا نہ کرے اور معاف کرانے کی تدابیر اختیار کرے تو وہ یقیناً نادہندہ ہے۔اور اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کی روش اختیار کریں گے،اس کا حصہ بھی ان کی کمائی میں ہوگا، موت کا حال معلوم نہیں کہ کب آجائے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"صاحب الدين مأسورٌ بدينه يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة". الحديث (۲)۔

جب ایک شخص اپنی زندگی میں وسعت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا تو ورثہ سے بھی یقین نہیں کہ وہ ادا کردیں گے۔

۳......بعض اغنیاء کا یہ طریقہ یقیناً ظلم ہے،قرض خواہ اگر اس مجبوری سے یہ رسید لکھ دے کہ ایسی رسید نہ لکھنے کی صورت میں کچھ بھی وصول نہ ہوگا،سب ہی مارا جائے گا تو وہ ایک حد تک معذور ہے(۳)،بلا مجبوری کے لکھنے سے وہ معصیت کذب میں معاقب ہوگا:﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾(٤)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

= (وسنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، باب الحبس في الدين والملازمة، قديمي)

(۱) "وروى أن معاذاً يُدان فأتى غرماءه إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فباع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماله كلّه في دينه، حتى قام معاذ بغير شئ". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "واعلم أن الكذب قد يباح، وقد يجب. والضابط فيه .... أن كل مقصود محمود يمكن التوسل إليه بالصدق والكذب جميعاً، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل اليه بالكذب وحدَه فمباحٌ إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله". (ردالمحتار: ۶/۴۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۴) (سورة المائدة: ۲)

حقِ واجب ادا نہ کرنا

سوال[۷۹۸۲]: ایک آدمی نے کہا کہ تم کچھ پیسے دے دو، میں دغا نہیں کروں گا، اس پر حلف اٹھایا، قسم کھائی۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا اتار دے، اس نے کہا کہ اتار دی۔ تو اس نے کہا کہ اب کچھ نہیں دیتا۔ ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو شخص کسی کا حقِ واجب ادا کرنے پر قادر ہو کر بھی ادا نہ کرے وہ ظالم اور غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۱)، قسم نہ کھاتا تب بھی ادا کرنا لازم تھا(۲) قسم اتارنے سے بھی وہ بَری نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

قرض لے کر واپس نہ کرنا

سوال[۷۹۸۳]: زید اور بکر کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق تھا۔ جب بکر پریشان ہوا تو زید نے ازراہ ہمدردی قرض کے طور پر آٹھ سو پچاس روپے دیا مگر اب بکر نے اس روپیہ کی واپسی سے صاف جواب دے دیا ہے۔ زید اس روپیہ کی جب کہ وہ بکر کے پاس تھا زکوۃ بھی ادا کرتا رہا۔

۱......کیا بکر اور اس کے باپ کی نماز یا عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟

۲......اگر روپیہ ادا کئے بغیر بکر کا انتقال ہوگیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳......جو آدمی اس مشورہ میں شریک ہے اس کیا حکم ہے؟

۴......شرعاً بکر کا بائیکاٹ ہونا چاہئے یا نہیں؟

۵......زید کو کیا اجر ملے گا، جیسا کہ زید کا ارادہ اس روپیہ سے حج کرنے کا تھا اور یہ روپیہ ضبط کرلیا، تو زید کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۴، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) "یجب علی المقترض أن یرد مثل المال الذی اقترضه إن کان المال مثلیاً بالاتفاق". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث السادس في أنواع البیوع، الفصل الثاني، القرض: ۳۷۹۳/۵، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر ضرورت اور مصیبت سے مجبور ہو کر قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت بھی تھی تو شرعاً یہ کوئی عیب اور معصیت نہیں ہے(۱)، لیکن پھر قرض کی واپسی سے انکار کر دینا درست نہیں، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ اگر اب واپس کرنے کے لئے موجود نہیں تو مہلت لے لی جائے۔ لیکن دوسرے کے روپے بالکل مار لینا سخت گناہ ہے(۲)، اگر باوجود قدرت کے نہیں دے گا تو اس کی عبادت مردود نہیں ہوگی بلکہ مقبول ہو کر قرض خواہ کو۔ ملے گی(۳)۔ ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے(۴)۔

۲......اس کی تجہیز وتکفین مسنون طریقہ پر کی جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، بلا نماز جنازہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يُريد أداء ها، أدّى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه الله عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

"ما من عبد كانت له نية في وفاء دينه، إلا كان له من الله عون". (فتح الباري: ۵/۷۰، كتاب الاستقراض والديون، باب من أخذ أموال الناس يريد، قديمي)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء": أي أمر آخر كأخذ ماله أو المنع من الانتفاع به أو هو تعميم بعد تخصيص "فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۴۹، كتاب الآداب، باب الظلم، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال الحافظ ابن الحجرؒ: "إن الدين لا يخل بالدين .... وأشار إلى بقيته، وهو أنه كان لا يصلي على من عليه الدين، فلما فتحت الفتوح صار يصلي عليه". (فتح الباري، باب الصلوة على من ترك ديناً: ۵/۷۸، قديمي)

دفن نہ کیا جائے (۱)۔

۳.....بُرا مشورہ دینا بُرا ہے (۲)۔

۴.....اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے اور وہ قرض واپس نہیں کرتا بلکہ ہضم کرنا چاہتا ہے اور بائیکاٹ سے توقع ہے کہ وہ قرض واپس کردے گا تو بائیکاٹ مناسب ہے (۳)۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود نہیں وہ تنگدست اور مفلوک الحال ہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے نہ بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر قوم اس کی اعانت کر کے قرض ادا کرے گی تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اگر زید معاف کردے گا تو وہ بھی مستحق اجر ہوگا (۴)۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "مامن مؤمن إلا وأنا أولیٰ به فی الدنيا والأخرة، اقرؤوا إن شئتم: ﴿النبی أولیٰ بالمؤمنين من أنفسهم﴾ فأيما مؤمن مات وترک مالاً فليرثه عصبته من كانوا، ومن ترک ديناً أو ضياعاً فليأتنی، فأنا مولاه". (صحيح البخاری، باب الصلوة علی من ترک ديناً: ۱/۳۲۳، قديمی)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن المستشار مؤتمن". (جامع الترمذی: ۲/۲۲، أبواب الزهد، باب ماجاء فی معيشة أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، سعيد)

(۳) "عن أبی أيوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال .... اهـ". قال الملا علی القاری: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن يغضب علی أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهی عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

"والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا لا .... أی بأن كان الهجر بموجب لايحرم، هذا هو المراد". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۱/۹۸، الفن الأول، القاعدة الثانية، الأمور بمقاصدها، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "عن أبی اليسر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من أنظر معسراً أو وضع عنه، أظله الله فی ظلّه" رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمی)

۵......اگر حج فرض ہوتو وہ ادا کرنے سے ہی ادا ہوتا ہے(۱)، کسی مصیبت زدہ کی امداد سے نہیں ہوتا اگرچہ کسی مصیبت زدہ کی امداد سے بہت بڑا اجر ملتا ہے(۲)، لہٰذا زید یقیناً ثواب کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱/۱۲/۸۵ھ۔

اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا

سوال[۷۹۸۴]: زید کا قرض کسی ایسے شخص کے ذمہ ہے جس سے وہ اپنا قرض مانگ نہیں سکتا، اس کی عظمت مانع ہے، یا زیادتیٔ تعلق مانع ہے۔ عظمت مانع ہونے کی یہ صورت ہے کہ زید کا قرض کسی اپنے استاد یا پیر یا کسی بڑے کے ذمہ ہے۔ زیادتیٔ تعلق کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص زید کا دوست ہے، اس سے قرض مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، لہٰذا زید ان سے مطالبہ تو نہیں کرسکتا۔ اب اگر زید اپنے قرض کے بقدر بلا اجازت چپکے سے اپنے مقروض کے مال میں سے لے لے تو یہ جائز ہے یا نہیں، یا یہ کہ مطالبہ کرے اور پھر وہ مقروض اگر انکار کرے تو زید اپنے قرض کے بقدر لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (سورة ال عمران: ۹۷)

"واختلف في سقوطه .... إن كان الغالب فيه السلامة من موضع ضدت العادة بركوبه يجب وإلا فلا، وهو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع: ۴۶۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۵۱/۲، رشيديه)

(۲) "عن سليمان بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إلصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب أفضل الصدقة، الفصل الثاني، ص: ۱۷۱، قديمي)

"عنه انس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أفضل الصدقة أن تشبع كبدًا جائعاً". (مشكوة المصابيح، الفصل الثالث، ص: ۱۷۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے مطالبہ کرے، اگر مقروض دینے سے انکار کردے تو پھر دوسرے طریقہ سے وصول کرے(۱)۔ معاملات میں عظمت اور دوستی مانع نہیں ہونی چاہئے، ورنہ تو پھر قرض معاف کرکے ان کو بری الذمہ کردے، اس میں عظمت کی بھی رعایت ہے اور دوستی کی بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

ناجائز مال سے قرض وصول کرنا

سوال[۷۹۸۵]: کسی مسلمان قرض خواہ کو کسی قرضدار سے اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، خواہ وہ قرضدار مسلمان ہو یا غریب؟ جب کہ اس کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز طریقہ سے کمایا ہے، یا نامعلوم ہو، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ فقط۔

عبدالرزاق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامعلوم ہونے کی صورت میں اپنا قرض وصول کرنا درست ہے، اگر اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو اس کا لینا غیر مسلم سے درست ہے اور مسلم سے مکروہ ہے:

---

(۱) "رجل له على رجل دراهم فظفر بدراهم مديونه، كان له أن يأخذ دراهم المديون إذا لم تكن دراهم المديون أجود أو لم تكن مؤجلةً". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيديه)

"وجد دنانير مديونه وله عليه دراهم، له أن يأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنية. قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۱۵۱/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۸۶/۴، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

"ولو كان لمسلم على نصراني دينٌ، فباع النصراني خمراً و أخذ بثمنها و قضاه المسلم من دينه، جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح. ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدين، كره له أن يقبض ذلك من دينه، كذا في السراج الوهاج".

فتاویٰ عالم گیری: ۲٤٨/٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

مال حرام سے قرض ادا کرنا

سوال[۷۹۸۶]: زید شراب کی تجارت اور اس کا کاروبار کرتا ہے، جو کچھ روپیہ پیسہ ساز وسامان اس کے پاس ہے سب کچھ اسی تجارت کی آمدنی سے ہے۔ اب بتوفیقِ الٰہی اپنے اس فعل سے تائب ہو کر اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ گزران کی صورت کیا ہوگی۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اگر کسی سے بلاسودی قرض لے کر کوئی دوسرا کاروبار کرے جس سے اس کے بال بچوں کا گزران ہو اور قرض کو اس شراب کی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٣٦٧/٥، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٣٨٥/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"إذا كان لشخص مسلم دينٌ على مسلم، فباع الذي عليه الدين خمراً وأخذ ثمنها و قضى الدين، لا يحل للمدين أن يأخذ ذلك بدينه. وإن كان البائع كافراً، جاز له ان يأخذ". (البحر الرائق: ٣٦٩/٨، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

"ولو باع مسلم خمراً و أوفىٰ دينه من ثمنها، كره لرب الدين أخذه. وإن كان المديون ذمياً، لا يكره". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٢١٣/٤، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٢١٣/٤، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦٠/٧، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ٤٦٨/٤، كتاب الكراهية، إمداديه ملتان)

تجارت کے روپے سے ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ جیسا کہ فتاویٰ عبدالحی میں اس مسئلہ میں استقراض کی شکل کو جائز لکھا ہے(۱) لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ قرض اس مال سے ادا بھی ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ وہ مال تو مال غصب کے حکم میں ہے جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ:

''اصحابِ مال معلوم ہوں تو ان کو لوٹا دیا جائے ورنہ خیرات کر دیا جائے، لیکن نیت ثواب کی نہ رکھی جائے اور اصحاب مال کی طرف سے خیرات کی نیت کی جائے، کیونکہ اس مال کا مالک یہ نہیں ہے''(۲)۔

ایسی صورت میں استقراض کی صورت کیونکر ممکن ہوگی، مال غیر سے قرض کیونکر ادا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) **سوال**: ''اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اصل کے بقدر دے چکا ہے تو اب بری الذمہ ہوا یا نہیں؟

جواب: ''دارالاسلام میں سود لینا حرام ہے، جو رقم سود میں دی ہے وہ اصل میں محسوب ہوگی''۔(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربوا، باب القرض والرشوة، عنوان: سود میں دی ہوئی رقم اصل میں محسوب ہوگی: ۱۵۳/۲، سعید)

(۲) ''ہر چند کہ غصب وظلم کا مال اپنے مال میں یا دوسرے مغصوب مال میں ملا دینے سے ملک غاصب میں داخل ہوجاتا ہے، مگر وہ ملک خبیث ہوگی، نہ اس کو خود اس کا صرف کرنا جائز ہے، نہ دوسروں کو اس کا قبول کرنا جائز ہے، جب تک کہ غاصب اس کا ضمان ادا نہ کرے، پس صورتِ مسئولہ میں زید کی آمدنی جائز نہ ہوگی، نہ ایسی ریاست کی نوکری جائز ہوگی:

"والروايات هذه: "أما التملك بالخلط بمال نفسه أو غيره، فلما في الدرالمختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقوله أرفق؛ إذ قلما يخلو مال عن غصب . وفيه: أما إذا أخذ من إنسان مأة ومن آخر مأة وخلطهما، ثم تصدق، لايكفر؛ لأنه ليس بحرام لعينه بالقطع، لاستهلاك بالخلط . قلت: وأفاد أيضاً! كون هذا المخلوط حراماً خبيثاً، ولو حراماً لالعينه . وأما حرمة الانتفاع به، فلما فيه أيضاً : فإن غصب وغير المغصوب، فزال اسمه وأعظم منافعه، أو اختلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمنع امتيازه، أو يمكن بحرج، ضمنه، وملكه بلاحل الانتفاع قبل أداء ضمانه: أى رضاء مالكه بأداء أو إبراء، أو تضمين قاض، والقياس حله، وهو راويته، فلو غصب طعاماً، فمضغه حتى، صار مستهلكاً يبتلعه حلالاً، في رواية حراماً على المعتمد جمعاً لمادة الفساد، وأما =

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالِ حرام کو متعین کر کے اس کے بدلہ میں حلال مال خریدا ہے اور پھر وہی حرام مال متعینہ قیمت میں ادا کردیا ہے تب تو اس کی آمدنی ناجائز ہے، اس کو غرباء ومساکین پر صرف کردیا جائے، کسی اور کار خیر میں لگانا یا اپنے کام میں خرچ کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر بغیر تعین مالِ حرام (سے) کوئی مالِ حلال خریدا اور پھر وہ مالِ حلال قیمت میں ادا کردیا، یا متعین تو کیا مالِ حرام کو مگر ادا کیا مالِ حلال، یا متعین تو کیا مالِ حلال مگر ادا کیا مالِ حرام تو ان تینوں صورتوں میں کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آمدنی اس کی حلال ہوگی (صرف اصلی مالِ حرام کی ضمان لازم ہوگی)۔

ذخیرہ، قہستانی، غرر، مختصر وقایہ، اصلاح وغیرہ میں اس پر فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے۔ ہدایہ(۱) مبسوط(۲)

= حرمة قبول الغير له فلما فيه أيضاً، وجاز رزق القاضي من بيت المال لو بيت المال حلالاً، وإلا لم يحل، قلت: والفرع بعد تمهيد الأموال ظاهر حكمه". والله أعلم". (إمداد الفتاویٰ، كتاب الغصب، عنوان: "حکم تنخواہ از ریاست کہ بمال مغصوب دادہ شود: ۳/۴۴۴، ۴۴۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۱) "فقوله في الكتاب: "اشترى بها" إشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها و نقد منها الثمن، أما إذا أشار إليها و نقد من غيرها، أو نقد منها وأشار إلى غيرها، أو أطلق إطلاقاً و نقد منها يطيب له، و هكذا قال الكرخي؛ لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين، لا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث. وقال مشايخنا: لا يطيب له قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار؛ لإطلاق الجواب في الجامعين". (الهداية: ۳/۳۷۶، كتاب الغصب ، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وهذا إذا كانت الوديعة شيئاً يباع، فإن كانت دراهم فالدراهم يشترى بها، ثم ينظر إن اشترى بها بعينها و نقدها لا يطيب له الفضل أيضاً. وإن اشترى بها و نقد غيرها، أو اشترى بدراهم مطلقة، ثم نقدها، يطيب له الربح هنا .... وفي النوادر: لو اشترى ديناراً بعشرة دراهم و نقد الدراهم المغصوبة، لم يحل له أن ينتفع بالدينار مالم يؤد الضمان؛ لأن صاحب الدراهم إذا استحق دراهمه، فسد العقد، ووجب عليه ردّ الدينار". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۲۰، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئته)

"قال الكرخي: إنه على أربعة أوجه: أما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، وفي كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعيين، فيستوي وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد =

وغیرہ میں بہرصورت اس آمدنی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال[۷۹۸۷]: ایک شخص پانچ سوروپیہ سے تجارت کررہا ہے اور چھ سوروپیہ کا مقروض ہے۔کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں، یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے؟ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے، اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے اور قرض کی تاخیر پر باز پرس بھی ہے، لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا صحیح نہیں۔البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= منهما. و قال مشايخنا: لا يطيب له بكل حال، و هو المختار، وإطلاق الجواب في الجامعين يدل على ذلك .... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا، لكثرة الحرام، الخ". (البحرالرائق: ۲۰۷/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۲۲/۶، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۸۳/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۳۵/۵، باب المتفرقات، سعيد)

(۱) "و يجوز تأخير الفوائت وإن وجبت على الفور، لعذر السعي على العيال، وفي الحوائج على الأصح". (الدرالمختار). "(قوله: وفي الحوائج) أعم ما قبله: أي ما يحتاجه لنفسه من جلب نفع و دفع ضرر. وأما النفل، فقال في المضمرات: الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهمّ من النوافل إلا سنن المفروضة، وصلوة الضحى، وصلوة التسبيح والصلوة التي رويت فيها الأخبار: أي كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب". (ردالمحتار: ۷۴/۲، باب قضاء الفوائت، سعيد)

مقروض کے تین حالات

سوال[۷۹۸۸]: زید نے تین شخصوں کا بیان کیا، جو قرض دار مرجاتے ہیں، ان کا قرض اللہ کے ذمہ ہے:

۱- کسی شخص کے کفن کے لئے کسی شخص سے دینے کی نیت سے قرض لیا اور وہ بوجۂ غربت یا اتفاق سے مرجانے کی وجہ سے ادا نہ کرسکا۔

۲- کسی شخص کو شادی کی خواہش ہے، اگر شادی نہیں کرتا تو زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، چونکہ وہ مفلوک الحال ہے اس لئے قرض لیا اور دے نہ سکا۔

۳- کوئی شخص جہاد میں کمزور و بیمار ہوکر واپس آیا اور اس نے کسی سے قرض لیا اس خیال سے کہ خوب تندرست و طاقت ور ہوکر جہاد میں جاکر دشمنوں سے لڑوں گا یعنی کفار و مشرکین سے اور اتفاق سے وطن ہی میں یا جہاد میں جاکر شہید ہوجائے یا انتقال کرجائے۔

کیا ان تینوں اشخاص کا قرضہ جو اس طرح مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، یا حق العباد میں سے ہے اور ان قرضوں کی بابت بازپرس ہوگی، یا بالکل نہیں، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اس مسئلہ میں بڑی تنگی کردی، فتاویٰ عالمگیری میں تو یہ قید نہیں بلکہ اس میں تو مطلقاً لکھا ہے کہ:

> ''جو شخص کسی ضرورت و پریشانی سے مجبور ہوکر قرض لے اور نیت یہ ہو کہ اس کو ادا کردوں گا، پھر باوجود کوشش کے ادا کرنے کی قدرت و وسعت نہ ہوئی اور اسی حال میں انتقال ہوگیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آخرت میں مواخذہ نہ فرمائیں گے''(۱)۔

ایسا ہی مضمون اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو کہ مشکوۃ، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس

---

(۱) "رجل مات و علیه قرض، ذکر الناطفي: نرجو أن لا یکون مواخذاً في دار الآخرة إذا کان في نیته قضاء الدین". (الفتاوی العالمکیریة: ۳۶۶/۵، کتاب الکراهیة، الباب السابع والعشرون في القرض والدین، رشیدیه)

والإنظار، فصل أول میں بحوالہ بخاری منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالىٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أدائها، أدّى اللّٰه عنه، ومن أخذ يريد إتلافها، أتلفه اللّٰه عليه". رواه البخاری"(۱)۔

اور اس مسئلہ کو تصریح کے ساتھ فتح الباری: ۴۲/۵، میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قدیمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۲۱، باب فی الاستقراض أداء الدين، قدیمی).

(۲) "ولابن ماجة وابن حبان من حديث ميمونة: "ما من مسلم يُدان ديناً يعلم الله أنه يريد أداء ه، إلا أدّاه الله عنه فی الدنيا ....اهـ". (فتح الباری، كتاب الاستقراض، وأداء الديون، باب من اخذ أموال الناس يريد أداء ها أو إتلافها: ۲۹/۵، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يريد أداء ها": أی من استقرض احتياجاً، وهو يقصد أداء ه ويجتهد فيه "أدّى الله عنه": أی أعانه علی أدائه فی الدنيا أو أرضیٰ خصمه فی العقبیٰ". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱۲۲/۶، رشيديه)

(وكذا فی فيض القدير: ۵۶۰۵/۱۱، (رقم الحديث: ۸۳۵۱)، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز رياض)

البتہ زید کے ذکر کردہ تین شخصوں کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے:

"عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الدين يقتص من صاحبه يوم القيامة إذا مات إلا من تدين فی ثلاث خلال: الرجل تضعف قوته فی سبيل الله، فيستدين يتقوى به لعدو الله وعدوه. ورجل يموت عنده مسلمٌ لايجد مايكفنه ويواريه إلا بدين. ورجل خاف الله علی نفسه العزبة، فينكح خشية علی دينه، فإن الله يقضی عن هولاء يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، بابٌ: ثلاث مَن ادّان فيهن، قضی الله عنه، قديمی)

دینِ قرض کا مطالبہ

سوال[۷۹۸۹]: ایک عورت نے اپنے بھتیجا کو کچھ رقم بابت ادھار دی، لیکن اس عورت کے لڑکے اور اس عورت کے بھتیجے مشترک کاروبار میں شامل تھے، اس کاروبار میں جو منافع یا مزدوری ہوئی، اس عورت کے لڑکے نے حساب پورا نہیں دیا۔ جب حساب چیک ہوا تو اس عورت نے جو رقم اپنے بھتیجا کو دی تھی اس سے زیادہ حساب اس آمدنی میں سے ان کی طرف نکلا، انہوں نے ادا نہیں کیا، اس عورت کے لڑکے نے ادا نہیں کیا اور وہ عورت اپنی رقم اپنے بھتیجے سے طلب کرتی ہے جب کہ اس کے نوٹس میں یہ بات ہے کہ میرے بیٹے کی طرف میرے بھتیجا کی رقم واجب ہے، پھر بھی اس عورت کا بھتیجے پر تقاضہ بدستور باقی ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت نے اگر اپنی مملوکہ رقم اپنے بھتیجے کو ادھار دی تھی تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتی ہے اور بھتیجا کے ذمہ اس کا واپس کرنا لازم ہے(۱)۔ جو کاروبار مشترک ہے یا جو حساب اس عورت کے لڑکے سے متعلق ہے، اس میں وہ ادھار کی رقم محسوب کرنے کا حق نہیں ہے جب تک وہ عورت اور اس کا لڑکا رضامند نہ ہوں اور شرکاء اجازت نہ دیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۹/۲۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً تقاضى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأغلظ له، فهمّ أصحابه فقال: "دعوه، فإن لصاحب الحق مقالاً، واشتروا له بعيراً، فأعطوه إياه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمي)

"عن ابن عمر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من طلب حقاً فليطلبه في عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۴، باب حسن المطالبة، قديمي)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف في المال الغير بدون إذن منه: ۶/۲۰۰، سعيد)

قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت

سوال[۷۹۹۰]: اگر کوئی شخص سرکاری نوکری کرتا ہے، اس کے یہاں ٹھیکہ وغیرہ کا کام چلتا ہے، اس کا ٹھیکہ دار ہوتا ہے، اس سے وہ ملازم کوئی پیسہ قرض کی شکل میں لے لے اور بعد میں ادا نہ کر سکے اور وہ ٹھیکہ دار معاف کردے کہ کوئی بات نہیں تو اس پر مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ ٹھیکہ دار کے معاف کرنے کے بارے میں اس کی قلبی کیفیت کا پتہ کیسے چلے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا روپیہ ہو وہ معاف کرسکتا ہے(۱)، اگر یہ اطمینان نہ ہو تو اس کا امتحان اس طرح کرلیا جائے کہ مقدار قرض روپیہ کسی سے لے کر قرض خواہ کو دیدیا جائے، وہ پھر لے کر دیدے کہ میں نے یہ آپ کو ہی دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے خوش دلی سے معاف کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب

سوال[۷۹۹۱]: ہمارے والد صاحب نے پنڈت کو جب کہ چک بندی ہو رہی تھی سو روپیہ دیا، اس غرض سے کہ وہ اے سی او کو یہ روپیہ دے کر میرا چک اچھی جگہ کرادے۔ میں نے جب اے سی او سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں آپ کا چک بلا رشوت لئے ہی اچھی جگہ پر دے دوں گا تو میں جا کر پنڈت سے روپیہ لے آیا۔ اس کے بعد پھر پنڈت آیا اور کہا اے سی او صاحب روپیہ مانگ رہے ہیں تو ہم نے اسے ۵۵/ روپے دے دیئے اور اس کا ذکر اے سی او صاحب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے روپے نہیں ملے اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں، آپ روپے اس سے لے لیجئے۔

نیز ہمارے ذمہ اس کا سو روپے پہلے ہی سے تھا اور اسی درمیان میں ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ہم نے ۵۵/ روپے کاٹ کر اس کا بقیہ ۴۵/ روپے دینے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے پورے سو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق به حق الغير يمنع المالك من تصرفه بوجه الاستقلال". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

روپے ملنے چاہئیں، میں نے آپ کا روپیہ اے سی اوکو دیدیا تھا۔ اور اے سی او اس سے انکار کرتا ہے اور پنڈت کہہ رہا ہے کہ مجھے سو روپیہ دو، اور اگر پورے سو نہیں دیتے ہو تو بقیہ روپے بھی لے جاؤ، میں نہیں لوں گا۔ اب ہم لوگ کیا کریں، پورے روپے دیں یا اپنا روپیہ کاٹ کر؟ اور بقیہ روپے لینے پر وہ راضی نہیں، تو بقیہ روپے دینے کے لئے کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۵۵/ روپے کاٹ کر بقیہ ۴۵/ روپے لفافہ میں رکھ کر اس کے سامنے رکھ دیں کہ اس کو دیکھ لو اور پڑھ لو، اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھ دیں کہ تمہارے سو روپیہ ہماری طرف تھے، ۵۵/ روپے پہلے دے دیئے تھے اور بقیہ ۴۵/ روپے یہ ہیں فقط، جب وہ لفافہ اٹھائے گا تو اس کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ بری ہو جائیں گے (۱)۔ اگر فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو تو مصیبت ٹلانے کے لئے پورے سو ہی دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۳ھ۔

---

(۱) "تسليم المبيع يحصل بالتخلية، وهي أن يأذن البائع المشترى بقبض المبيع، ولا مانع يمنعه من تسليمه: أى يشترط في التخلية أن تكون على وجه يتمكن المشترى فيه من القبض بلا مانع ولا حائل بأن يكون المبيع مفرزاً غير مشغول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۷، (رقم المادة: ۲۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وحاصله أن التخلية قبضٌ حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع .... فكونه بحيث لو مدّ يده تصل إليه قبضٌ". (رد المحتار: ۵۶۲/۴، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

"والتمكن من القبض كالقبض، فلو وهب لرجل ثياباً في صندوق مقفل و دفع إليه الصندوق، لم يكن قبضاً، وإن مفتوحاً كان قبضاً لتمكنه منه". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"ويبرأ بردها (أى رد عين المغصوب) ولو بغير الملك. وفي البزازية: غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه، و كذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب في ردالمغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله: ۱۸۲/۶، سعيد)

کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا

سوال[۷۹۹۲]: کارخانہ میں کچھ کاریگر ملازم ہیں جن کے ذمہ ہزار روپیہ قرضہ بھی ہے، اس کے باوجود ہر ہفتہ پیشگی کے طالب رہتے ہیں، اس صورت میں کارخانہ کا مالک دباؤ ڈالنے کے لئے ۵،۵/ روپیہ مٹھائی کے لئے خرچ کرالیتا ہے، پھر پیشگی دیتا ہے۔ یہ دینا کیسا ہے؟ اور مالک کا خرچ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ دباؤ ڈال کر خرچ کروانا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اپنے قرض میں محسوب کرلے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جو لا پتہ ہو

سوال[۷۹۹۳]: کسی غیر مسلم کا میرے ذمہ روپیہ واجب الاداء ہے اب اس کا پتہ نشان نہیں نہ اس کے خاندان کا پتہ ہے میں روپیہ ادا کرکے بارِ قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غریب کو بنیتِ گلوخلاصی صدقہ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تاکلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال العلامة البغويّ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها". (معالم التنزيل: ۲/ ۵۰، قديمی)

قال الإمام القرطبيّ: "من أخذ مال غيره لاعلى وجه أذِنَ الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/ ۲۲۳، دار إحياء التراث العربی بيروت)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، قديمی)

مالِ کافر کی ادائیگی

سوال[۷۹۹۴]: اگر کسی مسلمان کے ذمہ کسی کافر کا قرض ہو اور اس کی ادائیگی ناممکن ہوگئی ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مع کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاف کرالے اگر ادا کرنے کو نہ ہو، ورنہ مواخذہ ہوگا:

"وفي فتاویٰ قاضي خان: رجل له حق علی خصم فمات ولاوارث له، تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله علیه، لیکون ودیعةً عند الله تعالی یوصله إلی خصمائه یوم القیامة. وإذاغصب مسلم من ذمي مالاً أوسرق منه، فإنه یعاقب به یوم القیامة؛ لأن الذمي لایرجی عنه العفو، فکانت خصومة الذمي أشد". شرح فقه أکبر، ص: ۱۹٤(۱)۔

"ولا وجه لإعطائه ثواب طاعة المسلم؛ لأنه لیس من أهل الثواب، ولا لوضع وبال الکفر علی المسلم، فتبقی خصومته، أفاده أبوالسعود. وقد یقال: لامانع من وضع وبال غیر الکفر من السیئات علی المسلم، فیعذب بها عنه. روی: "من ظلم ذمیاً کنت حجیجه یوم القیامة". وحمله بعض العارفین علی معنی أن النبي صلی الله علیه وسلم یحاجج عن المسلم؛ لأن الذمي یقول: لا أرضی بخصومتي إلا أن یکون خصمه معه في حمل استقراره". طحطاوی علی الدرالمختار، باب الاستیلاد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۱/۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (شرح الفقه الأکبر للملا علي القاري الحنفي رحمه الله تعالیٰ، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قدیمی)

(۲) (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب العتق، باب الاستیلاد: ۳۱۹/۲، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا في رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب العتق، باب الاستیلاد: ۳۵۴/۳، سعید)

ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا

سوال[۷۹۹۵]: والدین کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے ساری جائیداد کو نصف نصف تقسیم کرلیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کی صرف ایک بہن ہے۔ تقسیم جائیداد کے وقت ہمشیرہ کو جائیداد سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ بڑے بھائی ہمشیرہ کو حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب احقر نے موجودہ نصف حصہ میں سے ہمشیرہ صاحبہ کو پانچواں حصہ دینے کا پختہ عزم کرلیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت تقریباً پندرہ سو روپے احقر کے ذمہ بڑے بھائی صاحب نے قرض ڈالے ہیں۔

احقر نے بڑے بھائی سے دریافت کیا کہ یہ قرض کیسے ہوا، مجھ کو اس سے کیا تعلق ہے؟ تو بھائی صاحب نے جواب دیا کہ تقریباً تین سال پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے میں نے قرض لے کر کے کھایا اور زمین کی دیکھ بھال کی، اس لئے آپ کے ذمہ قرض ڈال رہا ہوں، جس کو احقر نے مجبوراً قبول کرلیا۔ اس طرح کا قرض احقر اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ذمہ بھی کچھ ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ احقر ہمشیرہ کو پانچواں حصہ دے رہا ہے۔ اگر قرض ڈالنا ہے تو کس طرح ڈالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو اس صورت میں ہمشیرہ پر یہ قرض ڈالنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۳ھ۔

دھان کا قرض

سوال[۷۹۹۶]: دھان کے بدلے دھان لینا یا دینا بطورِ قرض کیسا ہے؟

سید عبدالستار۔

---

(۱) "لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، ص:۱۰۶، (رقم القاعدة: ۲۵۱)، الصدف،پبلشرز)

"عمّر دارَ زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها. ولو عمّر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، هو منطوع في البناء، فلا رجوع له". (الدرالمختار مع تنوير الأبصار وشرحه مع ردالمحتار: ۶/۷۴۷، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دھان بطورِ قرض لئے پھر اسی قدر دھان واپس کردیئے، کمی زیادتی نہیں کی تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبدمحمود۔

آٹے کا ادھار

سوال[۷۹۹۷]: عموماً چکی پر جب بھی کرنٹ نہیں ہوتا، بالکل بند ہوتی ہے، لوگ ادھار سیر دوسیر آٹا لے جاتے ہیں اور اپنا غلہ رکھ جاتے ہیں، جب ان کا غلہ پس جاتا ہے تو وہ دوسرا آٹا منہا کرلیا جاتا ہے اور کردہ وپسائی لے لی جاتی ہے۔ آیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قرض میں آٹا منہا کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۲/ ۳۴۹، الفن الثانى، كتاب المداينات، إدارة القرآن كراچى)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۳۸۹، سعيد)

"والذى يتحقق من النظر فى دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فى القرض هى المثلية في المقدار، والكمية دون المثلية فى القيمة والمالية". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

"هو [أى القرض] عقد يَرِد على دفع مثلى ليرد مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/ ۱۶۱، سعيد)

وكذا فى الفقه الإسلامي وأدلته: ۵/ ۳۷۹۳، رشيديه كوئٹه)

(۲) "القرض عقد مخصوصٌ يَرِد على دفع مال مثلى لآخر ليرد مثله، وصح القرض فى مثليّ لافى غيره". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/ ۱۶۱، سعيد)

"عن أبى يوسف رحمه الله أنه قال: لاضرورة ولاخير فى قرض الحنطة والدقيق بالوزن. وذكر فى الأصل: إذا استقرض الدقيق وزناً لايرده، ولكن يصطلحان على القيمة. وعن أبى يوسف فى رواية:=

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۵۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يجوز استقراضه وزناً إذا تعارف الناس ذلك، وعليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض: ۳/۲۰۱، رشيديه)

"فيصح استقراض الدراهم الدنانير، وكذا كل مايكال أو يوزن أو يعد متقارباً، فصح استقراض جَوز وبيض". (الدرالمختار، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۴/۱۶۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ۱۰/۵۹۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۹۲، حقانيه پشاور)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۸/۲۴۳، كتاب البيع، الفصل الثالث والعشرون في القروض، غفاريه كوئٹه)

باب القمار

(جوئے کا بیان)

مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی

سوال [۷۹۹۸]: ایک طریقہ تجارت باقاعدہ اسکیم کے تحت تقریباً پوری دنیا میں چل رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اس میں ملوث ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ: کوئی تاجر یا کوئی کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے، مثلاً: کوئی سائیکل اسکیم چلاتی ہے، اس سائیکل کی اصل قیمت ۵۰۰/ روپے ہے، اس صورت میں ۵۰/ روپے ماہانہ کے بیس ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ اس قرعہ میں جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے اس کو صرف ۵۰/ روپے میں سائیکل مل جاتی ہے، اس طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سائیکل ملتی رہے گی۔ یہ صورت ہر مہینہ چلے گی اور دسویں مہینہ میں جتنے باقی رہیں گے سب کو سائیکل دیدی جائے گی۔

اس میں اسکیم چلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں ایک ہزار روپے ملیں گے جس میں وہ پانچ سو روپے کی چیز دے گا اور باقی رقم اپنی تجارت میں لگائے گا، اسی طرح نو ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہے گی اور پانچ سو روپے کی چیز جاتی رہے گی۔ دسویں ماہ باقی ممبروں کو وہ چیز پوری پوری دیدی جائے گی، البتہ پہلے اور دوسرے تیسرے اور دیگر قرعہ اندازی کے اندر نکلنے والے ناموں کو یہ چیز کم قیمت میں ملتی ہے، یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔ آیا یہ اسکیم سود و قمار میں داخل ہے یا نہیں؟ سود اور قمار اگر ہے تو کیسے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، وقتِ عقد ثمن، مبیع متعین ہونا چاہئے، وہ یہاں متعین نہیں بلکہ مجہول ہے، کمی زیادتی ظاہر ہے، جتنی رقم دی ہے اس پر زیادتی کون سے عقد کی بنا پر ہے۔ اس کو قمار بھی کہا جاسکتا ہے

اور ربا بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

لاٹری کا حکم

سوال [۷۹۹۹]: آج کل ہندوستان میں مختلف صوبائی حکومتوں نے مختلف انعامات کے ساتھ لاٹری شروع کر رکھی ہے اوران کو انتہائی دیانتداری کے ساتھ نکال کران کی تقسیم بھی کرتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کا یہ انعام نکل جائے تو تعمیر پر صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... نیز یہ پیسہ کسی اسلامی مدرسہ یا مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳..... نیز اس پیسے کو اپنی ذاتِ خاص پر صرف کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) یہ صورت بیع فاسد کی ہے اس لئے کہ ثمن اور مبیع دونوں مجہول ہیں: "یشترط أن یکون المبیع معلوماً عند المشتری؛ لأن بیع المجهول فاسد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص:۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"یلزم أن یکون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البیع". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۲۸۰، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴/۵۲۹، کتاب البیوع، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۴۵۶، کتاب البیوع، رشیدیه)

البتہ اس معاملہ کو قمار یا سود قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ قمار میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی کسی غیر یقینی واقع کی بنیاد پر کوئی رقم اس طرح داؤ پر لگادیں کہ یا تو وہ اس رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا، یا اسے اتنی ہی یا اس سے زیادہ رقم بغیر کسی معاوضے کے مل جائے، جب کہ مذکورہ صورت میں تمام ممبروں کو سائیکل ملنا یقینی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ رقم کے بدلے۔ اور سود قرار دینا بھی مشکل ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں جنس مختلف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۳، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

انعامی لاٹری کا یہ سلسلہ خلاف شرع ہے، ہرگز اس میں حصہ نہ لیا جائے (۱)، اگر غلطی سے حصہ لے لیا ہے اور روپے مل گئے ہیں تو اس کو بلانیتِ ثواب غریبوں محتاجوں کو صدقہ کردیا جائے جن میں نادار طلبہ بھی داخل

---

(۱) اس لئے کہ یہ قمار ہے کیونکہ عام طور پر لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک یا زیادہ روپے جمع کراتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کئے جاتے ہیں: ﴿یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله حرّم علی أمتی الخمر والمیسر". (مسند لإمام أحمد بن حنبل (رقم الحدیث: ۶۵۱۱): ۲/۱۵۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"إن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبی داؤد: ۲/۳۲۷، باب ما جاء فی السکر، امدادیه ملتان)

"ولو شرط فیها من الجانبین؛ لأنه یصیر قماراً". (الدرالمختار). "(قوله: لأنه یصیر قماراً): لأن القمار من القمر الذی یزداد تارةً وینقص أخری. وسمی القما قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۳، سعید)

"وحرم لوشرط المال من الجانبین". (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۷/۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولایجوز الرهان فی حالة ما إذا کان عن کل واحد علی أنه إن سبق، فله الرهان، وإن سُبق فیغرم لصاحبه مثله؛ لأن هذا من باب القمار المحرم". (فقه السنة، المسابقة، الصور التی یحرم فیها الرهان: ۳/۵۰۷، دارالکتاب العربی بیروت)

"لوکان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً، لایجوز؛ لأنه فی معنی القمار، نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی فلک علیّ کذا، وإن سبقتک فلی علیک کذا، فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق، فصل فی شروط جواز السابق: ۸/۳۵۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

ہیں، مسجد یا مدرسہ یا اپنے ذاتی کام میں صرف نہ کیا جائے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۹ھ۔

لاٹری کا ٹکٹ

سوال[۸۰۰۰]: حکومتِ ملایا کی جانب سے ایک لاٹری نکلتی ہے جس کا مقصد یتیموں کی امداد کرنا ہے اس میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔اس لاٹری کا ٹکٹ خریدنا کیسا ہے؟

کلیم الدین، کوالالمپور، ملایا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت

سوال[۸۰۰۱]: بعض ادارے رقم جمع کرنے کے لئے کپڑا سینے کی مشین، سائیکل، سینکڑوں کی تعداد میں روپیہ اور دیگر قیمتی اشیاء رکھ کر ایک روپیہ کا ٹکٹ عوام میں تقسیم کرتے ہیں، اور ایک معین تاریخ تک، پھر ایک جلسہ کرکے مذکورہ اشیاء جن کے نام پر نکلتی ہے، اس کو دیدیتے ہیں۔کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

---

(۱) "و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الكسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

"و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا یتصدقوا به؛ لأن سبیل الكسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۳۶۹/۸، کتاب الكراهية، فصل فی البیع، رشیدیه)

(وكذا فی تبیین الحقائق: ۶۰/۷، کتاب الكراهية، فصل فی البیع، دارالكتب العلمية بیروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة: ۳۴۹/۵، کتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاوی الكاملية، ص: ۱۵۱، حقانیه پشاور)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۷، رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت سود بھی ہے جُوا بھی ہے، اس لئے جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

جوے کی ایک صورت

سوال[۸۰۰۲]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے، بکر کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے۔ دونوں میں سو روپے کی شرط ہوگئی اور ثالث کے پاس دوسو روپے رکھ دیئے کہ جس کی بات صحیح ہوگی، وہ دو سو روپے لے لے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جوا ہے (۲) جو کہ نا جائز ہے (۳)، روپے مالک کو واپس پہونچانا ضروری ہے (۴)۔ فقط

---

(۱) "القمار كله من الميسر .... وهو السهام التي يجيلونها، فمن خرج سهمُه استحق منه ماتوجبه علامة السهم...... وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (احكام القرآن للجصاص (سورة المائد: ۹۰): ۲/۴۶۵، دارالكتاب العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً، لأن كل واحدٍ من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

"إن أهل الجاهلية كانوا يخطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القران للجصاص: ۱/۳۲۹، دارالكتاب الالعربي بيروت)

"لأن الربوا: هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوضٍ شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲، ۲۷۵)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱)

(۲) "وسمي القمار قماراً، لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۲ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۷ھ۔

بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی

سوال [۸۰۰۳]: ایک کھیل بچوں میں چل رہا ہے کہ ایک تختہ بازار سے لاتے ہیں، بچہ ۵، ۱۰/ پیسہ لے کر پرچی پھاڑتا ہے، جو نمبر نکلتا ہے اسی کے مطابق پیسہ بچوں کو مل جاتا ہے اور اگر نہ نکلے تو بچے کو کچھ نہیں ملتا۔

= يستفيد مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۲/۶۵۳، باب تحريم الخمر، (سورة المائد: ۹۰)، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾. (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبي داؤد. ۲/۱۶۳، باب ماجاء في السكر، امداديه ملتان)

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربي بيروت)

(۴) "و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵۱، حقانيه پشاور)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کھیل میں جوا بھی ہے(۱) اورسود بھی (۲)، بچوں کو ہرگز اس کی اجازت نہ دی جائے، اس مقصد کے لئے ان کو پیسے نہ دیئے جائیں۔ ان کی اخلاقی تربیت بڑوں کے ذمہ ہے، اس سے غفلت برتنا حق تلفی اور بچوں پرظلم ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۰ھ۔

معمہ حل کرنے کی اجرت

سوال[۸۰۰۴]: ہمارے ایک دوست کی اور میری ایک مسئلہ میں بحث ہوگئی ہے، ہم دونوں کی رضامندی سے فیصلہ آپ پر چھوڑ رہے ہیں، مسئلہ حسب ذیل ہے:

اکثر رسالہ میں آنجناب نے علمی معمہ دیکھا ہوگا، اس کی صحیح خانہ پری کرنے پر انعام دیا جاتا ہے۔

---

(۱) "وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، و یجوز أن یستفید مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۲/۲۵۳، باب تحریم الخمر، قدیمی)

(۲) "لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فیه".

(الهدایة: ۳/۸۰، باب الربا، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل السادس فی تفسیر الربا وأحکامه: ۳/۱۱۷، رشیدیه)

(وکذا فی کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، مباحث الربا، دارالفکر بیروت)

(۳) "عن جابر بن سمرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لأن یؤدب الرجل ولده خیرٌ له من أن یتصدق بصاع".

"عن أیوب بن موسی عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه: أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن". (مشکوة المصابیح، ص: ۴۲۳، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا قمار ہے، کیونکہ ایک روپیہ کے بدلے میں زیادہ روپے ملتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ قمار نہیں ہے، بلکہ ایک روپیہ فیس داخلہ ہے اور انعام اس ایک روپیہ پر نہیں ملتا، ورنہ ہر داخلہ لینے والا انعام کا مستحق ہوتا، بلکہ عمل (صحیح خانہ پری) ہی باعثِ انعام ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کا جتنے درجہ عمل صحیح ہوگا وہ ویسے ہی انعام کا مستحق گردانا جائے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے دوست نے اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ (قمار) تجویز کی ہے، آپ نے اس کے جائز ہونے کی ایک وجہ نکالی جو کہ درحقیقت اس کے ناجائز ہونے کے لئے مؤکد ومؤید ہے یعنی ربوا، پس اس کے ناجائز ہونے کی دو وجہ آپ کے دونوں کے مجموعی کلام سے حاصل ہوگئیں:

ایک: قمار، کیونکہ انعام نہ ملنے کی صورت میں یہ روپیہ ضائع ہوگیا۔

دوسری وجہ: ربوا، کیونکہ ایک روپیہ دے کر زیادہ روپیہ حاصل ہوئے۔ ربوا اور قمار دونوں نصاً ممنوع ہیں۔

یہ توجیہ کہ ’’ایک روپیہ تو فیس داخلہ ہے اور انعام معاوضہ واجرت ہے خانہ پُری کی‘‘ فقہی نظر میں وجیہ نہیں، بلکہ توجیہِ محض ہے، اس کی اتنی حیثیت نہیں جتنی فیس داخلہ ایک روپیہ کی، اس پر انعام نہیں ملے گا۔ یہ عمل صحیح نہیں۔

سب جانتے ہیں کہ محض داخلہ مقصود نہیں کہ اس کے لئے فیس برداشت کی جائے، بلکہ تحصیلِ رقم مقصود ہے جس کا نام ’’انعام‘‘ رکھا ہے اور وہ درحقیقت اجرت ہے خانہ پری کی، مگر خانہ پری بھی مطلقاً نہیں بلکہ حسبِ منشاء متاجر جس کا کسی کو علم نہیں۔ ایسا اجارہ ہی جائز نہیں، جو اجیر کے علم میں نہ ہو اور اس کے قابو سے باہر ہو۔

اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ انعام دینے والے کا مقصود بھی محض خانہ پری نہیں، نہ اس سے کوئی خاص غرض وابستہ ہے بلکہ انعامِ کثیر کا لالچ دے کر روپیہ جمع کرنا مقصود ہے کہ ایک ایک روپیہ کر کے بے شمار روپیہ جمع ہوجائے، پھر اس میں سے تجویز کردہ ضابطہ کے تحت کچھ روپے فیس والوں کو بھی دیدیا جائے۔ دوسرے لوگ دیکھیں گے کہ فلاں شخص کو ایک روپیہ داخل کر کے اتنا انعام ملا ہے، اس سے ان کی طبیعت میں بھی لالچ پیدا ہوگی، وھلم جراً۔ یہ تو درحقیقت روپیہ غلط طریقہ پر کمانے کی تنظیم ہے۔

"الإجارة هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض، حتى لو استأجر ثياباً أو أواني ليتجمل بها، أو دابةً ليجنبها بين يديه، أو داراً لا يسكنها، أو عبداً، أو دراهم أو غير ذلك لا يستعمله، بل ليظن الناس أنه له، فالإجارة فاسدة في الكل، و لا أجر له؛ لأنه منفعة غير مقصودة في العين، اهـ". درمختار، أول كتاب الإجارة۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ "(وقوله: مقصودة من العين): أي في الشرع و نظر العقلاء، و بخلاف ما سيذكره، فإنه وإن كان مقصوداً للمستأجر لكنه لا تقع فيه، وليس من المقاصد الشرعية، اهـ". شامي ۵/۳(۱)۔

"رجل ضل له شيء، فقال: من دلّني على كذا، فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلك على سبيل العموم بأن قال: من دلّني، فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة و الإشارة ليست بعمل يستحق به الأجرة، اهـ". شامي: ۵/۷۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۶/۵/۹۰ھ۔

اخباری معمہ حل کرنا

سوال[۸۰۰۵]: کسی اخبار کا انعامی معمہ بھر کر انعام حاصل کر کے کسی مسجد یا مدرسہ دینیات یا کسی اَور جگہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی پوری کیفیت تحریر کیجئے، اگر یہ صورت ہو کہ اخبار میں شائع ہوا کہ جو شخص فلاں چیز کا مطلب بیان

(۱) (ردالمحتار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۶/۹۵، باب فسخ الإجارة، مطلب: ضل له شيء فقال: من دلني عليه فله كذا، سعيد)

"والمراد من المنفعة أن تكون مقصودةً من العين، فلو استأجر ثياباً يبسطها و لا يجلس عليها ولا ينام، أو دابةً ليربطها في داره و يظن الناس أنها له، أو ليجعلها أجنبية بين يديه، أو آنيةً يضعها في بيته يتجمل بها و لا يستعملها، فالإجارة في جميع ذلك فاسدة، ولا أجرة له؛ لأن هذه المنفعة غير مقصودة". (البحر الرائق ۸/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۵۱۱، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

کردے، یا فلاں مسئلہ کو حل کردے تو اس کو اتنا انعام دیا جائے گا، پھر کسی نے اس کو حل کردیا اور انعام ملا تو یہ انعام اس کی ملک ہے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے کام میں لائے یا مسجد وغیرہ میں صرف کردے(۱)، اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یک طرفہ چیز ہے۔ اگر حل کرنے والے سے بھی کچھ وصول کیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم معلوم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۵/۶۶ھ۔

شمع معمہ حل کرنے پر انعام

سوال[۸۰۰۲] : ا.....کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

آج کل شمع معمہ دہلی سے نکلتا ہے، اس میں شرائط یہ ہیں کہ اس میں ایک خاکہ ایک روپیہ کے حساب سے جتنا چاہو دیدو، اور اس میں شمع معمہ کا ٹوکن ہونا لازمی ہے، اب تمہاری قسمت اگر پہلا انعام یا کوئی انعام ملا۔ آیا یہ روپیہ لینا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "بأن يقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني أعطيتك كذا، وإن سبقتُك لا آخذ منك شيئاً" (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

"لو وقع الاختلاف بين اثنين، و شرط أحدهما لصاحبه أنه إن كان الجواب كما قلتُ أعطيتك كذا، وإن كان كما قلتَ، لاآخذ منك شيئاً، فهذا جائز". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۷، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ولو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتك فلا شيء عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع، كتاب السباق، فصل في شروط جواز السباق: ۸/۳۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۷۱، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فقه السنة، المسابقة: ۳/۵۰۶، دارالكتاب العربي بيروت)

"كل يتصرف في مكله كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(الف) اگر جائز ہے تو اس میں کوئی کلام ہی نہیں، اگر ناجائز ہے تو مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کرنا جائز ہے؟

(ب) مثلاً جب روپیہ نام میں اٹھا جتنا بھی ہو، اس کو لے کر کسی غیر مسلم کو دیدیں وہ اس کی ملک ہوگئی، اس کے بعد وہ ہم کو جتنا روپیہ واپس کردے اس کو اختیار ہے۔ یہ حیلہ کہاں تک صحیح ہے؟

(ج) یا روپیہ ہمارے نام میں اٹھا، ہم اس کو لیکر کسی غیر مسلم کو دیدیں، وہ اسکول جہاں مسلم وغیر مسلم دونوں طلبا پڑھتے ہوں، اور قوم کا فائدہ ہوجائے، یا اپنے نام سے اسکول کھلوالیں۔ کیا اس میں بھی گناہ ہوگا؟

(د) ایک شخص مقروض ہے حالانکہ اس کی آمدنی ایک سو روپیہ ہے، لیکن خرچ زیادہ ہے کیونکہ اہل و عیال زیادہ ہیں اور موجودہ وقت میں ہر چیز گراں ہے، اسی وجہ سے مقروض ہوگیا اب ادائیگی کی کوئی صورت نکلتی ہی نہیں، اگر سود لیتا ہے تو اَور مصیبتِ جان پھر بلائے جان۔ کوئی صورت ہی۔ اب ایسی حالت میں وہ شمع معمہ لگا کر روپیہ لیکر صرف قرض ادا کرے اور کوئی مقصد نہیں ہے، نہ تجارت ہے، نہ اپنے مصرف میں لانا۔

کیا اس صورت میں گنجائش نہیں ہے؟ جب کہ شریعت میں مجبوری کے وقت حرام کھانا جائز ہوگیا ہے، ایک شخص بھوکا ہے اب مرنے پر پہونچ رہا ہے، حرام چیز سامنے ہے، اگر نہیں کھائے گا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا۔ بہر حال مجبوری کی حالت میں نماز وغیرہ معاف ہوجاتی ہے۔ آیا وہ شمع معمہ کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... موجودہ حالت سے تمام دنیا واقف ہے، اس وقت ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الامن؟ دار الاسلام تو کسی صورت میں ہو نہیں سکتا۔ کیا اس صورت میں یہاں پر سود لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہاں پر ریس، دوڑ، جوا وغیرہ سے پیسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

اکرام الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ قمار (جوا) ہے(۱) اس کا لینا جائز نہیں (۲)، اس سے ملک ثابت نہیں ہوگی، اس میں کوئی

---

(۱) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/۴۰۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد) .... =

تصرف جائز نہیں(۱)۔ کسی کو دینے کا بھی حق نہیں، جس کو دیا جائے اس کی ملک بھی ثابت نہیں ہوگی، پھر اس کے تصرفات بھی درست نہیں ہوں گے(۲)۔ جو شخص اس قدر مجبور ہو کہ جان بچانے کے لئے اس کو مردار کھانے کی اجازت ہو اس کا حکم دوسرا ہے، وہ بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کے لئے مستثنیٰ ہے(۳)۔

۲......سود اور جُوا ہر وقت اور ہر جگہ ہر مسلم کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت نصِ قطعی سے

= "القمار كله من الميسر، وهو السهام التي يجيلونها، فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم، فربما اخفق بعضهم، حتى لا يحظى بشئ. وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر. وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۵۳، باب تحريم الخمر، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"و لا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربي بيروت)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرّم على أمتي الخمر والميسر والمزر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۶۵۱۱): ۲/۳۵۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "الأمر بالتصرف في ملك الغير باطلٌ؛ لأنه كما لايجوز التصرف في ملك الغير بدون وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۵): ۱/۶۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۳) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة و إساغة اللقمة بالخمر". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۱/۲۵۱، الفن الأول، القاعدة الخامسه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

ثابت ہے(۱)، لہذا سود کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ بعض ائمہ کا مسلک اس کے متعلق جو کتب میں مذکور ہے اس کا محل اور مقصد کچھ اور ہے(۲)۔ اس سے گنجائش نکال کر حرام چیز کو حلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اخبار کے لائف ممبر بنانا

سوال[۸۰۰۷]: آج کل اخباروں میں زندگی کے اراکین بنانے کا دستور ہے، آج ہی ایک سو روپیہ دینے والا مر جائے اور وہ اخبار ۲۵/ سال تک جاری رہے، یا پیسے دینے والا حیات رہے اور اخبار ختم ہوجائے۔ ایسی صورت میں لائف میں ممبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع و حرّم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۰)

(۲) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**سوال:** ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک مکتوب میں مکتوبات قاسم العلوم سے اسی کی تحقیق فرمائی ہے۔ اور امام صاحب سے جو اس بارے میں روایت ہے۔ اس کی شرائط کا تحقق اس وقت میں نہیں ہے جیسا کہ یہ بھی اسی مکتوب میں مولاناؒ نے ثابت فرمایا ہے اور ائمہ حنفیہ میں امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہؒ قطعاً ہر جگہ سود لینا ناجائز فرماتے ہیں۔ ایسی حالت میں جانب احتیاط سود کا نہ لینا ہے، جس کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کرنا اور سود لینا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاک خانہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (عزیز الفتاوی، کتاب الربوا والقمار، کفار اور غیر مسلموں سے سود لینے کا حکم: ۱/ ۶۲۱، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قمار کی شکل ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وحقيقته تمليک المال على المخاطرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۲/۴۲۵، دارالكتاب العربى بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطن، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائده: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما، أن النبى صلى الله عليه وسلم، نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبى داود: ۲/۱۶۳، كتاب الأشربة، باب ماجاء فى السكر، امداديه ملتان)

"وعن ابن سيرين كل شئ فيه خطر، فهو من الميسر". (روح المعانى، (سورة البقرة: ۲۲۹) : ۲/۱۱۴، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"لأ ن القمار من القمر الذى يزداد تارةً، وينقص أخرى. وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مالَ صاحبه، وهو حرام با لنص".
(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟

سوال[۸۰۰۸]: اگر کوئی شخص کسی کا ایک مرتبہ کسی مقدمہ میں وکیل بن جائے تو پھر تمام عمر وہ کسی کا بھی مقدمہ میں وکیل نہیں بن سکتا، الّا وکیل نکاح کے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایک مقدمہ میں جب ایک آدمی کسی کی طرف سے وکیل بن چکا ہے تو اس مقدمہ میں دوسرے فریق کی طرف سے وکیل نہیں بن سکتا، جب تک فریقِ اول کی وکالت سے علیحدہ نہ ہو جائے (۱)۔ اس کے علاوہ یہ بات

(۱) چونکہ وکیل اجیر خاص ہے اور اجیر خاص کے لئے مفوضہ کام کے وقت کوئی اَور کام کرنا جائز نہیں:

"إذا استأجر رجلاً يوماً ليعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيئ آخر سوى المكتوبة .... قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: إن له أن يؤدي السُّنّة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۱۶، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا استأجر رجلاً يوماً يعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيئ آخر سوى المكتوبة .... وقد قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: له أن يؤدي السُّنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدي نفلاً، وعليه الفتوى". (ردالمحتار: ۶/۷۰، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۲۳۶، (رقم المادة: ۴۲۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن كان وكيلاً بالأجرة، فإنه يجبر على بيع المال و اداء دين الآمر؛ لأنه حينئذٍ اجير، والإجارة =

کہ "وہ کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، تمام عمر بیکار ہی رہے گا، اس سے وکالت کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی، الّا وکیل نکاح کے" تو یہ بات غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

پیشۂ وکالت

سوال[۸۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

وکالت کرنا کیسا ہے اور جو اس سے روپیہ کمایا جاوے وہ کیسا ہے اور ان کے گھر کا کھانا کھانا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمہ میں باقاعدہ کام اور اجرت معین کر کے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلافِ شرع اس میں نہ کیا جاوے تو نفسِ وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۰/۲۵ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= لازم، فيجبر على العمل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٨١٨، (رقم المادة: ١٥١٢)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أما الوكيل بالبيع بأجرة كالدلال والسمسار، فيجبر على تحصيل الثمن واستيفاءه". (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ٨١٢، (رقم المادة: ١٥٠٤)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) وکالت کی صلاحیت کسی میں جیسے ابتداء ہوتی ہے اس طرح انتہاء بھی ہوتی جب کہ وہ صحیح اور تندرست ہو، مجنون اور مغلوب العقل نہ ہو، لہٰذا ایک بار وکالت کرنے سے اس کی وکالت کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی شرعی مانع بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(٢) قال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: "تصح الوكالة بأجر و بغير أجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث عمّاله لقبض الصدقات، و يجعل لهم عمولةً، ولهذا قال له أبناء عمه: لو بعثتنا على هذه =

....

= الصدقات، فنؤدّي ما يؤدى الناس ونُصيب ما يصيبه الناس: أي العمولة، ولأن الوكالة عقد جائز لا يجب على الوكيل القيام، فيجوز أخذ الأجرة فيها بخلاف الشهادة". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۴۰۵۸/۵، البحث الأول تعريف الوكالة، مكتبه رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۳٦، كتاب الوكالة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۴۹۸/۴، (رقم المادة: ۱۵۰۴)

سوال: ''حضور نے دربارۂ وکالت احقر کے استفتاء پرتحریر فرمایا تھا کہ:

''اگر مؤکل سچا ہے تو مظلوم ہے، مظلوم کی نصرت واجب ہے، واجب پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اوراگر جھوٹا ہے تو ظالم ہے، ظالم کی نصرت حرام ہے اور حرام پر اجرت لینا بھی حرام ہے''۔

لیکن اگر وکالت کی فیس کو واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے بلکہ مثلِ نفقۂ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اوراگر یہ تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اورایک خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے، کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دے دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے۔

اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا باوجود اس کے کہ وکیل کو عدالت میں لے جانا اوراپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عندالشرع ہوسکتا ہے، اس میں کس قدر اس کی تائید ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے چلے جاتے ہیں۔ اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کردیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی مگر فیس لے لی، اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے، ورنہ ان کو کچھ نہیں ملنا چاہیے، کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی، آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط بینوا وتوجروا۔

الجواب: ''سائل نے جو توجیہات اس کی جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اوران سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمتِ استیجار مخصوص ہے طاعتِ مختصہ بالمسلم کے ساتھ اور نصرتِ مظلوم منجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، حاصل یہ کہ پیشۂ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو''۔

(إمداد الفتاوى: ۳۱۹/۳، كتاب الوكالة، (رقم السوال: ۲٦۷)، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۵۸۰/۳، كتاب الإجارة، مكتبه دار العلوم كراچى)

وکالت کا پیشہ

سوال[۸۰۱۰]: وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کسی مسلمان کو کیسا ہے، جب کہ شریعتِ حقہ کے خلاف اکثر قوانین ہوتے رہتے ہیں، اس سے جو رقم ملے وہ کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمات لیتا ہو اور کسی خلافِ شرع امر کا ارتکاب اس میں نہ کرنا پڑتا ہو تو پیشۂ وکالت جائز ہے(۱)۔ اور جو آمدنی خلافِ شرع طریقہ پر حاصل کی جائے گی، وہ حرام ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ

سوال[۸۰۱۱]: ۱......وکلائے عدالت کی وکالت کی آمدنی حلال ہے یا حرام، جب کہ وکالت کرنے میں حق وناحق ہر طرح کے مقدمے کی وکالت کرتے ہیں؟

۲......ایسے وکیل کی آمدنی سے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳......مسلم وغیر مسلم کی وکالت کی آمدنی سے ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ فرق تو نہیں؟

---

(۱) (راجع عنوان: ''پیشہ وکالت'')

(۲) "لایجوز أخذ الأجرة علی المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لا يحل له، ويجب عليه ردّه". (مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لا تجوز الاجارة علی الغناء والنوح، ولو عمل، لا أجر له". (الفتاویٰ البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، كتاب الإجارة، نوع في المتفرقات، وفيه الإجارة علی المعاصي، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستيجار علی المعاصي، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۶۲/۴، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

۴......اگر وکیل کی آمدنی کا ذریعہ علاوہ وکالت کے اَور بھی کوئی ہو، مثلاً تجارت تو ایسی حالت میں ہدیہ کے قبول اور اس کے استعمال میں کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ امر مخفی ہے کہ یہ ہدیہ وکالت کی آمدنی کا ہے یا اَور کسی آمدنی کا؟ ناجائز ہونے کی صورت میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کسی حیلۂ شرعی سے اس ہدیہ کو جائز بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امورِ بالا کا جواب برائے صدکرم مدلل تحریر فرما کر ممنون وشاکر فرمائیں۔

نیازمند: سعید الدین مقیم دہرہ دون، ۶/شوال/۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... وکالت ایک عقدِ اجارہ ہے، اگر اجارہ میں عمل یا وقت اور اجر کی تعیین ہوجائے، نیز وہ عمل معصیت نہ ہو اور ان طاعات میں سے بھی نہ ہو کہ جن پر اجر لینا ناجائز ہے تو اجارہ درست ہے، اس طرح اگر وکالت میں امورِ مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے تو وکالت کی آمدنی حلال ہوگی۔ اور جس وکالت میں معصیت پر اجر لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جاوے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے:

"لا یجوز أخذ الأجرة علی المعاصي کالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لايحل له، ويجب عليه رده، اهـ". مجمع الأنهر، ص: ۳۸٤(۱)۔

۲......اختلاط کی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر غالب آمدنی حلال ہے تو ہدیہ کا لینا بھی درست ہے اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو ہدیہ کا لینا بھی حرام وناجائز ہے۔ ہاں! اگر اس ہدیہ کے متعلق حلت یا حرمت کا علم ہوجائے تو پھر اس کا اعتبار ہوگا:

"إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدئ من الحرام، ينبغي له أن لا يقبل الهدية و لا يأكل من طعامه مالم يُخبر أنه حلال، أو أنه استقرض من غيره. وإن كان غالب مال المهدى من الحلال، لابأس بأن يقبل الهدية و يأكل مالم يتبين عنده أنه حرام؛

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۳/۳، مكتبة غفاريه كوئٹه)

لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام، فيعتبر الغالب". فتاویٰ قاضی خان: ٤/٧٧٨(١)۔

مقتدا کو اجتناب احوط ہے۔

۳......جو معاملات مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں وہ کفار کے لئے بھی ممنوع ہیں۔ قبولِ ہدیہ کے لئے وکالتِ مسلم پر وکالتِ کافر کو قیاس کرلیا جاوے:

"أما المعاملات فهي دائرة بيننا وبينهم، أما الكفار، فينبغي أن تعامل معهم حسب ما تعاملنا بيننا في البيع والشراء والإجارة وغيرها سوى الخمر والخنزير، فإنهما مباحان لهم لا لنا، اهـ". نور الأنوار، ص: ٢٩(٢) وغاية التحقيق(٣)۔ وكشف المبهم، ص: ٢٣٩۔

۴......اس میں بھی غلبہ کا اعتبار ہوگا، برتقدیرِ جواز حیلۂ شرعی یہ ہے:

"وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة: أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة

---

(١) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ٣/٤٠٠، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر: ١/٣٤٣، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٥/٣٤٢، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٤/١٨٢، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، غفاريه كوئٹه)

(٢) (نور الأنوار، ص: ٥٩، ٦٠، في بحث الأمر، سعيد)

(٣) "ولأن الوجوب لايثبت عند انتفاء حكمه، لم يجب على الكافر شئ من الشرائع التي هي الطاعات، لاخلاف أن الكافر أهل الأحكام لايراد بها وجه الله تعالیٰ مثل المعاملات والعقوبات من الحدود والقصاص؛ لأنه أهل لأدائهما؛ إذ المطلوب من المعاملات مصالح الدنيا، وهم أليق بأمور الدنيا من المسلمين؛ لأنهم آثروا الدنيا على الآخرة، وكذا المقصود من العقوبات المشروعة في الدنيا الانزجار على الإقدام على أسبابها، وهذا المعنى مطلوب من الكافر كما هو مطلوب من المؤمن، بل الكافر أليق بما هو عقوبة زجرا من المؤمن". (غاية التحقيق شرح الحسامي، باب القياس، فصل في بيان الأهلية، ص: ٢٨٧، مير محمد كتب خانه)

السلطان، وكان يستقرض لجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة يقضى به ديونه. والحيلة فى هذه المسائل أن يشترى نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أىّ مال شاء. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: سألت أبا حنفية رحمه الله تعالىٰ عن الحيلة فى مثل هذا، فأجابنى بما ذكرنا، كذا فى الخلاصة، اهـ". فتاوى عالمگیری: ٤/٢٢٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۸/۱۰/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا

سوال[۸۰۱۲]: اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو کوئی شی خریدنے کو کہا اور پیسے اپنے پاس سے دیئے تو وکیل کو یہ جائز ہے کہ یہ پیسہ بوجہ ضرورت اپنے تصرف میں لائے اور مؤکل کو اپنے پیسے سے چیز کو خرید کر دیدے، اور خریدنے کے بعد وکیل مؤکل کے لئے وہ شئے لا رہا تھا کہ راستہ میں وکیل سے ایک شخص نے کہا کہ یہ شئے مجھ کو دیدو اور تم اَور بازار سے خرید کر مؤکل کو دے دو۔ تو وکیل کو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے(۲)، امانت میں اس قسم کا تصرف ناجائز ہے، اگر تصرف کرلیا ہے تو وہ ضامن ہوگا امین نہیں رہا(۳)۔ مؤکل کے داموں سے جو چیز خریدی ہے اس کو کسی اَور کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، یہ

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۲) "المال الذى قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذى قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته، هو فى حكم الوديعة بيد الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "إذا هلكت الوديعة أو نقصت قيمتها بتعدى المستودع أو بتقصيره، لزمه الضمان، مثلاً: إذا أنفق المستودع نقود الوديعة فى أمور نفسه أو استهلكها، ضمنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۶، (رقم المادة: ۷۸۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

فضولی کی بیع ہوئی جو اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "من باع ملک غیره، فللمالک أن يفسخه، و يجيزه إن بقي العاقدان والمعقود عليه، وبه لو عرضاً .... والأصل فيه أن كل تصرف صدر من الفضولي و له مجيزٌ حال وقوعه، انعقد موقوفاً على الإجازة عندنا". (تبيين الحقائق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، باب بيع الفضولي، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۳۳/۳، فصل في بيع الفضولي، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۰۶/۵، ۱۰۷، فصل في بيع الفضولي، سعيد)

لیکن اگر موکل کے پیسے اپنے تصرف میں لائے، اس کے بعد چیز کو خریدا، یا قیمت اپنے پیسوں سے ادا کی تو یہ چیز وکیل کی ہوگی، اب اگر کسی اور کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع نافذ ہے: "الوكيل بشراء عبدٍ حبشيٍّ إذا أنفق الدراهم على نفسه واشترى بما أمر به من عنده، يكون المشترىٰ للوكيل دون الآمر، وهو المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۷۷/۳، الباب الثاني في التوكيل بالشراء، رشيديه)

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

سوال[۸۰۱۳]: زید کے نام ایک زمین ہے، خالد اور عمر اس پر قابض ہیں۔ خالد کی وفات کے بعد خالد کی بیوی کا وہ لڑکا جو خالد سے نہیں ہے یعنی خالد کا ربیب خالد کی طرف سے زمین پر قابض ہوا۔ اب اس زمین کے سلسلہ میں زید اور عمر اور خالد کے ربیب ہر ایک دعویدار ہیں کہ وہ میری زمین ہے۔ زید کہتا ہے کہ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ سرکاری کاغذات پر مندرج ہیں، اس لئے میری ہے۔ اس لئے تینوں کے درمیان شدت سے لڑائی جھگڑا ہے۔

خالد کے ربیب نے رشوت دے کر زمین اپنے نام کرالیا، عمر کو جب یہ معلوم ہوا تو زید سے مل کر عدالت میں زید کے حق میں بیان دیدیا جس سے زید کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید شرعاً زمین کا مالک ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین زید کے نام سے اور سرکاری کاغذات میں خانۂ ملکیت میں اس کا نام درج ہے تو اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں (۱)، خالد اور عمر کا اس پر قبضہ بغیر اثباتِ ملک کے بے محل ہے (۲)۔

---

(۱) "إن الإعلام والسندات الصادرَين من حاكم محكمة يجوز الحكم والعمل بمضمونهما بلا بينة إذا كانا عارِيين وسالمين من شبهة التزوير والتصنيع وموافقين لأصولهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۱۸۰، (رقم المادة: ۱۸۲۱)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يأخذ=

خالد کے انتقال کے بعد اس کے ربیب کی ملک اس پر ثابت نہیں ہوئی (۱)۔ خالد کے ربیب کا رشوت دے کر اپنے نام کرالینا بھی غلط ہوا۔ زید کے نام پہلے سے ہی تھا اور اب عمر نے بھی جب کہ اس کے حق میں بیان دیدیا، تو گویا کہ اپنی ملک کا دعوی واپس لے لیا، اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ عمر کا پہلا قبضہ زمین پر صحیح نہیں تھا۔ پس زید کے حق میں فیصلہ درست ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۳ھ۔

خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا

سوال[۸۰۱۴]: ایک قطعۂ زمین کو زید، بکر، خالد وغیرہ نے مشترکہ خرید کی، خرید کردہ زمین کا کچھ حصہ باقی بچ رہا تھا۔ زید نے عمر (جو کہ ان شرکاء مذکورہ میں سے ہے) سے کہا کہ اس بقیہ جز کو تم لے لوتا کہ پورا قطعہ ہم لوگوں کی خریداری میں آجائے۔ عمر نے کہا کہ کچھ ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے پاس روپیہ ہے۔ زید نے کہا کہ روپیہ میں دے دوں گا، تم اپنے نام لکھوالو۔

عمر نے کہا کہ اگر اس وقت میں لکھوالوں تو گھر پہونچ کر پھر تمہیں روپیہ کہاں سے دوں گا، اس لئے کہ گھر پر بھی میرے روپیہ نہیں موجود ہے اور نہ کوئی صورت فراہم کرنے کی ہے۔ زید نے کہا لکھوالو جب ہوگا اور جس طرح ہوگا دیتے رہو گے۔ عمر نے کہا: بہت اچھا! جب یہ بات ہے تو روپیہ دے دو، اگر روپیہ میں دے سکا تو میری ورنہ تمہاری۔ چنانچہ بیع کی رجسٹری ہوگئی، خارج داخل ہوگیا ہے، مکان پر آکر عمر نے کچھ روپیہ فراہم کر کے زید کو دے دیا۔

چونکہ اراضی مذکورہ مشترکہ چند شرکاء کی تھی، اس لئے شرکاء نے پٹواری کو بلوا کر پیمائش کرا کے باہمی تقسیم کرا کے قرعہ ڈالا، بموجبِ قرعہ سب نے منظور کیا۔ زید نے عمر سے کہا کہ تم قرعہ کے موافق زمین آباد کرو، عمر نے کہا کہ میں اس وقت روپیہ نہیں دے سکتا ہوں، تمہارا روپیہ ہے تم ہی زمین آباد کرو۔ پس کچھ دنوں تک زید نے

= أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة، وخلافة: كإرث وإصالة: و هو الاستيلاء". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، كتاب الصيد، سعيد)

اس زمین کو آباد کیا، بعدہ زید وعمر کے باہمی کچھ گفت وشنید ہوئی۔

اب عمر کہتا ہے کہ اراضی مذکورہ کا میں مستحق ہوں اور تم روپیہ کے مستحق ہو تم اپنا روپیہ قسط وار مجھ سے لے لیا کرو اور قبضہ اراضی پر اب میں کروں گا، چنانچہ عمر نے قبضہ کرلیا اور اب تک قبضہ باقی ہے۔ زید کہتا ہے کہ تم میرے نام بیع کرلو، عمر کہتا ہے کہ بیع کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم برائے مہربانی اپنا روپیہ ہم سے قسط وار لیتے رہو، قسط وار تو لازمی طور پر ادا کرتا رہوں گا، نیز ہوسکا تو قسط سے بھی زائد دیتا رہوں گا۔ مگر وہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ جب تک تم میرا روپیہ کل ادا نہیں کروگے تو زمین پر میں قابض رہوں گا اور زید، فساد، فوجداری، مقدمہ بازی پر تُلا ہوا ہے۔ عمر نے کہا تمہاری تعدی سے اگر مجبوراً عدالت میں جانے کی ضرورت ہوئی تو اس کے اخراجات وضع کرکے بقیہ رقم تم کو دوں گا۔

آپ ارشاد فرمایئے کہ مقدمہ میں صَرف شدہ رقم قرض میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر زید زمین پر قبضہ کرلے تو اس سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ عمر نے زید کا کچھ روپیہ ادا کیا ہے زیادہ حصہ باقی ہے، اس صورت میں زمین مذکورہ عمر کی ملکیت ہے یا زید کی باقی ہے؟

المستفتی: مولوی محمد تقی، موضع ادری، ڈاکخانہ اندارہ، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے عمر کو جو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ قرض ہے اور زمین عمر نے خریدی ہے (اگرچہ روپیہ زید سے قرض لے کر دیا ہے)، لہٰذا عمر زمین کا مالک ہے۔ اور جس قدر روپیہ عمر نے قرض لیا ہے وہ واجب الاداء ہے اور اگر عمر کے پاس فی الحال ادائیگی کے لئے روپیہ موجود نہیں تو زید کو چاہیے کہ عمر کو مہلت دے، لقولہ تعالیٰ ﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ (۱)۔ تاہم زید کو مطالبہ کا حق ہر وقت حاصل ہے، اگر عمر کے پاس روپیہ موجود نہیں ہے تو عمر کو چاہیے کہ وہ زمین وغیرہ کو فروخت کرکے روپیہ ادا کرے، اگر باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوگا (۲)۔ اور عدالت کا خرچہ تین قسم کا ہے:

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۰)

(۲) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم، فإذا أتبع أحدكم على ملئ فليتبعْ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱/۲۵۱، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۳۲۳، كتاب في الاستقراض وأداء الديون، بابٌ: مطل الغني ظلم، قديمي)

اول: وہ جو کہ ہرصورت میں مدعی کے ذمہ رہتا ہے، جیسے مدعی کے وکیل کا محنتانہ، وہ تو مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوم: وہ جو کہ سرکار نے ظلماً مقرر کیا ہے، جیسے کہ درخواستوں کے ٹکٹ اور کورٹ فیس وغیرہ بھی مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

سوم: وہ جو کہ مدعیٰ علیہ کو طلب کرانے میں خرچ ہو، پس اگر مدعی علیہ حاضر نہیں ہوتا تھا اور کچھ خرچ کرکے جبراً حاضر کرایا ہے، نیز بلا طلب کرائے باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تھا تو اس قسم کا خرچہ وصول کرنے کا حق ہے، کیونکہ مدعی علیہ اپنے خرچ کا خود سبب بنتا ہے۔ اگر قرض ادا کردے تو اس خرچ کی نوبت ہی نہ آتی۔

"وفي البزازية: ويستعين بأعوان الموالي على الإحضار وأجرة الأشخاص في بيت المال، وقيل: على المستمرد في المصر من نصف درهم إلى درهم، وفي خارجه لكل فرسخ ثلاثة دراهم أو أربعة .... والحاصل أن الصحيح أن أجرة الشخص بمعنى الملازم على المدعي، وبمعنى الرسول المحضر على المدعى عليه لوتمرد بمعنى امتنع عن الحضور، وإلا فعلى المدعي". شامي: ٤/٤٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ رجب/ ۵۵ھ۔

فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا

سوال[۸۰۱۵]: زید نے عمر پر فوجداری کا دعویٰ کرکے بلاقصور پھنسادیا اور ہائیکورٹ تک عمر بری رہا، مگر پیروی میں اس کے اخراجات کثیر ہوئے اور بدنامی اور زیر باری و بے آبروئی اور اپنے کاروبار کا نقصان عظیم ہوا۔ ابتدائی عدالت سے ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا اور زید آگے بڑھتا رہا، عمر ہر عدالت سے بری ہوتا گیا۔ چونکہ عمر نہایت درجہ زیر بار اور بے آبرو ہوا اور مالی نقصان اٹھایا اور روحانی وجسمانی اذیت پائی تو اگر عمر اپنی ہتک عزت وروحانی وجسمانی اذیت اور نقصانات کا دعویٰ کسی رقم کا جو مناسب حال ہو دائر کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر دعویٰ کرسکتا ہے تو کس قدر رقم تک دعویٰ کرسکتا ہے جو عند اللہ گنہ گار نہ ہو۔ فقط۔

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في أجرة الحضر: ٥/٣٧٢، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

غلط دعوی کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو، وہ سب وصول کرنا درست ہے(۱)۔ جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار

سوال[۸۰۱۶]: اگر دفتری آدمی جو اس دفتر کے متعلقین سے رقم مختلفہ لیتا دیتا رہتا ہے، کسی کی رقومِ مطلوبہ واجبہ اس کے پاس رکھ دے کہ: لو، اسے گن لو، اور کچھ باقی اپنے جیب سے نکالنے لگے اور ادھر سے توجہ ہٹ جائے اور دوبارہ جب ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہے کہ رقم گن لی جائے، یہ باقی پیسہ ہے تو وہ صاحب کہیں کہ وہ رقم تو آپ نے جیب میں دھر لی، مجھے کہاں دی۔ جب دفتری صاحب نے جیب دیکھی تو وہ رقم نظر نہیں آئی، پھر جب ساری رقم شمار کی تو اتنی ہی رقم کم نکلی، لیکن وہ صاحب یہی کہتے ہیں کہ رقم ہم کو نہیں ملی۔ کسی اور کے

---

(۱) جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے مجبوری نالش کرنا پڑے، اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنهم مولانا رشید احمد گنگوهی صاحب رحمه الله تعالىٰ) جائز ہے"۔ (إمداد الفتاوی: ۱۲۳/۳، حوادث الفتاوی، عنوان: خرچہ عدالت وصول کرنا، دار العلوم کراچی)

"ثم حاصل ما ذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن، ولو بلا حقٍ فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية ألبتة، يضمن. وإن كان قد يغرم و قد لا يغرم، لا يضمن، والفتوىٰ على قول محمد رحمه الله تعالىٰ من ضمان الساعي بغير حقٍ مطلقاً ويعزر". (رد المحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۸۹/۴، سعيد)

(۲) "ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه؛ لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق" (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

چرانے وغیرہ کا احتمال نہیں ہے۔ ایسی صورت میں دفتری صاحب کو تاوان دینا پڑے گا، یا کوئی اَور صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں دونوں پر قسم آئے گی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۷ھ۔

کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ

سوال [۸۰۱۷]: مکتوب قاضی الی القاضی کا کیا قاعدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکم یا شہادت کو گواہوں کے سامنے تحریر کرے اور ان کو سنا کر مہر لگا دے، پھر اس مہر شدہ تحریر کو دوسرے قاضی کے پاس ان گواہوں کے ساتھ بھیج دے مکتوب الیہ کے پاس۔ جب یہ گواہ اس تحریر کو لے کر جائیں تو وہ ان گواہوں سے دریافت کرے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ گواہ پورے طور پر شہادت دیں کہ فلاں قاضی نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے اور اس میں یہ مضمون ہے، پھر وہ مکتوب الیہ اس تحریر کو کھول کر پڑھے۔ یہ شرائط آج کل کی ڈاک، تار، ٹیلیفون، ریڈیو خط وغیرہ کسی میں بھی موجود نہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب القاضی إلی القاضی:

---

(۱) "وإذا اختلف المتبايعان في البيع فادّعى أحدهما ثمناً وادعى البائع أكثر منه، أو اعترف البائع بقدر من المبيع وادّعى المشترى أكثر منه، وأقام أحدهما البينة، قُضي له بها .... وإن لم يكن لكل واحد منهما بينة، قيل للمشترى: إما أن ترضى بالثمن الذى ادّعاه البائع، وإلا فسخنا البيع. وقيل للبائع: إما أن تسلّم ما ادّعاه المشترى من المبيع، وإلا فسخنا البيع، فإن لم يتراضيا، استحلف الحاكم كل واحد منهما على دعوى الآخر". (الهداية: ۲۰۷/۳، كتاب الدعوى، باب التحالف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع في التحالف: ۳۲/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۷۱/۷، باب التحالف، رشيديه)

٤/٤٨٦ رد المحتار (١) اورلسان الحکام(٢) وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/شعبان/٦٦ھ۔

قاضی کی شرعی حیثیت

سوال[۸۰۱۸]: تمام مسلمانان اور سرکار کی طرف سے عہدۂ قضا پر جو منتخب ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا احترام لازم ہے اور اس کا حکم جو شریعت کی حدود میں ہو وہ معتبر اور واجب التعمیل ہے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) "القاضي يكتب إلى القاضي في كل حق غير حدٍّ و قود، فإن شهد على خصم حاضر حكم بالشهادة، وكتب بحكمه .... وكتب الشهادة إلى قاض، ليحكم القاضي المكتوب إليه .... وقرأ الكتاب عليهم أو أعلمه بمافيه: أي بإخباره؛ لأنه لا شهادة بلا علم المشهود به، و ختم عندهم: أي عند شهود الطريق، وسلم الكتاب إليهم بعد كتابة عنوانه في باطنه .... و إذا وصل إلى المكتوب إليه نظر إلى ختمه أوّلاً، ولا يقبله: أي لا يقرؤه إلا بحضور الخصم وشهوده، إلا إذا أقر الخصم، فلا حاجة إليهم".

(رد المحتار على الدر المختار: ٥/٤٣٢، ٤٣٣، كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/٣٨١، ٣٨٢، الباب الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ٩/١١٤، فصل في شرائط القضاء، دارالكتب العلميه بيروت)

(٢) (لسان الحكام، الفصل الأول في آداب القضاء ومايتعلق به، ص: ٢٢٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول، وأولي الأمر منكم﴾ الاية. (سورة النساء: ٥٩)

"فإن حكم، لزمهما؛ لأن حكمه صدر عن ولاية شرعية عليهما، كالقاضي إذا حكم، لزم".

(تبيين الحقائق، كتاب القضاء، باب التحكيم: ٥/١١٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ٧/٤٤، كتاب الحوالة، باب التحكيم، رشيديه)

فاسق کو قاضی بنانا

سوال[۸۰۱۹]: زید علم دینیات سے ناواقف اور سارق سزایافتہ ہے، سرقہ، داڑھی منڈاتا اور تارک الصلوۃ ہے اور اس کے اَور بھی اعمال خلاف شرع ہیں۔ تو ایسی صورت میں زید شرعی عہدۂ قضاء کے لائق و موزوں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں افعال مذکورہ کی وجہ سے زید فاسق ہے، لہٰذا عہدۂ قضاء کے لئے شرعاً موزوں نہیں عادل اور امین اور صالح کو قضاء کا عہدہ سپرد کرنا مناسب اور موزوں ہے، البتہ اگر قاضی بنا دیا گیا تو قاضی بن جائے گا اور اس کی قضاء نافذ ہوگی جب کہ اس میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو:

فی الکنز: "والفاسق أهلٌ للقضاء كما هو أهل للشهادة، إلا أنه لاينبغي أن يقلد". وفي البحر: "لاينبغي تقليده؛ لأن القضاء من باب الأمانة، والفاسق لايؤتمن في أمر الدين، لقلة مبالاته به". بحر: ۶/ ۲۶۰(۱)۔

وفي الهندية: ۳/ ۳۱۰: "فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حدّ الشرع، ولكن لاينبغي أن يقلد الفاسق، كذا في البدائع"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ شوال/ ۵۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/ ۴۳۸، رشيديه)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضي، فصل في من يصلح للقضاء: ۹/ ۹۱، دارالكتب العلمية بيروت)

باب التحکیم

(حکم مقرر کرنے کا بیان)

کسی کو حکم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع

سوال[۸۰۲۰]: زید اور عمر کا ایک زمین کے متعلق اختلاف ہوا کہ اس زمین کو کس نے پہلے خریدا، اس معاملہ کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں نے ایک متقی عالم کو متفقہ طور پر پسند کر کے حکم اور فیصل مقرر کر دیا۔

زید نے عالم صاحب سے کئی بار ملاقات کر کے یہ کہا کہ "تم فیصلہ اس طرح کرو کہ عمر اس زمین کا حق چھوڑے اور میں اس کے عوض عمر کو دس ہزار روپے، یا جتنی بھی رقم آپ فرمائیں وہ رقم عمر کو دیدوں"۔ اور زید نے عالم صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس کے خلاف فیصلہ کریں گے تو میں عدالت میں جاؤں گا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کروں گا۔

عالم صاحب نے تحقیق شروع کی اور ان کو یہ ظاہر ہوا کہ زید جھوٹا ہے اور اس نے عمر کے زمین خریدنے کے بعد زمین خریدی ہے، لہذا انہوں نے زبانی فیصلہ ان کو سنا دیا کہ عمر حق پر ہے اور تم جھوٹے ہو۔ اور چونکہ زید نے پہلے کہا تھا کہ اگر میرے خلاف فیصلہ کرو گے تو میں عدالت میں جاؤں گا، اس لئے عالم صاحب نے اس معاملہ کو تحریری شکل دینے کے لئے زید وعمر دونوں کو اطلاع دی کہ تم فلاں تاریخ کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں مقررہ جگہ حاضر ہو جاؤ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی زید نے عدالت میں دعویٰ داخل کر دیا کہ عالم صاحب جھوٹے ہیں ان پر ہم کو اعتماد نہیں، اس لئے حکومت ان کو حکم اور فیصل کے لئے نااہل ٹھہراوے۔

اب سوال یہ ہے کہ تحریر کے بغیر زبانی فیصلہ سنانے کے بعد زید کو عدالت میں جانے اور فیصلہ رد کرانے کا حق رہتا ہے؟ اور جو شخص عالم کے اوپر غلط الزام لگا کر ان کے زبانی فیصلہ کو نہ مانے اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حَکَم اور فیصل قرار دیکر کسی فریق کا یہ کہنا کہ ''اگر میرے خلاف فیصلہ کیا تو عدالت میں جاؤں گا'' ظاہر کرتا ہے کہ اس کی نیت شرعی فیصلہ کرانے کی نہیں ہے، بلکہ اپنے موافق ہی فیصلہ کرانے کی ہے (چاہے ثبوت اور شرع کے موافق ہو یا خلاف ہو) ایسی صورت میں اس کو لازم تھا کہ وہ حَکَم ہی تجویز نہ کرتا، لیکن جب حَکَم تسلیم کرلیا تب بھی حَکَم کے فیصلہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے(۱)، کہہ دے کہ میں آپ سے فیصلہ نہیں چاہتا، آپ فیصلہ نہ کریں۔ کسی الزام اور بہتان کی اجازت نہیں (۲)، بلاوجہ بھی رجوع کرنے کا حق ہے۔

تحریر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم صاحب نے صرف زبانی جو کچھ فرمایا ہے، وہ اظہارِ خیال ہے، اس کی حیثیت فیصلہ اور حکم کی نہیں، اس کو ظاہر کیا ہے اور اب تک فیصلہ نہیں دیا۔ اسی لئے دونوں فریق کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں جگہ فلاں تاریخ کو حاضر ہونے کے لئے کہا ہے تاکہ تحریری حکم دیدیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے کاغذات وثبوت بھی عالم صاحب کے پاس نہیں، بلکہ فریقین ہی کے پاس ہیں جن کو عالم کے سامنے رکھ کر فیصلہ کو تحریری شکل دیں گے۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں عالم صاحب کو چاہئے کہ فیصلہ نہ کریں، اپنا حکم نہ لکھیں، بلکہ خود ہی ان کا

---

(۱) "لكل من الخصمين عزل المحكَّم قبل الحكم؛ لأنه مقلد من جهتهما، فكان لكل منهم عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه، كما ينفرد أحد العاقدين في مضاربة وشركة ووكالة".
(شرح المجلة لسليم رستم باز البناني، ص: ۱۱۹۷، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وينفرد أحدهما بنقضه: أي التحكيم بعد وقوعه، كما ينفرد أحد العاقدين في مضاربة وشركة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۲۹/۵، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء: ۲۹/۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع والعشرون في التحكيم: ۳۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التحكيم: ۱۱۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولايجوز أن يرمي مسلم بفسق وكفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۲، قديمي)

مقدمہ واپس کردیں۔ غلطی یہ ہوئی کہ حکم وفیصلہ سے پہلے ہی رائے ظاہر کردی جس کے نتیجہ میں یہاں تک نوبت پہنچی۔ عدالت بھی زبانی فیصلہ کوتسلیم نہیں کرے گی، اور یہاں تو وہ اظہار رائے کے درجہ میں ہے، فیصلہ کے درجہ میں ہے بھی نہیں۔ اگر عالم صاحب فیصلہ باضابطہ تحریر فرمادیتے تو عدالت میں جانا بے سود اور غلط ہوتا (۱) غلط الزام لگانا بہرحال ناجائز اور حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۱ھ۔

کیا حَکَم کے فیصلہ کو رَد کرنے کا حق ہے؟

سوال[۸۰۲۱]: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو حَکَم بنانے کے بعد حَکَم کے فیصلہ دینے سے قبل کسی فریق کے اس حکم کو منسوخ اور رد کردینے کی وجہ سے وہ شرعاً رد اور منسوخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حکم پر کچھ بے اعتمادی ہوجائے یعنی معقول وجہ سے حکم کے حکم ہونے کو منسوخ کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتماد رہے یا نہ رہے، دونوں صورتوں میں جو فریق بھی چاہے اس تحکیم کو فسخ کرسکتا ہے، اور یہ فسخ کرنے کا حق فیصلہ سنانے سے پہلے حاصل ہے۔

"ولكل واحد من المحكمين أن يرجع قبل حكمه، اهـ". كنز۔ "لأنه تقلد من جهتهما، فكان لكل منهما عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه كالمضاربة

---

(۱) "ولكن ليس لأحدهما أن يرجع عن الحكم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولاية عليهما". (شرح المجلة لسليم رستم، ص:۱۱۹۸، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن حكم، لزمهما، ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۹/۵، كتاب القضاء، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۵/۷، باب التحكيم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۸/۵، باب التحكيم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع ، ص: ۴۶۶، رقم الحاشية : ۲)

والشركة والوكالة، فإن حكم، لزمهما لصدوره عن ولاية شرعية، فلا يبطل حكمه بعزلهما".

بحر: ۲٦/۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

ہبہ اور تملیک میں فرق

سوال[۸۰۲۲]: ہبہ اور تملیک میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تملیک عام، ہبہ خاص ہے، اس لئے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے

سوال[۸۰۲۳]: ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کر دیا، لیکن ہبہ کرنے والا اسی مکان میں رہتا ہے اور اس مکان میں سے اپنا سامان نکالا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ ہبہ کرنا صحیح ہوا یا نہیں؟ مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

علیم اللہ ناگپور، ۱۸/ اگست/ ۱۹۷۳ء۔

---

(۱) "التمليك: هو جعل الرجل مالكاً، وهو على أربعة أنحاء: الأول تمليك العين بالعوض، وهو البيع. الثاني: تمليك العين بلاعوض، وهي الهبة. والثالث: تمليك المنفعة بالعوض، وهي الإجارة. والرابع: تمليك المسفعة بلاعوض، وهي العارية". (التعريفات االفقهية الملحق بقواعد الفقه، ص: ۲۳۷، صدف پبلیشرز)

"الهبة تمليك مال لآخر بلاعوض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

ہبہ نامہ مکمل ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، صورت مسئولہ میں قبضہ بدستور واہب کے رہا، اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، یہ مسئلہ کتب فقہ: درمختار (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، خانیہ (۴)، ہدایہ وغیرہ سب میں مذکور ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۹۳ھ۔

ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الأولاد

سوال [۸۰۲۴]: زید نے اپنی نے اپنی جائیداد میں سے ایک اپنار ہائشی مکان جس میں خود اور اس

---

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به، والأصل أن الموهوب إن مشغولاً بملك الواهب منع تمامها، وإن شاغلاً لا، فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابةً عليها سرجه وسلمها كذلك، لاتصح، وبعكسه تصح". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "ولو وهب داراً دون ما فيها من متاعه، لم يجز. وإن وهب مافيها وسلمه دونها، جاز". (ردالمحتار: ۵/۶۹۱، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) "ولايتم حكم الهبة إلامقبوضة، ويستوى فيه الأجنبى والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۷/۴، الباب الثانى فيمايجوز من الهبة، رشيديه)

(۴) "رجل وهب داراً فيها متاع الواهب أو جوالق، أو جراباً فيها طعام الواهب وسلم، لايجوز؛ لأن الموهوب مشغول بماليس بهبة". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۶۸/۳، كتاب الهبة، فصل فى هبة المشاع، رشيديه)

(۵) "لايجوز الهبة إلامقبوضاً، والمراد نفى الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۲۸۱/۳، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۴۹۱/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۴۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

کے متعلقین رہتے ہیں یا رہتے تھے، اپنے مرنے سے چار سال پیشتر اپنی بہو یعنی چھوٹے بیٹے کی بیوی کے نام ہبہ کیا اور ہبہ نامہ لکھ دیا جس میں یہ بیان ہے کہ "میں نے ہبہ کر کے موہوب لہا بہو کے قبضہ میں دیدیا"، حالانکہ وہ مع اپنے مذکورہ متعلقین کے اس میں رہتا ہے، اور اس میں رہنے کے لئے کرایہ نامہ کی تحریر بعوض کرایہ لکھا دیا ہے، لیکن کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ واہب واقف ہے، کبھی بھی چار سال میں موہوب لہا سے زر رسید حاصل کی ہو، ٹیکس وائر ٹیکس، بجلی وغیرہ وغیرہ ہر جگہ واہب کا نام آج تک لکھا ہوا ہے، یہ سب مصنوعی کاروائی بڑے لڑکے کو کم حصہ دینے کے لئے ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ درست ہوگیا، یعنی بہو کا سابق سے اس میں اپنا قبضہ ہبہ سمجھا جائے گا؟ اگر یہ ہبہ نہ ہو تو کیا غیر وارث کے حق میں وصیت ہوگی؟ نیز زید نے اپنی باقی جائیداد میں سے اپنے چھوٹے لڑکے اور اپنی دختر پر زائد جائیداد وقف کی ہے اور بڑے لڑکے پر کم اور خود اپنے نفس پر بھی کی ہے یعنی باقی جائیداد وقف علی النفس علی الأولاد کی ہے، ان تینوں وقف نامہ جات میں لکھا ہے: "تاحینِ حیات میں اس جائیداد کا متولی ہوں اور اس کی آمدنی کا مستحق میرے بعد فلاں فلاں"۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ وقف علی الأولاد وعلی النفس وقف ہے یا وصیت علی الورثہ کے قبیل سے ہے جو ناجائز ہے؟

شیخ غلام نبی، دہلی بازار فتح پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واہب نے ہبہ کے بعد اس مکان سے اپنا قبضہ نہیں اٹھایا تھا اور اپنا سامان وہاں سے منتقل نہیں کیا، بلکہ بعد از ہبہ نامہ بغیر مکان خالی کئے فوراً کرایہ نامہ تحریر کر دیا تو شرعاً یہ ہبہ نامہ نافذ نہیں ہوا اور موہوب لہا (یعنی بہو) کی ملک اس پر شرعاً حاصل نہیں ہوئی، محض کاغذی کاروائی ممکن ہے کہ قانوناً کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں، اور چونکہ بحالتِ صحت اپنی زندگی میں انتقال سے چار سال پہلے یہ ہبہ کیا ہے، مرض الموت میں یا انتقال کے بعد نافذ کرنے لئے نہیں کیا، اس لئے یہ وصیت بھی نہیں، لہذا جملہ ورثہ کو دیگر ترکہ کی طرح حسب وراثت شرعیہ اس میں سے بھی حصہ ملے گا اور بہو کو کچھ نہیں ملے گا، نہ ہبۃً نہ وصیۃً:

"فلو وهب جراباً فيه طعام واهب، أو داراً فيها متاعه، أو دابةً عليها سرجه، وسلمها

كذلك، لا يصح". درمختار، ۷۰۲/٤ (۱)۔

جو وقف بحالتِ صحت کیا جائے وہ شرعاً وقف ہی ہوتا ہے، وصیت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/ ٦٧ھ۔

اگر واہب نے اس مکان سے اپنا ذاتی مال واسباب نہیں نکالا تھا تو یہ قبضہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر اس کا اس میں کوئی مال نہیں تھا، اور بہو اس میں رہتی تھی تو یہ قبضہ ہو گیا، کرایہ نامہ لکھنے سے پہلے اگر اس نے تھوڑی دیر کو بھی اپنا مال واسباب علیحدہ کر دیا تھا، تو ہبہ صحیح ہو گیا (۳)، کرایہ کا وصول کرنا ضروری نہیں ہے، بلا کرایہ بھی اگر واہب بعد میں رہے تب بھی کچھ حرج نہیں (۴) اور قبضہ موہوب لہا کا اس صورت میں بھی کافی ہوگا جبکہ پہلے سے وہ رہتی ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی قعدہ/ ٦٧ھ۔

زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں

سوال [۸۰۲۵]: شوہر نے کچھ روپے بطور امانت کسی کے پاس رکھے تا کہ ہندہ خود خرچ نہ کر دے،

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الهبة: ٦٩١/٥، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۴/۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۱/۳، کتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعبارة المواهب في الوقف على نفسه وولده ونسبه وعقبه، جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم وثم، جاز عند الثاني، وبه يفتى كجعله لولده". (الدر المختار، ۴۶۸/۴، كتاب الوقف، فصل فيما يتعلق في وقف الأولاد، سعيد)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸٦۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ٦۹۰/٥، کتاب الهبة، سعيد)

(۴) "(قوله: وكذا الدار المعارة): أي لو وهب طفله داراً يسكن فيها قوم بغير أجر، جاز". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين: "(وكذا الدار المعارة) .... ومن وهبت للزوج داراً لها بها متاع وهم فيها، تصح". (رد المحتار: ٦۹۱/٥، ٦۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

یاماں باپ کو نہ دے دے، ہندہ کہتی ہے کہ میں لوں گی، شوہر نے کہا کہ لے لو، لیکن اس کو دیا نہیں۔ وہ روپیہ بھی ترکہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کے اس کہنے سے کہ "تم لے لو" وہ روپیہ ہندہ کی ملک نہیں ہوا، اگر شوہر اس سے روپیہ لے کر ہندہ کو دیدیتا اور ہندہ اس پر قبضہ کرلیتی تو ہندہ کا ہوجاتا (۱)، لہٰذا وہ روپیہ شوہر کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

ہبۂ جائیداد زبانی

سوال [۸۰۲۶]: میری والدہ مشرف جہاں بیگم نے اپنی کل جائیداد تقریباً دس سال ہوتے ہیں مجھ کو ہبہ زبانی کردی مزید احتیاط کے طور پر انہوں نے بذریعۂ خط اطلاع دی:

"تمہارا خط ملا، اس مرتبہ تم نے بھیجنے میں بہت دیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو جائیداد تم کو ہبہ زبانی کر کے بتاریخ ۵/ فروری/ ۱۹۵۶ء میں دی تھی، اس میں لوگ تعرض کرتے ہیں، لہٰذا یہ مزید احتیاط تائید ہبہ زبانی تم کو لکھتی ہوں کہ تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا کہ جملہ جائیداد واقع شاہ جہاں پور جملہ متروکہ پدری ناظر سلامت اللہ خان مرحوم و مادر خود تم کو ہبہ زبانی کر چکی ہوں اور اس پر تم کو قابض بھی کرا چکی ہوں، جو شخص ماننے سے تعرض کرے اس کو میرا خط دکھلا دینا۔ دعاء گو: تمہاری والدہ"۔

(دستخط) مشرف جہاں بیگم۔

---

(۱) "لاتجوز الهبة إلا مقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۸۳، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۴۹، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

اس سلسلہ میں فتوی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی جائیداد ہبہ کرکے اس پر آپ کا جدگانہ قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ ہٹالیا تو وہ جائیداد آپ کی ہوگئی (۱)۔ اگر متروکہ جائیداد میں دوسرے ورثاء بھی حصہ دار تھے تو ان کا حصہ ان کو دینا لازم ہے، اس کے ہبہ کرنے کا آپ کی والدہ کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

ہبہ کی ایک صورت

سوال[۸۰۲۷]: حافظ علی کے پاس مالگذاری کی ۸۲/۸۱، ایکڑ زمین تھی، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے ایک لڑکا پالا تھا اور اپنی زندگی میں جائیداد کا حصہ ۲/۱ بخش کردیا تھا، اس کی تاریخ ۹/ نومبر/ ۱۹۱۶ء ہے، ان کی بیوی حیات تھی۔ اس لڑکے کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اور حافظ علی کی بیوی نے اس لڑکی کی شادی اپنے بھائی حیدر علی سے کردی ہے اور جائیداد کا ۸/۱ حصہ ۲۱/ مارچ/ ۱۹۳۳ء کو بخشش کردیا، لیکن اس لڑکی کا ۱۹۳۶ء میں

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۰، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "یلزم أن یکون الموهوب مال الواهب، فلو وهب واحد مال غیره بلا إذنه، لاتصح الهبة: أي لاتنعقد؛ لاستحالة تملیک مالیس بمملوک للواهب". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۷۱، (رقم المادة: ۸۵۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملک". (ردالمحتار: ۶۸۷/۵، کتاب الهبة، سعید)

"وأما مایرجع إلی الواهب، فهو أن یکون الواهب من أهل الهبة، .... وکونه من أهلها: أن یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب، حتی لوکان عبداً، .... أو لایکون مالکاً للموهوب، لایصح". (الفتاوی العالمکیریة: ۳۷۴/۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا في الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴۹۰/۳، کتاب الهبة، غفاریه کوئٹه)

انتقال ہوگیا۔اب صرف ۲/۱حصہ حافظ صاحب کی بیوی کے پاس بچا ہے۔اس مرحومہ لڑکی کی دولڑکیاں نابالغ تھیں،منور بیگم نے بچی ہوئی جائیداد کا ۲/۱ حصہ ان لڑکیوں کے نام کردیا،ان لڑکیوں کا باپ سرپرست تھا۔

۱۹۴۲ء میں منور بیگم وفات پا گئیں،۱۹۵۴ء میں نابالغ لڑکیوں کا نام درج ہوا،اب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں اور ۱۹۶۵ء میں آدھی زمین سرپرست نے واپس کردی اور کہتا ہے کہ باقی جائیداد میری ہے،سرکار نے غلام نبی کا ۲/۱ حصہ خاتون بیگم ۸/۱ حصہ،اور واجدہ بیگم کا ۴/۱ حصہ ایولیشن کردیا،اس کا روپیہ کا بھی عباس نے لیا،اب صرف زمین بچی ہے۔شرعی حکم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ صحت منور بیگم نے جو زمین نابالغ لڑکیوں کو شرعی طور پر ہبہ کردی،اور ان کے والد عباس کو اس پر سرپرست کی حیثیت سے قبضہ کرادیا تو وہ زمین لڑکیوں کی ہوگئی (۱)،اب اس کو اپنی زمین بتانا اور لڑکیوں کو نہ دینا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۵/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹۵/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه. وإن كان الموهوب له صغيراً أو مجنوناً، فحق القبض إلى وليه، ووليه أبوه أو وصي أبيه، ثم جده ثم وصي وصيه، ثم القاضي، ومن نصبه القاضي، سواء كان الصغير في عيال واحد منهم أو لم يكن، كذا في شرح الطحاوي. فلو أن الأب ووصيه والجد أبا الأب، ووصيه غاب غيبةً منقطةً، جاز قبض الذي يتلوه في الولاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۳۹۱/۴، رشيديه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۱۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول، وركنها هو الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبه، سعيد)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لخالد الاتاسي: ۳۸۱/۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالةٍ منه أو ولايةٍ عليه. وإن فعل، كان ضامناً". =

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۸]: مسماۃ لطیف النساء زوجۂ قاضی محمد رزق اللہ صاحب مرحوم المغفور نے اپنی زندگی میں بحالتِ قائمی حواسِ خمسہ روبرو چند اشخاص معتمد قوم وعزیزانِ خود اپنے سوتیلے بیٹے مسمی محمد ثناء اللہ صاحب سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جوترکہ مجھے تیرے باپ سے آٹھویں سہام کی رو سے پہونچتا ہے اور جو میرا مہر واجب ہے، وہ میں تجھ کو دیتی ہوں اور جوترکہ میرے والدین سے مجھے پہونچتا ہے وہ میں اپنی بہن کی اولاد کو دیتی ہوں، اس میں تمہارا کوئی حق نہیں اور جو کہ میں تمہیں دے چکی ہوں اس میں ان کا حق کوئی نہیں۔ فریقین نے اسی فیصلہ کو منظور کرلیا اور فریقین کو اس پر قبضہ دے دیا۔

تقریباً عرصہ بیس سال تک اسی پر عمل درآمد رہا اور مسماۃ مذکورہ اس عرصہ میں بہن کے یہاں رہی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیونکہ فیصلہ کی رو سے اگر چہ قبضہ فریقین کا ہے لیکن کاغذات مال میں غلطی سے بعض جگہ اندراج ہے اور بعض جگہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ فیصلہ شرعی ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جگہ اندراج نہ ہونے کا کچھ اثر ہے کہ نہیں؟ فقط۔

سائل: محمد شعیب برمکان قاضی حمید حسین صاحب، محلہ قاضیان، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد ہبہ ہے، مقسوم کا ہبہ قبضہ سے تمام ہوجاتا ہے، پس اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں آچکا ہے تو یہ ہبہ صحیح اور تام ہے، کاغذات میں اگر اندراج غلط ہے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل چیز یعنی قبضہ ہر فریق کا اپنے حصہ پر موجود ہے، کاغذات کے اندراج کو صحیح کرالیا جائے۔ اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں نہیں آیا، بلکہ بلاتقسیم ہبہ کرکے قبضہ کرادیا ہے جس میں ان فریقین کا حصہ بھی ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ہے، تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ فاسد ہے، فریقین اس حصہ کے مالک نہیں ہوئے، البتہ واہب ہبہ اگر تقسیم کراکے اپنے حصے پر قبضہ کرلیتے ہیں تو ہبہ صحیح ہوجاتا، تجدید عقد ہبہ کی ضرورت نہیں تھی:

= (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الحموي شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۳، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

"لو وهب مشاعاً يقسم، ثم قسمه وسلمه، صح وملكه؛ لأن التمام بالقبض. وعنده لاشيوع، فأفاد أنه لو قبضه مشاعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه؛ لأنها هبة فاسدة مالاً، وهي مضمونة بالقبض، ولايفيد الملك للموهوب له، وهو المختار. ولو باعه الموهوب له، لايصح، كذافي المبتغى". بحر: ۷/ ۲۸۶(۱)-

"وبما ذكره ههنا علم أن قوله: (تصح في محوز مقسوم) معناه أنها تملك بهذه الشروط، لا أن الصحة متوقفة على القسمة؛ لأنه لو وهب شائعاً يقسم، تصح الهبة من غير ملك، ولهذا لو قبضه مقسوماً. ملك. ولوكان شرطاً للصحة، لاحتيج إلى تجديد العقد، كما لا يخفى". بحر(۲)-

اب چونکہ واہبہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے فریقین کو جو حصہ دیا تھا، وہ اب ورثہ کی ملک ہے، ورثہ اگر چاہیں ہبہ با قاعدہ کردیں، اگر چاہیں واپس کرلیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/۵۴ھ۔

الجواب صحیح بندہ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۸/شعبان/۵۴ھ۔

---

(۱) (البحرالرائق: ۷/۲۸۷، ۲۸۸، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

"(فإن قسمه وسلمه، صح): أي لو وهب مشاعاً، ثم قسمه وسلمه، جاز؛ لأن تمام الهبة بالقبض، وعنده: لاشيوع فيه. ولو سلمه شائعاً، لا يملكه حتى لاينفذ تصرفه فيه، ويكون مضموناً عليه، وينفذفيه تصرف الواهب". (تبيين الحقائق: ۶/۵۵، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

"لاتتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل، كما في عامة الكتب، فكان هو المذهب. وقيل: يجوز لشريكه، وهو المختار. فإن قسمه وسلمه، صح، لزوال المانع. ولوسلمه شائعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه فيه، فيضمنه، وينفذ تصرف الواهب". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۴، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز،ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۲۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۳۷۸، الباب الثاني في بيان شرائط الهبة، مكتبه حقانيه پشاور)

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۹]: ایک شخص دو ہفتہ سے حبسِ بول میں مبتلا تھا، جب وہ کسی ترکیب وعلاج سے دفع نہیں ہوا اور تکالیفِ مرض حد سے گذر کر امیدِ صحت وزندگی بالکل باقی نہیں رہی تب اس حالتِ ناامیدی وتعطلِ عقل میں مریض نے اپنی جائیداد منقولہ کا - جو از قسم زمینداری دوکانات ومکانات سکنی کی تھی - اپنے چاروں لڑکوں کے نام بلا تصریح ان کے حصصِ باہمی کا ہبہ نامہ لکھ دیا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ موہوب لہ کو ہم نے قبضہ دے دیا، مگر درحقیقت کسی قسم کا قبضہ واقعی وغیر واقعی اس وقت اب تک نہیں دیا گیا۔ واہب بدستور سابق قابض ودخیل ہے اور اختیارات مالکانہ عمل میں لا رہا ہے۔

۲- سب جائیداد موہوبہ یعنی زمینداری ودوکانات ومکانات دوسرے شرکاء کے ساتھ مشترک ہیں اور بلا تقسیم کے ہبہ کی گئی، نیز یہ کہ حصص جائیداد غیر منقسم بحق موہوب لہ ہبہ ہوئے، اس میں بھی موہوب لہ کے حصص کی صراحت نہیں ہے کہ کتنا حصہ کس کو ہبہ کیا گیا؟

۳- مکانات مردانہ وزنانہ غیر منقسم کو بلا اس اسباب واثاث البیت کے کہ جو واہب کا اس میں رکھا ہوا تھا ہبہ کیا گیا ہے۔

۴- وقتِ تحریر ہبہ نامہ کے تین موہوب لہ بروقت تجارت دور دراز مقامات میں تھے، صرف ایک موہوب لہ واہب کے پاس موجود تھا، مگر جلسہ تحریر ہبہ نامہ میں وہ بھی موجود نہ تھا، بلکہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا، اس لئے باہم واہب وموہوب لہ میں ہبہ کا ایجاب وقبول بھی نہیں ہوا۔

۵- جب چند ہفتہ کے بعد واہب کو احتباسِ بول سے نجات ملی، تب وہ بعض دیگر شکایتوں کے علاج کے لئے دہلی چلا گیا، تب اس موہوب لہ حاضر نے بلا اجازت واطلاع واہب کے تقریباً تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام اور دوسرے کے نام داخل خارج کرالیا، مگر اس کے بعد بھی کسی قسم کا قبضہ موہوب لہم کا نہیں ہوا۔

۶- اب موہوب لہم میں سے وہ شخص جائیداد موہوب بہ کے منافع کے واہب سے دعویدار وطلب گار ہیں، واہب کو دینے سے اس لئے انکار ہے کہ ہبہ نامہ بوجوہاتِ مذکورہ صدر غیر نافذ اور کالعدم وباطل ہے۔

بقیہ دو موہوب لہم کو بر بناء ہبہ نامہ کے کوئی دعوی جائیداد موہوبہ کے متعلق نہیں ہے، ان دونوں

میں سے ایک وہ ہے کہ جس نے تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام ونیز دوسروں کے نام داخل خارج کرایا تھا۔

۷- ہبہ نامہ: متذکرہ صدر ماہ اگست ۱۹۳۱ء میں تحریر ہوا تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں جو ہبہ نامہ تحریر ہوا، اس کی وجہ سے لڑکوں کو قبضہ اور مطالبہ کا حق نہیں، کیونکہ ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے، اگر قبول نہ ہو تو قبضہ ضروری ہے۔ مجلسِ عقد میں قبضہ بلا اذنِ واہب درست ہوتا ہے اور بعد المجلس واہب کے منع کرنے کی صورت میں درست نہیں ہوتا، اور اذن کی صورت میں درست ہوتا ہے، نیز تعطلِ حواس کی حالت میں جبکہ مرض کی وجہ سے عقل مخبوط ہو چکی ہو عقد ہبہ وغیرہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح ہبۂ مشاع (غیر منقسم) بھی صحیح نہیں ہوتا:

"وتصح بإيجاب وقبول ولو بالفعل فى حق الموهوب له، ثم شرائط صحتها فى الواهب العقل، والبلوغ، والملك، وفى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وتتم بالقبض الكامل، فإن قبض فى المجلس بلاإذن، صح، وبعده لابد من الإذان. والحاصل أنه إن أذن بالقبض صريحاً، صح قبضه فى المجلس وبعده. ولونهاه، لم يصح قبضه لافى المجلس ولابعده. ولوكان الموهوب غائباً فذهب وقبض، إن بأذنٍ، صح، وإلالا". سكب الأنهر: ۲/۳۵۳، ۳۵٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۸/۵۸ھ۔

---

(۱) (سكب الأنهر الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك، فلاتصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتباً. وشرائط صحتها فى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وركنها هو الإيجاب والقبول. وتصح بقبض بلاإذن، وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۷/۴۸۶، ۴۸۷، كتاب الهبة، رشيديه) .... =

غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۳۰]: سائل کے والد دو بھائی تھے، دونوں کا انتقال ہوگیا، ایک کی اولاد لڑکا ہے، دوسرے کی اولاد بھی لڑکا ہے۔ سائل منصور احمد اور اپنے بھائی فہیم الدین کے پاس رقم بھیجتا رہا بمبئی سے مکان تعمیر کرانے کے لئے، تو فہیم الدین جو منصور احمد کا تایازاد بھائی تھا اس نے مکان تعمیر کرایا، مکان کی جائیداد شرکت کی تھی اور ایک دوکان اس میں منصور احمد نے اپنے روپیہ سے خرید تھی، فہیم الدین کا انتقال ہوگیا ہے اور مکان اپنی لڑکی کے نام کردیا ہے، اب فہیم الدین کی بیوی نے اس مکان اور دوکان پر قبضہ کرلیا ہے۔ شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فہیم الدین کی بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے میراث میں آٹھواں حصہ پہونچتا ہے، اس سے زیادہ کی وہ حقدار نہیں ہے(۱)۔ جو دوکان منصور احمد نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدی ہے وہ منصور احمد کی ہے، جو مکان منصور احمد کے بھیجے ہوئے روپیہ سے تعمیر ہوا وہ منصور احمد کا ہے، فہیم الدین کو لڑکی کے نام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ غلط ہوا، لڑکی اس پر قبضہ نہ کرے(۲) بلکہ لڑکی اور وہ دونوں کو لازم ہے کہ وہ مکان اور دوکان منصور احمد کے حوالہ کردیں۔ البتہ فہیم الدین کا حق والد کی چھوڑی ہوئی زمین میں منصور احمد کے برابر ہے(۳)، اس میں بیوی

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۴۹، ۵۲، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/ ۱۷۰، فيما يجوز في الهبة ومالايجوز، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾. الآية. (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الآية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) واضح رہے کہ ان دونوں کے حصوں کی تعیین دیگر ورثہ کے معلوم ہونے پر کی جاسکتی ہے، تاہم اگر صرف یہی دو بھائی مرحوم باپ کے وارث ہوں تو کل جائیداد ان دونوں کو بوجہ عصبہ ہونے کے آدھا آدھا ملے گی:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، =

اورلڑکی اپنا اپنا حصہ لے سکتی ہیں(۱)۔

اب جبکہ اس زمین پر منصوراحمد کی تعمیر موجود ہے جوکہ فہیم الدین کی رضامندی سے ہے،لہذا اپنے حصہ کی زمین کا معاملہ منصوراحمد سے کرلیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۴/۹۰ھ۔

حرام،حلال مخلوط روپے کا ہبہ

سوال[۸۰۳۱]: زید کا باپ تجارت کرتا ہے،وہ تجارت شرع شریف کے بالکل خلاف ہے،مثلاً جھوٹ بولتا ہے،کم دیتا ہے،زیادہ لیتا ہے اور بہت سی دھوکہ بازیاں کرتے ہیں،جیسے کہ آج کل تجارت چل رہی ہے کہ کوئی مسئلہ کالحاظ نہیں کرتا،جس طرح جی میں آتا ہے کردیتا ہے۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا باپ وہ روپیہ جتنے مناسب سمجھتے ہیں،زید کو دیدیتے ہیں اور باقی سے اپنا کام چلاتے ہیں،تو یہ روپیہ زید کو لینا کو جائز ہے یا نہیں؟اوراگر یہ ناجائز ہے اورزیدلحاظ میں لے لیتا ہے تو اب اس کو مسکینوں میں خیرات کردے،یاقطعی ان سے نہ لےاورصاف منع کردے؟اوراگر کوئی صورت لینے کی ہوتو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید کا باپ خالص حرام وناجائز روپیہ مثلاً: رشوت،سود،غصب،وغیرہ کا روپیہ زید کو دیتا ہے،

= أخذ جميع المال. وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۲، كتاب الفرائض، الباب الثالث، رشيديه)

(وكذا الدرالمختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(۱) بیوی کو زوج کے حصے سے ثمن آٹھواں ملے گا اور بیٹی کو نصف بطور ذی فرض ملے گا اور بقیہ مال بطور رد ملے گا:

"أمّا للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمنُ مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة، اهـ". (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷، سعيد)

"الرد ضد العول: مافضل عن فرض ذوي الفروض ولا مستحق له، يرد على ذوي الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين". (السراجي في الميراث، باب الرد، ص: ۳۸، سعيد)

یا ایسا مخلوط روپیہ دیتا ہے جس میں زیادہ حرام ہے اور کم حلال تو زید کو اس کا لینا جائز نہیں، صاف انکار کردے، اگر کسی وجہ سے لے لیا ہے تو واپس کردے۔ اگر واپس نہیں کرسکتا ہے تو خود اپنے صرف میں نہ لائے، بلکہ جن سے باپ نے لیا ہے ان کو واپس کردے، وہ موجودہ نہ ہو تو ان کے ورثہ کو دیدے، اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ کا علم نہ ہو تو خیرات کردے اور مسکینوں پر اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے(۱)۔

اگر وہ خالص حلال روپیہ یا ایسا روپیہ جس میں زیادہ حلال ہے دیتا ہے تو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ

سوال[۸۰۳۲]: ایک نابالغ بچہ جس کی نگرانی کے لئے ایک عاقل بالغ شخص مقرر کیا گیا ہے، کیا اس

---

(۱) "ویردون ها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذرالرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۴۹، الباب الخامس عشر فی الکسب، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/۶۰، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۸/۳۶۹، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، رشیدیه)

(۲) "إذاکان غالب مال المُهدی حلالاً، فلابأس بقبول هدیته وأکل ماله مالم یتبین أنه من حرام. وإن کان غالب ماله الحرام، لایقبلها ولایأکل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ وَرِثَه أو استقرضه". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۳۰۹، الفن الأول فی القواعد الکلیة، القاعدة الثانیة، إدارة القرآن، کراچی)

"أهدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال، فلابأس به، إلا أن یعلم بأنه حرام، فإن کان الغالب هو الحرام، ینبغی أن لایقبل الهدیة ولایأکل الطعام". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة: ۵/۳۴۲، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

"غالب مال المهدی إن حلالاً، لابأس بقبول هدیته وأکل ماله مالم یتبین أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لایخلو عن حرام فیعتبر الغالب. وإن غالب ماله الحرام، لایقبلها ولایأکل، إلا إذا قال: إنه حلال". (مجمع الأنهر: ۴/۱۸۶، کتاب الکراهیة، فصل فی الکسب، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۴۰۰، کتاب الحظر والإباحة، رشیدیه)

بچہ کی موہوب، مصدق، مباح یا کسی اور طرح کی مملوک چیزوں میں سے وہ نگراں بچہ کی اجازت کے ساتھ کچھ لے سکتا ہے، جبکہ بچہ عاقل وصحیح ہے اور نگراں کے نہ لینے سے اس کو رنج ہوتا ہے اور اظہارِ غم کرتا ہو۔ فقط۔

عبید اللہ بلیاوی، ۲/ ربیع الاول/ ۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ کی اجازت غیر معتبر ہے اور اس کی دلداری کی وجہ سے ناجائز کام جائز نہیں ہوتا:

"وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لو كان عبداً أو مكاتباً أو مدبراً أو أم ولد أو من في رقبته شيء من الرق أو كان صغيراً أو مجنوناً أو لا يكون مالكاً للموهوب، لايصح. هكذافي النهاية، اهـ". عالمگیری:۲/ ۳۷۲ (۱) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۴/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۶۱ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

بچے کی ملک میں مربی کا تصرف

سوال[۸۰۳۳]: ایک شخص کی نگرانی میں ایک خاندان کا بچہ تعلیم کے واسطے سپرد کیا گیا، بچہ کے نام جاگیر ہے، اس کو ہبہ کیا جاتا ہے، اس کے نام روپیہ آتا ہے تو وہ نگران اپنی ضروریات میں بھی خرچ کرتا ہے۔ وہ بچہ غصب کرتا ہے، یا کوئی چیز چراتا ہے، یا اس کو صدقہ کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سید ہے، طالب علم مسافر بھی ہے،

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك، فلاتصح هبة صغير ورقيق".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۸۷، سعيد)

"وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۰، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاشي: ۳/ ۳۷۵، (رقم المادة: ۸۵۹)، حقانيه پشاور)

نابالغ تو ہے ہی، نگران بھی دستِ نگر اور تنگدست ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کے کیا احکام ہیں اور ان کے ضبط کے لئے کیا قاعدہ کلیہ ہے؟ مدلل ومشرح بیان فرمایئے۔فقط۔

سائل: عبیداللہ بلیاوی، ۲۸/صفر/۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بچہ کو صدقاتِ واجبہ لینا ناجائز ہے(۱)، چوری، غصب بھی ممنوع ہے، نگران کو اس کی ملک میں اپنی ذات کے لئے تصرف درست نہیں (۲) اس کا ہدیہ بھی قبول نہیں کرنا چاہئے، بچہ کا ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے:

"قبول الصبي العاقل الهبةَ صحيحٌ، اه". أشباه، ص: ۱۹۵ (۳)۔ "شرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ". سكب الأنهر: ۲/۲۵۳ (٤)۔

---

(۱) "ولاتدفع (أي الزكوة) إلى بني هاشم، لقوله عليه والصلوة والسلام: "يابني هاشم! إن الله تعالى حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم". (الهداية: ۱/۲۰٦، باب المصرف، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ولايدفع إلى بني هاشم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) (الأشباه والنظائر: ۲/۳۴۲، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الهبة، إدارة القرآن، كراچي)

"ويصح قبضه (أي الصبي) للهبة". (شرح الأشباه والنظائر، ۳/۳۰، الفن الثالث، أحكام الصبيان، إدارة القرآن، كراچي)

"إذا وهب شيئ للصبي المميز، تتم الهبة بقبضه الموهوبَ إن كان له ولي". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴٦۸، (رقم المادة: ۸۵۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) (سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وأماما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها وشرائطها وأنواعها، الخ، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة غفاريه كوئٹة)

اور جو احکام دریافت طلب ہوں، تفصیل سے تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱/۳/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۵/ ربیع الأول/ ۶۱، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا

سوال[۸۰۳۴]: زید اور عمر آپس میں دوست ہیں، دونوں میں تعلقات کثیرہ ہیں۔ زید نے عمر سے کہا کہ فلاں شئی مجھے ہبہ کردے، عمر نے اس شرط پر کہ تم یہاں سے گھر نہیں لے جاسکتے، ہم دونوں استعمال کریں گے، لیکن ملک تمہاری ہے، اور قبضہ کرادیا۔ اب کئی سال کے بعد زید اس شئی کو گھر یا اور کہیں لیجانا چاہتا ہے اور عمر اس کے انتفاع سے بالکل محروم رہ جاوے گا۔ نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ شرط اس وقت قبول نہیں کی تھی، بلکہ میں نے تو اتنی مقدار پیسے دیدیئے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ نہیں تھا، بلکہ بیع ہوئی تھی۔ اور عمر کہتا ہے کہ اس شئی کے عوض کچھ پیسے نہیں دیا گیا۔ اور نیز عمر کہتا ہے کہ اگر آپ نے مقدار معین دی تھی تو میں ادا کردوں گا۔ اور وہ شئی مجھے دےدے۔ اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبہ صحیح ہے، شرط باطل ہے، واپس لینا مکروہ تحریمی ہے، اگر پیسے دینے کا ثبوت ہوتو واپسی کا مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور خلاف شرع ہے:

"قال أصحابنا جميعاً: إذاوهب وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل". عالمگیری: ٤/٣٩٦(١)۔

"ويصح الرجوع فيها: أي في الهبة كلاً وبعضاً، ولكن يكره تحريماً، ويمنع منه حروف دمع خزقة". مجمع الأنهر: ٢/ ٣٥٦(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۸/۶۲ھ۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٩٦/٤، الباب الثامن في حكم الشرط في الهبة، رشيديه)

(٢) (مجمع الأنهر: ٤٩٩/٣، باب الرجوع فيها، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وحكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح ويبطل الشرط". =

خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی

سوال[۸۰۳۵]: میں نے اپنی زمین جوکہ رہائش کی تھی اس کو اپنے حقیقی بھتیجے کے نام ہبہ کردیا، اس لئے کہ میری عمر کافی ہوگئی ہے، کمزوری کا زمانہ ہے کہ میرے بھتیجے میری خدمت کریں گے، مگر جب ہبہ نامہ ہوگیا، اس کے بعد میں ان لوگوں نے میری کوئی خدمت نہیں کی۔ میری دولڑکیاں بھی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ ہبہ نامہ غلط ہے کہ نہیں؟ میری اب یہ مرضی ہے کہ اس ہبہ نامہ کو توڑ دوں اور اس وقت میری کچھ حالت بھی صحیح نہیں تھی۔

میری بڑی لڑکی ناراض ہے، چھوٹی لڑکی بھی ناراض ہے، اور ان لوگوں نے اب تک کوئی خدمت نہیں کی، اس لئے میں اور میری دونوں لڑکیاں سخت ناراض ہیں۔ اب آپ حکم فرمائیں جو حکم ہو عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر محض تحریر لکھی گئی ہے اور ان کا قبضہ نہیں کرایا گیا تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس کے ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے(۱)، لڑکیوں کو محروم کردینا بھی برا اور گناہ ہے(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۲ھ۔

= (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"وصح الرجوع فيها بعد القبض مع انتفاء مانعه وإن كره الرجوع تحريماً .... ويمنع الرجوع فيها حروف دمع خزقه". (الدر المختار: ۶۹۸/۵، ۶۹۹، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

"(وما لايبطل بالشرط الفاسد القرضُ والهبةُ) بأن قال: وهبتک هذه الجارية بشرط أن يكون حملها لي". (البحر الرائق: ۳۱۲/۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

"صح الرجوع فيها الرجوع دمع خزقه) يعني صح الرجوع في الهبة بعد القبض إذا لم يمنع مانع من الموانع الأتية، وأشار بذكر الصحة دون الجواز إلى أنه يكره الرجوع فيها". (البحر الرائق: ۴۹۴/۷، باب الرجوع في الهبة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵۴۵/۴، كتاب البيوع، باب المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد) .... =

مرض الموت میں ہبہ

سوال[۸۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: زید نے اپنے مرض الوفات میں اپنی مملوکہ کچھ حصے ایک لمیٹڈ کمپنی کے اپنے بعض ورثہ کو ہبہ کردیئے، اسی مرض میں چند ایام کے بعد زید کی وفات ہوگئی۔ اب شرعاً یہ دریافت کرتا ہوں کہ زید کا مرض الوفات میں بعض ورثہ کو ہبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمد یوسف، سیدات، رنگون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں ہبہ بمنزلۂ وصیت کے ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہبہ کردے اور شئی موہوب لہ کا قبضہ کرادے، اگر مشاع قابلِ تقسیم ہو تو تقسیم کرا کے قبضہ کرادے، اس کے بعد انتقال ہوجائے تو ایک ثلث میں اس کی تنفیذ ہوگی۔ اگر تقسیم اور قبضہ سے پہلے انتقال ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا(۱)۔ اگر موہوب لہ وارث ہو تب بھی ہبہ ناجائز ہوگا، الا یہ کہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں:

"الهبة والصدقة من المريض لِوَارثه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكماً، حتى تعتبر من الثلث". مجمع الأنهر(۲):

= "وتتم بالقبض الكامل، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". (مجمع الأنهر: ۴۹۱/۳، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وتصح بالإيجاب والقبول والقبض......... قوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۲۸۱/۳، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۸۳/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۲، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "وهب في مرضه ولم يسلم حتى مات، بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصيةً حتى اعتبر فيه الثلث، فهو هبة حقيقةً، فيحتاج إلى القبض". (ردالمحتار: ۷۰۰/۵، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴۲۴/۴، كتاب الوصايا، غفاريه كوئٹه) ....=

"ولاتصح الوصية لوارث شيئاً إلا بإجازة الورثة". سكب الأنهر(۱)۔ "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به في محوز مقسوم ومشاع لايقسم لاتتم بالقبض فيما يقسم. ولو لشريكه، فإن قسمه وسلمه، صحّ. ولو سلمه شائعاً لايملكه، فلا ينفذ تصرفه فيه، اهـ". درمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ

سوال[۸۰۳۷]: مسمی کالے خاں دو بیٹے عبداللہ خان وحبیب خان چھوڑ کر فوت ہوا، ان میں سے عبداللہ خان کے دو بیٹے، ایک بیٹی تھی، عبداللہ خان مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے دونوں لڑکوں نے کل

= "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية، ولاوصية لوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني، حنفية كوئٹه)

"إن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته، لاتجوز، إلا أن يجيزها الورثه الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كان هبةً حقيقةً، لكن لها حكم الوصية". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۴۰۳، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، (رقم المادة: ۸۷)، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض: ۶/۲۳۹، رشيديه)

(۱) (سكب الأنهر على مجمع الأنهر: ۴/۴۱۸، كتاب الوصايا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) (الدر المختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳، (رقم المادة : ۸۶۱)، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

جائیداد باپ کے اپنے نام رجسٹر کرالی اور باپ کی اس پر تصدیق کرالی، گویا باپ نے خود ہی دونوں بیٹوں کے نام کل جائیداد کردی مرض الموت میں، اور لڑکی کو محروم کردیا، یعنی لڑکی کے نام کچھ نہیں کیا۔

اندریں صورت دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کو از روئے شرع کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ باپ کے ہوش وحواس ہی بوقتِ تصدیق نامہ نہ تھے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عبداللہ خان کے جو دونوں بیٹوں نے رجسٹر کرائی ہے، بظاہر یہ ہبہ نامہ ہے، لہذا ہبہ نامہ کا ہی حکم جواب میں تحریر ہے، مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اگر ہوش وحواس بجا ہوں اور مرض الموت میں ہبہ کرکے موہوب لہ کا قبضہ کرادے تو ایک ثلث میں جاری ہوگا۔ اگر قبضہ کی نوبت نہیں آئی کہ واہب کا انتقال ہوگیا تو ہبہ بے کار اور کالعدم ہوگیا (۱)۔ اور اگر ہوش وحواس درست نہیں تھے تو اس ہبہ کا شروع ہی سے کوئی اعتبار نہیں خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو (۲)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ ہبہ بیٹوں کے حق میں کیا گیا ہے جو کہ شرعاً وارث بھی ہیں، اس لئے ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوتی جب تک دیگر ورثا اجازت نہ دیں (۳)۔ پس

---

(۱) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث. وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۴، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۹/۶، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض، رشيديه)

(وشرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة: ۴۸۳/۱، (رقم المادة: ۸۷۹)، مكتبه حنيفه كوئٹه)

(۲) "ثم شرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۹۰/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، سعيد)

"يشترط أن يكون الواهب عاقلاً بالغاً، فبناءً عليه لاتصح هبة الصغير والمجنون والمعتوه".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۲، (رقم المادة: ۸۵۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن عمرو بن خارجة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "إن الله =

اگر عبداللہ خان کے صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی ہی وارث ہیں تو یہ ہبہ بیٹی کی اجازت پر موقوف رہے گا(۱)، اگر وہ اجازت دیتی ہے تو نافذ رہے گا، ورنہ نافذ نہیں، بلکہ اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ مسمی کالے خان کی جائیداد اور کل ترکہ بعد ادائے دین وغیرہ دو حصہ کرکے نصف کا مالک حبیب خان ہوگا اور نصف کا عبداللہ خان (۲)، پھر اس نصف کے پانچ حصے ہوں گے، دو دو ہر لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سوال کے مطابق جواب صحیح ہے، بہتر یہ ہے کہ اصل کاغذات کی نقل استفتاء کے ہمراہ آتی تا کہ اس میں غور کرلیا جاتا۔ فقط۔ سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہان پور، ۶۴/۳/۲۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہان پور، ۶۴/۳/۲۶ھ۔

مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم

سوال[۸۰۳۸]: مفید الوارثین میں ہے:

= أعطى كل ذي حق حقه، ولا وصية لوارث". الحديث. (سنن النسائي: ۲/۱۳۱ كتاب الهبة، باب إبطال الوصية للوارث، قديمي)

(۱) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً .... ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبة حنفية كوئته)

(۲) صورت مذکورہ میں کالے خاں کے ورثہ میں صرف دو بیٹے ہیں اور بیٹے عصبہ ہیں، اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجوگی میں کل مال کے مستحق ہوتے ہیں: "العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(۳) قال الله تعالى تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية. (سورة النساء: ۱۱)

''اگر مرض الموت میں کسی ایسے شخص کو جو مریض کا وارث نہیں بطور تحفہ وہدیہ کچھ دے دیا تو بالفعل دلوادیا جائے گا، لیکن اگر مریض اس مرض میں مرگیا اور معلوم ہوا کہ وہ مرض الموت تھا، اس کا حکم مثل وصیت کے ہے، انتہی'' (۱)۔

اس میں غیر وارث کو دینے کی شرط کیوں لگائی؟ اگر وارث کو مرض الموت میں دے تو اس کو بھی فی الحال دلوادینا چاہیے، کیونکہ اس مرض کا مرض الموت ہونا یقینی نہیں، پس اگر اسی مرض میں مرجائے تو وہ چیز اس وارث سے واپس لے لی جائے، وارث اور غیر وارث میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ وارث کو اگر فی الحال دے دی جائے تو شاید وہ اس چیز میں تصرف وغیرہ کرلے، اور وہ چیز واپس نہ لی جاسکے تو یہ وجہ غیر وارث میں بھی ہے کہ شاید جو چیز اس کو دی ہے وہ ثلث مال سے زیادہ ہو، پس وہ اس میں تصرف وغیرہ کرے جس وجہ سے مایجری فیه الوصیة یعنی ثلث سے زائد واپس نہ لیجاسکے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وارث میں واپس لینے سے ایک دوسری شئی بھی مانع ہے، اس کا ذی رحم محرم ہونا، یا تعلقِ زوجیت ہونا۔ اغلب واقرب یہ ہے کہ اس تحفہ کو چونکہ مرض الموت میں وصیت کا حکم دیا جاتا ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: ''لا وصیه لوارث'' (۲)۔ اس لئے اس صورت کو غیر وارث کے ساتھ مقید کیا تاکہ آئندہ چل کر اگر اس مرض کا مرض الموت ہونا ثابت ہوجائے تو سب کو بحکمِ وصیت ثلثِ ترکہ سے نافذ کیا جاسکے (۳)، اگر وہ موہوب لہ وارث ہو تو وہاں تنفیذِ وصیت کا محل ہی نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ رمضان المبارک/ ۱۳۶۶ھ۔

---

(۱) (قانون وراثت مفید الوارثین، فصل سوم مرض الموت اور مریض کے اقرار کا بیان، ص: ۶۸، سعید)

(۲) ''عن عمرو بن خارجة رضي الله تعالیٰ عنه قال: خطب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: ''إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، ولا وصیة لوارث''. الحدیث. (سنن النسائي: ۲/ ۱۳۱، کتاب الهبة، باب إبطال الوصیة للوارث، قدیمی)

(۳) ''وأما لو وهب وسلم لغیر الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة''. (شرح المجلة: ۱/ ۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، کتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المریض، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''وأما هبته: أی المریض لأجنبی، فتصح من کل ماله إن أجاز الورثة، وإلا فمن الثلث فقط''.

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/ ۴۰۴، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط

سوال[۸۰۳۹]: ہندہ اپنے بستر مرگ پر عالمِ نزع میں ہے، ہندہ کے جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی) نے ایک سادہ کاغذ (اسٹامپ) پر کسی تحریر اقرار نامہ کے نشانِ انگوٹھا بغیر ہندہ کی مرضی وخواہش کے جبراً لے لیا۔ اور نشانِ انگوٹھا لیتے وقت سوائے اس کے جیٹھ کے کوئی دوسرا گواہ وہاں پر موجود نہ تھا۔ نشان انگوٹھا لینے کے چند دن بعد ہندہ لاولد فوت ہوگئی۔ اس کے بعد اس کاغذ کو جس پر ہندہ کا نشان انگوٹھا لیا گیا تھا، ہبہ کی شکل میں تحریری اقرار کرایا گیا کہ ہندہ نے اپنے ترکہ کی جائیدادا اپنے شوہر کو ہبہ کردی اور بعد میں مذکورہ جیٹھ کے علاوہ مزید تین گواہوں نے ازراہِ شہادت اپنے اپنے دستخط کردہ دستاویز پر ثبت کردیئے۔ اور اس طرح ہندہ کا ہبہ نامہ بحق اپنے شوہر کے مکمل ہوگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کی کمزوری اور لاچاری سے فی الحال جو فائدہ اٹھایا گیا، اور مندرجہ بالا طریقے سے ہندہ سے ہبہ کرایا گیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واقعۃً اسی طرح ہے تو یہ کارروائی شرعاً بالکل بے کار ہے، اس سے ہبہ نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۴ھ۔

اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۴۰]: زید کی ہندہ سے سوائے ایک لڑکی کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اپنی زندگی کا نباہ پار کرنے کے لئے عمر کو اپنا لڑکا بنالیا، عمر ہوش سنبھالتے ہی زید کی کما حقہ خدمت گذاری میں مصروف رہا۔ اس سے خوش ہوکر زید نے اپنا زرخرید نصف مکان عمر کو ہبہ کردیا، عمر نے اپنی آمدنی سے اس کی ازسرنو تعمیر کی۔ پھر زید نے عیش وآرام کی زندگی پانے کی وجہ سے آخری عمر میں بقیہ نصف مکان بھی چند گواہوں کے سامنے ہبہ نامہ تحریر

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

کردیا تا کہ عمر کو بوقتِ ضرورت کام آئے۔اور زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی، وہ اپنی سسرال رہتی ہے۔زید کے انتقال کے بعد وہ لڑکی میراث کی طلبگار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ لڑکی اس مکان میں حصہ دار ہے یا نہیں؟اور زید کا عمر کو کل مکان کا ہبہ کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان اگر اتنا بڑا ہے کہ نصف نصف کرکے تقسیم کردیا جائے تو دونوں حصوں سے انتفاع ہوسکتا ہے اور پھر زید نے تقسیم کرکے عمر کا قبضہ نصف پر نہیں کروایا، بلکہ حسب سابق زید بھی مالکانہ حیثیت سے رہتا رہا اور عمر بھی رہتا رہا تو یہ نصف کا ہبہ فاسد صحیح نہیں ہوا(۱)۔پھر آخری عمر میں جو دوسرا بقیہ نصف ہبہ کیا ہے، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہوا(۲)،عمر نے اپنی آمدنی سے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے، وہ زید کے ساتھ تبرع ہوا(۳)،لڑکی کو میراث طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر ہبہ کی اس کے علاوہ کوئی اور صورت پیش آئی ہے یعنی مکان چھوٹا تھا جو تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ

---

(۱) "(قوله: في محوز مقسوم ومشاع لايقسم، لافيما يقسم): أي تجوز الهبة في محوز مقسوم وفي مشاع لايقسم، ولاتجوز في مشاع يقسم. احترز بقوله: (عن المتصل كالثمرة) عن الشجرة، وبقوله: (مقسوم) عن المشاع". وقال الشلبي في حاشيته: "قال علماء نا:هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتتم ولاتفيد الملك قبل القسمة". (تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي: ۵۲/۶، كتاب الهبة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۹۲/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۸۶/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "إذاوهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم يُجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم: ۴۸۳/۱، (رقم المادة، ۸۷۹)، كتا ب الهبه، الفصل الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "فلو أنفق عليها الأخر بلا إذنه، فهو متبرع غير مضطر؛ إذ يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها".

(ردالمحتار: ۳۳۳/۴، كتاب الشركة، سعيد)

رہتا، یا تقسیم کر کے عمر کے قبضہ میں نصف دے دیا اور اس نصف سے اپنا قبضہ ختم کر دیا، یا بقیہ نصف مرض الموت میں ہبہ نہیں کیا، بلکہ تندرستی میں ہبہ کیا تو اس صورت کو متعین کر کے جواب حاصل کیا جائے۔ آپ نے سوال میں کوئی تصریح نہیں کی، اس لئے ایک شق کا جواب لکھ دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیو بند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیو بند، ۸۵/۹/۱۷ھ۔

واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال

سوال [۸۰۴۱]: زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی اور ایک مرحومہ لڑکی کا بیٹا (زید کا نواسہ) موجود ہے، زید نے اپنی حیات میں عارینۃً اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی اور ایک نواسہ کو تقسیم ترکہ نامزد قرار دیدیا، اب زید کی موجودگی میں موجودہ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اس لڑکی کا خاوند اس کے حصہ میں سے کس قدر مال کا مستحق ہوسکتا ہے، یا بالکل نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاریۃً تقسیم ترکہ نامزد قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس سے مراد وصیت ہے یعنی زید نے وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ترکہ اس طرح تقسیم کرنا تب تو یہ وصیت ہی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ورثہ کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور وارث کے حق میں بلا اذن دیگر ورثہ وصیت نافذ نہیں ہوتی (۱)، البتہ نواسہ چونکہ اس صورت میں وارث نہیں، اس کے حق میں وصیت درست ہے، مگر اس کے نفاذ کا حکم زید کے مرنے پر ہوگا (۲)۔

---

(۱) "عن شرحبیل بن مسلم الخولانی، سمعت أبا أمامة الباهلی رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلاوصیة لوارث". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۹، بابٌ: لاوصیة لوارث، میر محمد کتب خانه کراچی)

"عن شرحبیل بن مسلم رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلاوصیة لوارث". (سنن أبی داؤد، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، إمدادیه ملتان)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث لاالزیاده علیه، إلا أن تجیز ورثته=

جس لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے حق میں جس قدر وصیت کی ہے، وہ زید ہی کی ملک ہے، لڑکی کی ملک نہیں (۱)، لہذا لڑکی کے شوہر کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، ہاں! جو کچھ ترکہ مملوکہ لڑکی نے چھوڑا ہے اس میں اس کے شوہر کا بھی حصہ ہے (۲)۔

اگر تقسیم ترکہ نامزد کرنے سے مراد یہ ہے کہ باقاعدہ تقسیم کر کے ہر ایک کے حصہ پر اس کا قبضہ کرادیا ہے تو لڑکی کے ترکہ مملوکہ کیساتھ اس میں بھی میراث جاری ہوگی اور شوہر کو حصہ ملے گا۔ اگر تقسیم کر کے قبضہ نہیں کرایا تو یہ ہبہ تام نہیں ہوا، اور لڑکی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوئی (۳)، بس شوہر کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ لڑکی کا ترکہ تقسیم کرنے کیلئے اس کے جملہ ورثہ کا علم ضروری ہے، اگر اس کی اولاد موجود ہے، تب تو شوہر کو چوتھائی ترکہ ملے گا، اگر اولاد موجود نہیں تو نصف ملے گا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۲/۶۰ھ۔

= بعد موته، ولا تعتبر إجازتهم حال حياتهم أصلاً بل بعد وفاته". (الدرالمختار: ۶/ ۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/ ۹۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۴۱۹، كتا ب الهبة، غفاريه كوئته)

(۱) وارث کا مورث کے موت کے وقت زندہ رہنا شرط ہے، جبکہ مذکورہ لڑکی مورث سے پہلے فوت ہوگئی ہے، اس وجہ سے وہ ورثاء میں شمار نہیں ہوتی:

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقتاً أوحكماً، ووجود وارثه عند موته حياً حقيقتاً أو حكماً، أو العلم بجهة الإرث". (مجمع الأنهر: ۴/ ۴۹۳، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/ ۷۵۸، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، كتا ب الفرائض، مكتبه، سعيد)

(۳) "تنعقد (أي الهبة) بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة :۸۳۷)، كتاب الهبة، الفصل الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتا ب الهبة، سعيد)

(۴) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولكم نصف ماترک أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد، =

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل

سوال[۸۰۴۲]: مجھے اپنی اہلیہ مرحومہ سے تین اولاد ہے: دولڑکے: محمد فاروق ومحمد ہارون، اور ایک لڑکی۔ میں نے ان تینوں کے بالغ ہونے پر ان کی شادی کردی، شادی کے بعد دونوں لڑکے مجھ سے علیحدہ ہوگئے، بڑالڑکا محمد فاروق پاکستان چلاگیا، اس کا کچھ پتہ نہیں، دوسرالڑکا محمد ہارون شہر ہی میں دوسری جگہ رہتا ہے۔ دوسری اہلیہ سے تین لڑکے: محمد ہاشم، محمد محسن اور عبداللہ سالم اور سات لڑکیاں ہیں، جن میں چارلڑکیاں اور ایک بڑالڑکا محمد ہاشم شادی شدہ ہیں۔

ہارون، فاروق کی موجودگی میں تنہا کام کرنے والا تھا، اور میرا کاروبار بھی بہت معمولی حالت میں تھا، بعد میں محمد ہاشم کی محنت اور اس کے تعاون سے کچھ کام بڑھا اور اب وہ مطمئن حالت میں ہے۔ موجودہ کاروبار کے بڑھانے اور جمانے میں محمد ہاشم کی لگن اور محنت کو برابر کا دخل ہے۔

ہارون، فاروق کے علیحدہ ہونے کے بعد میں نے اپنے موروثی مکان میں اپنے بڑے بھائی اور اپنی بہن کا حصہ خرید کر اپنے ساتھ شامل کرلیا، وہ اس طرح کہ بھائی صاحب کا حصہ میں نے اپنے نام اور محمد ہاشم کے نام خریدا، اور بہن کا حصہ جو کہ بھائی کے حصہ کا نصف تھا محمد ہاشم کے چھوٹے بھائی محمد محسن کے نام خریدا، اب میں چاہتا ہوں کہ مکان کا اتنا ہی حصہ سب سے چھوٹے لڑکے عبداللہ سالم کے نام ہبہ کردوں، اس طرح تینوں بھائیوں کے نام مکان کے نئے خرید شدہ حصہ میں سے برابر حصہ آجائے گا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کاروبار میں تین لڑکوں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک کرلوں یعنی کاروبار کی ملکیت میں سے ایک چوتھائی کا مالک میں رہوں اور ایک ایک چوتھائی کا مالک تینوں لڑکوں کو بنادوں، اس طرح میری ملکیت میں وہ مکان رہ جائے گا جو ہارون اور فاروق کی علیحدگی کے وقت تھا، اور موجودہ کاروبار کا ایک چوتھائی حصہ، جو میرے انتقال کے بعد میرے تمام ورثہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ رسد پانے کے مستحق ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کل کاروبار کا مالک موجودہ تینوں لڑکوں کو بنادوں اور غیر منقول جائیداد کے حصے کرکے اس کو تقسیم کردوں اور اپنی زندگی ہی میں کچھ کمی زیاتی کے ساتھ اس کا بھی فیصلہ کرادوں اور مستحقین کو مالک بنادوں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے ہر ایک شکل کا مجھ کو شرعاً اختیار ہے

= فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

یا نہیں؟ اور کیا اس طرح کمی بیشی کیساتھ تقسیم کرنے سے پہلی بیوی کے لڑکوں اور سب ہی لڑکیوں کی حق تلفی کا مجرم قرار پاؤں گا؟ میں ایسی صورت اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ آخرت میں گرفت نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی زندگی میں آپ پوری طرح مالک ہیں، آپ کو حق ہے کہ جس لڑکے لڑکی کو یا کسی غیر کو اپنی جائیداد وغیرہ کل یا جز جس طرح چاہیں دیدیں، مگر اس کا خیال رہے کہ کسی ہونے والے وارث کو نقصان پہونچانے کا ارادہ نہ ہو، یہ ظلم اور گناہ ہے، اس کا خطرہ ہو تو سب لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دیا جائے، کیونکہ وہ اولاد ہونے میں سب برابر ہیں۔ قصداضرر نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ضرورت مند ہونے یا کمانے سے عاجز ہونے یا زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دیا جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وعنه يجوز التفاضل إن كان له سبب، كأن يحتاج الولد لزمانته أو نحوذلك دون الباقيين".

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وتجب التسوية إن قصد بالتفضيل الإضرار"۔

جمہور کا قول نقل کیا ہے: "وذهب إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً، صح وكره. واستحبت المبادرة إلى التسوية أو الرجوع، فحملوا الأمر على الندب، والنهي على التنزية". فتح الباری: ۵/۵۹(۱)۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ندب کے لئے تسلیم کر کے شیخین خلیفتین: ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر سے استدلال کیا:

"إن عمل الخليفتين: أبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ في أن الأمر للندب". وہ اثر امام طحاوی اور امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں: كذافي عمدة القاري: ٦/ ٢٧٦(٢)۔

---

(۱) (فتح الباري: ۵/۲۶۷، باب الإشهاد في الهبة، قديمي)

(۲) (عمدة القاري: ۱۳/۱۴۷، باب الإشهاد في الهبة، محمد أمين دمج، بيروت)

"أما أثر أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه فأخرجه الطحاوي: حدثنا يونس، قال: حدثنا ابن وهب،=

اورحضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو بحوالۂ موطاً بھی باسناد صحیح حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ،
کذافی الفتح: ۵/ ۱۵۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا

سوال[۸۰۴۳]: ایک شخص وقف علی الأولاد کرنا چاہتا ہے، یا اولاد کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور اس میں تفریق وترجیح کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، بعض اولاد کو قریباً کل منافع وقف یا ہبہ کرنا چاہتا ہے اور بعض کو ایسا جز جو غیر متعد بہ ہو دیتا ہے۔ تو یہ تفضیل وترجیح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جنہوں نے اپنی بعض اولاد کو بعض اولاد پر ہبہ اور عطیہ میں ترجیح دی تھی، مہربانی فرما کر اس کا ترجمہ فرمادیا جائے۔ فقط۔

محمد احمد۔

= أن مالكاً حدثه عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير عن عائشه زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة قال: والله! يابُنيّة! ما من أحد من الناس احب إلى غنى بعدى منک، ولا أعز على فقراً بعدى منک، وإنى كنت نحلتک جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددته وأحرزته كان لک، وإنما هو اليوم مال الوارث، وإنما هما أخواک وأختاک، فاقتسموه على بيان كتاب الله. فقالت عائشه: والله! يا أبت! لو كان كذا وكذا، لتركته، وإنما هي أسماء، فمن الأخرى؟ فقال: ذوبطن بنت خارجة أراها جارية". أخرجه البيهقي أيضاً في سننه من حديث شعيب عن الزهري رضي الله تعالىٰ عنه عن عروة بن الزبير". (عمدة القارى: ۱۳/ ۱۴۷، باب الإشهاد في الهبة، بيروت)

(۱) "فأما أبوبكر فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أبابكر قال لها في مرض موته: إنى كنت نحلتک نحلاً، فلو كنت اخترته لكان لک، وإنما هو اليوم للوارث. وأما عمر رضي الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوى وغيره أنه نحل ابنه عاصم دون سائر ولده". (فتح البارى: ۵/ ۲۶۹، باب الإشهاد في الهبة، قديمي)

الجواب حامداً ومصلياً:

تفریق اور ترجیح بلا وجہ شرعی گناہ ہے یعنی اگر ایک کو نقصان پہونچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہونچانا مقصود ہو اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ وہ زیادہ والے سے ہبہ کرے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے مثلاً: جس کو زیادہ دیتا ہے وہ صالح اور دین دار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ میری اولاد تمام مال جائیداد کو خدا کی نافرمانی میں صرف کردے گی تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ نہ چھوڑے، بلکہ اپنا مال تمام مصارف خیر میں صرف کردے(۱)۔

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاماً. فقال: "أكلّ ولدك نحلت مثله"؟ : قال لا: قال: "فارجعه". بخاري شريف(۲)۔

"نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ ان کو

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواءً، يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوى بينهم .... وهو المختار. رجل وهب في صحته كلّ المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية .... ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركة. ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۳۹۱/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري: ۳۵۲/۱، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، قديمي)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ایک غلام دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے''؟ جواب دیا کہ: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس سے رجوع کرلو''۔ (بخاری شریف)۔

قال الطيبي: "فيه استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، فلايفضل بعضهم على بعض .... ولووهب بعضهم دون بعض، فمذهب الشافعي ومالك وأبي حنيفة رحمهم الله تعالىٰ أنه مكروه وليس بحرام، والهبة صحيحة"(۱)۔

"ولووهب جميع ماله من ابنه، جاز، وهوآثم، نص عليه محمد. ولوخص بعض أولاده لزيادة رشده، لابأس به، وإن كان سواء"(۲)۔

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات مستحب ہے، پس بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے۔ اور اگر بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ اور اگر تمام مال ایک لڑکے کو دیدیا تو قضاءً جائز ہے، اور گنہ گار ہوگا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحۃً بیان کیا ہے۔ اور بعض کو اس کی نیکی کی وجہ سے ہبہ کیساتھ مخصوص کرلیا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو سب برابر ہوں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے''۔

"رجل وهب في صحته كل المال للولد، جاز في القضاء، ويكون آثماً في ماصنع. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قُوته كي لايصير معيناً له في المعصية. ولوكان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌله من تركة.

(۱) (شرح الطيبي على مشكوٰة المصابيح: ۱۸۱/۶، كتاب البيوع، باب استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة، إدارة القران كراچي)

(۲) (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۷/۶، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير، رشيديه)

ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضّله" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی

سوال [۸۰۴۴]: زید کے ایک دختر اور ایک خوردسال پسر تھا، جوان ہونے پر دختر کی شادی کردی اور اپنا اثاث البیت بقدر ایک تہائی کے بطور جہیز کے اس کی شادی میں دیدیا تھا، بقایا دو تہائی اس بھائی خوردسالہ کے لئے محفوظ رکھا کہ وہ جب بالغ ہو جائے اپنے سامان کو تصرف میں لائے۔ اور زید بیمار ہو گیا، زید کی بیماری کی حالت میں تہائی سامان بھائی کا بہن لے گئی اور اپنا تہائی سامان مقفل کر کے اسی مکان میں رہنے دیا۔ بھائی نے بالغ ہو کر بہن کے ایک تہائی کو اپنا بیان کر کے عدالت میں دعوی دائر کر دیا، اور عدالت نے سامانِ مذکور بھائی کو دیدیا۔ کیا بھائی اپنے دو تہائی کے عوض میں ایک تہائی سامان بہن کا اپنے تصرف میں لا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو سامان اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں زید نے اپنی لڑکی کے حوالہ کر دیا، اس میں تو کوئی تردد نہیں کہ وہ لڑکی کی ملک ہے، جو باقی رہا وہ اگر اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کر دیا کہ میں اس کو دے چکا ہوں اس کی ملک ہے تو وہ سب اس لڑکے کی ملک ہو گیا (۲)، اس میں لڑکی یا کسی دوسرے وارث کا کوئی حصہ نہیں۔ ایسی حالت میں بہن نے جو بھائی کا سامان لیا ہے، وہ غصب اور ناجائز ہے (۳)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کا سامان واپس

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۰۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/ ۶۹۶، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة: ۴/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية (سورة البقرة: ۱۸۸) =

کردے، اور بھائی کوحق ہے کہ اپنا سامان واپس لے لے۔ اگر بہن بعینہ وہ سامان واپس نہ دے تو جس طرح ممکن ہو اپنا حق وصول کرلے(۱)۔

اور یہ اس وقت ہے کہ لڑکے کو بحالتِ صحت وتندرستی ہبہ کیا ہو، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، یا ہبہ نہیں کیا، یعنی زبان سے نہ کہا محض دل میں نیت تھی کہ یہ اس کو دیدوں گا تو اس میں زید کے انتقال کے بعد شرعی طور پر میراث جاری ہوگی (۲)، جس کی تفصیل پورے ورثاء کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے، تاہم لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا (۳)، لڑکی نے جب اپنے حق سے زیادہ لیا ہے تو لڑکا اس زیادتی سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔

نابالغ بچہ کو اگر باپ کوئی شی ہبہ کرے تو اس میں صرف عقدِ ہبہ کافی ہے، اس بچہ کا قبضہ تمامیتِ ہبہ کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ بالغ کو اگر ہبہ کرے تو اس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے (۴)۔ مرض الموت کی حالت میں

= "وحكمه الاثم إن علم، ووجوب ردّ عينه في مكان غصبه إن كانت باقيةً، والضمان لو هلكت". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۷۸/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه).

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه، له الأخذ ديانةً، بل له الأخذ من خلاف الجنس .... وفيه الفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۹۵/۴، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه، سعيد)

(۲) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۴، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۰۰/۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية (سورة النساء: ۱۷۶)

(۴) "يملك الصغير المال الذي وهبه إياه أو مربيه يعني من يحفظه في حجره ويعوله، سواء كان المال في يده أو كان وديعةً عند غيره بمجرد الإيجاب، أو بمجرد قول الواهب: وهبتُ، ولايحتاج إلى القبض: أي أن هبة مَن له ولاية على الصغير كابيه ووصيه. وفيه أيضاً: إذا وهب شيئاً لابنه الكبير البالغ =

ہبہ کرنا وصیت کے حکم ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی تاوقتیکہ دوسرے ورثہ اجازت نہ دیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی

سوال[۸۰۴۵]: احقر کے کل دس بچے ہیں، سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جس میں دو لڑکے ابھی نابالغ ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میری زوجہ بھی حیات ہیں۔ میرے چار لڑکے مجھ سے قطع تعلق کر کے اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے ہیں، جس وقت یہ لڑکے مجھ سے الگ ہوئے ہیں، میں نے ان کو گذر اوقات اور کاروبار کے لئے ایک معقول رقم بھی دیدی تھی، لیکن ان میں سے بعض نے اپنی غلط کاری اور بے راہ روی کی وجہ سے وہ ساری رقم لہو ولعب میں صرف کر ڈالی، میں نے ان کو بارہا سمجھانے کی کوشش کی مگر یہ میری ایک بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، غرضیکہ یہ چاروں لڑکے بالکل نالائق ہیں اور انہیں حقوق والدین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

البتہ ایک لڑکا جو بالغ ہے اور دو نابالغ لڑکے میرے پاس رہتے ہیں اور حتی الوسع آداب حقوق

= العاقل، يلزم التسليم له، وبدون القبض لاتتم الهبه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۷، ۴۶۸، (رقم المادة: ۸۵۰، ۸۵۱)، كتاب الهبه، الباب الأول، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لأن هبة الصغير منعقدة حال مباشرة الهبة، لقيام قبض الأب مقام قبضه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۳۹۳، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(۱) "إذاوهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية، ولاصية للوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹه)

ادا کرتے ہیں، ان تینوں کو میں نے اپنی تجارت میں قانوناً اپنا شریک بھی کرلیا ہے، ان میں جو بڑا ہے اس کے ذمہ تجارت کی ساری ذمہ داری ہے۔ میں بھی پیرانہ سالی کی وجہ سے اب کسی لائق نہیں ہوں، میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی تمام بچوں کو اپنی جائیداد تقسیم کردوں تاکہ میرے بعد ان میں باہم اختلاف نہ ہو، لیکن میری خواہش یہ ہے کہ جس لڑکے نے میری خدمت کی ہے اور میرے ساتھ رہتا ہے اس کو بنسبت اور لڑکوں کے زیادہ دوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مجھ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تقسیم جائیداد میں کمی وبیشی کرسکوں؟ دوسری بات قابلِ عرض یہ ہے کہ میں نے جن تینوں لڑکوں کو تجارت میں شریک کیا ہے تو کیا وہ شرعاً اموالِ تجارت میں شریک ہیں یا نہیں، یا میں ہی اس کا مالک ہوں؟ تیسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں سب کے حصص تقسیم کردوں اور بعض کو قبضہ دیدوں اور بعض کو قبضہ میری زندگی کے بعد حاصل ہوگا۔ تو یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جن بچوں کو میں اپنی زندگی میں ان کا حصہ دینا نہیں چاہتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جائیداد کو برباد کرڈالیں گے اور میں اپنی آنکھوں بربادی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اولاد میں مساوات کی ترغیب دی ہے کہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دینے سے منع فرمایا ہے (۱)، بایں ہمہ یہ حکم وجوبی نہیں، اگر کسی کو اس کی ضرورت اور حاجت یا دینی مشغلہ یا دیگر فضائل کی وجہ سے زیادہ دیدے اور مقصود دوسروں کو نقصان پہونچانا نہ ہو تب بھی منع نہیں، بلکہ جائز ہے (۲)۔ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس سے مساوات کا حکم

(۱) "عن حميد بن عبدالرحمٰن ومحمد بن النعمان بن بشير أنهما حدثاه عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه أن أباه –رضي الله تعالىٰ عنهما– أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاماً، فقال: "أكلّ ولدك نحلت مثله"؟ قال: لا. قال: "فارجعه". (صحيح البخاري: ۱/۳۵۲، كتاب الهبة باب الهبة للولد، قديمي)

(۲) "ولو وهب شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كانا سواءً، يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار. وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم، وهو المختار. =

معلوم ہوتا ہے(۱)۔

مگر اس حکم کے کلیۂ وجوبی ہونے پر شراحِ حدیث نے اشکال کیا ہے، عینی شرح بخاری: ۲۷۱/۶(۲) فتح الباری: ۱٦۹/۵(۳)، أوجز المسالك شرح موطأ إمام مالك، ص: ۳۳۰(٤)، میں احادیث اور روایات کی روشنی میں ایسے دس قرائن پیش کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

= ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لابالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۳۹۱/۴، رشيديه)

(۱) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۲) قال الحافظ العينی: "فإن قلت: فی حديث الباب الأمرُ بالرجوع صريحاً حيث قال: "فارجعه" قلت: ليس الأمر على الإيجاب، وإنما هو من باب الفضل والإحسان، ألاترى إلى حديث أنس رضی الله تعالیٰ عنه رواه البزار فی مسنده أن رجلاً كان عند رسول الله صلی الله عليه وسلم، فجاء ابنٌ له فقبله وأجلسه على فخذه وجاء ته بُنيّة له، فأجلسا بين يديه، فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "الاسويت بينهما"؟ انتهی. وليس هذامن باب الوجوب، وإنما هو من الإنصاف والإحسان".(عمدة القاری: ۱۴۵/۱۳، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۳) "ذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل صح وكره، واستحبت المبادرة إلى التسوية أوالرجوع، فحمل الأمر على الندب والنهی على التنزيه". (فتح الباری: ۲٦۷/۵، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، قديمی)

(۴) "ثم قال الحافظ: وأجاب مَن حمل الأمر بالتسوية على الندب من حديث النعمان رضی الله تعالیٰ عنه بأجوبة:

أحدها: أن الموهوب كان للنعمان جميع مال والده، ولذلک منعه. وثانيها: أن العطية المذكورة لم تنتجز، وإنما جاء بشير يستشيره صلی الله عليه وسلم، فأشار إليه بأن لا تفعل، فترک. حكاه الطحاوی. وثالثها: أن النعمان كان كبيراً ولم يكن قبض الموهوب. حكاه أيضاً الطحاوی. ورابعها: أن قوله: "ارجعه" دليل على الصحة، ولم تصح الهبة ولم يصح الرجوع. وخامسها: أن قوله: "أشهد على هذا غيری" إذن بالإشهاد على ذلک، وإنما امتنع من ذلک لكونه الإمام. وسادسها: التمسک بقوله: "ألا سويت بينهم"؟ على أن المراد بالأمر الاستحباب وبالنهی التنزيه، وهذاجيد لولا ورود الألفاظ =

حکم قطعی نہیں ہے۔

مصالح کے پیش نظر کمی وزیادتی کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مساوات کا لحاظ نہیں رکھا ہے، بلکہ کمی زیادتی کے ساتھ اولاد کو ہبہ کیا ہے۔طحاوی:۲/۲۴۵(۱)، اورأوجز:۵/۲۲۰(۲)،اورإعلاء السنن: ۶/۷۹(۳)، میں یہ روایت

= الزائدة. **وسابعها**: وقع عند مسلم عن ابن سيرين ما يدل على أن المحفوظ في حديث النعمان: "قاربوا بين أولادكم" لا "سووا".

وثامنها: "التشبيه الواقع بالتسوية بينهم بالتسوية منهم في بر الوالدين قرينة تدل أن الأمر للندب". **وتاسعها**: "عمل الخليفتين: أبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما بعد النبي صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ في أن الأمر للندب، أما أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه، فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وأما عمر رضي الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوي. **عاشرها**: على أن الإجماع انعقد على جواز عطية الرجل ماله لغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جاز له أن يخرج عن ذلك بعضهم". (أوجز المسالك شرح الموطأ للإمام مالك:۵/۲۳۱، كتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مكتبه يحيويه مظاهر العلوم سهار نپور)

(۱) قال الإمام الطحاوي: "وقد فضل بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلّم ورضي عنهم بعض أولادهم على بعض في العطايا، فحدثنا يونس .... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة، قال: والله! يابُنيّة! مامن أحد من الناس أحب إليّ غنى منك، ولاأعز الناس على فقراً من بعدي منك، وإني كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلوكنت جددتيه وأحرزتيه كان لك". الحديث.

وحدثنا يونس، عن صالح بن إبراهيم بن عبدالرحمٰن بن عوف أن عبدالرحمٰن فضّل بني أم كلثوم بنحل قسمه بين ولده". الحديث. (شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲/۲۷۱، كتاب الهبة والصدقة، باب الرجل ينحل بعض بنيه دون بعض، سعيد)

(۲) (راجع أوجز المسالك، كتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مكتبه مظاهر علوم)

(۳) "والجواب القاطع أن الإجماع قد انعقد على جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جازله أن يخرج عن ذلك بعضهم، ذكره ابن عبد البر .... والحاصل:=

موجود ہے، یہ جلیل قدر حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حدیث کا مطلب زیادہ صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔

اگر آپ نے قانونی مصالح یا دیگر مصالح کی بناء پر محض کاغذات میں ان کا نام درج کرالیا ہے، واقعۃً ان کو مالک بنا کر شریک نہیں کیا تو وہ مالک ہوئے نہ شریک، آپ تنہا مالک ہیں (۱)۔ اور اگر واقعۃً مالک بنا کر شریک کیا ہے تو وہ مالک ہوگئے۔

تقسیم کردینے کا آپ کو پورا حق ہے، لیکن جس کو قبضہ نہیں دیں گے اس کے حق میں ہبہ تام اور نافذ نہیں ہوگا، اس پر ملک باقی رہے گی، بعد الوفات وہ آپ کا ترکہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

بیٹے کو زمین ہبہ کرکے واپس لینا

سوال[۸۰۴۲]: عمر نے اپنی ملک اراضی میں سے اپنے بیٹے زید کو چند گواہوں کی موجودگی میں ایک قطعۂ زمین اس معاہدہ کیساتھ ہبہ کیا کہ میری حیات تک اس کی پیداوار چوتھائی مجھے دیتے رہنا، زید نے اس کو منظور کرلیا۔ اس قطعہ کے کچھ حصہ میں اس نے اپنے صرفہ سے کسی جنس کی تخم ریزی بھی کرادی اور کچھ میں آئندہ

= أن حمل الأمر بالتسوية بين الأولاد على الوجوب خلاف القياس. والإجماع في جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فيحمل على الندب، أو يقتصر النص على مورده وهو تفضيل الرجل بعض أولاده بالهبة بطلب امرأة من نسائه، لكونه مؤدياً إلى تفضيل بعض النساء على بعض، وهو منهي عنه، ولايعتداه، لاسيما وقد ثبت عن أبي بكر، وعمر، وعبدالرحمن بن عوف، وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم أنهم نحلوا بعض أولادهم دون بعض. وقال العيني: واختلف العطاء من التابعين وغيرهم .... اهـ.

وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً صح وكره، وحملوا الأمر في حديث النعمان على الندب، والنهي على التنزيه". (إعلاء السنن: ۱۶/۹۶، ۹۷، كتاب الهبه، باب استحباب التسوية بين الأولاد، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، حنفية كوئٹه)
(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

تخم ریزی کے خیال سے ہل بھی چلوادیا۔ مہینہ بھر ہی کے اندر باپ نے اس قطعہ کو بٹائی پر ایک اجنبی شخص کو دیدیا، اوراب اسے کسی خریدار کو فروخت بھی کردینا چاہتا ہے۔

زید جو کہ اس کا بیٹا ہے کہتا ہے کہ مذکورہ بالاصورت میں از روئے شرع میرے والد کو اس پر کسی قسم کا مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں، کیونکہ وہ مجھے اس قطعہ کو ہبہ کر چکے ہیں، گو مروجہ قانونی کارروائی نہیں ہوئی، اس لئے اب میرے والد نہ اسے فروخت کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو ہبہ کرسکتے ہیں۔ باپ جو کہ قانوناً ابھی تک اس کا مالک ہے اور بوقتِ ہبہ اس نے اپنی حینِ حیات تک کے لئے اس ما بہ النزاع قطعہ اراضی کی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ کی ادائیگی بھی موہوب سے طے کرلی تھی۔ کیا وہ از روئے شرع اس کا مالک نہیں رہا، کیا واہب کے حقوقِ ملکیت موہوب لہ کو منتقل ہوگئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے جب قطعۂ زمین اپنے بیٹے کو ہبہ کردیا اوراپنی ملک وقبضہ سے خارج کرکے بیٹے کی ملک وقبضہ میں دیدیا تو یہ ہبہ تام ونافذ ہوگیا(۱)، جو شرط لگائی ہے وہ بھی صحیح نہیں، اوراس کی پابندی بیٹے پر لازم نہیں، اس شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوا، اوراب والد کو اس کے لینے کا حق نہیں (۲)، نہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے نہ فروخت کرسکتا ہے، یہ تو اصل مسئلہ ہے۔ لیکن اگر والد کو حاجت ہے اور وہ مجبوری کی وجہ سے واپس لینا یا فروخت

---

(۱) "هي تمليك عين بلاعوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۸۹، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وتتم الهبه بالقبض الكامل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتا ب الهبة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۹، كتاب الهبة،دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وحكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط". (ردالمحتار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

"الهبة لاتبطل بالشروط الفاسدة". (البحر الرائق: ۷/۵۰۳، فصل: ومن وهب أمة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶/۱۱۷، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

کرنا چاہتا ہے تو بیٹے کی سعادت مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ والد کی خدمت میں بخوشی پیش کردے اوران کو کسی تصرف سے منع نہ کرے(۱)، والد کا حق احسان بیٹے پر بہت ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۱/۹/۹۰ھ۔

پوتے کو ہبہ کرکے پھر رجوع کرنا

سوال[۸۰۴۷]: زید کے بیٹے عمر کا انتقال ہوگیا،اس کے بعد زید نے اپنا حصہ جو بیٹے کے ترکہ سے اس کو ملنا چاہیے تھا اپنے پوتے پوتی یعنی عمرو مرحوم کے بیٹے بیٹی کے حق میں زبانی ہبہ کردیا اوراپنے عزیزوں کے سامنے اظہار بھی کردیا، چنانچہ زید کا حصہ اس کے ہبہ کرنے کی بناء پر عمرو کے بیٹے پھر بیٹی کے درمیان تقسیم کردیا گیا اور ہرایک کا حصہ اس کو دیدیا گیا جس کو تقریباً دس گیارہ ماہ عرصہ گذر چکا۔اب زید مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق مجھ کو واپس کرو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کو اپنے پوتے اور پوتی کے حق میں اپنا حصہ ہبہ کردینے اور حصہ تقسیم ہوکران کے قبضہ میں پہونچ جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ فقط۔

عرفان الٰہی،کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زید کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا:"فلو وهب لذی محرم منه نسباً لا یرجع". درمختار: ٤/٥١٨(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال علیه الصلوة والسلام: "أنت ومالک لأبیک". یعنی أن أباک کان سبب وجودک، ووجودک سبب وجود مالک، فصارله بذلک حق، کان به أولیٰ منک بنفسک، فإذا احتاج فله أن یأخذ منه قدر الحاجة". (فیض القدیر: ۲۳۰۶/۵، (رقم الحدیث: ۲۷۱۲)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(۲) (الدرالمختار: ۷۰۴/۵، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، سعید)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لیس لنا مثل السوء الذی یعود فی هبته کالکلب یرجع فی قیئة". (صحیح البخاری: ۳۵۷/۱، کتاب الهبة، باب =

مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ

سوال[۸۰۴۸]: زید کے چار لڑکے ہیں: نور محمد، بھائی رمضان، فیض محمد اور دل محمد۔ نور محمد کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنی پوری زمین اپنے تینوں لڑکوں اور نور محمد کی بیوہ عورت کے درمیان تقسیم کردی، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اس کے تقریباً دس بارہ سال بعد اس کے تینوں لڑکے اس بات کے مدعی ہوئے کہ زید کی زمین میں بیوہ عورت کو کوئی حق نہیں پہونچتا، لہذا زید نے جو زمین بیوہ عورت کو دی ہے وہ ہم کو ملنا چاہئے، لہذا اس بیوہ کا حق زید کی دی ہوئی جائیداد میں پہونچتا ہے کہ نہیں؟ معاملہ کورٹ تک پہونچ چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین زید نے اپنے تینوں لڑکوں اور ایک مرحوم لڑکے کی بیوہ کو ہبہ کرکے تقسیم کردی ہے اور اپنا قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادیا تو وہ سب کی حسب تقسیم ملک ہوگی (۱)، اب وہ زید کا ترکہ نہیں ہے۔ بیوہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے واپس لینے کا حق نہیں (۲)۔ البتہ انتقالِ زید کے وقت جو ترکہ باقی رہا اس میں مرحوم لڑکے کی بیوہ کو

= الهبة للمشركين، قديمي)

"من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما، أو لعمه أو لعمته، أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۰۳، باب الرجوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۶۸، باب الرجوع في الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة". (شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹة)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

بحیثیتِ میراث کچھ نہیں ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت

سوال[۸۰۴۹]: ایک شخص نے حالتِ مرض میں اپنے تمام وارثوں کو جمع کر کے کل جائیداد برضامندی تمام ورثہ کچھ کم وبیش کیساتھ تقسیم کر کے وصیت نامہ لکھوا کر اپنا دوحصہ کا رجسٹری کر دیا، لیکن فعلاً قبضہ نہیں کیا، بلکہ قولاً قبضہ پایا گیا۔ اب وہ شخص اس مرض سے اچھا ہو کر کوئی تین چار ماہ تک رہا، کسی کا کچھ اعتراض نہیں، پھر مرضِ دیگر سے ان کا انتقال ہوا۔ بعد انتقال کوئی تین ماہ بعد بعض وارث نے اعتراض کیا کہ اس تقسیم پر میں راضی نہیں ہوں، کیونکہ مجھے اور زیادہ ملتا ہے، لیکن جن کو زیادہ دیا گیا، ان کے ذمہ قرض بھی رکھا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقسیم شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور یہ ہبہ میں داخل ہوگا یا وصیت میں، اگر وصیت میں ہو تو اجازتِ ورثہ بعد انتقالِ مورث مال میں معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ہبہ تام نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ کے تام اور لازم ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے اور یہاں قبضہ کی صراحۃً نفی ہے:

"لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذاقبضت فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". فتاوی عالمگیری: ۳/ ۱۰۷۶(۲)۔

---

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۲۳۹، كتاب الهبة، رشيديه)

دوسرے یہ بظاہر بلا تقسیم ہے اور قابل تقسیم شی کا ہبہ کر دینا بلا تقسیم کئے ہوئے ہبۂ مشاع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"ولو وهب داره من رجلين، لايجوز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وكذلك كل مايقسم، الخ". فتاوى قاضي خان: ۲/۲۹۹(۱)۔

البتہ اس کو وصیت قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کا نفاذ بعد موتِ موصی ہوتا ہے، نیز وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے:

"ولالوارثه إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاوصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة". يعني عند وجود وارث اٰخر -كما يفيده اٰخر الحديث، وسنحققه- وهم كبار عقلاء". درمختار: ۵/ ۵۷۵(۲)۔

پس اگر تمام ورثہ بالغ اور عاقل ہیں اور تمام نے اجازت دیدی ہے تو یہ وصیت نافذ ہوگی، اگر اس کی اجازت نہیں دی، یا وہ نابالغ ہیں، وصیت نافذ نہیں ہوئی، بلکہ شرعی حصص کے موافق میراث تقسیم ہوگی اور قرضہ کی ادائیگی تقسیمِ ترکہ پر مقدم ہے:

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني تجهيزُه من غير تقتير ولاتبذير، ثم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم

(۱) (فتاوی قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۶۷، كتاب الهبة، فصل في هبة المشاع، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۹، كتاب الهبة، فصل مسائل الشيوع، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها وشرط جوازها، الخ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه كوئٹه)

يقسم الباقي بين ورثته". تنویر: ۵/۶۶۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔ صحیح: بندہ عبداللطیف۔

ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا

سوال [۸۰۵۰]: زید بکر ہر دو حقیقی بھائی ہیں ان کو ترکہ پدر سے کچھ اراضی ملی تھی جس میں دو مکان تعمیر شدہ تھے اور ساڑھے تین سو گز زمین خالی افتادہ تھی۔ بکر نے تعمیر شدہ مکان زید کو ہبہ قیمۃً دیدیا اور افتادہ زمین جو بکر کے حصہ میں آئی تھی میں مسکونہ مکان بنالیا، چونکہ زید کے اولاد نہیں محض دو لڑکیاں تھیں، زید نے بکر سے کہا کہ بھائی میرے پاس تو گذارہ کے موافق دو مکان ہیں، یہ افتادہ زمین جو میرے حصہ میں ہے اس میں بھی ہی مکان بنالے، مجھے کیا کرنی ہے، گویا زید نے بکر کو استحساناً اپنا حصہ بطور ہبہ کو دیدیا تھا۔

بعد میں زید کے بھی دو لڑکے پیدا ہوگئے، لہٰذا زید کو زمین کی ضرورت ہوئی، اپنا حصہ واپس کرنے کا ارادہ کیا، مگر اس حدیث کے موافق کہ "ہبہ کر کے لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے" زید خاموش ہوگیا، مگر اس وقت زید کے دونوں لڑکے چونکہ فوت ہو چکے تھے، محض دو لڑکیاں باقی ہیں، زید چاہتا ہے کہ اپنے دونوں مکان لڑکیوں کے نام بیع کردے تاکہ میرے مرنے کے بعد بکر یا بکر کے لڑکے میرے مذکورہ مکانات سے حصہ نہ لے سکیں۔ پہلے جو زمین بکر کو استحساناً دیدی ہے اسی طرح اپنی حیات میں لڑکیوں کو بھی حصہ دار مکان بیع کردوں۔

نیز اس وقت زید اور بکر میں باہمی رنجش بھی اس قدر ہے کہ کلام تک بند بلکہ ملنا جلنا بھی ترک ہے، بکر زید سے سخت مخالفت اور دشمنی رکھتا ہے، اس لئے بکر سے زید کا دل بھی پھٹ گیا۔ اس میں تفتیش طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ صورت میں مسکونہ مکان شرعاً لڑکیوں کے نام کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے سے زید کے ذمہ عند اللہ آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا مقصود اس بیع سے بکر کو نقصان پہنچانا ہے ذاتی مخالفت کی بناء پر تو زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے۔ اور اگر مقصود یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ ضرورت مند ہیں، یا زیادہ دیندار ہیں اور بکر کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ اپنے حصہ کو معصیت میں صرف کردیگا، یا اور کوئی مصلحت ہے یعنی بکر کو نقصان پہنچانا نہیں، بلکہ کسی اور مصلحت کی بناء پر ایسا کرتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں (۱)، تاہم اگر بیع کردیگا خواہ اسی نیت سے سہی تو بکر کو اس میں مداخلت کا حق نہیں رہے گا (۲)۔

اسی طرح اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں لڑکیوں کے نام ہبہ کرنا چاہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، ہبہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنا قبضہ اٹھا کر باقاعدہ موہوب لہ کا قبضہ کرادے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه لابأس به إذاكان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصيرَ معيناً له في المعصية". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۹۱/۴، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۷۹/۳، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد، رشيديه)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء" (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۴۳/۱، كتاب الشركة، الفصل في الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹة)

(۳) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرعات لاتتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷) ، مكتبه حنفيه كوئٹه) . =

متبنیٰ کو ہبہ یا وراثت

سوال[۸۰۵۱]: (نوٹ) پہلے ارسال کردہ سوال اور جناب کا جواب درج ذیل ہے:

زید کے کوئی اولاد نہیں وہ اپنے ایک حقیقی بھائی کے لڑکے عمر کو متبنیٰ قرار دیتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عمر کو زمین جائیداد کا وارث قرار دیدے، زید کے دوسرے بھتیجے بھی موجود ہیں، زید اس خیال سے کہ اس کی موت کے بعد شرعی حقوق پر دوسرے بھتیجے بھی دعویدار نہ ہوجائیں جائیداد عمر کے نام ہبہ کرادیتا ہے، اس کے نتیجہ کے طور پر زید کے انتقال پر اس کے ہبہ شدہ جائیداد سے اس کے دوسرے بھتیجوں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلامی قانون کے تحت زید کو ایسا عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ زید کے اس عمل سے اس کے دوسرے بھتیجوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور شرعی حیثیت سے زید کے ہبہ کا عمل ناجائز ہے۔

(آپ کا جواب)

"اگر زید نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں زمین جائیداد اپنے بھائی کے لڑکے عمر کو ہبہ کردی اور اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ ہی مکمل کرادیا تو عمر اس مالک ہوگیا، انتقال زید کے بعد دوسرے بھتیجوں کو بطور وراثت لینے کا حق نہیں رہا۔ جو چیز زید کی زندگی میں زید کی ملک سے خارج ہوگئی اس میں زید کی وراثت جاری نہیں ہوگی، اگر زید دوسرے بھتیجوں کو نقصان پہونچائے اور بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا" (۱)۔

(دستخط محمود عفی عنہ)

= (وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۶، كتاب الوصايا، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع =

اس سلسلہ میں مزید عرض ہے کہ اگر ہبہ کے سلسلے میں خود عمر کی ذاتی خواہش موجود تھی، تو کیا عمر بھی گناہ کا مرتکب ہوا؟ نیز کیا عمر کا اس ہبہ شدہ جائیداد کو لینا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو عمر کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عمر پر اس سلسلہ میں کوئی گرفت نہیں (۱) جبکہ اس نے کوئی ناجائز کوشش نہیں کی، اس کو اس ہبہ شدہ جائیداد سے استفادہ وانتفاع درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۷ھ۔

انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے

سوال [۸۰۵۲]: حاجی محمد حسن نے انتقال کیا، ورثہ میں بیوی مسماۃ وسیہ اور دو لڑکے: محمد اور نثار احمد اور دو لڑکیاں: کریمہ وفاطمہ چھوڑی۔ پس ترکۂ مورث کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ مسماۃ کریمہ اپنے باپ سے پانچ سو روپے لے کر دست بردار ہوگئی کہ مورث کے انتقال کے بعد جو مسماۃ مذکورہ کا حصہ شرعی ہوگا، رقم مذکورہ کے بدلہ میں باز آئی۔ پس مورث کی زندگی میں مسماۃ مذکورہ کی دست برداری صحیح ہے یا نہیں؟ اگر

= ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، باب الحيف في الوصية، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۹/۳، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضيف الحكم إلى المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۴۰۴، الفن الأول، القاعدة التاسعة عشر، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء؛ لأن كون الشيء ملكاً لرجل يقتضي أن يكون مطلقاً في التصرف فيه كيفما شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۳۲/۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حقانيه پشاور)

دست برداری صحیح نہیں ہے تو رقم مذکورہ واپس کرنی ہوگی یا نہیں؟ مسماۃ مذکورہ اب اپنا حصہ شرعیہ باپ کی میراث لینا چاہتی ہے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ مورثِ مذکور کی زندگی میں اس کے دولڑکے مسمی ابراہیم وعبدالغفور کا انتقال ہوا، ابراہیم کے چار لڑکے ہیں: ادریس، شعیب، خلیل، عبدالحمید جن کے نام زمانہ صحت میں ایک ربع جائیداد کی وصیت کی۔ پس ان تمام پوتوں کے لئے وصیت درست یا نہیں؟ بعدہ مرض الموت میں اپنے ربیب یعنی: بیوی کے لڑکے زید کو ایک مکان کی وصیت کی، بعدہ عبدالغفور کا لڑکا جو صرف سمیع اللہ ہے اس کے لئے ایک ربع کی وصیت کی۔ پس اس پوتے وغیرہ کی وصیت درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ جواب مع حوالہ کتب کے عنایت ہو۔ فقط۔

مستفتی: محمد یٰسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع، اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی محمد حسن،

مسئلہ ۸، تصــ۴۸

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت،
وسیمہ	محمد	نثار احمد	کریمہ	فاطمہ
$\frac{1}{4}$	۱۴	۱۴	۷	۷

باپ اپنی زندگی میں کل مال کا مالک تھا، پانچ سو روپیہ کی رقم اگر اپنی صحت وتندرستی میں لڑکی (کریمہ) کو دی ہے تو یہ اپنی ملک میں تصرف ہے جو کہ شرعاً جائز ہے اور نافذ ہے (۱) اور کریمہ اس رقم کی مالکہ ہوگئی اور اس عقد کو عقد ہبہ کہا جاتا ہے (۲)۔ اس کے ساتھ یہ بات کہ یہ رقم عوضِ میراث ہے، سو یہ لغو ہے، اس سے نہ عقدِ ہبہ

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "الهبة تمليك مال لآخر بلاعوض: أى بلاشرط عوض". (شرح الجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

میں فرق آتا ہے، نہ یہ رقم عوضِ میراث بنتی ہے۔عوض میراث نہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ میراث تقسیم ہوتی ہے وفاتِ مورث کے بعد اور اس وقت اس پر وراثت ثابت ہوتی ہے(۱) اور قبل از وقت میراث تقسیم نہیں ہوتی، نہ اس پر ملک وراثت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا جس شی کی فی الحال کریمہ مالک و مستحق ہی نہیں تو اس کا عوض دے سکتی ہے، نہ اس سے دست بردار ہو سکتی ہے، اور اس قسم کی شرط سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے۔

رقم مذکورہ کی واپسی بھی واجب نہیں، اگر واہب زندہ ہوتا تو باپ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی رجوع کا حق نہیں تھا، پھر ورثہ کو تو انتقالِ واہب کے بعد کسی طرح بھی رجوع کا حق حاصل نہیں:

"قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب هبةً وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل، كمن وهب لرجل أمةً فاشترط عليه أوشرط أن يتخذها أمّ ولد، أو أن يبيعها من فلان، أويردّها عليه بعد شهر، فالهبة جائزة، وهذه شروط كلها باطلة، كذا في السراج الوهاج"(۲)۔

"وإن وهب رجل أنه على أن يرد ها عليه، أو على أن يعتقها أوعلى أن يستولد، أووهب له داراً، أوتصدق عليه بدار على أن يرد عليه شيئاً منها أو يعوّضه شئياً منها، فالهبة جائزة، والشرط باطل، كذافي الكافي، اهـ". عالمگیری: ٤/ ٣٩٦(۳)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کہنے سے اس کا حق باطل نہیں ہوتا، بلکہ باقی رہتا ہے:

= (وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ٥/٦٨٧، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) "والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه". (الشريفة شرح السراجي، ص: ۳، كتاب الفرائض)

"والمراد من التركة ما تركه الميت". (تبيين الحقائق: ٧/ ٤٧١، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٤٧، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٣٩٦، الباب الثامن في حكم الشرط والهبة، رشيديه)

"حكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط".

(ردالمحتار: ٥/٦٨٨، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٣٨٥، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، رشيديه)

"ولوقال الوارث: ترکت حقی، لم یبطل حقه؛ إذ الملك لایبطل بالترك". الأشباه، ص: ۲۳۹(۱)۔

صورت مسئولہ میں پوتے ورثاء نہیں (۲)، ربیب بھی وارث نہیں (۳)، لہٰذا ان سب کے حق میں وصیت درست ہے۔ اگر ورثاء بالغ ہیں، وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو وصیتِ میت کے موافق اس کو نافذ کردیا جائے یعنی جس قدر جس کے لئے وصیت کی ہے اس کو دے دیا جائے۔ اگر ورثاء بالغ نہیں، یا کل وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو ایک ثلث میں نافذ ہوگی (۴)، اس طرح پر کہ جس قدر وصیت کی ہے اس کی نسبت ثلث کے ساتھ قائم کرکے اتنی مقدار دیدی جائے:

"الوصایا إذا اجتمعت، فالثلث لایخلو: إما أن یسع کل الوصایا أو لایسع الکل، فإن کان یسع الکل، تنفذ الوصیة من الثلث فی الکل، الخ". عالمگیری: ۶/۱۱۵(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۸/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۳/۵۳، الفن الثالث، مایقبل الإسقاط من الحقوق ومالایقبل، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "أولهم بالمیراث جزءُ المیت: أی البنون، ثم بنوهم". (السراجی، ص: ۱۴، باب العصبات، سعید)

"فإن اجتمع أولاد الصلب وأولاد الابن، فإن کان فی أولاد الصلب ذکر، فلاشئ لأولاد الابن ذکوراً أو إناثاً". (المبسوط للسرخسی: ۲۹/۱۴۱، کتاب الفرائض، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

(۳) "ویستحق الإرث برحم ونکاح وولاء". (الاختیار لتعلیل المختار: ۵/۸۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

"ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب: وهو الزوجیة، والولاء". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی السراجی، ص: ۱۸، ۱۹، باب العصبات، سعید)

(۴) "ثم تنفذ وصایاه من ثلث مایبقی بعد الکفن والدین إلا أن تجیز الورثة أکثر من الثلث". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۴/۶۵۱، باب فی صفة الوصیة مایجوز من ذلک، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۵) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۱۱۴، فصل: الوصایا إذا اجتمعت فالثلث لایخلو، رشیدیه)

غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ

سوال[۸۰۵۳]: ایک کافر برہمن نے کوئی گائے یا بکری خداواسطے دی تواس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ اوراشیاء کھانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو چیز ثواب سمجھ کر خداواسطے دے اور وہ مسلمان کے مذہب میں حلال ہو، اس کا لینا اور کھانا درست ہے(۱)۔اگر کوئی عارض ہو، مثلاً: یہ کہ وہ احسان جتلائے گا، عار دلائے گا، دباؤ ڈالے گا تو نہ لے، جو کچھ وہ بتوں کی نذر اور نیاز سے دے اس کو بھی نہ لے(۲)۔اگر مسلمان مالدار ہے تو پھر صدقہ اور خیرات کی چیز نہ لے۔ جو کچھ تہوار کی تعظیم میں دے اس کو بھی نہ لے(۳)۔جس چیز کے لینے سے تعلق قلبی کا اظہار ہو اس کو بھی نہ لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/۵۹ھ۔

صحیح:عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الثانیہ/۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولابأس بطعام اليهود والنصارىٰ من الذبائح وغيرها ...... ولا بأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حُرِّمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ الخ (سورة المائدة: ۳)

(۳) "ولو أهدى لمسلم ولم يرد تعظيم اليوم بل جرى على عادة الناس، لايكفر، وينبغي أن يفعله قبله أو بعده نفيا للشبهة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

کتاب الضمان والودیعة

بابٌ فی الضمان

(ضمان کا بیان)

ضمان کی تعریف

سوال[۸۰۵۴]: ضمان کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ذمہ داری (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ضامن پر قسم کا حکم

سوال[۸۰۵۵]: ا......اگر ایک مسلمان ہاتھ میں قرآن لے کر یہ اعلان صاف کرتا ہے کہ فلاں شخص نے حلفی ضمانت فلاں بات کی لی تھی اور ضامن صاحب اپنا وعدہ پورا کریں، یا ضامن صاحب قرآن ہاتھ میں لیکر ان سب باتوں سے صاف انکار کردیں تو اس صورت میں ضمانت درست سمجھی جائے گی یا جھوٹی؟ اور اگر درست سمجھی جائے گی تو حق تلفی کا خسارہ ضامن کو ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ

---

(۱) قال ابن منظور: "ضمن الشيء وبه ضمناً وضماناً: كفل به". (لسان العرب: ۱۳/۲۵۷، دارصادر)

"الضمان: عبارة عن رد مثل الهالك إن كان مثلياً، أو قيمته إن كان قيمياً". (قواعد الفقه، ص: ۳۵۹، الصدف پبلشرز)

یہ کہ ضامن صاحب قسم یا حلف لینے سے ڈرتے ہیں، غرض اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ یہ کہنے کی ہمت رکھتے ہیں، کم از کم زبانی کہ تم جھوٹ الزام مجھ پر لگاتے ہو، بلکہ ''یاد نہیں ہے'' کے پردہ میں روپوش ہو جاتے ہیں، اللہ علیم وبصیر ہے۔

حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا

سوال[۸۰۵۶]: ۲......کیا حلفی ضمانت کا جو شرع اسلامی کے عین مطابق ہو پورا کرنا زکوٰۃ، خیرات، حج، قربانی پر مقدم ہے؟

ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا

سوال[۸۰۵۷]: ۳......کیا ضامن کو اس حلفی وعدہ مذکور کا پورا کرنا لازم ہے؟

کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟

سوال[۸۰۵۸]: ۴......کیا ضامن نے حلفی وعدہ سے عمداً انکار کر کے قرآن شریف کی توہین نہیں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قسم مدعی پر نہیں آتی بلکہ منکر پر آتی ہے، لہذا جو صاحب ضمانت کا وعدہ کرتے ہیں، ان کے ذمہ قسم نہیں، ان کا قسم کھانا بے معنی اور غلط ہے(۱)۔ جس پر ضمانت کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اگر وہ ضمانت کے منکر ہیں تو قسم

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص:۳۲۷، كتاب الإمارة، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في خطبته: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي : ۲۴۹/۱، أبواب الأحكام ، باب ماجاء في أن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کھا کر کہدیں کہ میں نے ضمانت نہیں کی ان کا قول معتبر ہوگا۔ اگر ان کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو وہ یہی قسم کھالیں کہ مجھ کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو بھی ان کی قسم معتبر ہوگی۔ ''یاد نہیں'' کوئی پردہ نہیں، آدمی بھول بھی سکتا ہے، ایسی حالت میں یہ قسم لی جائے کہ ''مجھے ضمانت کرنا یاد نہیں'' یہ قسم نہ لی جائے کہ ''میں نے ضمانت نہیں کی''۔ یاد رکھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا سخت وبال کا موجب اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔

۲...... زکوۃ، خیرات، حج، قربانی کی ادائیگی پر حقوق العباد مقدم ہیں (۲)۔

۳...... ہر وعدہ جو شرع کے موافق ہو، اس کا پورا کرنا حسبِ استطاعت لازم ہے، جس کو یاد ہی نہ ہو وہ کیا پورا کرے گا (۳)۔

---

(۱) "(وهي): أي اليمين بالله تعالىٰ .... غموس (تغمسه في الإثم، ثم النار، وهي كبيرة مطلقاً، لكن إثم الكبائر متفاوت) إن حلف على كاذب عمداً". (الدرالمختار: ۳/۷۰۵، كتاب الأيمان، سعيد)

"و هي ثلاث: غموس: حلفه على ماض أو حال كذبا عمداً، وحكمها الإثم و لا كفارة فيها، فيها التوبة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إذا اجتمع الحقان قدم حق العبد -لاحتياجه- على حق الله تعالىٰ لغناه بإذنه .... اهـ". (الأشباه والنظائر، ص: ۳۸۱، الفن الثالث، فوائد شتى من أبواب متفرقة، قديمي)

"إذا اجتمع الحقان، قدم حق العبد". (قواعد الفقه، ص: ۵۵، الصدف پبلشرز)

"(قوله: لتقدم حق العبد): أي على حق الشرع، ألا ترى أنه إذا اجتمعت الحدود فيها حق العبد، يبدأ بحق العبد". (ردالمحتار: ۲/۴۶۲، كتاب الحج، سعيد)

(۳) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة، قديمي)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۴، آخر باب الخراج، رشيديه)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحافَظَ عليه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالىٰ على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾". (فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

۴.....قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر اور اس کی قسم کھا کر وعدہ کرنا، پھر یاد رہنے کے باوجود وعدہ کا عمداً انکار کر دینا یقیناً بڑا جرم اور قرآن پاک کے احترام کے خلاف ہے جو کہ موجبِ توہین ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۱۸ھ۔

مؤذن سے روپیہ ضائع ہو گیا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۵۹]: ہمارے گاؤں میں افریقہ سے ایک آدمی آیا تو مسجد اور مدرسہ کے ارا کین نے جلسہ کیا اور اس کی مہمان نوازی کے لئے پھولوں کا ہار اور دوسری چیزیں لانے کے لئے متولی نے مدرسہ کے مؤذن صاحب کو سو روپے دیئے وہ روپے مؤذن سے گم ہو گئے۔ اب وہ روپے کس کے ذمہ ہیں، مؤذن صاحب دیں یا متولی صاحب؟

واضح رہے کہ مؤذن صاحب ہی بینک سے روپے لانے اور لے جانے کا کام کرتے ہیں، اور یہ کام دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ روپے گم ہو گئے، خیانت نہیں ہوئی، گاؤں میں اعلان بھی کرایا گیا مگر نہیں ملے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پوری حفاظت کے باوجود مؤذن سے روپے گم ہو گئے، تو مؤذن پر ضمان لازم نہیں، بلکہ جن کے

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة، قديمی)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۴/۸، آخر باب الخراج، رشيديه)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به في جميع الأديان، وحافَظَ عليه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنى الله تعالىٰ على خليله في التنزيل بقوله: ﴿وإبراهيم الذي وفّى﴾. (فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

روپے تھے ان کے گئے (۱)۔ البتہ مسجد یا مدرسہ کے روپیہ کو پھولوں کے ہار میں خرچ کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے سے ضمان لازم ہے، پس جتنا روپیہ بے محل خرچ کرنے کے واسطے دیا گیا تھا، اس کا ضمان اراکین دیں اور وہ مدرسہ یا مسجد میں جس کا روپیہ تھا داخل کردیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

مہتمم پر ضمان

سوال [۸۰۲۰]: ایک صاحب بہت نیک اور باحیثیت مگر آنکھوں سے معذور عرصہ سے ایک عربی مدرسہ کے مہتمم اور مدرسہ کا جو کچھ چندہ وغیرہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ بھی انہیں کے پاس رہتا تھا، روپیہ کی آمد وخرچ کا

---

(۱) "إذا وكله بشراء شئ و دفع الثمن إليه، فهلك في يده، قال في البزازية: وفي جامع الفصولين: دفع إليه ألفاً يشتري به فاشتري، وقبل أن ينقده للبائع، هلك، فمن مال الآمر". (البحر الرائق: ۲۶۴/۷، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

"إذا دفع إلى إنسان ألف درهم فامره أن يشتري بها جاريةً، فاشتري، ثم هلك الثمن قبل أن ينقد للبائع، هلك من مال الأمر". (خلاصة الفتاوى: ۱۵۸/۴، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، رشيديه)

"دفع إلى رجل ألف درهم وأمره أن يشتري له بها عبداً بألف درهم، وجاء به إلى منزله ليدفع الدراهم إلى البائع، فإذا الدراهم قد سرقت و هلك العبد، فجاء البائع يطلب منه الدراهم و جاء الموكل يطلب منه العبد، كيف يفعل؟ قالوا: يأخذ الوكيل من الموكل ألف درهم و يدفعها إلى البائع، والعبد والدراهم قد هلكا على الأمانة في يده". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۴۹۲)، ص: ۸۰۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "لابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره .... بجص و ماء ذهب لو بماله الحلال، لامن مال الوقف، فإنه حرام، و ضمن متوليه لو فعل". (ردالمحتار: ۶۵۸/۱، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

"يضمن القيّم ما أنفق فيه من مال المسجد". (البحر الرائق: ۲۷۰/۵، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

حساب مہتمم بوجہ معذوری چشم نہیں کرتے تھے، بلکہ ملازمینِ مدرسہ، یا دیگر اراکینِ مدرسہ لکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک اَور صاحب مہتمم کردیئے گئے، مگران سابقہ معذورِ چشم مہتمم کی تحویل میں روپیہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مہتمم بوجہ معذوری خود ہی سبکدوش ہوگئے اور اہتمامِ مدرسہ مع زرامانت کے ایک جدید مہتمم صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت روپیہ کی جانچ جدید مہتمم صاحب نے کی، کچھ روپیہ کی کمی کا اظہار کیا۔

سابقہ مہتمم صاحب جس صندوق میں، روپیہ مدرسہ کا رکھتے تھے، اس میں سے نکالنے کے لئے یا رکھنے کے لئے اپنے علاوہ گھر کے چند دیگر افراد سے بھی کام لیتے تھے اور روپیہ مثل اپنے روپیہ کے محفوظ رکھا گیا اور اپنے روپے کی طرح اس کی حفاظت کی گئی۔ گھر کے جن افراد پر اعتماد تھا اور اپنا کام ان سے کراتے تھے، انہیں سے مدرسہ کا روپیہ بھی رکھواتے نکلواتے تھے، کمی اگر واقعی ہے تو اس کا علم کہ کمی کیوں ہوئی ان مہتمم کو کچھ نہیں ہے۔ یہ کمی بوجہ حکمِ شرع شریف امین کے ذمہ آتی ہے یا نہیں؟ صاف الفاظ میں جواب عطا فرمایا جاوے۔

سائل: اللہ رکھا پسر غلام رسول، بذریعہ شاہ نور احمد، ساکن انبہٹہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں حسبِ بیانِ سائل جب کہ معذورِ چشم مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مثل اپنے روپے کے حفاظت کی اور کسی قسم کی خیانت نہیں کی تو ضائع شدہ روپیہ کا ضمان مہتمم صاحب کے ذمہ نہیں، بشرطیکہ جن افراد سے روپیہ نکلواتے اور رکھواتے تھے وہ بھی مہتمم صاحب کے نزدیک امین ہوں:

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك مطلقاً، واشتراط الضمان على الأمين باطل، به يفتي. وللمودع حفظها بنفسه و عياله وهم مَن يسكن معه حقيقةً أو حكماً، لا من يَمُونه، وشَرَطَ كونه أميناً". تنویر: ۴/۵۵۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۵/۶۶۲، كتاب الإيداع ، سعيد)

"قال عليه السلام : "لا ضمان على مؤتمن". (فيض القدير : ۱۲/۶۴۸۵، (رقم الحديث: ۹۹۰۰)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن" (تبيين الحقائق : ۱۸/۲ ، كتاب الوديعة ، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت

سوال[۸۰۶۱]: کسی دینی مدرسہ کے مدرس سے کوئی مالی نقصان ہوجائے جس میں اس کے قصد کو دخل نہ ہوتو اس کی تنخواہ سے نقصان کا وضع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کو امین بنایا گیا تھا اور اس نے پوری احتیاط وحفاظت کی، پھر بھی ناگہانی طریقہ پر وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں، اس کی تنخواہ سے وضع کرنا درست نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۹ھ۔

اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہوجائے تو ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۲]: زید نے عمر سے کچھ کتابیں بطور خرید بذریعۂ ڈاک طلب کی، عمر نے زید کے تحریر کردہ پتہ پر متعدد بار کتابیں ارسال کیں جس میں چند بار پوری پوری کتابیں وصول ہوگئیں، لیکن بعض پیکٹ میں سے کچھ کتابیں ضائع ہوگئیں اور وہ زید تک نہیں پہونچیں۔ اس صورت میں اس ضائع شدہ کا ضامن ازروئے شریعت کون ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عمر (بائع) نے زید (مشتری) کی ہدایت کے موافق کتابیں روانہ کی ہیں اور کوتاہی نہیں کی تو بائع پر ضمان لازم نہیں، کیونکہ اس نے مشتری کے امر پر عمل کیا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

= "والأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصيرٍ منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۶، (رقم المادة: ۷۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ و هي أمانة، فلا يضمن بالهلاك، وللمودع أن يحفظها بنفسه و عياله". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۳۶۷، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل الحبس، هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل". =

کرایہ کی سائیکل چوری ہو جائے تو اس کا حکم

سوال[۸۰۶۳]: ایک شخص میری دوکان سے سائیکل کرایہ پر لے گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ میں نے سائیکل کارخانہ کے دروازہ پر رکھی تھی، لیکن جب میں واپس آیا تو سائیکل وہاں پر نہیں تھی، کسی شخص نے اٹھالی۔ اب دوکاندار کو اس سائیکل کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ سائیکل امانت تھی اس کی حفاظت لازم تھی۔ اگر وہ جگہ جہاں سائیکل رکھی تھی محفوظ جگہ نہیں ہے، وہاں سے کسی کے اٹھا لینے کا اندیشہ تھا، پھر بھی بغیر حفاظت کے انتظام کئے وہاں رکھدی اور کسی نے اٹھالی تو حفاظت میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے دوکاندار کو ضمان وصول کرنے کا حق حاصل ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۸ھ۔

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب الردة وأحكام أهلها، فصل في أهل الذمة وما يؤخذ منهم من الجزية: ۵۸۷/۳، رشيديه)

"وإن هلك المشترى في يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله، يهلك على مال الموكل لا الوكيل". (مجمع الأنهر: ۳۱۹/۳، باب الوكالة بالبيع والشراء، غفاريه كوئٹه)

"فإن المبيع في يده قبل حبسه، هلك من مال المؤكل و لم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإذا لم يحبسه يصير الموكل قابضاً بيده". (الهداية: ۱۸۱/۳، ۱۸۲، كتاب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۷۶/۷، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۵۸/۴، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۵۸/۷، باب الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "المأجور أمانة في يد المستأجر، سواء كان عقد الإجارة صحيحاً أو لم يكن. لا يلزم الضمان إذا تلف المأجور في يد المستأجر مالم يكن بتقصيره أو تعديه أو مخالفته لمأذونيته. يلزم الضمان على المستأجر لو تلف المأجور أو طرأ على قيمته نقصان بتعديه. لو تلف المأجور بتقصير المستأجر في أمر المحافظة أو طرأ على قيمته نقصان، يلزم الضمان، مثلاً: لو استأجر دابةً وتركها خالية الرأس وضاعت، =

دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۴]: اگر دھوبی نے کپڑا گم کردیا تو کیا اس سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہوگیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے اختیار تھا اور ایک دم پانی زیادہ آ گیا اور کوشش کے باوجود حفاظت نہ کرسکا تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بچپن کی چوری کا ضمان

سوال[۸۰۶۵]: بچپن کی چوری کا محاسبہ ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طرح جتنے بھی گناہ بچپن میں کئے؟

= یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۲۲،۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"استاجر حماراً فضلّ عن الطریق إن علم أنه لا یجده بعد الطلب، لا یضمن". (ردالمحتار: ۶/ ۷۲، کتاب الإجارة، باب ضمان الاجیر، سعید)

(۱) "والمتاع في یده غیر مضمون بالهلاک یعني لا یضمن ما ذکر، سواء هلک بسبب یمکن الاحتراز عنه کالسرقة، أو بما لا یمکن کالحریق الغالب والغارة المکابرة". (البحرالرائق: ۸/ ۴۷، کتاب الإجارة، رشیدیه)

"الأجیر المشترک من یعمل لغیر واحد، و لا یستحق الأجر حتی یعمل کالصباغ والقصار. والمتاع في یده أمانة، لا یضمن إن هلک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۵۴۴، کتاب الإجارة، غفاریه کوئٹه)

"والأجیر المشترک من یعمل لغیر واحد، والمتاع في یده غیر مضمون بالهلاک، وما تلف بعمله کتخریق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذی یشد به الحمل و غرق السفینة من مدّها مضمون". (تبیین الحقائق: ۶/ ۱۳۹، باب ضمان الأجیر، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في ردالمحتار: ۶/ ۶۶، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر، سعید)

(وکذا في شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۲۲،۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان

سوال[۸۰۶۶]: بعض بچے کھیل کی چیزیں مدرسہ میں لے آتے ہیں تو ان کو زجراً استاذ دیکھ کر واپس نہ کریں تا کہ ان کی اصلاح ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چیزیں ذوات القیم ہوں تو ان کو ضائع کردیں اور قیمت اپنے پاس سے بچوں کو دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/ ۹۵ھ۔

دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان

سوال[۸۰۶۷]: زید، عمر، خالد تینوں سفر کو جارہے تھے، راستہ میں احمد ملا، کہا: میں جاؤں گا، لیکن پیسے میرے پاس نہیں، تم میں سے کوئی اگر ٹکٹ لیکر دیدے تو جاؤنگا۔ زید کے پاس پیسہ تھا، لیکن وہ پہلے اندر چلا گیا تھا۔ عمر نے خالد سے کہا کہ تم جلدی اندر جا کر زید سے پیسے لیکر احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لو، لہذا خالد چلا، احمد پیچھے دروازہ تک گیا تھا اور خود کہتا ہے کہ میں نے خالد کو آواز دی، بولا نہیں، لہذا غصہ ہوکر وہاں سے چلا گیا۔ خالد کہتا ہے کہ میں نے نہیں سنا۔

---

(۱) تربیت اور اصلاح کی نیت سے ضائع کرنا جائز ہے: "فإن کان من القیمیات، یلزم الغاصب قیمته في زمان الغصب و مکانه، وإن کان من المثلیات یلزمه إعطاء مثله". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۴۹۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ومالا مثل له، فقیمته یوم غصبه". (تبیین الحقائق: ۶/ ۲۱۷، کتاب الغصب، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۴/ ۷۸، ۷۹، کتاب الغصب، غفاریه کوئٹه)

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ خالد نے زید سے پیسے لیکر جلدی سے احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لیا، لیکن احمد کا پتہ نہیں، بہت تلاش کیا تو وہ ٹکٹ بیکار گیا۔ اب پیسہ کون دے گا؟ مخفی مباد کہ راستہ میں یہ بات ہو چکی تھی کہ خالد جا کر احمد کے لئے ٹکٹ لے لے، درمیان میں منسوخ بھی نہیں ہوا۔

المستفتی: احقر العباد احمد حسین غفرلہ، چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۔۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر احمد کے امر سے خالد نے زید سے پیسے قرض لیکر احمد کے لئے ٹکٹ خریدا ہے تو ان پیسوں کا ذمہ دار احمد ہے، اگر احمد کے امر سے نہیں خریدا بلکہ از خود خریدا ہے تو خالد ذمہ دار ہے۔ اگر زید نے خود خریدا، یا خرید نے کے لئے خالد کو امر کیا تو زید ذمہ دار ہے(۱)۔ اور اگر احمد کا یہ مطلب تھا کہ اگر تم میں سے کوئی تبرعاً وہبۃً ٹکٹ دے تو میں جاؤں گا تو جس نے تبرع کیا ہے وہی ذمہ دار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا أدى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله و قبضه، كان له حق الرجوع على الموكل: يعنى أن له أن يأخذ من الموكل مثل الثمن الذى أداه، و له أيضاً أن يطالب الموكل بالثمن و أن يحبس المبيع عليه، حتى يؤدى له وإن لم يكن هو قد أداه إلى البائع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۴، (رقم المادة: ۱۴۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا أمر صيرفياً في المصارفة أن يعطي رجلاً ألف درهم قضاءً عنه، أو لم يقل: عنه، ففعل، يرجع على الآمر في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى .... و لو أمره بشرائه أو بدفع الفداء، يرجع عليه استحساناً". (ردالمحتار: ۳/۶۱۷، باب النفقة، سعيد)

"وللوكيل بالشراء طلب الثمن من الموكل إذا اشترى و قبض المبيع .... فإن هلك قبل حبسه، هلك على الآمر". (مجمع الأنهر: ۳/۳۱۸، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۳۱۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۲۵۶، ۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

ملزم کی ضمانت کرنا

سوال[۸۰۶۸]: ایک شخص کوعداوت میں مقدمہ قتل میں قید کرادیا اور اس کے قاتل ہونے پر گواہ بھی قائم کردیئے۔ایسے شخص کا ضامن ہونا اور ضمانت پر رہا کرانے کی کوشش کرنا اور اس کا تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر واقعۃً ایک شخص قاتل نہ ہو، مگر عداوت کی وجہ سے اس پر قتل کا جھوٹا مقدمہ چلایا جائے تو اس کی ضمانت کرنا اور بچانے کی کوشش کرنا شرعاً درست اور موجبِ اجر ہے(۱)، اگر واقعۃً قاتل وظالم ہو تو اس کو بری ثابت کرنے کے لئے ضمانت کرنا اور کوشش کرنا جائز نہیں، بلکہ اعانتِ ظلم ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لايظلمه ولا يسلمه. ومن كان في حاجة أخيه، كان الله في حاجته، ومن فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة .... اهـ". (مشكوة المصابيح ص: ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق ، قديمي)

"من أطفأ عن مؤمن سيئةً، كان خيراً ممن أحيا موء ودةً". (فيض القدير : ۵۶۲۸/۱۱، (رقم الحديث: ۸۴۶۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) (سورة المائدة : ۲)

"عن أوس بن شرحبيل رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظلم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، قديمي)

"قال عليه السلام: "من أعان على خصومة بظلم، لم يزل في سخط الله حتى ينزع". (فيض القدير : ۵۶۷۱/۱۱، (رقم الحديث: ۸۴۷۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف

سوال[۸۰۶۹]: میرے پاس ایک شخص نے ۲۶۰/ روپیہ امانت رکھا اور آج پندرہ برس ہوگئے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ تو کیا وہ امانت ہم کسی نیک کام میں لگا سکتے ہیں؟ بیت المال، مدرسہ یا کسی اَور نیک کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ ضرورت مندوں کو دوسروں کی ذمہ داری پر قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس امانت کو اسی طرح محفوظ رکھنا ضروری ہے، نہ مدرسہ میں دیں، نہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیں، نہ قرض دیں، نہ صدقہ کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۴ھ۔

فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۸۰۷۰]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ رانچی کے فسادات میں جو مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچا، ان کی امداد کے لئے مسلم ریلیف کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں کافی چندہ جمع ہوا اور کافی تقسیم ہوا اور کچھ بچ گیا۔ بہر حال

---

(۱) "والودیعة لا تودع و لا تعار و لا تؤجر و لا ترهن، وإن فعل شیئاً منها، ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۳۸/۴، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۹۱/۴، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۲۶۷، الفن الثاني، كتاب الأمانات، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۷۹/۵، كتاب العارية، سعيد)

اب یہ فیصلہ کیا جارہا ہے کہ اس کو دوسرے کاموں میں صرف کردیا جائے، حالانکہ بہت بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ تو کیا مسلم ریلیف کمیٹی کو یہ حق ہے کہ جو صرف مظلومینِ فساد کے لئے چندہ کیا گیا ہے اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ خرچ کردے؟ آخر مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ممبران اس روپے کے مالک ہیں یا امین ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن کاموں کے لئے چندہ کیا گیا ہے چندہ کی رقم کو ان ہی کاموں میں صرف کیا جائے، دوسرے کاموں میں رقم خرچ کرنا بلا اجازتِ چندہ دہندہ گان درست نہیں، چندہ دہندگان بقیہ رقم کو جن کاموں میں خرچ کرائیں، رقم کو ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت محض امین اور وکیل کی ہے۔

فتاویٰ عالم گیری، مصری: ۳/۴٤۱، کتاب الوکالة میں ہے:

"وأما حكمها فمنه قيام الوكيل مقام المؤكل فيما وكله له" (۱)۔ اور ۳/٤٤۳، پر ہے:

"وأما صفتها، فإنها .... و منه أنه أمين فيما في يده كالمودع "(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية :۳/۵٦٦، كتاب الوكالة، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية :۳/۵٦۷، كتاب الوكالة، رشيديه)

"الوكالة تفويض واحد أمره لآخر، وإقامته مقامه في ذلك الأمر، ويقال لذلك الواحد: موكل، ولمن قامه عنه: وكيل، و لذلك الأمر: موكل به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٧٦٩، (رقم المادة: ۱۴۴۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٦١، (رقم المادة: ٩٦)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ٢٧٦، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الغصب، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار: ٦/٢٠٠، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسي: ١/٢٦٢، حقانيه پشاور)

کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟

سوال[۸۰۷۱]: زید نے اپنے بھائی بکر کے پاس ۲۷/ ہزار روپیہ امانت رکھا۔ بکر کے دل میں فتور آ گیا، اس نے چند آدمیوں کو بلا کر مار پیٹ کر کے رات کے وقت ایک فائر کیا، محلہ والوں کو بتلایا کہ ڈکیتی پڑ گئی ہے اور پولیس میں بھی رپورٹ ڈکیتی درج کرائی، اور پولیس نے آ کر فوراً انکوائری کی اور معلوم کیا یہ رقم کس کی تھی تو بکر نے خود جواب دیا کہ میرے بھائی زید کی تھی، اس پر پولیس نے سختی کی تو اس نے پولیس کے سامنے کہا: یہ کام میں نے ہی کرایا ہے۔ اس پر کیس چلا۔ بکر کے اوپر سوا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ ۲۷/ ہزار رقم میں ۲۱/ ہزار زید کو ملا۔ جب بکر چھوٹ کر آیا تو زید نے چھ ہزار روپیہ طلب کیا۔ بکر کا کہنا ہے کہ ہم نے سزا کاٹی اور روپیہ بھی دیں، وہ چھ ہزار روپیہ ہم نہیں دیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید اپنے چھ ہزار روپیہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے کمینہ حرکت کی اور بھائی کی امانت ضائع کرنے کی کوشش کی، ڈکیتی دکھلائی، پولیس نے گرفتار کیا، سزا کاٹی، اب لازم ہے کہ بقیہ چھ ہزار کی رقم زید کو ادا کردے، سزا کے عوض اس رقم کے رکھنے کا اختیار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"عن أبی صالح عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (سنن أبی داؤد: ۱۴۲/۲، کتاب البیوع، باب فی الرجل یأخذ حقه، إمدادیه ملتان)

"قال علیه السلام: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (فیض القدیر: ۲۲۶/۱، (رقم الحدیث: ۳۰۸)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن أبی حرہ الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنت آخذ بزمام ناقة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی أوسط أیام التشریق، أذود عنه الناس فقال: .... ومن کانت عنده أمانة =

امانت کی واپسی کے لئے شرط

سوال[۸۰۷۲]: زید نے- جوضلع رائے بریلی کا رہنے والا ہے- پرتاب گڈھ میں ایک مسجد بنانے کے لئے روپے عمرو کے پاس (جو معتبر شخص ہے اور پرتاب گڈھ کا رہنے والا ہے) امانت رکھے، مسجد کے لئے جو زمین زید نے خریدی، وہ بوجۂ لگان قائم رہنے کے مسجد کے لئے ناجائز قرار دی گئی، اس لئے زید نے رائے بریلی کے ضلع میں ایک مسجد اس نیت سے تعمیر کرائی جو ہنوز زیرِ تعمیر ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے لئے اس وعدہ پر کچھ روپیہ قرض لیا کہ پرتاب گڈھ سے روپیہ لاکر ادا کرے گا۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ پرتاب گڈھ ہی میں تمہیں کسی دوسری جگہ مسجد بنانی چاہئے، ورنہ روپیہ واپس نہ ملے گا۔

سوال یہ ہے کہ زید کو اپنا روپیہ عمرو سے واپس لیکر اس مسجد میں جو رائے بریلی میں بنوایا ہے لگانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ عمرو کو زید کی امانت واپس دینے میں کسی قسم کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمرو کا مطالبہ کہ "پرتاب گڈھ ہی میں مسجد بناؤ، یا اسی جگہ کسی دوسرے کام میں روپیہ خرچ کرو تو امانت کا روپیہ واپس ملے گا ورنہ نہیں" ناجائز اور ظلم ہے(۱)، اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنا روپیہ جس جائز کام میں چاہے،

= فليؤدها إلى من ائتمنه عليها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۹/۲، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲)، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۴، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر على تسليمها، صار غاصباً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۰/۲، غفاريه كوئٹه)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر على تسليمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً على تسليمها، فمنعها يعني لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه و هو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتى لو لم يكن ظالماً بالمنع، لا يضمن". (البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه) ....=

صَرف کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف: مظاہر علوم، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

امانت کا ادا نہ کرنا

سوال[۸۰۷۳]: ایک شخص زید کو ایک چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ عمر کے پاس پہونچادے اور زید ایک مجمع میں پختہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ضرور پہونچادوں گا اور پھر باوجود سخت تقاضا کرنے کے وہ انکار کرتا ہے اور دینے والے کو بھی واپس نہیں کرتا۔ تو کیا زید شرعاً متدین وامین کہلانے کا مستحق ہے اور اسے قومی وملی پیشوا، یا کارکن بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے، بہتر تھا کہ زید کا بیان بھی ہمراہ ہوتا تا کہ معلوم ہوتا کہ اس کے وہ امانت نہ پہونچانے اور نہ واپس کرنے کی کیا وجہ ہے کہیں وہ شی زید کی ملک تو نہیں جو کسی طرح عمر یا حوالہ کرنے والے کے پاس پہونچ گئی تھی، اب جب کہ زید کے قبضہ میں آگئی تو دینے سے انکار کردیا، بلکہ جس قدر سوال ہے اس کا جواب ظاہر ہے اس میں کیا تردد ہے جس کو دریافت کرنا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۳ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۲۰، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۶۵/۵، كتاب الإيداع، سعيد)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء .... اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۲) جواب اس کا یہ ہے کہ: "امانت کے ادا کرنے کا حکم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں دیا گیا ہے، اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت بتائی گئی ہے، لہٰذا امین کو امانت بروقت ادا کرنا اور خصوصاً عند المطالبہ ادا کرنا بہت ضروری ہے: قال الله تعالیٰ:

﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸) .... =

....

= "عن أبی صالح عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (سنن أبی داؤد: ۲/۱۴۲، کتاب البيوع، باب فی الرجل يأخذ حقه، امدادیہ ملتان)

"قال عليه السلام: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (فيض القدير: ۱/۲۲۶، (رقم الحديث: ۳۰۸)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز رياض)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: کنت آخذاً بزمام ناقة رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس فقال: .... "ومن کانت عنده أمانة، فليؤدها إلی من ائتمنه عليها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/۲۹، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲/۵، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی مشكوة المصابيح، ص: ۲۲۴، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثالث، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمی)

نیز امانت کو ادا نہ کرنے والا غاصب کے حکم میں ہے:

"فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر علی تسليمها، صار غاصباً". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۴۷۰، غفاریہ کوئٹہ)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر علی تسليمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۷۰، كتاب الوديعة، غفاریہ کوئٹہ)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً علی تسليمها، فمنعها يعنی لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه وهو قادر علی تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتی لو لم يكن ظالماً بالمنع، لا يضمن". (البحر الرائق: ۷/۴۶۲، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۶/۲۰، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی ردالمحتار: ۵/۶۶۵، كتاب الإيداع، سعيد)

چاندی کا روپیہ امانت رکھ کر اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟

سوال[۸۰۷۴]: ۱...... مسجد کا روپیہ جس کے پاس جمع ہے، بجائے اس جمع کئے ہوئے روپیہ کے دوسری رقم دے، مثلاً: چاندی کا روپیہ ہے اور نوٹ دے۔ تو کیا خیانت کا مجرم نہیں ہے؟ ۱۹۴۰ء میں جب کہ چاندی کا روپیہ ملتا تھا اس وقت چاندی کا روپیہ جمع کیا گیا، اب وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ شخص اب موجودہ نوٹ دیتا ہے۔ تو کیا وہ شخص خیانت کا مجرم ہو سکتا ہے؟ مع حوالہ حدیث وقرآن جواب دیجئے۔

امانت کے نوٹ کو بدل دینا

سوال[۸۰۷۵]: ۲...... زید کے پاس امانتاً دس روپیہ کا نوٹ ۴۰ء کا بکر رکھ دیتا ہے اور جس وقت بکر اپنی امانت زید سے مانگتا ہے تو زید اس کو بجائے ۴۰ء کے اس نوٹ کے جو کہ امانت میں دیا تھا، ۴۷ء کا نوٹ دس روپیہ کا واپس کرتا ہے۔ زید خیانت کا مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... یقیناً یہ صورت خیانت میں داخل ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ چاندی کا روپیہ دے جو اس کے پاس جمع کیا گیا ہے، اگر ان سے وہ چاندی کا روپیہ خرچ کر لیا ہے تو اس کی قیمت دے جو موجودہ روپیہ اور نوٹ سے یقیناً زیادہ ہے۔ علامہ شامی نے نقود کے بھاؤ کی کمی زیادتی کے مسائل کے متعلق مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں فقہی جزئیات کثیرہ نقل کی ہیں۔ اگر نوٹ سے قیمت ادا کرے تو چاندی کے روپیہ کی موجودہ قیمت ادا کرے ورنہ غاصب شمار ہوگا، اور پوری قیمت دینے کی صورت میں ضمان سے بَری ہو جائے گا:

"لو أنفق دراهم الوقف في حاجة، ثم أنفق مثلها في مرمة الوقف، يبرأ عن الضمان، اهـ". عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۴۱۶، الباب الخامس في ولاية الوقف، رشيديه)

"لا يتعين الثمن بالتعين في العقد، مثلاً: لو أرى المشتري البائع ذهباً مجيدياً في يده، ثم اشترى بذلك الذهب شيئاً، لا يجبر على أداء ذلك الذهب بعينه، بل له أن يعطي البائع ذهباً مجيدياً من ذلك النوع غير الذي أراه إياه".

يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة، وأما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة، =

۲......جو امانت کسی کے پاس رکھی جائے اس میں تغیر وتصرف جائز نہیں، اس لئے یہ امانت کے تحفظ کے خلاف ہے، کذا فی الکتب المتداولة من مراة المجلة وغیرها(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فتتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عيناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴ (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبه حنفيه كوئته)

"أحكام النقد: لا يتعين في المعاوضات .... و لا يتعين في النذر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده، فالعامة كذلك، و يتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (الأشباه والنظائر، ص: ۳۰۹، أحكام النقد و ما يتعين فيه، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۵۳/۵، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الوديعة لاتودع ولاتعار ولا توجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن، كذا في البحر الرائق".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب العارية، الفصل الأول: ۲۹۱/۴، رشيديه)

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

امانت کا ضمان

سوال[۸۰۷٦]: ایک شخص ملازم بحیثیت کارندہ کی تحویل میں سے کچھ روپیہ چوری ہوگیا، مالک نے ملازم سے حلف اٹھوایا اور یہ کہلوایا کہ ''یوں کہہ کہ اگر میں نے تمہارا روپیہ اپنے کام میں لگایا ہو، یا کسی کو دیا ہو، یا اپنے آئندہ خرچ کے لئے اپنے، یا کسی اَور کے پاس رکھا ہو تو اندھا ہو جاؤں اور بھیک مانگتا پھروں، ایمان نصیب نہ ہو''۔ ایسی قسم لینے کے بعد مالک کو ملازم سے ڈنڈ لینا جائز ہے یا نہیں یعنی گم شدہ روپیہ لینا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ملازم کے پاس وہ روپیہ امانت تھا اور کافی حفاظت کے باوجود پھر چوری ہوگیا تو ملازم پر ضمان نہیں، اگر ملازم کی بے توجہی اور غفلت سے ایسا ہوا ہے تو ملازم پر ضمان لازم ہے:

''الإیداع هو تسلیط الغیر علی حفظ ماله، والودیعة ما یترك عند الأمین، و هی أمانة، فلا تُضمن بالهلاك''. زیلعی: ٥/٧٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۸/۱/۵۷ھ۔

---

(١) (تبیین الحقائق: ٦/١٧، ١٨، کتاب الودیعة، دار الکتب العلمیة بیروت)

''والودیعة أمانة فی ید الودیع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصیره فی الحفظ، لا یضمن''. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''الودیعة أمانة فی ید المودع إذا هلکت، لم یضمنها، لقوله علیه السلام: ''لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان، ولا علی المستودع غیر المغل ضمان''. (الهدایة: ۳/۲۷۱، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان) =

ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں

سوال[۸۰۷۷] : زید ایک مدرسہ کا مدرس ہے، ہیڈ ماسٹر نے زید کو اس کا ذمہ دار بنایا، اور کمرے کی کنجی بھی زید کے حوالہ کردی، لیکن زید کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے کمرے کی کنجی ہیڈ ماسٹر نے اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لی، زید سے کنجی لینے کے بعد اس کمرے میں مالی نقصان ہوگیا۔ اب زید سے کنجی لینے کے بعد کمرے کا ذمہ دار کون ہوگا، اور نقصان کس کے ذمہ عائد ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جب نقصان کنجی زید سے لینے کے بعد ہوا تو زید ذمہ دار نہیں، جس کے پاس کنجی ہے وہ ذمہ دار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان

سوال[۸۰۷۸] : ۱..... خلاصہ سوال یہ ہے کہ زید کے پاس کچھ روپیہ امانت رکھا ہوا تھا، اس روپیہ میں سے کچھ روپیہ کی مشین بھی خریدی اور کچھ روپیہ مشین والے کا باقی رہ گیا تھا۔ اب جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کی دوکان میں آگ لگ گئی تو کیا جس کا روپیہ تھا اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ اور مشین والے کا جو روپیہ باقی ہے وہ کون دے گا؟

۲..... مثلاً ایک آدمی نے دودھ کی مشین خریدی اور اس نے وعدہ پر روپیہ نہیں دیا، اس لئے وہ مشین والا اپنی مشین اٹھا لایا اور تیسرے آدمی کے پاس رکھدی کہ بقایا روپیہ لے کر اس کو دیدینا، لہٰذا ایک سو روپیہ کی قسط مشین والے کو دیدی اور دوسری مرتبہ ۱۷۸/ روپیہ اس کی طرف سے مشین والے کو ایک تیسرے آدمی نے دیدیا،

= (وكذا في البحر الرائق : ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر :۳/۴۶۶، ۴۶۷، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار : ۵/۶۶۲، ۶۶۳، كتاب الإيداع ، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها ،فلو ردها الوديع برئ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

مگر مشین والے نے روپیہ واپس کردیا اور کہا کہ قیمت شام کو دیکر لے جانا، مگر اس کی دوکان میں آگ لگ گئی جس سے اس کا کافی نقصان ہوگیا، وہ کہتا ہے کہ اس نے مجھے روپیہ واپس نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اور اس کی دوکان میں آگ لگ گئی، اس کے ذمہ اس روپیہ کا تاوان نہیں ہے(۱)۔ جس نے مشین خریدی تھی اور اس کا روپیہ باقی تھا تو وہ روپیہ دینا ضروری ہے، جس نے خریدی ہے وہ روپیہ دے، پھر جس سے شرکت کا معاملہ تھا اس کے موافق عمل کیا جائے۔

۲......اگر وہ روپیہ جل گیا ہے تو اس کا تاوان لازم نہیں، کیونکہ وہ امانت تھا(۲)۔ اگر اس کو آگ لگنے سے پہلے واپس کردیا تھا اور وہ انکار کرتا ہے کہ مجھے نہیں دیا تو جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کے ذمہ قسم آئے گی، وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں واپس کرچکا ہوں، میرے ذمہ نہیں تو اس کی قسم معتبر ہوگی اور تاوان لازم نہیں آئے گا، اگر قسم نہ کھائے تو روپیہ دیدے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۷ھ۔

---

(۱) "والوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعد منه و بدون صنعه و تقصيره في الحفظ، لايضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۶/۱۷، ۱۸، كتاب الوديعة، سعيد)

"الوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ، وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۶۶، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۶۳، ۶۶۴، كتاب الإيداع، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن عمرو بن شعيب عب ابيه عن جده رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۷، باب الأقضية =

امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان

سوال[۸۰۷۹]: امسال حضرت کی دعاؤں کے صدقہ میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، چلتے وقت ایک محسن نے مجھے دو ہزار روپیہ دیا اور گھڑی، کمبل، قالین کی فرمائش کی اور تین افراد کی قربانی کرنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کی رقم خیریت سے پہونچ گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ فرمائش کا سامان ہمراہ لے کر آؤں گا۔ بمبئی پہونچ کر اس میں سے ۲۶۰۰/ روپیہ کی رقم جمع کرنے کی نیت سے الگ کرلی، غسل کی حاجت ہوئی اور میں غسل خانہ گیا، کپڑے اتار کر اس رقم کو طاق میں رکھ کر بھول گیا، اس طرح یہ رقم ضائع ہوگئی، جو رقم علیحدہ تھی۔ میں نے اس رقم سے سفر پورا کیا۔ از روئے شریعت اب مجھے کیا کرنا چاہئے، رقم کا کچھ حصہ واپس کرنا چاہئے، یا بالکل واپس نہیں کرنا چاہئے؟

بندہ: سید عبدالعزیز لیکچرار، ہائر سکنڈری اسکول سیدھی (ایم، پی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت کا روپیہ غسل خانہ میں غسل کرتے وقت طاق میں رکھ دیا، پھر بعد غسل اٹھانا یاد نہیں رہا، وہیں چھوڑ کر چلے آئے اور روپیہ ضائع ہوگیا تو وہ تمام روپیہ واپس کرنا ہوگا:

"ولو قال المودع: وضعتُ الوديعة بين يدیّ، فقمتُ و نسيتها، فضاعت، ضمن، وبه يفتیٰ، اهـ". عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

= والشهادات، كتاب الإمارة، الفصل الثاني، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲۴۹/۱، أبواب الأحكام، باب ماجاء في أن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز. ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الفتاوی العالمكيرية: ۳۴۲/۴، كتاب الوديعة، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"وفي فتاوى أبي الليث: ولو أن المودع قال: وضعتُ الوديعة بين يدیّ، فقمتُ ونسيتها، =

غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا

سوال[۸۰۸۰]: متولی مسجد کو اپنے پاس مسجد کے پیسے رکھنے میں حفاظت کا یقین نہیں تھا اور کوئی دوسرا مسلمان بھی امانت رکھنا قبول نہیں کرتا تھا تو اس وقت شرعی حاکم نہ ہونے کی وجہ سے بامر جماعت محلّہ متولی نے مسجد کے پیسے کافر کے پاس رکھے وہ کافر اس وقت مالدار تھا اور امانت رکھنے میں مرجع خاص وعام تھا، اب کافر مفلس ہوگیا اور مسجد کے پیسے اس کے پاس سے ہلاک ہوگئے اب اس کے پاس کوئی مال وجائیداد نہیں ہے کہ جس سے مسجد کے پیسے وصول ہوسکیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کے پیسہ کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں، اگر لازم ہو تو متولی پر یا اہلِ محلّہ پر؟

اگر صورت مذکورہ میں مسجد کے پیسے کافر کو قرض دیئے ہوں اور پھر ہلاک ہوجائے تو اس وقت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قال فی القنیة: طالب القیم أهل المحلة أن یقرض من مال المسجد للإمام، فإن أمره القاضی به فاقترضه، ثم مات الإمام مفلساً، لایضمن القیم .... مع أن القیم لیس له إقراض مال المسجد. قال فی جامع الفصولین: لیس للمتولی إیداع مال الوقف والمسجد إلا لمن فی عیاله، ولا إقراضه فلو أقرضه، ضمن. وکذا المستقرض. وذکر أن القیم لوأقرض مال المسجد لیأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساکه، فلا بأس به. وفی العدة یسع المتولی إقراض ما

= فضاعت، یضمن؛ لأن نسیانه تضییعٌ". (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۳۱۴/۶، فیما یکون تضییعاً للودیعة، غفاریه کوئٹه)

"و لو قال: وضعتها بین یدیّ، وقمتُ نسیتها، فضاعت، یضمن". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۰۰/۶، کتاب الودیعة، الفصل الثانی فیما یکون إضاعة، رشیدیه)

"مودع قال: وضعتُ الودیعة بین یدیّ، ثم قمت، فنسیتها، فضاعت، کان ضامناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۷/۳، فصل فیما یضمن المودع، رشیدیه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۷۸۲)، ص: ۴۳۳، مکتبه حنفیه کوئٹه)

فضل من غلة الوقف لو أحرز، اھ". بحر شرح کنز: ۵/۲۳۹(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متولی کو اگر مسجد کے پیسے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور کوئی دوسری صورت بھی حفاظت کی نہیں تھی اور اہل محلّہ کے امر سے متولی نے وہ پیسے کافر کے پاس رکھ دیئے اور اس کافر سے وصولیابی کی کافی توقع تھی تو پھر متولی پر ضمان لازم نہیں اور نہ اہل محلّہ پر لازم ہے۔ یہی حکم صورت مذکورہ میں قرض کا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۲۶/ ۵۷ھ۔

امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم

سوال[۸۰۸۱]: انتظامِ آمد وخرچ کی پنچایت ذمہ دار ہوتی ہے، لہٰذا ایک فنڈ پنچایتی ہے اور دوسرا فنڈ خاص ملکیتِ مسجد ہے، دونوں فنڈ امین کے پاس تھے جو چوری ہوگئے، ایک عرصہ تک مشورہ ہوتا رہا، تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ واقعی چوری چلے گئے، امین کو اس کے بار کا متحمل نہ سمجھا، پنچایت نے معاف کردیا، مگر امین کو فکر ہے کہ شرعاً یہ دونوں جمع معاف ہیں، یا شرعاً فرق ہے۔ اس سے مفصل بندہ کو مطلع فرمائیں۔

---

(۱) مذکورہ عبارت میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں، لہٰذا البحر الرائق کی اصل عبارت یہ ہے:

قال في القنية: طالب القيم أهل المحلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فأبى، فأمره القاضي به، فأقرضه ثم مات الإمام مفلساً، لايضمن القيم اهـ. مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد، قال في جامع الفصولين: ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله ولا إقراضه، فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة، وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفي العدة: يسع المتولي إقراض مافضل من غلة الوقف لو أحرز، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۱، رشيديه)

(۲) "أذن أخرجها عن يده عنه الضرورة بأن وقع الحريق في داره فخاف عليها الحرق، أو كانت الوديعة في سفينة فلحقها غرق، أو خرج اللصوص وخاف عليها أو ما أشبه ذلک، فدفعها إلى غيره، لايكون ضامناً". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في حفظ الوديعة بيد الغير: ۳/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۴۰، (رقم المادة: ۷۹۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرامین نے ہردوفنڈ کوعلیحدہ علیحدہ رکھا اور پوری حفاظت کی، اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر بھی وہ چوری ہوگئے تواب شرعاً امین پر مواخذہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفی عنہ،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۳/۴/۵۷ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،۱۴/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

مسجد کی امانت چوری ہوجائے توضمان کاحکم

سوال[۸۰۸۲]: ایک شخص کے پاس مسجد کی امانت رکھی ہوئی تھی جوچوری ہوگئی، کچھ چوری واپس آگئی، اس نے مسجد کی امانت کچھ دی کچھ نہیں دی۔ جوامانت باقی رہ گئی تھی اس کودینالازم ہے یانہیں؟ یہ آدمی شریعت کاپابندنہیں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگرامانت کواپنے مال میں مخلوط کرکے رکھاتھاتوپوری امانت کواس سے لیناچاہیے(۲)،اگرالگ رکھا

---

(۱) "الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ، لايضمن".
(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة أمانة في يد المودع، إذا هلكت، لم يضمنها". (الهداية: ۳/ ۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاضمان على مؤتمن".
(تبيين الحقائق: ۶/ ۱۸، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۴۶۶، كتاب الوديعة، مكتبه غفاريه كوئٹه)
(وكذا في فتح القدير: ۸/ ۴۸۵، كتاب الوديعة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر .... بغير إذن المالك بحيث لا تتميز إلا بكلفة .... ضمنها لاستهلاكه بالخلط". (الدرالمختار: ۵/ ۶۶۸، ۶۶۹، كتاب الإيداع، سعيد)
(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/ ۴۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

تھا اور باوجود پوری حفاظت کے وہ چوری ہوگئی، تو اس سے پوری لینے کا حق نہیں، جتنی واپس آگئی ہو وہ لے لی جائے(۱)۔

تنبیہ: جو شخص شریعت کا پابند نہ ہو اس کے پاس مسجد کی امانت رکھنا درست نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۵ھ۔

انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال[۸۰۸۳]: ہمارے یہاں ایک انجمن ہے جو ہمارے مفاد کے لئے بنائی گئی ہے، مثلاً: مطالعہ کے لئے کتب وغیرہ۔اس انجمن میں کچھ نقد رقوم جمع ہیں اور یہ انجمن ہی کی ہیں۔اس رقم میں سے ہم ممبرانِ انجمن بوقتِ اشد ضرورت ۲۵/ روپیہ بطورِ قرضہ اٹھا سکتے ہیں۔اس انجمن کا ایک ممبر اپنی ذاتی کاروائی کی بناء پر جیل میں بند کردیا گیا، اس قیدی ممبر نے جیل سے خط لکھا صدر انجمن کے پاس کہ اس جمع شدہ انجمن کی رقم میں سے سات سو روپے مجھے بطورِ قرض دیدو۔صدر انجمن نے ممبران کو جمع کیا اور کہا کہ تم سب ممبران اس کی ذمہ داری اٹھاتے ہو کہ اگر یہ رقم ادا نہ کرسکا تو تم کو ادا کرنی ہوگی؟ سب ممبران نے ذمہ داری لے لی اور صدر انجمن، انجمن میں سے سات سو روپے لیکر اس قیدی کی رہائی کے لئے جاتا ہے۔

اس صدر نے یہ رقم کسی ذمہ دار ممبر کے ہاتھ نہیں دی۔اور جب یہ بات ہوئی کہ رہائی کے لئے کون

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوديعة: ۲۰/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وهي أمانة، هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تُضمن بالهلاك .... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، هلك معها شئ أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان". (الدر المختار: ۶۶۳/۵، كتاب الإيداع، سعيد)

"وهي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۱۸/۶، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۴۶۶/۳، كتاب الوديعة، غفاريه كوئته)

(۲) ایسا شخص امورِ دینیہ میں لاپرواہی برتنے کی بناء پر اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، کیونکہ اکثر اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، باقی شریعت کا پابند ہونا امانت رکھوانے کے لئے شرط نہیں ہے۔

جائے گا، تو صدرِ انجمن نے کہا میں ہی جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ذمہ دار تھا اس لئے سب ممبران نے صدر سے دب کر سکوت اختیار کیا۔ نیز یہ صدر، ممبران ذمہ داران سے خوش نہیں ہے۔

یہ صدر یہ رقوم لیکر رہائی کے لئے رات کے وقت جاتا ہے، ریل سے سفر کرتا ہے۔ صدر کا بیان ہے کہ میں جارہا تھا تو ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے''۔ کچھ علامات بھی بتاتا ہے جس پر ممبران کو کسی درجہ یقین نہیں آتا اور صدر اس پر باوجود شادی شدہ ہونے کے طلاق مغلظہ کی قسمیں کھاتا ہے۔ ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ انجمن کی رقم کن پر عائد ہوگی اور کون ذمہ دار ہوگا؟ وہ قیدی ممبر یا ذمہ داران ممبر یا صدر صاحب؟ جواب عنایت فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیدی ممبر نے روپیہ قرض مانگا، صدرِ انجمن نے دوسرے ممبروں سے ضمانت لی کہ اگر وہ قیدی ممبر روپیہ واپس نہ کرے تو آپ لوگوں کو دینا ہوگا، انہوں نے ذمہ داری لے لی۔ روپیہ قیدی کے ہاتھ میں نہیں پہونچا، نہ اس کے مشورہ سے اس کے کسی کام میں خرچ ہوا، لہٰذا قیدی ممبر کے ذمہ اس کی واپسی نہیں۔ ذمہ دار ممبروں نے قیدی کی طرف سے ضمانت لی تھی، جب اس کے ذمہ ہی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ اس تک پہونچا ہی نہیں تو ذمہ داری اور ضمانت کی وجہ سے ان کی ذمہ بھی واپسی ضروری نہیں، وہ صدرِ انجمن کے ذمہ دار وضامن نہیں تھے کہ اگر صدر سے ضائع ہوجائے تو ہم دیں گے، لہٰذا صدرِ انجمن کا دوسرے ضامن ممبران سے مطالبہ کرنا بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) صدر کے قول کہ: ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر نے امانت کی حفاظت میں تقصیر کی ہے، لہٰذا وہ خود اس کا ضامن ہے، جیسے شئ مستاجرہ اگر مستاجر کی عدم حفاظت کی وجہ سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان ہے:

- ''والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك: يعني لا يضمن ما ذكر، سواء هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالسرقة أو بما لا يمكن كالحريق الغالب والغارة المكابرة ''. (البحر الرائق: ۸/۴۷، كتاب الإجارة، رشيديه) .... -

....

= "الأجير المشترك من يعمل لغير واحد ولا يستحق الأجر حتى يعمل كالصباغ والقصار، والمتاع في يده أمانة، لا يضمن إن هلك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر : ۵۴۳/۳، كتاب الإجارة ، غفاريه كوئٹه)

"والأجير المشترك من يعمل لغير واحد، والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك، وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذى يشدبه الحمل و غرق السفينة من مدّها مضمون". (تبيين الحقائق : ۱۳۹/۶ ، باب ضمان الأجير ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار : ۶۲/۶ ، كتاب الإجارة ، باب ضمان الأجير ، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يلزم حفظ الوديعة فى حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات فى إصطبل الدواب أو التبن تقصيرٌ فى الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلكت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يدىّ فى دارى، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن كانت الوديعة ما لا يحفظ فى عرصة الدارّ و لا تُعدّ حرزاً له كصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا".

(الفتاوىٰ العالمكيرية : ۳۴۳/۴، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدىّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما فى جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۷۵ ، كتاب الوديعة ، مكتبه حقانيه پشاور)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ و هى أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر : ۴۶۶/۳، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئٹه)

"الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه، و بدون صنعه و تقصيره فى الحفظ، لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)

"وهى أمانة، فلا تضمن بالهلاك؛ لقوله عليه السلام : "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق : ۱۸/۶ ، كتاب الوديعة ، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار : ۶۶۳/۵ ، كتاب الإيداع، سعيد)

حفاظت میں کوتاہی کی بناپر امانت کا ضمان

سوال[۸۰۸۴]: احقر نے پاس ذی الحجہ میں پھوپھی زاد بھائی نے تین حصوں کے لئے مبلغ ستر روپے اور ایک حصہ کے لئے پڑوس کی ایک بیوہ کی طرف سے ۲۵/ روپے (دیدیئے)۔ پوسٹ مین نے جب منی آرڈر لاکر دیا تو دس دس کے تین نوٹ دیئے اور پانچ واپس مانگے۔ احقر کے پاس جیب میں ۷۰/ پہلی امانت کے ساتھ مبلغ ۱۵/ جوکہ احقر کی بہو کی جانب سے ہردوئی سے مباحت سلمہ نے بھیجے تھے، رکھے تھے، وہ ۵/ واپس کردیئے، اس میں دو دو کے دونوٹ اور ایک روپے والا ایک نوٹ رہا۔ ۱۰/ روپے والا نوٹ پوسٹ مین نے پھر واپس دیکر کہا کہ ریزگاری دیدو۔ اس درمیان میں احقر نے ریزگاری دینے سے پہلے کل ۱۱۰/ روپے گھٹنے کے نیچے رکھ لئے، بس اڈہ پر ایک شخص کا تخت پڑا تھا، اسی کے کونے پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا، اتنے میں ہردوئی جانے کے لئے بس آگئی۔

احقر کے پاس دوتین اخبار رکھے تھے، وہ روپے کوٹ الجھنے سے یا تو تخت کے پاس نیچے گر گئے، یا تخت پر گھٹنہ کے نیچے وہیں چھوٹ گئے، بس تک جانے پر فوراً یاد آیا اور بُری طرح سے بھاگا، مگر نہ ملے۔ احقر نے قرض روپیہ لیکر قربانی کردی اور اطلاع کردی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں احقر پر تاوان واجب ہے، یا ان لوگوں کی امانت تھی اور وہ اس طرح ضائع ہوئی؟ ان سے اب فی حصہ ۲۰/ روپے طلب کروں جوکہ خرچ ہوئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بس اڈہ پر جہاں بکثرت ہرقسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، گھٹنے کے نیچے نوٹ رکھ کر اخبار پڑھنا اور پھر اخبار فروخت کرنے کے لئے چلے جانا اور نوٹوں کو اٹھا کر جیب میں نہ رکھنا یقیناً حفاظت میں کوتاہی ہے، ایسی صورت میں نوٹ ضائع ہونے سے ضمان لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۷ھ۔

---

(۱) "يلزم حفظ الوديعة في حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات في إصطبل الدواب أو التبن تقصيرٌ في الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلكت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسليم =

امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان

سوال[۸۰۸۵]: پچیس سال ہوئے میری بھانجی میری بیوی کے پاس کچھ چاندی کا زیور بغرضِ حفاظت رکھنے کو آئی، میرے منع کرنے پر بھی بیوی کی خوشامد کر کے رکھ گئی۔ بیوی نے وہ زیور ڈبہ میں رکھ کر ایک جگہ مکان میں گاڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد برسات میں مکان گرا تو ملبہ اٹھوا کر مکان دوبارہ بنوایا گیا۔ بہر کیف! اب بھانجی نے زیور مانگا تو کھودا گیا، زیور نہ ملا، اب میری بیوی اور میں دونوں بہت شرمندہ ہیں، ادھر بھانجی زیور بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی ہے۔ اب اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ امانت کی چیز ڈبہ میں رکھ کر محفوظ مکان میں زمین کھود کر گاڑ دی تو اپنی طرف سے حفاظت کا پورا انتظام کر دیا، اس کے بعد جب وہ گرا، اور دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی تو وہ امانت یاد بھی نہیں تھی۔ اس بات کو ۲۵/ سال گزر چکے۔ اس جگہ کو کھود کر دیکھا گیا تو وہ امانت محفوظ نہیں، ایسی حالت میں اس کا ضمان واجب نہیں:

هكذا يفهم مما في الهندية: "إذا قال: دفنتُ في داري أو كرمي ونسيتُ مكانها، لم يضمن إذا كان للدار والكرم بابٌ. و لو قال: دفنتُ في موضع اخر و نسيتُ مكانها، يضمن، كذا في الخلاصة. و كذلك لو لم يبيّن مكان الدفن، لكنه قال: سُرقت الوديعة من المكان المدفون فيه، فإن كان للدار و الكرم بابٌ لا يضمن، وإن لم يكن لهما بابٌ يضمن، كذا في

= رستم باز، ص: ۴۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يديّ في داري، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن كانت الوديعة ما لا يحفظ في عرصة الدار و لا تُعدّ حرزاً له كصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا".

(الفتاوىٰ العالمكيرية : ۴/۳۴۳، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدىّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما في جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۷۵، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

المحیط، اھـ". عالمگیری: ۳/٤٦٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۴ھ۔

امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان

سوال[۸۰۸۶]: اگر کسی شخص نے کسی دوسرے مسلمان کے پاس اپنی امانت رکھی، مثلاً: غلہ، سونا، چاندی، وغیرہ اور اس نے بغیر اجازت کے وہ اپنے کام میں لے لی۔ اب امین سے وہ شخص اپنی امانت طلب کرتا ہے، مگر امین کہتا ہے کہ خرچ ہوگئی، اپنی امانت کی قیمت لے لو، اس وقت قیمت اس چیز کی چار روپے من ہے اور جب وہ امانت رکھی تھی تو دو روپے من کا بھاؤ تھا۔ تو اب امین سے امانت رکھوانے والا چار روپے من کے بھاؤ یعنی موجودہ بھاؤ کے حساب سے دام وصول کرتا ہے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت رکھنے والا یوں کہتا ہے کہ موجودہ بھاؤ سے مجھے کچھ غرض نہیں، اپنی امانت کی جنس لیتا ہوں، وہ دے، یا جتنی قیمت میں آئے اتنی دے، مجھے موجودہ بھاؤ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس صورت میں وہ اپنی امانت کی قیمت اپنی طبیعت کے موافق وصول کر لیتا ہے یعنی چار روپے کے بھاؤ کے بجائے، یا موجودہ بھاؤ کے بجائے وہ دوگنی تین گنی قیمت لیتا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۳۴۳/۴، کتاب الودیعة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً للودیعة الخ، رشیدیه)

"الودیعة أمانة فی ید الودیع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصیره فی الحفظ، لا یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وهی أمانة، فلا تضمن بالهلاک، لقوله علیه السلام: "لا ضمان علی مؤتمن". (تبیین الحقائق: ۱۸/۶، کتاب الودیعة، دار الکتب العلمیة بیروت)

"(الودیعة أمانة فی ید المودع، إذا هلکت لم یضمنها) لقوله علیه السلام: "لیس علی المستعیر غیر المغل ضمانٌ، و لا علی المستودع غیر المغل ضمان .... اهـ". (الهدایة: ۲۷۱/۳، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۴۶۶/۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امین مالِ امانت میں بلا اجازت تصرف کرنے کی وجہ سے بمنزلۂ غاصب کے ہوگیا اور غاصب اگر شئی مغصوب کو ہلاک کردے تو اس کے ذمہ مغصوب کا بدل واجب ہوتا ہے، مثلی میں مثل اور قیمتی میں قیمت اور صورتِ مسئولہ میں مالِ امانت مثلی ہے، لہٰذا مثل واجب ہوگا خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو:

"والضمان لو هلكت، ففي المثلي كالكيلي والوزني والعددي يجب مثله، اهـ". سكب الأنهر: ۲/٤٥٦(۱)۔

"قال أبوالحي في فتاواه: وإن كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق طائفةً منها خاصةً، كان ضامناً لما أنفق منها؛ لأنه أتلف بالإنفاق، اهـ"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۶۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (سكب الأنهر (الدر المنتقى) شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴/۷۸، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۴۸، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"في "الأصل" إذا كانت دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق المودع طائفةً منها في حاجة نفسه، كان ضامناً لما أنفق منها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۳۲۹، في ردّ الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"الوديعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات، تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان". (شرح المجلة لسيم رستم باز، ص: ۴۴۶، (رقم المادة: ۸۰۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة إذا لزم ضمانها، فإن كانت من المثليات تُضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تُضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان .... يعني يوم وقع تعدى المودع على الوديعة؛ لأنه بذلك صار غاصباً، ففي المنح وغيره: المودع بالتعدى على الوديعة غاصباً". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۲۹۲، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

اجارہ کی تعریف

سوال[۸۰۸۷]: اجارہ کا مفہوم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تمليك المنفعة بالعوض(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال

سوال[۸۰۸۸]: بعض مدارس میں ایک قسم کا فنڈ مدرسین وملازمین کے لئے جاری کیا گیا ہے جس میں تنخواہ میں سے مہینہ پورا ہونے پر کچھ حصہ کاٹ کر مدرسہ میں جمع رکھا جاتا ہے اور مدرسہ اپنی طرف سے کچھ اس

---

(۱) "هي (أي الإجارة) تمليك نفع بعوض". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۴/۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، الإجارة عقد على المنافع بعوض: ۵۸/۹، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، رشيديه)

"اعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال". (المبسوط للسرخسي: ۸۲/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

میں اضافہ کرتا ہے، اس طرح ان کے لئے رقم جمع کی جاتی ہے، جو ملازمت کے ختم ہونے پر ان کو دی جائے گی، تاکہ اس کو اپنے موقع پر پریشانی نہ ہو۔

اب اس میں سوال یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کی تشریح کے مطابق استیفائے منافع پر اجرت کا مالک ہوتا ہے۔ نیز تنخواہ کے رجسٹر میں اس پر ملازم کے دستخط بھی ہوجاتے ہیں اور عرفاً وہ بقایا ملازمین اپنا ہی تصور کرتے ہیں تو یہ مزید جو ادارہ دیتا ہے، جب کہ اس میں ملازمین کے کٹے ہوئے پیسہ کا ہونا شرط ہے۔ تو کیا یہ سود کی نوعیت نہیں ہوگی؟ اگر یہ نوعیت نہیں تو بے غبار حلال ہے، یا کسی قسم کے شائبہ سود سے قابلِ التفات ہے؟

محمد اسماعیل گجراتی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہدایہ میں ''ثبوتِ ملک'' سے مراد ''حقیقتِ ملک'' نہیں، بلکہ ''استحقاقِ ملک'' مراد ہے جیسا کہ عنوانِ باب سے ظاہر ہے: "باب الأجر متىٰ يستحق" اور متن میں ہے:

"قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدى معاني ثلاثة"(۱)۔

محشی نے بھی اسی کی تشریح کی ہے (۲)۔ امداد الفتاوی میں خوب تفصیل سے اس پر بحث موجود ہے (۳)۔ امید ہے کہ اب اس تقریر پر اشکال نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۶/۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۲۹۲/۳، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "المراد نفس الوجوب، لاوجوب الأداء، فإنه عقد معاوضة، فيعتبر فيه المساواة، ولم يوجد في جانب المعقود عليه، لا نفس الوجوب، ولا وجوب الأداء فكذلك في جانب العوض". (حاشية العلامة عبدالحئ اللكنوى رحمه الله تعالىٰ على الهداية: ۲۹۲/۳، باب الأجر متى تستحق، كتاب الإجارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، للحافظ كمال ابن الهمام: ۶۵/۹، ۶۶، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة: ۶۶/۹، باب الأجر متى يستحق، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) **سوال**: ''گورنمنٹ دریافت کرتی ہے کہ ہر ملازمین سرکار اپنی تنخواہ میں سے ساڑھے چھ سے ساڑھے بارہ روپیہ فی =

زمین اجارہ پر دینا

سوال[۸۰۸۹]: زید نے اپنی غرض سے اپنا ایک قطعہ کھیت چار بیگھے چار سال کے واسطے عمر کے پاس چار سو روپیہ میں رہن رکھ دیا اور عمر سے کہہ دیا کہ چار سال کے بعد تم میرا کھیت مجھ کو دے دینا، تم چار سال تک میرے کھیت سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھاؤ اور پیداوار کھاؤ، مجھ کو اس سے کوئی واسطہ اور غرض نہ ہوگا اور جب میں اپنا کھیت تم سے لوں گا تو تم کو کوئی پیسہ نہیں دوں گا، اور تمہارے وہ چار سو روپے ختم ہو جائیں گے اور میں تمہارے ان چار سو روپے سے کتنا ہی فائدہ اٹھاؤں، تمہیں اس فائدہ سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہوگا۔

یہ بات قرار پا گئی اور عہد و پیمان اور قول و قرار ہو گئے، عمر نے کہہ دیا میں چھوڑ دوں گا، مجھے یہ سب باتیں منظور ہے۔ لہٰذا از روئے شرع شریف دونوں کا فائدہ اٹھانا یا ایک کا سود ہوا یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رہن نہیں، بلکہ اجارہ ہے، یعنی زید نے اپنی زمین چار سال تک عمر کو کرایہ پر دی ہے کہ وہ اس میں جو چاہے کاشت کرے اور اس کا کرایہ چار سو روپیہ پیشگی وصول کر لیا، بس یہ چار سو روپے بطورِ اجرت زمین زید کی مِلک ہو گیا، عمر کا نہیں رہا، نہ عمر کو اس کو واپس لینے کا حق رہا اور زمین پر چار سال تک کے لئے عمر کو حقِ کاشت حاصل ہو گیا۔

=صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں خزانہ سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد علیحدہ ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پنشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے، اس وقت کل روپیہ اس کا بمعہ چار روپیہ فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب: ''جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح وضع کرا دینا اور پھر یکمشت وصول کر لینا اگرچہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ در حقیقت وہ سود نہیں ہے اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا پس وہ رقم زائد اس کی مملوک شے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے۔ فقط''۔ (إمداد الفتاوی: ۱۴۹/۳، کتاب الربوا، تحت عنوان: ''محکمۂ ریل میں ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جزو جو کٹ جاتا ہے اور وہ مع سود ملتا ہے اس سود کا حکم (رقم السوال: ۱۹۷)، دار العلوم کراچی)

اس معاملہ کا نام رہن رکھنا غلط ہے، اگر یہ رہن ہوتا اور چار سو روپے قرض ہوتا تو زید کے ذمہ قرض کی واپسی لازم ہوتی: "لأن الأقراض تُقضى بأمثالها". کذا فی الدر المختار (۱)۔ اور زمین سے عمر کو بذریعۂ کاشت نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوتا، اور "کل قرض جر نفعاً، فهو حرام" (۲) کے تحت یہ نفع اٹھانا حرام ہوتا، اب ایسا نہیں، بلکہ یہ معاملہ بصورتِ اجارہ درست ہے۔ ہاں! یہ لحاظ رہے کہ ایسی زمین کا چار سال کا کرایہ عرفاً وعادتاً بھی چار سو روپیہ ہی ہوتا ہو، یا معمولی کمی بیشی ہو تو وہ قابلِ گرفت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۹ھ۔

زمین کی اجرت دھان قرار دینا

سوال[۸۰۹۰]: زید عمر کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ تمہیں ۵۰/من دھان دینا ہے پیدا ہو یا نہ ہو عمر بھی اس پر راضی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مزارعت نہیں ہے، بلکہ زمین کرائے پر دینا ہے۔ اور ۵۰/من دھان اجرت ہے، خواہ دھان (۴) کی

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله" (الدرالمختار: ۵/۱۶۱، باب القرض، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۵/۱۶۶، سعيد)

(۳) "و تصح إجارة أرض للزراعة مع بيان ما يُزرع فيها، أو قال: علىٰ أن أزرع فيها ما أشاء، كي لا تقع المنازعة". (الدرالمختار: ۶/۲۹، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافه فيها، سعيد)

"صح العقد فيه أيضاً، وليس للمؤجر إخراجه حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل أجرة شهرين فأكثر، لكونه كالمسمىٰ، إلا أن يسمىٰ الكل: أي جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع".

(الدرالمختار: ۶/۵۱، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز لاہور)

کاشت کرے یا کسی اَور چیز کی، یا بالکل ہی کاشت نہ کرے۔ یہ معاملہ شرعاً درست ہے جیسا کہ ۵۰/روپیہ کو اجرت قرار دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زمین اور باغ کا اجارہ

سوال[۸۰۹۱]: اگر کوئی آم کے باغ کا مالک دو چار سال کے لئے زمین اور درخت کسی کو دے دے تاکہ وہ زمین اور درختوں سے نفع اٹھائے، پھل وغیرہ حاصل کرے اور مالک باغ بدلہ میں دو چار ہزار روپیہ لے لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجارہ میں شئ مستاجرہ سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ کہ استہلاکِ اعیان۔ زمین میں کاشت کرنا اور اس سے غلہ حاصل کرنا تو اجارہ میں داخل ہے، لیکن مالکِ زمین کے درختوں سے پھل حاصل کرنا یہ اجارہ میں داخل نہیں، بلکہ یہ تو بیع ہوگی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أى بدلاً في البيع، صلح اجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۰، (رقم المادة: ۴۶۳)، الفصل الأول في بدل الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "سئلتُ فيمن استأجر بستاناً ليأكل ثمرة أشجاره من نخل و زيتون وليمون: هل يجوز ذلك؟ فأجبت: بأنه لا يجوز، وسند ذلك ما في شرح الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ: الإجارة على استهلاك الأعيان باطلةٌ، كما لو استأجر كَرَماً مدةً معلومةً ليأكل ثماره، أو استأجر غنماً ليأكل لبنها و سمنها، أو استأجر المرعىٰ ليرعى البهائم، وما أشبه ذلك، لم تصح الإجارة. فهذا صريحٌ في أن الإجارة باطلة".

(الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۹۱، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور) ...... =

کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں

سوال[۸۰۹۲]: بکر نے عمر کو اپنا کھیت دے دیا اور اس سے کہا کہ ہر سال ہر ششماہی میں چھ من گندم دے دیا کرنا، تم میرے کھیت میں جونسا غلہ چاہو بویا کرو۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس طرح نقد اجرت مقرر کرنا درست ہے اسی طرح غلہ مقرر کر لینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا

سوال[۸۰۹۳]: یہاں پر ایک ایسی فیکٹری ہے جہاں شراب وغیرہ کا ایڈوٹائز بھی ہوتا ہے(۲) جو کہ حرام چیزوں میں سے ہے، اصل کام دوسرا ہے۔ کیا اس جگہ کی آمدنی میرے لئے درست ہے یا کہ نہیں؟

= "ولايجوز إجارة ماء في نهر أو قناة أو بئر، وإن استأجر النهر والقناة مع الماء، لم يجز أيضاً؛ لأن فيه استهلاك العين أصلاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۴۱، الباب الخامس عشر من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/ ۳۲۸، رشيديه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/ ۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، رشديه)

(۲) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

الجواب، حامداًومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز چیز کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۱)۔شراب کے متعلق جہاں تک ہوسکے بچنا چاہیے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈوٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم

سوال[۸۰۹۴]: کیا ہم ایسی فیکٹری میں کام کرسکتے ہیں جہاں شراب وغیرہ جو حرام چیزوں کی ایڈوٹائز بنتی ہو(۳) اس کو ہمیں بنانا ہوتا ہے، کیا یہ کمائی ہمارے لئے جائز ہے؟

نوٹ: ہر وقت شراب کی ایڈوٹائز نہیں بنتی کبھی کبھی آتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز کام کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۴)۔شراب

---

(۱) قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: "سئلت عن كافر استأجر مسلماً لبناء كنيسة أو بيعة، أو لنحت طنبور: هل يحل له الأجر؟ فالجواب ما في البزازية، وهذا لفظه: استأجر مسلماً لبناء بيعة أو كنيسة، أو لنحت طنبور، يحل له الأجر و يطيب، إلا أنه يأثم الأجير؛ لأنه أعانه على المعصية". (الفتاوى الكاملية، ص:۱۹۷، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، و شاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، ، ساقيها، وبايعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتراة له". (جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

"ويكره أن يؤاجر نفسه منهم لعصر العنب ليتخذوا منه خمراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الرابع، رشيديه)

(۳) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

(۴) (راجع للتخريج عنوان: "شراب کے کارخانہ میں دوسرے کام کی ملازمت"۔

کے متعلق جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۹ھ۔

کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا

سوال[۸۰۹۵] : اگر کوئی کافر کسی مسلم سے بکری یا گائے وغیرہ ذبح کرائے تو کرنا چاہیے کہ نہیں؟ اور اگر ذبح کرے تو سنت طریقہ سے کرے، یا ایسے ہی ذبح کردے بغیر بسم اللہ کے؟ اور کافر یا مسلمان ذبح کرنے کے بدلے ذبیحہ کا گوشت یا کچھ پیسے دے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سنت طریقہ پر ذبح کردے، ذبح کرنے کی اجرت میں پیسہ لینا اور دینا درست ہے(۲)۔اجرت میں اس ذبیحہ کا گوشت تجویز کرنا درست نہیں، کذافي رد المحتار(۳)، والھندیة(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

جانور ذبح کرنے کی اجرت

سوال[۸۰۹٦]: قصاب لوگ کسی وجہ سے خود تو مویشی ذبح نہیں کرتے بلکہ زید سے اجرتِ مقررہ

(۱) (راجع للتخریج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ویجوز الاستیجار علی الذکاة؛ لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلک یقدر علیه". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۵۴، کتاب الإجارة، فصل فی المتفرقات، رشیدیه)

(۳) قال العلامة الحصکفي: "ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع". (الدرالمختار: ٦/۳۲۸، کتاب الأضحیة، سعید)

(۴) "ولو استأجر أن یطحن طعامه بقرص منه أوبدرهم أو قفیز منه، أو یذبح شاته بدرهم و رطل من لحمها، فهو فاسد". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۴۵، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز، الفصل الثالث فی قفیز الطحان، رشیدیه)

دے کر ذبح کراتے ہیں۔آیا زید کو حلال کرنے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ حلال کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور حلال کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی، یہ پیشہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاوی عالمگیری میں صراحۃً مذکور ہے کہ جانور ذبح کرنے کی اجرت شرعاً جائز ہے، اس لئے کوئی فکر نہ کریں(۱) اور یہ بات کہ "ذبح کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی" یہ شرعاً بے اصل ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام محمد الدین عفی عنہ، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت

سوال[۸۰۹۷]: ا.....عموماً یونیورسٹیاں اور مدارس ممتحنین سے سوالات بنواتے ہیں، جن میں ان صاحبوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔اور پھر جوابات امتحان بھی ان حضرات کو دیکھنے پڑتے ہیں جس میں وقت کا کثیر حصہ صرف میں آتا ہے، نیز ان کی روانگی وغیرہ بھی انہی کے ذمہ ہوتی ہے۔تو کیا اس محنت کا معاوضہ ان حضرات کو تبرعاً دیا جاتا ہے اور اس صرف شدہ وقت کی بابت حق الخدمت جو عام طور سے یونیورسٹی کی طرف سے دیا جاتا ہے لینا درست ہے یا نہیں اور یہ شرعی معاملہ کی کون سی نوع میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں دو عمل ہیں: ایک سوالات امتحان بنانا، دوسرا جواباتِ امتحان کو دیکھنا۔اور اول پر

---

(۱) "ويجوز الاستيجار على الذكاة: لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، فصل في المتفرقات، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/ ۵۵۱، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

معاوضہ لینا شرعاً درست ہے، اگر پہلے متعین کرلیا جائے عمل کو بھی اور معاوضہ کو بھی، اس طرح کہ مثلاً اتنے بڑے کاغذ پر اتنی سطروں کا سوال لکھنا ہوگا اور اس کا یہ معاوضہ ہوگا تاکہ جہالتِ عمل مفضی الی النزاع نہ رہے، تو اجر مسمی واجب ہوگا:

"لو استأجر رجلاً ليكتب له غناءً بالفارسية أو بالعربية، يطيب له الأجر. ولو استأجرته امرأةٌ ليكتب لها كتاباً إلى حبيبها، يجب الأجر، ويطيب له، هذا إذا بيّن الشرائط وبين أعداد الخط، وقدره الكل في التجريد. وفي الأصل: استأجر رجلاً ليكتب له مصحفاً أو فقهاً أو لوحاً أوغناء أوهومعلوم جاز، اهـ". خلاصه: ۲/۱۱۶(۱)۔

اگر پہلے معاوضہ متعین نہیں کیا گیا تو اجر مثل ہوگا:

"سئلتُ فيمن كتب لآخر صكاً ولم يقاوله على أجر معين: فهل يجب له أجر مثله؟ فالجواب: نعم، يجب له أجر مثله، ففي تنقيح الفتاوىٰ نصه: وإنما يجب للصكاك أجر مثله بقدر عمله في صنعته كمايستأجر الثقاب والحكاك بأجر كثير على مشقة قليلة، اهـ". فتاویٰ کاملیہ، ص: ۱۸۹(۲)۔

عملِ ثانی کی کوئی نظیر کتبِ فقہ میں نہیں ملی: "إذا أستأجر قارئاً ليقرأ عليه شيئاً، لايجوز، سواء كان شعراً أو فقهاً أو غيره، اهـ". خلاصه: ۲/۱۱۵(۳)۔

لیکن شمس الأئمہ سرخسی نے بطلانِ استیجارِ قاری علی القرأۃ کی جو علت بیان کی ہے اس سے بطورِ مفہومِ مخالف کے جزئیہ مسئولہ کا جواز نکلتا ہے:

---

(۱) (خلاصة الفتاویٰ، الفصل الثاني في صحة الإجارة و فسادها، جنس في المتفرقات: ۱۱۶/۳، كتاب الإجارة، امجد اكیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكرية: ۴۵۰/۴، مطلب: الاستيجار على الأفعال المباحة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۸۹، كتاب الإجارة، مكتبه حقانية پشاور)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ۱۳۳/۲، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) (خلاصة الفتاوى: ۱۱۵/۳، جنس في تعليم القرآن والحِرَف، كتاب الإجارة، امجد اكیڈمی لاهور)

"كذلك الاستيجار على الحداء، وكذلك الاستئجار لقراءة الشعر؛ لأن هذا ليس من إجارة الناس، والمعتبر في الإجارة عرف الناس، ولأن ماهو المقصود إنّما يحصل بمضى فى المستأجر، وهو السماع والتأمل والتفهم، فلا يكون ذلك موجباً للأجر عليه، اهـ". مبسوط: ۳۸/٦(۱)۔

اگر وقت کی تعین کی جائے اور پھر اس وقت کا معاوضہ لیا جاوے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور۔

اگر عمل معلوم ہو خواہ تعین سے خواہ عرفاً ہو، الغرض ایسی جہالت باقی نہ رہے جو مؤدی الی النزاع ہو تو جواز میں تردد نہیں (۳)۔ فقط۔

عبد اللطیف مظاہر العلوم۔

کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/ منٹ میں واپس کر دینا

سوال [۸۰۹۸]: سائیکلیں جو کرایہ پر دی جاتی ہیں اس میں شرط ہوتی ہے کہ کم از کم آدھ گھنٹہ کا پیسہ لیا جائے گا، چاہے پانچ منٹ ہی میں واپس کر دے اور عوام کا اتفاق اس پر ہے۔ لہذا یہ پچیس منٹ کا فاضل کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (المبسوط للسرخسي: ۴۲/۱٦، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) وقال العلامة قاضي أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السغدي: "وإذا وقعت (أى الإجارة) على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار ما مضىٰ من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "فإن وقعت علىٰ عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل ممّا لا يصلح أوّله إلا بآخره. وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

معاملہ آدھ گھنٹے کا کیا ہے، کرایہ دینے والا اپنی ضرورت ۵/ منٹ میں پوری کرکے اپنی خوشی سے سائیکل واپس کرگیا اور کرایہ آدھ گھنٹے کا دے گیا تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۰ھ۔

نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ

سوال[۸۰۹۹]: میں ایک پختہ دکان کا مالک ہوں جس کو میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے جس میں اس نے میڈیکل اسٹور (انگریزی ادویات) کھولا تھا۔ ’’جنجر‘‘ بھی ایک دوا ہے، لیکن چونکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ شراب کی جگہ لوگ استعمال کرتے ہیں اور وہاں کافی مجمع رہتا ہے۔ میں نے دکاندار سے متعدد بار اس سلسلہ میں باز پرس کی اور دکان خالی کرنے کے لئے کہا، لیکن وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اور چونکہ وہ برابر ماہ بماہ کرایہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کو قانونی حیثیت سے بھی خالی نہیں کروایا جاسکتا۔ اگر میں دست بدست کرایہ نہ لوں تو وہ منی آرڈر وغیرہ سے بھیجنا شروع کردے گا۔

میرے لیے عجیب پریشانی اور کلفت ہے۔ یہاں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کرایہ شرعاً جائز نہیں ہے، آپ ہی بتلایئے اس میں میرا کیا قصور ہے، میری نیت تو خیر ہے۔ آپ تحریر فرمائیں آیا اس دکان کا کرایہ حالاتِ بالا کے پیشِ نظر لینا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فيجب الأجر لدار قبضت و لم تسكن، لوجود تمكنه من الانتفاع". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۱، سعيد)

"تلزم الأجرة أيضاً في الإجارة الصحيحة بالاقتدار علىٰ استيفاء المنفعة، مثلاً: لو استاجر احدٌ داراً بإجارة صحيحة، فبعد قبضها يلزمه إعطاء الأجرة وإن لم يسكنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۳، (رقم المادة :۴۷۰)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۳، الباب الثاني من كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی دکان میں پاک اور جائز دوائیں بھی تو ہوں گی، ان کی وجہ سے اس کی کل آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، نہ اس سے حاصل شدہ کرایہ کو ناجائز کہا جائے گا، اس لئے آپ پریشان نہ ہوں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/ ۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/ ۶/ ۸۸ھ۔

بیوی کے لیے شوہر کی ملازمت

سوال[۸۱۰۰]: ہندہ کا ایک کارخانہ ہے جس میں بہت سے ملازم ہیں، شوہر غریب ہے، ہندہ حفاظت کے لئے شوہر کو ملازم رکھنا چاہتی ہے، بلا تنخواہ وہ کام لینا چاہتی ہے، نہ وہ کام کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کو نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر چاہیے تو کیا قلبِ موضوع لازم نہ آئے گا، اگر نہیں تو دلیلِ شرعی وعقلی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو بیوی کی ایسی نوکری جائز نہیں کہ جس سے شوہر کی تذلیل واہانت ہوتی ہو، کیونکہ قلبِ موضوع لازم آتا ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلابأس بذلك وإن شرب فيها الخمر، أو عبدَ فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، إنما آجرها للسكنى، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۳/ ۱۴۹، كتاب الإجارة، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمي لاهور)

(۲) "وإن تزوج حراً على خدمته إياها سنة أو على تعليم القرآن فلها مهر مثلها .... لأن خدمة الزوج الحرّ لايجوز استحقاقها بعقد النكاح لما فيه قلب الموضوع". (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/ ۳۲۷، شركة علمية ملتان)

"والحاصل أن ماهو مال أو منفعة يمكن تسليمها شرعا يجوز التزوج عليها، وما لايجوز =

نیز ایسے کام کی نوکری بھی جائز نہیں کہ وہ کام شوہر کے ذمہ بغیر نوکری ضروری تھا۔ اور صورتِ مسئولہ میں دونوں باتیں نہیں، لہٰذا جائز ہے، کما فی البدائع: ۲/۲۷۱(۱) وقاضی خان: ۳/۳٦(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۵/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱٦/ رجب المرجب/۵۲ھ۔

گیسٹ ہاؤس کی آمدنی

سوال[۸۱۰۱]: ہم بمبئی میں ایک گیسٹ ہاؤس بنانا چاہتے ہیں(۳)، اس گیسٹ ہاؤس میں باہر سے آنے والے بھی کچھ افراد ٹھہرتے ہیں اور اکثر و بیشتر بمبئی ہی کے عیاش لوگ آکر روم بک کرواتے ہیں

=كخدمة الزوج الحر لمناقضة". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۳٤۰، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۱) "ولو استأجرت المرأة زوجها ليخدمها في البيت بأجر مسمى، فهو جائز". (بدائع الصنائع: ٦/١٥، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن استأجرت المرأةُ زوجَها ليخدمها بأجر مسمى، جاز، وللزوج أن يمتنع عن خدمتها بعد الإجارة؛ لأنه يتضرر بذلك .... ولو قالت المرأة لزوجها: اغمزْ رجليّ على أن لك عليّ ألف درهم، فغمز الزوج رِجلها، إلىٰ أن قالت المرأة: لا أريد الزيادة، قالوا: هذه الإجارة باطلةٌ ولا شئ عليها؛ لأن خدمة المرأة حرام على الزوج؛ لأنه قوّام عليه". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يجب الأجر على المستأجر ومالايجب: ۲/۳۱۸، رشيديه)

"وإن استأجرت المرأة زوجها ليخدمها، فهو جائز؛ لأن خدمتها غير مستحقة على الزوج. وقال في كتاب الآثار: له أن يمتنع من الخدمة؛ لأنه يلحقه مذلّة بأن يخدم زوجته، وذلك عذر في فسخ الإجارة .... ولو خدمها، كان له الأجر عليها". (المبسوط للسرخسي: ١٦/٢٢، باب إجارة الرقيق، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٣٥، الباب الحادى عشر في الاستيجار للخدمة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "گیسٹ ہاؤس، مہمان خانہ"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۹۹، فیروز سنز، لاہور)

اور اپنے ساتھ کوئی بھی لڑکی (عورت) لے کر دو یا تین گھنٹہ رہتے ہیں اور کمرہ کا بھاڑا ۱،۲۴/ گھنٹے کا چالیس یا پچاس روپیہ ادا کر دیتے ہیں۔ اور بک کرنے والے یہ کہتے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ زیادہ تر سامان بھی نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں گیسٹ ہاؤس کا بزنس (کاروبار) کرنا جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداًومصلياً:

مسافر خانہ بنانا اور اس میں ٹھہرنے کا کرایہ لینا درست ہے (۱)۔ اس کوشش کے باوجود کہ وہاں برائی نہ ہونے پاوے، پھر بھی اگر آنے والے برائی کریں تو مسافر خانہ والوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا اور کرایہ کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۱/۲۸ھ۔

سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی

سوال [۸۱۰۲]: جن ملازم گورنمنٹ کو حکمِ شرع کا اختیار نہ ہو، مثلاً تحصیلدار نائب تحصیلدار وغیرہ۔ بظاہر یہ ﴿من لم يحكم بما أنزل الله﴾ الآية (۳)۔ کے مصداق ہیں۔ پھر ان کی ملازمت کی جواز

(۱) "(قوله: وجاز إجارة بيت، الخ) هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

(۲) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، ولم يلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجر لذلك، إنما آجرها للسكنى، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب فساد الإجارة، فصل في الأجرة على المعاصي، رشيديه)

"وكذا في كل موضع تعلق المعصية بفعل فاعل مختار، ومن جملة ذلك لو اجر بيته ليتخذ فيه بيعةً أو كنيسةً أو بيت نار، يطيب له". (خلاصة الفتاوى: ۱۴۹/۳، الفصل العاشر في الحظر والإباحة منه، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۹۲/۶، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۳) (سورة المائدة: ۴۵)

کی کیا صورت ہو اور ان کا روپیہ دینی کاموں میں کس طرح پر صرف کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن ملازمتوں میں خلافِ شرع حکم کرنے پر گورنمنٹ کی طرف سے ملازم مجبور ہوتا ہے وہ ملازمتیں اور ان کی آمدنی سب ناجائز ہیں، اگر تحصیلدار کا یہ حال ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے(۱)۔ایسی ملازمت کا روپیہ دینی کاموں میں صَرف کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب مسکین کو دے دیا جائے، وہ ازخود کسی دینی کام میں دے دے(۲)۔بظاہر ہر ملازمت کا یہ حال نہیں، تحقیق کرلیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتی بنانے کا پیشہ

سوال[۸۱۰۴]: جوتی بنانے کا کام کو شریعت منع تو نہیں کرتی، اگر کرتی ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت اس کو منع نہیں کرتی ہے(۳)، البتہ معاملات میں صفائی اور پاکی کا اہتمام

---

(۱) "لايجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر. وإن أعطاه الأجر وقبضه، لايحل له، ويجب عليه رده على صاحبه".

(مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۱۱۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإجارة الفاسدة: ۳۴/۸، رشيديه)

(۲) "والحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر: ۴۷۴/۲، رشيديه)

(۳) جوتا بنانے کا پیشہ استصناع میں داخل ہے، اور صناعت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، بلکہ افضل پیشوں میں اس کا شمار کیا ہے:

"أفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم الصناعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء".

(الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۶/۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ٹھیکیداری کا پیشہ

سوال[۸۱۰۴]: زید ٹھیکیدار ہے، اور ضمنیہ ٹھیکہ میں کام کرتا ہے اور منجانب حکومت ٹھیکیدار کی کوئی تنخواہ متعین نہیں ہے، اس لئے وہ کام انجام دے کر اس سے کچھ روپیہ بچا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ تو کیا زید کا اس سے روپیہ بچا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ٹھیکہ نہیں لے گا تو حکومت دوسرے کو دے دے گی اور دوسرا ٹھیکیدار زید کی طرح کام بھی نہیں کرتا، بلکہ اس سے زیادہ مال ہڑپ کر لیتا ہے۔ تو کیا زید ٹھیکیداری چھوڑ دے، یا اگر زید ایسا کرے کہ جو مال بچاتا ہے وہ غریب مسلمانوں میں تقسیم کردے تاکہ مسلمانوں کی مالی حالت سدھر جائے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حکومت نے جس کام کا ٹھیکہ دیا اور زید نے اس کو منظور کر لیا کہ اتنے روپے لوں گا اور کام کردوں گا تو یہ درست ہے، پھر روپیہ اس میں برابر خرچ ہو یا کم زیادہ خرچ ہو سب درست ہے، جیسے ایک شخص کتابوں کی جلد بندی کرتا ہے اور روپیہ طے کر لیتا ہے، اس میں سامان زیادہ روپیہ کا لگے یا کم کا سب طرح درست ہے(۲)۔ کوئی

---

(۱) "المراد من قولهم: "كل أنواع الكسب في الإباحة سواء" أنهما بعد أن لم تكن بطريق محظور لايذمّ بعضها وإن كابعضها أفضل من بعض". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(۲) "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا باتمام العمل إذا كان العمل ممالايصلح أو له إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف في الفتاویٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"استأجره ليبني له حائطاً بالآجرّ والجص وعُلم طوله وعرضه، جاز .... ولو استأجره لحفر البئر إن لم يبيّن الطول والعرض والعمق، جاز استحساناً، ويؤخذ بوسط مايعمله الناس، كذا في الوجيز للكردري". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الرابع: ۴۵۱/۴، رشيديه)=

مکان تعمیر کرانا ہو یا سڑک بنوانا ہو سب کا یہی حال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۱۴۰۱ھ۔

ملازمت کے وقت میں دوسرا کام

سوال[۸۱۰۵]: ملازم پیشہ جس نے اپنا پورا وقت ماہانہ ملنے والی تنخواہ کے عوض لگا رکھا ہے۔ اگر وہ بوقتِ فرصت یا ڈیوٹی خالی ہونے کے وقت کچھ کام کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کام کی ہے کہ اتنا کام کرنا ہوگا تب تو خالی وقت میں اپنا کام کرنا درست ہے۔ اگر ملازمت وقت کی ہے تو درست نہیں، اِلا یہ کہ اجازت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہے یا اجیرِ مشترک؟

سوال[۸۱۰۶]: تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہوتا ہے یا اجیرِ مشترک؟ اور انتفاع کے لئے مدرسہ نے جو چیزیں اس کے حوالہ کی ہیں، مثلاً پنکھا وغیرہ ان چیزوں کا وہ مدرس امین ہوتا ہے، یا شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، البحث الخامس في الاستصناع والاستجارة على العمل: ۵/۷۴، رشيديه)

(۱) قال العلامة القاضي أبو الحسن علي بن حسين بن محمد السغدي: "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل .... وان وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل، ص: ۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ۴/۴۱۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۹، ۷۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مدرس کے لئے اوقات متعین کردیئے گئے تو ان اوقات میں وہ اجیر خاص ہے، ان اوقات میں اس کو دوسرا کام اجارہ پر کرنا جائز نہیں (۱)، بغیر اجارہ کے معمولی مختصر سا کام جس پر عرفاً چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ اس سے مدرسہ کے کام میں کوئی معتد بہ حرج نہ ہو، یا وہ ضروریات میں سے ہو، اس کی اجازت ہے، جیسے مثلاً: کوئی معمولی خط لکھ دیا، یا پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آ گئی (۲)۔

---

(۱) "الثاني: وهو الأجير الخاص، ويسمى أجير وحد، و هو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص .... كمن استؤجر شهراً للخدمة، أو شهراً لرعي الغنم المسمى بأجر مسمى .... وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدرالمختار: ۶۹/۶، ۷۰، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، سعيد)

قال الشيخ سليم رستم باز: "الأجير على قسمين: الأول الأجير الخاص، وهو الذى استؤجر على أن يعمل للمستأجر فقط، كالخادم مشاهرةً، عملاً، مؤقتاً بمدة معلومة، ليخرج نحو الخياط إذا عمل لواحد و لم يذكر مدةً، ومخصوصاً ليخرج نحوالراعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۳۶/۱، الباب الأول، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۲۲)، الباب الأول في الضوابط العمومية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۲۹۶/۳، كتاب الإجارة، بابٌ: متى الأجير يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وإن لم يخرج من المصر فإن اشتغل بكتابة علم شرعي، فهو عفوٌ .... و فيه أيضاً: إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعاً أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة، لا بأس به، و مثله عفوٌ في العادة والشرع". (ردالمحتار: ۴۱۸/۴، ۴۱۹، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، كتاب الوقف، سعيد)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وليس للخاص أن يعمل لغيره". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "بل ولا أن يصلي النافلة .... وقد قال بعض مشايخنا: له أن يؤدى السنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدى نفلاً، وعليه الفتوى. قال أبو علي الدقاق: لا يمنع في المصر من إتيان الجمعة، ويسقط من الأجر بقدر اشتغاله إن كان بعيداً، وإن قريباً لم، يحط شئ". (ردالمحتار: ۷۰/۶، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة، كتاب الإجارة، سعيد)

جو چیزیں اوقاتِ درس میں استعمال کرنے کے لئے دی جائیں، مثلاً: بچھانے کے لئے دری دی، یا گدا، یا پنکھا، یا قلم وغیرہ، مدرس کو مدرسہ کے کام میں ان چیزوں کے استعمال کا حق ہوتا ہے، مگر امانت ودیانت کے ساتھ احتیاط سے استعمال کرے کہ خراب یا ضائع نہ ہوجائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۹ھ۔

روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا

سوال[۸۱۰۷]: زید نے ایک امدادی مدرسہ میں تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے مبلغ چھ روپیہ ماہانہ طے پاکر تعلیم کا کام شروع کیا اور تقریباً تین سال تک برابر اپنے فرضِ منصبی کو انجام دیتا رہا۔ اس درمیان میں تنخواہ بھی وصول ہوتی رہی، روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کئی کئی ماہ کی تنخواہ ایک دم ضرور ملی، لیکن حساب صاف ہوتا رہا، زید بھی اپنے کام میں مشغول رہا۔

اس تین سال کی زندگی کے بعد ایک شخص کہتا ہے میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں، یا نہ دیں۔ زید نے اس ایک شخص کے کہنے پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور یہ خیال کیا کہ یہ وصولیابی کی پریشانیوں کی وجہ سے کہتا ہے، زید کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ معاملہ ختم ہی ہوجائے گا، بہر حال تمام گاؤں والے ذمہ دار تھے تو ایک شخص کا کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور رہی تنخواہ سو ایسی ہی تاخیر ہوتی رہتی تھی۔

غرض کہ ایک سال یوں ہی گزر گیا، تنخواہ کا مطالبہ کیا تو مہتمم صاحب مدرسہ فرماتے ہیں کہ روپے ہی نہیں، کہاں سے دیا جائے۔ یہ واقعہ ہے اس مجبوری پر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اب مدرسہ ہذا میں کافی روپیہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفيّ: "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

"إن أراد إنسان أن يدرّس الكتاب بسراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلاة، قيل: لابأس به، وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم، وذهبوا إلى بيوتهم، وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲/۴۵۹، الباب الحادي عشر، الفصل الأول، رشيديه)

موجود ہے۔ اگر زید اپنی اس ایک سال ماضیہ کی تنخواہ کا مطالبہ کرے، کیا وہ حق بجانب ہے؟ درصورت اس بات گاؤں والے مدرسہ کے لالچ کی وجہ سے اگر انکار کریں تو عند الشرع وہ کس درجہ کے مجرم ہیں اور کس سزا کے مستحق ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ زید نے تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے ملازمت اختیار کی ہے تو صرف ایک غیر ذمہ دار شخص کے اس کہنے کی وجہ سے کہ "میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں یا نہ دیں" ملازمت ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ شخص ذمہ دار تھا اور تمام گاؤں والوں نے جن سے ملازمت کا معاملہ طے ہوا تھا اس کو اپنے نائب یا وکیل یا مختارِ کل بنا دیا تھا تو ملازمت کا معاملہ ختم ہو چکا تھا (۱)۔ اس آخر صورت میں مطالبہ بے ضابطہ ہے اور پہلی صورت میں اگر مہتمم صاحب سے علیحدگی کے وقت ایک سال کی تنخواہ کا مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار پایا ہے تب تو مطالبہ کا حق حاصل ہے (۲)۔ اگر مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار نہیں پایا، بلکہ زید ابراء کر چکا تھا تو اب مطالبہ کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "و تفسخ بالقضاء والرضاء. ظاهره أنه شرط في خيار الشرط والرؤية والعيب والعذر؛ لأنه ربطه بالكل". (ردالمحتار: ۶/۷۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

"إذا تحقق العذر، ومست الحاجة إلى النقض، هل يتفرد صاحب العذر بالنقض أو يحتاج إلى القضاء أو الرضاء، اختلفت الروايات فيه: والصحيح أن العذر إذا كان ظاهراً، يتفرد، وإن كان مشتبهاً لا يتفرد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۸، الباب التاسع عشر في فسخ الإجارة، رشيديه)

(۲) "فصل في القرض: هو عقد مخصوص: أي بلفظ القرض ونحوه، يَرِد على دفع مال لآخر، ليردّ مثله". (الدرالمختار: ۵/۱۶۱، فصل في القرض، كتاب البيوع، سعيد)

(۳) "إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلك الحق، ولا يبقى له أن يدعي به. هذا إذا كان الحق مما يسقط بالإسقاط، كالدين وحق المرور وحق الشفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۸۴۸، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بأحكام الإبراء، مكتبه حنفيه كوئٹه)

غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے

سوال[۸۱۰۸]: ملازمِ وقف دودن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورتِ مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیلِ رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی، زائد کی وضع ہوگی (۱)۔ غرض حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا

سوال[۸۱۰۹]: زید نے اکتوبر میں کسی مدرسہ میں مدرّسی اختیار کی درمیانِ ماہ میں، تو اس کو

---

(۱) "أما لو شرط شرطاً، تبع كحضور الدرس أياماً معلومةً في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر، خصوصاً إذا قال: من غاب عن الدرس، قطع معلومه، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۱۹، كتاب الوقف، مطلب: فيما إذا قبض المعلوم و غاب قبل تمام السنة، سعيد)

"ولكن تقديم المدرس إنما يكون بشرط ملازمته للمدرسة للتدريس الأيام المشروطة في كل جمعة، ولذا قال: للمدرسة؛ لأن مدرسها إذا غاب، تعطلت .... و حاصله أنه ينظر إلى ما شرطه الواقف له، وعليه من العمل، و يقسم المشروط على عمله". (البحر الرائق: ۵/۳۵۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص:۳۳۸، نوع: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۹، مطلب في وجوب اتباع شرط الواقف، كتاب الوقف، مكتبه حقانيه پشاور)

کتنے دن کی، کتنے وقت کی کفایت ملے گی جب کہ مہینہ ۳۱/ کا ہے؟ دارآنحالیکہ ۱۲/ سے اس نے درس دینا شروع کیا ہے، اکتیسواں ماہ کا بیس دن بنا ہے جب کہ ۲۹/ اور ۳۱/ دونوں کے ماہ سے پورے ماہ کی تنخواہ ۳۰/ دن کی ہوتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جومہینہ جتنے دن کا ہوتا ہے اتنے ہی دن کی تنخواہ کا حق ہوگا، اس میں کچھ الجھاؤ کی بات نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۶ھ۔

حَکَم کے لئے حقِ محنت اور فریقین کے یہاں کھانا

سوال[۸۱۱۰]: زیداور عمر دونوں میں تزاع ہوا، بکر کو دونوں نے فیصل مان لیا، بکر نے کہا کہ میری ایک شرط ہے، اگر تم دونوں راضی ہوتو فیصلہ کرنے پر تمہیں اس نزاع میں مجھ کو دس روپیہ دینا ہوگا۔ دونوں راضی ہوگئے، لیکن شرط میں کھانے پینے کی کوئی بات نہ تھی، مگر بکر نے دونوں کے گھر میں کھایا، یا ایک کے گھر میں کھایا تو بکر کے لئے یہ سب جائز ہے یانہیں؟

---

(۱) "وأول المدة ما سمي إن سمي، وإلا فوقت العقد، فإن كان العقد حين يهل: أي يبصر الهلال، اعتُبر الأهلة، وإلا فالأيام، كل شهرٍ ثلاثون. وقالا: يتمّ الأول بالأيام: والباقي بالأهلة". (الدرالمختار: ۶/ ۵۱، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وإذا عقدت الإجارة في أول الشهر على شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً، وفي هذه الصورة: يلزم دفع أجرة شهر كامل وإن كان الشهر ناقصاً عن ثلاثين يوماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۷۲، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، (رقم المادة: ۴۸۸)، الباب الرابع في المسائل التي يتعلق بمدة الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۵، الباب الثاني في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ بطورِ خدمت ومحنت لینا درست ہے(۱)، کھانا ایک فریق کے یہاں ٹھیک نہیں، اس میں رشوت کا شائبہ ہے(۲)، اگر دونوں فریق کا کھانا کھایا تو درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۶ھ۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا

سوال[۸۱۱۱]: ایک شخص کو قبرستان میں ملازم رکھا ہے حفاظت کے لئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "يستحق القاضي الأجر". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قيل: على المدعي؛ إذ به إحياء حقه .... وقيل: على المدعى عليه .... وقيل: على مَن استأجر الكاتب". (ردالمحتار: ۹۲/۶، مسائل شتى، كتاب الإجارة، سعيد)

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة: ۲۶۲/۱، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئته)

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل، إذا كان العمل ممالا يصلح أوّله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوىٰ، ص:۳۳۸، مطلب: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويرد هدية إلا من قريبه، أو ممن جرت عادته بذلك، ويرد إجابة دعوة خاصةً، وهي التي لا يتخذها صاحبها لو لاحضور القاضي .... فلو عامةً، له حضورها لو لا خصومة لصاحبها". (الدرالمختار). "منه قوله: (ويرد هدية) قال عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالىٰ: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هديةً، واليوم رشوة، ذكره البخاري". (ردالمحتار: ۳۷۲/۵، ۳۷۳، مطلب في هدية القاضي، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الفصل الثاني: ۱۴۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۰/۳، كتاب القضاء، رشيديه)

شیعہ ہے، مگر معاملات بہت صاف ہیں، حفاظت خوب کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں تو اس کو ملازم رکھنا درست ہے (۱)، اگر کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے، یا احتمال ہے کہ سنیوں کی قبروں کا احترام نہیں کرے گا، بلکہ بے حرمتی کرے گا تو اس کو ملازم رکھنا درست نہیں (۲)۔ تاہم اس سے بہتر اچھے عقائد کا آدمی اگر مل جائے تو اس کو رکھنا زیادہ اچھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/شوال المکرم/۵۹ھ۔

حکومت سے اپنا حقِ تنخواہ وصول کرلینا

سوال [۸۱۱۲]: ناچیز نے بصیغۂ بیماری رخصت پندرہ یوم نصف تنخواہ پر لی تھی اور اخبار میں گزٹ

---

(۱) "لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملةٌ إذا كان مما لا بد منه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، الباب الرابع عشر في أهل الذمة وأحكامهم، كتاب الكراهية، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يآيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونكم﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۶)

قال أبوبكر الجصاص رحمه الله: "فنهى الله تعالیٰ المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانةً من دون المؤمنين، وأن يستعينوا بهم في خواص أمورهم. وأخبرعن ضمائر هؤلاء الكفار للمؤمنين، فقال: ﴿لا يألونكم خبالاً﴾ يعني لا يقصرون فيما يجدون السبيل إليه من إفساد أموركم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحكام القرآن، باب الاستعانة بأهل الذمة، (سورة آل عمران: ۱۱۶): ۵۴/۲، قديمی)

"وكذلك كتب عمر رضي الله تعالیٰ عنه إلى أبي موسى رضي الله تعالیٰ عنه ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرك في كتابته، و تلا قوله تعالیٰ: ﴿لا تتخذوا بطانةً من دونكم، لا يألونكم خبالاً﴾.

(أحكام القرآن للجصاص: ۱۴۶/۳، في تمييز الطبقات، قديمی)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۹۶/۹، كتاب الجهاد، فصل في بيان مايجب على الغزاة، دار الكتب العلمية بيروت)

بھی ہو گیا کہ بصیغۂ بیماری رخصت نصف تنخواہ پر منظور ہوگی، مگر وصولی تنخواہ پر محکمہ سے پوری ملی، نصف تنخواہ وضع نہیں کی گئی جو بذمۂ بندہ واجب الاداء ہے، جس کو عرصہ دوسال کا گذر چکا ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو لگان یعنی ٹھیکہ نقد مالیہ زمین کا سرکار ہم سے ششماہی وصول کرتی ہے غالباً وہ شرعاً ظلم ہے تو اگر یہ نصف تنخواہ اس ٹھیکہ میں محسوب کر کے رکھ لی جائے اور داخلِ خزانہ نہ کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اسکول کے دیگر اساتذہ کی تنخواہ کمیٹی سے وصول ہوتی ہے اور میری تنخواہ خزانہ صدر مقام یعنی دارالخلافہ سے وصول ہو کر آتی ہے۔ اس کے متعلق پوری پوری تشفی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنا حق وصول کرنا شرعاً درست ہے، جس طرح سے لیا گیا ہے اسی طرح سے وصول کر لے، یا دوسرے طریقہ سے (۱)، لیکن ریاستِ اسلامیہ کی زمین کا حال ہمیں معلوم نہیں، انگریزی حکومت کی زمین پر اس کو قیاس کرنا درست نہیں، لہٰذا وہاں کے لگان کے متعلق ظلم یا غیر ظلم کا حکم نہیں لگا سکتے۔

تنخواہ کا معاملہ صاف ہے کہ تراضی طرفین سے قرار پایا ہے (۲) اور لگان کا معاملہ تحقیق طلب ہے، لہٰذا مشکوک ہے، پس حق مشکوک کے عوض حق یقینی کو ساقط کرنا خلافِ احتیاط ہے، لہٰذا حق واجب الاداء کو ادا کرنا یقینی براءت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس على ما نذكره قريباً".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۹۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وأما مايرجع إلى العاقد: فرضا المتعاقدين، لقوله عزوجل: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ والإجارة تجارة؛ لأن التجارة تبادل المال بالمال؛ والإجارة كذلك؛ ولهذا يملكها المأذون وأنه لايملك ماليس بتجارة، فثبت أن الإجارة تجارة، فدخلت تحت النص". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵/۵۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "اليقين لايزول بالشك". .... =

باغ کوکرایہ پر دینا

سوال[۸۱۱۴]: اگر کوئی شخص ایسے باغ کو کہ جس کے اندراس کی زمین کو کاشت کیا جاسکتا ہے اس زمین کو پھل کے آنے سے پہلے دس بیگہ زمین کو سوروپیہ فی بیگہ کے حساب سے ایک سال کو دے سکتا ہے یانہیں؟ اور ایک ایسے باغ کو جس کے اندر کاشت نہیں ہوسکتی اور اس باغ کو پھل آنے سے پہلے قاعدہ مذکورہ کے مطابق دے سکتا ہے یانہیں؟ کیا دونوں کو پھل آنے سے پہلے دے سکتا ہے یانہیں؟ ایک ایک باغ کو دے سکتا ہے یا کون سے کو دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زمین کو مقررہ کرایہ پر لینا دینا مدت مقررہ ایک سال کے لئے شرعاً درست ہے خواہ وہ کاشت کے قابل ہو یا نہ ہو(۱)۔ باغ (درختوں) کو کرایہ پر لینا دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۰ھ۔

= "ومن فروع ذلک مالو كان لزيد على عمرو ألف مثلاً فبرهن عمرو على الأداء أو الإبراء، فبرهن زيد على أن له عليه ألفاً لم تقبل. في فتح القدير: علمنا لزيد على عمرو ألفاً فاقام عمرو بينته بالأداء أو الإبراء، فأقام زيد بينته أن عمروا أقر له بألف مطلقا، لم يثبت بهذه البينة شيء، لاحتمال أن الألف الذى أقربه هو الألف الذى علمنا وجوبه وقامت البينة بإبرائه، فلا تشتغل ذمته بالاحتمال". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى، (القاعدة الثالثة، اليقين لايزول بالشک): ۱/۱۹۳–۱۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(و) تصح إجارة أرض (للبناء والغرس)، وسائر الانتفاعات كطبخ. آجر وخزف، ومقيلا، ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم، أمكن زراعتها أم لا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافا فيها: ۶/۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۸/۱۸، رشيديه)

(۲) "ومن استأجر أرضاً فيما زرع ورطبة أو شجر وقصب أو كرم أو مايمنع من الزراعة، فالإجارة فاسدة". (المبسوط للسرخسى، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۰، مكتبه حبيبيه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لاتجوز إجارة =

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۴]: ۱......مکان کی پگڑی لینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ بمبئی جیسے شہر میں مکان ملنا جوئے شیر(۱) لانے کے مترادف ہے؟

۲......مکان مالک، کرایہ دار کے تبدیل ہوتے وقت ایک کرایہ دار کے نام سے دوسرے کرایہ دار کے نام پر کرایہ کا بل تبدیل کرنے کا معاوضہ طلب کرتے ہیں، ساتھ ہی کرایہ میں کچھ مخصوص تناسب کے لحاظ سے بڑھادیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......مالکِ مکان اگر کرایہ پر دیتے وقت کہے کہ اتنی رقم یکمشت پیشگی لوں گا اور پھر اتنی ماہانہ لوں گا اور پھر اتنی سالانہ لونگا تو اس کی گنجائش ہے(۲)، لیکن کرایہ دار مکان کے خالی کرنے کے لئے، یا دوسرے کرایہ دار کو اپنی طرف سے دینے کے لئے پگڑی لے تو اس کی اجازت نہیں(۳)۔

= الشجر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة ومعناها: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) ''جوئے شیر: وہ نہر جو فرہاد (کوہکن) نے اپنی محبوبہ شیریں کے لئے پہاڑ میں کھودی تھی، اس کے ذریعے بکریوں کا دودھ شیرین کے محل کے ایک حوض میں پہنچتا تھا''۔ (فيروز اللغات، ص: ۴۸۶، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "يُعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، الفصل الثاني من كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، دارالكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلالٌ للدافع، حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

۲......مالکِ مکان کو اس کا بھی حق ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۶ھ۔

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۵]: جو پگڑی پر دکانیں دی جاتی ہیں، یا لی جاتی ہیں، کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو صورتِ جواز کیا ہوسکتی ہے اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے ناجائز ہے؟ نیز ایک آدمی کے قبضہ میں دکان عرصہ طویل سے تھی، اب وہ شخص بیمار ہوکر تقریباً چار پانچ سال سے گھر پڑا ہوا ہے اور دکان بند پڑی ہے، اور وہ شخص اس دکان کا کرایہ ادا کرنا مفت کا سمجھتا ہے، چونکہ وہ بیمار پڑا ہے گھر پر۔ تو کیا وہ شخص اس دکان کو پگڑی پر دے کر کرایہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور پگڑی کا یہ طریقہ کثرت سے رائج ہے عوام میں، کسی کی تو پانچ سو ہوتی ہے اور کسی کی چار سو اور کسی کی چار ہزار ہوتی ہے، کسی کی پانچ ہزار، گو موقع محل کے اعتبار سے ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مالکِ دکان اپنی دوکان کسی کو کرایہ پر اس طرح دے کہ مثلاً کہ یہ دکان ایک سال کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں، بیس روپیہ ماہوار کرایہ ہوگا اور چار سو روپیہ پگڑی کے، اور ایک ماہ کا کرایہ پیشگی لوں گا تو یہ صورت درست ہے(۱)۔ اور یہ کہا جائے کہ عموماً سال میں سے پہلے مہینہ کا کرایہ چار سو بیس روپیہ ہیں جو پیشگی ہے، باقی گیارہ مہینہ کا کرایہ بیس روپے ماہانہ ہے، کرایہ دار کے لئے اس چیز کی اجازت نہیں کہ جتنے کرایہ پر خود دوکان لی ہے اس

(۱) "يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۲۶۵/۱، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستاجر تسليمها". (شرح المجلة: ۲۶۱/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا كان الأجرة موقتةً بوقتٍ معينٍ كالشهرية أو السنوية، يلزم إيفاؤها عند انقضاء ذلك الوقت، فلو كانت مشاهرةً فتؤدى عند نهاية الشهر. وإن كانت مسانهةً ففي ختام السنة". (شرح المجلة: ۲۶۵/۱، (رقم المادة: ۴۷۶)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۳/۴، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه)

سے زائد کرایہ پر کسی کو دے اور پگڑی لے، یا مالک اگر خالی کرائے تو اس سے پگڑی لے۔

البتہ اگر کرایہ دار نے دوکان کی حیثیت کو بڑھادیا مثلاً اس میں الماریاں لگوادیں، یا اور کوئی ایسا تصرف کیا جس سے دوکان کی شان بلند ہوگئی تو اس کے موافق پگڑی کا نام یا اضافۂ کرایہ کے نام سے لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۹۰ھ۔

مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی

سوال[۸۱۱۲]: آج کل مالک مکان یا دوکان کرایہ پر جائیداد دیتے وقت ۲۵، ۳۰/ ہزار پگڑی بھی لیتے ہیں اور بعدہ طے شدہ کرایہ ماہ بماہ یا سال بسال ادا کرتے ہیں تو یہ پیشگی رقم تو خالی عن العوض ہے۔ یہ پگڑی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجرت کی دو قسمیں قرار دے لی جائیں: ایک معجّل جس کی یکمشت مقدار متعین ہو، دوسری قسط وار ہر ماہ یا ہر سال ہے۔ اول کو عرف میں پگڑی کہتے ہیں، ثانی کو کرایہ داری کہتے ہیں۔ اس طرح اگر مالک مکان یا دوکان کسی کو کرایہ پر دے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسئلتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً بأن جصّصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (الدر المختار: ۲۹/۶، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۴۲۵/۴، الباب السابع في إجارة المستأجر، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱۴۵/۳، كتاب الإجارة، الجنس الثاني، رشيديه)

(۲) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۵/۱، الفصل الثاني من كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا كان الأجرة مؤقتة بوقت معين كالشهرية أو السنويّة، يلزم إيفاء ها عند انقضاء ذلك =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الوقت فلو كانت مشاهرة فتؤدى عند نهاية الشهر، وإن كانت مسانهة ففي ختام السنة".

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۵، كتاب الإجارة، الفصل الثاني، (رقم القاعدة: ۴۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۹، رشيديه)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت

سوال[۸۱۱۷]: کاشتکاروں کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ کھیتی کٹانے کے وقت مزدوروں سے یہ کہہ کر کھیتی کٹاتے ہیں: ''اس کو گاہنے کے بعد اسی سے تمہاری مزدوری دی جائے گی''۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے، اگر یہ شرط نہ کی جائے کہ اسی غلہ سے تمہاری مزدوری دی جائے گی، بلکہ کچھ مقدار غلہ کی طے کرلی جائے تو جائز ہے اگرچہ بعد میں اسی غلہ سے مزدوری دے دی جائے:

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من اخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو استأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أوما أشبه ذلك، فذالك فاسدٌ. والحيلة فى ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة". عالمگیری: ۱۱۳/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۴/۴، الفصل الثالث فى قفيز الطحان و ما فى معناه من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۳۹/۳، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

کھیت کٹائی کی مجہول اجرت

سوال[۸۱۱۸]: اس وقت فصل گندم کٹ رہی ہے اور اس میں جو کاٹنے والے جاتے ہیں اور ان کو شام کو محنت جو ''لائی'' بولی جاتی ہے، مالک دیتا ہے(۱) جس کا کوئی کسی قسم کا تول نہیں ہوتا، وہ جائز ہے یا ناجائز اور لائی کاٹنی جائز ہے یا ناجائز اور اس کا کھانا کس طرح درست ہو سکتا ہے اور کس پر کاٹنا درست ہے؟ اگر کوئی صورت ہو، ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھیتی کاٹنے کی مزدوری جائز ہے اگر اجرت متعین ہے۔ اور اگر کسی نے اجرت متعین نہیں کی اور محنت دیتے وقت جھگڑا ہوا، مزدور نے کہا کہ یہ کم ہیں، مالک نے کہا کہ کم نہیں بلکہ زائد ہیں تو یہ اجارہ فاسدہ ہے:

"تفسد الإجارة بجهالة المسمى و بعدم التسميه". درمختار: ۱۷۷/۲(۲)۔

اسی طرح اگر اجرت کے متعلق شرط کر لی ہے کہ جو گندم کاٹے گا اسی میں سے اجرت دی جائے گی، یہ بھی اجارہ فاسدہ ہے، لأنه عليه الصلوة والسلام "نهى عن قفيز الطحان"(۳)۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت اور عمل دونوں کو متعین کر لیا جائے اور مزدوری کے متعلق شرط نہ کی جائے کہ اسی اناج سے ہوگی جس کو کاٹے گا:

"الحيلة أن يفرز الأجر أولاً، أويسمى قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطه قفيزاً منه، فيجوز". درمختار: ۱۷۷/۲(٤)۔

---

(۱) ''لائی: فصل کا کاٹنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) (الدر المختار: ۴۸/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "والأصل في ذلك نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: عن قفيز الطحان، اهـ". (الدر المختار: ۵۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) (الدر المختار، المصدر السابق)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵/۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۴/۵، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

اس طرح جو اناج مزدوری میں ملے گا اس کا کھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، عفی عنہ۔

بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف، ۶/محرم الحرام/۵۱ھ۔

کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا

سوال[۸۱۱۹]: اگر کاشتکار کھیت کاٹنے کے لئے مزدوروں کو مقرر کرلیتا ہے اس بات پر کہ تم لوگ میرے دھان کاٹ کر میرے گھر میں لاکر گاہنے کے بعد جتنا دھان ہوگا ساتواں حصہ یا دسواں حصہ تم لوگوں کا ہوگا اور باقی مالک کا۔ اور اس طرح کاشتکار اپنے کھیت سے مع مونگ کی دال اور مسور کی دال پر ساتواں یا دسواں حصہ مقرر کرتے ہیں اور اسی حصہ مقررہ پر توڑتے ہیں۔ تو ان صورتوں میں کھیتوں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ناجائز ہے، لأنه في معنى قفيز الطحان و قدورد النهي عنه(۱)۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں قیمت مقرر کی جاوے، یا فی من کے حساب سے مقرر کی جاوے، مثلاً: ایک من پر ایک سیر یا دو سیر دیں گے اور یہ شرط نہ ہو کہ جو تم کاٹو گے اس میں سے دینگے خواہ ایک روز قبل کی کاٹی ہوئی رکھی ہوئی میں سے دیں یا بازار سے لے کر، غرض شرط مذکورہ نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قفيز الطحان .... والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمي قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدر المختار: ۵۶/۲، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵/۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث في الدواب منه، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

کھیت کی کٹائی کی اجرت

سوال[۸۱۲۰]: اگہن ماہ(۱) میں جونوکر دھان کٹوانے کے لئے رکھا جاتا ہے اس کی اجرت بھی اس کے کٹے ہوئے دھان سے ادا کی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اگر نا جائز ہے تو حیلہ کے ساتھ جائز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح معاملہ طے کیا جاتا ہے کہ اپنے دھان کاٹنے پر مجھ کو تیرے آج کاٹے ہوئے دھان میں سے اس قدر دیں گے تو اجارہ فاسدہ ہے۔ اگر اجرت میں مطلقاً دھان دینے کو کہا جاتا ہے اور یہ قید نہیں ہوتی کہ جو تو کاٹے گا، انہی میں سے دیں گے، یا مثلاً جو دھان کل یا پرسوں یا پہلے کے اس کے کاٹے ہوئے ہیں، اس کاٹے ہوئے میں سے قرار پاتا ہے تو یہ جائز ہے:

"وفسد استيجار حائك ينسج له غزلاً بنصفه: أي بنصف الغزل أو ثلثه، أو استيجار حمار ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثور ليطحن له بُراً من دقيقه، أمافساد الأولى والثانيه. فلأنه جعل الأجر بعد ما يخرج من عمله، فصار في معنى قفيزالطحان، و قد نهى عنه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. والمعنى فيه أن المستأجر عاجزٌ من تسليم الأجر؛ لأنه بعض ما يخرج من عمل الأجير، والقدرة على التسليم شرطٌ لصحة العقد، وهو لا يقدر بنفسه، وإنما يقدر بغيره، فلا يُعدّ قادراً، ففسد، حتى لو أطلق ولم يُضفه، أو أفرزه له أولاً، جاز بالإجماع، وهو الحيلة، اهـ". مجمع الأنهر درمنتقى: ۲/۳۸۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "اگہن: ہندی سال کا نواں مہینہ مگھر"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۱، فیروز سنز لاہور)

"اگہن اکتوبر"۔ (نور اللغات: ۲/۱۰۸۴، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر مع الدر المنتقى: ۲/۳۸۷، باب الإجارة الفاسدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)=

آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا

سوال[۸۱۲۱]: ہمارے یہاں آٹا پسائی کا یہ دستور ہے کہ ایک من اناج پر ایک کلو چنگی کاٹتے ہیں اور ۸۰/ پیسہ اجرت کے ہیں۔کیا یہ چنگی گاہک کی رضامندی سے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹا پینے کی اجرت میں یہ آٹا لینا درست نہیں، اگر اتنی مقدار غلہ گاہک کی رضامندی سے کاٹ لیا جائے تو درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۵/۱۲ھ۔

سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے

سوال[۸۱۲۲]: ہمارے اطراف میں سرسوں اس طرح لیتے ہیں کہ تیلی کو سرسوں دے کر اور تیل نکلوا کر سرسوں کا چوتھائی تیل اس سے لے لیا جاتا ہے اگرچہ زائد نکلے اور تیل کی مزدوری سرسوں کی کھلی ہوتی ہے(۲)، یا تیلی اپنے پاس سے تیل لاتا ہے اور اس کو اتنی ہی سرسوں دیدی جاتی ہے۔اب دریافت یہ ہے کہ ان

= (وكذا في الدر المختار: ۵۶/۲، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۴/۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۱) "صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها، يجب في الذمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۴/۵، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، ۱۲۹، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) "کھلی: تل یا سرسوں کا پھوک، کھل"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۰۲۲، فيروز سنز لاهور)

صورتوں میں کوئی صورت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی صورت میں اجارہ فاسدہ ہے، اولاً اس لئے جوشی فی الحال موجود نہیں، بلکہ اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اور اس کو اجیر کے لئے اجرت مقرر کرنا جائز نہیں:

"ولو دفع غزلاً لآخر، لينسجه له بنصفه: أى بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت فى الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، والأصل فى ذلك نهيه عليه الصلوة والسلام عن قفيز الطحان". درمختار: ۲/ ۱۷۹ (۱)۔

یہاں پر کھلی کو اجرت مقرر کیا گیا جو کہ تیلی کے عمل سے حاصل ہوگی۔

ثانیاً اس لئے کہ اجرت یعنی کھلی کی مقدار مجہول ہے: "وتفسد الإجارة بجهالة المسمى وبعدم التسمية". تنویر مع الدر: ۲/ ۱۷۷ (۲)۔

دوسری صورت میں اگر اس کی تیل کی مقدار جو تیلی دیتا ہے اس تیل سے زائد ہے جو سرسوں میں ہے، تب تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ جتنا تیل زائد ہے وہ کھلی کے مقابلہ میں ہے اور باقی تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جاویگا، ورنہ جائز نہیں:

"ويجوز البيع فى صرة بالإجماع أن يعلم أن الزيت المنفصل أكثر، ليكون الفضل بالتفل، وكذا بيع الجوز بدهنه، واللبن بسمنه، والتمر بنواه، وكل شئ لتفله قيمة، إذا بيع

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/ ۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لينسجه بنصفه، او استأجره ليحمل طعامه بقفيزٍ منه، أو ليخبز له كذا اليوم بدرهم، لم يجز؛ لأنه فى الأولى والثانية جعل الأجر مايخرج من عمله، فيصير فى معنى قفيز الطحان، وقد نهى عنه عليه السلام، وهو أن يستأجر ثوراً ليطحن له حنطةً بقفيزٍ من دقيقه، فصار هذا أصلاً يعرف به فساد جنسه". (تبيين الحقائق: ۶/ ۱۲۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/ ۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۸، سعيد)

بالخالص منه، لایجوز حتی یکون الخالص أکثر". البحر الرائق: ٦/١٣٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: بندہ سعید احمد عفی عنہ، بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف عفی عنہ، ۲۶/صفر/۵۲ھ۔

جلن کا کاٹنا

سوال[۸۱۲۳]: آٹا چکی والے ایک من پر ایک سیر جلن کاٹتے ہیں حالانکہ جلن شاید ایک من میں ایک چھٹانک ہو۔ تو کیا یہ آٹا چکی والے کے لئے جائز ہے اور اس سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر اتنا آٹا کاٹنا جائز ہے، اس میں گناہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البحر الرائق: ٦/٢٢٥، باب الربا، رشيديه)

"والزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج، حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما في الزيتون والسمسم: أى لايجوز البيع حتى يكون الزيت الخالص أكثر مما في الآخر، ليكون قدره بمثله الزائد بالثجير، لاتحاد الجنس بينهما معنىً باعتبار مافي ضمنها وإن اختلفا صورةً، فيثبت بذلك شبهة المجانسة، والربا يثبت بالشبهة، فلولم يكن الدهن الخالص أكثر من الذى في الآخر، كان الثجير بلاعوض يقابله، فيحرم". (تبيين الحقائق: ٤/٤٧٠، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) **تنبیہ**: یہ جلن اجرت نہیں، بلکہ وہ آٹا ہے جو چکی چلتے وقت یا تو اُڑ جاتا ہے اور یا چکی کے پاٹ کی تیزی سے وہ جل جاتا ہے، وہ تھوڑا سا جلتا ہے اور چکی والا زیادہ کاٹتے ہیں، یہ جلن جتنا خود بخود اُڑ جائے یا چکی کی تیزی سے جل جائے، وہ تو بہر حال ختم ہو جاتا ہے، لیکن چکی والے کا اس ختم شدہ مقدار سے زیادہ کاٹنا جائز نہیں بلکہ ظلم ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (سورة المائدة: ٢٩)

"وعن أبى حرة الرقاشى، عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان والدارقطنى فى المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ٢٥٥، قديمى)

فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت

سوال[۸۱۲۴]: ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب کھیت سے فصل کٹتی ہے تو اس میں سے خوشہ ٹوٹ کر زمین پر گر جاتے ہیں، کاٹنے والے مزدور اس کو چنتے ہیں اور زمیندار کو نصف یا تہائی حصہ دیتے ہیں۔ آیا ساقط شدہ خوشہ زمیندار کی ملکیت ہے، یا چننے والوں کی اور اس طرح لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زمیندار کی ملک ہے، اس طرح مزدوری کا معاملہ ناجائز ہے: "ولو دفع غزلاً لآخر لينسج له نصفه، أو استأجر بغلاً يتحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، اهـ". درمختار: ۵/۳۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۲۵]: دودھ دینے والی گائے بھینس کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے دودھ کی رقم یکجا دے دی جاتی ہے، گھاس وغیرہ کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے، بلکہ جب تک دودھ پلاتی رہے وہ گائے بھینس کرایہ دار کے پاس رہتی ہے، پھر مالک کو واپس کر دی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے:" لاتجوزه إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلك لو استأجر بقرةً

(۱) (الدر المختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحبُ الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها، يجب في الذمة". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۴۴۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

أوشاةً، ليكون اللبن أو الولد له، كذافي محيط السرخسي، ١هـ". عالمگیری: ٤٤٢/٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۲/۶۶ھ۔

ادھیان پر جانور دینا

سوال[۸۱۲۶]: ادھار جانور دینا جائز ہے یا نہیں، یعنی جانور میرا اور خدمت آپ کی، پھر وہ جانور مدتِ مقررہ پر سال دو سال میں پہنچے گا تو پھر ثالث شخص اس جانور کی قیمت ڈال دیتا ہے۔ فریقین میں جس کا دل چاہتا ہے جانور رکھ لیتا ہے اور جس کا دل چاہتا ہے قیمت لے لیتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جانور کی قیمت لگا کر نصف حصہ فروخت کردے، اب دوسرا شخص اس نصف کو خرید لے، پھر جانور والا اس نصف قیمت کو معاف کردے۔ اب اس جانور میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اس کی کل منفعت: دودھ، بچے وغیرہ بھی مشترک ہیں(۳)، اگر

(١) (الفتاوى العالمكيرية: ٤٤٢/٤، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة و مالايجوز، رشيديه)

"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ٣٢٧/٤، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ٣٣٠/٢، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣٣٥/٢، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، كتاب الشركة، رشيديه)

(٣)"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ٣٢٧/٦، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) .... =

فروخت کردیں تو قیمت بھی نصفا نصف ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہ صورت بطور حیلہ جواز لکھی ہے:

”والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذالك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفيلق بثمن معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة، كذا في الظهيرية“(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

بکریوں کو ادھیا پر دینا

سوال[۷۲۱۸]: بکریوں کو ادھیا پر دیتے ہیں، یعنی بکری دے دی، جب بچہ پیدا ہوا تو اگر دو ہوئے تو ایک لے لیا اور ایک ہوا تو آدھا لے لیا۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہو تو جو طریقہ ادھیا پر دینے کا جائز ہو وہ بتائیں۔

عبدالقدیر، کروند یملا ؤ، بمبئی، ۶۴۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ درست نہیں ہے، البتہ نصف بکری فروخت کردیں اور قیمت معاف کردیں تو وہ نصف کا شریک ہوجائے گا، نصف بکری اس کی ہوگی اور دودھ، بکری، بچے سب نصفا نصفی ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة: ۲/ ۳۳۵، رشيديه)

(۲) (راجع عنوان: ”ادھیان پر جانور دینا“۔)

بکری پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۲۸]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیدی اور کہا کہ اس بکری کا جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں تصریح ہے (۲)، وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذى علفها وأجر مثله فيما قام عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۵، كتاب المضاربة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، كتاب الشركة: ۴/۳۲۶، مطلب: يرجح القياس، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا دفع البقرة بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل علفه الذى علفه وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۵/۶۷۰، إدارة القرآن، كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكها لرجل على أن يعلفها من علفه ويقوم بها، وماحدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلك؟ فالجواب: لايصح ذلك، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۶/۲۱۴، كتاب الشركة، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

ایضاً

سوال[۸۱۲۹]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کی اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ صورت یہ کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہو جائیں، تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا، اور اگر ایک ہوگا، اس کو بیچ کر دونوں تقسیم کرلیں گے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے، اس کو فسخ کر کے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے(۱)، اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا، اور اجیر کے لئے اجر مثل واجب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

گائے پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۳۰]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کر دیدیتے ہیں، دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کر دیتے ہیں، اور نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، گائے کی قیمت متعین کر کے مثلاً: دس روپیہ اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کر دیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کر دیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور وہ پرورش

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله (في ید المشتري) إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعها". (الدر المختار: ۵/۹۰، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

کرتا رہے، اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا، دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصف نصف رہے گی، اس طرح درست ہے، فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

پال پر جانور دینا

سوال [۸۱۳۱]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں، بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔ اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لاما سرحها في المرعى. ويرد كل اللبن إن كان قائماً وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن، فيكون بينهما. وكذا لو دفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۵، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما هو في معناه، رشيديه)

(۲) "تنبيه: لم يذكروا مالو كانت الدابة بين اثنين دفعها أحدهما للآخر على أن يؤجرها ويعمل عليها على أن ثلثي الأجر للعامل، والثلث للآخر وهي كثيرة الوقوع، ولا شك في فسادها؛ لأن المنفعة كالعروض لاتصح فيها الشركة، وحينئذ فالأجر بينهما على قدر ملكها، وللعامل أجر مثل عمله، ولا يشبه العمل في المشترك حتى لقول لاأجرله؛ لأن العمل فيما يحمل وهو لغيرهما تأمل .... وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۴/۳۲۷، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات، النوع الثالث في الدواب: ۵/۳۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب ناجائز ہے: "دفع بقرة إلی رجل علی أن یعلفها، ومایکون من اللبن والسمن بینهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجرقیامه وقیمة علفه إن علفها من علف هو ملکه، لاما سرحها فی المرعیٰ. ویرد کل اللبن إن کان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلی صاحبها. والحیلة فی جوازه أن یبیع نصف البقرة منه بثمن ویبرئه، ثم یأمره باتخاذ اللبن فیکون بینهما. وکذا لودفع الدجاج علی أن البیض بینهما، لایجوز، والحادث کله لصاحب الدجاج". فتاوی عالمگیریه(۱)۔

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال[۸۱۳۲]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیدیا

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۴/۴۴۵، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز، الفصل الثالث فی قفیز الطحان، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۳۰، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۷، کتاب الإجارة، النوع الثالث فی الدواب، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقة النعمانی: ۴/۴۱۴، کتاب الشرکة، الفصل السادس الشرکة فی الأعمال، غفاریه)

"وعلی هذا إذا دفع البقرة بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه واجر مثله". (ردالمحتار، کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة: ۶/۳۲۷، سعید)

اورکہا کہ اس بکری کے جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی (۲) میں تصریح ہے۔وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہو جائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال [۸۱۳۳]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کو اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ صورت یہ ہے کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہو جائیں تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا۔اور اگر ایک ہوگا اس کو بیچ کر

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث لصاحب البقرة، فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذى علفها وأجرُ مثله فيما عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۶/۴، مطلب: يرجع القياس، الشركة الفاسده، سعيد)

"اذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه، وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۲۷۰/۵، إدارة القرآن كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكها لرجل على أن يعلفها من علفه، ويقوم بها، وماحدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلک؟ فالجواب: لايصح ذلک، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۱۴/۶، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

دونوں تقسیم کرلیں گے۔آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے(۱)،اس کو فسخ کرکے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے۔اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا او ر اجیر کے لئے اجرِ مثل واجب ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/ربیع الاول/۶۴ھ۔

گائے پال پر دینا

سوال[۸۱۳۴]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کردیدیتے ہیں،دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے،جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کردیتے ہیں،اور نصف نصف تقسیم کرلیتے ہیں۔یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں۔گائے کی قیمت متعین کرکے مثلاً دس روپیہ،اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کردیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کردیا جائے،پالنے والے سے نہ لیا جائے،اور وہ پرورش کرتا رہے،اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا۔دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصفاً نصفاً رہے گی،اس طرح درست ہے،فتاویٰ عالمگیری(۳)اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله فی یدی المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعه". (الدرالمختار: ۵/۹۰، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۰، رقم الحاشیة: ۱، ۲)

(۳) "دفع إلی رجل علی أن یعلفها، ومایکون من اللبن والسمن بینهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجر قیامه وقیمة علفه إن علفها من علف هو ملکه، لاماسرحها فی المرعی، ویرد کل اللبن إن کان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلی صاحبها. والحیلة فی جوازه أن یبیع نصف البقرة منه بثمن =

پال پر جانور دینا

سوال[۸۱۳۵]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں۔ بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔ اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ سب ناجائز ہے: "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة. وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علفٍ هو ملكه، لاماسرحها في المرعىٰ، ويردّ كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما، وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". فتاوى عالمگیریہ(۱)۔

= ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۴۵، الفصل الثالث فى قفيز الطحان، رشيديه)

(۲) "وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحبه البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۶/۳۲۷، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۷،رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۵، الفصل الثالث فى قفيز الطحان، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۰، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۷، النوع الثالث فى الدواب، رشيديه)

(والمحيط البرهاني: ۴/۴۱۴، الشركة فى الأعمال، غفاريه)

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

جانور کی جفتی کی اجرت

سوال[۸۱۳۶]: آج کل نر، مادہ جفتی کے لئے بلا اجرت نہیں چھوڑتے۔ کیا یہ امیر وغریب ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، یا کسی کی تخصیص ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں سب کا حکم برابر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۵ھ۔

گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۸۱۳۷]: گابھن کرانے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ بخاری شریف پارہ نو کتاب الاجارات میں منع فرمایا ہے(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گابھن کرانے کی اجرت لینا ناجائز ہے: "لا يجوز أخذ أجرة عسب التيس، لقوله عليه الصلوة والسلام: "إن من السحت عسب التيس، و مهر البغي، وكسب الحجام". ولأنه عمل لايقدر

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لا تصح الإجارة لعسب التيس، وهو نزوه على الأناث؛ لأنه عملٌ لا يقدر عليه وهو الإحبال". (الدرالمختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۴، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة ومالا يجوز، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن عسب الفحل".

(صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب عسب الفحل: ۱/۳۰۵، قديمي)

علیه، ولأنه أخذ المال بمقابلة الماء، وهو نجس عينٍ لا قيمة له، فلا يجوز أخذ الأجرة عليه،

١هـ". زيلعي: ٥/١٢٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا

سوال[۸۱۳۸]: میرا مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میرے لڑکے وہاں رہتے ہیں، میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں، لیکن وہاں کرایہ کے مکان میں رہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں وہاں پر کوئی موزون فلیٹ چھ آٹھ ہزار روپیہ پر لے لوں اور زمانۂ حج میں مثلاً پندرہ ہزار ریال پر حجاج کو کرایہ پر دے دوں تو اس صورت میں مجھے آسانی سے آٹھ ہزار ریال کا منافع ہو جائے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ میں قرضِ حسنہ لے کر اسی مکان کو جس کو میں نے کرایہ پر لیا ہے اس سے زائد کرایہ پر دوسروں کو دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو صورت آپ چاہتے ہیں یہ تو حدودِ حرم مبارک سے باہر کسی اور جگہ بھی درست نہیں، جتنی رقم کسی جگہ بھی کرایہ مکان کی آپ ادا کریں اتنی رقم پر دوسرے کو دے سکتے ہیں، اگر اس سے زیادہ رقم لیں گے تو اس کا صدقہ کر دینا ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۵ھ۔

---

(١) (تبيين الحقائق: ٦/١١٦، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ٦/٥٥، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ٣/١١٣، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمی لاهور)

(٢) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها، وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد؛ لأنه غير مفيد، بخلاف مايختلف به. ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار: ٦/٢٩، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد) ..... =

کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۳۹]: ایک شخص نے مسجد کی جائیداد دس روپیہ ماہواری کرایہ پر لے رکھی ہے اور اس کو اپنے طریق سے بارہ روپیہ کو کرایہ پر دے رکھی ہے۔ یہ منافع جائیداد مسجد سے اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے اس جائیداد میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ جس طرح مسجد سے لی تھی اسی طرح دوسرے کو دے دی تب تو یہ منافع ناجائز ہے اس کا تصدق واجب ہے اگر اس جائیداد کی کوئی اصلاح کی یا مرمت کی ہے اور پھر دوسرے شخص کو دی ہے تو یہ منافع جائز ہے:

"وإذا استأجر دارا وقبضها، ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل. وإن آجرها بأكثر مما استأجر، فهي جائزة أيضاً إلا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولىٰ، فإن الزيادة لاتطيب له، ويتصدق بها. وإن كانت من خلاف جنسها، طابت له الزيادة. ولو زاد في الدار زيادةً كما لو وَتَدَ فيها وتداً أو حفر فيها بيراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائط طابت له الزيادة. وأما الكنس فإنه لايكون زيادةً. وله أن يواجرها مَن شاء إلا الحداد والقصار والطحان وما أشبه ذلك مما يضر بالبناء ويوهنه، هكذا في السراج الوهاج، اه". فتاویٰ عالمگیری: ٤/٤٣٥(١)۔

اس کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ جائیداد کسی ایسے آدمی کو کرایہ پر دے جس کے رہنے اور کام کرنے سے اس جائیداد کو نقصان پہونچے، مثلاً: اگر وہ دکان یا مکان ہو تو اس کو لوہار یا آٹا پیسنے والے کو نہ دے کہ لوہار کی بھٹی اور کام سے اور آٹا پیسنے والے کی مشین سے دوکان اور مکان کی دیواروں اور چھت اور بنیادوں کو

= (وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستاجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۳/۱۴۵، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمی لاهور)

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومايكون خلافا فيه: ۲۹/۶، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الإجارة: ۳/۱۴۵، امجد اكيڈمی لاهور)

نقصان پہنچتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط

سوال [۸۱۴۰]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ایک مکان کچھ رقم بطورِ قرض مکان کو کرایہ پر لینے والے سے لینا چاہتے ہیں تو کرایہ دار یہ شرط کرلے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں ہم سے خالی نہ کرانا اور نہ کرایہ بڑھانا۔ یہ شرط کیسی ہے؟ دراصل مالکِ مکان سابق کرایہ دار کے قرضدار ہیں، وہ کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت اپنا قرض طلب کررہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض لے کر سابق کرایہ دار کا معاملہ صاف کردینا درست ہے، مگر یہ شرط نہ کی جائے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں مکان خالی نہ کریں گے(۱)۔ دوسری صورت ادائے قرض کی یہ بھی ہے کہ نئے کرایہ دار سے ایک رقم پیشگی کرایہ کے طور پر لے کر قرض ادا کریں، پھر وہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد و علف دابة ومرمّة الدار أو مغارمها و عشر أو خراج أو مؤنة ردٍّ" (الدر المختار: ۶/۴۶، ۴۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وكل شرط يخالف موجب العقد مفسدٌ للعقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۹۲، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني: لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". =

کتابیں کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۴۱]: ایک دکان دار جس کی آمدنی صرف کتابوں کو کرایہ پر دینے سے حاصل ہوتی ہے، اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے، کیا کتابیں کرایہ پر دینا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کتابیں کرایہ پر دینا منع ہے اور اس اجارہ کو باطل قرار دیا ہے، بحوالہ مبسوط(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قُلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا

سوال[۸۱۴۲]: میرے ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ملازم نہیں، بلکہ ہم سالانہ روپیہ اسٹیشن میں آنے جانے کے لئے جمع کرواتے ہیں اور ہم کو اس سے اسٹیشن پر کام کرنے کا اجازت نامہ مل جاتا ہے۔ گورنمنٹ نے ۳/آنہ فی بستر مع بکس ریٹ مقرر کیا ہے، لیکن ہم اکثر مسافروں سے زیادہ لیتے

= (شرح المجلة لسیم رستم: ۱/۲۶۱، (رقم المادۃ: ۴۶۸)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"یعتبر و یراعی کل ما اشترط العاقدان فی تعجیل الأجرۃ و تأجیلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، (رقم المادۃ: ۴۷۳)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) "ولو استأجر کتباً لیقرأ فیها، شعراً کان أو فقهاً، أو غیر ذلک، لا یجوز، ولا أجر له وإن قرأ، وکذلک إجارۃ المصحف". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۴۹، الفصل الرابع فی فساد الإجارۃ إذا کان مشغولاً بغیرہ، رشیدیه)

"ولو استأجر کتباً لیقرأ فیها، شعراً أو فقهاً، أو غیر ذلک، لم یجز؛ لأن المعقود علیه فعل القارئ، والنظر فی الکتاب والتأمل فیه لیفهم المکتوب فعله أیضاً، فلا یجوز أن یجب علیه أجر بمقابلة فعله، ولأن فهم ما فی الکتاب لیس فی وسع صاحب الکتاب، ولا یحصل ذلک بالکتاب". (المبسوط للسرخسی: ۱۶/۴۰، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۵/۵۲۴، فصل فی رکن الإجارۃ، دارالکتب العلمیة بیروت)

ہیں جو ہمارے اور مسافروں کے درمیان طے ہو جائے۔ یہ زائد مزدوری لینا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہوگی؟

مولوی محمد شیرین صاحب مظاہری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پتہ چلنے پر گورنمنٹ مقدمہ نہ چلائے اور ذلیل نہ کرے تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہنڈی اور منی آرڈر

سوال[۸۱۴۳]: ہنڈی لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو منی آرڈر کرنا کیوں جائز ہے؟ منی آرڈر میں بھی جمع کردہ روپیہ مرسل الیہ کو نہیں ملتے۔

مولانا شائق پالنپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہنڈی کو فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے، ردالمحتار: ۲۹۵/۴ (۲)۔ منی آرڈر کو بھی

---

(۱) اجارہ چونکہ متاجر اور اجیر کے درمیان ان کی رضامندی سے طے شدہ عقد کا نام ہے، اس میں کسی ثالث کی دخل اندازی سے اس کی صحت پر -جب کہ صحیح ہو- کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً إلى المنازعة يمنع صحة العقد، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۱/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

البتہ ریاستی جائز قوانین کی پابندی شرعاً ضروری ہے: "(أمر السلطان إنما ينفذ): أى يتبع، ولا تجوز مخالفته .... صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب .... وقدمنا أن السلطان لو حكم بين الخصمين، ينفذ في الأصح". (الدر المختار، كتاب القضاء: ۴۲۲/۵، سعيد)

(۲) "أفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية، لِمَا في الأشباه: بيع الدين إنما يجوز من المديون". (الدر المختار). "سئل عن بيع الجامكية، وهو: أن يكون لرجل جامكية في بيت المال و يحتاج إلىٰ =

فتاویٰ رشیدیہ(۱)، فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ میں منع لکھا ہے(۲)۔ البتہ امداد الفتاویٰ میں جواز کی تاویل بھی لکھی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية، فيقول له رجل: بعتني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا، أنقص من حقه في الجامكية، فيقول له: بعتُك، فهل البيع المذكور صحيحٌ أم لا، لكونه بيع الدين بالنقد؟ أجاب: إذا باع الدين من غير مَن هو عليه الدين، لايصح". (ردالمحتار: ۵۱۷/۴، مطلب في بيع الجامكية، كتاب البيوع، سعيد)

"إن كان السفتج مشروطاً في القرض، فهو حرام، والقرض بهذا الشرط فاسد، والإجاز. وصورة الشرط كما في الواقعات: رجلٌ أقرض رجلاً مالاً على أن يكتب له بها إلى بلد كذا، فإنه لا يجوز". (ردالمحتار: ۳۵۰/۵، كتاب الحوالة، سعيد)

(۱) "بذریعۂ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخلِ ربوا ہے۔ اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے، نادرست ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۰/۱، باب: سود کے مسائل کے احکام، سعید)

(۲) ہنڈی کے بارے میں فتاویٰ اشرفیہ میں ناجائز لکھا ہے: ص: ۱۲۲۔

سوال: "ہنڈوی ونوٹ میں بٹہ لینا دینا درست ہے یا نہیں"؟

الجواب: "نہیں"۔ (فتاویٰ اشرفیہ، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، سعید)

منی آرڈر کے بارے میں لکھا ہے: "الجواب: قاعدۂ کلیہ ہے: "الأقراض تقضى بأمثالها" اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے.............. البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت وروانگیٔ فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمتِ تفاضل تو دفع ہوجاوے گی، مگر کراہتِ سفتجہ باقی رہے گی۔ واللہ اعلم"۔ (فتاویٰ اشرفیہ، ص: ۲۰۷، سعید)

(۳) امداد الفتاویٰ میں ہے: "منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتویٰ مناسب ہے"۔ (إمداد الفتاوى: ۱۴۶/۳، كتاب الربوا، عنوان: "تحقیق منی آرڈر"، مکتبہ دار العلوم کراچی)

کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال[۸۱۴۴]: ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں، انہوں نے مسجد کی ایک دوکان کئی سال سے کرایہ پر لے رکھی ہے، بذاتِ خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ دوسرا کرایہ دار رکھتے ہیں۔ دوکان کا کرایہ مسجد کو آٹھ روپے دیتے ہیں اور خود دکان دار سے پندرہ روپے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سات روپے ہر ماہ نفع کماتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں اگرچہ سود بھی نہیں، اگر دوکان پر کچھ خرچ کرکے، مثلاً: اس میں الماری، کواڑ، وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت کو بڑھایا ہو تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرے۔ اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کر دے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا

سوال[۸۱۴۵]: آج کل جراح زخم کے اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے تو اس کی کوئی جواز کی شکل بھی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين. إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناةً، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد". (ردالمحتار: ۲۹/۶، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۲۵/۴، الباب السابع في إجارة المستأجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱۴۵/۳، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

بغیر معاملہ کئے زخم اچھا ہونے پر حق الخدمت اتنا ہی دیدیں جتنے کا ٹھیکہ ہوتا ہے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۲ھ۔

جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے

سوال[۸۱۴۶]: زید نے بکر سے ۶×۴ فٹ کی جگہ کرائے پر لی، یہ جانتے ہوئے ۱۱/ ہند کا اگر پینٹ (۲) کیا کہ بکر اس جگہ کا مالک ہے، ۲۰۰/ روپے ڈپازٹ کے دیئے (۳)۔ اس جگہ پر لکڑی کی دوکان بنوانے کے لئے زید نے بکر کو ۳۰۰/ روپیہ کی رقم دی اس وعدہ پر کہ بکر زید کو چند ماہ میں ۳۰۰/ روپیہ کی رقم واپس کردے گا، مگر بکر نے ۳۰۰/ روپیہ کی رقم بھی ڈپازٹ میں ہی جمع کرلی۔ دکان مکمل ہونے پر چند ماہ بعد کلکٹر کا نوٹس لگ گیا کہ دوکان غیر کی ہے اور زمین بھی گورنمنٹ کی ہے، اس کو فوراً نکالا جائے۔

زید نے گورنمنٹ سے ریٹ وربط کر کے قانونی طور پر گورنمنٹ کا کرایہ دار بن گیا اور بکر کو کرایہ دینا بند

---

(۱) "الفساد قديكون لجهالة قدر العمل بأن لايعين محل العمل، و قد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لا يبين المدة .... فالفاسد يجب فيه أجر المثل و لا يزاد على المسمّٰى إن سمى فى العقد مالاً معلوماً، وإن لم يسم، يجب أجر المثل بالغاً ما بلغ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۳۹، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة ومالا يجوز، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۴۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"سئل في رجل به داء في أنفه، اتفق مع طبيب على مداواته، وجعل له أجرةً، ولم يضرب لذلك مدةً، وداواه، فما الحكم؟ أجاب: للطبيب أجرة مثله و ما أنفق في ثمن الأدوية لفساد الإجارة على الوجه المذكور". (الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۸۲، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۵۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "پینٹ:(Paint) رنگ، روغن"۔(فيروز اللغات، ص: ۳۳۱، فيروز سنز لاهور)

(۳) "ڈپازٹ:(Deposit) امانت، جمع کرنا"۔(فيروز اللغات، ص: ۶۷۷، فيروز سنز لاهور)

کردیا، بکر نے مقدمہ دائر کیا، مقدمہ میں بکر ہار گیا اور جج کے سوال پر کہ: ''جگہ تمہاری ہے، دوکان تم نے بنائی ہے''۔ بکر نے جواب دیا کہ: ''نہ دکان میری ہے، نہ جگہ''۔

زید مسلسل کرایہ گورنمنٹ کو دیتا رہا، چار سال بعد گورنمنٹ نے زید سے کرایہ لینا بند کردیا کہ یہ جگہ گورنمنٹ کی نہیں ہے، جو جگہ کا اصلی مالک ہے اس کو کرایہ دیا جائے۔ بہر حال بعد تحقیق کے معلوم ہوا اور جگہ کے مالک کا پادری دوکان پر آیا اور اس کی ملکیت کا اظہار کیا۔ زید نے پادری کو کرایہ دینا شروع کردیا اور پرچہ نادر نے کرایہ داری کا سرٹیفکیٹ زید کو دیا اور آج تک رسید ہے، لیکن زید کرایہ دے رہا ہے۔ بکر نے دوبارہ مقدمہ دائر کردیا ہے اس بناء پر کہ مس پالٹی میں جاکر عملے کے ٹیکس کا بل اپنے کام کرالیا ہے۔

آپ حضرات سے مشورہ طلب ہے کہ اصل مالک کس کو سمجھا جائے؟ اور زید کو اس دکان میں تجارت کرنا اس کو استعمال کرنا درست و جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بکر شروع سے آج تک کا کرایہ مقدمہ کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوکان بھی خالی کرا کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ وہ تو کرایہ دار ہے، اول اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ جگہ اور دوکان بکر کی ہے، بعد میں جب جج کے سامنے بکر نے اپنی مِلک کا انکار کردیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی نہیں ہے۔ زید کرایہ دار ہے جب تک یہ ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، جب ظاہر ہوا کہ گورنمنٹ کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، اب پتہ چلا کہ چرچ کی ہے تو پادری کو کرایہ دے رہا ہے۔ زید کو اس دوکان میں تجارت کرنا بحیثیت کرایہ دار درست ہے(۱)۔

---

(۱) ''تصح اجارة حانوت: أی دکان ودارٍ بلا بیان مایُعمل فیها وبلا بیان من یسکنها''. (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافا فیه: ۲۸/۶، سعید)

''ثم الأجرة تُستحق بإحدی معان ثلاثة إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستیفاء معقود علیه إذا وُجد أحد هذه الأشیاء الثلاثة فإنه یملکها''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثانی فی بیان أنه متی تجب الأجرة: ۴۱۳/۴، رشیدیه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة: ۲۶۳/۱، (رقم المادة: ۴۶۹)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

آئندہ اگر مقدمہ سے یہ ثابت ہوجائے کہ یہ کسی اَور کی ہے مثلاً بکر کی ہے (حالانکہ پہلے وہ اپنی ملکیت کاانکار کر چکا ہے) اوراس کے حق میں قانونی فیصلہ ہوجائے تواس کومطالبہ کاحق ہوگا(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی

الاستفتاء [۸۱۴۷] : ۱...... میں ایک مسجد کا متولی ہوں۔ مسجد کا ایک کمرہ کرایہ پر دینا تھا، دوگاہک آئے جن میں سے ایک نقدرقم دے رہے تھے اور دوسرے میرے پڑوسی تھے، ان کے پاس پوری رقم موجود نہ تھی مگرانہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا، بالآخران سے سوداہوگیا کہ کمرہ کاعطیہ ساڑھے پانچ ہزارروپے اور کرایہ ماہانہ چالیس روپے ہوگا۔ معاملہ طے ہوچکا تھا، انہوں نے ساڑھے پانچ ہزارروپے بطورعطیہ دینا منظور کرلیا۔ سودا طے ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعدمعذرت چاہی اور کمرہ کسی اَورکوکرایہ پر دینے کی درخواست کی۔

چونکہ وہ بقیہ ساڑھے چار ہزارروپے مہیا نہ کرسکے اور مسجد کودی ہوئی رقم واپس طلب کرنے لگے، ہم نے کہا کہ جب کوئی کرایہ دار کمرہ لے لے گا تب ہی رقم کا فیصلہ ہوگا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ ان سے سودا طے ہونے کے آٹھ ماہ بعد کمرہ کا دوسرکرایہ دارآ گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیاان سے آٹھ ماہ کا کرایہ لیاجاسکتا ہے؟

۲......انہوں نے جورقم بطورعطیہ مسجدکودی انہیں لوٹادی جائے۔ شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... جب کہ کمرہ پر قبضہ نہیں رہا، توان سے اس مدت کا کرایہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں، خاص کر جب کہ انہوں نے معذرت کرکے کمرہ دوسرے کوکرایہ پر دینے کے لئے کہہ دیا(۲)۔

---

(۱) "فقال البائع ولي بينة أنها كانت ملكاً لي منذ سنتين مثلاً وبرهن على ذلك، لاتندفع الخصومة، بل يقضي بها للمستحق .... للعلم بكونه ملك الغير لايمنع من الرجوع عند الاستحقاق".

(الدرالمختار، كتاب الاستحقاق: ۵/۲۰۲، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع، باب الاستحقاق: ۱/۲۲۷، ۲۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ومنها: تسليم المستأجر في إجارة المنازل ونحوها إذا كان العقد مطلقاً عن شرط التعجيل ....=

۲......ایک ہزار کی رقم اگر چہ عطیہ کہہ کر دی ہے اور اس کی رسید بھی دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا مقصود حسبۃً للہ مسجد کی خدمت کرنا نہیں ہے، بلکہ اسی امید پر دی ہے کہ وہ کمرہ لیں گے، ان کو مسجد کا کمرہ ملے گا۔ اگر وہ محض خدا کے واسطے مسجد کو رقم دیتے تو اب واپسی کا مطالبہ نہ کرتے، لہٰذا یہ وہ پگڑی ہے جس کو مسجد کے لئے درست نہ سمجھتے ہوئے آپ نے اس کا نام عطیہ رکھ دیا، جس طرح بیعانہ جزوِ قیمت ہوتا ہے اور بیع کا معاملہ ختم ہوجانے پر اس کی واپسی شرعاً لازم ہوتی ہے، اسی طرح اس عطیہ کی واپسی بھی لازم ہے(۱)۔

جس طرح مسجد کے لئے پگڑی کو آپ درست نہیں سمجھتے، اسی طرح لی ہوئی رقم بھی مسجد کے لئے جبراً رکھنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت

سوال[۸۱۴۸]: بعض جگہ کا قاعدہ ہے کہ درزی، دھوبی، حجام، بڑھئی وغیرہ کو کچھ زمین بے لگان دے دیتے ہیں، یا وہ ان پر غلہ کی ایک خاص مقدار معین کر دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اس سال بھر میں جتنی

= ويفي بالتسليم التخلية والقكين من الانتفاع برفع الموانع في إجارة المنازل ونحوها .... حتى لو انقضت المدة من غير تسليم المستأجر على التفير الذي ذكرنا، لايستحق شيئاً من الأجر؛ لأن المستأجر لم يملك من المعقود عليه شيئاً، فلا يملك هو أيضاً شيئاً من الأجر؛ لأنه معاوضة مطلقة".

(بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ۵/۵۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات: ۵/۱۱، رشيديه)

(۱) "ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه (أي البائع) شئ من الثمن، فإن اشترى، حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، المبحث: البيوع المنهي عنها، باب بيوع فيها معنى الميسر: ۲/۲۸۸، قديمي)

"اطمینان کے لئے بیعانہ لینے یا دینے کا تو مضائقہ نہیں، مگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھے تو بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم اور غصب میں داخل ہے"۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الأحكام، كتاب البيوع، عنوان: بیعانہ کی رقم ضبط کرلینا ظلم اور غصب ہے: ۳/۳۶۷، مكتبه دارالعلوم كراچی)

مرتبہ کام کی ضرورت پڑتی ہے کام لیتے رہتے ہیں، خواہ وہ آمدنی اس کے کام کی سالانہ اجرت سے کم ہو یا زیادہ، اگر وہ خوشی سے اس کو کرتا ہے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد نعیم بستوی، موضع گڑھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں چونکہ عمل کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی جس سے نزاع پیدا ہوتا ہے، لہذا یہ اجارہ فاسدہ ہوتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ اس کا عرف عام ہے اور اجیر ومستأ جر معاملہ کو بوقتِ عقد اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور کوئی جہالت مفضی الی النزاع باقی نہیں رہتی تو وہاں اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا(۱):

"ومنها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً للمنازعة، يمنع صحة العقد، وإلا فلا". فتاوی عالمگیری: ۱۰۸۸/۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۴ھ۔

ملازم کو سفرِ خرچ کی جعلی رسید بنانا

سوال[۸۱۴۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میرے اور متعلقین کے لئے ایک قاعدہ مقرر ہے

---

(۱) والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قديدار

"السادسة: العادة محكمة وأصلها قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم " مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شرح عقود رسم المفتي: ۴۴/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۱۱/۴، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

"ويفسدها، كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار: ۴۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"منها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً علماً يمنع من المنازعة". (بدائع الصنائع: ۵۳۸/۵، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

اس کے مطابق سفر خرچ ملتا ہے، سامان کی منتقلی کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے موافق خرچ ملتا ہے، لیکن اس کی توثیق کے لئے ہمیں رسید دینی پڑتی ہے۔ عموماً سامان بستی سے تھوڑا تھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے، لیکن سفر خرچ کی برآورد اس ماہ کے ختم سے پہلے داخل کرنا ضروری ہے، ورنہ تنخواہ میں سے جو رقم بضمن سفر خرچ پیشگی لی گئی تھی منہا کرلی جاتی ہے۔

لہٰذا اب برآورد کے ساتھ جعلی رسید منتقلی سامان کی دینی پڑ رہی ہے اور مزید ایک سامان کی فہرست کی دینی پڑتی ہے جس میں بناوٹی سامان رہتا ہے، یہ عام رواج سرکاری ملازمین کا ہے۔ اب سرکار سے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے جعلی رسید دے کر خرچ برائے منتقلی سامان لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا روپیہ خرچ ہوگا وہ خرچ اگر پیشگی دے کر اس کی رسید حاصل کرلی جائے اور وہ داخل کردی جائے تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحلّ مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في "شعب الإيمان، والدارقطني في "المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت

سوال[۸۱۵۰]: بائع ومشتری دونوں سے دلالی لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف، ہو اصالۃً دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یکطرفہ دوطرفہ سب کو شامل ہے، کذافی الشامی، کتاب الإجارة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ٦٤ھ۔

---

(۱) "قال في التاتارخانية: و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل، و ما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذلك حرام عليهم. وفي الحاوي: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. و كثيرٌ من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار: ٦٣/٦، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

"و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل .... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد، فهو بيني و بينك .... و لو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤٥٠/٤، ٤٥١، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ١١٦/٣، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر في المتفرقات، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ١٢٨/١٥، ١٢٩، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اجرتِ دلال

سوال[۸۱۵۱]: عمر نے ایک مکان تعمیر کیا، اس کے لئے اس کو لوہے کی ضرورت پیش آئی اور وہ ایک تجربہ کار شخص کو ساتھ لے کر لوہا خریدنے گیا، وہاں ۵۰۰۰/ روپے کا لوہا خریدا۔ بعد کو اس سے معلوم ہوا کہ دوکاندار نے اس تجربہ کار شخص کو ۵۰/ روپے دیئے، کیونکہ وہ اس کی دکان پر گاہک کو لے گیا تھا، یا جو بھی ان کے مابین طے ہو۔ تو یہ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ اس شخص کے لئے درست ہے، اس کی کوشش اور محنت کا عوض ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

دلالی کا حکم

سوال[۸۱۵۲]: دلالی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ زید سے بائع ومشتری دونوں الگ الگ کچھ رقم دینے کو کہیں۔ مثلاً: بائع نے تو یہ کہا کہ اگر ہمارا پھل سو روپیہ کا بکوادو تو پانچ روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ اور مشتری نے کہا کہ اگر یہ پھل ہم کو ایک سو پانچ میں خریدو گے تو ہم پانچ روپیہ تم کو دیں گے تو دلال کو پانچ پانچ روپیہ بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے ملے، اس کے علاوہ ایک سو پانچ میں سے پانچ اور ملے۔ تو اس تیسری رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلال سو روپے میں خرید کر ایک سو پانچ روپے میں بیچ دے تو یہ جائز ہے، مگر اس صورت میں صرف پانچ

---

(۱) "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل .... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد فهو بيني وبينك .... ولو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۶۳، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، ۱۲۹، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

روپے کا نفع ہوا اور دلالی کی صورت نہیں ہوئی۔ دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے (۱) اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فیصد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال [۸۱۵۳]: خالد پاکستان سے بکریوں کا کاروبار کرتا ہے اور دلالی وصول کرتا ہے۔ دلالی دو قسم کی ہوتی ہے: بکری والے سے یہ طے کرے کہ میں تیری بکری فروخت کروا دوں گا اور ہر بکری پر پچاس روپے مجھے چاہیے، اس پر اتفاق ہو جائے اور جتنی بکری بکوائے ہر ایک کے بدلے پچاس روپے بکری والے سے وصول کرلے۔

دوسری قسم جو آج کل عام ہے: بکری والا بازار میں کھڑا ہے، ایک طرف دو آدمی اس بکری کو خریدنا چاہتے ہیں، وہ قریب میں کھڑے ہیں، پہلے وہ بکری کی قیمت بھی معلوم کر چکے ہیں، بکری کی اصلی قیمت چار سو روپے سے زائد نہیں۔ دو آدمی آتے ہیں، بکری والا ان سے پانچ سو ہی مانگتا ہے، وہ دونوں آدمی دو تین چکروں میں اس کی قیمت ۴۰۰/ سو تک پہنچا دیتے ہیں اور حقیقت میں خریدار نہیں ہیں۔ اب جو آدمی بکری خریدنا چاہتے ہیں، یہ دیکھ کر اس بکری کو خرید لیتے ہیں اور انھوں نے بکری والے سے قیمت بڑھانے پر جو طے کیا تھا وہ لے لیتے

---

(۱) "والسمسار اسمٌ لمن يعمل للغير بالأجرة بيعاً و شراءً". (المبسوط للسرخسي: ۱۵/ ۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۲۹۳، الصدف پبلشر كراچی)

(۲) "و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل .... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فمازاد فهو بيني و بينك .... و لو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۰، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/ ۶۳، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/ ۱۱۶، الفصل الثاني، جنس آخر في المتفرقات، امجد اكيڈمی لاهور)

ہیں۔کیا یہ اجرت وکمیشن جائز ہے، یا پہلی قسم والی اجرت جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی قسم جائز ہے(۱)، دوسری قسم دھوکا اور فریب کا معاوضہ ہے، ناجائز ہے، حدیث پاک میں ایسے فریب کی ممانعت وارد ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ

سوال[۸۱۵۴]: ایک تاجر کچھ کپڑے کا بیوپار کرتا ہے اور وہ دہلی جاکر دلال کی معرفت کپڑا خریدتا ہے اور وہ دلال کو مبلغ ایک سو روپیہ سیکڑہ آڑت یا مزدوری دیتے ہیں اور اگر کچھ روپیہ ادھار رہتا ہے تو وہ اس پر سیکڑہ کی سود لگاتے ہیں، کیونکہ دلال لوگ بازار سے مال خریدتے ہیں، اگر بازار والوں کے روپیہ رہتے ہیں تو وہ ان سے سود لیتے ہیں اور دلال لوگ ہم سے لیتے ہیں۔اب اگر ہم بجائے سود کے ان کی آڑت یا مزدوری بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ دیویں اور یہ کہہ دیں کہ ہم سود نہیں دیں گے۔

ہم اگر وہ آڑت یا مزدوری ایک روپیہ میں ڈیڑھ دے دیں تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ بھی ناجائز ہو

---

(۱) (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- وقال قتيبة يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- قال: "لا تناجشوا". و قال الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم كرهوا النجش، والنجش أن يأتي الرجل الذي يبصر السلعة إلى صاحب السلعة، فيستام بأكثر مما تسوي، و ذلك عند ما يحضره المشتري يريد أن يغترّ المشتري به و ليس من رأيه الشرى، إنما يريد أن ينخدع المشتري بما يستام، وهذا ضرب من الخديعة". (جامع الترمذي: ۱/۲۴۴، أبواب البيوع، باب في كراهة النجش، سعيد)

(والصحيح لمسلم: ۲/۳، كتاب البيوع، قديمي)

"وكره النجش .... أن يزيد، ولا يريد الشراء، ويمدحه بما ليس فيه، ليروّجه. ويجري في النكاح وغيره". (الدرالمختار: ۵/۱۰۱، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۰، الباب العشرون في البياعات المكروهة، رشيديه)

جاوے تو کوئی اَور سبب بتلاؤ جس سے ہم سود دینے سے بری رہیں اور ہمارے کام چل جاویں۔ اور پھر دلال ہم سے یہ کہتے ہیں کہ بجائے ایک روپیہ کے دو روپیہ آڑت یا مزدوری دے دو تو ہم سود چھوڑ دیویں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

طریقۂ مروجہ پر دلال کی اجرت ناجائز ہے(۱)۔ جواز کی صورت یہ کہ دلال کو ایک یا آدھے دن کے لیے اجرت طے کرکے بطورِ مزدور کے رکھ لیا جائے اور اس دن میں اس سے کپڑا خرید والیا جائے اور اجرتِ مقررہ دے دی جائے۔ اب خریدار اور دلال آپس میں جو چاہیں طے کرلیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)، کذا في سکب الأنهر (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نیلام کرنے کی اجرت

سوال[۸۱۵۵]: ایک شخص دوسرے شخص کے پھل نیلام کرتا ہے اور نیلام کرائی مالک کی رضامندی

---

(۱) "ما حرم أخذه حرم إعطاءه". فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا وأجرة النائحة".
(شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۸، (رقم المادة: ۴۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن استأجره يوماً إلى الليل بأجر معلوم ليبيع له أو يشترى له، فهذا جائز؛ لأن العقد يتناول منافعه هنا، وهو معلوم ببيان المدة، والأجير قادر على إيفاء المعقود عليه". (المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، من كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۰، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۵۲، كتاب المضاربة، سعيد)

(۳) "والسمسار" المتوسط بين البائع والمشترى (يجبران عليه)؛ لأنهما يعملان بأجرة عادة بلا استيجار؛ إذ لو استاجر ليبيع أو ليشترى، لم يجز؛ لأنه لايتم الا بغيره، والحيلة أن يستاجره للخدمة يوماً، ويستعمله في البيع والشراء، ولو عمل بلا شرط وأعطاه شيئاً لابأس به؛ وبه جرت العادة". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۳۵۸، كتاب المضاربة، إمداديه ملتان)

سے ہر گچھے(۱) سے دو کیلے نیلام کرنے سے قبل نکال لیتا ہے۔ کیا اس کی آمدنی درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمیشن پر نیلام

سوال[۸۱۵۲]: ا...... میرے ایک عزیز دوست نے ایک آڑتھ (فرم) ازقسم میوہ جات پھل وغیرہ کی کھولی ہے، یعنی وہ کمیشن ایجنٹ ہیں کہ جو مال ان کی دکان آڑتھ پر فروخت کرنے کو لاتے ہیں تو اس مال پر اپنے مالکوں سے بولی بلوا کر فروخت کرواتے ہیں، جس بیوپاری کی بولی زیادہ رقم کی ہوتی ہے اور مالک اس پر رضامند مال دینے پر ہوتا ہے، اس خریدار (بیوپاری) کے نام بولی ختم کرکے مال اس بیوپاری کو دے دیتے ہیں۔ پھر اس روپیہ کو لے کر ایک مال کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر بیوپاری کے پاس اس وقت ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے تو مالکِ آڑتھ (فرم) اپنے پاس سے مالکِ مال کو روپیہ ادا کردیتے ہیں اور پھر بعد میں اس سے اپنا روپیہ جب وہ دیتا ہے تو لے لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں بیوپاری یعنی خریدار مال سے علاوہ اصل رقم مال کے ایک آنہ فی روپیہ بطورِ کمیشن مال اس سے مالکِ فرم لیتے ہیں۔

مال کی بولی یعنی نیلام کرانے کے لئے مالک فرم (آڑتھ) کے ملازم رکھتے ہیں اور حساب وغیرہ کے لئے بھی ملازم ہے، ان سب کی تنخواہ جو مال بکوانے پر کمیشن ملتا ہے اس رقم سے ادا کرتے ہیں اور دوکان کا دیگر خرچہ اور اپنا خرچ بھی اسی کمیشن والی رقم آمدنی سے خرچ کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں مالکِ مال کی اشیاء

---

(۱) ''گچھا: پھولوں کا گچھا، مجموعہ''۔ (نور اللغات، ص: ۹۴۱، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادي، ثم يبيع صاحبه، فنادى ولم يبع، قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. وكذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادي كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/ ۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

نیلام کرواکر خریدار مال سے اصل رقم مال کے علاوہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے زائد بطور کمیشن لینا مالک فرم کو جائز ہے یا نہیں؟

۲......اس طرح سے کمیشن مال فروخت کرنے پر خریدار سے لینا سود ہے یا نہیں؟

۳......اس کمیشن سے آمدنی والے روپیہ پر زکوۃ دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جائز ہے(۱)۔

۲......یہ سود نہیں ہے، بلکہ دلالی کی اجرت ہے جس کو شامی میں درست لکھا ہے(۲)۔

۳...... یہ روپیہ ملک میں داخل ہے، حسبِ قواعدِ شرعیہ دیگر مملوکہ روپیہ کی طرح اس پر بھی زکوۃ لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۵/۸ھ۔

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۷]: مدرسہ کی وصولی کرنے پر چوتھائی یا تہائی حصہ جو محصلین وعاملین کو دیا جاتا ہے، کیسا

---

(۱) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادي، ثم يبيع صاحبه، فنادى و لم يبعْ، قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. و كذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادي كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(و كذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل، و ما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا، فذلك حرام عليهم. وفي الحاوي: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. و كثيرٌ من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۶۳، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

ہے، کونسی صورت جائز ہے؟ دیو بند میں کیسا نظام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے، دو وجہ سے: ایک بوجہ جہالتِ اجر، اور دوسرا اس لئے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے:

"وشرطها كون الأجر والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". درمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ٥/٤(١)۔

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصفه الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره، بجزء من عمله". الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٥/٤٨(٢)۔

جائز صورت یہ ہے کہ ان کی تنخواہ مقرر کردی جائے اور یہ کہا جاوے کہ اگر ہزار روپے لاؤگے تو پچاس روپے علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جائے گا(٣)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

---

(١) (الدرالمختار: ٦/٥، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ٤/١١ ٤، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

(٢) (الدرالمختار: ٦/٥٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١٢٧، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(٣) "والحيلة أن يفرز أولاً، أو يسمىٰ قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار: ٦/٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٥/٣٥، النوع الثالث في الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

ایک دینی عربی مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی درس نظامی کے تحت تعلیم ہوتی ہے، طلبہ مستطیع وغیر مستطیع دونوں قسم کے پڑھتے ہیں، غریب طلبہ کو کھانا، نقد وظیفہ، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہے۔ مدرسہ سے متعلق کچھ وقف جائیداد بھی ہے۔ زیادہ تر ضروریات چندہ سے پوری ہوتی ہیں جس کے لئے تنخواہ دار سفیر مقرر ہیں، مگر سفیر پوری محنت نہیں کرتے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ چندہ وصول کرنے کے لئے کمیشن کا معاملہ کرلیا جائے، یعنی جتنا روپیہ جو سفیر وصول کر کے لائے اس کا نصف اس کو اجرت میں دے دیا جائے، یہی اس کی تنخواہ ہو، اس سے آمدنی زیادہ ہوگی، متعینہ تنخواہ کا معاملہ نہ کیا جائے۔

اب گذارش ہے کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، فقہی عبارات میں سے بھی حوالہ نقل فرمادیں تو عین کرم ہوگا۔

مولوی شبیر احمد، مہتمم مدرسہ دار العلوم ذکریا لینز، جنوبی افریقہ، ۳/۶/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتاب الاجارہ کا ہے، اجارہ کی تعریف یہ ہے: "هي تمليك نفعٍ مقصودٍ من العين بعوضٍ، اهـ". درمختار: ۵/۲(۱)۔

"كل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة ولا ينعكس كلياً، فلا يقال: مالا يجوز ثمناً لا يجوز أجرةً، لجواز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلف، اهـ". درمختار: ۵/۳(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۷۷، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۱۱، كتاب الإجارة، إمدايه ملتان)

(۲) (الدر المختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد) .... =

جس طرح بیع میں مبیع وثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح اجارہ میں منفعت واجر کا معلوم ہونا ضروری ہے:

"وشرطها كون الأجرة و المنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة، اهـ".

درمختار۔ "الكلام فيهما وفي صفتهما كالكلام فيهما في البيع. اهـ". شامی: ۳/۵(۱)۔

منفعت معلوم ہونے کی صورت مثلاً یہ کہ قلی سے کہا جائے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہونچادو، یا مثلاً معمار سے کہا جائے کہ اتنے گز طویل وعریض دیوار تعمیر کردو، یا مثلاً سقے سے کہا جائے (۲) کہ مشک میں پانی لے کر مسجد کے حمام میں بھردو، یا مثلاً یہ مکان ایک ماہ سکونت کے لئے دے دو وغیرہ وغیرہ:

"ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا، والعمل كالصياغة والصبغ والخياطة، ويعلم أيضاً بالإشارة كنقل هذا الطعام إلى كذا، اهـ". درمختار: ۴/۵(۳)۔

جو شرط اقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہو جاتی ہے مبیع یا ثمن کے مجہول ہونے سے اسی طرح اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اجرت یا ماجور کے مجہول ہونے سے:

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة، اهـ". درمختار: ۲۹/۵(۴)۔

بیع ایسی چیز کی درست نہیں جس کو مشتری کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑنے والا پرندہ، یا جنگل میں چرنے والا ہرن، یا دریا میں مچھلی، الا یہ کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کرلے۔ اسی طرح ایسی چیز کو ثمن قرار

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۲۶۰/۱، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵۳۹/۵، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "سقہ: پانی پلانے کا پیشہ کرنے والا"۔(نور اللغات، ص: ۳۴۶، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

(۳) (الدر المختار: ۶/۶، ۷، كتاب الإجارة، سعيد)

(۴) (الدر المختار: ۴۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۲/۴، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

دینا ہی درست نہیں جس کے تسلیم پر قدرت نہ ہو، یہی حال اجارہ کا ہے۔ایسی منفعت کا اجارہ درست نہیں جس پر اجیر کو قدرت نہ ہو اور ایسی چیز کو اجرت قرار دینا درست نہیں جس پر مستاجر کو قدرت نہ ہو۔

نیز جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اس کو اجرت قرار دینا بھی درست نہیں:

"استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسد في الكل، اهـ". درمختار۔ "لأنه استأجره بجزءٍ من عمله: أي ببعض ما يخرج من عمله، والقدرةُ على التسليم شرط و هو لا يقدر بنفسه. زيلعي، اهـ". شامي:٥/٣٦(١)۔

سفیر کا کام اگر روپیہ وصول کر کے لانا تجویز کیا جائے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ کام اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہے، اس کو قدرت نہیں کہ وہ لوگوں کی جیب سے روپیہ نکال کر لے آئے:

"لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث(٢)۔

اس کو روپیہ ملنا اربابِ اموال کے دینے پر موقوف ہے تو یہاں اجارہ ایسے عمل پر ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہذا یہ منفعت بھی مجہول ہے، اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وقتِ معاملہ وہ معدوم ہے، مستاجر کے پاس نہیں، اس کو تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں۔ یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ سفیر کی ترغیب سے حاصل ہوگا، اس لئے اس کا نصف بھی معلوم و متعین نہیں۔ پس اجرت و ماجور دونوں مجہول ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور

---

(١) (ردالمحتار: ٦/٥٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسده، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/١٢٧، ١٢٨، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ١٦/٣٧، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) "قال: أخبر أبو بكر .... عن أبي علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ٤/٣٨٧، (رقم الحديث: ٥٤٩٢)، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ١/٢٥٥، قديمي)

یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے، یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا حقدار قرار پائے، یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم۔

جن صاحب نے کمیشن کا مشورہ دیا ہے ان کو یہ تحریر دکھا کر مکرر مشورہ کر کے مجھے بھی مطلع کر دیں، تا کہ مجھے بھی مکرر غور کرنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، جنوبی افریقہ، ۱۴۱۰/۶/۵ھ۔

کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا

سوال [۸۱۵۹]: ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنے کے لئے ایک محصل رکھا ہے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ وہ وصول کرے گا اس کا نصف یا ثلث اس کو دیا جائے گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

=**عربی عبارات کا ترجمہ:**

۱- کسی چیز کے بدلہ ایسے نفع کا مالک بنانا جو عین سے مقصود ہو۔

۲- ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکے وہ اجرت بن سکتی ہے، اس لئے کہ اجرت منفعت کی ثمن ہوتی ہے اور اس کا عکس کلی نہیں ہوسکتا کہ ہر وہ چیز جو ثمن نہ بن سکے وہ اجرت بھی نہ بن سکے گی، چونکہ منفعت کو منفعت کا اجارہ بنایا جا سکتا ہے جب کہ دونوں منفعت الگ الگ ہوں۔

۳- اور اجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

۴- اور نفع معلوم ہوگا مدت کے بیان سے، جیسے اتنے دن اس مکان میں رہے گا، یا اتنی مدت اس زمین میں کھیتی کرے گا۔ اور نفع معلوم ہوگا عمل سے بھی، جیسے سنار کا کام یا کپڑے رنگنے کا کام یا کپڑے سینے کا کام۔ اور کبھی نفع کا علم اشارہ سے ہوتا ہے کہ اس کھانے کو وہاں لے جانا ہوگا۔

۵- اجارہ ایسی شرط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مقتضیٰ کے خلاف ہو، پس ہر ایسی چیز جس سے بیع فاسد ہوجائے اس سے اجارہ بھی فاسد ہوجائے گا، جیسے شی ماجور کی جہالت یا اُجرت کی جہالت۔

۶- ایک خچر کرایہ پر لیا، تا کہ اس پر کھانے کا سامان لاد کر لائے اور کچھ اس میں سے کھانا اس کی اجرت مقرر کی، یا بیل کرایہ پر لیا آٹا پیسنے کے لئے اور اس میں سے کچھ اجرت ٹھہرایا تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے، اس لئے کہ اجرت اس پر ٹھہرایا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔ اجرت کے سپرد کرنے پر قادر ہونا شرط ہے اور خود اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

۷- کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں (الحدیث)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے: "ومنها (أي من شروط صحة العقد) أن تكون الأجرة معلومةً". عالمگیری: ۱۰۹/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

کمیشن پر چندہ

سوال [۸۱۲۰]: ہمارے یہاں مدرسہ کا چندہ ہوتا ہے، اس میں سفراء کمیشن بھی لیتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے، اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو ملے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے۔ نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عملِ اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسدِ اجارہ ہیں:

"وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله وبعضه"(۲)۔ "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه بنصفه، أو استأجر بغلاً ليحمله طعامه ببعضه". الدرالمختار(۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة: ۴/۴۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة، مطلب انواع الإجارة وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها، شرائط الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۵۳۹، باب شروط الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۴۸، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، إمداديه ملتان)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۴۵، النوع الثالث في الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال[۸۱۲۱]: ایک دینی مدرسہ میں سفیر مقامی اور بیرونی مقرر ہیں، ان کی تنخواہوں کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں پیش آرہی ہیں جس میں اب تک یہ کیا جارہا ہے کہ سفیر کی تنخواہ ماہانہ مقرر کی جاتی ہے اور بیرونی سفیر کو ایامِ سفر میں یومیہ ۴ یا ۵/ روپے سلسلہ خوراکی علاوہ تنخواہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اب چونکہ دوسری صورت میں یہ کہا جارہا ہے کہ بجائے خوراکی بحصۂ تنخواہ مقرر کرنے کے یہ مقرر کیا جائے کہ مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں زکوۃ، فطرہ، چرمِ قربانی، نذر، ایصالِ ثواب وغیرہ کی رقم کو بعینہٖ مدرسہ میں داخل کر دی جائے اور ان کے علاوہ وصول شدہ رقم مثلاً: عطیہ، چندہ، مٹھی فنڈ، گولک فنڈ، میں سفر خرچ جیسے سواری، ریل، بس، رکشہ، سائیکل وغیرہ (جو مدرسہ کے ذمہ رہے گا) کے علاوہ جو رقم بھی چندہ کی رہے، اس میں سفیر کا حصہ تہائی یا نصف یا جو بھی مقرر کیا جائے۔ اس طرح سے سفیر مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفیر کے لئے اس طرح مقرر کرنا کہ زکوۃ، صدقہ فطرہ، نذر، ایصالِ ثواب کی رقموں کے علاوہ جو کچھ وصول ہو اس میں سے ریل، بس وغیرہ کے خرچ سے جو کچھ بچے اس کا نصف یا تہائی وغیرہ بطورِ تنخواہ دیا جائے گا غلط اور خلافِ شرع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۸ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۴/۴۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل عليه طعامه ببعضه، او ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلک نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفير الطحان". (الدرالمختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۲۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۴۱، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا

سوال[۸۱۶۲]: زید ایک جگہ ملازم ہے وہ رخصت پر جاتا ہے اور اپنی جگہ پر بکر کو ملازم رکھوا دیتا ہے۔ زید بکر کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے، وہ یہ کہ جب تم کو تنخواہ ملے اس میں سے اتنے روپے ماہوار تم مجھ کو دیا کرو اور ساتھ ہی زید بکر کو یہ وصیت کرتا ہے کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ بکر کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر اس کو معاہدہ کے مطابق ماہوار روپیہ نہ دوں گا تو یہ بجائے میرے کسی اَور کو نوکر رکھوا دے گا جو اس کو کچھ ماہوار دیا کرے، یہ مقررہ رقم بکر دیتا رہتا ہے تاکہ نوکری بحال رہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱......کیا زید کو ایسا معاہدہ بکر کے ساتھ کرنا جائز ہے؟

۲......کیا بکر زید سے یہ روپیہ واپس لے سکتا ہے جبکہ زید واپس کرنے کے لئے رضامند ہو جائے۔

۳......بکر جبکہ بوقتِ معاہدہ کچھ رقم ماہوار ادا کے لئے راضی ہو گیا تھا اور ادا کرتا رہا، اب یہ روپیہ واپس لینا بکر کو جائز ہے؟

۴......بکر اس معاہدہ کو پورا کرتا رہا، مگر دل اس کا بہت دکھتا تھا کہ کام میں کرتا ہوں اور زید کو خواہ مخواہ تنخواہ میں سے رقم دیتا ہوں، اب زید رقم واپس دینے کے لئے تیار ہے۔ کیا بکر واپس لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......زید کا بکر سے یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے(۱)۔

۲......لے سکتا ہے۔

۳......جائز ہے۔

---

(۱) "وإذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسك أو بيدك، لا يستعمل غيره؛ لأن المعقود عليه العمل من محل معين، فلا يقوم غيره مقامه". (الدرالمختار: ۱۸/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۰۲/۱، (رقم المادة: ۵۷۱)، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۵/۶، ۳۶، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

۴......لے سکتا ہے(۱)۔ یہ اس وقت ہے جب یہ رقم محض رشوت کے طور پر ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اگر ٹھیکہ کے طور پر ہو کہ زید خواہ مخواہ کام کرے خواہ دوسرے سے کرائے تو اصل اجرت کا زید مستحق ہے، پھر وہ بکر کو جو کچھ طے کر کے دیدے، بقیہ خود رکھے تو یہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ پر کمیشن

سوال[۸۱۶۳]: بعض حاجی دوسرے حاجی کو اپنے مُلک کا نوٹ دے کر یہ کہتے ہیں کہ میرے نوٹ کو حج والے نوٹ سے بدل کرا اپنے ساتھ سعودی عربیہ لیتے چلو، وہاں تم مجھ کو دے دینا اور میں تم کو اس کے عوض اتنا کمیشن دوں گا۔ کیا یہ درست ہے، اگر نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی درست نہیں، اپنے نوٹ جس قدر قانون کی اجازت ہے بس وہی لے جائے، اس سے زیادہ کمیشن دے کر نہ لے جائے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ولو قضى حاجته بلا شرط و لا طمع، فأهدى إليه بعد ذلك، فهو حلالٌ لابأس به". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

(۲) "قال في البحر: وحاصل ما في القنية أن النائب لا يستحق شيئاً من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقرير، ولم يوجد، ويستحق الأصيل الكلَّ إن عمل أكثر السَّنة، وسكت عما يعيّنه الأصيل للنائب كل شهرٍ في مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحقه؛ لأنها إجارة، و قد وفيٰ العمل بناءً على قول المتأخرين المفتي به من جواز الاستيجار على الإمامة و التدريس و تعليم القرآن". (ردالمحتار: ۴/۴۲۰، كتاب الوقف، مطلب في الاستنابة في الوظائف، سعيد)

"لو أطلق العقد حين الاستيجار، فللأجير أن يستعمل غيره؛ لأن العمل المعقود عليه لا يتعلق بذات الأجير، بل بذمته، فيمكنه إيفاء العمل بنفسه أو بالاستعانة بغيره". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۰۷، (رقم المادة: ۵۷۲)، الفصل الرابع في إجارة الأدمي، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) حکومتی قوانین جب کہ شریعت کے حدود میں ہوں تو ان کی پاسداری ضروری اور مخالفت ناجائز ہے: =

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

☆......☆......☆......☆......☆

= قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾. (سورة النساء: ۵۹)

"فقال عرباض: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصبح ذات يوم، ثم أقبل علينا، فوعظنا موعظةً بليغةً ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يارسول الله! كأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ فقال: "أوصيكم بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً". (مسند أحمد بن حنبل، (رقم الحديث: ۱۶۶۹۵): ۵/۱۱۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"(ومن دعاه الإمام إلى ذلک) : أي قتالهم (افترض عليه إجابته)؛ لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض فكيف فيما هو طاعة، بدائع". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کے مرنے سے عقدِ اجارہ کا فسخ ہونا

سوال[۸۱۶۴]: السلام علیکم! کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

بکر کے بزرگان ایک اراضی کرایہ چار آنہ لیکر اپنے لئے مکان رہائش تیار کرتے ہیں جس کو عرصہ تخمیناً چند سالہ ہو جاتا ہے، آج کل وہی زمین قیمتی ہوگئی ہے، مالکان موجودہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ بکر زمین کو چھوڑ دے، یا چار آنہ سے زیادہ سالانہ کرایہ مقرر کرے، مگر بکر نہ زمین چھوڑتا ہے نہ کرایہ بڑھاتا ہے، بلکہ یہی کہتا ہے کہ میرے بزرگوں سے طے ہو چکا ہے اسی کرایہ پر قابض رہوں گا۔ بلکہ بعض سال اس کرایہ کو بھی ادا نہیں کرتا اور خلافِ مرضی مالکان بلا دریافت زمین، مکان کو پختہ بکر نے بنالیا ہے اور بکر ایک مسجد کا امام بھی ہے۔

۱......کیا بکر بصورتِ مندرجہ غاصب ہے؟

۲......اگر غاصب ہے تو کیا بکر کے پیچھے نماز جائز ہے؟ فقط۔

۱۹/نومبر/۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بکر کے بزرگوں نے وہ زمین اگر کرایہ پر باقاعدہ لی تھی اس طرح پر کہ اصل مالک سے کرایہ اور مدتِ کرایہ داری طے کرلیا تھا تب تو یہ اجارہ صحیحہ تھا(۱)۔ اور عقدِ اجارہ مالک یا کرایہ دار کے مرنے سے فسخ ہو

---

(۱) "و منها بيان المدة في الدُّور والمنازل والحوانيت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، شرائط الإجارة، رشيديه)

"و شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

(الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد) .... =

جاتا ہے، پس اگر اصل کرایہ کا معاملہ کرنے والا مر چکا ہے تو یہ معاملہ فسخ ہوگیا، اب از سرنو بکر سے یا جس سے دل چاہے معاملہ کرنا چاہیے، جس کرایہ پر بھی فریقین رضامند ہوں معاملہ کرلیا جائے، پہلے معاملہ کا اب کوئی اعتبار نہیں۔

اور جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اس کو اختیار ہے خواہ گرا کر اس کا سامان اٹھالے، خواہ مالک کے ہاتھ فروخت کردے۔ اور مالک اگر خریدنا چاہے تو اس کی قیمت دے دے اور قیمت گرے ہوئے مکان یعنی اینٹ وغیرہ کی معتبر ہوگی قائم اور تعمیر شدہ مکان کی قیمت معتبر نہ ہوگی۔ اور جو بکر ہی اصل مالک سے وہ زمین از سر نو کرایہ پر لے تو مکان کو گرانے کی ضرورت نہیں:

"وتنفسخ (أي الإجارة) بلا حاجة إلى الفسخ بموت أحد العاقدين" درمختار (۱)۔

"وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمهما فارغةً يعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً، الخ". درمختار مختصراً: ۱۹/۵ (۲)۔

اور اگر بکر کے بزرگوں نے کوئی مدت کرایہ داری کی متعین نہیں کی تھی تو یہ اجارہ فاسدہ تھا جس کا فسخ کرنا واجب ہے:

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۷۹/۶، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتنفسخ بموت أحد العاقدين عندنا .... عقدها لنفسه". (الدر المختار: ۸۳/۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۵۷/۶، باب فسخ الإجارة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۸/۱۶، باب انتقاض الإجارة، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "أو يتملكه، فأفاد أنه لا يلزم القلع لو رضي المؤجر بدفع القيمة، أو يرضىٰ المؤجر بتركه، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدر المختار: ۳۰/۶، باب ما يجوز من الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲۹/۴، الباب الثامن، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۹/۶، كتاب الإجارة، دار الكتب العلميه بيروت)

"أفاد أن ركنها الإيجاب والقبول، وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا". درمختار: ۵/۲(۱)۔

اگر بکر تائب ہو کر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرے تو خیر، ورنہ کسی دوسرے شخص کو (جو کہ امامت کا اہل بھی ہو) امام بنالیا جائے۔

بکر کے بزرگوں سے جو معاملہ کرائے کا ہوا تھا، اس کی مفصل کیفیت اور شرائط معلوم کرنے کے بعد کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے، ظاہر سوال کے موافق جواب صحیح ہے۔

البتہ یہ امر قابلِ اضافہ ہے کہ مرنے کی وجہ سے اصل قاعدہ کے موافق اجارہ بے شک فسخ ہو جاتا ہے، لیکن اگر ورثۂ طرفین اس پر عمل درآمد رکھیں تو اثر فسخ کا ظاہر نہیں ہوگا، اجارہ صحیح رہے گا:

"وينبغي أن لايظهر الانفساخ خصوصاً مالم يطالب الوارث بالتفريغ أو بالتزام بأجر اخر". درمختار (۲)۔

ہاں! اگر ورثۂ طرفین میں سے کوئی شخص اگر اس کو باقی رکھنا نہ چاہے تو فسخ ہو جائے گا۔ اور امامت ایسے شخص کی مکروہ تحریمی ہے، اگر اس سے بہتر دوسرا شخص موجود ہو بشرطیکہ وہ شخص بھی اس سوال کی تصدیق کرتا ہو (۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سعید احمد غفرلہ، دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رمضان/ ۵۴ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۸۵، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۵۲، باب انتقاض الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۶۳، باب فسخ الإجارة، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم =

ایضاً

سوال[۸۱۶۵]: ایک عرصہ کے بعد استفتا پہونچا جس کا نمبر۱۴، ۱۷۷ا ہے اور فتویٰ نمبر۹۹۷ ہے دریافت طلب جواب میں استفتا حسب ذیل ہے اس کا جواب بیان فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر خیر عطا فرمائے گا۔

صورت سوال: بکر کے بزرگوں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے زمین سفید بغرض بنانے مکانِ رہائش خود مالکانِ زمین سے بلاتقرر میعاد ایک قلیل رقم رعیتانہ ۴/ یا ۸/ سالانہ پر زمین حاصل کی (۱) اور اس پر مکان خام تیار کیا، معلوم ہوا ہے کہ اس زمین کو حاصل کرنے والا بکر مذکور کا دادا، پردادا تھا، آج تک بکر اور اس کے بزرگان اس میں آباد رہے۔ علاوہ زرِ رعیتانہ چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کے بکر کے بزرگان کو بحیثیت رعایا حسب رواجِ قدیم ساڑھوہ کچھ حسب ضرورتِ مالک کا بیگار بھی دینا پڑتی تھی (۲) مثلاً: گاڑی اناج، گاڑی گھاس وغیرہ آنے پر اس کا اتروانا بوقتِ ضرورت پلنگ (۳) وغیرہ مالکان کو دینا وغیرہ جس کا اب مالک بھی نہیں لے سکتا، نہ اس کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

اس مورثِ اعلیٰ بکر کے بعد کہ جس نے زمین سفید حاصل کی تھی مالکان یا جانشینِ مالکان سے کوئی تجدیدِ معاہدہ نہیں ہوا۔ بکر ایک مسجد کا امام ہے، عرصہ تین سال سے بکر کو کہا جا رہا ہے باضابطہ بحق مالکان کرایہ نامہ اسی کرایہ پر چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کا لکھا دیوے، یا جو بکر مناسب تجویز کرے قیمت دیدے اور بیعنامہ اپنے نام کرا لے مگر بکر دونوں باتوں سے انکاری ہے، کرایہ نامہ باضابطہ تو اس لئے نہیں تحریر کرواتا کہ مالک قانوناً بعد ادائیگی

= لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/ ۸۵، الباب الخامس في الإمارة، الفصل الثالث في من يصلح إماماً لغيره، رشيديه)

(۱) ''رعیتانہ: اسامی، کرایہ داری''۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۱۳، فيروز سنز لاهور)

(۲) ''بیگار: اجرت کے بغیر کام لینا''۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۵۷، فيروز سنز لاهور)

(۳) ''پلنگ: بڑی چارپائی، مسہری، کھاٹ''۔ (فيروز اللغات، ص: ۳۰۲، فيروز سنز لاهور)

زرِلاگت بکر سے خالی کرالیوے گا، بکر کوخواہ مخواہ مکان مذکورہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔اور قیمت دے کراس لیے نہیں خریدتا کہ یہ قیمت دینا مفت میں ہے، کیونکہ بکر مذکور کوزمینِ مذکورہ پر جوآسائش آج حاصل ہے وہی کل قیمت دے کراور بیعنامہ کراکے حاصل رہے گی۔

عرصہ تقریباً دویا تین سال کا ہوا کہ بکر نے بلا اجازت ودریافتِ مالکان کے ایک دیوار پختہ بنائی جس سے مالکان نے اظہارِ ناراضگی کیا، مگر بکر نے مالکان کی کوئی تسلی نہیں کی، اگر کہتا ہے تو یہی کہ تم زمین سفید کے مالک ہو، ہم مالک نہیں بنتے، کرایہ لیتے رہو جو بزرگوں سے چلا آتا ہے، تمہیں مکان میں سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے، ہمیں فروخت کرنے کا اختیار نہیں۔

فتویٰ طلب امر یہ ہے کہ اندریں حالاتِ مندرجہ بالا بکر مذکورہ کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، مکروہ تنزیہی ہے یا حرام ہے؟ اگر حرام ہے تو باوجود بہتر امام ملنے کے جو مقتدی اسی کو امام رکھیں وہ کس حکم میں ہیں؟ شرعی جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

نیز یہ بھی تحریر فرماویں کہ بکر مذکورہ کی امامت کس صورت سے جائز ہوسکتی ہے اور جو شخص اللہ ورسول کے حکم کے مطابق فتویٰ دیکھ کر اس پر عمل نہ کرے، یا انکار کردیوے کس حکم میں ہے؟ اگر قیمتِ ملبۂ مکان بکر کو مالکانِ زمین ادا کرنا چاہیں تو کس کس چیز کی قیمت از روئے شریعت محمدیہ ادا کرنی پڑے گی؟

۱۶/ رمضان/۵۴ھ۔

"جواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اس میں مدت کا تقرر نہیں کیا گیا اور صحت اجارہ کے لئے مدت کا بیان کرنا شرط ہے:"ومنها بيان المدة في الدور والمنازل والحوانيت". عالمگیری :۱۰۸۹/۳ (۱)۔

"سُئل عمن قال لآخر: اجرتُك هذه الدار بحدودها وحقوقها بكذا درهماً موصوفاً بصفته كذا، إلى عشرة أشهر كذا، من سنة كذا، على أن تسكنها إن شئتَ، وذكر شرائط

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۱۱۴، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

الصحة: هل نصح هذه الإجارة؟ فقال: لا؛ لأنه لم يبيّن أول المدة، فكانت مجهولةً، فلابد من أن يقول: من وقت كذا، أومن هذه الساعة إلىٰ وقت كذا، لتصير المدة معلومةً". كذا في فتاوى النسفي". عالمگیری: ۳/۱۱۲٤(۱)۔

اور اجارۂ فاسدہ کا فسخ کرنا واجب ہے، لہذا فریقین کو ضروری ہے کہ اس اجارہ کو فسخ کریں (۲)۔ اور مالک کو اختیار ہے کہ خواہ بکر کو کرایہ پر دے یا کسی اَور کو۔ البتہ جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اگر بکر کو زمین کرایہ پر دی جائے تو کچھ اَور کرنے کی ضرورت نہیں، صرف فریقین کرایہ اور مدتِ کرایہ کو ازسرِنو متعین کرلیں۔

اگر کسی اَور کو کرایہ پر دی جائے تو بکر کو چاہیے کہ اپنا مکان گرا کر اس کا ملبہ اٹھالے، یا مالکِ زمین کے ہاتھ فروخت کردے اور ان سے ملبہ کی قیمت لے لے۔ اگر مالکان خریدنا چاہیں تو زمین کے علاوہ (کیونکہ وہ زمین تو مالکان ہی کی ہے) اس ملبہ کی قیمت دے دیں۔ جو جو چیز مکان میں: اینٹ، لکڑی، تختہ، کواڑ وغیرہ بکر نے لگائی ہے اس کی قیمت بکر کو دی جائے (۳)۔

اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی بکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق نہ کرے اور اپنی ضد سے توبہ نہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۳۹، ۴۴۰، ما يجوز من الإجارة و ما لا يجوز، رشيديه)

"و يعلم النفع ببيان المدة كالسكنى و الزراعة مدةً كذا أيّ مدة كانت". (الدرالمختار: ۶/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "لكل من المتعاقدين فسخُ البيع الفاسد .... و كذا لو استأجر إجارةً فاسدةً و دفع الأجرة، أو ارتهن رهناً فاسداً و دفع المال إلى الراهن، ثم فسخ العقد، كان له أن يحبس المأجور أو الرهن حتى يقبض ما دفع" (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۰۸، ۲۱۱، مكتبه حنفيه كوئته)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "و تصح إجارة أرض للبناء و الغرس، فإن مضت المدة، قلعهما و سلّمها فارغةً، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أى البناء والغرس مقلوعاً بأن تقوم الأرض بهما وبدونهما، فيضمن ما بينهما اختيار ويتملكه .... فأفاد أنه لا يلزمه القلع لو رضي المؤجر بدفع القيمة .... أو يرضى المؤجر بتركه.......... فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدرالمختار: ۶/۳۰، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۲۹، ۴۳۰، الباب الثامن، كتاب الإجارة، رشيديه)

کرے تو بکر کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، دوسرا اہل امام موجود ہوتے ہوئے جو لوگ بکر کو امام بنائیں گے تو گناہگار ہوں گے۔ اگر بکر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرلے تو اس کی امامت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۹/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ رمضان/۵۴ھ۔

اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟

سوال[۸۱۶۶]: زید نے عمر سے ایک مکان دو منزلہ عرصہ تیس سال سے کرایہ پر لے رکھا ہے، شرائط کرایہ داری یہ ہیں:

مبلغ چار روپیہ ماہانہ-جس کا سالانہ کرایہ مبلغ اڑتالیس روپیہ ہوتا ہے- زید سے عمر وصول کرتے رہیں۔ کرایہ داری استمراری رہے گی اور عمر زید سے کبھی کوئی کرایہ نہ خود بڑھائے گا اور نہ اس کا پیش رو وارث قائم مقام بڑھائے گا۔

بعدہ عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بیٹے نے دو روپے ماہوار لڑ کر استحصال بالجبر کیا اور اس کے بعد بھی ان کی یہ ہوس پوری نہ ہوئی، پھر دوبارہ چار روپیہ بڑھا کر دس روپیہ ماہوار بالجبر وصول کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے والد صاحب کے کہے ہوئے وعدے کو پس پشت ڈالا اور اس کے خلاف کیا۔ اور دوسری دغا یہ کی کہ منزل بالا کی بے گانہ رسید قطع کرنی شروع کردی، یہ استحصال بالجبر کے قانونی جواز کی صورت نکالنے کے لئے ایسا کیا، حالانکہ میرے پاس دو منزلہ مکان چار روپیہ ماہوار پر ہے۔ جب کہ معاہدہ عمر مذکورہ بالا ان کے باپ کی طرف سے استمراری کرایہ پر تھی۔

۱......کیا عمر کے بیٹے کو زید سے چار روپیہ ماہوار کرایہ کی بجائے اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف چھ

---

(۱) قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: "و يكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق وأعمى". (الدر المختار). "وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

روپیہ ماہوار لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲...... پھر چار روپیہ سے دس روپیہ کر دینا اپنے باپ کے معاہدہ کی خلاف ناجائز طریقہ پر وصول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۳...... اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف جو بیٹے نے زید سے زائد رقم بڑھا کر اس کی طرف ۶۷۶/ روپیہ نکال دیا، اس کو شرعاً زید کے بیٹے کو دینا درست ہے یا نہیں؟

۴...... بیٹے کو اپنے باپ مرحوم کے خلاف کرایہ دار سے مکان خالی کرانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عمر کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار تھا، جس کرایہ پر انہوں نے چاہا دے دیا اور جو معاہدہ چاہا کر لیا، اس کے انتقال کے بعد اس کی ملک ختم ہو کر وارث کی ملک ہوگئی، وارث کو اختیار ہے کہ کرایہ سابق پر سابق کرایہ کو دو روپیہ برقرار رکھیں، یا کسی سے جدید معاملہ کر لے، یا کرایہ سابق پر راضی رہیں، یا اضافہ کریں، والد صاحب کے معاہدے کی پابندی اس کے ذمہ لازم نہیں (۱)۔ والد صاحب کے تعلقات کا لحاظ کرنا ان کے لئے بہتر ہے کہ یہ بھی والد مرحوم کے اکرام واحترام میں داخل ہے، لیکن کرایہ وغیرہ کے معاملات میں ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، مکان کی حیثیت اور گرانی کے پیش نظر کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا گناہ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "و تنفسخ بموت أحد العاقدين عندنا عَقَدَها لنفسه".

(الدرالمختار: ۸۳/۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۵۷/۶، باب فسخ الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۸/۱۶، باب انتقاض الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا زاد الآجر أوالمستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولةً، لا تجوز الزيادة، سواء كانت من الآجر أو من المستأجر. وإن كانت معلومةً من الآجر، تجوز، سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۳۹/۴، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة والزيادة فيها، رشيديه) ...... =

کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟

سوال[۸۱۶۷]: میرے شوہر نے ایک دکان مسجد کے قریب ۲۲/سال قبل پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی تھی اور اس میں اپنا کاروبار کرتے تھے اور کرایہ ماہ بماہ ادا کرتے تھے۔ اب ۳/مارچ/۱۹۷۳ء کو ان کا انتقال ہوگیا، انھوں نے چار بچے چھوڑے جو کہ سات برس سے سب کم ہی کم ہیں اور ایک میں خود اور میری ساس۔ ان کے انتقال کے بعد متولی صاحب نے کرایہ لینے سے انکار کردیا اور کہتے ہیں کہ دوکان خالی کر، ایک طرف دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ روپے لے کر مجھے دوکان کا قبضہ دے دو۔ اب معلوم کرنا یہ چاہتے ہیں کہ دوکان پر کرایہ لے کر قبضہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ رقم ہمارے لیے جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو حق نہیں کہ روپے لے کر کسی کو دوکان پر قبضہ دیں، بلکہ متولی کے کہنے کے موافق خالی کردیں، وہ جس کو چاہیں گے کرایہ پر دیں گے اور جو کرایہ مسجد کے لئے مناسب ہوگا مقرر کرلیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۹۳ھ۔

مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال[۸۱۶۸]: آیا کرایہ دار مکان یا دوکان سے زائد کرایہ شرعاً وصول کیا جاسکتا ہے، یا مکان اور

= (وكذا في الدرالمختار: ۲۱/۶، ۲۲، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر" (الدرالمختار: ۴۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر".

(المبسوط للسرخسي: ۱۴۶/۱۵، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۲/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

دکان کرایہ دار سے خالی کرائی جاسکتی ہے؟ کیونکہ آج کل قانون سرکار ہے کہ نہ دکان نہ مکان خالی کرایا جاسکتا ہے اور نہ کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مسلمان کرایہ دار کرایہ نہ بڑھائے اور نہ خالی کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دکان ومکان کے مالک کو اختیار ہے کہ جتنی مدت کے لئے کرایہ کا معاملہ کیا گیا تھا، اس کے گزر جانے پر کرایہ دار سے خالی کرالے، یہ بھی اختیار ہے کہ زائد کرایہ کا معاملہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کرایہ کا مکان خالی کرنا

سوال[۸۱۶۹]: میں تقریباً ساڑھے چار برس سے ایک کرایہ کے مکان میں ۳۵/ روپے ماہوار پر رہتا ہوں۔ آج سے تین سال قبل معلوم ہوا کہ مکان مذکورہ فروخت ہونے والا ہے، چنانچہ میں نے اپنے لئے ایک دوسرے مکان کا بندوبست کرلیا اور جانے کا ارادہ کرلیا، مالکِ مکان نے ضمانت دی کہ آپ پڑے رہیں، آپ کو نہیں نکالا جائے گا۔ ادھر پھر مکان مالک نے اس کو فروخت کرنے کی بات چیت شروع کی۔ میں نے خود مکان کو لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور مالک مکان سے گفتگو کی اور مبلغ دس ہزار روپے میں بات چیت طے ہوگئی۔ وہ فوری طور پر روپیہ چاہتے تھے، میرے پاس ہفتہ عشرہ میں انتظام نہ ہوسکا، دو تین ماہ کی مہلت چاہی۔ مالک مکان نے اپنی ضرورت ظاہر کی تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس درمیان میں انہوں نے ایک تیسرے آدمی سے گفتگو کرکے نو ہزار تین سو روپے میں فروخت کردیا۔ فروخت کرنے سے دو روز قبل مالک میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک تیسرے آدمی کو فروخت کررہا ہوں، آپ

---

(۱) "ثم إذا تمّ الشهر، كان لكل واحد منهما نقض الإجارة، لانتهاء العقد الصحيح، بشرط أن يكون الآخر حاضراً". (تبيين الحقائق: ۱۱۲/۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۴۶/۱۵، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر". (الدر المختار: ۴۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

چاہیں تو خود لے سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نو ہزار تین سو روپے میں بات طے کی ہے جب کہ مجھ کو دس ہزار میں دے رہے تھے، بہر کیف میرے پاس نقد روپیہ فوری طور پر نہیں ہیں، چنانچہ میں نے ایک تیسرے آدمی کو تیار کیا اور انہوں نے جا کر مالک مکان کے بہنوئی - جو بظاہر ان کے کار پرداز تھے ان - سے براہِ راست گفتگو آٹھ ہزار چھ سو میں طے کرلی۔ ادھر مالک وغیرہ نے فریب دے کر نو ہزار تین سو روپے میں ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کردیا۔

مکان فروخت ہونے سے ایک روز قبل میں نے مالک سے کہا کہ آپ کو جتنا روپیہ دوسرے سے مل رہا ہے میں انہیں حضرات سے آٹھ ہزار سوا چھ سو میں بات طے ہوئی ہے دلوا دوں گا، آپ کسی غیر کو نہ دیں، لیکن انہوں نے خاموشی سے طوائف کے ہاتھ فروخت کردیا۔ میں نے مالک سے ہمیشہ یہ کہا کہ آپ کا مکان خالی کردوں گا، سہولت سے کہیں پر انتظام ہوجائے۔ اب طوائف کا اصرار ہے کہ مکان جلد خالی کردو۔ مالک مکان فروخت کرکے پاکستان چلے گئے، میں جس محلہ میں ہوں وہاں سے ایک دو فرلانگ پر طوائف آباد ہیں۔

میرا محلّہ پاک صاف ہے، میں اپنے محلّہ کی مسجد میں بغیر تنخواہ کے امام ہوں، محلے کے سارے لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ مکان خالی نہ کریں، اس محلّہ میں بھی اگر طوائف آباد ہوگئیں تو سب کی عزت ختم ہوجائے گی۔ اور محلّہ کی مسجد بالکل ویران ہوجائے گی۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محلّہ کے لوگوں کو دین کی طرف ابھارا ہے اور بہت سے لوگ نمازی ہوچکے ہیں، تبلیغی جماعت اور تفاسیر سے بھی لوگوں کو بعد نماز عرصہ دراز سے روشناس کراتا ہوں۔

نیز یہ کہ وہ مالک مکان کے خالہ زاد بھائی کا مکان ہے۔ وہ مکان اور جائیداد خالہ زاد بھائی کے نام وقف علی الاولاد ہے۔ خالہ زاد بھائی نے مالک مکان کی والدہ یعنی اپنی بیوہ خالہ کو بسانے کی غرض سے اپنے مکان کا تھوڑا سا حصہ مبلغ دو ہزار روپیہ لے کر دے دیا تھا اور ان کے نام لکھ دیا تھا اور اس خیال سے کہ ہم لوگ ان سے کوئی تنازعہ اٹھا کے نہیں جائیں اور وقف علی الاولاد کا جھگڑا نہیں اٹھے گا۔ بیوہ خالہ کے لڑکے اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہے اور جوان ہونے پر فریب دے کر فروخت کردیا۔

اب پرانے مکان مالک یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ کو دیا تھا، اگر بچوں نے بیچ دیا تو میں تیسرے کو خصوصاً طوائف کو نہیں رہنے دوں گا اور دعویٰ کرکے بیع نامہ منسوخ کرادوں گا اور روپیہ واپس کردوں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ میں کرایہ دار کی حیثیت سے ہوں، اگر میں چھوڑ دوں تو برائیاں پھیل جائیں گی۔ میرے لئے شرعی حکم کیا ہے، کرایہ دار کی حیثیت سے برقرار رہوں یا خرید سکتا ہوں، یا چھوڑ دوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا اگر مالک مکان نہیں ہے اور جو اصل مالک ہے وہ آپ سے خالی نہیں کراتا تو آپ خالی نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا

سوال[۸۱۷۰]: ایک باغ جو قبرستان کے نام وقف ہے اور زید اس کا متولی ہے جس کے دو نمبر ہیں: ایک خسرہ نمبر: ۳۱۸، دوسرا نمبر: ۳۱۹ (۲)۔ نمبر: ۳۱۸ میں قبریں ہیں اور نمبر: ۳۱۹ میں ابھی تک قبریں نہیں بنی ہیں۔ نمبر ۳۱۹ کے ایک کنارے پر چار گز لمبی اور چار گز چوڑی ایک دوکان کرایہ پر دیدی ہے جس میں کرایہ دار خنزیر کے گوشت کی دوکان کرتا ہے درآنحالیکہ باغ شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔

اس باغ کا تقریباً آٹھ سال سے مقدمہ چل رہا ہے اور زید مقدمہ بازی میں کافی مقروض ہو چکا ہے، جس قرض کا سود قریب ایک سو روپے سے زائد بیٹھتا ہے۔ اور چونکہ مذکورہ باغ سے کوئی خاص آمد بھی نہیں ہے،

---

(۱) "الفضولي هو من يتصرف في حق غيره بغير إذن شرعي وكل تصرف صدر منه وله مجيز: أي لهذا التصرف حال وقوعه، انعقد موقوفاً على إجازة من يملك ذلك العقد". (الدرالمختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۱۰۶/۵، ۱۰۷، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع: ۲۱۲/۱، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۸۵/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "خسرہ: گاؤں کے کھیتوں کی فہرست جس میں ہر نمبر کے مقابل کھیت کا رقبہ کاشت کار کا نام، قسم زمین اور جنس درج کی جاتی ہے"۔ (فیروز للغات، ص: ۵۹۰، فیروز سنز لاهور)

لہٰذا زیداس دوکان کے کرایہ سے سودا کرتا ہے اور اپنے نجی خرچ میں ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرتا۔ سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا زیداس دوکان کو بدستور رکھے ہوئے سودا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر زیداس دوکان کو ختم کرتا ہے تو بہت مشقت میں پڑجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوکان کرایہ پر دی ہے اور یہ شرط نہیں کی کہ اس میں خنزیر کا گوشت فروخت کیا جائے، پھر کرایہ دار جو بھی فروخت کرے وہ خود اس کا اپنا عمل ہے(۱)، نیز غیر مسلم کو اس سے روکا بھی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ اس کے مذہب میں خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت صحیح ہے(۲)، اس لئے متولی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کو خالی کرائے، خاص کر ایسی حالت میں کہ کوئی دوسرا کرایہ دار بھی شہر سے باہر میسر نہیں آتا، اور اس کی آمدنی مقدمہ وقف میں خرچ بھی ہورہی ہے، ان حالات میں مجبوراً اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۷ھ۔

قرض ادانہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا

سوال[۸۱۷۱]: ایک شخص نے اپنے بھائی کو کھڈی کے لئے روپیہ قرض دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، لا بغيرها على الأصح ... . وخص سواد الكوفة؛ لأن غالب أهلها أهل الذمة، ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، إنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه .... والدليل عليه أنه لو آجره للسكنى، جاز". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۹۲/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا استأجر ذمي ذمياً لينقل الخمر ....جاز عندهم؛ لأن الخمر عندهم كالخل عندنا، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۴، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

"لأن الخمر والخنزير مال متقوم في حقهم بمنزلة الشاة والبعير في حقنا". (المبسوط للسرخسي: ۴۳/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

دیتا رہے گا، لیکن چار ماہ بعد جب قرض ادا نہ ہوا تو وہ کھڈی (۱) اٹھا کر لئے گئے، دو چار مہینہ کا کرایہ بھی ان سے وصول کیا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اپنا قرض دیا ہوا روپیہ وصول کرنے کا حق ہے، اس سے زائد وصول کرنا جائز نہیں، وہ سود ہے، خواہ کسی نام سے ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

---

(۱) ''کھڈی: قدمچہ، اینٹوں یا پتھروں کا وہ چولہا سا جس پر بیٹھ کر پاخانہ پھرتے ہیں۔ جولاہوں کے کام کرنے کا گڑھا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۷، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"كل قرض جرّ منفعةً فهو رباً". (رقم الحديث: ۶۳۳۶). (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفى الباز الرياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدر المختار: ۱۶۶/۵، فصل في القرض، مطلب في كل قرض جر نفعاً، سعيد)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب الإجارة	
	باب الاستيجار على الطاعات	
	الفصل الأول في الاستيجار على التعليم وغيره	
	(تعلیم، اعتکاف اور فتویٰ پر اجرت لینے کا بیان)	
۱	تعلیمِ قرآن پر اجرت............	۲۵
۲	ایضاً	۲۷
۳	اعتکاف پر معاوضہ............	۲۸
۴	فتویٰ پر اجرت لینا............	۲۹
۵	نمازِ فجر کے لئے لوگوں کو جگانے کی اجرت............	۳۰
	الفصل الثاني في الاستيجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت	
	(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)	
۶	تلاوتِ قرآن کریم پر اجرت............	۳۲

۷ قرأتِ قرآن پر اجرت کا حیلہ ۳۶
۸ ایضاً ۳۶
۹ اجرت پر قرآن خوانی ۳۷
۱۰ قاری کے لئے اجرت کی شرط اور مروجہ قرآن خوانی ۳۸
۱۱ اجرت علی القرأۃ ۴۱
۱۲ شفائے مریض کے لئے آیاتِ قرآنیہ پر اجرت لینا ۴۲
۱۳ ایصالِ ثواب کے لئے اجارہ ۴۳
۱۴ میت کے لئے اجرت پر تسبیح وتہلیل ۴۶
۱۵ ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا ۴۷
۱۶ ایصالِ ثواب پر پیسے لینا ۴۸
۱۷ دعوت کے لئے پیسے کی شرط ۴۸

الفصل الثالث فی الاستیجار علی الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

۱۸ امام کے لئے مشاہرہ ۵۰
۱۹ اجرت پر نمازِ عید کی امامت کرنا ۵۱
۲۰ امامت کی اجرت میں صرف کھانا دینا ۵۳
۲۱ امام یا مؤذن کو تنخواہ میں مسجد کی زمین دینا ۵۴
۲۲ اپنی عوض میں دوسرا امام دے کر چلہ میں جانے والے امام کی تنخواہ ۵۵
۲۳ جو امام پابندی نہ کرے اس کا معاوضہ ۵۵
۲۴ امام کا استعفیٰ دینے کے بعد استحقاقِ تنخواہ کے لئے تجدیدِ معاملہ ۵۶
۲۵ امام کی تنخواہ اور کھانا حرام آمدنی سے ۵۷
۲۶ امام کا دیر سے آنا اور تنخواہ لینا ۵۸

۲۷	امام سے معاہدہ کہ "غیر حاضری کی تنخواہ وضع نہ کی جائے" درست ہے	۵۹
۲۸	مسجد کی آمدنی سے امام کی غیر حاضری کی تنخواہ وضع کرنے کا قانون	۶۰
۲۹	مہینہ ہوتے ہی تنخواہ کا مطالبہ	۶۱
۳۰	نمازِ جنازہ پڑھا کر خیرات لینا	۶۱
۳۱	بچہ کے کان میں اذان پر کچھ پیش کرنا	۶۳

الفصل الرابع فی الاستیجار علی ختم التراویح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

۳۲	تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت	۶۴
۳۳	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۵
۳۴	تراویح میں سنانے کی اجرت	۶۶
۳۵	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۷
۳۶	امامت، تعلیم اور تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۸
۳۷	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۹
۳۸	قرآن شریف سنانے کی اجرت اور اس کا حیلہ	۷۱
۳۹	تراویح میں قرآن شریف سنانے پر کچھ لینا دینا	۷۲
۴۰	ختمِ قرآن پر اجرت یا ہدیہ	۷۴
۴۱	ختمِ تراویح پر روشنی اور امام کو ہدیہ	۷۴
۴۲	امامِ تراویح کی خدمت کرنا	۷۵
۴۳	تراویح پر اجرت	۷۷
۴۴	تراویح اور پنجگانہ امامت اور تعلیمِ قرآن کی اجرت میں فرق	۷۸
۴۵	ختمِ قرآن پر دعوت	۷۹
۴۶	ختم شریف کا چندہ	۸۱

۴۷ ختم قرآن وختم بخاری پراجرت میں فرق ۸۲

الفصل الخامس فی الاستیجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پراجرت لینے کا بیان)

۴۸ وعظ کی اجرت ۸۶
۴۹ وعظ کو پیشہ بنانا ۸۶
۵۰ وعظ کی ملازمت ۸۷
۵۱ وعظ پر نذرانہ ۸۸
۵۲ ایضاً ۸۸
۵۳ تلاوت اور وعظ پراجرت ۹۰

الفصل السادس فی الاستیجار علی خطبة النکاح

(نکاح پڑھانے پراجرت لینے کا بیان)

۵۴ نکاح خوانی کی اجرت ۹۳
۵۵ ایضاً ۹۵
۵۶ نکاح پڑھانے کی اجرت ۹۶
۵۷ نکاح خوانی کی اجرت کس پر ہے؟ ۹۷
۵۸ نکاح خوانی کی اجرت ۹۸

الفصل السابع فی الاستیجار علی التعویذ

(تعویذ پراجرت لینے کا بیان)

۵۹ تعویذ، گنڈے اور وعظ پر معاوضہ ۹۹
۶۰ تعویذ پراجرت ۱۰۰

۶۱	تعویذ اور اس پر اجرت	۱۰۱
۶۲	تعویذ پر اجرت	۱۰۳
۶۳	جن، بھوت کے علاج پر معاوضہ	۱۰۳
۶۴	دُنبل پر دم کرنے پر معاوضہ	۱۰۵

باب الاستیجار علی المعاصی

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

۶۵	ناجائز کام کی اجرت	۱۰۷
۶۶	باجہ بجانے کی اجرت	۱۰۹
۶۷	ریڈیو بنانے اور مرمت کرنے کی اجرت	۱۱۰
۶۸	قوالی اور اس کی آمدنی	۱۱۱
۶۹	ناول کرایہ پر دینا	۱۱۳
۷۰	تصویر کی اجرت	۱۱۴
۷۱	گیس بتی مجالسِ شرک وفسق میں کرایہ پر دینا	۱۱۵
۷۲	حرام آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینا	۱۱۶
۷۳	کارخانۂ شراب کی ملازمت	۱۱۷
۷۴	ایسی ملازمت جس میں سود کا حساب ہی ہو	۱۱۹
۷۵	چنگی کی ملازمت	۱۲۰
۷۶	نسبندی کی ملازمت	۱۲۱
۷۷	تاڑی نکالنے کے لئے درخت کو کرایہ پر دینا	۱۲۱
۷۸	نائی کا پیشہ	۱۲۲
۷۹	نائی کی اجرت	۱۲۳

باب المتفرقات

۸۰	کرایہ دار کا مالک کی زمین میں مکان بنانا	۱۲۵
۸۱	امام کے لئے نوتہ لکھنے کی ذمہ داری	۱۲۶
۸۲	بلاٹکٹ ریل میں سفر کرنا	۱۲۷
۸۳	بذریعۂ پاس ریل میں سفر کرنا	۱۲۸
۸۴	دوکان کا بڑھا ہوا تختہ حکومت نے کٹوادیا، وہ کرایہ دار کا ہے یا مالکِ دوکان کا؟	۱۲۹
۸۵	بیع سے پہلے کرایہ وصول کرنا	۱۳۰
۸۶	ایک کی دوکان سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟	۱۳۲
۸۷	بلا مجبوری کے کرایہ دار کو تکلیف دینا	۱۳۶
۸۸	ٹیکس دینے سے نقصان ہو تو کیا کرے؟	۱۳۷
۸۹	چنگی کا محصول	۱۳۷
۹۰	چنگی سے مال بچانا	۱۴۰
۹۱	تجارتی مال کا محصول اور چنگی دینا	۱۴۱

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

۹۲	کسی کی زمین کو غصب کرنا	۱۴۲
۹۳	زمین غصب کر کے پڑوسی کا مکان بنوانا	۱۴۳
۹۴	کسی کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹ لینا	۱۴۵
۹۵	۷۵/ بیگہ سے زائد زمین رکھنا اور کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا	۱۴۶
۹۶	پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ	۱۴۷

۹۷	سیر داری کی زمین	۱۴۹
۹۸	دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے کیا مالک بن جائے گا؟	۱۵۰
۹۹	غاصب کا قبضہ ہٹانے کے لئے قتل کرنا	۱۵۲
۱۰۰	مملوک کنویں کو مندر بنانا	۱۵۳
۱۰۱	کرایہ کے مکان پر قبضہ	۱۵۴
۱۰۲	شجرۂ مغصوبہ کا پھل	۱۵۶
۱۰۳	کیا بارش کے پانی کو دوسرے کے مکان کے صحن سے روکنا درست ہے؟	۱۵۷

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

۱۰۴	حق شفعہ کی تفصیل	۱۵۸
۱۰۵	ابطالِ شفعہ کے حیلہ پر بخاریؒ کا اعتراض	۱۶۰

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

۱۰۶	مزارعت کی مختلف صورتیں	۱۶۳
۱۰۷	زمین مزارعت کے لئے ادھیا پر دینا	۱۶۷
۱۰۸	بیج دے کر نصف پیداوار پر کھیت دینا	۱۶۸
۱۰۹	کچھ اراضی نصف پیداوار پر دینے اور کچھ کل پیداوار پر دینے کا حکم	۱۶۸
۱۱۰	پیداوار میں سے مخصوص حصہ متعین کرنا	۱۷۰
۱۱۱	زمین کا کرایہ نقد، غلہ کی صورت میں، یا پیداوار کا حصہ متعین کرنا	۱۷۱
۱۱۲	زمیندار کا حصہ متعین کر کے مزدور، ہل اور بیج کا خرچہ کاشتکار پر رکھنا	۱۷۳

۱۱۳	مزارعت میں اگر تاوان ہو تو کس پر ہوگا؟	۱۷۳
۱۱۴	سوال و جواب مذکورہ سے متعلق سوال	۱۷۵
۱۱۵	مسجد کی زمین کو زراعت کے لئے دینا	۱۷۶
۱۱۶	خاتمۂ زمینداری کاشتکار کو مالک بنادینا درست ہے یا نہیں؟ مع فتوی حضرت حکیم الامتؒ	۱۷۷
۱۱۷	موروثی زمین، کسی مدت تک کاشت کرنے سے کاشتکار کے لئے ثبوتِ ملک	۱۸۱
۱۱۸	موروثی زمین اور قرض میں تمادی	۱۸۴
۱۱۹	غیر مسلم کی موروثی زمین	۱۸۵
۱۲۰	زمین کو چک بندی سے بچانے کی ترکیب	۱۸۶
۱۲۱	موروثی اور دخیل کاری کی آمدنی	۱۸۷
۱۲۲	کھڑے کھیت کی انداز سے تقسیم	۱۸۸
۱۲۳	مزارع کو سکونت کا حق	۱۸۹
۱۲۴	زمیندار کی زمین میں مکان تعمیر کرانا	۱۹۱
۱۲۵	کسی کی زمین سے گھاس کاٹنا	۱۹۳
۱۲۶	سرکاری زمین میں کھیتی کرنا	۱۹۵
۱۲۷	کاشتکار کا چار بیگہ زمین لے کر زمیندار کی بقیہ زمین واپس کرنا	۱۹۶
۱۲۸	غیر مملوک زمین میں بونے سے ملکیت	۱۹۷
۱۲۹	سیلِ ماء دوسرے کی ملک میں	۱۹۸

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

۱۳۰	کیا شکار کرنا مباح ہے؟	۲۰۰

۱۳۱	تفریح کے لئے شکار کھیلنا	۲۰۱
۱۳۲	بلاضرورت شکار میں وقت ضائع کرنا	۲۰۳
۱۳۳	شکار میں نماز قضا کرنا	۲۰۳
۱۳۴	بے نمازی کا شکار اور اس کے ساتھ اختلاط	۲۰۳
۱۳۵	زندہ چیز کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا	۲۰۵
۱۳۶	مچھلی زندہ پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی، اس کے کھانا کا حکم	۲۰۵
۱۳۷	پانی کے اندر لاٹھی سے مچھلی مار کر مرنے کے بعد پکڑنا	۲۰۶
۱۳۸	لبِ دریا خطیرہ بنایا، اس میں مچھلیاں آگئیں، ان کا دوسرے کو پکڑنا	۲۰۷
۱۳۹	مملوک حوض سے مچھلی پکڑنا	۲۱۲
۱۴۰	سور کے خون سے آلودہ برچھی سے شکاری کے زخمی کئے ہوئے جانور کا حکم	۲۱۳
۱۴۱	عضوِ شکار ذبح سے پہلے جدا ہوگیا	۲۱۴
۱۴۲	کتے کے ذریعہ شکار	۲۱۴
۱۴۳	کتے کا شکار کو پکڑنا	۲۱۶
۱۴۴	کتے کو "بسم اللہ" پڑھ کر ہرن پر چھوڑا، اس نے اول خنزیر کو پکڑا پھر ہرن کو	۲۱۶
۱۴۵	کتے کے منہ سے گوشت چھین کر خود کھانا	۲۱۷
۱۴۶	کیچوے کے ذریعہ مچھلی کا شکار	۲۱۸
۱۴۷	کیچوے کے ذریعہ شکار	۲۱۹
۱۴۸	زندہ مینڈک سے شکار	۲۱۹
۱۴۹	بندوق کے شکار کا حکم	۲۲۰
۱۵۰	بندوق سے شکار	۲۲۲
۱۵۱	بندوق کی گولی سے شکار	۲۲۳

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لايصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

۱۵۲ دیوبندی کا ذبیحہ ۲۲۵
۱۵۳ بچے کے ذبیحہ کا حکم ۲۲۶
۱۵۴ بےنمازی اور نشہ کرنے والوں کا ذبیحہ ۲۲۶
۱۵۵ کیا تارکِ صوم کا ذبیحہ حرام ہے؟ ۲۲۸
۱۵۶ عورت کا خود اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ۲۲۸
۱۵۷ عورت کا ذبیحہ ۲۲۹
۱۵۸ حائضہ، نفساء اور جنب کے ذبیحہ کا حکم ۲۳۰
۱۵۹ کلمۂ کفر کہنے والے کا ذبیحہ ۲۳۰
۱۶۰ مشین اور یہودی کا ذبیحہ ۲۳۱
۱۶۱ ذبیحۂ یہودی ۲۳۴
۱۶۲ شیعہ کا ذبیحہ ۲۳۵
۱۶۳ روافض کا ذبیحہ بمجبوری ۲۳۶
۱۶۴ غیر مسلم کا ذبیحۂ شرعیہ کو فروخت کرنا ۲۳۷
۱۶۵ دو شخصوں کا ذبح کرنا ۲۳۷

الفصل الثاني في سنن الذبح وآدابه ومكروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

۱۶۶ قربانی کے وقت "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہنا ۲۳۹

۱۶۷	وقتِ ذبح اللہ کا کونسا نام لیا جائے؟	۲۴۰
۱۶۸	ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا	۲۴۱
۱۶۹	کیا قربانی کے ہر شریک پر تکبیر واجب ہے؟	۲۴۲
۱۷۰	معینِ ذابح پر تسمیہ	۲۴۳
۱۷۱	ذبح کے وقت جانور کس کروٹ پر ہو؟	۲۴۴
۱۷۲	ذبح کرتے وقت جانور کا قبلہ رو ہونا	۲۴۵
۱۷۳	الذبح فوق العقدۃ	۲۴۶
۱۷۴	گردن کی طرف سے ذبح کرنا	۲۵۴
۱۷۵	ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا	۲۵۷
۱۷۶	بکری کو ذبح کرتے وقت خون کو وہیں بند کر دینا	۲۵۷
۱۷۷	ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا	۲۵۹
۱۷۸	ذبح سے قبل بجلی کا شاٹ لگانا	۲۶۰
۱۷۹	متوحش جانور کو ذبح کرنے کے لئے سر پر لوہا مارنا	۲۶۱
۱۸۰	ذبح کے وقت علاماتِ حیات	۲۷۸
۱۸۱	ذبح سے پہلے جانوروں کو بھوکا رکھنا	۲۸۰

الفصل الثالث فی مایصح ذبحُه ومالایصح

(ذبحِ صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

۱۸۲	مرنے کے بعد چھری پھیرنے سے مرغ حلال نہیں ہوتا	۲۸۱
۱۸۳	جس جانور کے دو ٹکڑے ہو جائیں اس کا ذبح کرنا	۲۸۲
۱۸۴	جس بکرے پر بجلی گر جائے اس کو ذبح کر کے کھانا	۲۸۴
۱۸۵	بندوق سے چڑیا کی گردن اُڑ گئی اس کو ذبح کیا گیا	۲۸۴
۱۸۶	کتے نے مرغ کو پکڑ لیا اس کو ذبح کر کے کھانا	۲۸۵

۱۸۷	بیمار گائے ذبح کی اور خون آہستہ آہستہ نکلا، حرکت کچھ نہیں کی	۲۸۶
۱۸۸	ایک جانور کو ذبح کیا وہ جا کر پانی میں ڈوب گیا اس کا کھانا	۲۸۷
۱۸۹	کار آمد جانور کو تجارت کے لئے ذبح کرنا	۲۸۸

الفصل الرابع فی مایصح أكله من اللحوم ومالايصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

۱۹۰	عرب ممالک میں ڈبہ بند گوشت کا حکم	۲۹۰
۱۹۱	چمڑا کھانا	۲۹۱
۱۹۲	حلال جانور کا چمڑا کھانا	۲۹۲
۱۹۳	قربانی کی کھال کا کھانا	۲۹۲
۱۹۴	اوجھڑی اور آنتیں کھانا	۲۹۳
۱۹۵	اوجھڑی کھانا کیسا ہے؟	۲۹۴
۱۹۶	اوجھڑی، آنتوں اور گدھی اور سُور کے دودھ کا حکم	۲۹۵
۱۹۷	غدود کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟	۲۹۷
۱۹۸	حرام مغز	۲۹۸
۱۹۹	بکرے کے کپورے کا حکم	۲۹۸
۲۰۰	کپورے کے متعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ	۲۹۹
۲۰۱	خصیہ کا کھانا	۳۰۰
۲۰۲	حلال جانور کے حلال اجزاء	۳۰۰
۲۰۳	گوشت کے ساتھ لگا ہوا خون پاک ہے، ذبح بھی دباغت ہے	۳۰۲
۲۰۴	گھومنے اور پھرنے والی مرغی کو فوراً ذبح کر کے کھانا	۳۰۵
۲۰۵	کافر کے سرکاری سانڈ کو ذبح کر کے کھانا	۳۰۶
۲۰۶	گابھن بھیڑ کو ذبح کر کے فروخت کرنا اور اس کے بچے کا حکم	۳۰۷

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لا يجب

(قربانی کے وجوب وعدم وجوب کا بیان)

۲۰۷	قربانی کس پر واجب ہے؟ کیا قیمت کا صدقہ کرنا کافی ہے؟	۳۰۹
۲۰۸	قربانی کس پر واجب ہے؟	۳۱۰
۲۰۹	کیا گھر کے سب آدمیوں کی طرف سے قربانی لازم ہے؟	۳۱۱
۲۱۰	سب گھر کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی	۳۱۲
۲۱۱	مشترکہ کاروبار والے جب انفراداً صاحبِ نصاب نہ ہوں تو قربانی واجب نہیں	۳۱۳
۲۱۲	صغیر اولاد کی طرف سے قربانی، ہدایہ کی عبارت	۳۱۳
۲۱۳	کچھ سونا اور کچھ چاندی دونوں پر قربانی	۳۱۴
۲۱۴	جانور خریدنے سے قربانی کا وجوب	۳۱۵
۲۱۵	قربانی کا دوسرا جانور خریدنے پر پہلا گم شدہ مل گیا	۳۱۶
۲۱۶	قربانی کا جانور مرنے سے کیا واجب ساقط ہو جاتا ہے؟	۳۱۶
۲۱۷	قربانی کے لئے جانور خرید کر فقیر ہو گیا	۳۱۷
۲۱۸	ہدیہ کئے ہوئے جانور میں قربانی کی نیت	۳۱۸
۲۱۹	گابھن گائے کی قربانی	۳۱۹
۲۲۰	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا	۳۱۹
۲۲۱	کسی کی طرف سے بلا اذن قربانی کرنا	۳۲۱
۲۲۲	مسافر بیٹے کی طرف بغیر اس کی اجازت کے قربانی کرنا	۳۲۳
۲۲۳	باپ کی طرف سے قربانی	۳۲۴

۲۲۴	میت کی طرف سے قربانی	۳۲۵
۲۲۵	میت کی طرف سے قربانی بلا وصیت	۳۲۶
۲۲۶	اپنی قربانی نہ کرنا، میت کی طرف سے قربانی کرنا	۳۲۸
۲۲۷	میت کی طرف سے قربانی کے ذریعہ ادائے واجب	۳۲۹
۲۲۸	اپنی قربانی میں زیادہ ثواب ہے، یا والدہ، یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے؟	۳۳۲

بابٌ فی أفضل الضحایا وفیما یجوز منها ومالا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز وناجائز جانور کا بیان)

۲۲۹	کس جانور کی قربانی افضل ہے؟	۳۳۳
۲۳۰	کسی کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی کو ترک کر کے بکرا قربان کرنا	۳۳۳
۲۳۱	ایک فربہ بکرے کی قربانی بہتر ہے، یا اس سے قیمت میں برابر دو بکروں کی؟	۳۳۶
۲۳۲	ہندو کی دل آزاری کے خیال سے قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو واپس کرنا	۳۳۷
۲۳۳	نر اور مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے؟	۳۴۰
۲۳۴	خصی جانور کی قربانی کا حکم	۳۴۰
۲۳۵	خصی کی قربانی	۳۴۱
۲۳۶	ساتواں حصہ افضل ہے یا بکرا	۳۴۱
۲۳۷	گائے اور بکری کی قربانی کی افضلیت سے متعلق قاضی خان کی عبارت پر اشکال	۳۴۲
۲۳۸	گائے کی قربانی کا ثبوت	۳۴۴
۲۳۹	قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود گائے کی قربانی کرنا	۳۴۵
۲۴۰	بیل، بھینس کی قربانی قانوناً جائز ہے یا نہیں؟	۳۴۵

۲۴۱	اس بھینس کی قربانی جو موٹی ہو مگر دو سال سے کم ہو............	۳۴۸
۲۴۲	ایضاً............	۳۴۸
۲۴۳	بھینس کی قربانی............	۳۴۹
۲۴۴	بھینس کی قربانی کا حکم............	۳۵۰
۲۴۵	قیمتی بکرا پالا، پھر اس کے عوض گائے خرید کر قربانی کرنا............	۳۵۱
۲۴۶	کانجی ہاؤس سے نیلام جانور کی قربانی............	۳۵۲
۲۴۷	ایک فوطہ والے جانور کی قربانی............	۳۵۳
۲۴۸	گابھن جانور کی قربانی............	۳۵۳
۲۴۹	حاملہ منذور جانور کی قربانی............	۳۵۴
۲۵۰	سستی قیمت کا جانور خرید کر قربانی کرنا............	۳۵۵
۲۵۱	جنگلی جانور کی قربانی............	۳۵۶
۲۵۲	ہرن اور بکری سے پیدا شدہ کی قربانی............	۳۵۶
۲۵۳	پالتو ہرن کی قربانی............	۳۵۷
۲۵۴	مرغ کی قربانی............	۳۵۸

فصلٌ فی سِنّ الأضحیة

(قربانی کے جانور کی عمر کا بیان)

۲۵۵	سال بھر سے کم دنبہ کی قربانی............	۳۵۹
۲۵۶	سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی............	۳۵۹
۲۵۷	ایضاً............	۳۶۱
۲۵۸	ایضاً............	۳۶۲
۲۵۹	سال بھر سے چند روز کم بکرے کی قربانی............	۳۶۳

۲۶۰	قربانی کے لئے دودانت کا لزوم	۳۶۳
۲۶۱	جنین کی قربانی	۳۶۹
۲۶۲	لفظ"جذعه"کی تشریح	۳۶۹
۲۶۳	"مسنہ" کی تحقیق اوراس کی قربانی	۳۷۴

باب مایکون عیباً فی الأضحیة ومالا

(قربانی میں عیب کا بیان)

۲۶۴	لنگڑے جانور کی قربانی	۳۷۶
۲۶۵	ایضاً	۳۷۷
۲۶۶	گائے کا دوتہائی سینگ ٹوٹ جائے تواس کی قربانی درست ہے یانہیں اور ہدایہ وحجۃ اللہ	☆
☆	البالغۃ کی عبارت میں تطبیق	۳۷۷
۲۶۷	خنثی بکری کی قربانی	۳۷۹
۲۶۸	قربانی کے لئے موٹاپا عیب نہیں	۳۸۰
۲۶۹	دوتھن والی بھینس کی قربانی	۳۸۰
۲۷۰	موطوءہ جانور کی قربانی	۳۸۲
۲۷۱	جس جانور کے سینگ نہ ہواس کی قربانی	۳۸۳
۲۷۲	سینگ ٹوٹی ہوئی بکری کی قربانی	۳۸۳
۲۷۳	سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی	۳۸۴
۲۷۴	سینگ ٹوٹے ہوئے مینڈھے کی قربانی	۳۸۵
۲۷۵	آدھا سینگ شکستہ ہوتواس کی قربانی	۳۸۵
۲۷۶	کان چرے ہوئے کی قربانی	۳۸۶
۲۷۷	ذبح کرنے کے لئے گرانے سے عیب پیداہوگیا	۳۸۷

۲۷۸	قربانی سے پہلے جانور بیمار ہوگیا	۳۸۷
۲۷۹	قربانی کے لئے بکرا خریدا، وہ بیمار ہوگیا اب کیا کرے؟	۳۸۸
۲۸۰	نذرِ قربانی کا بکرا بیمار ہوجائے تو کیا ذبح کرنے سے نذر قبول ہوگی؟	۳۸۸
۲۸۱	قربانی کا جانور بیمار ہوگیا نمازِ عید سے پہلے اس کی قربانی	۳۸۹
۲۸۲	قربانی کا جانور بیمار ہوگیا	۳۹۰
۲۸۳	غلاظت کھانے والی بھیڑ کی قربانی	۳۹۱
۲۸۴	حرام غذا والے جانور کی قربانی	۳۹۲
۲۸۵	سور کے دودھ سے پلے ہوئے بکری کے بچہ کی قربانی	۳۹۴
۲۸۶	بکری کے جس بچہ نے کتیا کا دودھ پیا اس کی قربانی	۳۹۵
۲۸۷	جس بکری کے بچہ کو عورت نے دودھ پلایا ہو اس کی قربانی	۳۹۵

باب الشركة فی الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

۲۸۸	کیا اونٹ میں دس حصے ہوسکتے ہیں؟	۳۹۶
۲۸۹	بکرا، اونٹ گائے، میں شرکت کی تفصیل	۳۹۷
۲۹۰	جانور خرید کر چھ حصہ دار شریک کرنا	۴۰۰
۲۹۱	قربانی کے لئے جانور خرید کر اس میں دوسروں کو شریک کرنا	۴۰۱
۲۹۲	جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ہو یا بعد میں؟	۴۰۱
۲۹۳	قربانی میں شریک کے انتقال سے اس کا حصہ دوسرا آدمی خرید سکتا ہے یا نہیں؟	۴۰۲
۲۹۴	ایک شریک کے مرنے پر اس کے حصہ کی قربانی کا حکم	۴۰۳
۲۹۵	فقیر شریک کا قربانی ذبح سے پہلے مرجانا	۴۰۳
۲۹۶	قربانی میں شرکت کی اجازت دیکر پھر انکار کرنا	۴۰۴

۲۹۷	چھ شریکوں نے ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا	۴۰۴
۲۹۸	چھ آدمی ایک حصہ قربانی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کریں	۴۰۵
۲۹۹	ایک حصہ والدین کے لئے نصف نصف رکھنا	۴۰۸
۳۰۰	ایک قربانی حصہ کا ثواب متعدد اموات کو پہونچانا	۴۰۹
۳۰۱	ایک جانور میں ایک شخص کی طرف سے جہاتِ متعدد کی نیت مع جواب اشرف المدارس	☆
☆	کراچی	۴۱۰
۳۰۲	شرکاء کی اجازت کے بغیر قربانی کے جانور کو فروخت کرنا	۴۱۸
۳۰۳	ایک بکری میں شرکت درست نہیں	۴۲۰
۳۰۴	بکرے کی قربانی میں شرکت	۴۲۱
۳۰۵	قربانی میں ولیمہ	۴۲۲

بابٌ فی قسمة اللحم ومصرفه وبيعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

۳۰۶	قربانی کے گوشت، پائے اور سر کی تقسیم	۴۲۳
۳۰۷	قربانی کے گوشت کی تقسیم	۴۲۴
۳۰۸	قربانی کا گوشت آپس میں تول کر تقسیم کرنا چاہئے	۴۲۴
۳۰۹	قربانی کا گوشت سب حصہ داروں کو تول کر تقسیم کیا جائے	۴۲۶
۳۱۰	سب قربانیوں کے گوشت کو جمع کر کے تقسیم کرنا	۴۲۸
۳۱۱	بڑے گھرانے کا قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا	۴۳۰
۳۱۲	قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ صدقہ کرنا	۴۳۱
۳۱۳	قربانی کا گوشت پکا کر دینا	۴۳۲

۳۱۴	قربانی کا گوشت ہندو یا خاکروب کو دینا	۴۳۳
۳۱۵	قربانی کا گوشت مہترانی کو دینا	۴۳۳
۳۱۶	غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا	۴۳۴
۳۱۷	قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلم کو دینا	۴۳۵
۳۱۸	خدمت گزاروں کو قربانی کا گوشت دینا	۴۳۶
۳۱۹	میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت	۴۳۷
۳۲۰	قربانی کے گوشت سے ایصالِ ثواب اور مروجہ فاتحہ	۴۳۷
۳۲۱	قربانی کا گوشت سکھا کر دیر تک رکھنا	۴۴۰
۳۲۲	قربانی میں گوشت فروخت کرنے کی نیت	۴۴۰
۳۲۳	قربانی کے بعد اپنا حصہ فروخت کرنا	۴۴۱
۳۲۴	قربانی کا گوشت تقسیم کے لئے دیا تھا اس کو فروخت کردیا	۴۴۲
۳۲۵	قربانی کا گوشت فروخت کرنا	۴۴۳

بابٌ فی أیام الأضحیة ووقتها وقضائها

(قربانی کے دن، وقت اور قضاء کا بیان)

۳۲۶	قربانی کے کتنے دن ہیں	۴۴۵
۳۲۷	کیا قربانی چار دن ہے؟	۴۴۷
۳۲۸	قربانی کس دن افضل ہے؟	۴۵۰
۳۲۹	گاؤں میں قربانی کا وقت	۴۵۰
۳۳۰	شہر میں نماز عید سے پہلے قربانی	۴۵۱
۳۳۱	شہری کی گاؤں میں قربانی	۴۵۲
۳۳۲	نماز عید سے پہلے قربانی کی ایک صورت	۴۵۲

۳۳۳	نمازِ عید سے پہلے قربانی	۴۵۳
۳۳۴	تعددِ صلوۃ عید کی صورت میں وقتِ اضحیہ	۴۵۴
۳۳۵	غلطی سے بے وضو ادا کی گئی نماز کے بعد قربانی کا حکم	۴۵۵
۳۳۶	رات میں قربانی	۴۵۶

بابٌ فی مصرف جلد الأضحیة

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

۳۳۷	چرمِ قربانی کا والدین یا اولاد کو دینا	۴۵۷
۳۳۸	قیمت چرم غریب والدین یا اولاد کو دینا	۴۵۸
۳۳۹	چرمِ قربانی میں مسجد کو دینا	۴۵۸
۳۴۰	قیمتِ چرم تعمیر مسجد و مدرسہ میں دینا	۴۶۰
۳۴۱	قربانی کی کھال تعمیر مسجد میں دینا	۴۶۰
۳۴۲	چرمِ قربانی مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا	۴۶۲
۳۴۳	قیمتِ چرمِ قربانی کا مصرف مدارس میں	۴۶۲
۳۴۴	چرمِ قربانی کی قیمت سے قبرستان کے لئے زمین خریدنا اور وقف کرنا	۴۶۳
۳۴۵	فطرہ اور چرمِ قربانی کی رقم تملیک کے بعد تنخواہ میں	۴۶۴
۳۴۶	چرمِ قربانی سے تنخواہ دینا	۴۶۶
۳۴۷	قربانی کی کھال امام کے لئے	۴۶۶
۳۴۸	چرمِ قربانی امام کے لئے	۴۶۷
۳۴۹	ایضاً	۴۶۷
۳۵۰	چرمِ قربانی مالداروں کو دینا	۴۶۹
۳۵۱	میت کی طرف سے قربانی کرکے قیمت چرم اپنے بیٹے کو دینا	۴۷۱

۳۵۲	چرم کا صدقہ افضل ہے یا اس کی قیمت کا؟	۴۷۱
۳۵۳	چرم قربانی کی قیمت کنویں کی تعمیر میں دینا	۴۷۲
۳۵۴	چرمِ قربانی سے مہمان خانہ بنوانا	۴۷۳
۳۵۵	قیمتِ چرم سے پختہ مزار وغیرہ بنوانا	۴۷۵
۳۵۶	قیمتِ چرم قربانی اور زکوۃ میں فرق	۴۷۵
۳۵۷	چرم قربانی کی قیمت چوری ہوگئی تو کیا کرے؟	۴۷۷
۳۵۸	قیمتِ چرم قربانی سے جلد بندی	۴۷۷
۳۵۹	قربانی کے دودھ سے انتفاع	۴۷۹
۳۶۰	قربانی کی اون ذبح سے پہلے اپنے استعمال میں لانا	۴۷۹
۳۶۱	قربانی کی اون ذبح کے بعد اپنے کام میں لانا	۴۸۰
۳۶۲	قربانی کا بہا ہوا خون پینا	۴۸۱
۳۶۳	قربانی کے خون کا کیا کیا جائے؟	۴۸۱
۳۶۴	قربانی کی ہڈیوں کا حکم	۴۸۱

بابٌ فی مستحبات الأضحية وآدابها

(قربانی کے مستحبات اور آداب کا بیان)

۳۶۵	قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا	۴۸۳
۳۶۶	ذی الحجہ کے روزے، اور قربانی سے کھانے کی ابتدا	۴۸۴
۳۶۷	قربانی سے قبل کچھ کھانا	۴۸۵
۳۶۸	دو رکعت نفل اور بال وناخن نہ ترشوانے سے قربانی کا ثواب	۴۸۶

۳۶۹	قربانی ذبح کرنے کا ثواب	۴۸۶
۳۷۰	قربانی کے وقت کی دعاء	۴۸۷
۳۷۱	جانور کی رسی کا صدقہ کرنا	۴۸۸
۳۷۲	قربانی کے جانور کی رسی کا صدقہ کرنا	۴۸۹
۳۷۳	شرکائے قربانی کا وقت ذبح موجود ہونا	۴۹۰
۳۷۴	قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت ہر حصہ دار کا ہاتھ لگانا	۴۹۱

فصلٌ فی نذر الأضحیة

(قربانی کی نذر ماننے کا بیان)

۳۷۵	قربانی کو شرط پر معلق کرنا	۴۹۲
۳۷۶	متعین جانور کی قربانی کی نذر ماننے کی ایک صورت	۴۹۴
۳۷۷	قربانی کی نذر کی تفصیل	۴۹۵
۳۷۸	ایامِ قربانی کے بعد شاۃ منذورہ متعینہ کا حکم	۴۹۷

باب المتفرقات

۳۷۹	غلطی سے ایک نے دوسرے کی قربانی ذبح کردی	۴۹۹
۳۸۰	دوسرے مقام پر روپیہ بھیج کر قربانی کرانا	۴۹۹
۳۸۱	قربانی کا جانور خرید کر پھر فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسرا جانور خریدنا	۵۰۱
۳۸۲	قربانی کی اطلاع پولیس کو دینا	۵۰۲
۳۸۳	طالب علم کے حق میں کتابیں خریدنا نفلی قربانی سے اولیٰ ہے	۵۰۶

کتاب العقیقة

(عقیقہ کا بیان)

۳۸۴	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ	۵۰۷
۳۸۵	عقیقہ کی مدت	۵۰۸
۳۸۶	کیا عقیقہ اکیس روز بعد بھی ہے؟	۵۰۹
۳۸۷	بڑی عمر میں عقیقہ	۵۱۰
۳۸۸	بالغہ کا عقیقہ اور اس کے بالوں کا حکم	۵۱۱
۳۸۹	عقیقہ وقربانی میں فرق	۵۱۲
۳۹۰	قربانی میں عقیقہ کا حصہ اور ساتویں دن کی رعایت	۵۱۵
۳۹۱	عقیقہ دیر سے کرنے کی صورت میں بچہ کے بالوں کو اتارنے کا حکم	۵۱۶
۳۹۲	عقیقہ کے بالوں کو دفن کیا جائے	۵۱۷
۳۹۳	ولیمہ کے ساتھ عقیقہ	۵۱۸
۳۹۴	قربانی کے ساتھ عقیقہ	۵۱۹
۳۹۵	قربانی کے ساتھ عقیقہ	۵۲۰
۳۹۶	بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ	۵۲۱
۳۹۷	بڑے جانور میں عقیقہ کے سات حصے	۵۲۲
۳۹۸	گائے، بھینس میں عقیقہ	۵۲۴
۳۹۹	متعدد بچوں کا عقیقہ ایک بھینس میں	۵۲۴
۴۰۰	اضحیہ کے علاوہ گائے میں عقیقہ کا حصہ	۵۲۵
۴۰۱	عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا	۵۲۶

۴۰۲	عقیقہ کا سر قصاب کو اجرت میں دینا......................................	۵۲۸
۴۰۳	عقیقہ کہاں کیا جائے، دادیال میں یا نانیال میں؟..............................	۵۲۹
۴۰۴	عقیقہ کیلئے جانور خریدا، پھر بچہ مر گیا تو اس کو کیا کریں؟......................	۵۲۹
۴۰۵	صحت یاب ہونے پر عقیقہ کرنے کی نذر..................................	۵۳۰
۴۰۶	گابھن بکری کے دو بچے دینے پر عقیقہ کا ارادہ کرنا..............................	۵۳۱
۴۰۷	جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟..............................	۵۳۲

☆...☆...☆

بقية كتاب الإجارة

باب الاستيجار على الطاعات

الفصل الأول في الاستيجار على التعليم وغيره

(تعلیم، اعتکاف اور فتویٰ پر اجرت لینے کا بیان)

تعلیمِ قرآن پر اجرت

سوال[۸۱۷۲]: تعلیمِ قرآن پر اجرت (تنخواہ) لینا جب کہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ممانعت ہے(۱) اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ سے تحریم ثابت ہے(۲)، تو علمائے دین نے کیوں جائز قرار دیا؟ کیا جواز کے لئے کوئی حدیث بھی موجود ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دین کی اشاعت حسبِ استطاعت فرض ہے، اول اول جب بیت المال صحیح قائم تھا اور وہاں سے خدمتِ دین کرنے والوں کے لئے وظائف مقرر تھے تو یہ حضرات دل نہاد ہوکر اپنے اوقات کو خدمتِ دین میں مشغول رکھتے تھے، جو وظیفہ ملتا تھا اس سے حقوقِ واجبہ ادا کرتے تھے، کسی دوسرے ذریعۂ معاش کی ان کو فکر نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے، جیسا کہ نصب

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يا رسول الله! رجلٌ أهدى إليّ قوساً ممن كنت أعلّمه الكتاب والقران وليست بمال، فأرمي في سبيل الله، قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نارٍ فاقبلها". رواه أبو داؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد -رحمهم الله تعالىٰ- أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ". (شرح عقود رسم المفتي، طبقات الفقهاء، السابعة طبقة المقلدين، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۷، مير محمد كتب خانه كراچی)

الرایہ میں ہے(۱)۔

پھر جب بیت المال کا حال خراب ہوگیا، مستحقین کو وہاں سے وظیفہ ملنا بند ہوگیا تو اس وقت کے مجتہد فقہاء نے استیجار علی تعلیم القرآن والفقہ والإمامۃ والتأذین کی اجازت دے دی تا کہ اسلام کے شعائر محفوظ رہ سکیں اور دین ضائع نہ ہو، اس لئے کہ خدمتِ دین کرنے والے حضرات اگر حقوقِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے کوئی ذریعۂ معاش اختیار کریں تو اپنے اوقات کو تعلیم و تدریس میں صَرف نہیں کر سکیں گے، جس سے اشاعت کی خدمت نہیں ہو سکے گی، اور دین ضائع ہو جائے گا، اگر کوئی اور ذریعہ اختیار نہ کریں تو حقوقِ واجبہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت دی گئی۔

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار(۲) اور شرح عقود رسم المفتی میں اس پر کلام کیا ہے(۳)، مگر اتنا لحاظ رہے کہ

---

(۱) "وقد روی عن ابن عمر الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه أنه كان يرزق المعلمين. ثم أسند عن إبراهيم بن سعد عن أبيه أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه كتب إلى بعض عمّاله أن: أعط الناس على تعليم القرآن. انتهى كلامه". (نصب الراية لأحاديث الهداية: ۱۳۷/۴، (رقم الحديث: ۲۸۲۱، ۲۸۲۲)، كتاب الإجارة، موسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع لبنان)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالیٰ أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال، وانقطعت، فلو لم يصح الاستيجار وأخذ الأجرة، لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين، لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب. وأفتى من بعدهم أيضاً من أمثالهم بصحة الأذان والإمامة". (شرح عقود رسم المفتي، بعد الطبقات السابعة من طبقات الفقهاء، طبقة المقلدين، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۷، مير محمد كتب خانه، كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

خدمتِ دین کو روپیہ کمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے، بلکہ اصل مقصد خدمتِ دین ہو اور روپیہ لینا اس کے حق میں خادم و معاون کے درجہ میں ہو(۱)۔ ﴿واللہ یعلم المفسد من المصلح﴾ الآیۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۰ھ۔

تعلیمِ قرآن پر اجرت

سوال[۸۱۷۳]: قرآن پاک کی تعلیم میں بچوں سے جمعراتی لینا اور تنخواہ بھی لینا کیسا ہے اور جو بچہ نہ دے اس کو اٹھا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرس کو حق ہے کہ وقتِ ملازمت یہ طے کرلے کہ میں اپنی تنخواہ لوں گا اور ہر جمعرات کو اتنے پیسے لوں گا، جس کا دل چاہے اپنے بچہ کو اس سے پڑھوائے، لیکن اعلیٰ مقام یہ ہے کہ ایسا نہ کرے بلکہ سب کو پڑھائے، جمعراتی نہ دینے والے کو نہ اٹھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "حيث صار القرآن مكسباً وحرفةً يُتجر بها، و صار القارى منهم لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الريا المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته. وقد قال الإمام قاضى خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فى فتح القدير". (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/ ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى حكم الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(۲) "والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك". (تبيين الحقائق: ۶/ ۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۸، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فى فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب الإجارة: ۳/ ۳۰۱، إمداديه ملتان)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/ ۱۳۷، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

اعتکاف پر معاوضہ

سوال[۸۱۷۴]: رقم حاصل کرنے کی غرض سے دوسرے محلّہ میں جاکر اعتکاف کرنا کیسا ہے؟ اس طرح اعتکاف کرنے سے اس محلّہ والوں سے اعتکاف کی سنت ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر ساقط نہ ہو تو اس کا اعتکاف صحیح ہوا یا نہیں؟ اس کا ثواب اس کو ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کو بزنس (تجارت) بنانا غلط اور ناجائز ہے، اعتکاف پر پیسے لینا اس کو فروخت کرنا ہے جو کہ ناجائز ہے، ایسے اعتکاف کا ثواب نہیں (۱)، نہ اس سے سنتِ اعتکاف اہلِ محلّہ سے ساقط ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۵ھ۔

---

(۱) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به" فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لاتصح عند أئمتنا الثلاثة ...... اهـ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۷، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ "القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لا بد فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء حتى تكون عبادةً يرجىٰ بها الثواب، وقد عرّفوا الرياء بأن يُراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ .... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلا تصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين: ۱/۱۶۷، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمي لاهور)

"في الأصل: لا يجوز الاستيجار على الطاعات كتعليم القرآن، و الفقه، والأذان، والتذكير، والتدريس، والحج، والعمرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۸، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهمٌ في حكم الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۲۵، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

فتوی پر اجرت لینا

سوال[۸۱۷۵]: فتوی کرده اجرت گرفتن جائز است یا نه؟

الجواب حامداًومصلیاً:

باجرت فتویٰ کردن دو صورت دارد: یکے بزبان جوابِ سوال دادن، وبر آن اجرت گرفتن بلا شروطِ اجاره و بلا پابندیٔ وقت روا نیست.

دوم: بتحریرِ جوابِ استفتاء دادن، وآن بلا شبه روا ست، زیرا که آن اجرتِ نوشتن است، و بر مفتی نوشته جواب دادن از جانبِ شرع واجب نیست، پس برآن اجرت گرفتن روا خواهد بود مثلِ دیگر کاروبارِ نوشتنی. مگر مقتضائے غایتِ تقوی آنست که اگر مقدرة بود، صرف برائے خدا این خدمت بانجام رساند، واجرت نگیرد. پس اجرت گرفتن رخصت است، که مرتکبش قابلِ ملامت نیست. واجرت نگرفتن عزیمت است که عاملش لائقِ تحسین، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق قدر ما يجوز بغيره كالمفتي، فإنه يستحق أجر المثل على كتابة الفتوى؛ لأن الواجب عليه الجواب باللسان دون الكتابة بالبنان. ومع هذا الكفُّ أولى احترازاً عن القيل والقال وصيانةً لماء الوجه عن الابتذال".

(الدر المختار: ۹۲/۶، مسائل شیء، کتاب الاجارة، سعید)

(وکذا في خلاصة الفتاوى: ۴۸/۴، کتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۹/۵، کتاب الإجارات، في الاعمال التي لاتصح الإجارة بها وتصح، رشيديه)

(**سوال**) فتوی دے کر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(**جواب**) اجرت کے ساتھ فتوی دینے کی دو صورتیں ہیں: اول زبانی سوال کا جواب دینا اور اس پر اجرت لینا بلا =

نماز فجر کے لئے لوگوں کو جگانے کی اجرت

سوال[۸۱۷۶]: میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو روز تین بجے صبح کو جگادیا کروں تاکہ لوگ نماز کے لئے اٹھیں اور اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ میں یہ کام صرف اللہ کے واسطے کرتا ہوں، اگر لوگ میری امداد فطرہ سے کریں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیری پھیری دینے سے ہماری نیند خراب ہو جاتی ہے، تو کیا ان کے کہنے سے پھیری دینا چھوڑ دوں، یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ یہ کہیں کہ ہمیں فلاں وقت جگادیا کرو، ان کو اس وقت جگادینا درست ہے، نماز کے لئے بھی جگادینا درست ہے، مگر کوئی ایسا طریقہ جگانے کا اختیار کرنا جس سے ناوقت لوگوں کی نیند خراب ہو، درست نہیں (۱)۔

اگر اس جگانے کو پیشہ بنایا ہے تو اس کی وجہ سے بطور معاوضہ فطرہ زکوۃ چرم قربانی لینا درست نہیں، اس

= شرط اجارہ اور بلا پابندی وقت جائز نہیں۔ دوم: استفتاء کا جواب لکھ کر دینا اور اس پر اجرت لینا یہ بلاشبہ درست ہے، اس لئے کہ وہ لکھنے کی اجرت ہے اور مفتی پر لکھ کر جواب دینا واجب نہیں، پس اس پر اجرت لینا درست ہے دوسرے لکھے جانے والے کاروبار کے مثل۔ مگر مقتضائے تقویٰ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو صرف برائے خدا اس خدمت کو انجام دیوے اور اس پر اجرت نہ لیوے۔ پس اجرت لینا رخصت ہے اور نہ لینا عزیمت ہے۔ رخصت پر عمل کرنے والا قابل ملامت نہیں اور عزیمت پر عمل کرنے والا لائق تحسین ہے۔ کذا فی ردالمحتار۔

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنبر، فنادی بصوت رفیع .... "لاتؤذوا المسلمین ولاتعیّروهم ولا تتبعوا عوراتهم". (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن: ۲/۲۳، سعید)

"علی هذا لو قرء علی السطح والناس نیام، یأثم. اهـ. أی لأنه یکون سبباً لإعراضهم عن استماعه أو لأنه یؤذیهم بإیقاظهم، تأمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/۵۴۶، سعید)

کے علاوہ نفلی صدقہ خیرات دیں تو حسبِ ضرورت لینے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين، والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغرمين﴾ الخ (سورة التوبة: ۶۰)

"ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً، أجزأه، وإلا فلا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكوة: ۲/۲۰۹، ۲۱۰، قديمى)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۵۶، سعيد)

الفصل الثاني في الاستيجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

تلاوتِ قرآن کریم پر اجرت

سوال [۸۱۷۷]: ہمارے قصبہ میں اور اس علاقہ میں پڑھے لکھے لوگوں میں بھی اسی فیصد ایسے لوگ ہیں جو قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، مگر یہ عقیدہ سب کا ہے کہ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت خود نہ کر سکیں تو اور کسی کو بلا کر تلاوت کرائیں اور مل جل کر خیر و برکت کے لئے دعاء کریں تو باعثِ صلاح وفلاح ہوگا، اس لئے سال میں کم از کم ایک دن مدرسہ کے طالب علم، یا گاؤں کے میاں جی اور مولوی کی دعوت کرتے ہیں، یہ لوگ دن بھر دعوت کنندہ کے مکان میں قرآن خوانی کرتے ہیں جو میسر ہو سکتا ہے اور شام کو دعائے خیر کر کے روانہ ہو جاتے ہیں۔

بوقتِ رخصت بہت سے گھر والے یہ سوچ کر کہ یہ غریب ہیں اور دن بھر ہمارے کہنے پر ہمارے گھر میں صَرف کئے ہیں، ان کو کچھ رقم دے دیتے ہیں۔ قرآن خوانی سے قبل رقم کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، نہ اس کی تعداد مقرر ہے اور کوئی بھی اس لین دین کو قرآن خوانی کا عوض تصور نہیں کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح قرآن خوانی کرنا اور اس طرح رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں اس بات پر فضلائے دیوبند میں دو عالموں میں اختلاف ہو گیا۔ فیصلہ جو آپ کریں گے اس پر عمل کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کی تلاوت اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑی قربت اور عبادت ہے (۱)۔ جو شخص تلاوت

---

(۱) "عن ابن أبي بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يجئ القرآن يوم القيامة كالرجل الشاحب، فيقول: أنا الذي أسهرت ليلك وأظمأت نهارك". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۷، أبواب الأدب، باب ثواب القرآن، قديمي)

میں مشغول رہنے کی وجہ سے دعاء بھی نہ کرسکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دعاء کرنے والوں سے زیادہ اجر دیتے ہیں(۱)۔ متقدمین فقہاء نے تعلیمِ قرآن کی اجرت کو منع لکھا ہے، اس لئے کہ ان کے زمانے میں بیت المال سے معلمین کو وظائف دیئے جاتے تھے، وہ یکسوئی کے ساتھ تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے(۲)۔

پھر جب بیت المال خراب ہوکر بادشاہ کی ملکیت قرار دیا گیا تو وظائف سب بند ہوگئے۔ فقہائے کرام نے دیکھا کہ اگر یہ معلمین تعلیم وتدریس میں لگتے ہیں تو نفقاتِ واجبہ کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہیں، وہ خود اور ان کی بیوی بچے کیسے گزارہ کریں گے۔ اگر نفقاتِ واجبہ کی تحصیل میں مشغول ہوتے ہیں تو تعلیم وتدریس کی خدمت انجام نہیں دے سکیں گے، مسلمان تعلیمِ قرآن سے محروم رہ جائیں گے، ان کا دین ضائع ہوجائے گا اس لئے مجبوراً اجازت دی کہ اجارہ کا معاملہ کرلیا جائے(۳)۔

---

(۱) "عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقول الرب تبارك وتعالىٰ: (من شغله القران عن ذكري ومسئلتي، أعطيتُه أفضل ما أُعطي السائلين) وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۸۶، كتاب فضائل القرآن، قديمي)

(۲) "و قد روى عن عمر بن خطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يرزق المعلمين. ثم أسند عن إبراهيم بن سعد عن أبيه أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كتب إلى بعض عمّاله أن: أعط الناس على تعليم القرآن". (نصب الراية، لأحاديث الهداية للزيلعي: ۴/۱۳۷، (رقم الحديث: ۶۸۲۱، ۶۸۲۲)، كتاب الإجارة، موسسة الريان للطباعة بيروت لبنان)

(۳) "اعلم أن عامة كتب المذهب من متون وشروح متفقةٌ على أن الاستيجار على الطاعات لايصح عندنا. واستثنى المتأخرون من مشايخ بلخ تعليم القرآن، فجوّزوا الاستيجار عليه، وعلّلوا ذلك بما مرّ، وبالضرورة وهي خوف ضياع القران؛ لأنه حيث انقطعت العطايا من بيت المال وعَدمَ الحرص على الدفع بطريق الحسبة، يشتغل المعلّمون بمعاشهم ولايعلّمون أحداً ويضيع القران، فأفتى المتأخرون بالجواز لذلك". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارة: ۳/۳۰۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

ایک مصنف علامہ حدادی شارحِ قدوری گذرے ہیں، ان کو اشتباہ ہوگیا کہ بعد کے فقہاء نے تلاوتِ قرآن پر اجارہ کی اجازت دی اور اس کو اجتہاد کیا ہے، انہوں نے قدوری کی شرح السراج الوہاج اور الجوھرۃ النیرۃ میں لکھ دیا ہے کہ مختار قول کے مطابق تلاوتِ قرآن پر اجارہ درست ہے(۱) اور اسی کو فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے(۲)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار، جلد خامس(۳) اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ(٤) اور شرح عقود رسم المفتی میں اس کی خوب تردید کی اور لکھا ہے کہ "حدادی کو غلط فہمی ہوئی"(۵)۔ بلکہ اس پر مستقل رسالہ "شفاء العلیل" تصنیف کیا جس میں دلائلِ قویہ نقل کئے ہیں۔ نیز علامہ برکلی نے الطریقۃ المحمدیہ میں تردید وتغلیط کی ہے کہ لوگ اس کو اعظمِ قربات میں سے سمجھتے ہیں، حالانکہ

---

(۱) (الجوهرة النيرة علىٰ مختصر القدوری للإمام شيخ الإسلام أبی بكر بن علی بن محمد الحدادی، ص: ۳۲۷، ۳۲۸، كتاب الإجارة، إمداديه ملتان)

(۲) "واختلفوا فی الاستيجار علىٰ قرأة القرآن على القبر مدةً معلومةً، قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار، كذا فی السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فی فساد الإجارة: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(۳) "فظهر لک بهذا عدم صحة مافی الجوهرة من قوله: واختلفوا في الاستيجار على قراء ة القرآن مدةً معلومةً، قال بعضهم لايجوز: وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار. والصواب أن يقال: على تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه كما علمت، لافی القراء ة المجردة، فإنه لاضرورة فيها، فإن كان مافی الجوهرة سبق قلم، فلا كلام، وإن كان عن عمد مخالفٌ لكلامهم قاطبةً فلا يقبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۴) "وأما قول صاحب الجوهرة: إن المختار جواز الاستيجار على تلاوة القرآن، فهو مخالف لكتب المذهب، كما علمت، والظاهر أنه سبق قلم؛ لأن الذی اختاره المتأخرون هو جواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على تلاوته، فقد سبق قلمه من التعليم إلى التلاوة، وقد اغترّ بكلامه كثيرٌ من المتأخرين". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۳۹، مكتبه ميمنيه مصر)

(۵) (شرح عقود رسم المفتی، بعد الطبقة السابعة طبقات الفقهاء، طبقة المقلدين، ص: ۳۶، ۳۷، مير محمد كتب خانه كراچی)

یہ معاصی میں سے ہے(۱)۔

تلاوت حسبۃً للہ ہونی چاہیے، جو چیز مشہور ومعروف ہوجاتی ہے اس کے لئے زبان سے ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا، المعروف کالمشروط(۲)۔ قرآن کے اس طرح پڑھنے والے بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں کہ ہم کو ملے گا اور پڑھوانے والے بھی اپنے ذہن میں رکھتے ہیں کہ ہم کو دینا پڑے گا، چاہے وہ کھانا ہو، چاہے شربت ہو، مٹھائی، نقد، کپڑا وغیرہ کچھ ہو۔ جولوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ صلہ اور احسان کیا ہے، اس کی بھی تردید علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال الإمام البركوي قدس سره: "الفصل الثالث في أمور مبتدعة باطلة أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة، وهذه كثيرة، فلنذكر أعظمها، منها: وقف الأوقاف سيما النقود لتلاوة القرآن العظيم. أو لأن يصلي نوافل، أو لأن يهلّل، أو لأن يسبّح .... ويعطي ثوابها لروح الواقف أو لروح من أراده. ومنها: باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته، أو بعد، وباعطاء دراهم معدودة لمن يتلو القرآن لروحه .... فكلّ هذه بدع منكرات، والوقف والوصية باطلان، والمأخوذ منهما حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". (الطريقة المحمدية والسيرة الأحمدية، ص: ۱۵۸، الفصل الثالث في الأمور المبتدعة، مطبع دامن گیر، لاهور)

(۲) "المعروف كالمشروط". (ردالمحتار: ۳/۱۳۰، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: مسئلة الدراهم، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۴۳)، المقالة الثانيه في بيان القواعد الفقهيه: ۱/۳۷، مكتبه حنفيه كوئته)

(۳) "فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاري. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان.......... وفيه أيضاً: وممن صرح بذلك أيضاً الإمام البركوي قدس سره في آخر الطريقة المحمدية، فقال: الفصل الثالث في أمور مبتدعة باطل أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة ...... قال: ومنها: الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده باعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له، وكلها بدع منكرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد) =

قرأتِ قرآن پر اجرت کا حیلہ

سوال[۸۱۷۸]: ۱...... زید نے کسی کے واسطے ایک ختم قرآن پڑھ دیا اور اس شخص پر دعویٰ کرتا ہے کہ اس ختم قرآن کے عوض میں ہمیں گیارہ روپیہ دو۔ اس طرح پر لینا جائز ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۸۱۷۹]: ۲...... اور مسئلہ اول میں زید حیلہ کرتا ہے کہ میں جو یہ لیتا ہوں قرآن پڑھنے کے عوض میں نہیں لیتا ہوں، بلکہ اپنا وقت چونکہ خرچ کیا اور ہمارے کام کا نقصان ہوا اس وجہ سے میں یہ روپیہ یا عوض لیتا ہوں یہ حیلہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ لینا بھی ناجائز اور دینا بھی ناجائز، لینے والا دینے والا ہر دو گنہگار ہوں گے:

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاري. وقال العيني في شرح الهداية: و يمنع القاري للدنيا والاخذ والمعطي اثمان، اه" ردالمحتار: ۵/۳۹(۱)۔

۲...... جن مسائل میں فقہاء نے حیلہ کرنے کی اجازت دی ہے، یہ مسئلہ ان میں سے نہیں، نہ اس میں ضرورت ہے، جس کی بناء پر اجازت دی جائے، علامہ شامی اس پر بحث کر کے تحریر فرماتے ہیں:

= (وكذا في السراج الوهاج لمحمد الزهري الغمراوي، ص: ۲۹۱، كتاب الإجارة، فصل في الاستيجار للقُرَب، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) (رد المحتار، مطلب: تحريرٌ مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد)

(كذا في نفع المفتي والسائل في ضمن مجموعة رسائل اللكنوي، مايتعلق بقراءة القرات وسجدة التلاوة والمصاحف: ۴/۱۷۶، إدارة القرآن كراچی)

(وإعلاء السنن، باب الأجرة على تعليم القرآن: ۱۶/۱۶۹، ۱۷۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۸، الإجارة الفاسدة، سعيد)

"أو مضى الدهر و لم يستأجر أحدٌ على ذلك لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار في الاستيجار عليه حيث صار القرآن مكسباً و حرفةً يُتجر بها، وصار القاري منهم لا يقرأ شيئاً لوجه الله تعالى خالصاً، بل لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الرياء المحض الذي هو إرادة العمل لغير الله، فمن أين يحصل له الثواب الذي طلب المستأجر أن يهديه لميته. و قد قال قاضي خان: إن أخذ الأجر في مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، اهـ"۔ عقود رسم المفتی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۳/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۳ھ۔

اجرت پر قرآن خوانی

سوال[۸۱۸۰]: بعض ممالک میں دستور ہے کہ دفن میت کے بعد چار یوم یا اور کوئی ایام متعینہ تک قبر پر رات دن تلاوتِ قرآن پاک اور دوسری ادعیہ خوانی کرتے ہیں اور خاص اہتمام کے ساتھ اس کے لئے اجرت پر پڑھنے والے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا کرنا بحکمِ شرع شریف کیسا ہے؟ مع حوالہ وصفحہ تحریر کیجئے۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، بعد الطبقة السابعة من طبقات المجتهدين، طبقة المقلدين، و من ذلک مسئلة الاستيجار، ص: ۳۸، میر محمد کتب خانه کراچی)

"قال: فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة، وإعطاء الثواب للآمر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاري ثوابٌ لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحدٌ لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (ردالمحتار: ۶/۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۳۸، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، پڑھنے والا اور پڑھانے والا دونوں گنہگار ہیں، وہ اجرت حرام، اس کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۵۹ھ۔

قاری کے لئے اجرت کی شرط اور مروجہ قرآن خوانی

سوال [۸۱۸۱]: ا..... چند افراد پر مشتمل جس میں حفاظ، ناظرہ خوان، بالغ نابالغ سب ہی ہوتے ہیں، یہ جماعت مختلف اوقات میں دوسروں کے دروازوں پر قرآن خوانی کے لئے جاتی ہے، قرآن پاک کو ختم کرنے کے بعد اس جماعت کا منتخب آدمی صاحبِ خانہ سے دریافت کرتا ہے کہ یہ قرآن کس لئے پڑھوایا: ایصال ثواب کے لئے، برکت کے لئے، مقدمہ میں کامیابی کے لئے، بیماری وغیرہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے؟ صاحب خانہ کی منشاء کے مطابق دعاء کی جاتی ہے، پھر اس کے بعد قارئین کو شیرینی یا نقد یا کم از کم ناشتہ اور پان ضرور کھلاتا ہے۔

اگر بعض لوگ ان کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہماری نیت یہ نہیں ہوتی کہ صاحبِ خانہ قرآن کے ختم ہونے کے بعد ہم کو کچھ دے گا، جب صاحب خانہ خود ہی اپنی مرضی سے دیتا

---

(۱) "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان، والحج، والإمامة". (الدر المختار). "ولا يصح الاستيجار على القراءة، وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك، وقد قال العلماء: إن القارئ إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب، فأي شيء يهديه إلى الميت؟ وإنما يصل إلى الميت العمل الصالح، والاستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحدٌ من الأئمة". (ردالمحتار: ۶/۵۵-۵۷، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهمّ في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

ہے تو ہم بھی لے لیتے ہیں۔ تو یہ لوگ ختم قرآن کے بعد معقول شیرینی کا انتظام کرتے رہتے ہیں، اگر وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے ان کی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکے تو یہ اس پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے پاس انتظام نہیں تھا تو قرآن پاک ختم کرانے کی کیا ضرورت تھی۔

مذکورہ بالا طریقے سے قرآن خوانی کرنے کی شریعتِ مطہرہ اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

۲.....اس طرح سے قرآن پاک پڑھنے کا اور پڑھوانے کا اور جو صاحبِ خانہ قارئین کو قرأت کے نتیجہ میں دیتا ہے تو اس کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

۳.....جو رقم قارئین کو ملتی ہے اس کو مدرسہ یا مسجد میں صَرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۴.....اگر مذکورہ بالا طریقہ سے ختم قرآن صحیح نہیں تو پھر اس کا صحیح طریقہ کیا ہوگا، جس سے قرآن شریف کی عظمت و شان باقی رہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....قرآن شریف کی تلاوت عظیم الشان عبادت ہے، صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کی جائے، اس پر جو کچھ ثواب ملے وہ جس کو دل چاہے پہونچایا جا سکتا ہے(۱) اس کی تلاوت سے کسی مالی منفعت کی نیت نہ ہونی چاہئے، ورنہ اس کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ مال کے لالچ میں پڑھنے سے عذاب ہوگا، کیونکہ اس کی ممانعت خود قرآن کریم میں ہے ﴿و لا تشتروا بایاتی ثمناً قلیلاً﴾ الآیۃ(۲)۔

آج کل بعض جگہ قرآن خوانی کرا کے ثواب پہونچانے کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ مکان پر بلا کر، یا مسجد میں جمع کر کے ثواب پہونچایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کو شیرینی نقد، چائے، کھانا، کپڑا، اپنے اپنے رواج

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان، أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قرآءةً للقرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، و يصل ذلك إلى الميت، و ينفعه" (مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه كوئٹه)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب الحج عن الغير: ۴۱۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة البقرة: ۴۱)

کے مطابق دیا جاتا ہے اور پڑھنے والے اسی لالچ میں جاتے ہیں، اگر کچھ نہ دیا گیا تو ناخوش ہوتے ہیں اور اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ کچھ نہیں ملے گا تو جانے سے عذر کر دیتے ہیں۔ اور بعض حافظ قاری ایک ایک دن میں کئی کئی جگہ جاتے ہیں، پھر آپس میں مقابلہ اور مفاخرہ کرتے ہیں کہ ہم نے اتنا کمایا، گویا کہ ایک پیشہ کمائی کا بنا رکھا ہے، اس کی ہرگز اجازت نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار(۱)، شرح عقود رسم المفتی (۲)، تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (۳) میں اس پر شدید رد لکھا ہے اور کتب فقہ کی عبارتیں نقل کی ہیں بلکہ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس کا نام ہے ''شفاء العلیل'' اس پر اپنے زمانے کے چیدہ چیدہ اکابر کے دستخط بھی کرائے ہیں اس میں سیر حاصل بحث کی ہے (۴)۔

۲.....اس کا ثواب نہیں ہوگا:

"حيث صار القرآن مكسباً وحرفةً يُتَّجر بها، و صار القارى منهم لا يقرأ إلا للأجرة، وهو الرياء المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله تعالى، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته؟ وقد قال الإمام قاضى خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فى فتح القدير، اهـ". شرح عقود رسم المفتى (۵)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحريرٌ مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة، اهـ: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۳۴، رقم الحاشية: ۳-۵)

(۳) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مسائل الإجارة الفاسدة، مطلب فى حكم الإستيجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، المطبعة الميمنية مصر)

(۴) (شفاء العليل و بل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل، من مجموعة رسائل ابن عابدين الشامىؒ، سهيل اكيڈمى بلاهور)

(۵) "و قد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستيجار على الطاعات، إلا فيما ذكر. وعللوا ذلك بالضرورة، و هى خوف ضياع الدين، و صرحوا بذلك التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستيجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة، فإنه لو =

۳......اس رقم کا لینے والا اور دینے والا گناہ گار ہے، اس کو واپس کر دینا چاہئے:

"قال تاج الشريعة: فی شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاری. وقال العينی فی شرح الهداية: و يمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان". ردالمحتار (۱)۔

۴......نمبر: ا میں لکھ دیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۷ھ۔

اجرت علی القرأۃ

سوال [۸۱۸۲] : ا......عالمگیری: ۵۲۶/۳ کی اس عبارت سے جو کتاب الإجارۃ میں ہے:

"واختلفوا فی الاستيجار على قرأة القرآن على القبر مدةً معلومةً:

قال بعضهم: لايجوز، و قال بعضهم: يجوز، و هوالمختار"(۲)۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت علی الطاعات جائز ہے، حالانکہ فقہی تصریحات اس کے برخلاف ہیں۔ سو مذکورہ عبارت کو سامنے رکھ کر زیارت قبور کے وقت ایصال ثواب کر کے پیسہ لینا جائز ہوگا؟

= مضى الدهر ، و لم يستأجر أحدٌ أحداً على ذلك، لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار فی الاستيجار عليه حيث صار القرآن مكسباً و حرفةً يُتّجربها، وصار القاری منهم لا يقرأ شيئاً لوجه الله تعالى خالصاً، بل لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الريآء المحض الذی هو إرادة العمل لغير الله تعالى، فمن أين يحصل له الثواب الذی طلب المستأجر أن يهديه لميته؟ وقد قال الإمام قاضی خان: إن أخذ الأجر فی مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فی فتح القدير .... فصاروا يتوصلون إلى جمع الحطام الحرام بوسيلة الذكر والقرآن، اهـ". (شرح عقود رسم المفتی، بعد ذكر الطبقة السابعة من طبقات الفقهآء، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه)

(۱) (ردالمحتار لابن عابدين الشامی، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب: تحريرٌ مهم على عدم جواز الاستيجار اهـ : ۵۶/۶، سعيد كراچی)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع فی فساد الإجارة: ۴۴۹/۴، رشيديه)

شفائے مریض کے لئے آیاتِ قرآنیہ پر اجرت لینا

سوال[۸۱۸۳]: ۲..... کسی بیماری کی شفایابی کے لئے قرآن خوانی کرنا جائز ہے یا کہ نہیں، جب کہ پیسہ بھی لے؟ بعض حضرات علاج کہہ کر پیسہ لینا جائز بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علاج کے درجہ میں ہے، ایصال ثواب کے لئے نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس مسئلہ میں صاحب السراج الوهاج اور الجوهرة النيرة سے سبقتِ قلم ہوا، اصل مسئلہ "الاستيجار على تعليم القرآن" کا تھا، جس میں فقہاء نے اختلاف فرمایا ہے: متقدمین نے منع کیا ہے، متاخرین مجتہدین نے اجازت دی ہے۔ غلطی اور سبقتِ قلم سے بجائے "تعليم القرآن" کے "قرأة القرآن" لکھا گیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی اور "الاستيجار على قرأة القرآن" کو باطل قرار دیا ہے اور یہ کہ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

شرح عقود رسم المفتی میں اس کی بحث مفصل موجود ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ بھی تصنیف ہوا ہے جس کا نام ہے: "شفاء العليل وبل الغليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل"۔

"فظهر لك بهذا عدم الصحة ما في الجوهرة من قوله: "واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن مدةً معلومةً: قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار، اهـ" والصواب أن يقال: "على تعليم القرآن" فإن الخلاف فيه كما علمت، لا في القرأة المجردة .... قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقاري. وقال العيني في شرح الهداية: و يمنع القاري للدنيا، والاخذ والمعطي آثمان". ردالمحتار: ۵/۴۷(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار ۶/۵۶، باب الاجارة الفاسدة، سعيد)

"والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك". (تبيين الحقائق ۶/۱۴۷، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۸، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه) .... =

۲.....اگر علاج مقصود ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس طرح پڑھنے سے شفا ہوجاتی ہے تو اس پر اجرت لینا درست ہے، بعض صحابہ نے شفاء کے لئے پڑھنے پر اجرت لی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو درست فرمایا ہے، بخاری شریف، کتاب الطب، باب الرقی بفاتحة الکتاب، ص: ۸۵٤، میں یہ حدیث شریف مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے اجارہ

سوال[۸۱۸۴]: جس شخص کے یہاں میت ہوجاتی ہے، وہ تین چار مولویوں کو جمع کر کے متوفی کی قبر پر بیٹھا دیتا ہے کہ اتنے روز تم کو قبر پر شب و روز حاضر ہوکر قرآن شریف پڑھنا ہوگا، اس صلہ میں تم کو روٹی اور اتنی رقم دیجائے گی۔ شرعاً یہ کیسا ہے؟ مالا بد منہ، ص: ۱۳٤ پر ہے:

"در اجارہ گرفتن بخواندنِ قرآن بر قبرِ میت معیّن و مختار آن

= (وکذا في شرح عقود رسم المفتي، بعد الطبقة السابعه من طبقات الفقهاء، ص: ۳٦، ۳۸، میر محمد کتب خانه کراچي)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حيٍّ من أحياء العرب، فلم يقروهم، فبينماهم كذلك إذا لُدغ سيد أولئك، فقالوا: هل معكم دواء أوراقٍ؟ فقالوا: نعم! إنكم لم تقرونا، ولا نفعل حتى تجعلوا لنا جُعلاً، فجعلوا لهم قطيعاً من الشاء، فجعل يقرأ بأم القرآن، و يجمع بُزاقه، ويتفل، فبرأ، فأتوا بالشاء، فقالوا: لا نأخذه حتى نسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسألوه، فضحك، وقال: "ما أدراك أنها رقية، خذوها واضربوا لي بسهم".
(صحيح البخاري، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب: ۲/۸۵۴، قديمي)

"جوّزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادةً محضةً، بل من التداوي". (ردالمحتار: ٦/٥٧، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

است کہ جائز است"(۱) وکذا فی العالمگیریہ"(۲).

ایسا کرنے سے میت کو ثواب پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح تلاوتِ قرآن پاک سے ثواب نہیں ہوتا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو(۳)۔ رقم اور روٹی

---

(۱) لم أجد

(۲) "واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن على القبر مدةً معلومةً، قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار. كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس في مسائل الشيوع في الإجارة والاستيجار على الطاعات، الخ: ۴/۴۴۹، رشيديه)

واضح رہے کہ عالمگیری کی اس عبارت کے تحت محشی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ علماء کا اختلاف مسئلۃ الاستیجار علی التعلیم میں ہے نہ کہ استیجار علی القرأۃ میں چونکہ استیجار علی القرأۃ بالاتفاق باطل ہے:

"قوله: واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن" ردّه في ردالمحتار، وحقق وجزم بأنه مخالف لكلامهم فلا يقبل؛ لأن الخلاف في الاستيجار على التعليم، وأما الاستيجار على القرأة، فباطل بالإجماع، فراجعه". (المصدر السابق)

"فظهر لک بهذا عدم صحة مافي الجوهرة من قوله: واختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن مدةً معلومةً، قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار. والصواب أن يقال: على تعليم القرآن، فإن الخلاف فيه -كما علمت- لا في القرأة المجردة، فإنه لاضرورة فيها، فإن كان مافي الجوهرة سبق قلم فلا كلام، وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبةً، فلا يقبل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتحليل الخ: ۶/۵۶، سعيد)

(۳) قال العلامة ابن عابدين: القراء ة في نفسها عبادةٌ، وكل عبادة لابدّ فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء، حتى تكون عبادةً يُرجىٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ .... قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات" .... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين: ۱/۱۶۷، رسالہ، شفاء العليل وبل الغليل، سہیل اکیڈمی لاہور)

معاوضۂ تلاوت میں لینے اور دینے کی وجہ سے، یعنی لینے اور دینے والوں کو گناہ ہوتا ہے جیسا کہ ردالمحتار، جلدہ کتاب الإجارہ، میں تصریح ہے: "والاخذ والمعطی آثمان" (۱)۔

فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے (۲)۔

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: ويُمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان. فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قرآة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارى ثوابٌ لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب للمستأجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحدٌ لأحد فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا. إنا لله وإنا إليه راجعون". شامى: ۵/۲۵۵، نعمانيه (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(۲) "أو مضى الدهر ولم يستاجر أحد على ذلك، لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار فى الاستيجار عليه حيث صار القرآن مكسباً وحرفةً يتجربها، وصار القارى منهم لايقرأ شيئاً لوجه الله تعالىٰ خالصاً، بل لا يقرء للأجرة، وهو الرياء المحض الذى هو ارادة العمل لغير الله، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستاجر أن يهديه لميته. وقد قال قاضى خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب". (عقود رسم المفتى، بعد الطبقه السابعة الخ، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۸، مير محمد كتب خانه)

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب فى حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة: ۶/۵۶، سعيد)

میت کے لئے اجرت پر تسبیح وتہلیل

سوال[۸۱۸۵]: ا……جب میت مرجائے تو دفن کے بعد مولوی ملے، حفاظ وغیرہم کو جمع شدہ نقد رقم دیکر چار دن یا کم وبیش تک قبر کے گرداگرد تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھواتے ہیں اور اس ثواب کو میت کو بخشنا کیسا ہے، یعنی اس روپیہ کو ترکہ میت سے بغیر تقسیم ترکہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ قبر کے گرد خصوصیت سے جمع ہوکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان اجرت پر پڑھنے والوں کو ثواب ملے گا یا نہیں اور ان کو یہ رقم لینا کیسا ہے؟

۲……حافظ ملا کو دو ایک روپیہ دیکر اپنے گھر چالیس روز تک قرآن شریف پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا……تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا اور دینا ناجائز ہے، اس صورت میں ثواب نہیں ہوتا، بلکہ گناہ ہوتا ہے۔ اگر میت اس کی وصیت کرے تو یہ وصیت باطل ہے۔ اگر ورثہ میں بعض نابالغ ہیں تو بغیر تقسیم کے ترکہ میں سے یہ اجرت دینا قطعاً ناجائز ہے، دینے والوں پر بقدر نابالغین ضمان لازم ہوگا (۱)۔ بعد تقسیم اگر بالغین اپنے حصہ میں سے دیں گے تو گناہ سے وہ بھی نہ بچیں گے۔

۲……یہ بھی ناجائز ہے:

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی: "و به ظهر حال وصايا أهل زماننا، فإن الواحد منهم يكون في ذمته صلواتٌ كثيرةٌ وغيرها من الزكوة وأضاحٍ وأيمان، ويوصي لذلك بدراهم يسيرةٍ، و يجعل معظم وصيته لقرأة الختمات والتهاليل التي نص علمائنا على عدم صحة الوصية بها. وإن القرأة لشيء من الدنيا لا تجوز، وإن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستيجار على القرأة، ونفس الاستيجار عليها لايجوز، فكذا ماأشبهه، كما صرح بذلك في عدة كتبٍ من مشاهير كتب المذهب. وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على

---

(۱) "إلا بإجازة ورثته …… وهم كبار عقلاء، فلم يجز إجازة صغير ومجنون وإجازة المريض كابتلاء وصية، ولو أجاز البعض ورد البعض، جاز على المجيز بقدر حصته". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصية: ۶/۶۵۶، سعيد)

التلاوة، كما أوضحتُ ذلك في شفاء العليل، اهـ". شامی: ١/ ٦٧(١)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/۵/۵۸ھ۔

ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا

سوال[۸۱۸۲]: کسی شخص نے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھا، پھر اس پڑھنے والے کو اللہ کچھ پیسہ دیدیا بلا مانگے تو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خالصاً لوجہ اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو، بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کردیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرانی نہ ہوتی تو یہ پیسہ لینا جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

کیونکہ بقاعدہ "المعروف کالمشروط" یہ استیجار کے حکم میں ہے اور استیجار علی تلاوۃ القرآن ناجائز ہے، ایسی صورت میں پیسہ لینے والے اور دینے والے کو گناہ ہوگا، پیسہ کی واپسی ضروری ہے:

"والمذهب عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم، فالاستيجار عليها باطل". مجمع الأنهر: ٢/ ٣٨٤(٢)۔ "ثم قرأة القرآن و إهداء ها له تطوعاً بغير أجرة يصل إليه، وأما لو أوصى

---

(١) (ردالمحتار: ٢/ ٧٣، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، كتاب الصلاة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/ ١٣٨، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣/ ٥٣٣، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ١/ ١٦٧، رسالة شفاء العليل وبل الغليل، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) (مجمع الأنهر: ٣/ ٥٣٣، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ٣/ ٣٠١، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

بأن يعطي شيء من ماله لمن يقرأ القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه في معنى الأجرة". كذا في "الاختيار". شرح فقه أكبر (١)۔ والبسط في ردالمحتار (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ شعبان/ ۵۷ھ۔

ایصالِ ثواب پر پیسے لینا

سوال [۸۱۸۷]: ۱...... صلوۃ جنازہ پڑھ کر یا قبر کی زیارت کر کے یا میت پر قرآن شریف پڑھ کر پیسہ لینا کیسا ہے؟ شرعاً جائز ہے یا نہیں کیا جواز وعدم جواز کا ثبوت ہے؟

دعوت کے لئے پیسے کی شرط

سوال [۸۱۸۸]: ۲...... بعض جگہ ایسا رواج ہے کہ مولویوں اور طلبہ کو دعوت کھلانے کے بعد پیسہ دیا جاتا ہے کیا پیسہ لینا، دعوت کھا کر شرعاً جائز ہے؟ نیز پیسہ نہ دینے پر دعوت قبول نہ کرنا ان لوگوں کے متعلق شریعت میں کسی قسم کی مذمت آئی ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز آخذ کے لئے یہ پیسہ اپنے کام میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس قسم کا اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا اور دینے کا کیا حکم ہے، ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ہر مسئلہ مندرجہ بالا کو مع دلائل عقلیہ نقلیہ وحوالہ کتب کے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ناجائز ہے: "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب

---

(١) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص: ١٩٧، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، المسائل المنثورة، باب فيمن أوصى لجيرانه، كتاب الوصية: ٥٥١/٢، الجزء الخامس، مكتبه حقانيه پشاور)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٥٦/٦، ٥٧، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ١٣٩/٢، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، رشيديه)

لاللميت ولا للقاری. وقال العينی فی شرح الهداية: ويمنع القاری للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان، فالحاصل أن ماشاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالاجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة، وإعطاء الثواب للامر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقاری ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولو لا الأجرة ماقرأ أحدٌ لأحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا. إنا لله وإنا إليه راجعون". شامی: ۵/ ۴۷(۱)۔

۲......اگر ایصالِ ثواب جس طرح کھانا کھلا کر کرتے ہیں اسی طرح پیسے دے کر بھی کرتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مستحق کو جس طرح کھانا کھانا درست ہے اسی طرح پیسے لینا بھی درست ہے۔ اور اگر وہ کھانا اس شرط پر کھاتا ہے کہ اگر پیسے بھی مجھے ہی دو تو میں کھانا کھاتا ہوں، ورنہ میں نہیں کھاتا تو اس میں کوئی جبر اور تلازم نہیں، دینے والے کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے کھانا کھلائے، جس کو چاہے پیسے دے۔ اور اس کو بھی اختیار ہے دل چاہے کھانا کھائے، نہ دل چاہے نہ کھائے (۲)۔ یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ وہ کھانا جائز طریقہ پر کھلائے، اگر ناجائز طریقہ پر کھلائے تو نہ کھلانا جائز ہے، نہ کھانا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۵۶، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب صلوة الجنائز، نوع آخر: ۴/ ۸۱، رشيديه)

(۲) البتہ دعوت قبول کرنے کی حدیث میں ترغیب اور حکم ہے۔ لہٰذا پیسہ نہ ملنے کی صورت میں دعوت قبول نہ کرنا کراہت سے خالی نہیں ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

"عن جابر رضی الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دعى أحدكم إلى طعام، فليجب، فإن شاء طعم، وإن شاء ترك". (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعی إلى دعوة: ۱/ ۴۶۲، قديمی)

(۳) "سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة، وغير ذلك: هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إلیّ في دينه أن لايأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۸۶، سعيد)

الفصل الثالث في الاستيجار على الإمامة والأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

امام کے لئے مشاہرہ

سوال[۸۱۸۹]: ہمارے محلّہ کی مسجد میں عرصۂ دراز سے کوئی باضابطہ امام مقرر نہیں ہے جب کہ وقتی طور پر مناسب آدمی کی امامت میں فرض نمازیں ادا کی جاتی رہی ہیں۔ اب مصلیانِ مسجد کے دو گروہ ہو گئے ہیں: ایک گروہ کا کہنا ہے کہ باضابطہ امام صاحب کا تقرر کیا جائے، ان کو کچھ ماہانہ مشاہرہ دینا چاہیئے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ تنخواہ پانے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور چونکہ باپ دادا کے زمانہ سے کوئی امام مقرر نہیں کیا گیا ہے، اس میں کوئی شرعی مصلحت ہوگی۔

ایک گروہ کی جانب سے جس امام کی نشاندہی کی جارہی ہے، ان کا ماضی نہایت قابلِ اعتراض ہے، وہ اپنے زمانہ کا مشہور شرابی، جواری، چور ہے، اس محلّہ میں کچھ دن ان کے پیچھے نمازیں بھی ادا کی گئیں۔ ان حافظ صاحب کے مشاہرہ کے لئے کہا، ایک گروہ تیار نہیں ہوا۔ حافظ نے کہا: اگر مشاہرہ مقرر نہیں کیا گیا تو سب ڈاڑھی منڈ وادونگا، شراب پینا شروع کر دونگا، چنانچہ انہوں نے ڈاڑھی منڈ وادی، شراب بھی پی، بعد میں لوگوں کے سمجھانے پر وہ درست ہو گئے۔ پھر ایک گروہ ان کو امام مقرر کرنا چاہتا ہے اور ایک مخالف ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر تنخواہ دار امام مقرر کئے ہوئے پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ہوتی ہے اور بلاتنخواہ ایسا آدمی نماز پڑھاتا ہے جو کہ امامت کے قابل ہو اگر چہ وہ ایک شخص نہ ہو، بلکہ متعدد آدمی ہوں کہ کبھی کسی نے نماز پڑھادی اور کبھی کسی نے اور اس میں کوئی دشواری نہ ہوتی ہو تو پھر تنخواہ دار امام مقرر کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ تعلیم وتدریس کے لئے مدرس مقرر کیا جائے تا کہ دینی تعلیم دے سکے۔

اگر نماز پنجگانہ باجماعت نہیں ہوتی اور وقت پر ایسا آدمی میسر نہیں آتا جو جماعت کرسکے، یا اس کے

پیچھے نماز پڑھنے میں خلفشار رہتا ہے اور سب لوگ اس پر متفق نہیں اور کسی اَور آدمی پر متفق ہو سکتے ہیں جو کہ امامت کا اہل ہے اور بلا تنخواہ نہیں ملتا تو اب تنخواہ دار امام مقرر کر دیا جائے (۱)۔

جس شخص نے اس ضد میں ڈاڑھی منڈ وادی اور شراب پی لی کہ اس کا مشاہرہ مقرر نہیں کیا گیا تو وہ اس لائق نہیں کہ اس کو امام بنایا جائے، جب تک کہ اس کی سچی توبہ پر اطمینان نہ ہو جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۴/۲/۲ھ۔

اجرت پر نمازِ عید کی امامت کرنا

سوال[۸۱۹۰]: بعض علاقہ میں دستور ہے کہ عید کے روز خصوصیت سے عید ہی کی نماز پڑھانے کے لئے ایک امام مقرر کیا جاتا ہے، بلکہ بعض ائمہ اپنی اجرت متعین کر لیتے ہیں کہ مثلاً بیس روپے دو گے تو عید کی نماز پڑھاؤں گا، اور بعض ائمہ اپنی اجرت تو مقرر نہیں کرتے مگر بعض مقتدی حسبِ وسعت امام کی خدمت میں کچھ

---

(۱)" قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى، اهـ......... وزاد في متن المجمع: الإمامة. ومثله في متن الملتقى ودرر البحار". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸۴/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲)"ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار) "(قوله: وفاسق) وهو الخروج عن الاستقامة. ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة، ۱۰۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، قديمي)

نذرانہ پیش کرتے ہیں، اگر مقتدی روپیہ نہیں دیتے ہیں تو امام ناراض ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بھی دستور ہے کہ عید کے روز ہر شخص اپنے احباب وعزیزوں و بزرگوں کے ساتھ معانقہ مصافحہ کرتے ہیں۔ عید کے روز مصافحہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح امامت پر اجرت لینا ناجائز ہے، عید کا مصافحہ اور معانقہ جیسا کہ بعض جگہ رائج ہے، بدعت اور ممنوع ہے:

"يكره إن استأجروا رجلاً يؤمهم، اه". ما ثبت بالسنة، ص: ٩٤ (١)۔

"ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة لكل حال؛ لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض، اه". ردالمحتار: ٥/٣٣٦ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/۸/۶۰ھ۔

---

(١) قال العلامة ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرءوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/١٣٨، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

"القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لا بد فيها من الإخلاص لله تعالى بلا رياء، حتى تكون عبادةً يُرجى بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يراد بالعبادة غير وجهه تعالى ...... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستاجر؛ لأنه استاجره لأجل الثواب، فلا تصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل: ١/١٦٧، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) (ردالمحتار: ٦/٣٨١، باب الاستبراء وغيره، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"قال النووي رحمه الله تعالى: إعلم أن المصافحة سنة، ومستحبة عند كل لقاء، وما اعتاده الناس بعد صلوة الصبح والعصر لا أصل له في الشرع على هذا الوجه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة =

امامت کی اجرت میں صرف کھانا دینا

سوال[۸۱۹۱]: زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کو مسجد کی جانب سے صرف کھانا دیا جاتا ہے۔تو یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اجرت میں صرف کھانا ہی دیا جاتا ہے تو یہ معاملہ فاسد ہے اور اگر اجرت میں کھانے کے علاوہ کوئی قلیل یا کثیر تنخواہ بھی ہو تو معاملہ درست ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:"وكل إجارة فيها رزق أو علف، فهو فاسد، اهـ"(۱)۔

اور شامی:۵/۳۹، میں ہے:

"(قوله: وكشرط طعام عبد وعلف دابة) في الظهيرية: استأجر عبداً أو دابةً على أن يكون علفهما على المستأجر، ذكر في الكتاب: أنه لا يجوز، وقال الفقيه أبو الليث في الدابة: نأخذ بقول المتقدمين، أما في زماننا فالعبد يأكل من مال المستأجر عادةً، اهـ"(۲)۔

وقال الحموي: "أي فيصح اشتراطه، واعترضه بقوله: فرق بين الأكل من مال المستأجر بلا شرط، ومنه بشرط، اهـ. أقول: المعروف كالمشروط، وبه يشعر كلام الفقيه، كما لا يخفى على النبيه"(۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۸ھ۔

= المصابيح: ۸/۴۵۸، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۴۲، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثاني فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۴۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "وكذا لو شرط علف الدابة على المستأجر، وإن لم يعلف حتى مات، لا يضمن؛ لأنه ليس عليه". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۵/۱۲۱، مسائل الإجارة على شرط، كتاب الإجارة، رشيديه)

امام یامؤذن کوتنخواہ میں مسجد کی زمین دینا

سوال[۸۱۹۲]: مسجد کی زمین امام صاحب یامؤذن صاحب کوتنخواہ میں دینا کیسا ہے؟ مثلاً: پانچ بیگہ زمین امام یامؤذن کودیدیا اور کہہ دیا کہ آپ کومسجد کی خدمت کے معاوضہ میں پانچ بیگہ زمین دیا، آپ اپنی ضرورت کواس سے پوری کریں، خواہ اس زمین سے امام یامؤذن کوکافی ہو یانہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ہندوستانی زمین عشری ہے یانہیں؟ ہمارے یہاں امارتِ شرعیہ والے ہندوستان کی زمین کوعشری کہتے ہیں جوکہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر عشری نہیں ہے تو کوئی شخص سمجھ کر دیدے تو کیا اس کو بدعت کہیں گے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس معاملہ پرامام یامؤذن رضامند ہوجائے اور مسجد کونقصان نہ ہوتو یہ بھی درست ہے (۱)۔ جوزمین حکومتِ ہند کی ملک قرار پاگئی، پھراس کی طرف سے جس کوبھی دی گئی وہ عشری نہیں رہی، ان پرعشر کوواجب کہنا غلط ہے، البتہ بغیروجوب کے ہی پیداوار میں سے بطورِ صدقہ حسبِ حیثیت دیدیا کریں تو موجبِ ثواب اور باعثِ خیروبرکت ہے۔

عشری زمین وہ ہے جس کوامام المسلمین نے بذریعۂ حرب فتح کرکے غازیوں میں تقسیم کردیا ہواور پھر اس پر برابر ملکِ مسلم چلی آرہی ہو، غیرمسلم کااس پرکبھی مالکانہ قبضہ نہ ہوا ہو، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار). "فدخل فيه الأعيان، فإنها تصلح بدلاً في المقايضة، فتصلح أجرةً".

(ردالمحتار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۲/۴، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۲۶۰۱، (رقم المادة: ۴۶۳)، كتاب الإجارة، حنفيه كوئٹه)

(۲) "والحاصل أن التي فتحت عنوةً، إن أقر الكفار عليها، لا يوظف عليهم إلا الخراج. وإن قسمت بين المسلمين، لا يوظف عليهم إلا العشر وإن سقت بماء النهر .... والحاصل أنه ما كان عليه يد الكفرة، ثم حويناه قهراً، وما سواه عشريّ". (ردالمحتار: ۱۸۵/۴، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، سعيد) =

اپنی عوض میں دوسرا امام دے کر چلہ میں جانے والے امام کی تنخواہ

سوال[۸۱۹۳]: زید تنخواہ مقررہ پرنماز پڑھاتا ہےاوروہ چالیس دن کے لئے تبلیغی جماعت میں چلا جاتا ہےاورکسی مقتدی سے کہہ جاتا ہے کہ تم میرے جانے کے بعد جماعت کی دیکھ بھال کرنا اورنماز باجماعت پڑھادیا کرنا، جواباً مقتدی کہتا ہے کہ اگروقت پرآگیا تونماز پڑھادوں گاورنہ نہیں۔چالیس دن بعدامام صاحب واپس آتے ہیں اورتنخواہ طلب کرتے ہیں،مقتدی کہتے ہیں تو جواباً کہتے ہیں کہ میں اپنےعوض امام مقررکرگیا تھا۔ عوض والے امام سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فی سبیل اللہ نماز پڑھائی ہے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔توایسی صورت میں تنخواہ کامستحق کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام نے جب اپناعوض دےدیا خواہ اس سے روپے کا معاملہ کیا ہو یا نہ کیا ہو،توامام تنخواہ کا حقدار ہے اس کوتنخواہ دی جائے،کذا فی البحر الرائق(۱)۔ اس کے پیچھے نماز درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۷/۱۰/۹۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۷/۱۰/۹۵ھ۔

جوامام پابندی نہ کرے اس کا معاوضہ

سوال[۸۱۹۴]: مسجد میں ایک امام نماز پڑھانے کے لئے رکھا گیا تھااوراس سے جوناج کا وعدہ

= "أرض العرب وما أسلم أهله، أو فتح عنوةً، وقسم بين الغانمين عشريةٌ. والسواد وما فتح عنوةً وأقرّ أهله عليه، أو فتح صلحاً خراجيةٌ". (البحرالرائق: ۱۷۶/۵، كتاب السير، باب العشر الخراج والجزية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۷/۲، كتاب السير، الباب السابع في العشر والخراج، رشيديه)

(۱) "(والأجرة لاتملك بالعقد بل بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أو بالتمكن منه) يعني الأجرة لاتملك بنفس العقد، سواء كان عيناً أو ديناً، وإنما تملك بالتعجيل أو بشرطه أو باستيفاء المعقود عليه وهي المنفعة، أو بالتمكن من الاستيفاء بتسليم العين المستأجرة في المرة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۷/۸، رشيديه)

کیا تھا وہ اس شرط پر کہ اگر جمعہ کی نماز چھوڑ دی، یا بلاضرورت باہر گھومتے پھرے، تو اناج کے وعدہ کو کوئی پورا نہ کرے گا۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے ساڑھے تین مہینے نماز پڑھائی، آوارہ اس دوران گھوما، ثائم پر جماعت نہیں کرائی مقتدیوں نے کہا تو اس نے زبان درازی کی۔ اب ہم اس سوچ میں ہیں کہ اس اناج کو مسجد کے کام میں یا مدرسہ اسلامیہ میں دیدیا جائے، یا اس حافظ کو دیدیا جائے؟ آپ اس کا جواب جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے روز تک نماز پڑھائی ہے اتنے روز کا اناج اس امام کو دیدیا جائے اور بس (۱)، باقی مسجد میں لگا دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

امام کا استعفیٰ دینے کے بعد استحقاقِ تنخواہ کے لئے تجدیدِ معاملہ

سوال[۸۱۹۵]: ایک امام صاحب محرم کی ۶ یا ۷/ تاریخ کو جمعہ سے کچھ دیر پہلے یہ عہد نامہ لکھ کر اور مسجد میں رکھ کر اپنے گاؤں چلے گئے کہ میں اس بستی میں رہنا نہیں چاہتا جہاں بت پرستی ہوتی ہو، لہٰذا میری تنخواہ کے جو کہ چار سو روپے سے کچھ زیادہ ہیں، وہ ادا کر دینا۔ یہ روپیہ اس لئے چڑھ گئے کہ بہت سے لوگ ان سے ناراض تھے، قریب پانچ مہینے تک ان کے لئے روپے ادا نہیں ہوئے اور اس بستی پر اپنی روزی سمجھتے ہوئے اپنے گھر بیٹھے رہے اور کہیں پیش امامت اختیار نہیں کی، لہٰذا اپنے ساتھیوں سے ضرور ملتے رہے اور تقاضا بھی جاری رکھا، غرض جوں توں کر کے سب پیسہ ادا کر دیا۔

پس پیسہ ادا ہوتے ہی پھر یہ اپنی امامت پر قائم مقام ہوئے اور کسی ایک سے بھی یہ عہد نہیں لیا: "بستی

---

(۱) "فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لا يصلح أوّله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲۹۲/۳، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مكتبه إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۱۳/۴، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة من كتاب الإجارة، رشيديه)

بت پرستی چھوڑتی ہے تو میں رہتا ہوں ورنہ نہیں''۔نہ کسی گاؤں والے نے یہ کہا کہ ہم آپ کو ضرور رکھیں گے چاہے ہمیں تعزیہ چھوڑنے پڑ جائیں۔اس عہد شکنی کو کرتے ہوئے ان کا یہاں پر نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ اپنی ملازمت ختم کر کے چلے گئے تھے تو جب تک دوبارہ ملازمت کا معاملہ طے نہ ہو جائے وہ تنخواہ کے مستحق نہیں ہوں گے(۱)۔جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں وہ ادا ہو گئیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح:العبد نظام الدین عفی عنہ،۹۲/۲/۴ھ۔

امام کی تنخواہ اور کھانا حرام آمدنی سے

سوال[۸۱۹۶]: بکر ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے،جو تنخواہ مسجد کے متولی بکر کو دیتے ہیں وہ چندہ وغیرہ کر کے دی جاتی ہے اور اس چندہ میں سود خور سے،رشوت خور سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔کیا ایسے لوگوں سے چندہ لے کر پھر امام کو تنخواہ دینا کیسا ہے؟جب امامت کرنے میں تقویٰ کا زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے پھر امام کو بھی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟اور اس زمانے میں اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے۔اور اسی طرح مدرسہ کے مدرس کا بھی مسئلہ ہے وہ بھی تحریر فرمائیں۔بعض جگہ اماموں کا مستقل کھانے کا نظم ہوتا ہے اور جن گھروں سے کھانا آتا ہے،ان میں سے بعض گھر والے سود لیتے ہیں اور بعض ملازمیں رشوت لیتے ہیں۔تو کیا امام کو ایسا کھانا کھانا جائز ہے؟

امام اور مدرس محنت سے کام کرتے ہیں اور کھانا بند کر کے تنخواہ بڑھانے کی بات کرتے ہیں تو تنخواہ بہت

---

(۱) "يستحق الأجرة بأحد معان ثلاثة: إمّا بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، (رقم المادة:۴۶۷، ۴۶۸)، كتاب الإجارة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئته)

ہی کم بڑھائی جاتی ہے جو کھانے کی بہ نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اور تنخواہ بڑھائی جاتی ہے تو وہ بھی اسی آمدنی سے۔ ایسی صورت میں امام اور مدرس کیا کریں؟ ان دونوں صورتوں میں بہتر صورت کونسی ہے، آیا صرف پوری تنخواہی لی جائے، یا کھانے کو بھی جاری رکھا جائے؟ جو صورت بہتر ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متعین طور پر جو شخص رشوت یا سود کی آمدنی امام یا مدرس کو دے خواہ روپے کی صورت میں ہو، یا کھانے کی صورت میں، اس کا لینا حرام ہے۔ اگر کسی کی آمدنی حلال وحرام دونوں قسم کی، ہو مگر حلال آمدنی زیادہ ہو، حرام کم ہو، ایسی مخلوط آمدنی سے امام یا مدرس کو کھانا یا نقد دے تو ایسا لینا درست ہے۔ اگر حرام زیادہ ہو اور حلال کم ہو تو لینا درست نہیں، ایسا آدمی اگر حلال سے دے، مثلاً: قرض لے کر، یا اس کو وراثت میں حلال چیز ملی ہو، اس میں سے دے تو لینا درست ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

امام کا دیر سے آنا اور تنخواہ لینا

سوال[۸۱۹۷]: زید ایک ادارے کا ملازم ہے اور ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، امام صاحب کہتے ہیں کہ میں اوقات کی پابندی کا تنخواہ لیتا ہوں، نماز پڑھانے کی نہیں لیتا ہوں۔ اکثر اوقاتِ نماز میں دیر سے آتے ہیں۔ کیا امام صاحب کا اس طرح تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ مسجد کی طرف سے اگر امام صاحب کو اس کی گنجائش دی گئی ہے اور اس تاخیر سے ناخوش نہیں ہیں تو

---

(۱) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالبُ ماله حرامٌ، لايقبل ولايأكل، مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ وَرِثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لابأس بقبول هديته والأكل منها".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۶، سعيد)

امام صاحب کیلئے یہ تنخواہ درست ہے(۱)، ورنہ اس کا یہ طریقہ غلط ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امام سے معاہدہ کہ ''غیر حاضری کی تنخواہ وضع نہ کی جائے'' درست ہے

سوال[۸۱۹۸]: امام صاحب کو ان کا معاوضہ مسجد فنڈ سے ادا کیا جاتا ہے، لیکن امام ہر ماہ تقریباً ایک چوتھائی اوقات میں تشریف نہیں لاتے، مقتدیوں کے اعتراض پر مہتمم صاحب نے لوگوں کو سمجھا بجھا کر طے کر لیا ہے کہ اگر امام ایک ماہ میں ۲۰/ وقت یا اس سے کم نہ آویں تو ان کی پوری تنخواہ میں سے- جو مسجد فنڈ سے ادا کی جاتی ہے- کچھ وضع نہ کیا جائے، اگر ۲۰/ وقت سے زائد غیر حاضری ہو تو وضع کیا جائے۔ کیا یہ معاہدہ جائز ہے؟

اکثر مقتدی اس طریقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، کیونکہ اول تو یہ معاملہ مسجد فنڈ کا ہے، دوسرے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مقتدیوں کی کتنی مقدار اس معاہدہ سے راضی ہے قلیل یا کثیر؟ پھر یہ کہ جب اہتمام ان کے بدستور مختلف طریقوں سے رکھنے پر مفید معلوم ہوتا ہے تو ۲۰/ وقت کی غیر حاضری کون شمار کرے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ بھی درست ہے(۲)، مقتدی غنیمت سمجھ کر اس پر رضامند ہو جائیں (۳)، مہتمم

---

(۱) "يشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۴۴۸)، كتاب الإجارة، الفصل الثالث: ۱/۲۵۵، مكتبة حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان في مدة الإجارة حاضراً للعمل .... ولكن ليس له أن يمتنع عن العمل. وإذا امتنع، لايستحق الأجرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۴۲۵)، كتاب الإجارة: ۱/۲۳۹، مكتبة حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۷۰، سعيد)

(۳) "ويشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين .... ويشترط في الإجارة أن تكون المنفعة معلومةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۴۴۸-۴۵۱)، كتاب الإجارة: ۱/۲۵۴، مكتبة حنفيه كوئٹه) .... =

صاحب سے درخواست کریں کہ ان کی غیر حاضری کا صحیح اندازہ کرنے کا انتظام کردیں، مدرسہ کے ملازمین کیلئے حاضری رجسٹر ہوتا ہے جس سے صحیح علم ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۱۳۹۵ھ۔

مسجد کی آمدنی سے امام کی غیر حاضری کی تنخواہ وضع کرنے کا قانون

سوال[۸۱۹۹]: مسجد کا ملازم جو اذان دینے کی وجہ سے مؤذن کہلاتا ہے، مسجد کی صفائی بھی کرتا ہے اور پانی کا انتظام بھی کرتا ہے، نیز دوسرے کام مسجد کے کرتا ہے، جن کی تنخواہ ماہوار پاتا ہے، اس کے پاس قابلِ کاشت تھوڑی سی زمین بھی ہے، غریب ہونے کے باعث وہ کچھ دیگر بیوپار بھی کرتا ہے۔ اگر وہ مسجد کے کام سے غیر حاضر رہ کر مذکورہ بالا کاموں کے علاوہ اور دوسری محنت ضروری یا ذریعۂ معاش اختیار کرے تو ان غیر حاضر ایام یا اوقات کی تنخواہ مسجد کے سرمایہ سے لینے کا حق ہے کہ نہیں، یا مسجد کی مجلسِ منتظمہ کو ایسے غیر حاضر ایام کی تنخواہ دینے کا اختیار ہے کہ نہیں؟ جبکہ اول الذکر ذرائع معاش کفایت کرتے ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

منتظمہ کمیٹی کو لازم ہے کہ اس کے لئے چھٹی کا ضابطہ تجویز کردے، مثلاً: ایک ماہ میں ایک روز، یا دو روز، یا سال بھر میں پندرہ روز، یا ایک ماہ (جیسا حالات کے مناسب ہو) تم رخصت لے سکتے ہو، اس کے علاوہ غیر حاضر رہے تو تنخواہ وضع ہوگی (۱)۔ مسجد کا روپیہ بے محل خرچ کرنے کا اختیار نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۱۰/ ۹۲ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "ولو كان يدرس بعض الأيام في هذه المدرسة وبعضها في الأخرى، لايستحق غلتهما بتمامها، وحكم المتعلم والمدرس في المسئلتين سواء. واستفيد من قوله: "لايستحق غلتهمابتمامها" أنه يستحق بقدر عمله، وهي كثيرة الوقوع في أصحاب الوظائف في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۵۹، رشيديه)

(۲) "وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/ ۴۶۳، رشيديه) =

مہینہ ہوتے ہی تنخواہ کا مطالبہ

سوال[۸۲۰۰]: امام صاحب جن کو ختم ماہ پر ایک دوروز بعد نمازی تنخواہ دیدیتے ہیں، مگر پھر بھی امام صاحب کہتے ہیں کہ تم نے نماز ادھار پڑھی ہے، ماہ ختم ہوتے ہی تنخواہ ملنی چاہئے۔ کیا امام صاحب کا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز یا امامت کوئی دوکانداری اور تجارتی بیسہ یا کمائی کا پیشہ نہیں ہے، ضرورتِ شرعیہ کی بناپر تنخواہ کو مجبوراً جائز قرار دیا گیا ہے(۱)، زید کو ایسا نہیں کہنا چاہئے، مقتدیوں کو بھی خیال رکھنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود۔

نمازِ جنازہ پڑھا کر خیرات لینا

سوال[۸۲۰۱]: مردے کی نماز پڑھ کر خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں، لیکن متاخرین نے بضرورت بعض عبادات کو مستثنیٰ کیا

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ٨٥٧/٥، إدارة القرآن كراچي)

(١) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٥٥/٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ١١٧/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ٣٠١/٣، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(٢) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه". (سنن ابن ماجة، باب أجر الأجراء، ص: ١٧٨، مير محمد كتب خانه كراچي)

ہے،ان میں امامت نماز پنج وقتہ بھی ہے:

"و یفتی الیوم بصحتها (أی الإجارة) علی تعلیم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". درمختار علی الشامی: ۵/۴۶(۱)۔

اور یہ خیرات بظاہر اجرت ہے اور امامت نمازِ جنازہ کو فقہاء نے مستثنیٰ نہیں کیا، لہٰذا محض اس امامت پر اجرت لینا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/محرم/۵۵ھ۔

بچہ کے کان میں اذان پر کچھ پیش کرنا

سوال[۸۲۰۲]: بچہ پیدا ہونے کے بعد اذان بچے کے کان میں پڑھوانے کو مسجد سے کسی امام یا مُلّا کو بلا کر اذان پڑھوانے کے بعد کچھ کھانا کھلایا، کچھ پیسے دیئے بچہ والے نے اپنی خوشی سے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی پابندی یا مطالبہ غلط ہے(۳)، مکان پر آنے والے کے احترام میں کچھ کھلا پلا دینے میں

(۱) (الدرالمختار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۳۰۱، باب الإجارة الفاسدة، شرکت علمیه ملتان)

(۲) "وقد اتفقت کلمتهم جمیعاً علی التصریح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته، فهذا دلیل قاطع و برهان ساطع علی أن المفتی به لیس هو جواز الاستیجار علی کل طاعة، بل علی ماذکروه فقط مما فیه ضرورةٌ ظاهرةٌ تُبیح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع". (ردالمحتار: ۶/۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(۳) قال العلامة ابن عابدین: "الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لا یجوز الاستیجار علیها عندنا، لقوله علیه السلام: "اقرء وا القرآن ولاتأکلوا به". فالاستیجار علی الطاعات مطلقاً لایصح عند أئمتنا الثلاثة: أبی حنیفة وأبی یوسف و محمد رحمهم الله تعالیٰ". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/۱۳۷، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، کتاب الإجارة، مکتبه میمنیه مصر) .... =

مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/ ۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (ردالمحتار: ٦/٥٥، باب الإجارة الفاسدة، ، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣/٥٣٣، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

(١) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ٣٦٨، باب الضيافة، الفصل الأول، قديمي)

الفصل الرابع فی الاستیجار علی ختم التراویح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

تراویح میں ختمِ قرآن پر اجرت

سوال[۸۲۰۳]: قرأتِ قرآن پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ادلۂ اربعہ سے اس کی نفی کردیں اور اگر ہے تو ادلۂ اربعہ سے اس کا اثبات یا صرف قرآن وحدیث سے کریں۔ اور قرأتِ قرآن کی اجرت کے عدمِ جواز کی تقدیر پر اس مسئلہ کا کیا جواب ہے کہ ہمارے بنگال میں، یا بنگال کے اکثر حصوں میں یہ دستور ہے کہ ہندوستان سے حفاظ آکر رمضان میں ختم قرآن کرکے بیس، چالیس، اسی روپے لے جایا کرتے ہیں، یہاں تک کہ کلکتہ کی جامع مسجد میں مصر سے حفاظ آکر رمضان المبارک میں ایک ختم کرکے سو ڈیڑھ سو روپے لیتے ہیں۔ کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟

المستفتی: احسان علی کلکتوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرأتِ قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿ولاتشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾ الآیہ (۱)۔

"عن بریدة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "من قرأ القرآن یتأکل به الناس، جاء یوم القیامة ووجهه عظمٌ لیس علیه لحم". رواه البیهقی" (۲)۔

"قال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان، اهـ" (۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۴۱)

(۲) (مشکوة المصابیح، ص: ۱۹۳، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) (رد المحتار: ۶/۵۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید) =

لہٰذا یہ طریقہ ناجائز ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ مستقل امامتِ فرائض کی ملازمت کی جائے کہ متاخرین کے نزدیک درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال[۸۲۰۴]: حفاظ قرآن پاک رمضان المبارک میں سنانے کے لئے دور دراز کا سفر کرتے ہیں، نیت یہ ہوتی ہے کہ کچھ پیسے مل جائیں گے۔ کیا یہ سنانا جائز ہے؟

محمد حفیظ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ نیت فاسد ہے، اس نیت سے سنانا اور پیسے لینا اور مقتدیوں کا سننا اور پیسے دینا گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱/۱۶۷، ۱۶۹، رسالة: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البناية شرح الهداية: ۳/۲۵۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، إمداديه ملتان)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۱، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(۲) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله =

تراویح میں سنانے کی اجرت

سوال[۸۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں رمضان شریف بروئے مذہب حنفی تراویح میں اجرت پر قرآن سننا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض تراویح میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں(۱) دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے اور ثواب سے محروم رہیں گے۔ اگر بلا اجرت سنانے والا نہ ملے تو "الم ترکیف" سے تراویح پڑھیں(۲)۔

= علیہ السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأکلوا بہ". فالاستیجار علی الطاعات مطلقاً لا یصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشک أن التلاوة المجردة عن التعلیم من أعظم الطاعات التی یطلب بها الثواب، فلا یصح الاستیجار علیها؛ لأن الاستیجار بیع المنافع، ولیس للتالی منفعةٌ سوی الثواب، ولا یصح بیع الثواب .... و قال العینی فی شرح الهدایة معزیاً للواقعات: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۳۸/۲، کتاب الإجارة، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، مکتبہ میمنیہ مصر)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاریہ کوئٹہ)

(۱) (راجع، ص: ٦٧، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) **سوال**: "ایک نابالغ لڑکا حافظ ہوگیا ہے اور ایک مسجد میں تراویح پڑھا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

شرح وقایہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نابالغ عورت یا مرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور آگے جا کر یہ تشریح کی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ نماز ابھی اس پر فرض نہیں ہوئی ہے جو بجائے خود بالکل درست ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ تراویح جو نفل میں داخل ہے نابالغ کے پیچھے ہوں گی یا نہ ہوں گی، اس لئے کہ مؤلف مذکور نے امام نخعی کے حوالے سے نماز تراویح کو نابالغ کے پیچھے پڑھنا جائز بتایا ہے، لیکن بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ اس نابالغ کے سوا دوسرا کوئی حافظ موجود نہیں، اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی گئی تو یا مسجد سونی پڑی رہے گی یا کسی کو معاوضہ دے کر بلانا پڑے گا"۔ .... =

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال[۸۲۰٦]: حافظِ قرآن کو تراویح میں قرآن سنا کر روپیہ لینے کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر حافظ طالب علم ہے اور اس کو پڑھنے کے واسطے روپیہ کما حقہ میسر نہیں آتا اور وہ چاہتا ہے کہ اس وسیلہ سے روپیہ مل جاوے اور اس سے زیادہ کتابوں کی خرید ہو سکے، کیونکہ بغیر کتب کثیرہ کے علم وسیع ہونا دشوار ہے اور دینے والا بھی بغیر مقرر کئے لوجہ اللہ دیں۔

اگر چہ دار العلوم میں استفتاء کرنا کافی تھا، مگر احتیاط کی وجہ سے جناب والا کو بھی تکلیف دی ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

احقر ظفر احمد از دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں روپیہ لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہیں (۱) اس کے

= **جواب:** ''صحیح اور راجح یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اگر بالغ حافظ نہ مل سکے یا ملے مگر وہ اجرت لے کر پڑھے تو سورت تراویح پڑھ لینی بہتر ہے۔

(کفایت المفتی: ۳/۴۱۲، کتاب الصلاۃ، بارھواں باب: نماز تراویح، دار الإشاعت کراچی)

(۱) لقوله تعالیٰ: ﴿و لاتشتروا بایاتی ثمناً قلیلاً﴾ (سورة البقرة: ۴۱)

''عن بريدة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمٌ ليس عليه لحم''. رواه البيهقى''. (مشكوة المصابيح، ص: ۱۹۳، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قديمى)

''قال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والاخذ والمعطى اثمان، اهـ''. (رد المحتار: ۵/۵۵، ۵٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۸، مطلب فى حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى رسائل ابن عابدين: ۱/۱۲۷، ۱۲۹، رسالة: شفاء العليل وبل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيذمى لاهور)

''قال فى الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، =

جواز کی کوئی صورت نہیں، اگر چہ پہلے سے کچھ متعین نہ کیا جائے، مگر فریقین کے ذہن میں نفسِ اجرت پہلے مرکوز ہوتی ہے اور عرفاً دی جاتی ہے: "المعروف کالمشروط" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۶/ ۷/ ۶۴ھ۔

امامت، تعلیم اور تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال [۸۲۰۷]: امامت اور قرآن شریف کے پڑھانے پر اجرت لیتے ہیں اور رمضان شریف میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لیتے ہیں، اس میں کیا فرق ہے اور کونسی اجرت جائز ہے؟ اگر امامت کی اجرت متولی غریبوں سے دباؤ ڈال کر لیتا ہو تو یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا حرام ہے، مگر فقہائے متاخرین نے بذریعۂ اجتہاد بعض مصالحِ شرعیہ معلوم کر کے امامت اور تعلیمِ قرآن شریف پر اجارہ کی اجازت دے دی (۲)، اور یہ مصالحِ شرعیہ رمضان

= لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعةٌ سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... و قال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/ ۱۳۸، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/ ۵۲، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله =

شریف میں قرآن سنانے میں موجود نہیں، لہٰذا اس کی اجرت ناجائز ہے۔ اور متقدمین کے زمانہ میں یہ مصالح امامت اور تعلیم قرآن شریف میں نہ تھیں اس لئے انہوں نے اس کی اجازت ہی نہیں دی تھی (۱)۔

جبراً کسی غریب سے دباؤ ڈال کر لینا ناجائز ہے (۲)، امام کا معاملہ جس سے طے ہوا ہے، امام اسی سے لے سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح عبد اللطیف، ۱۱/ شعبان۔

تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت

سوال [۸۲۰۸]: ایک شخص حافظِ قرآن ہے، عرصہ سولہ سترہ سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے اور ختم قرآن کریم پر رسم کے طور پر ہر سال معقول رقم حاصل کرتا ہے جس کی بچت وہ جمع کر کے اسی پونجی میں شامل کرتا ہے۔ نیز یہ شخص عام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج

= تعالیٰ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٦/ ٥٥، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٦/ ١١٧، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢/ ١٣٧، كتاب الإجارة، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(١) "وكونه مما أجيز الاستيجار عليه .... لأن ما أجازوه إنما أجازوه في محل الضرورة كالاستيجار في محل الضرورة، كالاستيجار لتعليم القرآن، أو الفقه أو الأذان أو الإمامة خشية التعطيل لقلّة رغبة الناس في الخير، ولاضرورة في استيجار شخص يقرأ على القبر أو غيره". (ردالمحتار: ٦/ ٦٩١، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب، سعيد)

(٢) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ٢٥٥، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

تک جمع کرتا ہے، جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے جو اصل رقم میں شامل ہوجاتا ہے اور انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیورات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائش بھی بنایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ ناجائز رقوم کی مقدار کا تاوان ادا کردیا جائے (۱)۔ قرآن کریم کے سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے "لأن المعروف کالمشروط" (۲)۔ البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی نیت سے سناتا ہو اور اس کے ذہن میں بھی نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص از خود کوئی خدمت کردے تو اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں (۳)۔ اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کر کے حافظ کو دینے کا

---

(۱) یعنی جتنی رقم سود کی اس میں ملائی ہے، اس کی بمقدار صدقہ کرے، اس لئے کہ سود کی رقم واجب الرد علی المالک، یا پھر واجب التصدق ہے:

"وعلى هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم. ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار: ۳۸۵/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمٌ ليس عليه لحمٌ". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۹۳، باب فضائل القرآن، الفصل الثالث، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "وما في الخانية من أنه يجوز للإمام والمفتي قبول الهدية، وإجابة الدعوة الخاصة، ثم قال: إلا أن يراد بالإمام إمام الجامع .... والأولى في حقهم إن كانت الهدية لأجل ما يحصل منهم من الإفتاء والوعظ والتعليم عدمُ القبول، ليكون علمهم خالصاً لله تعالىٰ. وإن أهدي إليهم تحبباً وتودّداً لعلمهم وصلاحهم، فالأولى القبول ...... وهذا إذا لم يكن بطريق الأجرة، بل مجرد هدية". (ردالمحتار: ۳۷۳/۵، كتاب القضاء، مطلب في حكم الهدية للمفتي، سعيد) ....=

جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں (۱)، لینے دینے والے سب گنہگار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرآن شریف سنانے کی اجرت اوراس کا حیلہ

سوال [۸۲۰۹]: حفاظ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے باہر سے بلائے جاتے ہیں اور ختمِ قرآن کے بعد ستائیسویں رمضان کو بلانے والے حضرات حافظِ قرآن کو کچھ رقوم نقد اور کپڑے وغیرہ دیتے ہیں جس کا لینا علمائے دیوبند حرام بتاتے ہیں۔ مگر اس حرمت سے بچنے کے لئے اگر حافظِ قرآن صرف تراویح کے لئے بلایا جاتا ہے، فرائضِ پنجگانہ پڑھا دیا کرے اور اسے نماز پنجگانہ کے پڑھانے کے حیلہ سے پہلے سے کوئی طے شدہ رقم دی جائے تو اس رقم کا لینا اس حیلہ سے جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں گنجائش ہے، اس کی صورت یہ کی جائے کہ پنجگانہ نماز کے لئے امام کو مقرر کرلیا جائے اور رقم

= "الهدية هي المال الذي يعطى لواحد، أو يرسل إليه إكراماً له". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۶۲، كتاب الهبة، المقدمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) "الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه الصلوة والسلام: "اقرء وا القرآن و لا تأكلوا به". و في آخر ما عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه: "وإن اتُّخذت مؤذناً، فلا تأخذ على الأذان أجراً". ولأن القربة متى حصلت، وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهليته، فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره، كمافي الصوم والصلاة .... وقال العيني: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

مقررہ طے کر لی جائے (فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے) پھر وہ تراویح بھی پڑھادے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/صفر/۵۸ھ۔

تراویح میں قرآن شریف سنانے پر کچھ لینا دینا

سوال[۸۲۱۰]: ۱..... حافظ کا قرآن پاک وغیرہ سنا کر روپیہ لینا کیسا ہے، حرام ہے یا حلال؟ بالتفصیل مع حوالہ بیان فرمائیں

۲..... اگر مسجد والے یا محلہ والے لوگ یا کوئی خاص امیر آدمی حافظ کی خدمت کرے ختم قرآن پر ہو یا درمیان میں ہو، وہ کیسا ہے؟ ان کا خیال قرآن کی اجرت دینے کا نہیں اور نہ قطعی خیال حافظ کا ہو کہ میں اجرت قرآن لے رہا ہوں۔ وہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۳..... اگر حافظ قرآن مجید سنانے کی اجرت مقرر کرے، درست ہے یا نہیں؟ ہر سہ سوال کا جواب علیحدہ علیحدہ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... حرام ہے، لقوله تعالى: ﴿ولا تشتروا بآياتي ثمناً قليلاً﴾(۲)۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة والأذان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۱، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تنقيح الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۳۷، مطلب: الفتوىٰ على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) (سورة البقرة: ۴۱) .... =

۲......اگر حافظ کی اس موقع پر خدمت کرنے کا قطعاً رواج نہیں، نہ کوئی دیتا ہے نہ لیتا ہے، بلکہ محض ثواب کے لئے سنتے اور سناتے ہیں اور حافظ کو اس کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ نہیں ملے گا، نیز اگر اس کو کچھ نہ دیا گیا تو اس کے دل میں اس کا خیال نہیں آئے گا اور آئندہ سنانے سے کسی طرح پہلو تہی نہیں کرے گا تو خدمت کرنا درست ہے، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے، مگر ایسا عام طور پر ہوتا نہیں۔

اگر اسی موقع پر کچھ دینے اور کچھ لینے کا رواج ہے کہ عام طور پر دیا جاتا ہے، بہت سے دیتے ہیں اور بہت سے نہیں دیتے تو ایسی صورت میں اگر چہ دینے لینے کا ذکر نہ آیا تب بھی دینا اور لینا ناجائز ہے، ہر دو گناہگار ہونگے، جو کچھ حافظ نے لیا ہے اس کی واپسی ضروری ہے:

"لأن المعروف كالمشروط، والقرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والاخذ والمعطى آثمان، اهـ". رد المحتار (۱)۔

۳......بالکل ناجائز ہے اور حرام ہے، للآية المذكورة في الجواب الأول۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، سہارنپور۔

= "الثالثة: واختلف العلماء في حكم المصلي بأجرة، فروى أشهب عن مالك رحمه الله تعالىٰ أنه سئل عن الصلوة خلف من استؤجر في رمضان يقوم للناس، فقال: أرجو ألا يكون به بأس، وهو أشد كراهةً له في الفريضه. وقال الشافعي وأصحابه وأبو ثور رحمهم الله تعالىٰ: لابأس بذلك ولا بالصلوة خلفه. وقال الأوزاعي رحمه الله تعالىٰ: لاصلوة له، وكرهه أبوحنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ على ماتقدم". (تفسير قرطبي، (سورة البقرة: ۴۱): ۱/۲۳۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (ردالمحتار: ۶/۵۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، مطلب: الفتوى على جواز الإجارة على تعليم القرآن، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

ختم قرآن پر اجرت یا ہدیہ

سوال[۸۲۱۱]: موجودہ دور میں حفاظِ قرآن کریم جو ختم تراویح کے لئے اطرافِ عالَم میں جاتے ہیں اور ختم تراویح کرتے ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اجرت مقرر کرکے نمازِ تراویح پڑھاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اجرت کا قطعاً ذکر نہیں کرتے، لیکن رمضان پورا ہونے کے بعد لوگ اپنے اختیار سے حافظ صاحب کو روپے دیدیتے ہیں، نیز کپڑا وغیرہ چیزیں دیتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو اس کی علت کیا ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر بلا ذکرِ اجرت تراویح پڑھادے اور اس کے درمیان یا ختم کے بعد روپیہ وغیرہ دیں تو ناجائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن پاک سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں، اگر پہلے سے باقاعدہ اجرت طے نہ کی جائے، لیکن دستور کے موافق امام کے ذہن میں بھی ہے کہ مجھے ملے گا اور نمازیوں کے ذہن میں بھی ہے کہ امام کو دیا جائے گا تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ صورت بھی طے کرنے کے حکم میں ہو کر ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۵ھ۔

ختم تراویح پر روشنی اور امام کو ہدیہ

سوال[۸۲۱۲]: ختم تراویح میں مسجد میں روشنی، پیش امام کو جوڑا، نقد روپیہ اور حافظ تراویح میں سنانے والے قرآن پاک کے ان کو بھی جوڑا، نقد روپیہ اور شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ لہذا ان تمام امور کی اجازت کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح میں قرآن پاک ختم ہوتے وقت اکثر مساجد میں بہت سی غلط باتیں رائج ہوگئی ہیں جن کی کوئی

---

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان: ''تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت''۔)

اصل نہیں، بلکہ ان کی ممانعت موجود ہے، ان کو ترک کرنا لازم ہے، ان میں شرکت نہ کی جائے، مثلاً: ضرورت سے زائد روشنی کرتے ہیں، یہ اسراف بیجا ہے، قرآن پاک میں اسراف کی ممانعت آئی ہے (۱)۔ قرآن پاک سنانے والے کو جوڑا اور نقد دیا جاتا ہے، یہ بھی ناجائز ہے (۲)۔ جو شخص پنجگانہ کا امام ہے اور تمام سال اس نے امامت کا فریضہ ادا کیا ہے، اگر اس موقعہ پر اس کی مزید خدمت کردی جائے تو مضائقہ نہیں۔

شیرینی تقسیم کرنے کو لازم سمجھا جاتا ہے کہ بغیر شیرینی کے ختم ہی نہیں ہوگا، یہ غلط ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، ایسی پابندی درست نہیں۔ شیرینی کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور اکثر دباؤ ڈال کر عار دلاکر وصول کیا جاتا ہے، یہ بالکل ہی ناجائز ہے، ایسے پیسہ کی شیرینی کسی کے لئے بھی روا نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

امام تراویح کی خدمت کرنا

سوال [۸۲۱۳]: علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں مسائلِ مندرجہ ذیل میں کہ:

زید رمضان شریف میں تراویح کے اندر قرآن مجید سناتا ہے، اس میں اجرت وغیرہ کا کچھ تذکرہ نہیں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۱)

(۲) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعةٍ يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة .... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعةٌ سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... و قال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان".

(تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱۳۷/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

کرتا ہے، بعد ختم قرآن قاری کی خاطرداری اور خوشی کے لئے سامعین نے کچھ نقد وغیرہ اپنی خوشی سے زید کو عنایت کئے۔ اب بعض علماء کا اس کو فقہاء رحمہم اللہ کے قاعدہ:"المعروف کالمشروط" کی بناپر اجرت میں شمار کر کے ناجائز قرار دیتے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

اور اگر صحیح ہے تو اگر کوئی حافظ کسی مسجد میں امام ہے، صرف رمضان شریف کے لئے پانچوں وقت نماز پڑھاتے ہیں اور تراویح میں قرآن بھی سناتے ہیں اور اس امامت پر اجرت مقرر کرتے ہیں، اجرتِ معروف سے زائد بوجہ ختم قرآن کے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محض تراویح میں قرآن شریف سنا کر اجرت لینا ناجائز ہے، خواہ پہلے سے اجرت مقرر کی ہو یا بلا مقرر کئے ہوئے اجرت دی ہو (۱)۔ ہاں! اگر پنجگانہ نماز کی امامت کرتا ہے اور اس کے لئے اجرت مقرر ہے اور رمضان شریف میں اس میں کچھ اضافہ کر دیا جائے تو اصل اجرتِ امامت میں تو بفتوائے متاخرین کوئی اشکال نہیں (۲) اور اس اضافہ میں بھی بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ اضافہ اسی شی کے تابع ہے جو جائز ہے اور کلام فقہاء پر بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں کہ ایک شی بالاصالۃ جائز نہیں ہوتی، بالتبع جائز ہوتی ہے:

---

(۱) "قال التاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت، ولا للقارى. وقال العيني في شرح الهداية: و يمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى اثمان، اهـ". (ردالمحتار: ۶/۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الحامدية: ۲/۱۳۷، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج .... و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان". (الدرالمختار). قال ابن عابدينؒ: "قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التوانى في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۱۱۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية: ۳/۳۰۱، باب الإجارة الفاسدة، شركت علميه ملتان)

"وكم من شيء يثبت تبعاً لغيره وإن كان لا يثبت قصداً، ألا ترى أن الأضحية بالحمل لا تجوز، و يجوز تبعاً لأمه، وكذا بيع الجنين لايجوز، ويجوز تبعاً لأمه"(۱)۔

لیکن بالتصریح صورتِ مسئولہ کا حکم کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تراویح پر اجرت

سوال[۸۲۱۴]: تراویح میں حافظ کے لئے گاؤں وغیرہ میں جو چندہ ہوتا ہے اس میں چندہ دینا اور اس حافظ کو لینا جائز ہے یا نہیں اور اس حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ دینا اور لینا منع ہے، ایسے حافظ کے پیچھے تراویح نہیں پڑھنا چاہئے جو بغیر پیسے لئے تراویح نہ پڑھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قد يثبت من الحكم تبعاً ما لا يثبت مقصوداً، كالشرب في البيع، والبناء في الوقف". (ردالمحتار: ۳۶۱/۴، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار، كتاب الوقف، سعيد)

"التابع تابعٌ، فإذا بيع الحيوان في بطنه جنينٌ، دخل الجنين في البيع تبعاً". (شرح المجلة لسيم رستم باز: ۳۹/۱، (رقم المادة: ۷)، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في قواعد الفقه لسيد محمد عميم الإحسان، ص:۶۷، (رقم القاعده: ۶۹)، صدف پبلیشرز کراچی)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر: ۳۲۵/۱، (رقم القاعده: ۸۱۶)، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لاتشتروا بآياتي ثمناً قليلاً﴾ (سورة البقرة: ۴۱)

"عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظمٌ ليس عليه لحمٌ". رواه البيهقي". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۹۳، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، باب الثالث، قديمي)

"قال العيني في شرح الهداية: ويمنع القاري للدنيا، والآخذ والمعطي اثمان، اهـ". (ردالمحتار: ۵۵/۵، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد) ....=

تراویح اور پنجگانہ امامت اور تعلیم قرآن کی اجرت میں فرق

سوال [۸۲۱۵]: قرآن شریف پڑھانے پر اجرت لینے میں اور رمضان شریف میں قرآن سنانے میں اجرت لینے میں کیا فرق ہے، اور کون سی اجرت جائز ہے؟ اگر امامت کی اجرت متولی غریبوں سے دباؤ ڈال کر لیتا ہو تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عبادات پر اجرت لینا حرام ہے، مگر فقہائے متاخرین نے بذریعۂ اجتہاد بعض مصالحِ شرعیہ معلوم کر کے امامت اور تعلیم قرآن شریف پر اجارہ کی اجازت دے دی اور یہ مصالحِ شرعیہ رمضان میں قرآن شریف سنانے میں موجود نہیں، لہذا اس کی اجرت ناجائز ہے۔ اور متقدمین کے زمانے میں یہ مصالح امامت اور تعلیم قرآن شریف میں نہ تھیں، اس لئے انہوں نے اس کی اجازت بھی نہیں دی تھی (۱)۔

= (وکذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱/۱۶۷، ۱۶۹، رسالة: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، سهيل اكيڈمی لاهور)

"قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن و لا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة..... ولاشك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلايصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعة سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب. ..... و قال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئته)

(۱) قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالى: "والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم=

جبراً کسی غریب سے دباؤ ڈال کر لینا ناجائز ہے(۱)، امام کا معاملہ جس سے طے ہوا ہے، امام اسی سے لے سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

ختم قرآن پر دعوت

سوال[۸۲۱۲]: میرے بچہ نے قرآن شریف حفظ کرلیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک ترغیبی جلسہ کر کے شرینی تقسیم کردوں۔ کیا ایسا کرنے سے کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

قرآن کریم اللہ پاک کی بہت بڑی دولت ہے، اس کا حفظ کرلینا بہت بڑی دولت ہے(۲)، اگر

= القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلّة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكان لهم عطيات في بيت المال .... وأما اليوم فذهب ذلك كله، واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقلّ من يعلّم حسبةً، ولا يتفرغون له أيضاً، فإن حاجتهم تمنعهم من ذلك، فلو لم يفتح لهم باب التعليم بالأجر، لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلك".

(تبيين الحقائق: ۱۱۷/٦، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ٥٥/٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الهداية، باب الإجارة الفاسدة: ۳۰۱/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) فضائل حفظ قرآن کے متعلق آثار اور احادیث کثرت سے وارد ہوتی ہیں، ان میں سے چند یہاں بطور نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں:

"وروى البخاري عن عثمان بن عفان عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خيركم من =

شکرانہ کے طور پر احباب ومتعارفین کو مدعو کیا جائے اور غرباء واحباب کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اس نعمت کی قدردانی ہے، ممنوع نہیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک دوسروں کو بھی حفظ کا شوق عطا فرمائے اور یہ اجتماع ترغیب وتبلیغ میں معین ہوجائے (۱)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کی تھی تو ایک اونٹ ذبح کرکے احباب و

= تعلم القرآن وعلمه". ... ... أن أبا عبدالرحمن السلمي كان إذا ختم عليه الخاتم القرآن، أجلسه بين يديه، ووضع يده على رأسه، وقال له: ياهذا! اتق الله، فما أعرف أحداً خيراً منك إن عملت بالذى عملت .... وروى مسلم عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران .... وروى الترمذى عن أبى هريرة عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يجئ (صاحب) القرآن يوم القيامة، فيقول ربّ حلة فيلبس تاج الكرامة، ثم يقول يارب! زده، فيلبس حلة الكرامة، ثم يقول: يارب! إرض عنه فيرضى عنه، فيقال له: اقرأ وارق ويزاد بكل آية حسنة". قال حديث صحيح . وروى أبوداؤد عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يقال لصاحب القرآن: اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فإن منزلتك عند آخر آية تقرؤها".

وأخرجه ابن ماجه فى سننه عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"يقال لصاحب القران إذا دخل الجنة: اقرأ واصعد، فيقرأ ويصعد بكل آية درجة، حتى يقرأ آخر شئ معه" .... عن على رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ القرآن وتلاه وحفظه، أدخله الله الجنة وشفّعه فى عشرة من أهل بيته كلّ قد وجبت له النار". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، باب ذكر جمل من فضائل القرآن، والترغيب فيه، وفضل طالبه وقارئه ومستمعه والعامل به: ۱/۱۸ - ۲۰، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "ويستحب له إذا ختم القرآن أن يجمع أهله، ذكر أبوبكر الأنبارى: أنبأنا إدريس، حدثنا خلف حدثنا وكيع عن مسعر عن قتادة: أن أنس بن مالك كان إذا ختم القرآن جمع أهله ودعا. وأخبرنا إدريس حدثنا خلف حدثنا جرير عن منصور عن الحكم قال: كان مجاهد وعبدة بن أبى لبابة وقوم يعرضون المصاحف، فإذا أرادوا أن يختموا وجهوا إلينا: أحضرونا، فإن الرحمة تنزل عند ختم القرآن". (الجامع =

غرباء کو کھلا دیا تھا (۱)۔ اس لئے سلف صالحین میں اس کی اصل اور نظیر موجود ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے، ریا اور فخر کے لئے جو کام کیا جائے وہ مقبول نہیں، اور نیت کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر اس نے رسم کی صورت اختیار کر لی تو اور پریشانی ہوگی، اس لئے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی طور پر غرباء کو ان کی ضرورت کی اشیاء دے دی جائیں اور بچہ نے جہاں ختم کیا ہے وہاں پڑھنے والے بچوں اور ان کے اساتذہ کو شرینی وغیرہ دے دی جائے اور مدرسہ کی امداد کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۸۹ھ۔

ختم شریف کا چندہ

سوال [۸۲۱۷]: ختم شریف کی خوشی میں اللہ نام کا پیسہ اکٹھا کر کے مٹھائی چالیس کلو منوانا اور اس میں روشنی کرنا، سجانا، خاص کر غیر مسلم کو دعوت دینا، کیا یہ سب ہمارے مذہب میں جائز ہے، یا صرف مٹھائی بانٹنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ختم قرآن شریف پر مٹھائی کے لئے چندہ کرنے میں عامۃً حدود کی رعایت نہیں کی جاتی، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے، چندہ لینے میں زور ڈالا جاتا ہے، عار دلائی جاتی ہے کہ فلاں نے کم کر دیا، تفاخر کیا جاتا ہے (۲)

= لأحكام القرآن للقرطبي، باب مايلزم قارى القرآن وحامله من تعظيم القرآن وحرمته: ۱/ ۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وذكر أبوبكر أحمد بن علي بن ثابت الحافظ في كتابه المسمى "أسماء من روى عن مالك" عن مرداس بن محمد أبي بلال الأشعري قال: حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: تعلم عمر البقرة في اثنتي عشر سنة، فلما ختمها نحر جزوراً". (الجامع لأحكام القرآن فلقرطبي، باب كيفية التعلم والفقه لكتاب الله تعالى الخ: ۱/ ۴۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) تفاخر اور ریا کے کھانے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے: .... =

بعض آدمی مجبوراً قرض لیکر دیتے ہیں(۱) ان خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کیا جاتا ہے، روشنی اور سجاوٹ اسراف تک کی جاتی ہے، اس کی اجازت نہیں (۲) ختم کو خاندانی شادی کی تقریب قرار دیکر اس میں مدعو کرنا خاص کر غیر مسلم کو ہرگز نہیں چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۴/۹/۹۰ھ

ختم قرآن وختم بخاری پر اجرت میں فرق

سوال[۸۲۱۸]: المنهاج الوهاج، ص:۲٤٥، میں ہے:

"و اتخاذ الدعوة لقرأة القران، وجمع الصلحاء والقرّاء للختم، أو لقرأة سورة الأنعام، أو الإخلاص، فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لأجل الأكل يكره". بزازیہ(۳)-

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور بزازیہ کی رائے کلی ہے یا جزئی ہے، کیونکہ ختم قرآن و بخاری علی وجہ اللہ تعالیٰ جب بالا جارہ جائز ہے تو ضیافت مکروہ کیوں ہو؟ نیز وہ ضیافت جس میں ختم

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المتباريان لا يجابان، و لا يؤكل طعامهما". قال الإمام أحمد: يعني المتعارضين بالضيافة فخراً و رياءً". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ص: ۲۷۸ قديمي)

(۱) جو چندہ طیب نفس سے نہ دیا جائے، اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے:

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان".

(مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ص ۲۵۵، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تسرفوا، إنه لا يحب المسرفين﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

قال العلامة محمود الآلوسي: "وقيل: المراد الإسراف و مجاوزة الحد بما هو أعم مما ذُكر (أي تحريم الحلال وغيره) .... ﴿إنه لا يحب المسرفين﴾ بل يُبغضهم و لا يرضى أفعالهم". (روح المعاني، (سورة الأعراف: ۳۱): ۸/۱۱۰، ۱۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع آخر: ۴/۸۱، رشيديه)

کرنے والے اصلاً اورا قارب و پڑوسی تبعاً مدعو، یا برعکس ہوتو وہ مکروہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبدالسلام صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

ختم بخاری شریف بطورِ علاج اور رُقیہ کے ہے جس پر اجرت لینا درست ہے(۱)۔ اور ختم قرآن ایصالِ ثواب کے لئے ہے اور جب اجرت مقصود ہوتو تلاوتِ محضہ پر ثواب نہیں ملتا، یہ فارق ہے، تفصیل شامی کتاب الإجارہ(۲)، نیز شرح عقود رسم المفتی میں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وما استدل به بعض المحشين على الجواز بحديث البخارى فى اللديغ، فهو خطأ: لأن المتقدمين المانعين الاستيجار مطلقاً جوّزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كماذكره الطحاوى؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوى" (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

(۲) "و قد أطنب صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى. وقال العينى فى شرح الهداية: ويُمنع القارى للدنيا، و الآخذ والمعطى آثمان". (رد المحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

(۳) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فقد اتفقت النقول عن أئمتنا أبى حنيفة وأبى يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ أن الاستيجار على الطاعات باطلٌ، لكن جاء مَن بعدهم من المجتهدين الذين هم أهل التخريج والترجيح، فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة، فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال، وانقطعت، فلولم يصح الاستيجار وأخذ الأجرة، لضاع القرآن، وفيه ضياع الدين، لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب. وأفتى من بعدهم أيضاً من أمثالهم بصحة الأذان والإمامة .... و قد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستيجار على الطاعات، إلا فيما ذكر، وعللوا ذلك بالضرورة، و هى خوف ضياع الدين، و صرحوا بذلك التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستيجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة؟ فإنه لو مضى الدهر، و لم يستأجر أحدٌ أحداً على ذلك، لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار فى الاستيجار عليه حيث صار =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= القرآن مكسباً و حرفةً يتّجر بها، وصار القارى منهم لا يقرأ شيئاً لوجه الله تعالى خالصاً، بل لا يقرأ إلا للأجرة، و هو الرياء المحض الذى هو إرادة العمل لغير الله تعالىٰ، فمن أين يحصل له الثواب الذى طلب المستأجر أن يهديه لميته. وقد قال الإمام قاضي خان: إن أخذ الأجر فى مقابلة الذكر يمنع استحقاق الثواب، ومثله فى فتح القدير......... فصاروا يتوصلون إلى جمع الحطام الحرام بوسيلة الذكر والقرآن، اهـ" (شرح عقود رسم المفتي، بعد الطبقة السابعة من طبقات الفهقاء، طبقة المقلدين، ومن ذلك مسئلة الاستيجار، ص: ۳۷، ۳۸، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۱۱۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

الفصل الخامس فی الاستیجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

وعظ کی اجرت

سوال[۸۲۱۹]: عالم صاحب سے تقریر کرانے کے بعد اس کے عوض رقم دینا، یا تقریر سے قبل عالم صاحب سے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح تعلیم وتدریس کی ملازمت درست ہے اسی طرح تذکیر وتقریر کی ملازمت بھی درست ہے، کام متعین کرلیا جائے، مثلاً: ہر روز ایک گھنٹہ، یا ہر جمعہ کو دو گھنٹے تقریر لازم ہوگی اور اتنا معاوضہ دیا جائے گا، یا مقرر کو مستقل ملازم تقریر کے لئے رکھ لیا جائے کہ جلسوں میں بلانے پر یا بغیر بلائے دیگر مقامات پر جا جا کر تقریر کرے۔

یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے کہ کسی جگہ وعظ فرمایا اور روپیہ لے لئے، پھر اگر اپنے انداز سے کچھ کم ہوجائے تو ناک بھوں چڑھانے لگے، اس طرح وعظ کا اثر بھی ختم ہوجاتا ہے اور بلانے والے رسمی طور پر بلاتے ہیں اور بلانے سے پہلے ہی فقرے کسنے شروع کردیتے ہیں کہ ان کو اتنا دیا گیا تھا اس سے ناخوش ہوئے تھے، لہٰذا جب تک اس سے زیادہ کا انتظام نہ ہوجائے ان کو نہیں بلانا چاہیے، وغیرہ وغیرہ:

"و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة". درمختار۔ "ومثله فی متن الملتقی، و درالبحار. و زاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ، اهـ". شامی: ۵/ ۳۴(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۵۵، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی حکم أخذ الإجارة علی التلاوة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/ ۵۳۳، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه) .... =

وعظ کو پیشہ بنانا

سوال[۸۲۲۰]: بہت سے لوگوں نے وعظ ونصیحت کو محض روزگار کا حیلہ بنا رکھا ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے وعظ کا اثر نہیں ہوتا جس سے فقط کمائی مقصود ہو اور محض روپیہ کمانے کے لئے وعظ کہنا کوئی ثواب کی چیز نہیں، شرعاً اجازت بھی نہیں (۱)، لیکن ہر شخص کو یہ فیصلہ کرنا بھی صحیح نہیں کہ فلاں واعظ کی یہ نیت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۲/ رجب/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۹۷/۹، باب الإجارة الفاسدة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لا بد فيها من الإخلاص لله تعالىٰ بلا رياء، حتى تكون عبادةً يُرجىٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يُراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ .... اهـ. قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله و رسوله، فهجرته إلى الله و رسوله، و من كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه". رواه البخاري وغيره. وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل: ۱۶۷/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الاية. (سورة الحجرات: ۱۲)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "أي: تباعدوا منه ﴿كثيراً﴾ ليحتاط في كل ظن ويتأمل حتى يعلم أنه من أي القبيل، فإن من الظن مايباح اتباعه كالظن في الأمور المعاشية. ومنه مايجب كالظن حيث لاقاطع فيه من العمليات كالواجبات الثابتة بغير دليل قطعي وحسن الظن بالله عزوجل. ومنه =

وعظ کی ملازمت

سوال[۸۲۲۱]: واعظین کو اُجرت معین کر کے وعظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المرسل: محمد قطب الدین، مہتمم مدرسہ رنگپور، بنگال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باقاعدہ کام یا وقت کی تعیین ہو کہ تنخواہ ماہانہ یا سالانہ مقرر کرلی جائے تو شرعاً درست ہے:

"ولا لأجل الطاعات مثل الأذان، والحج، والإمامة، وتعليم القرآن، والفقه. ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان، اهـ". در مختار۔ "وزاد بعضهم الإقامة والوعظ، اهـ". شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/ ۵/ ۶۷ھ۔

= مايحرم كالظن في الإلٰهيات والنبوات وحيث يخالفه قاطع وظن السوء بالمؤمنين. ففي الحديث: "إن الله تعالىٰ حرم من المسلم دمه وعرضه وأن يظن به ظن السوء". وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً من: "أساء بأخيه الظن، فقد أساء بربه الظن، إن الله تعالىٰ يقول: ﴿اجتنبوا كثيراً من الظن﴾. ويشترط في حرمة هذا أن يكون المظنون به ممن شوهد من التستر والصلاح وأونست منه الأمانة. وأما من يتعاطى الريب والمجاهرة بالخبائث كالدخول والخروج إلى حانات الخمر وصحبة الغواني الفاجرات وإدمان النظر إلى المرد، فلا يحرم ظن السوء فيه، وإن كان الظان لم يره يشرب الخمر ولايزني ولايعبث بالشباب". (روح المعاني، سورة الحجرات: ۱۵۶/۲۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه. والحيلة أن يستأجر المعلم مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸،۳۷/۵، نوع في تعليم القرآن والحرف، كتاب الإجارة، رشيديه)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۱۲/۲، مطلب: استأجره ليؤم الناس، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(و كذا في رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل: ۱۶۱/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

وعظ پر نذرانہ

سوال[۸۲۲۲]: یہاں کے لوگ قدیم رسم کے مطابق واعظ اور مقرر کو کچھ نہ کچھ وعظ کے بعد روپیوں کی شکل میں ہدیہ دیتے ہیں، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وعظ پر نہیں بلکہ خوشی سے دیتے ہیں اور واعظین اپنی طرف سے معین ومقرر نہیں کرتے اور لوگوں نے بھی معین نہیں کئے، بلکہ کبھی تین اور کبھی پانچ اور کبھی دو روپیہ دیتے ہیں، پھر بھی بندہ کو خصوصی تشویش ہے، کیونکہ اگر لوگ خوشی سے دیتے تو تقریر سے پہلے دیتے تقریر کے بعد ہی کیوں دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے، تعین یا غیر تعین طور پر وعظ ونصیحت پر روپیہ لیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تشویش صحیح ہے، اگر اس تشویش کی بناء پر آپ قبول نہیں کریں گے تو ماجور ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

وعظ کا نذرانہ

سوال[۸۲۲۳]: باہر سے مولوی صاحبان کو تقریر کے لئے بلایا جاتا ہے اور عام چندہ کر کے ان کو کرایہ اور نذرانہ دیا جاتا ہے اور عام دستور ہے اور علمائے کرام کو معلوم بھی ہے کہ یہ نذرانہ چندہ کا ہے۔ تو چندہ سے نذرانہ کا دینا اور علمائے کرام کا لینا۔ جب کہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ چندے کا ہے اور چندے میں

---

(۱) "قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لا يجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به". فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لايصح عند أئمتنا الثلاثة: أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى .... اهـ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۳۷، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

قال العلامة ابن عابدين: "القرأة في نفسها عبادة، وكل عبادة لابد فيها من الإخلاص لله تعالى بلا رياء حتى تكون عبادةً يُرجىٰ بها الثواب. وقد عرّفوا الرياء بأن يراد بالعبادة غير وجهه تعالى .... وإذا كان لا ثواب له، لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر؛ لأنه استأجره لأجل الثواب، فلاتصح الإجارة". (رسائل ابن عابدين، رساله: شفاء العليل وبل الغليل، ۱/۱۶۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

بالعموم جبر ہوتا ہی ہے- جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کرایہ بلانے والوں کے ذمہ لازم ہے ہی (۱)، نذرانہ چندہ دینے والوں کی جانب سے ہوتو لا بأس بہ۔ اعلیٰ مقام یہ ہے کہ نہ کرایہ لیا جائے اور نہ نذرانہ، بلکہ اپنے کرایہ سے جاکر حسبةً للّٰہ وعظ کہا جائے، وہ انشاء اللہ زیادہ مؤثر ہوگا، یا پھر مشاہرہ اور عملی طور پر طے کرلیا جائے تاکہ اجارہ کی شکل ہوجائے، شامی میں اجرتِ تذکیر کی اجازت دی ہے (۲)۔ مشاہرہ کی صورت یہ ہے کہ اتنی مرتبہ مثلاً ہر جمعہ کو روزانہ ایک نماز کے بعد وعظ کہنا ہوگا،

---

(۱) واعظ چونکہ بلانے والوں کے لئے سفر کرتا ہے، لہٰذا اس کا سفر خرچ بھی انہیں پر لازم ہوگا، جیسا کہ مضارب کا سفر خرچ مال تجارت سے لیا جاتا ہے:

"وإذا سافر ولو يوماً، فطعامه وشرابه وكسوته وركوبه -بفتح الراء مايركب- ولو بكراء وكل مايحتاجه عادة: أي في عادة التاجر بالمعروف في مالها لو صحيحة .... وإن عمل في المصر سواء ولد فيه أو اتخذه داراً، فنفقته في ماله كدوائه على الظاهر. أما إذا نوى الإقامة بمصر ولم يتخذه داراً، فله النفقة". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولويوماً)؛ لأن العلة في وجوب النفقة حبس نفسه لأجلها، فعلم أنه ليس المراد بالسفر الشرعي، بل المراد أن لايمكنه المبيت في منزله، فإن أمكن أنه يعود إليه في ليلة، فهو كالمصر لانفقة له، بحر". (ردالمحتار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، فصل في المتفرقات: ۶۵۷/۵، سعيد)

(۲) "وزاد في متن المجمع: الإمامة، وكذا في متن الملتقى ودرر البحار. وزاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة، سعيد)

"ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان .... وزاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل، فيجب المسمى بعقد، وأجر مثل إذا لم تُذكر مدةٌ". (الدر المختار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۴، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشيديه) =

اتنی تنخواہ ملے گی (۱)۔ چندہ کا اشکال تو اس کے علاوہ مدارس و مساجد کی ملازمتوں میں بھی ہے، جو اس کا حال ہے وہی یہاں بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

تلاوت اور وعظ پر اجرت

سوال [۸۲۲۴]: زید کہتا ہے کہ وعظ کر کے اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ اگر ہم اجرت نہ لیں تو ہم اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے، اس لئے ہم جس وقت کی اجرت لیتے ہیں۔ عمر کہتا ہے کہ اگر وعظ کر کے اجرت لینا جائز ہو تو تلاوتِ قرآن کر کے بھی اجرت لینا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ وعظ کرنا جیسے طاعت ہے، ایسا ہی تلاوت قرآن بھی طاعت ہے، جب وعظ کہہ کر حبسِ وقت کی وجہ سے اجرت لینا جائز ہے ایسا ہی تلاوت قرآن کر کے بھی حبسِ وقت کی وجہ سے جائز ہونا چاہئے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے آیا زید کا قول صحیح ہے یا غلط، اگر صحیح ہے تو کس صورت میں جائز ہے؟

اگر اس بستی میں جس میں وعظ کہہ کر اجرت لے رہا ہے، اگر اور کوئی وعظ کہتا ہو بلا اجرت آیا اس صورت میں جائز ہے، یا اگر کوئی اس بستی میں بلا اجرت وعظ کہنے والا نہ ہو، اس صورت میں، یا بلا تعیینِ اجرت وعظ کرانے والے کچھ بطورِ عطیہ دیدیتے ہوں؟ جو صورت بھی جواز کی ہو اس کو تفصیلی تحریر فرمادیں۔ اور عمر کا قیاس کرنا اجرت علی تلاوۃ القرآن کو اجرت علی الوعظ پر کہاں تک صحیح ہے؟

مسئلہ مذکورہ کو تفصیلی طور پر مع حوالہ کتب معتبرہ بیان فرمادیں تاکہ دل کو تشفی ہوجائے۔ فقط۔

بندہ: عبدالودود، ارکانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

استیجار علی الطاعات اصالۃً ناجائز ہے، مگر متاخرینِ مجتہدین نے حسب اجتہاد ضرورتِ شرعیہ کا لحاظ

= (وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه كوئٹه)

(۱) "والحيلة أن يستأجر المعلم مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵، ۳۸، نوع في تعليم القرآن والحرفة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى مع مجمع الأنهر: ۵۳۶/۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

رکھتے ہوئے بعض طاعات کو مستثنیٰ کیا ہے، ان میں سے وعظ بھی ہے۔ اور وجہِ جواز ''حبس'' کو قرار نہیں دیا، بلکہ ''ضرورتِ شرعیہ'' کو قرار دیا ہے، اگر سلسلۂ وعظ بند ہوجائے تو نقصانِ عظیم لازم آئے گا، کیونکہ ہر ایک کے پاس نہ اس قدر وقت ہے، نہ قدرت کہ مدارس میں داخل ہوکر باقاعدہ علم حاصل کرے۔ اور نفسِ تلاوت قرآن کریم میں وہ ضرورت موجود نہیں، کیونکہ اگر کسی کے لئے کوئی شخص تلاوت کرکے ایصالِ ثواب نہ کرے تو دین کے کسی جز میں نقصان نہیں آتا اور نفسِ ثواب کسی سبب سے یا بغیر سبب ادعیہ شاملہ سے پہونچتا رہتا ہے:

''لا (تصح الإجارة) لأجل الطاعات مثل الأذان و الحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، اهـ''. درمختار۔ ''قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ.

وزاد في مختصر الوقاية ومتن الإصلاح تعليمَ الفقه. وزاد في متن المجمع الإقامةَ. و زاد بعضهم الأذانَ والإقامةَ والوعظَ. وذكر المصنف معظمَها، و لكن الذي في أكثر الكتب الاقتصارُ على ما في الهداية. فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا، وهم البلخيون على خلافٍ في بعضه مخالفين ما ذهب إليه الإمام وصاحباه .... و قد اتفقت كلمتُهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته. فهذا دليلٌ قاطعٌ و برهانٌ ساطعٌ على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة، بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورةٌ ظاهرةٌ تُبيح الخروج عن أصل المذهب.

فظهر لك بهذا عدم صحة ما في الجوهرة من قوله: (و اختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن)......... فإن الخلاف فيه كما علمت، لا في القرآة المجردة، فإنه لا ضرورة فيها. فإن كان ما في الجوهرة سبقُ قلمٍ، فلا كلام، وإن كان عن عمدٍ، فهو مخالف لكلامهم قاطبةً، فلا يقبل.

وقد أطنب في ردّه صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا

للقاری. وقال العینی فی شرح الهدایة: ویُمنع القاری للدنیا، والاخذ والمعطی آثمان۔

فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قرآة الأجزاء بالأجرة، لا یجوز؛ لأن فیه الأمر بالقرأة، وإعطاء الصواب للأمر، والقرأة لأجل المال، فإذا لم یکن للقاری ثوابٌ لعدم النیة الصحیحة، فأین یصل الثواب للمستأجر؟ ولولا الأجرة ما قرأ أحدٌ لأحدٍ فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن مکسباً و وسیلةً إلی جمع الدنیا -إنا للہ وإنا إلیه راجعون- اھ". ردالمحتار بحذف: ۵۲/۵(۱)۔

اب کسی غیر مجتہد کا قیاس شرعاً معتبر نہیں، وعظ پر بھی اگر اجارہ کیا جائے تو با قاعدہ شروطِ اجارہ: وقت واجرت وغیرہ کی تعیین کر کے کیا جاوے، مثلاً یہ کہ ہر روز ایک گھنٹہ وعظ کہنا ہوگا اور اس قدر تنخواہ ماہانہ ملے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۶/۱۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار: ۵۵/۶، ۵۶، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی الاستیجار علی التلاوة، سعید)

(و کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۳۸/۲، مطلب فی حکم الاستیجار علی التلاوة، کتاب الإجارة، مکتبه میمنیه مصر)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۵۳۳/۳، باب الإجارة الفاسدة، مکتبه إمدادیه ملتان)

الفصل السادس فی الاستیجار علی خطبة النکاح

(نکاح پڑھانے پر اجرت لینے کا بیان)

نکاح خوانی کی اجرت

سوال[۸۲۲۵]: نکاح پڑھانے والے جو روپیہ سوا روپیہ وغیرہ نکاح میں نکاح پڑھانے کا لیتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

مکلّف شاہ، حبیب اللہ از خانقاہ مانکپور، ضلع پرتا بگڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح پڑھانے والا صرف ایک ہی شخص ہے اور کوئی نہیں تب اس کو اجرت لینا جائز نہیں، اگر اور ہیں تو اس کو اختیار ہے کہ اجرت مقرر کرے اور لے لے:

"ولا یحل له أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغار، وفي غيره يحل، اهـ". خلاصة الفتاوى، فصل في الحظر والإباحة من كتاب القضاء(۱)۔

"قال في البزازية من كتاب القضاء: وإن كتب القاضي سجلاً، أو تولى قسمةً وأخذ أجرة المثل، له ذلك. ولو تولى نكاح صغيرة، لا يحل له أخذ شيء؛ لأنه واجب عليه، و كل ما يجب عليه، لا يجوز أخذ الأجر عليه، وما لا يجب عليه يجوز أخذ الأجر. وذكر عن البقالي في القاضي يقول: "إذا عقدتُ عقد البكر فلي دينار، وإن ثيباً فلي نصفه" أنه لا يحل له إن لم يكن لها ولي، فلو كان ولي غيره، يحل بناءً على ما ذكروا، اهـ". بحر: ۲٤۳/۵ (۲)۔

---

(۱) (خلاصة الفتاوى: ۴۸/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) (البحر الرائق: ۲۰۸/۵، كتاب الوقف، رشيديه)

تنبیہ: واضح ہو کہ عورت مرد اگر گواہوں کے سامنے خود ایجاب وقبول کرلیں تب بھی شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر ان کے ولی یا وکیل ایجاب وقبول کرلیں گے تب بھی نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ خطبہ نہ پڑھا ہو، کیونکہ خطبہ پڑھنا صرف مستحب ہے، جیسا کہ مسجد میں ہونا اور جمعہ کے روز ہونا بھی مستحب ہے اور ترکِ مستحب سے اصل نکاح تو صحیح ہوجاتا ہے، البتہ مستحب کا ثواب حاصل نہ ہوگا:

"ينعقد النكاح بالإيجاب والقبول بلفظين وضعا للماضي، أو وضع أحدهما للماضي والآخر للمستقبل؛ لأن النكاح عقد، فينعقد بهما كسائر العقود، وعند حرين أو حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين، اهـ". زیلعی: ۳/۹ بحذف(۱)۔

"ويندب إعلانه وتقديم خطبته، وكونه في مسجد يوم جمعة". "(قوله: وتقديم خطبته) -بضم الخاء- ما يُذكر قبل إجراء العقدين الحمدُ والتشهدُ، وأما بكسرها، فهي لطلب التزوج والخطبة، فأفاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة. وإن خطب بما ورد، فهو أحسن، اهـ". درمختار: ۲/ ٤٠٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۶/۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

= "الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه، وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع في فساد الإجارة: ۴/ ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/ ۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في أدبه، كتاب القضاء: ۵/ ۱۴۰، رشيديه)

(۱) (تبيين الحقائق: ۲/ ۴۴۸، ۴۵۲، كتاب النكاح، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۷۲، ۱۸۱، مكتبة امدادية ملتان)

(۲) (الدر المختار: ۳/ ۸، كتاب النكاح، سعيد) =

نکاح خوانی کی اجرت

سوال [۸۲۲۶]: فی بلادنا عقد اجارہ کرنے والے لڑکی والے ہوتے ہیں اور نکاح خوانی کی اجرت لڑکے والے قاضی جی کو دیتے ہیں جس کو قاضی صاحب یا تو مدرسہ میں دیتے ہیں یا اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے، یا رشوت میں داخل ہے؟ صورت رشوت وجواز کی بالتفصیل بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح خوانی کی اجرت درست ہے رشوت نہیں، بلکہ بعض جگہ قاضی مقرر ہوتے ہیں ان کے درمیان کچھ معاملہ مقرر ہوتا ہے کہ مثلاً ایک روپیہ اور چار آنہ ملا تو ایک روپیہ قاضی صاحب رکھیں گے اور ۴/ آنہ نائب کو دیں گے، پھر نکاح پڑھنے کے لئے عامۃً نائب جاتے ہیں، قاضی صاحب نہیں جاتے، یہ ناجائز ہے اور یہ ایک روپیہ رشوت ہے، اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو امداد الفتاوی جلد سوم (۱) ملاحظہ کیجئے، اس میں اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ موجود ہے۔

اور جو شخص قاضی کو بلا کر لیجائے اور نکاح پڑھوائے، اسی کے ذمہ اجرت لازم ہوگی، لڑکے والا ہو یا لڑکی والا:

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) ''اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجہ پابندیٔ رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوبِ شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری ولازم قرار دے کر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور مؤکد ہو جاوے گا، غرض باعتبار نفسِ عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھہری۔ اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے، سو یہ دینا محض اس بناء پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کی اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے''۔ (إمداد الفتاوی: ۳/۳۷۲، ۳۷۳، رسالہ "الصراح في أجرة النكاح" كتاب الإجارة، دار العلوم كراچی)

"ولا یحل له (أی للقاضی) أخذ شيء، علی النکاح إن کان نکاحاً یجب علیه مباشرته کنکاح الصغائر، وفی غیره لایحل، اھ". خلاصة الفتاوی: ٤/٤٨(١)۔

اور یہ اجرت قاضی صاحب کی ملک ہے، ان کو اختیار ہے کہ خود رکھیں یا مدرسہ وغیرہ میں دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

نکاح پڑھانے کی اجرت

سوال[۸۲۲۷]: نکاح پڑھا کر روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر نکاح پڑھانے والے سے اولاً معاملہ طے کرلیا جائے کہ فلاں جگہ جا کر نکاح پڑھانا ہوگا اور اس کی اتنی اجرت تم کو اتنی دی جاوے گی تو شرط کے موافق اجرت لینا جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(١) (خلاصة الفتاوی، کتاب القضاء، الفصل العاشر فی الحظر والإباحة: ٤/٤٨، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ٥/١٤٠، کتاب القضاء، الفصل الثانی فی أدبه، النوع الأول، رشیدیه)

"قلت: لکن فی البزازیة: کل ما یجب علی القاضی والمفتی لا یحل لهما أخذ الأجر به کنکاح صغیر؛ لأنه واجب علیه، وکجواب المفتی بالقول، وأما بالکتابة، فیجوز لهما علی قدر کتبهما؛ لأن الکتابة لا تلزمهما". (الدرالمختار: ٥/٤٦١، کتاب القضاء، مسائل شتی، سعید)

(٢) قال العلامة السغدی رحمه الله تعالی: "فإن وقعت علی عمل معلوم، فلا تجب الأجرة، إلا بإتمام العمل إذا کان العمل مما لا یصلح أوّله إلا بآخره، وإن کان یصلح أوّله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف فی الفتاوی، ص: ٣٣٨، کتاب الإجارة، سعید)

"ولایحل له أخذ شيء علی النکاح إن کان نکاحاً یجب علیه مباشرته کنکاح الصغائر، وفی غیره یحل". (خلاصة الفتاوی: ٤/٤٨، کتاب القضاء، الفصل العاشر فی الحظر والإباحة، رشیدیه) =

نکاح خوانی کی اجرت کس پر ہے؟

سوال[۸۲۲۸]: ہمارے یہاں نکاح خوانی کی کوئی اجرت نہیں، لیکن نکاح کے بعد لڑکے والا کچھ نہ کچھ دیتا ہے جو کہ اس کی مرضی پر ہوتا ہے اور نکاح خواں لڑکی والے کی طرف سے بلایا جاتا ہے۔ یہ لین دین حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتویٰ کے اعتبار سے ناجائز ہے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اگر دینے والا دولہا والا ہو اور قاضی یا ملا کو دولہن والے بلا کر لے گئے ہوں جبکہ ایسا ہی دستور ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں، کیونکہ اجرت بذمہ بلانے والے کے تھی، دوسرے پر بارڈالنا جائز نہیں۔ اور اگر بلانے والے بھی دولہا ہیں تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا جائز ہے''۔ امدادالفتاویٰ:۲/۳۷۹(۱)۔

آپ تفصیل سے اس کو بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اسباب کی بنا پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ناجائز لکھا ہے وہ اسباب موجود نہیں تو جائز ہے، یعنی جواز اصلی ہے اور عدمِ جواز عارضی جو عارض کے مرتفع ہوجانے سے ختم ہوجائے گا، جواز کی تصریح عالمگیری میں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۸۹ھ۔

= (وكذا في الدرالمختار: ۵/۴۲۱، كتاب القضاء، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح: ۴/۴۵۱، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

"وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلايحل له أخذ الأجرة عليه، كذا في المحيط. والمختار للفتوىٰ أنه إذا عقد بكراً يأخذ ديناراً، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك، هكذا قالوا، كذا في البرجندي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، ومايبنغي للقاضي أن يفعل ومالا يفعل: ۳/۳۴۵، رشيديه)

(۱) (إمداد الفتاوى: ۲/۲۷۸، كتاب النكاح، عنوان: درتحقيق أجرة الإنكاح، ايضاً نمبر: ۳، دارالعلوم كراچی)

(۲) "وكل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ =

نکاح خوانی کی اجرت

سوال[۸۲۲۹]: کیا نکاح پڑھائی لینا گناہ ہے؟ ایک آدمی جس کی آمدنی نکاح پڑھائی ہے، کیا اس کے یہاں کھانا درست نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح پڑھانے کی اجرت درست ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الأجرة عليه. وما لم تجب مباشرته عليه، حل له أخذ الأجرة عليه، كذا في المحيط. والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكراً يأخذ ديناراً، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك. هكذا قالوا، وكذا في البرجندي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي للقاضي أن يفعل وما لا يفعل: ۳/۳۴۵، رشيديه)

(وكذا في كفايت المفتي، كتاب النكاح، آٹھواں باب، نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت: ۵/۱۵۰، دارالإشاعت كراچی)

(وكذا في خير الفتاوىٰ، متفرقات نكاح، نکاح پڑھانے کی اجرت: ۴/۵۸۶، ۵۸۷، خير المدارس ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة: ۴/۴۸، امجد اكيڈمی لاهور پاكستان)

"الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه. وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۵۱، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۲۷، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۱، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۱) "الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه. وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۱، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالكيرية: ۲/۳۲۷، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۱، نوع في المتفرقات من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۱۱۷، الفصل الثاني في صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر في المتفرقات، رشيديه)

الفصل السابع فی الاستیجار علی التعویذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

تعویذ، گنڈے اور وعظ پر معاوضہ

سوال [۸۲۳۰]: بچہ جس وقت تعلیم حاصل کر کے حافظ ہو جاتا ہے تو وہ کوئی روزگار تو کرتا نہیں، صرف تعویذ گنڈے کرنا شروع کر دیتا ہے، کسی سے پندرہ کسی سے بیس روپیہ لیتا ہے اور لوگوں کو بہکانا شروع کر دیتا ہے اور کبھی وعظ کہتا ہے تو بعد میں اپنا سوال کرتا ہے۔ ہم نے وعظ میں سنا ہے کہ قرآن ایک عظیم خزانہ ہے جس میں ہر چیز موجود ہے اور یہ لوگ اس کا نام لے کر اپنا روزگار کماتے ہیں۔ اس طرح کا پیسہ لینا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ گنڈے کا طریقہ جاننے والا اگر اس پر اجرت لے تو یہ اجرت جائز ہے، بشرطیکہ دھوکہ بازی نہ کرے اور خلاف شرع تعویذ نہ کرے(۱)۔

وعظ کے لئے اگر ملازمت کی جائے اور معاملہ اس طرح کر لیا جائے، مثلاً ہر نماز کے بعد ۱۰، ۱۵/ منٹ

---

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالیٰ عنه قال: کنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: یا رسول الله! کیف تری في ذلک؟ فقال: "اعرضوا عليّ رُقاکم، لا بأس بالرقی ما لم یکن فیه شرک". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۸۸، کتاب الطب والرقیٰ، الفصل الأول، قدیمی)

"ولا بأس بالمعاذات إذا کتب فیها القرآن أو أسماء الله تعالیٰ، وإنما تکره العوذة إذا کانت بغیر لسان العرب، ولا یدری ماهو، ولعله یدخله سحرٌ أو کفر أو غیر ذلک. وأما ما کان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۶/۳۶۳، فصل في اللبس، کتاب الحظر والاباحة، سعید)

"ویلتحق به ما کان بالذکر والدعاء المأثور، وکذا غیر المأثور مما لایخالف ما في المأثور. وأما الرقی بما سوی ذلک، فلیس في الحدیث ما یثبته ولا ما ینفیه، وسیأتي حکم ذلک في کتاب الطب". (فتح الباري شرح صحیح البخاري: ۴/۴۵۷، باب ما یعطی في الرقیة علی أحیاء العرب بفاتحة الکتاب، دار المعرفة لبنان)

بیان کرنا ہے، یا ہر جمعہ کو وعظ کہنا ہے تو یہ ملازمت بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعویذ پر اجرت

سوال[۸۲۳۱]: اگر کوئی امام تعویذ گنڈوں میں یہ کہہ کر کہ تیرا کام ہو جائے گا، اس کا معاوضہ لے اور اس کا کام نہ ہو، وہ اس کو بدنام کرے اور عالموں کو برا کہے۔ تو یہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب اس فن سے واقف ہوں تو تعویذ پر اجرت لینا درست ہے(۲)، مگر یہ وعدہ ہرگز نہ کرے کہ تیرا کام ہو ہی جائے گا، جیسے بیمار سے ڈاکٹر دوا کے پیسے لیتا ہے کہ بیمار کو شفا ہو ہی جائے گی، شفا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے(۳)۔ اگر امام واقف نہیں تو دھوکا دے کر پیسہ لینا ناجائز ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل الطاعات مثل الأذان و الحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان، اهـ". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وزاد بعضهم الإقامة والوعظ، اهـ". (ردالمحتار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"والحيلة أن يستأجره مدةً معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۷، ۳۸، نوع في تعليم القرآن والحرف، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۵، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۹۹، رقم الحاشية: ۱)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضتُ فهو يشفين﴾ الاية. (سورة الشعراء: ۸۰)

"عن زينب امرأة عبدالله بن مسعود أن عبدالله رأى في عنقي خيطاً، فقال: ماهذا؟ فقلت: خيط رقي لي فيه .... إنما كان يكفيك أن تقولي كما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذهب البأس ربَّ الناس، واشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاءك شفاءً لا يغادر سقماً". الحديث. (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۹، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، قديمي)

(۴) "ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان =

تعویذ اور اس پر اجرت

سوال[۸۲۳۲]: تعویذ لکھ کر دینا کسی کو جائز ہے، نیز اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ لکھ کر دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مضمون خلافِ شرع نہ ہو، اور اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے:

"و لا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالى، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، و لا يُدرى ما هو، و لعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به. وفي المجتبى: اختلف الناس في الاستشفاء بالقرآن بأن يقرأ على المريض أو الملدوغ الفاتحة، أو يكتب في ورق، و يعلّق عليه، أو طست و يغسل ويسقي. وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يعوّذ نفسه. وعلى الجواز عمل الناس اليوم، و به وردت الآثار. ولا بأس بأن يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد إذا كانت ملفوفةً، اهـ". شامی: ۳۱۹/۵(۱)۔

= العرب، ولا يدرى ما هو، و لعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، ۳۶۴، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، ۳۶۴، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"وأما حديث رهط الذين رقوا لديغاً بالفاتحة، وأخذوا جعلاً، فسألوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: "أحق ما أخذتم عليه أجراً كتابُ الله". فمعناه: "إذا رقيتم به" كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض أصحابنا، وقال: إن الرقية بالقرآن ليست بقربة: أي لأن المقصود بها الاستشفاء دون الثواب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۳۸/۲، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر) .... =

"عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رهطاً من أصحاب النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم انطلقوا فی سفرة سافروها، فنزلوا بحي من أحیاء العرب، فقال بعضهم: إن سیدنا لُدغ، فهل عند أحدکم شيء ینفع صاحبنا؟ فقال رجل من القوم: نعم، واللّٰه! إنی لأرقی، ولکن استضفناکم فأبیتم أن تضیفونا، ما أنا براق حتی تجعلوا لی جعلاً، فجعلوا له جعلاً قطعةً من الشاء، فأتاه، فقرأ علیه أم الکتاب و یتفل حتی برئ کأنما أنشط من عقال. قال: فأوفاهم جعلهم الذی صالحوهم. فقال: اقتسموا، فقال الذی رقی: لا تفعلوا حتی نأتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم فنستأمره، فغدوا علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم فذکروا له، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم: "من أین علمتم أنها رُقیة، أحسنتم اقتسموا واضربوا لی معکم بسهم، اهـ". أبو داؤد شریف(۱)۔

"فی الحدیث أعظم دلیل علی أن یجوز الأجرة علی الرقی و الطب، کما قاله الشافعی ومالك وأبو حنیفه وأحمد رحمهم اللّٰه تعالی، اهـ". بذل المجهود شرح أبی داؤد: ۱۱/۵(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/محرم الحرام/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/محرم الحرام/۶۸ھ۔

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۵۰، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الإجارة: ۳/۱۱۶، باب الإجارة الفاسدة، امجد اکیڈمی)

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الطب: ۲/۱۸۸، باب کیف الرقی، مکتبه إمدادیه ملتان)

(وصحیح البخاری: ۲/۸۵۴، کتاب الطب، باب الرقی بفاتحة الکتاب، قدیمی)

"ویلتحق به ما کان بالذکر والدعاء المأثور، وکذا غیر المأثور مما لایخالف ما فی المأثور. وأما الرقی بما سوی ذلک، فلیس فی الحدیث ما یثبته و لا ما ینفیه، و سیأتی حکم ذلک فی کتاب الطب". (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۴/۴۵۷، باب ما یعطی فی الرقیة علی أحیاء العرب بفاتحة الکتاب، دار المعرفة لبنان)

(۲) (بذل المجهود: ۵/۱۱، باب کیف الرقی، معهد الخلیل کراچی)

تعویذ پر اجرت

سوال[۸۲۴۳]: تعویذ گنڈوں کا عمل کر کے ہر ایک مریض سے سوا پانچ روپے حاصل کرے، ان دونوں منافع کو مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ گنڈے وغیرہ میں اگر دھوکہ نہیں کرتا اور خلافِ شرع عمل نہیں کرتا تو اس کی اجرت لینا بھی درست ہے(۱) اور اس قسم کی کمائی مسجد میں دینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جن، بھوت کے علاج پر معاوضہ

سوال[۸۲۴۴]: زید خود کو عامل کہتا ہے اور جن بھوت، پریت(۲) آسیب کو ختم کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور عقائد دیوبندی رکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے قبضہ میں کئی مؤکل ہیں، جتنے لوگ اس کے پاس پہونچتے ہیں ہر ایک پر کچھ نہ کچھ اثر بتلاتا ہے اور ہر ایک سے علاج کرنے کی قیمت ٹھہراتا ہے۔ زید کا کوئی علاج تین سو روپیہ سے کم کا نہیں ہوتا اور ۴۰۰/ روپے تک۔ اور بتلاتا ہے کہ اس رقم سے کم میں علاج کرنا نہیں پڑتا۔ گویا زید معقول معاوضہ لیکر علاج کرتا ہے اور بغیر معاوضہ علاج نہیں کرتا۔ لہذا ہمیں یہ جاننا ہے کہ زید کا یہ عمل قرآن وحدیث کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اور کہیں ایسا عمل آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی سے ملتا بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنات کا وجود قرآن واحادیث سے ثابت ہے(۳)، اس کا علاج بھی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ

---

(۱) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً، رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۲) ''پریت: بھوت، آسیب، محبت، پیار، عشق، میل جول''۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۹۳، فيروز سنز، لاهور)

(۳) قال الله تعالى: ﴿والجآن خلقنه من قبلُ من نار السموم﴾. (سورة الحجر: ۲۷)

وقال الله تعالى: ﴿وخلق الجآن من مارج من نار﴾ الاية. (سورة الرحمن: ۱۵)

تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی علاج تجویز فرمایا ہے، ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں جن تھا، پریشان کرتا تھا، اس کا علاج فرمایا ہے(۱)۔

علاج پر معاوضہ لینا بھی جائز ہے جیسے حکیم ڈاکٹر معاوضہ لیتے ہیں، بس اتنی شرط ہے کہ واقعتاً علاج جانتا ہو، دھوکہ نہ دیتا ہو۔ اور علاج میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو، جیسے شرکیہ کلمات وغیرہ۔ معاوضۂ علاج شریعت کی طرف سے متعین نہیں، طرفین کی رضامندی پر ہے، بغیر معاوضہ کے علاج کیا جائے تو یہ خدمتِ خلق ہے، اس کا بہت بڑا اجروثواب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "أخرج البيهقي عن أبي دجانة رضي الله تعالىٰ عنه قال: شكوت إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! بينا أنا مضطجع في فراشي؛ إذ سمعت في داري صريراً كصرير الرحى، ودوياً كدوي النحل، ولمعاً كلمع البرق، فرفعت رأسي فزعاً مرعوباً فإذا أنا بظل أسود مُدَ لي يعلو ويطول في صحن داري، فأهويت إليه، فمسست جلده فإذا جلده كجلد القنفذ، فرمى في وجهي مثل شرر النار، فظننت أنه قد أحرقني.

فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عامر دار سوء يا أبا دجانة!". ثم قال: "ايتوني بدوات وقرطاس". فأُتِيَ بهما، فناوله علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، وقال: "أكتب: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا كتاب من محمد رسول الله رب العالمين، أما بعد! فإن لنا و لكم في الحق سعةً، فإن تك عاشقاً مولعاً أو فاجراً مقحماً أو راعياً حقاً مبطلاً، هذا كتاب الله ينطق علينا و عليكم بالحق.......... اهـ".

قال أبو دجانة رضي الله تعالىٰ عنه: فحملتُه إلى داري، وجعلته تحت رأسي وبت ليلتي، فما انتبهت إلا من صراخ صارخ يقول: يا أبا دجانة! أحرقتنا، واللات والعزى الكلمات، فبحق صاحبه، لما رفعت عنا هذا الكتاب، فلا عود لنا في دارك و لا في جوارك. فغدوت فصليت الصبح مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأخبرته بما سمعتُ من الجن، فقال: "يا أبا دجانة! ارفع عن القوم، فوالذي بعثني بالحق! إنهم ليجدون ألم العذاب إلى يوم القيامة". (الخصائص الكبرى للسيوطي: ۲/۱۶۶، باب فيه ذكر حرز الجن المعروف بحرز أبي دجانة اهـ، حقانيه پشاور)

(۲) "عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! =

دُنبل پر دم کرنے پر معاوضہ

سوال[۸۲۳۵]: ۱..... زید کسی ''دُنبل'' یعنی جس کو ''نکالا'' یا ''بولا'' بھی کہتے ہیں(۱)، وہ کسی طریقہ آیت یا علم سفلی سے دم کرتا ہے، ڈھیلا کاٹ دیتا ہے اور مریض کو آرام ہو جاتا ہے، کسی کو نہیں ہوتا ہے تو اس دم کرنے کے بعد زید، دو سوا دو آنہ بطور شیرینی کے لیتا ہے مریض سے۔ تو یہ رقم کافی جمع ہو جاتی ہے، مسجد کے مصرف یعنی لوٹا، مصلی، تیل، صف یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کیا جاتا ہے تو بکر کہتا ہے کہ یہ مصرف جائز نہیں ہے، مسجد میں یہ پیسے نہیں لگ سکتے، کیونکہ اس میں ہندو کے پیسے بھی ہوتے ہیں اس لئے ناجائز ہے۔

۲..... اگر یہ رقم مسجد میں نہ صرف کی جاوے تو کیا مدرسہ اسلامیہ میں مدرس کی تنخواہ یا تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... اگر آیتِ قرآنی پڑھ کر دم کرتا ہے اور اس کے عوض میں لیتا ہے تو یہ درست ہے(۲)۔ پھر اس

= كيف ترى في ذلك؟ فقال: "اعرضوا عليّ رُقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۸، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، قديمي)

"ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالى، وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يُدرى ما هو، ولعله يدخله سحرٌ أو كفرٌ أو غير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار: ۳۶۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

(وكذا في فتح الباري: ۴۵۷/۴، باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، دار المعرفة بيروت)

(۱) ''دُنبل: پھوڑا، ایک قسم کی بیماری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۴۷، فیروز سنز لاہور)

''نکالا: بولا، چیچک''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۷۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن ناساً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتوا على حيّ من أحياء العرب، فلم يقروهم. فبينما هم كذلك إذا لدغ سيد أولئك، فقالوا: هل معكم دواء أو راق؟ فقالوا: نعم، إنكم لم تقرونا و لا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلاً. فجعلوا قطيعاً من الشاء، =

کو یہ بھی جائز ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں جہاں چاہے دیدے اور مسجد و مدرسہ دونوں جگہ اس کا صرف کرنا درست ہے۔ اگر کچھ اور پڑھ کر دم کرتا ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جائے گا۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ربیع الثانی/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فجعل يقرأ بأم القرآن، ويجمع بزاقه ويتفل، فبرأ. فأتوا بالشاء، فقالوا: لا نأخذه حتى نسأل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسألوه، فضحك وقال: "ما أدراك أنها رقية، خذوها واضربوا لي بسهم". (صحيح البخاري: ۲/۸۵۴، كتاب الطب، باب الرقى بفاتحة الكتاب، قديمي)

"جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي" (ردالمحتار: ۶/۵۷، باب الأجرة الفاسدة، مطلب في الاستيجار على التلاوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

باب الاستیجار علی المعاصی

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

ناجائز کام کی اجرت

سوال[۸۲۳۶]: شاکر و خالد یہ دونوں طالب علم ہیں، ایک ہی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، دونوں میں دوستی ہوگئی۔ شاکر مقامی ہے اور خالد پردیسی ہے اور شاکر بینا اور خالد نابینا ہے اور شاکر چھوٹا ہے اور خالد بڑا ہے، خالد مسجد کے ایک حجرہ میں رہتا ہے اور شاکر اپنے گھر۔

دوستی یہاں تک بڑھی کہ شاکر حجرہ میں آنے لگا، ایک دن شاکر آنے لگا تو خالد نے شاکر سے کہا کہ لیٹ جاؤ، ابھی اسکول سے تھکے ہوئے ہو، آرام کرلو، پھر جانا۔ شاکر لیٹ گیا تو خالد نے شاکر کے ساتھ بدفعلی کی، پھر اس کے بعد شاکر گھر آ گیا۔ یہ معاملہ اتنا طویل ہوگیا کہ کچھ روز کے بعد خالد اور شاکر دونوں اسکول ساتھ آتے تھے اور حجرے میں شاکر سے خالد بدفعلی کرتا تھا۔

آخر یہ ہوا کہ شاکر نے ایک سائیکل مرمت کے لئے دیدی، مزدوری ۱۰۰/ روپیہ طے ہوئی۔ شاکر نے خالد سے پچاس روپیہ طلب کئے جو بدفعلی کی اجرت اس پر تھی، اس نے انکار کردیا۔ شاکر نے اس کی شکایت کی کہ خالد میرے روپے نہیں دیتا ہے، قاری صاحب نے خالد کو بلایا اور چند لوگوں کو جمع کیا کہ شاکر کے پچاس روپے دیدو۔ بہر حال جب خالد نے نہ دیئے تو قاری صاحب اور پنچایت نے یہ طے کیا کہ خالد کا وظیفہ پچاس روپیہ شاکر کی سائیکل کی مرمت میں دیدیا جاوے۔ تو کیا یہ روپیہ خالد سے لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور وہ سائیکل ابھی تک شاکر کے پاس موجود ہے اور ان دونوں میں بول چال بند ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

شاکر اور اس کے باپ نے قرآن شریف لے کر حلف اٹھایا کہ ہمارا روپیہ خالد کے پاس قرض ہے، حالانکہ وہ بدفعلی کی اجرت مقررہ کا روپیہ تھا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

خالد وشاکر کے شرمناک تعلقات ومعاملات کا پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے درمیان ہرگز میل میلاپ نہ ہونے دیا جائے، اگر ان کی اصلاح کی توقع نہ ہو تو ان کو خارج کردیا جاوے تاکہ ان کی وجہ سے دوسروں کے حالات خراب نہ ہونے پائیں اور اسکول اور طلباء کی بدنامی نہ ہو۔

جو فیصلہ کیا گیا ہے کہ دونوں کے روپے ملا کر سائیکل والے کو دیئے ہیں، اگر یہ روپیہ ان دونوں کو دے کر ان کا قبضہ نہیں کرایا بلکہ اسکول سے براہ راست سائیکل والے کو دیئے گئے ہیں تو اس روپیہ پر نہ خالد کی ملک ہوئی، نہ شاکر کی، بلکہ یوں سمجھئے کہ دونوں کا وظیفہ ضبط کرلیا گیا اور سائیکل والے کا مطالبہ ادا کردیا گیا، پس یہاں نہ خالد نے روپیہ دیا نہ شاکر نے لیا کہ حرام کمائی اور فعلِ حرام پر روپیہ لینے دینے کا سوال پیدا ہو(۱)۔

جھوٹی قسم کھانا اور قرآن ہاتھ میں لے کر جھوٹا حلف اٹھانا کبیرہ گناہ ہے جو کہ شرک کے قریب ہے(۲)

---

(۱) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، و مهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۱، باب الكسب و طلب الحلال من كتاب البيوع، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور﴾ سورة الحج: ۳۰)

وقال الله تعالى: ﴿إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً، أولئک لا خلاق لهم في الآخرة، ولا يكلمهم الله و لا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم، ولهم عذاب أليم﴾. (سورة آل عمران: ۷۷)

"عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من ادعى ما ليس له، فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب القضاء، ص: ۳۲۷، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قديمي)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "الكبائر الإشراک بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس". رواه البخاري. وفي رواية أنس: "وشهادة الزور". بدل اليمين الغموس". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، الفصل الأول، قديمي)

"وقد صرح في غاية البيان وغيرها بأن اليمين الغموس كبيرة، وهو أعم كما ذكرنا". (البحر =

اس پر سخت ندامت، پختہ توبہ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۴ھ۔

باجہ بجانے کی اجرت

سوال [۸۲۲۷]: جولوگ انگریزی باجہ بجانے والے ہیں اور وہ مسلمان ہیں ان کا پیشہ یہی ہے، اس پر ان کی گزراوقات ہے تو ان کی مزدوری بموجبِ شرحِ حدیث کے کیسی ہے؟ نیز ان کو کرایہ کے طور پر مسجد کی دوکانیں دینی چاہئیں یا نہیں؟ اس کا مفصل طور پر اور خلاصہ کے طور سے فتویٰ مرحمت ہو، اس معاملہ میں آپس میں نزاع ہو رہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انگریزی باجہ بجانا شرعاً جائز نہیں (۲) اور اس کا پیشہ کرنا بھی ممنوع ہے، اس کی آمدنی بھی ناجائز ہے، ایسے لوگوں کو مسجد کی دوکانیں کرائے پر دی جائیں تو احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= الرائق، کتاب الأیمان: ۴/۴۰۷، رشیدیه)

(۱) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الغناء یُنبت النفاق فی القلب، کما ینبت الماء الزرع". (مشکوة المصابیح، ص: ۴۱۱، کتاب الآداب، باب البیان والشعر، الفصل الثالث، قدیمی)

"وقال النووی فی الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مکروه، وسماعه مکروه، وإن کان سماعه من الأجنبیة کان أشد کراهةً، والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربی الخمر کالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب البیان والشعر، الفصل الثالث: ۸/۵۵۷، ۵۵۸، رشیدیه)

(۳) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "ولا لأجل المعاصی مثل الغناء، والنوح، والملاهی. ولو =

ریڈیو بنانے اور مرمت کرنے کی اجرت

سوال[۸۲۳۸] : آج کل عموماً نوجوان لڑکے-جن میں خاص تعداد مسلمان لڑکوں کی بھی ہے- ریڈیو بنانے کا فن سیکھتے ہیں اور اس کے بعد یا تو خود ریڈیو بنانے اور اس کی مرمت کرنے کی دوکان کھول لیتے ہیں، یا کسی کی دوکان پر ملازمت کر لیتے ہیں۔اس کے بارے میں جواز و عدم جواز کے بارے میں تحریر فرمائیں اور اس سے پیدا کردہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟ فقط۔

الجواب حامداومصلیاً:

ریڈیو نہ نجس ہے، نہ حرام، نہ حرام کام کے لئے اصالۃً بنایا گیا ہے، جولوگ اس کو ناجائز کام کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہیں(۱)، اس لئے اس کا بنانا اور بنا کر آمدنی حاصل کرنا حرام نہیں، نہ ایسی آمدنی حرام ہے۔اس سے بہتر حلال روزی کی کوئی دوسری صورت ہو تو وہ مقدم ہے، اس لئے کہ بکثرت لوگ اس کو لہو ولعب کے لئے استعمال کرتے ہیں، لہذا اگر کوئی اس کی آمدنی سے احتیاط کرے تو بہتر ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۵ھ۔

= أخذ بلا شرط، يباح". (الدر المختار). "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل......... وفي المنتقى: امرأة نائحة، أو صاحبة طبل، أو زمر، اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، وإلا تتصدق به".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة: ٦/٥٥، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٨/٣٥ باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٤٩، الباب الخامس العشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(١) "وإذا استأجر الذميّ من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك وإن شرب فيها الخمر، أوعَبَدَ فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، و لم يُلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، وإنما آجرها للسكنى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٥٠، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط: ١٦/٤٣، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) لیکن اگر کسی شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ آدمی اس کو لہو ولعب اور گانا سننے کے لئے استعمال کرتا ہے تو اس صورت میں اس شخص کے لئے ریڈیو بنانا اور مرمت کرنا جائز نہیں ہوگا، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية =

قوالی اور اس کی آمدنی

سوال[۸۲۳۹]: زید ایک صالح اور دیندار آدمی ہے اور وہ نماز پنجگانہ کا پابند ہے، نیز امورِ شرعیہ کا لحاظ کرتا ہے، مگر اس کا ذریعۂ معاش پیشۂ قوالی ہے، وہ قوالی کی محفل میں شرکت کرتا ہے اور اس کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کی کفالت کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پیشۂ قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اس روپیہ سے غرباء کی امداد وادائیگیٔ حجِ بیت اللہ کیا جاسکتا ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ قوالی کا پیشہ جائز ہے، کیونکہ اکثر بزرگانِ دین سے قوالی کا سننا ثابت ہے۔ آپ بتلادیں کہ اگر دوسرا کاروبار کرتا ہے اس نیت کے ساتھ کہ وہ اپنے سابق پیشہ قوالی کو ترک کردے گا تو وہ دوسرا پیشہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مروجہ قوالی ناجائز ہے، اس کو ذریعۂ معاش بنانا اور پیسہ حاصل کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، ایسا پیسہ

= (سورة المائدة: ۲)

"فإذا ثبت كراهة لبسها، ثبت كراهة بيعها، وصيغها، لِمَا فيه من الإعانة على ما لا يجوز، وكل ما أدى إلى ما لا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار: ۶/ ۳۶۰، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"وجاز بيع عصير ممن يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره. وقيل: يكره، لإعانته على المعصية، بخلاف بيع أمرد ممن يلوط به، و بيع سلاح من أهل الفتنة؛ لأن المعصية تقوم بعينه .... قلت: وقدمنا ثمة معزياً للنهر أن ما قامت المعصية بعينه، يكره بيعه تحريماً". (الدرالمختار: ۶/ ۳۹۱، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۱) "ولا تجوز الإجارة على شئ من الغناء والنوح والمزامير، والطبل، و شئ من اللهو، وعلى هذا الحداء، وقراءة الشعر وغيره، لا أجر في ذلك، و هذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ أجمعين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/ ۴۴۹، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۵/ ۴۱، باب المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه) .... =

درست نہیں، اس کو غریبوں پر صدقہ کردے(۱) اور آئندہ کے لئے اس پیشہ سے توبہ کرلے۔ ایسی کمائی سے جو ٹیکسی خریدی ہے اس ٹیکسی کی آمدنی ناجائز نہ ہوگی (۲)، بلکہ اس کی قیمت کے بقدر روپیہ حسبِ وسعت صدقہ کردے۔

بزرگانِ دین نے اس قسم کی محفلیں منعقد نہیں کیں، ان کا دوسرا حال تھا۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے ہی اس قوالی کو ناجائز فرمایا ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں تصریح موجود ہے (۳)۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥٥، سعيد)

(١) قال العلامة الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "و لا يجوز على الغناء و النوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلايجب عليه الأجر .... وإن أعطاه الأجر وقبضه، لايحل له، و يجب عليه ردّه على صاحبه". (تبيين الحقائق: ٦/١١٩، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٩٨، ٩٩، سعيد)

(٢) "رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقاً و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم .... قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، وفي الثلاث الأخير: يطيب في الكل. قال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس؛ لكثرة الحرام". (ردالمحتار: ٥/٢٣٥، كتاب البيوع، باب المتفرقات منه، سعيد)

واضح رہے کہ سوال میں 'ٹیکسی' سے متعلق کوئی ذکر نہیں، شاید مستفتی نے مذکورہ آمدنی سے متعلق چند سوال کئے ہوں، اس میں ایک سوال ٹیکسی کے حوالے سے بھی ہو، لیکن مرتبین حضرات یا کاتب سے چھوٹ ہوگیا ہو کہ وہ سوال تو رہ گیا ہو اور جواب میں اس سوال کا جواب آگیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(٣) "في العيون: لا تجب أجرة المغنية. وفي المنتقى: امرأة نائحة، أو صاحبة طبل، أو صاحبة مزامير، اكتسبت مالاً، إن كانت على شرط، ردته على أربابها إن علموا، وإن لم يعلموا تصدقت به". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٥/٣٧٥، النوع العاشر في الحظر والإباحة، رشيديه)

اسی طرح قرطبی، ابن عابدین، حصکفی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے منع لکھا ہے(۱)۔

بعض اکابر کی عبارت میں بہت شدت سے سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی اجازت نہیں دی ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کہیں ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۲/۱۱/۸۸ھ۔

ناول کرایہ پر دینا

سوال[۸۲۴۰]: زید ایک کتب خانہ کھولنا چاہتا ہے، اس میں ناول اور قصہ کہانی کی کتابیں رکھ کر روزانہ کرایہ پر دے گا تو کتابوں کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ کتابوں کو کرایہ پر دینا درست نہیں، خواہ وہ کتابیں کیسی ہی ہوں (۲)،

---

(۱) قال العلامة محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي في تفسير قوله تعالى: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ .... هذه إحدى الآيات الثلاث التي استدلّ بها العلماء على كراهة الغناء، والمنع منه .... وفيه قال: فأما ما ابتدعته الصوفية اليوم من الإدمان على سماع المغاني بالآلات المطربة من الشبابات، والطار، والمعازف، والأوتار، فحرام .... فأمّا مالک بن أنس رضي الله تعالى عنه: فإنه نهى عن الغناء، وعن استماعه .... وهو مذهب سائر أهل المدينة .... وأما مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فإنه يكره الغناء، و يجعل سماع الغناء من الذنوب .... وأما مذهب الشافعي: فقال: الغناء مكروه، يشبه الباطل، ومن استكثر، فهو سفيه، تُردّ شهادته". (أحكام القرآن للقرطبي: ۳۸/۱۴-۴۰، سورة اللقمن، دار الكتب العلميه بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ولا لأجل المعاصي مثل: الغناء والنوح والملاهي، ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) "ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً كان أوفقهاً أو غير ذلک، لا يجوز له وإن قرأ". (الفتاوى =

ناولوں کا دیکھنا تو ایسے ہی مخرب اخلاق ہیں، بے شرمی، بے غیرتی اور غیروں سے آشنائی پیدا کرنے کا بڑا محرک ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

تصویر کی اجرت

سوال [۸۲۴۱]: میں ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہوں، رنگ، لوہا، جنگلے وغیرہ کا ٹھیکہ بھی میرے ذمہ ہوتا ہے، بعض لوگ مجھ سے تصویر بھی بنواتے ہیں۔ تو اس کی کمائی میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر خود بنانا، یا دوسروں کے ذریعہ سے بنوانا، لکڑی یا لوہے پر کھدوانا، اپنی مرضی سے یا گاہک کی مرضی سے ہر طرح ناجائز ہے، بنوانے والا گاہک مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی کی خاطر اجازت نہیں ہے(۲)،

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و لا لأجل المعاصي مثل: الغناء والنوح والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل......... اهـ". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عند الله المصوّرون". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۵، كتاب الآداب، باب التصاوير، قديمي)

"و ظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن، أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاةً لخلق الله تعالىٰ". (ردالمحتار، =

مگراس کی وجہ سے بقیہ تمام لوہے کا کام- جوکہ جائز ہے-شرعاً ناجائز نہیں کہا جائے گا اوراس کی آمدنی ناجائز نہیں ہوجائے گی۔

اگرتصویر بنانے کی آپ ذمہ داری نہ لیں، نہ اس کا معاملہ کریں تو بہت اچھا ہے، پھر جس جگہ چاہیں اور جو معاملہ چاہیں کریں، آپ بری ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۸/۸۹ھ۔

گیس بتی مجالسِ شرک وفسق میں کرایہ پر دینا

سوال[۸۲۴۲]: سوال یہ ہے کہ خادم ایک مدت سے گیس بتیاں کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ پر لے جانے والے حضرات وقتاً فوقتاً اپنی غرض ایسی بتلاتے ہیں کہ جو کبھی شرک ہوتا ہے، یا فسق، یا بدعت مثلاً گنپتی کی پوجا پاٹ اور دیوالی وعرس، اسی طرح جوا، شراب خانہ، زناکاری کے اڈے اور ناچ گانوں کی محفلیں اور شادی بیاہ کی بارات جس میں بینڈ باجے وغیرہ ہوتے ہیں، عرس کی چادر کا جلوس ودیگر امور بدعات کے لئے لے جانا چاہتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں خادم کو گیس بتیاں دینا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ اس کے ساتھ بذاتِ خود یا کسی دوسرے شخص کا ساتھ ہونا یا جو مسلمان ہوتا ہے، ضروری ہوتا ہے اور یہ شرکت اس کی خرابی یا ہوا وغیرہ دینے کے لئے ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جانتے ہوئے کہ فلاں معصیت یا شرک کی محفل میں یہ گیس جائے گا جس سے اس کی رونق میں اضافہ ہوگا، یہ اس کی اعانت ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۱)۔

= کتاب الصلوة: ۱/۶۴۷، باب مکروهات الصلاة، سعید)

"و لو استاجر رجلاً ليزخرف له بيتاً بتماثيل، والأصباغ من المستأجر، فلا أجر له، كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(۱) (سورة المائدة: ۲)

پھر جبکہ گزارہ کا دوسرا ذریعہ بھی قابو میں ہے تو اس کو بالکل ترک کر دیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۹/۹۰ھ۔

حرام آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینا

سوال [۸۲۴۳]: میں اپنے بھائی صاحب کی دوکان میں ملازم کی حیثیت سے دوسو روپیہ ماہانہ تنخواہ پر کام کر رہا ہوں، ابتدا ہی سے بھائی صاحب کے مکان میں رہائش وخورد ونوش ہے اور وہی کفیل رہے ہیں۔ بھائی صاحب کی آمدنی تمام تر حرام ہے اور دوکان سامانِ تقاریب کی ہے جو کہ کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اور یہ سامان بھی اسی حرام مال سے خریدا گیا ہے۔

یہ عاجز اپنے لئے حلال کی فکر میں ہے، اس لئے باوجود کوشش اور پیشکش کے بجائے شریک بننے کے ملازم بن کر رہنا گوارا کر لیا، اگر میں ملازمت چھوڑ دوں تو فی زمانہ دوسری ملازمت ملنا بہت دشوار ہے، بچپن سے بھائی صاحب ہی کے مکان میں زندگی گذری ہے۔ اور میں ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں، اس لئے علیحدہ رہنا بھی بظاہر دشوار ہے۔ ان حالات میں ان کے گھر کا پکا کھانا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

دوسرے: اگر میں ماہانہ کچھ رقم بطورِ خوراک دیدوں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ حال ہی میں بھائی صاحب نے ماہانہ تنخواہ میں پچاس روپیہ زائد دینے کی پیشکش کی جسے اس وقت قبول نہیں کیا تھا۔ اگر میں ان سے یہ کہہ دوں کہ میری ماہانہ تنخواہ میں بجائے پچاس روپے کے اضافہ کے میری خوراک کے معاوضہ میں داخل کر لی جائے تو آیا اس صورت میں اس گھر کا کھانا میرے لئے جائز ہوگا؟ موجودہ صورت میں جناب عالی شریعت

---

(۱) "و لا لأجل المعاصي: مثل الغناء، والنوح، والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يباح". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۴۹، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۵، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۱۱۸، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

مطہرہ کے حکم سے مطلع فرما کر اس عاجز کو آخرت کے بگاڑ سے بچالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر میں ''سامانِ تقاریب'' مجمل ومبہم لفظ ہے اس کا مطلب سمجھتا ہوں: ''شامیانہ، میز، کرسی، گیس، فرش'' وغیرہ، ان اشیاء کو کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرنا حرام نہیں ہے۔ اگر چہ کرایہ پر لینے والے اپنی محفل میں کچھ غلط قسم کے کام بھی کرتے ہوں، مگر اس کی وجہ سے وہ کرایہ کی آمدنی حرام نہیں، ایسی آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینے میں مضائقہ نہیں ہے، دونوں طرح درست ہے(۱)۔ اگر آمدنی حرام ہونے کی کوئی اور صورت ہے تو صاف لکھئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

کارخانۂ شراب کی ملازمت

سوال[۸۲۴۴]: کارخانۂ شراب جہاں کئی ہزار من شراب روزانہ شیرہ وغیرہ سے پک کر تیار ہوتی ہے اور یہاں سے ہندوستان کے اکثر شہروں میں بذریعۂ برانڈی (۲) اور دیگر ذرائع سے روانہ کی جاتی ہے، اس میں مسلمانوں کو بطورِ مزدور، محرر، مثلاً: شراب کی مشین چلانا، بوتلیں صاف کرنا، شراب کے لئے صندوق، ڈبہ، کنستر بنانا (۳)۔

اپنی لاری، ٹھیلہ، بیل گاڑی، یا سر پر لاد کر قرب وجوار، یا مثلاً دہلی، حصار، لاہور، انبالہ وغیرہ لے جانا

(۱) "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر، أوعَبَدَ فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، و لم يلحق المسلمَ في ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجرها لذلك، وإنما آجرها للسكنى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) ''برانڈی: برانڈ، تجارتی مارکہ، خاص قسم کا مال''۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۹۳، فيروز سنز، لاهور)

(۳) ''کنستر: ٹین کا بکس، پیپا''۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۰۳۵، فيروز سنز لاهور)

مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو مکروہ ہے یا حرام؟ اور قرآن کریم کا حکم: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیة (۱)۔ ان پر صادق آتا ہے یا نہیں؟

نیز حدیث میں جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے جس میں بنانے والا، نچوڑنے والا، پینے والا، پلانے والا، اٹھا کر لے جانے والا، جس کے پاس لے جائے وغیرہ وغیرہ جو کہ قرآن کریم کے حکم مذکور اور ﴿فاجتنبوا﴾ کی تفسیر کر رہی ہے، اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ شراب خانہ مسلمان اور ہندو کا ایک ہی حکم میں ہے یا جداگانہ احکام ہیں؟ مع حوالۂ کتبِ حدیثِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کارخانہ اگر مسلمان کا ہے تو اس کی یہ سب ملازمتیں حرام ہیں، موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے لیجانا اور مزدوری لینا بھی حرام ہے۔ اگر یہ کارخانہ کافر کا ہے تو یہ ملازمتیں مکروہ تحریمی ہیں۔ شراب کی بیع وملازمت وغیرہ میں مسلم اور کافر کا حکم یکساں نہیں، بلکہ علیحدہ علیحدہ ہے:

"عن أنس رضی اللہ تعالی عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، ومحمولة إلیه، وساقیها، وبائعها، وآکل ثمنها، والمشتری لها، والمشتری له". رواه الترمذی وابن ماجة". مشکوۃ (۲)۔

مگر شراب بنانے کی ملازمت بہرحال حرام ہے:

"وجاز حمل خمر بنفسه، أو بدابته بأجر، لا عصرها، لقیام المعصیة بعینه، اهـ".

درمختار۔ "قال الزیلعی: وهذا عنده، وقالا: وهو مکروه. زاد فی النهایة: وهذا قیاس، وقولهما

---

(۱) (سورة المائدة: ۲)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثانی، ص: ۲۴۲، قدیمی)

"قال الطیبی رحمه اللہ تعالی: لعن من سعی فیها سعیاً ماعلی ماعدد من العاصر والمعتصر وما أردفهما. وإنما أطنب فیه لیستوعب من زوالها مزاولةً مّا بأیّ وجه کان. ومن باع العنب من العاصر وما أخذ ثمنه، فهو أحق باللعن". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثانی: ۲۸/۶، رشیدیه)

استحسان. ثم قال الزيلعي: وعلى هذا الخلاف لو اجره دابته ينقل عليه الخمر. ولعل المراد ههنا عصر العنب على قصد الخمرية، فإنّ عين هذا الفعل معصيةٌ بهذا القصد، ولذا أعاد الضمير على الخمر، مع أن العصر للعنب حقيقةً، اهـ". رد المحتار ملخصاً(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایسی ملازمت جس میں سود کا حساب ہی ہو

سوال [۸۲۴۵]: میں سرکاری ملازم ہوں، میرے کاروبار وظیفہ خواروں کو ادائیگی وظیفہ، ملازمین سرکار کی تنخواہ پر اندراجات وسفر خرچ کی تنقیح واجرائے اسٹام، دستاویزی عدالتی کی فراہمی وفروخت کا حساب ہے، ساتھ ساتھ بعض دفعہ میرے نوٹ پر سود کی اجرائی اور مختلف قرضہ جات کی سود کی رقم بذریعۂ چالان جمع ہوتی ہے تو اس طرح سود کی اجرائی اور سود کی رقم کے جمع سرکار ہونے کا حساب بھی وقتاً فوقتاً آجاتا ہے۔ نیز اب لاٹری ٹکٹ کے حسابات کی ذمہ داری بھی سپرد کردی گئی ہے۔ میں کثیر العیال ہوں، ملازمت چھوڑنے پر یقیناً والد محترم مجھ سے ناراض ہوں گے۔ ایسی صورت میں ملازمت کررہا ہوں، یہ میرے لئے جائز ہے یا قابلِ ترک ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کی اصل آمدنی تو جائز تھی، لیکن اب آپ کو اپنی جائز ملازمت میں کچھ ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں، جائز کام کے مقابلہ میں اگر دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں، اگر جائز کام کم ہو اور دوسرا کام زائد ہو تب بھی فوراً ملازمت ترک نہ کریں، مبادا کہ پریشانی کا سامنا ہو جو قابلِ برداشت نہ ہو(۲) البتہ دوسری جائز کسبِ معاش تلاش کرتے رہیں، جب وہ میسر آجائے تب اس موجودہ ملازمت

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۹۱، ۳۹۲، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الباب الخامس العشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا تعارض مفسدتان، رُوعي أعظمها ضرراً بارتكاب أخفهما، وقال الزيلعي: ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتُلي ببليتين وهما متساويان، يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفاه يختار أهونهما؛ لأن مباشرة =

کوترک کردیں(۱)۔ استغفار بہرحال کرتے رہیں، نیز اللہ پاک سے حلال کسب معاش کی دعاء میں لگے رہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

چنگی کی ملازمت

سوال[۸۲۴۶] : ایک شخص چنگی چوکی کا داروغہ ہے، اس کی نظر سے فضائلِ صدقات، ص:۲۷ پر ایک حدیث گزری کہ: ''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جس شخص کے پاس کوئی عذر کرے اور وہ قبول نہ کرے تو اس کو اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ چنگی کے وصول کرنیوالوں کو'' (۲)۔ اب داروغہ بہت پریشان ہے کہ چنگی کی ملازمت کرے یا نہ کرے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت نے ٹیکس کو حرام قرار دیا ہے اور ٹیکس وصول کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے، اس کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، آجکل چنگی کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے، اس لئے جب دوسری ملازمت کو پالے، یا گزارہ کی صورت ہوجائے تو چنگی کی ملازمت نہ کی جائے۔ اگر ملازمت کرلی ہے اور دوسری جائز ملازمت اس سے بہتر

= الحرام لا تجوز إلا لضرورة". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۱، (رقم القاعدة: ۵۹۸)، إدارة القرآن كراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً، و لهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة .... اهـ". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۷، (رقم القاعده: ۲۱۷)، إدارة القرآن كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات: أي الأشياء الممنوعة تعامل وقت الضرورة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية". (مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "الضرورة تتقدر بقدرها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۰، (رقم المادة: ۲۲)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية ،مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۱، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۹، (رقم القاعدة: ۱۷۱)، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) (فضائل صدقات، فصل اول، (تحت رقم الآية: ۱۲)، ص: ۲۹، كتب خانه فيضی لاهور)

موجود ہے تو چنگی کی ملازمت ترک کردی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۹ھ۔

نسبندی کی ملازمت

سوال [۸۲۴۷]: ۱..... نسبندی کی ملازمت کرنا اور صرف غیر مسلموں کی نسبندی کرنا، دوسروں کی نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تاڑی نکالنے کے لئے درخت کو کرایہ پر دینا

سوال [۸۲۴۸]: ۲..... کھجور کے درخت کا پانی جو خاص موسم میں نکالا جاتا ہے جس کو "تاڑی" کہتے ہیں جس میں نشہ ہوتا ہے۔ تو تاڑی نکالنے کی وجہ سے مالک درخت کا کچھ روپیہ لینا کیسا ہے اور درخت ایسے شخص کو دینا جائز ہے یا نہیں جو تاڑی کا کاروبار کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو کام ناجائز ہے، اس کام کی نوکری بھی ناجائز ہے، دوسرا ذریعۂ معاش تلاش کرے اور اس

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يدخل الجنة صاحب مكس". يعني العشار". (مسند الإمام أحمد: ۱۳۶/۵، (رقم الحديث: ۱۶۸۴۳)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"(قوله: دفع النائبة والظلم عن نفسه) النائبة: ما ينوبه من جهة السلطان من حق أو باطل أو غيره .... والمراد دفع ما كانت بغير حق، ولذا عطف الظلم تفسيراً". (ردالمحتار: ۳۳۶/۲، باب العشر، سعيد)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فإذا ثبت كراهة لبسها، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على ما لايجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار: ۳۶۰/۶، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"ويكره بيع الأمرد من فاسقٍ يعلم أنه يعصي به؛ لأنه إعانة على المعصية". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۱/۱، فصل فيما يخرجه عن الضمان في البيع الفاسد والبيع المكروه، رشيديه)

نوکری کو چھوڑ دے(۱)۔

۲.....درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

نائی کا پیشہ

سوال[۸۲۴۹]: ۱.....زید قوم کا نائی ہے، اس کا روزگار حجامت بنانا ہے، آج کل داڑھی منڈانے کا زیادہ رواج ہے، اگر زید داڑھی نہیں مونڈتا تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم دوسرا نائی مقرر کر لیں گے۔

۲.....زید کو غیر مسلموں کی داڑھی مونڈنی کیسی ہے؟

۳.....مسلموں اور غیر مسلموں کے سر کے بال قینچی کاٹنا کیسا ہے؟

۴.....زید کو بعض مسلم داڑھی کاٹنے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم غیر مسلموں کی بھی تو داڑھی مونڈتے ہو۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وجاز خصاء البهائم حتى الهرة، و أما خصاء الآدمي فحرام". (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۸۸/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"و لو استأجر لتعليم الغناء أو استأجر رجلاً ليخصي عبداً، لايجوز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۴۴۹/۴، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا لأجل المعاصي، مثل: الغناء والنوح والملاهي. ولو أخذ بلا شرط، يُباح". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والملاهي) كالمزامير والطبل". (رد المحتار، كتاب الإجارة: ۵۵/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، باب المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... داڑھی مونڈنا جائز نہیں، وہ لوگ اگر دوسرا نائی مقرر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تو آپ مت گھبرائیں، رزّاق خدا ہے(۱)۔

۲...... وہ بھی جائز نہیں۔

۳...... مکروہ ہے۔

۴...... زید غیر مسلموں کو بھی انکار کردے اور مسلمانوں کو بھی، پھر مجبور نہیں کریں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

نائی کی اجرت

سوال[۸۲۵۰]: حجام کی آمدنی کا کیا حکم ہے جس کی آمدنی مسلمانوں کی داڑھی مونڈنے اور انگریزی بال بنانے سے حاصل ہوتی ہے؟

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿و من يتق الله يجعل له مخرجاً، ويرزقه من حيث لا يحتسب﴾ الاية. (سورة الطلاق: ۳)

(۲) و قال الله تعالى: ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة الزيلعي رحمه الله تعالى: "ولا يجوز على الغناء و النوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلايجب عليه الأجر .... وإن أعطاه الأجر وقبضه، لا يحل له، و يجب عليه ردّه على صاحبه". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۶/۱۱۹، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته". (الدرالمختار: ۶/۴۰۷، فصل في البيع، كتاب الحظر و الإباحة، سعيد)

الجواب حامداو مصلیاً:

یہ کام بھی گناہ ہے، ان کی آمدنی بھی مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (راجع للتخریج عنوان: ''نائی کا پیشہ'')

باب المتفرقات

کرایہ دار کا مالک کی زمین میں مکان بنانا

سوال[۸۲۵۱]: ایک شخص نے شیخ محمد خلیل کی بیوہ سے کرایہ پر ایک مکان لیا ہے، ورثاء اَور بھی ہیں جیسا کہ منسلکہ کاغذ سے ظاہر ہے، مگر شوہر کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شیخ بدرالحسن کا قبضہ ہے جو دوسرے شوہر سے ہیں۔ مکان کے باہر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، اس لئے ان کی اجازت سے سامنے افتادہ زمین پر کچھ حصہ اپنے خرچ سے تعمیر کرالیا اور کرایہ مقررہ برابر ادا کرتا رہا۔ بیوہ محمد خلیل صاحب کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شیخ بدرالحسن (جو دوسرے شوہر کے ہیں) کرایہ لیتے رہے، کچھ دن کے بعد شیخ محمد خلیل والا مکان پورے کا پورا منہدم ہوگیا۔

تقریباً چھ ماہ تک زمین ویسے ہی پڑی رہی اور منہدمہ مکان کا اثاثہ مالکِ مکان اور کچھ ملبہ اٹھا کے لے گئے، تب شیخ بدرالحسن نے غیر مشروط طور پر کہا کہ ہم لوگ بنوا نہیں سکتے۔ زمین ایسے ہی پڑی رہے گی، آپ بنوایئے اور رہئے، اور تقریباً ۱۷/ سال سے سکونت پذیر ہے، جب سے اپنے بنائے ہوئے مکان میں رہنے لگا، کرایہ دینا بند کردیا ہے۔ مکان بنتے وقت شبیر نے بالواسطہ اجازت دیدی اور دوسرے ورثاء نے بھی مکان بنتے ہوئے دیکھا، مگر نہ اظہارِ ناراضگی کیا اور نہ رکاوٹ ڈالی۔

اب محمد خلیل مرحوم کے لڑکے کہتے ہیں کہ مکان ہمارا ہے، کیونکہ ہماری زمین پر ہے، اتنے دن تک کا کرایہ وضع کرنے کے بعد اگر کچھ رقم بچ جائے گی تو ہم دیدیں گے، مکان چھوڑ دیجئے۔ سابق کرایہ دار اور تعمیر کنندۂ مکان کہتا ہے کہ مکان کا مالک میں ہوں، زمین آپ کی ہے، آپ صرف زمین کا کرایہ لے سکتے ہیں، مکان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شریعت کے اعتبار سے کونسا نظریہ صحیح ہے؟ مکان کا مالک کون مانا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کرایہ دار نے بنایا ہے وہ تعمیر کا مالک ہے، زمین کے مالک مرحوم کے ورثاء ہیں۔ یا تو زمین کا

کرایہ مقرر کرلیا جائے، اس کرایہ دار سے اس کو وصول کرتے رہیں، یا کرایہ دار سے کہا جاوے کہ وہ اپنی تعمیر وہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردے، یا تعمیر میں جس قدر احباب موجود ہوں اس کی قیمت بصورتِ ملبۂ مکان (ترکہ بصورت مکان تعمیر شدہ) مالکِ زمین کرایہ دار کو دیدیں اور مکان کے بھی مالک ہوجاویں۔ جس صورت پر بھی معاملہ ہوجائے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۹۰ھ۔

امام کے لئے نوتہ لکھنے کی ذمہ داری

سوال[۱۲۵۲]: ایک قریہ کا قدیم سے دستور ہے کہ جو امام مسجد میں رہتا ہے اس کو نوتہ وغیرہ شادی میں لکھنا پڑتا ہے(۲) اور اگر امام انکار کرے تو وہ لوگ معترض ہوتے ہیں، ایک امام اس سے گریز کرتا ہے اور دوسرا امام اس کو کرتا ہے۔ آیا یہ نوتہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

نوتہ قرض ہے جس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، قرض کے لین دین کا لکھنا شرعی حکم ہے(۳)۔ اگر بوقتِ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، و سائر الانتفاعات ... فإن مضت المدة، قلعها وسلّمها فارغةً .... إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً، بأن تقوّم الأرض بهما وبدونهما، فيضمن ما بينهما -اختيار- أو يتملكه .... قال في البحر: هذا استثناء من لزوم القلع على المستأجر، فأفاد أنه لايلزمه القلع لو رضى المؤجر بدفع القيمة .... أويرضى المؤجر -عطفاً على يغرم- بتركه: أي البناء والعرس، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا. وهذا الترك إن بأجرٍ فإجارة، وإلا فإعارة". (الدر المختار: ۳۱/۶، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹/۸، ۲۰، باب ما يجوز من الإجارة، رشيديه)

وكذا في تبيين الحقائق: ۹۶/۶، ۹۷، باب ما يجوز من الاجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ''نوتہ، نیوتا: وہ نقدی جو بیاہ شادی میں صاحب خانہ کو بطور رسم دی جاتی ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۴، فیروز سنز، لاہور)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمىً فاكتبوه، وليكتب بينكم كاتبٌ =

ملازمت امام سے طے کرلیا جائے جیسا کہ بعض جگہ نکاح کا لکھنا اور مسجد کی صفائی وغیرہ امور طے کرلئے جاتے ہیں تو درست ہے (۱)، مگر بلا ضرورت قرض لینا اور کسی کو مجبور کر کے قرض دینا (۲) اور بلا وجہ ادائے قرض میں تاخیر کرنا شرعاً منع ہے (۳)، لہٰذا اس رسم کو ترک کرنا چاہئے۔ ایک شخص نے جتنا نوتہ دیا ہے، اگر اس سے زیادہ لیا جائے تو یہ سود ہے جس کا لینا دینا اور لکھنا موجبِ لعنت ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

بلاٹکٹ ریل میں سفر کرنا

سوال[۸۲۵۳]: ریل سے بلاٹکٹ سفر کرنا کیسا ہے؟ اور بعض لوگ بتلاتے ہیں کہ سہارنپور اور مظفر

= بالعدل﴾ (سورة البقرة: ۲۸۲)

(۱) "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة .... ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا أيّ مدة كانت .... و يعلم النفع أيضاً ببيان العمل كالصياغة، والصبغ، والخياطة بما يرفع الجهالة، فلا بد أن يعين الثوب الذي يصبغ، ولون الصبغ أحمر أونحوه، و قدر الصبغ إذا كان يختلف". (الدر المختار: ۶/۵، ۱۰، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۶-۷، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم، فإذا اتبع أحدكم على مليء، فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، قديمي)

(۴) "حدثني عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربا و موكله و شاهده و كاتبه". (سنن أبي داؤد: ۲/۴۷۳، كتاب البيوع، باب في أكل الربا، دار الحديث ملتان)

نگروالی لائن چونکہ خاص گورنمنٹ کی ہوگئی ہے، لہذا اس لائن سے بلاٹکٹ سفر کرنا بلا ریب جائز ہے۔ اگر اس کے متعلق کوئی تحقیق معلوم ہو بتلائی جائے۔

الجواب حامداومصلیاً:

یہ چوری ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

بذریعۂ پاس ریل میں سفر کرنا

سوال[۸۲۵۴]: جولوگ ریلوے میں ملازم ہوتے ہیں، ریلوے کا قانون ہے کہ ان کو ایک سال میں کئی مرتبہ مفت پاس ملتا ہے، جہاں چاہیں بلاٹکٹ کے (پاس دکھا کر) جاسکتے ہیں۔ اب بہت سے لوگ دوسرے کی عورتوں کو اپنی عورت اور دوسروں کے بچوں کو اپنا بچہ بتا کر بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہیں اور ان سے روپیہ لے کر جیب میں رکھتے ہیں، اس طرح کرنے سے ریلوے کا نقصان ہوتا ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

محمد علی کلکتہ۔

---

(۱) "لایجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)
(وکذا في شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة في القواعد الفقهیه، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لعن الله السارق یسرق البیضة فتقطع یده، ویسرق الحبل فتقطع یده". (مشکوة المصابیح، کتاب الحدود، باب قطع السرقة، الفصل، ص: ۳۱۳، قدیمي)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "ألا! لا تظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". الحدیث. (مشکوة المصابیح: ۱/۲۵۵، باب الغصب والعاریة، قدیمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ دھوکہ اور خیانت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دوکان کا بڑھا ہوا تختہ حکومت نے کٹوادیا، وہ کرایہ دار کا ہے یا مالکِ دوکان کا؟

سوال[۸۲۵۵]: بموجب حکم سرکار دوکانوں کے وہ تختے جو بازار کی نالیوں سے آگے کو بڑھے ہوئے تھے، کرایہ داران کو کٹوانا پڑ گئے کہ حکم کا رخ انہیں کی طرف تھا، مالکان بے غم رہے، حالانکہ از روئے انصاف تعمیل مالکان کو کرنا تھی تو تختوں کی کٹوائی کے خرچہ کے بدلہ میں کرایہ داران تختوں کے ایندھن کو اپنے خرچہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تختے مالکان نے لگوائے تھے، کرایہ داران نے نہیں لگوائے تو ان کا ایندھن مالکان کی ملک ہے۔ان کو کٹوانے کا حکم حکومت نے دیا ہے، مالکان نے نہیں دیا، اس لئے وہ ایندھن بغیر اجازت مالکان خرچ نہ کیا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح، فليس منا، ومن غشنا، فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۷۰/۱، كتاب الإيمان، قديمي)

"وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قلّما خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح: ۱۴/۱، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدرالمختار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

"لا يجوز أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۶۱/۱، (رقم =

بیع سے پہلے کرایہ وصول کرنا

سوال[۸۲۵۶]: ۱۹۳۸ میں ہندہ نے اپنا مکان ہبہ زید (بیٹے) کے نام کردیا، رجسٹری کرا کراس کے حوالہ کردی، چنانچہ زید اس مکان میں رہنے لگا، پھر بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں ہندہ نے زید سے ناراض ہوکر موہوبہ مکان کے ہبہ نامہ کورد کرا کر مسجد کے نام رجسٹری کرادی۔ زید نے ۱۹۶۴ء میں آ کر مکان کو حارث کے نام پر ایک ہزار روپیہ میں فروخت کردیا۔

اس فروخت کی کیفیت سن کر مسجد کے متولی نے زید سے کہا کہ میں تجھے ایک ہزار روپیہ دیتا ہوں، تو اپنے اس مکان کو خالی کر کے میرے حوالہ کردے، چنانچہ زید نے متولی کے اس قول کو تسلیم کرلیا۔ متولی نے قیس سے ایک ہزار روپیہ لے کر زید کو دیدیا، زید نے مکان خالی کر کے متولی کے حوالہ کردیا اور متولی نے قیس کو کرایہ پر اس مکان کو دیدیا، قیس کرایہ برابر دیتا رہا۔

حارث نے منصفِ کورٹ کے ذریعہ قیس پر دعوی کردیا، متولی اور قیس دونوں نے مل کر منصف کورٹ میں دعوی کیا کہ یہ مکان مسجد ہی کی ملک پر ہے۔ کورٹ کے منصف نے قیس کو حکم دیا کہ گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا جائے، کیونکہ مذکور مکان مسجد کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ زید کا ہے، زید نے جب حارث کو دیدیا تو اب حارث اس کا مالک ہوگیا۔

پھر قیس اور متولی دونوں نے دعوی جج کورٹ میں کیا کہ مکان مسجد ہی کا ہے، زید کا نہیں ہے۔ پھر جج کورٹ نے بھی یہی فیصلہ کردیا کہ مکان زید کا ہے مسجد کا نہیں ہے، قیس نے مکان خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا۔

عدالت کی طرف سے فیصلہ ہونے تک قیس کرایہ نامہ کی تحریر کے مطابق ماہانہ کرایہ ادا کرتا رہا اور قیس نے دونوں کورٹ کے تمام اخراجات برداشت کئے جب کہ کورٹ نے گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کرنے کے لئے فیصلہ کردیا تو اس کے مطابق قیس نے گھر خالی کر کے حارث کے حوالہ کردیا، اس کے بعد سے حارث کے

= المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، مكتبه الصدف پبلشرز كراچی)

پاس ہے۔اس کے بعد حارث کے پاس سے قیس کی بیوی نے اس مکان کوخرید لیا اور بذریعۂ کورٹ اس مکان کو قیس کی بیوی کے حوالہ کر دیا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ مکانِ مذکور زید کی ملکیت ثابت ہونے سے پہلے قیس نے جو کرایہ نامہ لکھ کر دیا تھا، اس کے متعلق متولی زبردستی کرایہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔مسجد والوں کا قیس سے کرایہ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے یانہیں،اس کے شرعی احکام کیا ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندہ نے جب مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کر دیا اور رجسٹری کر کے اس کے حوالہ کر دیا،یعنی اپنا قبضہ ختم کر کے بیٹے کا قبضہ کرا دیا تو وہ ہبہ بالکل مکمل ہوگیا اور مکان زید کی ملکیت میں آ گیا۔پھر ہندہ نے ناراض ہوکر اس کو مسجد کے نام کر دیا تو یہ مسجد میں دینا صحیح نہیں ہوا،بلکہ بدستور زید ہی کی ملکیت میں رہا(۱)۔پھر جب زید نے اس مکان کو حارث کے نام فروخت کر دیا تو وہ مکان حارث کا ہوگیا(۲)۔

اس کے بعد جب متولی نے زید سے ایک ہزار روپیہ میں لیا تو زید کو اس کے فروخت کرنے کا حق نہیں تھا(۳)۔لیکن اگر حارث نے اپنا معاملہ ختم کر کے زید کو اجازت دیدی اور زید نے وہ مکان متولی کے حوالہ کر دیا

---

(۱) "من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما، أو لعمه أو لعمته، أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۲، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئته)

قال صاحب الهداية: "وإن وهب هبةً لذي رحم محرم، لم يرجع فيها، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كانت الهبة لذي رحم محرم، لم يرجع فيها". رواه البيهقي". (الهداية: ۳/۲۸۷، كتاب الهبة، باب ما يصلح رجوعه ومالايصلح، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً. وإن كان موقوفاً، فثبوت الملك فيهما عند الإجازة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول، في تعريف البيع وركنه وشرطه، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۴/۵۰۶، كتاب البيوع، سعيد)

(۳) "لايجوز أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۱، (رقم المادة:=

اور حارث نے اپنا قبضہ ختم کردیا تو پھر یہ بیع درست ہوگئی (۱) اور متولی کا قیس کو کرایہ پر دینا بھی صحیح ہوگیا۔ اگر حارث نے اپنا معاملہ ختم نہیں کیا اور زید نے بغیر اس کی اجازت کے متولی کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، حارث بدستور مالک ہے (۲)۔

پھر حارث سے قیس کی بیوی نے خرید لیا تو وہ مالک ہوگئی۔ مسجد والوں نے جو روپیہ غلط طریقہ پر جمع کیا ہے اس کے وہ ذمہ دار ہیں، جب وہ مکان مسجد کا نہیں تھا تو قیس سے کرایہ بحق مسجد وصول کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

ایک کی دوکان سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

سوال [۸۲۵۷]: ا...... حاجی غنی احمد صاحب نے حامد علی صاحب کو دوکان قائم کرتے وقت ملازم رکھا تھا، اس وعدہ کے ساتھ کہ وہ کوئی مال اپنا دوکان پر نہ رکھیں گے اور نہ اپنے نام سے اپنی کتابیں طبع کریں گے۔ دوکان ۲۷ء میں قائم ہوئی، ۵۳ء تک وہ اس پر عمل بھی کرتے رہے۔ اس درمیان میں انہوں نے اپنے لڑکے خورشید علی سلمہ کو اپنے معاون کی حیثیت سے دوکان پر ملازم رکھ لیا۔ حاجی صاحب پر فالج کا حملہ ہوتے ہی حامد علی صاحب نے اپنے لڑکے خورشید کے نام سے کتابیں طبع کرنا شروع کردیں، اب مستقلاً اپنا کاروبار بھی شروع کردیا ہے خرید وفروخت کا۔ اس سے میرے کاروبار کو نقصان پہونچ رہا ہے۔ کیا شرعاً میرا مطالبہ درست ہے کہ

= ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(۱) "والأصل أن الإقالة فسخٌ في حق المتعاقدين، بيع جديد في حق غيرهما". (الهداية: ۷۱/۳، باب الإقالة، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۵۶/۳، الباب الثالث عشر في الإقالة، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۱۲۴/۵، باب الإقالة، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه و لا ولايته". (الدرالمختار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ملازمت اور کاروبار ایک ساتھ نہیں کرسکتے ؟

۲...... حامد علی صاحب کا فرمانا ہے کہ میں وعدہ کا پابند ہوں، لیکن یہ پابندی میرے لڑکے خورشید پر عائد نہیں ہوتی۔ میرا کہنا ہے کہ یہ کاروبار آپ کررہے ہیں، اگر یہ فرض کرلیا جاوے تو بھی آپ کا لڑکا ان شرائط کا پابند ہے جو آپ سے کئے گئے تھے، اس لئے کہ ملازمت کی حیثیت ایک ہے۔

۳...... علیحدگی ملازمت کی شکل میں رقم کا مطالبہ کریں تو شرعاً جائز ہوگا؟

۴...... حامد علی صاحب کو ۱۹۵۳ء میں ایک سو پچاس روپے ملتے تھے، ۱۹۵۷ میں دو سو روپے ملنے لگے، ۱۹۶۲ میں جبراً سو روپے تنخواہ کرلی، یکدم سے سو روپے کے اضافہ پر احتجاج کرتا رہا، مگر کوئی پرواہ نہیں کی۔

۵...... دوسری طرف خورشید علی سلمہ کی تنخواہ ۱۹۵۳ میں ساٹھ روپے تھی، ۱۹۵۵ء میں سو روپے ہوگئی، ۱۹۵۷ء میں ایک سو پچاس روپے ہوگئی، ۱۹۶۰ء میں دو سو روپے ہوگئی ۱۹۶۵ء میں تین سو روپے ہوگئی۔ میرے احتجاج کے باوجود تنخواہ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، کبھی ان کی اور کبھی لڑکے کی۔ اور میرے نفع کی رقم میں کمی کرتے جارہے ہیں۔

۶...... ۱۹۶۷ء سے اپنے دوسرے لڑکے شعیب علی کو بھی سو روپے ماہوار پر دوکان میں نوکر رکھ لیا بغیر میری اجازت کے، جب کہ تین آدمی دوکان پر کام کررہے ہیں، چوتھے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

۷...... ہماری کتابیں جو کان پور سے طبع ہوکر دوکان لکھنؤ جایا کرتی تھیں، وہ اب حامد علی صاحب لکھنؤ ہی میں طبع کرتے تھے جب کہ مجھے پریس کو چلانے میں دشواری ہورہی ہے۔ اکثر کاغذ نہ ہونے کی وجہ سے مشین بند رہتی ہے، وہ ہمارا ہی کام دوسرے پریس میں کروارہے ہیں (اپنی کتابیں چھاپتے ہیں اور اس کی بکری کرتے ہیں، وہ علیحدہ ہے)۔ کیا یہ میری حق تلفی نہیں ہے؟

۸...... نئی صورتِ حال انہوں نے مجھے پریشان کرنے کے لئے یہ پیدا کردی ہے کہ اختتامِ سال میں کتابوں کا اسٹاک زائد موجود ہوتے ہوئے کم دکھاتے ہیں تاکہ اس طرح مجھ کو کم نفع مل سکے۔ ان کے اس فعل کو شرعی اصطلاح میں کیا کہا جائے گا؟ جو واقعات قلم بند کئے گئے ہیں وہ حلفاً صحیح ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ شرط تو صحیح ہے کہ حامد علی صاحب اپنا مال حاجی غنی احمد کی دوکان پر نہیں رکھیں گے، لیکن اپنے نام سے کتابیں طبع نہ کرانے کا مطلب اگر یہ ہے کہ وہ اپنے روپیہ سے جداگانہ طبع نہیں کرائیں گے تو یہ شرط صحیح نہیں ہے(۱)، اس شرط کی پابندی لازم نہیں، بلکہ اس شرط کو ختم کر دینا ضروری ہے(۲)۔ اگر یہ مطلب ہے کہ حاجی صاحب کے روپے سے اپنے نام سے طبع نہیں کرائیں گے تو یہ شرط صحیح ہے، اس کی پابندی لازم ہے(۳)۔ غیر صحیح شرط کی پابندی نہ کرنے سے اگر کاروبار کو نقصان پہونچے تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

۲...... اس کا جواب نمبر: ا سے واضح ہے۔ اگر اپنے لڑکے کو اصل مالک کی اجازت سے ملازم رکھا ہے، یا ملازم رکھ لینے پر مالک نے رضامندی دیدی ہے تو یہ ملازمت صحیح ہے(۴) اور اس سے بھی اگر کتابیں

---

(۱) واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب حقوقِ طبع محفوظ نہ ہو، لیکن اگر حقوقِ طبع محفوظ کیے گئے ہوں تو اس صورت میں اس کو اپنے نام سے طبع کرانا جائز نہیں:

"یلزم مراعاة الشرط بقدر الإمکان، واعلم أن الشرط ثلاثة أقسام: شرط جائز، و شرط فاسد، وشرط لغو. فالأول: هو ما یقتضیه العقد ویلائمه کالبیع بشرط أن البائع یحبس المبیع لاستیفاء الثمن، أو جری العرف به .... أوورد الشرع بجوازه". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۵۴، (رقم المادة: ۸۳)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، حنفیه کوئٹه)

(۲) جب کسی عقد میں کوئی شرط فاسد پایا جائے تو اس عقد کو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے:

"والأصل فیه أن کل شرط لایقتضیه العقد هو غیر ملائم له، ولم یرد الشرع بجوازه ولم یجز التعامل فیه، وفیه منفعة لأهل الاستحقاق مفسد لما روینا". (تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴/۳۸۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعید)

(۳) عقدِ اجارہ میں شرائطِ صحیحہ کی پابندی لازم ہوتی ہے، لہٰذا اجیر کو مستاجر کی شرائط کے خلاف تصرف کرنے کا حق نہیں: "لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه، ولا ولایته". (الدرالمختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۴) "تنعقد إجارة الفضولی موقوفةً علی إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۵/۱۰۶، کتاب البیوع، =

اپنے نام سے طبع نہ کرانے کی شرط کی گئی تھی تو اس کا حال بھی وہی ہے جو خود حامد علی صاحب کا ہے۔

۳......ملازمت سے علیحدگی کی شکل میں اگر باہمی قرارداد کچھ ہو چکی ہے(۱)، یا عرفِ عام میں کچھ قرار داد ہے تو اس کی رعایت کی جائے، ورنہ تو اس (رقم) کے مطالبہ کا حق نہیں، تاہم مالک برضا ورغبت دیدے تو لینا منع بھی نہیں۔

۴......ایک سو پچاس پر غالباً مالک بھی رضامند ہے اور ۲۰۰/ پر بھی رضامندی معلوم ہوتی ہے، البتہ ۳۰۰/ کا لینا منشائے مالک کے خلاف ہے جس کے لینے کا حق نہیں تھا، لیکن احتجاج کے باوجود اگر لینے کی اجازت دیدی تو لینا درست ہے، اگر اجازت نہیں دی، بالکل نامنظور کیا، لینا درست نہیں (۲)، جتنی رقم ماہوار کے حساب (زائد مقدار میں) لی ہے اس کی واپسی لازم ہے (۳)۔

۵......یہاں بھی اجازت ورضامندی پر موقوف ہے (۴)۔

= فصل في الفضولي، سعيد)

(۱) واضح رہے کہ ملازمت کی ابتدا میں کچھ دینے کی قرارداد اگر بطورِ اجرت طے ہوئی ہو تب تو دینا ضروری ہے، اور اگر بطورِ وعدہ کچھ دینے کا کہا ہو تب بھی حسبِ وعدہ کچھ دینا چاہئے، ورنہ مستحق نہیں:

قال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد، إن العهد كان مسئولا﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

"يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة و تأجيلها". .... "إذا كانت الأجرة موقّتةً بوقتٍ معينٍ، كالشهرية أو السَّنَوية، يلزم إيفاؤها عندانقضاء ذلك الوقت". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۲۶۴، ۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۳، ۴۷۶)، كتاب الإجاره، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". الحديث. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه و لو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسيم رستم: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) "تنعقد إجارة الفضولي موقوفةً على إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۱۰۶/۵، كتاب البيوع، =

۶......اس کی ملازمت کا حال بھی خورشید علی کی ملازمت کی طرح ہے(۱)۔

۷......آپ کی کتابیں بغیر آپ کی اجازت کے دوسری جگہ طبع کرانے کا ان کو حق نہیں، اپنی کتابیں آپ کی دوکان میں رکھ کر فروخت کرنے کا ان کو حق نہیں (۲)۔

۸......اگر موجود سے کم دکھاتے ہیں تو یہ کذب اور خیانت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

بلا مجبوری کے کرایہ دار کو تکلیف دینا

سوال[۸۲۵۸]: کرایہ دار کو جو انہوں نے تکلیف دی ہے وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر وہاں

= فصل في الفضولي، سعيد)

(۱) "تنعقد إجارة الفضولي موقوفةً على إجازة المتصرف". (الدرالمختار: ۵/۱۰۶، كتاب البيوع، فصل في الفضولي، سعيد)

(۲) واضح رہے کہ حقوقِ طبع محفوظ کرنا جائز ہے تو اس صورت میں کسی اور کو اپنے نام سے طبع کرانا جائز نہیں:

"يلزم مراعاة الشرط بقدر الإمكان، واعلم أن الشرط ثلاثة أقسام: شرط جائز، و شرط فاسد، وشرط لغو. فالأول: هو ما يقتضيه العقد ويلائمه كالبيع بشرط أن البائع يحبس المبيع لاستيفاء الثمن، أو جرى العرف به .... أوورد الشرع بجوازه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۵۴، (رقم المادة: ۸۳)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح، فليس منا، و من غشنا فليس منا". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من غشنا"، قديمي)

مکان بنے تو پہلا حق پرانے کرایہ دار کو (جو تقریباً بیس سال سے رہ رہا تھا) ہے یا کسی اور کو غور فرما کر ضروری تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہِ شرعی کرایہ دار کو کیا کسی کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں (۱)، اگر مصالحِ مسجد سے قطعِ نظر کرتے ہوئے اس کو جبراً نکالا ہے تو یہ ظلم ہے، اس کی تلافی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

ٹیکس دینے سے نقصان ہو تو کیا کرے؟

سوال [۸۲۵۹]: میں تجارت کرتا ہوں، اسی تجارت کو دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں، میں پورا ٹیکس ادا کرتا ہوں، دوسرے ٹیکس کو پورا ادا نہیں کرتے، مجھ کو نقصان ہوتا ہے غیر کو فائدہ۔ مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، کسی کا حق اپنے ذمہ باقی نہ رہنے دیں، جس کا حق آپ کے ذمہ ہو اس کو پورا پورا ادا کر دیں اور جو نقصان ہو تقدیر پر صابر وشاکر رہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چنگی کا محصول

سوال [۸۲۶۰]: احقر سے دو مسلمانوں نے متفرق وقتوں میں فرداً فرداً یہ تذکرہ کیا کہ محصول چنگی یعنی وہ محصول جو اشیاء کی درآمد پر لیا جاتا ہے، اس کا ادا کرنا ناجائز ہے، مثلاً: ایک شخص کسی گاؤں سے بکری لے کر

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم من سلم المسلون من لسانه ويده". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده: ۱/۶، قديمي)

"وفيه أيضاً عن عبدالله عمر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الظلم ظلمات يوم القيامة". (صحيح البخاري، ابواب المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات: ۱/۳۳۱، قديمي)

سہارنپور شہر میں لاوے، خواہ فروخت کی نیت سے یا پالنے کی نیت سے تو سہارنپور کا محکمۂ محصول (میونسپلٹی) اس سے چند پیسے بطورِ محصول بکری کے لے لیں گے تو یہ پیسے بطورِ محصول ادا کرنا جائز نہیں ہے، مگر چوں کہ ادا کئے بغیر کام نہیں بنتا، اس لئے اس کو برداشت کر کے صبر کرے۔ کیا ایسا مسئلہ شریعت مقدسہ میں ہے؟

نیز عرض ہے کہ ایک صاحب ہمارے عزیز ہیں وہ منصف کا عہدہ رکھتے تھے، انہوں نے بطورِ امداد میرے لئے کچھ روپیہ بھیجا، اس کا کچھ حصہ میں نے خرچ بھی کر لیا، مگر تردّد بہت ہے اور وہ تردد یہ ہے کہ منصفوں کی آمدنی عموماً مشتبہ ہوتی ہے، یہ لوگ رشوت بھی لیتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ یہ منصف صاحب آج کل رشوت لیتے ہیں یا نہیں۔ اس عہدہ پر مامور ہونے سے قبل جس عہدہ پر تھے اس وقت ہم نے دیکھا کہ عرصۂ دراز تک رشوت نہیں لیتے تھے، مگر ہمارے دیکھنے سے چند سال قبل رشوت لیا کرتے تھے، حالتِ موجودہ معلوم نہیں۔

اس لئے ازراہِ کرم تحریر فرمایئے گا کہ اس روپیہ کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو رقم صرف کر چکا ہوں اس کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟ والسلام مع الاکرام۔

نیازمند: احقر منظور احمد عفی عنہ، مدرس مدرسہ تحصیل رڑکی، ۱۳۰/شعبان المعظم/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مروجہ چنگی ظلم ہے(۱) اور جس طرح ظلم ناجائز اور حرام ہے اسی طرح سے ظلم کی اعانت ناجائز ہے اور

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾. (سورة النساء: ۲۹)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبی: "من أخذ مال غیره لا علی وجهِ أذنِ الشرع، فقد أکله بالباطل". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۳۳۸/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

قال العلامة البغوی: ﴿بالباطل﴾ بالحرام، یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها". (معالم التنزیل: ۵۰/۲)

"لایأکل بعضکم أموال بعض بالوجه الذی لم یبحه الله تعالیٰ". (تفسیر أبی السعود: ۳۱۸/۱)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۲۵۰/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

چنگی ادا کرنے سے ظلم کی اعانت ہوتی ہے، لہٰذا نا جائز ہے(۱)، مگر چنگی ادا نہ کرنے سے دوسرے بڑے مصائب کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے دفعِ ظلم کی وجہ سے چنگی کی ادائیگی پر صبر کیا جاتا ہے: "من ابتلی ببلیتین، فلیختر أهونهما" (۲)۔

جب ان منصف صاحب کے متعلق پختہ طور سے آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے رشوت لینا بند کر دیا تھا تو پھر اس بھیجے ہوئے روپیہ میں تردد بلاوجہ ہے، تاوقتیکہ ان کے متعلق رشوت لینے کا دوبارہ علم نہ ہو(۳)، اس روپیہ کا استعمال ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على مالا يجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز، لايجوز". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۶۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۶/ ۵۱، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر: ۱/ ۲۶۱، ۲۶۳، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: ماخُيّر رسول الله بين أمرين: أحدهما أيسر من الآخر، إلا اختار أيسرهما مالم يكن إثماً". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/ ۲۳۲، (رقم الحديث: ۲۴۷۶۲)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إذا تعارض مفسدتان، رُوعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما". .... "يختار أهون الشرين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۲۸، ۲۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۷، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، قديمی)

"اليقين لايزول بالشك". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۰، إدارة القرآن كراچی)

"إذا كان غالب مال المهدی حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام".

(الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۵، إدارة القرآن كراچی) .... =

چنگی سے مال بچانا

سوال[۸۲۶۱]: چنگی اور ریل کے کرایہ سے چوری کرنا جائز ہے یا نہیں، یعنی اپنے مال کو ریل میں لائے اور کرایہ نہ دے، یا خود آئے، یا گارڈ وغیرہ کے ساتھ جائے اور اپنا مال لائے اور چنگی سے چھپا کر لائے تا کہ چنگی نہ دینی پڑے، یا بے تو بڑھیا مال پیٹی میں اور لکھوا دیا گھٹیا تا کہ چنگی کم لگے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ بولنا بھی ناجائز ہے(۱) اور چوری کرنے سے آبروریزی بھی ہوتی ہے، اس سے بچنا بھی واجب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

= "لاهبة للتوهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۰، (رقم المادة: ۷۴)، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لعنة الله على الكذبين﴾ (ال عمران: ۶۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث .... إذا حدث كذب". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

قال الملا على القاري: "إذا حدث كذب" وهو أقبح الثلاثة". (مرقاة المفاتيح: ۱/۲۲۶، رشيديه)

(۲) "وعن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لعن الله السارق يسرق البيضة فتقطع يده، ويسرق الحبل فتقطع يده". (مشكوة المصابيح، كتاب الحدود، باب قطع السرقة، ص: ۳۱۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لايزني الزاني وهو مؤمن، ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۲، قديمي)

قال الملا على القاري: "قيل: المراد الحقير، فإن النصاب يشارك البيضة والحبل في الحقارة". (مرقاة المفاتيح: ۷/۱۷۷، رشيديه)

تجارتی مال کا محصول اور چنگی دینا

سوال [۸۲۶۲]: تجارتی مال کا محصول وچنگی دونوں دینی چاہئیں، یا محض محصول دیدے اور چنگی نہ دے، اس لئے کہ اس کی دوکان اسی شہر میں ہے؟ سنا جاتا ہے کہ چنگی نہ دینی چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریل اور ڈاک کا محصول تو دیدیا جائے (۱) اور چنگی ظلماً لی جاتی ہے، اس سے حتی الوسع بچے، لیکن دفعِ ظلم اور حفظِ عزت کے لئے جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ریل اور ڈاک کا محصول مال پہنچانے کی اجرت ہے، اس لئے مال پہنچانے پر حکومت اجرت لینے کا مستحق ہے:

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة، فلو استأجر دابةً ليركبها إلى محل، ثم ركبها، ووصل إلى ذلك المحل، استحق آجرُها الأجرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۶۲، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأجرة لا تستحق بالعقد، بل بالتعجيل أو بشرطه أو باستيفاء المعقود عليه، أو التمكن منه". (ملتقى الأبحر: ۵۱۵/۳، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۳/۴، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۱۰/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۱۳۹، رقم الحاشية: ۲)

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

کسی کی زمین کو غصب کرنا

سوال[۸۲۶۳]: ۱..... ہمارے یہاں کمیونسٹ پارٹی نے یہ قانون بنایا ہے کہ جن کے پاس پچھتر بیگہ سے زائد زمین ہو، ان سے لے لی جائے گی۔ اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے گاؤں کے لوگوں نے ایک مسلمان زمیندار کی زمین پر اس شرط پر درخواست کی کہ فلاں فلاں آدمی پانچ چھ سال سے کاشتکاری کرتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اور کمیونسٹ پارٹی نے اس جھوٹ درخواست کرنے والوں کا ساتھ دیکر اس زمیندار کے کم سے کم سو بیگہ کھیت (زمین) کو زبردستی لے لیا۔ تو کیا اس طرح پر جھوٹ درخواست دے کر کسی مسلمان کی زمین پر درخواست دیکر زبردستی قبضہ کر لینا دوسرے مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

۲..... مذکورہ زمیندار کی زمین جسے عام لوگوں نے قبضہ کر لیا، اسی طرح ایک عالم صاحب نے بھی لوگوں کا ساتھ دے کر ۵، ۶/ بیگہ زمین جھوٹ طریقہ پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ کیا ایک عالم کے لئے یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمان کی زمین پر زبردستی قبضہ کر لے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنا غصب ہے جو کہ شرعاً حرام ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے:

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ شبرا من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه".

مشکوۃ شریف، ص: ٢٥٤(١)۔

۲.....عالم مسائل سے واقف ہوکر اور مقتدیٰ بن کر غصب کرتا ہے تو اس کا گناہ زیادہ سخت ہے:

"عن أبی الدرداء رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: إن من أشرّ الناس عند اللّٰه منزلةً یوم القیامة عالمٌ لا ینتفع بعلمه". رواہ الدارمی". مشکوۃ شریف (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زمین غصب کر کے پڑوسی کا مکان بنوانا

سوال[۸۲۶۴]: میری تھوڑی سی زمین کسی شخص نے جبراً غصب کر کے میرے پڑوسی کا مکان بنوادیا، مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا، اس پر میں راضی نہیں تھا، تو اس شخص کے بارے میں جس نے جبراً

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۴، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الأول، قدیمی)

"عن سالم عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ من الأرض شیئاً بغیر حقه، خسف به یوم القیامة إلی سبع أرضین".

"عن یعلی بن مرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من أخذ أرضاً بغیر حقها، کلف أن یحمل ترابها المحشر".

"وعن یعلی بن مرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "أیما رجل ظلم شبراً من الأرض، کلفه الله عزوجل أن یحفر حتی یبلغ آخر سبع أرضین، ثم یطوّقه إلی یوم القیامة، حتی یقضی بین الناس". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۶، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثالث، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۴۵۳، کتاب بدء الخلق، قدیمی)

(وکذا فی الصحیح لمسلم: ۲/۳۲،۳۳، کتاب المساقات، باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرها، قدیمی)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۷، کتاب العلم، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن الأحوص بن حکیم عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: سأل رجلٌ النبیّ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: عن الشر، فقال: "لا تسألونی عن الشر، وسلونی عن الخیر". یقولها ثلثاً، ثم قال: "ألا! إن شرّ الشر شرار العلماء، وإن خیر الخیر خیار العلماء". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

زمین غصب کرکے پڑوسی کے لئے مکان بنوادیا، ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین غصب کرنا کبیرہ گناہ ہے، غاصب کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈالا جائے گا(۱)۔ پڑوسی کو لازم ہے کہ آپ کی زمین خالی کردے، مکان ہٹالے، یا ملبہ کی قیمت آپ سے لے لے، اس طرح وہ مکان بھی آپ کا ہوجائے گا، یا آپ کی زمین آپ سے کرایہ پر لے لے، اور کرایہ آپ کو دیتا رہے(۲)۔ اس طرح زمین آپ کی رہے گی، مکان اس کا رہے گا، یا زمین کی قیمت آپ کو دیدے اس طرح زمین بھی اس کی ہوجائے گی۔ غرض سمجھوتہ سے۔ جس پر دونوں متفق ہوجائیں۔ وہ معاملہ کرلیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين"

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه، إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه، أمر بالقلع والرد، وللمالك أن يضمن له قيمة بناء أو شجر أمر بقلعه إن نقصت الأرض به". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۱۹۴، ۱۹۵، كتاب الغصب، سعيد)

"وإن كان المغصوب أرضاً، فبنى الغاصب فيها بناءً، أو غرس فيها أشجاراً، يؤمر بقلعها و ردّ الأرض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۰۲، (رقم المادة: ۹۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۲۱۳، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۳۲۹، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/ ۸۷، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۳) قوله تعالىٰ: ﴿والصلح خيرٌ﴾ [سورة النساء: ۱۲۸] "عرّف بالألف واللام، فيقتضي أن يكون كل الصلح خيراً، وكل خير مشروع". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۵/ ۲۷، ۴۰، كتاب الصلح، دار الكتب العلمية بيروت)

کسی کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹ لینا

سوال[۸۲۶۵]: اگر کسی کی بوئی ہوئی زمین کو بغیر اس کی اجازت کے کاٹ لیا تو کیا اس میں گناہ ہوگا؟ کیونکہ اس نے ۷۵/ بیگھ زمین سے زائد خرید رکھی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں جو کچھ بویا ہے وہ بونے والے کی ملک ہے، بغیر مالک کی اجازت کسی کو اس کے کاٹنے کا حق نہیں، بلکہ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۱)، قانون کا حاصل بھی یہ نہیں ہے کہ ۷۵/ بیگھ سے زائد کسی کے پاس ہو تو اس کو کاٹ لیا جائے، یہ بلا قیمت زبردستی قبضہ کرنا ظلم ہے، اس کا کسی کو حق نہیں:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، طوّق له يوم القيامة إلى سبع أرضين". رواه البخاري(۲)۔

"عن يعلى بن مرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من أخذ أرضاً بغير حقها، كلّف أن يحمل ترابها المحشر". رواه أحمد"(۳)۔

"وعنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيما رجل ظلم شبراً من الأرض، كلفه الله عزوجل أن يحفره حتى يبلغ اٰخر سبع أرضين، ثم يطوّقه إلى يوم القيامة،

---

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۴، الفن الثاني، الفوائد، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۲) (صحيح البخاري: ۱/۴۵۳، كتاب بدء الخلق، قديمى)

(۳) (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۴، قديمى)

حتی یقضی اللہ بین الناس". رواہ أحمد". مشکوۃ شریف(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

۷۵/ بیگہ سے زائد زمین رکھنا اور کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا

سوال[۸۲۲۶]: آج کل سرکاری قانون ہے کہ پچھتر بیگہ سے زائد کوئی زمین نہیں رکھ سکتا، حالانکہ قبل اس قانون کے اس نے اپنے پیسے سے پچھتر بیگہ سے زائد زمین خرید رکھی ہے۔ اس صورت میں زبردستی پچھتر بیگہ زمین کاٹ سکتا ہے کہ نہیں؟ یہ فعل عوام کے لئے حلال ہوگا کہ نہیں اور یہ قانون کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں وہاں بویا ہے وہ بونے والے کی ملک ہے، بغیر مالک کی اجازت کے کسی اور کو کاٹنے کا حق نہیں، بلکہ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۲)۔ قانون کا حاصل بھی یہ نہیں کہ جس کے پاس پچھتر بیگہ زمین زائد ہو اس کی بوئی ہوئی فصل جس کا دل چاہے کاٹ لے۔ پچھتر بیگہ سے زائد زمین کو بلا قیمت زبردستی قبضہ کر لینا بھی ظلم ہے، اس کا کسی کو حق نہیں:

"عن سالم عن أبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۶، باب الغصب والعاریۃ، قدیمی)

"عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوقہ اللہ إیاہ یوم القیامۃ من سبع أرضین".

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغیر حقہ، إلا طوّقہ اللہ إلی سبع أرضین یوم القیامۃ". (الصحیح لمسلم: ۲/۳۲، ۳۳، کتاب المساقات، باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرھا، قدیمی)

(۲) "لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ، أو وکالۃ منہ أو ولایۃ علیہ، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادۃ: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بغیر إذنہ". (شرح الأشباہ والنظائر: ۲/۴۴۴، کتاب الغصب، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين".

"عن يعلى بن مرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من أخذ أرضاً بغير حقها، كلف أن يحمل ترابها المحشر".

"وعنه رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "أيما رجل ظلم شبراً من الأرض، كلفه الله عزوجل أن يحفر، حتى يبلغ آخر سبع أرضين، ثم يطوّقه إلى يوم القيامة، حتى يقضي الله بين الناس". رواه أحمد". مشكوة شريف: ٢٥٦ (١)۔

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من أحيى أرضاً ميتةً فهي له، وليس لعرق ظالم حق". رواه أحمد، والترمذي، وأبو داؤد. ورواه مالك عن عروة مرسلاً، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب".

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان، والدار القطني في المجتبى، اهـ". مشكوة شريف (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ

سوال [۸۲۶۷]: محمد عبدالخالق از قانونِ حکومت ہندوستان کے باشندے ہیں۔ شخصِ مذکور اپنے والدین بہن اور ایک بھائی حافظ محمد عبدالحق، خویش اقرباء کو چھوڑ کر بالاختیار حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا گیا۔ جاتے وقت اپنے بھائی حافظ محمد عبدالحق سے کہا کہ میرے مال وزمین سے والدین کی خدمت کرنا اور کل جائیدا کے مالک تم ہو، محلہ کی مسجد میں بھی اس قسم کے اختیارات بھائی کو دیا ہے۔ اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: ہندو لوگ میری داڑھی توڑنے کو کہتے ہیں، ہر اعتبار سے ستانے کی وجہ سے مجھ کو اس دیس سے نفرت ہوگئی ہے۔ بالآخر سب کو ناراض کر کے اپنی اولاد وازواج کو لے کر حکومت میں درخواست دے کر پاکستان چلا

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۶، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

گیا، اب ۹،۸/سال وہیں رہا، اس درازِ زمانہ میں والد کا انتقال ہوا۔

حافظ محمد عبدالحق مقروض ہوکر دو بیگہ زمین فروخت کیا، اب وہ شخص پاکستان سے ہندوستان آیا، اور حکومت ہند میں مقدمہ دائر کیا کہ مجھ کو ظلماً بھیجا گیا، میں اس دیس کا باشندہ ہوں۔ تیس سال بعد حکومتِ ہند نے مقدمہ سے بری کردیا۔ اب وہ شخص دعویٰ کرتا ہے بھائی کے مشتری سے کہ میری زمین مجھ کو واپس کرو نہیں تو میں مقدمہ چلاؤں گا۔

وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں بات ایسی اگر نہ ہو تو داڑھی کترا دوں گا، فلاں بات ایسی نہ ہو تو سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوڑ دوں گا۔ اب دریافت طلب چند سوالات کے جواب تحریر فرمائیں:

۱......آیا شرعاً اپنی زمین لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز ثمنِ مشتری کا ضمان دینا پڑے گا یا نہیں؟

۲......اس قسم کے صریح جھوٹ مقدمہ لڑانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ عندالشرع شہادت اس کی کیسی ہے؟ اس کے پیچھے اقتداء کرنا وضمانت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

۳......''فلاں بات اگر ایسی نہ ہو تو داڑھی کترا دوں گا، سنتِ رسول چھوڑ دوں گا'' کہنا کیسا ہے؟

۴......مع الاختیار ہندوستان کو خیر باد کر کے جانا، پھر آنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ باغیٔ حکومت کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......جو لوگ باقاعدہ حکومت کو اطلاع کر کے پاکستان گئے، ان کی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا ہے اور استیلائے حکومت کی وجہ سے وہ جائیداد حکومت کی ہوگئی، بھائی یا کسی کو بھی یہ کہنا کہ ''میری جائیداد کے مالک تم ہو'' مفید نہیں۔ اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ نہیں کیا اور جائیداد بھائی کو دیدی اور بھائی نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ جائیداد بھائی کی ہوگئی، شرعاً اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ بھائی نے جو زمین فروخت کردی اس کی واپسی کا بھی حق نہیں، کذا فی الشامی (۱)۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم، ملكوها". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

"وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم، ملكوها". (تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء =

۲..... جھوٹ بولنا(۱)، جھوٹا مقدمہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے(۲)۔ جو شخص ایسا کرے وہ امامت کے لائق نہیں، کذا فی ردالمحتار (۳)۔

۳..... جہالت ہے، منع ہے، دین سے بُعد ہے۔

۴..... اس کے لئے کوئی کلی حکم سب کے لئے نہیں، مختلف حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔

سیر داری کی زمین

سوال[۸۲۶۸]: کانگریس گورنمنٹ کے زمانہ میں زید کے پاس دو قسم کی زمین ہے: ۱- بھوم دھری۔ ۲- سیرداری۔ بھوم دھری کو بیع کر سکتے ہیں اور سیرداری کو بیع نہیں کر سکتے۔

= الكفار: ۴/۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن غلبوا: أى الكفار على أموالنا وأحرزوها: أى أموالنا بدراهم: أى بدار الحرب، ملكوها". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲/۴۴۲، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۴۴۲، غفاريه كوئته)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب استيلاء الكفار: ۵/۱۶۱، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتُمن خان". (مشكوة المصابيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ادّعى ماليس له، فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار". (مشكوة المصابيح، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، ص: ۳۲۷، قديمى)

(۳) "ويكره إمامة عبد ...... وفاسق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۵۵۹، سعيد)

ان دوقسموں کو زید نے عمرکو بٹائی نصفی یالگان پر جوتنے کے لئے دیااوروہ سرکاری کاغذات میں عمر کے نام درج ہوگئی۔ تین سال کے بعد کاغذات سے زید کا نام خارج ہوکر وہ زمین عمر کے نام ہوگئی اور زید کے قبضہ سے نکل گئی۔ اور گورنمنٹ کے قانون کے بناپر زید کواس زمین کا کچھ معاوضہ بھی ملتاہے،لیکن اس معاوضہ پر نہ تو زید بخوشی تیار ہےاورنہ یہ چاہتا ہے کہ میری زمین مملوکہ عمر کے قبضہ میں چلی جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ازروئے شریعت کیا عمرایسی زمین کا مالک ہوسکتاہے،یا یہ کہ عمر کے ذمہ ضروری ہے کہ اس زمین سے استعفیٰ دے کرزید کے حوالہ کرے؟ مدلل طور پر جواب تحریر فرماکرممنون فرمائیں۔

ظہیرالدین،پوڑیا،جونپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سرکاری قانون کے مطابق وہ زمین زید کی ملک نہیں رہی اور عمر کی ملک ہوگئی اور عمر اگر اس سے مستعفی ہوجائے، یا زید کو دیدے تو زید کی ملک میں آسکتی ہے۔تو عمر کو مستعفی ہونا، یا زید کو دیدینا لازم ہے،خود رکھنا درست نہیں:

"لا يجوز لأحدٍ من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحرالرائق". فتاوی عالمگیریة (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے کیا مالک بن جائے گا؟

سوال[۸۲۶۹]: ایک شخص مرزاعاقل حسین صاحب کوکچھ اراضئ مزروعہ ترکہ میں ملی،اس کا مورث کاشت کیا کرتا تھا۔اراضی بالاقصبہ سردھنہ میرٹھ میں واقع ہے۔مرزاعاقل حسین میرٹھ میں سکونت رکھتاہے،گاہ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۶۷، كتاب السير، فصل في التعزير، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲۸/۵، كتاب السير، فصل في التعزير، رشيديه)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار: ۴/۶۱، كتاب الجهاد، مطلب في التعزير بالمال، سعيد)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

گاہ میرٹھ سے آتا جاتا ہے۔ کچھ مدت تک اراضی کاشت نہیں ہوئی، افتادہ رہی۔ ایک شخص معین الدین شاہ نے اراضی پر غاصبانہ قبضہ کر کے کاشت شروع کردی اور کاغذات میں بلا تصفیہ لگان کاشتکار درج ہو گیا۔

قانونِ خاتمۂ زمینداری کے بموجب ہر کاشتکار خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو وہ کاشتکار سیر دار حکومت نے تسلیم کرلیا، اگر وہ دو گنا لگان داخلِ خزانہ حکومت کردے تو اس کو حکومتِ وقت مالک تسلیم کرلے گی۔ قانونِ دینِ محمدی کے بموجب عاقل حسین کی موجودگی میں کیا شرع محمدی معین الدین کو مالک تسلیم کرلے گی؟ اگر شرع میں معین الدین کو مالک تسلیم نہیں کیا گیا تو آیتِ قرآنی نمبر: ۱۸۸، سورۂ بقرہ، رکوع: ۲۲:

﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل و تدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ الاية۔

جس کا اردو ترجمہ امام المحدثین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا:

"اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق، اور نہ پہونچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال سے مار کر گناہ اور تم کو معلوم ہے"۔

آیتِ بالا کا اطلاق معین الدین پر ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو وہ کس گناہ کا مرتکب ہے، صغیرہ کا یا کبیرہ کا؟ اگر وہ ضد کرے اور گناہ پر جمارہے تو کفر عائد ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا، ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، یہ حدیث شریف میں موجود ہے (۱)، اس لئے غصب کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

---

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه إياه يوم القيامة من سبع أرضين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (الصحيح لمسلم: ۳۲/۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، طوق له يوم القيامة إلى سبع أرضين". (صحيح البخاري: ۴۵۳/۱، =

حرام قطعی لعینہ کو حلال قطعی اعتقاد کرنا کفر ہے(۱)۔ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غاصب کا قبضہ ہٹانے کے لئے قتل کرنا

سوال[۸۲۷۰]: زید کے بھائی نے زید کا کافی مال اور جائیداد غصب کر رکھا ہے، کافی کوشش کی، مگر وہ ہرگز نہیں دیتا ہے، اب بجز اس کے اس کو قتل کرکے ہی کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ تو کیا ایسے فاسق وفاجر اور ظالم کا خون شرعاً حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کیا قتل کرنے کے بعد قاتل خود بھی قتل ہونے سے بچ جائے گا اور اس مال واسباب سے فائدہ اٹھا سکے گا، ایسی حرکت ہرگز نہ کریں(۳)، بلکہ قانونی چارہ جوئی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعارية، الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "والأصل أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لا يكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا". (البحر الرائق: ۵/۲۰۲، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

"إن استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية".

(شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۱۰۲، قديمى)

(۲) "و لا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان".

(شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، ص: ۱۷، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ه جهنم خالداً فيها، وغضب الله عليه، ولعنه وأعدّله عذاباً عظيماً﴾. (سورة النساء: ۹۳) .... =

مملوک کنویں کو مندر بنانا

سوال[۸۲۷۱]: ایک تکیہ قبرستان مسجد اور کنواں بنام شاہ کوشام قدوس شاہ سے موسوم ہے، تکیہ مسجد اور کنواں تقریباً ۵۰۰/ سال پرانا ہے جو ہمارے آباء واجداد کی ملکیت رہا ہے اور اب ہم اس پر قابض ہیں۔ تکیہ ہذا مسجد میں کنواں اس لئے تعمیر کرایا گیا تھا کہ یہاں مسجد کے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اب قدرتی طور پر اس کنویں کا پانی تقریباً ۲۵، ۲۶/ سال سے بند ہوگیا ہے اور کنواں خشک ہوگیا۔ اور کنواں اپنی جگہ پر موجود ہے جو کھنڈر ہو چکا ہے۔ تو جگہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے کچھ شر پسندوں نے اس کنویں کی جگہ کو اپنی ملکیت بتایا ہے، جس میں قصبہ کے کچھ جن سنگھی بھی شامل ہیں۔

یہ فریق اس کنویں کو مندر کی شکل دینا چاہتے ہیں، ہم لوگ بہت غریب ہیں۔ کیا اس کنویں کو مندر کی شکل دی جاسکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا ہے تو مسجد اور تکیہ کے بسنے والے حضرات کی زندگیاں خطرے میں رہیں گی۔ براہ کرام آپ شرعی نقطۂ نگاہ سے فیصلہ دیں کہ یہ عمل ان کا جائز ہے یا ناجائز؟ مسلمانان کھتولی اس میں دامے درمے سخنے (۱) ہماری مدد فرما سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ کنواں آپ کے آباء واجداد کی ملک ہے، آپ اس پر بحیثیتِ وارث قابض ہیں تو پھر کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کنواں کسی اور کو مندر وغیرہ کے لئے دے۔ ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے جس کی ہرگز

= "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم".

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل ذنب عسى الله أن يغفره إلا من مات مشركاً، أو من يقتل مؤمناً متعمداً".

"وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قتل متعمداً دفع إلى أولياء المقتول، فإن شاء وا، قتلوا، وإن شاء وا أخذوا الدية".

(مشكوة المصابيح، ص: ۳۰۱، كتاب القصاص، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "دامے، درمے، قدمے، سخنے: ہر طرح امداد کرنا، روپیہ، پیسہ، جان اور زبان ہر طریقہ سے مدد کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۰۹، فیروز سنز، لاهور)

اجازت نہیں (۱)۔ ان لوگوں کو ایسا کرنے سے باز آنا ضروری ہے، ان کو بھی سمجھا کر اپنے اثر سے کام لے کر ان غلط ارادوں سے روک دینا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۹/۹۲ھ۔

کرایہ کے مکان پر قبضہ

سوال [۸۴۷۲]: زید فریقِ اول نے عمر فریقِ ثانی کو اپنے مکان کی زمین -جس میں گائے وغیرہ باندھی جاتی ہے- اس شرط پر دی کہ وہ اپنے لئے رہائشی مکان بنالے اور تعمیر میں جو کچھ خرچ ہو، کرایہ کے حساب سے منہا کرلے اور کچھ رقم بھی دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ تین سال کی مدت میں بارہ روپیہ ماہواری کرایہ کے حساب سے تعمیر کے حساب میں منہا بھی کرادیئے۔

حساب کرانے پر عمر فریقِ ثانی پر زید فریقِ اول کا کچھ روپیہ نکلتا ہے، جس کا عمر بھی اقرار کرتا ہے۔ فی الحال عمر بارہ روپیہ ماہوار کے حساب سے کرایہ برابر ادا کرتا ہے، لیکن اب عمر اس مکان پر مستقل طور پر قابض و دخیل ہونا چاہتا ہے اور سرکاری کاغذات میں بھی اپنے نام کا اندراج کرانا چاہتا ہے اور اسی کوشش میں مصروف ہے۔

چونکہ مالکِ مکان زید ایک سید تھے اور نیک طبیعت کے انسان تھے جو کہ مارچ ۶۴ء کے فساد میں شہید بھی ہوچکے ہیں، ان کے اہل وعیال کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے مکان مذکور کی خود ضرورت شدید ہے۔ لہذا از

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوّقه إياه يوم القيامة من سبع أرضين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (الصحيح لمسلم: ۳۲/۲، ۳۳، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، قديمي)

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ من الأرض شيئاً بغير حقه، طوق له يوم القيامة إلى سبع أرضين". (صحيح البخاري: ۴۵۳/۱، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، باب الغصب والعارية، الفصل الثالث، قديمي)

روئے شریعت اسلامی عمر کا یہ فعل کہاں تک درست ہے اور زید شہید مرحوم کے احسانات کا بدلہ عمر کو کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تو ظاہر ہے کہ زید نے جگہ نہ عمر کو ہبہ کی ہے اور نہ بیع کی ہے، بلکہ کرایہ پر دی ہے اور جو روپیہ تعمیر میں خرچ ہوا، اس کو بھی کرایہ میں محسوب کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ زید نے عمر کو اپنا وکیل بنایا کہ میری طرف سے اس کرایہ کو مجھے دینے کے بجائے تعمیر میں خرچ کردیں تو اس لحاظ سے جو عمارت مکان کی بنے گی وہ بھی زید کی ملک ہوگی (۱)۔ اگر زید کے ورثہ خالی کرانا چاہتے ہیں تو عمر کو اس جگہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں (۲)، بلکہ اس کو لازم ہے کہ اس غصب اور ظلم سے باز رہے اور جو روپیہ کرایہ کا باقی ہے، وہ بھی ادا کردے، ورنہ خدا تعالیٰ کے

(۱) "ولكن حقوق العقد عائدة إلى موكله، وليست بعائدة إليه، سواء كان وكيلاً بالبيع أو الشراء، بثمن حال أو مؤجل؛ لأنه إذا كان الوكيل محجوراً، فهو كالرسول .... فتتعلق الحقوق بمؤكله". (شرح المجلة، كتاب الوكالة، الباب الثاني: ۲/۵۷۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن لم يُضفه الوكيل إلى مؤكله، واكتفى بإضافته إلى نفسه، صح أيضاً، وعلى كلتا الصورتين لا تثبت الملكية إلا لمؤكله". (شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۲/۵۸۱، الباب الثالث، كتاب الوكالة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والملك يثبت للمؤكل ابتداءً". (الدرالمختار: ۵/۵۱۴، كتاب الوكالة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، الباب الأول، كتاب الوكالة، رشيديه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء، والغرس، وسائر الانتفاعات .... فإن مضت المدة، قلعها وسلّمها فارغةً، إلا أن يغرم له المؤجر قيمته: أي البناء والغرس مقلوعاً .... ويتملكه .... أو يرضى المؤجر بتركه: أي البناء والغرس، فيكون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا. وهذا الترك إن بأجر، فإجارة، وإلا فإعارة". (ردالمحتار: ۶/۳۰، ۳۱، باب ما يجوز من الإجارة و مايكون خلافاً فيه، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۸/۱۹، ۲۰، باب ما يجوز من الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۹۶، ۹۷، باب ما يجوز من الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

یہاں سخت سزا کا مستحق ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

شجرۂ مغصوبہ کا پھل

سوال [۸۲۷۳]: ایک درخت ایک شخص کا ہے، دوسرے نے اس زمین کو اپنی کاشتکاری بنوالیا، وہ درخت بھی گورنمنٹ کے قانون سے کاشتکار کا ہوگیا اور درخت کا لگانے والا بالکل محروم ہوگیا۔ تو کیا کاشتکار غاصب کو درخت یا درخت کا پھل کھانا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین اس کاشتکار کی نہیں ہے تو وہ زمین بھی غصب ہے اور درخت بھی غصب ہے، دونوں سے انتفاع ناجائز ہے (۲)۔ غلط کارروائی سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(۲) "يلزم ردّ المغصوب عيناً، وتسليمه إلى صاحبه في مكان الغصب إن كان موجوداً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۸۸، (رقم المادة: ۸۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: ما دام قائماً، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". و قال عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليردّه عليه". (الهداية: ۳/۳۷۱، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويجب ردّ عينه في مكان غصبه، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". ولقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه فليردّه عليه" =

کیا بارش کے پانی کو دوسرے کے مکان کے صحن سے روکنا درست ہے؟

سوال[۸۲۷۴]: زید وعمر دونوں حقیقی بھائیوں کے مکان قریب ہیں، اور درمیان دونوں مکانوں کے ایک دیوار ہے اور دیوار کے نیچے سے ایک سوراخ ہے جس سے زید کے گھر کا پانی۔ جو بارش وغیرہ کا ہوتا ہے۔ عمر کے صحن میں سے ہوکر شارعِ عام میں چلا جاتا ہے اور یہ صورت کافی عرصہ سے واقع ہے۔ اب تنازع ہوگیا، عمر کہتا ہے کہ اپنے گھر کے پانی کا اور بندوبست کرو، میں اپنے صحن سے نہیں نکلنے دوں گا، حتی کہ جس جگہ پانی نکلتا تھا، اس نے مکان بنالیا۔ اگر زید کوشش کرے تو دوسری جانب سے نکل سکتا ہے، مگر تکلیف سے۔

زید کہتا ہے: چونکہ کافی عرصہ سے یہ صورت چلی آرہی ہے، لہٰذا اس میں سے پانی نکالا جائے گا۔ اور دونوں میں مقدمہ بازی شروع ہوچکی ہے۔ بحوالہ تحریر فرمادیں کہ شرع کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل، وله فيها ميزاب قديمٌ، فليس لصاحب الدار منعُه عن مسيل الماء، اه". فتاوى عالمگيری: ۳۹٤/۵ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر پانی کا راستہ قدیم سے ہے تو عمر کو اس کے روکنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الثانی/ ٦٤ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (تبيين الحقائق: ۳۱۵/٦، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۷۸/٤، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۸۲/٦، كتاب الغصب، سعيد)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب وما يتصل بذلك: ۳۹٤/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ٤/ ۲٤۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ٦/ ٤٤۳، سعيد)

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

حقِ شفعہ کی تفصیل

سوال[۸۲۷۵]: حقِ شفعہ شرعی کے طلب کرنے اور اس کے ثبوت کے لئے کیا شرائط ہیں، نیز وہ چیزیں کیا ہیں جن کی بناء پر یہ حق زائل ہوجاتا ہے؟ اس کی طلب کی مدت کیا ہے اور کن لوگوں کو اس کا حق پہونچتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص کسی مملوک غیر منقول شی مکان وغیرہ فروخت کرے تو ان پر تین قسم کے آدمیوں کو ترتیب وار شفعہ حاصل ہوتا ہے: اول اس کو جو کہ نفسِ مبیع میں شریک ہو، پھر اس کو جو کہ حقِ مبیع راستہ میں شریک ہو، پھر اس کو جو کہ پڑوسی ہو۔ اول کی موجودگی اور طلب پر ثانی وثالث کو حق نہیں، اسی طرح ثانی کی موجودگی میں ثالث کو حق نہیں۔

شفعہ طلب کرنے کے لئے تین مرتبہ طلب ضروری ہے: اول: جس مجلس میں بیع کو سنا ہے فوراً کہے کہ میں اس کا شفیع ہوں، میں طلب کروں گا۔ اگر خاموش رہا، یا یہ کہا کہ فلاں مکان کی بیع ہوئی ہے کچھ مضائقہ نہیں تو حقِ شفعہ بیع کے ساتھ ساقط ہوگیا۔

دوسری مرتبہ طلب یہ ہے کہ مشتری کے پاس جاکر، یا بائع کے پاس جاکر، یا مبیع پر یہ کہے کہ اس مکان کی بیع ہوئی ہے میں اس کا شفیع ہوں، میں اس کو خریدوں گا۔ اور اس طلب پر گواہ بھی بناوے، کم از کم دو گواہوں کے سامنے اس کو کہہ دے تاکہ وہ وقت پر گواہی دے سکیں۔

تیسری مرتبہ طلب یہ ہے کہ حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرے نفسِ مبیع اور اپنے استحقاقِ شفعہ اور طلبِ

شفعہ کا ثبوت پیش کرے، حاکم واقعہ کی با قاعدہ تحقیق وتفتیش کر کے فیصلہ کردے۔

طلبِ اول کے بعد اگر طلبِ ثانی میں بلاعذر تاخیر کی تو حقِ شفعہ ساقط ہو جائے گا، البتہ طلبِ ثالث حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرنے میں اگر تاخیر کی تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مدت ایک ماہ ہے، اگر ایک ماہ تک بلا کسی عذر مرض وسفر وغیرہ کے حاکم کے یہاں دعویٰ نہ کیا تو حق ساقط ہو جائے گا (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

---

(۱) "الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع، ثم للخليط في حق المبيع كالشرب والطريق، ثم للجار. أفاد هذا اللفظ ثبوت حق الشفعة كل واحد من هؤلاء وأفاد الترتيب، أما الثبوت فلقوله عليه السلام: "الشفعة لشريک لم يقاسم". ولقوله عليه السلام: "جار الدار أحق بالدار والأرض، ينتظر له وإن كان غائباً إذا كان طريقها واحد". أو لقوله عليه السلام: "الجار أحق سقبه" قيل: يارسول الله! ماسقبه؟ قال: "شفعته" ويروى: "الجار أحق بشفعته" .... وأما الترتيب فلقوله عليه السلام: "الشريک أحق من الخليط، والخليط أحق من الشفيع". فالشريک في نفس المبيع، والخليط في حقوق المبيع، والشفيع هو الجار .... وليس للشريک في الطريق والشرب والجار شفعة مع الخليط في الرقبة لما ذكرنا أنه مقدم. قال: فإن سلم فالشفعة للشريک في الطريق، فإن سلم، أخذها الجار لما بينا من الترتيب .... إعلم أن الطلب على ثلثة أوجه: طلب المواثبة وهو أن يطلبها كما علم، حتى لو بلغ الشفيع البيع ولم يطلب شفعته، بطلت الشفعة لما ذكرنا، ولقوله عليه السلام: "الشفعه لمن واثبها" .... والثاني: طلب التقرير والإشهاد" لأنه محتاج إليه لإثباته عند القاضي على، ذكرنا .... وبيانه ماقال في الكتاب: ثم ينهض منه يعني من المجلس ويُشهد على البائع إن كان المبيع في يده، معناه: لم يسلم إلى المشتري، أو على المبتاع أو عند العقار، فإذا فعل ذلک استقرت شفعته، وهذا لأن كل واحد منهما خصم فيه؛ لأن للأول اليد والثاني الملک، وكذا يصح الإشهاد عند المبيع؛ لأن الحق متعلق به .... والثالث: طلب الخصومة والتملک .... ولا تسقط الشفعة بتأخير هذا الطلب عند أبي حنيفه، وهو رواية عن أبي يوسف، وقال محمد: إن تركها شهراً بعد الإشهاد، بطلت، وهو قول زفرؒ، معناه: إذا تركها من غير عذر". (الهداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها: ۴/۳۸۹، ۳۹۲، شركت علميه ملتان)

ابطالِ شفعہ کے حیلہ پر بخاریؒ کا اعتراض

سوال[۸۲۷۶]: عرض یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے بخاری شریف، جلد ثانی، ص:۱۰۳۲، کتاب الحیل میں امام اعظمؒ پر اعتراض کرتے ہوئے حسبِ عادت "قال بعض الناس" کہنے کے بعد یہ لکھا ہے:

"إن اشترى نصيب دار فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولا يكون عليه يمين". بخاری شریف: ۱۰۳۲/۲(۱)۔

لیکن صورتِ مسئولہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے، کیونکہ اعتراض حق بجانب ہوسکتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان بالخصوص نقلِ روایت کے باب کو دیکھتے ہوئے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یونہی بلاوجہ یہ حیلہ منسوب کردیا ہوگا، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے(۲)۔ علاوہ ازیں علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تشریح فیض الباری میں کی ہے اس سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت غلط نہیں معلوم ہوتی(۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۱۰۳۲/۲، قديمي)

(۲) "هذا أيضاً تشنيع على الحنيفة. قوله: "وهب" أي: ما اشتراه "لابنه الصغير ولا يكون عليه يمين" في تحقق الهبة، ولا في جريان شروطها وقيد بالصغير؛ لأن الهبة لو كانت للكبير، وجب عليه اليمين فتحيل إلى إسقاطها بجعلها للصغير. وأشار باليمين أيضاً إلى أنه لو وهب لأجنبي، فإن للشفيع أن يحلف الأجنبي أن الهبة حقيقية، وأنها جرت بشروطها، والصغير لايحلف. لكن عند المالكية: أن أباه الذي يقبل له يحلف. وعن مالك: لاتدخل الشفعة في الموهوب مطلقاً، كذا ذكره في المدونة". (عمدة القاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۱۸۲/۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "قوله: "وقال بعض الناس. إن اشترى نصيب دار، فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولايكون عليه يمين": أي إذا وهب لابنه الصغير داراً يكون الصغير شريكاً في نفس المبيع، فلو ادعى عليه الشفيع، لايتوجه إليه اليمين حتى يمنع". (فيض الباري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۴۸۸/۴، خضر راه بك ڈپو الهند)

مگر اس تشریح سے بھی صورت مسئولہ سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ یہ طے ہے کہ مشتری کے کسی بھی تصرفِ مُضر، مثلاً: ہبہ، بیع، بناء، غرس وغیرہ سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا، کما فی مبسوط السرخسی: ۱۴/۱۱۴(۱)۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ارکانِ عقد متحقق ہو جانے کے بعد عقد منعقد ہو جاتا ہے، منعقد ہونے کے باوجود نظرِ شرع میں اس کا مستحسن ہونا ضروری ہے۔ لفظ ''حیلہ'' اردو میں بہت بدنام ہے، اس کی جگہ ''تدبیر'' کا لفظ انسب ہے۔ اضرارِ غیر کے لئے تدبیر کی اجازت نہیں، دفعِ ضرر کے لئے تدبیر کی اجازت ہے اگرچہ اس کے ضمن میں دوسرے کا کچھ ضرر بھی ہو جائے:

مبسوط: ۱۴/۱۳۱، میں ہے: "والاشتغال بهذه الحيل لإبطال حق الشفيع لابأس به، أما قبل وجوب الشفعة، فلا إشكال فيه. وكذلك بعد الوجوب إذا لم يكن قصد المشترى الإضرار به، وإنما كان قصده الدفع عن ملك نفسه. وقيل: هذا قول أبي يوسف رحمه الله تعالى، فأما عند محمد رحمه الله تعالى: يكره ذلك، اه"(۲)۔

(۱) "وحجتنا في ذلك أنه بنى في غيره أحق بها منه من غير تسليط من له الحق، فينتقض عليه بناء ه، كالراهن إذا بنى في المرهون، وبيان الوصف أن حق الشفيع في هذه البقعة حق قوى متأكد وهو متقدم على حق المشترى، وتصرف المشترى فيما يرجع إلى الإضرار بالشفيع يكون باطلاً لمراعاة حق الشفيع، ويجعل ذلك متصرفه في غير ملكه. ألا ترى أن تصرفه بالبيع والهبة ينقض هذا المعنى، فكذلك بناء ه، وفي البناء هو مضر بالشفيع من حيث أنه يلزمه زيادة في الثمن لم يرض هو بالتزامها، وهو مبطل للحق الثابت له يعني حق الأخذ بأصل الثمن، فلا ينفذ ذلك منه كما لا ينفذ سائر التصرفات ...... وفي الزرع قياس واستحسان، في القياس يقلع زرعه، وفي الاستحسان لايقلع؛ لأن لإدراكه نهاية معلومة، وليس في الانتظار كثير ضرر على المشترى، بخلاف الغرس والبنا، وأصله في المستعير يقلع بناء ه وغرسه لحق المعير، ولا يقلع زرعه استحساناً". (المبسوط للسرخسي، كتاب الشفعة: ۱۴/۹۷، ۹۸، حبيبه كوئته)

(۲) (المبسوط للسرخسي، كتاب الشفعة، باب الشفعة بالعروض: ۱۴/۱۱۲، حبيبه كوئته)

تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعي: ۲٦۱/٥، میں بھی یہ موجود ہے(۱)۔علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی تغلیط نہیں کی ہے۔محشی بخاری نے بھی بحوالہ کفایہ مبسوط کا مذکورہ بالا مقولہ نقل کیا ہے(۲)۔

شفیع کا دعویٰ مشتری پر ہوتا ہے،اگر مشتری اس مبیع کو ہبہ کردے اور یہ چاہیے کہ موہوب لہ پر دعویٰ کیا جائے تو موہوب لہ قسم کھا کر بے تعلق ہو جائے گا،لیکن اگر موہوب لہ صغیر ہو تو اس پر قسم نہیں آتی (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱٦/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "وقال شمس الأئمة: الاشتغال بالحيل بإبطال حق الشفعة لابأس به، أما قبل وجوب الشفعة فلا إشكال فيه، وكذلك بعد الوجوب إذا لم يقصد المشترى الإضرار به، وإنما قصد به الدفع عن ملك نفسه، ثم قال: وقيل هذا قول أبي يوسف رحمه الله، وأما عند محمد رحمه الله فتكره على قياس اختلافهم في الزكوة". (تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة: ۳۹٤/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وذكر الإمام شمس الأئمة السرخسي في باب الشفعة بالعروض من المبسوط بعد ماذكر وجوه الحيل فقال: والاشتغال بهذه الحيل لإبطال حق الشفعة فلا بأس به، أما قبل وجوب الشفعة فلا إشكال فيه. وكذلك بعد الوجوب إذا لم يكن قصد المشترى الإضرار به، وإنما قصد به الدفع عن ملك نفسه. ثم قال: وقيل: هذا قول أبي يوسف، فأما عند محمد فيكره، كذا في الكفاية". (صحيح البخاري، كتاب الحيل، باب احتيال العامل ليهدى له: ۱۰۳۳/۲، (رقم الحاشية: ۸)، قديمي)

(۳) "هذا أيضا تشنيع على الحنيفة. قوله: "وهب" أي: ماشتراه "لابنه الصغير ولايكون عليه يمين" في تحقق الهبة، ولا في جريان شروطها، وقيد بالصغير؛ لأن الهبة لو كانت للكبير، وجب عليه اليمين، فتحيل إلى إسقاطها بجعلها للصغير، وأشار باليمين أيضاً إلى أنه لو وهب لأجنبي، فإن للشفيع أن يحلف الأجنبي أن الهبة حقيقية، وأنها جرت بشروطها، والصغير لايحلف، لكن عند المالكية: أن أباه الذي يقبل له يحلف، وعن مالك لاتدخل الشفعة في الموهوب مطلقاً، كذا ذكره في المدونة". (عمدة القاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۱۸٦/۲٤، دارالكتب العلمية بيروت)

" قوله: "وقال بعض الناس: إن اشترى نصيب دار، فأراد أن يبطل الشفعة، وهب لابنه الصغير، ولايكون عليه يمين": أي إذا وهب لابنه الصغير داراً يكون الصغير شريكاً في نفس المبيع، فلو أدى عليه الشفيع لايتوجه إليه اليمين حتى يبلغ". (فيض الباري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة: ۳۸۸/٤، خضر راه بك ڈپو الهند)

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مزارعت کی مختلف صورتیں

سوال[۸۲۷۷]: **استفتاء**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومنا المکرم ذوالمجد والکرم مد ظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مذکورہ میں کہ:

ایک شخص کھیتی کا کاروبار کرتا ہے اور اپنی مصالح کی خاطر خاص کر اس وجہ سے کہ خود تنہا کھیتی کا کاروبار کر ہی نہیں سکتا، کسی مددگار ساتھی کی تلاش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو بارہ ماہ تک کے لئے مقرر کرلے تاکہ کام میں تشتت اور وقت پر پریشانی نہ ہو۔ اس کی کئی **صورتیں** مروج ہیں:

ایک یہ کہ کسی شخص کو اپنی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ کسی کھیتی کرنے والے سے دوسو چار سو روپے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے اور وہ شخص مقروض اس کھیتی والے قرض خواہ کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ جس روز تم مجھ کو کام پہ بلاؤ گے، میں ضرور آؤں گا اور مروج مزدوری سے کم پر مثلاً مروج فی یوم آٹھ آنہ ہے اور وہ چھ آنہ پر معاہدہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو دو باتوں کا پابند کردیتا ہے: ایک ضرورت کے وقت آنے پر اور ایک کم اجرت پر۔ اور یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنے روپے جو قرض لئے ہیں نہ دے، تب تک پابند رہتا ہے، جب دیدے تو چھوٹ جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو اپنی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ کسی کھیتی والے سے چار سو پانچ

سو روپے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، اور کھیتی والے کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے کہ میں بارہ ماہ تک تمہارے یہاں نوکری کروں گا اور کھانا تمہارے یہاں کھاؤں گا اور کچھ کپڑے مقرر کئے جاتے ہیں، اتنے کپڑے دینے ہوں گے اور اجرت میں بارہ ماہ کے پچاس روپے مثلاً دینے ہوں گے۔ اب اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر وہ چار سو پانچ سو روپے قرض جو اس نے لئے تھے وہ نہ لیتا تو ہرگز بارہ ماہ کی اجرت میں کھانے اور اتنے مقررہ کپڑوں اور پچاس روپیوں پر راضی نہ ہوتا، بلکہ ایسی صورت میں سو روپے پر بمشکل راضی ہوتا۔

پھر ان مذکورہ دونوں صورتوں میں دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ خود اتنی کم اجرت پر راضی ہونا ظاہر کردے، اور یہ کہ ہم خود اس کو قرض دیتے ہوئے روپیوں کے دباؤ سے اجرت کم کراتے ہیں۔ دونوں کا حکم ایک ہے یا الگ الگ ہے؟

اور ایک **تیسری صورت** یہ ہوتی ہے کہ بجائے اجرت پر مقرر کرنے کے کسی کو شریک کار و پیداوار کرلیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً: زمین زید، بیل بھی، زید کے، بیج بھی زید کا۔ اب زید چونکہ تنہا کام نہیں کرسکتا اور نہ دوسرے کو مزارعت پر دے کر بالکل فارغ ہو کر بیٹھ سکتا ہے، بلکہ خود بھی کام کرنا چاہتا ہے تو بکر سے ایسا معاہدہ کرتا ہے کہ تم آؤ اور محنت کرو اور میں بھی محنت کروں گا، جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے مثلاً آٹھواں حصہ تمہارا اور میری محنت اور زمین اور بیل اور بیج میرے ہونے کی وجہ سے سات حصے میرے۔ تو اب اس صورت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد ہے تو مزارعت اور پھر اس مزارعت میں شرکت ہے، پھر کام میں بھی آدھے آدھ مقرر ہوتا ہے اور کبھی کم زیادہ اور کبھی کچھ مقرر ہی نہیں ہوتی، ہر ایک شریک حسبِ استطاعت کام کرتا ہے۔

اور اس تیسری صورت میں یہاں کے اعتبار سے دونوں کا فائدہ ہے، زمین والے کا اس لئے کہ وہ دوسرا شریک اپنے آپ کو پیداوار میں شریک سمجھ کر محنت اچھی کرتا ہے، اور شریک کو اس لئے کہ اکثر اس کو اجرتِ مقررہ سے کچھ زیادہ ہی حصہ ملتا ہے۔ اور اس کو یہاں کے عرف میں شریکِ معاملہ کہتے ہیں۔

اور یہ مذکورہ کل صورتیں یہاں پر بہت ہی کثرت سے واقع ہوتی ہیں اور غیر مسلمین کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور یہاں کچھ طبقہ دیندار ہے اور میں پڑھا لکھا ہوں اس لئے وہ بار بار مجھ سے حکم دریافت کرتے ہیں اور چونکہ مجھ کو اس معاملہ میں شرحِ صدر نہیں ہوتا، خاص کر اس تیسری صورت میں اس لئے کوئی صاف جواب دینے سے رکتا

ہوں۔امید ہے کہ حضرت والا تکلیف گوارہ فرما کر اگر بارِ خاطر نہ ہو تو ہر شق کا الگ الگ حکم اور ہو سکے تو کسی کتاب کے حوالہ سے تحریر فرما کر میری گنجلک کو دور فرمائیں گے۔اور عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔اور اگر صورتہائے مذکورہ میں کوئی صورت صحیح نہ ہوتی ہو اور اس کے قریب قریب کوئی صورت صحیح ہو سکتی ہو، امید کہ اسے بھی تحریر فرمائیں گے۔

اور اس تیسری صورت شریک والی میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس شریک سے یہ شرط کرتے ہیں کہ تجھ کو کھیتی کے علاوہ اور کچھ کام بھی مثلاً کھیت سے گھاس اٹھالانا تجھ کو یا تیری عورت کو، یا لکڑیاں لانا ہوں گی وغیرہ۔تو اس صورت میں یہ شرطِ فاسد ہو جائے گی، یا اس کی وجہ سے عقد پر اثر پڑے گا؟ اور مذکورہ صورتوں میں جو معاملات غلط ہیں تو باطل ہیں، یا فاسد؟ امید کہ اس کی بھی تشریح فرمائیں گے۔فقط والسلام۔

احقر ابراہیم بن نور محمد گجراتی، ۲۵/ رمضان المبارک/ ۰۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلی دونوں صورتیں چونکہ قرض کے دباؤ میں کی جاتی ہیں اور مقروض کو اپنے قرض سے نفع ہوتا ہے کہ مزدور کم اجرت پر پابندی کے ساتھ مل جاتا ہے، خواہ مزدور از خود راضی ہو جائے خواہ مُقرض دباؤ سے اسے راضی کرے، اس لئے ممنوع ہیں:"كل قرض جرّ نفعاً، فهو حرام، الخ" شامی : ۱۷٤/٤(۱)۔

تیسری صورت تقریباً جائز ہے اور یوں کہا جائے گا کہ زید نے خود کاشت کی اور دوسرے کو اس نے اجارہ پر لیا کہ میرے ساتھ کھیتی میں کام کرنا اور اجرت قرار دیا پیداوار کا آٹھواں حصہ تو یہ آٹھواں حصہ اجرتِ عمل ہے۔بظاہر یہ صورت بھی ناجائز ہونی چاہئے تھی دو وجہ سے: ایک یہ کہ اجرت فی الحال مجہول ہے، دوسرے یہ کہ ایسی چیز کو اجرت قرار دیا گیا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔پس یہ قفیز طحان کے تحت میں داخل ہے، چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلقاً مزارعت ناجائز ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور انہیں کے

---

(۱) (ردالمحتار: ۱٦٦/۵، کتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جرّ نفعاً فهو حرام، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۳۱/۳، كتاب الحوالة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني القرض: ۳۷۹۳/۵، رشيديه)

قول پرفتویٰ ہے "للحاجة، وقياساً على المضاربة". شامی(۱)۔اورمزارعت میں اس قدرجہالت قابلِ تحمل ہے۔

اس میں صرف اتنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ زید- جوزمین،بیل، بیج،کامالک ہے-اپنی محنت اورکام کوشرط کے درجہ میں قرار نہ دے، بلکہ یا توکل کام اجیر کے ذمہ کردے، پھر چاہے اس کی اعانت کرکے خودہی کام کردیا کرے اورنگرانی وغیرہ کرتارہے مگراپنے ذمہ کام نہ لے، یااپنے کام سے سکوت اختیارکرے۔اگراپنے ذمہ بھی کام کوشرط کرلےگا-جیساکہ سوال میں تصریح ہے-توعقدفاسدہوجائےگا:

"وإن شرطا شيئاً من ذلك (أي العمل) على رب الأرض، فسد العقد عند الكل، اهـ". شامی(۲)۔

کھیتی کےعلاوہ کوئی اَورکام اس اجیرکے ذمہ یااس کی عورت وغیرہ کے ذمہ شرط کرناجائزنہیں، یہ مفسدِ عقدہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۹/رمضان/۷۰ھ۔

---

(۱) "و لاتصح عند الإمام؛ لأنها كقفيز الطحّان، و عندهما تصحّ، و به يفتى للحاجة، و قياساً على المضاربة". (الدرالمختار: ٦/٢٧٥، كتاب المزارعة، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ٤/٤٢٤، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ١٢/١٥، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحتها وشرائطها: ٦/٨٨، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة: ٨/٢٦٣، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ٨/٢٨٩، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار، كتاب المزارعة: ٦/٢٨٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها: ٥/٢٣٦، رشيديه)

(٣) "(تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع ممامر (يفسدها)". =

زمین مزارعت کے لئے ادھیا پر دینا

سوال[۸۲۷۸]: کاشتکار اپنا کھیت ادھیا پر اس طرح اٹھاتا ہے کہ جوتنے بونے والا محنت کرتا ہے اور کاشتکار صرف سرکاری لگان ادا کر دیتا ہے اور فصل پر آدھا آدھا غلہ محنت کرنے والے اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

صوفی صاحب، نصیرآباد، ضلع رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ۔

= (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۶/۲، سعيد)

"وأجر الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص، فإن شرط على العامل، فسدت". (ملتقى الأبحر).

"قوله: (فإن شرط) الأجر (على العامل فسدت) المزارعة؛ لأنه شرطٌ لايقتضه العقد، وفيه منفعة لأحدهما، فتفسد". (مجمع الأنهر، كتاب المزارعة: ۱۴۲/۴، ۱۴۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(وكذا) صحت(لو كان الأرض والبذر لزيد، والبقر والعمل لآخر) أو الأرض له والباقي للآخر(أو العمل له والباقي لآخر)، فهذه الثلاثة جائزة". (الدرالمختار، كتاب المزارعة: ۲۷۸/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان أنواع المزارعة: ۲۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في أنواع المزارعة: ۲۷۱/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للإمام السرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ۱۸/۱۲، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ۲۹۱/۸، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ۴۲۴/۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحتها وشرائطها: ۹۰/۶، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الثامن في المزارعة (رقم المادة: ۱۴۳۱) : ۷۵۹/۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

بیج دے کر نصف پیداوار پر کھیت دینا

سوال[۸۲۷۹]: زید نے اپنا کھیت عمر کو بٹائی پر دیا اور بیج بھی دیا اور اب کل پیداوار کا نصف غلہ مقرر کیا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اگر بیج خود نہ دے تو کیا حکم ہے؟

فدوی: سعید احمد، کھیڑہ افغان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں شرطیں بٹائی کی جائز ہیں:

"الأرض من أحدهما، والبذر والبقر والعمل من الآخر، وشرطا لصاحب الأرض شيئاً معلوماً من الخارج، جاز .... الأرض من أحدهما والعمل والبقر من الآخر، فذلك جائز".

عالمگیری: ٤/٩٦، ٩٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ٦/٧/٥٣ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ١٠/ رجب/٥٣ھ۔

کچھ اراضی نصف پیداوار پر دینے اور کچھ کل پیداوار پر دینے کا حکم

سوال[۸۲۸۰]: ا......اگر عمر نے زید کو کچھ اراضی اس شرط پر دی کہ جو اس کی پیداوار ہوگی، نصف

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان أنواع المزارعة: ٥/٢٣٨، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المزارعة: ٦/٢٧٨، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في أنواع المزارعة: ٨/٢٧١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المبسوط للإمام السرخسي، كتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها في النصف والثلث: ١٢/١٧، ١٨، مكتبه حبيبيه كوئته)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ٨/٢٨٩-٢٩١، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب المزارعة: ٤/٤٢٣، ٤٢٤، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة: ٦/٩٠، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الثامن في المزارعة (رقم المادة: ١٤٣١): ٢/٧٥٩، دارالكتب العلمية بيروت)

میرا ہوگا اور نصف تیرا، اور اس کے علاوہ کچھ اراضی اس شرط پر دی کہ جو اس کی پیداوار ہوگی، وہ تمام میں ہی لوں گا۔کیا یہ ناجائز ہے یا جائز؟

۲..... فصل میں کمی یا ضروریات کی وجہ سے مقررہ روپے ادا نہ کرنے کا حکم عمر نے زید کو اراضی سالانہ روپیہ مقرر کرکے کاشت پر دی، مگر وقتِ مقررہ پر زید نے روپیہ ادا نہیں کیا، یا تو زید نے اپنی ضروریات میں صرف کرلیا، یا فصل کی کمی ہوگئی۔اور موجودہ جو قانون ہیں اس کے ماتحت عمر روپیہ وصول نہیں کرسکتا۔فرمایئے شریعت کا کیا حکم کہ زید روپیہ ادا کرے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....نصف نصف کی شرط جائز ہے(۱)۔اور اس شرط پر کہ ’’جو اس کی پیداوار ہوگی وہ تمام میں ہی لوں گا‘‘ معاملہ صحیح نہیں، آخر جو زید کاشت کرے گا وہ کس لئے، یا اس کی پیداوار میں سے کچھ ملنا چاہئے یا اس کو عمل کاشت کی اجرت دیجائے(۲)۔البتہ اگر زید اپنی زمین کے ساتھ اس کی زمین بھی کاشت کردے اور اس پر احسان کردے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن اس پر کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) "ومنها أن يكون ذلك البعض من الخارج معلوم القدر من النصف أو الثلث أو الربع أو نحوه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول: في شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها: ۵/۲۳۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل فيما يرجع إلى الخارج من الزرع: ۸/۲۶۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "منها: شرط كون الخارج لأحدهما؛ لأنه شرطٌ يقطع الشركة التي من خصائص العقد". (بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في الشروط المفسدة للمزارعة: ۸/۲۷۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول: في شرعيتها وتفسيرها وركنها وشرائط جوازها وحكمها وصفتها وأما الشروط المفسدة للمزارعة فأنواع: ۵/۲۳۶، رشيديه)

"(ومتى فسدت فالخارج لرب البذر)؛ لأنه نما ملكه (و) يكون (للآخر) أجر (مثل عمله أو أرضه، ولايزاد على الشرط)". (الدرالمختار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۹، سعيد)

۲......زید کے ذمہ شرعاً روپیہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن جس صورت میں کہ فصل کم ہوئی ہے(۱) اگر اصل روپیہ کا مستحق کچھ روپیہ میں تخفیف کردے تو یہ مروّت کی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

پیداوار میں سے مخصوص حصہ متعین کرنا

سوال[۸۲۸۱]: زید کی ایک زمین ہے جس میں اندازہ لگایا گیا کہ اس سے ہر سال بیس من دھان پیدا ہوتا ہے(۲) اور گھاس سو بیڑا۔ اب زید اس زمین کے اندر خود کھیتی نہ کرسکا، بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس نے عمر کو کہا کہ تُو اس زمین میں کھیتی کر، مجھ کو صرف اس کی پیداوار میں سے ہر سال آٹھ من دھان اور چالیس بیڑا گھاس دیدینا اور باقی جو پیداوار ہو وہ تمام تیرا ہوگا۔ اب آپ فرمائیں کہ اس شرط پر زمین دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر یہ قید نہ لگائے کہ اس کی پیداوار میں سے دے دینا، بلکہ

---

(۱) "ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها، كذا في شرح الطحاوي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۷، رشيديه)

(۲) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز لاهور)

(۳) "فإن شرطا لأحدهما قفزاناً مسماةً، فهي باطلة؛ لأن به تنقطع الشركة؛ لأن الأرض عساها لا تخرج إلا هذا القدر، و صار كاشتراط دراهم معدودة لأحدهما في المضاربة". (الهداية، كتاب المزارعة: ۴/۴۲۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فتبطل إن شرط لأحدهما قفزان مسماةً، أو ما يخرج من موضع معين". (الدرالمختار: ۶/۲۷۶، كتاب المزارعة، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق شرح كنز الدقائق، كتاب المزارعة: ۸/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، المبحث الثاني في شروط المزارعة، (رقم المادة: ۱۴۳۵): ۲/۴۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

مطلقاً آٹھ من دھان اور چالیس بیڑا گھاس پر معاملہ کیا گیا، چاہے وہ بازار سے خرید کر ہو، یا کسی اَور طرح تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

زمین کا کرایہ نقد، غلہ کی صورت میں، یا پیداوار کا حصہ متعین کرنا

سوال [۸۲۸۲]: دوسرے شخص کی زمین میں شرکت کی کیا کیا صورتیں جائز ہیں کہ جس سے اس زمین میں کچھ کیا جا سکے اور کون کون سی صورتیں ناجائز ہیں یا مکروہ؟ چونکہ آج کل عام طور پر اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کا نقدی کرایہ مقرر کرلیا جائے (۲)۔ زمین کا کرایہ غلہ کی صورت میں متعین کرلیا جائے کہ فلاں غلہ سالانہ اتنی مقدار میں لیں گے، خواہ آپ کوئی غلہ بوئیں یا کچھ نہ بوئیں (۳)۔ زمین کی پیداوار کا حصہ معین کرلیا

(۱) "والحيلة أن يفرز الأجر أولاً، أو يسمي قفيزاً بلا تعين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان وماهو في معناه: ۴/۴۴۴، رشيديه)

(۲) "يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواء كانت من المثليات أو من القيميات، أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، (رقم المادة: ۴۵۰): ۱/۲۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الإجارات: ۳/۲۹۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة، الخ: ۴/۴۱۱، رشيديه)

(۳) "وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء كما لاتقع المنازعة، وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها، ويجب المسمى، وللمستأجر الشرب =

جائے، مثلاً: کل پیداوار کا نصف حصہ، یا ایک تہائی وغیرہ نہیں گے(۱)۔ ان سب صورتوں میں معاملہ درست ہے۔ ان کے علاوہ جو صورت آپ چاہتے ہیں اس کو لکھ کر دریافت کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

= والطريق، ويزرع زرعين ربيعاً وخريفاً ولو لم يمكنه الزراعة للحال لاحتياجها لسقي، أو كرى إن أمكنه الزراعة في مدة العقد، جاز، وإلا لا، وتمامه في القنية". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/ ۲۹، سعيد)

"عن طاؤس أن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه لما قدم اليمن كان يكري الأرض، أو المزارع على الثلث أو الربع، أو قال: قدم اليمن وهم يفعلونه، فأمضى لهم ذلك. ..... وهي المال يدفعه الرجل إلى الرجل على أن يعمل به على النصف أو الثلث أو الربع، فكل قد أجمع على جواز ذلك، وقام ذلك مقام الاستيجار بالمال المعلوم". (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب المزارعة والمساقاة: ۲/ ۲۸۹، سعيد)

(۱) "عن موسىٰ بن طلحة قال: أقطع عثمان نفراً من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عبدالله بن مسعود والزبير بن العوام وسعد بن مالك وأسامه رضي الله تعالىٰ عنهم، فكان جاري منهم سعد بن مالك وابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنهما ويدفعان أرضهما بالثلث والربع ...... قال: سألت موسىٰ بن طلحة عن المزارعة، فقال: أقطع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه عبدالله أرضاً، وأقطع خباباً أرضاً، وأقطع صهيباً رضي الله تعالىٰ عنهم أرضاً، فكلا جاري يزارعان بالثلث والربع". (شرح معاني الآثار للطحاوي. كتاب المزارعة والمساقاة: ۲/ ۲۸۸، ۲۸۹، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "إذا كان البذر والآلات لصاحب الأرض والعامل، فيكون الصاحب مستأجراً للعامل، والعامل للأرض بأجرة ومدة معلومتين. ويكون له بعض الخارج بالتراضي". (ردالمحتار، كتاب المزارعة. ۶/ ۲۷۵، سعيد)

"ومنها أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوما علما يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالة مفضية إلى المنازعة، يمنع صحة العقد، وإلالا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة الخ: ۴/ ۴۱۱، رشيديه)

زمیندار کا حصہ متعین کرکے مزدور، ہل اور بیج کا خرچہ کاشتکار پر رکھنا

سوال[۸۲۸۳]: اگر کوئی زمین دار اپنی زمین کو کسی کاشتکار کو ایک سال، یا زیادہ کھیتی باڑی کے لئے دیدے اور اس پر معاملہ مقرر کرلے کہ کھیت میں جتنا دھان ہوگا اس میں سے تہائی حصہ یا نصف حصہ زمیندار کو اور باقی کاشتکار کو ملے گا، مگر نوکر اور ہل خرچ، بیج وغیرہ کا خرچہ کاشتکار کے ذمہ ہو، زمیندار اس خرچ کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

ان سب صورتوں میں زمین لگان اور کاشتکار کو ان صورتوں پر کھیتی باڑی کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس صورت پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں یہ معاملہ شرعاً درست ہے:

"وكذا صحت لو كان الأرض والبذر لزيد والبقر والعمل للآخر، أو الأرض له والباقي للآخر". درمختار: ۱۹۵/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

مزارعت میں اگر تاوان ہو تو کس پر ہوگا؟

سوال[۸۲۸۴]: زید نے اپنی زمین مزروعہ کی مزارعت کا معاملہ اس صورت میں کیا کہ دو شخصوں کو زمین دی اس صورت میں کہ تمہارا صرف عمل، اور زمین اور بیل اور بیج میرے اور حصہ دونوں کا، صرف غلہ میں ربع ہوگا، بھوسہ میں نہیں۔ ان دو شخصوں میں سے ایک آدمی زمین کو سرکاری نالہ سے سیراب کررہا تھا۔ سیراب کنندہ

---

(۱) (الدر المختار: ۲۷۸/۶، کتاب المزارعة، سعید)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۹۱/۴، كتاب المزارعة، الفصل الأول في صحة المزارعة وشرائطها، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۳۸/۵، الباب الثاني من كتاب المزارعة، رشيديه)

(وكذا في الجوهرة النيرة، كتاب المزارعة: ۶۱/۲، قديمي)

کے گیارہ سالہ لڑکے نے نالہ کی دوسری شاخ میں جو دوسری قریہ کی طرف جاتی تھی کوئی ثقیل چیز ڈال کر پانی میں رکاوٹ ڈال دی تاکہ ان کی شاخ میں زیادہ پانی آوے اور جلدی زمین سیراب ہوجائے۔ اسی اثناء میں ہندی محکمہ کے افسر نے موقع پر پکڑ لیا اور پولیس میں رپورٹ دیدی، پولیس نے مالک اور اس کے مزارعین سے مقدمہ نہ چلانے کے عوض دوصد روپیہ رشوت لے کر چھوڑ دیا اور ہندی افسروں نے زمین کے اصلی خراج کے علاوہ چھ گنا تاوان ڈال دیا۔

اب دریافت طلب امر ہے کہ رشوت وتاوان بقدرِ حصص ہے یا شخصِ واحد پر، یا دونوں میں فرق ہے؟ لہذا اگر سیراب کنندہ لڑکے کو کہہ کر بند کرایا ہو، یا لڑکے نے از خود کیا، دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ باقی مالکِ زمین اور سیراب کنندہ کے ساتھی کو اس کا کچھ علم نہیں، وہ موجود نہ تھے۔ غرضیکہ جو صورت ہو باحوالہ تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کے فعل سے یہ تاوان پڑا ہے، اسی پر تاوان پڑے گا، اس کا ذمہ دار کوئی اور شخص نہیں ہوگا (۱)۔ جو شخص نفسِ مزارعت میں شریک ہے، وہ اس تاوان میں شریک نہیں، بلکہ لڑکے کے مال سے یہ تاوان ادا کیا جاوے گا۔ اور اگر لڑکے کو اس کے والد نے حکم کیا اور اس کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی تو لڑکے کے والد پر تاوان ہوگا، هكذا يفهم مما في الأشباه والنظائر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۶۴ھ۔

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضيف الحكم إلى المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۴۰۴، الفن الأول، القاعدة التاسعة عشر، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "الرابعة: إذا كان المأمور صبياً، كما إذا أمر صبياً باتلاف مال الغير، فأتلفه، ضمن، ويرجع به على الآمر". (شرح الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۴، الفن الثاني، الفوائد، إدارة القرآن كراچی)

"يضاف الفعل إلى الفاعل لا الآمر مالم يكن مجبراً ...... ويخرج من هذه القاعدة مسائل ...... ومنها: إذا كان الآمر أباً، وصورته: أمر الأب ابنه البالغ ليوقد ناراً في أرضه، ففعل و تعدت النار إلى أرض جاره، فأتلفت شيئاً، يضمن الأب؛ لأن أمره صح، فانتقل إليه كما باشره بنفسه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۵۸، (رقم المادة: ۸۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

سوال وجواب مذکورہ سے متعلق سوال

سوال[۸۲۸۵]: مسئولہ صورت میں لڑکے کے پاس مال نہیں، نیز لڑکا فوت ہو چکا ہے، اب کیا صورت ہوگی، آیا باپ سے وہ تاوان وصول کیا جاوے، یا مالک ومزارعین بقدرِ حصص ادا کریں، یا مالک نے رشوت دی ہے، اسی کے ذمہ پڑے گا؟ جو حکم ہو باحوالہ جلد تحریر فرمادیں۔

استفتاء ہمراہ ارسال ہے، دوبارہ سوال غور سے پڑھ لیں۔ لڑکے کے والد یا دیگر شخص نے نہیں کہا تھا، بلکہ ازخود کیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس نے یہ تاوان دیا اس نے ناحق دیا اور اس پر ظلم ہے، اب وہ یہ رقم لڑکے کے والد یا کسی اور شریک وغیرہ سے وصول نہیں کرسکتا۔ حکومت کے ملازمین یعنی پولیس کا رشوت وصول کرنا تو ظلم ہے(۱) اور دوسروں کو مقدمہ سے بچانے کے لئے دیا ہے تو ان کے حق میں یہ تبرع اور احسان ہے، جیسے کہ اگر کوئی شخص کسی مدیون کا دین بغیر اس کے امر کے ادا کردے تو وہ تبرع ہوتا ہے، اس کو وصول کرنے کا حق نہیں ہوتا، حالانکہ وہ مطالبہ حق ہے، اسی طرح ناحق مطالبہ کسی کی طرف سے ادا کرنے کی صورت میں بطریقِ اَولیٰ وصول کرنے کا حق نہیں:

"طالب المحتال عليه المحيل بما: أ . بمثل ما أحال به مدعياً قضاء دينه بأمره، فقال المحيل: إنما أحلت بدين ثابت لي عليك، لم يُقبل قوله، بل ضمن المحيل مثل الدين للمحتال عليه، اهـ". درمختار. "(قوله: بأمره) قيد به؛ لأنه لو و ناه بغير أمره، يكون متبرعاً و لو لم يدع

= "واعلم أن الآمر لا ضمان عليه إلا في ستة: إذا كان ا. مر سلطاناً أو أباً". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أو أبا) صورته: أمر الأب ابنه البالغ ليوقد ناراً في أرضه، ففعل و تعدت النار إلى أرض جاره، فأتلفت شيئاً، يضمن الأب؛ لأن ا مر صح، فانتقل الفعل إليه كما لو باشره الأب". (ردالمحتار: ۲۱۴/۶، كتاب الغصب، مطلب: الآمر لا نمان عليه إلا في سته، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى لحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة ۱۸۸)

المحیل ما ذکر، اھـ". شامی: ٤/٤٥٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

مسجد کی زمین کو زراعت کے لئے دینا

سوال [۸۲۸۶]: مسجد کی کچھ زمین ہے اور اس کی نیلامی لگادی جاتی ہے کہ: جو غلہ زیادہ دے اس کو وہ زمین دے دی جاتی ہے، اس زمین میں ایک تالاب بھی ہے جس میں برسات کا پانی جمع ہوجاتا ہے اس سے اس زمین کی آب پاشی ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل شرائط بھی ہوتی ہیں:

۱- تالاب پورا بھرنے اور پڑوس کا کھیت بوجانے پر کاشتکار کو پورا غلہ دینا ہوگا۔

۲- اگر قحط سالی ہوجائے تو اس کی بولی معاف کردی جاتی ہے۔

۳- لگان مسجد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے، باقی خرچ کاشتکار کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ لہذا نیلامی کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زیادہ غلہ کا مطلب مثلاً ۲/۳، یا ۲/۵ وغیرہ تشریح کے ساتھ ہے تو یہ بولی اور معاملہ شرعاً درست ہے، اس میں پیداوار کی حسب قرارداد تقسیم ہوگی (۲)۔ اگر زیادہ غلہ کا مطلب بالقطع غلہ کی تجویز ہے، مثلاً: دس من

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحوالة: ٥/٣٤٦، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الحوالة: ٣/١٣٠، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحوالة: ٣/٥٩٠، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحوالة، ٦/٤٢١، ٤٢٢، رشیدیه)

(۲) "عن موسی بن طلحة قال: أقطع عثمان نفراً من أصحاب النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عبدالله بن مسعود والزبیر بن العوام وسعد بن مالک وأسامة رضی الله تعالی عنهم، فکان جاری منهم سعد بن مالک وابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما ویدفعان أرضهما بالثلث والربع ...... قال: سألت موسی بن طلحة عن المزارعة، فقال: أقطع عثمان بن عفان رضی الله تعالی عنه عبدالله أرضاً، وأقطع خبّاباً أرضاً، =

بیس من وغیرہ اوراس میں یہ شرط نہیں کہ اس زمین کا پیدا شدہ غلہ دینا ہوگا تو نقد معاوضہ کی طرح یہ بھی درست ہے، یعنی جس طرح دس روپیہ یا بیس روپیہ وغیرہ کوئی معاوضہ اجرت تجویز کرلینا درست ہے، اسی طرح غلہ کی مقدار مقرر کرکے معاوضہ اجرت تجویز کرلینا بھی درست ہے(۱)۔ شرط نمبر: ۲،۱ سہولت کے لئے ہے، اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وأقطع صهيباً رضي الله تعالىٰ عنهم أرضاً، فكلاً جاري كانا يزارعان بالثلث والربع". (شرح معاني الآثار للطحاويّ، كتاب المزارعة والمساقاة: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، سعيد)

"ومنها أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالة مفضية إلى المنازعة، يمنع صحة العقد، وإلالا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها وبيان أنواعها وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها: ۴/۴۱۱، رشيديه)

"إذا كان البذر والآلات لصاحب الأرض والعامل، فيكون الصاحب مستأجراً للعامل، والعامل للأرض بأجرة ومدة معلومتين، ويكون له بعض الخارج بالتراضي". (ردالمحتار، كتاب المزارعة: ۶/۲۷۵، سعيد)

(۱) "وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء كما لاتقع المنازعة، وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها، ويجب المسمى، وللمستأجر الشرب والطريق، ويزرع زرعين ربيعاً وخريفاً. ولو لم يمكنه الزراعة للحال لاحتياجها لسقي، أو كرى إن أمكنه الزراعة في مدة العقد، جاز، وإلا لا، وتمامه في القنية". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد)

"يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سوآء كانت من المثليات أو من القيميات، أو كانت منفعةً أخرى: لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، (رقم المادة: ۴۵۰): ۱/۲۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

خاتمۂ زمینداره کاشتکار کو مالک بنادینا درست ہے یا نہیں؟ مع فتوی حضرت حکیم الامتؒ

سوال [۸۲۸۷]: ۱۹۴۷ء سے قبل جب کہ ہندوستان میں انگریز کی حکومت تھی اور پاکستان کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا تو برطانیہ حکومت کی جانب سے زمینوں کے بارے میں یہ قانون تھا کہ جب کوئی زمیندار اپنی اراضی کسی کاشتکار کو بطورِ اجارہ یا بطورِ مزارعت دیدیتا اور مذکورہ زمین جب کاشتکار کے پاس بارہ سال رہ جاتی تو وہ کاشتکار ہی اس زمین کا مالک بنادیا جاتا، اور مالکِ زمین یعنی زمیندار کو زمین پر کوئی حق نہیں رہتا۔ اس کاشتکار کو ''موروثی دار'' کہتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موروثی داری کی زمین کے بارے میں فتویٰ صادر فرمایا کہ: ''کاشتکار کو ان مذکورہ بالا اراضی سے انتفاع بغیر طیبِ قلبِ مالک حرام وظلم ہے''۔ اور وہ فتویٰ بہشتی زیور اور امداد الفتاوی میں موجود ہے، ان دونوں کتابوں کی عبارت یہ ہے: مسئلہ نمبر: ۱۴:

''اجارہ یا مزارعت میں بارہ سال یا کم وبیش مدت تک زمین سے منتفع ہو کر موروثیت کا دعویٰ کرنا -جیسا کہ اس وقت رواج ہے- محض باطل اور حرام اور ظلم وغصب ہے، بدون طیبِ خاطرِ مالک ہرگز اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو اس کی پیداوار بھی خبیث ہے اور کھانا اس کا حرام ہے''۔ بہشتی زیور، باب مزارعت (۱)۔

حکم موروثی

سوال: ۳۱۲/ قانون کے مطابق جو زمین بارہ سال تک کسی کاشتکار کے قبضہ میں رہے تو اس زمین پر کاشتکار کا حق مزارعت سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی زمیندار خود نہ اس زمین کے بیچنے کا مجاز ہے، نہ مالگزاری معینہ کو بڑھانے کا، بلکہ بیچنے کا اختیار کاشتکار کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ حق شرعاً کاشتکار کو حاصل ہے یا نہیں؟ بعد بیع مبیع مشتری کی ملک ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (بہشتی زیور، باب مزارعت اور مساقاۃ، گیارھواں حصہ، ص: ۹۶۹، مکتبہ مدینہ لاہور)

الجواب حامداًومصلياً:

''اس کاشتکار کو کوئی حقِ شرعی حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ایسے کاشتکار سے کوئی خریدے گا تو وہ مشتری بھی مالک نہ ہوگا''۔۱۸/ربیع الثانی/۱۳۳۱ھ۔(کتاب الإجارة، امداد الفتاویٰ (۱)۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے انگریزی حکومت ختم ہوگئی اور کانگریس راج قائم ہوگیا جو کہ ایک جمہوریہ حکومت ہے، ہندو مسلم سب اس کے ارکان ہیں۔۱۹۵۰ء کانگریسی راج نے زمینداری طریقہ کو بالکل ختم کر دیا، زمینداروں کو ان کی اراضی سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہا، جو زمین جس کے قبضہ میں تھی اسی کو دیدی گئی۔حکومت کے اس قانون کے خلاف زمینداروں نے بہت آواز اٹھائی اور حکومت سے احتجاج بھی کیا، حکومت نے ایک نہ سنی، آخر زمینداروں کو تھک کر بیٹھنا پڑا۔ بعد میں حکومت نے ان زمینداروں کو کچھ روپیہ بھی دیا تھا جو کہ آٹے میں نمک کے برابر تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان موروثی دار کاشتکاروں کا ان مذکورہ بالا اراضی سے انتفاع حرام تھا جس کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا، یا تقسیمِ ہندو پاک کے بعد مسئلہ بدل گیا؟ جیسا بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

محمد سلیمان، مدرسہ اسلامیہ ربوپورہ، بلندشہر۔

الجواب حامداًومصلياً:

انگریزی حکومت میں موروثیت پر کسی کو مجبور نہیں کیا گیا، صرف حق دیا گیا تھا، اگر کاشتکار استعفیٰ دے دیتا تو زمیندار کی ملک برقرار رہتی، تو گویا کہ اس کو حقِ غصب دیا گیا تھا، وہ غصب نہ کرے تو اصل مالک کی ملک اور قبضہ موجود رہتا۔۴۷ء کا جب انقلاب ہوا، اور حکومت بدلی تو ۵۰ء میں قانونِ خاتمۂ زمینداری بنایا گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ زمیندار کی ملک ختم (قدرے اس کا بدل بھی تجویز کیا گیا) اور اصل مالک حکومت ہوگئی (۲) البتہ

(۱) (امداد الفتاویٰ، كتاب الإجارة، ''حکمِ حق موروثی'': ۳/۳۵۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "وأسباب الملك ثلاثة: مثبت للملك من أصله وهو الاستيلاء على المباح، وناقل بالبيع والهبة ونحوها، وخلافة كملك الوارث". (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، كتاب الصيد والذبائح =

کاشتکار کو اتنی ترجیح دی گئی کہ اگر وہ دس گنا ادا کردے تو دوسروں پر مقدم ہے، پس ملکِ زمیندار ختم کر کے گویا حکومت نے کاشتکار کو اپنی طرف سے زمین دی ہے، کاشتکار نے خود مالک سے غصب نہیں کی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مالک کی ملک کو ختم کر کے حکومت نے استیلاء کرلیا، اور نام اس کا بیع رکھ دیا ہو یا اور کچھ رکھا ہو، بہر حال زمیندار کا قبضہ ختم ہوگیا۔

اور جب وہ معاوضہ قبول کرتا ہے تو گو با دل ناخواستہ ہی سہی اس کی طرف سے ایک درجہ کی اجازت بھی ہوگئی، لہذا اس کی حیثیت موروثی سے جداگانہ ہے(۱)۔ یہ اور بات ہے کہ خود یہ استیلاء کس حد میں داخل ہوا؟ امداد الفتاویٰ: ۲/۱۱۰، میں کانجی ہاؤس سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی کو جائز لکھا ہے، حالانکہ وہ ملکِ غیر ہے، بہت ممکن ہے کہ مالک کو خبر بھی نہ ہو کہ میرا جانور کہاں ہے، کس نے خریدا ہے۔ اس جواز کی علت استیلاء ہی کو لکھا ہے(۲)۔ امید ہے کہ آپ کا شبہ رفع ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

= والأضحية، الفن الثاني، (رقم المسئلة: ۱۷۲۳) : ۲/۳۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصيد: ۲/۴۶۳، سعيد)

(۱) جب کہ اصل مالک کی طرف سے رضامندی نہیں، اس لئے یہ غصب ہے اور شئ مغصوبہ کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کردیا جائے، اس میں غاصب کو کسی قسم کے تصرف کا شرعاً حق نہیں:

"المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصبَ ردُّه إلى صاحبه من دون أن يغيره وينقصه، وإذا طرأ على قيمة ذلك العقار نقصانٌ بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته" (شرح المجلة، باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵) : ۱/۵۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه و لا ولايته". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، إمداديه ملتان)

(۲) **سوال**: "نیلام کانجی ہاؤس سے کوئی جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا، جانوروں کا کانجی ہاؤس بھیجنا جائز ہے یا نہیں"؟

الجواب: "في الدر المختار: وإن غلبوا (أهل الحرب) على أموالنا وأحرزوها بدراهم، ملوكها".=

موروثی زمین، کسی مدت تک کاشت کرنے سے کاشتکار کے لئے ثبوتِ ملک

سوال [۸۲۸۸]: ۱......موروثی زمین کا ہمارے یہاں اس طرح رواج ہے کہ پہلے جب ایک مدت مقررہ تک کاشتکار کسی کھیت کو جوت لیتا تھا تو وہ زمین موروثی ہوجاتی تھی اور اسی مقرر شرح سے ہمیشہ کے لئے اس کے نام بندھ جاتی تھی، اس طرح سے یہاں پر بہت سی زمینیں ہیں۔تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲......اور اب آج کل یہ قانون بن گیا ہے کہ کاشتکار قانونی ہوجاتا ہے، یعنی وہ زمین اس کے نام بندھ جاتی ہے اور زمیندار اس زمین کو کاشتکار سے نہیں چھڑا سکتا جب تک کہ چوگنا لگان ادا نہ کرے۔اور اگر زمیندار کاشتکار سے کھیت لینا چاہے تو اسی طرح سے کھیت لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔شرعاً یہ بات جائز ہے یا نہیں؟

زمین شوہر کے نام ہوجائے تو کیا اس کے مرنے کے بعد بیوی کو لینے کا حق ہے؟

=اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار ہوجائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہوگیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے۔البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے تو اس کا داخل کرنا بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے۔

اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کردیا ہے تو اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

كما صرحوا به في الدر المختار اخر باب جناية البهيمة: "أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع، أو كرم، إن سائقاً، ضمن ما أتلف، وإلا لا. وقيل: يضمن". وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ مرجحاً للقول الثاني: "أقول: ويظهر أرجحية هذا القول لموافقته لما مر أول الباب من أنه يضمن ما أحدثته الدابة مطلقاً، إذا أدخلها في ملك غيره بلا إذنه لتعدية، وأما لو لم يدخلها ففي الهداية، ولو أرسل بهيمة، فأفسدت ذرعاً على فورها، ضمن المرسل، وإن مالت يميناً أو شمالاً وله طريق الآخر، لا يضمن لمامر". (إمداد الفتاویٰ، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، حکمِ قربانی جانور خرید کردہ از نیلام کانجی ہاؤس، وحکمِ ادخال جانور راں: ۳/ ۵۴۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

۳...... ایک عورت کے شوہر کے نام کچھ زمین اور ایک باغ بطور کاشتکار بندھا تھا اور زمیندار اس کے شوہر کا باپ ہی تھا، اس نے اپنے لڑکے کے نام کچھ زمینیں بطور کاشت باندھ دی تھی، پھر اس عورت کا شوہر اپنے باپ کے مرنے سے قبل ہی مر گیا۔ تو وہ زمین اور باغ اس عورت کو لینا - جو کہ اس کے شوہر کے نام بطور موروثی کاشت کار کے تھی - لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس زمین کی مالک وہ عورت ہو سکتی ہے یا نہیں، یا کہ اس عورت کے شوہر باپ کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے؟

(الف) براہ کرم اور شفقت یہ تحریر فرمائیں کہ اگر کسی کے پاس ایسی زمین ہو تو اس کے جائز ہونے کی کیا صورت ہے، یعنی کیا ایسا موروثی کاشتکار اس زمین سے استعفاء دے دے، یا زمین دار سے مل کر اس کو روپیہ دے کر، یا لگان بڑھوا کر پھر سے قبضہ کرے، یا زمین دار کی رضامندی سے اتنے ہی لگان پر اور اسی شرح پر کھیت جوتے، کیونکہ موروثی زمین کا لگان نہیں بڑھا کرتا؟ لیکن اگر زمین دار اسی شرح پر راضی ہو جائے اور راضی ہو رہے تو جائز ہوگا یا نہیں، یا اور کوئی ایسی صورت ہے جس سے وہ زمین جائز طریقہ سے استعمال کی جاسکے، یا بالکل چھوڑ دی جائے؟

(ب) ایسی زمین اور پیداوار کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی آمدنی کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اگر کسی کے پاس آمدنی اور معاش کا یہی ذریعہ ہو یعنی موروثی زمین تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر ہمت ہو تو چھوڑ دے یا توبہ استغفار کرتا رہے، یا کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بغیر زمین دار کی رضامندی کے ایسی زمین میں کاشت کرنا شرعاً ناجائز ہے(۱)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمي)

"لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

۲...... یہ بھی ناجائز ہے(۱)۔

۳......اس زمین اور باغ کا مالک عورت کے شوہر کا باپ ہے، اس کے بعد اس کے ورثہ مالک ہوں گے(۲) عورت شوہر کا ترکہ ہونے کی وجہ سے مالک نہ ہوگی (۳)۔

(الف) بہتر یہ ہے کہ ایسی زمین چھوڑ دے اور استعفاء دے دے۔ یہ درست ہے کہ اصلی مالک سے دوبارہ معاملہ کرے، جتنے پر وہ رضامند ہو جائے خواہ وہ لگان سابقہ پر یا زیادہ پر، پھر کاشت درست ہے (۴)۔

(ب) اصل مالک سے گذشتہ معاف کرائے (۵)۔ آئندہ کو چھوڑ دے، یا دوبارہ معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یایها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۰)

"عن جابر قال: "لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: "هم سواء". (مشکوة المصابیح، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿للرجال نصیب مماترک الوالدان والأقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والأقربون مماقل منه أو کثر نصیباً مفروضاً﴾ (سورة النساء: ۷)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی فهو لأولیٰ رجل". (مشکوة المصابیح، باب الفرائض، الفصل الأول، ص: ۲۶۳، قدیمی)

(۳) اس لئے کہ ترکہ کی صورت میں جو مال ہے وہ شوہر کے باپ کی ملکیت ہے، شوہر کا نہیں کہ ترکہ میں عورت کو بھی ملے۔

(۴) "ولا تصح المزارعة إلا علی مدة معلومة لما بینا، وأن یکون الخارج شائعا". (الهدایة، کتاب المزارعة: ۴/۴۲۶، شرکة علمیه ملتان)

"ومنها: أن یکون الخارج بینهما علی الشرط المذکور". (بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل فی حکم المزارعة الصحیحة: ۸/۲۸۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۵) "فإن کانت المعصیة لحق آدمی، فلها رکن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلک الحق". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی، (سورة التحریم: ۸): ۲۸/۱۵۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت) =

موروثی زمین اور قرض میں تمادی

سوال[۸۴۸۹]: ۱.....سرکاری زمین جب کہ زمیندار کی زمین کوئی کاشت کرے تو بس وہ زمین کاشتکار کی ہوگئی، زمیندار اس کو چھڑا نہیں سکتا ہے۔ اگر کوئی کاشتکار اس زمین سے بے دخل کرادے۔ یعنی اپنی رضامندی سے چھوڑ دے تو ثواب ہے یا نہیں اور اس کے نہ چھوڑنے میں کاشت کار کو گناہ ہوگا یا نہیں؟

۲.....مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ سرکاری قانون ہے کہ قرض تین سال تک وصول کرسکتا ہے، اور تین سال سے زیادہ کے قرض کو ادا کرنا ثواب ہے یا نہیں اور ادا نہ کرنے میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جو زمین کاشتکار نے اصل مالک سے محض کاشت کے لئے اجرت پر لی ہے تو کاشت کرنے سے اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلی، کاشتکار کی ملک میں داخل نہیں ہوئی (۱)، اس کی واپسی ضروری ہے، جو لوگ واپس نہیں کرتے اور بغیر مالک کی رضامندی کے اس پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اور تصرف کرتے ہیں وہ گنہگار ہیں (۲)، جب واپس کردیں گے تو حقوق العباد کی ادائیگی کی وجہ سے بہت بڑی گرفت سے چھٹکارہ پائیں گے

= "وقال الشيخ ملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ في كلامه عن التوبة وأركانها: فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ماقدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم أو يردها إليهم أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث هذا". (مجلة البحوث الإسلامية، أقوال العلماء في حكم من تاب من الكسب الحرام، فصل في الحلال والحرام والمشتبه فيه، وحكم الكثير والقليل من الحرام: ۲۴۵/۱۲، البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد الرياض، المملكة العربية السعودية)

(۱) "اس کاشتکار کو کوئی حقِ شرعی حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ایسے کاشتکار سے کوئی خریدے گا تو وہ مشتری بھی مالک نہ ہوگا"۔ (إمداد الفتاوی، كتاب الإجارة، "حكم حق مورثي": ۳۵۱/۳، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته" (الدر المختار كتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعيد)

"المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصب ردُّه إلى صاحبه من دون أن يغيّره و ينقصه. وإذا طرأ على قيمة ذلك العقار نقصانٌ بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، =

اور ثواب کے مستحق ہوں گے۔

۲.....تین سال کی مدت سرکاری قانون میں ہے، شریعت میں مدت مقرر نہیں، بلکہ جس مدت کا بھی قرضہ ہو اس کو ادا کرنا واجب ہے، جو ادا نہیں کرے گا وہ قیامت میں ماخوذ ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم کی موروثی زمین

سوال[۸۲۹۰]: ایک معتبر دیندار شخص نے بیان کیا- غالباً فتاوی رشیدیہ کا حوالہ بھی دیا- کہ حضرت قطب عالم حضرت شاہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی ہے کہ: "ہندو کی موروثی زمین جائز ہے، مسلم کی زمین ہو تو ناجائز ہے بالکل"۔ آیا اس بیان کی حضرت کی طرف نسبت صحیح ہے یا نہیں؟

= باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵): ۱/۵۰۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

وقال الله تعالى: ﴿ياأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (سورة المائدة: ۱)

"عن همّام بن منبه أخي وهب بن منبه أنه سمع أبا هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "مطل الغني ظلم". (صحيح البخاري، كتاب في الاستقراض و أداء الديون، بابٌ: مطل الغني ظلم: ۱/۳۲۳، قديمي)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين".

"وعن براء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صاحب الدين مأسور بدينه يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۲، قديمي)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان سے حوالہ کی تعیین کر کے پورا پتہ دریافت کیجئے، ہمیں تو اب تک یہی معلوم ہوا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً منع فرمایا ہے، خواہ مسلم کی ہو خواہ ہندو کی۔ فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، کتاب البیوع میں، ص:۸۷ پر کفار سے بھی سود لینے کو منع فرمایا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زمین کو چک بندی سے بچانے کی ترکیب

سوال[۸۲۹۱]: زید کی ایک زمین جس پر وہ اپنے دادا کے زمانہ سے قابض ہے اور اس پر درخت بھی لگا چکا ہے جن کی مدت تقریباً ۲۰/ سال کی ہو چکی ہے، دو سال سے معلوم ہوا کہ وہ زمین بنجر ہے، لہذا گرام سماج کی ملکیت ہے اور بوقتِ چک بندی زید کی ملکیت سے نکل جائے گی، لیکن ایک صورت اس کے بچانے کی یہ ہے کہ زمیندار سے زمینداری ٹوٹنے سے پہلے باغ لگانے کا اجازت نامہ حاصل کر لیا جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

مولا بخش پرتاپ گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ اس زمین کا مالک ہے اور اس کی یہ مملوکہ زمین اس طرح بچ سکتی ہے تو اس کو بچانے کے لئے ایسی ترکیب اختیار کرنے کی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

---

(۱) **سوال**: "ان بلادِ حرب میں نصاریٰ کو اپنا روپیہ دے دینا اور اس پر سود لینا جائز ہے یا نہیں"؟

جواب: "کفار سے بھی سود لینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، سود کے مسائل کا بیان، ص:۴۱۰، کفار سے سود لینے کا حکم، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور)

(۲) جس طرح مشفوعہ زمین کو شفعہ سے بچانے کے لئے بائع زمین کے اس حصے کو جو شفیع کی زمین کے متصل ہے، مشتری کو ہبہ کر دے تو شفیع اس پر شفعہ نہیں کر سکتا تو اسی طرح یہ آدمی بھی اپنی زمین کو بچانے کے لئے باغ لگانے کا اجازت نامہ حاصل کر لے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اس شرط پر کہ وہ زمین اس آدمی کی اپنی ہو۔ .... =

موروثی اور دخیل کاری کی آمدنی

سوال[۸۲۹۲]: موروثی کاشت دخیل کاری کی آمدنی کے تصرف کی بابت علمائے دین کا کیا حکم ہے؟ چونکہ موروثی کاشت دو قسم کی ہوتی ہے: اول: موروثی قانونِ جدید، دوم: موروثی سابقہ جو زمانہ بندوبست سرکاری سے چلی آتی ہے۔ فتویٰ سے مشرف فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

موروثی زمین سے جو آمدنی کاشتکاروں کو حاصل ہے اس سے جتنا اس نے خرچ کاشت میں کیا ہے اتنا تو رکھنا جائز ہے، باقی رکھنا جائز نہیں۔ یہ تو آمدنی کا حکم ہے اور زمین کا حکم یہ ہے کہ آئندہ کے لئے اس کو چھوڑ دے، ورنہ ظلم اور گناہ اور غصب میں مبتلا رہے گا:

"لقوله عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً و لا جاداً، فإن أخذ فليرده عليه". ہدایہ: ۳۷۱/۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمان غفرلہ۔

= قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وإذا باع داراً إلا مقدار ذراع منها في طول الحد الذي يلي الشفيع، فلا شفعة له، لانقطاع الجوار، وهذه حيلة. وكذا إذا وهب منه هذا المقدار وسلّمه إليه، لما بينا". (الهداية، كتاب الشفعة، باب ماتبطل به الشفعة، فصل: ۴۰۸/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشفعة، باب مايبطلها، مطلب لاشفعة للمقرله بدار: ۲۵۰/۶، سعيد)

(۱) (الهداية: ۳۷۱/۲، كتاب الغصب، إمداديه ملتان)

"عن عبد الله بن السائب بن يزيد عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه، فليردّها إليه".

(جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء: لا يحل لمسلم أن يروّع مسلماً: ۳۹/۲، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، الفصل الثاني، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشئ من مزاح: ۳۲۷/۲، سعيد)

کھڑے کھیت کی اندازے سے تقسیم

سوال[۸۲۹۳]: زید کے والدین اور قبیلہ والے قدیم سے موروثی زمین میں کاشتکاری کرتے ہیں، کچھ زمین ایسی بھی ہے کہ جس کا لگان دینا پڑتا ہے، موروثی زمین مثل بٹائی ہے، یعنی نصف زمین دار کا، نصف حصہ کاشتکار کا۔ اور اس طرح سے دونوں کی مرضی کے مطابق کھڑے کھیت میں تخمیناً غلہ طے کر لیتے ہیں، طے شدہ غلہ زمین دار کو دیا جاتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں اور اس میں سے زید کو حصہ دینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ مستحق ہوا؟ اور پیشوا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موروثی زمین ناجائز ہے (۱)، اور کھڑے کھیت کا تخمینہ کر کے غلہ طے کرنا اور طے شدہ وصول کرنا بھی درست نہیں، بلکہ جب نصفا نصفی طے ہے تو پورا پورا تول کر تقسیم کرنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعاريه، الفصل الثاني. ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجله لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۹۶): ۱/۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) جس طرح قربانی کے گوشت میں تمام افراد برابر کے حصے دار ہوتے ہیں، تو ان میں وہ گوشت بھی وزن کے برابر برابر تقسیم کیا جاتا ہے، اسی طرح جب کھیتی میں بھی برابر کے شریک ہیں تو پھر تول کر برابر برابر ہر آدمی اپنا حصہ لے لے"۔

"ويقسم لحمها وزناً؛ لأنه موزون لاجزافاً، لاحتمال الربا، وتحليل بعضهم بعضاً لايجوز؛ لأنه هبة مشاع يقسم". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

مزارع کو سکونت کا حق

سوال[۸۲۹۴] : ایک شخص مثلاً زید عرصہ ستر یا اسی سال سے عمر کا مزارع تھا۔ عمرو غیرہ نے مزارع کو کہا تھا کہ اگر تم یہیں رہو اور جائے رہائش (مکان) وغیرہ بنالو، ہم تمہیں نہ اٹھائیں گے اگر تو نے ہمیں نہ چھوڑا۔ چنانچہ اس مزارع نے اس چاہ پر آ کر مکان رہائش (وغیرہ) بنالیا(۱) اور بصورت ٹھیکہ چاہ پر کھیتی کرتا رہا۔ بعد میں وہ اصلی مزارع فوت ہوگیا اور مالک بٹھانے والے بھی فوت ہوگئے، دونوں کی اولادیں رہیں، پہلی صورت پر معاملہ طے ہوتا رہا۔

چنانچہ مزارع کے بیٹے نے چاہ مذکور کو دس سال پر ٹھیکہ لے لیا اور اسٹامپ بھی لکھا گیا، لیکن چھ ماہ کل گزرے تھے کہ چاہ خراب ہوگیا، مالکان نے نہیں بنوایا تھا، مزارعہ کا ٹھیکہ ضائع ہوگیا، جو۲۰/ فی کنال تھا، لیکن جب چاہ خراب ہوگیا تھا تو اس وقت ۹۰/ فی کنال ٹھیکہ ہوگیا تھا، اگر چاہ بنوادیتے تو مزارع کا اس میں نفع تھا، لیکن انہوں نے نقصان کیا۔ پھر مالکوں نے زمین فروخت کرنی شروع کردی۔ مزارع کو مکان سے نہیں اٹھایا گیا اور نہ مزارعین خود اٹھے۔

تقریباً ستر اسی سال گزر چکے ہیں چاہ کی اردگرد کی زمین مزارع کو بیچ دی گئی۔ مزارع کی کوٹھری ....وغیرہ کھڑی رہی، نہ مالکوں نے کچھ کہا اور نہ مزارع برطرف ہوئے، کاغذات سرکاری میں بھی مزارع کے نام حد بندی میں لکھی ہوئی ہے۔ قریب قریب مقدمات بھی چلائے گئے ہیں، ہائی کورٹ بھی اپیل کی گئی ہے، قانوناً گورنمنٹی میں مالکان کو مزارع کے اٹھانے کا حق نہیں دیا گیا اور نہ اس کوٹھری کو فروخت کرنے کا حق دیا گیا، بلکہ مالک تصور کیا گیا ہے، اب وہ خاموش ہو چکے ہیں۔

مزارع کہتا ہے کہ مالکوں نے کہا تھا کہ جب تک تم خود نہ اٹھ جاؤ تو ہم تمہیں نہ اٹھائیں گے، یہیں پر اپنا مکان بنا کر بیٹھے رہے۔ دوسرا یہ کہ میرا دس سال کا ٹھیکہ ضائع ہوگیا ہے جس میں تقریباً گیارہ ہزار روپیہ کا نقصان ہوگیا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ نہ مالکوں نے رقم لی ہے اور نہ مزارعین نے مخصوص پیداوار اٹھائی ہے۔

---

(۱) ''چاہ: کنواں، غار، گڑھا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۵، فیروز سنز لاھور)

جو اسٹامپ ٹھیکہ لکھا گیا تھا وہ مالکوں کے پاس موجود ہے اور جو مزارع کے پاس تھا وہ مکان کے جل جانے سے جل گیا ہے۔

مالکوں کے اسٹامپ میں بھی لکھا ہے کہ اگر ہم نے کوئی زمین بیچی تو فی مرلہ دوصد روپیہ ٹھیکہ میں سے کاٹ دیں گے۔ اور یہ بھی شرط تھی کہ اگر چاہ کا نچلا حصہ خراب ہو جائے تو مزارع بناوے گا، چنانچہ اس چھ ماہ میں مزارع نے مبلغ یک صد روپیہ خرچ کر کے نچلا حصہ بوجہ خراب ہونے کے بنایا تھا۔

یہ بھی شرط تھی کہ اگر اوپر کا حصہ خراب ہو گیا تو مالک بنادے گا، چنانچہ چاہ بہت کہنہ تھا، اوپر کا حصہ خراب ہو گیا تو مزارع نے مالکوں کو کہا کہ بنوادو، لیکن مالکوں نے بجائے بنوانے کے زمین فروخت کرنا شروع کر دی۔

یہ بھی شرط تھی کہ آٹھ سال کے روپے مزارع ادا کرے گا اور دو سال بعوضِ مرمت چاہ مفت کاشت کرے گا۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جو مالک ہیں ان کی بھی اپنی جدی زمین نہیں تھی، پہلے زمانہ میں جس کا قبضہ ہو گیا بس وہی مالک بن بیٹھا۔

اب ستر اسی سال کے بعد مالک کہتے ہیں مزارع کو کہ کچھ ہمیں دیدے اور وہ دینا پسند نہیں کرتا۔ زمین اتنی ہے جس میں اس کی رہائش ہے اور بس۔ شرعاً کیا حکم ہے، مزارع مالک بن سکتا ہے کیونکر؟ بصورتِ مالک نہ بننے کے مزارع کو مالک کچھ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ عمریٰ کی صورت بن سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ظاہر ہے کہ مالک نے مزارع کو اپنی زمین میں مکان بنانے اور رہنے کی اجازت اس لئے دی ہے کہ وہ مزارعت کرتا رہے اور مالک اور مزارع کے درمیان معاملہ برقرار رہے۔ اب جب کہ مالک اور مزارع کے درمیان معاملہ برقرار نہیں رہا بلکہ ختم ہو چکا اور وہ زمین بھی فروخت کر دی جس میں مزارعت کا معاملہ طے ہوا تھا اور جس کی وجہ سے مالک نے مزارع کو رہنے کی اجازت دی تھی، اس لئے اب اس زمین میں مزارع کو رہنے کا اختیار نہیں (۱)، البتہ مکان کا ملبہ اور سامان جو کہ مزارع نے اپنے پاس سے صرف کیا ہے وہ مزارع کا ہے، اس

---

(۱) "لا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنه و لا ولایته". (الدرالمختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید) =

میں مالکِ زمین کوکوئی اختیار نہیں، مزارع چاہے اس کی قیمت لیکر مالک کے ہاتھ فروخت کردے، چاہے اپنا ملبہ اٹھالے جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رجب/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۲/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

زمیندار کی زمین میں مکان تعمیر کرانا

سوال [۸۲۹۵]: زید کے پاس ایسی زمین ہے کہ جس کو وہ خود بیچ نہیں سکتا، کیونکہ زمیندار کو کچھ روپیہ نذرانہ دے کر مکان بنانے کی اجازت سے لیا تھا، ایک احاطہ کی شکل میں بنوالیا تھا۔ جب احاطۂ مذکورہ پست ہوگیا اور معمولی نشان باقی تھے تو عمر نے اپنے ذاتی مراسم وتعلقات کی بناء پر زید سے کہا کہ مجھے مکان کی تکلیف ہے، کہیں زمین ہوتی تو مکان بنوالیتا، اس پر زید نے وہ زمین عمر کو دیا کہ مکان بنوالو، چنانچہ عمر نے اس زمین پر مکان بنوالیا اور تقریباً ۹، ۱۰/ سال سے اس مکان پر قابض ہے، اور سالانہ پرجوٹ (۲) برابر زمیندار کو ادا کرتا رہتا ہے۔

اب زید نے عمر پر دعویٰ کیا ہے کہ مجھ کو مکان ملنا چاہئے، اور کہتا ہے کہ میں نے مکان بنانے کی اجازت

= (وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۲)، ص: ۱۱۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(۱) "ولو غرس أو بنى في أرض الغير قلعا وردت، فإن نقصت الأرض بالقلع، ضمن، وله البناء والغرس مقلوعاً، ويكونان له، ولأن الأرض باقية على ملكه إذا لم تكن مستهلكةً ولا مغصوبةً حقيقةً، ولم يوجد فيها شيء، يوجب الملك للغاصب، فيؤمر بتفريغها و ردّها إلى مالكها كما إذا أشغل ظرف غيره بالطعام .... إذا كانت الأرض تنقص بالقلع، كان لصاحب الأرض أن يضمن للغاصب قيمة البناء والغرس مقلوعاً، ويكونان له". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۲۱۲/۸، ۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۱۹۴/۶، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۵۰۲/۱، ۵۰۳، (رقم المادة: ۹۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "پرجوٹ (پرجوت) مکانات کی زمین کا محصول"۔ (نور اللغات، ص: حصہ دوم، ص: ۸۲۲)

اس شرط پر دی تھی کہ جب میں اتنی رقم ادا کردوں گا کہ جتنا مکان بنانے میں صرفہ ہوا ہے تو مکان واپس لے لوں گا۔ اور عمر کہتا ہے کہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور زید وعمر میں سے کوئی اپنی بات پر شہادت نہیں پیش کرسکتا۔ البتہ زید سے عمر کہتا ہے کہ آپ زمانۂ حال کے مطابق قیمت دیکر مکان وزمین لے سکتے ہیں، مگر زید مصر ہے کہ اتنا ہی روپیہ دوں گا جتنا تمہارے بنوانے میں لگا ہے۔

پس اس صورت میں مکان اور زمین کا کیا حکم ہے، زمین کس کی ملک ہے، زمیندار یا زید کی؟ تصفیہ کس طرح کی جائے، مکان اگر زید کو دلایا جائے تو رقم کتنی اس سے لی جاوے؟ جواب مدلل مع حوالہ وعبارات کتب عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اصل زمین زمیندار کی ملک ہے، زید نے اس میں مکان بنانے کی اجازت لی تھی اور اس اجازت کے لئے کچھ نذرانہ پیش کیا تھا، زید زمین کا مالک نہیں تھا، غالباً اسی لئے وہ بیچ نہیں سکتا تھا، پھر ذاتی تعلقات کی بناء پر اس زمین کو عمر کے حوالہ کردیا اور سالانہ پر جوٹ بجائے زید کے عمر نے دینا شروع کیا اور زمیندار اس معاملہ میں راضی رہا تو زید کا تعلق درمیان سے ختم ہوگیا، اب زمیندار اور عمر کا تعلق باقی رہ گیا۔

اگر عمر پر جوٹ زید کو دیتا اور زید زمیندار کو ادا کرتا تو زید کا تعلق باقی رہتا۔ اب کوئی تعلق نہیں رہا، لہذا زید کا دعویٰ بے اصل ہے، جب تک کوئی شرعی شہادت پیش نہ کرے۔ اب زمین زمیندار کی ہے اور مکان عمر کا۔ اگر عمر اپنا مکان فروخت کرنا چاہے تو مستقل معاملہ کیا جائے جس پر طرفین رضامند ہوجائیں، زید کو جبراً عمر سے مکان لینے کا حق نہیں۔ اگر کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی تو زمیندار کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے اپنی زمین لے لے اور عمر سے کہہ دے کہ میری زمین خالی کردو اور اپنی عمارت اٹھالو، پھر عمر یا اپنی عمارت اٹھائے، یا اگر طرفین رضامند ہوجائیں تو عمارت مقطوعہ کی قیمت زمیندار ادا کردے اور اس عمارت کا مالک بھی زمیندار ہوجائے:

"وتصح إجارة أرض للبناء والغرس. فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغةً، إلا أن

یغرم له المؤجر مقلوعاً ویتملکه، أو یرضی بترکه، فیکون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا، اھ". در مختار: ۵/ ۲۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہار نپور، ۲/ ۶/ ۶۶ھ۔

اس اجمال کا جواب درست ہے، لیکن ترجیح کے لئے اول یہ امر صاف ہونا ضروری ہے کہ زید اور زمیندار کا معاملہ عاریۃ تھا یا اجارۃ اور پھر زید نے جو عمر سے معاملہ کیا ہے وہ بطورِ عاریت فی العاریۃ تھا یا اجارہ در اجارہ، تو براہ راست زمیندار سے یا زید سے، اس کے بعد کچھ حکم لگایا جائے گا۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

کسی کی زمین سے گھاس کاٹنا

سوال [۸۲۹۶]: اگر کوئی شخص دوسرے کی مملوکہ ڈول سے بلا اجازت گھاس کاٹے تو جائز ہے (۲) یا نہیں؟ اگر کوئی شخص فقط اپنے جانوروں کو گھاس کھلانے کے لئے کوئی خاص جگہ اپنے مملوکہ میں سے محصور کر کے رکھ دے تو ایسی صورت میں دوسرے لوگوں کو بلا اجازت اسی خاص جگہ سے اپنے جانوروں کو گھاس کھلانے کے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۰، کتاب الإجارة، سعید)

"لو أحدث المستأجر بناءً في العقار المأجور، أو غرس شجرةً، فالآجر مخيرٌ عند انقضاء مدة الإجارة: إن شاء، قلع البناء والشجرة، وإن شاء أبقی ذلک، وأعطی قیمته، کثیرةً کانت أو قلیلةً". (شرح المجلة لسلیم باز، ص: ۲۹۰، (رقم المادة: ۵۳۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"للبناء والغرس إن بین مدة، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمها فارغةً، إلا أن یغرم المؤجر قیمته مقلوعاً ویتملکه، یعني إذا مضت المدة، یجب علیه قلع البناء والغرس". (البحر الرائق: ۸/ ۱۹، کتاب الإجارة، رشیدیه)

"وإذا انقضت المدة، لزمه أن یقلعهما ویسلمها فارغةً، إلا أن یغرم المؤجر قیمة ذلک مقلوعاً برضی صاحبه". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۵۲۳، کتاب الإجارة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۶/ ۹۷، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ڈول: کھیت کی اونچی حد، باڑھ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۸۲، فیروز سنز لاهور)

لئے کاٹنا کیسا ہے؟ اگر خودرو اور غیر خودرو میں فرق ہو تو تفصیلی طور پر دلائل وحوالۂ کتب کے ساتھ جواب فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خودرو گھاس کسی کی ملک نہیں اگرچہ مملوکہ زمین میں پیدا ہو، بغیر مالک زمین کی اجازت اس کا کاٹنا اور جانور کو چرانا جائز ہے، البتہ مالک زمین کو یہ اختیار ہے کہ دوسرے شخص کو اپنی زمین میں آنے سے منع کردے اور اس کے بعد دوسرے شخص کو یہ بھی حق ہے کہ مالک سے کہے کہ: یا مجھے اپنی زمین میں آنے کی اجازت دے، یا مجھے گھاس کاٹ کردے، کیونکہ گھاس مباح الاصل ہے جس میں ہر شخص کو حق ہے، لہٰذا میرا بھی حق ہے اور وہ تیری زمین میں موجود ہے۔

اور جو گھاس خودرو نہ ہو، بلکہ مالک زمین نے پانی دے کر اسے اُگایا ہو، یا اس زمین کا احاطہ بنادیا ہو اور گھاس کے لئے زمین کو تیار کیا ہو تو اس کا بغیر مالک کی اجازت کے کاٹنا جائز نہیں:

"لایجوز بیع الکلأ. ومعناه أن له احتشاشه وإن كان في أرض مملوكة، غير أن لصاحب الأرض أن يمنع من الدخول في أرضه. وإذا منع، فلغيره أن يقول: إن لي في أرضك حقاً، فإما إن توصلني إليه أو تحشه. وظاهره أن هذا إذا نبت بنفسه، فأما إذا كان سقى الأرض وأعدها للإنبات فنبت، ففي الذخيرة والمحيط والنوازل: يجوز بيعه؛ لأنه ملكه، وهو مختار الصدر الشهيد. وكذا ذكر في اختلاف أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فيحمل كلام المصنف على ما إذا لم يعدها للإنبات. ومنه لوحدق حول أرضه وهيأها للإنبات حتى نبت القصب، صار ملكاً له، الخ". بحر بحذف: ۶/۷۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۲۶، ۱۲۷، رشيديه)

"عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلث: في الماء والكلاء والنار".=

سرکاری زمین میں کھیتی کرنا

سوال[۸۲۹۷]: گورنمنٹ نے چک بندی کے زمانہ میں کچھ راستے چھوڑے ان کی جوتائی وغیرہ کرکے غلہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے، جس کا لگان وغیرہ نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین کسان کی نہیں، نہ کوئی معاملہ اجارہ یا بٹائی کا مالک سے کیا ہو، اس کو جوتنا اور غلہ حاصل کرنا اس کے لئے جائز نہیں (۱)، وہ گورنمنٹ کی مِلک ہے تو اس کی اجازت سے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

= (سنن أبي داؤد، باب في منع الماء: ۱۳۶/۲، إمداديه)

"ثم الكلام في الكلاء على أوجه: أعمها مانبت في موضع غير مملوك لأحد، فالناس شركاء في الرعي، والاحتشاش منه كالشركة في ماء البحار، وأخص منه، وهو ما ينبت في الأرض مملوكة بلا إنبات صاحبها، وهو كذلك، إلا أن لرب الأرض المنع من الدخول في أرضه، فهو مالك له، وليس لأحد أخذه بوجه لحصوله بكسبه، ذخيرة وغيرها". (ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۴۴۰/۶، سعيد)

"والمراد بالكلأ الحشيش الذي ينبت بنفسه من غير أن ينبته أحد، ومن غير أن يزرعه، ويسقيه، فيملكه من قطعه وأحرزه". (البحر الرائق، كتاب إحياء الموات: ۳۹۲/۸، رشيديه)

"قوله عليه السلام: "المسلمون شركاء في ثلاثة، الخ" شركة إباحة لاشركة ملك، فمن سبق إلى أخذ شئ من ذلك في وعاء، أو غيره وأحرزه، فهو أحق به، وهو ملك له دون ماسواه يجوز له تمليكه بجميع وجوه التمليك، وهو مورث عنه، ويجوز فيه وصاياه كما يجوز في إملاكه". (تبيين الحقائق، كتاب إحياء الموات، مسائل الشرب: ۸۶/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد: ۴۱۷/۶، ۴۱۸، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من زرع زرعاً في أرض قوم بغير إذنهم، فليس له من الزرع شئ، ويرد عليه نفقته في ذلك". (شرح معاني الأثار، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع في أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم في ذلك وماروى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذلك: ۲۹۰/۲، سعيد)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولاية". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعيد)

(۲) "المغصوب إن كان عقاراً، يلزم الغاصبَ ردُّه إلى صاحبه من دون أن يغيره وينقصه، وإذا طرأ على =

کاشتکار کا چار بیگہ زمین لے کر زمیندار کی بقیہ زمین واپس کرنا

سوال[۸۲۹۸]: آج کل سرکاری قانون ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین دوسال بوئے تو وہ زمین وہ شخص زندگی بھر کاشت کر سکے گا، مالکِ زمین کو یہ حق نہیں کہ اس کے ہاتھ سے چھین لے۔ اس صورت میں اگر کوئی اس زمین کو بیچنا چاہے تو بیچ نہیں سکتا، کیونکہ خریدنے والا یہ کہتا ہے کہ ہم تو کاشت کے لئے خریدیں گے اور تمہارا کاشتکار تو اس کو نہیں چھوڑے گا، لہٰذا میں نہیں لوں گا۔ اب بیچارہ زمیندار پریشان ہوکر اس کاشتکار سے کہتا ہے کہ مثلاً چار بیگھ تم لے لو اور باقی مثلاً بارہ بیگہ چھوڑ دو تا کہ میں بیچ ڈالوں، اب وہ کاشتکار راضی ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مالکِ زمین کے جو یہ چار بیگھ زمین اس کو مصیبت میں پھنسا کر لی گئی، یہ کاشتکار کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کاشتکار کی طرف سے یہ ظلم ہے کہ چار بیگہ زمین لے کر مالک کی بارہ بیگہ زمین واپس کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۳ھ۔

= قيمة ذلك العقار نقصان بصنع الغاصب وفعله، يضمن قيمته". (شرح المجلة لسليم رستم باز، باب الغصب، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بغصب العقار، (رقم المادة: ۹۰۵): ۱/۵۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: مادام قائماً ...... والواجب الرد في المكان الذي غصبه لتفاوت القيم بتفاوت الأماكن". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ لا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "لاتظلموا": أي لايظلم بعضكم بعضاً، كذا قيل، والأظهر أن معناه: لاتظلموا أنفسكم، وهو يشمل الظلم القاصر والمتعدي .... "لايحل مال =

غیر مملوک زمین میں بونے سے ملکیت

سوال[۸۲۹۹]: خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پہاڑی جنگلات میں کاشتکاری نہیں ہوتی، بلکہ مویشی چرانے کا جنگل ہوتا ہے، چھ ماہ کے لئے اس جنگل میں مویشی چرتے ہیں۔ گورنمنٹ کا محکمۂ جنگلات فی بھینس ۱۲/ روپے چھ ماہ کا ٹیکس لیتی ہے۔ جنگلات میں کچھ لوگ قدیم باشندے ہوتے ہیں، وہ لوگ بعض جگہ سبزی وغیرہ لگا دیتے ہیں، یہ لوگ ٹیکس وغیرہ کچھ نہیں دیتے۔ تو ان جگہوں پر جس کو گورنمنٹ کرایہ پر دیتی ہے، سبزی وغیرہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ افسران کہتے ہیں کہ تم ان کو نکال کر پھینک دو تو ٹیکس والے لوگ ان کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر مملوکہ زمین میں جس نے جو کچھ بودیا وہ اس کا ہے، دوسرے کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں(۱)۔ لیکن اگر زمین کو مالک سے کسی نے کرایہ پر لی ہے تو اس میں دوسرے شخص کو کاشت کرنے کا حق نہیں،

= امرئ": أی مسلم أو ذمی "إلا بطيب نفس": أی بـأمر أو رضاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، (رقم الحديث: ۲۹۴۶): ۱۴۹/۲، رشيديه)

(۱) "عن رافع بن خديج رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم، فله نفقته، وليس له من الزرع شئ". .... قوله: "ليس من الزرع شئ" ويرد عليه نفقته فی ذلك، فوجه ذلك أن غيره يعطيه النفقة التی قد أنفقها فی ذلك، فيكون له الزرع لابما يعطی من ذلك، وهذا محال عندنا؛ لأن النفقة التی قد أخرجت فی ذلك الزرع ليست بقائمة، ولا لها بدل قام، وذلك أنها إنما دفعت فی أجر عمال وغير ذلك مما قد فعل المزارع له لنفسه، فاستحال أن يجب له ذلك علی رب المال إلا بعوض يتعوضه منه رب الأرض فی ذلك .... ووجه ذلك عندنا علی أن الزارع لاشئ له فی الزرع يأخذه لنفسه، فيملكه كما يملك الزرع الذی يزرعه فی أرض نفسه أو فی أرض غيره ممن أباح له الزرع فيها، ولكنه يأخذ نفقته وبذره ويتصدق بما بقی، هكذا وجه هذا الحديث عندنا فی ذلك، والله اعلم". (شرح معانی الأثار، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع فی أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم فی ذلك وماروی عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فی ذلك: ۲۹۱/۲، سعيد)

اس کو اجازت ہے کہ اس کی سبزی وغیرہ اکھاڑ کر پھینک دے۔وھذا ظاھر (۱)۔ فی بھینس ٹیکس سے سب زمین کرایہ پر شمار نہیں ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۵/۹۰ھ۔

سیلِ ماء دوسرے کی ملک میں

سوال [۸۳۰۰]: زید وعمر دونوں حقیقی بھائیوں کے مکان قریب قریب ہیں، اور درمیان دونوں مکانوں کے ایک دیوار ہے اور دیوار کے نیچے سے ایک سوراخ ہے جس سے زید کے گھر کا پانی - جو بارش وغیرہ کا ہوتا ہے- عمر کے صحن میں سے ہوکر شارعِ عام میں چلا جاتا ہے اور یہ صورت کافی عرصہ سے واقع ہے۔اب تنازع ہوگیا: عمر کہتا ہے کہ اپنے گھر کے پانی کا اور بندوبست کرو، میں اپنے صحن سے نہیں نکلنے دوں گا، حتی کہ جس جگہ پانی نکلتا تھا اس نے مکان بنالیا۔اگر زید کوشش کرے تو دوسری جانب سے نکل سکتا ہے مگر تکلیف سے۔

زید کہتا ہے: چونکہ کافی عرصہ سے یہ صورت چلی آرہی ہے، لہٰذا اس میں سے پانی نکالا جائے گا۔اور دونوں میں مقدمہ بازی شروع ہوچکی ہے۔بحوالہ تحریر فرماویں کہ شرع کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل، وله فيها ميزابٌ قديمٌ، فليس لصاحب الدار منعه عن مسيل الماء، اه". فتاوى عالمگیری: ٥/٣٩٤(٢)۔

---

(١) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد أمر بقطع النخل المغروس في غير حق بعدما قد بنت في الأرض، ولم يجعله لإرباب الأرض، فيوجب عليهم غرم ماأنفق فيه، فعل ذلك على أن الزرع المزروع في الأرض أحرى أن يكون كذلك، وأن يقلع ذلك، فيدفع إلى صاحب الزرع كالنخل التي قد ذكرنا ها، إلا أن يشاء صاحب الأرض أن يمنع من ذلك ويغرم قيمة الزرع والنخل منزعين مقلوعين، فيكون ذلك له". (شرح معاني الأثار للطحاوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب المزارعة والمساقاة، باب من زرع في أرض قوم بغير إذنهم كيف حكمهم في ذلك وماروى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذلك: ٢/ ٢٩١، سعيد)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب وما يتصل بذلك: ٥/٣٩٤، رشيديه) =

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر پانی کا راستہ قدیم سے ہے تو عمر کو اس کے روکنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۴/ ۲۴۰)

(وأيضاً الدر المختار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۶/ ۴۴۳، سعيد)

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

کیا شکار کرنا مباح ہے؟

سوال[۸۳۰۱]: "الصید مباح إلا للتلهی" شامی جلد خامس میں (۱) "تلهی" سے کیا مراد ہے؟ اگر کوئی شخص گاہے گاہے تفریحاً شکار کھیلتا ہے اور ترکِ واجبات نہیں کرتا تو بالکل جائز ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"تلهی" سے یہ مراد ہے کہ وہ محض لہو ولعب کے لئے شکار کھیلتا ہے جس سے وقت ضائع ہوتا ہے، حیوانات کو اذیت پہنچتی ہے، نہ یہ ان جانوروں کا گوشت کھاتا ہے، نہ ہڈی، سینگ وغیرہ کام میں لاتا ہے، نہ کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لئے ان کو مارتا ہے، بلکہ محض تفریح کے لئے ان کو مارتا ہے، ایسا شکار کھیلنا حرام ہے۔ نیز وہ شکار کھیلنا بھی حرام ہے جس سے فرائض، واجبات ترک ہوتے ہوں (۲)۔

---

(۱) (الدارلمختار، کتاب الصید: ۴۶۲/۶، سعید)

(۲) "کل لهو باطل إذا شغله: أی شغل اللاهی به عن طاعة الله: أی کمن التهیٰ بشئ من الأشياء مطلقاً، سواء کان مأذوناً فی فعله أو منهياً عنه: کمن شغل بصلاة نافلة أوبتلاوة أو ذکر أوتفکر فی معانی القرآن -مثلاً- حتی خرج وقت الصلوة المفروضة عمداً، فإنه یدخل تحت هذا الضابط. وإذا کان هذا فی الأشياء المرغب فیها المطلوب فعلها، فکیف حال ما دونها". (فتح الباری، کتاب الاستیذان، باب: کل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله: ۹۱/۱۱، دارالمعرفة بیروت)

اگر فرائض، واجبات ترک نہ ہوں، نیز ان جانوروں کو شکار کر کے کام میں لائے، یا ان کے شکار سے حفاظت مقصود ہو تو ممنوع نہیں، بلکہ مباح ہے:

"الصيد هو الاصيطاد في اللغة يقال: صاد يصيد صيداً. وسمى به المصيد تسمية للمفعول بالمصدر، فصار اسماً لكل حيوانٍ متوحشٍ ممتنع عن الادمي، مأكولاً كان أوغير مأكولٍ. والاصيطاد مباح في غير الحرم لغير المحرم، وكذا المصيد إن كان مأكولاً، لقوله تعالىٰ: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ ولقوله: ﴿وحرم عليكم صيد البرّ مادمتم حرماً﴾.

ولقوله عليه الصلوة والسلام: "الصيد لمن أخذ". ولقوله عليه السلام لعدى بن حاتم: "إذا أرسلت كلبك، فاذكر اسم الله تعالىٰ، فإن أمسك عليك فأدركته حياً فاذبحه. وإن أدركته قد قتل ولم يأكل منه، فكُلُه، فإن أَخْذَ الكلب ذكاةٌ". رواه البخاري ومسلم وأحمد. ولأنه نوع اكتساب وانتفاع بما هو مخلوق لذلك، فكان مباحاً كالاحتطاب، ليمكن المكلف من إقامة التكليف، اهـ". زيلعي: ٦/ ٥٠(١)۔

" والاصطياد مباح فيما يحل أكله ومالا يحل، فماحل أكله فصيده للأكل، ومالا يحل فصيده لغرض اخر: إما انتفاع بجلده أوشعره أو لدفع أذيته، اهـ". غاية(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/صفر/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

تفریح کے لئے شکار کھیلنا

سوال[۸۳۰۲]: ایک شخص ایک بندوق کا لائسنس صرف اس مقصد کے لئے بنوانا چاہتا ہے کہ حلال وحرام جانور کا شکار کھیلے اور تفریحِ طبع حاصل کرے، شکار کی عادت بغرضِ تفریح مثل اور مشاغل کے ہوتی ہے جن کی تعریف لہو ولعب سے کی جاتی ہے۔ اس لئے کارتوس وغیرہ کا صرفہ بعض اوقات عادتاً بڑھتا ہی رہتا ہے۔ آیا

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/ ١١١، سعيد)

(٢) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/ ١١١، دارالكتب العلمية بيروت)

بندوق اس غرض سے حاصل کرنا کہ اس کو مشغلۂ تفریح بنایا جائے اور ہر قسم کے جانوروں کا شکار تفریحِ طبع اور احباب کی دلچسپی اور ذاتی مشغلہ کے طور پر کیا جائے از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شکار کرنا -خواہ حلال جانور کا ہو خواہ حرام جانور کا- شرعاً مباح اور درست ہے جب کہ اس سے شکاری کی کوئی مشروع غرض حاصل ہوتی ہو، مثلاً: حلال جانور کا گوشت حاصل کرنا مقصود ہو، یا کسی جانور کے پَر، یا بال، یا کھال، یا سینگ، یا ہڈی وغیرہ کوئی چیز مطلوب ہو، یا مثلاً دفعِ اذیت ہی مقصود ہو جیسے بعض اوقات آدمی بندر یا بھیڑیے کا شکار کرتے ہیں۔

اگر محض لہو ولعب اور اضاعتِ وقت مقصود ہو تو نا جائز ہے:

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالا يؤكل، لقوله تعالى: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ مطلقاً من غير قيد بالمأكول؛ إذ الصيد لايختص بالمأكول .... ولأن اصطياده سبب الانتفاع بجلده أوريشه أوشعره أولاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع، اه". زیلعی: ٦/٦١(١)۔

"الصيد مباح". الأشباه، ص: ٢٥(٢)۔

والبسط في فتح الباري: ٩/٥٢١(٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ٦/ شعبان/ ٥٦ھ۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/١٣٣، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "الصيد مباح إلا للتلهي أوحرفة". (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، كتاب الصيد، الفن الثاني: ٣/٢٢٢، إدارة القرآن كراچي)

(٣) "وفيه إباحة الاصطياد للانتفاع بالصيد للأكل والبيع، وكذا اللهو بشرط قصد التذكية والانتفاع".

(فتح الباري، كتاب الذبائح والصيد، باب التسمية على الصيد: ٩/٦٠٢، دار المعرفة بيروت)

"وحل اصطياد مايؤكل لحمه ومالايؤكل .... ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو =

بلاضرورت شکار میں وقت ضائع کرنا

سوال [۸۳۰۳] : ۱..... بلاضرورت شکار کرنا یا وقت ٹلانے کو کیسا ہے؟

شکار میں نماز قضا کرنا

سوال [۸۳۰۴] : ۲..... شکار میں اکثر نماز قضا کرنا اور تنگ وقت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بے نمازی کا شکار اور اس کے ساتھ اختلاط

سوال [۸۳۰۵] : ۳..... بے نمازی کا شکار کیا ہوا کھانا، یا اس کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... محض تفریح، یا وقت ٹلانے کے لئے کسی جان کا ضائع کرنا، یا اس کو اذیت پہونچانا جائز نہیں (۱)۔

= ريشه أوشعره أولاستدفاع شره، وكل ذلك مشروع". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/۴۲۶، رشيديه)

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا طلب الصيد لهواً ولعباً، فلا خير فيه وأكرهه. وإن طلب منه مايحتاج إليه من بيع أو إدام أوحاجة أخرىٰ، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

"الاصطياد مباح إلا إذا كان للتلهي". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصيد: ۴/۳۰۰، امجد اكيڈمى، لاهور)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -وقال مرةً سفيان: قال: حدثني، ولا أعلمه إلا عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم-: "من سكن البادية جفا، ومن اتبع الصيد غفل". (سنن أبى داؤد، كتاب الصيد، باب في اتباع الصيد: ۲/۳۹۷، مكتبه امداديه ملتان)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما: من قتل عصفوراً بغير حقه، سأله الله عنه يوم القيامة". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۴۲، (رقم الحديث: ۸۹۱۰)، مكة المكرمة)

"عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مامن إنسان قتل عصفوراً فما فوقها بغير حقها، إلاسأله الله عزوجل عنها". قيل: يارسول الله! وماحقها؟ قال: "يذبحها فيأكلها، ولا يقطع رأسها يرمى بها". (سنن النسائي: ۲/۲۰۰، كتاب الصيد، إباحة أكل العصافير، قديمى)

(۱) "كل لهو باطل إذا شغله: أى شغل اللاهى به عن طاعة الله: أى كمن التهىٰ بشئ من الأشياء مطلقاً. =

۲.....حرام ہے(۱)۔

۳.....اگر شریعت کے موافق شکار کیا ہے تو وہ حلال ہے(۲)۔ اور اس کے ساتھ کھانا پینا اور دوستی ومحبت کے تعلقات رکھنا اس نیت سے کہ اس کی اصلاح ہوجائے اور اس کو نصیحت کرتے رہنا اور نماز کے فضائل، نیز اس کے ترک کے عذاب کو بتاتے اور سمجھاتے رہنا بہتر ہے(۳)۔ اگر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو، یا اپنے

= سواء كان مأذوناً في فعله أو منهياً عنه: كمن شغل بصلاة نافلة أوبتلاوة أو ذكر أوتفكر في معاني القرآن -مثلاً- حتى خرج وقت الصلوة المفروضة عمداً، فإنه يدخل تحت هذا الضابط. وإذا كان هذا في الأشياء المرغب فيها المطلوب فعلُها، فكيف حال ما دونها". (فتح الباري، كتاب الاستيذان، باب: كل لهو باطل إذا شغله عن طاعة الله: ۱۱/۹۱، دارالمعرفة بيروت)

"قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا طلب الصيد لهواً ولعباً، فلا خير فيه وأكرهه. وإن طلب منه مايحتاج إليه من بيع أو إدام أوحاجة أخرىٰ، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد)

"الاصطياد مباح إلا إذا كان للتلهي". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصيد: ۴/۳۰۰، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر".

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: أو صاني خليلي أن: "لاتشرك بالله شيئاً وإن قطعت أوحرقت، ولاتترك صلوةً مكتوبةً متعمداً، فمن تركها متعمداً، فقد برء ت منه الذمة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، والفصل الثالث: ۱/۵۸، ۵۹، قديمي)

(۲) "ولا بد فيه من الجرح، وكون المرسل أو الرامي مسلماً أو كتابياً، وأن لايترك التسمية عمداً عند الإرسال .... اهـ". (مجمع الأنهر: ۴/۲۵۵، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه)

(۳) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن عظه علانية فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۳، رشيديه)

اوپراس کا بُرا اثر پڑتا ہو تو تعلق نہ رکھے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

زندہ چیز کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا

سوال[۸۳۰۶]: زندہ چیز کو کانٹے وغیرہ میں پھنسا کر شکار کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زندہ چیز کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں ایلام وتعذیب حیوان ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۹ھ۔

مچھلی زندہ پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی، اس کے کھانے کا حکم

سوال[۸۳۰۷]: ۱.....مچھلی پانی سے زندہ پکڑی اور پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

---

(۱) "والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا فلا: أى بأن كان الهجر لموجبٍ شرعيّ لايحرم، هذا هو المراد". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية، (الرقم: ۸۰): ۱۰۳/۱، إدارة القرآن كراچی)

"رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرة في دنياه، يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۲) "وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره". (فتح البارى، كتاب الذبائح، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة: ۶۴۵/۹، دار المعرفة بيروت) .... =

پانی کے اندر لاٹھی سے مچھلی مار کر مرنے کے بعد پکڑنا

سوال[۸۴۰۸]: ۲..... مچھلی کا شکار پانی میں لاٹھی سے کیا، لاٹھی لگ کر مچھلی مرگئی، پھر مچھلی پکڑی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... پانی سے زندہ مچھلی پکڑنے کے بعد اگر مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا شرعاً درست ہے(۱)۔

۲..... زندہ مچھلی کے پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مُردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

= "وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل والتحديد الشفرة: ۳/ ۵۴۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحي لتعذيبه". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶/ ۴۷۴، سعيد)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحي يأخذه ويعذبه، ولابأس بأن يعلم بالمذبوح". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات وقتل الحيوانات ومالايسع من ذلک : ۵/ ۳۶۲، رشيديه)

(۱) "ولايحل حيوان مائي إلا السمک الذي مات بآفة .... وحل الجراد وأنواع السمک بلا ذكاة". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۳۰۶، سعيد)

"وحل السمک بلا ذكاة كالجراد". (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/ ۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "أحلت لنا ميتتان: الحوت والجراد". (سنن ابن ماجة، أبواب الصيد، باب صيد الحيتان والجراد: ۲/ ۲۳۲، قديمي) =

لبِ دریا خطیرہ بنایا، اس میں مچھلیاں آگئیں، ان کا دوسرے کو پکڑنا

سوال[۸۳۰۹]: تقریباً عرصہ ۲۵/ سال سے زید نے کچھ سرکار سے بندوبستی شدہ زمین جو لبِ دریا پر واقع ہے، دریا کے پانی کے طغیان سے حفاظت کی غرض سے سرکار نے اس زمین کی دریائی کنارہ پر ایک اونچی آڑ بنادی ہے، زید نے سرکار سے اجازت لے کر اس آڑ میں ایک نالی اپنی زمین کی محاذات میں بنائی ہے تاکہ حسبِ ضرورت اندرونی پانی نکل جائے، یعنی زید عمرو بکر کی مشرقی زمین کا پانی نکل جائے، پانی زیادہ جمع ہونے سے زراعت کو ضرر رسانی نہ ہو۔ اور اس نالی کے منہ پر ایک حظیرہ بنایا ہے اور اس میں درخت کی شاخیں وغیرہ ڈالی تاکہ مچھلیاں جمع ہوں، چنانچہ عرصہ سے زید اس حظیرہ سے مچھلیاں پکڑتا ہے۔

کبھی اس نالی کی بند کھل کر دریا کا پانی داخل ہونے سے قرب وجوار کی زراعت کا کچھ نقصان ہوتا ہے، مگر شاذ ونادر۔ اب عمر- جو زید کے جار میں سے ہے- کہتا ہے کہ اس نالی کو بند کردو، ورنہ مجھے بھی مچھلیوں میں شریک کرو، یا اپنی زمین کی آڑ اونچی کردو، ورنہ تمہارے لئے یہ مچھلیاں کھانا حرام ہوگا۔ اب یہ چند امور قابلِ استفسار ہیں:

الف......کیا زید کو وہ پانی بند کرنا پڑے گا؟

ب......کیا اس حظیرہ سے زید کو مچھلیاں کھانا حرام ہوگا؟

ج......کیا عمرو کو حقیقۃً اس حظیرہ سے مچھلیاں پکڑنا جائز ہوگا؟

د......کیا زید کو اپنی آڑ اونچا کرنا پڑے گا؟

ہ......اگر زید کی بے خبری میں وہ نالی دریا کے تموج سے خود بخود کھل کر نمناک پانی داخل ہو کے قرب وجوار کا کچھ نقصان پہونچے۔ کیا زید پر اس کا ضمان آوے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نیز دریافت طلب یہ ہے کہ ایک رات عمرو مذکورہ کا بھائی اور ایک دوسرا آدمی ساتھ لے کر زید کے حظیرہ

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مآء البحر: "هو الطهور ماء ه والحل ميتته". (سنن النسائي، باب ميتة البحر: ۲/ ۲۰۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۸/۳۱۳، رشيديه)

سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے جاکر وہاں سے کتنی مچھلیاں پکڑ کر لائے اور وہ عمرو مولوی صاحب تھے، ان کے بھائی نے مولوی صاحب کے پاس دے دیا تاکہ مولوی صاحب مچھلیوں کی حفاظت کریں اور مولوی صاحب کو معلوم ہے کہ یہ مچھلیاں زید کے حظیرہ کی مچھلیاں ہیں۔

زید نے مولوی صاحب کے بھائی کو مچھلیاں لے جانے کے وقت دیکھا، لیکن خوفِ لڑائی سے زید نے کچھ بات چیت نہیں کی، پھر صبح زید نے دوسرا آدمی یعنی قریب والے لوگوں کو کہا کہ مولوی صاحب کے بھائی میرے حظیرہ سے مچھلیاں پکڑ کر لے گئے، لیکن اس واقعہ کی تصدیق میں دو تین آدمی کو بلا کر اس حظیرہ میں گئے، انہوں نے علامت اور قرینہ سے معلوم کرلیا کہ واقعی مچھلیاں پکڑی گئی ہیں۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ حقیقۃً جاکر دیکھو کہ عمرو کے گھر میں مسروقہ مچھلیاں ہیں یا نہیں۔

زید نے دیکھا کہ عمرو کے مکان کے باہر ساری مچھلیاں بکھری ہوئی ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے، زید نے جواب دیا: گذشتہ رات تمہارے بھائی میرے حظیرہ سے مچھلیاں پکڑ کر لائے ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ میں بھی مچھلیاں پکڑنے میں شریک تھا۔ زید نے جواب دیا اتنا بڑا عالم ہوکر مچھلیاں چوری کی، اگر یونہی مانگ لیتے تو دیدیا جاتا، کیونکہ تم کو پہلے بھی دیا ہے۔ زید کہنے لگا کیا یہ مچھلیاں تمہارے لئے کھانا جائز ہے، مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ مچھلیاں کھانا جائز ہے اس لئے کہ جو شئی کسب کے ذریعہ سے ہو اس کا کھانا جائز ہوتا ہے، وہ بھی ایسی شئی میں سے ہے یعنی میرے ہاتھ کی پکڑی ہوئی ہے۔

زید نے کہا کہ یہ مچھلیاں میرے حظیرہ کی ہیں اب یہ چوری ہوئی، مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تو نے مجھ کو چور کیوں کہا، تو نے میری اہانت کی اور عالم کی اہانت موجب کفر ہے۔ نیز مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تیری بیوی کو طلاق ہوگئی، نیز داہ بھی لازم آیا(۱)۔ مولوی صاحب نے اس طرح فتویٰ جاری کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی بیوی کو طلاق پڑ گئی اور وہ بھی کافر ہوگیا اور وہ داہ آوے گا یا نہیں؟ نیز مولوی صاحب کو حقیقۃً مچھلیاں پکڑنا جائز ہوا یا نہیں؟ اگر وہ واقعی کافر نہیں ہوا اور بیوی کو طلاق نہیں ہوئی تو شرعاً ایسے مفتی پر کیا حکم عائد ہوگا؟

---

(۱) ''داہ: لونڈی، کنیز، ذلیل، خوار''۔ (لغات سعدی، ص: ۳۱۳، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......الف......محض اس وجہ سے اس نالی کا بند کرنا زید کے ذمہ ضروری نہیں۔

ب......نہیں، بلکہ مباح ہوگا، لأنه مباح الأصل (۱)۔

ج......ناجائز ہوگا:

"ولا يجوز بيع سمك لم يصد أو صيد وألقي في حظيرة لايجوز. وفي الزاهدي: إذا اجتمعت بنفسها، فبيعها باطل كيف ماكان، لعدم الملك، اه". مجمع الأنهر: ۲/۵۵(۲)۔

"وإذا دخل السمك الحظيرة باحتيال، ملكه، وكان له بيعه على التفصيل. وقيل: لامطلقاً، لعدم الإحراز. والخلاف فيما إذا لم يهيّئها له، فإن هيّئها له، ملكه إجماعاً. فإن اجتمع بغير صنعه، لم يملكه، سواء أخذه من غير حيلة أولا، اه". بحر: ۶/۷۳(۳)۔

د......محض مچھلیوں کی اجازت نہ دینے پر تو آڑ کا اونچا کرنے کا مطالبہ ناحق ہے، اگر اس سے زراعت کو نقصان پہونچتا ہے تو پھر مطالبہ درست ہے اور چونکہ آڑ سرکار نے بنائی ہے، اس لئے اونچا کرنے کا مطالبہ سرکار ہی سے کیا جائے (۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعاً لكم وللسيارة﴾ (المائدة: ۹۲)

"أی: مايصاد في الماء، بحراً كان أو نهراً أو غيراً، أو هو مايكون توالده ومثواه في الماء مأكولاً كان أو غيره، كما في البدائع". (روح المعاني: ۷/۳۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (مجمع الأنهر، باب البيع الفاسد: ۲/۵۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (البحر الرائق، باب البيع الفاسد: ۶/۱۱۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، البيع الفاسد: ۴/۳۲۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وفسد بيع سمک لم يُصد، أو صِيد ثم ألقي في مكان لايؤخذ منه إلابحيلة وأخذ بدونها، صح، إلا إذا دخل بنفسه ولم يسدّ مدخله، فلو سدّه، ملكه. ... الفاسد ۵/۲۰، سعيد)

(۴) "لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضرّ بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة، ص: ۶۵۷، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه) .... =

۵...... چونکہ یہ نالی زید نے سرکار کی اجازت سے کھولی ہے، اس لئے اگر قرب والوں کو نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو باقاعدہ سرکار سے درخواست دے کر بند کرادیں، اگر باوجود درخواست دینے اور بندش کا حکم سرکار کی طرف سے صادر ہونے کے زید نے نالی کو بند نہ کیا تو پھر نقصان کا زید ضامن ہوگا(۱)۔

۲...... جوابِ سوال نمبر: ا (ج) کی نقل کردہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ: اگر مچھلیوں کے لئے کسی شخص نے حظیرہ بنالیا اور اس میں مچھلیاں داخل ہوگئیں تو وہ حظیرہ والے کی ملک ہیں۔ اور صورتِ مسئولہ میں زید نے مچھلیوں کے لئے حظیرہ بنایا ہے، پس اس کی مچھلیاں زید کی ملک ہیں، عمرو وغیرہ کو ان کا پکڑنا اور کھانا بغیر زید کی اجازت کے ناجائز ہے۔

عمر کا استدلال صورتِ مذکورہ پر منطبق نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص غیر مملوک مباح الاصل مچھلی وغیرہ کو پکڑے، اس وقت اس کو یہ استدلال درست ہوگا اور صورتِ مسئولہ میں چونکہ وہ مچھلیاں زید کی مملوک ہو چکی ہیں اس لئے یہ استدلال درست نہیں۔

واقعہ مذکورہ کی بناء پر زید کو کافر اور اس کی بیوی کو مطلقہ کہنا اور زید کو مستحقِ دا قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ کفر بہت بڑی چیز ہے، کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان مولوی صاحب کے ذمہ اپنے فتوے سے رجوع کرنا واجب ہے اور ایسے شخص کو بغیر تحقیق کے فتویٰ دینا قطعاً ناجائز ہے۔

اہانتِ عالم کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دینا قطعاً ناجائز ہے۔ جب کہ وہ اہانت کسی اور سبب سے ہو علمِ دین کی وجہ سے نہ ہو، یعنی کسی نے علمِ دین کی اہانت کی ہو تو چونکہ علم صفتِ خداوندی ہے، اس لئے اس کی اہانت کی وجہ سے اہانت کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔ اور یہاں تو ظاہر ہے کہ جو کچھ مولوی صاحب کو کہا ہے ان کے اس فعل کی بناء پر کہا ہے، علم کی اہانت کے لئے نہیں کہا:

= "وكذا لو كان لرجل عرصةٌ متصلةٌ بدار آخر، فشق فيها خرقاً إلى طاحونه، وجرى الماء يوهن جدار الدار، أو اتخذ واحدٌ في أساس جدار جاره مزبلةً، و إلقاء القمامة يضرّ بالجدار، فلصاحب الجدار أن يكلّفه رفع الضرر. وكذا إذا اتخذ في ملكه بئراً أو بالوعةً، فنزّ منها حائط جاره، فلجاره أن يُجبره على رفع الضرر". (شرح المجلة، ص: ٦٥٩، (رقم المادة: ١٢٠٠)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(١) "المسبب لايضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة، (رقم المادة: ٩٣)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب، اه". بحر: ۱۲۳/۵(۱)۔

"الاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفافٌ بالعلم، والعلم صفة اللّٰه تعالى منحه فضلاً على خيار عباده ليدلوا خلقه على شريعته نيابةً عن رُسله، فاستخفافه بهذا يعلم أنه إلى من يعود؟......... قال للفقيه: "دانشمندک" أو لعلويٍّ "علويک" يكفر إن قصد به الاستخفاف بالدين. وإن لم يُرد به الاستخفاف بالدين، لايكفر. وشتم العالم أو العلوى لأمر غير صالح فى ذاته وعداوته لخلافه الشرع لا يكون كفراً، اه". فتاوىٰ بزازيه: ۳۳۶/۶(۲)۔

"وفى فتاوى الصغرى: الكفر شيٌ عظيمٌ، فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت راويةً أنه لايكفر، اه. .... إذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتى أن يميل إلى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم، اه". بحر: ۱۲۴/۵(۳)۔

بغیر دلیلِ شرعی کسی کو چور کہنا اور بائیکاٹ وغیرہ کی سزا دینا ناجائز ہے، اگر مولوی صاحب کو شبہ ہے تو ان کو چاہیے کہ باقاعدہ حاکم کی عدالت میں دعویٰ کر کے اپنے دعویٰ کو دلیل سے ثابت کریں اور زید کو حکومت سے سزا دلوائیں بغیر ثبوت کے خود بائیکاٹ وغیرہ کا حکم کر دینا ناجائز ہے اور ظلم ہے:

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۷/۵، رشيديه)

(۲) (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الثانى فى الاستخفاف بالعلم: ۳۳۶/۶، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۰/۵، رشيديه)

"من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر، خيف عليه الكفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل فى العلم والعلماء، ص: ۲۱۳، قديمى)

"إذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنعه، فعلى المفتى أن يميل إلى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم .... لايفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان فى كفره اختلاف ولورواية ضعيفةً". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۳۰/۴، سعيد)

"من قذف مسلماً بیافاسق وهو لیس بفاسق أو یاسارق وهو لیس بسارق، عزّر، اهـ".

ہندیہ مختصراً: ۲/۱٦۸ (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

مملوک حوض سے مچھلی پکڑنا

سوال [۸۳۱۰]: بہت سے لوگ اس علاقہ میں اپنی زمین میں حوض کھدواتے ہیں اوراس میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مچھلی پالتے ہیں، بوقتِ ضرورت نکال کر فروخت کرتے اور کھاتے ہیں۔ زید ایک رات چپ چاپ گیا اور بغیر اجازت مچھلی لے آیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ مچھلی لانا جائز نہیں، بغیر مالک کی اجازت کے۔ وہ کہتا ہے کہ جو مچھلی پکڑے اس کی مِلک ہے، میرا پکڑنا اور لانا جائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی زمین میں حوض کھدواکر اس میں مچھلی لاکر ڈالنے اور پالنے سے وہ مچھلی مالک کی ہوجاتی ہے، بغیر مالک کی اجازت کے اس کے پکڑنے کا کسی کو حق نہیں۔ البتہ خود پیدا شدہ مچھلی جیسے عام دریا اور تالاب میں ہوتی ہے، اس کے پکڑنے کا ہر ایک کو حق ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۵/۲۹ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، فصل فی التعزیر: ۲/۱٦۸، رشیدیه)

(۲) "والحاصل –کما فی الفتح– أنه إذا دخل السمک فی حظیرة، فإمّا أن یعدها لذلک أولا، ففی الأول یملکه ولیس لأحد أخذه. ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة، جاز بیعه؛ لأنه مملوک مقدور التسلیم، وإلالم یجز، لعدم القدرة علی التسلیم. وفی الثانی لایملکه، فلا یجوز بیعه، لعدم الملک، إلا أن یسد الحظیرة إذا دخل فحینئذ یملکه. ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة، جاز بیعه، وإلا فلا. وإن لم یعدها لذلک لکنه أخذه وأرسله فیها، ملکه". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/٦۱، سعید)

سور کے خون سے آلودہ برچھی سے شکاری کے زخمی کئے ہوئے جانور کا حکم

سوال[۸۳۱۱]: ایک پہاڑ اشکاری کا زخمی کیا ہوا جا رہا تھا، راستہ میں سور کی برچھی سے (جس میں سور کا خون لگا ہوا تھا) اس پر وار کر دیا، پھر اس کو ذبح کر دیا گیا۔ وہ گوشت کھانے کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ ماکول اللحم جانور ہے اور اس کو بحالتِ حیات شرعی طریق سے ذبح کر لیا ہے(۱) تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے، پاک کر کے کھانا چاہیے(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم الحرام/۵۲ھ۔

---

(۱) "وإن أدركه حياً، ذكاه، لقوله عليه الصلوة والسلام لعدي: "إذا أرسلت كلبك، فاذكر اسم الله تعالىٰ عليه، فإن أمسك عليك وأدركته حياً، فاذبحه". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۲۱۲/۸، رشيديه)

"وإن أدركه حياً، زكاه". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۱۷/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا أدرك الصيد حياً حياةً فوق المذبوح، فلا بد من زكوته، فإن تركها متمكناً منها، حرم .... وإن لم يبق من حياته إلا مثل حياة المذبوح وهو لايتوهم بقاءه، فلم يدركه حياً. وقيل: عند الإمام لابد من تزكيته أيضاً، فإن زكاه حلّ إجماعاً". (مجمع الأنهر، كتاب الصيد: ۲۶۶/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۹/۶، سعيد)

(۲) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب يغسل ما أصاب فمه ثلاثاً لتنجسه بلعابه كما يغسل الإناء من ولوغه ثلاثاً". (الحلبي الكبير، فصل في الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضوء: ۲۴/۱، رشيديه)

"ولو صبت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان، يطهر اللحم بالغسل ثلاثاً"

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والغسل: ۳۳۴/۱، سعيد)

عضوِ شکار ذبح سے پہلے جدا ہوگیا

سوال[۸۳۱۲]: ایک نیل گائے پر شکاری نے بندوق سے فائر کیا، ایک ران شکار سے جدا ہوگئی، شکار آگے نکل گیا۔ زید نے دوڑ کر شکار کو پکڑا اور اسے شرع کے مطابق ذبح کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو ران کٹ کر پہلے ہی گر گئی تھی، اس کا کیا حکم ہے، اسے کھایا جائے یا نہیں؟

حاجی عبدالرزاق، کرنیل گنج، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ ران مردار ہے، اس کا کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتے کے ذریعہ شکار

سوال[۸۳۱۳]: شکاری کتے کو "بسم اللہ، اللہ أکبر" پڑھ کر چھوڑا، جب تک کتے نے شکار مالک کو لا کر دیا، شکار مر چکا تھا۔ اب اس کا کھانا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن أبي واقد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماقطع من البهيمة وهي حية، فهي ميتة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصيد، باب في اتباع الصيد: ۲/ ۳۹، مكتبه إمداديه ملتان)

"عن واقد الليثي قال: قدم النبي المدينة وهم يجبّون أسنمة الإبل، ويقطعون إليات الغنم، فقال: "ماقطع من البهيمة، فهو ميتة". (جامع الترمذي، أبواب الصيد، باب ماجاء ماقطع من الحي فهو ميت: ۱/ ۲۷۳، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ماقطع من البهيمة وهي حيةٌ، فما قطع منها، فهو ميتة". (سنن ابن ماجه، أبواب الصيد، باب ماقطع من البهيمة وهي حية، ص: ۲۳۱، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/ ۴۷۳، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر: ۴/ ۲۶۴، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الجوهرة النيرة، كتاب الصيد: ۲/ ۲۷۴، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شکار پر "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو چھوڑا اور کتے نے شکار کو پکڑ لیا، شکاری ابھی وہاں تک نہیں پہونچ سکا تھا کہ شکار مر گیا تو وہ شکار حلال ہے(۱)، بشرطیکہ کتے نے اس کو زخمی کر دیا ہو جس سے کچھ خون بھی نکلا ہو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۱۲/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۱/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عدیّ بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ، قلت: إنا نصید بهذه الکلاب، فقال لی: "إذا أرسلت کلابک المعلمة، وذکرت اسم اللہ، علیها فکل مما أمسکن علیک". قلت: وإن قتلن؟ قال: "وإن قتلن .... اهـ". (سنن أبی داؤد، کتاب الصید، الباب الثانی فی الصید، باب الصید: ۲/ ۳۹، إمدادیه ملتان)

"عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت: یارسول اللہ! إنا نرسل کلاباً لنا معلمةً، قال: "کل ما أمسکن علیک". قلت: یارسول اللہ! وإن قتلن؟ قال: "وإن قتلن". (جامع الترمذی، أبواب الصید، باب ماجاء مایؤکل من صید الکلب ومالایؤکل: ۱/ ۲۷۱، سعید)

"عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فقلت: "إنا قوم نصید بهذه الکلاب، قال: "إذا أرسلت کلابک المعلمة وذکرت اسم اللہ علیهما، فکل ما أمسکن علیک وإن قتلن". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، باب صید الکلب، قدیمی)

(وکذا فی کتاب الأثار، باب صید الکلب، ص: ۱۸۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصید: ۶/ ۴۶۵، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یسئلونک ماذا أحلّ لهم قل أحلّ لکم الطیبات وماعلمتم من الجوارح﴾ (سورة المائدة: ۴)

"وأما الاصطیاد بالجوارح من الحیوانات: إما بناب کالکلب والفهد ونحوهما، وإما بالمخلب کالبازی والشاهین ونحوهما، فکذلک فی الروایة المشهورة أنه إذا لم یجرح لایحل، حتی لو خنق أو صدم ولم یجرح ولم یکسر عضواً منه، یحل فی ظاهر الروایة". (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود: ۶/ ۲۱۹، دارالکتب العلمیة بیروت) .... =

کتے کا شکار کو پکڑنا

سوال[۸۳۱۴]: کتا شکار کو پکڑ لیتا ہے اور پھر شکاری ذبح کر لیتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، ھکذا فی کتب الفقہ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۲/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/محرم الحرام/۵۳ھ۔

کتے کو "بسم اللہ" پڑھ کر ہرن پر چھوڑا، اس نے اول خنزیر کو پکڑا پھر ہرن کو

سوال[۸۳۱۵]: شکاری نے کتا شکار کے پیچھے چھوڑا، اچانک اس نے ایک خنزیر کو پکڑ لیا اور اس کے خون میں دانت آلودہ کرنے کے بعد ہرن کو پکڑ لیا اور وہ ہرن مر گیا۔ اب اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو جس نے کھایا ہے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ اور اگر اس کتے نے ہرن کو نہیں مارا بلکہ وہ ذبح کیا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتے نے ہرن کو گلا گھونٹ کر مارا ہے زخمی نہیں کیا ہے، یا وہ کلبِ معلَّم نہیں، یا اس کتے کو بغیر "بسم اللہ" پڑھے چھوڑا ہے تو وہ ہرن حرام ہو گیا، اس کا کھانا حرام ہے(۲)، جس نے کھایا وہ گنہگار ہے توبہ لازم ہے۔

=(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصید: ۸/۴۱۲، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصید: ۷/۱۱۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنہر، کتاب الصید: ۴/۲۵۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "وهو (أی الصید) جائز بالجوارح المعلمة .... ولابد فیه من الجرح .... وأن لایترک التسمیة عمداً عند الإرسال .... اهـ". (ملتقی الأبحر، کتاب الصید: ۴/۲۵۴، مکتبہ غفاریہ)

"ولا بد من التعلیم لقوله تعالیٰ: ﴿وما علّمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن﴾". (تبیین =

اور اگر وہ کلب معلم ہے اور اس کو "بسم اللہ" پڑھ کر چھوڑا ہے اور اس نے ہرن کو زخمی کردیا، نیز درمیان میں محض خنزیر کو بطورِ شکار پکڑنے کے لئے ٹھہرا اور پھر فوراً ہرن پر دوڑ گیا، تاخیر نہیں کی اور نہ کسی اَور طرف متوجہ ہوا تو ہرن کا کھانا درست ہے(۱)۔ اگر کتے نے نہیں مارا، بلکہ ذبح کردیا گیا تو بہرحال درست ہے، البتہ جس جگہ کتے کے دانت لگے ہوں اس جگہ کو پاک کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

کتے کے منہ سے گوشت چھین کر خود کھانا

سوال[۸۳۱۶]: ایک شکاری آدمی نے اپنا شکاری کتا ہرن کے پیچھے چھوڑا، اور شکاری کتے نے ہرن کر پکڑ لیا، اس کے مالک نے پہونچ کر ہرن کو ذبح کرلیا اور پھر کتا داؤ لگا کر گوشت کا ٹکڑا اٹھا کر بھاگ گیا، کتے کا مالک بھی پیچھے بھاگا اور وہ ٹکڑا چھڑا لیا اور اس کو دھو کر کھالیا۔ کیا شرعاً ایسا گوشت جو کتے کے منہ سے چھوڑایا

= الحقائق: ۱۱۲/۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

"أو خنقه الكلب ولم يجرحه، أو شاركه كلب غير معلم، أو كلب مجوسي، أو كلبٌ لم يذكر اسم الله عليه عمداً، حرم". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۱۷/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"أو خنقه الكلب ولم يجرحه، أو شاركه كلبٌ غير معلم، أو كلب مجوسي، أو كلب لم يذكر اسم الله عليه عمداً، حرم". (البحر الرائق، كتاب الصيد: ۴۱۲/۸، رشيديه)

(۱) "ولو أرسل كلبه المعلم على صيد معين فأخذه غيره وهو على سننه، حل". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۲۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإن أرسله على صيد، فأخذ غيره، حل مادام على سنن إرساله. قال في المجمع: إن الإرسال شرط غير مقيد؛ لأن المقصود حصول الصيد؛ إذ لايقدر على الوفاء به؛ إذ لايمكنه تعليمه على وجه يأخذ ماعينه، فسقط اعتباره مادام لم يعدل عن سننه". (مجمع الأنهر: ۲۶۰/۴، كتاب الصيد، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب، يغسل ما أصاب فمه ثلاثاً، لتنجسه بلعابه، كما يغسل الإناء من ولوغه ثلاثاً". (الحلبي الكبير، فصل الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمي، لاهور)

ہو پاک ہے اور حلال ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس کا کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ گوشت پاک کرلیا گیا تو شرعاً اس کا کھانا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پاک کرنے سے گوشت پاک ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

کیچوے کے ذریعہ مچھلی کا شکار

سوال[۸۳۱۷]: کیچوا کانٹے میں لگا کر مچھلی کا شکار کرنا شرعاً کیسا ہے اور ایسی شکار کی ہوئی مچھلی بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مچھلی درست ہے، کیچوا اگر مار کر کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے تو یہ فعل بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "الكلب إذا أكل بعض عنقود العنب، يغسل ماأصاب فمه ثلاثاً، لتنجسه بلعابه كما يغسل الإناء من ولوغه ثلثاً". (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فصل في الآسار، ص: ۱۹۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"ويغسل الإناء من ولوغ الكلب ثلاثاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث، الفصل الثاني فيما لايجوز به التوضؤ: ۱/۲۴، رشيديه)

"ولو صبت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان، يطهر اللحم بالغسل ثلاثاً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والعسل: ۱/۳۳۴، سعيد)

(۲) کیچوا اگر زندہ ہونے میں ہی کانٹے میں لگایا جائے تو یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ اس میں تعذیب حیوان ہے جو کہ حرام ہے، البتہ کیچوا مار کر کانٹے میں لگانے میں کوئی حرج نہیں:

"وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره". (فتح الباري، كتاب الذبائح، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة: ۹/۶۴۵، دارالمعرفة بيروت) .... =

کیچوے کے ذریعہ شکار

سوال[۸۳۱۸] : ۱......مچھلی کا شکار مرے ہوئے کیچوے کے ذریعہ کیسا ہے؟

زندہ مینڈک سے شکار

سوال[۸۳۱۹] : ۲......اور نیز زندہ مینڈک سے شکار کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جائز ہے(۱)۔

۲......زندہ جانور کو کانٹے میں لگا کر شکار کرنا ممنوع ہے(۲)، اس کو مار کر لگانا اور پھر شکار کھیلنا

= "وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي ومأمور بالاجتناب عنه". (تكلمة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل والتحديد الشفرة: ۵۴۰/۳، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحي لتعذيبه". (الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۷۳/۶، سعيد)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحي يأخذه ويعذبه، ولابأس بأن يعلم بالمذبوح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات وقتل الحيوانات ومالايسع من ذلك: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۱) "وحل اصطياد مايؤكل لحمه، ومالايؤكل؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ مطلقاً من غير قيد بالمأكول؛ إذ الصيد لايختص بالمأكول .... ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو لاستدفاع شره وكل ذلك مشروع". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۱۳۴/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"الصيد مباح إلا للتلهي أو حرفة". (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، كتاب الصيد، الفن الثاني: ۲۲۴/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(۲) "وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره، قال عليه الصلوة والسلام: "إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم، فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم =

درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۲/۸ھ۔

بندوق کے شکار کا حکم

سوال[۸۴۲۰]: ایک شخص نے مرغابی کا شکار بندوق کی گولی سے کیا۔ تلاش کرنے کے بعد وہ مری ہوئی حالت میں پایا گیا اور پھر اس کو ذبح کردیا گیا جس سے تھوڑا سا گرم خون بھی نکلا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں نے اس کا گوشت بھی کھایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بندوق میں جو گولی ہوتی ہے یا چھرّا ہوتا ہے وہ چاقو یا تیر کی طرح دھاردار نہیں ہوتی، وہ تیر کے حکم میں نہیں۔ اگر "بسم اللہ" پڑھ کر بندوق چلائی اور اس سے جانور مرجائے، ذبح کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حلال نہیں (۱)۔ اگر

= شفرته، وليرح ذبيحته". قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن أبي جمرة: فيه رحمة الله لعباده حتى في حال القتل فأمر بالقتل، وأمر بالرفق فيه، ويؤخذ منه قهره لجميع عباده؛ لأنه لم يترك لأحد التصرف في شئ إلا وقد حدله فيه كيفية". (فتح الباري، كتاب الصيد والذبائح، باب مايكره من المثلة: ۹/۶۴۴، دار المعرفة بيروت)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحيّ لتعذيبه". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۴، سعيد)

(۱) "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حد، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۱، سعيد)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بيقين، حل. وإن بالثقل أو شك فيه، فلا يحل حتماً أو احتياطاً". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ۷/۱۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن إبراهيم عن عدي بن حاتم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رميت فسمت فخرقت فكل، وإن لم يخرق فلا تأكل، ولا تأكل من المعراض إلا ماذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيته" (نيل الأوطار، أبواب الصيد، باب النهي عن الرحي بالبندق ومافي معناه: ۹/۱۴، دار الباز للنشر والتوزيع) .... =

اس کو زندہ پالیا اور شرعی طریقہ پر ذبح کرلیا تو وہ حلال ہوگا (۱)۔ اگر وہ مرچکا تھا پھر ملا تو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا، اس صورت میں اس کے غائب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ذبح کرنے سے پہلے اگر اس کی موت وحیات مشکوک ہو اور ذبح کرنے پر اس میں کوئی حرکت نہ ہو، جیسے زندہ جانور کو ذبح کرتے وقت حرکت ہوتی ہے اور نہ اس طرح سے اس میں خون نکلے تو وہ حلال نہیں (۲)۔ محض خون نکلنا علامتِ حیات نہیں، مگر خون اس طرح جوش کے ساتھ نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے تو وہ علامتِ حیات ہے۔

"قال في البزازية: وفي شرح الطحاوي: خروج الدم لايدل على الحيوة، إلا إذاكان يخرج كما يخرج من الحيّ عند الإمام، وهو ظاهر الرواية، اه". شامي: ۱۹٦/۵ (۳)۔

= "وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص مالم يُدرك حياً فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم مامرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحاً. وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولايُدرى مات بالجرح أوالثقل، كان حراماً". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ۴۹۱/۳، دارالعلوم كراچی)

(۱) "عن عدى رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيت". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ۴۸۸/۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها، فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلت، وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر. ۱٦۴/۴، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ولايحل: ۳۱۵/۸، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/٦، سعيد)

"وفيه أيضاً وإن ذبح شاةً أو بقرةً، فخرج منها دمٌ ولم تتحرك، وخروجه مثل مايخرج من الحي، أكلت عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸٦/۵، رشيديه)

"وخروج الدم لايدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي، وهذا عند أبي =

قلت: ومسئلة المذبوحة مذكورة فيها في: ٥/٣٠٤(١)۔ اس تفصیل پر آپ اپنے مرغابی کا مسئلہ منطبق کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

بندوق سے شکار

سوال[۸۳۲۱]: بندوق سے شکار کیا ہوا جانور کتنی دیر میں مردہ قرار دیا جاتا ہے، اگر شکاری "بسم اللہ" کہہ کر گولی چلائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شکاری "بسم اللہ" پڑھ کر گولی چلائے اور اس سے جانور (چرند پرند) مرجائے تو وہ مردار ہوجائے گا(۲)۔ اگر اس کے مرنے سے پہلے ذبح کرلیا جائے تو حلال ہوجائے گا(۳)۔ بے حس وساکت جانور کو ذبح کرنے

= حنيفة رحمه الله، وهو ظاهر الرواية". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول: ٦/٣٠٥، رشيديه)

(١) "(قوله: ولو عجز عن التذكية) بأن لم يجد آلةً أصلاً، أو يجد لكن لايبقى من الوقت مايمكن تحصيل الآلة والاستعداد للذابح، وهذا إذا كان فيه عن الحياة أكثر مما في المذبوح بعد الذبح، وأما إذا كان مثله فهو ميت حكماً، فيحل إجماعاً .... روى عن أصحابنا الثلاثة أنه يؤكل استحساناً، وقيل بأن هذا أصح". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ٦/٤٧١، سعيد)

(٢) "عن عدى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ٣/٤٨٨، مكتبه دار العلوم كراچى)

(٣) "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حد، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ٦/٤٧١، سعيد)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بيقينٍ، حل. وإن بالثقل أوشك فيه، فلا يحل حتماً أو احتياطاً". (تبيين الحقائق، كتاب الصيد: ٧/١٢٩، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن إبراهيم عن عدى بن حاتم رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

سے اگر خون نکلا جیسا کہ زندہ کو ذبح کرنے سے نکلتا ہے تو وہ حلال ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

بندوق کی گولی سے شکار

سوال [۸۳۲۲]: اگر کوئی شخص شکار کھیلنے لگا اور تکبیر کہہ کر شکار پر بندوق چلائی اور اس کی گولی سے شکار مر گیا، شکاری کے شکار تک پہونچنے سے قبل، تو اس کا کیا حکم ہے، شکار کا گوشت کھایا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا کھانا درست نہیں:

"أوبندقة ثقلية ذات حدة، لقتلها بالثقل لا بالحد، اه". قال الشامي: "ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل وبواسطة اندفاعه العنيف؛ إذ ليس له حد، فلا يحل، وبه أفتى ابن نجيم، اه". درمختار: ٥/٤١٧ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= "إذا رميت فسميت فخرقت، فكُلْ، وإن لم يخرق فلا تأكل. ولا تأكل من المعراض إلا ماذكيت، ولا تأكل من البندقة إلا ماذكيته". (نيل الأوطار، أبواب الصيد، باب النهي عن الرمي بالبندق ومافي معناه: ٩/١٣، دارالباز للنشر والترزيع)

"وأما الحنفية فالجمهور منهم في ديارنا على عدم حل المصيد بالرصاص مالم يُدْرَك حياً، فيذبح بطريق مشروع، وحجتهم مامرّ عن ابن عابدين من أن الرمي بالرصاص رض ووقذ، وليس جرحاً. وما ذكره الرافعي من أنه إن وقع الشك ولايُدرى: مات بالجرح أوالثقل، كان حراماً". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، حكم الصيد ببندقة الرصاص: ٣/٤٩١، دارالعلوم كراچی)

(١) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها، فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلت، وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر: ٤/١٦٤، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ولايحل: ٨/٣١٥، رشيديه)

(٢) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ٦/٤٧١، سعيد) .... =

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= عن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "ولا تأکل من البندقة إلا ماذکیت". (تکملة فتح الملھم، کتاب الصید والذبائح، حکم الصید ببندقة الرصاص: ۴/۳۸۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بیقین، حل وإن بالثقل أو شک فیه، فلا یحل حتماً أواحتیاطاً". (تبیین الحقائق، کتاب الصید: ۷/۱۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وأما الحنفیة فالجمهور منهم فی دیارنا علی عدم حل المصید بالرصاص مالم یدرک حیّاً، فیذبح بطریق مشروع، وحجتهم مامر عن ابن عابدین من أن الرمی بالرصاص رض ووفذ، ولیس جرحاً، وماذکرہ الرافعی من أنه إن وقع الشک ولایدرک مات بالجرح أو الثقل کان حراماً". (تکملة فتح الملھم، کتاب الصیدوالذبائح، حکم الصید ببندقة الرصاص: ۳/۱۹۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

باب الذبائح

الفصل الأول فی من یصح ذبحه ومن لایصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

دیوبندی کا ذبیحہ

سوال[۸۳۲۳]: بقرعید یعنی عیدالاضحیٰ کے موقع پر میں نے چند بکرے اور چند بھینس اپنے ہاتھ سے ذبح کئے جو کہ حدیث وغیرہ میں دعائیں ہیں ان کو بھی پڑھا اور "بسم اللّٰہ، اللّٰہ أکبر" پڑھ کر ذبح کیا۔ اور میں مسلمان ہوں، قریب قریب نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں، اللہ پاک اور اس کی کتاب اور اس کے رسول پر بھی عقیدہ دل سے رکھتا ہوں۔ میری غلطی اتنی ضرور ہے (کہ) میں علمائے دیوبند کی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں، اس وجہ سے میرے وہاں کے جیٹ طیارے جو کہ تازہ تازہ بریلی سے گالی بکنا سیکھ کر آئے ہیں انہوں نے زبانی فتویٰ دے دیا کہ میرے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مسلمان "بسم اللّٰہ، اللّٰہ أکبر" پڑھ کر ذبح کرے اس کی ذبح کی ہوئی بھینس، بکری سب حلال ہے(۱)۔ علمائے دیوبند کا مسلک بفضلہ تعالیٰ قرآن وحدیث شریف، فقہ حنفی، اولیائے کرام کے عین مطابق ہے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیه إن کنتم باٰیٰته مؤمنین . ومالکم ألا تأکلوا مما ذکر اسم اللہ علیه، وقد فصّل لکم ماحرم علیکم إلا ما اضطررتم إلیه، وإن کثیراً لیضلون بأهوائهم بغیر علم، إن ربک هو أعلم بالمعتدین﴾ (الأنعام: ۱۱۹، ۱۲۰)

"وتحل ذبیحة مسلم". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۴/۱۵۳، مکتبه غفاریه کوئٹه) .... =

اس مسلک کوصحیح (نہ) سمجھنے کی وجہ سے ذبیحہ کوحرام قرار دینا غلط اورعناد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفاعنہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ،۱۵/ ۸/ ۹۰ھ۔

بچے کے ذبیحہ کاحکم

سوال [۸۳۲۴]: اگرنابالغ لڑکاقربانی کاجانورذبح کردے توکوئی حرج ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگروہ جانتاہوتودرست ہے،عالمگیری: ٤/ ٩٤ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ۔

بےنمازی اورنشہ کرنے والوں کاذبیحہ

سوال [۸۳۲۵]: قصبہ نظام آبادمیں قصائی-جوبھینس وغیرہ ذبح کرتے ہیں-نماز بالکل ہی نہیں پڑھتے ہیں حتی کہ نماز جمعہ بھی کبھی نہیں اداکرتے ہیں۔تمام نشہ آوراشیاء (تاڑی،شراب،گانجہ،افیم وغیرہ) کا استعمال بلاروک ٹوک کرتے ہیں،اکثربازارکی گندی نالیوں اورسڑکوں پرنشہ کی حالت میں گرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اوریہی بےنمازی اورنشہ آوراشیاءکااستعمال کرنے والے قصائی ہی بھینس ذبح کرکے گوشت بیچتے

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/ ٤٤٩، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ١٤٧، سعيد)

(١) "فإن كان الصبي يعقل الذبح ويقدر عليه، تؤكل ذبيحته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ٥/ ٢٨٥، رشيديه)

"(وحلّ ذبيحة مسلم وكتابي وصبيّ) والمراد بالصبي هو الذي يعقل التسمية ويضبط".

(تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/ ٤٤٩، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتحل ذبيحة مسلم وكتابي ذميّ أو حربي ولوأمرأةً أو صبياً أو مجنوناً يعقلان". (ملتقى الأبحرمع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ٤/ ١٥٣، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ٨/ ٣٠٦، رشيديه)

ہیں اور عوام اسے کھاتے بھی ہیں۔

فحش کلام اور جھوٹ ان کی عام زبان، روز مرہ کی زندگی میں شامل ہے۔ ان قصائیوں کے یہاں کا گوشت کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کبھی اپنی ہاتھ سے ہی ذبح کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے سے بھی ذبح کرالیتے ہیں، مگر بوٹی اپنے ہاتھ سے ہی بناتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حالت نہایت افسوس ناک اور موجبِ اذیت ہے، ان میں دینی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اہل دین حضرات پوری توجہ فرمائیں۔ جب تک کوئی بات ایسی معلوم نہ ہو کہ یہ ذبیحہ غیر مسلم کا ذبیحہ ہے، یا مسلم نے ذبح کرتے وقت قصداً "بسم اللہ" ترک کردی ہے، یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا، ان کے ذبیحہ کو بھی حرام نہیں کہا جائے گا(۱)۔

ذبح کے بعد بوٹی بنانے والا مسلم ہو یا مسلم کے سامنے غیر مسلم نے بوٹی بنائی ہو، اس کو حرام قرار نہیں دیا جائے گا(۲)۔ اگر بااثر اہل اسلام ان کی اصلاح کے لئے ان سے گوشت خریدنا بند کردیں کہ جب تک تم نشہ نہیں چھوڑو گے اور نماز نہیں پڑھوگے، ہم تم سے گوشت نہیں خریدیں گے تا کہ وہ لوگ نشہ چھوڑ دیں اور نماز پڑھنے لگیں تو درست ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "فإن ذبح كل مسلم وكل كتابيّ حلال، رجلاً كان أو أنثىٰ.........براً كان أو فاجراً". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

"شروط الذابح .... وهي أن يكون مميزاً عاقلاً .... ولو كان مكرهاً على الذبح، ذكراً أو أنثىٰ طاهراً .... عدلاً أو فاسقاً، لعموم الأدلة وعدم المخصص". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب التاسع، الذبائح والصيد، المبحث الأول: الذبائح: ۴/ ۲۷۶۳، رشيديه)

(۲) "ولابأس بطعام اليهود والنصارىٰ كله من الذبائح وغيرها ....ولابأس بطعام المجوس كله، إلا الذبيحة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(۳) "قال الطبري: قصة كعب بن مالك أصلٌ في هجران أهل المعاصي .... وإنما لم يشرع =

کیا تارکِ صوم کا ذبیحہ حرام ہے؟

سوال [۸۳۲۶]: ہمارے یہاں یہ مشہور ہے کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے نہیں رکھتا اگر وہ کوئی جانور ذبح کرے گا تو اس کا ذبیحہ حرام ہوگا۔ یہ مسئلہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ بعض علماء سے معلوم کیا، انہوں نے کہا ہے کہ روزہ نہ رکھنے سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے اور فاسق کا ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزۂ رمضان فرضِ قطعی ہے، بلا عذر شرعی اس کو ترک کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس کے باوجود اس کا ذبیحہ حرام نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

عورت کا خود اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرنا

سوال [۸۳۲۷]: عورت اگر اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کردے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ واقف اور قوی ہے تو کوئی حرج نہیں، شامی: ۵/۱۸۹ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= هجرانه (أي الكافر) بالكلام، لعدم ارتداعه بذلك عن كفره، بخلاف العاصي المسلم فإنه ينزجر بذلك غالباً". (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۱۰، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاثة ليالٍ لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۲۲۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "فتحل ذبيحتهما (أي الكتابي الذمي والحربي) ولو الذابح مجنوناً أو امرأةً أو صبياً يعقل التسمية=

عورت کا ذبیحہ

سوال[۸۳۲۸]: عورت کا ذبیحہ کیسا ہے؟ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت خود اپنے جانور کی قربانی کرسکتی ہے، ذبیحہ درست ہے: "وحل ذبيحة مسلم وكتابي وصبي وامرأة، اهـ". كنز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= والذبح و يقدر". (الدرالمختار: ۲۹۶/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

"وتحل ذبيحة مسلم و كتابي ذميّ أو حربي ولو امرأةً أو صبياً أو مجنوناً يعقلان". (مجمع الأنهر: ۱۵۴/۴، كتاب الذبائح، غفاريه كوئٹه)

"وحل ذبيحة مسلم وكتابي وصبيّ وامرأة". (تبيين الحقائق: ۴۴۹/۶، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۰۶/۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب جواز ذبح المرأة: ۹۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، رشيديه)

(۱) (كنز الدقائق، كتاب الذبائح، ص: ۴۱۲، رشيديه)

"عن ابن كعب بن مالك عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه: أن امرأةً ذبحت شاةً بحجر، فذكر ذلك لرسول الله، فلم يَرَ به بأساً". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب ذبيحة المرأة، ص: ۲۲۹، قديمي)

"عن ابن لكعب بن مالك عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن امرأةً ذبحت شاةً بحجر، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن ذلك، فأمر بأكلها". (صحيح البخاري، كتاب الذبائح، باب ذبيحة الأمة والمرأة: ۸۲۷/۲، قديمي)

"عن إبراهيم النخعي أنه قال في ذبيحة المرأة والصبي: لابأس إذا أطاق الذبيحة وحفظ التسمية، وهو قول الجمهور". (فتح الباري، كتاب الذبائح والصيد، باب: ذبيحة الأمة والمرأة: ۶۳۲/۹، دارالفكر بيروت) .... =

حائضہ، نفساء اور جنب کے ذبیحہ کا حکم

سوال[۸۳۲۹]: حائضہ اور نفساء اور جنبی کا ذبیحہ شرعاً حلال ہے یا حرام؟ بحوالہ کتب وصفحہ ومطبع تحریر ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حلال ہے:"وتحل ذبيحة مسلم ولو امرأة حائضاً أو نفساء، أو جنباً ،اهـ". سكب الأنهر: ۲/۵۰۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کلمۂ کفر کہنے والے کا ذبیحہ

سوال[۸۳۳۰]: جولوگ کفریہ کلام زبان سے نکالتے ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حامداً ومصلياً:

مسلمان کی زبان سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکلے جس سے کفر لازم آتا ہو اور اس کے اندر تاویل کر کے کفر سے

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب جواز ذبح المرأة والصبي: ۹۲/۱۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ۱۵۴/۴، مكتبه غفارية)

"فإن ذبح كل مسلم وكل كتابيّ حلالٌ، رجلاً كان أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً، جنباً كان أو طاهراً". (النتف في الفتاویٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

"شروط الذابح وهي: أن يكون مميزاً، عاقلاً، مسلماً أو كتابياً.........قاصداً التذكية ولو كان مكرهاً، ذكراً أو أنثىٰ، طاهراً أو حائضاً أو جنباً". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الأول: الذابح: ۲۷۵۹/۴، رشيديه)

"فتحل ذبيحتهما ولو مجنوناً أو امرأةً". (الدرالمختار). قال العلامة الطحطاوي: "(قوله: امرأة): حائضاً أو نفساء أو جنباً". (حاشية الطحطاوي: ۱۵۲/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، فوائد شتى تتعلق بأبواب الذبائح: ۲۰۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

بچایا جاسکتا ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا(۱)، اور ایسے شخص کا ذبیحہ ناجائز نہیں ہوتا(۲)، البتہ ایسا کلمہ کہنے سے اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا جائے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مشین اور یہودی کا ذبیحہ

سوال[۸۳۳۱]: امریکہ میں میرے ایک بھائی زیر تعلیم ہیں وہ وہاں ذبیحہ کے گوشت کے شرعاً ہونے میں مشکوک ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہاں پر دو قسم کا گوشت ملتا ہے: پہلے یہ کہ مشین سے جانور کی گردن ایک دم کاٹ دی جاتی ہے اور مشین سے ہی تھوڑی دیر میں گوشت کے ٹکڑے پیک ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم کا گوشت وہاں کے یہودی کاٹتے ہیں جسے ''کوشر'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی جانور کے حلق میں چھری گھونپ کر ہلاک کرتے ہیں، نہ معلوم کچھ پڑھتے ہیں یا نہیں۔

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے زیادہ تر مسلمان بازار میں جو گوشت ملتا ہے وہی کھاتے ہیں، صرف گنتی کے چند ہیں جو ''کوشر'' کو حلال یا ذبیحہ کا بدل سمجھ کر کھاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں گے۔

---

(۱) "واعلم أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب أحكام المرتدين: ۲۹۴، سعيد)

"إذا كان في المسئلة وجوهٌ توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۲) مذکورہ شخص مسلمان ہے، البتہ کلماتِ کفر کہنے کی وجہ سے فاسق ہے، لیکن فاسق کا ذبیحہ حلال ہے:

"فإن ذبح كل مسلم وكل كتابي حلال .... براً كان أو فاجراً". (النتف في الفتاوى، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

(۳) " وعزر كل مرتكب منكر". (الدرالمختار، باب التعزير: ۴/۶۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشین کا ذبیحہ تو ظاہر ہے شرعی ذبیحہ نہیں (۱)۔ یہودی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور تو رات کو

(۱)"لو أضجع شاتين أحدهما فوق الآخر، فذبحهما ذبحةً واحدةً بتسميةٍ واحدةٍ، حلاً، بخلاف مالو ذبحهما على التعاقب؛ لأن الفعل يتعدد، فتتعددالتسمية". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۲/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يذبح عدداً من الذبائح، لا تجزيه تسميةٌ واحدةٌ علىٰ واحدة لما بعدها". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الزكاة: ۳۶۸/۳، رشيديه)

سوال: "صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے بجائے مشینوں سے لے رہا ہے، چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں تو اگر بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہہ کر بٹن دبائے تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو، یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاقِ جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کر دیا گیا ہے اس کا گوشت حلال ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور "بسم اللہ" پڑھ کر بٹن دبایا گیا، تو یہ ایک "بسم اللہ" سب کے لئے کافی ہوگی، ورنہ اگر آگے پیچھے گردنیں کٹیں تو یہ "بسم اللہ" صرف پہلے جانور کے لئے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لئے یہ "بسم اللہ" معتبر نہ ہوگی، اور اسی لئے باتفاقِ امت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقۂ ذبح خلافِ شرع اور موجبِ گناہ ہے، مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کر دیں۔

اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں تو گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز

=

آسمانی کتاب مانتے ہیں اور جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کرتے ہیں، کسی اَور کا نام لیکر مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیکر ذبح نہیں کرتے ہیں تو اس میں شرعاً گنجائش ہے(۱)۔

تنبیہ: آج کل کثرت تو ایسے لوگوں کی ہے جو صرف قومی حیثیت سے یہودی ہیں، نہ وہ تورات کو خدا تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں، نہ پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ مذہب کے قائل ہیں، نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ

= ہوگا، ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا:

۱- مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان یا نصرانی یا یہودی ہو۔

۲- مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچانے کے وقت اس نے خالص اللہ کا نام "بسم اللہ، اللہ اکبر" پڑھا ہو۔

۳- یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں، دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔

مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں، اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ: محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دار العلوم کراچی، ۲۲/ ذیقعدہ/ ۸۴ھ۔

جواب از: مفتی محمود صاحب، قاسم العلوم ملتان:

"میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دباتے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ مردار ہی ہے .... اھ"۔

الجواب باسم ملہم الصواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مد ظلہم کا جواب صحیح ہے، یعنی مشین سے ذبح کرنا جائز نہیں، مگر ذبیحہ حلال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔

رشید احمد، ۲۲/ ربیع الاول/ ۸۶ھ۔

(أحسن الفتاویٰ، کتاب الصید والذبائح، رسالہ: أحسن القضاء فی الذبح بإعانۃ الکھربا: ۷/ ۴۶۱- ۴۶۷، سعید)

(۱) "وشرط کون الذبائح مسلماً .... أو کتابیاً ذمیاً، أو حربیاً، إلا إذا سمع منه عند الذبح ذکر المسیح". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۷، سعید)

دہریے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۵ھ۔

ذبیحۂ یہودی

سوال [۸۳۳۲]: یہودی کے مذبوح بچھڑے کی رینٹ (۲) سے بنی ہوئی پنیر مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قوم کسی نبی کی نبوت پر ایمان رکھے اور کسی کتاب سماوی کے تسلیم کرنے کی مُقر ومدعی ہو، اس کے ذبیحہ کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے جبکہ وہ ذبیحہ کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے (۳)۔ اگر ذبیحۂ مسلم میسر آجائے تو وہ

---

(۱) "خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے، وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں"۔ (جواہر الفقہ، عنوان: "نام کے یہودی، نصرانی بحقیقت، دہریے اس میں داخل نہیں": ۲/۴۰۰، ۴۰۱، مکتبہ دارالعلوم)

(۲) "رینٹ: ناک کا سفید لیس دار مادہ، ناک کی غلاظت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) قال العلامة القرطبي رحمه الله تعالیٰ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتٰب حل لكم﴾ يعني ذبيحة اليهود والنصارىٰ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة المائدة، الجزء السادس: ۵): ۳/۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتٰب﴾. قال: ذبائحهم". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب ذبيحة أهل الكتاب: ۱۷/۸۹ إدارة القرآن كراچی)

"﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حلٌ لكم وطعامكم حل لهم﴾ قال الزهري: لابأس بذبيحة نصارىٰ العرب. وإن سمعتَه سمّیٰ لغير الله، فلاتأكل. وإن لم تسمعه، فقد أحلّه الله وعلم كفرهم .... وقال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: "طعامهم ذبائحهم". (صحيح البخاري، باب ذبائح أهل الكتاب: ۲/۸۲۸، قديمي)

بہرحال مقدم ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

شیعہ کا ذبیحہ

سوال[۸۳۳۳]: شیعہ اپنے کو صحیح مسلمان کہتے ہیں اور صحابہ کو برا کہتے ہیں، ان روافض کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن روافض کا عقیدہ نصوص کے خلاف ہو مثلاً: قرآن پاک میں تحریف کے قائل ہوں، یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی آخر الزمان مانتے ہوں اور جبریل علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ ان سے وحی پہونچانے میں غلطی ہوگئی، یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھتان لگاتے ہوں، وہ اسلام سے خارج ہیں(۲)،

(۱) "والأولی أن لایأکل ذبیحتهم ولا یتزوج منهم إلا للضرورة". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۲۹۷/۶، سعید)

(۲) "الرافضي إن کان یسبّ الشیخین ویلعنهما، فهو کافر". (خلاصة الفتوی: ۳۸۱/۴، کتاب الفاظ الکفر، الفصل الأول، الکراهیة، رشیدیه)

"ثم من المعلوم ضرورةً أن قذف أم المؤمنین عائشة رضي الله عنها کفرٌ، سواء کان سراً أو جهراً". (ردالمحتار: ۴۴/۴، کتاب الحدود، باب حد القذف، سعید)

"ثم لاشک في تکفیر من قذف السیدة عائشة رضي الله عنها، أو أنکر صحبة الصدیق، أو اعتقد الألوهیة في عليّ رضي الله تعالیٰ عنه، أو أن جبریل غلط في الوحي، ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن". (ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: مهم في حکم سب الشیخین: ۲۳۶/۴، سعید)

"ویجب إکفار الروافض في قولهم: یرجع الأموات إلی الدنیا .... وبقولهم: إن جبریل غلط في الوحي إلی محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دون عليّ رضي الله عنه. وهؤلاء القوم خارجون عن الإسلام، وأحکامهم أحکام المرتدین". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فیمن یجب إکفاره من أهل البدع: ۵۳۸/۵، إدارة القرآن کراچی) .... =

ان کا ذبیحہ حلال نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۸ھ۔

روافض کا ذبیحہ بمجبوری

سوال [۸۳۳۴]: علاقہ لداخ کے اندر مسلمانوں کے مقابلے میں روافض کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، اکثر وبیشتر ہوٹل روافض کے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہوٹلوں پر کھانا کھانا پڑتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے تیار کردہ گوشت کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہیں۔ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے متعلق یہ تحقیق نہیں کہ ان کے عقائد قرآن کریم کے خلاف ہیں تو ان کے ہوٹل میں اور ان کا ذبیحہ کھانے کی گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۷/۱۴۰۱ھ۔

= "الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما –والعياذ بالله– فهو كافر. .... ولو قذف عائشة رضي الله تعالىٰ عنها بالزنا، كفر بالله .... من أنكر إمامة أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه، فهو كافر ...... ويجب إكفار الروافض في قولهم برجعة الأموات إلى الدنيا وبتناسخ الأرواح، وبانتقال روح الإله إلى الأئمة، وبقولهم في خروج إمام باطن، وبتعطيلهم الأمر والنهي إلى أن يخرج الإمام الباطن، وبقولهم: إن جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي إلى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم دون علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام وأحكامهم أحكام المرتدين كذا في الظهيرية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع منها مايتعلق بالإيمان والإسلام: ۲/۲۶۴، رشيديه)

(۱) "لاتحل ذبيحة غير كتابي من أثنيٰ ومجوسيّ مرتد". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۲۹۸، كتاب الذبائح، سعيد)

(۲) بغیر تحقیق کے کسی کو کافر کہنا ناجائز ہے:

"واعلم أنه لايفتىٰ بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن". (الدرالمختار مع =

غیر مسلم کا ذبیحہ شرعیہ کو فروخت کرنا

سوال[۸۳۳۵]: مذبح سے اگر کوئی غیر مسلم گوشت خرید کر، یا مذبوحہ جانور خرید کر اپنی دوکان پر لاکر فروخت کرے تو مسلمان کو اس غیر مسلم کی دوکان سے گوشت خریدنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی غیر مسلم مذبح سے ذبیحہ خرید کر اپنی دوکان پر لاکر فروخت کرے اور اس کی اس طرح نگرانی کی جائے کہ اس میں کسی دوسرے غیر مشروع گوشت کا احتمال وخطرہ نہ ہو سکے تو اس سے خریدنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

دو شخصوں کا ذبح کرنا

سوال[۸۳۳۶]: کیا ایک جانور کو دو شخص ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں، یعنی ایک شخص نصف ذبح کر کے چھوڑ دے اور باقی دوسرا شخص ذبح کرے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کو دو شخص مل کر ذبح کریں، یا کچھ حصہ ایک نے ذبح کیا پھر باقی حصہ دوسرے نے ذبح کیا

= ردالمحتار: ۲۲۹/۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، سعيد)

البتہ اگر ان کے اعتقاد نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہوں، مثلاً: قذفِ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تحریفِ قرآن اور الوہیتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قائل ہوں تو وہ کافر ہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حرام ہے، كما تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقه، فليراجع.

(۱) "من أرسل أجيراً له مجوسياً أو خادماً فاشترى لحماً، فقال: اشتريته من يهودي أو نصراني أو مسلم، وسعه أكله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، الفصل الأول: ۳۰۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۴/۶، سعيد)

اور دونوں نے "بسم اللہ" پڑھی ہے تو ذبح درست ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۳۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وفيها: أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح، سمّى كلٌّ وجوباً". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۴/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يضحي، فوضع صاحبُ الشاة يده مع يد القصاب في المذبح و أعانه على الذبح، حتى صار ذابحاً مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالىٰ: يجب على كلّ واحدٍ منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية، لاتحل الذبيحة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة: ۳۵۵/۳، رشيديه)

"أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يُسمّي كلٌّ وجوباً". (الدرالمنتقىٰ مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۲/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثانی فی سنن الذبح و آدابه و مکروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

قربانی کے وقت "بسم الله، الله أكبر" کہنا

سوال[۸۳۳۷]: ایک شخص کہتا ہے کہ قربانی کے لئے "بسم الله والله أكبر" کہنا چاہئے، اگر کسی نے بوقتِ قربانی "واو" نہیں کہا تو وہ قربانی نہیں ہوئی بلکہ ذبح حرام ہوگیا۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذبح کرتے وقت "بسم الله الله أكبر" یا "والله أكبر" کہے، دونوں طرح درست ہو جائے گا اور قربانی بھی درست ہو جائے گی، کذا فی ردالمحتار، جلد: ۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۷ھ۔

---

(۱) کہنا دونوں طرح درست ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ "بسم الله، الله أكبر" واو کے بغیر کہے: "والمستحب أن يقول: بسم الله الله أكبر بلا واو .... والمتداول المنقول عن النبي صلى الله عليه وسلم بالواو". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۱ سعید)

"قال البقالي: المستحب أن يقول: بسم الله، الله أكبر، يعني بدون الواو". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۵/۲۸۸، رشيديه)

"وحسن بسم الله الله أكبر .... وكذا عند الحلواني إلا أنه كرهه مع الواو، ولكن المنقول عن الأثر بالواو فلا يكره". (مجمع الأنهر: ۴/۱۵۵، کتاب الذبائح، مکتبه غفاريه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الثاني في التسمية: ۶/۳۰۷، رشيديه)

وقتِ ذبح اللہ کا کونسا نام لیا جائے؟

سوال[۸۲۳۸]: ذبح کے وقت بجائے "بسم اللہ، اللہ أکبر" کے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہنا کیسا ہے؟ اور لفظ "رحمٰن" و "رحیم" سے جانور حرام یا مکروہ تو نہیں ہوتا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرماویں۔

﴿ولاتأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ﴾ الآیة(۱)۔ کتاب الصید والذبائح، میں جہاں کہیں بھی "اسم اللہ علیہ" کے الفاظ آئے ہیں تو وہاں "اسم اللہ" سے مراد آیا اسمِ ذاتِ باری تعالیٰ میں "اللہ" مراد ہے، یا اسم اللہ کی اضافت کے مدِ نظر خدا کے ننانوے ناموں میں سے کسی ایک نام کا ذکر بوقتِ صید وذبح واکل وشرب مشروع ومباح ہوسکتا ہے؟

ترکیباً لفظ "اللہ" مضاف الیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو اللہ کے ناموں میں سے کسی ایک نام کے ذکر کا بوقتِ ذبح ہونا ضروری ہے۔ اگر اس کا بدل ہو تو شبہ جاتا رہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک خلجان ہے، اسے بالتشریح دور فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک کے جس نام سے ذبح کردے گا، ذبیحہ درست ہوگا:

"والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص عن شوب الدعاء غیره، فلایحل بقوله: اللهم اغفرلی؛ لأنه دعاء وسوال، بخلاف الحمد لله أو سبحان الله مریداً به التسمیة، فإنه یحل" درمختار.

"(قوله: والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص) بأیّ اسم کان، مقروناً بصفة: کالله أکبر، أو أجلّ، أو أعظم. أو لا [أی أو لم یکن مقروناً بصفة الله]: کالله أو الرحمٰن. وبالتهلیل والتسبیح، جَهِلَ التسمیة أولا". شامی: ۵/۲۱(۲)۔

---

(۱) (سورة الانعام: ۱۲۱)

(۲) (الدرالمختار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۱، سعید)

"وأما رکنها فذکر اسم الله عزوجل أیّ اسم کان. لقوله تبارک وتعالیٰ: ﴿فکلوا مما ذکر اسم =

امید ہے کہ اس تصریح کے بعد خلجان نہ رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولیٰ/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا

سوال [۸۳۳۹]: ذبح کرتے وقت کونسے الفاظ کہنا ضروری ہے؟ اور کیا عربی زبان میں کہنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"بسم اللہ" کہنا بھی کافی ہے، خواہ کسی زبان میں کہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ حالة الذبح، لقوله تعالیٰ: ﴿فاذكروا اسم الله عليها صواف﴾ وهي حالة النحر، ويدل عليه قوله تعالیٰ: ﴿فإذا وجبت جنوبها فكلوا منها﴾ (۱)۔

"بسم اللہ، اللہ أكبر" کہنا مستحب ہے:

= الله عليه إن كنتم بآياته مؤمنين. ومالكم أن لا تأكلوا مما ذكر اسم الله﴾ من غير فصل بين اسم واسم". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۲۲۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومنها التسمية حالة الذكاة أيّ اسم كان، وسواء قرن بالاسم الصفة بأن قال: الله أكبر، الله أعظم، الله أجل، الله الرحمن، الله الرحيم، أو نحو ذلك. أولم يقرن بأن قال: الله، أو الرحمن، أو الرحيم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۵/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكاة: ۳۶۹/۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۳۰۸/۴، كتاب الذبائح، رشيديه)

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۴۵۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"أن يقول: باسم الله، الله أكبر". زيلعي: ٥/٢٨٩(١) "لو أن رجلاً سمىّ على ذبيحته أوالرمية بالفارسية، وهو يحسن العربية أولا يحسنها أجزأه ذلك من التسمية". كذا في الشلبي: ٥/٢٨٩(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا قربانی کے ہر شریک پر تکبیر واجب ہے؟

سوال[۸۳۴۰]: "الجوهرة النيرة"(٣) اور "مالابدمنه"(٤) میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"قربانی کے وقت جو معاونین اس میں شریک ہوتے ہیں سب پر بیک وقت تکبیر کہنا واجب ہے، اگر کوئی ایک بھی ترک کردے گا جانور کے پکڑنے میں تو قربانی حرام ہوجائے گی"۔

---

(١) (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/٤٥٥، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (حاشية الشلبي على التبيين، المصدر السابق)

"وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أىّ لسان كان، وهولا يحسن العربية أو يحسنها. كذا روى بشر عن أبي يوسف: لو أن رجلاً سمى على الذبيحة بالرومية أو الفارسية وهو يحسن العربية أولا يحسنها، أجزأه ذلك عن التسمية". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيد، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/٢٢٣، دارالكتب العلمية بيروت)

"وسواء كانت التسمية بالعربية أو بالفارسية أو أىّ لسان كان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ٥/٢٨٥، رشيديه)

"والشرط في التسمية هو الذكر الخالص بأىّ اسم كان .... وبالتهليل والتسبيح، جهلَ بالتسمية أولا، بالعربية أولا". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠١، سعيد)

(٣) (لم أجده)

(٤) "اگر کسے اضحیۂ خود را باعانت دیگر ذبح نماید پس واجب است تسمیہ بر معین وذابح، واگر یکے ازاں ہم ترک نماید حرام گردد۔ وكذا في الدرالمختار وخزانة المفتيين". (مالا بدمنه فارسی، تکمله رساله مالا بدمنه دربیان أحکام اضحیه ووجوب آں، ص: ١٥٧، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

کیا یہ قول مفتی بہ ہے؟ اور ایسا کرلیا گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ یہ ہے کہ ذابح پر "بسم اللّٰہ" پڑھنا واجب، اسی طرح معینِ ذابح پر بھی واجب ہے اور معینِ ذابح حقیقتاً وہ ہے جو چھری چلانے میں مدد دے، مثلاً: ایک شخص کمزور ہے، اس میں چھری چلانے کی پوری قوت نہیں تو دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قوت سے چھری چلا دے تو اس پر بھی "بسم اللّٰہ" پڑھنا لازم ہے (۱)۔ اور جو آدمی جانور کے پیر وغیرہ پکڑے وہ حقیقتاً معینِ ذابح نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۸۹ھ۔

معینِ ذابح پر تسمیہ

سوال [۸۳۴۱]: زید اس قدر کمزور ہے کہ قربانی کے لئے پوری طرح جانور کے گلے پر چھری نہیں چلا سکتا اور جانور کے اُٹھنے اور چلے جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے قصاب بھی زید کے ساتھ چھری پر اپنا ہاتھ رکھتا ہے۔ اس طرح قربانی میں تو نقصان نہیں آتا ہے؟

---

(۱) "وتشترط التسمية من الذابح". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۲/۶، سعيد)

"وأما شرائط الركن، فمنها: أن تكون التسمية من الذابح". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۲۴۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وفيها: أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح وأعانه على الذبح، سمّى كلٌّ وجوباً". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۴/۶، سعيد)

"رجل أراد أن يضحي، فوضع صاحبُ الشاة يده مع يد القصاب في المذبح و أعانه على الذبح، حتى صار ذابحاً مع القصاب، قال الشيخ الإمام هذا رحمه الله تعالىٰ: يجب على كلّ واحدٍ منهما التسمية، حتى لو ترك أحدهما التسمية، لاتحل الذبيحة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في مسائل متفرقة: ۳۵۵/۳، رشيديه)

"أراد التضحية، فوضع يده مع يد القصاب في الذبح ليعينه يُسمّي كلٌّ وجوباً". (الدرالمنتقىٰ مع مجمع الأنهر: ۱۷۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے، البتہ جس طرح زید کو "بسم اللہ" کہہ کر ذبح کرنا لازم ہے، اسی طرح اس قصاب کے ذمہ بھی چھری پر ہاتھ رکھ کر "بسم اللہ" پڑھنا ضروری ہے، شامی: ۵/۲۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ذبح کے وقت جانور کس کروٹ پر ہو؟

سوال[۸۳۴۲]: ذبیحہ جانور کو کس رخ پر لٹانا چاہیے، یعنی سر جانب شمال ہو یا جانب جنوب؟ چونکہ دونوں صورتوں میں جانور کا منہ قبلہ کی جانب ہوتا ہے اور اکثر جانور دونوں ہی رخوں پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان میں سے کون سی صورت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منہ قبلہ کی جانب ہونا چاہیے، اور کوئی تخصیص نہیں، جس طرح سہولت ہو ذبح کر دیا جائے۔ سر جنوب کی طرف ہونے سے زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

جانور کو ذبح کرتے وقت بائیں پہلو پر لٹانا چاہیے، کیونکہ اس صورت میں ذبح میں سہولت ہے۔ اور جب بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو سر جنوب کی طرف ہوگا:

فی البذل: ۴/۷۰، فی بیان ذبح ضحیته صلی اللہ تعالی علیه وسلم: "وأخذ الکبش، فأضجعه علی الیسار" وهو الظاهر؛ لأنه أیسر فی الذبح"(۲)۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفیها: أراد التضحیة فوضع یده مع ید القصاب فی الذبح وأعانه علی الذبح، سمیٰ کلٌّ وجوباً". (الدر المختار، کتاب الذبائح: ۶/۳۳۴، سعید)

(۲) (بذل المجهود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب فی الضحایا: ۵/۷۰، مکتبه امدادیة ملتان) =

ذبح کرتے وقت جانور کا قبلہ رو ہونا

سوال[۸۳۴۳]: جانور کو قبلہ رو کرکے ذبح کرنا ضروری ہے، کبھی جلد بازی میں اس کا خیال نہیں رہتا۔ ایسا ذبیحہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبلہ رو نہ ہونے سے سنت ترک ہوتی ہے، ذبیحہ مردار نہیں ہوتا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/ ۸۸ھ۔

= "أدب الذبح سبعة أشياء: أحدها: إضجاع الشاة بالرفق على الأرض. والثاني: إضجاعها على اليسار". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح والصيد، أدب الذبح، ص: ۱۴۸، سعيد)

"ويشد قوائمه، وليُلقِه على شقه الأيسر، وليُوجّهه نحو القبلة". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۲/۲۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأن يضجع بالرفق، وعلى اليسار، ويوجه إلى القبلة". (مجمع الأنهر: ۴/ ۱۵۹، كتاب الذبائح، مكتبه غفارية)

"وعمل المسلمين على أن إضجاعها يكون على جانبها الأيسر؛ لأنه أسهل على الذابح في أخذ السكين باليمين وإمساك رأسها باليسار". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية وذبحها مباشرةً بلا توكيل والتسمية والتكبير: ۳/۵۶۳، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۱) "وإذا ذبحها بغير توجه القبلة، حلت، ولكن يكره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۵/۲۸۸، رشيديه)

"ويستحب التوجيه إلى القبلة". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول في مسائله: ۶/۳۰۵، رشيديه)

"وكره ترك التوجه إلى القبلة، لمخالفته السنة". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، سعيد)

"وكذا لو ذبحها متوجهةً لغير القبلة، يكره وتؤكل؛ لأن السنة في الذبح أن يستقبل بها القبلة". (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۶۰، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

الذبح فوق العقدة

سوال[۸۳۴۴]: مايقول الحكماء الحنفية: رجل ذبح شاةً، فبقيت العقدة ممايلى الصدر، هل هى حلال أم حرام، أم بينهما بونٌ فى نصف العقدة أو الأكثر؟ وأيضاً هل يبتدى المرئ من المعدة وينتهى إلى الرأس، أو يبتدى من المعدة و ينتهى إلى الحلق: أى العقدة؟ فإذا لم يقطع العقدة لم يقطع المرئ. وأيضاً العقدة فبقى الودجان للقطع لا غير، وهو أقل من الأكثر، بل لابد من قطع الأكثر من الأوداج فى مذهب إمامنا الأعظم رحمه الله تعالى۔

۱......رواية المبسوط تقتضى الحل فيما إذا وقع الذبح قبل العقدة؛ لأنه بين اللبّة واللحيين(۱)۔

۲......ورواية الجامع الصغير تقتضى عدمه؛ لأنه إذا وقع قبلها، لم يكن الحلق محل الذبح(۲)۔

۳......وقدصرح فى الذخيرة بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم، لايحل؛ لأن المذبح هو الحلقوم(۳)۔

۴......ولكن رواية الإمام الرستغفنى تخالف هذه، حيث قال: "هذا قول العوام، وليس بمعتبر، فتحل، سواء بقيت العقدة ممايلى الرأس أو الصدر؛ لأن المعتبر عندنا قطع أكثر

=(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۷/ ۱۰۰، كتاب الذبائح، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "فأما فى البقر أسفل الحلق، وأعلاه، فاللحم عليه سواء كما فى الغنم، فالذبح فيه أيسر، والمقصود تسييل الدم،والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه، فالمقصود يحصل بالقطع فى أى موضع كان منه، فلهذا حلّ، وهو معنى قوله عليه الصلوة والسلام:"الذكاة مابين اللبة واللحيين". ولكن ترك الأسهل مكروه فى كل جنس لما فيه من زيادة إيلام غير محتاج إليه". (المبسوط للسرخسى، كتاب الذبائح: ۲/ ۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) (الجامع الصغير، كتاب الذبائح، ص: ۳۸۷، إدارة القرآن كراچى)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۴، سعيد)

الأوداج، وقد وُجد"(۱)۔

۵...... قال فی النقایة والمواهب والإصلاح: "لابد أن تكون العقدة مما يلي الرأس وإليه مال الزيلعی، .... إذا لم يبق شيءٌ من العقدة، فما يلي الرأس، لم يحصل قطع واحد منهما، فلا يؤكل بالإجماع"(۲)۔

۶...... أيضاً قال الشامی: "إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقاله الإمام الرستغفنی، وإلا فالحق خلافه. ويظهر هذا بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة"(۳)۔

۷...... وأيضاً قال: "وكان شيخي يفتي برواية الإمام الرستغفنی"(۴)۔

۸...... "ذكره في الواقعات: لو ذبح أعلىٰ من الحلقوم أو أسفل منه، يحرم؛ لأنه ذبح فی غير المذبح"(۵)۔

۹...... "يجوز الاكتفاء بثلاث من الأربع أياً كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، فبالأولى إذا قطع من أعلاه أو أسفل، ذكره فی المنح عن البزازية، وبه جزم صاحب الدرر والملتقى والعينى وغيرهم"(۶)۔

۱۰...... "فی فتاوی سمرقند: قصابٌ ذبح شاةً فی ليلة مُظلمة، فقطع أعلىٰ من الحلقوم

---

(۱) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۵، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۴) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۴، سعيد)

(۵) (شرح العينی علی الكنز، كتاب الذبائح: ۲/۳۶۱، إدارة القرآن كراچی)

(۶) "ويكفی قطع ثلاثة منها أياً كان، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ لابد من قطع أكثر كل واحد منها، وهو رواية عن الإمام، وعند أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ لابدمن قطع الحلقوم والمرئ وأحد الودجين".

(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ۴/۱۵۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

أو أسفل منه، يحرم أكلها"(۱)۔

هذا كله من ردالمحتار على الدر المختار وكنز الدقائق من تغير وتبدل أو أدنى تقديم وتأخير، شامی: ۱۹۳/۵، وعینی علی الکنز، ص: ۳٤٥۔

نحن نسئلكم حلّه بدليل بيّن أو حرمته بثبوت بيّن. أم حرام للأغنياء وحلال للفقراء؟ سمعت من أستاذ الكل مولانا أنور شاه صاحب مرحوم (نور الله مرقده وجعل الجنة مثواه) من غير حوالة الكتاب: حرامٌ للأغنياء وحلالٌ للفقراء۔

هل جرّبتم بالذبح بأن ينتهي المرئ إلى الرأس أم يختم إلى العقدة؟ وأيضاً موافقاً لقول الشامي: "سؤال أهل الخبرة"؟ وأيضاً عام قوله تعالى: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ بينوا بحوالة الكتب المتداولة والمعتبرة عند الناس بالصواب، توجروا بأعلىٰ مراتب العلية۔

عبدالجلیل، محلہ میانوالی خاص شہر، مسجد میاں سیف العلی صاحب۔

الجواب حامداًومصلياً:

اختلف العلماء في حكم المذبوح فوق العقدة، فذهب البعض إلى حلّه والبعضُ إلى عدمه. والحق أن لاخلاف في أصل المسئلة، بل في الرأي: أي هل يحصل قطع أكثر العروق بالذبح فوق العقدة أم لا؟ كما قال الشامي، ونقله السائل في العبارة السادسة(۲)۔

واختار شيخ مشائخنا شيخ الفقه والحديث مولانا خليل أحمد السهارنفوري أنه يحل؛

---

(۱) "وفي الجامع الصغير ولابأس بالذبح في الحلق كله أسفله وأوسطه وأعلاه وفي فتاوىٰ أهل سمرقند قصاب ذبح الشاة في ليلة مظلمة، فقطع أعلى من الحلقوم أو أسفل منه يحرم أكلها؛ لأنه ذبح في غير المذبح وهو الحلقوم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸٥/٥، رشيديه)

(وكذا في شرح العيني على الكنز، كتاب الذبائح: ۲/ ۲٦۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاً للرستغفني، وإلا فالحق خلافه إذا لم يوجد شرط الحلّ باتفاق أهل المذهب".

(ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹٥/٦، سعيد)

إذ بالذبح فوق العقدة يحصل قطعُ أكثر العروق، وقال: شاهدتُه فوجدتُه كذلك(١)۔

"قال الإتقاني بعد حكاية قول الرستغفني: ويجوز أكلها، سواء بقيت العقدة ممايلي الرأس أوممايلي الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج مانصه: وهذا صحيح؛ لأنه لااعتبار لكون العقدة من فوق أو من تحت، ألاترى إلى قول محمد بن الحسن رحمه الله تعالى في الجامع الصغير: لا بأس بالذبح في الحلق كله أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه. فإذا ذبح في الأعلى، لابدأن تبقى العقدة من تحت۔

لم يُلتفت إلى العقدة لافي كلام الله ولافي كلام رسوله، بل الذكوة بين اللبّة واللحيين بالحديث، وقد حصلت، لاسيما على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فإنه يكتفي بالثلاث من الأربع أيّ ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، فبالطريق الأولى أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم۔

وبلغنا أن واحداً ممن يتسمى فقيهاً في زعم العوام، وقد كان مشتهراً بينهم، أمر برمي الذبيح إلى الكلاب حيث بقيت العقدة إلى الصدر لا إلى مايلي الرأس، فيا ليت شعري! ممن أخذ هذا! من كتاب الله ولا أثر له فيه، أو من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يُسمع له فيه نبأ، أو من إجماع الأمة ولم يقل به أحدٌ من الصحابة والتابعين، أو من إمامه الذى هو أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولم ينقل عنه ذلك أصلاً، بل المنقول عنه وعن أصحابه ماذكرنا. أو ارتكب الرجل هَواه فضلّ وأضلّ، قال تعالى: ﴿ولا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل

(۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بندہ نے اس کو تحقیق کیا ہے اور گائے مذبوح کا سرمنگا کر دیکھا ہے، لہٰذا بندہ کی رائے (میں) اکثر عروق قطع ہوجاتی ہے اور مذبوح حلال ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ذبح بحکم حدیث "مابين اللبة واللحيين" ہے، واللہ اعلم۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۳۸ھ۔ (فتاویٰ خليلية، كتاب الذبائح، تحقيق و حكم ذبيحه فوق العقدة، ص: ۲۸۷، مكتبه الشيخ بهادر آباد)

اللّٰہﷺ، أو استحيى عن الرجوع عن الباطل إلى الحق وخجل من العوام، كي لايفسد اعتقادهم فيه إذا عمل بخلاف ماأفتى أولاً، فالرجوع إلى الحق خيرٌ من التمادى في الباطل، انتهى. ماقاله الإتقاني، ١هـ". شلبي هامش شرح الكنز: ٥/ ٢٩٠(١)۔

"قال محمد بن زكريا: في أقصى الفم منفذان: أحدهما: منفذ النفس إلى الرئة وهو قصبتها، والثاني: منفذ الطعام والشراب إلى المعدة وهو المرئ، اهـ". طحطاوى: ٤/ ١٥١(٢)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۸/ شعبان/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/ شعبان/ ٦٦ھ۔

---

(١) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/ ٤٥٢، دارالكتب العلمية بيروت)

"لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بمايلي الصدر، تؤكل. وكذا إذا بقيت العقدة بمايلي الرأس. والقول بالحرمة قول العوام، وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج، وقد وُجد، ألايرى .... في الجامع الصغير: لابأس في الحلق كله أسفله وأعلاه وأوسطه، فإذا ذبح في الأعلى، لابدّ أن يبقى العقدة من تحت، وكيف يصح هذا على رأى الإمام؟ وقد قال الإمام: يكتفى بقطع الثلاث من الأربع أىّ ثلاث كان. ويجوز على هذا ترك الحلقوم أصلاً، فبالأولى أن يحل إذا قطع الحلقوم من أعلاه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول في مسائله: ٦/ ٣٠٦، رشيديه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الذبائح: ٣/ ٩٢، قديمى)

(٢) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/ ١٥١، كتاب الذبائح، دارالمعرفة بيروت)

"والذبح بين الحلق واللبّة. وفي الجامع الصغير: لابأس بالذبح في الحلق كله وسطه وأعلاه وأسفله". (الهداية: ٤/ ٤٣٥، كتاب الذبائح، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وذكاة الاختيار ذبحٌ بين الحلق واللبّة بالفتح المنحر من الصدر، وعروقه الحلقوم كله وسطه أو أعلاه أو أسفله، وهو مجرى النفس". (الدرالمختار: ٦/ ٢٩٤، كتاب الذبائح، سعيد)

"محمد عن يعقوب عن أبي حنيفة رحمهم الله تعالى: "لابأس بالذبح في الحلق كله وسطه وأعلاه وأسفله". (الجامع الصغير، ص: ٤٧١، كتاب الذبائح، إدارة القران كراچى) .... =

....

ترجمۂ سوال وجواب

سوال: علمائے حنفیہ کیا کہتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بکری کو ذبح کیا تو عقدہ سینے کے متصل باقی رہ گیا، کیا وہ بکری حلال ہے یا حرام، یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے نصف عقدہ یا اکثر عقدہ میں؟ اور کیا مری کی ابتداء معدہ سے ہوتی ہے اور سر پر منتھی ہوتی ہے، یا معدہ سے ابتداء ہو کر حلق یعنی عقدہ پر انتہا ہو جاتی ہے؟

پس جب کہ عقدہ نہیں کٹے گا تو مری بھی قطع نہ ہوگی؟ فقط دو جان قطع ہوئے اور وہ اکثر میں سے اقل ہیں، اور قطع کیلئے ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اکثر رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔

۱.....مبسوط کی روایت حلّت کا تقاضہ کرتی ہے اس صورت میں جبکہ ذبح عقدہ سے پہلے واقع ہو جائے، اس لئے کہ وہ "لبہ" (جائے نحر) اور دونوں جبڑوں کے درمیان ہے۔

۲.....اور جامع صغیر کی روایت عدمِ حلت کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ جب ذبح عقدہ سے پہلے ہو جائے گا تو حلق محلِ ذبح میں نہ ہوگا۔

۳.....اور ذخیرہ میں تصریح کی ہے کہ ذبح جب حلقوم کے اوپر کی جانب ہو تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس لئے کہ جائے ذبح حلقوم ہی ہے۔

۴.....لیکن امام رستغفنی کی روایت اس کے خلاف ہے، اس واسطے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ عوام کا قول ہے جو معتبر نہیں، پس ذبیحہ حلال ہے، خواہ عقدہ سر کی طرف سے رہے خواہ سینے کی طرف سے، اس واسطے کہ معتبر ہمارے نزدیک اکثر رگوں کا قطع ہے اور وہ پایا گیا۔

۵.....نقایہ، مواہب اور اصلاح میں کہا ہے کہ عقدہ کا سر کی طرف ہونا ضروری ہے اور اسی کی طرف علامہ زیلعی کا میلان ہے، اس لئے کہ جب عقدہ سر کی طرف نہ رہا تو دونوں (حلقوم اور مری) میں سے کسی کا بھی قطع نہ ہوا، لہذا ذبیحہ بالا جماع کھایا نہ جائے گا۔

۶.....نیز شامی نے کہا ہے کہ اگر ذبح فوق العقدہ سے تین رگوں کا کٹنا متحقق ہو جائے تب تو حق وہ ہے جو امام رستغفنی نے کہا اور نہ حق اس کے خلاف ہے۔ اور یہ مشاہدہ یا اہلِ تجربہ سے معلوم کرنے پر ظاہر گا۔

۷.....نیز کہا ہے کہ میرے شیخ امام رستغفنی کی روایت پر فتوی دیتے تھے۔ .... =

....

۸......واقعات میں ذکر کیا ہے کہ اگر حلقوم سے اوپر یا اس سے نیچے ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہے اس لئے کہ وہ ذبح جائے ذبح کے غیر پر ہے۔

۹......اور چار میں سے تین (رگوں پر) اکتفاء جائز ہے خواہ وہ کوئی سی بھی تین ہوں اور حلقوم کا ترک اصل ہی سے جائز ہے، تو جبکہ اعلیٰ یا اسفل حلقوم سے قطع ہو تو بدرجۂ اولیٰ ذبح درست ہوگا۔ اس کو منحہ میں بزازیہ سے نقل کیا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے صاحب دُرر اور صاحب ملتقی اور عینیؒ وغیرہم نے۔

۱۰......اور فتاویٰ سمرقندی میں ہے کہ: قصاب نے تاریک رات میں بکری ذبح کی اور اعلیٰ یا اسفلِ حلقوم سے قطع کیا تو اس کا کھانا حرام ہے۔ یہ سب عبارات ردالمحتار علی الدر المختار، ص: ۱۹۳، عینی شرح کنز، ص: ۳۴۵، سے ماخوذ ہیں۔

ہم آپ سے اس کی حلت واضح دلیل کے ساتھ، یا حرمت واضح ثبوت کے ساتھ، یا حرمت للاغنیاء، حلت للفقراء کو پوچھتے ہیں، میں نے اپنے استاذ الکل مولانا انورشاہ صاحب نور اللہ مرقدہ وجعل الجنة مثواہ کو بغیر حوالہ کتب کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اغنیاء کے لئے ایسا ذبیحہ حرام ہے، فقراء کے لئے حلال ہے۔ کیا آپ نے ذبح پر اس بات کا تجربہ کیا ہے۔ کہ مری رأس تک منتہی ہوتی ہے، یا عقدہ پر ختم ہوجاتی ہے؟ نیز شامی کے قول "باخبر لوگوں سے سوال کرنا" کے موافق ہے، نیز حق تعالیٰ: ﴿فاسئلو أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ عام ہے۔ متداول اور معتبر عندالناس کتب کے حوالہ سے صحیح جواب دیجئے تاکہ مراتب علیہ کے ساتھ ماجور ہوں۔

عبدالجلیل، محلہ میانوالی خاص شہر، مسجد میاں سیف العلی صاحب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مذبوح فوق العقدہ کے حکم میں اختلاف ہے، بعض اس کی حلت کے قائل ہیں اور بعض اس کے عدم جواز کی اور حق بات یہ ہے کہ اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ رائے میں ہے، یعنی اکثر رگوں کا قطع ذبح فوق العقدہ سے حاصل ہوجاتا ہے یا نہیں، جیسا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اور سائل نے اس کو عبارت نمبر: ۶ میں نقل کیا ہے۔

اور ہمارے مشائخ کے شیخ، شیخ الفقہ والحدیث مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ وہ حلال ہے، اس لئے کہ ذبح فوق العقدہ سے اکثر رگوں کا قطع حاصل ہوجاتا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا تو ایسا ہی پایا۔

....

اور اتقانی نے رستغفنی کا قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے: اور جائز ہے اور اس کا کھانا برابر ہے کہ عقدہ باقی ہو سر کی طرف یا سینہ کی طرف سے، اور ہمارے یہاں صرف اکثر رگوں کا قطع ہے جس کی تصریح موجود ہے۔

اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ عقدہ کے فوق یا تحت میں ہونے کا اعتبار نہیں ہے، کیا امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نہیں دیکھا جو جامع صغیر میں مذکور ہے کہ پورے حلق میں ذبح کرنے میں کچھ حرج نہیں، خواہ اسفل حلق میں ہو، خواہ اوسط حلق میں، خواہ اعلائے حلق میں۔ پس جبکہ ذبح اعلائے حلق میں ہوگا تو عقدہ کا تحت میں باقی رہنا ضروری ہے۔

اور عقدہ کی طرف التفات نہیں کیا گیا، نہ کلام اللہ میں، نہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، بلکہ ذبح سینہ اور دونوں جبڑوں کے درمیان حدیث سے ثابت ہے اور وہ حاصل ہو چکا۔ خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر چار (رگوں) میں سے تین پر اکتفاء درست ہے، خواہ کوئی سی بھی تین ہوں اور حلقوم کا ترک بالکل جائز ہے تو ذبیحہ بطریق اولیٰ حلال ہوگا جبکہ حلقوم کٹ جائے اور عقدہ اسفل حلقوم کی طرف رہ جائے۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مشہور فقیہ عند العوام نے ایسے ذبیحہ کو کتوں کی طرف پھینک دینے کا حکم دیا، اس واسطے کہ عقدہ سینہ کی طرف باقی رہ گیا تھا نہ کہ سر کی طرف، پس کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے یہ کہاں سے لیا، کیا کتاب اللہ سے حالانکہ اس میں اس کے متعلق کچھ نہیں، یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حالانکہ آپ سے اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں سنی گئی، یا اجماع امت سے حالانکہ صحابہ و تابعین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں، یا اپنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حالانکہ یہ ان سے بالکل منقول نہیں، بلکہ آپ سے اور آپ کے اصحاب سے وہ منقول ہے جو ہم نے ذکر کیا، یا پھر وہ شخص اپنی خواہش نفس کا مرتکب ہوا، پس خود بھی گمراہ ہوا دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے ''اور تو خواہش نفس کی اتباع نہ کر، ورنہ وہ تجھ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی''۔

یا اس نے باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے سے حیا کی اور عوام سے شرمندہ ہوا تا کہ ان کا اعتقاد اس کے بارے میں خراب نہ ہو، جبکہ وہ اپنے سابق فتویٰ کے خلاف عمل کرے، پس حق کی

گردن کی طرف سے ذبح کرنا

سوال[۸۳۴۵]: زید نے ایک ہرن کا شکار کیا اور بالمصلحت بجائے حلق کے پاس سے ذبح کرنے کے گردن کے آخری حصے جو کہ سینے اور دست کی طرف ہے، ذبح کیا اور جو شرائط ذبح کے ہیں ان کی باقاعدہ ادائیگی کی گئی۔ وہ جانور از روئے شرع حلال ہے یا حرام؟

مجیب الرحمٰن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عروقِ ذبح چار ہیں: حلقوم، مری، وَدَجان، اگر اس طرح ذبح کرنے سے چاروں عرق قطع ہوگئی ہیں تو ذبح درست ہوگیا(۱)، جیسا کہ جامع صغیر(۲)، فتاوی بزازیہ(۳) شامی(۴) وغیرہ سے معلوم ہے(۵) مگر

=

طرف رجوع کرنا باطل میں جمے رہنے سے بہتر ہے، جیسا کہ اتقان نے کہا کہ شلبی حاشیہ شرح کنز (زیلعی: ۵/۲۹۰)۔

محمد بن زکریا نے کہا ہے کہ منہ کے اخیر حصہ میں دو سوراخ ہیں: ایک سانس لینے کا جو پھیپھڑوں تک ہے، دوسرا کھانے اور پانی کا جو معدہ تک ہے اور وہ مری ہے، طحطاوی: ۴/۱۵۱۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) اس طرح اگر تین عروق قطع ہوگئی تب بھی ذبح درست ہوگیا: "وحل المذبوح بقطع أي ثلاث منها".
(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۵، سعيد)

"إذا قطع أكثر الأوداج وهو ثلاثة منها أي ثلاث كانت وترك واحداً، يحل". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۶/۲۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن قطع أكثر من النصف من الأوداج والحلقوم قبل أن تموت، أكلت". (الجامع الصغير، ص: ۳۷۸، كتاب الذبائح، إدارة القران كراچی)

(۳) "وقد قال الأمام: يكتفي بقطع الثلاث من الأربع أي ثلاث كان". (الفتاوى البزازيه على هامش الفتاوى العالمكيرية، ۶/۳۰۶، رشيديه)

=

فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ اہل سمرقند سے نقل کیا ہے کہ اس طرح ذبح درست نہیں ہوتا:

"وفي الجامع الصغير: ولا بأس بالذبح في الحلق كله أسفله وأوسطه وأعلاه. وفي فتاوىٰ أهل سمرقند: قصابٌ ذبح الشاة في ليلة مظلمة، فقطع أعلىٰ من الحلقوم أو أسفل منه، يحرم أكلها؛ لأنه ذبح في غير المذبح والحلقوم، اه". فتاوى عالمگیری (۱)۔

بعض علماء حضرات نے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بتایا کہ اس طرح عروقِ ذبح قطع نہیں ہوتیں، اس بناء پر عدمِ جواز کو ترجیح دی ہے، امداد الفتاویٰ (۲) فتاویٰ دارالعلوم (۳) تذکرۃ الخلیل میں اس پر بحث موجود ہے۔

---

(۴) "وحل المذبوح بقطع أيّ ثلاث منها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۵، سعيد)

(۵) "وإن قطع أكثرها، يعني: ثلاثة منها أيّ ثلاثة كانت، فكذلك: أي حل الأكل". (اللباب في شرح الكتاب: ۲/۹۳، قديمي)

(۱) "فإن قطع كل الأربعة، حلت الذبيحة، وإن قطع أكثرها، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۵/۲۸۷، رشيديه)

لیکن احناف کے نزدیک مفتی بہ قول یہی ہے کہ مذبوحہ فوق العقدہ حلال ہے:

"قال الحنفية وبعض المالكيه: تؤكل؛ لأنه لايشترط قطع الحلقوم ذاته، فإن قطع فوق الجوزة، جاز؛ لأنه يشترط فقط قطع أكثر الأوداج، وقد وُجد". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۴/۲۷۶۲، المطلب الثاني: موضع القطع، رشيديه)

(۲) حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سوال: "مذبوحہ فوق العقدہ کا کیا حکم ہے، حلال یا حرام یا مکروہ؟

الجواب: "مذبوحہ فوق العقدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مطلقاً حرام ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً حلال ہے، چنانچہ طحطاوی نے یہ سب اختلاف نقل کیے ہیں، اور جانبین کے دلائل ذکر کیے ہیں، لیکن ترجیح حرمت کو دی ہے اور کہا ہے کہ احتیاط متفق علیہ میں ہے، یعنی مذبوحہ تحت العقدہ بالاتفاق حلال ہے، اسی کو حلال کہنا چاہیے، اور مختلف فیہ سے احتراز واجب ہے:

"قال صاحب المواهب: يتعين الذبح بين الحلق واللبة تحت العقدة.

وقيل: مطلقاً. وكذا قال ابن كمال باشا لم يجز فوق العقدة. وأفتى بعضهم بالجواز.

ومال الزيلعي إلى تعين الذبح تحتها، وكذلك الشمني، وذكر نحوه ملا علي،

وذكره الشرنبلالي عن الزيلعي، وأقره، وقال الاتقاني عن الرستغفني: ويجوز أكلها، ..... =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سواء بقيت العقدة مما يلي الراس أومما يلي الصدر. وشنع على من أفتى بالحرمة في ذلك. والذي ظهر لي أن الحق قول الزيلعي ومن معه، وعلى كلٍ فالاحتياط في المتفق عليه". طحطاوي: ۴/ ۱۵۰. واللہ اعلم"۔ (إمداد الفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، عنوان مسئله: حکم ذبح فوق العقدہ: ۳/ ۵۳۷، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۳) "ذبح کا مدار شرعاً اکثر عروق کے قطع ہوجانے پر ہے یعنی مجملہ چار عروق کے حلقوم، مری، ودجین سے تین عروق قطع ہوجائیں۔ محقق ہوجائے گا، خواہ کسی طریقہ پر قطع کیا جائے: فوق العقدہ یا تحت العقدہ، بلکہ حلق کی جانب سے ہو، یا گدی کی جانب سے ہو، البتہ جس صورت میں جانور کو تکلیف زیادہ ہو اس کا اختیار کرنا دوسری حیثیت سے ممنوع ومکروہ ہے، لیکن حلت ذبیحہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اب یہ بات تجربہ کے متعلق رہ گئی کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے عروق ثلاثہ قطع ہوجاتی ہیں یا نہیں، اگر ہوجاتی ہیں تو ذبیحہ درست ہے ورنہ نہیں، لیکن اکثر اہل تجربہ کے بیان سے قطع ہوجانے کی تصدیق ہوتی ہے:

وهذا محصل مااختاره مشايخنا في هذا الباب، وهذا هو الذي ختم الشامي كلامه عليه بعد تحقيق حقيق، وتفتيش أنيق ولفظه أقول:

"والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ماقال شراح الهداية تبعاً للرستغفني. وإلا فالحق خلافه، إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة. فاغتنم هذا المقال، ودع عنك الجدال". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۵)

"ويؤيده مافي الخلاصة والدر المختار وغيره: ذبحها من قفاها إن بقيت حية حتى تقطع العروق، وإلا لم تحل لموتها بلاذكاة". از شامي: ۵/ ۲۰۵.

فقد دلت هذه العبارة على أن مدار الذبح إنما هو قطع العروق بأي طريق كان. واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند للمفتي محمد شفيع، كتاب الصيد والذبائح، ذبح فوق العقدہ کا حکم، ص: ۹۷۷، دارالاشاعت کراچی)

ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا

سوال[۸۳۴۶] : زید نے قربانی کا جانور اس طرح ذبح کیا کہ تمام گردن جدا ہوگئی، اس سے قربانی حلال ہوگئی یا حرام رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی تو حرام نہیں ہوئی حلال ہی رہی ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، شامی : ۱۸۸/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بکری کو ذبح کرتے وقت خون کو وہیں بند کر دینا

سوال[۸۳۴۷] : قصاب بکری اور خصی ذبح کرتے وقت خون باہر نکلنے نہیں دیتا، بلکہ اس کے اندر پیوست کر دیتا ہے۔ اور دبلے جانور کو گاہک کو فربہ دکھانے کے لئے اس جانور کی نلیوں میں انجکشن کے ذریعہ ایسی دوا بھر دیتا ہے جس سے جانور فربہ دکھائی دے۔ اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ اور قصاب کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے وہ سب گوشت نجس ہو جائے گا جس میں دمِ مسفوح پیوست ہو جائے گا (۲)۔ دبلے جانور

---

(۱) "وكره كل تعذيب بلافائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (ردالمحتار: ۲۹۶/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

"ومن بلغ بالسكين النخاعَ أو قطع الرأس، كره له ذلك، وتؤكل ذبيحته". (مختصر القدوري، كتاب الصيد والذبائح، ص: ۱۹۹، قديمي)

"ويكره أن يبلغ بالسكين النخاع أو يقطع الرأس، وتؤكل". (المحتار: ۲۶۵/۲، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۱۳/۸، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الذبائح: ۱۵۹/۴، مكتبه غفاريه)

(۲) اگر ذبح کرتے وقت خون اس طرح بند کر دیتے ہیں کہ خون رگوں سے باہر آتا ہی نہیں، بلکہ رگوں کے اندر ہی منجمد ہو جاتا ہے تو اس سے گوشت نجس نہیں ہوتا، اس کی مثال فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اگر کسی ایسے بیمار جانور کو ذبح کیا جائے کہ اس سے خون =

....

= بالکل نہ نکلے تو وہ جانور حلال ہے، حالانکہ اس کی رگوں میں خون رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر رگوں سے خون خارج ہو کر کسی طریقہ سے گوشت کے اندر جذب ہو جائے تو اس سے سارا گوشت نجس ہو جاتا ہے:

سوال: ''اگر بکری کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت وہ معلوم الحیوۃ تھی مگر ذبح کے بعد رگوں سے خون نہیں بہا یا خون بہا مگر بکری نے نہ حرکت کی نہ تڑپی تو مذبوح حلال ہے یا حرام؟

جواب: ''حلال ہے سراجیہ میں ہے:

''شاة ذبحت وعلم حياتها وقت الذبح ولم يخرج منها دم حلت، حيوان ذبح وخرج منه دم مسفوح ولم يتحرك فإنه يحل وإن لم يخرج منه دم مسفوح ولم يتحرك أيضا، فإن حياته حل''.

ایک بکری کی ذبح کی گئی وقت ذبح اس کی حیات کا علم تھا لیکن ذبح کے بعد خون نہیں نکلا تو وہ حلال ہے، ایک جانور ذبح کیا گیا اور اس سے دم مسفوح نکلا لیکن جانور نے حرکت نہیں کی تو وہ حلال ہے اور اگر دم مسفوح بھی نہ نکلا اور اس جانور نے حرکت بھی نہ کی تو اگر اس کی حیات کا علم تھا تو وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب الأضحية: ۳/۲۲۷، سعيد)

سوال: ''بوقت ذبح جانور نے خون نہ دیا تو حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: ''جانور وقت ذبح کے اگر کانپا یا آواز کی اگرچہ اس وقت خون نہ دیا حلال ہے:''ذبح شاة مريضة، فتحركت، أو خرج الدم حلت الخ. درمختار. والله تعالىٰ اعلم''. (عزيز الفتاوىٰ، كتاب الصيد والذبائح، جو جانور بوقت ذبح آواز کرے، یا حرکت کرے حلال ہے، اگرچہ خون نہ نکلے. ۱/۶۷۰، دار الإشاعت)

'' ولو ذبح شاةً فتحركت أو خرج الدم، حل، وإلا لا إن لم يدر حياته، وإن علم، حل وإن لم يتحرك ولم يخرج الدم''. (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

''ذبح شاةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم تُدر حياته. وإن علم، حلت مطلقاً وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم. وهذا يتأتى في منخنقة ومتردية ونطيحة''. (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعيد)

''مالزق من الدم السائل باللحم فهو نجس، وما بقي في اللحم والعروق من الدم الغير السائل فليس بنجس. والأصل أن النجس من الدم ما كان مسفوحاً''. (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، ص: ۱۹۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

کو اس طرح فربہ دکھانا دھوکہ ہے، حدیث میں ہے: "من غشنا، فليس منا". الحديث (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۸ھ۔

ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا

سوال [۸۳۴۸]: قربانی کرتے وقت ایک جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور دوسرا جانور قریب بندھا رہتا ہے، ذبح ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج یا برائی تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا منع ہے، ایک جانور کو دوسرے کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا": ۱/۷۰، قديمي)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۹۲۴، مكة المكرمة)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تحدّ الشفار وأن توارى عن البهائم". (سنن ابن ماجة، كتاب الذبائح، باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ص: ۲۲۵، قديمي)

(وكذا في السنن الكبرىٰ: ۹/۲۸۰، اداره تاليفات اشرفية ملتان)

"ويستحب ألا يذبح شاة وأخرى تنظر إليه، لماروى ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم أمر أن تحد الشفار وأن توارى عن البهائم". (الفقة الإسلامي وأدلته، المبحث الثاني، الذبح أو التذكية، المطلب السابع: سنن التذكية: ۳/۲۷۴، رشيديه)

"وكل طريق أدّى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي .... مثل أن يحدّ الشفرة بحضرة الحيوان أو يذبحه بمرآى حيوان آخر". (تكملة فتح الملهم، باب الأمر باحسان الذبح والقتل الخ: ۳/۵۴۰، مكتبه دارالعلوم كراچي) .... =

ذبح سے قبل بجلی کا شاٹ لگانا

سوال[۸۳۴۹]: بمبئی میں بکرے اور بھیڑ کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا شاٹ لگایا جاتا ہے، شاٹ لگتے ہی جانور بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے، اس کے ہاتھ پیر بیٹھ جاتے ہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جانور زندہ ہے یا مرگیا۔ جانور کے گرتے ہی فوراً ذبح کر دیا جاتا ہے، بعض جانور ذبح ہونے سے پہلے تڑپتے ہیں اور بعض بالکل نہیں۔ ذبح کرنے کے فوری بعد اس کو بغیر ٹھنڈا کئے کرین پر ٹانگ دیا جاتا ہے(۱) اور کھال اتارنے کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس تدبیر کے ذریعہ سے جانور کو موت سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دینا ہے جس سے اس کا خون بھی بڑی مقدار میں خشک ہو جاتا ہے، گوشت بھی لذیذ نہیں رہتا، گوشت کی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے، یہ طریقہ سنتِ متوارثہ اور طریقۂ شرع کے خلاف ہے، مکروہ تحریمی ہے، جانور کو ایسی اذیت دینے کی اجازت نہیں (۲)۔ تاہم اگر جانور میں زندگی باقی تھی، ایسی حالت میں اس کو ذبح کیا گیا جس سے خون جوش کے ساتھ نکلا، جانور تڑپا

= "ویکره أن یذبح شاة والأخرى تنظر إليه". (إعلاء السنن: ۱۷/۱۳۷، كتاب الذبائح، باب الأمور التي يستحب مراعاتها عند الذبح وإراحة الذبيحة، إدارة القرآن كراچی)

"وعن صفوان بن سليم قال: كان عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه ينهى أن تذبح الشاة عند الشاة". (كنز العمال: ۲۴۳/۳)

(وكذا في شرح السنة: ۴۴۰/۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) "ٹانگ دینا: لٹکا دینا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۱۰، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "وكره كل تعذيب بلا فائدة". (الدر المختار: ۲۹۶/۲، كتاب الذبائح، سعيد)

"مكروهات التذكية التعذيب أو زيادة الألم بلا فائدة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الثاني: الذبح أو التذكية، المطلب: الثامن مكروهات التذكية: ۲۷۴۴/۴، رشيديه)

"والحاصل أن كل ما فيه زيادة ألم لا يحتاج إليه في الذكاة مكروه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۸/۵، رشيديه)

تو وہ گوشت حرام نہیں ہوگا، ورنہ وہ ذبیحہ حرام ومردار ہوجائے گا(۱)۔ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال نہ کھینچیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۱ھ۔

متوحش جانور کو ذبح کرنے کے لئے سر پر لوہا مارنا

سوال[۸۳۵۰]: ایک مذبح میں بہت سے بیل ہیں، سب کو ذبح کرنا ہے، بعض بیل وحشی کے حکم میں داخل ہیں، کسی کو قریب نہیں ہونے دیتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ وحشی نہیں ہیں بلکہ سیدھے ہیں، ان کو آسانی سے ذبح کردیا جاتا ہے، لیکن جو متوحش ہیں، کسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے، لوگ مجبور ہو کر ان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں۔ ذابحین میں سے ایک آدمی چند انچ کا لمبا لوہا لیکر کسی حکمت سے اس کے سر پر مارتا ہے تاکہ وہ اپنی اس تکلیف میں پریشان ہو کر غافل ہوجائے۔ اور وہ چوٹ ایسی نہیں ہوتی کہ وہ جانور مرجائے، بلکہ اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے درد میں غافل ہوجاتا ہے۔ اور ذابحین اس کی ٹانگ میں رسی وغیرہ لگا کر گرا دیتے ہیں، پھر اس کو باقاعدہ ذبح کردیتے ہیں۔

---

(۱) "المتردية والمنخنقة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر: إن فيها حياة مستقرة، حلت بالذبح بالإجماع وإن لم تكن الحياة فيها مستقرةً، تحل بالذبح، سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وهو الصحيح، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۶/۵، رشيديه)

ذبح سے پہلے جانور میں حیات یقینی ہو، یا ذبح کے بعد جانور سے خون بھی بہہ جائے اور ذبح کے بعد جانور کوئی حرکت کرے، اگر ان تین حالات میں سے ایک حالت پائی جائے تو مذبوحہ جانور حلال ہے:

"ذبح شاةً مريضةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم يدر حياته عند الذبح. وإن علم حياته، حلت مطلقاً وإن لم تتحرك أو لم يخرج الدم. وهذا يتأتى في منخنقة ومتردية ونطيحة".

(ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الذبائح: ۱۵۹/۴، مكتبه غفاريه)

(۲) "وكره كل تعذيب بلافائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعيد)

یہ صورت مسئولہ ہے۔ اس پر کئی سوال ہیں جو ذیل میں مذکور ہوتے ہیں:

۱.....مذکورہ متوحش بیل کو اس خاص ضرورت کی وجہ سے لوہا مارنا محض غافل کرنے کیلئے تعذیبِ حیوان میں داخل ہے یا نہیں، اگر تعذیب نہیں تو اس کی کیا دلیل، اور اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

۲.....لوہا مارنے کی دلیلِ جواز ابوداؤد شریف: ۲/۳۳، کی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إن لهذه البهائم أوابد كأوابد الوحش، وما فعل منها هذا، فافعلوا به مثل هذا"(۱)۔

اور حدیث باقی صحاح ستہ میں بھی ہے(۲) اور ترمذی شریف، ص: ۱۸۰، کے حاشیہ میں طیبی کے کلام سے جواز نکل سکتا ہے یا نہیں (۳)؟

---

(۱) "عن عباية بن رفاعة عن أبيه عن جدّه رافع بن خديج رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فقلت: ياسول الله! إنا نلقى العدوّ غداً وليس معنا مدى، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "أرن أو أعجل ما أنهر الدم وذكر اسم الله، فكلوا مالم يكن سِنّ أو ظفر، وسأحدثكم عن ذلك: أما السن فعظم، وأما الظفر فمدى الحبشة". وتقدم به سرعانٌ من الناس، فتعجلوا فأصابوا من الغنائم ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في آخر الناس، فنصبوا قدورا فمرّ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بالقدور، فأمر بها فأكفئت وقسم بينهم، فعدل بعيراً بعشر شياه. وندّ بعير من إبل القوم ولم يكن معهم خيل، فرماه رجل بسهم فحبسه الله. فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوابد كأوابد الوحش، ومافعل منها هذا فافعلوا به مثل هذا". (سنن أبي داود، كتاب الضحايا، باب الذبيحة بالمروة: ۲/۴۱-۴۲، مكتبه رحمانيه)

(۲) (صحيح البخاري، والصيد والتسمية، باب ماند من البهائم فهو بمنزلة الوحش: ۲/۸۲۸، قديمي)
(وسنن النسائي، كتاب الصيد والذبائح، الإنسية تستوحش: ۲/۱۹۵، قديمي)
(وسنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب الذبيحة بالمروة: ۲/۴۱، مكتبه رحمانيه)
(وسنن ترمذی، أبواب الصيد، باب في الذكاة بالقصب وغيره: ۱/۲۷۵، سعيد)

(۳) "أوابد جمع آبدة، وهي التي تندت: أي توحشت، فيه دليل على أن الحيوان الانسي إذا توحش ونفر، فلم يقدر على قطع مزبحه، يصير جميع بدنه كالمذبح، طيبي". (حاشية سنن الترمذي، أبواب الصيد، باب في الذكاة بالقصب وغيره: ۱/۲۷۵، سعيد)

۳..... کیا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اونٹ، گائے، بھینس جو شہر میں یا صحراء میں ہوں اور اپنے نفس سے روکتے ہوں جب وحشی ہو جائیں تو ان کو شکار کی طرح زخمی کیا جائے، کیا ردالمحتار، ص ۱۹۹، میں یہ عبارت ہے(۱)۔

۴..... صورتِ مذکورہ میں عجز حقیقی ذبح اختیاری سے متحقق ہے یا نہیں؟ ھدایہ، کتاب الذبائح: ۳۷۲/۳ کی عبارت: "والصیال کالند" (۲) سے عجز ثابت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس طرح: "البقر والبعیر؛ لأنهما يدفعان عن نفسهما، فلا يقدر على أخذهما وإن ندا في المصر فيتحقق العجز" (۳) کی عبارت سے عجز ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۵..... صورتِ مذکورہ میں متوحش بیل کسی حکمت سے مکان میں لایا جائے رسہ وغیرہ ڈال کر، مگر پھر بھی نہ آسکے یہ عجز حقیقی ہے یا نہیں؟

۶..... "زيادة الألم من غير حاجة". هدايه كتاب الذبائح، ص: ۳۷۲ (٤)، سے اس خاص صورت میں مفہوم مخالف لے سکتے ہیں یا نہیں؟

۷..... حقیقت عجز ذبح اختیاری یہ بھی کچھ ہے کہ صورت مذکورہ میں خاص بیل روکتا ہوا اور اپنے اوپر قابو نہ دے، یا یہ حقیقت عجز خاص صورت میں نہیں ہے؟

۸..... کسی حاجت کی وجہ سے ایلام درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ مسلم: ۱۵۳/۲ (۵)، سے صورتِ مذکورہ پر استدلال کرتے ہوئے اس خاص بیل کو لوہا مارنا ذبح سے پہلے

---

(۱) "والمصر وغيره سواء في البقر والبعير؛ لأنهما نرفعان عن أنفسهما، فلا يقدر على أخذهما وإن ندا في المصر". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۳۰۳/۶، سعيد)

(۲) (هدايه، كتاب الذبائح: ۴۳۷/۴، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (الهداية، المصدر السابق)

(۴) (الهداية، المصدر السابق)

(۵) "إن كان فيه مصلحة أو حاجة في قتال العدو أو تحصيل الصيد، فهو جائز، ومن ذلك رمي الطيور الكبار بالبندق إذا كان لايقتلها غالباً بل تدرك حية فتذكى، فهو جائز". (الصحيح لمسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب إباحة مايستعان به على الاصطياد: ۱۵۲/۲، قديمي)

درست ہے یا نہیں؟

۹.....اگر حاجت کے ماتحت ایلام یا بلا حاجت ایلام دے کر ذبح کریں تو اس کا اثر گوشت کی حلّت یا حرمت پر پڑتا ہے یا نہیں؟

۱۰.....صورت مذکورہ میں خاص بیل جب کہ قابو نہ دے تو اس کو "صیــــد" کے حکم میں قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

"والصيد وهو الممتنع المتوحش فی أصل الخلقة". هدايه، كتاب الحج: ۷۵۷/۲(۱)۔

بخاری شریف: ۸۲۸/۲:

"ما أعجزك من البهائم ممافی يديك، فهو كالصيد .... فذكه من حيث قدرت عليه"(۲) سے استدلال کر کے حکماً صید بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۱.....اگر مذکورہ بیل بہت سے ہوں اور اپنے اوپر قابو نہ دیں تو سب کو فرداً فرداً لوہا مار سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۲.....مذکورہ خاص بیل کے لئے یہ اضطراری چوٹ لوہے کی خاص موقع محل کے لئے دستور بن سکتی ہے یا نہیں؟

۱۳.....اگر کوئی شخص اس خاص بیل کو لوہا مارنے کی اجازت کی وجہ سے متوحش، غیر متوحش، سب کو مارنے لگے تو کیا اس ناجائز فعل کی وجہ سے ﴿غير باغ ولا عاد﴾(۳) کے تحت میں اس شخص سے متوحش بیل کی اجازت بھی از روئے شرع سلب ہو سکتی ہے یا نہیں اور استدلال درست ہے یا نہیں؟

۱۴.....صیال یا بھاگنے والے جانور حیوان متوحش کو پہلے زمانہ میں تیر مارا کرتے تھے، اب اس زمانہ

---

(۱) (الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲۷۷/۱، شركة علميه)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الذبائح والصيد والتسمية، باب ماند من البهائم فهو بمنزلة الوحش: ۸۲۸/۲، قديمی)

(۳) (سورة البقرة: ۱۷۳)

میں تیر مارنے کا رواج نہیں رہا تو کوئی لوہا یا ڈنڈا یا گولی مار سکتے ہیں، اس غرض سے کہ وہ قابو میں آجائے یا نہیں، اگر نہیں تو کیا صورت ہو؟

۱۵......سینگ میں یا گلے میں رسہ یا کسی طرف گھیر کر ٹھہرایا ہو، لیکن پھر بھی متوحش بیل اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا تو کیا اس وقت عجز متحقق ہے؟ اور ابوداؤد: ۲/۱۴، کے حاشیہ میں: "وإن تحقق العجز في الحال جاز رميه" (۱). سے عجز حقیقی کا استدلال درست ہے یا نہیں؟

۱۶......"لاتتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً" (۲) والی حدیث صحاح ستہ کے تمام مقامات سے تلاش کرکے اور سب کو سامنے رکھ کر یہ مطلب نکالنا درست ہے کہ مرغی یا پرندہ وغیرہ اور کوئی جانور ایک جگہ باندھ لیا جائے، پھر تیر اندازی شروع کردی جائے حتی کہ وہ مرجائے اور مرجانے کے بعد کھالی جائے یا نہ، ایسا کرنے والے پر لعنت ہے۔

اس مطلب کی صحت کا استدلال، ترمذی: ۲/۱۷۸: "تنتصب وترمى حتى تقتل" (۳)۔

اور أبوداؤد شریف، حاشیہ: ۲/۳٤: "يمسك الحيوان، ويجعل هدفاً، ويرمى إليه حتى يموت" (٤) ان ہر دو حوالوں سے کرنا درست ہے یا نہیں؟

۱۷......صورتِ مذکورہ اس حدیث کی زد میں آتی ہے جبکہ صورت مذکورہ میں ان باتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے:

۱- رسہ سے متعارف طریقہ سے نہیں باندھا جاتا کہ نشانہ لگایا جائے۔

---

(۱) (حاشية سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب ماجاء في الذبيحة بالمتردية: ۲/۳۹۰، مكتبه رحمانيه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاتتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً". (الصحيح لمسلم، كتاب الصيد والذبائح ومايؤكل من الحيوان، باب النهي عن صبر البهائم: ۲/۱۵۳، سعيد)

(۳) (حاشية سنن الترمذي، أبواب الصيد، باب ماجاء في كراهية أكل المصبورة: ۱/۲۷۲، سعيد)

(۴) (حاشية سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب في النهي أن تصبر البهائم والرفق بالذبيحة: ۲/۴۱، مكتبه رحمانيه)

۲-اس پر تیراندازی سے یا کسی اور چیز سے بہت نشانے نہیں لگائے جاتے۔

۳-نشانہ کی غرض سے نہیں روکا جاتا۔

۴-نشانے اس قدر نہیں لگائے جاتے کہ وہ مرجائے۔

۵-تفریح طبع کے لئے نہیں مارا جاتا۔

۶-مارنے والا ایک ہی ہوتا ہے۔

۷-اس مار سے فقط اس کو کمزور کرنا ہے نہ کہ جان سے ماردینا ہے۔

۸-ذبح اختیاری کے لئے اس چوٹ کو سبب بنایا جاتا ہے۔

۹-ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً ہی ذبح کردیا جاتا ہے۔

۱۰-بلاضرورت چوٹ نہیں لگائی جاتی۔

۱۱-حتی الوسع اس چوٹ لگانے سے بچا جاتا ہے۔

۱۲-خاص متوحش بیل کو مارا جاتا ہے۔

۱۳-جانور بہرصورت صیال ہی رہتا ہے۔

۱۴- جانور مکان کے اندر ہونے کی حالت میں بھی متوحش ہونے کی وجہ سے ذبح اختیاری نہیں کرسکتے۔

۱۵-لوہا مارنے والوں کا خیال جانور کو ایذاء بلاضرورت دینے کا قطعاً نہیں ہے، اس لئے ہر بیل کو ایسی چوٹ نہیں لگاتے، ان باتوں کا اہتمام کرتے ہوئے پھر بھی اس حدیث کی زد میں لوہا مارنے والے آتے ہیں یا نہیں؟

۱۸......خاص مذکورہ صورت میں لوہا مارنے کا جواز مسلمانوں کو کفر تک پہنچاتا ہے یا نہیں؟

۱۹......خاص مذکورہ صورت جواز ضربِ حدید کا حکم دینا شارع صلی اللہ علیہ وسلم کو کمزور سمجھنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

۲۰......خاص صورت مذکورہ میں لوہے مارنے سے کسی نص کے خلاف ہوتا ہے؟

۲۱......خاص صورت مذکورہ میں متوحش بیل کی طاقت اس طرح کمزور کریں کہ بلا اکل وشرب کسی مکان

میں کسی حکمت سے روک رکھیں اور پھر جب کمزور ہوجائیں تو ذبح کریں یا ایسا نہ کریں اور ذبح سے پہلے شق یا جرح یا عقر کریں، کونسی بات پر عمل کریں، ذبح اختیاری تو ممکن نہیں؟

٢٢......مدارِ حلّتِ گوشت جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو چیزیں ہیں: ١: خون نجس نکالنا۔ ٢: اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ کیا یہ قانون مذکورہ صورت میں ٹوٹ جاتا ہے اور گوشت حرام ہوجاتا ہے جبکہ ان دو چیزوں کو بھی سرانجام کیا جائے۔

٢٣......"ماتوحش من النعم، فذكاته العقر والجرح". کتاب الذبائح(١) سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ متوحش بیل کو عقر کیا جائے یا جرح، لیکن ذبح اختیاری حاصل کرنے کے لئے لوہا مار سکتے ہیں تاکہ قابو میں آجائے پھر ذبح کیا جائے۔

٢٤......قوی، جسیم، متوحش بیل کسی حکمت سے مذبح میں لائے جائیں اور پھر بھی اپنے قریب نہ ہونے دیں تو کیا متوحش ہوجاتے ہیں؟

٢٥......اگر لوہا مارنے کو اس خاص مذکورہ صورت کے اندر جائز قرار دیا جائے تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو معلوماتِ ذبح نہ تھیں اور اس جائز قرار دینے والے کو ہیں۔

٢٦......کیا لوہا مارنے کو اس خاص مذکورہ صورت کے اندر جائز قرار دینے والا شارع علیہ السلام سے مفتی کو زیادہ عقل ہے؟

٢٧......ایسی کوئی دلیل ہے جس سے "إیلام بالحاجة حرام" ہو یعنی وہ ایلام جو محتاج الیہ ہے اور خاص طاقتور بیل کو دی جارہی ہے، یہ کسی دلیل شرعی سے حرام ہے۔

٢٨......﴿يخلق الله مايشاء﴾(٢) کے تحت یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ خاص مذکورہ صورت میں جن بیلوں کا ذکر ہے، وہ ان بیلوں سے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھے بڑے ہوں، اگر یہ کہہ دیں تو شرعی نقصان تو کوئی نہیں؟

٢٩......حیوان انسی متوحش ہوں۔ مثلاً: صورت مذکورہ میں خاص بیل ہیں۔ ان کو کس طرح ذبح کیا

---

(١) (الهداية، كتاب الذبائح: ٤/ ٤٣٩، شركت علميه ملتان)

(٢) (سورة النور: ٤٥)

جائے، ذبح اختیاری تو ہو نہیں سکتا تو کیا اختیاری کے لئے کوئی تدبیر ہے؟ جانور کی طاقت کو کم کرنے کے لئے لوہا وغیرہ؟

۳۰.....متوحش اور صیال وہ جانور ہو سکتا ہے جو مذبح میں بھی کسی کو قریب آنے نہ دے یا نہیں؟

۳۱.....متوحش جانور کو ذبح کرنے سے پہلے جو چوٹ لگائی جاتی ہے اس سے دمِ مسفوح کے نکلنے میں کوئی شرعی نقصان ہے، کیا اس چوٹ کے لگنے سے دمِ مسفوح اندر رہ جاتا ہے، کیا چوٹ لگتے وقت جو دم جانور کے اندر یا چوٹ لگنے کے بعد اندر ہے یہ دمِ مسفوح کہلاتا ہے، یا اس وقت یہ دم مسفوح کہلاتا ہے جس وقت ذبح کیا جائے اور جو خون نکلے وہ دم مسفوح ہوتا ہے؟

۳۲.....اضطراری حالت کی کیا یہی تعریف ہے کہ اختیاری حالت پر پوری قدرت نہ ہو یا اور کوئی؟

۳۳.....اضطراری حالت کا حکم صرف اسی اضطراری حالت کے لئے ہے یا عام ہے، دوسری بار بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۴.....متوحش بیل کو لوہا مارنے کے بعد ذبح کر کے جب تولا جاوے تو غیر متوحش کے وزن سے کم نکلے تو یہ کم ہونا کچھ شرعی نقصان ہے؟

۳۵.....متوحش جانور کو لوہا مارنے والا غیر مسلم یا اہل کتاب ہے اور ذبح اختیاری چوٹ کے بعد ہوتی ہے، یہ ذبح کرنے والا مسلم ہے تو اس ضاربِ حدید کا غیر مسلم یا اہل کتاب ہونا شرعاً کچھ حرج ہے یا نہیں؟

۳۶.....”الضرورة تبيح المحظورات“(۱) شرعی مسئلہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ محلِ ضرورت کس کس سبب سے متحقق ہوتا ہے، کیا جان و مال و وقت، تجارتی کاروبار، یا اور قسم کے نقصانات بھی اسبابِ ضرورت بن سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۷.....متوحش بیل کو مارنے والے کے لئے ذبح سے پہلے تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟

۳۸.....صورتِ مذکورہ میں اضطرار شرعی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس چیز کو اس جانور کو کمزور کرنے کا سبب بنایا جائے، جرح کو یا عقر کو یا ثقل کو؟

۳۹.....لوہا مارنا ذبح سے پہلے صرف متوحش بیل کو اگر فی نفسہ حرام نہیں ہے تو کیا لغیرہ حرام ہے یا

---

(۱) (قواعد الفقه (رقم القاعدة: ۰۰۰)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

نہیں؟ (لغیرہ کا یہ مطلب کہ اس کی اجازت کی وجہ سے غیر متوحش کو بھی مارنے لگیں)۔

۴۰..... متوحش صیال بیل کسی حکمت سے رسے کی لپیٹ وغیرہ میں لادیں پھر بھی قابو نہ دیوے، تو ایسی حالت میں کمزور کرنے کیلئے لوہا سر میں مارنا جائز ہے یا نہیں؟

۴۱..... متوحش کی تعریف یہ صحیح ہے کہ کسی کو قریب نہ آنے دے چاہے بھاگے یا نہیں، اگر یہ تعریف صحیح نہیں تو پھر کیا تعریف ہے؟ صیال کی تعریف یہ صحیح ہے کہ ٹانگوں سینگوں سے قریب نہ آنے دے، حملہ کرے، خواہ کسی مکان میں ہو یا باہر، اگر یہ تعریف نہیں تو کیا پھر کیا ہے؟

۴۲..... جس بیل کی ٹانگیں اور سینگ آزاد ہوں اور رسہ بدن کے کسی حصہ پر ٹھہرا ہو وہ جانور اپنے اعضاء سے حملہ آور ہو، حکماً وحشی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

۴۳..... حلال گوشت کی فروختگی بڑھانے کے لئے، یا اس کا سبب بنانے کے لئے خنزیر کا گوشت بھی ساتھ فروخت کیا جائے اور حساب علیحدہ رکھا جائے، کیا جائز ہے؟ تو ایسے شخص کی دعوت کسی کو قبول کرنا کیسا ہے جبکہ وہ کہے کہ میرا حساب خنزیر اور شراب کا علیحدہ ہے؟ بینوا توجروا۔

بندہ: محمد حسین۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حنفی مقلد کے لئے جبکہ جزئیہ صریحہ فقہ میں موجود ہے کسی حدیث سے از خود مسائل کا استنباط کرنا خلافِ منصبِ تقلید ہے، مقلد کا منصب یہ ہے کہ اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر، یا اجماع وقیاس سے جو کچھ مسائل تخریج کئے ہیں اور اپنا مذہب مدوّن کر دیا اور اس پر عمل کرلے خود تخریج واستنباط کی جرأت نہ کرے، ورنہ وہ مقلد نہ رہے گا، اجتہاد کا مدعی ہوگا اور پھر اس کو ہر مسئلہ کے لئے آیتِ قرآنی یا حدیثِ نبوی یا اجماعِ امت یا قیاس سے خود ہی استنباط کرنا ہوگا، کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس امر کا متعسّر بلکہ متعذر رہونا ظاہر بلکہ اظہر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ ''اصولِ مذہب حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ'' میں فرماتے ہیں:

''السابعة: قال بعض أصحاب الفتاوى: إذا كان في المسئلة قولٌ لأبي حنيفة وصاحبيه

رحمهم الله تعالى وحديث يحكمون بصحته، وجب اتباع قولهم دون الحديث"(١)۔

اس مختصری تمہید کے بعد سنئے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الآثار میں وہ روایت جس کو آپ نے سوال نمبر:٢، میں ابوداؤد شریف سے نقل کیا ہے لکھ کر فرماتے ہیں: "به نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، اهـ"(٢)۔

اس تصریح کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، ہر چند کہ تمام سوالات کا جواب نمبروار ضروری نہیں، کیونکہ تمہید مذکور سے بہت سوالات حل ہوگئے، تاہم ترتیب استفتاء کی رعایت سے نمبروار جوابات بھی درج ہیں:

١...... یہ تعذیب ممنوع نہیں کیونکہ ایسا جانور شکار کے حکم میں ہے اور شکار کی حلّت منصوص ہے، ابوبکر رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن: ٢/ ٣٧٩، سورۂ مائدہ میں ایسے جانور کو شکار کا حکم دینے کے لئے روایت مذکورہ فی السوال (٣) سے استدلال کیا ہے (٤)۔

---

(١) لم أظفر على هذا الكتاب

(٢) "عن عباية بن رفاعة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أن بعيراً من إبل الصدقة ندّ فطلبوه، فلما أعياهم أن يأخذوه، رماه رجلٌ بسهم، فأصاب مقتله فقتله، فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عن أكله، فقال: "إن لها أوَابِدَ كأوَابِد الوحش، فإذا أحسستم منها شيئاً من هذا، فاصنعوا به كما صنعتم بهذا، ثم كلوه". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (كتاب الآثار، باب الذبائح، ص: ١٣٧، مكتبه اهل السنة والجماعة، كراچي)

(٣) "عن جده رافع بن خديجه رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... وندّ بعير عن إبل القوم ولم يكن معهم خيل، فرماه رجل بسهم فحبسه الله، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوَابِدَ كأوَابِد الوحش ومافعل منها هذه، فافعلوا به مثل هذا". (سنن أبي داؤد: ٢/ ٣٩٠، دار الحديث ملتان)

(٤) "وأما البعير ونحوه إذا توحش أو تردّى في بئر، فإن الذي يدل على أنه بمنزلة الصيد في ذكاته ...... عن رافع ابن خديج رضي الله تعالى عنه قال: ند علينا بعير، فرميناه بالنبل، ثم سألنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال: "إن لهذا الإبل أوابد كأوابد الوحش، فإذا ندمنها شيء، فاصنعوا به ذلك وكلوه". وقال سفيان: وزاد "إسماعيل بن مسلم: "فرميناه بالنبل حتى رهصناه". فهذا يدل على إباحة أكله إذا قتله النبل لإباحة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غير شرط ذكاة غيره". (أحكام =

بذل المجهود: ۲/۸۰، شرح أبی داؤد میں روایت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فافعلوا به مثل هذا": أی الجرح والقتل، والظاهر أن السهم أصاب المقتل، فمعنی حبسه: أی قتله. ویحتمل أنه لم یصب المقتل، فحینئذ معنی قوله: حبسه کفه عن الشرود، فحینئذ ذبحوه بعد الأخذ؛ لأنه لم یبق حینئذ فی حکم الصید، فإن المتوحش إذا ند یکون فی حکم الصید، فإذا أخذ وفیه الحیاة المستقرة، لم یبق فی حکم الصید، فلایحل بالذکوة الاضطراریة، بل یلزم ذبحه، وإلا حرم أکله، اھ"(۱)۔

۲.....مجتہدین نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، کذا فی أحکام القرآن(۲)۔

۳.....صاحب ردالمحتار وغیرہ نے ایسا ہی نقل کیا ہے(۳)۔

۴.....صورتِ مسئولہ میں عجز ہے، عبارتِ مسئولہ سے استدلال درست ہے(۴)۔

۵.....درست ہوسکتا ہے(۵)۔

= القرآن، سورة المائدة، باب فی شرط الذکوة، فصل: ۲/۳۰۹، دارالکتاب العربی بیروت)

(۱) (بذل المجهود، کتاب الضحایا، باب الذبیحه بالمروة: ۵/۸۰، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی سنن النسائی: ۲/۱۹۵، کتاب الصید والذبائح، الانسیة تسوّحش، قدیمی)

"قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: ما أعجزک من البهائم ممافی یدیک، فهو کالصید".

(صحیح البخاری، کتاب الصید، باب ما ندّ من البهائم: ۲/۸۲۸، قدیمی)

(۲) "إن لهذه الإبل أوَابِد کأوابد الوحش، فإذا ندّ منها شئ، فاصنعوا به ذلک". وأیضاً قال: قال صلی الله علیه وسلم: "لو طعنت فی فخذها لأجزأ منک". وهذا علی الحال التی لابقدر فیها علی ذبحها، إذ لاخلاف أن المقدور علی ذبحه لایکون ذلک ذکاته". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۰۹، (سورة المائدة)، باب فی شرط الزکاة، فصل، دارالکتب العربی بیروت)

(۳) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ: ....والمصر وغیره سواء فی البقر والبعیر؛ لأنهما یدفعان عن أنفسهما، فلایقدر علی أخذهما وإن ندّا فی المصر". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۳، سعید)

(۴) "أو تعذر ذبحه کأن تردی فی بئر أو ندّا أو صال، حتی لو قتله المصول علیه مریداً ذکاته، حل".

(الدرالمختار، کتاب الذبائح: ۶/۳۰۳، سعید)

(۵) (راجع الحاشیة المتقدمة)

۶ ..... مفہوم مخالف لے سکتے ہیں، مگر اس کی ضرورت کیا ہے جبکہ مفہومِ موافق سے استدلال درست ہے (۱)۔

۷..... ہے (۲)۔

۸..... محض ایلام بلاوجہ تو جائز نہیں (۳)، البتہ اگر کسی غرضِ مشروع کی تحصیل ایلام پر موقوف ہو تو اس کے لئے بقدرِ حاجت ایلام جائز ہے، مثلاً: شکار کرنا، ذبح کرنا، خصی کرنا شرعاً درست ہے، بلاوجہ جانور کو ستانا نشانہ بنانا درست نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شافعی المذہب ہیں ان کی عبارت سے مسائلِ فقہیہ جزئیہ میں حنفی المذہب کو استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ تو ہر مسئلہ میں اپنے مذہب کو مبرہن کریں گے خواہ اس سے حنفیہ کی موافقت ہو یا مخالفت، گو اس خاص مسئلہ میں مخالف نہیں بلکہ موافق ہیں (۴)۔

۹..... نفسِ ذبح خود ایلام ہے مگر حاجت کے تحت ہے، اس لئے اس میں تو اشکال ہے ہی نہیں، اسی

---

(۱) "والمفاهيم: جمع مفهوم، وهو دلالة اللفظ على شئ مسكوت عنه، وهو قسمان: مفهوم الموافقة، وهو أن يكون المسكوت عنه: أي غير المذكور موافقاً للمنطوق: أي المذكورة في الحكم كدلالة النهي عن التأفيف على حرمه الضرب، وهذا يسمى عندنا دلالة النص، وهو معتبر اتفاقاً". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في دلالة المفهوم: ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) لیکن سوال میں ہدایہ کی مذکور عبارت "الألم من غير حاجة". هدايه: ۴/۴۳۷ کا تعلق متوحش جانور کے ساتھ نہیں، بلکہ ذبح کے وقت جو امور مکروہ ہیں ان کے ساتھ ہے۔

(۳) "وكره كل تعذيب بلافائدة". (الدرالمختار: ۶/۲۹۶، سعيد)

(۴) "(قوله: خلافاً لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى أربع سنين .... لو أفتى به في موضع الضرورة، لابأس به على ماأظن .... قلت: ونظيره هذه المسألة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام، ثم امتد طهرها، فإنها تبقى في العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض. وعند مالك رحمه الله تعالى تنقضي عدتها بتسعة أشهر. وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك. وقال الزاهدي كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة". (ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالك: ۴/۲۹۵، سعيد)

طرح جس قدر ایلام بضرورت ہو، لیکن ایلام بلا حاجت گو ممنوع ہے تاہم اس سے گوشت حرام نہیں ہوتا ہے:

"وحل الذبح بكل ماأفرى الأوداج وأنهر الدم ولو بليطة أو مروة إلا سناً وظفراً قائمين. ولو كان منزوعين، حل مع الكراهة، لمافيه من الضرر بالحيوان كذبحه بشفرة كليلة...... وكره كل تعذيب بلافائده، اهـ......... (قوله: مع الكراهة): أى كراهة الذبح بها، وأما أكل الذبيح بها، لابأس، اهـ". درمختار وشامی مختصر:(۱)۔

۱۰......وہ صید کے حکم میں ہے، كذا في الدر المختار (۲)۔ روایتِ بخاری سے بھی تائید ہوتی ہے(۳)۔ ہدایہ، کتاب الحج میں محظورات الإحرام والحرم کا ذکر اور سوال میں طریق ذبح کا استفسار ہے(۴)۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۹۵، ۲۹۶، كتاب الذبائح، سعيد)

(۲) "وكفى جرح نعم كبقروغنم توحش فيجرح كصيد". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲/۳۰۳، سعيد)

(۳) "قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: "ماأعجزك من البهائم مما في يديك، فهو كالصيد. وفي بعير تردّى في بئر، فذكّه من حيث قدرت عليه. ورآى ذلك عليٌّ وابن عمر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم .... عن رافع بن خديج رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قلت: يارسول الله! .... فند منها بعير فرماه رجل بسهم، فحبسه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه الإبل أوابد كأوابد الوحش، فإذا غلبكم منها شيء، فافعلوا به هكذا". (صحيح البخاري، كتاب الصيد، باب ماند من البهائم: ۲/۸۲۸، قديمي)

(۴) العبارة بتمامها: "الحمام متوحش بأصل الخلقة ممتنع بطيرانه وإن كان بطيء النهوض، والاستيناس عارض فلم يعتبر". (الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات: ۱/۲۸۳، مكتبه شركة علميه، ملتان)

"وما استأنس من الصيد، فذكاته الذبح. وماتوحش من النعم، فذكاته العقر والجرح؛ لأن ذكاة الاضطرار إنما يصار إليه عند العجز عن ذكاة الاختيار .... أن الشاة إذا ندت في الصحراء فذكاتها العقر، وإن ندت في المصر لاتحل بالعقر؛ لأنها لاتدفع عن نفسها، فيمكن أخذها في المصر، فلا عجز. والمصر وغيره سواء في البقر والبعير؛ لأنهما يدفعان عن أنفسهما، فلا يقدر على أحدهما، وإن ندا في=

۱۱......مار سکتے ہیں۔

۱۲......بن سکتی ہے۔

۱۳......بلاضرورت ایلام ممنوع ہے، کما مر، لیکن اس جرم کی سزا میں بضرورت ایلام کی اجازت سلب نہ ہوگی۔ اور آیت مذکورہ سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اس میں بصورتِ تعدی اصل اجازت کو سلب نہیں کیا گیا، بلکہ صرف تعدی کی ممانعت کی گئی ہے(۱)۔

۱۴......ایسی ضرورت کے وقت ان چیزوں کا مارنا درست ہے (اس جانور کو قابو میں لانے کے لئے)۔

۱۵......یہ عجز کی صورت ہے، کما مر۔

۱۶......یہ صورت ناجائز ہے اور ''لاتتخذوا'' کی ممانعت میں داخل ہے۔

۱۷......۱تا۱۵-نہیں۔

۱۸......لوہا مارنا صورت مسئولہ میں درست ہے، گناہ بھی نہیں ہے۔

۱۹......نہیں۔

۲۰......نہیں۔

۲۱......دوسری بات اختیار کرلیں، عقر وجرح روایات سے بھی ثابت ہے(۲)۔

= المصر فيتحقق العجز. والصيال كالند إذا كان لايقدر على أخذه، حتى لوقتله المصول عليه، وهو يريد الذكاة، حلّ أكله". (الهداية، كتاب الذبائح: ۴/ ۴۳۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱)﴿غير باغ ولاعادٍ﴾ کا تعلق اکل سے ہے کہ حالتِ اضطراری میں تم کھا سکتے ہو، اس کا تعلق اس سے ہرگز نہیں کہ متوحش اور غیر متوحش سب جانوروں کو مارا جائے:

﴿ولا عاد﴾: أى متجاوز مايسد الرمق، والجوع، وهو ظاهر في تحريم الشبع، وهو مذهب الأكثرين، فعن الإمام أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ .... ويحتاج حكم الرخصة على هذا: أى التقييد بأن لايكون زائداً على قدر الضرورة من خارج، واستدل بعموم الأية على جواز أكل المضطر ميتة الخنزير والأدمي، خلافاً لمن منع ذلك". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۱۷۳): ۲/ ۴۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "أجاز عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه كون حكم مانذ من البهائم كحكم الحيوان =

۲۲.....ایسی صورت میں یہ قانون نہیں ٹوٹتا۔

۲۳.....لوہا اگر دھاردار ہے تو اس کا مارنا جرح ہے، بندوق سے شکار جائز ہے تاکہ اس کو کمزور کر کے ذبح کیا جائے۔

۲۴.....ایسے بیل متوحش کے حکم میں ہیں۔

۲۵.....یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی ممانعت نہیں کی، بلکہ دوسرے طرق ذکر کیے ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طریق کا علم نہ تھا۔ دوسرے آپ نے ایسے طرق عموماً فرمائے ہیں کہ وہ خود ذبح کے حکم میں آتا ہے اور سوال صرف کمزور کرنے سے ہے۔ اگر کوئی سمجھ بھی لے تو آپ کے کمالات میں اس سے کیا نقصان لازم آتا ہے، کیونکہ دنیوی حرفت وصنعت اور پیشوں کا علم آپ کے لئے باعثِ کمال نہیں، بلکہ ذات وصفاتِ خداوندی اور شریعت کے ظاہری وباطنی کا علم آپ کے لئے باعثِ کمال ہے، اس علم میں کوئی شخص بلکہ تمام عالم بھی ملکر آپ کے برابر نہیں ہوسکتا ہے۔

۲۶.....یہ سمجھنا ایسے سمجھنے والے کی بے عقلی ہے۔

۲۷.....نہیں، بلکہ یہ حلال ہے، دیکھئے جواب نمبر: ۸، ۹۔

۲۸.....اس میں کیا نقصان ہے ایسا ہونا ممکن ہے، بلکہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ کے بیل بڑے ہیں کسی جگہ چھوٹے۔

۲۹.....تیر یا دھاردار لوہا مار کر زخمی کر لیں۔

۳۰.....ہوسکتا ہے۔

= الوحشي في العقر كيف ما كان، وأخرج ابن أبي شيبة عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه ما يؤدي هذا المعنى. قال حدثني وكيع .... عن علقمة أن حماراً لأهل عبدالله ضرب رجل عنقه بالسيف، فسئل عبدالله، فقال: كلوه فإنما هو صيد".

وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ماأعجزك من البهائم مما في يديك فهو كالصيد. وفي بعير تردّى في بئر من حيث قدرت عليه، فذكه". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الذبائح، باب ماندّ من البهائم فهو بمنزلة الوحش: ۲۱/۱۷۷، ۱۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

۳۱.....نہیں، بلکہ اگر تکبیر پڑھ کر دھار دار لوہا مار کر دمِ مسفوح نکالا اور وہ فوراً ذبح کرنے والے کے وہاں پہونچنے سے پہلے مرگیا تو حلال ہے۔

۳۲.....یہی ہے(۱)۔

۳۳.....پہلی بار کی خصوصیت نہیں حدیث شریف میں عام اجازت ہے(۲)۔

۳۴.....نہیں۔

۳۵.....نہیں۔

۳۶.....کس شئی کی ضرورت کا سوال ہے، خاص ذبح کی، یا عام ہر شئی کی اول کے متعلق عباراتِ فقہ وحدیث، سوال وجواب میں آچکیں۔ ثانی کے متعلق یہ ہے کہ اشخاص واوقات واحوال کے اعتبار سے ضرورت متفاوت ہوتی ہے، اشباہ وغیرہ میں جزئیات بالتفصیل موجود ہیں(۳) کلیہ بیان کرنا جو ہر شخص کے لئے ہر زبان

---

(۱) "لأن ذكاة الاضطرار إنما يصار إليها عند العجز عن ذكاة الاختيار". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲/۳۰۳، سعيد)

(۲) "عن عباية بن رفاعة، عن رافع خديج رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ ندّ بعير وليس في القوم إلا خيلٌ يسيرة، فطلبوه فأعياهم، فرماه رجل بسهم، فحبسه الله، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لهذه البهائم أوَابدَ كأوابد الوحش، فما غلبكم منها، فاصنعوا به هكذا". (سنن النسائي، كتاب الصيد والذبائح، باب ماندّ من البهائم: ۲/۸۲۸، قديمي)

(وكذا في أحكام القرآن، سورة المائدة، باب في شرط الذكاة، فصل: ۲/۳۰۹، دارالكتاب العربي بيروت)

(۳) "الثانية: ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها، ولذا قال في أيمان الظهيرية: إن اليمين الكاذبة لاتباح للضرورة، وإنما يباح التعريض (انتهى) بمعنى لاندفاعها بالتعريض. ومن فروعه: المضطر لايأكل من الميتة إلا قدر سد الرمق. والطعام في دارالحرب يؤخذ على سبيل الحاجة؛ لأنه إنما أبيح للضرورة".

(الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۷۶، ۲۷۷، إدارة القرآن كراچي)

"قاعدة: (الضرورات تبيح المحظورات) من ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة والتلفظ بكلمة الكفر عند الإكراه". .... =

میں ہر حال میں ہر امر میں جاری ہو، دشوار ہے۔

۳۷......محض کمزور کرنے کیلئے ضروری نہیں، ذبح کرنے کے لئے ضروری ہے اور اس کا مسلم ہونا بھی ضروری ہے۔

۳۸......یہ اضطرار ہے، جرح یا عقر سبب بنالیا جائے۔

۳۹......متوحش کا مارنا جائز ہے، غیر متوحش کے لئے ذریعہ بنانا اور مارنا ناجائز ہے۔

۴۰......مار سکتے ہیں۔

۴۱......ایسے جانور کا حکم بھی اس جانور کا ہے جو بھڑک جائے، کما ھو مصرح فی الدر المختار(۱)۔

۴۲......کہہ سکتے ہیں۔

۴۳......خنزیر اور شراب کی بیع حرام ہے، حلال گوشت کی فروختگی بڑھانے کا ذریعہ بنانا بھی ہے اس کو جائز نہیں۔ خنزیر اور شراب کی بیع سے جو مال حاصل ہوا ہے وہ بھی حرام ہے، اس کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں۔ اس کے حلال مال سے دعوت قبول کرنا درست ہے، مگر علماء کے لئے اس سے بھی اجتناب واحتیاط چاہیے کہ عوام کے لئے مظنۂ تہمت ہے:

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية، ولايأكل الطعام، إلا أن يخبر بأنه حلال ورثه أو استقرض من رجل". هدايه: ٤/٣٤١(٢)۔

البتہ دار الحرب میں مسلم مستامن کو کفار کے ہاتھ شراب کی بیع کرنا درست ہے، کذافی ردالمحتار،

= "قاعده: (الضرورات تقدر بقدرها) فلا يأكل من الميتة إلا قدر سدّ الرمق، ومن ثم اليمين الكاذبة لاتباح للضرورة، إنما يباح التورية والتعريض". (قواعد الفقه، (رقم القاعده: ١٧٠، ١٧١)، ص: ٨٩، الصدف پبلشرز كراچی)

(١) "أو تعذر ذبحه كأن تردّىٰ في بئر أو ندّ أو صال، حتى لو قتله المصول عليه مريداً ذكاته، حل". (الدرالمختار: ٦/٣٠٣، سعيد)

(٢) (الهداية، كتاب الكراهية الباب الثاني عشر: ٥/٣٤٢، رشيديه)

جلد: رابع، آخر باب الربوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ۷/ ۵۸ھ۔

سائل کی تسلی اور اطمینان کے لئے مفتی صاحب نے جو کچھ جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس کے بیان کردہ سوالات اور حالات کے پیش نظر کافی ہیں، لیکن چونکہ یہ سوال قانون بنانے کا ہے اور حکومت اس کو عام طور پر لازم کرنا چاہتی ہے، اس لئے جب تک قانون کے الفاظ نہ دیکھے جائیں، سائل کو ان جوابات سے اس قانون کے جواز پر استدلال کرنا جائز نہیں، مناسب یہ تھا کہ قانون کی نقل بھیجی جاتی۔ ذکوۃ اضطراری کے لئے کسی خاص محل کی شرعاً تعیین نہیں اس لئے نمبر:۱۲، کا جواب بلا قانون کے الفاظ دیکھے نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ تضعیفِ حیوان للذبح اور ذکوۃ اضطراری کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے، دونوں کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں، جواب نمبر:۳۵، ۳۷ کا مدار اسی پر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ۔

ذبح کے وقت علاماتِ حیات

سوال[۱۸۳۵۱]: ا...... کسی جانور کا شکار کرنے کے بعد علاماتِ حیات (مثلاً آنکھوں کا پھڑکنا یا

---

(۱) "(ولا بين حربي ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار (ثمة)؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا عذر .... (و) حكم (من أسلم في دار الحرب ولم يهاجر كحربي) فللمسلم الربا معه، خلافاً لهما؛ لأن ماله غير معصوم، فلو هاجر إلينا ثم عاد إليهم، فلا ربا اتفاقاً". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "والذي رأيته في المجتبى هكذا: مستأمن من أهل دارنا مسلماً كان أو ذمياً في دارهم، أو من أسلم هناك، باشر معهم من العقود التي لاتجوز .... وهي عبارة صحيحة، فما في البحر تحريف، فتنبه .... قلت: ويدل على ذلك مافي السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان؛ لأنه أخذ المباح على وجه عرى عن الغدر، فيكون ذلك طيباً له، والأسير والمستأمن سواء، حتى لوباعهم درهماً بدرهمين، أو باعهم ميتة بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له .... ملخصاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب في استقراض الدراهم عدداً: ۱۸۶/۵، سعيد)

سانس چلنا یا جسم کا کوئی حصہ حرکت کرنا) کی حالت میں ذبح کیا گیا لیکن خون نہیں نکلا، لہذا یہ جانور حلال ہے، کیونکہ بعض امرض ایسے ہیں جن میں خون پانی ہو جاتا ہے یا خشک ہو جاتا ہے مثلِ صدمہ وغیرہ اس لئے ایسی حالت میں تو حیات کے باوجود خون نہیں نکلے گا۔

۲......دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ اگر بظاہر کوئی علامتِ حیات موجود نہ ہو، لیکن ذبح کرنے میں شہ رگ سے اگر اتنا خون نکلے کہ چھری تر ہو جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں، بعض مذکورہ بالا علامات جسم کا پھڑکنا یا آنکھیں پھڑکنے کے باوجود خون نکلنا شرط ہے، کیونکہ بعض امراض ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے جسم اور آنکھیں پھڑکنے لگتی ہے، حالانکہ روح پرواز کر چکی ہوتی ہے اور روح کی موجودگی میں شہ رگ کے اندر اتنا خون رہتا ہے کہ جس سے چھری تر ہو جائے۔ اگر اتنا بھی خون نہیں ہے جس سے کم از کم چھری تر ہو جائے تو یہ اس کے مردہ ہونے کی علامت ہے جیسا کہ سکتہ میں ہوتا ہے کہ بظاہر کوئی علامت موجود نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲......جس جانور کی حیات کا علم نہ ہو اور وہ ذبح کرنے سے متحرک ہو، یا اس سے خون نکلے تو حلال ہے:

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دمٌ، حلّت؛ لأنه دليل الحياة، وإلا فلا تحل، اھ". الدر المنتقی: ۲/۵۱۵(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۱۶۴/۴، مكتبه غفاريه)

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها دم، حلت وإلا فلا. وإن علمت، حلت مطلقاً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۱۶۴/۴، مكتبه غفاريه)

"ذبح شاةً مريضةً فتحركت أو خرج الدم، حلت، وإلا لا إن لم تُدر حياتها عند الذبح. وإن علم حياته، حلت مطلقاً وإن لم تتحرك ولم يخرج الدم". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۲/۶۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۸/۳۱۵، رشيديه) .... =

ذبح سے پہلے جانوروں کو بھوکا رکھنا

سوال[۸۳۵۲]: اکثر قصاب بھینس وغیرہ خریدتے ہیں اور سات دن تک بھوکا پیاسا باندھتے ہیں، کھانے والوں کو اس کا علم بھی ہے، یہ بے رحمی ہے۔ ایسوں کو عذاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بے رحمی اور ظلم ہے، اس سے جہنم کا عذاب ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الأول في مسائله: ٦/٣٠٥، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عُذِّبَتْ امرأةٌ في هرة لم تطعمها ولم تسقها ولم تتركها تأكل من خشاش الأرض".

قال الإمام النووي: "وفيه وجوب نفقة الحيوان على مالكه". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي: ٢/٢٣٦ كتاب قتل الحيات، قديمي)

"وجاز ركوب الثور .... بلاجهد وضرب؛ إذ ظلم الدابة أشد من الذمي". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لأنه لا ناصرله إلا الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٠١، ٤٠٢، سعيد)

"ويؤمر بالإنفاق على بهائمه ديانةً .... للنهي عن تعذيب الحيوان". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ٣/٦٣٨، سعيد)

الفصل الثالث فی مایصح ذبحہ ومالایصح

(ذبحِ صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

مرنے کے بعد چھری پھیرنے سے مرغ حلال نہیں ہوتا

سوال[۸۳۵۳]: موضع شہرواسہ میں ایک شخص (مسلمان) کے یہاں مرغیاں پلی ہیں، ابھی چند دن ہوئے ایک کتے نے اس شخص کے ایک مرغ کو پکڑ لیا، اس شخص نے بڑی جدوجہد کے بعد مرغے کو مردہ حالت میں چھڑایا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مرغا مر چکا تھا، مگر شخص مذکور نے مرغے پر چھری پھیردی، اور کہتا رہا کہ مرغا پھڑک رہا تھا، مگر جب لوگوں نے اس کو مردہ قرار دیا تو مان گیا۔ ساتھ ہی اسے وہ مرغا کھانے کو منع کیا گیا۔ اس شخص نے مرغا پکوا کر کھالیا۔

از روئے شریعت ارشاد فرمائیں کہ مسلمانانِ موضع ایسے شخص کو کیا سزا دے سکتے ہیں، یا اس کے خلاف کیا عمل کیا جائے جس سے دوسرے مسلمان بھی عبرت حاصل کریں اور حرام غذا سے گریز کریں؟ شخص مذکور نے جان بوجھ کر مردہ مرغا کھایا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مرغ مر چکا ہو، جان نکل گئی ہو(۱)، اس پر چُھری پھیرنے سے وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ وہ مردار ہی رہے گا، اس کا کھانا بالکل حرام ہے، جس نے اس کو کھایا اس نے قرآن کریم کے خلاف کیا، جس سے سخت گنہگار ہوا(۲)،

---

(۱) "والذبح إتلاف الحيوان بإزهاق روحه للانتفاع به بعد ذلك". (البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۸/۳۰۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة: ۳) =

اس کو اپنی غلطی پر نادم ہوکر توبہ واستغفار لازم ہے(۱)۔اور وہ مردار کھانے کا عادی ہوتو مسلمانوں کو اس سے اور اس کے گھر کا کھانا کھانے سے پورا پرہیز لازم ہے(۲)، کیا بعید ہے کہ وہ حرام چیز دوسروں کو بھی کھلادے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

جس جانور کے دوٹکڑے ہوجائیں اس کا ذبح کرنا

سوال[۸۳۵۴]: اگر کوئی جانور ریل میں کٹ جائے، یا مثلاً کوئی دھاردار چیز پھینک کر مارنے میں مرغ کی گردن کٹ جائے، یا ہرن کٹ کر دوٹکڑے ہوجائے اور دونوں ٹکڑے تڑپتے ہوں تو یہ ذبح

= وقال الله تعالى: ﴿إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير، فإنه رجس﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۵)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالیٰ، فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار ....

وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني، (سورة التحريم: ۸) : ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"والمراد بالتوبة هنا الرجوع عن الذنب .... إن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام". (الصحيح لمسلم مع شرحه للإمام النووي، كتاب التوبة، ص: ۳۵۴، قديمي)

(۲) "آكل الرباء وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لايقبل، ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۳۴۳/۵، رشيديه)

ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر ذبح ہو تو کس طریق پر؟ دونوں حصے حلال ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی جانور کے ریل سے دو ٹکڑے ہوجائیں تو سر والے ٹکڑے کو گردن پر طریق معروفہ سے ذبح کرلیا جاوے، وہ حلال ہوگا اور دوسرا حصہ حرام ہوا (۱)۔ اگر دھاردار چیز کے ذریعہ سے مرغ، ہرن وغیرہ کی ذبح کی گئی رگیں کٹیں اور ساتھ گردن بھی تمام کٹ گئی تو اس کا کھانا درست ہے (۲) اگرچہ اس طرح کاٹنا مکروہ ہے (۳):

---

(۱) "ولو انتزع الذئب رأس الشاة وهي حية تحل بالذبح بين اللبّة واللحيين. قطع الذنب من ألية الشاة قطعة، لايؤكل المبان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في المتفرقات: ۵/۲۹۱، رشيديه)

"ولو بقر الذئب بطنها وهي حية تذكى، لبقاء محل الذبح، فيحل لو ذبحت. ولوانتزع الذئب رأس الشاة وبقيت حيةً، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين. قطع ذنب من ألية الشاه قطعة، لايؤكل المبان".

(البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الثاني في التسمية. ۶/۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعيد)

(۲) بشرطیکہ تسمیہ قصداً ترک نہ کیا ہو:

"والحمامة إذا طارت من صاحبها فرماها صاحبها، أو غيره، قالوا .... وإن كانت تهتدى إلى المنزل، فإن أصاب السهم المذبح، حل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثالث: ۵/۲۹۱، رشيديه)

"والحمامة إذاكانت تهتدى إلى منزلها، فرماها إنسان، لايحل، إلا إذا أصاب المذبح".

(الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثالث في الرمي: ۶/۳۰۰، رشيديه)

"ولو ضرب عنق جزور أو بقرة أو شاة وأبانها وسمى، فإن ضربها من قبل الحلقوم، تؤكل، وقد أساء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح. الباب الأول: ۵/۲۸۸، رشيديه)

(۳) "ولايباين الرأس، ولو فعل يكره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ۵/۲۸۴، رشيديه)

"ومن بلغ بالسكين الرأس، كره ذلك، وتؤكل ذبيحته". هدايه: ٤/٤٣٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس بکرے پر بجلی گر جائے اس کو ذبح کر کے کھانا

سوال[۸۳۵۵]: اگر بیل یا بکرے پر آسمانی بجلی گر جاوے تو اس کو جلد ہی ذبح کر دینے سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلياً:

اگر اس میں حیات باقی تھی اور اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

بندوق سے چڑیا کی گردن اُڑ گئی اس کو ذبح کیا گیا

سوال[۸۳۵۶]: چڑیا کو گولی کی ضرب ایسی پڑی کہ گردن ہی اُڑ گئی، سر کا نام ونشان نہیں رہا، گردن کے حصہ میں ذبح کیا، اس سے کچھ خون برآمد ہوا۔ شرعاً یہ ذبح درست ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (الهداية، كتاب الذبائح: ۴/۴۳۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت، أو خرج منها الدم من غير تحرك، حل أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لايكونان إلا من الحيّ، وذكر محمد بن مقاتل: إن خرج الدم ولم يتحرك، لايحل، وإلا: أي إن لم يتحرك أو لم يخرج الدم، فلا تحل إن لم تعلم حياته وقت الذبح. وإن علمت حياتها وقت الذبح، حلت مطلقاً: أي على كل حالٍ". (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۴/۱۶۴، غفاريه كوئٹه)

"(قوله: أو خرج الدم): أي كما يخرج من الحي. قال في البزازية: في شرح الطحاوي: خروج الدم لايدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الإمام، وهو ظاهر الرواية".

(ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر رگہائے مذکورہ بالا باقی تھیں یعنی گردن کا اتنا حصہ باقی تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں اور پھر ذبح کردیا گیا تو درست ہوگیا اگرچہ سر باقی نہیں رہا تھا۔ اگر یہ رگیں باقی نہیں رہی تھیں، یعنی گردن کا اتنا حصہ بھی نہیں رہا تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں تو ذبح درست نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

کتے نے مرغی کو پکڑلیا اس کو ذبح کرکے کھانا

سوال[۸۳۵۷]: ایک کتے نے مرغی کو پکڑلیا، اس کے دانت کے نشانات بھی ظاہر ہیں اور اس جگہ سے خون بھی نکل آیا ہے۔ تو اس مرغی کو ذبح کرکے کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، وهذا ظاهر لا خفاء فيه (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۸/۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۸/۵ھ۔

بیمار گائے ذبح کی اور خون آہستہ آہستہ نکلا، حرکت کچھ نہیں کی

سوال[۸۳۵۸]: ایک گائے بیمار رہتی ہے بمرضِ مرگی، یا کوئی اور مرض، ہیچو قسم گائے گر کر مرنے لگی، ذبح کرنے والے نے اس کے سر کو ذبح کرنے کے لئے سیدھا کیا، اس وقت گائے کے کان میں جنبش ہوئی یعنی آنکھ کھلی اور بند ہوئی، اس کے علاوہ اور کوئی نشانی زندگی کی ظاہر نہ ہوئی۔ گائے ذبح کردی گئی، خون شرناٹے سے

---

(۱) "ولو انتزع الذئب رأس الشاة وبقيت حيةً، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذكاة، باب التسمية: ۳۰۸/۶، رشيديه)

"وفيها: شاة قطع الذئب أوداجها وهي حية، لاتذكى، لفوات محل الذبح. ولو انتزع رأسها وهي حية، تحل بالذبح بين اللبة واللحيين". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان. "بندوق سے چڑیا کی گردن اڑ گئی، تو اس کو ذبح کیا گیا"۔)

نہ نکلا آہستہ آہستہ پانی کی طرح بہتا رہا، زمین پر پانچ فٹ ایک انچ لمبائی اور ایک فٹ سات انچ چوڑائی تک خون گیا ذبح ہو چکنے کے بعد، اور کوئی علامت زندگی کی ظاہر نہ ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گائے حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو ذبح شاةً لم تعلم حياتها فتحركت أو خرج منها الدم من غير تحرك، حلت أكلها؛ لأن الحركة وخروج الدم لا يكونان إلا من الحيّ. وذكر محمد بن مقاتل: إن خرج الدم ولم يتحرك، لا يحل، وإلا: أي وإن لم يتحرك أولم يخرج الدم، فلا تحل إن لم تعلم حياته وقت الذبح. وإن علمت حياتها وقت الذبح، حلت مطلقاً: أي على كل حال". مجمع الأنهر، ص: ٥١٥(١)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر جانور کی وقتِ ذبح حیات متیقن تھی تو بلاشبہ وہ جائز ہے، اگر اس کی حیات کا علم نہ تھا تب بھی چونکہ خون نکلا ہے اس لئے وہ جائز ہے، کیونکہ ایسے جانور کے متعلق دو چیزوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے: یا حرکت کرے یا خون نکلے، اگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو جائز نہیں، یہاں ایک چیز موجود ہے پس وہ حلال ہے (یہ متن کا حاصل ہے)۔

اور اس کے مقابل محمد ابن مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ محض خون کا نکلنا بغیر حرکت کے معتبر نہیں۔ صراحتاً دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح بیان نہیں کی، لیکن ایک قول کا متن میں ذکر کرنا یہ تصحیح التزامی ہے(۲)۔ نیز قولِ متن کی شارح نے علت بھی بیان کی اور اس کے مقابل کی علت بیان نہیں کی، یہ بھی موجب

(١) (مجمع الأنهر: ٤/ ١٦٤، كتاب الذبائح، فصل، مكتبه غفاريه)

(٢) "إذا تعارض ما في المتون والفتاوىٰ، فالمعتمد ما في المتون". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٣٨٢/٦، سعيد)

"وكل قول في المتون أثبتا — فذلك ترجيح له ضمناً أتى
فرجحت على الشروح والشروح — على الفتاوىٰ القدم من ذات رجوح
ما لم يكن سواه لفظاً صححا — فالأرجح الذي به قد صرحا"

(شرح عقود رسم المفتي، أبيات، ص: ٢٨، دارالاشاعت كراچی)

ترجیح قولِ متن ہے(۱)۔

سکب الأنہر میں دوسرے قول کو ذکر بھی نہیں کیا۔ متنِ تنویر میں بھی قولِ ثانی مذکور نہیں، مگر شامی نے نقل کیا ہے کہ خون اس طرح نکلے جس طرح زندہ جانور سے نکلتا ہے:

"(قوله: أو خرج الدم): أي كما يخرج من الحيّ. قال في البزازية: وفي شرح الطحاوي: خروج الدم لا يدل على الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحيّ عند الإمام، وهو ظاهر الرواية". ٥/٢١٧(٢)۔

اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ذبح کرنے سے اس قدر خون نہیں نکلتا، بلکہ اولاً اس میں قطعاً خون نہیں رہتا، اگر رہتا بھی ہے تو معمولی سا۔ اور شرنانے سے نہ نکلنا بلکہ آہستہ آہستہ نکلنا، بہت ممکن ہے کہ کسی بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

ایک جانور کو ذبح کیا وہ جا کر پانی میں ڈوب گیا اس کا کھانا

سوال[۸۳۵۹]: نیل گائے کو ذبح کیا جارہا تھا، ابھی مکمل نہیں ہوا تھا اس میں جان کی رمق باقی تھی کہ بدن جھاڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور ندی میں جا کر ڈوب مرا، پھر دوبارہ اس کو ذبح نہیں کیا جا سکا۔ شرعاً اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ کتنا ذبح کرنے کو ذبح شرعی (جو جانور حلال کردے) سمجھا جائے گا؟

---

(۱) "كذا إذا ما واحداً قد عللوا له وتعليل سواه أهملوا".

(شرح عقود رسم المفتي، ص: ۳۱، دار الإشاعت كراچی

(۲) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۸، سعيد)

"وفيه أيضاً: وإن ذبح شاةً أو بقرةً، فخرج منها دمٌ ولم تتحرك ومثل ما يخرج من الحي أكلت عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ۵/۲۸۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، نوع آخر ۶/۳۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً

حلقوم، مری، وَدَجان اگر یہ رگیں کٹ چکی ہیں (جن کے بعد زندگی باقی نہیں رہتی) مگر وہ تڑپتا ہوا اٹھ کر قریب ہی کسی پانی میں جا گرا اور مرگیا تو وہ حلال ہے، اس کی موت ذبح کی وجہ سے ہوئی ہے جیسے مرغ کو ذبح کردیا جائے وہ تڑپتا اچھلتا ہوا پانی میں جا گرے (۱)۔ اگر یہ رگیں پوری نہیں کٹی تھیں اور اس کی زندگی متوقع تھی اور پانی میں ڈوب جانے کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے تو وہ مردار ہے اس کا کھانا درست نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

کارآمد جانور کو تجارت کے لئے ذبح کرنا

سوال [۸۲۱۰]: کوئی بیل کا چھوٹا یا گائے (باربردار) ہل میں چلنے والا اور ٹھیلہ کھینچنے والا کارآمد جانور کو بہ نیتِ تجارت ذبح کرنا اور اس کا گوشت بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وإن ذبح الشاة، فاضطربت فوقعت في ماء، أو تردت في موضع، لم يضرها شئ؛ لأن فعل الذكوة قد استقر فيها، فإنما انزهق حياتها به، ولا معتبر باضطرابها بعد استقرار الذكاة، فهذا لحم وقع في ماء أو سقط من موضع". (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح: ۵/۶، غفاريه كوئٹه)

"وإن ذبح الشاة، فاضطربت فوقعت في ماء، أوتردّت من موضع، لم يضرها شئ؛ لأن فعل الذكاة قد استقر فيها، فإنما انزهق حياتها به، ولا معتبر باضطرابها بعد استقرار الذكاة، فهذا لحم وقع في ماء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الثالث في المتفرقات: ۲۹۰/۵ رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۶۹/۶، كتاب الصيد، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۱۱۸/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصيد: ۴۱۲/۸، رشيديه)

(۲) "وذكاة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة، وعروقه الحلقوم والمرئ والودجان. وحل المذبوح بقطع أي ثلاث منها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۴/۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کارآمد جانور کو ذبح کرکے محض اس کا گوشت، کھال فروخت کرکے پیسے کمانا مناسب نہیں (۱)، لیکن وہ پیسہ بھی حرام نہیں ہوگا، بالکل جائز ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) جس طرح حاملہ جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں بچہ ضائع ہوجاتا ہے اسی طرح کارآمد جانور کے ذبح کرنے سے جو منفعت حاصل ہوتی ہیں وہ فوت ہوجاتی ہیں: ''شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۲۸۷/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكوة: ۳۶۶/۳، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ حلال جانور کا گوشت اور کھال فروخت کرنا جائز ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

الفصل الرابع فی مایصح أکله من اللحوم ومالا یصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

عرب ممالک میں ڈبہ بند گوشت کا حکم

سوال[۸۳۶۱]: خلیج کے عرب ملکوں میں یورپ، آسٹریلیا اور امریکہ جیسے ملکوں سے مکبوں اور ڈبوں میں بند ثلاجوں (۱) میں فریز کیا ہوا گوشت اور مرغیاں ملتی ہیں جس کے بکسوں پر "مذبوح علی الطریقة الإسلامیة" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ کیا یہ مرغیاں اور گوشت کھانا شرعی طور پر جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہ چیزیں کفار اور نصاریٰ کے ملکوں سے آتی ہیں اور "کسی مسلمان کے فارم کی ہے یا غیر مسلموں کے فارم کی ہے" یہ کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا، پہلے پرہیز کرتا رہا، مگر اب کھانا کمپنی کی طرف سے ملتا ہے، اس لئے مجبوراً کھاتا ہوں مگر دل نہیں مانتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اس سے پرہیز کیجئے تو اعلیٰ بات ہے اس لئے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں یہ چیز پہونچتی ہے جن کی خبر دیانات میں قبول نہیں (۲)، مگر بلا تحقیق کے حرام کہنا بھی دشوار ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "ثلاجہ: فریزر"۔ (القاموس الجدید: ۷۵۷، إدارة إسلامیات)

(۲) "ولایقبل قول الکافر فی الدیانات، إلا إذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورةً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الأول: ۳۰۸/۵، رشیدیه)

"وأصله أن خبر الکافر مقبول بالإجماع فی المعاملات لا فی الدیانات". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة: ۳۴۵/۶، سعید)

(۳) "من اشتریٰ لحماً، فعلم أنه مجوسیٌ وأراد الرد، فقال: ذبحه مسلم، یکره أکله". (ردالمحتار،=

چمڑا کھانا

سوال[۸۳۲۲]: چمڑا کھانا کیسا ہے؟ منڈی میں چمڑا لگا ہوا ہوتا ہے، اس کو بعض لوگ بال جلا کر اور بال صاف کر کے چمڑے کے ساتھ بوٹی کاٹ کر کھاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا چمڑا بھی گوشت کے ساتھ کھالیا جائے تو مضائقہ نہیں درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۲۵ھ۔

= كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۴/۶، سعيد)

ایسے گوشت کے بارے میں اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے ذابحین مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو فتویٰ کی رو سے اس کا استعمال کرنا درست ہے، مگر تقویٰ کی رو سے اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کی دیگر بے احتیاطیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے استعمال سے پرہیز ہی کرنا چاہیے:

"لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: "وذكوة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة .... والمرى والودجان .... وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم .... والشرط في التسمية هو الذكر الخاص عن شوب الدعاء". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۹۶/۶، كتاب الذبائح، سعيد)

(وكذا في فتاوى حقانيه، كتاب الذبائح، یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم: ۴۵۱/۶، جامعه دارالعلوم حقانيه اکوڑہ خٹک)

(۱) "وذكر بكر رحمه الله تعالى أن الجلد كاللحم". (الفتاوى البزازية على الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشيديه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۸/ ۳۲۶، رشيديه)

"ما يحرم من أجزاء الحيوان المأكول سبعةٌ: الدم والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة". (ردالمحتار: ۷۴۹/۶، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد) ....=

حلال جانور کا چمڑا کھانا

سوال[۸۳۶۳]: چمڑا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا چمڑا کھانا بھی درست ہے، مثلاً: پرندوں: کبوتر، مرغ وغیرہ، یا گائے اور بکری کے تازہ بچہ کی کھال۔ اگر گائے اور بکری کی کھال کو کھانے کے قابل بنالیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں یعنی شرعاً ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۲ھ۔

قربانی کی کھال کا کھانا

سوال[۸۳۶۴]: قربانی بیل وغیرہ کا چمڑہ پکا کر کھانا جائز ہے یا نہ؟ یہ جو مشہور ہے کہ ''سر گوسفند مع پوست بریاں کردہ شدہ یا تیار کردہ میخورد''. درست ہے یا نہ؟

از ملک برما۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت، سر، چمڑہ سب ایک حکم میں ہے سب کا کھانا درست ہے، نیز دوسرے کو دینا بھی جائز ہے، البتہ سات چیزوں کا کھانا درست نہیں:

''ما یحرم من أجزاء الحیوان المأکول سبعة: الدم المسفوح، والذکر، والأنثیان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، بدائع''. شامی: ۲۱۹/۵ (۲)۔

= ''عن واصل بن أبی جمیل عن مجاهد رحمه الله تعالیٰ قال: کره رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من الشاة سبعاً: المرارة، والمثانة، والغدة، والحیا والذکر، والأنثیین، والدم. وکان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یحب من الشاة مقدمها''. (کتاب الآثار، باب مایکره من الشاة والدم وغیره، ص: ۱۳۸، مکتبه أهل السنة والجماعة کراچی)

(۱) (تقدم تحت عنوان: ''چمڑا کھانا''۔)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۷۴۹/۶، سعید) .... =

سراج وہاج کی عبارت سے بھی جلد شاۃ مذکاۃ کا کھانا جائز معلوم ہوتا ہے، البتہ مدبوغ میں اختلاف ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

اوجھڑی اور آنتیں کھانا

سوال [۸۳۶۵]: حلال جانوروں کی اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ماہنامہ "فیض الرسول" جولائی ۶۵ء کے، ص: ۳۲ پر آخر میں جلال الدین احمد الامجدی من اساتذہ دار العلوم اہل سنت برداں شریف ضلع بستی نے اسی سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ:

"اوجھڑی اور آنتیں کھانا مکروہ تحریمی، ناجائز اور گناہ ہے"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"كره تحريماً، وقيل: تنزيهاً –والأول أوجه– من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، للأثر الوارد في كراهية ذلك". درمختار على ردالمحتار: ٥/٦٥٤(٢)۔

= (وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۴۸۹، المكتبة الغفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۴۸۹، غفاريه كوئٹه)

(۱) لم أظفر على هذا الكتاب

(۲) (رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۴۹، سعيد)

"وأما بيان مايحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذى يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله عزوجل: ﴿ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث﴾. وهذه الأشياء السبعة مما تستخبثه الطبائع السليمة، فكانت محرمةً". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۶/۲۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

فقہاء نے ان سات چیزوں کو منع فرمایا ہے، بعض نے "نخاع" کا بھی اضافہ کیا ہے، کذا فی الطحطاوی(۱)، آنتیں اور اوجھڑی کو ان میں شمار نہیں کیا۔ جنھوں نے منع کیا ہے ان سے کتب فقہ کا حوالہ مع نقل عبارت طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

اوجھڑی کھانا کیسا ہے؟

سوال[۸۳۶۶]: پچونی اور لاد کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پچونی اور لاد (انتڑی اور اوجھڑی) کھانا شرعاً درست ہے، خوب پاک صاف کرکے کھائیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

=

"إذا ماذكيت شاةً فكلها سوى سبع ففيهن الوبال

فحاء ثم خاء ثم غين وذال ثم ميمان ودال".

(تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۲، مكتبه ميمنيه مصر)

اوجھڑی کی حلت اس لئے ہے کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اشیائے حرام کو شمار کردیا ہے، یہ ان کے علاوہ ہے، یہ شمار درمختار کے مسائل شتی میں مذکور ہے:"والغدة، والخصية، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، اهـ". (إمداد الفتاوى، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: اوجھڑی کی حلت اور گولر کے بھنگے کی حرمت: ۴/۱۰۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بهشتی زیور، حصه سوم، ص: ۱۵۲، دارالإشاعت کراچی)

(۱) "وزِيدَ نخاع الصلب". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۳۶۰، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (تقدم تحت عنوان: "اوجھڑی اور آنتیں کھانا"۔)

اوجھڑی، آنتوں اور گدھی اور سُوّر کے دودھ کا حکم

سوال[۸۳۶۷]: زید ایک پرچہ لایا ہے جس کا نام ''الحامدہ'' تھا جو سنبھل سے ماہنامہ نکلتا ہے۔ یہ پرچہ ماہ دسمبر ۱۹۷۰ء کا ہے جو جلد نمبر: ۱، شمارہ نمبر: ۱۹، ہے اس پرچہ کا مدیر اعزازی مولوی محمد حسن اشرفی صاحب، اس فتوے کا لکھنے والا قاضی محمد عبدالرحیم بستوی رضوی ہے (دارالافتاء بریلی)۔ اور مولوی محمد حسن اشرفی نے بھی لکھا ہے ص: ۲۲، پر کہ:

''اوجھڑی آنتیں کھانا مکروہ تحریمی ہے'' اور چند سطروں کے بعد لکھتا ہے کہ ''سور اور گدھا کھانا حرام اور اس کا دودھ حلال ہے''۔ پھر ص ۳۰/ پر لکھتے ہیں کہ ''وہ لوگ جو اوجھڑی کھاتے ہیں وہ حرام خور ہیں، اوجھڑی، آنتیں مکروہ تحریمی ہیں''۔

تو عرض یہ ہے کہ ہم لوگ عرصۂ دراز سے گائے، بکری، بھینس، کی اوجھڑی کھاتے ہیں اور کسی نے ان چیزوں کو روکا نہیں، مگر زید پرچہ ماہنامہ ''الحامدہ'' لیکر اعلان کرتا ہے کہ گائے اور بکری بھینس کی اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

لہذا مدلل جواب دیا جائے کہ جب سور اور گدھا حرام ہیں تو دودھ کیسے حلال ہے؟ پھر اوجھڑی کے بارے میں تفصیل کہ اس کا کھانا کہاں تک درست ہے؟

الجوب حامداً ومصلياً:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ردالمحتار: ۵/۴۷۷، میں نقل کیا ہے کہ: ''بکری کا بہتا خون تو حرام ہے اور چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں''۔ حدیث پاک بھی اس سلسلہ میں نقل کی ہے (۱)۔ ان چھ میں

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "كره تحريماً، وقيل: تنزيهاً –والأول أوجه– من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر، للأثر الوارد في كراهة ذلك. وجمعها بعضهم في بيت واحد فقال: ذكر والأنثيان مثانة كذلك دم ثم المرارة والغد

وقال غيره:

إذاما ذكيت شاةً فكلها　　　سوى سبع ففيهن الوبال

فحاء ثم خاء ثم غين　　　ودال ثم ميمان وذال

(الدر المختار)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: كره تحريماً) لِمَا روى الأوزاعي عن واصل بن أبي =

اوجھڑی اور آنت کا ذکر نہیں ہے۔گائے ،بھینس وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

جن صاحب نے اوجھڑی اور آنت کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، جوابی خط بھیج کر ان سے دریافت کرلیا جائے کہ یہ مسئلہ فقہ کی کونسی مستند کتاب میں ہے؟ اسی طرح سور کے دودھ کو حلال کس دلیل اور حوالہ سے لکھا ہے، حالانکہ وہ نجس العین ہے(۱)؟ گدھی کے دودھ کے متعلق بھی دریافت کریں، پھر ایک خط سے یہاں بھی اطلاع کردیں تو احسان ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= جميلة عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة الذكرَ، والأنثيين، والقبل، والغدة، والمرارة، والمثانة، والدم. قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الدم حرام وأكره الستة، وذلك لقوله عزوجل: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم﴾ (الآية) فلما تناوله النص، قطع بتحريمه، وكره ما سواه؛ لأنه مما تستخبثه الأنفس وتكرهه. وهذا المعنىٰ سبب الكراهية، لقوله تعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾. زيلعي.

وقال في البدائع آخر كتاب الذبائح: وما روى عن مجاهد، فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الستة وبين الدم في الكراهة، والدم المسفوح محرم. والمروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه قال: الدم حرام وأكره الستة. فأطلق الحرام على الدم، وسمى ما سواه مكروهاً؛ لأن الحرام المطلق ما ثبت حرمته بدليل مقطوع به، وهو المفسر من الكتاب قال الله تعالىٰ: ﴿أو دماً مسفوحاً﴾، وانعقد الإجماع على حرمته. وأما حرمة ما سواه من الستة، فما ثبت بدليل مقطوع به بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب المحتمل للتأويل أو الحديث، فلذا فصل، فسمىٰ الدم حراماً وذا مكروهاً...... اهـ".

(ردالمحتار: ۶/ ۷۴۹، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۶/ ۲۷۲، دارالكتب العلمية)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثالث في المتفرقات: ۵/ ۲۹۰، رشيديه)

(۱) "وشعر الخنزير لنجاسة عينه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "عين الخنزير: أي بجميع أجزاءه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۵/ ۷۱، سعيد)

غدود کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

سوال[۸۳۶۸]: ایک مسئلہ تذکرۃ الرشید،ص:۱۷۴ میں ہے کہ:''حلال جانور میں سے سات چیزیں کھانا منع ہے''ان سات چیزوں میں سے ایک''غدود'' بھی ہے(۱)۔آپ واضح فرمائیں کہ غدود کیا ہے؟ عام طور غدود نلی میں سے یا پاؤں میں سے نکلتا ہے،اسے کہتے ہیں،عام طور پر لوگ اس کو بہت شوق سے کھاتے ہیں۔آپ بتائیں کہ یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خون جم کر گھٹلی کی صورت ہو جاتی ہے،اس کو''غدہ'' کہتے ہیں (۲) وہی اردو میں''غدود'' کہلاتا ہے(۳)۔ پائے اور دوسری ہڈی سے جو چیز نکلتی ہے اس کو''گلی''اور''گودہ''اور''گود'' کہتے ہیں،اس کا کھانا درست ہے(۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) **سوال**: ''جانور حلال مثل بکری وگاؤ وطیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے؟اور کون کون حرام ہے؟''۔

جواب: ''سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں۔ذکر،فرج مادہ،مثانہ،غدود،حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے،خصیہ،پتہ یعنی مرارہ جو کلیجہ میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے،مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہ پر حمل کرتے ہیں''۔(تذکرۃ الرشید، شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا، عنوان مسئلہ:حیوانات میں سات چیزیں کھانا حرام ہے،ص: ۱۷۵، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) ''(قوله: الغدة) بضم الغين المجمعة كل عقدة في الجسد أطاف بها شحم، وكل قطعة صلبة بين العصب''. (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۴۹، سعيد)

''الغدة .... كل عقدة في الجسم أطاف بها شحم، وأيضاً كل قطعة لحم صلبة تحدث عن داء بين اللحم والجلد''. (قواعدالفقه، ص: ۳۹۸، الغين، الصدف پبلیشرز)

(۳) ''غدود:جسم کے اندر کی گانٹھ،گلٹی،عربی میں غرہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۹۱۱، فیروز سنز، لاہور)

(۴) ''گودہ:گرد:مغز،بھیجا،گری،اندرونی حصہ،ہڈی کے اندر کی نرم چیز،مغز،استخوان''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۲، فیروز سنز لاہور)

حرام مغز

سوال[۸۳۶۹]: حرام مغز کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منع ہے، طحطاوی: ۴/ ۳۶۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بکرے کے کپورے کا حکم

سوال[۸۳۷۰]: بعض آدمی قربانی کے بکرے کے کپورے (خصیے) بھی پکا کر کھاتے ہیں۔ کیا ان کا کھانا جائز ہے؟

---

(۱) "(قوله: والدم المسفوح)، وزيدَ نخاع الصلب". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۴/ ۳۶۰، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، دارالمعرفة بيروت)

"وكره من الشاة الحياء والخصية والغدة ....ونخاع الصلب". (كنز الدقائق، مسائل شتىٰ، ص: ۴۳۲)

سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہر میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خونِ سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حلال جانور کا شرعی طریقہ سے ذبح ہونے کے باوجود اس کے سات مندرجہ ذیل اعضاء کا کھانا حرام ہے: ۱- پتا، ۲- مثانہ، ۳- غدود، ۴- فرج، ۵- ذکر، ۶- خصیتین، ۷- دمِ مسفوح۔

لما قال العلامة محمد بن حسن الشيباني رحمه الله تعالىٰ: "عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة سبعاً: "المرارة والمثانة، والغدة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم". (كتاب الأثار، باب مايكره من الشاة الدم وغيره، ص: ۱۷۹)

راجع: (فتاویٰ حقانیه، کتاب الذبائح، حلال جانور کے حرام اجزاء: ۶/ ۴۵۳، حقانیه اکوڑہ خٹک)

(وتالیفات رشیدیة، شکار اور ذبح کے مسائل، حلال جانور کی حرام اشیاء، ص: ۴۵۱، اداره اسلامیات لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کا کھانا منع ہے، شامی: ۱۹۷/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کپورے کے متعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

سوال [۸۴۷۱]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپورے کے متعلق مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ "بکرے کے خصیہ کھانا شرعاً جائز ہے"۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا گنگوہی کی اس کی طرف نسبت صحیح نہیں، بلکہ ان پر بہتان ہے، انھوں نے بکرے کے خصیہ کو منع لکھا ہے، دیکھو فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی، ۱۳۵۲ھ، جلد دوم (۲)۔ اور

---

(۱) "وكره تحريماً من الشاة سبع: الحياء، والخصية، والغدة، والمثانة، والمرارة، والدم المسفوح، والذكر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۴۹/۶، سعيد)

"كره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الشاة سبعاً: المرارة، والمثانة، والغدة، والحياء، والذكر، والأنثيين، والدم". (كتاب الأثار، ص: ۱۷۹، إدارة القرآن كراچي)

"فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله تعالىٰ: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾. وهذه السبعة مما تستخبثه الطبائع السليمة، فكانت محرمةً". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، فصل: فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۲۷۲/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۸۹/۴، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، مكتبه غفاريه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، فصل: فيما يحرم أكله من أجزاء الحيوان: ۱۳۰/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۶۳/۶، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتىٰ، سعيد)

(۲) "سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خونِ سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں گردہ کی -

تذکرۃ الرشید، حصۂ أول، ص: ۱۷٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خصیہ کا کھانا

سوال[۸۳۷۲]: حلال جانوروں کے خصیتین کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حلال جانور کے حلال اجزاء

سوال[۸۳۷۳]: اگر گائے، بکری، بھینس وغیرہ ذبح کرے تو اس میں کن چیزوں کا کھانا حرام ہے اور کن چیزوں کا کھانا مکروہ ہے، یعنی کس قسم کی مکروہ ہے: تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ اور پیٹھ میں جو بڑی ہڈی ہوتی ہے جس کو ''صلب'' کہتے ہیں اس کے اندر جو سفید رگ ہوتی ہے، اس کا کھانا حرام ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ اگر کوئی شخص گوشت کے ساتھ اس کو پکالے تو یہ سالن کھانا کیسا ہے؟ اگر کسی کو کھلا دے تو کھلانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ مسائلِ مذکورہ کو

= کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ، باب شکار اور ذبح کے مسائل، عنوان مسئلہ: حلال جانور کی حرام اشیاء، ص: ۲٤٦، سعید)

(۱) (تذکرۃ الرشید: ۱/۱۷٤، ادارۃ اسلامیات لاہور)

جانور میں سات چیزیں حرام ہیں: خون جاری، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، پھکنا، پتہ:

''وأما بیان مایحرم أکلہ من أجزاء الحیوان سبعۃ: الدم المسفوح، والذکر، والأنثیان، والقبل، والغدۃ، والمثانۃ، والمرارۃ، کذا فی البدائع''. عالمگیری، جلد: ٤، واللہ أعلم''. (إمداد الفتاویٰ، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: اجزائے حرام حیوانِ حلال: ٤/۱۱۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (تقدم تحت عنوان: ''بکرے کے کپورے کا حکم''۔)

موافقِ شریعت مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکره تحریماً –علی الأوجه– من الشاة سبع أشیاء معلومة، وهو: الفرج، والخصیة، والمثانة، والذکر، والغدة، والمرارة، والدم المسفوح، للأثر الوارد فی کراهة ذلك، لکن فی عد الدم من المکروه تسامح". مجمع الأنهر: ۲/۷۴۳(۱)۔

"وزید نخاع الصلب". طحطاوی: ٤/۳٦٠(۲)۔

"قال أبوحنیفة رضی الله تعالیٰ عنه: الدم حرام، وأکره الستة. وذلك لقوله عزوجل: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر﴾(الایة) فلما تناوله النص، قطع بتحریمه، وکره ماسواه". زیلعی: ٦/٦٦(۳)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ آٹھ چیزیں ممنوع ہیں، ایک حرام ہے اور باقی مکروہ تحریمی ہے، ان سب کا کھانا اور کھلانا ناجائز اور گناہ ہے۔ اور جس سالن کے ساتھ ناجائز عضو کو ملا کر پکایا ہے، وہ سالن بھی ناپاک ہو گیا(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۲/٦١ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۲/٦١ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۴/۴۸۹، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، مکتبه غفاریه)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۴/۳۶۰، دارالمعرفة بیروت)

(۳) (تبیین الحقائق: ۷/۴۶۴، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ، دارالکتب العلمیة بیروت)

"کره رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من الشاة الذکر، والأنثیین، والقبل، والغدة، والمرارة، والمثانة، والدم. فالمراد منه کراهة التحریم بدلیل أنه جمع بین الأشیاء الستة وبین الدم فی الکراهة والدم المسفوح محرمٌ". (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح، فصل فیما یحرم أکله من أجزاء الحیوان: ۶/۲۷۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۴) "سالن ناپاک نہیں ہوگا، البتہ اگر مذکورہ اعضاء کے اجزاء سالن میں خلط ملط ہو جائیں تو سالن کا کھانا مکروہ ہوگا: =

گوشت کے ساتھ لگا ہوا خون پاک ہے، ذبح بھی دباغت ہے

سوال[۸۳۷۴]: حلال جانوروں کا دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں باقی رہ جاتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر مصلیوں کی کپڑے یا جسم میں لگ جائے تو اس سے نماز صحیح بھی ہو جائے گی یا نہیں، کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں؟ غیر ماکول اللحم جانوروں کو اگر تسمیہ کے ساتھ ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت اور جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے وہ بھی پاک ہے یا نہیں؟

کیا مذبوحہ جانوروں کے چمڑے پر قبل دباغت نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ آیا ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے چمڑہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعد ذبح جو خون گوشت سے چپکا ہوا رہ جاتا ہے وہ نجس ہے جبکہ وہ سائل ہو، اور جو خون رگوں میں رہ

= "فلو تفتت فيه نحو ضفدع، جاز الوضوء به لاشربه، لحرمة لحمه". (الدرالمختار). "قال العلامة الشامي: "لأنه قد صارت أجزاءه في الماء، فيكره الشرب تحريماً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في مسئلة الوضوء من الفساقي: ۱/۱۸۵، سعيد)

"دود لحم وقع في مرقة، لا ينجس، لايؤكل المرقة إن تفسخ الدود فيها: أي لأنه ميتة وإن كان طاهراً. قلت: وبه يعلم حكم الدود في الفواكه والثمار". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، والإستنقاء والاستنجاء: ۱/۳۴۹، سعيد)

"ما يعيش في الماء مما لا يؤكل لحمه إذا مات في الماء وتفتت، فإنه يكره شرب الماء، وهو مروى عن محمد رحمه الله تعالى، لاختلاط الأجزاء المحرمة كلها بالماء، فربما ابتلعت بشربه مع أنها حرام، وما يحتمل فيه تناول الحرام، يكره تناوله، ويجب التحرز عنه؛ لأنه رعى حول الحمى". (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فصل في البئر قبيل فصل في الأسار، ص: ۱۲۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۲۲، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل ومايتصل به: ۵/۳۳۹، رشيديه)

جاتا ہے وہ نجس نہیں جب کہ وہ سائل نہ ہو:

"ما لزق من الدم السائل باللحم فهو نجس، ومابقي في اللحم والعروق من الدم الغير السائل فليس بنجس". كبيرى، ص:۱۹۳(۱)۔

"والدم المسفوح: أى السائل من أىّ حيوان .... والمراد أن يكون من شانه السيلان، فلو جمد المسفوح ولو على اللحم، فهو نجس، كما في منية المصلى. وكذا مابقى في المذبح؛ لأنه دم مسفوح، كما في ابن أميرحاج. لاالباقى في اللحم؛ لأنه ليس بمسفوح لمشقة الاحتراز عنه". طحطاوى، ص:۸۳(۲)۔

اگر معمولی اثر کپڑے یا بدن پر آئے گا تو وہ معاف ہے، اگر نمایاں طور پر لگ جائے تو پاک نہیں

"يفسد الثوب إذا فحش". شامى: ۱/۲۹۴(۳)۔

---

(۱) (الحلبى الكبير، ص: ۱۹۵، فصل في الأسار، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، ص: ۱۵۳، قديمى)

"(قوله: ودم مسفوح): أى ذاته فلو جمد المسفوح ولو على اللحم بقى نجساً". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۱۶۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثاني، الأعيان النجسة: ۱/۴۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة: ۱/۱۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۰۹، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث في بول الفأرة وبعرها وبول الهرة: ۱/۳۱۹، سعيد)

لیکن راجح یہ ہے کہ رگوں اور گوشت میں جو خون ہے وہ پاک ہے اگر چہ زیادہ ہو:

"وما يبقى من الدم في عروق المذكاة بعد الذبح لايفسد الثوب وإن فحش، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يفسد الثوب إن فحش". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل في الأسار: ۱/۱۹، رشيديه) .... =

ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں کا اس مسئلہ میں ایک ہی حکم ہے جبکہ تسمیہ کے ساتھ ذبح کیا جائے، ذکوۃ شرعیہ سے چمڑا پاک ہوجاتا ہے، اس پر نماز بغیر دباغت کے بھی درست ہے، ماکول اللحم کا چمڑا ہو یا غیر ماکول اللحم کا:

"سوى الخنزير والادمي، وما: أي إهاب طهر به بدباغ، طهر بذكاة على المذهب. لايطهر لحمه على قول الأكثر إن كان غير مأكول. هذا أصح ما يفتى به وإن قال في الفيض: الفتوى على طهارته. وهل يشترط لطهارة جلده كون ذكاته شرعيةً بأن تكون من الأهل في المحل بالتسمية؟ قيل: نعم، وقيل: لا، والأول أظهر؛ لأن ذبح المجوسي وتارك التسمية عمداً كلا ذبح وإن صحح الثاني". الدر المختار: ۱/ ۱۸۹ (۱)۔

"والحاصل أن ذكوة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً، وإلا فإن كان نجس العين فلاتطهر شيئاً منه، وإلا فإن كان جلده لا يحتمل الدباغة فكذلك؛ لأن جلده حينئذيكون بمنزلة اللحم، وإلافيطهر جلده فقط. والآدمي كالخنزير فيما ذُكر تعظيماً له". شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

= "وما يبقى من الدم في عروق المذكاة بعد الذبح لايفسد الثوب وإن فحش". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۴۶، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الثاني، الأعيان النجسة، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، السابع في النجس: ۴/ ۲۱، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/ ۲۰۴، ۲۰۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل: يطهر جلد الميتة، ص: ۱۲۹، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطهارة: ۱/ ۳۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة: ۱/ ۲۰۵، سعيد)

گھومنے اور پھرنے والی مرغی کو فوراً ذبح کر کے کھانا

سوال[۸۳۷۵]: وہ مرغیاں کھلی ہوئی ادھر ادھر پھرتی ہیں، اس کو پکڑ کر فوراً ذبح کر کے کھانا کیسا ہے، یعنی مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی ہے یا تحریمی؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تحریمی ہے اور اس کے دفعیہ کے لئے تین روز باندھنا چاہئے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ امید ہے کہ مدلل ومفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مرغی اس قدر غلاظت کھاتی ہو کہ اس میں بدبو پیدا ہوگئی ہے، اس کو اتنی مدت تک محبوس رکھا جائے کہ بدبو ختم ہو جائے اس سے پہلے یعنی فوراً پکڑ کر ذبح کر کے پکا لینا مکروہ تحریمی ہے۔ جو مرغی غلاظت نہیں کھاتی، یا اتفاقیہ کبھی کھالے اس کو فوراً ذبح کر کے کھا لینا درست ہے، اس کو محبوس رکھنا محض تنزیہاً ہے:

"وفي التجنيس: إذا كان علفها نجاسة، تحبس الدجاجة ثلاثة أيام. وقال السرخسي: الأصح عدم التقدير، وتحبس حتى تزول الرائحة المنتنة. وفي المنتقى: المكروه الجلالة التي إذا قربت وُجد منها رائحةٌ، فلا تؤكل. وفي مختصر المحيط: ولاتكره الدجاجة المخلاة إن أكلت النجاسة يعني إذا لم تنتن بها، لما تقدم أنها إذا تخلط ولايتغير لحمها، وحبسها أياماً تنزيه".

شامي مختصراً: ۵/۱۹۵، كتاب الذبائح(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۶، سعيد)

"ويكره أكل لحوم الإبل الجلالة وهي التي الأغلب من أكلها النجاسة؛ لأنه إذا كان غالب أكلها النجاسة، يتغير لحمها وينتن، فيكره أكله كالطعام في المنتن ......انه لا يحل الانتفاع بها من العمل وغيره، إلا أن تحبس أياماً وتعلف، فحينئذ يحل .... هذا إذا كانت لاتخلط ولا تأكل إلا العذرة غالباً ...... ولايكره أكله الدجاج المخلى وإن كان يتناول النجاسة؛ لأنه لا يغلب عليه أكل النجاسة، بل يخلطها بغيرها وهوالحب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان ومالايؤكل: ۵/۲۹۰، رشيديه)

کافر کے سرکاری سانڈ کو ذبح کرکے کھانا

سوال[۸۳۷۶]: زید اس سانڈ کو ذبح کرکے کھالیتا ہے جس کو کسی کافر نے چھوڑا ہے، یا سرکاری طور پر چھوڑا گیا ہے، کیا شرعاً اس کو چوری چھپے ذبح کرکے اس کو کھالینا جائز ہے؟ واضح رہے کہ لوگوں کے زبانی معلوم ہوا ہے کہ کافر اکثر وبیشتر اپنے کسی بڑے آدمی یا بت وغیرہ کے نام پر سانڈ وغیرہ چھوڑتا ہے، اس صورت میں یہ سانڈ "ما أهل به لغير الله" کے تحت داخل ہوگا یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو پھر اس سے مسلمانوں کو اپنے جانوروں سے جفتی کرانا شرعاً کیسا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری مال میں تو سب کا حق ہے اس لئے سرکاری سانڈ کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مزعومہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے سانڈ کو ذبح کرکے چوری چھپے سے بھی کھالینا جائز نہیں (۱)، یہ تصرف فی ملک الغیر ہے۔ اگر وہ

= "ولا تؤكل الجلالة ولايشرب لبنها، والجلالة هي التي تعتاد أكل الجيف والنجاسات ولاتختلط، فيتغير لحمها، فيكون منتناً. وأما ما يختلط فيتناول النجاسة والجيف ويتناول غيرها على وجه ولا يظهر أثر ذلك في لحمه، لابأس بأكله........ اهـ". (فتاوی قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳/۳۵۹ رشيديه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۲/۳۲۱، مكتبه إمداديه ملتان)

(والصحيح لمسلم، كتاب القسامة، باب تغليظ الدماء والأعراض والأموال: ۲/۶۰، قديمي)

"كل المسلم على المسلم حرام: ماله وعرضه ودمه، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم". (فيض القدير: ۹/۴۴۵۳، (رقم الحديث: ۶۲۲۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، =

غیر اللہ کے نام کا ہے تو "ما أهل به لغير الله" میں بھی داخل ہے(۱)۔ وہ کسی مسلمان کی گائے سے جفتی کرے تو اس جفتی کو یا اس سے پیدا ہونے والے بچے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ سرکار نے اپنے مال کے کھانے کی سب کو اجازت نہیں دی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

گابھن بھیڑ کو ذبح کر کے فروخت کرنا اور اس کے بچے کا حکم

سوال[۸۳۷۷]: بھیڑ گابھن ہے اس کو ذبح کیا جاتا ہے، بچہ کبھی مر بھی جاتا ہے کبھی زندہ رہتا ہے، آیا اس بھیڑ کا ذبیحہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ روزانہ دوکانداری کا معمول ہے اور بھیڑ کے بچہ ہونے میں ایک دو دن باقی رہتا ہے اس اندازہ سے ذبح کرتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے(۳) اگرچہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ جو بچہ مردہ نکلے اس کا کھانا درست نہیں

= باب الغصب والعارية، الفصل: ۲/۲۵۵، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة المائدة: ۳)

وقال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى:

"وإن ينز كلب فوق عنز فجاها نتاج له رأس ككلب فينظر
فإن أكل لحماً فكلب جميعها وإن أكلت تبناً فذا الرأس يبتر".

(الدر المختار، كتاب الذبائح: ۶/۳۱۱، سعيد)

(۳) "شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهذا قول عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأن عنده الجنين لايتذكى بذكاة الأم". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۵/۲۸۷، رشيديه) .... =

ہے، جو بچہ زندہ نکلے اس کو ذبح کرلیا جائے، وہ حلال ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "بقرة أو شاة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۱۵۵، بيروت)

"شاة أوبقرة أشرفت على الولادة، قالوا: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد". (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب الذكاة: ۳/۳۶۷، رشيديه)

"إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۴، سعيد)

(۱) "إن الجنين وهو الولد فى البطن إن ذكى على حدة، حل، وإلا لا، ولا يتبع أمه فى تذكيتها لو خرج ميتاً". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۴، سعيد)

"وجنين الناقة إذاخرج ميتاً بعد ذبحها حرامٌ". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳/۳۵۹، رشيديه)

کتاب الأضحیة

باب من یجب علیه الأضحیة ومن لایجب

(قربانی کے وجوب وعدم وجوب کا بیان)

قربانی کس پر واجب ہے؟ کیا قیمت کا صدقہ کرنا کافی ہے؟

سوال[۸۴۷۸]: قربانی کس پر واجب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی غریب کو دیدی جائے، یا قربانی کرنی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اتنی قیمت کی کوئی اور چیز حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اس پر قربانی واجب ہے(۱)۔ قربانی کے ایام میں قربانی واجب ہے، قیمت دینا کافی نہیں (۲)۔ اگر کسی عارض کی وجہ

---

(۱) "وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مأتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه". (خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني نصاب الأضحية: ۳۰۹/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

"أما شرائط الوجوب، منها: اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة.......... والموسر في ظاهر الرواية: من له مأتا درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۹۲/۵، الباب الأول، كتاب الأضحية، رشيديه)

(۲) "ومنها: أن لا يقوم غيرها مقامها، حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت، لا يجزيه عن الأضحية؛ لأن الوجوب تعلق بالإراقة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل: وأما كيفية الوجوب: =

سے قربانی نہیں کرسکا اور دن گزر گئے تو پھر قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۳ھ۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال[۸۳۷۹]: قربانی کے متعلق ایک کتاب میری نظر سے گزری، اس میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

''قربانی ہر مقیم، آزاد، مسلمان عاقل، بالغ، مالکِ نصاب پر واجب ہے۔ مالکِ نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس اسبابِ خانہ داری کے سوا ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا چھتیس روپے موجود ہوں، یہاں پر ایک سال کا گزرنا شرط نہیں۔

جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں، البتہ مستحب ہے۔ بچے کی طرف سے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ کنز الدقائق (۲)، ابوداؤد'' (۳)۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چھتیس روپیہ کو نصاب قرار دینا تو غلط ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت جتنے روپیہ ہوں گے ان

= ۲/ ۲۹۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/ ۵۱۶، کتاب الأضحیة، دارإحیا التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۸/ ۳۱۸، کتاب الأضحیة، رشیدیه)

(۱) "ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق به حيةً ناذرٌ .... و تصدق بقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/ ۳۲۱، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۳/ ۵۱۹، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/ ۴۴۴، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۲) "تجب على حر مسلم موسر عن نفسه لاعن طفله". (کنز الدقائق، کتاب الأضحیة، ص: ۴۲۰ مکتبه إمدادیه ملتان)

(۳) لم أجده

کو نصاب کہا جائے گا(۱)۔ بچے کی طرف سے قربانی مفتیٰ بہ قول ہے کہ واجب نہیں ہے۔ بقیہ مضمون صحیح ہے:

"فتجب التضحية عن نفسه، لا عن طفله على الظاهر. اهـ". درمختار۔ قال الشامي بعد نقل رواية زفر رحمه الله تعالىٰ: "والفتوى على ظاهر الرواية. اهـ". ردالمحتار: ۲۰۰/۵ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۸/ ۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۲/۳۰/ ۸۵ھ۔

کیا گھر کے سب آدمیوں کی طرف سے قربانی لازم ہے؟

سوال[۸۳۸۰]: گھر میں چند عورتیں ومرد ہیں، مثلاً: بیوی، ماں، بھائی، باپ، بہن، بچے، خواہ زندہ ہوں خواہ ان میں سے کچھ مردہ ہوں، اور زید کئی آدمیوں کے نام کی قربانی بوجۂ عسرت نہیں کرسکتا تو ایسی حالت میں ہر سال ایک ایک عزیز وقریب، مثلاً: بالا رشتہ خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ، ان کے نام ایک ایک سال کرتا جائے جس کے ذمہ زکوۃ واجب ہے بیوی یا شوہر پر کسی پر زکوۃ زیادہ واجب ہے، اس کے نام کی قربانی ہر سال کرے اور بقیہ کی طرف سے کبھی کبھی کرتا رہے خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ، یا ہر سال سب کے نام کی قربانی کرے خواہ تنگی ہو، اور قرضہ لے کر کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے ذمہ قربانی واجب ہے اس کو ہر سال قربانی کرنا ضروری ہے(۳)، جس کے ذمہ واجب نہیں

---

(۱) "وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مأتي درهم سوى المسكن والخادم، والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني نصاب الأضحية: ۳۰۹/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۵/۶، سعيد)

"وفي الولد الصغير عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان، في ظاهر الرواية يستحب، ولا يجب". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۵/۳، فصل في صفة الأضحية، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر". =

اس کی طرف سے اختیار ہے خواہ کرے یا نہ کرے، کرنے کی صورت میں ثواب ملے گا، نہ کرنے کی صورت میں گناہ نہیں ہوگا (١)، مگر قرض لیکر درست نہیں (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ٣/١١/٦١ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ٣/ذی قعدہ/٦١ھ۔

سب گھر کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

سوال [٨٢٨١]: قربانی کا جانور کس کے نام سے ذبح کیا جائے؟ کیا زندہ مردہ جس کے نام بھی ذبح کردیا جائے، اہل خانہ کے ذمہ سے اس کا وجوب ساقط ہوجائے گا، یا ہر سال گھر کا مالک اپنے نام سے کردے؟ جو بھی ہو کتبِ حدیث کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں۔

الجوب حامداً ومصلیاً:

جس کے ذمہ قربانی واجب ہے پہلے وہ اپنی طرف سے قربانی کرے، اس کے بعد کسی حی یا میت کی طرف سے حسبِ توفیق کردے۔ یہ سمجھنا کہ ایک بکرا قربانی کردینے سے تمام اہل خانہ کا واجب ادا ہوجائے گا درست نہیں:

"فتجب الأضحية على حرٍ مسلمٍ مقيمٍ موسرٍ عن نفسه، لا عن طفله شاةٌ أو بدنةٌ".

درمختار (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ٣/١/٨٨ھ۔

= (الدر المختار: ٦/٣١٣، كتاب الأضحية، سعيد)

(١) "وأما التطوع، فأضحية المسافر والفقير الذى لم يوجد منه النذر بالتضحية و لا شراء الأضحية، لعدم سبب الوجوب و شرطه". (الفتاوى العالمكيرية: ٥/٢٩١، الباب الأول، رشيديه)

(٢) "عند اجتماع الحقوق يبدأ بالأهم .... و قضاء الدين أهم من الغزو بمنزلة من خرج للحج و لم يَدَعْ لعياله ما تكفيهم، فإن ذلك مكروه". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ١٨٧)، ص: ٩٢، الصدف پبلشرز)

(٣) (الدر المختار، كتاب الأضحية: ٦/٣١٣، سعيد) .... =

مشترکہ کاروبار والے جب انفراداً صاحبِ نصاب نہ ہوں تو قربانی واجب نہیں

سوال [۸۳۸۲]: ۱...... چند بھائی مل کر کوئی کام گزران کے لئے کر رہے ہیں اور ان سب کا کھانا پینا ایک ہی جگہ ہے، اگر فرداً فرداً ایک کے کام کو دیکھتے ہیں تو کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہوتی، کیونکہ کوئی بھی صاحبِ نصاب نہیں بنتا۔ اگر شمولاً دیکھتے ہیں تو اچھے کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اور نصاب بھی پورا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کو اشتراکاً قربانی واجب ہے یا نہیں؟

۲...... اگر اشتراکاً قربانی واجب ہے تو کس کی طرف سے ادا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اس صورت میں ان میں سے کسی پر قربانی واجب نہیں (۱)۔

۲...... اشتراکاً بھی واجب نہیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

صغیر اولاد کی طرف سے قربانی ہدایہ کی عبارت

سوال [۸۳۸۳]: صاحب ہدایہ نے متن دیا ہے:

= "فالحق هو ما ذهب إليه أبو حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالىٰ أنه لا تجوز الشاة الواحدة إلا عن واحدة، وهو القياس". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة.......... اهـ: ۲۱۲/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۶۸/۴، الغفاريه)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فتجب التضحية على حر مسلم مقيم موسر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۲/۶، سعيد)

"وأما شرائط الوجوب: منها اليسار، هو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة........ والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك مسكنه و متاع مسكنه و مركوبه و خادمه في حاجته التي لا يستغني عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۱۸/۸، رشيديه)

"الأضحية واجبة على كل مسلم مقيم موسر في يوم الأضحى عن نفسه و عن وُلده الصغار، الخ"(۱)۔

اس عبارت میں "عن وُلده الصغار" کا جملہ آیا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ وَلدِ صغیر کی طرف سے جب والد پر قربانی واجب ہوئی - اگرچہ ولد صغیر کے مال ہی میں سے ہو- تو زکوۃ مفروضہ کا کیا حکم ہے، زکوۃ دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ روایت امام صاحب سے حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے جو کہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، ظاہر الروایۃ میں اولادِ صغیر کی طرف سے قربانی واجب نہیں:

"و تجب عن نفسه؛ لأنه أصل في الوجوب عليه على ما بيّناه، و عن ولده الصغير؛ لأنه في معنى نفسه، فيلحق به كما في صدقة الفطر. و هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى، و روى عنه أنه لا يجب عن ولده، وهو ظاهر الرواية"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کچھ سونا اور کچھ چاندی دونوں پر قربانی

سوال[۸۳۸۴]: ایک شخص کے پاس ایک تولہ سونا ہے جس کی قیمت ۱۴۵/ روپیہ اور ایک روپیہ کا نوٹ ہے، آیا اس پر قربانی واجب ہوگی کہ نہیں؟ اور اس وقت چاندی کا بھاؤ تقریباً سوا دو روپیہ تولہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرح نرخ کے اعتبار سے اتنی مالیت پر قربانی واجب ہے جب کہ یہ مال اس کی حاجت اصلیہ

---

(۱) (الهداية، كتاب الأضحية: ۴/۴۴۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وقوله: (عن نفسه)؛ لأنه أصل في الوجوب. وقوله: (لا عن طفله) يعني لا يجب عليه عن أولاده الصغار؛ لأنها عبادة محضة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الأضحية: ۳/۹۸، قديمي)

(۲) (الهداية، المصدر السابق)

سے زائد ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جانور خریدنے سے قربانی کا وجوب

سوال[۸۳۸۵]: جو شخص غریب ہے، کیا صرف جانور خریدنے سے اس کے ذمہ قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدے گا، تب اس کے ذمہ قربانی واجب ہوگی، شامی ٥/٢٠٤(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "أما شرائط الوجوب، منها: اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر .... والموسر في ظاهر الرواية: مَن له مأتا درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك مسكنه و متاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. فأما ما عدا ذلك من سائمة أو رقيق أو خيل أو متاع لتجارة أو غير، فإنه يعتد به من يساره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ٢٩٢/٥، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣١٢/٦، سعيد)

"وفي أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: الموسر الذي له مأتا درهم أو عرض يساوي مائتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب التي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه".

(خلاصة الفتاویٰ، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: نصاب الأضحية: ٣٠٩/۴، امجد اكيڈمی لاهور)

(٢) "وفقير شراها لها، لوجوبها عليه بذلك، حتى يمتنع عليه بيعها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢١/٦، سعيد)

"وأما الذي يجب على الفقير دون الغني، فالمشتري للأضحية إذا كان المشتري فقيراً: بأن اشترى فقير شاةً ينوي أن يضحي بها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ٢٩١/٥، كتاب الأضحية، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۴۴۵/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

قربانی کا دوسرا جانور خریدنے پر پہلا گم شدہ مل گیا

سوال[۸۳۸۶]: زید نے قربانی کے لئے ایک جانور خریدا جو کہ قربانی سے پہلے کھو گیا، اس نے دوسرا خرید لیا پھر پہلا بھی مل گیا تو اس پر دونوں کی قربانی واجب ہے یا ایک کی، یا اس میں امیر غریب کا کچھ فرق ہے، جیسا کہ اشتہار میں چھپتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زید مالدار ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے تو ایسی صورت میں اس پر ایک کی قربانی واجب ہے۔ اگر وہ غریب ہے تو اس پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی (۱)۔ ہاں! اگر اس نے دوسرا جانور خریدتے وقت یہ نیت کی ہے کہ پہلا جانور جو گم ہوگیا اس کی جگہ پر خریدتا ہوں تو اس پر ایک ہی کی قربانی واجب ہوگی، سکب الأنهر: ۲/ ۵۲۰ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کا جانور مرنے سے کیا واجب ساقط ہو جاتا ہے؟

سوال[۸۳۸۷]: زید نے قربانی کے لئے ایک جانور خریدا اور وہ قربانی سے پہلے مر گیا تو زید کو دوسرا جانور خریدنا ہوگا، یا اس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے گا؟

---

(۱) "لو ضلت أو سرقت، فشرى أخرى، فظهرت، فعلى الغني إحداهما، وعلى الفقير كلاهما". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۶، سعيد)

"الفقير إذا اشترى شاةً للأضحية، فسرقت فاشترى مكانها، ثم وجد الأولى، فعليه أن يضحيَ بهما". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/ ۵۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۲۹۴، كتاب الأضحية، الباب الثاني، رشيديه)

(۲) "وإن سرقت أو ضلت، فشرى أخرى، ثم وجدها في أيام النحر، ذبح إحداهما لو غنياً. وكلاهما لو فقيراً، لا إذا نواها عن الأولى، لعدم تعدد الالتزام بالشراء حينئذٍ". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/ ۵۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید مالدار ہے تب تو اس کو دوسرا جانور خریدنا ہوگا اور اس کی قربانی لازم ہوگی۔ اگر وہ غریب ہے تو اس کے ذمہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم نہیں، مجمع الأنهر: ۲/ ۵۲۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے لئے جانور خرید کر فقیر ہو گیا

سوال [۸۳۸۸]: ایک شخص نے مالدار ہونے کے وقت ایک بڑا بکرا قربانی کی نیت سے خریدا، لیکن قربانی کے دن آنے سے پیشتر غریب ہوگیا۔ اب وہ شخص اس بکرے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ یا اس بکرے کی قربانی اس پر واجب ہے، مطابق شرع شریف کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قربانی کے اخیر دن تک وہ صاحب نصاب نہ ہو تو اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں، اس بکرے کو فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں خرچ کرنا درست ہے۔ اور اگر قربانی کے اخیر دن میں بھی وہ صاحبِ نصاب ہو جائے گا تو اس پر قربانی واجب ہوگی خواہ اس بکرے کی کرے یا اَور کی:

"ولا يشترط أن يكون غنياً في جميع الوقت، حتى لو كان فقيراً في أول الوقت، ثم أيسر في اخره، تجب عليه .... ولو اشترى الموسر شاةً للأضحية، فضاعت حتى انتقص نصابه وصار فقيراً، فجاء ت أيام النحر، فليس عليه أن يشتري شاةً أخرى. فلو أنه وجدها، وهو معسر و ذلك أيام النحر، فليس عليه أن يضحي بها. ولو ضاعت، ثم اشترى أخرى وهو موسر

---

(۱) "إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر، تجب مكانها أخرى، ولا شيء على الفقير". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وكذا لو ماتت، فعلى الغني غيرها لا الفقير". (الدر المختار: ۶/ ۳۲۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

فضحی، ثم وجد الأولی، وهو معسر، لم یکن علیه أن یتصدق بشیء، کذا فی البدائع. اهـ".

عالمگیری: ۶/۱۹۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

ہدیہ کئے ہوئے جانور میں قربانی کی نیت

سوال[۸۳۸۹]: جس پر قربانی واجب نہیں غربت کی وجہ سے، وہ اگر قربانی کے لئے جانور خرید لیتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر بغیر خریدے اس کو کسی نے ہدیہ یا صدقہ کے طور پر جانور دیدیا اور اس نے دل میں اس کی قربانی کی نیت کرلی تو کیا پھر بھی اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی، شلبی: ۶/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الأول: ۵/۲۹۲، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل: فی کیفیة الوجوب: ۶/۲۸۸، ۲۸۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۱۹، سعید)

(وکذا مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۰، المکتبة الغفاریة)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۱۸ رشیدیه)

(۲) "ولو ملک إنسان شاةً، فنوی أن یضحیّ بها أواشتری و لم ینو الأضحیة وقت الشراء، ثم نوی بعد ذلک أن یضحیّ، لا یجب علیه، سواء کان غنیاً أو فقیراً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة: ۵/۲۹۱، الباب الاول، رشیدیه)

"فإن وهب له أو تصدق علیه فنوی بقلبه، لا تصیر أضحیةً بالإجماع؛ لأن العقد لا یصلح للتعیین فی الإیجاب، وکذا لو کانت الشاة فعنده، فأثمر بقلبه الأضحیة، لا تصیر أضحیةً بالإجماع".

(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ۶/۴۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

گابھن گائے کی قربانی

سوال[۸۳۹۰]: ایک شخص نے ایک گائے کی قربانی کی نیت کی تھی، اتفاق سے وہ گائے گابھن ہوگئی۔ اب اس حاملہ کو قربانی کردیا جائے یا نہیں، یا بچہ پیدا ہونے کے بعد کیا جائے، یا آئندہ سال کیا جائے، یا صدقہ کردیا جائے؟

الجوب حامداً ومصلیاً:

اگر محض نیت کی تھی، نذر نہیں مانی تھی تو اس سے اس پر اس مخصوص گائے کی قربانی لازم نہیں ہوئی، اس کو اختیار ہے چاہے قربانی کرے یا نہ کرے اور اب کرے، یا پھر بعد میں کرے، یا بعد قربانی صدقہ کردے، یا جو دل چاہے کرے:

"إذا اشترى شاةً بغير نية الأضحية، ثم نوى الأضحية بعد الشراء، لم يذكر هذا في ظاهر الرواية، و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أنها لا تصير أضحيةً، حتى لو باعها يجوز بيعها، و به نأخذ، الخ". فتاوی عالم گیری: ۷۸/٤(۱)۔

جو جانور قریب الولادۃ ہو کہ ذبح کرنے سے بچہ مرجانے کا اندیشہ ہو اس کا ذبح کرنا مکروہ ہے:

"إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها. الخ". شامی: ۱۹۳/۵ (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲ھ۔

دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۱]: کیا غائب کی طرف سے کوئی شخص قربانی کرسکتا ہے بغیر اس کی اجازت کے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثاني: ۲۹۴/۵، رشيديه)

"ولو ملك إنسان شاةً فنوى أن يضحيّ بها، أو اشترى شاةً ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلك أن يضحيّ بها، لا تجب عليه، سواء كان غنياً أو فقيراً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۲۹۱/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۸، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۰۴/۲، سعيد)

عالمگیری: ۵/۴۵۸، باب الأضحیة عن الغیر میں ہے:

"إذا ضحی بشاة نفسه عن غیره بأمر ذلك الغیر أو بغیر أمره، لا تجوز"(۱)۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب کی طرف سے قربانی اس کے حکم سے بھی جائز نہیں، حالانکہ آپ حضرات کا عمل بھی اس کے خلاف ہے، اس کا صحیح مطلب تحریر فرمادیں۔

السائل: افتخار الحسن، محلہ مولویان کاندھلہ، ۱۵/محرم/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا جانور غائب کی ملک ہو، اس کی طرف سے اس کی قربانی اس کے امر سے بلا تردد درست ہے، بغیر امر کے بھی استحساناً درست ہے، چنانچہ عالمگیریہ کے اسی باب میں مذکور ہے:

"ولو ذبح أضحیة غیره عن المالك بغیر أمره صریحاً، یقع عن المالك، ولا ضمان علی الذابح استحساناً .... رجل ذبح أضحیة غیره عن نفسه بغیر أمره، فإن ضمنه المالك قیمتها، یجوز عن الذابح دون المالك؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت علی ملکه. وإن أخذها مذبوحةً تجزئ عن المالك؛ لأنه قد نواها، فلیس یضره ذبح غیره لها. کذا فی محیط السرخسی، اهـ"(۲)۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کردے بغیر حصولِ ملک بذریعۂ ہبہ وبیع وغیرہ تو اس سے قربانی اس کی ادا نہیں ہوگی، یہی محمل ہے عبارتِ منقولہ فی السوال کا۔ پوری عبارت پر غور کیجئے:

"ذکر فی فتاوی أبی اللیثؒ: إذا ضحی بشاة نفسه (سوال میں "نفسه" کا لفظ نقل نہیں کیا گیا) عن غیره بأمر ذلك الغیر أو بغیر أمره، لا تجوز"۔

اس کی علت خود بیان کرتے ہیں:

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب السابع فی التضحیة عن الغیر: ۵/۳۰۲، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب السابع فی التضحیة عن الغیر: ۵/۳۰۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳/۳۵۲، رشیدیه)

"لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، و لن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض و لم يوجد قبض الأمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه. كذا في الذخيرة، اهـ"(۱)۔

مدرسہ میں جو شخص قربانی کے لئے قیمت بھیجتا ہے، کارکنانِ مدرسہ اس کی طرف سے وکیل اور نائب ہوکر جانور خریدتے اور قبضہ کرتے ہیں جس سے وہ جانور اس کی ملک میں آجاتا ہے(۲)، پھر اس کی قربانی کردی جاتی ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں۔

یہ تفصیل اس کی قربانی میں ہے جس پر قربانی واجب ہے۔ اگر محض ثواب پہونچانا مقصود ہو تو ہر شخص اپنا جانور قربان کر کے جس کو چاہے ثواب پہونچا سکتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی فرمائی، ایک کی اپنی طرف سے ایک کی پوری امت کی طرف سے (۳). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/ ۶۷ھ۔

کسی کی طرف سے بلا اذن قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۲]: زید سفر میں تھا، اس کے والد نے اس کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے قربانی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير: ۵/۳۰۲، رشيديه)

(۲) "لا يشترط إضافة العقد إلى المؤكل في البيع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم يضفه الوكيل إلى مؤكله واكتفى بإضافته إلى نفسه، صحّ أيضاً. وعلى كلتا الصورتين لا تثبت الملكية إلا لمؤكله". (شرح المجلة، ص: ۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي، اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد له بالبلاغ، وذبح الأخر عن محمد و عن ال محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۳۲، مير محمد كتب خانه)

کی، اس خیال سے کہ جب وہ سفر سے واپس آئے گا تو اس سے قربانی کے پیسے لے لوں گا۔ جب وہ سفر سے واپس آیا تو والد نے لڑکے سے کہا کہ میں نے تیری طرف سے قربانی کردی تھی۔ اس نے کہا کہ اچھا کیا اور اس نے باپ کو قربانی کی قیمت دیدی۔ باپ اور بیٹا دونوں علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ تو اس لڑکے کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ نیز دوسروں کی قربانی میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بیٹے کی طرف سے پہلے سے اجازت نہیں تھی، خود ہی قربانی کردی اس اعتماد پر کہ بعد میں پیسہ لے لوں گا تو اس کی طرف سے قربانی صحیح نہیں ہوئی اگر چہ پھر اس نے پیسے دے دیئے ہوں (۱)۔ اگر بڑے جانور میں اس کی طرف سے حصہ لیا تھا تو کسی شریک کی بھی قربانی ادا نہیں ہوئی، سب کے ذمہ لازم ہے کہ اپنی قربانی کی قیمت صدقہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "رجل ضحی بشاة نفسه عن غيره، لا يجوز ذلك، سواء كان بأمره أو بغير أمره؛ لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر، والملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض، ولم يوجد القبض لا من الآمر و لا من نائبه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالا يجوز: ۳/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع عن التضحية عن الغير: ۵/۳۰۲، رشيديه)

(۲) "ولو ضحی غني بدنةً عن نفسه و عن ستة من أولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية .... وإن كانوا كباراً إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله تعالیٰ. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا يجوز لا عنه و لا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحماً، فكان الكل لحماً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير، رشيديه)

مسافر بیٹے کی طرف بغیر اس کی اجازت کے قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۲]: ایک شخص تبلیغ میں جارہا تھا وہ مسافر تھا، اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی، مگر بقر عید کے موقع پر اس کے باپ نے اس کی طرف سے قربانی کردی۔ گھر واپس آنے کے بعد اس شخص نے اس کو منظور کرلیا اور روپیہ بھی دیدیا۔ تو اب اس کی قربانی صحیح ہوگئی یا نہیں؟ اور جو چھ آدمی شریک تھے ان کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے جو اس کی طرف سے قربانی کردی ہے تو یہ والد کی طرف سے تبرع اور احسان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کا ثواب اس کو بخش دیا(۱)، ثواب زندوں کو بھی بخشا جاسکتا ہے(۲)، اب اس سے روپیہ لینا درست نہیں، روپے واپس کردیے جائیں۔ قربانی سب کی ادا ہوگئی۔ جو مسافر تھا اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی، اب اس کو قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن كانوا كباراً، إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لايجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز من الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "من صام أو صلى أو تصدق، و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز". (رد المحتار: ۲/۲۴۳، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

(۳) "(مقيم) فلا تجب على المسافر، لقول علي رضي الله تعالىٰ عنه: "ليس على مسافر جمعة ولا أضحية". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وإنما لاتجب على المسافر؛ لأن أداء ها يختص بأسباب تشق على المسافر". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۲/۴۷۴، دار الكتب العلمية بيروت) .... =

باپ کی طرف سے قربانی

سوال[۸۴۹۴]: ایک شخص صاحب نصاب ہوتے ہوئے قربانی نہیں کرتا، اس کے لڑکے نے اس سے یوں کہہ دیا: والد صاحب! میں اپنی طرف سے آپ کی قربانی کردوں، والد نے جواب دیا: ہاں کردو بشرطیکہ میں تم کو ایک پیسہ بھی نہ دوں گا۔ اس صورت میں قربانی اس کے والد کی طرف سے ہوگی یا نہیں اور اس کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ درست نہیں، اس سے قربانی درست نہ ہوگی۔ جب والد نے قیمت دینے سے انکار کردیا تو یہ اذن کالعدم ہے:

"ولو ضحى غنيٌّ بدنته عن نفسه، و عن ستة من أولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية، و قال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى في كتاب الأضحية له: إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. وإن كانوا كباراً إن فعل بأمرهم، جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا يجوز، لا عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صارلحماً، فصار الكل لحماً. اهـ". فتاوى قاضي خان: ٤/٢٩٨ (١)-

---

= "ومنها: الإقامة، فلا تجب على المسافر؛ لأنها لاتتادى بكل مال، ولا في كل زمان، بل بحيوان مخصوص في وقت مخصوص، والمسافر لايظفر به في كل مكان في وقت الأضحية، الخ".
(بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في شرائط الوجوب: ٢٨٢/٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣٥٠/٣، رشيديه)

"رجل ضحى بشاة نفسه عن غيره، لا يجوز ذلك، سواء كان بأمره أو بغير أمره؛ لأنه لا وجه لتصحيح الأضحية عن الآمر بدون ملك الآمر، والملك للآمر لا يثبت إلا بالقبض و لم يوجد القبض، لا من الآمر و لا من نائبه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣٥٢/٣، رشيديه) .... =

جزئیہ مسئولہ صراحۃً نہیں ملا، دوسری جزئیات متعارض سی ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے بعض سے عدمِ جواز۔ فقہاء عباداتِ مالیہ میں جوازِ نیابت کے لئے صرف امر کی شرط تحریر فرماتے ہیں، لہذا صورت مسئولہ میں امر متحقق ہونے کی بناء پر قواعد کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی باپ کی طرف سے درست ہوجائے، البتہ باپ کے ذمہ قربانی کا ثمن لازم ہوگا بشرطیکہ بیٹے نے سکوت نہ کیا ہو، یعنی اگر باپ کے شرط لگانے پر خاموش ہوگیا تو کہا جائے گا کہ ثمن کا ارادہ کرلیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ناظم مدرسہ ہذا۔

میت کی طرف سے قربانی

سوال[۸۳۹۵]: اگر زندہ آدمی اپنا حصہ تو نہ لے اور میت کی طرف سے لے تو ایسا کرنا درست ہے، یا اپنا حصہ بھی لے اور میت کی طرف سے بھی لے تب کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زندہ آدمی صاحبِ نصاب ہے تو اس کو اپنا حصہ لینا واجب ہے(۱)، اگر نہیں لے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور پھر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا(۲)، تاہم اگر میت کی طرف سے لیکر قربانی کردے گا تو اس کا ثواب

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٥/٣٠٢، رشيديه)

"ولو أوصى بأن يضحى عنه و لم يسم شاةً ولا بقرةً ولا غير ذلك، ولم يبين الثمن أيضاً، جاز، وتقع على الشاة، بخلاف ما إذا وكّل رجلاً بأن يضحى عنه و لم يسم شيئاً ولا ثمناً، فإنه لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع: ٥/٢٩٧، رشيديه)

"التبرع لا يتم إلا بالقبض، فإذا وهب أحد لآخر شيئاً، لاتتم هبته إلا بقبضه". (شرح المجلة: ١/٤٢، (رقم المادة: ٥٧)، دار الكتب العلمية بيروت)

"وتنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض". (شرح المجلة: ١/٤٦٢، (رقم المادة: ٨٣٧)، دار الكتب العلمية بيروت)

(١) "تجب على حر مسلم موسر مقيم عن نفسه". (البحر الرائق: ٨/١٣٨، كتاب الأضحية، رشيديه)

(٢) "ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ و فقيرٌ، وبقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". =

میت کو پہونچ جائے گا۔ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک تہائی ترکہ سے حصہ لیکر قربانی کرنا واجب ہوگا (۱)، اگر وصیت نہیں کی تو واجب نہیں۔ اگر کوئی وارث بالغ ہو اور اپنے روپے سے حصہ لے کر میت کو ثواب پہونچادے تو شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کی طرف سے قربانی بلا وصیت

سوال [۸۳۹۶]: میرے والد مرحوم کا گذشتہ سال جولائی میں انتقال ہو چکا، مرحوم نے کچھ بکریاں پال رکھی تھیں، اس میں ان کا ایک بکرا ہے- مرحوم کا ارادہ اس سال اس بکرے کو قربانی کا تھا، مگر وہ اس سے قبل ہی انتقال کر گئے، اب وہ بکرا موجود ہے اور میرے ذمہ ہے- اب مجھ کو اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس بکرے کو ان کے نام سے قربانی کردینا ضروری ہے یا نہیں؟ یا میرے نام سے قربانی کی جائے؟ واضح ہو کہ مرحوم کا صرف ارادہ تھا، کوئی وصیت وغیرہ نہیں کی تھی۔ میرا بھی ارادہ اس بکرے کی قربانی کرنے کا ہے۔ براہ کرم قربانی کی مختصر دعا بھی تحریر فرمائیں۔

= (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۰، سعيد)

(۱) "و تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين". (مقدمة السراجي، ص: ۳)

"ولو مات وعليه صلوات فائتة، و أوصى بالكفارة، يعطي لكل صلاة نصف صاع من بر .... وإنما يعطي من ثلث ماله". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۲، سعيد)

(۲) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكلُ منها والهديةُ والصدقةُ؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي، و هو المختار، بخلاف ما لو كان بأمر الميت، حيث لا يأكل في المختار". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳/ ۳۸۲، سعيد)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۳۵، ۳۳۶، سعيد)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/ ۳۵۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بکرا آپ کے والد صاحب کا ترکہ ہے، اس میں سب ورثہ شریک ہیں (۱)، ان کی طرف سے قربانی واجب نہیں (۲)۔ آپ اگر ان کے تنہا وارث ہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ اس کی قربانی ان کی طرف سے کردیں، اگر کچھ اور وارث ہوں تو ان سب کی رضامندی سے ان کی طرف سے قربانی درست ہے بشرطیکہ ورثہ میں کوئی نابالغ نہ ہو (۳)۔

جانور کو بائیں پہلو پر (۴) لٹا کر "بسم الله، الله أكبر" پڑھ کر ذبح کیا جائے (۵)۔

"﴿إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلوتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا من المسلمين﴾" کا پڑھنا بھی ثابت ہے (۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها، ومن تجب عليه: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۲) "ولو مات الموسر في أيام النحر قبل أن يضحي، سقطت عنه الأضحية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۵/۲۹۳، رشيديه)

(۳) "وإن مات أحد السبعة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم، صح". (الدر المختار). "(قوله: قال الورثة): أي الكبار منهم". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(۴) "أدب الذبح أحدهما: إضجاع الشاة على الأرض بالرفق. والثاني: إضجاعها على اليسار. والثالث: إقبال وجهها إلى القبلة". (النتف في الفتاوى، كتاب الذبائح، أدب الذبح، ص: ۱۴۸، سعيد) (وكذا في فتح المعين، كتاب الذبائح: ۳/۳۷۲، سعيد)

(۵) "والمستحب أن يقول: بسم الله، الله أكبر بلا واو". (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۱، سعيد)

(۶) "وفي حديث عمران بن الحصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يافاطمة! قوم فاشهدي، فإنه يغفر لك بأوّل قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه، وقولي: إن =

اپنی قربانی نہ کرنا، میت کی طرف سے قربانی کرنا

سوال[۸۳۹۷]: ایک شخص ایسا غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں، اگر اس نے اپنا حصہ نہ لیا ہو اور اپنے کسی میت کی طرف سے قربانی کی تو کیا قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے، جیسا کہ ایک شخص بھوکا ہو اور وہ کھانا خود نہ کھائے بلکہ صبر کرکے کسی دوسرے کو دیدے یہ جائز ہے، لیکن اگر میت نے وصیت نہیں کی تو یہ قربانی اسی زندہ شخص کی طرف سے ادا ہوئی، ثواب میت کو بھی ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لاشريك له". وأن يدعو، فيقول: اللهمّ هذا منك، ولك. إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك أمرت وأنا من المسلمين، لما روينا، وأن يقول: ذلك قبل التسمية أو بعدها، لما روى عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضحى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بكبشين، فقال حين وجههما: "وجهت وجهي للذى فطر السموات والأرض حنيفاً مسلماً، اللهم منك، ولك عن محمد وأمته بسم الله، والله أكبر". (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها، ومايكره: ۳۲۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة، سقطت عنه أضحية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۵/۶، سعيد)

"تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها والهديةُ والصدقةُ؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي". (فتح المعين: ۲۷۲/۳، سعيد)

"وإذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما وتصدق به، جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب الذبح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۲۶/۶، كتاب الأضحية، سعيد)

میت کی طرف سے قربانی کے ذریعہ ادائے واجب

سوال[۸۳۹۸]: ۱...... زید پر شرائط صحیحہ شرعیہ قربانی واجب ہے، مگر وہ کسی مردہ خویش یا ولی یا نبی سے قربانی ایک بکری یا دنبہ دے دیوے تو حدیث: "علی أهل کل بیت فی کل عام أضحیة" (۱) سے بری الذمہ ہوجاتا ہے، یا اس کو اپنے وجوب کے لئے علیحدہ قربانی دینی چاہئے؟

۲...... جو قربانی میت کی طرف سے دی جاوے اس کا سالم گوشت تصدق کرنا چاہئے یا نہیں:

"اگر قربانی کرے میت کی طرف سے تو نہ کھاوے اس میں سے کچھ اور للہ دے بالکل"۔ مظاہر حق ص:۴۷۸(۲)۔

---

(۱) "عن عامر أبی رملة قال: أنبأنا مخنف بن سُلَیم رضی الله تعالیٰ عنه، ونحن وقوف مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعرفاتٍ قال: قال: "یاأیها الناس! إن علی أهل کل بیت فی کل عام أضحیةً وعتیرةً أتدرون ماالعتیرة هذه؟ التی یقول الناس: الرجبیّة". (سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا: ۲/۲۹، مکتبه إمدادیه ملتان)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الأضاحی، باب الأضاحی واجبة هی أم لا، ص: ۲۲۶، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الأضاحی، باب بلا ترجمة، قبیل: باب الأذان فی أذن المولود: ۱/۲۷۸، سعید)

"روی عنه علیه الصلوة والسلام أنه قال: "علی أهل کل بیت فی کل عام أضحاة وعتیرة". و"علی" کلمة إیجاب، ثم نسخت العتیرة، فثبت الأضحاة". (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة: ۶/۲۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وعن حنش قال: رأیت علیًا رضی الله تعالیٰ عنه یضحی بکبشین، فقلت له: ماهذا؟ فقال: إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أوصانی أن أضحّی عنه فأنا أضحّی عنه" .... یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اگرچہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میت کی طرف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اس کی طرف سے قربانی نہ کی جائے، ہاں اگر میت کی طرف سے قربانی کی ہی جائے تو اس کا گوشت بالکل نہ کھایا جائے، بلکہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کے نام پر تقسیم کردیا جائے"۔ (مظاهر حق، کتاب الصلوة، باب الأضحیة، الفصل الثانی، عنوان: میت کی طرف سے قربانی جائز ہے: ۱/۹۲۲، دارالاشاعت کراچی)

۳..... جب انبیاء علیہم السلام کی طرف سے قربانی دینے کا ارادہ ہو تو باوجود اعتقادِ جواز جملہ انبیاء علیہم السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دینا احق واعلیٰ وافضل ہے جو اپنی امت کی طرف سے قربانی دیتے تھے اور شافع روز جزا ہوں گے، یا دیگر انبیاء علیہم السلام سے؟

۴..... کسی نبی نے یا صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام نے امت محمدیہ کی طرف سے کبھی قربانی دی ہے، یا اس امت کے کفارہ گناہ کے واسطے ذبح ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر قربانی اپنی طرف سے کر رہا ہے اور میت کو محض ثواب پہونچانا مقصود ہے تو فریضہ اس سے ساقط ہو جاوے گا دوسری قربانی کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ نفل کی نیت نہ ہو:

"وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة، سقطت عنه أضحيةٌ"، شامی: ۵/۳۲۸(۱)۔

اور اگر قربانی اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہے بلکہ میت کی طرف سے ہی نفلاً کر رہا ہے تو دوسری قربانی کرنا ہوگی، کیونکہ ایک قربانی دو کی طرف سے کافی نہیں ہوگی:

"يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزى إلا عن واحد، وإن كانت عظيمةً. الخ". عالمگیری: ۵/۴۶۰ (۲)۔

۲..... اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تھی تو صدقہ کر دیا جاوے اور مظاہر حق کی عبارت کا محمل بھی یہی ہے، ورنہ خود بھی تصرف میں لانا جائز ہے:

" من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. قال الصدر: والمختار أنه إن يأمر الميت، لا يأكل منها، وإلا يأكل، بزازيه". شامی: ۵/۳۲۸(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۵، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۷، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۵، سعيد) .... =

۳......رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقوق چونکہ ہم پر بہت زائد ہیں، اس لئے آپ بہر حال احق ہیں(۱)، تاہم دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرف سے قربانی کرانا بھی ثواب سے خالی نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کوثواب پہونچانے کے لئے قربانی فرمائی ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبد الرحمن، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۵۲/۲/۲۶ھ۔

= "وقال الصدر: المختار أنه إن ضحى بأمر الميت، لا يأكل منها، وإن بغيرها يأكل". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۹۵/۶، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير، رشيديه)

(۱) "قلت: وقول علمائنا: "له أن يجعل ثواب عمله لغيره" يدخل فيه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلك نوع شكر وإسداء جميل له". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب: في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۴۴/۲، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، وينظر في سواد ويبرك في سواد، فأتي به، فضحّى به، فقال: "ياعائشة! هلمي المدية" ثم قال: "اشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش، فأضجعه، فذبحه وقال: "بسم الله، اللهم تقبل من محمد، وآل محمد ومن أمة محمد" ثم ضحّى به". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، بابٌ: ما يستحب من الضحايا: ۳۰/۲، مكتبه امداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۳۲، قديمي)

(وشرح معاني الآثار للطحاويؒ، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة من كم تجزئ أن يضحى بها: ۳۳۲/۲، سعيد)

"وقد صح أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين: أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته، وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

اپنی قربانی میں زیادہ ثواب ہے، یا والدہ، یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے؟

سوال[۸۳۹۹]: زید پر قربانی فرض نہیں، اس کی والدہ ہندہ پر کچھ عرصہ پیشتر فرض تھی جب کہ ہندہ مالکِ نصاب تھی، مسئلہ کا علم نہ ہونے سے وہ قربانی نہ کرتی تھی۔ اب زید اپنی طرف سے قربانی کرے یا اپنی والدہ کی طرف سے یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے، کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید اگر صاحبِ نصاب ہے تو اس کو اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے اس کے ترک کی گنجائش نہیں۔ جتنے برس واجب ہونے کے باوجود والدہ نے قربانی نہیں کی اتنے برس کی قربانی کا صدقہ کرنا واجب ہے(۱)، والدہ کی اجازت سے زید بھی ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہے، اس سے والدہ کا ذمہ بری ہوکر آخرت کی پکڑ سے بچ جائے گی، اس میں بہت بڑا اجر ہے۔ گنجائش ہو تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کردیں، ورنہ دیگر حسنات کا ثواب پہونچادیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ .... و تصدق بقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۱، سعيد)

"وكذا ماشراها فقير للتضحية، والغني يتصدق بقيمتها، شراها أولا". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الأضحية: ۴/۴۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وختم ابن السراج عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أكثر من عشرة آلاف ختمة، وضحى عنه مثل ذلك .... قلت: وقول علمائنا: "له أن يجعل ثواب عمله لغيره" يدخل فيه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فإنه أحق بذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراء ة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۴۴، سعيد)

"ولما ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوصى علياً رضى الله تعالىٰ عنه بأن يضحىَ عنه، –وذلك دليل حبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التضحية عنه– فينبغي لمن وجد سعةً أن يضحىَ عن حبيبه ونبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كل عام ولو بشاة أو بسبع بقرة". (إعلاء السنن: ۱۷/۲۷۲، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت، إدارة القرآن كراچی)

بابٌ فی أفضل الضحایا وفیما یجوز منہا ومالا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز وناجائز جانور کا بیان)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

سوال[۸۴۰۰]: ۱......صاحب نصاب مسلمان کے لئے قربانی اونٹ، بھینس، گائے، دنبہ، بکرا، یا بھیڑ میں یا ان کے نر و مادہ میں ثواب کا کچھ فرق ہے یا سب کی قربانی یکساں جائز ہے کہ خواہ ان میں سے کسی جانور کی قربانی کرے، ثواب یا ادائے قربانی میں کوئی فرق نقص یا حرج نہ ہوگا؟

کسی کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی کو ترک کر کے بکرا قربان کرنا

سوال[۸۴۰۱]: ۲......اگر کوئی فرد یا عامۃ المسلمین- جو صاحب نصاب ہوں- موجودہ وقتی ضرورت ملحوظ رکھتے ہوئے (برادران وطن یا ہمسایہ اقوام سے مرعوب یا خائف ہو کر نہیں) بلکہ ان کی دلجوئی، تعلقات، ہمسائیگی خوشگواری پیدا کرنے، رفعِ شر یا دفعِ مضرت کے خیال سے امسال بجائے گائے کے بکرے یا بھیڑ وغیرہ کی قربانی کرلیں تو شرعی یا دینی نقطۂ نظر سے کوئی حرج یا مضائقہ تو نہیں، یا صرف گائے ہی کی قربانی ضروری ہے، یا مصلحتِ وقت کے اعتبار سے بکرا وغیرہ کی قربانی افضل ومناسب سمجھی جائے گی؟ فقط والسلام۔

احقر: سید معصوم علی سبزواری، اشرف منزل، باغپت دروازہ، میرٹھ شہر۔

۲۰/ستمبر ۱۹۴۷ء، مطابق ۴/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ، یوم شنبہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس جانور کی قربانی محض ایک آدمی کی طرف سے ادا ہوتی ہے اور اس میں شرکت نہیں ہوتی، اس کی قربانی افضل ہے بشرطیکہ اس کا گوشت اور قیمت شرکت کرنے والے جانور سے گھٹیا اور کم نہ ہو، ورنہ شرکت والے جانور کا ساتواں حصہ افضل ہوگا، بکرا، دنبہ وغیرہ اگر خصی ہو تو وہ مادہ سے افضل ہے، ورنہ مادہ افضل ہے، اوا

بہرصورت ہوجاتی ہے:

"الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم. والكبش أفضل من النعجة إذا استويا فيهما. والأنثى من المعز أفضل من التيس إذا استويا قيمةً. والأنثى من الإبل والبقر أفضل، حاوي. وفي الوهبانية: أن الأنثى من المعز أفضل من الذكر إذا استويا قيمةً. والله أعلم". درمختار: ۲/۲۳۳۔

"(قوله: أفضل من سبع البقرة، الخ) وكذا من تمام البقرة. قال في التاتارخانية: وفي العتابية: وكان الأستاذ يقول: بأن الشاة العظيمة السمينة التي تساوي البقرة قيمةً ولحماً أفضل من البقرة؛ لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلا خلاف. واختلفوا في البقرة، قال بعض العلماء: يقع سبعها فرضاً والباقي تطوع. اهـ. (قوله: إذا استويا، الخ) فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً، فهو أفضل، والأصل في هذا إذا استويا في اللحم والقيمة فأطيبهما لحماً أفضل، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولى، تتارخانية.

(قوله: والأنثى من المعز أفضل) مخالف كما في الخانية وغيرها، وقال: ومشى ابن وهبان على أن الذكر في الضأن والمعز أفضل، لكنه مقيدٌ بما إذا كان مرجوءاً: أي مرضوض الأنثيين: أي مدقوقها. قال العلامة عبد البر: ومفهومه أنه إذا لم يكن موجوءاً، لا يكون أفضل، اهـ". ردالمحتار: ۹/۲۸۱ (۱)۔

لیکن ہندوستان میں ذبحِ بقر کو عموماً اور قربانی بقر کو خصوصاً شعارِ اسلام کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے (۲) اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۹، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى السراجية، باب المتفرقات، ص: ۹۰)

(۲) قال العلامة الشيخ أحمد سرهندي المعروف، حضرت مجدد ألف ثاني قدس سره "ذبح بقره درهندوستان از اعظم شعار اسلام است، كفار بجزيه دادن شايد راضي شوند، أما بذبح بقره هرگز =

تعالیٰ کے فتاویٰ سے بھی مستفاد ہوتا ہے، اس لئے دوسرے جانوروں کا درجہ اس خصوصیت میں گائے سے کم ہے(۱)۔

= راضی نخواهند شد. درابتداء پادشاهت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلمانان اعتبار پیدا کردند فبها، واگر عیاذاً بالله سبحانه درتقف افتاد کار برمسلمانان بسیار مشکل خواهد شد –الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث– تاکدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد، وکدام شاهباز بایں دولت دست برد نماید". (مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، مکتوبه هشتاد ویکم، ذبح بقره درهندوستان از اعظم شعار اسلام است، حصه دوم دفتر اول: ۱۰/۷۵، ۷۶، گارڈن ویسٹ کراچی)

(۱) مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا کفار کے ساتھ کسی ایسی بات میں متفق الرائے ہونا، جس میں شعار اسلام کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہو، ناجائز وحرام ہے، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرے جس کی وجہ سے گائے کی قربانی کا شرعی اختیار مسلمانوں سے سلب ہوجائے، کیونکہ اس میں اسلام کی ہتک ہوتی ہے۔ کیا وہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے جو اسلام کی ہتک میں کفار کے ساتھ خود شریک ہو۔

قربانی ایک بڑا اسلامی عمل ہے، اگر آج گائے کی قربانی بند کردی جائے تو بہت سے غریب مسلمان ایسے بھی ہیں جو بالکل قربانی ہی نہ کرسکیں گے، کیونکہ گائے کا ساتواں حصہ دوڈیڑھ روپے میں حاصل ہوسکتا ہے، بخلاف بکرے بھیڑ کے کہ اس میں چار پانچ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں، پھر ان کے اس امر شرعی کو ادا نہ کرسکنے کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ بالخصوص گائے کی قربانی کرنا کوئی فرض واجب نہیں ہے، لیکن اس موقع پر جب کہ ہندو تعصباً گائے کی قربانی سے مانع ہوں ان کے اس کہنے کو نہ ماننا اور گائے کی قربانی کرتے رہنا واجب ہے، نہ اس وجہ سے کہ گائے کی قربانی واجب ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کے کہنے سے کسی مباح شرعی کو چھوڑ دینا ناجائز ہے، جب کہ اس کے ترک میں ہتک اسلام بھی ہوتی ہو۔ جو لوگ ہندوؤں کے ساتھ ان کے اس قسم کے مشورے میں شریک ہوں، وہ گنہگار ہوں گے، ان لوگوں کو توبہ کرنی چاہیے اور اپنے اس خیال سے باز آنا چاہیے، ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

کسی جگہ اور خصوصاً مکہ معظمہ میں اس قسم کے قانون جاری ہونے کا ہمیں علم نہیں اور اگر جاری بھی ہوا، تاہم خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب"۔ (كفاية المفتي، كتاب الأضحية والذبيحة: ۱۸۸/۸، دارالاشاعت کراچی)

(وكذا في إمداد الأحكام: ۱۹۱/۴، دارالعلوم کراچی)

۲.....کسی کی دلجوئی کی خاطر شعائرِ اسلام کوترک کرنا ہرگز جائز نہیں، لہذا جب تک قدرت ہوتو ترک کرنا ممنوع ہوگا۔ دنیوی امور میں دلجوئی کی جاسکتی ہے، دینی امور میں اس کی گنجائش نہیں، خاص کر جب کہ آئندہ کو بالکل بند ہونے کا قوی خطرہ ہو، اب اگر یہ دلجوئی کی گئی تو آئندہ اذان، جمعہ، عید وغیرہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳۰/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۶۶ھ۔

ایک فربہ بکرے کی قربانی بہتر ہے، یا اس سے قیمت میں برابر دو بکروں کی؟

سوال[۸۴۰۲]: سو روپے میں اگر ایک ہی بکرا ذبح کیا جائے جو خوب موٹا تازہ ہو تو یہ بہتر ہے، یا سو روپے میں دو عدد ذبح کیا جائے جو کہ مناسب بدن کے ہوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سو روپے میں اگر دو مناسب بکرے ملیں جن سے دو واجب ادا ہوسکیں تو یہ بہتر ہے کہ اس سے اتنی ہی قیمت میں ایک بکرا بہت موٹا ذبح کیا جائے جس سے ایک ہی واجب ادا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: "﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله﴾ الآية. [سورة الأنعام: ۱۰۸]: "مايؤدي إلى الشر شرٌ". (روح المعاني: ۷/۲۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وشراء شاتين بثلاثين أفضل من شراء شاة بثلاثين". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۲/۲۹۰، رشيديه)

"رجل اشترى للأضحية شاتين بثلاثين درهماً، كان ذلك أفضل من شاة واحدة بثلاثين". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۴۹، رشيديه)

نوٹ: دو بکرے ذبح کرنا افضل ہے، لیکن ایک واجب اور دوسرا تطوع ہوگا: "غنيٌّ ضحى شاتين كانت الزيادة على الواحدة تطوعاً عند عامة العلماء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، =

ہندو کی دل آزاری کے خیال سے قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو واپس کرنا

سوال[۸۴۰۳]: ایک گائے ایک شخص نے بہ نیتِ قربانی ایک ہندو عورت سے خرید کی اور یہ بات اس عورت سے ظاہر نہیں کی کہ میں قربانی کروں گا۔ اور دل میں یہ خیال کیا کہ اگر کوئی دوسرا حصہ دار مل گیا تو شامل کرلوں گا، چنانچہ سات حصہ دار مکمل ہوگئے۔ پانچویں دن کے بعد ہندوؤں کو معلوم ہوا فلانی عورت نے گائے مسلمانوں کے ہاتھ بیچ دی ہے تو انہوں نے اس عورت کو دھمکایا کہ تو نے گائے قربانی کے لئے مسلمانوں کو کیوں دی ہے، اگر واپس نہ کرے گی تو تم کو برادری سے الگ کردیا جائے گا اور کھانا پینا تمہارے ساتھ بند کردیا جائے گا۔

تو اس عورت نے مسلمانوں کے پاس آکر شور مچایا کہ گائے مجھے واپس دو نہیں تو میں برادری سے الگ کردی جاؤں گی۔ تو اس پر مسلمانوں نے دو تین دن انکار کیا۔

ان حصہ داروں میں ایک حصہ دار امامِ مسجد بھی تھا جو پورا عالم نہیں، اردو انگریزی پڑھا ہوا ہے، فارسی باقاعدہ نہیں پڑھی، صرف ترجمہ دیکھ کر وعظ وغیرہ کہہ لیتا ہے۔ باقی چھ حصہ داروں نے اس امام سے دریافت کیا کہ اگر گائے واپس کردی جائے تو شریعت میں کس طرح ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ شریعت میں واپس کرنا جائز ہے، کیونکہ اگر واپس نہ کی جائے تو ہندو اس کا کھانا پینا بند کردیں گے اور یہ اس عورت پر ظلم ہے اور ہندوؤں کی دل آزاری ہے۔

تو پھر اس ہندو عورت سے پانچ یوم کی خوراک کا ایک روپیہ لیا اور دس روپے اصل قیمت اور دس روپے منافع، کل اکیس روپے لیکر گائے واپس کردی گئی ہے اور گیارہ روپے جو منافع لیا گیا تھا اس میں تین روپے زائد ملا کر دوسری گائے خرید کرلی اور قربانی کی۔ تو کیا شرعاً اس نیت سے واپس کرنا کہ ہندوؤں کی دل آزاری ہوگی جائز ہے یا نہیں؟

= كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا: ٣/ ٣٤٩، رشيديه)

(١) كذا في رد المحتار، كتاب الأضحية: ٦/ ٣٢٣، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

خیال مذکور سے گائے کو واپس کرنا ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

---

(۱) ہندوستان میں گائے کی قربانی اسلامی شعار ہے، اس لئے اگر جان، مال اور عزت کو خطرہ نہ ہو تو کسی ہندو کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی نہ کرنا اور اس کو واپس کرنا ناجائز ہے:

قال الله تعالى: ﴿والبدن جعلنها لكم من شعائر الله، لكم فيها خير﴾ (سورة الحج: ۳۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعظم شعائر الله، فإنها من تقوى القلوب﴾ (سورة الحج: ۳۲)

''ذبیحۂ گائے ہندوستان میں یقیناً اسلامی شعار ہے، چند وجوہ سے:

۱- ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے گائے کی ہندو بہت عظمت کرتے اور اس کو اپنا دیوتا سمجھتے تھے جیسا کہ اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے۔ اس مشرکانہ اعتقاد کے ساتھ جب تک ہندوؤں کی سلطنت ہندوستان میں رہی، کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ یہاں کوئی شخص گائے کو ذبح کر سکے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کی سلطنت جب اپنے قبضہ میں لی تو جیسا کہ انہوں نے دیگر عقائد مشرکت کو پامال کیا، اسی طرح گائے کی عظمت کو بھی پامال کیا اور اس کو ذبح کر کے اس کا دیوتا نہ ہونا اور محض عاجز و لاچار ہونا ظاہر کر دیا۔ پس ذبیحۂ گائے چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے سے شروع ہوا اور اس کا ذبح ہونا اسلامی اثر کا نتیجہ تھا، اس لئے یہ ذبیحہ اسلامی شعار ہے۔

۲- کلمۂ توحید ''لاإله إلا الله محمد رسول الله'' باتفاق شعار اسلام ہے، لیکن ہندو کسی خوف و تقیہ کی وجہ سے اس کلمہ کو زبان سے کہہ سکتے ہیں، چنانچہ اس وقت ہندو مسلم کی اتحاد کی گرما گرمی میں سنا گیا ہے کہ بعض ہندوؤں نے ''الله أكبر'' اور ''لاإله إلا الله'' کے نعرے لگائے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہندو ہی سمجھتے ہیں مسلمان نہیں سمجھتے، لیکن گائے کا ذبح کرنا، یا اس کا گوشت اعلانیہ طور پر کھانا، یہ کوئی ہندو اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے کو مسلمان ظاہر نہ کر دے۔

یہ صاف اس بات کی علامت ہے کہ ذبیحۂ گائے اور اس کا گوشت کھانا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہوتا ہے تو اہل اسلام اس کو پہلے گائے کا گوشت کھلاتے ہیں، اگر اس نے اس سے نفرت نہ کی تو اس وقت اس کے سچے مسلمان ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ =

....

= ۳-کفار سے جزیہ یقیناً اسلام کی بڑی علامت ہے، لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے زمانہ میں ہندو جزیہ دینے کی ذلت کو گوارہ کرتے تھے، مگر گائے کے ذبح ہونے کو گوارہ نہ کرتے تھے، بلکہ اس پر ہمیشہ کشت وخون کی نوبت آتی تھی، لیکن مسلمانوں نے اپنی بہت سی قیمتی جانوں کا خون کرکے ذبیحۂ گائے کو بھی ہندوستان میں جاری کیا۔

ذبیحہ گائے ہندوستان میں غلبۂ اسلام کی اتنی بڑی علامت ہے کہ جزیہ لینا بھی علامت میں اس سے کم تر ہے، اس لئے اس میں کچھ شک نہیں کہ ذبیحہ وقربانی گائے ہندوستان میں اسلام کا بہت بڑا شعار ہے۔

۴-قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ﴿والبدن جعلنها لكم من شعائر الله﴾ اور ''بدنہ کو ہم نے تمہارے لئے خداوندی شعار بنایا ہے''۔

''بدن'' جمع ہے ''بدنۃ'' کی، جس کا اطلاق لغۃً اونٹ اور گائے پر ہوتا ہے۔

قال في القاموس: "والبدنة محركة من الإبل والبقر كالأضحية من الغنم، تهدى إلى مكة للذكر والأنثى". ۸۶۳/۲.

پس جس طرح اونٹ کی قربانی شعارِ اسلام ہے، اسی طرح گائے کی قربانی بھی شعارِ اسلام ہے۔

۵-صحیح بخاری میں ہے: ''عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى صلوتنا واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذلك المسلم الذي له ذمة الله ورسوله، فلا تحقروه في ذمته". رواه البخاري. (مشكوة)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس یہی وہ مسلمان ہے جس کے لئے خدا اور مسلمانوں کی پناہ ہے، پس خدا تعالیٰ کی پناہ کو مت توڑو''۔

اس حدیث میں جس طرح نماز اور استقبالِ قبلہ کو آپ نے شعارِ اسلام فرمایا ہے، اسی طرح اسلامی ذبیحہ کھانے کو بھی شعارِ اسلام میں داخل فرمایا ہے اور اسلامی ذبیحہ وہی ہوگا جو ذبیحۂ کفار سے پوری طرح ممتاز ہو اور ایسا ذبیحۂ گائے کے سوا =

نر اور مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے؟

سوال[۸۴۰۴]: نر کی قربانی افضل ہے یا مادہ کی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں تو مادہ کی قربانی افضل ہے، شامی: ۵/۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خصی جانور کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۰۵]: بھینسہ بکرا وغیرہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے یا نہیں اور خصی کرنے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟ اور خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے ممنون فرمائیں۔

قاضی جمیل احمد کانپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے لئے ان جانوروں کو خصی کرنا بھی جائز ہے اور خصی کرنے کی اجرت بھی درست ہے اور خصی جانور کی قربانی بھی درست ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی قربانی ثابت ہے:

"عن أبي رافع رضي الله تعالى عنه قال: ضحى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بكبشين أملحين موجوئين خصيين. اهـ". زیلعی: ۴/۲۰۶(۲)۔

= ہندوستان میں کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ذبح اور تناول پر کوئی ہندو کبھی پیش قدمی نہیں کرتا، پس ہندوستان میں گائے کا ذبیحہ اور اس کا گوشت کھانا بہت بڑا اسلامی شعار ہے"۔ (امداد الأحکام، کتاب الصید والذبائح والأضحیۃ، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۴/۱۹۱-۱۹۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۱) "والأنثى من المعز أفضل من التيس إذا استويا قيمةً، والأنثى من الإبل والبقر أفضل". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: ذبح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الذبح كبشين =

"وجاز خصاء البهائم .... وقیدوه بالمنفعة وهی إرادة سمنها و منعها عن العض".

درمختار، شامی: ۵/۹۴۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خصی کی قربانی

سوال[۸۴۰۶]: بعض لوگ بکرے کو خصی کردیتے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، بلکہ افضل ہے، شامی: ۵/۲۰۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ساتواں حصہ افضل ہے یا بکرا

سوال[۸۴۰۷]: گائے بھینس اونٹ میں ساتواں حصہ لے کر قربانی کرنا بہتر ہے یا بکرے کی

= أقرنین أملحین موجوئین". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۲۸، باب الأضحیة، الفصل الثانی، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۲۲۵، باب أضاحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، قدیمی)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۷/۲۵۴، باب التضحیة بالخصی، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۳، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۸، سعید)

(۲) "و یضحی بالجماء والخصی والثولاء". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۳، سعید)

(وأیضاً راجع عنوان: "خصی جانور کی قربانی کا حکم"۔)

"والخصی أفضل من الفحل؛ لأنه أطیب لحما، کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۹، رشیدیه)

"والذکر منه أفضل إذا کان خصیاً". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الفصل الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۶/۲۸۹، رشیدیه)

"وعن الإمام أن الخصی أولی؛ لأن لحمه ألذوأطیب". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۱، غفاریه)

قربانی بہتر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مستقل بکرے کی قربانی افضل ہے جب کہ اس کی قیمت گائے وغیرہ کے ساتویں حصہ کے برابر ہو، یا زیادہ ہو، در مختار: ۵/۲۰۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گائے اور بکری کی قربانی کی افضلیت سے متعلق قاضی خان کی عبارت پر اشکال

سوال [۸۴۰۸]: جمہور علمائے اسلام کا فتوی ہے کہ بکری کی قربانی گائے سے افضل ہے، مگر حنفی معتبر کتاب "فتاوی قاضی خان" میں ہے: "والبقر أفضل من الذكر والمعز" (۲)۔

بلکہ فتاوی عالمگیری میں ہے: "والبقر أفضل من ست شياه" (۳)۔

---

(۱) "الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۹/۵، رشيديه)

"والشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۴۹/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يجوز في الأضحية: ۲۹۰/۲، رشيديه)

(۲) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۴۸/۳، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ جمہور علمائے اسلام کا فتوی کہاں منقول ہے، حوالہ کی ضرورت ہے، مشتہر نے پوری بات تو سمجھی نہیں، یا قصداً نقل نہیں کی۔ یہ مسئلہ نہ بالاتفاق ہے، نہ علی الاطلاق۔ پوری عبارت یہ ہے:

"واختلف المشايخ أن البدنة أفضل أو الشاة الواحدة؟ قال بعضهم: إذا كان قيمة الشاة أكثر من قيمة البدنة، فالشاة أفضل؛ لأن الشاة كلها تكون فرضاً، والبدنة سبعها يكون فرضاً والباقي يكون نفلاً. وما كان كلها فرضاً، كان أفضل. وقال الشيخ الإمام الجليل أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: البدنة تكون أفضل؛ لأنها أكثر لحماً من الشاة، وماقالوا: بأن البدنة يكون بعضها نفلاً، فليس كذلك، بل إذا ذبحت عن واحد كان كلها فرضاً. وشبه هذا بالقرأة في الصلوة: لو اقتصر على ما تجوز به الصلوة، جازت، ولو زاد عليها يكون الكل فرضاً.

وقال الشيخ الإمام أبو حفص الكبير رحمه الله تعالى: إذا كانت قيمة الشاة والبدنة سواءً، كانت الشاة أفضل؛ لأن لحمها أطيب. وقال بعضهم: البقرة أفضل؛ لأنها أكثر لحماً. والشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب، فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً فسبع البقرة أفضل۔

فالحاصل أنهما إذا استويا في القيمة واللحم، فأطيبها لحماً أفضل، وإن اختلفا في القيمة واللحم فالفاضل منهما أولى. والفحل الذي يساوي عشرين أفضل من خصي بخمسة عشر، وإن استويا في القيمة والفحل أكثرهما لحماً فالفحل أفضل. والأنثى من البقر أفضل من الذكر إذا استويا؛ لأن لحم الأنثى أطيب. والبقرة أفضل من ست شياه إذا استويا، وسبع شياه أفضل من بقرة". فتاوی قاضی خان برحاشیہ عالمگیری مصری:۳/۳٤۸(۱)۔

---

(۱) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۹، رشيديه)

وہ مسئلہ جو کہ مشتہر نے خلافِ جمہور سمجھ کر شائع کیا ہے، عبارتِ مذکور میں تفصیل سے آ گیا ہے۔ اور جو عبارت قاضی خان کی مشتہر نے نقل کی ہے اس میں یہ مسئلہ نہیں، بلکہ دوسرا مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکر کی قربانی افضل ہے یا مؤنث کی؟ اس میں گائے اور بکری کا مقابلہ نہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

"والأنثى من الإبل والبقر أفضل من الذكر. والذكر من المعز أفضل، وكذا الذكر من الضأن إذا كان موجوأً: أي خصياً، اهـ". فتاوی قاضی خان: ۳۴۸/۳ (۱)۔

یعنی ابل اور بقر کی انثیٰ کی قربانی افضل ہے باعتبار مذکر کے اور معز کے مذکر کی قربانی افضل ہے، اور ضأن کے مذکر کی قربانی افضل ہے جب کہ وہ خصی ہے۔ اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ "گائے کی قربانی افضل ہے جب کہ وہ خصی ہو" اعلیٰ درجہ کی خوش فہمی ہے۔

عالمگیری کی جو عبارت ہے وہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ فتاویٰ قاضی خان میں بھی موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گائے کی قربانی کا ثبوت

سوال[۸۴۰۹]: گائے کی قربانی کا حکم کلام پاک میں کسی جگہ درج ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ذبح گائے کا ذکر پارۂ الٓمٓ میں (۲)، اور اس کی حلت اور جواز پارہ "ولو أننا" میں بصراحت مذکور ہے (۳) حدیث شریف میں ہے:

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان، المصدر السابق)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذ قال موسىٰ لقومه إن الله يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ (سورة البقرة: ٦٧)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و من الإبل اثنين ومن البقر اثنين﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۴)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في سفر، فحضر الأضحى، فاشتركنا في البقرة سبعةً، و في البعير سبعةً".

"و عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بالحديبية =

"عن جابر رضي الله تعالى عنه نحر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن نسائه في حجة بقرةً"(۱) وفي رواية: "نحر عن عائشة رضي الله تعالى عنها بقرةً يوم النحر". مسلم، اهـ". جمع الفوائد: ۱/۲۰۳(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود گائے کی قربانی کرنا

سوال[۸۴۱۰]: ۱...... حکومت کی طرف سے گائے کی قربانی قانوناً ممنوع ہے۔ اب اگر زید پوشیدہ طور پر گائے کی قربانی کرتا ہے تو قربانی شرعاً ہو جائے گی یا نہیں؟ اور شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیل بھینس کی قربانی قانوناً جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۸۴۱۱]: ۲...... بیل بھینس کی قربانی موجودہ دور میں از روئے قانون جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر جان، مال، عزت کی قربانی کا داعیہ ہو اور اخلاص سے قربانی کرے تو انشاء اللہ قبول ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (۳)، یعنی یہاں بھی نتیجہ بھگتنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ تیار رہیں اور آخرت

= البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة".

"عن علي رضي الله تعالى عنه قال: البقرة عن سبعة .... اهـ". (سنن الترمذي: ۱/۲۷۶، باب ما جاء في الاشتراك في الأضحية، سعيد)

(وصحيح البخاري: ۲/۸۳۲، باب الأضحية للمسافر والنساء، قديمي)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي: ۱۷/۲۰۵، بابٌ: أن البدنة عن سبعة، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي وأجزاء البدنة و البقرة: ۱/۴۲۴، قديمي)

(۲) (جمع الفوائد، كتاب الحج، الهدي، (رقم الحديث: ۳۵۴۵): ۲/۴۹۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ہے، تو اگر جان عزت اور مال کو خطرہ نہ ہو تو گائے کی قربانی کی جائے۔ =

....

"خلافِ شرع قانون کا کوئی اعتبار نہیں قرآن کریم کا ارشاد ہے:﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله﴾ امام المفسرین حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "بدن" کی تفسیر میں فرمایا: "البقرة والبعير". یعنی قربانی کے گائے اور اونٹ کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ بنایا ہے۔ اور یہی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن مسیّب اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔

ابن کثیر اور ابن جریر نے یہ سب روایتیں نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: "واختلفوا في صحة إطلاق البدنة على البقرة على قولين أصحهما أنه يطلق عليهما ذلك شرعاً كما صح الحديث". اور یہ مضمون تفسیر فتح القدیر اور ابن مسعود وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

آیتِ مذکورہ بالا اور اس کی تفسیر میں روایات منقولہ سے ثابت ہوا کہ گائے کی قربانی شعائر اللہ میں سے ہے۔

اور بعض ناواقف لوگوں کو جو اس جگہ شبہ ہوجاتا ہے کہ گائے کی قربانی شریعت میں متعین نہیں، بلکہ اختیاری ہے کہ اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بکرا، مینڈھا وغیرہ جو چاہے کرے، ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس اختیار کی بناء پر اشیائے مذکورہ سبھی افراد واجب کے ہیں، اس میں سے کسی ایک کو منع کرنا، ایک واجب شرعی کو منع کرنا ہے اور یہ کھلی مداخلت فی الدین ہے۔

اصطلاحِ فقہاء میں ایسے واجب کو واجب مخیّر کہتے ہیں، اس کا ہر فرد واجب ہی ہوتا ہے، گو تعین کا اختیار کرنے والے کو ہے، لیکن اس اختیار کی بناء پر اس کے کسی ایک فرد کو اجتماعی طور پر متروک کردینا، یا اس پر کوئی قانونی پابندی تاحد قبول کرنا بلاشبہ حکم شرعی میں ترمیم اور مداخلت فی المذہب ہے، جو کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ اوقاتِ نماز کئی کئی گھنٹے تک وسیع ہوتے ہیں، جس جز میں چاہیں نماز پڑھ لینے کا اختیار ہے، لیکن اگر اس کے کسی خاص جز کو اجتماعی صورت سے متروک یا قانونی صورت سے ممنوع قرار دیا جائے تو یہ قانونِ شرعی کی ترمیم وتنسیخ اور مداخلت فی المذہب ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ اسی نماز میں پورے قرآن میں سے تین آیتیں کسی جگہ سے پڑھ لینا ادائے فرض کے لئے کافی ہے اور تعین کا پڑھنے والے کو اختیار ہے، لیکن اجتماعی صورت سے کسی خاص جزوِ قرآن کو متروک وممنوع قرار دینا کسی حال میں جائز نہیں، ان میں سے کسی ایک کو منع کرنا کھلی مداخلت فی الدین ہے۔

وجہ وہی ہے کہ اس تخییر واختیار کے باوجود واجب وفرض کے تمام افراد واجب وفرض ہی رہتے

....

= ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ: مطلق اضحیہ واجب اور بکرا اور سبع بقر وابل، پھر فرمایا: وغیرھا جزئیات ہیں جس میں فرد کا آتی ہوا آتی فرض ہی ہوگا، مباح کوئی بھی نہیں، سب فرض ہیں، مگر ایک کے اتیان سے سب سے بری ہوجاتا ہے''۔ (مکتوب مطبوعہ المفتی ذیقعدہ، ذی الحجہ/۶۰ھ)

کتب اصول میں اس کی تصریحات موجود ہیں: توضیح تلویح مصری بحث وجوب الأداء يثبت في اخر الوقت، ص: ۲۰۸، مستصفیٰ للغزالي: ۱/۴۴، باب الواجب ينقسم إلى مضيف وموسع، وشرح منتهى لأصول لابن الحاجب: ۱/۳۲.

مذکورہ بالاتحریر سے واضح ہوگیا کہ قربانی گاؤ واجب اور شعائر اسلام ہے، اس کو اجتماعی طور پر متروک کردینا، یا اس پر تاحدِ اختیار کوئی قانونی پابندی قبول کرنا جائز نہیں۔ اور ''تاحدِ اختیار'' کے لفظ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر کسی جگہ مسلمان مقاومت کی قدرت نہ رکھیں تو ان کو چاہیے کہ حکومت سے اپنے تحفظ کا پورا انتظام اور اطمینان کئے بغیر اس پر اقدام نہ کریں اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

''وذلک لأن تعين أحد الأصناف مباح لارخصة؛ لأن الرخصة مقابلة العزيمة، وههنا ليس بعض الأصناف عزيمة وبعضها رخصة كماهو ظاهر من سياق الأيات والروايات وإذا أكره على ترك المباح يصير بتركه اثماً''. وتفصيله في إكراه الهندية، وردالمحتار. والله سبحانه تعالىٰ اعلم''. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، يعني إمداد المفتين، كتاب الأضحية، مسلمانوں کا اجتماعی طور پر گائے کی قربانی بند کردینا، ص: ۷۹۹، ۸۰۰، دارالإشاعت کراچی)

(وكذا في كفاية المفتي: ۸/۱۸۸)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب الصيد والذبائح والأضحية، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۴/۱۹۲، دارالعلوم کراچی)

قال الله تعالىٰ: ﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله، لكم فيها خيرٌ﴾ (سورة الحج: ۳۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿و من يعظم شعائر الله، فإنها من تقوى القلوب﴾ (سورة الحج: ۳۲)

''طاعة الإمام حق على المرء المسلم ما لم يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله فلا طاعة له''.

(فيض القدير: ۷/۳۸۵۴، (رقم الحديث: ۵۲۴۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

میں ثواب کی امید رکھیں۔

۲......اس کا تعلق آج کل کے قانون جاننے والوں سے ہے وہی جانتے ہیں، ہم کو آج کل کا قانون معلوم نہیں، شرعی قانون دریافت کریں تو جواب حاضر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

اس بھینس کی قربانی جو موٹی ہو مگر دو سال سے کم ہو

سوال[۸۴۱۲]: ۱......ایک جانور مثال کے طور پر بکرا یا گائے بھینس کی جس کی عمر ۲۰/ ماہ ہے، مگر دو سال سے بھی زیادہ کا معلوم ہوتا ہے، خوب موٹا تازہ اور فربہ ہے۔ تو کیا اس جانور کی قربانی ہو جائے گی؟ اس جانور میں کمی کسی قسم کی بھی نہیں ہے۔ مفصل لکھیں۔

ایضاً

سوال[۸۴۱۳]: ۲......ایک جانور ہے جس کی عمر ۲۰/ ماہ کی ہے اور گھر کا پلا ہوا ہے، دو سال کا معلوم ہوتا ہے، سوال :۱، میں جو مذکور ہے وہی سوال :۲، میں ہے، مگر فرق یہ ہے کہ ہمارے پاس جانور ایک ہی ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں ہے۔ تو کیا اس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......اس میں کمی یہی ہے کہ پورے دو سال کا نہیں اگرچہ فربہ ہونے کی وجہ سے دو سال کا معلوم ہوتا ہے۔ دنبہ اگر سال بھر سے کچھ کم کا ہو اور فربہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کے دنبوں میں چھوڑ دینے سے فرق معلوم نہ ہوتا ہو تو اس کی قربانی کی اجازت ہے، بھیڑ بھی اسی کے حکم میں ہے، لیکن دوسرے جانوروں بکری، گائے، بھینس، اونٹ کی عمر کی کمی کا بدل اس کا موٹا ہونا نہیں ہو سکتا(۱)۔

---

(۱) "فلا يجوز من الإبل والبقر والمعز إلا الثنيّ. والثني من الإبل ما أتى عليه خمس سنين، وطعن في السنة السادسة .... والثني من البقر ما أتى عليه سنتان، وطعن في الثالثة. والثني من الغنم والمعز ما تمت له سنة، وطعن في الثانية". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۴۸/۳، رشيديه) .... =

۲...... اس کی بھی قربانی جائز نہیں، اگر صاحب نصاب بھی ہیں تو پوری عمر کا جانور خریدیں، اور اس کی قربانی کریں تب واجب ادا ہوگا۔ اگر صاحب نصاب نہیں تو آپ پر قربانی واجب نہیں، نہ پوری عمر والے کی اور نہ کم عمر والے کی، نہ دبلے کی، نہ موٹے کی، نہ گھر کے پلے ہوئے کی نہ دوسرے سے لے کر، اگر اس کو ذبح بھی کردیں گے تو وہ گوشت کھانے کے لئے ہوجائے گا، شرعی قربانی نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

بھینس کی قربانی

سوال [۸۴۱۴]: بھینس کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس میں کتنے حصہ دار شریک ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، اس میں سات حصہ دار شریک ہوسکتے ہیں، اس کا حال گائے کی طرح ہے (۲) زیلعی (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۶/ ۲۸۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی السراجیة، ص: ۸۹، سعید)

(۱) "وشرائطها: الإسلام والإقامة والیسار الذی یتعلق به وجوب صدقة الفطر". (الدر المختار).

"(قوله: والیسار، الخ) بأن ملک مأتی درهم أو عرضاً یساویها غیر مسکنه وثیاب اللبس أو متاع یحتاجه إلی أن یذبح الأضحیة". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/ ۳۱۲، سعید)

(۲) "الأضحیة تجوز من أربع من الحیوان......... وکذلک الجاموس؛ لأنه نوع من البقر الأهلی". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا: ۳/ ۳۴۸، رشیدیه)

(۳) "والجاموس یجوز فیها". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، =

بھینس کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس حدیث سے ثابت ہے جس طرح گائے، اونٹ، بھیڑ اور بکری کے لئے صاف طور پر حکم ہے اسی طرح بھینس کا حکم کسی حدیث میں صاف طور پر ہے اور وہ حدیث سنداً کیسی ہے اور کس کتاب میں ہے؟ یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھینس کی قربانی کی ہے، یا اس کی قربانی کا حکم دیا ہے تو ان کا قول مع حوالہ کتاب درج فرمائیں اہل لغت یا کسی عالم کے قول کی ضرورت نہیں۔ اگر حدیث یا قول امام میں نہیں ہے تو تحریر فرمائیں کہ کسی میں نہیں ہے۔

نیز ہرن، نیل گائے اور گھوڑے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ فقط جزاکم اللہ۔

المستفتی: محمد بشیر، منیجر مدرسہ خیر العلوم ٹانڈہ، ضلع فیض آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا کسی حدیث میں صاف صاف اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری کے الفاظ موجود ہیں جن کی قربانی کا حکم دیا گیا ہو، اگر ایسا ہو تو وہ حدیث نقل کیجئے۔ اہل لغت کا قول کافی نہیں ہوگا کبھی ابل، بقر، غنم، معز لکھ کر آپ کہہ دیں کہ لغت میں اس لفظ کے یہ معنی ہیں اور اس لفظ کے یہ معنی ہیں۔

جب آپ اس دعویٰ کو ثابت کردیں تب بھینس کے متعلق صاف حدیث کا مطالبہ کیجئے۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ وغیرہ الفاظ مذکورہ بولے یا تحریر کئے۔ جب آپ حیوانات اربعہ مذکورہ کی قربانی کا حکم اپنے مطلوبہ طریق کے مطابق مدلل تحریر فرمادیں گے تب آپ کو ایک جانور بھینس کی قربانی کی دلیل بھی طلب

= الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۶/۲۸۹، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۲، سعید)

"ویجوز بالجاموس؛ لأنه نوع من البقر بخلاف بقر الوحشی حیث لایجوز التضحیة به؛ لأن جوازها عرف بالشرع فی البقر الأهلی دون الوحشی والقیاس ممتنع". (تبیین الحقائق، کتاب التضحیة: ۶/۴۸۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۵/۲۹۷، رشیدیه)

کرنے کا حق ہوگا۔

گھوڑے، ہرن، نیل گائے کی قربانی درست نہیں، کتب فقہ میں ایسا ہی مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

قیمتی بکرا پالا، پھر اس کے عوض گائے خرید کر قربانی کرنا

سوال [۸۴۱۶]: ایک شخص نے خصی بکرے کو قربانی کی نیت سے پالا جب وہ خوب فربہ ہوگیا کہ جس کی قیمت سے گائے خریدی جاسکے، تو اس نے خیال کیا کہ اس کی قیمت سے گائے خرید لی جائے کہ اس میں سات آدمی شریک ہوسکیں گے اور سات آدمیوں کی قربانی ہو جائے گی۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اپنے ذمہ اس کو نذر مان کر واجب نہیں کیا تو محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اس کی قربانی متعین طور پر واجب نہیں ہوئی بلکہ اس کا وہ مالک ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر کے عمدہ بڑا جانور خرید لے جس میں سات آدمی شریک ہو کر اپنا واجب ادا کر سکیں، کذا فی الفتاوی الهندیه (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ولا يجوز في الأضاحي شيء من الوحشي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس، ۵/۲۹۷، رشيديه)

"بخلاف البقر الوحشي، حيث لا تجوز التضحية". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۶/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(۲) "لو ملك إنسان شاةً فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاةً ولم ينو الأضحية وقت الشراء، ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها، لايجب عليه، سواء كان غنياً أو فقيراً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۵/۲۹۱، رشيديه) ....=

کانجی ہاؤس سے نیلام جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۷]: جو جانور کانجی ہاؤس میں نیلام کیا جائے اس کو خریدنا اور اس کی قربانی کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، کیونکہ وہ خدا جانے کیسا جانور ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

إمداد الفتاوی: ۳/ ۱۱۳، میں اس کے خریدنے اور اس کی قربانی کرنے کو جائز لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفر لہ۔

= "وبالشراء بنية الأضحية إن كان المشترى غنياً، لا يجب عليه باتفاق الروايات، حتى لو باعها واشترى بثمنها أخرى والثانيةُ دون الأولى، جاز، ولا يجب عليه شيء". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يجوز من الأضحية وفيما لايجوز: ۳۱۸/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، فوائد شتى تتعلق بكتاب الأضاحي: ۱۷/ ۲۸۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدراهم ملوكها". اور عملہ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکاری ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا تو قربانی بھی اس کی درست ہے۔ البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں۔

اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں گھس گیا ہے، اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے۔ اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کر دیا ہے تو اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں، یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے"۔

كما صرحوا به في الدر المختار اخر باب جناية البهيمة: "أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً في زرع أو كرم إن سائقاً، ضمن ماأتلف، وإلا لا. وقيل: يضمن". وقال الشامي مرجحاً للقول الثاني: "أقول: ويظهر أرجحية هذا القول، لموافقته لما مر أول الباب من أنه يضمن ماأحدثته الدابة مطلقاً إذا =

ایک فوطہ والے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۸]: ایک فوطہ والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی قربانی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۸ھ۔

گابھن جانور کی قربانی

سوال[۸۴۱۹]: اگر جانور قربانی کی نیت سے خریدا گیا اور خریداری کے وقت اس کے گابھن ہونے کی تحقیق نہ ہو، کچھ روز بعد اس کے صحیح آثار وعلامات معلوم ہونے لگیں تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گابھن جانور کی قربانی جائز ہے، لیکن اگر ولادت کا زمانہ بالکل قریب ہو تو مکروہ ہے:-

"شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالو: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأن عنده جنين لا يتذكى بذكاة الأم". عالمگیری: ۲۹۲/۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= أدخلها في ملك غيره بلاإذنه لتعدية. وأما لولم يدخلها ففي الهداية: ولوأرسل بهيمة فأفسدت ذرعاً على فورها، ضمن المرسل. وإن مالت يميناً أو شمالاً، وله طريق الآخر لايضمن، لما مر، اهـ".

(إمدادالفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية والصيد والعقيقة، عنوان مسئله: قربانی جانور خرید کردہ از نیلام کانجی ہاؤس وحکم ادخال جانور دراں: ۵۴۱/۳، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۱) "و يضحي بالجمّاء والخصي والثولاء". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشيديه)

(وكذا في اللباب: ۱۰۰/۳، كتاب الأضحية، قديمي)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه و شرائطه: ۲۸۷/۵، رشيديه) =

حاملہ منذور جانور کی قربانی

سوال[۸۴۲۰]: ایک جانور مرض میں مبتلا ہوگیا، مالک نے منت کرلی کہ اگر خدا اس کو بچائے تو راہِ خدا میں اس کی قربانی دے دوں گا، اب بوقتِ قربانی وہ جانور تین ماہ کے حمل سے ہے۔ اس صورت میں اس کی قربانی کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے جانور کی قربانی شرعاً درست ہے، جو جانور بالکل قریب الولادت ہو اور بچہ کے مرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے(۱)، تاہم قربانی ادا ہو جائے گی۔ پھر اگر بچہ زندہ ہو تو اس کو بھی ذبح کرلیا جائے، کذا

= "إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۴، سعيد)

"رجل له شاة حامل أراد ذبحها، إن تقاربت الولادة، يكره الذبح". (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۰۷، كتاب الذبائح، الفصل الأول، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكاة: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، باب المتفرقات، ص: ۹۰، سعيد)

(۱) "إن تقاربت الولادة، يكره ذبحها". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۴ سعيد)

"شاة أو بقرة أشرفت على الولادة، قالو: يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأن عنده جنين لا يتذكى بذكاة الأم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه و شرائطه: ۵/۲۸۷، رشيديه)

"رجل له شاة حامل أراد ذبحها، إن تقاربت الولادة، يكره الذبح". (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۰۷، كتاب الذبائح، الفصل الأول، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح، باب في الذكاة: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، باب المتفرقات، ص: ۹۰، سعيد)

فی رد المحتار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم/ ۶۸ھ۔

سستی قیمت کا جانور خرید کر قربانی کرنا

سوال[۸۴۲۱]: میں قربانی اپنے وطن میں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ وہاں پر بکرے کی قربانی ہوتی ہے اور حصہ سستا پڑتا ہے، یہاں پر بکرا ۹۰، ۱۰۰/ روپے، ہر ملازم پیشہ لوگوں میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ تو اس طرح قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قربانی جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۸۵/۱۲/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۱۳ھ۔

---

(۱) "ولدت الأضحية ولداً قبل الذبح، يذبح الولد معها". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"فإن ولدت ولداً، ذبحها و ولدها معها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: في الانتفاع بالأضحية: ۳۵۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشيديه)

(۲) سستے جانور سے قربانی کرنا تو درست ہے البتہ قیمتی جانور سے قربانی کرنا زیادہ افضل ہے۔

"سبعة من الرجال اشتروا بقرة بخمسين درهماً للأضحية، وسبعة آخرون اشتروا سبع شياه بمأة درهم. تكلموا أن الأفضل هو الأول أو الثاني، والمختار أن الأفضل هو الثاني، كذا في الفتاوى الكبرى".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۹/۵، رشيديه) =

جنگلی جانور کی قربانی

سوال[٨٤٢٢]: اگر کوئی شخص ہرن یا نیل گائے وغیرہ جنگلی جانوروں کے بچے خرید لے اس قیمت پر جس پر بکری وغیرہ کے مل جاتے ہیں اور اس کو خوب شوق سے پالے تو اس کی قربانی عید الاضحیٰ کے موقع پر جائز ہے یا نہیں، یعنی اس کی قربانی کرنے سے واجب قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی قربانی درست نہیں، اس سے واجب قربانی ادا نہیں ہوگی (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ہرن اور بکری سے پیدا شدہ کی قربانی

سوال[٨٤٢٣]: زید نے ایک ہرن پالا اور ایک بکری بھی پال رکھی تھی، ہرن نے بکری سے جفتی کی، اس سے بکرا (بچہ) پیدا ہوا اور سال بھر کا ہو گیا۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

= "سبعة اشتروا بقرة بخمسين درهماً، وسبعة آخرون اشتروا سبعة شياه بمأة درهم، تكلموا في الأفضلية، والصحيح أن الثاني أفضل؛ لأنه أكثر ثمناً وأظهر نفعاً للفقراء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا، مالايجوز: ٣/٣٤٩، ٣٥٠، رشيديه)

"فإن كانت النعجة أكثر قيمة أو لحماً، فهي أفضل، ذخيرة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٢، سعيد)

(١) "ولا يجوز في الأضاحي شيء من الوحشيّ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ٥/٢٩٧، رشيديه)

"التضحية بهذه الأشياء عرف شرعاً بالنص على خلاف القياس .... بخلاف البقر الوحش حيث لايجوز التضحية به". (تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ٦/٤٨٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٤، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٢، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو بچہ بکرا ہرن اور بکری سے پیدا ہوا ہے اس کی قربانی درست ہے، یہ بچہ ماں کے حکم میں ہے اور ماں بکری ہے، شلبی: ۶/۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

پالتو ہرن کی قربانی

سوال[۸۴۲۴]: ایک ہرنی کا بچہ شیر خوار ہی سے پندرہ روپیہ میں قیمتاً خریدا اور پھر اس کو اپنے گھر دودھ پلا کر پرورش کیا اور تقریباً ایک سال اس کی پرورش کی۔ اس کی قربانی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرن کے بچہ کو اگر چہ دودھ گھر پلا کر پرورش کیا ہو تب بھی اس کی قربانی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو نزا ظبيٌ على شاة، قال عامة المشايخ: يجوز". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"والمتولد بين الأهلي والوحشيّ يتبع الأم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"فإن متولداً من الوحشي والإنسي، فالعبرة للأم، فإن كانت أهليةً تجوز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز في الأضاحي شيء من الوحشيّ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

"وتجوز بالجاموس؛ لأنه نوع من البقر، بخلاف بقر الوحش حيث لا يجوز الأضحية به؛ لأن جوازها عرف بالشرع في البقر الأهلي دون الوحشي، والقياس ممتنع". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۴/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

مرغ کی قربانی

سوال[۸۴۲۵]: جس کے پاس اتنی وسعت نہ ہوگا ئے یا بکری خرید کر قربانی کر سکے اور اس وجہ سے مرغ کی قربانی کردے۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ مجوس کا طریقہ ہے، عالمگیری: ۱۰۵/٤ (۱)۔ جب کہ اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "والتضحية بالديك والدجاجة في أيام الأضحية ممن لا أضحية عليه لإعساره تشبيهاً بالمضحين مكروه؛ لأنه من رسوم المجوس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۳۰۰/۵، رشيديه)

"فيكره ذبح دجاجة و ديك؛ لأنه تشبه بالمجوس". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۱۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية: ۲۹۰/۶، رشيديه)

فصلٌ فی سِنّ الأضحیة

(قربانی کے جانور کی عمر کا بیان)

سال بھر سے کم دنبہ کی قربانی

سوال[۸۴۲۶]: سنا ہے کہ دنبہ سال بھر سے کم کا بھی جائز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دنبہ اس قدر فربہ اور بڑا ہو کہ سال کے دنبوں میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، چھوٹا نہ معلوم ہوتا ہو تو ایسا دنبہ سال بھر سے کم آٹھ نو مہینہ کا بھی درست ہے، زیلعی: ۶/۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی

سوال[۸۴۲۷]: ''بھیڑ، ایک سال سے کم کا اگر موٹا تازہ ہو، اس کی قربانی جائز نہیں''۔ یہ آپ ہی

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال. قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا تذبحوا إلا مسنةً، إلا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعةً من الضأن". (مشکوة المصابیح، باب فی الأضحیة، الفصل الأول: ۱/۱۲۷، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الأضاحی، باب فی الجذع من الضأن: ۱/۲۷۶، سعید)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحی، باب مایجزئ من الأضاحی: ۲۲۷، قدیمی)

(وإعلاء السنن، کتاب الأضاحی، باب مایجوز فی الضحایا من السن: ۱۷/۲۴۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۱، سعید)

"وجاز الثنی من الکل، والجذع من الضأن، وقالوا: هذا إذا کان الجذع عظیماً بحیث لو خلط بالثنیات یشبه علی الناظر من بعد". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۸۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

کی تحقیق سے معلوم ہوا اور اب آپ کے بقرہ عید والے اشتہار سے معلوم ہوا کہ: ''ایسے بھیڑ کی قربانی جائز ہے جو سال سے کم کا ہو، چھ ماہ کا ہو، مگر سال بھر کا معلوم ہوتا ہو'' یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور آپ کے اشتہار میں غلط شائع ہوا، یا اب یہی مسئلہ ہوگیا؟ مدلل لکھئے تاکہ علم میں اضافہ ہو۔

محمد احمد صدیقی، پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداًو مصلياً:

''بھیڑ کی قربانی جب کہ اس کی عمر سال بھر سے کم ہو'' ناجائز ہونا میری کس عبارت سے معلوم ہوا، اس کو بھیجئے۔ بہشتی زیور، اختری، ص: ۴۲/۳، میں ایسے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی کو جائز لکھا ہے (۱)، مگر حاشیہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

''بعضے علماء کا اس پر فتویٰ ہے، لیکن مجھ کو ''در مختار'' کے اس جزئیہ ''و لا التی لا إلیة لها'' سے اس میں شبہ ہوگیا، ناظرین بطورِ خود علماء سے تحقیق کرلیں''۔

میں ایسے بکرے کی قربانی کو ناجائز لکھتا ہوں (۲) اور ایسے دنبہ کی قربانی کو جائز لکھتا ہوں (۳)۔ اور

---

(۱) بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں، جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے بھینس دو برس سے کم کی درست نہیں، پورے دو برس ہو چکیں تب قربانی درست ہے اور اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں ہے اور دنبہ یا بھیڑا اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دو تو کچھ فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو ایسے وقت چھ مہینے کے دنبہ اور بھیڑ کی بھی قربانی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیے۔ (بہشتی زیور، باب: قربانی کا بیان، (مسئلہ: ۸) : ۲۳۲/۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: ضحى خالي -يقال له: أبو بردة- قبل الصلوة، فقال له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "شاتک شاة لحم". فقال: يا رسول الله! إن عندي داجناً جذعة من المعز قال: "اذبحها و لا تصلح لغيرک". رواه البخاري". (إعلاء السنن: ۲۵۱/۱۷، باب عدم جواز التضحية بالجذعة من المعز، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تذبحوا إلا مسنةً، إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعةً من الضأن". (مشكوة المصابيح، باب في الأضحية، الفصل الأول: ۱۲۷/۱، قديمي) .... =

ایسے بھیڑ کی قربانی کی حتماً منع نہیں کرتا۔ علامہ شامی کی کتاب الأضحیۃ کی عبارت سے اجازت معلوم نہیں ہوتی، کتاب الزکوۃ کی عبارت سے اجازت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ کتاب الأضحیۃ میں ہے:

"وصح الجذع ذو ستة أشهر من الضأن إن كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التمييز، اهـ". درمختار. قال الشامي: "(قوله: من الضأن) هو ماله ألية، منح. قيد به؛ لأنه لا يجوز الجذع من المعز و غيره بلا خلاف، كمافي المبسوط، اهـ"(۱)۔

یہ عبارت صریح ہے کہ ایسی بھیڑ کی قربانی جائز نہیں۔

"الضأن ما كان من ذوات الصوف، اهـ". شامی (۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضأن ذوات الصوف کو کہتے ہیں، خواہ ذوات الالیۃ ہو خواہ نہ ہو، جو اپنے عموم کی وجہ سے دنبہ اور بھیڑ دونوں کو شامل ہے، اسی وجہ سے مجھے قطعی طور پر منع کرنا محفوظ نہیں"۔

آپ میری عبارت ارسال کریں اور مجھے مسئلہ بدلنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی

سوال[۸۴۲۸]: ہم لوگ قربانی کے لئے بھیڑ خریدنا چاہتے، ہیں وہاں دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک بھیڑ کی ٹولی بالکل علیحدہ ہوتی ہے جو کہ پندرہ بیس کی ہوتی ہے ان سب کی عمر پورے سال سے لیکر قریب دو سال تک ہوتی ہے، ان کو یہاں (Ship) شِپ کہا جاتا ہے۔ اور ایک دوسری ٹولی ہوتی ہے، وہ بھی پندرہ بیس کی ہوتی ہے۔ ان سب کی عمر سال کے اندر ہوتی ہے، مگر دیکھنے میں دو سال کی معلوم ہوتی ہے اور ان پر فربہی بھی ہوتی ہے بنسبت پورے ایک سال سے لے کر دو سال کی بھیڑ سے۔

= (وجامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب في الجذع من الضأن: ۱/۲۷۶، سعيد)

(وإعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ما يجوز في الضحايا من السنن: ۱۷/۲۴۲، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۱، سعيد)

(۲) "ويؤخذ في زكاتها: أي الغنم الثني من الضأن والمعز وهو ماتمت له سنة، لا الجذع إلا بالقيمة وهو ماأتى عليه أكثرها على الظاهر". (ردالمحتار، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۱، سعيد)

اور اگر ان دونوں ٹولی کو ملایا جائے تو سال کے اندر کی بھیڑ زیادہ عمر میں بڑی دکھلائے گی۔ تو ہم کو علم ہونے کے باوجود سال کے اندر کی بھیڑ کو قربانی کے لئے خرید کر قربانی کریں تو ایسا کرنا ہمارے لئے درست ہوگا یا نہیں؟ خیال رہے کہ سال کے اندر کے بھیڑ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ جس کی عمر سال بھر کی ہو چکی ہے اس کی قربانی کی جائے، اگرچہ سال کے اندر والی بھیڑ زیادہ موٹی معلوم ہو، تاہم جائز اس کی بھی ہو جائے گی جس کی عمر سال بھر سے کچھ کم ہے اور دیکھنے میں سال بھر والی بھیڑ کے برابر یا زیادہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۱۰ھ۔

سال بھر سے کم بکری کی قربانی

سوال[۹۴۲۹]: ایک بکری ایک سال سے کچھ ہی یعنی چند روز کم ہے، مگر دیکھنے میں پوری سال بھر کی معلوم ہوتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی بکری کی قربانی درست نہیں جب تک وہ پوری سال بھر کی نہ ہو جائے، شامی: ۵/۲۰۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (راجع لتخریج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "صح الجذع من الضأن، هو ماله ألية، منح. قيد به؛ لأنه لا يجوز الجذع من المعز و غيره بلا خلاف". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۱، سعيد)

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: ضحى خالي -يقال له: أبو بردة- قبل الصلوة، فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "شاتك شاة لحم" فقال: يا رسول الله! إن عندي داجناً جذعة من المعز. قال: "اذبحها، ولا تصلح لغيرك". رواه البخاري". (إعلاء السنن، باب عدم جواز التضحيه بالجذعة من المعز: ۱۷/۲۵۱، إدارة القرآن كراچي)

سال بھر سے چندروز کم بکرے کی قربانی

سوال[۸۴۳۰]: قربانی کے لئے زید نے ایک بکرا خریدا جس کی عمر سال بھر میں صرف ۱۸/ دن کم ہے، مگر دیکھنے میں فربہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے بکرے کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مالابد منہ" میں لکھا ہے کہ "اولیٰ یہ ہے کہ سال بھر کا ہو" جس سے اشتباہ ہوتا ہے کہ اگر سال بھر سے کچھ کم دن کا ہو تب بھی قربانی درست ہو جائے گی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"مالابد منه" میں مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا، اس کی پوری عبارت لکھئے۔ عامۂ کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ قربانی ایسے بکرے کی درست ہے جس کا ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال شروع ہو جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم کی درست نہیں، اسی کی شامی نے ردالمحتار: ۲۰۴/۵، میں تصریح کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کے لئے دو دانت کا لزوم

سوال[۸۴۳۱]: سورت سے ایک گجراتی اخبار بنام "مسلم گجرات" شائع ہوتا ہے اس کا مضمون جس کی سرخی یہ ہے: "قربانی کے جانور کے دو دانت چاہئے" شائع ہوا ہے جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے:

= (وصحیح البخاری، کتاب الأضاحی، باب سنة الأضحیة: ۸۳۲/۲، قدیمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "(قوله: وصح الجذع .... وقيد بقوله: "شرعاً"؛ لأنه في اللغة ماتمّت له سنة، نهاية".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

"وتقدير هذه الأسنان بما قلنا يمنع النقصان و لا يمنع الزيادة، حتى لوضحى بأقل من ذلك شيئاً، لايجوز". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في إمداد الفتاوى: ۵۲۸/۳، دارالعلوم كراچی)

''ثنی اور مسنہ دونوں کا ترجمہ دودانت والا ہوتا ہے، جس میں ہر ایک قسم کے جانور آ گئے اور پہچان بھی ایسی واضح ہوگئی کہ ہر ایک شخص اسے دیکھ اور پہچان سکتا ہے یعنی خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی جانور، مثلاً: بکرا، گائے، اونٹ وغیرہ جب تک دودانت والے نہ ہو جائیں اس وقت تک قربانی کے لئے جائز نہیں''۔

یہ گجراتی مضمون کا اردو میں لفظ بلفظ ترجمہ ہے۔ تو عرض ہے کہ کیا جناب نے ایسا فتویٰ دیا ہے، یا کسی نے حاصل کیا ہے، یا کسی نے اس قسم کے فتویٰ پر دستخط فرمائے ہیں؟ کیونکہ یہاں اس مضمون سے ایک پہچان شروع ہوگئی ہے، کیونکہ لوگ عام طور پر ''مثنی'' کے سلسلہ میں بجائے دانت کے یوں تذکرہ کرتے ہیں:

''الثنيّ هو ابن خمس من الإبل، وحولين من البقر والجاموس، وحول من الشاة والمعز، الخ''.

امید قوی ہے کہ مفصل جواب سے مطلع فرما کر شکر گزار فرمائیں گے تاکہ اس اخبار میں جناب کا تفصیلی تردیدی بیان شائع ہو جائے، کیونکہ بکری بکرے دودانت نہیں ہوں گے جب تک دوسال ہو کر تیسرا شروع نہ ہو، جو شوافع کا مذہب ہے۔

اسماعیل بن محمد بسم اللہ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔

برادر سلمہ! السلام علیکم و رحمة الله و بركاته!

''یہ فتویٰ لکھنا مجھے تو یاد نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے جواب کا یہ پورا مضمون نقل کیا ہے، یا اس میں سے مختصر کر کے لکھا ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس میں اشکال کیا ہے؟ براہِ کرم پورا جواب جو اخبار میں شائع ہوا وہ نقل کر کے بھیجیں اور اس میں جو اشکال یا غلطی ہو اس کی بھی پوری تصریح فرمائیں۔ امید کہ مزاج بعافیت ہوں گے''۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

هو الموفق:

''یہ فتویٰ جو میں نے دیا ہے، یا میری طرف منسوب ہے صحیح ہے۔ جانوروں کی عمریں پہچاننے کا عام اور صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان کے دانتوں سے ان کی پہچان ہوتی ہے،

دو دانت والا بکرا یا بکری یا مینڈھا سال سے کم کا نہیں ہوسکتا، ہاں! یہ ممکن ہے کہ سال بھر کا ہوجائے، لیکن دانت دو نہ نکلے ہوں۔ فقہاء نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں عمر پوری ہونی ضروری ہے اور عام طور پر یہی طریقہ اسلم ہے۔ ہاں! اگر کسی کے گھر کا بکرا بکری ہو اور اسے اس کی پیدائش کی تاریخ معلوم ہو اور یاد ہو اور وہ سال بھر کا ہوجائے، مگر دانت نہ نکلے ہوں تو وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے، مگر ایسا حکم دینا غلطی میں مبتلا کرسکتا ہے کہ لوگ اور فروخت کرنے والے بے دانت کے بکرے یا بھیڑ کو سال بھر کا بتلادیں گے اور لوگ خرید کر قربانی کرلیں گے تو بکرے کی قربانی جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس کا سال بھر کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

عام طور پر بکرے بھیڑ کے دو دانت سال بھر میں ہوجاتے ہیں، بعض کے نہیں ہوتے، مگر دو دانت کا حکم ایسا ہے کہ اس میں غلطی نہیں ہوسکتی یعنی دو دانت کا بکرا سال بھر یا سال سے زائد کا ہوگا، سال سے کم کا نہ ہوگا۔ دنبہ، بھیڑ، مینڈھا سال بھر سے کم کا بھی جائز ہے، صرف بکرے کے لئے سال بھر کا ہونا شرط ہے۔ تو اگر بکرا گھر کا پیدا شدہ ہو اور یقینی سال بھر کا ہو تو اگرچہ اس کے دانت نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے" (۱)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مہر مدرسہ امینیہ دار الافتاء دہلی۔

---

(۱) مذکورہ عبارت کفایت المفتی میں باوجود تتبع وتلاش کے نہ ملی، البتہ اسی معنی پر یہ عبارت ملی:

"قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، بکری، بکرا ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی۔ چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی، اس لئے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا، ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا اور اسی کے گھر پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا، اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہوکر آٹھ نو روز زائد کی ہوچکی =

....

= ہے،لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی عمر یک سالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے۔

مسنۃ کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہوسکتے ہیں،لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو،مشتبہ ہو،بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہوسکتا،اس لئے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔ واللہ اعلم''۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،دہلی۔

(کفایت المفتی، کتاب الأضحیة، فصل دهم: قربانی کے جانوروں کی عمریں: ۸/۲۱۷، دارالإشاعت کراچی)

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ:

''اور شرط ہے کہ گائے بھینس دو سال سے کم کی نہ ہو،اور اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو،اور بھیڑ بکری ایک سال سے کم کی نہ ہو،اور چھ ماہ کا دنبہ جس کا ساتواں مہینہ شروع ہوا ہو وہ جائز ہے۔

حدیث شریف میں لفظ ''مسنۃ'' آیا ہے،جس کے دو معنی ہیں:۱-سن رسیدہ جانور،دانت والا جانور۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمر کا اعتبار کیا اور دانت کو اس کی علامت قرار دیا ہے،قربانی کا جانور ''مسنہ'' ہو یعنی سن رسیدہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے،دانت کی علامت ہو تو بہتر ہے۔ دانت کی علامت پر مدار نہیں،دانت سن رسیدگی علامت ہے۔

مثال کے طور پر لڑکا،لڑکی سن رسیدگی سے بالغ ہوجاتے ہیں اور شرعی احکام کے مکلف ہوجاتے ہیں اور شادی کے قابل ہوجاتے ہیں،بلوغ کی علامت حیض اور احتلام ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی لڑکی کو سن رسیدگی کے بعد بھی حیض نہ آئے تب بھی وہ بالغہ ہے،اسی طرح قربانی کے جانور سن رسیدہ ہو تو قربانی درست ہے،دانت کی علامت ہو یا نہ ہو،سن رسیدگی کا یقین ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب''۔(فتاوی رحیمیه، کتاب الأضحیة، باب من الأضحیة: ۱۰/۴۸، دارالإشاعت کراچی)

نیز امداد الفتاویٰ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہیں: =

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو دونوں فتووں میں متفقہ ہے کہ اصل مدار عمر پر ہے(۱)، دہلی کے فتویٰ میں دو دانت کو عمر کے لئے یقینی علامت قرار دیا ہے اور یہ بات درحقیقت فقہ سے متعلق نہیں، اہلِ بصیرت وتجربہ کی رائے سے متعلق ہے، مگر حضرت مفتی صاحب مدت فیوضہم نے اس کو فقہاء کی طرف منسوب فرمایا ہے، باوجود تتبع کے کتبِ فقہ حنفی میں مجھے اس کی تصریح نہیں ملی، فقہ شافعی ومالکی میں بھی تلاش کیا، البتہ فقہ حنبلی کی متن المقنع کی شرح کبیر: ۳/ ۳۷، میں ہے:

"وثنی الإبل ما كمل له خمس سنين، ومن البقر ماله سنتان، ومن المعز ماله سنة. قال الأصمعی و أبو زياد وأبو زيد الأنصاری: إذا مضت السّنة الخامسة على الإبل و دخل فی السادسة وألقى ثنيته، فهو حينئذٍ ثنی، ويروى أنه يسمى ثنياً؛ لأنه ألقى ثنية. وأما البقرة فهی التی

= "مسنہ کی تفسیر میں بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دانت نکلنا ضروری ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاص کافی ہے......... مگر چونکہ اس عمر خاص میں اکثر دانت بھی طلوع ہوجاتے ہیں، اس لئے اہل لغت طلوع سن سے تفسیر کردیتے ہیں ورنہ دانت نکلنے پر مدار حکم نہیں ہے.........اور اس سے یہ جائے کہ سن بمعنی عمر لیا گیا ہے۔

سن بمعنی دندان ہے، لیکن طلوع دندان چونکہ عادۃً اس عمر میں ہوتا ہے، اس لئے عمر کے ساتھ تفسیر کردی خواہ دانت طلوع ہوں یا نہ ہوں۔ اور جب کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تصریح کرتے ہیں کہ اکثر دانتوں کا ہونا، یا اتنے دانتوں کا ہونا جس سے گھاس کھاسکے جواز تضحیہ کے لئے کافی ہے تو کسی خاص دانت کے نکلنے پر کیسے مدار ہوگا.........الخ"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الذبائح والأضحية، رفع بعض شبهات متعلقة بعمر ضحايا: ۳/ ۶۱۲، ۶۱۳، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۱) "ثم بعد الاتفاق على هذا القدر اختلفوا فی تقدير الجذع والثنیّ على أقوال، والمعتمد عند معشر الحنفية أن الجذع من الضأن ابن ستة أشهر، والثنی منها و من المعز ما تمّ له سنة و دخل فی الثانية، ومن البقر ما تم له سنتان ودخل فی الثالثة، ومن الإبل ما تمّ له خمس سنين و دخل فی السادسة". (إعلاء السنن: ۷/ ۲۴۵، كتاب الأضاحی، باب ما يجوز فی الضحايا من السن، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاوى السراجية، ص: ۸۹، سعيد)

لها سنتان، وقد قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تذبحوا إلا مسنةً". ومسنة البقر التي لها سنتان"(۱)۔ "على ما ذكر في الزكوة، وثني المعز ما له سنة. وقال ابن أبي موسى: فيه أقوال: إن ثني البقر ما دخل في السنة الرابعة، والأول المشهور في المذهب، اهـ"۔

اس کو حنفیہ پر حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بھی اس کو حجتِ لازمہ قرار نہیں دیا، چنانچہ آخرِ فتوی میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''بکرا گھر کا پیدا شدہ ہو اور یقینی سال بھر کا ہو تو اگر چہ اس کے دانت نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے''۔

جس طرح سال بھر کا ہونے کے باوجود دو دانت ہونا لازم نہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ سال بھر سے پہلے ہی دانت ہو جائیں، کیونکہ علامات سے ان کے متعلقات کا تخلف کچھ محال نہیں، چنانچہ شیخ المحققین ابن الہمام نے فتح القدیر، کتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة میں تحریر فرمایا ہے:

"فإن المراد بالدليل الأمارة، وهي مما قد يجزم بتخلف متعلقها مع قيامها كوقوف بغلة القاضي على بابه مع العلم بأنه ليس في داره، اهـ"(۲)۔

لہٰذا دو دانت ہونے پر بھی ایک سال کی عمر کا حکم لگانا قطعی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳۰/صفر/۶۸ھ۔

---

(۱) (المغني لابن قدامة الحنبلي، كتاب الأضاحي، باب لايجزئ إلا الجذع من الضأن والثني من غيره: ۱۰۱/۱۱، دارالفكر بيروت)

"فالثني من الإبل: مااستكمل خمس سنين، ودخل في السادسة، .... وأما الثني من البقر فهو: مااستكمل سنتين ودخل في الثالثة .... وأما الثني من المعز، فهو مااستكمل سنةً ودخل في الثانية .... وأما الجذع من الضأن والمعز، فهو مااستكمل ستة أشهر، ودخل في الشهر السابع .... وروى جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاتذبحوا إلا مسنةً، إلا أن تعسر عليكم فتذبحوا جذعةً من الضان". (الحاوي الكبير، كتاب الضحايا، فصل: فإذا تقرر ماذكر في أسنان الضحايا: ۹۲/۱۹، ۹۳، دارالفكر بيروت)

(۲) (فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء و لكفارة: ۲۷۷/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

جنین کی قربانی

سوال[۸۴۳۲]: زید نے گائے کی قربانی کی جب اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو ایک بچہ بھی نکلا، کیونکہ گائے حاملہ تھی اور وہ بچہ زندہ نکلا تو اب اس کا کیا کیا جائے، آیا اس کی بھی قربانی کردی جائے یا اس کو پال لیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی قربانی کردی جائے اور جو تصرف اصل قربانی کے گوشت میں کیا جائے، وہی اس کے بچے کے گوشت میں کیا جائے، شامی: ۵/ ۲۰۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

لفظ "جذعہ" کی تشریح

سوال[۸۴۳۳]: زبان عربی کے اندر "جذعة" کا معروف معنی "بکری کا ایک سالہ بچہ ہے" چنانچہ مولانا گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قال أهل اللغة وغيرهم: الجذع التي تمت لها سنة ركوب"(۲)۔

---

(۱) "ولدت الأضحية ولداً قبل الذبح، يذبح الولد معها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۲، سعيد)

"فإن ولدت الأضحية ولداً، يذبح ولدها مع الأم". (بدائع الصنائع، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها، وبعدها: ۶/ ۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، السادس في الانتفاع: ۶/ ۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/ ۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في العيوب مايمنع الأضحية: ۳/ ۳۵۹، رشيديه)

(۲) (الكوكب الدري، أبواب الأضاحي، باب في الجذع من الضأن: ۱/ ۴۰۹، المكتبة اليحيوية هند)

اور مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث سہارنپوری نے لکھا ہے: "الجذع في اللغة ما تمت له سنة". بذل: ٤/٧١(١)۔

اور جب "جذعة" کے معنی عربی زبان میں "یک سالہ" ہے تو شارع عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد: "فتذبحوا جذعةً من الضأن"(٢) کے اندر بھی "جذعة" سے مراد یک سالہ ہی ہوگا، نہ اور کچھ، مگر ہمارے فقہاء تو جذعة کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: "الجذعة ما تمت له ستة أشهر"(٣)۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسا شرعی قرینہ ہے جس کی بناء پر معروف عندالعرب معنی کو چھوڑ کر ایک مخصوص معنی مراد لیا جا رہا ہے اور اس کو شرعی معنی قرار دیا جاتا ہے، بعینہٖ یہی سوال لفظ "مسنہ" کے متعلق بھی ہے کہ اس کا معروف عندالعرب معنی تو یہ ہے: "الذی ألقی ثنية" (**دندانِ پیشش افگنده**)، پھر وہ کونسا قرینہ ہے جس کی بنا پر معروف عندالعرب معنی سے گریز کر کے ایک مخصوص معنی مراد لیا جاتا ہے: "والمسنة ما أتت عليه سنةٌ".

الجواب حامداً ومصلياً:

جس طرح علمِ حدیث مستقل فن ہے، اس کی مخصوص اصطلاحات ہیں، ضروری نہیں کہ ان اصطلاحات کو لغوی معنی ہی میں استعمال کیا جائے، بلکہ وہ منقول ہیں جیسے: معضل، شاذ، منکر، غریب، محدث، حافظ، حجۃ، حاکم، صحیح، حسن، غریب وغیرہ۔ اگر لغوی ہی معنی میں ان کو لیا جائے گا تو مطلب خبط ہو جائے گا۔

اسی طرح فقہ بھی مستقل فن ہے اس کی بھی مخصوص اصطلاحات ہیں، لازم نہیں کہ ان کو لغوی ہی معنی میں استعمال کیا جائے۔ صلوۃ، زکوۃ، حج، جہاد، نکاح، طلاق، خلع، عبادات کو جن معانی میں استعمال کیا جاتا ہے وہ

---

(١) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايجوز من الضحايا من السن: ٤/٧١، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(٢) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، باب لايجزی الجذع إلا من الضأن وحدها، (رقم الحديث: ١٩٠٧٢)، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايجوز من الضحايا من السن: ٤/٧١، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

منقول ہیں محض لغوی معنی مراد نہیں۔

ائمۂ لغت کے "جذعہ" کی تشریح میں دو قول ہیں: چنانچہ المغرب: ۱/ ۸۷ میں:

"وعن الزهري رحمه الله تعالى: الجذع من المعز سنة، و من الضأن ثمانية أشهر" (۱)۔

مجمع الأبحار: ۱/ ۱۸۱ میں ہے: "ما تمت له سنة، وقيل: أقل منها، اهـ" (۲)۔

ایسا ہی نہایہ ابن اثیر: ۱/ ۱۷۷ میں ہے۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ جلیل القدر محدث ہیں، ان کا قول امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع: ۱/ ۱۸۱، میں نقل کیا ہے:

"قال وكيع: الجذع مايكون ابن سبعة أو ستة أشهر" (۳)۔

معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی فقہاء کا قول اجنبی اور قابلِ رد نہیں، بلکہ ان کے کلام میں بھی تشریح موجود ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو نیل الاوطار: ۳/ ۳۴۵ میں اس کو نقل کیا ہے اور دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں (۴)۔ "خطابی شرح ابوداؤد" میں بھی یہ موجود ہے۔

اگر "جذعہ" سے مراد "ما تمت له سنة" ہو تو اس کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں "ما تمت له سنة" تو بکری بھی کافی ہے۔

---

(۱) (المغرب، ص: ۱۳۶، الجيم مع الذال، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (مجمع بحار الأنوار: ۱/ ۳۳۵، باب الجيم مع الذال، مجلس دائرة المعارف العثمانيه بحيدر آباد الدكن الهند)

(۳) (جامع الترمذي: ۱/ ۲۷۶، باب في الجذع من الضأن في الأضاحي، سعيد)

(۴) "الجذع من الضأن ماله سنة تامّة، هذا هو الأشهر عن أهل اللغة وجمهور أهل العلم من غيرهم. وقيل: ماله ستة أشهر. وقيل: سبعة. وقيل: ثمانية. وقيل: عشرة. وقيل: إن كان متولداً بين شاتين فستة أشهر، وإن كان بين هرمين فثمانية". (نيل الأوطار: ۵/ ۲۰۲، باب السن الذي يجزئ في الأضحية، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

پھر بعض صحابہ کا قبل الصلوۃ مخصوص طور پر ''جذع'' کے متعلق سوال کرنا اور جواب میں ارشاد فرمانا کہ ''تم اسی جذع کی قربانی کردو'' یہ کس لئے ہے اور بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ کسی اَور کو اس کی اجازت نہیں۔ اور بعض روایات میں ''معز'' کی تخصیص بعض میں ''ضأن'' کی تخصیص ہے، یہ سب قرائنِ قویہ ہیں کہ قربانی کے لئے جو عمر معروف ہے "جذعة" اس عمر کو نہیں پہونچا، بلکہ اس سے کم ہے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب منعقد کیا ہے:

"باب قول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لأبی بردہ: "ضحّ بالجذع من المعز و لا تجزئ من أحد بعدك".

اس کے تحت حدیث بیان کی ہے:

"عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: ضحی خالی –یقال لہ: أبو بردۃ– قبل الصلوۃ، فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "شاتك شاۃ لحم". فقال: یا رسول اللّٰہ! إن عندی داجناً جزعۃ من المعز قال: "اذبحها، و لا تصلح لغیرك"(۱)۔

اس کے متابعات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ذبح أبوبردۃ قبل الصلوۃ، فقال لہ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أبدلها". قال: لیس عندی إلا جذعۃ. قال شعبۃ: وأحبہ قال: "هی خیرٌ من مسنۃ" قال: "اجعلها مکانها و لن تجزئ عن أحد بعدك، اھ"۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"هی خیرٌ من مسنۃ و لم یشك، اھ"(۲) فتح الباری، ج: ۱۰، میں مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) (صحیح البخاری: ۲/۸۳۳، ۸۳۴، کتاب الأضاحی، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لأبی بردہ: "ضحّ" اھ، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم، کتاب الأضاحی، باب وقتها: ۲/۱۵۴، قدیمی)

(۳) "وحکی الترمذی عن وکیع أنہ ابن ستۃ أشهر أو سبعۃ أشهر". (فتح الباری، کتاب الأضاحی، باب قسمۃ الإمام الأضاحی بین الناس: ۱۰/۵، دارالفکر بیروت)

حنفیہ کے دلائل، اعلاء السنن، ج: ۱۷، میں ہیں (۱)۔ جانوروں کی عمروں کو عامۃً دانتوں سے پہچانا جاتا ہے اس لئے بکری، گائے، اونٹ، کی عمر کے لئے وقت خاص پر "مسنة" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "أقول: مجموع ماذكر يدل على جواز التضحية بالجذع ومن الضأن دون غيرها من المعز والبقر والإبل يجوز منها هو المسنة: أى الثنى. بقي أن جواز الجذع من الضأن، هل هو مطلق أو مقيد بعدم يتسر المسنة؟ فالجواب أن أحاديث غير جابر رضي الله تعالىٰ عنه مطلقة من هذا القيد وحديث جابر ليس نصاً في التقيد؛ لأنه يحتمل أن يكون قوله: "ولا تذبحوا إلا مسنة". الندب إلى الأولى والأفضل دون الإيجاب والاشتراط، فيحمل عليه، ويقال: إن معنى الحديث: أن الأعلىٰ والأفضل هو التضحية بالمسنة فلا تتركوها، إلا أن يعسر عليكم فاذبحوا جذعة من الضأن؛ لأنه أدنى مايجوز فى التضحية. والدليل على ماقلنا أن التضحية بالأدنىٰ جائزة مع وجود الأعلىٰ كالتضحية بالشاة مع وجود البقر والتضحية بالمهزول مع وجود السمين، فكيف لايجوز التضحية بالجذع مع الضأن مع وجود المسنة. فإن قلت: الشاة والمهزول من حيوانات التضحية، فيجوز التضحية بها مع وجود البقر، والسمين، بخلاف الجذع فإنه ليس من حيوانات التضحية بل أجيز التضحية بها للضرورة عند تعذر حيوانات التضحية؟ قلت: إنما ذلك هو مفهوم حديث جابر بلفظ: "إلا أن يعسر عليكم". ولاحجة فى المفهوم عندنا، لاسيما وحديث أبى هريرة بلفظ: "نعمت الأضحية الجذع من الضأن" صريح فى كون الجذع عن حيوان الأضاحي، وكذا حديث مجاشع كما لايخفى". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب مايجوز فى الضحايا من السن: ۱۷/۲۴۴، ۲۴۵، إدارة القرآن كراچى)

"و من الضأن ماتمت له ستة أشهر". (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايجوز فى الضحايا من السن: ۴/۷۱، معهد الخليل الإسلامي، كراچى)

(وكذا فى نصب الراية، كتاب الأضحية: ۴/۲۱۷)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۱، غفاريه كوئٹه)

"مسنّہ" کی تحقیق اور اس کی قربانی

سوال[۸۴۳۴]: صحیح مسلم کی حدیث "لا تذبحوا إلا مسنةً" میں لفظ "مسنة" کے شرعی ولغوی معنی کیا ہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں کہ "مسنة" کے معنی دودانت والا جانور ہے، برس دو برس کی قید نہیں۔ بعض اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ "جو دو برس ہو کر تیسرے میں لگا ہو" عام ازیں کہ دانت ہوں یا نہ ہوں قولِ صحیح کی ترجیح مدلل بیان کیجئے۔

اصغر علی خان نمبردار، ساکن موضع جھانسہ، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"سن" کے معنی لغت میں دانت اور عمر دونوں کے آتے ہیں، صراح میں ہے:

"سنّ بالكسر "داندان" أسنان ج، ويجمع الأسنان على أسِنّةٍ مثل: قن وأقنان و أقِنة. وفي الحديث: "وإذا سافرتم في الخصب، فأعطوا الركب أسِنّتها": أي أمكنوها من المرعىٰ. وتصغير سن سُنينة. "وسال و عمر" وقولهم: (لا اتيك سن الحمل): أي لا اتيك أبداً؛ لأن الحمل لا تسقط له سن، ويقال: كم سنك؟ يعني "سال نو" الخ"(۱)۔

لیکن قربانی کے لئے جانور کی عمر کا اعتبار ہوگا اور ہر جانور کی علیحدہ علیحدہ عمر معتبر ہے:

"و تخصيص هذه القربة بسنٍ دون سن أمرٌ لايعرف إلا بالتوقيف، فيتبع ذلك، وأما معاني هذه الأسماء، فقد ذكر القدوری رحمه الله تعالىٰ: أن الفقهاء قالوا: الجذع من الغنم ابن ستة أشهر، والثنى منه ابن سَنَة. الخ". بدائع: ۵/۷۰(۲)۔

اور دانت کا اعتبار نہیں، حتی کہ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو مگر دانت اس کے نہ ہوں اور باوجود دانت نہ ہونے کے اپنا چارہ کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر چارہ نہ کھا سکتا ہو تو اس عیب کی وجہ سے اس کی

(۱) (صراح، باب النون، فصل السين: ۳۷۴/۲، نامی مشنی نول کشور)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، أما محل إقامة الواجب: ۳۰۱/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قربانی درست نہ ہوگی:

"ولا الهتماء، وهی التی لا أسنان لها، إلا إذا كان تعتلف من الأعلاف، و كذا التی ذهب أسنانها، لايجوز ذلك إذا كان ذلك من الاعتلاف". الفتاوی السراجية، ص: ۳۴۰(۱)۔

ہدایہ میں "مسنة" کی تعریف لکھی ہے: "و هی التی طعنت فی الثالثة" (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (الفتاوی السراجية، ص: ۸۹، باب ما يجوز به التضحية، سعيد)

"والهتماء لا تجوز، و هی التی لا أسنان لها: أی سواء اعتلفت أو لم تعتلف؛ لأن الأسنان بمنزلة الأذنين .... وفی رواية: يجوز إذا كان تعتلف، وهو الأصح؛ لأنها حينئذ صارت بمنزلة الصحيحة". (حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق: ۲/ ۴۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز بالهتماء التی لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف، وإن كانت تعتلف، جاز، وهو الصحيح". (البحر الرائق: ۸/ ۳۲۳، كتاب الأضحية، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۱/ ۱۸۹، كتاب الزكوة، باب صدقة السوائم، مكتبه شركت علميه ملتان)

باب مایکون عیباً فی الأضحیة ومالا

(قربانی میں عیب کا بیان)

لنگڑے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۳۵]: قربانی کا جانور گھر کا پلا ہوا تھا، ایک دن صاحب خانہ نے غصہ میں اس کو مارا جس سے لنگڑانے لگا۔ آیا اس کی قربانی درست ہے یا اس کی جگہ پر دوسرا کرے، وہ لنگڑا پن مضر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اس کا وہ پیر زمین پر نہیں رکھا جاتا ہے، صرف تین پیر سے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں، اگر وہ اس پیر کو بھی رکھ لیتا ہے اور اس سے چل لیتا ہے گو لنگڑاتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے:

"لا بالعمياء .... والعجفاء والعرجاء التي لا تمشي إلى المنسك" درمختار۔ "أي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء، إنما تمشي بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها، جاز". شامی(۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعید)

"(العرجاء التي تمشي بثلاثة قوائم و تُجافيْ الرابع عن الأرض، لاتجوز الأضحية. وإن كانت تضع الرابع على الأرض و تستعين به إلا أنها تتمايل مع ذلك و تضعه وضعاً خفيفاً، يجوز. وإن كانت ترفعه رفعاً أو تحمل المنكسر، لاتجوز". (البحر الرائق: ۸/۳۲۳، كتاب الأضحية ،رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۳۲۱، كتاب الأضحية، الباب الخامس في العيوب، رشيديه)

ایضاً

سوال[۸۴۳۶]: ہندہ نے ایک نذر کی تھی کہ اگر میری بکری کے پیٹ سے کوئی بکرا پیدا ہوا تو اس کی قربانی کروں گی، چنانچہ ایک بکرا پیدا ہوا جس کا ایک پاؤں لنگڑا ہے، لیکن وہ چلنے پر قادر ہے۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی قربانی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گائے کا دوتہائی سینگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں اور ہدایہ و حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت میں تطبیق

سوال[۸۴۳۷]: گائے کا سینگ اگر ثلثین ۲/۳ باقی نہ رہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ نیچے کے دوقول کی تطبیق کیا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ویجوز الأضحیة مکسورة القرن، لِمَا قلنا"(۲)۔ "لما قلنا" یہ کس طرف مموز ہے؟ ہدایہ کے ماقبل باب میں یعنی "ذنب" اور "أذن" کے بیان میں "الأکثر حکم الکل" کی طرف مموز ہے یا نہیں؟

حجۃ اللہ البالغۃ میں شاہ صاحب اضحیہ کے باب میں یہ فرماتے ہیں کہ: "وینهی عن أعضب القرن، والأذن"(۳) ان دو متضاد قول میں تطبیق کیا ہے؟ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے اکھڑ گیا ہو اس کی قربانی درست نہیں (۴)، جس کی جڑ باقی ہے اس کی

(۱) "والعرجاء: أی التی لا یمکنها المشی برجلها العرجاء، إنّما تمشی بثلاثة قوائم، حتی لو کانت تضع الرابعة علی الأرض و تستعین بها، جاز". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۳/۶، سعید)

(۲) (الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴۴۶/۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) (حُجّة الله البالغة، العیدان، الأضحیة یوم العید: ۸۰/۲، قدیمی)

(۴) "(ویضحی بالجمّاء) هی التی لاقرن لها خلقةً، و کذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر أو =

قربانی درست ہے، اگرچہ نصف سے زیادہ بقدرِ ثلثین ٹوٹ گیا ہو۔

ہدایہ:۴/۴۳۲ میں ہے:

"ویجوز أن یضحي بالجمّاء، وهي التي لا قرن لها؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود، وکذا مکسورة القرن لِمَا قلنا، اھ"(۱)۔

"اُذن" اور "ذنب" پر قرن کو قیاس کرنا صحیح نہیں، ان دونوں کا حکم علیحدہ مذکور ہے:

"ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب ولا التي ذهب أکثر أذنها وذنبها. وإن بقي أکثر الأذن والذنب، جاز، اھ"(۲)۔

علّت بھی صاحبِ ہدایہ نے بیان کردی ہے۔ اعضب القرن وہی ہے جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو، اس کی قربانی درست نہیں، جیسا کہ حجۃ اللہ البالغۃ میں ہے، پس کوئی تضاد نہیں۔

الحاصل تین چیزیں الگ الگ ہیں: ۱- **جماء**: جس کے پیدائشی سینگ نہیں۔ ۲- **مکسورہ**: جس کا سینگ ٹوٹ گیا ہو۔ ۳- **اعضب**: جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔ پہلی دو کی قربانی درست ہے، اخیر کی درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

= غیره، فإن بلغ الکسر إلی المخ، لم یجز". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۳، سعید)

"وتجزی الجماء .... وکذا مکسورة القرن .... فإن بلغ الکسر المشاش، لاتجزیه. والمشاش رؤوس العظام مثل الرکبتین والمرفقین". (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۱۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/۴۴۶، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"ویضحي بالجماء التي لا قرن لها یعني خلقةً؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود، وکذا مکسورة القرن بل أولی". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۳، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (مختصر القدوری، کتاب الأضحیة، ص: ۲۵۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الهدایة، کتاب الأضحیة: ۴/۴۴۵، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

خنثیٰ بکری کی قربانی

سوال[۸۴۳۸]: خنثیٰ بکری کی قربانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ علامت اس کی یہ ہے کہ بکری کی علامت اس کی نہیں ہے اور پیچھے سے اس کو دیکھ کر تو بکری جیسی معلوم ہوتی ہے یعنی جس مقام پر بکری کی فرج ہوتی ہے اس مقام پر اس کی فرج نہیں ہے، جس مقام پر بکرے کے خصیے ہوتے ہیں اس جگہ پر پیشاب کرنے کا مقام ہے۔ بکرے کی علامت بھی اس میں موجود نہیں۔ دو چھوٹے چھوٹے آنچل ہیں (۱)، ان کے درمیان سے مذکورہ بکری پیشاب کرتی ہے یعنی دونوں آنچل کے درمیان میں اس کی فرج ہے اور وہ فرج بکریوں کی سی فرج نہیں، صرف تھوڑی سی علامت ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے کہ ''مخنث بکرے کی قربانی درست نہیں اور خصی بکرے کی قربانی درست ہے اور افضل ہے'' (۲)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موصوف بکرا مخنث ہے یا نہیں؟ اور اس کی قربانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بکری میں نر اور مادہ دونوں کی علامتیں موجود نہ ہوں، یا دونوں کی علامت ہو وہ خنثیٰ ہے، اس کی قربانی نہ کی جائے:

''ولا بالخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج. شرح وهبانيه''. درمختار: ۵/۲۰۷ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) ''آنچل: دوپٹے کا پلو، دامن کا کنارہ، پستان، چوچی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''یہ راس جس کو لکھا گیا ہے کہ نہ بکرا ہے اور نہ بکری اگر خنثیٰ ہے یعنی بکری جیسی علامتیں بھی اس میں موجود ہیں اور بکرے جیسے بھی تو اس کی قربانی جائز نہیں: ''ولا الخنثى؛ لأن لحمها لاينضج، شرح وهبانية''. از شامی: ۵/۲۲۵. اور اگر اس سے مراد خصی ہے تو بلاشبہ جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم''۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند یعنی إمداد المفتیین، کتاب الأضحیة، عنوان: جو خنثیٰ جانور ہو اس کی قربانی جائز نہیں: ۲/۷۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۳) (الدر المختار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۵، سعید)

قربانی کے لئے موٹا پا عیب نہیں

سوال[۸۴۳۹]: قربانی کا جانور اپنے موٹاپے کی وجہ سے چل نہ سکتا ہو، یہاں تک کہ مذبح تک بھی نہ جاسکتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنا موٹا ہو جانا قربانی کے لئے عیب عن الاضحیۃ نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۱ھ۔

دوتھن والی بھینس کی قربانی

سوال[۸۴۴۰]: زید کے پاس ایک بھینس ہے جس کے پیدائشی طور پر دولڑ ہیں (۲) جو عام بھینس کی لڑوں سے کچھ موٹی معلوم ہوتی ہیں جن سے دودھ دوہنے کے وقت دھاریں گرتی ہیں اور عملاً چار لڑوں کا کام کرتی ہیں۔ اور دودھ لڑوں میں چڑھنے کے وقت ایسا نشان ظاہر ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دولڑیں

= "ولا يضحى بالخنثى؛ لأنه لا يمكن إنضاج لحمها". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، دارالكتب العلمية بيروت)

"لا تجوز التضحية بالشاة الخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۹/۵، رشيديه)

(۱) موٹا پا قربانی کے جانور میں مرغوب فیہ وصف ہے اور افضلیت کا سبب ہے، لہذا جانور کا زیادہ موٹا ہونا زیادہ مرغوب ہے:

"وكان الأستاذ يقول بأن الشاة العظيمة السمينة تساوى البقرة قيمةً ولحماً أفضل من البقرة؛ لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلا خلاف". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

"وأما الذى يرجع إلى الأضحية، فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها؛ لأنها مطية الآخرة، قال عليه الصلاة والسلام: "عظموا ضحاياكم، فإنها على الصراط مطاياكم". ومهما كانت المطية أعظم وأسمن، كانت على الجواز على الصراط أقدر". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، وأما بيان ما يستحب قبل التضحية: ۳۲۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لڑ: لڑی، قطار، صف، پلہ، کنارہ، دامن، گرہ، گانٹھ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۱۵۳، فيروز سنز، لاهور)

ہیں جومل کر ایک ہوگئی ہیں مگر عام حالات میں ایک ایک معلوم ہوتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی بھینس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھینس کے اگر دولڑ کسی آفت سے ضائع ہوجائیں، یا پیدائشی دو ہوں تو قربانی درست نہیں:

"وفي الشاة والمعز إذا لم تكن لهما إحدى حلمتيها خلقةً، أو ذهبت بآفة و بقيت واحدة، لم تجز. و في الإبل والبقر إن ذهبت واحدة تجوز، وإن ذهبت اثنتان، لا تجوز. كذا في الخلاصة، اهـ". عالمگیری: ۵/۲۹۹(۱)۔

لیکن صورت مسئولہ میں دو سے چار دھاریں نکلتی ہیں اور جثہ بھی بڑا ہے اور درمیان میں نشان بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا جسم آپس میں مل گیا ہے، جیسا کہ بعض آدمی کی دو انگلی مل جاتی ہے درمیان میں فصل نہیں رہتا ہے مگر وہ دو ہی ہوتی ہیں، اس لئے بظاہر یہ چار ہی کے حکم میں ہیں۔ ہمارے ذہن میں صریح جزئیہ تو نہیں، مگر اس سے حکم مستفاد ہوتا ہے:

"والشطور لا تجزئ، و هي من الشاة ما انقطع اللبن عن إحدى ضرعيها. ومن الإبل والبقر ما انقطع اللبن عن ضرعيهما؛ لأن لكل واحد منها أربع أضرع، كذا في التتارخانية. ومن المشايخ من يذكر لهذا الفصل أصلاً و يقول: كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال، يمنع الأضحية، ومالا يكون بهذه الصفة، لايمنع، اهـ". عالمگیری: ۵/۲۹۹(۲)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان عمل إقامة الواجب: ۵/۲۹۹، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

نـوٹ: سائل کے قول عام حالات میں ایک معلوم ہوتی ہے" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بھینس کے پستان کے صرف دو سر ہیں، لیکن دودھ نکلنے کے لئے چار سوراخ ہیں۔ اور فقہائے کرام نے ایسی گائے کی قربانی کو ناجائز قرار دیا ہے جس کے پستان کے صرف دو سر ہوں اور فقہاء نے دودھ نکلنے کا اعتبار نہیں کیا۔

"والتي لا ينزل لها لبن غير علة، والتي لها ولد، يجوز .... و في الشاة والمعز إذا لم يكن لهما =

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جینس کی قربانی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۶ھ۔

موطوءہ جانور کی قربانی

سوال [۸۴۴۱]: ایک نوجوان نے کسی قربانی کے جانور سے زنا کیا، اس صورت میں اس جانور کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے جانور سے اگر وطی کرلی ہے اور وہ اپنی ملک ہے اور یہ صاحب نصاب ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلادے، یا زمین میں دفن کردے (۱) اور قربانی کے لئے دوسرا جانور

= أحد حلمتيها خلقةً، أو ذهبت بافة و بقيت واحدة لم يجز. وفي الابل و البقر إن ذهبت واحدة يجوز، وإن ذهبت اثنان لايجوز". (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۲۱، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في العيوب، رشيديه)

(۱) "ثم إن كانت البهيمة ملك الواطي، قيل: إنها تذبح و لا تؤكل، ولا رواية فيه عن أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ، لكن روى محمد رحمه الله تعالىٰ عن سيدنا عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه لم يحدّ واطئ البهيمة، وأمر بالبهيمة حتى أحرقت النار". (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في سبب وجوبها: ۹/۱۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتذبح، ثم يحرق، ويكره الانتفاع بها حيةً وميةً". (الدرالمختار، كتاب الحدود، مطلب في وطي الدابة: ۴/۲۶، سعيد)

"ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے، لہٰذا اس کی قربانی بھی مکروہ ہوگی، بہتر یہ ہے کہ ایسے جانور کو مالک ذبح کر کے جلادے، تاکہ چرچا ختم ہوجائے، ورنہ جب بھی دیکھیں گے بات یاد آجائے گی"۔ (فتاوی رحیمیه، كتاب الأضحية، عنوان: جس جانور سے بدفعلی کی گئی ہو، اس کی قربانی: ۱۰/۵۰، دا الإشاعت کراچی)

"وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الاستحباب ولايحرم أكل لحمها". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أبحاث الغسل: ۱/۱۵۴، سعيد)

"وتذبح ثم يحرق ويكره الانتفاع بها حيةً وميةً". (الدرمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، مطلب في وطء الدابة: ۳/۲۱۳)

خرید لے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس جانور کے سینگ نہ ہو اس کی قربانی

سوال[۸۴۴۲]: یہاں بکری، گائے وغیرہ کے پیدا ہوتے ہی سینگ نکلنے کی جگہ پر کرنٹ لگا دیتے ہیں جس کی وجہ سے سینگ نہیں نکلتے۔ تو ایسے جانوروں کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس جانور کے سینگ نکلتے ہی نہیں (وجہ کچھ بھی ہو) اس کی قربانی درست ہے: "و یضحیٰ بالجمّاء، هی التی لا قرن لها خلقةً، اھ". شامی: ۵/۲۰۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۴ھ۔

سینگ ٹوٹی ہوئی بکری کی قربانی

سوال[۸۴۴۳]: جس بکری کا سینگ ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۳، سعید)

"ویضحی بالجمّاء التی لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا یتعلق به مقصود". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/ ۴۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکـذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل: فی شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۱۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۵/۲۹۷، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے، لیکن اگر جڑ سے ٹوٹ گیا ہوتو جائز نہیں، شامی: ۵/۲۰۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۴۴]: ایک گائے کو قربانی کے لئے خریدا، لیکن اس کے دوسینگ میں سے ایک سینگ ٹوٹ گئی، یہاں تک کہ وہ تہائی سے تھوڑے کم موجود ہیں۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے: "ويضحى بالجمّاء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، قهستاني. وفي البدائع: إن بلغ الكسر إلى المشاش، لا يجزئ. اهـ". شامی: ۵/۲۸۲ (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶/محرم/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/محرم/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "ويضحى بالجمّاء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، قهستاني. وفي البدائع: إن بلغ الكسر إلى المشاش، لا يجزئ. اهـ".
(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعيد)

"ويضحى بالجمّاء التي لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا يتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولى". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۳، رشيديه)

"(وتجوز الجماء) بتشديد الميم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة؛ إذ لا يتعلق به المقصود، وكذا مكسورة القرن". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعيد)

سینگ ٹوٹے ہوئے مینڈھے کی قربانی

سوال[۸۴۴۵]: میں نے ایک مینڈھا خرید اجس کی عمر ایک سال دو ماہ اور دو دانت تھا، وہ بہت فربہ تھا، اس کے ایک انچ لمبے سینگ ہیں، اس نے دیوار میں رگڑ کر قریب آدھا انچ توڑ دیئے ہیں اور نہ سینگ کی گودی ٹوٹی اور نہ خون نکلا۔ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بات کی وجہ سے اس کی قربانی میں کوئی نقصان نہیں شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

آدھا سینگ شکستہ ہو تو اس کی قربانی

سوال[۸۴۴۶]: ایک گائے جس کی ایک سینگ ثابت اور دوسری آدھی ٹوٹی ہے۔ کیا یہ گائے قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک سینگ آدھا ٹوٹا ہوا ہونے سے اس گائے کی قربانی شرعاً ناجائز نہیں ہوگی:

"ویضحی وبالجماء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض

= "قال رحمه الله تعالى: "ويضحي بالجمّاء وهي التي لاقرن لها: لأن القرن لايتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولىٰ لما قلنا". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۹/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (راجع للتخريج المسئلة السابقة آنفاً)

قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، اھ". شامی: ۵/۲۸۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

کان چرے ہوئے کی قربانی

سوال[۸۴۴۷]: اگر قربانی کے جانور کے کان تو درست ہوں لیکن کان کو چیر کر دو حصہ کر رکھے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

---

(۱) "ويضحى بالجمّاء هي التي لاقرن لها خلقةً، وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره، فإن بلغ الكسر إلى المخ، لم يجز، قهستاني. وفي البدائع: إن بلغ الكسر إلى المشاش، لا يجزئ. اهـ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعيد)

"ويضحى بالجمّاء التي لا قرن لها خلقةً؛ لأن القرن لا يتعلق به مقصود، وكذا مكسورة القرن بل أولى". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۳، رشيديه)

"(وتجوز الجماء) بتشديد الميم، وهي التي لا قرن لها بالخلقة؛ إذ لا يتعلق به المقصود، وكذا مكسورة القرن". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۷، رشيديه)

(۲) "و تجزئ الشرقاء، وهي مشقوقة الأذن طولاً، و ما روى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهي أن يضحى بالشرقاء والخرقاء والمقابلة والمدابرة .... فالنهي في الشرقاء والمقابلة والمدابرة =

ذبح کرنے کے لئے گرانے سے عیب پیدا ہوگیا

سوال[۸۴۴۸]: قربانی کے لئے جانور کو زمین پر گرایا گیا جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی یا آنکھ پھوٹ گئی، غرض ایسا عیب پیدا ہوگیا کہ قربانی درست نہیں رہی۔ تو اب اس جانور کو کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی قربانی کردی جائے، قربانی کے لئے گرانے سے اگر ایسا عیب پیدا ہوجائے تو اس سے قربانی میں خرابی نہیں آتی، شامی: ۵/۲۰۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قربانی سے پہلے جانور بیمار ہوگیا

سوال[۸۴۴۹]: زید نے ایک بکرا خرید ابنیتِ قربانی -زید صاحب نصاب ہے- لیکن چندروز کے بعد بکرا بیمار ہوگیا۔ اس بکرے کو فروخت کر کے قیمت کے داموں سے، یا اپنے دوسروں داموں سے دوسرا بکرا خرید کر کے قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

= محمول على الندب، و في الخرقاء على الكثير". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، شرائط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال الكرماني: وتجوز الشرقاء و هي مشقوقة الأذن طولاً، وكذا المقابلة وهي التي شقت أذنها من قِبَل وجهها وهي متدلية، وكذا المُدابرة". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۵/۲۹۸، رشيديه)

(۱) "ولايضرّ تعيبها من اضطرابها عند الذبح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۵، سعيد)

"ولا يضرّ تعيبها من اضطرابها عند الذبح. وفي الهداية: وأضجعها فاضطربت فانكسر رجلها، فذبحها، أجزأ استحساناً". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۴، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کے ذمہ دوسرا بکرا قربانی کرنا ضروری ہے، خواہ اسی قیمت سے خریدے یا دوسری قیمت سے، بشرطیکہ اس پہلے خریدے ہوئے بکرے میں ایسی بیماری پیدا ہوگئی ہو، یا ایسا کوئی عیب پیدا ہوگیا ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی ہو۔ اور اگر ایسی بیماری نہیں بلکہ معمولی کوئی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی ممنوع نہیں تو اس کے ذمہ دوسرا بکرا خریدنا واجب نہیں، پہلے ہی بکرے کی قربانی کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کے لئے بکرا خریدا، وہ بیمار ہوگیا اب کیا کرے؟

سوال[۸۴۵۰]: ۱۔۔۔۔۔ایک صاحب کا بکرا قربانی کا ہے اور یہ مہینہ ذی قعدہ کا ہے، وہ بکرا بیمار ہوگیا، اس کے زندہ رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صاحب نصاب کا خیال ہے کہ اس بیمار بکرے کو ذبح کرے، جو قیمت وصول ہو وہ اور زائد رقم اپنے پاس سے ملا کر دوسرا بکرا خرید کر قربانی کرلیں۔ ایسی صورت میں صاحب نصاب کے لئے کیا حکم ہے؟

نذرِ قربانی کا بکرا بیمار ہوجائے تو کیا ذبح کرنے سے نذر قبول ہوگی؟

سوال[۸۴۵۱]: ۲۔۔۔۔۔ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی کی نذر مانا ہوا بکرا بیمار ہوکر مرنے کے قابل ہوگیا ہو، ایسی صورت میں ذبح کرکے تقسیم کردیا جائے۔ تو کیا وہ نذر قبول ہوجائے گی؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۹، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

(۱) "ولو اشتراها سليمةً، ثم تعيب بعيب مانع من التضحية، كان عليه أن يقيم غيره مقامها إن كان غنياً. وإن كان فقيراً، يجزء ه ذلك". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو اشترى سليمةً، ثم تعيّبت بعيبٍ مانع –كما مرّ– فعليه إقامة غيرها مقامها إن كان غنياً".
(الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۵، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الأضحية: ۳/۱۰۰)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۹، كتاب الأضحية، الباب الخامس، رشيديه)

قربانی کا جانور بیمار ہوگیا نمازِ عید سے پہلے اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۲]: ۳......ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو نمازِ عید سے پہلے پہلے قربانی کا بکرا دفعۃً بیمار ہوگیا کہ زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں کہ نمازِ عید سے پہلے ذبح کردیا تو قربانی میں شمار نہ ہوگا، صاحب نصاب کو دوسرا بکرا خریدنا لازم ہوگا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس بکرے والے کی رائے بہت مناسب ہے(۱)۔

۲......اگر بکرا متعین کرکے اس کی قربانی کی نذر کی ہے اور وہ وقتِ قربانی آنے سے پہلے موت کے قریب ہوگیا تو اس کو ذبح کرکے صدقہ کردیا جائے، انشاء اللہ نذر قبول ہوجائے گی، لیکن صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوگی وہ اس سے ادا نہ ہوگی (۲)۔

---

(۱) "إذا ماتت المشتراة للتضحية على موسر، تجب مكانها أخرى، ولا شئ على الفقير". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

"لأن الموسر تجب عليه الأضحية في ذمته، وإنما أقام ما اشترى لها مقام مافي الذمة، فإذا نقصت لاتصلح أن تقام مقام ما في الذمة، فبقي ما في ذمته بحاله، وأما الفقير فلا أضحية في ذمته". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۱۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۱۶/۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وعلى هذا الأصل إذا ماتت المشتراة للتضحية، على الموسر مكانها أخرى، ولا شيء على الفقير". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"إن المنذورة لو هلكت أو ضاعت، تسقط التضحية بسبب النذر، غير أنه إن كان موسراً، تلزمه أخرى بإيجاب الشرع ابتداءً لا بالنذر. ولو معسراً، لا شيء عليه أصلاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد) .... =

۳......جی ہاں! اس طرح صاحبِ نصاب کی طرف سے قربانی واجب ادا نہیں ہوگی، بعد نمازِ عید اس کو قربانی کرنا لازم ہے، خواہ مستقل جانور خرید کر قربانی کرے، خواہ کسی بڑے جانور میں حصہ لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۵ھ۔

قربانی کا جانور بیمار ہوگیا

سوال[۸۴۵۳]: ایک بکرا زید نے قربانی کی نیت سے خریدا، زید صاحب نصاب ہے، لیکن چند روز کے بعد بکرا بیمار ہوگیا، اس بکرے کو فروخت کردیا ذبح کرکے۔ اب زید بکرے کی قیمت کے داموں سے دوسرا بکرا خرید کرے، یا وہ قیمت اپنے کام میں خرچ کرکے دوسرا بکرا اپنے پاس سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

= **نوٹ:** نذرِ قربانی کے جانور کو ایام قربانی سے قبل صرف اس صورت میں ذبح کرنا جائز ہے، جس میں اگر ذبح نہ کیا جائے تو وہ ضائع ہوجائے گا، کیونکہ منذورہ جانور کو قربانی کے ایام میں (ذی الحجہ کی دس تاریخ سے بارہ تک) ہی ذبح کرنا ضروری ہے:

"وإنما تعين المكان في نذر الهدى، والزمان في نذر الأضحية: لأن كلاً منهما اسم خاص معين". (ردالمحتار: ۳/ ۷۴۱، سعید)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر: "من كان ذبح قبل الصلوة، فليعد". (سنن النسائي: ۲/۲۰۵، كتاب الضحايا، ذبح الضحية قبل الإمام، قديمي)

"حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا الأسود بن قيس: سمعت جندب بن سفيان البجلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: شهدت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر فقال: "من ذبح قبل الصلوة، فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح". (صحيح البخاري: ۲/۸۳۴، باب من ذبح قبل الصلوة، قديمي)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار: ۱۷/۲۲۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۹، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کے ذمہ دوسرا بکرا قربانی کرنا ضروری ہے (خواہ اس قیمت سے خریدے یا دوسری قیمت سے) بشرطیکہ اس سے پہلے خریدے ہوئے بکرے میں ایسی بیماری پیدا ہوگئی، یا کوئی اَور ایسا عیب ہوگیا کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہیں رہی اور اگر ایسی بیماری نہیں، بلکہ معمولی کوئی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی ممنوع ہوئی تو اس کے ذمہ دوسرا بکرا خریدنا واجب نہیں، پہلے ہی بکرے کی قربانی کافی ہے:

"ولو اشترى رجل أضحيةً، وهي سمينة، فعجفت عنده حتى صارت بحيث لو اشتراها كهذه الحالة، لم تجزه إن كان موسراً، وإن كان معسراً أجزأه. ولو اشترى أضحيةً هي صحيحة العينين، ثم اعورّت عنده وهو موسر، أوقطعت أذنها كلها أو أليتها أو ذنبها، أو انكسرت رجلها، فلم تستطع أن تمشي، لاتجزئ عنه، وعليه مكانها أخرى بخلاف الفقراء، اهـ".

هنديه: ۲/ ۲۵۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

غلاظت کھانے والی بھیڑ کی قربانی

سوال [۸۴۵۴]: زید نے قربانی کے لئے ایک بھیڑ خریدی مگر وہ غلاظت کھاتی ہے۔ اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان إقامة الواجب: ۵/ ۲۹۹، رشيديه)

"ولو اشتراها سليمةً، ثم تعيب بعيب مانع من التضحية، كان عليه أن يقيم غيره مقامها إن كان غنياً، وإن كان فقيراً يجزأه ذلك". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۱، ۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

چند روز تک اس کو باندھ کر رکھا جائے اور پتے کھلائے جائیں پھر اس کی قربانی کر لی جائے، عالمگیری: ۲۹۸/۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرام غذا والے جانور کی قربانی

سوال[۸۴۵۵]: ایک شخص نے ایک گائے مالِ حرام سے پال رکھی ہے یعنی رات کو چوری سے لوگوں کے کھیتوں میں چھوڑ آتا ہے، جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ آجاتی ہے، یا اس کو لے آتا ہے، اسی طرح سال بھر پالتا ہے۔ ایسی گائے کو قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں نے اس گائے میں قربانی کے لئے حصے رکھے تھے، جب ان کو اس قسم کا شبہ پیدا ہوتو انہوں نے اپنے حصے چھوڑ دیئے اور بعض دیگر قربانی کنندہ گان ان حصصِ متروکہ میں شریک ہوگئے۔ ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس شخص کا یہ فعل حرام ہے کہ وہ اپنی گائے دوسرے کے کھیت میں بلا اجازت چھوڑتا ہے، لیکن اس سے وہ گائے حرام نہیں ہوتی، اس کی قربانی درست ہے(۲)۔ جن لوگوں نے حصص لیکر چھوڑ دیئے، اگر وہ غنی ہیں، ان

---

(۱) "ولا تجوز الجلالة .... فإن كانت الجلالة إبلاً تمسك أربعين يوماً حتى يطيب لحمها، والبقر يمسك عشرين يوماً، والغنم عشرة أيام". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۲۹۸/۵، رشيديه)

"ولا الجلالة التي تأكل العذرة و لا تأكل غيرها". (الدرالمختار). "(قوله: ولا الجلالة): أي قبل الحبس". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "روی أن جدياً غذی بلبن الخنزير: لا بأس بأكله؛ لأن لحمه لا يتغير. وما غذّی به، يصير مستهلكاً لايبقی له أثر". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳۵۹/۳، رشيديه) .... =

پر قربانی واجب ہے تب تو دوسری گائے میں حصہ لیکر قربانی کرنے سے واجب ادا ہوگیا (۱)۔ اگر وہ غنی نہیں اور ان پر قربانی واجب نہیں، بلکہ ایامِ نحر میں نفلی قربانی کے لئے حصے لئے تھے تو ان کو ان حصوں کا چھوڑنا درست نہیں، بلکہ ان کے ذمہ واجب تھا کہ انہیں حصوں کی قربانی کرتے (۲)۔

تاہم اگر چھوڑ کر دوسرے حصے لئے اور ان متروکہ حصوں کو دوسرے لوگوں نے خرید لیا تو ان دوسروں کو قربانی درست ہوگئی۔ اور ان چھوڑنے والوں کے ذمہ واجب ہے کہ ان متروکہ حصوں کی قیمت کو خیرات کردیں (۳)۔

یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ وہ گائے اس کی مملوک ہو، صرف اس کی غذا حرام ہو۔ اگر وہ گائے چوری کی ہے، اس کی ملک نہیں تو اس کی قربانی کرنا اور اس میں حصہ لینا شرعاً ہرگز درست نہیں (۴)۔ جو شخص مقتدا ہو اس کو ایسی گائے میں حصہ لینے سے احتیاط چاہئے جس کو مالِ غیر سے ناجائز طریق پر غذا دی گئی ہو۔

جس قدر دوسروں کا کھیت اس نے اپنی گائے کو کھلایا ہے اس کا ضمان اس کے ذمہ واجب الأدا ہے اور ایسی حالت میں وہ مال غیر نہ رہے گا، بلکہ ادائے بدل کی وجہ سے حکماً اس کی ملک ثابت ہوجائے گی جیسا کہ عام

= "ولو سقى ما يؤكل لحمه خمراً، فذبح من ساعته، حل أكله ويكره". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۱/۶، سعيد)

(۱) "لأن الوجوب على الغني بالشرع ابتداءً لا بالشراء، فلم يتعين بالشراء". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وفي ظاهر الرواية يتعين للأضحية بالشراء؛ لأن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفاً وعادةً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "رجل اشترى شاةً للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى، جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وإن كانت الثانية شراً من الأولى و ذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل ما بين القيمتين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر: ۲۹۴/۵، رشيديه)

(۴) "غصب شاة إنسان، فضحى بها عن نفسه، لم يجز، لعدم الملك". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۸/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

غصوب کا حکم ہے:

"رجل أرسل حماره، فدخل زرع إنسان وأفسده، إن أرسله وساقه إلى الزرع بأن كان خلفه كان ضامناً، اهـ". فتاوی ہندیہ: ٦/٥٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا،۴/ ربیع الاول/۵۹ھ۔

سور کے دودھ سے پلے ہوئے بکری کے بچہ کی قربانی

سوال[۸۴۵۶]: ایک بھنگی نے بکری کے بچہ کو سور کا دودھ پلا کر پرورش کیا، اب وہ بچہ بڑا ہو گیا اور پتے کھاتا ہے، زید نے اس کو خرید لیا ہے زید، اس کی قربانی کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی قربانی درست ہے، جو دودھ اس نے پیا تھا اتنی مدت تک پتے کھانے سے اس کا اثر ختم ہو گیا، عالمگیری: ٦/٩٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في جناية البهائم والجناية عليها: ۶/۵۲، رشيديه)

(۲) "كما حل أكل جدي غذّي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لا يتغير. وما غذي به، يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤١، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد، الرابع في السمك مايؤكل ومالايؤكل والجلالة: ۶/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصيد، الرابع في السمك مايؤكل ومالايؤكل والجلالة: ۳/۳۵۹، رشيديه)

"ولا تجوز الجلالة .... فإن كانت الجلالة إبلاً تمسك أربعين يوماً حتى يطيب لحمها، والبقر يمسك عشرين يوماً، والغنم عشرة أيام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۵/۲۹۸، رشيديه)

بکری کے جس بچہ نے کتیا کا دودھ پیا اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۷]: ایک بکری کے بچہ نے متعدد مرتبہ کتیا کا دودھ پی لیا ہے تو اس کی قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں لکھا ہے کہ کتیا کا دودھ پینے کی وجہ سے اس بکرے کی قربانی ناجائز نہیں ہے، بلکہ جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

جس بکری کے بچہ کو عورت نے دودھ پلایا ہو اس کی قربانی

سوال[۸۴۵۸]: ایک عورت نے بکری کے بچہ کو اپنا دودھ پلایا، اب اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بچہ سال بھر کا ہو گیا تو اس کی قربانی جائز ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها .... ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها، حلت، كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي به يصير مستهلكاً لايبقى له أثر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳/۳۵۹، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

باب الشركة فى الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

کیا اونٹ میں دس حصے ہوسکتے ہیں؟

سوال[۸۴۵۹]: ''ایک اونٹ میں دس شریک ہوسکتے ہیں''۔نسائی (۱)۔نسائی کی حدیث کا مطلب کیا ہے؟ کیا ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں جب کہ ہم نے سنا یہی ہے کہ اونٹ میں صرف سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ روایت بعض اصحابِ ظواہر کی مستدل ہے، ائمۂ اربعہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں، بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ میں بھی بس سات ہی شریک ہوسکتے ہیں، زیادہ نہیں۔امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد روایات نقل کرکے لکھا ہے:

''وأما وجه ذلك من طريق النظر، فأما تقدير اتباعهم قد أجمعوا أن البقرة لا تجزئ فى الأضحية عن الأكثر من سبعة، و هى من البدن باتفاقهم، فالنظر على ذلك أن تكون الناقة مثلها، و لا تجزئ عن أكثر من سبعة، اه''.طحاوی: ۲/۱ ۳۰ (۲)۔

---

(۱) ''عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كنّا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى سفر، فحضر النحر، فاشتركنا فى البعير عن عشرة، والبقرة عن سبعة''. (سنن النسائى. كتاب الضحايا، باب ماتجزئ عنه البدنة فى الضحايا: ۲/۲۰۴، قديمى)

(۲) (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ: ۲/۳۳۰، باب البدنة عن كم تجزئ فى الضحايا والهدايا، سعيد)

''عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه قال: ''الجزور عن سبعة''. =

آگے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اونٹ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور گائے کی کم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بکرا، اونٹ گائے، میں شرکت کی تفصیل

سوال[۸۴۲۰]: ایک بکرا یا بھیڑ وغیرہ ایک گھر کی طرف سے کافی ہے اگر چہ ان کی تعداد زیادہ ہو، أبو داود (۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک بدنہ (بعیر یا بکرا) کی قربانی اہلِ بیتِ واحد سے کافی ہے اگر چہ وہ سات سے زیادہ ہوں اور اہلِ بیتین سے کافی نہیں اگر چہ وہ سات سے کم ہوں:

"ولا يجوز بعيرٌ واحدٌ ولا بقرةٌ واحدةٌ عن أكثر من سبعة، ويجوز ذلك عن سبعة أو أقل من ذلك، وهذا قول عامة العلماء .... لِمَا رُوى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "البدنة تجزئ عن سبعة، والبقر تجزئ عن سبعة".

"وعن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة من غير فصل بين أهل بيت، وبيتين".

ولأن القياس يأتي جواز ها عن أكثر من واحد، لِمَا ذكرنا أن القربة في الذبح، وأنه فعل

= (شرح معاني الآثار للطحاوي رحمه الله تعالىٰ: ۲/ ۲۳۰، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة". (مشكوة المصابيح، باب في الأضحية، الفصل الأول: ۱/ ۱۲۷، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب: ۶/ ۳۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۷/ ۲۰۶، بابٌ: ان البدنة عن سبعة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) لم أجد فيه

واحد لا یتجزأ، لکن ترکنا القیاس بالخبر المقتضی للجواز عن سبعة مطلقاً، فعمل بالقیاس فیما وراء ه؛ لأن البقرة بمنزلة سبع شیاه. ثم جازت التضحیة بسبع شیاه عن سبعة، سواء کانوا من أهل بیت أو بیتین، فکذا البقرة.

ومنهم من فضل البقرة بین البعیر فقال: البقرة لا تجوز عن أکثر من سبعة، فأما البعیر فإنه یجوز عن عشرة. ورووا عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "البدنة تجزئ عن عشرة". و نوع من القیاس یؤیده، وهو أن الإبل أکثر قیمةً من البقر، ولهذا فضلت الإبل علی البقر فی باب الزکوة والدیات، فتفضل فی الأضحیة أیضاً، اهـ"۔

آگے اس حدیث اور قیاس دونوں کا جواب دیتے ہیں:

"ولنا أن الأخبار إذا اختلفت فی الظاهر، یجب الأخذ بالاحتیاط، وذلك فیما قلنا؛ لأن جوازه عن سبعة ثابت بالاتفاق، و فی الزیادة اختلاف، فکان الأخذ بالمتفق علیه أخذاً بالمتیقن. وأما ما ذکروا من القیاس، فقد ذکرنا أن الاشتراك فی هذا الباب معدول به عن القیاس، واستعمال القیاس فیما هو معدول به عن القیاس لیس من الفقه، اهـ".

بدائع: ۷۱/۵(۱)۔

قیاس کا یہ جواب اور ہے امام طحاوی نے دیا ہے۔اصل روایت یہ ہے:

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: کنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سفر، فحضر الأضحیٰ، فاشترکنا فی البقرة سبعةً، و فی الجزور عشرةً". انتهیٰ. قال الترمذی: "حدیث حسن غریب. اهـ"(۲)۔

بیہقی نے اس کا جواب دیا ہے:

"قال البیهقی فی المعرفة: وحدیث زهیر عن جابر فی اشتراکهم، وهم مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خرج یرید زیارة البیت، وساق معه الهدی سبعین بدنةً عن سبعمأة رجل،

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی محل إقامة الواجب: ۳۰۳/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (نصب الرایة فی تخریج أحادیث الهدایة، کتاب الأضحیة، الحدیث الثالث: ۵۰۰/۳، مکتبه حقانیه پشاور)

کل بدنة عن عشرة. قال البيهقي: وقد رواه المعمر وسفيان بن عيينة عن الزهري بهذا الإسناد: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خرج عام الحديبية في بضع عشرة مأة. وعلى ذلك يدل رواية جابر وسلمة بن الأكوع ومعقل بن يسار والبراء بن عازب "كل سبعة بقرة". انتهى۔

وقال الواقدي في المغازي: رواية من رووا: "البدنة عن سبعة" أثبتُ من الذين رووا "عن عشرة" وأن الهدي كان يومئذ سبعين بدنةً، والقوم كانوا ستة عشرة مأة. اهـ". نصب الراية: ٢٠٩/٤(١)۔

التعليق الممجد، ص: ٢١٧ میں عینی اورابن حجر سے اس روایت کے متعلق نقل کیا ہے:

"محمول على اشتراك في القيمة لا في التضحية، على أن البيهقي قال: حديث جابر في اشتراكهم في الجزور سبعةً أصح، اهـ"(٢)۔

نیز یہ روایت ابوداؤد میں مجھے نہیں ملی، مؤطا امام مالک میں ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"كنا نضحي بالشاة الواحدة، يذبحها الرجل عنه و عن أهل بيته، ثم تباهى الناس بعد، فصارت مباهاةً، اهـ"(٣)۔

شاہ ولی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مصفیٰ: ۱/۱۸۰، میں فرماتے ہیں:

"وحنفیه در صاحبِ بیت و غیر آن تفصیل نکرده اند و تاویلِ حدیث نزدِ ایشان آنست که اضحیه واجب نیست مگر بر غنی، ودر آن زمانه غالباً اغنیاء اهل بیوت بودند، پس نسبتِ اضحیه بنام اهلِ بیت مجاز است، بنا بر آنکه انتفاع باضحیه و مساعدت بر آن از آنها است، اهـ"(۴).

---

(١) (نصب الراية، كتاب الأضحية، الحديث الثالث: ۴/۵۰۰، حقانيه پشاور)

(٢) (التعليق الممجد على موطأ الإمام محمدؒ، كتاب الضحايا، باب مايجزئ من الضحايا عن أكثر من واحد، ص: ٢٨٣، نور محمد كارخانه)

(٣) (مؤطا الإمام مالك، كتاب الضحايا، باب الشركة في الضحايا، ص: ٤٩٧، مير محمد كارخانه)

(۴) (مصفّى، باب التضحية سنة كفاية لكل أهل بيت، ص: ١٨٣، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

ایسا ہی مسویٰ میں ہے:

"وتأويل الحديث عندهم أن الأضحية لا تجب إلا على غنيّ، ولم يكن الغني في ذلك الزمان غالباً إلا صاحب البيت، ونسبت إلى أهل بيته على معنى أنهم يساعدونه في التضحية ويأكلون لحمها و ينتفعون بها، اهـ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جانور خرید کر چھ حصہ دار شریک کرنا

سوال[۸۴۲۱]: زید نے قربانی کے لئے ایسا جانور خرید ا جس میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور اس کو صرف ایک حصہ قربانی کرنا ہے۔ تو کیا اب چھ آدمیوں کو اس میں شریک کر سکتا ہے، یعنی چھ حصے فروخت کر کے قیمت وصول کر لے اس سے قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے چھ شریک اور تلاش کر لے، جب ساتوں شریک ہو جائیں تب جانور خریدے، مجمع الأنهر: ۲/۵۱۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (مصفّى، باب التضحية سنة كفاية لكل أهل بيت، ص: ۱۸۳، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۲) "وإذا اشترى بدنةً للأضحية، ثم اشرك فيها ستةً، جاز استحساناً. والاشتراك قبل الشراء أحب". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۶۹/۴، المكتبة الغفاريه)

"اشترى بقرةً لها، ثم أشرك ستاً، جاز استحساناً إن أصاب كلاً سبعٌ تام. وإن أصاب أحدهم أقل من سبع، لا يصحّ". (الفتاوىٰ البزازية على الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۲۹۰/۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

قربانی کے لئے جانور خرید کر اس میں دوسروں کو شریک کرنا

سوال[۸۴۶۲]: ایک شخص نے ایک جانور بنیتِ قربانی خریدا، اس کو چارہ وغیرہ کھلایا جس سے وہ فربہ ہوگیا، پھر اس کو زیادہ قیمت میں فروخت کردیا اور ایک حصہ اپنی قربانی کا اس میں رکھا۔ تو ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس نے وہ جانور خریدا تھا، اگر اسی وقت اس کی نیت تھی کہ اس کے چھ حصے فروخت کر کے دوسروں کو شریک بنا کر ایک حصہ اپنا رکھ کر قربانی کروں گا تو اس کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ہو یا بعد میں؟

سوال[۸۴۶۳]: بھینس یا بھینسا یا اونٹ خریدنے سے قبل سات آدمیوں کی شرکت کرنا اور سب سے پہلے ہی روپیہ لے لینا ضروری ہے، یا ایک شخص خریدے اور پھر حصہ دار تلاش کرے، یا چار پانچ حصہ دار شریک ہوں اور خریدنے کے بعد دو تین شریک تلاش کر لئے جائیں، شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب طرح درست ہے(۲)، لیکن ساتوں شریک ہونے سے پہلے اگر خریدے تو غریب آدمی قربانی

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

(۱) نوٹ: اگر اسی وقت دوسروں کو شریک کرنے کی نیت نہیں تھی تب بھی دوسروں کو شریک کرنے کی گنجائش ہے۔ (كما تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "(وصح اشتراک ستة في بدنة شريت لأضحية): أي إن نوى وقت الشراء الاشتراک، صح استحساناً، وإلا لا (استحساناً. وذا): أي الاشتراک (قبل الشراء أحب .... الخ)". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: في بدنة شريت لأضحية): أي ليضحي بها عن نفسه، =

کی نیت سے نہ خریدے، بلکہ تجارت کی نیت سے خریدے، جب ساتوں شریک پورے ہوجائیں، تب قربانی کی نیت کرلیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی میں شریک کے انتقال سے اس کا حصہ دوسرا آدمی خرید سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۸۴۶۴]: ایک شخص قربانی کی گائے میں شریک تھا اور اس پر قربانی از روئے شریعت واجب تھی، لیکن وہ شخص جانور کے ذبح سے پہلے مرگیا۔ تو اس کے بارے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ اس مرنے والے کی جگہ اگر کوئی شخص جس کا ارادہ قربانی کا ہو وہ اپنا حصہ لینا چاہتا ہے تو کیا اس کو شریک کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتے ہیں، اس کے ورثہ سے وہ حصہ خرید لے اور شریک ہوجائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= هداية وغيرها . وهذا محمول على الغني؛ لأنها لم تتعين لوجوب التضحية بها، ومع ذلك يكره لما فيه من خلف الوعد .... فأما الفقير، فلا يجوز له أن يشرك فيها؛ لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية، فتعينت للوجوب ...... وفي الهداية: والأحسن أن يفعل ذلك قبل الشراء ليكون أبعد عن الخلاف وعن صورة الرجوع في القربة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۷/۶، سعيد)

(۱) غریب آدمی جب قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیتا ہے تو اس کے خریدنے سے وہ جانور قربانی کیلئے متعین ہوجاتا ہے، اس لئے اس میں کسی کو شریک کرنا درست نہیں:

"وفقيرٌ شراها لها، لوجوبها عليه بذلك، حتى يمتنع عليه بيعها". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالى: "أي بالشراء، وهذا ظاهر الرواية؛ لأن شراءه لها يجري مجرى الإيجاب، وهو النذر بالتضْحية عرفاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۶، سعيد)

"وفي ظاهر الرواية يتعين للأضحية بالشراء؛ لأن الشراء من الفقير بنية الأضحية بمنزلة النذر عرفاً وعادةً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في =

ایک شریک کے مرنے پر اس کے حصہ کی قربانی کا حکم

سوال[۸۴۶۵]: سات شریکوں میں سے ایک کا انتقال ہوگیا اس کے ورثا اگر اجازت دیں تو اس میت کی طرف سے قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہوگی بشرطیکہ ورثہ بالغ ہوں، مجمع الأنہر: ۲/۵۲۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

فقیر شریک کا قربانی ذبح سے پہلے مرجانا

سوال[۸۴۶۶]: اگر ایسا شخص کہ جس کے ذمہ پر قربانی واجب نہ تھی، گائے کی قربانی میں شریک تھا، اگر وہ ذبح سے پہلے مرجائے اور کوئی شخص اپنا حصہ کرلے تو اس کو شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کر سکتے ہیں، اس کے ورثہ سے وہ حصہ خرید لے اور شریک ہوجائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

= قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت ووجوبها ومن تجب عليها: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۱) "وإن مات أحد السبعة الذين شاركوا في البدنة، وقال ورثته و هم كبار: اذبحوها: أي البدنة عنكم و عنه: أي عن الميت، صح". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۳، مكتبة غفاريه كوئته)

"وإن مات أحد السبعة وقال الورثة: اذبحوها عنه وعنكم، صحّ عن الكل استحساناً". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وقال الورثة: أي الكبار منهم". (ردالمحتار: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۶، رشيديه)

(۲) "رجل اشترى أضحيةً وأوجبها على نفسه بلسانه، ثم مات قبل أن يضحي بها، كان ميراثاً عنه في =

قربانی میں شرکت کی اجازت دیکر پھر انکار کرنا

سوال[۸۴۶۷]: ایک شخص نے دوسرے گاؤں میں اگر کسی شخص کو کہا کہ میرا بقرعید کی قربانی کی بھینس میں حصہ لے لینا یعنی شامل کر لینا اور روپیہ کوئی نہیں دیا اور اس شخص نے اس کا حصہ شامل کر لیا اور جب قربانی ہو چکی اور اس شخص کے پاس گوشت پہنچانے کی کوشش کی اور اسی وقت اس شخص نے انکار کر دیا کہ میں حصہ نہیں لیتا، جس شخص نے حصہ شامل کیا تھا اس نے گوشت کھایا یعنی اس کے انکار کرنے سے گوشت کھایا، یعنی وہ حصہ کس کا ہوگا اور وہ روپیہ کون دے گا؟ آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس نے قیمت وغیرہ کی اجازت دیدی تھی کہ میری طرف سے اتنی قیمت تک اختیار ہے خواہ صاف لفظوں میں اجازت دی ہو خواہ اس کے حالات یا طرز عمل سے دوسرے نے سمجھ لیا ہو کہ اس کی طرف سے یہاں تک کی اجازت ہے تو وہ حصہ اس کہنے والے کا ہے، پھر اس کو انکار کا اختیار نہیں، حصہ کی قیمت اس کے ذمہ واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر العلوم سہارنپور۔

چھ شریکوں نے ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا

سوال[۸۴۶۸]: اگر چند شخص مل کر ساتواں حصہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کریں تو کرنا

= قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت ووجوبها ومن تجب عليها: ۳/۳۴۷، رشيديه)

(۱) "إذا أدّى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله وقبضه، كان له حق الرجوع على الموكل يعني أن له أن يأخذ مثل الثمن الذي أدّاه". (شرح المجلة لسيم رستم باز: ۱/۸۰۴، (رقم المادة: ۱۴۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله من غير صريح إذن المؤكل و قبض المبيع، فله أن يرجع به على الموكل، لوجود الإذن دلالةً؛ لأن الحقوق لمّا كانت إلى العاقد و قد علمه الموكل، يكون راضياً بدفعه". (اللباب في شرح الكتاب: ۲/۶۹، كتاب الوكالة، قديمي)

درست ہے یا نہیں، یا ایک ہی شخص اس حصہ کی قیمت ادا کرے تب درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک شخص قیمت ادا کردے تب بھی درست ہے(۱)، سب شرکا مل کر کریں تب بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

چھ آدمی ایک حصہ قربانی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کریں

سوال[۸۴۲۹]: قربانی کے جانور میں کتنے حصہ کرسکتے ہیں؟ قربانی کے جانور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ رکھنا کیسا ہے، واجب ہے یا سنت ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے، مثلاً جیسے کہ چھ آدمیوں نے مل کر ایک گائے خریدی، اس میں ہر ایک نے اپنا ایک ایک حصہ پہلے متعین کرلیا، اب رہا ایک حصہ تو ان چھ ساتھیوں کی جانب سے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ مشترکہ ہے۔ تو کیا اس طرح ایک حصہ میں سب کا

---

(۱) "عن الحكم عن حنش قال: رأيت علياً رضي الله تعالىٰ عنه يضحّي بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوصاني أن نضحي عنه، فأنا أضحي عنه". (سنن أبي داؤد، باب الأضحية عن الميت: ۲/۳۷، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وإعلاء السنن: ۱۷/۲۷۲، كتاب الأضحية، باب التضحية عن الميت، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم، صحّ عن الكل استحساناً، لقصد القربة من الكل". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۵، رشيديه)

"جائز ہے، کیونکہ حی اور میت کی طرف سے قربانی کا یکساں حکم ہے:

في الدر المختار: "وإن مات أحد السبعة، وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم، صح .... لقصد القربة من الكل، اهـ". والله اعلم". (إمداد الفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية، عنوان: حکم قربانی از میت وحکم لحم آن اضحیہ: ۳/۵۳۲، دار العلوم كراچی)

شریک ہونا جائز ہے؟

دوسری مثال جیسے کہ دو تین چار آدمیوں نے ملکر ایک بکرا خریدا اور اس کی قربانی کرتے وقت سب نے یہ نیت کی کہ یہ قربانی سب نے ملکر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامِ مبارک پر کی ہے تو کیا اس طرح صرف ایک بکرے یا بھیڑ میں دو، تین یا چار یا چھ آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اس سے قبل مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے:

الجواب دار العلوم (سابقہ):

''قربانی کے بڑے جانور گائے، اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور اس سے زائد کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے حصہ کرنا مستحب اور بڑے اجر وثواب کی بات ہے۔ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی مستقلاً حصہ اس مقصد کے واسطے لے، لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو چھ آدمی مل کر مشترکہ طور پر ایک حصہ لیں، یہ بھی درست ہے۔

(د) ایک بکرا صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی میں ذبح کیا جا سکتا ہے جب کہ اس سے واجب ادا کرنا مقصود ہو۔ اگر کئی آدمی مل کر ایک بکرا قربانی کریں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا ثواب پہونچا دیں تب بھی درست ہے''۔

آپ حضرات کا یہ جواب بہشتی زیور کی عبارت سے متضاد معلوم ہوتا ہے، بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے:

''گائے، بھینس، اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔

اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی، نہ اس کی جس کا پورا حصہ ہے اور نہ اس کی درست ہوگی جس کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہے۔

اگر گائے میں سات آدمیوں سے کم لوگ شریک ہوں جیسا کہ پانچ آدمی شریک ہوئے، یا چھ آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے تب بھی سب کی

قربانی درست ہے۔ اگر آٹھ آدمیوں نے شرکت کی تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہوئی:

"ولو لأحدهم أقل من سبع، لم يجز عن أحدٍ". التنوير: ۵/۳۰۶ (۱).

بہشتی زیور، حصہ سوم: قربانی کا بیان (۲)۔

ان دونوں مسئلوں سے پتہ چلتا ہے کہ قربانی میں کسی کا بھی حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں اور اس میں آنحضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غیر کے حصہ کا واجب اور تطوع کسی کی تفریق بھی نہیں ہے۔ لہذا واضح فرمادیں کہ ان دونوں میں اور آپ کے دیئے ہوئے جواب میں تطبیق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً (جدید):

یہاں کے جواب اور بہشتی زیور کے مسئلہ میں کوئی تضاد نہیں، اتنی بات ہے کہ بہشتی زیور کے مسئلہ میں واجب ادا کرنے اور ثواب پہونچانے کا کوئی ذکر نہیں، یہاں کے جواب میں اس کی تفصیل کردی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ "حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو جانوروں کی قربانی کی: ایک کی اپنی طرف سے اور ایک کی تمام امت کی طرف سے" (۳)۔

مقصود ثواب پہونچانا ہی تھا، واجب ادا کرنا مقصود نہیں تھا، ورنہ ایک جانور کے ذریعہ سے تمام امت کا واجب کیسے ادا ہوجائے گا، اور جانور بھی چھوٹا جس کے ذریعہ صرف ایک کا واجب ادا ہوسکتا ہے جس میں شرکت کی کوئی گنجائش ہی نہیں، چہ جائے کہ ساتویں حصہ کا حساب لگایا جائے۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۵، سعيد)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ سوم، باب: قربانی کا بیان، مسئلہ: ۱۳، ۱۴، ص: ۳۸، المکتبة المدينة لاهور)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي، اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوئين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد و عن آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۲۵، قديمي)

(وشرح معاني الآثار للطحاويؒ، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزئ أن يضحى بها: ۲/۳۳۲، سعيد)

جس بڑے جانور میں چھ آدمی شریک ہوں، وہاں کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں سب کا زائد ہے، پھر ساتویں حصہ کو سب نے مل کر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ایصال ثواب کے طور پر کردیا تب بھی کسی کا ساتویں حصہ سے کم نہیں ہوا، بلکہ چھ آدمیوں کا ایک ایک حصہ پورا پورا ہوا، ایک حصہ میں سب شریک رہے اور اس ایک حصہ سے واجب ادا کرنا مقصود نہیں، بلکہ ثواب پہونچانا مقصود ہے تو شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/ ۸۸ھ۔

ایک حصہ والدین کے لئے نصف نصف رکھنا

سوال[۸۴۷۰]: اگر کسی آدمی نے قربانی کے جانور میں دو حصے لئے: ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اپنے والدین کے لئے نصف نصف کرکے، تو اس کے والدین کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ والدین خواہ حیات ہوں یا انتقال ہو گیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو چاہئے کہ دونوں حصے اپنے ہی طرف سے لے، پھر قربانی ہونے پر ایک کا ثواب والدین کو پہونچادے(۲)، ثواب زندہ اور مردہ سب کو پہونچایا جاسکتا ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة، وقال الورثة: اذبحو عنه وعنكم، صح عن الكل استحساناً، لقصد القربة من الكل". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۵/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ۳۰۵/۵، رشيديه)

(۲) "إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به، جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب =

ایک قربانی حصہ کا ثواب متعدد اموات کو پہونچانا

سوال[۸۴۷۱]: زید ایک قربانی اپنی طرف سے کرتا ہے اور ایک اپنے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی، غرض متعدد اموات کی طرف سے کرتا ہے۔ تو کیا اس طرح قربانی درست ہوجائے گی اور ان اموات کو ایک قربانی کا سب کو ثواب پہونچ جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قربانی درست ہوجائے گی اور ثواب بھی سب کو پہونچ جائے گا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قربانی کا ثواب پوری امت کو پہونچایا ہے، شامی : ۲۰۷/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الذبح والصدقة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۲/۳، رشيديه)

"وإن تبرع بها عنه، له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح، والثواب للميت". (الدرالمختار: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۲۱۴/۱۷، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة، إدارة القرآن كراچی)

"سئل نصير رحمه الله تعالىٰ عن رجل ضحى عن الميت، قال: الأجر له والملك لهذا".

(خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل السابع في التضحية عن الغير: ۳۲۲/۴، رشيديه)

(۳) "من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز". (ردالمحتار: ۲۴۳/۲، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في القرأة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

(۱) "لأن الموت لايمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه، وقد صح "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين: ذبح أحدهما عن نفسه و الأخر عمن قال: لا إله إلا الله محمد رسول الله". (كتاب الأثار، باب الأضحية، ص: ۱۳۵، مكتبه اهل سنة وجماعت كراچی)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۲۵، قديمي) =

ایک جانور میں ایک شخص کی طرف سے جہاتِ متعدد کی نیت مع جواب اشرف المدارس کراچی

سوال[۸۴۷۲]: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''قربانی میں ایک پوری گائے ایک ہی شخص ذبح کرے تو اس کی ایک ہی قربانی ہوگی، اس لئے ایک گائے میں ایک ہی شخص واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ اور اموات کی ایصالِ ثواب کے لئے نفلی قربانی کی نیت نہیں کرسکتا''۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ شامی میں اس صورت میں سات قربانی ہونے کا بھی قول ہے:

"واختلفوا بالبقرة، قال بعض العلماء: ويقع سبعها فرضاً والباقي تطوع". رد المحتار: ٥/٢٣٦(١)۔

نیز شامی وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ایک گائے میں مختلف جہاتِ قربت مستقلاً اضحیہ، عقیقہ، دمِ شکر اوردم جنایت وغیرہ جمع ہوسکتے ہیں (۲)۔لہذا اس مسئلہ کی مزید وضاحت تحریر فرمائیں۔

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحية: ١٧/٢١١، ٢١٣، إدارة القرآن، كراچی)

(١) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٢، سعيد)

(٢) "لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد. ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز؛ لأنها تقام شكراً لله تعالىٰ على نعمة النكاح، ووردت بها السنة، فإذا قصد بها الشكر، أو إقامة السنة فقد أراد القربة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٦، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا: ٣/٣٥٠، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ٦/٣٠٥، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب من جانب اشرف المدارس کراچی

باسم ملهم الصواب حامداً و مصلياً:

''تعدد'' قولِ بعض ہے جو مرجوح ہے، بلکہ خلافِ عامۃ المشائخ کی وجہ سے مجروح ہے، عامۃ المشائخ ''توحد'' کے قائل ہیں اور یہی مفتی بہ ہے:

''قال في العلائية: ولو ضحیٰ بالكل، فالكل فرض كأركان الصلوة''. وفي الشامية: ''الظاهر أن المراد لو ضحى ببدنة، يكون الواجب كلها لاسبعها بدليل قوله في الخانية: ولو أن رجلاً موسراً، ضحیٰ ببدنة عن نفسه خاصةً، كان الكل أضحيةً واجبةً عند عامة العلماء، وعليه الفتوىٰ، اهـ. مع أنه ذكر قبله بأسطر: لو ضحى الغني بشاتين، فالزيادة تطوع عند عامة العلماء، فلا ينافي قوله: كان الكل أضحيةً واجبةً، ولا يحصل تكرار بين المسئلتين، فافهم۔

ولعل وجه الفرق أن التضحية بشاتين تحصل بفعلين منفصلين وإراقة دمين، فيقع الواجب إحداها فقط، والزائدة تطوع بخلاف البدنة، فإنها بفعل واحد وإراقة واحدة، فيقع كلها واجباً. هذا ما ظهرلي''. ردالمحتار: ۲۳۵/۵(۱)۔

حدیث میں بھی یوں ارشاد ہے کہ ''ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں'' (۲)، اس کا کسی حدیث میں ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی آدمی ایک گائے ذبح کرے تو

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۳۳/۶، سعيد)

(۲) ''عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: ''نحرنا بالحديبية مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم البدنة عن سبعة، والبقرة عن سبعة''. (سنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب: عن كم تجزئ البدنة والبقرة، ص: ۲۲۶، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب البقر والجزور عن كم تجزئ: ۴۰/۲، مكتبه رحمانيه لاهور) =

اس کی سات قربانیاں ہوں گی، یا ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں اضحیہ ودمِ شکر جمع بھی کرسکتا ہے۔

مختلف جہاتِ قربت کو مختلف افراد پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ایک جانور کا سات کے قائم مقام ہونا خلافِ قیاس ہے، عنایہ علی ھامش الفتح: ۸/۲٤ (۱)۔ اس لئے حدیث اپنے مورد پر منحصر رہے گی۔

فقہ میں جہاں مختلف جہاتِ قربت کا جواز مذکور ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گائے میں ایک ہی قربانی کے ساتھ دوسرا شخص دمِ شکر یا عقیقہ وغیرہ کا حصہ رکھ سکتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی گائے میں مختلف قربات ادا کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ حدیث اور فقہ کی نصِ مذکور کے خلاف ہے۔

شخصِ واحد کی نیت جہاتِ مختلفہ کے عدمِ جواز اور عباراتِ فقہ میں غیر مراد ہونے پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

۱- علائیہ اور شامیہ کی عبارت مذکورہ: "و لو ضحی بالكل، فالكل فرض كأركان الصلوة، الخ" (۲)۔

= "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: كنا نتمتع مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فنذبح البقرة عن سبعة، ونشترك فيها". (سنن النسائی، كتاب الضحايا، باب: ماتجزئ عنه البقر فی الضحايا: ۲/۲۰۴، قديمی)

(۱) لم أجده فی العناية، ولكن ذكره ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ: "(ويذبح عن كل واحد منهم شاة أو يذبح بقرة، أو بدنة عن سبعة) والقياس أن لاتجوز إلا عن واحد؛ لأن الإراقة واحدة وهی القربة، إلا أن تركناه بالأثر، وهو ماروی عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: "نحرنا مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم البقرة عن سبعة والبدنة عن سبعة". (فتح القدير، كتاب الأضحية: ۹/۵۱۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۲/۴۷۵، ۴۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۲/۳۳۳، سعيد)

۲-حدیث وفقہ میں اس کی کوئی تصریح نہیں، اور إجزاء عن السبعة پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر ہے۔

۳-کتب فقہ میں صحتِ جہاتِ مختلفہ کا ذکر إجزاء عن السبعة کے تحت کیا گیا۔

۴-شامیہ وغیرہ میں "وكذا لو أراد بعضهم العقيقة"(۱) سے اگر شخصِ واحد کی نیت اضحیہ وعقیقہ کا بیان مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ "ایضاً" کا اضافہ لازم تھا۔

۵-کئی کتب میں جہات اشخاصِ مختلفہ کی طرف سے ہونے کی تصریح ہے:

"أراد بعضهم الأضحية و بعضهم جزاء الصيد، الخ".

عالمگیری: ۳۰٤/۵(۲)۔

خانية على هامش العالمگيرية: ۳۵۰/۳(۳) بدائع: ٤۱/۵(٤)، شلبي على تبيين الحقائق: ۸/٦(۵)، الجوهرة النيرة على هامش

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲٦/٦، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ۳۰٤/۵، رشيديه)

(۳) "ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدى المتعة، وبعضهم هدى القران، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم دم العقيقة لولادة ولدٍ ولد له في عامة ذلك، جاز عن الكل في ظاهر الرواية". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(٤) "ولنا أن القربة في إراقة الدم .... ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب، أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةً أو تطوعاً، أو وجبت على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، وبعضهم كفارة شئ أصابه في إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم دم المتعة والقران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۵/٦، ۳۰٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "واختلاف الجهات فيها لايضر كالقران والمتعة والأضحية، لاتحاد المقصود وهو القربة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۳/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

مختصر القدوری ،ص: ۳۰۳(۱)۔

۶-فقہ کی تمام کتابوں میں موضعِ بیان کے باوجود اس سے مکمل سکوت مستقل دلیلِ عدمِ صحت ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بھی "ولو ضحى بالكل، الخ" کے کلیہ میں داخل ہے۔

۷- "ولو اشترى بقرةً للأضحية و نوى السبع منها لعامه هذا و ستة أسباعها عن السنين الماضية، فيجوز عن العام، ولا يجوز عن الأعوام الماضية.......... كذا في خزانة المفتين.

وإن نوى بعض الشركاء التطوع، وبعضهم يريد الأضحية للعام الماضي الذي، صار ديناً عليه، وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلك، جاز عن الكل، ويكون الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلك، ويكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن العام الماضي، ولاتكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسطٍ لما مضىٰ، كذا في فتاوى قاضي خان". عالمگیری: ۳۰۵/۵(۲)۔

اس عبارت میں بصورتِ تعددِ اشخاص بنیتِ اضحیۂ ماضیہ وقوعِ تطوع مذکور ہے، مگر بصورتِ توحدِ شخص تطوع کا ذکر نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ صورتِ توحد میں اضحیۂ واجبہ کے ساتھ اور کسی نیت کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ پوری گائے اضحیہ واجبہ شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ، از اشرف المدارس، ناظم آباد کراچی، ۵/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۰ھ

---

(۱) "والبدنة والبقرة تجزئ كل واحدة منهما عن سبعة إذا كانوا كلهم يريدون بها وجه الله تعالىٰ. وإن اختلفت وجوه القرب، بأن يريد أحدهم الهدى والآخر جزاء الصيد والآخر هدى المتعة والآخر الأضحية والآخر التطوع". (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية، :ص ۲۸۲، مكتبه حقانيه ملتان)

(۲) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

التماس:

۱- یہ تحریر مختلف اہلِ فتویٰ حضرات کی خدمت میں بغرضِ اظہارِ رائے ارسال کی جارہی ہے، براہ کرم اپنی رائے مدلل تحریر فرمائیں۔

۲- اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کسی نے ایک گائے میں اضحیہ ودمِ شکر وغیرہ متعدد واجبات کی نیت کی تو ان میں سے کونسا واجب ادا ہوگا، یا کہ کوئی بھی ادا نہیں ہوا؟ اس سے تعلق بھی رائے تحریر فرمائیں''۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰/۱۲/۲ھ۔

دار العلوم دیوبند کا جواب

الجواب حامداً ومصلياً:

سات آدمی ایک گائے قربانی کے لئے بحصۂ مساوی مشترکہ خرید کر قربانی کردیں تو سب کی قربانی بلا شبہ ادا ہو جائے گی۔

اگر ایک شخص نے قربانی کے لئے ایک گائے خریدی، پھر اس میں چھ آدمیوں کو شریک کرلیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ شرائے اضحیہ وعدہ ہے اور خلافِ وعدہ مکروہ ہے، تاہم قربانی سب کی ادا ہو جائے گی:

"ولو اشترى رجل بقرةً يريد أن يضحي بها، ثم اشترك فيها بعد ذلك، قال هشام: سألت أبا يوسف رحمه الله تعالى، فأخبرني أن أبا حنيفة رحمه الله تعالى قال: كره ذلك، ويجزيهم أن يذبحوها عنهم. ثم بيّن وجه الكراهة بقوله: لأنه لمّا اشتراها ليضحي بها، فقد وعد وعداً، فيكره أن يخلف الوعد، اهـ". بدائع: ۷۲/۵(۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۷/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

اگر ایک آدمی تنہا ایک گائے خرید کر بلاتفریقِ نیت قربانی کردے تو اس کی قربانی ادا ہوجائے گی، پھر اس میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس میں سے ایک سبع کو واجب کیا جائے گا، بقیہ زائد از واجب چھ سبع تو تطوع۔ دوم: یہ کہ کل سے واجب ہی ادا ہوجائے گا(۱) بدلیل القیاس: "لأن المعلق بالواجب واجب" (۲)۔ قولِ ثانی مفتی بہ ہے۔

اگر ایک شخص ایک گائے خریدتے وقت جہاتِ متعددہ تقرب کی نیت کرلے تو اس کا حکم صراحۃً کتبِ فقہ میں نہیں ملا۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدت فیوضہم نے بھی اس کے متعلق کوئی صریح عبارت نقل نہیں فرمائی۔ خانیہ کی جو عبارت بحوالہ شامیہ نقل فرمائی ہے:

"ولو أن رجلاً موسراً أو امرأةً موسرةً ضحى بدنةً عن نفسه خاصةً، كان الكل أضحيةً واجبةً عند عامة العلماء، وعليه الفتوى". خانیہ(۳)۔

اس میں لفظ "خاصة" مذکور ہے، اس کو معلوم نہیں کیوں نظر انداز فرمادیا جب کہ قیود فقہاء کے نزدیک معتبر ہوتی ہیں اور مفہومِ تصانیف حجت ہوتا ہے، كما في شرح عقود رسم المفتي(٤)

---

(١) "وما قالوا بأن البدنة يكون بعضها نفلاً، فليس كذلك، بل إذا ذبحت عن واحد، كان كلها فرضاً. وشبه هذا بالقرأة في الصلوة، لو اقتصر على ما تجوز به الصلوة، جازت. ولو زاد عليها، يكون الكل فرضاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣/ ٣٤٩، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/ ٣٣٣، سعيد)

(٢) "المعلق بالشرط يثبت، ويجب بوجوب". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ٣٣٦)، ص: ١٢٦، الصدف پبلشرز)

(٣) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ٣/ ٣٥٠، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/ ٣٣٣، سعيد)

(٤) "المفهوم معتبر في الروايات اتفاقاً، ومنه أقوال الصحابة، قال: ..... والمفهوم فيه غير معتبر، =

وردالمحتار (۱)۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کسی میت کی طرف سے ایصالِ ثواب کی نیت کرلے تو درست ہے۔

یہاں یہ ارشاد کہ:

''اشتراک فی الأضحیہ خلافِ قیاس ہے، اس لئے حدیث میں جس قدر اجازت ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا، اس پر کوئی دوسرا جزئیہ قیاس نہ کیا جائے''۔

یہ اصولاً صحیح بات ہے، **مگر اولاً:** تو نفسِ قربانی "إراقة الدم وإهلاك الحيوان" خود ہی خلافِ قیاس (غیر مدرک بالرائے) ہے۔ **ثانیاً:** مطالعہ "كتاب الأضحية" سے **معلوم** ہوتا ہے کہ اس کی بہت سی جزئیات پر فقہائے کرام نے قیاس سے کلام فرمایا ہے۔ **ثالثاً:** جناب والا ہی نے ارکانِ صلوٰۃ پر قیاس کی عبارت بحوالہ خانیہ وشامیہ استدلال میں نقل فرمائی ہے کہ ''کل بدنہ فرض میں شمار ہوگا'' اور اس کو مفتی بہ فرمایا ہے۔

سنینِ ماضیہ کی نیت سے اگر کوئی شریک ہوجائے تو اس قربانی ماضیہ کا صحیح ہونا بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ قضائے اضحیہ بصورتِ اضحیہ درست نہیں بلکہ بصورتِ تصدق ہے، اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

الحاصل: ایک شخص ایک گائے کی قربانی کرے اور اس میں جہاتِ متعددہ تقرب کی نیت کرکے تو اس کے عدمِ جواز کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔

= فالمراد بالروايات ما روى في الكتب عن المجتهدين من الصحابة وغيرهم. وفي "النهر" أيضاً عند سنن الوضوء: "مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۱) "لأن مفاهيم الكتب حجة بخلاف أكثر مفاهيم النصوص، كذا في النهر. وفيه من الحد: المفهوم معتبر في الروايات اتفاقاً، ومنه أقوال الصحابة". (الدر المختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱/۱۱۰، سعيد)

(ردالمحتار: ۴/۳۴۳، ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) ''اگر گائے ذبح کرنے سے پہلے بچے کا انتقال ہوگیا تو اس کے حصے میں نیت بدل لینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کرلینا چاہیے تھا، تاہم قربانی ہوگئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبیحہ ہوگیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی''۔ (كفاية المفتي، كتاب الأضحية، عنوان: قربانی کرنے سے پہلے بچے کے فوت ہونے کی صورت میں عقیقہ کے حصوں کا حکم: ۸/۲۰۶، دار الاشاعت) =

ويشم رائح الاستدلال للجواز من لفظ "خاصةً" كما في الخانية(١)، ومن نظائر المسئلة، ومن تعامل الخواص والعوام، ومن عبارة العلامة الحصفكي رحمه الله تعالىٰ في سكب الأنهر على ملتقى الأبحر: "وكذا صح لو ذبح بدنةً عن أضحية ومتعة وقران، لاتحاد المقصود و هو القربة. اهـ"(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

شرکاء کی اجازت کے بغیر قربانی کے جانور کو فروخت کرنا

سوال[۸۴۷۳]: زید نے سات آدمیوں کی شرکت کے روپے سے ایک بڑا جانور خریدا جس میں خود زید بھی شامل تھا۔ جب بقیہ چھ آدمیوں کو اطمینان ہوگیا کہ جانور خرید لیا گیا ہے تب زید نے دیگر چھ آدمیوں سے اور روپیہ لے لیا اور ساتواں خود زید تھا۔ عید الضحیٰ کے دن جن چھ آدمیوں کی شرکت کے روپے سے جانور خریدا گیا تھا، ان کو بغیر اطلاع دیئے اور بغیر ان کی مرضی کے خاموشی سے ان دیگر چھ آدمیوں کے نام جن سے خریدنے کے بعد روپیہ لیا تھا اور اپنے نام قربانی کرڈالی۔ اور اب زید کہتا ہے کہ اپنا روپیہ لے لو اور دوسرا جانور خرید کر قربانی کرو۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جن لوگوں نے بعد میں حصہ لیا اور انہیں کے نام سے قربانی کی گئی ہے، ان کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں سے روپیہ لے کر جانور خریدا تھا ان کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے چھ آدمیوں سے روپیہ لے کر ان کی اجازت اور رضامندی سے جانور خریدا تو اب ساتوں آدمی

= (وكذا في إمداد الفتاوى: ٥٣٢/٣، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في إمداد الأحكام: ٢٣٦/٤، مكتبه دار العلوم كراچى)

(١) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل: فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز: ٣٥٠/٣، رشيديه)

(٢) (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ١٧٣/٤، مكتبه الغفاريه كوئٹه)

اس کے مالک ہوگئے، شرعاً جائز نہیں کہ وہ ان چھ آدمیوں کے حصے کسی آدمی کے ہاتھ فروخت کرے، کیونکہ ان چھ آدمیوں نے زید کو اپنے حصے فروخت کرنے کا اختیار نہیں دیا، لہٰذا زید نے جو دوسرے چھ آدمیوں کے ہاتھ چھ حصے فروخت کئے ان کی بیع نافذ ولازم نہیں ہوئی اور وہ پہلے چھ آدمیوں کے حصے ان کی ملک سے دوسرے چھ آدمیوں کی طرف سے ادا ہوگئی۔ اور دوسرے چھ آدمیوں کی ملک میں داخل نہیں ہوئے (۱)۔

جب زید نے قربانی کردی تو وہ پہلے چھ آدمیوں کی طرف سے ادا نہیں ہوئی (۲)۔ زید نے جو پہلے چھ آدمیوں کے حصے کی قیمت واپس کی ہے اس کا لینا ان کے لئے درست نہیں، وہ زید کو واپس کردیں اور دوسرے چھ آدمیوں سے زید نے جو قیمت وصول کی ہے اس کا زید کو لینا درست نہیں، زید وہ قیمت واپس کردے اور ان کو چاہیے کہ قربانی کی قیمت صدقہ کردیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيّه أووليه، نفذ، وإلا انفسخ، إلا أنه يشترط لصحة الإجازة أن يكون كل من البائع والمشتري، والمجيز والمبيع قائماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۱۲/۱، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) اگر پہلے چھ آدمی اپنے حصوں کا ضمان وصول کریں، اسی طرح اگر بعد ذبح اپنی قربانی پر راضی ہوں تو ان کی قربانی صحیح ہوگی تو پھر دوسرے چھ آدمیوں کی قربانی صحیح ہوجائے گی:

"رجل ذبح أضحية غيره عن نفسه بغير أمره، فإن ضمنه المالك قيمتها، يجوز عن الذابح دون المالك؛ لأنه ظهر أن الإراقة حصلت على ملكه. وإن أخذها مذبوحةً تجزئ عن المالك؛ لأنه قد نواها، فليس يضره ذبح غيره لها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع: ۳۰۲/۵، رشيديه)

(۳) "ولو لم يضح حتى مضت إيام النحر .... وإن كان غنياً تصدق بقيمة شا ة اشترى أولم يشتر؛ لأنها واجبة على الغني". (الهداية، كتاب الأضحية: ۴۴۶/۴، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان: ۲۹۶/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۸، رشيديه)

ایک بکری میں شرکت درست نہیں

سوال[۸۴۷۴]: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مینڈھے بڑے بڑے سینگ والے چتکبرے، خصی منگوائے، اپنی قربانی کر کے کہا کہ "اے باری تعالیٰ! میری اور میری امت کی طرف سے قبول فرما جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے"۔ ابوداود(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بدائع میں ہے:

"فالجواب أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما فعل ذلك لأجل الثواب، وهو أنه جعل ثواب تضحية بشاة واحدة لأمته لا للإجزاء وسقوط التعبد عنهم. اهـ". (۲)۔

اور بذل المجہود: ۴/۷۱ میں ہے:

"ثم المشاركة إما محمولة على الثواب، وإما على الحقيقة، فيكون من خصوصية ذلك الجناب، والأظهر أن يكون أحدهما عن ذمته الشريفة والثاني عن أمته، اهـ"(۳)۔

اوراس سے معلوم ہوا کہ امت کو ثواب پہونچایا ہے۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ نہیں کہ امت سے وجوب ساقط ہوگیا، ورنہ پھر قیامت تک کسی کے ذمہ بھی وجوب نہ ہوتا:

"فإن ذلك ثابتاً لمن بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فهو يجزئ عمن أجزأه بذبح

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، وينظر في سواد، ويبرك في سواد، فأتي به، فضحّي به، فقال: "ياعائشة! هلمّي المدية". ثم قال: "اشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش، فأضجعه، فذبحه، وقال: "بسم الله، اللهم! تقبّل من محمد، وآل محمد، ومن أمة محمد". ثم ضحّي به". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۲/۳۸، رحمانيه لاهور)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل: وأما بيان محل إقامة الواجب: ۶/۳۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا: ۴/۷۱، امداديه ملتان)

النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم، اھـ". طحاوی: ۳۰۳/۳(۱)۔

ابوداؤد میں اس کا اخیر جز موجود نہیں یعنی دعاء میں جو یہ ہے:

"اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد، اھـ"(۲)۔

اس میں یہ نہیں کہ جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

بکرے کی قربانی میں شرکت

سوال[۸۴۷۵]: قربانی میں بکرے یا دنبہ کے بھی سات حصے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بڑی راس کو چار آدمی یا چھ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکرا، دنبہ، بھیڑ صرف ایک آدمی کی طرف سے کافی ہے، اس میں شرکت سے کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی۔ بڑی راس: گائے، بھینس، اونٹ میں شرکت درست ہے، سات آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، چار آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں، اس طرح کہ تین آدمیوں کے دو دو حصے ہوں اور ایک ایک حصہ ہو، کسی کا حصہ

---

(۱) (شرح معانی الآثار للطحاوی، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزئ أن يضحى بها: ۳۳۳/۲، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، وينظر في سواد، ويبرك في سواد، فأتي به، فضحى به، فقال: "يا عائشة! هلمّي المدية" ثم قال: "اشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش، فأضجعه، فذبحه، وقال: "بسم الله، اللهم! تقبّل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد". ثم ضحّى به". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۳۸/۲، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وكذا في شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزئ أن يضحى بها: ۳۳۲/۲، سعيد)

ساتویں حصہ سے کم نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۱۵ھ۔

قربانی میں ولیمہ

سوال[۸۴۷۲]: زید نے اپنے لڑکے کی شادی کی ۱۱/ ذی الحجہ کو، وہ ولیمہ کرتا ہے، اس طرح قربانی کے جانور میں ایک حصہ ولیمہ کی نیت سے لیتا ہے۔ شرع میں اس کی اجازت ہے یا نہیں، اور کسی کی قربانی خراب تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولیمہ مسنونہ کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لینے سے کسی کی قربانی باطل نہیں ہوگی جس طرح کہ عقیقہ کی نیت سے حصہ لینے سے باطل نہیں ہوتی، شامی: ۲۰۷/۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "فلا يجوز الشاة والمعز إلا عن واحد وإن كانت عظيمةً سمينةً تساوى شاتين .... و لا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لمّا جاز السبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء في القدر أو اختلفت بأن يكون لأحدهم النصف، وللآخر الثلث، وللآخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في إقامة الواجب: ۳۰۱/۶، ۳۰۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۹/۸، رشيديه)

(۲) "ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز؛ لأنها تقام شكراً لله على نعمة النكاح، وَرَدَتْ به السنة، فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد القربة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز؛ لأنها إنما تقام شكراً لله على نعمة النكاح". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴۸۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

بابٌ فی قسمة اللحم ومصرفه وبیعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

قربانی کے گوشت، پائے اور سر کی تقسیم

سوال[۸۴۷۷]: قربانی کے سات حصوں میں سے چار میں ایک ایک پیر اور دو میں آدھا آدھا کلا اور ایک میں مغز اور زبان لگادیا جائے(۱)، ایک حصہ میں پورا پائے اور دوسرے میں پورا سر لگادیا جائے تو اس انداز سے تقسیم کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر پورا سر لگادیا، یا پورا کلا وغیرہ لگادیا جائے اور حصہ داروں کی رضامندی سے ایسا کیا جائے کہ کسی غریب کو دیدیا اور وہ اس کو سب فروخت کر کے پیسہ مدرسہ میں زید دے تو یہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح تقسیم درست ہے(۲)۔ جب کسی غریب کو سب نے رضامندی سے پائے کلہ دے دیا تو اس

---

(۱) ''کلا: جبڑا، سر''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ویقسم لحمها وزناً لا جزافاً، إلا إذا خلط به من أکارعه أو جلده: أی یکون فی کل جانب شیء من اللحم و من الأکارع". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۶۹، مکتبة غفاریه کوئٹه)

"ویقسم اللحم وزناً لا جزافاً، إلا إذا ضم معه من الأکارع أو الجلد صرفاً للجنس بخلاف جنسه". (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۱۷، سعید)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۳۵۱، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الرابع فیما یجوز من الأضحیة: ۶/۲۹۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثامن، کتاب الأضحیة: ۵/۳۰۶، رشیدیه)

کوحق ہے کہ وہ خود استعمال کرے، یا فروخت کرکے پیسہ مدرسہ میں دیدے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۱۸ھ۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال[۸۴۷۸]: اگرایک جگہ کے رہنے والے سات آدمی ایک اونٹ کی قربانی کریں جس میں سات حصے ہوں تو کیا اس کے گوشت کوبھی تقسیم کرنا ضروری ہے، حالانکہ وہ سب حصہ دار ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہی سب کا کھانا پینا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تقسیم کرنا لازم نہیں، اکٹھا ہی پکا کر کھائیں تب بھی درست ہے، شامی: ۵/۲۰۲(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

قربانی کا گوشت آپس میں تول کر تقسیم کرنا چاہئے

سوال[۸۴۷۹]: سات آدمیوں نے مل کر ایک گائے کی قربانی کی، مگر اس کا گوشت تول کر تقسیم نہیں کیا، اٹکل سے بانٹا۔ یہ قربانی درست ہوئی یا نہیں، اگر قربانی درست نہیں ہوئی تو کیا یہ لوگ اَور گائے قربان

---

(۱) "وطاب لسيده وإن لم يكن مصرفاً للصدقة ما أدى إليه من الصدقات، فعجز، لتبدل الملك، وأصله حديث بريرة: "هي لك صدقة، و لنا هدية". (الدرالمختار، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب عجزه وموت المولى: ۶/۱۱۲، سعيد)

(۲) "(قوله: يقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أولا؟ حتى لو اشترى لنفسه و لزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها، تجزيهم أولا؟ والظاهر أنها لا تشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت .... وحاصله أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت، لا أنها شرط". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب: إن البدنة عن سبعة: ۱۷/۲۰۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي: ۴/۱۶۲، كتاب الأضحية، دارالمعرفة بيروت)

کریں، یا کیا صورت کریں؟ نیز اٹکل سے تقسیم کرنے کا گناہ سب کو ہوا، یا بعض بانٹنے والوں کو۔ اور یہ گناہ کس طرح معاف ہوسکتا ہے، توبہ وغیرہ سے یا کوئی فدیہ دینا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اس صورت میں قربانی صحیح ہوگئی، مگر تول کر تقسیم نہ کرنے سے احتمالِ ربا کی وجہ سے وہ شرکاء جو اس تقسیم سے راضی تھے گنہگار ہوئے (۱)۔ اگر تقسیم میں کسی کی طرف سری پائے اور کھال بھی لگادی مثلاً کچھ گوشت اور کچھ حصہ پائے کا ایک حصہ میں اور کچھ گوشت اور پائے یا سری یا کھال ایک۔ کے حصہ میں آگئی تو چونکہ ہر ایک کے حصہ میں جو چیز آئی ہے، وہ غیر جنس کے مقابل قرار دی جاسکتی ہے اس لئے اس صورت میں گناہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/۵۵ھ۔

---

(۱) "وقسم لحمها وزناً؛ لأنه موزون، لا جزافاً لاحتمال الربا". (الدرالمنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۶۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"والشبهة في باب الربا ملحقة بالحقيقة". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۱۲۱/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

اندازہ سے تقسیم اگرچہ بظاہر درست بھی ہوجائے، لیکن اس میں شبہ پھر بھی رہتا ہے، اور شبہ ربا سے بچنا بھی ضروری ہے:

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحلال بيّن، والحرام بيّن، وبينهما مشتبهات لا يعلمهنّ كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمى)

(۲) "ويقسم اللحم وزناً لاجزافاً إلا إذا ضم معه من الأكارع أو الجلد صرفاً للجنس لخلاف جنسه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لاجزافاً)؛ لأن القسمة فيها معنى المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضاً. قال في البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفة، فلأن فيها معنى التمليك واللحم =

قربانی کا گوشت سب حصہ داروں کو تول کر تقسیم کیا جائے

سوال [۸۴۸۰]: ایک عزیز نے مجھ سے کہا کہ اپنی گائے میں ہمارا بھی قربانی کا حصہ کر دینا، چنانچہ اس نے ایک روز قبل ان کو ان کے حصہ ہونے کی اطلاع دی۔ نیز یہ بھی کہا کہ آپ کے یہاں گائے کی کون کون سی چیزیں بھجوادوں، وہ موجود نہ تھے، بالغ لڑکے نے اندر سے جواب دیا کہ ہم کو سوائے گوشت کے کچھ نہ چاہئے اور ہم صرف دو سیر گوشت خود رکھیں گے باقی تقسیم کر دیں گے۔ اس کے بعد قربانی کے وقت میں ان کے یہاں چھپرا خالی گوشت رکھنے کے لئے لینے گیا، اس وقت بھی وہ نہ ملے اور لڑکے نے جواب دیا۔

بعد قربانی گوشت کا ساتواں حصہ کلیجی پائے وغیرہ اجزاء کا ساتواں حصہ میں ان کے یہاں دے آیا، اس وقت بھی وہ موجود نہ تھے۔ عصر کے وقت جو میں ان کے یہاں گیا تو بذریعۂ صاحبزادہ اہلیہ صاحبہ نے کہلا بھیجا کہ کلیجی، چربی وغیرہ ہمارے یہاں نہیں آئی، میں نے کہا کہ رات چونکہ صرف گوشت کے لئے کہا گیا تھا اس لئے ایسا کیا گیا، ہاں! پکی ہوئی کلیجی میں سے اپنے حصے میں سے آپ کو بھیج دوں گا، کہا: اچھا۔

رات کو پختہ کلیجی لے کر میں ان کے یہاں پہونچا، اس وقت وہ عزیز بزرگ مجھ کو ملے اور کہا کہ ہر چیز کا ساتواں حصہ ہمارے یہاں کیوں نہ بھیجوایا، میں نے کہا: رات صرف گوشت کے لئے لڑکے نے کہا تھا، انہوں نے کہا کہ اگر اس نے ایسا کہا بھی تھا جب بھی مسئلہ کی رو سے ہر چیز کا ساتواں حصہ ہمارے یہاں پہونچنا چاہئے، لہذا یہ قربانی درست نہ ہوئی، خدا ہی قبول کرے۔ میں نے کہا: غلطی آپ کی ہوئی، نہ کہ میری۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں قربانی صحیح ہوگئی، گوشت تول کر تقسیم کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد اختیار تھا اپنے

= من أموال الربا، فلا يجوز تمليكه مجازفة، أما عدم جواز التحليل، فلأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل، ولأنه في معنى الهبة، وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لاتصح، اهـ. وبه ظهر أن عدم الجواز بمعنى أنه لايصح ولا يحل لفساد المبادلة، خلافاً لما بحثه في "الشرنبلالية" من أنه فيه بمعنى لايصح، ولا حرمة فيه". (قوله: إلا إذا ضم معه، الخ) بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع الجلد، عناية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، ۳۱۸، سعيد)

حصہ کا جو چاہے کرتا۔ اگر گوشت بلاتولے تقسیم کیا جاوے اور کمی بیشی ہوجاوے تو جوزیادتی دوسرے کے پاس جاوے گی، وہ سود کے حکم میں ہوگی۔ اگر یہ بعد میں کمی والے نے زیادتی ہبہ کردی ہو، کیونکہ ہبۂ مشاع صحیح نہیں ہوتا:

"ویقتسم اللحم وزناً لا جزافاً إلا إذا ضمّ معه من الأكارع أو الجلد". قال الشامي: "(قوله: جزافاً)؛ لأن القسمة فيها معنى المبادلة ولو حلل بعضهم بعضاً. قال في البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفةً، فلأن فيها معنى التمليك، واللحم من أموال الربا، فلا يجوز تمليكه مجازفةً. وأما عدم جواز التحليل، فلأن الربا لايحتمل الحل بالتحليل، ولأنه في معنى الهبة، وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تصح، اهـ". شامی: ۵/۲۰۲(۱)۔

یہاں گوشت تو ساتواں حصہ آ ہی گیا اور کلیجی وغیرہ کے عوض میں بھی گوشت آ گیا اگر سب شرکاء اس معاوضہ پر رضامند ہیں تو اس میں کوئی خرابی نہیں، بالکل درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۷، سعيد)

"وإن اقتسم الشركاء لحماً وزناً، جاز. وإن جزافاً، إن جعلوا مع اللحم شيئاً من السقط كالرأس والأكارع، جاز، وإلا لا. وإن جعلوا ما لا يجوز، وحلل بعضهم بعضاً، لم يجز، بخلاف ما إذا باع درهماً بدرهم وأحدهما أكثر وزناً وحلّل، حيث يجوز؛ لأنه هبة المشاع فيما لا يحتمل القسمة، إذ تحليل الفضل هبة، واللحم مشاع يحتملها". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۶/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۱، رشيديه)

(۲) "ولو جعلوا اللحم والشحم سبعة واقتسموا، جازت". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الرابع فيما يجوز من الأضحية: ۶/۲۹۰، رشيديه)

سب قربانیوں کے گوشت کو جمع کر کے تقسیم کرنا

سوال [۸۴۸۱]: اگر کسی بستی کے تمام مسلمان اتفاق قائم رکھنے کی غرض سے قربانی کے گوشت کو طریقۂ مستحبہ کے مطابق تین حصہ کر کے ایک حصہ جو خویش واقارب کا ہے ایک جگہ جمع کیا، مگر چند حضرات نے اعتراض کیا کہ ہم لوگ خویش واقارب کا حصہ جمع نہیں کریں گے، غرباء ومساکین کا حصہ جمع کردیں گے، اس طرح جمع شدہ گوشت میں نصف صرف غرباء ومساکین کا حق رہا اور نصف جو خویش واقارب کا حق ہے اس میں بھی غرباء ومساکین کا حق بہ حیثیتِ قرابت وخویشی ثابت قائم ہے، لہذا جمع شدہ گوشت کے چار بھاگ کا تین بھاگ صرف غرباء ومساکین کا حصہ ہے(۱)۔

مگر ذمہ دار حضرات نے اس کی تقسیم اس طرح کی کہ تمام گوشت کو ایک ہی ساتھ شامل کر کے بستی کے تمام مسلمانوں میں بہ حصہ برابر بھاگ کردیا جس میں امیر غریب اہلِ نصاب سب شامل ہیں۔ یہاں تک کہ قربانی دہندہ بھی اہلِ نصاب کو وہ گوشت لینا کیسا ہے جب معترضین نے صرف غرباء ومساکین کا حصہ کہہ کردیا تھا؟ اوران طریقوں میں جو طریقہ راہِ صواب سے دور ہو سب واضح کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے گوشت کو تین حصہ قرار دینا: ایک اپنے گھر کے لئے، ایک خویش واقرباء کے لئے، ایک غرباء ومساکین کے لئے، یہ محض سنت ہے واجب نہیں (۲)، گھر کے آدمی زیادہ ہوں تو سب گھر میں رکھ لینا بھی

---

(۱) ''بھاگ: حصہ، ٹکڑا، بخرا، قسمت، نصیب، ورثہ، تقسیم''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) "وندب أن لاينقص التصدق عن الثلث" (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وندب، الخ) قال في البدائع: "والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافةً لأقربائه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منها، ولوحبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث؛ لأن الجهات ثلاثة: الإطعام، والأكل، والادخار".

(البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويأكل من لحم الأضحية ويطعم الأغنياء والفقراء ويدخر؛ لقوله عليه السلام: "كنت نهيتكم =

درست ہے(۱)، دل چاہے تو سب غرباء ومساکین پر تقسیم کرلینا بھی درست ہے۔اس اتفاق کی کیا ضرورت پیش آئی کہ سب گوشت ایک جگہ جمع کرکے تقسیم کیا جائے، اگر ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اپنی قربانی کا گوشت جس طرح چاہے دے اور کھائے اس میں کیا نااتفاقی اور لڑائی کا اندیشہ ہے، ہمارے خیال میں تو ہر شخص کو آزاد رکھنا چاہیے، جس چیز کی شریعت نے پابندی نہیں کی اپنی طرف سے اس کی پابندی نہیں چاہیے (۲)۔

= عن أكل لحوم الأضاحي فكلوا منها وادخروا". ومتى جاز أكله وهو غني، جاز أن يوكل غنياً. ويستحب أن لاينقص الصدقة عن الثلث؛ لأن الجهات ثلث: الأكل والادخار؛ لماروينا، والإطعام؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وأطعموا القانع والمعتر﴾ فانقسهم عليها أثلاثا". (الهداية، كتاب الأضحية: ۴/۴۴۹، ۴۵۰، شركة علميه ملتان)

(۱) "وندب تركه لذي عيال توسعةً عليهم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

"وندب تركه لذي عيال توسعةً عليهم". (الدرالمنتقي، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وبيان ذلك أن الدليل الشرعي إذا اقتضى أمراً في الجملة مما يتعلق بالعبادات مثلاً، فأتى به المكلف في الجملة أيضاً كذكر الله والدعاء والنوافل المستحبات وما أشبهها مما يعلم من الشارع فيها التوسعة، كان الدليل عاضداً لعلمه من جهتين: من جهة معناه، ومن جهة عمل السلف الصالح. فإن أتى المكلف في ذلك الأمر بكيفية مخصوصة، أو زمان مخصوص، أو مكان مخصوص، أو مقارناً لعبادة مخصوصة، والتزم ذلك بحيث صار متخيلاً أن الكيفية أو الزمان أو المكان مقصودٌ شرعاً من غير أن يدل الدليل عليه، كان الدليل بمعزل عن ذلك المعنى المستدل عليه. فإذا ندب الشرع مثلاً إلى ذكر الله، فالتزم قومٌ الاجتماع عليه على لسان واحد وبصوت أو في وقت معلوم مخصوص عن سائر الأوقات، لم يكن في ندب الشرع مايدلّ على هذا التخصيص الملتزم، بل فيه مايدل على خلافه؛ لأن التزام الأمور غير اللازمة شرعاً شانها أن تفهم التشريع وخصوصاً مع من يقتدى به في مجامع الناس كالمساجد .... فأحرى أن لايتناولها الدليل المستدل به، فصارت من هذه الجهة بدعاً محدثةً بذلك". (الاعتصام، باب في مأخذ أهل البدع بالاستدلال، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، دارالمعرفة بيروت)

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے اس کا گوشت قربانی کرنے والا نہ خود کھائے، نہ اپنے بیوی بچوں کو کھلائے، نہ کسی صاحبِ نصاب خویش واقارب وغیرہ کو دے، بلکہ تمام صدقہ کردے، مثلاً: کسی شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کا انتقال ہوگیا اور ورثاء نے اس کی طرف سے قربانی کی تو اس کا تمام گوشت صدقہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۳/۲۷ھ۔

بڑے گھرانے کا قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا

سوال [۸۴۸۲]: جس کے گھر میں کھانے والے زیادہ ہوں تو کیا اس کے ذمہ بھی قربانی کا ایک تہائی گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت جاز له الأكل منها، والهدية، والصدقة؛ لأن الأجر للميت، والملك للمضحي هو المختار، بخلاف مالو كان بأمر الميت حيث لايأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳۸۲/۳، سعيد)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. والمختار أنه إن بأمر الميت لايأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۲۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۲۷۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

نوٹ: لیکن یہ اس صورت میں کہ ورثاء ترکہ کے ثلث سے قربانی کریں اور اگر ورثاء اپنے مال سے میت کے لئے قربانی کریں تو اس کا حکم مثل اپنی قربانی کا ہے، اگرچہ میت نے وصیت کی ہو:

"وينبغي تقيد الأمر بما إذا أمره بالتضحية عنه من تركته في الثلث، ولو أمره بها من عند نفسه كأمره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فحكمه حكم لو ضحى عنه بلا أمره، لكونه تطوعاً عنه في الوجهين". (إعلاء السنن، باب ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام: ۲۷۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک تہائی گوشت کا صدقہ کرنا لازم تو کسی کے ذمہ بھی نہیں، صرف مستحب ہے، اگر تمام گوشت اپنے گھر رکھے اور کھائے تب بھی جائز ہے (۱)۔ البتہ اگر قربانی کی نذر مانی ہے تو اس کا تمام گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے، عالمگیری: ٤/١٠٥ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ صدقہ کرنا

سوال [۸۴۸۳]: عوام قربانی کے گوشت میں سری، پائے، کلیجی الگ نکلوا کر خود استعمال میں لاتے ہیں جب کہ قربانی کی دعا میں گوشت کے بدلہ گوشت اور بال کے بدلہ میں بال وغیرہ ہے۔ تو یہ کیا جائز ہوا، کیوں کہ اس دعاء کے اعتبار سے تو ہر چیز کے تین حصے کئے جانے چاہئیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسرا حصہ صدقہ کرنا محض مستحب ہے واجب نہیں (۳)، اگر تمام گوشت خود رکھ کر کھالیا جائے تب بھی

---

(١) "ويستحب أن يأكل من أضحيته ويُطعم منها غيره .... و لو تصدق بالكل، جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ٥/٣٠٠، رشيديه)

"ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه، جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

"وندب أن لا ينقص الصدقة من الثلث". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٦، رشيديه)

(٢) "وإنما وجبت بالنذر، فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئاً، ولا أن يُطعم غيره من الأغنياء، سواء كان الناذر غنياً أو فقيراً؛ لأن سبيلها التصدق". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٧، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/٤٨٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "وندب أن لا تنقص الصدقة عن الثلث". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ٤/١٧٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وندب أن لا ينقص الصدقة عن الثلث". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٢٦، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۱۰/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۵/۸۸ھ۔

قربانی کا گوشت پکا کر دینا

سوال[۸۴۸۴]: عموماً قربانی کا گوشت خویش واقارب،غرباءاورمساکین کے درمیان ہدیہ کردیا جاتا ہے،اگر اضحیہ کا گوشت ہدیہ نہ کیا جائے بلکہ پکا کردیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایسی دعوت کا قبول کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص ایسی دعوت کو قبول نہ کرے بلکہ ناجائز بتلائے تو از روئے شرع تارکِ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا درست ہے،عزیز واقارب کو بھی دیا جاسکتا ہے،پکا کر کھلانا اور دعوت کرنا بھی درست ہے(۲)۔جو شخص ایسی دعوت کو ناجائز بتلائے،اس سے دلیل طلب کی جائے۔نذر کی قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے اگرچہ پکا کر ہو،وہ مالدار کو دینا درست نہیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوعٌ". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۳۰۰/۵، رشيديه)

(۲) "ويأكل من لحم أضحيته، ويطعم من شاء من غني وفقير". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافةً لأقربائه وأصدقائه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافةً لأقاربه وأصدقائه". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، مايستحب في الأضحية: ۳۲۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "والحاصل أن التي لا يؤكل منها هي المنذورة ابتداءً، والتي وجب التصدق بعينها بعد أيام النحر". =

قربانی کا گوشت ہندو یا خاکروب کو دینا

سوال[۸۴۸۵]: قربانی کا گوشت آیا ہنود کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں خاکروب بھی شامل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذمی کو دینا جائز ہے، چاہے وہ خاکروب ہو یا کوئی اَور(۱)، لیکن خدمت وغیرہ کے عوض میں دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

قربانی کا گوشت مہترانی کو دینا

سوال[۸۴۸۶]: میرا معمول ہے کہ ہر عید الاضحیٰ پر ایک بکرے کی قربانی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس کا گوشت اپنے یہاں کی مہترانی کو دیا جاسکتا ہے(۳)؟ علاوہ ازیں اس قربانی کے گوشت کے تین حصے کرلئے جاتے ہیں، ان کی تقسیم

= (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۷، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشيديه)

"وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر". (إعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية: ۷/۲۵۸، إدارة القرآن كراچي)

"و يطعم الغني والفقير، ويهب منها ما شاء لغني ولفقير و لمسلم وذمي. ولو تصدق بالكل، جاز. ولو حبس الكل لنفسه، جاز". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۴/۱۶۶، كتاب الأضحية، سعيد)

(۲) "ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۳) ''مہترانی: حلال خوری، بھنگن، چماری، بھٹیاری''۔(فيروز اللغات، ص: ۱۳۲۲، فيروز سنز لاهور)

ایسے ہوتی ہے کہ: ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا عزیزوں اور احبابوں کے لئے، تیسرا حصہ غرباء مساکین کے لئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں کسی کسی موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے صدقہ کا بکرا کرتا ہوں اور اسی طرح ایک بزرگ ہیں، ان کی طرف سے بھی صدقہ کا بکرا کیا کرتا ہوں۔ کیا صدقہ کا گوشت اپنے یہاں کی مہترانی کو بھی دیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قسم کی قربانی کا گوشت مہترانی کو بھی دینا درست ہے(۱)، مگر معاوضۂ خدمت میں نہ ہو(۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جو قربانی کی جائے اس کے تین حصے کرلینا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۸/۹/۳ھ۔

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

سوال[۸۴۸۷]: قربانی کا گوشت غیر مسلم بھنگی وغیرہ کو دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۴)، مگر معاوضۂ خدمت میں نہ دے(۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۴۳۳، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۳، رقم الحاشیة:)

(۳) "تبرع بالأضحیة عن میت، جاز له الأکل منها والهدیة والصدقة؛ لأن الأجر للمیت، والملک للمضحی". (فتح المعین، کتاب الأضحیة: ۳/۳۸۲، سعید)

"من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی أضحیة نفسه من التصدق والأکل، والأجر للمیت، والملک للذابح". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۶، سعید)

"وندب أن لا ینقص الصدقة من الثلث". (فتح المعین، کتاب الأضحیة: ۳/۳۸۲، سعید)

(۴) "ویهب منها ما شاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس فی =

قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلم کو دینا

سوال[۸۴۸۸] : قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے جیسے نذر، اس کا گوشت غیر مسلم کو نہ دیا جائے (۱) اور عام قربانی کا گوشت جیسے عقیقہ کا گوشت غیر مسلم حربی کو بھی دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند۔

= بيان محل إقامة الواجب: ۳۰۰/۵، رشيديه)

"وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر". (إعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية: ۲۵۸/۷، إدارة القرآن كراچي)

"و يطعم الغني والفقير، ويهب منها ما شاء لغني ولفقير و لمسلم وذمي. ولو تصدق بالكل، جاز. ولو حبس الكل لنفسه، جاز". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۶۶/۴، كتاب الأضحية، سعيد)

(۵) "ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(۱) "(وجاز) دفع (غيرها وغير العشر) والخراج (إليه): أى الذمي ولو واجباً كنذر وكفارة وفطرة، خلافاً للثاني، وبقوله يفتى، حاوى القدسي. وأما الحربي ولو مستأمناً فجميع الصدقات لاتجوز له اتفاقاً". (الدر المختار). "(قوله: خلافاً للثاني) حيث قال: إن دفع سائر الصدقات الواجبة إليه، لايجوز اعتباراً بالزكاة. وصرح في الهداية وغيرها بأن هذا رواية عن الثاني، وظاهره أن قوله المشهور كقولهما. (قوله: وبقوله يفتى) الذى في حاشية الخير الرملي عن الحاوى: وبقوله نأخذ. قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما، وعليه المتون". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۵۱/۲، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲۶۶/۲، ۲۶۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) لیکن کسی کام کی اجرت میں دینا صحیح نہیں: كما تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً.

خدمت گزاروں کو قربانی کا گوشت دینا

سوال[۸۴۸۹]: متعدد جگہ دستور ہے کہ قصائی، نائی، دھوبی، بھنگی بھی قربانی کا گوشت مانگتے ہیں اور ان کو دیا بھی جاتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق مارلیا اور بہت ناراض ہوتے ہیں۔ تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے، آیا ان کا اپنا حق الخدمت سمجھنا اور اس بناء پر ان کو دینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حق الخدمت سمجھنا بھی غلط ہے اور اس طرح دینا بھی منع ہے، اگر اس طرح دیدیا ہے تو جس قدر دیا ہے اس کی قیمت صدقہ کردی جائے، شامی: ۵/۲۰۹(۱) بغیر حق الخدمت کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(ولا يعطى أجر الجزار منها)؛ لأنه كبيع واستفيدت من قوله عليه الصلوة والسلام: "من باع جلد أضحيته، فلا أضحيته له". هداية. (قوله: لأنه كبيع)؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما في معناه، كفاية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، ۳۲۹، سعيد)

"وعن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن أقوم على بدنة وأن أتصدق بلحومها وجلودها و أجلتها، وأن لا أعطى الجزار منها شيئاً، وقال: نحن نعطيه من عندنا". (إعلاء السنن، باب التصدق بلحوم الأضاحي: ۱۷/۲۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(والسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، بابٌ: لايبيع من أضحينه شيئاً ولا يعطى أجر الجازر منها: ۹/۴۹۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا يعطى الجازر بأجرته منها شيئاً ...... ولأن ما يدفعه إلى الجزار أجرةٌ عوضٌ عن عمله وجزارته، ولا تجوز المعاوضة بشئ منها. فأما إن دفع إليه لفقره أو على سبيل الهدية، فلا بأس؛ لأنه مستحق للأخذ، فهو كغيره، بل هو أولىٰ؛ لأنه باشرها وتأقت نفسه إليه". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها: ۱۷/۲۶۷، إدارة القرآن كراچی)

"ولايعط أجرة الجزار ...... أمالو أعطاه لفقره، أو على وجه الهدية، فلا بأس به". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث السادس: أحكام لحوم الضحايا: ۴/۲۷۳۹، رشيديه)

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت

سوال[۸۴۹۰]: میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے تو اس کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے یا کل کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر میت نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے قربانی کی جائے تب تو اس کا تمام گوشت صدقہ کردیا جائے، اگر وصیت نہیں کی تو قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے، بلکہ اس تمام گوشت کا مالک ہے جس طرح اپنی قربانی کے گوشت کا مالک ہے، شامی: ۵/۲۰۷، ۲۱۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے گوشت سے ایصالِ ثواب اور مروجہ فاتحہ

سوال[۸۴۹۱]: ہندوستان میں بعض اشخاص کے یہاں یہ دستور ہے کہ مُردوں کی ارواح کو ایصالِ ثواب یعنی فاتحہ کرنے کے لئے قربانی والے گوشت سے مُردوں کی فاتحہ نہیں دلاتے، بلکہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے نام سے قربانی ہوتی ہے اس کو ثواب ملے گا اس گوشت کا، اس لئے علیحدہ گوشت منگوا کر بعد پکانے کے مُردوں کی فاتحہ دلاتے ہیں۔ ہندوستان کی یہ جاہل رسم قابلِ ترک و بدعت ہے یا نہیں؟ عوام کا یہ کہنا کہ قربانی کا

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها والهدية والصدقة؛ لأن الأجر للميت والملك للمضحي، وهو المختار. بخلاف ما لو كان بأمر الميت، حيث لا يأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳۸۲/۳، سعيد)

"من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجرُ للميت، والملك للذابح. والمختار إن بأمر الميت لا يأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۲۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۲۷۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

ثواب جس کے نام کیا مل گیا، سب ارواح کو نہیں ملے گا اور نہ اس گوشت سے ثواب ملے گا، کیونکہ قربانی والا گوشت تو وہی ہے، اس لئے علیحدہ خرید تے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عوام کا یہ عقیدہ اور خیال غلط اور باطل ہے۔ جس نے قربانی کی اس کو ثواب نفسِ قربانی کا ملا ہے، گوشت کو خدا واسطہ دینے کا ثواب مستقل ہے، قربانی کی وجہ سے اس میں کمی نہیں آتی (۱)۔

طریقۂ مروجہ پر یعنی کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنا بھی شرعاً بے اصل ہے اور بدعت ہے (۲)،

---

(۱) "تبرع بالأضحية عن ميت، جاز له الأكل منها، والهدية، والصدقة؛ لأن الأجر للميت، والملك للمضحي هو المختار، بخلاف مالو كان بأمر الميت حيث لايأكل". (فتح المعين، كتاب الأضحية: ۳۸۲/۳، سعيد)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل، والأجر للميت، والملك للذابح. والمختار أنه إن بأمر الميت، لايأكل منها، وإلا يأكل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السابع في التضحية عن الغير: ۲۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۲۷۲/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

نوٹ: لیکن یہ اس صورت میں کہ ورثاء ترکہ کے ثلث سے قربانی کریں اور اگر ورثاء اپنے مال سے میت کے لئے قربانی کریں تو اس کا حکم مثل اپنی قربانی کا ہے، اگرچہ میت نے وصیت کی ہو:

"وينبغي تقيد الأمر بما إذا أمره بالتضحية عنه من تركته في الثلث، ولو أمره بها من عند نفسه كأمره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فحكمه حكم مالو ضحى عنه بلا أمره، لكونه تطوعاً عنه في الوجهين". (إعلاء السنن، باب ادّخار لحوم الأضاحي فوق ثلاثة أيام: ۲۷۳/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "قرأة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعة". (الجنة لأهل السنة، ص: ۱۵۵، بحواله راه سنت، ص: ۲۷۵)

(وكذا في مجموعة الفتاوى العلامة اللكهنوى، كتاب الجنائز: ۳۴۱/۱، سعيد) .... =

اس کا ترک ضروری ہے۔ بلا التزامِ تاریخ وہیئت وغیرہ کے جب توفیق ہو غلہ، کھانا، کپڑا، نقد، جوتہ وغیرہ دے کر، یا نماز، قرآن، دعا پڑھ کر، یا روزہ رکھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔ جس شخص کو جس چیز

= (وفتاوی رشیدیه، کتاب البدعات، ص: ۴۴۹، دارالإشاعت کراچی)

"عن جابر بن عبدالله قال: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "إذا خطب احمرت عیناه وعلاصوته واشتد غضبه حتی کأنه منذر جیش، یقول: "صبحکم ومساکم" ویقول: "بعثت أنا والساعة کهاتین" ویقرن بین أصبعیه السبابة والوسطی ویقول: "أمابعد! فإن خیر الحدیث کتاب الله، وخیر الهدی هدی محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، وشر الأمور محدثاتها وکل بدعة ضلالة". (الصحیح لمسلم، کتاب الجمعة: ۱/۲۸۵، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول، ص:۲۷، قدیمی)

"(وشر الأمور) بالنصب، وقیل: بالرفع (محدثاتها) -بفتح الدال- یعنی البدع الاعتقادیة والقولیة والفعلیة. (وکل بدعة) بالرفع بالنصب. (ضلالة) قال في الأزهار: أی کل بدعة سیئة ضلالة، لقوله علیه الصلوة والسلام : "من سن في الإسلام سنةً حسنةً، فله أجرها وأجر من عمل بها". وجمع أبوبکر وعمر رضی الله تعالیٰ عنهما القرآن، وکتبه زید رضی الله تعالیٰ عنه فی المصحف، وجدد فی عهد عثمان رضی الله تعالیٰ عنه". قال النووی رحمه الله تعالیٰ: البدعة کل شیء عمل علی غیر مثال سبق، وفی الشرع: إحداث مالم یکن فی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۷، ۳۶۸، رشیدیه)

"لأن ذکر الله تعالیٰ إذا قصد به التخصیص بوقتٍ دون وقتٍ، أو بشي دون شئ لم یکن مشروعاً حیث لم یرد به الشرع؛ لأنها خلاف الشرع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب العیدین، ص: ۲۷۹، رشیدیه)

(۱) "لو قرأ فی بیته وأهدی ثوابها إلیهم بأن قال بلسانه بعد فراغه من قرأته: اللهم! اجعل ثواب ما قرأته لأهل القبور، لَوَصل إلیهم؛ لأن هذا دعاء بوصول الثواب إلیهم، والدعاء یصل بلا خلاف". (مسائل أربعین، ص: ۸۵، مسئله: ۳۵)

"الأصل أن کل من أتی بعبادةٍ مَا، له جعل ثوابها لغیره. (قوله: بعبادةٍ مَا): أی سواء کانت صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلک من زیارة قبور الأنبیاء علیهم الصلوة والسلام والشهداء والأولیاء والصالحین، وتکفین الموتی وجمیع أنواع البر". (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب فی إهداء ثواب الأعمال للغیر: ۲/۵۹۵، سعید)

کی زیادہ ضرورت ہو، وہ چیز دینے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کا گوشت سُکھا کر دیر تک رکھنا

سوال[۸۴۹۲]: بعض آدمی قربانی کا گوشت ہفتوں بلکہ مہینوں تک سُکھا کر رکھتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کوئی قباحت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی میں گوشت فروخت کرنے کی نیت

سوال[۸۴۹۳]: سات آدمیوں نے مل کر ایک جانور خریدا پھر معلوم ہوا کہ ایک شخص کی نیت گوشت فروخت کرنے کی ہے قربانی کی نیت نہیں، وہ گوشت فروخت کرنے کا پیشہ کرتا ہے۔ اس سے دوسروں کی قربانی میں تو کوئی نقصان نہیں آئے گا؟

---

(۱) "عن سليمان بن بريدة عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كنت نهيتكم عن لحوم الأضاحى فوق ثلاث ليتسع ذو الطول على من لا طول له، فكلوا ما بَدَا لكم، وأطعموا وادّخروا". (سنن الترمذى: ۱/۲۷۷، باب الرخصة فى أكلها بعد ثلاث، سعيد)

"عن جابر رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث، ثم قال بعد: "كلوا وتزوّدوا وادّخروا". (الصحيح لمسلم، باب بيان ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث فى أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء: ۲/۱۵۸، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، ص: ۲۲۸، باب ادّخار لحوم الأضاحى، قديمى)

(وإعلاء السنن، باب ادّخار لحوم الأضاحى: ۱۷/۲۷۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا حصہ کوئی اُور قربانی کرنے والا خرید لے، اس کے بعد قربانی کی جائے، ورنہ سب کی قربانی خراب ہوجائے گی، کسی کی بھی درست نہیں ہوگی، شامی: ۵/۲۰۸(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

قربانی کے بعد اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال[۸۴۹۴]: ایک جانور کی سات آدمیوں نے مل کر قربانی کی پھر ایک شخص نے کہا کہ میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں، کسی نے اس کو خریدا اور گوشت لے کر دام دے دیئے۔تو اس خریدنے والے کی اس طرح قربانی ادا ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قربانی ادا نہیں ہوئی (۲) دام واپس کردے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی۔

---

(۱) "وإن کان شریک الستة نصرانیاً أو مرید اللحم، لم یجز عن واحد منهم؛ لأن الإراقة لا تتجزء". (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۶، سعید)

"وإن کان شریک الستة نصرانیاً أو مرید اللحم، لم یجز عن واحد منهم". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۸۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الثامن: ۵/۳۰۴، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۶۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) اس لئے کہ جانور جو مانع اضحیہ نہ ہو اس کا بنیت اضحیہ ایام اُضحیہ میں ذبح کرتے ہوئے اراقۃ الدم پر عمل کرنا صحت اضحیہ کے لئے رکن ہے اور صورت مسئولہ میں اراقۃ الدم جو کہ رکن ہے، اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے اضحیہ درست نہیں:

"ورکنها ذبح مایجوز ذبحه من النعم لاغیر .... فتجب التضحیة: أی، إراقة الدم من النعم عملاً". (تنویر الأبصار وشرحه مع ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۱۲، سعید)

"وأما رکنها فذبح مایجوز ذبحه فی الأضحیة بنیة الأضحیة فی أیامها؛ لأن رکن الشی ماقیم به ذلک الشی والأضحیة إنما تقوم بهذا الفعل". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الأول فی تفسیرها ورکنها: ۵/۲۹۱، رشیدیه)

(۳) "فإن کانت تتعلق بآدمی، لزم رد الظلامة إلی صاحبها أو وارثه أو تحصیل البراء ة منه". (روح =

قربانی کا گوشت تقسیم کے لئے دیا تھا اس کو فروخت کر دیا

سوال[۸۴۹۵]: حافظ محمد یاسین موضع رجولی ضلع انبالہ نے ایک بچھڑی قربانی کی اور مسجد ادھویا موضع رجولی میں آیا اور امام مسجد کو حافظ محمد یاسین نے قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کو دیا کہ اس کو ادھویا میں تقسیم کردو، کیونکہ ادھویا میں مدت دراز سے قربانی بند ہے۔ امام مسجد نے گوشت ایک دو آنہ سیر بیچ دیا، لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ گوشت بیچنا جائز نہیں۔ امام مسجد ادھویا نے کہہ دیا کہ جائز ہے۔ آپ مندرجہ ذیل امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شریعت کا حکم تحریر فرمائیں، کیونکہ پبلک کو خطرہ ہے کہ قربانی کے گوشت فروخت کرنے کا عام رواج نہ ہو جائے۔ مدرسہ کی مہر بھی ہونی چاہئے تاکہ لوگوں کو اعتبار ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں ہے(۱)، امام نے غلط مسئلہ بتایا۔ امام کے ذمہ واجب ہے کہ گوشت کی تمام قیمت کو واپس کردے، جس سے جتنی قیمت لی ہے ہر ایک کی قیمت واپس کردے(۲)، کیونکہ حافظ محمد یاسین

= المعاني، (سورة التحريم: ٨): ١٥٨/٢٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ثم إن كان الحق لآدمي رده إليه بطريقه". (ابن كثير، (سورة التحريم: ٨): ۵۰۳/۴، مكتبه دار الفيحاء)

(١) "(فإن بيع اللحم أو الجلد به): أي بمستهلك (أو بدراهم، تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة. وعن الثاني باطل؛ لأنه كالوقف". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: فإن بيع اللحم أو الجلد به، الخ) أفاد أنه ليس له بيعهما بمستهلك وأن له بيع الجلد بما تبقى عينه، وسكت عن بيع اللحم به للخلاف فيه .... والصحيح كما في الهداية وشروحها أنهما سواء في جواز بيعهما بما ينتفع بعينه دون مايستهلك، وأيده في الكفاية بما روى ابن سماعة عن محمد رحمهما الله تعالى: لو اشترى باللحم ثوباً، فلا بأس بلبسه". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٨/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٣٢٧/٨، رشيديه)

(۲) خریداروں سے گوشت واپس کرائے، لیکن اگر خریداروں نے گوشت کھالیا ہے تو حافظ محمد یاسین، امام یا خریداروں سے گوشت کی بازاری قیمت لیکر فقراء پر صدقہ کرے: .... =

نے گوشت تقسیم کرنے کے لئے دیا تھا بیچنے کے لئے نہیں دیا تھا۔ اگر امام مسجد قیمت واپس نہیں کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ اگر اس امام سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود ہوتو دوسرے کو امام بنایا جائے اور اس بیچنے والے امام کو علیحدہ کردیا جائے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/۱۲/۶۰ھ۔

قربانی کا گوشت فروخت کرنا

سوال[۸۴۹۶]: قربانی کرنے والا اپنی قربانی کے گوشت کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے خود قربانی نہ کی، دوسروں کے یہاں سے گوشت آیا ہو تب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی قربانی کا گوشت فروخت کرنا مکروہ ہے، اگر فروخت کردیا تو قیمت صدقہ کرنا واجب ہے(۲)۔ جو

= "إذا باع الرجل مال الغير عندنا، يتوقف البيع على إجازة المالك .... ولو هلك المبيع في يد المشتري، فللمالك أن يضمن أيهما شاء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۵۲/۳، رشيديه)

"بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال .... نفذ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة: ۲۱۲/۱، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمارة: ۵۵۹/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱۲۲/۱، شركة علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۳۱۵، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمى)

(۲) "فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (ملتقى الأبحر). "وقوله: عليه السلام: "من باع جلد =

گوشت کسی دوسرے شخص نے قربانی کا دیا ہو، اس کو فروخت کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆……☆……☆……☆……☆

= أضحية، فلا أضحية له". يفيد كراهة البيع". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئته)

"ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها، جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم، وقوله عليه السلام: "من باع أضحيةً، فلا أضحية له". يفيد كراهة البيع" (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وللغني أن يشتري الصدقة الواجبة من الفقير و يأكلها، وكذا لو وهبها له، لما عُلم أن تبدّل الملك كتبدل العين". (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، باب موت المكاتب و عجزه: ۶/۱۱۶، سعيد)

بابٌ فی أیام الأضحیة ووقتها وقضائها

(قربانی کے دن، وقت اور قضاء کا بیان)

قربانی کے کتنے دن ہیں

سوال[۸۴۹۷]: دسویں، گیارہویں، بارہویں تیرہویں تک قربانی کرسکتا ہے۔ مؤطا امام مالک ودارقطنی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤطا امام مالک میں یہ روایت مجھے نہیں ملی، نہ یہ ان کا مذہب ہے:

"مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "الأضحی یومان بعد یوم الأضحیٰ". مؤطأ إمام مالك، ص: ۱۸۸(۱)۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب ہے کہ اس روایت سے وہ استدلال کرتے ہیں:

"آخر وقتها عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ اخر أیام التشریق، وقال أبوحنیفة ومالك رحمهما الله تعالی: اخر الثانی أیام التشریق، اهـ". رحمة الأمة، ص: ١٦٤(٢)۔

"ومن ذلك قول الشافعی رحمه الله تعالیٰ: إن اخر وقت التضحیة هو اخر أیام التشریق الثلاثة مع قول أبی حنیفة ومالك رحمهما الله تعالیٰ: إن اخر وقت التضحیة هو اخر الیوم الثانی من أیام التشریق. ومع قول سعید بن جبیر رحمه الله تعالیٰ: إنه یجوز لأهل الأمصار التضحیة فی النحر خاصةً. ومع قول النخعی: إنه یجوز تأخیرها إلی آخر شهر ذی الحجة". میزان

(۱) (مؤطا الإمام مالک، کتاب الضحایا، ص: ۴۹۵، میر محمد کتب خانه)

(۲) (رحمة الأمة فی اختلاف الأئمة، کتاب الأضحیة، ص: ۱۱۷، مکتبه إمدادیه ملتان)

شعرانی: ۲/۵۶(۱)۔

"أيام النحر ثلاثة: يوم التضحي وهو اليوم العاشر من ذي الحجه، والحادي عشر، والثاني عشر، وذلك بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثاني عشر. وقال الشافعي رحمه الله تعالى: أيام النحر أربعة: أيام العاشر من ذي الحجة، والحادي عشرة، والثاني عشرة، والثالث عشرة. والصحيح قولنا، لِمَا روى عن سيدنا عمر، وسيدنا علي، وابن عباس، وابن عمر، وأنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنهم أنهم قالوا: أيام النحر ثلثة، أوّلها أفضلها. والظاهر أنهم سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ لأن أوقات العبادات والقربات لا تعرف إلا بالسماع، اهـ". بدائع: ۵/۶۵(۲)۔

روایتِ مسئولہ دارقطنی میں موجود ہے، اس میں ایک راوی ہے ''ابومعید'' ان کے متعلق لکھا ہے: "فيه لين".

بزار نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اُس میں ''سوید بن عبدالعزیز'' ہیں، وہ منفرد ہیں: "وهو ليس بالحافظ، لايُحتج به إذا انفرد"۔

بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، اُس کی سند میں ''سلیمان بن موسیٰ عن جبیر بن مطعم''. قال البيهقي: وسليمان بن موسى لم يدرك جبير بن مطعم"(۳)۔

ابن عدی نے کامل میں بھی اس کی تخریج کی ہے، اُس کی سند میں ''معاویہ بن یحییٰ'' ہیں، ان کی نسائی،

---

(۱) (الميزان الكبرى الشعرانية، باب الأضحية والعقيقة: ۲/۲۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في وقت الوجوب. ۶/۲۸۵-۲۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "أخبرنا أبو حامد ...... حدثني سليمان بن موسىٰ عن جبير بن مطعم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "كل عرفات موقف .... وكل أيام التشريق ذبح". قال البيهقي: ولفظه: "هذا هو الصحيح وهو مرسل". (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، باب من قال: الأضحى جائز يوم النحر: ۹/۴۹۸، دار الكتب العلمية بيروت)

سعد بن معین، علی ابن مدینی نے تضعیف کی ہے(۱)، ابن ابی حاتم بھی ان مضعفین کے ساتھ موافق ہیں، بلکہ یہاں تک کہ:

"ووافقهم، وقال ابن أبي حاتم في كتاب العلل: قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد، اهـ". هذا من نصب الراية(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا قربانی چار دن ہے؟

سوال[۸۴۹۸]: عینی-جوشرح ہے بخاری شریف کی-۹۰/۱۰، پر ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسندِ جید فرمایا ہے''۔

اب یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول طحاوی میں نہیں ملتا، یہ قول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کونسی کتاب میں ہے، اس کتاب سے پوری سند تحریر فرمائیں۔ یہ بڑا زبردست اشکال ہے۔

صاحب فتح الباری طحاوی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے بحوالۂ طحاوی چار دن کی قربانی ثابت کرتے ہیں اور کتاب طحاوی میں دونوں قول نہیں ملتے۔ مہربانی فرما کر اپنا قیمتی وقت اس بات پر خرچ کریں اور معمہ کو حل فرمائیں۔ فتح الباری کی بات صحیح ہے یا عینی کی؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں قول کی سند مطلوب ہے، جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

سائل: عبداللہ خطیب سی بلاک، ڈیرہ غازی خان، ۱۰/۳/۱۷ھ۔

---

(۱) "ثنا محمد بن حلف أبو العباس القرشي قال: سمعت علی ابن المديني: معاوية بن يحيى الصدفي ضعيف .... سمعت ابن حماد يقول: قال السعدي: معاوية بن يحيى الصدفي ذاهب الحديث. وقال النسائي: معاوية بن يحي الصدفي ضعيف". (الكامل في ضعفاء الرجال، من اسمه معاوية (رقم الترجمة: ۱۸۸۵/۲۲۴، معاويه بن يحيى الصدفي: ۳۹۹/۲، دارالفكر بيروت)

(۲) العبارة المذكورة من أوّلها إلى آخرها للزيلعي، فليراجع: (نصب الراية، كتاب الأضحية: ۲۱۳/۴، مؤسسه الريان، المكية)

الجواب حامداً ومصلياً:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیہقی نے نقل کیا ہے:"الأضحى ثلثة أيام بعد يوم النحر" (۱)۔ یہ اثر موقوف ہے۔ طحاوی کا قول عینی نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "الأضحان يومان بعد يوم النحر"۔ عامۂ کتب میں طحاوی کی روایت بھی ملتی ہے۔

فتح الباری میں طحاوی کی طرف چاردن والی روایت جو منسوب کی گئی ہے، وہ کتبِ احناف میں نہیں، عینی نے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ احکام القرآن سے لیا ہے، طحاوی کی یہ کتاب بھی یہاں نہیں ملتی، ابن الترکمانی نے اس کا حوالہ دیا ہے:

"قال الطحاوي في أحكام القرآن: لم يُرو عن أحد من الصحابة خلافهم، فتعين اتباعهم؛ إذ لا يوجد ذلك إلا توقيفاً. وفي الاستذكار: روى ذلك عن علي، وابن عباس، وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم، ولم يختلف فيه عن أبي هريرة وأنس رضي الله تعالىٰ عنهما، وهو الأصح عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، وهو مذهب أبي حنيفة، والثوري، ومالك رحمهم الله تعالىٰ. وفي نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم: أجمع الفقهاء أن التضحية في اليوم الثالث عشر غير جائزة، إلا الشافعي رحمه الله تعالىٰ، فإنه أجازها فيه، اهـ". الجوهر النقي: ۲/۲۴۲ (۲)۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو منقول ہے:"الأضحىٰ ثلثة أيام بعد يوم النحر"، تو اس کی سند میں "طلحہ ابن عمرو حضرمی" ہیں، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی نے ان کی تضعیف کی ہے اور احمد نے ان کو متروک قرار دیا ہے (۳)، وہ یہ ہے:

(۱) (السنن الكبرى للبيهقي: ۹/۲۹۶، كتاب الضحايا، باب من قال: الأضاحي جائز يوم النحر وأيام كلها؛ لأنها أيام النسك، إدارہ تاليفات اشرفيہ لاهور)

(۲) (الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى للبيهقي: ۹/۲۹۷، نشر السنة، ملتان)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: الأضحى ثلاثة أيام بعد يوم النحر". قلت: في سنده طلحة بن عمرو الحضرمي ضعفه ابن معين، وأبو زرعة، والدار قطني. وقال أحمد: متروك. ذكره الذهبي في كتاب الضعفاء. وقد ذكر الطحاوي في أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "الأضحى يومان بعد يوم النحر" .... =

"قد ذكر الطحاوي في أحكام القرآن بسند جيد: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: الأضحى يومان بعد يوم النحر، اهـ". كذا في الجوهر النقي: ۲/۲۴۲(۱)۔

"ودليلنا من جهة السنة الحديث المتقدم أنه صلى الله تعالى عليه وسلم "نهى عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلث". ومعلوم أنه أباح الأكل منها في أيام الذبح، فلو كان اليوم الرابع منها، لكان قد حرم على من ذبح في ذلك اليوم أن يأكل منها، اهـ". أوجز المسالك شرح مؤطأ الإمام مالك: ۳/۲۴۳(۲)۔

امام طحاوی کا قول ومذہب احناف کی کتب میں جو کچھ منقول ومتوارث ہے، وہی قابلِ اعتماد اور لائق اختیار ہے، لأن صاحب البيت أدرى بما فيه۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی، ہند۔

= (الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى، باب من قال: الأضحى جائز يوم النحر وأيام منى: ۹/۲۹۲، إدارہ تالیفات اشرفیہ لاهور)

(۱) (الجوهر النقي، المصدر السابق)

(۲) (أوجز المسالک إلى موطا الإمام مالک، كتاب الضحايا، باب التضحية عما في بطن المرأة: ۹/۲۶۲، ۲۶۳، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، قال: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى". (موطا الإمام مالک، ص: ۴۹۷، میر محمد کتب خانه)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما كان يقول: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى".

"إن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه كان يقول: "الأضحى يومان بعد يوم الأضحى".

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: "الذبح بعد النحر يومان". (السنن الكبرى للبيهقي، باب من قال: الأضحى يوم النحر و يومين بعده: ۹/۲۶۷، إدارة تأليفات اشرفيه لاهور)

قربانی کس دن افضل ہے؟

سوال[۸۴۹۹]: کیا دس گیارہ بارہ ذی الحجہ کو قربانی کریں، یا دسویں کو زیادہ ثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دس تاریخ کو افضل ہے، اس کے بعد ۱۱/ کو اس کے بعد ۱۲/ کو:

"فجر يوم النحر إلى آخر أيامه، وهي ثلاثة، أفضلها أولها، ثم الثاني، ثم الثالث".

شامی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

گاؤں میں قربانی کا وقت

سوال[۸۵۰۰]: جس چھوٹی بستی میں عید الاضحیٰ کی نماز نہیں ہوتی، کیا وہاں قربانی بھی واجب نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس وقت کی جائے، کیونکہ شہر میں نماز عید کے بعد کی جاتی ہے اور وہاں نماز عید نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہاں صبح سویرے ہی قربانی کرلی جائے، زیلعی: ۶/۴(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۶، سعيد)

"الأفضل أن يضحي في أول أيام النحر، و هو اليوم العاشر من ذي الحجة، ثم في اليوم الحادي عشر، ثم في اليوم الثاني عشر". (الفتاوى السراجية، ص: ۸۹، باب وقت التضحية، سعيد)

"وأول وقتها بعد فجر النحر .... وآخره قبيل غروب اليوم الثالث، واعتبر آخره للفقير وضده والولادة والموت، وأولها أفضلها". (مجمع الأنهر: ۴/۱۶۹، كتاب الأضحية، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۱۷۰، كتاب الأضحية، غفاريه كوئته)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية، ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳/۳۴۵، رشيديه)

(۲) "(وذبح غيره): أي غير أهل المصر يجوز لهم ذبحها بعد طلوع الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة =

شہر میں نماز عید سے پہلے قربانی

سوال[۸۵۰۱]: مذبح دھام پور میں ہے، یہ دھام پور مستقل پنچایتی حیثیت سے ایک گاؤں کے حکم میں ہے، اس وجہ سے حسب اجازتِ شرع قربانی بعد نماز فجر ہوتی ہے، لیکن بڑی بھینس وغیرہ دھام پور کی طرف کی جاتی ہے، یہی مذبح ہے۔ پرانے دھام پور میں حکومت وقت کی اجازت نہیں، وہاں پر بڑی قربانی کرنا قانوناً جرم ہے۔ لہذا تحریر فرمائیں کہ چونکہ مذبح دھام پور میں ہے تو پرانے دھام پور والے اپنی قربانی دھام پور میں لاکر بعد نماز فجر کر سکتے ہیں یا نہیں، یا ان کو بھی مثل شہر والوں کے، بعد نماز عید قربانی کرنی ہوگی؟ عرصہ دراز سے یہاں پرانے دھام پور والے دھام پور آکر بعد نماز فجر قربانی کرتے ہیں۔ اگر شرعاً ممنوع ہے تو پھر اب تک جو قربانی کی ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گاؤں والے (جہاں نماز عید درست نہیں) اگر اپنا جانور شہر میں (جہاں نماز عید ہوتی ہے) لاکر قربانی کریں تو ان کو نماز فجر کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی کی جازت نہیں، بلکہ بعد نماز عید قربانی کریں (۱)۔ جو قربانی

= العيد". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويذبح غير المصرى كأهل القرى قبل الصلوة". (مجمع الأنهر: ۱۶۹/۴، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز لأهل القرى والبادية أن يذبحوا بعد صلوة الفجر قبل أن يصلى الإمام صلاة العيد".

(البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى السراجية، كتاب الأضحية، ص: ۸۹، سعيد)

(۱) "ولو كانت فى السواد والمضحى فى المصر، جازت قبل الصلوة، وفى العكس لم تجز".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

"والمعتبر فى ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر، يجوز كما انشق الفجر، فى العكس لايجوز، إلا بعد الصلوة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

ایسی جگہ نماز عید سے پہلے کرلی گئی ہے اس کی قضالازم ہوگی، جس کی صورت یہ ہے کہ قیمت صدقہ کردیں (۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۹ھ۔

شہری کی گاؤں میں قربانی

سوال [۸۵۰۲]: شہر کا رہنے والا آدمی اگر اپنی قربانی کا جانور دیہات میں بھیج دے جس کی وہاں قربانی کردی جائے اور وہ خود شہر میں ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی قربانی درست ہوجائے گی، اس کا قربانی کے جانور کے پاس ہونا ضروری نہیں، بلکہ دیہات میں ایسے شخص کی طرف سے اگر سویرے ہی قربانی کردی جائے کہ ابھی تک شہر میں نماز عید بھی نہ ہوئی ہو تب بھی درست ہے، زیلعی: ٦/٤ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز عید سے پہلے قربانی کی ایک صورت

سوال [۸۵۰۳]: اگر دس ذی الحجہ کو کسی وجہ سے نماز عید ادا نہ کی جائے تو کیا اس روز قربانی بھی

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۰، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۵/۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) **نوٹ:** اگر ایام قربانی گزر جائیں تو جس طرح قربانی نہ کرنے کی صورت میں غنی پر قربانی کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح قربانی صحیح نہ ہونے کی صورت میں بھی صدقہ کرنا واجب ہے:

"ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ و فقيرٌ، وبقيمتها غنيٌّ، شراها أولا". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

(۲) "والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، وفي العكس لا يجوز إلا بعد الصلوة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

نہ کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روز زوال کے بعد قربانی کی جائے، زیلعی: ٦/٤ (١) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نمازِ عید سے پہلے قربانی

سوال [۸۵۰۴]: اگر قربانی کے جانور کی عید کی نماز سے پہلے قربانی کردیں تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں، یا اس کی جگہ اور جانور کی قربانی کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں، وہ دوبارہ بعد نمازِ عید قربانی کرے (۲)۔ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی، جیسے گاؤں، وہاں

---

(١) "ولو لم يصلّ الإمامُ العيدَ في اليوم الأول، أخّروا التضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا. ولا تجزئهم التضحية ما لم يصلّ الإمام العيد في اليوم الأول إلا بعد الزوال، فحينئذ يجوز، لخروج وقتها". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/٤٧٧، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولو لم يصل الإمام صلاة العيد في اليوم الأول، أخّروا الأضحية إلى الزوال، ثم ذبحوا. ولا تجزئهم التضحية إذا لم يصل الإمام، إلا بعد الزوال". (البحر الرائق: ٨/٣٢٢، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ٤/١٢٩، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/٣١٩، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٤/١٦٣، دار المعرفة بيروت)

(٢) "وأما الذي يرجع إلى وقت التضحية، فهو أنها لاتجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت كما هو شرط الوجوب، فهو شرط جواز إقامة الواجب، كوقت الصلوة، فلا يجوز لأحد أن يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الأول من أيام النحر، ويجوز بعد طلوعه، سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى، غير أن للجواز في حق أهل المصر شرطاً زائداً وهو أن يكون بعد صلوة العيد لايجوز تقديمها عليه عندنا .... والصحيح قولنا: لما روينا عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من ذبح قبل =

صبح صادق کے بعد بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

تعدد صلوۃ عید کی صورت میں وقت اضحیہ

سوال[۸۵۰۵]: ایک شہر میں نماز عید کئی جگہ ہوتی ہے، کیا یہ ضروری ہے کہ جب سب جگہ نماز عید ہو چکے تب قربانی کی جائے، یا کسی ایک جگہ نماز عید ہو جانے کے بعد بھی درست ہے؟

= الصلوة فليعد أضحيته". وروى عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "أول نسكنا في يومنا هذا الصلوة، ثم الذبح". وروى عنه عليه الصلوة والسلام أنه قال في حديث البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه: "من كان منكم ذبح قبل الصلوة، فإنما هي غدوة أطعمه الله تعالىٰ، إنما الذبح بعد الصلوة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۸/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولو كانت في السواد والمضحي في المصر، جازت قبل الصلوة، وفي العكس لم تجز".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۲، سعيد)

"والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر، في العكس لايجوز، إلا بعد الصلوة". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۱/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، غفاريه كوئته)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۵/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

شہر میں کسی ایک جگہ بھی نماز عید ہو چکی ہو تو قربانی درست ہے، شامی: ۲۰۲/٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غلطی سے بے وضوادا کی گئی نماز کے بعد قربانی کا حکم

سوال[۸۵۰۲]: اگر نماز عید پڑھ کر فوراً قربانی کردی گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب نے بھولے سے بے وضو نماز پڑھادی اور نماز کا اعادہ کیا گیا تو جو قربانی کی جا چکی ہے، کیا اس کا بھی اعادہ لازم ہوگا، اس لئے کہ وہ نماز عید سے پہلے ہوئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی قربانی کا اعادہ لازم نہیں، بلکہ وہ قربانی درست ہوگئی، شامی: ۲۰۳/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة، اجزأه استحساناً؛ لأنها صلاة معتبرة، حتى لو اكتفوا بها اجزأتهم". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۶، سعيد)

"ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد قبل أن يصلي أهل الجبانة، أجزأه استحساناً؛ لأنها صلوة معتبرة". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۷/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو خرج الإمام بطائفة إلى الجبانة، وأمر رجلاً ليصلي بالضعفة في المصر، وضحى بعد ما صلى أحد الفريقين، جاز استحساناً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳۴۴/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "تبين أن الإمام صلى بغير طهارة، تعاد الصلوة دون الأضحية". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۹/۶، سعيد) =

رات میں قربانی

سوال[۸۵۰۷]: کیا قربانی کے لئے جانور کو رات میں بھی ذبح کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مکروہ تنزیہی ہے، شامی: ۵/۲۰۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= "فتبين أن الإمام صلى بغير طهارة، تعاد الصلوة دون التضحية". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۰، مكتبه غفاريه كوئته)

"ولو صلى، ثم تبين أنه صلى بغير طهارة، تعاد الصلوة دون الأضحية". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية ووقت وجوبها ومن تجب عليه: ۳/۳۴۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۸۸، كتاب الأضحية، الثالث في وقتها، رشيديه)

(۱) "وكره تنزيهاً الذبح ليلاً، لاحتمال الغلط". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

"و يجوز في نهارها و ليلها بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية: ۵/۲۹۵، رشيديه)

"و يكره التضحية والذبح في الليالي". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية، ووقت وجوبها ومن تجب عليه. ۳/۳۴۵، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۷/۲۷۹، كتاب الأضاحي، باب أفضلية مباشرة التضحية بنفسه وجواز الاستنابة والاستعافة، فوائد شتى، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

بابٌ فی مصرف جلد الأضحیة

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

چرمِ قربانی کا والد یا اولاد کو دینا

سوال[۸۵۰۸]: قربانی کی کھال اپنے والد یا اولاد کو دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح قربانی کا گوشت ان کو دے دینا صحیح ہے، اسی طرح قربانی کی کھال بھی ان کو دینا صحیح ہے، شامی: ۵/۲۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)"ویأکل من لحم الأضحیة، ویوکل غنیاً، ویدّخر. وندب أن لاینقص التصدق عن الثلث، وندب ترکه لذی عیالٍ توسعةً علیهم". "(قوله: وندب الخ) .... ویستحب أن یأکل. ولو حبس أکل لنفسه جاز". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"ویتصدق بجلدها، أو یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو، أو یبدله بما ینتفع به باقیاً". (ردالمحتار، المصدر السابق)

"و یأکل من لحم الأضحیة، و یؤکل غنیاً و یدّخر .... و لأنه لما جاز له أن یأکل منه وهو غنیٌّ، فأولی أن یجوز له إطعام غیره وإن کان غنیاً". (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۸۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۴/۱۷۴، غفاریه کوئٹه)

"وذکر بکر رحمه الله تعالیٰ أن الجلد کاللحم لیس له بیعه". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، السادس فی الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشیدیه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۸/۳۲۶، رشیدیه)

قیمتِ چرم غریب والد یا اولاد کو دینا

سوال[۸۵۰۹]: چرمِ قربانی کی قیمت اپنے والد یا اولاد کو دینا کیسا ہے جب کہ وہ غریب ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، اس کو ایسے شخص کو دے دیں جس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، والد یا اولاد کو زکوۃ دینا درست نہیں (۱)، چرمِ قربانی کی قیمت کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، شامی: ۵/۲۰۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چرمِ قربانی میں مسجد کو دینا

سوال[۸۵۱۰]: قربانی کی کھالیں اکثر مساجد میں دی جاتی ہیں اور غالباً لوگوں کا بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ ائمۂ مساجد سال بھر تک مسجد کی خدمت کرتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ سلوک کیا جاوے، یا دوسرے لفظوں میں سالانہ خدمت کا معاوضہ دیا جاوے۔ چونکہ اکثر حصہ یا قلیل مقدار ایسے اماموں کی ہے جن کو زکوۃ دینی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (سورة التوبة: ۶۰)

"ولايدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

"ولايدفع إلى أصله وإن علا أو فرعه وإن سفل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الزكوة، باب في بيان أحكام مصرف: ۱/۳۳۱، غفاريه كوئٹه)

"ولايصح دفعها لكافر وغني يملك نصاباً .... وأصل المزكي وفرعه". (مراقي الفلاح).

"قوله: (وأصل المزكي وفرعه)؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبة ومنفعة، ولم يوجد في الأصول والفروع، والإخراج عن ملكه منفعة وإن وجد رقبة، وهذا الحكم لايخص الزكوة، بل كل صدقة واجبة كالكفارات، وصدقة الفطر، والنذور لايجوز دفعها إليهم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الزكوة، باب المصرف، ص: ۷۲۱، قديمي)

(۲) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أي وبالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

واجب ہے۔ تو کیا چرم قربانی ایسے ائمہ کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرمِ قربانی کا حکم لحمِ قربانی کی طرح ہے جس کے دینے کے لئے فقیر غیر صاحب نصاب، یا غیر سید ہونا لازم نہیں، بلکہ فقیر، صاحب نصاب، سید سب کو دینا درست ہے (۱)۔ البتہ معاوضہ اور اجرت میں دینا کسی کو بھی درست نہیں، نہ امام کو، نہ مؤذن کو، نہ صاحب نصاب کو، نہ فقیر کو، نہ امام وغیرہ کو اس کا لینا جائز (۲)۔

البتہ اگر چرم قربانی کو فروخت کر دیا ہے تو اس کی قیمت کو بطور صدقہ کسی فقیر کو دینا واجب ہے، خود رکھنا یا کسی مالدار کو دینا، یا کسی کو اجرت میں دینا ہرگز جائز نہیں:

"و يتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة و سفرة ودلو، أو يبدله بما ينتفع به باقياً –كما مر– لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه كدراهم. فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه: أي وبالدراهم فيما لو أبدله بها. ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه، فكذا ما في معناه، كفاية". درمختار و شامی: ۵/۲۰۹ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ناظم مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن بدل اللحم، فإن الصحيح أنه كالجلد". (الدر المنتقى، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"و يأكل من لحم الأضحية، و يوكل غنياً، ويدخر". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۷، سعيد)

(۲) "و لا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

"ولا يعط أجرة الجزار منها شيئاً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

قیمتِ چرم تعمیر مسجد ومدرسہ میں دینا

سوال[۸۵۱۱]: چرمِ قربانی کی قیمت تعمیر مدرسہ ومسجد میں دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست نہیں، بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، شامی: ۲۰۹/۵(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

قربانی کی کھال تعمیرِ مسجد میں دینا

سوال[۸۵۱۲]: میں نے اپنے قربانی کے جانور کی کھال ونیز اپنے دیگر احباب کے قربانی کے جانوروں کی کھالیں ان کی اجازت سے لیکر تعمیر مسجد کے واسطے دے دیں تو اس صورت میں کیا قربانی کے جانوروں کے کھالوں کی قیمت تعمیر مسجد پر صرف ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو مجھ کو، نیز میرے مذکورہ بالا احباب کی نسبت حکم شرعی کیا ہے، یعنی اگر ہم نے کھالیں ناجائز طور پر دیدی ہیں تو آیا ان کھالوں کی قیمت ہم

---

(۱) "فإن بیع اللحم أو الجلد: أی بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار، کتاب الأضحیة: ۳۲۸/۶، سعید)

"فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۱۷۴/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وكذا في الدرالمنتقى على مجمع الأنهر، کتاب الأضحیة: ۱۷۴/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"والصدقة كالهبة بجامع التبرع، وحينئذ لا تصح غير مقبوضة". (الدرالمختار، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، فصل فی مسائل متفرقة: ۷۰۹/۵، سعید)

"مصرف الزكوة والعشر .... و هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذور و غير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعید)

"لايصرف إلى بناء نحو المسجد". (الدرالمختار). قال العلامة الشامی: "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات و كرى الأنهار .... وكل مالا تمليك فيه".
(ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعید)

لوگوں کو دوبارہ کسی دیگر جائز امر میں دینا ضروری ہے یا نہیں؟ مسئلہ ہذا کتاب وسنت اور اہل سنت وجماعت کی مسلم کتب فقہ سے حل فرمایا جاوے۔

خاکسار: ایم اے انصاری، ہاؤس نمبر: ایس ۱۱۹، کوچہ تاراسنگھ محلّہ سید پوری، راولپنڈی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر آپ کے احباب نے وہ کھالیں آپ کی ملک کردیں، یا آپ نے وہ سب متولی مسجد کی ملک کردیں، پھران کوفروخت کر کے متولی نے یا آپ نے تعمیر مسجد میں صرف کردیا تو درست ہے(۱)۔ اور اگر بغیر تملیک کے ان کوفروخت کر کے قیمت تعمیر میں خرچ کی گئی ہے تو یہ صورت ناجائز ہوئی، ایسی صورت میں ان قیمتوں کا صدقہ کرنا لازم ہے۔ چرمِ قربانی کو اگر فروخت کردیا جائے تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس قیمت کو مسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہوتا۔

ہاں! اگر صاحب قربانی خود فروخت نہ کرے، بلکہ کسی دوسرے کو مالک بنادے تو وہ فروخت کر کے جہاں چاہے قیمت کو صرف کرسکتا ہے:

"ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة و سفرة ودلو، أو يبدله بما ينتفع به باقياً –كمامر– لا بمستهلك كخل ولحم و نحوه كدراهم. فإن بيع اللحم أو الجلد به:

(۱) "و لا ينبغي أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط، وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير. ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط، جاز، ويكون ذلك حسناً". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

"ولا ينبغي أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط، وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير. ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا على عمارة الرباط، جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: في الرباط والمقابر، الخ: ۲/۴۷۲، رشيديه)

"فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: في الرباط والمقابر، الخ: ۲/۴۷۳، رشيديه)

أی بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه: أی وبالدراهم فيما لو أبدله بها. ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما في معناه، كفاية". درمختار وشامی: ۵/۲۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یم/محرم/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

چرمِ قربانی مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا

سوال[۸۵۱۳]: قربانی کا چمڑا مسجدوں، مدرسوں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

چرمِ قربانی کی قیمت کا بھی وہی حکم ہے جو زکوۃ کا ہے، کیونکہ اس میں بھی تملیک فرض ہے:

"فإن بدل اللحم والجلد، يتصدق به: أی بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله، فيجبر على التصدق به، الخ". سکب الأنهر(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

قیمتِ چرمِ قربانی کا مصرف مدارس میں

سوال[۸۵۱۴]: ا...قیمت چرمِ قربانی جو مدارس میں داخل کی جاتی ہے اس کو مدرسہ کے تصرف میں لانا بصورتِ حیلہ جائز ہے یا بغیر حیلہ؟ فقط۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(۲) (الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئته)

۲...... قیمت چرم قربانی کو مدرسہ کے تصرف میں لانا میعادی ہے یا غیر میعادی، اگر میعادی ہے تو کتنی مدت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اس سے طلبہ کو نقد، کھانا، کپڑا، جوتا، کتاب وغیرہ تملیکاً دینا بغیر حیلہ کے بھی درست ہے بشرطیکہ وہ مستحق ہوں یعنی صاحب نصاب اور سیّد نہ ہوں اور مدرسین کو تنخواہ میں دینا، تعمیر میں صرف کرنا، وقف کے لئے کتابیں وغیرہ خرید کر وقف کرنا بغیر حیلۂ تملیک کے درست نہیں۔ الغرض یہ واجب التصدق ہونے کی بنا پر زکوۃ کے حکم میں ہے:

"فإن بدل اللحم أو الجلد به: أي بالخل وشبهه، يتصدق به: أي بالبدل؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله، فيجبر على التصادق به، كما في البرهان". سکب الأنهر: ۵۲۱/۲(۱)۔

۲...... تصرف میں لانے کی صورت تو معلوم ہوگئی، مگر میعادی وغیر میعادی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس کو واضح کیجئے۔ اور تصرف کا جو حکم مذکور ہوا، وہ ہمیشہ کے لئے ہے اس کی کوئی میعاد نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذیعقدہ/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

چرم قربانی کی قیمت سے قبرستان کے لئے زمین خریدنا اور وقف کرنا

سوال[۸۵۱۵]: ایک گاؤں میں قبرستان نہیں ہے، اس لئے غریبوں کے مردے دفن ہونے میں دقت پیش آتی ہے، اس لئے گاؤں میں چندہ کیا گیا تاکہ زمین خرید کر وقف کر دی جائے، تو چرم قربانی کے روپیہ کو زمین کی خریداری میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ زمین کے لئے کافی رقم درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرم قربانی کو جب فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے(۲)، لیکن جس کو صدقہ

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي=

کیا ہے اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کر لینے کے بعد قبرستان کی زمین کے لئے دے اور اس پر کسی قسم کا زور اور دباؤ نہ ڈالا جائے تو پھر اس رقم کو قبرستان کے لئے زمین خریدنے میں صَرف کرنا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۸۸ھ۔

فطرہ اور چرمِ قربانی کی رقم تملیک کے بعد تنخواہ میں

سوال[۸۵۱۶]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے، اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو ایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں۔ تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کو ایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے، آپ کو اس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

تو زید صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کر کے اس پیش امام صاحب کو اس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے۔ تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

= بمستهلک أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(۱) "وقد منا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وهل له أن يخالف أمره؟ ولم أره، والظاهر نعم". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۵/۲، سعيد)

"لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم، الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے، ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کیلئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے۔ اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے، بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کر کے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں(۱)، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے۔

نابالغ سے تملیک کرانا غلط ہے، بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحق زکوۃ سے کہا جائے کہ مدرس کی تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے، تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے، میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے، اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کرادیگا۔ وہ کسی سے قرض لاکر دیدے، اس سے تنخواہ ادا کردی جائے، پھر کسی وقت زکوۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے، اس سے قرض ادا کردے۔ فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے۔

قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کردے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں (۲)۔ ہاں! اگر وہ لوگ چرم قربانی کو فروخت کر کے اس کی

---

(۱) "فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباط والمقابر: ۲/۴۷۳، رشيديه)

"وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط، جاز، ويكون ذلك حسناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۲، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے، بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

چرم قربانی سے تنخواہ دینا

سوال[۸۵۱۷]: اس موضع میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم ہے، دوتین مہینہ سے چندہ وصول نہیں ہوا ہے اور نہ وصولیابی کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے مدرسین کی تنخواہیں باقی ہیں۔ چرم قربانی مہتمم صاحب کے پاس جمع ہے، ان کو فروخت کرکے کیا یہ رقم تنخواہ باقی داران میں صرف کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دینے والوں نے مہتمم صاحب کی ملک کردیا ہے اور ضروریاتِ مدرسہ کے لئے بطورِ چندہ کے نہیں دیا تو اس کو فروخت کرکے تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

قربانی کی کھال امام کے لئے

سوال[۸۵۱۸]: قربانی کی کھال کس کو دینی چاہئے، پیش امام مسجد کو دینی درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کی کھال امیر فقیر سب کو دینی جائز ہے(۲)، اس کے لئے فقیر ہونا شرط نہیں، لیکن اگر فروخت

---

(۱) (راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ويأكل من لحم الأضحية ويوكل غنيا ويدخر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۷/۶، سعيد)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۳/۴، غفاريه)

کردی ہے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا یعنی غریب کو دینا واجب ہے (۱)۔ قربانی کی کھال کو خود اپنے کام میں لانا یعنی ڈول وغیرہ بنانا بھی جائز ہے (۲)، مگر کھال یا اس کی قیمت کو کسی اجرت میں دینا درست نہیں (۳)۔ امام عام طور پر اس کو اپنی اجرت میں شمار کرتے ہیں، لہذا ان کو بھی درست نہیں، البتہ اگر امام کی تنخواہ مستقل ہو اور کھال اس کو نہ دیجاتی ہو پھر اس کو کوئی دیدے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/۱۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

چرمِ قربانی امام کے لئے

سوال [۸۵۱۹]: ۱...... بکر امام صاحبِ نصاب ہے اور امامت کے معاوضہ میں چرمِ قربانی لیتا ہے، چرم کی قیمت نہیں لیتا ہے۔ بکر کے لئے چرمِ قربانی جائز ہے کہ نہیں اور لوگوں کی قربانی جائز ہے کہ نہیں؟

ایضاً

سوال [۸۵۲۰]: ۲...... بکر امام صاحبِ نصاب ہے چرمِ قربانی کا معاوضہ نہیں لیتا، بلکہ کہتا ہے کہ اگر آپ لوگ خوشی سے دیں تو صاحبِ نصاب کو چرمِ قربانی لینا جائز ہے، کیونکہ اگر قربانی کرنے والا صاحبِ نصاب چرمِ قربانی

---

(۱) (راجع، ص: ۴۶۶، رقم المسئلة: ۲)

(۲) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو، أو يبدله بما ينتفع به باقياً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۳) "ولا يعط أجرة الجزار منها شيئاً، لقوله عليه السلام: "لعلي رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئاً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن أقوم على بدنة، وأن أتصدق بلحومها و جلودها و أجلتها، وأن لا أعطي الجازر منها شيئاً". قال العثماني رحمه الله تعالىٰ: لأنه في معنى البيع". (إعلاء السنن: ۱۷/۲۶۳، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي، إدارة القرآن كراچي)

کو اپنے لئے تصرف میں لائے، یا کسی اور شخص صاحب نصاب کو دے تو جائز ہے، کیونکہ چرم قربانی خیرات کرنا مستحب ہے۔ کیا بکر امام صاحب نصاب کو بغیر معاوضہ چرم قربانی لینا جائز ہے اور لوگوں کی قربانی میں نقص تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... معاوضہ میں جس طرح قیمت ناجائز ہے چرم قربانی بھی ناجائز ہے، اس کی واپسی ضروری ہے، قربانی تو درست ہے مگر مقدار چرم کا اس حالت میں صدقہ کرنا ضروری ہوگا(۱)۔ یہ تو صحیح ہے کہ چرم قربانی صاحب نصاب کو دینا درست ہے جس طرح کہ لحم قربانی دینا درست ہے، مگر عادۃً ائمۂ مساجد اپنا حق سمجھتے ہیں، اگر ان کو نہ دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں، حتیٰ کہ مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اگر چہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم معاوضہ نہیں لیتے بلکہ تم لوگوں کی خوشی پر موقوف ہے دو یا نہ دو، اس لئے ایسی حالت میں ان کو دینا منع ہے(۲)۔ اگر دیدیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

---

(۱) "ولا يعط أجرة الجزار منها شيئاً، لقوله عليه السلام: "لعلي رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئاً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن أقوم على بدنة، وأن أتصدق بلحومها و جلودها و أجلتها، وأن لاأعطي الجازر منها شيئاً". قال العثماني رحمه الله تعالىٰ: لأنه في معنى البيع". (إعلاء السنن: ۲۶۳/۱۷، كتاب الأضاحي، باب التصديق بلحوم الأضاحي، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "و لو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه، صح، وإلا لا". (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۵۶/۲، سعيد)

"ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم إلى الخليفة و لم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلّم الصبيان أيضاً، أجزأه، وإلا فلا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱۹۰/۱، رشيديه)

"و لو دفعها المعلم لخليفته إن يعمل له لو لم يعطه، صح، وإلا فلا". (الدرالمختار). قال الطحطاوي: "(قوله: ولو دفعها المعلم لخليفته): أي من هو نائب عنه، ونظيره إذا دفعها المؤجر لمن =

۲......اگر کسی جگہ پر چرمِ قربانی امام کو دینے کا رواج نہ ہو اور کوئی کسی امام کو نہ دیتا ہو، امام کو بھی یقین ہو کہ یہاں سے نہیں ملے گا، نیز امام کا معاوضہ بصورت تنخواہ یا فصلانہ مقرر ہو تو جس طرح لحم قربانی امام کو دیا جاتا ہے اسی طرح چرم قربانی بھی دینا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۸/ ۶۰ھ۔

چرمِ قربانی مالداروں کو دینا

سوال [۸۵۲۱]: عالم مالدار کو چرم قربانی وعقیقہ خیرات کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عالم صاحب چمڑا لیکر فروخت کر کے صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرمِ قربانی، لحمِ قربانی، لحمِ عقیقہ سب کا ایک حکم ہے، عالم، غیر عالم، مالدار، غریب سب کو لینا اور سب کو دینا درست ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں (۲)۔ البتہ اگر چرمِ قربانی کو فروخت کر دیا ہے تو اس کی قیمت کسی غریب

= استأجره". (حاشية الطحطاوي: ۱/ ۴۳۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، دار المعرفة بيروت)

(۱) "ويأكل من لحم الأضحية، ويؤكل غنياً ويدخر .... ولأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غنيٌّ، فأولى أن يجوز له إطعام غيره وإن كان غنياً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۶، رشيديه)

"ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب؛ لأنه جزء منها، وكان له التصدق والانتفاع به". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۴، غفاريه كوئٹه)

"وذكر بكر رحمه الله تعالىٰ أن الجلد كاللحم ليس له بيعه". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۶/ ۲۹۴، رشيديه)

(۲) "واللحم بمنزلة الجلد". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۴، غفاريه كوئٹه) .... =

مسکین کوبطورِصدقہ دیناواجب ہے،خودرکھنایاکسی مالدارکو(جومستحق زکوۃ نہ ہو)دیناناجائز ہے(۱)۔اورجوقربانی بطورِنذرکی گئی ہے اس کاگوشت اور چمڑاسب کچھ غرباءکودیناواجب ہے،خودرکھنایاکسی غیرمستحق زکوۃ کودیناناجائز ہے(۲)۔

جس کو چرمِ قربانی دیاوہ اس کوفروخت کرکے اپنے کام میں لاسکتاہے،نفلی خیرات مالدارکودینادرست ہے،واجب خیرات ایسےکودینادرست نہیں ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،ناظم مدرسہ ہذا۔

= "وذكر بكر رحمه الله تعالىٰ أن الجلد كاللحم ليس له بيعه". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۲، رشيديه)

"واللحم بمنزلة الجلد". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۸، رشيديه)

"و يأكل من لحم الأضحية، ويؤكل غنياً ويدخر .... و لأنه لما جاز له أن يأكل منه وهو غني، فأولى أن يجوز له إطعام غيره وإن كان غنياً". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۵/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي مستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(۲) "وإن وجبت بالنذر، فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئاً ولا أن يطعم غيره من الأغنياء". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۸۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وقيد بالزكوة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي. وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور و صدقة الفطر، فلا يجوز صرفها للغني". (البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۴۲۷/۲، رشيديه)

میت کی طرف سے قربانی کر کے قیمت چرم اپنے بیٹے کو دینا

سوال[۸۵۲۲]: ایک آدمی مردہ کی جانب سے قربانی کرتا ہے اور قربانی کا چمڑا جو ہے اس کی قیمت اپنے لڑکے کو دیتا ہے جو دور دراز میں پڑھتا ہے اس غرض سے کہ اس قیمت سے کتابیں خرید لیں اور اس آدمی کے ساتھی بھی رقم دیتے ہیں۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اصول وفروع کو یہ صدقہ دینا جائز نہیں، لہذا بیٹے کے علاوہ کسی اور کو دے۔ اور دوسرے شرکاء اگر اصول وفروع نہیں تو اس لڑکے کو صدقہ دے سکتے ہیں، اگر اس کے اصول فروع ہیں تو وہ بھی نہیں دے سکتے۔ حاصل یہ کہ جو مصرف زکوۃ ہے وہی اس صدقہ کا مصرف ہے، جس کو زکوۃ دینی جائز ہے اس کو یہ صدقہ دینا جائز ہے، جس کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس کو یہ بھی دینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۲۲/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

چرم کا صدقہ افضل ہے یا اس کی قیمت کا؟

سوال[۸۵۲۳]: چرم قربانی کو صدقہ کرنا افضل ہے یا اس کو فروخت کر کے قیمت صدقہ کرنا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرم قربانی کو صدقہ کرنا افضل ہے (۲)۔ اور اپنے کام میں لانا، مثلاً: مصلی، مشک، ڈول بنالینا بھی

---

(۱) "مصرف الزكوة والعشر .... وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذور وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعيد)

"وأيضاً فيه: لايصرف إلى بناء نحو المسجد .... وكل مال تمليك فيه".

(۳۴۴/۲، سعيد)

(۲) "وحاصله كراهة بيع اللحم والجلد جميعاً بمستهلك، وجواز بيعهما بما ينتفع به باقياً مع =

درست ہے، لیکن اگر فروخت کر کے رقم حاصل کر لی ہے تو اس کو صدقہ کرنا واجب ہے، خود رکھنا یا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے صرف میں لانا درست نہیں، مجمع الأنہر: ۲/۵۱۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چرم قربانی کی قیمت کنویں کی تعمیر میں دینا

سوال[۸۵۲۴]: اگر چرم قربانی کی رقم سے کنواں بنایا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کرنے کے بعد اگر چمڑا فروخت کردے تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے(۲)، جس غریب کو وہ

= الخلاف في اللحم، والأولى التصدق بالكل". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيره: ۲۶۳/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "و يتصدق بجلدها أو يعمله آلةً كجراب ...... فإن بدل اللحم أو الجلد به، يتصدق به". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال وجراب .... فإن بيع اللحم أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۳۰۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية: ۳۵۴/۳، رشيديه)

(۲) "فإن بدل اللحم، أو الجلد به، يتصدق به". (ملتقى الأبحر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن بدل اللحم، أو الجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ويتصدق به لانتقال القربة إلى البدل". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، غفاريه كوئٹه)

"لا بأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية، أو يشتري بها الغربال والمنخل. وإن باعه بدراهم أو فلوس، يتصدق بثمنه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية: ۳۵۴/۳، رشيديه) ....

=

قیمت دی جائے اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد کنواں بنانے کے لئے دیدے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے(۱)، بدون غریب کو مالک بنائے براہ راست کنواں بنوانے میں خرچ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چرمِ قربانی سے مہمان خانہ بنوانا

سوال[۸۵۲۵]: چرم قربانی کے پیسے سے مہمان خانہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو گاؤں میں ایک مکتب ہے جس کو مہمان خانہ بنالیا جائے اور مکتب کی جگہ چرم قربانی کے پیسے سے مکتب قائم کردیا جائے۔ اس قسم کی تبدیلی درست ہے یا نہیں؟ اگر تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے تو چرم قربانی کے پیسے قرض لے کر مہمان خانہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

اس کے قبل گاؤں والوں نے اس قسم کے پیسے قرض لے کر مسجد بنالی اور یہ معاملہ تین بار ہو چکا ہے، مگر اب تک رد نہیں ہوا اور رد کرنے کی امید بھی نہیں ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز اور ناجائز تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کرنے کے بعد جب اس کی چرم فروخت کردی جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)،

= (وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، السادس في الانتفاع: ۲۹۴/۶، رشيديه)

(۱) "وإنما يصرف إلى الفقراء لاغير. ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط، جاز، ويكون ذلك حسناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۴۷۲/۲، رشيديه)

(۲) "فإن بدل اللحم أو الجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ويتصدق، لانتقال القربة إلى البدل". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

تعمیر مہمان خانہ وغیرہ میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں ہوتا(۱)۔ جو جگہ مکتب کے لئے وقف کردی گئی ہے اس کو مہمان خانہ بنالینا اور اس کے عوض مکتب کو دوسری جگہ منتقل کردینا جائز نہیں (۲)۔ اور قیمت چرم قربانی کو تعمیر مکتب میں بھی خرچ کرنا درست نہیں۔

مکتب کے مہتمم کو اگر لوگوں نے چرم قربانی کا پیسہ دیا ہے تو مہتمم امین ہے، اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے، اس کو قرضہ دینا جائز نہیں، اگر قرض دیدیا اور لوگوں نے اس کو مسجد یا مہمان خانہ کی تعمیر میں خرچ کردیا تو مہتمم کے ذمہ اس کا ضمان لازم ہوگا(۳)، اس کو واجب ہے کہ اتنا پیسہ ان لوگوں کو واپس کردے جنہوں نے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کے لئے دیا تھا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

= "فإن بيع اللحم أو الجلد: أي بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٨/٦، سعيد)

(١) "لايصرف إلى بناء نحو مسجد". قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار وكل مالاتمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٣٤٤/٢، سعيد)

"مصرف الزكوة والعشر .... وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذور وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٣٣٩/٢، سعيد)

(٢) "اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: والثالث: أن لا يشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خيرٌ منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار: ٣٨٤/٤، ٣٨٨، كتاب الوقف، سعيد)

(٣) "ولو خلط زكاة موكليه، ضمن، وكان متبرعاً". (الدر المختار). "(قوله: ضمن، وكان متبرعاً)؛ لأنه هلكه بالخلط وصار مؤدياً مال نفسه قال في التاتارخانية، إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ٢٦٩/٢، سعيد)

"المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء أو إيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل =

قیمتِ چرم سے پختہ مزار وغیرہ بنوانا

سوال[۸۵۲۶] : کیا قربانی کی کھال اپنے پیر یا کسی بزرگ کے مزار بنوانے یا اپنے اعزہ کی پختہ قبر وگنبد کے بنوانے میں لگانا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قیمت چرم قربانی زکوۃ کی طرح واجب التصدق ہے اور واجب التملیک ہے، کذا فی الدر المختار (۱)، مواقعِ مذکورہ میں تملیک متحقق نہ ہونے کی وجہ سے صرف کرنا درست نہیں۔ قبر پختہ اور اس پر گنبد بنانا منع ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

قیمتِ چرم قربانی اور زکوۃ میں فرق

سوال[۸۵۲۷] : قربانی کی کھال اگر خود استعمال کرے تو جائز ہے اور اگر بیچ ڈالے تو اس رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ زکوۃ خود استعمال نہیں کرسکتا ہے اور کھال اپنی ضرورت میں استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قربانی میں عبادات اراقۃ الدم (یعنی خون بہانے) سے ادا ہوگئی (۳)۔ لحم، شحم، عظم، چرم کو خود بھی

= بقبض وكالته هو في حكم الوديعة عند الوكيل، فإذا تلف بلا تعد و لا تقصير، لا يلزم الضمان".
(شرح المجلة: ۱/۴۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳) ، مكتبه حنفيه كوئته)

(۱) "فإن بيع اللحم، أو الجلد به: أي بمستهلك أو بدارهم، تصدق بثمنه : أي بالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۲) "لايصرف إلى بناء نحو المسجد". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: نحو المسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار .... وكل مالاتمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(۳) "لأن القربة في الأضحية هي إراقة الدم". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز =

استعمال کرسکتا ہے، ایسے لوگوں کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے جن کو زکوۃ نہیں دے سکتا، مثلاً: اصول وفروع، غنی، سید(۱)۔ البتہ اگر فروخت کردے تو قیمت کا تصدق واجب ہے(۲)، کیونکہ فروخت کر کے قیمت خود رکھ لینا متضمنِ تمول ہے اور اضحیہ سے حقِ انتفاع تو حاصل ہوتا ہے حقِ تمول حاصل نہیں ہوتا(۳)، اس لئے اگر چرمِ قربانی ایسی چیز کے عوض فروخت کردے جو از قبیلِ دراہم ودنانیر ہو جن کے بقاء سے انتفاع نہیں ہوتا "إلا إذا فر فرار الآبق" بلکہ ایسی چیز ہو جس کے بقاء سے انتفاع ہوتا ہو، جیسے: دری، قالین وغیرہ کہ اس سے انتفاع کے لئے اہلاک کی حاجت نہیں ہوتی تو اس کا تصدق واجب نہیں۔

زکوۃ کی حقیقت ہے: "تمليك مال، الخ" (٤) جس کے لئے اخراج عن الملک ضروری ہے(۵) اور

= إقامة الواجب: ٦/٣٠٥، دارالكتب العلمية بيروت)

"فإن التضحية إراقة الدم". (فتح القدير، كتاب الأضحية: ٩/٥٠٧، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(١) "ويأكل من لحم الأضحية، ويؤكل غنياً، ويدخر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٧، سعيد)

"ويستحب أن يأكل منها، ولو حبس الكل لنفسه، جاز؛ لأن القربة في الإراقة، والتصدق باللحم تطوع". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

"وقيد بالصدقة الواجبة؛ لأن صدقة التطوع الأولى دفعها إلى الأصول والفروع". (البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب صدقه الفطر: ٢/٤٢٥، رشيديه)

(٢) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أى بمستهلك أو بدارهم، تصدق بثمنه: أى بالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

(٣) "ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال و جراب؛ لأنه جزء منها، وكان له التصدق والانتفاع به ...... و لا يبيعه بالدراهم لينفق على نفسه و عياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ٨/٣٨٦، رشيديه)

(٤) "فالأولى أن يقال: "أل" في المال للعهد: أى المعهود إخراجه شرعاً ولم يعهد فيها إلا التمليك وكون المخرج ربع العشر، وبه عرف أن حقيقتها تمليك ربع العشر لاغير". (منحة الخالق على البحر الرائق، أول كتاب الزكوة: ٢/٣٥٢، رشيديه)

(٥) "كما قدمه في تعريف الزكاة؛ لأن الواجب عليه الإخراج عن ملكه رقبةً و منفعةً". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ٢/٤٢٥، رشيديه)

خود استعمال سے اخراج عن الملک نہیں ہوتا۔ھذا فرق بینھما۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چرم قربانی کی قیمت چوری ہوگئی تو کیا کرے؟

سوال[۸۵۲۸]: زید کی جیب سے کسی پاکٹ مار، نے قربانی کی چرم کے پیسے- جو کہ پینتالیس روپے تھے- نکال لئے، زید نے یہ روپے مدرسہ میں صدقہ کرنے کے لئے رکھے تھے۔ تو کیا یہ شریعت کی طرف سے معاف ہوگیا یا واجب الاداء ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب کہ زید نے قربانی کی کھال فروخت کردی تھی تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب تھا(۱)، صدقہ کرنے سے پہلے چوری ہوجانے سے واجب ادا نہیں ہوا، اب اتنی مقدار اپنے پاس سے دے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

قیمتِ چرم قربانی سے جلد بندی

سوال[۸۵۲۹]: چرم قربانی یا اس کی قیمت سے قومی کتب خانوں کی جلد بندی کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ علمائے دین اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

---

(۱) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أى بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه: أى بالدراهم فيما لو أبدله بها". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

(۲) "و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولايخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت، لا تسقط عنه الزكوة. ولو مات، كانت ميراثاً عنه". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء: ۲۷۰/۲، سعيد)

"إنه لا يخرج بعزل ما وجب عن العهدة، بل لا بد من الأداء للفقراء". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲۱۱/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۳۹۰/۱، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرمِ قربانی لحم قربانی کی طرح ہے یعنی اس کو اپنے کام میں لانا درست ہے(۱)، امیر، غ . . .، سید وغیرہ کو دینا بھی جائز ہے، لہٰذا اگر کسی مہتمم کتب خانہ کو تملیکاً دیدیا اور اس نے خود چرم سے، یا اس کو فروخت کر کے قیمت سے جلد بندی کرادی تو جائز ہے۔ اگر اصل مالک نے فروخت کردیا ہے تو تصدق واجب ہے، اس کے ذریعہ سے جلد بندی کرانا جائز نہیں۔ البتہ اگر قیمت کسی مستحق کو تملیکاً دیدی جائے اور وہ پھر جلد بندی کے لئے دیدے یا خود جلد بندی کرادے تو جائز ہے:

"ويتصدق بجلدها، أو يعمل منه نحو غربال أو جراب. واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، اهـ". عالمگیری بحذف: ۵/۱ ۳۰(۲)۔

"فإن بدل اللحم أو الجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ويتصدق به، اهـ" مجمع الأنهر: ۲/۱ ۵۲(۳)۔

"ولا ينبغي له أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط، وإنما يصرف إلى الفقراء لاغير. ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا على عمارة الرباط، جاز، ويكون ذلك حسناً، كذا في فتاوى قاضي خان". عالمگیری: ۲/۲۷۳(٤)۔

---

(۱) "لا بأس بأن ينتفع بإهاب الأضحية أو يشترى بها الغربال والمنخل". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في الانتفاع بالأضحية: ۳/۳۵۴، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۱ ۳۰، رشيديه)

(۳) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض والطرق: ۲/۴۷۲، رشيديه)

"وطاب لسيده وإن لم يكن مصرفاً للصدقة ما أدى إليه من الصدقات فعجز، لتبدل الملك، وأصله حديث بريرة رضي الله تعالى عنها: "هي لک صدقة و لنا هدية". بخلاف فقير أباح لغني . . . . . لايحل: لأن الملک لم يتبدل". (الدر المختار، كتاب المكاتب، باب موت المكاتب: ۶/۱۱۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ۲/۴۷۳، رشيديه)

قلت: و فی حکم العشر کلُّ ما یجب فیه التملیك مثل ثمن لحم الأضحية و جلدها وفی حکم عمارة الرباط کل ما لا تملیك فیه مثل تجلید الکتب۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

قربانی کے دودھ سے انتفاع

سوال[۸۵۳۰]: اگر قربانی کے لئے جانور خریدا اور اس کے تھنوں میں دودھ ہے تو اس کو دودھ کر اپنے کام میں لانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، اس لئے اگر قربانی کے وقت میں دیر ہو تو دودھ دوہ کر صدقہ کر دیا جائے، شامی: ۵/۲۰۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کی اون ذبح سے پہلے اپنے استعمال میں لانا

سوال[۸۵۳۱]: زید نے قربانی کے لئے دنبہ خریدا جس پر اون کافی مقدار میں ہے، اور قیمتی ہے،

---

(۱) "ویکره الانتفاع بلبنها قبله كما فی الصوف". (الدرالمختار). "فإن كانت التضحية قريبةً، ينضح ضرعها بالماء البارد، وإلا حلبه و تصدق به". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۹، سعيد)

"ويكره حلبها أوجز صوفها قبل الذبح و ينتفع به، فإن فعله تصدق به". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية، السادس فی الانتفاع: ۶/۲۹۴، رشيديه)

"ولو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها، يتصدق بها ولا ينتفع بها". (فتاوىٰ قاضی خان علی هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل الانتفاع بالأضحية: ۳/۳۵۴، رشيديه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ۶/۳۲۰، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية: ۵/۳۰۰، الباب السادس، رشيديه)

زید چاہتا ہے کہ اپنے کام میں لائے یا فروخت کرے۔ تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر اون کاٹ لی ہے تو اس کو صدقہ کردے، عالمگیری: ۴/ ۱۰۶ (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کی اون ذبح کے بعد اپنے کام میں لانا

سوال [۸۵۳۲]: قربانی کردی گئی، اس جانور کے تھنوں میں دودھ ہے، یا اس کے بدن پر اون ہے تو اس دودھ کو یا اس اون کو اپنے کام میں لانا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، عالمگیری: ۴/ ۱۰۶ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و لو اشترى شاةً للأضحية، يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينفع به؛ لأنه عينها للقربة، فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها .... و لو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها، يتصدق به". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب السادس فى بيان مايستحب فى الأضحية والانتفاع بها: ۵/ ۳۰۰، رشيديه)

"ولو اشترى شاة للأضحية، فيكره أن يحلبها أو يجز صوفها، فينتفع به؛ لأنه عينها للقربة، فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها .... فإن حلب تصدق باللبن؛ لأنه جزء من شاة متعينة للقربة ما أقيمت فيها القربة، فكان الواجب هو التصدق به، كمالو ذبحت قبل الوقت [وإن شربه] فعليه أن يتصدق بمثله؛ لأنه من ذوات الأمثال، وإن تصدق بقيمته جاز؛ لأن القيمة تقوم مقام العين. وكذلك الجواب في الصوف والشعر والوبر، ويكره له بيعها لما قلنا". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ۶/ ۳۲۰، ۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۹، سعيد)

(۲) "وإذا ذبحها في وقتها، جاز له أن يحلب لبنها و يجز صوفها وينتفع به؛ لأن القربة أقيمت بالذبح، والانتفاع بعد إقامة القربة مطلق كالأكل". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب السادس في=

قربانی کا بہا ہوا خون پینا

سوال[۸۵۳۳]: بہت سے آدمی دوا کے طور پر قربانی کا بہا ہوا خون پیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہا ہوا خون قربانی کا ہو یا کسی اَور طرح کا سب حرام اور نجس ہے: ﴿أو دماً مسفوحاً﴾ الآية (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، یکم/ شعبان/ ۹۰ھ۔

قربانی کے خون کا کیا کیا جائے؟

سوال[۸۵۳۴]: ۱.....قربانی کے خون کا کیا کیا جائے، یونہی چھوڑ دیا جائے، اس کے احترام کا کیا طریقہ ہے؟

قربانی کی ہڈیوں کا حکم

سوال[۸۵۳۵]: ۲.....قربانی کی ہڈیوں کا کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....شریعت نے قربانی کے خون کے احترام کرنے کا حکم نہیں کیا، جس طرح دوسرے ذبیحوں کا خون

= بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها: ۳۰۱/۵، رشيديه)

"وكره جزصوفها قبل الذبح، بخلاف مابعده لحصول المقصود". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۹/۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قل لا أجد فيما أوحي إليّ محرّماً على طاعم يطعمه، إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير، فإنه رجس﴾. (سورة الأنعام: ۱۴۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم و لحم الخنزير، وما أهل لغير الله به﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

ناپاک ونجس ہے اسی طرح قربانی کا خون بھی ناپاک ونجس ہے(۱)، یونہی چھوڑ دیا جائے اور گڈھے میں مٹی ڈال کر دبا دیا جائے(۲)۔

۲..... ہڈیوں کو دفن کر دیا جائے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: مہدی حسن غفرلہ، ۳۰/۱۲/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة آنفاً)

(۲) "ويدفن أربعة: الظفر، والشعر، وخرقة الحيض، والدم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۴۰۵/۶، سعيد)

(۳) "فإذا قلم أظفاره أو جز شعره، ينبغي أن يدفنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۳۵۸/۵، رشيديه)

"فإذا قلم أظفاره أو جز شعره، ينبغي أن يدفنه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۴۰۵/۶، سعيد)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى الختان: ۴۱۱/۳، رشيديه)

بابٌ فی مستحبات الأضحية وآدابها

(قربانی کے مستحبات اور آداب کا بیان)

قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا

سوال[۸۵۳۶]: قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے دن روزہ رکھنا حرام ہے(۱)، البتہ سنت یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی دس تاریخ کو قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے نہ پیئے، کھانے کی ابتدا قربانی کے گوشت سے کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

---

(۱) "والمكروه تحريماً كالعيدين". (الدر المختار). "أى وأيام التشريق". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۷۵/۲، سعيد)

"وصوم العيدين وأيام التشريق حرام، لورود النهى عن الصيام فى هذه الأيام". (مجمع الأنهر، كتاب الصوم: ۲۳۲/۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"وصوم العيدين وأيام التشريق حرام: أى مكروه تحريماً". (الدر المنتقى، كتاب الصوم: ۲۳۲/۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "الأكل فى أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنةٌ؛ لِمَا ثبت عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى حديث بريدة رضى الله تعالىٰ عنه: أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم، وكان لا يأكل يوم النحر شيئاً حتى يرجع، فيأكل من أضحيته". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحى، باب التصدق بلحوم الأضاحى وغيرها: ۲۶۷/۱۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين عن الصلوة وغيرها سمى عيداً، ص: ۵۳۶، قديمى)

ذی الحجہ کے روزے، اور قربانی سے کھانے کی ابتدا

سوال[۸۵۳۷]: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے یا دو رکھنے چاہئے؟ اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزے رکھنا بہت ثواب ہے (۱) اور نویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے (۲)۔ مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے اس سے پہلے نہ کھائے، لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ یا ناجائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما من أیام العمل الصالح فیهن أحب إلی الله من هذه الأیام العشر". فقالوا: یا رسول الله! و لا الجهاد في سبیل الله؟ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ولا الجهاد في سبیل الله، إلا رجل خرج بنفسه وماله، فلم یرجع من ذلک بشيء".

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "ما من أیام أحب إلی الله أن یتعبد له فیها من عشر ذي الحجه، یعدل صیام کل یوم منها صیامَ سنة، وقیام کل لیلة منها بقیام لیلة القدر". (جامع الترمذي: ۱/۱۵۸، باب ما جاء في العمل في أیام العشر، سعید)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۳۳۸، باب صوم العشر، إمدادیه ملتان)

(۲) "عن أبي قتادة رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "صیام یوم عرفة إني احتسب علی الله أن یکفّر السنة التي بعده والسنة التي قبله". (جامع الترمذي: ۱/۱۵۷، باب ما جاء في فضل صوم یوم عرفة، سعید)

(وإعلاء السنن، کتاب الصوم، باب استحباب صیام ستة من شوال وصوم عرفة وصوم عاشورا: ۹/۱۵۳، إدارة القرآن کراچي)

(۳) "الأکل من أضحیة التطوع والواجب غیر المنذور سنةٌ، لِمَا ثبت عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه =

قربانی سے قبل کچھ کھانا

سوال[۸۵۳۸]: قربانی سے قبل چائے، پان، روٹی وغیرہ کھانا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ نہ کھانا چاہئے۔ یہ حکم صرف اس شخص کے لئے ہے جس کے نام سے قربانی ہوتی ہے، یا عوام کے لئے بھی یہی حکم ہے؟ عیدین میں روزہ تو حرام ہے، پھر عیدالاضحیٰ میں قربانی سے پہلے کچھ کھانے پینے کی ممانعت کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روز سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لئے مستحب یہ ہے کہ اولاً ہر شخص دعوت یعنی قربانی سے کھائے، حقہ، پان، چائے وغیرہ کچھ اس سے پہلے نہ کھائے پئے، یہی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ اور یہ حکم اصالۃً اس کے لئے ہے جو قربانی کرے۔ تاہم اگر ابتداءً کوئی اور شئی کھالی تب بھی گناہ نہیں ہوگا، صرف خلاف اولیٰ ہوگا، یہی قول مختار ہے، کذا في مراقي الفلاح و طحطاوي، ص:۲۹۳(۱)۔ اور بعض فقہاء نے تبعاً اس حکم میں اس شخص کو بھی داخل کیا ہے جو قربانی نہیں کرتا، کذا في البحر: ۲/۱۶۳(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= وسلم في حديث بريدة رضي الله تعالىٰ عنه أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان لايخرج يوم الفطر حتى يطعم، وكان لا يأكل يوم النحر شيئاً حتى يرجع، فيأكل من أضحيته". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها: ۱۷/۲۶۷، إدارة القرآن كراچي)

"لكنه في الأضحى يؤخر الأكل عن الصلوة استحباباً، فإن قدمه، لا يكره في المختار".

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين عن الصلوة وغيرها سمي عيداً، ص: ۵۳۶، قديمي)

(۱) "لكنه في الأضحى يؤخر الأكل عن الصلوة استحباباً، فإن قدمه، لا يكره في المختار؛ لأنه عليه الصلوة والسلام كان لايطعم في يوم الأضحى حتى يرجع، فيأكل من أضحيته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶، قديمي)

(۲) "وهي أحكام الأضحى، لكن هنا يؤخر الأكل .... وأطلقه، فشمل من لا يضحّي".

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۸۴، رشيديه) .... =

دو رکعت نفل اور بال وناخن نہ ترشوانے سے قربانی کا ثواب

سوال[۸۵۳۹] : زید نے اپنے خطبے میں کہا کہ جس شخص میں قربانی کی استطاعت نہ ہو، اگر وہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ إنا أعطيناك پڑھے تو اس کو قربانی کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح سر کے بال اور ناخن نہ تراشے تو قربانی کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ کہاں تک اصلیت رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح دو رکعت پڑھنے سے قربانی کا ثواب ملنا میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا، زید سے حوالہ دریافت کیجئے۔ البتہ ناخن اور بال کے متعلق بعض علماء سے ایسا سنا ہے، اور حدیث میں قربانی والے کے لئے اس کو مستحب قرار دیا گیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی ذبح کرنے کا ثواب

سوال[۸۵۴۰] : ایک نیک آدمی ہے، محلہ کے لوگ قربانی اسی سے -اس کے نیک ہونے کی وجہ سے- ذبح کراتے ہیں۔ کیا اسے قربانی ذبح کرنے کا ثواب ملے گا؟

= "و يندب تأخير أكله عنها وإن لم يضح في الأصح، وإن أكل لم يكره". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(۱) احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف قربانی کرنے والے شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں بال اور ناخن نہ کاٹے:

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها ترفعه، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دخل العشر وعنده أضحية يريد أن يضحي، فلا يأخذن شعراً ولا يقلمن ظفراً".

"وعن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي، فليمسك عن شعره وأظفاره". (الصحيح لمسلم، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية: ۲/۱۶۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نیک آدمی کو ثواب ملتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۹ھ۔

قربانی کے وقت کی دعاء

سوال[۸۵۴۱]: ۱......نیت قربانی کی مع ادعیۂ ماثورہ کے بحوالۂ کتب تحریر فرمائیں۔

۲......موافق قرآن وحدیث کے وہ دعاء بھی ذکر فرمائیں جو قربانی کی مقبولیت کے لئے منقول ہو۔ بحوالہ حدیث تحریر فرمائیں۔

براہ کرم دونوں سوالوں کا جواب علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ﴿إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين﴾ اللهم منك ولك، الخ" اور یہ دعاء ذبح سے پہلے پڑھے، پھر "بسم الله، الله أكبر" کہہ کر ذبح کرے، کذا في مسند الدارمي، ص: ۲۴۹ (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و تعاونوا على البر والتقوى﴾ (سورة المائده: ۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من نفس عن مسلم كربةً من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربةً من كرب يوم القيامة. ومن يسر على معسر، يسر الله عليه في الدنيا والآخرة. ومن ستر على مسلم، ستر الله عليه في الدنيا والآخرة. والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه". (سنن أبي داؤد: ۳۲۸/۲، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (مسند الدارمي: ۱۰۳/۲، كتاب الأضاحي، باب السنة في الأضحية، (رقم الحديث: ۱۹۴۲)، قديمي)

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنهما، قال: ذبح النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يوم الذبح .... فلما وجّهها قال: "إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض على ملة إبراهيم =

۲......بعد ذبح کے یہ دعاء پڑھے:

"اللهم تقبل مني كما تقبلت من حبيبك محمد و خليلك إبراهيم عليهم السلام"۔

اس دعاء کا ماخذ وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد شریف نے روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم تقبل من محمد وآل محمد"(۱)۔ بذل المجهود: ۴/۷۰(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

جانور کی رسی کا صدقہ کرنا

سوال[۱۵۴۲]: قربانی کے جانور کو جس رسی میں یا زنجیر میں باندھا جاوے تو بجائے زنجیر کے اگر اس کی قیمت ادا کردی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

محمد خلیل کلیانوی، متعلم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= حنيفاً وما أنا من المشركين، إن صلواتي و نسكي و محياي و مماتي لله رب العالمين، ولا شريك له، وبذلك أمرت، وأنا من المسلمين، اللهم منك و لك عن محمد بسم الله والله أكبر". ثم ذبح". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۰، كتاب الضحايا، باب ما يستحب في الضحايا، مكتبه امداديه ملتان)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ دعاء "بسم اللہ" سے پہلے، یا کچھ دیر بعد پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ "بسم اللہ" پڑھتے وقت مذکورہ دعاء پڑھنا مکروہ ہے:

"ويستحب أن يجرّد التسمية عن الدعا، فلا يخلط معها دعاء، وإنما يدعو قبل التسمية أو بعدها، و يكره حالة التسمية". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ۶/۳۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سوادٍ وينظر في سوادٍ ويبرك في سوادٍ، فأتي به فضحّي به، فقال: "ياعائشة هلمّي المدية". ثم قال: "أشحذيها بحجر". ففعلت، فأخذها، وأخذ الكبش فأضجعه فذبحه، وقال: "بسم الله اللهم! تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد". ثم ضحّى به". (سنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۲/۳۰، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الضحايا، باب مايستحب من الضحايا: ۴/۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

الجواب حامداًو مصلیاً:

رسی یا زنجیر کا صدقہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں، قیمت ادا کرنے سے اس کا تو ثواب ہوگا، لیکن رسی کے صدقہ کا استحباب حاصل نہ ہوگا (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/۵۳ھ۔

قربانی کے جانور کی رسی کا صدقہ کرنا

سوال [۸۵۴۳]: قربانی کے جانور کی رسی اور جھول وغیرہ کو صدقہ کردینا واجب ہے، ہمارے یہاں کا رواج یہ ہے کہ لوگ جانور خرید کر پھر بائع کے پاس چرائی پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو چرائی کی اجرت دیتے ہیں، جب قربانی کرنی ہوتی ہے تو جا کر جانور کو اپنی رسی میں باندھ کر لاتے ہیں اور فوراً قربانی کردیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ اسی رسی میں پھر سے جا کر دوسرے جانور کو باندھ کر لاتے ہیں اور ذبح کردیتے ہیں ایسی صورت میں رسی اس جانور کی قرار پائے گی اور واجب التصدق ہوگی، یا وہ رسی جس میں بائع جانور کو اپنے گھر باندھتا تھا؟

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أمرني رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن أقوم علی بدنة وأن أقسم جلودها وجلالها، وأمرني أن لاأعطي الجازر منها شيئاً". (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، بابٌ: لايبيع من اضحيته شيئاً ولا يعطي أجر الجازر منها، (رقم الحديث: ۱۹۲۳۲): ۹/۴۹۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يعطى أجر الجزار منها، لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لعلیّ رضي الله تعالیٰ عنه: "تصدق بجلالها و خطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيما يستحب قبل الأضحية وعندها وبعدها ومايكره: ۶/۳۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کا جانور خرید کر جب لایا گیا اور بائع نے اس کو رسی میں باندھ کر دیا یعنی مع رسی کے تو اس رسی کو صدقہ کر دیا جائے (۱)، اگر اپنی رسی میں اس کو رکھا ہے تو اس کو صدقہ کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شرکائے قربانی کا وقتِ ذبح موجود ہونا

سوال [۸۵۴۴]: قربانی کے وقت ساتوں شرکاء کا موجود ہونا ضروری ہے یا اجازت کافی ہے جب کہ صرف تین چار آدمی ذبح خانہ میں چلے جاویں اور ذبح کر دیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سب شرکاء کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اجازت کافی ہے، البتہ موجود ہونا مستحب ہے:

"و ندب أن يذبح بيده إن علم ذلك، وإلا يعلمه، شهدها بنفسه و يأمر غيره بالذبح".

درمختار: ۵/ ۲۳۱ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۹/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

---

(۱) "و لا يعطى أجر الجزار منها، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعليّ رضي الله تعالىٰ عنه: "تصدق بجلالها وحطامها، ولا تعط أجر الجزار منها شيئاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۹، سعيد)

(۲) اس لئے کہ مذکورہ بالا عبارت "و خطامها" میں جو ضمیر ہے وہ قربانی کے جانور کی طرف راجع ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسی سے وہ رسی مراد ہے جو جانور خریدتے وقت اس کے ساتھ آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۸، سعيد)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لفاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: "قومي إلى أضحيتك فاشهديها، فإن لك بأوّل قطرة تقطر من دمها يغفر لك ماسلف من ذنوبك". قالت: يارسول الله! هذا لنا أهل البيت خاصةً أولنا وللمسلمين عامةً؟ قال: "بل لنا وللمسلمين عامةً". (المستدرك للحاكم، كتاب الأضاحي، (رقم الحديث: ۷۵۲۵): ۴/ ۲۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

قربانی کے جانور کوذبح کے وقت ہر حصہ دار کا ہاتھ لگانا

سوال[۸۵۴۵]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت ہر حصہ دار کا جانور کو ہاتھ لگانا ضروری ہے۔ کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ لگانا ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۴/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۴/۱۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "وندب أن لا تنقص الصدقة عن الثلث .... وان يذبح بيده إن أحسن، وإلا يأمر غيره ويحضرها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/۱۷۴، مكتبة غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، وأما بيان مايستحب قبل التضحية: ۴/۳۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قربانی ذبح کرتے وقت صرف حاضر ہونے کا حکم دیا، اگر ہاتھ لگانا بھی امر مستحسن ہوتا تو اس کا بھی حکم ارشاد فرما دیتے:

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يافاطمة! قومي إلى أضحيتك، فاشهديها، فإنه يغفر لك عند أوّل قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه وقولي: إن صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك أمرت، وأنا من المسلمين". قال عمران رضي الله تعالىٰ عنه : قلت: يارسول الله! هذا لك ولأهل بيتك خاصةً، فأهل ذاك أنتم، أم للمسلمين عامةً؟ قال: "لا، بل للمسلمين عامةً". (المستدرك للحاكم، كتاب الأضاحي، (رقم الحديث: ۷۵۲۴): ۴/۲۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

فصلٌ في نذر الأضحية

(قربانی کی نذر ماننے کا بیان)

قربانی کو شرط پر معلق کرنا

سوال[۸۵۴۶]: اگر کوئی یوں کہے کہ ''اگر یہ گائے گابھن ہوتو رکھوں گا ورنہ قربانی کروں گا''۔ فی الحال گائے گابھن نہیں ہوئی اس وقت گائے کو فروخت کرکے اس کے روپیہ سے دوسری گائے یا بیل لیکر قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں، بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ نذر بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور شخص مذکور تو انگر ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

الفاظِ مذکورہ فی السوال میں دو احتمال ہیں: ایک اپنے نفس سے وعدہ، دوسرے نذر۔ اگر نذر کی نیت نہیں کی ہے بلکہ وعدہ کی نیت ہے تب تو نذر ہے نہیں، محض وعدہ ہے جس کا پورا کرنا فرض نہیں، اگر اس کی مصالح کا تقاضہ ہو تو فروخت کرنا جائز ہے، اس کے عوض دوسری گائے وغیرہ کی قربانی کردے:

هكذا يفهم مما ذكر في البدائع: ٥/٨٤:

"ولو قال: أنا أحرم و أنا محرم وأهدي أو أمشي إلى البيت، فإن نوى به الإيجاب، يكون إيجاباً؛ لأنه يذكر و يراد به الإيجاب.......... وإن نوى أن يَعِد من نفسه عِدَةً و لا يوجب شيئاً، كان عدةً، ولاشيء عليه؛ لأن اللفظ يحتمل العِدَة؛ لأنه يستعمل في العدات. وإن لم يكن له نيته، فهو على الوعد؛ لأنه غلب استعماله فيه، فعند الإطلاق يحمل عليه. هذا إذا لم يعلّقه بالشرط، فإن علقه بالشرط بأن قال: إن فعلت كذا فأنا أحرم، فهو على الوجوه الذي بيّنّا أنه إن نوى الإيجاب يكون إيجاباً، وإن نوى الوعد يكون وعداً، لماقلنا. وإن لم يكن له نية، فهو على الإيجاب، الخ"(١)۔

(١) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل في شرائط ركن النذر: ٦/٣٢٠، دار الكتب العلمية بيروت) =

اگر وعدہ کی نیت نہیں تھی، یا نذر کی نیت کی ہے تو شرعاً نذر ہوگئی:

"أما الذي يجب على الغني والفقير، فالمنذور به بأن قال: لله عليّ أن أضحي شاةً، أو بدنةً، أو هذه الشاة، أو هذه البدنة، أو قال: جعلتُ هذه الشاة ضحيةً أو أضحيةً وهو غني وفقير". بدائع: ٥/٦١ (١)۔

اور چونکہ وقت کی تحدید نہیں کی ہے، لہذا گابھن ہونے کے لئے قربانی کے وقت تک انتظار کرنا چاہیے، اس وقت تک اگر گابھن نہ ہو تو پھر اس کو قربانی کردینا چاہیے۔ اگر دوسری گائے قربانی کے لئے خرید لی تو پھر طرفین کے نزدیک اس گائے کو فروخت کرنا جائز ہے اور جس قدر اس کی قیمت میں کمی ہو اس کو صدقہ کرنا لازم ہے:

"رجل اشترى شاةً للأضحية و أوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى، جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى. فإن كانت الثانية شراً من الأولى وذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل مابين القيمتين؛ لأنه لمّا وجب الأولى بلسانه فقد جعل مقدار مالية الأولى لله تعالى، فلا يكون له أن يستفضل لنفسه شيئاً، فلهذا يلزمه التصدق بالفضل". فتاوى قاضي خان (٢)۔

= "رجل اشترى شاةً للأضحية و أوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى، جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ. فإن كانت الثانية شراً من الأولى وذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل مابين القيمتين؛ لأنه لما أوجب الأولى بلسانه، فقد جعل مقدار مالية الأولى لله تعالىٰ، فلا يكون له أن يستفضل لنفسه شيئاً، فلهذا يلزمه التصدق بالفضل .... قال الإمام السرخسي: الصحيح أن الجواب فيهما على السواء يلزمه التصدق بالفضل، غنياً كان أو فقيراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر: ٥/٢٩٤، رشيديه)

(١) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ٦/٢٧٥، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية: ٣/٣٤٧، رشيديه)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وماهو في معناه: ٥/٢٩٤، رشيديه)

اوراس گائے کی قربانی کرنے سے جوقربانی شرعاً ایامِ نحر میں واجب ہوتی ہے وہ ساقط نہ ہوگی، بلکہ اس واجب کی ادائیگی کے لئے مستقل قربانی ضروری ہے:

"ولو قال ذلك قبل أيام النحر، يلزمه التضحية بشاتين بلا خلاف، الخ".

بدائع: ٥/٦٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ ذیقعدہ/۵۲ھ۔

متعین جانور کی قربانی کی نذر ماننے کی ایک صورت

سوال[۸۵۴۷]: زید نے ایک بھینس کا بچہ پالا وہ گم ہوگیا، اس نے کہا کہ اگر وہ مل گیا تو اللہ کے واسطے اس کی قربانی کردوں گا، چنانچہ وہ مل گیا، لیکن زید کو اب اس کی ضرورت ہے۔ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ اس کو خود رکھ لے اور اس کے عوض دوسرے جانور کی قربانی کردے جو کہ اتنی ہی قیمت کا ہو، یا اس کی قربانی ضروری ہے؟

نوٹ: وہ بچہ اب بچہ نہیں، بلکہ بڑا بھینسا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اسی کی قربانی لازم ہے، اگر قربانی کے ایام گزر جائیں اور اس کی قربانی کی نوبت نہ آئے تو اس کو زندہ صدقہ کردے، شامی: ٥/٢٠٤(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، قبيل فصل في شرائط الوجوب: ٢٨١/٦، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو نذر أن يضحي شاةً ...... ولو قبل أيام النحر، لزمه شاتان بلا خلاف؛ لأن الصيغة لاتحتمل الإخبار عن الواجب؛ إذ لا وجوب قبل الوقت". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٠/٦، سعيد)

(٢) "أنه إذا أوجب شاةً بعينها أو اشتراها ليضحي بها، فمضت أيام النحر، تصدق بها حيةً، ولا يأكل منها لانتقال الواجب من الإراقة إلى التصدق". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٣٢٧/٦، سعيد)

"فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر، يتصدق =

قربانی کی نذر کی تفصیل

سوال[۸۵۴۸]: ہماری شریعتِ مصطفویہ کے مفتیانِ عظام سے استفتاء یہ ہے کہ شاۃ منذورہ یا بقرہ سال میں قربانی کے لائق ضرور ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو اسامی کتب و متعین صفحہ سے بنقلِ عبارات جواب شافی عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: مولوی دوست محمد صاحب۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شاۃ منذورہ کی صورت اگر صورت اضحیہ کی ہے یعنی اس طرح نذر کی ہے "للّٰه عليّ أن أضحي شاةً" تو اس میں تمام شرائطِ اضحیہ کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ ایسی نذر میں تضحیۂ شاۃ اس کے ذمہ واجب ہے، ایامِ نحر میں ایسی شاۃ کی قربانی کرے جس کی اضحیہ شرعاً درست ہے۔ اگر بصورت ہدی نذر کی ہے تو اس کو حرم میں قربانی کرائے۔

اگر ہدی اور اضحیہ کے طور پر نذر نہیں کی، بلکہ مطلقاً شاۃ کو تصدق کرنے یا ذبح کر کے اس کا لحم صدقہ کرنے کی نذر کی ہے جب بھی اس کی عمر اتنی ہی ضروری ہے جس کی قربانی درست ہے، کیونکہ عرفاً و شرعاً ایسی شاۃ کو "شاۃ" کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شاۃِ معینہ مشارٌ الیہا کی نذر کی ہے تو اس میں یہ شرطیں نہیں، بلکہ وہ جس عمر کی بھی ہو اس سے نذر پوری ہو سکتی ہے اور ان ہر دو صورت میں ایامِ نحر یا حدود حرم کی بھی قید نہیں۔

آخری صورت بالکل ایسے ہی ہے جیسے شاۃ کے علاوہ کوئی شئ معین کر کے اس کے تصدق کی نذر کرے:

"الأضحية اسم لما يذبح في وقت مخصوص لم يكن فيها إلغاء الوقت، فإذا نذرها يلزم

= بعينها حيةً". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب: ۲۹۳/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۴۷۸/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۵۱۳/۹، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۰/۴، غفاریہ کوئٹہ)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۱۶۳/۴، دار المعرفة بيروت)

فعلها فیه، وإلا لم یکن آتیاً بالمنذور؛ لأنها بعدها لا تسمی أضحیةً، ولذا یتصدق بها حیةً إذا خرج وقتها کما قدمناه، بخلاف ما إذا نذر ذبح شاة فی وقت کذا، یلغو. وذکر الوقت؛ لأنه وصف زائد علی مسمی الشاة، ولذا ألغی علماؤنا تعیین الزمان والمکان بخلاف الأضحیة، فإن الوقت قد جعل جزءاً من مفهومها تلزم اعتباره.

ونظیر ذلک ما: لو نذر هدی شاة، فإنهم قالوا: إنما یخرجه عن العهدة ذبحها فی الحرم والتصدق بها هناك .... وما ذاك إلا لکون الهدی إسماً لما یهدی إلی مکة ویتصدق به فیها، فقد جعل المکان جزءاً من مفهومه کالزمان فی الأضحیة، فإذا تصدق به فی غیر مکة، لم یأت بما نذره، اهـ". شامی: ۵/۲۳۴(۱)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۳۳، سعید)

"أما الذی یجب علی الغنی والفقیر، فالمنذور به بأن قال: لله علیّ أن أضحی شاةً، أو بدنةً، او هذه الشاة، أو هذه البدنة، أو قال: جعلتُ هذه الشاة ضحیةً أو أضحیةً وهو غنی وفقیر؛ لأن هذه قربة لله تعالیٰ عزّ شأنه من جنسها إیجاب، وهو هدی المتعة، والقران، والإحصار، وفداء إسماعیل علیه الصلوة والسلام، وقیل. هذه القربة تلزم بالنذر کسائر القرب التی لله تعالیٰ عزّ شأنه من جنسها إیجاب من الصلوة والصوم ونحوهما، والوجوب بسبب النذر یستوی فیه الفقیر والغنی". (بدائع الصنائع، کتاب التضحیة: ۶/۲۷۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

"فإن کان اشتری الأضحیة أو أوجب علی نفسه بالنذر، وجب علیه أن یتصدق بذلک الذی أوجبه أو اشتراه؛ لأنها تعینت بالشراء بنیة الأضحیة، أو بالنذر، فلا یجزئه غیرها، إلا إذا کان قدر قیمتها بخلاف الغنی؛ لأن الأضحیة واجبة فی ذمته، فیجزئه التصدق بالشاة عنه، أو بقیمتها. ولا یجب علیه أکثر من ذلک، إلا إذا التزم التضحیة بالنذر وعنی به غیر الواجب فی ذمته، فحینئذ یجب علیه أن یتصدق بالمنذور کما بینا فی حق الفقیر مع الواجب الذی فی ذمته، وهی الشاة التی وجبت بسبب الیسار وکذا إذا أطلق النذر ولم یرد به الواجب فی ذمته، یجب علیه غیره معه. وإن أراد به الواجب بسبب الغنا، لایلزمه غیره؛ لأن النذر إیجاب، والإیجاب ینصرف إلی غیر الواجب ظاهراً، ولکن یحتمل الصرف إلی الواجب تاکیداً له، ونظیره النذر بالحج وعلیه حجة الإسلام، فإنه یلزمه حجة أخری، إلا إذا عنی به ماهوا لواجب علیه" (تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۲۷۸، ۲۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت) .... =

قال العلامة الكاساني بعد نذر الأضحية والهدي: "ولا يجوز فيها إلا ما يجوز في الأضاحي، وهو الثنيّ من الإبل والبقر، والجذعُ من الضأن إذا كان ضخماً".

بدائع: ۵/۸۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/۶۲ھ۔

ایامِ قربانی کے بعد شاۃِ منذورہ متعینہ کا حکم

سوال[۸۵۴۹]: زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک قربانی کروں گا۔ اللہ کے حکم سے وہ کام ہوگیا اور زید نے نذر پوری کرنے کے لئے ایک بکری خرید بھی لی، مگر اس کی قربانی کی نوبت نہیں آئی، یہاں تک کہ قربانی کی تاریخیں بھی گزر گئیں۔ تو زید اب اس بکری کی قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس کی قربانی درست نہیں، زید کو چاہئے کہ وہ بکری زندہ کسی فقیر مستحقِ زکوۃ کو صدقہ کردے، کما

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات: ۳۰۶/۵، رشيديه)

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل في شرائط ركن النذر: ۳۴۲/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو قال: لله أن أذبح جزوراً و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه، جاز ...... ووجهه لايخفى". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "و هو أن السبع تقوم مقامه في الضحايا والهدايا". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر: ۷۴۰/۳، سعيد)

"قلت: إنما تعين المكان في نذر الهدي، والزمان في نذر الأضحية؛ لأن كلا منهما اسم خاص معين، فالهدي ما يُهدى للحرم، والأضحية ما يذبح في أيامها، حتى لو لم يكن كذلك لم يوجد الاسم". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۷۴۱/۳، سعيد)

"تصدق بها حيةً ناذرٌ -فاعل تصدق- لمعينة و لو فقيراً. لو ذبحها، تصدق بلحمها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۶، سعيد)

قاله ابن عابدين في الشامي: ۵/۲۰۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو تركت التضحية ومضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذرٌ –فاعل تصدق– لمعينة و لو فقيراً".
(الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

"ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر، فقد فاته الذبح، فإن كان أوجب على نفسه شاة بعينها بأن قال: لله علي أن أضحي بهذه الشاة، سواء كان الموجب فقيراً، أو غنياً، أو كان المضحي فقيراً، وقد اشترى شاة بنية الأضحية، فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية، وإن كان من لم يضح غنياً، ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى، أو لم يشتر، كذا في العتابية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الرابع، فيما يتعلق بالمكان والزمان: ۵/۲۹۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۲/۴۷۸، ۴۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

باب المتفرقات

غلطی سے ایک نے دوسرے کی قربانی ذبح کردی

سوال [۸۵۵۰]: دوآدمیوں نے قربانی کے لئے دوبکریاں خریدیں، مگران میں کوئی شناخت ایسی نہیں تھی کہ دونوں اپنی اپنی بکریوں کو پہچان سکیں، یا شناخت تھی مگر بھول گئے اور دونوں نے ایک ایک بکری کی قربانی کردی، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی نے بھی اپنی بکری کی قربانی نہیں کی بلکہ ہر ایک نے دوسرے کی بکری کی قربانی کی ہے۔ ایسی صورت میں کیا دونوں کو دوبارہ قربانی لازم ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نہیں، بلکہ دونوں کی قربانی ہوگئی، شامی: ۵/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

دوسرے مقام پر روپیہ بھیج کر قربانی کرانا

سوال [۸۵۵۱]: زید کانپور میں پیدا ہوا اور اس شہر میں پرورش پائی اور سکونت بھی اختیار کرلی، مگر

---

(۱) "ولو غلط اثنان وذبح كلٌّ شاة صاحبه يعني نفسه .... صح استحساناً بلا غرم". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۹، سعيد)

"ولو غلطا و ذبح كلٌّ أضحية صاحبه، صح ولايضمنان". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/ ۴۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/ ۱۷۵، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الأضحية: ۹/ ۵۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الأضحية: ۴/ ۴۴۹، امداديه)

قربانی اپنے وطن میں روپے بھیج کر گائے بکرے وغیرہ کی کرتا ہے، کچھ تو رقم کی سہولت اور کچھ گائے وغیرہ کی قربانی کی اجازت شہرکان پور میں نہ ہونے کی وجہ سے اپنے وطن میں کراتا ہے۔ تو درست ہے یا نہیں؟ اس کو اپنے ہی شہر میں قربانی کرنی چاہئے یا دوسرے شہر میں جہاں اعزہ واقارب رہتے ہیں کرسکتا ہے، ثواب میں تو کچھ کمی نہ ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح بھی قربانی درست ہے (۱)، اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے (۲) اور اپنی قربانی کا گوشت

---

(۱) "والمعتبر في ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر، يجوز كما انشق الفجر". (البحر الرائق: ۸/ ۳۲۱، كتاب الأضحية، رشيديه)

"فلو كانت في السواد والمضحي في المصر، جازت قبل الصلوة". (ردالمحتار: ۶/ ۳۱۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۰، غفاريه كوئته)

"إذا كان من عليه الأضحية في المصر والشاة في المصر، فإن كان .. المصر والشاة في الرستاق، أو في موضع لايصلي فيه، وقد كان أمر أن ضحوا عنه، فضحوابها بعد طلوع الفجر قبل صلوة العيد، فإنها تجزيه، وعلى عكسه لوكان هو في الرستاق والشاة في المصر، وقد أمر من يضحي عنه، فضحوا بها قبل صلوة العيد، فإنها لاتجزيه، وإنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه، هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في النوادر وقال: إنما أنظرإلى موضع المذبوح عنه، وهكذا روى الحسن عن أبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ يعتبر المكان الذي يكون فيه الذبح، ولا يعتبر المكان الذي يكون فيه المذبوح عنه، وإنما كان كذلك؛ لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها، لامكان المفعول عنه.

وإن كان الرجل في مصر وأهله في مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه، روى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه اعتبر مكان الذبيحة، فقال: ينبغي لهم أن لاتضحوا عنه حتى يصلي الإمام الذي فيه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن يصلي لم يجزه، وهو قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/ ۳۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن المسيب بن رافع أن أبا موسى رضي الله تعالىٰ عنه كان يأمر بناته أن يذبحن نسائكهن بأيديهن". قال العلامة ظفر أحمد العثماني: "وأثر أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه يدل على أفضلية المباشرة". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب أفضلية مباشرة التضحية بنفسه: ۱۷/ ۲۷۵، ۲۷۶، إدارة القرآن كراچي) =

کھانے کی فضیلت حاصل نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قربانی کا جانور خرید کر پھر فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسرا جانور خریدنا

سوال [۸۵۵۲]: ایک ہندو عورت سے چند مسلمانوں نے گائے خرید لی، دوسرے ہندوؤں کو معلوم ہونے پر اس عورت کو ڈرایا دھمکایا، اس عورت نے شور مچا کر وہ گائے مسلمانوں کو مجبور کر کے واپس لی، مسلمانوں نے اس عورت کو گائے واپس دے کر پانچ دن خوراک کا ایک روپیہ اور دس روپے منافع اور دس روپے اصل قیمت واپس لے لی۔ اور گیارہ روپے منافع جو لیا تھا، اس میں تین روپے اور ملا کر دوسری گائے خرید لی۔ اب منافع سے جو دوسری گائے لیکر قربانی کی گئی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

= قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالى: "وندب أن يذبح بيده إن علم ذلك؛ لأن الأولى في القربة أن يتولاها الإنسان بنفسه، وإن أمر به غيره فلا يضر؛ لأنه عليه الصلوة والسلام "ساق مأة بدنة، فنحر منها بيده نيفاً وستين، ثم أعطى المدية علياً رضي الله تعالى عنه فنحر الباقي". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۲/۴۸۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأن يذبح بيده إن علم ذلك، وإلا يعلمه، شهدها بنفسه ويأمر غيره بالذبح كي لايجعلها ميتة". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

(۱) "الأكل من أضحية التطوع والواجب غير المنذور سنة". (إعلاء السنن: ۱۷/۲۶۷، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها، ادارة القرآن كراچي)

قال العلامة فخر الدين الزيلعي رحمه الله تعالى: "وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث؛ لأن الجهات ثلاثة: الإطعام، والأكل، والادخار لما روينا، ولقوله تعالى: ﴿وأطعموا القانع والمعتر﴾ [سورة الحج: ۳۶]: أي السائل والمعترض للسؤال، فانقسم عليها أثلاثاً، وهذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۲/۴۸۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: ويأكل من لحم الأضحية الخ) هذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کی قربانی درست ہوگئی (اس کی قیمت کو اصل قرار دے کر منافع کو صدقہ کرنا دینا چاہئے)(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

قربانی کی اطلاع پولیس کو دینا

سوال[۸۵۵۳]: اوپر لکھی ہوئی مسمیان نمبر۱-نمبر۲ (بظاہر اشخاص کے نام ہیں لیکن اصل نسخہ میں تتبع کرکے سیاق وسباق سے کچھ اندازہ نہ ہوسکا، مخرج) موضع شہوراتیو پوسٹ تھانہ وضلع مذکور الصدر کے ہیں، نیز مسمیان نمبر: ا تا ۴ موضع تبو کے رہنے والے جن کا پورا پتہ مذکور ہے ان دونوں گاؤں کے درمیان فاصلہ ایک فرلانگ کا ہے۔ امسال بقرعید مورخہ ۲۰/ مارچ ۶۸ء کو ہوئی مسمیان نمبر۱ تا نمبر۲۔نے مورخہ ۱۷/ مارچ/ ۶۸ء کو قربانی کی۔

چونکہ یوپی میں اکثریت کٹر قسم کے ہندوؤں کی ہے اس لئے وہاں کے مسلمانوں کو ضروری ہوگیا ہے کہ وہ مقامی ہندو باشندوں سے مل جل کر رہیں، اپنی طرف سے مسلمان ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے ہندوؤں کے دلوں میں کسی قسم کا غیر فطری یا انتقامی جذبہ پیدا ہو، ایسی حالت میں کسی مسلمان کا گائے ذبح کرنا-خواہ اس کا مقصد دینی یعنی قربانی کیوں نہ ہو-اس گاؤں کے رہنے والے مسلمانوں نیز اطراف میں رہنے والے مسلمانوں کو کس قدر جانی و مالی نقصان میں مبتلا کرسکتا ہے،اس کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں، کیونکہ اخبارات شاہد ہیں کہ صرف گاؤکشی جھوٹا بہانا بناکر مسلمانوں کو مارا پیٹا اور پھونکا گیا، ان کی بے عزتی کی گئی اور دوسرے نقصان

---

(۱) "رجل اشتری شاةً للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشتری أخری، جاز له بيع الأولی في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالی. وإن كانت الثانية، شراً من الأولی و ذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل مابين القيمتين". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وماهو في معناه: ۵/ ۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية: ۳/ ۳۴۷، رشيديه)

اٹھانے پڑے۔

اور یہاں ہمارے گاؤں کے چاروں طرف ہندوؤں کی اکثریت اور آبادی ہے اور چونکہ ہم لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی کا ہے، مقامی اور غیر مقامی ہندوؤں سے ملے اور قانون کے بغیر ہمارے کام سرانجام نہیں دیئے جاسکتے ہیں اور پھر یوپی میں ذبح گاؤ ازروئے تعزیراتِ ہند ممنوع بھی ہے۔

جب میں نے سنا کہ مسمیان نمبرا تا نمبر۴ نے ایک عدد گائے ذبح کی ہے تو میں نے قبل اس کے کہ مقامی اور غیر مقامی ہندوؤں کو اس کی اطلاع پہونچتی اور وہ کسی قسم کی کاروائی پر آمادہ ہوتے میں نے مقامی پولیس اسٹیشن کو اطلاع دیدی اور مسمیان نمبرا تا نمبر۴ کو گرفتار کروایا، کیونکہ اس گائے کے ذبح کرنے میں انہیں چاروں نے حصہ لیا تھا جو ایک ہی گھر کے افراد ہیں۔ میری اس کاروائی سے مقامی ہندوؤں نے کسی قسم کی کوئی جوابی کاروائی نہیں کی اور نہ ہی ان کے دلوں میں کسی قسم کا انتقامی جذبہ پیدا ہوا، بلکہ وہ سب کے سب خاموش رہے اور قانون کے حوالہ کئے گئے۔

افراد کی قانونی کاروائی دیکھتے رہے اور سنتے رہے، لیکن ہم اوپر لکھے ہوئے مسمیان نمبرا تا نمبر۲ کے اوپر جو مصیبت نازل ہوئی وہ یہ ہے کہ مسمیان نمبرا تا ۴ کے کورٹ میں جانے اور ضمانت پر رہا ہونے کے بعد یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ہم دونوں نے شرع محمدی میں مداخلت بے جا کی ہے اور پولیس اسٹیشن کو اطلاع دیکر بھاری شرعی غلطی کی ہے، لہذا گاؤں کے دوسرے مسلمانوں سے مل کر ہم دونوں کا سماجی اور مذہبی بائیکاٹ کرنا اور کرانا چاہتے ہیں۔

اس تحریر کی وجہ اور مقصد یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو اجتماعی طور پر مالی اور جانی نقصانات سے بچانے کے لئے یا کسی مسلمان کے کئے گئے اس فعل سے جو بربادی اور تباہی دوسرے مسلمانوں پر مسلط ہونے والی تھی بچانے کے لئے ہم دونوں کا اقدام ہمیں مجرم گردانتا ہے اور ہم دونوں بحیثیتِ مسلمان قانونی اور مذہبی مجرم ہیں یا نہیں؟

نمبرا: محمد سلیم، نمبر:۲، طاہر علی بن محمد عیسی خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قطع نظر اس سے کہ ان چاروں افراد کا مذکورہ اقدام تعزیراتِ ہند کے خلاف ہے یا کہ نہیں آپ نے خود ہی جا کے شکایت اور چغلی کر کے ان کو گرفتار کرادیا، یہ شکایت آپ نے قانونِ حکومت کے احترام کے جذبہ

سے نہیں کی، بلکہ کاشتکاری پیشہ کی وجہ سے ہندوؤں سے مل جل کر رہنا ہوتا ہے(۱)، اگر وہ مشتعل ہو جائیں تو آپ کے کام اور پیشہ میں اندیشہ تھا۔ نیز فساد ہو کر دوسرے مسلمانوں کو بھی نقصان کا اندیشہ تھا، اس وجہ سے آپ نے شکایت کی ہے، مگر آپ کا یہ اندیشہ قطعی اور یقینی نہیں تھا (۲)، ہوسکتا تھا کہ اس قربانی کی اطلاع ہی نہ ہوتی اور کوئی فساد نہ ہوتا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ اطلاع ہونے پر بھی ان کے جذبات نہ بھڑکتے اور فساد نہ ہوتا۔ اور ان دونوں باتوں کے بھی بظاہر شواہد موجود ہیں، کہیں ایسا بھی ہوا کہ اطلاع نہیں ہوئی۔ اور کہیں ایسا بھی ہوا کہ اطلاع ہوئی مگر فساد نہیں ہوا، تعلقات خوشگوار رہے۔

اور جہاں جہاں مسلمانوں کو جلا دیا گیا اور قتل کیا گیا، جانی و مالی ہر طرح کا نقصان پہونچایا گیا، کیا وہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا، فتمسكم النار، وما لكم من دون الله من أولياء، ثم لاتنصرون﴾ (سورہ هود : ۱۱۳)

"﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾: أى لاتميلوا إليهم أدنى ميل، والمراد بهم المشركون كما روى ذلك ابن جرير، وابن حاتم عن ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما. وفسر الميل بميل القلب إليهم بالمحبة، وقد يفسر بما هو أعم من ذلك كما يفسر ﴿الذين ظلموا﴾ بمن وجد منه مايسمى ظلماً مطلقاً ..... ويشمل النهى حينئذ مداهنتهم وترك التغيير عليهم مع القدرة والتزىّ بزيّهم وتعظيم ذكرهم ومجالستهم من غير داع شرعى، وكذا القيام لهم ونحو ذلك .... قالوا: وإذاكان حال الميل فى الجملة إلى من وجد منه ظلم مافى الإفضاء إلى مساس الناس النار، فما ظنّك بمن يميل إلى الراسخين فى الظلم كل الميل، ويتهالك على مصاحبتهم ومنادمتهم. ويتعب قلبه، وقالبه فى إدخال السرور عليهم، ويستنهض الرجل والخيل فى جلب المنافع إليهم، ويبتهج بالتزىّ بزيّهم والمشاركة لهم فى غيّهم، ويمد عينيه إلى مامتعوا به من زهرة الدنيا الفانية". (روح المعانى، (سورة هود: ۱۱۳): ۱۲/۱۵۴، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وقال الله تعالى: ﴿يأيها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة﴾ (سورة الممتحنة : ۱)

(۲) "أكثر ما يخاف لا يكون". (قواعد الفقه، ص: ۲۲، الصدف پبلشرز کراچی)

سب کچھ ذبیحۂ گاؤ کی وجہ سے ہوا، ۴۷ ء سے اب تک کی تاریخ دیکھئے بہت قلیل واقعات ایسے ملیں گے جہاں یہ چیز بنیادِ فساد تھی، اس قدر قلیل کہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اصل بنیاد تو اسلام ہے (۱)، بقیہ سب چیزیں تو شاخیں ہیں۔

آپ کی نیت کتنی ہی نیک ہو اور جذبہ کتنا ہی صحیح ہو اور غلط وہم کی وجہ سے ایسا کیا ہو تب بھی گمانِ فساد سے تحفظ کی خاطر ان افراد کو یقینی اور قطعی مصیبت میں تو آپ نے گرفتار کرایا۔ آپ اپنا دل کسی کو چیر کر نہیں دکھلا سکتے، دوسرے تو یہی سمجھیں گے کہ آپ نے غیروں سے مل کر اپنوں کو پھنسوایا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ دوسروں کے جذبات ٹھنڈے ہوئے اور اپنوں کے مشتعل ہوئے۔

جس طرح آپ کے ان چار کو گرفتار کرانے پر ہندو خوش تھے اور تماشہ دیکھ رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ بالکل ان کے ہوگئے کہ اپنے بھائیوں کو ان کی وجہ سے گرفتار کرایا، اس طرح وہ اب بھی خوش ہیں اور تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ جن بھائیوں کو آپ نے گرفتار کرایا وہ آپ کے نہیں رہے اور آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، اس سب کے لڑنے اور مخالفت کرنے میں ان کو کچھ نہیں کرنا پڑا، نہ وہ آپ سے برے بنے، نہ گرفتار شدگان سے، نہ دیگر اہل بستی سے، نہ پولیس سے، نہ بالائی حکومت سے، غور کریں کہ آپ کی اس نیک نیتی کے نتائج کتنے دوررس ہیں۔

اور چونکہ اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں کہ دوسروں سے سازش کر کے خواہ ان کو خوش

---

(۱) جس طرح بنیادی عقائد اور اصول میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کی اتباع سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح فروعی مسائل کو بھی ان کی وجہ سے چھوڑ کر ترک کرنا بھی جائز نہیں: قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لن ترضی عنک الیهود و لا النصاری حتی تتبع ملتهم﴾ (سورة البقرہ: ۱۲۰)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحتها: "وقد تطلق علی الباطل "کالکفر ملة واحدة". ولا تضاف إلیه سبحانه، فلا یقال: ملة الله. ولا إلی احاد الأمة، والذین یرادفها صدقاً لکنه باعتبار قبول المأمورین؛ لأنه فی الأصل الطاعة والانقیاد، ولاتحاد ماصدقهما .... وقد یطلق الدین علی الفروع تجوزاً .... وأما الشریعة فهی المورد فی الأصل، وجعلت اسماً للأحکام الجزئیة المتعلقة بالمعاش والمعاد، سواء کانت منصوصةً من الشارع أولا، لکنها راجعة إلیه". (روح المعانی، سورة البقرة: ۱/۳۷۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

کرنے کے لئے بطورِ خوشامد یا کسی لالچ کی وجہ سے ان کی مخالفت بھی کی جاتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ مقامی یا آس پاس کے اہلِ علم اور اہلِ دانش کے سامنے اپنا معاملہ رکھ کر صفائی کر لی جائے تا کہ بدگمانی رفع ہو جائے۔ جو حضرات آپ کے اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں ان کی رائے امید ہے کہ اقرب الی الصواب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

طالب علم کے حق میں کتابیں خریدنا نفلی قربانی سے اَولیٰ ہے

سوال[۸۵۵۴]: جس طالب علم پر قربانی واجب نہ ہو اس کو قربانی کرنا اولیٰ ہے یا علم دین کی کتابیں خریدنا اولیٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم دین کی کتابیں خریدنا اَولیٰ ہے، لأن نفعه أعم وأشمل (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لأن الأصل في الأموال التقرب بالتصدق لا بالإتلاف وهو الإراقة". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل: في كيفية الوجوب: ۲/۲۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال الرحمتي: والحق التفضيل فماكانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل، فهو الأفضل كما وَرَد: "حَجَّةٌ أفضل من عشر غزوات". و ورد عكسه. فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل. وكذا بناء الرباط إن كان محتاجاً إليه أفضل من الصدقة و حج النفل". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۲/۶۲۱، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله".

(مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول، ص: ۳۲، قديمي)

کتاب العقیقة

(عقیقہ کا بیان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ

سوال [۸۵۵۵]: کتب فقہ کی متعدد کتب مثلاً: مسائل الاربعین وغیرہ میں ۷، ۱۱، ۲۱، دن، مہینہ، سال وغیرہ میں کرنے کی اجازت تحریر ہے۔ اور بعض مولوی مثال دیتے ہیں کہ جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت کے بعد کیا تھا، اس لئے عمر بھر جب چاہیں کرلیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ بعد نبوت کے کیا تھا۔ کیا اس وقت تک احکام عقیقہ کے نازل نہیں ہوئے تھے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ تھا کہ بچپن میں عقیقہ ہوا یا نہیں جیسا کہ مظاہر حق، باب عقیقہ میں ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیقہ کے متعلق شک تھا'' (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرح سفر السعادۃ، ص: ۴۸۳، میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عقیقہ کا علم نہ تھا، اس لئے اپنا عقیقہ کیا تھا (۲)۔ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری: ۹/۵۸٤،

---

(۱) ''ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ ظہور نبوت کے بعد کیا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ پیدائش کے دن آپ کا عقیقہ ہوا تھا یا نہیں، لیکن اول تو اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں .... اھ''۔ (مظاہر حق، باب العقیقة، الفصل الثالث: ۴/۷٦، دار الإشاعت کراچی)

(۲) ''و در حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چنانچہ در بعضِ روایات آمدہ وارد است کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از ظہورِ نبوت عقیقۂ خود را چوں وقتِ ولادت معلوم وے نشد کہ کردن یا نہ، ذبح کرد۔ اما در اسناد آں حدیث ضعفے ہست، وخالی از بُعد ہم نیست۔ واللہ اعلم''۔ (شرح سفر السعادة، باب حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فصل: در سنن حضرت نبوی رضی اللہ تعالیٰ علیه وسلم درعقیقه، ص: ۳۸۳، نامی گرامی نولِ کشور)

میں نقل کرکے اس کی سند پر کلام کیا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ مظاہر علوم سہارن پور۔

عقیقہ کی مدت

سوال[۸۵۵۶]: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ (حضرت مولانا محمود الحسن صاحب محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں یا کسی اَور کو) نے تعلیقاتِ ترمذی میں حدیثِ عقیقہ کے تحت ۲۱/ یوم تک تحریر فرمایا ہے(۲)، تو کیا بعد ۲۱/ یوم کے محض رسم عقیقہ رہ جاتی ہے یا عمر میں جب چاہیں عقیقہ کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عقیقہ فی نفسہ مباح ہے، اگر بہ نیتِ اتباع کیا جائے تو ثواب ملتا ہے۔ اور اس کا اصلی وقت پیدائش سے ساتواں دن ہے(پیدائش کے دن سے ایک دن پیشتر)(۳)۔ شرح سفر السعادة، ص: ۳۸۳ میں حضرت

---

(۱) "وأخرج ابن أبي شيبة عن محمد بن سيرين قال: لوأعلم أني لم يعق عني، لعققت عن نفسي .... وليس هذا نصاً في منع أن يعق الشخص عن نفسه، بل يحتمل أن يريد أن لا يعق عن غيره إذا كبر. وكأنه أشار إلى أن الحديث الذي ورد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة لايثبت. وهو كذلك. فقد أخرجه البزار من رواية عبدالله بن محرر، وهو عن قتادة عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، قال البزار: تفرد به عبدالله وهو ضعيف. وأخرجه أبو الشيخ من وجهين اخرين: أحدهما من رواية إسماعيل بن مسلم عن قتادة، وإسماعيل ضعيف أيضاً. وقد قال عبدالرزاق: إنهم تركوا حديث عبدالله بن محرر من أجل هذا الحديث". (فتح الباري، باب العقيقة: ۹/۵۹۵، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "قوله: العقيقة مستحبة: الأفضل في اليوم السابع، وفي اليوم الرابع عشر، والحادي عشرين أيضاً مستحبة، وقال مشائخ الدين: لايبقى الاستحباب بعد هذه الأيام يعني بعد الحادي وعشرين". (التقرير للترمذي لشيخ الهند محمود حسن الديوبندي في بداية جامع الترمذي، أبواب الأضحية: ۱/۳۲۰، سعيد)

"بعد ولادت ہفتم روز، یا چہاردہم یا بست ویم وبیس حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، الغرض رعایت عدد ہفت بہتر است"۔ (مالا بدمنه فارسي، رساله احكام عقيقه، ص: ۱۲۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته =

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکیسویں روز کی تحدید نہیں کی، بلکہ ۲۱/ روز تک بیان کر کے کہہ دیا: "علی هذا القياس"(۱)۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دیوبندی کو کہتے ہیں ان کا مقصود بھی تحدید نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳، ذیقعدہ/۶۱ھ۔

کیا عقیقہ اکیس روز بعد بھی ہے؟

سوال [۸۵۵۷]: ترمذی جلد اول میں تو یہ ہے کہ "مستحب ہے کہ عقیقہ ۲۱/ یوم تک کرے"۔ اس کے بعد کی کچھ تفصیل نہیں۔ ۲۱/ یوم کے عقیقہ کے جو فضائل ہیں اس سے بچہ محروم رہتا ہے، یا وہی ثواب بعد ۲۱/ یوم بھی ملتا ہے خواہ جب کریں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری بعض کتب میں بھی ایسا ہی ہے لیکن "شرح سفر السعادة"(۲) سے بلا قید اوپر نقل کیا

= يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه". قال الإمام الترمذي: "والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ عق عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي: ۱/۲۷۸، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامديه، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مكتبه ميمنية مصر)

(۱) "وغالب بحكم احادیث برائے عقیقہ روزِ ہفتم ست، چنانچہ معلوم شد۔ ونزد شافعی واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اگر ہفتم روز میسر نگردد روز چہاردہم کنند، واگر چہاردہم نیز میسر نگردد وبیست ویکم ورالا بیست ذشتم ورالا سی وپنجم علی ہذا القیاس"۔ (شرح سفر السعادت، باب حج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل درسنن حضرت نبوی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم درعقیقة، ص: ۳۸۳، نامی گرامی منشی نول کشور)

(۲) "وغالب بحکم احادیث برائے عقیقہ روزِ ہفتم ست، چنانچہ معلوم شد۔ ونزد شافعی واحمد رحمہم اللہ تعالیٰ اگر ہفتم روز میسر نگردد روز=

جا چکا ہے (۱)۔ نیز فتح الباری میں امام رافعی رحمہ اللہ تعالی سے نقل کیا ہے کہ بلوغ سے پہلے پہلے کر دیا جائے اس سے تاخیر نہ کی جائے، ورنہ ساقط ہو جائے گا۔ تاہم اگر اپنا عقیقہ بعد البلوغ کردے تو درست ہے (۲) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

بڑی عمر میں عقیقہ

سوال [۸۵۵۸]: میری لڑکی کی عمر بیس سال ہے، کسی وجہ سے اس کا عقیقہ نہ کرا سکا۔ اگر اب اس کا عقیقہ کراؤں تو کس طرح سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کوئی لازم اور ضروری چیز نہیں، جس کی قضاء لازم ہو، اگر دل چاہتا ہی ہے تو ایک بکری ذبح کر کے کچا گوشت، یا پکا کر تقسیم کر دیں، یا کھلا دیں، عقیقہ ہو جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= چہار دہم کنند۔ واگر چہار دہم نیز میسر نگردد بیست ویکم، والا بیست وہشتم، والا سی ونجم علی ھذا القیاس"۔ (شرح سفر السعادت، باب حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل در سنن حضرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عقیقہ، ص: ۳۸۳، نامی منشی نول کشور)

(۱) اس نقل کا اصل نسخہ میں سیاق وسباق سے کچھ پتہ معلوم نہ ہو سکا۔

(۲) "فنقل الرافعي أنه يدخل وقتها بالولادة .... ثم قال: والاختيار أن لا توخر عن البلوغ، فإن أخرت عن البلوغ، سقطت عمن كان يريد أن يعق عنه، لكن إن أراد أن يعق عن نفسه فعل". (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماتة الأذى عن الصبي في العقيقة: ۹/۵۹۴، دارة المعرفة، بيروت)

"قال: أخبرني عبد الملك، في موضع آخر: أنه قال لأبي عبد الله: فيعق عنه كبيراً، قال: لم أسمع في الكبير شيئاً. قلت: أبوه معسر، ثم فأراد أن لا يدع ابنه حتى يعق عنه. قال: لا أدري، ولم أسمع في الكبير شيئاً، ثم قال لي: ومن فعله فحسن". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۶۹، بيروت)

"ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ .... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه".

(تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) "يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه .... ثم يعق عند الحلق عقيقة =

بالغہ کا عقیقہ اور اس کے بالوں کا حکم

سوال [۸۵۵۹]: ایک لڑکی کی عمر سات برس ہے اور ایک لڑکی بالغہ ہو چکی ہے، اس کا باپ اب ان کا عقیقہ کر رہا ہے۔ تو ان کے بال کاٹنے ہوں گے یا نہیں، یا صرف تھوڑے سے کاٹ کر ان کو وزن کر کے چاندی صدقہ کر دے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی دونوں لڑکیوں کے بال نہ کٹوائے (۱)، بکری ذبح کر کے کچا گوشت یا پکا کر غرباء اور احباب کو

= إباحةً على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعاً على مافي شرح الطحاوي. وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئاً أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها، أو لا، واتخاذ دعوة أولا". (ردالمحتار، كتاب الأضحية، قبيل كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۶، سعيد)

"إنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلافغي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع". (إعلاء السنن، كاتب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچی)

"يصنع بالعقيقة مايصنع بالأضحية. عن عطاء قال: يأكل أهل العقيقة، ويهدونها". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۷، إدارة القرآن كراچی)

"عن الحسن البصري: إذا لم يُعق عنک، فعقِ عن نفسک وإن كنت رَجلاً". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) اسلئے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال اتارنا مستحب ہے اور سات دن گذرنے کے بعد عقیقہ کے لئے بال اتارنا ثابت نہیں:

"عن الحسن، عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه". (سنن النسائي: ۱/۱۸۸، كتاب العقيقة، باب متى يعقّ، قديمی)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۹، إدارة القرآن كراچی)

"عن الحسن البصري: إذا لم يعق عنک، فعق عن نفسک وإن كنت رجلاً". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن كراچی)

تقسیم کردے(۱)۔عقیقہ کا اصل وقت پیدائش سے ساتویں روز ہے، وہ بھی صرف مستحب ہے(۲) لازم اور واجب نہیں ہے۔ بغیر بالوں کے وزن کئے ہی اندازے سے چاندی صدقہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

عقیقہ وقربانی میں فرق

سوال[۸۵۱۰]: عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو ایک ران دائی کو اور سری حجام کو اور ہڈیاں توڑنا جو مستحب لکھا ہے تو مثل قربانی کے حکم کہاں ثابت ہوا اور استحباب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے یا حضرات ائمہ کا ارشاد ہے یا فقہاء کا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی واجب ہے(۳)، عقیقہ مباح ہے اور بہت سے بہت مستحب ہے، وہ بھی جبکہ بنیت عبادت کیا جائے، دیگر ائمہ کے نزدیک بھی مستحب ہے(۴)، پس حنفیہ کے نزدیک تو کسی حال میں قربانی کے مثل نہیں

(۱) "هي شاة تصلح للأضحية تذبح .... سواء فرق لحمها نيئاً أو طبخه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۶/۶، سعيد)

(۲) "يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه .... ثم يعق عند الحلق إباحةً على مافي الجامع المحبوبي، أو تطوعاً على مافي شرح الطحاوي". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۳۶/۶، سعيد)

"المذكور أيضاً أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. وفيه وجه للشافعية أنه إذا تكررت السبعة ثلاث مرات، فات وقت الاختيار. قال الرافعي: فإن أخر حتى بلغ، سقط حكمها في حق غير المولود. وهو مخير في العقيقة عن نفسه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(۳) كتاب الأضحية: هي واجبة: "(ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۶۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) "هذا وإنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذلك بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة لما قال ابن =

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی نہیں، کیونکہ واجب اور مستحب میں تفاوتِ عظیم ہے، بلکہ صاحبِ ھدایہ کا رجحان تو اس طرف معلوم ہوتا کہ عقیقہ مکروہ ہے(۱)، عالمگیریہ وغیرہ میں بھی کراہت کی ایک روایت نقل کی ہے:

"العقيقة عن الغلام وعن الجارية، وهو ذبح شاة في سابع الولادة، وضيافة الناس، وحلق شعره مباح، لاسنة ولاواجبة، كذافي الوجيز للكردري. وذكر محمد رحمه الله تعالىٰ في العقيقة: من شاء فعل، ومن شاء لم يفعل. هذا يشير إلى الإباحة، فيمنع كونها سنةً. وذكر في الجامع الصغير: ولايعق عن الغلام، ولا عن الجارية، وإنه إشارة إلى الكراهية، كذا في البدائع، اه". هنديه من الكراهية(۲)، طحطاوی،ص: ۱٦۸(۳)۔

جن حضرات نے لکھا ہے کہ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے(۴)، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقیقہ کیا جاوے تو ایسے جانور کو ذبح کرے جس میں قربانی کی صلاحیت ہو، ایسا جانور ذبح نہ کیا جائے جس کو قربانی میں ذبح کرنا درست نہیں۔ نیز جس طرح قربانی کے گوشت کا طریقہ ہے کہ خود کھانا احباب کو دینا فقراء کو خیرات کرنا اور آئندہ کے لئے رکھ لینا سب کچھ درست ہے، اسی طرح سے عقیقہ کے گوشت کا حکم ہے۔

اور ہڈی نہ توڑنے کے متعلق امام احمد، امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ استحباب کے قائل ہیں(۵)، حنفیہ کے

= المنذر وغيره". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب العقيقة: ۱۱۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۱) لم أجده

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون: ۳٦۲/۵، رشيديه)

(۳) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱٦۸/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۴) "قال مالك: العقيقة بمنزلة النسك والضحايا، ولايجوز فيها عوراء، ولا عجفاء، ولا مكسورة، ولا مريضة .... ويكسر عظامها، ويأكل أهلها، ويتصدقون". (تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل الرابع عشر ص: ٦۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "وقال الشافعي: العقيقة سنة واجبة، ويتقى فيها من العيوب مايتقى في الضحايا .... ولا يكسر عظامها، ويأكل أهلها منها، ويتصدقون". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ٦۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"وقال الشافعية والحنابلة .... ويستحب أن تفصل أعضائها، ولا تكسر عظامها". (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني العقيقة وأحكام المولود: ۲۷۴۹/۴، رشيديه)

نزدیک یہ چیز نہیں:

"وهي شاة تصلح تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئاً، أوطبخه بحموضة، أو بدونها مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولا، اه". ردالمحتار: ۵/۲۳۶(۱)۔

"دفن کردنِ سروپا وغیره داخلِ اسراف است، شرعاً اصلے ندارد، وعدمِ شکستنِ استخوان در بعضِ کتب صرف بغرضِ فالِ نیک نوشة اندام، شرعی ضروری نیست، اھ". مجموعه فتاوی: ۲/۳۰۲(۲).

"ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ باستحباب عدم كسر عظام العقيقة، وأنها تطبخ أجزاءً كباراً تفاؤلاً بسلامة المولود، مع قول غيرهما إنه مستحب كسر عظمها تفاؤلاً بالذبول وكثرة التواضع وخمودنا رالبشرية، اھ". ميزان شعراني: ۲/۵۹(۳)۔

سرنائی کو، ران دائی کو دینا ضروری نہیں، چاہے دے یا نہ دے، یہ محض بے اصل رسم ہے(۴)، بہشتی زیور: ۶/۱۳اعقیقہ کی رسموں کا بیان ملاحظہ فرمائیں(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۵، سعيد)

(۲) لم أجد

(۳) (الميزان الكبرىٰ الشعرانية، باب الأضحية والعقيقة: ۲/۶۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) ران دائی کو دینا مستحب ہے، لیکن ضروری سمجھنا جائز ہے:

"عن جعفر بن محمد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث عن عقيقة الحسن والحسين إلى القابلة برجلها". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن كراچي)

(۵) "سر، نائی کو اور ران دائی کو دینا ضروری سمجھنا بھی لغو ہے، چاہے دو یا نہ دو، دونوں اختیار ہیں، پھر اپنی من گھڑت جُدی شریعت بنانے سے کیا فائدہ، ران نہ دو اس کی جگہ گوشت دے دو تو اس میں کیا نقصان ہے"۔ (بہشتی زیور، عقیقے کی رسموں کا بیان: ۶/۱۳، مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور)

(وكذا في مالابد منه، ص: ۱۶۵ مكتبه شركة علميه ملتان)

قربانی میں عقیقہ کا حصہ اور ساتویں دن کی رعایت

سوال[۸۵۶۱]: اگر کوئی شخص بڑے جانور میں بنیتِ عقیقہ شریک ہو جائے تو درست ہوگا یا نہیں، جیسے سات حصے ہیں، زید نے اس میں دو حصے قربانی کے لئے اور ایک حصہ اسی جانور میں عقیقہ کا لیا تو ایسی حالت میں عقیقہ درست ہوگا یا نہیں، چاہے پیدائش سے ساتویں دن پڑے یا نہ پڑے، کسی قسم کراہت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں عقیقہ بھی درست ہے قربانی بھی صحیح ہے، بہ نیت عقیقہ کے جانور میں حصہ خریدنے سے کچھ خرابی نہیں ہوتی، وکذا فی الدر المختار(۱)، والغرر والخانیة، ص: ۲۰۴(۲)۔ اور ساتویں دن کی رعایت محض مستحب ہے(۳) جیسا کہ نفسِ عقیقہ بھی بہت سے بہت مستحب ہے واجب نہیں(۴)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں دو حدیثوں کے تعارض کو رفع کرتے ہوئے

---

(۱) "وکذا لو أراد بعضهم العقیقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل؛ لأن ذلک جهة التقرب بالشکر علی نعمة الولد، ذکره محمد رحمه الله تعالیٰ. ولم یذکر الولیمة .... وقد ذکر فی "غرر الأفکار" أن العقیقة مباحة علی مافی "جامع المحبوبی، أو تطوع علی مافی شرح الطحاوی، اهـ". (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۶/۶، سعید)

(۲) "ولو نوی بعض الشرکاء الأضحیة، وبعضهم هدی المتعة .... وبعضهم دم العقیقة لولادة ولدٍ وُلد له فی عامه ذلک، جاز عن الکل فی ظاهر الروایة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، فصل فیما یجوز فی الضحایا ومالایجوز: ۳۵۰/۳، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فی شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۲/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "عن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "العقیقة لسبع، أو أربع عشرة، أو أحدی وعشرین". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۱۸/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(۴) "وهی مستحبة کما فی العالمکیریة". (فیض الباری، کتاب العقیقة: ۳۳۷/۴، خضر راه بک ڈپو دیوبند الهند)

لکھا ہے:

"لکن الجمع بین الروایات بأنه ذبح عنه فی یوم الولادة کبشاً، وفی السابع کبشاً، وبه حصل الجمع"(۱)۔

ایک ذبیحہ یوم ولادت میں کیا اور ایک ساتویں روز کیا۔لہٰذا اگر ذبح کے دن ساتواں روز نہ ہو اور نیت عقیقہ کی کر لی تب بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو مصالح ساتویں روز کے بیان فرمائے ہیں، ان کا مقتضیٰ بھی یہی ہے(۳)۔فیض الباری سے بھی عموم معلوم ہوتا ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

عقیقہ دیر سے کرنے کی صورت میں بچہ کے بالوں کو اتارنے کا حکم

سوال[۸۵۶۲]: بچے کے سر کے بال پیدائش کے ساتویں دن ہی اتروانا ضروری ہے، یا عقیقہ کیا جائے جب اتروایا جائے؟ عقیقہ سے قبل یا بعد بال اترواکر چاندی ہم وزن کر کے خیرات کی جاسکتی ہے، یا عقیقہ تک بالوں کو رکھنا چاہیے؟ چونکہ عقیقہ کرنے کی اب استطاعت نہیں ہے، ایک سال یا دو سال بعد کرنے کا

---

(۱) (مرقاة المفاتیح، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقة، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۱۵۳): ۷/۴۸، رشیدیه)

(۲) "ولو ذبحها بعد السابع، أو قبله، وبعد الولادة أجزأه". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/۱۱۸، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "وأما تخصیص الیوم السابع، فلأنه لابد من فصل بین الولادة والعقیقة، فإن أهله مشغولون بإصلاح الوالدة، والولد فی أول الأمر، فلایکلفون حینئذ ممایضاعف شغلهم. وأیضاً فرب إنسان لایجد شاةً إلا بسعی، فلوسنّ کونها فی أول یوم، لضاق الأمر علیهم. والسبعة أیام مدة صالحة للفصل المعتد به غیرالکثیر". (حجة الله البالغة، العقیقة، العقیقة ذبح فی الیوم السابع للولادة: ۲/۳۸۴،قدیمی)

(۴) "ثم إن الترمذی أجاز بها إلی یوم أحد وعشرین، قلت: بل یجوز إلی أن یموت، لما رأیت فی بعض الروایات أن النبی صلی الله علیه وسلم عق عن نفسه بنفسه". (فیض الباری: ۴/۳۳۷،کتاب العقیقة، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

ارادہ ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ ساتویں دن مستحب ہے اگر اس وقت موقع نہ ہو تو چودہویں روز پھر اکیسویں روز، یہ ترمذی شریف میں ہے(۱)۔ اس کے بعد اگر کرنا ہو تب بھی پیدائش سے ساتویں روز کی رعایت کر لی جائے (۲)۔ عقیقہ خود واجب نہیں بلکہ مستحب ہے (۳) اس کے لئے اتنا اہتمام اور اصرار بھی نہیں کہ کرنا ضروری ہو، سال دو سال بعد عقیقہ کرنا ہو تو اس وقت تک بالوں کا سر پر رکھنا لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۱۳۹۴ھ۔

عقیقہ کے بالوں کو دفن کیا جائے

سوال[۸۵۶۳]: بعد وزن بال عقیقہ کے دفن کر دیئے جائیں یا پھینک دیئے جائیں؟

---

(۱) "والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع، فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ، عق عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي: ۱/۲۷۸، باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(۲) "إنها إن لم تذبح في السابع، ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مالابد منه، ص: ۱۶۵ مكتبه شركه علميه ملتان)

(۳) "وهي (أي العقيقة) مستحبة". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ۴/۳۳۷، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۴) اس لئے کہ ساتویں دن بچے کے سر کے بال اتارنا مستحب ہے اور سات دن گزرنے کے بعد عقیقہ کے لئے بال اتارنا ثابت نہیں:

"عن الحسن عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع، ويسمّى، ويحلق رأسه". (سنن النسائي، كتاب العقيقة، باب متى يعق: ۲/۱۸۸، قديمي)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۹، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداًومصلیاً:

دفن کردے، کذافی کتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

ولیمہ کے ساتھ عقیقہ

سوال[۸۵۶۴]: ایک شخص نے ارادہ کیا کہ شادی میں ولیمہ کے لئے گائے ذبح کرے اور براتیوں کوکھلائے، کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ اس میں عقیقہ کی بھی نیت کرلو۔ لہذا اس نے گائے میں تین بچوں اور ایک بچی کا عقیقہ کردیا۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ازروئے شریعت یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایک گائے خرید کر اس میں چند حصے عقیقہ کے واسطے لے لے اور بعض حصہ میں ولیمہ کے واسطے نیت کرے پھر ذبح کردے تب بھی شرعاً درست ہے، حتی کہ قربانی کی گائے میں بھی یہ درست ہے:

"قدعلم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل إلى مالوكانت القربة واجبة على الكل أو البعض، اتفقت حهاتها أولا، كالأضحية والإحصار. وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد من قبل. ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز لها؛ لأنها تقام شكراً لله تعالى على

---

(۱) "في قصة مارية وإبراهم أنواع من السنن: أحدها: استحباب قبول الهداية .... الحادي عشر: دفن الشعر في الأرض، ولا يلقى تحت الأرجل". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويدفن أربعة: الظفر، والشعر، وخرقة الحيض، والدم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۵، سعيد)

"فإذا قلم أظفاره، أو جز شعره، ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۵/۳۵۸، رشيديه)

"موئے سرِ مولود تراشیدہ برابروزنش زر یا سیم خیرات نماید، وموو ناخن اورا دفن نماید، وہمچنیں ہمیشہ آنچہ از جسم انسان ازموو ناخن ودندان وغیرہ جدا شود آں را دفن باید کرد بر سرِ مولود زعفران یا صندل بمالد"۔ (مالابد منه، رساله أحكام عقيقة، ص: ۱۶۵، مكتبه شركه علميه ملتان)

نعمة النكاح، ووردت بها السنة، فإذا قصد بها شكراً أو إقامة السنة، فقد أراد القربة، اھ".

کذا فی الدر المختار: ۵/۴۰۷ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

قربانی کے ساتھ عقیقہ

سوال[۸۵۶۵]: قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ یعنی قربانی کے جانور مثلاً گائے ہو، اس میں پانچ حصے قربانی کے ہوں اور دو حصے جو بچتے ہوں اس کو عقیقہ میں شمار کرلیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو عقیقہ کی دعاء کب پڑھی جائے اور عقیقہ کے حصہ کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے، جو دعاء بوقتِ عقیقہ پڑھی جاتی ہے وہ بوقتِ ذبح جب کہ قربانی کی دعاء پڑھے پڑھ دے(۲)

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

"ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورةً: فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عز شانه، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ وُلدله من قبل. ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۰۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد.......... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحاية ومالا يجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۶، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن قتادة قال: يسمى على العقيقة كما يسمى على الأضحية "بسم الله عقيقة فلان". ومن طريق سعيد عن قتادة نحوه، وزاد: "اللهم منك، ولك عقيقة فلان بسم الله والله أكبر، ثم يذبح". (فتح الباري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة: ۹/۵۹۴، دار المعرفة بيروت)

اور گوشت کے تین حصہ کرکے لحم اضحیہ کی طرح عمل کرے، خواہ کچا گوشت تقسیم کردے خواہ پکا کردعوت کردے(۱):

"ولو أرادوا القربة والأضحية، أو غيرهما من القرب أجزأهم، سواء كانت القربة واجبةً أو تطوعاً أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهة القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدى الإحصار، أو بعضهم كفارةً عن شئ أصابه في إحرامه، وبعضهم هدى التطوع، وبعضهم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا. كذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ ولد له قبله، كذا ذكر محمد في فوائد الغنى، ا هـ". طحطاوی: ۴/۱۶۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قربانی کے ساتھ عقیقہ

سوال[۸۵۲۶]: قربانی کی گائے کے ساتھ عقیقہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک گائے میں ایک قربانی اور چھ لڑکا لڑکی کا عقیقہ اور عقیقہ کے بچہ کا جو بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ دینے کا حکم ہے اب تو بڑا ہوگیا ہے تو ان کے بال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کی گائے میں عقیقہ بھی درست ہے، کسی کا حصہ قربانی کا ہو کسی کا عقیقہ کا(۳)، لیکن سات حصوں

(۱) "وسبيلها في الأكل والهدية والصدقة سبيل الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح: ۱۲۷/۱۷، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، إدارة القرآن كراچی)

"وانه يستحب الأكل منها، والإطعام، والتصدق كما في الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القران كراچی)

(۲) (حاشيه الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دار المعرفة بيروت)

(۳) "ولنا أن الجهات وإن اختلفت صورةً، فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عزشانه. وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ وُلد له من قبل .... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم=

سے زیادہ نہ ہوں۔ جب بچہ سات روز کا ہو جائے تو عقیقہ مستحب ہے (۱)۔ سر کے بال اتروا کران کے برابر چاندی یا سونا خیرات کردیا جائے (۲)، اگر وہ بال باقی نہ رہے بلکہ دوسرے بال نکل آئے تو پھر وہ حکم نہیں رہا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/ ۸۸ھ۔

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ

سوال [۸۵۶۷] : ایک شخص اپنے دولڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، اگر وہ ایک بڑا جانور خرید کرا سے

= الوليمة وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ۶/۳۰۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز من الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(۱) "عن سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعة، ويحلق، ويسمى". وقال أبو داؤد: "يسمى" أصح". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۴، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: "يافاطمة! احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضةً". فوزنته، فكان وزنه درهماً أو بعض درهم". (جامع الترمذي: ۱/۲۷۸، باب ماجاء في العقيقة، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۹، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "العقيقة مشتقة من العق، وهو القطع، قال أبو عبيدة: قال الأصمعي وغيره: العقيقة أصلها الشعر الذي يكون على رأس الولد حين يولد". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۰، إدارة القرآن كراچي)

دونوں کے عقیقہ میں ذبح کردے تو درست ہے یا نہیں، یا اسے تین حصے اور تلاش کرنا پڑیں گے؟ اسی طرح اگر قربانی کے دنوں میں قربانی کے جانور میں عقیقہ کیلئے بڑے جانور میں چار حصے لے لے اور تین حصے قربانی کے ہوں تو درست ہے یا نہیں؟

حافظ انصار حسین پکھرایاں ضلع کانپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ کرنا درست ہے (۱)، اس کی ضرورت نہیں کہ اور خریدار بھی شریک کئے جائیں۔ ایامِ قربانی میں اگر چار حصے عقیقہ کے واسطے لئے اور تین حصے قربانی کرنے والوں کے اس میں ہیں تو شرعاً قربانی درست ہوجائے گی اور عقیقہ بھی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بڑے جانور میں عقیقہ کے سات حصے

سوال[۸۵۶۸]: قربانی کے علاوہ دیگر ایام میں گائے برائے عقیقہ بحصصِ سبعہ ذبح کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ زید اپنے لڑکے اور لڑکیوں کا عقیقہ ان دونوں میں بجائے بکروں کے گائے میں حصص کرکے عقیقہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولو كانت البدنة أو البقرة بين اثنين فضحيا بها، اختلف المشايخ فيه، والمختار أنه يجوز، ونصف السبع تبع، فلايصير لحماً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۵/۵، رشيديه)

"ولو لأحدهم أقل من سبع، لم يجز عن أحد، وتجزئ عمادون سبعة بالأولى". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۶/۶، سعيد)

(۲) "وشمل مالوكانت القربة واجبةً على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أو لا، كأضحية وإحصار. وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولدٍ قد وُلد له من قبل". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

ایام قربانی کے علاوہ گائے، بھینس، اونٹ مستقل عقیقہ کے لئے ذبح کرنا شرعاً درست ہے، اس میں عقیقہ کے سات حصے ہوسکتے ہیں۔معجم صغیر میں حدیث شریف موجود ہے(۱)۔رسالہ''عقیقہ''میں جزئیہ اس سے ماخوذ مذکور ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۶/۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) "حدثنا إبراهيم بن احمد بن مروان الواسطی حدثنا عبدالملک بن معروف الخیاط الواسطی حدثنا مسعدة بن الیسع عن حریث بن السائب عن الحسن عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ولد له ولد فلیعق عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم".

(المعجم الصغیر للطبرانی، باب من اسمه إبراهیم: ۸۴/۱، المکتبة السلفیة المدینة المنورة)

(۲) "ولو ذبح بدنةً أو بقرةً من سبعة أولاد، أو اشترک فیها جماعةٌ، جاز، سواء أرادوا کلهم العقیقة، أو أراد بعضهم العقیقة وبعضهم اللحم. قلت: مذهبنا فی الأضحیة بطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فلیکن کذلک فی العقیقة". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۱۹/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"من ولد له غلام، فلیعق عنه من الإبل أوالبقر أو الغنم". دلیلٌ علی جواز العقیقة ببقرة کاملة، أو ببدنة کذلک". (فتح الباری، کتاب العقیقة، باب إماطة الأذی عن الصبی فی العقیقة: ۵۹۳/۹، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"وهی فی الجنس والسن والسلامة من العیوب مثل الأضحیة من الأنعام من الإبل والبقرة والغنم". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الثانی، العقیقة وأحکام المولود، المبحث الأول: العقیقة: ۲۷۴۷/۴، کوئٹہ)

"عن قتادة: أن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه کان یعق عن بنیه بالجزور". (تحفة المودود فی أحکام المولود، ص: ۶۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وإعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۱۶/۱۷، إدارة القرآن، کراچی)

گائے، بھینس میں عقیقہ

سوال[۸۵۶۹]: قربانی کے دنوں کے علاوہ بھینس یا گائے میں عقیقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً: دولڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے ایک کٹرا کردیا جائے، یا ایک لڑکے کی طرف سے پورا کٹرا کردیا جائے، تب بھی سنت عقیقہ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اس میں کسی بچہ کا ساتواں دن پڑے گا کسی کا نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک بھینس یا گائے میں دولڑکوں اور تین لڑکیوں کے عقیقہ کے حصے تجویز کرکے ذبح کرنا درست ہے(۱)، سالم گائے بھی ایک کی طرف سے کرنا درست ہے۔ اگر ساتواں دن گذر چکا ہے اور کوئی دن ہوجائے تب بھی درست ہے ساتویں دن کی قید محض مستحب ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

متعدد بچوں کا عقیقہ ایک بھینس میں

سوال[۸۵۷۰]: عقیقہ میں بکرا بکری ہونا چاہیے یا کٹرا اور بھینس بھی، مثلاً: ہمارے یہاں ایک لڑکا اور دولڑکی ہیں تو ان کی طرف سے دوحصہ لڑکے کے نام سے ایک حصہ لڑکی کے نام سے، پوری بھینس کردی جائے تو درست ہوجائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "ولو ذبح بدنةً أو بقرةً عن سبعة أولاد، أو اشترک فیها جماعة، جاز، سواء أرادوا کلهم العقیقة، أو أراد بعضهم العقیقة، وبعضهم اللحم کما فی الأضحیة". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/ ۱۱۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "من ولد له غلام، فلیعق عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم. دلیل علی جواز العقیقة ببقرة کاملة أو بدنة کذلک". (فتح الباری، باب العقیقة: ۹/ ۵۹۳، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/ ۱۱۷، إدارة القرآن کراچی)

"عن قتادة عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یعق عن بنیه بالجزور". (تحفة المودود بأحکام المولود، الفصل السادس عشر، ص: ۶۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

دولڑکیوں اورایک لڑکے کی طرف سے اگرایک بھینس یا کٹرادوسالہ عقیقہ میں کردیا تب بھی اس کا عقیقہ درست ہوجائے گا، بلکہ سات حصے تک درست ہے(۱) بکراہونالازم نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۸ھ۔

اضحیہ کے علاوہ گائے میں عقیقہ کا حصہ

سوال[۸۵۷۱]: عقیقہ میں عیدالاضحیٰ میں تو ساتویں دن کی قیدتونہیں تو کیادرمیان سال میں بھی قیدضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ساتویں دن کی قید مستحب ہے، لازمی نہیں (۳)، جب بھی موقع ہوعقیقہ درست ہوجائے گا،

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) "واستدلال ابن حزم به على بطلان العقيقة بغير الغنم ليس بناهض، فإن غاية مافيه كون الشاة فيها أفضل". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۷/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه، ويسمى فيه، ويحلق رأسه". (تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل الثالث في أدلة الاستحباب، ص: ۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أم كرز وأبي كرز قال: "نذرت امرأة من ال عبدالرحمن بن أبي بكر: إن ولدت امرأة عبدالرحمن، نحرنا جزوراً، فقالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لابل السنة أفضل". قال العلامة ظفر أحمد عثماني رحمه الله تعالىٰ: في حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها الذي أودعناه في المتن دلالة على استحباب أن لايكسر للعقيقة عظم، وأنه يستحب الأكل منها والإطعام، والتصدق كما في الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۱۵/۱۷، ۱۱۷، إدارة القرآن كراچی)

"وحكي عن الحسن وقتادة أنه مستحب، لما روى في حديث سمرة رضي الله تعالى عنه عن النبي=

بشرطیکہ بقیہ حصے بھی قربت کی نیت سے ہوں (۱)۔ عقیقہ خود بھی لازم نہیں، محض مستحب ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید۔

عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا

سوال [۸۵۷۲]: علماء کی زبانی سنا ہے کہ عقیقہ کے گوشت کے سلسلہ میں عوام کا جو یہ خیال ہے کہ اس کی ہڈیوں کو توڑنا نہ چاہیے، یہ بے اصل ہے اور بدعت ہے، لیکن ذیل میں تحفۃ المولود سے چند روایات نقل کرتا ہوں جن سے اس خیال کی تائید معلوم ہوتی ہے:

"وقد ذكر أبو داؤد في كتاب المراسيل: عن جعفر بن محمد عن أبيه رضي الله تعالى عنه: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال في العقيقة التي عقتها فاطمة عن الحسن والحسين رضي الله تعالى عنهم: "أن ابعثوا إلى القابلة منها برجل، وكلوا وأطعموا، ولاتكسروا منها

= صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الغلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم السابع ويدمى". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ١٧/١٢٠، إدارة القرآن كراچى)

"وهي مستحبة كما في العالمكيرية". (فيض الباري، كتاب العقيقة: ٤/٣٣٧، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

(١) "قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، وشمل مالو كان أحدهم مريداً للأضحية عن عامه، وأصحابه عن الماضي، تجوز الأضحية عنه". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٦، سعيد)

"ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القربة، واختلاف الجهات فيها لايضر". (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/٤٨٤، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) "يستحب لمن ولدله ولد أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه ...... ثم يعق عند الحلق إباحةً على مافي الجامع المحبوبي". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٣٦، سعيد)

"ويستحب حلق رأس المولود يوم سابعه". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ١٧/١١٩، إدارة القرآن كراچى)

عظماً". وذكر البيهقي من حديث عبدالوهاب عن عامر الأحول عن عطاء عن أم كرز قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "عن الغلام شاتان، ومتكافئتان، وعن الجارية شاة". وكان عطاء يقول: تقطع جدولاً، ولايكسر لها عظم"(۱)۔ کیا صحیح ہے؟

قمرالدین کانپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عوام ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے، علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ روایتِ منقولہ میں جو کچھ ہے وہ وجوبی حکم نہیں (۲)، بلکہ تفاؤلاً استحبابی چیز ہے (۳)، اگر اسی حد تک رکھا جائے تو ٹھیک

---

(۱) (تحفة المودود بأحكام المولود، الباب السادس في العقيقة وأحكامها، الفصل الثالث عشر، ص: ۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئاً، أو طبخه بحموضة أو بدونها، مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولاً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية، تبيل: كتاب الحظر والإباحة: ۶/ ۳۳۶، سعيد)

عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنا درست ہے: "وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نياً، أو طبخت بحموضة أو بدونها، مع كسر عظمها أولا، واتخاذ دعوة أولا، اهـ". (إمداد الفتاوى، كتاب الذبائح والأضحية، فصل في الصيد والعقيقة: ۳/ ۶۲۰، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۳) "في حديث عائشة الذي أودعناه في المتن دلالة على استحباب أن لايكسر للعقيقة عظم". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/ ۱۱۰، إدارة القرآن كراچى)

"وفيه أيضاً: يستحب أن تفصل أعضاء، ولايكسر شئي من عظامها، فإن كسر فهو خلاف الأولى". (إعلاء السنن: ۱۷/ ۱۲۱، إدارة القرآن كراچى)

"ولا يكسر عظمها، وإن كسر لم يكره". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/ ۲۳۳، مكتبه ميمنيه مصر)

"استحب أن لايكسر عظامها تفاؤلاً بسلامة أعضاء المولود، وصحتها، وقوتها". (تحفة المودود بأحكام المولود، ص: ۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے، لیکن اگر اس کو درجۂ واجب دیا جائے تو اس میں کراہت آجائے گی: "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عقیقہ کا سر قصاب کو اجرت میں دینا

سوال[۸۵۷۳]: عقیقہ میں ذبیحہ کا سر بعوضِ ذبح کرائی دینا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی میں ذبیحہ کا سر بعوض ذبح کرائی دینا درست نہیں، ہاں! ایسے ہی دے سکتے ہیں۔ عقیقہ میں بھی بہتر ہے کہ قربانی جیسا معاملہ کیا جائے:

"ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع". الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۵/۳۲۱۔

"ولا یعطی أجر الجزار منها، لقوله علیه الصلوة والسلام لعلی رضی الله تعالی عنه: "تصدق بجلالها، وخطامها، ولا تعط أجر الجزار". شامی: ۵/۳۲۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (السعایة فی کشف مافی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبیل فصل فی القرآءة: ۲/۲۶۵، امجد اکیڈمی لاهور)

"کل مباح یؤدی إلی زعم الجهال سنیة أمرٍ أو وجوبه، فهو مکروه". (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۲/۳۶۷، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۲۸، سعید)

"عن الحسن أنه قال: یکره أن یعطی جلد العقیقة والأضحیة علی أن یعمل به. قلت: معناه: یکره أن یعطی فی أجرة الجازر الطباخ". (تحفة المودود بأحکام المولود، ص: ۷۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولا یعط أجرة الجزار منها شیئاً، أما لو أعطاه لفقره أو علی وجه الهدیة، فلا بأس به". (حاشیه الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیة: ۶/۴۸۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

عقیقہ کہاں کیا جائے، دادیال میں یا نانیال میں؟

سوال[۸۵۷۴]: بچہ کا عقیقہ کرنا داد ہال یعنی باپ دادا کے گھر جہاں بچہ پیدا ہوا ہو اور عقیقہ کا بکرا ذبح کرنا ننہال یعنی لڑکے کے نانا کے وطن میں کیسا ہے؟ جب کہ عقیقہ کے اخراجات کا کفیل بچہ کا باپ ہو، خواہ عقیقہ کہیں ہو یا جہاں بچہ موجود ہو عقیقہ کرنا چاہیں؟ یا بچہ اپنے والدین کے یہاں ہو اور عقیقہ بچہ کے نانا کے یہاں، یا بچہ کے بھائی و باپ کے یہاں جو دوسرے وطن میں ہوں، بکرا ذبح کرنا درست ہے اور شرعاً کوئی نقص تو نہیں کہ بچہ یہاں اور جانور غیر شہر میں ذبح ہو اور وہاں اس کے اعزہ موجود ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ بچہ ہو اسی جگہ افضل ہے تاکہ بال اتروانے اور ذبح کرنے کا وقت ایک ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۱۱/۶۱ھ۔

عقیقہ کیلئے جانور خریدا، پھر بچہ مرگیا تو اس کو کیا کریں؟

سوال[۸۵۷۵]: ایک شخص نے اپنے بچہ کے عقیقہ کے واسطے ایک گائے خریدی، اتفاقاً بچہ مرگیا تو اس نے ارادہ ملتوی کر کے گائے بیچ دی اور اس کی کل رقم ایک طالب علم کو بطور امداد دیدی۔ کیا اس طالب علم کے لئے وہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس شخص پر عقیقہ واجب رہے گا یا نہیں؟ کیا وہ رقم لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، لازم نہیں:

قال ابن عابدینؒ: "ویستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه، الخ.......... ثم یعق عند الحلق عقیقةً إباحةً علی ما فی الجامع الصغیر، أو تطوعاً علی ما فی شرح الطحطاوی".

---

(۱) "یستحب الذبح قبل الحلق، وصححه النووی فی شرح المهذب". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاه فی العقیقة: ۱۲۶/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

شامی مختصراً: ۵/۲۲۸ (۱)۔

"العقیقة الخ ...... مباحة، لاسنة ولا واجبة، كذا في الوجيز الكردري"۔ عالمگیری: ۵/۲۷۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحت یاب ہونے پر عقیقہ کرنے کی نذر

سوال[۸۵۷۶]: ایک عورت کی لڑکی بیمار ہوگئی، اس نے منت مانی کہ اگر لڑکی روبصحت ہوگئی تو عقیقہ کروں گی جس میں دو جانور ہوں گے۔ جبکہ لڑکی کے لئے ایک بکری ہے۔ اب ایسی صورت میں عقیقہ کے موقع پر دو جانور ضروری ہیں یا ایک جانور کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ سے نذر منت نہیں ہوئی، جب تک یہ نہ کہا کہ "ان دو بکریوں کو ذبح کر کے گوشت صدقہ کروں گی لہذا اگر عقیقہ میں ایک بکری ذبح کر لی تو بھی عقیقہ درست ہو جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۶، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"وإنما أخذ أصحابنا الحنفية بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة"۔ (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب العقيقة: ۱۷/۱۱۳، إدارة القرآن كراچی)

نوٹ: ساتویں دن سے قبل بچہ مر جائے تو اس کا عقیقہ کرنا مستحب ہے:

"ولو مات المولود قبل السابع، استحب العقيقة عندنا"۔ (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۲۶، ادارة القرآن كراچی)

"وإن مات قبل السابع، عق عنه"۔ (المحلى لابن حزم، كتاب العقيقة: ۶/۲۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ولو قال: إن برئت من مرضي هذا، ذبحت شاةً، أو عليّ شاةٌ أذبحها، فبرئ، لايلزمه شئ"۔ (الدر المختار: ۳/۷۳۹، كتاب الأيمان، سعيد)

گابھن بکری کے دو بچے دینے پر عقیقہ کا ارادہ کرنا

سوال[۸۵۷۷]: میں نے ایک گابھن بکری خریدی اور زبان سے کہا کہ اگر ایک یا دو بچے دے تو لڑکے کا عقیقہ کروں گا، خدا نے دو ہی بچے دیئے۔ بے روزگاری و مقروض ہونے کیوجہ سے سال بھر تک پالنا مشکل معلوم ہورہا ہے۔ خود میرے والد صاحب بھی مصر ہیں کہ ان کو فروخت کردو، خود میں بھی خرچ سے پریشان ہوں۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ فروخت کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ بوقتِ وسعت خرید کر عقیقہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صرف اتنا کہنے سے آپ کے ذمہ ان بکریوں کا پرورش کرنا اور سال بھر پورا ہوجانے پر ان کا عقیقہ کے لئے ذبح کرنا ضروری نہیں (۱)، آپ ان کو فروخت کرسکتے ہیں، پھر قربانی کے وقت یا کسی دوسرے وقت بھی عقیقہ کرنا واجب نہیں، آپ کے پاس وسعت ہو اور دل چاہے تو کردیں ورنہ کوئی پکڑ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۶/ ۸۷ھ۔

= "(ومن نذر نذراً مطلقاً، أو معلقاً بشرطٍ، وكان من جنسه واجب: أى فرض .... (وهو عبادة مقصودة) .... (ووجد الشرط) المعلق به، (لزم الناذر) كصوم وصلوة، وصدقة".
(الدرالمختار: ۳/ ۷۳۵، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۴۶۳، كتاب الأيمان، فصل في الكفارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) ولو قال: "إن برئتُ من مرضي هذا، ذبحت شاةً، أو عليّ شاة أذبحها، فبرئ، لايلزمه شئ".
(الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۳۹، سعيد)

"ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط، وكان من جنسه واجب: أى فرض .... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط المعلق به، لزم الناذر". (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۳۵، سعيد)
(وكذا في الهداية، كتاب الأيمان، فصل في الكفارة: ۲/ ۴۸۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "يستحب لمن ولدله ولدٌ أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه، ثم يعق عند الحلق إباحةً أو تطوعاً". =

جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟

سوال[۸۵۷۸]: بغیر عقیقہ کے شیر خوار انتقال کر جائے تو قیامت کے روز ماں باپ کی شفاعت کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو والدین کو اس کی شفاعت حاصل کرنے کیلئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ شفاعت نہیں کرے گا، کذافی فیض الباری: ٤/٣٣٧(١)، لیکن حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محرومی ہو، شفاعت سقط

= (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ٦/٣٣٦، سعید)

(وکذا فی فیض الباری، کتاب العقیقة: ٤/٣٣٧، خضر راہ بک ڈپو دیوبند الهند)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب العقیقة: ١٧/١١٣، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: ٢/٢٣٢، کتاب الذبائح، باب العقیقة، مکتبه میمنیه مصر)

(١) فیض الباری میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے شفاعت نہ کرنے کا قول منقول نہیں ملا، البتہ "فتح الباری، شرح السنة، تحفة المودود" اور "زاد المعاد" میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"وأجود ماقیل فیه ماذهب إلیه أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ، قال: هذا فی الشفاعة، یرید أنه إذا لم یعق عنه، فمات طفلاً، لم یشفع فی أبویه". (فتح الباری، کتاب العقیقة، باب إماطة الأذی عن الصبی فی العقیقة: ٩/٥٩٤، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی شرح السنة، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقة: ٦/٤٧٤، دارالفکر بیروت)

(وکذا فی تحفة المودود بأحکام المولود، الفصل الحادی عشر، ص: ٥٧، دارالکتب العلمیة بیروت)

قال الإمام أحمد رحمه الله تعالی: معناه أنه محبوس عن الشفاعة فی أبویه والرهن فی اللغة: الحبس.

وقال الله تعالی: ﴿کل نفس بما کسبت رهینة﴾ وظاهر الحدیث أنه رهنیة فی نفسه، ممنوع محبوس عن خیر یراد به، الخ". (زاد المعاد، فصل فی هدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی العقیقة، ص: ٣٤٦، دارالفکر بیروت)

(ناتمام بچہ جس کا اسقاط ہو جائے) بھی کرے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إن السقط ليراغم ربه إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه! أدخل أبويك الجنة، فيجرّهما بسرره حتى يدخلهما الجنة". قال أبو على: "يراغم ربه" يغاصب".

عن معاذ بن جبل، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "والذی نفسی بیده! إن السقط لَيجرّ أمه بسرره إلى الجنة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی من أصيب بسقط، ص: ۱۱۵، قديمی)

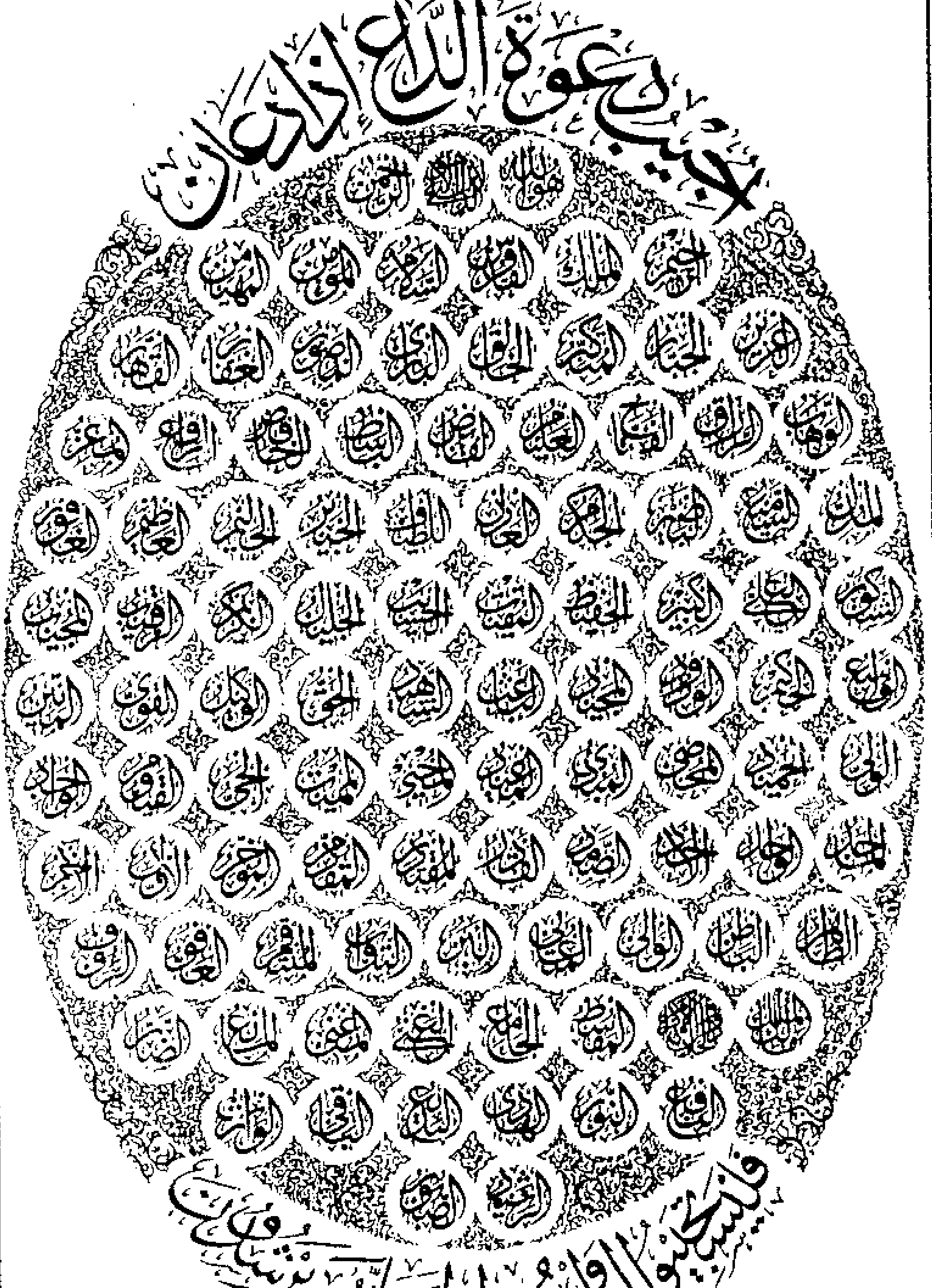
أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الحظر والإباحة	
	باب الأکل والشرب	
	الفصل الأول فی الأکل مع الکفار	
	(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)	
۱	غیر مسلم کے ساتھ کھانا	۳۰
۲	کفار ومشرکین کے ساتھ کھانا پینا	۳۱
۳	ہندو کے تہوار کا کھانا	۳۳
۴	ہندو کے گھر کی چیزیں کھانا	۳۵
۵	ہندو کی دوکان سے گوشت خرید کر استعمال کرنا	۳۶

۶	غیر مسلم کے ہوٹل کا کھانا	۳۷
۷	ٹی پارٹی یا ڈنر پارٹی میں مسلمانوں کا کھانا کھانا	۳۷
۸	غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ بند ڈبوں کے گوشت کا حکم	۳۷
۹	ہندو کی دوکان اور گھر کا کھانا	۴۰
۱۰	مشرک کے ساتھ کھانا کھانا	۴۰
۱۱	طعام اہل کتاب سے متعلق ایک شبہ	۴۳
۱۲	غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا	۴۸
۱۳	غیر مسلم کے ہاتھ بھیجا ہوا گوشت کھانا	۴۹
۱۴	کافر ملازم کے ذریعہ گوشت منگانا	۴۹
۱۵	غیر مسلم باورچی کا پکایا ہوا گوشت	۵۰
۱۶	کافر کے گھر کا گوشت کھانا	۵۱
۱۷	کافر کا پکایا ہوا گوشت	۵۲
۱۸	شیعہ کے گھر کا کھانا	۵۳
۱۹	شیعہ کے گھر کا کھانا	۵۴
۲۰	بھنگی کے لڑکے کو مسلمان ظاہر کر کے اس کے ساتھ کھانا پینا	۵۴
۲۱	بھنگی چمار کے گھر کا گھی	۵۵
۲۲	چمار بھنگی کا کھانا	۵۶
۲۳	چماریوں سے چوری کا ساگ خریدنا	۵۷
۲۴	ہندو دھرم میں گوشت کھانا	۵۷

الفصل الثانی فی الأکل مع الفساق

(فاسق کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

۲۵	فاسق معلن کے گھر کھانا	۶۰

۲۶	شراب نوش کے ساتھ کھانا پینا	۶۱
۲۷	گڑیا اور تصویر بیچنے والے کے یہاں کھانا	۶۱
۲۸	بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا یا جھوٹا کیسا ہے؟	۶۲
۲۹	بے نمازی عورت کا پکایا ہوا کھانا	۶۳
۳۰	بے پردہ عورت کی کمائی کھانا	۶۴
۳۱	آوارہ عورت کے گھر کھانا	۶۴
۳۲	زنا کی خصلت والی لڑکیوں کے ہاتھ کا کھانا	۶۵
۳۳	طوائف کے ہاتھ مال فروخت کرنا	۶۶
۳۴	کیا ہوٹل میں کھانا کھانا فسق ہے؟	۶۷
۳۵	کیا دائی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حرام ہے؟	۶۷

الفصل الثالث فی سنن الأکل و آدابہ

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

۳۶	کیا وضو اور غسل کے بعد کھانا کھانے کے لئے دوبارہ ہاتھ دھونا سنت ہے؟	۶۹
۳۷	کھانے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا چاہیے یا "بسم اللہ الرحمن الرحیم"؟	۶۹
۳۸	کھانے کی ابتدا اور اختتام نمک پر	۷۰
۳۹	کھانے کے بعد کلی کا پانی پینا	۷۱
۴۰	کھانے کے بعد اسی برتن میں ہاتھ دھو کر پینا	۷۱
۴۱	کھانے کے بعد برتن میں ہاتھ دھو کر اس پانی کو پینا	۷۲
۴۲	کھانے کے بعد برتن کو دھو کر پینا	۷۳
۴۳	لوٹے کا پانی چلو بنا کر پینے کا طریقہ	۷۴
۴۴	کھانے کے بعد کیا مٹھائی کھانا سنت ہے؟	۷۴
۴۵	گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکانا	۷۶

۴۶	گوشت کا دھونا	۷۷
۴۷	عصر کے بعد کھانا پینا	۷۷
۴۸	کھانے کی ابتداء دائیں طرف سے	۷۸
۴۹	کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا	۷۸
۵۰	دسترخوان پر سب ایک روٹی میں کھائیں، یا چار ٹکڑے کرکے الگ الگ کھائیں؟	۷۹
۵۱	چمچہ بائیں ہاتھ سے پکڑنا	۸۰
۵۲	کھانا کھاتے رقت چارپائی کی کس جانب بیٹھے؟	۸۱

الفصل الرابع فی مکروهات الأكل

(کھانے کے مکروہات کا بیان)

۵۳	مرغی کو ذبح کے بعد پیٹ چاک کرنے سے پہلے پانی میں جوش دینا	۸۳
۵۴	مرغی کو ذبح کے بعد کھولتے پانی میں ڈالنا	۸۴
۵۵	مشینی مرغی اور اس کے انڈے کھانا کیسا ہے؟	۸۷
۵۶	جھٹکے کا گوشت کھالیا تو کیا کرے؟	۸۸
۵۷	دھوبی کے گھر کا کھانا	۸۹
۵۸	کھانا گرم کھانا، چائے گرم پینا	۸۹
۵۹	کھانے پر پھونک مار کر کھانا	۹۰
۶۰	کوکا کولا	۹۱

الفصل الخامس فی المتفرقات

۶۱	دوست کی چیز کھالینا	۹۲
۶۲	اہل وعیال کے لئے ذخیرہ جمع کرنا	۹۲
۶۳	پردہ نشین بیوی کی کمائی	۹۳

باب الضیافات والهدایا

الفصل الأول فی ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

۶۴	دعوت کھانے اور دعوت کرنے کا ثبوت	۹۵
۶۵	سودخور اور فاسق معلن کی دعوت قبول کرنا	۹۷
۶۶	ریا اور فخر کی دعوت کا حکم	۱۱۱
۶۷	دعوت کے لئے پیسے کی شرط	۱۱۲
۶۸	کافر کی دعوت کا حکم	۱۱۳
۶۹	غیر مسلم کی دعوت	۱۱۵
۷۰	ہندوؤں کی دعوت کا حکم	۱۱۶
۷۱	فاسق کی دعوت، عوام کا چندہ اور ہدیہ	۱۱۶
۷۲	فاسق کی دعوت قبول کرنا اور اس کو سلام کرنا	۱۲۳
۷۳	فاسق کی دعوت قبول کرنا	۱۲۴
۷۴	جس تقریب میں باجا ہو اس کی دعوت میں شرکت	۱۲۹
۷۵	فسق کی مجلس میں شرکت	۱۲۹
۷۶	زانیہ کے حرام مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۱
۷۷	حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۲
۷۸	ہدیہ دینے والے کے مال کی تفتیش کہ مال حرام ہے یا حلال	۱۳۲
۷۹	حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۲
۸۰	تارک زکوۃ کی دعوت قبول کرنا	۱۳۳
۸۱	باتصویر کمرہ میں علماء کی دعوت	۱۳۴

۸۲	بے نمازی اور سود خور کی دعوت	۱۳۵
۸۳	منہار اور قصاب کی دعوت قبول کرنا	۱۳۶
۸۴	رہن کی آمدنی سے دعوت	۱۳۸
۸۵	تقسیمِ ترکہ سے پہلے دعوت کھانا	۱۳۸
۸۶	نابالغ کے مال سے تربیت کے لئے کچھ کھانا	۱۳۹
۸۷	دعوت میں عام وخاص کا انتظام	۱۴۰
۸۸	برادرانہ دعوت میں کسی فرد کا بکرے کے گوشت کا مطالبہ کرنا	۱۴۰
۸۹	متمول آدمی کا نیاز کے کھانے میں شریک ہونا	۱۴۲
۹۰	اللہ کے نام کھانے میں مالدار کی شرکت	۱۴۲
۹۱	کھیت پر خوشی میں دعوت کرنا	۱۴۳
۹۲	بھینس کے بچہ دینے اور ختنہ کی دعوت مدرس کے لئے	۱۴۶
۹۳	نئے مکان میں وعظ اور شیرینی تقسیم کرنا	۱۴۸
۹۴	نئے مکان کی خوشی میں مٹھائی تقسیم کرنا	۱۴۸
۹۵	کھانے پر بلانے پر "بارك الله" کہنا	۱۴۹
۹۶	دوستی میں کھلائے ہوئے کا مطالبہ	۱۵۰

الفصل الثانی فی الضیافة

(مہمان نوازی کا بیان)

۹۷	مہمان کا اکرام	۱۵۱
۹۸	مہمان کا دسترخواں سے کسی کو کچھ دینا	۱۵۲
۹۹	مہمان کا کسی دوسرے کی تواضع کرنا	۱۵۲
۱۰۰	مہمان کا نمک وغیرہ میزبان سے مانگنا	۱۵۳

۱۰۱	نامحرم عورتوں کی ضیافت	۱۵۴
۱۰۲	کسی معزز مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا	۱۵۵

الفصل الثالث فی الھدایا

(ہدیہ دینے کا بیان)

۱۰۳	کسی کام کے سلسلہ میں بغیر مانگے اور بغیر مطالبہ ملی ہوئی رقم ہدیہ ہے یا رشوت؟	۱۵۷
۱۰۴	الیکشن میں کھڑے ہونے والے کے ہدیہ کا حکم	۱۵۸
۱۰۵	ہدیہ میں یہ شرط لگانا کہ "کسی کو نہیں دیں گے"	۱۵۹
۱۰۶	کوٹ کے کپڑے کا ہدیہ	۱۵۹
۱۰۷	مریدوں سے ہدیہ لینا	۱۶۰
۱۰۸	بہن کے گھر جاکر روپیہ دینا	۱۶۱
۱۰۹	سسرال کے گھر کا روپیہ	۱۶۱
۱۱۰	بچوں کا ہدیہ	۱۶۲
۱۱۱	بچوں کا استاد کو ہدیہ دینا	۱۶۳
۱۱۲	نابالغ بچوں کا ہدیہ قبول کرنا	۱۶۵
۱۱۳	کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا	۱۶۶
۱۱۴	مخنث پڑوسی کے نل کا پانی اور ہدیہ	۱۶۷
۱۱۵	جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا	۱۶۸
۱۱۶	حرام کمائی والے کا ہدیہ	۱۶۹
۱۱۷	ہدیہ کی تفتیش حلال ہے یا حرام؟	۱۷۰
۱۱۸	جس ہدیہ پر حرام کا شبہ ہو، اس کا حکم	۱۷۰
۱۱۹	غیر مسلم کا ہدیہ	۱۷۳

۱۲۰	ایضاً	۱۷۳
۱۲۱	غیر مسلم کا ہدیہ وتحفہ دینا ولینا	۱۷۴
۱۲۲	غیر مسلم کا چندہ	۱۷۶
۱۲۳	غیر مذہب والوں سے کاروبار کی بنا پر ہدیہ کا لین دین	۱۷۶

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

۱۲۴	شراب یا افیم بطور دوا انسان یا جانور کو کھلانا	۱۷۸
۱۲۵	شراب کو سرکہ بنا کر استعمال کرنا	۱۷۹
۱۲۶	فوجی کا شراب فروخت کر کے دوسرے کام میں استعمال کرنا	۱۷۹
۱۲۷	کسی کا شراب چھوڑنے کے لئے دوسرے کے وعظ چھوڑنے کی شرط لگانا	۱۸۰
۱۲۸	قلبِ ماہیت کے بعد نشہ آور چیز کا استعمال	۱۸۱
۱۲۹	اسپرٹ کا حکم	۱۸۲
۱۳۰	بیر کا حکم	۱۸۳
۱۳۱	بیر پینا	۱۸۴
۱۳۲	تاڑی کی حرمت	۱۸۵
۱۳۳	تاڑ اور کھجور کا رس پینا	۱۸۷
۱۳۴	بسکٹ میں تاڑی کا استعمال	۱۸۶
۱۳۵	شراب والی بوتل کا دھونے کے بعد استعمال	۱۸۹

الفصل الثاني في الطّيب

(خوشبو کا بیان)

۱۳۶	عطر کونسا جائز ہے؟	۱۹۱

۱۳۷	سینٹ	۱۹۱
۱۳۸	سینٹ کا استعمال	۱۹۲
۱۳۹	سینٹ وانگریزی تیل	۱۹۳

الفصل الثالث فی الفضلات

(فضلات کا بیان)

۱۴۰	گوبر کے کنڈے	۱۹۴
۱۴۱	گوبر وغیرہ کی گیس سے کھانا وغیرہ پکانا	۱۹۴
۱۴۲	گوبر سے زمین کو لیپنا	۱۹۵
۱۴۳	گوبر کی راکھ منجن میں استعمال کرنا	۱۹۶
۱۴۴	راکھ کا حکم	۱۹۶
۱۴۵	انسان کے پائخانہ کو سکھا کر اُپلوں کے مثل روٹی پکانا	۱۹۸
۱۴۶	جو شخص پیشاب پلائے اس کا حکم	۱۹۸
۱۴۷	جانور کا دودھ اور مرد کی منی کیا دونوں ایک ہیں؟	۱۹۹

الفصل الرابع فی المأکولات وغیرها

(کھانے کی اشیاء کا بیان)

۱۴۸	بند ڈبوں میں خشک دودھ کا استعمال	۲۰۰
۱۴۹	پنیر کے اقسام واحکام	۲۰۰
۱۵۰	جس کھانے میں جائفل ڈالا گیا، اس کا کھانا	۲۰۲
۱۵۱	امریکن گھی	۲۰۳
۱۵۲	ڈالڈا گھی، انگریزی بسکٹ وغیرہ کا استعمال	۲۰۴

۱۵۳ بلدی کا حکم ۲۰۴
۱۵۴ صابن میں چربی کی وجہ سے ناپاکی ۲۰۵
۱۵۵ ناپاک تیل وچربی سے بنے ہوئے صابون کا حکم ۲۰۶

باب الانتفاع بالحیوانات

الفصل الأول فی السمک

(مچھلی کے کھانے کا بیان)

۱۵۶ مردار مچھلی کھانا کیوں جائز ہے؟ ۲۰۷
۱۵۷ گونچھ مچھلی کا حکم ۲۰۹
۱۵۸ مچھلی کو بغیر پانی کے رکھنا ۲۰۹
۱۵۹ مچھلی کو پتھر سے رگڑنا ۲۰۹
۱۶۰ مچھلی کو بلا آلائش نکالے کھانا ۲۰۹
۱۶۱ مچھلی پکڑنے کے بعد یالاٹھی سے مرگئی، اس کا کھانا ۲۱۱
۱۶۲ جھینگا ۲۱۲
۱۶۳ ایضاً ۲۱۵
۱۶۴ ایضاً ۲۱۶

الفصل الثانی فی الطیور

(پرندوں کا بیان)

۱۶۵ کوے کی قسمیں ۲۱۸
۱۶۶ کوے کا کھانا ۲۲۰
۱۶۷ کوا کھانا ۲۲۱

۱۶۸	کھیت کا کوا...	۲۲۶
۱۶۹	کون سا کوا حلال ہے؟...	۲۲۶
۱۷۰	بگلہ، گرسل، نیل کنٹ کا حکم...	۲۲۸
۱۷۱	مردار خور گدھ کا کھانا...	۲۲۸
۱۷۲	گدھ کی طرح کے جانور کا کھانا...	۲۲۹
۱۷۳	کبوتر کا حکم...	۲۲۹
۱۷۴	کھانے یا تجارت کے لئے کبوتر پالنا...	۲۳۰
۱۷۵	کبوتر مکان میں رہنے لگا، کئی بچے بھی ہو گئے اس کا اور بچوں کا حکم...	۲۳۱
۱۷۶	طوطے کا کھانا...	۲۳۳
۱۷۷	دق کے مریض کے لئے گھونگھا کھانا...	۲۳۳
۱۷۸	کیا تمام چرند پرند حلال ہیں؟...	۲۳۴
۱۷۹	گلہری کھانا...	۲۳۵
۱۸۰	دوسرے کی مرغی اگر نقصان کرے تو اس کو ذبح کرنا...	۲۳۵
۱۸۱	جو مرغی اذان دے اس کا کھانا...	۲۳۶
۱۸۲	مذبوحہ مرغی کا انڈا...	۲۳۶

الفصل الثالث فی المواشی

(مویشیوں کا بیان)

۱۸۳	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گائے کا گوشت تناول فرمانا...	۲۳۸
۱۸۴	بوڑھے بیل کو مالک نے چھوڑ دیا اس کا حکم...	۲۳۹
۱۸۵	برہمن سے خریدے ہوئے بیل کی واپسی...	۲۴۰
۱۸۶	خرگوش کی حلّت...	۲۴۱
۱۸۷	بیل وغیرہ کو خصی کرنا...	۲۴۲

۱۸۸	خنثیٰ بکری کا حکم	۲۴۲
۱۸۹	جو بکری کا بچہ خنزیر کے دودھ سے پلے اس کا استعمال	۲۴۳
۱۹۰	بھینس سے لاٹھی مار کر دودھ حاصل کرنا	۲۴۴
۱۹۱	دودھ لینے کے لئے بھینس کے سامنے مصنوعی بچہ بنا کر کھڑا کرنا	۲۴۶
۱۹۲	بھینس میں انجکشن سے مادۂ منویہ پہونچانا	۲۴۶
۱۹۳	جانور کو مستی کا انجکشن اور فرج میں ہاتھ داخل کرنا	۲۴۷
۱۹۴	جانور کو خریدتے وقت ہاتھ ڈال کر دیکھنا کہ گابھن ہے یا نہیں؟	۲۴۸
۱۹۵	جس گائے کا بچہ مر گیا ہو اس کا دودھ	۲۴۸
۱۹۶	امریکی سانڈ کے نطفہ سے پیدا شدہ گائے اور دودھ کا حکم	۲۴۸
۱۹۷	بے بیائی بکری کا دودھ	۲۴۹
۱۹۸	بے گابھن بکری کے دودھ کا حکم	۲۵۰
۱۹۹	ناجائز چارہ کھانے والی بکری کا گوشت کھانا	۲۵۱

الفصل الرابع فی الحیوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اور ان کے اجزاء کا بیان)

۲۰۰	خنزیر کی حرمت کی وجہ	۲۵۲
۲۰۱	خنزیر کا پالنا، چرانا، بیچنا سب غلط ہے	۲۵۲
۲۰۲	خنزیر اور میتہ کی حرمت برابر ہے یا نہیں؟	۲۵۴
۲۰۳	مضطر کے لئے خنزیر کا کھانا	۲۵۵
۲۰۴	شراب کے نشہ میں خنزیر کا گوشت کھانا	۲۵۶
۲۰۵	خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنا	۲۵۷

18

۲۰۶	برش میں سور کے بال	۲۵۸
۲۰۷	خنزیر کے بال کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ	۲۵۹
۲۰۸	خنزیر کی چربی سے جانور کا علاج	۲۶۱
۲۰۹	کیمیا بنانے کے لئے خنزیر کا دودھ استعمال کرنا	۲۶۲
۲۱۰	خچر کی نسل حاصل کرنا	۲۶۲
۲۱۱	کتا پالنا	۲۶۳
۲۱۲	شوقیہ کتا پالنا	۲۶۴
۲۱۳	مکان کی حفاظت کے لئے کتا پالنا	۲۶۷
۲۱۴	مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ اور کیکڑہ کا کھانا، فروخت کرنا	۲۶۷
۲۱۵	مردہ جنین کا گوشت کھانا	۲۶۹
۲۱۶	شیر کی چربی کا حکم	۲۷۰
۲۱۷	ہاتھی کی سواری اور سونڈ کا پانی	۲۷۲
۲۱۸	بہیمۂ موطوءہ کا حکم	۲۷۳

الفصل الخامس فيما يجوز قتله من الحيوانات ومالايجوز

(جائز القتل اور غیر جائز القتل حیوانات کا بیان)

۲۱۹	چھپکلی کا مارنا	۲۷۶
۲۲۰	گرگٹ کا مارنا	۲۷۸
۲۲۱	چوہے وغیرہ کو زہر دے کر مارنا	۲۷۹
۲۲۲	کھٹملوں کو گرم پانی سے مارنا	۲۷۹
۲۲۳	چیونٹی، بھڑ وغیرہ کو جلانا	۲۸۰

۲۲۴	بلی کو مارنا............................	۲۸۱
۲۲۵	کتے اور بلی کو مارنا............................	۲۸۲

الفصل السادس فی المتفرقات

۲۲۶	اپنے جانور کے چارہ کا انتظام کرنا............................	۲۸۴
۲۲۷	جس جانور کو ناجائز پتے کھلائے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم............................	۲۸۵
۲۲۸	سانپ کی چھتری کھانا............................	۲۸۶

باب التداوی والمعالجة

الفصل الأول فی مایتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانعِ حمل کا بیان)

۲۲۹	حاملہ کے انتقال کے بعد بچہ آپریشن کرکے نکالنا............................	۲۸۸
۲۳۰	حاملہ مرجائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟............................	۲۸۹
۲۳۱	عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو اس کو نکالنا............................	۲۸۹
۲۳۲	بچہ دانی کا نکلوانا............................	۲۹۰
۲۳۳	نسبندی............................	۲۹۱
۲۳۴	ایضاً............................	۲۹۳
۲۳۵	نسبندی کی ترغیب اخبار کے ذریعہ............................	۲۹۵
۲۳۶	کیا امام غزالیؒ نے نسبندی کی اجازت دی ہے؟............................	۲۹۶
۲۳۷	نسبندی............................	۲۹۷
۲۳۸	ملازمت کی مجبوری سے نسبندی............................	۲۹۷
۲۳۹	ملازمت سے سبکدوشی کی دھمکی کی وجہ سے بیوی کا آپریشن کرانا............................	۲۹۹

۲۴۰	ایسا آپریشن کہ جس سے جماع پر قدرت نہ رہے	۳۰۰
۲۴۱	تبدیلیٔ جنس	۳۰۱
۲۴۲	برتھ کنٹرول	۳۰۳
۲۴۳	فیملی پلاننگ	۳۰۷
۲۴۴	خاندانی منصوبہ بندی	۳۰۸
۲۴۵	ضبطِ تولید	۳۱۲
۲۴۶	ضبطِ تولید کے دلائل	۳۱۲
۲۴۷	ضبطِ تولید کے دلائلِ جواز کا جائزہ	۳۱۵
۲۴۸	کمزوری کی وجہ سے مانعِ حمل دوا کا استعمال	۳۱۶
۲۴۹	مانعِ حمل دوا استعمال کرنا	۳۱۷
۲۵۰	غیر مسلم کو مانعِ حمل دوا دینا	۳۱۹
۲۵۱	عورت کیلئے فرنچ لیدر کا استعمال	۳۱۹
۲۵۲	عزل، اور غبارے کا استعمال	۳۲۰
۲۵۳	عزل کے جواز کی صورت	۳۲۱
۲۵۴	اسقاطِ حمل	۳۲۱
۲۵۵	آلات کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا	۳۲۲
۲۵۶	انجکشن کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا	۳۲۴
۲۵۷	انجکشن کی اولاد	۳۲۵

الفصل الثانی فی أعضاء الإنسان وأجزائه

(انسان کے اعضاء اور اجزاء کا بیان)

۲۵۸	اضطراری حالت میں انسانی خون لینا	۳۲۸
۲۵۹	بیمار کو دوسرے شخص کا خون دینا	۳۲۹

۲۶۰	شوہر کا خون بیوی کے جسم میں داخل کرنا	۳۳۰
۲۶۱	کافر کا خون مسلمان کے جسم میں داخل کرنا	۳۳۲
۲۶۲	بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی کے عضو کو معطل کر دینا	۳۳۳
۲۶۳	زائد انگلی کا کٹوانا	۳۳۴
۲۶۴	اعضائے انسان کی پیوند کاری	۳۳۵
۲۶۵	اعضاء کی پیوند کاری کی وصیت	۳۳۶
۲۶۶	بدن کے کسی حصہ کو خیرات کرنے کی وصیت	۳۳۷
۲۶۷	آنکھوں کی خرید وفروخت برائے علاج	۳۳۸
۲۶۸	ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت	۳۳۹
۲۶۹	طبی تجربہ کے لئے لاش چیرنا	۳۴۰
۲۷۰	طبی تحقیق کے لئے میت کو چیرنا	۳۴۳
۲۷۱	ڈاکٹری تعلیم کے لئے مردہ کا جسم چیرنا	۳۴۵
۲۷۲	ڈاکٹری سیکھنے کے لئے لاش ہسپتال میں دینے کی وصیت	۳۴۵
۲۷۳	مصنوعی دانت لگانا	۳۴۶

الفصل الثالث فی التداوی بالمحرم وغیرہ

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

۲۷۴	کیا دوا نہ کرنے سے ہلاک ہونے پر مواخذہ ہے؟	۳۴۷
۲۷۵	حالتِ اضطرار میں شراب بطور دوا پینا	۳۴۸
۲۷۶	گھوڑی کی زبان علاج کے لئے استعمال کرنا	۳۴۸
۲۷۷	ہومیو پیتھک کی حرام دواؤں کا استعمال	۳۴۹
۲۷۸	ہومیو پیتھک دوا کا استعمال	۳۵۱
۲۷۹	ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال	۳۵۱

۲۸۰	بیمار کے لئے شراب کا استعمال	۳۵۲
۲۸۱	مریض کے لئے شراب کا حکم	۳۵۴
۲۸۲	دوا میں شراب کا استعمال	۳۵۵
۲۸۳	شراب کا بطور دوا خارجی استعمال	۳۵۶
۲۸۴	شراب برائے علاج اور بلا عذر شراب نوشی سے معافی کی صورت	۳۵۶
۲۸۵	شراب کیا چیز ہے؟	۳۵۹
۲۸۶	زخم کے لئے اسپرٹ کا استعمال	۳۵۹
۲۸۷	بیمار کیلئے حرام گوشت، چربی، بال کا استعمال	۳۶۰
۲۸۸	گدھی کا دودھ علاج کے لئے	۳۶۴
۲۸۹	بطور علاج عورت کا دودھ استعمال کرنا	۳۶۵
۲۹۰	دوا کے لئے بچھو کو جلانا	۳۶۶
۲۹۱	کیکڑا اور کچھوا دوا کے طور پر کھانا	۳۶۷
۲۹۲	ناپاک شہد کا خارجی استعمال	۳۶۸
۲۹۳	معجونِ جند بید ستریا، ماہی رو بیاں و بیر بھوٹی وغیرہ کا حکم	۳۶۹
۲۹۴	بکری کے پتہ میں سرمہ لگانا	۳۷۲
۲۹۵	علاج کیلئے استمناء بالید	۳۷۳
۲۹۶	طاعون و چیچک سے حفاظت کے انجکشن	۳۷۳

الفصل الرابع فی المتفرقات

۲۹۷	مشرک ڈاکٹر سے علاج کرانا	۳۷۵
۲۹۸	غیر مسلم سے جڑی بوٹی کی تحقیق	۳۷۶
۲۹۹	حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟	۳۷۶
۳۰۰	طبیب کا عضو تناسل دیکھنا	۳۷۷

۳۰۱	چند نسخے یاد کر کے علاج کرنا	۳۷۷
۳۰۲	بیماری کا جعلی سرٹیفکٹ	۳۷۸

باب شرب الدخان واستعمال النورة وغیرها

(تمباکو اور چونے وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۳۰۳	تمباکو	۳۸۰
۳۰۴	تمباکو کے اقسام وخواص اور اختلاف اقوال	۳۸۱
۳۰۵	تمباکو، حقہ وغیرہ پینا	[illegible]
۳۰۶	پان، تمباکو، حقہ	۳۸۷
۳۰۷	تمباکو پان سگریٹ اور نسوار کا حکم	۳۸۸
۳۰۸	سگریٹ پینا	۳۸۸
۳۰۹	حقہ کا حکم	۳۸۹
۳۱۰	حقہ استعمال کرنا	۳۹۲
۳۱۱	پان، سگریٹ وغیرہ کا استعمال راستہ میں	۳۹۴
۳۱۲	حقہ پینے والے سے منہ پھیر لینا	۳۹۴
۳۱۳	بیڑی پینے والے کو دکان کا راستہ بتانا	۳۹۵
۳۱۴	پان کا بیڑہ پرشاد کے طور پر	۳۹۶
۳۱۵	تمباکو کی کاشت، تجارت اور استعمال	۳۹۷
۳۱۶	چونا کا حکم	۳۹۸
۳۱۷	چونا و تمباکو کی تحقیق	۳۹۹
۳۱۸	چونا، تمباکو کھانا	۴۰۳
۳۱۹	پان کی گرانی کی وجہ سے تمباکو چونے میں ملا کر کھانا	۴۰۵

۳۲۰	پان میں چونا کھانا	۴۰۶
۳۲۱	مٹی کھانا	۴۰۷

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اوراس کے مصرف کا بیان)

۳۲۲	مالِ حرام سے تجارت	۴۰۸
۳۲۳	مالِ مخلوط کو کارِ خیر میں صرف کرنا	۴۰۹
۳۲۴	حرام مال کے ذریعہ تجارت کرنا	۴۰۹
۳۲۵	مالِ مخلوط سے تجارت	۴۱۰
۳۲۶	مالِ حرام سے خریدے ہوئے مکان سے انتفاع	۴۱۱
۳۲۷	مالِ حرام سے نفقۂ زوجہ	۴۱۲
۳۲۸	حرام آمدنی سے تنخواہ لینا	۴۱۳
۳۲۹	کاسب حرام کے ہاتھ مال فروخت کرنا	۴۱۴
۳۳۰	شادی کے بعد حرام کمائی والا سامان استعمال کرنا	۴۱۵
۳۳۱	ناجائز آمدنی سے خریدے ہوئے مال کا حکم	۴۱۵
۳۳۲	ناجائز پیسوں سے خرید شدہ سامان کا حکم	۴۱۷
۳۳۳	ناجائز مال جہیز میں دینا	۴۱۸
۳۳۴	ملازم کو بسکٹ فیکٹری میں بلا اجازتِ مالک بسکٹ کھانا	۴۱۹
۳۳۵	مخدوم کے مال میں خادم کا تصرف	۴۲۰
۳۳۶	میونسپلٹی کی چیز کا استعمال	۴۲۳
۳۳۷	ڈاکٹر کو طوائف سے فیس لینا	۴۲۴
۳۳۸	دوست سے روپیہ چوری کیا اس کی واپسی کا طریقہ	۴۲۵
۳۳۹	چوری کا کوئلہ واپس کرنا چاہیے	۴۲۵

۳۴۰	چوری کا مال واپس کرنے کا طریقہ	۴۲۶
۳۴۱	کسی عالم کا داماد کو باپ کی دوکان سے چوری کی تلقین کرنا	۴۲۷
۳۴۲	بڑے بھائی کی دوکان سے پیسہ بچانا	۴۲۹
۳۴۳	جھٹکے کے گوشت کی قیمت	۴۳۰
۳۴۴	جلدی میں ٹکٹ نہ لے سکا اور پیسے گارڈ کو دے دیئے تو وہ کافی ہے یا نہیں؟	۴۳۱
۳۴۵	جہاز میں خنزیر کا گوشت پیش کرنے والے کی ملازمت	۴۳۱
۳۴۶	بازار سے پھل خریدتے وقت حرام وحلال ہونے کی تحقیق	۴۳۲
۳۴۷	حرام مال سے کوئی چیز خریدنا	۴۳۳
۳۴۸	مال حرام سے خرید وفروخت	۴۳۳
۳۴۹	پیسہ کے عوض بیع کرنا	۴۳۴
۳۵۰	خریدنے کے بعد حرام ہونا معلوم ہوا تو اب کیا کیا جائے؟	۴۳۵
۳۵۱	ناجائز زمین کی پیداوار کا حکم	۴۳۶
۳۵۲	دوسرے کے درخت فروخت کر کے قیمت خود رکھنا	۴۳۸
۳۵۳	ٹھیکہ میں بچا ہوا سامان استعمال کرنا	۴۳۹
۳۵۴	مہر لگے بغیر استعمال شدہ ٹکٹ دوبارہ کام میں لانا	۴۳۹
۳۵۵	اگر شربت میں حق غیر مخلوط ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۴۴۰
۳۵۶	حرام حلال مخلوط روپے کا ہبہ	۴۴۰
۳۵۷	حرام وحلال مخلوط آمدنی مدرسہ میں دینا	۴۴۲
۳۵۸	حرام اور مخلوط آمدنی سے امام کو تنخواہ اور کھانا دینا	۴۴۳
۳۵۹	جس کا مال مشتبہ ہو اس کے یہاں خوراکی دے کر کھانا	۴۴۴
۳۶۰	مال حرام کا مصرف	۴۴۵
۳۶۱	حرام مال کا صدقہ	۴۴۷
۳۶۲	حرام آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا	۴۴۷

فصلٌ فی أداء القرض من الحرام

(حرام مال سے قرض ادا کرنے کا بیان)

۳۶۳ مال حرام سے قرض کی ادائیگی ۴۵۰

۳۶۴ مال حرام سے قرض ادا کرنا ۴۵۱

۳۶۵ ناجائز مال سے قرض وصول کرنا ۴۵۳

۳۶۶ مال حرام قرض دینا ۴۵۳

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

۳۶۷ رشوت لینے اور دینے کا حکم ۴۵۵

۳۶۸ رشوت دینا ۴۵۶

۳۶۹ رشوت کی چند صورتیں اور اس سے توبہ ۴۵۷

۳۷۰ کسٹم پرقلی کو رشوت دینا ۴۶۲

۳۷۱ رشوت دے کر ٹھیکہ دار کا سامان بچا کر خود رکھنا ۴۶۴

۳۷۲ رشوت و اغلام ۴۶۵

۳۷۳ پاس ہونے کے عوض طلبہ کا مدرس کو رقم دینا ۴۶۶

۳۷۴ بحالتِ مجبوری رشوت دے کر سند وصول کر کے ملازمت حاصل کرنا ۴۶۷

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول فی الکذب والنمیمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

۳۷۵ جھوٹ کا حکم ۴۷۰

۳۷۶	جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا	۴۷۰
۳۷۷	دفع ظلم کے لئے جھوٹ بولنا	۴۷۱
۳۷۸	جھوٹے کو جھوٹا کہنا	۴۷۳
۳۷۹	جھوٹا حلف	۴۷۳
۳۸۰	جھوٹا دعویٰ	۴۷۵
۳۸۱	جھوٹے مقدمہ سے بچنے کے لئے جھوٹا مقدمہ کرنا	۴۷۶
۳۸۲	ادارہ میں ملازمت کیلئے جھوٹی سند دینا	۴۷۷
۳۸۳	تحفظِ جائیداد کیلئے جھوٹ بولنا	۴۷۸
۳۸۴	سور کا گوشت بکرے کا بتا کر فروخت کرنے والے کا حکم	۴۷۹
۳۸۵	کسی کو جھوٹے کیس میں پھنسانے کا حکم	۴۸۰
۳۸۶	پانچ کلو شکر کے لئے پچیس کلو کی درخواست دینا	۴۸۱
۳۸۷	ملازم کو سفر خرچ کی جعلی رسید بنانا	۴۸۲
۳۸۸	ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنے کو شادی شدہ بتانا	۴۸۳
۳۸۹	کسی دوسرے کو اپنے پاس کے ذریعہ ریل میں بھیجنا	۴۸۴
۳۹۰	قرآن پاک کا حلف اٹھانے کے باوجود الزام لگانا	۴۸۴
۳۹۱	کسی پر الزام لگا کر انکار کرنا	۴۸۶
۳۹۲	بہتان سے توبہ کا طریقہ	۴۸۷
۳۹۳	بہتان کی آخرت میں سزا	۴۸۹
۳۹۴	چغل خوری سے توبہ کرنا	۴۹۰
۳۹۵	ریا کی تقسیم	۴۹۱

الفصل الثانی فی الغیبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

۳۹۶	فاسق کی غیبت گناہ ہے یا نہیں؟	۴۹۲

۳۹۷	پیر صاحب کا مریدین کی غیبت کرنا	۴۹۴
۳۹۸	مردہ کی غیبت اور برائی	۴۹۵
۳۹۹	غیبت کی معافی کا طریقہ	۴۹۶
۴۰۰	مسلمان سے کینہ رکھنا	۴۹۷

الفصل الثالث فی نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

۴۰۱	وعدہ خلافی	۴۹۹
۴۰۲	وعدہ خلافی	۵۰۰
۴۰۳	وعدہ خلافی کرنا	۵۰۱
۴۰۴	وعدہ خلافی کا حکم	۵۰۲
۴۰۵	ضمانت میں وعدہ خلافی	۵۰۳
۴۰۶	وعدہ خلافی منافق کی نشانی کب ہے؟	۵۰۴

الفصل الرابع فی ترک الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

۴۰۷	کسی کو پنچایت سے خارج کرنا	۵۰۷
۴۰۸	قصور کے بغیر پنچایت کا کسی کو برادری سے نکالنا	۵۰۸
۴۰۹	بے نمازی کا بائیکاٹ کرنا	۵۰۹
۴۱۰	بے نمازی سے ترک تعلق	۵۱۰
۴۱۱	کسی نافرمان سے قطع تعلق	۵۱۱
۴۱۲	ناحق آبروریزی کرنے والے سے قطعِ تعلق	۵۱۳

۴۱۳	آپس میں اندیشۂ تہمت کی بنا پر ترک تعلق	۵۱۴
۴۱۴	جو شخص ساتھ نہ دے اس سے ترکِ تعلق	۵۱۶
۴۱۵	داماد اور ساس کو برادری نے غلط تعلق کی وجہ سے خارج کردیا	۵۱۸
۴۱۶	تعزیہ بنانے والوں سے ترکِ تعلق	۵۲۰
۴۱۷	دینی مضرت کے اندیشہ سے ترکِ گفتگو	۵۲۱
۴۱۸	رنجش کی وجہ سے ترکِ کلام کی حد	۵۲۲
۴۱۹	اغوا کرنے کی سزا برادری سے ترکِ تعلق	۵۲۳
۴۲۰	غلط محفل کرنے والوں کا بائیکاٹ	۵۲۵
۴۲۱	غلط کام کرنے والے سے بھی میل ملاپ رکھنا	۵۲۶
۴۲۲	بائیکاٹ کا عہد کئے ہوئے کے گھر کا کھانا پینا	۵۲۷
۴۲۳	سالی سے مذاق کرنے والے سے ترکِ تعلق	۵۲۸
۴۲۴	مرتکبِ کبائر اعزاء سے ترکِ تعلق	۵۳۰
۴۲۵	خسر اور بہو کا ناجائز تعلق کی وجہ سے ترکِ تعلق	۵۳۱
۴۲۶	زنا سے حاملہ سے نکاح نہ کرنے والے کو برادری سے خارج کرنا	۵۳۲
۴۲۷	کسی عورت کا کسی نامحرم کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد شوہر کے پاس آکر رہنے کا حکم	۵۳۳
۴۲۸	دو پارٹیوں میں صلح	۵۳۳
۴۲۹	"نخلع ونترك من يفجرك" پرعمل کی صورت	۵۳۵

الفصل الخامس فی إیذاء المسلم

(مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)

۴۳۰	کسی کی تحقیر و تذلیل	۵۳۶
۴۳۱	محفلِ نکاح میں لاؤڈ اسپیکر پر قرآن شریف، نعت شریف اور توہین آمیز کلمات	۵۳۷

۴۳۲	بیت الخلاء سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہو تو اس کو منتقل کرنا	۵۳۹
۴۳۳	دشمن کے اندیشہ سے بیوی کو قتل کر دینا	۵۴۰
۴۳۴	غیر مسلم پڑوسی کو تکلیف پہونچانا	۵۴۰
۴۳۵	ہندو اور مرتد کو کافر کہنا	۵۴۳
۴۳۶	کسی کافر کو مرنے کے بعد بُرا کہنا	۵۴۳

باب المعاصی والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

۴۳۷	معصیت بنفسہ کیا ہے؟	۵۴۶
۴۳۸	معصیت کا عبادات پر اثر	۵۴۷
۴۳۹	کیا فسق وفجور فطری چیز ہے؟	۵۴۷
۴۴۰	گناہ کبیرہ پر اصرار	۵۴۸
۴۴۱	زنا اور تکبر میں سے کونسا گناہ بڑا ہے؟	۵۴۹
۴۴۲	عابد بخیل بہتر ہے یا زانی سخی؟	۵۵۱
۴۴۳	دھوکہ دینا، نقصان پہنچانا	۵۵۲
۴۴۴	فاحش ظالم کو قتل کرنا	۵۵۳
۴۴۵	جائیداد کے لئے کسی کو قتل کرنا	۵۵۴
۴۴۶	کافر کو قتل کرنا	۵۵۶
۴۴۷	زنا کس کا حق ہے؟	۵۵۷
۴۴۸	مشت زنی	۵۵۷
۴۴۹	زنا، لواطت، مشت زنی منع ہے	۵۵۹
۴۵۰	بھاوج سے زنا	۵۶۰

۴۵۱	خادمہ کے ساتھ باندی جیسا سلوک	۵۶۰
۴۵۲	جیسا گناہ ویسی توبہ	۵۶۱
۴۵۳	توبہ کی تکمیل کے لئے صدقہ	۵۶۲
۴۵۴	توبہ کے لئے چندہ کر کے تقریب کرنا اور تقریب میں عالم صاحب کے سامنے توبہ کرنا	۵۶۳
۴۵۵	گناہ کی توبہ خدا کے سامنے ہو یا چودھریوں کے؟	۵۶۶
۴۵۶	توبہ سے حقوق العباد کی معافی	۵۶۷
۴۵۷	بغیر توبہ کے کبیرہ گناہ کی معافی	۵۶۸

باب أحكام الزوجين

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

۴۵۸	شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باپ کے گھر جانا	۵۷۰
۴۵۹	شوہر کی رضامندی کے بغیر گھر سے نکلنے والی عورت کی نماز، روزہ کا حکم	۵۷۰
۴۶۰	بلا اجازتِ شوہر گھر سے باہر غائب رہنا	۵۷۱
۴۶۱	بغیر شوہر کی اجازت کے والدین کے پاس رہنا	۵۷۳
۴۶۲	کتنی مدت تک شوہر بیوی سے الگ رہ سکتا ہے؟	۵۷۴
۴۶۳	بیوی کا شوہر کو اپنی والدہ کی ملاقات سے روکنا	۵۷۴
۴۶۴	ولادت کے وقت بیوی کی مدد کرنا	۵۷۵
۴۶۵	بیوی کے حقوق نافرمانی کی صورت میں	۵۷۶
۴۶۶	بیوی کو والدین سے ملنے سے روکنا	۵۸۴
۴۶۷	اندیشۂ فتنہ کی صورت میں بیوی کو اس کے میکہ نہ بھیجنا	۵۸۵
۴۶۸	لڑکی کو داماد کے گھر جانے سے روکنا	۵۸۶
۴۶۹	بیوی کی تربیت کا طریقہ	۵۸۷

۴۷۰	بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا علاج..................	۵۸۸
۴۷۱	بیوی کا شوہر کی اطاعت اور خدمت نہ کرنا..................	۵۸۹
۴۷۲	دو بیویوں کی صورت میں ایک سے زیادہ محبت ہونا..................	۵۹۰
۴۷۳	بیوی سے پیشہ کرانا..................	۵۹۰
۴۷۴	شوہر تعلیم کے لئے بیوی سے کتنے روز جدا رہ سکتا ہے؟..................	۵۹۱
۴۷۵	شوہر کتنے روز غائب رہ سکتا ہے؟..................	۵۹۲
۴۷۶	شوہر کتنے روز تک بیوی سے دور رہ سکتا ہے؟..................	۵۹۳
۴۷۷	سال بھر باہر رہ کر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بیوی کے پاس رہنے کے بعد پھر نکلنا..................	۵۹۳
۴۷۸	شادی کے بعد کتنی مدت کے لئے سفر میں رہنے کی اجازت ہے؟..................	۵۹۴
۴۷۹	بیوی کو خطاء پر سزا دینا..................	۵۹۵
۴۸۰	بیوی کو سزا دینا..................	۵۹۶
۴۸۱	عورت کو میکہ جانے کا حق..................	۵۹۷
۴۸۲	شوہر کا کہنا نہ ماننے والی عورت کا حکم..................	۵۹۸
۴۸۳	والدین اور شوہر میں کس کی اطاعت لازم ہے؟..................	۵۹۹
۴۸۴	''گھر داس'' کی رسم اور شوہر کی نافرمانی..................	۶۰۰
۴۸۵	اہلِ قرابت سے ملنے کے لئے کتنی مدت ہے؟..................	۶۰۵
۴۸۶	اولاد کی خاطر شوہر کی نافرمانی..................	۶۰۵
۴۸۷	قریب کے رشتہ داروں سے ملاقات کی مدت..................	۶۱۰
۴۸۸	خود کمانے والی عورت کا شوہر کو طعنہ دینا..................	۶۱۰
۴۸۹	شوہر بیوی میں ملاپ نہیں، گناہ کس پر ہے؟..................	۶۱۱
۴۹۰	زوجین کی باہمی رضامندی سے بعض حقوق زوجیت سے دست برداری..................	۶۱۲
۴۹۱	زوجین کو اپنے حقوق معاف کرنے کا حق ہے..................	۶۱۴

۴۹۲	بیس سال تک ملاپ نہ ہونے کے باوجوداب ملاپ درست ہے	۶۱۵
۴۹۳	شوہر کے سفر پر جانے سے اگر بیوی بیار ہوجاتی ہوتو شوہر کیا کرے؟.....................	۶۱۵
۴۹۴	ساس کی خدمت.....................	۶۱۵
۴۹۵	زوجین کا ساتھ کھانا.....................	۶۱۷
۴۹۶	سسرال میں جانا اور کھانا.....................	۶۱۷
۴۹۷	بیوی کے لئے مٹھائی لے جانا کیا آوارہ گردی ہے؟.....................	۶۱۸
۴۹۸	کیا بیوی کو شوہر کی شکایت کرنے کا حق ہے؟.....................	۶۱۹
۴۹۹	زوجین میں نباہ کی ایک صورت.....................	۶۲۰

فصل فی الجماع و متعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

۵۰۰	کیا جماع کے لئے کوئی حد مقرر ہے؟.....................	۶۲۲
۵۰۱	تسکینِ جذبات کے لئے علاج.....................	۶۲۳
۵۰۲	بیوی کا پستان منہ میں لینا.....................	۶۲۴
۵۰۳	بیوی کا دودھ.....................	۶۲۵
۵۰۴	چالیس سال گزرنے پر بھی بیوی سے جماع حرام نہیں.....................	۶۲۵
۵۰۵	بوڑھی بیوی سے جماع.....................	۶۲۶
۵۰۶	نابالغہ بیوی سے وطی.....................	۶۲۶
۵۰۷	بیوی کی چھاتی منہ میں لینا.....................	۶۲۶
۵۰۸	بیوی کی دبر میں وطی کرنا.....................	۶۲۶
۵۰۹	دن میں ہمبستری کرنا.....................	۶۲۶
۵۱۰	بیوی سے خلافِ فطرت کام کرنا.....................	۶۲۸

۵۱۱	قبلہ کی طرف رخ کر کے وطی کرنا	۶۲۹
۵۱۲	مال جمع کرنے اور بیوی سے صحبت کی مقدار واجب	۶۳۰
۵۱۳	نکاح کے بعد دعاء کس وقت پڑھی جائے؟	۶۳۱
۵۱۴	کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے؟	۶۳۲
۵۱۵	برہنہ ہمبستری کرنا	۶۳۳
۵۱۶	حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟	۶۳۳
۵۱۷	بیوی سے صحبت کے وقت یہ تصور کہ فلاں اجنبیہ سے صحبت کر رہا ہوں	۶۳۴
۵۱۸	حائضہ سے انتفاع کی صورت	۶۳۵
۵۱۹	تحنیذ وتبطین وغیرہ کا حکم	۶۳۵
۵۲۰	فرج میں وطی پشت کی طرف سے	۶۳۵
۵۲۱	شوہر کا عضو ہاتھ میں لینا	۶۳۶
۵۲۲	پانی مضر ہونے کی صورت میں اجازتِ جماع	۶۳۷

☆......☆......☆

کتاب الحظر والإباحة

باب الأکل والشرب

الفصل الأول فی الأکل مع الکفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

غیر مسلم کے ساتھ کھانا

سوال[۸۵۷۹]: خاکروب، چمار، ہندو، عیسائی وغیرہ وغیرہ مذہب کے لوگوں کے ساتھ مسلمان اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان غیر مذہب والوں کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے لوگوں کے ساتھ کھانا مکروہ ہے، اگر کسی مجبوری سے کہیں ایک دو دفعہ مبتلا ہو جائیں تو گناہ نہیں۔ یہ اس وقت جب کھانا و برتن ان کے پاک ہوں، یا ان کی ناپاکی کا علم نہ ہو، اگر یہ علم ہو کہ برتن ان کے ناپاک ہیں یا کھانا حرام مُردار وغیرہ ہے تو ہرگز کھانا درست نہیں، نہ ان کے ساتھ نہ ان کے برتنوں میں، کذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۵/ ۳٤۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أوشرب فيها قبل الغسل، جاز، ولايكون آكلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم، فإنه لا يجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل، و لو شرب أو أكل، كان شارباً و آكلاً حراما" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۳٤۷/۵، رشيديه) =

کفار ومشرکین کے ساتھ کھانا پینا

سوال[۸۵۸۰]: مشرکین سے ربط ضبط رکھنا، ان کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرقان حمید میں فرماتا ہے: ﴿إنما المشركون نجس، فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هٰذا﴾ (پ: ۱۰، سورۂ توبہ)(۱)۔ اور دوسری جگہ ہے: ﴿يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ (پ: ۱۸، ع: ۴)(۲)۔

مشرکین وکفار پاکی وناپاکی سے بالکل بے خبر ہیں، نہ طریقِ غسل سے واقف، نہ پابندیٔ اسلام سے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلاضرورت کفار سے ربط وضبط اور تعلقات رکھنا منع ہے:

﴿يا أيها الذين امنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً، من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم و الكفار أولياء﴾(۳)۔

= "ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون في قدورهم حتى يغسلوها". (النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب ما لا يؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۲۳۵، سعيد)

"والأكل والشرب في أواني المشركين مكروه، ولا بأس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم و في الأكل معهم. وعن الحاكم عبد الرحمن: لو ابتلي به المسلم مرةً أو مرتين، لا بأس به، أما الدوام عليه فمكروه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي: ۳۴۶/۴، رشيديه)

"عن أبي ثعلبة الخشني قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قدور المجوس قال: "أنقوها غسلاً واطبخوا فيها". (جامع الترمذي، كتاب أبواب السير، باب ما جاء في الانتفاع بآنية المشركين: ۲۸۴/۲، سعيد)

(۱) (التوبة: ۲۸)

(۲) (المؤمنون: ۵۱)

(۳) (المائدة: ۵۲)

ان کے ساتھ بلاضرورت تو یہ کھانا کھانا مکروہ ہے، البتہ اگر عمر میں ایک دومرتبہ کہیں ایسا ابتلا ہو جائے تو چنداں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ ناپاکی کا علم نہ ہو، اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کھانا پانی ناپاک ہے تو پھر اس کا کھانا پینا حرام ہے، مگر کافر کا ذبیحہ کسی صورت میں درست نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے:

"ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام. ولم يذكر محمد رحمه الله تعالىٰ الأكل مع المجوس ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحل أم لا. وحكى عن الحاكم الإمام عبدالرحمٰن الكاتب: إن ابتُلي به المسلم مرةً أو مرتين، فلابأس، وأما الدوام عليه، فيكره، كذا في المحيط". العالمكيرية: ٤/٢٧٧(١)۔

اور ﴿إنما المشركون نجس، فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (پ: ١٠، سورۂ توبہ) میں مشرکین کو نجس کہہ کر حج وعمرہ سے منع کیا گیا ہے(٢)۔ اور نجس کہنے کی وجہ اعتقادی نجاست ہے: "ونجاسة المشرك في اعتقاده" هدايه: ٣/١٣٥(٣)۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، الخ: ۵/۳۴۷، رشيديه)

"والأكل والشرب في أواني المشركين مكروه، ولابأس بطعام المجوس إلا ذبيحتم وفي الأكل معهم". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي: ۴/۳۴۶، رشيديه)

(وأيضاً النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب مالايؤكل من أطعمة الكفار: ۴۳۵، سعيد)

(٢) "وبالظاهر أخذ أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ عنه؛ إذ صرف المنع عن دخول الحرم إلى المنع من الحج والعمرة، ويؤيده قوله تعالىٰ: ﴿بعد عامهم هذا﴾ فإن تقييد النهي يدل على اختصاص المنهي عنه بوقت من أوقات العام: أي لايحجوا، ولايعتمروا بعد حج عامهم هذا .... ويدل عليه نداء علي كرم الله تعالىٰ وجهه يوم نادى ببراءة: ألا! لايحج بعد عامنا هذا مشرك". (روح المعاني: ۱۰/۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) "ونجاسة المشرك في اعتقاده، لا في ظاهره". (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۳/۱۳۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما نجاسة المشرك ففي الاعتقاد على معنى التشبيه". (ردالمحتار، كتاب أدب القاضي، (مطلب في العمل بالسجلات وكتب الأوقاف القديمة: ۵/۳۷۲، سعيد) .... =

نیز ان کا پاکی ناپاکی میں تمیز نہ کرنا اور نجاست میں ملوث رہنا بھی نجس ہونے کا سبب ہے، کذا في التفسیرات الأحمدیہ، ص: ۴۵۵(۱)، مدارك التنزیل، ص: ۲۷٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۱۴/۴/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/۴/۵۳ھ۔

ہندو کے تہوار کا کھانا

سوال[۸۵۸۱]: اگر کسی مسلمان کے رشتہ دار ہندو کے گاؤں میں رہتے ہوں اور ہندو کے تہوار ہولی دیوالی وغیرہ پکوان، پوری، کچوری(۳) وغیرہ پکاتے ہیں، ان کا کھانا ہم لوگوں کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندو کے تہوار ہولی دیوالی وغیرہ میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اس سے توبہ کرنا لازم ہے، کیونکہ وہ کبیرہ گناہ ہے، حتیٰ کہ بعض فقہانے اس کو کفر لکھا ہے(۴)۔ اور جو کھانا کچوری وغیرہ ہندو کسی اپنے ملنے والے مسلمان

=(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۲٦٧/٦، رشيديه)

(۱) "الجمهور على أن المعنى: إنما المشركون ذو نجس؛ لأن النجس بفتحتين عين النجاسة، ولأنهم لا يتطهرون ولا يغتسلون ولا يجتنبون النجاسات، فهي ملابسة لهم". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۴۵۵، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لأن معهم الشرك الذى هو بمنزلة النجس، ولأنهم لا يتطهرون و لا يغتسلون و لا يجتنبون النجاسات، فهي ملابسة لهم". (تفسير المدارك، (سورة التوبة: ۲۸): ۴۹۲/۱، قديمی)

(۳) ''پوری: تلی ہوئی روٹی''۔(فيروز اللغات، ص: ۳۰۸، فيروز سنز، لاهور)

''پکوان: تلی ہوئی چیز، پکا ہوا کھانا، پوری''۔(فيروز اللغات، ص: ۲۹۸، فيروز سنز، لاهور)

''کچوری: ماش کی دال بھری ہوئی پوری''۔(فيروز اللغات، ص: ۹۹۲، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "والإعطاء باسم النيروز والمهرجان لا يجوز: أى الهدايا باسم هذين اليومين حرامٌ، وإن قصد تعظيمه كما يعظمه المشركون، يكفر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

"حكى عن أبى حفص الكبير رحمه الله تعالىٰ قال: لو أن رجلاً عبَدَ الله خمسين سنةً، ثم جاء =

کو دیں اس کا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کھانے کو حرام نہ کہا جائے گا (۱)۔ اور جو مسلمان ہولی وغیرہ میں ہندو کی موافقت کی وجہ سے پکائیں تو اس سے ہرگز نہ لینا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/۵/۵۶ھ۔

= يوم النيروز، فأهدى إلى بعض المشركين بيضةً يريد به تعظيم ذلك اليوم، فقد كفر بالله، وأحبط عمله خمسين سنةً، كذا في الغاية". (رمز الحقائق شرح كنز الدقائق للعيـ[...]ـاب البيع الفاسد: ۲/۲۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: [...]ـه)

نیز چونکہ اس میں تشبہ بالہنود بھی ہے اور تشبہ سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے:

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵، قديمي)

قال القاري: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۵): ۸/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس: ۵/۴۰، مكتبه معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(۱) "ولو أهدى لمسلم و لم يُرد تعظيم اليوم، بل جرى على عادة الناس، لايكفر، وينبغي أن يفعله قبله أو بعده نفياً للمشبهة، الخ". (الدر المختار).

"لو اتخذ مجوسيٌّ دعوةً لحلق رأس ولد، فحضر مسلم دعوته فأهدى إليه شيئاً، لا يكفر .... إن إجابة دعوة أهل الذمة مطلقة في الشرع". (رد المحتار، كتاب الكراهية، مسائل شتى: ۶/۷۵۵، سعيد)

"ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(۲) ان کا اسی طرح موافقت میں کھانا وغیرہ پکانا تشبہ بالکفار کے ارتکاب کی بنیاد پرنا جائز اور حرام ہے، لہٰذا ان سے اسی قسم کی =

ہندو کے گھر کی چیزیں کھانا

سوال[۸۵۸۲]: ہندو کے یہاں دہی چوڑا، دال بھات کھانا کیسا ہے(۱)؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ناپاکی کا علم نہ ہو، درست ہے(۲)۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے ہدایا کو قبول فرمایا ہے، اور نوش فرمایا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۱۱/۸۹ھ۔

=کوئی چیز قبول کرنا ان کی اعانت اور حمایت کرنا ہے، اور چونکہ اعانت علی المعصیۃ ممنوع ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "فیعم النهی کلَّ ماهو من مقولة الظلم والمعاصی، ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی، (المائدة: ۲): ۵۷/۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

قال الملا علیّ القاری: "من شبّه نفسه بالکفار فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر. قال الطیبی: هذا عامٌّ فی الخَلق والخُلق والشعار، ولـمّا کان الشعارُ أظهرَ فی الشبه، ذکر فی هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لاغیر .... اهـ". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب اللباس: ۴۰/۵، معهد الخلیل الإسلامی کراچی)

(۱) "بھات: اُبلے ہوئے چاول"۔(فیروز اللغات، ص: ۲۲۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر فی أحکام أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی: ۳۴۶/۴، رشیدیه)

(وکذا فی النتف الفتاویٰ، کتاب الجهاد، مالایؤکل من أطعمة الکفار، ص: ۲۳۵، سعید)

(۳) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه أن امرأةً یهودیةً أتت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بشاة مسمومة فأکل منها، فجیئ بها إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فسألها عن ذلک، فقالت: =

ہندو کی دوکان سے گوشت خرید کر استعمال کرنا

سوال[۸۵۸۳] : ۱...... ہندو کھٹیک (۱) سے جس کی دوکان پر کسی مسلم کا پہرا، یا نگرانی نہیں ہوتی تو ایسی دوکان سے گوشت خرید کر استعمال کرنا جب کہ اس کو کسی مسلمان نے ذبح کیا ہو، کیا حکم ہے؟

۲...... اگر کوئی ہندو مسلمان کی دوکان سے گوشت خرید کر لے جائے، اور اس کو وہ اپنے مکان یا اپنے ہوٹل میں پکائے تو کیا مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟

۳...... بہت سے مسلمان سرکاری ملازم اپنے مکان سے باہر علاقہ میں دورہ کرنے کے لئے جاتے ہیں اور وہ کسی ہندو کے یہاں قیام کرتے ہیں، وہ ہندو مسلمان کی دوکان سے گوشت خرید کراتے ہیں، وہ گوشت اس ہندو کے یہاں گھر میں پکتا ہے، مسلمان باہر کے کمرے میں قیام کرتا ہے۔ ایسی حالت میں گوشت اس مسلمان کی نگاہ سے غائب رہتا ہے تو ایسے گوشت کا کیا حکم ہے؟

۴...... ایک مسلمان کسی مسلمان کی دوکان سے گوشت خرید کر لے جارہا ہے کہ راستہ میں اس کا نوکر جو کہ ہندو ہے ملا، مسلمان نے وہ گوشت اس کو دے دیا اور یوں کہا کہ گھر لے جاؤ، یہ پکے گا۔ وہ نوکر اس گوشت کو

= أردت لأقتلك، فقال: "ما كان الله ليسلطك على ذلك". أو قال: "عليَّ" قال: فقالوا: ألا نقتلها؟ قال: "لا". فما زلتُ أعرفها في لهوات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن أبي داؤد، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلاً سماً أو أطعمه، الخ: ۲/۲۷۲، مكتبه امداديه ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: لما فتحت خيبر، أهديت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم شاةٌ فيها سمٌّ". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب الشاة التي سُمّت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۱۰، قديمي)

قال الحافظ ابن حجر العسقلاني تحت الحديث المذكور: "وقد اشتملت قصةُ خيبر على أحكام كثيرة: منها .... والأكل من طعام أهل الكتاب وقبول هديتهم". (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب الشاة التي سمّت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : باب: ۴۲، ۷/۶۳۴، قديمي)

(۱) "کھٹیک: ہندو کی ایک قوم جس کا پیشہ عموماً ہر قسم کے جانور پالنے اور رکھنے کا ہے، اہیری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۶، فیروز سنز لاهور)

لے کر اپنے مالک کے گھر دے دیتا ہے، جہاں سے وہ نوکر گوشت کو لے کر چلا تھا وہاں اس کے ساتھ کوئی مسلمان ساتھ نہ تھا۔ تو کیا حکم ہے؟

۵...... بہت سی بستیوں کے مسلمان یوں کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کے ہندو کھٹیک نہایت دیانتدار ہیں، انہوں نے ہمارے باپ دادا کے وقت سے اب تک کہیں کوئی گڑبڑ نہیں کی۔ تو کیا ان مسلمانوں کا اعتبار کر کے ان ہندو کھٹیکوں کی دوکان سے گوشت خریدنا مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں، اسے استعمال کیا جائے یا نہیں؟

غیر مسلم کے ہوٹل کا کھانا

سوال[۸۵۸۴]: ۶...... ہندو یا آج کل کے عیسائی، سکھ و پارسی وغیرہ کے ہوٹل سے مسلمان کو کھانا کھانا کیسا ہے؟ جب کہ ان کے یہاں گوشت پکتا ہے، اس گوشت کا اعتبار بھی نہیں کیا جاتا۔ اور اگر سبزی کے ساتھ کھانا کھائے تو ایسی حالت میں بعض موقعوں پر ایک ہی چمچہ استعمال کر لیا جاتا ہے، نہ ان کے یہاں اس کی کوئی پابندی ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

ٹی پارٹی یا ڈنر پارٹی میں مسلمانوں کا کھانا کھانا

سوال[۸۵۸۵]: ۷...... بعض وقت سرکاری محکموں میں لوگ آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں جسے عرفِ عام میں ''ٹی پارٹی'' یا ''ڈنر پارٹی'' کہا جاتا ہے، اس پارٹی میں بھی گوشت پکتا ہے، اس گوشت کی تحقیق بھی نہیں کی جاسکتی۔ تو مسلمان کو ایسی دعوت میں کھانا کھانا کیسا ہے؟

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ بند ڈبوں کے گوشت کا حکم

سوال[۸۵۸۶]: ۸...... بعض کمپنیاں گوشت کو ڈبوں میں بند کر کے فروخت کرتی ہیں اور وہ کمپنیاں غیر مسلم کی ہوتی ہیں، معلوم نہیں وہ گوشت ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ بعض کمپنیاں ڈبوں پر یہ لکھ دیتی ہیں کہ یہ گوشت ذبح کیا ہوا ہے۔ تو کیا ان کی بات صحیح مان لی جاوے؟ مسلمان کو ایسا گوشت استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور جو لوگ اس کو استعمال کریں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کوئی مسلم نگراں وہاں موجود نہیں تو مدار اُس غیر مسلم کے قول پر رہ گیا کہ یہ حلال گوشت ہے اور حلت وحرمت میں غیر مسلم کا قول شرعاً قبول نہیں، البتہ معاملات میں اس کا قول بھی قبول ہے جب کہ صدق کا ظن ہو۔ پس اگر وہ یہ کہے کہ یہ وہ گوشت ہے کہ جس کو فلاں شخص (مسلم) نے ذبح کیا اور دل گواہی دے کہ یہ صحیح کہتا ہے اور اس نے اس میں کوئی ناجائز گوشت نہیں ملایا تو اس کا قول قبول کر لینا درست ہے:

"ولايقبل قول الكافرين في الديانات إلا إذا كان قبول قول الكافر في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذٍ تدخل الديانات في ضمن المعاملات، فتقبل قوله ضرورةً، كذا في التبيين. من أرسل أجيراً له مجوسياً أو خادماً، فاشترى لحماً فقال: اشتريته من يهودي أو نصراني أو مسلم، وسعه أكله، اه". عالمگیری: ۳۰۸/۵(۱)۔

۲...... اگر وہ اپنے برتن پاک کر کے پکائے اور اس میں کوئی حرام اور نجس چیز نہ ملائے تو کھانا درست ہے، اس کا اطمینان ہونا چاہیے (۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد: ۳۰۸/۵، رشيديه)

(۲) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل، جاز، ولايكون آكلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم، فإنه لا يجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل، و لو شرب أو أكل، كان شارباً وآكلاً حراماً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۳۴۷/۵، رشيديه)

"ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون في قدورهم حتى يغسلوها". (النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب مالايؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۲۳۵، سعيد)

"والأكل والشرب في أواني المشركين مكروه، ولاباس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم و في الأكل معهم. وعن الحاكم عبد الرحمن: لو ابتلى به المسلم مرةً أو مرتين، لا بأس به، أما الدوام عليه فمكروه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي: ۳۴۶/۴، رشيديه) =

۳......نمبر:۲سے جواب ظاہر ہے۔

۴......اس پر اعتماد ہو کہ اس نے اس میں ناجائز نہیں ملایا، یا اس کو ناجائز سے نہیں بدلا تو درست ہے(۱)۔

۵......اعتماد ہو تو درست ہے(۲)۔

۶......وہاں کا کھانا نہیں کھانا چاہیے(۳)۔

۷......غیر مسلم کے یہاں گوشت نہ کھائیں، چائے وغیرہ میں گنجائش ہے(۴)۔

۸......ایسا گوشت نہ کھائیں، جو لوگ ذاتی تحقیق کے بعد جائز وحلال ہونے کی بناء پر اس کو کھائیں ان سے تعرض نہ کریں، ان کو یہ نہ کہیں کہ آپ نے حرام کھایا ہے، نہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جیسا حرام کھانے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے(۵)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

= "عن أبي ثعلبة الخشني قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قدور المجوس، قال: "انقوها غسلاً واطبخوا فيها". (جامع الترمذی، کتاب أبواب السیر، باب ماجاء فی الانتفاع بآنیة المشرکین: ۲/۲۸۴، سعید)

(۱) "ولايقبل قول الكافرين في الديانات، إلا إذا كان قبول قول الكافر في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذٍ تدخل الديانات في ضمن المعاملات، فتقبل قوله ضرورةً، كذا في التبيين. من أرسل أجيراً له مجوسياً أو خادماً، فاشترى لحماً فقال: اشتريته من يهودى أو نصرانى أو مسلم، وسعه أكله، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتب الكراهية، الباب الأول فى العمل بخبر الواحد: ۵/۳۰۸، رشيديه)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالا يريبك". (جامع الترمذى، أبواب صفة القيامة، قبيل أبواب صفة الجنة: ۲/۷۸، سعيد)

(وكذا فى مسند أحمد بن حنبل، مسند حسن بن على: ۱/۳۰۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۱)

ہندو کی دوکان اور گھر کا کھانا

سوال[۸۵۸۷]: اہلِ ہنود کے ہاں کھانا پینا، یا ہندو دکان داروں سے خشک وتر چیزیں خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے برتنوں اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق نجاست کا علم ہو تو کھانا، پینا، خریدنا حرام ہے۔ اگر علم نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اگر پاکی کا پورا علم ہو تو درست ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالیٰ: ویکره الأکل والشرب فی أوانی المشرکین قبل الغسل، ومع هذا لو أکل أو شرب فیها قبل الغسل، جاز، ولا یکون اٰکلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم یعلم بنجاسة الأوانی، فإذا علم، فإنه لا یجوز أن یشرب ویأکل منها قبل الغسل، ولو شرب أو أکل، کان شارباً وآکلاً حراماً، اهـ". فتاویٰ عالمگیری، ص: ۳۴۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/۵/۶۰ھ۔

مشرک کے ساتھ کھانا کھانا

سوال[۸۵۸۸]: مشرک کے ساتھ کھانا کھانا، جھوٹا پانی پینا، اس کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی، شیرنی وغیرہ کھانا کیسا ہے؟ حالانکہ العالمکیریۃ میں درست لکھا ہے اور کافر کا پسینہ فقہاء نے پاک لکھا ہے۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر فی أحکام أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی: ۳۴۶/۴، رشیدیه)

(وکذا فی النتف فی الفتاویٰ، کتاب الجهاد، مالایؤکل من أطعمة الکفار، ص: ۴۳۵، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کافر کو ہاتھ بھی لگایا ہے(۱) کافر کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نوش فرمایا ہے، آخر زہر کس نے دیا تھا(۲)۔ کافر کے ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا بھی پہنا ہے(۳)۔ جب تک کسی کی ناپاکی کا علم نہ ہو، یہ سب چیزیں پاک اور درست ہیں(۴)، اگرچہ افضل مسلمان کی چیز کا استعمال کرنا ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وأما نجاسة بدنه، فالجمهور على أنه ليس بنجس البدن والذات؛ لأن الله تعالىٰ أحل طعام أهل الكتاب". (تفسير ابن كثير، (سورة التوبة:) : ۳۴۶/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وأخرج أبو الشيخ وابن مردويه عنه (ابن عباس) رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صافح مشركاً، فليتوضأ أو ليغسل كفيه".

"وأخرج ابن مردويه عن هشام بن عروة عن أبيه عن جده قال: استقبل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جبريل عليه السلام، فناوله يده، فأبى أن يتناولها، فقال: "ياجبريل! مامنعک أن تأخذ بيدي"؟ فقال: إنک أخذت بيد يهودي فكرهت أن تمس يدي يداً قد مستها يدكافر، فدعا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بماء فتوضأ فناوله يده فتناولها" .... قيل: وعلى ذلک فلا يحل الشرب من أوانيهم ولا مواكلتهم ولا لبس ثيابهم، لكن صح عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والسلف خلافه، واحتمال كونه قبل نزول الأية فهو منسوخ بعيدٌ .... والاستدلال على طهارتهم بأن أعيانهم لو كانت نجسةً ما أمكن بالإيمان طهارتها؛ إذ لا يعقل كون الإيمان مطهراً". (تفسير روح المعاني، سورة التوبة: ۷۶/۱۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه أن امرأةً يهوديةً أتت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بشاة مسمومة فأكل منها، فجيئ بها إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فسألها عن ذلک، فقالت: أردت لأقتلک، فقال: "ما كان الله ليسلطک على ذلک". أو قال: "عليَّ". قال: فقالوا: ألا نقتلها؟ قال: "لا". فما زلتُ أعرفها في لهوات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن أبي داؤد، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلاً سماً أو أطعمه، الخ: ۲۷۲/۲، مكتبه امداديه ملتان)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: لما فتحت خيبر، أهديت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

....

وسلم شاةٌ فيها سمٌّ". (صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب الشاة التی سُمّت للنبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم: ۲/۶۱۰، قديمی)

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی تحت الحديث المذكور: "وقد اشتملت قصة خيبر علی أحكام كثيرة: منها .... والأكل من طعام أهل الكتاب وقبول هديتهم". (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب الشاة التی سمّت للنبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم: باب: ۴۲، ۶۳۳/۷، قديمی)

(۳) "عن ابن بريدة عن أبيه أن النجاشی أهدی للنبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم خفين أسودين سازجين فلبسهما، ثم توضأ ومسح عليهما". قال المناوی: وفيه أيضاً أنه ينبغی قبول الهدية حتی من أهل الكتاب، فإنه (أی النجاشی) لما أهدی له، كان كافراً .... قال بعضهم: قبول هدية الكافر ناسخ لعدم القبول".

(شرح المناوی للشمائل علی هامش جمع الوسائل، ص: ۱۵۶، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا فی فتح الباری، كتاب الهبة، باب قبول الهدية من المشركين: ۲۸۸/۵، قديمی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشيديه)

(۴) "قال محمد رحمه اللہ تعالیٰ: ويكره الأكل والشرب فی أوانی المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل، جاز، ولايكون آكلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأوانی، فأما إذا علم، فإنه لا يجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل، و لو شرب أو أكل، كان شارباً وآكلاً حراماً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة، الخ: ۳۴۷/۵، رشيديه)

"ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون فی قدورهم حتی يغسلوها". (النتف فی الفتاوی، كتاب الجهاد، باب مالا يؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۴۳۵، سعيد)

"والأكل والشرب فی أوانی المشركين مكروه، ولابأس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم و فی الأكل معهم. وعن الحاكم عبد الرحمن: لو ابتلی به المسلم مرةً أو مرتين لا بأس به، أما الدوام عليه فمكروه". (خلاصة الفتاوی، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصی: ۳۴۶/۴، رشيديه) =

طعام اہل کتاب سے متعلق ایک شبہ

سوال[۸۵۸۹]: قرآن مجید کی ایک اس آیت کا مطلب تو سمجھ میں آ گیا کہ ''کتاب والوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے''، یعنی کتاب والے جو جائز کھانا اپنے ہاتھ سے پکا کر، یا اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے کھلائیں تو تم اس کو کھالیا کرو، کیونکہ چھوت چھات ٹھیک نہیں۔ یہ آیت اگر قرآن شریف میں نہ ہوتی تو اہل کتاب کے کھانے کے متعلق مسلمان لوگ شک میں پڑے رہتے اس لئے اس آیت سے وہ شک رفع ہو گیا۔ مگر مندرجہ ذیل مطلب والی آیت شریفہ کا مفہوم سمجھا دیجئے: ''تمہارا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے''(۱)۔

یعنی تمہارے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے، یا تمہارے ذبح کئے ہوئے کو اہل کتاب کو حلال سمجھنا چاہیے، سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اہل کتاب قرآن مجید کو نہیں مانتے تو یہ حکم یا خبر قرآن مجید میں کیوں ہے۔ اگر محض مسلمانوں کے لئے یہ خبر ہے تو تحصیلِ حاصل ہے کیونکہ مسلمانوں کو یہ بات ان لوگوں کے طرزِ عمل ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، جیسے کوئی اہل کتاب مسلمان کے گھر آئے اور مسلمان اس سے کھانے کے لئے کہے تو اگر وہ حلال سمجھتا ہے تو مسلمان کے پکے ہوئے کھانے کو ضرور کھالے گا اور اگر مسلمان کے ہاتھ کے کھانے کو حلال نہیں سمجھتا تو جواب دے گا کہ ہمارے مذہب میں آپ کے ہاتھ کا کھانا جائز نہیں۔ اور اگر مسلمان کہے بھی کہ ہمارے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ تمہارا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے، پس تم ضرور کھاؤ تو وہ جواب دے گا کہ ہم قرآن مجید

= "عن أبي ثعلبة الخشني قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قدور المجوس، قال: "أنقوها غسلا واطبخوا فيها". (جامع الترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في الانتفاع بآنية المشركين: ۲/۲۸۴، سعيد)

(۵) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لابدمنه، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أحكام أهل الذمة: ۵/۳۴۸، رشيديه)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ عبارت تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''عبارتِ بالا سے ظاہر ہوا کہ بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات نہ کئے جائیں''۔ (جواہر الفقہ، معاملات کفار میں تعلیمات اسلام کا خلاصہ: ۲/۱۸۶، دار العلوم کراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتب حل لكم، وطعامكم حل لهم﴾. (سورة المائدة: ۵)

نہیں مانتے۔ضرور سمجھا دیجئے کہ اس کا کیا مفہوم ہے؟

اور یہ بھی عرض ہے کہ اگر دونوں کو اکھٹا کر کے یوں کہیں کہ اہل کتاب کے لئے حلال ہو، یعنی اگر اہل کتاب تمہارے ہاتھ کے کھانے کو حلال سمجھیں تو تم کو بھی ان کے ہاتھوں کے پکے ہوئے کھانے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے، وہ اس صورت میں تمہارے لئے حلال ہے، البتہ پاک کھانا شرط ہے۔

صورت مرقومہ بالا پر ''واؤ'' حالیہ ہوگی جیسے کہ: ﴿لا تقربوا الصلوة وأنتم سكارى﴾ ہے(۱) اور اگر ﴿طعام الذين أوتو الكتاب حل لكم، وطعامكم حل لهم﴾(۲) ''واؤ'' حالیہ ہونے میں کوئی محال از روئے قواعد عربیہ ہوتو تحریر فرمائیے، کیونکہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ایک طالب علم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس جگہ واؤ حالیہ ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے۔لہٰذا عرض ہے کہ جواب مرحمت فرمایا جائے۔

احقر: اللہ دیا، ہیڈ مدرس ورنا کیوس مڈل اسکول، سکھر وڈھ، سہارنپور۔

مکرر عرض ہے کہ بخاری شریف میں حضرت ابی ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''اگر مسلمان کے برتن ملیں تو اہل کتاب کے برتنوں میں مت کھاؤ، لیکن اگر مسلمان کے برتن نہ ملیں تو مجبوراً اہل کتاب کے برتنوں ہی کو دھو کر اس میں کھالو'' (۳)۔اس حدیث شریف کو بھی ملحوظ رکھا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ ظروف کے حکم سے مظروف کا حکم بدلتا نہیں یعنی جس طرح میں ظرف کا استعمال ممنوع ہے اس صورت میں اس ظرف میں کھانا کھانا بھی ممنوع ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ: ''اشیاء دو قسم کی ہیں: بعض تو سب کے لئے بلاشرط حلال ہیں، جیسے: دریا

---

(۱) (سورة النساء: ۴۳)

(۲) (سورة المائدة: ۵)

(۳) ''حدثني أبو ثعلبة الخشني قال: أتيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! إنا بأرض أهل الكتاب، فنأكل في انيتهم .... فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ''أما ما ذكرت انكم بأرض أهل الكتاب، فلا تأكلوا في آنيتهم إلا أن لاتجدوا بدّاً، فإن لم تجدوا، فاغسلوا وكلوا''. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد والتسمية، باب انية المجوس والميتة: ۸۲۶/۲، قديمي)

کا پانی، اور بعض کی حلت کے لئے کچھ شروط ہیں، جیسے: حلتِ صلوۃ کے لئے وضو شرط ہے۔ اور تمام عبادات کے لئے ایمان شرط ہے اور حلتِ مال کے لئے ملک یا مالک کی اجازت شرط ہے" تو آیت: ﴿وطعامكم حل لهم﴾ (۱) میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا ذبیحہ غیر مسلموں کے لئے بلا شرط حلال ہے، جیسا کہ دوسرے جائز کاموں کی وجہ سے ان کو عذاب نہ ہوگا تو اسی طرح مسلمانوں کا ذبیحہ کھانے کی وجہ سے ان کو عذاب نہ ہوگا۔ اور اس کے بیان کرنے سے مقصود فرق بیان کرنا ہے مسلمان عورتوں اور مسلمانوں کے ذبیحہ کے درمیان کہ ذبیحہ مسلمان کا بلا شرطِ ایمان بھی غیر مسلم کے لئے حلال ہے اور مسلم عورتوں سے نکاح کرنا غیر مسلم کے لئے بغیر اس کے مسلمان ہوئے جائز نہیں۔ مجوس وغیرہ کا ذبیحہ غیر مسلموں کے لئے بھی حلال نہیں، جیسا کہ مسلمانوں کے لئے وہ حلال نہیں اس کو مسلم یا غیر مسلم جو بھی کھائے گا، وہ عذاب کا مستحق ہوگا (۲)۔

تفسیر مدارک اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ: "مسلمان کو بتایا جارہا ہے کہ اگر تم اپنا ذبیحہ غیر مسلموں کو کھلا دو گے تو اس پر تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ وہ ان کے لئے حلال ہے، اگر وہ ان کے لئے حرام ہوتا تو

---

(۱) (سورة المائدة: ۵)

(۲) "قلت: معناه أن من الأشياء ماهو حلال على كافة الناس من غير شرط كحل ماء البحر، ومنها ماهو مشروط حلها بشرائط، كالصلوة مشروط جوازها بالوضوء، وسائر العبادات مشروط إتيانها بالإيمان بالله ورسوله، وإخلاص النية، وأكل الأموال مشروط حلها بالملك، أو إذن من المالك، فذبائح المسلمين حلال على الكفار حتى لايعذبون في الآخرة بأكلها كما لايعذبون بإتيان أمور مباحة للعالمين من غير شرط الإيمان، بخلاف ذبائح المجوس فإنها كالميتة يحرم أكلها على سائر الناس، فيعذب الكفار كما يعذبون بترك الإيمان، وترك سائر الواجبات المتوقفة على الإيمان، وإتيان المنهيات، قال الله تعالىٰ: ﴿ماسلككم في سقر، قالوا لم نك من المصلين﴾ الآية. وفائدة هذا القول التفرقة بين ذبائح المسلمين ونسائهم، فإن ذبائح المسلمين حلال على كافة الناس من غير اشتراط الإيمان بخلاف نسائهم، فإنه يشترط لحل مناكحتهم الإيمان .... والسر في ذلك ماذكرنا أن حل أكل ذبائح المسلمين غير مشروط بالإيمان، بخلاف حل نسائهم". (التفسير المظهري: ۴۰/۳، (سورة المائدة: ۵)، حافظ كتب خانه كوئته)

تمہارے لئے ان کو کھلانا جائز نہ ہوتا''(۱)۔

ان دونوں تفسیروں سے شبہ رفع ہوسکتا ہے اور اس سے پہلی آیت سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ اہل کتاب اللہ کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، اس لئے ان کا ذبیحہ تمہارے لئے جائز ہے۔ اگر معلوم ہوجائے کہ انہوں نے اللہ کے علاوہ کسی اَور کے نام پر ذبح کیا ہے تو وہ جائز نہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے (۲)۔

''واؤ'' حالیہ مان کر مطلب مذکور فی السوال بیان کرنے میں تأمل ہے، کیونکہ جب خدا کے نام پر جانور ذبح کردیا گیا تو وہ حلال ہوگیا، خواہ اہل کتاب مسلمانوں کے ذبیحہ کو حلال سمجھیں یا نہ، اس سے کچھ نہیں اثر پڑتا۔ شریعت کا مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

کفار کے برتنوں میں کھانے کے متعلق یہ ہے کہ ان کی پاکی کا یقین ہو تو بلا کراہت ان میں کھانا درست ہے، اگر ناپاکی کا یقین ہو تو ان میں کھانا بالکل ناجائز ہے۔ اگر کچھ علم نہ ہو اور مسلمان کا پاک برتن موجود ہو تو احوط یہ ہے کہ مسلمان کے برتن میں کھائے، اگر مسلمان کا برتن موجود نہ ہو تو کافر کے برتن میں بھی کھانا جائز

---

(۱) "﴿وطعامكم حل لهم﴾ فلا جناح عليكم ان تطعموهم؛ لأنه لو كان حراماً عليهم طعام المؤمنين، لما ساغ لهم إطعامهم". (تفسير المدارك: ۱/۳۰۷، (سورة المائدة: ۵)، قديمي)

"﴿وطعامكم حل لهم﴾. فلا عليكم أن تطعموهم وتبيعوه منهم، ولو حرم عليهم، لم يجز ذلك". (التفسير البيضاوي: ۱/۲۱۶، (سورة المائدة: ۵)، كتب خانه رحيميه يوپي ديوبند)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهلّ به لغير الله﴾. (سورة البقرة: ۱۷۳)

"قال في الكفاية: إنما يحل ذبيحة الكتابي فيما إذا لم يذكر وقت الذبح اسم عزير أو اسم المسيح، وأما إذا ذكر فلا يحل، كما لايحل ذبيحة المسلم إذا ذكر وقت الذبح اسم غير الله تعالىٰ لقوله تعالىٰ: ﴿وما أهل به لغير الله﴾. فحال الكتابي في ذلك لايكون أعلى من حال المسلم .... والصحيح المختار عندنا هو القول الأول يعني ذبائح الكتابي تاركاً التسمية عامداً، أو على غير اسم الله تعالىٰ لايؤكل إن علم ذلك يقيناً، أو كان غالب حالهم ذلك". (التفسير المظهري: ۳/۴۰، (سورة المائدة: ۵)، حافظ كتب خانه كوئٹه)

ہے، حرام نہیں(۱) اور آیت: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم، وطعامكم حل لهم﴾(۲) میں ذبیحہ مراد ہے، کما صرح به الرازي في أحكام القرآن(۳)۔

حدیث شریف سے خود دیکھ کر بغیر استاد سے پڑھے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، جیسا کہ بغیر استاد سے پڑھے طب کی کتاب دیکھ کر ہر شخص اس سے اپنا، یا دوسرے مریض کا علاج نہیں کرسکتا، اس لئے یا تو حدیث شریف کو باقاعدہ کسی ماہر استاد سے پڑھنا چاہیے، تاکہ ہر حدیث کا مطلب خوب واضح طور پر سمجھ میں آجائے اور

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أوشرب فيها قبل الغسل، جاز، ولايكون آكلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم، فإنه لا يجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل، و لو شرب أو أكل، كان شارباً وآكلاً حراما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۵/۳۴۷، رشيديه)

"ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون في قدورهم حتى يغسلوها". (النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب مالايؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۲۳۵، سعيد)

"والأكل والشرب في أواني المشركين مكروه، ولاباس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم و في الأكل معهم. وعن الحاكم عبد الرحمن: لو ابتلي به المسلم مرةً أو مرتين، لا بأس به، أما الدوام عليه فمكروه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي: ۴/۳۴۶، رشيديه)

"عن أبي ثعلبة الخشني قال: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قدور المجوس قال: "أنقوها غسلاً واطبخوا فيها". (جامع الترمذي، كتاب أبواب السير، باب ماجاء في الانتفاع بآنية المشركين: ۲/۲۸۴، سعيد)

(۲) (سورة المائدة: ۵)

(۳) "﴿وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم﴾. روى عن ابن عباس وأبي الدرداء والحسن ومجاهد وإبراهيم وقتادة والسدى أنه ذبائحهم، وظاهره يقتضي ذلك؛ لأن ذبائحهم من طعامهم. ولو استعملنا اللفظ على عمومه، لانتظم جميع طعامهم من الذبائح وغيرها، والأظهر أن يكون المراد الذبائح خاصة". الخ. (أحكام القرآن للجصاص، قبيل باب تزويج الكتابيات: ۲/۳۲۴، دارالكتب العربي بيروت)

کوئی شبہ ہوتو استاد حل کردے یا علماء نے احادیث کو سمجھ کر جو مسائل اور مطالب بیان فرمائے ہیں ان پر اکتفا کرنا چاہیے۔ نیز حضرت مولانا تھانویؒ کا ایک رسالہ "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۲/ جمادی الثانی/۵۵ھ۔

غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا

سوال [۸۵۹۰]: ایک شخص نے غلطی سے مسلم ہوٹل سمجھ کر غیر مسلم کے ہوٹل میں دال اور چاول کھایا، اس ہوٹل میں جھٹکے کا گوشت بھی پکتا ہے، لیکن اس نے گوشت نہیں کھایا، صرف دال اور چاول کھایا (۱)۔ تو یہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب جھٹکے کا گوشت یا کوئی اور ناپاک وحرام چیز نہیں کھائی تو کوئی حرج نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "جھٹکا: تلوار مار کر جانور کی گردن کاٹنا، جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿الیوم أحل لکم الطیبات وطعام الذین أوتو الکتٰب حل لکم﴾ (سورة المائدة: ۵)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ تحت الآیة المذکورة: عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: أن المراد به الذبائح؛ لأن غیرها لم یختلف في حله، وعلیه أکثر المفسرین". (روح المعاني، (سورة المائدة): ۶/۶۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"جمہور امت کے نزدیک اس جگہ طعام سے مراد صرف اہل کتاب کے ذبائح کا گوشت ہے، کیونکہ گوشت کے سوا دوسری اشیاء خوردنی میں اہل کتاب اور دوسرے کفار میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں، کھانے پینے کی خشک چیزیں گیہوں، چنا، چاول اور پھل وغیرہ ہر کافر کے ہاتھ کا حلال وجائز ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اور جس کھانے میں انسانی صنعت کو دخل ہے، =

غیر مسلم کے ہاتھ بھیجا ہوا گوشت کھانا

سوال[۸۵۹۱]: زید نے ایک ہرن کا شکار کیا اور اس کی ایک ران اپنے دوست بکر کو اپنے غیر مسلم ملازم کے ہاتھ اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں میں بھیجی۔ تو یہ گوشت بکر کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ملازم کو زید نے بکر کے نام کا پرچہ بھی دیا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان نے شرعی طور پر شکار کر کے اس کی ایک ران اپنے غیر مسلم ملازم کے ہاتھ پرچہ دے کر اپنے دوست کے پاس بھیجی تو اس دوست کو اس کا کھانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کافر ملازم کے ذریعہ گوشت منگانا

سوال[۸۵۹۲]: اگر کافر ملازم ہو، اس سے گوشت منگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں منگانا چاہیے، خدا جانے حلال لائے گا یا حرام، اور اس میں اس کا قول معتبر نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= اس میں چونکہ کفار کے برتنوں اور ہاتھوں کی طہارت کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے، بلاضرورت شدیدہ استعمال نہ کریں، مگر اس میں جو حال مشرکین بت پرستوں کا ہے، وہی اہل کتاب کا ہے کہ نجاست کا احتمال دونوں میں برابر ہے"۔ (معارف القرآن، سورۃ المائدۃ: ۳/۴۹، ۵۰، ادارۃ المعارف کراچی)

(۱) "ولا يقبل قول الكافرين في الديانات إلا إذا كان قبول قول الكافر في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذٍ تدخل الديانات في ضمن المعاملات، فتقبل قوله ضرورةً، كذا في التبيين. من أرسل أجيراً له مجوسياً أو خادماً، فاشترى لحماً فقال: اشتريته من يهودي أو نصراني أو مسلم، وسعه أكله، اهـ". (الفتاوى العالمكيرية، كتب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد: ۵/۳۰۸، رشيديه)

(۲) "(ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة، الخ)" قال الزيلعي رحمه الله تعالى: "وهذا سهو، لأن الحل =

غیر مسلم باورچی کا پکایا ہوا گوشت

سوال[۸۵۹۳]: میں جس بورڈنگ میں رہتا ہوں، پکانے والے باورچی سب ہندو ہیں۔ گوشت دوطرح کا پکتا ہے: جھٹکا اور حلال بھی (۱)، زیادہ لوگ جھٹکے کا کھانے والے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا مسلمان طلبہ گوشت ہندو کا پکا ہوا کھا سکتے ہیں؟ جبکہ وہ کہتا ہے کہ ہم مسلمان طلباء کے لیے گوشت علیحدہ پکاتے ہیں، یا سبزیوں اور دال پر اکتفاء کیا جائے، جیسا کہ غیر گوشت خور ہندو طلباء کرتے ہیں، یا ان کے کہنے پر ایسا ہی گوشت کھالیا جائے؟ مگر احتمال یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ بوٹی ادھرادھر ڈال دی جائے، یا ایک چمچ سے دوطرح کے گوشت کو وقتاً فوقتاً چلا دیا جائے۔ مسلمان طلبہ آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔ اگر کسی نے مسئلہ پوچھنے سے پہلے یہ گوشت دیدہ ودانستہ ہندو کے ہاتھ پکا ہوا کھایا ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جبکہ پکانے والا ایک ہی شخص ہے جو کہ غیر مسلم ہے اور وہ دونوں گوشت حلال وحرام ذبیحہ وجھٹکا پکاتا ہے تو احتیاط دشوار ہے۔ ایک گوشت میں چمچ چلا کر دوسرے میں چلا دیا اور ایک کی بوٹی ومصالحہ دوسرے میں آجانا

= والحرمة من الديانات، و لا يقبل قول الكافر في الديانات، وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصةً للضرورة، ولأن خبره صحيحٌ لصدوره عن عقل و دين يعتقد فيه حرمة الكذب، والحاجة ماسّة إلى قبول قوله، لكثرة وقوع المعاملات. ولا يقبل في الديانات، لعدم الحاجة، إلا إذا كان قبوله في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذ تدخل الديانات في ضمن المعاملات، فيقبل فيها ضرورةً، و كم من شيء يصحّ ضمناً وإن لم يصح قصداً، ألا ترى أن بيع الشرب وحده لا يجوز و تبعاً للأرض بجوز، هكذا هنا يدخل، حتى إذا كان له خادم أو أجير مجوسيّ فأرسله ليشتري له لحماً، فقال: اشتريته من يهودي أو نصراني أو مسلم، وسعه أكله. وإن قال: اشتريته من مجوسيّ، لايسعه أكله .... وإن كان لايقبل قوله فيها قصداً بأن قال: هذا حلال و هذا حرام" (تبيين الحقائق كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۲۷/۷ دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۳۴۳/۸ بيروت، رشيديه)

(۱) "جھٹکا: تلوار مار کر جانور کی گردن کاٹنا، جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہے"۔(فيروز اللغات، ص: ۴۹۲، فيروز سنز لاهور)

بعید از قیاس نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے کہنے کے باوجود کہ ''میں مسلمان کے لئے حلال گوشت علیحدہ پکاتا ہوں'' مسلم طلباء کو اس کا پکایا ہوا گوشت نہیں کھانا چاہیے، اس کا یہ قول شرعاً قابلِ عمل نہیں ہے (۱)۔ سبزی وغیرہ پر کفایت کریں جس میں مخلوط چمچہ چلانے کا گمان نہ ہو، یا پھر دوسرا انتظام کریں۔ جس نے دیدہ ودانستہ اس کا پکایا ہوا گوشت اس کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کھالیا اس نے غلطی کی، آئندہ احتیاط کرے اور غلطی پر استغفار کرے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۳۰ھ۔

کافر کے گھر کا گوشت کھانا

سوال [۸۵۹۴]: کافر کے ہاں گوشت کھانا کیسا ہے جب کہ وہ کہیں کہ یہ حلال ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں ان کا قول شرعاً معتبر نہیں، لہذا گوشت نہیں کھانا چاہیے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: کافر کے گھر کا گوشت کھانا)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً﴾. (الزمر: ۵۳)

"عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، ص: ۲۰۶، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمى)

(۳) "(ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة، الخ) قال الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "وهذا سهو؛ لأن الحل والحرمة من الديانات، و لا يقبل قول الكافر في الديانات، وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصةً للضرورة، ولأن خبره صحيحٌ لصدوره عن عقل و دين يعتقد فيه حرمة الكذب، والحاجة ماسّة إلى قبول قوله، لكثرة وقوع المعاملات. ولا يقبل في الديانات، لعدم الحاجة، إلا إذا كان قبوله في المعاملات يتضمن قبوله في الديانات، فحينئذ تدخل الديانات في ضمن المعاملات، فيقبل فيها ضرورةً، و كم من =

کافر کا پکایا ہوا گوشت

سوال[۸۵۹۵]: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت اگر کافر پکائے یا بنائے تو اس کا کھانا حرام ہے، اگر کسی غیر مسلم باورچی سے گوشت بنوار ہا ہے اور باورچی اکیلا رہ جائے تو وہ گوشت مسلمان کے لئے حرام ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی گوشت کے حلال وحرام ہونے کے متعلق کافر کے قول کا اعتبار نہیں، مثلاً: اگر کوئی کافر کوئی گوشت خرید کر پکائے اور کہے کہ "یہ گوشت حلال ہے" تو یہ قول معتبر نہیں، لیکن کسی مسلمان نے مسلم کا ذبیحہ کسی کافر کو دیا کہ اس کو پکادو اور اس کے برتن بھی پہلے پاک کر دیئے اور خود وہ مسلمان وہاں موجود نہیں رہا اور کافر کہے کہ یہ وہی گوشت ہے جو آپ نے دیا تھا اور آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے پکا دیا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس گوشت کو نجس یا حرام نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کافر کو گوشت دیا کہ یہ ہمارے مکان پر پہنچادو اور اس نے پہنچا دیا تو وہ بھی نجس یا حرام نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی کافر کو پیسے دیئے اور کہا کہ عبدالرحمٰن کی دکان سے گوشت خرید لاؤ وہ خرید لایا تو وہ گوشت نجس یا حرام نہیں ہوگا۔ اسی قسم کے مسائل شامی، ودیگر کتب میں موجود ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۹ھ۔

= شيء يصح ضمناً وإن لم يصح قصداً، الا ترى أن بيع الشرب وحده لا يجوز و تبعاً للأرض يجوز، هكذا هنا يدخل، حتى إذا كان له خادم أو أجير مجوسيّ فارسله ليشترى له لحماً، فقال: اشتريته من يهودى أو نصرانى أو مسلم، وسعه أكله. وإن قال: اشتريته من مجوسيّ، لايسعه أكله .... وإن كان لايقبل قوله فيها قصداً بأن قال: هذا حلال و هذا حرام" (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۲۷/۷ دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۳۴۳/۸، رشيديه)

(۱) "إذا كان له خادم أو أجير مجوسى فارسله ليشترى له لحماً، فقال: اشتريتُه من يهوديّ أو نصرانيّ أو =

شیعہ کے گھر کا کھانا

سوال[۸۵۹۶]: اہلِ تشیع کے گھر کھانا اور اس سے برتاؤ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ تشیع کے اکثر واقعات سنے ہیں کہ وہ اہل سنت والجماعت کو نجاست کھلا دیتے ہیں، اس لئے ان کے گھر کھانا خلافِ احتیاط ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

= مسلم، وسعه أكله. وإن قال: اشتريته من مجوسيّ، لا يسعه أكله؛ لأنه لما قبل في الشراء منه، لزمه قبوله في حق الحل والحرمة ضرورةً، لما ذكرنا وإن كان لا يقبل قوله فيه قصداً بأن قال: هذا حلال و هذا حرام". (تبيين الحقائق كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۲۷/۷، دارالكتب العلمية. بيروت)

(وكذا في البحر الرائق كتاب الكراهية: ۳۴۳/۸، بيروت، رشيديه)

"ويقبل قول الكافر ولو مجوسياً قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل، أو قال: اشتريته من مجوسي، فيحرم، ولايرده بقول الواحد، وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لافي الديانات، وعليه يحمل قول الكنز: ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة يعني الحاصلين في ضمن المعاملات، لامطلق الحل والحرمة، كما توهمه الزيلعي". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۴/۶، ۳۴۵، سعيد)

(۱) "تعصب بست وکیم: در بسیار از کتب ایشاں واقع است کہ اہل سنت نجس تر انداز یہود ونصاریٰ، اگر بہ دن ایشان چیزے برسد آنرا باید شست، حالانکہ آلودگی بگوہ انسان را نجس نمیرانند، شاید اہلِ سنت را از دائرۂ انسانیت بلکہ فضلہ بودنی انسان نیز خارج کروند، آرے المرأ یقیس علیٰ نفسہ"۔ (تحفۂ اثناء عشریہ، باب یازدھم، فصل دوم: در تعصباتِ شیعہ، ص: ۳۵۹، سہیل اکیڈمی لاہور)

"(ويقبل قول كافر) ولو مجوسياً (قال: اشتريت اللحم من كتابي، فيحل، أو قال) اشتريته (من مجوسي فيحرم) ولا يرده بقول الواحد".

"وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الدايانات، وعليه يحمل قول الكنز. ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة يعني الحاصلين في ضمن المعاملات لامطلق الحل والحرمة، كما توهمه الزيلعي". (الدرالمختار، كتاب الحظروالإباحة: ۳۴۴/۶، ۳۴۵، سعيد) =

شیعہ کے گھر کا کھانا

سوال[۸۵۹۷]: شیعہ اپنے کو صحیح مسلمان کہتے ہیں اور تین صحابہ کو برا کہتے ہیں: ۱-حضرت ابوبکر صدیق، ۲-حضرت عمر فاروق، ۳-حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مسلمان ان کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھیں، ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان روافض سے پوری احتیاط برتی جائے، یہ سنی لوگوں کو نجس کھلانا ثواب اور ضروری سمجھتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۰ھ۔

بھنگی کے لڑکے کو مسلمان ظاہر کرکے اس کے ساتھ کھانا پینا

سوال[۸۵۹۸]: ایک شخص نے بھنگی کے لڑکے کو مسلمان ظاہر کیا اور اس کے ساتھ کھایا پیا۔ اب یہ شخص پاک رہا یا ناپاک، کیا اس شخص کو اپنے سے علیحدہ کردیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بھنگی کے لڑکے کو مسلمان ظاہر کرکے اس کے ساتھ کھانے پینے کی وجہ سے وہ مسلمان لڑکا ناپاک نہیں ہوا، ہرگز اس کو اپنے سے الگ نہ کریں، وہ مسلمان ہے پاک ہے(۲)۔ البتہ غیر مسلم کو مسلمان ظاہر کرنا خلاف

= عبارتِ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان جیسے واقعات کا ظہور پذیر ہونا بعید از قیاس نہیں، اور حدیث میں مشکوک اشیاء سے اجتناب کی ترغیب دی گئی ہے:

"عن أبي الحوراء السعيد قال: قلت لحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه: ماحفظت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: حفظت من رسول الله عليه وسلم .... "دع مايريبك إلى مالايريبك". (جامع الترمذي، قبيل أبواب صفة الجنة: ۷۸/۲، سعيد)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ونجاسة المشرك في اعتقاده، لا في ظاهره". (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۱۳۵/۳، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

واقعہ اور جھوٹ ہے(۱)اور اس قسم کا میل جول بھی اس کے ساتھ درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۸ھ۔

بھنگی چمار کے گھر کا گھی

سوال[۸۵۹۹]: ہندو، چمار، بھنگی وغیرہ کے ہاں کا گھی اور کوئی ترشی کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں ناپاکی کا یقین یا ظنِ غالب ہو تو اس کا کھانا بالکل ناجائز ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہے کہ اس میں کوئی ناپاکی نہیں تو اس کا لینا اور کھانا درست ہے(۳)۔ اور اگر کچھ علم نہ ہو تو چوں کہ یہ لوگ اکثر ناپاک رہتے

"وأما نجاسة المشرک، ففي الاعتقاد علی معنی التشبیه". (ردالمحتار، کتاب أدب القاضي، مطلب في العمل بالسجلات وکتب الأوقاف القدیمة: ۳۷۲/۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل في التقلید: ۴۶۷/۶، رشیدیه)

"و لا بأس بطعام المجوس إلا ذبیحتهم والأکل معهم". (خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصي: ۳۴۶/۴)

"الاستفسار: هل یجوز الأکل مع الکافر؟ الاستبشار: إن کان ذلک مرةً أو مرتین، یجوز؛ لأن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أکل مع کافرة، فحملناه علی ذلک، ولکن یکره المداومة علیه، کذا في نصاب الاحتساب". (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللکهنوي، کتاب الحظر والإباحة، والأکل والشرب: ۱۴۸/۴)

(۱) "الکذب نقیض الصدق، فالکذب هو عدم مطابقة الخبر للواقع". (قواعد الفقه، ص: ۴۴۰، الصدف پبلشرز)

(۲) "لأن معهم الشرک الذی هو بمنزلة النجس، ولأنهم لایتطهرون و لایغتسلون و لا یجتنبون النجاسات، فهي ملابسة لهم". (تفسیر المدارک، (سورة التوبة: ۲۸) : ۴۹۲/۱، قدیمي)

(وکذا في التفسیرات الأحمدیة: ۴۵۵، مکتبه حقانیه پشاور)

(۳) "ویکره الأکل والشرب في أواني المشرکین قبل الغسل .... وهذا إذا لم یعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فإنه لا یجوز أن یأکل و یشرب .... و لا بأس بطعام المجوس کله إلا الذبیحة، فإن =

ہیں اس لئے ان سے ایسی شئی نہیں لینی چاہیے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

چمار بھنگی کا کھانا

سوال[۸۷۰۰]: ہر انسان کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک، اور چمار، بھنگی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر انسان کا جھوٹا پاک ہے بشرطیکہ اس میں نجاست نہ ملی ہو(۲)۔ چمار، بھنگی نے اگر پاک کھانا، پاک برتن اور پاک ہاتھ سے پکایا ہو تو وہ بلا تردد پاک ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۹ھ۔

= ذبیحتهم حرام". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة، الخ: ۳۴۷/۵، رشدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی: ۳۴۲/۴، رشیدیه)

(۱) "لأن معهم الشرک الذی هو بمنزلة النجس، ولأنهم لا یتطهرون ولا یغتسلون و لا یجتنبون النجاسات، فهی ملابسة لهم". (تفسیر المدارک: ۴۹۲/۱، قدیمی)

(وکذا فی التفسیرات الأحمدیة، ص: ۴۵۵، حقانیه پشاور)

(۲) "فسور آدمی مطلقاً و لو جنباً أو کافراً .... طاهرٌ. و سور خنزیر .... وشارب خمر فور شربها فنجس". (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الطهارة مطلب فی السور: ۲۲۲/۱، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطهارة: ۱۰۴/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطهارة: ۲۲/۱، رشیدیه)

(۳) "و نجاسة المشرک فی اعتقاده، لا فی ظاهره". (الهدایة، کتاب أدب القاضی: ۱۳۵/۳، مکتبه شرکت علمیه ملتان) .... =

چماریوں سے چوری کا ساگ خریدنا

سوال[۸۶۰۱]: چنے وغیرہ کا ساگ جو چماریاں فروخت کرتی ہیں، یہ اکثر چوری کا ہوتا ہے، خود چماریوں سے اس کی تحقیق کی گئی۔ تو کیا یہ خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس ساگ وغیرہ کے متعلق خصوصیت سے معلوم ہو کہ یہ بغیر مالک کی اجازت کے چرا کر لائی ہے، اس کا خریدنا ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/۱۳۵۷ھ۔

ہندو دھرم میں گوشت کھانا

سوال[۸۶۰۲]: گذارش ہے گوشت کے اوپر فتویٰ دینے کی مہربانی کریں، مسلمان بھائی بڑے بڑے نمازی کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں گوشت بکری، گائے، بھینس، پرندوں کا، مرغی کا جائز ہے، بڑے بڑے مولوی صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔ قرآن میں ہر بات ہندو دھرم کی کتابوں سے مثلاً: گیتا وغیرہ سے ملتے ہیں۔ شراب، جوا، چوری وغیرہ جتنی باتیں قرآن کے اندر ہیں اتنی ہی ہندو دھرم کی کتابوں میں گیتا، گرنتھ میں ہے۔ جس طرح اسلام کے اندر پیغمبر، اولیاء مخلوقات کو صحیح راستہ دکھانے آئے اور چلے گئے، اسی طرح ہندو دھرم کے اندر گرونانک، گروگوبند سنگھ، رام چندر آئے اور چلے گئے۔

اللہ (ایشور) ایک ہے، مسلمان ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ سب کا اللہ جب ایک ہے تو پھر کیا بات ہے کہ

= (وكذا في رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في العمل بالسجلات، الخ: ۴۶۱/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۴۶۷/۶، رشيديه)

(۱) "وبطل بيع ماليس في ملكه.......... وحكمه عدم ملك المشترى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد. ۵۸/۵، ۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۱۱۹/۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳۶۵/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

ہندو دھرم کے جتنے پیغمبر، اولیاء آئے، گوشت کھانا انسان کے لئے سخت منع کر گئے؟ اچھے اچھے چوٹی کے سنت مہا تما مانس یعنی گوشت کھانا سخت منع کر گئے۔ اسلام کے اندر قرآن کے اندر گوشت کھانا انسان کے لئے منع کیا ہے یا نہیں؟ اس پر اپنا فتوی دیں۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے گوشت کھایا تھا، یا وہ برابر کھاتے تھے یا نہیں؟ مخلوقات کھاتی ہے، کھانے دو، جو قرآن شریف میں لکھا ہے، جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اولیاء اللہ کہتے ہیں اس کا جواب دیں۔ اللہ جب ایک ہے تو اس کا حکم مخلوقات کے لئے مسلم و ہندو کے لئے ایک ہی ہے، اس کا قانون سب کے لئے ایک ہے۔

المستفتی: دیارام ہری رام، کمیشن ایجنٹ، ہلدوانی ضلع نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام نے چند مخصوص جانوروں کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے جس کو مسلمان کھا سکتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿والأنعام خلقها لكم فيها دفء و منافع، و منها تأكلون﴾۔ (سورۃ نحل: آیت: ۵)۔

"اور اس نے چوپایوں کو بنایا اور اس میں تمہارے جاڑے کا سامان ہے، اور بھی بہت سے فائدے ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے ہو"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أولم يروا أنا خلقنا لهم مما عملت أيدينا أنعاماً فهم لها مالكون، وذللنها لهم، فمنها ركوبهم، و منها يأكلون﴾ (سورۃ یٰس، آیت: ۷۱، ۷۲)۔

"کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن رہے ہیں اور ہم نے ان مویشی کو ان کا تابع بنادیا، سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں"۔

اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے بھی گوشت تناول فرمایا ہے:

"و أكل لحم الجزور و الضأن والدجاج و لحم الحبارى و لحم حمار الوحش و الأرنب

وطعام البحر". زاد المعاد: ۲/۳۸(۱)۔

رہی یہ بات کہ ہندوؤں کے رشیوں اور مہاتماؤں نے بھی گوشت کھایا ہے کہ نہیں تو ان کی کتابوں اور شاستروں میں یہی لکھا ہے کہ ان میں گوشت کھانے کا رواج تھا اور مہمان کی آمد پر اس کے استقبال وتواضع کے لئے جانور ذبح کئے جاتے تھے، چنانچہ ڈاکٹر رام چندر لال مترا (جو ایک ہندو خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) نے اپنی کتاب کے ایک باب میں لکھا ہے اور جس کو "سوامی بھومانند جی" نے مع مقدمہ شائع کیا ہے، جس کا نام "قدیم ہندوؤں میں گاؤ خوری" ہے، اس میں لکھا ہے:

"منوجی جانداروں کو غذا کے طور پر ہر موسم میں استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، منوجی کا ارشاد ہے: گوشت خرید کر، یا اسے دوسرے کی امداد سے حاصل کر کے جو شخص دیوتاؤں اور روحوں کی پرستش کرنے کے بعد اسے کھاتا ہے کوئی گناہ نہیں کرتا"۔ (منتر: ص:۳۲، رسالہ مذکور)

ہندوؤں کے مقدس اور بزرگ شاعر اسکیلی جب اپنے بھائی "رشی وششٹ" کے استقبال کی تیاری کرتے ہیں تو کئی بچھڑوں کو اپنے مہمانوں کی تواضع کے لئے ذبح کرتے ہیں (رسالہ مذکورہ):

"وششٹ کی باری بھی جب آئی تو وشوامر جنک اور دوسرے رشیوں اور دوستوں کی ضیافت کے لئے موٹا بچھڑا ذبح کیا" (رسالہ مذکور)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (زاد المعاد، فصل في هديه في الأكل: ۱/۱۴۷، مؤسسة الرسالة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتِيَ رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بلحم، فرفع إليه الذراع، وكانت تعجبه، فنهس منها". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الثاني: ص: ۳۶۲، قديمي)

الفصل الثاني في الأكل مع الفساق

(فاسق کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

فاسق معلن کے گھر کھانا

سوال[۸۱۰۳]: زید کے گھر میں بغیر نکاح کے ایک عورت رکھی ہوئی ہے اور اس کے بچہ بھی پیدا ہوگیا ہے اور زید اس سے اعلانیہ زنا کرتا ہے۔ اور لوگ زید کو کہتے ہیں کہ اس سے نکاح کرلے اور وہ نکاح نہیں کرتا اور زید کے گھر بیوی بھی ہے۔ زید کے گھر کی روٹی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"إذا دعيتَ إلى وليمة، فإن لم يكن ماله حراماً ولم يكن فيها فسق، فلا بأس بالإجابة. وإن كان ماله حراماً، فلا تجبه. وكذلك إن كان فسقه معلناً، فلا تُجبه يعلم أنك غير راض بفسقه". بستان فقيه أبي الليث، ص: ٨٠(١)-

اس سے معلوم ہوا کہ فاسق معلن کے گھر کھانا نہیں چاہیے تا کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ تم اس کے فسق سے راضی نہیں ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۱۱/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: سعید احمد غفی لہ، ۵/ ذی قعدہ/۵۶ھ۔

---

(١) (بستان الفقيه أبي الليث السمرقنديؒ (مترجم)، باب إجابة الدعوة، ص: ١٣٣ مطبع فاروقي هند)

"ولو دعي إلى وليمة فيها فسق، يمتنع من الإجابة إن كان زجراً لهم". (الملتقط في الفتاوى الحنفية، كتاب الآداب، ص: ٢٥٧ مكتبه حقانيه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤٧، سعيد)

"لا يجيب دعوة الفاسق المعلن، ليعلم أنه غير راض بفسقه". (الفتاوىٰ العالمكرية، كتاب =

شراب نوش کے ساتھ کھانا پینا

سوال[۸۲۰۴]: اگر کوئی مسلمان شرابی ہوتو اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایک ہی پیالہ میں کھایا جائے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر شراب اس کے ہاتھ ومنہ پر نہ لگی ہوتو اس کے ساتھ کھانے میں مضائقہ نہیں(۱)۔ اگر اس کی اصلاح، ساتھ نہ کھانے سے متوقع ہوتو ساتھ نہ کھائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

گڑیا اور تصویر بیچنے والے کے یہاں کھانا

سوال[۸۲۰۵]: جو شخص گڑیاں یا تصویریں فروخت کرتے ہوں تو ان کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲/ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کے پاس گڑیوں اور تصویروں کی صرف ناجائز آمدنی ہے، اس کے گھر کا کھانا ناجائز ہے، البتہ وہ

= الکراھیة، الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات: ۵/۳۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی مجموعة الفتاوی علی ھامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراھیة: ۴/۳۳۹، رشیدیه)

(۱) "فسور آدمیّ مطلقاً .... طاھرٌ. و سور خنزیر .... و شارب خمر فور شربھا .... نجسٌ". (الدرالمختار). قال العلامة الشامی: "(قوله: فور شربھا الخ): أی بخلاف ما إذا مکث ساعةً ابتلع ریقه ثلاث مرات بعد لحس شفتیه بلسانه و ریقه، ثم شرب، فإنه لا ینجس" (ردالمحتار، کتاب الطھارة، مطلب فی السور: ۱/۲۲۲، ۲۲۳، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطھارة: ۱/۱۰۴ دارالکتب العلمیة بیروت)

(کذا فی البحر الرائق، کتاب الطھارة: ۱/۲۲۲، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة)

اگر حلال آمدنی سے قرض وغیرہ لے کر کھلائے تو جائز ہے(۱) مقتدا کو پھر بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا یا جھوٹا کیسا ہے؟

سوال[۸۶۰۶]: کیا بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا، یا جھوٹا کھانا، یا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله". متفق علیه".

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "قال الله تعالیٰ: (ومن أظلم ممن ذهب یخلق کخلقی، فلیخلقوا ذرةً، أو لیخلقوا حبةً، أو شعیرةً". متفق علیه".

"وعن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون". متفق علیه".

"وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صورها نفساً، فیعذبه فی جهنم". قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: فإن کنت لابد فاعلاً، فاصنع الشجر، ومالا روح فیه". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، ۳۸۶، قدیمی)

"آکل الربا وکاسب الحرام أهدی إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام، لا یقبل ولا یؤکل ما لم یخبره أن ذلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۳/۵، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الإهداء والمیراث وغیر ذلک: ۳۴۹/۴، رشیدیه)

(وکذا فی الملتقط، کتاب الآداب، مطلب فی الهدایة الحرام، الخ، ص: ۲۶۸، حقانیه کوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہے، لیکن اس کے ہاتھ کا کھانا اور اس کا جھوٹا پانی ناپاک نہیں۔ ہاں! اگر کوئی نجاست اس میں ہو تو ناپاک ہے۔ اگر اس لئے اس کے کھانے پینے سے بچتا ہے کہ وہ نماز پڑھنے لگے تو یہ مستحسن ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

بے نمازی عورت کا پکایا ہوا کھانا

سوال [۸۶۰۷]: اگر کوئی عورت نماز نہ پڑھے تو اس کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، البتہ اگر اس کو تنبیہ مقصود ہو تو نہ کھائے (۲)۔ اگر وہ پاکی کا اہتمام نہیں کرتی، اکثر ناپاکی میں ملوث رہتی ہے تو نہ کھانا احوط ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۷/۳/۵۶ھ۔

---

(۱) معاصی اور گناہوں کی بنیاد پر کسی سے بغرضِ اصلاح قطع تعلق اور اکل وشرب جائز، بلکہ مناسب اور بہتر ہے، کما قال الملا علی القاری تحت حدیث: "من رای منکم منکراً، فلیغیرہ بیدہ، اھ":

"ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً، وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب. والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فندب. ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له، إذ النهي عن الشئ أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف. وشرطهما أن لايؤدى إلى الفتنة، كما علم من الحديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأل: ۲۸۲/۸، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۳) "و عن النعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

بے پردہ عورت کی کمائی کھانا

سوال[۸۶۰۸]: عورت کی محنت کی کمائی - جس میں بے پردگی ہو - کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے ذمہ پردہ لازم ہے(۱)۔ تاہم بے پردگی کی وجہ سے اس کی حلال کمائی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

آوارہ عورت کے گھر کھانا

سوال[۸۶۰۹]: ایک عورت آوارہ پھرتی ہے کوئی شرم وحیا اس کو نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا شوہر بھی ہے، وہ بھی آوارہ ہے۔ تو اس کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے پاس حلال اور پاک مال ہے تو آوارگی اور غنڈہ پن کی وجہ سے وہ حرام اور ناپاک

= "الحلال بيّن، والحرام بيّن، وبينهما مشتبهاتٌ لا يعلمهن كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و قرن في بيوتكن و لاتبرجن تبرج الجاهلية الأولىٰ، وأقمن الصلوة وآتين الزكوة وأطعن الله ورسوله﴾ (الأحزاب: ۳۳)

(۲) "ويكره له أن يستأجر امرأةً، حرةً كانت أو أمةً يستخدمها، ويخلوبها لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يخلونّ رجل بامرأة ليس منها بسبيل، فإن ثالثهما الشيطان". ولأنه لايأمن من الفتنة على نفسه أو عليها إذا خلابها، ولكن هذا النهي لمعنى في غير العقد، فلا يمنع صحة الإجارة، ووجوب الأجر إذا عمل كالنهي عن البيع وقت النداء". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب إجارة الرقيق في الخدمة وغيرها: ۱۶/ ۴۶، حبيبه كوئٹه)

نہیں ہوگا(۱)۔لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد سے اس کے یہاں کھانے سے انکار کردے کہ اس کی اصلاح ہوجائے تو ٹھیک ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۰ھ۔

زنا کی خصلت والی لڑکیوں کے ہاتھ کا کھانا

سوال[۸۲۱۰]: زید کے گھر میں دولڑکی ہیں اور دونوں کی خصلت زنا کی ہے، خواہ زنا کے ذریعہ روپیہ کمائیں یا نہ کمائیں۔ایسے گھروں میں یا ان دولڑکیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کمینہ اور خبیث خصلت کی وجہ سے ان کا پکایا ہوا کھانا نجس یا حرام تو نہیں ہوجاتا(۳)، البتہ اس کا انتظام ضروری ہے کہ اگر ان کی شادی نہیں ہوئی اس وجہ سے یہ حرکت ہوتی ہے تو جلد از جلد شادی کردی جائے۔ اگر شادی ہوگئی ہے، مگر رخصتی نہیں ہوئی تو جلد از جلد ان کو شوہروں کے مکان پر بھیج دیا جائے، ان کی صحبت سے

---

(۱)چونکہ اصل مال حلال ہے اور مال جب حلال ہو تو وہ اس طرح کے اعمال کی وجہ سے اس کو حرام قرار نہیں دیا جائے گا اگرچہ ان اعمال کا گناہ اپنی جگہ ہے۔راجع للتخریج المسئلة الآتیة.

(۲) "لایجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم أنه غیر راضٍ بفسقه .... وفی الروضة: یجیب دعوة الفاسق، والورعُ أن لایجیبه". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی فی الهدایا والضیافات: ۳۴۳/۵، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الفصل الخامس فی الأکل: ۳۶۴/۶، رشیدیه)

(وکذا فی الملتقط فی الفتاویٰ الحنفیة، کتاب الآداب، ص: ۳۵۷، حقانیه کوئٹه)

(۳)جب تک ہاتھوں پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو تو اس کا پکایا ہوا کھانا پاک ہوگا:

"نام أو مشي علی نجاسة، إن ظهر عینها تنجس، وإلا لا. ولو وقعت فی نهر، فأصاب ثوبه، إن ظهر أثرها، تنجس، وإلا لا". (الدرالمختار، کتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، مطلب فی الفرق بین الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء: ۳۴۶/۱، سعید)

دوسری لڑکیاں بھی آس پاس کی خراب ہوں گی، لڑکے بھی خراب ہوں گے، سب معاشرہ گندہ ہو جائے گا(۱)۔ اللہ پاک حفاظت فرمائیں۔ آمین۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۲۵/۱۱/۹۱ھ۔

طوائف کے ہاتھ مال فروخت کرنا

سوال[۸۶۱۱]: ایک صاحب کا ہوٹل ایسی جگہ واقع ہے جس کے اطراف طوائف رہتی ہیں، طوائف ان کے ہوٹل سے اشیاء خریدتی ہیں۔ کیا طوائف کے ساتھ تجارت جائز ہے اور ان کے ذریعہ ہوٹل والے کو جو آمدنی ہو وہ اس کے لئے حلال ہے، ہوٹل والے کو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حرام مال سے خریدے تو اس کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس حرام مال کا لینا شرعاً جائز نہیں، اگر حلال مال سے خریدے تو درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ربیع الاول/ ۸۷ھ۔

---

(۱) ''اس صورت میں پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اس کے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنے والے ہیں۔ زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی بغاوت ہے، اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کردی ہیں، زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے۔ زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لے کر آتا ہے اور اس کے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے، دنیا میں جتنے قتل وغارت گری کے واقعات پیش آتے ہیں، تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اس سے حرام تعلق ہوتا ہے''۔ (معارف القرآن: ۳۴۱/۶، إدارة المعارف کراچی)

(۲) "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها في الأسواق، فإنه لاينبغي شراؤه منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۲/۴، دار المعرفة بيروت)

کیا ہوٹل میں کھانا کھانا فسق ہے؟

سوال[۸۶۱۲]: کیا فقہی کتابوں واحادیث سے ثابت ہے کہ ہوٹلوں میں کھانے والا فاسق ہے؟ اور اگر ایک بار بھی ہوٹل میں کھائے گا، کیا عندالشرع اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں کہ کیا حالتِ سفر میں بھی یہی حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بازار میں چلتے چلتے کھانا، یا برسرِ بازار، عام گزرگاہ پر کھانا خلافِ مروّت ہے (۱) جس کی وجہ سے قبولِ شہادت میں کلام ہے (۲)، لیکن اگر کھانا کھانے کے لئے مستقل جگہ ہے، ہوٹل یا دکان ہے تو اس میں داخل نہیں۔ سفر میں توسع بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا دائی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حرام ہے؟

سوال[۸۶۱۳]: ہمارے یہاں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بچہ کی ناف کاٹنے والی دائی یا ڈاکٹرنی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا پینا حرام ہے۔ حکم شریعت سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "وكره الأكل والشرب في الطريق والأكل نائماً و ماشياً، و لا بأس بالشرب قائماً، و لا يشرب ماشياً، و رخص ذلك للمسافر". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الشرب قائماً: ۱/۱۳۰، سعيد)

(۲) "ولا تقبل شهادة من يفعل الأفعال المستحقرة كالبول على الطريق والأكل عليها، كذا في الهداية. وكذا من يأكل في السوق بين الناس، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادة، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته ومن لاتقبل، الفصل الثاني فيمن لاتقبل شهادته بفسقه: ۳/۴۶۸، رشيديه)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) یہ بھی ایسا غلط وہم ہے جیسا کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے متعلق لوگوں کا خیال ہے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''مسئلہ: مشہور ہے کہ زچہ جب تک غسل نہ کرے، اس کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانا درست نہیں، یہ بھی غلط ہے، حیض ونفاس میں ہاتھ ناپاک نہیں ہوتے''۔ (اغلاط العوام، حیض ونفاس کی اغلاط، ص:۳۱، ادارۃ المعارف)

الفصل الثالث فی سنن الأکل و آدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

کیا وضو اور غسل کے بعد کھانا کھانے کے لئے دوبارہ ہاتھ دھونا سنت ہے؟

سوال[۸۶۱۴]: کھانا تناول کرتے وقت ہاتھ تر رہنا سنت ہے، نیز اگر غسل کرکے آیا تب بھی ہاتھ دھونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھونا مستقل سنت ہے اگرچہ وضو، غسل، نماز سے فارغ ہوکر آیا ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم؟

سوال[۸۶۱۵]: کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھیں یا "بسم اللہ الرحمن الرحیم"، صحیح مسئلہ اور مسنون طریقہ کیا ہے؟ اور وضو میں کیا پڑھیں؟

---

(۱) "حدثنا جبارة ابن المغلس، ثنا کثیر بن سلیم، سمعت أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: .... قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أحب أن یکثر اللہ خیرَ بیته، فلیتوضأ إذا حضر غداؤه وإذا رفع". (سنن ابن ماجة، أبواب الأطعمة، باب الوضوء عند الطعام: ۲۳۵، قدیمی)

(وجامع الترمذی، أبواب الأطعمة، باب الوضوء قبل الطعام و بعده: ۲/۲، سعید)

"من السنة غسل الأیدی قبل الطعام و بعده". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی عشر فی الکراهة فی الأکل ومایتصل به: ۵/۳۳۷، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانا شروع کرتے وقت "بسم الله وعلى بركة الله" پڑھے(۱) اور وضو کرتے وقت "بسم الله العظيم، والحمد لله على دين الإسلام" پڑھے یا ہر دو کو جمع کرکے، كذا في الطحطاوي، ص: ٤٠ (٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۸/۹۰ھ۔

کھانے کی ابتدا اور اختتام نمک پر

سوال[۸٦١٦]: اگر دستر خوان پر مختلف کھانے ہوں مثلاً: شیرینی، نمکین تو ابتدا کس سے کرے؟ اور اختتام کس سے کرے؟ مسنون طریقہ بیان فرمائیں، ہر ایک کا جواب مع حوالہ تحریر ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمکین سے ابتدا کرے، نمکین ہی پر ختم کرے: "من السنة أن يبدأ بالملح ويختم بالملح، ١هـ". الفتاویٰ العالمكيرية(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۵/۶۲ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبا بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما أتوا بيت أبي أيوب، فلما أكلوا وشبعوا، قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خبز ولحم وتمر وبسر ورطب، إذا أصبتم مثل هذا فضربتم بأيديكم، فكلوا بسم الله وبركة الله". هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه". (المستدرك على الصحيحين للحاكم رحمه الله، كتاب الأطعمة، باب: إذا أكل أحدكم طعاماً فليقل: بسم الله: ۱۰۷/۴، دار الفكر بيروت)

(۲) "وقيل: عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في لفظها: "باسم الله العظيم والحمد لله على دين الإسلام". وقيل: الأفضل "بسم الله الرحمن الرحيم". في البناية عن المجتبى: لو قال: بسم الله الرحمن الرحيم، بسم الله العظيم والحمد لله على الإسلام، فحسن لوُرود الآثار". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ٦٧، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ص: ۲۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۳۳۷/۵، رشيديه)

کھانے کے بعد کلی کا پانی پینا

سوال[۸۶۱۷]: کھانے کے بعد کلی کرنے والا منہ کا پانی پی سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر منہ میں کھانے کے اجزا موجود ہیں اور آدمی یہ چاہے کہ وہ اجزا ضائع نہ ہوں، اس نیت سے وہ پانی پی لے تو یہ نیت اور عمل درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

کھانے کے بعد اسی برتن میں ہاتھ دھو کر پینا

سوال[۸۶۱۸]: آندھرا میں کچھ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد اس کھانے والے برتن میں ہاتھ دھو کر اور برتن کو صاف کر کے وہ پانی پینا سنت ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کیمیائے سعادت، جلد: ۷، آداب الطعام میں اس صورت مذکورہ میں ایک غلام آزاد کرنے کی فضیلت کا ثواب لکھا ہے(۲)۔ اس کتاب کو وہ لوگ حوالہ میں پیش کرتے ہیں۔ صحیح صورت مسئلہ سے آگاہی بخشی جائے،

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل ۴/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الكراهية: ۶/۳۴۰، سعيد)

(۱) "قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول.......... : "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ ما نوى". (صحيح البخاري، باب بدء الوحي: ۱/۲، قديمي)

قال الحافظ العسقلاني: "أي كل عمل بنيته. وقال الحربي: كأنه أشار بذلك إلى أن النية تتنوع كما تتنوع الأعمال". (فتح الباري، باب بدأ الوحي: ۱/۱۴، قديمي)

"شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جو ریزے زبان کے ذریعے سے دانتوں سے نکلیں ان کو نگل لیں"۔ (شمائل کبری: ۱/۹۴، زمزم پبلشرز کراچی)

(۲) "اور برتن کو انگلی سے صاف کرے اس واسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص برتن پونچھ لیتا ہے تو برتن اس کے حق میں یوں دعا کرتا ہے کہ: اے پروردگار! جس طرح اس نے مجھے شیطان کے ہاتھ سے چھڑایا، تو اسے آتشِ دوزخ سے آزاد کر۔ =

عنایت ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

برتن کوصاف کرنے کی ترغیب حدیث شریف میں آئی ہے(۱) اوراس برتن کے گناہ معاف ہونے کی دعاء کرنا بھی ثابت ہے(۲)، مگر جوسورت آپ نے لکھی ہے وہ کسی حدیث میں دیکھنا مجھے محفوظ نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۹۰ھ۔

کھانے کے بعد برتن میں ہاتھ دھوکر اس پانی کو پینا

سوال[۸۲۱۹]: کیاحضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد برتن میں ہاتھ دھو کردھوئے ہوئے پانی کو پی لیتے تھے۔کیایہ حدیث صحیح ہے؟

=اوراگر برتن کودھوکراس کادھوون پی جائے توایسا ثواب ہوگا کہ گویاایک بندہ آزادکیا"۔(کیمیائے سعادت (اردو)، رکن دوم: معاملات کا بیان،اصل اول: کھانا کھانے کے بارے میں،ص: ۱۳۴ دارالاشاعت کراچی)

"في الإحياء: يقال: من لعق القصعة و شرب مائها، كان له كعتق رقبة". (شرح المناوى للشمائل على هامش جمع الوسائل: ۱/۲۳۳، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۱) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بلعق الأصابع والصحفة، وقال: "إنكم لاتدرون في أيّة البركة". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ۳۶۳، قديمى)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: .... "إن الشيطان يرصد الناس أو الإنسان على كل شئ حتى عند مطعمه أو طعامه، ولايرفع الصحفة حتى يلعقها أو يلعقها، فإن آخر الطعام البركة". (الترغيب والترهيب، الترغيب في لعق الأصابع، الخ: ۳/۱۲۷)

(۲) "أنبأ أبو اليمان البراء قال: حد ثتنى جدتى أم عاصم قالت: دخل علينا نبيشة مولى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ونحن نأكل في قصعة، فقال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل في قصعة، ثم لحسها، استغفرت له القصعة". (سنن ابن ماجة، باب تنقيه الصحفة ص: ۲۳۵، قديمى) (ومشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ۳۶۸، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میری نظر سے کوئی ایسی حدیث نہیں گزری جس میں یہ ہو کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانا کھا کر اس برتن میں ہاتھ دھو کر اسی دھوئے ہوئے پانی کو پی لیا کرتے تھے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۵/۱/۹۰ھ۔

کھانے کے بعد برتن کو دھو کر پینا

سوال [۸۶۲۰]: ایک ضیافت میں کھانے سے فارغ ہو کر چند بزرگوں نے اپنی کھائی ہوئی رکابی کو دھو کر خود پی لیا، چند لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ کراہت سے خالی نہیں۔ کیا یہ فعل واقعی کراہت کے قابل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات جو کہ اللہ کے رزق کی زیادہ قدر کرتے ہیں وہ اس نیت سے کہ رکابی میں جو حصہ لگا ہوا ہے، وہ بھی ضائع نہ ہو، اس کو دھو کر پی لیتے ہیں (۲)۔ برتن کو صاف کرنے کی تاکید حدیث شریف میں آئی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص برتن کو صاف کرتا ہے برتن اس کے لئے دعا دیتا ہے کہ "اللہ پاک تجھے گناہوں سے اس طرح صاف کردے جس طرح تو نے مجھے صاف کیا ہے" (۳)، اس خیال سے بھی دھو کر پی لیتے ہیں۔ اگر کوئی بزرگ

---

(۱) شمائل کبریٰ میں اتحاف کے حوالے سے منقول ہے کہ: "جس برتن میں کھانا کھایا ہو اس میں ہاتھ دھونا بے ادبی ہے، اتحاف"۔ (شمائل کبریٰ، برتن میں ہاتھ دھونا، ص: ۶۵)

(۲) "إنما الأعمال بالنیات، وإنما لامرئ ما نوی". (صحیح البخاری، باب بدء الوحی: ۲/۱، قدیمی)

قال الحافظ: "أی کل عمل بنیته. وقال الحربی: کأنه أشار بذلک إلی أن النیة تتنوع کما تتنوع الأعمال". (فتح الباری، باب بدأ الوحی: ۱۴/۱، قدیمی)

(۳) "أنبأ أبو الیمان البراء قال: حدثتنی جدتی أم عاصم قالت: دخل علینا نبیشة مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، ونحن نأکل فی قصعة، فقال: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أکل فی قصعة، ثم لحسها، استغفرت له القصعة". (سنن ابن ماجة، باب تنقیه الصحفة ص: ۲۳۵، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الأطعمة، ص: ۳۶۸، قدیمی)

"قال فی الإحیاء: یقال: من لعق القصعة، وشرب ماءها، کان له کعتق رقبة". (شرح المناوی للشمائل علی هامش جمع الوسائل: ۲۳۳/۱، ادارهٔ تالیفات اشرفیه)

ایسا کرتا ہے تو اعتراض کی کیا ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۰/۳/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

لوٹے کا پانی چلّو بنا کر پینے کا طریقہ

سوال[۸۶۲۱]: مٹی کے لوٹے میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ایک شخص اس لوٹے کو داہنے ہاتھ سے اٹھا کر بائیں ہاتھ کو بطور چلو استعمال کرتا ہے تو یہ عمل بلحاظ سنت داہنے ہاتھ سے پانی پینے میں شمار ہوگا، یا بائیں ہاتھ سے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر چلو سے پانی پینا ہو تو داہنے ہاتھ میں چلو لے کر پینا چاہیے، بائیں ہاتھ سے لوٹا اٹھا کر داہنے ہاتھ میں ڈال کر پیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

کھانے کے بعد کیا مٹھائی کھانا سنت ہے؟

سوال[۸۶۲۲]: عوام الناس میں مشہور ہے کہ کھانا کھانے کے بعد مٹھائی کھانا سنت ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے، کیا اس کی کوئی اصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میٹھا پسند تھا (۲) اور زیادہ تر کھانا تو یہی ہوتا تھا

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايأكل أحدكم بشماله ولا يشرب بشماله، فإن الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله". (جامع الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في النهي عن الأكل والشرب بالشمال: ۲/۲، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب ماجاء في التيمن في دخول المسجد: ۱/۶۱، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۲۴، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحب الحلواء =

کہ کھجور کھالی، پانی پی لیا(۱)، کئی کئی وقت کھجور کی نوبت بھی نہیں آتی تھی، شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے(۲)، تین تین چاند نظر آتے تھے کہ گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی (۳)۔ کبھی گوشت آگیا تو آگ سلگنے کی نوبت آتی (۴)، کبھی صرف دودھ ہی پی لیا، اس میں شکر نہیں ہوتی تھی (۵) حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ: ''اگر آپ چاہیں تو پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے''۔ جواب میں عرض کیا: ''میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھانا ملے تاکہ کھا کر شکر ادا کروں، ایک

= والعسل". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، ص: ٣٦٠، قديمى)

(وجامع الترمذى، كتاب الأطعمة، باب ماجاء فى حب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحلوا والعسل: ٢/٥، سعيد)

(١) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان يأتى علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، ص: ٣٦٥، قديمى)

(وكذا فى الصحيح لمسلم، كتاب الزهد: ٢/٤١٠، قديمى)

(٢) "حدثنا عبد الواحد بن أيمن عن أبيه قال: أتيت جابراً رضى الله تعالىٰ عنه فقال: إنا يوم خندق نحفر فعرضت كدية شديدة، فجاء وا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: هذه كدية عرضت فى الخندق، فقال: "أنا نازل". ثم قام و بطنه معصوب بحجر، ولبثنا ثلاثة أيام لا نذوق ذواقاً". (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة الخندق: ٢/٥٨٨، قديمى)

(٣) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنها كانت تقول: والله! يا ابن أختى! إن كنا لننظر إلى الهلال ثم الهلال ثم الهلال ثلاثة أهلة فى شهرين وما أوقد فى أبيات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نار".

(الصحيح لمسلم، كتاب الزهد: ٢/٤١٠، قديمى)

(٤) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان يأتى علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء، إلا أن يؤتى باللُحَيم". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، ص: ٣٦٥، قديمى)

(٥) "ثلاثة أهلة فى شهرين وما أوقد فى أبيات رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم عليه نارٌ، قال: قلت: يا خالة! فما كان يعيشكم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء، إلا أنه قد كان لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جيران من الأنصار، وكانت لهم منائح، فكانوا يرسلون إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من ألبانها فيسقيناه". (الصحيح لمسلم، كتاب الزهد: ٢/٤١٠، قديمى)

روز بھوکا رہوں تاکہ صبر کروں" کذافی مشکوۃ المصابیح، وغیرہا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکانا

سوال [۸۶۲۳] : ہمارے یہاں ایک ہوٹل پر گوشت بغیر دھوئے پکایا جاتا ہے، اس میں خون کا جز بہت کچھ ہوتا ہے۔ ان سے دھونے کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ گوشت دھونے سے سالن کا رنگ خراب ہوجائے گا۔ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ خون میں سنا ہوا گوشت یوں ہی بغیر دھوئے پکایا جائے (۲) تو وہ کھانے کے لئے ٹھیک ہے، یا پھر حرام ومکروہ وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانور کو ذبح کرتے وقت جب خون نکل گیا اور گوشت پر اس کا اثر باقی رہ گیا تو اس گوشت کو دھونا ضروری نہیں، وہ گوشت پاک ہے (۳)۔ البتہ اگر گوشت کو مستقل جداگانہ خون لگ گیا تو گوشت کو دھوکر پاک کرنا ضروری ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۶ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عرض عليّ ربي ليجعل لي بطحاء مكة ذهباً، فقلت: لا يارب! ولكن أشبع يوماً وأجوع يوماً، فإذا جعت تضرعت إليك وذكرتك، وإذا شبعت حمدتك وشكرتك". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الأول، ص: ۴۴۲، قديمي)

(وجامع الترمذی، كتاب الزهد، باب ما جاء في الكفاف: ۶۰/۲، سعيد)

(۲) "سنا: بھرنا، آلودہ ہونا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۸۱۵، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "والمراد بالدم غير الباقي في العروق، وفي حكمه اللحم المهزول إذا قطع، فالدم الذي فيه ليس نجساً، وكذا الدم الذي في الكبد". (تبيين الحقائق، باب الأنجاس: ۱۹۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱۹۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث في بول الفأرة وبعرها، الخ: ۳۱۹/۱، سعيد)

(۴) "ودم مسفوح من سائر الحيوانات .... نجس". (الدرالمختار، باب الأنجاس: ۳۱۹/۱، سعيد) =

گوشت کا دھونا

سوال[۸۶۲۴]: ذبح کے بعد جو گوشت جانور سے علیحدہ کیا جاتا ہے، کیا اس کو پاک کر کے پکانا چاہئے، کیونکہ اس میں کچھ خون کا اثر ہوتا ہے اور خون ناپاک ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے دھونے کی ضرورت نہیں وہ ناپاک نہیں، طحطاوی، ص: ۸۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عصر کے بعد کھانا پینا

سوال[۸۶۲۵]: عصر و مغرب کے درمیان کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۹۵، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، باب الأنجاس: ۱/۱۹۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) "لا الباقی فی اللحم المهزول، والسمین والباقی فی عروق المذکی ودم الکبد والطحال والقلب ومالا ینقض الوضوء فی الصحیح". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارات، باب الأنجاس، الخ، ص: ۱۵۴، قدیمی)

"وما یبقی من الدم فی عروق المذکاة بعد الذبح، لا یفسد الثوب وإن فحش، وکذا الدم الذی یبقی فی اللحم؛ لأنه لیس بمسفوح، ودم الکبد والطحال لیس بنجس". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطهارات، الفصل الثانی فی الأعیان النجسة: ۵/۴۶، رشیدیه)

"الطحال والکبد طاهران قبل الغسل، حتی لو أطلی به وجه الخف وصلی، جازت صلوته. وما یبقی من الدم فی عروق المذکاة بعد الذبح لا یفسد الثوب وإن فحش". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطهارات، فصل فی النجاسة التی تصیب الثوب الخ: ۱/۱۹، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطهارات، السابع فی النجس: ۴/۲۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۹۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں، عوام نے اس کے متعلق جو کچھ تراش رکھا ہے وہ غلط ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/۵/۶۰ھ۔

کھانے کی ابتداء دائیں طرف سے

سوال [۸۶۲۶]: دعوت وضیافت وغیرہ میں جو عام طور پر کھاتے اور کھلاتے ہیں، کھانا کھانے کی ابتداء کس طرف سے کریں، یعنی اپنی دائیں جانب سے یا کھانے والوں کی دائیں جانب سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی داہنی جانب سے معطی تقسیم کرے، یا محفل میں اگر کوئی سربرآوردہ ہو تو اس سے ابتداء کر کے اس کی داہنی جانب کو تقسیم کرے (الأیمن فالأیمن)، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی داہنی جانب سے تقسیم فرمائی ہے، جیسا کہ صحاح کی روایت میں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۹۰ھ۔

کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا

سوال [۸۶۲۷]: یہاں افریقہ میں کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا رواج ہے، اور کھاتے وقت جوتے

---

(۱) "قال اللہ تعالیٰ: ﴿کلوا واشربوا و لا تسرفوا﴾ (الأعراف: ۳۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں: "مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان میں کھانا پینا برا ہے.........شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں"۔ (۱۲۵، غلط مسئلے، ص: ۲۱)

(۲) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أتی بلبن قد شیب بماء وعن یمینه أعرابی وعن شماله أبوبکر، فشرب، ثم أعطی الأعرابی وقال: "الأیمن فالأیمن".

(صحیح البخاری، کتاب الأشربة، باب الأیمن فالأیمن فی الشرب: ۲/۸۴۰، قدیمی)

(وکذافی جامع الترمذی، أبواب الأشربة، باب ماجاء فی أن الأیمنین أحق بالشرب: ۲/۱۱، سعید)

بھی نہیں اتارتے۔ کیا اس طرح کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے(۱)۔ جہاں یہ کفار وفساق کا شعار ہے، وہاں بالکل ممنوع ہے، جہاں شعار نہیں بلکہ عام ہے کہ صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے، وہاں اس میں اس درجہ تشدد نہیں، بلکہ فی الجملہ خفت ہے، لیکن خلافِ سنت پھر بھی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دستر خوان پر سب ایک روٹی میں کھائیں، یا چار ٹکڑے کر کے الگ الگ کھائیں؟

سوال[۸۶۲۸]: ہر شخص دستر خوان پر الگ روٹی رکھ کر کھائے، یا ایک روٹی سے سب توڑ کر کھاویں؟

---

(۱) "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا أتِيَ بطعام وضعه على الأرض، فهو أقرب إلى التواضع". (حاشية الترغيب و ترهيب: ۱۵۲/۳، بيروت)

(۲) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية، ص: ۲۰۳، إمداديه ملتان)

"والحاصل أن الأكل عليه (أي الخوان) بحسب نفس ذاته لا يربو على ترك الأوْلَوية، فأما إذا لزم فيه التشبه باليهود أو النصارى -كما هو في ديارنا- كان مكروهاً تحريمياً، وأما إذا لم يكن على دأبهم، فلا يخلو أيضاً عن تفويت منافع .... اهـ". قال المحشيّ : "قال المناويّ : يعتاد المتكبرون من العجم الأكل عليه، لئلا تنخفض رؤوسهم، فالأكل عليه بدعة، لكنه جائز إن خلا عن قصد التكبر، اهـ". (الكوكب الدري مع الحاشية، كتاب الأطعمة: ۱/۲، مكتبه يحيويه هند)

"واعلم أنه يطلق الخوان في المتعارف على ما له أرجل و يكون مرتفعاً عن الأرض، واستعماله لم يزل من دأب المترفين و صنيع الجبارين، لئلا يفتقروا إلى خفض الرأس عند الأكل، فالأكل عليه بدعة، لكنها جائزة". (جمع الوسائل في شرح الشمائل للملا علي القاري، باب ماجاء في صفة خبز رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۲۴۱/۱، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (عمدة القاري، كتاب الأطعمة، باب الخبز المرقق والأكل على الخوان: ۳۴/۱۵، المطبعة المنيرية بيروت)

ایک روٹی کوتوڑ کر چار حصے کرلینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سب طرح ٹھیک ہے، الگ الگ روٹی کھانے میں اپنی خوراک کا اندازہ باقی رہتا ہے، افراط وتفریط نہیں ہوتی (۱)۔ مشترک کھانے میں اتحاد واتفاق کا پہلو غالب ہے (۲)۔ چار ٹکڑے کرنے کا دستور ان علاقوں میں زیادہ ہے جن میں شیعوں کا زور ہے اوراس کا اشارہ خلفائے اربعہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی طرف ہے کہ ہم چاروں کو مانتے ہیں، شیعوں کی طرح دو یا تین کے منکر نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چمچہ بائیں ہاتھ سے پکڑنا

سوال [۸۶۲۹]: سب آدمی ساتھ کھانا کھاتے ہیں، سب کے درمیان میں بڑے پیالے میں دال ہے اور ایک ہی چمچہ ہے، سب لوگ اپنے داہنے ہاتھ سے چمچہ پکڑ کر دال نکالتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص جو بائیں ہاتھ سے چمچہ پکڑ کر دال لیتا ہے کہ ڈنڈی خراب نہ ہو جس پر اَور لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ تو کس کا فعل قبیح ہے اور کس کا صحیح ہے؟

---

(۱) "حدثني أبو سفیان، کنتُ جالساً في دارٍ فمرّ بي رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فأشار إليّ، فقمت إلیه، فأخذ بیدي، فانطلقنا حتی أتی بعض حجر نسائه فدخل، ثم أذن لي فدخلتُ الحجاب علیها، فقال: "هل من غداء"؟ فقالوا: نعم. فأتي بثلاثة أقرصة، فوضعن علی بنيّ فأخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قرصاً فوضعه بین یدیه وأخذ قرصاً آخر فوضعه بین یديّ، ثم أخذ الثالث فکسره باثنین، فجعل نصفه بین یدیه ونصفه بین یديّ". (الحدیث).

قال العلامة النووي: "فیه استحباب مواساة الحاضرین علی الطعام، وأنه یستحب جعل الخبز ونحوه بین أیدیهم بالسویة، وأنه لابأس لوضع الأرغفة والأقراص صحاحاً غیر مکسرة". (الصحیح لمسلم مع شرحه الکامل للنووي: ۱۸۳/۲، قدیمی)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "کلوا جمیعاً ولاتفرقوا، فإن البرکة مع الجماعة". (مشکوة المصابیح، باب الضیافة، الفصل الثالث، ص: ۳۷۰، قدیمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

افضلیت اچھے اور عمدہ کام کا داہنے ہاتھ سے کرنا ثابت ہے اور اس کی ترغیب بھی ہے(۱) کھانے میں دال نکالنا بھی اس میں داخل ہے، مگر اس کی وجہ سے تشدد نہ کیا جائے، بلکہ بہت نرمی سے سمجھایا جائے (۲)۔ البتہ کھانا پینا داہنے ہاتھ سے ہی کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کھانا کھاتے وقت چارپائی کی کس جانب بیٹھے؟

سوال[۸۶۳۰]: زید کہتا ہے کہ چارپائی پر بیٹھ کر پائتان کی طرف بیٹھ کر کھانا چاہیے، جو لوگ سرہانے بیٹھ جاتے ہیں ان کا منہ پائتی کی طرف ہوتا ہے، لہٰذا یہ رزق کی توہین ہے، سو اس طرح کھانا ناجائز

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحب التيامن ماستطاع في شانه كله: في طهوره وترجله وتنعله". (صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب التيمن في دخول المسجد: ۱/۶۱، قديمي)

(وبمعناه في جامع الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في النهي عن الأكل والشرب بالشمال: ۲/۲، سعيد)

(۲) "عدم اختصاصها بالوضوء المستفاد من قوله: "وشأنه كله" ينافي كونه سنةً له، ولو كانت على وجه العبادة فيكون مندوباً فيه، كما في التنعل والترجل". (ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۲۴، سعيد)

"السنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إسائةً وكراهيةً .... وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك .... ومنه المندوب، يثاب فاعله ولا يسئ تاركه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، اركان الوضوء أربعة: ۱/۱۰۳، سعيد)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليأكل أحدكم بيمينه ويشرب بيمينه وليعط بيمينه، فإن الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله ويعطي بشماله ويأخذ بشماله". (سنن ابن ماجة، باب الأكل باليمين، ص: ۲۳۵، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في النهي عن الأكل والشرب بالشمال: ۲/۲، سعيد)

ہے۔ کیا زید کا خیال ٹھیک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیز عرفاً کھانے کی توہین نہیں سمجھی جاتی، اس لئے اس کو ناجائز کہنا صحیح نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة، حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا في الأصول في ماتترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (مجموعة رسائل ابن عابدين، نشر العَرف في بناء بعض الأحكام على العُرف: ۱۱۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهيه (رقم المادة: ۳٦)، العادة محكمة: ۳۴/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة السادسة: العادة محكمة، اعتبار العادة والعرف: ۲٦۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

الفصل الرابع فی مکروهات الأكل
(کھانے کے مکروہات کا بیان)

مرغی کو ذبح کے بعد پیٹ چاک کرنے سے پہلے پانی میں جوش دینا

سوال[۸۶۳۱]: مرغی یا اَور کوئی جانور پرندکو پیٹ چاک کرنے سے پہلے پانی میں جوش دی جائے، یا آگ سے روئیں جلا دیئے جائیں تو اس مرغی یا اس پرند کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

پہلی صورت میں کھانا درست نہیں، دوسری صورت میں درست ہے، شامی: ۲۲۱/۱ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "قوله: وكذا دجاجة. قال في الفتح: إنها لا تطهر أبداً ....والعلة –والله أعلم– تشرّبها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اشتهرأن اللحم السميط بمصرنجس، لكن العلة المذكورة لاتثبت مالم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع في مثله التشرّب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط، حيث لا يصل إلى حد الغليان، ولايترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلىٰ ظاهر الجلد لتنحلّ مسام الصوف، بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والعسل: ۳۳۴/۱، سعيد)

"ولو ألقيت دجاجة حال الغليان في الماء قبل أن يشق بطنها لنتف الريش أو كرش قبل الغسل، لا يطهر أبداً، لكن على قول أبي يوسف يجب أن يطهر على قانون ماتقدم في اللحم. قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام: قلت: –والله سبحانه أعلم– هو معلل بتشربها النجاسة المتحللة في اللحم بواسطه الغليان، وعلى هذا اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس لايطهر، لكن العلة المذكورة لا تثبت حتى يصل الماء إلىٰ حد الغليان ويمكث فيه اللحم بعد ذلك زماناً يقع فيه =

مرغی کو ذبح کے بعد کھولتے پانی میں ڈالنا

سوال [۸۶۳۲]: انگلینڈ میں سرکاری مذبح خانوں میں مسلمان اپنی مرغیاں اپنے ہاتھوں سے اسلامی طریقے سے ذبح کرتے ہیں۔ غلاظت نکالے بغیر، پیٹ چاک کئے بغیر، الائش کے نکالنے سے پہلے، ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں مرغی کو ڈال کر مشین سے پھر صاف کرتے ہیں۔ پانی اتنی مقدار میں گرم نہیں ہوتا ہے کہ ہاتھ جل جائے، انڈے ابل جائیں، حتیٰ کہ چمڑی تک میں اثر نہیں ہوتا ہے اور مرغیوں کا چمڑہ بھی نکال دیا جائے۔ تو کیا ان مرغیوں کا کھانا درست ہے؟

نوٹ: سرکاری طور پر یہ کام ضروری ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔

دارالافتاء فلاح دارین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے سوال میں جس چیز کو بیان کیا ہے اگر یہی صورت حال ہے تو ایسی مرغیوں کا گوشت کھانا کھلانا، تجارت کرنا، ہوٹل میں ایسی مرغیوں کا گوشت پکانا جائز ہے، اس لئے کہ ناپاکی کا اثر گوشت میں نہیں آیا، لیکن اگر پانی کھولتا ہوا ہو اور مرغی کو اتنے وقت کھولتے ہوئے پانی میں رکھا کہ گوشت نے اس پانی کو اچھی مقدار میں پی لیا اور باطنِ لحم میں اس کا اثر پہونچ گیا تو اس مرغی کا کھانا جائز نہیں ہوتا، یہ مرغی ناپاک ہو جائیگی،

= التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل من الأمرين غير متحقق في السميط الواقع، حيث لايصل الماء إلىٰ حد الغليان ولا يترک فيه إلامقدار ما اتصل الحرارة إلىٰ سطح الجلد، فتحلل مسام السطح عن الصوف، بل ذلک الترک يمنع وجوده من انقلاع الشعر، فالأولىٰ في السميط أن يطهر بالغسل ثلاثاً لتنجس سطح الجلد بذلک الماء، فإنهم لايحترسون فيه عن المنجس. وقد قال شرف الأئمة بهذا في الدجاجة والكرش، والسميط مثلهما". (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فصل في الأسآر، فروع شتىٰ، ص: ۲۰۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في فتح القدير، باب الأنجاس وتطهيرها: ۱/۲۱۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الأنجاس، ص: ۱۲۰، قديمي)

طحطاوی علی المراقی، ص:۸۶ (۱)، فتح القدیر:۱/۱۴۶(۲) شامی:۱/۳۰۹(۳)۔

البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر ان ممالک میں جہاں قانونی گرفت سخت ہو، آپ مذبح کے علاوہ مرغی ذبح نہیں کرسکتے اور ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالنا ہی ہوگا، مشین کے ذریعہ اس کی صفائی ہو تو آپ مجبور ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کر کے اس گوشت کو کھا سکتے ہیں، بیچ سکتے

---

(۱) "وعلى هذا الدجاج المغلى قبل إخراج إمعائها، وأما وضعها بقدر انحلال المسام لنتف ريشها، فتطهر بالغسل .... اهـ". (مراقی الفلاح). "(قوله: وعلى هذا الدجاج، الخ) يعني لو ألقيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لتنتف، أو كرش قبل أن يغسل، إن وصل الماء إلى حد الغليان، ومكثت فيه بعد ذلك زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، لا تطهر أبداً، إلا عند أبي يوسف، كما مر في اللحم. وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان، أو لم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف، تطهر بالغسل ثلاثاً، كما حققه الكمال". (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۱۶۰، ۱۶۱، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۳۱۵، باب الأنجاس، رشيديه)

(۲) "ولو ألقيت دجاجة حالة الغليان في الماء قبل أن يشقّ بطنها لتنتف، أو كرش قبل الغسل لايطهر أبداً، لكن على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجب أن تطهر على قانون ماتقدم في اللحم. قلت: وهو سبحانه أعلم هو معلل بتشربهما النجاسة المتحللة في اللحم بواسطة الغليان، وعلى هذا اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس لايطهر، لكن العلة المذكورة لاتثبت حتى يصل الماء إلى حد الغليان، ويمكث فيه اللحم بعد ذلك زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل من الأمرين غير متحقق في السميط الواقع حيث لايصل الماء إلى حد الغليان، ولايترك فيه إلا مقدار ماتصل الحرارة إلى سطح الجلد، فتنحل مسام السطح عن الصوف، بل ذلك الترك يمنع من جودة انقلاع الشعر". (فتح القدير، باب الأنجاس وتطهيرها: ۱/۲۱۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويطهر لبن وعسل ودبس ودهن يغلى ثلاثاً، ولحم طبخ بخمر يغلى وتبريد ثلاثاً، وكذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها". (ردالمحتار، مطلب في تطهير الدهن والعسل: ۱/۳۳۴، سعيد)

ہیں، جائز ہے(۱)۔

وہ طریقہ یہ ہے کہ ناپاک چیز کو نچوڑ نہیں سکتے، جیسا کہ جو، جوار، باجرہ، گوشت اگر وہ ناپاک ہوجائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پاک پانی میں گوشت ڈال کر اچھے طریقہ سے جوش دیا جائے جب جوش آجائے اس کو اتار کر ٹھنڈا کر کے ایسے برتن میں رکھ دیجئے کہ پانی گر جاوے تین مرتبہ اس طریقے پر عمل کرنے سے ناپاک گوشت پاک ہوجاوے گا، شامی: ۳۰۹/۱(۲)، طحطاوی علی المراقی، ص: ٦٨٦(۳)، فتح القدير: ١٤٦/١ (٤)۔

---

(۱) "ولايجوز بالضعيف العمل، ولابه يجاب من جاء يسأل إلا لعمل له ضرورة، أومن له معرفة مشهورة". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه كراچی)

"فقد ذكر في حيض البحر في بحث الوان الدماء أقوالاً ضعيفة، ثم قال: وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير، كان حسناً". (ردالمحتار، مطلب: لايجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا: ۷۳/۱، سعيد)

(۲) "ويطهر لبن وعسل ودبس ودهن يغلي ثلاثاً، ولحم طبخ بخمر يغلي وتبريد ثلاثاً، وكذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها". (ردالمحتار، مطلب في تطهير الدهن والعسل: ۳۳۴/۱، سعيد)

(۳) "قوله: (وقيل: يغلى ثلاثاً) وهو قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، والفتوى على أنه لايطهر أبداً .... (وعلى هذا الدجاج، الخ) يعني لو ألقيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشقّ بطنها لتنتف، أو كرش، قيل: أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان ومكثت فيه بعد ذلك زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، لاتطهر أبداً". (حاشية الطحطاوی، كتاب الطهارات، باب الأنجاس، ص: ۱۶۰، قديمی)

(۴) "ولو ألقيت دجاجة حالة الغليان في الماء قبل أن يشقّ بطنها لتنتف، أو كرش قبل الغسل، لايطهر أبداً، لكن على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجب أن تطهر على قانون ماتقدم في اللحم. قلت: وهو سبحانه أعلم هو معلل بتشربهما النجاسة المتحللة في اللحم بواسطة الغليان، وعلى هذا اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس لايطهر، لكن العلة المذكورة لاتثبت حتى يصل الماء إلى حد الغليان، ويمكث فيه اللحم بعد ذلك زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل من الأمرين غير متحقق في السميط الواقع حيث لايصل الماء إلى حد الغليان، ولايترك فيه إلا مقدار ماتصل =

یہ حکم بوقتِ مجبوری ہے، جن ممالک میں قانون نہیں ہے اس جگہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد ابراہیم ہجات غفرلہ، خادم دارالافتاء دارالعلوم فلاح دارین۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مکرم ومحترم زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جواب - ماشاء اللہ - مکمل ہے، حوالے بھی کافی ہیں بر تقدیر صحتِ سوال جواب صحیح ہے۔ یہ بات اہل تجربہ سے متعلق ہے کہ ایسے نیم گرم پانی سے بال بسہولت دور ہو بھی جاتے ہیں کہ جس سے گوشت میں نجاست اثر نہ کرے، یا اس کے لئے تیز گرم پانی ضروری ہے جس سے نجاست گوشت میں سرایت کر جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۴ھ۔

مشینی مرغی اور اس کے انڈے کھانا کیسا ہے؟

سوال [۸۶۴۳]: زمانہ حال میں مرغیاں بغیر مرغ کے انڈے دیتی ہیں، یعنی مشین سے انڈے دلوائے جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ بجائے مرغی کے مشین بچہ نکالتی ہے۔ تو اب اس انڈے اور اس مرغی کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مشین کے ذریعہ نکلوائے ہوئے انڈے اور بچے (مرغ) کا کھانا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الحرارة إلى سطح الجلد، فتنحل مسام السطح عن الصوف، بل ذلك الترك يمنع من جودة انقلاع الشعر". (فتح القدير، باب الأنجاس وتطهيرها: ۱/۲۱۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) راجع: (أحسن الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة: ۸/۱۲۵، سعيد)

جھٹکے کا گوشت کھالیا تو کیا کرے؟

سوال[۸۶۳۴]: ہمارے ایک دوست ظفر علی خاں کو ایک ہندو نے گوشت کی دعوت دی جس میں کھانے پر گلزار خاں، سلطان خاں اور ظفر علی خاں تھے، ہم نے مل کر کھانا کھالیا اور ہمیں دس دن بعد پتہ چلا کہ وہ گوشت جھٹکے کا تھا۔ جب ہمیں معلوم ہوا تو بڑا افسوس ہوا۔ اب فرمایئے کہ ہم اس کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب نادم ہو کر خدا کے سامنے توبہ واستغفار کریں۔ جس نے جان بوجھ کر جھٹکے کا گوشت کھایا، یا کھلایا، وہ بڑا مجرم ہے اور سخت گنہگار ہے۔ نہا دھو کر اول دو رکعت نمازِ توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر خدا کے سامنے روئے گڑگڑائے کہ: یاالٰہ! میرے اس جرمِ عظیم کو معاف فرما، آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا(۱)، اور جن کو یہ کھلایا ہے ان سے بھی معافی مانگے (۲)۔ جب سچے دل سے توبہ ہوتی ہے تو باری تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "ومنه صلاة الاستغفار بمعصية وقعت منه، لما روى عن علي عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من عبد يذنب ذنباً فيتوضأ، ويحسن الوضوء، ثم يصلي ركعتين فيستغفر الله، إلا غفر له". (حاشية طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل فصل في صلوة النفل جالساً، ص: ۴۰۲، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في صلوة الحاجة: ۲/۲۸، سعيد)

(وكذا في بهشتي زيور، نماز توبه كا بيان، ص: ۱۴۶، دارالإشاعت كراچي)

(۲) "(ان للتوبة) ثلاثة أركان .... فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ : ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿قل يٰعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب=

دھوبی کے گھر کا کھانا

سوال[۸۶۳۵]: دھوبی کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک ناپاکی کا علم نہ ہو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۹/۱۱/۳ھ۔

کھانا گرم کھانا، چائے گرم پینا

سوال[۸۶۳۶]: گرم کھانا کھانے سے منع فرمایا گیا ہے، مگر آج کل گرم چائے اور گرم کھانے کا رواج ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

= جميعاً﴾. (سورة الزمر: ۵۳)

"التائب من الذنب كمن لاذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، ص: ۲۰۶، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمي)

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لوأكل أوشرب فيها قبل الغسل، جاز، ولايكون آكلاً ولا شارباً حراماً. وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم، فإنه لا يجوز أن يشرب و يأكل منها قبل الغسل، و لو شرب أو أكل، كان شارباً وآكلاً حراماً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۳۴۷/۵، رشيديه)

"ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون في قدورهم حتى يغسلوها". (النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، باب مالايؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۲۳۵، سعيد)

"والأكل والشرب في أواني المشركين مكروه، ولابأس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم و في الأكل معهم. وعن الحاكم عبد الرحمن: لو ابتلى به المسلم مرةً أو مرتين، لا بأس به، أما الدوام عليه فمكروه". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي: ۳۴۶/۴، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

گرم کھانا جو برداشت نہ ہوسکے اس سے منع کیا گیا ہے(۱)اور جو برداشت ہوسکے اس سے منع نہیں کیا گیا، ورنہ روٹی، سالن، چائے سبھی گرم کھائی جاتی ہیں اور ٹھنڈا کرنے سے اس کی لذت اور خاصیت میں فرق آجاتا ہے۔ یہی حال چائے کا ہے، ٹھنڈا کرنے کے بعدوہ چائے نہیں رہے گی، بلکہ شربت بن جائے گی، شروح حدیث سے یہی تفصیل مستفاد ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفااللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۹ھ۔

کھانے پرپھونک مارکرکھانا

سوال[۸۶۳۷]: کھانے کی چیزوں پر پھونک مارنا مکروہ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرم کھانے پر پھونک مار مارکرکھاناخلافِ ادب ہے(۳)۔ذراصبرکرنا چاہیے تاکہ زیادہ گرم نہ ہواور

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أبردوا بالطعام، فإن الطعام الحارّ غير ذي بركة". "وعنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتي بصحفة تفور، فأسرع يده فيها، ثم رفع يده، فقال: "إن الله لم يطعِمنا ناراً". (مجمع الزوائد، باب الطعام الحارّ: ۲۰/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعن خولة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل عليّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجعلتُ له حريراً فقدمتُها إليه، فوضع يده فيها فوجد حرها فقبضها، فقال: "ياخولة! لا نصبر على حر و لا على برد، يا خولة! إن الله أعطاني الكوثر و هو نهر في الجنة، وما خلق أحب إلي ممن يرد من قومک". (مجمع الزوائد، باب الطعام الحار: ۲۰/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "سألت أبا يوسف رحمه الله تعالىٰ عن النفخ في الطعام هل يكره؟ قال: لا، إلا ماله صوت مثل أف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية: ۳۶۰/۴، رشيديه)

سہولت سے کھایا جاسکے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۵ھ۔

کوکا کولا

سوال[۸۶۳۸]: ایک بوتل جس میں ۷۵/ملی گرام پانی ہے، اس میں چند قطرے شراب کے ڈالنے پر نشہ یا رنگ یا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا۔بعض ادویات کے اندر شراب ملی ہوئی آتی ہے جس سے بچنا بہت مشکل ہے، یا مثلاً کوکا کولا اس میں تحقیق ہے کہ اس کے اندر شراب ہوتی ہے، اس کو لوگ بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ اس کی پوری کیفیت لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شراب حرام ہے، اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے (۲)، خواہ نشہ، ذائقہ، رنگ آئے یا نہ آئے۔کوکا کولا میں شراب کا ہونا معلوم نہیں، اس کی حرمت کا فتویٰ بلا تحقیق نہیں دیا جاسکتا (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۲۴ھ۔

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أبردوا بالطعام، فإن الطعام الحار غير ذي بركة". "وعنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتي بصحفة تفور فأسرع يده فيها، ثم رفع يده، فقال: "إن الله لم يطعمنا ناراً". (مجمع الزوائد، باب الطعام الحار: ۲۰/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يؤكل طعام حار، ولا يشم، ولا ينفخ في الطعام والشراب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهية في الأكل: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۰/۴، رشيديه)

(۲) "وحرم قليلها وكثيرها بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، سعيد)

(۳) مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ چند مشروبات کے متعلق ایک سوال کے جواب تحریر فرماتے ہیں: "میں تو ان مشروبات کو پیتا ہوں، اگر کسی کو تحقیق ہو کہ یہ مشروبات ناپاک ہیں تو نہ پئے"۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، متفرق مسائل، پیپسی، مرنڈا وغیرہ بوتلوں کا حکم: ۴۶۴/۸، مکتبہ لدھیانوی)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ، كتاب الأشربة، الكحل والے مشروبات وما کولات کا حکم: ۴۸۶/۸، سعيد)

الفصل الخامس في المتفرقات

دوست کی چیز کھالینا

سوال[۸۶۳۹]: زید کی بکر سے زیادہ بے تکلفی ہے، ایک دوسرے کی چیز بغیر اجازت کھالیتے ہیں۔ تو شرعی نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ایک کو دوسرے کی طرف سے اجازت ہے اور چیز کھالینے سے آپس میں ناخوش نہیں ہوتے، بلکہ خوش ہوتے ہیں تو شرعاً بھی درست ہے۔ اگر ناخوش ہوتے ہوں تو بلا اجازت جائز نہیں: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۸۹ھ۔

اہل وعیال کے لئے ذخیرہ جمع کرنا

سوال[۸۶۴۰]: خداوند کریم نے قرآن پاک میں تمام مخلوق کے لئے روزی دینے کا وعدہ کیا ہے(۲)، ایسی صورت میں کیا ہم لوگ اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ دولت جمع کر سکتے ہیں؟ اور ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الغصب: ۱۷۲/۴، دار الفكر بيروت)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب ماجاء في الظلم، ص: ۲۰۲، حقانيه پشاور)

(وكذا في كنز العمال، الفرع الثاني في الإحكام المتفرقة: ۹۲/۱، (رقم الحديث: ۳۹۷)، مكتب التراث الإسلامي حلب)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ (سورة هود: ٦)

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث شریف میں ہے کہ اپنے وارثوں کو ایسی حالت میں چھوڑنا بہتر ہے کہ وہ دستِ سوال دراز نہ کریں (۱)، لہذا اس کا اعتماد ہو جائے۔ ایسا بھی نہ ہو کہ اولاد کی خاطر حرام حلال کی تمیز ختم کردی جائے (۲)۔ اور خدائے پاک کے حکم کو توڑ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) "عن سعد بن أبي وقاص قال: جاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعوُدني وأنا بمكة وهو يكره أن يموت بالأرض التي هاجر بينهما، فقال: "يرحم الله ابن عفراء" قلت: يارسول الله! أوصي بمالي كله؟ قال: "لا" قلت: فالشطر؟ قال: "لا" قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث والثلث كثير .... إنك إن تدع ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تدعهم عالةً يتكففون الناس في أيديهم". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: أن يترك ورثتك أغنياء خيرٌ من أن يتكففوا الناس: ۱/۳۸۳، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الوصية: ۲/۳۹، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما لايجوز للموصي في ماله: ۲/۳۹۵، دارالحديث ملتان)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عيه وسلم قال:" يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه: أمِنَ الحلال أم من الحرام". (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال: ۱/۲۷٦، قديمي)

"عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "الحلال بيّنٌ والحرام بيّنٌ، و بينهما مشتبهات لا يعلمها كثيرٌ من الناس، فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه و عرضه، و من وقع في الشبهات كراعٍ يرعى حول الحمى، يوشك أن يواقعه، ألا! و إن لكل ملك حمى، ألا! إن حمى الله في أرضه محارمه". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من استبرأ لدينه: ۱/۱۳، قديمي)

"عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عيه وسلم: "طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب و طلب=

پردہ نشین بیوی کی کمائی

سوال[۱۸۶۴۱]: اپنی بیوی کی کمائی جو کہ پردہ نشین ہے اور اردو اسکول کی معلّمہ ہے۔ ایسی کمائی مرد کیلئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز کمائی خوشی سے دے تو جائز ہے(۱)، مگر بیوی کی کمائی پر نظر رکھنا خلافِ غیرت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الحلال، الفصل الثالث، ص: ۲۴۲، قديمي)

(۱) "لايحل مال امرئ مسلم إلابطيب نفس منه". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الغصب: ۱۷۲/۴، دارالكفر بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وتنبيه الغافلين، باب ماجاء في الظلم، ص: ۳۰۲، مكتبه حقانيه پشاور)

باب الضيافات والهدايا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

دعوت کھانے اور دعوت کرنے کا ثبوت

سوال[۸۶۴۲]: میں نے اپنے ایک دوست کو اپنے مکان پر کھانا کھانے کی دعوت دی، مگر وہ مغرور دعوت میں نہیں آیا اور اپنے گھر پر کھانا کھایا۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ گھر میں کھانا حرام ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب لوگ اپنے گھر پر کھانا کھاتے ہیں، اور جب موقع ہو دعوت بھی کرتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے گھر پر کھانا کھایا ہے اور دوسروں کو بھی کھلایا(۱)، اور دوسروں نے بھی آپ کی دعوت کی اور آپ تشریف لے گئے اور اس کے گھر پر کھانا کھایا ہے(۲)۔ جو شخص خلوص سے دعوت کرے اور حلال

---

(۱) "وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلث ليال يبني عليه بصفية، فدعوت المسلمين إلى وليمته، وما كان فيها إلا أن أمر بالأنطاع فبسطت، فألقى عليها التمر والأقط والسمن". رواه البخاري".

"وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: "أولَمَ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين بنى زينب بنت جحش، فأشبع الناس خبزاً ولحماً". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح: ۲۷۸/۲، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف عليَّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فأكل معنا، فدعوه". (مشكوة =

کھانا کھلائے، اس کی دعوت قبول کرنا سنت ہے(۱)، اگر کوئی عذر ہو تو معذرت کردی جائے۔ جو شخص ریاکاری اور فخر کے لئے کھلائے، یا حرام کھانا کھلائے تو اس کی دعوت قبول نہ کی جائے (۲)۔ بغیر دلیلِ شرعی کسی کو مغرور

= المصابيح: ۲/۲۷۸، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول، قديمي)

"وعن أنس (رضي الله تعالىٰ عنه) أن خياطاً دعا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لطعام صنعه، فذهبت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقرب خبز شعير ومرقاً فيه دباء وقديد، فرأيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتتبع الدّباء من حوالى القصعة، فلم أزل أحب الدباء بعد يومئذٍ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۶۴، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، قديمي)

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم خمس، ردّ السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس". متفق عليه".

"وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم ست". قيل: ماهن يارسول الله؟ قال: "إذا لقيته فسلم عليه، وإذا دعاك فأجبه". الحديث". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، قديمي)

"وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دعي أحدكم إلى طعام فليجب، فإن شاء طعم، وإن شاء ترك"، رواه مسلم".

"وعن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من دعي، فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول: ۲/۲۷۹، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "المتباريان لا يجابان ولا يؤكل طعامهما". قال الإمام أحمد (رحمه الله): يعني المتعارضين بالضيافة فخراً ورياءً.

"وعن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يؤكل". رواه أبوداؤد". (مشكوة المصابيح: ۲/۲۷۹، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، قديمي)

کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند ۳۰/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۸۸ھ۔

سودخوار اور فاسق معلن کی دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۴۳]: سودخور یا کسی فاسق معلن کے مکان میں ضیافت قبول کرنا چاہئے یا نہیں؟ آیتِ قرآن: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داوٗد وعيسىٰ ابن مريم، ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون﴾(۱) کی تفسیر میں موجود ہے:

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لما وقعوا بنو إسرائيل في المعاصي، نَهتْهم علمائهم، فلم ينتهوا، فجالسوا في مجالسهم وآكلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعض ببعضهم، ولعنهم على لسان داوٗد وعيسىٰ ابن مريم: ﴿ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون﴾ ثم جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكا ن متكئاً فقال: "لا، والذي نفسي بيده! حتى تأطروهم على الحق". أخرجه الترمذي.

وأخرج أبوداوٗد :"كلا، والله! لتأمرنّ بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر، ثم لتأخذنّ على يد الظالم ولتأطرن على الحق إطراً أو ليضربنّ الله قلوب بعضكم ببعض، ثم يلعنكم كما لعنهم"(۲).

---

(۱) (سورة المائدة: ۷۸)

(۲) (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۷۸): ۲/۸۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلي الله تعالىٰ عليه وسلم : "إن أول مادخل النقص على بني إسرائيل كان الرجل يلقي الرجل، فيقول: ياهذا! اتق الله ودع ما تصنع، فإنه لايحل لک، ثم يلقاه من الغد فلا يمنعه ذلک أن يكون أكيله وشريبه وقعيده، فلما فعلوا ذلک ضرب الله قلوب بعضهم على بعض، ثم قال: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داوٗد وعيسىٰ ابن مريم -إلى قوله- فاسقون﴾. ثم قال: "كلا والله لتأمرنّ بالمعروف، ولتنهونّ عن المنكر، ولتأخذن على يدى الظالم، ولتأطرنه على الحق إطراً، أو لتقصرنّه على الحق قصراً". "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه =

﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾(۱) کے تحت تفسیر احمدی،ص:۳۸۸، میں ہے:

"وإن القوم الظالمین یعم المبتدع والفاسق والکافر، والقعود مع کلهم ممتنع"(۲)۔

آیت کریمہ:﴿ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا﴾(۳) کے تحت تفسیر روح البیان:۲/۱۳۶، میں موجود ہے:

"ودخل فی الرکون إلی الظالم المداهنةُ والرضاء بأقوالهم وأعمالهم ومحبةُ مصاحبتهم ومُعاشَرتِهم. روی أن الله تعالی أوحی إلی یوشع ابن نون: (أنی أهلِكُ من قومك أربعین ألفاً من خیارهم، وستین ألفاً من شرارهم) فقال: مابال الخیار؟ (إنهم لم یغضوا ببغضه، فکانوا یُواکلونهم ویشاربونهم)"(٤)۔

اورآیتِ کریمہ:﴿وعلی الثلثة الذین خلّفوا حتی إذا ضاقت علیهم الأرض بما رحبت، وضاقت علیهم أنفسهم، وظنوا أن لاملجأ من الله إلا إلیه، ثم تاب علیهم لیتوبوا﴾(٥) حضرت کعب ابن مالک ومرارہ ابن ربیع وہلال ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں وارد ہوا تھا جو بلا عذر شرعی جہاد میں شریک نہ ہوئے تھے، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ترکِ سلام وکلام ومعاملات کا حکم صادر فرمایا تھا، صحیح بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے:

"نهی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن کلامی وکلام صاحبیّ، فاجتنبت الناس کلامنا، فلبثت کذلك حتی طال علیّ الأمر، وما من شئ أهمّ إلیّ من أن أموت، فلایصلی علیّ

= عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بنحوه، زاد: "أو لیضربن الله بقلوب بعضکم علی بعض، ثم لیلعننّکم کما لعنهم". (سنن أبی داؤد: ۲/۵۹۶، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهی، دارالحدیث ملتان)

(۱) (سورة الأنعام: ٦٨)

(۲) (التفسیرات الأحمدیه فی بیان الآیات الشرعیة، ص: ۳۸۸، مطبع الکریمی بمبی)

(۳) (سورة الهود: ۱۱۳)

(۴) (روح البیان، (سورة هود: ۱۱۳): ۲/۱۲۹)

(۵) (سورةالتوبة: ۱۱۸)

النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، أو یموت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فأکون من الناس بتلك المنزلة، فلا یکلمنی أحدٌ منهم، فلا یصلی أحدٌ عليّ" (۱)۔

اور صحیح بخاری، کتاب الجہاد میں ہے:

"ولا یکلمنی أحد، وآتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فأسلّم علیه وهو فی مجلسه بعد الصلوة، فأقول فی نفسی: هل حرك شفتیه برد السلام عليَّ أم لا .... حتی تسورت جدار حائط أبی قتادہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه —وهو ابن عمی وأحب الناس إليّ— فسلمت علیه، فواللّٰہ! ما ردّ عليّ السلام، حتی مضت أربعون لیلةً من الخمسین إذا رسول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یأتینی، فقال: إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یأمرك أن تعتزل امرأتك، وأرسل إلی صاحبيّ مثل ذلك. فقلت لامرأتی: ألحقی بأهلك، فتکونی عندهم حتی یقضی اللّٰہ فی هذا الأمر، الخ" (۲). مشکوۃ شریف، ص: ۲۷۹ (۳)۔

"نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عن إجابة طعام الفاسقین". رواه البیهقی (٤)۔

مشہور حدیث میں جو دعائے قنوت ہے، اس میں ہم کو تعلیم دی گئی ہے: "ونترك من یفجرك" اور سود خور کا اشد فاسق ہونا آیتِ کریمہ: ﴿فإن لم تفعلوا، فأذنوا بحربٍ من اللّٰہ ورسوله﴾ (٥) سے مفہوم ہوتا ہے۔

مشکوۃ شریف، ص: ۲۴۵، "لیأتین علی الناس زمانٌ لا یبقی أحدٌ إلا أکل الربو، فإن لم یأکل أصابه من بخاره". وفی روایة: "من دخانه" (٦)۔ اس کی شرح مرقاۃ: ۳۱۱/۳، میں مرقوم ہے:

(۱) (صحیح البخاری: ۶۷۵/۲، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿وعلی الثلثة الذین خلّفوا﴾، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری: ۶۳۵/۲، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك، قدیمی)

(۳) (مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الأول: ۲۷۹/۲، قدیمی)

(۴) (مشکوۃ المصابیح: ۲۷۹/۲، کتاب النکاح، باب الولیمة، قدیمی)

(۵) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(٦) (مشکوۃ المصابیح: ۲۴۵/۱، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثانی، قدیمی)

"أی یصل علیه أثره بأن یکون شاهداً فی عقد الربوا أو کاتباً أو اکلاً من ضیافة أکله وهدیته"(۱).

اس حدیث میں سودخور کی ضیافت قبول کرنے کو سودخوری قرار دی گئی ہے، اور سودخور کا مال مشتبہ ہوتا ہے، مشکوۃ، ص:۲۴۱، میں ہے:

"الحلال بیّنٌ والحرام بیّنٌ، وبینهما مشتبهات، فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه، ومن وقع فیها وقع فی الحرام"(۲).

ان نصوصِ صریحہ سے سودخور، یا فاسق معلن کی ضیافت قبول کرنا ممنوع وناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

عالم گیری، مطبوعہ مصر: ۳۷۹/۵، میں ہے:

"ولایجب دعوة الفاسق المعلن، لیعلم أنك غیر راض بفسقه، وکذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال، وبالعکس یجیب مالم یتبین عنه أنه حرام، کذا فی التمرتاشی"(۳).

الأشباہ والنظائر کے حاشیہ میں ہے:

"فی التمرتاشی فی باب المسائل المتفرقة من کتاب الکراهیة: رجل له مالٌ حرام اختلطه بمال من الربا أوالرشاء أو الغلول أوالسحت أومن مال الغصب أوالسرقة أوالخیانة أومن مال الیتیم، فصار ماله کله شبهةً، لیس لأحد أن یشارکه .... أویقبل هدیته أو یأکل فی بیته"(٤).

(۱) (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثانی: ٦/٦٠، رشیدیه)

(۲) (مشکوة المصابیح: ۱/۲۴۱، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۴۳/۵، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

(۴) (الأشباه والنظائر: ۱/۳۱۰، القاعدة الثانیة: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، إدارة القران کراچی)

ان روایات سے فاسق معلن اور سودخور کی ضیافت قبول کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف عالم گیری کی دوسری روایت اور الأشباہ والنظائر کی روایت سے فاسق معلن اور سودخور کی ضیافت کا قبول کرنا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ عالمگیری کے اسی صفحہ میں ہے:

"وفي الروضة: يجيب دعوة الفاسق، والورعُ أن لايجيبه، كذا في الوجيز للكردري. آكل الربوٰ وكاسب الحرام لوأهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرامٌ، لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ وَرِثَه أو استقرضه. وإن كا ن غالب ماله حلالاً، لابأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط"(۱)۔

الأشباہ والنظائر، ص:۱۳۵میں ہے:

"إذاكان غالب مال المهدى حلالاً، فلابأس بقبول هديته أو أكل ماله مالم يتبين أنه حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه"(۲)۔

اب جواب طلب یہ امر ہے کہ جو روایاتِ فقہیہ سودخوار فاسق معلن کی ضیافت قبول کرنے کے جائز ہونے پر دال ہیں، نصوصِ قرآن وحدیث کے مخالف ہیں، وہ روایات مقبول وقابلِ عمل ہوں گی یا نہیں؟

دوم: الأشباہ والنظائر میں ہے: "إذاتعارضا دليلان أحدهما يقتضي التحريم والآخر الإباحة، قدّم التحريم"(۳)۔ اس وجہ سے روایتِ عدمِ جواز مقدم ہوگی یا نہیں؟

سوم: اگر روایاتِ جواز کے یہ معنی لئے جائیں کہ سودخور، سودخوری ترک کرنے کے بعد اور کاسبِ حرام کسبِ حرام ترک کرنے کے بعد ضیافت کرے تب یہ حکم ہوگا تو اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تنازع باقی نہیں رہے گا۔ اگر یہ معنی نہ ہوں تو اس کا یہ قول: ''میرا غالب مال حلال ہے، یا مالِ موروثہ، یا مقروضہ''

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر، رشيديه)

(۲) (الأشباه والنظائر: ۳۰۹/۱، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (الأشباه والنظائر: ۳۰۲/۱، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدةالثانية، إدارة القرآن كراچي)

کس طرح قابلِ قبول ہوگا؟ درمختار میں ہے: "لایقبل شهادة من یأکل الربوٰ"(۱)۔ حاصل کلام اس روایت کے صحیح ہونے کی تقدیر پراس پر عمل کیسے ہوسکتا ہے؟

روح الامین، ۴۲، مرزاپوراسٹریٹ، کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من دُعی فلم یُجب، فقد عصی الله ورسوله". رواه أبوداؤد۔ "وعنه رضی الله تعالیٰ عنهما: "إذا دعی أحدکم إلی الولیمة، فلیأتها". أبوداؤد۔ "وعنه رضی الله تعالیٰ عنه: "إذا دعی أحدکم أخاه، فلیجب، عرساً کان أو نحوه" أبو داؤد(۲)۔

قال الشیخ عبدالحق محدث الدهلوی قدس الله سره: "إجابة الولیمة مستحبةٌ، وقیل: واجبةٌ، وقیل: فرض کفایة؛ لأنها إکرام الموالاة أشبه بردّ السلام. وهذا إذا عیّن الداعی المدعوّ بالدعوة، فإذا لم یعینه، لم یَجب الإجابة، بل لایستحب؛ لأن الإجابة معلل بما فیها من کسر قلب الداعی، وإذا عمّم فلا کسر. ویسقط الإجابة بأعذار، نحو: کون الشبهة فی الطعام، أوحضور الأغنیاء فقط، أومن لایلیق مجالسته، أویدعو لجاهه، أولتعاونه علی باطل، أو کون المنکر هناك مثل الغناء وفرش الحریر". هامش مشکوة(۳)۔

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المتباریان لایجابان، ولایوکل طعامهما"۔ قال الإمام أحمد رحمه الله تعالیٰ: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً ورياءً"۔

"عن عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه

---

(۱) (الدرالمختار: ۴۸۳/۵، کتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، سعید)

(۲) (سنن أبی داؤد: ۵۲۵/۲، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی إجابة الدعوة، دارالحدیث)

(۳) (لمعات علی هامش المشکوٰة: ۲۷۸/۲، باب الولیمة، الفصل الأول، حاشیة: ۲)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح: ۳۷۰/۶، ۳۷۱، مکتبه حقانیه پشاور)

وسلم عن إجابة طعام الفاسقين"۔

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم، فليأكل من طعامه ولا يسأل، ويشرب من شرابه ولايسأل". روى الأحاديث الثلثة البيهقي في شعب الإيمان، وقال: هذا إن صح، فلأن الظاهر أن المسلم لايطعمه ولا يسقيه إلا ما هو حلال عنده". مشكوة(۱)۔

"قوله: "ولايسأل" بحيث يفضي إلى سوء الظن وإيذائه، ويستكشف حقيقة الحال من غير سؤال وإيذاء، وذلك إذا لم يعلم فسقه وظلمه وتجاوُزه عن الحد. وبالجملة إذا علم بيقين أو غلبة الظن أنه محتاط في أمر طعامه، فذلك وإن تساويا فالاحتياط في الترك. وإن كان له وجوه متعددة في الرزق: بعضها طيبٌ وبعضها خبيث، وأحسن الظن باحتمال أنه يأكل من الوجوه الطيبة، فله وجه الجواز. وإن تعين أنه لايحتاط، أو تعين أنه يأكل الحرام وليس له إلامدخل سوء، فكلّا". لمعات على هامش مشكوة، ص: ۲۷۹(۲)۔

یہ تین نوع کی روایتیں ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا رد کرنا معصیت ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنا کہ یہ مال حلال ہے یا حرام درست نہیں، بعض میں دعوت کے قبول کرنے کو منع کیا گیا ہے(۳)۔ تطبیق کیلئے ہرایک کا محمل الگ الگ قرار دیا جائے گا، نوع اول کا محل یہ ہے کہ اگر کوئی مخلص حلال مال

---

(۱) (مشکوة المصابيح: ۲/ ۲۷۹، باب الوليمة، الفصل الثالث، قديمی)

(۲) (لمعات على هامش مشكوة المصابيح: ۲/ ۲۷۹، الفصل الثالث، حاشيه: ۳)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۶/ ۳۷۷، مكتبه حقانيه پشاور)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثه أو استقرضه من رجل، كذا في الينابيع.......... ولودعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلك، وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصيةٌ ولابدعةٌ، وإن لم يجبه كان عاصياً. والامتناع أسلم في زماننا، إلا إذاعلم يقيناً بأنه ليس فيها بدعة ولامعصية، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۴۲، ۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، سعيد)

سے دعوت کرے اور وہ منکرات سے خالی ہو اور رد کرنے میں دل شکنی ہوتی ہو اور قبول کرنے میں کوئی عذر بھی نہ ہو تو اس کا رد کرنا بُرا ہے، بلکہ خوشی سے اس کو قبول کرنا چاہیے(۱)۔ اگر ان امور میں سے کوئی امر مفقود ہو تو حکم بدل جائے گا جیسا کہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت اس پر شاہد ہے۔

نوعِ ثانی کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی کے متعلق یقین یا غلبۂ ظن ہو کہ یہ امورِ معاش میں محتاط ہے تو پھر خواہ مخواہ محض احتمالِ عقلی کی بناء پر کج وکاوَ کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ بدظنی ہے جو کہ مسلم کی دل آزاری کا سبب ہے:

قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم، ولا تجسسوا﴾(۲)۔

نوعِ ثالث کا محمل یہ ہے کہ جس کے متعلق یقین یا قرائن سے ظن غالب ہو کہ اس کا تمام یا اکثر مال حرام ہے، اس سے دعوت کرتا ہے، یا وہ مجلس دعوتِ منکرات پر مشتمل ہے(۳)، یا اس کی نیت فاسد اور غیر

---

(۱) قال القاری رحمه الله تعالىٰ: "ومن ترك الدعوة: أي إجابتها من غير معذرة، فقد عصى الله ورسوله، وإنما عصى الله؛ لأن من خالف أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقد خالف أمر الله تعالى". (مرقاة المفاتيح: ۳۷۲/۶، باب الوليمة، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) (سورة الحجرات: ۱۲)

قال العلامة الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "وكذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرهم العدالة محظورٌ مزجورعنه، وهومن الظن المحظورالمنهيّ عنه.......... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إيّاكم والظنّ، فإن الظن أكذب الحديث". فهذا من الظن المحظور، وهو ظنه بالمسلم سوءاً من غيرسبب يوجبه، وكل ظن فيما له سبيل إلى معرفته مما تعبّد بعلمه، فهو محظور .... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا ظننتم، فلا تحققوا". فهذا من الظن الذى يعرض بقلب الإنسان في أخيه مما يوجب الريبة، فلاينبغي أن يحققه .... فنهى الله تعالىٰ فى هذه الآيات عن سوء الظن بالمسلم الذى ظاهره العدالة والستر". (أحكام القران للجصاص: ۶۰۴/۳، ۶۰۵، ۶۰۶، قديمى)

(۳) "ولايجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة، إلا إذا علم أن أكثرماله من حل بأن يكون صاحب تجارة أوزرع، فلا بأس به. وفي البزازية: غالب مال المهدى إن كان حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبيّن أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لايخلوا من حرام، فيعتبر الغالب. وإن غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلال". (مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، =

مشروع ہے(۱) تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں، قبول کرنے سے گناہ ہوگا، کہیں کم کہیں زیادہ، یعنی کہیں کراہتِ تنزیہی کہیں تحریمی، کہیں بالکل حرام، علی حسبِ اختلاف الداعی والمدعوّ والدعوۃ۔

اس تفصیل کے بعد عباراتِ فقہ، تفسیر، حدیث میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ تفسیر کے سوال میں جس قدر حوالے دیئے ہیں وہ بھی اس جواب کے مخالف نہیں، کیونکہ "قعود مع الفساق" کی جس جگہ ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ فسق غالب ہے، ورنہ بڑی وقت پیش آئے گی، کیونکہ مرقاۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سود سے بچا ہوا نہیں (۲)۔ اسی طرح الزواجر ابن حجر کی اور رسالہ "معاصی" مصنفہ ابن نجیم کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص عادۃً ملنا دشوار ہے جو اس قسم کے امور سے قطعاً محفوظ ہو(۳)۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ

= فصل في الأكل، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ومن الأعذار المسقطة للوجوب أوالندب أن يكون في الطعام شبهةٌ، أويخص بها الأغنياء، أوهناك مَن يتأذى بحضوره، أولاتليق به مجالسته، أويدعي لدفع شره، أو لطمعه في جاهه، أوليعاونه على باطل، أوهناك منهيّ كالخمر أواللهو أوفرش الحرير وغير ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح: ۶/۳۷۱، كتاب النكاح، باب الوليمة، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/۴۶۲، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، قديمي)

(۱) "يدخل في هذه القاعدة ما إذا جمع بين حلال وحرام في عقد أونية". (الأشباه والنظائر: ۱/۳۱۰، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليأتين على الناس زمان لايبقى أحدٌ إلا أكل الربوا، فإن لم يأكله أصابه من بخاره". ويروى: "من غباره". رواه أحمد وأبو داؤد والنسائي وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، ص: ۲۴۵، قديمي)

قال الملا القاري رحمه الله: "فإن لم يأكله أصابه من بخاره". "ويروى: "من غباره" أي: يصل إليه أثره بأن يكون شاهداً في عقد الربا أو كاتباً أو آكلاً من ضيافة آكله أو هديته، والمعنى: أنه لوفرض أن أحداً سَلِمَ من حقيقته لم يسلم من آثاره وإن قلّت جداً" (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الربا: ۶/۶۰، رشيديه)

(۳) یعنی اگر ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو مجموعی مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا شخص جو کہ معاصی سے بالکل پاک ہو بظاہر ناپید ہے۔

معصومیت تو نبی کی صفت ہے، ہر شخص سے عمر میں کوئی نہ کوئی ایسا امر ضرور صادر ہوتا ہے جو عصمت کے خلاف ہو، پھر اس قدر عموم کیسے باقی رہ سکتا ہے، لامحالہ کہا جائے گا کہ غلبہ کا اعتبار ہے۔

دوسرے ایسے تعلق یا قعود کی زیادہ مخالفت ہے جس سے رضا بالفسق ظاہر ہو، جیسا کہ تفسیر روح البیان کی عبارتِ مذکورہ فی السوال سے معلوم ہوتا ہے: "والرضاء بأقوالهم وأفعالهم"۔

آیت: ﴿وعلى الثلثة الذين خلفوا﴾ الخ. اس تفسیر کے نقل کرنے سے معلوم نہ ہوسکا کہ ان صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی تفسیق مقصود ہے (نعوذ باللہ) یا اَور کچھ، کیونکہ ان کا سودخوار وکاسبِ حرام ہونا تو کسی روایت سے ثابت نہیں۔

دعائے قنوت میں: "ونترك من يفجرك" سے یہ مراد ہے کہ جس شخص پر فسق غالب ہو، اس سے ہم کو قلبی تعلق نہیں۔ فاسق کا اطلاق جیسے عاصی پر ہوتا ہے، اسی طرح منافق پر بھی ہوتا ہے:

"مثل الفاجر يقرأ القرآن المنافق؛ لأنه قسم للمؤمن، فعطف المنافق على الفاجر". تفسیر مجمع البحار: ۳/ ۶۰۔

مشکوٰۃ شریف کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ مشتبہ مال سے بھی احتیاطاً بچنا چاہیئے، ورنہ انجام یہ ہوگا کہ حرام تک نوبت پہنچ جائے گی، جیسا کہ حدیث کے آئندہ ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے جس کو زائد از ضرورت سمجھ کر یا کسی اَور مصلحت سے نقل نہیں کیا گیا۔ پوری حدیث ملاحظہ فرمایئے تو مطلب واضح ہو جائے گا (۱)۔

عالمگیری کی بھی عبارت کا مطلب صاف ہے، وہ یہ کہ فاسق کی دعوت قبول کرنے سے اگر رضا بالفسق ظاہر ہو تو اس کو قبول کرنا درست نہیں، كما مر في تفسير روح البيان۔ اور حرام مال سے بھی دعوت قبول کرنا جائز نہیں، کما تقدم مفصلاً۔

---

(۱) الحديث بتمامه: "عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بين، وبينهما مشتبهاتٌ لايعلمهن كثيرٌ من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمىٰ يوشك ان يوقع فيه، اهـ". (مشكوة المصابيح: ۱/ ۲۴۱، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الاول، قديمی)

حاشیۂ اشباہ کی عبارت غلط نقل کی گئی لفظ "حلال" کی جگہ "حرام" نقل ہوگیا، صحیح یہ ہے: "وفي التمرتاشي: لرجل مال حلال اختلطه مال من الربوٰ"(۱)۔ اگر بغور عبارت کو ملاحظہ فرمالیتے تو خلجان پیدا نہ ہوتا، بلکہ معلوم ہوجاتا کہ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ احتیاطی ہے، کیونکہ اسی عبارت میں مذکور ہے "فصار كله شبهةً"(۲). اور متعین ہے کہ حرام سے بچنا واجب ہے اور مال مشتبہ سے بچنا احتیاط اور ورع ہے، واجب نہیں، جیسا کہ عالمگیری کی دوسری روایت میں روضہ سے منقول ہے (۳)، اور اشباہ شروع کتاب الحظر والإباحۃ میں ہے: "وليس زماننا زمان اجتناب الشبهات، كما فيه من الخانية والتجنيس"(٤)، پھر اس حکم کو وجوبی کیسے کہا جاسکتا ہے۔ عالمگیری کی ملتقط والی عبارت میں کسی کا کوئی خدشہ نہیں۔

اشباہ کا یہ قاعدہ: "إذا تعارضا دليلان، الخ(۵) اس حدیث سے ماخوذ ہے جس کو اس صفحہ کے شروع میں ذکر کیا ہے اور اس پر کلام بھی کیا ہے (٦) اور اس پر چند فروع ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "وخرجت من هذه القاعدة عدةُ مسائل"(۷)۔ یعنی اس قاعدہ سے چند مسائل مستثنیٰ ہیں: آٹھواں مسئلہ وہ ہے جس کو آپ

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۱/ ۳۱۰، القاعدة الثانية، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الأشباه والنظائر، المصدر السابق)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۴) (الأشباه والنظائر: ۲/ ۲۶۱، كتاب الحظر والإباحة، الفن الثاني، الفوائد (رقم القاعدة: ۱۴۲۷)، إدارة القران كراچی)

(۵) "إذا تعارضا دليلان، أحدهما يقتضي التحريم والآخر الإباحة، قدّم التحريم". (الأشباه النظائر: ۱/ ۳۰۲، إدارة القران كراچی)

(٦) "أورده جماعة: "ماجتمع الحلال والحرام إلا غلب الحرامُ الحلالَ". قال العراقي: لا أصل له، وضعّفه البيهقي، وأخرجه عبد الرزاق موقوفاً علی ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، وذكره الزيلعي شارح الكنز في كتاب الصيد مرفوعاً". (الأشباه والنظائر: ۱/ ۳۰۲، القاعدةالثانية، إدارة القرآن كراچی)

(۷) (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، (رقم القاعدة: ۴۴۱): ۱/ ۳۰٦، إدارة القرآن كراچی)

اس کے معارض سمجھ رہے: "الثامنة: إذا كان غالب مال المُهدىَ حلالاً، فلا بأس بقبول هديته، الخ"(۱)۔ حالانکہ یہ مسئلہ اس قاعدہ کے معارض نہیں بلکہ مستثنیٰ ہے۔

غرض کہ جس قدر شبہات تعارض وغیرہ کے پیدا ہوئے، وہ سب قلتِ تدبر سے پیدا ہوئے۔ اگر عباراتِ مذکورہ فی السوال کو بنظرِ غائر دیکھا جاتا تو شبہات پیدا ہی نہ ہوتے۔ رہا یہ سوال کہ سود خور کا قول حلّت وحرمت کے بارے میں کیسے قبول کیا جائے، جب کہ وہ فاسق ہے؟ تو ایک احتمال جواب میں وہ بھی ہے جو آپ نے ذکر کیا۔ دوسری صورت خود ہدایہ سے نکلتی ہے:

"وشرط في الأصل أن يكون آكل الربوا مشهوراً به؛ لأن الإنسان قلّما ينجوعن مباشرة العقود الفاسدة، وكل ذلك ربوا، الخ".(۲)۔ والتفصيل في فتح القدير: ۳۸/۲(۳)، ويؤيده أيضاً

---

(۱) "الثامنة: إذا كان غالب مال المُهدى حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لايقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، الفن الأول في القواعد الكلية (رقم القاعدة: ۵۵ے): ۳۰۹/۱، إدارة القران كراچی)

(۲) (الهداية: ۱۶۱/۳، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "أما آكل الربو، فكثيرٌ أطلقوه، وقيده في الأصل بأن يكون مشهوراً به، فقيل: لأن مطلقه لو اعتبر مانعاً لم يقبل شاهد؛ لأن العقود الفاسدة كلها في معنى الربوٰ، وقلّ من يباشر عقود البياعات ويَسلَم دائماً منه. وقيل: لأن الربا ليس بحرام محض؛ لأنه يفيد الملك بالقبض كسائر البياعات الفاسدة وإن كان عاصياً مع ذلك، فكان ناقصاً في كونه كبيرةً. والمانع في الحقيقة هو ما يكون دليلاً على إمكان ارتكاب شهادة الزور وشهادة الزور حرام محض، فالدال عليها لابدّ من كونه كذلك، بخلاف أكل مال اليتيم حيث تردّ شهادته بمرة.

وقيل: لأنه إذا لم يشتهربه، كان الواقع ليس إلا تهمة آكل الربوٰ، ولا تسقط العدالة به، وهذا أقرب، ومرجعه إلى ما ذكر في وجه تقييد شرب الخمر بالإدمان .... وأما قوله: ليس بحرام، فلا تعويل عليه، والدال على تجويز شهادة الزور منه يكفي كونه مرتكباً محظوردينه، الا ترى إلى ماقال أبويوسف: إذاكان الفاسق وجيهاً تقبل شهادته، لبُعد أن يشهد بالزور، لِوَجاهته على ما تقدم، ثم لم يرتض ذلك؛ لأنه مخالفٌ لنص الكتاب قوله تعالى: ﴿إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا﴾. وأما الأول، فالربا =

ما فی المرقاة: ۳/۳۱۱ (۱)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ دراصل محض قولِ فاسق کی وجہ سے یہ حکم نہیں بدلتا، بلکہ اپنا بھی اس مال کے متعلق ظن حلت کا ہوجائے تب یہ حکم ہے، اور اگر اپنا ظن حلت کا نہیں ہوا، بلکہ حرمت ہی کا ہے، تب قولِ فاسق معتبر نہیں:

”وإنما اعتُبر خبر الفاسق فی حل الطعام وحرمته وطهارة الماء ونجاسته إذا تأید بأکبر الرأی؛ لأن ذلك أمر خاص لایستقیم تلقیه جهة من العدول، فوجب التحری فی خبره للضرورة، وکونه أهلاً للشهادة وانتفاء التهمة عنه مالم یلزمه غیره مسلماً“ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ

= لم یختص بعقد علی الأموال الربویة فیه تفاضل أونسیئة ....والحاصل أن الفسق فی نفس الأمر مانع شرعاً، غیر أن القاضی لایرتب ذلك إلا بعد ظهوره له، فالکل سواء فی ذلك“. (فتح القدیر، کتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۷/۴۱۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

”وشرط أن یکون آکل الربوٰ مشهوراً به؛ لأن الإنسان قلّما ینجوا عن مباشرة العقود الفاسدة، وکل ذلك ربا، فلو رُدّت شهادته إذا ابتلی به، لم یبق أحدٌ مقبول الشهادة غالباً“. (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۷/۴۱۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) قال علیّ القاری رحمه اللہ تعالیٰ: ”ولایبقی أحدٌ منهم له وصف إلا وصف کونه آکل الربا، فهو کنایة عن انتشاره فی الناس بحیث أنه یأکله کل أحد ”فإن لم یأکله أصابه من بخاره“ ویروی: ”من غباره“: أی یصل إلیه أثره بأن یکون شاهداً فی عقد الربا أو کاتباً أو آکلاً من ضیافة آکله أوهدیته. والمعنی أنه لو فرض أن أحداً سلِم من حقیقته لم یسلم من آثاره وإن قلّت جداً. قال الطیبی رحمه اللہ تعالیٰ: المستثنی منه أعمّ عام الأوصاف نفی جمیع الأوصاف إلا الأکل، ونحن نری کثیراً من الناس لم یأکله حقیقةً، فینبغی أن یجری علی عموم المجاز، فیشمل الحقیقة والمجاز، ولذلك اتبعه بقوله التفصیلی: فإن لم یأکله حقیقةً یأکله مجازاً، والبخار والغبار مستعارَانِ بما یشبه الربا من النار والتراب“.

(مرقاة المفاتیح: ۶/۲۰، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثانی، رشیدیه)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الکراهیة: ۱۰/۱۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الهدایة: ۴/۴۵۲، کتاب الکراهیة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق: ۸/۳۴۳، کتاب الکراهیة، باب الأکل والشرب، رشیدیه) =

اعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۳ھ، صحیح: سعید احمد مفتی مدرسہ۔

= **عربی عبارت کا ترجمہ:**

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد نے فرمایا: ''جس شخص کو دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی'' (ابوداود)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے آجانا چاہئے'' (ابوداود)۔

تیسری روایت بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تمہیں کوئی دعوت دے تو اسے قبول کر لینا چاہئے، چاہے وہ دعوتِ ولیمہ ہو یا اسی جیسی کوئی دوسری دعوت'' (ابوداود)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ولیمہ کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے، واجب بھی کہا گیا ہے اور فرضِ کفایہ کا بھی قول ہے، اس لئے کہ دعوت کا قبول کرنا اکرام متعلقین ہے جو سلام کا جواب دینے کے مشابہ ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ دعوت دینے والے نے مدعو کو متعین کر کے دعوت دی ہو، لیکن اگر تعیین نہ کی ہو تو قبول کرنا واجب نہیں، بلکہ مستحب بھی نہیں، چونکہ اجابت تو اس لئے ہے کہ داعی کا دل نہ ٹوٹے اور جب دعوت میں عمومیت رہی تو دعوت قبول نہ کرنے میں دل شکنی بھی نہیں۔

اور اجابت (دعوت قبول کرنا) بوقتِ اعذار ساقط ہو جاتی ہے، مثلاً: یہ عذر کہ کھانا مشتبہ ہے، یا صرف مالداروں کی حاضری ہے، یا ایسے شخص کی دعوت ہے کہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا مناسب نہیں ہے، یا دعوت اپنی وجاہت (بڑے پن) کی وجہ سے کر رہا ہو، یا کسی باطل پر تعاون حاصل کرنے کی غرض سے کی گئی ہے، یا دعوت کی مجلس میں منکر (خلاف شرع) مثل گانے اور ریشمی فرشوں کا ہونا، ان تمام صورتوں میں وہ معذور ہے اور بر بنائے عذر قبولیت سے انکار کر سکتا ہے''۔

ریا اور فخر کی دعوت کا حکم

سوال[۸۶۴۴]: جو شخص فخر و نام آوری کی نیت سے برادری کو پلاؤ، زردہ وغیرہ کھلائے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کھانا ریا کاری ہے اور فخر ہے، لہذا سخت گناہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے، قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یا أیها

= حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو باہم مقابلہ کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے''۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''المتباریان'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ دو شخص جو فخر و ریا کے ساتھ میزبانی میں مقابلہ کرنے والے ہوں''۔

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''تم میں سے جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس آئے تو اس سے کچھ سوال کیے بغیر (کہ یہ حلال ہے یا حرام) اس کے کھانے پینے کی چیزیں کھائے پیئے''۔

ان تینوں روایتوں کو بیہقی نے ,,شعب الایمان،، میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اگر صحیح ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر مسلمان اپنے بھائی کو وہی چیز کھلاتا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک جائز ہوتی ہے''۔ مشکوۃ شریف۔

''اور حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ''لا یسئل'' یعنی اس طرح پوچھ گچھ نہ کرے جس سے بدظنی ہو یا اس کو تکلیف ہو بغیر پوچھے، اور بغیر تکلیف دیئے حقیقتِ حال معلوم کر سکتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کا فسق اور ظلم حد سے تجاوز کرنا معلوم نہ ہو''۔

''خلاصہ یہ کہ جب یقین یا غلبۂ ظن سے معلوم ہو کہ یہ کھلانے میں احتیاط برتنے والا ہے، اس وقت یہ حکم ہے۔ اور اگر دونوں گمان برابر ہوں تو احتیاط نہ کھانے میں ہے۔ اور اگر اس کی کمائی کے ذرائع مختلف ہیں، بعض جائز بعض ناجائز اور حسنِ ظن یہ ہے کہ وہ جائز ذریعہ سے حاصل کیے ہوئے سے کھاتا ہے تو پھر کھانا جائز ہے۔ اور اگر یقین ہے کہ وہ احتیاط نہیں کرتا، یا یہ کہ حرام کھاتا ہے، یا اس کے پاس صرف حرام ذریعہ ہے تو پھر ہرگز نہیں کھانا چاہیے''۔

الذین امنو لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس ولا یؤمن باللّٰه والیوم الأخر﴾ الآیة(۱)۔

''اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر، یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو، جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر'' (بیان القرآن)۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

دعوت کے لئے پیسے کی شرط

سوال[۸۶۴۵]: بعض جگہ ایسا رواج ہے کہ مولویوں اور طلبہ کو دعوت کھلانے کے بعد پیسہ دیا جاتا ہے، کیا پیسہ لینا دعوت کھا کر شرعاً جائز ہے۔ نیز پیسہ نہ دینے پر دعوت قبول نہ کرنا ان لوگوں کے متعلق شریعت میں کسی قسم کی مذمت آئی ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز آخذ کے لئے یہ پیسہ اپنے کام میں لگانا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس قسم کا اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا اور دینے کا کیا حکم ہے؟ ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ہر مسئلہ مندرجہ بالا کو مع دلائل عقلیہ نقلیہ وحوالہ کتب کے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایصال ثواب جس طرح کھانا کھلا کر کرتے ہیں اسی طرح پیسے دے کر بھی کرتے ہیں تو اس میں کوئی

(۱) (سورة البقرة: ۲۶۴)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المتباریان لایُجابان، ولایؤکل طعامهما". قال الإمام أحمد: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً ورياءً". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثالث، ص: ۲۷۹، قدیمی)

"عن أبی سعید ابن أبی فضالة رضی الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا جمع الله الناس یوم القیمة لیوم لا ریب فیه، نادی مناد: من کان أشرک فی عمل عمله لله أحداً، فلیطلب ثوابه من عند غیر الله، فإن الله أغنی الشرکاء عن الشرک". (مشکوة المصابیح، باب الریاء والسمعة، ص: ۴۵۴، قدیمی)

مضائقہ نہیں، مستحق کو جس طرح کھانا کھانا درست ہے، اسی طرح سے پیسے لینا بھی درست ہے(۱)۔اور اگر وہ کھانا اس شرط پر کھاتا ہے کہ اگر پیسے بھی مجھے ہی دوتو میں کھانا کھاتا ہوں، ورنہ میں نہیں کھاتا تو اس میں کوئی جبر اور تلازم نہیں، دینے والے کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے کھانا کھلائے، جس کو چاہے پیسے دے۔اور اس کو بھی اختیار ہے، دل چاہے کھانا کھائے، نہ دل چاہے نہ کھائے۔یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ وہ کھانا جائز طریقہ پر کھلائے، اگر نا جائز طریقہ پر کھلائے تو نہ کھلانا جائز ہے نہ کھانا جائز ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ۔

کافر کی دعوت کا حکم

سوال[۸۶۴۶]: مسلمان کو مسلمان کی دعوت قبول کرنے کا کیا حکم ہے، یعنی وجوب کا درجہ رکھتا ہے، یا سنت موکدہ کا، یا سنت غیر موکدہ کا، یا استحباب کا؟ دعوت کا رد کرنا بلا عذر گناہ ہے یا نہیں؟ اور عذر میں کوئی تفصیل ہے یا نہیں یعنی عذرِ قوی اور عذرِ ضعیف؟ اور برائے مہربانی اس سے مطلع فرمائیں کہ مسلمان کو کسی کافر کی دعوت کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی دعوت کا قبول کرنا سنت موکدہ ہے، بلا عذر اس کا رد کرنا ترکِ سنت ہے(۳)۔اور قوت وضعف

---

(۱) "وفدی لزوماً منه: أی عن المیت ولیه الذی یتصرف فی ماله كالفطرة قدراً". (الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: قدراً): أی التشبیه بالفطرة من حیث القدر؛ إذ لا یشترط التملیک هنا بل تكفی الإباحة، بخلاف الفطرة، وكذا هی مثل الفطرة من حیث الجنس وجواز أداء القیمة".
(ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۲/۴۲۴، سعید)

(۲) "ویكره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة .... والحاصل أن اتخاذ الطعام عن قراءة القرآن لأجل الأكل یكره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی كراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، سعید)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "حق المسلم =

عذر پر ہی حیثیت مترتب ہے(۱)۔میلان قلبی کے ماتحت دعوتِ کافر اوراس کا قبول ممنوع ہے، مصالحِ شرعیہ کے پیشِ نظر حسب المصالح مشروع ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/صفر/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/صفر/۱۳۵۹ھ۔

= على المسلم خمس: ردّ السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ۱۳۳، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۵، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام: ۲/۲۱۳، قديمي)

(۱) قال الملا علي القاري: "قال المظهر: إذا دعا المسلم المسلم إلى الضيافة والمعاونة، يجب عليه طاعته إذا لم يكن ثمه ما يتضرر به في دينه من الملاهي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۵۲۴): ۴/۶، رشيديه)

"لاينبغي التخلف عن إجابة الدعوة العامة كدعوة العرس والختان ونحوها. وإذا أجاب، فقد فعل ما عليه، أكل أو لم يأكل، بخلاف ما إذا هجم عليه؛ لأنه قد لزمه". (تكملة فتح الملهم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم ردالسلام: ۴/۲۴۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

"واختلف في إجابة الدعوة، قال بعضهم: واجبةٌ لا يسع تركها. وقالت العامة: هي سنة، والأفضل أن يجيب إذا كانت وليمةً، وإلافهو مخير، والإجابة أفضل؛ لأنه فيها إدخال السرور في قلب المؤمن .... لا ينبغي التخلف عن إجابة الدعوة العامة .... وإذا أجاب، فقد فعل ما عليه، أكَلَ أولم يأكل، والأفضل أن يأكل إذا كان غير صائم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: ۴/۳۵۸، رشيديه)

(۲) "المجوس أو النصراني إذا دعا رجلاً إلى طعامه، تكره الإجابة. وإن قال: اشتريتُ اللحم من السوق، فإن كان الداعي نصرانياً، فلا بأس به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/۳۴۷، رشيديه)

"لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو لحاجة، و لا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة". =

غیر مسلم کی دعوت

سوال[۸۶۴۷]: اگر ہنود شادی، غمی کے کھانوں میں دعوت کریں تو ان کے وہاں دعوت قبول کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے ہی مسلمانوں کو ہنود کی شادی غمی میں دعوت کرنا جائز ہیں یا نہیں؟ مکمل مدلل تحریر فرمائیں۔

شیخ محمد ساجد۔

الجواب حامداًومصلياً:

یہ معاملات کے قبیل سے ہے، جیسا کہ بیع وشراء، لین دین درست ہے، یہ دعوت کرنا اور کھانا بھی درست ہے جبکہ کوئی حاجت داعی ہو (یعنی بلاضرورت ان لوگوں سے اختلاط وتعلقات مکروہ ہیں) اور وہ کھانا پاک ہو: "أما من حاجة داعية، فينبغي الاحتراز عنه"۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: " ولا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة، كذا في الملتقط. وفي التفاريق: لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو حاجة، كذا في التمرتاشي"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

= (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

(وكذا في الملتقط في الفتاوى الحنفية، ص: ۲۷۷، مكتبه حقانيه كوئٹه)

(وأيضا الفتاوى الكاملية، ص: ۲۶۷، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر: ۵/۳۴۷، رشيديه)

"لا بأس بضيافة الذمي وإن لم يكن بينهما إلا معرفة". (الملتقط في الفتاوى الحنفية، ص: ۲۷۷، حقانيه كوئٹه)

"في الواقعات: مسلم دعاه نصرانيٌّ إلى ضيافته وليس بينهما صداقة و لا مخالطة غيرها بينهما في التجارة، حل له الذهاب؛ لأنّ فيه ضرباً من البر، وقد ندبنا إليه في حق من لم يقاتلنا في الدين، قال تعالى: ﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين و لم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم و تقسطوا =

ہندوؤں کی دعوت کا حکم

سوال[۸۶۴۸]: ہندوؤں کے یہاں جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے ۱۲/ دن کے بعد بھوج یعنی دعوت ہوتی ہے جس میں ہر قسم کے کھانے تیار ہوتے ہیں اور تمام وہ لوگ جن کو دعوت دی جاتی ہے شریک ہوکر کھانا کھاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہندوؤں کے یہاں (سرادھ) یعنی مردہ بھوج مسلمانوں کو کھانا کیسا ہے؟ اس دعوت میں شریک ہوکر کھانا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بالکل اجازت نہیں، اس میں ہرگز شریک نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۳ھ۔

فاسق کی دعوت، عوام کا چندہ اور ہدیہ

سوال[۸۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں:

"عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين"۔

یہ حدیث مشکوۃ شریف، کتاب النکاح، باب الولیمۃ، ص: ۲۷۹، فصل ثالث میں لکھی ہوئی ہے (۲)۔

= إليهم، إن الله يحب المقسطين﴾ ومعنى الإقساط الإحسان إليهم". (الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية، ص: ۲۶۷، مکتبه حقانیه پشاور)

(۱) فقہائے کرام نے کفار کے مذہبی میلوں میں شرکت پر بہت سخت حکم لگایا ہے، اسی طرح ان کی ہر مذہبی رسم اور ہر مذہبی اجتماع سے بھی ممانعت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے:

"ومن خرج إلى السدة: أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز، كفر؛ لأن فيه إعلان الكفر، وكأنه أعانهم عليه، وعلى قياس مسئلة الخروج إلى النيروز المجوسي الموافقة معهم فيما يفعلون في ذلك اليوم يوجب الكفر". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۶، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث: ۲/۲۷۹، قديمي)

ایک مرتبہ سہارنپور میں استفتاء کیا گیا تھا کہ فاسق کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب آیا تھا کہ فاسق معلن کی دعوت قبول کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس سے اس حدیث کی نہی کو میں تحریمی سمجھا۔ ایک مولوی صاحب نے - جو کہ مجاز حضرت تھانوی مدظلہ کے ہیں - مجھ کو شبہ میں ڈال دیا، وہ کہتے ہیں فاسق اگر وارثوں کے حقوق نہ دیتا ہو وغیرہ۔ غرض حدیث کو مقید کردینے سے میں نے سمجھا کہ یہ محض تاویل ہے، جیسا کہ بعضوں کی عادت ہے کہ قرآن وحدیث میں تاویل کرتے ہیں اور اپنے عمل کے مطابق معنی بیان کرتے ہیں، جس سے ہم جیسوں کو حق سمجھنے میں التباس ہوجاتا ہے۔

پھر بعض اتقیاء کا گمان ہے کہ اس حدیث پر عمل بہت دشوار ہے، کیونکہ عوام تو قریب قریب سب ہی بدعتی ہیں کیونکہ عالم میں پردہ کا وجود عنقاء ہے مگر ہمارے یہاں تو شاذ و نادر مستورات میں پردہ ہے اور وارثوں کے حقوق کوئی نہیں دیتا، الاشاذ و نادر۔ پھر ضروریات دینی کا علم جو عورت اور مرد سب پر فرض ہے اس سے عوام بالکل غافل ہیں۔ پھر ہمارے اکابر دیوبند و سہارنپور حتی کہ حضرت تھانوی بھی فاسق کی دعوت قبول کرلیتے ہیں۔

اب یہ بدتمیز شاگرد نالائق و نابکار حضرت والا کی خدمت شریف میں دست بستہ عرض پرداز ہے کہ اولاً حدیث کی شرح بیان کی جائے کہ نہی اس میں مطلقاً تحریمی مراد ہے یا نہیں؟ پھر اکابر پر جو اعتراض ہے کہ فاسقوں کے چندہ ہدیہ سے اپنی اوقات بسری کرتے ہیں، ان کا جواب عنایت فرمائیں، آیا مدرسہ کی مصلحت پر ان کا مدار ہوجائے گا یا نہیں؟

۲...... بیان القرآن چوتھا سیپارہ دوسرا رکوع ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير﴾ الخ (۱)۔ آیت شریفہ کے تحت میں لکھا ہے کہ: دستی قدرت میں تو کبھی اس امر و نہی کا ترک جائز نہیں اور زبانی قدرت میں مایوسی نفع کے وقت ترک جائز ہے، لیکن مودّت اور مخالطت کا بھی ترک واجب ہے، مگر بضرورة شديدة (۲)۔

اس بیان کی وجہ سے میں نے اپنے خویش واقارب کو امر بالمعروف کرکے نفع سے مایوس ہوکر مودت ومخالطت ترک کردیا تھا، اب ایک مجبوری سے یعنی بچوں کی تعلیم گھر میں نہیں ہوسکتی تھی، اکثر اوقات میں کھیل کود میں رہتے ہیں، پابندی کے ساتھ دو دن بھی نہیں پڑھتے ہیں، اس لئے ان کی تعلیم گھر میں نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے

(۱) (سورة آل عمران: ۱۰۴)

(۲) (بيان القرآن، (سورة آل عمران: ۱۰۴)، ص: ۲۶۰، إدارة تاليفات اشرفيه)

ان کی تعلیم کے واسطے چلا گیا تھا۔اب جس کے گھر رہتا ہوں، وہاں پر مستورات میں پردہ نہیں اوراس شخص کے ذمہ دوسروں کے مالی حقوق بھی ہیں۔امر بالمعروف بہت کیا ہے، لیکن اب نفع سے مایوسی کا وقت ہے۔

اب گزارش ہے کہ محض اس مصلحت سے بچوں کی تعلیم ہورہی ہے، یہاں رہوں یا اس حالت میں ترک موڈت ومخالطت جو واجب ہے اس پر عمل کروں اور گھر چلا جاؤں تو اس صورت میں بچوں کو کیا کروں؟

حضرت تھانوی مدظلہ العالی کے پاس لکھنے سے فرماتے ہیں: دیوبند سہارنپور لکھو، مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے اور ہر جگہ سے شفقت ومحبت کے ساتھ جواب ملے گا۔ مجھے امید نہیں، لہٰذا حضرت والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ از روئے مہربانی دونوں سوالوں کا جواب ارشاد فرما کر نیک مشورہ سے مشرف فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

١...... قال الفقيه (أبوالليث): "إذا دعيتَ إلى وليمة إن لم يكن ماله حراماً ولم يكن فيها فسق، فلا بأس بالإجابة. وإن كان ماله حراماً، فلا تُجبه. وكذلك إن كان فاسقاً معلناً، فلا تجبه، ليعلم أنك غير راضٍ بفسقه. وإذا أتيت وليمةً فرأيت فيها منكراً فانههم عن ذلك، فإن لم يمتنعوا عن ذلك، فارجع؛ لأنك لوجالستهم يظنون أنك راضٍ بفعلهم، الخ". بستان العارفين، ص: ٨٠(١)۔

"وفي الروضة: يجيب دعوة الفاسق، والورعُ أن لايجيبه. آكل الربوا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه، وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، فلا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط". فتاویٰ عالمگیری: ٣٤٣/٥(٢)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ دعوت میں خرابی تین قسم کی ہوتی ہے: اول یہ کہ نفسِ مال ہی حرام ہو، دوم

(١) (بستان فقيه أبي الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ، باب إجابة الدعوة، ص: ١٨٨، مطبع فاروقي هند)

(٢) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٣٤٣/٥، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ٥٢٩/٢، بيروت)

یہ کہ صاحبِ مال فاسق ہو،اور مال حلال ہو۔سوم یہ کہ مجلسِ دعوت میں منکرات ہوں۔

اول کا حکم یہ ہے کہ جب یقین یا ظن غالب سے اس مال کی حرمت کا علم ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہے اور ایسی دعوت کا رد کرنا واجب ہے،قبول کرنا جائز نہیں۔

دوم کا حکم یہ ہے کہ اگر فاسق معلناً یعنی کھلم کھلا ممنوعات ومحرمات کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کی دعوت قبول نہ کرنے سے خیال یہ ہے کہ اس کو تنبیہ ہوگی اور وہ اپنی حرکات سے باز آئے گا تو ہرگز اس کی دعوت قبول نہ کرے۔اور اگر یہ ہے کہ اس کی دعوت قبول نہ کرنے سے اس کو تنبیہ نہ ہوگی، بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہے تو دفعِ فتنہ کے لئے قبول کرلے۔اور قبول کرنے اور نہ کرنے میں کوئی اصلاح کی امید ہے، نہ فتنہ کا اندیشہ ہے تو ورع وتقویٰ یہ ہے کہ قبول نہ کرے بلکہ انکار کردے، تاہم اگر قبول کرلے تب بھی حرام نہیں۔

سوم کا یہ حکم ہے کہ اگر پہلے سے علم ہو کہ فلاں مجلسِ دعوت میں منکرات ہیں اور یہ بھی خیال ہو کہ منع کرنے سے ان منکرات کا انسداد نہ ہوگا تو قبول نہ کرے۔اگر خیال ہو کہ انسداد ہو جائے گا تو قبول کرے اور جاکر انسدادِ منکرات کرے۔اگر پہلے ان منکرات کا علم نہیں تھا، وہاں پہنچ کر علم ہوا تو اگر یہ شخص مقتدیٰ ہے کہ اس کے فعل سے استدلال کیا جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اٹھ کر چلا جائے، وہاں نہ ٹھہرے اور دعوت میں شریک نہ ہو۔ اور مقتدیٰ نہیں تو پھر دیکھنا چاہیے کہ دسترخوان پر اس کے سامنے وہ منکرات ہیں، یا کسی دوسری جگہ اس تقریب میں ہیں، اگر دسترخوان پر ہیں تب بھی چلا جائے اگر دوسری جگہ ہوں تو پھر اس کو شرکت میں مضائقہ نہیں۔

یہ تو اصل مسئلہ کی تفصیل ہے، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات کو دیکھنے سے یہ تفصیل پورے طور پر حل ہو جاتی ہے(۱)۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع .... ولودعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلك. وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولابدعة، وإن لم يجبه كان عاصياً، والامتناع أسلم في زماننا، إلا إذا علم يقيناً بأنه ليس فيها بدعة ولا معصية، كذا في الينابيع .... ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أوغناء، فلابأس أن يقعد ويأكل، فان قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر. وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد. ولو كان ذلك على المائدة،=

مدارس میں اگر کسی نے کوئی ایسا مال بھی دیا ہو جو کہ حرام طریقے سے کمایا تھا تو چونکہ ایسے مال کا صدقہ کرنا واجب ہوجاتا ہے(۱) اور مدارس میں ایسے مال کے مستحق لوگ فقراء ومساکین موجود ہیں، لہٰذا ایسے مال کو

= لاینبغی أن یقعد وإن لم یکن مقتدی به، وهذا کله بعد الحضور. وأما إذا علم قبل الحضور فلا یحضر؛ لأنه لایلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم علیه؛لأنه قد لزمه، کذا فی السراج الوهاج.......... وإن علم المقتدی به بذلک قبل الدخول، وهو محترم یعلم أنه لودخل یترکون ذلک، فعلیه أن یدخل، وإلا لم یدخل، کذا فی التمرتاشی. رجل اتخذ ضیافةً للقرابة أو ولیمةً واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صالحاً إلی الولیمة، قالوا: إن کان هذا الرجل بحال لو امتنع عن الإجابة، منعهم عن فسقهم" لاتباح له الإجابة، بل یجب علیه أن لایجیب؛ لأنه نهی عن المنکر. وإن لم یکن الرجل بحال لولم یجب لایمنعهم عن الفسق، لابأس أن یجیب ویطعم وینکر معصیتهم وفسقهم؛ لأنه إجابة الدعوة وإجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا یمتنع بمعصیة اقترنت بها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، ۳۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظروالإباحة: ۳۴۸/۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۲۹/۷، ۳۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۵۱۲/۶، ۵۱۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات: ۵۵۰/۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب: ۳۴۵/۸، رشیدیه)

(۱) "وتصدق بما بقی من الغلة والأجرة، خلافاً لأبی یوسف، کذا فی الملتقی. لکن نقل المصنف عن البزازیة أن الغنی یتصدق بکل الغلة فی الصحیح، کما لوتصرف فی المغصوب والودیعة بأن باعه وربح فیه إذا کان ذلک متعیناً بالإشارة أو بالشراء بدراهم الودیعة أو الغصب ونقدها، یعنی یتصدق بربح حصل فیهما إذ کانا مما یتعین بالإشارة. وإن کان ممالا یتعین، فعلی أربعة أوجه: فإن أشار إلیها ونقدها فکذلک یتصدق بربح حصل فیهما". (الدرالمختار).

"(قوله: وتصدق الخ) أصله أن الغلة للغاصب عندنا؛ لأن المنافع لاتتقوم إلا بالعقد والعاقد هو الغاصب، فهو الذی جعل منافع العبد مالاً بعقده، فکان هو أولیٰ ببدلها. ویؤمر أن یتصدق بها لاستفادتها ببدل خبیث وهو التصرف فی مال الغیر، درر. (قوله: بما بقی) أخرج به عبارة المتن کالکنز عن ظاهرها =

لے کر مصرف پہ صرف کردینے میں کیا اشکال ہے۔اور یہ اس وقت ہے جب کہ اس مال کی حرمت ثابت ہو، یا وہ ظاہر کر کے دے کہ یہ مال حرام ہے، اگر ایسا نہ ہو تو بلاوجہ شرعی کسی کے مال کو حرام کہنا یا سمجھنا ناجائز ہے۔

اگر مدارس کے طلباء کی کوئی شخص دعوت کرے، اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر اس کی حرمت ثابت ہو جائے تب تو یہ لوگ اس کے مصرف ہیں، اگر ثابت نہ ہو تو پھر حرام کیوں کہا جائے۔

آپ کی نقل کردہ حدیث سے آگے متصل وہ دوسری حدیث یہ ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم، فليأكل من طعامه ولا يسئل، ويشرب من شرابه ولا يسئل" الخ(۱)۔

= لما قال الزيلعي: كان ينبغي أن يتصدق بمازاد على ما ضمن عندهما لابالغلة كلها، اهـ ....

(قوله: لكن نقل المصنف) استدراك على إطلاق قوله: (وتصدق بما بقي): أى فإنه مقيد: بالفقير لما في البزازية: الغاصب إذا آجر المغصوب فالأجر له، فإن تلف المغصوب من هذا العمل أو تلف لا منه وضمنه الغاصب، له الاستعانة بالأجر في أداء الضمان، وتصدق بالباقي إذا كان فقيراً، فإذا كان غنياً ليس له أن يستعين بالغلة في أداء الضمان في الصحيح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب: شرى داراً أو سكنها: ۱۸۹/۶، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۶/۶، سعيد)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۵/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث: ۲۷۹/۲، قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالىٰ: "إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم، فليأكل من طعامه ولا يسأل": أى من أين هذا الطعام ليتبين أنه حلال أم حرام. "ويشرب" بالجزم "من شرابه ولا يسأل" فإنه قد يتأذى بالسوال، وذلك إذا لم يعلم فسقه كما ينبئ عنه قوله: "أخيه المسلم". قال الطيبي رحمه الله: .... وخص في حديث أبي هريرة بلفظ "أخيه" ووصفه بالإسلام، والظاهر من حال المسلم أن يجتنب الحرام، فأمر بحسن الظن به، وسلوك طريق التحابب والتوادّ، فيجتنب عن إيذائه بسؤاله الحرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثالث: ۳۷۷/۶، رشيديه)

یہاں تحقیق ودریافت کرنے سے بھی منع کردیا گیا چہ جائیکہ اس کو حرام سمجھنا۔ یہ تو جواب ہے اس صورت کا کہ نفس مال حرام ہو۔

دوسری صورت کی تفصیل معلوم ہوچکی کہ نفس مال میں تو حرمت ہے ہی نہیں، بلکہ داعی کے فسق کی وجہ سے ہے تو مدارس میں حتی الوسع اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اگر اس کی دعوت قبول کرنے میں کوئی مضرت ہوتی ہے تو انکار کردیا جاتا ہے، اگر قبول نہ کرنے میں فتنہ ہو تو دعوت قبول کرلی جاتی ہے، اگر دونوں جانب مساوی ہوں، غریب ومستحق طلباء کو بھیج دیا جاتا ہے۔

تیسری صورت میں ایسی جگہ ہرگز دعوت قبول نہیں کی جاتی ہے کہ جہاں مجلسِ دعوت میں منکرات ہوں، اگر پہلے سے علم نہ ہو بلکہ وہاں پہنچ کر علم ہو تو دعوت میں شرکت نہیں کرتے، بلکہ واپس چلے آتے ہیں، مگر ایسی صورت میں جب کہ ان کے منع کرنے سے منکرات کا انسداد ہوجائے۔

رہی یہ بات کہ ''تمام دنیا فاسق معلن ہے'' یہ غلط ہے۔ اگر کوئی شخص اکابر کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا ہے اور ان کو ظنِ غالب ہوجاتا ہے کہ یہ ناجائز ہے تو اس کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کا کس قدر سخت قانون ہے۔

۲...... اصل یہ ہے کہ جو شخص نافرمان اور فاسق معلن ہے، اس سے قلبی تعلق اور محبت کرنا فسق کی وجہ سے جائز نہیں: "المرء مع من أحب". الحديث(۱)۔ لیکن دنیاوی معاملات کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں(۲)، پس آپ ان سے اصلاح ونفع رسانی کی نیت سے تعلقات رکھئے، کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل

---

(۱) "عن أبي وائل عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "المرء مع من أحبّ". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب علامة الحب في الله: ۲/۹۱۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة، باب المرء مع من أحب: ۲/۳۳۲، قديمي)

قال القاري رحمه الله الباري تحت هذا الحديث: "المرء مع من أحب": أي يحشر مع محبوبه، ويكون رفيقا لمطلوبه. قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يطع الله والرسول، فأولئک مع الذين أنعم الله عليهم﴾. وظاهر الحديث العموم الشامل للصالح والطالح، ويؤيده حديث: "المرء على دين خليله".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الحب في الله ومن الله، الفصل الأول: ۸/۷۴۰، رشيديه)

(۲) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لابد منه، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ=

پر اثر ڈال دیں اوران کی اصلاح ہوجائے، جس طرح اصلاح قولاً اور تشدداً سے کی جاتی ہے، اسی طرح عملاً اور نرمی، ہنسی، خوش اخلاقی سے بھی کی جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/رجب/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

فاسق کی دعوت قبول کرنا اوراس کو سلام کرنا

سوال[۸۶۵۰]: کوئی فاسق مبتلائے فسق ہو، مثلاً: ریش تراشتا ہو، یا دیگر فسق کے اندر مبتلا ہوتو اس کی دعوت کھانا، یا اس کو سلام کرنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں مولوی صاحب مکروہ تحریمی بتلاتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے، عام طور سے کشتوں میں متکلم صاحب کو اس سلسلے میں پیش قدمی کرنا پڑتی ہے۔ لہذا کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مبتلائے فسق ہو اوراس کو سلام کرنے، یا اس کی دعوت قبول کرنے سے اس کی اصلاح کی توقع ہو

= العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۳۴۸/۵، رشيديه)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔ بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو''۔ (معارف القرآن: ۵۱/۲، ادارة المعارف کراچی)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ اچھا سلوک کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر کفار نے اسلام قبول کیا:

"حدثني سعيد بن أبي سعيد أنه سمع أباهريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيلاً قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد، فخرج إليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "أطلقوا ثمامة". فانطلق إلى نخل قريب من المسجد، فاغتسل ثم دخل المسجد، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله".

(صحيح البخاري، كتاب الصلوة، باب الاغتسال إذا أسلم وربط الأسير في المسجد: ۶۶/۱، قديمي)

تو اس کو سلام بھی کیا جائے اور دعوت بھی قبول کی جائے، بشرطیکہ وہ حرام مال سے نہ کھلائے (۱)۔ اگر ترکِ سلام یا ترکِ دعوت سے اصلاح کی توقع ہو تو ترک کردیں (۲)۔ بقصدِ تعظیمِ فسق سلام کرنا جائز نہیں (۳)، لیکن جب اس میں ایمان بھی موجود ہے تو اکرامِ مسلم لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۰ھ۔

فاسق کی دعوت قبول کرنا

سوال [۸۶۵۱]: میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ حضور نے فاسق کی دعوت قبول کرنے سے منع

---

(۱) "وفي الروضة: يجيب دعوة الفاسق، والورعُ أن لايجيبه. ودعوة الذى أخذ الأرض مزارعةً أو يدفعها على هذا، كذا في الوجيز للكرورى. آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه وأضافه وغالب ماله حرام، لايقبل ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، فلا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(۲) قال القارى رحمه الله تحت حديث: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حقٍ من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصِلَته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرمٍ جميلٍ خيرٌ من مخالفة تؤذيه .... فإن هجرة أهل الأهوا والبدع واجبةٌ على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح: ۸/۷۵۹، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، رشيديه)

(۳) قال الحصكفي رحمه الله: "ويكره السلام على الفاسق لو معلناً، وإلالا، كما يكره على عاجز عن الرد حقيقة كآكل، أو شرعاً كمصل". (الدر المختار). "(قوله: لومعلناً) تخصيص لما قدمه عن العيني. وفي فصول العلامي: ولا يسلم على الشيخ المازح الكذاب واللاغي، ولا على من يسب الناس أوينظر وجوه الأجنبيات، ولا على الفاسق المعلن". (ردالمحتار: ۶/۴۱۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

فرمایا ہے(۱)۔ پھر دیکھا ریاکار اور شیخی خور کا کھانا کھانا جائز نہیں، ابوداؤد (۲)۔

پھر دیکھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جن کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہیں کی تو خدا اور رسول کی نافرمانی کی'' (۳)۔ اس لئے میں فاسق جن کو میں جانتا ہوں، جیسے تاڑی پینے والا، شراب پینے والا، رشوت لینے والا، داڑھی کاٹنے والا، نماز نہ پڑھنے والا، ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتا۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ سبھوں کا کھانا کھانا جائز ہے۔ لیکن ان کی بات مجھے اس لئے سمجھ میں نہیں آئی کہ میں نے مولانا زکریا صاحب کی لکھی ہوئی کتاب تبلیغی نصاب میں پڑھا کہ:

> ''مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب کوئی حاکم ان پر مسلط ہوتا، اس کے لئے بددعاء کرتے، وہ ہلاک ہوجاتا۔ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جن میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا، اور جب کھانے سے فارغ ہوچکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بددعاء سے محفوظ ہوگیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہوگئی'' (۴)۔

اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ اگر مجھے بھی حرام کا کھانا کھلا دیا گیا تو میری بھی شاید دعاء اور عبادت قبول

---

(۱) ''عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن إجابة طعام الفاسقین''. (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة: ۲/۲۷۹، قدیمی)

(۲) ''عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''المتباریان لایجابان ولایؤکل طعامهما''. قال الإمام أحمد رحمه الله: یعنی المتعارضین بالضیافة فخراً ورياءً''.

''عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''نهی عن طعام المتبارئین أن یؤکل''. رواه أبوداؤد''. (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثانی والثالث: ۲/۲۷۹، قدیمی)

(۳) ''عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''من دُعی فلم یجب، فقد عصی الله ورسوله''. (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثانی: ۲/۲۷۸، قدیمی)

(۴) (فضائل أعمال، ص: ۳۲۱، باب: فضائل رمضان، فصل أول، ص: ۲۵، کتب خانه فیضی لاهور)

نہیں ہوگی۔ پھرانہیں کی کتاب میں میں نے یہ حدیث پڑھی کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ! اللہ سے ڈر، ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست وبرخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے کرتا تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب بھی ویسے ہی کردیے۔ پھر اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی آیت ﴿لعن الذین کفروا﴾ سے ﴿فاسقون﴾ تک پڑھیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو، اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو''(۱)۔ ترمذی، ابوداؤد(۲)۔

پھر ہم دعائے قنوت میں اللہ کو جو یہ کہتے ہیں: "ونخلع ونترك من يفجرك". ان سب باتوں سے بھی یہ اخذ کرتا ہوں کہ جو لوگ دین کے خلاف کام کرتے ہیں ان کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ پھر میں آپ لوگوں کو سب لوگوں کی دعوت قبول کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، چاہے وہ نماز کیوں نہ پڑھتا ہو اور داڑھی بھی کیوں نہ رکھتا ہو۔ اس میں کیا مصلحت ہے، میں آپ سے جاننا چاہتا ہوں؟ اور کیا میں بھی سبھوں کی دعوت قبول کروں؟

---

(۱) (فضائل أعمال، ص: ۶۷۳، فضائل تبليغ، فصل ثاني، فيضي كتب خانه لاهور)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أول مادخل النقص على بني إسرائيل أنه كان الرجل يلقي الرجل فيقول: ياهذا! اتق الله ودع ماتصنع به، فإنك لايحل لک، ثم يلقاه من الغد وهو على حاله، فلا يمنعه ذلک أن يكون أكيله وشريبه وقعيده. فلما فعلوا ذلک، ضرب الله قلوب بعضهم ببعض، ثم قال: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل .... فاسقون﴾. ثم قال: "كلا والله لتأمرنّ بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر ولتأخذنّ على يد الظالم ولتاطرنه على الحق أطراً، أو لتقصرنه على الحق قصراً". (سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي: ۵۹۶/۲، دار الحديث ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص علی الاعلان فاسق ہو اس کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جو شخص حرام مال کھلائے، اس کی دعوت قبول کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلا وجہ کسی کے متعلق تجویز کر لینے کا حق نہیں کہ اس کا مال حرام ہے، بلا وجہ تفتیش کی بھی ضرورت نہیں کہ اس کا مال حلال ہے یا حرام ہے۔ اگر کسی سے ایسا تعلق ہو کہ اس کی دعوت قبول کرنے سے اس کی اصلاح کی امید ہو، یعنی یہ کہ وہ اپنے فسق سے توبہ کرے گا تو اس نیت سے اس کی دعوت قبول کر لی جائے کہ اس میں خیر ہے۔ اگر دعوت قبول نہ کرنے سے اصلاح کی امید ہو تو اس کی دعوت قبول نہ کی جائے، کہ اس میں خیر ہے۔

اگر فاسق کی دعوت قبول کرنے سے اپنے متعلق فسق میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو اور اس کی اصلاح کی امید نہیں تب بھی قبول نہ کی جائے۔ اگر دعوت کا انکار کرنے میں مفسدہ ہو مثلاً یہ کہ وہ آمادۂ مخالفت ہو کر اذیت پہونچائے گا تو مفسدہ سے تحفظ کے لئے بھی قبول کر لینے کی گنجائش ہے۔ غرض بہت مختلف احوال ہیں سب کا ایک حکم نہیں۔ حرام مال کھانے (۱) اور فسق میں شریک ہونے سے بہر صورت اجتناب لازم ہے (۲)۔

---

(۱) (سورة الحجرات: ۱۲)

قال العلامة الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "وكذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرهم العدالة محظورٌ مزجورعنه، وهو من الظن المحظور المنهيّ عنه.......... وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إيّاكم والظنّ، فإن الظن أكذب الحديث". فهذا من الظن المحظور، وهو ظنه بالمسلم سوءاً من غيرسبب يوجبه، وكل ظن فيما له سبيل إلى معرفته مما تعبّد بعلمه، فهو محظور .... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا ظننتم، فلا تحققوا". فهذا من الظن الذى يعرض بقلب الإنسان فى أخيه مما يوجب الريبة، فلاينبغي أن يحققه .... فنهى الله تعالىٰ فى هذه الآيات عن سوء الظن بالمسلم الذى ظاهره العدالة والستر". (أحكام القرآن للجصاص: ۶۰۴/۳، ۶۰۵، ۶۰۶، قديمى)

(۲) "اهدى إلى رجل شيئاً أو اضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا فى الينابيع .... ولودعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلك. وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولابدعة، وإن لم يجبه كان عاصياً، والامتناع أسلم فى =

تنبیہ: استدلال کے قابل چار چیزیں ہیں: قرآن پاک، حدیث پاک، اجماع، قیاسِ مجتہد(۱)۔ میرا، یا میرے مثل کا عمل استدلال کے قابل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۸۹ھ۔

= زمـاننا، إلا إذا علم يقيناً بأنه ليس فيها بدعة ولا معصية، كذا في الينابيع.......... ومن دعى إلى وليمة فـوجد ثمة لعباً أوغناء، فلابأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر. وهذا إذا لـم يـكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد. ولو كان ذلك على المائدة، لاينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به. وهـذا كـله بعد الحضور. وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لأنه لايلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه؛ لأنه قد لزمه، كذا في السراج الوهاج.......... وإن علم الـمـقتـدى به بذلك قبل الدخول، وهو محترم يعلم أنه لودخل يتركون ذلك، فعليه أن يدخل، وإلا لم يـدخل، كذا في التمرتاشي. رجل اتخذ ضيافةً للقرابة أو وليمةً واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صـالـحـاً إلـى الـوليمة، قالوا: إن كان هذا الرجل بحال لو امتنع عن الإجابة منعهم عن فسقهم، لاتباح له الإجابة، بل يجب عليه أن لايجيب؛ لأنه نهي عن المنكر. وإن لم يكن الرجل بحال لولم يجب لايمنعهم عـن الفسق، لابأس أن يجيب ويطعم وينكر معصيتهم وفسقهم؛ لأنه إجابة الدعوة، وإجابة الدعوة واجبة أو مـنـدوبة، فـلا يمتنع بمعصية اقترنت بها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظروالإباحة: ۶/۳۴۸، سعيد)

(وكـذا فـي تبيـيـن الـحـقـائق، كـتـاب الـكـراهية، فصل في الأكل والشرب: ۷/۲۹، ۳۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: ۶/۵۱۲، ۵۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكـذا فـي مـجـمـع الأنهـر، كـتـاب الـكـراهية، فـصـل فـي الـمتفرقـات: ۲/۵۵۰، دارإحيـاء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۵، رشيديه)

(۱) "اعـلـم أن أصـول الشـرائـع ثـلـثة: الـكـتـاب والـسـنة وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس". (نور الأنوار، ص: ۵۱۴، سعيد)

جس تقریب میں باجا ہو اس کی دعوت میں شرکت

سوال[۸۶۵۲]: اگر کسی شادی یا تقریب میں انگریزی باجہ یا کھیل تماشہ ہو تو وہاں کی دعوت قبول کرنا یا خود وہ طعام جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی شادی میں شرکت نہیں کرنا چاہئے، دعوت بھی قبول نہ کی جائے، مگر اس طعام کو حرام نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ اس کا مدار اصل مال کی حرمت پر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

فسق کی مجلس میں شرکت

سوال[۸۶۵۳]: زید تمام جگہ فسق فجور سے پرہیز کرتا ہے اور جہاں گانا وغیرہ ہوتا ہے اس دعوت میں شرکت وغیرہ بھی نہیں کرتا ہے۔ تو اگر کہیں کھانا کھاتے وقت وہ فسق وفجور نہ ہو اور دعوت والے یہ کہتے ہیں

---

(۱) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف عليّ ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأكل معنا، فدعوا، فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: فتبعته، فقلت: يا رسول الله! ماردّک قال: "إنه ليس لي -أو- لنبي أن يدخل بيتاً مزوقاً". رواه أحمد و ابن ماجه".

قال القاري رحمه الله: "وفيه تصريح بأنه لا يُجاب دعوةٌ فيها منكر. وفيه أنه لوكان منكراً إلا نكر عليها، ولكن نبّه بالرجوع إلى أنه ترک الأولى. فإنه من زينة الدنيا وهي موجبة لنقصان الأخرىٰ".

(مرقاة المفاتيح: ۶/۳۷۴، الفصل الثاني، كتاب النكاح، باب الوليمة)

"وإن كان هناک لعب وغنا قبل أن يحضرها، فلايحضرها؛ لأنه لا يلزمه إجابة الدعوة إذاكان هناک منكر. وقال علي رضي الله عنه: صنعت طعاماً فدعوت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فجاء فرأى في البيت تصاوير فرجع". رواه ابن ماجه في الأطعمة. وعن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مطعمين عن الجلوس على مائدة يشرب عليها الخمر، وأن يأكل وهو منبطح". أخرجه أبو داؤد في الأطعمة". (تبيين الحقائق: ۷/۲۹، ۳۰، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، دار الكتب العلمية بيروت)

کہ ہم بعد میں گانا بجانا کریں گے، یا کوئی نہ کہے بلکہ مکمل یقین ہو جائے تو کیا ایسے شخص کو وہاں دعوت کھانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اگر مقتدیٰ ہے تو اس کو ایسی دعوت سے احتراز چاہیے، اگر عامی ہے تو گنجائش ہے، لیکن اگر یہ خیال ہو کہ اس کی شرکت کے لیے وہ لوگ فسق وفجور ترک کر دیں گے تو زید کو حد درجہ اس کا اہتمام چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "هـذا إذا لم يكن مقتدى، فإن كان ولم يقدر على منعهم، يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين". (الهداية، كتاب الكراهية: ۴/۴۵۵، مكتبه شركة علميه)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولاياكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع .... ولودعي إلى دعوة، فالواجب أن يجيبه إلى ذلك. وإنما يجب عليه أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية ولابدعة، وإن لم يجبه كان عاصياً، والامتناع أسلم في زماننا، إلا إذا علم يقيناً بأنه ليس فيها بدعة ولا معصية، كذا في الينابيع......... ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أوغناء، فلابأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر. وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد. ولوكان ذلك على المائدة، لاينبغي أن يقعد وإن لم يكن مقتدى به. وهذا كله بعد الحضور. وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لأنه لايلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه؛ لأنه قد لزمه، كذا في السراج الوهاج......... وإن علم المقتدى به بذلك قبل الدخول، وهو محترم يعلم أنه لودخل يتركون ذلك، فعليه أن يدخل، وإلا لم يدخل، كذا في التمرتاشي. رجل اتخذ ضيافةً للقرابة أو وليمةً واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صالحاً إلى الوليمة، قالوا: إن كان هذا الرجل بحال لو امتنع عن الإجابة منعهم عن فسقهم، لاتباح له الإجابة، بل يجب عليه أن لايجيب؛ لأنه نهي عن المنكر. وإن لم يكن الرجل بحال لولم يجب لايمنعهم عن الفسق، لابأس أن يجيب ويطعم وينكر معصيتهم وفسقهم؛ لأنه إجابة الدعوة، وإجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا يمتنع بمعصية اقترنت بها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه) .... =

زانیہ کے حرام مال سے دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۵۴]: زانیہ نے نقد زنا سے زمین وغیرہ رہن رکھی، اس زمین میں گیہوں، جو، چنا وغیرہ پیدا کیا۔ یہ سب چیز اگر کسی عالم کو خیرات کرے تو لینا جائز ہو جائز ہوگا یا نہیں؟ اور زانیہ کی دعوت قبول کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کا صدقہ کرنا واجب ہے، مالدار کو اس کا لینا درست نہیں (۱)، عالم کو خصوصاً ایسی چیزوں سے اجتناب چاہیے۔ اسی طرح سے جس کا پیشہ اور مال صرف حرام ہو، اس کی دعوت سے عالم کو بچنا نہایت اہم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

= (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۸/۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۲۹/۷، ۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: ۵۱۲/۶، ۵۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۵۵۰/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۳۴۵/۸، رشيديه)

(۱) حرام مال ہاتھ لگ جانے سے اس پر ملک نہیں آتی، لہٰذا نہ تو وہ خود استعمال کیا جاسکتا ہے نہ بطورِ ملک کسی دوسرے کو دیا جاسکتا ہے، چاہے دعوت یا ہبہ کی شکل میں ہو، یا دوسرے طریقہ سے ہو، بلکہ وہ مال واجب التصدق ہوتا ہے:

"وعلى هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع البازق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذّر الرد على صاحبه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) اگر مال حرام ہو تو صرف عالم ہی کو نہیں بلکہ ہر مسلمان کو ایسی دعوت سے پرہیز کرنا چاہئے، فليراجع للتخريج، ص: ۱۱۸، رقم الحاشية: ۲)

حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۵۵]: ۱......اگر کسی آدمی کے پاس دو حصے مال حلال ہے اور ایک حصہ مال حرام ہے تو ایسے آدمی کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اگر کسی آدمی کے پاس ایک حصہ مال حلال ہے اور دو حصے مال حرام ہے تو ایسے شخص کی دعوت قبول درست ہے یا نہیں؟

ہدیہ دینے والے کے مال کی تفتیش کہ مال حرام ہے یا حلال

سوال[۸۶۵۶]: ۳......اگر کوئی آدمی کچھ چیز ہدیہ کے طور پر دے تو اس سے یہ پوچھنا کہ یہ چیز حرام ہے یا حلال یعنی اس چیز کا دریافت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۵۷]: ۴......اگر کسی آدمی کے پاس آدھا مال حلال ہے اور آدھا مال حرام ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......دعوت قبول کرنے میں گنجائش ہے، تنبیہاً یا احتیاطاً انکار کی بھی گنجائش ہے(۱)۔

۲......ایسی دعوت قبول کرنا منع ہے، ہاں! اگر ایسا آدمی حلال مال سے دعوت کرے تو اس کا قبول

(۱) "غالب مال المهدی إن حلالاً، لا بأس بقبول هدیته وأكل ماله ما لم یتبین أنه من حرام". (مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، فصل فی الأكل، دار إحیا التراث العربی بیروت)

(وكذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة: ۳۶۰/۶، كتاب الكراهية، الرابع فی الهدية والمیراث، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة: ۴۰۰/۳، كتاب الحظر والإباحة، مایتعلق بالضیافة، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

کرنا درست ہے(۱)۔

۳.....اگر حرام وحلال میں شبہ ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے دریافت کرنا درست ہے اور بلاوجہ دریافت کرنا کہ اس کو اذیت ہو، نہیں چاہیے(۲)۔

۴.....ایسی دعوت سے اجتناب چاہیے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، ۸/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

تارکِ زکوۃ کی دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۵۸]: اگر کوئی آدمی زکوۃ نہ دے تو اس آدمی کی دعوت قبول کرنا، یا روپے کپڑے لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سیأتی فی رقم: ۳)

(۲) "عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالی علیه وسلم: "إذا دخل أحدکم علی أخیه المسلم، فلیأکل من طعامه و لا یسأل، ویشرب من شرابه و لا یسأل". (مشکوة المصابیح: ۲/ ۲۷۹، کتاب النکاح، باب الولیمة، قدیمی)

قال القاری رحمه الله تعالیٰ: "فلیأکل من طعامه و لا یسأل": أی من أین هذا الطعام؟ لیتبیّن أنه حلال ام حرام. "ویشرب" بالجزم "من شرابه و لا یسأل" فإنه قد یتاذی بالسؤال، و ذلک إذا لم یعلم فسقه کما ینبئ عنه قوله: "علی أخیه المسلم". (مرقاة المفاتیح: ۶/ ۳۷۷، کتاب النکاح، باب الولیمة، قدیمی)

(۳) "اٰکل الربا و کاسب الحرام اهدی إلیه أو اضافه و غالب ماله حرام، لا یقبل و لا یأکل مالم یخبره أن ذلک المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه. وإن کان غالب ماله حلالاً، لا بأس بقبول هدیته والأکل منها، کذا فی الملتقط". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/ ۳۴۳، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے بشرطیکہ حلال مال سے دے(۱)، اگر کوئی بڑا آدمی اس غرض سے انکار کردے کہ وہ متاثر ہوکر زکوۃ ادا کردے تو بہتر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۷/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

باتصویر کمرہ میں علماء کی دعوت

سوال[۸۶۵۹]: اگر کسی کے ہاں تصویریں ٹنگی ہیں(۳)، اس کے یہاں کیا علماء کا جانا اس کمرہ میں بیٹھ کر ناشتہ اور کھانا کھانا اور منع نہ کرنا گناہ نہ ہوگا؟ اگر تصویریں الٹ دی جائیں تو کیا قباحت دور ہو جائے گی؟

---

(۱) "غالب مال المُهدی إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام". (مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، فصل في الأكل، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۰/۶، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۳، كتاب الحظر والإباحة، مايتعلق بالضيافة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۲) "لايجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"المستقرض إذا أهدى إلى المقرض شيئاً، ذكر في الكتاب أنه لا بأس بقبول هديته .... وإن تورع ولم يقبل، كان أفضل". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۴/۳، كتاب الحظر والإباحة مايتعلق بالضيافة، رشيديه)

(۳) "ٹنگنا: لٹکنا، لٹکایا جانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۲۳، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کے ذمہ اپنی حیثیت کے مطابق نہی عن المنکر لازم ہے، اس کا ترک کرنا گناہ ہے(۱)۔ تصویریں الٹنے سے قباحت دور نہ ہوگی، البتہ کچھ مستور ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

بے نمازی اور سود خور کی دعوت

سوال[۸۶۶۰]: ہم کو معلوم ہے کہ زید نماز نہیں پڑھتا اور عمر سود کھاتا ہے۔ کیا علم ہونے کے باوجود زید وعمر کے گھر کھانا ہمارے لئے جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ معلوم ہے کہ عمر سود حرام کا کھانا کھلاتا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے، اگر یہ معلوم ہے کہ یہ کھانا کسی جائز آمدنی کا ہے تو اس کا کھانا درست ہے، اگر مخلوط آمدنی کا ہے تو غلبہ کا اعتبار ہے(۲)۔ یہ تو نفس کھانے کا حکم

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم قال: "من رای منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإیمان".
(مشکوة المصابیح: ۲/۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، قدیمی)

"وعن سفینة أن رجلاً ضاف علیّ ابن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها: لو دعونا رسو ل صلی الله تعالی علیه وسلم فأکل معنا، فدعوه فجاء فوضع یدیه علی عضادتي الباب، فرای القرام قد ضرب في ناحیة البیت فرجع، قالت: فاطمة: فتبعته، فقلت: یارسول الله! ماردّک قال: "إنه لیس لي –أو– لنبي أن یدخل بیتاً مزوقا". رواه أحمد و ابن ماجة".
(مشکوة المصابیح: ۲/۲۷۸، کتاب النکاح، باب الولیمة، قدیمی)

(۲) "و لا یجوز قبول هدیة أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة، إلا إذا علم أن أکثر ماله من حل بأن کان صاحب تجارة أو زرع، فلا بأس به. وفي البزازیة: غالب مال المُهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هدیته وأکل ماله ما لم یتبین أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لا یخلو عن حرام، فیعتبر الغالب. وإن غالب ماله الحرام، لا یقبلها و لا یأکل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثته أو استقرضته. ولهذا قال أصحابنا: لو أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً إن علم وارثه ذلک بعینه، لا یحل له أخذه. وإن لم یعلمه بعینه، له أخذه حکماً لا =

ہے۔اب رہا یہ سوال کہ بے نمازی اور سودخور کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے تو اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر یہ ظن غالب ہو کہ دعوت قبول نہ کرنے سے بے نماز اور سودخور کی اصلاح ہو جائے گی تو ہرگز قبول نہ کرے، اگر یہ خیال ہے کہ قبول نہ کرنے سے اصلاح نہ ہوگی، بلکہ فتنہ پیدا ہو جائے گا تو قبول کرلے:

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثته أو استقرضته من رجل، اهـ. كذا في الينا بيع". هنديه: ۳٤۲/۵(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہذا، ۱۰/۱۱/۵۹ھ۔

منہار اور قصاب کی دعوت قبول کرنا

سوال[۸۶۶۱]: ایک عالم صاحب نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ میں منہار(۲) اور قصابوں کی دعوت منظور نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ چوڑی پہناتے وقت غیر محرم عورتوں کے ہاتھوں پر نظر ڈالتا ہے، اور قصاب بات بات پر جھوٹ بولتا ہے۔تو کیا ان شخصوں کے ہاں دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

= ديانة، فيتصدق به بنية الخصماء". (مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، فصل في الأكل، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳٦۰/٦، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٤۰۰/۳، كتاب الحظر والإباحة، مايتعلق بالضيافة، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳٤۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۲) "منہار: چوڑیاں بنانے اور بیچنے والا"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۳۰۷، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم پر غلط نظر ڈالنا، یا چوڑیاں پہناتے وقت اس کو ہاتھ لگانا درست نہیں، منع ہے (۱)، مگر اس کی وجہ سے چوڑیوں کی قیمت حرام نہیں، اس لئے اس کے کھانے کو حرام کہنا درست نہیں۔ جھوٹ بولنا وہ بھی بات بات پر سخت گناہ ہے (۲)، اس کے باوجود گوشت کی قیمت حرام نہیں (۳)۔ منہار اور قصاب کو نصیحت کی جائے کہ وہ دونوں اپنی اصلاح کرلیں (۴)۔ اگر کوئی مقتدا ان کی دعوت کو اس بنا پر رد کردے کہ یہ لوگ اپنی غلطی کی اصلاح کرلیں تو یہ درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) وقال تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾ الاية. (سورة النور: ۳۰)

"وعن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل، ولا المرأة إلى عورة المرأة". (مشكوة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲۶۸/۲، كتاب النكاح، قديمي)

"وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة كمسه وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ، ولذا ثبت به حرمة المصاهرة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۰۶/۸، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب". الحديث. (مشكوة المصابيح: ۱۷/۱، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، قديمي)

(۳) "غالب مال المهدى إن حلالاً، لا باس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه حرام". (مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، فصل في الأكل، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۰/۲، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا، رشيديه)

(۴) "عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة". (الصحيح لمسلم: ۵۴/۱، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، قديمي) .... =

رہن کی آمدنی سے دعوت

سوال[۸۲۶۲]: اگر کسی آدمی کے پاس ساری زمین رہن ہو اور وہ شخص اس زمین کا منافع کھاتا ہے تو اس آدمی کی دعوت قبول کرنا، روپے، کپڑا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر وہ رہن کی آمدنی سے دے تو لینا ناجائز ہے، اگر جائز آمدنی سے دے تو لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۷/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

تقسیم ترکہ سے پہلے دعوت کھانا

سوال[۸۲۶۳]: خالد چار اولاد: دو بالغ دو نابالغ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگیا، متروکۂ خالد تقسیم ہونے سے پہلے مولوی اور دوسرے حضرات کو خالد کے گھر میں کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

= قال النووی رحمه الله تحته: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحم في آخرتهم ودنياهم وكفّ الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم. ويعينهم عليه بالقول والفعل، وستر عوراتهم، وسدّ خللاتهم، ودفع المضار عنهم، وجلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف، و نهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم، وتخولهم بالموعظة الحسنة، وترك غشهم". (شرح النووی علی الصحيح لمسلم: ۱/ ۵۴، كتاب الإيمان، قديمی)

(۱) "الانتفاع به (أى بالمرهون) مطلقاً لا باستخدام، و لا سكنى و لا لبس و لا إجارة و لا إعارة، سواء كان من مرتهن أو راهن، إلا بإذن كل للآخر". (الدرالمختار).

قال الشامی رحمه الله تعالىٰ عنه: "(قوله: سواء كان): أى الانتفاع. (قوله: من مرتهن أو راهن) الأول مصرح به فى عامة المتون، والثانى صرح به فى درر البحار و شرح مختصر الكرخی و شرح الزاهدی. وفيه خلاف الشافعی، فعنده يجوز له الانتفاع بغير الوطء، و الأول لا خلاف فيه كما فى غرر الأفكار...... اهـ". (ردالمحتار: ۶/ ۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، ہاں! اگر بالغین اپنے پاس سے یا اپنے حصہ میں سے کھلائیں تو جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نابالغ کے مال سے تربیت کے لئے کچھ کھانا

سوال [۸۲۶۴]: باپ نے اپنے بچہ کو چار آنہ دیئے۔ بچہ بازار سے کوئی چیز کھانے پینے کی لے آیا تو ماں، باپ، بھائی وغیرہ اس چیز میں سے کچھ لے کر کھالیں تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نابالغ بچہ کو پیسہ دیئے اور وہ کوئی چیز بازار سے خرید کر لایا تو ماں باپ بھائی بہن کو اس سے محض اپنی خواہش پر لے کر کھانا نہیں چاہیئے (۲)۔ البتہ اس کی تربیت کی نیت سے اس کی عادت ہو جائے کہ وہ تنہا نہ کھائے بلکہ سب کو کھلایا بھی کرے، اس کو نصیحت کرنی چاہیے کہ وہ سب کو تقسیم کر کے خود بھی کھائے۔ پھر جتنی

---

(۱) "ویکره اتخاذ الضیافة فی أیام المصیبة .... فإن کان فی الورثة صغیر، لم یتخذوا ذلک من الترکة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۰۵/۳، کتاب الحظر والإباحة، باب مایکره أکله وما لایکره ومایتعلق بالضیافة، رشیدیه)

(۲) "وإذا أهدی للصبی شیء، وعلم أن له، فلیس للوالدین الأکل منه بغیر حاجة، کما فی الملتقط". (الأشباه والنظائر). "(وإذا أهدی للصبی شیء) الخ. فی جامع أحکام الصغار: إذا أهدی الفواکه إلی الصبی الصغیر، یحل لوالدیه الأکل إذا أرید بذلک بر الوالدین، ولکن أهدی إلی الصغیر استصغاراً للهدیة. وفی فتاویٰ ظهیر الدین: إذا أهدی للصغیر شیء من المأکولات، روی عن محمد رحمه الله أنه یباح لوالدیه، وشبّه ذلک بالضیافة. وأکثر مشایخ بخاری علی أنه لایباح بغیر حاجة. أقول: قید به؛ لأنه لو کان لحاجة یبیح، وذلک علی وجهین: إما إن کان فی المصر واحتاج لفقره، أو کان فی المفازة، واحتاج لعدم الطعام معه، وله مال، ففی الوجه الأول أکل بغیر شیء، وفی الوجه الثانی أکل بالقیمة، کذا فی جامع أحکام الصغار". (الأشباه والنظائر مع حاشیته: ۲۶/۳، أحکام الصبیان، إدارة القرآن کراچی)

"وعللوه بأن الغالب من شفقة الوالدین الإنفاق علی الأولاد للبر والصلة لاللرجوع".

(ردالمحتار، فصل فی شهادة الأوصیاء: ۷/۶، سعید)

مقدار اس نے جس کو دی ہے دوسرے وقت اندازے سے وہ بھی اس کو دے دیا اور کھلا دیا کریں، اس طرح نابالغ کے مال میں تصرف کا اشکال بھی نہیں رہے گا اور اس کی تربیت بھی اچھی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

دعوت میں عام وخاص کا انتظام

سوال [۸۶۶۵] : جمعیۃ الراعین میں یہ رسم عرصۂ دراز سے قائم ہے، جس رسم کو بوجھ کے نام سے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی شادی وغیرہ کی تقریب میں دعوتِ طعام میں، یا کوئی شرینی وغیرہ کی تقسیم کے وقت باہر سے آنے والوں کو پانچ حصے یا دو حصے دیئے جاتے ہیں۔ اور دعوتِ طعام میں باہر سے آنے والے مہمانوں کے پہلے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں اور کھانا بھی سب۔ سے پہلے ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس رسم کی ادائیگی میں کوئی لغزش ہوجائے تو پنچایتی نظام شروع ہوجاتا ہے اور جھگڑے فساد برپا ہوجاتے ہیں۔

لہٰذا کوئی اہل علم حضرات کا یہ کہنا ہے کہ دسترخوان پر سب کو برابر سمجھا جائے۔ اور سب کو برابر حصے تقسیم کئے جائیں۔ تو وہ لوگ جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ رسم عربوں کی ہے اور یہ رسم اسلامی اصول کے مطابق ہے۔ لہٰذا آپ قرآن اور سیرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں جواب سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عام دعوت میں ایک دسترخوان پر یہ تفریق مناسب طریقہ نہیں، دسترخوان اگر جداگانہ ہوں مثلاً ایک کمرہ میں مخصوص لوگوں کو بلا کر علیحدہ مخصوص کھانا کھلا دیا جائے اور عام دسترخوان پر دوسری قسم کا کھانا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۸ھ۔

برادرانہ دعوت میں کسی فرد کا بکرے کے گوشت کا مطالبہ کرنا

سوال [۸۶۶۶] : زید ایک منظم برادری کا ایک فرد ہے، زید کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے یہاں ہر

---

(۱) وقد دعا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما في دعوته الأغنياء والفقراء فجاء ت قريش والمساكين معهم، فقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما: ههنا اجلسوا لاتفسدوا عليهم ثيابهم، فإنا سنطعمكم ممايأكلون". (عمدة القاري، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: ۲۲۷/۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله: ۲۸۹/۷، مكتبة الرشد)

تقریب کے موقع پر اہلِ برادری کو بکرے کا گوشت کھلایا ہے، اس لئے میں جہاں بھی برادرانہ دعوت میں شریک ہوں گا تو بکرے ہی کا گوشت کھاؤں گا۔ زید کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ اگر ہمارے جوار کے کسی فرد نے کسی برادرانہ دعوت میں شرکت کی اور بڑے گوشت کا استعمال کیا تو اس کو بطورِ جرمانہ چالیس کلو گوشت بکرے کا مع اس کے تمام لوازمات، مثلاً: آٹا، چاول ادا کرنا ہوگا۔

زید کی اس بے جا ضد سے اتباعِ سنت پر کیا ضرب لگتی ہے؟ اور ایسے خیال کے تمام لوگوں کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا یہ مطالبہ غلط اور خلافِ شرع ہے، اس نے اگر چھوٹا گوشت کھلایا ہے تو وہ قرض نہیں تھا کہ اس کا مطالبہ کیا جائے، یہ جرمانہ شرعاً جائز نہیں (۱)، حدیث پاک میں ارشاد ہے: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۵/۲۹ھ۔

---

(۱) "عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وغيرهما، وباقي الأئمة الثلاثة لايجوز، كذا في فتح القدير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۲) (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكوة المصابيح: ۲۵۵/۱، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

قال العلامة الجصاص تحت آية: ﴿يا أيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾: "قدانتظم هذا العموم النهي عن أكل مال الغير بالباطل و أكل نفسه بالباطل، وذلك لأن قوله تعالىٰ: ﴿أموالكم﴾ يقع على مال الغير و مال نفسه، فكذلك قوله تعالىٰ: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ نهي لكل أحد عن أكل مال نفسه و مال غيره بالباطل .... وأكل مال الغير قد قيل: فيه وجهان: أحدهما: ما قال السدي: و هو أن يأكل بالربا والقمار والنجس و الظلم. وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما والحسن: أن يأكله بغيرعوض .... اللهم! إلا أن يكون المراد الأكل عنده بغير إذنه". (أحكام القرآن للجصاص: ۲۴۴/۲، باب التجارات و خيار البيع، قديمي)

متمول آدمی کا نیاز کے کھانے میں شریک ہونا

سوال[۸۶۶۷]: ۱......اس اطراف وجوانب میں دستور ہے، بلفظ ''یا اللہ نام'' کا اکثر بیشتر گاؤں میں دعوت کی شکل میں لوگ غلہ وغیرہ جمع کر کے امیر وغریب کھانا کھاتے ہیں۔ کیا متمول لوگوں کا ایسی چیزوں میں شریک ہونا درست ہے؟

اللہ کے نام کھانے میں مالدار کی شرکت

سوال[۸۶۶۸]: ۲......زید بکرا ذبح کرتا ہے اور مالداروں کی دعوت کرتا ہے، جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے: یہ چیز صدقہ یا خیرات کی ہے، یا کسی اور چیز کی؟ تو بتاتے ہیں صرف اللہ نام کا۔ اس ''اللہ نام'' کی تفسیر کیا ہے اور اس میں شریک ہونا کیسا ہے؟ شرح وبسط کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......متمول آدمی کو ایسے کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے (۱)۔

۲......عامۃً یہ کام رفع بلا کے لئے، یا کسی کے ایصالِ ثواب کے لئے کیا جاتا ہے، اگر زید کا مقصد بھی یہی ہے تو مالداروں کو اس سے بھی بچنا چاہیے (۲)۔ دوست واحباب کو بھی کھلانا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے، اگر یہ مقصود ہے تو امیر وغریب کسی کو اس سے پرہیز کی ضرورت نہیں ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) اس میں صدقۂ نافلہ اور صدقۂ واجبہ دونوں کے ہونے کا امکان ہے، لہذا اس سے مشکوک ہونے کی بناء پر بچنا ضروری ہے، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع ما يريبك إلىٰ مالا يريبك". رواه أحمد". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) اس قسم کے صدقات بعض اوقات بطورِ نذر کے دیئے جاتے ہیں، اور نذر واجب ہوتی ہے، اور واجب التصدق صدقات کا مالداروں کے لئے دینا اور کھانا جائز نہیں:

"ولا تدفع إلى غني لقوله عليه السلام: "لاتحل الصدقة لغني". (الهداية، كتاب الزكوة، باب في المصارف: /۲۰۶، مكتبه شركة علميه)

(۳) "تهادوا الطعام بينكم، فإن ذالك توسعة لأرزاقكم". رواه الطبراني عن أم حكيم بنت رداع: =

کھیت پر خوشی میں دعوت کرنا

سوال[۸۶۶۹] : ۱..... میں ایک کاشتکار ہوں، اراضی دیہات میں ہے۔ اس مرتبہ فصل اچھی ہوئی ہے، میں اس شکرانے میں کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دیا ہے'' اپنے کھیت میں مقامی اور غیر مقامی احباب کو کھانا کھلانا چاہتا ہوں۔ ایک صاحب نے مجھ پر اعتراض کر دیا کہ تمہارا فعل مماثلِ مشرکین ہے، کیونکہ مشرکین بھی فصل کاٹتے وقت بکرا کاٹ کر فصل کی پیداواری پوجا کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ صاحب دعوت قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ میرے اس فعل کا تعلق مشرکین کے عمل سے نہیں ہے، حقائق سے خلاف صرف ظن پر چل رہے ہیں اور تقویٰ کی آڑ لے رہے ہیں اور اس پر مصر ہیں کہ کھیت میں کھانا نہ کھلایا جائے۔

نیز انہوں نے اپنی ذہنی مفروضات کو بھی قلمبند کیا ہے جو اس کے ساتھ منسلک ہیں، براہ کرم ان کو بھی ملاحظہ فرما کر رہبری فرمائیں۔ میری نیت وعمل ان تمام افعال مشرکانہ سے بری اور صاف ہے۔

۲..... مکرمی ومحترم! عرض تحریر ہے کہ احقر کے اور احقر کے ایک عزیز ومحسن کے درمیان ایک طعام کے سلسلے میں اختلاف را ئے ہے، جس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے، جناب والا سے درخواست ہے کہ ازروئے شرع اس مسئلہ میں صحیح رہبری فرمائیں:

یہاں پر بروقتِ تیاریٔ فصل جس کو ''کھلے'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جس وقت کھلا کیا جاتا ہے اس وقت مشرکین بکرا ذبح کرتے ہیں۔ جس کی عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی، اور اس کو پکا کر کھیت میں کھانا کھلاتے ہیں۔ مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ جس زمین سے فصل حاصل کی گئی ہے، اس زمین میں بکرا ذبح کرنا اور کھلانا ضروری

= ''تهادوا فإن الهدية تضعف الحُبّ وتذهب بغوائل الصدور''. (مرقاة المفاتيح: ۴۷۱/۸، ۴۷۲، رشيديه)

''فأما الدعوة في حق فاعلها، فليست لها فضيلةٌ تختص بها، لعدم وُرود الشرع بها، ولكن هي بمنزلة الدعوة لغير سبب حادث، فإذا قصد فاعلُها شكر نعمة الله عليه وطعام إخوانه وبذل طعامه، فله أجر ذلك إنشاء الله تعالى''. (المغني لابن قدامة، كتاب الوليمة، مسئلة: حكم الدعوة إلى الختان والإجابة إليها: ۱۱۸/۸، دارالفكر بيروت)

ہے، ورنہ آئندہ فصل کم ہوگی یا دیگر نقصان ہوگا۔ بروقت نہ کرسکیں تو جب بھی موقع ہو، بہر حال کرنا ضروری ہے اور اس پر عمل ہوتا ہے۔

اکثر مسلمان زمیندار بھی اس کی نقل میں بکرا کھیت میں ذبح کرتے ہیں اور وہیں پکا کر کھانا کھلاتے ہیں، البتہ پوجا نہیں کرتے۔ اور ان کے عقائد کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، مگر وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتے کہ بکرا ذبح کرنے کے بجائے گوشت بازار سے خرید کر پکائیں اور نہ اس بات پر کہ گھر پر پکا کر کھلائیں، بلکہ وہ قربانی کا نام دیکر بکرا ذبح کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور کھیت ہی میں کھلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، اس کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مذکورہ بالا صورت مشابہت بالمشرکین ہے یا نہیں اور ایسے طعام سے پرہیز کرنا چاہیے یا نہیں؟

صورت حال یہ ہے کہ احقر کے عزیز ومحسن جناب محمد مصطفیٰ خان صاحب- جو مسلم لیڈر بھی رہ چکے ہیں اور وکیل بھی ہیں- دین کا علم بھی رکھتے ہیں، پابند صوم وصلوٰۃ بھی ہیں اور زمیندار بھی ہیں، اور جس موضع میں ان کی زمین ہے وہاں پر مقتدا بھی ہیں، عقائد بھی درست ہیں، لیکن اس کے باوجود پھر بھی اسی طریقۂ مذکورہ پر کھانا کھلانا چاہتے ہیں اور طریقۂ مذکورہ کو اپنی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور یہ استدلال کرتے ہیں کہ میرے عقائد درست ہیں اور طریقہ مذکورہ پر کھانا کھلانا میری خواہش ہے اور اس خواہش پر کوئی شرعی پابندی نہیں ہے۔

اور مجھ کو ان کے اس استدلال سے اختلاف ہے، میرے خیال میں طریقۂ مذکورہ پر کھانا کھلانا ضرور مشابہت رکھتا ہے، معمولی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے میں اس طعام سے پرہیز کرتا رہا ہوں۔ ایسے طعام سے پرہیز کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور میرا یہ خیال کہ "مذکورہ طریقہ پر طعام مشابہت بالمشرکین ہے" صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... شکرانہ میں فقراء کو صدقہ دینا اور احباب کو کھانا سب کچھ درست اور باعثِ خیر وبرکت ہے، خواہ کھیت میں ہو خواہ مکان پر ہو، بکرا ذبح کرکے ہو یا گوشت خرید کر ہو(۱) لیکن جہاں پر مشرکین کا ایک عمل جاری و

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن =

شائع ہو، ایک مسلم کو عقیدہ صحیح ہونے کے باوجود شرک سے بچ بچ کر بھی ان کا طرز اختیار نہیں کرنا چاہیے(۱)۔ کھیت میں کھانا پکنے اور کھلانے پر ہی اصرار کیوں ہے، آپ مکان پر پکوا کر بھی کھلا سکتے ہیں۔ شادی وغیرہ کی تقریبات میں مکان پر ہی پکواتے اور کھلاتے ہیں، اس لئے کھیت پر نہ پکوائیں نہ کھلائیں۔ دوسرے ہمراہ والے فتوے میں صدقے کے کچھ طرق لکھ دیئے گئے ہیں ان کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔ اس طرح لوگوں کے سوئے ظن اور اعتراضات سے بھی امن ہو جائے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۱۰ھ۔

۲......اس طریقہ کا اختیار کرنا مشرکین کے اتباع میں ہے اگرچہ جزئی فرق کرلیا جائے۔ جس چیز کو شریعت نے لازم قرار نہیں دیا، اس کو لازم سمجھنا، یا لازم کی طرح اس پر عمل کرنا شرعاً درست نہیں، اس سے پرہیز لازم ہے(۲)۔ صدقہ کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ غریبوں، بیواؤں، یتیموں کی ضروریات پوری کردی

= الصدقه لتطفي غضب الرب وتدفع ميتة السوء". (جامع الترمذي، أبواب الزكوة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۴۴، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۳۳، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقوم في الجنازة حتى توضع في اللحد، فمرّ به حبر من اليهود، فقال: هكذا نفعل، فجلس النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال: "اجلسوا، خالفوهم". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة: ۲/۹۶، إمداديه)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين، أوفروا اللّحى، واحفوا الشوارب". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قديمي)

(ومرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۰، رشيديه)

(۲) "الإصرار على المندوب يُبلغه إلى حدّ الكراهة". (السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراء ة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور) =

جائیں، کھانے کپڑے وغیرہ جس چیز کی ان کوضرورت ہووہ اُن کودی جائے، بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

ضعیفوں، اپاہجوں کے لئے مستقل وظیفہ مقرر کردیا جائے۔صدقہ جاریہ ہوتو اَور بہتر ہے، مثلاً: جہاں پانی کی ضرورت ہو وہاں کنواں بنوا دیا جائے، یا نل لگوا دیا جائے، مسجد میں صفوں کا انتظام کردیا جائے، دینی مدارس میں قرآن کریم، دینی کتب خرید کر وقف کردیں، یہ صورتیں مشابہت سے بھی پاک صاف ہے اورالتزام مالا یلزم بھی ان میں نہیں اوراجر ثواب کی بھی مستوجب ہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۵ھ۔

بھینس کے بچہ دینے اور ختنہ کی دعوت مدرس کے لئے

سوال[۸۶۷۰]: زید ایک سودس روپے کی تنخواہ پر ایک مدرسہ میں مدرس ہے اورزید کے گھریلو حالات بھی بفضلہ تعالیٰ بہت اچھے ہیں۔اب جس گاؤں میں زید پڑھاتا ہے، اس گاؤں میں یہ دستور ہے کہ اگر کسی کی بھینس نے بچہ جنا، یا کسی نے اپنے لڑکے کا ختنہ کیا، پھر اس کے اچھے ہونے کے بعد مصلی کی دعوت کرتا ہے۔آیا زید بھی اس دعوت کو مصلی بن کر کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ دعوت اظہارِ مسرت اور شکرانے کے طور پر ہے، امام اور غیر امام، امیر وغریب سب کے لئے اس کا

= "ویمکن أن تحمل الکراهة علی الإطلاق حسماً للمادة؛ لأن الشيء إذا شرع لکونه مظنة قد یستمر، فیصیر مئنة". (فتح الباري، کتاب مواقیت الصلوة، باب مایکره في السمر بعد العشاء: ۹۳/۲، قدیمی)

(و مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد: ۳۱/۳، رشیدیه)

(۱) قال العلامة آلوسي رحمه الله: ﴿وفي سبیل الله﴾ قیل: المراد طلبة العلم .... وفسره في البدائع بجمیع القرب، فیدخل فیه کل من سعی في طاعة الله تعالیٰ وسُبُل الخیرات. قال في البحر: ولا یخفی أن قید الفقر لابد منه علی الوجوه کلها، فحینئذ لاتظهر في الزکوة، وإنما تظهر في الوصایا والأوقاف".

(روح المعاني، (سورة التوبة: ۶۰): ۱۲۳/۱۰، دارإحیاء التراث العربي بیروت)

کھانا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

---

(۱) بشرطیکہ اس کو لازمی اور ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی خاص وقت اور دن متعین کیا جائے:

"عن أيوب عن نافع أن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا دعا أحدكم أخاه، فليجب، عرساً كان أو نحوه". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۶۲، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، قديمي)

قال النووي رحمه الله: "والثالث مندوب. هذا مذهبنا في وليمة العرس، وأما غيرها، ففيها وجهان لأصحابنا: أحدهما أنها كوليمة العرس. والثاني أن الإجابة إليها ندب وإن كانت في العرس واجبةً .... وقوله قبل هذا: (وكان عبد الله) يعني ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يأتي الدعوة في العرس وغير العرس وهو صائم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۶۲، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، قديمي)

قال المحدث السهارنفوري في حاشية صحيح البخاري: "قال الكرماني: قالوا: الضيافة ثمانية أنواع: الوليمة للعرس. والخُرس بضم المعجمة وسكون الراء، وبالمهملة للولادة. والإعذار بكسر الهمزة وبالمهملة، ثم المعجمة للختان، والوكيرة بفتح الواو لبناء. والنقيعة لقدوم المسافر، من النقع وهو الغبار. والوضيمة بكسر المعجمة المصيبة. والعقيقة تسمية الولد يوم السابع من ولادته. والمأدبة بضم الدال وفتحها، الطعامُ المتخذ للضيافة بلا سبب. وكلها مستحبة إلا الوليمة، فإنها تجب عند قوم، كذا في المجمع". (حاشية صحيح البخاري: ۲/ ۷۷۶، كتاب النكاح، باب الوليمة، (رقم الحاشية: ۵)، قديمي)

"دعوتِ ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ تو نصاً اس کا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی مشروعیت۔ دعوت ضابطہ "الدعوة في السرور" میں داخل ہے، اس لئے یہ دعوت جائز نہیں، پھر اس کو سنت سمجھنے میں بدعت ہونے کی قباحتِ شنیعہ مزید، تبدیع کے لئے عدمِ ثبوت ہی کافی تھا اور یہاں تو قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس پر نکیر موجود ہے"۔(أحسن الفتاوى، كتاب الحظر والإباحه، دعوت ختنه: ۸/ ۱۵۵، سعيد)

نئے مکان میں وعظ اور شیرینی تقسیم کرنا

سوال[۸۶۷۱]: نیا مکان بنوا کر اس میں وعظ کہلانا اور شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر برکت کے لئے شکریہ کے طور پر بغیر کسی غیر ثابت التزام کے ایسا کرے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

نئے مکان کی خوشی میں مٹھائی تقسیم کرنا

سوال[۸۶۷۲]: نیا مکان تعمیر کرنے کے بعد دعائے خیر اور شیرینی وغیرہ برکت کی نیت سے تقسیم کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "ان عتبان بن مالک رضی الله تعالى عنه .... قال: .... وددتُ -یارسول- أنک تأتيني فتصلي في بيتي فأتخذه مصلى، قال: فقال رسول الله عليه وسلم: "سأفعل إنشاء الله". قال: .... وحبسناه على خزيرة صنعناها له". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب المساجد في البيوت: ۱/۶۰، قديمي)

"كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه، فهو مكروه". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة، مطلب كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال، الخ: ۲/۳۶۷، المكتبة الميمنية مصر)

"أو لوحظت فيه خصوصيات غير مشروعة، أو التزم كالتزام الملتمات، فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص مكروهاً، كما صرح به علي القاري في شرح مشكوة المصابيح، والحصكفي في الدرالمختار، الخ". (سباحة الفكر، الباب في حكم الجهر بالذكر الخ، تحتٌ الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوي: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداًومصلیاً:

کوئی مضائقہ نہیں(۱) مگر شیرینی وغیرہ میں کچھ تفاخر ونمائش کا رنگ نہ آنے پائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۷ھ۔

کھانے پر بلانے پر "بارك الله" کہنا

سوال[۸۶۷۳]: کھانا کھانے والے کو "بارك الله" کہہ کر جواب دینا جو متعارف ہے، اس کا ثبوت کہاں ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"عن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا دعی أحدكم، فليجب، فإن كان مفطراً فليأكل، وإن كان صائماً دعا له بالبركة". عمل

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع ميتة السوء". (جامع الترمذی، أبواب الزكوٰة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۴۴، سعید)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۳۲، قدیمی)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(۲) "وعن شداد بن أوس رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يقول: "من صلی يرائی فقد أشرک، ومن صام يرائی فقد أشرک، ومن تصدق يرائی فقد أشرک". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الريا والسمعة، ص: ۴۵۵، قدیمی)

"عن محمود بن لبيد رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إن أخوف ما أخاف عليكم الشرک الأصغر". قالوا: يارسول الله! وما الشرک الأصغر؟ قال: "الريا". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الريا والسمعة، ص: ۴۵۶، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ: ۶/۵۹۲، (رقم الحديث: ۲۳۱۲۴)، دارإحياء التراث العربی بيروت)

الیوم واللیلۃ، ص: ۱۳۱(۱)۔

کھانے کے لیے بلانے والے کے جواب میں عدمِ اکل کی صورت میں "بارك الله لنا ولكم" کہنا اس حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

دوستی میں کھلائے ہوئے کا مطالبہ

سوال[۸۶۷۴]: دو شخص نے آپس میں دوستی کی ایک مدت تک ہر ایک نے دوسرے کو دوستانہ میں کھلایا پلایا اور نقدی بھی دیتے رہے۔ کچھ دنوں بعد ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک نے کہا کہ میرا کھلایا، پلایا ہوا اور نقدی واپس کردو۔ دوسرے نے کہا کہ حساب کرلے، اگرچہ یہ بُرا ہے لیکن میں تیار ہوں، چنانچہ حساب ہوا۔ دوسرے نے کہا کہ میرا بھی حساب کر۔ دونوں کا حساب ہوا، ایک کے ذمہ زائد رقم پائی گئی۔ تو اس قسم کے دوستانہ میں خرچہ کا حساب قرض میں شمار ہوگا، اگر نہ دیا گیا تو کل قیامت میں مواخذہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھلاتے، پلاتے اور نقد دیتے وقت نہ زبان سے اس کو قرض قرار دیا، نہ ذہنوں میں تھا کہ یہ قرض ہے، بلکہ دوستانہ تعلقات میں یہ سب کچھ ہوا، تو اس کو قرض نہیں کہا جائے گا(۲) اور اس کا مطالبہ درست نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۶ھ۔

---

(۱) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی، باب مایقول إذا حضر الطعام وهو صائم، (رقم الحدیث: ۴۸۹)، ص: ۴۳۸، مکتبه الشیخ کراچی)

(۲) "هو لغة: ماتعطیه لتتقاضاه، وشرعاً: ماتعطیه من مثلی لتتقاضاه، وهو أخصر من قوله: عقد مخصوص: أی بلفظ القرض ونحوه، یرد علی دفع مال .... مثلی .... لآخر لیرد مثله".
(الدرالمختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: عقد مخصوص) الظاهر أن المراد عقد بلفظ مخصوص؛ لأن العقد لفظ، ولذا قال: أی بلفظ القرض ونحوه: أی کالدین، وکقوله: أعطنی درهماً لأرد علیک مثله". (ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

(وکذا فی القاموس الفقهی، حرف القاف، ص: ۳۰۰، إدارة القرآن کراچی)

الفصل الثانی فی الضیافة

(مہمان نوازی کا بیان)

مہمان کا اکرام

سوال[۸۶۷۵]: شریعت میں مہمان کی کیا تعریف ہے؟ اگر فاسق وفاجر مہمان ہو تو اس کی تعظیم وتکریم کرنے کا حکم ہے؟ پھر فاسق وفاجر سے ترک سلام وکلام کے کیا معنیٰ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے مہمان میں جب دو حیثیت ہوں: ایک مہمان ہونے کی، دوسرے فاسق ہونے کی، تو پہلی حیثیت سے حقِ مہمانی ادا کیا جائے اور اکرام کیا جائے (۱)، دوسری حیثیت کو اس اکرام میں ملحوظ نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه".

"وعن أبي شريح الكعبي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه، جائزته يوم وليلة". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۶۸، باب الضيافة، الفصل الأول، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ضافه ضيف و هو كافر، فأمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بشاة، فحلبت، فشرب حلابها". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۶۴، كتاب الأطعمة، الفصل الأول، قديمي)

مہمان کا دسترخواں سے کسی کو کچھ دینا

سوال[۸۶۷۶]: مہمان کسی دوسرے کو کھانے کے لئے بلاسکتا ہے یا نہیں، اسی طرح کتے بلی وغیرہ کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میزبان کی اجازت ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مہمان کا کسی دوسرے کی تواضع کرنا

سوال[۸۶۷۷]: مہمان کو اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو کھانے پر بلائے، یہ اختیار صرف میزبان کو ہے۔ یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ مسئلہ درمختار میں ہے:

"دعا قوماً إلى طعام و فرّقهم على أخونةٍ، ليس لأهل خوان تناول أهل خوان آخر، ولا إعطاء سائل و خادم وهرة بغير إذن رب المال، ولا لكلب رب المنزل، إلا أن يناول الخبز

---

(۱) "إذا كان الرجل على مائدة فناول غيرَه من طعام المائدة، إن علم أن صاحبه لايرضى به، لايحل له ذلك، وإن علم أنه يرضى، فلا بأس به. وإن اشتبه عليه لا يناول، ولا يعطى سائلاً، كذا فى فتاوى قاضى خان". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۴، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات، رشيديه)

"الضيف إذا ناول من المائدة هرةً لصاحب الدار أولغيره شيئاً من الخبز أو قليلاً من اللحم، يجوز استحساناً؛ لأنه إذن عادةً. ولو كان عندهم كلب لصاحب الدارأو لغيره، لا يسعه أن يناوله شيئاً من اللحم أو الخبز، إلا بإذن صاحب البيت؛ لأنه لا إذن فيه عادةً. و لو ناول العظام أو الخبز المحترق، وسعه، كذا فى الظهيرية". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۴، المصدر السابق)

"والصحيح فى هذا أنه ينظر إلى العرف والعادة دون التردد، كذا فى الينابيع". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۴، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات، رشيديه)

المحترق، للإذن عادةً، و تمامه فی الجواهر". درمختار علی هامش ردالمحتار: ٤/٧١٩(١)۔

لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور ان لوگوں کو مختلف دسترخوان پر بانٹ دیا تو کسی دسترخوان والے کو یہ حق نہیں کہ دوسرے دسترخوان والے کو دے۔ اسی طرح کسی سائل کو اور خادم اور میزبان کی بلی کے علاوہ کسی اور کی بلی اور کتے کو- چاہے وہ میزبان ہی کا ہو- کھلانے کا حق نہیں ہے۔ ہاں! اگر جلی ہوئی روٹی اس کتے کو کھلا دے تو جائز ہے، کیونکہ عادةً اس کی اجازت ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہمان کا نمک وغیرہ میزبان سے مانگنا

سوال[۸۶۷۸] : مہمان کی میزبان سے مندرجہ ذیل چیزوں کی فرمائش درست ہے یا نہیں، خواہ بے تکلفی ہو یا نہ ہو: نمک کم ہے تو مانگ لینا بہتر ہے، یا ایسے کھا لیوے۔ مرچ، گڑ وغیرہ بھی مانگ سکتا ہے یا نہیں؟

---

(١) (الدرالمختار: ٥/١٠٧، کتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ٥/٣٤٤، كتاب الكراهية، الباب الثانی فی الهدايا و الضيافات، رشيديه)

"وعن أبی مسعودٍ الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان رجل من الأنصار يكنى أبا شعيب، كان له غلام لحّام، فقال: اصنع لی طعاماً يكفی خمسةً لعلّی ادعو النبی صلی الله تعالی عليه وسلم خامس خمسة، فصَنَع له طُعيماً، ثم أتاه فدعاه، فتبعهم رجل، فقال النبی صلی الله تعالی عليه وسلم: "يا أبا شعيب! إنّ رجلاً تبعنا، فإن شئت أذنت له، وإن شئت تركته". قال: لا، بل أذنتُ له". متفق عليه".
(مشكوة المصابيح: ٢/٢٧٨، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الأول، قديمی)

قال القاری رحمه الله تعالیٰ تحت قوله: "بل أذنت له": فيه أنه لا يجوز لأحد أن يدخل فی ضيافة قوم بغير إذن أهلها، و لا يجوز للضيف أن يأذن لأحد فی الإتيان معه إلا بأمر صريح أو إذن عام أو علم برضاه. فی شرح السنة: فيه دليل علی أنه لا يحل طعام الضيافة لمن لم يُدع إليها". (مرقاة المفاتيح: ٦/٣٧٢، ٣٧٣، باب الوليمة، الفصل الأول، رشيديه)

"ولو دخل عليه إنسان، لايجوز له أن يعطيه شيئاً، ورفع الذلة حرام بكل حال إلا بإذن".
(البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/٣٦٥، كتاب الكراهية، الخامس فی الأكل، رشيديه)

وكذا فی خلاصة الفتاوی: ٤/٣٥٩، كتاب الكراهية، الفصل الخامس فی الأكل، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں ان چیزوں کے مانگنے کا عرف ہو وہاں مانگنے میں مضائقہ نہیں۔اور بے تکلفی میں مانگنے میں بھی حرج نہیں (۱)۔صبر کرنا اوّل مقام ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

نامحرم عورتوں کی ضیافت

سوال[۸۶۷۹]: ایک متقی پرہیزگار کے یہاں کچھ عورتوں نے --جن کا پیشہ کمپنیوں میں ناچنا گانا ہے-موصوف کی رہائشگاہ پر جانے کی خواہش ظاہر کی،موصوف نے جانے کی اجازت بذریعہ دوسرے بچوں کے دلوادی۔موصوف نے اپنے متعلقین مستورات کو ہدایت کردی کہ ان عورتوں کی خاطر تواضع ناشتہ چائے وغیرہ سے کریں،اس موقع سے کوئی بھی غیر محرم یا موصوف ان کی خاطر تواضع میں شامل نہیں تھے۔اس موقع سے ان عورتوں کو احساسِ جرم وکمتری بزبانِ خود ظاہر ہوئی،ان عورتوں نے کہا کہ کیا کریں،پیٹ کے لئے ایسا کرتے ہیں۔بعض نے کہا کہ ہم لوگ اپنی بچیوں اور بچے کی شادیاں اس پیشہ کی وجہ سے جو کسی شریف کے گھر نہیں ہوسکتیں۔کیا ان عورتوں کا موصوف کے یہاں جانا موصوف کے لئے جرم یا گناہ ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

ان متقی صاحب نے ان عورتوں کو اپنے مکان پر بلایا نہیں بلکہ وہ خود گئی ہیں اور ان کی تواضع اس طرح کی گئی کہ وہ خود ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے،اور کوئی نامحرم شریک نہیں ہوا۔اس طرز سے ایسا اثر پڑا کہ ان کو اپنے جرم کا احساس ہوا،کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے،اصلاح فرمادے۔گو اہلِ دنیا کی نظر میں یہ چیزیں موجبِ اعتراض ہوسکتی ہیں،لیکن ان صاحب کے لئے اس میں کیا گناہ ہے جبکہ اصلاح کے لئے یہ طرز اختیار کیا گیا ہو (۲)،مگر ایسی عورتوں کے مفاسد سے تحفظ بھی لازم ہے۔

---

(۱) "ولاينبغي للضعيف أن يشتهي على رب البيت إلا الملح والماء، ولايعيب طعامه، بل ماوجد، أكل وحمد، وهو الأدب". (بستان العارفين، الباب الخامس والخمسون في آداب الضيافة، ص: ۴۶، رشيديه)

(۲) چونکہ انہیں نہ تو دعوت دی گئی ہے اور نہ انہیں بلایا گیا ہے بلکہ وہ خود آگئیں ہیں اس لئے وہ مہمان ہیں اور مہمان خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کا اکرام ضروری ہے: .... =

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں منافقین ومشرکین بھی آتے تھے اور اخلاقِ فاضلہ کا مشاہدہ کرکے بہت متاثر ہوتے تھے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۸ھ۔

کسی معزز مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا

سوال[۸۶۸۰]: اگر کسی مہمان کے قدوم پر کوئی جانور ذبح کیا جاوے تو وہ ﴿ما أحل لغير الله﴾ میں داخل ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وصفحہ ونام مطبع تحریر فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مقصود کھلانا ہو تو درست ہے، اور اگر اعزاز وتعظیم مقصود ہو تو درست نہیں ہے:

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه". (مشكوة المصابيح: ۳۶۸/۲، كتاب الأطعمة، باب الضيافة، الفصل الأول، قديمي)

(۱) "قال الفقيه رحمه الله: لابأس للمسلم أن يكون بينه وبين أهل الذمى معاملة إذا كان مما لابدّمنه، ولا بأس بأن يعوده وهو مريض ويلقنه كلمة التوحيد، وقد عاد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يهودياً وعرض عليه الإسلام، فأسلم، ومات، فلما خرج، قال: "الحمد لله الذى أعتق بى نسمة من النار". وروى عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أنه دخل على نصرانى وهو فى النزع، فقال له: "تب إلى الله تعالىٰ" فلم يعمل لسانه فأومأ بعينيه فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقيل: يارسول الله! لم تبسمت؟ فقال: "لما أومأ بعينيه، قال الله تعالىٰ: (ياملائكتى أشهدكم أنى قبلته لما أومأ إلىّ ولا أضيع إيمانه". ولابأس للمسلم إذا كانت له قرابة من أهل الذمة أن يهدى إليهم ويكرمهم وقد أهدى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى خاله جارية وهو كافر بمكة". (بستان العارفين، الباب الحادى والأربعون بعد المأة فى المعاملة مع أهل الكفر، ص: ۱۱۰، رشيديه)

"ذبح لقدوم الأمير أو غير من العظماء، لايحل؛ لأنه ذبح تعظيماً له، لالله تعالىٰ، بخلاف ما إذا ذبح للضيف، فإنه لله تعالىٰ، اه". مجمع الأنهر: ٢/٥٠٨(١)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ٦٠ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ٦٠ھ۔
صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ٦٠ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(١) (مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ٢/٥٠٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث فی الھدایا

(ہدیہ دینے کا بیان)

کسی کام کے سلسلہ میں بغیر مانگے اور بغیر مطالبہ ملی ہوئی رقم ہدیہ ہے یا رشوت؟

سوال[۸۶۸۱]: میں کھیت اور مکان کی رجسٹری کرتا ہوں، اس سلسلہ میں جو لوگ رجسٹری کرنے کے بعد احقر کو اپنی مرضی سے کچھ رقم دیتے ہیں اور میں لوگوں پر زبردستی نہیں کرتا۔ تو کیا اس رقم کو لینے میں کوئی گناہ ہے؟ اور یہ رقم رشوت ہوگی یا نہیں؟ اور اس رقم کو کسی اچھے کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

جاوید اقبال دیوبندی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے ان سے تعلقات ہیں اور ہدیہ لینے دینے کا پہلے سے معمول ہے، نیز اس کے لینے سے ان کی کوئی غلط رعایت نہیں کرتے تو آپ کو اس کا لینا درست ہے، ورنہ اس کے لینے سے پرہیز کریں۔ اگر چہ ان کا کام آپ صحیح کریں، اس میں کوئی غلط رعایت نہ ہو، لیکن ایسی صورت میں بھی رقم لینے سے آئندہ اثر پڑے گا کہ آپ سے غلط کام لیا جائے گا، خواہ غلطی کسی نوع کی ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۵ھ۔

---

(۱) "منھا أن لایقبل الھدیة من أحدھما إلا إذا کان لایلحقه به تھمة، وجملة الکلام فیه أن المھدی لایخلوا: إما أن یکون رجلاً کان یھدی إلیه قبل تقلید القضاء، وإما إن کان لایھدی إلیه، فإن کان لایھدی إلیه، فإما إن کان قریباً له أو أجنبیاً، فإن کان قریباً له، ینظر: إن کان له خصومة فی الحال، فإنه لایقبل؛ لأنه یلحقه التھمة. وإن کان لاخصومة له فی الحال، یقبل؛ لأنه لاتھمة فیه. وإن کان أجنبیاً، لایقبل، سواء کان له خصومة فی الحال أو لا؛ لأنه إن کان له خصومة فی الحال، کان بمعنی الرشوة، وإن لم یکن فربما یکون له خصومة فی الحال یأتی بعد ذلک، فلا یقبل، ولو قبل یکون لبیت المال. ھذا إذا کان =

الیکشن میں کھڑے ہونے والے کے ہدیہ کا حکم

سوال[۸٦٨٢] : ایک صاحب اہل ہنود میں سے ہیں، وہ اس علاقہ میں الیکشن کے لئے کھڑے ہورہے ہیں، اس علاقہ سے کوئی مسلمان کھڑا نہیں ہورہا ہے، انہوں نے تبلیغی جماعت کو میٹھا دودھ پیش کیا۔ انہوں نے ان کا دل رکھنے کے لئے قبول کرلیا۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح دعوت قبول کرنے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۸۷ھ۔

= الرجل لايهدى إليه قبل تقليد القضاء. فأما إذا كان يهدى إليه، فإن كان له في الحال خصومة، لاتقبل؛ لأنه يتهم فيه. وإن كان لاخصومة له في الحال، ينظر: إن كان أهدى مثل ماكان يهدى أو أقل، يقبل؛ لأنه لاتهمة فيه. وإن كان أكثر من ذلک يردّ الزيادة عليه. وإن قبل، كان لبيت المال. وإن لم يقبل للحال حتى انقضت الخصومة ثم قبلها، لابأس به". (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضي، فصل في آداب القضاء: ۹/۱۱۹، ۱۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولابأس بقبول هدية المستقرض؛ لأنها غير مشروطة في القرض، فمن جرت عادته بالمهاداة قبل القرض، فالأفضل القبول؛ لأن قبولها من حقوق المسلم على المسلم. وكذا إذا كان المهدى معروفاً بالجود والسخاوة، أو كانت بينهما مودّة". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(۱) "وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، وقبول هداياهم، فكل ذلک جائز إذا كانوا ذمةً لنا. وكذلک إذا كانوا أهل حرب وطمع في إسلامهم، فهو مندوب إلى أن يؤلفهم، فيقبل الهدية ويهدى إليهم. وإذا لم يطمع في إسلامهم، فله أن يظهر معنى الغلظة والشدة عليهم برد الهدية". (إعلاء السنن، كتاب الهبة: ۱۶/۱۴۶، إدارة القرآن كراچي)

"وجمع غيره بأن الامتناع في حق من يريد بهديته التودّد والموالاة، والقبول في حق من يرجى بذلک تأنيسه وتأليفه على الإسلام". (فتح الباري، كتاب الهبة وفضلها: ۵/۲۸۸، قديمي)

ہدیہ میں یہ شرط لگانا کہ ”کسی کو نہیں دیں گے“

سوال[۸۶۸۳]: اگر کوئی شخص ہدیہ دے اور یہ پابندی لگادے کہ دوسرے کو دینے کی اجازت نہیں ہے تو کیا اس طرح ہدیہ لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہدیہ لینا تو درست ہے(۱) مگر پابندی کا اقرار نہ کرے، بلکہ تسلیم کرنے سے انکار کردے تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

کوٹ کے کپڑے کا ہدیہ

سوال[۸۶۸۴]: میرے کچھ عزیز کوٹ، پتلون وغیرہ استعمال کرتے ہیں، اگر میں ان کے لئے پتلون کا کپڑا یا پٹی (جس سے کمر کسی جاتی ہے) لے جاؤں تو مجھے ثواب ملے گا ہدیہ کا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کوٹ پتلون بنانے کی نیت سے کپڑا نہ لے جایئے، بلکہ ایسا لباس بنانے کے لئے لے جایئے

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "تهادوا؛ فإن الهدية تذهب الضغائن". رواه الترمذي".

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "تهادوا؛ فإن الهدية تذهب وحر الصدر". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الرجوع في الهبة، الفصل الثاني، ص: ۲۶۱، قديمي)

"عن أبي هريرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لودعيت إلى كراع لأجبت، ولو أهدي إليّ ذراع لقبلت". رواه البخاري". (إعلاء السنن، كتاب الهبة: ۱۶/۶۷، إدارة القرآن كراچي)

(۲) کیونکہ حدیۃ دیئے ہوئے مال کو حدیہ کرنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ اگر استعمال کی شرط کے ساتھ دیا ہے تو پھر آگے ہدیہ دینا درست نہیں۔ (عمدة القاري: ۲۲/۱۳، بحواله شمائل كبرى: ۲/۱۱۴، زمزم پبلشرز)

جس کا استعمال بلاتکلف درست ہے(۱)۔ پٹی کمر پر باندھنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

مریدوں سے ہدیہ لینا

سوال[۸۶۸۵]: مرید سے روپیہ پیسہ وغیرہ لینا پیر کے واسطے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرید بطیب خاطر دیتے ہیں تو جائز ہے اور اگر جبراً دیتے ہیں تو ناجائز ہے:"إذ لایجوز لأحد من

(۱) قال علیه السلام: "إنما الأعمال بالنیات". (صحیح البخاری، باب بدء الوحی: ۱/۲، قدیمی)

"ولأن الأمور بمقاصدها". (شرح المجلة: ۱/۱۷، (رقم المادة: ۲)، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) پٹی کی نظیر حدیث میں ملتی ہے:

"عن وهب ابن کیسان قال: کان أهل الشام یعیرون ابن الزبیر، یقولون: یا ابن ذات النطاقین، وقالت له الأسماء: یابُنیّ! إنهم یعیرونک بالنطاقین، هل تدری ما کان النطاقان؟ إنما کان نطاقی شققته نصفین، فأوکیت قربة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بأحدهما، وجعلت فی سفرته اٰخر". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الأطعمة، باب الخبز المرقق والأکل علی الخوان والسفرة: ۲/۸۱۱، قدیمی)

قال العینی رحمه الله فی شرحه: "النطاق ماتشدبه المرأة وسطها، ترفع به ثیابها وترسل علیه إزارها. وقال ابن الفارس: هو إزار فیه تکة تلبسه النساء. وقال ابن الأثیر فی تفسیر المنطق فقال: المنطق النطاق، وجمعه مناطق، وهو أن تلبس المرأة ثوبها، ثم تشدوسطها بشیئ، وترفع وسط ثوبها، وترسله علی الأسفل عند معاناة الأشغال فی ذیلها". (عمدة القاری، کتاب الأطعمة، باب الخبز. المرقق والأکل علی الخوان والسفرة: ۲۱/۵۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولابأس بأن یربط الخیط فی إصبعه أو خاتمه لیذکرها الحادثة، ویسمّی هذا الخیطة الرتم". (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الکراهیة: ۴/۳۷۱)

"(ولا الرتیمه) هی خیط یربط بإصبع أو خاتم لتذکر الشیئ، والحاصل أن کل مافعل تجبراً، کره ومافعل لحاجة، لا، عنایة". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۶/۳۶۳،سعید)

المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی". عالمگیری: ۲/۷۷۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/صفر/۵۵ھ۔

بہن کے گھر جا کر روپیہ دینا

سوال[۸٦٨٦]: ۱...... عام رواج ہے کہ جب بہن وغیرہ کے یہاں جاتے ہیں تو بہن کو روپے وغیرہ دیتے ہیں، تو یہ روپیہ دینا کیسا ہے؟

سسرال کے گھر کا روپیہ

سوال[۸٦٨٧]: ۲...... جب لڑکا سسرال جاتا ہے تو لڑکے کو اس کی ساس اور سالی وغیرہ روپیہ دیتی ہے۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بہن یا دیگر اقرباء کو دینا صلہ رحمی ہے جو کہ موجبِ اجر وثواب ہے(۲)، لیکن دکھاوا ہرگز

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۲/۱٦۷، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۴/٦۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، فصل فی التعزیر: ۵/٦۸، رشیدیه)

(۲) "عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصله الله، ومن قطعنی قطعه الله". (مشکوة المصابیح، کتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، ص: ۴۱۹، قدیمی)

"أی ممسکة بعرش الرحمن متعلقة بذیله، مستجیرة من القطعیة، مخبرة عن حکم الصلة .... "من وصلنی وصله الله": أی بحسن رعایته وبجمیل حمایته". (مرقاة المفاتیح، (رقم الحدیث: ۴۹۲۱): ۸/٦۵۸، رشیدیه)

"وعن سلیمان بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "الصدقة علی المسکین صدقة، وهی علی ذی الرحم، ثنتان: صدقة وصلة". (مشکوة المصابیح، کتاب الزکوة، باب أفضل الصدقة، ص: ۱۷۱، قدیمی)

مقصود نہ ہو(۱)، نہ ان پر احسان جتلایا جائے (۲)، نہ کسی رسم کی پابندی ہو، نہ وہ بات ہو جو غیر مسلموں میں ہوتی ہے یعنی وہ بہن کو میراث نہیں دیتے، اس کے عوض مختلف اوقات میں، تقریبات میں دیا کرتے ہیں (۳)۔

۲......اس کا حال بھی نمبر:ا کی طرح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۹ھ۔

بچوں کا ہدیہ

سوال[۸۶۸۸]: درمختار کتاب المأذون جلد خامس میں یہ عبارت لکھی ہے:

"تصرف الصبی والمعتوہ إن کان نافعاً کالإسلام والاتهاب، صح. وإن ضاراً کالطلاق والعتاق والصدقة والقرض: ۱۱۳۱/۵، خط کشیدہ عبارت سے اور شامی میں:"وکذا الهبة والصدقة وغیرهما". قهستانی: ۱۱۳/۵(٤)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس﴾ (سورة البقرة: ۲۶۴)

"﴿لاتبطلوا﴾: أی لاتبطلوها مشبهین الذی ینفق: أی الذی یبطل إنفاقه بالریاء ....
﴿رئاء﴾ إما علی أنه علة لینفق: أی لأجل ریائهم، أو علی أنه حال من فاعله: أی ینفق ماله مرائیاً". (روح المعانی: ۳/۳۴، ۳۵، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لایدخل الجنة منان". (مشکوة المصابیح، کتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الثانی، ص: ۴۲۳، قدیمی)

"قیل: هو من المنة: أی من یمن علی الناس بما یعطیهم، فذلک مذموم، قال تعالیٰ: ﴿لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی﴾". (مرقاة المفاتیح، کتاب الأدب، (رقم الحدیث: ۴۹۳۳): ۶۶۷/۸، رشیدیه)

(۳) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس: ۳۷۵/۲، قدیمی)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب المأذون: ۱۷۳/۶، سعید)

ہبہ کے متعلق بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ہدیہ صبی کا ناجائز ہونا چاہیے، لیکن اکمال الشیم کے مقدمہ میں حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری نے حضرت گنگوہی کا ایک خط نقل کیا ہے، اس میں ہدایا أطفال کو جائز لکھا ہے (۱)۔

ہدیہ کا ہبہ اور صدقہ وغیرہ سے مختلف ہونا اور دونوں کے درمیان فرق سمجھ میں نہیں آیا کہ ہبہ وغیرہ ضرر محض ہو جائیں اور ہدیہ ضرر نہ ہو، اصل کی ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مسئلہ تو وہی جو درمختار اور شامی میں ہے، مقدمۂ اکمال الشیم میں جو کچھ مذکور ہے، اس کا مصداق یہ ہے کہ اولیاء اپنے چھوٹے بچوں کو عادی بنانے کے لئے ان کی معرفت اور ان کے ہاتھ سے اور یہ بتا کر کہ چیز بچوں کی ہی ہے، اس کو بچے اپنی طرف سے اپنے استاذ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کردیں، صورۃً تو مہدی بچہ ہے، حقیقۃً اس کا ولی مہدی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

بچوں کا ہدیہ استاد کو دینا

سوال [۸۶۸۹]: ۱...... انفاسِ عیسیٰ، ص: ۳۷۸، میں ایک مسئلہ نظر پڑا، عبارت تو سامنے نہیں کہ:

---

(۱) "اکمال الشیم کے مقدمہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے حالات تذکرہ الخلیل سے نقل کئے ہیں اور وہاں حضرت گنگوہی کے اس خط کو بھی نقل کیا ہے جو تذکرۃ الخلیل میں "سفر حج و زیارتِ بلدۃ الرسول" کے عنوان کے تحت مذکور تھا"۔ (إكمال الشيم، مقدمة، حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے اسفار حج، ص: ۴۲، ادارہ اسلامیات)

(وتذكره الخليل، سفر حج و زيارتِ بلدة الرسول، ص: ۱۲۰، مكتبه الشيخ بهادرآباد كراچی)

(۲) "قال الإمام أبو منصور: يجب على المؤمن أن يعلّم ولده الجود والإحسان كما يجب عليه أن يعلمه التوحيد والإيمان". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳۵۳/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''بچوں کے ہاتھ سے خرچ کرادیا کرے، لیکن بچوں کو اباحت کے طور پر دے، ان کی مِلک نہ بنائے، ورنہ ناجائز ہوگا، کیونکہ بچہ اپنے مال کا مالک نہیں ہوتا''۔ پھر تذکرۃ الخلیل، ص: ۱۲۰، پر مکتوب حضرت گنگوہیؒ میں یہ مسئلہ درج ہے: ''ہدیۂ اطفال اور ہدیہ ورثۂ اطفال کا لینا جائز ہے''(۱)۔

میرے ناقص علم میں دونوں مسئلوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ جب بچہ کی مِلک بنادی گئی تو اپنے مال سے ہدیہ کسی کو دے تو کس صورت سے جائز ہوسکتا ہے کہ ہدیہ اور ہبہ وغیرہ میں فرق ہو۔ حضرت تھانویؒ نے ہدیۂ صبی ناجائز لکھا ہے(۲)۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہدیۂ اطفال جائز لکھا ہے۔

۲...... ہمارے مکتب میں بچے بعض اوقات پیسہ لاتے ہیں کہ اس کی شیرینی خرید کر بچوں میں تقسیم کردو، بسا اوقات والدین بچوں کی مِلک بنادیتے ہیں اور بچے اپنی خوشی سے لاکر دیتے ہیں کہ شرینی تقسیم کردو۔ بعض اوقات والدین ہی اس نیت سے دیتے ہیں کہ مولوی صاحب کو دے دو، شرینی تقسیم کردیں۔

صورتِ اولیٰ میں کیا مسئلہ ہوگا؟ جب اس کی مِلک ہوگئی تو معلم کو بھی شیرینی کھانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ہمارے اطراف میں یہ دستور ہے کہ ماں باپ بچوں کو کبھی نقد اور کبھی کوئی چیز دیتے ہیں کہ اپنے استاد کی خدمت میں پیش کردینا۔ تو درحقیقت معطی، مہدی، واہب والدین ہوتے ہیں، ہاں بچوں کی معرفت

(۱) ''ارشاد: باپ کو مناسب ہے کہ بچہ کے ہاتھ سے بھی کبھی خرچ کرایا کرے، کبھی اس کے ہاتھ سے فقیر کو دلوادیا، کبھی مدرسہ میں دلوادیا، تاکہ اس کا حوصلہ بڑھے اور مال کی حرص نہ پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ جب بچوں کے ہاتھ سے کسی دوسرے کو رقم دلواؤ، خواہ فقیر کو یا مدرسہ کو تو اس وقت یہ رقم بچہ کو ہبہ نہ کرو، بلکہ اباحت کے طور پر دو، ورنہ وہ اس کی ملک ہوجائے گی، پھر ہبہ صبی حرام ہوگا اور اگر غلطی سے ایسا ہوجاوے تو فقیر سے یا مدرسہ والوں سے یہ رقم واپس نہ لو، بلکہ خود بچہ کو اس کے عوض رقم دے دو جس میں نیت عوض کی قید ضروری ہے، ورنہ یہ مستقل ہبہ ہوگا، پہلے کا عوض نہ ہوگا''۔ (أنفاس عیسیٰ، باب چہارم، ارشادات، بچے کے ہاتھ سے خرچ کراوے مگر خرچ کو اباحۃً دے: ۱/۳۴۳، سعید)

(تذکرۃ الخلیل، سفرِ حج وزیارتِ بلدہ الرسول، ص: ۱۷۰، مکتبۃ الشیخ بہادر آباد کراچی)

(۲) (بہشتی زیور، پانچواں حصہ، بچوں کو دینے کا بیان، ص: ۴۲، المکتبۃ المدنیۃ)

دیتے ہیں تاکہ بچوں کو بھی اس کی عادت ہو(۱)، اس کو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جیسا کہ تذکرۃ الخلیل میں ہے، اور حضرت تھانویؒ کی تحریر کے خلاف بھی نہیں ہے۔

۲...... یہی حال اس شیرینی کا ہے جو بچے تقسیم کرنے کے لئے دیتے ہیں، یا نقد دیتے ہیں، کہ شیرینی منگا کر تقسیم کردو۔ آپ کے یہاں جو حال ہے آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

نابالغ بچوں کا ہدیہ قبول کرنا

سوال[۸۶۹۰]: نابالغ کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تذکرۃ الخلیل بیان سفر حج وزیارت بلدۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جائز لکھا ہے(۲)۔ اور بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ ماں کو اپنی نابالغ لڑکی سے تھوڑی دیر کے لئے مستعار اوڑھنی لے کر کہیں جانا جائز نہیں ہے(۳)۔ بہشتی زیور سے یہ معلوم ہوا کہ نابالغ کے مال میں سے کسی کو اپنی ذات کے لئے کوئی تصرف جائز نہیں، حتیٰ کہ والدین کو بھی(۴)۔ اور مولوی مسعود صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند نے بھی یہی بتلایا کہ نابالغ سے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، مگر تذکرۃ الخلیل میں جائز لکھا ہے۔ اس لئے شبہ واقع ہوا کہ آیا مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ہے، یا تذکرۃ الخلیل میں غلطی سے یہ مسئلہ لکھا گیا۔ آپ

---

(۱) "قال الإمام أبو منصور: يجب على المؤمن أن يعلّم ولده الجود والإحسان كما يجب عليه أن يعلمه التوحيد والإيمان". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳۵۳/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (تذكرة الخليل، سفر حج و زيارت بلدة الرسول، ص: ۱۲۰، مكتبه الشيخ بهادر آباد كراچي)

(۳) (بهشتي زيور، پانچواں حصہ، بچوں کو دینے کا بیان، ص: ۴۵، المكتبة المدنية)

(۴) "وإذا أهدى للصبي شيء، وعلم أنه له، فليس للوالدين الأكل منه بغير حاجة، كما في الملتقط". (الأشباه والنظائر).

قال الحموي رحمه الله تعالىٰ: "أقول: قيد به؛ لأنه لو كان لحاجة يباح، وذلك على وجهين: إما إن كان في المصر واحتاج لفقره، أو كان في المغازة، واحتاج لعدم الطعام معه وله مال، ففي الوجه الأول أكل بغير شيء، وفي الوجه الثاني أكل بالقيمة، كذا في جامع أحكام الصغار". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثالث: وهو فن الجمع والفرق: ۲۶/۳، إدارة القرآن كراچي)

کے نزدیک جو مفتیٰ بہ قول ہو، تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ اگر اپنے مال میں سے ہدیہ دے تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں، جواز کے لئے بلوغ شرط ہے(۱)۔ والدین اگر اپنا مال دے کر نابالغ سے کہیں کہ یہ ہدیہ فلاں شخص کو دے دو تو اس کا قبول کرنا درست ہے۔ کہ وہ درحقیقت نابالغ کا نہیں، بلکہ والدین کا ہے(۲)۔ اور بچوں کو ہدایا پیش کرنے کا عادی بنانے کے لئے والدین ایسا کرتے ہیں اور یہ چیز کبھی صراحۃً ہوتی ہے کبھی دلالۃً، تذکرۃ الخلیل، ص:۶۸، میں جو امام ربانی قدس سرہ کا خط نقل کیا ہے، اس میں جوازِ ہدیہ کا محمل یہی ہے۔ اطفال کے ساتھ ورثۂ اطفال (اولیاء) کو بھی ذکر کیا ہے جس میں غالباً سائل کو بھی شبہ کی بھی گنجائش نہ تھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا

سوال[۸۶۹۱]: اکثر مدرسین جب بچے اسکول میں پاس ہوجاتے ہیں تو بچوں سے انعام وصول کرتے ہیں، اور کبھی کبھی پہلے ہی وصول کر لیتے ہیں۔ اس انعام کا لینا کسی صورت سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر طلبہ بطور خوشی کے شکرانہ کے انعام دیں تو لینا درست ہے، انعام ہوتا ہی وہ ہے جو خوش ہو کر دیا

---

(۱) "وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۷/۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳۵۳/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"تصرف الصبي والمعتوه إن كان نافعاً كالإسلام والاتهاب، صح. وإن كان ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض لا وإن أذن به وليهما". (الدرالمختار).

وكذا الهبة والصدقة وغيرها". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب المأذون: ۱۷۳/۶، سعيد)

(۲) "وفي خزانة الفتاوى: إذا دفع لابنه مالاً، فتصرف فيه الابن، يكون للأب، إلا إذا دلت دلالة التمليك، بيرى". (ردالمحتار، كتاب الهبة: ۶۸۸/۵، سعيد)

جائے۔ مدرس کا حق نہیں، زبردستی کرنا درست نہیں (۱)۔ اگر کوئی انعام نہ دے تو اس پر طعن وغیرہ کرنا اور آئندہ اس کو حقیر سمجھنا، ذلیل کرنا، اس کے ساتھ محنت میں کمی کرنا ہرگز جائز نہیں۔

"لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

مخنث پڑوسی کے نل کا پانی اور ہدیہ

سوال [۸۶۹۲]: زید کے پڑوس میں ایک مخنث ہے جس کے گھر میں پانی کا نل لگا ہوا ہے، زید اس کے نل کا پانی استعمال کرتا ہے۔ آیا زید کے لئے پانی لینا جائز ہے یا نہیں؟ مخنث سود بھی لیتا ہے، گانے بجانے کا کام بھی کرتا ہے، مگر نل سود لینے سے پہلے لگایا تھا، البتہ گانے بجانے کا کام ابتداء سے کرتا ہے۔ مخنث زید کو کبھی کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز بھی دے دیتا ہے جو زید کو پڑوسی ہونے کی بناء پر لینی پڑتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کے سود لینے اور مخنث ہونے کی وجہ سے نل کا پانی تو ناپاک وناجائز نہیں (۳)۔ البتہ جو چیز وہ ناجائز طور پر لا کر دے اس کو نہ لیا جائے، بلکہ اس سے اس قسم کا تعلق نہ رکھا جائے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

---

(۱) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، باب التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأنزلنا من السماء ماء طهوراً﴾ (سورة الفرقان: ۴۸)

(۴) "أهدىٰ إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه) .... =

جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا

سوال[۸۶۹۳]: جولوگ اپنے حلال مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ زکوۃ فرض ہے تو وہ سخت گنہگار ہے(۱)، زکوۃ اس کے ذمہ دَین ہے(۲)، مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا، اس کا ہدیہ، تحفہ، دعوت قبول کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أتاه الله مالاً فلم يؤدّ زكوته، مثّل له ماله يوم القيامة شجاعاً أقرع، له زبيبتان يطوّقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه يعني شدقيه، ثم يقول: أنا مالك أنا كنزك، ثم تلا ﴿ولايحسبنّ الذين يبخلون﴾ الأية". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، الفصل الأول: ۱۵۵/۱، قديمي)

(۲) "ومديون للعبد بقدر دينه، فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ومديون للعبد) الأولىٰ "مديون بدين يطالبه به العبد" يشمل دين الزكاة والخراج؛ لأنه لله تعالىٰ مع أنه يمنع؛ لأن له مطالبا من جهة العباد، كما مر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲۶۳/۲، سعيد)

(وكذافي مجمع الأنهر، كتاب الزكوة: ۲۸۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الزكوة: ۱۶۰/۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) بشرطیکہ اس کا کل مال یا اکثر حصہ حلال کا ہو:

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه =

حرام کمائی والے کا ہدیہ

سوال[۸۲۹۴]: ماتقولون فی أکل الطعام فی بیت الذی لایتمیز بین کسب الحلال والحرام؟ وأیّ اقوی من الفتویٰ والتقویٰ للعلماء الکرام الذین ھم مقتداء القوم؟

المستفتی: فدوی محمد بدرالدجیٰ عفی عنہ، ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی الفتاویٰ الھندیة: "أھدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن یعلم بأنه حرام. فإن کان الغالب ھو الحرام، ینبغی أن لایقبل الھدیة، ولایأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضته، کذا فی الینابیع. لایجیب دعوة الفاسق المعلن، لیعلم أنه غیر راض بفسقه. وکذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال، وبالعکس یجیب مالم یتبین عنده أنه حرام، کذا فی التمرتاشی، اھ"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی بمدرسۂ مظاہر علوم سہارنفور، الہند۔

الجواب صحیح: سعید أحمد غفرله، المبتلی بأمانة الإفتاء بالمدرسة العلیة المشتھر بمظاھر علوم الواقعة ببلدة سھارنفور۔ یوپی، ۷/جمادی الأولی/۶۷ھ۔

= حرام. فإن کان الغالب ھو الحرام، ینبغی أن لایقبل الھدیة ولایأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلال".

(الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات: ۵/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، الرابع فی الھدیة والمیراث: ۶/۳۶۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۴۰۰، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریة، الرابع فی الھدایا والضیافات: ۶/۳۶۰، رشیدیه)

سوال: "اس گھر سے کھانا کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے، جو حلال وحرام کمائی میں تمیز نہیں کرتا اور فتویٰ اور تقویٰ میں سے ان علماء کرام کے لئے کیا اقویٰ ہے جو قوم کے مقتداء ہیں؟ .... =

ہدیہ کی تفتیش حلال ہے یا حرام؟

سوال[۸۶۹۵]: اگر کوئی آدمی کچھ چیز ہدیہ کے طور پر دے تو اس سے یہ پوچھنا کہ یہ چیز حرام ہے یا حلال یعنی اس چیز کا دریافت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حرام وحلال میں شبہ ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے دریافت کرنا درست ہے اور بلا وجہ دریافت کرنا کہ اس کو اذیت ہو نہیں چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۷/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

جس ہدیہ پر حرام کا شبہ ہو، اس کا حکم

سوال[۸۶۹۶]: ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ ہوئی، شادی کے موقع پر ہندہ کے خالو نے (جو کہ

= **جواب:** فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی آدمی کو ہدیہ دیا یا اس کی میزبانی کی اگر اس کا اکثر مال حلال ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں مگر یہ کہ جانتا ہو کہ یہ شی حرام سے ہے اور اگر حرام غالب ہو تو ہدیہ قبول نہ کرے اور نہ ضیافت کا کھانا کھائے، مگر یہ کہ وہ اس کو خبر دے کہ یہ حلال کمائی سے ہے مجھ کو میراث میں ملا ہے یا میں نے اس کو قرض لیا ہے جیسا کہ ینابیع میں ہے: فاسق معلن کی دعوت قبول نہ کرے تا کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ اس کے فسق پر راضی نہیں۔ اسی طرح اس شخص کی دعوت قبول نہ کرے جس کا غالب مال حرام سے ہو جب تک یہ خبر نہ دے کہ یہ حلال ہے اور اس کے عکس کی صورت میں قبول کرے مگر یہ کہ ظاہر ہو جائے کہ یہ حرام ہے۔ تمرتاشی میں اسی طرح ہے"۔

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا دخل أحدكم علی أخيه المسلم، فليأكل من طعامه ولا يسئل، ويشرب من شرابه ولا يسئل". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولمية: ۲/ ۲۷۹، قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالیٰ: "فليأكل من طعامه ولا يسئل": أي من أين هذا الطعام؛ ليتبين أنه حلال أم حرام (ويشرب) بالجزم (من شرابه، ولا يسئل) فإنه قد يتأذی بالسوال، وذلك إذا لم يعلم فسقه كما ينبئ عنه قوله: "علی أخيه المسلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۶/ ۳۷۷، رشيديه) .

شراب کا کاروبار کرتے ہیں) ہندہ کو ایک جوڑا کپڑا اور بکر کو ایک گھڑی دی۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر کو معلوم ہوا کہ ہندہ کے خالو شراب کا کاروبار کرتے ہیں، کچھ عرصہ پہلے دوسرا جائز کام کرتے تھے۔ قیاس یہی ہے کہ انہوں نے کپڑا اور گھڑی حرام کمائی سے خرید کردی ہوگی، اس لئے بکر چاہتا ہے کہ گھڑی اور ہندہ چاہتی ہے کہ اپنے کپڑے کسی کو صدقہ کردے۔ ہندہ اور بکر اپنا اپنا سامان اپنے خالو کو بعض دشواریوں کی وجہ سے واپس نہیں کرسکتے۔

فتاویٰ دار العلوم جلد ہفتم وہشتم ص: ۱۰۵ تا ۱۰۸ بحث "إشباع الكلام في مصرف الصدقة من المال الحرام" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا حرام مال جس کا اس کے مالک تک پہونچانا دشوار ہو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ صدقہ اپنے والدین، بھائی، بہن، بیوی، شوہر کو بھی دیا جاسکتا ہے۔

اب اس صورت میں دو چیزیں قابلِ دریافت ہیں:

۱..... کیا بکر گھڑی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرسکتا ہے؟

۲..... کیا بکر اپنی گھڑی یا اس کی قیمت اپنی بیوی کو جو صاحبِ نصاب نہیں ہے، یا والدین یا بھائی بہن کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ یہ بات یقینی نہیں کہ یہ سامان ہندہ کے خالو نے حرام مال سے حاصل کیا ہے تو اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں (۱)، تاہم بکر بطور تقویٰ صدقہ کرنا چاہتا ہے تو بہتر ہے (۲)، گھڑی ہی صدقہ کردے پھر اگر وہ شخص

---

(۱) "ان اليقين لايزوال بالشک". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: ۱/۱۹۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۴۲، (رقم القاعدة: ۴۲۱)، الصدر پبلشرز)

(۲) "عن الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما قال: حفظت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبک إلى مالا يريبک".

"والمعنى: اترک ماتشک فيه من الأقوال والأعمال أنه منهى عنه أولا، أو سنة أو بدعة، وأعدل إلى مالاتشک فيه منهما. والمقصود أن يبني المكلف أمره على اليقين البحث والتحقيق الصرف، ويكون على بصيرة في دينه". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، (رقم الحديث: ۲۷۷۳): ۶/۲۴، رشيديه)

"دع مايريبک": أي يوقع في الشک، والأمر للندب، لما أن توقي الشبهات مندوب لاواجب=

گھڑی کوفروخت کرنا چاہے تو کسی اور کے ذریعہ لے کر خرید لے۔ اپنا دیا ہوا صدقہ خود نہ خریدے(۱)۔ نیز یہ صدقہ اپنی بیوی اور والدین میں سے کسی کو نہ دے تو بہتر ہے۔ بھائی بہن حاجت مند ہوں تو ان کو دے دے۔ یہی حکم ہندہ کا ہے کہ وہ اپنے شوہر اور والدین کو نہ دے تو بہتر ہے، بھائی، بہن حاجت مند ہوں تو ان کو دے دے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۲۶ھ۔

= على الأصح. "إلى مالايريبك": أى أترك ماتشك فيه من الشبهات واعدل إلى مالاتشك فيه من الحلال البين. لما سبق أن "من اتقى الشبهات فقد استبرأ لعرضه ودينه" .... والمعنى أن من اشكل عليه شئ والتبس ولم يتبين أنه من أىّ القبيلين هو، فليتأمل فيه إن كان من أهل الاجتهاد، ويسأل المجتهدين إن كان من المقلدين، فإن وجد مايسكن إليه نفسه ويطمئن به قلبه وينشرح صدره، فليأخذ به، وإلا فليدعه وليأخذ بمالا شبهة فيه، ولاريبة. هذا طريق الورع والاحتياط .... اى اترک ماتشک فى كونه حسناً أو قبيحاً أو حلالاً أو حراماً .... اهـ". (فيض القدير: ۶/۳۲۴۵، ۳۲۴۶، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۱) "وفى شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة رحمه الله تعالىٰ: أن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان، وكان يستقرض لجميع حوائجه، ومايأخذ من الجائزة يقضى بها ديونه. والحيلة فى هذه المسائل أن يشترى نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أىّ مال شاء. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: سألت أبا حنيفة رحمه الله عن الحيلة فى مثل هذا، فأجابنى بماذكرنا، كذا فى الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) "ولا إلى من بينهما ولاد ولومملوكاً لفقير، أو بينهما زوجية ولومبانة، وقالا: تدفع هى لزوجها". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: ولا إلى من بينهما ولاد): أى بينه وبين المدفوع إليه؛ لأن منافع الأملاک بينهم متصلة، فلا يتحقق التمليک على الكمال هداية .... وكذا كل صدقة واجبة كالفطرة والنذر والكفارات، أما التطوع فيجوز بل هو أولىٰ كما فى البدائع .... وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء، بل هم أولىٰ؛ لأنه صلة وصدقة. وفى الظهيرية. ويبدأ فى الصدقات بالأقارب، ثم الموالى، ثم الجيران". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۴۶، سعيد) .... =

غیر مسلم کا ہدیہ

سوال[۸۶۹۷]: غیر مسلم سودخور کا ہدیہ لینا مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سود مسلم کے لئے حرام ہے وہ غیر مسلم کے لئے بھی حرام ہے، لہذا اگر وہ سود سے ہدیہ دیتا ہے تو اس کا لینا ناجائز ہے(۱) اگر حلال سے دیتا ہے تو کسی ضرورت اور مصلحت کے لئے لینا درست ہے(۲)، لیکن محبت یا اس کی اور اس کے دین کی عظمت کے لئے لینا ناجائز ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/صفر/۵۷ھ۔

ایضاً

سوال[۸۶۹۸]: ہندو اگر کوئی چیز ہدیے کے طور پر دے یا دعوت کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

= (وكذا في البحرا لرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكوة: ۲/۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثه أو استقرضه من رجل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية والميراث: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية)

(۳) "وفي الخلاصة: من أهدى بيضة إلى المجوس يوم النيروز، كفر: أي لأنه أعانه على كفره وإغوائه، أو تشبه بهم في إهدائه . ومفهومه أنه لو أهدى شيئاً في يوم النوروز إلى المسلم، لايكفر، وفيه نظر؛ إذ التشبيه موجود، اللهم إلا إن وقع اتفاقياً من غير قصد إلى النيروزية". (شرح الفقه الأكبر لملا على القاري، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پاک اور حلال ہو، نیز اس سے کوئی اَور بھی دینی و دنیوی مضرت نہ ہو تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ربیع الاول/۵۶ھ۔

غیر مسلم کا ہدیہ وتحفہ دینا و لینا

سوال[۸۶۹۹]: ۱...... دیوالی کے موقع پر ہندو گنے کو پوجتے ہیں، کاشتکار مسلمان ہندوؤں کو گنے دیتے ہیں، اگر نہ دیں تو مضرت کا اندیشہ ہے اور وہ کھیل دیتے ہیں۔

۲...... بغیر مضرت کے اندیشہ کے مسلمانوں کا ہندوؤں کو گنے دینا اور ہندوؤں سے کھیل بتاشے وغیرہ لینا کیسا ہے؟

حاجی کرامت علی مالا ہیڑی، سہارنپور، ۳۰/ اکتوبر/ ۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... کفار سے محبت اور دوستی کا تعلق رکھنا شرعاً ناجائز ہے(۲)، البتہ دنیوی ضروریات کے لئے

---

(۱) "روى محمد رحمه الله تعالىٰ في السير الكبير أخباراً متعارضةً، في بعضها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبل هدايا المشرك. وفي بعضها: أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يقبل. فلا بد من التوفيق. واختلفت عبارة المشايخ رحمهم الله تعالىٰ في وجه التوفيق .... ومن المشايخ من وفق من وجه آخر، فقال: لم يقبل من شخص علم أنه لو قبل منه يقلّ صلابته وعزته في حقه ويلين له بسبب قبول الهدية، وقبل من شخص علم أنه لايقلّ صلابته وعزته في حقه ولايلين بسبب قبول الهدية، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، ۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في معاملة أهل الذمة: ۶/۱۰۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لايتخذ المؤمنون الكفرين أولياء من دون المؤمنين، ومن يفعل ذلك، فليس من الله في شيء، إلا أن تتقوا منهم تقةً﴾ (سورة اٰل عمران: ۲۸) .... =

معاملات کا تعلق رکھنا درست ہے(۱)، لہٰذا اگر گنے نہ دینے میں کاشتکار کو مضرت کا اندیشہ ہے تو اس مضرت سے بچنے کے لئے گنے دینا درست ہے، اگر کوئی مضرت کا اندیشہ نہیں تو چونکہ اس سے دوسری محبت کا اظہار ہوتا ہے، اس سے بچنا چاہیے(۲)۔

۲......کھیلیں ہندوؤں سے لینے میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر ہندو اپنا احسان سمجھ کر دیتے ہیں، یا یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ مسلمان ہمارے اس تہوار میں شریک ہوگئے تب تو نہیں لینا چاہیے، ورنہ لے لینے میں گنجائش ہے، هكذا يفهم من الهندية(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/ شعبان/ ۵۴ھ۔

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوّكم أولياء تلقون إليهم بالمودة﴾ (سورة الممتحنة: ۱)

(۱) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لابدمنه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، الخ: ۵/۳۴۸، رشيديه)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو"۔ (معارف القرآن: ۲/۵۰، ۵۱، ادارة المعارف كراچی)

(۲) "ولعل الصحيح أن كل ماعده العرف تعظيماً وحسبه المسلمون موالاةً، فهي منهي عنه ولو مع أهل الذمة". (روح المعاني: ۳/۱۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "قد روى محمد رحمه الله تعالىٰ في السير الكبير أخباراً متعارضةً، في بعضها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم قبل هدايا المشرك. وفي بعضها: أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يقبل. فلا بد من التوفيق. واختلف عبارة المشايخ رحمهم الله تعالىٰ في وجه التوفيق .... ومن المشايخ من وفق من وجه آخر، فقال: لم يقبل من شخص علم أنه لوقبل منه يقلّ صلابته وعزته في حقه ويلين له بسبب قبول الهدية، وقبل من شخصٍ علم أنه لايقل صلابته وعزته في حقه ولا يلين بسبب قبول الهدية، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، ۳۴۸، رشيديه)

غیر مسلم کا چندہ

سوال[۸۷۰۰]: اگر ایک غیر مسلم ایسی عمارت جو کہ اسلامی مذہبی ضروریات کے لئے بن رہی ہے، کی تعمیر میں چندہ دے تو کیا قبول کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ثواب سمجھ کر دے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ اس کے نتیجہ میں کوئی غلط مقصد حاصل کرے گا تو لینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

غیر مذہب والوں سے کاروبار کی بنا پر ہدیہ کا لین دین

سوال[۸۷۰۱]: ۱......میرا اینٹ کا کاروبار ہونے کی وجہ سے مجھے دوسرے مذاہب کے پیروں کے پاس اینٹ کا آرڈر لینے، یا اینٹ کی رقم لینے کے لئے جانا پڑتا ہے تو ان کو احتراماً کوئی پھل یا مٹھائی لے جانے، یا نمسکار کرنے، یا اس جگہ جہاں وہ بیٹھتے ہیں جہاں پوجا یا شرک ہوتا ہے، ان کے دیوتاؤں یا معبودوں کی تصویریں لگی ہوئی نہ ہوتی ہیں، ایسی جگہ بیٹھنا شرعی طور پر جائز ہے کہ نہیں؟

۲......دوسرے مذہبی پیروں یا سوامی سے پہچان یا ملاقات ہو تو ان کی ملاقات کے لئے جائے اور ساتھ کوئی تحفہ بھی لے جائے (پھل مٹھائی وغیرہ) شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اینٹ کے کاروبار کی وجہ سے ان سے ملنا معاملہ کرنا، ان کو پھل وغیرہ دینا سب درست ہے(۲)، مگر جو چیز ان کے مذہب میں عبادت ہو اس کو ہرگز نہ کریں، نہ ان چیزوں کی تعظیم کریں۔معاملہ جو کچھ کرنا ہو پوجا

(۱) (راجع، ص: ۱۷۵، رقم الحاشیة:۴)

(۲) "لابأس بأن یکون بین المسلم والذمی معاملة إذا کان مما لابد منه، کذا فی السراجیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة الخ: ۳۴۸/۵، رشیدیه)

پاٹ کی جگہ نہ کریں(۱)۔

۲.....کاروبار، لین دین کا معاملہ ان سے بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) لقوله عليه السلام: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۲/۳۷۵، قديمي)

"ومن تزنر بزنار اليهود أو النصارى، وإن لم يدخل كنيستهم، كفر. ومن شد على وسطه حبلاً، وقال: هذا زنار، كفر .... لو أن رجلا عبدالله خمسين عاماً، ثم جاء يوم النوروز، فأهدى إلى بعض المشركين يريد تعظيم ذلك اليوم، فقد كفر بالله العظيم، وحبط عمله خمسين عاماً". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، قديمي)

(۲) "مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کیے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو"۔ (معارف القرآن: ۲، ادارۃ المعارف کراچی)

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

شراب یا افیم بطور دوا انسان، یا جانور کو کھلانا

سوال[۸۷۰۲]: انسان یا جانور کو شراب یا افیم بطور دوا کے استعمال کرانا کیسا ہے؟ کم یا زیادہ کی تفصیل ہو تو لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شراب تھوڑی ہو یا زیادہ ہو وہ حرام ہی ہے(۱) نہ انسان کو استعمال کرائی جائے نہ جانور کو۔ اگر ایسا مرض ہو کہ حاذق دیندار معالج بتائے کہ شراب کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں تو مجبوراً دوا کے طور پر بقدرِ ضرورت اجازت ہے(۲)۔ افیم اتنی مقدار کہ اس سے نشہ ہو استعمال کرنا درست نہیں ہے(۳)۔ اس سے کم مقدار میں

---

(۱) "وحرم قليلها وكثيرها بالإجماع". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وحرم قليلها): أي شرب قليلها، لئلا يتكرر الآتي من حرمة الانتفاع والتداوي .... واحترز به عما قاله بعض المعتزلة: إن الحرام هو الكثير المسكر لا القليل، قهستاني .... ولأن قليله يدعو إلى كثيره، وهذا من خواص الخمر". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، رشيديه)

(۲) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه".

(الدرالمختار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۳۸۹/۶، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(۳) "حرمة أكل بنج وحشيشة وأفيون، لكن دون حرمة الخمر. ولو سكر باكله، لايحدّ، بل يعزر. وفي النهر: التحقيق مافي العناية أن البنج مباح؛ لأنه حشيش، أما السكر منه فحرام". (الدرالمختار).

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ان البنج مباح) قيل: هذا عندهما، وعند محمد ما أسكر كثيره قليله حرام، وعليه الفتوىٰ. أقول: المراد بما أسكر كثيره الخ، من الأشربة، وبه عبر بعضهم =

دواءً گنجائش ہے(۱)، آدمی کے لئے بھی جانور کے لئے بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

شراب کو سرکہ بنا کر استعمال کرنا

سوال[۸۷۰۳]: تاڑی(۲) یا شراب کا سرکہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاڑی یا شراب کو اگر سرکہ بنالیا جائے اور حقیقۃً بدل جائے تو اس کو کھانا درست ہے:

''الخمر إذا خلله بعلاج الملح أو بغيره، يحل عندنا أكله''. عالمگیری: ۲۹۲/۲(۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

فوجی کا شراب فروخت کرکے دوسرے کام میں استعمال کرنا

سوال[۸۷۰۴]: فوج میں رہنے والے حضرات کو شراب، چاول اور آٹا ملتا ہے، وہ اگر اس شراب کو فروخت کرکے اپنے لوگوں کے لئے کوئی کھیل کود کا سامان لینا چاہیں تو کیا حکم ہے؟ یا اگر اس رقم سے دعوت کریں جس میں مسلم وغیر مسلم دونوں شریک ہوں تو کیا حکم ہے؟

= .... بخلاف القدر المضر، فإنه حرام، فافهم واغتنم هذا التحرير''. (ردالمحتار: ۴۲/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲۰۲/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) ''ويحل القليل النافع من البنج وسائر المخدرات للتداوي ونحوه؛ لأن حرمته ليست لعينه، وإنما لضرره''. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۵۰۵/۷، كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۹/۲۴)

(۲) ''تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس''۔(فيروز اللغات، ص: ۳۳۶، فيروز سنز لاهور)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأشربة: ۴۱۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الأنجاس: ۳۲۶/۱، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب پینا(۱)، فروخت کرنا، خریدنا، پلانا سب ناجائز اور حرام ہے(۲)، موجبِ لعنت ہے(۳)، مسلم کو پلائے یا غیر مسلم کو پلائے، کچھ بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

کسی کا شراب چھوڑنے کے لئے دوسرے کے وعظ چھوڑنے کی شرط لگانا

سوال[۸۷۰۵]: ایک نوجوان شراب پیتا ہے، کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے، اس کے عزیز و اقارب کسی سید پیر کامل سے مرید ہیں۔ شیخ جب ان کے گھر آئے تو ان کو اس کا شراب پینا اور نماز نہ پڑھنا معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے مریدین اور اس کے گھر والوں کی موجودگی میں اس کو نصیحت کی اور گھر والوں سے کہا کہ اس کے برتن وغیرہ علیحدہ کردو، تاوقتیکہ اس برے فعل سے باز نہ آئے۔ اس بات پر لڑکا بداخلاقی سے پیش آیا اور پیر صاحب سے کہا کہ اگر آپ اپنا وعظ ونصیحت کا سلسلہ چھوڑ دیں تو میں شراب پینا چھوڑ دوں گا۔ ایسے شخص کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب چھوڑنے کے لئے یہ شرط لگانا کہ پیر صاحب وعظ ونصیحت چھوڑ دیں غلط اور ناقابلِ عمل شرط ہے(۴)،

---

(۱) "وحرم قليلها وكثيرها بالإجماع". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وحرم قليلها): أي شرب قليلها، لئلا يتكرر الآتي من حرمة الانتفاع والتداوي .... واحترز به عما قاله بعض المعتزلة: إن الحرام هو الكثير المسكر لا القليل، قهستاني .... ولأن قليله يدعو إلى كثيره، وهذا من خواص الخمر". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۱۸۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (راجع، ص: ۱۸۱، رقم الحاشية: ۲)

(۴) کیونکہ یہ شرط نصوص کے خلاف ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾ (سورة آل عمران: ۱۰۴) ....

شراب سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے (۱) اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب پینے پر لعنت فرمائی ہے (۲)۔ دینِ اسلام میں اس کی سزا سخت ہے۔ ان سب وعیدوں کو سنایا جائے۔ اس شخص کی خاطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قلبِ ماہیت کے بعد نشہ آور چیز کا استعمال

سوال [۸۷۰۶]: تاڑی کے ہر جز میں نشہ ہے، گاد میں بھی اور غیر گاد میں بھی (۴)۔ تو بسکٹ اور پاؤروٹی وغیرہ بنانے میں اس گادھ کا استعمال کیسا ہے؟

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ وہ چیز جب تندور میں چلی جاتی ہے تو گاد کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا ہے، جل کر بالکل خاکستر ہو جاتی ہے اور اس کی ہیئت بھی بدل جاتی ہے۔ جس طرح سے ہیئت بدل جانے میں سرکہ بالکل جائز ہو جاتا ہے۔ آپ تفصیل سے دلائل کے ساتھ آگاہ فرمائیں، ایسے بسکٹ پاؤروٹی وغیرہ کا کھانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا حرام ہے یا مکروہ ہے؟

= وقال الله تعالىٰ: ﴿كانوا لايتناهون عن منكر فعلوه﴾ (سورة المائدة: ۷۹)

قال الفقيه رحمه الله: "قد اشترط النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القدرة، يعني إذا كانت الغلبة لأهل الصلاح، فالواجب عليهم أن يمنعوا أهل المعاصي من المعصية إذا أظهروا المعاصي".

(تنبيه الغافلين، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۴۸، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطن، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعنت الخمر على عشرة أوجه: لعنت الخمر بعينها، وشاربها، وساقيها، وبائعها، ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها". (ابن كثير: ۱۲۹/۲، دارالفيحاء دمشق)

(۳) "وعن النواس بن سمعان رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۳۲۱/۲، قديمى)

(۴) ''گاد: تلچھٹ، تیل یا شربت کے نیچے بیٹھا ہوا میل، نیچے کا گدلا اور گاڑھا تیل وغیرہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۷، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلياً:

نشہ والی چیز کا استعمال بالکل نہ کیا جائے، نہ گادھ کا نہ اس کے علاوہ کا، نہ بسکٹ یا ڈبل روٹی میں، نہ کسی اَور چیز میں۔ شراب جب تک شراب ہے اس کا استعمال ناجائز ہے(۱)، اور جب وہ سرکہ بن جائے تو اس کا استعمال درست ہے، قلب ماہیت کے بعد حکم بدل جاتا ہے، جیسا کہ حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۲)۔ اگر کوئی شراب کو استعمال کرے اور دورانِ استعمال اس کی ہیئت بدل جائے تو اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۳۹۰ھ۔

اسپرٹ کا حکم

سوال[۸۷۰۷]: زید نے انجکشن لگوایا، لگانے والا پہلے اسپرٹ بدن پر لگاتا ہے، کچھ اسپرٹ بدن پر بھی لگ جاتی ہے۔ آیا اس کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ کہتے ہیں کہ اسپرٹ بدن پر لگ کر فوراً جلد میں تحلیل ہو جاتی ہے، یا ہوا لگ کر اڑ جاتی ہے اور بدبو بھی دور ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطن، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

وقال عليه السلام: "كل شراب أسكر، فهو حرام".

وقال عليه السلام: "كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام". (مشكوة المصابيح، باب بيان الخمر ووعيد شاربها: ۳۱۷/۲، قديمي)

(۲) قال الحصكفي: "ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً، ولا قذر وقع في بئر فصار حماة، لانقلاب العين، به يفتى". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "مقتضى ما مر ثبوت انقلاب الشئ عن حقيقته كالنحاس إلى الذهب. وقيل: إنه غير ثابت؛ لأن قلب الحقائق محال، والقدرة لاتتعلق بالمحال، والحق الأول".

(الدر المختار مع رد المحتار، باب الأنجاس: ۳۲۶/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في البئر، ص: ۱۸۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کپڑے اور بدن کے اس حصہ کو پاک کرلیا جائے جس پر اسپرٹ لگی ہے (اگرچہ وہ لگی ہوئی نظر نہ آتی ہو اور بدبو بھی محسوس نہ ہوتی ہو) تب نماز پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۵ھ۔

بَیر کا حکم

سوال [۸۷۰۸]: آج کل لوگ بَیر کو صرف ایک ٹھنڈا مشروب قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا، یہ گرمی کے لئے بہترین چیز ہے۔ اسی طریقہ سے لوگ پان میں تمباکو کھاتے ہیں، اگر

---

(۱) "ویطهر محل غیرها: أی غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل لومكلفاً، وإلا فمستعمل (طهارة محلها) بلا عدد، به یفتی". (الدرالمختار، باب الأنجاس: ۱/۳۳۱، سعید)

(وكذا فی الهدایة، باب الأنجاس: ۱/۷۸، مكتبه شركت علمیه)

(وكذا فی تبیین الحقائق، باب الأنجاس: ۱/۲۰۶، دارالكتب العلمیة بیروت)

آج کل ابتلائے عام اور اسپرٹ کی پوری حقیقت بدلنے کی وجہ سے اس پر پاکی کا حکم لگادیا گیا:

"وبهذا یتبین حكم الكحول المسكرة (Al Cohals) التی عمت بها البلوی الیوم، فإنها تستعمل فی كثیر من الأدویة والعطور والمركبات الأخری، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبیل إلی حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غیرهما فالأمر فیها سهل علی مذهب أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، ولایحرم استعماله مركبة مع المواد الأخری، ولایحكم بنجاستها أخذاً بقول أبی حنیفة رحمه الله. وإن معظم الكحول التی تستعمل الیوم فی الأدویة والعطور وغیرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغیره، كما ذكرنا فی باب بیع الخمر من كتاب البیوع، وحینئذ هناك فسحة فی الأخذ بقول أبی حنیفة عند عموم البلوی. والله سبحانه أعلم". (تكملة فتح الملهم: كتاب الأشربة، باب تحریم الخمر، الخ: ۳/۶۰۸، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(وكذ فی نظام الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، انگریزی دواؤں کے استعمال کا حکم جن میں شراب، اسپرٹ، افیون وغیرہ شامل ہو: ۱/۳۵۲، مكتبه رحمانیه لاهور)

تھوک نگل جائیں تو اس میں نشہ ہونے لگتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی حقیقت (اجزائے ترکیبیہ) معلوم نہیں۔ چار قسم کی شراب حرام ہے اگر چہ اس کا ایک قطرہ ہو اور اس سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، اس کے علاوہ اگر نشہ آور ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں۔ اس کلیہ کے تحت بئیر کی تحقیق کرلی جائے۔ تمباکو میں حِدَّت ہوتی ہے، کبھی یہ حِدَّت نشہ کی حد تک پہونچ جاتی ہے تو اس پر ممنوع ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ خواہ یہ نشہ اس کی حِدَّت سے پیدا ہو، یا اس میں اجزاء ملانے سے پیدا ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۴ھ۔

بئیر پینا

سوال[۸۷۰۹]: بئیر پینا حرام ہے یا نہیں؟ اصل میں اس جگہ سے مراد ہے جس جگہ درجہ حرارت ۶۰/سینٹی گریڈ سے اوپر ہے اور جو شخص ایسی جگہ نوکری کر رہا ہے وہ کشمیر کا رہنے والا ہے۔ گرمی تو قدرتی بات ہے اس کو محسوس ہوگی۔ تو ایسے شخص کا بئیر پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بئیر اگر کوئی نشہ آور چیز ہے تو اس کا استعمال کرنا منع ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) ''بئیر (Beer) ایک قسم کی شراب ہے جو جَو سے بنائی جاتی ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۴، فیروز سنز لاهور)

اس تعریف کی رو سے بئیر مسکرات کے حکم میں ہے، اس لئے اس کا پینا جائز نہیں:

''الشراب مایسکر والمحرم منها أربعة: الخمر وهي النيئ من ماء العنب إذ غلا واشتد .... والطلاء .... والسكر .... ونقيع الزبيب''. (البحر الرائق، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۴۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

''كل مسكر حرام''. (صحيح البخاري: ۹۰۴/۲، كتاب الأدب، قديمي)

(۲) (راجع للتخريجي المسئلة المتقدمة آنفاً)

تاڑی کی حرمت

سوال[۸۷۱۰]: سرکہ تاڑی کا جو تاڑی کو سکھا کر بنایا جاتا ہے، تو تاڑی کو کیوں حرام کیا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تاڑی میں نشہ ہوتو ناجائز ہے(۱)، سرکہ بن جانے کے بعد نشہ نہیں رہتا، اس لئے جائز ہے(۲)۔ تاڑی میں نشہ پیدا ہونے سے پہلے اگر استعمال کرلیں تو منع نہیں۔ چار قسم کی شراب ایسی ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے، نشہ ہو یا نہ ہو، تنہا ہو یا کسی دوسری چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۸ھ۔

---

(۱) "حرمة أكل بنج وحشيشة وأفيون، لكن دون حرمة الخمر. ولوسكر بأكله، لايحد، بل يعزر. وفي النهر: التحقيق ما في العناية: أن البنج مباح؛ لأنه حشيش، أما السكر منه فحرام". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴۲/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۶۰۲/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ولايحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة: ۶۰۸/۳، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "ومنها إذا تخللت بنفسها، يحل شرب الخل بلا خلاف، لقوله عليه السلام: "نعم الإدام الخل". (بدائع الصنائع)

وفي تعليقه: "قال النووي في شرح مسلم: أجمعوا على أن الخمر إذا انقلبت بنفسها خلاً، طهرت". (بدائع الصنائع مع التعليق، كتاب الأشربة: ۴۴۳/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "مايسكر، والمحرم منها أربعة أنواع: الأول الخمر وهي النيء، وحرم قليلها وكثيرها بالإجماع .... والثاني الطلاء بالكسر .... والثالث السكر بفتحتين وهو النيء من ماء الرطب .... والرابع (نقيع الزبيب وهو النيء من ماء الزبيب) بشرط أن يقذف بالزبد بعد الغليان. والكل: أي الثلاثة المذكورة حرام إذا غلى واشتد". (الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، ۴۵۲، سعيد) =

تاڑ اور کھجور کا رس پینا

سوال[۸۷۱۱]: تاڑ، یا کھجور وغیرہ کا تازہ رس جو کافی میٹھا ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا نشہ نہیں ہوتا، اس کا پینا کیسا ہے؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ اس کا پینا جائز ہے، حالاں کہ حدیثِ پاک میں اشربہ اربعہ کو حرام قرار دیا ہے، مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ رس جب تک نشہ پیدا نہ کرے، حرام نہیں، كذا يفهم من ردالمحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۵ھ۔

بسکٹ میں تاڑی کا استعمال

سوال[۸۷۱۲]: دوکاندار ایسا بسکٹ فروخت کرتا ہے جس میں تاڑی کی گاد (تلچھٹ) (۲) رکھ کر تنور کی گرمی سے تیار کیا جاتا ہے جس کو کہ لوگ عام طور پر کھاتے ہیں اور کسی قسم کی کراہت نہیں سمجھتے۔ ایک شخص اس سے کہتا ہے کہ جس شی میں تاڑی ملی ہو اس کا استعمال ناجائز ہے۔ اس پر وہ دوکاندار یہ دلیل پیش کرتا ہے: نجس چیز جیسے سور یا پاخانہ جب کہ نمک کے کان میں گر کر نمک ہو جاوے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر مٹی

= "وإن هذه الأشربة خمر عند أبي حنيفة في الصحيح، فلذلك هي حرام نجسة يحرم شربها، قليلةً كانت أو كثيرةً". (تكملة فتح الملهم، كتاب الاشربة: ۶۰۰/۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

"اور تاڑی تھوڑی ہو یا بہت، نشہ کرے یا نہ کرے، مطلقاً اس کا پینا حرام ہے، کیونکہ جس چیز کا کثیر مسکر ہے اس کا قلیل بھی حرام ہے، اور تاڑی نجس بھی ہے"۔ (فتاویٰ مجموعة الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، تاڑ کی تاڑی پی کر مسجد میں جانے اور نشہ کی حالت میں نماز کا حکم: ۲۲۶/۲، ۲۴۹، سعید)

(۱) (مر تخريجه تحت عنوان: "تاڑی کی حرمت"۔)

(۲) "گاد: تلچھٹ، تیل یا شربت کے نیچے بیٹھا ہوا میل، نیچے کا گدلا اور گاڑھا تیل وغیرہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۷، فیروز سنز لاهور)

"تلچھٹ: وہ چیز جو مائع کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۷۲، فیروز سنز لاهور)

ہوجاوے یا جل کر راکھ ہوجاوے تو وہ پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ تبدیلِ حقیقت سے ناپاک پاک ہوجایا کرتی ہے، مثلاً شراب جب کہ سرکہ ہوجاوے پاک ہے۔ لہٰذا یہ تاڑی ملا کر پکا ہوا بسکٹ بھی اسی قبیل سے ہے۔

یہ واضح رہے کہ تاڑی کا جز بسکٹ میں کالملح فی الطعام ہوتا ہے، یا یوں کہیے کہ روپیہ میں آنہ بھر۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس نوع کے بسکٹ کا استعمال کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ نیز اس کی تجارت کا کیا حکم ہے، جب کہ عدمِ تجارت کی صورت میں دکان کی اُور بکری پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اور زید جو کہ دوکاندار ہے اس کا استدلال کہاں تک درست ہے؟ کیا اس صورت کو سور متبدل بہ نمک یا شراب متبدل بسر کہ پر قیاس کر کے قلبِ ماہیت کا حکم لگا سکتے ہیں؟

ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی واضح ہو کہ اس کا ابتلاء عام ہے، عوام کو اس سے روکنا مشکل ہے جب کہ خواص بھی اس میں مبتلا ہوں۔ جملہ امور مسئولہ کا جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تاڑی مسکر ہوتی ہے اور امام محمد کے نزدیک مسکر حرام ہے، خواہ قلیل ہو خواہ کثیر۔ یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ پس زید کا اس کو بسکٹ میں ڈالنا حرام ہے اور فروخت کرنا بقول مفتی بہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہے اور جاننے والوں کو خریدنا اور استعمال کرنا بھی ناجائز ومکروہ تحریمی ہے:

"(وحرمها محمد): أي الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما، قاله المصنف (مطلقاً) قليلها وكثيرها (وبه يفتي) ذكره الزيلعي وغيره، واختاره شارح الوهبانية، وذكر أنه مروى عن الكل، ونظمه فقال:

وفي عصرنا فاختير حد وأوقعوا طلاقاً لمن من مسكر الحب يسكر

وعن كلهم يروى وأفتى محمد بتحريم ماقد قلّ وهو المحرر

قلت: وفي طلاق البزازية: وقال محمد: ماأسكر كثيره فقليله حرام. وهو نجسٌ أيضاً. ولو سكر منها، المختار في زماننا أنه يحد. زاد في الملتقى: ووقوع طلاق من سكر منها تابع للحرمة، والكل حرامٌ عند محمدؒ، وبه يفتي. والخلاف إنما هو عند قصد التقوى، أما عند قصد

التلهي فحرامٌ، إجماعاً، اھ". درمختار، ص: ۴۰۲(۱)۔

جب ایک شی حرام ونجس ہو تو اس میں قلیل وکثیر کا فرق کرنا ساقط ہوجاتا ہے(۲)، مثلاً: ایک قطرہ شراب یا پیشاب کا کنویں میں گر جائے تو سب پانی ناپاک ہوجائے گا، حالانکہ اس کو کالملح فی الطعام کی بھی نسبت نہیں، اور اس کا لون، طعم، ریح میں کوئی اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو بھی تبدلِ حقیقت سمجھیں کہ پیشاب پانی بن گیا اور تمام پانی کے جواز کا حکم لگائیں۔

تبدلِ حقیقت صورت کے بدلنے سے ہوتا ہے نہ کہ حل ہوجانے سے(۳)، جیسا کہ پیشاب کا قطرہ پانی میں مغلوب اور حل ہوجاتا ہے۔ اور نہ اڑ جانے سے جیسا کہ کپڑے کو شراب میں بھگو کر دھوپ میں ڈال دینے سے شراب اڑ جاتی ہے، کوئی اثر نہیں رہتا ہے، مگر کپڑا ناپاک ہی رہتا ہے۔ اس طرح صورتِ مسئولہ میں تبدلِ حقیقت نہیں ہوا، بلکہ تاڑی یا مغلوب وحل ہوگئی یا اڑ گئی، پس زید کا استدلال بے محل ہے۔

بعض جگہ ایسا رواج ہے کہ جب تک دوکان پر گراموفون وغیرہ باجہ نہ ہو، یا دوکان تصاویر سے آراستہ نہ

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۵۵/۶، ۴۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأشربة: ۴۰۲/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأشربة: ۱۰۲/۷، ۱۰۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففةً أو قطرة بول أو دم أو ذنب فأرة، لم يشمع". (الدرالمختار). "(قوله: ولو مخففة)؛ لأن أثر التخفيف -وهو العفو عما دون الربع- لايظهر في الماء، وأفاد ط أنه لو أصاب هذا الماء ثوباً، فالظاهر أنه لاتعتبر هذه النجاسة بالمخففة". (ردالمحتار، فصل في البئر: ۲۱۱/۱، سعيد)

(۳) قال الحصكفي رحمه الله: "ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً، ولا قذر وقع في بئر، فصار حماةً، لانقلاب العين، به يفتى". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "مقتضى مامرّ ثبوت انقلاب الشيء عن حقيقته كالنحاس إلى الذهب، وقيل: إنه غير ثابت؛ لأن قلب الحقائق محال، والقدرة لا تتعلق بالمحال، والحق الأول". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۳۲۶/۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في البئر، ص: ۱۸۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

ہوتو بکری بالکل نہیں ہوتی، یا کم ہوتی ہے تو کیا ان چیزوں کو جائز کہلایا جائے گا؟ لہٰذا زید کا بکری کا عذر بھی شرعاً قابلِ التفات نہیں۔ اب رہا عوام وخواص کا ابتلاء، سوعوام تو کالانعام ہیں اور خواص اہلِ تقویٰ بعد علم کے استعمال نہیں کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۷/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/۶۰ھ۔

شراب والی بوتل کا دھونے کے بعد استعمال

سوال [۸۷۱۳]: ہمارے شہر سری نگر میں ایک صاحب جونہایت دیندار ہیں، عرق کشید کرتے ہیں، جو بہت سی ادویات میں کام آتا ہے، عرق دارچینی، عرق گلاب وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس عرق کو وہ ایسی بوتلوں میں رکھ دیتے ہیں جن میں اکثر باہر سے شراب بھر کر آتی ہے، ان بوتلوں کو خرید کر صاف دھودھا کر اور ابال لینے کے بعد اس میں عرق رکھتے ہیں۔

چونکہ ان کے ڈھکن مضبوط ہوتے ہیں جن میں عرق کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ ان صاحب کا کہنا ہے کہ چونکہ شیشہ شراب کو سرایت یا جذب نہیں کرتا، اس لئے دھونے کے بعد یہ بوتلیں پاک ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا شراب کی بوتلیں دھونے اور ابال لینے کے بعد پاک ہو سکتی ہیں، اور اس میں رکھے ہوئے عرق وغیرہ بھی پاک ہے؟ اور استعمال کے قابل ہے یا نہیں؟

ان صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے مفتی صاحب سے دریافت کیا ہے کہ ایسی بوتل پاک ہو سکتی ہے، اسی لئے اس میں عرق رکھتے ہیں، حالانکہ ان کے عرق خاص کر عرق گلاب بڑی بڑی مسجدوں اور مذہبی محفلوں میں بھی چھڑکا جاتا ہے۔ براہ کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

غلام مصطفیٰ وفائی، سری نگر، کشمیر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوتل دھونے اور ابال دینے کے بعد بالکل پاک ہو جاتی ہے، اس میں عرق گلاب رکھنا درست ہے، اور

عرق ناپاک نہیں ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: إن وفد عبدالقيس لما أتوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... ونهاهم عن أربع: عن الحنتم، والدباء، والنقير، والمزفت". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، ص: ۱۳، قديمي)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "والمراد بالنهي ليس استعمالها مطلقاً بل النقيع فيها، والشرب منها مايسكر، وإضافة الحكم إليها خصوصاً إمالاعتيادهم استعمالها في المسكرات أو لأنها أوعية تسرع بالاشتداد فيما يستنقع؛ لأنها غليظة لايتشرح منها الماء، ولا ينفذ فيها الهواء، فلعلها تنير النقيع في زمان قليل، ويتناوله صاحبه على غفلة، بخلاف السقاء فإن التغير فيه يحدث على مهل، والدليل على ذلك ماروى أنه قال: "نهيتكم عن النبيذ إلا في سقاء، فاشربوا في الأشربة كلها، ولاتشربو مسكراً". وقيل: هذه الظروف كانت مختصة بالخمر، فلما حرمت الخمر، حرم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استعمال هذه الظروف، إما لأن في استعمالها تشبيهاً بشرب الخمر، وإما لأن هذه الظروف كانت فيها أثر الخمر، فلما مضت مدة أباح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استعمال هذه الظروف، فإن أثر الخمر زال عنها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول: ۱/۱۷۲، ۱۷۳، (رقم الحديث: ۱۷)، رشيديه)

الفصل الثانی فی الطِّیب

(خوشبو کا بیان)

عطر کونسا جائز ہے؟

سوال[۸۷۱۴]: عطر اور دیگر خوشبو کا شوقین ہوں، میں نے ابھی عطر خریدا ہے، میں نے سنا ہے کہ اس طرح کی خوشبو استعمال کرنا ناجائز ہے۔ استعمال سے پہلے اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں، کیونکہ ان ہی کپڑوں سے میں نماز بھی پڑھتا ہوں، اگر یہ ناجائز ہے تو نماز نہیں ہوگی، نہ ہی اللہ کا رحم وکرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات ان لوگوں سے تحقیق کرنے کی ہے جو عطر بناتے ہیں کہ فلاں عطر میں کوئی ناجائز ناپاک چیز تو نہیں ڈالی جاتی ہے، جب تک تحقیق نہ ہو، کسی عطر کو ناپاک ناجائز نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۱۴۰۱ھ۔

سینٹ

سوال[۸۷۱۵]: سینٹ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں اسپرٹ ہوتی ہے۔ اسی طرح اسٹوپ چولہا جو اسپرٹ سے گرم کیا جاتا ہے اس کا پکا ہوا کھانا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، یا مکروہ ہے؟

ماجد حسین امروہوی، صدر بازار میرٹھ۔

---

(۱) "اليقين لايزول بالشک". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۴۲۱)، ص: ۱۴۲، الصدف)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: ۱/ ۱۹۳، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اسپرٹ ناپاک ہے تو وہ سینٹ جس میں یہ اسپرٹ ہو وہ بھی ناپاک ہے اور اس کا استعمال ممنوع ہے(۱)۔ جس اسٹوپ میں اسپرٹ استعمال ہوتی ہے، اس کا پکا ہوا کھانا درست ہے، وہ ناپاک نہیں، جیسے اُپلوں، سرقینِ یابِس میں پکا ہوا پاک ہے(۲)۔ ناپاک سینٹ سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں۔ کھانا اسپرٹ جلانے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۶۹ھ۔

سینٹ کا استعمال

سوال[۸۷۱۶]: جس طریقہ سے عطر کا استعمال کرنا سنت ہے تو ایسے ہی بجائے عطر کے سینٹ کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور سینٹ کے استعمال کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Al Cohals) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولايحرم استعماله مركبة مع المواد الأخرى ولايحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفة رحمه الله . وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطوروغيرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. والله سبحانه أعلم". (تكملة فتح الملهم: كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، الخ: ۶۰۸/۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(وكذا في نظام الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، انگریزی دواؤں کے استعمال کا حکم جن میں شراب، اسپرٹ، افیون وغیرہ شامل ہو: ۳۵۲/۱، مكتبه رحمانيه لاهور)

(۲) "ويجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به". (ردالمحتار، مطلب في بطلان البيع: ۶۸/۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

سینٹ میں اگر کوئی نجس چیز نہیں تو یہ بھی عطر کے حکم میں ہے(۱)۔ مطلقاً خوشبو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغوب ومحبوب تھی، سینٹ اس زمانہ میں نہیں تھا، اس لئے اس کو سنت تو نہیں کہا جائے گا، سنت تو مخصوص طور پر اس خوشبو کو کہا جائے گا جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۲ھ۔

سینٹ وانگریزی تیل

سوال[۸۷۱۷]: عطر، مونڈیا سینٹ ایسے ہی انگریزی تیل وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے، یا محض خلاف اَولیٰ ہے۔

اظہار الدین، فیض آبادی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک ان میں ناپاکی کا یقین یا ظن غالب نہ ہو، ان کا استعمال جائز ہے اور یقین یا ظن غالب ناپاکی کا ہو جائے تو جائز نہ ہوگا(۲)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۵۳/۳/۲۵ھ۔

---

(۱) "وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها. وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. ولايحرم استعماله للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبةً مع المواد الأخرى، ولايحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفة رحمه الله". (تكملة فتح الملهم: ۲۰۸/۳، كتاب الأشربة، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "ان اليقين لايزول بالشك". (قواعد الفقه، ص: ۱۴۲، (رقم القاعده: ۴۲۱)، الصدف پبلشرز)

"وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها، لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره .... وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى، والله سبحانه تعالىٰ أعلم". (تكملة فتح الملهم: ۲۰۸/۳، كتاب الأشربة، مكتبه دار العلوم كراچی)

الفصل الثالث فی الفضلات

(فضلات کا بیان)

گوبر کے کنڈے

سوال[۸۷۱۸]: گوبر کے کنڈے جلانا اور بیچنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیچنا اور جلانا سب درست ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

گوبر وغیرہ کی گیس سے کھانا وغیرہ پکانا

سوال[۸۷۱۹]: آج کل کھانا گوبر وغیرہ کی گیس سے بنایا جاتا ہے جس سے بجلی وغیرہ بھی بنتی ہے تو اس گیس سے کھانا پکانا اور اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلیظ سے جو گیس بنائی جائے، اس گیس کو لائٹ اور کھانا پکانے کے لئے استعمال کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۴ھ۔

---

(۱) "ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به". (ردالمحتار، مطلب فی بطلان بیع الوقف: ۴۸/۵، سعید)

(۲) "(ویطهر) کل ما کان فیه تغیر وانقلاب حقیقة، وکان فیه بلوی عامة، فیقال کذلک فی الدبس .... وعذرة صارت رماداً أو حماةً، فإن ذلک کله انقلاب حقیقة إلی حقیقة أخری لامجرد انقلاب وصف". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۳۱۶/۱، سعید) ....

گوبر سے زمین کو لیپنا

سوال[۸۷۲۰]: کیا گوبر گائے بھینس بیل وغیرہ کا لیپنا پاک جان کر باورچی خانہ صحن رنگنائی وغیرہ اس کی نجاست کے لئے کیا حکم ہے، جانور چرند پرند کی نجاست کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گوبر ناپاک ہے، گوبر مٹی گارے میں ملا کر لیپنا درست ہے، جو خشک ہونے کے بعد پاک ہو جائے گا:

"إذا جعل السرقين في الطين فطيّن به السقف، فيبس فوضع عليه منديل مبلول، لاينجس، اهـ". عالمگیری: ۱/۴۷(۱)۔

چرند، پرند کی نجاست کا کیا حکم دریافت کرنا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳۲۶، سعيد)

"رأس شاة متلطخ بدم أحرق رأسه وزال عنه الدم، فاتخذ منه مرقةً، جاز استعمالها، والحرق كالغسل". (الدر المختار).

"(والحرق كالغسل)؛ لأن النار تأكل ما فيه من النجاسة حتى لايبقى فيه شيء أو تحيله، فيصير الدم رماداً فيطهر بالاستحالة، ولهذا لوأحرقت العذرة وصارت رماداً، طهرت للاستحالة". (ردالمحتار، مسائل شتى: ۶/۷۳۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في النجاسة: ۱/۴۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على الفتاوى العالمكيرية، فصل في الآثار: ۱/۲۲، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني: الأعيان النجسة: ۱/۴۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة: ۱/۲۴، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الثامن فيما يصيب الثوب: ۴/۲۳، رشيديه)=

گوبر کی راکھ منجن میں استعمال کرنا

سوال[۸۷۲۱]: دانتوں کے منجن میں جلا ہوا گوبر یعنی راکھ ملائی جاتی ہے جس سے اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ تو کیا اس راکھ کو استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گوبر ناپاک ہے، لیکن جلانے کے بعد جب وہ راکھ بن گیا اور اس کی ماہیت بدل گئی تو اس کا حکم بھی بدل گیا، اب اس راکھ کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، اس لئے منجن میں ملا کر استعمال کرنا بھی درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۷ھ۔

راکھ کا حکم

سوال[۸۷۲۲]: راکھ کھانے کا حکم خواہ اشیاء حلال کی ہو یا حرام کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راکھ مٹی کے حکم میں ہے، اور مٹی کے متعلق فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهية میں ہے:

"أكل الطين مكروه. هكذا ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه الله تعالى، وذكر شمس

= "العذرات إذا دفنت في موضع حتى صارت تراباً، قيل: تطهر كالحمار الميت إذا وقع في المملحة فصار ملحاً يطهر عند محمد". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۹۵/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة: ۱۹/۱، رشيديه)

(۱) "لايكون نجساً رمادقذر، الخ". (الدر المختار). قال الشامي: "قذر بفتح القاف والذال المعجمة، والمراد به العذرة والروث". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۲۶/۱، سعيد)

"والسرقين والعذرة تحترق، فتصير رماداً، تطهر .... وعليه الفتوى". (البحر الرائق، باب الأنجاس: ۳۹۴/۱، رشيديه)

(وكذا في فتاوى السراجية، كتاب الطهارة، باب تطهير الأنجاس، ص: ۵، سعيد)

الأئمة الحلواني في شرح صومه: إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علةً أو آفةً، لايباح له التناول. وكذلك في كل شيئ سوى الطين. وإن كان يتناول منه قليلاً، أو كان يفعل ذلك أحياناً، لابأس به، كذا في المحيط". ص: ۱۱۰(۱)۔

"ويكره أكل الطين؛ لأن ذلك يضره، فيصيره قاتلاً نفسه". خانيه، ص: ۳۷۵(۲)۔

حرام اور نجس شی جب جل کر خاک بن جائے تو شرعاً وہ راکھ طاہر ہے، اس پر وہی حکم جاری ہوگا جو پاک اشیاء پر جاری ہوتا ہے:

"لايكون نجساً رماد قذر، وإلالزم نجاسة الخبز في سائر الأمصار، ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً. ولا قذر وقع في بئر، فصار حمأةً؛ لانقلاب العين، به يفتى". درمختار۔ قال الشامي: "يجوز أكل ذلك الملح، والصلوة على ذلك الرماد كما في المنية". شامي: ۱/۲۱۸(۳)۔ خانيه، ص: ۲۸(٤)، درر الحكام، ص: ۲۷، كبيرى، ص: ۱۸٦(٥)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ ذی قعدہ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل ومايتصل به: ۵/۳۴۰، رشيديه)

(۲) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله: ۳/۴۰۳، رشيديه)

"ويكره أكل الطين؛ لأنه تشبه بفرعون". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، الخامس في الأكل: ۶/۳۶۵، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۲۶، ۳۲۷، سعيد)

"والسرقين والعذرة تحترق، فتصير رماداً، تطهر عند محمد". (البحر الرائق، باب الأنجاس، كتاب الطهارة: ۱/۳۹۴، رشيديه)

(۴) "وكذا العذرة إذا أحرقت وصارت رماداً .... يكون طاهراً". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في النجاسة: ۱/۲۲، رشيديه)

(۵) (الحلبي الكبير، فصل في الآسار، ص: ۱۸۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

انسان کے پائخانہ کو سکھا کر اُپلوں کے مثل روٹی پکانا

سوال[۸۷۲۳]: انسان کا فضلہ سکھا کر اس سے روٹی پکانا، جیسے دوسرے جانوروں کا سکھا کر پکاتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انسان کا پائخانہ کھانا پکانے میں استعمال کرنا جائز نہیں:

"(كره بيع العذرة) رجيع الأدمي خالصة .... وفي الملتقى: إن الانتفاع كالبيع: أي في الحكم، فافهم". الدر على الرد: ٥/٢٤٧، ٢٤٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

جو شخص پیشاب پلائے اس کا حکم

سوال[۸۷۲۴]: ایک شخص دھوکہ دے کر چند مسلمانوں کو پیشاب پلاتا ہے، اور اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ نہایت خبیث اور گندی حرکت ہے، ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اس سے کھانے پینے، رہنے سہنے کا تعلق رکھا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٨٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ٨/٣٦٥، رشيديه)

"قوله: (كره بيع العذرة) وهي رجيع الأدمي. قال الشيخ أبو منصور رحمه الله: كل ما انفصل من الآدمي، لايجوز الانتفاع به نحو: الظفر والشعر والعذرة". (العناية على هامش فتح القدير، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ١٠/٥٣، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٤/٢١١، غفاريه)

(۲) جس شخص سے نقصان اور ضرر کا اندیشہ ہو اس سے مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے: .... =

جانور کا دودھ اور مرد کی منی کیا دونوں ایک ہیں؟

سوال[۸۷۲۵]. بعض علماء سے سنا گیا ہے کہ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جانور کا دودھ اور مرد کی منی یہ دونوں چیز برابر ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ہوسکتا ہے کہ مرد کی منی اور کسی جانور کا دودھ ایک شکل میں ہوتا ہو، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہاں فرمایا، مجھے علم نہیں۔ فقط، اللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "واجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصِلَته مايفسد عليه دينه، أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۹/۸، رشيديه)

الفصل الرابع فی المأکولات وغیرها

(کھانے کی اشیاء کا بیان)

بند ڈبوں میں خشک دودھ کا استعمال

سوال[۸۷۲۶]: بند ڈبوں میں خشک دودھ استعمال کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ دودھ کی قلت کی وجہ سے ہم سب تقریباً اہل اسلام کشمیر ان خشک ڈبوں کا دودھ استعمال کرتے ہیں، تکلیف فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خشک ڈبہ کا دودھ استعمال کرنا شرعاً درست ہے(۱)، لیکن اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ ناپاک ہے، یا اس میں کوئی ناپاک چیز شامل کی گئی ہے تو درست نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۴ھ۔

پنیر کے اقسام واحکام

سوال[۸۷۲۷]: ۱...... جاپانی رینٹ- جو پنیر میں ڈالتے ہیں- نباتات سے تیار ہوتا ہے، اور یورپ کا بنا ہوا حیوانات سے تیار کرتے ہیں۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) واضح رہے کہ بند ڈبوں میں خشک دودھ کے استعمال کے متعلق اردو فتاویٰ میں کوئی صریح تحریر نہیں ملی، البتہ ڈبوں میں پیک گوشت کے متعلق مفتی نظام الدین الاعظمی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: ”تجارت کا یہی اصول مسلم ہے کہ تجارت دھوکہ دہی اور فریب دہی سے کامیاب نہیں ہوتی، اور اس وجہ سے بڑے تاجر دھوکہ وفریب دہی سے بچتے ہیں، پھر جب حکومت بھی حلال وحرام کا معاملہ سخت پرکھ پر رکھتی ہو تو جن ڈبوں پر لکھا ہوا ہو ”مذبوحه علی طریق الشریعة“ تو جب تک اس کے خلاف کا ثبوت دلیل شرع سے نہ ہو جائے از روئے فتویٰ استعمال کی گنجائش رہے گی، باقی از روئے تقویٰ اجتناب افضل واولیٰ ہے“۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، بیرونی ممالک سے جو مذبوحہ مرغیاں آتی ہیں، ان کا شرعی حکم: ۱/۳۶۷، مکتبہ رحمانیه)

۲......جراثیم جزوِحیوان نہیں، کیا پھر بھی اس سے پنیر حرام ہوگی؟

۳......رینٹ ایک چائے کے چمچہ کی مقدار میں سات سیر دودھ میں گرتی ہے اور ایک طرف عمومِ بلوی ہے۔کیا اتنی کم مقدار سے بھی حرام ہوگی؟

۴......یہودیوں کے مذبوح بچھڑے کی رینٹ سے بنی ہوئی پنیر مسلمان کھاسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......نباتات سے تیار کردہ رینٹ تو ظاہر ہے کہ درست ہے(۱)۔

۲......جراثیم اجزائے حیوان نہیں تو پھر کیا ہیں؟

۳......اگر سات سیر دودھ میں ایک چمچی پیشاب کی، یا شراب کی، یا خون کی ملادی جائے تو یہ "للأكثر حكم الكل" کے ماتحت اس دودھ کو پینے کی اجازت دے دی جائے گی؟ اگر ناجائز پنیر کو استعمال نہ کیا جاوے تو کیا زندگی کا کوئی اہم شعبہ یا شریعت کا کوئی حکم معطل رہے گا؟ پھر ابتلائے عام کے تحت اس حکم میں تسہیل کی گنجائش بے محل ہے۔

۴......جو قوم کسی نبی کی نبوت پر ایمان رکھے اور کسی کتابِ سماوی کے تسلیم کرنے کی مرمدعی ہو، اس کے ذبیحہ کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے جب کہ وہ ذبیحہ کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے(۲)۔اگر ذبیحۂ مسلم میسر آجائے تو وہ بہر حال مقدم ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

---

(۱) "وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها. وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل .... وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها، لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البينرول وغيره". (تكملة فتح الملهم: ۶۰۸/۳، كتاب الأشربة، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتب حل لكم، وطعامكم حل لهم﴾. (سورة المائدة: ۵)

"قال في الكفاية: إنما يحل ذبيحة الكتابي فيما إذا لم يذكر وقت الذبح اسم عزير أو اسم المسيح، وأما إذا ذكر فلا يحل، كما لايحل ذبيحة المسلم إذا ذكر وقت الذبح اسم غير الله تعالیٰ؛ =

جس کھانے میں جائفل ڈالا گیا، اس کا کھانا

سوال[۸۷۲۸]: ایک دیگ میں تقریباً سو آدمیوں کے لئے گوشت پکتا ہے اس میں دو تین جائفل جس کا وزن ایک تولہ سے کم ہوتا ہے(۱)، بطور مصالحہ ڈال دیا جاتا ہے جس سے قطعاً کوئی نشہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں وہ کھانا کیسا ہے؟ کیوں کہ یہاں پر علمائے دیوبند میں ہی دو گروہ ہوگئے ہیں، بعض کا کہنا ہے کہ حرام ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ صرف دواءً استعمال ہوسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی صورت میں وہ کھانا حرام نہیں، اس لئے کھانے میں مضرت نہیں اور نشہ بھی نہیں ہوتا(۲) اگرچہ خود جائفل کھانا ممنوع ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۱۵ھ۔

= لقوله تعالىٰ: ﴿وما أهل به لغير الله﴾. فحال الكتابي في ذلك لايكون أعلى من حال المسلم .... والصحيح المختار عندنا هو القول الأول يعني ذبائح الكتابي تاركاً التسمية عامداً، أو على غير اسم الله تعالىٰ لايؤكل إن ذلك يقيناً أو كان غالب حالهم ذلك". (التفسير المظهري، (سورة المائدة: ۵): ۴۰/۳، حافظ كتب خانه)

(۱) "جائفل: جاپھل، جوز، ایک مشہور پھل"۔ (فيروز اللغات، ص: ۴۴۸، فيروز سنز لاهور)

(۲) "والرابع المثلث العنبي وإن اشتد، وهو ماطبخ من ماء العنب حتى يذهب ثلثاه، ويبقى ثلثه إذا قصد به استمراء الطعام والتداوي والتقوىّ على طاعة الله تعالىٰ، وللهو لايحل إجماعاً، حقائق". (الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۵۳/۶، سعيد)

"وأما ماهو حلال عند عامة العلماء، فهو الطلاء وهو المثلث، ونبيذ التمر، والزبيب، فهو حلال شربه مادون السكر لاستمراء الطعام والتداوي، وللتقوّى على طاعة الله تعالىٰ، لاللتلهي. والمسكر منه حرام، وهو القدر الذي يسكر، وهو قول العامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأشربة، الباب الأول: ۴۱۲/۵، رشيديه)

(۳) "وكذا تحرم جوزة الطيب لكن دون حرمة الحشيشة، قاله المصنف". (الدرالمختار). قال الشامي =

امریکن گھی

سوال[۸۷۲۹]: امریکن امداد فنڈ سے غریب ملکوں کو کھانے پینے کی چیزیں مفت دی جاتی ہیں، اس میں گھی بھی ہے جس کا رنگ مختلف ہے۔ بعضوں سے سنا ہے کہ سور کی چربی سے بنتا ہے، ذمہ دار لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہ ماہو گائے کا گھی ہے، آب وہوا کی تبدیلی سے رنگ میں فرق ہے۔ جو اس پر سیل ہے اس سے بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔ لہٰذا ازروئے شرع اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک شرعی دلائل سے اس کا نجس وحرام ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس پر حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے(۱)، ہاں! اگر کوئی شخص اپنے دل میں شک رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے اس گھی کو استعمال نہ کرے تو مضائقہ نہیں: "دع ما يريبك إلى مالا يريبك"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

= رحمه الله تعالىٰ: "فهذه كلها مسكرة .... ومثل الحشيشة في الحرمة جوزة الطيب، فقد أفتى كثير من العلماء الشافعية بحرمتها .... لكن قال: حرمتها دون حرمة الحشيشة، والله أعلم".

(ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۶/۴۵۸، سعيد)

(۱) **سوال:** "آج کل عوام میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ ڈالڈا گھی میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے تو اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

حضرت مفتی صاحب مدظلہم! بعد از سلام مسنون، بحمد اللہ تعالیٰ یہاں خیریت سے ہے، خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو، بناسپتی گھی کے متعلق بہت سے سوالات آرہے ہیں، اب تک تو یہی لکھا ہے کہ بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، جو رائے عالی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: "مکرمی ومحترمی زید مجدکم السامی، بعد سلام مسنون، عافیت طرفین مطلوب ہے۔ جب کہ دنیا بھر میں اس کا استعمال بلا تأمل ہو رہا ہے تو جب تک نجس شی ملائے جانے کا شرعی ثبوت نہ ہو، حرام قرار دینا صحیح نہیں، جناب والا کی رائے بالکل صحیح ہے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والإباحة، باب مايجوز أكله ومالايجوز، ڈالڈا گھی میں نجس شی ملائے جانے کا شبہ ہو تو کیا حکم ہے: ۱۰/۱۳۹، ۱۴۰، دارالاشاعت)

"اليقين لايزول بالشک". (شرح المجلة: ۱/۲۰، (رقم المادة: ۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۱/۲۴۲، قديمی)

ڈالڈا گھی، انگریزی بسکٹ وغیرہ کا استعمال

سوال[۸۷۳۰]: کیا بناسپتی (مصنوعی گھی) کا کھانا جائز ہے جب کہ چربی اور دوسری چیزوں سے بنتا ہے۔ یہ چربی بکری اور گائے وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے، کچھ چربی آسٹریلیا وغیرہ سے آتی ہے۔ میرے جاننے والے کئی ایسے اصحاب ہیں جو چربی کا کام کرتے ہیں، چربی کو گلا کر بڑی بڑی کمپنی کو فروخت کرتے ہیں، اور وہ بڑی کمپنی ڈالڈا، برطانیہ بسکٹ وغیرہ کو سپلائی کرتی ہیں جب کہ بغیر چربی کے بناسپتی، بسکٹ اور صابن وغیرہ نہیں بن سکتا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ اس میں حرام، ناپاک، مردار چیز شامل ہے اس کا کھانا درست ہے۔ دوسری چیزوں میں بھی استعمال درست ہے(۱)۔ البتہ غیر مسلم کی دوکان سے چربی نہ خریدی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہلدی کا حکم

سوال[۸۷۳۱]: کیا ہلدی کا کھانا درست نہیں ہے، حالانکہ بڑے بڑے علماء کو دیکھا گیا کہ وہ ایسے سالن کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے جن میں ہلدی پڑی ہو؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہلدی کو گوبر میں پکایا جاتا ہے اس لئے ناپاک ہے۔ جو حکمِ شرع ہو، ارشاد فرمائیں۔

نعیم الدین، بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ممکن ہے کہ کسی جگہ ایسا ہوتا ہے، میں نے تو ہلدی کی کاشت کرنے والے دیندار مسلمانوں سے

---

(۱) (راجع، ص: ۲۰۳، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "ولا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم، والشحم، والمرق. ولا يطبخون في قدورهم حتى يغسلوها". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الجهاد، باب ما يؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۴۳۵، سعيد)

دریافت کیا، انہوں نے اس کا انکار کیا، اس لئے بلاتحقیق حرام کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صابن میں چربی کی وجہ سے ناپاکی

سوال [۸۷۳۲]: صابن خواہ نہانے کا ہو یا کپڑے دھونے کا، سب کے اندر چربی ڈالی جاتی ہے، یہ بات یقینی ہے، صابن بنانے والے خود ہی بتاتے ہیں۔ چربی تین قسم کی ہوتی ہے: خنزیر کی اور دوسرے مردار جانور کی اور تیسرے زندہ جانوروں کو مشین کے ذریعہ غیر شرعی طور سے کاٹ کر ان کا گوشت بوست الگ کیا جاتا ہے۔ ہر سہ بہر حال حرام ہے۔ تو گویا کہ صابن جس سے انسان کپڑا یا بدن صاف کرتا ہے، وہ ناپاک چیز ہے۔

اب صابن کے معاملہ میں کیا فیصلہ ہے، کیا یہ چربی دوسری شکل یعنی صابن کی شکل میں متشکل ہو کر پاکی کا حکم اختیار کرے گی؟ اگر نہیں تو پھر کپڑا یا بدن کیسے پاک ہوگا؟ جب کہ دھونے کے بعد کپڑے کے اندر صابن کا جز کچھ نہ کچھ یقینی طور پر رہ جاتا ہے، یا خشک ہونے کے بعد کپڑا پاک ہو جائے گا؟ نیز صابن کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صابن کے دوسرے نسخے بھی ہیں جن میں چربی نہیں پڑتی، لہٰذا ہر صابن کو نجس کہنا درست نہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ بدن یا کپڑے میں صابن کے اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔ دھونے، نچوڑنے، صاف کردینے سے سب اجزاء نکل جاتے ہیں۔ جب نجاست کی بنیاد ہی غلط ہے تو خرید و فروخت کا معاملہ اور استعمال کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۶ھ۔

---

(۱) ''اگر نجاست ہو بھی تو ہیئت تبدیل ہونے کی وجہ سے صابن پاک ہو جائے گا:

"جعل الدهن النجس في صابون، يفتى بطهارته؛ لأنه تغير، والتغير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى، اهـ". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۱٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأنجاس، كتاب الطهارة: ۱/۳۹۵، رشيديه)

ناپاک تیل وچربی سے بنے ہوئے صابون کا حکم

سوال[۸۷۳۳]: اگر ناپاک تیل یا چربی سے صابون بنالیا جائے تو اس صابون کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب صابون بنانے سے اصل حقیقت بدل گئی تو وہ پاک ہے، شامی: ۱/ ۲۲۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ويطهر زيت تنجس بجعله صابوناً، به يفتي للبلوى، كتنورٍ رش بماء نجس". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله: " (قوله: ويطهر زيت، الخ) .... ثم هذه المسئلة قد فرّعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذى عليه الفتوىٰ، واختاره أكثر المشايخ، خلافاً لأبي يوسف، كما في شرح المنية والفتح وغيرهما. وعبارة المجتبى: جعل الدهن النجس في صابون، يفتى بطهارته؛ لأنه تغير، والتغير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى، اهـ". (ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۱۵، ۳۱۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأنجاس، كتاب الطهارة: ۱/۳۹۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في النجاسة: ۱/۴۵، رشيديه)

باب الانتفاع بالحیوانات

الفصل الأول فی السمک

(مچھلی کے کھانے کا بیان)

مردار مچھلی کھانا کیوں جائز ہے؟

سوال[۸۷۳۴]: مردار مچھلی کا استعمال کیوں صحیح ہے، بقیہ جانور جو حلال ہیں، ان کا استعمال کیوں جائز نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار مچھلی کو حدیث پاک میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے: "أحلت لنا الميتتان: السمك والجراد" (۱)۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الصید، باب مایحل أکله و ما یحرم، الفصل الثانی، ص: ۳۶۱، قدیمی)

(و سنن ابن ماجة، أبواب الصید، باب صید الحیتان والجراد: ۲۳۲، قدیمی)

"ای فی حال الاختیار والاضطرار". (مرقاة المفاتیح: ۷/۲۳/۷، رشیدیه)

و قال الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "بخلاف السمک (وأنواع السمک بلا ذکاة لحدیث: "احلّت لنا میتتان: السمک والجراد". (الدرالمختار). وقال الشامی رحمه الله تعالیٰ: "وهو مشهور مؤید بالإجماع، فیجوز تخصیص الکتاب به، وهو قوله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم﴾ علی أن حل السمک ثبت بمطلق قوله تعالیٰ: ﴿و تأکلون منه لحماً طریاً﴾. کفایة. وما عدا أنواع السمک من نحو إنسان الماء و خنزیره خبیث، فبقی داخلاً تحت التحریم، وحدیث: "هو الطهور ماء ه والحل میتته". المراد منه السمک کاٰیة: ﴿أحل لکم صید البحر﴾؛ لأن السمک مراد بالإجماع، وبه تنتفی المعارضة بین الأدلة، فإثبات الحل فیما سواه یحتاج إلی دلیل". (ردالمحتار: =

نیز مچھلی میں خون نہیں اور دیگر جانوروں میں خون ہوتا ہے اور ذبح کرنے سے نکل جاتا ہے اور خود مر جانے سے بدن ہی میں رہ جاتا ہے اور یہ خون ناپاک ہے۔ اور مچھلی میں جو خون جیسی چیز ہوتی ہے وہ رطوبت ہوتی ہے، خون نہیں ہوتا(۱)۔ اور جو مچھلی پانی ہی میں مرکر الٹی تیرنے لگے، اس کا کھانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= ۳۰۷/۶، کتاب الذبائح، سعید)

"ویستثنی من ذلک: میتة السمک والجراد، فإنها طاهرة، لحدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما .... اهـ". (فقه السنة، کتاب الأطعمة: ۲۷۸/۳، دارالکتاب العربی بیروت)

(وکذا فی البحرالرائق: ۳۱۵/۸، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل ومالایحل، رشیدیه)

(۱) "ودم سمک طاهر .... لأنه لیس بدم حقیقةً بدلیل أنه یبیضّ فی الشمس، والدم یسودّ بها".
(ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه: ۲۰۷/۱، سعید)

"وعُفی دم السمک .... أما دم السمک، فلأنه لیس بدم عن التحقیق، وإنما هو دمٌ صورةً؛ لأنه إذا یبس یبیضّ، والدم یسودّ. وأیضاً الحرارة خاصیة الدم والبرودة خاصیة الماء، فلو کان للسمک دمٌ، لم یدم سکونه فی الماء". (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۴۰۸/۱رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۲۰۴/۱ دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما ألقاه البحر أو جزر عنه الماء، فکلوه. ومامات فیه فطفا، فلا تأکلوه". (مشکوة المصابیح، کتاب الصید. باب ما یحل أکله و ما یحرم، الفصل الثانی، ص: ۳۶۱، قدیمی)

"ولایحل حیوان مائیّ إلا السمک .... غیر الطافی علی وجه الماء الذی مات حتف أنفه، وهو ما بطنُه من فوق". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۶/۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الذبائح: ۴۹۹/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

گونچھ مچھلی کا حکم

سوال[۸۷۳۵]: ایک مچھلی جس کو ہماری زبان میں گونچھ کہتے ہیں(۱)اور آپ کی نظروں کے سامنے ہے،اس کے متعلق حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہم نے اس مچھلی کو دیکھا،یہ بلاشبہ مچھلی ہے،کوئی اور جانور نہیں ہے،یہ شرعاً جائز ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۷/۱۰/۹۰ھ۔

مچھلی کو بغیر پانی کے رکھنا

سوال[۸۷۳۶]: ۱......مچھلی کو پکڑ کر بغیر پانی کے رکھ دیا جائے گھنٹہ آدھ گھنٹہ،تو کیا اس صورت میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

مچھلی کو پتھر سے رگڑنا

سوال[۸۷۳۷]: ۲......مچھلی کو بغیر سر توڑے پتھر پر رگڑا جائے،تو کھال اتاری جائے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

مچھلی کو بلا آلائش نکالے کھانا

سوال[۸۷۳۸]: ۳......مچھلی بغیر آلائش نکالے ہوئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مچھلی بنانے میں تاخیر کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا(۳)۔

---

(۱)"گونچھ:ایک قسم کی مچھلی"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۶، فیروز سنز، لاهور)

(۲)"جس سے معلوم ہوا کہ سمندری مچھلیاں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی ہوں،خواہ کسی وزن کی ہوں کسی شکل کی ہوں،کسی نوعیت کی ہوں،تازی یا زندہ ہوں یا مردہ،وہ حلال اور پاکیزہ ہیں،ان کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے"۔(جواہر الفتاویٰ،جھینگا مچھلی حلال ہے یا حرام،ایک سوال کا جواب:۵۹۲/۲،ادارۃ القرآن کراچی)

(۳) "وعن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما، قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ینهی أن=

۲......مچھلی اگر پہلے سے مری ہوئی ہوتو بغیر سر توڑے پتھر سے رگڑنے یا کھال اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر زندہ ہے تو ایسا نہ کیا جاوے کہ اس میں ایلام وتعذیب بلاضرورت ہے، بلکہ پہلے اس کو مار دیا جائے (۱)۔

۳......مچھلی آلائش نکالنے کے بعد پکائی جائے، اس لئے کہ اس میں بعض اجزاء مضر ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

= تُصبَر بهيمة أو غيرها للقتل". متفق عليه".

قال الملا على القارى تحت هذا الحديث: "بهيمة أو غيرها": أى من ذوات الروح بلا أكل وشرب حتى تموت". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول: ۶۸۰/۷، رشيديه)

(۱) "و عن شداد بن أوس رضى الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنّ الله تعالىٰ كتب الإحسان علىٰ كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القِتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته و ليرح ذبيحته". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۳۵۷/۲، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، قديمى)

قال الملا على القارى قوله: "كتب الإحسان على كل شئ": أى إلى كل شيء، أو علىٰ بمعنى "فى": أى أمركم بالإحسان فى كل شئ، و منه قوله تعالىٰ: ﴿ودخل المدينة على حين غفلة﴾. وقال الشارح: أى كتب عليكم أن تحسنوا فى كل شئ، اهـ. والمراد منه العموم الشامل للإنسان والحيوان حياً و ميتاً .... وقد قال علماؤنا: و كره السلخ قبل أن تبرد و كلّ تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد، الفصل الأول: ۶۸۰/۷، ۶۷۹، رشيديه)

"وعن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً". رواه مسلم".

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "قال النووى: هذا النهى للتحريم، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله من فعل هذا". ولأنه تعذيب للحيوان .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد: ۶۸۱/۷، رشيديه)

(۲) اگر مچھلی چھوٹی ہوتو بلا آلائش نکالے کھانا جائز ہے: .... =

مچھلی پکڑنے کے بعد یا لاٹھی سے مرگئی، اس کا کھانا

سوال [۸۷۳۹]: ا......مچھلی پانی سے زندہ پکڑی اور پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

۲......مچھلی کا شکار پانی میں لاٹھی سے کیا، لاٹھی لگ کر مچھلی مرگئی، پھر مچھلی پکڑی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... پانی سے زندہ مچھلی پکڑنے کے بعد اگر مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی۔ اس کا کھانا شرعاً درست ہے(۱)۔

= "وفي سمك الصغار التي تقلى من غير أن يشق جوفه، فقال أصحابه (أي أصحاب الشافعي): لايحل أكله؛ لأن رجيعه نجس، وعند سائر الأئمة يحلّ". (ردالمحتار: ۶/۳۰۹، كتاب الذبائح، سعيد)

"چھوٹی مچھلی کو اگر بدون آلائش صاف کئے ہوئے بھی پکالیا جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک آلائش صاف کرنے کے بعد جائز ہے۔ اور صغار کے قید سے مفہوم ہوتا ہے کہ بڑی مچھلی کی آلائش صاف کرنا سب کے نزدیک واجب ہے۔ بدون صاف کئے کھانا جائز نہ ہوگا"۔(إمداد الأحكام: ۴/۳۰۹ كتاب الحظر والإباحة، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) "قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "بخلاف السمك (وأنواع السمك بلا ذكاة) لحديث: "أحلّت لنا ميتتان: السمك والجراد". (الدرالمختار). وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "وهو مشهور مؤيد بالإجماع، فيجوز تخصيص الكتاب به، وهو قوله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم﴾، على أن حل السمك ثبت بمطلق قوله تعالىٰ: ﴿و تأكلون منه لحماً طرياً﴾. كفاية. وما عدا أنواع السمك من نحو إنسان الماء و خنزيره خبيث، فبقي داخلاً تحت التحريم، وحديث: "هو الطهور ماء ه والحل ميتته". المراد منه السمك كآية: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾؛ لأن السمك مراد بالإجماع، وبه تنتفي المعارضة بين الأدلة، فإثبات الحل فيما سواه يحتاج إلى دليل". (ردالمحتار: ۶/۳۰۷، كتاب الذبائح، سعيد)

"ويستثنى من ذلك: ميتة السمك والجراد، فإنها طاهرة، لحديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما .... اهـ". (فقه السنة، كتاب الأطعمة: ۳/۲۷۸، دارالكتاب العربي بيروت) =

۲.....زندہ مچھلی کے، پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

جھینگا

سوال[۸۷۴۰]: مچھلیوں کی قسموں میں ایک معروف مچھلی جھینگا ہوتی ہے، اسے بعض حرام اور بعض مکروہ تحریمی اور بعض علماء مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں اور بعض بلا کراہت جائز فرماتے ہیں۔ اصل حکم کیا ہے؟ بحوالۂ کتب حنفیہ تحریر فرمائیں؟

عبد الستار، برار بمبئی اسٹیٹ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی جائز ہے، اَور کوئی جانور جائز نہیں، جھینگا مچھلی اگر مچھلی ہی کی کوئی قسم ہے تو وہ جائز ہے جیسا کہ علامہ دمیری شافعی نے حیوۃ الحیوان، ص: ۳۷۱، میں لکھا ہے(۱) اور اسی سے تتمہ ثالثہ امداد الفتاوی، ص: ۵۰، میں نقل کیا ہے(۲)۔ اگر یہ مچھلی کی قسم نہیں، بلکہ کوئی اَور

= (وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۳۱۵، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ومالايحل، رشيديه)

(۱) "الروبيان: هو سمك صغير جداً أحمر". (حيوة الحيوان: ۱/ ۴۷۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اس وقت میرے پاس حیاۃ الحیوان دمیری کی- جو کہ ماہیات حیوانات سے بھی باحث ہے- موجود ہے، اس میں تصریح ہے: "الروبيان هو سمك صغير جداً" اور اس کے مقبول نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، پس یہ مقتضی حلت کو ہے۔ مخزن جو کہ نیز باحث ہے ماہیات ادویہ سے اس میں گو اس کو ماہی سے تعبیر کرنا حجت نہیں، مگر آگے اس کو حلال کہنا صاف قرینہ ہے کہ اس نے اس کو ماہیت ماہی میں داخل کیا ہے"۔ (امداد الفتاوی، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، ماہی روبیان کا حکم: ۴/ ۱۰۴، ۱۰۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)

"اور جھینگا- جس کو "اِربیان" بکسر ہمزہ کہتے ہیں، جیسا صحاح وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے- حلال ہے، کیونکہ وہ مچھلیوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اور مچھلی کے تمام اقسام بالاتفاق حلال ہیں......... حمادیہ میں ہے: "الدود الذي يقال له: جهينگ حرامٌ عند بعض العلماء؛ لأنه لايشبه السمك. فإنه يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمك، وهذا لايكون كذلك. وقال بعضهم: حلال يسمّى باسم السمك". (مجموعة الفتاوی: =

جانور ہے اور محض نام ''جھینگا مچھلی'' مشہور ہوگیا ہے تو یہ جائز نہیں، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ: ۲/۱۲۲، میں ہے۔ مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۱۱۰، میں دونوں قول نقل کئے ہیں، حمادیہ کی عبارت نقل کی ہے:

"الدود الذي يقال له "جهينگا" حرامٌ عند بعض العلماء؛ لأنه لا يشبه السمك، فإنما يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمك، وهذا لا يكون كذلك. وقال بعضهم: حلال؛ لأنه يسمى باسم السمك، اهـ"(١)۔

۳/۱۰۴، ۱۰۷، میں بھی دونوں قول نقل کئے ہیں (۲)۔

تذکرۃ الخلیل، ص: ۲۰۰، میں عدمِ جواز کا فتوی ہے (۳)، یہی راجح ہے. نیز جب کہ اس میں حرمت کا قول بھی ہے تو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". الحديث (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= ۲/۲۹۷، كتاب الأكل والشرب، سعيد)

''درمختار میں سمک بجميع أنواعه کو حلال کہا ہے، لیکن جھینگا میں سمک ہونے کی کوئی خاص دلیل سے ثابت نہیں، جیسا دوسری مچھلیوں کو تعامل وتعارف کی بناء پر بحیثیت مچھلی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو عامۃ الناس بحیثیتِ مچھلی استعمال کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ مچھلی کے بہت سارے انواع ہیں جن کے بارے میں کوئی دلیل خصوصی تو مچھلی ہونے پر نہیں، لہٰذا عدمِ دلیلِ خاص عدم سمک کی دلیل نہیں ہے اور اس میں مدار ماہرینِ حیوانات کی تحقیق نہیں بلکہ تعاملِ امت ہے''۔ (فتاوی رحیمیہ: ۶/۲۵۷، ۲۵۸، كتاب الحظر الإباحة، دار الإشاعت كراچی)

''جھینگا دریائی جانور ہے اور دریائی جانوروں میں مچھلی حلال ہے، اور جو مچھلی نہیں ہے وہ حرام ہے، جھینگا میں اختلاف ہے، بعض علماء نے مچھلی سمجھ کر حلال کہا اور بعض نے کیڑا خیال کر کے منع کیا۔ تو یہ جانور مشکوک ہوا اور مشکوک اپنی اصل پر محمول ہے، جھینگا میں مچھلی ہونا اصل ہے، کیڑا ہونے کا شبہ ہے، لہٰذا بناء بر اُصل کے حلال ہے، حرام قرار دینا صحیح نہیں''۔ (فتاوی حبیبیہ: ۲/۱۷۶، كتاب الحظر والإباحة، جامعه خليليه موسىٰ كالونى كراچی)

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۲/۲۹۷، كتاب الأكل والشرب، سعيد)

(۲) لم أظفر عليه

(۳) ''جھینگا مچھلی کے متعلق بھی آپ کی رائے تھی کہ مچھلی نام پڑ گیا، حقیقت میں وہ مچھلی نہیں کہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے، لہٰذا آپ اس کو دریائی جانور سمجھتے اور حلت کا فتویٰ نہ دیتے تھے''۔ (تذكرة الخليل، ص: ۲۹۳، مكتبة الشيخ كراچی)

(۴) (مسند الإمام أحمد: ۱/۳۲۹، (رقم الحديث: ۱۷۲۵)، دار إحياء التراث العربي بيروت) =

....

= "وأمّا الروبيان أو الإربيان الذى يسمى فى اللغة المصرية: "جمبرى" وفى اللغة الأردية: "جهينگا" وفى الإنكليزية "shrimp" أو "prawn" فلاشك فى حلّته عند الأئمة الثلاثة؛ لأن جميع حيوانات البحر حلال عندهم. وأماعند الحنفية، فيتوقف جوازه على أنه سمك أولا، فذكر غير واحد من أهل اللغة أنه نوع من السمك، قال ابن دريد فى جمهرة اللغة: ۳/ ۴۱۴: وإربيان ضربٌ من السمك، وأقره فى القاموس وتاج العروس: ۱/ ۱۴۶. وكذلك قال الدميرى فى حياة الحيوان: ۱/ ۴۷۳: الروبيان هو سمك صغير جداً أحمر. وأفتى غيرواحد من الحنفية بجوازه بناءً على ذلك، مثل صاحب الحمادية.

وقال شيخ مشايخنا التهانوىّ فى إمداد الفتاوى: ۴/ ۱۰۳: لم يثبت بدليل أن للسمك خواصّ لازمةٌ تنتفى السمكيةُ بانتفائها، فالمدار على قول العدول المبصرين .... وإن "حيوة الحيوان" للدميرى الذى يبحث عن ماهيات الحيوان يصرّ بأن الروبيان هو سمك صغير........... فإنى مطمئن إلى الآن بأنه سمك -ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً- .... ولكن خبراء علم الحيوان اليوم لايعتبرونه سمكاً، ويذكرونه كنوع مستقل، ويقولون: إنه من أسرة السرطان دون السمك.

وتعريف السمك عند علماء الحيوان -على ما ذكر فى دائرة المعارف البريطانية: ۹: ۳۰۵، طبع ۱۹۵۰م- هو حيوان ذوعمود فقرى، يعيش فى الماء ويسبح بعوّاماته، ويتنفس بغلصمته، وإن الإربيان ليس له عمود فقرى، ولا يتنفس بغلصمته. وإن علم الحيوان اليوم يقسم الحيوانات إلى نوعين كبيرين: الأول: الحيوانات الفقرية (Vertebrate) ، وهى التى لها عمود فقرىّ فى الظهر، ولها نظام عصبىّ يعمل بواسطته. والثانى: الحيوانات غير الفقرية (invertebrate)التى ليس لها عمود فقرى، وإن السمك يقع فى النوع الأول، والإربيان فى النوع الثانى.

الذى ذكرفى دائرة المعارف: ۶: ۳۶۳، طبع۱۹۸۸: أن التسعين فى المأة من الحيوانات الحية تتعلق بهذا النوع، وأنه يحتوى على الحيوانات القشرية والحشرات، وكذلك عرّف البستانى السمك فى دائرة المعارف: ۱۰: ۶۰، بقوله: "حيوان من خلق الماء، وآخر رتبة الحيوانات الفقرية، دمه أحمر، يتنفس فى الماء بواسطة خياشيم، وله كسائر الحيوانات الفقرية هيكل عظمى".

وكذلك محمد فريد وجدى عرّفه بقوله: "السمك من الحيوانات البحرية، وهو يكوّن الرتبة =

جھینگا

سوال[۸۷۴۱]: جھینگا مچھلی کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض حضرات نے اس کو مچھلی کی قسم قرار دے کر مباح فرمایا ہے، مگر بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ یہ

= الخامسة من الحيوانات الفقرية، دمها بارد أحمر، تتنفس من الهواء الذائب في الماء بواسطة خياشيمها، وهي محلاة بأعضاء تمكنها من المعيشة دائماً في الماء، وتعوم فيه بواسطة عوّامات، ولبعضها عوامة واحدة........... اهـ".

وإن هذه التعريفات لا تصدق على الإربيان، وإنه ينفصل عن السمك بأنه ليس من الحيوانات الفقرية، فلو أخذنا بقول خبراء علم الحيوان، فإنه ليس سمكاً، فلايجوز على أصل الحنفية. ولكن السوال هنا: هل معتبر في هذا الباب التدقيق العلمي في كونه سمكاً، أويعتبر العرف المتفاهم بين الناس؟ ولا شك أن عند اختلاف العرف يعتبرعرف أهل العرب؛ لأن استثناء السمك من ميتات البحر إنما وقع باللغة العربية، وقد أسلفنا أن أهل اللغة أمثال ابن دريد، والفيروز آبادي، والزبيدي، والدميري كلهم ذكروا أنه سمك. فمن أخذ بحقيقة الإربيان حسب علم الحيوان، قال بمنع أكله عندالحنفية. ومن أخذ بعرف أهل العرب، قال بجوازه.

وربما يرجع هذا القول بأن المعهود من الشريعة في أمثال هذه المسائل الرجوع إلى العرف المتفاهم بين الناس، دون التدقيق في الأبحاث النظرية، فلا ينبغي التشديد في مسئلة الإربيان عند الإفتاء، ولاسيما في حالة كون المسئلة مجتهداً فيها من أصلها، ولا شك أنه حلال عند الأئمة الثلاثة، وإن اختلاف الفقهاء يورث التخفيف كما تقرر في محله، غير أن الاجتناب عن أكله أحوط وأولىٰ وأحرى. والله سبحانه أعلم". (تكملة فتح الملهم: ۳/۵۱۳، ۵۱۴، كتاب الصيد والذبائح، باب إباحة ميتات البحر، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"جھینگے میں احتیاط یہ ہے کہ نہ کھایا جائے"۔(كفاية المفتي، كتاب الحظر والإباحة: ۹/۱۴۲، دارالإشاعت كراچی)

مچھلی نہیں، بلکہ دوسرا جانور ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ دوسرا دریائی جانور جائز نہیں، یہی قول احوط معلوم ہوتا ہے۔ مجموعۂ فتاویٰ میں دونوں قول ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۸۹ھ۔

جھینگا

سوال [۸۷۴۲]: ہمارے یہاں کچھ دنوں سے جھینگا کے بارے میں حلال اور حرام کا بازار گرم تھا۔ ہماری جامع مسجد میں ایک فاضل دیوبند عالم باعمل ہیں، ہم نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے حلال بتایا اور فرمایا کہ یہ بھی مچھلی کی ذات ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ ذرا تحقیق کے ساتھ جواب دیں تا کہ ہماری بے چینی دور ہو سکے۔ آیا وہ حرام ہے یا حلال ہے، اگر حلال ہے تو کونسی قسم؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن حضرات کے نزدیک یہ مچھلی ہے وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جن کے نزدیک مچھلی نہیں وہ ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۲) اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے (۳)، یہی احتیاط کا تقاضا ہے:

---

(۱) "اور جھینگا جس کو اربیان بکسر ہمزہ کہتے ہیں، جیسا کہ صحاح وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال ہے، کیونکہ وہ مچھلی کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور مچھلی کے تمام اقسام بالاتفاق حلال ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس کو حرام لکھا ہے، وہ اسے مچھلی کی قسم نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ مچھلی ہی ہے"۔ (مجموعة الفتاوىٰ: ۲/۲۹۷، كتاب الأكل والشرب، سعيد)

(۲) "جھینگا خشکی کا حشرات میں ہے، حرام ہے اور دریائی غیر ماہی کا ہے سوائے ماہی کے سب دریائی جانور حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک ناجائز ہیں"۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب شکار اور ذبح کے مسائل جھینگوں کا کھانا، ص: ۴۵۰، إدارہ اسلامیات، لاهور)

(۳) "جھینگا مچھلی کے متعلق بھی آپ کی رائے تھی کہ مچھلی نام پڑ گیا، حقیقت میں وہ مچھلی نہیں کہ اس کے گلپھڑے نہیں ہوتے، لہٰذا آپ اس کو دریائی جانور سمجھتے اور حلت کا فتویٰ نہ دیتے تھے"۔ (تذكرة الخليل، (عنوان: جهينگا)، ص: ۲۹۳، جھینگوں کا کھانا، مکتبة الشيخ كراچی)

"الدود الذی یقال له: "جهینگا" حرامٌ عند بعض العلماء؛ لأنه لا یشبه السمك. فإنما یباح عندنا من صید البحر أنواع السمك، وهذا لایکون کذلك. وقال بعضهم: حلالٌ؛ لأنه یسمّٰی باسم السمك، اهـ". کذافی مجموعة الفتاوی عن الحمادیة(۱)۔

"دع مایریبك إلی مالا یریبك". الحدیث(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (مجموعة الفتاوی، کتاب الأکل والشرب: ۲/۲۹۷، سعید)

''اور جھینگا جس کو "إربیان" بکسر ہمزہ کہتے ہیں، جیسا کہ صحاح وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے، کیونکہ وہ مچھلی کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور مچھلی کے تمام اقسام بالاتفاق حلال ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس کو حرام لکھا ہے، وہ اسے مچھلی کی قسم نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ مچھلی ہی ہے''۔ (مجموعة الفتاوی: ۲/۲۹۷، کتاب الأکل والشرب، سعید)

(۲) (مسند الإمام أحمد، (رقم الحدیث: ۱۲۱۴۰): ۱/۳۲۹، دارإحیاء التراث بیروت)

الفصل الثانی فی الطیور

(پرندوں کا بیان)

کوے کی قسمیں

سوال[۸۷۴۳]: حضرت والاسلام مسنون! آپ کا جواب ب:۴۱۲۸ ملا۔ ہر سہ قسم کوا(زاغ) کی شناخت مع رنگ کے تحریر فرمائیں تاکہ دل کو تسلی ہو۔ فقط۔

الجواب حامداً مصلیاً:

کوا تین قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ کوا ہے جو صرف دانہ کھاتا ہے اور عامۃً آبادی میں نہیں رہتا، جنگل میں رہتا ہے، وہ بالکل حلال ہے جنگلی کبوتر کی طرح۔ دوسرا کوا وہ ہے جو غلیظ اور مردار کھاتا ہے اس کی یہی غذا ہے، وہ حرام ہے گدھ کی طرح۔ تیسرا کوا وہ ہے جو دانہ کھاتا ہے اور کبھی غلیظ مردار بھی کھالیتا ہے، وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے مرغی کی طرح۔ یہ تین قسم کتب فقہ: عنایہ، فتاویٰ قاضی خان میں موجود ہیں (۱)۔

(۱) "والغراب الأسود الذی یأکل الحبّ یقال له: غراب الزرع. وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه قال: سألت أبا حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن العقعق، فقال: لابأس به، فقلت: إنه یأکل النجاسات، فقال: إنه یخلط النجاسة بشیء آخر، ثم یأکل. فکان الأصل عنده أن ما یخلط النجاسة بشیء آخر –کالدجاج– لابأس به. وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: یکره العقعق کما یکره الدجاجة المخلاة". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۳۵۷، کتاب الصید والذبائح، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۴۶۲، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل وما لایحل، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی نتائج الأفکار، تکملة فتح القدیر: ۹/۴۹۹، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل أکله و ما لا یحل، مصر)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری کے حوالے سے غراب کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں: .... =

مدار غذا پر ہے رنگ پر نہیں ہے، بعض علاقوں میں سفید یا کسی اور رنگ کا بھی ہوتا ہے، چڑیا گھر میں بعض کوے ایسے موجود ہیں جو سیاہ نہیں۔ کبوتر بھی مختلف رنگ کا ہوتا ہے، مرغی بھی مختلف رنگ کی ہوتی ہے، اس لئے رنگ پر مدار نہیں (۱)۔

عام طور پر جو کوا غلیظ اور مردار کھاتا ہے وہ بالکل سیاہ ہوتا ہے، جو کوا دونوں چیزیں کھاتا ہے، اس کی گردن کے بال زیادہ سیاہ نہیں ہوتے، ان میں ہلکی سیاہی ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "وأنواع الغراب على ما في فتح الباري خمسة: العقعق. والأبقع، الذي في ظهره أو بطنه بياض. والغداف و هو المعروف عند أهل اللغة بالأبقع، و يقال له: غراب البين؛ لأنه بان عن نوح عليه السلام، واشتغل بجيفة حين أرسله ليأتي بخبر الأرض. والأعصم: و هوما في رجله أو جناحه أو بطنه بياض أو حمرة. والزاغ، ويقال له: غراب الزرع، و هو الغراب الصغير الذي يأكل الحبّ". (ردالمحتار: ۵۷۰/۲، كتاب الحج، باب الجنايات، سعيد)

وقال الدميري رحمه الله تعالىٰ: ''ارسطو نے اپنی کتاب نعوت الحیوان میں لکھا ہے کہ کوے چار قسم کے ہوتے ہیں اور یہ قسمیں رنگوں کے اعتبار سے ہیں: بالکل سیاہ، سیاہ و سفید، سر اور دم قدرے سفید اور سیاہ طاؤسی جس کے پروں پر قدرے چمک ہوتی ہے اور ٹانگوں کا رنگ مرجان یعنی مونگے جیسے ہوتا ہے''۔ (حیواۃ الحیوان (اردو)، باب الغین: ۵۲۱/۲، إدارہ اسلامیات لاھور)

(۱) قال العلامة العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحق أن حرمة الغراب دائرة على أكل الجيف وعدم أكله". (إعلاء السنن: ۱۷۵/۱۷، كتاب الذبائح، باب حكم الغراب، إدارة القرآن كراچى)

"ولما كان مبنى الحل والحرمة على أكل الجيف و عدمه لا على كونه أبقع أوالعقعق، أو كونه فاسقاً أو غيره، فالتعلق بهذه الأمور، و إطالة الكلام فيها من سطحية النظر والخروج عن ربقة التقليد؛ لأن أصحاب المذهب لم يجعلوا هذه الأمور مداراً للحل والحرمة هذا ماعندنا، والله أعلم وعلمه أتم وأحكم". (إعلاء السنن، المصدر السابق)

کوے کا کھانا

سوال[۸۷۴۴]: کوے کا گوشت کھانا کیسا ہے مطلقاً، کیونکہ ''مطلقاً'' کی قید اس لئے لگائی جاتی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہی فرمایا: ''مطلقاً اگر جنگل کا کوا ہے''(۱) تو ''مطلقاً'' کیوں فرمایا؟ وجہ بیان کیجئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

''کوے کا گوشت مطلقاً کھانا ممنوع نہیں'' جس کا مطلب یہ ہے کہ کوے کی ہر قسم کو ممنوع کہنا غلط ہے، اس لئے کہ جو کوا صرف دانہ کھاتا ہے وہ بالاتفاق درست ہے۔ اور جو کوا مردار غلاظت ہی کھاتا ہے وہ بالاتفاق درست نہیں۔ اور جو کوا دانہ بھی کھاتا ہے اور کبھی غلاظت بھی یا مردار بھی کھاتا ہے، وہ مرغی کے حکم میں ہے۔ یہ سب تفصیل کتب فقہ: فتاوی عالمگیری، قاضی خاں، شامی، طحطاوی، البحرالرائق وغیرہ میں ہے(۲)۔

اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے ''فصل الخطاب فی تحقیق مسئلة الغراب''(۳) اس میں بہت علماء کے فتاوی موجود ہیں، مکتبہ نعمانیہ دیوبند سے یہ رسالہ مل جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) لم اجده

(۲) "والغراب الذی یأكل الحب والزرع، ونحوُها حلال بالإجماع، كذا فی البدائع.......... وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ قال: سألت أبا حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن العقعق، فقال: لابأس. وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: یكره العقعق كما تكره الدجاجة، كذا فی فتاویٰ قاضی خان". (الفتاویٰ العالمكیریة: ۲۸۹/۵، ۲۹۰، كتاب الذبائح، الباب الثانی، رشیدیه)

(وكذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة: ۳۵۷/۳، كتاب الصید، رشیدیه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۳۰۷/۶، ۳۰۸، كتاب الذبائح، سعید)

(وكذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۱۵۶/۴، دار المعرفة، بیروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۳۱۳/۸، ۳۱۴، كتاب الذبائح، رشیدیه)

(۳) تلاش کے باوجود یہ رسالہ نہیں ملا، البتہ احسن الفتاویٰ میں اسی مسئلہ پر ایک رسالہ: "رفع الحجاب عن حكم الغراب" ہے۔ (أحسن الفتاویٰ، كتاب الصید والذبائح: ۴۳۹/۷، سعید)

کوّا کھانا

سوال[۸۷۴۵]: کوا کھانا کیسا ہے اور قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس کوّے کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حلال ہے(۱)۔ تو کیا وہی کوا ہے جو ہمارے یہاں پایا جاتا ہے؟ اور بدعتی اور شر پسند علماء جو یہ کیچڑ اچھالتے ہیں کہ کوّا کو حلال کہنا صرف مولانا رشید احمد صاحب کی جدت ہے، شریعت میں کوّا کھانا حرام ہے۔ تو یہ کہاں تک صحیح ہے؟ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ محدثِ اعظم ہند کا فتویٰ کن دلائل پر مبنی ہے؟ مفصل اور مدلل جواب عنایت کیجئے، عربی عبارت کا ترجمہ بھی ضرور تحریر فرمائیں۔

حافظ محمد حمید اللہ نعمانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ کوّا چند قسم پر ہے: ایک قسم وہ ہے جس کی غذا صرف غلاظت ومردار ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی غذا صرف دانہ وغلہ ہے، غلاظت ومردار بالکل نہیں کھاتا۔ تیسری قسم وہ ہے جو دونوں چیزیں کھاتا ہے، غلاظت ومردار بھی کھاتا ہے اور دانہ وغلہ بھی کھاتا ہے۔

پہلی قسم ممنوع ہے، دوسری قسم حلال ہے، ان دونوں کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں۔ تیسری قسم امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ اس کی غالب غذا غلاظت ہو (اگر اس کی غالب غذا غلاظت نہ ہو، بلکہ غالب غذا دانہ وغلہ ہو اور کبھی غلاظت بھی کھالیتا ہو تو وہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مکروہ نہیں، بلکہ بلا کراہت حلال ہے)۔

یہ اقسام واحکام فتاویٰ عالمگیری (۲)، جامع الرموز (۳)، عنایہ (۴) ردالمحتار (۵)، طحطاوی (۶)، البحر الرائق (۷)، بدائع (۸)، چلپی (۹)، وغیرہ میں مذکور ہیں۔

---

(۱) "**سوال**: جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہیں اور کھانے والے کو برا کہتے ہیں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا، نہ عذاب؟

جواب: ثواب ہوگا"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب: جواز وحرمت کے مسائل، حلال کوّا کھانا، ص: ۱۹۶، سعید)

(۲) "والغراب الذی یأکل الحبّ والزرع ونحوها حلالٌ بالإجماع، کذا فی البدائع.......... وعن أبی =

....

= یوسف رحمه الله تعالیٰ قال: سالت أباحنیفة عن العقعق، فقال: لابأس به، فقلت: إنه یأکل النجاسات، فقال: إنه یخلط النجاسة بشئ اخر، ثم یأکل. فکان الأصل عنده أن ما یخلط کالدجاج لابأس. وقال أبویوسف رحمه الله تعالیٰ: یکره العقعق کما تکره الدجاجة، کذا في فتاوی قاضي خان". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/ ۲۸۹، ۲۹۰، کتاب الذبائح، الباب الثاني، رشیدیه)

(۳) "(والأبقع) –مجاز مرسل عن الغراب– فإنه ثلثة أنواع: الأبقع مافیه سواد وبیاض، والأسود والزاغ(الذی یأکل الجیف): أی لا یأکل إلا الجیفة وجثة المیت. وفیه إشعار بأنه لو أکل من کل من الثلثة الجیفة والحبّ جمیعاً، حل ولم یکره، وقالا: یکره. والأول أصح، کما في الخزانة". (جامع الرموز: ۲/۳۵۰، کتاب الذبائح، طبع ایران)

(۴) "وأما الغراب الأبقع والأسود فهو أنواع ثلثة: نوع یلتقط الحبّ ولایأکل الجیف، ولیس بمکروه. ونوع منه لا یأکل إلا الجیف، وهو الذی سماه المصنف الأبقع الذی یأکل الجیف، وإنه مکروه. ونوع یخلط: یأکل الحب مرةً والجیف أخری، ولم یذکره في الکتاب، وهو غیر مکروهٍ عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ، مکروهٌ عند أبي یوسف رحمه الله تعالیٰ. (قوله: وکذا الغداف) وهو غراب القیظ لا یؤکل. وأصل ذلک أن ما یأکل الجیف، فلحمه نبت من الحرام، فیکون خبیثاًعادةً، وما یأکل الحبّ لم یوجد ذلک فیه، وما یخلط کالدجاج والعقعق، فلا بأس بأکله عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ، وهو الأصح". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۹/۵۰۰، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل أکله ومالا یحل، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۵)"وحل(غراب الزرع)الذی یأکل الحب (والأرنب والعقعق) وهو غرابٌ یجمع بین أکل جیف وحب، والأصح حله (معها): أی مع الذکاة". (الدرالمختار). "(وحل غراب الزرع) وهو غراب أسود صغیریقال له: الزاغ، وقد یکون محمرّ المنقار والرِّجلین، رملي. قال القهستاني: وأرید به غراب لم یأکل إلا الحبّ، سواء کان أبقع أو أسود أو زاغاً، وتمامه في الذخیرة، اهـ. (قوله: والعقعق) وزان جعفر: طائر نحو الحمامة طویل الذنب فیه بیاض وسواد، وهو نوع من الغربان یتشاء م به ویعقعق بسوطٍ یشبه العین والقاف .... عن المکي. (قوله: الأصح حله) الأولی أن یقول: علی الأصح، وهو قول الإمام، وقال أبویوسف: یکره، ط. (قوله: معها) متعلق بقوله: (وحل) الذی قدره الشارح. قال ط: والأولی: بها". (ردالمحتار: ۶/ ۳۰۷، ۳۰۸، کتاب الذبائح، سعید)

....

= (٦) "(قوله: والغراب الأبقع) هو الذى فيه سواد وبياض، اهـ، مكى عن الكشف. وذكر فى الظهيرية أن الغراب الأسود والأبقع ثلثة أنواع: نوع يلتقط الحبّ ولا يأكل الجيف، وهو غير مكروه. ونوع يأكل الجيف، وهو مكروه. ونوع اٰخر يأكل الحبّ مرةً والجيف أخرى، وإنه غير مكروه عند الإمام، خلافاً لأبى يوسف، الخ، مكى. (قوله: لأنه ملحق بالخبائث) فإن لحمه ينبت من الحرام، عينى وأكمل .... (قوله: النسر) هوخلاف ماقاله مسكين: إنه العقعق. وعن أبى يوسف قال: سألت أباحنيفة رحمه الله تعالىٰ عن العقعق، فقال: لابأس به، فقلت: إنه يأكل النجاسة، فقال: إنه يخلط النجاسة بشئ اٰخر، ثم يأكل. فالأصل عنده أن ما يخلط كالدجاج، لابأس به. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يكره العقعق كما تكره الدجاجة، اهـ". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الذبائح: ١٥٦/٤، دارالمعرفه بيروت)

(٧) "(وحل غراب الزرع)؛ لأنه يأكل الحب، وليس من سباع الطير ولا من الخبائث. قالؒ: لاالأبقع الذى يأكل الجيف والضبع .... أماالغراب الأبقع، فلأنه يأكل الجيف، فصار كسباع الطير. والغراب ثلثة أنواع: نوع يأكل الجيف فحسب، فإنه لايوكل. ونوع يأكل الحب فحسب، فإنه يوكل. ونوع يخلط بينهما وهو أيضاً يوكل عند الإمام، وهو العقعق؛ لأنه يأكل الدجاج. وعن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه يكره أكله؛ لأنه غالب أكله الجيف، والأول أصح". (البحرالرائق: ٣١٣/٨، ٣١٤، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ولا يحل، رشيديه)

(٨) "ويكره غراب (الأبقع، والغداف، وهو الغراب) الأسود الكبير، لما روى عن عروة عن أبيه أنه سئل عن أكل الغراب، فقال: من يأكل بعد ما سماه الله (تبارك وتعالى)فاسقاً؟ عنىٰ بذلك قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خمسٌ من الفواسق يقتلهن المحرم فى الحل والحرم". ولأن غالب أكله الجيف، فيكره أكلها كالجلالة. ولا بأس بغراب الزرع؛ لأنه يأكل الحب والزرع ولا يأكل الجيف.

هكذا روى بشر بن الوليد عن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ قال: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن أكل الغراب، فرخّص فى غراب الزرع، وكره الغداف. فسألته عن الأبقع، فكره ذلك. وإن كان غراباً يخلط فيأكل الجيف ويأكل الحب لايكره فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ. قال: وإنما يكره من الطير مالا يأكل إلا الجيف. ولا بأس بالعقعق؛ لأنه ليس بذى مخلب ولا من الطير الذى لا يأكل إلا الحبّ، كذا روى أبويوسف أنه قال: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ فى أكل العقعق، فقال: لابأس به، =

....

=فقلت: إنه يأكل الجيف، فقال: إنه يخلط. فحصل من قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن ما يخلط من الطيور، لايكره أكله كالدجاج. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: يكره؛ لأن غالب أكله الجيف".

(بدائع الصنائع: ۱۹۷/۲، كتاب الذبائح، فصل فيما يكره من الحيوانات، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية مع حاشية العلامة عبدالحي اللكهنويؒ: ۱۳۸/۷، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله ومالايحل، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفقه النافع: ۹۶۸/۳-۹۶۹، كتاب الذبائح، مكتبة العبيكان رياض)

(وكذا في التحفة المملول، ص: ۲۱۳، ۳۶۹، كتاب الذبائح، فصل: مايحرم أكله من الحيوانات، دارالبشار بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۶۶/۶، ۳۶۷، كتاب الذبائح، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى السراجية، ص: ۸۷، كتاب الذبائح، سعيد)

''حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کوے کی جوایک یہ قسم بیان فرمائی ہے کہ وہ نجاست وغیرہ میں خلط کرتا ہو، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱-عقعق جوموذی نہیں۔۲- وہ کوا جوخلط کرتا ہے اور موذی ہے۔ان میں سے پہلی قسم تو حلال ہے، لیکن دوسری قسم حرام ہے''۔(أحسن الفتاوى: ۴۴۱/۷، كتاب الذبائح، رسالہ: رفع الحجاب عن حكم الغراب، سعيد)

(وفتاوى رحيميه: ۲۲۳/۲، كتاب الحظر والإباحة، دارالإشاعت كراچي)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۳۸/۹، كتاب الحظر والإباحة، دارالإشاعت كراچي)

(وكذا مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱۶۲/۴، كتاب الذبائح، مكتبه غفاريه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۷۶/۱۷، ۱۷۷، كتاب الذبائح، باب حكم الغراب، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳۶۶/۶، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ومالايحل، دارالكتب العلمية بيروت)

(۹) "والأبقع بالباء الموحدة والقاف. واعلم أن الغراب أربعة أنواع: نوع يأكل الحبوب فقط، يقال له: غراب الزرع، كما سيأتي، فهو حلال اتفاقاً؛ لأنه ليس من سباع الطيور، ولايأكل الجيف. ونوع يأكل الجيف فحسب، فهو حرام اتفاقاً. ونوع معدود من سباع الطير، فهو حرام اتفاقاً أيضاً. ونوع يجمع بين الحب والجيفة وهو حلال عند الإمام الأعظم رحمه الله، وهو العقعق الذي يقال له بالفارسية: عكة؛ لأنه =

جو کوا عامۃً ہمارے بستیوں میں پایا جاتا ہے، وہ دانہ غلہ بھی کھاتا ہے اور یہی اس کی غالب غذا ہے اور کبھی غلاظت بھی کھالیتا ہے۔ پس اس کا حکم فقہاء کے نزدیک وہی ہے جو مرغی کا حکم ہے کہ اس کی غالب غذا غلہ ودانہ ہے اور کبھی غلاظت بھی کھالیتی ہے۔ اور مرغی کا نوش فرمانا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اسی کوے کو مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلال بتلایا ہے، پس جو اعتراض ان پر کیا جاتا ہے وہ درحقیقت جملہ اکابر فقہاء پر بلکہ امام الائمہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے، اس لئے کہ مولانا نے یہ مسئلہ اپنی طرف سے نہیں لکھا، بلکہ اتنے فقہاء کی کتب میں مذکور ہے:

"الغراب ثلثة أنواع: نوعٌ يأكل الجيف فحسب، فإنه لا يؤكل. ونوعٌ يأكل الحبّ فحسب، فإنه يؤكل. ونوعٌ يخلط بينهما، وهو أيضاً يؤكل عند الإمام، وهو العقعق؛ لأنه كالدجاجة. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه يكره؛ لأنه غالب أكله الجيف، والأول أصح". البحرالرائق(١).

"قال القدوري في شرحه لمختصر الكرخي: قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن العقعق فقال: لابأس به، فقلت: إنه يأكل الجيف، فقال: يخلط بشيء اخر. فحصل في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن ما يخلط، لايكره أكله". العيني(٢).

ترجمہ: "اور کوے کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ جو صرف مردار (حرام چیزیں) کھاتا ہے، اس کا کھانا منع ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جو صرف غلہ (حلال غذا) کھاتا ہے، اس کا کھانا جائز ہے۔ اور ایک قسم کوے کی وہ ہے جو نجاست اور غلہ دونوں کھا

= كالدجاجة، وعن الثاني أنه يكره؛ لأن غالب أكله الجيف، والأول أصح، كذا في التبيين". (شرح وقاية مع حاشية چلپي، كتاب الذبائح، ص: ٣٣٥، نولكشور لكنئو)

(١) (البحر الرائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل ومالايحل: ٣١٣/٨، رشيديه)

(٢) (شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب الذبائح، هذا فصل فيما يحل الخ: ٣٦٢/٢، إدارة القرآن كراچي)

تا ہے، وہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے، اس لئے کہ وہ مثلِ مرغی کے ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ وہ اکثر مردار ہی کھاتا ہے، لیکن پہلا قول (یعنی ابوحنیفہ کا) اصح ہے۔ البحر الرائق

قدوری نے مختصر کرخی کی شرح میں کہا کہ امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کوا (عقعق) کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، پس امام ابو یوسف نے کہا کہ وہ تو مردار کھاتا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا: دوسری حلال غذائیں بھی تو کھاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک جو کوا حلال وحرام دونوں غذائیں کھائے اس کا کھانا مکروہ بھی نہیں ہے'' عینی۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھیت کا کوّا

سوال[۸۷۴۶]: کوے کو کھانا کیسا ہے؟ جس کوے کے بدن میں سفید اور کالا پن ہو اور یہی کوّا مکئی کے زمانے میں کھیت میں بیٹھتا ہے اور جو دانہ بالی میں ہوتا ہے، اسے کھاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی غذا دانہ ہے تو اس کا کھانا بلاتردد جائز ہے: "وحل غراب الزرع الذی یأکل الحب، اھ". درمختار: ۲۲۸/۵ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۸۸/۶/۲۲ھ۔

کون سا کوا حلال ہے؟

سوال[۸۷۴۷]: ہمارے زمانے میں جس کو عوام الناس کوا کہتے ہیں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) (الدر المختار، کتاب الذبائح: ۳۰۷/۶، سعید)

ہدایہ، ج: ٤، کتاب الذبائح، ص: ٤٢٥، مطبع مجتبائی میں ہے:"ولا بأس بغراب الزرع"(١)۔

پھر بعد الدلیل تحریر فرماتے ہیں:

"ولا یؤکل الأبقع الذی یأکل الجیف، وکذا الغداف. قال أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ: ولا بأس بأکل العقعق"(٢)۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ "غراب الزرع" سے کون سا کوا مراد ہے اور "لا یأکل الأبقع" سے کون سا کوا مراد ہے اور عقعق کون سا کوا ہے؟ ہمارے ہندوستان میں دو قسم کے کوے ہوتے ہیں: ایک تو بالکل سیاہ ہوتا ہے اور کچھ سفیدی مائل جس کی گردن پر بدن سے زیادہ سفیدی ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں فرمایا ہے کہ زاغِ معروفہ کو کھا سکتے ہیں۔ زاغِ معروفہ سے کون سا کوا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوا چند قسم کا ہے، اس کی حلت وحرمت کا مدار غذا پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کی غذا مردار اور غلیظ ہے، وہ حرام ہے چیل اور گدھ کی طرح۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی غذا دانہ اور غلہ پر ہے، وہ حلال ہے کبوتر کی طرح۔ تیسری قسم وہ ہے جو دانہ بھی کھاتا ہے اور غلیظ بھی کھالیتا ہے، اس کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ مکروہ فرماتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حلال فرماتے ہیں مرغی کی طرح کہ وہ دانہ بھی کھالیتی ہے اور غلیظ بھی کھالیتی ہے، اور بعض بستیوں میں عام طور پر یہی کوا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ عنایہ، فتح القدیر، عالمگیری، البحر الرائق، ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس کوے کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جائز وحلال لکھا ہے(٣)، اس کے متعلق رسالہ بھی ہے جس میں بہت سے علماء کے فتاویٰ درج ہیں۔ اس کا نام ہے "فصل الخطاب فی تحقیق مسئلة الغراب"۔

---

(١) (الهداية، كتاب الذبائح: ٤/٤٣٧، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢) (الهداية، كتاب الذبائح: ٤/٤٣٩، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٣) **سوال:** ''جس جگہ زاغِ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں، تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا، یا نہ ثواب ہوگا، نہ عذاب''؟

جواب: ''ثواب ہوگا''۔ (فتاوىٰ رشيديه، ص: ٤٨٩، إداره إسلاميات لاهور)

یہ رسالہ مکتبہ نعمانیہ دیوبند نے طبع کرایا ہے، وہاں سے مل جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

بگلہ، گرسل، نیل کنٹ کا حکم

سوال[۸۷۴۸]: بگلہ حلال ہے یا نہیں؟ نیل کنٹ حلال ہے یا نہیں؟ گرسل حلال ہے یا نہیں(۲)؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بگلہ حلال ہے، گرسل اور نیل کنٹ دانا کھانے والی حلال ہے اور جس کی غذا غلاظت ومردار ہے، وہ ناجائز ہے۔ "تمیز الکلام بین الحلال والحرام" میں تفصیل مذکور ہے۔ مدار غذا پر ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مردار خور گدھ کا کھانا

سوال[۸۷۴۹]: مردار خور، مردار کھانے کے لئے جو اُترتے ہیں جن کو گدھ کہا جاتا ہے، اس کا کھانا

---

(۱) تلاش کے باوجود یہ رسالہ نہیں ملا۔

(۲) "نیل کنٹھ: ایک رنگین پرندہ جس کی گردن اور پَر نیلے ہوتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۵، فیروز سنز، لاہور)

"گرسل: مینا کی قسم کی زرد چونچ والا پرندہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۱، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "اس واسطے علماء نے لکھا ہے کہ کوا چار قسم پر ہوتا ہے: ایک وہ کہ نِرا دانہ چگتا ہے، اس کو فارسی میں "زاغ کشت" عربی میں "غراب الزرع" کہتے ہیں، حلال ہے۔ دوسرا وہ کہ نِرا مردار کھاتا ہے، اس کو عربی میں "ابقع" کہتے ہیں، وہ حرام ہے۔ تیسرے وہ کہ پیچھے سے شکار کرتا ہے، اس کو فارسی میں "کلاغ" عربی میں "غداف" کہتے ہیں، وہ حرام ہے۔ چوتھا وہ کہ دانہ بھی کھاتا ہے اور مردار بھی، اس کو "مکنۃ" اور "عقعق" کہتے ہیں، حلال ہے نزدیک امام اعظم، اور نزدیک صاحبین کے مکروہ تحریمی ہے، مگر اول مفتی بہ اور صحیح ہے"۔ (تمیز الکلام فی بیان الحلال والحرام، ص: ۷، ۱۱، مطبع مجیدی کانپور)

جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار خور (گدھ) کا کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

گدھ کی طرح کے جانور کا کھانا

سوال [۸۷۵۰]: گدھ کی طرح ایک پرندہ لمبی گردن و چونچ بڑے ڈیل ڈول کا ہوتا ہے، گدھ کے ساتھ عموماً وہ بھی مردار ہی کھاتا ہے، ایسے ہی کبھی مچھلی یا دریائی جانور کا شکار بھی چونچ سے کر کے کھاتا ہے، لیکن اکثر گزارا اس کا مردار کے کھانے پر ہوتا ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

کبوتر کا حکم

سوال [۸۷۵۱]: جنگلی کبوتر اور پلا ہوا کبوتر دونوں قسمیں حلال ہیں یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یحل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث﴾ (سورة الأعراف: ۱۵۷)

"ما استخبثه الناس من الحیوانات لا لعلة، ولا لعدم اعتیاد، بل لمجرد استخباث، فهو حرام .... و یدخل فی الخبائث کل مستقذر مثل البصاق والمخاط والعرق والمنی والروث والقمل والبراغیث و نحو ذلک". (فقه السنة، کتاب الأطعمة، باب تحریم الخبائث: ۲۸۲/۳، دار الکتب العربی بیروت)

"عن إبراهیم: کانوا یکرهون کل ذی مخلب من الطیر وما أکل الجیف". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۹۰/۵، الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کوا کھانا"، رقم الحاشیة: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

جنگلی کبوتر اور پلا ہوا دونوں حلال ہیں، کوئی حرام نہیں (۱)۔ فقط اللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۹۱ھ۔

کھانے یا تجارت کے لئے کبوتر پالنا

سوال [۸۷۵۲]: کبوتر پالنا کیا درجہ رکھتا ہے؟ اگر کوئی شخص کھانے یا تجارت کے لئے کبوتر پالے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کھانے اور تجارت کے لئے کبوتر پالنا درست ہے (۲)، ان کے کھلانے پلانے کا اہتمام کیا جائے، ان

---

(۱) پرندوں میں حلت وحرمت کا مدار غذا پر ہے اور کبوتر کی غذا دانہ، روٹی وغیرہ ہے، اسی طرح یہ غیر ذی ناب وغیر ذی مخلب ہو کر شکار بھی نہیں کرتا ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه: قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "كل ذی ناب من السباع، فأكله حرام". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۵۹، باب مايحل أكله ومايحرم، الفصل الأول، قديمی)

"ومالا مخلب له من الطير والمستأنس منه كالدجاج والبط والمتوحش كالحمام والفاختة والعصافير والقبج والكركی والغراب الذی يأكل الحب والزرع ونحوها حلالٌ بالإجماع، كذا فی البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۸۹، الباب الثانی فی بيان مايؤكل لحمه ومالايؤكل، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۲/۵۱۲، فصل فيما يحل أكله ومايحرم، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی المحيط البرهانی: ۶/۴۳۱، الفصل الأول فی بيان مايؤكل لحمه، مكتبه غفارية كوئٹه)

(وكذا فی معين الحُكّام، ص: ۳۸۰، نوع فيما يؤكل وفيمالايؤكل، مصر)

(وكذا فی تميز الكلام بين الحلال والحرام، ص: ۱۱، مطبع مجيدی كانپور)

(۲) "وعلم من هذاأنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير". (ردالمحتار: ۶/۳۹۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، سعيد) =

کو بھوکا پیاسا نہ رکھا جائے، کبوتر بازی نہ کی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

کبوتر مکان میں رہنے لگا، کئی بچے بھی ہوگئے اس کا اور بچوں کا حکم

سوال[۸۷۵۳]: ایک کبوتر زید کے گھر میں باہر سے آکر رہ گیا اور مدت تک رہا جس کو زید نے بھگایا، مگر وہ آکر پھر بالاخانہ میں رہنے لگا، اس طرح سے کئی بار کیا گیا، اب اس کے دو چار بچے بھی ہو چکے ہیں اور مزید سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔ غالباً یہ کبوتر محلہ ہی کے کسی ہندو کا ہے۔

= "وكذلك بيع السنور وسباع الوحش والطير جائز عندنا، معلماً كان أولم يكن .... وفيه: وإن باع طيراً له يطير في الهواء، إن ذاجناح يعود إلى بيته ويقدر على أخذه من غير تكلف، جاز بيعه، وإلا فلا". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳۳/۲، ۱۵۲، كتاب البيوع، فصل في البيع الباطل والفاسد، رشيديه)

"والحمامة إذا علم عددها وأمكن تسليمها، جازبيعها، وأما إذا كانت في بروجها ومخارجها مسدودة، فلا إشكال في جواز بيعها. وأما إذاكانت في حالة طيرانها ومعلوم بالعادة أنها تجيىء فكذلك، كذا في فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الفصل الرابع في الحيوانات، رشيديه)

(۱) "ان اللعب بالحمام من عمل قوم لوط". (ردالمحتار: ۴۰۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"ولا (أي لايقبل) شهادة من يلعب بالحمام يطيرهن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۷/۳، الفصل الثاني فيمن لا تقبل شهادته، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۰/۲، كتاب الشهادة، باب فيمن لاتجوز شهادتهم، فصل فيمن لاتقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۱۸۸/۹، كتاب الحظر والإباحة، دارالإشاعت كراچى)

الجواب حامداً مصلیاً:

اگر وہ کبوتر جنگلی نہیں بلکہ پلا ہوا ہے تو مالک کو تلاش کر کے اس کو واپس کر دیا جائے، پھر اگر وہ مادہ ہے تو اس کے بچے بھی اسی کے مالک کے ہوں گے(۱)۔ جو بچے ذبح کر کے کھائے ہیں، ان کی قیمت مالک کو دیں(۲) اور جو بچے موجود ہیں وہ بھی مالک کو دیں، یا اس سے خرید لیں(۳)۔ اگر وہ نر ہے تو صرف وہی مالک کو دیں اور اس کی وجہ سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ اس کے نہیں(۴)، نہ قیمت ادا کرنے کی ضرورت ہے، نہ واپس کرنے کی، کذا فی الدر المختار(۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "(محضنة): أي برج حمام اختلط بها أهلي لغيره، لا ينبغي له أن يأخذه. وإن أخذه طلَبَ صاحبَه ليرده عليه؛ لأنه كاللقطة، فإن فرخ عنده، فإن كانت الأم غريبةً لايتعرض لفرخها؛ لأنه ملك الغير، وأن الأم لصاحب المحضنة، والغريب ذكر فالفرخ له. وإن لم يعلم أن ببرجه غريباً، لا شيء عليه إن شاء الله". (الدرالمختار). "قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "المراد بالأهلي ماكان مملوكاً". (ردالمحتار: ۲۸۴/۶، كتاب اللقطة، سعيد)

(۲) "وأما طبل الغزاة، زاد في حظر الخلاصة: والصيادين .... فمضمون اتفاقاً .... ككبش نطوح و حمامة طيارة و ديك .... اهـ". (الدرالمختار: ۲۱۲/۶، كتاب الغصب، مطلب في ضمان منافع الغصب، سعيد)

(۳) "(يكره إمساك الحمامات ولو في برجها) إن كان يضر بالناس بنظر أوجلب، والاحتياط أن يتصدق بها، ثم يشتريها أوتوهب له. مجتبى". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والاحتياط) يعني فيما إذا جلب حماماً ولم يدر صاحبها". (ردالمحتار: ۴۰۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۴) "ولو كان له حمام فجاء حمام آخر فرخ، فالفرخ يكون لصاحب الأنثى؛ لأنه تبع ملكه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۹۴/۳، كتاب اللقطة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۴/۵، كتاب اللقطة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۳۹۵/۳، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۱)

طوطے کا کھانا

سوال[۸۷۵۴]: طوطے کھانا کیسا ہے، کہ کونسا طوطا کھانا جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طوطا پھل کھاتا ہے، روٹی کھاتا ہے، اس کی غذامیہ اور غلاظت نہیں، نہ وہ شکار کرتا ہے، وہ حلال ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۸۸/۶/۲۲ھ۔

دق کے مریض کے لئے گھونگھا کھانا

سوال[۸۷۵۵]: گھونگھے کا کھانا جائز ہے یا ناجائز(۲)؟ دق کے مریض کو کھلائیں گے تو کس طرح سے کھلائیں گے؟

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "كل ذی ناب من السباع، فأكله حرام". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۳۵۹/۲، كتاب الصيد والذبائح، باب ما يحل أكله ومايحرم، الفصل الأول، قديمی)

"ومالا مخلب له من الطير، والمستأنس منه كالدجاج والبط، والمتوحش كالحمام والفاختة والعصافير والقبج والكركی والغراب الذی يأكل الحب والزرع ونحوها حلالٌ بالإجماع، كذا فی البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۹/۵، الباب الثانی فی بيان مايؤكل لحمه ومالايؤكل، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۵۱۲/۲، فصل فيما يحل أكله ومايحرم، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی المحيط البرهانی: ۴۳۱/۶، الفصل الأول فی بيان مايؤكل لحمه، مكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا فی معين الحُكّام، ص: ۳۸۰، نوع فيما يوكل وفيمالايوكل، مصر)

(۲) "گھونگا: ایک قسم کے دریائی کیڑے کا خول جو ہڈی کی مانند سیپی یا سنکھ کی قسم سے ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۳۴، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

گھونگھے کا کھانا شرعاً جائز نہیں(۱)،لیکن اگر کوئی دیندار تجربہ کار معالج بتائے کہ اس کے سوادوسرا کوئی علاج نہیں تو پھر بطورِ دوا کے اس کی اجازت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۶/۹۱ھ۔

کیا تمام چرند پرند حلال ہیں؟

سوال[۸۷۵۶]: جتنے چرنداور پرند ہیں،وہ کب سے حلال ہوئے ہیں؟بیان کیا جائے۔

الجواب حامداً مصلیاً:

سارے چرند و پرند حلال نہیں ہیں، بلکہ کچھ حلال ہیں کچھ نہیں۔حدیث شریف میں کچھ کا نام صاف صاف موجود ہے(۳)اور کچھ کے لئے قاعدہ کلیہ مذکور ہے جس سے حکم معلوم ہوتا ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولايحل حيوان مائيّ إلاالسمک". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۶/۶،سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الذبائح، فصل: ۱۶۲/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الذبائح: ۳۱۴/۸، رشيديه)

(۲) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوى إذا أخبره طبيبٌ مسلمٌ أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشرفى التداوى والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب في التداوى والعلاج، ص: ۷۶، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس فى الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۳) "عن خالد بن الوليد أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نَهى عن أكل لحوم الخيل والبغال والحمير". زاد حَيْوةُ: "وكل ذى ناب من السباع". (سنن أبى داؤد، كتاب الأطعمة، باب أكل لحوم الخيل: ۱۷۵/۲، إمداديه ملتان)

"عن أنس بن مالک رضى الله تعالىٰ عنه قال: كنت غلاماً حزوّراً فاَصَدتُ أرنبا فشوّيتُها فبعث معى أبو طلحة بعَجزها إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأتيته بها فقبلها". (سنن أبى داؤد، المصدر السابق)

(۴) "وعن أبى هريرةؓ أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حرّم يوم خيبر كل ذى ناب من السباع =

گلہری کھانا

سوال[۸۷۵۷]: گلہری کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گلہری کو فارسی میں ''موش خرما''(۱) اور عربی میں ''فارۃ النخل'' کہتے ہیں۔ حیوۃ الحیوان میں ہے کہ "فارة بجميع أنواعه بالإجماع حرام"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی مرغی اگر نقصان کرے تو اس کو ذبح کرنا

سوال[۸۷۵۸]: آج کل مرغیاں پالنے کا عام رواج کثرت سے ہے، بعض نہیں پالتے اور پڑوسیوں کی مرغیاں ان کے گھر آنے جانے سے تنگ و پریشان کرتی ہیں۔ مالکِ مرغیاں کہنے سننے پر بھی اپنی مرغیوں کی صحیح نگرانی نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں جو مرغیاں اپنے گھر یا جانوروں کے چارہ کا نقصان کرنے میں ملیں تو ان کو مار ڈالنا کیسا ہے، تاوان ہے کہ نہیں؟ شریعت میں کون مجرم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرغیوں والے سے کہہ دیا جائے کہ ہمارے گھر آکر آپ کی مرغیاں نقصان کرتی ہیں، ان کی حفاظت کا

= والمجثمة والحمار الإنسي". (جامع الترمذي: ۲/۱،۲، كتاب الأطعمة، سعيد)

(ومشكوة المصابيح: ۲/ ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، باب ما يحل أكله وما يحرم، الفصل الأول، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل ذي ناب من السباع، فأكله حرام". رواه مسلم".

"وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن كل ذي ناب من السباع و كل ذي مخلب من الطير". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۳۵۹/۲، كتاب الذبائح، باب ما يحل أكله و ما لا يحل، الفصل الأول، قديمي)

(۱) ''موش خرما: گلہری، چوہا، راسو''۔ (لغات سعدی، ص: ۷۹۷، سعید)

(۲) (حیات الحیوان (اردو) : ۵۵۲/۲، ادارہ اسلامیات لاہور)

انتظام کیا جائے، ورنہ ہم ذبح کردیں گے۔ اگر وہ پھر بھی انتظام نہ کریں تو جو مرغی مکان میں آکر نقصان کرے اس کو ذبح کر کے مالک کو دے دیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

جو مرغی اذان دے اس کا کھانا

سوال[۸۷۵۸]: ہمارے گھر میں ایک مرغی ہے جو کہ اذان دینے لگی ہے تو میں کیا کروں؟ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نحوست کی علامت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی نحوست کی بات نہیں ہے، اس مرغی کو پالنا، اس کا انڈا استعمال کرنا، اس کا گوشت کھانا سب درست ہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۱۲/ ۸۹ھ۔

مذبوحہ مرغی کا انڈا

سوال[۸۷۵۹]: مذبوحہ مرغی کے پیٹ کا انڈا کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "لاضرر ولاضرار في الإسلام. الهرة إذا كانت موذيةً، لاتعذب ولاتحرك أذنها، بل تذبح بسكين حاد، كذا في الوجيز الكردري". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات: ۵/ ۳۶۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۳۷۰، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاطيرة، وخيرها الفال". قالوا: وما الفال؟ قال: "الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم". متفق عليه".

(مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة، ص: ۳۹۱، قديمى)

"وقال الشارح: لايجوز العمل بالطيرة وهي التفاؤل بالطير والتشاؤم بها، كانوا يجعلون العبرة في ذلك تارةً بالأسماء، وتارةً بالأصوات، وتارةً بالسفوح والبروح. وكانوا يهيجونها من أماكنها لذلك، الخ". (مرقاه المفاتيح، كتاب الطب والرقى، باب الفال والطيرة: ۸/ ۳۴۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "البيضة إذا خرجت من دجاجة ميتة، أكلت". (الفتاویٰ العالمكيريه: ۳۳۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الحادی عشر، رشيديه)

"ولا يلزم على هذا اللبن والبيضة من الدجاجة الميتة؛ لأن اللبن عندنا طاهر بعد الموت، وكذلک البيضة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۱۷۳): ۱۴۶/۲، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وأحكام القرآن للجصاص: ۱۶۸/۱، باب منفعة الميتة ولبنها، قديمی)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۲۱۶/۶، كتاب الذبائح، فصل فی شرط حل الأكل فی الحيوان المأكول، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۳۶۰/۴، كتاب الكراهية، الفصل الخامس فی الأكل، امجد اكيڈمی لاهور)

الفصل الثالث فی المواشی

(مویشیوں کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گائے کا گوشت تناول فرمانا

سوال[۸۷۶۰]: الجواب المتین میں تحریر ہے کہ: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک مرتبہ گائے کا گوشت اپنی لونڈی بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں استعمال کیا تھا''۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گوشت کو انگلی میں لپیٹ کر صرف چکھا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوربہ پیا تھا، یا گوشت کی بوٹی بھی استعمال کی تھی؟ مشکوۃ میں قربانی کے باب میں تحریر ہے کہ: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار گائے کی قربانی اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرف سے کی تھی''۔ تو گائے کی قربانی کا گوشت صرف ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے استعمال کیا تھا، یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الجواب المتین میرے پاس نہیں، نہ یہ روایت اَور کسی کتاب میں میری نظر سے گذری، البتہ گائے کی قربانی کی روایت صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں ہے(۱)۔ شرح سفر السعادۃ، ص: ٤٤٦، میں دیگر لحوم کے تناول فرمانے کا ذکر ہے، لیکن گائے کا ذکر اثباتاً ونفیاً کچھ نہیں ہے۔ زاد المعاد: ۱۷۲/۲، میں لحم البقر کے خواص اور طریقِ اصلاح کو بیان کیا ہے(۲)، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تناول فرمانے کا اس میں بھی

---

(۱) ''عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام الحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة''. (الصحیح لمسلم، کتاب الأضاحی، باب جواز الاشتراک فی الهدی وأجزاء البدنة والبقر الخ: ۴۲۴/۱، قدیمی)

(وکذا فی سنن أبی داؤد، کتاب الضحایا، باب البقر والجزور عن کم تجزی: ۴۰/۱، مکتبہ رحمانیہ)

(۲) ''لحم البقر: بارد ویابس عسر الانهضام، بطیئ الانحدار، یولد دماً سوداویاً، لایصلح إلا لأهل =

ذکر نہیں ہے۔ حاکم کی روایت میں لحم بقر کو داء اور سمن ولبنِ بقر کو دوا وشفا فرمایا گیا ہے (۱)۔ تذکرۃ الموضوعات میں اس کو خصوصیتِ مقام پر محمول کیا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

بوڑھے بیل کو مالک نے چھوڑ دیا اس کا حکم

سوال [۸۷۲۱]: ہماری بستی کے قریب مواضعات ہندوؤں کے ہیں، وہاں کے لوگ اکثر و بیشتر قصداً ایسے جانور گائے، بیل جو ناکارہ ہو جاتے ہیں اور کسی کام کے نہیں ہوتے چھوڑ جاتے ہیں جس سے کھیتوں کو کافی نقصان ہوتا ہے۔ اگر کانجی ہاؤس میں داخل کیا جاتا ہے تو محرر لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کیا پردھان (۳) وغیرہ کی اجازت سے ذبح کیا جا سکتا ہے؟ قانوناً تو اجازت مل نہیں سکتی۔ ان حالات میں کیا صورت کی جائے؟

= الكدر والتعب الشديد. ويورث إدمانه الأمراض السوداوية: كالبهق والجرب والقوباء والجذام وداء الفيل والسرطان والوسواس وحمىٰ الربع وكثيراً من الأورام. وهذا لمن لم يعتده، أو لم يدفع ضرره بالفلفل والثوم والدارصيني والزنجبيل ونحوه. وذَكَرُه أقلّ برودةً، وأنثاه أقلّ يبساً". (زاد المعاد، حرف اللام: لحم، ص: ۸۹۹، دار الفكر بيروت)

(۱) "عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ثم عليكم بألبان البقر وسمنانها، وإيّاكم ولحومها، فإن ألبانها وسمنانها دواء وشفاء، ولحومها داء" هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه". (المستدرك للحاكم، كتاب الطلب، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۴/۴۴۸، دار المعرفة بيروت)

(۲) " في المقاصد: "عليكم بألبان البقر وسمنانها، و إياكم ولحومها، فإن ألبانها وسمنانها دواء وشفاء، ولحومها داء" الحاكم مرفوعاً "ليبس الحجاز ويبوسة لحم البقر ورطوبة لبنها وسمنها" فكأنه يرى اختصاصه به، ولكن قد صح أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى عن نسائه بالبقر". (تذكرة الموضوعات، باب الإدام كاللحم والهريسة والملح واللبن والدهن الخ، ص: ۱۴۶، مجيديه ملتان)

(۳) "پردھان: رہنما، صدر، مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداًومصلیاً:

پردھان سے بھی تحریراً اجازت نہیں مل سکتی۔ اگر وہ لوگ تعدی کرتے ہیں اور جانوروں کو باندھ کر نہیں رکھتے اور نقصان کرتے ہیں تو جو صورت حفاظت کی مناسب ہو، وہ اختیار کی جاسکتی ہے۔ ان ہی کے مواضعات کی طرف واپس ہنکایا بھی جاسکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

برہمن سے خریدے ہوئے بیل کی واپسی

سوال [۸۷۶۲]: کسی شخص قصاب نے کسی برہمن کا بیل منڈی میں بکتا ہوا مول لے لیا۔ اب وہ کھانے کے واسطے ذبح کرنا چاہتا ہے اور برہمن وقصاب مسلمان ایک ہی گاؤں کے ہیں۔ اب برہمن واپس مڑوانا چاہتا ہے، وہ نہیں موڑتا، مگر کسی دیگر شخص نے بیل قصاب مذکور سے واپس کردیا ہے۔ اب وہ برہمن اس کی پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں، کیونکہ ذبح ہونے سے بچ گیا۔ آیا اس کا موڑنا کیسا تھا؟ اور موڑانے والا مسلمان ہوا۔ اس نے اچھا کام کیا، یا شرع شریف کے اندر حرج ہے اور اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندو سے بیل وغیرہ کی خرید وفروخت جائز ہے، جب ناپسند ہو، یا کسی مصلحت کے خلاف ہو تو واپس کرنا بھی درست ہے (۲)۔ مگر خیالِ مذکور سے واپس کرنا بُرا ہے (۳)۔ تاہم اس کی امامت میں اس کی وجہ سے خرابی

---

(۱) "قلت: وقد وقع الاستفتاء عمن له نحل يضعه في بستانه، فيخرج فيأكل عنب الناس وفواكههم، هل يضمن رب النحل ما أتلفه النحل من العنب ونحوه أم لا؟ وهل يؤمر بتحويله عنهم إلى مكان آخر أم لا؟ .... وأما جواب المشايخ، فينبغي أن يؤمر بتحويله إذا كان الضرر بيناً على ما عليه الفتوىٰ".

(الدر المختار، كتاب الديات، باب جناية البهيمة، الخ: ۶/ ۶۱۱، سعيد)

(۲) "لو قال المشترى: تركت البيع، وقال البائع: رضيت، أوْ أجزتُ، يكون إقالةً، كذا في الخلاصة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر في الإقالة: ۳/۱۵۷، رشيديه)

(۳) کیونکہ یہ صورۃً اعانت علی المعصیۃ ہے، وقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

نہیں آتی۔ پوجا پاٹ کرنا ہندوانہ فعل ہے، یہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ جس نے واپس کرایا اس نے بھی برا کیا(۱)، مگر اس سے اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ رجب/ ۵۶ھ۔

خرگوش کی حلّت

سوال[۸۷۶۳]: خرگوش کی کوئی قسم حرام ہے یا کل حلال؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وحلّ غراب الزرع الذی یأکل الحبّ والأرنب، اھ". درمختار(۲)۔ اس سے معلوم ہوا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأن لاتزر وازرةٌ وزر أخری، وأن لیس للإنسان إلا ما سعی﴾ (الایة) (سورة النجم: ۳۸، ۳۹)

(۲) (الدر المختار: ۳۰۸/۶ کتاب الذبائح، سعید)

"عن هشام بن زید قال: سمعت أنساً رضی الله تعالیٰ عنه یقول: انفجنا أرنباً بمرّ الظهران، فسعی أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خلفها، فأدرکتها فأخذتها، فأتیت بها أبا طلحة، فذبحها بمروة، فبعث معی بفخذها أو بوَرِکها إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فأکله، فقلت: أکله؟ قال قَبِله". (جامع الترمذی: ۱/۲، أبواب الأطعمة، باب ما جاء فی أکل الأرنب، سعید)

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "أقول: فی الحدیثین دلیلٌ علی حل الأرنب من غیر کراهة، و ما روی عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنهما أنه جیء بها إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فلم یأکلها و لم ینه عنها، وزعم أنها یختص ببر الناقة، فافهم، فلیس فیه ما یدل علی الکراهة الشرعیة التنزیهیة أو التحریمیة، بل یدل علی الکراهة الطبعیة فقط.

فسقط ما قال الشوکانی: إن القول الراجح هو الکراهة التنزیهیة، ولم یفصّل بینها و بین الکراهة الطبعیة مع أن بینهما فرقاً لا یخفی علی طلبة العلم فضلاً عن العلماء والمجتهدین. والدلیل علی ما قلنا أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کرهها لنفسه و لم یکرهها لغیره، فلو کان الکراهة تنزیهیةً، لم تکن مختصةً به صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؛ لأن الکراهة التنزیهیة کراهة شرعیة تعمّ المکلفین، و لا -

کہ خرگوش حلال ہے، فقہاء اتنا ہی ذکر فرماتے ہیں، اگر کوئی خاص نوع مشتبہ ہوتو اس کے معلوم ہونے پر حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور، ۲/۲/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

بیل وغیرہ کو خصی کرنا

سوال [۸۷۶۴]: جانور جیسے: بیل، بھینسا، بکرا، کتا وغیرہ کو لوگ بدھیا کر دیتے ہیں (۱)۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ضرورت ہوتو درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۳/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

خنثیٰ بکری کا حکم

سوال [۸۷۶۵]: ایک جانور جو کہ بکری کی جنس سے ہے، نہ نر ہے نہ مادہ، اس کا بیع کرنا کیسا ہے؟

= يختص بها شخصٌ دون شخصٍ، بخلاف الكراهية الطبعية، فإنها تحتمل الاختصاص". (إعلاء السنن: ۱۷/۱۹۳، ۱۹۴، كتاب الذبائح، باب حل الأرنب، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳۵۷، كتاب الذبائح، رشيديه)

(وكذا في فقه السنة: ۳/۲۳۸، الأطعمة، دار الكتاب العربي بيروت)

(۱) "بدھیا کرنا: آختہ کرنا، خصی کرنا، نامرد کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "ويجوز إخصاء البهائم منفعةً للناس؛ لأن لحم الخصي أطيب". (مجمع الأنهر: ۲/۵۵۵، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۳۸۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۷۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

اوراس کا دودھ اوراس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ ایسے جانور کو ہماری زبان میں ''کاں'' کہتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بکری کا بچہ اگر نہ نر ہو نہ مادہ ہو، بلکہ خنثیٰ مشکل ہو تو اس کی بیع درست ہے، اس کا کھانا بھی درست ہے(۱)۔ آپ نے اس کے دودھ کے متعلق دریافت کیا تو ذرا یہ بھی لکھئے کہ دودھ کس آلہ سے دیتا ہے، اورکوئی نر اس سے وطی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگراس کے وطی کرنے کا مقام بھی ہے اور دودھ کا بھی تو پھراس کو یہ کیسے کہا کہ وہ مادہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

جو بکری کا بچہ خنزیر کے دودھ سے پلے اس کا استعمال

سوال[۸۷۶۶]: اگر بکری کا بچہ خنزیر کا دودھ پی لے تو اس کا گوشت استعمال کرنا کیسا ہے؟ اوراس کی کھال کا کیا حکم ہے؟

محمد مصطفیٰ، دارالرشاد بنکی، ضلع بارہ بنکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بچے کا گوشت بھی حلال ہے اوراس کی کھال بھی قابلِ استعمال ہے، وہ خنزیر کے حکم میں نہیں۔ اگر اس دودھ سے مستقل پرورش کی گئی ہو اور دودھ چھوٹنے کے بعد کچھ مدت گھاس وغیرہ سے بھی پرورش کی گئی ہو تو اس میں کوئی کراہت بھی نہیں۔ اگراس کی نوبت نہ آئی ہو یعنی اس نے گھاس وغیرہ نہیں کھایا تو اس کے ذبح کرنے میں جلدی نہ کی جائے، ورنہ مکروہ ہے:

"کما حل أکل جدیٍ غُذیَ بلبن خنزیر؛ لأنّ لحمه لا یتغیر. وماغذی به، یصیر مستهلکاً لا یبقیٰ له أثرٌ، اهـ". درمختار۔ "معناه: إذا اعتلف أیاماً بعد ذلك کالجلالة. و فی

(۱) "والصحیح أنه یجوز بیع کل شئ ینتفع به کذا فی التاتارخانیة .... ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع فی بیع الحیوانات: ۱۱۴/۳، رشیدیه)

شرح الوهبانية: أنه يحل إذا ذبح بعد أيام، وإلا لا، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۱ھ۔

بھینس سے لاٹھی مار کر دودھ حاصل کرنا

سوال [۸۷۶۷]: اس زمانہ کے گھوسی (۲) جب بھینس دودھ نہیں دیتی تو اس کو لاٹھیوں سے مار کر، یا اَور کسی طرح زبردستی دودھ لیتے ہیں۔ تو کیا اس طرح زبردستی دودھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

حافظ اللہ رکھا، محلہ چھیپیاں، سہارنپور، یکم/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی اَور صورت دوا وغیرہ سے دودھ لینے کی نہ ہو تو بقدرِ ضرورت وتحمل سختی درست ہے (۳)، بلاضرورت اور تحمل سے زائد سختی نہیں کرنی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۳۴۱، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۲۹۰، كتاب الذبائح، الباب الثاني في ما يؤكل لحمه ومالا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۳۰۲، كتاب الصيد، الفصل الرابع في السمك مايؤكل ومالا يؤكل والجلالة، نوع في الجلالة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۳۵، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب، رشيديه)

(۲) "گھوسی: گائے، بھینس چرانے والا، گھاس کاٹنے والا، گھسیارا، گوالا، دودھ بیچنے والا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۱۳۳، فيروز سنز، لاهور)

(۳) جب کہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے، قال الله تعالىٰ: ﴿والأنعام خلقها لكم فيها دفء و منافع، ومنها تأكلون﴾ (سورة النحل: ۵)

لہٰذا اس ضرورت کے تحت اگر جانور کو تھوڑی سی تکلیف ہو تب بھی اس سے نفع حاصل کرنا چاہئے۔ جانور کو خصی کرنا گوشت میں زیادتی لذت کے لئے بالاتفاق جائز، بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حالانکہ خصی کرنے میں=

....

= لاٹھی مار کر دودھ حاصل کرنے سے زیادہ تکلیف ہے، قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: "وجاز خصاء البهائم حتى الهرة". (الدرالمختار: ۳۸۸/۶ كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"ويجوز إخصاء البهائم منفعةً للناس؛ لأن لحم الخصي أطيب". (مجمع الأنهر: ۵۵۵/۲، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۸۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۳۷۴/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

لہٰذا جب کہ خصی کرنے میں زیادہ تکلیف ہونے کے باوجود نفع کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز قرار دیا گیا ہے، تو بغرض حصولِ نفع اگر بقدرِ تحمل مارا جائے تو بھی بظاہر کوئی حرج نہیں۔

لیکن اس تمام کے باوجود جانوروں کے ساتھ انسان کی طرح احسان کا معاملہ کرنے کا حکم ہے:

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنّ الله تعالىٰ كتب الإحسان علىٰ كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القِتلةَ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته و ليرح ذبيحته". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۵۷، كتاب الصيد والذبائح، الفصل الأول، قديمي)

قال علي القاري: "(كتب الإحسان على كل شئ): أي إلى كل شئ، أوعلىٰ بمعنى "في": أي أمركم بالإحسان في كل شئ، و منه قوله تعالىٰ: ﴿ودخل المدينة على حين غفلة﴾. وقال شارح: أي كتب عليكم أن تحسنوا في كل شئ، اهـ. والمراد منه العموم الشامل للإنسان والحيوان حياً و ميتاً .... وقد قال علماؤنا: و كره السلخ قبل أن تبرد وكلّ تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد، الفصل الأول: ۶۸۰/۷، ۶۷۹، رشيديه)

"وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تتخذوا شيئاً فيه الروح غرضاً". رواه مسلم".

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال النووي: هذا النهي للتحريم، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله من فعل هذا". ولأنه تعذيب للحيوان .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد: ۶۸۱/۷، رشيديه)

دودھ لینے کے لئے بھینس کے سامنے مصنوعی بچہ بنا کر کھڑا کرنا

سوال[۸۷۶۸]: جب کسی دودھ دینے والی بھینس کا بچہ مر جاتا ہے تو وہ دودھ دینے میں پریشان کرنے لگتی ہے، اس کی ترکیب لوگ یہ کرتے ہیں کہ مردہ بچے کی کھال نکلوا کر بھینس کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں، بھینس اس کو اپنا بچہ سمجھ کر دودھ اتار لیتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ترکیب اور اس طریقہ سے دودھ نکالنا جائز ہے یا ناجائز؟

ایک اور ترکیب دودھ نکالنے کی لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایسی بھینس کو بہت زیادہ ڈرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے پیشاب کے راستہ میں ہاتھ ڈالدیتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ ڈر جاتی ہے اور پھر دودھ دینے لگتی ہے۔ مہربانی فرما کر دونوں صورتوں کو بیان فرمایئے کہ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردہ بچہ کی کھال نکلوا کر اس کے سامنے کرنے سے دودھ دیتی ہے تو اس میں مضائقہ نہیں، اجازت ہے(۱)، اس میں نہ بھینس کی حق تلفی ہے نہ کوئی اور ناجائز بات ہے، اپنا حق وصول کرنے کی تدبیر ہے۔ جب اس طرح کام چل جاتا ہے تو اس کو بہت ڈرا کر زیادہ تکلیف کیوں دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۹۲ھ۔

بھینس میں انجکشن سے مادۂ منویہ پہونچانا

سوال[۸۷۶۹]: آج کل مادہ مویشی مثلاً بھینس، گائے وغیرہ کو حاملہ کرانے کے لئے ایک نیا طریقہ انجکشن کا ایجاد ہو گیا ہے، بجائے نر کو ملانے کے انجکشن کے ذریعہ مادہ جانور کو حاملہ کرادیا جاتا ہے۔ نر سے مادہ کو ملانے اور حاملہ کرانے میں یہ قباحت بھی ہے کہ اس میں حاملہ کرانے کی فیس یا قیمت بھی دینی پڑتی ہے، اس

---

(۱) ''اگر بچے کا چہرہ اور آنکھیں پوری طرح ظاہر نہ ہوں، ایسے ہی ایک شکل بنادی گئی ہو تو جائز ہے''۔ (احسن الفتاوی: ۸/۱۸۷ کتاب الحظر والإباحة، عنوان: گائے کا مصنوعی بچہ، سعید)

(وكذا في إمداد الفتاوى: ۴/۱۵۴، كتاب الحظر والإباحة، جائز وناجائز، مکروہ افعال واستعمال، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة)

کے بغیر جانور نہیں ملتا۔ انجکشن کے ذریعہ مادہ کو حاملہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن کے ذریعہ مادہ حاملہ ہو جائے تب بھی اس کے دودھ یا گوشت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۱)۔ لیکن یہ طریقہ خلافِ فطرت ہے، اس میں ایک قباحت سے بچاؤ ہے، لیکن اس انجکشن کی قیمت بھی تو دینی پڑتی ہوگی، کیا منی کی بیع وشراء جائز ہے؟ ایک شخص نے یہاں آکر بیان دیا کہ میری بھینس کے بچہ پیدا ہوا ہے، مگر وہ خنزیر ہے اسے جب ہی فوراً ماردیا، اس بھینس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟

انجکشن کے ذریعہ جس جانور کا مادہ جس میں چاہیں پہونچادیں۔ دوسرے علاقہ میں کثرت سے بہتوں کے خنزیر پیدا ہو رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۶ھ۔

جانور کو مستی کا انجکشن اور فرج میں ہاتھ داخل کرنا

سوال[۸۷۷۰]: ایک شخص جانوروں کا ڈاکٹر ہے، بعض وقت گائے وغیرہ کو مستی کا انجکشن دینا پڑتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ انجکشن دینے سے قبل گائے کی فرج میں ہاتھ داخل کیا جاتا ہے جس سے ایک قسم کی گدگدی پیدا ہوتی ہے، پھر انجکشن دیا جاتا ہے۔ آیا یہ فعل زنا میں داخل ہے یا نہیں؟ ہر دو صورت واضح طور پر تحریر فرماویں۔ نیز یہ ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل زنا میں داخل نہیں، البتہ خلافِ فطرت اور غلط فعل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جانور کے لئے باعثِ اذیت بھی ہو(۲)۔ ایسی ملازمت سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۴ھ۔

---

(۱) "لبن الماکول حلال". (ردالمحتار، کتاب الأشربة: ۴۵۲/۶، سعید)

"واعلم أن الأصل فی الأشیاء کلها سوی الفروج الإباحة .... إنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلق أو خبر مروی، فما لم یوجد شیء من الدلائل المحرّمة، فهی علی الإباحة". (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الأشربة: ۵۶۸/۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وکره کل تعذیب بلافائدة". (الدرالمختار، کتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعید)

جانور کو خریدتے وقت ہاتھ ڈال کر دیکھنا کہ گابھن ہے یا نہیں؟

سوال[۸۷۷۱]: جانور کے بیوپاری یعنی بیع وشراء کرنے والے جانور کے مقامِ مخصوص میں ہاتھ ڈال کر اس کے گابھن ہونے کو دیکھتے ہیں۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کوئی اَور صورت اس کے علم کی نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، ورنہ اس کا قبیح ہونا ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۱/۳/۱۵ھ۔

جس گائے کا بچہ مرگیا ہو اس کا دودھ

سوال[۸۷۷۲]: جس گائے کا بچہ مرگیا ہو اس کا دودھ پینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

امریکی سانڈ کے نطفہ سے پیدا شدہ گائے اور دودھ کا حکم

سوال[۸۷۷۳]: ایک سانڈ امریکہ سے منگوایا گیا ہے جو گایوں کو گابھن کرتا ہے اور وہ سانڈ بیل اور خنزیر کے نطفہ سے پیدا شدہ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ بڑا ہو کر چالیس سیر تک دودھ دیتا ہے، اور اس دودھ کو بازار میں بیچا جاتا ہے اور اس طرح اس دودھ کے مادے کی مٹھائیاں

---

(۱) "وفي الخانية وغيرها: لبن المأكول حلال". (ردالمحتار: ۶/۴۵۲، كتاب الأشربة، سعيد)

فروخت کی جاتی ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس دودھ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس کے دودھ سے تیار شدہ مٹھائی کھانا درست ہے یا نہیں؟ اس کا گوشت بعد از ذبح شرعی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ اس کی بیع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گائے اس سے گابھن ہو، اس کا دودھ استعمال کرنا درست ہے (۱)، مگر جہاں تک ہوسکے اس سے گابھن نہ کرائیں۔ یہ بھی تحقیق کرلیں کہ وہ سانڈ گائے سے پیدا ہوا ہے، یا مادۂ خنزیر سے پیدا ہوا ہے تو مزید بصیرت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بے بیائی بکری کا دودھ

سوال [۸۷۷۴]: ایک بکری نوعمر پاٹھ بکرے (۲) سے جفتی ہوئی، بعد جفتی ہونے کے وہ بکری گابھن رہی اور نہ بیائی اور دودھ دینے لگ گئی اور دودھ بھی بہت دیتی ہے جیسے بکریاں بیانے پر دیتی ہیں (۳) اس کا دودھ حلال پاک ہے یا حرام؟ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) "واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة، قال الله تعالىٰ: ﴿هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعاً﴾ وقال: ﴿كلوا مما في الأرض حلالاً طيباً﴾ وإنما تثبت الحرمة بعارض نصٍ مطلقٍ أو خبرٍ مرويٍّ، فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۵٦٨/٢، كتاب الأشربة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(ردالمحتار: ۴۴۹/۴، سعيد)

"وفي الخانية وغيرها: لبن المأكول حلال". (ردالمحتار: ۴۵٦/٦، كتاب الأشربة، سعيد)

(۲) "پاٹھ: پاٹھا، جوان، پہلوان"۔ (فيروز اللغات، ص: ٢٦٢، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "بیانا: جننا، مویشی کا بچہ دینا"۔ (فيروز اللغات، ص: ٢٥١، فيروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا دودھ پاک اور حلال ہے، قال ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: " اللبن إنما يتصور ممن يتصور منه الولادة". بحر: ۳/ ٤٤٩ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۹/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/ رمضان المبارک/ ۵۶ھ۔

بے گابھن بکری کے دودھ کا حکم

سوال [۸۷۷۵]: ایک بکری گابھن نہیں ہے، مگر اچانک اس کے تھنوں میں دودھ آگیا اور ڈیڑھ کلو دودھ دیا۔ تو اس دودھ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسی بکری کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۳/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/ ۳/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۳/ ۳۹۹، کتاب الرضاع، رشیدیه)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/ ۳۱۸، باب الرضاع، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۳۰۵، كتاب الرضاع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۸، كتاب الرضاع، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة، قال الله تعالىٰ: ﴿هو الذي خلق لكم ما في الأرض جميعاً﴾، وقال: ﴿كلوا مما في الأرض حلالاً طيباً﴾، وإنما تثبت الحرمة بعارض نصٍ مطلقٍ أو خبرٍ مرويٍ، فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۶۸، كتاب الأشربة، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"لبن المأكول حلال". (ردالمحتار: ۶/ ۴۵۶، كتاب الأشربة، سعيد)

ناجائز چارہ کھانے والی بکری کا گوشت کھانا

سوال[۸۷۷۶]: ا......جس بکری کو مالک دن میں غیر کی زراعت میں چھوڑ دیتا ہے، اس کو غیر کی زراعت سے نہیں روکتا اور اس کی اکثر غذا غیر کی زراعت ہے۔ایسی بکری کا گوشت کھانا کیسا ہے، حلال ہے یا حرام اور اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا......یہ فعل گناہ ہے(۱)اور بکری کا گوشت حلال ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور،۹/جمادی الاولیٰ/۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾. (سورة النساء: ۲۹)

"وقال ابن عباس والحسن رضی اللہ تعالیٰ عنهم: أن یأکله بغیر عوض .... وکذلک الأکل عند غیره، اللّٰهم! إلا أن یکون المراد الأکل عند غیره بغیر إذنه". (أحکام القراٰن للجصاص: ۲/۲۴۴، باب التجارات وخیار البیع، قدیمی)

"وکونه یتغذی بالنجاسة لایمنع حله .... وأشار بهذا إلی الإبل والبقر الجلالة والدجاجة".

(ردالمحتار: ۶/۳۰۶، کتاب الذبائح، سعید)

الفصل الرابع فی الحیوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اوران کے اجزاء کا بیان)

خنزیر کی حرمت کی وجہ

سوال[۸۷۷۷]: خنزیر کو باری تعالیٰ نے حرام کیوں فرمایا؟ قرآن پاک میں کئی جگہ اس کا ذکر آیا ہے، لیکن ہم کو اس کی وضاحت معلوم نہیں ہوسکی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی جس چیز کو چاہے حرام قرار دے دے، بے شمار چیزیں حرام ہیں، کسی کو سوال کا اختیار نہیں، ہرگز علت دریافت کرنے کے درپے نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۶ھ۔

خنزیر کا پالنا، چَرانا، بیچنا سب غلط ہے

سوال[۸۷۷۸]: ۱..... ایک مسلمان شخص نے کسی اخبار میں، یا کسی تاریخ کی کتاب میں یہ شائع کر دیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکری، اونٹ خنزیر پالتے تھے اور چَراتے تھے (العیاذ باللہ)۔ کیا اس بات کا کہیں کسی کتبِ تواریخ یا کتبِ فقہ وغیرہ میں ثبوت ملتا ہے؟ اگر نہیں ملتا ہے تو اس بات پر مکمل تردید مع عبارت وحوالہ کتب وغیرہ ارسال فرمائیں۔

۲..... کیا اس نجس العین (خنزیر) کا پالنا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے، یا اس کا خرید وفروخت کرنا، یا اس خنزیر کو کرایہ پر چَرانا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ دونوں سوالوں کا جواب مفصل ومدلل فرمائیں۔

---

(۱) "والجواب أنهم بنوا ذلك على أصلهم في تعليل أفعال الله تعالىٰ، ونحن لانقول بذلك. ثم هذا يقتضي أن لايجوز تحريم الخمر والخنزير، ويقال: إنه لايخلو من أن يكون خلقهما ليضر بهما، وهذا لايجوز في الحكمة بهما". (التبصرة، مسائل الاجتهاد: ۱/۵۳۶، دارالكفر بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اونٹ کا چَرانا تو حدیث شریف سے ثابت ہے، بخاری شریف میں موجود ہے(۱)۔ خنزیر کا چَرانا خود اس سے دریافت کریں جس نے لکھا ہے، وہی حوالہ دے تو اس کی تردید کی جائے۔ بلا حوالہ بات کی تردید کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ یہ غلط ہے، بلا دلیل ہے۔ نہ خنزیر پالنا ثابت ہے نہ چَرانا، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان ہے(۲)۔

۲......خنزیر کا پالنا اس کا چَرانا، اس کو خریدنا، فروخت کرنا سب ناجائز ہے(۳)۔ یہ نجس العین ہے(۴) اس سے انتفاع جائز نہیں۔ درمختار، بحر، فتح القدیر، زیلعی وغیرہ کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ اس کی

---

(۱) "أن أنساً رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدثھم أن ناساً من عکلٍ وعرینة قدموا المدینة علیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وتکلّموا بالإسلام فقالوا: یا نبی اللہ! إنا کنا أھل ضرع ولم نکن أھل ریف واستوخموا المدینة، فأمرلھم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذودٍ وراعٍ، وأمرھم أن یخرجوا فیہ فیشربوا من ألبانھا وأبوالھا، فانطلقوا، حتی إذا کانوا ناحیة الحرّة، کفروا بعد إسلامھم وقتلوا راعی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستاقوا الذودَ، الخ". (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصة عُکل وعُرینة: ۶۰۲/۲، قدیمی)

(۲) "عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من کذب عليّ متعمداً، فلیتبوأ مقعدہ من النار". (الصحیح لمسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۷/۱، قدیمی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أھل بہ لغیر اللہ﴾ الخ. (سورة البقرة: ۱۷۳)

"لم یجز بیع المیتة والدم والخنزیر والخمر .... اھ". (تبیین الحقائق، باب البیع الفاسد: ۳۶۲/۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۴) "وأما خنزیر فشعرہ وعظمہ وجمیع أجزائہ نجسة". (البحر الرائق، کتاب الطھارة: ۱۹۱/۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی الأنجاس، ص: ۱۵۴، سھیل اکیڈمی لاھور)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی التداوی بلبن: ۷۲/۵، سعید)

بیع باطل ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۲ھ۔

خنزیر اور میتہ کی حرمت برابر ہے یا نہیں؟

سوال[۸۷۷۹]: خنزیر اور مردار کا گوشت دونوں حرمت میں مساوی ہیں یا کچھ تفاوت ہے، مثلاً: ایک مسلم ہے جو خنزیر (سور) کے گوشت کی تجارت کرتا ہے اور دوسرا مردار کے گوشت کی کرتا ہو، گناہ میں دونوں برابر ہیں یا کم وبیش؟ سور اور مردار اور کافر کے ذبیحہ میں حرمت برابر ہے یا کم وبیش؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے، بلکہ ایک ہی آیت میں ایک طریق پر دونوں کی حرمت مذکور ہے:

﴿قل لا أجد في ما أوحي إليّ محرماً على طاعمٍ يطعمه إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير﴾. الاية(۲)۔

پس دونوں کے گوشت کی تجارت کرنے والے مساوی درجہ کے گنہگار ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۵/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ۵/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "وبطل بيع ماليس بمال .... اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب البيع الفاسد: ۵/ ۵۰، سعيد)

"لم يجز بيع الميتة والدم والخنزير .... لانعدام المالية التي هي ركن البيع .... اهـ".

(البحر الرائق، باب البيع الفاسد: ۶/ ۱۱۵، رشيديه)

"إذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسدٌ كالميتة والدم والخنزير والخمر .... اهـ". (فتح القدير، باب البيع الفاسد: ۶/ ۴۰۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

قال الزيلعي رحمه الله تعالىٰ: "لم يجز بيع (الميتة) والدم والخنزير والخمر .... اهـ".

(تبيين الحقائق، باب البيع الفاسد: ۴/ ۳۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۴۵)

وقال الله تعالىٰ ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ الاية (سورة البقرة: ۱۷۳)

مضطر کے لئے خنزیر کا کھانا

سوال[۸۷۸۰]: کیا حالتِ اضطراری میں اگر کسی نے زبردستی خنزیر کا گوشت کھلا دیا کہ "اگر نہ کھاؤ گے تو قتل کردیئے جاؤ گے" تو ایسی صورت میں مسلمان رخصت پر عمل کرسکتا ہے۔ عمل رخصت پر افضل ہے یا عزیمت افضل ہے؟ اور آیت ﴿إنما حرم عليكم الميتة﴾ الآية(۱) کا مطلب کیا ہے؟ اور کیا لفظ "سور" کہنے سے ایمان چلا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ افسوس ناک صورتِ حال کم علمی وکم فہمی اور دین سے بے تعلقی کی بناء پر ہے، اس لفظ کے کہنے سے ہرگز ایمان ضائع نہیں ہوتا ہے، نہ رزق بند ہوگا، البتہ اس کا کھانا حرام ہے(۲)۔ ہاں! اگر کوئی مضطر ہو کہ اس کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ہو اور بغیر اس کے کھائے جان نہ بچتی ہو تو جان بچانے کے لئے اتنی مقدار کی اجازت ہے اور یہ اجازت قرآن پاک سے ثابت ہے:

﴿قل لا أجد فيما أوحى إلى محرماً على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتةً أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزير فإنه رجسٌ، أوفسقاً أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولا عادٍ، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (سورة الأنعام)(۳)۔

ایسی حالت میں اگر کوئی نہ کھائے اور بھوکا مرجائے تو گنہگار ہوگا، فتاویٰ عالمگیری(۴)۔ اگر اس کو

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۷۳)

(وسورة الأنعام: ۱۴۵)

(وسورة المائدة: ۳)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۴۵)

(۳) (سورة البقره: ۱۷۳)

(۴) "ومن امتنع عن أكل الميتة حالة المخمصة، أو صام ولم يأكل حتى مات، يأثم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۳۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في التداوي: ۳۶۷/۶، رشيديه) .... =

دشمنوں نے پکڑلیا اور قتل کرنے پر آمادہ ہیں، اور بغیر اس کے کھلائے نہیں چھوڑیں گے، اگر اس کو ظنِ غالب ہے کہ کھلا کر چھوڑ دیں گے، قتل نہیں کریں گے تو اس کو کھا لینا چاہیے، یہی رخصت ہے۔ لیکن اگر وہ اعداء اللہ کو غیض دلانے کے لئے اور اپنے دین کی پختگی کی خاطر نہ کھائے اور وہ قتل ہو جائے تو اس کے لئے بھی اجرِ عظیم ہے، بلکہ اس کے لئے عزیمت یہی ہے۔ غرض ہر دونوں کو رخصت پر عمل کرنا بھی درست ہے، ردالمحتار (۱)۔

اگر اس نے اس کو مجبور کرنے اور قتل سے جان بچانے کے لئے کھالیا اور پھر بھی انہوں نے قتل کر دیا، تب بھی مظلوم ہے گنہگار نہیں، بلکہ شہید ہے (۲)۔ آیت ﴿إنما حرم عليكم الميتة﴾ کا مطلب بھی یہی ہے کہ اشیائے مذکورہ جن میں لحمِ خنزیر بھی داخل ہے، حرام ہے۔ ایسی حالتِ اضطرار میں ان کا حکم یہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

شراب کے نشہ میں خنزیر کا گوشت کھانا

سوال [۸۷۸۱]: زید نے شراب پی، بے ہوشی کے عالم میں غیر مسلموں کے ساتھ کھانا بھی کھایا۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الإكراه: ۱۳۳/۶، ۱۳۴، سعيد)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۲۰۶/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "فإن أكره على أكل ميتة أو دم أو لحم خنزير أو شرب خمر بإكراه .... بقتل أو قطع عضو أو ضرب مبرح، حل. فإن صبر فقتل، أثم. إلا إذا أراد مغايظة الكفار، فلا بأس به". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإكراه: ۱۳۴/۶، سعيد)

(وكذا في التفسيرات الأحمديه، (سورة البقرة)، ص: ۴۵، حقانيه پشاور)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۲۰۶/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "الشهيد هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۳۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الشهيد: ۵۹۰/۱، سعيد)

(۳) (راجع، رقم: ۱)

زید کا کہنا ہے کہ جب کھانا سامنے آیا اور میں نے کھانا شروع کیا، اس میں ہڈی تھی جو میں نے پھینک دی، اس کے بعد نشہ کی حالت میں حواس برقرار نہ رہے۔ عوام کا الزام ہے اور خود زید کو بھی شک ہے کہ وہ ہڈی خنزیر کے گوشت کی تھی۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ زید کے اس گناہ سے پاک ہونے کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خنزیر بھی نجس اور حرام ہے، شراب بھی نجس اور حرام ہے(۱)، خنزیر کے متعلق تو مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی، مگر شراب کا مسئلہ کیوں نہیں دریافت کیا جاتا، جس کی وجہ سے عقل گئی ہے۔ بے ہوشی آئی۔ دونوں چیزوں سے سچی پکی توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، پختہ عہد کرے کہ آئندہ زندگی بھر شراب نہیں پیئے گا، غلط صحبت میں نہیں بیٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی کی توقع ہے۔

﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده، ويعفو عن السيئات﴾(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۶ھ۔

خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنا

سوال[۸۷۸۲]: آج کل جوتا، کپڑا صاف کرنے کے جو برش آتے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہیں جن میں خالص خنزیر کے بال ہوتے ہیں اور بعض میں دوسرے بالوں کی بھی ملاوٹ ہوتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان برشوں کا کپڑے، جوتے صاف کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ ان برشوں میں خالص خنزیر کے بال ہیں، یا غالب خنزیر کے بال ہیں اور

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطن فاجتنبوه﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك وشبهة بحكم الوعد بالنص". (شرح الفقه الأكبر، مبحث التوبة، ص: ۱۶۰، قديمي)

دوسرے بال مغلوب تو ان کی بیع وشراء اور استعمال ممنوع ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۲/۹۵ھ۔

برش میں سور کے بال

سوال[۸۷۸۲]: فی زمانہ ہر چیز پر رنگ وروغن ہو رہا ہے، فرنیچر، چینی کی پلیٹ، تانچینی کی پلیٹ وغیرہ، چینی کے دوسرے برتن۔ یہ وارنش (۲) برش سے ہوتی ہے اور برش میں کم وبیش سور کے بال ہوتے ہیں۔ ان برتنوں میں کھانا اور فرنیچر پر رکھی چیزیں کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سور کے بال اس میں ملے ہوئے نہیں ہیں، برتن اور فرنیچر صاف ہے تو محض اس وجہ سے کہ سور کے بال کے برش سے رنگ کیا گیا ہے اس کو ناپاک اور ناجائز نہیں کہا جائے گا، خاص کر جب کہ برتن کو پاک صاف کر لیا گیا(۳)۔

---

(۱) "وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسةٌ". (البحر الرائق: ۱/۱۹۱، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۷۴، باب تحريم الخنزير، (سورة البقرة: ۱۷۳)، قديمى)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۵۲، كتاب البيوع، مطلب في التداوى بلبن البنت، سعيد)

"وشعر الخنزير لنجاسة عينه يبطل بيعه، ابن كمال". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لنجاسة عينه) : أى عين الخنزير: أى بجميع أجزائه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في التداوى بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۳۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "وارنش: رال ملا ہوا تاڑھا سیال مادہ جسے فرنیچر وغیرہ چمکانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، روغن، لُک، ملمع، قلعی"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۴۰۲، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "ولو موّه الحديد بالماء النجس، يمّوه بالطاهر ثلاثاً، فيطهر، خلافاً لمحمّد، فعنده لايطهر أبداً، وهذا في الحمل في الصلوة. أما لوغسل ثلاثاً، ثم قطع به نحو بطيخ، أو وقع في ماء قليل، لاينجسه، فالغسل يطهر ظاهره إجماعاً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الوشم: ۱/۳۳۲، سعيد)

یہ علیحدہ بات ہے کہ سور کے بال کا استعمال ناجائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خنزیر کے بال کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ

سوال [۸۷۸۴]: میرے ایک عزیز کی بہن کا ایک جگہ کان پور میں رشتہ طے ہوگیا ہے، لڑکے والے اورخود لڑکا اشیاء کی درآمد و برآمد کا کام کرتے ہیں۔ ابھی چند دنوں پیشتر جب شادی کی تاریخ متعین کرنے کے لئے قدم اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے پاس کہیں باہر سے برش بنوا کر بھیجنے کا آرڈر آیا ہوا ہے اور وہ تیار کرا کر باہر بھیج رہے ہیں، لیکن برش خنزیر کے بالوں کے بنوائے جاتے ہیں اور بھیجے جاتے ہیں۔ یہ معلوم ہو کر لڑکی والے فکر مند ہیں کہ ایسی صورت میں ان لوگوں کا کاروبار درست ہے یا نہیں؟ نیز طے شدہ رشتے کو باقی رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قولِ صحیح کے مطابق خنزیر کے بال نجس ہیں (۲)، ان کی بیع بھی ناجائز ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ: درمختار،

---

(۱) "وأما الخنزير، فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسةٌ". (البحر الرائق: ۱/۱۹۱، كتاب الطهارة، رشيديه)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۴۷، (سورة البقرة: ۱۷۳)، باب تحريم الخنزير، قديمى)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۴، كتاب الطهارة، فصل في الأنجاس، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "وأما الخنزير، فشعره وعظمه، وجميع أجزائه نجسةٌ، ورخص في شعره للخرازين للضرورة؛ لأن غيره لايقوم مقامه عندهم. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه كره لهم ذلك أيضاً، ولايجوز بيعه في الروايات كلها. وإن وقع شعره في الماء القليل نجسه عند أبي يوسف، وعند محمد لاينجس. وإن صلى معه، جاز عند محمد، وعند أبي يوسف لايجوز إذا كان أكثر من قدر الدرهم. واختلفوا في قدر الدرهم، قيل: وزناً، وقيل بسطاً، كذا في السراج الوهاج .... وذكر السراج الهندي أن قول أبي يوسف بنجاسته هو ظاهر الرواية، وصححه في البدائع، ورجحه في الاختيار". (البحر الرائق: ۱/۱۹۱، كتاب الطهارة، رشيديه) ....=

شامی(۱) بحر(۲) وغیرہ میں موجود ہے۔لیکن یہ چیز محتاجِ تحقیق ہے کہ برش خنزیر کے بال سے بنتے ہیں، کیونکہ

= (وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۵۴، فصل في الأنجاس، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۲/۵، كتاب البيوع، مطلب في التداوى بلبن، سعيد)

قال الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "واللحم وإن كان مخصوصاً بالذكر، فإن المراد جميع أجزائه .... كذلك خُصّ لحم الخنزير بالنهي تاكيداً لحكم تحريمه، وحظراً لسائر أجزائه، فدل على أن المراد بذلك جميع أجزائه وإن كان النص خاصاً في لحمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۱۷۴/۱، (سورة البقرة: ۱۷۳)، باب تحريم الخنزير، قديمي)

(۱) "وشعر الخنزير لنجاسة عينه، فيبطل بيعه، ابن كمال". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لنجاسة عينه): أى عين الخنزير: أى بجميع أجزائه". (ردالمحتار: ۷۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) "و شعر الخنزير: أى لم يجز بيعه إهانةً له، لكونه نجس العين كأصله، فالبيع هنا لو جاز، لكان إكراماً. وفي الخمر والخنزير كذلك لوجاز لكان إعزازاً، و قد أمِرْنا بالإهانة". (البحر الرائق: ۱۳۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"(وشعر الخنزير ينتفع به للخرز): أى لا يجوز بيع شعره". (تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱۷۵/۱، باب تحريم الخنزير، قديمي)

خنزیر کے بالوں سے انتفاع کو ضرورت کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بدائع اور اختیار کے حوالے سے خنزیر کے بالوں کے نجس ہونے کو اصح قرار دیا ہے:

"هو ظاهرالرواية أن شعره نجس، وصححه في البدائع، ورجحه في الاختيار". (ردالمحتار: ۲۰۶/۱، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

نیز علامہ شامی اور صاحب الدر کی تصریح کے مطابق وہ ضرورت مبیحہ نہیں رہی، اس لئے خنزیر کے بالوں سے انتفاع ناجائز ہے:

"قال العلامة المقدسي رحمه الله تعالىٰ: وفي زماننا استغنوا عنه: أى فلا يجوز استعماله، لزوال الضرورة الباعثة للحكم بالطهارة، نوح آفندى". (ردالمحتار: ۲۰۶/۱، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۲/۵، مطلب في التداوى بلبن البنت، سعيد)

مجھ سے ایک صاحب نے کہا تھا کہ یہ تو ایک گھاس ہے اس سے بنتے ہیں، برش میں بال کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ہوتی ہیں جو متقوم ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ استخارہ مسنونہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۱۴۰۱ھ۔

خنزیر کی چربی سے جانور کا علاج

سوال[۸۷۸۵]: ایک شخص نے اپنے جھوٹے کو بھنگی سے خنزیر کی چربی ملوائی بوجہ چوٹ لگنے کے، لیکن چوٹ ایسی آئی تھی کہ زخم نہیں ہوا تھا اور یہ کام مشورہ سے کیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جھوٹے کا گوشت ذبح کے بعد جائز ہے یا نہیں؟ نیز جس جگہ چربی لگائی گئی تھی، اس پر ہاتھ لگا کر مسلمان جھوٹے کو نہلا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین ہے اس کی ہر شئی ناپاک، اس کا استعمال ناجائز ہے(۱)۔ اگر اس جھوٹے کا کوئی اور علاج نہیں، صرف خنزیر کی چربی ہی علاج ہے تو ایسی صورت میں اس کا لگوانا درست ہے(۲)۔ جب اس کو مَل کر نہلایا گیا اور چربی وہاں باقی نہیں رہی تو وہ جگہ بھی پاک ہوگی، اب اس جگہ ہاتھ لگانا درست ہے۔ چربی کی موجودگی میں اس جگہ ہاتھ لگانے سے ہاتھ کی ناپاکی کا حکم دیا جائے گا(۳)۔ بعد ذبح اس کا گوشت بلا تأمل

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وأما الخنزير، فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۹۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب في التداوي بلبن البنت: ۵/۷۲، سعيد)

(۲) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه".

(الدرالمختار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۵، رشيديه)

(۳) "ولو لف في مبتل بنحو بول، إن ظهر نداوته أو أثره، تنجس، وإلا لا". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء: ۱/۳۴۷، سعيد)

حلال ہے، اس میں کوئی تردد نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

کیمیا بنانے کے لئے خنزیر کا دودھ استعمال کرنا

سوال [۸۷۸۶]: ایک صاحب کیمیا بنانا چاہتے ہیں جس میں خنزیر کا دودھ استعمال ہوتا ہے۔ کیا قلبِ ماہیت کرنے کے لئے خنزیر کا دودھ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر خود نہ کرے، بلکہ کسی ہندو سے کرالیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

محمد شعیب اعظمی، دار العلوم احمد نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین ہے، اس کے دودھ کا انتفاع جائز نہیں، نہ خود نہ بالواسطہ (۲)۔ کیمیا بنانا واجب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۲/۹۵ھ۔

خچر کی نسل حاصل کرنا

سوال [۸۷۸۷]: جو لوگ گدھے اور گھوڑی کی جفتی سے خچر کی نسل حاصل کرتے ہیں، اس کا شرعی

---

(۱) "كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذي به، يصير مستهلكاً لايبقى له أثر". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في بيان مايؤكل لحمه ومالا: ۵/۲۹۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وأما الخنزير، فشعره وعظمه وجميع اجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۹۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب في التداوي بلبن البنت: ۵/۷۲، سعيد)

حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خچر کی نسل حاصل کرنا، شرعاً درست ہے(۱)، مگر اس پر اجرت لینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: اور گدھے و خچر کی جفتی سے جو نسل پیدا ہو، اس کو خریدنا اور بیچنا اور اس کی نسل کی قیمت لینا بھی جائز ہے۔ باقی جفتی کرانے کی اجرت لینا ناجائز ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کتا پالنا

سوال[۸۷۸۸]: کتا پالنا کیسا ہے، سنا ہے کہ جہاں کتا ہوتا ہے نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔ اور کس نیت سے پالنا چاہئے؟

بشیر احمد، مظفر آباد، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ جہاں پر کتا ہوتا ہے نیکی کے فرشتے نہیں آتے (۴)، لہذا کتا نہیں پالنا چاہئے، لیکن اگر

---

(۱) "وجاز .... إنزاء الحمير على الخيل كعكسه، قهستاني". (الدرالمختار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۳۸۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۳۷۷/۸، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة: ۴۷۲/۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "لاتصح الإجارة لعسب التيس، وهو نزوه على الإناث". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "لأنه عمل لايقدر عليه وهو الإحبال". (ردالمحتار، باب الإجارة الفاسد: ۵۵/۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب الإجارة الفاسد: ۳۹/۸- مكتبه نوريه رضويه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الإجارة الفاسد: ۳۳/۸، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "عن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتدخل الملائكة =

مکان، کھیتی، جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لئے ضرورت ہو تو کتا پالنے میں مضائقہ نہیں:

"و فی الأجناس: لا ینبغی أن یتخذ الکلب إلا خوفاً من اللصوص أوغیرھم. وبعد عبارة یسیرة: ویجب أن یعلم أن اقتناء الکلب لأجل الحرس جائزٌ شرعاً، وکذلك اقتنائه للاصطیاد مباح، وکذلك اقتنائه لحفظ الزرع والماشیة جائز، کذا فی الذخیرة". عالمگیری: ٤/٢٤٢(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

شوقیہ کتا پالنا

سوال[۸۷۸۹]: کتے کو علاوہ شکار یا حفاظتی اغراض کے شوقیہ پالنے کے بارے میں جب کہ:

۱...... کتے سے بالکل اس طرح کھیلا جائے جیسے بلیوں، مرغیوں، کبوتروں سے۔

۲...... کتے کا خشک جسم پالنے والے کے جسم اور کپڑوں سے مس ہو۔

۳...... کتے کا گیلا جسم۔

۴...... کتے کا لعاب دہن۔

بیتاً فیه کلب و لا تصاویر". متفق علیه". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۸۵، باب التصاویر، قدیمی)

"لاتدخل الملائكة": أی ملائكة الرحمة لا الحفظة و ملائكة الموت. وفیه إشارة إلی کراهتهم ذلک أیضاً، لکنهم مأمورون ویفعلون ما یؤمرون". (مرقاة المفاتیح: ۸/ ۲۶۵، باب التصاویر، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/ ۳۶۱، کتاب الکراهیة، الباب الحادی عشر فیما یسع من جراحات بنی آدم، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۲۲۷، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/ ۲۸۳، باب المتفرقات، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۳/ ۵۱۲، کتاب البیوع، باب المتفرقات فرع من بیوع الأجناس، إمدادیه، ملتان)

۵......کتے کے ساتھ کھیلنے کے بعد-خواہ اس کا جسم گیلا ہو یا سوکھا-نماز پڑھی جائے، یا قرآن مجید کو ہاتھ لگایا جائے۔

۶......کتا فرش، بستر یا کرسی وغیرہ پر بیٹھے۔

مذکورہ بالا چھ صورتوں کو ذہن میں رکھ کر شوقیہ پالنے کے بارے میں فتویٰ اس صورت سے تحریر فرمائیں کہ نمبر وار ان صورتوں کے جواز، عدم جواز، یا طاہر وغیر طاہر ہونے کا ذکر ہو اور قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کا حوالہ ضرور بالضرور ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه صورة ولا كلب". والمراد منه ما يحرم اقتنائه، وأماما لايحرم من كلب الصيد والزرع والماشية، فلايمنع دخول الملائكة. وقال: والأظهر أنه عامٌّ في كل كلب، وأنهم يمنعون من الجميع، لإطلاق الحديث، الخ". بذل المجهود شرح أبي داود شريف: ۶۸/۵(۱)، ۳۸/۱(۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علاوہ شکار اور حفاظتی اغراض کے محض شوقیہ کتا پالنا ممنوع ہے، اور ایسے گھر میں ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے۔

۱......ناجائز ہے، جس کا گھر میں ہونا اس قدر محرومی کا باعث ہے، اس کو گود میں لے کر کھیلنا تو بہت بڑی محرومی ہے(۳)۔

---

(۱) (بذل المجهود: ۶۸/۵، باب في الصور، كتاب اللباس، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب الوضوء بسور الكلب: ۳۸/۱، معهد الخليل الإسلامي، كراچي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من اتخذ كلباً إلا كلب ماشية أوصيد أوزرع، انتقص من أجره كل يوم قيراطٌ". (جامع الترمذي، أبواب الصيد، باب من أمسك كلباماينقص من أجره: ۲۷۴/۱)

"عن أبي طلحة رضي الله تعالیٰ عنه: "لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولاتصاوير". متفق عليه". =

۲...... خشک جسم کے مس کرنے سے نجاست کا حکم شریعت نے نہیں لگایا، لیکن بلاضرورتِ معتبرہ عندالشرع مس کرنا ممنوع ہے۔

۳...... "الکلب إذا خرج من الماء وانتفض، فأصاب ثواب إنسان، أفسده، اھ". کبیری، ص: ۱۵٦ (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کتے کا گیلا جسم جب کہ وہ پانی میں غوطہ لگا کر نکلے، جس چیز کو لگے گا وہ چیز ناپاک ہوگی۔ "وھو اختیار کثیرٍ من المشایخ"۔ مس کی ممانعت مستقل ہے۔

۴...... کتے کا لعابِ دہن بالاتفاق نجس ہے، جو حکم پاخانہ پیشاب کا ہے، وہی لعاب کا ہے (۲)۔

۵...... جسم گیلا ہونے کی صورت میں مس کروانے والے کا جسم یا کپڑا جس کو بھی اس کی تری لگی ہو، وہ ناپاک ہے، اس سے نماز درست نہیں، جسم اور کپڑا پاک کرنے کے بعد نماز درست ہے، کما مر فی الجواب الثالث۔ ناپاک ہاتھ یا ناپاک کپڑا قرآن مجید کو لگانا بھی جائز نہیں (۳)۔

٦...... خشکی کی حالت میں اشیاء ناپاک نہ ہوں گی، تری کی حالت میں ناپاک ہوجائیں گی۔ لعاب دہن لگنے سے ناپاک ہوجانا قطعی ہے۔ برکاتِ ملائکہ سے محرومی ہر حال میں ہے۔ کتے جیسی نجس اور ذلیل چیز کو کرسی وغیرہ پر بٹھا کر اعزاز کرنا ناجائز ہے، نیز یہ اہل اسلام کا طریقہ نہیں، بلکہ انگریزوں یا دوسرے کفار کا طریقہ ہے، ان کے ساتھ تشبہ ناجائز ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/٦/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/٦/۵۸ھ۔

= (مشکوۃ المصابیح، ص: ۳۸۵، باب التصاویر، الفصل الأول، قدیمی)

(۱) (الحلبی الکبیر، ص: ۱۵۸، فصل فی البئر، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "فسور خنزیر وکلب وسباع بھائم .... نجسٌ مغلظٌ". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۲۲، ۲۲۳، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۱۹۳، فصل فی الأبار، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایمسه إلا المطھّرون﴾ الأیة (سورۃ الواقعہ: ۷۹)

(۴) "وعنه (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما) قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه =

مکان کی حفاظت کے لئے کتا پالنا

سوال[۸۷۹۰]: ایک شخص نے اپنا مکان (کوٹھی) شہر سے باہر بنایا ہے، وہاں پر جان ومال کا خطرہ ہے، ایسی حالت میں وہ حفاظت کے لئے کتا پالنا چاہتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟ کتا مکان کے اندر رکھیں یا باہر؟ اگر نہ پالا جائے تو حفاظت کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی خطرہ کی صورت میں مکان کی حفاظت کے لئے کتا پالنا درست ہے، کذا فی عمدۃ القاری(۱)، پھر مکان کے اندر باہر جہاں فرصت ہو وہاں رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ اور کیکڑہ کا کھانا، فروخت کرنا

سوال[۸۷۹۱]: مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ، یا کیکڑہ وغیرہ احناف کے نزدیک کھانا یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں دیگر ائمہ ومجتہدین کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک جائز نہیں (۲)، اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً: دوا کے

= بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "وقال الخطابيّ: إنما لم يدخل في بيت إذا كان فيه شيء من هذه مما يحرم اقتناء ه من الكلاب والصور، و أما ما ليس بحرام من كلب الصيد أو الزرع أو الماشية .... فلا يمتنع دخول الملائكة بسببه". (عمدة القارى شرح صحيح البخارى: ۱۵/۱۳۹، باب: إذا قال أحدكم: آمين، والملائكة في السماء، إدارة الطباعة المنيرية، بيروت)

(۲) "عن عبدالرحمن ابن شبل رضى الله تعالىٰ عنه: أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن أكل الضب". رواه أبوداؤد".

قال العلامة العثماني رحمه الله تعالىٰ: "أقول: الحديث نص في الباب، وما روى في إباحته فمحمول علىٰ أول الأمر. ثم الضب من حشرات الأرض كالفأرة ونحوه، فيكون حكمه حكمها، و هذا =

....

= قیاسٌ مؤیدٌ لما رواہ عبد الرحمن بن شبل، فیتقوی بہ. ثم الاحتیاط فی الأخذ بالکراھة، فھذہ أمور ألجأت أباحنیفة بالقول بکراھتہ، فیکون قولہ أولی بالقبول .... اھ.

"ووجہ الاندفاع أن ھذا الجمع لیس بمتعین، لاحتمال أن یکون نھی عنھا أولاً لاحتمال المسخ، ثم نھی عنھا ثانیاً للخبث، فالاحتیاط فی النھی .... وقال: والحق أن الکراھة تحریمیةٌ، وطریق الجمع ھو ما قلنا: إن الإباحة محمول علی أول الأمر والنھی محمول علی آخر الأمر.......... اھ".

وقال العینی فی البنایة بعدما سرد الآثار فی إباحة الضب مانصہ: والجواب عن ھذا أنہ یدل علی الإباحة، وما استدلنا بہ یدل علی الحرمة، والتاریخ مجھول، فیجعل المحرم مؤخراً عن المبیح، فیکون ناسخاً لہ تقلیلاً للنسخ". (إعلاء السنن: ۱۵۹/۱۷، ۱۲۰، کتاب الذبائح، باب النھی عن أکل الضب، إدارة القرآن کراچی)

"وعن عبد الرحمن بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن طبیباً سأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ضفدع یجعلھا فی دواء، فنھاہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن قتلھا". رواہ أبو داؤد".

قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: "فنھاہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن قتلھا". قال الشارح: ولم یکن النھی عن قتلھا إبقاءً علیھا و تکرمةً لھا، بل لأنہ لم یر التداوی بھا لرجسھا و قذارتھا. وقال القاضی: و لعل النھی عن قتلھا؛ لأنہ لم یر التداوی بھا إما لنجاستھا و حرمتھا؛ إذ لم یجز التداوی بالمحرمات، أو لا ستقذار الطبع و تنفرہ عنھا.......... اھ.

قلتُ: القتل المأمور بہ إما لکونہ من الفواسق و لیس بھا، وإما لإباحة الأکل ولیس بذلک، لنجاستہ و تنفّر الطبع عنہ، وإذا لم یجز القتل لم یجز الانتفاع بہ". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح: ۳۱۴/۸، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۵۴۵)، رشیدیہ)

"وکذلک ما لیس لہ دم سائل مثل الحیة والوزغ وسام أبرص و جمیع الحشرات و ھَوَامّ الأرض من الفار والجراد و القنافذ والضب والیربوع وابن عرس ونحوھا، ولا خلاف فی حرمة ھذہ الأشیاء". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۸۹/۵، کتاب الذبائح، الباب الثانی فی بیان مایؤکل من الحیوان، رشیدیہ) .... =

طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں، یا گوہ کی کھال کارآمد ہو تو ان زندہ جانوروں کی بیع وشراء شرعاً درست ہے(۱)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق ان کے محققین اہلِ فتویٰ سے کی جائے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۲ھ۔

مردہ جنین کا گوشت کھانا

سوال[۸۷۹۲]: ذبیحہ بکری وغیرہ کے اندر اس کا مرا ہوا بچہ نکلے تو آیا اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

= "ولا الحشرات هي صغار دواب الأرض، واحدها حشرة .... اهـ". (والضبع والثعلب)؛ لأن لحمها نابا .... اهـ". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "(قوله: لأن لحمها نابا): أى يَصيدان به، فيدخلان تحت الحديث المارّ، كما في الهداية. وما روى مما يدل على إباحتها، فمحمول على ماقبل التحريم، فإن الأصل: متى تعارض نصان، غلب المحرم على المبيح، كما يذكره الشارح في الضب". (ردالمحتار: ۳۰۴/۶، ۳۰۵، كتاب الذبائح، سعيد)

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: واحدها حشرة) بالتحريك فيهما، كالفأرة والوزغة وسام أبرص والقنفذة والحية والضفدع والزنبور والبرغوث.......... اهـ". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر).

قال الحمويؒ: "(قوله: ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة) وكذا للتداوى. قال التمرتاشي في شرح الجامع الصغير نقلاً عن التهذيب: يجوز للعليل أكل الميتة وشرب الدم والبول إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه". (غمز عيون البصائر للحموى، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: ۲۷۵/۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچى)

"فإنه مبنى على أن كل ما يمكن الانتفاع بجلده أوعظمه يجوز بيعه.......... وذكر أبو الليث: يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية، فإن لم ينتفع بها، لا يجوز". (البحر الرائق: ۸۹/۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

الجواب حامداً مصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بچہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، کذا فی مجمع الأنہر: ۵۱۲/۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شیر کی چربی کا حکم

سوال [۸۷۹۳]: ایک مرہم شیر کی چربی وغیرہ سے بنا ہوا ہے تو اس کو استعمال کرنا کیسا ہے، یا اس کو لگائے ہوئے نماز پڑھنا کیسا ہے، اس کو لگائے ہوئے نماز کس طرح پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میتہ کی نجس چربی سے بنا ہوا مرہم نجس ہے (۲)۔ اگر حاذق متدین معالج کی تجویز یہ ہے کہ شفاء اسی

---

(۱) "ولایحل الجنین بزکاة أمه، أشعر أولا، حتی لونحر ناقةً أو ذبح بقرةً او شاةً فخرج من بطنها جنین میت، لم تؤكل عند الإمام وزفر وحسن بن زیاد؛ لأنه مستقل فی حیاته، فیشترط فیه زکاة استقلالیة".

(مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۵۱۲/۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"ولا یتبع أمه فی تذکیتها لوخرج میتاً، فالشطر الثانی مفسر للأول". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۴/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۷/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۹/۳، کتاب الذبائح، رشیدیه)

(۲) "عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما أنه سمع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول عام الفتح و هو بمكة: "إن الله و رسوله حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". فقیل: یا رسول الله! أرأیت شحوم المیتة، فإنه تطلی بها السفن و تدّهن بها الجلود و یستصبح بها الناس؟ فقال: "لا، هو حرام". ثم قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عند ذلک: " قاتل الله الیهود، إن الله لما حرّم شحومها، أجملوه، ثم باعوه، فأكلوا ثمنه". (صحیح البخاری: ۲۹۸/۱، کتاب البیوع، باب بیع المیتة والأصنام، قدیمی)

(الصحیح لمسلم: ۲۳/۲، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر والمیتة والأصنام، قدیمی) =

میں منحصر ہے تو اس کے لگے رہنے کی حالت میں مجبوراً نماز درست ہے(۱)۔ چربی کے خواص واثرات اس میں

= قال أبو وقاص ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ: "أرأیت شحوم المیتة، الخ": "أی فهل يحل بيعها لما ذُكر من المنافع، فإنها مقتضية لصحة البيع؟ .... قوله: فقال: "لا، هو حرام": أی البيع. هكذا فسره بعض العلماء كالشافعی و من تبعه، ومنهم من حمل قوله: "و هو حرام" على الانتفاع فقال: يحرم الانتفاع بها، وهو قول أكثر العلماء، فلا ينتفع من الميتة أصلاً عندهم، إلا ماخص بالدليل وهو الجلد إذا دبغ". (فتح الباری: ۵۳۵/۴، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الخمر والمیتة والأصنام، قدیمی)

(وکذا فی عمدة القاری للعلامة العینی، کتاب البیع، باب بیع المیتة والأصنام: ۵۵/۱۲، إدارة الطباعة المنیریة،بیروت)

(وکذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲۳/۲، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر والمیتة، قدیمی)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۱۶۵/۱، باب تحریم الانتفاع بدهن المیتة، قدیمی)

"و نجيز بيع الدهن المتنجس والانتفاع به فی غير الأكل بخلاف الودک". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدینؒ: "(قوله: ونجيز بيع الدهن المتنجس) عبارة المجمع: النجس، لكن مراده المتنجس: أی ما عرضت له النجاسة، وأشار بالفعل المضارع المسند لضمير الجماعة إلى خلاف الشافعی كما هو اصطلاحه. (قوله: فی غير الأكل) كالاستصباح والدباغة وغيرهما، ابن ملک. وقيدوا الاستصباح بغير المسجد. (قوله: بخلاف الودک): أی دهن الميتة، لأنه جزؤها، فلا يكون مالاً، ابن ملک-: أی فلا يجوز بيعه اتفاقاً، وكذا الانتفاع به، لحديث البخاری: "إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". قيل: يارسول الله! أرأيت شحوم الميتة، فإنه يطلى بها السفن و يدهن بها الجلود و يستصبح بها الناس؟ قال: "لاهو حرام". الحديث. (ردالمحتار: ۷۳/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت للرعد قولان، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳۳۰/۱، باب الأنجاس، سعید)

(۱) "(فروع) اختلف فی التداوی بالمحرم، و ظاهر المذهب المنع كما فی رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوی: وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يُعلم دواء آخر، كمارخص =

باقی رہتے ہوئے جب کہ جرم بھی موجود ہے، اس کو پاک کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، یہ صحیح ہے کہ خارجی استعمال میں قدرے توسع ہے بہ نسبت داخلی استعمال کے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

ہاتھی کی سواری اور سونڈ کا پانی

سوال [۸۷۹۴]: ہاتھی کی سواری جائز ہے یا نہیں، اور ہاتھی جو گرمی کی وجہ سے راستہ چلتے چلتے سونڈ سے پانی پھینکتا ہے، وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھی کی سواری شیخین کے قول کے موافق درست ہے اور یہی مختار ہے(۱)۔ سونڈ سے جو پانی نکلتا ہے

= الخمر للعطشان، وعليه الفتوى". (الدرالمختار: ۱/۲۱۰، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيد)

"ولو للرجل بطاهر لا بنجس، وكذا كل تداو لا يجوز إلا بطاهر، وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه. (قوله: وجوزه في النهاية، الخ) ونصه في التهذيب: يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه.......... اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۸۹، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۱) "ركَبَ الخيل والإبل والبغال والحمير، وركب الفرس مسرّجةً تارةً وعرياً أخرىٰ، وكان يجريها في بعض الأحيان، وكان يركب وحده وهو الأكثر". (زاد المعاد، فصل في هدية رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الركوب: ۱/۱۵۹، مكتبه منار الإسلام بيروت)

مجموعہ فتاویٰ میں مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں: "شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک درست ہے، منح الغفار میں ہے:"والفيل كالخنزير عند محمد رحمه الله، فيكون حكمه حكمه، وعندهما كسائر السباع نجس السور واللحم لاالعين، فيجوز بيع عظمه والانتفاع به في الحمل والمقاتلة".

ہاتھی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک سور جیسا ہے تو ان کے نزدیک ہاتھی کا حکم بھی وہی ہوگا جو سور کا حکم ہے، اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ دوسرے درندوں جیسا ہے کہ اس کا گوشت اور جھوٹا دونوں نجس ہیں اور وہ نجس العین نہیں ہے تو اس کی ہڈی کا =

وہ نجس ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۸۹/۲/۵ھ۔

بہیمۂ موطوءہ کا حکم

سوال[۸۷۹۵]: ایک شخص نے کسی گائے کے ساتھ زنا کیا، جب ثبوت ملا تو کسی عالم صاحب کے کہنے پر واطی نے گائے کے مالک کو اس کی قیمت ادا کر کے گائے مذکورہ بہت دور دراز راہ پر لے جا کر فروخت کردی اور اس کی قیمت کو فقراء وغرباء پر صدقہ کردیا۔اب گزارش ہے کہ عالم صاحب مذکور کو ایسا حکم دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی گائے کو بیچنا اور ذبح کر کے گوشت کھانا مذہب حنفیہ میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس گائے کو بیچنا اور پالنا اور گوشت کھالینا ہمارے اماموں کے نزدیک حلال ہے، یا کسی کے نزدیک حرام بھی ہے یا نہیں؟

اور جس عالم صاحب نے اس گائے کو کھانے اور بیچنے اور پالنے کو جائز رکھا ہے، اس کے پیچھے بعض لوگ نہ اقتداء کرتے ہیں اور نہ سلام وکلام، بلکہ ہر قسم کا ظلم وستم کرتے ہیں۔ایسے ظالمین پر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولایحد بوطئ بهيمة بل يعزّر، وتذبح ثم تحرق، ويكره الانتفاع بها حيةً وميةً، مجتبى. وفي النهر: الظاهر أنه يطالب ندباً لقولهم: تضمن بالقيمة". "(قوله: وتذبح وتحرق): أي لقطع امتداد التحدث به كلما رُؤيت، وليس بواجب، كما في الهداية وغيرها. وهذا إذا كانت مما لايوكل، فإن كانت توكل، جاز أكلها عنده، وقالا: تحرق أيضاً، فإن كانت الدابة لغير الواطي، يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة، ثم تذبح، هكذا قالوا، ولا يعرف ذلك إلاّ

= بیچنا اور اس سے بار برداری اور جنگ میں نفع اٹھانا جائز ہے، اور مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر میں ہے، "والمختار قولهما" اور "مختار شیخین رحمہما اللہ کا قول ہے"۔(مجموعہ فتاوی، کتاب الحظر والإباحة، ہاتھی پر سوار ہونا درست ہے یا نہیں؟: ۶۶۹/۲، سعید)

(۱) "وسور خنزير وكلب وسباع بهائم......... اهـ". (الدر المختار). وقال ابن عابدينؒ: "(وسباع بهائم) هي ما كان يصطاد بنَابه كالأسد والذئب والفهد والنمر والثعلب والفيل والضبع وأشباه ذلك، سراج".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲۲۳/۱، باب المياه، فصل في البئر، سعيد)

سماعاً، فيحمل عليه. زيلعي ونهر". ردالمحتار: ۳/۴۳۹ (۱)۔

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ گائے مذکورہ کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گوشت کھانا درست ہے اور جوعلت عبارتِ مذکورہ میں ''احراق'' کی لکھی گئی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ دور دراز جگہ پر فروخت کر دینا بھی درست اور کافی ہے اور اس صورت میں کراہتِ انتفاع واضاعتِ مال سے بھی حفاظت ہوگئی۔ صاحبین کے

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۲۶، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لایوجبه، مطلب فی وطئ الدابة، سعید)

"وعنه أنه قال: من أتى بهيمةً فلا حدّ عليه". رواه الترمذى، وأبوداود. وقال الترمذى: عن سفيان الثورى أنه قال: وهذا أصح من الحديث الأول وهو: "من أتى بهيمةً فاقتلوه". والعمل على هذا عند أهل العلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۱۳، كتاب الحدود، الفصل الثالث، قديمى)

"قال: "(وببهيمة): أى لايجب الحد بوطئ بهيمة، وقال الشافعیؒ: يجب؛ لأنه وجد سفح الماء فى محل المشتهى، فيستدعى زاجراً. قلنا: إن وطئ البهيمة لا يميل إليه الطبع، فما يستدعى زاجراً لوجود الانزجار بدون الحد، والحامل عليه نهاية السفه وغلبة الشبق كما يكون بالكف، ولهذا لايجب ستر ذلك الموضع، ولو كان مشتهى لَوَجب ستره، كما فى القبل والدبر، إلا أنه يعزر؛ لأنه جناية ليس فيها حدٌّ مقدرٌ فيعزر. وما روى عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أنه أتِىَ برجل وقع فى بهيمة، فعزّر الرجل وأمر بالبهيمة فاحرقت، كان لقطع التحدث به؛ لأنه مادامت باقيةً يتحدث الناس به، فيلحقه العاربذلك، لا لأن الإحراق واجب.

ثم إن كانت الدابة ممالا يوكل لحمها، تذبح وتحرق، لما ذكرنا. وإن كانت مما يؤكل لحمها، تذبح وتوكل عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقالا: تحرق هذه أيضاً إن كانت البهيمة للفاعل، وإن كانت لغيره يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بقيمتها، ثم تذبح. هكذ ذكروا، ولا يعرف ذلك إلا سماعاً، فيحمل عليه". (تبيين الحقائق: ۳/۵۷۹، ۵۸۰، كتاب الحدود، باب الوطئ الذى يوجب الحد والذى لايوجبه، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى النهر الفائق: ۳/۱۴۰، كتاب الحدود، باب الوطى، إمداديه ملتان)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الوطى: ۵/۲۸، رشيديه)

نزدیک احراق متعین ہے، یہ بھی وجوباً نہیں، بلکہ ندباً ہے۔ پس ایسا مسئلہ بتانے کی وجہ سے سلام وکلام ترک کرنا ہر گز درست نہیں (۱) اور ظلم وستم تو ہر حال میں ظلم وستم ہے، کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ ایسے لوگوں کو رجوع اور توبہ لازم ہے۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۴/شوال/۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) چونکہ ترک کلام گناہ کبیرہ ہے اور ندب ومستحب امر کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب درست نہیں:

"عن أبی أیوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لا یحل لرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال، یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا، وخیرهما الذی یبدأ بالسلام". (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قدیمی)

"وترک الکلام یفضی إلی التهاجر وهو حرام أو مکروه". (فتح الباری، کتاب الأدب، قبیل باب مایجوز من الهجران لمن عصی، (رقم الحدیث: ۶۰۷۷)

"قوله: (باب مایجوز من الهجران لمن عصی) أراد بهذه الترجمة بیان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهی مخصوص بمن لم یکن لهجره سبب مشروع، فتبین هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصیة، فیسوغ لمن اطلع علیها منه هجره علیها لیکف عنها". (فتح الباری، کتاب الأدب، باب مایجوز من الهجران لمن عصیٰ، (رقم الحدیث: ۶۰۷۸): ۱۰/۶۰۹، قدیمی)

الفصل الخامس فيما يجوز قتله من الحيوانات ومالايجوز

(جائز القتل اور غیر جائز القتل حیوانات کا بیان)

چھپکلی کا مارنا

سوال[۸۷۹۶]: چھپکلی کا مارنا شرعاً کیسا ہے؟ عوام میں مشہور ہے کہ اس کے مارنے پر ثواب ملتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ امید ہے کہ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں ''وزغ'' کے مارنے کی اجازت بھی ہے، حکم بھی ہے اور اس پر ثواب بھی بیان فرمایا گیا ہے، یہاں تک کہ اگر پہلی ضرب میں ماردیا جائے تو اس پر ثواب کی بڑی مقدار بیان کی گئی ہے، دوسری ضرب پر مارنے پر اس سے کم ہے، تیسری میں اس سے کم ہے۔ ایسی حدیثیں بخاری شریف، ص:۴۶۶(۱)۔ مسلم شریف:۲/۲۳۶(۲)، نسائی شریف:۲/۲۶(۳)، مؤطا امام محمد، ص:۳۶(۴) وغیرہ کتب میں موجود ہیں۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال للوزغ: "الفويسق". ولم أسمعه أمر بقتله. وزعم سعد بن أبي وقاص أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بقتله".

"عن سعيد بن المسيب أنّ أمّ شريك رضي الله تعالىٰ عنها أخبرته أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمرها بقتل الأوزاغ". (صحيح البخاري: ۱/۴۶۶، كتاب بدء الخلق، باب: خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال، قديمي)

(۲) "عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بقتل الوزغ، وسماه فويسقاً .... اهـ".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "من قتل وزغةً في أول ضربة، فله كذا وكذا حسنةً، ومن قتلها في الثانية فله كذا وكذا حسنةً دون الأولىٰ، ومن قتلها في الثالثة فله كذا و كذا حسنة دون الثانية". .... =

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک نیزہ مکان میں رکھ چھوڑا تھا، کسی نے پوچھا: یہ کس لئے ہے؟ فرمایا: وزغ کو مارنے کے لئے۔ التعلیق الممجد میں ہے:

"الوزغ –بفتحتين جمع وزغة دُوَيبة معروفةٌ– تكون في السقوف والجدران، وكبارها يقال لها: سام أبرص. وقد ورد الأمر والوعد بالأجر في قتلها: "عن أمّ شريك أنها استأمرت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قتل الوزغان، فأمرها بذلك". أخرجه البخاري ومسلم. وفي الصحيحين: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بقتل الوزغ، وسماه فويسقاً، وقال: "كان ينفخ النار علىٰ إبراهيم". وفي الصحيح من حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "من قتل وزغةً من أول ضربةٍ، فله كذا و كذا حسنةٌ، و من قتلها في الثانية فله كذا وكذا حسنةٌ دون الأولىٰ، ومن قتلها في الثالثة فله كذا و كذا حسنةٌ دون الثانية".

"وعند الطبراني من حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "اقتلوا الوزغة ولو في جوف الكعبة". وفي سنده عمر بن قيس المكي ضعيفٌ. وعند ابن ماجة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنه كان في بيتها رمح موضوع، فقيل لها: ما تصنعين بهذا؟ قالت: أقتل

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمعنى حديث خالد عن سهيل الاجريرا وحده، فإن في حديثه: "من قتل وزغة في أول ضربة كتبت له مأة حسنة، وفي الثانية دون ذلک، وفي الثالثة دون ذلک". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۳۶، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب استحباب قتل الوزغ، قديمي)

(۳) "عن سعيد بن المسيب أن امرأةً دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وبيدها عكّاز، فقالت: ما هذا؟ فقالت: لهذه الوزغ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثنا أنه لم يكن شيء إلا يطفيء على إبراهيم عليه السلام إلا هذه الدابة، فأمَرَنا بقتلها .... اهـ". (سنن النسائي: ۲/۲۶، كتاب مناسک الحج، قتل الوزغ، قديمي)

(۴) "بلغني أن سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالىٰ عنه كان يقول: أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقتل الوزغ. قال محمد: وبهذا كله نأخذ، وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا". (المؤطا للإمام محمد، ص: ۲۰۶، باب مارخص لمحرم أن يقتل من الدواب، مير محمد كتب خانه)

الوزغ، فإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن إبراهیم علیه السلام لما أُلقِیَ فی النار، لم یکن فی الأرض دابةٌ إلا أطفأت عنه النار غیرالوزغ، فإنه کان ینفخ علیه النار". فأمر علیه السلام بقتله. کذا فی حیوٰة الحیوان للدمیری، اهـ"(۱)۔

''وزغ'' کی تشریح کرتے ہوئے غیاث اللغات میں برہان سے نقل کیا ہے: "نوعے از چلپاسه است"(۲)۔ اور''چلپاسہ'' کے متعلق لکھا ہے: "جانورے شبیه بحرباء که درسقفِ خانه ها باشد، بهندی چهپکلی گویند" (۳)۔ وزغ، چھپکلی اور گرگٹ دونوں کو شامل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گرگٹ کا مارنا

سوال[۸۷۹۷]: عوام میں مشہور ہے کہ گرگٹ جانور کے مارنے کا بہت ثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرگٹ کے مارنے پر ثواب کثیرہ کا ملنا صراحۃً حدیث میں موجود ہے، فقط، کذا فی المشکوۃ، ص: ۳٦١ (٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (التعلیق الممجد علی هامش المؤطاء للإمام محمد، ص: ۲۰٦، کتاب الحج، باب مارخص لمحرم أن یقتل من الدواب، میر محمد کراچی)

(۲) (غیاث اللغات، ص: ۵۴۲، باب واو، فصل واو مع زای معجمة، سعید)

(۳) (غیاث اللغات، ص: ۱٦۴، باب جیم فارسی فصل جیم فارسی مع لام، سعید)

(۴) "عن أمّ شریک رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بقتل الوزغ، وسماه فویسقاً، وقال: "کان ینفخ النار علیٰ إبراهیم". متفق علیه".

"وعن سعد بن أبی وقاص رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بقتل الوزغ، وسماه فویسقاً". رواه مسلم".

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من قتل وزغاً فی أول ضربة کتبت له مأة حسنة، وفی الثانیة دون ذلک، وفی الثالثة دون ذلک". (مشکوة المصابیح، ص: ۳٦۱، باب ما یحل أکله و ما یحرم، الفصل الأول، قدیمی)

چوہے وغیرہ کو زہر دے کر مارنا

سوال[۸۷۹۸]: اکثر گھروں میں چوہے بہت زیادہ تعداد میں ہوجاتے ہیں اور گھروں میں رکھے ہوئے غلہ وغیرہ کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ بعض اوقات کوٹھی، بورا، کپڑا بھی کاٹ ڈالتے ہیں، زمین میں سوراخ بنا کر اور چھتوں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ گھر کے چوہوں سے لوگ تنگ آ کر چوہوں کو زہر دے کر ہلاک کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

چوہوں کو یا کسی نقصان پہونچانے والی مخلوق جیسے چیونٹی وغیرہ کو زہر دیا جائے یا نہیں؟ اگر زہر دے کر ہلاک کیا جاسکتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ کونسی صورت اختیار کی جائے جس سے ایسے نقصان پہونچانے والے جانور سے چھٹکارا ملے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زہر دینا یا ویسے ہی مار دینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

کھٹملوں کو گرم پانی سے مارنا

سوال[۸۷۹۹]: کھٹمل کے دِق (۲) کرنے پر آیا پلنگ یا تخت پر کھولتا پانی ڈال کر کھٹملوں کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "المختار أن النملة: إذا ابتدأت بالأذى، لابأس بقتلها، وإلا يكره، وإلقاؤها في الماء يكره مطلقاً .... الهرة إذا كانت مؤذيةً لاتضرب ولا تحرك أذنها، بل تذبح بسكين حادٍّ". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثامن في القتل: ۶/۳۷۰، رشيديه)

"و قد أمرنا بضررهم قتل الزنبور والحشرات". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۱، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۵۲، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتى، سعيد)

(۲) "دِق کرنا: چھیڑنا، ستانا، تنگ کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۱، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ دِق کرتے ہیں اور دوسری طرح نہیں مانتے تو گرم کھولتا ہوا پانی چارپائی پر ڈالنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چیونٹی، بھڑ وغیرہ کو جلانا

سوال[۸۸۰۰]: بہت سے لوگ تتیا، شہد کی مکھی، چیونٹی وغیرہ کو آگ سے جلا کر ہلاک کرتے ہیں۔ یہ ان کا فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کی اذیت سے بغیر جلائے حفاظت نہیں ہوسکتی تو مجبوراً جلانا بھی درست ہے، مگر عموماً بغیر جلائے

---

(۱) "(وحرقهم) .... لكن جواز التحريق والتغريق مقيد –كما في شرح السير– بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة، فإن تمكنوا بدونها، فلا يجوز". (ردالمحتار: ۱۲۹/۴، كتاب الجهاد، مطلب في أن الكفار مخاطبون ندباً، سعيد)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الجواب: "في ردالمحتار: وكيفية القتال من كتاب الجهاد تحت قول الدرالمختار: "وحرقهم مانصه: لكن جواز التحريق والتغريق مقيد - كما في شرح السير– بما إذا لم يتمكنوا من الظفر بهم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة، فإن تمكنوا بدونها فلا يجوز".

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کھٹملوں کے دفع کا اور کوئی آسان طریقہ نہ ہو تو تب تو گرم گرم پانی ڈالنا ان پر درست ہے، ورنہ ممنوع ہے"۔(إمداد الفتاویٰ: ۲۶۳/۴، كتاب الحظر والإباحة، حقوقِ حيوانات، عنوان: "کھٹمل کو مارنے کے لئے چارپائی میں گرم پانی ڈالنا"، مكتبه دار العلوم كراچی)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: "مکروہ ہے، مطالب المؤمنین میں ہے: "إحراق القمل والعقرب وغيرهما بالنار مكروه؛ لأن في الحديث: "لايعذب بالنار إلا خالقها". وأكره إلقاءه في الماء". کھٹمل اور بچھو وغیرہ کو آگ میں جلانا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: آگ سے عذاب صرف خالق ہی کرے گا اور پانی میں لٹکانا بھی مکروہ ہے"۔(مجموعة الفتاویٰ: ۲۶۹/۲ كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

حفاظت کچھ دشوار نہیں، ایسی حالت میں جلانا سخت گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

بلی کو مارنا

سوال[۸۸۰۱]: اگر کوئی شخص لکڑی سے بلی کو ماردے اور وہ مرجائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اگر کوئی کفارہ ہو تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلی کو بلاوجہ ستانا گناہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ کر رکھا اور

---

(۱) "(إذ لايعذب بالنار إلا ربّها)" علةٌ لمفهوم قوله بعده وهوعدم إحراقها قبل الذبح". "وفي صحيح البخاري: "فإنه لا يعذب بها إلا الله". و أخرج البزار في مسنده عن عثمان بن حبان قال: كنت عند أم الدرداء رضي الله تعالىٰ عنها، فأخذت برغوثاً فألقيته في النار فقالت: سمعت أبا الدرداء يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لا يعذب بالنار إلاربُّ النار" فتح ملخصاً. ولا يرد هذا على ما مر من جواز حرق أهل الحرب عند قتالهم؛ لأن ذاك مقيد بما إذا لم يمكن الظفر بهم بدونه كما قدمناه عن شرح السير، فافهم. وأورد المحشي على جواز إحراقها بعد الذبح أنه يقتضي أن الميت لا يتألم مع انه ورد أنه يتألم بكسر عظمه". (ردالمحتار: ۱۴۰/۴، كتاب الجهاد، المغنم و قسمته، سعيد)

قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا يحرقها، وفي المبتغي: يكره إحراق جراد و قمل وعقرب، ولا بأس بإحراق حطب فيها نمل، وإلقاء القملة ليس بأدب". (الدرالمختار).

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: يكره إحراق جراد): أي تحريماً ومثل القمل البرغوث، ومثل العقرب الحية. (قوله: وإلقاء القملة ليس بأدب)؛ لأنها تؤذي غيره و يورث النسيان، وفيه تعذيب لها بجوعها، أما البرغوث فيعيش في التراب". (ردالمحتار: ۷۵۲/۶، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى، سعيد)

"المختار أن النملة إذا ابتدأت بالأذى، لابأس بقتلها، وإلا يكره، وإلقاء ها في الماء يكره مطلقاً. قتل القملة لا يكره، وإحراقها وإحراق العقرب بالنار يكره". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۰/۶، كتاب كراهية، الثامن في القتل، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۱/۵، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون، رشيديه)

کھانے کو نہیں دیا، اس کی وجہ سے اس عورت کو عذاب ہوا(۱)۔ اسی طرح ہر جانور کا حکم ہے، کسی کو بھی بلاوجہ ستانا جائز نہیں، گناہ ہے(۲)۔ لیکن اگر بلی اذیت دے تو اس کو مارڈالنا بھی درست ہے، مثلاً کسی نے مرغی پال رکھی ہے اور بلی آکر کھا جاتی ہے تو اس کے لئے اجازت ہے کہ بلی کو ذبح کردے، یہ گناہ نہیں:

"الهرة إذا كانت مؤذية، لا تعذب، ولا تحرك أذنها، بل تذبح بسكين حادٍ، كذا في الوجيز للكردري، اه". عالمگیری: ۱/ ۱۱۵(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۹۰ھ۔

کتے اور بلی کو مارنا

سوال[۸۸۰۲]: اگر کوئی بلی یا کتا کسی شخص کا حد سے زیادہ کا نقصان کردے تو اس بلی یا کتے کا مارنا جان سے درست ہے یا نہیں؟

بندہ نورالحسن، امام مسجد بہاری گڈہ، سہارنپور، ۹/مئی/۳۴ء۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ نہ مارا جائے، لیکن اگر نقصان سے حفاظت مشکل ہوجائے تو جان سے مارنا درست ہے، مگر تر سا تر سا کے مارنا برا ہے(۴)۔

---

(۱) "عن نافع عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عذبت امرأة في هرة سجنتها حتى ماتت، فدخلت فيها النار، لاهي أطعمتها وسقتها إذ حبستها، ولا هي تركتها تأكل من خشاش الأرض". (الصحيح لمسلم، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب تحريم قتل الهرة: ۲/ ۲۳۶، قديمي)

(۲) "وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل (قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد)". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۶، سعيد)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيريه، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات: ۵/ ۳۶۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الثامن في القتل: ۶/ ۳۷۰، رشيديه)

(۴) "وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۶، سعيد)

"وجاز قتل ما يضر منها ككلب عقور وهرّة تضرّ، و يذبحها: أى الهرّة ذبحاً، ولا يضربها؛ لأنه لا يفيد، ولا يحرقها". درمختار۔ قال الشامی تحت قوله: "(وهرة تضر): كما إذا كانت تأكل الحمام والدجاج"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۱/۲۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳۰/محرم الحرام/۵۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۵۲، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی، سعید)

وقال الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "لا يحل قتل ما لا يؤذى، و لذا قالوا: لم يحل قتل الكلب الأهلى إذا لم يؤذ، والأمر بقتل الكلاب منسوخ، كمافى الفتح: أى إذ لم تضر". (الدر المختار).

قال العلامة الشامى رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أى إذا لم تضر) تقييد للنسخ، ذكره فى النهر أخذاً مما فى الملتقط: إذا كثرت الكلاب فى قرية وأضرت بأهلها، أمر أربابها بقتلها، فإن أبوا، رفع الأمر إلى القاضى حتى يأمر بذلک". (رد المحتار: ۲/۵۷۰، کتاب الحج، باب الجنایات، سعید)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۰، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بنى آدم، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۷۰، كتاب الكراهية، الثامن فى القتل، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق مع منحة الخالق على البحر: ۳/۶۰، كتاب الحج، فصل: إن قتل محرم صيداً، رشيديه)

الفصل السادس فی المتفرقات

اپنے جانور کے چارہ کا انتظام کرنا

سوال[۸۸۰۳]: زیدوعمر دو شخص یکّہ چلانے والوں نے کمائی کے حرام وحلال ہونے پر جھگڑا کیا۔ صورت حال یہ ہے کہ زید نسبتاً عمر کے دیندار ہے، صوم وصلوۃ کا پابند ہے، دینی کاموں میں مشغول رہتا ہے اور اعمالِ خیر میں بھی حصہ لیتا رہتا ہے، لیکن کمائی کا یہ حال ہے کہ شام کو یکہ سے گھوڑا کھول کر باندھ دیتا ہے، اب گھر والے چاہے کچھ گھوڑے کا انتظام کریں گھانس دانہ کا۔ زید مسجد جا کر نماز مغرب پڑھ کر وہیں وظائف وغیرہ میں مشغول ہو جاتا ہے، نماز عشاء پڑھ کر گھر آ کر کھانا کھا کر چار پائی پر لیٹتا ہے، اس کو یہ فکر بالکل نہیں کہ گھوڑے کو پانی ملا، چارہ کھایا کہ نہیں، جب اتنی لاپرواہی ہے تو گھوڑے کو مالش کون کرے۔

عمر شام کو گھوڑا کھول کر پانی پلا کر چارہ پر باندھ دیا۔ نماز مغرب پڑھ کر گھوڑے کی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مالش کرتا ہے اور آٹھ روپے کما کر تین روپے ضرور گھوڑے کی خوراک پر خرچ کرتا ہے۔ اسی بناء پر عمر زید سے کہتا ہے کہ تیری کمائی ناجائز ہے، تمہارا گھوڑے سے اس طرح لاپرواہی برتنا نا مناسب ہے اور تیرا گوشت روٹی کھانا جائز نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کمائی کے اعتبار سے کون حق پر ہے اور کس کا پیسہ باعثِ برکت ہے؟ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانوروں کے کھانے پینے کی فکر بھی لازم ہے، اس کے ذریعے روپیہ کمایا جاتا ہے تو پھر اس کو گھاس دانہ پانی نہ دینا ظلم ہے(۱)۔

---

(۱) "عن يعلى بن مرة الثقفي رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلثة أشياء رأيتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: بينا نحن نسير معه إذ مررنا ببعير يسني عليه، فلما رآه البعير جرجر فوضع جرانه، فوقف عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أين صاحب هذا البعير"؟ فجاءه فقال: "بعنيه" فقال: بل نهبه لك يارسول الله ......قال: "أمّا إذ ذكرت هذا من أمره، فإنه شكى كثرة العمل وقلة العلف، فأحسنوا إليه". =

وہ بے زبان یہاں کچھ نہ کہے، مگر حق تعالیٰ کے نزدیک یہ حرکت موجب عتاب ہے۔ خود اگر وظیفہ میں رہتا ہے تو اہل خانہ کے ذریعہ اس کا انتظام ضروری ہے(۱)۔

آمدنی جو حاصل ہوتی ہے وہ دونوں (زید وعمر) کی حلال ہے، جانور کو وقت پر گھاس نہ دینے سے حاصل شدہ آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس جانور کو ناجائز پتے کھلائے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم

سوال[۸۸۰۴]: مالک کی اجازت کے بغیر بعض لوگ پتے توڑ کر لاتے ہیں اور ان کو لوگ خرید کر اپنے جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ ان جانوروں کا دودھ پینے اور ان کی قربانی اور عقیقہ کا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اجازت مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے(۲)، ایسے لوگوں سے پتے خریدنا بھی منع ہے(۳) (اجازت کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ مالک کو معلوم ہو اور وہ منع نہ کرے) لیکن جس جانور کو یہ پتے

=(مشکوة المصابیح، ص: ۵۴۰، کتاب الفتن، باب المعجزات، الفصل الثانی، قدیمی)

(۱) "عن نافع عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عذبت امرأة في هرة سجنتها حتى ماتت، فدخلت فيها النار، لاهي أطعمتها وسقتها إذحبستها، ولاهي تركتها تأكل من خشاش الأرض".

قال النووي: "وفيه وجوب نفقة الحيوان على مالكه". (الصحيح لمسلم مع شرحه النووي: ۲/۲۳۶، ۲۳۷، باب تحريم قتل الهرة، قديمي)

الأمور بمقاصدها

(۲) "لايجوز أن يتصرّف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه. وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز (رقم المادة: ۹۵): ۱/۶۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها في الأسواق، فإنه=

کھلائے اس کا دودھ گوشت، حرام نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سانپ کی چھتری کھانا

سوال[۸۸۰۵]: ان علاقوں میں بارش کے دنوں میں باندھ یا کھیتوں میں چھتری کی شکل کا سفید سفید اُبھر آتا ہے، اس کو ''مستھ'' بولتے ہیں (۱)۔ اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو قسم کا ہوتا ہے: ایک کا عرق آنکھ کے لئے مفید ہوتا ہے، دوسرے کا مضر ہوتا ہے۔ مفید کا کھانا درست ہے، مضر کا کھانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

= لاینبغی شراء ها منهم وإن تداولته الأیدی". (الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۱۹۲/۴، دار المعرفة بیروت)

(۱) ''کھمبی: ایک قسم کی سفید نباتات جو اکثر برسات میں از خود پیدا ہو جاتی ہے اور اسے تل کر کھاتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فیروز سنز)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن ناساً من أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قالوا لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: الکمأة جدری الأرض؟ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الکمأة من المنّ وماؤها شفاءٌ للعین، والعجوة من الجنة و هی شفاء من السمّ". قال أبو هریره: فأخذت ثلاثة أکم أو خمساً أو سبعاً فعصرتهن، و جعلت ماء هن فی قارورة، و کحلت به جاریةً لی عمشاء فبرأت". (مشکوة المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثالث، ص: ۳۹۱، قدیمی)

(جامع الترمذی، ابواب الطب، باب ماجاء فی الکمأة والعجوة ۲۷/۲، سعید)

تنبیه: احادیث کی شروحات میں کھمبی کی دو (مفید، مضر) قسمیں کہیں نظر سے نہیں گزریں، البتہ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے کہ کیا صرف اس کا خالی پانی آنکھوں کے لئے شفاء (مفید) ہے، یا کسی دوسری دوا مثلاً اثمد وغیرہ سے خلط کر کے استعمال کرنا چاہئے، آخر میں ترجیح پہلے قول کو دی ہے:

قال العلامة النووی: "وقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "و ماء ها شفاء للعین" قیل: معناه أن=

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۵/۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= یخلط ماؤها بدواء، ويعالج به العين، وقيل: إن كان للبرودة ما في العين من حرارة فماء ها مجرداً شفاء، وإن كان لغير ذلك فمركب مع غيره. والصحيح بل الصواب أن ماء ها مجرداً شفاء للعين مطلقاً، فيعصر ها، ويجعل في العين منه. وقد رأيت أنا وغيري في زماننا من كان عمي، الخ". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲/۱۸۲، قدیمی)

(راجع للبسط مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثالث: ۸/۳۳۵، رشیدیه)

(وتحفة الأحوذي، أبواب الطب، باب ماجاء في الكمأة والعجوة: ۶/۲۳۳، قاهره)

(وزاد المعاد، كتاب الطب والرقى، الفصل الثالث: ۴/۳۶۵، مؤسسة الرسالة)

باب التداوی والمعالجة

الفصل الأول فی مایتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانعِ حمل کا بیان)

حاملہ کے انتقال کے بعد بچہ آپریشن کرکے نکالنا

سوال[۸۸۰۲]: زید کی بیوی کے بچہ ہونے والا ہے اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق چند منٹ کے بعد ہی تولد ہونے کی امید ہے، ٹھیک اسی وقت زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، ڈاکٹر کی رائے ہے کہ چونکہ بچہ پیٹ میں زندہ ہے اس لئے دس منٹ کے اندر آپریشن کرکے نکال لینا چاہئے، جب کہ زید کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور انتقال کے بعد کسی قسم کا بھی آپریشن حرام ہے۔ آیا بچہ کو زندہ آپریشن کے ذریعہ نکالنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچہ زندہ ہو تو آپریشن کرکے بچہ کو نکال لیا جائے:

"امرأة حاملٌ ماتت وعُلم أن ما فی بطنها حیٌّ، فإنه یشق بطنها من الشق الأیسر، وکذلك إذا کان أکبر رأیهم أنه حیّ یشق بطنها، کذا فی المحیط. وحکیٰ أنه فعل ذلك بإذن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فعاش الولد، کذا فی السراجیة، اهـ". عالمگیری: ۱۱٤/٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۴ھ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الباب الحادی و العشرون فیما یسع من جراحات بنی آدم =

حاملہ مرجائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟

سوال[۸۸۰۷]: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مرگئی تو اب اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضعِ حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یاد نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو اس کو نکالنا

سوال[۸۸۰۸]: ایک عورت حاملہ تھی لیکن وضع حمل سے چند روز قبل عورت کا انتقال ہو جاتا ہے تو بچہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ماں کے پیٹ سے بچہ کو نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۃً جب حاملہ کا انتقال ہو جاتا ہے تو بچہ پیٹ میں مرجاتا ہے، زندہ نہیں رہتا، لیکن اگر قرائن سے معلوم ہو کہ بچہ زندہ ہے تو فوراً آپریشن کر کے نکال لیا جائے:

"امرأة ماتت والولد يضطرب في بطنها، قال محمد: يشق بطنها و يخرج الولد لا يسع إلا ذلك. كذا في الخانية". ١/١٥٧(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الخ: ٥/٣٦٠، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، كتاب الكراهية، باب التداوى والعلاج، ص: ٧٦، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ١/٢٥٩، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الملتقط في الفتاوى الحنفية، كتاب الآداب، مطلب: يشق بطن الميت الحامل إذا كان الولد حياً ويخرج، ص: ٢٦٥، مكتبه حقانيه كوئٹه)

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى و العشرون في الجنائز: ١/١٥٧، رشيديه) =

بچہ دانی کا نکلوانا

سوال[۸۸۰۹]: میرے گھر میں جب حمل قرار پاتا ہے تو بہت الجھن ہوتی ہے اور سخت قسم کی تکلیف ہوتی ہے اور جس قدر پیدائش کا زمانہ قریب آتا ہے، تکلیف بڑھتی جاتی ہے، پھر بچہ بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ڈاکٹر علاج کرتے کرتے عاجز آچکے ہیں، کوئی صورت نفع کی نہیں ہوتی، ولادت کے بعد بہت مدت تک علاج جاری رہتا ہے تب تکلیف دور ہوکر قوت آتی ہے۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بچہ دانی نکلوادیجئے، پھر یہ تکلیف نہ ہوگی۔ براہ کرام فرمایئے کہ شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر استقرارِ حمل اور ولادت کی وجہ سے نا قابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہے اور خطرناک امراض پیدا ہوجاتے ہیں جن سے جان جانے کا قوی مظنہ ہوتا ہے تو تحفظ کی اَور صورتیں بھی ہیں، مثلاً: عزل کرلیا جائے یعنی جماع کے وقت منی علیحدہ نکالی جائے، فرج کے اندر انزال نہ کیا جائے (۱)، یا مانعِ حمل دوا استعمال کی

= (وكذا في قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت ومايتعلق به: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل في الصلاة على الميت: ۱/۳۹۸، مكتبه إمداديه ملتان)

(۱) "قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نغزوا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ليس لنا شيء، فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك، الخ" (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، قديمي)

قال الحافظ العسقلانيّ في شرح الحديث المذكور: "والحجة فيه أنهم اتفقوا على منع الجب والخصاء، فيلحق بذلك ما في معناه من التداوي بالقطع أصلاً". (فتح الباري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ۹/۹۷، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب القتل، ص: ۷۴، سعيد)

(وكذا في إحياء علوم الدين، كتاب النكاح، آداب المعاشرة: ۲/۵۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وانظر أيضا ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في حكم العزل: ۳/۷۵، سعيد)

جائے جس سے علوق نہ ہونے پائے، یا بعد علوق حمل ضائع کردے، یا شوہر دوسری شادی کرلے، موجودہ بیوی سے ہمبستری نہ ہو۔

اگر کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو پھر بحالتِ مجبوری عورت کی جان بچانے کے لئے بچہ دانی نکلوانے کی بھی گنجائش ہے۔ جب تک دوسری صورت بھی قابلِ عمل ہو، بچہ دانی نہ نکلوائی جائے، ممکن ہے کہ آئندہ حالات اور عمر کے تغیر سے موجودہ تکلیف اور امراض کی کیفیت ختم ہوکر بچہ سہولت سے پیدا ہوسکے، بچہ دانی نکلوانے کے بعد توقع ہی ختم ہوجائے گی اور ایک عورت کو نسل کے لحاظ سے بیکار کردیا جائے گا۔

اور حمل اور ولادت کی تکلیف تو سب کو ہی ہوتی ہے، قرآن پاک سے ثابت ہے ﴿حملته أمه كرهاً و وضعته كرهاً﴾ (۱)، ایسی عمومی تکلیف کی وجہ سے بچہ دانی نکلوانے کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

نسبندی

سوال [۸۸۱۰]: ملک کی آبادی دن بدن زیادہ بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے ملک کے حالات خراب ہورہے ہیں، جس کی وجہ سے حکومت آبادی کو کم کرنے کے لئے غور کررہی ہے اور اس کے لئے ملک بھر میں برتھ کنٹرول پر عمل کرنے کے لئے نسبندی مردوں کے لئے اور ٹیوب وغیرہ عورتوں کے لئے استعمال کرارہی ہے۔ شریعت کی رو سے مسلمانوں کو اس کو عمل میں لانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اقتصادی پریشانی کا سبب آبادی کی زیادتی نہیں، حدیث پاک میں موجود ہے کہ: "بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے کہ اس کا رزقِ مقدر لکھ دیا جاتا ہے، وہ اس کو ضرور ملتا ہے" (۳)۔ جس طرح موت آدمی کو

---

(۱) (سورة الأحقاف: ۱۵)

(۲) ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم و إياكم﴾ (سوره بني إسرائيل: ۳۱)

(۳) "قال عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه حدثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو الصادق المصدوق قال: "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً نطفةً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً=

تلاش کر کے پالیتی ہے خواہ وہ کتنے ہی مقفل محفوظ مکان میں ہو(۱)، اسی طرح اس کا رزق بھی اس کو تلاش کر کے پالیتا ہے(۲)۔ بلکہ پریشانی کا سبب ظلم اور بے حیائی ہے، معصیت ہے، شراب نوشی ہے، گانا بجانا ہے، سینما ہے، بے پردگی ہے، جھوٹ ہے، غیبت ہے، بہتان ہے، چوری ہے، رشوت ہے، دھوکا بازی ہے، ان سب کو بند کرنے کی ضرورت ہے، پھر انشاء اللہ خدا کی رحمت کے دروازے کھلیں گے اور پریشانی دور ہوگی (۳)، نسبندی اس مقصد کے لئے ہرگز مفید نہیں اور شرعاً اس کی اجازت نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۷ھ۔

= مثل ذلك، ثم يبعث الله ملكاً ويؤمر بأربع كلمات: ويقال له: اكتب عمله ورزقه وأجله وشقيٌّ أوسعيدٌ، الخ". (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة: ۱/۴۵۶، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، المقدمة، باب في القدر، ص: ۸، قديمي)

(وأبوداؤد، كتاب السنة، باب في القدر: ۲/۳۰۰، إمداديه ملتان)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أين ماتكونوا يدرككم الموت ولوكنتم في بروج مشيدة﴾ (سورة النساء: ۷۸)

(۲) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الرزق ليطلب العبد كما يطلبه أجله". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثالث، ص: ۴۵۴، قديمي)

"أقول: بل حصول الرزق أسبق وأسرع من وصول اجله؛ لأن الأجل لايأتي إلا بعد فراغ الرزق".

(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثالث: ۹/۱۷۳، رشيديه)

(وبمعناه في ابن ماجة، المقدمة، باب في القدر، ص: ۸، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون﴾. (سوره الروم: ۴۱)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: ﴿بما كسبت أيدى الناس﴾: أى بسبب مافعله الناس من المعاصي والذنوب وشؤمه". (روح المعاني: ۲۱/۴۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۳/۴۳۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ (سورة بني إسرائيل: ۳۱) =

نسبندی

سوال[۱۱۸۸۱]: آج کل خاندانی منصوبہ بندی کا ہر جگہ بہت چرچا چل رہا ہے، جس کے بارے میں حکومت کی طرف سے ممالکِ اسلامیہ مثلاً: مصر اور جاوا کے مفتیوں کے فتوے شائع کئے جارہے ہیں، نیز ہندوستان کے بعض لوگ مثلاً: جامع مسجد دہلی کے امام صاحب کا فتویٰ بھی نظر سے گذرا۔ ان سب ہی حضرات نے آج کی نسبندی کو عزل کے اوپر قیاس کر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جب کہ عزل شریعت میں جائز ہے۔ تو پھر نسبندی کیوں حرام ہے؟ نیز نسبندی سے کسی انسان کا قتل بھی لازم نہیں آتا۔ اس لئے جو شی ابھی تک وجود میں نہیں آئی اس کو قتل کیسے کہا جاسکتا ہے؟ علاوہ ازیں فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ عورت جس کو اپنی صحت خراب ہونے کا اندیشہ ہو، اور اس کو حمل رہ جائے تو پھر دو مہینہ سے پہلے پہلے اس کو گرادینا جائز ہے، نسبندی تو اس سے کم ہی رہی۔

رہا توکل علی اللہ کا معاملہ کہ اگر اولاد ہوجائے تو فکر نہ کرو، اللہ کے اوپر بھروسہ کرو، یہ سب ایسی باتیں ہیں جو استدلال نہیں بن سکتیں۔ اس لئے براہِ کرم واضح فرمائیں کہ نس بندی کرانا حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو پھر اُن باتوں کا کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آج کل خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیم بڑی قوت کے ساتھ چلائی جارہی ہے اور نسبندی کے لئے ترغیبی پہلو اختیار کئے جارہے ہیں اس پر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے دو رسالے مدلل شائع کئے جاچکے ہیں: ایک ''برتھ کنٹرول کا شرعی حکم''۔ دوم ''فیملی پلاننگ کا شرعی حکم''، اس کو ملاحظہ کریں۔

بیماری میں علاج کی خاطر قطع عضو کی بھی اجازت ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الکراھیۃ میں

= ''قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کنا نغزوا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لیس لنا شیء، فقلنا: ألا نستخصی؟ فنهانا عن ذلک، الخ''. (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء: ۷۵۹/۲، قدیمی)

''ویحرم خصاء بنی آدم''. (الفتاویٰ السراجیة، کتاب الحظر والإباحة، باب القتل ونحوہ، ص: ۷۴، میر محمد کتب خانہ)

مذکور ہے(۱)۔اس لئے اگر عورت کی صحت خراب ہے اور وہ ولادت کو برداشت نہیں کرسکتی تو اسقاطِ حمل کی بھی ایک خاص مدت تک گنجائش ہے۔عزل اگرچہ قتلِ ولد نہیں ہے،مگر حدیثِ پاک میں اس کو ''وأدِ خفی'' فرمایا گیا ہے،جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ہے(۲)۔

علاوہ ازیں عزل میں صلاحیتِ تولید ختم نہیں ہوتی،نسبندی میں صلاحیتِ تولید ختم کرکے مرد یا عورت کو بےکار کردیا جاتا ہے۔قرآن پاک میں عورت کو ''حَــرْث'' فرمایا گیا ہے(۳)،یہ اسکیم اس مقصد کے لئے قطعاً خلاف ہے۔حاصل یہ کہ بیج تو ڈالتے رہو اور محنت بھی کرتے رہو،مگر پیداوار کچھ نہ ہو،حالانکہ کھیت میں کھاد وغیرہ کے ذریعہ زیادہ پیداوار کی کوشش کی جاتی ہے،مگر اس نسبندی کا حاصل یہ ہے کہ پیداوار کم سے کم ہو بلکہ بند ہوجائے۔کیا یہ معقول بات ہے۔ادھر تکثیرِ اولاد کا حکم حدیث شریف میں موجود ہے:''تزوجوا الولود الودود، فإني مكاثر بكم الأمم''. الحديث(٤)۔

بہرحال یہ اسکیم مزاجِ اسلام اور احکامِ شرع کے بالکل خلاف ہے۔

---

(۱) ''لابأس بقطع العضو إن وقعت فيه الآكلة، لئلا تسرى''. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم: ٣٦٠/٥، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب القتل ونحوه، ص: ٧٤، سعيد)

وعن جُذامة بنت وهب رضى الله تعالىٰ عنها، قالت: حضرت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أناس وهو يقول: ''همممت أن أنهى عن الغيلة، فنظرت في الروم وفارس، فإذاهم يغيلون أولادهم، لا يضر أولادهم ذلك شيئاً''.

(۲) ''ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''ذلك الوأد الخفي، وهي ﴿وإذا المؤودة سئلت﴾''. (مشكوةُ المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، ص: ٢٧٦، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب في حكم الغيلة: ٤٦٦/٢، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، ابواب النكاح، باب ماجاء في العزل، ص: ١٤٥، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿نسآء كم حرث لكم فأتوا حرثكم أنّى شئتم﴾ (سورة البقرة: ٢٢٣)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني، ص: ٢٦٧، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك: ٢٣٣/٣، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ایک چیز کو جب آمرانہ طریقہ پر پھیلا دیا جائے تو فتویٰ کی آڑ لے لینا کچھ مشکل نہیں۔محولہ بالا ہر دو رسالوں کے دیکھنے کے بعد خلجان ہو تو مراجعت فرمائیں(۱)۔

سوال میں بسلسلۂ توکل جو کچھ لکھا گیا ہے،اس پر نظرِ ثانی فرمالیں کہ یہ عبارت کن باتوں کی غمازی کرتی ہے(العیاذ باللہ) قرآن پاک اور اللہ کے دعویٰ سے کس قدر بے اعتمادی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱/۱/۸۹ھ۔

نسبندی کی ترغیب اخبار کے ذریعہ

سوال[۸۸۱۲]: میں ایک چھوٹے سے رسالہ ''آج کی کاشت'' کا ایڈیٹر ہوں،اخباری سلسلہ میں چند مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی خلافِ شرع حرکات بھی سرزد ہو جاتی ہیں،مگر اس وقت ہمارے اطراف میں یہ مسئلہ بہت شدت سے پھیل رہا ہے کہ خاندانی منصوبہ کا پرچار کرنا اور لوگوں کو نسبندی کی طرف مائل کرنے والے مضامین لکھوں۔تو کیا یہ صورت میرے لئے جائز ہے کہ حکومت کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے اس قسم کے اشتہارات بھی اپنے رسالہ میں شائع کروں؟الجمعیۃ دہلی آنجناب کی نظر مبارک سے ضرور گزرتا ہوگا،اس میں آج کل ایک اشتہار اس سلسلے کا آرہا ہے،آپ مجھے اس کا حکم بتادیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جو چیز شرعاً ناجائز اور معصیت ہے،اس کی ترغیب دینا بھی شرعاً ناجائز اور معصیت ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۳/۳/۳۰ھ۔

---

(۱) راجع للتفصیل: (ضبط ولادت کی عقلی وشرعی حیثیت،مؤلفہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۳)

قال الشیخ ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾: "ھو عام لکل بر وتقوی، وکل إثم و عدوان". (التفسیرات الأحمدیہ، ص: ۳۳۱، حقانیہ پشاور)

"کل ما یؤدی إلی ما لا یجوز، لا یجوز" (رد المحتار مع الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة،=

کیاامام غزالی نے نسبندی کی اجازت دی ہے؟

سوال[۸۸۱۳]: ایک شخص کہتا ہے کہ پانچ سوسال پہلے امام غزالی نے لکھا تھا کہ عورت اپنی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لئے نسبندی کراسکتی ہے۔ یہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یا نہیں؟ خوبصورتی برقرار رکھنے کے لئے عورت کو نسبندی کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام غزالیؒ کی کتابوں میں نسبندی کا کوئی تذکرہ نہیں، ان کی طرف سے اس بات کو منسوب کرنا غلط ہے۔ نیز امام غزالیؒ کو تقریباً ۹۰۰/ برس گذر گئے، وہ نسبندی کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ نسبندی کا طریقہ تو اب چلا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالیؒ بہت بڑے اہل اللہ اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ مگر وہ شافعی المذہب تھے، حنفی نہیں تھے۔ اگر کوئی فقہی جزئیہ ان کی کتاب میں امام ابوحنیفہ کے خلاف ہو تو حنفی کو اس کے اتباع کی ضرورت نہیں (۱)۔ اور یہاں تو ان کی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

= فصل في اللبس: ۶/۳۶۰، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعاني: ۲۵۲/۷، سورة المائدة، تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا تسبوا الذين﴾ الخ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ شفاء العلیل میں استيجار على التلاوة کی ممانعت پر دلائل قائم کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:

"وحيث نصوا على أن مذهب أئمتنا الثلاثة المنع مطلقاً مع وضوح الأدلة عليه، واستثنىٰ بعض المشايخ أشياء، وعلّلوا ذلك بالضرورة المسوغة لمخالفة أصل المذهب، كيف يسوغ للمقلد طرد ذلك، والخروج عن المذهب بالكلية من غير حاجة ضرورية، على أنه لو ادعى أحد إلحاق مافيه ضرورة غير مانصو عليه به، قلنا: إن نمنعه، وإن وجدت فيه العلة إلا أن يكون من أهل القياس، فقد نص ابن نجيم في بعض رسائله على أن القياس بعد الأربعمأة منقطع، فليس لأحد أن يقيس مسئلةً على مسئلة، فما بالك بالخروج عن المذهب، فعلى المقلد اتباع المنقول، ولهذا لم نر أحداً قال بجواز الاستيجار على الحج بناءً على ما أفتى به المتاخرون .... اهـ". .... =

نسبندی

سوال[۸۸۱۴]: ۱...... میں سرکاری ملازم ہوں، چار اولادیں ہیں، محکمہ کا مجھ سے مطالبہ ہے کہ میں خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں آپریشن کرالوں، مگر میں نے بحیثیتِ مسلمان ہونے کے انکار کردیا ہے کہ مذہب اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اس کی کوئی دلیل آپ بتائیں تاکہ میں ان کو دکھلاسکوں۔

ملازمت کی مجبوری سے نسبندی

سوال[۸۸۱۵]: ۲...... محکمہ سے برطرفی یا معطلی کی صورت میں جب کہ ذریعۂ معاش کی کوئی صورت نہ ہو، پھر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاک ارشاد احادیث میں موجود ہے: "تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم". رواه أبو داود والنسائي". مشکوۃ شریف، ص: ۳٦۷ (۱)۔ اس میں اولاد کی کثرت کی ترغیب دی گئی ہے، منصوبہ بندی میں اولاد پیدا ہونے کے ختم کرنے کا انتظام ہے جو کہ صریح حدیث شریف کے خلاف ہے۔

= ثانیاً یہ کہ اس عبارت کا صحیح جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لے کر اسی چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا ہے، جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو، غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کرکے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو مذہب غیر میں منصوص نہ ہو، اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس سے اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورت کا دعویٰ کرکے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز کہا تھا، قیاساً على جواز تعليمه المنصوص في مذهب الإمام مالك والشافعي. اور اس مقام پر علامہ کا اصل مقصود اس قیاس فاسدہ کو رد کرنا ہے"۔(حیله ناجزة، تفريق بين الزوجين بحكم حاكم الخ، فائده مهمه: ۳۵، ۳٦، ۳۷، دارالاشاعت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني، ص: ۲٦۷، قديمى)

(وأبو داؤد، كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار: ۲/۲۸۷، إمداديه ملتان)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۲/۷۰، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/۲۳۳، (رقم الحديث: ۱۲۰۲)، دار إحياء التراث العربى بيروت)

۲......مجبوری واضطراری کے احکام جداگانہ ہیں، جس درجہ کی مجبوری ہوتی ہے اس درجہ کی اس کے لئے احکام میں سہولت بھی ہوتی ہے، حتی کہ جان بچانے کے لئے مردار کھانے کی بھی اجازت ہوتی ہے(۱)۔ اور ہر شخص کی مجبوری یکساں نہیں، زندگی کا گزارہ ملازمت پر موقوف نہیں، دوسرے بھی رزق کے دروازے کھلے ہوئے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "یجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني،، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيد على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير" (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۲) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الرزق ليطلب العبد كما يطلبه أجله". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، ص: ۴۵۴، قديمی)

"أقول: بل حصول الرزق أسبق وأسرع من وصول أجله؛ لأن الأجل لا يأتي إلا بعد فراغ الرزق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الصيد والتوكل، الفصل الثالث: ۱۷۳/۹، رشيديه)

(وبمعناه في سنن ابن ماجة، المقدمة، باب في القدر: ص: ۸، قديمی)

ملازمت سے سبکدوشی کی دھمکی کی وجہ سے بیوی کا آپریشن کرانا

سوال[۸۸۱۶]: زید ایک سرکاری ملازم ہے، چھ بچوں کا باپ ہے، احکامِ اسلامی کا پابند ہے، اس کے افسر نے چند دن پہلے بلا کر کہا کہ تم کثیر الاولاد ہو، اس لئے فیملی پلاننگ پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیوی کا آپریشن کرالو۔ اس پر زید نے کہا: میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے میں ہرگز ہرگز آپریشن نہیں کراؤں گا۔ اس وجہ سے افسر نے دھمکی دی کہ تم ملازمت سے سبکدوشی پر تیار رہو۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب مذہب اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے افسر بالا کو جواب دے دیا تو اس پر پختہ اور ثابت قدم رہنا چاہیے، اس کی دھمکی کی وجہ سے مذہب کے خلاف اقدام کرنا عقلاً ونقلاً روا نہیں۔ اللہ رازق ہے، اس پر یقین رکھیں: ﴿إن الله هو الرزاق ذوالقوة المتين﴾(۱)۔

اگر ملازمت سے محرومی ہوگئی تو خدائے پاک کے دفتر سے تو نام نہیں کٹ جائے گا، اللہ تعالیٰ دوسرا دروازہ کھول دیں گے، جیسا کہ وعدہ ہے:

﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث لايحتسب، ومن يتوكل على الله، فهو حسبه﴾(۲)۔

افسر کے قبضہ میں روزی نہیں، اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے: ﴿وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها﴾(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۹/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) (سورة الذاريت: ۵۸)

(۲) (سورة الطلاق: ۳)

(۳) (سورة هود: ۶)

ایسا آپریشن کہ جس سے جماع پر قدرت نہ رہے

سوال[۸۸۱۷]: زید نے زینت سے بارہ سال قبل شادی کی، وہ تین بچے کی ماں ہے، ابھی زید نے بھسکٹی آپریشن کرایا ہے، زینت کہتی ہے کہ اس آپریشن کی وجہ سے زید وطی پر قادر نہیں رہ گیا اور فی الحال اس کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہے اور نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے۔ تو فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور کس صورت میں فسخ کر سکتی ہے؟ اور ایسا آپریشن کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس آپریشن سے کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے جنازہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟

محمد سید علی، ڈی کے کوچ، بہار۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا آپریشن کرالینا جس سے وطی پر قدرت ہی نہ رہے، یا اولاد پیدا ہونے کی صلاحیت ہی ختم ہوجائے، ہرگز جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے(۱)، تاہم اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوا(۲)۔ اگر زینت اس

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ (سوره بنی إسرائيل: ۳۱)

"قال عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه: كنا نغزوا مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و ليس لنا شيء، فقلنا: ألا نستخصی؟ فنهانا عن ذلک، الخ". (صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء: ۷۵۹/۲، قديمی)

"قال الحافظ العسقلانیؒ فی شرح الحديث المذكور: "والحجة فيه أنهم اتفقوا علی منع الجب والخصاء، فيلحق بذلک ما فی معناه من التداوی بالقطع أصلاً". (فتح الباری: ۹۷/۹، دارالمعرفه بيروت)

(وكذا فی السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب القتل، ص: ۷۴، سعيد)

(وكذا فی إحياء علوم الدين، كتاب النكاح، آداب المباشرة: ۵۱/۱، دار إحياء التراث العربی بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب فی حكم العزل: ۷۵/۳، سعيد)

(۲) "فلو جبّ بعد وصوله إليها مرةً أو صار عنيناً بعده: أی الوصول، لايفرّق، لحصول حقها بالوطء مرةً". (الدرمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العينين وغيره: ۴۹۴/۳، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق للزيلعی، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره: ۲۳۹/۳، دارالكتب العلمية بيروت) =

کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو کسی طرح خوشامد کر کے یا لالچ دیکر یا مہر کے عوض شوہر سے طلاق حاصل کرلے، یا دوسرے لوگ زید سے طلاق دلوادیں (۱)۔ ایسا آپریشن کرانے والا اگر مرجائے تو اس کے جنازہ کی بھی نماز پڑھی جائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۴ھ۔

تبدیلیٔ جنس

سوال[۸۸۱۸]: سیکس تبدیل کرنا یعنی آپریشن کے ذریعہ مرد سے عورت بننا، یا عورت سے مرد بننا شریعتِ مطہرہ کی رو سے کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اس قسم کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں اس لئے عالی جناب

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره: ۲۰۶/۴، رشيديه)

(۱) "إذا تشاق الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمالٍ يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقةٌ بائنةٌ، ولزمها المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه: ۴۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۴۰۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۲۱۱/۴، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، برًّا كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. والصلوة واجبة على كل مسلم، برًّا كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر". (أبو داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۳۵۰/۱، إمداديه ملتان)

"والصلوة واجبة": أى كفائياً "على كل مسلم" ميت طاهر "براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر": أى في حيوته". (بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في الغرو مع ائمة الجور: ۲۱۳/۴، إمداديه ملتان)

"والصلوة": اى صلوة الجنازة "واجبة": أى فرض كفاية عليكم أن تصلّوا "على كل مسلم": أى ميت ظاهره الإسلام "برّاً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، الفصل الثانى: ۲۰۱/۳، رشيديه)

کو زحمت دی جارہی ہے۔

محمد مصطفیٰ قاسمی، فیروز آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مرد زنانہ ہیئت اختیار کرے، یا زنانہ لباس پہنے س پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے، اسی طرح جو عورت مردانہ ہیئت اختیار کرے، یا مردانہ لباس پہنے اس پر بھی حدیث پاک میں لعنت آئی ہے، یہاں تک کہ جو عورت مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو اس پر بھی لعنت آئی ہے:

"لعن اللّٰہ الفروج علی السروج". کذا فی فتح القدیر (۱)۔

نیز: "لعن اللّٰہ المتشبھین من الرجال بالنساء". اور "لعن اللّٰہ المتشبھات من النساء بالرجال" (۲)۔

پھر مستقلاً صفتِ ذکورت کو انوثت میں تبدیل کرنا، یا صفتِ انوثت کو ذکورت میں تبدیل کرنا کہاں درست ہوگا کہ اس میں ہر دو کی تخلیق کی مخصوص غایت ہی فوت ہو جاتی ہے، تغییر خلق اللہ کی قباحت قرآن کریم میں مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

---

(۱) لم أجده فی فتح القدیر، وقد قال العلامة ابن نجیمؒ: "ولا ترکب امرأة مسلمة علی السرج، لقوله علیه الصلوة والسلام: "لعن الله الفروج علی السروج". هذا إذا رکبت متلهیةً أم متزینةً لتعرض نفسها علی الرجال". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی اللبس: ۳۴۶/۸، رشیدیه)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "لا أصل له". (الموضوعات الکبری، حرف اللام، ص: ۱۸۵، قدیمی)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین الخ: ۸۷۴/۲، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(وفیض القدیر مع الجامع الصغیر: ۴۹۹۴/۱۰، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولأضلّنّهم ولأمنینهم ولآمرنّهم، فلیبتکن اذان الأنعام، ولآمرنهم فلیغیرن خلق الله﴾ =

برتھ کنٹرول

سوال[۸۸۱۹]: برتھ کنٹرول جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا فتح الملہم کی اس عبارت سے برتھ کنٹرول ثابت نہیں ہوتا:

"والفرار من حصول الولد يكون لأسباب: منها: خشية علوق الزوجة الأمة، لئلايصير الولد رقيقاً، أوخشية دخول الضرر على الولد المرضع إذاكانت الموطوئة مرضعةً، أو فراراً من كثرة العيال إذاكان الرجل مقلاً، فيرغب عن قلة الولد، لئلا يتضرر بتحصيل الكسب، وكل ذلك لايُغني شيئاً". فتح الملهم: ۲/۵۱۳(۱)۔

اس آخری صورت کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"زیادہ بچوں کی وجہ سے باپ کو تنگی میں مبتلا ہونے اوران کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کے جائز اورناجائز ذرائع اختیار کر لینے کا خوف ہو تو استقرار حمل روکا جاسکتا ہے، کیونکہ جتنی کم ہی تنگی ہوگی، دین کی ہدایتوں پر عمل کرنے میں اتنی ہی آسانی ہوگی"۔ احیاء(۲)۔

= (سورة النساء: ۱۱۹)

قال القرطبی رحمه الله تعالىٰ فی تفسير الآية المذكورة: "اختلف العلماء فی هذا التغيير إلى ماذا يرجع، فقالت طائفة: هو الخصاء وفقء الأعين وقطع الآذان". (الجامع لأحكام القرآن، سورة النساء: ۵/۲۵۰، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فی روح المعانی، سورة النساء: ۵/۱۵۰، داراحياء التراث العربی بيروت)

(۱) (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب حكم العزل: ۳/۵۱۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "الثالثة: الخوف من كثرة الحرج بسبب كثرة الأولاد والاحتراز من الحاجة إلى التعب فی الكسب ودخول مداخل السوء، وهذا أيضاً غير منهيٌّ عنه، فإن قلة الحرج معين على الدين". (إحياء علوم الدين، كتاب النكاح، آداب المعاشرة، العاشرة فی آداب الجماع: ۲/۵۲، داراحياء التراث العربی بيروت)

فقہاء کے ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ ''برتھ کنٹرول'' جائز ہے، اس لئے یہ آخری سبب دورِ حاضر کے اکثر وبیشتر گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ باندی سے عزل نہ کرنے میں تو ایک خطرہ تھا، جس کی وجہ سے اجازت دی گئی، اگر عزل کرنا اچھا نہیں تو پھر حرہ سے اجازت لے کر عزل کرنے کی اجازت کیوں دی جاتی ہے۔ حرہ سے اجازت لے کر عزل کرنا اس کا بیّن ثبوت ہے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور عزل ہی کی ترقی یافتہ صورت کا نام برتھ کنٹرول ہے۔ آخر اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے برتھ کنٹرول کو کیوں ناجائز کہا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ فتح الملہم کی عبارتِ منقولہ میں اسبابِ عزل کو نقل کرنے کے بعد صراحت کردی گئی ہے: ''وکل ذلك لایغني شیئاً''(۱) تو پھر اس سوال کا کیا محل باقی رہ گیا، فتح الملہم کی اس عبارت سے برتھ کنٹرول ثابت نہیں ہوتا۔ عبارتِ احیاء اگر نقل کی جاتی تو اس کے متعلق بھی ممکن ہے کہ کچھ جواباً عرض کیا جاتا، علاوہ ازیں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ شافعی المذہب ہیں، فروعی مسائل میں حنفیہ پر ان کی عبارت حجت وقابلِ استدلال نہیں ہے(۲)۔ نیز نفسِ نکاح کی بھی ان کے نزدیک وہ حیثیت نہیں جو کہ حنفیہ کے نزدیک ہے،

---

(۱) (راجع، ص: ۳۰۳، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ شفاء العلیل میں استیجار علی التلاوة کی ممانعت پر دلائل قائم کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:

''وحیث نصوا علی أن مذهب أئمتنا الثلثة المنع مطلقاً مع وضوح الأدلة علیه، واستثنیٰ بعض المشایخ أشیاء، وعلّلوا ذلک بالضرورة المسوغة لمخالفة أصل المذهب، کیف یسوغ للمقلد طرد ذلک، والخروج عن المذهب بالکلیة من غیر حاجة ضروریة، علی أنه لو ادعی أحد إلحاق مافیه ضرورة غیر مانصو علیه به، قلنا: إن نمنعه، وإن وجدت فیه العلة، إلا أن یکون من أهل القیاس، فقد نص ابن نجیم في بعض رسائله علی أن القیاس بعد الأربعماۃ منقطع، فلیس لأحد أن یقیس مسئلةً علی مسئلة، فما بالک بالخروج عن المذهب، فعلی المقلد اتباع المنقول، ولهذا لم نر أحداً قال بجواز الاستیجار علی الحج بناءً علی ما أفتی به المتأخرون .... اهـ''.

ثانیاً یہ کہ اس عبارت کا صحیح جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لے کر اُسی چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا =

نکاح کے غوائل اور مہلکات کی تفصیل احیاء العلوم میں دیکھنے کے بعد شاید نکاح پر اقدام کا قصد ہی باقی نہ رہے، تابعزل چہ رسد(۱)۔

= ہے، جس کا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو، غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو مذہب غیر میں منصوص نہ ہو، اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس سے اپنے متخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورت کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز کہا تھا، قیاساً علی جواز تعليمه المنصوص في مذهب الإمام مالك والشافعي. اور اس مقام پر علامہ کا اصل مقصود اس قیاس فاسدہ کو رد کرنا ہے"۔(حیلہ ناجزہ، تفریق بین الزوجین بحکم حاکم الخ، فائدہ مہمہ: ۳۵، ۳۶، ۳۷، دار الاشاعت)

(۱) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ آفاتِ نکاح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الأولى وهي أقواها: العجز عن طلب الحلال، فإن ذلك لايتيسر لكل أحد، لاسيما في هذه الأوقات مع اضطراب المعائش، فيكون النكاح سبباً في التوسع للطلب والإطعام من الحرام، وفيه هلاكه وهلاك أهله والمتعزب في أمن من ذلك، وأما المتزوج ففي الأكثر يدخل في مداخل السوء، فيتبع هوى زوجته ويبيع آخرته بدنياه .... ويقال: إن أول مايتعلق بالرجل في القيامة أهله وولده، فيوقفونه بين يدي الله تعالىٰ ويقولون: ياربنا خذلنا بحقنا منه، فإنه ماعلمنا مانجهل، وكان يطعمنا الحرام ونحن لانعلم فيقتص لهم منه. وقال بعض السلف: إذا أراد الله بعبد شراً، سلط عليه في الدنيا أنياباً تنهشه يعني العيال .... اهـ".

الآفة الثانية: القصور عن القيام بحقهن والصبر على أخلاقهن واحتمال الأذى منهن، وهذه دون الأولى في العموم، فإن القدرة على هذا أيسر من القدرة على الأولىٰ، وتحسين الخلق مع النساء والقيام بحظوظهن أهون من طلب الحلال، وفي هذا أيضاً خطر؛ لأنه راع ومسئول عن رعيته .... والإنسان قد يعجز عن القيام بحق نفسه، وإذا تزوج تضاعف عليه الحق وانضافت إلى نفسه نفس أخرى، والنفس أمارة بالسوء، إن كثرت كثر الأمر بالسوء غالباً، ولذلك اعتذر بعضهم من التزويج وقال: أنا مبتلىٰ بنفسي وكيف أضيف إليها نفساً أخرىٰ. .... وكذلك اعتذر إبراهيم بن أدهم رحمه الله تعالىٰ وقال: لاأغرّ امرأة بنفسي ولا حاجة لي فيهن: أي من القيام بحقهن وتحصينهن وامتاعهن وأنا عاجز عنه. وكذلك اعتذر بشر وقال: يمنعني من النكاح قوله تعالىٰ: ﴿ولهن مثل الذي عليهن﴾ .... فهذه آفة عامة أيضاً وإن كانت دون عموم الأولىٰ .... اهـ. .... =

اقوالِ فقہاء سے مراد اگر عبارتِ منقولہ فتح الملہم ہے تو اس کا جواب خود ہی اس عبارت میں موجود ہے "وکل ذلك لایغنی شیئاً"۔ اگر اس کے علاوہ دوسرے اقوال مراد ہیں جو کہ فتح الملہم میں مذکور ہیں تو ان کا حاصل بھی وہ نہیں جو آپ نے سمجھا، ان اقوال میں نہی اور تحریم کا بھی قول ہے، پھر مطلقاً فقہاء کے اقوال سے جواز ثابت کرنا ان اقوال سے صَرفِ نظر کرنا، بلکہ ان کے خلاف ثابت کرنا ہے۔

سوال میں تو آپ نے کوئی صریح حدیث نقل نہیں کی جس کا جواب درکار ہے۔ اگر مسئلہ کی شان یہ ہوتی کہ مطلقاً اقوالِ فقہاء سے اور صریح حدیث سے جواز ہوتا تو غالباً آپ کو استفسار کی ضرورت ہی نہ ہوتی، بلکہ مسئلہ خود ہی واضح ہو جاتا، استفسار کا سبب ہی یہ ہے کہ نہ اقوالِ فقہاء سے مطلقاً اجازت ملتی ہے، نہ صریح حدیث سے، دونوں سے اثبات میں تجشم کی نوبت آتی ہے۔ بلاتکلف جو کچھ حدیث میں ملتا ہے، وہ یہ ہے:

"ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذٰلك الوأد الخفيّ، وهي: ﴿وإذا المؤودة سئلت﴾ رواه مسلم، ا هـ"۔ مشکوۃ شریف، ص:۲۷۶ (۱)۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح لمعات سے محشی نے نقل کیا ہے:

"قوله: "وهي: ﴿وإذا المؤودة سئلت﴾: أی هذه الفعلة الشنيعة التی هی العزل مندرجةٌ تحت هذه الاٰية، ذكرها تاكيداً لبيان شناعته، ا هـ"(۲)۔

اگر حدیث وفقہ سے صاف صاف جواز ثابت ہوتا تو شیخ اس کو "الفعلة الشنيعة" نہ فرماتے۔ اس مسئلہ

= الآفة الثالثة: وهي دون الأولىٰ والثانية: أن يكون الأهل والولد شاغلاً له عن الله تعالىٰ وجاذباً له إلى طلب الدنيا، وحسن تدبير المعيشة للأولاد بكثرة جمع المال، وادّخاره لهم، وطلب التفاخر والتكاثر بهم، وكل ماشغل عن الله من أهل ومال وولد، فهو مشؤوم على صاحبه". (إحياء علوم الدين، كتاب النكاح، آفات النكاح وفوائده، أما آفات النكاح فثلاث، الخ: ۴۳/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، ص: ۲۷۶، قديمی)

(وأيضاً الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب فی حكم الغيلة: ۴۶۶/۲، قديمی)

(وأيضاً سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب الغيلة، ص: ۱۴۵، قديمی)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، (رقم الحاشيه: ۳)، ص: ۲۷۶، قديمی)

پر دو رسالے بھی دیوبند سے شائع ہو چکے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

فیملی پلاننگ

سوال[۸۸۲۰]: آج کل جو دوائیں وغیرہ حمل نہ ٹھہرنے کے لئے گورنمنٹ نے نکالی ہیں ان کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ کثرت آبادی کی روک تھام کی وجہ سے ایسا کرنا کیسا ہے؟ ایک عالم صاحب نے ایسا کرلیا ہے، گورنمنٹ نے ایسا قانون بھی بنادیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی ایسی دوا یا تدبیر اختیار کرنا کہ ہمیشہ کے لئے ولادت کی صلاحیت ختم ہو جائے، یا حمل قرار نہ پائے، کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں (۲)۔ کثرتِ آبادی کے خوف سے پیدائش کو محدود کرنا نظامِ خداوندی میں دخل اندازی ہے، خداوند قدوس نے جتنی جاندار مخلوق پیدا کی ہے، سب کے لئے رزق کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها﴾(۳)۔

زمانۂ جاہلیت میں قلتِ رزق کے خوف سے لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے. آج کی فیملی پلاننگ بھی اسی تصور کی ایک مہذب تصویر ہے، قرآن پاک میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق﴾(٤). یعنی "فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو"۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں رسالہ: (ضبط ولادت) مؤلف مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق، نحن نرزقهم وإياكم﴾ (سورة الإسراء: ۳۱)

"قال عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه: كنا نغزوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس لنا شيئ، فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، قديمي)

"ويحرم خصاء بني آدم". (الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب القتل ونحوه، ص: ۷۴، سعيد)

(۳) (سورة هود: ٦)

(۴) (سورة الإسراء: ۳۱) .... =

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر کثرتِ اولاد کی ترغیب فرمائی ہے، ارشاد ہے: "تزوّجوا الودود الولود، فإنی مکاثرٌ بکم الأمم". مشکوۃ شریف: ۲۶۷/۲ (۱)۔

یعنی "ایسی عورت سے نکاح کرو جو خوب محبت کرنے والی ہو جس سے زیادہ اولاد پیدا ہو سکے، کیونکہ میں قیامت میں اپنی امت کی کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔

جو کام خلافِ شرع ہو، اس پر کسی کو جبر کا حق نہیں، نہ اس کا ماننا درست ہے، جب تک ہو سکے اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے (۲)۔ ان عالم صاحب نے یہ کام شرعاً صحیح نہیں کیا، بلکہ خلافِ شرع کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۸/۸۸ھ۔

خاندانی منصوبہ بندی

الاستفتاء [۸۸۲۱] : إن فی دیارنا مَن ینکرون تحدید النسل، وبعضهم یبیحونه أیضاً، ویستدل المنکرون بقوله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادکم خشیة إملاق﴾. ونحو ذلك. ویجیب المبیحون لذلك أن الولد لا یصدق علی النطفة ولا یجری حکم الولد علی النطفة، مثلاً: من قتل ولداً فعلیه القصاص، ومن أفسد نطفةً فلا قصاص علیه. وفوق ذلك أن العزل جائز وأباحه الشارع علیه السلام، وتحدید النسل فی مصرنا مثال القول الذی أجازه النبی صلی اللہ علیه

= "وکانت العرب تفعل ذلك خشیة الإملاق والعار". (مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب المباشرة، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۳۱۸۹): ۳۲۶/۶، رشیدیه)

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الثانی، ص: ۲۶۷، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب النکاح، باب فی تزویج الأبکار: ۲۸۷/۲، امدادیه ملتان)

(وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم: ۷۰/۲، قدیمی)

(۲) "عن النوّاس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". (مشکوة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، ص: ۳۲۱، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه اللہ: ۱۲۱/۱، (رقم الحدیث: ۱۰۹۸)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

وسلم. ما ذا قول الصواب؟

الجواب حامداًومصلياً:

تحديد النسل الذى أشاعته الحكومة فى المملكة بنظام خاص واهتمام عام هوخلاف مقصود الشارع قطعاً وحتماً، لِمَاورد فى الحديث:

"عن معقل بن يسار رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تزوّجوا الودود الولود، فإنى مكاثرٌ بكم الأمم". رواه أبوداؤد(١) والنسائى (٢)۔

وفى تحديد النسل تقليل الأمة بلاشبهة، بل قطع النسل لازم، وهذا القطع إن لم يكن قتلاً، لكن هو قريب من الاختصاء :

"عن سعد بن أبى وقاص رضى الله تعالىٰ عنه قال: ردّ رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ عثمان بن مظعون التبتّل، ولو أذن له لاختَصَيْنا". متفق عليه(٣)۔

"والعزل هو الوأد الخفيّ":

"عن جدامة بنت وهب رضى الله تعالىٰ عنها قالت: حضرتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم فى أناس وهو يقول: "لقد هممتُ أن أنهىٰ عن الغيلة، فنظرت فى الروم وفارس فإذاهم يغيلون أولادهم ولايضرّ أولادَهم ذٰلك شيئاً". ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذٰلك الوأد الخفيّ، وهى: ﴿وإذا الموء ودة سئلت﴾ رواه مسلم(٤)۔

---

(١) (سنن أبى داؤد، كتاب النكاح، باب فى تزويج الأبكار: ٢٨٧/٢، إمداديه ملتان)

(٢) (سنن النسائى، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ٧٠/٢، قديمى)

(٣) (صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ٧٥٩/٢، قديمى)

"قال عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه : كنا نغزوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، وليس لنا شئٌ، فقلنا: ألانستخصى؟ فنهانا ذلك". (صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ٧٥٩/٢، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه: ٤٤٩/١، قديمى)

(٤) (الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب جوازالغيلة وهى وطئ المرضع وكراهة العزل: ٤٦٦/١،قديمى)

فقال شارح المشكوة: "أى هذه الفعلة الشنيعة التى هى العزل مندرجةٌ تحت هذه الأية ذكرها تاكيداً لبيان شناعته. والوأد دفن الولد حيّاً، وجعل العزل فى حكم الوأد لِمَا فيه من إضاعته النطفة المهيأة لكونها ولداً"(١)۔

والعلة التى كانوا يقتلون الأولاد لها وهى الإملاق أو خشية الإملاق، كما قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتقتلوا أولادكم خشية إملاق﴾(٢)، وفى موضع اٰخر ﴿ولاتقتلوا أولادكم من إملاق﴾(٣). هى العلة الباعثة والداً عليه لتحديد النسل، وردّها الله بقوله: ﴿نحن نرزقكم وإياهم﴾(٤). فتحديد النسل بهذه العلة لقطع الاعتماد علىٰ وعد الله تعالىٰ، وهو لايخلف الميعاد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۸۹ھ۔

---

(١) (اللمعات شرح المشكوة، بحواله حاشية مشكوة، كتاب النكاح، باب المباشرة، (رقم الحاشية:۳) ص: ۲۷۶، قديمى)

"ذلك الوأد الخفي" آن یعنی عزل "وأد" نہانی است "وأد" بہمزہ زندہ بگور کردن، مولود را، و نہادن بجہت آں گفت، و حقیقت وأد نیست زیرا کہ ذرّ وے از باقی روح نیست، بلکہ در حکم او و مشابہ وے یا دوست، پس مکروہ باشد"، وهى ﴿وإذا الموؤدة سئلت﴾. وایں خصلت قبیحہ و فعل شنیع داخل مضمون ایں آیت کریمہ است"۔ (أشعة اللمعات، كتاب النكاح، باب المباشرة: ۱۳۲/۳، مكتبه الحرمين الشرفين كوئٹه)

(۲) (سورة الإسراء: ۳۱)

(۳) (سورة الأنعام: ۱۵۱)

(۴) (سورة الأنعام: ۱۵۱)

ترجمۂ سوال: ہمارے شہروں میں بعض لوگ خاندانی منصوبہ بندی کا انکار کرتے ہیں اور بعض مباح قرار دیتے ہیں۔ منکرین اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ولاتقتلوا أولادكم خشية إملاق﴾ اور اس کے مثل (دوسری آیات) سے استدلال کرتے ہیں۔ مباح قرار دینے والے اس کا جواب دیتے ہیں کہ نطفہ پر "وَلَد" صادق نہیں آتا اور نطفہ پر "ولد" کا حکم جاری نہیں ہوتا، مثلاً: ولد کو قتل کرنے والے پر قصاص لازم آتا ہے اور نطفہ کو فاسد کرنے والے پر قصاص لازم نہیں آتا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ عزل جائز ہے، شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مباح فرمایا ہے، خاندانی منصوبہ بندی ہمارے زمانے میں عزل کی مثال ہے جس کی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ صحیح قول کیا ہے؟ =

....

=ترجمۂ جواب:

خاندانی منصوبہ بندی -- جس کو حکومت نے ملک میں خاص نظام اور عام اہتمام کے ساتھ جاری کیا ہے- قطعی طور پر شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے مقصود کے خلاف ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت پر (قیامت میں) دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا''۔ نسائی، ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے''۔

اور خاندانی منصوبہ بندی میں بلاشبہ امت کی تقلیل ہے، بلکہ نسل کا قطع کرنا لازم ہے، اور یہ قطعِ نسل اگر چہ قتل نہیں، مگر خصی ہونے کے قریب ہے (جس کے بارے میں) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

''حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبتل کو رد فرمایا (ممانعت فرمادی)، ان کو اجازت دیدیتے تو ہم خصی ہوجاتے۔ متفق علیہ''۔

اور عزل وأدِ خفی ہے جس کے بارے میں بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگوں کی ایک جماعت میں حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے تھے: ''میں نے غیلہ (زمانۂ حمل میں صحبت کرنا) سے ممانعت کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر میں نے روم وفارس میں غور کیا کہ وہ غیلہ کرتے ہیں اور اس سے ان کے بچوں کو نقصان نہیں ہوتا''۔ پھر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ تو وأدِ خفی ہے'' (جس کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے): ﴿وإذا الموء ودة سئلت﴾ مسلم نے اس کو روایت کیا ہے''۔

شارحِ مشکوۃ نے تحریر فرمایا ہے:

''یہ فعلِ شنیع جو کہ عزل ہے اس کے تحت داخل ہے، اس کی شناعت کے بیان کی تاکید کے لئے اس کو ذکر کیا ہے''۔

اور وأدِ خفی زندہ بچہ کو دفن کرنے کو کہتے ہیں اور عزل کو وأد کے حکم میں قرار دیا، چونکہ اس میں نطفہ کا ضائع کرنا لازم آتا ہے جو بچہ ہونے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اور علت -- جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے- فقر وفاقہ یا فقر وفاقہ کا اندیشہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق﴾ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ولا تقتلوا =

ضبطِ تولید

سوال[۸۸۲۲]: کسی ضرورت کی بناء پر مثلاً بیوی کمزور ہو یا بچہ بہت چھوٹا ہو تو ''برتھ کنٹرول'' کے ذریعہ ادویہ ضبطِ تولید کرسکتا ہے یا نہیں؟ اخبار ''قومی آواز لکھنؤ'' مورخہ ۲۱/فروری/۱۹۶۱ء میں خبر ہے کہ علمائے پاکستان نے ضبطِ تولید کو جائز کہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ اخبار نہیں دیکھا، نہ علمائے پاکستان کا فتویٰ دیکھا۔ اگر بیوی اتنی کمزور ہو کہ ولادت سے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی عارضی تدابیر اختیار کرنا، جن سے قوت آنے تک استقرارِ حمل نہ ہو، درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ضبطِ تولید کے دلائل

سوال[۸۸۲۳]: ضبطِ تولید کے متعلق حکومتی ادارے کے مسلم کارکنان قرآنی آیات ضبطِ تولید کے

= أولادكم من إملاق﴾. خاندانی منصوبہ بندی کی بھی یہی علت باعث اور داعی ہے۔ اور اس (علت) کو اللہ تعالیٰ نے رد فرمایا ہے اپنے اس قول: ﴿نحن نرزقكم وإياهم﴾ سے پس اس علت کی بناء پر خاندانی منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد نہ ہونے کی بناء پر ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے۔

(۱) "في الفتاوى: إن خاف من الولد السوء في الحرة، يسعه العزل بغير رضاها، لفساد الزمان، فليعتبر مثله من الأعذار مسقطاً لإذنها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم العزل: ۱۷۶/۳، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشيديه)

"قيل: ذلك لايدل على حرمة العزل بل على كراهته". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب المباشرة: ۳۴۷/۸، رشيديه)

متعلق جواز میں پیش کرتے ہیں، مثلاً: ﴿إنما أموالكم وأولادكم فتنة﴾(١) ﴿يأيها الذين امنوا لاتلهكم أموالكم ولا أولادكم عن ذكر الله﴾(٢)، ﴿يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر﴾(٣) ﴿وماجعل عليكم في الدين من حرج﴾(٤)۔

ان آیات کا غلط ترجمہ وغلط تشریحات کرکے مہلک وگمراہ ولائل سے مخلوق کو اپنے دام میں لاتے ہیں۔

اور احادیث میں:

"المؤمن القوی خیرٌ من المؤمن الضعيف"(٥)۔ فی صحیح البخاری ومسلم: "عن أبي سعيد رضی الله تعالیٰ عنه قال: أصبنا سبياً، فكنا نعزل، فسألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "أو إنكم لتفعلون" —قالها ثلاثاً— "ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلاهي كائنة". بخاری، ص: ٧٨٤(٦)۔

اور پھر ذیل میں یہ آیت: ﴿إن من أزواجكم وأولادكم عدوّلكم فاحذروهم﴾(٧)۔

---

(١) (سورة التغابن: ١٥)

(٢) (سورة المنافقون: ٩)

(٣) (سورة البقرة: ١٨٥)

(٤) (سورة الحج: ٧٨)

(٥) (رواه أبو نعيم في حلية الأولياء، عمرو بن عثمان المكي، (رقم الترجمة: ٥٨١): ٢٩٦/١٠، مكتبه الخانجي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كل خير، احرص على ماينفعك ولا تعجز، فإن غلبك أمر فقل: قدر الله وماشاء فعل، وإياك واللَّوْ، فإن اللَّوْ تفتح عمل الشيطان". (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب التوكل واليقين، ص: ٣٠٧، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبلؒ: ٦٢/٣، مسند أبي هريره رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ٨٤١١)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(٦) (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب العزل. ٧٨٤/٢، قديمي)

(٧) (سورة التغابن: ١٤)

اوّلاً تو تراجم غلط تراشیدہ ہیں، اور پھر احادیث وآیاتِ قرآنیہ کو خلط ملط کرکے نہایت گمراہ کن عقلی ونقلی دلائل سے بالخصوص علمی طبقہ میں کام کررہے ہیں۔ لہٰذا جلد قرآن اور نصوصِ قطعیہ کے مدلّل حوالوں کے ساتھ تحریر فرماکر مشکور فرمائیں کہ شریعتِ مطہرہ میں ضبطِ تولید کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور عزل کی احادیث اب کیا حکم رکھتی ہیں، کیا فی زمانناً بھی عزل جائز ہے؟ اگر ہے تو مدلّل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلۂ ضبطِ تولید سے متعلق رسائل شائع ہوچکے ہیں، دو رسالے خود یہاں کے دارالافتاء سے شائع کئے جاچکے ہیں، ان میں تفصیلی دلائل موجود ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔

باقی آیاتِ مذکورہ سے استدلال کرنے والوں سے دریافت کیا جائے کہ جس طرح اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ یہ فتنہ اور دشمن اور خدائے پاک سے غفلت کا سبب ہیں تو اموال پر پابندی کیوں نہیں عائد کی جاتی ہیں جبکہ دونوں کو ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے، چاہیئے کہ اقل قلیل مال پر قناعت کی جائے، حالانکہ اس قناعت کی ترغیب صراحت کے ساتھ نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں موجود ہے (۱)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اس کی عملی تعلیم کے لئے بہت کافی ہے، مگر وہاں قناعت

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولو لأن يكون الناس أمةً واحدةً، لجعلنا لمن يكفر بالرحمٰن لبيوتهم سقفاً من فضّة ومعارج عليها يظهرون﴾ (سورة الزخرف: ۳۳)

قال الآلوسي رحمه الله تعالیٰ: "استئناف مبين لحقارة متاع الدنيا ودنائة قدره عندالله عزوجل، والمعنى: أن حقارة شأنه بحيث لولا كراهة أن يجتمع الناس على الكفر ويطبقوا عليه لأعطينا على أتم وجه من هو شر الخلائق وأدناهم منزلة، فكراهة الاجتماع على الكفر هي المانعة من تمتيع كل كافر .... والكراهة المذكورة هي وجه الحكمة في ترك تنعيم كل كافر وبسط الرزق عليه".

(روح المعاني، سورة الزخرف: ۲۵/۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يدخل الفقراء الجنة قبل الأغنياء بخمس مأة عام نصف يوم". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، ص: ۴۴۷، قديمي)

اختیار نہیں کی جاتی، بلکہ حرام وحلال کی تمیز کو ختم کرکے ہر طرح مال سمیٹنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، سود ہو، رشوت ہو، دھوکہ ہو، مردار کی بیع ہو، شراب کی تجارت، سینما وفلم وغیرہ، غرض کسی طرح ہو مال ملنا چاہئے، ﴿أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض﴾(۱) کا کس قدر نمایاں مظاہرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ضبطِ تولید کے دلائلِ جواز کا جائزہ

سوال[۸۸۲۴]: زید کا قول ہے کہ ضبط تولید (نس بندی) جائز ہے، اس پر چند دلیلیں ہیں:

دلیل اول یہ ہے کہ چونکہ یہ قتلِ اولاد کی ممانعت میں داخل نہیں، اس لئے کہ قتل کا اطلاق ذی روح کو مارنے پر ہوتا ہے اور نس بندی میں استقرارِ حمل سے روکنا ہے، نہ کہ قتل سے، لہذا نس بندی جائز ہے۔

دلیلِ ثانی: ضبط تولید عزل کی طرح جائز ہے۔

دلیلِ ثالث: جبکہ اعضاء بننے سے پہلے اسقاطِ حمل جائز ہے تو نس بندی بدرجۂ اَولیٰ جائز ہوگی، چونکہ اس میں اسقاط حمل نہیں ہے، بلکہ استقرار حمل سے روکنا ہے۔

لہذا اگر نس بندی ناجائز وحرام ہے تو جواب بحوالۂ کتب معتبرہ عنایت کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) قتلِ اولاد بھی ممنوع ہے اور قتلِ اولاد جس نظریہ اور مقصد کیلئے تھی وہ مقصد اور نظریہ بھی مذموم وغیر مشروع ہے۔ نس بندی میں قتلِ اولاد نہیں، لیکن مقصد ونظریہ تو وہی ہے جس کے لئے یہ صورت اختیار کی جارہی ہے، وہ مقصد ونظریہ کیا ہے "إملاق" یا "خشية إملاق"۔ یہ نظریہ خود اسلامی اصول ونصوص کے خلاف ہے: ﴿نحن نرزقهم وإياكم﴾(۲) ﴿ألا وإن نفساً لن تموت حتى تستكمل رزقها﴾(۳) "إن

(۱) (سورة البقرة: ۸۵)

(۲) (سورة الإسراء: ۳۱)

(۳) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وأن روح القدس نفث في روعي أن نفساً لن تموت حتى تستكمل رزقها، ألا! فاتقوا الله وأجملوا في الطلب، الخ".

(مشكوة المصابيح، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، ص: ۴۵۲، قديمي)

الرزق ليطلب العبد كما يطلبه أجله"(۱)۔

پس یہ مقصد ونظریہ نہایت خطرناک ہے جو تکذیب نصوص کو متضمن ہے، اس کی زد ایمانیت پر پڑتی ہے۔

(ب) عزل خود محلِ کلام ہے جس کو"وأدِ خفی" قرار دیا گیا ہے(۲)۔ پھر اس سے صلاحیتِ تولید ختم نہیں ہوجاتی، اس پر نس بندی کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ نیز مقصد ونظریۂ مذکورہ کے تحت عزل کے جواز پر کونسی نص ہے۔

(ج) اسقاطِ حمل کے جواز کی نص کہاں ہے اور وہ کس مقصد ونظریہ کے تحت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۶ھ۔

کمزوری کی وجہ سے مانعِ حمل دوا کا استعمال

سوال[۸۸۲۵]: ایک عورت ہے اب وہ اس قابل نہیں رہی کہ حمل کا بوجھ برداشت کر سکے، اس وقت وہ حاملہ ہے، ابتدائی مہینہ ہے، مختلف قسم کی ادویات دی جارہی ہیں، پھر بھی کمزوری برابر موجود ہے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کیا جائے، ورنہ آئندہ جان کے لئے خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، ص: ۴۵۴، قديمي)

(ومجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۴/۷۰، دارالفكر بيروت)

(۲) "عن جدامة بنت وهب رضي الله تعالىٰ عنها أخت عكاشه قالت: حضرتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أناس وهو يقول: "لقد هممت أن أنهى عن الغيلة، فنظرت في الروم وفارس، فإذا هم يغيلون أولادهم فلا يضر أولادهم ذلك شيئاً". ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذلك الواد الخفيّ، وهي: ﴿وإذا الموء ودة سئلت﴾". (الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة وهي وطي المرضع وكراهة العزل. ۱/۴۶۶، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، الفصل الأول، ص: ۲۷۶، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمزوری کی وجہ سے اگر حمل کا تحمل نہ ہو تو بطورِ علاج ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ قوت آنے تک استقرارِ حمل نہ ہو درست ہے(۱)۔ شوہر کو بھی ہمبستری سے احتیاط چاہئے، خواہش کا غلبہ ہو تو روزے رکھے، لیکن آپریشن وغیرہ کے ذریعہ تولید کی صلاحیت کو ختم کر دینا جائز نہیں، سخت معصیت ہے، ہرگز اس کا ارادہ نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۱/۹۰ھ۔

مانعِ حمل دوا استعمال کرنا

سوال[۸۸۲۶]: ایک شخص کی بیوی کثرتِ اولاد کی وجہ سے اور ایامِ حمل کی طرح طرح کی بیماریوں

---

(۱) "في الفتاوی: إن خاف من الولد السوء في الحرة، يسعه العزل بغير رضاها، لفساد الزمان، فليعتبر مثله من الأعذار مسقطاً لإذنها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم العزل: ۱۷۶/۳، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۲، غفاريه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشيديه)

"قيل: ذلك لايدل على حرمة العزل بل على كراهته؛ إذ ليس في معنى الوأد الخفي؛ لأنه ليس فيه إزهاق الروح بل يشبهه". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب المباشرة: ۳۴۷/۶، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لاتقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ (سورة الإسراء: ۳۱)

"عن جدامة بنت وهب أخت عكاشة قالت: حضرت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أناس وهو يقول: لقد هممت أن أنهى عن الغيلة، فنظرت في الروم وفارس، فإذاهم يغيلون أولادهم فلايضر أولادهم ذلك شيئاً". ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي". وهي: ﴿وإذا المؤودة سئلت﴾. (الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة الخ: ۴۶۶/۱، قديمي)

اور تکلیفات کی وجہ سے چاہتی ہے کہ مانعِ حمل دوا استعمال کرے اور اس کا شوہر بھی رضامند ہے۔ کیا ایسی صورت میں دوا استعمال کرنا جائز ہے؟ نیز چار اولاد زندہ ہے اور اس کے بعد سے پانچ اولاد ہوئی، سب کا انتقال ہوگیا۔

المستفتی: رسول احمد دوکاندار، جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز ہے، لیکن عسرت اور تنگدستی کے خیال کو دل سے نکال دینا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدگمانی ہے کہ وہ اولاد کو رزق نہیں دیں گے، بلکہ وہ سب کو رزق دیتے ہیں (۱)۔ دوسری وجوہ بیماری وغیرہ کی بنا پر شوہر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۵/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/۶/ ۵۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾. (سورة هود : ۶)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ (سورة الإسراء: ۳۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم من إملاق﴾ (سورة الأنعام : ۱۵۱)

(۲) "في الفتاوی: إن خاف من الولد السوء في الحرة، يسعه العزل بغير رضاها، لفساد الزمان، فليعتبر مثله من الأعذار مسقطاً لإذنها". (ردالمحتار، کتاب النكاح، باب نکاح الرقيق، مطلب في حكم العزل: ۱۷۶/۳، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوی والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوی والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشيديه)

"قيل: ذلک لا يدل على حرمة العزل بل على كراهته؛ إذ ليس في معنى الوأد الخفي؛ لأنه ليس فيه إزهاق الروح بل يشبهه". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب المباشرة: ۳۴۷/۶، رشيديه)

غیر مسلم کو مانعِ حمل دوا دینا

سوال[۸۸۲۷]: زید ایک طبیب ہے، زید سے غیر مسلم عدمِ استقرارِ حمل کے لئے دوائیں طلب کرنے آتے ہیں۔ تو زید ایسی دوا دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، وھو ظاھر لا یخفیٰ۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عورت کیلئے فرنچ لیدر کا استعمال

سوال[۸۸۲۸]: عزل تو جائز ہے، اگر عورت اپنی شرمگاہ میں فرنچ لیدر- جو چمڑے کا آلہ ہوتا ہے- رکھے(۱) اور شوہر سے بات چیت کرلے تو رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صحتِ ولادت کا تحمل نہ کرسکے تو عارضی طور پر اس کی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) ''فرنچ لیدر'' وہ آلہ ہے جو غبارہ نما ہوتا ہے اور جماع کے وقت مرد کے عضوِ تناسل کو چڑھایا جاتا ہے، فیروز اللغات میں ہے: ''فرنچ لیدر'': پلاسٹک وغیرہ کا ایک خول جو بوقتِ جماع عضوِ تناسل پر چڑھایا جاتا ہے تاکہ نطفہ رحم میں داخل نہ ہوسکے''۔

(فیروز اللغات، ص: ۹۳۰، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "فی الفتاوی: إن خاف من الولد السوء فی الحرة، یسعه العزل بغیر رضاها، لِفسادالزمان، فلیعتبر مثله من الأعذار مسقطاً لإذنها". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق، مطلب فی حکم العزل: ۱۷۶/۳، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر فی التداوی والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاریه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیه، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

"قیل: ذلک لایدل علی حرمة العزل بل علی کراهته". (مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب =

عزل اور غبارے کا استعمال

سوال[۸۸۲۹]: عزل نسل کشی کے لئے ہوتا ہے اور ایف ایل ربڑ کا غبارہ بھی اسی کام کے لئے ہے۔ مسئلہ کی رو سے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں منشائے شریعت کے خلاف ہیں(۱)، اس عزل کو"وأدِ خفی" قرار دیا گیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

= المباشرة: ۸/۳۴۷، رشيديه)

اردو فتاویٰ اور دیگر اردو فقہی کتب میں باوجود تتبع تام اور سعی بلیغ کے اس نام "فرنچ لیدر" سے متعلق کوئی صریح عبارت نہ مل سکی، لیکن چونکہ اس کی مشابہت اور مماثلت "غبارہ" کے ساتھ زیادہ ہے اور یہ غبارہ سے استعمال کے لحاظ سے زیادہ ملتا جلتا ہے، اس لئے یہ بھی بظاہر اس کے حکم میں ہے۔

(۱) چونکہ منشائے خداوندی ہی منشائے شریعت ہے، اور منشائے خداوندی میں قتل اولاد کی اجازت نہیں، قال الله تعالیٰ:

﴿ولاتقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾. (سورة الإسراء: ۳۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ومامن دابة في الأرض إلاعلى الله رزقها﴾. (سورة هود: ٦)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقتلوا أولادكم من إملاق﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۱)

اسی طرح منشائے شریعت میں کثرتِ اولاد کی ترغیب بھی ہے اور عزل وغیرہ سے تقلیل اولاد لازم آتی ہے، جو کہ منشائے شریعت کے خلاف ہے:

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تزوّجوا الودود الولود، فإني مكاثرٌ بكم الأمم".

(مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني، ص: ۲٦٧، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار: ۲/۲۸۷، امداديه)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۲/۷۰، قديمي)

(۲) "ثم سألوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي، وهي: ﴿وإذا الموءودة سئلت﴾". (الصحيح لمسلم، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة، الخ: ۱/۴٦٦، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، الفصل الأول، ص: ۲۷٦، قديمي)

عزل کے جواز کی صورت

سوال[۸۸۳۰]: ہندہ کو تین چار سال کی مدت میں ۵/ مرتبہ اسقاطِ حمل ہو چکا ہے، علاج بھی جاری ہے، حالتِ حمل میں شدید تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عزل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بیوی کی یہ حالت ہے تو صحت ہونے اور قوت آنے تک بیوی کی رضامندی سے عزل کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

اسقاطِ حمل

سوال[۸۸۳۱]: میں ایک ڈاکٹر ہوں، میرے پاس ایک لڑکی تین ماہ کا حمل گروانے کیلئے آئی اور کہا: اگر حمل نہیں گراؤ گے تو میں خودکشی کرلوں گی، میری شادی ہونے والی ہے۔ ایسی صورت میں حمل گرایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ میں اس سے قبل چھ حمل گرا چکا ہوں، لیکن اب خدا سے ڈرتا ہوں۔ کوئی صحیح صورت تحریر فرمائیں کہ میں گنہگار نہ ہوں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر پاشا۔ ایم، بی، ایس۔ ایم، بی، ٹی روڈ پنکنور، ضلع چتوڑ، اے پی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکی نے آکر کہا کہ مجھے ناجائز حمل ہے، میری شادی ابھی نہیں ہوئی، اس کو ساقط کر دیا جائے تو

---

(۱) "العزل لیس بمکروہ برضا امرأتہ الحرۃ أو برضا مولی امرأتہ الأمۃ". (الفتاوی العالمکیریۃ، الباب التاسع فی نکاح الرقیق: ۱/۳۳۵، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب نکاح الرقیق، مطلب فی حکم العزل: ۳/۱۷۵، سعید)

(وکذا فی الہدایۃ، کتاب الطلاق، باب نکاح الرقیق: ۲/۳۴۲، مکتبۃ شرکۃ علمیۃ ملتان)

(وکذا فی زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ، فصل فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العزل، ص: ۹۷۰، دار الفکر بیروت)

اگر وہ حمل ایسا ہے کہ اس میں ابھی جان نہیں پڑی تو اس کو ساقط کر دینا درست ہے، جان پڑنے کے بعد ساقط نہیں کیا جائے گا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۱۵ھ۔

آلات کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا

سوال[۸۸۳۲]: انگلینڈ کے سائنسدانوں نے بغیر مرد کی مقاربت ومجامعت کے جنسِ رجال کے خلیات (تخم) کو آلات کے ذریعہ جنسِ اناث کے بیض میں داخل کر کے وجودِ انسانی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ان لوگوں نے ایک مصنوعی بچہ دانی ایجاد کی ہے جس میں مرد اور عورت کی منی کو انجکشن کے ذریعہ داخل کر دیتے ہیں اور پھر اس کی غذا اور تربیت کا خاص لحاظ رکھتے ہیں، برابر انجکشن کے ذریعہ اس کی خوراک خون وغیرہ بہم پہونچاتے رہتے ہیں اور یہ عمل ایک وقتِ معینہ تک کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی عمل کے ذریعہ انگلینڈ میں ایک نہایت حسین وجمیل بچی پیدا ہوئی ہے، وہ لڑکی اب تک زندہ ہے، اس کی عمر چھ سات سال کی ہوگئی ہے۔اس فعلِ شنیع وقبیح میں ہندوستان بھی کامیاب ہوگیا ہے۔کیا شریعتِ مطہرہ کی رو سے اس طرح انسانی وجود حاصل کرنا جائز ہے؟

محمد مصطفیٰ قاسمی، فیروز آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ محررہ فطرت کے خلاف ہے اور بہت سے مفاسد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے: ایک مرد کی منی لی گئی اور اس کی بیوی کی منی لی گئی، دونوں کو مصنوعی بچہ دانی میں رکھا، پھر مختلف مراحل طے کر کے بچہ تیار ہوا۔اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ مرد کی منی کو اس کی بیوی کے علاوہ غیر عورت کی منی کیساتھ مخلوط کر دیا جائے، اسی طرح عورت

---

(۱) "العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لايجوز، وإن كان غير مستبين، الخلق يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في السراجيه، كتاب الحظر والإباحة، باب التداوي والعلاج، ص: ۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، فصل في البيع: ۳۷۶/۸، رشيديه)

کی منی کو شوہر کی منی کے علاوہ غیر مرد کی منی کیساتھ مخلوط کردیا جائے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان (مردوعورت) کی منی کو کسی جانور کی منی کے ساتھ مخلوط کردیا جائے، اس عمل کے ذریعہ ایک اَور قسم کی مخلوق تیار ہوگی، چنانچہ بعض جگہ بچے کتے اور بندر کی صورت لئے پیدا ہورہے ہیں۔ اور رات دن تجربات کئے جارہے ہیں کہ کس کس کی منی کو مخلوط کرنے سے کیسی کیسی صورت کے بچے بنتے ہیں۔ اس طرح حرمتِ مصاہرت وغیرہ کے مسائل بھی ایک کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں، ثبوتِ نسب کی ذمہ داری بھی نہیں، حقِ ولاویت اور حضانت (پرورش) ووراثت بھی مخدوش ہوجاتے ہیں۔ جس قدر غور کیا جائے اسی قدر یہ عمل قباحتوں کا مجموعہ ہے۔

اس سے قبل ''نظام'' میں انجکشن کی اولاد کا مسئلہ وضاحت سے آچکا ہے جو کہ پہلی جلد کے دوسرے یا تیسرے شمارے میں شائع ہوا تھا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)......Test Tube Baby ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' جس کی صورت یہ ہے کہ جن عورتوں کے بچے نہیں ہیں تو ان کے شوہروں کا مادہ منویہ لے کر ان کے رحموں میں بذریعہ انجکشن پہونچایا جاتا ہے، جس سے وہ عورتیں حاملہ ہوجاتی ہیں۔ کیا اس سلسلہ میں سائنٹیفک طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا؟

۲......"Surregate" ''قائم مقامِ ماں'' جس کی صورت یہ ہے کہ مرد کا مادہ لے کر بجائے بیوی کے کسی اجنبی کو بطور اجیر حاصل کر کے رحم میں انجکشن سے پہونچایا جاتا ہے، وہ عورت حاملہ ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: ۱......یہ طریقہ طبائعِ سلیمہ کے خلاف، مزاجِ شرعی وشارع علیہ السلام کے خلاف انتہائی بے شرمی پر مشتمل ہے اور ''الحیاء شعبة من الإیمان'' کے بھی خلاف ہے، اس لئے اس کو اپنانا انتہائی بے حمیتی اور حدودِ شرع سے تجاوز اور بے شرمی ہوگی، اور شرعاً اضطرار ہے نہیں اس لئے اجازت نہ ہوگی۔

۲......وہ اجنبیہ عورت جس کے رحم میں انجکشن سے شوہر کے علاوہ کسی مرد کا مادہ منویہ پہونچایا گیا ہو، وہ عورت عقلِ سلیم کے نزدیک مزنیہ اور طوائف سے بھی زیادہ فاحشہ قرار پائے گی، اور اس کی شناعت عقلِ سلیم کے نزدیک زنا ولواطت سے بھی زیادہ قبیح ومذموم ہوگی۔ اور صورت تو اضطرار کی ہے نہیں، اس لئے اس کی بھی اجازت ہرگز نہ ہوگی''۔ (نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة، مرد کا مادۂ منویہ لے کر بیوی کے رحم میں بذریعہ انجکشن پہنچانا: ۱/۳۳۷، رحمانیہ لاہور)

(وکذا فی فتاوی رحیمیہ، کتاب الحظر والإباحة، بذریعہ انجکشن رحم میں مادہ منویہ پہنچانا: ۱۰/۱۷۹، دار الإشاعت کراچی)

انجکشن کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا

سوال[۸۸۴۳]: میری شادی کو بارہ برس گذر گئے، میری منی میں جراثیم مردہ پائے گئے ہیں، اس لئے بچہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جس طرح ٹیوب سے مویشی کو حمل کرایا جاتا ہے، اسی طرح تم اپنی عورت کو حاملہ کرالو۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو اس طرح گھوڑی بنا کر اولاد حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں، ڈاکٹروں اور حکیموں سے اپنا علاج کرائیں اور حق تعالیٰ سے دعاء کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) ا…… Test Tube Baby ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' جس کی صورت یہ ہے کہ جن عورتوں کے بچے نہیں ہیں تو ان کے شوہروں کا مادہ منویہ لے کر ان کے رحموں میں بذریعہ انجکشن پہونچایا جاتا ہے، جس سے وہ عورتیں حاملہ ہوجاتی ہیں۔ کیا اس سلسلہ میں سائنٹیفک طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا؟

۲…… "Surregate" ''قائم مقام ماں'' جس کی صورت یہ ہے کہ مرد کا مادہ لے کر بجائے بیوی کے کسی اجنبی کو بطور اجیر حاصل کر کے رحم میں انجکشن سے پہونچایا جاتا ہے، وہ عورت حاملہ ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: ا…… یہ طریقہ طبائعِ سلیمہ کے خلاف، مزاجِ شرعی وشارع علیہ السلام کے خلاف انتہائی بے شرمی پر مشتمل ہے اور "الحياء شعبة من الإيمان" کے بھی خلاف ہے، اس لئے اس کو اپنانا انتہائی بے حمیتی اور حدودِ شرع سے تجاوز اور بے شرمی ہوگی، اور شرعاً اضطرار ہے نہیں اس لئے اجازت نہ ہوگی۔

۲…… وہ اجنبیہ عورت جس کے رحم میں انجکشن سے شوہر کے علاوہ کسی مرد کا مادہ منویہ پہونچایا گیا ہو، وہ عورت عقلِ سلیم کے نزدیک مزنیہ اور طوائف سے بھی زیادہ فاحشہ قرار پائے گی، اور اس کی شناعت عقلِ سلیم کے نزدیک زنا ولواطت سے بھی زیادہ قبیح و مذموم ہوگی۔ اور صورت تو اضطرار کی ہے نہیں، اس لئے اس کی بھی اجازت ہرگز نہ ہوگی''۔ (نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة، مرد کا مادۂ منویہ لے کر بیوی کے رحم میں بذریعہ انجکشن پہنچانا: ۱/۳۳۷، رحمانیہ لاہور)

(وکذا في فتاوی رحیمیه، کتاب الحظر والإباحة، بذریعہ انجکشن رحم میں مادہ منویہ پہنچانا: ۱۰/۱۷۹، دارالإشاعت کراچی)

انجکشن کی اولاد

مضمونِ ذیل بظاہر تو ایک استفتاء کا جواب ہے، مگر درحقیقت تہذیبِ حاضر کی حیاء سوز اور بھیانک تصویر کا آئینہ ہے اور موجودہ تہذیب کے شیدائیوں کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ امید ہے کہ بہ نگاہِ عبرت پڑھا جائے گا۔ (ادارہ)

الاستفتاء

سوال[۸۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین:

ملک ملایا میں ڈاکٹروں نے ایک انجکشن تیار کیا ہے، اس کا تجربہ اولاً جانوروں پر کیا گیا کہ جانوروں کو انجکشن لگایا گیا اور بغیر نر کی وطی کے صحیح وقت پر بچہ پیدا ہوا، بعد اس کے عورتوں پر تجربۃً انجکشن لگایا تو عورتوں کو بھی بغیر وطی مرد کے صحیح وقت بچہ پیدا ہوا۔ حکومتِ ملایا، چونکہ مسلمان ہے اس لئے علماء سے فتویٰ طلب کیا ہے کہ یہ فعل جائز ہے یا ناجائز اور یہ بچہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ (جو شق بھی جائز یا ناجائز کی ہو مع دلیل شرعی کے جواب دیں)۔

لیکن علمائے ملایا- ایک ماہ سے زائد گذر گیا- صحیح جواب دینے سے قاصر ومتحیر ہیں، میرے بھی ایک عزیز- جو مولوی اور دیو بندی ہیں- ملایا میں ہیں، ان سے بھی فتویٰ طلب ہے، ان کا خط آیا ہے، اس لئے حضرت والا کو دے رہا ہوں کہ اس فتویٰ کا جو حکم جواز وعدمِ جواز کا ہو مع دلیل شرعی جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔

محمد ناظر مانی کلاں، جونپور، ۱۴/ستمبر/۵۹ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحقیق وتفتیش سے انجکشن کے دو مقصد معلوم ہوئے: اول: توانا اور خوبصورت بچے پیدا کرنا، دوم: آزادی۔ اور درحقیقت مقصدِ اول بھی مقصدِ دوم ہی کا ایک شعبہ ہے۔

دیر سے عورتوں کا مطالبہ ہے کہ ہم کو مَردوں کے دوش بدوش کر دیا جائے، مَردوں کی ایک بڑی تعداد نے اس میں ان کی حمایت بھی کی ہے، چنانچہ تعلیمی کالجوں، ملازمتی دفتروں، صنعتی فیکٹریوں اور دوسرے بیشمار صیغوں میں عورتوں کا بے روک ٹوک مَردوں کی طرح داخلہ شروع ہوگیا۔ الیکشنوں میں امیدوار بن کر سامنے

آگئیں اور بہت سے مقامات پر اپنے مقابل مَردوں کو پچھاڑ دیا۔ بہت سے شعبوں میں ہار جیت کا معیار عورتوں کی ہمدردی قرار پا گئی، آگے بڑھ کر مردوں کی قید سے آزادی حاصل کی گئی، حقوق متعین کر لئے گئے کہ ان کے ادا ہوجانے کے بعد مردوں کو کسی چیز کی باز پرس کا اختیار نہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی نکاح بھی ہے، اس میں آزادی حاصل ہوئی کہ عورتوں کا دل چاہے تو نکاح کریں، نہ چاہے تو نہ کریں، خواہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو، جس کا حاصل یہ نکلا کہ ولی شرعی کی ولایت ختم۔ پھر نکاح کرنے میں بھی آزادی حاصل ہوئی کہ جس سے دل چاہے نکاح کرلیں خواہ مذہب اس کو جائز قرار دے یا ناجائز، جس کا حاصل یہ نکلا کہ قرآنی قانون کا "باب المحرمات والکفائت" ختم۔ سِول میرج بھی اسی آزادی کی ایک لعنت ہے۔

پھر ایک قدم اَور بڑھا کہ جب تک چاہے قیدِ نکاح میں رہیں، جب دل چاہے علیحدہ ہوجائیں، شوہر علیحدگی پر رضامند ہو یا نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ نکلا: خدائی قانون نے شوہر کو جو طلاق کا اختیار دیا تھا وہ ختم۔

بعض انسان صورت خنزیروں نے اپنی بیویوں کو اپنے احباب کے سامنے کر کے خود رضامندی ظاہر کردی کہ جس سے دل چاہے اپنی خواہش پوری کرلیں جس سے ان کی انسانیت ہی جل کر خاکستر ہوگئی۔

نکاح نہ کرنے یا شوہر سے تعلقات نہ رہنے پر بھی بچے پیدا ہونے شروع ہوئے تو بعض غیرت مند خاندانوں میں روپوشی اور خودکشی وغیرہ کے ناگوار حادثات پیش آئے۔ اس کی روک تھام کیلئے ایسی دوائیں ایجاد ہوئیں جن سے حمل ضائع ہوجائے، مگر اس میں بھی زحمت نظر آئی تو ایسے آلات ایجاد ہوئے کہ استقرار ہی نہ ہونے پائے۔

اس پر ایک شور برپا ہوا کہ مادۂ تولید ضائع ہوجاتا ہے تو اس کو محفوظ کرنے کے لئے مستقل محکمہ بنا، چنانچہ مختلف عمر والوں کے مادے جداگانہ بھی، مخلوط بھی محفوظ کر کے تجربات شروع ہوئے، اولاً جانوروں پر آزمائش کی گئی، پھر جوانی کی خواہشیں پوری کرنے کے لئے آزادی طلب عورتوں کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کیا گیا۔

اب اگر کسی عورت کی شادی نہ کرنے پر بھی اولاد پیدا ہو تو وہ بڑی جرأت کے ساتھ کہہ سکتی ہے کہ انجکشن کی اولاد ہے، سرکاری دفتر میں اس کو "ابنِ انجکشن" لکھا جائے، یہاں تک بھی معاملہ ڈاکٹروں کے دستِ تصرف میں رہا۔ عورتوں کی حریت پسند بلکہ حریت پرست طبائع اس قید کو بھی نہ برداشت کرسکیں تو اب ضابطۂ عمل یہ بنا کہ

''جو عورت جس کا نطفہ پسند کرے خرید لے'' اگر چہ مذہب اس کو بیع باطل ہی قرار دے، اس ضابطۂ عمل کی بدولت ڈاکٹروں کی قید سے بھی چھٹکارہ ہوا، خریداری کا معاملہ طرفین کی رضامندی پر ہے۔

بعض جگہ اس کی بھی پابندی نہیں کہ ڈاکٹروں ہی کی تجویز کردہ طریق پر مادہ حاصل اور داخل کیا جائے، لہذا اس انجکشن کی آڑ میں عام زناکاری کا دروازہ کھل گیا اور عورتوں کے دونوں مقصد حل ہو گئے، نہ مانع حمل آلات کی ضرورت ہے کہ بیش قیمت مادہ ضائع ہو، نہ استقرار کے بعد حمل ضائع کرنے کی ضرورت کہ خواہ مخواہ کی زحمت مول لی جائے، نہ والدین یا غیور دیگر اہل خاندان کی روپوشی، وطن سے فرار، نہ خودکشی کی ضرورت، کیونکہ یہ اولاد لڑکی نے انتہائی عصمت وعفت کے ساتھ انجکشن سے حاصل کی ہے، حرام کاری کے قصد سے کبھی کسی غیر مرد کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ نکاح کی کوئی حیثیت، نہ شوہر کی متبوعیت، نہ عورت کی تابعیت، نہ اولاد کے حلال ہونے کی کوئی شناخت، نہ باپ کی اولاد پر شفقت، نہ تربیت نہ ولایت، نہ اولاد پر باپ کی تعظیم، نہ اطاعت، نہ خدمت، نہ نفقہ، نہ وراثت۔ نہ حرمتِ مصاہرت کی روک تھام، نہ خاندانی معاشرہ، نہ تدبیر المنزل کی کوئی صورت۔ غرض! انسان اشرف المخلوقات ہو کر زمرۂ حیوانات میں داخل ہو گیا۔

یورپ کے بعض محققین اس کے قائل تھے کہ انسان پہلے جانور تھا، ترقی پا کر انسان بنا۔ شعر:

ڈارون صاحب، حقیقت سے بہت دور تھے　　　میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے

(اکبرؔ)

اب پھر ایسی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں کہ جوہرِ انسانیت ختم کر کے اب جانور بن جائے، اور ﴿ثم رددناه أسفل سافلين﴾(۱) کا ایک نقشہ سامنے آجائے۔

ممکن ہے کہ ان دو مقصدوں کے علاوہ کوئی اَور بھی نیک مقصد ہو، لیکن جو عمل اتنے مفاسد پر مشتمل ہو اور اس سے احکامِ الٰہیہ اور نصوصِ شرعیہ کی مخالفت ہوتی ہو، خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے، وہ کسی طرح حدِ جواز میں نہیں آسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

---

(۱) (سورة التين: ۵)

الفصل الثانی فی أعضاء الإنسان وأجزائه

(انسان کے اعضاء اور اجزاء کا بیان)

اضطراری حالت میں انسانی خون لینا

سوال[۸۸۳۵]: آج کل اسپتال میں مریض کے لئے خون کی کمی کی وجہ سے جب کہ مریض کی جان کو خطرہ ہو تو دوسرے انسان کا خون پچکاری سے حاصل کر کے مریض کے جسم میں داخل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب انسانی جان کو خطرہ ہو تو دوسرے انسان کا خون داخل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انسان کے خون کو دوا میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں (۱)، اگر اضطراری کیفیت ہو کہ بغیر انسانی خون کے جان بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے (۲)، لیکن خون کی خرید و

---

(۱) "وحرمة الانتفاع بأجزاء الآدمي لكرامته". (الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء: ۱/۴۱، شركت علميه ملتان)

"لم يبح الإرضاع بعد مدته؛ لأنه جزء آدمي، والانتفاع به لغير ضرورة حرامٌ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۳/۲۱۱، سعيد)

(۲) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التدوى والمعالجات: ۵/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۹، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني،، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۶/۱۱۶، غفاريه كوئٹه) ..... =

فروخت کا کاروبار جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

بیمار کو دوسرے شخص کا خون دینا

سوال [۸۸۳۲]: شرعاً ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں بطورِ علاج داخل کیا جاسکتا ہے یا نہیں، جب کہ ڈاکٹروں کی رائے میں مریض کی جان بچنا مشکل ہورہی ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں داخل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس میں جزءِ انسانی سے انتفاع لازم آتا ہے اور جزءِ انسانی سے انتفاع حرام ہے:

"(قوله: وإن حرم استعماله): أي استعمال جلده أو استعمال الأدمي بمعنی أجزاءه، و به يظهر التفريع بعده". شامي: ١٨٨/١ (٢)۔

= "ويقدم الميتة على الصيد، والصيد على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير" (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ٥٦٢/٢، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ٣٦٢/٣، رشيديه)

(١) "لم يجز بيع الميتة والدم؛ لانعدام المالية التي هي ركن البيع، فإنهما لايعدّان مالاً عند أحد، وهو من قسم الباطل". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ١١٥/٦، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣٦٢/٣، دارالكتب العلمية بيروت)

"خون چونکہ مالِ متقوم نہیں اس لئے شرعاً اس کی خرید وفروخت جائز نہیں، تاہم اگر کسی مریض کے لئے شدید ضرورت کے وقت بلا قیمت خون نہ ملتا ہو تو قیمت دے کر اس کے لئے خون خریدنا تداوی بالمحرم کی وجہ سے مرخص ہوگا خون دینے والے کے لئے قیمت لینا جائز نہیں، تاکہ خون متاعِ بازار نہ بن جائے"۔ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب البیوع، باب البیع مایجوز ومالایجوز، عنوان: خون کی خرید وفروخت کے احکام: ٥٦/٦، دارالعلوم حقانیہ)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة: ٢٠٤/١، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ١٨٠/١، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، مطلب في طهارة الجلود و دباغتها: ٨١/١، دارإحياء التراث العربي بيروت) =

البتہ اگر اس کے بغیر جان بچنا دشوار ہو تو بقدرِ ضرورت اس کی اجازت ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

شوہر کا خون بیوی کے جسم میں داخل کرنا

سوال[۸۸۳۷]: عورت بالکل مریض ہو چکی ہے، ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ اس کے بدن میں خون داخل کیا جائے، کسی اَور کا خون سیٹ نہیں ہوتا سوائے شوہر کے، خون کے اب شوہر کا خون عورت کے بدن میں داخل کیا جاتا ہے عورت کی صحت کے لئے۔ کیا اس طرح سے خون عورت کے بدن میں داخل کرنے سے دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا؟ اگر نہیں تو دونوں کے درمیان نکاح کی کیا صورت رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عمل کی وجہ سے نکاح فاسد نہیں ہوگا (۲)، مگر انسانی خون کا استعمال داخلی اور خارجی ہر طرح حرام

=(وكذا في تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الطهارة: ۹۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التدوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۲، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۲، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيدُ على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير"

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۲) خون دینا ان اسباب میں سے نہیں ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے:

"إذا وطئ الرجل امرأةً بنكاح أو ملك أو فجور، حرمت عليه، وكما تثبت هذه =

ہے، چاہے وہ شوہر کا ہو، یا کسی اَور کا، لہٰذا جب تک اضطرار کا درجہ نہ ہو جائے اس کی ہرگز اجازت نہیں (۱)، مثلاً:

= الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبيل والنظر إلى الفرج بشهوة، سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور". (المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل الثالث عشر في بيان أسباب التحريم: ۱۸۲/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳۳/۳، سعيد)

"وأما الذي يوجب حرمة المصاهرة فهو أربعة أمور: أحدها: العقد الصحيح. ثانيها: الوطء، سواء كان بعقد صحيح أو فاسد أو زنا. ثالثها: المس. رابعها: نظر الرجل إلى داخل فرج المرأة، ونظر المرأة إلى ذكر الرجل، الخ". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، مبحث فيما تثبت به حرمة المصاهرة: ۵۸/۴، دارالفكر بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲۰۸/۳، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وانظر أيضاً الفقه النافع، كتاب النكاح، (رقم القاعده: ۲۵۹۰): ۲/۲-۵، بيروت)

الجواب: ''شوہر کا خون بیوی کے بدن میں، یا بیوی کا خون شوہر کے بدن میں داخل کرنے سے نکاح پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح بدستور قائم رہتا ہے، کیونکہ شریعت اسلام نے محرمیت کو نسب، مصاہرت، رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں۔ اور رضاعت سے ثبوت محرمیت بھی مدت رضاعت کے ساتھ خاص ہے، مدت رضاعت یعنی اڑھائی سال عمر کے بعد دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، کما ھو مصرح ومفصل فی عامة کتب الفقه۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم''۔ (انسانی اعضاء کی پیوندکاری، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، عنوان: شوہر کا خون بیوی کے بدن میں: ۲۸، دارالاشاعت کراچی)

(وكذا في فتاویٰ رحيميه، كتاب الحظر والإباحة، تداوی ومعالجات: ۱۷۶/۱۰، دارالاشاعت كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم .... فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لإثم، فإن الله غفور رحيم﴾ (سورة المائدة: ۳)

"وحرمة الانتفاع بأجزاء الآدمي لكرامته". (الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء: ۴۱/۱، شركت علميه ملتان) .... =

کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہیں وہ مرنے کے بالکل قریب ہے، صرف سور کی دو بوٹی موجود ہیں جس کو کھالے تو جان بچ جائے تو وہ ایسی حالت میں مضطر ہے، اس کے لئے حالتِ اضطرار میں سور کی بوٹی کھانے کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۷/۹۳ھ۔

کافر کا خون مسلمان کے جسم میں داخل کرنا

سوال[۸۸۳۸]: ایک مسلمان بیمار ہوگیا اور اسے خون کی ضرورت پڑی، اس وقت کافر کا خون دینے سے کیا بیمار کا دل کافر کا ہوجاتا ہے؟ خون ڈالنے کے بعد جو اولاد پیدا ہوگی کیا اس میں کفار کے خون کا اثر ہوگا؟ خون ڈالنے کے بعد مسلمان کے عادات واطوار اس کفار کی طرح ہو جائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کا خون اس طرح استعمال کرنا جائز نہیں (۲)، تاہم اس کی وجہ سے وہ مسلمان بیمار کافر نہیں ہوا،

= "لم يبح الإرضاع بعد مدته؛ لأنه جزء آدمي، والانتفاع به لغير ضرورة حرامٌ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۲۱۱/۳، سعيد)

(۱) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التدوى والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني،، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد والصيد على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير" (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۳۳۱، رقم حاشية: ۱)

نہ اس کا دل کافر کا دل ہوا، نہ اولاد پر اس کی وجہ سے کفر آئے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی کے عضو کو معطل کردینا

سوال[۸۸۴۹]: ایک شریف خاندان کی لڑکی آوارہ اور سخت بدچلن ہوگئی ہے، بہر چند روک تھام کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کسی دوا سے یا کسی عمل سے لڑکی مذکورہ کے جسم کے کسی حصہ کو بے حس وحرکت بنادینا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے جس سے صاف طور پر مطلب حل نہیں ہوتا، اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کردیا جائے یا قطع کردیا جائے تاکہ اس کی بدچلنی موقوف ہوجائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی:

"وأما خصاء الآدمی فحرام، اھ". درمختار: ۵/۲۷۵(۲)۔

"عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قلت: يارسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم! إنی رجل شاب، وأنا أخاف علی نفسی العَنتَ ولا أجد ما أتزوج به النساء –كأنه يستأذنه فی اختصاء– قال: فسكت عنی، ثم قلت مثلَ ذلك فسكت عنی، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: "يا أباهريرة! جفّ القلم بم أنت لاق، فاختص علی ذلك أو ذر". رواه البخاری، اھ". مشكوة شريف، ص: ۲۰(۳)۔

"قوله: "فاختص علی ذلك أو ذر" ليس هذا إذناً فی اختصاء، بل توبيخ ولومٌ علی

---

(۱) لیکن ظاہر ہے کہ کافر وفاسق اور فاجر کے خون میں جو اثراتِ خبیثہ ہوتے ہیں اس کا اثر مسلمان اور متقی کے خون پر اثر انداز ہونے کا قوی امکان ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو احتراز کرنا چاہئے۔

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۶/۳۸۸، سعيد)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ص: ۲۰، قديمی)

الاستیذان فی قطع عضو بلا فائدة". مرقاة المفاتیح حاشیة مشکوة، ص: ۲۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

زائد انگلی کا کٹوانا

سوال[۸۸۴۰]: اگر کسی آدمی کے ایک انگلی زائد ہو اور وہ بدنما معلوم ہوتی ہے تو اس کو کٹوانا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اَولیٰ کیا ہے، یعنی رضائے الٰہی کٹوانے میں ہے یا نہ کٹوانے میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کٹوانا بھی جائز ہے، رضائے الٰہی کے خلاف نہیں، مگر تکلیف بھی ہوگی، اپنے تحمل کو دیکھ لیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۶/۲ھ۔

---

(۱) (حاشیة مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، ص: ۲۰، (رقم الحاشیة: ۱۴)، قدیمی)

(ومرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر، الفصل الأول: ۲۷۹/۱، رشیدیه)

(راجع للبسط صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب مایکره فی التبتل والخصاء: ۷۵۹/۲، قدیمی)

(وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب النهی عن التبتل: ۶۸/۲، قدیمی)

(وکذا المحیط البرهانی، کتاب الاستحسان والکراهیة، الفصل العشرون فی الختان والخصاء، الخ: ۱۲۰/۶، غفاریه)

(۲) "إذا أراد الرجل أن یقطع أصبعاً زائدةً أو شیئاً آخر، قال نصیر رحمه الله تعالیٰ: إن کان الغالب علی من قطع مثل ذلک الهلاک، فإنه لا یفعل. وإن کان الغالب هو النجاة، فهو فی سعة من ذلک".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الحادی والعشرون فیما یسع من جراحات بنی آدم، الخ: ۳۶۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی الختان: ۴۱۰/۳، رشیدیه)

اعضائے انسان کی پیوندکاری

سوال[۸۸۴۱]: زید کوڈاکٹر نے یہ کہا کہ اگر تم بکر کا دل اپنے جسم میں ڈال لوگے تو تم زندہ بچ سکتے ہو ورنہ نہیں، بکر مرنے کے قریب ہے، اس کے رشتہ دار بھی بکر کا دل دینے کو تیار ہیں تا کہ زید کی جان بچ جائے۔ تو بکر کا دل زید کو دے کر زید کی جان بچا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اسی طرح دیگر اعضائے انسانی بکر کے جسم کے دوسرے انسانوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بکر کے رشتہ دار نہ زندگی میں بکر کے مالک ہیں، نہ مرنے کے بعد، ان کو بکر کے کسی عضو کو نہ قیمۃً کسی کو دینے کا حق ہے نہ ہدیۃً، لہٰذا ان کی رضامندی کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ بکر خود بھی اپنے اعضاء کا مالک نہیں کہ جو عضو جس کو چاہے کاٹ کر دیدے، یہ سب تصرفات غلط اور بے محل ہیں۔ بکر اور اس کے تمام اعضاء کا شریعت نے ایک احترام اور حق مقرر کر دیا ہے، وہ یہ کہ مرنے کے بعد اس کو غسل وکفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔

آج اس کے دل پر زید کی زندگی کو منحصر کر دیا گیا ہے، کل کو کہا جائے گا کہ اس کے گوشت کھانے پر زندگی موقوف ہے، لہٰذا اس کا گوشت ڈبہ میں بند کر کے ہسپتال میں محفوظ رکھا جائے، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کا حال بھی گائے بکری کی طرح ہو کر ﴿ثم رددناه أسفل سافلين﴾ (۱) کا ایک نمونہ بن جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں اعضائے انسانی کے قطع کرنے کا اور معالجات کی بحث مذکور ہے:

"مضطر لم يجد ميتةً وخاف الهلاك، فقال له رجل: اقطع يدي و كُلها، أو قال: اقطع مني قطعةً وكلها، لايسعه أن يفعل ذلك، ولا يصح أمره به، كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعةً من نفسه فيأكل، كذا في فتاویٰ قاضي خان، الخ". عالمگیری (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۳ھ۔

---

(۱) (سورة التين: ۵)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۳۳۸/۵، رشيديه)

اعضاء کی پیوندکاری کی وصیت

سوال[۲ ۸۸۴]: کسی قریب المرگ یا فوت شدہ انسان کا کوئی عضو مثلاً: دل، جگر، آنکھ وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا کیسا ہے؟ بعض انسان ہمدردی کے جذبہ کے تحت اس قسم کی وصیت کر دیتے ہیں کہ مثلاً: میرے مرنے کے بعد میری آنکھ کسی ضرورت مند کے لئے نکال لی جائے۔ تو یہ وصیت قابلِ نفاذ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی فوت شدہ انسان کا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے (۱)، اگر کوئی آدمی ایسی وصیت کرتا ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو یہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور وہ ناقابلِ نفاذ ہے:

"أحدهما أن يوصي بما هو معصية عندنا و عندهم كالوصية للمغنيات والنائحات، فهذا لايصح إجماعاً". مجمع الأنهر: ۲/۷۱۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

= (وكذا في قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۴۰۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۶/۳۶۲، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنا بني آدم﴾ الآية. (سورة الإسراء: ۷۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۶)

"(وشعر الإنسان والانتفاع به): أي لم يجز بيعه والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً .... وصرح في فتح القدير، بأن الآدمي مكرم وإن كان كافراً". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۳، رشيديه)

"وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: ولا بأس بالتداوي بالعظم إذا كان عظم شاة أو بقرة أو بعير أو غيره من الدواب، إلا عظم الخنزير والآدمي، فإنه يكره التداوي بهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۴، رشيديه)

(۲) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۴۵۱، غفاريه كوئته) =

بدن کے کسی حصہ کوخیرات کرنے کی وصیت

سوال[۸۸۴۳]: کوئی آدمی اگر مرتے وقت یہ وصیت کر جائے کہ اس کے بدن سے پاؤں کا گوشت بعد الموت فلاں آدمی کو خیرات کر دینا یا فلاں آدمی کو بیچ دینا۔ کیا ایسی وصیت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آدمی کو اپنے مال میں وصیت کرنے کا حق ہے، اس کے بدن کا گوشت اس کی ملک نہیں، جس طرح زندگی میں کسی کو اپنے جسم کے گوشت کو کاٹ کر خیرات یا فروخت کرنے کا حق نہیں، اسی طرح اس کی بعد الموت وصیت بھی درست نہیں۔ نیز انسان کے کسی عضو کی بیع جائز نہیں، نہ زندہ کی نہ مردہ کی، بلکہ یہ بیع باطل ہے۔ خیرات ایسی چیز کی ہوتی ہے جو قابلِ انتفاع ہو، انسان کا گوشت نہ کھانے میں کام آسکتا ہے نہ کسی اور کام میں استعمال ہوسکتا ہے:

”والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذ لالٌ له: أي و هو غير جائز، وبعضه في حكمه. وصرح في فتح القدير ببطلانه، اهـ“. ردالمحتار: ۱۰۵/۴، نعمانیه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۴/۵/۹۰ھ۔

= ”والثاني باطل بالاتفاق، وهو ما إذا أوصى بما ليس قربةً عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمغنيات والنائحات“. (رد المحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۷/۴۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۹/۳۰۳، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً ولو كافراً: ۵/۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶/۴۲۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

آنکھوں کی خرید وفروخت برائے علاج

سوال[۸۸۴۴]: یہاں پر ایک ڈاکٹر ہے وہ دوسروں کی آنکھیں لیکر خراب شدہ آنکھیں نکال کر اس میں لگا دیتا ہے، دوسری آنکھیں حاصل کرنے کی دوصورتیں ہیں: بعض غریب لوگ جب آخری وقت پر پہونچتے ہیں تو ان کی اجازت سے آنکھیں نکال کر فروخت کردی جاتی ہیں جو ہزار دو ہزار میں فروخت ہوجاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حالتِ صحت میں آنکھیں فروخت ہوجاتی ہیں۔ تو اس صورت میں زید کے لئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی خراب آنکھیں نکلوا کر دوسری صحیح آنکھیں لگوالے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے لئے اس طرح دوسروں کی آنکھیں استعمال کرنا جائز نہیں، زندہ آدمی کی آنکھوں کی بیع بھی ناجائز ہے، مردہ کی بھی ناجائز ہے:

"الأدمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً، فإیراد العقد علیه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له: أی وهو غیر جائز، و بعضه فی حکمه. وصرح فی فتح القدیر ببطلانه .... لم یجز کسر عظام میت کافر، اهـ". شامی: ۱۴۵/۴ (۱)۔

"الانتفاع بأجزاء الأدمی لم یجز، اهـ". فتاویٰ عالم گیری: ۳۶۵/۵، کتاب الکراهیة، الباب الثامن العشر فی التداوی والمعالجات (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: الآدمی مکرم شرعاً ولو کافراً: ۵۸/۵، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، ۳۵۴/۵، رشیدیه)

(وکذا فی السراجیة، کتاب الحظر والإباحة، باب التداوی والعلاج، ص: ۷۵، سعید)

"الأدمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً، فإیراد العقد علیه وإبذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدیر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴۲۵/۲، مصطفی البابی الحلبی بمصر) =

ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت

سوال[۸۸۴۵]: ایک عجیب وغریب بینک قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے جس کو"ختنہ بینک" کہا جائے گا۔ دنیا بھر میں روزانہ لاکھوں بچے کے ختنے کاٹے جاتے ہیں اور اعلیٰ قسم کی کھال کاٹ کر ضائع کردی جاتی ہے، آئندہ اس نفیس کھال کو بھی بینک میں جمع کر کے پلاسٹک سرجری یا کھال پیوند لگانے کے کام میں لگایا جائے گا۔ اب علمائے کرام کو ایک نیا فتویٰ دینا ہوگا کہ ختنے کی کھال کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ مسلمان بچہ کی ختنہ کی کھال کافر کے جسم پر اور کافر بچہ کی ختنہ کی کھال مسلمان کے جسم پر لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

کافی عرصہ ہوا پاکستان میں ایک سرجن نے ایک بچہ کا ختنہ کر کے اس کھال کا پیوند اس کے چہرے پر لگا دیا تھا، ڈاکٹر کی اس حرکت پر یا جرأت پر اس وقت وہاں کے علمائے کرام نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور بجمیع اجزاء قابلِ احترام ہے، ختنہ کی کھال بھی اس کا جز ہے، اس کی خرید وفروخت جائز نہیں:

"الآدمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً، فإیراد العقد علیه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له: أی وهو غیر جائز، وبعضه فی حکمه. وصرح فی فتح القدیر ببطلانه، اهـ". ردالمحتار (۱)۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴۲۸/۳، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: الآدمی مکرم شرعاً ولو کافراً: ۵۸/۵، ۵۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

(وکذا فی السراجیة، کتاب الحظر والإباحة، باب التداوی والعلاج، ص: ۷۵، سعید)

"الأدمی مکرم شرعاً وإن کان کافراً، فإیراد العقد علیه وإبتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدیر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴۲۵/۶، مصطفی البابی الحلبی بمصر) =

"کل إهاب دبغ ...... فلا یطهر جلد حیّة .... خلا خنزیر .... وادمی فلا یدبغ لکرامته. ولو دبغ، طهر وإن حرم استعماله: أی استعمال جلده". درمختار وردالمحتار، مختصراً (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۵ھ۔

طبی تجربہ کے لئے لاش چیرنا

سوال[۸۸۴۶]: طبی اغراض کے لئے مردہ انسانوں کی لاشوں کا چیرنا پھاڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شریعت نے مردہ انسانوں کا احترام اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح زندہ کا، پس محض طبی تجربات کے لئے مُردوں کا چیرنا پھاڑنا جائز نہیں، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مؤطا میں بروایتِ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تحریر فرماتے ہیں:

"کسر عظم المسلم میتاً ککسره و هوحی". قال مالك: تعنی فی الإثم"(۲)۔

"قال الباجی: یرید أن له من الحرمة فی حال موته مثل ما لَه منها حال حیاته. وإن کسر عظامه فی حال موته یحرم کما یحرم کسرها حال حیاته، وإنهما لا یتساویان فی القصاص وغیره، وإنما یتساویان فی الإثم. وقال الزرقانی: الاتفاق علی حرمة فعل ذلك به فی الحیوة

= (وکذا فی البحرالرائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۴۲۸/۳، رشیدیه)

(۱) (الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی أحکام الدباغة: ۲۰۳/۱، ۲۰۴، سعید)

(۲) (مؤطا الإمام مالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء وهو النبش، ص: ۲۲۱، قدیمی)

(وابن ماجة، کتاب الجنائز، باب فی النهی عن کسر عظام المیت، ص: ۱۱۶، قدیمی)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۸۷/۷، مسند سیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، (رقم الحدیث: ۲۳۷۸۷)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

والموت لا فی القصاص والدية، فمرفوعان عن كاسر عظم الميت إجماعاً. وحاصله أن عظم الميت له حرمة مثل حرمة عظم الحيّ، لكن لا حياة فيه، فكان كاسره فی انتهاك الحرمة ككاسر عظم الحی، ويعدم القصاص والإرش لانعدام المعنى الذی يوجبه من الحياة. قال الطيبی: إشارة إلى أنه لايهان ميتاً كما لايهان حياً، اهـ". أوجزا لمسالك: ۲/۵۰۷(۱)۔

"الأدمی مكرم شرعاً وإن كان كافراً، والمراد تكريم صورته وخلقته، وكذا لم يجز كسر عظام ميت كافر، اهـ". ردالمحتار: ٤/١٤٥(٢)۔

البتہ اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور عورت مرجائے تو پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے گا، اگر عورت زندہ ہو، لیکن بچہ پیٹ میں مرجائے تو بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکال لیا جائے گا۔ بلاقصد اگر کوئی شخص کسی کا موتی نگل لے اور پھر مرجائے تب بھی پیٹ چاک کر کے موتی نکالنا درست نہیں، کیونکہ حرمتِ مال سے حرمتِ نفس اعظم ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر مردہ انسان سے زیادہ قابلِ لحاظ شی بغیر لاش چیرے فوت ہوتی ہو تب تو لاش کا چیرنا درست ہے، ورنہ درست نہیں:

---

(۱) (أوجز المسالک، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء، (رقم الباب: ۱۴۳): ۴/۲۲۱، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وكذا فی المنتقى شرح مؤطا الإمام مالک رحمه الله، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء: ۲/۵۱۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وكذا فی فتح المالک، بتبويب التمهيد لابن عبد البر على مؤطا الإمام مالک رحمه الله، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی الاختفاء: ۴/۳۵۶، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: الآدمی مکرم شرعاً ولوكافراً: ۵/۵۸، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات: ۵/۳۵۴، رشیدیه)

(وكذا فی الفتاویٰ السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب التداوی والعلاج، ص: ۷۵، سعید)

"رجل ابتلع درة رجل، فمات المبتلع، فإن ترك مالاً، كانت قيمة الدرة في تركته. وإن لم يترك مالاً، لايشق بطنه؛ لأن الشق حرام، وحرمة النفس أعظم من حرمة المال، وعليه قيمة الدرة؛ لأنه استهلكها، وهي ليست من ذوات الأمثال، فكانت مضمونةً بالقيمة، فإن ظهر له مال في الدنيا، قضي منه، وإلا فهو مأخوذ به في الآخرة.

حاملٌ ماتت فاضطرب في بطنها ولد، فإن كان في أكبر الرأي أنه حيّ، يشق بطنها؛ لأنا ابتلينا ببليتين، فنختار أهونهما، وشق بطن الأم الميتة أهون من إهلاك الولد الحي، اه". بدائع: ۵/۱۲۹(۱).

"حامل ماتت وولدها حيّ يضطرب، شق بطنها من الأيسر، ويخرج ولدها. ولو بالعكس وخيف على الأم، قُطّع وأخرج لوميتاً، وإلا لا، كما في كراهة الاختيار، اه". درمختار۔ "(قوله: بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية. (قوله: قطع) بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته. (قوله: وإلا لا): أي ولو كان حياً لايجوز تقطيعه؛ لأن موت الأم به موهوم، فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم، اه". شامی: ۱/۹۳۸(۲).

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان: ۶/۵۱۷، ۵۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۸/۳۷۶، رشیدیه)

(۲) (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن المیت: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون في الجنائز: ۱/۱۵۷، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، باب في غسل المیت ومایتعلق به: ۱/۱۸۸، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، فصل في الصلوة علی المیت: ۱/۳۹۸، إمدادیه ملتان)

حتی کہ اگر حاملہ عورت ایامِ حمل پورے ہونے کے بعد مری اور بچہ اس کے پیٹ میں متحرک تھا، اس کو دفن کردیا گیا، پھر کسی نے خواب میں دیکھا کہ عورت نے بچہ پیدا ہوگیا تو اس خواب میں قبر کو کھودنا جائز نہیں، کیونکہ اگر یہ خواب صحیح ہے تب بھی بچہ کے زندہ رہنے کی توقع نہیں، بلکہ ظنِ غالب ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مرگیا ہوگا اور قبر کھودنے میں لاش کی توہین ہے:

حاملٌ ماتت وقد أتی علی حملها تسعة أشهر، وكان الولد يتحرك في بطنها، فدفنت ولم يشق بطنها، ثم رؤيت في المنام أنها تقول: ولدتُ، لاينبش القبر؛ لأن الظاهر أنها لو ولدت كان المولود ميتاً، اهـ". فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۲۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۴/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ۔

طبی تحقیق کے لئے میت کو چیرنا

سوال [۸۸۴۷]: تحقیق طلب امر یہ ہے کہ طبیہ کالجوں میں آج کل فنِ تشریح پڑھانے کے لئے مردہ کا ڈھانچہ سامنے رکھا جاتا ہے اور اس کی چیر پھاڑ کرکے طلباء کو سمجھایا جاتا ہے اور یہ چیز آج کل طبی تعلیم کے لئے ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ شرعاً مردہ جسم کی بیع وشراء اور اس کا طبیہ کالج میں رکھنا اور چیر پھاڑ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور: ۹/۱۰۳ طبی جوہر میں اس کو ممنوع لکھا ہے (۲)، لیکن موجودہ دور میں اس سے بچنا مشکل

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الصلوة، باب في غسل الميت: ۱/۱۹۵، رشيديه)

راجع للبسط: (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: ۶/۵۱۸، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۶، رشيديه)

(۲) "انسان "بجميع أجزائه" محترم ہے، خواہ کافر ہو یا مسلمان، زندہ ہو یا مردہ کو جلانا، لاش کو بیچنا یا خریدنا، مردہ کا ڈھانچہ بغرضِ تشریح مطب میں رکھنا، بچہ کو تاوقتیکہ مر نہ جائے پیٹ میں سے کاٹ کر نکالنا، عورت کا دودھ سوائے بچہ کے ایامِ رضاع میں پینا یا خارجاً استعمال کرنا، مثلاً: آنکھ میں یا کان میں ڈالنا سب ناجائز ہیں"۔ (بہشتی زیور، حصہ نہم، طبی جوہر، حیوان کا بیان، ص: ۶۵۸، دار الاشاعت کراچی)

ہے، اگر کوئی جواز کی صورت ہو تو تحریر مدلل فرما کر ممنون فرمائیں۔

محمد عبداللہ رحمت، بلڈنگ حضرت نظام الدین، نئی دہلی نمبر ۱۳۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردہ جسم کی بیع وشراء جائز نہیں، باطل ہے(۱)، طبی تعلیم کے لئے اس کو سامنے رکھ کر چیر پھاڑ کے تجربہ ومشق کے لئے بھی جائز نہیں (۲)، اس نوع کی تعلیم ہی واجب نہیں کہ اس کی خاطر حرام فعل کو جائز کرنے کی کوشش کی جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۵ھ۔

---

(۱) "و لا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع بها؛ لأن الآدمي مكرم لا مبتذلٌ، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً ومبتذلاً، الخ .... والأدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۲۵/۶، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً ولو كافراً: ۵۸/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، ۳۵۴/۵، رشيديه)

(۲) "عن عائشه رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسر عظم الميت ككسره حيًا". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، ص: ۱۴۹، قديمي)

(وابن ماجة، كتاب الجنائز، باب في النهي عن كسر عظام الميت، ص: ۱۱۶، قديمي)

(مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۸۷/۷، مسند سيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، (رقم الحديث: ۲۳۷۸۷)، دار إحياء التراث العربي)

(۳) جو چیز ناجائز کام کا سبب بنے وہ بھی ناجائز ہو: "كل مايؤدي إلى مايجوز لايجوز". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۰/۶، سعيد)

"واستدل بالآية على أن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة، وجب تركها، فإن مايؤدي إلى =

ڈاکٹری تعلیم کے لئے مردہ کا جسم چیرنا

سوال[۸۸۴۸]: ڈاکٹری علاج میں اور تعلیم میں مردہ کا بدن کاٹنا اس تعلیم کا جزوِ اعظم ہے۔از روئے دینِ قیم یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۸۹ھ۔

ڈاکٹری سیکھنے کے لئے لاش ہسپتال میں دینے کی وصیت

سوال[۸۸۴۹]: یہاں ایک کافرہ عورت مسلمہ ہوگئی، اس نے مسلمہ ہونے سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش ہسپتال کو دے دی جائے تاکہ لوگ ڈاکٹری کرسکیں اور آنکھ وغیرہ کام آسکے۔ تو ایک مسلمان کو اس طرح اپنا جسم ہسپتال کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ لاش دو سال تک رکھی جاسکتی ہے۔

= الشرّ شرٌّ". (روح المعاني: ۷/۲۵۲، تحت قوله تعالیٰ: ﴿ولا تسبوا الذين﴾ الخ، (سورة الأنعام: ۱۰۸)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(ومرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۱۶/۶، (رقم الحديث: ۲۷۶۳)، رشيديه)

(۱) "ولا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع بها؛ لأنّ الآدمي مكرم لا مبتذلٌ، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً ومبتذلاً ....اهـ". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۲۵/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعاً ولو كافراً: ۵۸/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۴/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وصیت قابلِ عمل نہیں، ہرگز لاش ہسپتال میں نہ دی جائے (۱)، بلکہ انتقال کے بعد جلد از جلد غسل وکفن اور نمازِ جنازہ کے بعد قبر میں دفن کردی جائے، میت کی آنکھ وغیرہ کوئی عضو اس کے جسم سے علیحدہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۳ھ۔

مصنوعی دانت لگانا

سوال [۸۸۵۰]: منہ میں چوکڑا (مصنوعی دانت) لگانا جائز ہے یا نہیں؟ تلاوت ونماز کے وقت لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۱۸ھ۔

---

(۱) "أحدهما أن يوصي بما هو معصية عندنا و عندهم كالوصية للمغنيات والنائحات، فهذا لايصح إجماعاً". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۴/۴۵۱، غفاريه كوئٹه)

"والثاني باطل بالاتفاق، وهو ما إذا أوصى بما ليس قربةً عندنا وعندهم، كما إذا أوصى للمغنيات والنائحات". (رد المحتار، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره: ۶/۶۹۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۷/۴۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب وصية الذمي: ۹/۳۰۳، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۳۳۵، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "ولو سقط سِنه، يكره أن يأخذ سن ميت فيشدها مكان الأولى بالإجماع. وكذا يكره أن يعيد تلك السن الساقطة إلى مكانها .... و لكن يأخذ سن شاة ذكية، فيشدها مكانها، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان: ۶/۵۲۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۲، سعيد)

(وأيضاً فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب ما يكره في الثياب والحلي والزينة الخ: ۳/۴۱۳، رشيديه)

الفصل الثالث فی التداوی بالمحرم وغیرہ

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

کیا دوا نہ کرنے سے ہلاک ہونے پر مواخذہ ہے؟

سوال[۸۸۵۱]: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ ''صحت دواؤں سے نہیں ملا کرتی''۔ ایسی صورت میں کیا دوا کرنا بے کار ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ پاک چاہیں گے تو دوا فائدہ دے گی ورنہ نہیں، اللہ تعالیٰ بلا سبب کے بھی شفا دے سکتے ہیں۔ افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ سبب اختیار کیا جائے اور دوا ترک نہ کی جائے، لیکن اگر کوئی سبب اختیار نہ کرے اور ہلاک ہوجائے اور وہ شخص قادر تھا کہ سبب اختیار کر سکے تو اس پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سبب یقینی نہیں اور اس کو اختیار نہ کرنے سے آدمی ہلاک ہوگیا تو مؤاخذہ نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "رجل استطلق بطنه او رمدت عيناه، فلم يعالج حتى أضعفه ومات، لا إثم عليه. رجلٌ قال له الطبيب: قد غلب عليک الدم فأخرجه، وإلا ليقتلک، فلم يخرجه حتى مات، لم يأثم". (الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب التداوى والعلاج: ص: ۷۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة: ۴۰۳/۳، رشيديه)

حالتِ اضطرار میں شراب بطور دوا پینا

سوال[۸۸۵۲]: اگر کوئی شخص مسلمان سخت بیمار ہو اور جانکنی کی حالت ہو اور حکیم بتلائے کہ اگر اس کو اتنی مقدار شراب پلا دو تو شاید اس کو آرام ہو جائے۔ تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیندار اور تجربہ کار ماہرِ فن معالج تجویز کرے کہ شفاء صرف شراب میں منحصر ہے اور کسی طرح شفاء نہیں ہو سکتی تو بقدرِ ضرورت دوا کے طور پر شراب کا استعمال درست ہے، ورنہ نہیں، کذا فی ردالمحتار: ۱۴۷/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

گھوڑی کی زبان علاج کے لئے استعمال کرنا

سوال[۸۸۵۳]: متعدد اشخاص کی زبانی معلوم ہوا کہ گھوڑی جب بچہ جنتی ہے تو اس کے منہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کٹ کر گر جاتا ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زبان کا حصہ ہوتا ہے، اس

---

(۱) "ونصه وفي التهذيب: يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه، وإن قال الطبيب: يتعجل شفاءك به، فيه وجهان. وهل يجوز شرب القليل من الخمر للتداوي، فيه وجهان، كذا ذكره الإمام التمرتاشي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيدُ على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وأيضاً ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

ٹکڑے کو گھس کر پلانے سے متعدد امراض سے افاقہ ہوجاتا ہے۔ تو عرض ہے کہ دواء اس کا پلانا مریض کو جائز ہے یا نہیں؟

عبداللہ صاحب، انجان شہید، اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس واقعہ کی تو تحقیق نہیں ہے، البتہ اس کی زبان جو کٹ کر گر جائے، وہ مردار اور حرام ہے، اگر دیندار، ماہر معالج تجویز کرے کہ فلاں مرض سے صحت حرام چیز میں منحصر ہے، کسی اور طرح شفاء نہیں ہوسکتی تو بدرجۂ مجبوری بقدرِ ضرورت ایسی دوا کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ہومیو پیتھک کی حرام دواؤں کا استعمال

سوال[۸۸۵۴]: ایک قطرہ کتیا کا دودھ یا ایک قطرہ خون سل (۲) کے مریض کا، یا ایک قطرہ پیپ کا ان کو اگر نوے قطرہ اسپرٹ میں ملا دیا جائے تو ان دواوں کا استعمال مسلمانوں کے لئے یا غیر مسلموں کے لئے کرنا

---

(۱) "یجوز للعلیل شرب الدم والبول وأکل المیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم أن شفائه فیه، ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الباب الثامن عشر فی التدوی والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۹/۲، سعید)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا یجوز إذا لم یعلم أن فیه شفاءً، أما إذا علم أن فیه شفاءً ولیس له دواء اٰخر غیره، فیجوز الاستشفاء به". (المحیط البرهانی، کتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر فی التداوی والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاریه کوئٹه)

"ویقدم المیتة علی الصید، والصید علی مال الغیر ولحم الإنسان، قیل: والخنزیر".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب الجنایات: ۲۲/۲، سعید)

(وأیضاً ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی التداوی بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعید)

(۲) "سل: ایک بیماری جس سے پھیپھڑوں میں زخم ہوجاتے ہیں، اور منہ سے خون آنے لگتا ہے، تپ دق، درد"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۵، فیروز سنز، لاهور)

کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ دوا حرام ہے، اس کا استعمال کرنا اور کرانا جائز نہیں، نہ مسلم کے لئے نہ غیر مسلم کے لئے۔ حرام چیز جانور کو بھی کھلانا منع ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ مردار چوپائے کے سامنے بھی لاکر نہ ڈالا جائے (۱)۔ اگر کوئی ایسا مرض کسی کو لاحق ہو کہ مسلم حاذق متدین معالج بتائے کہ شفاء اسی دوا میں منحصر ہے تو پھر گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "وقيل: لاتحمل الخمر إليها، أما إذا قِيدَتْ إلى الخمر، فلا بأس به كما في الكلب والميتة". (الهداية، كتاب الأشربة: ۴/۴۹۶، إمداديه)

"قال بعض المشايخ: لو قاد الدابة إلى الخمر، لابأس به". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۶/۴۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأشربة: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"كما في الكلب والميتة: أي لايحمل الميتة إلى الكلب". (الكفاية مع فتح القدير، كتاب الأشربة، فصل طبخ العصير: ۹/۴۰، نوريه رضويه)

(۲) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التدوى والمعالجات: ۵/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۹، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۶/۱۱۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيد على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير" (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۶۲، سعيد) .... =

ہومیو پیتھک دوا کا استعمال

سوال[۸۸۵۵]: ہومیو پیتھک کی دواؤں کے استعمال سے بعض لوگ منع کرتے ہیں، اس کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان میں کسی ناپاک حرام چیز کی آمیزش ثابت نہ ہو تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال

سوال[۸۸۵۶]: عرض یہ ہے کہ ہومیو پیتھک دوائیں اپنی فروخت کے لئے خریدی، پھر اس فارمولے پر نظر کی تو ایک شربت کی بوتل میں ۱۷/ فیصد الکحل لکھا ہوا پایا۔ اس الکحل کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل نہیں۔ براہِ کرم رہبری فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الکحل کے متعلق ذاتی کوئی تحقیق نہیں، مختلف آدمیوں سے مختلف باتیں سنی ہیں۔ کسی نے بتایا کہ شراب کا جوہر ہے، کسی نے بتایا کہ یہ شراب کی ایک قسم ہے، کسی نے بتایا کہ یہ کوئلہ سے بنایا جاتا ہے جب تک یہ تحقیق نہ جائے کہ یہ اشربہ محرمہ میں سے کوئی شراب ہے اس وقت تک اس کی حرمت کا فتویٰ دینا مشکل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۴/۱۴۰۶ھ۔

= (وانظر أیضاً خلاصة الفتاویٰ، کتاب الکراهية، الفصل الخامس فی الأکل: ۳۶۲/۴، رشیدیه)

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال'')

(۲) تکملہ فتح الملہم کی عبارت سے آج کل الکحل ملی ہوئی دواؤں اور دوسری اشیاء کی حلت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

''وأما غير الأشربة الأربعة، فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ. وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (ALCOHALS) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من =

بیمار کے لئے شراب کا استعمال

سوال[۸۸۵۷] : اگر کوئی شخص بیمار ہے اور شراب سے اس کو وقتی طور پر یا مستقل شفا ہے تو مریض کو شراب استعمال کرنی لازم ہے (یہ بات نماز جمعہ میں امام صاحب نے کہی ہے)۔ سائل معلوم کرنا چاہتا ہے کہ شراب، سور، زنا، سود، ان چاروں حرام چیزوں میں سے کیا چیز کن حالات میں جائز ہے، یا ان حرام اشیاء کے کسی ایک چیز کے استعمال کے بجائے مرجانا بہتر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زنا کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے: ﴿و لا تقربوا الزنا﴾ الاية(۱)، سود لینا بھی جائز نہیں، بلکہ حرام

= الأدوية والعطور والمركبات الأخرىٰ. فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها. وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. ولا يحرم استعماله للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار؛ لأنها إنما تستعمل مركبةً مع المواد الأخرى، ولايحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفة رحمه الله. وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، فحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ عند عموم البلوى، والله سبحانه أعلم". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة: ۳/۶۰۸، دارالعلوم كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنى إنه كان فاحشةً وساء سبيلا﴾ (سورة الاسراء: ۳۲)

"وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، ص: ۱۷، قديمى)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا زنى العبد خرج منه الإيمان، فكان فوق رأسه كالظلة، فإذا خرج من ذلك العمل رجع إليه الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الثاني، ص: ۱۸، قديمى)

ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۱)، اور کھانا بھی جائز نہیں بلکہ حرام ہے ﴿قل لا أجد فیما أوحي إليّ محرماً علی طاعم یطعمه، إلا أن یکون میتة أو دماً مسفوحاً أو لحم خنزیر﴾ الخ(۲)، شراب پینا بھی جائز نہیں، بلکہ حرام ہے: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه﴾ الایة(۳)۔

اگر اضطرار کی حالت ہو کہ جان بچ ہی نہ سکتی ہو تو جان بچانے کی مقدار مردار، سور، شراب کا استعمال کرنا درست ہے، نیز حاذق ودیندار معالج تجویز کردے کہ بیمار کے لئے شفا فلاں حرام میں منحصر ہے تو دوا کے طور پر اجازت ہے، کذا في رد المحتار(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۶/۹۶ھ۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: "هم سواء". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، ص: ۲۴۴، قدیمی)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزءً أیسرها أن ینکح الرجل أمه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۲) (سورة الأنعام: ۱۴۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم﴾ الآیة (سورة المائدة: ۳)

(۳) (سورة المائدة: ۹۰)

قال الله تعالیٰ: ﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر، قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس، وإثمهما أکبر من نفعهما﴾. (سورة البقرة: ۲۱۹)

"عن حذیفة رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول في خطبته: "الخمر جماع الإثم". (مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص: ۴۴۴، قدیمی)

(۴) "ونصه وفي التهذیب: یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتة للتداوي إذا أخبره طبیب مسلم أن شفاءه فیه، ولم یجد من المباح مایقوم مقامه. وإن قال الطبیب: یتعجل شفاءک به، فیه وجهان. وهل یجوز =

مریض کے لئے شراب کا حکم

سوال[۸۸۵۸]: عمرو مرنے کے قریب ہے اور اس کو حکیم یا ڈاکٹر نے بتلایا کہ اس کو اگر شراب پلادو تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ ایسے وقت میں ایسا کرنا شرعی حکم کیا ہے؟ اور عمرو کہتا ہے کہ مرجاؤں، شراب نہیں پیوں گا۔ اس کا ایسا کہنا اور مرجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس حالت میں کہ حکیم یا ڈاکٹر کو بھی شراب پلانے کے باوجود شفاء کا یقین نہیں تو محض ان کے کہنے سے کہ شاید جان بچ جائے، شراب پینا درست نہیں (۱)، عمرو کا انکار صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

= شرب القليل من الخمر للتداوى، الخ". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوى والمعالجات: ۵/۳۵۵، رشيديه)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً و ليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني،، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوى والمعالجات: ۶/۱۱۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيدُ على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير". (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب الجنايات: ۲/۲۲۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوى بالمحرم: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاوىٰ كتاب الكراهية الفصل الخامس في الأكل: ۴/۳۶۲، رشيديه)

(۱) "الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوى والمعالجات: ۶/۱۱۶، غفاريه كوئٹه)

"يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في =

دوا میں شراب کا استعمال

سوال[۸۸۵۹]: ایک طبیب مسلمان بعض امراض سے متعلق اپنے آپ کو حاذق کہتے ہیں، دوا میں شراب کا استعمال کراتا ہے جو کہ نجس ہے اور اس شراب کے حالت ضماد(۱) ہی میں بغیر دھوئے ہوئے نماز کا حکم دیتا ہے کہ ایسی ہی حالت میں نماز پڑھو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طبیبِ مذکور اگر یہ کہتا ہے کہ اس مرض کے لئے کوئی دوا حلال نہیں ہے، بلکہ شفاء شراب ہی میں منحصر ہے تو شراب کا ضماد درست ہے۔ اور اس کے دھونے میں اگر ضررِ کثیر ہو تو بغیر دھوئے نماز درست ہے:

"و اختار في النهاية وفتاوىٰ قاضي خان الجواز (التداوی بالمحرم) يجوز إذا علم فيه الشفاء، ولم يجد دواءً غيره". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۲/۲۸ھ۔

= التدوی والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

"و يقدم الميتة على الصيد، والصيدُ على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير"

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(۱) "ضماد: لیپ، دوا کو نرم کر کے جسم پر لگانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۰، فیروز سنز، لاهور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

شراب کا بطورِ دوا خارجی استعمال

سوال[۸۸۶۰]: بدن پر شراب کی مالش جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بہت سے لوگ اپنا تجربہ بتلاتے ہیں کہ اس کے استعمال سے چوٹ وغیرہ کا درد ختم ہو جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب کی مالش ناجائز ہے، چوٹ کے درد کے لئے دوسری دوائیں بھی مجرب ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۹/۲/۵ھ۔

شراب برائے علاج اور بلا عذر شراب نوشی سے معافی کی صورت

سوال[۸۸۶۱]: شراب نوشی شریعت کی رو سے حرام ہے، اگر کسی معقول وجہ سے، یا صحت کی درستگی کی غرض سے کوئی ڈاکٹر شراب نوشی کا مشورہ دے، تو بھی کیا حرمت باقی رہے گی؟ اگر کوئی غلطی سے یا ساتھیوں کے چکر میں آکر شراب پی لے تو کیا معافی کی کوئی صورت نہیں، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ ہم فوجی ہیں ہمیں مفت شراب دی جاتی ہے اور کوئی پیتے بھی ہیں، لیکن پینے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ زیادہ مقدار میں ڈالڈا برداشت نہیں ہوسکتا اس لئے پیتے ہیں۔ کیا اس صورت میں جواز کی صورت نکل سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب کا پینا حرام اور موجبِ لعنت ہے، مفت ملی ہوئی شراب ہو یا ساتھیوں کی خاطر ہو، ہرگز جائز نہیں،

---

(۱) "عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن اللہ أنزل الداء والدواء، فجعل لکل داء دواءً، فتداووا، ولا تتداووا بحرام". (سنن أبی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدویة المکروهة: ۱۸۴/۲، مکتبه إمدادیه ملتان)

قال الشیخ السهارنفوری رحمه اللہ تعالیٰ تحت الحدیث المذکور: "فما حرم الانتفاع به مطلقاً کالخمر والخنزیر والمیتة، حرم الانتفاع به مطلقاً کیفما کان". (بذل المجهود، کتاب الطب، بابٌ فی الأدویة المکروهة: ۴/۵، معهد الخلیل الإسلامی)

(وکذا فی زاد المعاد فی هدی خیر العباد، فصل: لکل داء دواء، ص: ۲۴۷، دارالفکر بیروت)

کبیرہ گناہ ہے(۱)، شریعت کا حکم نافذ ہو تو کوڑے لگائے جائیں (۲)۔ اگر کوئی شخص بیمار ہے اور دیندار تجربہ کار ماہر معالج تجویز کردے کہ شراب کے علاوہ کوئی علاج نہیں، تو مجبوراً بطورِ دوا بقدرِ ضرورت گنجائش ہے (۳)۔ کسی

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾. (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالرحمن بن عبدالله الغافقي وأبي طعمة مولاهم أنهما سمعا ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعنت الخمر على عشرة أوجه: بعينها، وعاصرها ومعتصرها، وبائعها، ومبتاعها، وحاملها، والمحمولة إليه، وآكل ثمنها، وشاربها، وساقيها".

(سنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، بابٌ: لعنت الخمر على عشرة أوجه: ص: ۲۴۲، قديمي)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: أوصاني خليلي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر". (سنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، بابٌ: لعنت الخمر على عشرة أوجه: ص: ۲۴۱، قديمي)

(۲) "عن انس رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضرب في الخمر بالجريد والنعال. وجَلَدَ أبو بكر أربعين". (مشكوة المصابيح، كتاب الحدود، باب حد الخمر، ص: ۳۱۵، قديمي)

"عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان يؤتي بالشارب على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإمرة أبي بكر و صدراً من خلافة عمر، فنقوم عليه بأيدينا و نعالنا وأرديتنا، حتى كان اخر إمرة عمر رضي الله تعالىٰ عنه فجلد أربعين، حتى إذا عتوا وفسقوا، جلد ثمانين". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(وصحيح البخاري، كتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال: ۱۰۰۲/۲، قديمي)

(۳) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التدوى والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء اخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر =

غلطی سے بلا اجازتِ شرع پی لی ہو تو غسل و وضو کر کے دو رکعت نمازِ توبہ پڑھ کر دل سے نادم ہو کر خدائے پاک کے سامنے اپنی غلطی اور گناہ کا اقرار کرتے ہوئے سچی توبہ کی جائے اور پختہ عہد کیا جائے کہ زندگی بھر آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا(۱)، بار بار توبہ واستغفار کرتا رہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فی التداوی والمعالجات: ۱۱۶/۲، غفاریه کوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيد على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوى بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وانظر أيضاً خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۱) "ومنه صلاة الاستغفار لمعصيةٍ وقعت منه، لما عن ى عن أبى بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مامن عبد يذنب ذنباً فيتوضأ ويحسن الوضوء، ثم يصلى ركعتين، فيستغفر الله، إلا غفر له". (حاشية الطحطاوى، قبيل فصل فى صلاة النفل جالساً، ص: ۴۰۱،قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الحاجة: ۲۸/۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۰/۲، رشيديه)

"وقال الإمام النووىؒ: التوبة مااستجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً". (روح المعانى، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا في شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمى)

(وكذا في شرح الفقة الأكبر للملا على القارى، بحث في التوبة وشرائطها، وفيها أبحاث جليلة، ص: ۳۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفر عنكم سيأتكم ويدخلكم جنٰت تجرى من تحتها الأنهر﴾ (سورة التحريم: ۸) .... =

شراب کیا چیز ہے؟

سوال[۸۸۶۲]: ا.....شراب کی کیا تعریف ہے؟

زخم کے لئے اسپرٹ کا استعمال

سوال[۸۸۶۳]: ۲.....کیا اسپرٹ- جو زخموں پر استعمال کی جاتی ہے-شراب ہے اور اس کا استعمال زخموں پر نا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ا.....عربی لغت میں ہر بہنے والی اور پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور اصطلاحِ فقہ میں ہر نشہ آور کو شراب کہتے ہیں(ا)۔چار قسم کی شراب حرام ہے: خمر(طلاء)، سکر، نقیع، زبیب(۲)۔

= "وعبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۱) "الشراب: ما شُرِب من أيّ نوع كان، و على أيّ حال كان". (لسان العرب، حرف الباء: ۴۸۸/۱، دار صادر بيروت)

(وكذا في القاموس الفقهي، حرف الشين: ص: ۱۹۲، إدارة القرآن كراچي)

"الشراب لغةً: كل مائع يشرب، واصطلاحاً ما يسكر". (الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأشربة: ۳۹۹/۸، رشيديه)

(ومجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأشربة: ۲۴۴/۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) "الشراب ما يسكر، والمحرم منها أربعة: الخمر وهي النيء من ماء العنب إذا غلا واشتد .... والطلاء......... والسكر......... ونقيع الزبيب". (البحرالرائق، كتاب الأشربة: ۴۰۰/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأشربة: ۲۴۴/۴، غفاريه)

۲......شراب اور اسپرٹ کے احکام کی تفصیل: طبی جوہر، ضمیمہ ثانیہ، حصہ نہم، اختری بہشتی زیور میں دیکھئے، وہاں نہایت بسط وتفصیل سے اس کو بیان کیا ہے، تاہم اگر کوئی مجمل ہو تو اس کو دریافت کر لیجئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

لیکن ان چار کے علاوہ بھی جتنی شرابیں نشہ لانے والی ہیں سب حرام ہیں، فتویٰ اسی پر ہے، بلاشدتِ مجبوری دوا میں بھی استعمال جائز نہیں (۲)۔ سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

بیمار کے لئے حرام گوشت، چربی، بال کا استعمال

سوال [۸۸۶۴]: ۱......زید بیمار ہے، اکثر ڈاکٹر وحکماء نے بتایا ہے کہ سور کا گوشت وتاڑی کو استعمال کرو۔ کیا گوشت سور وتاڑی کا استعمال کرنے سے شریعت روکتی ہے یا نہیں؟ نیز لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزی دواؤں میں شراب کا جزو ہوتا ہے، اس کو استعمال کرنا چاہیے یا نہیں؟

۲......تاڑی کی مشین میں بسکٹ وتال وغیرہ بنائے جاتے ہیں، نیز ولائتی بسکٹ میں احتمال ہے کہ سور وغیرہ کی چربی ملی ہوتی ہے۔ نیز وہ چیزیں جو ولایت سے کھانے کی تیار ہو کر آتی ہیں، نہ معلوم اس میں کیا چیزیں

---

(۱) "اسپرٹ اشربۂ اربعہ میں سے نہیں ہے، پس ایسی اسپرٹ کا شیخین کے نزدیک استعمال جائز ہے، لیکن فتویٰ امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے تاکہ عوام کی جرأت نہ بڑھ جاوے۔ تو چونکہ یہ فتویٰ سدِ باب فتنہ کے لئے ہے، اس لئے مبتلا کو گنجائش استعمال کی ہے"۔ (بہشتی زیور، طبی جوہر، حصہ نہم، ص: ۶۵۷، دارالاشاعت کراچی)

نوٹ: بہشتی زیور کے حاشیہ میں محشی نے طویل حاشیہ لکھا ہے اس کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۲) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومعاذ بن جبل قال لهما: "يسّرا ولا تعسّرا، وبشرا ولاتنفرّا وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل، يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۲/۹۰۴، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر حرام: ۲/۱۶۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ۲/۱۶۲، سعيد)

ہوتی ہے۔ایسی چیزوں کا کھانا جائز ہے یانہیں؟ ولایتی کمبل میں بھی لوگ کہتے ہیں کہ سور، یا کتے کا رَواں ملا ہوتا ہے(۱)۔جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر حاذق، دیندار، مسلم طبیب یاڈاکٹر تجویز کردے کہ بغیر سور کے گوشت کے شفاء ممکن نہیں اور کوئی دوسری حلال چیز اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتی تو اس کا استعمال درست ہے۔اور تاڑی میں اگر شراب کی طرح نشہ ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اگر اس میں نشہ نہیں تو اس کا استعمال بلاشرط مذکور بھی درست ہے، هكذا في الهندية، ص: ۲۳۶ كتاب الكراهيه۔

انگریزی دواء میں اگر شراب ہونے کا یقین ہے، تو اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)۔اور اگر یقین نہیں، محض شبہ ہے تو احتیاط اولیٰ ہے (۳)، ضرورتِ شدیدہ مثلِ مذکورہ بالا میں اس کا استعمال درست ہے (۴)۔

۲......اگر نشہ آور تاڑی - جو کہ حرام ہے- اس میں ڈالی گئی ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے (۵)۔اور

---

(۱) "رواں: رونگٹھا، جسم کے باریک بال"۔(فیروز اللغات، ص: ۷۲۴، فیروز سنز لاهور)

(۲) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيبٌ مسلمٌ أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح مايقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب في التداوي والعلاج، ص: ۷۶، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۳) "عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت لحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما: ماحفظت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: حفظت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالايريبك". (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، بابٌ: ۷۸/۲، سعيد)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، مسند الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما: ۳۲۹/۱، (رقم الحديث: ۱۷۲۵)، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۴) (راجع رقم الحاشيه : ۱)

(۵) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

دوسری اشیاء میں بھی اگر کسی ناجائز چربی وغیرہ ڈالا جانا یقینی ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے(۱)۔ اگر نہ ڈالا جانا

= وسلم ومعاذ بن جبل، قال لهما: "يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يا رسول الله! إنا بأرض يُصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسّروا ولاتعسروا": ۹۰۳/۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأشربه، باب بيان أن كل مسكر حرام: ۱٦٧/۲، قديمي)

(واسنن أبي داؤد، كتاب الأشربه، باب ماجاء في السكر: ۱٦۲/۲، إمداديه ملتان)

(۱) "**سوال**: جن بسکٹوں نان پاؤ میں تاڑی کا خمیر ہو، ان کا کھانا کیسا ہے؟ کلکتہ کے علماء نے اس کے حلت کا فتویٰ دیا ہے"؟

جواب: مفتی بہ مذہب کے مطابق جو اشیاء اور اشربہ سیالہ مسکر ہیں سب نجس ہیں اور ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، اگرچہ نشہ بھی نہ پیدا کرے، کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ماأسكر كثيره، فقليله حرام" جس کا کثیر مسکر ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ اور شیخ الاسلام بدرالدین محمود عینی رحمہ اللہ رمزالحقائق شرح کنزالدقائق میں لکھتے ہیں:

قال محمد والأئمة الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ: كل ماأسكر كثيره فقليله حرام من أيّ نوعٍ كان، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام". رواه مسلم".

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ماأسكر كثيره فقليله حرام". رواه أحمد وابن ماجة والدار قطني وصححه، والفتوى على قول محمد رحمه الله".

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا کثیر مسکر ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے جس قسم سے ہو، حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا ہے: "ہر مسکر خمر ہے اور ہر مسکر حرام ہے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس کا کثیر مسکر ہو، اس کا قلیل بھی حرام ہے"۔ اسے احمد اور ابن ماجہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ....=

....

"قال محمد رحمه الله تعالیٰ: ماأسکر کثیره فقلیله حرام، قالوا: وبقول محمد نأخذ، ومذهب محمدؒ أنه حرام ونجس".

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جس کا بہت نشہ لائے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے اور فقہاء نے کہا ہے کہ ہم امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور ان کا مذہب یہ ہے کہ ایسی چیز حرام اور نجس ہے۔ اور سراج منیر میں ہے:

"جملة أنواع النجاسات خمسة وعشرون: الخمر وما عداه من الأشربة المحرمة".

نجاست کی پچیس قسمیں ہیں: اول شراب اور اس کے علاوہ پینے کی دوسری حرام چیزیں۔ اور شرح جامع صغیر حسامی میں ہے:

"هل هی: أی الأشربة وراء الخمر مثل الخمر فی النجاسة؟ عن أصحابنا فیه روایتان، فی إحدی الروایتین: نجاسة غلیظة تمنع إذا زاد علی قدر الدرهم، وفی روایة أخری: خفیفة مقدرة بالکثیر الفاحش".

پینے کی دوسری نشہ آور چیزوں میں شراب کے مثل نجاست ہونے میں ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ نجاست غلیظہ ہیں کہ جب ایک درہم سے زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں، اور دوسری یہ کہ نجاست خفیفہ ہیں جب بہت زائد ہوں تو مانع طہارت ہیں۔

جب ان عبارتوں سے حرمت اور نجاست تاڑی کی ثابت ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ بسکٹ اور نان پاؤ وغیرہ جس کے خمیر میں تاڑی مخلوط ہو، اس کا کھانا خمیر خمر کی طرح ناجائز ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"بخلاف الدقیق إذا عجن بالخمر وخبز، فإنه یکون نجساً ولا تطهر"

برخلاف آٹے کے جب کہ شراب سے گوندھا جائے اور پکایا جائے، کیونکہ وہ نجس ہوگا طاہر نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "إذا عجن الدقیق بالخمر لایؤکل".

جب آٹا شراب سے گوندھا جائے تو اسے کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب خمر اور تاڑی دونوں نجس ہیں تو ان کے خلط سے وہ مخلوط بھی نجس اور اس کا کھانا حرام ہوگا اور سرکہ تاڑی یا شراب پر اس کا قیاس کرنا اس لئے باطل ہے کہ سرکہ میں حقیقت بدل جاتی ہے، لہٰذا حلت اور طہارت کا حکم دیا جاتا ہے، بخلاف شراب اور تاڑی کے خمیر کے کہ ان میں حقیقت نہیں بدلتی، بلکہ مخلوط ہونے اور پکنے کی وجہ سے پورا التصاق اور اتصال ہو جاتا ہے"۔ (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، حکم اس بسکٹ ونان پاؤ کا جس میں تاڑی کا خمیر ہو: ۲/ ۲۳۲، سعید)

یقینی ہے تو اس کا استعمال جائز ہے اور محض شبہ کی وجہ سے ناجائز کا حکم نہیں لگایا جاسکتا(۱)، البتہ احتیاط بہتر ہے:

"دع مایریبك إلی مالایریبك"(۲)۔

کمبل اور دوسری کپڑوں میں بھی اگر ناپاکی یقینی ہے تو بغیر باقاعدہ پاک کئے ان سے نماز درست نہیں، اگر یقینی نہیں بلکہ شبہ ہے تو احتیاط کے خلاف ہے(۳)۔ اگر رواں سور کا یقیناً ہے تو وہ ناپاک ہے، کسی طرح پاک نہیں ہوسکتا(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

گدھی کا دودھ علاج کے لئے

سوال[۸۸۶۵]: زید عرصہ سے بیمار ہے، اب ایک ہندو ڈاکٹر کے زیر علاج ہے، ڈاکٹر نے کہا ہے

---

(۱) "الیقین لایزول بالشک .... ومعنی هذه القاعدة أن ماکان ثابتاً ومتیقناً فی الأصل لایزول بالشک؛ لأن ماثبت بیقین لایزول إلابیقین". (شرح المجلة (رقم المادة: ۴)، ۲۰، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ففی مسئلة أن الإباحة أصل فی الأشیاء: ﴿هو الذی خلق لکم مافی الأرض جمیعاً﴾ (التفسیرات الأحمدیة، سورة البقرة، ص: ۱۰، حقانیه پشاور)

"الأصل فی الأشیاء الإباحة". (قواعد الفقه، ص: ۵۹، الصدف پبلشرز لاهور)

(۲) (جامع الترمذی، أبواب صفة القیامة، باب: ۲/۷۸، سعید)

(۳) "ثیاب الفسقة وأهل الذمة طاهرةٌ، ودیباج أهل فارس نجسٌ". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "تکره الصلاة فی ثیاب الفسقة؛ لأنهم لایتقون الخمور. قال صاحب الهدایة: الأصح أنه لایکره؛ لأنه لم یکره من ثیاب أهل الذمة إلاالسراویل مع استحلالهم الخمر، فهذا أولی. (قوله لجعلهم فیه البول) إن کان کذلک، لاشک أنه نجس". (ردالمحتار، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء: ۱/۳۵۰، سعید)

"والصلاة فی سراویلهم نظیر الأکل والشرب من أوانیهم، إن علم أن سراویلهم نجسة، لاتجوز الصلاة فیها. وإن لم یعلم، تکره الصلاة فیها. ولوصلی، یجوز". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة: ۵/۳۴۶، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة. ۴/ ۳۴۶، رشیدیه)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر﴾ (سورة المائدة : ۳)

کہ جب تک دوا کے ساتھ گدھی کا دودھ نہ پیوگے قطعی آرام نہ ہوگا۔ اب اس بیمار کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیندار تجربہ کار معالج تجویز کرے کہ یہی علاج ہے، اور کوئی علاج نافع نہیں تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بطور علاج عورت کا دودھ استعمال کرنا

سوال[۸۸۲۶]: کسی تکلیف کے باعث شوہر کو اپنی بیوی کا دودھ خالص یا کسی اَور نسخہ کے ساتھ حلق اور آنکھ وغیرہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں، اپنی عورت کا ہو یا کسی اَور عورت کا ہو، سب کا ناجائز ہے(۲)، لیکن اس سے حرمتِ

---

(۱) "يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفائه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

"الاستشفاء بالمحرم إنما لا يجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه كوئٹه)

"ويقدم الميتة على الصيد، والصيدُ على مال الغير ولحم الإنسان، قيل: والخنزير".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۵۶۲/۲، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(۲) "ولم يبح الإرضاع بعد مدته؛ لأنه جزء الآدمي والانتفاع به بغير ضرورة حرام على الصحيح".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرضاع: ۲۲۵/۳، سعيد) .... =

رضاعت ثابت نہیں ہوگی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

دوا کے لئے بچھو کو جلانا

سوال[۸۸۶۷]: زندہ بچھو کو اسپرٹ میں ڈال کر دوا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اسپرٹ میں ڈالنے سے بچھوؤں کو زیادہ تکلیف ہوگی جان دیر سے نکلے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچھو کو بھی بلا وجہ زیادہ تکلیف نہ دی جائے، مار کر اسپرٹ میں ڈال دیا جائے، پھر دوا بنالی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/۴/۹۰ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الرضاع: ۱۰۱/۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الرضاع: ۴۱۷/۱، رشيديه)

(۱) "وأما الذي يوجب حرمة المصاهرة، فهو أربعة أمور: أحدها: العقد الصحيح. ثانيها: الوطء سواء كان بعقد صحيح أو فاسد أو زنا. ثالثها: المس. رابعها: نظر الرجل إلى داخل فرج المرأة، ونظر المرأة إلى ذكر الرجل، الخ". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، مبحث فيما تثبت به حرمة المصاهرة: ۵۸/۴، دارالفكر بيروت)

(وانظر أيضاً الفقه النافع، كتاب النكاح، (رقم القاعدة: ۲۵۹): ۲/۲-۵، بيروت)

"مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الجواب: "شوہر کا خون بیوی کے بدن میں یا بیوی کا خون شوہر کے بدن داخل کرنے سے نکاح پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح بدستور قائم رہتا ہے، کیونکہ شریعت اسلام نے محرمیت کو نسب، مصاہرت، رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں اور رضاعت سے ثبوت محرمیت بھی مدت رضاعت کے ساتھ خاص ہے، مدت رضاعت یعنی اڑھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، کما ھو مصرح ومفصل فی عامۃ کتب الفقہ"۔ (انسانی اعضاء کی پیوندکاری، شوہر کا خون بیوی کے بدن میں، ص:۲۸، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "عن محمد بن حمزة الأسلمي عن أبيه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أمره على سرية =

کیکڑا اور کچھوا دوا کے طور پر کھانا

سوال[۸۸۶۸]: کیکڑے کو جلا کر شہد میں ملا کر استعمال کرنا پرانی کھانسی اور دمہ میں بہت مفید بتلاتے ہیں، نیز ایسے ہی کچھوے کو پکا کر اسی مرض میں کھانے کو بہت مفید بتلاتے ہیں۔ تو کیا کیکڑا اور کچھوا حلال ہیں، یا حلال نہ ہوں تو ان کا استعمال اس طرح پر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے جانوروں میں احناف کے نزدیک مچھلی کے علاوہ کوئی اَور جانور درست نہیں، کیکڑا اور کچھوا بھی درست نہیں، لیکن کیکڑا کو مار کر اگر جلا دیا جائے تو قلبِ ماہیت ہو کر اس کا حکم بدل جائے گا، اس کا کھانا ممنوع نہیں ہوگا۔ کچھوا کھانا بھی درست نہیں، لیکن اگر دیندار تجربہ کار ماہر معالج تجویز کردے کہ شفا اسی میں منحصر ہے تو اس کا کھانا درست ہوگا:

"لایحل التداوی به: (أی بلبن المرأة) فی العین الرمداء، وفیه قولان: قیل بالمنع، وقیل بالجواز إذا علم فیه الشفاء، کما فی الفتح هنا"۔

وقال بعدها: إن أهل الطب یثبتون نفعاً للبن البنت للعین، وهی من أفراد مسئلة الانتفاع بالمحرم للتداوی کالخمر. واختار فی النهایة والخانیة الجواز إذا علم فیه الشفاء، ولم یجد دواءً غیره، بحر". شامی: ۱۱۳/۴(۱)۔

= قال: فخرجت فیها، وقال: "إن وجدتم فلاناً فأحرقوه بالنار". فولیتُ فنادانی فرجعت إلیه، فقال: "إن وجدتم فلاناً، فاقتلوه ولا تحرقوه، فإنه لایعذب بالنار إلا رب النار". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب کراهیة حرق العدو بالنار: ۲/۶، سعید)

"وفی المبتغی: یکره إحراق جراد وقمل وعقرب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، مسائل شتی: ۷۵۲/۶، سعید)

(وابن ماجة، کتاب الجهاد، باب التحریق بأرض العدو، ص: ۲۰۴، قدیمی)

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت للرمد قولان: ۷۱/۵، سعید)

"وهل يجوز شرب العليل من الخمر للتداوي؟ فيه وجهان، كذا ذكره الإمام التمرتاشي، وكذا في الذخيرة، وماقيل: إن الاستشفاء بالحرام حرام غير مجرى على إطلاقه، وأن الاسشفاء بالحرام إنما لايجوز إذالم يعلم أن فيه شفاءً، أما إن علم وليس له دواء غيره، يجوز، اه". شامي: ٤/٢١٥(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲۵ھ۔

ناپاک شہد کا خارجی استعمال

سوال[۸۸۲۹]: کیا ناپاک شہد کو لیپ وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے(۲) اوراس کا طریقہ استعمال کیا ہو، یا اس کو پھینک دیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

ناپاک شدہ شہد بغیر پاک کئے کسی لیپ وغیرہ میں استعمال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، مگر نماز کے لئے اس لیپ کی جگہ کو پاک کرلیا جائے۔ داخلی استعمال ناپاک شہد کا بغیر پاک کئے درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب في التداوي بالمحرم: ٢٢٨/٥، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ٣٥٥/٥، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ١١٦/٦، غفاريه)

(٢) "لیپ: ضماد، پلستر، لپائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ١١٧٤، فیروز سنز، لاهور)

(٣) "(قوله: ويطهر لبن وعسل، الخ) لو تنجس العسل، فتطهيره أن يصب فيه ماء بقدره، فيغلى حتى يعود إلى مكانه .... هكذا ثلاث مرات، الخ". (رد المحتار: ٣٣٤/١، كتاب الطهارة، مطلب في تطهير الدهن والعسل، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ٤٢/١، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، رشيديه) =

معجونِ جند بیدستر یا، ماہی رو بیاں و بیر بھوٹی وغیرہ کا حکم

سوال[۸۸۷۰]: وہ معجون جس میں جند بیدستر، یا ماہی روبیاں، یا خراطین، یا بیر بھوٹی پڑی ہو، اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مع عبارتِ کتب حوالہ تحریر فرمائیں تا کہ ان کی طرف رجوع میں آسانی ہو۔ بہشتی زیور حصہ دہم، ص: ۱۳۰ مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس میں ایک نسخہ لکھا ہوا ہے جس میں جند بیدستر و ماہی روبیاں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے(۱)، مگر شبہ یہ ہے کہ جند بیدستر وخراطین اکلاً حرام ہیں اور جیسے معجون وغیرہ میں ملایا جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ لہذا مفصل بحوالۂ کتب، عبارت کتب کو واضح فرما کر ماجور ہوں۔ فقط۔

راقم: محمد ابراہیم غفرلہ، بڑی مسجد پانچ پٹی کالوپور، احمد آباد، گجرات، ۱۴/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہشتی زیور، حصہ یازدہم، عرف بہشتی گوہر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ص: ۱۴۹، میں یہ نسخہ لکھا ہے(۲)، مگر اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ: ”جند بیدستر کا کھانا جائز نہیں، بجائے اس کے کچلہ مدبر اور کشتۂ فولاد چار چار رتی ڈالیں“۔

اور جند بیدستر کی تحقیق دیکھنی ہو تو مخزن الادویہ، ص: ۳۱۴ میں دیکھئے، لکھا ہے:

”هیئتِ آن خصیۂ حیوانست، آبی مزدوج یعنی دوعدد مفصل بهیئة کیس بیضتین، الخ“(۳).

ایسی حالت میں اس کا کھانا جائز نہیں، البتہ اگر استحالہ ہو جائے جیسا کہ تحفہ حکیم محمد مؤمن سے نقل کیا ہے(۴) تو پھر اس کی ماہیت بدل جانے کی وجہ سے کھانا درست ہے۔

=(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۷۳، كتاب الطهارة، فصل في الآسار، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) (بهشتی زيور، حصہ یازدہم (اصلی بہشتی گوہر) عنوان: ”ضعف باہ کیلئے چند دواؤں اور غذاؤں کا بیان“، ص: ۸۳۸ دارالإشاعت کراچی)

(۲) (بهشتی زیور، المصدر السابق)

(۳) لم أظفر على هذالكتاب

(۴) لم أظفر على هذالكتاب

حیات الحیوان الکبریٰ مصری: ۱/۳۱۵ میں لکھا ہے:

"الجند بادستر حيوان كهيئة الكلب ليس كلكب كلب الماء، ويسمىٰ القندر، وسيأتى في باب القاف. ولايوجد إلابلاد القفجان ومايليها، ويسمىٰ السمود أيضاً، وهو على هيئة الثعلب أحمر اللون، ليس له يدان، وله رجلان وذنب طويل ورأس كرأس الإنسان ووّجه مدوّر، وهو يمشى متكفياً على صدره كأنه يمشى على أربع، وله أربع خصيات: اثنتان ظاهرتان، واثنتان باطنان.

ومن شأنه أنه إذا رأى الصيادين لأخذ الجند بادستر -وهوالموجود فى خصيتيه البارزتين- هرب، فإذا جدّوا فى طلبه قطعهما بفيه ورمىٰ بهما إليهم، إذ لاحاجة لهم إلابهما، فإذا لم يبصرهما الصيادون وداموا فى طلبه، استلقىٰ على ظهره حتى يريهم الدم، فيعلمون أنه قطعهما فينصرفون عنه. وهو إذا قطع الظاهرتين أبرز الباطنتين عوضاً عنهما، وفى باطن الخصية شبه الدم أو العسل كريهة الرائحة سريع التفرك إذاجف، الخ"(۱)۔

وقال فى باب القاف: "(قندر) قال القزوينى: هو حيوان برّيٌّ بحرى يكون فى الأنهار العظام يتخذى فى البر إلى جانب البحر بيتاً له بابان، ويأكل لحم السمك وخصيته، تسمىٰ الجندبادستر، الخ". حيات الحيوان: ۲/۲٦٤(۲)۔

ماہی رو بیان کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاویٰ کے تتمہ ثالثہ،ص: ۵۰،مطبوعہ مطبع قیومی کانپور میں لکھا ہے کہ: "درمختار وغیرہ میں تمام انواع السمک کو حلال کہا ہے اور سمك ہونا یہ عدول مبصرین کے اخبار پر ہے"(۳)۔اور جھینگا مچھلی کو حیاۃ الحیوان میں "سمك" لکھا ہے، حیاۃ الحیوان کی عبارت یہ ہے:

"الروبيان هو سمك صغير جداً أحمر". حيات الحيوان: ۲/۳۷۱(٤)۔

---

(۱) (حيات الحيوان الكبرى، باب الجيم، الجند بادستر: ۱/۳۰۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (حيات الحيوان الكبرى، باب القاف، قندر: ۲/۳۵۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) (إمداد الفتاوىٰ، کھانے پینے کی حلال وحرام،مکروہ ومباح چیزوں کا بیان،ماہی رو بیان کا حکم: ۴/۱۰۴، دارالعلوم کراچی)

(۴) (حيات الحيوان الكبرى باب الراء المهمله، الروبيات: ۱/۵۱۴، دارالكتب العلميه بيروت)

"روبیان بضم الراء وسکون با موحدة وفتح یاء مثناة تحتانیه وألف ونون، وإربیان نیز آمده. وبفارسی "ماهی روبیان وماهی ریگ". وبهندی "جهینگا مچهلی" نامند. ماهیتِ آن حیوانیست آبی وحلال بادست وپاء بلند وغلاف جثه آن، اهـ". مخزن ادویه، ص: ۴۵۶(۱).

پس اگر وہ مچھلی ہے تو حلال ہے ویسے کھانا بھی اور دوا میں ڈال کر کھانا بھی۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مچھلی نہیں، بلکہ مچھلی کے علاوہ کوئی دوسرا دریائی جانور ہے تو اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک دریائی جانور سوائے مچھلی کے کوئی جائز نہیں، کما فی ردالمحتار: ۵/۴۰۸(۲)۔

''خراطین'' ایک کیڑا ہے جس کو اردو میں ''کچوا'' کہتے ہیں، اس کی تحقیق غیاث اللغات، ص: ۲۸۴ (۳)، مخزن الأدویه، ص: ۳۸۱، میں ہے(۴)۔ عربی میں اس کو "شحمة الأرض" کہتے ہیں، کذافی حیات الحیوان: ۲/۵۱، جلد اول، ص: ۲۹ (۵)۔

''بیر بھوٹی'' حشرات الارض میں سے ہے، اس کا کھانا بھی جائز نہیں:

---

(۱) لم أظفر علی هذاالکتاب

(۲) "هو أن لایکون من بنات الماء إلا السمک". (ردالمحتار، کتاب الصید: ۶/۴۶۲، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل ومالایحل: ۸/۳۱۴، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمنتقی مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۴/۱۶۲، غفاریه)

(۳) "خراطین: معرب خراتین، دراز که درزمینِ نمناک میباشد، مرکب ازخره بمعنی گل است، واتین بمعنی پیداشده". (غیاث اللغات، باب خائے معجمه، ص: ۱۸۹، سعید)

(۴) لم أظفر علیه

(۵) "شحمة الأرض دویبة إذا مسته الإنسان، تجمعت وصارت مثل الخرزة. وقال القزوینی فی الأشکال: إن شحمة الأرض تسمی بالخراطی وهی دودة طویلة حمراء توجد فی المواضع الندیة. وقال الزمخشری فی ربیع الأبرار: إنها دویبة منقطة بحمرة کانها سمکة بیضاء یشبه بها کف المرأة. وقال هرمس: إنها دابة صغیرة طیبة الریح لاتحرقها النار، وتدخل فی النار من جانب، وتخرج من جانب".
(حیات الحیوان الکبری، باب الشین المعجمعة، شحمة الأرض: ۲/۷۰، دارالکتب العلمیه بیروت)

"هو (الصيد) مباح بخمسة عشر شرطاً". درمختار۔ قال الشامي: "وخمسة في الصيد: أن لايكون من الحشرات، وأن لايكون من بنات الماء إلا السمك". ردالمحتار: ٥/٤٠٨(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم۔

بکری کے پتہ میں سرمہ لگانا

سوال[۸۸۷۱]: بکری کے پتے(۲) میں دوائیں ملاکر بطورِ عرق کے آنکھ میں ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جوصورت ہو لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بکری کا پتہ کھانا تو نا جائز ہے(۳)، لیکن سرمہ وغیرہ میں ملاکر آنکھ میں لگانے کی گنجائش ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۱ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الصيد: ٦/٤٦٢، سعيد)

(۲) "پتا: جگر کے نیچے ایک چھوٹی تھیلی جس میں پت جمع رہتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۷۴، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "ويكره من الشاة الحيا والخصية والمثانة والذكر والغدة والمرارة والدم المسفوح". (ملتقى الأبحر، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتّى: ٤/٤٨٩، غفاريه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٧/٤٦٤، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٦/٧٤٩، سعيد)

(٤) "لايكون نجساً رماد قذر .... ولا ملح كان حماراً أو خنزيراً، ولا قذر وقع في بئر، فصار حمأة؛ لانقلاب العين، به يفتى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣٢٧، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ١٦١، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٦٧، دارإحياء التراث العربي بيروت)

علاج کیلئے استمناء بالید

سوال[۸۸۷۲]: زید کی اولاد نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کو اپنی منی ٹیسٹ کروانا ہے اور اس کی جانچ استمنا بالید کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ تو کیا ایسی صورت میں استمنا بالید جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جانچ کے ذریعہ یہ معلوم ہوجائے کہ اولاد نہیں ہوگی تو کیا اس کی اطلاع بیوی کو دینا واجب ہے یا نہیں، جبکہ اطلاع کی صورت میں طلاق کے مطالبہ کا ڈر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

علاج کے دوسرے طریقے بھی ہیں، تاہم اگر بغیر اس طریقے علاج نہ ہوسکے تو گنجائش ہے(۱)۔ پھر بیوی کو مطلع کرنا ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۰ھ۔

طاعون وچیچک سے حفاظت کے انجکشن

سوال[۸۸۷۳]: کسی علاقہ میں اگر طاعون پھیلا ہوا ہو، یا چیچک کا مرض پھیلا ہوا ہو تو اس حالت میں انجکشن لگانا کیسا ہے؟

---

(۱) "الاستمناء، وهو استفعال من المنيّ. وأحمد بن حنبل على ورعه يجوّزه، ويحتج بأنه إخراج فضلة من البدن، فجاز عند الحاجة، أصله الفص والحجامة، وعامة العلماء على تحريمه". (الجامع لأحكام القرآن، (سورة المؤمنون:۷): ۱۲/ ۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"الاستشفاء بالحرام إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إن علم وليس له دواء غيره، يجوز". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب في التداوى بالمحرم: ۵/ ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوى والمعالجات: ۱۱۶/۶، غفاريه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوى والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحفظ کے لئے علاج کے طور پر جیسے اَور جائز تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، یہ بھی جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۱۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إن الله أنزل الداء والدواء، فتداووا". (سنن أبی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدویة المکروهة: ۱۸۴/۲، إمدادیه ملتان)

"وفی الأحادیث الصحیحه الأمربالتداوی، وأنه لاینافی التوکل کما لا یُنَافِیه دفع داء الجوع والعطش والحر والبرد بأضدادها، بل لاتتم حقیقة التوحید إلابمباشرة الأسباب التی نصبها الله مقتضیات لمسبباتها قدراًوشرعاً". (زادالمعاد فی هدی خیر العباد، فصل: لکل داء دواء، ص: ۷۲۵، دارالفکر بیروت)

"الاشتغال بالتداوی لابأس به إذا اعتقد أن الشافی هوالله تعالیٰ، وأنه جعل الدواء سبباً، أما إذا اعتقد أن الشافی هوالدواء، فلا". (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الکراهية، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات: ۳۵۴/۵، رشیدیه)

(وکذا فی السراجیة، کتاب الکراهیة، فصل فی التداوی والعلاج، ص: ۷۵، سعید)

الفصل الرابع فی المتفرقات

مشرک ڈاکٹر سے علاج کرانا

سوال [۸۸۷۴]: ایک مشرک ڈاکٹر، یاوید(۱) روزانہ علی الصبح اٹھ کر اپنے معبود بتوں کی پرستش کر کے ان سے اپنے پاس آنے والے مریضوں کی شفاء کے لئے مدد مانگے، ایسے مشرک ڈاکٹر، یاوید سے مسلم اور غیر مسلم دونوں علاج کراتے ہیں اور اس سے شفاء پاتے ہیں۔

اب بات یہ ہے کہ مذہبِ اسلام میں غیر مذہب سنت سادھو، پنڈت، وید، یاڈاکٹر کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو، مگر اس سے ایک ادنیٰ مسلمان ہزاروں درجہ بہتر ہے۔تو کیا مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ ایسے ہندوڈاکٹر یا ویدوغیرہ سے علاج کرائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ ڈاکٹری اور طب کے ذریعہ علاج کرے تو اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ بزرگی سے اس کا تعلق نہیں، بلکہ فن اور تجربہ سے ہے(۲)۔ہاں! اگر کوئی اس کو غیر اللہ کی پرستش کی وجہ سے بزرگ اور مقبول سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے علاج کراتا ہے تو اس کی اجازت نہیں، یہ خطرناک ہے۔ایمان کی دولت سے جو مجرد ہو، وہ ہرگز اللہ پاک کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوسکتا، خواہ دنیا میں کتنا ہی مالدار اور تجربہ کار ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) "وید: ہندی طریقے پر علاج کرنے والا طبیب"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۴۱۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) "فيه إشارة إلى أن المريض يجوزله أن يستطبّ بالكافر فيما عدا إبطال العبادة" (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحه لعدم الصوم: ۴۲۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۴۹۳/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲۸/۲، إمداديه ملتان)

نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۷ھ۔

غیر مسلم سے جڑی بوٹی کی تحقیق

سوال [۸۸۷۵]: ایک جگہ ایک مسلم کے بچے کو کسی ایک اجنبی آدمی نے جڑی بوٹی بتائی کہ تم یہ بوٹی ہر مرض والے کو دوگے تو شفاء ہوگی۔ اس صورت میں ایک صوفی صاحب اس بچے کی خدمت میں پہونچ کر تحقیق کرکے واپس آئے ہیں، جڑی اس بچے سے نہیں لیا، طبیعت کے خلاف پایا۔ اس صورت میں کوئی گناہ صادر ہوگا یا ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم سے جڑی بوٹی دریافت کرنے سے ایمان میں خلل نہیں آتا، بلکہ علاج کرانے سے بھی خلل نہیں آتا، اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو معلومات وتجربات کی چیز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟

سوال [۸۸۷۶]: حاملہ عورت کے ساتھ کتنی مدت تک صحبت کر سکتے ہیں؟ اور صحبت سے رکنا آیا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ العزة ولرسوله وللمؤمنین﴾ (سورة المنافقون: ۸)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ: "أی وللہ تعالیٰ الغلبة والقوة ولمن أعزه اللہ تعالیٰ من رسوله صلی اللہ علیه وسلم والمؤمنین لاالغیر". (روح المعانی: ۱۱۶/۲۸، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وكذا فی تفسیر ابن كثیر، سورة المنافقون: ۳۷۱/۴، سهیل اكیڈمی لاهور)

(۲) (تقدم تخریجهٗ تحت عنوان: "مشرک ڈاکٹر سے علاج کرانا")

الجواب حامداًومصلیاً:

صحبت سے رکنے کا حکم حمل کی حفاظت کی خاطر ہے، جب اس کو نقصان دے تو رک جائے، اور یہ بات طبیب سے دریافت کرنے کی ہے کہ کب نقصان دہ ہے اور کب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

طبیب کا عضو تناسل دیکھنا

سوال [۸۸۷۷]: ایک حکیم ضعف باہ کے لئے جب مریض کو دیکھتا ہے تو عضو تناسل کو بھی دیکھتا ہے، کیونکہ اس سے تشخیص میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کو ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بغیر دیکھے علاج نہیں ہوسکتا تو مجبوراً گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۲۷ھ۔

چند نسخے یاد کرکے علاج کرنا

سوال [۸۸۷۸]: ایک شخص نے صرف چند مہینے کسی حکیم سے حکمت کا کام سیکھا اور کچھ نسخے بھی یاد کرلئے، گاہ بگاہ اس کو سبق بھی پڑھایا اور کچھ مفید نکتے بھی بتلائے اور علاج کرنے کی اجازت بھی دیدی۔ تو کیا اس کو علاج کرنا جائز ہوگا؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کا مطب کرنا جائز نہیں (۳)۔

---

(۱) حکیم الامت مجدد الملت اشرف علی تھانوی صاحب ؒ لکھتے ہیں: ''(حاملہ عورت) میاں کے پاس نہ جائے، خاص کر چوتھے مہینے سے پہلے اور ساتویں کے بعد زیادہ نقصان ہے''۔ (بہشتی زیور، حصہ نہم، حمل کی تدبیروں اور احتیاطوں کا بیان، ص: ۶۲۰، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "ويحرم النظر إلى العورة إلا عند الضرورة كالطبيب". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهيه، فصل في النظر: ۱۹۹/۴، غفاريه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهيه، فصل في النظر واللمس: ۳۸/۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوى السراجية، كتاب الكراهيه، باب النظر واللمس، ص: ۷۳، سعيد)

(۳) لم أجد في بهشتي زيور إلا قوله: ''ان علاجوں کے لکھنے سے یہ مطلب نہیں کہ ہر آدمی حکیم بن جاوے............ =

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کا طبیب ومعالج بن کر ہر مریض کا علاج کرنا درست نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴۰۱ھ۔

بیماری کا جعلی سرٹیفکٹ

سوال[۸۸۷۹]: میں وطن سے تین سومیل دور ہوں، چار ماہ سے گھر نہیں گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ دو چار روز کے لئے گھر چلا جاؤں۔اب مشکل یہ ہے کہ میری چھٹی ختم ہو چکی ہے جو کہ سال میں بارہ روز ملتی ہے۔ صرف سات روز کی چھٹی باقی ہے،اس کے استعمال کے لئے یا تو ایک مہینہ کی پیشگی اطلاع دینی پڑتی ہے، یا ڈاکٹر کا بیمار ہونے کا سرٹیفکیٹ دینا پڑتا ہے جو عام طور پر رشوت دے کر جھوٹا سرٹیفکیٹ ہوتا ہے۔اگر میں عرضی میں صاف صاف یہ لکھ دوں کہ میں بہت دن سے گھر نہیں گیا ہوں اور جا کر آنا چاہتا ہوں تو افسران میری عرضی نامنظور کر دیں گے، حالانکہ میری سات روز کی چھٹی بچ رہی ہے، پھر بھی مجھے جھوٹا سرٹیفکیٹ دے کر اسے استعمال کرنے کی نوبت آرہی ہے۔یہ مسئلہ ہر کس وناکس کو بار بار پیش آتا ہے،اسے کیسے حل کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آدمی کو کچھ نہ کچھ بیماری تو ہوتی ہی ہے، اگر وقتِ ضرورت بیماری کا سرٹیفکیٹ لے لیا جائے تو یہ جھوٹ نہیں ہے،اس کی گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

=لیکن اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آوے، یا مرض اچھی طرح نہ پہچانا جاوے، یا مرض بھاری ہو تو ہرگز دوا خود مت کرو"۔(بہشتی زیور، حصہ نہم، ص: ۵۹۱، دارالإشاعت کراچی)

(۱) "حدثنا عبدالعزیز ابن عمر بن عبدالعزیز، حد ثنی بعض الوفد الذین قدموا علی أبی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أیما طبیب تطبب علی قومٍ لایعرف له تطبب قبل ذلک فاعنت، فهو ضامن".

(سنن أبی داؤد، کتاب الدیات، باب فیمن تطبب ولایعلم منه طب: ۲۸۵/۲، إمدادیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فقال إنی سقیم﴾. الآیة (الصّٰفّٰت: ۸۹)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ تحت هذه الآیة: "اراد أنه سیسقم، ولقد صدّق علیه السلام، فإن کل إنسان لابد أن یسقم، وکفی باعتلال المزاج أول سریان الموت فی البدن سقاماً". =

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (روح المعاني: ۱۰۱/۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"افادت الآية جواز التورية عند الضرورة بالفعل والقول، فإن نظره عليه الصلوة والسلام كانت تورية الفعل بإيهام أنه استدل بحركات الأفلاك والنجوم على حلول مرض عليه، وقوله عليه الصلوة والسلام "إني سقيم" تورية القول، فإنه أراد به مرضاً يعتريه في قابل من الزمان، ولا أقل من الموت فإن الموت لايخلو عن مرض عادةً، وأوهمهم أنه سيمرض الآن، وذلك جائز عند الضرورة إجماعاً. قال شيخنا أشرف المشايخ قدس سره في مسائل السلوك: قوله: ﴿فنظر نظرةً في النجوم، فقال إني سقيم﴾ فيه جواز الحيلة لدفع الشر دينياً كان أو دنيوياً. وهذه التورية هي التي سميت في حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كذبات، فإنها كذبات عند السامع، وليست كذلك في الحقيقة". (أحكام القرآن للتهانوي: ۵/۴، إدارة القرآن كراچي)

باب شرب الدخان واستعمال النورة وغيرها

(تمباکواور چونے وغیرہ کے استعمال کا بیان)

تمباکو

سوال[۸۸۸۰]: تمباکوکھانا کیساہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نشہ آور منع ہے(۱)، بدبودار مکروہ ہے(۲)، دونوں سے خالی ہو جائز ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معاذ بن جبل، قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۹۰۴/۲، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ۱۶۷/۲، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ۱۶۲/۲، امداديه ملتان)

(۲) "ومن أكل ما يتأذى به: أي برائحته كثوم وبصل، ويؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهورله منهما من شربه". (ردالمحتار، كتاب النكاح، قبيل باب الرضاع: ۲۰۸/۳، سعيد)

"هذا تصريح بإباحة الثوم وهو مجمعٌ عليه، لكن يكره لمن أراد حضور المسجد وحضور جمع في غير المسجد .... ويلحق بالثوم كل ما له رائحةٌ كريهةٌ من البصل و الكراث و نحوهما".

(إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

(و كذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوماً أو بصلاً .... عن حضور المسجد: ۲۰۹/۱، قديمي)

(۳) "ففيهم حكم التنباك وهو إباحة على المختار والتوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره =

تمباکو کے اقسام وخواص اور اختلافِ اقوال

سوال[۸۸۸۱]: تمباکو میں کتنے اقوال ہیں، جمہور کا کیا قول ہے، محققین کا کیا مسلک ہے؟ اگر تمباکو بصورتِ حقہ ہو تو کیا حکم ہے اور غیر حقہ کا کیا حکم ہے؟ تمباکو کے متعلق کیا کوئی حدیث بھی ہے، اگر ہے تو کیسی: موضوع یا ضعیف یا کیا؟ مفصل مع حوالہ تحریر فرمایا جاوے۔ ''شجرۂ خبیثہ'' (۱) لفظ قرآن سے تمباکو مراد لینا کیسا قول ہے، راجح یا مرجوح؟ مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تمباکو کے اقسام واغراض وخواص مختلف ہیں، اس لئے اس میں اقوال بھی مختلف ہیں، جو قسم کہ اس میں سکر نہیں اور اس میں بدبو بھی نہیں وہ بلا کراہت درست ہے (۲) اور جس میں بدبو ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے (۳)، جس میں سکر ہے وہ ناجائز ہے (۴)۔ البتہ دواءً جائز ہے جب کوئی دوسری جائز دوا نہ ہو اور طبیب حاذق عادل اس میں شفاء کو متعین کردے (۵)۔

= وتفتيره و إضراره". (ردالمحتار، كتاب الأشربة، قبيل كتا ب الصيد: ٦/٤٦٠، سعيد)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الأرض ما لها من قرار﴾. (سورة إبراهيم: ٢٦)

(٢) (راجع رقم الحاشية: ٢)

(٣) (راجع رقم الحاشية: ٢)

(٤) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معاذ بن جبل، قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسّروا ولا تعسروا": ٢/٩٠٤، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ٢/١٦٧، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتا ب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ٢/١٦٢، امداديه ملتان)

(٥) "الاستشفاء بالمحرم إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً، وليس له دواء =

بدبودار منہ لیکر مسجد میں آنا ہر صورت میں ناجائز ہے(۱)، حقہ میں بھی تفصیل ہے، مولوی امیر باز خان صاحب نے حقہ کو بالکل حرام لکھا ہے "الإعلان في إنكار القليان" میں بہت سے علماء کے اقوال اس میں درج کئے ہیں (۲)۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں متعدد جگہ مباح لکھا ہے، بعض جگہ بدبو کی وجہ سے مکروہ تنزیہی لکھا ہے(۳)۔

= آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي: ۱۱٦/٦، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳٦۲/۴، رشيديه)

(۱) "ومن أكل ما يتأذى به: أي برائحته كثوم وبصل، ويؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهورله منهما من شربه". (ردالمحتار، كتاب النكاح، قبيل باب الرضاع: ۲۰۸/۳، سعيد)

"هذا تصريح بإباحة الثوم وهو مجمعٌ عليه، لكن يكره لمن أراد حضور المسجد وحضور جمع في غير المسجد .... ويلحق بالثوم كل ما له رائحةٌ كريهةٌ من البصل و الكراث و نحوهما".

(إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمى)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوماً أو بصلاً .... عن حضور المسجد: ۲۰۹/۱، قديمى)

"قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۸۱۹/۲، قديمى)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ٦۸، قديمى)

(وبمعناه في سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمى)

(۲) لم أطلع عليه

(۳) **سوال**: "حقہ پینا مکروہ ہے یا مکروہ تحریمہ"؟ .... =

مولانا تھانوی مدظلہم العالی کے فتویٰ میں تفصیل ہے کہ جس میں نشہ اور اختلالِ حواس ہو، سخت بدبودار ہو، بلاضرورت اس کا پینا حرام ہے۔ صاف تازہ بضرورتِ علاج مباح ہے، بلاضرورت مکروہ تنزیہی ہے (۱)۔

= **جواب:** ''حقہ پینا مباح ہے، مگر اس کی بدبو سے مسجد میں آنا نادرست ہے''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: ''حقہ پینا، تمباکو کا کھانا یا سونگھنا کیسا ہے، حرام ہے یا مکروہ تحریمہ یا مکروہ تنزیہہ ہے اور تمباکو فروش اور نیچے بند کے گھر کا کھانا کیسا ہے''؟

جواب: ''حقہ پینا تمباکو کھانا مکروہ تنزیہہ ہے اگر بو آوے، ورنہ کچھ حرج نہیں، اور حقہ تمباکو فروش کا مال حلال ہے، ضیافت بھی اس کے گھر کھانا درست ہے''۔ (تالیفات رشیدیہ، جواز وحرمت کے مسائل، عنوان: حقہ پینا اور عنوان: تمباکو کھانا، سونگھنا یا حقہ پینا، ص: ۴۶۱، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۱) ''اصل میں یہ ایک دوا ہے، بعض امراض کو نافع بھی ہے، اور کثرت اس کی مضر ہے، کما یعلم من کتب الطب. اب پینے والوں کی مختلف غرضیں ہیں، کوئی مرض کے لئے پیتا ہے، کوئی شوقیہ پیتا ہے، کسی کو کچھ نافع ہے، کسی کو مضر ہے........ پھر تمباکو میں بھی بعض اقسام بہت تیز اور مضر ہیں، بعضے کم درجہ میں ہیں۔ کسی میں بو زیادہ ہے کسی میں کم ہے، کسی میں نوبت نشہ یا فتور کی ہے، کسی میں نہیں، کوئی ایسی چیز کے ساتھ مرکب ہے جس سے اس کی خباثت کم ہو جاتی ہے، کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح حقہ اور نیچہ میں بھی بعضے نیچہ کے کپڑے پاک ہیں، کسی کے ناپاک، کسی کے مشتبہ، کوئی پیچوان ہے اس میں اثر قلیل آتا ہے، کسی میں زیادہ آتا ہے، کوئی جلد جلد تازہ کیا جاتا ہے، کوئی کئی کئی دن تک سڑتا رہتا ہے........ غرض نہ سب پینے والے برابر، نہ سب تمباکو ایک طرح کے، نہ سب حقہ و نیچہ ایک قسم کے سب متفاوت اور مختلف، ہر ایک کا حکم جدا۔

پس اگر کسی نے ضرورتِ شدیدہ میں کسی مرض دشوار کے علاج کے لئے احتیاط سے بطور دوا کے کبھی ایک آدھ بار پی لیا، چنداں جرم نہیں، اور جو بعد ازالہ بغیر ضرورت شوقیہ پیوے، جیسا آج کل شائع ہے، کہ یہی محفل کی زیب وزینت ہوگئی ....اس طور اس کا عادی ہو جانا، بسبب اجتماع ان امور کے بے شک برا اور سخت مکروہ ہے۔ پھر امور مذکورہ سابق کے تفاوت سے کراہت میں بھی تفاوت ہوگا۔

اور بعضے پینے والے جو حد احتیاط ہیں اور سڑے ہوئے حقے ناپاک نیچے، تیز تمباکو کہ پیتے پیتے نشہ ہو جاتا ہے اور شراب کی سی مدہوشی ہو جاتی ہے، اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں۔

حاصل یہ کہ کوئی حقہ زیادہ مکروہ، کوئی کم مکروہ، کوئی حرام، کوئی ضرورت شدیدہ میں بطور دوا کے ایک آدھ بار روا۔ اور اس تقریر پر ممکن ہے تطبیق درمیان اقوال علماء وفقہاء کے جو مختلف ہیں اس کے اباحت وکراہت وحرمت میں، پس جیسا کسی نے موقع دیکھا ہوگا ویسا کہہ دیا ہوگا، بہرحال پینے والا اس کا گناہ سے خالی نہیں اور اصرار گناہ پر سخت گناہ ہے۔ اور اکثر اہل کشف =

تمبا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا، اس کے متعلق کوئی حدیث نہیں دیکھی، ظاہر یہ ہے کہ کوئی حدیثِ صحیح یا ضعیف اس کے متعلق موجود نہیں، اگر کسی نے خود وضع کرلی ہو تو امرِ آخر ہے۔

"في مخزن الأدويه للطبيب محمد حسن: أن "تنباكو" -بفتح التاء وسكون النون و فتح الباء وألف وضم الكاف وسكون الواؤ -يقال له بالتركية: التتن، وهو من الأدوية الجديدة، وُجد من نحو ثلث مأة سنة، وشاع من نحو مأتي سنة. قالوا في باعث شهرته في بلاد الإيران والتوران والهند: إن طائفة من النصارى أخرجته من الأرض الجديدة، وأتي بورقه وبذره في بلاد الهند وغيره، فشاع بحيث لم يبق بلد وقرية لا يستعملونه فيها بشرب دخانه أو أكل جرمه أو السعوط به. وقيل: إن بدأ شيوعه في إيران كان في عهد الشاه عباس الثاني، وفي الهند في آخر عهد السلطان أكبر و أوائل عهد جهانگير". ترويح الجنان، ص: ٤(١)۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہیں تھا تو شجرۂ خبیثہ سے یہ مراد کیسے ہوسکتا ہے؟ ہاں! اگر اشتراک فی الوصف کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو بھی شامل مانا ہو تو کیا بعید ہے، لیکن کسی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر موضح القران میں شجرۂ خبیثہ کے تحت میں دو درخت: ''تھوڑ اور ارنڈ'' ذکر فرمائے ہیں (۲)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ومجاہد وانس ابن مالک رضی

= ورویائے صادقہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اس کا پینے والا محفل مبارک نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دخل نہیں پاتا، اور بعضوں نے اس کے پینے والوں کو معذب بھی دیکھا ہے۔ أعاذنا الله منه". (إمداد الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا میان: ۴/ ۹۷، ۹۸، دار العلوم کراچی)

(۱) (ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان، ص: ۸ مندرجة من مجموعة رسائل اللكنوى ۴/ ۲۵۹، ادارة القران كراچى)

(۲) لم أجده في تفسير موضح القرآن، وقد قال الشيخ محمد إدريس الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ: ''اکثر مفسرین کا قول ہے کہ شجرة خبيثة سے اندرائن کا درخت مراد ہے، جس کا پھل نہایت زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے اور نہایت بدبودار ہوتا ہے اور اس کی جڑ پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اس کو ثبات اور استحکام نہیں ہوتا......... حدیث میں جو شجرۂ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت اور شجرۂ خبیثہ کی تفسیر حنظل اور کثوث کے درخت سے آئی ہے، وہ بطور تمثیل ہے، نہ کہ بطور تخصیص، اور مقصود =

اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ: اس سے مراد "حنظل" ہے۔ تفسیر ابن جریر طبری: ۱۳/۱۳۵، میں لکھا ہے کہ اس سے مراد "شریان" ہے، یعنی حنظل (۱)۔

معالم التنزیل، ص: ۳۴ (۲)، وخازن میں ہے: "وهي الحنظل، وقيل: هي الثوم، وقيل: الكشوف، وهي العشقة" (۳)۔

بحر محیط میں ہے:

"هي شوط الحنظل، قاله الأكثرون: ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ومجاهد وأنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنهما، ورواه عن النبي صلى الله عليه وسلم. وقال الزجاج: وفرقة شجرة الثوم، وقيل: شجرة الكشوف، وهي شجرة لاورق لها، ولا أصل. قال: وهي كشوف فلا أصل ولا ثمر. وقال ابن عطية: ويرد على هذه الأقوال أن هذا كلها من النجم وليست من الشجر، والله تعالىٰ إنما مثّل بالشجرة فلا تسمىٰ هذه شجرةً إلا تجوزاً. وقيل: الطحلبة، وقيل:

= یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ایک شجرہ طیبہ کے مشابہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو، خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا کوئی اور پاکیزہ درخت ہو، اور شجرۂ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بدبودار اور بدمزہ ہو وہ سب شجرۂ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے، اس لئے زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرقہ لہسن کے درخت کے مشابہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ کے مشابہ ہے"۔ (معارف القرآن، (سورة ابراهيم: ٢٦)، مثال: کلمہ ایمان وکلمۂ کفر الخ، چند فوائد: ۴/۲۵۹، ۲۶۰، مكتبة المعارف)

(۱) "حدثنا محمد بن المثنى قال: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثنا شعبة عن معاوية بن قرة قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال في هذا الحرف: ﴿ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة﴾ قال: الشريان. فقلت: ما الشريان؟ قال: رجل عنده الحنظل. فأقرّ به معاوية". (جامع البيان في تفسير القرآن لابن جرير الطبري: ۱۳/۴۰، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "﴿شجرة خبيثة﴾ كالحنظل والكشوف، وهي نبت يتعلق بأغصان الشجر من غير أن يضرب بعرق في الأرض". (التفسير المنير لمعالم التنزيل (سورة إبراهيم: ٢٦): ١/٤٣٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) (تفسير الخازن: ۳/۸۲، حافظ كتب خانه كوئته)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تفسير المدارك، (سورة إبراهيم: ٢٦): ١/٦٥٠، قديمي)

الكمأة، وقيل: كل شجر لايطيب له ثمر. وعن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: هى الكافر. وعنه أيضاً: شجرة لم تخلق فى الأرض. وقال ابن عطية: والظاهر عندى أن التشبيه وقع بشجرة غير معينة إذا وجدت منها هذه الأوصاف، هو أن يكون كالعضاة أو شجرة السموم ونحوها، اه". بحر محيط: ٥/٤٤٢(١)۔ فقط۔

تمباکو، حقہ وغیرہ پینا

سوال[۸۸۸۲]: تمباکو کھانا یا حقہ پینا جائز ہے یا نہیں۔ کتاب "شریعت یا جہالت"، مصنف جناب پالن حقانی صاحب نے مکروہ تحریمی لکھا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ جو شخص تمباکو نہیں کھاتا اس کو کھلا دو تو عجب کیفیت (نشہ) ہوتی ہے، جبکہ نشہ لانے والی چیزیں حرام ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس تمباکو سے نشہ ہوتا ہے تو اس کا کھانا پینا مکروہ تحریمی ہے، ورنہ نہیں (۲)، ہر تمباکو یکساں نہیں ہوتا، البتہ جس تمباکو سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے اگر اس کو استعمال کیا جائے تو بغیر منہ صاف کئے، مسجد میں جانا مکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۲ھ۔

---

(١) (البحر المحيط، سورة إبراهيم: ٥/٤٢٢، ٤٢٣، دارالفكر بيروت)

(٢) "عن سعيد بن أبى بردة عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معاذ بن جبل، قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ٢/٩٠٤، قديمى)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ٢/١٦٧، قديمى)

(وسنن أبى داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء فى السكر: ٢/١٦٢، امداديه ملتان)

(٣) "قيل لأنس رضى الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبى صلى الله عليه وسلم فى الثوم؟ فقال: "من أكل فلا =

پان، تمباکو، حقہ

سوال[۸۸۸۳]: بندہ کو حقہ کی بہت زیادہ عادت تھی جس کو مکروہ سمجھتے ہوئے چھوڑنے کی کوشش کئی سال تک رہی، اس وقت خدا کے فضل سے حقہ بالکل چھوٹ گیا، مگر پان کی عادت اس درجہ ہوگئی کہ رات دن میں تقریباً پچاس ٹکڑے بھی کھالیتا ہوں۔ اور حقہ جس وقت سے چھوٹا ہے، کچھ صحت پر بھی اثر آیا اور پان کی کثرت سے بہت خرابیاں معلوم ہوئیں، مثال کے طور پر جتنے پان کھائے جاتے ہیں ان میں تمباکو کی مجموعی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے جو صحت کو مضر ہے۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ پان کا انجام سامنے آیا تو پان ہر اعتبار سے چھوڑنا چاہتا ہوں، رہا حقہ کا معاملہ تو بندہ چاہتا ہے کہ سب کے ساتھ پی لیا کروں اور پان سے قطعی پرہیز کروں۔

الجواب حامداًومصلياً:

جس چیز میں ضرر کم ہو اور تجربہ سے اس کا فائدہ محسوس ہوتا ہو (پان یا حقہ) اس کو استعمال کر لیں، ضرورت سے زائد استعمال نہ کریں (۱)۔ مسجد میں جانے سے پہلے مسواک وغیرہ سے بدبو زائل

= يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۸۱۹/۲، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وبمعناه في سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

(۱) "يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". (نفع المفتي والسائل، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر ما يحل لبسه ومالايحل، من مجموعة رسائل اللكنوي: ۱۴۸/۴، إدارة القرآن كراچي)

"و سئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخاري ونحوه، قال: لابأس بذلك ما لم يضرّ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۵/ ۳۴۱، رشيديه)

کردیا کریں (۱)۔ خدائے پاک ہر ضرر سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

تمباکو پان سگریٹ اور نسوار کا حکم

سوال[۸۸۸۴]: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب پان میں تمباکو کھانا جائز ہے تو سگریٹ اور حقہ وغیرہ میں تمباکو پیتے ہیں اور نشہ چونکہ پان کے تمباکو میں ہوتا ہے اور سگریٹ اور حقہ وغیرہ میں بھی ہوتا ہے تو دونوں میں فرق کیا ہوا اور نسوار کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس تمباکو سے نشہ ہوتا ہے اس کا کھانا (پان میں ہو یا اَور طرح سے) پینا (حقہ، بیڑی، سگریٹ کسی طرح ہو) ناجائز ہے۔ نسوار سے اگر نشہ ہوتا ہو تو وہ بھی ناجائز ہے (۲)، ورنہ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

سگریٹ پینا

سوال[۸۸۸۵]: سگریٹ پینا کیسا ہے؟

---

(۱) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومعاذ بن جبل قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۲/۹۰۴، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ۲/۱۶۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ۲/۱۶۲، امداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلياً:

بلاضرورت (شوقیہ) پینا مکروہ ہے، بغیر منہ صاف کئے ہوئے مسجد میں جانا جس کی بدبو سے دوسروں کو اذیت پہنچے منع ہے:

"وأكل نحو الثوم: أى كبصل و نحوه مماله رائحة كريهة للحديث الصحيح فى النهى عن قربان أكل الثوم والبصل المسجد. قلت: علة النهى أذى الملائكة وأذى المسلمين". شامی: ١/٤٤٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

حقہ کا حکم

سوال[٨٨٨٦]: حقہ پینا کیسا ہے، کسی خاص وقت میں حرام ہے یا مطلقاً حرام ہے، یا مطلقاً مباح ہے، یا مکروہ تحریمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حقہ کی تحقیق کے متعلق مختلف رسائل عربی، فارسی، اردو میں لکھے گئے ہیں اور ہند، بیرونِ ہند میں طبع ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔ تمباکو مختلف ہوتے ہیں، اِسکار اور تفتیر نہ ہو تو اس کا پینا درست ہے(٢)۔ بدبو کی وجہ سے کراہت ہوگی، حرمت نہ ہوگی(٣)۔ مگر بدبودار منہ لے کر مسجد میں جانا درست نہیں، بلکہ مسواک وغیرہ سے منہ

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الصلاة باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى الغرس فى المسجد: ١/٦٦١، سعيد)

(وكذا فى إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ٢٤١، قديمى)

(وشرح النووى على صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهى من أكل ثوماً أو بصلاً عن حضور المسجد: ١/٢٠٩، قديمى)

(٢) "فيفهم حكم النبات وهو إباحة على المختار والتوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره وتفتيره وإضراره". (ردالمحتار، كتاب الأشربة، قبيل كتاب الصيد: ٦/٤٦٠، سعيد)

(٣) "ومن أكل ما يتأذى به: أى برائحته كثوم وبصل، ويؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهور له =

صاف کر کے مسجد میں جانا چاہیے، حدیث شریف میں ہے کہ: "ایسے شخص کو جو بدبودار چیز کھا کر بغیر منہ صاف کئے مسجد میں آتا تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلوا دیتے تھے، کیونکہ جس چیز سے (بدبو) اذیت آدمیوں کو ہوتی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے" (۱)۔

اور جس تمباکو میں اِسکار اور تفتیر ہو، اس کا استعمال مکروہ تحریمی یا حرام ہے (۲)۔ اگر دواءً استعمال کیا جا

= منهما من شربه". (ردالمحتار، كتاب النكاح، قبيل باب الرضاع: ۲۰۸/۳، سعيد)

"هذا تصريح بإباحة الثوم وهو مجمعٌ عليه، لكن يكره لمن أراد حضور المسجد وحضور جمع في غير المسجد .... ويلحق بالثوم كل ما له رائحة كريهةٌ من البصل و الكراث و نحوهما".

(إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثوماً أو بصلاً .... عن حضور المسجد: ۲۰۹/۱، قديمي)

(۱) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله علية وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۸۱۹/۲، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وبمعناه في سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

(۲) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومعاذ بن جبل قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۹۰۴/۲، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ۱۶۷/۲، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ۱۶۲/۲، امداديه ملتان)

ئے کہ ہاضمہ وغیرہ کی تکلیف رہتی ہے اور کوئی دوسری دوا مباح اس کا بدل نہیں اور دین دار تجربہ کار معالج تجویز کرتا ہے کہ شفاء اسی میں ہے تو اس کا استعمال بطورِ دوا ایک دو مرتبہ درست ہے (۱)۔ بعض فقہاء کے قول پر اس سے زائد نا جائز ہے (۲)۔

اسی طرح شوقیہ بغیر دواء کے استعمال نا جائز ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری دوا جائز کار آمد ہو سکتی ہو تب بھی نا جائز ہے (۳)۔ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد اول (۴)، دوم (۵)، سوم (۶)، چہارم (۷)، پنجم (۸) میں

---

(۱) "الاستشفاء بالمحرم إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً، وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي: ۱۱۶/۶، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وكذا في خلاصه الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۳۶۲/۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن اضطر غير باغ ولا عاد، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾. (سورة الأنعام: ۱۴۶)

"وبلغنا -والله أعلم- أنه لايزاد على ثلاث لقم". (تفسير ابن كثير، سورة البقرة: ۲۰۶/۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"لايأكل المضطر من الميتة إلا قدر مايمسك رمقه؛ لأن الإباحة للاضطرار وقد اندفع به". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۱۷۳): ۴۲/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع، ص: ۳۹۲، رقم الحاشية: ۱)

(۴) "اختلف في التداوي بالمحرم". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ففي النهاية عن الذخيرة: يجوز إن علم فيه شفاءً، ولم يعلم دواءً آخر .... وهذا لأنّ الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة للعطشان والجائع". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، قبيل فصل في البئر، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(۵) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(۶) (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، قبيل مطلب: التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۷۱/۵، سعيد)

(۷) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: في التداوي بالمحرم: ۲۲۸/۵، سعيد)

(۸) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

تداوی بالمحرم کی تصریح کی ہے:

"قال الشرنبلالي: وعلى هذا البدعة التي ظهرت الآن وهو الدخان، اهـ". "(قوله: وهو الدخان) في الأشباه في قاعدة: "الأصل الإباحة أو التوقف": ويظهر أثره فيما أشكل حاله كالحيوان المشكل أمره والنبات المجهول بسيمته، اهـ. قلت: فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمىٰ بالتتن، فتنبه. وقد كرهه الشيخ العمادي إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولىٰ فتدبر، اهـ. من الدر من كتاب الأشربة، ونقل قبله عن النجم الغزي الشافعي أن حدوثه بدمشق سنة خمس عشرة بعد الألف، يدعي شاربه أنه لا يسكر، و إن سلم له فإنه مفتر وحرام، لحديث أحمد عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: نهىٰ رسول صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر و مفتر". قال: وليس من الكبائر تناول المرة والمرتين، ومع نهي وليّ الأمر عنه يحرم قطعاً علىٰ أن استعمال مثله ربما أضرّ بالبدن، نعم الإصرار عليه كبيرة كسائر الصغائر، اهـ". طحطاوی، ص: ٣٦٤(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حقہ استعمال کرنا

سوال[۸۸۸۷]: حقہ ضروری پینا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقہ کسی بیماری کی وجہ سے دواءً پینا درست ہے(۲) اور بغیر بیماری کے شوقیہ پینا مکروہ(۳)، اگر نشہ ہوتو

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب في بيان مالا يفسد الصوم، ص: ٦٦٥، قديمي)
(ومسند أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها: ٤٣٧/٧، (رقم الحديث: ٢٦٠٩٣)، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ١٦٣/٢، إمداديه ملتان)
(۲) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه".
(الدر المختار: ٣٨٩/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن: ٣٥٤/٥، رشيديه)
(۳) علامہ شامیؒ اور دوسرے علماء نے عدمِ کراہت کو ترجیح دی ہے، بشرطیکہ بدبودار نہ ہو: .... =

ناجائز ہے(۱)۔ بدبودار منہ لے کر مسجد میں جانا بہر صورت ناجائز ہے، مسواک وغیرہ سے منہ صاف کرکے جانا چاہئے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

= "وللعلامة الشيخ عليّ الأجهوري المالكي رسالة في حله نقل فيها أنه أفتى بحله من يعتمد عليه من أئمة المذاهب الأربعة، قلت: وألّف في حله أيضاً سيدنا العارف عبدالغني النابلسي رسالةً سماها "الصلح بين الإخوان في إباحة شرب الدخان" وتعرض له في كثير من تآليفه الحسان، وأقام الطامة الكبرى على القائل بالحرمة أو بالكراهة، فإنهما حكمان شرعيان لابد لهما من دليل، ولا دليل على ذلك .... فهو داخل تحت قاعدة: الأصل في الأشياء الإباحة". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۵۹/۶، سعيد)

"علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حقہ کی اباحت ثابت کی ہے، اور کراہت کے قول کو رد کیا ہے، شامیہ کے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں، مزید تفصیل، اباحت پر دلائل اور فریق مخالف پر تردید شامیہ کتاب الأشربۃ میں دیکھی جاسکتی ہے ....مگر چونکہ یہ آوارہ واوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیے، اور اس طرح استعمال کرنا کہ منہ میں بدبو پیدا ہوجائے، حرام ہے"۔(أحسن الفتاوىٰ، كتاب الأشربة، حقہ پینے کا حکم: ۴۸۱/۸، سعيد)

(وكذا في كفاية المفتي، كتاب الحظر والإباحة، آٹھواں باب: تمباکو کا استعمال، عنوان: حقہ اور بیڑی کا حکم: ۱۴۵/۹، دارالإشاعت كراچی)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام". (الصحيح لمسلم: ۱۶۷/۲، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وكل خمر حرام، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الحدود، باب بيان الخمر، ص: ۳۱۷، قديمي)

(۲) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ماسمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مساجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، بما يكره من الثوم والبقول: ۸۱۹/۲، قديمي)

"وقال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة، مأكولاً أو غيره .... وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره كالبصل والكراث، لكثرة أكلهم لها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۶۱/۱، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

پان، سگریٹ وغیرہ کا استعمال راستہ میں

سوال[۸۸۸۸]: اکثر لوگ بازاروں یا سڑکوں پر راستہ چلتے ہوئے مختلف اشیاء، مثلاً: پان، بیڑی، سگریٹ وغیرہ کھاتے پیتے جاتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو اسلام نے مردود الشہادت قرار دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن چیزوں کا سڑکوں پر چلتے ہوئے کھانا عرفاً خلافِ مروت نہیں سمجھا جاتا ان کے اس طرح کھانے سے آدمی مردود الشہادت نہیں ہوتا:

"وأما إذا شرب الماء أو أكل الفواكه على الطريق، لايقدح في عدالته؛ لأن الناس لاتستقبح ذلك، اهـ". شامی: ۳۸۳/٤، کتاب الشهادات(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حقہ پینے والے سے منہ پھیر لینا

سوال[۸۸۸۹]: حقہ، بیڑی، سگریٹ پینے والے کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منہ پھیر لیتے تھے تو کیا تمباکو کھانے والے سے بھی یہی معاملہ ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے سخت نفرت تھی، اذیت بھی ہوتی تھی، خواہ پیاز لہسن کی بدبو ہو، خواہ حقہ بیڑی پان کے تمباکو کی بدبو ہو(۲)، ایسے لوگوں کو منہ صاف کر کے مسجد میں جانا چاہیے(۳)۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٤٨٣/٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل: ١٥٤/٧، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته و من لاتقبل: ٢٧٨/٣، غفاريه)

(٢) "جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنهما زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من أكل ثوماً أو بصلاً، أو ليعتزل مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب مايكره من الثوم: ٨٢٠/٢، قديمي)

"قد ألحق بها الفقهاء ما في معناها من البقول الكريهة الرائحة". (حاشية صحيح البخاري، =

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقہ، بیڑی، سگریٹ پینے والے سے منہ پھیر لینا، میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۳ھ۔

بیڑی پینے والے کو دکان کا راستہ بتانا

سوال[۸۸۹۰]: گناہ میں مدد دینا بھی گناہ ہے، اگر کوئی شخص بیڑی پیتا ہے اور اس کو دوکان نہیں معلوم- نیا آدمی ہے- کوئی شخص بتادے تو بتانے والا گنہگار رہوگا، یا اس کی مدد کا ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیڑی بلاضرورت پینا مکروہ ہے(۱)، بضرورت درست ہے(۲)۔ اور کراہت بھی بدبو کی وجہ سے ہے، درجۂ حرام میں نہیں ہے۔ بیڑی کی دوکان ناواقف کو بتانے میں معصیت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= المصدر السابق، رقم الحاشية: ۲)

"وأن النبي صلى الله عليه وسلم أتي بقدر فيه خضرات من بقول فوجد لها ريحاً، فسأل، فأخبر بما فيها من البقول، فقال: "قربوها إلى بعض أصحابه كان معه، فلما راٰه، كره أكلها، فقال: "كلْ، فإني أناجي مَن لا تناجي". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب ماجاء في الثوم النی والبصل: ۱۱۸/۱، قديمي)

(۳) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۸۱۹/۲، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذ ى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وبمعنا ه في سنن ابن ماجة، كتا ب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

(۱) "قا ل الشر نبلالي: وعلى هذا البدعة التي ظهرت الأن وهو الدخان، اهـ". "(قال: وهو الدخان)، في الأشباه في قا عدة: "الأصل الإباحة أو التوقف": ويظهر أثره فيما أشكل حاله كالحيوان المشكل أمره=

پان کا بیڑہ پرشاد کے طور پر

سوال[۸۸۹۱]: کارخانوں میں پان کا بیڑہ وغیرہ لاکر فوٹو کے سامنے رکھ کر، یا ویسے ہی پرشاد(۱)

= والنبات المجهول بسيمته، اهـ. قلت: فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن، فتنبه. وقد كرهه الشيخ العمادى إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولىٰ فتدبر، اهـ. من الدر من كتاب الأشربة. ونقل قبله عن النجم الغزى الشافعي أن حدوثه بدمشق سنة خمس عشرة بعد الألف، يدعى شاربه أنه لا يسكر، وإن سلم له فإنه مفتر وحرام، لحديث أحمد عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: نهىٰ رسول صلى الله عليه وسلم عن كل مسكرو مفتر". قال: "وليس من الكبائر تناول المرة والمرتين، ومع نهي وليّ الأمر عنه يحرم قطعاً علىٰ أن استعمال مثله ربما أضرّ بالبدن، نعم الإصرار عليه كبيرة كسائر الصغائر، اهـ". (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب في بيان مالا يفسد الصوم، ص: ۶۲۵، قديمي)

(والحديث رواه الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله، حديث أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها: ۳۳۷/۷، (رقم الحديث: ۲۶۰۹۴)، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وسنن أبى داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء فى السكر: ۱۶۳/۲، إمداديه ملتان)

(۲) "يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوى، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر ما يحل لبسه ومالايحل: ۱۴۸/۴، إدارة القرآن كراچى)

"و سئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخارى ونحوه، قال: لابأس بذلك ما لم يضرّ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فى الكراهة فى الأكل: ۳۴۱/۵، رشيديه)

(۳) اس لئے کہ یہ مباح کا کام ہے، اور مباح کا کام کرنے میں کوئی معصیت نہیں ہے۔"والمباح: ماأجيز للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب وعقاب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، أول كتاب الحظر والإباحة: ۳۳۶/۶، سعيد)

(۱) "پرشاد: دیوتاؤں پر کا چڑھاوا، تبرک"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۹۰، فیروز سنز لاہور)

کے طریقے سے دیتے ہیں، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے (اگر) غیر اللہ کی قربت حاصل کرنا، یا غیر شرعی چیز کی تعظیم مقصود نہیں، جیسے غیر مذہب کے مخصوص تہوار وغیرہ پر ہوتا ہے، بلکہ محض آپس میں خوش طبعی کے طور پر کھاتے کھلاتے ہیں تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۲۶ھ۔

تمباکو کی کاشت، تجارت اور استعمال

سوال[۸۸۹۲]: ہمارے یہاں تمباکو کی کاشت ہوتی ہے، پھر اس کی تجارت ہوتی ہے، اس میں سب مبتلا ہیں یعنی مسلم اور غیر مسلم کاشت کر کے ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ اور استعمال کے بارے میں کچھ لوگ حرام بتاتے ہیں، کچھ لوگ مکروہ کہتے ہیں۔ تو شرعاً کیا حکم ہے؟ کاشت اور تجارت، اسی طرح استعمال کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تمباکو کی کاشت بھی جائز ہے، تجارت بھی جائز ہے(۲)، استعمال بھی جائز ہے(۳)، اِلّا یہ کہ وہ نشہ

---

(۱) "ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة الخ: ۵/۳۴۶، رشيديه)

(۲) "والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۹/۵، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۴/۳، غفاريه)

(وكذا في الفقة الإسلامي وأدلته، كتاب البيوع، بيع الغرر: ۳۴۳۱/۵، رشيديه)

(۳) "فيفهم منه حكم النبات وهو إباحة على المختار أو التوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره وتفتيره و إضراره". (ردالمحتار، كتاب الأشربة، قبيل كتاب الصيد: ۴۶۰/۶، سعيد)

آور ہوتب منع کیا جائے گا(۱)۔ مسجد میں جانے کے لئے منہ صاف کر کے اس کی بدبو کو زائل کرنے کا اہتمام کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

چونا کا حکم

سوال[۸۸۹۳]: چونے کا کیا حکم ہے حالانکہ وہ بھی راکھ ہی ہے، ایک تو پتھر کا ہے جو معروف ہے، دوسری قسم صدف جلا کر بنایا جاتا ہے۔ کیا دونوں کے حکم میں کچھ فرق ہوگا؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چونا پان میں بقدرِ ضرورت کھانا جائز ہے۔ پتھر اور صدف دونوں چونوں کا ایک ہی حکم ہے:

"يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض

---

(۱) "عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معاذ بن جبل، قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۲/۹۰۴، قديمي)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ۲/۱۶۷، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب ماجاء في السكر: ۲/۱۶۲، امداديه ملتان)

(۲) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل فلا يقربن مسجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۲/۸۱۹، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وبمعناه في سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمي)

المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". نفع المفتی، ص: ۱۱۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

چونا وتمباکو کی تحقیق

استفتاء [۸۸۹۴]: مکرمی مفتی صاحب زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں نے پہلے چونا کے متعلق فتویٰ منگایا تھا، اس کے جواب میں کچھ شکوک ہیں، اس لئے پہلے ان شکوک کے جوابات عنایت فرمائیں، اس کے بعد ایک اَور فتویٰ کے جواب سے ممنون فرمائیں۔ شکوک یہ ہیں:

۱...... جب کہ چونا راکھ ہی ہے اور راکھ کا حکم: ۱- قلیل مقدار ہو ۲- بشرطیکہ احیاناً ہو، جائز ہے، ورنہ نہیں: "مفهوم التصنيف حجة"، مقدمہ، عمدۃ الرعایۃ، ص:۱۵، سطر:۶ تا ۱۳(۲)۔ تو پھر دوا یا پان کے ساتھ کھانا کیونکر جائز ہوگا۔

رہا مولانا عبدالحیٔ صاحب کا ارشاد کہ: "قليل نافع فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور

---

(۱) (نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكنوي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر ما يحل لبسه ومالايحل: ۱۴۸/۴، إدارة القرآن كراچي)

"وسئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخاري ونحوه، قال: لابأس بذلك ما لم يضرّ".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۵/ ۳۴۱، رشيديه)

(۲) "فائده: قال في كتاب القضاء من الأشباه: لا يجوز الاحتجاج بالمفهوم في كلام الناس في ظاهر المذهب كالأدلة، وما ذكره محمد رحمه الله تعالیٰ في السير الكبير من جواز الاحتجاج به، فهو خلاف ظاهر المذهب، كما في الدعوى من الظهيرية. وأما مفهوم الرواية فحجةٌ، كما في غاية البيان من الحج، انتهى. وفي حواشيه للحموي: إنما كان المفهوم حجةً عندنا في الرواية دون النصوص؛ لأن المفهوم فيها ليس بمقصود بخلاف كلام الأصحاب، فإنه مقصود، فيكون حجة فيها، وهذا هو الفرق بينهما".

(مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، ص: ۱۴، سعيد)

لا یحصل بدونھا"(۱) تو اولاً مولانا کوئی مجتہدِ مطلق صاحبِ شرع نہیں، اور ثانیاً نافع کہنا بھی تجربۃً بالکل غلط ہے، اور ثالثاً احیاناً کے علاوہ ہے اور بطریق پان کھانا خود فضول خرچی ہے۔

۲.....تمباکو کے اقسام وخواص مختلف نہیں، کتبِ طب شاہدِ عدل ہیں۔ رہا اختلاف علماء، سو اختلاف اقسام وخواص پر مبنی نہیں ہے، بلکہ خاصیت کی پوری تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے ہے، جن کو جیسی خاصیت معلوم ہوئی ویسا ہی حکم لگا دیا۔ اب جب کہ طب میں کثیر مقدار کو سم قاتل اور نفسِ تمباکو کو خواہ قلیل کیوں نہ ہو مفتر عقل لکھتے ہیں۔ نیز تجربہ بھی شاہد ہے، اور عادت اَور چیز ہے تو بحکم مضمونِ حدیث: "کل ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"(۲)، اور بحکمِ حدیث ترمذی (غالبًا): "کل مفتر حرام"(۳) تمباکو حرام کیوں نہیں، کم از کم مکروہ تحریمی تو کہا جاتا۔ باقی اقوال علماء تو ان نصوص ومشاہدات کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتے۔ اگر مولانا عبدالحیٔ صاحب کا رسالہ: "البیان فی حکم شرب الدخان"(٤) سامنے ہو تو مسئلہ جلد حل ہو سکتا ہے۔

العبد: عبدالرزاق پورنوی۔

---

(۱) (نفع المفتی والسائل، کتاب الحظر والإباحۃ، قبیل ذکر ما یحل لبسہ ومالایحل، من مجموعۃ رسائل اللکنویؒ: ۱۴۸/۴، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ما أسکر کثیرہ، فقلیلہ حرام". (سنن أبی داؤد، کتاب الأشربۃ، باب ماجاء فی السکر: ۱۶۲/۲، امدادیہ ملتان)

(وجامع الترمذی، کتاب الأشربۃ، باب ما أسکر کثیرہ، فقلیلہ حرام: ۸/۲، سعید)

(۳) جامع ترمذی میں یہ حدیث نہیں ملی، البتہ ابوداود اور مسند احمد بن حنبل میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

"عن أمّ سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر". (سنن أبی داؤد، کتاب الأشربۃ، باب ماجاء فی السکر: ۱۶۳/۲، إمدادیہ ملتان)

(ومسند أحمد بن حنبل، حدیث أم سلمۃ رضی اللہ عنھا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۴۳۷/۷، (رقم الحدیث: ۲۶۰۹۴)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) (ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان من مجموعۃ رسائل اللکنوی: ۲۵۳/۲، إدارۃ القرآن کراچی)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... ''الطين الذى يحمل من مكة، ويسمى طين حمزة، هل الكراهية فيه كالكراهية فى أكل الطين علىٰ ماجاء فى الحديث؟ قال: الكراهية فى الجميع متحدة، كذا فى جواهر الفتاوىٰ. وسئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخارى ونحوه، قال: لابأس بذلك مالم يضرّ، وكراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء، اھ''. فتاویٰ عالمگیری، ص: ۳۲۰(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ وجۂ ممانعت اندیشۂ مرض ہے، لہٰذا جس جگہ یہ اندیشہ جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر ممانعت سخت ہوگی۔ اور جس قدر یہ اندیشہ ضعیف ہوگا، ممانعت بھی کم درجہ کی ہوگی۔ اور جہاں یہ اندیشہ بالکل معدوم ہوگا، وہاں ممانعت نہ ہوگی۔

مولانا عبدالحی صاحب کا مجتہدِ مطلق اور صاحبِ شرع نہ ہونا مسلّم ہے، یہاں سے ان کے مجتہد مطلق یا صاحب شرع ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا، مگر کیا کسی کی عبارت نقل کرنے کیلئے منقول عنہ کا مجتہد مطلق اور صاحب شرع ہونا ضروری ہے، تو سائل نے عمدۃ الرعایہ کی عبارت کیوں نقل کی اور تمباکو کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ کی دیکھنے کی کیوں تاکید کی؟ اگر ضروری نہیں تو یہاں کی نقل کردہ عبارت پر اعتراض کیوں کیا، حالانکہ وہ عبارت مولانا عبدالحی صاحب نے اپنی طرف سے تحریر فرمائی بھی نہیں بلکہ نصاب الاحتساب (۲) مجمع البرکات، خزانۃ الروایات سے نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائیں نفع المفتی، والسائل، ص: ۱۱۰(۳)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فى الكراهة فى الأكل: ۳۴۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب الأكل، ص: ۷۴، سعيد)

(۲) ''أكل الطين مكروه، وذكر الحلوانى: إن كان يضر يكره، وإن كان يتناوله قليلاً، أو يفعله أحياناً، فلابأس به. قال العبد –أصلحه الله تعالىٰ–: وعلى هذا يقاس أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول فى ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها''. (نصاب الاحتساب، الباب العاشر فى الاحتساب على الأكل والشرب والتداوى، ص: ۵۲، دارالعلوم ديوبند)

(۳) ''الاستفسار: هل يجوز أكل النورة فى الورق المأكول فى أمصار الهند، وهو التنبول''.

''الاستبشار: نعم، فى نصاب الاحتساب: وذكر الحلوائى: أن أكل الطين إن كان يضر يكره، =

لہٰذا ثانیاً وثالثاً ورابعاً کے اعتراضات مذکورہ بالا کتب اوران کے مصنفین پر ہوئے، سائل کو اپنے تجربہ پر ان حضرات کے تجربہ سے زیادہ اعتماد ہے کہ جس کی بناء پر نافع ہونے کو بالکل غلط قرار دیا ہے۔ غالباً سائل کو اپنے متعلق مجتہد مطلق، صاحب شرع ہونے کا حسنِ ظن حاصل ہے کہ بلا نقل پیش کئے محض اپنی رائے سے اکابر کی تردید پر کمر باندھی ہے۔

اور جس کے حق میں نافع نہ ہو بلکہ مضر ہو، اس کے لئے ممانعت کا حکم صراحۃً موجود ہے۔ احیاناً کے خلاف ہونے کا اعتراض عالمگیری کی عبارت مذکورہ پر غور کرنے کے بعد خود بخود دفع ہو جائے گا۔ جس شخص کے حق میں پان کھانا فضول خرچی ہے، اس کو اس فضول خرچی سے بھی اجتناب چاہیے جیسا کہ ہر قسم کی فضول خرچی سے اجتناب ضروری ہے(۱)۔ جس کو پان کھانے کی عادت ہے کہ بلا پان کھائے سکون نہیں ہوتا، طبیعت پریشان رہتی ہے اور کام کرنا دشوار ہوتا ہے، اس کے حق میں فضول خرچی نہیں ہے، ایسی صورت میں مباح شئ پر مداومت کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں۔

۲...... تمباکو کے متعلق سائل کا شبہ از سرتا پا خوش فہمی کی دلیل ہے، اقوالِ علماء نصوص پر ہی مبنی ہیں، نصوص کے خلاف نہیں ہیں، علماء کی تحقیقات آپ کی تحقیقات سے کچھ زیادہ ہی ہیں کم نہیں۔ یہ کہنا کہ ”علماء کا اختلاف اقسام وخواص کے اختلاف پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کی خاصیت کی پوری تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے ہے“ خیالِ

= وإلا فلا، وإن كان يتناوله قليلاً، أو يفعله أحياناً، لايكره. قال العبد -أصلحه الله شانه-: ويقاس على هذا أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها، وهو الخمرة -انتهى- وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضاً". (نفع المفتي والسائل، من مجموعه رسائل اللكنوي، كتاب الخطر والإباحة، قبيل ذكر مايحل لبسه ومالا يحل: ۱۴۸/۴، إدارة القران كراچي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تبذر تبذيراً، إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين﴾ (سورة الإسراء: ۲۶، ۲۷)

"نهي عن صرف المال إلى من لايستحقه، فإن التبذير إنفاق في غير موضعه، مأخوذ من تفريق البذر وإلقائه في الأرض كيفما كان من غير تعمد لمواقعه .... أصله إلقاء البذر وطرحه، ثم استعير لتضيع المال". (روح المعاني: ۶۳/۱۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"كما أمر بالإنفاق نهى عن الإسراف". (تفسير ابن كثير: ۳۶/۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

باطل ہے، عوام اور خواص سب کا تجربہ اور مشاہدہ ہے، معمولی سے معمولی کاشتکار اور حقہ نوش بھی جانتا ہے کہ تمبا کو کی مختلف قسمیں ہیں، ان سب کے مقابلہ میں آپ کا تجربہ وَہمِ محض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جن اطباء نے اختلافِ اقسام کا انکار کیا ہے (اگرچہ اس کے لئے کوئی نقل پیش نہیں کی) کیا وہ صاحب شرع ہیں کہ ان سے غلطی ناممکن ہے؟

نیز آپ کی تحریر عقل و تجربہ، خواص وعوام اور مشاہداتِ روزمرہ کے خلاف ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں، نصوصِ شرعیہ مسلّم ہیں لیکن سائل نے ان کے لئے غلط محمل تجویز کیا۔

مطلق تمباکو (اختلاف اقسام وخواص کی وجہ سے) ان کا محمل نہیں، بلکہ وہ تمباکو محمل بن سکتا ہے کہ کثیر مسکر ہو اور قلیل مفتر ہو۔ پہلے جو یہاں سے عبارت نقل کی گئی تھی وہ مولانا عبدالحی صاحب کے رسالہ سے نقل کی گئی تھی (۱)، لیکن سائل نے (غالباً ان کے مجتہد مطلق اور صاحب شرع نہ ہونے کی وجہ سے) اس پر التفات نہیں کیا، مگر تعجب اب کیوں اس کی ترغیب دی ہے، مخزن الادویہ میں بھی اس عبارت کے موافق عبارت موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۲/۵۵ھ۔

چونا، تمباکو کھانا

سوال [۸۸۹۵]: چونا وتمباکو پان میں کھانا کیسا ہے اور تمباکو مسکرات میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے موافق پان میں چونا کھانا درست ہے:

"يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند". نفع المفتی، ص: ۱۱۰ (۳)۔

---

(۱) دیکھئے رسالہ: (ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان: ۲/ ۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) لم أظفر عليه

(۳) (نفع المفتي والسائل، من مجموعة رسائل اللكنوي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر مايحل لبسه وما لايحل: ۴/ ۱۴۸، إدارة القرآن كراچی)

خوشبودار تمبا کو جس میں نشہ نہ ہو درست ہے(۱)، نشہ آور دوا جائز ہے(۲)، اور بلا قصد دوا ناجائز ہے(۳)۔ بدبودار مکروہ ہے(۴)، اور بلا منہ صاف کئے مسجد میں جانا منع ہے(۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "فيفهم حكم النبات وهو إباحة على المختار أو التوقف، وفيه إشارة إلى عدم تسليم إسكاره وتفتيره و إضراره". (ردالمحتار، كتاب الأشربة، قبيل كتا ب الصيد: ۶/۴۶۰، سعيد)

(۲) "الاستشفاء بالمحرم إنما لايجوز إذا لم يعلم أن فيه شفاءً، أما إذا علم أن فيه شفاءً، وليس له دواء آخر غيره، فيجوز الاستشفاء به". (المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوى: ۶/۱۱۶، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في التداوى بالمحرم: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وكذا في خلاصه الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ۴/۳۶۲، رشيديه)

(۳) "عن سعيد بن أبى بردة عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: لما بعثه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم معاذ بن جبل، قال لهما: "يسّرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفّرا، وتطاوعا". قال أبو موسىٰ: يارسول الله! إنا بأرض يصنع فيها شراب من العسل يقال له: البتع، وشراب من الشعير يقال له: المزر. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر حرام". (صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا": ۲/۹۰۴، قديمى)

(و الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان كل مسكر حرام: ۲/۱۶۷، قديمى)

(وسنن أبى داؤد، كتا ب الأشربة، باب ماجاء فى السكر: ۲/۱۶۲، امداديه ملتان)

(۴) "ومن أكل ما يتأذى به: أى برائحته كثوم وبصل، ويؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهورله منعها من شربه". (ردالمحتار، كتا ب النكاح، قبيل باب الرضا ع: ۳/۲۰۸، سعيد)

"هذا تصريح بإباحة الثوم وهو مجمعٌ عليه، لكن يكره لمن أراد حضور المسجد وحضور جمع فى غير المسجد .... ويلحق بالثوم كل ما لَه رائحةٌ كريهةٌ من البصل و الكراث و نحوهما".

(إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمى)

(وكذا فى شرح النووى على صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب نهى من أكل ثوماً أو بصلاً عن حضور المسجد: ۱/۲۰۹، قديمى)

(۵) "قيل لأنس رضى الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبى صلى الله عليه وسلم فى الثوم؟ فقال: "من أكل فلا =

پان کی گرانی کی وجہ سے تمباکو چونے میں ملا کر کھانا

سوال[۸۸۹۶]: آج کل گرانی کے باعث لوگوں نے پان کھانا بند کر کے تمباکو چونا ملا کر ہتھیلی میں مل کر پیٹ پاٹ کر کھاتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی ایک طریقہ ہے، بعض علاقوں میں تو یہی معمول پہلے سے ہے، جب سے کہ اتنی گرانی نہیں تھی، گرانی کی وجہ سے تمباکو ہی چھوڑ دیتے، یا کم کردیتے تو زیادہ بچت ہوتی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

= يقربن مسجدنا". (صحيح البخاری، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم و البقول: ۸۱۹/۲، قديمی)

"عن جابر رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمی)

(وبمعناه فی سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب أكل الثوم، ص: ۲۴۱، قديمی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا، وكان بين ذلك قواماً﴾ (سورة الفرقان: ۶۷)

"﴿إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا﴾ المستلزم لكون إنفاقهم كذلك للتنصيص على أن فعلهم من خير الأمور، فقد شاع: "خير الأمور أوساطها". والظاهر أن المراد بالإنفاق مايعم إنفاقهم على أنفسهم وإنفاقهم على غيرها، والقوام في كل ذلك خير. وقد أخرج أحمد والطبرانی عن أبی الدرداء رضی الله تعالىٰ عنه عن النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من فقه الرجل رفقه فی معيشته". وأخرج ابن ماجة فی سننه عن أنس رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من السرف أن تأكل كل مااشتهيت". وحكی عن عبدالملك بن مروان أنه قال لعمر بن عبدالعزيز عليه الرحمة حين زوّجه ابنته فاطمة: ما أنفقتك؟ فقال له عمر: الحسنة بين السيئتين، ثم تلا الآية".

(روح المعانی: ۴۷/۱۹، (سورة الفرقان: ۶۷)، دارإحياء التراث العربی بيروت) .... =

پان میں چونا کھانا

سوال[۸۸۹۷]: چونا چونکہ مٹی سے ہوتا ہے، اس کے کھانے کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز کتھا بھی مٹی سے تیار کیا جاتا ہے(۱)، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مٹی کا کھانا ممنوع ہے اور اس کی ممانعت نجاست کی وجہ سے نہیں، مضرِ صحت ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا جتنی مقدار مضر نہ ہو درست ہے، كذا في العالمگيريه: ۳٤۱/۵(۲)، پان میں چونا کھانے کی اجازت ہے، نصاب الاحتساب اور نفع المفتی والسائل میں بصراحت مذکور ہے(۳) اور کتھا کا حکم بھی چونا کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، قبيل باب الرفق والحياء وحسن الظن، ص: ۴۳۰، قديمي)

"وعن عبدالله بن سرجس رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "السمت الحسن، والتؤدة والاقتصاد جزء من أربع وعشرين جزءاً من النبوة" رواه الترمذي".

"الاقتصاد": أي التوسط في الأحوال والتحرز عن طرفي الإفراط والتفريط. قال التور بشتي: الاقتصاد على ضربين: أحدهما: ماكان متوسطاً بين محمود ومذموم .... والثاني: محمود على الإطلاق، وذلك فيما له طرفان: إفراط وتفريط كالجود، فإنه بين الإسراف والبخل .... ومنه حديث: "الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة". وحديث: "ماعال من اقتصد". وكذا حكم الاقتصاد في سائر الأفعال". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الحذر والتأني في الأمور، الفصل الثاني: ۷۸۸/۸، ۷۸۹، (رقم الحديث: ۵۰۵۸)، رشيديه)

(۱)"کتھا: پان کے ساتھ کھانے والی ایک سیاہی مائل چیز"۔ (فیروز اللغات، ص:۹۹۱، فیروز سنز لاہور)

(۲)"و سئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخاري ونحوه، قال: لابأس بذلك ما لم يضرّ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل: ۵/ ۳۴۱، رشيديه)

(۳) "يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من =

مٹی کھانا

سوال[۸۸۹۸]: مٹی کھانا حرام ہے، اس کا کہاں سے ثبوت ہے، اور نا جائز ہونے کی کیا علت ہے، جبکہ مٹی طاہر ہے اور پانی نہ ملنے کے وقت مطہر بھی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ مضرِ صحت ہے، اس وجہ سے اس کا کھانا منع ہے(۱) جیسے کھانا بھی بعض صورتوں میں منع ہے: "الأكل فوق الشبع حرام". حالانکہ وہ طاہر ہے اور بعض صورتوں میں اس کا کھانا واجب بھی ہے، بعض صورتوں میں سنت ہے، لیکن جب مضر ہو تو منع ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الورق المذكور لايحصل بدونها". (نفع المفتي والسائل، من مجموعة رسائل اللكنوي، كتاب الحظر والإباحة، قبيل ذكر ما يحل لبسه ومالايحل: ۱۴۸/۴، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وسئل بعض الفقهاء عن أكل طين البخارى ونحوه، قال: لابأس بذلك ما لم يضرّ، وكراهية أكله لا للحرمة، بل لتهييج الداء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فى الكراهية فى الأكل: ۳۴۱/۵، رشيديه)

"أكل الطين مكروه". (الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب الأكل: ۷۴، سعيد)

"أكل الطين مكروه؛ لأنه تشبه بفرعون، فإن فرعون لم يكن إلا أكل الطين". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الخامس فى الأكل: ۳۶۰/۴، رشيديه)

(۲) "أما الأكل فعلى مراتب: فرض وهو ما يندفع به الهلاك، فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك، فقد عصى. ومأجورٌ عليه وهو ما زاد عليه ليتمكن من الصلاة قائماً، ويسهل عليه الصوم .... وحرام وهو الأكل فوق الشبع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى عشر فى الأكل: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، باب فى الكسب: ۲۳۵/۲، حقانيه پشاور)

(وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى الأكل: ۱۷۸/۴، غفاريه)

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اور اس کے مصرف کا بیان)

مالِ حرام سے تجارت

سوال[۸۸۹۹]: اگر کسی شخص نے حرام مال کمایا، اس سے اس کی اولاد پرورش پائی، اس میں سے بعض عالم ہوئے۔ انہوں نے مال کی یا اسی طرح دوسرے بھائیوں نے تجارت کیا۔ تو کیا ان کا کمانا بھی مال حرام کہلائے گا، اور نسلاً بعد نسلٍ اس کا شیوع ہوتا رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قدر مال بطریقِ حرام کمایا، اس کی واپسی لازم ہے، اگر وہ شخص موجود نہ ہو جس سے مثلاً مال حرام (مثلاً رشوت یا غصب) لیا ہو، مرگیا ہو تو اس کے ورثاء کو دیا جائے۔ ورثاء بھی موجود نہ ہوں، یا کوشش کے باوجود ان کا علم نہ ہوسکے تو غریبوں محتاجوں کو صدقہ کردیا جائے (۱)، لیکن اس مال کے ذریعہ دوسرا حلال مال کمایا گیا تو

(۱) "إذا علم أن كسب مورثه حرام، يحل له، لكن إذا علم المالك بعينه، فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه، وهذا معنى قوله: وقيده في الظهيرية، الخ. وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ".

"وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم ما لكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أوظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً. أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۸۹/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۸۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد) =

اس کو حرام نہ کہا جائے گا، کذا فی ردالمحتار (۱)۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

مالِ مخلوط کو کارِ خیر میں صَرف کرنا

سوال[۸۹۰۰]: ۱......ایسی تجارت کی آمدنی کہ جس میں غلبہ مالِ حلال کا ہو اور مالِ حرام بھی مغلوب اور مخلوط ہو، یعنی کسی جائز کاروبار میں جو روپے لگائے گئے ہیں ان میں سے زیادہ کسبِ حلال کے روپے تھے اور کچھ روپے کسبِ حرام کے بھی مخلوط ہوگئے۔ ایسے کاروبار کی آمدنی سے کسی کارِ خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حرام مال کے ذریعہ تجارت

سوال[۸۹۰۱]: ۲......مالِ حرام سے اگر کوئی حلال کاروبار شروع کیا جائے تو اس کی آمدنی حرام ہوگی یا حلال اور اس کو کسی کارِ خیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۲۲،۳۲۱/۶، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۲۰۲/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) "(قوله: اكتسب حراماً) توضيح المسئلة مافي التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم اخر ودفع تلك الدراهم. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، والثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل. لكن الفتوى الأن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

مالِ مخلوط سے تجارت

سوال[۸۹۰۲]: ۳......ایسی جائز تجارت جس میں مال حرام غالب لگا ہوا اور مال حلال مغلوب کا کیا حکم ہے؟

مالِ حرام سے خریدے ہوئے مکان سے انتفاع

سوال[۸۹۰۳]: ۴......ایسی زمین جو مال حرام سے خریدی گئی ہے، کوئی شخص اس کو اپنی پاک کمائی کے روپیہ سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا مکان جو حرام سے بنایا گیا، یا خریدا گیا ہے اس کو مالِ حلال کے عوض خرید کر اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں، یا ایسی زمین اور ایسے مکان کو کرایہ پر لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کیا جاسکتا ہے(۱)۔

۲......اگر مال حرام کو متعین کر کے اس کے بدلہ میں حلال مال خریدا ہے اور پھر وہی حرام مال متعینہ قیمت میں ادا کردیا ہے تب تو اس کی آمدنی ناجائز ہے، اس کو غرباء ومساکین پر صرف کردیا جائے، کسی اور کار خیر میں لگانا، یا اپنے کام میں خرچ کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر بغیر تعینِ مالِ حرام کوئی مالِ حلال خریدا اور پھر وہ مال حلال قیمت میں ادا کردیا، یا متعین تو کیا مال حرام کو مگر ادا کیا مال حلال، یا متعین تو کیا مال حلال مگر ادا کیا مال حرام، تو ان تینوں صورتوں میں کرخی کے نزدیک آمدنی اس کی حلال ہوگی (صرف اصلی مال حرام کا ضمان لازم ہوگا)، ذخیرۃ قہستانی، غرر، مختصر وقایہ، اصلاح وغیرہ میں اس پر فتوی بھی نقل کیا گیا ہے(۲)۔ ہدایہ، مبسوط وغیرہ میں بہر

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"وإن كان غالب مال المهدى من الحلال، لابأس بأن يقبل الهدية، ويأكل". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، مايكره أكله ومالايكره، ومايتعلق بالضيافة: ۴۰۰/۳، رشيديه)

"غالب مال المهدى إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية والميزان: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) "(قوله: اكتسب حراماً) توضيح المسئلة مافي التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، =

صورت اس آمدنی کو ناجائز قرار دیا ہے(۱)۔

۳.....خلط کی وجہ سے ملک متحقق ہوکر تجارت درست ہوگی اور اس کی آمدنی حلال ہوگی جس کو کارِ خیر میں لگانا بھی درست ہوگا، اصل مال حرام کا ضمان لازم ہوگا(۲)۔

ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، والثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل. لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

(۱) "أما فيما لايتعين كالثمنين فقوله في الكتاب: "اشترى بها"، اشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها ونقد منها الثمن، أما إذا أشار إليها ونقد من غيرها، أو نقد منها وأشار إلى غيرها، أو أطلق إطلاقاً ونقد منها، يطيب له، وهكذا قال الكرخي رحمه الله تعالىٰ؛ لأن الإشارة إذا كانت لاتفيد التعيين لابد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث . وقال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: لايطيب له قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار؛ لإطلاق الجواب في الجامعين والمبسوط". (الهداية، كتاب الغصب: ۳۷۶/۳، شركة علميه ملتان)

"قال: ومن اشترى جاريةً بيعاً فاسداً، وتقابضها، فباعها وربح فيها، تصدق بالربح، ويطيب للبائع (الأول) ماربح في الثمن. والفرق أن الجارية مما يتعين، فيتعلق العقد بها، فيتمكن الخبث في الربح، والدراهم والدنانير لاتتعينان في العقود فلم يتعلق العقد الثاني بعينها، فلم يتمكن الخبث، فلا يجب التصدق". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في أحكامه: ۶۶/۳، شركة علميه ملتان)

(۲) "ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه ....؛ لأنه استهلاك". (متن الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة الغنم: ۲۹۰/۲، سعيد)

"وإذا هلك النقلي في يد الغاصب بفعله أو بغير فعله، ضمنه". (الهداية، كتاب الغصب: ۳۷۴/۳، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب: ۷۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

۴......زمین یا مکان کے حرام مال سے خریدنے کی چار صورتیں ہیں جیسا کہ نمبر:۲، میں مذکور ہوئیں، اگر مشتری نے اول صورت سے خریدا ہے تب تو اس سے کسی مشتریٔ آخر کو حلال مال سے خریدنا درست نہیں۔ اگر بقیہ تین صورتوں سے خریدا ہے تو مشتریٔ آخر کو خریدنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۶۸ھ۔

مالِ حرام سے نفقۂ زوجہ

سوال[۸۹۰۴]: اگر کوئی آدمی مال حرام کما کر اپنی عورت کو کھلاوے تو عورت کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ رشوت اور غصب نہ ہو تو گنجائش ہے، یعنی بعینہ حرام مال کا لینا ناجائز ہے، البتہ اس کے عوض کی چیزوں میں وسعت ہے اور گناہ شوہر پر ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۷/ربیع الاول/۵۶ھ۔

---

(۱) "(قوله: اكتسب حراماً) توضيح المسئلة مافى التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلک الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلک الدراهم، أو اشترى بدراهم اخر ودفع تلک الدراهم. قال الكرخى فى الوجه الأول والثانى: لايطيب، والثلاث الأخيرة: يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب فى الكل. لكن الفتوىٰ الأن على قول الكرخى دفعاً للحرج عن الناس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

(۲) "وفى الذخيرة: سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة، وغير ذلک: هل يحل لمن عرف ذلک أن يأكل من طعامه؟ قال: أحَبّ إلىّ فى دينه أن لايأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً، اهـ".

"وفى الخانية: امرأة زوجها فى أرض الجور إذا أكلت من طعامه، ولم يكن عينه غصباً، أو =

حرام آمدنی سے تنخواہ لینا

سوال[۸۹۰۵]: میں اپنے بھائی صاحب کی دوکان میں ملازم کی حیثیت سے دوسوروپیہ ماہانہ تنخواہ پر کام کررہا ہوں، ابتداہی سے بھائی صاحب کے مکان میں رہائش وخوردونوش ہے اوروہی کفیل رہے ہیں۔ بھائی صاحب کی آمدنی تمام ترحرام ہے اوردوکان سامان تقاریب کی ہے جوکہ کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اور یہ سامان بھی اسی مال حرام سے خریدا گیا ہے۔ یہ عاجز اپنے لئے حلال کی فکر میں ہے، اس لئے باوجودکوشش اور پیش کش کے بجائے شریک بننے کے ملازم بن کے رہنا گوارا کرلیا۔

اگر میں ملازمت چھوڑ دوں توفی زمانہ دوسری ملازمت ملنا بہت دشوار ہے۔ بچپن سے بھائی صاحب ہی کے مکان میں زندگی گزری ہے اور میں ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں، اس لئے علیحدہ رہنا بھی بظاہر دشوار ہے۔ ان حالات میں ان کے گھر کا پکا کھانا میرے لئے جائز ہے یانہیں؟

دوسرے اگر میں ماہانہ کچھ رقم بطورِخوراک دیدوں تواس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ حال ہی میں بھائی صاحب نے ماہانہ تنخواہ میں پچاس روپیہ زائد دینے کی پیش کش کی جسے اس وقت قبول نہیں کیا تھا۔ اگر میں ان سے یہ کہہ دوں کہ میری ماہانہ تنخواہ میں بجائے پچاس روپے کے اضافہ کے میری خوراک کے معاوضہ میں داخل کرلی جائے تو آیااس صورت میں اس گھر کا کھانا میرے لئے جائز ہوگا؟ موجودہ صورت میں جناب عالی شریعت مطہرہ کے حکم سے مطلع فرماکراس عاجز کوآخرت کے بگاڑ سے بچالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر میں ''سامانِ تقاریب'' مجمل ومبہم لفظ ہے، میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں ''شامیانہ، میز، کرسی، گیس، فرش'' وغیرہ، ان اشیاء کوکرایہ پردینا اورکرایہ وصول کرنا حرام نہیں ہے اگرچہ کرایہ پرلینے والے اپنی محفل میں کچھ غلط قسم کے کام بھی کرتے ہوں، مگراس کی وجہ سے وہ کرایہ کی آمدنی حرام نہیں (۱)۔ ایسی آمدنی سے

= اشتری طعاماً أوکسوةً من مالٍ أصلہ لیس بطیب، فھی فی سعة من ذلک، والإثم علی الزوج".

(ردالمحتار: ۳۸۶/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار: ۱۹۱/۶، کتاب الغصب، سعید)

(۱) "(قولہ: اکتسب حراماً) توضیح المسئلة مافی التتارخانیة حیث قال: رجل اکتسب مالاً من حرام، =

کھانا اور تنخواہ لینے میں مضائقہ نہیں ہے، دونوں طرح درست ہے۔ اگر آمدنی حرام ہونے کی کوئی اَور صورت ہے تو صاف لکھئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

کاسبِ حرام کے ہاتھ مال فروخت کرنا

سوال[۸۹۰۶]: رنڈی اور ڈوم اور بھانڈ (۱) کے ہاتھ سودا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس حرام کا پیسہ ہو اس کے ہاتھ کوئی شئی فروخت کر کے مال حرام سے روپیہ لینا ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۶۱ھ۔

= ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، والثلاث الأخيرة: يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل. لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

(۱) "بھانڈ: نقال، پیٹ کا ہلکا، جھوٹی تعریف کرنے والا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳۱، فيروز سنز، لاهور)

(۲) حرام کمانے والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا تو جائز ہے، مگر مال حرام سے قیمت وصول کرنا جائز نہیں، بلکہ خریدار سے حلال مال کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بائع کو پہلے سے معلوم ہو کہ خریدار کا کل یا اکثر آمدنی حرام ہے۔ اور اگر لاعلمی میں اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی تو اس کی قیمت لینا جائز ہے:

"الحرام ينتقل، فلو دخل بأمان و أخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا، ملكه، وصح بيعه، لكن لايطيب له ولاللمشتري منه .... وفي حظر الأشباه: الحرمة تتعدد مع العلم". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين سألت عنه الشهاب بن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً، =

شادی کے بعد حرام کمائی والا سامان استعمال کرنا

سوال[۸۹۰۷]: اگر طوائف کے پاس کچھ سامان وغیرہ ہو جو اس کے ناجائز کی کمائی کا ہے، جیسے کپڑا وغیرہ، تو زید کے نکاح میں آنے کے بعد کیا وہ اس کو اپنے استعمال میں لا سکتی ہے؟ اگر نہ استعمال کے قابل ہو تو اس سامان کا کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام آمدنی کا سامان کپڑا وغیرہ اس وقت استعمال کرتی تھی جب حلال آمدنی نہیں تھی، نکاح کے بعد جب کھانا کپڑا شوہر کے ذمہ ہو جائے گا(۱) تو پھر حرام آمدنی کا سامان کیوں استعمال کرے، بلکہ وہ سامان غریبوں محتاجوں کو دے دے(۲)، اور خود ہر حرام سے پکی توبہ کر کے عمر بھر توبہ واستغفار میں گذارے۔ فقط واللہ موفق۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

ناجائز آمدنی سے خریدے ہوئے مال کا حکم

سوال[۸۹۰۸]: ۱...... زید کے قبیلہ میں شراب کی تجارت ہوتی ہے، زید دینی زندگی گزارنا چاہتا ہے، لیکن زید کے قریبی رشتہ دار اس تجارت میں مبتلا ہیں، لیکن بعض نے اس تجارت کے پیسہ سے دینی زندگی گزارنے کے لئے توبہ کر کے دوسری تجارت شروع کر دی ہے مکان، کھیتی وغیرہ۔ تو کیا اس کی یہ تجارت اور زید کا ان رشتہ داروں کے یہاں آمد ورفت، خورد ونوش جائز ہوگا؟

= يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر، فهو حرام".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الحرمة تتعدد: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۴۸/۲، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) کیونکہ بیوی کا نان نفقہ اور سکنی شوہر کی ذمہ داری ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿على الموسع قدره، وعلى المقتر قدره متاعاً بالمعروف﴾ (سورة البقرة: ۲۳۶)

(۲) (راجع، ص: ۴۱۸، رقم الحاشية: ۱)

۲......ان لوگوں کے بچے زید کے یہاں زیرِ تعلیم ہیں تو کیا زید کا تعلیم کے لئے یہ پیسہ لینا جائز ہوگا جو کہ اس مال میں سے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......محض توبہ کر لینے سے مال پاک نہیں ہوا، بلکہ وہ کل مال یا اس کی مقدار صدقہ کرنا واجب ہے(۱)۔ البتہ اگر اسی مال سے زمین خریدی گئی ہے، یا اس سے کوئی جائز تجارت کی جارہی ہے تو اس زمین وتجارت کی آمدنی حلال ہوگی(۲) اور ان کے یہاں خورد ونوش، آمد ورفت بھی جائز ہوگی، لیکن اس پر ضروری ہوگا کہ جتنے ناجائز روپے اس نے زمین یا تجارت میں لگائے ہیں، اس مقدار کو صدقہ کردے، اگرچہ اس کی آمدنی سے ہی ہو:

"في القنية لو كان الخبيث نصاباً، لايلزمه الزكوة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه". شامی: ۲/۳٤(۳)۔

۲......اگر بعینہ پیشہ ناجائز کی آمدنی ہو تو زید کے لئے اس سے اخراجات لینا درست نہیں ہے(۴)،

(۱) "وعلى هذا قالوا: لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، رشيديه)

(۲) "(قوله: اكتسب حراماً) توضيح المسئلة مافي التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني، لايطيب، والثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل. لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات في آخر البيع: ۲۲۵/۵، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار: ۲۹۱/۲، كتاب الزكوة، سعيد)

(۴) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

لیکن اگر پیشہ ناجائز کی آمدنی سے زمین خریدی گئی، یا اس کو کسی جائز تجارت میں لگادیا گیا تو اس میں سے لینا درست ہے:

"وجاز أخذ دَين علی کافر من ثمن خمر، لصحة بیعه، بخلاف دَین علی المسلم، لبطلانه، الخ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

ناجائز پیسوں سے خرید شدہ سامان کا حکم

سوال [۸۹۰۹]: زید نوکری پیشہ تھا، تنخواہ کے مقابلے میں بالائی آمدنی اس کی زیادہ تھی، دونوں بیویوں کو ساتھ رکھتا تھا۔ ان ایام میں زید نے گرم اور ٹھنڈے مثلاً کوٹ اور گرم کرتے اور چادر وغیرہ اور دیگر سامانِ آرائش خریدے۔ طعام اور دوسرے لغویات پر ان بیویوں پر صَرف کرتا تھا، لیکن تنخواہ کے پیسے ان اخراجات کے لئے کافی نہیں تھے۔ تقریباً تین سال سے اس نے نوکری چھوڑ دی ہے اور خدا نے توفیق دی، اس وقت عبادت اور ریاضت میں مشغول ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہی کپڑے اور سامان ہیں جس کو اس نے ان دنوں میں خریدا تھا، اور انہیں کپڑوں کے ساتھ نماز اور دیگر ارکان ادا کرتا ہے۔ نوکری چھوڑنے کے بعد سے بیکار ہے، ذریعۂ معاش بھی انہیں پیسوں کے ذریعہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ ان پیسوں کو اپنے بھائیوں کو دے رکھا ہے، جس کے ذریعہ وہ تجارت کرتے ہیں اور انہیں کے ساتھ شامل رہتا ہے۔ بے کاری کی وجہ سے اس سے دوسرے کپڑے اور سامان بنوانا مشکل ہے اور اگر بنانا ہی ہے تو وہی مذکورہ پیسے استعمال ہوں گے۔ اس صورت میں کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے پیسے اس نے ناجائز طریقے پر حاصل کئے آہستہ آہستہ مالک کو واپس کرے، مالک کا علم نہ ہو تو

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات: ۵/۲۲۵، رشیدیه)

غرباء کواس کی نیت سے صدقہ کرتا رہے(۱)،اور جب تک حلال پیسہ میسر آئے ان کپڑوں کواستعمال کرتا رہےاور استغفار بھی کرتا رہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز مال جہیز میں دینا

سوال[۸۹۱۰]: کوئی شخص جوکسی زمانہ میں ڈاکٹر تھا،اس نے ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد کچھ جائیداد خرید لی جس میں کچھ زمین کاشت کے لئے اور ایک باغ ہےاوراپناذاتی زرِ پیسہ کچھ بنک میں جمع ہے اور باقی روپیہ سے عام لوگوں سے سود لیتا ہے۔اوراس کی لڑکی سے ایک شخص کا نکاح ہواہےاوروہ شخص جوکہ اب نیک پرہیزگاراور متقی ہےتواس نے لئے اپنی زوجہ کے جہیز میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو ہر شخص استعمال کرسکتا ہے۔ تواب آپ تحریر کریں کہ اس لڑکی کا گھر میں رکھنااوراس کے مال وجہیز کواستعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کوئی اَور مانعِ شرعی موجود نہ ہوتو صورت مسئولہ میں اس لڑکی کونکاح میں رکھنا جائز ہے۔ مال میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر معلوم ہوجائے کہ یہ مال ڈاکٹر نے جائز طریق ملازمت وغیرہ سے حاصل کرکے لڑکی کو دیاہےتب تولڑکی کی اجازت کے بعدشوہرکواس کااستعمال جائز ہے۔

اگر یقیناً معلوم ہوکہ یہ مال ناجائز طریق مثلاً مسلمانوں سے سودلیکر حاصل کیا ہے تو اس کے استعمال ناجائز ہےلڑکی کوبھی اورشوہرکوبھی:

---

(۱) "لـومات الرجل وكسبه من بيع الباذق أوالظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولايأخذون منه شيئاً، وهـو أولىٰ بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۳۵۹/۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

"فـالتـوبة: أن يـنـدم على ذنبه بالقلب، ويستغفر باللسان، ويضمر أن لايرجع إليه أبداً". (تنبيه الغافلين، باب التوبة، باب آخر من التوبة، ص: ۵۹، المكتبه الرشيدية)

"وإن علم أنه مغصوب بعينه، لا يحل أن يأكل؛ لأنه علم بالحرمة"(١)۔

اگر سب مال ملا ہوا ہے اور معلوم نہیں کونسا حلال ہے اور کونسا حرام ہے تو پھر غلبہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر زیادہ مال حلال ہے تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں، اور اگر زیادہ مال حرام ہے تو اس کو استعمال نہیں کرنا چاہیے:

"إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدى من الحرام، ينبغي له أن لا يقبل الهدية و لا يأكل منه طعامه ما لم يخبر أنه حلالٌ ورثه أو استقرض من غيره. وإن كان غالب مال المهدى من الحلال، لابأس بأن يقبل الهدية و يأكل مالم يتبين عنده أنه حرام". قاضي خان: ٤/٣٧٢(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/۱/۵۲ھ۔

ملازم کو بسکٹ فیکٹری میں بلا اجازتِ مالک بسکٹ کھانا

سوال[۸۹۱۱]: میں ایک بسکٹ کمپنی میں کام کرتا ہوں اس میں کام کرنے والے سبھی ملازم بغیر اجازت مالک ومینجر بسکٹ کھاتے ہیں اور مالک ومنیجر کو بھی اس کا علم ہے۔ مالک غیر مسلم ہے۔ کیا کھانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کام کرنے والوں کی سرکشی کی وجہ سے مالک معلوم ہونے کے باوجود کوئی روک ٹوک نہیں کرتا، مگر نہ وہ

---

(١) (ردالمحتار: ٥/٩٩، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار: ٦/٣٨٦، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(٢) (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره، ومايتعلق بالضيافة: ٣/٤٠٠، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٥/٣٤٢، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٢/٥٢٩، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

رضامند ہے، نہ اس نے اجازت دی ہے تو اس طرح کھانا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۸۷ھ۔

مخدوم کے مال میں خادم کا تصرف

سوال [۸۹۱۲]: ۱...... زید اور عمر میں زید مرید اور عمر پیر ہے، اور زید طالب علم ہے اور عمر فالج کا مریض ہے، اور زید کا معاشی اخراجات کا کوئی وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے اور عمر بزرگ شخص ہے اس وجہ سے اس کا ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ عمر تعویذ کے پیسے لیتا ہے اور اس کے مریدین بھیجتے ہیں اور ملنے والے نذرانہ دیتے ہیں اور وہ ضرورت کے وقت مانگ بھی لیتا ہے۔ باوجود ان سب وجوہات کے عمر کے خرچے میں اتنی گنجائش ہے کہ وہ خود کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے۔ اور زید جو کہ طالب علم ہے وہ عمر کی خدمت بھی کرتا ہے۔

تو اگر زید اس کا پیسہ اور کھانا بغیر اس کی اجازت کے لے کر کھائے اور اس کو معلوم ہو جائے تو طعن وملامت نہ کرے، اور ایسا کرنے میں عمر کو پتہ نہ چلے تو کیا حکم ہے، یا اگر معلوم ہو گیا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

۲...... عمر نے زید کو پیسہ دے کر کوئی سودا منگایا، سودا لے کر جو بقیہ پیسہ بچے وہ زید نے لے لئے اور سودا عمر کو دے دیا اور بقیہ پیسے نہیں دیئے اور نہ عمر نے مانگے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳...... عمر نے زید سے سودا منگایا اور اس میں سے جو پیسے بچے وہ زید نے لے لئے، پھر اس کے بعد ایسا موقع آیا کہ عمر کے پاس پیسے نہیں تھے اور پھر کوئی سودا منگایا تو زید نے اپنے پیسے سے لادیا، خواہ وہ پیسے بچے ہوئے سودے کے ہوں یا زید کے ذاتی پیسے ہوں۔ تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۴...... عمر کا کھانا زید کسی ہوٹل سے لاتا ہے، عمر کی پہچان کی وجہ سے صاحبِ ہوٹل پیسہ نہیں لیتا ہے، اور وہ

---

(۱) "وعن أبي حرّة الرقاشي، عن عمّه رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"والأظهر أن معناه: لاتظلموا أنفسكم، وهو يشمل الظلم القاصر والمتعدى". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باالغصب والعارية، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۲۹۴۶): ۶/۱۴۹، رشيديه)

کھانا اتنا ہوتا ہے کہ اس کے آدھے کھانے میں عمر کا پیٹ بھر جاتا ہے اور آدھا بچتا ہے۔ تو اگر زید آدھے کھانے کو پہلے ہی نکال لے اور آدھا عمر کو دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۵.....عمر کے نام سے زید کسی دوکان سے سودا مفت لاتا ہے اور عمر کبھی کبھی منگواتا ہے اور زید اس دوکان سے روزانہ لے جاتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۶.....کسی دوکان سے عمر کا کھانا مفت میں زید لاتا ہے، اتفاق سے کسی وقت کھانا تیار نہیں تھا تو دوسری دوکان سے عمر سے پیسہ لے کر لایا، پھر اسی دوکان سے جہاں کھانا مفت ملتا ہے زید کھانا لے آیا۔ تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اپنے پیر صاحب کی خدمت کرنا عینِ سعادت ہے اور وہ بھی جب کہ وہ مریض ہوں تو بہت ضروری اور ثواب کی بات ہے، لیکن ان کی چیز، پیسہ اور کھانا وغیرہ کو بغیر ان کی رضامندی کے ہرگز استعمال نہ کرے، خاموش رہنا بھی کافی نہ سمجھے بلکہ وقتِ ضرورت ان سے مانگ لے، جب وہ خوشی کے ساتھ اجازت دے دیں تب استعمال کرے:

"لایحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه". الحدیث؛ رواه الطحاوی(۱)۔

۲.....زید کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے، بلکہ خیانت ہے، جو پیسے بچے ہیں اس کو واپس کرنا

---

(۱) "عن عمرو یثربی رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: "لایحل لامرئ من مال أخیه شئ إلا بطیب نفس منه". (شرح معانی الآثار للطحاوی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الکراهیة، باب الرجل یمر بالحائط أله أن یأکل منه أم لا: ۲/۳۷۵، سعید)

(وکذا فی السنن الکبری للبیهقی، کتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله فی سفینة أو بنی علیه جداراً: ۶/۱۰۰، تالیفات اشرفیه لاهور)

(وکذا فی کنز العمال، الفرع الثانی فی أحکام الایمان المتفرقة: ۱/۹۲، (رقم الحدیث: ۳۹۷)، التراث الإسلامی حلب)

(ومجمع الزوائد، کتاب البیوع، باب الغصب: ۴/۱۷۲، دار الفکر)

لازم ہے(۱)۔

۳......زید کے لئے یہ بھی درست نہیں اگرچہ اس کے ذریعہ سے اتنے پیسوں کا بار اس کے سر سے اتر جائے۔

۴......ہوٹل والا یہ کھانا عمر کے لئے دیتا ہے، زید کے لئے نہیں۔ زید امین ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ پہلے کھانا عمر کے پاس پہونچادے، پھر اگر زید کو ضرورت ہو تو عمر سے اجازت لے لے(۲)۔

۵......یہ بھی جائز نہیں، یہ دھوکا اور جھوٹ ہے(۳)۔

---

(۱) "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أو تمن خان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان باب خصال المنافق: ۱/۵٦، قديمى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، قديمى)

قال القارى رحمه الله تعالىٰ: "(وإذا ائتمن): أى جعل أميناً .... وحق الأمانة أن تؤدى إلى أهلها، فالخيانة مخالفة لها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان: ۱/۲۲٦، رشيديه)

(۲) "عن عمرو يثربى رضى الله تعالىٰ عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "لايحل لامرئ من مال أخيه شئ إلا بطيب نفس منه". (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الكراهية، باب الرجل يمر بالحائط أله أن يأكل منه أم لا: ۲/۳۷۵، سعيد)

"لايجوز التصرف فى مال غيره بلا إذنه ولا ولايته". (الدرالمختار، كتاب الغصب، قبيل فصل: ٦/۳۰۰، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف فى مال غير بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹٦): ۱/۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يقول آمنّا بالله وباليوم الآخر وماهم بمؤمنين يخٰدعون الله والذين آمنوا ومايخدعون إلا أنفسهم ومايشعرون﴾ (سورة البقره: ۸، ۹)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمى)

"عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "عليكم =

۶......اس کی بھی عمر کو اطلاع کر کے اجازت لے لے، بلا اجازت ورضامندی ان تمام صورتوں میں نہ خود استعمال کرے، نہ دوسروں کو شریک کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۸۸ھ۔

میونسپلٹی کی چیز کا استعمال

سوال[۸۹۱۳]: کسی شخص کو کوئی شی - جو کہ ملکیت میونسپلٹی کی ہے- استعمال کیلئے ملی ہوئی ہے، وہ کچھ بیکار سمجھ کر دوسرے کو دے دیتا ہے اور وہ اپنی منشاء کے مطابق درستگی کرا کر اپنے استعمال میں لے آتا ہے۔ اور دینے والا یہ کہتا ہے کہ تم مالک ہو۔ آیا وہ اس صورت میں اپنے کو مالک سمجھے یا نہیں، یا کیا صورت کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر میونسپلٹی (۲) کی طرف سے محض استعمال کے لئے عاریۃً ملی، اس شخص کو مالک نہیں بنایا گیا تب تو اس کو حق نہیں کہ کسی کو دے اور کسی کو مالک بنادے، نہ دوسرے کو اس کا لینا درست ہے(۳)۔ اگر عاریۃً نہیں ملی

= بالصدق فإن الصدق يهدى إلى البر، وإن البر يهدى إلى الجنة، ومازال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقاً، وإياكم والكذب فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". (تنبيه الغافلين، باب الزجر عن الكذب، ص: ۸۲، المكتبة الرشيدية)

(۱) (راجع، ص: ۴۲۲، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "میونسپلٹی: شہری لوگوں کی جماعت جو شہر کی صفائی، پانی، روشنی وغیرہ کا انتظام کرتی ہے، بلدیہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۳۳۴، فيروز سنز، لاهور)

(۳) "العارية هي تمليك المنافع مجاناً، وحكمها كونها أمانةً". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب العارية: ۶۷۶/۵، ۶۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب العارية: ۴۶۷/۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب العارية: ۳۲/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"ومنها أن يكون مملوكاً للواهب، فلاتجوز هبة مال الغير بغير إذنه، لاستحالة تمليك ماليس بمملوك للواهب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها، الخ: ۳۷۴/۴، رشيديه)

بلکہ میونسپلٹی نے اس کو مالک بنادیا ہے تو اس کو جائز ہے کہ جس کو چاہے دے اور دوسرے شخص کو اس کا لینا اور مالک بننا بھی جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح۔ سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ڈاکٹر کو طوائف سے فیس لینا

سوال[۸۹۱۴]: جن کی کمائی ناجائز ہے جیسے طوائف، اس سے خرید وفروخت کرنا یا ڈاکٹر کو طوائف سے فیس لینا کیسا ہے؟ دریں صورت وہ کسی سے قرض لے کر ادا کرے تو کیسا ہے؟ اسی طرح اس کی دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ حرام کی کمائی کا روپیہ دے تو ڈاکٹر یا دوکاندار کو فیس یا قیمت لینا درست نہیں۔ ایسے روپیہ سے دعوت قبول کرنا بھی درست نہیں۔ ہاں! وہ قرض لے کر حلال روپیہ دے تو لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "اعلم أن اسباب الملک ثلاثة: ناقل کبیع وهبة". (الدرالمختار). "(قوله: ناقل، الخ): أی من مالک إلى مالک". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۳، سعيد)

"وأما حكمها (ای الهبة) فثبوت الملک للموهوب بغير لازم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول فی تفسير الهبة، الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(۲) "وإن علم أنه مغصوب عينه، لايحل أن يأكل؛ لأنه علم بالحرمة". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة ومايكره أكله: ۳/۴۰۰، رشيديه)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، =

دوست سے روپیہ چوری کیا اس کی واپسی کا طریقہ

سوال[۸۹۱۵]: میں نے اپنے ایک دوست کی جیب سے کچھ روپے نکال لئے تھے، اب مجھے خدا کا خوف دامن گیر ہوا۔ اس کو کس طرح واپس کروں؟ میں بہت شرمندہ ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی رقم جیب سے نکالی ہے اس کو کسی صورت میں پہونچا دیں، خواہ اس طرح سے کہ یہ رقم میری طرف سے آپ کو ہدیہ یا تحفہ ہے۔ یہ بتلانا ضروری نہیں کہ میں نے آپ کی جیب سے رقم نکالی تھی (۱)، لیکن اگر بتلا دیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیں تو یہ اعلیٰ بات ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۹ھ۔

چوری کا کوئلہ واپس کرنا چاہیے

سوال[۸۹۱۶]: زید ریلوے میں ملازم ہے اور بکر کا دوست ہے۔ زید ریلوے سے کوئلہ چرا کر لاتا اور جلاتا ہے، بکر کو اس کا علم ہے کہ زید ریل کا کوئلہ چرا کر لاتا ہے، اس کے علم کے باوجود بکر نے زید سے کوئلہ منگوایا

= فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولاياكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا، والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(۱) "الأصل أن المستحق بجهة إذا وصل إلى المستحق بجهة أخرىٰ، اعتبر واصلاً بجهة مستحقة إن وصل إليه من المستحق عليه، وإلا فلا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۲/۵، سعيد)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثلاثون في التصرفات الفاسدة: ۵۱/۲، اسلامی کتب خانه)

(۲) "عن وابصة بن معبد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال عليه الصلوة والسلام: "الإثم ماحاك في صدرك وإن أفتاك عنه الناس". (مسند أحمد بن حنبل رحمه الله: ۲۲۷/۴، (رقم الحديث: ۱۷۵۳۸)، المكتبه الإسلامي بيروت)

"الاثم ماحاك في صدرك وكرهت أن يطلع الناس عليه". (مسند أحمد حنبل: ۱۸۲/۴، (رقم الحداث: ۱۷۱۷۹)، المكتب الإسلامي بيروت)

تو زید نے کسی آدمی کے ہاتھ کوئلہ لاکر بھجوادیا۔ کوئلہ منگانے کے بعد بکر کو خیال ہوا کہ کوئلہ واپس کردیں، لیکن کوئلہ واپس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ زید دور شہر میں ملازم ہے اور بکر ایک دیہات میں رہتا ہے، اس لئے کوئلہ کی واپسی ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں کوئلہ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری کا کوئلہ استعمال نہ کیا جائے۔ اگر اس کو واپس کرنا ممکن نہ ہو تو کسی غریب کو اس نیت سے دے دیا جائے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے نجات دے (۱)۔ جو شخص وہاں ملازم ہو، اس سے واپسی کی ترکیب دریافت کرلی جائے، ممکن ہے کہ کوئی ترکیب نکل آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

چوری کا مال واپس کرنے کا طریقہ

سوال [۸۹۱۷]: ایک شخص نے بہت سی چوریاں کیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دے دی۔ اب اس نے چاہا کہ مالِ مسروقہ ادا کردوں، لیکن چوریوں کی کثرت کی وجہ سے حق والوں کو بھول گیا اور بعینہ وہ سامان بھی نہیں ہے۔ اب وہ کس کو کیسے ادا کرے؟

منصور احمد خسروپور، جامعہ اسلامیہ، ریڑھی تاجپورہ، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالِ مسروقہ کی مقدار تخمینہ سے متعین کرکے مالک یا اس کے ورثاء کو پہونچادیں، اگر مالک یا اس کے ورثا کا علم نہ ہو تو اتنی مقدار مالک کی نیت سے غریبوں کو صدقہ کردیں (۲)۔ اور خدائے پاک سے توبہ واستغفار

---

(۱) "أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً. أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في من ورث مالاً وحراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الغصب: ۲/۴۵۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۲۱، ۳۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق أوالظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولايأخذون منه شيئاً، =

کرتے رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۵ھ۔

کسی عالم کا داماد کو باپ کی دوکان سے چوری کی تلقین کرنا

سوال[۸۹۱۸]: ایک اہل علم حدیث کے پڑھانے والے اپنے داماد سے کہا کرتے ہیں کہ: تم اپنے والد، چچا وغیرہ کی دوکان سے روزانہ چوری سے نکال کر علیحدہ جمع کیا کرو، تاکہ تمہارے کام آوے۔ کیوں کہ والد چچا وغیرہ کا مال اپنا ہوتا ہے، تم بھی ان کی دوکان پر رہے ہو، کمائی کرتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسے ہی یہ فرمایا کہ اگر بیوی خاوند کی کوئی چیز چوری سے نکال لے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۱...... باوجود اہل علم حدیث پڑھانے کے چوری کی ترغیب وتلقین دینا کیسا ہے، ایسے شخص کو ظالم فاسق فاجر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... ایسے شخص کا کسی مدرسہ میں حدیث وغیرہ پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سوال اس سے پہلے بھی آیا تھا، اس کا جواب تحریر کردیا گیا، مگر اس میں صورت واقعہ لکھ کر سوال صرف لڑکے کے روکنے کا تھا۔ چنانچہ اس کے جواب پر اکتفا کیا گیا تھا۔ اب دو باتیں اور دریافت کی ہیں: ایک یہ کہ باوجود اہل علم، حدیث پڑھانے کے چوری کی تلقین وترغیب دینا کیسا ہے، ایسے شخص کو ظالم وفاسق وفاجر کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ ایسے شخص کا کسی مدرسہ میں حدیث وغیرہ پڑھانا کیسا ہے۔

ایسی حالت میں بہتر یہ تھا کہ سائل خود ان اہل علم حدیث پڑھانے والے سے دریافت کرلیتا کہ یہ چیز جس کا آپ مجھے بار بار حکم کر رہے ہیں اور میرے نہ ماننے پر میری بیوی کو روک لیا ہے، شرعاً کیسا ہے۔ چونکہ وہ اہل علم ہیں خود جواب دیتے۔ اگر ان سے دریافت نہیں کیا تو کم از کم ان کا بیان بھی سائل اپنے سوال کے ساتھ لکھتا تاکہ اصل واقعہ کی پوری حقیقت معلوم ہوتی اور فریقین کے متفقہ بیان پر جواب تحریر کیا جاتا۔

= وهو أولىٰ بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علىٰ صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۳۵۹/۸، رشيديه)

چوری جیسی خلاف شرع حرکت جس کی ممانعت اور حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اور اس کی ترغیب دینا اور نہ ماننے پر بیوی کو روک لینا ایک معمولی مسلمان سے بھی بعید ہے، چہ جائیکہ ایک اہل علم اس کا ارتکاب کرے۔

سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ واقعات مخفی اور طویل ہیں جو صیغۂ راز میں ہیں، اس لئے تاوقتیکہ وہ واقعات پورے طور پر معلوم نہ ہوں اصلی حکم شرعی کا معلوم ہونا دشوار ہے۔ سائل نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کی تمام تر ذمہ داری اسی پر ہے کہ اس میں کہاں تک اصلیت ہے۔ سائل کو اصرار ہے کہ میری تحریر کا جواب دے دیا جائے، اس لئے جواباً تحریر ہے:

ا...... چوری کی تلقین وترغیب دینا ہر شخص کو ناجائز ہے، اہل علم کے حق میں اس کی قباحت اور حرمت اَور بھی زیادہ ہے:

"الدال علی الخیر کفاعله، والدال علی الشر کفاعله". کنوز الحقائق، ص: ۷٦(۱)۔

ہاں! اگر کسی کے ذمہ کوئی شرعی واقعی مطالبہ ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اس میں داخل نہیں، یا اسی طرح اگر مالک کی طرف سے اس کا ظن غالب ہو کہ وہ فلاں شے لینے سے ناراض نہ ہوگا، یا اسی نوع کی کوئی اور صورت ہو وہ مستثنیٰ ہے کہ وہ چوری ہی نہیں۔ جو شخص چوری کرتا ہے، یا چوری کی ترغیب دیتا ہے، وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے(۲)، ایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں۔ اگر وہ توبہ کرے تو اللہ معاف فرمائیں گے(۳)۔

---

(۱) لم أظفر علی هذا الکتاب

(۲) "وعنه أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لایزنی الزانی وهو مؤمن، ولایسرق السارق وهو مؤمن .... متفق علیه". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قدیمی)

"تنبیه: عدّ السرقة هو ما اتفقوا علیه وهو صریح هذه الأحادیث، والظاهر أنه لافرق فی کونها کبیرة بین الموجبة للقطع وعدم الموجبة له". (الزواجر عن اقتراف الکبائر، کتاب الحدود، الکبیرة التاسعة والستون بعد الثلاثمائة، السرقة: ۲/۲۳۷، دارالفکر بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقبلوا لهم شهادةً أبداً وأولئک هم الفسقون، إلا الذین تابوا من بعد ذلک =

۲......کسی مدرسہ میں حدیث وغیرہ پڑھانا چھوڑ دینا اس بات کی وجہ سے نہ لازم ہے نہ جائز ہے کہ ایک غلطی کی دوسری غلطی یہ کرے، بلکہ اس غلطی سے توبہ کرے اور حدیث کے درس کو جاری رکھے یہ عبادت ہے۔ گناہ سے توبہ کرنا اور عبادت کو قائم رکھنا انسان کا فریضہ ہے، اور گناہ کرنا اس پر عبادت کو چھوڑ دینا نقصان در نقصان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/۴/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

بڑے بھائی کی دوکان سے پیسہ بچانا

سوال[۸۹۱۹]: زید اپنے بڑے بھائی بکر کے ساتھ رہتا ہے، بڑے بھائی کی دوکان ہے، زید بھی دوکان کا کافی کام کراتا ہے۔ زید کو بڑے بھائی نے کھانے پینے کی اجازت دے رکھی ہے، مگر زید کھانے پینے میں بہت کم خرچ کرتا ہے اور کچھ پیسہ جمع کرتا ہے۔ تو یہ پیسہ اس کو خود خرچ کرنا یا مسجد میں صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے بھائی کو اس کی خبر کردے اور اس سے اجازت لے لے، پھر مسجد وغیرہ میں جہاں چاہے صَرف کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱/۸۸ھ۔

= وأصلحوا فإن الله غفور رحيم﴾ (سورة النور: ۵،۴)

"فالتوبة أن يندم على ذنبه بالقلب، ويستغفر باللسان، ويضمر أن لايرجع إليه أبداً". (تنبيه الغافلين، باب آخر من التوبة، ص: ۵۹، رشيديه)

(وكذا في رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمي)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

جھٹکے کے گوشت کی قیمت

سوال[۸۹۲۰]: ہمارے یہاں ایک دنبہ آتا ہے سرکاری طور سے، جس کو جھٹکے کے ذریعہ کاٹ دیا جاتا ہے اور اس کا کچھ حصہ گوشت فروخت کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے ایک فنڈ بنایا جس سے پکوان کی دوسری چیزیں خریدی جاتی ہیں اور وہ تمام پکوان میں استعمال ہوتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو گوشت جھٹکے کا تھا اور اس پیسے سے جو چیزیں خریدیں اس حصہ میں کھانا کیسا ہے؟ کیونکہ فنڈ حصے میں میرا خود کا حصہ آتا ہے۔ میں جھٹکے کا گوشت تو کھاتا نہیں، البتہ بیچ کر جو پیسے آتے ہیں، اس کے متعلق مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جھٹکے کا گوشت غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کر کے آپ کو پیسے دیئے ہیں تو یہ آپ کے لئے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وسلم: "ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

"والأظهر أن معناه: لاتظلموا أنفسكم، وهو يشمل الظلم القاصر والمتعدى". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى: ۱۴۹/۶، رشيديه)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب ماجاء في الظلم، ص: ۲۰۲، حقانيه پشاور)

(ومسند أحمد بن حنبل: ۲۹/۶، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲)، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "والحيلة في هذه المسائل أن يشترى نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أىّ مال شاء. وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن الحيلة فى مثل هذا، فأجابنى بما ذكرنا، كذا فى الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الرابع فى المال من الإهداء والميراث: ۳۴۹/۴، رشيديه)

جلدی میں ٹکٹ نہ لے سکا اور پیسے گارڈ کو دے دیئے تو وہ کافی ہے یانہیں؟

سوال[۸۹۲۱]: مجھے ایک مرتبہ دیوبند سے سہارنپور جانا تھا، اسٹیشن پر پہونچا تو گاڑی چل دی اور میں چلتی گاڑی میں چڑھ گیا اور جلدی کی وجہ سے ٹکٹ نہ خرید سکا۔ ٹپری اسٹیشن پر گارڈ سے ملا اور اس نے پچھتر پیسے لے کر کہا کہ میں سہارنپور میں گیٹ سے پاس کرادوں گا۔ چنانچہ اس نے مجھے گیٹ سے پاس کرادیا، نہ اس نے مجھے ٹکٹ دیا اور نہ ہی رسید دی، غالباً وہ پیسہ محکمہ ریلوے کو نہیں پہونچا۔ اب شریعت کی رو سے بندہ سبکدوش ہوگیا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ نے سہارنپور تک سفر کیا اور عجلت کی وجہ سے ٹکٹ نہیں خرید سکے اور ٹپری اسٹیشن پر گارڈ سے مل کر ٹپری سے سہارنپور تک کا پیسہ بھی اس کو دے دیئے، مگر اس نے نہ ٹکٹ دیا، نہ رسید دی تو ظاہر ہے کہ وہ پیسے ریلوے کے ایک ملازم (گارڈ) نے خود رکھے اور سہارنپور پہونچ کر اپنے اثر سے اس نے آپ کو پاس کرادیا۔ پس سہارنپور سے دیوبند تک کا ٹکٹ لے کر آپ پھاڑ دیں تا کہ آپ کے ذمہ ریلوے کا مطالبہ باقی نہ رہے اور بالیقین آپ بری الذمہ ہوجائیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۱ھ۔

جہاز میں خنزیر کا گوشت پیش کرنے والے کی ملازمت

سوال[۸۹۲۲]: میں نمازی مسلمان ہوں، حسبِ عقیدۂ اسلام لحمِ خنزیر اور شراب اور دیگر لغویات کا ارتکاب نہیں کرتا، مگر صاحبِ عیال اور غریب آدمی ہوں اور پانی کے جہاز میں خانساماں کا کام کرتا ہوں۔ شراب اور سور کا گوشت اور دیگر اشیاء مسافروں کے لئے کمپنی کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں، میں بحیثیتِ ملازم پیش کرتا ہوں۔ میری یہ کمائی میرے لئے شرعاً حلال ہے یانہیں؟

---

(۱) "كل حيلة يحتال بها الرجل لتخلص بها عن حرام، أو لتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها: ۳۹۰/۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا حرام اشیاء کو لاکر، یا پکا کر پیش کرنا معصیت وحرام ہے(۱)، مگر ملازمت کی تنخواہ حرام نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۱۱ھ۔

بازار سے پھل خریدتے وقت حرام وحلال ہونے کی تحقیق

سوال[۸۹۲۳]: آج کل جو آم بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ان کے متعلق معلوم نہیں کہ خریدار نے جو باغ خریدا ہے کس وقت خریدا ہے، آیا زمانہ کوہر میں خریدا ہے (۳)۔ ایسی حالت میں بازار سے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق اور ظنِ غالب ہو کہ اس بائع نے بیع باطل سے خریدا ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے، اگر اس کی تحقیق یا ظن غالب نہ ہو تو اس کے خریدنے میں گنجائش ہے:

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فیعم النھی کل ماھو من مقولة الظلم والمعاصی .... وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وأبی العالیة: أنھما فسرا الإثم بترک ما أمرھم به وارتکاب مانھاھم". (روح المعانی: ۶/۵۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "وإذا استأجر الذمی مسلماً لیحمل له میتة أو دماً، یجوز عندھم". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع فی الإجارة: ۴/۴۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۱، سعید)

"وإن استأجره لیکتب له غناء بالفارسیة أو بالعربیة قیل: لایحل الأجر، والمختار أنه یحل؛ لأن المعصیة فی القراءة". (الفتاوی البزازیة، کتاب التجارات، نوع فی المتفرقات: ۵/۴۱، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمنتقی شرح الملتقی، کتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مکتبه غفاریه، کوئٹه)

(۳) "زمانہ کوہر: ابتدائی زمانہ"۔ (حق نواز)

"وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجب ما أمكن، إلا أن تقوم البينة، اهـ".

مبسوط سرخسی: ۷۳/۱۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حرام مال سے کوئی چیز خریدنا

سوال[۸۹۲۴]: ایک شخص کے پاس مال حرام ہے جو اس کو کسی حلال شے کے فروخت کرنے پر مشتری سے ملا ہے، اب اگر یہ شخص ایک گھوڑا خرید کرے اور ایک ہفتہ کا ادھار کر کے گھوڑے کو اپنے گھر لے آئے اور مال حرام ایک ہفتہ بعد دے تو گھوڑا جائز ہے یا نہیں؟

سعید احمد کھیڑہ افغان۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حلال شی کو مال حرام کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں، لقوله تعالیٰ: ﴿ولاتتبدلوا الخبيث بالطيب﴾(۲)، لیکن اگر کسی کے پاس اس طرح مال حرام آجائے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، یا اس کے مثل کسی اَور طرح آجائے تو اس کو ادھار یا قرض میں کسی غیر مسلم کو دینا درست ہے، لہٰذا اس گھوڑے کو حرام نہیں کہا جائے گا، كذا في العالمگيرية: ۲۲۱/۲(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۹/ رجب/ ۵۳ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ رجب/ ۵۳ھ۔

مال حرام سے خرید وفروخت

سوال[۸۹۲۵]: سود کا مال اگر کوئی شخص خریدے تو وہ حلال ہو جاتا ہے یا باوجود خرید لینے کے بھی وہ حرام ہی رہتا ہے؟ مفصل لکھیے۔

---

(۱) (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب الدعوى، باب اختلاف الأوقات في الدعوى وغير ذلك: ۷۳/۱۷، غفاریہ کوئٹہ)

(۲) (سورة النساء: ۲)

(۳) "كل حيلة يحتال بها الرجل لتخلص بها عن حرام، أو لتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها: ۳۹۰/۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مال کسی شخص کے پاس خالص حرام طریقہ سے آیا ہوا ہو، اس کا خریدنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے:

"الحرام ينتقل، ولو دخل بأمان وأخذ مال حربي بلا رضاه وأخرجه إلينا، ملكه، وصح بيعه، ولكن لايطيب له ولا للمشتري منه". درمختار. قال الشامي: "(قوله: الحرام ينتقل): أي ينتقل حرمته. وإن تداولته الأيدي، تبدلت الأملاك، ويأتي قريباً. (قوله: ولا للمشتري) فيكون بشرائه منه مسيئاً؛ لأنه ملكه بكسب خبيث، وفي شرائه تقرير للخبيث ويؤمر بما كان يؤمر به البائع من رده على الحربي؛ لأن وجوب الرد على البائع. ولما كان لمراعاة ملك الحربي ولأجل غدر لأمان، وهذا المعنى قائم في ملك المشتري كما في ملك البائع الذي أخرجه، اھ". شامی: ۱۷۹/۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

پیسہ کے عوض بیع کرنا

سوال [۸۹۲۶]: دوکانداروں کے پاس خریدار سود، رشوت، قمار، سرقہ سبھی قسم کا پیسہ دے کر چیز خریدتے ہیں۔ یہ پیسہ جو مبیع کے بدل میں بائع کو حاصل ہو رہا ہے، حلال ہے یا نہیں؟ اور اس سے مفر بھی آج کل مشکل ہے۔ بینوا توجروا۔

سید نجم الحسن رضوی، خیر آباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس پیشہ کے متعلق قطعی طور پر علم ہو کہ یہ حرام ہے، اس کے عوض کوئی شی فروخت کرنا اور وہ پیسہ حاصل

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، قبيل: مطلب: البيع الفاسد لايطيب له ويطيب للمشتري منه: ۹۸/۵، سعيد)

کرنا درست نہیں، جہاں علم نہ ہو وہاں گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

خریدنے کے بعد حرام ہونا معلوم ہوا تو اب کیا کیا جائے؟

سوال[۸۹۲۷]: جو حرام چیز مول لی جائے، بعد میں معلوم ہو جائے، کیوں کہ جس شخص کے پاس سے مول لیا ہے وہ نہ لے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ شراب وغیرہ ہے تو کسی کافر کے ذریعہ سے فروخت کرادے۔ اگر وہ چڑھاوا وغیرہ ہے تو اصل مالک کو دے دے، یا اس سے کہہ دے کہ یہ شے تمہاری ملک ہے، پر تم نے فلاں قبر پر چڑھائی ہے اور یہ تمہاری ملک سے خارج نہیں ہوئی، میں نے غلطی سے خرید لی ہے، میرے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے، میرے دام ضائع ہوگئے، اب تم یہ اپنی چیز لے لو اور چڑھانے کی نیت جو کی تھی اس سے توبہ کرو۔ پھر اگر وہ خدا کے لئے ثواب سمجھ کر دے دے، یا فروخت کردے تو پھر لینا اور استعمال کرنا درست ہوگا۔ اگر مالک کا علم نہ ہو تو کسی غریب کو وہ شے صدقہ کردے، اس نیت سے کہ اللہ پاک اس حرام شے کے وبال سے مجھے چھٹکارہ دے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "الحرمة تنتقل". (الدر المختار). "وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى إلى ذمتين سألت عنه الشهاب ابن الشلبي فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا فيه، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۸/۵، سعيد)

(۲) "وعلى هذا قالوا: لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، رشيديه)

ناجائز زمین کی پیداوار کا حکم

سوال[۸۹۲۸]: ایک شخص کا باپ چوری کرتا ہے اور اس کے وہاں کھیتی بھی ہوتی ہے، مگر کھیتی میں اور کھیتی کے بیلوں میں روپیہ چوری کا لگا ہوا ہے اور دنیاوی کاروبار بہت اچھا چلا رکھا ہے۔ اور اس کے دادا بھی چوری کا کام کرتے تھے اور زمین دبا لیتے تھے۔ اب جو سرمایہ باپ دادا نے زمین روپیہ جمع کر کے رکھا ہے اس میں چوری اور رہن کا بھی اور گھر کا بھی۔ اب اس زمین میں کونسی حرام کونسی حلال؟

اس گھر میں ایک لڑکا ہے، وہ عاقل وبالغ ہوگیا ہے، اب اس نے حرام وحلال میں فرق دیکھا، اس نے اس کے کھانے میں کراہت سمجھی اور وہ اپنے والدین کے اکیلا ہے، گھر کا سب کاروبار کھیتی وغیرہ سب وہی کرتا ہے، اگر وہ کاروبار چھوڑ دے تو تمام خراب ہوجائے۔ باپ مانتا نہیں۔ اب لڑکا اس زمین کی پیداوار میں کھانا پینا چھوڑ دے، یا کیا کرے؟ دوسرا کام بھی اس کو دشوار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز وزمین کے متعلق معلوم ہو کہ یہ چوری کی ہے، اس کا استعمال کرنا کھانا پینا سب ناجائز ہے(۱)، اس کا اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر مالک مرگیا ہو تو اس کے ورثہ کو واپس کردے۔ اگر مالک

---

(۱) "إذا علم أن كسب مورثه حرام يحل له، لكن إذا علم المالك بعينه، فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه، وهذا معنى قوله: وقيده في الظهيرية، الخ. وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ......... وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً، أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۸۹/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۸۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، =

معلوم نہ ہو تو اس کو صدقہ کردے(۱) تاکہ عذابِ قیامت سے چھٹکارہ ہو۔ اور جس چیز کے متعلق معلوم نہ ہو کہ یہ چوری کی ہے، یا حلال کی کمائی کی ہے تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اگر حلال غالب نہیں ہے تب تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، اگر حلال غالب ہے تو اس میں گنجائش ہے(۲)۔

زمین جس کی زبردستی دبا رکھی ہے اس کا واپس کرنا بھی ضروری ہے اور اس کی پیداوار میں سے صرف بیج کی مقدار رکھنا درست ہے، اس سے زائد رکھنا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان المبارک/۵۶ھ۔

= دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۳۲۱، ۳۲۲، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/ ۲۰۲، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) "وعلى هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۸۵، رشيديه)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا، والضيافات: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، مايكره أكله ومالايكره، ومايتعلق بالضيافة: ۳/ ۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهداية والميراث: ۶/ ۳۶۰، رشيديه)

(۳) "رجل زرع أرض نفسه، فجاء رجل وألقى بذره في تلك الأرض .... جميع ما نبت لصاحب =

دوسرے کے درخت فروخت کر کے قیمت خود رکھنا

سوال[۸۹۲۹]: زید وعمر دو اشخاص کا ایک مشترک باغ تھا جس کے سرکاری وذاتی کاغذات تھے، باہم رضامندی سے بٹوارہ ہوگیا، اور تقسیم کے بعد دونوں کے حصے کاغذات میں درج ہوگئے، مگر ۳۵/ درختوں کی ایک قطار کے سلسلہ میں زید کا یہ رویہ رہا کہ ہر فصل یہ کہہ کر فروخت کر لیتے ہیں کہ یہ میرا حصہ ہے، اور زید کو ایسا کرتے ہوئے دس سال ہوگئے۔ اس درمیان ان درختوں کی آمدنی تقریباً بائیس ہزار روپیہ ہیں۔ عمر چاہتا ہے کہ زید سے اپنی یہ تمام رقم وصول کر لے۔

لہذا از روئے شرع اس رقم کو وصول کیا جاسکتا ہے یا نہیں، جب کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ درخت عمر کے ہی ہیں؟ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید کو اس بات کا اقرار ہے کہ یہ درخت عمر کے ہیں اور عمر نے اس کو اجازت نہیں دی کہ وہ اس کے درختوں کو فروخت کر کے اس کی قیمت خود رکھے تو زید کے ذمہ لازم ہے کہ وہ قیمت عمر کو دیدے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

= الأرض، وعليه للغاصب مثل بذره، و لكن مبذوراً في أرض غيره". (البحر الرائق: ۲۰۴/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة (رقم المادة: ۹۰۷)، ص: ۵۰۴، ۵۰۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "و يردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها" (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"و يجب ردّ عينه في مكان غصبه أو مثله إن هلك وهو مثلي. وإن انصرم المثلي، فقيمته يوم الخصومة، وما لا مثل له، فقيمته يوم غصبه". (البحر الرائق: ۱۹۸/۸، ۱۹۹، كتاب الغصب، رشيديه)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه. وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱، (رقم المادة: ۹۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، سعيد) .... =

ٹھیکہ میں بچا ہوا سامان استعمال کرنا

سوال[۸۹۳۰]: کسی شخص نے سڑک کی مرمت کی ٹھیکے داری لی، گورنمنٹ نے اس سلسلہ میں کافی بجری سڑک کی مرمت کے لئے دی۔ ٹھیکے دار نے سڑک مرمت کرادی اور مرمت کے بعد بجری بچ گئی۔ اب اس بجری کو گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر عوام کا استعمال کرنا اپنے ذاتی کام میں کیسا ہے؟

نوٹ: بجری ٹھیکہ دار کی ہے اور سڑک ڈسٹرکٹ بورڈ کی ہے، عوام بغیر اجازت کے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور بہت سے لوگ استعمال کر چکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کو مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

مہر لگے بغیر استعمال شدہ ٹکٹ دوبارہ کام میں لانا

سوال[۸۹۳۱]: زید محکمۂ وقف میں ملازم ہے جہاں باہر سے بکثرت ڈاک آتی ہے اور بعض اوقات ڈاک ٹکٹ جو خطوط پر چسپاں ہوتے ہیں مہر کی زد سے بچ جاتے ہیں۔ کیا زید ان ٹکٹوں کو اپنے یا وقف کے مفاد میں دوبارہ استعمال کر سکتا ہے؟ اور شرع کی رو سے ایسے استعمال شدہ ٹکٹوں کا استعمال جائز ہے یا کہ ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوبارہ استعمال کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۶/۲۷ھ۔

= (وكذا في الأشباه والنظائر: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) واضح رہے کہ استعمال شدہ اشیاء کا دوبارہ استعمال قانوناً جرم ہے، کیونکہ اس پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد ہے۔ اور =

اگر شربت میں حقِ غیر مخلوط ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۸۹۳۲]: اگر کسی شی حلال میں کوئی شی حرام باعتبارِ امر خارجی آپس میں بالکل مخلوط ہوجائے تو اتنی مقدار کے نکال دینے کے بعد ماقبی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر حلال ہو تو با کراہت یا بلا کراہت؟ مثلاً دو گلاس شربت میں ایک گلاس شربت چوری کا یا غصب کا مل گیا تو ایک گلاس شربت نکال دینے کے بعد باقی دو گلاس شربت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقِ غیر اگر اپنے حق کے ساتھ مخلوط ہوجائے تو بقدرِ حقِ غیر اس سے الگ کر کے مالک کو دے دیا جائے، پھر باقی حلال ہے۔ درمختار اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ مسئلہ موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

حرام حلال مخلوط روپے کا ہبہ

سوال[۸۹۳۳]: زید کا باپ تجارت کرتا ہے، وہ تجارت شرع شریف کے بالکل خلاف ہے، مثلاً: جھوٹ بولتا ہے، کم دیتا ہے، زیادہ لیتا ہے اور بہت سی دھوکہ بازیاں کرتے ہیں، جیسے کہ آج کل تجارت چل رہی ہے کہ کوئی مسئلہ کا لحاظ نہیں کرتا، جس طرح جی میں آتا ہے کر دیتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا باپ وہ روپیہ جتنا مناسب سمجھتے ہیں۔ زید کو دیدیتے ہیں اور باقی سے اپنا کام چلاتے ہیں۔ تو یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ناجائز ہے اور زید لحاظ میں لے لیتا ہے تو اب اس کو مسکینوں میں خیرات کر دے، یا قطعی ان سے

=جس قانون کی پابندی میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو، اس کی پابندی شرعاً وقانوناً رعایا پر ضروری ہے، لہذا مہر لگے بغیر ٹکٹ کا دوبارہ استعمال اس قانون کو توڑنے کی وجہ سے جائز نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (فضل مولیٰ)

(۱) "لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر بغير إذن المالك بحيث لاتتميز إلا بكلفة كحنطة بشعير ودراهم جياد بزيوف، ضمنها لاستهلاكه بالخلط، لكن لايباح تناولها قبل أداء الضمان".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الايداع: ۶۶۸/۵، ۶۶۹، سعيد)

"لو اختلط بحيث لايتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاحرام: ۹۹/۵، سعيد)

نہ لے اور صاف منع کردے؟ اور اگر کوئی صورت لینے کی ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا باپ خالص حرام وناجائز روپیہ مثلاً: رشوت، سود، غصب وغیرہ کا روپیہ زید کو دیتا ہے، یا ایسا مخلوط روپیہ دیتا ہے جس میں زیادہ حرام ہے اور کم حلال تو زید کو اس کا لینا جائز نہیں، صاف انکار کردے(۱)۔ اگر کسی وجہ سے لے لیا ہے تو واپس کردے، اگر واپس نہیں کرسکتا تو خود اپنے صَرف میں نہ لائے، بلکہ جن سے باپ نے لیا ہے ان کو واپس کردے، وہ موجود نہ ہو تو ان کے ورثہ کو دیدے۔ اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ کا علم نہ ہو تو خیرات کردے، اور مسکینوں کو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے(۲)۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام .... آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(وكذا في فتاوى البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۶۰، كتاب الكراهية، الرابع في الهداية، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۵۲۹، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "إذا علم أن كسب مورثه حرام يحل له، لكن إذا علم المالك بعينه، فلا شك في حرمته ووجو ب رده عليه، وهذا معنى قوله: وقيده في الظهيرية، الخ. وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ.......... وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم ما لكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أوظلماً، إن علم ذلک بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً، أما في الديانة فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار: ۵/ ۹۹، كتا ب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في الدرالمختا ر مع ردالمحتار: ۶/۱۸۹، كتا ب الغصب، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۸۶، كتا ب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

اگر وہ خالص حلال روپیہ، یا ایسا روپیہ جس میں زیادہ حلال ہے، دیتا ہے تو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

حرام وحلال مخلوط آمدنی مدرسہ میں دینا

سوال [۸۹۳۴]: ایسی کمپنی کہ جس میں باجہ بھی ہو اور عورتیں بھی تماشہ کرتی ہوں اور جانور بھی ہوں۔ اس کی آمدنی کا کچھ حصہ مدرسہ اسلامیہ میں صرف کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمدنی حلال بھی ہے اور غالب ہے تو اس کا خود استعمال کرنا اور مدارس وغیرہ میں دینا درست ہے۔ اگر آمدنی حرام غالب ہو تو اس کو خود استعمال نہ کیا جائے، بلکہ غرباء ومساکین پر صرف کر دیا جائے، خواہ وہ غرباء مدارسِ اسلامیہ سے متعلق ہوں خواہ نہ ہوں۔ اور اس کمپنی کی آمدنی جو طریقۂ مذکورہ سے حاصل ہوتی

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۲۱/۶، ۳۲۲، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۰۲/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام .... آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لايقبل ولايأكل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۲/۵، ۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(وكذا في فتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۰/۶، كتاب الكراهية، الرابع في الهداية، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۲۹/۲، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

ہے وہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ہذا، ۱۱/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/شعبان/۱۳۵۵ھ۔

حرام اور مخلوط آمدنی سے امام کو تنخواہ اور کھانا دینا

سوال[۸۹۳۵]: بکر ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور اس کی تنخواہ مقرر ہے، جو تنخواہ مسجد کے متولی بکر کو دیتے ہیں وہ چندہ وغیرہ جمع کر کے دی جاتی ہے اور اس چندہ میں سود خور اور رشوت خور سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا ایسا چندہ لینا اور پھر امامت کی تنخواہ میں دینا کیسا ہے، جب کہ امامت کرنے میں تقویٰ کا زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے؟ پھر کیا امام کو بھی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس زمانہ میں اکثر وبیشتر ایسا ہی ہوتا ہے اور اسی طرح مدرسہ کے مدرس کا بھی مسئلہ ہے، وہ بھی تحریر فرمائیں۔

بعض جگہ اماموں کا مستقل کھانے کا انتظام ہوتا ہے اور جن گھروں سے کھانا آتا ہے ان میں سے بعض گھر والے سود لینے میں بھی مبتلا ہیں اور بعض سرکاری ملازم رشوت لیتے ہیں، ایسے گھر سے بھی کھانا آتا ہے۔ اب امام کو ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں، جب کہ یہ امام اور یہ مدرس محنت سے کام کرتے ہیں؟ اور اگر کھانا بند کر کے تنخواہ بڑھا دینے کی بات کی جاتی ہے تو تنخواہ بہت ہی کم بڑھائی جاتی ہے جو کھانے کی نسبت بہت ہی کم ہوتی ہے اور جو تنخواہ بڑھائی ہے تو وہ بھی اسی آمدنی سے جو کہ سود اور رشوت خور سے چندہ لیکر جمع کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں

---

(۱) "آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه و غالب ماله حرام، لا يقبل و لا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، و على هذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه".

(ردالمحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۹/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

امام یامدرس کیا کرے؟ ان دونوں صورتوں میں بہتر صورت کونسی ہے، آیا صرف پوری تنخواہ ہی لی جائے یا کھانے کو بھی جاری رکھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متعین طور پر جوشخص رشوت یا سود کی آمدنی امام یامدرس کو دے، خواہ روپیہ کی صورت میں ہو یا کھانے کی صورت میں ہو، اس کا لینا جائز نہیں (۱)۔ اگر کسی کی آمدنی حلال وحرام دونوں قسم کی ہو، مگر حلال آمدنی زیادہ ہو حرام کم ہو، ایسی مخلوط آمدنی سے امام یامدرس کو کھانا یا نقد دے تو اس کا لینا درست ہے۔ اگر حرام زیادہ ہو، حلال کم تو لینا درست نہیں، ایسا آدمی اگر حلال سے دے مثلاً: قرض لے کر دے یا اس کو وراثت میں حلال چیز ملی ہو اور اس میں سے دے تو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۷/۹۴ھ۔

جس کا مال مشتبہ ہو اس کے یہاں خوراکی دے کر کھانا

سوال [۸۹۳۲]: مجھے اپنی خوراک کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں بہت تشویش ہے۔ میرا کھانا پینا ایک ایسے شخص کے پاس ہے جس کا مال حرام اور مشتبہ ہے۔ ایسے شخص کے پاس خوراکی دے کر کھانا کھانا میرے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مال بالکل حرام ہے یا غالب مال حرام ہے تو اس کا کھانا آپ کے لئے جائز نہیں، اپنا انتظام

---

(۱) "ومانقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما من رآى المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الآخر، فهو حرام". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

کہیں اور کریں۔ اور اگر اس کا اکثر مال حلال ہے اور کم مقدار میں حرام ہے اور وہ سب مخلوط ہے تو آپ کو اس کے کھانے کی گنجائش ہے (۱)۔ اگر محض مشتبہ ہے تو پھر پریشان ہوکر تشویش میں نہ پڑیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

مالِ حرام کا مصرف

سوال[۸۹۳۷]: زید نے تمام عمر گناہ کئے اور نماز نہیں پڑھی اور سود پر روپیہ دے کر سود کا روپیہ اپنے خورد ونوش میں خرچ کیا اور اکٹھا بھی کیا، مگر اپنی آخری عمر میں زید توبہ کرکے، استغفار کرکے روزہ نماز کا بالکل پابند ہوگیا ہے، مگر وہ اپنے اس روپیہ کو مسجد میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ آیا اس کے اس روپیہ کو مسجد کے استعمال میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو کس صورت میں خرچ کیا جاوے؟

---

(۱) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لايقبل ولا يأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. وإن كان غالب ماله حلالاً، لابأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۶۰، الرابع في الهدية، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۴/۵۲۹، بيروت)

(۲) "اليقين لايزول بالشك". (الاشباه والنظائر، الفن الأول، النوع الأول، القاعدة الثالثة، ص: ۲۰۰، قديمی)

(وكذا في شرح المجلة، المقالة الثانية، (رقم المادة: ۴): ۱/۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في القواعد الفقهيه، (لعميم الإحسانؒ) رقم القاعدة: ۴۲۱، ص: ۱۴۳، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في رسالة الكرخی فی الأصول، (رقم القاعدة: ۱)، ص: ۱۱، المطبوعة مع قواعد الفقه، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في القواعد الفقهية، لعلى احمد الندوىؒ، القسم الثانی، الفصل الثالث، المبحث الأول، ص: ۳۵۴، دارالقلم دمشق)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مال روپیہ حرام طریقہ سے کمایا گیا ہے، اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں (۱)۔ وہ روپیہ اصل مالک کو واپس کرنا چاہیے، وہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دے دیں، وہ بھی نہ ہوں یا ان کا علم نہ ہو تو اصل مالک کی طرف سے غرباء کو صدقہ کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہٗ

---

(۱) "أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالي". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، كتاب الصلوة، مطلب في بيان السنة والمستحب، سعيد)

(۲) "إذا علم أن كسب مورثه حرام يحل له، لكن إذا علم المالك بعينه، فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه، وهذا معنى قوله: وقيده في الظهيرية، الخ. وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ".

"وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أوظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً. أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار: ۵/ ۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۱۸۹، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۸۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۴۵۸، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۴۵۸، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۳۲۱، ۳۲۲، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۸/۲۰۲، كتاب الغصب، رشيديه)

حرام مال کا صدقہ

سوال[۸۹۳۸]: زنا کار مرد وعورت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، یا ناچ باجہ، سارنگی طبلہ، ڈھولک، مجیرا، ہارمونیم سے کماتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام مال اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول نہیں (۱)، بہ نیتِ ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا بھی سخت گناہ اور خطرناک ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرام آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا

سوال[۸۹۳۹]: بعض حضرات حرام کمائی سے مکان بنوا کر نزولِ برکت کے لئے قرآن خوانی کراتے ہیں اور وہ اس حرام کمائی سے قربانی عقیقہ اور بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب، یا عوام میت کے ایصالِ ثواب خرچ کرتے ہیں۔ اس سے ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حلال کمائی میں کچھ حرام کمائی ملائی گئی ہے تو اس سے بنایا ہوا مکان استعمال کرنا درست ہے اور

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "إنما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعي". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله: "رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً يرجو به الثواب، يكفر........ (قوله: إذا تصدق بالمال الحرام القطعي): أي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله، كما مر، فافهم". (ردالمحتار: ۲۹۲/۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي: ۲۰۵۸/۳، الفصل الثالث: صدقة التطوع، أحد عشر، التصدق من المال الحرام، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۲/۲، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه: ۵۰۴/۵، كتاب أحكام المرتدين، فصل في ما يتعلق بالحلال والحرام، إدارة القرآن كراچی)

ایسی کمائی کو دین کے کاموں میں خرچ کرنا بھی درست ہے(۱)، لیکن حرام کمائی کا گناہ مستقل ہے اور جس قدر مال حرام کمائی سے کمایا ہے اس کا اصل مالک کو واپس کرنا لازم ہے، وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ اور وہ باقی نہ ہوں تو غرباء پر اس نیت سے صدقہ کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے بچائے (۲)۔ اور جو

---

(۱) "(قوله: اكتسب حراماً) توضيح المسئلة مافي التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم أخر ورفع تلك الدراهم. قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، والثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لايطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الأن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس، اهـ". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً، ثم اشترى، فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

(۲) "إذا علم أن كسب مورثه حرام يحل له، لكن إذا علم المالك بعينه، فلا شك في حرمته ووجوب رده عليه، وهذا معنى قوله: وقيده في الظهيرية، الخ. وفي منية المفتي: مات رجل ويعلم الوارث أن أباه كان يكسب من حيث لا يحل، ولكن لايعلم الطالب بعينه ليرد عليه، حل له الإرث، والأفضل أن يتورع ويتصدق بنية خصماء أبيه، اهـ".

"وكذا لايحل إذا علم عين الغصب مثلاً وإن لم يعلم مالكه، لما في البزازية: أخذ مورثه رشوةً أوظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً. أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". (ردالمحتار: ۹۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۸۹/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۸۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴۵۸/۲، كتاب الغصب، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۲۱/۶، ۳۲۲، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت) =

خالص حرام کمائی کا روپیہ ہو، اس کو اپنے ذاتی یا دینی کاموں میں خرچ کرنا درست ہی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق: ۸/۲۰۲، كتاب الغصب، رشيديه)

(۱) مالِ حرام کسی بھی دینی کام میں صَرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسے تصرف کے لئے مِلک ہونا ضروری ہے اور مالِ حرام پر کسی کی مِلک نہیں آتی:

"لو كان الخبيث نصاباً، لايلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه". (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، كتاب الزكوة، سعيد)

فصلٌ فی أداء القرض من الحرام

(حرام مال سے قرض ادا کرنے کا بیان)

مالِ حرام سے قرض کی ادائیگی

سوال[۸۹۴۰]: زید نے عمرو کے پاس مال حرام کے سو روپے بطورِ امانت رکھ دیئے، پھر زید نے عمرو سے سو روپے قرض لئے، قرض لے لینے کے بعد زید نے عمرو سے کہا کہ ہماری رقم جو بطورِ امانت ہے وہ اپنے قرض میں وضع کرلو۔ ایسی صورت میں یہ رقم جو زید کو عمرو نے بطورِ قرض دی ہے، اس کی حلت میں تو فرق نہیں آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو رقم زید کو عمرو نے بطورِ قرض دی ہے وہ تو حلال ہے، لیکن اس قرض کی ادائیگی کے لئے اس رقم کا وضع کرنا اور لینا درست نہیں جو زید نے عمرو کے پاس مال حرام سے بطورِ امانت رکھی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ عمرو کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے پاس زید کی جو امانت رقم ہے، اس کا کل یا اکثر حصہ حرام ہے:

قال ابن تيمية رحمه الله تعالىٰ: "ما في الوجود من الأموال المغصوبة والمقبوضة بعقود، لاتباح بالقبض، إن عرفه المسلم اجتنبه، فمن علمت أنه سرق مالاً أو خانه في أمانته أوغصبه، فأخذ من المغصوب قهراً بغير حق، لم يجزلي أن آخذه منه لا بطريق الهبة ولا بطريق المعاوضة ولا وفاء عن أجرة ولا ثمن مبيع ولا وفاء عن قرض، فإن هذا عين ذلك المظلوم". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، قواعد جامعة في عقود المعاملات والنكاح، النهي يؤخذ من الشرع لولم يعلل، اصول في التحريم والتحليل: ۱۷۸/۲۹، مكتبه العبيكان، السعودية)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: الحرام ينتقل): أي تنتقل حرمته وإن تداولته =

مال حرام سے قرض ادا کرنا

سوال[۱۸۹۴۱]: ا......زید شراب کی تجارت اوراس کا کاروبار کرتا ہے، جو کچھ روپیہ پیسہ ساز وسامان اس کے پاس ہے سب کچھ اسی تجارت کی آمدنی سے ہے۔ اب بتوفیقِ الٰہی اپنے اس فعل سے تائب ہوکر اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ گذاران کی صورت کیا ہوگی؟ لہذا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اگر کسی سے بلاسودی قرض لے کر کوئی دوسرا کاروبار کرے جس سے اس کے بال بچوں کا گذران ہو اور قرض کو اس شراب کی تجارت کے روپے سے ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا، جیسا کہ فتاوی عبدالحئی میں اس مسئلہ میں استقراض کی شکل کو جائز لکھا ہے(۱)؟

= الأيدي وتبدلت الأملاك .... (قوله: ولا للمشترى منه) فيكون بشر انه منه مسيئاً؛ لأنه ملكه بكسب خبيث". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد: ۹۸/۵، سعيد)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه". (الدرالمختار). قال ابن عابدينؒ: "(قوله: من ثمن خمر) بأن باع الكافر خمراً وأخذ ثمنها و قضى به الدين. (قوله: لصحة بيعه): اى بيع الكافر الخمر؛ لأنها مال متقوم في حقه، فملك الثمن، فيحل الأخذ منه، بخلاف المسلم لعدم تقومها في حقه، فبقي الثمن على ملك المشترى .... قال الشيخ عبدالوهاب الشعراني في كتاب المنن: و ما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما من راى المكاس يأخذمن أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الأخر، فهو حرام". (ردالمحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶۰/۷، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب علمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۹/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۱) "حرام مال سے امور خیر کرنا اور کھانا پینا اور اس مال کو صرف میں لانا سب حرام ہے، اسے چاہیے کہ کسی سے اتنا روپیہ قرض لے جتنا اس کے پاس ہے اور اس قرض لئے ہوئے روپے سے امور خیر کرے اور قرض اسی اپنے روپے سے ادا کرے"۔ (مجموعة الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، عنوان: ایک طواف نے توبہ کی قرض لے کر امور خیر میں صرف کرے اور اپنے حرام مال سے قرض ادا کرے: ۲۶۷/۲، سعید)

لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ قرض اس مال سے ادا بھی ہوگا یا نہیں، کیوں کہ وہ مال تو مالِ غصب کے حکم میں ہے جیسا کہ امداد الفتاوی میں لکھا ہے کہ ''اصحاب مال معلوم ہوں تو ان کو لوٹا دیا جائے، ورنہ خیرات کر دیا جائے، لیکن نیت ثواب کی نہ رکھی جائے۔ اور اصحاب مال کی طرف سے خیرات کی نیت کی جائے، کیونکہ اس مال کا مالک یہ نہیں ہے'' (۱) ایسی صورت میں استقراض کی صورت کیونکر ممکن ہوگی، مالِ غیر سے قرض کیونکر ادا ہوگا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کوئی شخص مختلف آدمیوں کا مال غصب کر کے خلط کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس خلط کی وجہ سے وہ مالک ہو جاتا ہے اور ضمان لازم ہوگا (۲)، لہذا اس مال سے قرض ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے، البتہ اتنی مقدار کا ضمان حسبِ تحریر امداد الفتاوی ادا کرنا لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفر لہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۶۸ھ۔

---

(۱) ''وہ مال حرام رہتا ہے۔ جو لوگ فقر و فاقہ سے بہت پریشان ہوں، ایسوں کو وہ مال بہ نیتِ رفع حاجت دینا چاہیے، نہ بہ نیتِ حصولِ ثواب۔ اور اگر وہ شخص جس سے وہ مال ان لوگوں کا حاصل ہوا ہے وہ بالتعین و بالتخصیص معلوم ہو۔ تو اس کو واپس کر دینا چاہیے اور حرام کو حلال کرنے کے لئے کوئی حیلہ مفید نہیں، اگر دوسرے روپے میں ملایا تو حصۂ رسد اس کی نسبت سے اس میں بھی حرمت و خباثت پیدا ہو جاوے گی''۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر و الإباحة، مال حرام و مشتبہ کے احکام، عنوان: حکم مال حرام بعد توبہ: ۱۴۴/۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) ''الغاصب إذا خلط المغصوب بمال نفسه أو بمال غيره، فهو على ضربين .... فالخالط ضامن، ولا حق للمالك في المخلوط بالإجماع.......... كخلط الجنس بالجنس مثل الحنطة بالحنطة واللبن باللبن، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى''. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الخامس في خلط مال رجلين او مال، الخ: ۱۳۲/۵، رشیدیه)

(۳) ما وجدت إلا قوله: ''اگر بلا اجازت خلط کر دیا ہے، محض خلط سے ضامن ہو جائے گا، جو کچھ خلط ہوگا امین کا ہوگا اور اس کی امانت کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا''۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الضمان، تلف و دیعت مع مال مودع یا بغیر آں: ۳۲۷/۳، دار العلوم کراچی)

ناجائز مال سے قرض وصول کرنا

سوال[۸۹۴۲]: کسی مسلمان قرض خواہ کو کسی قرضدار سے اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، خواہ وہ قرض دار مسلمان ہو یا غریب، جب کہ اس کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز طریقہ سے کمایا ہے، یا نا معلوم ہو، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ فقط۔

عبدالرزق جالندھری، مقیم حجرہ نالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامعلوم ہونے کی صورت میں اپنا قرض وصول کرنا درست ہے، اگر اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو اس کا لینا غیر مسلم سے درست ہے اور مسلم سے مکروہ ہے:

"ولو كان لمسلم على نصرانيّ دَين، فباع النصراني خمراً وأخذ ثمنها و قضاه المسلم من دينه، جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح. و لو كان الدَّين لمسلم على مسلم، فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها و قضاه صاحب الدين، كره له أن يقبض ذلك من دينه، كذا في السراج الوهاج".

فتاوی عالمگیری: ٤/٢٤٨ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

مال حرام قرض دینا

سوال[۸۹۴۳]: زید نے عمرو کو مال حرام سے قرض دیا اور اس کے بعد عمرو نے اپنے مال حلال سے

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٣٦٧/٥، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ٣٨٥/٦، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٢٠/٧، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ٣٦٩/٨، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٥٤٨/٢، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

زید کا قرضہ ادا کیا۔ تو یہ رقم جو عمرو نے زید کو دی ہے یہ حلال رہی یا حرام رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرو نے مال حلال سے جو رقم زید کو قرضہ ادا کرنے کی صورت میں دی وہ حلال ہے۔ اور زید نے جو رقم عمرو کو بطور قرض دی ہے وہ حلال نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ گنگوہی۔

---

(۱) یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ عمرو کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے پاس زید کی جو امانت رقم ہے، اس کا کل یا اکثر حصہ حرام ہے:

قال ابن تيمية رحمه الله تعالىٰ: "ما في الوجود من الأموال المغصوبة والمقبوضة بعقودٍ، لاتباح بالقبض، إن عرفه المسلم اجتنبه، فمن علمتَ أنه سرق مالاً أو خانه في أمانته أوغصبه، فأخذ من المغصوب قهراً بغير حق، لم يجزلي أن آخذه منه لا بطريق الهبة ولا بطريق المعاوضة ولا وفاء عن أجرة ولا ثمن مبيع ولا وفاء عن قرض، فإن هذا عين ذلك المظلوم". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية، قواعد جامعة في عقود المعاملات والنكاح، النهي يؤخذ من الشرع لولم يعلل، أصول في التحريم والتحليل: ۱۷۸/۲۹، مكتبه العبيكان، السعودية)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: الحرام ينتقل): أى تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدى وتبدلت الأملاک .... (قوله: ولا للمشترى منه) فيكون بشر انه منه مسيئاً؛ لأنه ملكه بكسب خبيث".
(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد: ۹۸/۵، سعيد)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه".
(الدرالمختار). قال ابن عابدينؒ: "(قوله: من ثمن خمر) بأن باع الكافر خمراً وأخذ ثمنها و قضى به الدين. (قوله: لصحة بيعه): أى بيع الكافر الخمر؛ لأنها مال متقوم في حقه، فملک الثمن، فيحل الأخذ منه، بخلاف المسلم لعدم تقومها في حقه، فبقي الثمن على ملک المشترى .... قال الشيخ عبدالوهاب الشعراني في كتاب المنن: و ما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلک، أما من رأى المكاس يأخذمن احد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلک الآخر، فهو حرام". (ردالمحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶۰/۷، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب علمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۹/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

باب الرشوۃ

(رشوت کا بیان)

رشوت لینے اور دینے کا حکم

سوال[۸۹۴۴]: شہر بمبئی میں چاہے کیسا ہی مکان ہو یا دوکان ہو مگر بغیر پگڑی کے نہیں ملتا اور کوئی سرکاری کام چاہے کتنا ہی چھوٹا ہو مثلاً: کسی چیز کا لائسنس نکالنا ہو، یا میونسپلٹی سے مکان بنانے کا پلان منظور کرانا ہو، بغیر افسروں کے رشوت دیئے کام نہیں ہوتا۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ پگڑی لینا دینا، رشوت دینا لینا حرام ہے، اس وقت سے مجھے بہت فکر ہے، کیونکہ مجھے ایک کارخانہ کا پلان منظور کرانا ہے۔

عبدالقدیر ملاڈ، بمبئی نمبر:۶۴۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رشوت کا دینا لینا حرام ہے(۱)، البتہ دفعِ ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالتِ مجبوری رشوت

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم، وأنتم تعلمون﴾. (سورة النساء: ۲۹)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الجبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، (رقم الحديث: ۲۰۹۳): ۲۰۹۳/۴، مصطفیٰ الباز)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم". (جامع الترمذي: ۲۴۸/۱، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، سعيد)

"ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي". (رد المحتار: ۳۶۲/۵، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، رشيديه)

دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے والا گنہگار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

رشوت دینا

سوال [۸۹۴۵]: اس دور میں عام طور پر غذائی قلت اور بے روزگاری پھیلی ہوئی ہے، لیکن مسلمانوں کے طبقے اس سے زیادہ دوچار ہیں، کسی آفس میں بھی بغیر رشوت کے کوئی کام نہیں ہوتا ہے، چاہے وہ نوکری سے متعلق ہو یا دوسری وجہ سے ہو۔ اب اگر رشوت سے بچتے ہیں تو پھر دوسری صورت بے روزگاری سامنے ہے اور اتنی پونجی بھی نہیں کہ کہیں تجارت کرسکیں اور مزدوری کرنی اتنی کافی نہیں ہوتی کہ بچوں کی پرورش کرسکیں۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق (تجارت یا ملازمت وغیرہ) وصول کرنے کے لئے اگر مجبوراً رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے گا (۲) رشوت لینے والے پر ہی وبال رہے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

---

(۱) "الثالث أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الآخذ فقط. الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله، حلالٌ للدافع، حرامٌ على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب". (رد المحتار: ۳۶۲/۵، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، سعيد)

(وكذا في الحلال والحرام في الإسلام، ص: ۲۷۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۴۱/۶، كتاب القضاء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴۰۳/۴، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه "تحت عنوان "رشوت لینے اور دینے کا حکم"، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (راجع، رقم: ۱)

رشوت کی چند صورتیں اور اس سے توبہ

سوال[۸۹۴۶]: زید ملازم کمیٹی نے عمر درخواست دہندہ کمیٹی کا کچھ جائز کام دیر لگانے کے بجائے جلدی کردیا اور زید کے کمیٹی کے دیگر کام انجام دینے میں وقت کی کوئی تاخیر نہیں، بلکہ عمر کا کام کمیٹی کے مقررہ وقت کے علاوہ چھٹی کے وقت میں زید نے انجام دیا۔ اور عمر کا کام کرنے میں زید نے کمیٹی کی آمدنی اور وقت کا کوئی نقصان نہیں کیا، بلکہ زید نے اس جائز کام کو صرف جلدی کرنے کے بدلے میں عمر سے مقررہ اجرت کے علاوہ کچھ زائد روپیہ بطورِ انعام یا ہدیہ لے لیا جو عمر کو بموجب قواعد دینا واجب نہ تھا۔ کیا زید کو عمر سے ایسے زائد روپیہ لینا بطورِ رشوت حرام ہوا، یا بطور ہدیہ حلال ہوا؟

۱......(الف) زید ملازم کمیٹی نے عمر درخواست دہندہ کمیٹی کا قانوناً کچھ جائز کام کمیٹی کے مقررہ وقت کے اندر انجام دیا، اگرچہ بموجب قواعد کمیٹی زید کو یہ کام بطور فرائض کمیٹی انجام دینا لازم تھا اور عمر کو اس کام کی کوئی اجرت دینا واجب نہ تھی، لیکن زید نے عمر سے اس کام کے عوض بطور انعام یا ہدیہ کچھ روپیہ لے لیا۔ کیا زید کو عمر سے ایسا روپیہ لینا بطور رشوت حرام ہوا، یا بطور ہدیہ حلال ہوا؟

(ب) زید ملازم کمیٹی نے دوسرے ملازم کمیٹی مسمی عمر سے کسی کام کی بابت اس کے حق کے متعلق درخواست دلوائی اور پھر زید نے قانوناً جائز کوشش کر کے عمر کو کمیٹی سے قانوناً جائز حق دلوایا اور اس کام کے بدلہ میں زید نے عمر سے کچھ روپیہ بطور انعام یا ہدیہ لے لیا جو عمر کو دینا واجب نہ تھا۔ کیا زید کو عمر سے ایسا روپیہ لینا بطور رشوت حلال ہوا یا حرام؟

۲......اگر مذکورہ بالا سوالات نمبر:۱(الف، ب) کے مطابق درخواست دہندہ عمر اور ملازم کمیٹی عمر سے زید کو ایسا روپیہ لینا بطورِ رشوت حرام تھا، اور اب زید تائب ہوگیا تو کیا اب زید کے ذمہ ایسا روپیہ عمر کو واپس کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر شرعی قانون کے مطابق زید کے ذمہ ایسا روپیہ عمر کو واپس کرنا واجب ہے، اور زید یہ روپیہ عمر کو واپس ادا کردے تو پھر زید عمر کے حق سے بری الذمہ اور رشوت کے گناہ سے دنیا میں پاک ہوجاوے گا اور قیامت کے دن زید آخرت کے عذاب سے نجات پاسکتا ہے یا نہیں؟

۳......اگر مذکورہ بالا سوالات نمبر:۱ اور الف کے مطابق زید کو بالکل یاد نہ آوے کہ درخواست دہندہ اشخاص کون کون آدمی تھے اور ان میں سے بعض کا نام اور پتہ بھی زید کو بالکل معلوم نہیں ہے، یا ان میں سے کسی

کو زید تلاش کرے، پھر بھی اس کا پتہ نہ چلے، یا ان میں سے کسی کا انتقال ہو جاوے۔

غرض زید اپنی جانب سے حتی الامکان کوشش کرے اور کوشش کے بعد زید کو عمر کا پتہ معلوم نہ ہو سکے تو پھر اس صورت میں اگر زید عمر کے حق کا روپیہ کسی دیگر مستحق اولی کو اللہ کے نام دے کر خیرات کردے اور اس کا ثواب عمر کو بخش دے تو کیا شرعی قانون کے مطابق زید کی توبہ مکمل ہو جاوے گی اور زید قیامت کے دن عمر کے حق کے مواخذہ سے بری الذمہ ہو کر رشوت کے گناہ کے عذاب سے نجات پا سکے گا یا نہیں؟

۴...... مذکورہ بالا سوالات نمبر: ۱ اور الف اور ب کے مطابق زید نے کمیٹی کی آمدنی یا روپے کا کچھ نقصان نہیں کیا اور کمیٹی کے مقررہ وقت کا بھی کچھ نقصان نہیں کیا اور کمیٹی کے دیگر کاموں کا بھی نقصان نہیں کیا، زید نے درخواست دہندہ عمر کے کام بموجب قواعد کمیٹی جائز کام انجام دیئے اور ملازم کمیٹی عمر کو بھی قانوناً جائز حق دلوایا۔ ایسی صورت میں عمر سے مذکورہ بالا رشوت لینے کی وجہ سے کیا زید کے ذمہ شرعی قانون کے مطابق قیامت کے دن کمیٹی کی جانب سے کوئی مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اگر کمیٹی کا بھی زید سے مواخذہ ہوگا تو زید کو دنیا میں اپنی توبہ کی تکمیل کے لئے کمیٹی کے ساتھ کیا عمل چاہئے؟

۵...... زید ملازم کمیٹی اگر اپنے افسر کو خوش کرنے اور راضی کرنے کی نیت سے مٹھائی یا ترکاری وغیرہ کی کوئی چیز بطور نذرانہ پیش کرے یا تواضع کی غرض سے صرف پان کھلائے، یا افسر کسی چیز کی فرمائش کرے اور زید اس کی فرمائش پوری کردے تاکہ افسر نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ تو کیا ایسے سب کام رشوت کے گناہ میں شمار ہوں گے اور زید بھی ایسی چیزیں دینے کی وجہ سے رشوت کا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(الف) مذکورہ بالا سوال نمبر: ۵ کے مطابق اگر زید بھی رشوت کے گناہ کا مجرم ہو گیا تو زید کو ایسے فعل کی بابت معافی کیلئے کیا عمل کرنا چاہئے تاکہ زید دنیا میں اپنی توبہ کی تکمیل کر سکے اور آخرت میں زید اس گناہ کے عذاب سے نجات پا سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر زید کمیٹی کے مقررہ وقت میں یہ کام کر سکتا تھا، مگر اس نے عمر سے روپیہ لینے کی وجہ سے اس

وقت نہیں کیا، بلکہ خارج وقت میں کیا ہے اور کمیٹی کا وقت فضول ضائع کیا تو یہ کمیٹی کے ساتھ خیانت ہے اور رشوت لینے کا حیلہ ہے (۱)۔ اگر کمیٹی کا وقت پورا اس کے کام میں صرف کیا اور جو کام باقی رہ گیا تھا جس کو قانوناً دوسرے روز کرنا چاہئے تھا اور اپنے ذاتی وقت میں عمر کی رعایت سے وہ کام کردیا ہے اور قانوناً اس کی ممانعت بھی نہیں تو یہ روپیہ لینا درست ہے (۲)۔

(الف) یہ روپیہ لینا جائز نہیں (۳)۔

(ب) اگر یہ محض سفارش کا عوض لیا ہے تو ناجائز ہے (۴)، اگر ملازم کرانے میں کوئی اور بھی ایسا عمل کیا

---

(۱) "والحاصل أن حد الرشوة هو ما يؤخذ عما وجب على الشخص، سواء كان واجباً على العين أو على الكفاية، وسواء كان واجباً حقاً للشرع كما في القاضي و أمثاله". (إعلاء السنن، كتاب القضاء، باب الرشوة، تحقيق معنى الرشوة لغةً وشرعاً: ۱۵/ ۶۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تفسير البحر المحيط، (سورة النحل: ۹۰): ۵/ ۵۳۳، دارالفكر بيروت)

(۲) اپنے زائد اوقات میں اپنی ذاتی توانائیوں کو صرف کرنے پر الگ اجرت مقرر کر کے معاملہ طے کیا جائے تو اس صورت میں اجرت لینا جائز ہے، یہ رشوت نہیں کہلائے گا۔ (صباح الدین غذری)

(۳) "اس صورت میں چونکہ وہ دفتری اوقات میں یہ کام کر رہا ہے اور دفتر کے اوقات میں دفتر کے کاموں کی اجرت دفتر کی طرف سے ملتی ہے، لہٰذا کسی سے ان اوقات میں کام کرنے پر کچھ لینا اجرت نہ ہوگی اور المعروف کالمشروط کے تحت یہ ہدیہ بھی نہ ہوگا، بلکہ رشوت ہی ہے، كما تقدم في الحاشية الأولى.

(۴) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من شفع لأخيه شفاعةً، فأهدى له هديةً عليها فقبلها، فقد أتى باباً عظيماً من أبواب الربا". وفي حاشيته: "وذلك لأن الشفاعة الحسنة مندوب إليها، وقد تكون واجبةً، فأخذ الهدية عليها يُضيع أجرها، كما أن الربوا يضيع الحلال". (بذل المجهود على سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في الهدية بقضاء الحاجة: ۴/ ۲۹۸، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(وكذا في تفسير الكشاف: ۱/ ۵۴۳،)

(وكذا في واقع الأنوار القدسية، ص: ۵۹۱)

ہے جس پر اجرت دی جاتی ہو تو جائز ہے(۱)۔

۲...... جو روپیہ بطورِ رشوت وغیرہ ناجائز طریق پر کسی سے لیا جائے اس کی واپسی واجب ہوتی ہے، واپسی کے بعد حق العبد سے آدمی بری الذمہ ہو جاتا ہے(۲)۔ صاحبِ حق سے معذرت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا بھی لازم ہے، پھر دنیا و آخرت میں اس پر ان شاء اللہ کوئی مواخذہ نہیں(۳)۔

۳......اولاً ناجائز روپیہ اصل مالک کو دیا جائے وہ مر چکا ہو تو اس کے ورثاء کو دیا جائے۔ اگر اصل مالک یا اس کے ورثاء کا علم نہ ہو تو اس کی طرف سے غرباء و مساکین پر صدقہ کر دیا جائے اور خداوند تعالیٰ سے توبہ کی

(۱) "السمسار والمنادی والحمامي والصكاك ومالا يقدر فيه الوقت ولامقدار العمل لما كان للناس به حاجة، جاز، ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في المتفرقات، وفيه الإجارة على المعاصي : ۵/۴۰، رشيديه)

(۲) "وتصدق بما بقي من الغلة والأجرة، خلافاً لأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، كذا في الملتقى. لكن نقل المصنف عن البزازية أن الغني يتصدق بكل الغلة في الصحيح". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وتصدق بما بقي: أي فإنه مقيد بالفقير، لما في البزازية: الغاصب إذا آجر المغصوب فالأجر له". (ردالمحتار: ۶/۱۸۹، كتاب الغصب، سعيد)

"وفي الأشباه: الحرمة تنتقل مع العلم إلا لوارث، إلا إذا علم ربه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(إلا إذا علم ربه): أي رب المال، فيجب على الوارث ردّه على صاحبه. (وهو حرام مطلقاً على الورثة): أي سواء علموا أربابه أولا، فإن علموا أربابه ردّوه عليهم، وإلا تصدقوا به، كما قدمناه انفاً". (ردالمحتار: ۶/۳۸۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ الآية. (سورة التحريم:۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت هذه الأية: "وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية. وأن يندم على فعلها. وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً، فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم ردالظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البرأة منه. وركنها الأعظم الندم .... عبارة المازري: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸) : ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

جائے، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے نجات ہو جائے گی (۱)۔

۴...... جب کمیٹی کا کوئی حق تلف نہیں کیا تو تکمیلِ توبہ کے لئے کمیٹی سے معاف کرانے کی ضرورت نہیں۔

۵...... اگر افسری ماتحتی کے علاوہ اَور کوئی تعلق نہیں اور یہ ہدیہ وتواضع ودعوت محض اس لئے ہے کہ افسر نرمی سے پیش آئے اور قابلِ گرفت کاموں پر چشم پوشی کرے تو یہ رشوت ہے جو کہ ناجائز ہے (۲)۔ البتہ دفعِ ظلم

---

(۱) جب کوئی آدمی کسی کی چیز کو غصب کر لیتا ہے تو پھر غاصب کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس چیز کو اصل مالک کو لٹا دے، اگر وہ مرگیا ہو تو اس کے ورثاء کی طرف اس چیز کو لٹایا جائے اگر ان میں سے کوئی زندہ نہ ہو یا اصل مالک کے بارے میں اس کو کوئی معلومات نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو اس مغصوبہ شئی کو اس کی طرف سے فقراء پر صدقہ کر دے:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أن ماوجب التصدق بكله لايفيد التصدق ببعضه؛ لأن المغصوب إن علمت أصحابه، أو ورثتهم وجب رده عليهم وإلا وجب التصدق به". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، قبيل مطلب: في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۱، سعيد)

"وينبغي أن تكون التوبة على قدر الدين". (تنبيه الغافلين، ص: ۵۵، باب التوبة، قديمى)

(۲) "الرشوة –بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره، ليحكم له أو يحمله على ما يريد– جمعها رشا .... ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة". (رد المحتار: ۳۶۲/۵، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۴۱/۶، كتاب القضاء، رشيديه)

"والهدايا للأمراء غلول، وهدايا العمال غلول". (كنز العمال، الباب الثانى فى القضاء، الفصل الثالث فى الهدية، (رقم الحديث: ۱۵۰۷۶)، : ۱۱۲/۶، ۱۱۵)

"عن أبي حميد الساعدى رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استعمل ابن اللُّتبيّة على صدقات بني سُليم، فلما جاء إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحاسبه، قال: هذا الذى لكم وهذه هدية أُهديت لي. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فهلا جلست في بيت أبيك وبيت أمك حتى تأتيك هديتك، إن كنت صادقاً". ثم قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فخطب الناس، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "أما بعد! فانى استعمل رجالاً منكم على أمور مما ولانى الله، فيأتي أحدهم، فيقول: هذا الذى لكم وهذه هدية أُهديت لى، فهلا جلس فى بيت أبيه وبيت=

کے لئے سخت مجبوری کے وقت رشوت دینا جائز ہے مگر رشوت لینا جائز نہیں (۱)۔

(الف) گذشتہ فعل پر ندامت اور آئندہ کے لئے پختہ عہد کرے، اللہ پاک معاف فرمادیں گے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ شعبان/ ۶۲ھ۔

کسٹم پر قلی کو رشوت دینا

سوال [۸۹۴۷]: ایک شخص حج کرنے کے لئے جاتا ہے اور واپسی میں کچھ سامان لے کر آتا ہے جس پر کسٹم ڈیوٹی لگتی ہے، وہ شخص اس سامان کو چھپا کر لاتا ہے، قلی کی مدد سے اور اس کو کچھ رقم دیتا ہے جو اس کی

= أمه حتى تأتيه هديته إن كان صادقاً، فوالله! لا يأخذ أحدكم منها شيئاً". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب محاسبة الإمام عمّاله: ۱۰۶۸/۲، قديمي)

(۱) "الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الآخذ فقط. الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب". (رد المحتار: ۳۶۲/۵، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، سعيد)

(وكذا في الحلال والحرام في الإسلام، ص: ۲۷۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۴۱/۶، كتاب القضاء، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴۰۳/۴، رشيديه)

(۲) قال الشيخ السمرقندي: "وينبغي أن تكون التوبة على قدر الذنب، وروى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الآية. قال: التوبة النصوح الندم بالقلب، والاستغفار باللسان، والإضمار أن لا يعود إليه أبداً". (تنبيه الغافلين، ص: ۵۵، باب التوبة، قديمي)

وفيه: "قال معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه: بأبي و أنت أمي يا رسول الله! وما التوبة النصوح؟ قال: "أن يندم المُذنب على الذنب الذي أصابه، فيعتذر إلى الله تعالىٰ، ثم لا يعود فيها". (تنبيه الغافلين، المصدر السابق، ص: ۵۷، قديمي)

اجرت سے زیادہ ہے جس کو بقولِ قلی کے افسران تک میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیا اس رقم کو- جو اجرت سے زیادہ دی گئی ہے قلی کو- رشوت کہیں گے یا نہیں؟

اگر رشوت ہے تو "الراشي والمرتشي كلاهما في النار" (۱) والی حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔ کیا گورنمنٹ کی کسٹم ڈیوٹی کو جبریہ ٹیکس کہیں گے اور اس کو بچا سکتے ہیں؟ اور اس سامان کو بچانے کے لئے جو رقم دی گئی اس کو دینے والے کو جائز کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کے رشوت ہونے میں کیا تأمل ہے (۲)، رشوت کی وعید بھی برحق ہے (۳)۔ اپنا حق وصول کرنے کے لئے یا ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے والے کے لئے یہ وعید نہیں (۴)۔ یہ ٹیکس تو سراسر ظلم ہے،

---

(۱) (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، (رقم الحديث: ۲۰۹۳): ۱۵۶۵/۴، مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) "والإسلام يحرم الرشوة في أيّ صورة كانت و بأيّ اسم سُمّيت، فتسميتها باسم الهدية لا يخرجها عن دائرة الحرام إلى الحلال". (الحلال والحرام في الإسلام، ص: ۲۷۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"هدايا العمال حرام كلها، و هدايا السلطان سحت و غلول". (كنز العمال، كتاب الإمارة والقضاء، الباب الثاني في القضاء، الفصل الثالث في الهدية والرشوة، (رقم الحديث: ۱۵۰۷۰): ۱۱۲/۶، ۱۱۵، مكتبة التراث الإسلامي)

"أخذ الأمير الهدية سحت، وقبول القاضي الرشوة كفرٌ". (كنز العمال، كتاب الإمارة والقضاء، الباب الثاني في القضاء، الفصل الثالث في الهدية والرشوة، (رقم الحديث: ۱۵۰۶۹): ۱۱۲/۶، مكتبة التراث الإسلامي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم، وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"وقيل: لا تلقوا بعضها إلى حكام السوء على وجه الرشوة". (روح المعاني: ۷۰/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير الكشاف: ۳۲۳/۱، دار الكتاب العربي بيروت)

(۴) "ومن كان له حق مضيع لم يجد طريقةً للوصول إليه إلا بالرشوة، أو وقع عليه ظلمٌ، فلم يستطع دفعه =

بلاضرورت ایسا سامان لانا ہی کیا ضروری ہے جس سے بچنے کے لئے رشوت دینی پڑے، نہ دی تو سخت بے عزتی، سامان بچالیا تو چوری، یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

رشوت دے کر ٹھیکہ دار کا سامان بچا کر خود رکھنا

سوال[۸۹۴۸]: زید گورنمنٹ کا پل بنوانے کا ٹھیکدار ہے مثلاً ایک پل کے لئے چالیس بوریاں ملتی ہیں، اُوَرسیر کہتا ہے کہ دس بوریاں مجھ کو دیدو، وہ دیدیتا ہے۔ اُوَرسیر کہتا ہے کہ اب میں تمہارا پل پاس کردوں گا اور پانچ بوری خود بھی رکھ لیتا ہے، کیونکہ زید مطمئن ہے کہ اُوَرسیر خود دس بوری لے چکا ہے، اگر اُوَرسیر کو نہیں دیتا تو پل پاس نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ خیانت ہے، رشوت ہے، معصیت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= عنه إلا بالرشوة، فالأفضل له أن يصبر حتى ييسّر الله له أفضل السبل لرفع الظلم و نيل الحق، فإن سلك سبيل الرشوة من أجل ذلك، فالإثم على الآخذ المرتشي، وليس عليه إثم الراشي في هذه الحالة ما دام قد جرب كل الوسائل الأخرى، فلم تأت بجدوىٰ، وما دام يرفع عن نفسه ظلماً أو يأخذ حقاً له دون عدوان على حقوق الأخرين". (الحلال والحرام في الإسلام، في العلاقات الاجتماعية، الرشوة لرفع الظلم، ص: ۲۷۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۲۴۸/۷، رشيديه)

(وكذا في أحكام القرآن، (سورة البقرة: ۱۸۸): ۳۳۳/۲، دارالكتب العربي بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب القضاء، باب الرشوة، تحقيق معنى الرشوة لغةً وشرعاً: ۱۵/۶۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "الرشوة -بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره، ليحكم له أو يحمله على ما يريد- جمعها رشا ...... ثم الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام على الآخذ والمعطي، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة". (رد المحتار: ۳۶۲/۵، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة، سعيد) =

رشوت واغلام

سوال[۸۹۴۹]: ا......رشوت کی کیا تعریف ہے، رشوت کے خلاف قرآن شریف میں کونسی صریح آیت ہے اور کہاں ہے؟

۲......اغلام کے خلاف قرآن شریف میں کونسی صریح آیت ہے اور کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......جو کام کسی کے ذمہ واجب ہو پھر اس کا معاوضہ لیں وہ رشوت ہے، جیسے عدالت اور پولیس کے ملازمین، یا ڈاکخانہ کے ملازمین کے ذمہ جو کام متعین ہے، اگر وہ پبلک سے اس پر معاوضہ لیں بغیر معاوضہ نہ کریں تو رشوت ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں، بلکہ وہ چیز اس کے لئے ممنوع ہے اور وہ شخص کوئی معاوضہ حکام کو دے کر اس کو حاصل کرے، یہ رشوت ہے، مثلاً: بلا ٹکٹ سفر کرنے کی اجازت نہیں، یا مقدارِ معینہ سے زائد سامان ریل میں لے جانے کی اجازت نہیں، لیکن کوئی شخص یہ دونوں کام ملازمینِ ریلوے کو ذاتی طور پر کچھ پیش کش کر کے لیتا ہے تو یہ رشوت ہے(۱)، اور بھی بہت صورتیں ہیں۔ رشوت کی ممانعت کے لئے آیت:

= (وكذا في البحر الرائق: ۴۴۱/۶، كتاب القضاء، رشيديه)

"والهدايا للأمراء غلول، وهدايا العمال غلول". (كنز العمال، الباب الثاني في القضاء، الفصل الثالث في الهدية، (رقم الحديث: ۱۵۰۶۷)، : ۱۱۲/۶، ۱۱۵)

"عن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استعمل ابن اللُّتبيّة على صدقات بني سُليم، فلما جاء إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحاسبه، قال: هذا الذي لكم وهذه هدية أُهديت لي. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فهلا جلست في بيت أبيك وبيت أمك حتى تأتيك هديتك إن كنت صادقاً". ثم قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فخطب الناس، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "أما بعد! فإني استعمل رجالاً منكم على أمور مما ولاني الله، فيأتي أحدهم فيقول: هذا الذي لكم وهذه هدية أُهديت لي، فهلا جلس في بيت أبيه وبيت أمه حتى تأتيه هديته إن كان صادقاً، فوالله! لايأخذ أحدكم منها شيئاً". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب محاسبة الإمام عمّاله: ۱۰۶۸/۲، قديمي)

(۱) "عن عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل و تدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا، فريقاً من أموال الناس بالإثم، وأنتم تعلمون﴾ ثابت ہے، یہ آیت سورہ بقرہ پارہ ''سیقول'' کے ربع ثانی میں ہے(۱)۔

۲..... کئی جگہ قومِ لوط کا ذکر ہے اور ان پر عذاب کا تذکرہ ہے، اس سے ممانعت ثابت ہے۔ آٹھویں (۲)، چودھویں (۳)، انیسویں (۴)، بیسویں پارہ (۵) میں دیکھئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

پاس ہونے کے عوض طلبہ کا مدرس کو رقم دینا

سوال [۸۹۵۰]: ایک شخص اپنے کو قاضی شہر سمجھتا ہے، ساتھ ہی جامع مسجد اور عیدین کی امامت بھی کرتا ہے اور سرکاری مدرس بھی ہے۔ یہ شخص طالب علموں سے پاس کرانے کا معاوضہ لیتا ہے اور دوسرے ماسٹروں کو بھی اسی مقصد کے پیشِ نظر طالب علموں سے روپیہ لے کر دیتا ہے۔ کیا اس کا یہ عمل رشوت لینے اور دینے کی تعریف میں آتا ہے؟ ایسا شخص شریعت کی رو سے مذکورہ بالا عہدوں پر فائز رہ سکتا ہے؟ اس کے پیچھے نماز

= "الراشي والمرتشي في النار". (مجمع الزوائد، كتاب الأحكام، باب في الرشوة: ۱۹۹/۴، إدارة القرآن كراچی)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي". (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۱۴۸/۲، إمداديه ملتان)

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولوطاً إذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ماسبقكم بها من أحد من العلمين﴾ (سورة الاعراف: ۸۰)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿فلما جاء ال لوط المرسلون، قال إنكم قوم منكرون﴾ (سورة الحجر: ۶۱، ۶۲)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿أتأتون الذكران من العالمين، وتذرون ماخلق لكم ربكم من أزواجكم، بل أنتم قوم عدون﴾ (سورة الشعراء: ۱۶۵، ۱۶۶)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿ولوطاً إذ قال لقومه إنكم لتأتون الفاحشة ماسبقكم بها من أحد من العالمين﴾ (سورة العنكبوت: ۲۸)

پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ روپیہ لیکر نااہل اور غیر مستحق طلباء کو پاس کرادیتا ہے کہ روپیہ دیں تو پاس ہوجائیں ورنہ فیل، یہ صورت تو رشوت اور حرام ہے(۱)۔ایسا شخص مستحق امامت نہیں (۲)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی محنت اور قابلیت سے امتحان دے کر طلبہ پاس ہوجائیں اور وہ بطورِ شکرانہ اور اظہارِ مسرت مدرس کو روپیہ دیں تو یہ رشوت اور حرام نہیں، بلکہ جائز ہے (۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

بحالتِ مجبوری رشوت دے کر سند وصول کر کے ملازمت حاصل کرنا

سوال[۸۹۵۱]: زید ایک مولوی صاحب ہیں، بہت ہی مفلس آدمی ہیں. ان کے ساتھ والدین،

---

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿سمّٰعون للکذب اکّٰلون للسّحت﴾ (سورة المائدة: ۴۲)

قال أبو بکر: "اتفق جمیع المتأولین لهذه الآیة علی أن قبول الرشا محرم، واتفقوا علی أنه من السحت". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۳، دارالکتب العربی بیروت)

"عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الراشی والمرتشی والرائش" یعنی: الذی یمشی بینهما". (مسند الإمام أحمد: ۶/۳۷۶، (رقم الحدیث): ۲۱۸۹۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) "ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق وأعمی، ونحوه الأعشی". (تنویرالأبصار مع الدرالمختار: ۱/۵۶۰، کتاب الصلاة، باب الإمامة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۸۵، کتاب الصلوة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۱۴۵، کتاب الصلوة، الفصل الخامس عشر فی الإمامة والاقتداء، امجد اکیڈمی لاهور)

(۳) "ولو قضی حاجته بلا شرط ولا طمع، فأهدی إلیه بعد ذلک، فهو حلال، لا بأس به". (ردالمحتار: ۵/۳۶۲، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدیة، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۶/۴۴۱، کتاب القضاء، رشیدیه)

بیوی، بچے ہیں، کوئی ذریعۂ معاش نہیں، فاقہ پر فاقہ ہے، بہت مجبوری ہے، لہٰذا سودی روپیہ اور سودی غلہ کے مقروض بھی ہوگئے۔ ایسے نازک حالات میں بکر نے مولانا صاحب سے کہا کہ مولانا! یہ پانچ روپیہ لیجئے، اس سے فلاں کی سند (سائیفکیٹ) عالم یا فاضل کا کر کے فلاں حاکم کو پانچ روپیہ رشوت دے کر دکھلا دیجئے، آپ کو گورنمنٹ کی نوکری مل جائے گی۔ لہٰذا مولانا نے مجبور ہوکر ایسا ہی کیا۔

دریافت یہ ہے کہ ایسی مجبوری میں جبکہ فاقہ کی نوبت آجائے سودی قرض لینا اور رشوت دیکر دوسرے سے سند لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود دینا(۱) رشوت دینا(۲)، دوسرے کی سند خرید کر اپنی سند بنا کر دھوکہ دینا، یہ سب باتیں ناجائز ہیں اور حرام ہیں(۳)، حرام طریقہ اختیار کرنے سے عامۃً حلال آمدنی حاصل نہیں ہوتی، گوآمدنی کا راستہ کھل

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع، وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم، اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿سمّاعون للكذب أكّلون للسحت﴾ (سورة المائدة: ۴۲)

قال أبوبكر: "اتفق جميع المتأولين بهذه الآية على أن قبول الرشا محرم، واتفقوا على أنه من السحت". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: على الراشي والمرتشي". (جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء في أكل الربا: ۱/۲۴۹، سعيد)

(۳) "قوله عليه الصلوة والسلام، "من غش فليس منا". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۸۷۹): ۱۱/۵۹۲۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

قوله عليه السلام: "من غشنا فليس منا، والمكر والخداع في النار". (فيض القدير، ۱۱/۵۹۲۶، (رقم الحديث: ۸۸۸۱)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

جاوے مگر اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی ہے(۱)۔ اپنے مصارف میں احتیاط اور کفایت لازم ہے(۲)، تنگی، ترشی برداشت کر کے مصارف کو مختصر کیا جاوے۔ جو کچھ ہو گیا، اس پر ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار لازم ہے(۳)۔ اللہ تعالیٰ فاقہ اور تنگی سے بچائے اور حرام آمدنی سے بھی بچائے اور دَر دَر بھیک مانگنے سے بھی بچائے، اب اس ملازمت کو از خود ترک نہ کریں اور دربدر بھیک مانگنے کا بھی ارادہ نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

(۲) "من اقتصد أغناه الله، ومن بذر أفقره الله، ومن تواضع رفعه الله، ومن تجبر قصمه الله". (فيض القدير: ۵۶۸۹/۱۱، (رقم الحديث: ۸۵۰۱، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة، ثم يتوبون من قريب، فأولئك يتوب الله عليهم، وكان الله عليماً حكيماً﴾ (سورة النساء: ۱۷)

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول فی الکذب والنمیمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

جھوٹ کا حکم

سوال[۸۹۵۲]: لالچ کی وجہ سے حق بات چھپا کر جھوٹ بولنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا

سوال[۸۹۵۳]: زید اپنے اثباتِ حق کے لئے شہادتِ زور کا محتاج ہے۔ عمر کہتا ہے کہ اگر شریعت اجازت دیتی ہو تو میں اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لہٰذا حضور والا سے معروض ہے کہ اگر اس امر میں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لعنة الله علی الکاذبین﴾ (سورة آل عمران: ۶۱)

"وعن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه: "آیة المنافق ثلاث". زاد مسلم: "وإن صام وصلی، وزعم أنه مسلم". ثم اتفقا: "إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". متفق علیه".
(مشکوة المصابیح: ۱/۱۷، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، قدیمی)

"وعن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... "وإیاکم والکذب، وإن الکذب یهدی إلی الفجور، وإن الفجور یهدی إلی النار، وما یزال الرجل یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذاباً". متفق علیه". (مشکوة المصابیح: ۲/۴۱۲، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الأول، قدیمی)

گنجائش ہوتو مع حوالہ کتب ونقلِ عبارت تحریر فرمائیں۔ نیز کتنی جگہ شریعت جھوٹ بولنے کی اجازت دیتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر احیائے حق شہادتِ زور پر منحصر ہوتو تعریضاً کذب مشروع ہے اور عین کذب پھر بھی حرام ہے۔ جن مواقع میں شریعت نے کذب کی اجازت دی ہے، وہ یہ ہیں:

”والكذبُ حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وإرضاء الأهل، وفي دفع الظالم عن الظلم. والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى: وهو الحق، قال تعالىٰ ﴿قتل الخرّاصون﴾. سكب الأنهر: ۲/۵۵۲(۱)۔

کسی کا حق ضبط کر کے نہ دینا بھی ظلم ہے، یہ بھی مواقعِ مذکورہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۰/۱۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶۰/۱۲/۱۷ھ، صحیح: عبداللطیف، ۶۰/۱۲/۱۸ھ۔

دفعِ ظلم کے لئے جھوٹ بولنا

سوال[۸۹۵۴]: جناب عالی عرض یہ ہے کہ یہ تحریر ملاحظہ فرما کر آپ بھی تحریر فرمائیں اگرچہ جواب میں تاخیر ہوتو حرج نہیں، پوری تحقیق سے باسند وحوالہ تحریر فرمائیں، اور دعاء خاتمہ بالایمان کی فرمائیں:

بیان القرآن پارہ ”ربما“ کے آخری صفحہ پر آیت: ﴿وإن عاقبتم﴾ الخ(۲) اور پارہ ”اقترب“ کے تبرے رکوع سے کچھ آگے آیت: ﴿ومن عاقب بمثل ماعوقبتم به﴾ الخ(۳)، اور پارہ ”إليه يرد“ کے ربع اول سے کچھ آگے آیت: ﴿ولَمَن انتصر﴾ الخ(٤)۔

---

(۱) (سكب الأنهر، فصل في المتفرقات، كتاب الكراهية: ۲/۵۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۲۷، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به، ولئن صبرتم لهو خير للصّٰبرين﴾ (سورة النحل: ۱۲۶)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن عاقب بمثل ماعوقب به، ثم بغي عليه، لينصرنه الله إن الله لعفوّ غفور﴾ (سورة الحج: ۶۰)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولمن انتصر بعد ظلمه، فأولئك ماعليهم من سبيل﴾ (سورة الشورىٰ: ۴۱) =

ان آیتوں کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ کام فی نفسہ معصیت نہ ہو(۱)۔ کیا جھوٹ فی نفسہ معصیت ہے یا نہیں؟ مسائل فتاویٰ برائے ملاحظہ عالیہ ارسال ہیں جو کہ مختلف ہیں اور بہت سی اَور جگہوں خصوصاً فتاویٰ رشیدیہ، جلد اول، ص: ۲۵، میں احیائے حق ودفعِ ظلم کے لئے جھوٹ بولنا، یا جھوٹی گواہی دینا فقہ میں بھی جائز لکھا ہے(۲)۔

آج کل رواج ہوگیا ہے کہ کسی پر عداوۃً اس کو زیر کرنے کے لئے بلا تامل جھوٹا مقدمہ دائر کیا جاتا ہے، اگر وہ مظلوم اس سے تنگ آکر بچنے کے لئے اس پر وہ بھی کہیں دوسری جگہ جھوٹا مقدمہ دائر کردے تو کیوں جائز نہ ہونا چاہیے۔ جب طرفین زیربار ہوتے ہیں تو ہر ایک کہتا ہے کہ وہ چھوڑ دیں۔ پھر کوئی صورت صلح مصالحت اور ظلم سے بچنے کی نکل آتی ہے۔ ورنہ ہم لوگ اگر صبر کرلیں تو وہ اَور زیادہ دلیر ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ بولنا فی نفسہ معصیت ہے، کسی حال میں جائز نہیں، البتہ چند مواقع میں فقہاء نے تعریض کی اجازت دی ہے، انہیں میں سے دفعِ ظلم بھی ہے، اگر دفعِ ظلم بغیر کذب کے دشوار ہو تو تعریضاً کذب مباح ہے، صراحۃً حرام ہے اور بغیر ایسی ضرورت کے تعریض بھی جائز نہیں:

"والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل، وفي دفع الظالم عن الظلم. والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى: وهو الحق. والمراد به التعريض؛ لأن عين الكذب حرام إلالحاجة، الخ". مجمع الأنهر: ۵۵۲/۲(۳)۔

---

(۱) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿وإن عقبتم فعقبوا﴾ بتشديد القافين: أي وإن قفيتم بالانتصار، فقفوا بمثل مافعل بكم غير متجاوزين عنه، الخ". (روح المعاني، (سورة النحل: ۱۲۶): ۲۵۸/۱۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿ومن عاقب بمثل ماعوقب به﴾: أي من جازى الجاني بمثل ماجنى به عليه". (روح المعاني، (سورة الحج: ۶۰): ۱۸۹/۱۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (لم أظفر على المسئلة في الفتاوىٰ الرشيدية)

(۳) (مجمع الأنهر مع سكب الأنهر، فصل في المتفرقات، كتاب الكراهية: ۵۵۲/۲، دارإحياء التراث العربي) =

جب یہ فی نفسہ معصیت ہے تو انتقاماً بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

جھوٹے کو جھوٹا کہنا

سوال [۸۹۵۵]: کسی شخص نے ایسی جگہ جیسے عیدگاہ کے نام سے بغیر رجسٹری کے وقف کیا ہے اور چند مرتبہ نماز عید اس میں ادا کی گئی، کچھ دنوں پہلے اسی عیدگاہ کو فروخت کرنا چاہا، محلہ والوں نے فروخت کرنے سے روکا، اس نے نہیں مانا تو محلہ والوں نے عدالت میں اطلاع دی کہ یہ جگہ عیدگاہ ہے تو عدالت روک لگائے۔ اس کے بعد رجسٹری کے بغیر وقف کرنے والے زمین کے مالک نے عدالت میں جا کر یہ کہا کہ یہ عیدگاہ نہیں ہے، اس میں نماز عید نہیں پڑھی گئی، اسی گواہ پر عدالت نے زمین فروخت کرنے کی اجازت دیدی۔ اب اس پر غیر مسلم قابض ہے۔ اب اس جیسے جھوٹے کو از روئے مذہب حنفی کیا کہا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹے کو جھوٹا ہی کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۶ھ۔

جھوٹا حلف

سوال [۸۹۵۶]: ایک شخص عدالت میں ثبوت کی حیثیت سے گواہی دیتا ہے اور خدا کو حاضر ناظر جان کر جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ دوسرا شخص رمضان کے روزے بھی رکھتا ہے اور جھوٹی گواہی دیتا ہے اور مدعی بھری عدالت میں قرآن شریف اٹھا کر جھوٹا حلف کھاتا ہے۔ اس کے برعکس مدعا علیہ قرآن پاک اٹھانے پر اپنی جائیداد کا حصہ چھوڑ دیتا ہے۔ ان جھوٹ بولنے والے گواہوں اور مدعی کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟ کیا جھوٹ بول کر کسی کی جائیداد سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ اس کے برعکس قسم کھانے پر جائیداد چھوڑ دینے والے کو کیا ثواب ملے گا؟

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۲۷، سعيد)

الجواب حامداًومصلياً:

جھوٹا حلف اٹھانا کبیرہ گناہ ہے(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کوشرک کے قریب بیان فرمایا ہے(۲)۔ اوراس ذریعہ سے جو ناحق مال جائیداد وغیرہ حاصل ہو، اس کا کھانا بھی

---

(۱) "وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "الكبائر الإشراک بالله .... واليمين الغموس". وفي رواية أنس: "وشهادة الزور". بدل اليمين الغموس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۷، كتاب الإيمان، باب الكبائر و علامات النفاق، الفصل الأول، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ: "واليمين الغموس" الذي يغمس صاحبه في الإثم، ثم في النار، و معناه: أن يحلف على الماضي عالماً بكذبه، وقيل: أن يحلف كاذباً متعمداً، ليذهب بمال أحد".

"وفي رواية أنس رضي الله تعالیٰ عنه: "شهادة الزور": أي الكذب، وسمّي زوراً، لميلانه عن جهة الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۲۲۰، ۲۲۱، (رقم الحديث: ۵۰)، رشيديه)

"(غموس) تغمسه في الإثم، ثم النار، و هي كبيرة مطلقاً". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ تحته: "أي اقتطع بها حق مسلم أولا، و هذا رد على قول البحر: ينبغي أن تكون كبيرةً إذا تقطع بها مال مسلم أو أذاه، وصغيرةً إن لم يترتب عليها مفسدة .... و قول شمس الأئمة: إن إطلاق اليمين عليها مجاز؛ لأنها عقد مشروع، و هذه كبيرة محضة صريح فيه". (ردالمحتار: ۳/۷۰۵، كتاب الأيمان، مطلب في حكم الحلف بغيره تعالیٰ، سعيد)

(۲) "عن خريم بن فاتک رضي الله تعالیٰ عنه قال: صلّى رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم صلوة الصبح، فلما انصرف قام قائماً، فقال: "عدلت شهادة الزور بالإشراک بالله". ثلث مرات". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۸، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

"جعلت الشهادة الكاذبة مماثلةً للإشراک بالله في الإثم؛ لأن الشرک كذبٌ على الله بما لا يجوز، وشهادة الزور كذب على العبد بمالا يجوز، وكلاهما غير واقع في الواقع .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۷۷۹): ۷/۳۴۳، رشيديه)

حرام ہے(۱)۔ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود اللہ پاک کے نام کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حلف سے باز رہے اور اپنا حق چھوڑ دے، اس نے بہت بڑا ایثار کیا (۲)، اس کے لئے جنت میں مخصوص نعمت کا وعدہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

جھوٹا دعویٰ

سوال[۸۹۵۷]: مسمیٰ ارشاد حسین کے متصل مسجد قلعہ فتح پور ہے اور مکان سے ملی ہوئی اراضی ملکیتِ مسجد ہے۔ مسجد کے حجرہ کے اوپر دوکان بنائی جارہی تھی، مگر ارشاد نے جھوٹا دعویٰ اس زمین پر اپنی ملکیت کا کردیا ہے اور تعمیر بھی رکوادی ہے۔ ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹا دعویٰ تو بہر حال جھوٹا ہے، اگر ناحق جھوٹ بول کر کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا تو وہ جہنم کی

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۲) "وعنه (الأشعث بن قيس) رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً من كندة ورجلاً من حضر موت اختصما إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أرض من اليمن، فقال الحضرمي يارسول الله! إن أرضي اغتصبنيها أبو هذا، وهي في يده،قال: هل لک بينة؟ قال: لا، ولكن أحلّفه: والله! مايعلم أنها أرضي اغتصبنيها أبوه، فتهيأ الكندي لليمين، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايقطع أحد مالاً بيمين إلا لقي الله وهو أجذم"، فقال الكندي: هي أرضه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، ص: ۳۲۸، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب الرجل يحلف على علمه فيما غاب عنه: ۲/۱۵۴، مكتبه امداديه ملتان)

آگ کا ٹکڑا ہوگا، ہوسکتا ہے دنیا میں بھی بھڑک اٹھے اور آخرت میں تو اس کا بھڑکنا یقینی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھوٹے مقدمہ سے بچنے کے لئے جھوٹا مقدمہ کرنا

سوال[۸۹۵۸]: جب دفع ظلم وحفاظت حق وغیرہ کے لئے دعویٰ یا شہادت قصاص بموجب فتویٰ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جھوٹی جائز ہے تو اپنی جان جھوٹے مقدمہ سے چھڑا لینا ظالم پر جھوٹا مقدمہ کرکے کیوں جائز نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جان چھڑانا جائز ہے مگر قصداً ایسا کرنے میں ایک تو صراحۃً جھوٹ ہوگا جو کہ فی نفسہٖ معصیت ہے(۲)۔دوسرے اس میں اصالۃً دوسرے شخص کو پھنسانا اور لزوماً اپنی چھڑانا ہوگا اور یہ لزوم بھی یقینی نہیں، بلکہ احتمالی ہے، نیز اس میں تعدی اغلب ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

---

(۱) "وعن أم سلمة رضي الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إليّ، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحو ما أسمع منه، فمن قضيتُ له بشيء من حق أخيه لا يأخذنه، فإنما أقطع له قطعةً من النار". متفق عليه".

"عن أبي أمامة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من اقطتع حق امرئ مسلم بيمينه، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة". فقال له رجل: وإن كان شيئاً يسيراً يا رسول الله!؟ قال: "وإن كان قضيباً من إراك". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۷، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل، وفي دفع الظالم عن الظلم. والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى: وهو الحق. والمراد به التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (مجمع الأنهر: ۲/۵۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ادارہ میں ملازمت کیلئے جھوٹی سند دینا

سوال[۸۹۵۹]: میں جس ادارہ میں ہوں، وہاں کچھ حضرات ایسے آتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے یہاں کے ادارہ میں ماسٹر رکھادو اور تصدیقی سند لکھ دو تا کہ ہم پرائیوٹ طور پر امتحان دے سکیں، حالانکہ یہ تحریر بالکل جھوٹی ہوگی، جبکہ جھوٹ حرام ہے۔ اس لئے میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص آپ کے ادارہ میں ملازم نہیں اس کو ملازم رکھانا اور سند دینا جھوٹ ہے، مکر ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) سند ایک گواہی ہے اور قرآن کریم میں سچی گواہی کی ترغیب ہے اور جھوٹی گواہی سے منع کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولاتكتموا الشهادة، ومن يكتمها فإنه آثم قلبه، والله بما تعملون عليم﴾ (سورة البقرة: ۲۸۳)

"﴿ولا تكتموا الشهادة﴾: أى لاتخفوها بالامتناع عن أدائها إذا دعيتم إليها، وهو خطاب للشهود المؤمنين، كما روى عن سعيد بن جبير وغيره، وجعله خطاباً لمديونين على معنى: لاتكتموا شهادتكم على أنفسكم بأن تقروا بالحق عند المعاملة، أو لاتحتالوا بإبطال شهادة الشهود عليكم بالجرح ونحوه عند المرافعة خلاف الظاهر المأثور عن السلف الصالح". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۲۸۳): ۶۳/۳، دارإحياء التراث العربى بيروت)

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ: "أى يعلمونه، والجملة فى موضع الحال، و قيد بها؛ لأن الشهادة عن غير علم بالمشهود به لا يعول عليها". (روح المعاني: ۱۰۷/۲۵، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "هذا استثناء منقطع: أى لكن من شهد بالحق على بصيرة و علم". (تفسير ابن كثير، (سورة الزخرف: ۸۶): ۱۷۴/۴، مكتبه دارالفيحاء دمشق)

"عن خريم بن فاتک رضى الله تعالىٰ عنه قال: صلّى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة الصبح، فلما انصرف قام قائماً فقال: "عدلت شهادة الزور بالإشراک بالله". ثلاث مرات، ثم قرأ =

تحفظِ جائیداد کیلئے جھوٹ بولنا

سوال[۸۹۶۰]: زید ایک صاحب جائیداد شخص تھا، اس نے اپنی زوجہ ہندہ کے افعالِ قبیحہ اور حرکاتِ ناشائستہ سے تنگ آکر- اس لئے کہ ہندہ اس کی جائیداد سے متمتع نہ ہو- اپنی جائیداد اپنے عزیزوں کے نام ذریعہ بیعنامہ جات منتقل کردی۔ بعدازاں چھ سال بعد ہندہ کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کردیا اور ہندہ نے ابرائے مہر کردیا۔ بروقتِ طلاق ایک دختر شیر خوار صلبی زید موجود تھی جو اپنی والدہ ہندہ کے ساتھ رہی اور زید کا انتقال ہوگیا ہندہ نے دوسرا شوہر کرلیا۔

شوہر موجودہ نے منجانب سعیدہ نابالغہ (دختر حقیقی زید) ان عزیزوں پر واپسی جائیداد کا دعوی کیا، عزیزانِ زید جو قابض و مالکِ جائیداد ہیں اگر نسبتِ جائیداد اقرار فرضیت بیع کرتے ہیں تو جائیداد اس پدر غیر حقیقی کے قبضہ میں جاتی ہے جو خورد کو برد کرے گا اور سعیدہ بوجہٗ نابالغہ ہونے کے اس سے مستفیض نہ ہوسکے گی۔ اب پدر غیر حقیقی سعیدہ نے یہ تصور کرتے ہوئے کہ اعزہ زید عدالت میں جھوٹی شہادت ادانہیں کریں گے، عدالت میں درخواست دے کر اعزۂ زید کا وارنٹ جاری کروایا ہے، اور جبر یہ طور پر حاضریٔ عدالت اور ادائے شہادت کے لئے مجبور کررہے ہیں۔

ایسی حالت میں اگر اعزۂ زید محض اس وجہ سے کہ جائیداد سعیدہ کو نہیں پہنچے گی، عدالت میں اقرارِ فرضیت نہ کریں اور یہ نیت کرتے ہوئے کہ بعد بلوغ کے سعیدہ کو اس جائیداد کا مالک بنائیں گے تو انکار فرضیت کی بناء پر گرفتار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صراحۃً جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے، لہذا زید کے اعزہ کو صراحۃً جھوٹ بولنے کی گنجائش نہیں (۱)، البتہ

= ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور، حنفاء لله غير مشركين به﴾". (مشكوة المصابيح: ۳۲۸/۲، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "عن خريم بن فاتك رضي الله تعالىٰ عنه قال صلّى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة الصبح، فلما انصرف قام قائماً فقال: "عدلت شهادة الزور بالإشراك بالله". ثلاث مرات، ثم قرأ ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور، حنفاء لله غير مشركين به﴾". (مشكوة المصابيح: =

زید کے اعزہ کی نیت اگر جائیداد خود رکھنے کی نہیں، بلکہ خالص نیت لوجہ اللہ ہے کہ سعیدہ کی جائیداد محفوظ رہے اور بڑی ہوجائے گی تو اس کو سب جائیداد دیں گے تو ان کے لئے کوئی مشروع حیلہ کرنا سعیدہ کی جائیداد بچانے کیلئے مناسب ہے، جب کہ اس کی جائیداد خطرہ میں ہو اور فرضیت کا ثبوت کافی ہو(۱)۔ اگر فرضیت پر دلیل موجود نہیں تو اعزۂ زید مالک ہیں، سعیدہ کو نہ دینے کا بھی ان کو اختیار ہے اور دینے کا بھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۲۶/۱۲/۵۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن عفی عنہ، عبداللطیف عفی عنہ، ۱۳/محرم الحرام/۵۱ھ۔

سور کا گوشت بکرے کا بتا کر فروخت کرنے والے کا حکم

سوال[۸۹۶۱]: یہاں پر ایک دردناک واقعہ رونما ہوا ہے، ایک مسلم قصائی نے سور کا گوشت عرصہ تک بکرے کا گوشت کہہ کر فروخت کیا، اچانک یہ راز فاش ہوگیا اور اس کو پولیس کے حوالہ کردیا گیا۔ اب آپ سے گذارش ہے کہ آپ شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رو سے اس کے لئے سزا بیان فرمائیں، اور جن

= ۳۲۸/۲، کتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

"والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل، وفي دفع الظالم عن الظلم. والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى: وهو الحق. قال تعالىٰ ﴿قتل الخرّاصون﴾. وفي الوهبانية: وللصلح جاز الكذب، أو دفع ظالم، وأهل للترضي، والقتال ليظفروا. ويكره التعريض به إلا لحاجة". (مجمع الأنهر: ۵۵۲/۲، فصل في المتفرقات، كتاب الكراهية، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده، فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، و واجب إن وجب تحصيله، كما لو رأى معصوماً اختفى من ظالم يريد قتله أو إيذاءه، فالكذب هنا واجب، وكذا لو سأله عن وديعة يريد أخذها يجب إنكارها". (ردالمحتار: ۴۲۷/۶، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لكن البينة على المدعي، واليمين على من أنكر". (مشكوة المصابيح: ۳۲۶/۲، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قديمي)

لوگوں نے دھوکہ سے وہ گوشت کھایا ہے ان کے لئے کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مسلمان نے جھوٹ بول کر سور کے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر مسلمانوں میں فروخت کیا اور یہ بات واقعۃً صحیح ثابت ہے تو یہ شخص خدا کا بھی مجرم ہے اور مسلمانوں کا بھی مجرم ہے(۱)، اگر شرعی حکومت ہوتو اس کو ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو بھی ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو۔ جن لوگوں نے بے خبری میں ایسے گوشت کو کھایا ہے وہ استغفار کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۴ھ۔

کسی کو جھوٹے کیس میں پھنسانے کا حکم

سوال[۸۹۶۲]: زید اور منصور پڑوسی ہیں، ان دونوں کے مکانات کے پورب (۳) کی طرف ایک پتلی سی گلی ہے، اتر (۴) دکھن (۵) بھی ہے، جس میں ادھر ادھر کے مکانات کا پانی اتر، دکھن ہر جانب بہہ جاتا ہے۔ زید نے ایسا کیا کہ پورا پانی منصور کی جانب کرنے لگا گلی میں، یعنی اپنی غیر مملوکہ جگہ میں بیت الخلاء کا انتظام کیا، جس کی وجہ سے اس کے بیت الخلاء کا پانی بھی بلکہ پاخانہ منصور کے دروازہ پر بہہ کر آنے لگا۔ گاؤں

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال اللہ عزوجل: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم و لحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾. (سورة البقرة: ۱۷۳)

(۳) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

"پورب: مشرق"۔ (نور اللغات: ۲/۸۶۲، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۴) "اتر: شمال، جواب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳، فیروز سنز، لاہور)

"اتر: جب کوئی مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتو اس کے بائیں طرف جو سمت پڑے، وہ اتر ہے، شمال"۔ (نور اللغات: ۱/۳۲۰، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۵) "دکھن: جنوب کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۳، فیروز سنز، لاہور)

"دکھن: بتشدید کاف مفتوح، جنوب"۔ (نور اللغات: ۳/۴۵، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

والوں کو اکٹھا کیا گیا، انہوں نے فیصلہ میں بیت الخلا ہٹائے جانے کا فیصلہ کیا اور گاؤں کے اَسّی فیصد لوگ اس فیصلے کے موافق تھے۔

زید اور منصور کے دستخط اس فیصلہ پر ہو گئے، لیکن بعد میں زید نے منصور اور اس کے کچھ احباب پر ڈاکہ زنی اور دیگر چیزوں میں پھنسانے کی کوشش کی۔ آخرش منصور کے ساتھ ساتھ چند اشخاص کی بلا وجہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے، پولیس والے ہتھکڑیاں لے کر آئے تو وہ بھاگنے لگے، منصور باہر تھا اس کا بھی گھر آنا دشوار ہو گیا۔ جب بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو منصور نے زید پر غلط کیس چالو کر دیا، جب زید گرفت میں آ گیا تو منصور کو چھٹکارا حاصل ہو گیا۔ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹا کیس کر کے غلط طریقے پر کسی کو پھنسا دینا بہت بڑا ظلم ہے، خواہ زید ایسا کرے یا منصور کرے (۱)۔ البتہ ظلم سے بچنے کے لئے ایسی تدبیر کرنا درست ہے جس سے ظالم کا داؤ نہ چل سکے، بلکہ وہ ناکام ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

پانچ کلو شکر کے لئے پچیس کلو کی درخواست دینا

سوال [۸۹۶۳]: چینی کی اگر ۵/کلو کی ضرورت ہو تو درخواست ۲۵/کلو کی دینی پڑتی ہے تب کہیں

---

(۱) "والكذب حرام إلا في الحرب للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل، وفي دفع الظالم عن الظلم. والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام. قال في المجتبى: وهو الحق. قال تعالىٰ ﴿قتل الخراصون﴾. وفي الوهبانية: وللصلح جاز الكذب، أو دفع ظالم، وأهل للترضي، والقتال ليظفروا. ويكره التعريض به إلا لحاجة". (مجمع الأنهر: ۵۵۲/۲، فصل في المتفرقات، كتاب الكراهية، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه .... اهـ". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "واعلم أن الكذب قد يباح و قد يجب، والضابط فيه - كما في تبيين المحارم وغيره عن الإحياء - أن كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً، فالكذب فيه حرام .... اهـ". (رد المحتار: ۴۲۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

پانچ کلومل جاتی ہے، اگر پانچ کلو کی درخواست دی جائے تو بمشکل ایک کلو ہی مل پائے گی جس سے ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ تو مذکورہ بالا صورت کذب میں تو داخل نہیں ہوتی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس صورت میں ۵/کلو کا عنوان ۲۵/کلو ہے اور حکومت کی نظر میں بھی اس کا معنون پانچ کلو ہی ہے، تو عنوان اور معنون کا یہ فرق گویا حکومت کی طرف سے تجویز کر دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ملازم کو سفر خرچ کی جعلی رسید بنانا

سوال[۸۹۶۴]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میرے اور متعلقین کے لئے ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے مطابق سفر خرچ ملتا ہے۔ سامان کی منتقلی کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے موافق خرچ ملتا ہے، لیکن اس کی توثیق کے لئے ہمیں رسید دینی پڑتی ہے۔ عموماً سامان بستی سے تھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے، لیکن سفر خرچ کی برآورد اس ماہ کے ختم سے پہلے داخل کرنا ضروری ہے، ورنہ تنخواہ میں سے جو رقم بضمن سفر خرچ پیشگی لی گئی تھی منہا کر لی جاتی ہے، لہٰذا اب برآورد کے ساتھ جعلی رسید منتقلی سامان کی دینی پڑرہی ہے اور مزید ایک سامان فہرست کی دینی پڑتی ہے جس میں بناوٹی سامان رہتا ہے، یہ عام رواج سرکاری ملازمین کا ہے۔ اب سرکار سے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے جعلی رسید دے کر خرچ برائے منتقلی سامان لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنا روپیہ خرچ ہوگا وہ خرچ اگر پیشگی دیکر اس کی رسید حاصل کر لی جائے اور وہ داخل کر دی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: .... "من غشنا فليس منا".

قال المناوي في شرح الحديث المذكور: "من غش": أي خان، والغش ستر حال الشيئ "فليس منا": أي من متابعينا. قال الطيبي: لم يرد به نفيه عن الإسلام، بل نفي خلقه عن أخلاق المسلمين: أي ليس هو =

ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنے کوشادی شدہ بتانا

سوال[۸۹۶۵]: میری سالانہ تنخواہ چار ہزار روپیہ ہے، جس پر شادی شدہ کیلئے ۷۵/ روپے انکم ٹیکس لگتا ہے۔ میں غیر شادی شدہ ہوں، اگر گورنمنٹ کو شادی شدہ بتلا کر ۱۲۵/ روپے انکم ٹیکس نہ دوں تو وہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ تو آپ کے ہیں، کسی غیر سے آپ نے نہیں لئے، اپنے روپے غیر کو دینے سے آپ نے بچائے، بے جا لینے والے کو نہیں دیئے، آپ کے لئے درست ہیں (۱)، لیکن غلط بیانی کر کے اپنے کو قانونی خطرہ

= على سنتنا أو طريقتنا في مناصحة الإخوان" (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۹۲۴/۱۱، (رقم الحديث: ۸۸۷۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) واضح رہے کہ بغیر کسی واقعی ضرورت کے اسلام میں ٹیکس کا کوئی تصور نہیں، لہذا ایک مسلمان زکوۃ ادا کرنے کے بعد ٹیکس وغیرہ سے بری ہوجائے گا، چنانچہ مسند احمد میں ہے:

"عن سفيان عن عطاء -يعني ابن السائب- عن رجل من بكر بن وائل عن خاله -رضي الله تعالىٰ عنه- قال: قلت: يا رسول الله أعشر قومي؟ فقال: "إنما العشور على اليهود والنصارى، وليس على الإسلام عشور". (مسند الإمام أحمد: ۴۲۲/۵، (رقم الحديث: ۱۸۴۲۵)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و أيضاً مسند الإمام أحمد: ۵۱۹/۴، ۴۷۴/۴، (رقم الحديث: ۱۵۴۲۶)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الشوكاني رحمه الله تعالىٰ: "ليس عليهم غير الزكوة من الضرائب والمكس ونحوهما". (نيل الأوطار، كتاب الجهاد، باب أخذ الجزية ....، بيان سبب إخراج أهل الكتابين من جزيرة العرب: ۲۲۰/۸، دار الجيل بيروت)

لہذا اگر اپنا حق بچانے کے لئے کوئی تعریضاً جھوٹ بولے تو اس کی گنجائش ہے، كما تقدم تخريجه تحت عنوان: کسی کو جھوٹے کیس میں پھنسانے کا حکم، فليراجع ص: ۴۸۱، رقم الحاشية: ۲)

میں ڈالنا کوئی دانش مندی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

کسی دوسرے کو اپنے پاس کے ذریعہ ریل میں بھیجنا

سوال[۸۹۶۶]: جو لوگ ریلوے میں ملازم ہوتے ہیں، ریلوے کا قانون ہے کہ ان کو ایک سال میں کئی مرتبہ مفت پاس ملتا ہے کہ جہاں چاہیں بلا ٹکٹ کے (پاس دکھا کر) جاسکتے ہیں۔ اب بہت سے لوگ دوسرے کی عورتوں کو اپنی عورت اور دوسروں کے بچوں کو اپنا بچہ بتا کر بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہیں اور ان سے روپے لے کر اپنی جیب میں رکھتے ہیں، اس طرح کرنے سے ریلوے کا نقصان ہوتا ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ دھوکہ اور خیانت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۵ھ۔

قرآن پاک کا حلف اٹھانے کے باوجود الزام لگانا

سوال[۸۹۶۷]: زید نے بکر کے اوپر ایک فحش کام کا الزام لگایا اور اسی بات پر چند آدمیوں میں بکر کی موجودگی میں چرچ کیا۔ بکر نے اپنے اوپر ایسا الزام ہونے سے انکار کردیا، جس پر زید نے قرآن پاک کا حلف دلایا۔ بکر نے صدق دل سے قرآن پاک اٹھایا کہ میں الزام بالا سے پاک ہوں۔ بعد حلف کے زید پھر بھی بکر کو اسی الزام بالا میں بدنام کرتا ہے اور نئے الزام اَور بھی لگاتا ہے، گویا کہ زید نے بکر کے حلف کا اعتبار نہیں کیا۔ ایسے حلف اٹھوانے کے بعد اس پر یقین نہ کرنے والوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلا قال: "لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له". رواه البیهقي في شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح: ۱/۱۵، کتاب الإیمان، الفصل الثاني، قدیمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی پر الزام لگانا بہت بڑا جرم ہے، حدیث شریف میں ہے کہ: ''الزام لگانے والے کو پل صراط پر روک دیا جائے گا کہ اس الزام کا ثبوت پیش کر، جب تک ثبوت پیش نہیں کرے گا، آگے نہیں جاسکے گا'' (۱)۔ یہ تو آخرت کا حکم ہے، دنیا میں بھی یہ ہے کہ جس کے پاس الزام کا ثبوت نہ ہو تو ملزم قسم کھانے کے بعد بری قرار دیا جائے گا، اگر شرعی حکومت میں الزام کا مقدمہ پیش ہو اور ثبوت موجود نہ ہو تو الزام کی نوعیت کے لحاظ سے الزام

---

(۱) "عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمى مؤمناً من منافق يعيبه بعث الله تبارك وتعالىٰ ملكاً يحمي لحمه يوم القيامة من نار جهنم، ومن بغى مؤمناً يريد به شينه، حبسه الله تعالىٰ على جسر جهنم حتى يخرج مما قال". (مسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث معاذ بن أنس الجهني، (رقم الحديث : ۱۵۲۲۲): ۴/۲۶۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يذب عن عرض أخيه: ۲/۳۲۱، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من حمى" أي حرس ﴿مؤمناً﴾: أي عرضه ﴿من منافق﴾: أي مغتاب، وإنما سمي منافقاً؛ لأنه يظهر النصيحة ويبطن الفضيحة "وبعث الله ملكاً يحمي لحمه": أي لحم حامي المؤمن "يوم القيامة من نار جهنم. ومن رمى": أي قذف مسلماً -فيه تفنن وإشعار بصحة إطلاق كلٍ موضع الآخر- "بشيء": أي من العيوب "يريد به شينه": أي عيبه .... "حبسه الله": أي وقفه "على جسر جهنم" وهو صراط مصدور بين ظهرانيها أدق من الشعر، وأحدّ من السيف "حتى يخرج مما قال": أي من عهدته، والمعنى: حتى ينقى من ذنبه ذلك بإرضاء خصمه، أو بشفاعة، أو بتعذيبه بقدر ذنبه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۹۸۶): ۸/۷۲۱، ۷۲۲، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الرجل يذبّ عن عرض أخيه: ۵/۲۵۵، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔ بعض الزام ایسا بھی ہے کہ ثبوت نہ ہونے کی صورت میں الزام لگانے والے کو ۸۰/ کوڑے لگائے جائیں گے اور اعلان کردیا جائے گا کہ اس کی گواہی کبھی قبول نہ کی جائے (۱)۔ جو شخص واقعۃً جرم کا مرتکب ہو وہ اپنے جرم کی حیثیت سے سزا کا مستحق ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

کسی پر الزام لگا کر انکار کرنا

سوال [۸۹۲۸] : ایک قاضی- جو سرکاری مدرس بھی ہیں- چند آدمیوں کی موجودگی میں شہر کے ذمہ دار حضرات پر اپنا تبادلہ کرانے کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگا کر قوم میں نفاق پیدا کرتا ہے، لیکن بوقتِ صفائی انہیں آدمیوں کی موجودگی میں جن سے اس نے یہ بات کہی تھی حلف کی رو سے انکار کردیتا ہے۔ دوسری طرف وہ چار پانچ مسلمان بھی حلف اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ قاضی نے الگ الگ اوقات میں اور الگ الگ نشستوں میں یہ بات ایسی کہی ہے۔ اس صورت میں شرعی نقطۂ نظر سے کس کی بات بھروسہ کے قابل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غلط خبر یا غلط گمان کی وجہ سے بلاتحقیق الزام لگانا فتنہ کا باعث ہوتا ہے، اس لئے اس کی صفائی اور

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا بأربعة شهداء، فاجلدوهم ثمٰنین جلدةً، ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً، وأولٰئک هم الفٰسقون﴾ (سورة النور: ۴)

"(قوله: والمحدود في قذف ولوتاب) لاتقبل شهادته؛ لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تقبلوا لهم شهادةً أبداً﴾ [النور] ولأنه من تمام الحد، لكونه مانعاً، فيبقى بعد التوبة كأصله، بخلاف المحدود في غيره؛ لأن الرد للفسق وقد ارتفع بالتوبة .... وفي البدائع: كل فاسق تاب عن فسقه، قبلت توبته وشهادته، إلا اثنين: المحدود في القذف، والمعروف بالكذب؛ لأن من صار معروفاً بالكذب واشتهر به لايعرف صدقه من توبته، بخلاف الفاسق إذا تاب عن سائر أنواع الفسق فإن شهادته تقبل". (البحر الرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۷/۱۳۳، ۱۳۴، رشيديه)

تحقیق لازم ہے۔ جس کے متعلق غلط بات کہی ہو، اس سے صفائی کرلی جائے کہ فلاں وجہ سے اس کی نوبت آئی ہے، اب معلوم ہوا کہ وہ بات غلط تھی، اس لئے معذرت خواہ ہوں (۱)۔ جھوٹ بولنا، جھوٹا حلف اٹھانا اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کو شرک کے قریب ذکر کیا گیا ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

بہتان سے توبہ کا طریقہ

سوال [۸۹۲۹]: زید کے اپنے استاد ہیں جنھوں نے ایک عرصہ تک اس کو پڑھایا، لکھایا اور اس کے بہی خواہ رہے۔ زید نے دوسرے مربی یا بڑے آدمی کے بہکانے میں آکر ان استاد کے خلاف علَم بلند کیا اور انہیں اذیت پہنچائی، ان کی پگڑی اچھالی، عوام میں ان کی بدنامی کی اور رسوا کیا۔ زمانہ دراز کے بعد زید کی آنکھ کھلی، اُسے اپنی غلطی و نادانی کا احساس ہوا تو اس نے اپنے شفیق استاد سے بارہا معافی چاہی، لیکن زید کے استاد نے اپنی خوشنودی و رضامندی کا انحصار چند شرائط پر رکھا۔

وہ شرائط ایسے ہیں کہ جن کو قبول کرنے سے استاد تو بے شک راضی ہو جائیں گے، مگر اس کا محسن جس نے زید کا فائدہ سمجھ کر زید کو اس کے استاد کے خلاف بھڑکایا تھا اور رشتہ دار سب کے سب بدنام ہو جائیں گے اور

---

(۱) "أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرته عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان و يطلب الرضى عنه، حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كما سبق في حقوق الله تعالىٰ، فليس شيء من العصيان أعظم من البهتان".

(شرح الفقه الأكبر، مسألة في التوبة وشرائطها، وفيها أبحاث جليلة، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، ص: ۸۹، باب الغيبة، مكتبه حقانيه)

(۲) "عن خريم بن فاتك رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلّى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة الصبح، فلما انصرف قام قائماً فقال: "عدلت شهادة الزور بالإشراك بالله". ثلاث مرات، ثم قرأ: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان، واجتنبوا قول الزور، حنفاء لله غير مشركين به﴾". (مشكوة المصابيح: ۳۲۸/۲، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، قديمي)

زید کے دھوکہ دہی کی وجہ سے خود زید کو بھی متنفر ہونے کا اندیشہ ہے اور ایک شور برپا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور زید کے لئے دونوں بزرگوں کو خوش رکھنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں زید اپنے استاد سے کہاں تک معافی مانگے، اگر استاد معاف نہ کریں تو آخرت میں تو گرفت نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ استاد کو خوش رکھے، جن باتوں سے بدنام کیا ہے وہ اگر واقعۃً غلط ہیں تو زید کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے زید نے اپنے استاد کو رسوا کیا ہے اور ان کی پگڑی اچھالی ہے، ان کے سامنے اس کا اعتراف کرے کہ یہ امور غلط ہیں، میں نے جھوٹ بولا اور اپنے استاد پر بہتان لگایا، اس سے اگر اس کے دوسرے مربی اور محسن ناراض ہوتے ہیں، یا خود بے اعتبار ہوتا ہے تو اس کی پرواہ نہ کرے، اس کا انجام آخرت میں یقیناً اچھا ہے۔

اور جب خوفِ خداوندی اور احکامِ شرعی اور حقوقِ استاد کی بنا پر خلوص کے ساتھ کرے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کا انجام خراب نہ ہوگا، جیسا گناہ ہوتا ہے ایسے ہی اس کی توبہ ہوتی ہے۔ بہتان بہت بڑا گناہ ہے اس کی توبہ بھی زیادہ قابلِ اہتمام ہے:

"أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرته عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان و يطلب الرضى عنه، حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كما سبق في حقوق الله تعالىٰ، فليس شيء من العصيان أعظم من البهتان". شرح فقه أكبر(۱)۔

اس کے علاوہ استاذ کے شرائط کا حکم ان شرائط کے معلوم ہونے پر ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۹/۱/۵۷ھ۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، مسألة في التوبة وشرائطها، وفيها أبحاث جليلة، ص: ۱۵۹، ۱۲۰، قديمي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، ص: ۸۹، باب الغيبة، مكتبه حقانيه)

بہتان کی آخرت میں سزا

سوال[۸۹۷۰]: اگر کوئی آدمی زبردستی کسی پر الزام لگائے تو آخرت میں اس پر کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی پر بہتان لگائے تو قیامت میں پل صراط پر اس کو روک کر کہا جائے گا کہ بہتان کا ثبوت پیش کرو تب آگے جانے کی اجازت ہوگی بہت سخت چیز ہے(۱)، جس پر بہتان لگایا جائے وہ اگر قسم کھا کر اس کا انکار کردے تو وہ شرعاً بری سمجھا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن معاذ بن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من حمی مؤمناً من منافق، بعث الله ملکاً یحمی لحمه یوم القیٰمه من نار جهنم. ومن رمی مسلماً بشيء یرید به شینه، حبسه الله علی جسر جهنم حتی یخرج مما قال". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثاني، ص: ۴۲۴، قدیمی)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ: "قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من حمی": أی حرس "مؤمناً": أی عرضه "من منافق": أی مغتاب، وإنما سمی منافقاً؛ لأنه یظهر النصیحة ویبطن الفضیحة "بعث الله ملکاً یحمی لحمه": أی لحم حامي المؤمن "یوم القیامة من نار جهنم. ومن رمی": أی قذف مسلماً -فیه تفنن وإشعار بصحة إطلاق کلٍ موضع الآخر- "بشيء": أی من العیوب "یرید به شینه": أی عیبه .... "حبسه الله": أی وقفه "علی جسر جهنم" وهو صراط مصدود بین ظهرانیها أدق من الشعر، وأحد من السیف "حتی یخرج مما قال": أی من عهدته، والمعنی: حتی ینقی من ذنبه ذلک بإرضاء خصمه، أو بشفاعة، أو بتعذیبه بقدر ذنبه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثاني، (رقم الحدیث: ۴۹۸۶): ۸/۷۲۱، ۷۲۲، رشیدیه)

(وکذا في بذل المجهود في حل أبي داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل یذبّ عن عرض أخیه: ۵/۲۵۵، معهد الخلیل الإسلامي کراچي)

(۲) "أو أنکر فبرهن المدعي، قضی علیه بلاطلب المدعي. وإلا یبرهن، حلفه الحاکم بعد طلبه؛ إذ لابد من =

چغل خوری سے توبہ کرنا

سوال[۸۹۷۱]: چغل خور اگر چغل خوری سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی یا نہیں، یا ان لوگوں سے معاف کرانا ہوگا جن کی چغلی کر چکا ہے؟ اگر وہ لوگ انتقال کر گئے ہوں جن کی چغلی کی ہے تو نجات کی کیا صورت ہے؟

احقر: محمد حشمت علی عفی عنہ، شریف نگر، ڈاکخانہ خاص: تحصیل ٹھاکردوارہ،
ضلع مرادآباد، محلہ شاہ صاحب کا تکیہ اسلامیہ، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خدا سے توبہ کرے اور ان لوگوں سے معافی مانگے، اگر کچھ غلط باتیں ان کے متعلق کسی سے کہی ہیں تو اس سے یہ بھی کہے کہ میں نے فلاں شخص کے متعلق فلاں فلاں بات کہی تھی وہ غلط اور جھوٹ تھی، میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ اگر وہ لوگ انتقال کر چکے ہیں تو ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرے اور ان کی اولاد، اقرباء کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے تو امید ہے کہ اللہ پاک ان اہلِ حقوق کو راضی فرما کر اس کی بخشش

= طلبه اليمين في جميع الدعاوى .... لو اصطلحا على أن يحلف عند غير قاضٍ ويكون برئياً، فهو باطل؛ لأن اليمين حق القاضي مع طلب الخصم، ولا عبرة باليمين ولانكول عند غير القاضي، فلو برهن عليه: أي على حقه، يقبل، وإلا يحلفه ثانياً عند قاض، إلا إذا كان حلفه الأول عنده فكفى، درر". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلا إذا كان) استثناء منقطع؛ لأن فرض المسئلة في أن الحلف الأول عند غير قاض. (قوله: حلفه الأول عنده): أي عند قاضٍ، فيكفي: أي لايحتاج إلى التحليف ثانياً". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الدعوى: ۵/۵۴۸، ۵۴۹، سعيد)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "(قوله: وقضى له إن نكل مرةً بلا أحلف أو سكت)؛ لأن النكول دلّ على كونه باذلاً أو مقراً، إذ لولا ذلك، لأقدم على اليمين إقامةً للواجب دفعاً للضرر عن نفسه، فترجح هذا الجانب، ولا وجه لرد اليمين لما قدمناه .... وذكر الشارح من باب التحالف أن النكول لايوجب شيئاً إلا إذا اتصل القضاء به، وبدونه لايوجب شيئاً". (البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۷/۳۴۹، رشيديه)

کردیں گے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

ریا کی تقسیم

سوال[۸۹۷۲]: کونسا فرد ریا کا جائز ہے اور کون سا واجب اور کون سا مکروہ اور کون سا حرام اور کون سا مندوب؟

عبید اللہ بلیاوی، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تقسیم کہاں ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱)"والمراد أن يبيّن له ذلك و يعتذر إليه، ليسمح عنه، بأن يبالغ في الثناء عليه و التودّد إليه، ويلازم ذلك حتى يطيب قلبه. وإن لم يطب قلبه، كان اعتذاره و تودّده حَسَنةً يقابل بها سيئة الغيبة في الأخرة. وعليه أن يخلص في الاعتذار، وإلا فهو ذنب آخر، ويحتمل أن يبقى لخصمه عليه مطالبة في الأخرة .... بل يستغفر الله له إن علم أن إعلامه يثير فتنةً ....اهـ". (رد المحتار: ۴۱۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب اخر من التوبة، ص: ۹۲، رشيديه)

الفصل الثانی فی الغیبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

فاسق کی غیبت گناہ ہے یا نہیں؟

سوال[۸۹۷۳]: فاسق کی غیبت میں ویسا ہی گناہ ہے جیسا غیر فاسق کی یا کچھ فرق ہے، یا بالکل گناہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فاسق کی غیبت اگر دوسروں کو اس کے شر سے بچانے کیلئے، یا اس کی اصلاح کیلئے کسی بڑے کے سامنے کی جائے اور بقدرِ ضرورت کی جائے تو گناہ نہیں، ورنہ گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور ۱۱/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وإذا كان الرجل يصوم ويصلي ويضرّ الناس بيده ولسانه، فذِكْرُه بما فيه ليس بغيبة، حتى لوأخبر السلطان بذلك ليزجره، لاإثم عليه". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فذكره بما فيه ليس بغيبته): أى ليحذّره الناس و لا يغترّ بصومه و صلاته، فقد اخرج الطبرانى والبيهقى والترمذى: "أترعوون فى الغيبة عن ذكر الفاجر، اذْكُرُوهُ بمافيه يحذره الناس". (ردالمحتار: ۴۰۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثالث والعشرون فى الغيبة والحسد، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷۰/۶، كتاب الكراهية، الباب التاسع فى المتفرقات، رشيديه)

قال العلامة الإمام الغزالى رحمه الله تعالىٰ: "اعلم أن المرخص فى ذكر مساوى الغير هو =

....

= غرض صحيح في الشرع لايمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذلك إثم الغيبة، وهي ستة أمور الأول: التظلم فإن من ذكر قاضياً بالظلم والخيانة وأخذ الرشوة، كان مغتاباً عاصياً إن لم يكن مظلوماً. أما المظلوم من جهة القاضي، فله أن يتظلم إلى السلطان وينسبه إلى الظلم، إذلا يمكنه استيفاء حقه إلا به. قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "إن لصاحب الحق مقالاً". وقال عليه السلام: "مطل الغنى ظلم" وقال عليه السلام: "ليُّ الواجد يحل عقوبته وعرضه.

الثاني: الاستعانة على تغيير المنكر ورد العاصي إلى منهج الصلاح، كما روى أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه مرعلى عثمان، وقيل: على طلحة رضي الله تعالىٰ عنه، فسلم عليه، فلم يرد السلام، فذهب إلى أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه، فذكر له ذلك، فجاء أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه إليه ليصلح ذلك، زلم يكن ذلك غيبةً عندهم .... اهـ.

الثالث: الاستفتاء كمايقول للمفتي: ظلمني أبي أو زوجتي أو أخي، فكيف طريقي في الخلاص؟ والأسلم التعريض بأن يقول: ماقولك في رجل ظلمه أبوه أو أخوه أو زوجته؟ ولكن التعيين مباح بهذا القدر؛ لما روى عن هند بنت عتبة أنها قالت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن أبا سفيان رجل شحيح لا يعطيني مايكفيني أنا وولدي، أفآخذ من غير علمه، فقال: "خذي مايكفيك وولدك بالمعروف". فذكرت الشح والظلم لها ولولدها، ولم يزجرها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ كان قصدها الاستفتاء.

الرابع: تحذير المسلم من الشر، فإذا رأيت فقيهاً يتردد إلى مبتدع أو فاسق وخفت أن تتعدد إليه بدعته وفسقه، فلك أن تكشف له بدعته وفسقه مهما كان الباعث لك الخوف عليه من سراية البدعة والفسق لاغيره .... إذ قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أترعوون عن ذكر الفاجر أهتكوه حتى يعرفه الناس، اذكروه بما فيه حتى يحذره الناس". وكانوا يقولون ثلاثة لاغيبة لهم: الإمام الجائر، والمبتدع، والمجاهر بفسقه.

الخامس: أن يكون الإنسان معروفاً بلقب يعرف عن عيبه كالأعرج والأعمش، فلا إثم على من=

پیر صاحب کا مریدین کی غیبت کرنا

سوال[۸۹۷۴]: ایک پیر صاحب اپنے مرید کی لوگوں کے سامنے بُرائی کیا کرتے ہیں۔ یہ غیبت ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی مسلمان کی غیبت کرنا جبکہ مصلحتِ دین اس سے متعلق نہ ہو ممنوع ہے: ﴿ولا یغتب بعضکم بعضاً﴾ الآیة(۱)۔

اگر پیر صاحب کا مقصد غیبت سے مرید کی اصلاح کرنا ہے اور مرید کے سامنے ظاہر کرنا خلافِ مصلحت ہو اور لوگوں کے سامنے مرید کی بُرائی اس واسطے کرتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ سے مرید کو اپنی بُرائی کا علم ہو جائے

= يقول: روى أبو الزناد عن الأعرج، وسلمان عن الأعمش وما يجرى مجراه، فقد فعل العلماء ذلك لضرورة التعريف، ولأن ذلك قدصار بحيث لايكرهه صاحبه لوعلمه بعد أن قد صار مشهوراً به...... اهـ.

السادس: أن يكون مجاهراً بالفسق كالمخنث وصاحب الماخور والمجاهر بشرب الخمر ومصادرة الناس، وكان ممن يتظاهر به بحيث لايستنكف من أن يذكر له ولا يكره أن يذكر به، فإذا ذكرت فيه يتظاهر به، فلا إثم عليك. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من ألقى جلباب الحياء عن وجهه فلاغيبة له". وقال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: ليس لفاجر حرمة. وأراد به المجاهر بفسقه دون المستتر لابد من مراعاة حرمته". (إحياء علوم الدين، كتاب آفات اللسان، الآفة الخامسة عشرة الغيبة، بيان الأعذار المرخصة في الغيبة: ۳/۱۸۲-۱۸۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، المقدمة، إيقاظ فيما ليس بغيبة، ص: ۵۲-۵۶، مكتبة المطبوعات الإسلامية)

(۱) (سورة الحجرات: ۱۲)

"وروى عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما قال: هاجت ريحٌ منتنةٌ على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن ناساً من المنافقين قد اغتابوا ناساً من المسلمين، فلذلك هاجت هذه الريح المنتنة". (تنبيه الغافلين، ص: ۸۶، باب الغيبة، مكتبه حقانيه پشاور)

تو ایک یادو آدمی کے ذریعہ اس سے مرید کو اطلاع کرادیں کہ جس سے مرید کی اصلاح ہوجائے(۱)، مجمع میں لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

مردہ کی غیبت اور برائی

سوال[۸۹۷۵]: کسی متبعِ شریعت مسلمان مُردہ کو ابوجہل، چوراور قسم قسم کے ناساز الفاظ سے ملقب کرنا اور تہمت لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی مردہ واقعۃً بھی چوری وغیرہ کبائر میں مبتلا تھا تب بھی اس کے ان افعال کا ذکر کرکے اس کی بُرائی کرنا غیبت اور حرام ہے اور مردہ کی غیبت کا گناہ زندہ کی غیبت سے زیادہ سخت ہے(۲)۔ اور اگر واقعۃً ان میں مبتلا نہ تھا تو یہ بہتان ہے(۳)، اس کا گناہ غیبت سے بھی زیادہ ہے:

---

(۱) "وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لايتوصل إليه إلا بها، وتنحصر في ستة أسباب .... وإن احتاج إلى ذكر عيب، ذكره، أو عيبين فكذلك، وهكذا لايجوز زيادة على مايكفي". (تفسير روح المعاني، (سورة الحجرات: ۱۲) : ۱۶۱/۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في معارف القرآن، سورة الحجرات: ۱۲۳/۸، إدارة المعارف كراچی)

"ولايستثنىٰ من ذلك إلا من رجحت مصلحة". (تفسير ابن كثير، سورة الحجرات: ۲۷۳/۴، دارالفيحاء، بيروت)

(۲) "سبّ الأموات يجرى مجرى الغيبة، فإن كان أغلب أحوال المرء الخير، و قد تكون منه الفلتة، فالاغتياب له ممنوع. وإن كان فاسقاً معلناً فلا غيبة له، فكذلك الميت. ويحتمل أن يكون النهي .... فلما مات، تركت ذلك، ونهت عن لعنه". (فتح البارى، كتاب الجنائز، باب ماينهى من سبّ الأموات (رقم الحديث: ۱۳۹۳): ۳۳۱/۳، قديمى)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أتدرون ما الغيبة"؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "إذا ذكرتَ أخاك بما يكره، فقد اغتبته". قيل: أرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهتّه". يعني قلت فيه بهتاناً". =

"فليس شئي من الذنوب أعظم من البهتان". تنبيه الغافلين(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

غیبت کی معافی کا طریقہ

سوال[۸۹۷۶]: ایک آدمی کی غیبت کی، وہ معافی مانگنے پر معاف نہ کرے تو تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص کی غیبت کی گئی ہے اس سے وہ باتیں جو اس سے غائبانہ میں کی ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرکے خلوص کے ساتھ معافی مانگنا ضروری ہے، بلا اس کے کوئی چارہ نہیں۔ البتہ اگر تفصیلی بیان میں ضرر کا کوئی اندیشہ ہو تو مجہولاً ہی (مثلاً یوں کہے کہ مجھ سے جو کچھ غلطی ہوئی ہے، معاف کردیجیے) معافی مانگ لے، لیکن اگر معافی مانگنے اور احسان ومودّت کرنے کے باوجود معاف نہ کرے تو توبہ واستغفار کرلے، یہی غیبت کی تلافی کردے گا، کمافی ردالمحتار: ۴۰۵/۵(۲)۔

توضیح: جس کی غیبت کی ہے اس کی تعریف بھی کی جائے، اس کے لئے دعائے خیر کی جائے، ایصال ثواب کیا جائے، اس کے ساتھ اس کے متعلقین کے ساتھ احسان کیا جائے، انشاءاللہ تعالیٰ مکافات

= رواه مسلم". (تنبيه الغافلين، ص: ٨٥، مكتبه حقانيه)

(١) (تنبيه الغافلين، ص: ٨٩، باب الغيبة، مكتبه حقانيه پشاور)

(٢) "والمراد أن يبيّن له ذلك و يعتذر إليه، ليسمح عنه، بأن يبالغ في الثناء عليه و التودّد إليه و يلازم ذلك حتى يطيب قلبه. وإن لم يطب قلبه، كان اعتذاره و تودّده حسنةً يقابل بها سيئة الغيبة في الأخرة. وعليه أن يخلص في الاعتذار، وإلا فهو ذنب آخر، ويحتمل أن يبقى لخصمه عليه مطالبة في الأخرة .... بل يستغفر الله له إن علم أن إعلامه يثير فتنةً ....اهـ". (رد المحتار: ٤١١/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

ہوجائیں گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

مسلمان سے کینہ رکھنا

سوال[۸۹۷۷]: ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کسی بناء پر اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے اور ظاہر میں وہ اس سے ملتا جلتا ہے تو وہ شخص شرع کے لحاظ سے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاوجہِ شرعی کے مسلمان کی طرف سے کینہ رکھنا گناہ ہے، خواہ کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو(۱) البتہ کسی فاسق کے فسق سے خوش ہونا بھی جائز نہیں(۲)، بلکہ اس کے فسق کو برا سمجھنا چاہیے اور خود اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔اور یہ سوچے کہ میں خداوند تعالیٰ کا نافرمان بندہ ہوں، اگر خداوند تعالیٰ اپنی ناراضی مجھ پر اس وجہ

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يفتح أبواب الجنة يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبدٍ لا يشرك بالله شيئاً إلا رجل كانت بينه و بين أخيه شحناء، فيقال: انظروا هذين حتى يصطلحا". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۸، كتاب الأدب، باب ماينهي عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالىٰ واهتز له العرش". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۴، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثالث، قديمي)

"هذا وإذا كان هذا حكم من مدح الفاسق، فكيف بمن مدح الظالم و ركن إليه ركوناً، و قد قال تعالىٰ: ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾.

في الكشاف: النهي متناول للانحطاط في هَوَاهُم والانقطاع إليهم و مصاحبتهم و مجالستهم وزيارتهم ومداهنتم، والرضاء بأعمالهم .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثالث: ۸/۵۹۹، (رقم الحديث: ۴۸۵۹)، رشيديه)

سے کریں تو پھر میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، جب میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے قصور کو معاف کردے تو مجھے بھی چاہئے کہ میں اس ستانے والے کے قصور کو معاف کردوں۔

اس کے باوجود بھی اگر وہ دل سے برائی نہ نکالے تب بھی اس برائی کے تقاضہ پر عمل کرنا جائز نہیں اور ایسی حالت میں یہ شخص معذور ہے(۱)، تاہم اس کے نکالنے کی کوشش جاری رکھے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/۵/۵۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن طارق بن شهاب قال: أول من قدم الخطبة قبل الصلوة مروان، فقام رجل، فقال لمروان: خالفت السنة، فقال: يافلان ترك ماهناك. فقال ابو سعيد رضى الله تعالىٰ عنه: أما هذا، فقد قضى ماعليه سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من راى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان". (جامع الترمذى، أبواب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب: ۲/۴۰، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

الفصل الثالث فی نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

وعدہ خلافی

سوال[۸۹۷۸]: ایک شخص مجمعِ کثیر میں حتمی وعدہ کرتا ہے کہ جب بھی میں حج بیت اللہ شریف کو جاؤں گا، اپنے استاد محترم کو لے جاؤں گا، لیکن اب اس کی نیت بدل گئی، اب جاتے وقت اکیلا جارہا ہے، استاد کو اپنے ہمراہ نہیں لے جارہا ہے، نہ ان کا خرچ ہی برداشت کرنے کو تیار ہے۔ تو اب اس شخص کو کیا کہا جائے، دوروغ گو یا وعدہ خلاف؟ شرعی رو سے اس کا تاوان دنیا میں کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ کرتے وقت یہ نیت ہو کہ اس کو پورا نہیں کروں گا، بلکہ محض دھوکہ دینے کے لئے وعدہ کیا ہے تو یہ منافق کی علامت ہے، سخت معصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اگر وعدہ کرنے وقت پورا کرنے کا ارادہ تھا، لیکن بعد میں کسی عذر کی وجہ سے پورا نہیں کرسکا تو یہ گناہ ہی نہیں (۱)، اگر بلا عذر پورا نہیں کیا تو یہ گناہ ہے۔

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا أو تمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمی)

"وعن زيد بن أرقم رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه و من نيته أن يفی له، فلم يف و لم يجیء للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثانی، ص: ۴۱۶، قديمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفی، فعليه الإثم، سواء وفی به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد و نيته أن يفی و لم يف بغير =

الأشباه والنظائر میں ہے:"الخلف في الوعد حرام". اس کے ذیل میں علامہ حموی نے تفصیل بیان کی ہے(۱)۔ پس زید کا خیال جیسا ہوگا، اس پر ویسا ہی حکم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۰/۱۰/۲۳ھ۔

وعدہ خلافی

سوال[۸۹۷۹]: وعدہ خلافی گناہ ہے یا نہیں، وہ وعدہ جو خلاف شرع نہ ہو مثلاً: دعوت منظور کر کے پھر دعوت میں نہ جانا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ کرتے وقت خلاف کرنے کی نیت ہو تو گناہ ہے، لیکن خلاف کرنے کی نیت نہیں تھی، مگر کسی

= عذر، فلا دليل لما قيل من أنه دل على أن الوفاء بالوعد ليس بواجب؛ إذ هو أمرٌ مسكوتٌ عنه على ما حررته". (مرقاة المفاتيح: ۶۱۵/۸، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، كتاب الأدب، باب الوعد، رشيديه)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده .... فإن كان عند الوعد عازماً على أن لا يفي به، فهذا هو النفاق، اهـ". (مرقاة المفاتيح: ۶۲۸/۸، كتاب الأدب، اخر باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۱) "قوله: الخلف في الوعد حرام. قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء، وقال صاحب الفريد في التقليد: إنما يوصف بما ذكر: أي بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف كما في قول المذكورين في آية: ﴿لئن أخرجتم لنخرجن معكم﴾ فوصفوا بالنفاق لإبطانهم خلاف ما أظهروا. وأما من عزم على الوفاء ثم بَدَا له فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". انتهى. وقيل عليه فيه بحث، فإنّ أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۲۳۰/۳، كتاب الحظر والإباحة، (رقم المادة: ۲۲) إدارة القرآن كراچي)

عارضِ شرعی یا طبعی کی وجہ سے پورا نہیں کرسکا تو گناہ نہیں، كذا في الحموي(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وعدہ خلافی کرنا

سوال[۸۹۸۰]: اگر کوئی شخص وعدہ خلافی کرے تو شرعاً کیا حکم ہے، جبکہ اس وعدہ کی کوئی حد مقرر نہ کی گئی ہو؟

الجواب حامداًومصلياً:

وعدہ خلافی کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ اس کو پورا نہیں کرنا، یہ منافق کی نشانی ہے، لیکن اگر نیت تو پورا کرنے کی تھی پھر کسی عذر کی وجہ سے پورا نہیں کرسکا تو اس پر گناہ نہیں (۲)۔ بلا عذر پورا نہ کرنا گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۱۲ھ۔

---

(۱) "قوله: الخلف في الوعد حرام. قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء، وقال صاحب الفريد في التقليد: إنما يوصف بما ذكر: أي بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف كما في قول المذكورين في آية: ﴿لئن أخرجتم لنخرجن معكم﴾ فوصفوا بالنفاق لإبطانهم خلاف ما أظهروا. وأما من عزم على الوفاء ثم بَدَا له فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". انتهى. وقيل عليه فيه بحث، فإنّ أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق فيحمل عدم الإثم في الحديث على ما إذا منع مانع من الوفاء". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۲۳۶/۳، كتاب الحظر والإباحة، (رقم المادة: ۲۲) إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وعن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه و من نيته أن يفي له، فلم يف و لم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد و نيته أن يفي ولم =

وعدہ خلافی کا حکم

سوال[۸۹۸۱]: وعدہ شکن کو منافق کہتے ہیں یا نہیں؟ اور نماز پڑھنا منافق کے پیچھے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص وعدہ کرتے وقت یہ نیت رکھے کہ وعدہ کو نہیں پورا کروں گا محض دھوکہ دینے کے لئے وعدہ کرتا ہے، اس کو حدیث شریف میں منافق فرمایا گیا ہے، یعنی اس میں ایک علامت منافق کی ہے، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ مطلب نہیں کہ وہ مومن نہیں رہا(۱)، اور جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں آئے گا(۲)۔ اور اگر وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کی نیت تھی، مگر کسی عارض کی وجہ سے پورا نہیں ہوسکا تو یہ منافق کی علامت نہیں، بلکہ اس میں گناہ بھی نہیں (۳)۔ فقط۔

= يف بغير عذر، فلا دليل لما قيل من أنه دل على أن الوفاء بالوعد ليس بواجب؛ إذ هو أمرٌ مسكوتٌ عنه على ما حررته". (مرقاة المفاتيح: ۶۱۵/۸، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، رشيديه)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده .... فإن كان عند الوعد عازماً على أن لا يفي به، فهذا هو النفاق، اهـ". (مرقاة المفاتيح: ۶۲۸/۸، كتاب الأدب، آخر باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا أؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن المنٰفقين في الدرك الأسفل من النار، ولن تجد لهم نصيراً﴾ (سورة النساء: ۱۴۶)

"أي يوم القيامة جزاء على كفرهم الغليظ". (ابن كثير: ۷۵۸/۱، دار الفيحاء دمشق)

(۳) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه =

ضمانت میں وعدہ خلافی

سوال[۸۹۸۲]: ولی محمد نے ایک وقت میں حاجت مندی اور پریشانی کی حالت میں محمد اسماعیل سے کہا کہ میرے یہاں بیاہ شادی پڑی ہوئی ہے، نقد روپیہ میرے پاس نہیں، جس بزاز سے آپ کپڑا خریدتے ہیں اس کی آپ سے جان پہچان اور لین دین ہے، لہذا شادی کے موقع پر ادھار کپڑا مجھے دلوادیجئے۔ محمد اسماعیل نے اس کی مجبوری کو محسوس کر کے حسب ضرورت مبلغ دوسو روپے کا کپڑا اپنی ضمانت پر اس کو دلوادیا۔ بعد شادی وعدہ کے مطابق چند بار تقاضا بھی کیا گیا، مگر وہ بلا مجبوری استطاعت ہوتے ہوئے بھی آج کل کرتا رہا، یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے۔ اب اس کی نیت ہی بدل گئی کہ نہیں دیں گے تو کیا کر سکتے ہو۔

کوئی رقعہ اور دستاویز تو روپیہ کی بابت لکھا نہیں ہے کہ بذریعۂ نالشِ عدالت وصول کر لیتے، لہذا حیلہ بہانہ کر کے روپیہ مذکور بزاز اور ضامن محمد اسماعیل کو ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ کیا ولی محمد کیلئے ایسی وعدہ خلافی کرنا اور اپنے بار کو ضامن پر ڈال دینا جائز ہوگا، اور آخرت میں اس کا مواخذہ بھی ہوگا اور اگر اس طرح کی وعدہ خلافی کرنا اور اپنا بار ضامن پر ڈالنا ناجائز ہو اور آخرت میں اس کا مواخذہ بھی ہو تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ وعدہ خلافی اور دوسرے کا روپیہ استطاعت کے باوجود نہ دینا ظلم ہے (۱)، گناہ ہے (۲)۔ یہ حق

= ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". أبوداؤد والترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب الوعد: ۲/۴۱۶، قديمي)

(۱) "عن همام ابن منبه أخي وهب بن منبه أنه سمع أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مطل الغني ظلم". (صحيح البخاري: ۱/۳۲۳، كتاب في الاستقراض وأداء الديون، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مطل الغني": أي تأخيره أداء الدين من وقت إلى وقت "ظلم" فإن المطل منع أداء ما استحق أداؤه، وهو حرام من المتمكن. ولو كان غنياً، ولكنه ليس متمكناً، جاز له التأخير إلى الإمكان، ذكره النووي. وقال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: قيل: يفسق بمرة وترد شهادته، وقيل: إذا تكرر، وهو الأولى". (مرقاة المفاتيح،=

العبد ہے جس پر آخرت میں سخت پکڑ ہوگی اور دنیا میں بھی وبال آئے گا خدا سے ڈرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۱۱/۳۰ھ۔

وعدہ خلافی منافق کی نشانی کب ہے؟

سوال[۸۹۸۳]: ایک صاحب عالم کہلاتے ہیں، صوفی اور خلیفہ کالقب بھی، نماز روزہ کے احکام سے تھوڑا بہت واقف ہیں، پیری مریدی بھی کرتے ہیں، اکثر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہیں:

﴿وأما الذين امنوا وعملوا الصالحات فيوفيهم أجورهم﴾(۲)۔

ان مولانا صاحب نے ایک مکان کرایہ پر لیا اور تحریری وعدہ کیا کہ جب مالکِ مکان کو ضرورت ہوگی مکان خالی کردوں گا۔ مالکِ مکان چار سال سے خوشامد کررہا ہے، مگر مولانا مکان خالی نہیں کرتے اور وعدہ سے منہ موڑلیا ہے، مالکِ مکان سے چار سال سے بول چال بند ہے۔ کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کو کسی فیصلہ میں شامل کرنا، ان سے نکاح پڑھوانا، ان سے بیعت ہونا کیسا ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

= كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار: ۱۱۹/۲، (رقم الحديث: ۲۹۰۷)، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اية المنافق ثلاث". زاد مسلم: "وإن صام وصلى وزعم أنه مسلم". ثم اتفقا: "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۷، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، قديمي)

(۱) "الخطاب بهذه الأية يتضمن جميع أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، والمعنى: لا يأكل بعضكم مال بعض بغير حق، فيدخل في هذا: القمار، والخداع والمغصوب وجحد الحقوق ومالا تطيب به نفس مالكه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۱۸۸): ۲۲۳/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سورة ال عمران: ۵۷)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وعدہ کرتے وقت ہی یہ نیت ہو کہ وعدہ پورا نہیں کرنا ہے، بلکہ دھوکا دینے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا ہے تو یہ نیت گناہ اور منافق کی علامت ہے(۱)، ایسی حالت میں ایسے آدمی سے بیعت ہونا، یا اس کو اپنے لئے مصلح تجویز کرنا غلط ہے۔ ذاتی نفسانی رنج کی وجہ سے بول چال بند کرنا تین دن سے زائد درست نہیں، اس پر وعید آئی ہے(۲)۔

اگر وعدہ پورا کرنے کی نیت سے کیا ہے، مگر کسی عارض ومجبوری کی وجہ سے پورا نہیں کیا جاسکتا تو اس کا یہ حکم نہیں(۳)، مجبوری کی تفصیل معلوم ہونے پر اس کا حکم لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۰۴، رقم الحاشية: ۲، الأولىٰ)

(۲) "عن ابي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۷، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، قديمي)

"وقال أكمل الدين من أئمتنا: في الحديث دلالة على حرمة هجران الأخ المسلم فوق ثلاث أيام، وأما جواز هجرانه في ثلاثة أيام، فمفهوم منه لامنطوق، فمن قال بحجية المفهوم كالشافعية جاز له أن يقول بإباحته، ومن لافلا، اهـ. وفيه أن الأصل في الأشياء الإباحة، والشارع إنما حرم المهاجرة المقبرة لا المطلقة مع أن في إطلاقها حرجاً عظيماً حيث يلزم منه أن مطلق الغضب المؤدي إلى مطلق الهجران يكون حراماً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۵۵۸/۸، رشيديه)

(۳) "وعن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل اخاه و من نيته أن يفي له، فلم يف و لم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الوعد، الفصل الثاني، ص: ۴۱۶، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد و نيته أن يفي ولم =

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يَفِ بغير عذر، فلا دليل لما قيل من أنه دل على أن الوفاء بالوعد ليس بواجب؛ إذ هو أمرٌ مسكوتٌ عنه على ما حررته". (مرقاة المفاتيح: ٢١٥/٨، (رقم الحديث: ٤٨٨١)، كتاب الأدب، باب الوعد، رشيديه)

"قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهي عنه، فينبغي أن يفي بوعده .... فإن كان عند الوعد عازماً على أن لا يفي به، فهذا هو النفاق، اهـ". (مرقاة المفاتيح: ١٢٨/٨، كتاب الأدب، اخر باب المزاح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ٤٨٩٢)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ١/٢، ٨٩١، (رقم الحديث: ٨٩٤)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكةالمكرمة)

الفصل الرابع فی ترک الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

کسی کو پنچایت سے خارج کرنا

سوال[۸۹۸۴]: اگر محلّہ کی پنچایت نے زید کو قصوروار قرار دے کر اپنے سے الگ کرلیا ہو، مگر عمر بدعہدی کر کے زید کے ساتھ رہتا ہے اور پنچایت کے دائرہ میں بھی رہنا چاہتا ہے۔ ایسے فسادی عمر کو پنچایت نماز باجماعت سے شرکت کرنے سے روکے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز باجماعت کی شرکت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں (۱)۔ تین حضرات سے ترکِ تعلق کا حکم کیا گیا تھا، ان کو باجماعت نماز سے نہیں روکا گیا، جیسا کہ بخاری شریف میں موجود ہے، ان میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں جاتا اور نماز میں شرکت کیا کرتا تھا (۲)۔ پنچایت کو یہ حق ہے کہ جس کو اپنے مشورہ میں شریک کرنا مفید نہ سمجھے اس کو شریک نہ کرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پنچایت کے سارے کام شریعت کے تحت

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) فی روایة طویلة: "وأما أنا فکنت أشبّ القوم وأجلدهم، فکنت أخرج فأشهد الصلوة مع المسلمین وأطوف فی الأسواق ولا یکلمنی أحد، وآتی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فأسلّم علیه وهو فی مجلسه بعد الصلوة، فأقول فی نفسی: هل حرک شفتیه برد السلام علیّ أم لا، ثم أصلی قریباً منه فأسارقه النظر، فإذا أقبلت علی صلاتی أقبل إليّ، وإذا التفتُّ نحوه أعرض عنی .... اهـ". (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک: ۲/۹۳۵، قدیمی)

انجام دیئے جائیں، آزاد ہو کر نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قصور کے بغیر پنچایت کا کسی کو برادری سے نکالنا

سوال [۸۹۸۵]: ہم مسلم لوہار جماعت کے فرد ہیں، ہم نے اپنے ایک لڑکے کی شادی منصوری میں جماعت ہی کی لڑکی سے کی ہے، صرف اس بات کو لے کر کھنڈوں کی مسلم جماعت لوہار نے ہم کو اور ہمارے بھائی بندوں کو جماعت سے بند کر رکھا ہے۔ برادری کے نائی کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ موت اور شادی بیاہ میں ہمارے خاندان کو بلاوا نہ دیا جائے۔ ایک میت کے موقعہ پر برادری کے کھانے پر ہی ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو اٹھا دیا گیا ہے جب کہ ہم برادری کے تمام حق وحقوق پوری طرح ادا کرتے رہے ہیں۔

اس طرح ہم کو بلاوجہ برادری سے بند کر کے ہماری توہین وتذلیل کی گئی ہیں، اور ہمارے خاندان کو شادی بیاہ، موت اور میت کے معاملات میں پریشانی اور مشکلات میں مبتلا کیا گیا ہے۔

برائے مہربانی ازروئے شریعت فتویٰ صادر فرمایا جاوے کہ پنچوں اور سرپنچ صاحبوں کا یہ ہتک آمیز سلوک ہمارے خاندانوں کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ اور پنچ سرپنچ صاحبان اس سلوک کی وجہ سے ازروئے شریعت کس قسم کے گناہ کے مرتکب ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا قصور کیا تھا جس پر آپ کو یہ سزا دی گئی، بلا قصور ایسی سزا دینا سخت گناہ ہے، اس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی۔ پنچ وسرپنچ صاحبان کو لازم ہے کہ بلا قصور سزا نہ دیں اور جو کچھ غلطی ہوگئی، اس کا تدارک کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۱ھ۔

---

(۱) "أمر السلطان إنما ینفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا، أشباہ". (الدر المختار: ۵/۴۲۲، سعید)

(۲) بلاوجہ کسی سے بائیکاٹ اور قطع تعلق شرعاً جائز نہیں، قطع تعلق کے لئے ضروری ہے کہ جس سے قطع تعلق کیا جائے اس سے کوئی =

بے نمازی کا بائیکاٹ کرنا

سوال[۸۹۸۶]: ہمارے یہاں کی مسجد کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ:

''ہر مسلمان بھائی پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، ہمارے گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، وہ کسی بھی مسجد میں نماز ادا کریں، جو بھی وقت ملے۔ اگر کسی بھائی کو پانچ وقت کی نمازیں نہیں ملتی ہیں تو جو بھی وقت ملے وہ نماز میں شریک ہوں، ایک بھی وقت نہیں ملتا ہے تو آٹھ روز میں جمعہ کی نماز میں ضرور شریک ہوں۔ بغیر شرعی عذر کے جمعہ میں بھی نہیں آتا تو اس شخص کے گھر غمی یا خوشی کے کام میں جماعت شریک نہیں ہوگی''۔

یہ اطلاعات صرف صوم وصلوۃ کے پابند ہونے کیلئے کیا گیا ہے، ویسے ایسے کام جیسے شادی ومیت وغیرہ اس شخص پر ہوتی ہے جو بغیر شرعی عذر کے نماز کو نہیں آتا، وہ خود جب تک جماعت کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور نماز کا وعدہ نہیں کرتا، اس وقت تک جماعت شریک نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ اعلان کچھ حضرات کو ناگوار ہوا اور کچھ حضرات کو اچھا بھی۔ اب کمیٹی آپ سے دریافت کرتی ہے کہ یہ اعلان جائز

=گناہ اور خلافِ شرع کام سرزد ہوا ہو، اگر اس طرح نہ ہو تو قطع تعلق بھی ناجائز ہے:

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع، الخ، ص:۴۲۷، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، و لايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. و في حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبد البر رحمه الله تعالىٰ: .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد و صلته ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، و رب صرم جميل خيرٌ من مخالطة تؤذيه .... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر و التقاطع .... الخ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود اصلاحِ حال اور فرائضِ خداوندی کی پابندی ہے، ترکِ تعلق اور خوشی میں عدمِ شرکت بھی اس کا ایک طریقہ ہے: ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین﴾ الایة (۱)۔

اگر یہ مفید ہو تو اس کو اختیار کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

بے نمازی سے ترکِ تعلق

سوال[۸۹۸۷]: کیا بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا یا جھوٹا، کھانا یا پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سورة الأنعام: ۶۸)

"المراد: إن أنساک الشيطان ببعض الشغل، فقعدت معهم وأنت ناسٍ للنهی، فلا شیء عليک فی تلک الحال، ثم قال تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ يعنی بعد ما تذكر نهی الله تعالیٰ: "لا تقعد مع الظالمين". وذلک عموم فی النهی عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرک وأهل الملة، لوقوع الاسم عليهم جميعاً، و ذلک إذا كان فی تقيّة من تغييره بيده أو بلسانه بعد قيام الحجة .... ونظيره قوله تعالیٰ: ﴿لُعن الذين كفروا من بنی إسرائيل﴾ الآية، وقد تقدم ذكر ما روی فيه، و قوله تعالیٰ: ﴿ولا تركنوا إلی الذين ظلموا فتمسكم النار﴾". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الأنعام، باب النهی عن مجالسة الظالمين: ۳/۲/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبی أيوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ماينهی عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمی)

"قال الخطابی: رخص للمسلم أن يغضب علی أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلک. .... قال: وأجمع العلماء علی أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً فی دنياه، يجوز له مجانبته و بُعده .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۹، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہے(۱)،لیکن اس کے ہاتھ کا کھانا اوراس کا جھوٹا ناپاک نہیں، ہاں!اگرکوئی نجاست اس میں ہوتو وہ ناپاک ہے(۲)۔اگراس لئے اس کے کھانے پینے سے بچتا ہے کہ وہ نماز پڑھنے لگےتو یہ مستحسن ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ،۲۱/۲/۵۶ھ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کسی نافرمان سے قطع تعلق

سوال[۸۹۸۸]: مسمی مہردین عرصہ پندرہ سال سے اسلام سے مفرور ہے،اس نے گویا کہ اسلام کو

---

(۱) "و عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "العهد الذى بيننا و بينهم الصلوة، فمن تركها، فقد كفر ....اهـ". رواه أحمد والترمذى والنسائى و ابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الثانى، ص: ۵۸، قديمى)

"عن أم أيمن رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تتركى الصلوة متعمداً، فإنه من ترك الصلوة متعمداً، فقد برئت منه ذمة الله و رسوله". (مسند الإمام أحمد: ۵۷۲/۷، (رقم الحديث: ۲۶۸۱۸)، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"هى فرض عين على كل مكلف .... و يكفر جاحدها بدليل قطعى و تاركها عمداً مجانة: أى تكاسلاً فاسق". (الدر المختار، كتاب الصلوة : ۳۵۱/۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) "فسور آدمى مطلقاً ولو جنباً أو كافراً أو امرأةً .... طاهرٌ". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل فى البئر : ۲۲۲/۱، سعيد)

(۳) "و رجح الكمال قول الثانى بما فى مسلم أنه عليه السلام أتِيَ برجل قتل نفسه، فلم يصل عليه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أقول: قديقال: لادلالة فى الحديث على ذلك؛ لأنه ليس فيه سوى أنه عليه الصلوة السلام لم يصل عليه، فالظاهر أنه امتنع زجراً لغيره عن مثل هذا الفعل كما امتنع عن الصلوة على المديون، ولا يلزم من ذلك عدم صلوة أحد عليه من الصحابة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز : ۲۱۱/۲، سعيد)

دل سے نکال دیا ہے، اس کے لڑکے نے گذشتہ سال چوری کی تھی جو قرآن کے مطابق ثابت ہے، مگر یہ شخص قرآن کریم کو ناجائز الفاظ سے پکارتا ہے جس کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ مہردین کی زوجہ گالیاں بکتی ہے جس سے اس کے پڑوسی تنگ ہیں۔ ایسی صورت میں اگر اس کا بائیکاٹ کردیا جائے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مسمی مہردین وغیرہ کے حالات پڑھ کر بہت افسوس ہوا، تمام برادری اور بڑے لوگوں کو لازم ہے کہ اپنے علاقہ میں تعلیم وتبلیغ کا انتظام کریں تاکہ لوگ قرآن پاک اور حدیث شریف اور فقہ کو سمجھیں، اپنے ایمان وعمل کو ٹھیک کریں، اللہ پاک اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانیں۔

کسی کو بدعملی اور بدعقیدگی کی وجہ سے سب مل کر جب اپنے دائرہ سے خارج کردیں گے تو کیا ہوگا، اس سے عامۃً اصلاح نہیں ہوتی، بلکہ طبیعت میں ضد پیدا ہوجاتی ہے اور ضد و جہالت کی وجہ سے آدمی اکثر اوقات کھلم کھلا غیر مذہب والوں میں جاکر شامل ہوجاتا ہے اور اس کے بیوی بچے بھی اس کے ساتھ چلے جاتے ہیں اور اس کی یہ حالت دیکھ کر دوسروں کو بھی جرأت ہوتی ہے(۱)۔

البتہ اگر کسی کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ قطع تعلق کرنے کی بنا پر غیر مذہب میں جاکر شامل نہ ہوگا، بلکہ نادم ہوکر اپنی غلط حرکتوں سے توبہ کرلے گا تو عارضی طور پر اس سے قطع تعلق کرلینے کی اجازت ہے(۲) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۵/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) گمراہی اور ضلالت کے تمام ذرائع کا انسداد ضروری ہے، لیکن اگر اسی طرح کے بائیکاٹ کرنے سے اَور خطرہ بھی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز لازم ہے:

كما قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله﴾ الاية. [الأنعام: ١٠٨]: "ما يؤدي إلى الشر شرٌّ". (روح المعاني: ٧/٢٥٢، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع، الخ، ص: ٤٢٧، قديمي) .... =

ناحق آبروریزی کرنے والے سے قطعِ تعلق

سوال[۸۹۸۹]: اگر کسی کے والدین کی کوئی شخص ناحق آبروریزی کرتا ہو، یا کسی کی ناحق آبروریزی کرتا ہو تو کیا اولاد کو یا دیگر مسلمان لوگوں کو ایسے شخص سے قطعِ تعلق، سلام وکلام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بلاوجہِ شرعی کوئی شخص نالائق حرکت کرتا ہے اور قطعِ تعلق سے اس کی اصلاح کی توقع ہے، یا اس سے فتنہ سے تحفظ ہے تو قطعِ تعلق کردیا جائے، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾ الآية(۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۱۴۰۶ھ۔

= قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، و لايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. و في حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبد البر رحمه الله تعالىٰ: .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد و صلته ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، و رب صرم جميل خيرٌ من مخالطة تؤذيه .... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع .... الخ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

(۱) (سورة الأنعام: ۶۸)

"المراد: إن إنساك الشيطان ببعض الشغل فقعدت معهم وأنت ناسٍ للنهي، فلا شيء عليك في تلك الحال، ثم قال تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ يعني بعد ما تذكر نهي الله تعالىٰ: "لا تقعد مع الظالمين". وذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين، من أهل الشرك وأهل الملة، لوقوع الاسم عليهم جميعاً، و ذلك إذا كان في تقيّة من تغييره بيده أو بلسانه بعد قيام الحجة .... ونظيره قوله تعالىٰ: ﴿لُعن الذين كفروا من بني إسرائيل﴾ الآية، وقد تقدم ذكر ما روى فيه، و قوله تعالى: ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الأنعام، باب النهي عن مجالسة الظالمين: ۳/۲/۳، ۳، دار الكتب العلمية بيروت)

آپس میں اندیشۂ تہمت کی بناپر ترکِ تعلق

سوال[۸۹۹۰]: دنیا کے اندر یہ قاعدہ رائج ہے کہ انسان اپنے کسب مقاصد کے لئے غیر ممالک کا سفر کرتا ہے، مثلاً: تحصیلِ علوم و دیگر اکتسابات دنیویہ۔ ہر انسان کی عادت بھی یوں ہوتی ہے کہ ایک آدمی کی طبیعت دوسرے شخص کی طبیعت سے نہیں ملتی، بلکہ اپنی طبیعت کے موافق آدمی لے کر سفر کے اندر اپنی زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ رات دن کا مشاہدہ بھی یہی ہے۔

اب آئندہ تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ مقدمۂ سابقہ کی بناء پر سفر میں دو آدمی ہم عمر باریش سن رسیدہ نہایت اتفاق اور اتحاد سے کام کیا کرتے ہیں، یعنی روپیہ پیسہ کی بابت ایک دوسرے کے لئے اعانت کرتا ہے اور ہر خورد و کلاں مقابلہ کے اندر ایک دوسرے کے لئے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے، مثلاً: کھانے پینے وغیر ذالک۔

اب ان کے اس اتحاد و اتفاق کو دیکھ کر متعصبین حسد لے جاتے ہیں اور طرح طرح کی بدنامیاں اور تہمت باندھتے ہیں، حالانکہ ان کا اتہام بالکل بے محل اور حق شناس لوگوں کی آرا کے خلاف ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ متعصبین کے اتہام کی وجہ سے ان کے درمیان تفرقہ شرعاً واجب ہے یا نہیں؟ اور بالفرض اس اتہام کیوجہ سے ان کے درمیان انقطاعِ سلام وکلام کا فیصلہ کیا جاوے، شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اس فیصلہ پر تعمیل ضروری ہے یا ترکِ تعمیل ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسلم کا مسلم سے ترکِ موالات کرنا اور دل میں کینہ رکھ کر ترکِ سلام و کلام کرنا ناجائز ہے(۱)، ایک دوسرے کی اعانت حسبِ ضرورت وحسبِ حیثیت ضروری ہے(۲) لیکن مظنۂ تہمت سے

---

(۱) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا و يعرض هذا، و خيرهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه ن التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۴۲۷/۱، قديمي)

(۲) قال الله عزوجل: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة فخر الدين الرازي رحمه الله تعالىٰ: "وليس للناس أن يعين بعضهم بعضاً على =

بچنا لازم ہے(۱)۔ جس کے ساتھ جس قدر اختلاط سے نفس الامر میں فتنہ اور معصیت کا اندیشہ ہو، اسی قدر اس سے اجتناب واحتیاط واجب ہے، خاص کر جب اپنے اکابر منع فرماویں۔ اور ایسی صورت میں چونکہ دل میں حسد اور عداوت نہیں، بلکہ اس مصلحتِ شرعیہ اور حکمِ اکابر کی وجہ سے اختلاط کو منع کیا ہے تو اس سے گناہ نہ ہوگا(۲)۔

اور اگر وہ محل محلِ تہمت نہیں بلکہ مخالفین اور حاسدین کو اپنی مخالفت اور حسد کی بنا پر ان کی ہمدردی اور معاونت کے تعلقات گراں گذرتے ہیں تو پھر ان کی رعایت سے ترکِ تعلق لازم نہیں۔ البتہ ایسی صورت میں بھی

= العدوان حتى إذا تعدى واحد منهم على الآخر تعدى ذلك الآخر عليه، لكن الواجب أن يعين بعضهم بعضاً على مافيه البر والتقوى، فهذا هو المقصود من الآية". (التفسير الكبير للإمام الرازي، (سورة المائدة: ٢): ١٣١/١١، دارالكتب العلمية طهران)

قال العلامة محمد بن مسعود البغوي رحمه الله تعالىٰ: "﴿وتعاونوا﴾: أي ليعن بعضكم بعضاً ﴿على البر والتقوى﴾ قيل: البر متابعة الأمر، والتقوى مجانبة النهي". (تفسير البغوي المسمّى معالم التنزيل، (سورة المائدة: ٢): ٨/٢، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في زاد المسير في علم التفسير، (سورة المائدة: ٢): ٥٠٩/١، وحيدى كتب خانه قصه خوانى پشاور)

(١) "اتقوا مواضع التهم". ذكره في الإحياء. قال العراقي في تخريجه احاديثه: لم اجد له اصلاً،لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن، أتهم". (كشف الخفاء، باب حرف الهمزة مع الباء الموحدة، (رقم الحديث: ٨٨)، ص: ٣٧، دارالكتب العلمية بيروت)

"حديث "اتقوا مواضع التهم" هو معنى قول عمر: "من سلك مسالك التهم اتهم". رواه الخرائطي في "مكارم الأخلاق" عن عمر موقوفاً بلفظ : "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومن من أساء الظن به". (الموضوعات الكبرى، حرف الهمزة، (رقم الحديث: ١٥٠)، ص: ٤٩، قديمى)

(٢) "مالايتوصل إلى الفرض إلابه، فهو فرض". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، آداب الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ٤٩٩/١،سعيد)

(وكذا في تعليم المتعلم، فصل في ماهية العلم والفقه وفضله، ص: ٤، قديمى)

اگر یہ اندیشہ ہو کہ مخالفین اذیت پہنچائیں گے اور مدافعت دشوار ہوگی جو کہ مستقل فتنہ ہے تب بھی ترکِ اختلاط کرنا قرینِ مصلحت ہے(۱)۔ اس کا فیصلہ کہ ''یہ محلِ تہمت ہے یا نہیں'' کسی تجربہ کار بڑے شخص سے صورت پیش کرکے کرالیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۷ھ۔

جو شخص ساتھ نہ دے اس سے ترکِ تعلق

سوال[۱۸۹۹۱]: جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد نہ کرے بلکہ تماشائی بن کر دیکھتا رہے، اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ ہم لوگوں نے عہد کیا تھا کہ جو مسلمان ہماری امداد نہ کرے اس کو برادری میں شریک نہیں کریں گے، کیوں کہ انھوں نے ہمارے اوپر کئے گئے غلط اور جھوٹے مقدمہ میں ہماری امداد نہیں کی، اس وجہ سے ہم نے قطعِ تعلق کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس دور میں ان لوگوں کی لڑکی فوت ہوگئی جس کے جنازے میں ہم شامل نہیں ہوئے، کیوں کہ ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان کو شریکِ برادری نہیں کریں گے جو ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تو شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے معاملہ میں جو مفادِ عامہ کے لئے ہو سب کو ہی ساتھ دینا چاہیئے، ان آدمیوں کا الگ رہنا اور ساتھ

---

(۱)"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة احد وصلته ما يفسدعليه دينه او يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته و بُعده .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۹، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

نہ دینا بہت بری بات ہے، اگر کسی ناجائز بات میں شریک نہ ہوں الگ رہیں تو ٹھیک ہے(۱)۔ اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے نادم ہوں تو ان کو برادری میں شامل کر لیا جائے (۲)۔ جو لڑکی فوت ہوگئی، اس کے جنازہ میں

(۱) "عن النواس بن سمعان رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق". (مشكوة المصابيح: ۲/ ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي)

"فقال علی کرم الله وجهه: إنه يهلک فيَّ محب مُطر لی يقرظنی بما ليس فی، ومبغض مفتر يحمله شنآنی علی أن بهتنی. ألا! وإنی لست بنبی ولا يوحی إلیّ، ولكنی أعمل بكتاب الله وسنة رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مااستطعت له. فما أمرتكم من طاعة الله، فحق عليكم طاعتی فيما أحبتم أو كرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيری، فلا طاعة لأحد فی معصية الله، وإنما الطاعة فی المعروف". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثانی، (رقم الحديث: ۳۶۹۶): ۷/ ۲۷۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۴)

"فمدح من كظم غيظه و عفا عمن اجترم إليه .... وكظم الغيظ والعفو مندوب إليهما موعود بالثواب عليهما من الله تعالیٰ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/ ۵۶، قديمی)

چونکہ کسی ناجائز کام کے ارتکاب پر ترکِ تعلق کی گنجائش تین دن یا تین دن سے زیادہ کی بھی ہے، لیکن اگر توبہ کریں تو ترکِ تعلق بھی ختم کرنے چاہیے:

"عن أبی أيوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لايحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا و يعرض هذا، وخيرهما الذی يبدأ بالسلام". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب الهجرة : ۲/ ۸۹۷، قديمی)

"قوله : "ولايحل لمسلم .... اهـ". فيه التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام. وهذا فيمن لم يَجْنِ علی الدين جنايةً، فأما من جنی عليه و عصی ربه، فجاء ت الرخصة فی عقوبته بالهجران كالثلاثة المتخلفين عن غزوة تبوک، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسين ليلةً حتی نزلت توبتهم، الخ". (عمدة القاری، كتاب الأدب، باب ما ينهی من التحاسد والتدابر، الخ : ۲۲/ ۱۳۷، مطبعه منيريه بيروت)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحديث : "قال الخطابی: رخّص للمسلم أن يغضب علی =

شریک نہ ہونا بھی غلطی ہے، آئندہ ایسا نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

داماد اور ساس کو برادری نے غلط تعلق کی وجہ سے خارج کر دیا

سوال[۸۹۹۲]: عرصہ دراز ہوا زید کی شادی نابالغہ لڑکی سے ہوئی تھی۔ زید کی ساس بیوہ تھی، اس

= أخيه ثلاث ليالٍ لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح للملا علي القاري، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث : ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، جنہوں نے نہیں پڑھی وہ ثواب سے محروم ہوئے، نیز انہوں نے ایک مسلمان کی حق تلفی بھی کی:

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، و إبراء القسم، ورد السلام، و تشميت العاطس". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز : ۱۶۶/۱، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم ستٌ .... وإذا مات فأتبعه". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۱۳۳/۱، كتاب الجنائز، الفصل الأول، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعضٌ منهم سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحدٌ منهم يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، و تحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية : ۱۶): ۲۰۶/۱، سعيد)

"والإجماع منعقدٌ على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض يسقط عن الباقين، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل : والكلام في صلاة الجنازة، الخ : ۳۳۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

کے خاندان میں اس کا پُرسان حال کوئی نہیں تھا، اس وجہ سے بیوہ بھی زید کی رفاقت میں تھی۔ ساتھ رہتے رہتے زید سے ساس کے ساتھ ناجائز تعلق ہوگیا، پھر معلوم ہوا کہ زید کی ساس کا حمل ہے، یہ چیز بھی ظاہر ہوگئی۔ اس بناء پر زید کے برادریوں نے اور گاؤں ومحلہ کے غیر برادریوں نے زید کو چھوڑ دیا اور زید نے اس دوران اپنی بیوی کو طلاق بھی دے دی۔ تقریباً بیس سال ہوئے زید کے نطفہ سے ساس کے بطن سے دولڑکی اور ایک لڑکا بھی موجود ہے۔

ہر حال میں زید نے برادری کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی کہ برادری مجھے بھی اپنے ساتھ لے لے۔ اور برادری والوں نے کہا کہ تم اپنی ساس کو اپنے سے علیحدہ کرلو تو برادری اپنے ساتھ لے لے گی۔ زید نے کہا کہ اس طرح ہمارا کام نہیں چل سکتا، ہمیں کھانا وغیرہ کون کھلائے گا، برادری والوں کو اگر ہماری بات کا یقین ہوجائے تو میں برادری کے سامنے حلف دے کر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آج سے ہم اس کو ماں کی طرح سمجھیں گے اور یہ ہم کو بیٹے کی طرح سمجھے گی، ہمارا خلط ملط اس طرح سے رہے گا۔ برادری والوں نے اس بات کو منظور کرلیا۔

زانی اور زانیہ سے حلف لے کر ماں بیٹا بنا کر خلط ملط اپنے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، غرض کہ اس کی پوری رفاقت پسند کر کے زید کو اپنے ساتھ لے لیا، لیکن محلہ کی غیر برادری نے اس فیصلہ کو نہیں مانا اور کہا کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔

سوال یہ ہے کہ زید کی برادری نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا توبہ کر کے پھر زانیہ اور زانی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟ آپ سے استدعا ہے کہ جواب صاف صاف لکھیں تا کہ عام لوگ پڑھ سکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں کا ساتھ مل جل کر رہنا ہرگز جائز نہیں۔ محض زبانی یہ کہہ دینا کہ میں اس کو ماں کی طرح سمجھوں گا، اور یہ مجھ کو بیٹے کی طرح سمجھے گی، کافی نہیں۔ نفس وشیطان دونوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، وہ پھر ان کو مکاری پر آمادہ اور مجبور کردیں گے، جیسا کہ اب تک کرتے رہے(۱)۔ ماں کہنے کے ساتھ وہ شرعی ماں نہیں

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الشیطن لکم عدو، فاتخذوه عدواً، إنما یدعوا حزبه لیکونوا من أصحاب السعیر﴾ (سورة الفاطر: ٦)

ہوگی جس سے انسان کو طبعی حیا ہوتی ہے، بلکہ وہ ساس ہی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ناجائز ہے، اس لئے ان دونوں کو آپس میں ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی (۱)۔ کھانا پکانے کا عذر شرعاً معتبر نہیں، اس کی وجہ سے حرام کو حلال نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرا نکاح کرے، یا کوئی دوسرا انتظام کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۱۷ھ۔

تعزیہ بنانے والوں سے ترکِ تعلق

سوال [۸۹۹۳]: ۱...... ایسے لوگ جو مسجد میں تعزیہ بنا کر رکھتے ہیں اور جماعت کے وقت شور وغل مچاتے ہیں، اور مسجد کی بجلی خرچ کرتے ہیں ایسے لوگوں سے سب لوگوں کو قطع تعلق کرنا چاہیے یا نہیں؟

۲...... یہاں کے مولوی اور مسلمان ان لوگوں کو منع نہیں کرتے، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ان ناجائز امور میں شرکت تو یقیناً ناجائز ہے۔ اگر نافع ہو تو ترک تعلقات کردیا جائے، اگر یہ توقع نہ ہو کہ ترک تعلق سے ان لوگوں کی اصلاح ہوجائے گی اور وہ توبہ کریں گے، یا ان سے اختلاط تعلق سے دوسروں پر عملی اخلاقی اعتقادی برا اثر پڑے گا تو ضرور ترک تعلق کردیا جائے (۲)۔ اگر یہ توقع ہو کہ ترک تعلق سے ان کی حالت اور خراب ہوجائے گی، اور تعلق کے ذریعہ ان کی اصلاح کی امید ہو تو پھر ترک تعلق نہ کیا جائے، بلکہ مناسب طریق سے ان کو سمجھا کر اصلاح کی جائے۔

۲...... حسبِ حیثیت ومواقع اصلاح وتنبیہ ضروری ہے اگر قدرت ہو اور نافع ہونے کی توقع ہو تو وعظ ونصیحت سختی یا نرمی سے جیسا کہ مناسب ہو، ضروری ہے۔ اگر قدرت نہ ہو یا نافع نہ ہو بلکہ اور زیادہ فتنہ فساد کا

---

(۱) "یجب علی القاضي التفریق بینهم". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب في النکاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعید)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر في النکاح الفاسد: ۲۴۸/۳)

(۲) (راجع، ص: ۵۱۷، رقم الحاشیة: ۲)

اندیشہ ہوتو پھر اس کی رعایت ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۹/۲/۵۲ھ۔

دینی مضرت کے اندیشہ سے ترکِ گفتگو

سوال[۸۹۹۴]: کسی شخص سے مصلحتِ دینی کی وجہ سے ترکِ کلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گفتگو کرنے میں دینی مضرت ہوتو ترکِ گفتگو درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدريّ رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".
(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "وشرطهما (أي الأمر والنهي) أن لايؤدي إلى الفتنة كما علم من الحديث وأن يظنّ قبوله، فإن ظنّ أنه لايقبل، فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۱۳۷): ۸/۸۶۲، رشيديه)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: ثم نصيحة العامة بإرشادهم إلى مصالحهم الدينية والدنيوية، وكف الأذى عنهم، وتعليمهم ماينفعهم في دينهم ودنياهم، وإعانتهم عليه قولاً وفعلاً، وستر عوراتهم، وسد خلاتهم، ودفع المضار عنهم، وجلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق، وتوقير كبيرهم، ورحم صغيرهم، وتخوّلهم بالموعظة الحسنة، وترك غيبتهم وحسدهم، والذب عن أموالهم، وأعراضهم، وغير ذلك من أحوالهم، مجمله أن يحب لهم مايحب لنفسه من الخير، ويكره لهم مايكره لنفسه من الشر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۹۶۶): ۸/۷۰۲، رشيديه)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من =

رنجش کی وجہ سے ترکِ کلام کی حد

سوال[۸۹۹۵]: یہ جو مشہور ہے کہ اگر مسلمان آپس میں تین روز تک کلام نہ کریں اور اسی میں مرجاوے تو وہ دوزخی ہے۔ یہ مسئلہ خاوند بیوی کے ساتھ خاص ہے یا عام؟ اور نہ بولنا اپنی ذاتی وجہ سے یا کسی اَور وجہ سے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی شخص سے کلام ترک کردیا جاوے اس وجہ سے کہ اس کی دینی حالت خراب ہے، یا اس سے اس کی اصلاح ہوجائے گی، یا اس سے ضرر کا اندیشہ ہے تو یہ شرعاً مذموم نہیں:

"أفضل الأعمال الحب في الله والبغض في الله". جمع الفوائد: ۱۴۸/۲(۱)۔

البتہ اگر ذاتی اور دنیوی امور کی وجہ سے کلام کو ترک کردیا جاوے(۲) اور تین روز سے زیادہ گذر

= التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسدعليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته و بُعده .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۷۵۹/۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

(۱) (جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد، التوادد وكتمان السر وصلاح ذات البين والاحترام وحسن الخلق والحياء وغيرها من الأدب، (رقم الحديث: ۷۸۲۶): ۳۵۹/۳، إدارة القرآن كراچي)

قال محمد بن اسماعيل البخاري في أول كتاب الإيمان: "والحب في الله والبغض في الله من الإيمان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان: ۶/۱، قديمي)

"إن أحب الأعمال إلى الله عزوجل الحب في الله والبغض في الله". (مسند الإمام أحمد: ۱۴۶/۵، ۱۷۹/۶، (رقم الحديث: ۲۰۷۹۲)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) اگر دنیاوی مضرت کا قوی اندیشہ ہو تو بھی ترکِ تعلق درست ہے: .... =

جاویں اور کوئی دینی منفعت بھی پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ محض نفسانی ہو تو شرعاً مذموم اور منہی عنہ ہے اور یہ حکم سب کو عام ہے:

"لايحل لمؤمن أن يهجر مؤمناً فوق ثلاث، فإن مرّت به ثلاث، فليلقه وليسلم عليه، فإن ردّ عليه اشتركا في الأجر، وإن لم يرد عليه فقد باء بالإثم". و في رواية: "فمن هجر فوق ثلاث، فمات، دخل النار". أبو الخراش السلمى". جمع الفوائد: ۱۶۰/۲ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۲ھ۔

اغوا کرنے کی سزا برادری سے ترک تعلق

سوال[۸۹۹۶]: شکر اللہ کی بیوی کو ممتاز علی درزی نے بھگالیا، کچھ دن بعد ادھر ادھر بھاگا پھرا، جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو شکر اللہ نے زوجہ کو طلاق دیدی۔ عدت کے بعد ممتاز علی نے اس عورت سے اپنا نکاح پڑھوالیا، اب جولاہے کے چودھری نے گاؤں کے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا کہ تمام درزیوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، سلام دعاء تک بند کرادی۔ صحیح راستہ پر کون ہے اور میں کس کے ساتھ رہوں؟

= قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، و لايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. ....قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب مانهي عنه من التهاجر والتقاطع .... اهـ، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۹/۸، رشيديه)

(۱) (جمع الفوائد، الحسد والظن والهجران وتتبع العورة، (رقم الحديث: ۸۰۶۳): ۳۹۵/۴، إدارة القرآن كراچی)

(ومشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے کی عورت کو بھگا لے جانا اور عورت کو غیر مرد کے ساتھ بھاگ جانا عقلاً وعرفاً سخت معیوب اور شرعاً سخت گناہ اور معصیت ہے(۱)۔ شکر اللہ نے اس کو طلاق دے دی اچھا کیا، بعد عدت ممتاز علی درزی نے اس سے نکاح کرلیا تو وہ جائز ہوگی (۲)۔ اب جولاہوں کے چودہری کا حکم کہ ''درزی لوگوں سے کوئی بات چیت نہ کرے'' غلط ہے، تمام درزیوں کی کیا خطا ہے، جس نے ناجائز کام کیا اس کی خطا تھی، اس سے تعلقات ترک کرنے کا حکم نہیں دیا، جب اس نے شریعت کے موافق نکاح پڑھالیا تب حکم دیا، وہ بھی سب سے ترکِ تعلقات، اس لئے یہ حکم غلط ہے (۳) چودھری کو چاہیئے کہ اپنا یہ حکم واپس لے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) کسی کی عورت کو بھگا لے جانا دوسرے کی عزت پر ڈاکہ ڈالنا ہے، اور کسی کی عزت پر حملہ کرنا گناہ کبیرہ ہے:

"و نظر ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما يوماً إلى البيت أو إلى الكعبة، فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمةً عند الله منك". (جامع الترمذي: ۲/۲۳، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في تعظيم المؤمن، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾. (سورة البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء: أي حيض، قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر: ۱/۴۶۴، كتاب الطلاق، باب العدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا، ويعرض هذا و خيرهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۷، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، رشيديه)

(۴) عوام پر لازم ہے کہ وہ ایسے حکم کی مخالفت کریں، لقوله عليه السلام: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي)

غلط محفل کرنے والوں کا بائیکاٹ

سوال[۸۹۹۷]: چند حضرات جن کا شمار علاقہ کے شرفاء ورؤسا میں ہوتا ہےاور قوم کے نمائندے گنے جاتے ہیں، یہاں پر جتنی شرعی وغیر شرعی پنچائتیں ہوتی ہیں ان میں ان حضرات کو ضرور مدعو کیا جاتا ہے اور فیصلہ ان ہی کے دوش پر رکھا جاتا ہے(۱)، غرضیکہ ہر معاملہ میں یہ مدعو ہو کر پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کے گھر کے دروازے پر ایک مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز واذان ہوتی ہے۔

امسال بماہ مئی/۷۰ء میں انھیں شرکاء حضرات میں سے ایک صاحب محمد عرفان خان ابن مولیٰ خان ہیں، انھوں نے ایک شادی کے موقعہ پر اپنے دروازے پر مسلسل دوشب چمار کا ناچ جس کو ''نوٹنکی'' کہتے ہیں(۲) کرایا، جس میں تمام حضرات شائقین وسامعین ناچ اوران کے گھر کی عورتوں نے برقعہ اوڑھ کر شرکت کی۔ یہ ناچ دودن ہوا جس میں تمام لغویات وفواحشات کی باتیں ہوتی رہیں اور مسجد میں اذان ونماز بھی پڑھنے والے پڑھتے رہے۔

اب ہم لوگ اس کے خلافِ شرع حرکت پر ان لوگوں سے ترکِ برادری کرنا چاہتے ہیں، مگر عوام کہتے ہیں کہ جو دیوبند کا افتاء کہے وہ کریں گے۔ آپ فرمائیں کہ ان لوگوں سے ترک برادری کرنا درست ہے یا نہیں؟ اوران کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اوران کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ربط ضبط رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

یہ سخت گناہ کا کام کیا گیا(۳)، اس سے علی الاعلان توبہ لازم ہے، اپنے قصور کا اقرار کر کے ندامت

---

(۱) ''دوش: کندھا، شانہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۶۵۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''نوٹنکی: ایک قسم کا ناچ، ڈرامہ، ناٹک''(فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۴، فیروز سنز لاهور)

(۳) ''ويحرم اللعب بالنرد أو الشطرنج .... والأربعة عشر وهو لعب يستعمل اليهود وكل لهو، لقوله عليه الصلوة والسلام: ''كل لعب ابن آدم حرام''. الحديث. وفي البزازية: استماع صوت الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر: أي بالنعمة''. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۲۲/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

کے ساتھ استغفار کریں، آئندہ پوری احتیاط رکھیں (۱)، اگر وہ لوگ غلطی اور قصور کا اقرار کرکے توبہ نہ کریں اور ایسی حرکت سے باز نہ آئیں تو ان سے ترکِ تعلق کردینا درست ہے، جبکہ اس طرح اصلاح کی توقع ہو: ﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾ (۲)۔

تنبیہ: شرعی مسئلہ دریافت کرنے کیلئے مجرم کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غلط کام کرنے والے سے بھی میل ملاپ رکھنا

سوال [۸۹۹۸]: بعض آدمی لنگی کے اوپر اور بعض ازار کے اوپر والے دامن کا کرتہ چوتڑ ڈھانک پہننا اور کہنیاں تک ہی کی آستین رکھوانا، داڑھی گلے کے نیچے کی صاف کرانا اور رخسار کے اوپر سے صاف کرانا اور ہمیشہ مشت بھر سے کم ہی رکھنا۔ بعدہ حوض میں وضو کرنے کا طریقہ، ایک ایک اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا، بھنوں کا حصہ نہ دینا، لال رنگ کی ترکی ٹوپی پہننا اور لمبے پاؤں پھیلا کر مسجد کے ستون کا سہارا لیکر وہی ترکی کیپ نیچے رکھ کر آرام کرنا، قرآن پڑھتے وقت ایک ایک آیت پر ناک کی رینٹ ایک رومال میں پونچھتے جانا، لیکن مسجد کے باہر صاف کرنے نہ جانا۔

ان عاداتِ قبیحہ کے علاوہ تراویح قرآن شریف کی ارادۃً ترک کرنا، نہ "اُلم تر" کی مسجد میں پڑھنے جانا، بغیر عنوان کے بشکلِ وعظ کہتا رہتا ہے، وغیرہ وغیرہ کے علاوہ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتا ہے۔ انہیں بار بار کہا جاتا ہے، لیکن اینٹھتا رہتا ہے (۳)۔ تو ایسے شخص سے میل ملاپ، سلام کلام کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن محمد بن مطرف قال: قال الله تعالىٰ: (ويح ابن آدم! يذنب الذنب فيستغفرني فأغفر له، ثم يعود فيستغفرني فأغفر له، ويحه! لا هو يترك ذنبه و لا هو ييأس من رحمتي .... اهـ".

قال الفقيه رحمه الله تعالىٰ: "في هذا الخبر دليل على أن العبد إذاتاب، قَبِل الله توبته، فلا ينبغي للعبد أن ييأس من رحمة الله تعالىٰ .... فينبغي للعاقل أن يتوب إلى الله في كل وقت، و لا يكون مصرّاً على الذنب". (تنبيه الغافلين، ص: ۵۳، باب التوبة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) (سورة الأنعام: ٦٨)

(۳) "اینٹھنا: اینٹھ، غرور، اکڑ، تکبر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۵۲، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

میل ملاپ کر کے نرمی وشفقت کے ساتھ اصلاح کرتے ہی رہنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۱۰ھ۔

بائیکاٹ کا عہد کئے ہوئے کے گھر کا کھانا پینا

سوال [۸۹۹۹]: زید کی خواہش تھی کہ اس کی بستی میں بڑے جرم کرنے والے مثلاً: کسی کی بیوی اغوا کرنے والے اور منکوحہ کا بلا مفارقت نکاح کر دینے والوں کا بائیکاٹ کر دے، اتفاق سے ایک ایسا موقع آ گیا جس کی وجہ سے پوری آبادی بائیکاٹ کرنے پر آمادہ ہوگئی اور گاؤں والوں نے غیر بیوی کو اپنی بیوی بنانے والے شخص عبدالاحد کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا، لیکن عبدالاحد کے تعلقات غیر مسلموں سے تھے، اس لئے غیر مسلموں نے عبدالاحد کی طرف داری کی اور طرف داری کے واسطے بکر بھی تیار ہو گیا۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر﴾. (سورة آل عمران: ۱۱۰)

"عن تميم الداری رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرحمة والشفقة على الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۳، قديمی)

"والحاصل أنها إرادة الخير للنصوح له .... نصيحة العامة بإرشادهم إلى مصالحهم الدينية والدنيوية، وكف الأذى عنهم، وتعليمهم ماينفعهم فی دينهم ودنياهم، وإعانتهم عليه قولاً وفعلاً، وستر عوراتهم، وسد خلاتهم، ودفع المضار عنهم، وجلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق، وتوقير كبيرهم ورحم صغيرهم، وتخوّلهم بالموعظة الحسنة، وترک غيبتهم وحسدهم، والذب عن أموالهم وأعراضهم، وغير ذلک من أحوالهم، ومجمله أن يحب لهم مايحب لنفسه من الخير، ويكره لهم مايكره لنفسه من الشر". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۹۶۶): ۸/۷۰۰-۷۰۲، رشيديه)

آخرکار بکر کا بھی بائیکاٹ کر دیا گیا، لیکن بعد میں کچھ پڑھے لکھے لوگ ان کے یہاں کھانے پینے لگے، اب یہ سب سے معدوم ہوگیا۔ اس لئے شریعت جنھوں نے ان کی امداد کی ہے، کیا ان کو مجرم گردانتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی بستی کی اصلاح کی تدبیر کرنا تو بہت بہتر ہے، لیکن عامۃً دیکھا یہی جاتا ہے کہ بائیکاٹ کی تدبیر کامیاب نہیں ہوتی ہے، کیونکہ آپس میں اتفاق نہیں ہے، آہستہ آہستہ آدمی اس کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جس کا بائیکاٹ کیا گیا ہے۔ اور مجرم پر اس کا اچھا اثر نہیں ہوتا، بلکہ فساد اور بغض کی آگ بھڑک جاتی ہے اور سخت خلفشار پیدا ہو جاتا ہے۔ فتویٰ حاصل کرنے والے حضرات فتویٰ لئے پھرتے ہیں، مگر جب دلوں میں شریعت کا احترام ہی نہیں، حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں تو پھر فتوی ہی کا کیا اثر ہوگا، خدا کا ڈر ہو تو فتویٰ کا بھی اثر ہو(۱)۔

اگر شفقت اور نرمی سے اصلاح کی جاوے، دینی کتاب سنانے کا اہتمام کیا جائے، نماز کیلئے سب کو بلا کر مسجد کو آباد کیا جائے، اہل قلب بزرگوں کی صحبت ونسبت حاصل کرنے کی ترغیب دی جاوے، اہل باطن علماء کا وعظ کرایا جائے تو انشاء اللہ نفع زیادہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

سالی سے مذاق کرنے والے سے ترکِ تعلق

سوال[۹۰۰۰]: زید وعمر مثلاً آپس میں ہم زلف ہیں، اور زید مذکور اپنی سالی کے ساتھ ناشائستہ

---

(۱) البتہ اصلاح کی امید ہو تو بائیکاٹ کرنا درست ہے، كما تقدم تحت عنوان: "جو شخص ساتھ نہ دے، اس سے ترکِ تعلق"، فليراجع، ص: ۵۲۷، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن عطاء بن يزيد عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة".

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة المسلمين و هم من عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم".

(شرح الصحيح لمسلم للنووي: ۱/۵۴، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۹۶۶): ۸/۷۰۲، رشيديه)

مذاق کرتا ہے اور دواعی جماع کا ظاہر ارتکاب کرتا ہے۔ اسی بناء پر عمر نے زید کے ساتھ اپنے تعلقات کو ختم کر دیا۔ لہذا زید کا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور عمر کا اس طرح زید سے تعلق ختم کر دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ دونوں حضرات امام ہیں، لہذا ان دونوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، یا ظالم اور مظلوم میں کچھ رعایت ہے؟ اور یہ بھی تحریر کریں کہ کن کن لوگوں سے شرعی پردہ درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ خلاف شرع اور ناجائز ہے، سالی کو پردہ کرنا لازم ہے، تنہائی اس کے ساتھ حرام ہے(۱)۔ اگر زید فہمائش کے بعد بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آیا اور اس کے فتنہ سے حفاظت کیلئے عمر نے اس سے قطع تعلق کر دیا اور اپنی بیوی کی اس طرح اس سے حفاظت کر لی تو بہت اچھا کیا، اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے(۲)۔ ایسا کرنے سے عمر کی امامت میں کوئی خلل نہیں۔ زید البتہ خطاوار ہے اس کو توبہ واحتیاط لازم ہے، ورنہ وہ منصب امامت سے علیحدہ کرنے کے قابل ہوگا(۳)۔ جن لوگوں سے کسی وقت بھی نکاح جائز ہے، ان سے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم وأخواتكم وعماتكم وخالتكم وبنات الأخ وبنات الأخت﴾ (سورة النساء: ۲۳)

"قال عليه السلام: المرأة عورة مستورة". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس: ۳۹/۷، دارلكتب العلمية بيروت)

(۲) قال العلامة الملا على القاری رحمه الله تعالیٰ: "قال الخطابی رحمه الله تعالیٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلک.......... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصِلَته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع .... اهـ، الفصل الأول: ۷۵۹/۸، رشيديه)

(۳) "(ينزع) وجوباً -بزازية- (لو) الواقف فغيره بالأولیٰ (غير مأمون) أو عاجزاً أو ظهر به الفسق". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ "قال في الإسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

ودلالته على عزل المتولي إذ رآى منه الشر ظاهرة، والشر الخيانة وكل ماينافي العدالة مما =

پردہ کرنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۲۱ھ۔

مرتکبِ کبائر اعزّ اء سے ترکِ تعلق

سوال[۹۰۰۱]: اعزاء واقرباء میں جولوگ علی الاعلان کبائر میں مبتلا ہوں تو ان لوگوں سے ترک تعلق ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ اعزاء غیر محرم ہوں تو کیا حکم ہے؟ کیونکہ وہ تو غیر کے حکم میں ہیں اور اگر وہی مبتلائے کبائر، اہلِ دین کا مذاق اڑاتے ہوں، یا بیوقوف و ذلیل سمجھتے ہوں، یا وہ خود اہل دین سے اجتناب رکھتے ہوں محض دیندار ہونے کی وجہ سے تو اہل دین کو کیا کرنا چاہیئے؟

احقر: محمد یونس تلی تال، نینی تال (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر حسنِ اخلاق ومروت سے وہ متاثر ہوکر کبائر کو ترک کردیں، یا ان کو فہمائش کا موقع ملے جس سے نفع کی امید ہو تو ان سے تعلق رکھ کر اصلاح کی کوشش کی جائے(۲)۔ اگر ترکِ تعلق سے اصلاح کی توقع ہو، یا تعلق کی وجہ سے خود مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تعلق ترک کردیا جائے(۳) دعاء بہر حال کرتے رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۲۰ھ۔

= يفضي إلى الفسق". (إعلاء السنن: ۱۳/۱۸۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك وبنتك ونساء المؤمنين بدنين عليهن من جلابيبهن، ذلك أدنىٰ أن يعرفن، فلا يؤذين﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

(۲) "عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة".

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة المسلمين وهم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم و دنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل .... وأمرهم بالمعروف، ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم".

(شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/۵۴، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، قديمي)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

خسر اور بہو کا ناجائز تعلق کی وجہ سے ترکِ تعلق

سوال[۹۰۰۲]: ایک مسلمان دھوبی کا لڑکا مرگیا۔ اس کی بہو وہیں رہنے لگی اور خسر کی خدمت کرنے لگی۔ پھر خسر اور بہو کا ناجائز تعلق ہوگیا جس سے تین لڑکیاں ہوئیں۔ اس پر محلّہ والوں نے ان کا بائیکاٹ کردیا۔ اب یہ معافی چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی، اب ان بچوں کے لئے کیا حکم ہے؟ یہ بچے مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان بچوں کو اسلام برادری میں لیا جائے گا یا نہیں؟ اب ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت نہایت بے غیرتی اور حرام کاری ہے۔ صدقِ دل سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں(۱) اور ان دونوں مرد وعورت کو جدا جدا کردیا جائے کوئی تعلق باقی نہ رہے(۲) ان بچوں کو مسلمان ہی

= "لایحل للرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال". الحدیث. (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع، الخ، الفصل الأول، ص:۴۲۷، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحته: "قال الخطابی رحمه الله تعالیٰ: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلته، و لایجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک. و فی حاشیة السیوطی علی المؤطا: قال ابن عبد البر رحمه الله تعالیٰ: .... وأجمع العلمآء علی أن من خاف من مکالمة أحد و صلته ما یفسد علیه دینه، أو یدخل مضرةً فی دنیاه، یجوز له مجانبته وبُعده، و رب صرم جمیل خیرٌ من مخالطة تؤذیه .... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع .... الخ، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وهو الذی یقبل التوبة عن عباده ویعفوا عن السیئات﴾ (سورة شوری: ۲۵)

(۲) "یجب علی القاضی التفریق بینهما". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۱۳۳/۳، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثامن فی النکاح الفاسد: ۳۳۰/۱، رشیدیه)

قرار دیا جائے گا، ان کی پرورش لازم ہے ان سے قطع تعلق نہ کیا جائے (۱) اور وہ دونوں توبہ کرکے الگ الگ ہوجائیں اور حرامکاری چھوڑ دیں تو ان سے بھی جو قطعِ تعلق اصلاح کے لئے کیا تھا اس کو ختم کردیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

زنا سے حاملہ سے نکاح نہ کرنے والے کو برادری سے خارج کرنا

سوال [۹۰۰۳]: جب بکر نے ایامِ حمل میں نکاح کرنے سے انکار کیا تو مسجد میں کمیٹی نے بکر کے گھر والوں کو تنبیہ کردی کہ وہ تمام جماعت سے خارج کردیئے جائیں گے۔ ارشاد فرمائیں کہ اسلام کے اندر ایسے طرزِ عمل کا کیا مقام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمیٹی کو اس کا حق نہیں تھا، یہ ظلم ہے، ظالم کا ساتھ دینا بھی ظلم ہے، کذا فی الدر المختار (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۲/ ۸۸ھ۔

= (وكذا في محيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في النكاح الفاسد: ۳/ ۲۴۸)

(۱) اس لئے کہ بچوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، اهـ". "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/ ۷۵۸، رشيديه)

(۳) "لم أجد فيه إلا قوله: "دفع النائبة عن نفسه أولىٰ إذا تحمل حصته باقيهم، وتصح الكفالة بها ويؤجر من قام بتوزيعها بالعدل، وإن كان الأخذ باطلاً، وهذا يعرف، ولايعرف كفا لمادة الظلم".

(الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "إن فيه إشكالاً؛ لأن إعطاء ه إعانة للظالم على =

کسی عورت کا کسی نامحرم کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد شوہر کے پاس آکر رہنے کا حکم

سوال[۹۰۰۴]: زید کی لڑکی غیر محرم کے ساتھ زر، زیور لے کر بھاگ گئی، کئی روز کے بعد پتہ چلا۔ اب زید اس کو اگر گھر رکھتا ہے تو بڑی بدنامی ہوتی ہے، تمام برادری لعن طعن کرتی ہے، سسرال والے بھی لڑکی کو لے جانا نہیں چاہتے۔ زید بہت پریشان ہے۔ لڑکی کو قتل کردے، یا زہر دے کر ماردے؟ اگر شوہر لڑکی کو لے جانا چاہے تو بھیج دیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زہر دینے اور مارنے کی اجازت نہیں (۱)، شوہر لے جائے تو ضرور فوراً بھیج دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۵ھ۔

دو پارٹیوں میں صلح

سوال[۹۰۰۵]: ایک گاؤں میں دو مسئلوں کا جھگڑا ہے: ایک طلاق کا دوسرا سود کا ہے۔ ان دونوں مسئلوں کی وجہ سے دو پارٹی بنی ہوئی ہیں جس کو چھ سات سال ہورہے ہیں۔ بہت مرتبہ آپس میں صلح کرانے کی کوشش ہوئی اور بہت سے علماء نے بھی کوشش کی، مگر فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کی بات نہیں مانتی ہے، ہر پارٹی دوسری پارٹی کی برائی کرتی ہے اور فیصلے کے درمیان لڑائی شروع ہوجاتی ہے۔ اس وجہ سے آج تک

= ظلمه، فإن أكثر النوائب في زماننا بطريق الظلم، فمن تمكن من دفع الظلم عن نفسه، فذلك خير له .... الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب العاشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السلطانية: ۳۳۶/۲، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق﴾ (سورة بني إسرائيل: ۳۳)

"يقول الله تعالىٰ: ناهياً عن قتل النفس بغير حق شرعي كما ثبت في الصحيحين أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل دم امرىء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والزاني المحصن، والتارك لدينه المفارق للجماعة". (تفسير ابن كثير، سورة بني إسرائيل: ۳۸/۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وصحيح البخاري، كتاب الديات، باب قول الله: ﴿إن النفس بالنفس﴾: ۱۰۱۶/۲، قديمي)

یہ فیصلہ نہیں ہوسکا اور آئندہ کے لئے بھی صلح مشکل نظر آتی ہے، کیونکہ کوئی کسی کی بات نہیں مانتا اور نہ تو کوئی کسی عالم کی بات مانتا ہے۔

کیا طلاق اور سود کی بات کو مدنظر رکھ کر اگر صلح کی بات کی جائے تو ملایا جاسکتا ہے؟ شریعت کی رو سے کیا حکم ہے اور اس طرح صلح کرانے کا کیا مسئلہ ہے، یعنی بغیر ان دونوں باتوں کو چھیڑے ہوئے ان لوگوں کو ملایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مرض بہت عام ہے، بڑی کثرت سے لوگ اس میں گرفتار ہیں اور کسی صورت سے نجات نہیں پاتے۔ اگر بغیر ان دو مسئلوں پر بحث کیے ہوئے بھی صلح ہوسکتی ہے تب بھی صلح کرادی جائے، مثلاً: ایک پارٹی کہتی ہے کہ سود لینا جائز ہے، دوسری کہتی ہے کہ ناجائز ہے۔ اور کوئی پارٹی اپنے خلاف بات سننے اور ماننے کو آمادہ نہیں، ہر ایک اپنی اپنی بات پر پختہ ہے، تب بھی بغیر اس کا تصفیہ کیے ہوئے صلح کرادی جائے۔ اسی طرح ایک پارٹی کہتی ہے کہ فلاں لفظ سے طلاق ہوجاتی ہے، دوسری پارٹی کہتی ہے کہ نہیں ہوتی تب بھی صلح کرادی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) صلح ہر حال میں بہتر ہے: قال الله تعالیٰ: ﴿والصلح خير﴾ (سورة النساء: ۱۲۸)

قال الله تعالىٰ: ﴿وإن طآئفتٰن من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما .... فإن فآء ت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين. إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون﴾ (سورة الحجرات: ۹، ۱۰)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: "﴿والصلح خير﴾: أى من الفرقة وسوء العشرة، أو من الخصومة، فاللام للعهد، وإثبات الخيرية للمفضل عليه على سبيل الفرض، والتقدير: أى إن يكن فيه خير فهذا أخير منه، وإلا فلا خيرية فيما ذكر، ويجوز أن لايراد بخير التفضيل بل يراد به المصدر أو الصفة: أى أنه خير من الخيور". (روح المعاني، (سورة النساء: ۱۲۸): ۵/۱۶۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"نخلع ونترك من يفجرك" پر عمل کی صورت

سوال[۹۰۰۶]: موجودہ دور میں "نخلع ونترك من يفجرك" پر کس طرح عمل پیرا ہوسکتے ہیں، رہبانیت کے علاوہ اَور صورت بھی ہوسکتی ہے؟ مگر اسلام رہبانیت کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

فجور پر حسبِ استطاعت نکیر کرنے سے اس پر عمل ہوجائے گا، جیسے کہ اگر بچہ نجاست میں ملوث ہوتو اس کی وجہ سے بچے کو نہیں چھوڑا جاتا، نہ اپنے کو اس کی وجہ سے نجاست میں ملوث کیا جاتا ہے بلکہ حسنِ تدبیر سے اس کی نجاست سے بچتے ہوئے اس کو بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے، یہی تقاضائے شفقت ورحمت ہے اور یہی تقاضائے طہارت ونظافت ہے اور یہی تقاضائے عبودیت وطاعت ہے اور یہی تقاضائے اتباعِ سنت ہے(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وإن علم أنه لا يتعظ ولا ينزجر بالقول ولا بالفعل ولو بإعلام سلطان أو زوج أو والد له قدرة على المنع، لا يلزمه، ولا يأثم بتركه، لكن الأمر والنهي أفضل" (رد المحتار، قبيل كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، باب مايكره من الثياب والحلي والزينة، فصل في التسبيح والتسليم والصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۳/۴۲۲، رشيديه)

الفصل الخامس فی إیذاء المسلم

(مسلمان کواذیت پہنچانے کا بیان)

کسی کی تحقیر وتذلیل

سوال[۹۰۰۷]: بکراپنے عیوب کوچھپاتاہےاوردوسرے کےعیوب کوبرملاظاہرکرتاہے۔کیا شرعاًایساکرناجائزہے؟اگرنہیں توجواب میں کوئی حدیث تحریرفرمائیں۔ اوریہ بھی واضح فرمائیں کہ اسلام میں بکرکاکیامقام ہے؟بینوا بالسنة والکتاب توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

محض مشغلۂ مجلس بنانے یادوسروں کوذلیل ورسواکرنے کے لئے اس کےعیوب کوظاہرکرنااوراُچھالنا خودہی بہت بڑاعیب ہےاورسخت معصیت ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ:"جوشخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی اورپردہ دری کرتاہے،اللہ پاک اس کورسواکرتاہےاوراس کاعیب ظاہرکرتاہےاگرچہ وہ اپنے مکان میں چھپ کرعیب کا کام کرے"(۱)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:"مسلمان کی آبروریزی بدترین سودہے"(۲)(سودکاایک درہم ۳۶/دفعہ زناکرنے سےبھی سخت ہے)(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم المنبر، فنادی بصوت رفیع، فقال: "یامعشر من أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروهم، ولا تتبعوا عوراتهم؛ فإنه من یتبع عورة أخیه المسلم یتبع اللہ عورته، ومن یتبع اللہ عورته یفضحه ولو فی جوف رحله". رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثانی، ص: ۴۲۸، ۴۲۹، قدیمی) .... =

محفلِ نکاح میں لاؤڈ اسپیکر پر قرآن شریف، نعت شریف اور توہین آمیز کلمات

سوال[۹۰۰۸]: ہمارے یہاں مولویوں کے شادی بیاہوں کے وقت تلاوتِ قرآن اور نعت شریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل ہوتی ہے، تقریر بھی ہوتی ہے اور یہ سب لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہی ہوتا ہے۔ فی الحال کی بات ہے کہ ایک اُمی کی شادی ہوئی تو اس اُمّی نے تلاوت قرآن شریف اور نعت شریف اور تقریر کے واسطے دو تین عالموں کو دعوت دی۔ پھر لاؤڈ اسپیکر پر ان عالموں کی موجودگی میں ایک نابالغ بچے کو نعت شریف پڑھنے کو کہا گیا تھا، مگر اس بچے نے بجائے نعت شریف پڑھنے کے ایک ایسا گانا گایا جس میں مسلمانوں کی توہین اور مذاق کے الفاظ شامل تھے، اس بناء پر بستی کے کچھ مولویوں نے فتویٰ دیا کہ اس محفل میں جتنے مولویوں کی شرکت ہوئی، وہ سب کے سب توبہ کریں۔

وہ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر میں تقریر کرنا فضول خرچی ہے، اور وہ محفل، حرام محفل ہے، نیز بچے کا فعل، فعلِ حرام ہے۔

اس کے جواب میں محفل میں شریک مولویوں نے کہا کہ ہماری طرف سے سوائے تلاوتِ قرآن اور تقریر اور نعت شریف کے کچھ نہیں ہوا، اور ہم خود بھی کہتے ہیں کہ گانا گانا اور بناوٹی گانے سب حرام ہیں خواہ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ہو یا لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ، کسی بھی حال میں جائز نہیں، تو ہم کس بات کی توبہ کریں۔ منکرات کرنے والے مولویوں کو توبہ کروانا صحیح ہے یا نہیں؟

=(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : قال: "إن مِن أربى الربا الاستطالة في عرض المسلم بغير حق". رواه أبوداؤد والبيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹، قديمي)

(۳) "عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنيةً". رواه أحمد والدارقطني". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجلسِ نکاح میں خطبۂ مسنونہ اور ایجاب وقبول ثابت ہے(۱)، نعت شریف اور تلاوتِ قرآن اگرچہ عمدہ چیز ہے، مگر مجلسِ نکاح میں مستقلاً یہ ثابت نہیں، پھر اس کی پابندی کرنا غیر ثابت چیز کی پابندی کرنا ہے جو شرعاً ناپسند ہے(۲)۔ جب علماء حضرات اس مجلس میں تشریف لائے اور کسی نابالغ بچے نے گانا گایا اور وہ بھی ایسا گانا جو غلط اور خلافِ شرع مضمون پر مشتمل تھا، شروع کر دیا، اگرچہ اس نے ناسمجھی سے شروع کیا تب بھی علماء کی ذمہ داری تھی کہ اس کو فوراً روک دیتے، غلط چیز کو زینتِ محفل بنانا اور علماء کا اس پر سکوت کرنا درست نہیں تھا(۳)، یقیناً یہ علماء سے کوتاہی ہوئی، ان کی دیانت داری کا تقاضا ہے کہ اپنی کوتاہی کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اور اس اعتراف ورجوع میں ان کی توہین نہیں، بلکہ دیانت داری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة، الخ". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة، جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج: ۶۶۱۸/۹، رشيديه)

"وأما ركنه فالإيجاب والقبول، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركت علميه ملتان)

(۲) "نعم، لو التزم جهر سورة، أو نحوها في موضع معين التزاماً لم يعهد في الشرع، وخيف منه ظن العوام لزومه حتماً –كما هو في كثير من التخصيصات الفاشية– فحينئذ لايخلو عن كراهة ألبتة". (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، ص: ۲۴، من مجموعه رسائل اللكهنوى: ۵۰۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "فقال أبو سعيد رضى الله تعالىٰ عنه .... سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من راى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان: ۵۱/۱، قديمى)

(وجامع الترمذى، أبواب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر باليد: ۴۰/۲، سعيد)

بیت الخلاء سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہو تو اس کو منتقل کرنا

سوال[۹۰۰۹]: ایک مکان عرصہ ۳۰/سال کا بنا ہوا ہے مدرسہ کا کمرہ ہے، اس میں کھڑکی ہے، اس میں سے مالکِ مکان کے پاخانہ کی بو آتی ہے۔ اب بستی کے لوگ زبردستی مالکِ مکان کو پاخانہ ہٹانے کے لئے کہتے ہیں، مالک مکان کہتا ہے کہ پاخانہ تیس سال کا بنا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مکان اور اس میں اس جگہ پاخانہ ۳۰/سال سے بنا ہوا ہے اور اب اس کے قریب مدرسہ بنایا گیا ہے اور مدرسہ کے کمرہ میں اس طرف دو کھڑکیاں ہیں تو ضابطہ اور قانون کی رو سے اس شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنا بیت الخلا اپنی اس مملوکہ جگہ سے کہیں اور منتقل کردے(۱)۔ رابطہ اور محبت کی رو سے درخواست اور فہمائش میں مضائقہ نہیں اور اس کو بھی اگر دوسری جگہ منتقل کرنا دشوار نہ ہو تو اس نیت کے تحت کہ لوگوں کو اذیت سے بچانے کا اجرِ عظیم حاصل ہوگا، منتقل کرنا بہتر اور موجبِ اجرِ عظیم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "رجل يتصرف في ملكه تصرفاً مشروعاً، فجاء آخر وأحدث عنده بناءً، فإن كان هذا المحدث متضرراً، فعليه هو دفع الضرر عن نفسه، مثلاً: إذا كان الدار قديمة شباك مشرف على مقر النساء في دار محدث، فيلزم صاحب هذه الدار المحدثة أن يدفع هو الضرر عن نفسه، وليس له أن يداعي صاحب الدار القديمة .... وكذا لو أحدث بيتاً بجانب تنور غيره أو حمامه: أي ليس له يعطل التنور والحمام بسبب تضرره من الدخان، بل عليه هو نفسه رفع المضرة عن نفسه؛ لأنه هو المتسبب في هذا الضرر، ولم يكن صاحب التنور أو صاحب الحمام متعدياً". (شرح المجلة لسليم رستم الباز، الفصل الثاني في المعاملات الجوارية، (رقم المادة: ۱۲۰۷): ۱/۶۶۲، ۶۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"كلٌ يتصرف في ملك كيف شاء". (شرح المجلة لسيم رستم باز (رقم المادة: ۱۱۹۲): ۱/۶۵۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، ص: ۶۵۷، حنفيه)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم =

دشمن کے اندیشہ سے بیوی کو قتل کردینا

سوال[۹۰۱۰]: دو آدمیوں پر کافر حملہ زن ہیں یعنی میاں اور بیوی پر۔ عورتوں کی اکثر عادت وحالت ہوتی ہے کہ زیادہ چلنے و بھاگنے سے مجبور ہوتی ہیں، مایوس ہوکر اپنے خاوند سے کہتی ہے کہ مجھ کو قتل کردے تاکہ میں ان کافروں کے شر سے بچوں، تمہارے اوپر کسی قسم کا مطالبہ نہیں۔ میاں نے اس بیوی کو قتل کردیا۔ اب شریعت کا اس خاوند پر کیا حکم ہے، مخلد فی النار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ قتل حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۳/۶۴ھ۔

غیر مسلم پڑوسی کو تکلیف پہونچانا

سوال[۹۰۱۱]: کفار کو قتل کرنا یا ایذا پہونچانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً: اگر قرب وجوار میں اگر کوئی

= من سلم المسلمون من لسانه و يده". (صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده: ۱/۶، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار: ۱/۵۰، قديمی)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا النفس التی حرم الله إلا بالحق﴾ (سورة بنی إسرائيل: ۳۳)

"يقول الله تعالیٰ ناهياً عن قتل النفس بغير حق شرعی كما ثبت فی الصحيحين أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لا يحل دم امرىء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله إلا بإحدی ثلاث: النفس بالنفس، والزانی المحصن، والتارک لدينه المفارق للجماعة". (تفسير ابن كثير، سورة بنی إسرائيل: ۳/۳۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وصحيح البخاری، كتاب الديات، باب قول الله: ﴿إن النفس بالنفس﴾: ۲/۱۰۱۶، قديمی)

مسلمان کے ہو؟

المستفتی: احقر عبدالعزیز چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ کسی کو علاوہ حربی کے اذیت پہونچانا ہرگز جائز نہیں، اور خاص کر قرب وجوار میں رہنے والے کے لئے تو شریعت نے اور بھی زیادہ حقوق بتائے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے:

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "والله! لا یؤمن، والله! لایؤمن، والله! لایؤمن". قیل: ومن یارسول الله!؟ قال: "الذی لایأمن جارُہ بوائقَه". رواه البخاری (۱)۔

دوسری روایت میں ہے:

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت أنه سیورّثه". رواه البخاری (۲)۔

قال الشیخ ابن الحجر رحمه الله تعالیٰ فی الفتح: "واسم الجار یشتمل المسلم والکافر، والعابد، والفاسق، والصدیق، والعدوّ، والغریبَ والبلدیَّ، والنافع والضارَّ، والقریب والأجنبی، والأقرب داره والأبعد. وله مراتب بعضها أعلی من بعض، فأعلاها مَن اجتمعت فیه الصفات کلها، ثم أکثر وهلم جراً إلی الواحد، وعکسه مَن اجتمعت فیه الصفات الأخری کذلك، فیعطی کل ذی حق حقه بحسب حال. وقد تتعارض صفتان فأکثر، فیرجح أو یساوی. وقد حمله عبدالله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما علی العموم، فأمر لما ذبح له شاة أن یهدی منها لجاره یهودیّ. أخرجه البخاری فی أدب المفرد، والترمذیّ، وحسنه.

---

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب إثم من لایؤمن جاره بوائقه: ۸۸۹/۲، قدیمی)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الوصایة بالجار: ۸۸۹/۲، قدیمی)

(وابن ماجة، أبواب الأدب، باب حق الجوار، ص: ۲۶۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه: ۳۲۹/۲، قدیمی)

وقد وردت الإشارة إلى ماذكرته في حديث مرفوع أخرجه الطبراني عن حديث جابر رضي الله تعالیٰ عنه رفعه: "الجيران ثلثة: جارٌ له حق، وهو المشرك، له حق الجوار. وجارٌ له حقان، وهو المسلم، له حق الجوار وحق الإسلام. وجارٌ له ثلثة حقوق، وهو مسلم له رحم، له حق الجوار وحق الإسلام والرحم، الخ"(۱)۔

اور تفصیل سے ذمی وحربی ومستأمن وغیرہ کے ساتھ معاملات صلہ وغیرہ کو فتاویٰ عالمگیری: ٤/٢٢٦-٢٢٨، كتاب الكراهية کے الباب الرابع عشر (۲)، اور تکملۂ بحر، جلد ثامن، ص: ٤٠٤ کی كتاب الكراهية میں بیان کیا ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رجب/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رجب/ ۵۴ھ۔

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الأدب، باب الوصاة بالجار: ۱۰/ ۵۴۱، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب الوصاية: ١٦/ ١٠٨، إدارة الطباعة المنيرية)

(۲) "ولا بأس بأن يصل الرجل المسلم المشرك، قريباً كان أو بعيداً، محارباً كان أو ذمياً. وأراد بالمحارب المستأمن، وأما إذا كان غير المستأمن، فلا ينبغي للمسلم أن يصله بشئ .... ولا بأس بمصافحة المسلم جاره النصراني إذا رجع بعد الغيبة ويتأذى بترك المصافحة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/ ۳۴۷، ۳۴۸، رشيديه)

(۳) "ولا بأس بطعام اليهود والنصارى من أهل الحرب .... وتجوز عيادة الذمي المريض .... ولا بأس بأن يصل الرجل المسلم المشرك، قريباً كان أو بعيداً، محارباً كان أو ذمياً". (البحر الرائق، كتاب الكراهية: ۸/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل السادس عشر في معاملة أهل الذمة: ٦/ ١٠١، غفاريه كوئته)

ہندو اور مرتد کو کافر کہنا

سوال[۹۰۱۲]: ۱..... ہندو کو کافر کہنے کا حق ہے یا نہیں؟

۲..... ایک مسلمان اگر اسلام سے منکر ہو جائے تو اس کو کافر کہنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... ہندو کو کافر کہنے سے اگر اذیت ہوتی ہو تو بلا وجہ اس کو اذیت نہ پہونچائے، کیا اندھے کو ہمیشہ اندھا کہہ کر پکارا جاتا ہے(۱)۔

۲..... جو مسلمان اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرے (العیاذ باللہ) تو وہ مرتد ہے، خنزیر سے بھی بدتر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کافر کو مرنے کے بعد بُرا کہنا

سوال[۹۰۱۳]: جماعت اسلامی والے کہتے ہیں کہ کافر کے مرنے کے بعد بھی اس کو برا نہ کہنا

---

(۱) "لو قال ليهودي أو مجوسي: يا كافر، يأثم إن شق عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أحكام أهل الذمة: ۳۴۸/۵، رشيديه)

"ولا بأس بمصافحة المسلم جارَه النصراني إذا رجع بعد الغيبة ويتأذى بترك المصافحة، كذا في القنية". (الفتاویٰ العالمكيرية، المصدر السابق)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يرتدّ منكم عن دينه فيمت وهو كافر، فأولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والأخرة، وأولئك أصحاب النار، هم فيها خٰلدون﴾ (سورة البقرة: ۲۱۷)

قال العلامة الآلوسي: "أي صارت أعمالهم الحسنة التي عملوها في حالة الإسلام فاسدةً بمنزلة ما لم تكن. قيل: وأصل الحبط فساد يلحق الماشية لأكل الحباط، وهو نوعٌ من الكلأ مضرٌّ .... وهو من قولهم: حبطت الدابة حبطاً بالتحريك إذا أصابت مرعى طيباً فأفرطت في الأكل حتى تنتفخ فتموت". (روح المعاني، (سورة البقرة: ۲۱۷): ۱۱۰/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

چاہیے، ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور لوگوں کو خبر نہ ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا وجہ کسی مسلم، غیر مسلم، زندہ، مردہ کو برا کہنا برا ہے، حتی کہ بلا ضرورت شیطان پر لعنت کرنا بھی بے محل ہے، جتنی دیر کسی کو برا کہنے میں وقت خرچ ہو، اتنی دیر اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا بڑے اجر کا ذریعہ ہے، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں اس کی بحث کی ہے(۱)۔

---

(۱) "إما لحيوان أو إنسان وكل ذلك مذموم. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المؤمن ليس بلعان" وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتلاعنوا بلعنة الله ولا بغضبه ولا بجهنّم". وقال حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: ماتلاعن قوم قطّ إلا حق عليهم القول. وقال عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه: بينما رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض أسفاره إذا امرأة من الأنصار على ناقة لها، فضجرت منها، فلعنتها، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خذوا ما عليها وأعروها، فإنها ملعونة". قال فكأني أنظر إلى تلك الناقة تمشي بين الناس لا يتعرض لها أحد. وقال أبو الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه: مالعن أحد الأرض إلا قالت: لعن الله أعصانالله .... اهـ.

الثالثة: اللعن للشخص المعين، وهذا فيه خطر كقولك: زيد لعنه الله، وهو كافر، أو فاسق، أو مبتدع، والتفصيل فيه أن كل شخص ثبتت لعنته شرعاً فتجوز لعنته كقولك: فرعون لعنه الله، وأبوجهل لعنه الله؛ لأنه قد ثبت أن هؤلاء ماتوا على الكفر، وعرف ذلك شرعاً، اهـ.

وأما شخص بعينه في زماننا كقولك: زيد لعنه الله، وهو يهودي مثلاً، فهذا فيه حظر، فإنه ربما يسلم، فيموت مقرباً عندالله، فكيف يحكم بكونه ملعوناً؟.

فإن قلت: يلعن؛ لكونه كافراً في الحال كما يقال للمسلم: رحمه الله؛ لكونه مسلماً في الحال وإن كان يتصور أن يرتد؟ فاعلم أن معنى قولنا: "رحمه الله تعالىٰ": أي ثبته الله على الإسلام الذي هو سبب الرحمة وعلى الطاعة، ولايمكن أن يقال: ثبت الله الكافر على ماهو سبب اللعنة، فإن هذا سؤال الكفر، وهو في نفسه كفر، بل الجائز أن يقال: لعنه الله إن مات على الكفر، و لالعنه الله إن مات على الإسلام، وذلك غيب لايدرى". (إحياء علوم الدين، كتاب آفات اللسان، الآفة الثامنة: اللعن: ۱۴۹/۳، ۱۵۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)............................ =

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مستقلاً تنقید ہی کو اپنا مقصد بنالیتے ہیں، وہ بھی تخریبی تنقید، نہ وہ زندوں کو بخشتے ہیں، نہ مردوں کو، نہ عوام کو بخشتے ہیں، نہ اہل علم واہل تقویٰ کو، حتی کہ ائمۂ مجتہدین، فقہاء، محدثین، عرفاء بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تخریبی تنقید کرتے ہیں اور یہ ان کی زندگی کا شاہکار کہلاتا ہے(۱)۔ اس طریق سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الزواجر، كتاب النكاح، باب اللعان، الكبيرة التاسعة والثمانون والتسعون والحادية والتسعون بعد المأتين سب المسلم والاستطالة في عرضه وتسبب الإنسان في لعن أو شتم والديه وإن لم يسبهما ولعنه مسلماً: ۲/۹۴، ۹۵، دارالكفر بيروت)

(۱) یہ مودودی حضرات (جماعت اسلامی والے) ہی کا شعار ہے جیسا کہ ان کی عام تصانیف سے واضح اور ظاہر ہے۔

باب المعاصی والتوبۃ

(گناہ اور توبہ کا بیان)

معصیت بنفسہ کیا ہے؟

سوال[۹۰۱۴]: بنفسہ معصیت کون سی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شی اصالۃً معصیت ہے، محض کسی عارض کی وجہ سے معصیت نہ ہو جیسے زنا کہ محض حقِ غیر کی بناء پر معصیت نہیں، ورنہ بلا شوہر والی سے بحالتِ رضامندی درست ہوتا اور شوہر والی سے باجازتِ شوہر درست ہوتا(۱)۔ اور جو روپیہ زید کے پاس ہے اس کی حرمت حقِ زید کی بناء پر ہے، اگر اس روپیہ کو زید کی رضامندی سے کسی اپنے حق کے عوض میں وصول کرے تو جائز ہے، بلا حق بلا اجازت لینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنی إنه کان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۲)

"والحرمات أنواع: حرمة لاتنكشف ولا تدخلها رخصة كالزنا بالمرأة". (نور الأنوار، مبحث الأهلية، ص: ۳۱۳، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال أمرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

معصیت کا عبادات پر اثر

سوال[۹۰۱۵]: ایک شخص نماز روزے کا پابند ہے، باقی دینی کاموں میں بھی دلچسپی لیتا ہے، مگر اپنی عورت کے علاوہ دوسری عورت سے بھی ناجائز تعلقات رکھتا ہے، تو اس کی نماز روزے اور دوسرے دینی کام پر اس کا کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی عورت سے ناجائز تعلق رکھنا معصیت ہے، اس کی سزا مستقل ہے۔ اور نماز روزے کی پابندی کرنا اطاعت اور موجبِ اجر ہے۔ عورت کے ساتھ غلط تعلق کی بنا پر اس کی نماز روزے کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا فسق وفجور فطری چیز ہے؟

سوال[۹۰۱۶]: ہر شخص جو فطری طور پر منہیات شرعیہ کا عادی ہو اور فسق وفجور میں مبتلا ہے، ایسا شخص کسی دینی تبلیغی مشن کا ذمہ دار ہوسکتا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه، ومن أساء فعليها﴾ (سورة حم السجدة: ۴۶)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: ﴿فلنفسه﴾ فلنفسه يعمله، أو فلنفسه نفعه لا لغيره. ﴿ومن أساء فعليها﴾ ضره لا على الغير. ﴿وما ربك بظلام للعبيد﴾ اعتراضٌ تذييليٌّ مقررٌ لمضمون ما قبله مبنيٌّ على تنزيل إثابة المحسن بعمله أو إثابة الغير بعمله، وتنزيل التعذيب بغير إساءة أو بإساءة غيره منزلة الظلم الذي يستحيل صدوره عنه تعالىٰ". (روح المعاني، (سورة حم السجدة: ۴۶): ۱۳۱/۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير ۱۰۳/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"فإن تاب من ذنب، ثم عاد إليه، لم تبطل توبته. وإن تاب من ذنب وهو متلبس بآخر، صحت توبته". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي ونفيه عن المتلبس بالمعصية: ۵۶/۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فطری طور پر فسق وفجور میں مبتلاء ہونے کا کیا مطلب ہے، کیا وہ پیدائشی فاسق وفاجر ہے؟

تنبیه: اس طرح مبہم سوالات کرکے جوابات کو کسی خاص شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجبِ فتنہ بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۱ھ۔

گناہ کبیرہ پر اصرار

سوال[۹۰۱۷]: کوئی شخص گناہ کبیرہ کا کئی مرتبہ مرتکب ہوا، یا کبیرہ کو کبیرہ سمجھتا ہے، استخفاف یا استحباب کبیرہ اس سے نہیں پایا جاتا، ہر دفعہ بعد از ارتکاب توبہ واستغفار کرلیتا ہے، مگر شہوتِ نفسانی میں مغلوب ہوکر بارہا اس سے وہ کبیرہ سرزد ہوجاتا ہے۔ اس کو مصر علی الکبیرہ کہا جاوے گا اور اس سے اس کا نکاح ٹوٹ جاوے گا اور مصر علی الکبیرہ شرعاً کس کو کہتے ہیں، اور کیا اس سے کفر لازم آتا ہے؟

سید حبیب الرحمٰن، شہر بمبئی نمبر: ۸، محلّہ کمائی ٹولہ، پانچویں گلی کی مسجد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب تک گناہ کو حلال سمجھ کر، یا بحیثیتِ استخفاف بالدین نہ کیا جاوے تو اس سے شرعاً ایمان سلب نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور مؤمن ہے اور اس کا نکاح بھی نہیں ٹوٹا:

"والكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر". قال التفتازاني تحته: "و مجرد الإقدام على الكبيرة لغلبة شهوته أو حمية أو أنفة أو كسل، خصوصاً إذا اقترن به خوف العقاب ورجاء العفو، والعزم على التوبة لا ينافيه (أي الإيمان)، نعم إذا كان بطريق الاستحلال والاستخفاف، كان كفراً، لكونه علامةً للتكذيب". شرح عقائد نسفی، ص: ۸۳(۱)۔

---

(۱) (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۳، سعيد)

(وكذا في الفقه الأكبر للإمام الأعظم ابي حنيفة و شرحه للملا علي القاري رحمهما الله تعالىٰ، ص: ۷۱، ۷۲، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية: ص: ۲۹۱)

تفسیر فتح العزیز: ۱/۳۱۰، میں اس مسئلہ کو بسط کے ساتھ بیان کیا ہے(۱)۔

اصرار کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے بعد نادم ہو کر توبہ نہ کرے، اگر گناہ کے بعد صدقِ دل سے توبہ کر لی، لیکن غلبۂ شہوت کی وجہ سے پھر گناہ صادر ہو گیا تو اس کو اصرار نہ کہیں گے:

"من اتبع ذنبه بالاستغفار، فليس بمُصِرّ عليه وإن تكرر منه". مجمع البحار: ۲/۲۴۲ (۲) والبسط فی رسالته المعاصی من الرسائل الزينية: ص: ۳۵۵۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۳/۶/۵۳ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ

زنا اور تکبر میں سے کونسا گناہ بڑا ہے؟

سوال[۹۰۱۸]: زید کھلم کھلا زنا کاری کرتا ہے، اور اس کے گھر کی عورتیں بھی اس گناہ میں مبتلا ہیں، ان عورتوں کو بھی تنبیہ نہیں کرتا، خوب مل جل کر رہتا ہے۔ اور دوسرا شخص بکر ہے جو نہایت متکبر ہے اور لوگوں پر حد

---

(۱) ''کہ شخص فرمان الٰہی را بجا نیارد مرتکب کبیرہ یا مصر بر صغیرہ اند...... تدارکش بتوبہ نماید، درین قسم شخص اہلِ سنت مسلمان است، مگر آنکہ گناہگار است، امیدِ نجات او و قبولِ شفاعت در حق او و امکانِ عفو از گناہے او باید داشت'' (تفسیر فتح العزیز: ۱/۱۸۱، ۱۸۲، سورة البقرة تحت آية: ﴿و ما يضل به إلا الفاسقين﴾ مطبع حيدری بمبئی)

(۲) (مجمع البحار: ۳/۳۱۱، حرف الصاد، صرر، مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد كراچی)

"وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماأصر من استغفر و إن عاد في اليوم سبعين مرةً". رواه الترمذي وأبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثاني، ص: ۲۰۴، قديمی)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال بعض علمائنا: المُصرّ هو الذي لم يستغفر و لم يندم على الذنب، و الإصرار على الذنب إكثاره. وقال ابن الملك رحمه الله تعالىٰ: الإصرار الثبات والدوام على المعصية، يعني: من عمل معصيةً، ثم استغفر فندم على ذلك، خرج عن كونه مصراً". (مرقاة المفاتيح شرح المشكوة، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۲۳۴۰): ۵/۱۷۱، ۱۷۲، رشيديه)

درجہ مظالم کرتا ہے، اس کے خلاف کوئی ایک لفظ نہیں کہہ سکتا۔ تو مذکورہ ان دونوں میں کیا فرق ہے باعتبار گناہ کے، اوران سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی پوچھے کہ خنزیر کا پیشاب زیادہ نجس ہے یا پاخانہ، ظاہر ہے کہ دونوں ہی قابلِ پرہیز ہیں، ایک کو بھاری بتا کر دوسرے کو ہلکا نہیں قرار دیا جاسکتا۔

زنا کرتے وقت ایمان کا نکل جانا حدیث شریف میں مذکور ہے(۱)، مگر جب خاتمہ ایمان پر ہو تو زنا کے باوجود کبھی نہ کبھی دخولِ جنت ضرور ہوگا(۲)۔ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک جلا جلا کر اس کا تکبر نہیں نکال دیا جائے گا(۳)۔ اللہ سبھی معاصی سے محفوظ رکھے۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لايزنی الزانی حين يزنی وهو مؤمن". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمی)

(۲) "واما من كانت له معصية كبيرة مات من غير توبة، فهو فی مشية الله تعالیٰ، فإن شاء عفا عنه وادخله الجنة أولاً، وجعله كالقِسم الأول. وإن شاء عذبه بالقدر الذی يريد سبحانه، ثم يدخله الجنة، فلا يخلد فی النار احدٌ مات علی التوحيد ولو عمل من المعاصی ما عمل". (شرح النووی علی صحيح مسلم: ۱/۴۱، قديمی)

(۳) "وعنه (أبی هريرة) رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "يقول الله تعالیٰ: الكبرياء ردائی، والعظمة إزاری، فمن نازعنی واحداً منهما، ادخلته النار". وفی رواية: "قذفته فی النار". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الأول، ص: ۴۳۳، قديمی)

"عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لايدخل النار أحدٌ فی قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان، ولا يدخل الجنة أحدٌ فی قلبه مثقال حبة من خردل من كبر". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الأول، ص: ۴۳۳، قديمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "فمعنی الحديث أنه لايدخل الجنة مع الكبر، بل يصفی منه ومن كل خصلة مذمومة، إما بالتعذيب أو بعفو الله، ثم يدخل الجنة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۱۰۷): ۸/۸۲۸، رشيديه)

ان میں سے ہر ایک کی اعانت حرام ہے(۱)، اگر ترکِ تعلق کے ذریعہ اصلاح اور اپنی حفاظت ہوسکتی ہوتو ترکِ تعلق کردیا جائے، اور اگر برقرار رکھ کر نرمی یا سختی سے اصلاح ہوسکتی ہوتو اس کو اختیار کیا جائے، غرض مقصود اصلاح ہے اس کو ذاتی تعلقات کے پیشِ نظر ہرگز ترک نہ کیا جائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۷/۵/۸۸ھ۔

عابد بخیل بہتر ہے یا زانی سخی؟

سوال[۹۰۱۹]: کہتے ہیں کہ ایک عابد بخیل سے ایک زانی یا سودخور سخی بہتر ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس لئے کہتے ہیں کہ اس سخی سے دوسروں کی ضرورت پوری ہوتی ہے(۳)، مگر یہ یادرہے کہ اس سخاوت کی وجہ سے نہ سود لینے کا جرم ہلکا ہوتا ہے، نہ زنا کرنے کا۔ عابد بخیل سے دوسروں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، مگر اس کی وجہ سے اس کی عبادت ضائع نہیں ہوتی، اس کا اجر مستقلاً اس کو ملتا ہے(۴)۔ ہاں! اگر وہ بخل

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال الشيخ أحمد رحمه الله تعالیٰ: "هو عام لكل بر وتقوى وكل إثم وعدوان". (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۳۱، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "وجاز عيادة فاسق على الأصح، الخ". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "وهذا غير حكم المخالطة. ذكر صاحب الملتقط: يكره للمشهور المقتدیٰ به الاختلاط برجل من أهل الباطل والشر إلا بقدر الضرورة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۶، سعيد)

(وكذا في الملتقط في الفتاوى الحنفية، ص: ۲۵۷، مكتبه حقانيه كوئٹه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "السخي قريب من الله، قريب من الجنة، قريب من الناس، بعيد من النار. والبخيل بعيد من الله، بعيد من الجنة، بعيد من الناس، قريب من النار. ولَجاهلٌ سخيٌّ أحب إلى الله من عابد بخيل". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكاة، باب الإنفاق، الفصل الثاني، ص: ۱۶۴، قديمي)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (سورة الزلزال: ۷)

کی وجہ سے حقوقِ واجبہ بھی ادانہیں کرتا، مثلاً: زکوٰۃ اس پر فرض ہے وہ ادانہیں کرتا ہے، صدقۂ فطر نہیں دیتا ہے، قربانی نہیں کرتا ہے، اس کے ذمہ کوئی کفارہ یا نذر ہے اس کو ادانہیں کرتا ہے، بیوی بچوں کے نفقات واجبہ نہیں دیتا ہے تو وہ مجرم اور ماخوذ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۵/۹۰ھ

دھوکہ دینا، نقصان پہنچانا

سوال[۹۰۲۰]: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو دھوکہ دیکر مسلمان کے مال کو لے، یا کسی بھی طرح مسلمان کو نقصان پہونچائے تو ایسے شخص کے لئے شریعت کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دھوکہ دینا سخت مذموم ہے، مشکوٰۃ شریف میں: "من غشّنا فليس منّا". الحديث (۲)۔ "جو شخص

---

(۱) "البخيل الشرعي هو من ترك الواجب الشرعي المالي، والسخي ضده، ولا شك أن من قام بالفرائض وترك النوافل أفضلُ ممن قام بالنوافل وترك الفرائض". (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب الإنفاق، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۱۸۶۹): ۴/۳۴۳، رشيديه)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، باب مالايضمن من الجنايات، الفصل الأول، ص: ۳۰۵، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب من غشنا فليس منا، قديمي)

قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "وهي أن من حمل السلاح على المسلمين بغير حق ولا تأويل، ولم يستحله، فهو عاص ولا يكفر بذلك، فإن استحله، كفر. وأما تأويل الحديث، فقيل: هو محمول على المستحل عليه بغير تأويل، فيكفر ويخرج عن الملة. وقيل: معناه: ليس على سيرتنا الكاملة وهدينا. وكان سفيان بن عيينة رحمه الله تعالىٰ يكره قول من يفسّره بليس على هدينا، ويقول: بئس هذا القول يعني: بل يمسك عن تأويله، ليكون أوقع في النفوس وأبلغ في الزجر. والله تعالىٰ أعلم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حمل علينا السلاح فليس منا": ۱/۶۹، قديمي)

ہم کودھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

"لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". الحدیث . مشکوۃ شریف، ص:۲۵۵(۱)۔

ظلم کا وبال دنیا میں بھی بھگتنا پڑے گا اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔ جو شخص کسی مومن کو نقصان پہنچائے، اس سے مکر کرے، اس پر لعنت آئی ہے:

"ملعون من ضارّ مومناً أو مکربه". الحدیث. مشکوہ شریف، ص:۴۲۸(۲)۔

آپ کا مال جتنا ناحق لیا گیا ہے، آپ کو اس کے وصول کرنے کا پورا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۳ھ۔

فاحش ظالم کو قتل کرنا

سوال[۹۰۲۱]: بکر اور اس کے خاندان کے لوگ مالی اعتبار سے تو مضبوط ہیں، مگر طاقت واثرات کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ بکر کی بیوی سے زید کے ناجائز تعلقات ہوگئے اور بکر کو کافی نقصان پہونچایا۔ اس بارے میں پنچایت بھی کی گئی، مگر زید کے طاقت ور ہونے کی وجہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا، نہ پنچایت کسی قسم کا دباؤ

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ تحت قوله علیه الصلوۃ والسلام: "لاتظلموا": أی لایظلم بعضکم بعضاً، کذا قیل. والأظهر أن معناه: لاتظلموا أنفسکم، وهو یشمل الظلم القاصر والمتعدی. "ألا" للتنبیه أیضاً، وکرر تنبیهاً علی أن کلاً من الجملتین حکم مستقل ینبغی أن ینبه علیه، وأن الثانی حیث یتعلق به حق العباد أحق بالإشارة إلیه، والتخصیص لدیه. "لایحل مال امرئ": أی مسلم أو ذمی. "إلا بطیب نفس": أی بأمر أو رضا". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۲۹۴۶): ۱۴۹/۶، رشیدیه)

(۲) (مشکوۃ المصابیح: ۴۲۸/۲، کتاب الآداب، باب ما ینهی عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الثانی، قدیمی)

"والأظهر أن الضرر یشمل البدنی والمالی والدنیوی والأخروی". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۵۰۴۲): ۷۴۴/۸، رشیدیه)

ڈال سکی، اکثر لوگ ڈرتے ہیں۔ حالانکہ زید نے شادی بھی کرلی ہے، مگر پھر بھی بکر کی بیوی سے ناجائز تعلق رکھتا ہے اور اپنے پاس رکھے ہوئے ہے۔ معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ اب زید بکر کی جان کے فکر میں ہے۔ ان حالات میں بکر بھی مجبور ہوکر خیال کرچکا ہے کہ میں خود یا کسی ذریعہ سے اس کو ختم کرادوں اور مجھ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ان حالات میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جان سے مارنے کا نہ خود حق ہے، نہ کسی اَور کے ذریعہ سے قتل کرانے کی اجازت ہے، ایسا ارادہ ہرگز نہ کریں، ورنہ سخت وبال میں گرفتار ہوں گے(۱)۔ ہاں! برادری کے ذریعہ، یا قانونی حیثیت سے اپنی شکایات دور کرے اور تحفظ کی کوشش کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۷ھ۔

جائیداد کے لئے کسی کو قتل کرنا

سوال[۹۰۲۲]: زید نامرد ہے جس میں مردانگی کی قوت بالکل نہیں ہے، اس کے پاس اچھی خاصی جائیداد ہے۔ بکر کی ایک بہن تھی جس کا شوہر زندہ ہے اور اس کے دو بچے ہیں، شوہر اپنی بیوی کے تمام حقوق ادا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً، فجزاؤه جهنم خالداً فيها، وغضب الله عليه، ولعنه، وأعدّ له عذاباً عظيماً﴾ (سورة النساء: ۹۳)

"وعن ابی سعيد وأبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنهما، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لو أن أهل السماء والأرض اشتركوا فی دم مؤمن، لأكبهم الله فی النار".

"وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "يجئ المقتول بالقاتل يوم القيامة ناصيته ورأسه بيده، وأوداجه تشخب دماً، يقول: يارب! قتلنی حتی يدنيه من العرش".

"وعنه (أبی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه) عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "كل ذنب عسی الله أن يغفر، إلا من مات مشركاً، أو من يقتل مؤمناً متعمداً". (مشكوة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الثانی، ص: ۳۰۰، ۳۰۱، قديمی)

کرتا رہا، لیکن بکر نے زبردستی اپنی بہن کی طلاق لے لی اور اس خیال سے کہ زید جونا مرد ہے اس سے اپنی بہن کی شادی کر کے جائیداد حاصل کر لے۔ بہرحال بکر نے اپنی بہن ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا، چند ہی دنوں کے بعد زید مر گیا۔ اب جائیداد دستورِ ہند کے مطابق پوری کی پوری ہندہ کی ہوتی ہے، لیکن شریعت میں چوتھائی کی اجازت دیتی ہے۔ مقدمات میں ہندہ کی ڈگری مسلسل ہوتی جارہی ہے۔ زید کا بھائی خالد شریعت اور پنچایت سے چوتھائی حصہ دے رہا ہے، ہندہ پورا حصہ لینا چاہتی ہے یعنی مکمل جائیداد لینا چاہتی ہے۔

خالد اور اس کے جتنے ہم خیال لوگ ہیں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہندہ کو قتل کر دیا جائے تو سارا معاملہ درست ہو جائے۔ تو سوال یہ ہے کہ ہندہ کا قتل کرنا از روئے شرع جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ کوئی اور شکل سمجھ میں نہیں آتی اور یہ بھی امکان ہے کہ فتنہ زیادہ بڑھ جائے، ہندہ کے قتل پر سب نزاع اور فتنہ ختم ہو جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ کو قتل کر ڈالنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، اس کی سزا جہنم ہے(۱)۔ جب کہ قانونی طور پر ہندہ کی ڈگری ہوگئی تو ہندہ کے مرنے پر کیا وہ جائیداد خالد کو مل جائے گی، جب کہ وہی ہندہ کا قاتل ہوگا (۲)۔ جائیداد تو

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً، فجزاؤه جهنم خالداً فيها، وغضب الله عليه، ولعنه، وأعد له عذاباً عظيماً﴾ (سورة النساء: ۹۳)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤه جهنم﴾: "إشارة إلى أن النفس إذا قتلت القلب واستولت عليه بقيت معذبة في نيران الطبيعة مبعدة عن الرحمة مظهراً لغضب الله تعالىٰ". (روح المعاني، (سورة النساء: ۹۳): ۱۲۹/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "والقتل الذي يمنع الإرث هو الذي يتعلق به وجوب القصاص أو الكفارة .... والمراد بقوله عليه الصلوة والسلام: "ليس للقاتل شئ من الميراث" هو القتل بالتعدي دل عليه قوله عليه الصلوة والسلام: "ليس للقاتل ميراث بعد كصاحب البقرة". أي قاتل هو كصاحب البقرة وهو كان متعدياً". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۸۶/۹، رشيديه)

"القاتل بغير حق لايرث من المقتول شيئاً عندنا سواءً قتله عمداً أو خطاءً، وكذلك كل قاتل هو في معنى الخاطئ كالنائم إذا انقلب على مورثه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب =

کیا ملتی البتہ پھانسی کی سزا ممکن ہے جو یہاں مل جائے اور آخرت کی سزا مستقل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۴ھ۔

کافر کو قتل کرنا

سوال [۹۰۲۳]: ۱...... مطلقاً کافر کو جان سے مار دینے کی وجہ سے آخرت میں پکڑ ہوگی یا نہیں؟

۲...... ایک کافر ہے جو مسلمانوں کو بہت ستاتا ہے اور ایک مسلمان کو قتل بھی کر چکا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کو جان سے مار دے تو کیا آخرت میں اس کی پکڑ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... بغیر جرم کے ہرگز اس کی اجازت نہیں، ایسا کرنے سے آخرت میں اس کی پکڑ ہوگی (۱)۔

۲...... کیا اس کافر نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے، اگر قتل کیا بھی ہو تب بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینا خلاف قانون ہے۔ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے، اس کے ظلم کو ثابت کر کے اس کو سزا دلوائی جائے۔ اس کو اگر خود قتل کر دیا تو پھر خدا جانے کتنے ناکردہ گناہ قتل کیے جائیں گے۔ ان کے قتل کا وبال کس پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۲۲ھ۔

= الخامس في الموانع: ۶/۴۵۴، رشيديه)

"منها القتل الذى يتعلق به وجوب القصاص، أو الكفارة، وهو: أى القتل الذى يوجب القصاص أن يقتله مورثة عمداً بالحديد أو مايعمل عمل الحديد، والذى يوجب الكفارة أن يقتله بالمباشرة خطأً". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الفصل الخامس في موانع الإرث: ۶/۴۶۹، رشيديه)

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قتل نفساً معاهدةً، لم يرح رائحة الجنة، وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين يوماً". (صحيح البخارى، كتاب الديات، باب اثم من قتل ذمياً بغير جرم: ۲/۱۰۲۱، قديمى)

(وسنن أبى داؤد، كتاب الديات، باب إيقاد المسلم من الكافر: ۲/۲۷۵، مكتبه إمداديه ملتان)

زنا کس کا حق ہے؟

سوال[۹۰۲۴]: زنا حق اللہ ہے یا حق العبد؟ اگر حق اللہ ہو تو اس میں کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو کیا اس صورت میں اللہ سے معافی مانگنے کے بعد اس عورت سے معافی مانگنا پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جبراً بغیر عورت کی رضامندی کے زنا کیا ہے تو اس عورت سے بھی معافی طلب کرے، اگر وہ شوہر والی ہے تو شوہر سے بھی معافی مانگے، گوصاف لفظوں میں نہ ہو، گول مول مجہول طریقے پر ہو(۱)۔ اللہ تعالیٰ سے تو معافی مانگنا ہر حال میں لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

مشت زنی

سوال[۹۰۲۵]: ایک شخص مشت زنی کرتا ہے، اس کی شادی نہیں ہوئی، عمر رسیدہ شخص ہے۔ ایک

---

(۱) "وأما الذنب الذی بینک وبين العباد، فما لم ترضهم، لاتنفعک التوبة حتى يحللوک". (تنبيه الغافلين، باب التوبة، ص: ۵۲، رشيديه)

"فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلک الحق".

(شرح النووی علی الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وتوبوا إلى الله جميعاً أيها المؤمنون، لعلكم تفلحون﴾ (سورة النور: ۳۱)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، و أنها واجبة على الفور، و لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی شرح النووی علی الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(وكذا فی رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمی)

شخص کی شادی ہوچکی ہے وہ بھی اس لعنت میں مبتلا ہے۔اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حدیث شریف میں اس فعل کی مذمت آئی ہے(۱)،بعض روایات میں اس فعل کرنے والے پرلعنت واردہوئی ہے(۲)۔جس کی شادی ہوچکی ہے اور بیوی سے صحبت کرنے کا موقع بھی اس کو ہے تو اس کیلئے یہ فعل زیادہ شنیع ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۳/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۳/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "سبعة لاینظر الله إلیهم یوم القیمة ولایزکیهم، ولایجمعهم مع العالمین، ویدخلهم النار فی أول الداخلین، إلا أن یتوبوا، ومن تاب تاب الله علیه: الناکح یده". الحدیث. (تفسیر ابن کثیر (سورة المؤمنون:۷): ۳/۲۳۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین، (سورة المؤمنون): ۴/۱۵۸، دارالباز مکه)

(وکذا فی تفسیر المدارک (سوره المؤمنون: ۷): ۲/۲۹، قدیمی)

(۲) "ناکح الید ملعون". (الدرالمختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد: ۲/۳۹۹،سعید)

اس روایت کواگرچہ صاحب درمختار اور بعض دوسری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے،لیکن ان الفاظ کے ساتھ موضوع ہے جیسے کہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الأسرار المرفوعه" المعروف "الموضوعات الکبری" حرف النون، ص: ۳۷۶) موسسه الرسالة" میں ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ لعنت کے الفاظ سے اس باب میں کوئی اور حدیث نظر سے نہیں گذری ہے:

"ناکح الید ملعونٌ" لا أصل له، کما صرح به الرهاویّ فی حاشیة علی المنار". (الموضوعات الکبری، حرف النون، (رقم الحدیث: ۱۰۲۲)، ص: ۲۵۷، قدیمی)

قال القرطبی رحمه الله تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿أو ماملکت أیمنهم﴾: هذا یقتضی تحریم الزنی وماقلناه من الاستمناء". (الجامع لأحکام القران (سورة المؤمنون: ۲): ۱۲/۷۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۳) بعض صورتوں میں اس کی گنجائش ہے،مثلاً:غیرشادی شدہ شخص اگرشہوت کودور نہ کرسکے اور اس سے صدورزنا کا ظن غالب ہو،لیکن =

زنا، لواطت، مشت زنی منع ہے

سوال[۹۰۲۶]: عمر کہتا ہے کہ زنا کاری اور لواطت گناہ ہے، مگر مشت زنی جائز ہے۔ زید کہتا ہے کہ مشت زنی بھی حرام ہے۔ عمر کہتا ہے کہ مشت زنی بوقتِ مجبوری جائز ہے۔ تو اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کاری اور لواطت دونوں چیزیں حرام ہیں (۱)، مشت زنی بھی حرام ہے (۲)، لیکن اس کی حرمت ان دونوں کی حرمت سے کچھ کم ہے۔ جس پر شہوت کا غلبہ ہو اور ان دونوں حرکتوں میں سے کسی میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو اور وہ ان سے محفوظ رہنے کے لئے مشت زنی سے کام لے لے جس سے تسکینِ شہوت ہو کر زنا کاری ولواطت سے محفوظ ہو جائے تو اس کا معاملہ اَہوَن ہے، امید ہے کہ وہ بڑے گناہ کا مرتکب شمار نہ ہوگا، کذا فی ردالمحتار (۳)، لیکن محض استلذاذ کی خاطر مشت زنی کا ارتکاب

= صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور شادی شدہ ہے، اس کو یہ عذر لاحق نہیں، لہٰذا وہ مستحق عتاب وعقاب ہوگا:

"في السراج: "إن أراد بذلک تسکین الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وکان عزباً لازوجة له ولا أمة.......... أرجو أن لاوبال علیه". (الدرالمختار، کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف: ۳۹۹/۲، سعید)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فمن ابتغی وراء ذلک، فأولئک هم العادون﴾ (سورة المؤمنون: ۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقربوا الزنی، إنه کان فاحشةً وساء سبیلا﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

"مامن ذنب بعد الشرک أعظم من نطفةٍ وضعها رجل فی رحمٍ لایحل له". (تفسیر ابن کثیر، سورة بنی إسرائیل: ۳۸/۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲)"وهذا یقتضی تحریم الزنی وما قلنا من الاستمناء". (تفسیر القرطبی: ۷۲/۱۲، دارلکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی تفسیر المدارک، سورة المومنون: ۲۹/۲، قدیمی)

(وکذا فی حاشیة الصاوی علی تفسیر الجلالین: ۵۸/۴، دار البازمکة)

(۳) "الاستمناء بالکف.......... لوخاف الزنی یُرجی أن لاوبال علیه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "عبارة الفتح: فإن غلبته الشهوة، ففعل إرادة تسکینها به، فالرجاء أن لایعاقب". =

ہرگز نہ کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۲۰ھ۔

بھاوج سے زنا

سوال[۹۰۲۷]: بڑی بھاوج سے جبراً صحبت کی اور کہا کہ ہم دونوں بھائی تجھ کو ہی رکھیں گے، چار آدمیوں میں جب اس کا تذکرہ ہوا تو باپ نے کہا کہ یہ کیا بات ہے، دیور بھاوج میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا حرام ہے، بھائی کی بیوی سے اَور بھی قبیح ہے(۲)۔شوہر کے والد کا یہ جواب کہ دیور بھابھی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے یہ انتہائی بے غیرتی کا جواب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸۷/۶/۵ھ۔

خادمہ کے ساتھ باندی جیسا سلوک

سوال[۹۰۲۸]: لونڈی کے ساتھ بغیر نکاح کے بیوی جیسا سلوک کیا جاسکتا ہے، اگر غلام مرد ہو تو اس کے ساتھ نوکر جیسا سلوک کیا جائے؟

= (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف: ۲/۳۹۹، سعید)

(۱) "أما إذا فعله لاستجلاب الشهوة، فهو آثم". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲) "عن عبدالله قال: قلت: يارسول الله! أى الذنب أعظم؟ قال: "أن تجعل لله نداً وهو خلقك" ثم قال: أى؟ قال: "أن تقتل ولدك خشية أن يأكل معك" ثم قال: أى؟ قال: "أن تزانى حليلة جارك، الخ".

(صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب قتل الولد: ۲/۸۸۷، قديمى)

وقال فى هامشه: "قال الكرمانى إن لم يكن حليلة الجار، فالحكم أيضاً كذلك، قلت: لاشك أن الزنا بحليلة الجار أقبح؛ لأن فيه إساءة إلى من يستحق الإحسان". (هامش صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب قتل الولد: ۲/۸۸۷، (رقم الحاشية: ۱۰)، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لونڈی کے ساتھ اس قسم کے سلوک کی اجازت ہے وہ آج کل یہاں موجود نہیں، خادمہ اور ملازمہ کے ساتھ یہ سلوک حرام ہے(۱)، غلام مرد بھی موجود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۸۷ھ۔

جیسا گناہ ویسی توبہ

سوال[۹۰۲۹]: اتنے گناہ ہوگئے کہ اس کو عذاب کا ڈر ہے، ایسی صورت میں اگر کچھ روپیہ خیرات کردے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ خیرات کرنا تو خیر ہی خیر ہے(۲)، لیکن گناہوں سے توبہ ضروری ہے اور ہر قسم کے گناہوں سے توبہ اسی کے موافق ہوگی، مثلاً: زکوٰۃ، نماز، روزہ اگر ذمہ میں ہوں تو قضا بھی لازم ہے، کسی کا مالی حق ہو تو اس کا ادا کرنا، یا معاف کرانا ضروری ہے، غرض جیسا گناہ ویسی توبہ ضروری ہے(۳)۔ اللہ پاک سے توبہ قبول کرنے کی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنی، إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾ (سورة بني اسرائيل: ۳۲)

"والزنا وطء مكلف ناطق طائع في قبل مشتهاة خال عن ملكه وشبهته". (تنوير الأبصار، كتاب الحدود: ۴/۴، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "السخي قريبٌ من الله قريبٌ من الجنة، قريبٌ من الناس، بعيدٌ من النار". (مشكوة المصابيح، كتاب الزكوة، باب الإنفاق، ص: ۱۶۴، قديمی)

(۳) "فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا يتعلق بحق آدمي، فلها ثلاثة شروط: أحدها أن يقلع عن المعصية، والثاني: أن يندم على فعلها، والثالث: أن يعزم أن لايعود إليها أبداً، فإن فَقَدَ أحد الثلاثة، لم تصح .... وأن يبرأ من حق صاحبها .... الخ". (رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۴، ۲۵، قديمی)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، بحث التوبة: ص: ۱۵۸، قديمی)

امید ہے، وہ مغفرت فرمانے والا ہے، یہ یقین پورے وثوق کے ساتھ رکھا جائے: ﴿إنی غفار لمن تاب﴾ الآیہ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۴ھ۔

توبہ کی تکمیل کے لئے صدقہ

سوال [۹۰۳۰]: ایک زانی یا زانیہ نے توبہ کی بستی والوں نے جرمانہ لگایا کہ تم گذشتہ گناہوں کی پاداش میں صدقہ نکالو تاکہ گناہوں کا کفارہ ہوجائے، چنانچہ اس نے برائے تصدق روپے نکالے۔ اب عرض یہ ہے کہ اہل قریہ کے کہنے سننے سے اگر اپنے اوپر تصدق لازم کرلے اپنی خوشی سے تو کیا حکم ہے؟ اور محض لوگوں کے کہنے سننے سے تصدق لازم کرلے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبیداللہ بلیاوی مظاہری، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لوگوں کے مجبور کرنے کی صورت میں تصدق ناجائز ہے، اپنی خوشی کی صورت میں جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۴/۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۴/۶ھ۔

---

(۱) (سورة طه: ۸۲)

وقال الله تعالى: ﴿قل يعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سوره الزمر: ۵۳)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يايها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن عمرو يثربى رضى الله تعالىٰ عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "لايحل لامرئ من مال أخيه شئ إلا بطيب نفس منه". (شرح معاني الآثار، كتاب الكراهية، باب الرجل يمر بالحائط أله أن يأكل منه أم لا؟: ۲/۳۷۵، سعيد)

توبہ کے لئے چندہ کر کے تقریب کرنا اور تقریب میں عالم صاحب کے سامنے توبہ کرنا

سوال[۹۰۳۱]: کچھ مسلمان غریبوں کی بستی ہے، وہاں پر ایک شخص جس پر علماء نے توبہ عائد کیا تھا، اس نے اپنے گناہ پر نادم ہو کر آپس میں پورے گاؤں سے چندہ وغیرہ لے کر ایک تقریب کی جس میں ایک عالم صاحب کو مدعو کیا اور توبہ کا پورا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ اسی گاؤں میں ایک اور مجرم -جس پر وہ عالم صاحب توبہ کرا چکے تھے اور وہ توبہ سے انکاری تھا- موجود تھا، وعظ میں گنہگاروں کے عذاب کا بیان ہوا اور اس مجمع میں ایک شخص دوسرے عقیدہ کا موقع سے موجود تھا۔

بعد وعظ کے پہلا مجرم اپنے جرم پر نادم ہو کر توبہ کرنے کے لئے مولانا صاحب کے پاس آیا اور عام برادریوں سے بھی معافی مانگی، پھر مولانا نے توبہ بھی کرائی، مگر اس مجمع میں ایک اور شخص بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ معافی نہیں ہوسکتی، جب کہ مجمع میں دوسرے عقیدہ کے شخص کو انہوں نے مدعو کیا ہے، اور اس دوسرے عقیدہ والے سے دریافت کیا گیا کہ تم کو اس مجرم نے مدعو کیا تھا یا نہیں، تو انہوں نے کہا میں صرف وعظ سننے آیا ہوں۔ مگر بات بڑھی اور دوسرا مجرم پیش ہوا اور اس نے پھر توبہ کرنے سے انکار کیا۔ تو اس گاؤں والوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

مولانا نے میلاد کی شیرینی بھی نہ لی نہ کھانا کھایا اور مجمع سے اٹھ کر چلے آئے، یہاں تک کہ دس بیس فقیروں کو کھانے کی دعوت تھی، وہ سب بھی اٹھ کر چلے آئے اور آکر مولانا سے ملے، مگر مولانا نے ان کو کھانے کیلئے پھر واپس نہیں بھیجا۔ تو کیا پہلے مجرم کی توبہ قبول نہیں ہوئی؟ اور جو لوگ کھانا کھائے بغیر واپس چلے آئے، مگر مولانا نے ان کو کھانے کے لئے واپس نہیں بھیجا، بلکہ سن کر خوش ہوئے، اس صورت میں کھانا کافی برباد ہوا۔ اب علمائے کرام مجرموں کی توبہ پر فتویٰ دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

توبہ ہر مجرم بلکہ ہر شخص کو کرتے رہنا چاہئے: "کل بنی آدم خطاء، وخیر الخطّائین التوابون". الحدیث(۱) ﴿یأیها الذین اٰمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (الآیة)(۲)۔

(۱) (جامع الترمذی: ۲/۷۶، أبواب صفة القیامة، سعید)

(۲) (سورة التحریم: ۸)

اور جب بھی کوئی گناہ صادر ہو، یا پچھلا گناہ یاد آئے، یا گناہ کی وجہ سے فتنہ برپا ہو تو بار بار توبہ کرنا چاہیئے (۱)۔ پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ اور کھلے گناہ کی توبہ کھلے ہونا چاہیئے (۲)، لیکن توبہ کا یہ طریقہ کہ آدمی چندہ کرکے بھیک مانگ کر تقریب کرے اور عالم و پنچایت اور فقیروں کو مدعو کرے شرعاً غلط ہے، اگر عالم یا پنچایت نے یہ تجویز کیا ہے تو غلط تجویز کیا (۳)۔

---

(۱) قال الفقيه أبو الليث السمرقندى رحمه الله تعالىٰ: "فينبغى للعاقل أن يتوب إلى الله فى كل وقت، ولا يكون مصرّاً على الذنب، فإن الراجع من ذنبه لا يكون مصرّاً و إن عاد فى اليوم سبعين مرةً، كما روى عن أبى بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ما أصرّ مَن استغفر و إن عاد فى اليوم سبعين مرةً".

"وروى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "والله! إنى لأتوب إلى الله تعالىٰ فى اليوم مأة مرة". (تنبيه الغافلين، ص: ۵۳، باب التوبة، حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصى واجبة، و أنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعانى: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمى)

(۲) اگر گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو ادائیگی حق کے ساتھ پوشیدہ توبہ بھی کافی ہے، اور اگر حقوق العباد سے ہو تو متعلقہ شخص کا حق ادا کرکے ندامت کے ساتھ اس کے سامنے اعتذار کرے:

"وفى شرح المقاصد: قالوا: إن كانت المعصية فى خالص حق الله تعالىٰ، فقد يكفى الندم، كما فى ارتكاب الفرار من الزحف، وترك الأمر بالمعروف، وقد تفتقر إلى أمر زائد كتسليم النفس للحدّ فى الشرب و تسليم ما وجب فى ترك الزكاة، ومثله فى ترك الصلوة. وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أو بدله إليه .... والقتل العمد .... والاعتذار إليه إن كان إيذاءً كما فى الغيبة..........اهـ". (روح المعانى: ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، (سورة التحريم: ۸)، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۳) "من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۲۷، قديمى) .... =

جب عالم صاحب کے سامنے مجرم نے توبہ کرلیا اوراس کا اظہار کردیا تو اس کی توبہ کو رد کرنے کا ان کو حق نہیں، اس کو نرمی سے سمجھادینا چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول فرمائے، میں آپ سے ناراض نہیں، لیکن توبہ کا یہ طریقہ غلط ہے، اس لئے میں اس میں شریک نہیں ہوتا، کھانا نہیں کھاتا۔ توبہ کرنے کے بعد اس کی قدر کی جائے اور دعاء کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس توبہ پر پختگی کے ساتھ قائم رکھے۔ جولوگ پھر بھی ناراض رہتے ہیں اور قطع تعلق کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

اگر ایک مجرم شرعی توبہ سے انکار کرے تو اس کی وجہ سے توبہ کرنے والے کی توبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر توبہ سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تقریب کرکے دعوت سے انکار کردیا ہے تو یہ درحقیقت شرعی توبہ سے انکار نہیں، بلکہ اس کے غلط طریقہ سے انکار ہے۔ توبہ کا مطلب شرعاً یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر دل سے نادم اور شرمندہ ہو اور اقرار کرے کہ میں نے سخت غلطی کی ہے، میں نے سخت جرم کیا ہے، میں سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں کروں گا، یااللہ! میری خطا معاف فرما اور آئندہ کو میری حفاظت فرما(۱)۔

= قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "قال القاضی رحمه الله تعالیٰ: المعنی من أحدث فی الإسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۶، رشیدیه)

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ: یا رسول الله! ما التوبة النصوح؟ قال: "أن یندم العبد علی الذنب الذی أصاب، فیعتذر إلی الله تعالیٰ، ثم لا یعود إلیه کما لا یعود اللبن إلی الضرع".

وقال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ: "التوبة ما استجمعت لثلاثة أمور: أن یقلع من المعصیة، وأن یندم علی فعلها، وأن یعزم عزماً جازماً علی أن لا یعود إلی مثلها أبداً". (روح المعانی، (سورة التحریم: ۸): ۲۸/۱۵۷، ۱۵۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

"وروی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾. [التحریم: ۸] قال: التوبة النصوح الندم بالقلب والاستغفار باللسان والإضمار أن لا یعود إلیه أبداً" (تنبیه الغافلین، ص: ۵۵، باب التوبة، حقانیه پشاور)

جو گناہ ایسا ہو کہ اس کا بدل شریعت نے تجویز کیا، مثلاً: نماز قضاء کی، روزہ نہیں رکھا، یا رمضان کا فرض روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کا بدل بھی پیش کرے، یعنی قضاء نماز پڑھے، قضاء روزہ رکھے، فرض روزہ کا کفارہ ادا کرے(۱)۔ یہ شرعی توبہ ہے اس کو چھوڑ کر اپنی طرف سے تقریب میلاد ودعوت وغیرہ کا طریقہ اختیار کرنا شرعاً غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گناہ کی توبہ خدا کے سامنے ہو یا چودھریوں کے؟

سوال[۹۰۳۲]: زید سے ایک گناہ سرزد ہوا، اس پر لوگوں نے اس سے قطع تعلق کرلیا، بعد ازاں زید نے ایک معتبر عالم کے سامنے توبہ کی اور اپنے فعل پر نادم ہوا اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی، لیکن چودھری لوگ مذاق اڑانے کے لئے کہتے ہیں کہ برادری سے معافی مانگے تو برادری میں اور ہنگامہ پیدا ہوا، اور لوگوں کو چودھری منع کرتے ہیں کہ اس سے میل جول نہ کریں، جبکہ وہ توبہ کرچکا ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر برادری کا گناہ نہیں کیا تو برادری یا چودھریوں سے معافی مانگنا ضروری نہیں، چودھریوں کا مطالبہ غلط ہے، خدائے پاک سے سچے دل سے نادم ہو کر معافی مانگنا ضروری ہے(۲)۔ برادری نے اگر قطع تعلق اس

---

(۱) "ثم هذا إن كانت التوبة فيما بينه و بين الله كشرب الخمر، و إن كانت عما فرّط فيه من حقوق الله كصلاة وصيام و زكاة، فتوبته أن يندم على تفريطه أولاً، ثم يعزم على أن لا يعود ولو بتاخير صلاة عن وقتها، ثم يقضي ما فاته جميعاً". (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۵۸، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۵/۱۵۱، باب الاستغفار والتوبة، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفّر عنكم سيئاتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

"قال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت لثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لا يعود إلى مثلها أبداً .... وركنها الأعظم الندم". (روح المعاني: (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على صحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

لئے کیا ہے کہ اصلاح ہو جائے، اور اب برادری کو ظنِ غالب حاصل ہو گیا کہ زید کی اصلاح ہو گئی اور وہ واقعی نادم ہے، سچی توبہ کر چکا ہے، آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا، توبہ کے آثار (ندامت واصلاح) اس پر ظاہر ہو گئے ہیں تو اب اس سے قطعِ تعلق کو ختم کر دیا جائے۔

چودھری اگر واقعۃً مضحکہ اڑانے کے لئے معافی مانگنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ ان کی زیادتی ہے، ان کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

توبہ سے حقوق العباد کی معافی

سوال[۹۰۳۳]: کوئی شخص برا کام کرتا ہے، چوری بھی کی اور برا فعل عورت سے کیا اور لڑکوں سے اور حیوان سے کیا اور ہاتھ ادھار لے کر نہ دیا، اب اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ ان سب کاموں سے توبہ کر لوں۔ کیا وہ ان عیبوں سے پاک ہو سکتا ہے؟

مبارک علی، سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کا لیکر نہیں دیا ان کا قرض ادا کرے، جن کا مال چرایا ہے ان کا واپس کرے اور اپنے گزشتہ گناہوں کی انتہائی پشیمانی اور عاجزی کے ساتھ اللہ پاک سے معافی چاہے، روئے، گڑگڑائے اور آئندہ کو پختہ عہد کرے کہ کوئی گناہ نہیں کرے گا (۲)، انشاء اللہ تعالیٰ سب خطائیں معاف ہو جائیں گی اور توبہ قبول ہوگی:

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یایها الذین اٰمنوا لایسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیراً منهم﴾ (سورة الحجرات: ۱۱)

"قال القرطبي: السخریه الاستحقار والاستهانة والتنبیه علی العیوب والنقائص بوجهٍ یضحک منه". (روح المعاني: (سورة الحجرات: ۱۱): ۱۵۲/۲۶، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) "وإن کانت عما یتعلق بالعباد، فإن کانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها —مع ماقدمناه في حقوق الله تعالیٰ— علی الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن یتحلل منهم أو یردها إلیهم أو إلی من یقوم مقامهم من وکیل أو وارث." (شرح الفقه الأکبر للملا =

قال الله تبارك وتعالى: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾(١)۔ ﴿قل يعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾(٢)۔

وجاء في الحديث: "التائب من الذنب كمن لاذنب له"(٣)۔

حقوق العباد ذمہ میں باقی رہتے ہوئے محض اللہ پاک کے سامنے زبان سے توبہ کرنا کافی نہیں، بلکہ یا وہ حقوق ادا کرے، یا صاحبِ حق سے معاف کرائے، بغیر اس کے وہ حقوق معاف نہ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: سعید عبداللطیف، ۲۸/صفر/۵۸ھ۔

بغیر توبہ کے کبیرہ گناہ کی معافی

سوال[۹۰۳۴]: اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کرلے کیا وہ بغیر توبہ کے کسی عمل سے معاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت نے ہر گناہ سے توبہ کا حکم دیا ہے(۴) اور اس کا طریقہ بتایا ہے(۵)، جب تک اس طریقہ

= علي القاري، بحث التوبة، ص:۱۵۸، قديمي)

"التوبة واجبة من كل ذنب .... وإن كانت المعصية تتعلق بآدمي، فشروطها أربعة: هذه الثلاثة، وأن يبرأ من حق صاحبها، فإن كانت مالاً أونحوه، ردّه إليه." (رياض الصالحين، باب التوبة: ۲۵، قديمي)

(۱) (سورة النساء: ۱۱۰)

(۲) (سورة الزمر: ۵۳)

(۳) (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص:۲۰۶، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمي)

(۴) و قال الله تعالىٰ: ﴿وتوبوا إلى الله جميعاً أيها المؤمنون لعلكم تفلحون﴾. (سورة النور: ۳۱) =

سے توبہ نہ کی جائے وہ گناہ معاف نہیں ہوتا، تاہم مالک الملک اپنے فضل وکرم سے جس کے گناہ بغیر توبہ ہی کسی عمل پر معاف فرمادے تو وہ فضل ہے(۱) وہ کسی ضابطہ کا پابند اور مجبور نہیں، انسان پابند ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= و قال تعالیٰ: ﴿وأنِ استغفروا ربكم ثم توبوا إليه﴾. (سورة هود: ۳)

و قال تعالیٰ: ﴿يايها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم: ۸)

(۵) "فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا يتعلق بحق آدمي، فلها ثلاثة شروط: أحدها أن يقلع عن المعصية، والثاني: أن يندم على فعلها، والثالث: أن يعزم أن لايعود إليها أبداً. فإن فَقَدَ أحد الثلاثة، لم تصح .... وأن يبرأ من حق صاحبها ....الخ". (رياض الصالحين، باب التوبة: ص: ۲۴، ۲۵، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، بحث التوبة: ص: ۱۵۸، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: "﴿ ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ﴾ من الصغائر والكبائر مع التوبة أوبدونها".

(شرح العقائد النسفي للتفتازاني: ص: ۸۵، المطبع اليوسفي)

باب أحکام الزوجین

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باپ کے گھر جانا

سوال[۹۰۳۵]: اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر گیا ہوا ہو اور اس کا والد سخت بیمار ہو تو وہ عورت اپنے باپ کے پاس جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تیمار داری اور عیادت کے لئے جاسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

شوہر کی رضامندی کے بغیر گھر سے نکلنے والی عورت کی نماز، روزہ کا حکم

سوال[۹۰۳۶]: کوئی عورت صوم وصلوۃ کی پابند ہو، لیکن اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف جہاں دل چاہے چلی جاتی ہو، اس کی نماز، روزہ قبول ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "(و لا یمنعها من الخروج إلی الوالدین) فی کل جمعة إن لم یقدرا علی إتیانها، علی ما اختاره فی الاختیار. و لو أبوها زمناً مثلاً فاحتاجها، فعلیها تعاهده و لو کافراً وإن أبی الزوج". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی الکلام علی المؤنسة: ۳/۶۰۲، ۶۰۳، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۸۶، ۱۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب النکاح، الفصل الثامن عشر فی الحظر والإباحة، جنس آخر فی خروج المرأة من البیت: ۲/۵۲، ۵۳، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، باب النفقة: ۱/۴۲۹، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

خدا کا فرض (نماز وغیرہ) ادا کرنے کے لئے شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں، شوہر منع کرے تو اس میں شوہر کی اطاعت بھی جائز نہیں (۱)، ہاں! بغیر شوہر کی اجازت کے اپنی ماں یا بہن وغیرہ کے یہاں کہیں جانے کی اجازت نہیں، کوئی سخت مجبوری ہو تو دوسری بات ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۵/۲۸ھ۔

بلا اجازتِ شوہر گھر سے باہر غائب رہنا

سوال [۹۰۳۷]: زید نیک اور خلیق مسلمان ہے، اس کی شادی ہوئے بیس سال ہوئے، اس کے سات بچے ہیں۔ چند ماہ پہلے ایک فرض کی ادائیگی کے لئے وہ تین ماہ باہر رہا، بیوی کو نصیحت کی کہ گھر چھوڑ کر کہیں نہ جائے اور ان سب کا پورا انتظام کر کے گیا تھا، لیکن غیر موجودگی میں وہ ایک روز گھر سے اچانک اکیلی پوری رات غیر حاضر رہی اور دوسرے دن صبح گیارہ بجے واپس آئی۔ زید کے بھائی نے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو بتلایا کہ دھوپ کے موسم میں لوگ دریا کو نہانے جاتے ہیں اور وہاں کمروں کا انتظام ہے، رات کو واپسی کی بس نہیں ملی اور مجبوراً وہاں رہی۔ یہ عذر زید کے بھائی کو قبول نہ ہوا اور لوگ بھی چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ چند روز بعد زید واپس آیا اور اس کو حقیقت معلوم ہوئی، اس کے پوچھنے پر وہی جواب ملا۔

زید کے مکان میں ایک نوکرانی ہے وہ کہتی ہے کہ کسی ایک مرد کے ساتھ بولتی اور آتی جاتی تھی، کوئی بد

---

(۱) "فقام عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه، فلقيه بين الناس قال: تذكر يوم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله". فقال عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه للحكم: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاطاعة لأحد في معصية الله تبارك و تعالىٰ". وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة في معصية الله تبارك و تعالىٰ". (مسند أحمد، بقية حديث الحكم بن عمرو الغفاري رضى الله تعالىٰ عنه: ۵۹/۶، ۶۰، (رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۵)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (الصحيح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية و تحريمها في معصية: ۱۲۵/۲، قديمي)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باپ کے گھر جانا"۔)

فعلی تو نظر سے نہیں دیکھی گئی، لیکن شبہ قوی ہوگیا ہے اور زید اس کا منہ دیکھنے پر بھی راضی نہیں، اس کو الگ مکان میں کردیا ہے اور پورا خرچ بھی دیتا ہے۔ سنا ہے وہ بہت روتی ہے۔ اور نماز پڑھتی ہے اور کہلا بھیجا ہے کہ زید بچوں کے ساتھ آجائے اور منہ دکھائے، مگر زید اپنی ضد پر اٹل ہے اور وہ کہتا ہے کہ علماء جو فیصلہ کریں گے اس پر عمل کروں گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کے لئے جائز نہیں کہ بلا اجازتِ شوہر اس کی غیوبت کی حالت میں گھر سے نکلے اور پھر رات بھر غائب رہے، وہ شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے سخت گناہ کی مرتکب ہوئی (۱)، لیکن بلا اقرار وشہادتِ شرعیہ کے کسی پر زنا کی تہمت لگانا بھی جائز نہیں، ثبوتِ زنا کے لئے شرط ہے کہ یا تو ملزم خود اقرار کرے، یا چار عادل گواہ شہادت دیں، اس کے بغیر زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا، اس لئے شوہر کو بیوی پر شبہ نہ کرنا چاہئے (۲)، خصوصاً جب کہ عورت اپنی نافرمانی پر نادم ہے اور روتی ہے، زید کو چاہئے کہ اسے معاف کردے اور اس کے ساتھ شوہر کی طرح رہے۔

---

(۱) "فلا تخرج إلا لحق لها أو عليها". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في منع الزوجة نفسها لقبض المهر: ۱۴۵/۳، سعيد)

"(لا) نفقة لأحد عشر ......و (خارجة من بيته بغير حق، و هي ناشزة)". (الدر المختار، كتاب الطلاق باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۵/۳، ۵۷۶، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۲۰۲/۳، ۲۰۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح الفصل الثامن عشر، جنس آخر في خروج المرأة من البيت: ۵۲/۲، ۵۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء، فاجلدوهم ثمنين جلدة، ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً، وأولئك هم الفسقون﴾ الآية. (سورة النور: ۴)

"(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) فلو جاء وا متفرقين، حدوا. بلفظ (الزنا) .... (ويثبت) أيضاً (بإقراره أربعاً في مجالسه)". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۷/۴-۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود: ۳۳۲/۲، ۳۳۴، غفاريه كوئٹه)

اس سلسلہ میں زید پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۸۸ھ۔

بغیر شوہر کی اجازت کے والدین کے پاس رہنا

سوال [۹۰۳۸]: اگر نکاح کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھوں گا اور ملنے کے لئے اپنے والدین کے پاس جاسکتی ہے سال بھر میں دو تین ماہ کے لئے، اور والدین کہتے ہیں کہ ہم بوڑھے ہیں اس لئے شوہر کے پاس سال بھر میں دو تین ماہ جاسکتی ہے۔ اور والدین کی جائیداد بھی ہے اور اس پر گزر بھی ہوسکتی ہے، لیکن والدین کہتے ہیں کہ اگر لڑکی چلی گئی تو ہم بھینس نہیں رکھ سکتے، اس لئے کہ بھینس کے لئے چارہ وغیرہ لانا ہے اور دودھ دوہنا ہے۔ اور والدین کہتے ہیں کہ ہم کو روٹی پکانا بھی مشکل ہے تو اس صورت میں والدین کے پاس رہے یا شوہر کے پاس؟ اور عورت کے لئے فرمانبرداری شوہر کی مقدم ہے یا والدین کی؟ اگر شریعت کے خلاف کسی کی بات نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کا یہ مطالبہ صحیح نہیں (۱)، اگر بغیر شوہر کی اجازت کے عورت والدین کے گھر اس طرح رہے گی تو نافرمان ہوگی اور اتنی مدت کا نفقہ بھی نہیں ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یو، پی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) "قالوا: وللزوج أن يسكنها حيث أحب، ولكن بين جيران الصالحين". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على أعوانه: ۶۰۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۹/۴، رشيديه)

(۲) "(لا) نفقة لأحد عشر .... وخارجة من بيته بغير حق و هي الناشزة حتى تعود". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۵/۳، ۵۷۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۷۹/۲، غفاريه كوئٹه)

(والفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۵۴۵/۱، رشيديه)

کتنی مدت تک شوہر بیوی سے الگ رہ سکتا ہے؟

سوال[۹۰۳۹]: اگر کوئی شخص نوکری کے لئے سفر کرے تو اپنی جوان عورت گھر میں چھوڑ کر کتنے ماہ رہنے سے گنہگار نہ ہوگا اور مرد کے لئے کتنے ماہ کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحت، قوت، شہوت، صبر وتحمل کے اعتبار سے عورتوں کے حالات یکساں نہیں، تاہم چار ماہ سے زائد بلا بیوی کی رضامندی واجازت کے باہر نہ رہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۶/۲۷ھ۔

بیوی کا شوہر کو اپنی والدہ کی ملاقات سے روکنا

سوال[۹۰۴۰]: عمر کی والدہ اپنے دوسرے خاوند کے لڑکے ولڑکیاں لے کر عمر کے ساتھ رہتی تھیں، اور اس کی بیوی بچوں کا حق تلف کرتی رہتی تھی، عمران کے احترام کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا تھا، لیکن جب بات حد سے آگے بڑھ گئی اور اس بیوی کو چھوڑنے تک کو کہا، جب کہ انہیں کی وجہ سے دو بیویاں اور چھوٹ چکی

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "و لا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "و يؤيد ذلك أن عمر رضي الله تعالیٰ عنه لماسمع في الليل امرأةً .... فسئل بنته حفصة رضي الله تعالیٰ عنها: كم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۳/۳، سعيد)

وقال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ: "وأعلم أن هذا الإطلاق .... الاختيار في مقدار الدور إلى الزوج .... لا يمكن اعتباره على صرافته، فإنه لو أراد أن يدور سنة سنةً ما يظن إطلاق ذلك له، بل ينبغي له أن لا يطلق له مقداره مدة الإيلاء، وهو أربعة أشهر". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم: ۴۳۴/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۹۴/۲، مكتبه إمداديه ملتان)

تھیں۔ آپ کے یہاں تفصیل سے لکھ کر جب فتوی لیا، تو یہ معلوم ہوا کہ ان کو اپنے موجودہ خاوند کے پاس رکھا جائے، لیکن اگر والدہ تنگدست رہتی ہیں تو ان کی تمام کمانے والی اولاد پر برابر برابر اپنی ماں کے خرچ کا حق عائد ہوتا ہے۔ اور عمر کو وقتاً فوقتاً اپنی والدہ کے پاس کچھ تحفے لیکر حاضر ہوتے رہنا چاہیئے اور ان کی سعادت مندی حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔

اب عمر کی والدہ اپنے موجودہ خاوند کے پاس مع بچوں کے رہنے لگی ہیں اور عمر اگر ان تمام باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہے تو اس کی بیوی منع کرتی ہے اور والدہ کو خرچ بھیجنے سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ اپنے لڑکے لڑکیوں کو اسکولوں میں پڑھا رہے ہیں تو کیا تنگدست ہیں؟ اچھا اگر مان بھی لیا کہ وہ تنگدست نہیں ہیں تو والدہ کے پاس تحفے لے کر تو عمر کے حاضر ہونے کا حق باقی رہتا ہے تو اس کی بیوی کہتی ہے اور بضد ہے کہ تم نہ اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور نہ والدہ کو یہاں اپنے پاس کبھی بلاؤ، کیوں کہ انہوں نے ہم لوگوں کے اوپر سحر کر دیا تھا، آپ وہاں جائیں گے تو آپ کے اوپر بھی تگڑا سحر کرائیں گی اور ہم لوگوں کا نہ جانے پھر کیا حال ہوگا؟ عمر کے یہ کہنے پر کہ اب وہ سحر نہیں کرائیں گی، مجھے جانے دو، تو وہ کہتی ہے کہ اگر آپ وہاں گئے یا والدہ کو یہاں بلایا تو میں آپ سے طلاق لے لوں گی۔ تو ایسی حالت میں عمر کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی کو سحر کا خطرہ ہے، اس کی حفاظت کے لئے پانچوں نمازوں کے بعد چاروں قل اور الحمد اور آیۃ الکرسی تین تین دفعہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ سحر کے خطرہ سے حفاظت رہے گی اور جب تحفہ لے کر کبھی کبھی والدہ کے پاس جائیں گے تو والدہ خوش ہوں گی، سحر نہیں کرائیں گی، بیوی کو وہم ہے، اس کو سمجھانا چاہئے، خدا کرے وہ بھی خوش رہے اور طلاق طلب نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

ولادت کے وقت بیوی کی مدد کرنا

سوال [۱۰۴۰۹]: میاں نور محمد صاحب پیش امام ساکن قصبہ بندہ ضلع راولپنڈی نے اپنی حاملہ بیوی

کی نصف شب وقتِ تولید جنین امداد کی، رات کی سردی ودیگر اعذار کے باعث قابلہ کو نہ بلاسکا، دونوں میاں بیوی نے اس کام کو انجام دیا، لڑکے کو غسل دینے کے بعد کانوں میں اذان دیدی۔ یہ قصہ رفتہ رفتہ شہرت پکڑ گیا، آخر الامر میاں صاحب کو چند دیہاتی علمائے کرام نے اس فعل کے ارتکاب پر دباؤ ڈالا کہ تم نے خلافِ شرع نجاست وغیرہ میں ہاتھ ڈالے توبہ کرو اور گلے میں چادر ڈال کر توبہ پر مجبور کئے گئے۔ میاں صاحب نے مسجد میں عام مجلس میں توبہ کی۔

کیا ایسے وقت اپنی بیوی کی امداد کرنی یا دائی کو نہ بلانا شرعاً جرم ہے؟ اور ایسی ذلیل حالت کرا کر توبہ کرانی از روئے شرع شریف اس فعل پر یہی حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ فعل حرام اور ناجائز نہیں (۱)، جو لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ایسے فعل کی بناپر امام کے ساتھ ایسا تذلیل کا معاملہ کرنا سخت حماقت ہے، جہالت ہے بلکہ معصیت ہے (۲)۔ ان دیہاتیوں اور دیہاتی علماء کو توبہ اور امام سے معافی مانگنا واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۲/۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۴/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

بیوی کے حقوق نافرمانی کی صورت میں

سوال [۹۰۴۲]: استدعا ہے کہ چونکہ یہ بندہ عاجز ایک مدت سے اپنی عورت کے معاملہ میں بخوف

---

(۱) شوہر کے لئے بیوی کے اعضائے مستورہ کو دیکھنا ناجائز نہیں، خاص کر جب اعذار کی بنا پر یہ کام کیا:

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: و من عرسه وأمته) فينظر الرجل منهما و بالعكس إلى جميع البدن من الفرق إلى القدم و لو عن شهوة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۳۶۶/۶، سعيد)

(۲) "وقال النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "بحسب امرئ من الشر أن يحقّر أخاه المسلم، كل المسلم علی المسلم حرام: دمه و ماله و عرضه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ص: ۴۲۲، قديمي)

آخرت سرگرداں و پریشان ہے اس لئے آپ حضرات کی توجہ خاص کا محتاج ہے، اب چونکہ بندہ سے بدون حقیقتِ حال اور مقصود دل ظاہر کئے، سوال نہیں کرتے، اس لئے کچھ حالات مجملاً ومختصراً ظاہر کر کے سوالات کرتا ہوں تاکہ مقصود کے سمجھنے میں اور جواب دینے میں سہولت ہو:

حضرت! میں اپنی عورت کے دائمی الٹ پھیر کے چکر میں چودہ سال سے فکر و بے کلی کی زندگی بسر کر رہا ہوں، وہ الٹ پھیر کی کیفیت ہے کہ کبھی کسی وقت مجبوری و مصلحت سے چند وعدوں کے ساتھ میل جول کر لیتی ہے، کبھی ان وعدں کو تاویلیں کر کے پھر عہد شکنی وفریب کرتی ہے، کبھی مطلق ہمبستری سے بلا عذر اور کبھی کچھ عذر کے ساتھ ہمیشہ کے لئے انکار کرتی ہے اور کبھی اس کے برعکس وہ عذر غائب ہو جاتا ہے، کبھی بالقصد فتنہ وفساد کی آڑ رکھ کر اور فریب دیکر دو ایک سال کے لئے اپنی خالہ کے گھر چلی جاتی ہے (باوجودیکہ ماں بھی موجود ہے لیکن وہاں نہیں جاتی) اور باوجود ہر ممکن کوشش کے واپس نہیں آتی، لیکن وہاں جب اس کا دل گھوم پھر کر خود آسودہ ہو کر اکتا جاتا ہے تو پھر خود اپنی مرضی سے واپس آکر میل جول کر لیتی ہے۔

کبھی عورت مذکورہ کی کسی بیجا حرکت وضد (یعنی اپنی خوشی کو دفعۃً کسی سابقہ ناخوشی وشکایت سے بدل کر ہمراہ چلنے سے انکار کرنا) کے باعث میری آبروریزی بھی اس کی خالہ اور ماموں کے ذریعہ سے ہوئی ہے، یہاں تک کہ ذراسی بات میں فحش گالی گلوچ اور جوتا لیکر دکھلانے دھمکانے کی نوبت تک آگئی ہے، اگر میں صبر وتحمل سے کام نہ لیتا تو جوتا کھانا یقینی تو تھا ہی۔ اب آئندہ کی خبر خدا ہی کو ہے کہ کہاں تک نوبت پہونچتی ہے۔

یہ تو ساتھ پڑھنے کی صورتوں میں ہے اور ساتھ رہنے کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سوائے پریشانی اور الجھن کی ترقی ہونے کے کوئی اطمینان نہیں اور دنیاوی ودینی نقصان اور قول وفعل نافرمانی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

یہ مصیبت چودہ سال سے برداشت کر رہا ہوں اور بالکل بیزار ہوں تحمل کی قوت نہیں۔ لیکن اب تک بوجہ شرعی احکام نہ معلوم ہونے کے کوئی عملی کاروائی نہیں کی، محض زبان سے بکتا رہا۔ اب مقصود یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق منقطع کر کے عقدِ ثانی کروں، لہٰذا مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر چار سوال ذہن میں ہیں ان کو معلوم کرنا چاہتا ہوں:

اول: یہ کہ طلاق دینے پر مہر کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے؟

دوئم: یہ کہ طلاق بدون دیئے اگر عورت مذکورہ سے جدائی دائی کروں تو شرعاً اس کی صورت کیا ہونی چاہیئے اور کیونکر اور کس بنا پر کرسکتا ہوں؟

سوئم: یہ کہ مندرجہ بالا صورتوں میں طلاق دینا شرعاً زیادہ بہتر ہے یا دائی قطع تعلق بہتر (یعنی نان ونفقہ ہمیشہ کے لئے بند کر کے عقدِ ثانی کرسکتا ہوں)۔

چہارم: یہ کہ عقدِ ثانی کی بناء اور سبب محض مذکورہ عورت کی نافرمانی ایذا رسانی ہے تو مہر، نان ونفقہ ہر دو صورت میں یعنی طلاق یا بدونِ طلاق قطع تعلق شرعاً کا فیصلہ ہوگا اور ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہو اور دوسری عورت کا نان ونفقہ بھی واجب ہوگیا ہو۔

۱......اگر شوہر عورت کو نامحرم رشتہ داروں سے پردے کا حکم کرے اور عورت نہ مانے تو یہ نافرمانی ہے یا نہیں، اور ایسی حالت میں شوہر اپنے سکوت پر گنہگار رہوگا یا نہیں؟

۲......عورت کے نامحرم رشتہ دار خلافِ شرع اقوال وافعال پر مداومت رکھتے ہوں یعنی نیکر پہن کر بیٹھنا نصف ران تک کھل جائے، ڈاڑھی منڈوانا، رشوت وغیرہ لینا۔ تو اگر شوہر ایسی صورت میں بے پردگی سے روکے خصوصاً شادی وغیرہ کے موقع پر اور عورت زبردستی چلی جائے تو یہ نافرمانی ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں جبکہ شوہر بے قابو ہو تو کیا صورت اختیار کرے؟

۳......عورت کے نزدیک کوئی خدمت یا قول وفعل بظاہر شوہر کی بھلائی وخوشی کے لئے ہو، لیکن شوہر کو اذیت ہو، لیکن عورت اپنی تجویز شدہ خدمت سے باز نہ آوے یہاں تک کہ شوہر کے اظہار اذیت کے بعد بھی نادم نہ ہو، بلکہ عذر وتاویل کرتی رہے اور اپنے ہم خیال، خلافِ شرع دنیا دار لوگوں کی تصدیق کرا کر مطمئن ہوجائے تو یہ عورت "عذر گناہ بد تر از گناہ" کی مصداق شرعاً ہوگی یا نہیں؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ شوہر کو نرالے انوکھے خطاب دیکر تمام میں رسوا و بدنام کرتی پھرے تو ایسی صورت میں شوہر کو شرعاً کیا اختیار رہوگا اور عورت شرعاً نافرمان ہوگی یا نہیں؟

۴......شوہر کو قولی وفعلی رنج نہ پہونچانا عورت پر واجب ہے یا نہیں؟

۵......اگر کسی وقت شوہر کسی مصلحت سے روٹی دال فقط کھانا چاہتا ہے اور عورت محض فریب دینے کے لئے کہتی ہے کہ نہیں میں تم کو حلوہ کھلاؤں گی، کیونکہ تم کمزور ہو اور جب اس کے برعکس کا حکم کرے تو عورت یہ حیلہ

کرے کہ نہیں میں تو دال روٹی پکادوں گی چونکہ تو نے اس مرتبہ نہ پکانے پر جھگڑا کیا تھا اور تمہاری اطاعت عجیب ہے، کبھی کچھ کہتے ہو کبھی کچھ، جب کمزور سمجھ کر حلوہ کھلانا چاہتی ہوں تو کفایت کرتے ہو اور جب میں کفایت کرتی ہوں تو فضول خرچی کرتے ہو۔ بہر حال اسی طریقہ سے تمام دین و دنیا کے کاموں میں اپنی مرضی اور ذاتی اغراض کو دخل دے کر شوہر کے حکموں کو رد کرتی ہے اور دنیا کی نگاہوں میں بظاہر سرخرو ہو کر شوہر کو لاجواب کردے تو یہ نافرمانی ہے یا نہیں؟

بہر حال ایسی حالت میں جب کہ خیر خواہی کے پردے میں اپنا کام کرنا اور خواہشات کو پورا کرنا اور دنیا کو ظاہری برتاؤ دکھلا کر فریب دینا اور شوہر کو لاجواب کر کے رسوا اور بدنام کرنا اپنے کو پاک صاف جان کر خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا ایسی صورت میں شوہر کوئی مستقل فیصلہ کر سکتا ہے؟

۶......(الف) اگر مرد کو اپنی عورت سے بجائے دینی و دنیوی راحت و نفع کے اذیت و نقصان پہونچے اور فکر الجھن کا باعث ہو تو ایسی صورت میں شوہر اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرے؟ جب کہ نان ونفقہ کے علاوہ اکیاون ہزار مہر میں بھی جھگڑا ہوا ہو، اور عقدِ ثانی کی بھی ضرورت ہو تو کونسی صورت ہے جس سے آخرت کے مواخذہ سے سبکدوش ہو کر عقدِ ثانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) بالفرض اگر شوہر عورت مذکورہ کی اذیتوں کی بنا پر تنگ آکر طلاق دیدے اور عورت مطلقہ کا مہر مجبوراً ادا نہ کر سکے تو قیامت کے دن شوہر سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

(ج) اور اگر تھوڑا تھوڑا متفرق طریقہ سے ادا کرتا رہے اور آگے جا کر اس سے مجبور ہو اور کچھ باقی رہے چاہے کم یا زیادہ تو کیا اس کے عوض میں عتاب و عذاب شوہر پر ہوگا یا نہیں؟

(د) بہر حال عورت کی اذیتوں اور نافرمانیوں کی صورت میں اول یہ کہ بدونِ طلاق دیئے عورت سے دائمی جدائی بےتعلقی کی کیا صورت ہوگی؟ کہ جس کی وجہ سے شوہر کو ہمیشہ کے لئے نان ونفقہ بند کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔

دوئم: یہ کہ صورتِ مذکورہ کی بنا پر اگر شوہر طلاق دیدے اور مہر بالکل ادا نہ کر سکے، یا تھوڑا ادا کر کے مجبور ہو جائے تو ہر صورت میں شوہر سے مواخذہ شرعی ہوگا یا نہیں؟

سوئم: یہ کہ صورتِ مذکورہ کی بنا پر طلاق دینا بہتر ہے یا قطعی تعلق دائمی بہتر ہے بغیر نان ونفقہ کے؟

(ر) بالفرض اگر مدِ مقابل کو دیکھ کر پہلی عورت کا شوہر کو اپنا محتاج نہ سمجھ کر دماغ درست ہوگیا، اب وہ میل جول کی خواہش کرے یا کسی دوسرے سبب سے شوہر سے میل وتعلقات کی خواہش کرے اور شوہر کے دل نے خواہش دی کہ اب عورت مذکورہ اذیت وغیرہ سے توبہ کرکے میل کرنا چاہتی ہے تو دل کے شبہات پر ایسے وقت (جب کہ دوسری عورت کے نان ونفقہ کا بار پہلے سے ہو چکا ہے اور شوہر پہلی عورت کے نان ونفقہ سے قاصر ہو) شریعت کا کیا حکم ہے؟

(س) اگر شوہر کا دل پہلی عورت کے بارے میں کسی جانب گواہی نہ دیتا ہو، دونوں جانب برابر ہوں تو نان ونفقہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(ص) اگر شوہر کا دل شہادت نہ دے تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

۷......اگر کسی مرد کی دو بیبیاں ہوں تو نان ونفقہ دونوں کا برابر ہوگا یا کم وبیش خاندان کے اعتبار سے اور اگر شوہر دونوں کو برابر دے یا مجبوری سے برابر دے تو مستحق عذاب تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مرد کے ذمہ واجب ہے کہ عورت کو شرعی پردہ کا حکم دے، اگر عورت نہ مانے تو مرد کو اس کا بھی حق ہے کہ عورت کو مناسب سزا دے، اگر مرد باوجودِ قدرت کے عورت کو بے پردگی سے نہیں روکے گا تو گنہگار ہوگا:

"للزوج أن يضرب زوجته على أربعة أشياء و ما في معناها، و منه ما إذا كشفت وجهها لغير محرم، أو كلّمت أجنبياً، اهـ". بحر: ٥/٤٩(١)۔

۲......مرد کے لئے جائز نہیں کہ ایسے مواقع پر عورت کو جانے کی اجازت دے، اگر اجازت دیگا تو گنہگار ہوگا، عورت اگر بغیر اجازت جائے گی تو نافرمان ہوگی اور شوہر کو حق ہوگا کہ اتنے روز وہ بغیر اجازت کسی دوسری جگہ رہے اس کا نفقہ نہ دے۔ اگر اس کی ماں، بہن وغیرہ کبھی کبھی اگر ملنے آجائیں تو ان کو ملنے سے منع نہ کرے، البتہ شب کو ٹھہرنے سے اور زیادہ آنے سے منع کرسکتا ہے:

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٨٢، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ٤/٧٧، سعيد)

"و لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدر على إتيانها، ولا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة، و في غيرهما من المحارم في كل سنة. ويمنعهم من الكينونة عندها، به يفتي. ويمنعها من زيارة الأجانب و عيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين، اهـ". درمختار: ۱۰۲۸/۲(۱)۔

۳......عورت کے لئے جائز نہیں کہ شوہر کو اس طرح پریشان کرے، بلکہ شوہر کی رضاجوئی اس کے ذمہ لازم ہے، مگر ان امور کی وجہ سے نفقہ بند کرنے کا اختیار نہیں، ہاں! اگر سخت کلامی کرے اور گالی دے تو مناسب سزا دینے کا اختیار ہے۔

۴......اس کا جواب نمبر:۳ میں آ گیا۔

۵......اس کا جواب نمبر:۳، میں آ گیا۔

۶......(الف) اپنی حیثیت سے زیادہ کیوں مہر مقرر کیا تھا، اب کسی طرح منت خوشامد کر کے مہر معاف کرالے اور طلاق دیدے، اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو کسی کو درمیان میں واسطہ قرار دے کر خلع کرے (۲) یعنی شوہر اپنے حقوق ساقط کردے اور زوجہ اپنے حقوق ساقط کردے پھر دوسرا عقد کرلے، لیکن اگر دوسری عورت بھی ایسی ہی یا اس سے بھی زیادہ خراب نکلی تو کیا کرے گا؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۲۰۲/۳، ۲۰۳، سعيد)

(و كذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر، جنس آخر في خروج المرأة من البيت: ۵۲/۲، ۵۳، رشيديه)

(و كذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب النكاح، باب النفقة: ۴۲۹/۱، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۸۶/۲، ۱۸۷، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثامن في الخلع و ما في حكمه: ۴۸۸/۱، رشيديه)

(و كذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۴۰۴/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(ب) اگر باوجودِ وسعت کے مہر ادا نہ کیا، نہ عورت نے معاف کیا تو یقیناً مواخذہ ہوگا، اگر ادا کرنے کی پختہ نیت تھی اور حتی الوسع کوشش بھی کی لیکن پھر بھی ادا نہ کرسکا تو امید ہے کہ مواخذہ سے بچ جائے گا:

"رجل مات وعليه قرض، ذكر الناطفي: نرجوا أن لا يكون مواخذاً في دار الآخرة إذا كان في نيته قضاء الدين، كذا في خزانة المفتين. اهـ". فتاوى عالمگيرى: ۳۸٦/۵(۱)۔

(ج) جو مہر باقی رہ گیا اس کا بھی وہی حکم ہے جو کل مہر کا ہے۔

(د) اس کی کوئی صورت نہیں، ایسا کرنا گناہ ہے (۲)۔ ہاں! اگر عورت بغیر شوہر کی اجازت و رضامندی کے کسی جگہ مثلاً خالہ کے گھر چلی جائے تو اس کی واپسی تک شوہر کو نفقہ بند کرنے کا اختیار ہے (۳)۔

دوم: اس کا جواب نمبر: ا ونمبر "ب" میں آچکا ہے۔

سوئم: صبر کرنا بہتر ہے (۴)، اگر صبر نہیں ہوسکتا اور مہر کی ادائیگی یا معافی کی توقع ہے تو

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين: ۳٦٦/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح البارى، كتاب الاستقراض وأداء الديون، باب في أخذ أموال الناس يريد أدائها أو إتلافها: ٦۹/۵، قديمى)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فأمسكوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف، ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

(۳) "و (لا) نفقة لأحد عشر .... وخارجة من بيته بغير حق و هي الناشزة، حتى تعود". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۵/۳، ۵۷٦، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۷۹/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۵۴۵/۱، رشيديه)

(۴) "وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايفرك مؤمن مؤمنة إن كره منهما خلقاً، رضي منها آخر". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء، ومالكل واحد من الحقوق، الفصل الأول، ص: ۲۸۰، قديمى)

طلاق دیدے(۱) اور دوسری عورت سے نکاح کرکے، پہلی کا نان ونفقہ ہمیشہ کے لئے بند کرنا اور بغیر طلاق دیئے جدائی اختیار کرنا حرام ہے(۲)۔

(ر) نان ونفقہ بند اور اس طرح قطع تعلق کرنا بھی حرام ہے(۳)۔

(س) نان ونفقہ دینا واجب ہے(۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله، فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثامن فی الخلع و ما فی حکمه: ۱/۴۸۸، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) "و (لا) نفقة لأحد عشر .... وخارجة من بیته بغیر حق و هی الناشزة، حتی تعود". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تجب علی الأب نفقة زوجة ابنه الصغیر: ۳/۵۷۵، ۵۷۶، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۷۹، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الأول: ۱/۵۴۵، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ فامسکوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف، ولا تمسکوهن ضراراً لتعتدوا، ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

"وعن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما جاءه قهرمان له، فقال له: أعطیت الرقیق قوتهم، قال: لا، قال: فانطلق فأعطهم فإن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "کفی بالرجل إثماً أن یحبس عمن یملک قوته" وفی روایة: "کفی بالمرء إثماً أن یضیع من یقوت". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب النفقات و حق المملوک، الفصل الأول، ص: ۲۹۰، قدیمی)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً﴾. (سورة النساء: ۳۴)

"(فتجب للزوجة علی زوجها)؛ لأنها جزاء الاحتباس، وکل محبوس لمنفعة غیره یلزمه نفقته". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۷۲، سعید)

(ص) بہرصورت نان ونفقہ دینا واجب ہے اور اس طور پر نان ونفقہ نہ دینا حرام ہے(۱)۔

۷......اس میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں کی حیثیت اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کو نفقہ دے، برابری ضروری نہیں، کیونکہ بعض دفعہ ایک زیادہ ضرورت مند ہوتی ہے، دوسری مالدار ہوتی ہے، لیکن شب باشی میں برابری ضروری ہے، اس میں فرق جائز نہیں، اسی طرح ایک کا نفقہ بالکل بند کرنا بھی جائز نہیں:

"يجب أن يعدل: أى أن لا يجور فيه: أى فى القسم بالتسوية فى البيتوتة و فى الملبوس والمأكول". درمختار۔ "والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده فى النفقة، وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما، فلا، فإن إحداهما قد تكون غنيةً والأخرى فقيرةً، فلا يلزم التسوية بينهما مطلقاً فى النفقة. اهـ". شامی: ۲/ ٦٤٥ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ محرم/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ محرم/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ محرم/ ۵۹ھ۔

بیوی کو والدین سے ملنے سے روکنا

سوال[۹۰۴۳]: ۱......خلاصۂ سوال یہ ہے کہ میرے داماد محمد رفیق نے میری لڑکی کو روک لیا ہے اور مجھ سے ملنے نہیں دیتا، دراصل اس کو روپیہ کا لالچ ہے۔ محمد رفیق کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

۲......دراصل ایک ماسٹر صاحب کے توسط سے مجھے فریب دیکر یہ نکاح کیا گیا ہے، اس میں ماسٹر صاحب بھی شریک ہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فأمسكوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف، ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا، ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

(۲) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/ ۲۰۱، ۲۰۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/ ۳۸۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر واقعات اسی طرح ہیں تو محمد رفیق کا یہ فعل شرعاً واخلاقاً ہر طرح قابلِ مذمت ہے(۱)۔

۲......اگر اس فریب میں ماسٹر صاحب بھی شریک ہیں تو ان کا یہ فعل قابلِ نفرت وملامت ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

اندیشۂ فتنہ کی صورت میں بیوی کو اس کے میکہ نہ بھیجنا

سوال[۹۰۲۴]: ایک رات مجھ سے میری بیوی نے کہا کہ میں تم سے ایک بات کہتی ہوں کسی سے کہو گے تو نہیں؟ جب اس کو یقین ہوگیا کہ میں کسی سے نہیں کہوں گا، تو بیوی نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھ سے حرام کاری کی ہے۔ یہ بات حلفیہ کہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس کو اس کے باپ کے گھر بھیجوں یا نہیں؟ مجھ کو تو اس کے بھائی سے ڈر لگتا ہے۔

---

(۱) "(و لا یمنعها من الخروج إلی الوالدین) فی کل جمعة إن لم یقدرا علی إتیانها، علی ما اختاره فی الاختیار. و لو أبوها زمناً مثلاً فاحتاجها، فعلیها تعاهده و لو کافراً وإن أبی الزوج". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی الکلام علی المؤنسة: ۶۰۲/۳، ۶۰۳، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۸۶/۲، ۱۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب النکاح، الفصل الثامن عشر فی الحظر و الإباحة، جنس آخر فی خروج المرأة من البیت: ۵۲/۲، ۵۳، رشیدیه)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، باب النفقة: ۴۲۹/۱، رشیدیه)

(۲) "عن سفیان بن أسد الحضرمی رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "کبرت خیانةً أن تحدث أخاک حدیثاً هو لک به مصدق وأنت به کاذب". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الثانی، ص: ۴۱۳، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو حق ہے کہ اپنی بیوی کو مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان پر رکھے، اس کی اجازت نہ دے کہ وہ والدین کے مکان پر جا کر رہے(۱)، لیکن والدین سے ملنے کو منع نہ کرے، جب وہ آ کر ملنا چاہیں تو ان کو اجازت دیدے۔ مگر یہ بھی حق ہے کہ اس کے والدین سے کہہ دے کہ آپ اپنی لڑکی سے ملاقات کیجئے اور رات کو اپنے مکان پر تشریف لے جایئے، یہاں قیام نہ کیجئے اور کبھی کبھی بیوی کو اجازت دیدے کہ وہ والدین کی زیارت کر آیا کرے (۲)۔ جس بھائی سے ملاقات کرنے میں فتنہ ہو، اس سے ملاقات کی اجازت نہ دے جب تک فتنہ سے حفاظت کا اطمینان نہ کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

لڑکی کو داماد کے گھر جانے سے روکنا

سوال[۹۰۴۵]: جو شخص بلا وجہ اپنی لڑکی کو شوہر کے یہاں جانے سے روکے ایسے شخص کو شرعاً کیا کہا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بلا وجہ شرعی اپنی لڑکی کو شوہر کے یہاں جانے سے روکتا ہے وہ ظالم ہے اور زوجین کے درمیان

---

(۱) "وللزوج أن یسکنها حیث أحب، و لکن بین جیران صالحین". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی الکلام علی المؤنسة، ۳/۶۰۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة، ۴/۳۲۹، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۵۸۵، رقم الحاشیة: ۱)

وأیضاً راجع عنوان: "بیوی کے حقوق نافرمانی کی صورت میں"۔

(۳) "والخلوة بالمحرمة مباحة إلا الأخت رضاعاً والصهرة الشابة". (الدرالمختار). "وإن کانت الصهرة شابةً، فللجیران أن یمنعوها منه إذا خافوا علیها الفتنة .... والعلة تفید أن الحکم کذلک فی بنتها ونحوها". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر واللمس: ۶/۳۶۸، ۳۶۹، سعید)

تفریق کرانے میں شیطان کا مددگار ہے:

"عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن إبليس يضع عرشه على الماء، ثم يبعث سرايا يفتنون الناس، فأدناهم منه منزلةً أعظمهم فتنةً، يجيء أحدهم فيقول: فعلت كذا وكذا، فيقول: ما صنعت شيئاً. قال: ثم يجيء أحدهم فيقول: ما تركته حتى فرّقت بينه وبين امرأته، قال: فيدنيه منه، ويقول: نعم أنت". قال الأعمش: أراه قال: "فيلزمه". رواه مسلم، اهـ". مشكوة، ص: ١٨ (١)۔

یہ حرکت لڑکی کے حق میں بھی خیر خواہی نہیں بلکہ دشمنی ہے، اگر کسی وجہ شرعی سے روکتا ہے تو اس وقت یہ حکم نہیں، اس وجہ کے معلوم ہونے پر اس کا تفصیلی حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۵۹/۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

بیوی کی تربیت کا طریقہ

الاستفتاء [۹۰۴۶]: عورت کو ہر بات اچھی کہی جاتی ہے یعنی نماز پڑھنے اور اسلام پر پوری طرح رہنے اور خدمت وغیرہ کرنے کو کہا جاتا ہے، لیکن سمجھانے کے باوجود نہیں مانتی تو اس صورت میں عورت کے ساتھ قرآن اور حدیث کے مطابق کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کبھی نرمی اور محبت سے سمجھایا جائے، کبھی دنیا میں حسنِ سلوک کا لالچ دیا جائے، کبھی اللہ پاک کے احسانات اور آخرت کی نعمتوں کو یاد دلا دیا جائے، کبھی غصہ ہوکر اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا چھوڑ دیا جائے، کبھی پاس لیٹنا بند کر دیا جائے، کبھی دو چار ایسے لفظ ناگواری کے کہہ دیئے جائیں جن سے اس کے دل پر اثر ہو، کبھی کمر

---

(١) (مشكوة المصابيح، باب في الوسوسه، الفصل الأول، ص: ١٨، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ١/١٤٣، سورة البقرة، پ: ١، سهيل اكيڈمی لاهور)

پر ایک دو چپت مار دیئے جائیں اور اللہ پاک سے دعاء برابر کرتے رہیں کہ وہی مقلب القلوب ہے(۱)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا علاج

سوال[۹۰۴۷]: میری ہمشیرہ کا شوہر مجگاؤں ڈاک میں کام کرتا ہے، قریب ایک سال سے اس کو نہ معلوم کیا ہوگیا کہ کام سے استعفیٰ دیدیا ہے اور اس کی لائن بھی خراب ہوگئی ہے، عورت کو بہت ستاتا ہے، اس کو گھر سے نکال دیا ہے، اس کے تین چھوٹے بچے بھی ہیں، اس وقت اس کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے، لہٰذا جناب والا سے گزارش ہے کہ اس کے لئے کوئی مشورہ دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جسمانی مرض کی وجہ سے یہ کیفیت ہے تو طبیب یا ڈاکٹر سے علاج کرائیں، اگر خراب صحبت کا اثر ہے تو اچھے ماحول اور صالحین کی صحبت میں رکھا جائے، اگر اقتصادی اور معاشی پریشانی کا اثر ہے تو اس نوع سے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والّتی تخافون، نشوزهن، فعظوهن واهجروهن في المضاجع، واضربوهن﴾. (سورة النساء: ۳۴)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "استوصوا بالنساء خيراً، فإنهن خلقن من ضلع، وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء".

وقال: "لا يفرک مؤمن مؤمنة، إن كره منها خلقاً، رضي منها آخر".

"وعن لقيط بن صبرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قلت: يا رسول الله ! إن لي امرأةً في لسانها شيء -يعني البذاء- قال: "طلقها" قلت: إن لي منها ولداً و لها صحبة، قال: "فمرها" يقول: "عظها، فإن يک فيها خيراً، تستقبل". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و مالكل واحد من واحد من الحقوق، الفصل الأول، الفصل الثاني، ص: ۲۸۰، ۲۸۱، قديمي)

اعانت کی جائے۔خدائے پاک حالات بہتر فرمائے۔آمین!فقط۔والسلام۔

احقر محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۵/۸/۹۳ھ۔

بیوی کا شوہر کی اطاعت اور خدمت نہ کرنا

سوال[۹۰۴۸]: میری گھر والی میرا کہنا بالکل نہیں مانتی،ہر طریقہ سے سمجھالیا:محبت سے،پیار سے،مار پیٹ سے،میری ماں،رشتہ دار،محلہ والوں نے حتی کہ اس کے ماں باپ نے بھی بہت سمجھایا،لیکن اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔نہ کام کرتی ہے،نہ کھانا پکاتی ہے،مرضی میں آگیا تو پکالیا ورنہ پڑی رہتی ہے،نہ گھر کا کوئی کام کرتی ہے۔میری بوڑھی ماں ہی سب کام کرتی ہے۔اگر میرے یہاں کوئی مہمان آجائے تو کوئی بھی پرواہ نہیں کرتی،وہ بغیر چائے وغیرہ کے میری عدم موجودگی میں اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔بعض مہمان ایسے ہیں جن سے پردہ بھی نہیں ہے،ان سے بھی نہیں بولتی،کسی سے بھی کچھ واسطہ نہیں رکھتی،نہ مجھے کھانا پانی دیتی ہے،چاہے کتنی ہی مرتبہ مانگوں،میری ماں اور بہنوئی کی میرے سامنے چغلی کرتی ہے۔

میری بہن بہنوئی آجائیں تو ان سے منہ چڑائے رکھتی ہے۔روز یہ کہتی ہے کہ میں گھر چلی جاؤں گی۔اور ایک دفعہ بچوں کو چھوڑ کر چلی بھی گئی تھی،ڈیڑھ سال کے بعد آئی تھی،اب پھر وہی رٹ لگی ہوئی ہے،بس ناک میں دم کر رکھا ہے۔میں بہت ہی پریشان ہوں،کیا کروں؟اگر میری ماں دیکھ بھال نہ کرے تو گھر برباد ہوجاتا،جبکہ کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے،خوشحال ہیں چار بچے ہیں۔میں کیا کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیوی آپ کے لئے بڑا امتحان ہے،اگر آپ صبر وتحمل سے کام لے سکتے ہیں تو انشاء اللہ بہت سی خطاؤں کا کفارہ ہوجائے گا،لیکن آپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا،اگر یہ برداشت نہ کرسکتے ہوں اور حقوق ادا نہ کرپاتے ہوں،زندگی تلخ ہوجائے تو آپ کو حق ہے کہ اس کو آزاد کردیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان﴾. (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

"بل یستحب: أی الطلاق لو موذیۃً أو تارکۃ صلاۃ". (الدرالمختار، کتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعید)

دو بیویوں کی صورت میں ایک سے زیادہ محبت ہونا

سوال[۹۰۴۹]: رفیق کی دو زوجہ ہیں، اس کو ایک زوجہ سے زائد محبت ہے، تو قیامت کے دن اس کا ایک حصہ گرا ہوا ہوگا۔ تو سوال یہ ہے کہ نیچے کا حصہ گرا ہوا ہوگا یا اوپر کا، یا اس میں کچھ قیود ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محبت ایک زوجہ سے زائد ہے لیکن نفقہ و معاشرہ میں دونوں کے ساتھ برابری کرتا ہے تو اس کو سزا نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۷/۸۹ھ۔

بیوی سے پیشہ کرانا

سوال[۹۰۵۰]: ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم بالغہ کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کیا اور اسی روز سے عورت کی مرضی کے خلاف عورت کو چکلہ میں بٹھا دیا اور جبراً اس سے پیشہ عصمت فروشی کر کے شکم پروری کرتا ہے اور خود کوئی پیشہ نہیں کرتا، اس کو عرصہ ۱۱/ سال ہو چکا، وہ اس کو مجبور کرتا ہے اور نکاح کی دھمکی دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا نکاح جائز ہے یا فسخ ہوگیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں گو نکاح فسخ تو نہیں ہوا، مگر عورت کو اس شخص کا کہنا ماننا ہرگز جائز نہیں، جس طرح بھی

---

(۱) "(ویجب أن یعدل فیه): أی فی القسم بالتسویة فی البیتوتة (وفی الملبوس والمأکول) والصحبة (لا فی المجامعة) کالمحبة، بل یستحب". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: بل یستحب): أی ما ذکر من المجامعة، أما المحبة فهی میل القلب، وهو لایُملک".

(ردالمحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۰۱/۳، ۲۰۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۳۷۹/۳ - ۳۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۲۶/۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، فصل فی القسم: ۴۳۹/۱، رشیدیه)

ہوسکے اس فعلِ شنیع سے بچے اور جو تدبیر بھی کرسکتی ہو، اس فعل حرام سے بچنے کے لئے اختیار کرے(۱) اور وہ شخص دیوث ہے(۲)۔ دین ودنیا میں ذلیل ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۰/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

شوہر تعلیم کے لئے بیوی سے کتنے روز جدا رہ سکتا ہے؟

سوال[۹۰۵۱]: زید کے لئے اپنے علاقہ میں تعلیم کا انتظام نہیں ہے، لہٰذا اس کو علمِ ضروری کے لئے کہیں دور جانا پڑتا ہے۔ اب وہ کتنے عرصہ تک اپنی عورت سے جدا رہ سکتا ہے، جبکہ دونوں جوان ہیں؟ سال میں ایک مرتبہ بڑی مشکل سے گھر جاسکتا ہے۔ آیا وہ آثم ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "لاطاعة لمن لم يطع الله". قال العلامة المناوی رحمه الله تعالىٰ: "(لاطاعة لمن لم يطع الله) في أوَامِرِه، ونواهيه". وفي رواية لأحمد أيضاً: "لاطاعة لمن عصى الله، فإذا أمر الإمام بمعصية، فلا سمع ولا طاعة". كما هو نص حديث البخاري أنه لا يجب ذلك بل يحرم على من قدر على الامتناع. الخ".

(فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۹۰۲، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"لاطاعة لأحد في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف".

"لا طاعة لأحد من المخلوقين كائناً من كان ولو أباً أو أماً أو زوجاً في معصية الله، الخ". (فيض القدير: ۶۲۸۵/۱۲، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۲۴۶/۷، ۲۴۷، رشيديه)

(۲) "ديوث: هو من لا يُغار على امرأته أو محرمه. .... قرطبان: مرادف ديوث بمعنى معرض".

(الدرالمختار). "(قوله: مرادف ديوث) قال الزيلعي: هو الذي يرى مع امرأته أو محرمه رجلاً فيدَعُه خالياً بها. وقيل: هو المتسبب للجمع بين اثنين لمعنى غير ممدوح. وقيل: هو الذي يبعث امرأته مع غلام بالغ، الخ". (ردالمحتار، باب التعزير، مطلب في الجرح المجرد: ۷۰/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۷۴/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲۳۵/۳، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت کو تحمل ہے اور اس کی اجازت سے شوہر سال بھر میں ایک دفعہ گھر جاتا ہے تو انشاء اللہ آثم نہیں ہوگا، ورنہ عدم ادائے حق کا مرتکب ہوگا، چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے، کذا فی رد المحتار: ۳۹۸/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۴/۹۰ھ۔

شوہر کتنے روز غائب رہ سکتا ہے؟

سوال[۹۰۵۲]: شوہر کتنے روز غائب رہ سکتا ہے، ایک سال کے لئے روزگار کے لئے پردیس جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت جوان ہو تو اس کو چار ماہ سے زائد چھوڑنا نہیں چاہیئے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، اگر صبر کر سکتی ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہیں تو سال بھر میں بھی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "أنه لاینبغي أن یطلق، وله مقدار مدة الإیلاء وهو أربعة أشهر .... و یؤید ذلک أن عمر رضی الله تعالیٰ عنه لما سمع في اللیل من امرأة .... فسأل ابنته حفصة رضی الله تعالیٰ عنها: کم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا یتخلف المتزوج عن أهله أکثر منها". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۰۳/۳، سعید)

"و لا یبلغ مدة الإیلاء إلا برضاها". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۰۳/۳، سعید)

قال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ: "واعلم أن هذا الإطلاق .... الاختیار في مقدار الدور إلی الزوج ...... لایمکن اعتباره علی صرافته، فإنه لو أراد أن یدور سنةً سنةً ما یظن إطلاق ذلک له، بل ینبغي له أن لا یطلق له مقدار مدة الإیلاء، وهو أربعة أشهر". (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب القسم: ۴۳۴/۳، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "شوہر تعلیم کے لئے بیوی سے کتنے روز جدا رہ سکتا ہے"؟)

شوہر کتنے روز تک بیوی سے دور رہ سکتا ہے؟

سوال[۹۰۵۳]: معاش کی تلاش میں ایک شخص بیوی کی بغیر اجازت کتنا عرصہ باہر گزار سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار ماہ کے اندر اندر بغیر بیوی کی اجازت کے باہر رہنے کی اجازت ہے، اس سے زائد میں اس کی رضامندی حاصل کرلی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۸ھ۔

سال بھر باہر رہ کر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بیوی کے پاس رہنے کے بعد پھر نکلنا

سوال[۹۰۵۴]: ۱......ایک شخص اپنی بیوی سے سات آٹھ ماہ جدا رہتا ہے، یہ بیوی کی خاموش اجازت یا تقدیراً وحکماً اجازت کے بعد ہوتا ہے۔ تو کیا از روئے شرع اس کی اجازت ہے؟

۲......نیز اس جدائی کے بعد کتنے روز بیوی کے پاس رہنے سے حق ادا ہوگا؟

۳......کوئی شخص کثیر مدت جدا رہنے کے بعد ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بیوی کے پاس رہ کر پھر کسی دینی کام میں ڈیڑھ ماہ کے لئے باہر جانا چاہتا ہے تو اس میں بیوی کی اجازت لینی ہوگی یا نہیں؟ اس صورت میں بیوی کی حق تلفی

---

(۱) "و لا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ويؤيد ذلك أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه لما سمع في الليل من امرأة .... فسأل ابنته حفصة رضي الله تعالىٰ عنها: كم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۳/۳، سعيد)

قال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "وأعلم أن هذا الإطلاق .... الاختيار في مقدار الدور إلى الزوج .... لا يمكن اعتباره على صرافته، فإنه لو أراد أن يدور سنةً سنةً ما يظن إطلاق ذلك له، بل ينبغي له أن لا يطلق له مقدار مدة الإيلاء، وهو أربعة أشهر". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم: ۴۳۴/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشيديه)

تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....اگر قرائنِ قویہ سے اس کی رضا معلوم ہوجائے تو یہ بھی کافی ہے۔

۲.....صحت ومزاج کے اعتبار سے یہ حکم مختلف ہوسکتا ہے۔

۳.....گذشتہ غیوبت جب کہ اذن ورضا سے رہی، گو وہ صراحۃً نہ ہو تو ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ پاس رہ کر ماہ ڈیڑھ ماہ کی غیوبت کے لئے اذن کی ضرورت نہیں جب کہ نفقہ کی تنگی نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۳ھ۔

شادی کے بعد کتنی مدت کے لئے سفر میں رہنے کی اجازت ہے؟

سوال[۹۰۵۵]: ایک شخص نے شادی کی اس کے بعد وہ حصولِ علم کے لئے بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام کر کے باہر نکلا تو بیوی نے اجازت نہیں دی۔ تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں اور کتنی مدت تک وہ باہر قیام کرسکتا ہے؟

عبدالجلیل ہزاروی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی کا حق نان ونفقہ کے علاوہ کچھ اور بھی ہے اس کا کیا انتظام کیا؟ اگر وہ جوان ہے اور جذبات پر قابو نہ پاسکی تو اس کا حق ضائع ہوگا، ہاں! اگر اس کو قابو ہے اور اس نے بخوشی اتنی طویل مدت کی اجازت دیدی اور کسی معصیت کا خطرہ نہیں تو اجازت ہے، ورنہ چار ماہ میں ایک دفعہ اس کے پاس آجایا کرے: "ويجب ديانةً أحياناً، ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها". درمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۸ھ۔

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "شوہر تعلیم کے لئے بیوی سے کتنے روز جدا رہ سکتا ہے"؟

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحتها: "ويؤيد ذلك أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه لما سمع في الليل من امرأة ....فسأل ابنته حفصة رضي الله تعالىٰ عنها: كم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: =

بیوی کو خطاء پر سزا دینا

سوال[۹۰۵۶]: اپنی بیوی کو کس کس کام کے لئے مارنا جائز ہے اور کس جگہ جائز ہے اور کس جگہ ناجائز ہے؟ اگر مارے تو شریعت میں کیا حکم ہے؟ مرد اپنی بیوی سے کیا کیا خدمت لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ زوجہ اپنے شوہر کی بے حرمتی کرے، یا کسی اجنبی کے سامنے چہرہ کھولے اور اس سے ہنسی مذاق کرے، یا چھوٹے بچے کو رونے کیوجہ سے مارے، یا شوہر کے حقوق میں حکم عدولی کرے، یا کوئی ایسا گناہ کرے جس پر شرعاً حد مقرر نہیں ہے تو ان سب صوتوں میں مارنا جائز ہے، اور جب شوہر ناحق مارے گا تو گنہگار ہوگا، والبسط فی البحر: ۵/۴۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۲۷/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

= أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۳، سعيد)

قال المحقق ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "قوله: والاختيار في مقدار الدور إلى الزوج .... واعلم أن هذا الإطلاق .... لايمكن اعتباره على صرافته؛ فإنه لو أراد أن يدور سنةً سنةً ما يظن إطلاق ذلك له، بل ينبغي له أن لا يطلق له مقدار مدة الإيلاء، و هو أربعة أشهر". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۴۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۲، رشيديه)

(۱) "للزوج أن يضرب زوجته على أربعة أشياء ومافي معناها .... ما إذا ضربت جارية زوجها غيرةً، ولا تتعظ بوعظه، فله ضربها. وينبغي أن يلحق به ما إذا ضربت الولد الذي لايعقل عند بكائه. .... ومنه: إذاشتمته أو مزقت ثيابه أو أخذت لحيته، أوقالت له: ياحمار .... ومنه: إذاكشفت وجهها لغير محرم، أوكلمت أجنبياً، أوتكلمت عامداً مع الزوج، أو شاغبت معه ليسمع صوتها الأجنبي". (البحر الرائق: ۵/۸۲، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير، رشيديه) .... =

بیوی کوسزا دینا

سوال[۹۰۵۷]: میری بیوی نیک، وفا شعار ہے،۲۰/ برس شادی کوگزر گئے کبھی ناراضگی نہیں ہوئی، میں ۱۹۶۸ءکو حج کو گیا اور بیوی سے کہا کہ گھر سے باہر مت نکلنا، لیکن وہ ایک دفعہ سینما گئی میں حج سے واپس آیا تو واقعہ مجھے بتایا گیا۔ میرا ایک سالا مجھے لینے بمبئی آیا، میں نے اس سے کہا کہ اپنی بہن کو گھر لے جاؤ، وہ اپنے گھر لے گیا۔ محلہ والوں نے میری بیوی کو بے قصور کہا، لیکن مجھے شک تھا۔ اب ۸،۹/ ماہ سے بیوی کی شکل نہیں دیکھی ویسے نفقہ دیتا رہا۔ بچے میرے پاس ہیں، اس کو ابھی تک گھر نہیں لایا اور بچوں سے نہیں ملوایا۔ یہ سزا کافی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلطی انسان کے ساتھ لگی ہوتی ہے، مرد ہو یا عورت سب سے ہی کچھ نہ کچھ چھوٹی بڑی غلطی ہوجاتی ہے، غلطی پر نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کرنے سے اللہ پاک بھی معاف فرمادیتے ہیں (۱)، آٹھ مہینے تک آپ نے اس کو الگ رکھا، یہ سزا بہت کافی ہے، اس مدت میں آپ اس کو خرچ دیتے رہے، یہ مزید احسان کیا۔ بچوں سے ملوانا چاہیے، اتنی طویل جدائی اچھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= (وكذا في رد المحتار: ۴/۷۷، ۷۹، كتاب الحدود، باب التعزير، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۱۷۲، ۱۷۳، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار، الفصل الثاني، ص: ۲۰۴، قديمي)

"عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في مايروى عن الله تبارك وتعالیٰ أنه قال: "ياعبادي! إني حرمت الظلم على نفسي .... ياعبادي! إنكم تخطئون بالليل والنهار، وأنا أغفر الذنوب جميعاً، فاستغفروني أغفرلكم". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الأول، ص: ۲۰۳، قديمي)

عورت کو میکہ جانے کا حق

سوال[۹۰۵۸]: زید نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ کا نکاح باداء حلف شرع شریف بکر سے کیا کہ آمدورفت ہندہ کو بخانۂ والدین سے میں ہرگز نہ روکوں گا اور ہندہ کو سپردِ بکر کردیا اور بکر ہندہ کو بمقام کویل علی گڑھ لیکر چلا گیا جس کو عرصہ تین سال کا ہوگیا۔ اب بکر یہ عہد کرتا ہے اور مسماۃ ہندہ زوجۂ خود کو بخانۂ علاء الدین آنے نہیں دیتا اور نہ والدین سے ملنے دیتا ہے اور قسم کی تکلیفات زدوکوب وغیرہ کی مسماۃ ہندہ کو پہنچارہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسماۃ ہندہ زوجہ بکر کو بخانہ والدین آمدورفت کا ونیز قیام سکونت کا کس قدر حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها، على ما اختاره في الاختيار"۔ "الذي رأيته في الاختيار شرح المختار هكذا: قيل: لايمنعها من الخروج إلى الوالدين. وقيل: يمنع، ولا يمنعها من الدخول إليها في كل جمعة. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في النوادر: تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها، فإن قدرا، لاتذهب، وهو حسن. و قد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما، وأشار إلى نقله في شرح المختار.

والحق الأخذ بقول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ إذا كان الأبوان بالصفة التي ذكرت، وإلا ينبغي أن يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف، أما في كل جمعة فهو بعيد، فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة، خصوصاً إذا كانت شابةً والزوج من ذوي الهيئات، بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر، وهذا ترجيح منه لخلاف ماذكر في البحر أنه الصحيح المفتى به من أنها تخريج للوالدين في كل جمعة بإذنه و بدونه. و للمحارم في كل سنة مرةً بإذنه و بدونه. اهـ". درمختار و شامی مختصراً، باب النفقة: ۲/۱۰۲(۱).

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۳/۶۰۲، ۶۰۳،سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مرد کو یہ حق ہرگز نہیں کہ اپنی بیوی کو اس کے والدین سے بالکل منع کردے، نہ والدین کو آنے دے نہ بیوی کو جانے دے، اگر شوہر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور عورت کو اپنے والدین سے ملنے کا یقیناً حق حاصل ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ والدین خود جاکر اپنی لڑکی سے مل آیا کریں، اگر یہ دشوار ہو تو پھر لڑکی والدین کے پاس آکر زیارت کرجایا کرے۔ اگر قریب ہو اور کوئی دقت نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ہفتہ میں ایک مرتبہ بھی آنے کی گنجائش ہے۔

اگر دور ہوں یا فتنہ کا اندیشہ ہو یا اور کوئی دقت ہو تو پھر وہاں کے عرف کے اعتبار سے جس قدر مدت میں مناسب معلوم ہو والدین کی زیارت کے لئے آجایا کرے۔ مسافتِ سفر کے لئے محرم کا ہونا بھی ضروری ہے (۱) اور آمد و رفت کا خرچہ خود عورت کو برداشت کرنا ہوگا، مرد کے ذمہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، دارالافتاء مظاہر علوم،　　صحیح: عبداللطیف، ۱۵/۵/۵۷ھ۔

شوہر کا کہنا نہ ماننے والی عورت کا حکم

سوال [۹۰۵۹]: جو عورت اپنے مرد کے کہنے پر نہ چلے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے ذمہ مرد کی بات ماننا ضروری ہے، نہیں مانے گی تو گنہگار ہوگی (۳)، ہاں! اگر اس کو خلاف

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تسافر امرأة مسيرة يوم و ليلة إلا و معها ذو محرم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب المناسک، الفصل الأول، ص: ۲۲۱، قديمي)

(۲) "(ولو معه، فعليه نفقة الحضر خاصةً) لا نفقة السفر والكراء". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۹/۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳۰۷/۴، رشيديه)

(۳) "و لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها، و لا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة، و في غيرهما من المحارم في كل سنة. ويمنعهم من الكينونة عندها، به يفتى، خانية. ويمنعها من زيارة الأجانب و عيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين، اهـ". (الدر المختار، كتاب =

شرع حکم دے تو اس کا ماننا جائز نہیں (۱)۔

والدین اور شوہر میں کس کی اطاعت لازم ہے؟

سوال[۹۰۶۰]: زید اس بات پر مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتا ہے کہ والدین کے قدموں تلے جنت ہے، اس سلسلہ میں اس کا کہنا ہے کہ لڑکیوں کے لئے جنت اس کے شوہر کی اطاعت وفرمان برداری میں ہے نہ کہ والدین کی اطاعت گزاری میں، بہت ممکن ہے کہ والدین جو بات لڑکی کو کرنے کے لئے کہتے ہوں وہ اس کے شوہر کو قطعاً پسند نہ ہو، ایسی حالت میں لڑکی اگر شوہر کے خلاف اپنے والدین کی بات پر عمل کرتی ہے تو شوہر کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور اگر شوہر کی بات پر عمل کرتی ہے تو والدین کی حکم عدولی ہوتی ہے۔ کیا زید کا اس بات پر مکمل اتفاق نہ کرنا کہ جنت والدین کے قدموں تلے ہے صحیح ہے؟ لڑکی کو کس کی بات پر عمل کرنا چاہئے؟ اور شادی سے پہلے یہ بات کہاں تک صادق آتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی حدیث پاک میں موجود ہے کہ جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے (۲) یعنی ان کی فرماں برداری کرنا، خدمت کرنا، اور ان کو راضی رکھنا لازم ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ شوہر کی اطاعت لازم ہے (۳)، لہذا

= الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۳/۶۰۲، ۶۰۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر، جنس آخر في خروج المرأة من البيت: ۲/۵۲، ۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب النفقة: ۱/۴۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۸۶، ۱۸۷، غفاريه كوئته)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "عورت کو میکہ جانے کا حق"۔)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجنة تحت أقدام الأمهات". (فيض القدير: ۶/۲۹۰۰، مكتبه نزار مصطفى مكة)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". .... =

شادی کے بعد اگر والدین جائز کاموں میں شوہر کی فرماں برداری سے روکیں تو ان کو حق نہیں اور ایسی حالت میں لڑکی کو ان کی اطاعت بھی لازم نہیں، والدین اور شوہر سب کا ہی احترام لازم ہے اور ناحق بات کسی کی بھی ماننا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۸ھ۔

''گھر داس'' کی رسم اور شوہر کی نافرمانی

سوال[۹۰۶۱]: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قابل اطلاع ضروری امور

۱..... خالد و راشد دو حقیقی بھائی ہیں اور دونوں عالم ہیں اور زندہ ہیں، دونوں کے مکانات متصل ہیں

= "وعن طلق بن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا الرجل دعا زوجته لحاجته، فلتأته، وإن كانت على التنور". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و ما لكل واحدمن الحقوق، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمي)

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: "ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة، إذا دعاها إلى الفراش ...... وعليها أن تطيعه في نفسها و تحفظ غيبته". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج: ۳/۲۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "لاطاعة لمن لم يطع الله". (فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۱). "(لاطاعة لمن لم يطع الله) في اوامره، ونواهيه". وفي رواية لأحمد أيضاً: "لاطاعة لمن عصى الله، فإذا أمر الإمام بمعصية، فلا سمع ولا طاعة". كما هو نص حديث البخاري أنه لا يجب ذلک، بل يحرم على من قدر على الامتناع. الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۹۰۲، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"لاطاعة لأحد في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف".

"لا طاعة لأحد من المخلوقين كائناً من كان ولو أباً أو أماً أو زوجاً في معصية الله، الخ". (فيض القدير: ۶۳۸۵/۱۲، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، كتاب الإمارة و القضاء: ۲۴۶/۷، ۲۴۷، رشيديه)

صرف ایک دیوار حائل ہے، لیکن آمد ورفت کے لئے دونوں کے مکانوں میں دَر کھلے ہوئے ہیں اور آمد ورفت بلا تکلف مردانہ وزنانہ جاری ہے۔

۲......خالد اپنے وطن سے دور قریب چار سو میل پر ایک مدرسہ اسلامیہ میں تیرہ سالوں سے ملازم ہے، تعطیلات کے زمانہ میں اپنے وطن بوقتِ ضرورت آمد ورفت رکھتا ہے۔

۳......ہندہ لکھنا پڑھنا جانتی ہے اور بوقتِ ضرورت اپنے شوہر خالد کو خطوط لکھ کر جوابات حاصل کرتی رہتی ہے، اس کے لئے بوقتِ ضرورت مسائلِ شرعیہ کے دریافت کرنے میں دو آسانیاں ہیں کہ بذریعۂ مکتوب اپنے شوہر خالد سے جواب معلوم کرے یا اپنے شوہر کے چھوٹے بھائی راشد سے جس کا قیام برابر اپنے مکان پر ہی ہے۔

۴......ہندہ کے چار بالغ لڑکے جوان ہیں جن میں تین شادی شدہ ہیں اور ایک صاحبِ اولاد لڑکی جس کا شوہر بھی زندہ ہے، یہ سب اس خالد سے ہیں اور خالد ہی ان پانچوں اولاد کا باپ ہے، اور اس لڑکی صاحب شوہر کی سسرال قریب دو ڈھائی سو قدم کے فاصلہ پر اسی بستی میں ہے جہاں پر خالد وراشد کا مکان ہے۔

۵......ہندہ کا بڑا لڑکا زاہد صاحبِ اولاد ہے اور اسی مکان کے حلقہ کے ایک کمرہ میں رہتا ہے جس میں کہ اس کی ماں ہندہ رہتی ہے اور اس زاہد کا قیام برابر مکان ہی پر رہتا ہے۔

۶......ہندہ کے منجھلے لڑکے میں اخلاقِ رذیلہ ہیں، ظلم، دغا، فریب، قمار بازی، تاڑی نوشی وغیرہ وغیرہ اور منجھلے لڑکے میں کالج واسکول کے طلبہ کے لباس پر شیفتگی ہے، اور اس کا استعمال باوجودیکہ وہ تفسیر جلالین شریف ومشکوۃ شریف وشرح وقایہ تک پڑھا ہوا ہے اور قاری (اصطلاحی) بھی ہے۔ اور خالد اپنی اولاد ذکور واناث مذکور تین میں سے ہر ایک کا باپ بھی ہے اور استاد بھی اور اپنے داماد مذکور کا صرف استاد ہے۔

۷......خالد اپنے اور ہندہ کے منجھلے لڑکے مذکور سے کافی پند ونصائح کرنے کے بعد بارہا تجربہ کے بعد سخت بیزار ہوا اور ہندہ کو زبان سے اور بذریعۂ خطوط رجسٹری شدہ وغیرہ کے بار بار تاکید کرتا رہا کہ اس لڑکے کی خاطر اپنے خاص اموال کو بھی ضائع نہ کرو اور اپنے ذاتی روپے اور غلہ وغیرہ میں سے جو کچھ تمہاری خاص ملک میں ہے، ان میں سے بھی ایک حبہ اس کی مدد میں صرف نہ کرو اور نہ میرے مکان میں آنے دو، لیکن ہندہ نے ہزاروں روپیہ اس کی مدد میں صرف کیا اور برابر مکان میں آنے دیا اور ہر قسم کی مدد کرتی رہی۔

۸...... سنجھلے لڑکے کی اصلاح کی خاطر بھی خالد اپنی زوجہ کو وقتاً فوقتاً نصیحت کرتا رہا(۱) کہ تم اپنی عملی بیزاری ظاہر کرو تا کہ وہ لڑکا جس کا باپ اور چچا اور سسر عالم ہو اور خود بھی علمِ دین پڑھتا ہو اس کے لئے یہ زیبا اور مناسب نہیں کہ اس کے لباس ظاہری سے یہ ظاہر ہو کہ کسی مدرسہ اسلامیہ کی ہوا تک بھی نہیں لگی، بلکہ کالج و اسکول کے طلبہ کی جماعت سے ظاہر ہوتا ہو۔

جب خالد اپنے سنجھلے لڑکے کو زبان وقلم سے سمجھا کر اور باپ و استاد ہونے کی حیثیت سے اپنی ناخوشی عملاً ظاہر کر کے عاجز ہو گیا تب اس نے اپنی زوجہ ہندہ سے کہا کہ اگر تم اپنی عملی بیزاری ظاہر کرو گی اور بلا ضرورتِ شرعیہ اس کی مدد ترک کر دو گی تو امید ہے کہ وہ اپنی حالت موجودہ کو بدل دے، لیکن ہندہ نے بجائے اس کے کہ اس امر میں بغرضِ اصلاح اپنے شوہر خالد کی اطاعت کرتی برعکس اپنے شوہر عالم خالد سے استفسار کرنے لگی کہ کیا قمیص رائج پہننا اور اس قسم کا پائجامہ اور شیروانی وغیرہ پہننا منع ہے؟ اور برابر بواسطہ و بلا واسطہ سراً وعلانیۃً اپنے سنجھلے لڑکے مذکور کی بھی جو ابھی تک گویا طالب علمِ دین ہی ہے مدد کرتی رہی اور اس کے لئے تیار ہے اور رہتی ہے۔

۹...... ہندہ چونکہ اپنے میکے کی طرف سے صاحبِ جائیداد و مالدار ہے اس لئے ان جمیع مواقع پر اپنے شوہر خالد کی اس نے کبھی پرواہ کی اور نہ کرتی ہے، بلکہ اپنے ان اعمال وافعال کو جائز وضروری قرار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ صلہ رحمی ہے جسے شریعت نے نہیں منع کیا ہے، لہٰذا میں اپنے ذاتی مال و جائیداد سے جسے چاہوں جس طور پر چاہوں فائدہ پہنچا سکتی ہوں۔

۱۰...... (الف) بماہ شوال ۱۳۵۴ھ میں خالد نے اپنی زوجہ ہندہ سے کہا کہ تم میرے ساتھ میری جائے ملازمت پر چلو (جہاں چند بار وہ جا چکی تھی) اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں نہیں جا سکتی کیونکہ مجھ کو چاول تیار کرانا ہے۔

(ب) ماہ محرم ۱۳۵۶ھ میں جائے ملازمت پر خالد علیل ہوا، متعدد زخموں .... کی وجہ سے نقل وحرکت ونشست و برخاست سے مجبور ہو کر اپنی علالت کی اطلاع دی۔ جواب آیا کہ ''میں بھی بیمار ہوں'' درآں

---

(۱) ''سنجھلے: تیسرا بیٹا، چوتھائی میں تیسرے نمبر پر''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۲، فیروز سنز لاهور)

حالیکہ اس کی علالت کی کیفیت یہ تھی کہ اسی زمانہ میں یا کچھ قبل اپنی ایک مہمان عورت کو بوقتِ شب اپنے ہمراہ لیکر اس بستی کے مکانات اہلِ برادری دکھانے کے لئے نکلی اور چار مکانوں کے اندر گئی اور بیٹھی، بعدازاں پھر اپنی مہمان کو لے کر اپنے مکان پر واپس آگئی اور اس وقت تک شوہر کو اس فعل کی اطلاع نہ کی۔

(ج) جب چاہتی ہے بلا اطلاع و بدونِ اجازت دن کو سواری پر، رات کو پیدل مکان سے باہر قدم نکالتی ہے، کبھی عید ملنے کا عذر کرتی ہے اور کبھی وعظ سننے کا اور کبھی کچھ۔

(د) اس اطراف میں اہلِ ہنود کی ایک رسم قدیمہ ہے جو وطنی شرکت کے سبب مسلمانوں میں بھی عموماً رائج ہے إلا ماشاء اللہ جسے ''گھرداس'' کہتے ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی جدید مکان تیار ہوتا ہے اور مکان قدیم چھوڑ کر اہل مکان اسے آباد کرتے ہیں تو اہل برادری کی عورتیں خصوصاً حسبِ مراعات قرب قرابت و بعد حسبِ حیثیت و دیگر عورتیں بھی رسم کی بنا پر مکان جدید میں داخلہ کے وقت یا اس کے کچھ قبل یا بعد اس مکان جدید کے لوگوں کے لئے کپڑے یا نقد قیمت، چاول، گیہوں، آٹا، پوریاں، کچوریاں، کھیر، فیرنی، گلگلے، سوپ، چھلنی، گھڑا، چٹائی و دیگر ظروف و سامانِ خانہ داری وغیرہ مکان مذکور میں سے کلاً یا بعضاً کثیراً یا قلیلاً مکان جدید کے لئے بھیجتی ہیں اور دیتی ہیں اور برادری کی عورتیں بھی مکان جدید میں اہل مکان کے داخلہ کے وقت بلا تاخیر یا بتاخیر جمع ہوتی ہیں اور بعدازاں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

کہیں گیت گایا جاتا ہے اور کسی کے یہاں اس موقعہ پر اشعار پڑھے جاتے ہیں اور پڑھنے والی عورتیں ہوتی ہیں اور کسی نے نامناسب سمجھا تو اپنے یہاں مولود پڑھوادیا، وعظ کرادیا اور یہ سب رات ہی میں ہوتا ہے۔ پھر دوسرے دن یا تیسرے دن کھانے کی قسم کی آئی ہوئی چیزوں جیسے پوریاں، کچوریاں، گلگلے، فیرنی، کھیر وغیرہ کے حصے برادری کے لوگوں یا بستی کے عام لوگوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

خالد شوہرِ ہندہ کے نزدیک یہ رسم ''گھرداس'' مذکور از اقسامِ بدعت ہے، اس لئے یکے بعد دیگرے دو مکان جدید اس کے اہل وعیال کے بنے اور آباد ہوئے لیکن یہ رسم مذکور نہیں ہونے دیا۔ ادھر خالد و ہندہ کے داماد حقیقی نے ایک مکان جدید تیار کیا اور بماہ ربیع الآخر/۱۳۵۶ھ اس میں داخلہ ہوا اور حسبِ رواج ''گھرداس'' منایا، لیکن بجائے گیت واشعار کے مولود وعظ ہوا، اور ہندہ اپنے مکان جدید میں اس موقع پر بوقتِ شام گئی اور

شریکِ گھر داس ہوئی اور اپنے شوہر خالد کو اس واقعہ کے بعد دیگر امور سے متعلق خط لکھا، لیکن اپنی شرکت اور گھر داس کی بالکل اطلاع نہ دی۔ جب خالد کو علم ہوا اور اس نے ہندہ کو بہت بُرا بھلا کہا اور یہ بھی کہ تم نے بلا اجازت اپنا قدم مکان سے باہر کیوں نکالا؟ اور کیوں شریک ہوئی؟ اور دفع بدنامی وطعن رسمی کی خاطر تم نے کیوں یہ رسم برتی؟

وہ جواب میں لکھتی ہے کہ میری لڑکی چونکہ سسرال سے میرے گھر آئی تھی اور اب مجھ سے رخصت ہو کر پھر سسرال جارہی تھی، اس لئے اس کے رخصت ہونے کے وقت میں نے اس کے ساتھ اس قدر ساتھ کردیئے اور اسے سوپ کی سخت تکلیف تھی، لہٰذا سوپ بھی ساتھ کردیئے اور بوقتِ شب پردہ کے ساتھ میں نے اس کے مکان میں وعظ سننے کی غرض سے آمدورفت کیا اور ان میں سے کوئی چیز بھی شرعاً ممنوع نہیں اور نہ شوہر کی ناخوشی کی وجہ کے باعث، حالانکہ ہندہ نے اس ''گھر داس'' کے قبل اپنے شوہر خالد کو لکھا کہ میری لڑکی ڈیڑھ مہینہ سسرال میں رہ کر میرے یہاں صرف دس دنوں کے لئے آئی ہے اور اسی ہفتہ میں وہ میرے یہاں سے جمعرات کے دن رخصت ہو کر اپنی سسرال جائے گی اور دوسرے دن جمعہ کو مکان جدید میں داخل ہوگی، ہاتھ خالی ہونے کے سبب اس موقعہ پر نواسہ اور نواسی کے لئے کپڑے بھی نہیں ہوسکتے۔ باوجود اس کے پھر وہ دعاوی مذکورہ ملاحظہ ہوں۔

(ہ) ماہ محرم/ ۵۶ھ سے ''گھر داس'' اس کے ختم تک کی درمیانی مدت میں برابر اپنی علالت کا بذریعۂ خطوط اظہار کرتی رہی، جب ''گھر داس'' کے موقعہ کی شرکت سے فراغت کرچکی تو اب لکھتی ہے اپنے شوہر خالد کو کہ: اب میں بالکل صحیح ہوگئی اور علالت بالکلیہ دفع ہوگئی۔ پس کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

۱......گھر داس از اقسامِ بدعت ہے یا نہیں؟

۲......صورت مفصلہ مذکورہ میں ہندہ حق پر ہے یا نہیں؟

۳......اگر حق پر ہے تو فبہا ورنہ زن ناشزہ ہے یا نہیں؟ جب تک عملاً وہ تائب نہ ہو اس کا نفقہ اس کے ناراض شوہر خالد کے ذمہ سے ساقط ہے یا نہیں؟

۴...... بلا اجازتِ شوہر خالد کے ہندہ کا دن کے وقت یا رات کے وقت عید ملنے کے لئے، یا کسی مہمان عورت کو بستی کے، یا برادری کے لوگوں کے مکانات دکھانے، یا ملاقات کرانے کے لئے، یا وعظ سننے کے لئے، یا اور کسی غرض سے دوسرے کے گھر جانے کے لئے اپنے مکان سے باہر قدم رکھنا اگر چہ داماد کا گھر ہی کیا جائز ہے؟ خصوصاً جب کہ شوہر کی نارضامندی ہو اور وہ ان حرکتوں سے بیزار ہو اور ہندہ کے لئے دیگر ضروری کاموں کے لئے بڑا لڑکا بھی موجود ہو اور ماما بھی اور باہر ایک خادم بھی۔

۵...... منجھلے اور سنجھلے لڑکوں کے متعلق ہندہ کا طریقۂ عمل مذکورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا وہ صلہ رحمی ہے جسے ہندہ صلہ رحمی سمجھ کر جائز قرار دیتی ہے؟

اہلِ قرابت سے ملنے کے لئے کتنی مدت ہے؟

سوال[۹۰۶۲]: ۶...... کیا بیوی کے لئے شرعاً جائز ہے کہ ایسے مرد وعورت کا اپنے مکان کے اندر آنا پسند کرے یا آنے دے جس کی آمد ورفت کو اس کا شوہر ناپسند کرتا ہو اگر چہ وہ مرد وعورت قرابت مند ہوں اور خاص اس بستی کے رہنے والے یا رہنے والی ہوں؟

اولاد کی خاطر شوہر کی نافرمانی

سوال[۹۰۶۳]: ۷...... بیٹی اور داماد خصوصاً دیگر بیٹوں کی خوشی کے لئے شوہر کی نافرمانی جیسا کہ تفصیلِ مذکور سے معلوم ہوا جائز ہے یا نہیں؟ کیا ہندہ کا طریقۂ عمل اولاد کو سرکش اور فاسق وفاجر بنانے کا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

گزارش قابلِ توجہ: از راہ کرم بغرضِ توثیق وتصدیق مہر دار الافتاء اور مہر مجیب ضرور ثبت فرمائی جائے۔

المستفتی: حافظ عبد الغفور سیتا پوری، لکھنؤ، مکان نمبر: ۹۰ روز دوشنبہ ۱۰/ جمادی الاولی/ ۱۳۵۶ھ، ۱۹/ جولائی/ ۱۹۳۷ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... "گھرداس" کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، لہذا طریقِ مذکور پر گھرداس کرنا اور اس کو لازم سمجھنا اور شرکت نہ کرنے والوں پر طعن کرنا بالکل ناجائز اور ممنوع ہے اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس سے

اجتنابِ کلی لازم ہے(۱)۔

۲-۵...... جو امور شرعاً مباح ہوں اور عورت ان پر قادر ہو یعنی بلا ناقابلِ برداشت مشقت کے کرسکتی ہو تو وہ شوہر کے امر کی وجہ سے واجب ہو جاتے ہیں(۲)، ہاں! معصیت میں شوہر کی اطاعت ناجائز ہے(۳)، پس شوہر کی مرضی کے خلاف ہندہ کا گھر داس، یا برادری میں جانا، یا وعظ سننے کے لئے جانا جب کہ وہ اپنی شوہر

(۱) "قال الطیبی: من أصر علی أمر مندوب و جعله عزماً و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أومنکر؟" (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیه)

(وکذا فی السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "وحق الزوج علی الزوجة أن تطیعه فی کل مباح یأمرها به". (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۳۸۵، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۲/۲۹۷، إمدادیه)

(وکذا فی الدر المنتقیٰ، کتاب النکاح، باب القسم: ۱/۵۵۰، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"ظاهره أنه عند الأمر به یکون واجباً علیها کأمر السلطان الرعیة به". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۲۰۸، سعید)

(۳) "فقام عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه، فلقیه بین الناس قال: تذکر یوم قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الله"......... فقال عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه: سمعت رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا طاعة لأحد فی معصیة الله تبارک و تعالیٰ". .... قال رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم : "لا طاعة فی معصیة الله تبارک و تعالیٰ". (مسند أحمد، بقیة حدیث الحکم بن عمرو الغفاری رضی الله تعالیٰ عنه : ۶/۵۹، ۶۰، (رقم الحدیث: ۲۱۰۳۰-۲۰۱۳۳)، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم .... : "لا طاعة فی معصیة الله، إنما الطاعة فی المعروف". (الصحیح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة و تحریمها فی معصیة: ۲/۱۲۵، قدیمی)

سے مسائل معلوم کرسکتی ہے منع اور نا جائز ہے، ایسا کرنے سے وہ گنہگار اور شوہر کی نافرمان ہوگی (۱)۔لڑکا جب بالغ ہوجائے اور کسب پر قادر ہوتو اس کا نفقہ ماں باپ کے ذمہ واجب نہیں رہتا (۲) اور جب کوئی لڑکا فاسق ہوتو اس کو مقدارِ کفایت کھانے کپڑے سے زائد روپیہ دینا کہ وہ جس کو معصیت میں خرچ کرے منع ہے، ہاں! دیندار کو دینا ثواب ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کی اولاد فاسق وفاجر ہو اور یہ خیال ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد میرے مال کی وارث ہوگی اور نافرمانی میں صرف کرے گی، تو مناسب یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنے تمام مال کو مصارفِ خیر پر صَرف کردے اور اولاد کے لئے کچھ میراث نہ چھوڑے۔ پس صورت مسئولہ میں ہندہ کا اپنی فاسق وفاجر اولاد کو اتنی مقدار میں روپیہ دینا جس کو وہ جی کھول کر معصیت میں صرف کریں درحقیقت اعانتِ معصیت ہے جو ناجائز ہے۔

"وإن كان في ولده فاسق، لا ينبغي أن يعطيه أكثر من قوته، كيلا يصير معيناً في المعصية، ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير و يحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركه، اهـ". فتاوى عالم گيرى: ۱۶۵/۳ (۳)۔

---

(۱) "له منعها من الغزل .... و من مجلس العلم إلا لنازلة امتنع زوجها من سؤالها". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۶۰۳/۳، ۶۰۴، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل في حقوق الزوجية: ۴۴۳/۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر في الحظر والإباحة، الجنس الخامس في خروج المرأة من البيت: ۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "البالغ لا تجب نفقته على أبيه إلا بشروط نذكرها". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۴۱/۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۹۲/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل في نفقة الأولاد: ۴۴۵/۱، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۳۹۱/۴، رشيديه) =

عورت کو اپنے ماں باپ سے ملنے کے لئے ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ جانے کا حق ہے اور دوسرے محرم رشتہ داروں سے ملنے کے لئے ایک سال میں ایک مرتبہ جانے کا اختیار ہے، اس سے زیادہ کا نہ حق ہے اور نہ مطالبہ کرسکتی ہے۔ نامحرموں کے گھر جانا جائز نہیں، اسی طرح اپنے محرم کے گھر محفل وغیرہ میں جانا بھی جائز نہیں، نہ شوہر کی اجازت سے نہ بلا اجازت اور شوہر کو اجازت دینا بھی جائز نہیں، اجازت دے گا تو گنہگار ہوگا، کذا فی رد المحتار: ۱۴۸/۲ (۱)۔

پس بلا اجازتِ شرع جانے سے عورت گنہگار ہوگی اور جب بلا اجازت اور بلا استحقاق جائے گی تو ناشزہ ہوگی اور ناشزہ کا نفقہ ساقط ہوجاتا ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے گھر واپس نہ آجائے، جب شوہر کے گھر لوٹ آئے گی تب واجب ہوگا:

"فإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله، اهـ". هداية، ص: ٤١٨ (٢)۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، جنس آخر في الهبة من الصغير: ۴۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير: ۲۳۷/۶، رشيديه)

(۱) "(ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين) في كل جمعة .... (وفي غيرهما من المحارم في كل سنة) .... ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين". (الدر المختار: كتاب الطلاق، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۶۰۲/۳، ۶۰۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر في الحظر والإباحة، جنس آخر في خروج المرأة من البيت: ۵۲/۲، ۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب النفقة: ۴۲۹/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۸۶/۲، ۱۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۳۸/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لاتجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۵۷۶/۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۷۹/۲، غفاريه كوئٹه)

۶...... ہندہ کے پاس ہفتہ میں ایک مرتبہ ہندہ کے ماں باپ آسکتے ہیں، اس سے زیادہ آنے سے شوہر کو منع کردینے کا حق ہے اور یہ بھی حق ہے کہ ان کو زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دے اور شب کو اس کے پاس رہنے سے منع کردے، اور جو لوگ ہندہ کے محرم رشتہ دار ہیں وہ سال بھر میں ایک مرتبہ ہندہ سے ملنے کے لئے آسکتے ہیں، شوہر کو حق ہے کہ وہ اس سے زیادہ نہ آنے دے، نیز زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دے اور شب کو اس کے پاس رہنے سے منع کردے، اس سے زیادہ نہ ان کو حق ہے نہ عورت کو۔ اور جو لوگ محرم نہیں ان کے متعلق شوہر کو کلیۃً حق ہے کہ عورت کے پاس کبھی نہ آنے دے بلکہ نامحرم سے ملنے کی ہرگز اجازت نہ دے:

"ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين، ولا يمنعهما من الدخول عليها في كل جمعة، وفي غيرهما من المحارم في كل سنة لها الخروج، ولهم الدخول، زيلعي. ويمنعهم من الكينونة -وفي نسخة: من البيتوتة- لكن عبارة ملا مسكين: من القرار عندها، ويؤيده ما مر من التعليل بأن الفتنة في المكث و طول الكلام، به يفتي، خانية. ويمنعها من زيارة الأجانب و عيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين و لو كانت عند المحارم؛ لأنها تشتمل على جمع، فلا تخلوا عن الفساد عادةً، اهـ". در مختار شامی: ۲/۱۰۲۸(۱)۔

۷...... اپنے حقِ شرعی کا تو مطالبہ کرسکتی ہے لیکن بلا حقِ شرعی کے اولاد یا داماد کی رعایت سے شوہر کی نافرمانی نہیں کرسکتی، ایسا کرنے سے گنہگار ہوگی، خصوصاً معصیت میں خرچ کرنے والی اولاد کو اتنا روپیہ دینا کہ جس سے وہ معصیت زیادہ کرے خود اس کا بھی مستقل گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على مؤنسة: ۳/۶۰۲، ۶۰۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

، "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات .... وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲) :۲/۱۰، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۶/۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قریب کے رشتہ داروں سے ملاقات کی مدت

سوال[۹۰۶۴]: ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ حقیقی رشتہ داروں کے یہاں سال میں ایک مرتبہ جانا چاہیئے اور اگر اس سے زیادہ جائیں تو کیا گناہ پڑے گا؟ اور اگر یہ رشتہ دار اس مدت میں کئی مرتبہ آئیں جب بھی کیا گناہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو عورت کے محرم ہوں (جن سے نکاح جائز نہیں) ان کے مکان پر ملنے کے لئے سال بھر میں ایک دفعہ جانا اور شوہر کا اس کے لئے اجازت دینا درست ہے جب کہ وہاں پردہ کا انتظام ہو اور کوئی فتنہ اور مفسدہ نہ ہو، اس سے زائد حق نہیں۔ اگر وہ رشتہ دار آنا چاہیں تو ان کے لئے بھی یہی حد ہے، صرف وہاں جانے اور ملاقات کرنے کی اجازت ہے، رات گزارنے کی وہاں اجازت نہیں۔ شامی: ۲/۹۱۵، باب النفقة میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۸ھ۔

خود کمانے والی عورت کا شوہر کو طعنہ دینا

سوال[۹۰۶۵]: ایک شوہر وزوجہ دو ہیں، عیالدار ہیں، شوہر تجارت ومحنت ودکانداری، یا مزدوری کرتا ہے، عورت بھی جانور وغیرہ پالتی ہے، ان کی خوشامد درآمد اسی کے ذمہ ہے اور جنگل میں وہی ان کو چرانے لے جاتی ہے، عورت ومرد دونوں دوش بدوش مل کر کماتے ہیں۔ عورت مذکورہ جب اپنے شوہر سے بگڑتی ہے،

---

(۱) "وفي غيرهما من المحارم في كل سنة يمنعهم من الكينونة عندها، به يفتى. ويمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة، وإن أذن كانا عاصيين". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ۳/۶۰۲، ۶۰۳، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر، جنس آخر في خروج المرأة من البيت: ۲/۵۲، ۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱/۱۸۶، ۱۸۷، رشيديه)

نہایت سخت الفاظ استعمال کرتی ہے، مثلاً میں تیری کمائی کیا کھاتی ہوں، خود کماتی ہوں تب کھاتی ہوں وغیرہ۔ عورت گنہگار ہوتی ہے یا نہیں، کیا ایسی صورت میں عورت پر حقِ شوہری نہیں رہتا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کو ایسے الفاظ استعمال کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے، اس لئے اس کو حد درجہ احتیاط اور زبان کی حفاظت ضروری ہے۔ حدیث شریف میں شوہر کے حقوق کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے، اس لئے کوئی لفظ شوہر کی تعظیم کے خلاف کہنا یا طعن دینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/ ۶۷ھ۔

شوہر بیوی میں ملاپ نہیں، گناہ کس پر ہے؟

سوال[٩٠٦٦]: کئی سال سے شوہر اور بیوی میں ملاپ نہیں ہوا ہے، اس کا گناہ کس کے ذمہ ہوگا؟

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿و للرجال عليهن درجة﴾. (سورة البقرة: ٢٢٨)

وقال الله تعالىٰ: ﴿الرجال قوامون على النساء﴾ (سورة النساء: ٣٤)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها".

"وعن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تؤذى امرأةٌ زوجها في الدنيا، إلا قالت زوجةٌ من الحور العين: لا تؤذيه قاتلكِ الله، فإنما هو عندك دخيل، يوشك أن يفارقك إلينا". .... وعن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "أيما امرأة ماتت و زوجها عنها راضٍ دخلت الجنة". .... وعن طلق بن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إذا الرجل دعا زوجته لحاجته، فلتأته وإن كانت على التنور". .... وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ثلاثةٌ لا يقبل لهم صلاة و لا تصعد لهم حسنة ..... والمرأة الساخط عليها زوجها". (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء و مالكل واحد من الحقوق، الفصل الثاني و الثالث، ص: ٢٨١ - ٢٨٣، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جورکاوٹ بنے ہوئے ہیں(۱)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

زوجین کی باہمی رضامندی سے بعض حقوق زوجیت سے دست برداری

سوال[۹۰۶۷]: ۱...... زید نے دوشادیاں کی ہیں، پہلی بیوی کے تین بچے ہیں، اور اس کو طلاق دینا چاہتا ہے، لیکن بیوی کا اصرار ہے کہ وہ بچے چھوڑ کر نہیں جا سکتی، اور صرف کپڑا اور رزق کے خواہاں ہے، زید اس کو نان ونفقہ فراہم کرتا ہے، مگر حقوقِ زن وشوہر پر آمادہ نہیں۔ کیا وہ بعد از طلاق زید کے گھر رہ سکتی ہے؟ باپ کہتا ہے کہ اگر تو نے طلاق دی تو میں خودکشی کرلوں گا۔ ایسی صورت میں طلاق دے یا نہیں؟

۲...... زید اگر طلاق دیدے تو کس قدر مہر واجب ہے؟ جبکہ زید کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، کیا مہر بخشا جاسکتا ہے؟

۳...... زید اپنی زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی زوجہ نافرمان ہے، نماز سے بالکل غافل ہے، علمِ دین سے کوری اور اس نے زید کے باپ کے خلاف زنا کا الزام لگایا ہے جو کہ غلط ہے۔

۴...... اگر زید طلاق نہ دے اور سوائے نان ونفقہ کے ہمبستری وغیرہ نہ کرے جبکہ اس کی زوجہ بھی تیار ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمبستری وغیرہ نہیں کرنا چاہتا، طبیعت راغب نہیں اور اس بنا پر طلاق دینا چاہتا ہے اور زوجہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتی اور ہمبستری وغیرہ کا مطالبہ نہیں کرتی اور صرف کپڑا اور نفقہ چاہتی ہے، اور زید نان نفقہ دینے کیلئے آمادہ ہے اور زید کا والد اس طلاق سے سخت ناخوش ہے، یہاں تک کہ خودکشی کے

---

(۱) "وللزوج أن یسکنها حیث أحب ولکن بین جیران صالحین". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فی الکلام علی المؤنسة: ۶۰۲/۳، سعید)

لئے تیار ہے تو پھر طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں، زید کا مقصد بغیر طلاق بھی حاصل ہے، دونوں بدستور رہیں، ہمبستری وغیرہ کا مدار نشاط ورغبت پر ہے، بیوی کا مقصد بھی حاصل ہے کہ وہ جانا نہیں چاہتی، ایسی صورت میں طلاق ہرگز نہ دے(۱)۔

۲......مہر زوجہ کا حق ہے وہ معاف کرنا چاہے تو معاف کرسکتی ہے، لینا چاہے تو لے سکتی ہے، جب شوہر کے ساتھ وہ رہ چکی ہے تو پورا مہر لازم ہے(۲)، اگر رخصتی وخلوت سے پہلے طلاق دی جائے تو نصف مہر لازم ہوگا، اور نصف مہر شوہر رکھ لیتا ہے(۳)۔

۳...... جائز کاموں میں بلا عذر شرعی شوہر کی اطاعت نہ کرنا، شوہر کے والد پر زنا کا الزام لگانا بھی اتنا سخت جرم ہے کہ شوہر اگر اس کی وجہ سے طلاق دیدے تو شوہر پر کوئی پکڑ نہیں (۴)۔

---

(۱) "إیقاعه (أی إیقاع الطلاق) مباح عند العامة، لإطلاق الأیات، أکمل. (وقیل) –قائله الکمال– (الأصح حظره): أی منعه (إلا حاجة) کریبة وکبر". (الدر المختار: ۲۲۷/۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳۸۰/۱، کتاب الطلاق، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی النهر الفائق، ۳۱۰/۲، کتاب الطلاق، رشیدیه)

(۲) "والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحیحة، وموت أحد الزوجین، سواء کان مسمی أو مهر المثل، حتی لایسقط منه شیء بعد ذلک إلابالإبراء من صاحب الحق". (الفتاویٰ العالمکیریة، السابع فی المهر، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر: ۳۰۳/۱، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، من شروطه المهر، بیان مایتأکد به المهر: ۵۸۴/۲، رشیدیه)

(۳) "ویجب (نصفه بطلاق قبل وطی أو خلوة)". (الدرالمختار). "(قوله: قبل وطی أو خلوة) هو معنی قول الکنز: قبل الدخول". (ردالمحتار: ۱۰۴/۳، کتاب النکاح، باب المهر، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲۳۰/۲، کتاب النکاح، باب المهر، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۱۳/۱، کتاب النکاح، الفصل السابع فی الزیادة فی المهر والحط عنه وفیمایزید وینقص، رشیدیه)

(۴) "معناه أن الشارع ترک هذا الأصل، فأباحه، بل یستحب لو موذیةً أو تارکة صلاة، غایة. ومفاده أن لا إثم بمعاشرة من لاتصلی. ویجب لوفات الإمساک بالمعروف، ویحرم لو بدعیاً". (الدرالمختار: =

۴......اپنے خصوصی حالات کے پیشِ نظر اگر دونوں اس پر رضامند ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۱۳۸۵ھ۔

زوجین کو اپنے حقوق معاف کرنے کا حق ہے

سوال[۹۰۶۸]: لگ بھگ دو سال سے ہندہ اپنے شوہر سے ملتی ہے اور اپنی غلطی کا اقرار کرتی ہے اور معافی چاہتی ہے، زید معاف بھی کرچکا ہے اور لڑکی بھی اپنے سب طرح کے حقوق بھی معاف کرچکی ہے، لہذا معافی قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر ایک کو اپنے حقوق کو معاف کرنے کا حق ہے (۱)۔ فقط۔

= ۳/۲۲۸، ۲۲۹، کتاب الطلاق، سعید)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۱۰، كتاب الطلاق، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۴۱۴، كتاب الطلاق، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "أن لها ثلثة أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية، والعزم أن لايعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق . وأصلها الندم ، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

بیس سال تک ملاپ نہ ہونے کے باوجود اب ملاپ درست ہے

سوال[۹۰۶۹]: شادی ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے، اس بیچ شوہر اور بیوی میں ملاپ نہیں ہوا، ادھر دو سال سے ہندہ اپنے شوہر سے ملتی ہے۔ اگر زید اس کو رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رکھ سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

شوہر کے سفر پر جانے سے اگر بیوی بیمار ہو جاتی ہو تو شوہر کیا کرے؟

سوال[۹۰۷۰]: ایک عورت سفر پر شوہر کے باہر جانے سے مریض ہو جاتی ہے، کیا شوہر کا اسے ساتھ لے جانا ضروری ہے یا شوہر کا اس عذر پر نہ جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر اپنی ضرورت کی وجہ سے سفر میں جا سکتا ہے اگرچہ اس کی بیوی بیمار ہو جاتی ہو، مگر اس کی تیمارداری کا انتظام کر کے جائے یا سفر میں ساتھ لے جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۱ھ۔

ساس کی خدمت

سوال[۹۰۷۱]: زید کی بیوی زچگی کی وجہ سے میکہ گئی ہے، زید نے کہا کہ میری ماں کی خدمت

---

(۱) تعلقاتِ زوجیت برقرار رکھنے کا مدار بقائے نکاح پر ہے، لہٰذا جب عقدِ نکاح باقی ہے تو یہ تعلق بھی باقی ہے۔

(۲) شریعت نے شوہر کو اختیار دیا ہے کہ اپنی بیوی کو جہاں چاہے رکھے:

قال الله تعالىٰ: ﴿وأسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم و لا تضاروهن لتضيقوا عليهنّ﴾ (سورة الطلاق: ٦)

" قالوا: وللزوج أن يسكنها حيث أحب، ولكن بين جيران صالحين ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الكلام على المؤنسة: ٣/٦٠٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ٤/٣٢٩، رشيديه)

کرو، ہندہ نے کہا کہ خدمت کے لئے دوسری عورت رکھ لو، میں خدمت نہیں کروں گی۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً ہندہ کے ذمہ شوہر کی ماں کی خدمت واجب نہیں، لیکن اخلاقی طور پر اس کا خیال کرنا چاہیئے کہ وہ اس کے شوہر کی ماں ہے تو اپنی ماں کی طرح اس کو بھی راحت پہونچانے کا خیال رکھے، اور شوہر کی اطاعت کرے (۱)، آخر جب ہندہ کو ضرورت پیش آتی ہے تو شوہر کی ماں اس کی خدمت کرتی ہے۔ اس طرح آپس کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں اور مکان آباد رہتا ہے، البتہ شوہر کو بھی چاہیئے کہ اپنی بیوی سے نرمی اور شفقت کا معاملہ کرے اس کو سمجھائے کہ میں تمہاری ماں کا احترام کرتا ہوں اور ان کو اپنی ماں کی طرح سمجھتا ہوں، تم بھی میری ماں کو اپنی ماں کی طرح سمجھو۔ نیز بیوی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "وحقه عليها أن تُطيعه في كل مباح يأمرها به". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعيّة".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۸، سعيد)

(۲) "فإن كان للرجل والدةٌ أو أخت أوولد من غيرها في منزلها، فقالت: صيرني في منزل على حدة، كان لها ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب النفقة: ۱/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۴۴۱، مكتبه شركة علميه)

"وعن لقيط بن صبرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلت: يا رسول الله! إن لي امرأةً في لسانها شيء يعني البذاء، قال: "طلقها". قلت: إن لي منها ولداً ولها صحبة، قال: "فمرها"، يقول: "عظها، فإن يك فيها خيراً فستقبل". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء: ۲۸۱، ۲۸۲، قديمي)

زوجین کا ساتھ کھانا

سوال[۹۰۷۲]: میاں بیوی کا ایک ساتھ کھانا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست بلکہ مناسب اور افضل ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۸ھ۔

سسرال میں جانا اور کھانا

سوال[۹۰۷۳]: زید کی منکوحہ ہندہ اپنے والد بکر کے وہاں جاتی ہے، بکر ہی قیام وطعام کا خرچ پورا کرتا ہے، بکر کو اس بارے میں کوئی ناگواری نہیں معلوم ہوتی، زید بھی کبھی کبھی بکر کے یہاں مہمان بنتا ہے اور کبھی کبھی ناگواری بھی محسوس کرتا ہے۔ایسی حالت میں زید کا خود وہاں قیام کرنا کیسا ہے؟فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی زوجہ اپنے والد کے مکان پر زید کی اجازت سے رہے اور زوجہ کے والد اپنی لڑکی کا خرچہ بخوشی برداشت کریں تو زید پر کوئی پکڑ نہیں، اور زید کو اگر خوش دلی سے کھانا کھلائیں تب بھی پکڑ نہیں، اگر زید کو اس کا احساس ہو کہ زید کا کھانا ان پر بار ہے اور وہ اس سے خوش نہیں تو زید کو وہاں نہیں کھانا چاہیئے اور زید کے قیام سے اگر ان کو ناگواری ہو تو وہاں قیام بھی نہیں کرنا چاہیئے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۱/۳ھ۔

---

(۱) "عن عامر بن سعد عن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.......... : "و مہما أنفقت فہو لک صدقة، حتی اللقمة ترفعها فی فیٔ امرأتک". (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل: ۲/۸۰۶، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿لیس علی الأعمی حرج ولا علی الأعرج حرج .... ولا علی أنفسکم أن تأکلوا من بیوتکم أو بیوت اٰبائکم أو بیوت أمهٰتکم﴾ (سورة النور: ۶۱) ....=

بیوی کے لئے مٹھائی لے جانا کیا آوارہ گردی ہے؟

تفصیل اقرار نامہ:

سوال[۹۰۷۴]: حافظ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ برخوردار ایک دن کچھ مٹھائی اور کپڑا اپنی بیوی کے لئے لے کر میرے مکان پر آیا جب کہ میری بیوی رخصت ہو کر اپنے میکے آئی تھی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ برخوردار یعنی میری بیٹی کا شوہر ایک دن چھُری لے کر میرے بڑے بیٹے برکت اللہ کو مارنے بھی آیا تھا، لیکن برخوردار صرف پہلے واقعہ یعنی مٹھائی اور کپڑا لانے کا اقراری ہے اور دوسرے یعنی چھری والے واقعہ کا منکر ہے، پس ایسی صورت میں یہ واقعہ خلاف اس اقرار نامہ کے ہوگا جس پر طلاق کو معلق کیا ہے یا نہیں؟

حافظ صاحب اور ان کے بیٹے برکت اللہ کے تصور میں مٹھائی اور کپڑا لانا آوارہ گردی میں داخل ہے، حالانکہ برخوردار اپنی بیوی کے واسطے لے کر گیا تھا نہ کہ کسی دوسری عورت کے واسطے بلکہ خاص اپنی بیوی کی محبت سے اس کے باپ اور بھائی کی پوشیدگی سے دینے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اس کو آوارہ گردی تصور کیا۔

نقل تحریر اقرار نامہ:

منکر برخوردار ولد عبدالوہاب مہراج گنج پرگنہ، میرانپور، ضلع سلطانپور۔

"من مقر چونکہ من مقر کا نکاح مسماۃ طہر النساء دختر عبدالوہاب پرگنہ وتحصیل وضلع مذکور سے ہوا تھا، عرصہ ایک سال سے زائد ہوتا ہے کہ من مقر نے تین خطوط مسماۃ مذکور کے وارثوں کے نام بھیجا تھا کہ مجھے منظور نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ گزر بسر کریں یا میرے مکان میں رہیں، لہٰذا آج تک درمیان میں تنازع اور فساد رہا تھا۔ درمیان چند اشخاص مندرجہ ذیل کے میں اقرار کرتا ہوں، لکھ کر دیتا ہوں کہ: مسماۃ مذکور کو کسی قسم کی تکلیف مثل نان ونفقہ کے نہ ہونے پاوے گی، یا میں آوارہ گردی کروں، یا آئندہ کسی قسم کے خطوط متنازعہ، یا شکایت درمیان میں پیش آئے تو مسماۃ بالا مذکور نکاح سے باہر ہے یعنی طلاق

= "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

مغلظہ ہوجاوے، لہذا بحالتِ صحتِ نفس وثباتِ عقل اپنے کے اکراہ واجبار کے یہ چند کلمہ بطورِ اقرارنامہ کے لکھ دیا کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت پر کام آوے۔ نام اشخاص جن کے سامنے اقرار کرتا ہوں:

محمد حنیف وعبدالغفور وامیر بخش، حبیب اللہ، سبحان، محمد اشرف، ساکنان ہراہ گنج، کھنکھن۔ وامام دین، ساکنان شاہ داؤد پور۔ چودھری ساکن پلہی پور۔ بذل ورحیم وعبد الستار، ساکن ڈھرسیہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بیوی کے لئے مٹھائی وکپڑا لیکر جانا شرعاً کوئی عیب یا آوارہ گردی نہیں، محض اس کی وجہ سے طلاق نہیں ہوگی (۱)، یہ اقرارنامہ کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ اور کسی قسم کی تکلیف اپنی بیوی کو پہونچائی ہو تو شرعی ثبوت کے بعد اس پر حکم جاری ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

کیا بیوی کو شوہر کی شکایت کرنے کا حق ہے؟

سوال[۹۰۷۵]: ایک شخص جو کچھ اس کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، بیوی بچوں کو دے دیتا ہے، ان سے الگ کوئی چیز نہیں کھاتا، بلکہ خود موٹا جھوٹا پہنتا ہے اور کھاتا ہے اور بیوی بچوں کو اپنے سے اچھا پہناتا ہے۔ تین مہینہ میں کم از کم ۲۵/ دن باہر گذارتا ہے۔ گھر آکر بیوی سے یہ کہتا ہے کہ تم میرے سامنے میری مرضی کے مطابق رہو، میری عدم موجوگی میں اپنی مرضی کی گذاری۔ یہ شخص صفائی پسند اور سلیقہ شعار ہے، گھر کی چیزوں کو بکھرا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا، وہ کہتا ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ سلیقہ سے رکھنی چاہیئے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ہم غریب آدمی

---

(۱) "ورکنہ (أی الطلاق) لفظ مخصوص، هو ما جعل دلالةً علی معنی الطلاق من صریح أو کنایة".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۳۰/۳، کتاب الطلاق، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۰/۳، کتاب الطلاق، بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۳۰۹/۲، کتاب الطلاق، إمدادیه، ملتان)

ہیں، کفایت شعاری سے کام کرنا چاہیئے، وہ بیوی کو بار ہا انسانیت سے کہتا ہے، کبھی کبھی غصہ سے بھی کہنا پڑتا ہے، مگر بیوی اس سے لڑتی ہے کہ گھر کے معاملے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں، تم چپ بیٹھو۔

کفایت شعاری کو کہا جائے تو طعنہ دیتی ہے کہ تم اولاد کے دشمن ہو، کما کر کھلایا نہیں جاتا۔ کیا بیوی کو ایسا جواب دینے کا حق ہے؟ کیا شریعت نے کفایت شعاری کی تاکید نہیں کی ہے؟ میں اکیلا کمانے والا اور آٹھ کھانے والے ہیں اور گرانی کا یہ عالم ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو ایسا جواب دینے کا حق نہیں، شریعت نے کفایت شعاری کی ہدایت کی ہے(۱) اور مرد کو قوام قرار دیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

زوجین میں نباہ کی ایک صورت

سوال[۹۰۷۶]: سید نے اپنی ایک بالغ لڑکی کی شادی بکر کے لڑکے عمر سے کردی۔ لڑکی سسرال چند بار آئی گئی، سسرال والوں نے لڑکی پر گھر کے کام اور کھیت کا کام کا بوجھ ڈالا، لڑکی کی عمر پندرہ سال کی تھی، وہ زیادہ کام کی عادی نہیں تھی تو لڑکی کام کا بوجھ برداشت نہ کرسکی، سسرال والے اس سلسلہ میں اس کو بہت تکلیف

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تبذّر تبذيراً، إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين﴾ (سورة الإسراء: ۲۶، ۲۷)

قال ابن كثير: "وقوله ﴿ولا تبذر تبذيراً﴾ لما أمر بالإنفاق، نهى عن الإسراف فيه، بل يكون وسطاً كما قال في الآية الأخرى: ﴿والذين إذا أنفقوا ولم يُسرفوا ولم يقتروا﴾ (الآية) ثم قال منفراً عن التبذير والسرف: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشيطين﴾: أى أشباههم في ذلک". (تفسير ابن كثير، (سورة الإسراء: ۲۶): ۳/۵۳، مكتبه دارالفيحاء بيروت)

(وكذا في روح المعاني، سورة الإسراء: ۱۵/۶۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿الرجال قوّامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض، وبما أنفقوا من أموالهم﴾ (سورة النساء: ۳۴)

دیتے تھے، نوبت یہ پہونچی کہ لڑکی کی نگرانی شروع کردی ہے۔لڑکی کے والد سید کو خبر پہونچی تو وہ لینے کے لئے آئے، مگر انہوں نے نہیں بھیجا، بکر نے کہا کہ ہم نہیں بھیجیں گے۔آخری بار یہ کہا کہ ہم کو زیور واپس کردو تب ہم لڑکی واپس کریں گے اور طلاق بھی دیں گے۔

چنانچہ خاندان کے چند معزز اشخاص کے ذریعہ اسی وقت واپس کرلیا، زیور پانے کے بعد بکر اور اس کے خاندان نے کہا کہ اب آپ تو واپس جائیں، اب ہم نہ لڑکی کو واپس کریں گے۔

بہر حال والدین لڑکی کو واپس لے آئے، لیکن اب بکر عمر اور اس کے خاندان والے لڑکی کو طلاق دینے کو کسی طرح تیار نہیں ہیں۔اب جواب طلب امر یہ ہے کہ زید لڑکی کا والد لڑکی کو سسرال بھیجنے اور لڑکی بھی سسرال جانے کو تیار نہیں ہے کیونکہ اب جان کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے اور بکر وعمر وغیرہ کے لئے عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر شوہر اپنی بیوی کو رکھنے اور آباد کرنے کے لئے آمادہ ہے تو اس کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتے، صرف بے جا زیادتی سے روکا جاسکتا ہے، جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ غلط ہے، بہتر یہ ہے کہ بڑے باا ثر معاملہ فہم آدمیوں کو درمیان میں ڈال کر شوہر سے کہا جائے کہ وہ کام کا بوجھ برداشت سے زیادہ نہ ڈالے اور ظلم وتشدد اختیار نہ کرے، اگر وہ مان جائے تو لڑکی کو سمجھا بجھا کر رخصت کردیا جائے (۱)۔اگر شوہر نہ مانے تو اس کو کہا جائے کہ وہ طلاق دیدے اگرچہ مہر کے عوض ہو یا کچھ مزید دیکر ہو (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿وإن خفتم شقاق بينهما، فابعثوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها، إن يريدآ إصلاحاً يوفّق الله بينهما، إن الله كان عليماً خبيراً﴾ (سورة النساء: ۳۵)

(۲) قال الله تعالىٰ ﴿فإن خفتم أن لا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به". (الهداية: ۲/۴۰۴، كتاب الطلاق، باب الخلع، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳/۴۴۱، كتاب الطلاق، باب الخلع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۸۸، الباب الثامن في الخلع و ما في حكمه، رشيديه)

فصل فی الجماع و متعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

کیا جماع کے لئے کوئی حد مقرر ہے؟

سوال[۹۰۷۷]: عورت کا حق مرد پر صحبت کے اعتبار سے کس قدر ہے، ہفتہ میں ایک بار، یا مہینہ میں ایک بار، یا سال میں ایک بار؟ فتویٰ اور تقویٰ دونوں اعتبار سے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عورت کا حق قضاءً تو ایک مرتبہ سے ساقط ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بعد اس کو پیش کر کے فسخِ نکاح کا مطالبہ نہیں کرسکتی، لیکن دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ کبھی کبھی واجب ہوگا، اس کے لئے شرعاً کوئی مدت نہیں، یہ قوت، صحت اور دیگر حالات پر موقوف ہے، ہاں! عورت کی رضامندی کے بغیر چار ماہ سے زیادہ کی دیر نہ لگائے، اور اگر عورت مطالبہ کرے تو دیانۃً اس پر واجب ہوجاتا ہے کہ اس کے مطالبہ کو پورا کرے:

"ویسقط حقها بمرة، ویجب دیانةً أحیاناً، ولا یبلغ مدة الإیلاء إلا برضاها، ویؤمر المتعبد بصحبتها أحیاناً". درمختار۔

"(قوله: یسقط حقها بمرة) قال فی الفتح: واعلم أن ترك جماعها مطلقاً لایحل له، صرح أصحابنا بأن جماعها أحیاناً واجب دیانةً، لکن لا یدخل تحت القضاء والإلزام، إلا الوطأة الأولیٰ، ولم یقدروا فیه مدةً. ولا یبلغ به مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها به ....

وفی البدائع: لها أن تطالبه بالوطئ؛ لأن حله لها حقها کما أن حلها له حقه. وإذا طالبته، یجب علیه، ویجبر علیه فی الحکم مرةً، والزیادة تجب دیانةً، لا فی الحکم عند بعض أصحابنا، وعند

بعضھم تجب في الحکم، اھ". شامي، ص: ٥٤٧، ٥٤٨ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تسکینِ جذبات کے لئے علاج

سوال [۹۰۷۸]: میرا نفس کمزور ہے، شادی نہیں کی، مگر کبھی کبھی زنا کی خواہش ہوتی ہے، اس حالت میں کیا کروں؟ تبلیغی جماعت کے ساتھ دینی کام کرتا رہتا ہوں، مسجد میں جماعت سے نماز پڑھوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اتنی کمزوری ہے کہ شادی کر کے بیوی کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے تو کسی حکیم سے مل کر نبض دکھا کر اپنے لئے ایسی دوا تجویز کرالیں کہ جذبات میں سکون رہے، معصیت کا ارتکاب نہ ہو (۲)۔ جماعت سے نماز بھی برابر پڑھا کریں (۳)۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی دینی کام کرتے رہا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۹ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۰۲/۳، ۲۰۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۹۴/۲، إمدادیه ملتان)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۲۲۷/۲، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنی، إنه کان فاحشةً وساء سبیلاً﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

"عن صفوان بن عسال رضي الله تعالیٰ عنه قال: .... فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لاتشرکوا بالله شیئاً، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الثاني، ص: ۱۷، قدیمي)

(۳) "والجماعة سنة مؤکدة للرجال، وقیل: واجبة، وعلیه العامة .... فتسن أو تجب. ثمرته تظهر في الإثم بترکها مرةً". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۲/۱ – ۵۵۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۰۲/۱، ۶۰۳، رشیدیه)

بیوی کا پستان منہ میں لینا

سوال[۹۰۷۹]: اپنی منکوحہ کا پستان منہ میں لیکر چوسنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی: ۱/۳۱ میں ہے:

"(قوله: مباشرتها له) سبب تردده في المباشرة تردد البحر فيها حيث قال: و لم أرلهم حكم مباشرتها له، و لقائل أن يمنعه بأنه لماحرم تمكينها في استمتاعه بها، حرم فعلها به بالأولى. ولقائل أن يجوزه بأن حرمته عليه لكونها حائضاً و هو مفقود في حقه، فحل لها الاستمتاع به، ولأن غاية مسها بذكره أنه استمتاع بكفها، وهو جائز قطعاً، اهـ. واستظهر في النهر الثاني .... يجوز له أن يلمس بجميع بدنه حتى بذكره جميع بدنها إلا ما تحت الإزار، فكذا هي لها أن تلمس بجميع بدنها جميع بدنه حتى ذكره"(۱)۔

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ مرد کو اپنی منکوحہ سے ہر قسم کا استمتاع درست ہے جیسے رخسار کا چومنا اور ہونٹوں وغیرہ کا چومنا وغیرہ، البتہ پستان کا چوسنا ٹھیک نہیں ہے کہ اس میں پستان سے دودھ کے نکلنے پر مرد کے حلق میں جانے کا اندیشہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۲۹۲، ۲۹۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۴۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، ۱/۱۵۰، دار المعرفة بيروت)

(وتفسير الخازن، (سورة البقرة: ۲۲۳): ۱/۱۶۳، حافظ كتب خانه، كوئٹه)

(۲) ''اپنی زوجہ کا دودھ پینے سے وہ حرام نہیں ہوتی، ہاں اس کا دودھ پینا حرام ہے، جو ایسا کرے گا گنہگار ہوگا''۔ (کفایت المفتی، کتاب النکاح، دسواں باب، رضاعت وحرمت رضاعت، عنوان: ''بیوی کا دودھ پینے سے بیوی حرام نہیں ہوتی، لیکن ایسا کرنا گناہ ہے'': ۵/۱۶۲، دارالاشاعت کراچی) .... =

بیوی کا دودھ

سوال[۹۰۸۰]: جماع کرتے وقت بیوی کے پستانوں سے منہ لگادے اور دودھ منہ میں آجائے تو کفارہ کیا ادا کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ کچھ نہیں ہے، البتہ بیوی کا دودھ پینا حرام ہے، لہٰذا ایسی حرکت ہرگز نہ کی جائے جس سے دودھ اندر پہونچے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

چالیس سال گزرنے پر بھی بیوی سے جماع حرام نہیں

سوال[۹۰۸۱]: میری زوجہ کی عمر ۴۰/سال ہوچکی ہے، ان کا حیض بند ہوگیا تو اس سے ہمبستری مجھ کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چالیس سال عمر ہوجانے اور حیض بند ہوجانے سے بھی نکاح فسخ نہیں ہوتا، نہ بیوی حرام ہوتی ہے، بلکہ بدستور نکاح قائم رہتا ہے بلا تکلف ہمبستری جائز ہے، کوئی شبہ نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/۹۱ھ۔

=(وكذا في خير الفتاوىٰ، كتاب النكاح، رضاعت كے مسائل، (استفتا نمبر: ۴۵۶: ۴/۴۸۸)، خير المدارس، ملتان)

"(ولم يبح الإرضاع بعد المدة)؛ لأنه جزء آدميّ والانتفاع به لغير ضرورة حرامٌ على الصحيح". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۳/۲۱۱، سعيد)

(۱) چالیس سال کی عمر کا ہونا اور حیض کا بند ہوجانے سے نہ نکاح میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ بیوی سے ازدواجی تقاضوں کے حصول میں کوئی فرق آئے، بلکہ نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے تقاضوں جماع وغیرہ کا حصول اس وقت بند ہوجاتا ہے جب کہ منافیٔ نکاح یعنی طلاق کا صدور ہوجائے، اور قیدِ نکاح سے عورت نکل جائے، اور قیدِ نکاح سے=

بوڑھی بیوی سے جماع

سوال[۹۰۸۲]: ۱......اپنی بوڑھی بیوی سے ہمبستر ہونا عندالشرع کیسا ہے؟

نابالغہ بیوی سے وطی

سوال[۹۰۸۳]: ۲......اپنی نابالغہ بیوی سے وطی کرنا کیسا ہے؟

بیوی کی چھاتی منہ میں لینا

سوال[۹۰۸۴]: ۳......اپنی بیوی کی چھاتی کو منہ میں لینا کیسا ہے؟ اس میں دو شقیں ہیں: ایک یہ کہ دودھ منہ میں اتر جائے، دوسرے یہ کہ دودھ منہ میں نہ اترے۔

بیوی کی دبر میں وطی کرنا

سوال[۹۰۸۵]: ۴......اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے بجائے قُبل کے دُبر میں وطی کی اور اس شخص کو یہ گمان ہے کہ قُبل ہی میں ہے۔ فارغ ہونے کے بعد عورت نے بتایا کہ تم نے ناجائز راستے کو استعمال کیا تھا، مگر بوقتِ وطی عورت جانتی تھی کہ ناجائز راستہ استعمال ہو رہا ہے، لیکن اس وقت اس نے کچھ نہ کہا، بعد میں بتایا۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ مرد گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟ نیز عورت بھی گناہ کی مرتکب ہوئی یا نہیں؟

دن میں ہمبستری کرنا

سوال[۹۰۸۶]: ۵......دن میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا کیسا ہے؟

= عورت مخصوص الفاظ کے ساتھ نکل جاتی ہے جب کہ وہ الفاظ کہے جائیں، جب تک وہ الفاظ ادا نہ کئے جائیں اس وقت تک عورت چونکہ نکاح میں ہوتی ہے، اس لئے اس سے جماع وغیرہ جائز ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو لغة رفع القيد، لكن جعلوه في المرأة طلاقاً، وفي غيرها إطلاقاً .... وشرعاً: رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص هوما اشتمل على الطلاق". (الدر المختار، كتاب الطلاق، ۳/۲۲۶، ۲۲۷، سعيد)

"أما تفسيره شرعاً، فهو رفع قيد النكاح حالاً أو مآلاً بلفظ مخصوص". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسير وركنه وشرطه وحكمه الخ: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۰۹، رشيديه)

جناب والا! ان مسئلوں کا بالترتیب جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔ المستفتی: محمد فاروق غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوڑھی عورت اگر جماع کی متحمل نہ ہو اور جماع اس کو مضر ہو تو شوہر کو اس سے جماع درست نہیں:

"وفی الأشباہ من أحکام غیبوبة الحشفة فیما یحرم علی الزوج وطأ زوجته مع بقاء النکاح قال: و فیما إذا کانت لاتحتمله لصغر أو مرض أو سمنة، .... فعلم من هذا کله أنه لا یحل له وطؤها بما یؤدی إلی إضرارها". کذا فی الشامی: ۲/۵۴۹(۱)۔

۲......اگر نابالغہ بیوی جماع کی متحمل نہ ہو اور جماع اس کو مضر ہو تو اس سے جماع درست نہیں، کما هو ظاهر من عبارة الجواب الأولیٰ۔

۳......اپنی بیوی کی چھاتی منہ میں لینا درست ہے، البتہ اگر دودھ آنے کا گمان ہو تو پھر ایسا نہ کرے:

"وهو تحقیق وجیه؛ لأنه یجوز له أن یلمس بجمیع بدنه حتی بذکره جمیع بدنها إلا ماتحت الإزار، فکذا هی لها أن تلمس بجمیع بدنها إلا ما تحت الإزار جمیع بدنه، الخ". کذا فی الشامی: ۱/۲۷۰(۲)۔

۴......حالتِ مذکورہ میں عورت گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوگی (۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۲۰۴، سعید)

"لاعبرة للسنین فی هذا الباب، وإنما العبرة للطاقة. وإن کانت ضخمةً سمینةً تطیق الجماع ولا یخاف علیها المرض من ذلک، یحل للزوج أن یدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنین. وإن کانت نحیفةً مهزولةً لا تطیق الجماع و یخاف علیها المرض، لا یحل للزوج أن یدخل بها وإن کبرت سناً".

(الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب النکاح، الفصل الثانی عشر فی نکاح الصغار والصغائر و تسلیمهن إلی الأزواج: ۳/۳۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الحیض، مطلب: لو أفتی مفت بشئ من هذه الأقوال فی مواضع الضرورة طلباً للتیسیر کان حسناً: ۱/۲۹۳، سعید)

(۳) "و وطؤها فی الفرج عالماً بالحرمة عامداً مختاراً کبیرةٌ، لا جاهلاً و لا ناسیاً ولا مکرهاً".

(البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحیض: ۱/۳۴۲، رشیدیه)

۵......دن میں بھی جماع درست ہے(۱)۔

"و من عرسه و أمته، فينظر الرجل منهما وبالعكس إلى جميع البدن من الفرق إلى القدم و لو عن شهوة، الخ". كذافي الشامية: ۵/۳۲۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۸۸ھ۔

بیوی سے خلافِ فطرت کام کرنا

سوال[۹۰۸۷]: زید نے اپنی بیوی کو مارا پیٹا اور گھر سے نکال دیا، عرصہ چار سال کا ہوگیا، اپنی عورت سے خلافِ فطرت کام کرتا ہے، نشہ آور چیزیں استعمال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیوی میری ملکیت ہے، جس طرح چاہوں گا استعمال کروں گا۔ اب عرصہ چار سال سے بالکل خیر خبر نہیں لیتا، ایسی صورت میں ڈر ہے کہ لڑکی غلط راستہ پر نہ پڑ جائے، ایسی صورت میں اگر عقدِ ثانی کرنا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ابھی تو عقدِ ثانی کی اجازت نہیں کیونکہ شوہر زندہ ہے اور اس نے طلاق نہیں دی ہے۔ اگر شوہر طلاق دے دے خواہ مہر کے عوض ہی دے اور پھر عدت تین ماہواری گذر جائے تب عقدِ ثانی کی اجازت ہوگی (۳)۔

---

(۱) قال الإمام الرازي: "اختلف المفسرون في تفسير قوله: ﴿أنّى شئتم﴾ .... والثاني أن المعنى: أيَّ وقت شئتم من أوقات الحل يعني إذا لم تكن أجنبيةً او محرمةً أو صائمةً أو حائضاً ....والخامس: متى شئتم من ليل أو نهار". (التفسير الكبير، (سورة البقرة: ۲۲۳)، الجزء السادس: ۶/۷۳، دار الكتب العلميه، طهران)

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: "وللزوج أن يطالبها بالوطء متى شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعة من الوطء كالحيض والنفاس والظهار والإحرام و غير ذلك". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان حكم النكاح: ۳/۶۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۶، سعيد)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة =

تنبیہ: نشہ آور اشیاء کا استعمال ممنوع ہے(۱)، شوہر کا بیوی کے ساتھ خلافِ فطرت کام کرنا اور یہ کہنا کہ بیوی میری ملکیت ہے جیسے چاہوں گا ویسے استعمال کروں گا، غلط نظریہ ہے(۲)۔ اس کو بیوی پر ویسی ملکیت حاصل نہیں کہ اس فعل کی اجازت دی جائے، اس فعلِ قبیح سے اس کو روکا جائے گا(۳) اور بیوی پر اس کی اطاعت اس فعل میں جائز نہیں(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۹۱ھ۔

قبلہ کی طرف رخ کر کے وطی کرنا

سوال[۹۰۸۸]: کیا اپنی رفیقۂ حیات سے قبلہ کی جانب وطی کرنے میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبلہ کی طرف پیر کر کے بیوی سے صحبت کرنا بھی مکروہ ہے: "یکره مد الرجلین إلی القبلة في النوم

= المتزوجة: ۹/۲۶۲، رشیدیه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر". (مشكوة المصابيح، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، الفصل الثالث، ص: ۳۱۸، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ملعون من أتى امرأته في دبرها". رواه أحمد وأبوداؤد". (مشكوة المصابيح، باب المباشرة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۶، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۶۸۷) : ۱۱/۵۸۰۰، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة)

(۴) "وعن النوّاس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۲/۳۲۱، قديمي)

و غیرہ عمداً، و کذا فی حال مواقعة أهله". شامی: ۱/۲۲۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۴ھ۔

مال جمع کرنے اور بیوی سے صحبت کی مقدارِ واجب

سوال[۹۰۸۹]: مال جمع کرنا، عورت سے صحبت کرنا کہاں تک فرض ہے، اور کہاں تک واجب ہے، اور کہاں تک سنت ہے، اور کہاں تک مستحب ہے، اور کہاں تک مباح ہے اور کہاں تک حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بقدر ادائے حقوقِ واجبہ مال حلال ذریعہ سے کمانا اور رکھنا واجب ہے (۲)، سال بھر کے خرچ کی مقدار بیوی کو نفقہ دینا سنت ہے (۳)۔ بیوی سے اتنی مقدار میں صحبت کرنا واجب ہے کہ وہ بغیر صحبت کے بے چین ہو کر معصیت میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے، اور یہ چیز صحت وقوت، عمر، طبیعت کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے زائد سے زائد چار ماہ کا اندازہ کیا ہے کہ اتنی مدت میں صحبت کا اہتمام وانتظام رکھے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۲۳ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب الأنجاس، فصل فی الاستنجاء، مطلب: إذا دخل المستجي فی ماء قلیل: ۱/۳۴۱، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، الباب السابع الحظر والإباحة، المبحث الرابع، آداب الجماع: ۲۶۴۵/۴، رشیدیه)

(۲) "مالا یتوصل إلی الفرض إلا به، فهو فرض". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱/۴۹۹، سعید)

(وکذا فی تعلیم المتعلم، فصل فی ما هیة العلم والفقه وفضله، ص: ۴۰، قدیمی)

(۳) "عن ابن عیینة قال: قال لی معمر: قال لی الثوری: هل سمعت فی الرجل یجمع لأهله قوت سنة أو بعض السنة؟ قال معمر: فلم یحضرنی، ثم ذکرت حدیثاً .... عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر، و یحبس لأهله قوت سنتهم". (صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة علی أهله: ۲/۸۰۶، قدیمی)

(۴) "و لا یبلغ مدة الإیلاء إلا برضاها". (الدرالمختار). "و یؤید ذلک أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه لما =

نکاح کے بعد دعاء کس وقت پڑھی جائے؟

سوال[۹۰۹۰]: نکاح کے بعد خلوت شب اول میں عورت کی پیشانی کے بال پکڑ کر: "اللهم إني أسئلك من خيرها وخير ما جبلتها عليه، وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه". پڑھنا ہے۔کیا یہ دعاء خلوت سے پہلے پڑھی جاتی ہے، یا نکاح ہوتے ہی عورت کے پاس جا کر فوراً بعد نکاح پڑھی جاتی ہے؟ اس کے پڑھنے کا افضل طریقہ کیا ہے اور افضل وقت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح کے بعد جب ملاقات تنہائی میں ہو، اس وقت یہ دعاء پڑھی جائے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۸ھ۔

= سمع في الليل من امرأة .... فسأل ابنته حفصة رضي الله تعالىٰ عنها: كم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت: أربعة اشهر، فامر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۳/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب القسم: ۴۳۴/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۹۴/۲، إمداديه ملتان)

(۱) "يستحب أن يسمي الله تعالىٰ ويأخذ بناصيتها أول مايلقاها، ويقول: بارك الله لكل واحد منا في صاحبه. ويقول معه ما رويناه بالأسانيد الصحيحة في سنن أبي داؤد وابن ماجة وابن السني وغيرها عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا تزوج أحدكم امرأةً أو اشترى خادماً فليقل: اللهم إني أسألك خيرها وخيرما جبلتها عليه، وأعوذبك من شرها وشر ما جبلتها عليه". (الأذكار للإمام النووي، باب ما يقول الزوج إذا دخلت عليه امرأته ليلة الزفاف، ص: ۱۹۵، دارابن حزم)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب النكاح، باب في جامع النكاح: ۴۹/۴، مكتبة امدادية ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب مايقول الرجل إذا دخلت عليه أهله، ص: ۱۳۸، قديمي)

کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے؟

سوال[۹۰۹۱]: بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے۔کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغیر دعاء کے مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۶ھ۔

برہنہ ہمبستری کرنا

سوال[۹۰۹۲]: زید اور اس کی بیوی اکثر جذبات سے مغلوب ہوکر برہنہ ہوکر ہمبستری کیا کرتے ہیں، درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ چادر وغیرہ اوڑھ لیا کریں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أما لو أن أحدكم يقول حين يأتي أهله: بسم الله، اللّٰهم جنبني الشيطان و جنب الشيطان ما رزقتنا، ثم قدر بينهما في ذلك أو قُضِيَ ولد، لم يضره شيطان أبداً".

قال الحافظ: "وقيل: لم يضره بمشاركة أبيه من جماع أمه كما جاء عن مجاهد: إن الذى يجامع ولايسمى، يلتف الشيطان على إحليله، فيجامع معه، دليل هذا أقرب الأجوبة". (فتح البارى، كتاب النكاح، باب ما يقول الرجل إذا أتى أهله: ۹/۲۲۸، ۲۲۹، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن عتبة بن عبد السلمىٰ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أتى أحدكم أهله، فليستتر، و لا يتجرد تجرد العيرين". (سنن ابن ماجة، أبواب النكاح، باب التستر عند الجماع، ص: ۱۳۸، مير محمد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستتار عند الجماع: ۱۷/۳۸۶، إدارة القرآن كراچى) .... =

حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟

سوال[۹۰۹۳]: حاملہ عورت کے ساتھ کتنی مدت تک صحبت کرسکتے ہیں؟اور صحبت سے رکنا آیا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحبت سے رکنے کا حکم حمل کی حفاظت کی خاطر ہے، جب اس کو نقصان دے تو رک جائے (۱) اور یہ بات طبیب سے دریافت کرنے کی ہے کہ کب نقصان دہ ہے اور کب نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔

بیوی سے صحبت کے وقت یہ تصور کہ فلاں اجنبیہ سے صحبت کررہا ہوں

سوال[۹۰۹۴]: زید اپنی اہلیہ سے صحبت کرتے وقت کہتا ہے کہ یہ سوچو کہ فلاں غیر محرم تمہارے ساتھ صحبت کررہا ہے اور خود بھی زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں فلاں تمہارے ساتھ صحبت کررہا ہوں۔ کیا ایسا کہنے پر نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا؟ زید کو یہ اطلاع اپنے مرشد کو بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟ زید نے اب توبہ کرلی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنے سے نکاح تو نہیں ٹوٹتا، البتہ یہ بے حیائی اور گناہ ہے (۲)، اگر زید توبہ پر قائم رہے تو مرشد کو

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السابع: الحظر والإباحة، المبحث الرابع: آداب الجماع: ۲۶۴۵/۴، رشيديه)

(۱) "لو تضررت من كثرة جماعه، لم تجز الزيادة على قدر طاقتها". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "فعلم من هذا كله أنه لا يحل له وطؤها بمايؤدي إلى إضرارها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۴/۳، سعيد)

(۲) "الثالث: ذكر بعض الشافعية أنه كما يحرم النظر لما لايحل، يحرم التفكر فيه، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض﴾ فمنع من التمني كما منع من النظر. وذكر العلامة ابن حجر رحمه الله تعالىٰ في التحفة أنه ليس منه مالو وطئ حليلته متفكراً في محاسن أجنبية حتى خيل إليه أنه يطؤها. ونقل عن جماعة منهم الجلال السيوطي والتقي السبكي أنه يحل لحديث: "إن الله تجاوز لأمتي =

خبر کرنا ضروری نہیں، ورنہ خبر کر کے تدبیر دریافت کر لی جائے کہ کس طرح اس بے حیائی سے نجات ملے۔ خدائے پاک معاف فرمائے اور محفوظ رکھے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حائضہ سے انتفاع کی صورت

سوال[۹۰۹۵]: اگر مرد اپنی حائضہ بیوی کے مابین السرة إلى ركبتيه کو جب کہ اس پر کپڑا ہو، اپنے عضو سے کپڑا لپیٹ کر مس کرے، فرج داخل چھوڑ کر اور اس کو انزال ہو جائے تو یہ فعل عند الشرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کپڑا درمیان میں حائل ہے، تو یہ صورت ممنوع نہیں:

"فيجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها، والركبة وما تحتهاولو بلا حائل، وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطي ولو تلطخ دماً". شامي: ۱/۱۹۴(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= ماحدثت به أنفسها". ولا يلزم من تخيّله ذلك عزمه على الزنا بها، حتى يأثم إذا صمم على ذلك لو ظفر بها، وإنما اللازم فرض موطوء ته تلك الحسناء. وقيل: ينبغي كراهة ذلك، ورد بأن الكراهة لابد لها من دليل. وقال ابن الحاج المالكي رحمه الله تعالىٰ: إنه يحرم؛ لأنه نوع من الزنا، كما قال علماؤنا فيمن أخذ كوزاً يشرب منه، فتصور بين عينيه أنه خمر فشربه، أن ذلك الماء يصير حراماً عليه، اهـ. ورد بأنه في غاية البُعد ولا دليل عليه، اهـ. ملخصاً.

ولم أر من تعرض للمسالة عندنا، وإنما قال في الدرر: إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفَسَقة، حرم، والأقرب لقواعد مذهبنا عدم الحل؛ لأن تصور تلك الأجنبية بين يديه يطؤها فيه تصوير مباشرة المعصية على هيئتها، فهو نظير مسألة الشرب. ثم رأيت صاحب تبيين المحارم من علمائنا نقل عبارة ابن الحاج المالكي واقرها، وفي آخرها حديث عنه صلى الله عليه وسلم. "إذا شرب العبد الماء على شبه المسكر، كان ذلك عليه حراماً". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۳۷۲/۶، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب: لو أفتى مفت بشئ من هذه الأقوال في مواضع=

تفخیذ وتبطین وغیرہ کا حکم

سوال[۹۰۹۶]: ۱......اپنی منکوحہ سے اس طرح بغل گیر ہونا کہ جسم کے کسی حصہ پر رگڑنے سے انزال ہوجائے تو کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

فرج میں وطی پشت کی طرف سے

سوال[۹۰۹۷]: ۲......اپنی منکوحہ کو اس کی پشت کی طرف سے لیٹے کہ اعضائے مخصوص پشت کی جانب سے پیشاب کی جانب رہے، اس شکل میں کفارہ لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی: ۱/۳۱میں ہے:

"(قوله: مباشرتها له) سبب تردده في المباشرة تردد البحر فيها حيث قال: و لم أرلهم حكم مباشرتها له، و لقائل أن يمنعه بأنه لماحرم تمكينها فى استمتاعه بها، حرم فعلها به بالأولى. ولقائل أن يجوزه بأن حرمته عليه لكونها حائضاً و هو مفقود فى حقه، فحل لها الاستمتاع به، ولأن غاية مسها بذكره أنه استمتاع بكفها و هو جائز قطعاً، اهـ. واستظهر فى النهر الثانى .... يجوز له أن يلمس بجميع بدنه حتى بذكره جميع بدنها إلا ماتحت الإزار، فكذا هى لها أن تلمس بجميع بدنها جميع بدنه حتى ذكره"(۱)۔

= الضرورة طلباً للتيسير، كان حسناً: ۱/۲۹۲، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق، باب الحيض: ۱/۳۴۵، رشيديه)

(و كذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض و النفاس و الاستحاضة، ص: ۱۴۵، قديمى)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب: لو افتى مفت بشئ من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً: ۱/۲۹۲، ۲۹۳، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۴۴، رشيديه)

(و كذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، ۱/۱۵۰، دار المعرفة بيروت)

۱.....میاں بیوی کا ایک دوسرے کے بدن کو لمس کرنا درست ہے اور لمس میں اگر انزال ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲.....پشت کی جانب سے بھی جماع شرمگاہ (فرج) میں درست ہے۔ قرآن عزیز میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فأتوا حرثكم أنّى شئتم﴾ يعني كيف شئتم و حيث شئتم إذا كان في القبل، والمعنى: كيف شئتم متقبلةً و مدبرةً على كل حال إذا كان في الفرج". تفسير خازن: ۱/۱۵۳ (۱)۔

البتہ اپنی خواہش اس طرح پوری کرنا ٹھیک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

شوہر کا عضو ہاتھ میں لینا

سوال [۹۰۹۸]: اپنی منکوحہ کے ہاتھ میں عضو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر گناہ ہے تو کفارہ ادا کرنے پر گناہ سے بَری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شامی: ۱/۲۳۱ میں ہے:

"(قوله: مباشرتها له) سبب تردده في المباشرة تردد البحر فيها حيث قال: و لم أرلهم حكم مباشرتها له. و لقائل أن يمنعه بأنه لماحرم تمكينها في استمتاعه بها، حرم فعلها به بالأولى. ولقائل أن يجوزه بأن حرمته عليه؛ لكونها حائضاً، وهو مفقود في حقه، فحل لها الاستمتاع به، ولأن غاية مسها بذكره أنه استمتاع بكفها و هو جائز قطعاً، اهـ. واستظهر في النهر الثاني .... يجوز له أن يلمس بجميع بدنه حتى بذكره جميع بدنها إلا ماتحت الإزار،

(۱) (تفسير الخازن، (سورة البقرة: ۲۲۳): ۱/۱۶۳، حافظ كتب خانه، كوئٹه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب التفسير، سوره البقرة، باب: ۳۹، ۸/۲۴۱، قديمی)

(وكذا في جامع البيان في تفسير القرآن، تفسير الطبری: ۲/۲۳۲، دار المعرفة، بيروت)

فكذا هي لها أن تلمس بجميع بدنها جميع بدنه حتى ذكره"(١)۔

اگر عورت نے اپنے مرد کا عضو خاص پکڑ لیا تو کوئی گناہ نہیں ہوا، البتہ ایسا کرنا کچھ اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

پانی مضر ہونے کی صورت میں اجازتِ جماع

سوال[۹۰۹۹]: إذا كان أحد الزوجين مريضاً بحيث يضره الماء بارداً كان أو حاراً، هل يجوز أن يجامع أم لا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نعم! يجوز له الجماع بزوجته وإن كان يضره الماء، وإذا لم يقدر على الغسل لمرض، فعليه أن يتيمم، كذا في شرح المنية(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب: لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً: ١/٢٩٢، ٢٩٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ١/٣٤٤، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، ١/١٥٠، دار المعرفة بيروت)

(٢) "والجنب الصحيح في المصر إذا خاف إن اغتسل أن يقتله البرد أو يمرّضه، يتيمم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ .... وله أن العجز قد ثبت في حقه حقيقةً، فيعتبر كما إذا عدم الماء في المصر حقيقةً، حيث يجوز التيمم، ولم يعتبر كون وجود الماء فيه هو الغالب؛ لأن الغالب لا يعارض الحقيقة، وكذا الجواب عن تيسر الماء الحار في المصر غالباً؛ لأن الكلام في تحقق تعسره عليه بعد قدرته عليه وعلى ثمنه .... الفتوى على قوله في العبادات مطلقاً، وهو الواقع بالاستقراء". (الحلبي الكبير، فصل في التيمم، ص: ٦٦، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ١/٢٣٣، سعيد) .... =

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/ ۸/ ۸۷ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/ ۲۴۶، رشيديه)

ترجمہ سوال وجواب: زوجین میں سے جب کوئی بیمار ہو کہ پانی ٹھنڈا ہو یا گرم، نقصان دیتا ہو تو کیا ایسی حالت میں جماع کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: جی ہاں اس کو بیوی سے جماع جائز ہے، اگر چہ پانی اس کو نقصان دیتا ہو، اور جب مرض کی وجہ سے غسل کی قدرت نہ ہو تیمم کرلے، شرح منیہ میں اسی طرح ہے۔ فقط۔

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب الحظر والإباحة	
	باب حقوق الوالدين وغيرهما	
	(والدین کے حقوق کا بیان)	
۱	والدین کا معذور پیر اور استاذ کی خدمت سے روکنا	۲۹
۲	والدین کی خدمت مقدم ہے یا تعلیم کی تکمیل؟	۳۰
۳	والدین سے الگ رہنا کیا اکرامِ مسلم کے خلاف ہے؟	۳۱
۴	والدین کے حکم سے ماں اور بیوی کو چھوڑنا	۳۲
۵	والدین کی نافرمانی	۳۳
۶	معصیت کے کام میں والدین کی اطاعت	۳۴
۷	ایضاً	۳۴

۸	نکاح کے بعد لڑکی پر والدین کا کتنا حق ہے؟	۳۵
۹	والدہ کی خدمت سے چڑ چڑا پن پیدا ہو جانے کا اثر	۳۶
۱۰	والدہ کی بے جا حمایت پر ان سے قطعِ تعلق	۳۷
۱۱	والدین میں نا اتفاقی ہو تو اولاد کیا کرے؟	۳۹
۱۲	والدہ کی .انتا ہے تو والد ناراض ہوتے ہیں	۳۹
۱۳	والدہ ناراض ہو تو کیا کرے؟	۴۰
۱۴	باپ کے مال سے مُطلّقہ ماں کی مدد	۴۰
۱۵	فاسقہ والدہ کے ساتھ برتاؤ	۴۱
۱۶	باپ کو ستانے کا وبال	۴۳
۱۷	فاسق باپ کے ساتھ سلوک	۴۴
۱۸	باپ کے ساتھ سخت کلامی	۴۴
۱۹	بوڑھے باپ کی اطاعت	۴۵
۲۰	درجہ کس کا زیادہ ہے باپ یا ماں کا؟	۴۶
۲۱	باپ نے دونوں بیٹوں کو الگ کر دیا	۴۶
۲۲	کیا بغیر باپ کی اجازت کے نکاح کرنا نافرمانی ہے؟	۴۷
۲۳	باپ بیٹوں کے حقوق	۴۸
۲۴	والد کی حالت خلافِ شرع ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۵
۲۵	باپ سے تنخواہ چھپانے کا حیلہ	۵۶
۲۶	قرض لے کر بچے کی پرورش کی گئی تو ادائیگی کس پر لازم ہے؟	۵۶
۲۷	حقوق العباد میں کوتاہی کا علاج جبکہ اصحابِ حقوق معلوم نہ ہوں	۵۷
۲۸	باپ کے مال کا استعمال بلا اجازت	۵۸

باب السلام والقيام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اوراس کے جواب کا بیان)

۲۹	آنے والے کو بیٹھنے والے کا سلام کرنا........	۵۹
۳۰	طریقِ سلام اوراس کا جواب........	۶۰
۳۱	آنے والے کے ذمہ سلام ہے........	۶۳
۳۲	"السلام علیکم" میں اضافہ........	۶۴
۳۳	سلام کرنے کے لئے پاؤں پر ہاتھ پھیرنا........	۷۰
۳۴	سلام کے لئے ہاتھ سے اشارہ........	۷۰
۳۵	سلام میں ہاتھ کا اشارہ........	۷۳
۳۶	بحالتِ اذان سلام کا حکم........	۷۳
۳۷	نماز پڑھنے اور وضو کرنے والوں کو سلام کرنا........	۷۴
۳۸	نمازی کو سلام........	۷۶
۳۹	مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا........	۷۸
۴۰	خالی مسجد میں سلام کرنے کا حکم........	۷۹
۴۱	نمازیوں، ذاکرین، منتظرینِ نماز اور خاموش لوگوں کو آتے وقت سلام کرنا........	۷۹
۴۲	کھانا کھانے والے کو سلام کرنا........	۸۱
۴۳	ڈھیلے سے استنجا سکھاتے وقت سلام کا جواب........	۸۱
۴۴	استنجا سکھاتے ہوئے سلام کا جواب........	۸۲
۴۵	گھٹنے کھولے ہوئے کو سلام........	۸۴
۴۶	ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب........	۸۴

۴۷	سلامِ غائب کا جواب........................	۸۵
۴۸	بیوی کو سلام کرنا یا لکھنا........................	۸۶
۴۹	امرد کا کسی کو سلام کرنا........................	۸۷
۵۰	امرد کے سلام کا جواب بحالتِ شہوت........................	۸۷
۵۱	دو شخص یکدم سلام کریں تو جواب کس پر ہے؟........................	۸۷
۵۲	نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا........................	۸۸
۵۳	آداب عرض وغیرہ........................	۸۸
۵۴	ناراضگی کی وجہ سے ترکِ سلام کی مدت........................	۸۹
۵۵	**الفصل الثانی فی سلام الکافر والفاسق وردّہ علیهما** **(کافر اور فاسق کے سلام اور اس کے جواب کا بیان)**	
۵۶	کافر کا سلام........................	۹۱
۵۷	غیر مسلم اور فاسق کو سلام........................	۹۱
۵۸	''آداب، عرض، نمستے'' کا جواب کس طرح دیا جائے؟........................	۹۲
۵۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفار کو سلام کے الفاظ........................	۹۲
۶۰	کفار کو ''السلام علیکم'' کے ساتھ سلام کا حکم........................	۹۲
۶۱	فساق وفجار کو ابتدا بالسلام کا حکم........................	۹۲
۶۲	غیر مسلم کے سلام کا جواب........................	۹۵
۶۳	أیضاً........................	۹۶
۶۴	أیضاً........................	۹۷
۶۵	سلامِ کافر کا جواب........................	۹۷
۶۶	أیضاً........................	۹۸
۶۷	شیعوں کے سلام کا جواب........................	۹۸

۶۸	أیضاً	۹۹
۶۹	قادیانی کے سلام کا جواب اور اس کی دعوت	۹۹
۷۰	قادیانی وشیعہ کو سلام اور جواب	۱۰۰
۷۱	فرقۂ خاکساری کے ساتھ سلام وطعام	۱۰۱
۷۲	فاسق کو سلام کرنا	۱۰۳
۷۳	کسی کو منافق کہہ کر سلام کا جواب نہ دینا	۱۰۴
۷۴	داڑھی منڈے کو سلام اور اس کے سلام کا جواب اور اس کی اولاد کا حکم	۱۰۵
۷۵	مظلوم ظالم کے سلام کا جواب دے	۱۰۸
۷۶	تاش کھیلنے والوں کو سلام	۱۰۹

الفصل الثالث فی المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

۷۷	مصافحہ کی تعریف اور طریقہ	۱۱۱
۷۸	جبراً مصافحہ کرنا	۱۱۲
۷۹	سلام کے ساتھ مصافحہ	۱۱۴
۸۰	غیر مسلم سے مصافحہ	۱۱۵
۸۱	کافر فاسق سے مصافحہ ومعانقہ	۱۱۵
۸۲	محرم عورتوں سے مصافحہ	۱۱۷
۸۳	چھوٹی لڑکیوں سے معانقہ	۱۱۷
۸۴	معانقہ کرنے کا طریقہ	۱۱۸

الفصل الرابع فی القیام والتقبیل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

۸۵	بزرگوں کی تعظیم کے لئے قیام	۱۲۰

٨٦	قیامِ تعظیمی....................................	۱۲۰
٨٧	مہمان کے لئے قیام وتقبیل....................................	۱۲۱
٨٨	بزرگوں کے ہاتھ پیر چومنا....................................	۱۲۵
٨٩	علماء کی قدم بوسی ودست بوسی....................................	۱۲۶
٩٠	قدم بوسی....................................	۱۲۸
٩١	تقبیل یدین ورجلین....................................	۱۳۰
٩٢	ماں کے پیروں کوتعظیماً چھونا....................................	۱۳۱
٩٣	والدین کی قدم بوسی....................................	۱۳۲
٩٤	پیر یاوالدین کے پَیر کو چومنا....................................	۱۳۲
٩٥	عورت کا شوہر کے پیروں کو چھونا....................................	۱۳۳
٩٦	بڑوں کے پَیر پکڑ کر دعائیں لینا....................................	۱۳۳
٩٧	پَیر پکڑ کر معافی مانگنا....................................	۱۳۴
٩٨	والدین یا استاد کی قبر کو بوسہ دینا....................................	۱۳۵
٩٩	امرد کا بوسہ بلاشہوت....................................	۱۳۶

باب الترضی والترحم

(رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

۱۰۰	"علیہ السلام" و "رضی اللہ عنہ" کا استعمال....................................	۱۳۸
۱۰۱	اہلِ بیت کے لئے "علیہ السلام" کا استعمال....................................	۱۴۱
۱۰۲	"علیہ السلام" اور لفظ "امام" کا استعمال....................................	۱۴۴
۱۰۳	"علیہ السلام" وترضی وترحم....................................	۱۴۶
۱۰۴	ایضاً....................................	۱۴۸

۱۰۵	ایضاً	۱۶۲
۱۰۶	یزید کے لئے "علیه السلام" اور "رضی الله عنه" کا استعمال	۱۶۴
۱۰۷	فاسق وفاجر کے لئے "رضی الله عنه" اور "نور الله مرقده"	۱۶۴

باب الحجاب

الفصل فی ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

۱۰۸	پردہ فرض ہے یا سنت؟	۱۶۶
۱۰۹	پردہ کس سے فرض ہے؟	۱۶۶
۱۱۰	پردہ کا حکم	۱۶۸
۱۱۱	پردہ کس عمر سے کس عمر تک کرنا چاہیے؟	۱۶۹
۱۱۲	چہرہ کا پردہ	۱۷۰
۱۱۳	چہرہ کا پردہ	۱۷۲
۱۱۴	محرم سے پردہ کی حد	۱۷۴
۱۱۵	مشترکہ مکان میں شرعی پردہ	۱۷۵
۱۱۶	بیوی کو بے پردگی پر مجبور کرنا	۱۷۸
۱۱۷	بیوی کو بے پردگی سے روکنا	۱۷۹
۱۱۸	جو عورت پہلے سے بے پردہ ہو اس کو بھی پردہ لازم ہے	۱۸۲
۱۱۹	کیا نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پردہ ہے؟	۱۸۳
۱۲۰	لڑکیوں کا فیکٹری میں کام کرنا	۱۸۴
۱۲۱	عورتوں کو مزدوری کے لئے باہر نکلنا	۱۸۴
۱۲۲	حفاظتِ نظر کے ساتھ بازار سے خرید وفروخت	۱۸۶
۱۲۳	عورتوں کو گھومنے کے لئے باہر نکلنا	۱۸۷

۱۲۴	نامحرموں کو دیکھنا	۱۹۲

فصلٌ فی مایتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

۱۲۵	عورت کی آواز کا پردہ ہے یا نہیں؟	۱۹۳
۱۲۶	عورت کی تقریر لاؤڈ اسپیکر پر	۱۹۶
۱۲۷	لاؤڈ اسپیکر پر تعلیم کے لئے لڑکیوں کی تقریر	۱۹۷
۱۲۸	عورتوں کی اجلاس میں شرکت، تقریر وقراءت	۱۹۸

الفصل الثانی فیمن یجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

۱۲۹	اندیشۂ فتنہ کی صورت میں محارم سے بھی پردہ ہے	۲۰۳
۱۳۰	بہنوئی کی والدہ سے پردہ	۲۰۴
۱۳۱	بہنوئی کی اولاد سے پردہ	۲۰۴
۱۳۲	چچی اور ممانی سے پردہ	۲۰۵
۱۳۳	مطلقہ بیوی سے پردہ	۲۰۵
۱۳۴	نامحرم ملازم سے پردہ	۲۰۶
۱۳۵	سالی سے پردہ	۲۰۷
۱۳۶	دوست کی بیوی کا پردہ	۲۰۸
۱۳۷	نامحرم معمر عورت سے پردہ	۲۰۹
۱۳۸	جیٹھ اور دیور کے پردہ میں فرق	۲۰۹
۱۳۹	بازار میں چندہ کے لئے جانا جہاں بے پردہ عورتیں ہوں	۲۱۰
۱۴۰	جوان بیٹی باپ، بہن بھائی کا ایک بستر پر سونا	۲۱۱

۱۴۱	بہو کا ساس کے بدن کو دبانا اور مالش کرنا........................	۲۱۲
۱۴۲	بھاوج کے ساتھ رہنا اور بھتیجوں سے خدمت لینا........................	۲۱۲
۱۴۳	کافرہ عورت کو بیوی کی طرح رکھنا........................	۲۱۴

الفصل الثالث فی الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسّها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی اور میل جول اور مَس کرنے کا بیان)

۱۴۴	بعض غیر محارم اور عورت کا غیر محرم کے سامنے آنا........................	۲۱۹
۱۴۵	نامحرم کے ساتھ تنہائی اگرچہ وہ متدین ہو........................	۲۲۰
۱۴۶	نامحرم کے ساتھ تنہائی........................	۲۲۱
۱۴۷	بوڑھے آدمی کے ساتھ خلوت........................	۲۲۲
۱۴۸	نامحرم کے ساتھ رکشا میں بیٹھنے کی سزا........................	۲۲۳
۱۴۹	کاروبار میں نامحرم کو ہاتھ لگانا........................	۲۲۵
۱۵۰	زیرِ تربیت لڑکی سے خدمت........................	۲۲۵
۱۵۱	مَردوں کا نامحرم عورتوں کو چوڑی پہنانا........................	۲۲۶
۱۵۲	نامحرم کو چوڑیاں پہنانا........................	۲۲۶
۱۵۳	چوڑی پہنانے کا پیشہ........................	۲۲۷
۱۵۴	ضرورت پڑنے پر نامحرم عورتوں سے گفتگو........................	۲۲۹
۱۵۵	سالی اور دیور کے ساتھ گفتگو........................	۲۳۰
۱۵۶	غیر مرد کے ساتھ ٹھٹھا کرنا........................	۲۳۱
۱۵۷	غیر محرم سے تعلق ومحبت کا علاج........................	۲۳۱
۱۵۸	عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟ اور عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر کرنا........................	۲۳۲
۱۵۹	مرد، عورتیں راستہ پر مل کر نہ چلیں........................	۲۳۳
۱۶۰	لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ اسکول میں رہنا اور غیر محارم کے ساتھ کمرے میں خلوت........................	۲۳۳

الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

۱۶۱	اپنا ستر دیکھنا	۲۳۶
۱۶۲	بیوی کا ستر دیکھنا	۲۳۶
۱۶۳	زوجین کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا	۲۳۷
۱۶۴	بیوی کا جسم دیکھنا	۲۳۸
۱۶۵	فرج میں ادخالِ اصبع سے کھیلنا	۲۳۸
۱۶۶	ولادت سے ساتویں روز برہنہ کر کے نہلانا	۲۳۹
۱۶۷	بے پردگی کی حالت میں اسپتال میں ولادت	۲۴۰
۱۶۸	ڈاکٹر کے سامنے اپنا بدن کھولنا	۲۴۱
۱۶۹	ملازمت کیلئے ڈاکٹری معائنہ	۲۴۳
۱۷۰	داخلۂ کالج یا ملازمت سرکاری کے لئے برہنہ بدن کا معائنہ	۲۴۵
۱۷۱	بانجھ کی اولاد کے لئے اس کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر وظیفہ پڑھنا	۲۴۶
۱۷۲	ستر کھول کر کشتی کرنا	۲۴۶
۱۷۳	کشتی کا دنگل دیکھنا	۲۴۷
۱۷۴	چار انگل کی لنگوٹی باندھ کر تماشہ دکھانا	۲۴۸
۱۷۵	پانی کو عبور کرتے ہوئے رانیں کھولنا	۲۴۹
۱۷۶	گھٹنا ستر ہے یا نہیں؟	۲۵۱
۱۷۷	کاشتکاروں کے لئے کشفِ عورت	۲۵۱
۱۷۸	گھٹنے کھول کر کھیتی وغیرہ کا کام کرنا	۲۵۲
۱۷۹	برہنہ ہو کر سونا	۲۵۴

باب اللباس

الفصل الأول فی القمیص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

۱۸۰	شرعی لباس	۲۵۵
۱۸۱	مسنون لباس	۲۵۵
۱۸۲	مسنون لباس کے لئے بڑھاپے کا انتظار نہیں	۲۵۷
۱۸۳	کون سے لباس کا استعمال مذہب اسلام میں جائز ہے، اور پینٹ کوٹ کا استعمال	۲۵۸
۱۸۴	کُرتا کہاں تک لمبا ہو	۲۶۱
۱۸۵	نصفِ ساق تک کُرتا	۲۶۲
۱۸۶	کُرتا نصف ساق تک ہے	۲۶۳
۱۸۷	کُرتہ کی کیفیت	۲۶۳
۱۸۸	کُرتے میں کالر	۲۶۵
۱۸۹	سیاہ کرتا پہننا	۲۶۵
۱۹۰	قمیص پہننا	۲۶۶
۱۹۱	قمیص کا حکم	۲۶۷
۱۹۲	کالردار قمیص اور بڑے پائچوں کا پائجامہ	۲۶۷
۱۹۳	آستین کا لمبا بنوانا	۲۶۸
۱۹۴	آستین لمبا بنوانا	۲۶۹
۱۹۵	چوڑا پائجامہ	۲۶۹
۱۹۶	چوڑی دار پائجامہ	۲۷۰
۱۹۷	چوڑی مہری کا پائجامہ	۲۷۰

۱۹۸	پائجامہ یا لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت کی وجہ	۲۷۱
۱۹۹	ٹخنے سے نیچے پائجامہ	۲۷۲
۲۰۰	دھوتی، لنگی کا استعمال اور حقہ پینا	۲۷۳
۲۰۱	لنگوٹ	۲۷۵
۲۰۲	پائجامہ اور لنگی میں کون افضل ہے	۲۷۵
۲۰۳	غسل کے بعد کُرتا پہلے پہنے یا پائجامہ	۲۷۸

الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُّدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۲۰۴	کوٹ، پتلون اور انگریزی بال	۲۸۰
۲۰۵	پینٹ کوٹ کا استعمال	۲۸۱
۲۰۶	درزی کو ناجائز لباس سینا	۱۸۲
۲۰۷	کوٹ پتلون سینا	۱۸۲
۲۰۸	کوٹ قمیص، بونٹ، ترکی ٹوپی وغیرہ	۲۸۴
۲۰۹	قمیص، پینٹ، کوٹ پہننا	۲۸۶
۲۱۰	دفتر کے وقت پتلون پہننا	۲۸۷
۲۱۱	لباس، پتلون وغیرہ	۲۸۷
۲۱۲	ٹائی کا استعمال	۲۸۹
۲۱۳	لباس میں فساق وفجار کا شعار	۲۹۰
۲۱۴	فساق یا فجار کے شعار کو اختیار کرنا	۲۹۱
۲۱۵	لباسِ فساق	۲۹۲
۲۱۶	تنگ لباس پر تنبیہ	۲۹۲

الفصل الثالث فی العمامة والقلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

۲۱۷	عمامہ کا حکم	۲۹۴
۲۱۸	جس عمامہ پر چاندی کے نقش ہوں اس کا استعمال	۲۹۴
۲۱۹	عمامہ بیٹھ کر، پائجامہ کھڑے ہو کر پہننا	۲۹۵
۲۲۰	ٹوپی کا ثبوت	۲۹۶
۲۲۱	مسنون ٹوپی	۲۹۷
۲۲۲	کس قسم کی ٹوپی ثابت ہے؟	۲۹۸
۲۲۳	گول ٹوپی	۲۹۹
۲۲۴	دو پلی ٹوپی اور گول ٹوپی	۳۰۰
۲۲۵	گول اور لمبی ٹوپی کی سنیت کی تحقیق مع فتاویٰ دار العلوم ومظاہر علوم	۳۰۱
۲۲۶	کامدار ٹوپی و جوتا	۳۰۴
۲۲۷	ٹیرلنگ کپڑا، کشتی دار ٹوپی اور قمیص پہننا	۳۰۵
۲۲۸	ننگے سر پھرنا	۳۰۶

الفصل الرابع فی لباس النسآء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

۲۲۹	سیاہ برقعہ، جمپر، لہنگا، سلائیں، سرخی کا حکم	۳۰۷
۲۳۰	عورتوں کا لباس اور ستر	۳۰۸
۲۳۱	عورتوں کا چوڑی دار پائجامہ پہننا	۳۱۰
۲۳۲	عورتوں کو نیم آستین کا کرتہ پہننا	۳۱۱
۲۳۳	سینہ بند اور عورت کا موئے زیر ناف استرے سے لینا	۳۱۳

۲۳۴	عورتوں کے لئے فیشن کی چیزیں	۳۱۴
۲۳۵	مردانہ لباس عورتوں کے لئے	۳۱۵
۲۳۶	عورت کے لئے انگیہ کا استعمال	۳۱۶
۲۳۷	چوڑیاں پہننا	۳۱۷
۲۳۸	آواز دار چوڑی پہننا	۳۱۸

الفصل الخامس فی الثیاب المحرمة وغیرها

(ناجائز لباس کا بیان)

۲۳۹	مرد کے لئے مخمل کا استعمال	۳۲۱
۲۴۰	ریشم کا کپڑا اور کیڑا	۳۲۱
۲۴۱	ریشمی جبہ	۳۲۵
۲۴۲	ریشمی رومال وازار بند	۳۲۶
۲۴۳	کیا ہر ریشم کیڑے سے بنتا ہے	۳۲۷
۲۴۴	ٹیرلین کا استعمال	۳۲۸
۲۴۵	نائیلون کا استعمال	۳۲۸
۲۴۶	مرد کے لئے کون کونسے رنگ ناجائز ہیں	۳۲۹

الفصل السادس فی أشیاء الزینة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

۲۴۷	عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟	۳۳۰
۲۴۸	لڑکوں کے لئے کریم پاؤڈر کا استعمال	۳۳۱
۲۴۹	لبوں پر سرخی	۳۳۱
۲۵۰	بالوں ہونٹوں پر سرخی	۳۳۲

الفصل السابع في المتفرقات

۲۵۱	علماء کی مستورات کا فیشن حجت شرعیہ نہیں؟	۳۳۴
۲۵۲	درزی کا بچا ہوا کپڑا رکھ لینا	۳۳۶
۲۵۳	گریباں کھلا رکھنا	۳۳۷

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول في الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

۲۵۴	سونے چاندی کی انگوٹھی وغیرہ	۳۳۹
۲۵۵	سونے کی انگوٹھی مرد کیلئے	۳۴۰
۲۵۶	انگوٹھی میں سونے کا نگ	۳۴۱
۲۵۷	چاندی وغیرہ کی انگوٹھی	۳۴۳
۲۵۸	چاندی کی انگوٹھی	۳۴۴
۲۵۹	کئی نگ والی انگوٹھی	۳۴۴

الفصل الثاني في أسنان الذهب والفضة

(سونے چاندی کے دانتوں کا بیان)

۲۶۰	چاندی سونے کے دانت، ان کے تار اور خول کا دانت کیلئے استعمال	۳۴۶
۲۶۱	سونے چاندی کے دانت	۳۴۷
۲۶۲	أیضاً	۳۴۹
۲۶۳	رولڈ گولڈ گو ر میں دانت	۳۵۰

۲۶۴	چاندی کا خلال	۳۵۱

الفصل الثالث فی مصنوعات الذهب وغيره

(سونے وغیرہ کی مصنوعات کا بیان)

۲۶۵	کرتے میں سونے کے بٹن	۳۵۲
۲۶۶	سونے چاندی کے بٹن	۳۵۳
۲۶۷	رولڈگولڈ کے سنہرے بٹن، گھڑی کی چین، لوہے کی انگوٹھی، مخلوط دھاتوں کے بٹن کا حکم	۳۵۳
۲۶۸	پیتل کے بٹن	۳۵۴
۲۶۹	تانبہ کے برتن پر چاندی کی قلعی	۳۵۵
۲۷۰	برتن پر سونے چاندی کا ملمع کرنا	۳۵۶
۲۷۱	سکہ پر سونے چاندی کا ملمع کر کے زیور بنانا	۳۵۶
۲۷۲	تانبے، پیتل وغیرہ کا استعمال	۳۵۷

الفصل الرابع فی مایتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

۲۷۳	گھڑی باندھنا کیسا ہے؟	۳۶۰
۲۷۴	گھڑی کس ہاتھ میں پہنی جائے؟	۳۶۰
۲۷۵	انگوٹھی اور گھڑی کی چین	۳۶۱
۲۷۶	گھڑی میں کس دھات کا پٹہ ہو؟	۳۶۴
۲۷۷	گھڑی کا استعمال مرد وعورت کے لئے	۳۶۵
۲۷۸	گھڑی اور سونے کی چین وغیرہ	۳۶۵
۲۷۹	جیبی گھڑی کا کیس چاندی کا ہو اس کا حکم	۳۶۷

الفصل الخامس فی الحلیة للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

۲۸۰	بیوہ عورت کا زیور پہننا	۳۶۸
۲۸۱	سہاگن کیلئے سیاہ موتیوں کے ہار کا استعمال	۳۶۹
۲۸۲	چوڑیاں پہننا	۳۷۰
۲۸۳	زیور پہننے کے لئے ناک میں سوراخ کرنا	۳۷۰
۲۸۴	لڑکیوں کے کان چھیدنا	۳۷۱

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

۲۸۵	”یاسین“ نام رکھنا	۳۷۲
۲۸۶	”حسین احمد“ نام رکھنا	۳۷۴
۲۸۷	”غلام محمد، صدر العلی، غلام نبی، غلام رسول، رسول بخش“ نام رکھنا	۳۷۴
۲۸۸	”محمد عظیم“ نام رکھنا	۳۷۵
۲۸۹	”زنجن علی“ نام کو بدل کر ”محمد علی“ رکھنا	۳۷۶
۲۹۰	”مرسلین“ نام رکھنا	۳۷۶
۲۹۱	”ربانی“ نام رکھنا	۳۷۷
۲۹۲	”یحییٰ“ اور ”ناصر“ نام رکھنا	۳۷۸
۲۹۳	”عبدالربان“ نام رکھنا	۳۷۹
۲۹۴	بچہ کا نام ”محمد رسول اللہ“ یا ”موسیٰ کلیم اللہ“ رکھنا	۳۷۹
۲۹۵	کسی کا نام ”محمد“ ہو اُس پر درود کی علامت	۳۸۰

۲۹۶	کسی ادارہ کا نام، نامِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھنا	۳۸۱
۲۹۷	درست اور نادرست نام	۳۸۲
۲۹۸	بچہ کا نام ''نبی خان'' رکھنا	۳۸۳
۲۹۹	''محمد علیم'' نام رکھنا	۳۸۴
۳۰۰	''ابوالاعلیٰ'' نام رکھنا	۳۸۴
۳۰۱	''محمد عمر فاروق'' نام رکھنا	۳۸۵
۳۰۲	''عبدالسبحان'' نام رکھنا	۳۸۵
۳۰۳	''عبد مناف'' نام رکھنا	۳۸۷
۳۰۴	''یافث'' نام رکھنا	۳۸۷
۳۰۵	''عبدالرحیم'' کو ''رحیم'' کہہ کر پکارنا	۳۸۸
۳۰۶	جسمانی امراض کیلئے نام بدلنا	۳۸۹
۳۰۷	قوم کا نام ''افغان محمدی''	۳۹۰

باب خصال الفطرة

الفصل الأول فی اللحیة والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

۳۰۸	داڑھی	۳۹۲
۳۰۹	داڑھی کی تحقیق	۳۹۴
۳۱۰	ایک مشت ڈاڑھی کی تحقیق	۳۹۷
۳۱۱	داڑھی کی مقدار	۳۹۹
۳۱۲	داڑھی بڑھانے اور موئے زیرِ ناف کاٹنے کی وجہ	۴۰۳
۳۱۳	داڑھی کی مقدار اور اس کا مفصل حکم	۴۰۳

۳۱۴	داڑھی کی حدِ شرعی	۴۰۷
۳۱۵	داڑھی منڈانے کا حکم	۴۰۸
۳۱۶	داڑھی کو بالکل صاف کرنے اور ایک انگلی رکھنے میں تفاوت	۴۱۰
۳۱۷	داڑھی کے چھوٹے بڑے بالوں کو برابر کرنا	۴۱۲
۳۱۸	بیوی کا شوہر سے داڑھی کاٹنے کا مطالبہ کرنا	۴۱۲
۳۱۹	ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانا	۴۱۴
۳۲۰	علاج کے لئے داڑھی صاف کرنا	۴۱۶
۳۲۱	مجاہدین کے لئے داڑھی منڈانا	۴۱۶
۳۲۲	داڑھی اگانے کے لئے چہرہ پر استرہ پھیرنا	۴۱۸
۳۲۳	خط بنوانا	۴۲۰
۳۲۴	عورت کی ڈاڑھی کا حکم	۴۲۱
۳۲۵	جمعہ کے روز حجامت	۴۲۲
۳۲۶	مونچھ کا حلق کرنا	۴۲۳
۳۲۷	مونچھیں منڈانا	۴۲۳
۳۲۸	ریش بچہ اور اس کے دونوں طرف کے بال کٹوانا	۴۲۵

فصلٌ فی حلّاق اللحیة

(نائی کا بیان)

۳۲۹	داڑھی بنانے والے نائی کا حکم	۴۲۷
۳۳۰	نائی کے پیشہ کی تفصیل	۴۲۸
۳۳۱	حجام کا داڑھی مونڈنا	۴۲۹
۳۳۲	مسلم حجام کا غیر مسلم کی داڑھی مونڈنا	۴۲۹
۳۳۳	جن اوزاروں سے غیر مسلم کی حجامت بنائی ان سے مسلم کی حجامت بنانا	۴۳۰

الفصل الثانی فی الشَّعر

(بالوں کا بیان)

۳۳۴	بال رکھنا افضل ہے یا منڈوانا؟	۴۳۱
۳۳۵	سر پر بال (پٹھے) رکھنا	۴۳۳
۳۳۶	سر کے بالوں کی تفصیل	۴۳۵
۳۳۷	بالوں میں کفار کی مشابہت	۴۳۶
۳۳۸	انگریزی بال	۴۳۶
۳۳۹	انگریزی بال رکھنا	۴۳۷
۳۴۰	انگریزی بال کو سنتی بال بنانا	۴۳۷
۳۴۱	عورتوں کا بالوں کی مینڈھیاں گوندھ کر کلپ لگانا	۴۳۸
۳۴۲	نائلون کی چوٹی کا استعمال	۴۳۹
۳۴۳	عورتوں کا دو چوٹی رکھنا، سرخی پوڈر استعمال کرنا	۴۳۹
۳۴۴	بالوں میں پن لگانا	۴۴۰
۳۴۵	کلپ کا استعمال	۴۴۱
۳۴۶	ابرؤوں کے درمیان بالوں کا حکم	۴۴۱
۳۴۷	رخسار اور حلق کے بالوں کا حکم اور ڈاڑھی کی مقدار	۴۴۲
۳۴۸	بغل کے بال	۴۴۴
۳۴۹	ٹانگوں کے بال کاٹنا	۴۴۴
۳۵۰	استرے سے بالوں کی صفائی	۴۴۵
۳۵۱	عورت کو استرے سے صفائی کرنا	۴۴۵
۳۵۲	موئے زیرناف کس جگہ سے کاٹے جائیں	۴۴۶
۳۵۳	موئے زیرناف کو دفن کرنا	۴۴۸

۳۵۴	موئے زیرِ ناف کاٹنے کی مدت	۴۴۸
۳۵۵	غسل میں گرے ہوئے بالوں کو کیا کیا جائے؟	۴۴۹
۳۵۶	موئے زیرِ ناف دوسرے سے صاف کرانا	۴۵۰
۳۵۷	نابینا موئے زیرِ ناف کس طرح صاف کرے؟	۴۵۰
۳۵۸	کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت	۴۵۱

الفصل الثالث فی تقلیم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

۳۵۹	ناخن اور بالوں کو جلانے کا حکم	۴۵۲

الفصل الرابع فی الخضاب

(مہندی اور خضاب کا بیان)

۳۶۰	داڑھی یا سر پر خضاب لگانے کا حکم	۴۵۴
۳۶۱	خضاب کا حکم	۴۵۵
۳۶۲	مہندی یا خضاب لگانا	۴۵۶

الفصل الخامس فی الختان

(ختنہ کا بیان)

۳۶۳	ختنہ کی ابتداء، کون سے انبیائے کرام مختون پیدا ہوئے؟	۴۵۸
۳۶۴	کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟	۴۶۱
۳۶۵	ختنہ کا وقت اور حکم	۴۶۲
۳۶۶	ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا اور دعوت کرنا	۴۶۴
۳۶۷	ختنہ کے موقع پر اناج لوٹا بھر کر دیا جائے وہ کس کا حق ہے؟	۴۶۵

۳۶۸	بالغ کا ختنہ	۴۶۵
۳۶۹	ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت	۴۶۷

باب الصورة والملاهی

الفصل الأول فی الصورة

(تصویر کا بیان)

۳۷۰	فوٹو کھچوانا	۴۶۹
۳۷۱	فوٹو رکھنا	۴۶۹
۳۷۲	تصویر اور کتے کا حکم	۴۷۰
۳۷۳	کپڑے پر جاندار کی تصویر	۴۷۲
۳۷۴	جاندار کی تصویر بے جان کے ضمن میں	۴۷۳
۳۷۵	تہوار کے موقع پر جاندار کی تصویریں بنانا	۴۷۳
۳۷۶	صدر کے مرنے پر اس کی تصویر ہال میں لگانا	۴۷۴
۳۷۷	عید کارڈ، کرسمس کارڈ، دیوالی کارڈ کے بغیر جاندار کی تصویر چھاپنا	۴۷۵
۳۷۸	پیسہ، روپیہ کی تصویر پر ڈائجسٹ کو قیاس کر کے مسجد میں ''ہدیٰ ڈائجسٹ'' کے مطالعہ کا حکم	۴۷۶
۳۷۹	پریس میں خبروں کے ساتھ تصویر چھاپنا	۴۷۸
۳۸۰	باتصویر اخبار کا حکم	۴۷۹
۳۸۱	تصویر دار کاغذ کو جلانا	۴۸۰
۳۸۲	تصویر کی طباعت اور اس کی آمدنی	۴۸۰
۳۸۳	باتصویر رسائل کی خریداری	۴۸۲
۳۸۴	چڑیا والی گھڑی	۴۸۲
۳۸۵	سوال متعلق استفتاء بالا	۴۸۳

۳۸۶	برکت کے لئے تصاویر گھر میں رکھنا	۴۸۵
۳۸۷	اخبار میں تصاویر کی اشاعت کرنا	۴۸۶
۳۸۸	مکان میں تصاویر	۴۸۹
۳۸۹	آنکھ اور دانت کی تصویر	۴۹۰
۳۹۰	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر	۴۹۱
۳۹۱	روضۂ اقدس کی تصویر مسجد میں	۴۹۳
۳۹۲	تعلیم کے لئے فوٹو	۴۹۴
۳۹۳	پرائیویٹ امتحان کے لئے فوٹو	۴۹۴
۳۹۴	تنخواہ وصول کرنے کے لئے فوٹو	۴۹۵
۳۹۵	شناختی کارڈ فوٹو کے ساتھ	۴۹۶
۳۹۶	معلم مقرر کرنے کے لئے فوٹو منگانا	۴۹۷
۳۹۷	فوٹو مٹانے کی ترکیب	۴۹۸

الفصل الثانی فی التمثال

(مجسمہ سازی کا بیان)

۳۹۸	شیر کی کھال کیا تصویر کے حکم میں ہے؟	۴۹۹
۳۹۹	شیر کی کھال میں گھاس بھر کر اس کو شیر بنانا	۴۹۹
۴۰۰	گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا	۵۰۰
۴۰۱	بچوں کی گڑیا اور کھلونا	۵۰۳

الفصل الثالث فی الملھی و التلفزیون

(سینما اور ٹی وی کا بیان)

۴۰۲	سینما دیکھنا	۵۰۵

۴۰۳	سینما تھیٹر دیکھنا	۵۰۸
۴۰۴	سینما، تصویر، فوٹو	۵۰۸
۴۰۵	تصویر اور فوٹو میں فرق	۵۰۹
۴۰۶	قسم قسم کی فلم دیکھنا	۵۱۱
۴۰۷	متبعِ شریعت کو سینما دیکھنا	۵۱۲
۴۰۸	سینما میں معجزہ شق القمر اور اس کی توجیہ	۵۱۳
۴۰۹	سینما کے جواز پر واقعۂ موسیٰ علیہ السلام سے استدلال	۵۱۴
۴۱۰	نیک نیت سے سینما دیکھنا اور اس کا اعلان کرنا	۵۱۸
۴۱۱	فلم حج	۵۲۱
۴۱۲	ٹیلی ویژن	۵۲۳
۴۱۳	ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال	۵۲۳
۴۱۴	گانا سننے کی دلیل	۵۲۴
۴۱۵	ٹرانسسٹر سننا	۵۲۵
۴۱۶	ریڈیو بجانا اور اس میں گانا سننا	۵۲۷

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

۴۱۷	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نیزہ بازی دیکھنے سے کھیل تماشے پر استدلال	۵۲۸
۴۱۸	کشتی چلانے میں مقابلہ کرنا	۵۳۱
۴۱۹	والی بال	۵۳۱
۴۲۰	فٹ بال، کبڈی کھیلنا، کشتی لڑنا	۵۳۲
۴۲۱	تاش کا کھیل	۵۳۳

۴۲۲	تعلیمی تاش	۵۳۵
۴۲۳	کیرم بورڈ	۵۳۶
۴۲۴	کیرم بورڈ بطورِ تفریح	۵۳۷
۴۲۵	گھر میں کھیل کھیلنا	۵۳۸
۴۲۶	بچوں کا لٹو وغیرہ کھیلنا	۵۴۰
۴۲۷	بچہ کو جھنجنے سے بہلانا	۵۴۳

باب الموالات مع الکفار والفَسَقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

۴۲۸	غیر مسلم سے تعلقات	۵۴۵
۴۲۹	کافر سے موالات و مواسات	۵۴۵
۴۳۰	شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک	۵۴۶
۴۳۱	جس کا ظاہر کافروں جیسا ہو، اس کے ساتھ تعلق	۵۴۷

الفصل الأول فی التشبه بالکفار

(کفار کی مشابہت کا بیان)

۴۳۲	سراغ رسانی کے لئے کافروں کی ہیئت اختیار کرنا	۵۴۹
۴۳۳	بہروپیہ اور سی آئی ڈی کا غیر مسلم کی صورت وضع بنانا	۵۵۰
۴۳۴	شعارِ اہل کفر کو اختیار کرنا	۵۵۳
۴۳۵	غیر قوموں کے ساتھ تشبہ	۵۵۴
۴۳۶	ہندوانہ زیبائش	۵۵۵
۴۳۷	بالوں میں کفار کی مشابہت	۵۵۶
۴۳۸	عورت کو مانگ میں سیندور اور پیشانی پر بندی لگانا	۵۵۷

۴۳۹	سرکاری تقاریب میں ہنود کا مسلمان کی پیشانی پر سیندور لگانا	۵۵۸
۴۴۰	لباس اور برتن میں تشبہ سے پرہیز	۵۵۹
۴۴۱	اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا	۵۶۰
۴۴۲	دھوتی باندھنا	۵۶۱
۴۴۳	مسلمان بھنگی کا حکم	۵۶۲

الفصل الثانی فی الشركة فی أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

۴۴۴	ہندوؤں کے مذہبی تہوار میں شریک ہونا	۵۶۵
۴۴۵	رام لیلا جیسے تہوار میں شرکت	۵۶۶
۴۴۶	غیر قوم کے تہوار میں ان کو مبارکباد دینا	۵۶۷
۴۴۷	غیر قوم کے مذہبی اجتماع میں شرکت	۵۶۸
۴۴۸	ہندوؤں کے میلہ میں جانا	۵۶۸
۴۴۹	میلے اور نمائش میں جانا	۵۶۹
۴۵۰	میلہ میں سامان خریدنے کے لئے جانا	۵۷۱
۴۵۱	ہندوؤں کے میلہ کے وقت بنی ہوئی مٹھائی خرید کر کھانا	۵۷۱
۴۵۲	ہولی کے دن ہندو استاد سے ملنا	۵۷۲
۴۵۳	مسلمانوں پر ہولی کا رنگ چھڑکنا	۵۷۴
۴۵۴	عیسائی مذہبی تقریب میں شرکت	۵۷۵

الفصل الثالث فی إعانة الكفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

۴۵۵	غیر مسلم کے مذہب میں مسلم کا روپیہ لگانا	۵۷۷

۴۵۶	غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی مصلحت سے تعاون	۵۷۷
۴۵۷	تعمیر مندر میں امداد	۵۷۹
۴۵۸	مندر اور پوجا میں چندہ دینا	۵۸۰
۴۵۹	کفار کے میلہ میں چندہ دینا	۵۸۱
۴۶۰	غیر مسلم کی تقریب میں مصلحۃً وسیاسۃً شرکت کر کے چندہ دینا	۵۸۲
۴۶۱	ہندوؤں کی رسم میں چندہ	۵۸۴
۴۶۲	ہولی میں چندہ دینا	۵۸۵
۴۶۳	سانگ کرانا اور اس میں روپیہ دینا	۵۸۵
۴۶۴	غیر مسلم سے کفن سلوانا	۵۸۶
۴۶۵	کافر میت کو جلانے کے لے سامان دینا	۵۸۷
۴۶۶	ہندو لاش کو جلانے کے لئے مسلمان کا لکڑی فروخت کرنا	۵۸۸

الفصل الرابع فی إعانة الفساق والفجار

(فاسق وفاجر کی مدد کرنے کا بیان)

۴۶۷	ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے	۵۸۹
۴۶۸	معصیت میں ساتھ دینا	۵۹۰
۴۶۹	قاتل کی مدد کرنا	۵۹۳
۴۷۰	مقتول اور قاتل کی مدد کرنا	۵۹۴
۴۷۱	اپنے باپ کے قاتل کی مدد کرنا	۵۹۵
۴۷۲	ظالم کی رہائی میں مدد کرنا	۵۹۷
۴۷۳	ظالم سے ہمدردی کا طریقہ	۵۹۸
۴۷۴	ظالم کو مار ڈالنا	۵۹۹
۴۷۵	زانی کی مدد بھی گناہ ہے	۶۰۰

۴۷۶	بدکاری کی وجہ سے گھر سے نکالی گئی بھانجی کو اپنے یہاں پناہ دینا............................	۶۰۱
۴۷۷	ناجائز اولاد کو سماج میں جگہ دینا..	۶۰۲

☆......☆......☆

بقية كتاب الحظر والإباحة

باب حقوق الوالدين وغيرهما

(والدین کے حقوق کا بیان)

والدین کا معذور پیر اور استاذ کی خدمت سے روکنا

سوال[۹۱۰۰]: اگر کسی شخص کے پیر یا استاذ دائم المرض ہوں اور بسببِ کمزوری مرض وتقاضائے عمر طبعی معذور بھی اتنے ہوں کہ ہمہ وقت دوسروں کی خدمت کے محتاج ہوں اور بالکل تنہا، نہ بیوی، نہ بچے، شاگرد یا مرید اُن کی خدمت کرنا چاہیں، لیکن والدین ان کی خدمت اور ان کے یہاں جانے سے بھی روکیں۔ چونکہ والدین دینی ماحول اور تعلیمی، بزرگوں کی صحبت سے کورے ہیں، لیکن مرید اور شاگرد بفضلہ تعالیٰ شرع اور صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، مسئلہ مسائل سے واقف اور دین کی خدمت بھی کر رہے ہوں۔

ان حالات کے تحت مرید اور شاگرد کی پیر اور استاذ کی خدمت اور خبر گیری ضروری ہے یا والدین کی اطاعت فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پیر اور استاد کا مقام تو بلند ہے، اگر کوئی غیر آدمی بھی خدمت کا ایسا محتاج ہو کہ اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس کی بھی خبر گیری کا حکم ہے(۱)۔ والدین کو استاد اور پیر کی خدمت سے روکنے کا حق نہیں، جبکہ اس کی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "للمؤمن على المؤمن ست خصال: يعوده إذا مرض، ويشهده إذا مات، ويجيبه إذا دعاه". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب السلام، الفصل الأول، ص: ۳۹۷، قديمي)

وجہ سے والدین کی خدمتِ ضروریہ میں فرق نہ آتا ہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۶ھ۔

والدین کی خدمت مقدم ہے یا تعلیم کی تکمیل؟

سوال[۹۱۰۱]: میں نے حفظ کیا، پھر کچھ عربی پڑھی، ارادہ تھا کہ درسِ نظامی کی تکمیل کرکے کچھ دین کی خدمت کرجاؤں، لیکن میرے والدین کی انتہائی کوشش ہے کہ پڑھنا ترک کرکے کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجاؤں، جس سے دنیاوی زندگی بنے۔تو کیا میں والدین کو ناراض کرکے اور عارضی طور پر ترکِ تعلق کرکے کسی دوسری جگہ جاکر درسِ نظامی کی تکمیل میں مصروف ہوجاؤں تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدین آپ کی خدمت واعانت کے محتاج ہیں، ان کے گزارے کی کوئی صورت نہیں اور آپ ہی ان کی خدمت پوری کرسکتے ہیں تو آپ کو اس کی اجازت نہیں کہ ان سے ترکِ تعلق کرکے کہیں چلے جائیں اور درسِ نظامی کی تکمیل کریں، بلکہ ان کی خدمت ہی کرتے رہیں اور فارغ وقت میں دینی علم-خواہ اردو میں ہی ہو- حاصل بھی کرسکتے ہیں۔ اگر وہ آپ کی خدمت کے محتاج نہیں تو اس کا حکم دوسرا ہے، پھر بھی ایسی روش اختیار نہ کی جائے جس سے والدین کی حق تلفی ہو اور نہ ان کا مقابلہ کیا جائے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۰/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۰/۱۷ھ۔

---

(۱) "فقال عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه للحكم: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاطاعة لأحد في معصية الله تبارك وتعالى". (مسند أحمد، بقية حديث الحكم بن عمرو الغفارى رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۲۰۱۳۱): ۵۹/۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"عن على رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قال: "لاطاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (الصحيح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمى)

(۲) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهوبقدرمايحتاج لدينه، وفرض كفاية، وهو مازاد عليه =

والدین سے الگ رہنا کیا اکرامِ مسلم کے خلاف ہے؟

سوال[۹۱۰۲]: اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات کی روشنی میں رہبری فرمائیں: میں تبلیغ کا کام کرتا ہوں، یہاں کا ذمہ دار بھی ہوں، جماعتوں میں اکثر چلّوں وغیرہ میں جاتا ہوں، دن رات اللہ کے فضل سے کام میں لگا ہوں، دین کا داعی ہوں، میرے لئے گھر کے حالات بڑے پریشان کن ہوگئے ہیں، میرے والد صاحب کا انتقال ہوکر قریب ۶/ ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے۔ والد صاحب کی زندگی میں میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ علیحدہ مکان میں رہتا تھا، جتنا ہوتا مالی امداد کرتا۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد بڑی ذمہ داری مجھ پر آئی ہے کہ دو بہنیں بالغ اور چار بھائی جس میں دو کمانے والے ہیں، میں ہی بڑا ہوں۔ طے پایا کہ سب ایک ہی گھر میں رہیں اور گھر کو سب کی آمدنیوں سے چلائیں، لیکن بھائیوں کے خیال مختلف ہیں اور والدہ صاحبہ بھی اختلاف فرماتی ہیں کہ میں علیحدہ ہی رہوں۔ میری بیوی سے بھی میری والدہ اچھی نہیں رہتی، رات دن جھگڑے، لیکن میں اس خیال سے کہ اکرامِ مسلم بہت ضروری ہے، مل کر رہنا چاہتا ہوں اور اپنے متعلقین کی مالی مدد بھی مل کر رہنے میں ہوتی ہے۔

اگر میں علیحدہ ہوجاؤں تو اسلام کی روشنی میں اکرامِ مسلم کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ اور میرا ایسا کرنا ماں کی نافرمانی میں داخل ہوگا یا نہیں؟ گھر میں تین بھائی بڑے بالغ ہیں، ان کا رویہ بھی میری بیوی سے اچھا نہیں ہے،

= لنفع غيره". (الدر المختار، المقدمة: ۱/ ۴۲، سعيد)

"لايحل سفر فيه خطر إلا بإذنهما (أي بإذن الوالدين)، وما لاخطر فيه يحل بلا إذن منه، ومنه السفر في طلب العلم". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لأنه أولى من التجارة إذا كان الطريق آمناً ولم يخف عليهما الضيعة". (رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب: طاعة الوالدين فرض عين: ۴/۱۲۵، سعيد)

"وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحياً". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۸، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الكراهية، الفصل الأول: ۴/۳۲۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون: ۵/ ۳۶۵، ۳۶۶، رشيديه)

پردہ کرانا ان بھائیوں سے ضروری ہے تو دوسرے مکان میں رہنا پڑے گا۔ایسا کرنا کیسا ہے؟

آج دنیا میں ماں باپ بھائی بہنوں سے علیحدہ رہنا بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے کیونکہ میں تبلیغ کی جماعتوں میں کام کرتا ہوں، میرے کردار پر ہر ایک کی نظر رہتی ہے۔میرا علیحدہ رہنا کیسا رہے گا؟ براہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں تو بہت احسان مند ہوں گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

معاشرتی مصالح کے پیشِ نظر الگ رہنا اور حقوق ادا کرتے رہنا اکرامِ مسلم کے خلاف نہیں، والدہ محترمہ کو اچھی طرح ادب ونرمی سے سمجھادیں کہ یہ مصالح ہیں علیحدہ رہنے میں، اس مجبوری سے علیحدہ رہتا ہوں اور ان کی خدمت کرتے رہیں، ہمیشہ ان کے پاس جاتے رہیں، محبت میں کمی نہ کریں تو انشاء اللہ اچھے ثمرات مرتب ہوں گے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۱۳۹۰ھ۔

والدین کے حکم سے مال اور بیوی کو چھوڑنا

سوال[۹۱۰۲]: والدین کے بارے میں ایک حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دس وصیتیں کی تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ’’والدین کی نافرمانی نہ کرنا چاہیے اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ بیوی چھوڑ دے، یا سارا مال خرچ کردے‘‘(۲)۔اس کی تشریح کردیجئے کہ کیا

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة، وقل رب ارحمهما كما ربّياني صغيراً﴾ (سورة الإسراء: ۲۴)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله: ’’أي تواضع لهما وتذلل .... ﴿من الرحمة﴾: أي من فرط رحمتك عليهما‘‘. (روح المعاني، سورة الإسراء: ۱۵/ ۵۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: (تفسير ابن كثير: ۳/ ۳۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) ’’عن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه قال: أوصاني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعشر كلمات، قال: ’’لاتشرك بالله شيئاً وإن قتلت أو حرقت، ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك =

ہر حال میں یہی حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین کی اطاعت لازم ہے اور ان کے حکم کی خاطر بیوی اور سارے مال کو چھوڑ دینے کا حکم ہے، بشرطیکہ فتنہ میں ابتلاء کا قوی اندیشہ نہ ہو، مثلاً بیوی کو چھوڑ دینے سے زنا میں مبتلا ہو جائے اور مال خرچ کر دینے سے چوری وغیرہ میں مبتلا ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

والدین کی نافرمانی

سوال[۹۱۰۴]: والدین کی نافرمانی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز امور میں والدین کی نافرمانی کرنے والا سخت گنہگار ہے:

= ومالک". اھـ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل، (رقم الحديث: ۲۱۵): ۶/۳۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أتاه فقال: إن لي امرأةً وإن أمي تأمرني بطلاقها، فقال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فحافظ على الباب أوضيع". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۱۹، قديمي)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "كانت تحتي امرأة أحبها، وكان عمر رضي الله تعالىٰ عنه يكرهها، فقال لي: طلقها، فأبيت، فأتى عمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فذكر ذلك له، فقال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلقها". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، ص: ۴۲۱، قديمي)

"يجب التطليق متابعةً للوالد، ورضاءً له، فقد ورد عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". الخ". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق باطاعة الوالدين، ص: ۴۱۲، دار ابن حزم)

"عن المغيرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات". الحديث. مشكوة شريف(۱)۔ "ومن أصبح عاصياً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار". الحديث مشكوة شريف(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ھذا، ۱۱/شعبان، ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف ۱۱/شعبان، ۱۳۵۵ھ۔

معصیت کے کام میں والدین کی اطاعت

سوال[۹۱۰۵]: اگر والدین اپنی اولاد سے ناجائز کام کو کہیں تو اولاد کو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرگز نہیں کرنا چاہیے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۹۱۰۶]: زید بغرضِ اطاعتِ والدین ایک مکتب میں ملازمت کرتا ہے، مگر وہاں پر معصیت

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، ص: ۴۱۹، قديمی)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، ص: ۴۲۱، قديمی)

(۳) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم .... قال "لاطاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (الصحيح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمی)

"فقام عمران بن حصين رضى الله تعالىٰ عنه، فلقيه بين الناس قال: تذكر يوم قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق في معصية الله". .... "فقال عمران للحكم: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاطاعة لأحد في معصية الله تبارك وتعالى". (مسند أحمد (رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱، ۲۰۱۳۲) : ۶/ ۵۹، ۶۰، داراحياء التراث العربی، بيروت)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۹۹۰۳): ۶۲۸۶/۱۲، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

پر مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ بھی بعض اَمارد پر نظرِ شہوت ہے، پھر توبہ کر لیتا ہے، پھر وہی عمل سرزد ہو جاتا ہے۔ اب یقین ہے کہ ملازمت ترک کر دینا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ والدین کی اطاعت کی خاطر ملازمت ضروری ہے یا ترکِ معصیت کی خاطر ملازمت ترک کر دینا؟ اور اپنے مرشد کے یہاں رہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ ملازمت تو معصیت نہیں (۱)، البتہ اس ملازمت میں معصیت کے دواعی ہیں، جن کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے اور غالباً اسی معاصی کا عادی بن گیا ہے، پھر وہ جہاں بھی جائے گا اپنی عادت کی راہ نکال لے گا، ادھر غالباً والدین کا بھی مقصود یہ مخصوص ملازمت نہیں، بلکہ ان کا مقصد اخراجات کی سہولت اور تحصیلِ آمدنی ہے۔ اگر اس کا ظنِ غالب ہے کہ دوسرے کسی کام کی ملازمت کے بعد اس معصیت سے بچ جائے گا تو وہ ملازمت کرے تاکہ دونوں فائدے حاصل ہوں: معصیت سے حفاظت بھی ہو جائے اور آمدنی بھی ہو جائے (۲)۔ یا پھر اپنے مرشد کی خدمت میں جلدی جلدی جاتا رہے اور اصل تو یہ ہے کہ اپنے اس مرض کو اپنے مرشد سے کہنے پر جو کچھ وہ اس سے حفاظت کا علاج تجویز کریں پختہ ہو کر اس پر عمل کرتے رہیں۔ اپنی رائے پر علاج کرنے سے عمل نہیں ہوتا ہے، ورنہ مرشد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

نکاح کے بعد لڑکی پر والدین کا کتنا حق ہے؟

سوال [۹۱۰۷]: بعد نکاح والدین کا لڑکی کو اپنے حسبِ منشاء استعمال کی کس قدر اجازت ہے؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا قضيتم الصلوة، فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله﴾ (سورة الجمعة: ۱۰)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله عليه: "﴿وابتغوا من فضل الله﴾: أي الربح على ماقيل". (روح المعاني: ۲۸/ ۱۰۳، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

وقال ابن كثير رحمه الله عليه بعد الأية المذكورة: ﴿اذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون﴾: أي حال بيعكم وشرائكم وأخذكم وإعطائكم". (تفسير ابن كثير: ۴/۳۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الرسل كلوا من الطيبٰت واعملوا صالحاً﴾. (سورة المؤمنون، آيت: ۵۱)

اورشوہر کو کتنا اس بات کا حق ہے کہ اپنے جائز امور معاملات میں اور جنسی تسکین کے لئے (علاوہ ایام حیض ونفاس کے) کس وقت استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین تو رخصت کرکے فارغ ہوگئے، ہفتہ میں ایک دفعہ لڑکی اپنے والدین کی زیارت کے لئے جاسکتی ہے، مگر زیارت کرکے واپس چلی آئے، بغیر شوہر کی اجازت کے وہاں نہ رہے۔ والدین جب چاہیں لڑکی کو دیکھنے کے لئے اس کے مکان پر جاسکتے ہیں، مگر بغیر داماد کی اجازت کے رات کو وہاں نہ رہیں(۱)۔ شوہر اپنی تسکین کے لئے اس کے تحمل کی رعایت کرتے ہوئے جس قدر مناسب ہو استعمال کرسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

والدہ کی خدمت سے چڑچڑاپن پیدا ہوجانے کا اثر

سوال[۹۱۰۸]: میری والدہ بیمار تھیں، آخری دنوں میں ان کی تیمارداری کرتے کرتے میرے

---

(۱) " ولایمنعهما من الخروج إلی الوالدین في کل جمعة إن لم یقدر علی إتیانها .... (ولایمنعهما من الدخول علیها في کل جمعة .... ویمنعهم من الکینونة –وفي نسخة: من البیتوتة– .... (عندها) به یفتی". (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في الکلام علی المؤنسة: ۳/ ۶۰۲، ۶۰۳، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۸۶، ۱۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في خلاصة الفتاوی، کتاب النکاح، الفصل الثامن عشر، جنس آخر في خروج المرأة من البیت: ۲/ ۵۲، ۵۳، رشیدیه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، باب النفقه: ۱/ ۴۲۹، رشیدیه)

(۲) "ولوتضررت من کثرة جماعه، لم تجز الزیادة علی قدرطاقتها". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/ ۲۰۳، سعید)

(وکذا في الدر المنتقی، کتاب النکاح، باب القسم: ۱/ ۵۵۰، غفاریه)

مزاج میں چڑچڑا پن آگیا تھا، مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں ماں کے آخری دنوں میں میٹھی زبان سے بات نہ کرسکا، مجھے بتلائیں کہ میری ماں نے اس کا کیا اثر لیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہی اثر لیا ہوگا کہ ایسی ضعیفی اور کمزوری کی حالت میں آپ بھی خدمت سے اُکتا گئے، ان کے لئے زیادہ سے زیادہ استغفار اور شریعت کے مطابق ایصالِ ثواب کرتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۴ھ۔

والدہ کی بے جا حمایت پران سے قطع تعلق

سوال[۹۱۰۹]: ایک شخص جس کا یہ غالب گمان ہی نہیں بلکہ یقین ہے، اس معاملہ میں کہ اس کو اس کے مرحوم والد کے ہر ترکہ میں برابر کا حصہ نہیں دیا گیا ہے، دلیل اس کے پاس موجود ہے اور اس کا اس بات پر دعویٰ ہے کہ اس کو رہنے کی جگہ بھی اتنی کم ہے کہ مشکل سے گزر ہوتا ہے، یعنی بچوں کو لٹانے کی جگہ بھی ڈھنگ کی نہیں۔ والد کی میراث میں ایک مکان ہے جس کا جگہ کے اعتبار سے جھگڑا چل رہا ہے، ورثاء میں اس کے ساتھ چار وارث ہیں:

۱- ایک نے تو کاروبار اچھا ہونے کی بناء پر مکان کرائے پر لیکر رہائش اختیار کرلی ہے، اس کے باوجود گھر پر قبضہ کر رکھا ہے، اس نے مکان کے ایک بڑے کمرہ اور ایک چھوٹے کمرہ پر قبضہ کر رکھا ہے، جس میں اس کا ایک لڑکا رہتا ہے۔

---

(۱) "عن أبی أسید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم إذ جاء رجل من بنی سلمة، فقال: یارسول اللہ! هل بقي من برّ أبویّ أبرّهما به بعد موتهما؟ قال: "نعم، الصلاة علیهما والاستغفار لهما". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثانی، ص: ۴۲۰، قدیمی)

"وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن العبد لیموت والداه أو أحدهما، وإنه لهما لعاق، فلایزال یدعو لهما ویستغفر لهما حتی یکتبه اللہ باراً".

(مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، ص: ۴۲۱، قدیمی)

۲-اور ایک نے نیچے کے دو بڑے کمروں پر میری غیر موجودگی میں قبضہ کرلیا ہے۔

۳-اور تیسرا بھی اس کے پاس ایک وسیع کمرہ اور ایک چھوٹا کمرہ ہے اور احقر کے پاس صرف ایک کمرہ ہے جو چھوٹا تو نہیں لیکن بڑا بھی نہیں ہے۔ ترکہ میں والد صاحب کچھ زمین چھوڑ گئے ہیں جس کی دو سال کی آمدنی احقر کو نہیں ملی اس کے بعد آمدنی کاشتکار نے دی ہی نہیں۔

والدہ محترمہ کی ایماء پر یا ان کی جانبدارانہ تعلق پر یہ سب کچھ ہوتا ہے کہ ان حالات میں والدہ محترمہ نے ان کی حمایت بھرپور کی ہے اور ناچیز نے ان کی مخالفت میں جھگڑا بھی کیا ہے۔ یہ تمام موصوف کے دعوے ہیں اور ان حالات میں موصوف نے مع والدہ کے سب سے تعلق اس شرط پر توڑ دیئے ہیں کہ جب تک موصوف کو اس کا حق نہیں دیا جاتا وہ اس تعلق کو بحال نہیں کرے گا تو اس کا یہ عمل لوگ شریعت کے خلاف بتلاتے ہیں۔ موصوف کا یہ عمل شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان سب حالات کے باوجود قطع تعلق کرنا خود حق تلفی ہے، والدہ کا احترام اور ان کی خدمت اور ان کو خوش کرنا لازم ہے، دوسرے اہلِ قرابت کا یہی حق ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''دنیاوی رنجش کی وجہ سے قطع تعلق کردینے والے کی دعاء قبول نہیں ہوتی اور اس کی مغفرت نہیں ہوتی'' اس لیے آپ والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو خوش کریں اور دیگر اہلِ قرابت سے بھی سلام وکلام جاری رکھیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولاتقل لهما أف﴾ الآية. (بنی إسرائیل: ۲۳)

"وعن المغيرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات". "وعن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " ليس الواصل بالمكافي، ولكن الواصل الذى إذا قطعت رحمه وصلها". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، ص: ۴۱۹، قديمي)

"عن الأعمش قال: كان ابن مسعود جالساً بعد الصبح فى حلقة، قال: أنشد الله قاطع رحم لما قام عنا؛ فإنا نريد أن ندعو ربنا، وأن أبواب السماء مرتجة دون قطع رحم". رواه الطبراني، ورجاله رجال الصحيح، إلا أن الأعمش لم يدرك ابن مسعود". (مجمع الزوائد، كتاب البر والصلة، باب صلة =

والدین میں نااتفاقی ہوتو اولاد کیا کرے؟

سوال[۹۱۱۰]: والدین کی خدمت کرنا قرآن وحدیث میں فرض بتایا گیا ہے، مگر والدین میں خود اتنی نااتفاقی ہے کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنا گوارہ نہیں کرتے، اگر لڑکے اپنی ماں کو رکھتے ہیں تو والد ناراض ہوکر فوراً الگ رہتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر کھاتے ہیں۔ والدین کی جدائیگی کا عرصہ ۱۸، یا ۲۰/ سال کا ہوگیا ہے، اب اگر والدہ کو راضی کرتے ہیں تو والد ناراض ہوتے ہیں، حالانکہ دونوں پڑھے ہوئے ہیں۔ ایسے وقت میں اولاد کیا کرے، کس کو راضی کرے اور کس کو ناراض رکھے؟

نیز والدہ کو ساتھ رکھتے ہیں تو لڑکے والدہ کی نازیبا حرکت جو کہ برداشت کے قابل نہیں برداشت نہیں کرتے، وہ حرکت یہ ہے کہ والدہ کبھی اپنے قرآن شریف کو بکس میں بند کر دیتی ہیں اور اب کچھ دنوں سے وہ اپنے قرآن شریف کو اپنے ساتھ لے کر سوتی ہیں، حالانکہ رات کو پڑھتی بھی نہیں ہیں۔ اب ایسے حالات میں اولاد کیا کرے، والدین سے علیحدگی اختیار کرلے یا کیا کرے؟ تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے، والدہ کی خدمت کرنے سے اگر والد ناراض ہوں اور برا کہیں تو خاموشی سے سن لیں، ان کو جواب نہ دیں (۱)۔ والدہ اگر اپنا قرآن شریف بکس میں بند کردیں تو ان کی اس بات پر کوئی اعتراض نہ کرے، گھر میں تلاوت کے لیے دوسرا قرآن شریف دوکان سے لے لیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے اور لڑائی ختم کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

والدہ کی مانتا ہے تو والد ناراض ہوتے ہیں

سوال[۹۱۱۱]: زید کے والدین زندہ ہیں، زید کی والدہ کہتی ہے کہ گھر پر کام کرو اور والد کہتے ہیں کہ دہلی جا کر کام کرو اور دہلی میں آمدنی زیادہ ہے، اگر والدہ کی مانتا ہے تو والد اس سے بولنا چھوڑ دیتے ہیں اور

= الرحم وقطعها: ۸/۱۵۱، دارالفکر بیروت)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیه إحساناً﴾ (سورة الأحقاف: ۱۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقل لهما أف ولا تنهرهما﴾ (سورة الاسراء: ۲۳)

اگر والد کی بات مانے تو والدہ بولنا چھوڑ دیتی ہیں۔اب اس کا کیا کرنا چاہیئے ، والدہ کی بات کو ترجیح دے یا والد کی بات کو ترجیح دے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مکان پر رہ کر گزارہ نہیں ہوتا، پریشانی زیادہ رہتی ہے تو باہر جا کر کام کرے اور والدہ کو سمجھا دے کہ خفا نہ ہوں، روپیہ کما کر آپ کے واسطے لاؤں گا اور دعاء بھی کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو مجھ سے خوش رکھے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

والدہ ناراض ہو تو کیا کرے؟

سوال [۹۱۱۲]: میری ماں مجھ سے اس وجہ سے ناراض ہے کہ وہ مجھے پڑھائی کو خرچہ دیتی رہی ہے، روپے سے بہت محبت کرتی ہے، اسلام کے خلاف رشوت وغیرہ کی ترغیب دیتی ہے، مجھ سے یہ کہتی ہے کہ مجھے اپنی صورت مت دکھا، میں اس میں راضی ہوں، خدا کے ڈر سے جاتا ہوں، گندے الفاظ سن کر میں اس سے علیحدگی اختیار کرلوں، اللہ کی نافرمانی تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ خدمت میں جایا کریں، جسمانی خدمت بھی کریں، کچھ ہدیہ تحفہ بھی لے جایا کریں، موسم کی چیز، کبھی کپڑا، کبھی جوتا اور جو چیز ان کو مرغوب ہو پیش کر دیا کریں، اللہ پاک سے دعاء بھی کیا کریں کہ ماں کے دل سے نفرت نکال کر محبت پیدا فرما دے، انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مدت میں اچھا تغیر پیدا ہوگا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۶/۵/۲۸ھ۔

باپ کے مال سے مُطلّقہ ماں کی مدد

سوال [۹۱۱۳]: ایک شخص جس کا نام خالد ہے، اس نے ایک عورت سے شادی کرلی اور اس عورت

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''والدین میں نااتفاقی ہو تو اولاد کیا کرے؟'')

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''فاسق باپ کے ساتھ سلوک'')

کے پیٹ سے دولڑکے اور دوسری لڑکیاں پیدا ہوئیں، اس میں ایک کا نام زید اور دوسرے کا نام بکر ہے۔ پھر کسی وجہ سے خالد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق دینے کے بعد خالد نے دوسری عورت سے شادی کی۔ دوسری عورت کے پیٹ سے تین بچے ہیں: ایک لڑکا اور دولڑکیاں۔ مگر طلاق دینے کے بعد زید اور بکر کی ماں پریشانی اور غربت کی زندگی گزار رہی ہے۔ اب زید اور بکر جو کہ بالغ ہیں وہ اپنی پریشان حال ماں کی مدد کرنا چاہتے ہیں ماں کا حق اور ماں کی خدمت سمجھ کر۔ تو وہ اپنی ماں کی خدمت کس طرح کریں؟

کیا باپ کی جائیداد میں سے بغیر باپ کی رضامندی اور بغیر پوچھے اس میں سے کچھ لے کر ماں کی مدد کرنا کیسا ہے؟ اور اس طرح لے کر ماں کو دینا ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بغیر باپ کی اجازت کے اس کے مال میں سے والدہ کو کچھ نہ دیں (۱)، البتہ خود کما کر جس قدر ہو سکے خدمت کرتے رہیں۔ حق تعالیٰ فلاحِ دارین نصیب فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۱ھ۔

فاسقہ والدہ کے ساتھ برتاؤ

سوال[۹۱۱۴]: ہندہ ایک عورت اس کا بیٹا زید ہے، ہندہ مطلقہ ایک اجنبی شخص کے مکان پر رہتی ہے اور اس اجنبی غیر شخص سے تعلق کل رہائش خانگی اس کے مکان میں بلا نکاح کئے ہوئے ہے، ہندہ ہر غیر شخص سے گفتگو کرنے میں بے حیا و بے شرم ہے، شرعی پردہ قطعی اٹھا دیا ہے، ہر اسلامی شخص سے متنفر ہے۔ چند امور قابلِ

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". الحديث". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(ومجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب البيوع، باب الغصب: ۴/۱۷۲، دار الفكر، بيروت)

(وكنز العمال، الفرع الثاني في أحكام الإيمان المتفرقة: ۱/۹۲، (رقم الحديث: ۳۹۷)، مكتبة التراث الإسلامي حلب)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنبيه الغافلين، باب ماجاء في الظلم، ص: ۲۰۲، حقانيه)

دریافت ہیں:

۱-زید بیٹا اپنی والدہ ہندہ سے شرعی برتاؤ کیسا کرے؟

۲-زید کو یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اگر میں والدہ کی خدمت نہ کروں اور میل جول نہ رکھوں اور ترکِ تعلق کرلوں تو شرعی گرفت اور قیامت میں مواخذہ تو نہ ہوگا، پر ممکن ہے ترکِ تعلق سے اصلاح ہو جائے اور اصلاح ہونے کی صورت میں عنداللہ ترکِ تعلق سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ زید ہندہ (اپنی والدہ) کے کھانے وغیرہ کا کفیل نہیں بلکہ ہندہ خود اپنی ضروریات اپنے طور پر پورا کرتی ہے۔

امر اول: اصلاح شرعی ہندہ کی کہ وہ ان خرافات سے باز آجائے۔

امر دوم: زید مواخذہ شرعی روزِ قیامت سے سبکدوش ہو جائے، دینی دنیاوی حیثیت سے بَری الذمہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کو لازم ہے کہ اپنی والدہ کا احترام باقی رکھے، کوئی بات خلافِ ادب کرنا یا گستاخی سے پیش آنا درست نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اصلاح کی کوشش کرے، خود سمجھائے یا کسی ایسے شخص کے ذریعے سے نصیحت کرائے جس کا اس پر اثر پڑ سکے، خود دعا کرے، باقی تنگ کرنا، مارنا، پیٹنا، یا گالی وغیرہ دینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۴/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/شوال/۵۹ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تقل لهما أف، ولاتنهر هما﴾ (سورة بني إسرائيل: ۲۳)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "في فصول العلامي: إذا رأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، فإن قبلا فبها، وإن كرها سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما، فإن الله تعالى يكفيه ما أهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ۷۸/۴، سعيد)

"فإن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فيه مَنفعةُ مَن أمره ونهاه عن المنكر، والأب والأم =

باپ کوستانے کا وبال

سوال[۹۱۱۵]: میرا لڑکا صحبتِ زید کی وجہ سے میرا نافرمان ہے، مجھ کوستاتا ہے، میں نے بہت فتاوی منگا کر اس کو سنائے کہ اس کی اصلاح ہو مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا، اس کے متعلق آپ بھی فتوی دیں کہ ایسے لڑکے کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد کا بہت بڑا حق ہے، والد کی خدمت وخوشنودی سے اللہ پاک کی خوشنودی اور جنت حاصل ہوتی ہے، والد کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، والد کوستانا اور تکلیف پہنچانا سخت محرومی ہے، اس کا وبال دنیا وآخرت دونوں جگہ بھگتنا ہوتا ہے۔ لڑکے کو اپنی حرکتوں سے باز آنا اور توبہ کرنا چاہیئے، ورنہ انجام نہایت سخت اور ناقابلِ برداشت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أحق بأن ينفع لهما .... لكن ينبغي أن لا يعنف على الوالدين، فإن قبلا فبها، وإلا سكت واشتغل بالاستغفار لهما". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۲۳، دار ابن حزم)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه إحساناً﴾ (سورة الأحقاف: ۱۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتقل لهما أف ولاتنهرهما﴾ (سورة بني إسرائيل: ۲۳)

"وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (مشكوة المصابيح، باب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۱۹، قديمي)

"وعنه (أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رغم أنفه، رغم أنفه، رغم أنفه". قيل: من يارسول الله! قال: "من أدرك والديه عند الكبر أحدهما أو كلاهما، ثم لم يدخل الجنة". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، ص: ۴۱۸، قديمي)

فاسق باپ کے ساتھ سلوک

سوال[۹۱۱۶]: زید صاحبِ اولاد ہے، مگر بُرے فعلوں میں مبتلا ہے حتیٰ کہ ایک لڑکے نے بُرا فعل کرتے ہوئے دیکھ بھی لیا، جب اولاد نے زید کو منع کیا تو زید نے اولاد سے بولنا چھوڑ دیا، تو اب اولاد کا فرض ہے وہ زید سے بات چیت کریں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاد کو اپنے باپ کا ادب کرنا چاہیئے اور اس کو خوش رکھنا چاہیئے (۱)، لیکن آہستہ آہستہ موقع پا کر باپ کو خدا کے عذاب سے ڈرانا اور نصیحت بھی کرنا چاہیئے، بلکہ کسی بزرگ سے تعلق قائم کرا دینا چاہیئے تا کہ ان کی صحبت اور ہدایت سے باپ کی یہ بُری عادت چھوٹ جائے۔ غرض نہ باپ سے تعلق ختم کریں، نہ بے ادبی سے پیش آئیں، نہ اس کو اس بُرے حال پر چھوڑیں، اس کے لئے دعاء اور خیر خواہی میں لگے رہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۱۱/۸۵ھ۔

باپ کے ساتھ سخت کلامی

سوال[۹۱۱۷]: باپ بیٹے میں سخت گفتگو ہو رہی تھی، غصہ میں باپ نے کہہ دیا کہ میں جوتا ماردوں گا، اس پر بیٹے نے جواب دیا کہ سو جوتے میں تم کو ماروں گا۔ سوال یہ ہے کہ ایسے بیٹے کے لئے شریعت کیا حکم کرتی ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقل لهما أف، ولاتنهر هما﴾ (سورة بنی إسرائيل: ۲۳)

(۲) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "في فصول العلامي: إذا رأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، فإن قبلا فبها، وإن كرها سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما، فإن الله تعالیٰ يكفيه ماأهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ۷۸/۴، سعيد)

"فإن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فيه مَنفعةُ مَن أمره ونهاه عن المنكر، والأب والأم أحق بأن ينفع لهما .... لكن ينبغي أن لا يعنف على الوالدين، فإن قبلا فبها، وإلاسكت واشتغل بالاستغفار لهما". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۲۳، دار ابن حزم)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو بیٹے باپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں وہ بہت نالائق اور بدقسمت ہیں، باپ کی تعظیم واجب ہے، جہاں تک اپنے بس میں ہو، والد کوخوش رکھا جائے اور اگر غصہ میں کچھ کہیں تو خاموش ہوکر سن لیا جائے، ہرگز کوئی جواب نہ دیا جائے، اس سے دین بھی تباہ ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ والد کو چاہیئے کہ ایسے نالائق بیٹے سے ایسی بات نہ کرے جس سے وہ تلخ جواب دے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بوڑھے باپ کی اطاعت

سوال[۹۱۱۸]: اگر باپ یا دادا بوڑھا ہے اور اولاد جوان ہے اور اولاد ان کا حکم نہ مانیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاد کے ذمہ باپ کا حکم ماننا لازم ہے خاص کر جبکہ وہ بوڑھے ضعیف ہوں تو ان کی فرمانبرداری وتعظیم اور زیادہ ضروری ہے، اگر وہ بھی خلاف شرع حکم دیں تو اس میں اطاعت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و قضی ربک ألا تعبدوا إلا إياه و بالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندک الكبر أحدهما أو كلاهما، فلا تقل لهما أفٍ ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

قال العلامة الآلوسی : "والنهي عن ذلک يدل على المنع في سائر أنواع الإيذاء". (روح المعانی، (سورة الإسراء: ۲۳): ۱۵/۵۵، دار إحياء التراث العربی بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (تفسیر ابن كثير: ۳/۳۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه إحساناً﴾ (سورة الأحقاف: ۱۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه حسناً، وإن جاهداک لتشرک بي ماليس لک به علم، فلاتطعهما﴾ (سورة العنكبوت: ۸) .... =

درجہ کس کا زیادہ ہے باپ یا ماں کا؟

سوال[۹۱۱۹]: کلامِ ربانی اور احادیث کے مطابق باپ کا حق ودرجہ ومرتبہ زائد ہے یا ماں کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احترام کے لحاظ سے باپ کا رتبہ زیادہ ہے اور خدمت کے لحاظ سے ماں کا حق زیادہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۲۷ھ۔

باپ نے دونوں بیٹوں کو الگ کر دیا

سوال[۹۱۲۰]: دو بھائیوں میں شدید اختلاف ہوگیا، والد نے اتحاد کی بہت کوشش کی، جب کامیابی نہ ہوئی تو دونوں کو الگ کر دیا، چولہا الگ کر دیا، تاکہ آئندہ دلوں میں زیادہ فرق نہ پیدا ہو۔ تو والد صاحب کا یہ فیصلہ کیسا ہے؟

= "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رجل: يارسول الله ! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمك". قال: ثم من؟ قال: "أمك". قال: ثم من؟ قال: "أمك". قال: ثم من ؟ قال: "أبوك". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، ص: ۴۱۸، قديمي)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قال: "لاطاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (الصحيح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في معصية: ۲/ ۱۲۵، قديمي)

(۱) "وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۱۹، قديمي)

"إذا تعذر عليه مراعاة جميع حقوق الوالدين، رجح جانب الأب فيما يرجع إلى التعظيم والاحترام، وحق الأم فيما يرجع إلى الخدمة والإنعام". (فتاوى اللكنوى المسمى: نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۲۲، دار ابن حزم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوشش وفہمائش کے باوجود جب اتحاد نہ ہوسکا اور دونوں کو علیحدہ کردیا کہ مزید فتنہ خانہ جنگی نہ ہوتو اچھا کیا، مگر دونوں کے ساتھ معاملہ یکساں کرنا چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۶ھ۔

کیا بغیر باپ کی اجازت کے نکاح کرنا نافرمانی ہے؟

سوال[۹۱۲۱]: ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ایک لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہے، مگر وہاں پر والد صاحب نے اس لئے شادی کرنے سے انکار کیا کہ کچھ اَن بَن ہوگئی ہے، حالانکہ پہلے وہیں رشتہ کیا تھا، دوسری جگہ جہاں لڑکے کو آٹھ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا گیا تھا بات کرلی، لڑکے نے ان آٹھ ہزار روپیوں کو ٹھکرا کر پہلی جگہ اپنی مرضی سے شادی کرلی، جبکہ والد صاحب سے اصرار وضد کی وجہ سے ناراضگی ہوگئی۔ تو مذکورہ صورت میں لڑکا والد کا نافرمان ہوگا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیوں، اور ہوگا تو کیوں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹھ ہزار روپے لڑکے کے لئے شرط قرار دینا غلط ہے، ناجائز ہے (۲)، ناجائز کام میں والد کی اطاعت نہیں، اگر لڑکے نے اس غلط رویے سے بچنے کے لئے اپنی شادی خود کرلی تو وہ نافرمان نہیں ہوا:

---

(۱) "عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: تصدق عليّ أبي ببعض ماله، فقالت له أمي عمرة بنت رواحة رضي الله تعالىٰ عنها: لا أرضى حتى تشهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فانطلق أبي إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليشهد على صدقتي، فقال له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفعلت بولدك كلهم"؟ قال: لا، قال: "اتقوا الله، واعدلوا في أولادكم". (الصحيح لمسلم، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة: ۳۷/۲، قديمي)

(۲) "عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: .... ثم قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الناس، فحمد الله وأثنىٰ عليه، ثم قال: "مابال رجال يشترطون شروطاً ليست في كتاب الله، ماكان من شرط ليس في كتاب الله، فهو باطل وإن كان مأة شرط". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الشروط، باب الشروط في الولاء: ۳۷۷/۱، قديمي)

"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". الحدیث(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۱۴۰۶ھ۔

باپ بیٹوں کے حقوق

سوال [۹۱۲۲]: ا..... زید کی دو شادیاں ہوئیں: پہلی شادی اس کے دادا نے اپنے صرفہ سے بحالتِ بلوغ کی کہ جس کے چند سال گزرنے کے بعد اس کی بیوی کے مرنے پر زید کی دوسری شادی زید کے صرفہ سے اس طریقہ سے ہوئی کہ زید اپنی آمد اپنے والد کو بھیجتا رہا، بوقتِ شادی زید کے والد نے خدا کی قسم کھا کر اس کی خالہ سے کہا کہ ہمارے ذمہ اس شادی میں کوئی قرضہ نہیں ہے۔ زید کی دوسری شادی میں جتنا صرفہ ہوا وہ سب زید کی نگاہ میں رہا اور وہ سب زید کی موجودگی میں ہوا، پہلی شادی کا تخمینہ بھی زید کے خیال میں ہے۔

ایک مرتبہ زید کے والد نے لکھا کہ شادی کا قرضہ ہے۔ زید نے دریافت کیا کہ کس کا اور کتنا ہے؟ اور آپ نے بوقتِ شادی قرضہ نہ ہونے کی قسم کھائی تھی۔ اس پر جواب نہ آنے پر زید نے کل تخمینہ مصارف شادی کا لکھ کر اپنے والد کی خدمت میں بھیج دیا اور لکھا جو مجھ کو یاد ہے، میں لکھ دیتا ہوں اور اگر اس میں کسی قدر کی بیشی ہو وہ مجھ کو لکھ دیجئے تاکہ اس کو دے کر مجری کر لیا جائے، لیکن والد کی طرف سے کوئی حساب نہیں آتا، حالانکہ زید کے روبرو جہاں تک صرفہ ہوا تھا وہ سب زید کے والد نے لکھ بھی دیا تھا۔ اس حساب کے نہ آنے پر زید کو اپنے

---

(۱) (فیض القدیر: ۱۲/۶۴۸۲، (رقم الحدیث: ۹۹۰۳) مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ)

"فقام عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فلقیہ بین الناس قال: تذکر یوم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة اللہ". .... فقال عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ للحکم: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "لاطاعة لأحد فی معصیة اللہ تبارک وتعالیٰ". .... قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لاطاعة فی معصیة اللہ تبارک وتعالیٰ". (مسند أحمد، بقیة حدیث الحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رقم الحدیث: ۲۰۱۳۰ - ۲۰۱۳۰ - ۲۰۱۳۰): ۶/۵۹، ۲۰، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

"عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .... قال: "لاطاعة فی معصیة اللہ، إنما الطاعة فی المعروف". (الصحیح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی معصیة: ۲/۱۲۵، قدیمی)

حساب کا اور پختہ یقین ہوگیا۔

شادی کے بعد سے زید کی اہلیہ میکے چلی گئی اور کچھ دنوں زید کے ہاں رہی اس حالت میں بھی زید اپنے باپ کے پاس ماہواری خرچ روانہ کرتا رہا، اس ضرورت سے کہ اس کی بیوی کی واپسی پر کسی خاص ضرورت میں کام آجائیں گے۔ اس کے والد کے پاس بوجہ مدرسی وجائیداداتنی آمدنی ہے کہ ان کے اخراجات کو کافی ہو، چنانچہ وہ کہہ بھی چکے ہیں کہ ہم اپنی لائق کرلیتے ہیں، تاہم وہ زید سے بھی کنبے کا خرچ کہہ کر مانگتے ہیں، کبھی شادی کے اخراجات کے نام سے مطالبہ کرتے ہیں اور کوئی حساب مانگنے پر حساب نہیں بتلاتے۔

میرا تخمینہ جو حساب کا ہے اس کے لحاظ سے شادی کے متعلق کوئی رقم بقایا نہیں ہونی چاہیئے، والد اور دوسرے شریکِ شادی اور واقف کار بھی میرے تخمینہ اور حساب کی تائید کرتے ہیں۔ میں نے تخمینہ پیش کر کے عرض کیا کہ میری جانب تو کوئی رقم بقایا نہیں ہونا چاہیے اور اگر بالفرض ہو تو وہ رقم جو میں نے شادی کے بعد علی الحساب بھیجی ہے اس کو کام میں لایئے۔ اس کے متعلق کبھی فرماتے ہیں کڑیاں خریدلی، کبھی فرماتے ہیں گھر کے خرچ کی تمہیں اطلاع نہیں، کبھی کہتے ہیں میرا بھی حق ہے۔

زید کی آمدنی بہت محدود ہے، نیز اس کا بھی خیال ہے کہ مسلمان اخراجات کی زیادتی سے تباہ ہوتے جارہے ہیں۔ زید کے والد اس سے بھی ناراض ہوتے ہیں کہ اپنی اہلیہ کے کپڑے خود بنالیتا ہے۔ پس کیا صورتِ موجودہ میں زید کے ذمہ کوئی امر ضروری ہے؟

۲...... جب کہ والد صاحب خرچ کا حساب نہیں دیتے اور زید کو اپنے اور شریک کے اشارہ کے ذریعہ سے علم ہو چکا کہ اس کے ذمہ کوئی مطالبہ باقی نہیں تو زید کا یہ کہنا کہ ہمارے ذمہ کچھ نہیں، داخلِ گناہ تو نہ ہوگا؟

۳...... کیا زید کے والد کو زید کی بیوی کا حق اپنے لئے لینے کا حق حاصل ہے؟

۴...... کیا زید کے والد کو زید اور اس کی بیوی کے لئے کپڑے نہ بنانے پر مجبور کرنے کا حق ہے؟

۵...... زید کے والد اگر کوئی ایسا کام کریں جس میں زید کی مضرت یا حق تلفی ہو تو زید ان کی اس طرف توجہ مبذول کراسکتا ہے، نیز والد کے لئے زید کی عدم موجودگی میں ایسا کام جس سے اس کا ضرر یا حق تلفی ہو، کیسا ہے؟

۶...... اگر زید کے والد کے ذمہ واقع میں قرضہ نہ ہو اور وہ توریۃً یا غلط طریقہ سے قرضہ ظاہر کریں اور

کسی سے کہلوادیں کہ ہمارا قرضہ ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

۷......اگر زید کے پاس سامانِ زندگی موجود ہو تو شکرِ نعمت فرض ہے یا نہیں؟

۸......زید شادی کا حساب سمجھنے میں حق بجانب ہے یا نہیں؟ اور والد کو حساب بتلانا چاہیئے یا نہیں؟

۹......اگر والد کی آمدنی بدرجۂ کفایت ہو اور زید کوئی خاص طریقہ پر خدمت نہ کرے، بجز اس کے کہ جو شئے وہ طلب کریں بھیج دے تو اس کو گناہ تو نہ ہوگا؟

۱۰......زید حتی الامکان والدین کی اطاعت وادب کو ملحوظ رکھتا ہے، لیکن والد ناراض رہتے ہیں، بددعاء دیتے ہیں۔ کیا ناحق بددعاء قبول ہوجاتی ہے؟ والدین کو ناحق اولاد پر غصہ کرنا شریعت کی تعلیم کے موافق کیسا ہے؟ اولاد اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ کونسا طرزِ عمل مشروع ہے؟

۱۱...... جب کہ زید اس کے لیے تیار ہے کہ آپس کے معاملات روبرو بلاشرکتِ غیرے طے ہوجائیں، پھر زید کے والد کا ایسے اشخاص کو خانگی معاملات میں ڈالنا جن سے ہواخیزی اور بدنامی کا اندیشہ ہو، شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا زید کو والد کا یہ امر قابلِ قبول ہے؟

۱۲......زید کے والد کو کوئی اہم کام زید سے مشورہ سے کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ زید عند الناس مقبول ہے؟

شمس الاسلام از دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد کے بہت حقوق ہیں، اللہ تعالی نے قرآن میں بہت جگہ اپنی عبادت کے ساتھ والد پر احسان کی تاکید فرمائی ہے، احادیث میں والد کے حقوق کی رعایت اور راضی رکھنے کی سخت تاکید آئی ہے(۱)، اس لئے جہاں تک ہوسکے والد کو راضی رکھنا چاہیئے، جب تک کسی معصیت کا امر نہ ہو تو والد کا کہنا ماننا حتی الامکان

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وقضى ربك ألاتعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً﴾ (بنی إسرائیل: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿ووصينا الإنسان بوالديه حسناً﴾ (سورة العنكبوت: ۸)

وقال الله تعالى: ﴿أن اشكرلى ولوالديك﴾ (سورة لقمان: ۱۴)

وقال الله تعالى: ﴿وصاحبهما فى الدنيا معروفاً﴾ (سورة لقمان: ۱۵)

ضروری ہے(۱)۔

۲......اگر والد کے ذمہ قرض نہ ہو بلکہ والد کو خود ضرورت ہو تب بھی اولاد کو ضرور والد کی خدمت کرنی چاہیئے اگر چہ خود کسی قدر تنگی کرنی پڑے، اگر اپنے پاس ہی موجود نہ ہو تو مجبوری ہے(۲)۔

۳......جو حق بیوی کا زید کے ذمہ واجب ہے وہ والد کو لینا جائز نہیں (۳)۔

۴......اگر زید اپنے لئے یا اپنی بیوی کیلئے ضرورت سے زائد کپڑے بنائے تو والد کو حق حاصل ہے کہ منع کردے اور زید کو ماننا ضروری ہے(۴)، البتہ ضرورت کے موافق کپڑے کہ بغیر ان کے گزر نہ ہو سکتا ہے بنانے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإن جاهداک لتشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما﴾ (سورة العنكوت: ۸)

(۲) "عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً قال: يارسول الله! إن لی مالاً وولداً، وإن أبی يريد أن يجتاح مالی، فقال: "أنت ومالک لأبيک". (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب ماللرجل من مال ولده، ص: ۱۶۵، قديمی)

"يعنی: أولادكم من أجل أكسابكم وأفضلها، فما كسبت أولادكم، فإنه حلال لكم .... فی الحديث دليلٌ علی وجوب نفقة الوالد علی ولده". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النفقات وحق المملوک، الفصل الثانی: ۶/ ۵۲۱، ۵۲۲، رشيديه)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب النفقة، فصل فی نفقة الأقارب: ۵/۱۶۷-۱۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعاريه، الفصل الثانی، ۲۵۵، قديمی)

"فتجب للزوجة علی زوجها؛ لأنها جزاء الاحتباس، وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/ ۵۷۲، سعيد)

(۴) "وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله فی والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً. ومن أصبح عاصياً لله فی والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فواحداً". قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: الفصل الثالث: ۴۲۱، قديمی)

سے منع کرنے کا حق والد کو حاصل نہیں (۱)۔

۵...... والد کو یہ ہرگز جائز نہیں کہ زید کو ضرر پہنچانے کی نیت سے کوئی حکم کریں (۲)۔ البتہ اگر ضرر پہنچانے کی نیت تو نہیں مگر کسی شرعی کام یا ذاتی کام سے زید کو معمولی ضرر پہنچتا ہو، زید کو اس پر صبر کرنا چاہیئے (۳)۔

۶...... جھوٹ بولنا، دھوکا دینا جائز نہیں (۴)، مگر جب والد زید سے کچھ مانگے اور زید کے پاس گنجائش

---

(۱) "(وتفرض لها الكسوة في كل نصف حول مرةً) لتجدّد الحاجة حراً وبرداً". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۸۰، سعيد)

(۲) "عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ملعون من ضارّ مؤمناً أومكربه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمي)

(۳) "وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً. ومن أصبح عاصياً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فواحداً". قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: الفصل الثالث: ۴۲۱، قديمي)

(۴) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " عليكم بالصدق فإن الصدق يهدى إلى البر، وإن البر يهدى إلى الجنة، ومايزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقاً. وإياكم والكذب، فإن الكذب يهدى إلى الفجور، وإن الفجور يهدى إلى النار، مايزال الرجل يكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، الفصل الأول، ص: ۴۱۲، قديمي)

"عن سفيان بن أسد الحضرمي رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "كبرت خيانةً أن تحدث أخاك حديثاً هو لك به مصدق وأنت به كاذب". (مشكوة المصابيح، المصدر المتقدم، ص: ۴۱۳ قديمي)

ہوتو ضرور دینا چاہیئے (۱)، اس کا موقعہ نہ آنے دے کہ والد دھوکا دے کر زید سے کچھ وصول کرے کہ یہ والد اور زید دونوں کیلئے شرم کی بات ہے۔

۷......شکرِ نعمت ہر شخص پر فرض ہے (۲)۔

۸......حساب صاف رکھنا چاہیئے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر زید کے یا والد کے ذمہ کوئی قرض نہ ہوتو والد کی خدمت نہ کرے بلکہ حتی الوسع خدمت ضروری ہے۔

۹......جس قدر زید میں طاقت ہو والد کی خدمت کرتا رہے، اگر باوجود قدرت کے خدمت نہیں کرے گا تو حقوق کی ادائیگی میں قصور رہے گا۔

۱۰......والدین کبھی بلاوجہ اولاد کے لیے بددعاء نہیں کرتے، جب تنگ آکر پریشان ہوجاتے ہیں تب مجبور ہوکر بددعاء کرتے ہیں اور اگر بلاوجہ بددعاء کریں تو اس کی قبول ہونے کی توقع نہیں (۳)۔ تاہم اولاد کو چاہیئے کہ والدین کی کسی غصہ کی بات کا جواب نہ دے، سب کچھ خاموش سن لے، اس کی سعادت اسی میں ہے، اگر کوئی بات والدین بالکل ناحق کہیں تب بھی صبر کرے (۴) اور والدین کے لئے دعائے خیر کرے (۵)، البتہ

---

(۱) "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن لي مالاً وإن والدي يحتاج إلى مالي، قال: "أنت ومالك لوالدك، إن أولادكم من أطيب كسبكم، كلوا من كسب أولادكم". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النفقات، الفصل الثاني، ص: ۲۹۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فاذكروني أذكركم، واشكروا لي ولاتكفرون﴾ (سورة البقرة: ۱۵۲)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولويعجل الله للناس الشر استعجالهم بالخير لقضي إليهم أجلهم﴾ (سورة يونس: ۱۱)

قال العلامة الآلوسي: "وعن مجاهد أنه قال: هو قول الإنسان لولده وماله إذا غضب: اللهم لاتبارك فيه، اللهم العنه". (روح المعاني: ۱۱/۷۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير الطبري: ۱۱/۶۵، دار المعرفة، بيروت)

(۴) قال الله تعالى: ﴿ولاتقل لهما أف﴾ (سورة بني إسرائيل: ۲۳)

(۵) "إذارأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، فإن قبلا فبها، وإن كرها سكت عنهما، واشتغل بالدعاء والاستغفار، فإن الله تعالى يكفيه ماأهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ۴/۷۸، سعيد)

معصیت کے کاموں میں اس کا ساتھ نہ دے(۱)۔ جب اولاد اس طرح نرمی اور صبر اور احسان وخدمت کرے گی تو انشاء اللہ والدین کی طبیعت میں نرمی آئے گی۔ اور سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے ملنا چاہیئے اور حسنِ خلق کہتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ جس سے خالق اور مخلوق دونوں راضی رہیں۔

۱۱......معاملات کو آپس میں سلجھانا بہتر ہے(۲)، لیکن والدین اس سے متاثر نہ ہوں کہ انتہائی درجہ کی شفقت میں کمی نہ کریں(۳)۔ جھوٹی باتیں مشہور کرنا اور بدنام کرنا جائز نہیں، زید کے والد کو چاہیے کہ اس سے اجتناب کرے(۴)۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم .... قال: "لاطاعة فی معصیة اللہ، إنما الطاعة فی المعروف". (الصحیح لمسلم، باب وجوب طاعة الأمراء: ۱۲۵/۲، قدیمی)

(۲) "عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصیام والصدقة والصلوة"؟ قال: قلنا: بلی، قال: "إصلاح ذات البین، وفساد ذات البین هی الحالقة". (مشكوة المصابیح، كتاب الآداب، باب ماینهی عنه من التهاجر، الفصل الثانی، ص: ۴۲۸، قدیمی)

(۳) "عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لایرحم اللہ من لایرحم الناس".

"وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: جاء أعرابی إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: فقال: أتقبلون الصبیان، فما نقبلهم، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "أوَ أملک لک أن نزع اللہ من قلبک الرحمة". (مشكوة المصابیح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۱، قدیمی)

(۴) "وعن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لایدخل الجنة قتات". (مشكوة المصابیح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قدیمی)

"عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذیّ". (مشكوة المصابیح، كتاب ال داب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الثانی، ص: ۴۱۳، قدیمی) .... =

۱۲...... مشورہ کر لینا بہتر ہے (۱)، لیکن اگر اپنے کام میں والد مشورہ نہ کرے تو زید کو اس پر ناراض ہو جانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ذوالعقدہ/۵۳ھ۔

والد کی حالت خلافِ شرع ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۹۱۲۳]: میرے والد صاحب کی حرکتیں بیجا ہیں، انھوں نے اپنی بہو سے زنا کے لئے کہا، وہ شراب بھی پیتے ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوشش کیجئے کہ وہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ کی خدمت میں جایا کریں، موقع ملے تو ان کو ایسی تبلیغی جماعت کے ساتھ روانہ کر دیجئے جو صحیح طریقہ پر کام کرنے والی ہو جو اصول کی بھی پابندی کرے اور ان کے لیے اللہ پاک سے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہا کریں۔ اگر وہ پڑھنا جانتے ہوں تو حضرت اقدس اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ یا کسی دوسرے بزرگ کی کتابیں ان کو دیجئے کہ وہ ان کا مطالعہ کیا کریں، اگر وہ نہ پڑھیں تو خود کسی دوسرے سے ان کو کتابیں سنوائیں۔ اللہ پاک اصلاح فرمائے (۳)۔ آمین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

= "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماأحب أني حكيت أحداً، وأن لي كذا وكذا". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق، ص: ۴۱۴، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وشاورهم في الأمر﴾ (سورة آل عمران: ۱۵۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأمرهم شورى بينهم﴾ (سورة الشورى: ۳۸)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتقل لهما أف، ولاتنهرهما﴾ (سورة بني اسرائيل: ۲۳)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولا تقل لهما أف، ولاتنهر هما﴾ (سورة بني إسرائيل: ۲۳)

ایسی صورت میں والدین کے لئے دعائیں کرنی چاہیے:

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "في فصول العلامي: إذا رأى منكراً من والديه يأمرهما مرةً، فإن قبلا فبها، وإن كرها سكت عنهما واشتغل بالدعاء والا ستغفار لهما، فإن الله تعالى =

باپ سے تنخواہ چھپانے کا حیلہ

سوال[۹۱۲۴]: ایک لڑکا کہتا ہے کہ جب اس کو تنخواہ ملتی ہے تو اس کے والد اس کے پاس سے مانگ لیتے ہیں اور لڑکا شرم وعزت کی خاطر تمام پیسہ دے دیتا ہے، اس کے بعد اس کے والد اس کو صرف کرایہ اور خرچ کے واسطے پیسہ دے دیتا ہے، مگر اس کو وہ ناکافی ہوتا ہے تو لڑکا اپنے والد کو کم تنخواہ بتا کر کم دیتا ہے۔ تو کیا اس طرح لڑکے کو کرنا جائز ہے یا نہیں اور کیا یہ شریعت کے نزدیک چوری ہوئی یا نہیں؟ مگر ایک بات یاد رہے کہ لڑکا بالغ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تنخواہ ملے تو اپنی ضرورت کے موافق اس میں سے کسی دوسرے کے پاس رکھ دے اور کہہ دے کہ میرے پاس اتنا ہی پیسہ ہے، یا کسی دوست سے قرض لے کر ضرورت پوری کرلیا کرے اور تنخواہ ملتے ہی پہلے اس کا قرض ادا کردے، اس طرح گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرض لے کر بچے کی پرورش کی گئی تو ادائیگی کس پر لازم ہے؟

سوال[۹۱۲۵]: زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہے، ہندہ اپنے بال بچوں کے لئے غیر مسلموں سے سودی قرض لیتی رہتی تھی، زید اور ہندہ دونوں ہی گھر چلاتے تھے۔ اب بعد طلاق ہندہ پر جو قرض باقی رہ گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ قرض بچوں وغیرہ کے لیے تھا۔ تو اس قرض کی ادائیگی ہندہ پر واجب ہے یا زید پر واجب ہے، کیونکہ

= يكفيه ما أهمه من أمرهما". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير المتهم: ۷۸/۴، سعيد)

"فإن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فيه مَنفعةُ مَن أمره ونهاه عن المنكر، والأب والأم أحق بأن ينفع لهما .... لكن ينبغي أن لا يعنف على الوالدين، فإن قبلا فبها، وإلاسكت واشتغل بالاستغفار لهما". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۲۳، دار ابن حزم)

(۱) "التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه .... و أن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الإكراه: ۱۳۴/۶، سعيد)

زید کے بچوں کے لئے ہی ہوتا تھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ضابطہ میں اس قرض کی ادائیگی ہندہ پر واجب ہے، کیونکہ اس نے قرض لیا ہے، زید نے نہیں لیا، اگر زید نے ہندہ سے کہہ دیا تھا کہ قرض لے کر میرے بچوں کی پرورش کرنا، میں ادا کردوں گا تو زید اس قرض کا ذمہ دار ہے، وہ ادا کرے اگرچہ تقاضائے دیانت یہ ہے کہ زید اس قرض کو ادا کرے، کیونکہ بچوں کا نفقہ زید پر ہی لازم ہے، مگر قرض خواہوں کو زید سے مطالبہ کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۵ھ۔

حقوق العباد میں کوتاہی کا علاج جبکہ اصحابِ حقوق معلوم نہ ہوں

سوال[۹۱۲۶]: بلوغ کے بعد اگر حقوق العباد میں غلطی ہوئی ہو اور یاد نہ ہو، اور اگر یاد ہو مگر وہ معاملہ جس میں غلطی ہوئی ہو صحیح طریقہ پر یاد نہ ہو کہ کس سے ہوا تھا، کس طرح ہوا تھا؟ مثلاً کسی کو کوئی تکلیف پہونچائی تھی، یا کسی سے کوئی چیز خریدی تھی، مگر یہ یاد نہیں ہے کہ کیا چیز خریدی تھی اور کتنے کی، یا کتنی خریدی تھی؟ اور یہ بھی یاد نہیں ہے کہ کس سے خریدی تھی؟ اور یہ یاد ہے کہ خریدی تھی، یا وہ شخص جس سے معاملہ ہوا تھا مر گیا ہو، اسی طریقہ سے تکلیف پہونچانے کا معاملہ بھی ہو۔ تو ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تین مرتبہ ﴿قل هو الله﴾ پڑھ کر دعاء کرلیا کریں کہ یا اللہ! جس جس کو مجھ سے تکلیف پہونچی ہے اور جس کا کوئی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو اس کا ثواب اس کو پہونچادے۔ اگر صاحبِ حق موجود ہو اور یاد بھی ہو تو اس

(۱) "ولكن فائدته أن يرجع الغريم على الزوج، وبدون الأمر ليس له الرجوع عليه، وإنما يرجع رب الدين على المرأة .... ظاهره أنه ليس لرب الدين الأخذ من الزوج بدون الحوالة". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقات: ۴/۴۱۳، ۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقات: مطلب في الأمر بالاستدانة على الزوج: ۳/۵۹۱-۵۹۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۸۳، ۱۸۴، غفارية)

سے معافی تلافی کر کے صفائی کر لی جائے، یا کوئی مال حق ہو، ادا کر دیا جائے۔ صاحبِ حق معلوم نہ ہو تو اتنی مقدار اس کی طرف سے خیرات کر دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

باپ کے مال کا استعمال بلا اجازت

سوال [۹۱۲۷]: باپ کے مال سے بغیر باپ کی اجازت کے اور بغیر رضامندی کے بالغ لڑکوں کو باپ کا مال استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باپ کو ناگوار گزرے تو اجازت نہیں (۲)۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أوشئي، فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينارولادرهم، إن كان له عمل صالح أخذمنه بقدر مظلمته". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

"(عليه ديون ومظالم جهل أربابهاوأيس) من عليه ذلك (من معرفتهم، فعليه التصدق بقدرها من ماله". (الدرالمختار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن عليه ديون ومظالم جهل أربابها: ۲۸۳/۴، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۱۱/۲، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فلا تقل لهما أف﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله: "والنهي عن ذلك يدل على المنع في سائر أنواع الإيذاء".

(روح المعاني، (سورة الإسراء: ۲۳): ۵۵/۱۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۳۴/۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

باب السلام والقیام والمصافحة

الفصل الأول فی السلام وإجابته

(سلام اور اس کے جواب کا بیان)

آنے والے کو بیٹھنے والے کا سلام کرنا

سوال[۹۱۲۸]: "قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "یسلم الراکب علی الماشی، والماشی علی القاعد، والقلیل علی الکثیر"(۱)۔

اگر کوئی آنے والا سلام نہ کرے اور بیٹھنے والا آنے والے کو سلام کرے، یا پیٹھ پیچھے کسی کو سلام کرے، تو مستحقِ ثواب ہوگا یا مستحق عذاب؟ بینوا و توجروا۔

عبدالسلام، ایواڑی، ضلع گوڑگاؤں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھی مستحق ثواب ہوگا، گو افضل طریقہ وہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے:

"قال ابن بطال عن المهلب: تسليم الصغير لأجل حق الكبير؛ لأنه أمر بتوقيره والتواضع له، وتسليم القليل لأجل حق الكثير؛ لأنّ حقه أعظم، وتسليم المارّ لشبهه بالداخل على أهل المنزل، وتسليم الراكب لئلا يتكبر بركوبه، فيرجع إلى التواضع. وقال ابن العربي: حاصل ما في الحديث أن المفضول بنوع ما يبدأ الفاضل، اهـ". بذل المجهود: ۳۲۲/۵(۲)۔

(**ترجمہ**) ''ابن بطال نے مہلب سے نقل کیا ہے کہ چھوٹے کا سلام کرنا

---

(۱) (مشکوة المصابیح: ۳۸۷/۲، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) (بذل المجهود: ۳۲۲/۵، کتاب الأدب، أولی بالسلام، ناشر معهد الخلیل الإسلامی)

بڑے کے حق کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ اس کو اس کی توقیر اور اس کے لئے تواضع کرنے کا حکم کیا گیا ہے۔ اور قلیل کا سلام کرنا کثیر کے حق کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ اس کا حق عظیم ہے۔ اور گزرنے والے کا سلام کرنا اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے والے کے مشابہ ہے۔ اور سوار کا سلام کرنا اس لئے ہے تا کہ وہ اپنے سوار ہونے سے مغرور نہ ہو، بلکہ اس میں تواضع پیدا ہو جائے۔ ابن عربی نے بیان کیا ہے کہ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کس درجہ میں مفضول (کم درجہ) ہے، وہ فاضل (زیادہ درجہ والا) کو سلام میں ابتدا کرے''۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان/ ۶۶ھ۔

طریقِ سلام اور اس کا جواب

سوال[۹۱۲۳]: ایک شخص کہتا ہے ''السلام علیکم'' دوسرا شخص جواب میں کہتا ہے ''وعلیکم السلام ورحمة اللہ و برکاته و مغفرته''۔ کیا یہ جواب درست ہے، اس کا کہیں سے ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل یہ ہے کہ سلام کرنے والا اس طرح سلام کرے: ''السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته'' اور جواب دینے والا ''وعلیکم السلام ورحمة اللہ و برکاته'' کہے(۱)، اس سے زیادہ کوئی لفظ بڑھانا جیسے

---

(۱) "عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رجلاً جاء إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقال: السلام علیکم، فرد علیه، ثم جلس فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "عشر". ثم جاء آخر فقال: السلام علیکم ورحمة اللہ، فرد علیه، فجلس، فقال: "عشرون". ثم جاء آخر فقال: السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته، فرد علیه فجلس، فقال: "ثلثون". رواہ الترمذی وأبو داؤد". (مشکوة المصابیح: ۳۹۸/۲، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثانی، قدیمی)

(سنن أبی داؤد: ۷۰۶/۲، باب: کیف السلام، دارالحدیث ملتان) .... =

"ومغفرته" مناسب نہیں اگرچہ بعض روایات میں لفظ "ومغفرته" سلام کے ساتھ وارد ہوا ہے، جیسا کہ مشکوۃ شریف، ص: ۳۹۸، میں ہے (۱)، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ سلام کی انتہا

= "قيل: "البركات" عبارة عن الثبات، و لذا لا يزاد عليه لا في السلام و لا في الجواب". (مرقاة المفاتيح: ۴۲۷/۸، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، رشيديه)

وقال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "والأفضل أن يقول: السلام عليكم، ليتناوله وملكيه، وأكمل منه أن يزيد ورحمة الله، وأيضاً وبركاته.......... اهـ. وأما صفة الرد، فالأفضل والأكمل أن يقول: وعليكم السلام و رحمة الله و بركاته". (شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۲۱۲/۲، كتاب السلام، باب: يسلم الراكب على الماشي، قديمي)

وقال العلامة القرطبي: "الثالثة: قوله تعالىٰ: ﴿فحيّوا بأحسن منها أو ردوها﴾ رد الأحسن أن يزيد فيقول: عليك السلام ورحمة الله، لمن قال: سلام عليك، فإن قال: سلام عليك و رحمة الله، زدت في ردك: وبركاته، وهذا هو النهاية، فلا مزيد. قال الله تعالىٰ مخبراً عن البيت الكريم: ﴿رحمة الله وبركاته﴾". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة النساء: ۸۶): ۲۰۷/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"روى النسائي عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فجاء رجل، فسلم، فقال: السلام عليكم، فرد عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال: "عشر" ثم جلس، ثم جاء آخر، فسلم، فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فرد عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "عشرون". ثم جلس، وجاء آخر، فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فرد عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقال: "ثلاثون". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة النساء: ۸۶): ۲۱۰/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (مشكوة المصابيح: ۳۹۸/۲، باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

(وأبو داؤد: ۷۰۶/۲، باب كيف السلام، دارالحديث، بيرون بوهڑ گيٹ ملتان)

(وموطأ الإمام محمد، ص: ۳۸۵، باب رد السلام، مير محمد كتب خانه كراچي)

"وظاهره أن الزيادة على "وبركاته" خلاف السنة، كما يفيده ظاهر قول ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، ويوافقه ما في مؤطأ يحي: مالك عن يحي ابن سعيد أن رجلاً سلّم على ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته والغاديات والرائحات، فقال ابن عمررضي الله =

"وبرکاته" ہے:

"والأفضل للمسلم أن يقول: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، والمجيب كذلك يردّ، ولا ينبغي أن يزاد على "بركاته" شيء. قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لكل شيء منتهى ومنتهى السلام: "وبركاته" كذا في المحيط، اهـ". الهندية: ۵/۳۴۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الاولیٰ/ ۶۰ھ۔

= تعالىٰ عنهما: وعليك ألفاً ثم. كأنه كره ذلك.

ويطابقه ما أخرجه البيهقي على ما ذكره في الدر المنثور عن عروة ابن الزبير أن رجلاً سلم عليه، فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، فقال عروة: ما ترك لنا فضلاً، إن السلام انتهى إلى البركة. لكن قد ورد في بعض الأخبار المرفوعة تجويز الزيادة، فعند أبي داؤد: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: السلام عليكم، فرد عليه، فجلس، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عشرة". ثم جاءه آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فرد عليه فجلس، فقال: "عشرون". ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فرد عليه، فقال: "ثلثون". ثم أتى آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله و بركاته ومغفرته، فقال: "أربعون". وقال: "هكذا تكون الفضائل". و في كتاب عمل اليوم والليلة لابن السني: قال النووي في الأذكار: إسناده ضعيف.

عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه كان رجل يمرّ بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يرعى دوابّ أصحابه، فيقول: السلام عليك يارسول الله، فيقول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وعليك السلام و رحمة الله و بركاته و مغفرته و رضوانه". فقيل: يا رسول الله! تسلّم على هذا سلاماً ما تسلّمه على أحد من أصحابك؟ قال: "وما يمنعني من ذلك". وهو ينصرف بأجر بضعة رجلاً، فالأولى القول بتجويز ذلك أحياناً، و الاكتفاء على بركاته أكثر". (التعليق الممجد على هامش موطأ الإمام محمد، ص: ۳۸۵، مير محمد كتب خانه)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام)

آنے والے کے ذمہ سلام ہے

سوال[۹۱۲۴]: کسی شخص کے یہاں کچھ آدمی مزدوری کرتے ہوں جیسا کہ کھیت کاٹنا، اور وہ اپنے کام میں مشغول ہے، ایک شخص پیچھے سے آکر کھڑا ہوگیا اور یہ مزدور جو کہ کام کرنے والے تھے وہ مختلف برادری کے تھے اور نماز وغیرہ کے بالکل پابند نہیں تھے، ان میں سے ایک آدمی نے پیچھے ہوکر اس شخص کو سلام کیا جو پیچھے کھڑے ہوگئے تھے، انہوں نے سلام کا جواب آہستہ آواز سے دیا، جس آدمی نے سلام کیا تھا اس کو اس کے ساتھیوں نے نصیحت کی کہ تم کو سلام نہ کرنا چاہئے تھا۔ تو آپ سے یہ عرض ہے کہ سلام کرنے والوں کو کیا ثواب ملے گا اور کتنا عذاب منع کرنے والوں کو ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی کے پاس جائے اس کو چاہئے کہ سلام کرے(۱) اور جس کے پاس جائے وہ سلام کا جواب دے(۲)، لیکن اس نے سلام نہیں کیا، وہ خاموش ہوکر کھڑا ہوگیا اور جس کے پاس گیا تھا اس نے سلام کرلیا اور اس کی بڑائی کا لحاظ کرلیا تب بھی گناہ نہیں، بلکہ اس کو بہت ثواب ملے گا، اس پر اعتراض کرنا اور سلام سے روکنا غلط ہے۔ جو شخص سلام کی ابتدا کرے اس کی فضیلت آئی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "ويسلم الماشي على القاعد، ويسلم الذي يأتيك من خلفك، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۲۵/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۱۶/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۲) سلام کا جواب دینا واجب اور مسلمان کا حق ہے:

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، ورد السلام". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱۶۶/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب بدء السلام، باب: ۹۲۰/۲، قديمي)

(۳) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أولى الناس بالله من بدأ بالسلام". رواه أحمد والترمذي وأبو داؤد". (مشكوة المصابيح: ۳۹۸/۲، كتاب الأدب، =

"السلام علیکم" میں اضافہ

سوال[۹۱۲۵] : ا......زید بکر کی ملاقات کے وقت "السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاتہ" کہتا ہے۔اور بکر اس کے جواب میں "ورحمة اللہ و برکاتہ و مغفرتہ" کہتا ہے۔بکر کا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر کیجئے۔

۲......اگر زید "ورحمة اللہ و برکاتہ و مغفرتہ" کہتا ہے اور بکر اس کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمة اللہ" صرف کہہ کر یہ بھی کہتا ہے کہ سلام کا جواب دینے والا "و مغفرتہ" نہیں کہے گا۔لہذا ایسی صورت میں سب جائز ہے یا ناجائز اور سوال کا جواب دینے والا صحیح راستے پر ہے یا نہیں؟

۳......یہ بھی تحریر کریں "و مغفرتہ" سلام کے اندر...........کہنا بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روایات میں "و مغفرتہ" بھی آیا ہے اور بعض میں اس سے زائد بھی، سلام میں اور جواب میں بھی۔ اور بعض میں "و برکاتہ" کو سلام کی انتہا بتایا گیا ہے اور اس پر اضافہ کو منع کیا گیا ہے، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ سلام اس طرح کرنا مستحب ہے: "السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاتہ" اور جواب میں بھی اسی طرح مستحب ہے یعنی "وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ"۔ اس پر اضافہ ومغفرتہ سلام کا کرنے والا کرے اور نہ جواب دینے والا کرے:

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: السلام عليكم، فرد عليه، ثم جلس فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عشر". ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم و رحمة الله، فرد عليه، فجلس، فقال: "عشرون". ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم و رحمة الله وبركاته، فرد عليه فجلس، فقال: "ثلثون". رواه

= باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

"عن عبدالله عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البادئ بالسلام بريئٌ من الكبر". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب السلام، ص: ٤٠٠، قديمي)

الترمذی وأبو داؤد"(۱)۔

"وعن معاذ بن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بمعناه، وزاد: "ثم أتی آخر، فقال: السلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاته ومغفرته، فقال: "أربعون". وقال: "هکذا تکون الفضائل". رواه أبوداود(۲)۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح: ۳۹۸/۲، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثانی، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد: ۷۰۶/۲، باب: کیف السلام، دارالحدیث، ملتان)

"قیل: "البرکات" عبارة عن الثبات، و لذا لا یزاد علیه لا فی السلام و لا فی الجواب". (مرقاة المفاتیح: ۴۲۷/۸، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثانی، رشیدیه)

وقال العلامة النووی رحمه الله تعالیٰ: "والأفضل أن یقول: السلام علیکم، لیتناوله وملکیه، وأکمل منه أن یزید "ورحمة الله" وایضاً "وبرکاته" .... اهـ. وأما صفة الرد، فالأفضل والأکمل أن یقول: وعلیکم السلام و رحمة الله و برکاته". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲۱۲/۲، کتاب السلام، باب: یسلم الراکب علی الماشی، قدیمی)

وقال العلامة القرطبی: "الثالثة: قوله تعالیٰ: ﴿فحیّوا بأحسن منها أو ردوها﴾ رد الأحسن أن یزید فیقول: علیک السلام ورحمة الله، لمن قال: سلام علیک، فإن قال: سلام علیک و رحمة الله، زدت فی ردک: وبرکاته، وهذا هو النهایة، فلا مزید. قال الله تعالیٰ مخبراً عن البیت الکریم: ﴿رحمة الله وبرکاته﴾". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (سورة النساء: ۸۶): ۲۰۷/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

"روی النسائی عن عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه قال: کنا عند النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فجاء رجل، فسلم، فقال: السلام علیکم، فرد علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وقال: "عشر". ثم جلس، ثم جاء اخر، فسلم، فقال: السلام علیکم ورحمة الله، فرد علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال: "عشرون". ثم جلس، وجاء اخر، فقال: السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته، فرد علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وقال: "ثلاثون". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، (سورة النساء: ۸۶): ۲۱۰/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (مشکوة المصابیح: ۳۹۸/۲، باب السلام، الفصل الثانی، قدیمی) .... =

"عن محمد بن عمرو بن عطاء قال: كنت جالساً عند عبد الله بن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، فدخل عليه رجل يمانيّ فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، ثم زاد شيئاً مع ذلك أيضاً. قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما مَن هذا؟ -وهو يومئذ قد ذهب بصره- قالوا: هذا اليمانى الذى يغشاك فعرّفوه إياه حتى عرفه، قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: إن السلام انتهى إلى "البركة". قال محمد: وبهذا نأخذ، إذا قال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فليكفف، فإن اتباع السنة أفضل". مؤطا إمام محمد(١)- وبسط

= (وأبو داؤد: ٢/٦٠٧، باب كيف السلام دار الحديث، بيرون بوهڑ گيٹ ملتان)

(١) (موطأ الإمام محمد، ص:٣٨٥، باب رد السلام، مير محمد كتب خانه كراچى)

"وظاهره أن الزيادة على "وبركاته" خلاف السنة، كما يفيده ظاهر قول ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، ويوافقه ما فى مؤطأ يحى: مالك عن يحى ابن سعيد أن رجلاً سلّم على ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما، فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته والغاديات والرائحات، فقال ابن عمررضى الله تعالىٰ عنهما: وعليك الفا ثم كأنه كره ذلك.

ويطابقه ما أخرجه البيهقى على ما ذكره فى الدر المنثور عن عروة ابن الزبير أن رجلاً سلم عليه، فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، فقال عروة: ما ترك لنا فضلاً، إن السلام انتهى إلى البركة. لكن قد ورد فى بعض الأخبار المرفوعة تجويز الزيادة، فعند أبي داؤد: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: السلام عليكم، فرد عليه، فجلس، فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عشرة". ثم جاء ه آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فرد عليه فجلس، فقال: "عشرون". ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فرد عليه، فقال: "ثلثون". ثم أتى آخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله و بركاته ومغفرته، فقال: "أربعون". وقال: "هكذا تكون الفضائل". و فى كتاب عمل اليوم والليلة لابن السنى: قال النووى فى الأذكار: إسناده ضعيف.

عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه كان رجل يمرّ بالنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يرعى دوابّ أصحابه، فيقول: السلام عليك يارسول الله، فيقول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وعليك السلام و رحمة الله و بركاته و مغفرته و رضوانه". فقيل: يا رسول الله! تسلّم على هذا سلاماً ما تسلّمه على احد من أصحابك؟ قال: "وما يمنعني من ذلك". وهو ينصرف بأجر بضعة رجلاً. فالأولى القول =

الحافظ فی الفتح: ١١/٥(١)۔

= بتجويز ذلک أحياناً، و الاكتفاء على بركاته أكثر". (التعليق الممجد على هامش موطأ الإمام محمد، ص: ٣٨٥، مير محمد كتب خانه)

(١) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "قوله: "فقالوا السلام عليک و رحمة الله". كذا للأكثر فی البخاری هنا، و كذا للجميع في بدء الخلق، ولأحمد ومسلم من هذا الوجه من رواية عبد الرزاق، ووقع هنا للكشميهني، فقالوا: وعليک السلام و رحمة الله، وعليها شرح الخطابي، واستدل برواية الأكثر لمن يقول: يجزئ في الرد أن يقع باللفظ الذی يبتدأ به، كما تقدم. قيل: ويكفي أيضاً الرد بلفظ الإفراد".

(قوله: فزادوه: ورحمة الله) فيه مشروعية الزيادة في الرد على الابتداء، و هو مستحب بالاتفاق، لوقوع التحية في ذلک في قوله تعالىٰ: ﴿فحيوا بأحسن منها أو ردّوها﴾، فلو زاد المبتدئ "ورحمة الله" استحب أن يزاد "وبركاته" فلو زاد "وبركاته" فهل تشرع الزيادة في الرد؟ و كذا لو زاد المبتدئ على وبركاته، هل يشرع له ذلک؟ أخرج مالک في المؤطأ عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: انتهى السلام إلى البركة.

وأخرج البيهقي في الشعب من طريق عبد الله بن بابيه قال: جاء رجل إلى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته و مغفرته، فقال: حسبک إلى "وبركاته". انتهى إلى وبركاته. ومن طريق زهرة بن معبد قال: قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: انتهى السلام إلى وبركاته. ورجاله ثقات. وجاء عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما الجواز، فأخرج مالک أيضاً في المؤطأ عنه، أنه زاد في الجواب: "والغاديات والرائحات".

وأخرج البخاری في الأدب المفرد، من طريق عمرو بن شعيب عن سالم مولى ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يزيد إذا رد السلام، فأتيته مرةً فقلت: السلام عليكم، فقال: السلام عليكم ورحمة الله. ثم أتيته فزدت و بركاته، فرد وزاد: وطيب صلواته. ومن طريق زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه أنّه كتب إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: السلام عليكم -يا أمير المؤمنين!- و رحمة الله و بركاته و مغفرته و طيب صلوته.

ونقل ابن دقيق العيد عن أبي الوليد بن رشد أنه يؤخذ من قوله تعالىٰ: ﴿فحيوا بأحسن منها﴾ الجواز في الزيادة على البركة إذا انتهى إليها المبتدئ. أخرج أبوداؤد والترمذی والنسائي بسند قوی =

"والأفضل: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، والمجيب كذلك يرد، ولايزيد على هذا". فتاوى عالمگیری: ۵/۳۳۰(۱)۔ "ولايزيد الرادُّ على "وبركاته". درمختار: ۵/۳۶۵(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: السلام عليكم، فرد عليه، وقال: "عشر". ثم جاء آخر فقال: السلام عليكم و رحمة الله، فرد عليه، وقال: "عشرون". ثم جاء آخر فزاد: "وبركاته" فرد وقال: "ثلاثون". وأخرجه البخاري في الأدب المفرد من حديث أبي هريرة، وصححه ابن حبان وقال: "ثلاثون حسنةً". وكذا فيما قبلها صرح بالمعدود. وعند أبي نعيم في عمل اليوم والليلة من حديث عليّ رضي الله تعالىٰ عنه أنه هو الذي وقع له مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذلك. وأخرج الطبراني من حديث سهيل بن حنيف بسند ضعيف رفعه: "من قال: السلام عليكم، كتب له عشر حسنات. ومن زاد: ورحمة الله، كتبت له عشرون حسنةً. ومن زاد: وبركاته، كتبت له ثلاثون حسنةً".

وأخرج أبو داود من حديث سهل بن معاذة بن أنس الجهني عن أبيه بسند ضعيف نحو حديث عمران، وزاد في آخره: ثم جاء آخر فزاد: ومغفرته، فقال: "أربعون". وقال: "هكذا تكون الفضائل". وأخرج ابن السني في كتابه بسندٍ واهٍ من حديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رجل يمر فيقول: السلام عليك يارسول الله! فيقول له: "وعليك السلام ورحمة الله وبركاته ومغفرته ورضوانه". وأخرج البيهقي في الشعب بسند ضعيف أيضاً من حديث زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه: كنا إذا سلم علينا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قلنا: وعليك السلام و رحمة الله و بركاته ومغفرته".

وهذه الأحاديث الضعيفة إذا انضمّت قَوِي ما اجتمعت عليه من مشروعية الزيادة على "وبركاته". واتفق العلماء على أن الردّ واجب على الكفاية". (فتح الباري: ۱۱/۹، كتاب الاستيذان، باب بدء السلام، دارالمعرفة بيروت)

(۱) العبارة بتمامها: "والأفضل للمسلم أن يقول: السلام عليكم و رحمة الله وبركاته، والمجيب كذلك يردّ. ولا ينبغي أن يزاد على البركات شيء. قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لكل شيء =

....

= منتهى و منتهى السلام البركات، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام و تشميت العاطس، رشيديه)

(۲) العبارة بأسرها: "ولا يزيد الرادُّ على "وبركاته". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا يزيد الرادُّ على وبركاته) قال في التاتارخانية: والأفضل للمسلّم أن يقول: السلام عليكم و رحمة الله وبركاته، والمجيب كذلك يرد، ولا ينبغي أن يزاد على البركات شئ، اهـ".

(ردالمحتار: ۴۱۴/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۷۳، كتاب الحظر والإباحة، مكتبه حقانيه پشاور)

ترجمۂ عربی عبارات

''حضرت عمران بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، السلام علیکم کہا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا۔ وہ شخص بیٹھ گیا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دس نیکیاں''۔ پھر دوسرا شخص آیا، اس نے السلام علیکم ورحمة الله کہا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا۔ وہ شخص بیٹھ گیا، ارشاد فرمایا: ''بیس نیکیاں''۔ پھر ایک اَور شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمة الله وبركاته کہا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا وہ بیٹھ گیا۔ ارشاد فرمایا: ''تیس نیکیاں''۔ امام ترمذی اور امام ابوداود نے اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی معنی میں روایت کی ہے، اس میں اتنی زیادتی اَور ہے: پھر ایک شخص آیا، اس نے "السلام علیکم و رحمة الله وبركاته ومغفرته" کہا، آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چالیس نیکیاں''۔ اور ارشاد فرمایا: ''اسی طرح فضیلتیں (ثواب میں زیادتی) ہونگی''۔ امام ابوداود نے اس کو روایت کیا ہے۔

محمد بن عمرو بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک یمنی شخص حاضر ہوا اور السلام علیکم ورحمة الله و بركاته کہا اس کے ساتھ کچھ =

سلام کرنے کے لئے پاؤں پر ہاتھ پھیرنا

سوال[۹۱۲۶]: ہمارے یہاں سلام کا رواج اس طرح ہے کہ چھوٹے بیٹھ کر اپنے بڑوں کے قدم پر ہاتھ پھیرتے ہیں، آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ آیا اس قسم کا سلام عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سلام کا یہ طریقہ خلافِ سنت و خلافِ اسلام ہے، ہریجنوں کا طریقہ ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

سلام کے لئے ہاتھ سے اشارہ

سوال[۹۱۲۷]: بوقتِ سلام دست برداشتن چہ حکم دارد؟

= اور بھی زیادہ کہا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کون شخص ہے- اس وقت حضرت کی بینائی جا چکی تھی- لوگوں نے جواب دیا: یہ آنے والا یمنی شخص ہے اور اس کا تعارف کرایا، یہاں تک کہ اس کو پہچان لیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سلام وبرکت (وبرکاتہ) پر ختم ہو جاتا ہے"۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، جب کسی نے السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته کہا تو اس پر رک جائے، اس لئے کہ اتباع سنت افضل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

اور افضل السلام علیکم ورحمة الله و برکاته ہے اور مجیب بھی اسی طرح جواب دے "وبرکاته" پر زیادتی نہ کرے، فتاویٰ عالمگیری۔ اور کوئی "وبرکاته" پر زیادتی نہ کرے، درمختار".

(۱) اس سے سجدے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو جائز نہیں ہے:

"و في القهستاني: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود. وفي العمادية: ويكره الانحناء؛ لأنه يشبه فعل المجوس". (مجمع الأنهر: ۵۴۲/۲، كتاب الكراهية، فصل في أحكام النظر واللمس، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداًومصلياً:

بوقتِ ضرورت برائے سلام یا جواب دست برداشتن روا ست، مثلاً: کسے را از دور سلام کند یا جواب دهد و آواز نتوان رسانید، یا کسے که را سلام کند یا جواب دهد و آن آواز نمی شنود، پس دریں صورت چوں بزبان سلام کند یا جواب دهد بدست نیز اشاره کند. وبے ضرورت چنیں نمودن چنانکه طریقۂ ابنائے زمانه است، مکروه است. وبر اشارۂ دست اکتفاء نمودن در سلام یا جواب و بزبان نگفتن مکروه است (۱). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليس منا من تشبه بغيرنا، ولا تشبهوا باليهود و لا بالنصارى، فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع، وتسليم النصارى الإشارة بالأكفّ". رواه الترمذی، وقال: إسناده ضعيف".

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليس منا": أى من أهل طريقتنا و مراعى متابعتنا "من تشبه بغيرنا": أى من غير أهل ملّتنا "لا تشبهوا" -بحذف إحدى التائين-: أى لا تتشبهوا باليهود "ولا بالنصارى" زِيدَ "لا" لزيادة التأكيد. "فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع، وتسليم النصارى الإشارة بالأكفّ" -بفتح فضم جمعُ كفٍ- والمعنى: لاتشبهوا بهم جميعاً فى جميع أفعالهم خصوصاً فى هاتين الخصلتين، ولعلهم كانوا يكتفون فى السلام أو ردّه أو فيهما بالإشارتين من غير نطق بلفظ السلام الذى هو سنة آدم وذريته من الأنبياء والأولياء.

كأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كوشِفَ له أن بعض أمته يفعلون ذلك، أو مثل ذلك من الانحناء أو مطأطأة الرأس، أو الاكتفا بلفظ السلام فقط. ولقد رأيت فى المسجد الحرام واحداً من المتصوفة الداخلة فى سلك السالكين المرتاضين المتوكلين الزاهدين فى الدنيا المكتفى بإزار ورداء صائم الدهر لازم الاعتكاف، ليس شيء عنده من أسباب الدنيا، وهو على ذلك أكثر من أربعين سنةً، ثم اختار السكوت المطلق فى آخر العمر بحيث يكتفى فى رد السلام بإشارة الرأس، مع أنه ما كان خالياً عن نوع معرفة ودوام تلاوة وحسن خلق و سخاوة نفس، إلا أنه كان ما يرى أنه يطوف. والله أعلم =

الحافظ فی الفتح: ۱۱/٥(۱)۔

= بتجويز ذلک أحياناً، و الاكتفاء على بركاته أكثر". (التعليق الممجد على هامش موطأ الإمام محمد، ص: ۳۸٥، مير محمد كتب خانه)

(۱) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "قوله: "فقالوا السلام عليک و رحمة الله". كذا للأكثر فى البخارى هنا، و كذا للجميع في بدء الخلق، ولأحمد ومسلم من هذا الوجه من رواية عبد الرزاق، ووقع هنا للكشميهنى، فقالوا: وعليک السلام و رحمة الله، وعليها شرح الخطابى، واستدل برواية الأكثر لمن يقول: يجزئ فى الرد أن يقع باللفظ الذى يبتدأ به، كما تقدم. قيل: ويكفى أيضاً الرد بلفظ الإفراد".

(قوله: فزادوه: ورحمة الله) فيه مشروعية الزيادة فى الرد على الابتداء، و هو مستحب بالاتفاق، لوقوع التحية في ذلک في قوله تعالىٰ: ﴿فحيوا بأحسن منها أو ردّوها﴾، فلو زاد المبتدئ "ورحمة الله" استحب أن يزاد "وبركاته" فلو زاد "وبركاته" فهل تشرع الزيادة في الرد؟ و كذا لو زاد المبتدئ على وبركاته، هل يشرع له ذلک؟ أخرج مالک فى المؤطأ عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: انتهى السلام إلى البركة.

وأخرج البيهقى فى الشعب من طريق عبد الله بن بابيه قال: جاء رجل إلى ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما فقال: السلام عليكم و رحمة الله و بركاته و مغفرته، فقال: حسبک إلى "وبركاته". انتهى إلى وبركاته. ومن طريق زهرة بن معبد قال: قال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: انتهى السلام إلى وبركاته. ورجاله ثقات. وجاء عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما الجواز، فأخرج مالک أيضاً فى المؤطأ عنه، أنه زاد فى الجواب: "والغاديات والرائحات".

وأخرج البخارى في الأدب المفرد، من طريق عمرو بن شعيب عن سالم مولى ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يزيد إذا رد السلام، فأتيته مرةً فقلت: السلام عليكم، فقال: السلام عليكم ورحمة الله. ثم أتيته فزدت و بركاته، فرد وزاد: وطيب صلواته. ومن طريق زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه أنّه كتب إلى معاوية رضى الله تعالىٰ عنه: السلام عليكم –يا أمير المؤمنين!– و رحمة الله و بركاته و مغفرته و طيب صلوته.

ونقل ابن دقيق العيد عن أبى الوليد بن رشد أنه يؤخذ من قوله تعالىٰ: ﴿فحيوا بأحسن منها﴾ الجواز فى الزيادة على البركة إذا انتهى إليها المبتدئ. أخرج أبوداؤد والترمذى والنسائى بسند قوى =

سلام میں ہاتھ کا اشارہ

سوال[۹۱۲۸]: کسی کو "السلام علیکم" کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سلام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کی بھی گنجائش ہے اگر چہ ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

بحالتِ اذان سلام کا حکم

سوال[۹۱۲۹]: اذان ہوتے وقت اگر کوئی سلام کرے تو جوابِ سلام دینا چاہیے یا نہیں، ایسے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اذان کے وقت سلام کا جواب دینا واجب نہیں، کیونکہ جوابِ اذان ذکر ہے اور ذکر و دعاء و تسبیح وغیرہ کی حالت میں اگر سلام کیا جائے تو اس کا جواب واجب نہیں ہوتا:

"وفي شرح الشرعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع: القاضي إذا سلم عليه الخصمان، والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أوانَ الدرس، وسلام السائل والمشتغل بقرأة القرآن، والدعاء حال شغله، والجالسين في المسجد لتسبيح أو قرأة أو ذكر حال التذكير"(۲)۔

---

(۱)(تقدم تخريجه تحت عنوان: "سلام میں ہاتھ کا اشارہ")

(۲)(ردالمحتار: ۶۱۸/۱، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها، مطلب: المواضع التي لا يجب فيها رد السلام، سعيد)

"ويكره السلام عند قرأة القرآن جهراً، وكذا عند مذاكرة العلم، وعند الأذان والإقامة. والصحيح أنه لا يردّ في هذه المواضع أيضاً، كذا في الغياثية.......... حكي عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل البخاري أنه كان يقول فيمن جلس للذكر أيّ ذكر كان، فدخل عليه داخل وسلم عليه: وسعه أن لا يردّ، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۵/۵، ۳۲۶، كتاب الكراهية، =

لیکن جوابِ اذان سے فارغ ہوکر سلام کا جواب دینا مناسب ہے، كما حققه الشيخ ابن عابدين في ردالمحتار، ص: ٦٤٥(١)۔

اور جو شخص جوابِ اذان میں مشغول ہو، اس کو سلام کرنا مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ربیع الأول/ ۵۵ھ۔

نماز پڑھنے اور وضو کرنے والوں کو سلام کرنا

سوال[۹۱۳۰]: ا...... مسجد میں وضو سے پہلے یا بعد میں کچھ آدمی سنتیں نفلیں پڑھ رہے ہوں اور کوئی مسجد میں داخل ہو، یا اپنی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آئے، ایسی حالت میں اس کو سلام بلند آواز سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

= الباب السابع في السلام، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۴/۶، كتاب الكراهية، نوع في السلام، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۷۱، باب ما يفسد الصلاة، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶/۲ ا، باب ما يفسد الصلاة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/ ۳۹۵، باب ما يفسد الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "فإنه يمكن أن يجيب، ثم يرد السلام". (ردالمحتار: ۱/ ۳۹۹، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في تكرار كراهة الجماعة، سعيد)

"إذا لم يرد السلام في الحال، هل يرد بعد الفراغ من الخطبة؟ على قول محمد رحمه الله تعالىٰ يردّ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۲۶، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(۲) "لعله إنما يجب رد السلام وإن قلنا: إنه لا ينال الإجابة، أو قلنا بعدم وجوبها؛ لأن السلام عليه في هذه الحالة غير مشروع كالسلام على القارئ والمؤذن، فلذا لم يجب رده، كما قدمناه". (ردالمحتار: ۱/ ۴۰۰، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، سعيد)

۲...... وضو خانہ مسجد سے ملحق ہے، کچھ آدمی وضو کر رہے ہیں، سو ایسی حالت میں نو وارد وضو کرنے والوں کو سلام کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... نماز پڑھنے والوں کو اگر سلام کرے تو ناجائز ہے(۱)، اسی طرح جو شخص دعاء، تسبیح، ذکر وغیرہ میں مشغول ہے اسے سلام کرنا بھی منع ہے(۲)۔ ہاں! کوئی شخص فارغ ہو تو اس کو سلام کرنا درست ہے، مسجد میں بھی اور باہر بھی۔

۲...... وضو کرنے والے کو سلام کرنا درست ہے جب کہ وہ دعاء نہ پڑھ رہا ہو(۳) ورنہ

---

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان "نمازی کو سلام"۔)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ:

"سلامك مكروه على من ستسمع ومن بعد ما أبدي يسن ويشرع
مصل وتال ذاكر ومحدث خطيب ومن يصغي إليهم ويسمع

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ذاكر) فسره بعضهم بالواعظ؛ لأنه يذكر الله تعالىٰ، ويذكر الناس به، والظاهر أنه أعم، فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأي وجه كان، رحمتي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب المواضع التي يكره فيها السلام: ۶۱۶/۱، سعيد)

(۳) وضو کے دوران بعض غیر منقول دعائیں فقہائے کرام نے ذکر کی ہیں، لیکن دورانِ وضو بعض دعائیں منقول بھی ہیں:

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: كنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وسلم خدام .... فأدركت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخطب الناس، فسمعته يقول: "مامنكم من أحد يتوضأ، فيحسن الوضوء، ثم يقوم، فيركع ركعتين يقبل عليهما بقلبه ووجهه إلا فقد أوجب". فقلت: بخ بخ ما أجود هذه! فقال رجل بين يدي التي قبلها: ياعقبة أجود منها، فنظرت، فإذا هو عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، قلت: ماهي ياأبا حفص!؟ قال: إنه قال انفاً قبل أن تجيئي: "مامنكم من أحد يتوضأ، فيحسن الوضوء، ثم يقول حين يفرغ من وضوءه: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، إلا فتحت له أبواب الجنة الثمانية يدخل من أيها شاء". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب مايقول الرجل إذا توضاء: ۲۵/۱، مكتبه إمداديه ملتان)

"وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:

مکروہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

نمازی کو سلام

سوال [۹۱۳۱]: اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور آنے والا اسے سلام کرے تو اس کو زبان یا اشارہ سے جواب دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کیا جائے کہ یہ مکروہ ہے (۲)، اگر کسی نے ناواقفیت سے

= "من توضأ فأحسن الوضوء، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين، فتحت له ثمانية أبواب من الجنة من أيها شاء". (الجامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب مايقال بعد الوضوء: ۱/۱۸، سعيد)

"وعن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مامن عبد يقول حين يتوضأ: بسم الله، ثم يقول بكل عضو: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، ثم يقول حين يفرغ: اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين، إلا فتحت له ثمانية أبواب الجنة يدخل من أيها شاء .... الخ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير: ۱/۱۲۷، سعيد)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ:

"سلامک مکروه على من ستسمع ومن بعد ما أبدي يسن ويشرع
مصل وتال ذاكر ومحدث خطيب ومن يصغي إليهم ويسمع

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ذاكر) فسره بعضهم بالواعظ؛ لأنه يذكر الله تعالىٰ، ويذكر الناس به، والظاهر أنه أعم، فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأي وجه كان، رحمتي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب المواضع التي يكره فيها السلام: ۱/۶۱۶، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: .... =

سلام کرلیا تو وہ جواب نہ دے، نہ زبان سے نہ اشارہ سے(۱)، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۶/۹۱ھ۔

= "سلامک مکروه على من ستسمع و من بعد ما أبدى يسن و يشرع
مصل و تال ذاكر و محدث خطيب و من يصغي إليهم و يسمع".

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: سلامک مكروه) ظاهره التحريم، وسيجيء التصريح بالإثم في بعضها. (قوله: ومن بعد ما أبدى، الخ) فعل مضارع رباعي: أي أظهر، والمعنى: وغير الذي أذكره هنا يسن، و لا يناقضه قوله والزيادة تنفع؛ لأنه من كلام صاحب النهر، كما ستعرفه، فافهم". (ردالمحتار: ۱/۶۱۶، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: المواضع التي يكره فيها السلام، سعيد)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نسلّم على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو في الصلاة قبل أن نأتي أرض الحبشة، فيرد علينا، فلما رجعنا من أرض الحبشة، أتيته فوجدته يصلي، فسلمت عليه، فلم يردّ عليّ حتى إذا قضى صلوته، قال: "إن الله يحدث من أمره ما يشاء، وإن مما أحدث أن لا تتكلموا في الصلاة". فرد عليّ السلام، وقال: "إنما الصلاة لقرأة القرآن و ذكر الله، فإذا كنت فيها فليكن ذلک شانک". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۹۱، كتاب الصلوة، باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة وما لا يباح، الفصل الثاني، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام وتشميت العاطس: ۵/۳۲۶، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في السلام: ۶/۳۵۴، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و ردالسلام -ولو سهواً- بلسانه لا بيده، بل يكره على المعتمد". (الدرالمختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لا بيده): أي لا يفسدها رد السلام بيده، خلافاً لمن عزا إلى أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه مفسد، فإنه لم يُعرف نقله من أحد من أهل المذهب، وإنما يذكرون عدم الفساد بلا حكاية خلاف، بل صريح كلام الطحاوي أنه قول أئمتنا الثلاثة، وكأن هذا القائل فهم من قولهم: (ولا يرد بالإشارة) أنه مفسد، كذا في الحلية لابن أمير حاج =

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا

سوال[۹۱۳۲]: مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے یا نہیں، جب کہ کچھ لوگ نماز پڑھتے ہوتے ہیں، کچھ وظائف میں، کچھ خاموش بیٹھے ہوتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں ان کو سلام کرنا مستحب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= الحلبي. واستدرك في البحر على قوله: (فإنه لم يعرف، الخ) بأن نقله صاحب المجمع وهو من أهل المذهب المتأخرين.

ومع هذا فالحق أن الفساد ليس بثابت في المذهب، وإنما استنبطه بعض المشايخ مما في الظهيرية و غيرها من أنه لو صافح بنية التسليم فسدت، فقال: فعلى هذا تفسد أيضاً إذا ردّ بالإشارة. ويدل لعدم الفساد أنه عليه السلام فعله، كما رواه أبوداؤد، وصححه الترمذي. وصرح في المنية بأنه مكروه: أي تنزيهاً، وفعله عليه السلام لتعليم الجواز، فلا يوصف فعله بالكراهة، كما حققه في الحلية، اهـ". (ردالمحتار: ۶۱۶/۱، كتاب الصلوة، مطلب: الفرق بين السهو والنسيان، سعيد)

وقال الرافعي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: كما حققه في الحلية) لكن قال الزيلعي: ولا يرد بالإشارة؛ لأنه عليه السلام لم يرد بها على ابن مسعود ولا جابر رضي الله تعالىٰ عنهما. وما روى من قول صهيب: "سلمت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يصلي فرد بالإشارة" يحتمل أنه كان نهياً عن السلام، أو كان حالة التشهد وهو يشير، فظنه رداً، اهـ".

وقال المقدسي بعد ذكر حاصل ما في شرح المنية: أقول: ما ذكره الشارح يرد هذا؛ لأن الرد مشترك يراد به عدم القبول، و لعله المراد من فعله عليه السلام، فكأنه يرد عليهم سلامهم ويعلمهم أنه في الصلاة، ويراد به المكافأة، وليس بمراد. وبهذا التوفيق يستغني عن التطويل والتعسف وجعله مكروهاً تنزيهاً لوقوعه من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۸۱/۱، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، سعيد)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "نمازیوں، ذاکرین، منتظرین نماز اور خاموش لوگوں کو آتے وقت سلام کرنا"، فليراجع، ص: رقم الحاشية: ۱)

خالی مسجد میں سلام کرنے کا حکم

سوال[۹۱۳۲] : ۱...... اگر مسجد میں کوئی نہ ہوتو اس صورت میں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے یا نکلتے ہوئے سلام کرنا کیسا ہے؟

نمازیوں، ذاکرین، منتظرینِ نماز اور خاموش لوگوں کو آتے وقت سلام کرنا

سوال[۹۱۳۴] : ۲...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے کل حاضرین نماز میں مشغول ہیں اور آنے والا سلام کرتا ہے، یا کچھ لوگ نماز میں کچھ وضو میں اور کچھ نماز کے انتظار میں، اس صورت میں داخل ہونے والا سلام کرتا ہے۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

۳...... یہی صورت نکلنے کے وقت ہوتی ہے کہ جانے والا سلام کر کے چلا جاتا ہے، حالانکہ لوگ اپنی سنتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا صورتوں میں سلام کرنے والا اس قدر بلند آواز سے سلام کرتا ہے کہ حاضرین میں سے ہر شخص بہ آسانی سن لیتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ طریقہ ٹھیک ہے، اس طرح کہنا چاہئے "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" مگر یہ داخل ہوتے وقت تو ثابت ہے(۱) نکلتے وقت کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

---

(۱) "ولو دخل و لم یر أحداً، یقول: "السلام علینا و علی عباد الله الصالحین". (الدرالمختار).

قال الشامي رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وعلی عباد الله الصالحین) فیکون مسلّماً علی الملائکة الذین معه، وصالحی الجن والحاضرین وغیرهم، وقالوا: إن الجن مکلفون بما کلّفنا به. ومقتضاه أنه یجب علیهم الرد، ولایخرجون عنه إلا بالإسماع، و لم أرحکمه، وقد یقال: إنهم أمروا بالاستتار عن أعین الإنس؛ لعدم الأنس والمجانسة، ورده ظاهراً من قبیل الإعلان، فتدبر". (ردالمحتار: ٦/٤١٦، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/٢٠٧، کتاب الحظر والإباحة، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ٥/٣٢٥، کتاب الکراهیة، الباب السابع فی السلام، رشیدیه)　=

۲..... یہ مکروہ ہے، ردالمحتار میں یہ مسئلہ موجود ہے(۱)۔

۳..... یہ بھی مکروہ ہے، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

= (وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۸۹، قديمی)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ:

"سلامك مكروه على من ستسمع ومن بعد ما أبدی يسن و يشرع
ومصل و تال ذاكر محدث خطيب و من يصغی إليهم و يسمع".

(الدرالمختار).

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: سلامك مكروه) ظاهره التحريم، و سيجیء التصريح بالإثم في بعضها. (قوله: و من بعد ما أبدی، الخ) فعل مضارع رباعي: أی أظهر من كلام صاحب النهر كما ستعرفه، فافهم. (قوله: ذاكر) فسره بعضهم بالواعظ؛ لأنه يذكُر الله تعالىٰ و يذكّر الناس به، والظاهر أنه أعمّ فيكره السلام على مشتغل بذكر الله تعالىٰ بأیّ وجه كان، رحمتی". (ردالمحتار: ۶/۴۱۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"السلام تحية الزائرين، والذين جلسوا في المسجد للقرأة والتسبيح أو لانتظار الصلاة، ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أوانُ السلام، فلا يسلّم عليهم، ولهذا قالوا: لوسلم عليهم الداخل، وسِعَهم أن لا يجيبوه، كذا في القنية .... ولا يسلم عند الخطبة يوم الجمعة والعيدين واشتغالهم بالصلاة، ليس فيهم أحد إلا يصلی، كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۵،۳۲۶، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۳۵۴، كتاب الكراهية، نوع في السلام، رشيديه)

واضح رہے کہ کراہت کا حکم اس وقت ہے جب سارے لوگ نماز میں مشغول ہوں، اگر کچھ نماز میں مشغول ہوں اور کچھ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو سلام کرے یا نہ کرے، دونوں کا اختیار ہے:

"وإن دخل مسجداً وبعض القوم في الصلاة وبعضهم لم يكونوا فيها، يسلم، وإن لم يسلم، لم يكن تاركاً للسنة، اهـ". (ردالمحتار: ۶/۴۱۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۲) (مر آنفاً في الحاشية المتقدمة)

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

سوال[۹۱۳۵]: قرآن مجید پڑھنے والے کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا، یا کھانا کھانے والے کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے کو سلام کرنا مکروہ ہے اور ایسے سلام کا جواب دینا بھی واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ شعبان/ ۵۸ھ۔

ڈھیلے سے استنجا سکھاتے وقت سلام کا جواب

سوال[۹۱۳۶]: ڈھیلے سے استنجا خشک کرتے وقت اگر کسی نے سلام کیا تو جواب دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص پیشاب کے بعد ڈھیلہ سے استنجا خشک کر رہا ہے اس کو اگر کوئی شخص سلام کرے تو جواب دینے

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى:

"ودع آكلاً إلا إذا كنت جائعاً وتعلم منه أنه ليس يمنع".

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "يكره السلام على العاجز عن الجواب حقيقةً كالمشغول بالأكل أو الاستفراغ، أو شرعاً كالمشغول بالصلاة وقرأة القرآن، ولو سلم لايستحق الجواب، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۶۱۷، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها، مطلب: المواضع التي يكره فيها السلام، سعيد)

"(قولهم: كآكل) ظاهره أن ذلك مخصوص بحال وضع اللقمة في الفم والمضغ، و أما قبلُ وبعدُ، فلا يكره، لعدم العجز، وبه صرح الشافعية". (ردالمحتار: ۶/ ۴۱۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

کے متعلق معارف السنن میں دوقول نقل کئے ہیں، ایک میں اجازت ہے دوسرے میں ممانعت (۱)۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس وقت قطرہ آرہا ہے اس وقت جواب نہ دے اور جب محض احتیاط کے لئے ڈھیلا رکھا ہے تو جواب دےدے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

استنجا سکھاتے ہوئے سلام کا جواب

سوال [۹۱۳۷]: ۱...... زید پیشاب کے بعد یا قضائے حاجت کے بعد ڈھیلا سکھار ہا تھا، اس حالت میں عمر نے اس کو سلام کیا۔ تو زید سلام کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... حدیث شریف میں جو حالتِ استنجا میں سلام اور بات چیت کی جو ممانعت ہے، اس سے کون سی حالت اور کون سا وقت مراد ہے؟

۳...... عمر کہتا ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں کلوخ سکھاتے وقت سلام کا جواب دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ کیا عمر کا کہنا صحیح ہے؟

---

(۱) "وأما السلام على من يستنجي من البول بالحجر أو المدر، قاعداً أو قائماً – كما تعورف اليوم في بلادنا– فلم يثبت فيه من القدماء شئ، وكان الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي رحمه الله يقول برد السلام عند ذلك، وكان الشيخ محمد مظهر النانوتوى–مؤسس المعهد العربى "مظاهر علوم"– بسهارنفور يقول بترك الرد". (معارف السنن، باب فى كراهية ردالسلام غير متوضئ: ۱/۱۷۳، سعيد)

(۲) **سوال**: استنجا کرتے وقت سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء نے پیشاب کرتے وقت سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے، استنجا کرتے وقت اگر تقاطر بول یعنی پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو اس حکم کی رو سے اس وقت بھی سلام مکروہ ہے اور اگر تقاطر بول نہ ہو تو پھر بھی بے ادبی سے خالی نہیں، اس لئے ایسے مواقع پر سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے، اور اگر سلام کرے تو استنجا کے بعد جواب دے دے، کیونکہ سلام کے جواب میں تاخیر جائز ہے"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء، استنجاء کے وقت سلام کا حکم: ۲/۱۹۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......اگر اس کو قطرہ نہیں آرہا ہے محض احتیاطاً سکھار ہا ہے تو جواب دے دے، ورنہ نہیں (۱)۔

۲......جب کہ قضائے حاجت میں مشغول ہو (۲)۔

۳......فتاویٰ رشیدیہ کا حاصل جوابات کی شق اول مراد ہے یعنی جب کہ محض احتیاطاً سکھار ہا ہو:

"سلامك مكروه .... ومن هو في حال التغوط أشنع، اه". درمختار۔ قال الشامي:

"مراده مايعم البول، اه". ردالمحتار: ۱/۴۱۵ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۸۲، رقم الحاشية: ۱)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً جائز لکھا ہے:

سوال: "استبراء کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود سلام کرنا چاہیے یا نہیں، حدیث شریف میں تو "إذا البول" کا لفظ آیا ہے پھر لوگ استنجا کرتے وقت سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ یہ ان کی غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے؟ علاوہ بریں حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقاطر مانع تحیت نہیں؟

جواب: في الدر المختار، أول باب مفسدات الصلوة: "سلامک مكروه على من ستسمع .... فهذا ختام والزيادة تنفع". ان ابیات میں مواضع کراہیتِ سلام کو شمار کیا ہے، مگر اس میں یہ حالت معدود نہیں، اور تامل سے اَور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوتی، پس ظاہراً یہ بلا سند محض رسم پڑ گئی ہے۔ والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم". (إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، احکام سلام وتعظیم اکابر، استنجاء کے وقت سلام: ۴/۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "رد السلام واجب، إلا على من في الصلوة .... أو في قضاء حاجة الإنسان". (ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۱۸، سعيد)

(۳) (الدر المختار: ۱/۶۱۷، سعيد)

"ولايسلم على الذي يتغنى، والذي يبول، والذي يطير الحمام............ رجل سلم على من كان في الخلاء يتغوط ويبول، لاينبغي له أن يسلم عليه في هذه الحالة، فإن سلم عليه، قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: يرد عليه السلام بقلبه لابلسانه، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لايرد عليه لابالقلب ولا باللسان ولا بعد الفراغ أيضاً. وقال محمد رحمه الله: يردّ عليه السلام بعد الفراغ من الحاجة". =

گھٹنے کھولے ہوئے کو سلام

سوال[۹۱۳۸]: ایک آدمی گھٹنے کھولے بیٹھا ہے، دوسرا اس کے پاس آتا ہے، آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے یا نہ کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک گھٹنا عورت ہے اور کاشفِ عورت کو سلام کرنا مکروہ لکھا ہے: "ودع كافراً أيضاً ومكشوف عورة، ومن هو في حال التغوط أشنع، اهـ". درمختار: ۱/۶٤٥(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب

سوال[۹۱۳۹]: ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو میں اگر سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو کیا سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ نیز مذکورہ صورتوں میں اگر سلام علیک سنا جائے تو جواب دینا بھی واجب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قاری یا متکلم کی قرأت وآواز کو کسی آلہ میں محفوظ کرلیا گیا تو اس میں آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوگا، ٹیپ ریکارڈ کا بھی یہی حکم ہے، اس کے سلام کا جواب بھی ضروری نہیں۔ ریڈیو میں تقاضۂ احتیاط یہ ہے کہ آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت کیا جائے، اور اس کے سلام کا جواب بھی دیا جائے بشرطیکہ اصل

= (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع في السلام: ۳۲۶/۵، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها: ۶۱۷/۱، سعید)

قال الشامی رحمه الله تعالیٰ العبارة المذكورة: "(قوله: ومكشوف عورة) ظاهره و لو الكشف لضرورة". (ردالمحتار: ۶۱۷/۱، كتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة، ومایکره فیها، مطلب: المواضع التي يكره السلام، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۶، كتاب الكراهية، نوع في السلام، رشيديه)

آواز سے سنائی دے رہی ہو، کوئی ریکارڈ نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۸۹ھ۔

سلامِ غائب کا جواب

سوال[۹۱۴۰]: اگر کوئی شخص کسی کا سلام پیش کرے تو جواب کس طرح دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علیه و علیکم السلام(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''ظاہر ہے کہ یہ آلہ حال ہی میں ایجاد ہوا ہے، اس کا حکم صریح الفاظ میں کتب فقہ یا نصوص کتاب وسنت میں نہیں ہوسکتا، قواعد واصول اور امثال ونظائر ہی سے اس کا حکم دریافت کیا جاسکتا ہے۔ فقہائے کرام کے کلام میں اس کی ایک نظیر یہ مذکور ہے کہ صوت صدی یعنی آواز بازگشت جو کسی گنبد یا کنوئیں میں سنی جاتی ہے، یہ آواز چونکہ متکلم کی اصلی آواز نہیں، بلکہ اس کا عکس ہے، جو ایک غیر جاندار، غیر ذی شعور چیز کے ذریعہ انسان تک پہنچا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کو تلاوت قرار نہیں دیا اور وجوب سجدہ کے لئے تلاوت صحیحہ شرط ہے، اس لئے بازگشت کے ذریعہ آیت سجدہ سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب نہیں''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، باب ریڈیو پر تلاوت قرآن، عنوان: ''ریڈیو پر آیتِ سجدہ کی تلاوت، ص:۱۶۴، إدارۃ المعارف کراچی)

(۲) "وعن غالب رحمه الله تعالىٰ قال: إنا لجلوس بباب الحسن البصري رحمه الله تعالىٰ إذ جاء رجل فقال: حدثني أبي عن جدي، قال: بعثني أبي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: ائته فاقرأه السلام، قال: فأتيته فقلت: أبي يقرئك السلام، فقال: "عليك وعلى أبيك السلام". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۹، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

"وفي الحصن: وإذا بلغ سلاماً، فليقل: وعليه السلام و رحمة الله وبركاته". رواه الجماعة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً. أو "وعليك وعليه السلام". رواه النسائي عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً". (مرقاة المفاتيح: ۸/۴۳۶، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، رشيديه)

"أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوماً: "يا عائشة! هذا جبرئيل يقرئك السلام". فقلت: وعليه السلام و رحمة الله وبركاته، ترى مالا أرى". تريد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخاري: ۱/۵۳۲، كتاب المناقب، باب فضل عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قديمي) .... =

بیوی کوسلام کرنا یا لکھنا

سوال[۹۱۴۱] : زید نے اپنی بیوی کو "سلام علیکم" کیا، یا خط لکھا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کوسلام کرنا اور خط میں لکھنا بالکل درست ہے، کوئی شبہ نہ کریں، بلکہ شوہر جب مکان میں آوے تو وہ خود سلام کرے، اس کا انتظار نہ کرے کہ بیوی سلام کرے گی تو جواب دوں گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۸ھ۔

= قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ : "و لو قال لآخر : اقرأ فلاناً السلام، يجب عليه ذلک". (الدرالمختار) . وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ : "وقال أيضاً : ويستحب أن يرد على المبلّغ أيضاً، فيقول: وعليک وعليه السلام، اهـ. ومثله في شرح تحفة القِران للمصنف. وزاد: وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: يجب، اهـ. لكن قال في التاتارخانيه: ذكر محمد حديثاً يدلّ على أن من بلغ إنساناً سلاماً عن غائب، كان عليه أن يرد الجواب على المبلّغ أولاً، ثم على ذلک الغائب، اهـ. وظاهره الوجوب، تأمل". (ردالمحتار: ۶/۴۱۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۵/۱۹۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) لقوله تعالىٰ : ﴿فإذا دخلتم بيوتاً فسلّموا﴾ الاية (سورة النور: ۶۱)

"وقال الزهري: إذا دخلت بيتک، فسلم على أهلک، فهم أحق مَن سلّمت عليه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۳۸۹، قديمي)

"وعن قتادة قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "إذا دخلتم بيتاً، فسلموا على أهله".

"وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يا بُنيّ! إذا دخلت على أهلک، فسلم، يكون بركةً عليک وعلى أهل بيتک". رواه الترمذي.

"وعن جرير رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرّ على نسوة، فسلم عليهن. رواه أحمد". (مشكوة المصابيح: ۳۹۹، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

"الرجل مع المرأة إذا التقيا، سلم الرجل أولاً، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه) .... =

امرد کا کسی کو سلام کرنا

سوال[۹۱۴۲]: ۱......امرد ہر ایک سے سلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

امرد کے سلام کا جواب بحالتِ شہوت

سوال[۹۱۴۳]: ۲......امرد کے سلام کا جواب دینا بحالتِ شہوت کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......کرسکتا ہے، اگر فتنہ نہ ہو(۱)۔

۲......ایسی حالت میں اس کا جواب نہ دے، فعلِ بدتو آخری درجہ ہے، بسا اوقات نظر اس کا سبب بن جاتی ہے۔نیت اگر دیکھنے ہی تک محدود رہے، یعنی اس کی شہوت دیکھنے سے ہی پوری ہوجاتی ہے تو یہ بھی درست نہیں، بلکہ بعض اربابِ تحقیق نے ایسی نظر کو اشد واقبح قرار دیا ہے، کیونکہ جتنا مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴۴/۵/۹۰ھ۔

دو شخص یکدم سلام کریں تو جواب کس پر ہے؟

سوال[۹۱۴۴]: بسا اوقات دو مسلمانوں کی ملاقات ہوتی ہے اور دونوں بیک وقت ”السلام

= (وكذا في فتاوى قاضي خان: ۴۲۳/۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم، رشيديه)

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:

”ردالسلام واجب إلا على　　من في الصلوة أو ياكل شغلا

أو سلّم الطفل أو السكران　　أو شابة يخشى بها افتتان“

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب المواضع التي لايجب فيها ردالسلام: ۶۱۸/۱، سعيد)

(۲) ”وإن كان صبيحاً، فحكمه حكم النساء، وهو عورة من قرنه إلى قدمه، لايحل النظر إليه عن شهوة .... وفيه إشارة إلى أنه لوعلم منه الشهوة أو ظن أو شك حرم النظر، كما في المحيط وغيره، اهـ“.

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۵/۶، سعيد)

علیکم" کہہ دیتے ہیں تو اس صورت میں جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا التقيا فأفضلهما أسبقهما، فإن سلّما معاً، يرد كل واحد". عالمگیری(۱) اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جواب دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا

سوال[۹۱۴۵]: نئے چاند کو دیکھ کر اگر سلام کرے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

آداب عرض وغیرہ

سوال[۹۱۴۶]: "آداب عرض ہے" اور اسی جیسے دوسرے لفظوں سے مصلحۃً مثلاً کسی ڈاکٹر، لیڈر یا امیر سے اس کے گمان بد خلقی وبد تہذیبی سے بچنے کے لئے یا جان پہچان ہونے کی وجہ سے، یا ایسے ہی کسی اور وجہ سے غیر مسلم سے سلام کے بجائے ان لفظوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۴۱۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

حاصلِ جواب یہ ہے کہ دونوں سلام کرنے والوں پر ایک دوسرے کا جواب دینا لازم اور ضروری ہے۔

(۲) "عن بلال بن يحيى بن طلحة بن عبيد الله، عن أبيه، عن جده رضى الله تعالىٰ عنه، أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا رآى الهلال، قال: "اللهمّ! أهِلّه علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام ربى وربك الله تعالىٰ". (عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا رأى الهلال، ص: ۵۹۶، مكتبة الشيخ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴۴/۵/۹۰ھ۔

ناراضگی کی وجہ سے ترکِ سلام کی مدت

سوال[۹۱۴۷]: زید اور عمر دونوں کا رہنا سہنا ایک ساتھ تھا، بعد میں کسی بناء پر دونوں لڑ گئے اور زید نے عمر سے یہ کہہ دیا کہ تیرا آج سے مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ تم میری کوئی چیز استعمال کرنا اور نہ میں تمہاری کوئی چیز استعمال کروں گا۔ لیکن ناراضگی کو تین دن گذرنے ہی نہیں پائے تھے کہ عمر نے زید سے سلام کر لیا، مگر زید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب شرعاً گناہ کس پر ہے، کیا عمر زید سے سلام کرتا رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلق رکھنے میں اگر فتنہ ہو تو زیادہ میل جول نہ رکھا جائے، مگر سلام نہ ترک کیا جائے (۲)۔ اگر ایک

---

(۱) "فمن تمكن من دفع الظلم عن نفسه، فذلك خيرله". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السلطانية: ۲/۳۳۶، سعيد)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان، فيعرض هذا و يعرض هذا، و خيرُهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۷، كتاب الأدب، باب مايتهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، قديمي)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... وأجمع العلماء على أن من خاف مكالمة أحد وصِلَته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرم جميل خيرٌ من مخالطةٍ تؤذيه......... اهـ.

والمعنى: أفضلهما في طريق الأخلاق و حسن المعاشرة "الذي يبدأ بالسلام": أي ثم الذي يرده. وفيه إيماء إلى أن مَن لم يردّه ليس فيه خيراً، أصلاً، فيجوز هجرانه بل يجب؛ لأنه بترك ردالسلام صار فاسقاً، وإنما يكون البادئ خيرهما الدلالة فعلها، على أنه أقرب إلى التواضع وأنسب إلى =

ان میں سے سلام کرتا ہے تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا، دوسرا اگر جواب نہیں دے گا تو وہ ذمہ دار رہے گا (۱)، تاہم وہ اگر منع کردے کہ مجھے سلام مت کرو، تمہارے سلام سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو پھر سلام نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۴/۱۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الصفاء وحسن الخلق، وللإشعار بأنه معترف بالتقصير". (مرقاة المفاتيح: ۷۵۹/۸، باب ما ينهى عنه من التهاجر و التقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) "وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايكون لمسلم أن يهجر مسلماً فوق ثلثة، فإذا لقيه سلّم عليه ثلاث مرات كل ذلك لا يرد عليه، فقد باء بإثمه". رواه أبو داؤد". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۸، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، .... اهـ، الفصل الثاني، قديمي)

الفصل الثانی فی سلام الکافر والفاسق وردّہ علیهما

(کافر اور فاسق کے سلام اور اس کے جواب کا بیان)

کافر کا سلام

سوال[۹۱۴۸]: اگر مجھ سے ایک کافر کہے کہ تو عمر کو "نمستے" کہہ دینا(۱) یا "جے رام جی" کہہ دینا(۲) تو مجھے کیا کہنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو "سلام" کہنا چاہئے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

غیر مسلم اور فاسق کو سلام

سوال[۹۱۴۹]: ا...... غیر مسلم کو سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ان کے مجمع سے گزر ہو تو ان کو سلام کیا جائے یا نہیں؟

---

(۱) "نمستے: بندگی، آداب، تسلیم"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۷۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "جے رام: عجم کے ایک باطل پیغمبر کا نام ہے"۔ (لغات سعیدی، (المادہ: جی) ص: ۲۴۲، سعید)

"رام: فرمانبردار، محکوم، ہر شمسی مہینے کا اکیسواں دن"۔ (لغات سعیدی، حرف الراء، ص: ۳۴۸، سعید)

(۳) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إذا لقی أحدكم أخاه فليسلّم عليه".

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "ليس منا من تشبه بغيرنا، لا تشبهوا باليهود ولا بالنصاری". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۹۹، باب السلام، الفصل الثانی، قديمی)

''آداب، عرض، نمستے'' کا جواب کس طرح دیا جائے؟

سوال[۹۱۵۰]: ۲......آداب عرض، نمستے (۱) وغیرہ جو کلمات ان کی طرف سے بطور سلام استعمال ہے ان کا جواب کیسے دیا جائے؟

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفار کو سلام کے الفاظ

سوال[۹۱۵۱]: ۳......جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کن کلمات سے کفار کو سلام کرتے اور کیسے جواب دیتے تھے؟

کفار کو ''السلام علیکم'' کے ساتھ سلام کا حکم

سوال[۹۱۵۲]: ۴......کفار کو ''السلام علیکم'' کے ساتھ سلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

فساق وفجار کو ابتدا بالسلام کا حکم

سوال[۹۱۵۳]: ۵......فساق وفجار کا کیا حکم ہے، ان میں ابتدا بالسلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ کیا جاوے تو بد اخلاقی وتکبر ہے۔ اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو کلمات ان کے یہاں بطورِ سلام مستعمل ہوتے ہیں ان کو نہ ابتداءً کہے نہ جواباً، وقتِ ضرورت ان کو ''السلام علی من اتبع الهدى'' سے خطاب کرنا درست اور ثابت ہے (۲)۔ اگر وہ ''السلام علیکم''

---

(۱) ''نمستے: بندگی، آداب، تسلیم''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۷۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''أن عبدالله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أخبره أن أبا سفيان بن حرب رضی الله تعالیٰ عنه أخبره أن هرقل أرسل إليه في ركب من قريش .... ''بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله و رسوله إلى هرقل عظيم الروم: سلامٌ على من اتبع الهدى''. (صحيح البخاری: ۱/۵، باب بدء الوحی، قدیمی)

''إذا سلّم على أهل الذمة، فليقل: السلام على من اتبع الهدى. وكذلك يكتب في الكتاب إليهم، اهـ. وفي التاتارخانية: إذا كتبت إلى يهودي أو نصراني في حاجة، فاكتب: السلام على من اتبع الهدى، اهـ''. (ردالمحتار: ۶/۴۱۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

کہیں تو جواب میں "وعلیکم" کہہ دیا جاوے(۱)۔

۲......اگر وہ اپنے کلمات "نمستے" وغیرہ کہیں تو جواب میں "هداك الله" اور "سلام" کہہ دیا جاوے، فقط "سلام" کہہ دینا بھی درست ہے(۲)۔

جب مجمع مخلوط ہو تو "السلام علیکم" کہنا چاہئے اور نیت ان کی ہو جو اس کے اہل ہیں، اگر خالص ان کا ہو تو "السلام علی من اتبع الهدی" کہے:

"أما التسليم على أهل الذمة، فقد اختلفوا فيه: قال بعضهم: لابأس بأن يسلم عليهم. وقال بعضهم: لايسلم عليهم. وهذا إذا لم يكن للمسلم حاجة إلى الذمي، وإذا كان له حاجة، فلابأس بالتسليم عليه. ولابأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله: "وعليكم". قال الفيقه أبوالليث: إن مررت بقوم وفيهم كفار، فأنت بالخيار: إن شئت قلت: السلام عليكم، وتُريد به المسلمين، وإن شئت قلت: السلام على من اتبع الهدى، اهـ". فتاوى عالمگیری: ٩٦/٤(٣)۔

وفى البخارى، ص: ٢٢٤: "باب التسليم فى مجلس فيه أخلاط من المسلمين

(۱) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا سلّم عليكم أهل الكتاب، فقولوا: وعليكم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الأول، ص: ۳۹۸، قديمى)

"قال النووى: اتفقوا على الرد على أهل الكتاب إذا سلموا، لكن لا يقال لهم: "وعليكم السلام" يعنى ولا "عليكم السلام" ولا "عليك السلام" بقرينة قوله: وأما إذا كان منفرداً فلا يأتى بصيغة الجمع؛ لإيهامه التعظيم، وإن كان المراد عليكم ما تستحقونه من إرادة التعظيم". (مرقاة المفاتيح: ۴۲۱/۸، باب السلام، رشيديه)

(وكذا فى شرح النووى على الصحيح لمسلم: ۲۱۳/۲، كتاب السلام، باب النهى عن ابتداء أهل الكتاب، قديمى)

(۲) كما مر فى الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع فى السلام، رشيديه)

والمشرکین" وفیه: "فسلّم علیهم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". الحدیث(۱)۔

۵......سلام "تحیۃ" ہے جس سے اکرام وتعظیم کے ساتھ دعاء مقصود ہے، فاسق معلن احکامِ شرع کا اکرام نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ خود بھی مستحقِ اکرام نہیں ہے، اس لئے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے: "ولا یسلم علی الفاسق المعلن، اھ". رد المحتار: ۱/٤١٤(۲)۔

لیکن بسا اوقات یہ ترکِ سلام بغض ودشمنی کا باعث بن جاتا ہے جس کی وجہ سے بہت سے احکام کی خلاف ورزی، بلکہ ہتک ہوتی ہے۔ نیز اس کے فسق کی وجہ سے اس کے ایمان سے صَرفِ نظر ہو کر اس کی بے توقیری بھی بعض دفعہ پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں بحیثیتِ مومن اس کو سلام کیا جاوے تو اس سے تعلیماتِ اسلام کی اشاعت بھی ہوتی ہے، محبت اور اُلفت بھی پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر ایسے لوگ اسلام کے احکام کو سننے

---

(۱) العبارة بتمامها: "باب التسلیم فی مجلس فیه أخلاط من المسلمین والمشرکین .... و فیه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رکب حماراً علیه إکاف تحته قطیفة فدکیة، فأردف أسامة بن زید، وهو یعود سعد بن عبادة فی بنی الحارث بن خزرج، وذلک قبل وقعة بدر، حتی مر فی مجلس فیه أخلاط من المسلمین والمشرکین عبدة الأوثان والیهود، وفیهم عبد الله بن أبیّ بن سلول، وفی المجلس عبد الله بن رواحة. فلما غشیت المجلس عجاجةُ الدابة خمّر عبد الله بن أبیّ أنفه بردائه، ثم قال: لا تغبروا علینا، فسلم علیهم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم وقف فنزل فدعاهم إلی الله .... اھ".

(صحیح البخاری: ۲/۹۲۴، کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فیه أخلاط من المسلمین والمشرکین، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح: ۲/۳۹۸، کتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثانی، قدیمی)

"قال النووی إذا مر بمجلس فیه مسلم وکافر أن یسلم بلفظ التعمیم و یقصد به المسلم. قال ابن العربی: ومثله إذا مر بمجلس یجمع أهل السنة والبدعة، و بمجلس فیه عدول و ظلمة، وبمجلس فیه محب و مبغض. واستدل النووی علی ذلک بحدیث الباب". (فتح الباری: ۱۱/۴۷، باب التسلیم فی مجلس فیه أخلاط من المسلمین والمشرکین، قدیمی)

(وكذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم: ۲/۱۰۴، قدیمی)

(۲) (ردالمحتار مع الدر المختار: ۶/۴۱۲، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

کے لئے بھی آمادہ ہوتے ہیں، بغض اور دشمنی سے تحفظ رہتا ہے اور اپنی بڑائی بھی پیدا نہیں ہوتی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۵/۹۰ھ۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب

سوال [۹۱۵۴]: بستی کے بعض اہلِ ہنود بوقتِ ملاقات کہتے ہیں "نمستے"۔کسی کو"رام رام" کرتے ہیں۔مسلمانوں کو کیا جواب دینا چاہئے؟ حافظ شیرازی کے اس شعر کا کیا مطلب ہے:

حافظا گر وصل خواهی صلح کن با خاص و عام

بـا مسـلـمـان الله، بـا بـرهـمـن رام رام

کیا حافظ شیرازی "رام رام" کا جواب "رام رام" سے دینے کی اجازت دیتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جواب میں "هـداك الله" کہا جائے (۲)۔یہ شعر حافظ شیرازی کا نہیں ہے، اللہ جانے کس کا ہے، یہ

---

(۱) "و يسلم المسلم على أهل الذمة لو له حاجة إليه، وإلا كره، هو الصحيح". (الدر المختار).

قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لو له حاجة إليه): أي إلى الذمي المفهوم من المقام. قال في التاتارخانية: لأن النهي عن السلام لتوقيره، ولا توقير إذا كان السلام لحاجة". (ردالمحتار: ۴۱۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"وهذا إذا لم يكن للمسلم حاجة إلى الذمي، وإذا كان له حاجة، فلا بأس بالتسليم عليه. ولا بأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يراد على قوله: وعليكم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۵، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۶، كتاب الكراهية، نوع في السلام، رشيديه)

"واختلف في السلام على الفساق، في الأصح أنه لا يبدأ بالسلام. كذا في التمرتاشي. ولو كان له جيران سفهاء إن سالمهم يتركون الشر حياءً منه، وإن أظهر خشونة يزيدون الفواحش يعذر في هذه المسالمة ظاهراً، كذا في القنية في المتفرقات". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۶/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(۲) "ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم، فلا بأس بالرد، ولكن لا يزيد على قوله =

کوئی دلیلِ شرعی نہیں جس سے "رام رام" کے جواب پر استدلال کیا جا سکتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب

سوال[۹۱۵۵]: کیا کسی ہندو کو "رام رام" کرنے یا لینے سے کفر عائد ہو جاتا ہے، یا "جے رام" کرنے سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی شعائر "السلام علیکم" ہے، غیر اسلامی شعار کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر اگر وہ غیر کا شعار ہو تو اس کو اختیار کرنا معصیت ہے، اگر مذہبی شعار ہو تو کفر تک نوبت پہنچ جانے کا خطرہ ہے، اس لئے جواب میں "هداك الله الإسلام" کہہ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۱/۳/۹۰ھ۔

= وعليك، كما في الخانية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۱۲/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(۱) "وعنه (ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۳۷۵/۲، قديمي)

"قال الطيبيّ: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار، ولمّا كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير". (مرقاة المفاتيح: ۱۵۵/۸، كتاب اللباس، الفصل الثاني، حقانيه پشاور)

وقال العلامة المناوى رحمه الله تعالىٰ: "و قال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية من الاعتقادات وإرادات و أمور خارجية من أقوال و أفعال، قد تكون عبادات و قد تكون عادات في نحو: طعام و لباس و مسكن و نكاح و اجتماع و افتراق و سفر و إقامة و ركوب وغيرها، وبين الظاهر والباطن ارتباط ومناسبة. و قد بعث الله المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالحكمة التي هي سنة وهي الشرعة والمنهاج الذي شرعه له، فكان مما شرعه له من الأقوال والأفعال ما يباين سبيل المغضوب عليهم =

غیر مسلم کے سلام کا جواب

سوال[۹۱۵۶]: اگر کوئی غیر مسلم سلام کرے تو جواب میں کیا کہنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعلیکم، یا"هَداكَ اللّٰه الإسلام"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

سلامِ کافر کا جواب

سوال[۹۱۵۷]: اگر ایک کافر زید کے ذریعہ بکر کو سلام کہلائے تو بکر جواب میں کیا کہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یوں کہے"وعلیکم السلام، وهداه اللّٰه الإسلام"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= والضالين، فأمر بمخالفتهم في الهدى الظاهر في هذا الحديث. وإن لم يظهر فيه مفسدة لأمور: منها أن المشاركة في الهدى تؤثر تناسبات و تشاكلاً بين المتشابهين، تعود إلى موافقة ما في الأخلاق والأعمال، وهذا أمر محسوس......... اهـ". (فيض القدير: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكة المكرمة رياض)

(۱) (راجع للتخريج المسئلة الآتية)

(۲) "أما التسليم على أهل الذمة، فقد اختلفوا فيه: قال بعضهم: لابأس بأن يسلم عليهم. وقال بعضهم: لايسلم عليهم. وهذا إذا لم يكن للمسلم حاجة إلى الذمي، وإذا كان له حاجة، فلابأس بالتسليم عليه. ولابأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله: "وعليكم". قال الفقيه أبو الليث: إن مررت بقوم وفيهم كفار، فأنت بالخيار: إن شئت قات: السلام عليكم، وتُريد به المسلمين، وإن شئت قلت: السلام على من اتبع الهدى، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

"باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين .... و فيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ركب حماراً عليه إكاف تحته قطيفة فدكية، فأردف أسامة بن زيد، وهو يعود سعد =

أیضاً

سوال[۹۱۵۸]: اگر کافر مسلمان کو ''جے رام جی'' کہے اور مسلمان ہاتھ اٹھادے، یا ''آداب'' کہہ دے تو جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش ہے کہ فقط ہاتھ اٹھادے، یا ''آداب'' کہہ دے، بہتر ہے کہ ''هداك الله الإسلام'' کہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

شیعوں کے سلام کا جواب

سوال[۹۱۵۹]: ۱......شیعہ وغیرہ اگر اہل السنّت والجماعت کو ''السلام علیکم'' کریں تو جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہنا چاہئے یا نہیں؟

= بن عبادة في بني الحارث بن خزرج، وذلک قبل وقعة بدر، حتى مر في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين عبدة الأوثان واليهود، وفيهم عبد الله بن أبيّ بن سلول، وفي المجلس عبد الله بن رواحة. فلما غشيت المجلس عجاجةُ الدابة خمّر عبد الله بن أبيّ أنفه بردائه، ثم قال: لا تغبروا علينا، فسلم عليهم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، ثم وقف فنزل فدعاهم إلى الله .... اهـ".

(صحيح البخاري: ۹۲۴/۲، كتاب الاستيذان، باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين، قديمي)

(ومشكوة المصابيح: ۳۹۸/۲، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

"قال النووي: إذا مر بمجلس فيه مسلم وكافر أن يسلم بلفظ التعميم و يقصد به المسلم. قال ابن العربي: ومثله إذا مر بمجلس يجمع أهل السنة والبدعة، و بمجلس فيه عدول و ظلمة، وبمجلس فيه محب و مبغض. واستدل النووي على ذلک بحديث الباب". (فتح الباري: ۴۷/۱۱، باب التسليم في مجلس فيه أخلاط من المسلمين والمشركين، قديمي)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۲۱۴/۲، قديمي)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

أیضاً

سوال[۹۱۶۰]: ۲......جوشیعہ اپنی بزبان سے یہ کہے کہ بزرگوں پر تبرانہیں کرتا، اس کے سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام" کہہ دے تو حرج نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......جوشیعہ فاسق ہیں کافرنہیں ہیں، ان کے سلام کا جواب شریعت کے موافق "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته" دینا چاہیئے۔اور جوشیعہ کافر ہیں ان کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہہ دینا چاہئے(۱)۔

۲......جوشیعہ صحابہ یا دیگر اکابر پر سب وشتم نہیں کرتے، اُور بھی کفریات نہیں کرتے تو ان کے سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته" کہنے میں کچھ حرج نہیں ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱۱/۲۸ھ۔

قادیانی کے سلام کا جواب اوراس کی دعوت

سوال[۹۱۶۱]: اگرکوئی قادیانی سلام کرے تو جواب دیا جائے گا یا نہیں، یا ازخود ان کو سلام کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر وہ دعوت دے تو شرکت کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ یا اُن کو اپنی کسی دعوت میں بلا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "واختلف في السلام على الفساق، في الأصح أنه لا يبدأ بالسلام، كذا في التمرتاشي. ولو كان له جيران سفهاء إن سالمهم يتركون الشر حياءً منه، وإن أظهر خشونه، يزيدون الفواحش يعذر في هذه المسالمة ظاهراً، كذا في القنية في المتفرقات". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۲٦/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''غیر مسلم اور فاسق کو سلام'')

الجواب حامداً ومصلياً:

قادیانی نے نصوصِ قطعیہ کے خلاف اپنا عقیدہ اپنی کتابوں میں لکھا ہے، اس لئے وہ اسلام سے خارج ومرتد ہیں، جو مسلمان قادیانی مذہب اختیار کر لے اُس کا بھی وہی حکم ہے، اس کو سلام کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا اور اس اس کی دعوت قبول کرنا اور اس کی دعوت کرنا جائز نہیں۔ تمام کفار کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے، مرتد کا معاملہ اس سے مختلف ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۲ھ۔

قادیانی وشیعہ کو سلام اور جواب

سوال[۹۱۶۲]: شیعہ جو رافض کہلاتے ہیں، یا مرزا قادیانی لوگوں کو سلام کرنا یا ان کے سلام کا جواب دینا شرع شریف میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان لوگوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے، اگر یہ لوگ سلام کریں تو جواب میں فقط "وعلیکم" کہہ دیا جائے (۲)، یا

(۱) "واعلم أن تصرفات المرتد على أربعة أقسام ..... و يبطل منه اتفاقاً ما يعتمد الملّة. وهي خمس: النكاح والذبيحة والعصير والشهادة والإرث، الخ". (الدرالمختار).

"أي ما يكون الاعتماد في صحته على كون فاعله معتقداً ملةً من الملل: أي والمرتد لا ملة له أصلاً؛ لأنه لا يقرّ على ما انتقل إليه. وليس المراد ملة سماوية، لئلا يرد النكاح المجوسي والوثني صحيح ولا ملة لهما سماوية، بل المراد للأعم". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۴۹/۴، سعيد)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا سلّم عليكم أهل الكتاب، فقولوا: وعليكم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۳۹۸/۲، كتاب الأدب، باب السلام، الفصل الثاني، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۱۲/۶، ۴۱۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

"هداك الله" کہہ دینا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۹/۵۵ھ۔

فرقۂ خاکساری کے ساتھ سلام وطعام

سوال[۹۱۶۳]: ایک شخص کے عقائد ہیں کہ خاکسار کافر ہیں، پھر زید ان کافروں کے ساتھ سلام وکھانا کھاتا ہے۔ تو کیا مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں اور قابلِ معاملات دنیاوی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عنایت اللہ مشرقی بانی خاکسار نے اپنی تحریرات "تذکرہ" "قول فیصل" وغیرہ میں عقائدِ اسلام کا استہزاء کیا ہے اور سخت ترین توہین کر کے بنیادی چیزوں کا انکار کردیا ہے، اس لئے وہ علمائے اسلام کے فتویٰ کے مطابق کافر ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بلاضرورت میل جول سلام کلام محبت کا تعلق رکھنا ناجائز ہے (۲)،

---

(۱) "أما التسليم على أهل الذمة، فقد اختلفوا فيه: قال بعضهم: لابأس بأن يسلم عليهم. وقال بعضهم: لايسلم عليهم. وهذا إذا لم يكن للمسلم حاجة إلى الذمي، وإذا كان له حاجة، فلابأس بالتسليم عليه. ولابأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله: "وعليكم". قال الفقيه أبو الليث: إن مررت بقوم وفيهم كفار، فأنت بالخيار: إن شئت قلت: السلام عليكم، وتُريد به المسلمين، وإن شئت قلت: السلام على من اتبع الهدى، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۵/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم أولياء بعض، ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾ (سورة المائدة: ۵۱)

"أي لايتخذ أحد منكم أحداً منهم ولياً بمعنى لاتصافوهم مصافاة الأحباب ولاتستنصروهم".

(روح المعاني، (سورة المائد: ۵۱): ۱۵۶/۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

وقال الله تعالى: ﴿و لا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾ (سورة هود: ۱۱۳)

اس لئے کہ ان کے عقائد دوسروں میں بھی سرایت کریں گے، لہٰذا ان سے بالکل علیحدہ رہنا چاہئے۔ جو شخص بلا ضرورتِ شرعیہ ان سے تعلق رکھے وہ گناہ گار ہوگا، اس کا اسلام خطرے میں ہے(۱)۔ تاہم اس کو کافر کہنا درست نہیں ہے(۲)۔

---

(۱) "عن أبي عبيدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إن بني إسرائيل لما وقع فيهم النقص، كان الرجل يرى أخاه على الذين فينهاه عنه، فإذا كان الغد لم يمنعه ما رآى منه أن يكون أكيله وشريبه وخليطه فضرب الله قلوب بعضهم ببعض ونزل فيهم القرآن، فقال: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم﴾ حتى بلغ ﴿ولو كانوا يؤمنون بالله والنبي وما أنزل إليه مااتخذوهم أولياء، ولكن كثيراً منهم فاسقون﴾ قال: وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً فجلس، وقال: "لا، حتى تأخذوا على يدى الظالم فتاطروه على الحق اطراً". (سنن ابن ماجة، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ۲/۲۸۹، قديمي)

"قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبعده". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، ۷۵۹، رشيديه)

"وعن الحسن: لاتجالس صاحب هوى، فيقذف في قلبك ماتتبعه عليه، فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك .... وعن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الأهواء ولاتجادلوهم، فإني لاآمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ماكنتم تعرفون. قال أيوب: وكان -والله- من الفقهاء ذوي الألباب. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة، ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار. وعن الحسن: لاتجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك". (الاعتصام للشاطبي رحمه الله تعالىٰ، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها: ۱/۲۵، دارالمعرفة، بيروت)

(۲) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "وفي الفتاوىٰ الصغرى: الكفر شئ عظيم، فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لايكفر، اهـ". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

بعض ناواقف سیدھے سادھے مسلمان مشرقی کے عقائد سے واقف نہیں، مگر اس کی ظاہری تنظیم کو دیکھ کر اس کی تحریک میں شریک ہوگئے، ان کو مشرقی کی خرابیاں دکھلا کر اس تحریک سے بچانا چاہئے۔ اور کسی شخص کے متعلق جب تک پوری تحقیق نہ کرلی جائے اس وقت تک اس کے کفر کا حکم لگانا درست نہیں، اس معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۹ھ۔

فاسق کو سلام کرنا

سوال[۹۱۶۴]: کوئی فاسق مبتلائے فسق ہو، مثلاً: ریش تراشتا ہو، یا دیگر فسق کے اندر مبتلا ہو تو اس کو سلام کرنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں مولوی صاحب مکروہ تحریمی بتلاتے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو عام طور سے گشتوں میں متکلم صاحب کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کرنی پڑتی ہے۔ لہذا کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مبتلائے فسق ہو اور اس کو سلام کرنے یا اس کی دعوت قبول کرنے سے اس کی اصلاح کی توقع ہو تو اس کو سلام بھی کیا جائے اور دعوت بھی قبول کی جائے بشرطیکہ وہ حرام مال سے نہ کھلائے، اگر ترک سلام یا ترک دعوت سے اصلاح کی توقع ہو تو ترک کردیں۔ بقصد تعظیم فسق سلام کرنا جائز نہیں ہے(۲)، لیکن جب اس میں

---

(۱) "إذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنع، فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، قبيل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۲) "واختلف في السلام على الفساق، في الأصح أنه لا يبدأ بالسلام، كذا في التمرتاشي. ولو كان له جيران سفهاء إن سالمهم يتركون الشر حياءً منه، وإن أظهر خشونة، يزيدون الفواحش يعذر في هذه المسالمة ظاهراً، كذا في القنية في المتفرقات". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۶، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

ایمان بھی موجود ہے تو اکرام مسلم لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ٢١/٩/٩٠ھ۔

کسی کو منافق کہہ کر سلام کا جواب نہ دینا

سوال[٩١٢٥]: زید نے عمر کو سلام کیا، لیکن عمر نے زید کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ عمر کے پاس بیٹھے ہوئے سعید نے جب عمر سے زید کو سلام کا جواب نہ دینے کے متعلق پوچھا تو عمر نے کہا کہ زید منافق ہے، منافق کے سلام کا جواب مسلمان کو نہیں دینا چاہیے، حالانکہ الحمد للہ تینوں حضرات مسلمان ہیں۔ براہِ کرم شریعت کے فیصلے سے مطلع فرمائیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں برادری عمر کے ساتھ کیا سلوک کرے جب کہ وہ ابھی تک زید کو منافق کہنے کے فیصلے پر اڑا ہوا ہے؟

مہربانی فرما کر حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے مدرسہ کی مہر بھی لگا دیجئے، اپنے دستخط کے ساتھ تاکید سند رہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلام کا جواب دینا حق مسلم ہے جو کہ واجب ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "للمؤمن على المؤمن ست خصال: يعوده إذا مرض، ويشهده إذا مات، ويجيبه إذا دعاه، ويسلم عليه إذا لقيه، الخ". مشكوة شريف: ٣٩٧/٢(١)۔

"رد السلام واجبٌ، اه". شامي(٢)۔

مسلمان کو منافق کہنے سے تعزیر کا حکم ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وعزر الشاتم بيا كافر، يا خبيث، وياسارق،

(١) (مشكوة المصابيح، باب السلام: ٣٩٧/٢، قديمي)

(٢) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: المواضع التي لايجب فيها رد السلام: ٦١٨/١، سعيد)

يافاجر، يا مخنث، يا زنديق، يا منافق، الخ". درمختار (۱)۔

اگر طبیعت میں کسی مسلمان سے ذاتی معاملات کی بناء پر غصہ ہوتو تین روز سے زیادہ سلام وکلام بند نہیں کرنا چاہیے، حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے (۲)، لہٰذا عمر کو چاہیے کہ غصہ ختم کر کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرے، بلکہ جوابِ سلام نہ دینے کی معذرت بھی کرے۔ یہی شریفانہ طریقہ ہے۔ زید کے اندر اگر خرابی ہے تو اس کو نرمی اور ہمدردی سے نصیحت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

داڑھی منڈے کو سلام اور اس کے سلام کا جواب اور اس کی اولاد کا حکم

سوال [۹۱۲۶]: ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو داڑھی منڈے کو در کنار داڑھی کترے کو بھی سلام نہیں کرتے ہیں، بلکہ سلام کا جواب دینا بھی حرام سمجھتے ہیں۔ ان سے جب سوال کیا تو جواب دیا کہ:

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في الجرح المجرد: ۴/۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/ ۷۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع، الخ، ص: ۴۲۷، قديمي)

قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك. وفي حاشية السيوطي على المؤطا: قال ابن عبد البر رحمه الله تعالىٰ: .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده، ورب صرم جميل خيرٌ من مخالطة تؤذيه .... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع .... الخ، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، ۷۵۹، رشيديه)

''داڑھی کا ایک مشت رکھنا واجب ہے، اس کا تارک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، فاسق ہے، مردود الشہادۃ ہے، داڑھی کترنا حرام ہے، اس کی امامت، اقامت، اذان مکروہ تحریمی ہے۔ جو مونچھوں کو نہ کترائے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے خارج ہے، اس کی نماز نامقبول ہے، فاسق لعین ہے۔ داڑھی کترے کو سلام تو درکنار جواب دینا بھی حرام ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کی طرف رحمت سے دیکھتا ہے، نہ ان کی دعا قبول کرتا ہے، فرشتے داڑھی کترے کو ملعون کہتے ہیں، داڑھی کترے اللہ کے نزدیک یہود ونصاریٰ ہیں''۔

مولانا نے ترمذی شریف، نسائی شریف، طحاوی شریف وغیرہ کا حوالہ دیا۔ نیز مولانا نے مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی نقل کیا کہ: داڑھی کترے کا نکاح بھی نہیں ہوتا ہے، اس کے بچے حرامی ہوتے ہیں، اس کا ایمان نکل جاتا ہے، اس کو چاہیئے کہ ایمان کی تجدید کرے (اصلاح الرسوم)۔

بقولِ عالم صاحب کیا سب داڑھی منڈوں کو سلام نہ کیا جائے، بلکہ داڑھی منڈے اور داڑھی کترے کو جواب بھی نہ دیا جائے، کیا یہ سمجھا جائے کہ ان کے نکاح نہیں ہوئے؟ کیا (بقولِ احادیث وفتوی مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) ان کے بچوں کو حرامی سمجھا جائے، کیوں کہ آج کل اسی فیصد داڑھی منڈے ہیں۔ ۱۵/ فیصد داڑھی کترے ہیں اور پانچ فیصد ایسے ہیں جن کی داڑھی ایک مشت سے زائد ہے؟ آج کل کے حالات کے تحت داڑھی منڈوں اور داڑھی کتروں کے ساتھ کیا رویہ اپنایا جائے، ان کو کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داڑھی منڈانا حرام ہے، ایک مشت کے پہونچنے سے پہلے کترانا، یا کترا کر ایک مشت سے کم کرالینا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں، اس منڈانے اور کترنے میں غیر قوموں کے ساتھ تشبہ ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا شخص مقبول الشہادۃ اور عادل نہیں، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے:

"وأما الأخذ منها و هی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثه الرجال، فلم يبحه أحدٌ، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم، فتح". الدر المختار: ۱۱۳/۲ (۱)۔

(۱) (الدر المختار: ۴۱۸/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد) =

"يحرم على الرجل قطع لحيته". درمختار: ۵/۲۱٦(۱)۔

فاسق معلن کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔ان سب کے باوجود ایسے شخص کا نکاح بھی منعقد ہو جائے گا اور اس کی اولاد بھی ثابت النسب ہوگی، حرامی نہیں ہوگی، وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبیرہ گناہ کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا، نہ اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے، جیسا کہ شرح فقہ اکبر میں تشریح ہے، البتہ اگر کوئی شخص حرامِ قطعی لعینہ کو حلال اعتقاد کرے تو اس اعتقاد کی وجہ سے

= قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "وعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحمل الإعفاء على إعفائها عن أن يأخذ غالبها أو كلها، كما هو فعل مجوس الأعاجم من حلق لُحاهم، ويؤيده ما في مسلم عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " جزوا الشوارب، وأعفوا اللحى، خالفو المجوس". فهذه الجملة واقعة موقع التعليل، وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحدٌ، اهـ. ملخصاً". (ردالمحتار: ۴۱۸/۲، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب في الأخذ من اللحية، سعيد)

(۱) (الدرالمختار: ۴۰۷/٦، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ تحت قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وإعفاء اللحية": قال التوربشتي : أي توفيرها –يقال : عفا النبت إذا كثر، وأعفوته أنا وأعفيته لغتان– وقص اللحية من صنع الأعاجم و هو اليوم شعار كثيرٍ من المشركين كالأفرنج والهنود، ومَن لا خلاق له في الدين من الطائفة القلندرية". (مرقاة المفاتيح: ۹۱/۲، باب السواك، الفصل الأول، رشيديه)

"وقص اللحية من سنن الأعاجم وهواليوم شعار كثير من المشركين والأفرنج والهنود و مَن لا خلاق له في الدين ممن يتبعونهم ويحبون أن يزيّوا بزيّهم .... فعلم من ذلك أن ما يفعله بعض من لا خلاق له في الدين من المسلمين في الهند والأتراك حرام". (بذل المجهود: ۳۳/۱، باب السواك من الفطرة، إمداديه ملتان)

قال الشاه ولي الله المحدث الدهلوي رحمه الله تعالىٰ: "واللحية هي الفارقة بين الصغير والكبير، وهي جمال الفحول و تمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها. وقصها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله، ولحوق أهل السؤدد والكبرياء بالرعاع". (حجة الله البالغة: ۵۱۷/۱، ۵۱۸، خصال الفطرة وما يتصل بها، قديمي)

اس پر کفر کا حکم ہوگا:

"ولا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلّها، ولا نُزيل عنه اسم الإيمان". شرح فقه أكبر، ص: ٨٦(١)۔

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وہ عبارت بلفظہٖ نقل کی جائے جس کا سوال میں حوالہ ہے تو اس کی تشریح وتوضیح کردی جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۲ھ۔

مظلوم ظالم کے سلام کا جواب دے

سوال[۹۱۲۷]: اگر ظالم اپنے مظلوم پر سلام کرے اور مظلوم بوجہ اپنے رنج وغصہ ونفرت کے جواب نہ دے، کیا مظلوم شرعاً گنہگار ہے اور کیا مظلوم پر ظالم بدبخت کے سلام کا جواب دینا شرعاً واجب ہے اور کیا شریعت اجازت دیتی ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے سلام کو جوتی سے ٹھکرادے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سلام شعارِ اسلام اور حقِ مسلم ہے اور جواب دینا واجب ہے(۲)، مظلوم کو چاہئے کہ جوابِ سلام

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ٧١، قديمى)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض .... اهـ". متفق عليه".

"وعن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا بعيادة المريض، واتباع الجنائز، وتشميت العاطس، ورد السلام .... اهـ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ١٣٣، باب عيادة المريض وثواب المريض، الفصل الأول، قديمى)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: "السلام اسمٌ من أسماء الله عزوجل، وضعه الله في الأرض، فأفشوه بينكم، فإن الرجل إذا سلم على القوم فردوا عليه، كان له عليهم فضل درجة؛ لأنه =

کوترک کرکے اپنے ذخیرۂ آخرت کونقصان نہ پہونچائے اورترکِ واجب کا وبال اپنے سر نہ رکھے۔اوراس کو ''بدبخت'' یا ''کم بخت'' یا اور کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے انتقام ہوجائے ،ممکن ہے کہ جلے ہوئے دل سے نکلا ہوا کوئی کلمہ اتنا سخت ہو کہ ظالم کے ظلم کے مساوی ہوجائے ، یا اس سے بھی بڑھ جائے ، وہاں ہر چیز کا وزن ہوگا (۱) پھر سنت اور شعار اور حق مسلم کو جوتی سے ٹھکرادینا نہایت خطرناک ہے ،اس کا تو کبھی تصور بھی ذہن میں نہیں آنا چاہیئے ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۸/ ۸۸ھ۔

تاش کھیلنے والوں کو سلام

سوال[۹۱۶۸]: اگر کسی جگہ پر تاش وغیرہ کھیلا جارہا ہو تو ایسے موقعہ پر ''السلام علیکم'' کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چوسر وغیرہ کھیلنے والوں کو سلام کرنے کی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو سلام کرلیا جاوے اس نیت سے کہ جتنی دیر بھی ان کی توجہ اس معصیت (کھیل) سے ہٹ کر دوسری طرف منتقل ہوجائے ،اچھا ہے:

''ویسلم علی قوم فی معصیة و علی من یلعب بالشطرنج ناویاً أن یشغلهم عما هم فیه

= ذکرهم، فإن لم یردّوا علیه ردّ علیه من هو خیرٌ منهم و أطیب. وروی الأعمش عن عمر بن مرة عن عبد الله بن الحارث قال: إذا سلم الرجل علی القوم کان له فضل درجة، فإن لم یردّوا علیه ردت علیه الملائکة و لعنتهم''. (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱۹۵/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والوزن یومئذ الحق، فمن ثقلت موازینه، فأولئک هم المفلحون﴾ (سورة الأعراف: ۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ونضع الموازین القسط لیوم القیامة، فلا تظلم نفس شیئاً، وإن کان مثقال حبة من خردل أتینا بها، و کفی بنا حاسبین﴾ (سورة الأنبیاء: ۴۷)

عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، وکره عندهما تحقیراً لهم، اهـ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۳/۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار: ۱/۶۱۷، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، مطلب: المواضع التی یکره فیها السلام، سعید)

وقال بعد هذه العبارة: "وظاهر قوله: (مالم تعرف توبتهم) أن المراد کراهة السلام علیهم فی غیر حالة مباشرة المعصیة، أما فی حالة مباشرتها ففیه الخلاف المذکور". (ردالمحتار، المصدر السابق)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۴۱۵، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۶، کتاب الکراهیة، الباب السابع فی السلام، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۳۵۵، کتاب الکراهیة، نوع فی السلام، رشیدیه)

"وعلیک إذا مرّ علی قوم و هم فی معصیة، یسلم علیهم علی قصد أن یشغلهم عما هم فیه".

(الفتاوی السراجیة، کتاب الکراهیة، باب التسلیم، ص: ۷۲، سعید)

الفصل الثالث فی المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

مصافحہ کی تعریف اور طریقہ

سوال[۹۱۶۹]: مصافحہ کی کیا تعریف ہے اور اس کے کتنے طریقے ہیں، از روئے شرع اس کے کتنے طریقے ہوسکتے ہیں، پھر ان میں کونسا طریقہ افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داہنے ہاتھ کے بطن کو دوسرے آدمی کے داہنے بطن سے ملانا اور بایاں ہاتھ دونوں سے داہنے ہاتھ کو ظہر سے ملانا یہ مصافحہ ہے، یہی سنت ہے(۱)۔ بعض دفعہ صرف داہنے ہاتھ سے بھی ثابت ہے، کذا فی شرح الترمذی(۲)۔

---

(۱) "باب المصافحة. قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: علمنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التشھد و کفی بین کفیہ". (صحیح البخاری: ۹۲۶/۲، کتاب الاستیذان، باب المصافحة، قدیمی)

"(باب المصافحة) ھی مفاعلة من الصفحة، والمراد بھا الإفضاء بصفحة الید إلی صفحة الید......... ووجہ إدخال ھذا الحدیث فی المصافحة أن الأخذ بالید یستلزم التقاء صفحة الید بصفحة الید غالباً". (فتح الباری: ۶۲/۱۱، کتاب الاستیذان، باب المصافحة، قدیمی)

"(قولہ: و تمامہ) ونصہ: وھی إلصاق صفحة الکف بالکف وإقبال الوجہ بالوجہ، فأخذ الأصابع لیس بمصافحة، خلافاً للروافض". (ردالمحتار: ۳۸۱/۶، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، سعید)

(۲) "اعلم أن السنة أن تکون المصافحة بالید الواحدة، أعنی: الیمنی من الجانبین، سواء کانت عند اللقاء أو عند البیعة .... وقال الإمام النووی: یستحب أن تکون المصافحة بالیمنی، وھو أفضل". (تحفة الأحوذی، أبواب الاستیذان والأدب، باب ماجاء فی المصافحة، فائدة فی بیان أن السنة فی المصافحة أن تکون بالید الواحدة، (رقم الحدیث: ۲۸۷۵): ۵۱۸/۷، ۵۱۹، المکتبة السلفیة مدینة منورة)

انگوٹھے کوانگوٹھے کی جڑ سے ملاکر اور ہاتھ کو پکڑ کر کسی قدر حرکت دینا بھی ثابت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً مصافحہ کرنا

سوال[۹۱۷۰]: روک روک کر مصافحہ کروانا کیسا ہے اور کیا قانونِ شرعی ہے کہ عوام کو روک کر چاہے طبیعت مانے یا نہ مانے مصافحہ کرایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی استاذ، والد یا مربی اپنا ماتحت بچوں، غیر آدمی کو بطور تربیت وتعلیم روک کر مصافحہ کرائے تو اس میں مضائقہ نہیں، غیر آدمی جب مصافحہ سے گھبراتا ہو تو اس پر زور نہ دیا جائے(۲)۔مصافحہ کرنا حدیث وفقہ سے

---

(۱) "تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة، لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من صافح أخاه المسلم وحرک یده، تناثرت ذنوبه". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي: "(قوله :لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم) کذا في الهداية. وفي شرحها للعيني: قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم علیه وأخذ بیده فصافحه، تناثرت خطاياهما كمايتناثر الشجر". رواه الطبراني والبيهقي".

"والسنة أن تكون بكلتا يديه، وبغير حائل من ثوب أوغيره، وعند اللقاء بعد السلام، وأن يأخذ الإبهام، فإن فيه ينبت المحبة، كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره، اهـ". (ردالمحتار: ۳۸۱/۶، ۳۸۲، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

(وكذا في تحفة الأحوذي شرح الترمذي: ۵۱۸/۷، مکتبه سلفيه مدينه منوره)

(۲) اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، اعتراض کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے اذیت اور تکلیف پہونچتی ہے:

قال الملا علي القاري رحمه اللہ تعالیٰ: "ولا يخفى أن في كلام الإمام نوع تناقض؛ لأن إتيان السنة في بعض الأوقات لايسمى بدعةً مع أن عمل الناس في الوقتين المذكورين ليس على وجه الاستحباب المشروع، فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من =

ثابت ہے (۱)، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام واولیائے عظام اور تمام امتِ مسلمہ کا طریقہ رہا ہے (۲)، اس کی فضیلت بھی آئی ہے (۳)، ان فضائل کو بیان کرنے پر اکتفا کر کے ترغیب تو دی جائے، مگر اس

= غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدةً مديدةً، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة، ولهذا صرح بعض علماء نا بأنها مكروهة حينئذٍ، وأنها من البدع المذمومة، نعم لودخل أحد في المسجد والناس في الصلوة أو على إرادة الشروع فيها، فبعد الفراغ لوصافحهم، لكن بشرط سبق السلام على المصافحة، فهذا من جملة المصافحة المسنونة بلا شبهة. ومع هذا إذا مدّ مسلم يده للمصافحة، فلا ينبغي الإعراض عنه بجذب اليد، لما يترتب عليه من أذى يزيد على مراعاة الأدب". (مرقاة المفاتيح: ۴۵۸/۸، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، رشيديه)

(۱) "عن قتادة قال: قلت لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: أكانت المصافحة في أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: نعم". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ۴۰۱، قديمي)

(۲) "وعن أيوب بن بُشير عن رجل من عنزة أنه قال: قلت لأبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه: هل كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: ما لقيتُه قط إلاصافحني". (مشكوة المصابيح: ۴۰۲/۲، كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، قديمي)

"تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صافح أخاه المسلم وحرك يده، تناثرت ذنوبه". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي: "(قوله :لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) كذا في الهداية. وفي شرحها للعيني: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه، تناثرت خطايا هما كما تناثر الشجر". رواه الطبراني والبيهقي".

"والسنة أن تكون بكلتا يديه، وبغير حائل من ثوب أوغيره، وعند اللقاء بعد السلام، وأن يأخذ الإبهام، فإن فيه عرقا ينبت المحبة، كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره، اهـ". (ردالمحتار: ۳۸۱/۶، ۳۸۲، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

(وكذا في تحفة الأحوذي شرح الترمذي: ۵۱۸/۷، مكتبه سلفيه مدينه منوره)

(۳) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان، إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا". رواه أحمد والترمذي وابن ماجة. وفي رواية أبي =

پر اصرار اور ز ور نہ دیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

سلام کے ساتھ مصافحہ

سوال [۹۱۷۱]: مصافحہ کے ساتھ سلام کرنا کیسا ہے جب کہ دونوں ایک بستی میں مقیم ہوں؟ اس حدیث کا کیا مطلب ہے:

"قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان، إلا غفر لهما قبل أن یتفرقا". رواہ أبو داود، ص:۱۸۲، ریاض الصالحین، مصری(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ مستحسن ہے، مگر اصرار نہیں ہونا چاہئے (۲)۔ اس کا مطلب تو ظاہر ہے اگر کوئی اشکال ہو تو تحریر کیجئے السراج المنیر ص:۱۰۱ میں لکھا ہے:

"والمراد الصغائر قیاساً علی النظائر، و یستثنی من هذا الحکم الأمرد الجمیل

= داؤد: قال: "إذا التقی المسلمان فتصافحا و حمدا اللہ واستغفراہ، غفر لهما".

"وعن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی أربعاً قبل الهاجرة، فکأنما صلاهن فی لیلة القدر، والمسلمان إذا تصافحا، لم یبق بینهما ذنب إلا سقط". رواہ البیهقی فی شعب الإیمان". (مشکوة المصابیح: ۲/ ۴۰۱، ۴۰۳، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی، الفصل الثالث، قدیمی)

(۱) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان، إلا غفر لهما قبل أن یتفرقا". رواہ أحمد والترمذی وابن ماجة. و فی روایة أبی داؤد: قال: "إذا التقی المسلمان فتصافحا و حمدا اللہ واستغفراہ، غفر لهما". (مشکوة المصابیح: ۲/ ۴۰۱، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهیة". (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة: ۲/ ۲۶۵، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی القرأة، سهیل اکیڈمی لاهور)

الوجه فتحرم مصافحته، ومَن به داء كالأبرص والأجذم، فتكره مصافحته، اه"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۹/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم سے مصافحہ

سوال[۹۱۷۲]: کسی غیر مسلم مرد سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ اگر وہ ہاتھ بڑھائے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

کافر فاسق سے مصافحہ ومعانقہ

سوال[۹۱۷۳]: کیا کفار وفساق وفجار سے مصافحہ معانقہ کیا جاسکتا ہے؟ اور اس سلسلے میں فعلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہے؟ اور اگر یہ لوگ ملاقات کے لئے آئیں اور مصافحہ، معانقہ کے لئے بڑھیں تو کیا ان سے اپنے ہاتھ کھینچ لیں؟

---

(۱) (السراج المنير شرح الجامع الصغير في أحاديث البشير والنذير: ۹۸/۱، مكتبة الإيمان السمانية مدينة منورة)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ۶۵/۱۱، قديمي)

(۲) "كره للمسلم مصافحة الذمي كذا في نسخ الشارح وأكثر المتون". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أي بلاحاجة لما في القنية: لابأس بمصافحة المسلم جاره النصراني إذا رجع بعد الغيبة، ويتأذى بترك المصافحة". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۸۱/۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ، معانقہ کا مقصود اظہارِ محبت، تعظیم، شفقت ہے، والکافر لایستحق ذلك۔ اصلاً سلام ہے اور مصافحہ اس کا تتمہ ہے اور "لاتبتدأ أهل الكتاب بالسلام" (۱) میں اصل ہی کو ختم کر دیا گیا، پھر تتمہ کی گنجائش کہاں۔ فاسق، فاجر ایمان سے خارج نہیں، گنہگار ہے۔

شامی جلد نمبر: ۱، میں ان لوگوں کو شمار کرایا ہے جن کو سلام کرنا مکروہ ہے، ان میں فاسق بھی ہے (۲)، لیکن جہتِ فسق کے علاوہ کسی اَور جہت سے اگر وہ مستحقِ اکرام ہو تو اس کا یہ حکم نہیں۔ نیز اگر مظاہرہ اخلاق کے ذریعہ اصلاح مقصود ہو تو پھر جہت بدل جائے گی، بلکہ کافر کے لئے بھی یہ جہت مجوز ہو سکے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلايسلم ابتداء على كافر لحديث: "لاتبدء وا اليهود ولا النصارى بالسلام، فإذا لقيتم أحدهم في طريق فاضطروه إلى أضيقه". رواه البخاري". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۱۲، سعيد)

(۲) "ردالسلام واجب إلا على من في الصلوة .... أو شابة يخشى عليه افتتان أو فاسق". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۱۸، سعيد)

(۳) جیسا کہ اگر کسی غیر مسلم سے کوئی کام پڑ جائے اور اسی کام اور حاجت کی بناء پر اس کو سلام کرنا جائز ہے اسی طرح اگر اس کی اصلاح مقصود ہو تو بھی اس میں گنجائش ہے کہ اس کو سلام کیا جائے:

"أما التسليم على أهل الذمة، فقد اختلفوا فيه: قال بعضهم: لابأس بأن يسلم عليهم. وقال بعضهم: لايسلم عليهم. وهذا إذا لم يكن للمسلم حاجة إلى الذمي، وإذا كان له حاجة، فلابأس بالتسليم عليه. ولابأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله: "وعليكم". قال الفقيه أبوالليث: إن مررت بقوم وفيهم كفار، فأنت بالخيار: إن شئت قلت: السلام عليكم، وتُريد به المسلمين، وإن شئت قلت: السلام على من اتبع الهدى، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۵، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام، رشيديه)

محرم عورتوں سے مصافحہ

سوال[۹۱۷۴]: محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا کیسا ہے، جیسے کہ والدہ ہے یا ہمشیرہ وغیرہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، کما ورد فی الروایات (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۹۵ھ۔

چھوٹی لڑکیوں سے معانقہ

سوال[۹۱۷۵]: بسا اوقات اپنے اقارب سے معانقہ کرنا پڑتا ہے، ان میں چھوٹی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ تو یہ معانقہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اپنے بیٹے، بیٹی، بہن وغیرہ سے معانقہ کرنا درست ہے جن سے معانقہ کرنے میں شہوت نہ ہو، اور جہاں اس کا خطرہ ہو وہاں پرہیز کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنهما قالت: ما رأیت أحداً کان أشبه سمتاً و هدیاً و دلاً"—وفی روایة—: "حدیثاً و کلاماً برسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من فاطمة، کانت إذا دخلت علیه، قام إلیها فأخذ بیدها فقبّلها وأجلسها فی مجلسه. وکان إذا دخل علیها، قامت إلیه فأخذت بیده فقبّلته وأجلسته فی مجلسها". رواه أبوداؤد". (مشکوة المصابیح: ۲/۴۰۲، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی، قدیمی)

قال الملا علی القاری: "فأخذ بیدها فقبلها": أی بین عینیها أو رأسها، والأظهر الأول، کما رواه ابن عدی والبیهقی ....اهـ". "وکان إذا دخل علیها، قامت إلیه، فأخذت بیده فقبلته": أی عضواً من أعضائه الشریفة، والظاهر أنه الید المنیفة". (مرقاة المفاتیح: ۸/۴۶۹، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی، رشیدیه)

(۲) "عن جعفر بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه فی قصة رجوعه من أرض الحبشة، قال: فخرجنا حتی =

معانقہ کرنے کا طریقہ

سوال[۹۱۷۶]: معانقہ کا سنت طریقہ کیا ہے، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تین مرتبہ کاندھے سے ملتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک طرف ملتے ہیں۔ صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صرف ایک طرف کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= أتينا فتلقّاني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فاعتنقني". (مشكوة المصابيح: ۲/۴۰۲، كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، قديمي)

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "المكروه عن المعانقة ما كان على وجه الشهوة، وعبّر عنه المصنف بقوله: (في إزار واحد) فإنه سبب يفضي إليها، فأما على وجه البر والكرامة إذا كان عليه قميص واحد، فلا بأس به، اهـ". (ردالمحتار: ۶/۳۸۱، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، سعيد)

وقال الرافعي: "إن كان بشهوة فهو حرام اتفاقاً، و بدونها فجائز اتفاقاً، كما نقله عن الخانية".

(تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۶/۳۰۸، باب الاستبراء، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۸/۳۶۳، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۵۶، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بيتي، فأتاه فقرع الباب، فقام إليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عرياناً يجرّ ثوبه –والله ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده– فاعتنقه و قبّله". رواه الترمذي".

"عن جعفر بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه في قصة رجوعه من أرض الحبشة: قال: فخرجنا حتى أتينا فتلقّاني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فاعتقني، ثم قال: "ما أدري أنا بفتح خيبر أفرح أم بقدوم جعفر". ووافق ذلك فتح خيبر". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح: ۲/۴۰۲، كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، قديمي) .... =

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "وكذا معانقته في إزار واحد، وقال أبو يوسف: لابأس بالتقبيل والمعانقة في إزار واحد. ولو كان عليه قميص أوجبة، جاز بلا كراهة بالإجماع، وصححه في الهداية، وعليه المتون". (الدر المختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وكذا معانقته) قال في الهداية: ويكره أن يقبّل الرجل فم الرجل أو يده أو شيئاً منه أو يعانقه. وذكر الطحاوي أن هذا قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: لا بأس بالتقبيل والمعانقة، لما روى أنه عليه السلام عانق جعفراً حين قدم من الحبشة وقبّله بين عينيه. ولهما ما روى أنه عليه السلام نهى عن المكامعة، وهي المعانقة، وعن المكاعمة وهي التقبيل، وما رواه محمولٌ على ماقبل التحريم. قالوا: الخلاف في المعانقة في إزار واحد، أما إذا كان عليه قميص أو جبة، لا بأس به بالإجماع، هو الصحيح، اهـ". (ردالمحتار: ۶/۳۸۰، ۳۸۱، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

وقال الرافعيؒ: "(ثم قول أبي يوسف: لابأس، الخ) إن كان بشهوة، فهو حرام اتفاقاً، وبدونها فجائز اتفاقاً، كما نقله عن الخانية". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۶/۳۰۸، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

الفصل الرابع فی القیام والتقبیل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

بزرگوں کی تعظیم کے لئے قیام

سوال[۹۱۷۷]: بزرگوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ تشریف لائیں تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۷ھ۔

قیامِ تعظیمی

سوال[۹۱۷۸]: قیامِ تعظیمی جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً یہاں جب حضرت مہتمم صاحب وحضرت شیخ کے آتے وقت طلباء کھڑے ہوتے ہیں، یا کسی اَور بزرگ کے آتے وقت کھڑے ہوتے ہیں۔ از روئے شرع یہ قیام جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأنصار "قوموا إلى سيدكم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، ص ۴۰۳، قديمي)

"وقال بعض العلماء: في الحديث إكرام أهل الفضل من علم أو صلاح أو شرف بالقيام لهم إذ أقبلوا، هكذا احتج بالحديث جماهير العلماء". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب القيام: ۸/۴۷۴، رشيديه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر حضرت مہتمم صاحب اور حضرت شیخ یا کوئی بھی بزرگ تشریف لائیں تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا تقاضائے ادب ہے اور مستحب ہے، لیکن اگر ان کو اس قیام سے اذیت ہو اور وہ منع کریں تو قیام نہیں کرنا چاہیے۔ اذیت سے بچانا واجب ہے، جیسے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر سب کھڑے ہوگئے، اس پر قیام سے منع فرمادیا، پھر اس کے بعد تشریف لاتے ہوئے دیکھتے تو ناگواری کا لحاظ رکھتے ہوئے قیام نہیں کیا کرتے تھے:

"عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً على عصا، فقمنا له، فقال: "لاتقوموا كما تقوموا الأعاجم يعظم بعضها بعضاً". رواه أبوداؤد۔

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه، لم يقوموا، لما يعلمون من كراهيته لذلك". رواه الترمذي. وقال: هذا حديث حسن صحيحٌ". مشكوة شريف: ۴۰۳/۲، باب القيام الفصل الثاني(۱)۔

"وفي الوهبانية: يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم: أي إن كان ممن يستحق التعظيم، اه"(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۸ھ۔

مہمان کے لئے قیام وتقبیل

سوال[۹۱۷۹]: عربوں کے یہاں تقریب میں کوئی جاتا ہے تو قدیم دستور کے موافق تمام مجلس

---

(۱) (مشكوة المصابيح، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ۴۰۳، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل. ۱۰۴/۲، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأداب، باب الرجل يقوم للرجل يعظّمه: ۳۶۳/۲، إمداديه ملتان)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ۳۸۴/۶، سعيد)

کے لوگ کھڑے ہوکر خیر مقدم کرتے ہیں اور تقبیل بھی کرتے ہیں۔ ایسی جگہ اگر جانا ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ قیام وتقبیل کا شریعتِ مطہرہ کے اندر کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

بڑوں کے لئے قیام کرنا درست بلکہ مستحسن ہے(۱)۔ مہمان کا اکرام کرنا چاہئے، تقبیلِ یدین میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کی تقبیل کی تھی، ہاں! محلِ فتنہ ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للأنصار: "قوموا إلى سيدكم". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، ص: ۴۰۲، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "قيل: أي لتعظيمه، ويستدل به على عدم كراهته، فيكون الأمر بالإباحة ولبيان الجواز .... اهـ.

وقال بعض العلماء: في الحديث إكرام أهل الفضل من علم أوصلاح أوشرف بالقيام لهم إذا أقبلوا، هكذا احتج بالحديث جماهير العلماء.......... وقال الإمام حجة الإسلام الغزالي: القيام مكروه على سبيل الإعظام لا على سبيل الإكرام. قال ابن حجر في فتح الباري: هذا تفصيل حسن مرتب". (مرقاة المفاتيح: ۸/۴۷۳، ۴۷۴، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الأول، رشيديه)

قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "إن قيام المرء وس للرئيس الفاضل والإمام العادل، والمتعلم للعالم مستحبٌّ، وإنما يكره لمن كان بغير هذه الصفات .... وفيه: ثم نقل عن أبي الوليد بن رشد أن القيام يقع على أربعة أوجه: الأول: محظور، وهو أن يقع لمن يريد أن يقام إليه تكبراً وتعاظماً على القائمين إليه. والثاني: مكروه، وهو أن يقع لمن لا يتكبر ولا يتعاظم على القائمين، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلك ما يحذر، ولما فيه من التشبه بالجبابره. والثالث: جائز، وهوأن يقع على سبيل البروالإكرام لمن لايريد ذلك، ويؤمن معه التشبه بالجبابره. والرابع: مندوب، وهو أن يقوم لمن قدم من سفر فرحاً بقدومه ليسلم عليه، أو إلى من تجددت له نعمة فيهنّئه بحصولها، أو مصيبة فيعزيه =

....

= بسببها.......... وقال البيهقي: القيام على وجه البر والإكرام جائز كقيام الأنصار لسعد، وطلحة لكعب. ولا ينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلك، حتى إن ترك القيام له، حنق عليه أو عاتبه أوشكاه". (فتح الباري: ۶۱/۱۱، كتاب الاستيذان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "قوموا إلى سيدكم"، قديمي)

"وفي الوهبانية: يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم كمايجوز القيام، ولو للقارئ بين يدى = العالم، وسيجيء نظماً". (الدرالمختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم): أى إن كان ممن يستحق التعظيم. قال في القنية: قيام الجالس في المسجد لمن دخل عليه تعظيماً، وقيام قارئ القرآن لمن يجئ تعظيماً لايكره إذا كان فيمن يستحق التعظيم. وفي مشكل الآثار: القيام لغيره ليس بمكروه لعينه، إنما المكروه محبة القيام لمن يقام له، فإن قام لمن لا يقام له لايكره". (ردالمحتار: ۳۸۴/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، قبيل: فصل في البيع، سعيد)

"ومن قام إجلالاً لشخص فجائز وفي غير أهل العلم بعض يقرر". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي: "قال في القنية: وقيل له: أن يقوم بين يدى العالم تعظيماً له أما في حق غيره لايجوز، اهـ، فهذه مسألة القيام بين يديه، وهو غير مسألة القيام لقدومه تعظيماً، فتنبه لذلك، ش". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۸/۲، سعيد)

قیام للغیر کی اجازت اس وقت ہے جبکہ آنے والے کے دل میں اس کی خواہش نہ ہو، اگر آنے والے کے دل میں اس کی خواہش ہے، یا اس کے دل میں تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، یا قیام سے اس کو خوشی ہوتی ہے تو اس کیلئے قیام جائز نہیں۔ فتح الباری کی مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ اس کے عدم جواز پر خود حدیث بھی دال ہے:

"وعن معاوية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سره أن يتمثل له الرجال قياماً، فليتبوأ مقعده من النار". رواه الترمذي، وأبو داؤد". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني، ص: ۴۰۳، قديمي)

"وعن معاوية رضي الله عنه": أى ابن أبي سفيان، فإنه المراد منه الإطلاق. "قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سره": أى أعجبه وجعله مسروراً، ولفظ الجامع: "من أحب أن يتمثل": أى ينتصب له الرجل قياماً: أى يقفون بين يديه قائمين لخدمته وتعظيمه من قولهم: مثل بين يديه مثولاً:=

....

= أی انتصب قائماً........ هذا الوعید لمن سلک فیه طریق التکبر بقرینة السرور للمثول. وأما إذ لم یطلب ذلک وقاموا من تلقاء أنفسهم طلباً للثواب أو لإرادة التواضع، فلا بأس به". (مرقاة المفاتیح: ۴۷۶/۸، کتاب الآداب، باب القیام، الفصل الثانی، رشیدیه)

کسی کے شراور ضرر سے بچنے کے لئے بھی قیام جائز ہے:

"عن الشیخ الحکیم أبی القاسم: کان اذا دخل علیه غنیٌّ یقوم له ویعظّمه، ولا یقوم للفقراء وطلبة العلم، فقیل له فی ذلک؟ فقال: الغنی یتوقع منی التعظیم، فلو ترکته لتضرر، والفقراء والطلبة إنما یطمعون فی جواب السلام والکلام معهم فی العلم". (ردالمحتار: ۳۸۴/۲، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی الاستبراء، قبیل: فصل فی البیع، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۶۴/۸، کتاب الکراهیة، فصل فی الاستبراء، رشیدیه)

(۲) "عن أجلح، عن الشعبی أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تلقی جعفر بن أبی طالب، فالتزمه، وقبّل ما بین عینیه".

"عن إیاس بن دغفل قال: رأیت أبانضرة قبل خد الحسن رضی الله تعالیٰ عنه". (سنن أبی داؤد: ۲۰۹/۲، کتاب الأدب، باب فی قبلة ما بین العینین، دارالحدیث ملتان)

"لا یکره تقبیل لزهد وعلم وکبر سن. قال النووی: تقبیل ید الغیر إن کان لعلمه وصیانته وزهده ودیانته ونحو ذلک من الأمور الدینیة لم یکره بل یستحب. وإن کان لغناه أو جاهه فی دنیاه، کره، وقیل: حرام، اهـ.

وقیل: الحرام ماکان علی وجه التملق والتعظیم، وأما المأذون فیه فعند التودیع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب، وشدة الحب فی الله مع أمن النفس. وقیل: لا یقبل الفم بل الید والجبهه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی: ۴۶۲/۸، رشیدیه)

"وکره تحریماً –قهستانی– تقبیل الرجل فم الرجل أویده أوشیئاً منه، وکذا تقبیل المرأة المرأة عند لقاء أو وداع، قنیة. وهذا لو عن شهوة، وأما علی وجه البر، فجائز عند الکل، خانیة. وفی الاختیار: عن بعضهم: لابأس به إذا قصد البر وأمن الشهوة کتقبیل وجه فقیه ونحوه". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامی رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: وأما علی وجه البر، فجائز عندالکل)". قال =

بزرگوں کے ہاتھ پیر چومنا

سوال[۹۱۸۰]: کسی کی صرف تعظیم وتوقیر بجالانا اوراس کو معبود نہ سمجھنا، یہ تعظیم جائز ہے یانہیں اور یہ شرک تونہیں؟ اپنے پیرومرشد سے ملاقات کے وقت ہاتھوں کا چومنا اور پیروں کا چومنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مستحقِ تعظیم وتوقیر ہو اس کی ایسی تعظیم وتوقیر بجالانا جو خدا کے ساتھ مخصوص نہیں جائز ہے، یہ شرک نہیں ہے۔ کسی بزرگ پیرومرشد کا ہاتھ چومنا جائز ہے(۱)۔ پَر اس طرح نہ چومے جس سے سجدہ کی صورت ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

= الإمام العيني بعد كلام: فعلم إباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح كما علم من الأحاديث المتقدمة إباحتها على الجبهة، وبين العينين". (ردالمحتار: ۳۸۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد).

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۶۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رجل: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- الرجل منا يلقي أخاه أوصديقه أينحني له؟ قال: "لا". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۰۱، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، قديمي كتب خانه)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالى: "أينحني له" من الانحناء، وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمةً. "قال: "لا": أي فإنه في معنى الركوع، وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقه، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۶۸۰): ۴۶۱/۸، رشيديه)

"تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن. وهل يكفر إن على وجه العبادة والتعظيم؟ كَفَر. وإن على وجه التحية، لا، وصار آثماً مرتكباً =

علماء کی قدم بوسی ودست بوسی

سوال[۹۱۸۱]: علماء وصلحاء کے ہاتھ پاؤں چومنا، ان کے آگے جھکنا کیا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم اور بزرگی کے احترام کی خاطر ہاتھ پیر چومنے کی اجازت ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ سجدہ کی صورت بن جائے، اس کی اجازت نہیں(۱) جھکنے کی بھی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

= للكبيرة". (الدر المختار).

قال ابن عابدينؒ: "(قوله: إن على وجه العبادة أو التعظيم، كفر، الخ) تلفيق لقولين، قال الزيلعي: وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية. وقال شمس الأئمة السرخسي: إن كان لغير الله تعالى على وجه التعظيم، كفر، الخ. وقال القهستاني: وفي الظهيرية: يكفر بالسجدة مطلقاً. وفي الزاهدي: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود. وفي المحيط: أنه يكره الانحناء للسلطان وغيره، الخ. وظاهر كلامهم إطلاق السجود على هذا التقبيل".

(ردالمحتار: ۳۸۳/۶، فصل في الاستبراء وغيره، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۶۹/۵، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم وتقبيل أيديهم أويد غيرهم وتقبيل رجل ووجه، رشيديه)

"وفي القهستاني: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود. وفي العمادية: ويكره الانحناء؛ لأنه يشبه فعل المجوس .... وفي المجتبى: الإيماء بالسلام إلى قريب الركوع كالسجود، والانحناء مكروه". (مجمع الأنهر وملتقى الأبحر: ۵۴۲/۲، كتاب الكراهية، فصل في أحكام النظر ونحوه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "لـمّا قدمنا المدينة، فعلنا نتبادر من رواحلنا، فنقبّل يد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ورجله. ان عبد الرحمن بن أبي ليلى حدثهٗ أن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما حدثه، وذكر قصة. قال: فدنونا يعني من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقبّلنا يده". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في قبلة اليد: ۷۰۹/۲، دارالحديث ملتان) .... =

....

- قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك، درر. ونقل المصنف عن الجامع أنه لابأس بتقبيل يد الحاكم والمتدين والسلطان العادل. وقيل: سنة، مجتبى. وتقبيل رأسه: أي العالم اجود، كما في البزازيه، ولا رخصة فيه: أى في تقبيل اليد لغيرهما: أى لغير عالم وعادل، هو المختار، مجتبى. وفي المحيط: إن لتعظيم إسلامه وإكرامه جاز، وإن لنيل الدنيا كره". (الدر المختار).

قال العلامة الشامي: "(قوله: وقيل: سنة): أى تقبيل يد العالم والسلطان العادل. قال الشرنبلالي: وعلمت أن مفاد الأحاديث سنيته أو ندبه، كما أشار إليه العيني.............. أن رجلاً أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يارسول الله! أرني شيئاً أزداد به يقيناً فقال: "اذهب إلى تلك الشجرة فادعها". فذهب إليها، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعوك، فجاء ت حتى سلّمت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال لها: "ارجعي". فرجعت. قال: ثم اذن له فقبّل رأسه ورجليه.......... اهـ". (ردالمحتار: ۶/۳۸۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الاستبراء وغيره، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۹، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رجل: يارسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الرجل منا يلقى أخاه أوصديقه أينحني له؟ قال: "لا". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۰۱، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالى: "أينحني له" من الانحناء، وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمةً. "قال: "لا": أى فإنه في معنى الركوع؛ وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۶۸۰): ۸/۴۶۱، رشيديه)

"تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن. وهل يكفر إن على وجه العبادة والتعظيم؟ كَفَر. وإن على وجه التحية، لا، وصار آثماً مرتكباً للكبيرة". (الدر المختار).

قال ابن عابدينؒ: "(قوله: إن على وجه العبادة أو التعظيم، كفر، الخ) تلفيق لقولين، قال =

قدم بوسی

سوال[۹۱۸۲]: اعلیٰ حضرت! مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں شرعی رائے کا طلب گار ہوں، از راہ کرم مدلل جواب سے نوازیں، اگر چہ رائے ہی مقلد کے لئے کافی ہے، مگر چونکہ بعض اناڑی قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ خلافِ ادب مدلل جواب کے لئے لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ گستاخی معاف ہوگی:

قدم بوسی کے بارے میں: "طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح" میں ہے:

"وورد في أحاديث ذكرها البدر العيني مايفيد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقبل يده ورجله .... فعلم من مجموع ما ذكرنا إباحة تقبيل اليد والرجل والكشح والرأس والجبهة والشفتين وبين العينين، ولكن كل ذلك إذا كان على وجه المبرة والإكرام. وفي الهداية: ويكره أن يقبل الرجل فم الرجل أو يده أوشيئاً منه أو يعانقه في إزار واحد. وقال

= الزيلعي: وذكر الصدر الشهيدأنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية. وقال شمس الأئمة السرخسي: إن كان لغير الله تعالى على وجه التعظيم، كفر، الخ. وقال القهستاني: وفي الظهيرية: يكفر بالسجدة مطلقاً. وفي الزاهدي: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود. وفي المحيط: أنه يكره الانحناء للسلطان وغيره، الخ. وظاهر كلامهم إطلاق السجود على هذا التقبيل". (ردالمحتار: ۳۸۳/۶، فصل في الاستبراء وغيره، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۶۹/۵، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم وتقبيل أيديهم أويد غيرهم وتقبيل رجل ووجه، رشيديه)

"وفي القهستاني: الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود. وفي العمادية: ويكره الانحناء؛ لأنه يشبه فعل المجوس.......... وفي المجتبى: الإيماء بالسلام إلى قريب الركوع كالسجود، والانحناء مكروه". (مجمع الأنهر وملتقى الأبحر: ۲/ [illegible]، كتاب الكراهية، فصل في أحكام النظرونحوه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لابأس بذلك كله". ص: ١٧٥(١)۔

وفيه أيضاً: "وأما المعانقة، فقالا بكراهتها، ويبيح: أى أبويوسف رحمه الله تعالىٰ للرجل معانقته مثله وتقبيله للمبرة بلا شهوة". ص:١٧٥(٢)۔

ان عبارتوں پر نظر رکھتے ہوئے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ صاحبِ طحطاوی کا مکروہ کہنا طرفین کے قول کی بنا پر ہے، مگر تقبیل اور معانقہ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی ہے، بلکہ ترکِ قدم بوسی اگر باعثِ اختلاف ہو اور افتراق بین الاقارب اور قطعِ رحم کا سبب ہو تو مستحب ہے، جیسا کہ قیام کے متعلق:

"قال ابن وهبان في شرحه: والقيام يستحب في زماننا، لما يورث تركه من الحقد والبغضاء". طحطاوی، ص: ١٧٥(٣)۔

کیا ان کی رائے صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص واجب الاکرام ہو، اس کی قدم بوسی کی اجازت ہے، لیکن اعتقاد میں غلو نہ ہو، اور سجدہ کی ہیئت نہ ہونے پائے:

"طلب من عالم أو زاهد أن يدفع إليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبّله، أجابه. وقيل: لا يرخص فيه"(٤)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ اس میں دو قول ہیں: ایک میں اجازت ہے، وهو الأوسع۔ دوسرے میں ممانعت ہے، وهو الأورع۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ٣١٩، كتاب الصلوة، فصل فى صفة الأذكار، قديمى)

(٢) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فى صفة الأذكار، ص: ٣٢٠، قديمى)

(٣) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، المصدر السابق)

(٤) (الدرالمختار: ٣٨٣/٦، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، سعيد)

"طلب من عالم أو زاهد أن يدفع إليه قدمه ليقبله، لا يرخص فيه ولا يجيبه إلى ذلك عند البعض، وذكر بعضهم: يجيبه إلى ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ٣٦٩/٥، الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوك والتواضع لهم، رشيديه)

تقبیل یدین ورجلین

السوال[۹۱۸۳]: ماتقولون فی تقبیل القدمین والیدین، وما ثبوته، ولمن یجوز، ولمن لا یجوز، ومن أیّ جهة؟ ولتکن الجوابات کلها من أجزاء السوالات بالدلائل المنقولة عن الکتب المشهورة مع الحوالات بالصفحات۔

المستفتی: فدوی محمد بدرالدجیٰ عفی عنہ، ضلع چاٹگام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرك، درر. ونقل المصنف عن الجامع أنه لا بأس بتقبیل ید الحاکم المتدین و السلطان العادل. وقیل: سنة، مجتبی. وتقبیل رأسه: أی العالم أجود، کما فی البزازیة. ولا رخصة فیه: أی فی تقبیل الید لغیرهما: أی لغیر عالم وعادل، هوالمختار، مجتبی. وفی المحیط: إن لتعظیم إسلامه وإکرامه، جاز، وإن لنیل الدنیا کره. طلب من عالم أو زاهد أن یدفع إلیه قدمه ویمکنه من قدمه لیقبله، أجابه. وقیل: لایرخص فیه، الخ". الدرالمختار۔

قال الشامی: "(قوله: أجابه) لما أخرجه الحاکم أن رجلاً أتی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال: یارسول اللّٰه! –صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم– أرنی شیئاً، أزداد به یقیناً، فقال: "اذهب إلی تلك الشجرة، فادعها". فذهب فقال: إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یدعوك، فجاءت حتی سلمت علی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال: لها: "ارجعی". فرجعت. قال: ثم أذن له، فقبّل رأسه ورجلیه". وقال: "لو کنت امر أحداً أن یسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". وقال صحیح الإسناد، الخ". من الرسالة الشرنبلالیة، الخ". ردالمحتار علی در المختار، کتاب الحظر والإباحة: ۵/۳۳۷(۱)۔ فقط

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۳۸۳، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی الاستبراء وغیره، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۶۹، الباب الثامن والعشرون فی ملاقاة الملوک، رشیدیه)

سوال: "قدم اور ہاتھ چومنے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس کا ثبوت کیا ہے کس کے لئے جائز اور کس کے لئے =

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی بمدرسۃ مظاہر علوم سہارنفور، الہند۔

الجواب صحیح: سعید أحمد غفرلہ المبتلی بأمانۃ الإفتاء بالمدرسۃ العالیۃ المشتھرۃ بمظاھر علوم، الواقعۃ ببلدۃ سھارنفور، یوپی، ۷/ جمادی الأولیٰ/ ۶۷ھ۔

ماں کے پیروں کو تعظیماً چھونا

سوال[۹۱۸۴]: کیا اسلامی اصول کے مطابق تعظیماً ماں کے پَیر چھونا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے دلیل عنایت فرمائیں۔

= ناجائز اور کس وجہ سے؟

جواب: ''عالم صاحب ورع کے ہاتھ کو بوسہ دینا بطور تبرک اس میں کچھ حرج نہیں، دُرر۔ اور مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیانت دار حاکم اور سلطانِ عادل کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے مجتبیٰ۔ اور ان کے علاوہ (لوگوں) کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی اجازت نہیں۔ یہی مختار ہے۔ (مجتبیٰ) اور محیط میں ہے کہ اگر اس کے اسلام کی تعظیم اور اس کے اکرام کی بناء پر ہو تو جائز ہے اور اگر حصول دنیا کے لئے ہو تو مکروہ ہے۔ کسی عالم یا زاہد سے ان کے قدم کے بوسہ دینے کی اجازت طلب کی گئی تو ان کو اس کا موقع دے دینا چاہیے اور کہا گیا ہے کہ اس کی اجازت نہیں۔ اھ۔ درمختار۔ شامی نے درمختار کے قول اجابہ (اس کا موقع دے دے) کے تحت لکھا ہے کہ حاکم نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے ایسی چیز دکھایئے جس سے میرے یقین میں اضافہ ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس درخت کو بلا لاؤ وہ گیا اور اس درخت سے کہا کہ تجھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا رہے ہیں، اس پر وہ حاضر خدمت ہوا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ وہ چلا گیا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو اجازت دی، اس نے آپ کے سرِ مبارک اور قدمین مبارکین کو بوسہ دیا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ اھ۔ رسالہ شرنبلالی سے یہ ماخوذ ہے۔ ردالمحتار علی الدرالمختار: ۵/ ۳۳۷، باب الحظر والإباحۃ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعظیم کے لئے ماں کے پیروں کو چھونا قرآن پاک کی کسی آیت اور حدیث شریف کی کسی روایت میں نہیں دیکھا، یہ اسلامی تعظیم نہیں، بلکہ غیروں کا طریقہ ہے جس سے بچنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

والدین کی قدم بوسی

سوال[۹۱۸۵]: والدین، مرشد، اساتذہ کی بخیال خیر قدم بوسی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین، اساتذہ، مشائخ کی قدم بوسی کی اجازت ہے بشرطیکہ سجدہ کی ہیئت نہ پیدا ہو جائے، اور دیکھنے والوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ سجدہ کر رہا ہے، ورنہ اجازت نہیں (۲)۔ اور احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ ان کی بھی قدم بوسی نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۸ھ۔

پیر یا والدین کے پیر کو چومنا

سوال[۹۱۸۶]: پیر یا والدین یا استاد کے پاؤں کو محبت یا عزت سے بوسہ دینا یا ہاتھ لگا کر ملنا کیسا ہے؟

---

(۱) چونکہ اس میں جھکنا پڑتا ہے جس سے رکوع اور سجدہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے یہ درست نہیں، راجع للتخریج، ص: ۱۲۷، رقم الحاشیة: ۲، وص: ۱۲۴، رقم الحاشیة: ۲. واللہ اعلم بالصواب.

البتہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''ظاہراً قواعد سے تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگر ممسوح متبرک، متقی ہو اور ماسح متبع سنت، صحیح العقیدہ ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ واللہ اعلم''۔ (إمداد الفتاوی: ۲۷۹/۴، مکتبه دار العلوم کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (جواہر الفقہ، دست بوسی وقدم بوسی، اقوال فقہاء، سوال دوم: ۲۰۰/۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (راجع، ص: ۱۲۷، رقم الحاشیة: ۲)

الجواب حامداًومصلياً:

ا...... پاؤں کو چومنے میں بسا اوقات سجدہ کی صورت ہو جاتی ہے، نیز دوسروں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے کہ وہ تعظیم میں غلو کریں گے، لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/۵۶ھ۔

عورت کا شوہر کے پیروں کو چھونا

سوال [۹۱۸۷]: کیا بیوی شوہر کے پیر چھوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پیر چھونا اسلامی تعظیم نہیں ہے، بلکہ غیروں کا طریقہ ہے، اس سے بچنا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۹۲ھ۔

بڑوں کے پیر پکڑ کر دعائیں لینا

سوال [۹۱۸۸]: زید اپنے بچوں سے کہتا ہے کہ ماں، دادا، دادی وغیرہ کے پیر پکڑ کر ان سے

---

(۱) "وفي رسالة المصافحة للشرنبلالي عن شيخ مشايخه الحانوتي: التحية بالركوع، واسترخاء الرأس مكروهة لكل أحد مطلقاً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۲۰، قديمي)

"طلب من عالم أوزاهد أن يدفع إليه قدمه ليقبله، لايرخص فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك والتواضع لهم: ۳۶۹/۵، رشيديه)

(وكذا في جواهر الفقة، باب دست بوسی وقدم بوسی، اقوال فقہاء، سوال دوم: ۲۰۰/۱، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره: ۳۸۳/۶، سعيد)

(۲) اس چھونے کی حالت میں رکوع کی اقرب ہیئت بن جاتی ہے، جو کہ ناجائز ہے، (كما تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

دعائیں لو، اس لئے کہ وہ نیک اور بزرگ ہستیاں ہیں، مثلاً: عید وغیرہ کے موقع پر، یا سفر میں آنے جانے کے وقت۔ تو یہ پیر پکڑنا کیا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تبرکاً وتعظیماً کسی بزرگ کے پیر کو بوسہ دینے کی اجازت ہے جبکہ سجدہ کی ہیئت پیدا نہ ہو اور عقیدہ بھی خراب نہ ہو(۱)۔ پَیر پکڑنا جس کو ''پیر لاگن'' بھی کہتے ہیں، یعنی صرف پَیروں کو چھو لینا یہ برہمنوں کے یہاں تعظیم کا رواج اور ان کا شعار ہے، اس سے پرہیز لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

پَیر پکڑ کر معافی مانگنا

سوال[۹۱۸۹]: پیر پکڑ کر معافی مانگنا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ پیر پکڑنے میں جھکنا پڑتا ہے اور کسی کے سامنے جھکنا درست نہیں ہے۔ پس اگر جائز ہے تو اچھا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رجل: یارسول الله! -صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- الرجل منا یلقی أخاه أو صدیقه أینحني له؟ قال: "لا". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، ص: ۴۰۱، قدیمي)

"الانحناء للسلطان أو لغیره مکروه؛ لأنه یشبه فعل المجوس". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن والعشرون: ۳۶۹/۵، رشیدیه)

"وأما تقبیل ید صاحبه عند اللقاء فمکروه بالإجماع، وکذا ما یفعلونه من تقبیل الأرض بین یدي العلماء، والعظماء، فحرام، والفاعل والراضي به آثمان؛ لأنه یشبه عبادة الوثن". (الدرالمختار)

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وفي الزاهدي: الإیماء في السلام إلی قریب الرکوع کالسجود، وفي المحیط: أنه یکره الانحناء للسلطان وغیره، اهـ. وظاهر کلامهم إطلاق السجود علی هذا التقبیل". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره: ۳۸۳/۶، سعید)

(۲) "وعنه (أي ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۷۵، کتاب اللباس، الفصل الثاني، قدیمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

معافی مانگنے کے لئے پیر پکڑنا کہیں نظر سے نہیں گزرا، بظاہر تو یہ برہمن کی تعظیم ہے، بغیر معافی کے بھی ان کے یہاں کسی کے پیر چھونے کا رواج ہے جس کو "پیر لاگن" کہتے ہیں بطور کسی عالم زاہد کے پیر کو بوسہ دینا مصرح ہے:

"طلب من عالم أو زاهدٍ أن يدفع إليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله، أجابه"(۱)۔

مگر اس کے مقابلہ میں دوسرا قول بھی ہے: "وقيل: لا يرخص فيه، اهـ". درمختار (۲)۔

اس کے ثبوت میں علامہ شامی نے :۵/۲۴۵، میں لکھا ہے:

"أخرجه الحاكم أن رجلاً أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: يارسول الله! أرني شيئاً أزداد به يقيناً. فقال: "اذهب إلى تلك الشجرة فادعها". فذهب إليها، فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعوك. فجاء ت حتى سلّمت على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال لها: "ارجعي" فرجعت. قال: ثم أذن له فقبل رأسه ورجليه". وقال: "لو كنت آمراً أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". وقال: صحيح الإسناد. من رسالة الشرنبلالي، اهـ"(۳)۔

مگر ایسی ہیئت نہ ہو کہ سجدہ کی شکل بن جائے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

والدین یا استاد کی قبر کو بوسہ دینا

سوال[۹۱۹۰]: پیر یا والدین یا استاد کی قبر کو پیار یا عزت سے بوسہ دینا عند الشرع الشریف کیا حکم ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الاستبراء وغيره: ۶/۳۸۳، سعيد)

(۲) (الدر المختار، المصدر السابق)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، المصدر السابق)

(۴) (راجع، ص: ۱۲۷، رقم الحاشية: ۲)

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے:

”ولا يمس القبر ولا يقبّله، فإنه من عادة أهل الكتاب، ولم يعهد الاستلام إلا للحجر الأسود والركن اليماني خاصةً، اهـ“. طحطاوی، ص: ۲۳۱ (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۱۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

امرد کا بوسہ بلا شہوت

سوال[۹۱۹۱]: ایک مولوی صاحب کی زبانی سنا ہے کہ امرد کا بوسہ لینا بغیر شہوت کے جائز ہے۔ اور تقویت کے لئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کنز الدقائق کے حاشیہ پر بھی لکھا ہے۔ سو مذکورہ مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے، آیا امرد کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کنز کے حاشیہ پر ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میں نے کنز الدقائق کے حاشیہ پر یہ مسئلہ نہیں دیکھا، ان سے عبارت یا باب وغیرہ کا حوالہ لیکر لکھیں تو اس کو دیکھا جائے۔ تقبیل کی اقسام، درمختار، كتاب الخطر والإباحة میں فصل في البيع سے کچھ

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۲۰، فصل في زيارة القبور، قديمي)

”وفي القنية: قال أبو الليث: لا يعرف وضع اليد على القبرسنةً ولا مستحباً، ولا نرى به بأساً. وقال علاء الدين التاجري: هكذا وجدناه من غير نكير من السلف. وقال شرف الأئمة: بدعة. وعن جار الله العلامة: مشايخ مكة ينكرون ذلك ويقولون: إنه عادة أهل الكتاب. وفي إحياء علوم الدين: إنه من عادة النصارى، انتهى. ولا شك أنه بدعة لاسنة فيه ولا أثر عن صحابي ولا عن إمام ممن يعتمد عليه فيكره، ولم يعهد الاستلام في السنة إلا للحجر الأسود والركن اليماني خاصةً“. (الحلبي الكبير، ص: ۶۰۸، مبحث زيارة القبور، سهيل اكيڈمي لاهور)

”ومن البدع وضع اليد على القبر“. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۱۸۸، فصل في الصلاة على الميت، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قبل مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(فائدة) قيل: التقبيل على خمسة أوجه: قبلة المودّة للولد على الخد، وقبلة الرحمة لوالديه على الرأس، وقبلة الشفقة لأخيه على الجبهة، وقبلة الشهوة لمرأته وأمَته على الفم، وقبلة التحية للمؤمنين على اليد. وزاد بعضهم قبلة الديانة للحجر الأسود، جوهرة". (الدر المختار على رد المحتار: ۳۸۴/۶، كتاب الخطر والإباحة، سعيد)

مذکورہ عبارت میں امرد کو بوسہ دینے کا ذکر نہیں، لہٰذا خوفِ فتنہ کی وجہ سے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

باب الترضی والترحم

(رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

"علیہ السلام" و"رضی اللہ عنہ" کا استعمال

سوال[۹۱۹۲]: "علیہ السلام" کہنا کیا انبیاء علیہم السلام کے لئے خاص ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر فرشتوں، مثلاً: جبرئیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی طرح سنا گیا ہے کہ "رضی اللہ عنہ" صحابہ کرام کے لئے خاص ہے، مگر بعض عوام اور بعض بزرگانِ دین کو سنا گیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے علاوہ دیگر حضرات، مثلاً: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بریلوی حضرات اعلیٰ حضرت کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ تو یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سلام، دعائیہ کلمہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے غیر انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے(۱)،

---

(۱)"وأما السلام، فقال الشيخ أبو محمد الجويني من أصحابنا: هو في معنى الصلوة، فلا يستعمل في الغائب، ولا يفرد به غير الأنبياء، فلا يقال: عليٌّ عليه السلام، وسواء في هذا الأحياء والأموات. وأما الحاضر فيخاطب به فقال: سلامٌ عليك، والسلام عليك، أو عليكم، وهذا مجمع عليه، انتهى ما ذكره. قلت: وقد غلب هذا في عبارة كثير من النساخ لكتب أن يفرد عليٌّ رضي الله عنه بأن يقال: عليه السلام من دون سائر الصحابة، أو كرم الله وجهه. وهذا وإن كان معناه صحيحاً، ولكن ينبغي أن يسوى بين الصحابة في ذلك، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان أولى بذلك منه رضي الله عنهم أجمعين". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۶): ۴/۵۱۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (كشف الباری عما فی صحيح البخاری للشيخ سليم الله خان دامت=

ہمیشہ وقتِ ملاقات اس کی تعلیم بھی دی گئی ہے: "السلام علیکم وعلیکم السلام" (۱)۔ پنجگانہ نمازوں کے ختم پر امام اور مقتدی سب ہی کہتے ہیں: "السلام علیکم ورحمة الله" اس میں امام اور مقتدی، نیز ملائکہ کی

= فیوضھم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الذاریات، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھنا جائز ہے، ص: ۶۲۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

(۱) "عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما أن رجلاً سأل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أیّ الإسلام خیرٌ؟ قال: "تطعم الطعام، وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب إفشاء السلام من الإسلام: ۹/۱، قدیمی)

"أن الطفیل بن أبی بن کعب أخبره أنه کان یأتی عبد الله بن عمر رضی الله عنهما فیغدو معه إلی السوق، قال: فإذا غدونا إلی السوق لم یمرّ عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما علی سقّاط ولا علی صاحب بیعة ولا مسکین ولا أحد إلا سلّم علیه ...... قال: وأقول: اجلس بناههنا نتحدث، قال: فقال لی عبدالله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: یا أبابطن! -وکان الطفیل ذابطن- إنما نغدو من أجل السلام نسلّم علی من لقینا". (مؤطأ الإمام مالک، کتاب الجامع، باب جامع السلام، ص: ۷۲۵، میر محمد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (کتاب الأذکار للنووی رحمه الله، کتاب السلام والاستئذان وتشمیت العاطس وما یتعلق بها، باب فضل السلام والأمر بإفشائه، ص: ۳۰۵، دار البیان، بیروت)

"عن أبی أمامة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن أولی الناس بالله من بدأ بالسلام". رواه أحمد و أبو داؤد والترمذی". (مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب السلام، الفصل الثانی، ص: ۳۹۸، قدیمی)

"و عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "للمسلم علی المسلم ست بالمعروف: یسلم علیه إذا لقیه". الحدیث. (مشکاة المصابیح، باب السلام، الفصل الثانی، ص: ۳۹۸، قدیمی)

"والأفضل للمسلم أن یقول: السلام علیکم و رحمة الله و برکاته، والمجیب کذلک یرد............ و یأتی بواو العطف فی قوله: وعلیکم السلام". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السابع فی السلام: ۳۲۵/۵، رشیدیه)

نیت کی جاتی ہے(۱)۔ کوئی شخص کسی کا سلام پہونچائے تو کہا جاتا ہے: "علیه و علیکم السلام"(۲)۔

اصولِ فقہ کی مشہور کتاب، اصول الشاشی کے شروع میں ہے: "والسلام علی أبی حنیفة وأحبابه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم" (۳)۔

قرآن کریم "سورۂ لم یکن" میں نیکوکار مؤمنین کے لئے ارشاد فرمایا گیا: ﴿رضی اللّٰه عنهم﴾(٤) صحابہ کرام کی تخصیص نہیں، لیکن عرفاً یہ لفظ صحابہ کرام کے لئے مستعمل ہوتا ہے، پس جہاں غیرِ صحابی کے ساتھ التباس ہوتا ہو، وہاں غیر صحابی کے لئے بولنے سے احتراز (بچنا) چاہئے۔

اعلیٰ حضرت کے معتقدین ان کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل اور بعض ان کو صحابہ کرام کا مظہرِ اتم قرار دیتے ہیں جیسا کہ ’’وصایا شریف‘‘ کے مختلف ایڈیشنوں سے ظاہر ہے، وہاں احتراز لازم ہے(۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ثم یسلم بتسلیمتین) و یقول: السلام علیکم و رحمة اللّٰه، کذا فی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، الخ: ۱/۷۶، رشیدیه)

(۲) "و یستحب أن یرد علی المبلّغ أیضاً، فیقول: و علیک و علیه السلام". (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۱۵، فصل فی البیع، سعید)

(۳) (أصول الشاشی، ص: ۵، قدیمی)

(۴) (سورة البینة: ۸)

(۵) "یستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخیار، فیقال: رضی اللّٰه عنه، أو رحمه اللّٰه، ونحو ذلک. وأما ما قاله بعض العلماء: إن قوله: رضی اللّٰه عنه مخصوصٌ بالصحابة، ویقال فی غیرهم: رحمه اللّٰه فقط، فلیس کما قال، ولا یوافق علیه، بل الصحیح الذی علیه الجمهور استحبابه، ودلائله أکثر من أن تحصر. فإن کان المذکور صحابیاً ابن صحابی قال: قال ابن عمر رضی اللّٰه عنهما، وکذا ابن عباس، وابن الزبیر، وابن جعفر، وأسامة بن زید ونحوهم، یشمله وأباه جمیعاً". (کتاب الأذکار للنووی رحمه اللّٰه، باب الصلوة علی الأنبیاء وآلهم تبعاً لهم صلی اللّٰه تعالیٰ علیهم وسلم، فصل: یستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین، ص: ۱۶۰، دارالبیان بیروت) .... =

اہلِ بیت کے لئے "علیہ السلام" کا استعمال

سوال[۹۱۹۲]: زید امام عالی مقام امام حسین کے ساتھ "علیہ السلام" کہتا ہے، لیکن عمر منع کرتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ علمائے اہلِ سنت اور اربابِ فتاویٰ تو صلوٰۃ پر پابندی لگاتے ہیں کہ غیر انبیاء کو اصالۃً صلوٰۃ نہیں بھیج سکتے، "علیہ السلام" پر کوئی پابندی نہیں لگاتے، کتبِ فقہ: شامی وعالمگیری وغیرہ(۱)۔ نیز حضرات حسنین کو "علیہ السلام" کہنے کے بہت سے دلائل ہیں، چنانچہ:

۱- آیتِ قرآنی: ﴿سلام علی إلیاسین﴾ کی دوسری قرأت امام نافع مدنی اور ابن عامر سے: ﴿سلام علی آل یاسین﴾ ہے، جس کی تفسیر میں مفسر ابن کثیر: "یعنی "آل محمد" لکھتے ہیں(۲) اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایسا ہی ہے(۳)۔ چونکہ حضرات حسنین آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، لہذا ان کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا قرآن سے ثابت ہے۔

= "(ویستحب الترضی للصحابة رضی الله عنهم) وكذا من اختُلف في نبوته كذي القرنين ولقمان". (الدر المختار). "(قوله: ويستحب الترضي للصحابة)؛ لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالىٰ، ويجتهدون في فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء، فهؤلاء أحق بالرضا، وغيرهم لا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(۱) "ولا يصلى على غير الأنبياء ولا غير الملائكة إلا بطريق التبع". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، مسائل شتى: ۴۴۶/۶، رشيديه)

(۲) ﴿سلام على إل ياسين﴾ كما يقال في إسماعيل: إسماعين، وهي لغة بني أسد .... وقرأ آخرون ﴿سلام على إدراسين﴾ وهي قرأة ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه. وقرأ آخرون: ﴿سلام على آل ياسين﴾ يعني آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (تفسير ابن كثير، (الصافات: ۱۳۰): ۲۸/۴، مكتبة دار السلام)

(۳) "﴿سلام﴾ منا سعادة و سلامة ﴿على آل ياسين﴾ على آل محمد عليه السلام". (تفسير ابن عباس على هامش الدر المنثور، (الصافات): ۳۴۵/۴، مؤسسة الرسالة بيروت)

۲-مفسرین میں امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں حضرات حسنین کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ جو فقہ حنفی میں صاحبِ ہدایہ سے بھی بلند پایہ ہیں، انہوں نے احکام القرآن میں جا بجا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "علیہ السلام" لکھا ہے۔

۳-امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جو بالاتفاق امام المحدثین ہیں، انہوں نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں متعدد جگہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ "علیہا السلام" لکھا ہے، دیکھئے: فتح الباري علی هامش صحیح البخاري، جلد اول، ص: ۵۶، ۵۴۳، ۵۲۶، جلد دوم، ص: ۵۷۶، ۶۰۰، ۶۱۰، جلد ہفتم، ص: ۵۳، ۱۱۴، ۲۳۶، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۵۵، ۳۵۷۔

۴-امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الأدب المفرد مطبوعہ دارالاشاعت، مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی، میں لکھا ہے:

"عن عدی بن ثابت رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: سمعت البراء یقول: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم والحسن صلوات اللّٰه علیه علی عاتقه هو یقول: "اللّٰهم! إنی أحبه فأحبه" (۱)۔

۵-امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں:

"مرّ بحسن بن علی علیهما السلام" ملاحظہ ہو: "سنن أبی داؤد، مطبع قادری دهلی، ص: ۹۳، ۹۴، جلد اول (۲)۔

۶-شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "شرح تراجم بخاری" میں لکھتے ہیں: "من قتل الحسین علیه السلام"۔ شرح تراجم ابواب بخاری، ص: ۳۲، ہمراہ صحیح البخاری، مطبوعہ رشیدیہ کتب خانہ دہلی (۳)۔

---

(۱) (الأدب المفرد، باب حمل الصبی علی العاتق، ص: ۴۵، رحمانیه لاہور)

(۲) (السنن لأبی داؤد، کتاب الصلوة، باب فی الرجل یصلی عاقصاً شعره: ۱/ ۲۲، إمدادیه)

(۳) (رسالة شرح تراجم، أبواب صحیح البخاری فی مقدمة صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب ماقیل فی قتال الروم: ۱/ ۳۲، قدیمی)

ان کے علاوہ اس کثرت سے علمائے اہل سنت نے حضرات حسنین کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہے جس کا شمار مشکل ہے۔

علمائے دورِ حاضر کے محققین نے بھی ان حضرات کو "علیہ السلام" لکھا ہے، مثلاً: مولانا شبلی نعمانی "سیرۃ النبی" میں، مولانا سید سلیمان ندوی "خطباتِ مدراس" میں، مولانا ابوالکلام آزاد "شہیدِ اعظم" میں، مولانا عبدالسلام ندوی "اسوۂ صحابہ" وغیرہ میں۔

مذکورہ دلائل کے ہوتے ہوئے عمر کا ان حضرات کو "علیہ السلام" کہنے سے روکنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث وفقہ سے ثبوت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

فی نفسہ "السلام علیہ" یا "علیہ السلام" نبی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، غیر نبی کے لئے بھی استعمال کرنا درست ہے، اس کے لئے معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مواقع میں اس کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ اصولِ فقہ کی درسی کتاب "اصول الشاشی" کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے: "والسلام علی أبی حنیفة وأحبابه" (۱)۔ اس کو بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال میں پیش فرمایا ہے اور جلیل القدر محدثین کے حوالے بھی دیئے ہیں (۲)، مگر شرح فقہ اکبر، ص: ۲۰۴، میں ہے:

"وفی الخلاصة أیضاً: إن فی الأجناس عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: لا یصلی علی غیر الأنبیاء والملائکة، ومن صلی علی غیرهما لا علی جهة التبعیة، فهو غال من الشیعة التی سُمّیت بالروافض، انتهیٰ. ومفهومه أن حکم السلام لیس کذلک، ولعل وجهه أن السلام تحیة أهل الإسلام، ولا فرق بین "السلام علیه" و "علیه السلام" إلا أن قوله: علیٌّ علیه السلام من

(۱) (أصول الشاشی، ص: ۵، قدیمی)

(۲) "لفظ سلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہہ سکتے ہیں، اس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی کتب قدیمہ حدیث میں علی الخصوص ابوداؤد، صحیح بخاری میں حضرت علیؓ وحضرات حسنینؓ، وحضرت فاطمہؓ وحضرت خدیجہؓ وحضرت عباسؓ کے ذکر کے ساتھ لفظ علیہ السلام کا مذکور ہے"۔ (فتاویٰ عزیزی، باب الخلافة، عنوان: بارہ امام پر بالاستقلال درود کا فیصلہ، ص: ۲۳۵، سعید)

شعار أهل البدعة، فلا يستحسن في مقام المرام، اهـ"(۱)۔

پس اگر کسی جگہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مثلاً "علیه السلام" کہنا روافض کا شعار ہو کہ وہ معصوم مان کر ایسا کہتے ہوں تو اس شعار سے بچنے کے لئے دیگر اکابر حضرات ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء- رضی اللہ تعالیٰ عنہم وجمیع الصحابۃ- کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ اس لفظ کا استعمال کرلیا جائے، یا پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ بھی نہ استعمال کیا جائے جس سے کہ اہلِ باطل کے شعار سے تحفظ ہو جائے (۲)۔

احقر کے خیال میں یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں کہ اس کو محاذ بنا کر منظر کر بلا پیش کر دیا جائے۔ طرفین کے دلائل فراہم کرنے سے کچھ ایسا ہی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہر فتنہ سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

"علیه السلام" اور لفظ "امام" کا استعمال

سوال[۹۱۹۳]: زید کہتا ہے کہ حدیث پاک: "من تشبه بقوم فهو منهم" (۳) کی روشنی میں ہم اہل السنۃ والجماعت کو ہر اس چیز سے بچنا چاہئے جو کسی قوم کا خاصہ اور شعار ہو، مثلاً: رافضیوں کا شعار ہے کہ وہ حضرات حسنین کے لئے "علیه السلام" کہتے ہیں اور جب اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں تو حید علی، امام علی،

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۲۶، ۱۲۷، قديمي)

(۲) "قلت: وقد غلب هذا في عبارة كثير من النساخ للكتب أن ينفرد علي رضى الله تعالىٰ عنه بأن يقال: "عليه السلام" من دون سائر الصحابة، أو "كرم الله وجهه". وهذا وإن كان معناه صحيحاً، لكن ينبغي أن يسوّي بين الصحابة في ذلك، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان أولى بذلك منه رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۶): ۲۸۲/۳، دار الفيحاء دمشق)

"والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة: إن ذلك شعار أهل البدع". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۳/۶، سعيد)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: [illegible]، قديمي)

حسن علی، حسین علی، جواد علی، باقر حسین، کاظم رضا، وغیرہ وغیرہ جیسے نام رکھتے ہیں (۱) اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب اس قوم کا کوئی نام آتا ہے اور اس شخص کے بارے میں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ سنی ہے یا شیعی تو فوراً اس طرف ذہن جاتا ہے کہ ہو نہ ہو، شیعہ ہو۔ کیونکہ روافض ان ناموں کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں رکھتے۔

بکر کہتا ہے کہ اچھے کاموں میں بُروں کی مشابہت بُری نہیں جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ عزیزی میں فرمایا ہے۔ اگر تشبہ برفض ہوتا تو علمائے اہل سنت و جماعت نے نہ تو یہ نام رکھے ہوتے اور نہ اپنی کتابوں میں کثرت سے ہر زمانہ میں "علیہ السلام" حضرات حسنین کے لئے استعمال کیا ہوتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید و بکر میں حق پر کون ہے، ان حضرات کے لئے لفظ: "إمام" اور "علیہ السلام" کہنا اور اسمائے مذکورین کا نام رکھنا تشبہ برفض ہے یا نہیں، کوئی گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شرح فقہ اکبر، ص: ۲۰۴، ملا علی قاری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ "علیه السلام" لکھنے کو شعارِ شیعہ و اہل بدعت فرمایا ہے، اس لئے وہ منع فرماتے ہیں (۲)۔ صحابہ کے ساتھ "ترضی" اہل سنت

---

(۱) "وعنه: أی ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم" أی من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر". (مرقاة المفاتیح، كتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "أن قوله: عليٌّ عليه السلام من شعار أهل البدعة، فلا يستحسن فی مقام المرام". (شرح الفقه الأكبر للملاعلي القاری، ص: ۱۶۷، قديمی)

"وأما السلام، فنقل اللقانی فی شرح جوهرة التوحید عن الإمام الجوینی أنه فی معنی الصلاة، فلا یستعمل فی الغائب و لا یفرد به غیر الأنبیاء، فلا یقال: عليٌّ علیه السلام ...... والظاهر أن العلة فی منع السلام ما قاله النووي فی علة منع الصلاة: إن ذلک شعار أهل البدع". (رد المحتار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتی: ۶/۷۵۳، سعید)

والجماعت کا شعار ہے(۱)، فتاوی عزیزی میں اس کی بھی اجازت ہے(۲)۔ ابوداؤد شریف اور بخاری شریف کی اسانید میں ان کے اور چند ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ موجود ہے(۳)۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی جگہ مخصوص شعار ہو روافض کا، مگر عالمگیر شعار نہ ہو، لہٰذا جہاں شعار ہو وہاں بچنا چاہئے، جہاں نہ ہو وہاں گنجائش دی جائے(۴)۔ یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں کہ مستقل موضوع بحث بنایا جائے۔

جس نام کے معنی فی نفسہ صحیح ہوں مگر کسی علاقہ میں وہ نام غیروں کا شعار بن گیا تو اس سے احتراز چاہیئے، الّا یہ کہ وہ منصوص ومأثور ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

"علیہ السلام" وترضی وترحم

سوال[۹۱۹۴]: دورِ نبوت وصحابہ وتابعین میں حضرات انبیائے کرام کے لئے "علیہ السلام" اور صحابہ کرام کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ"، تابعین کے لئے "رحمہ اللہ تعالیٰ" جیسے آج کل بولا جاتا ہے، بولا جاتا تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم نے صحابہ کرام کے لئے "رضی اللہ تعالیٰ عنہم" کا لفظ استعمال کیا ہے(۵)، بعض

(۱) "(ویستحب الترضی للصحابة) وکذا من اختُلف فی نبوته کذی القرنین و لقمان". (الدر المختار، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی: ۶/۷۵۴، سعید)

(۲) "لفظ سلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہہ سکتے ہیں، اس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی کتب قدیمہ حدیث میں علی النصوص ابوداؤد، صحیح بخاری میں حضرت علیؓ وحضرات حسنینؓ، وحضرت فاطمہؓ وحضرت خدیجہؓ وحضرت عباسؓ کے ذکر کے ساتھ لفظ علیہ السلام کا مذکور ہے"۔ (فتاوی عزیزی(اردو)، ص: ۲۳۵، باب الخلافة، سعید)

(۳) فی نسخة علی هامش صحیح البخاری: "قال: علیٌّ علیه السلام". (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، (سورة الزاریات): ۲/۷۱۹، (رقم الحدیث: ۹)، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب فی الرجل یصلی عاقصاً شعره: ۱/۱۰۲، إمدادیه)

(۴) "أقول: و کراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا أیضاً، لکن لا مطلقاً، بل فی المذموم و فیما قصد به التشبه بهم". (رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۵۳، سعید)

(۵) قال الله تعالیٰ: ﴿جزاؤهم عند ربهم جنات عدن تجری من تحتها الأنهار خالدین فیها أبداً، رضی الله =

صحابہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان کے وفات (شہادت) پر یہ لفظ ارشاد فرمایا ہے(۱) اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں ذرا زیادہ یہ لفظ مستعمل ہوا، پھر عام ہوگیا۔

انبیاء علیہم السلام کے لئے لفظ "علیہ السلام" دورِ نبوی ہی میں زیادہ مستعمل تھا، صحابہ کرام بھی استعمال فرماتے تھے اور بعد کے حضرات بھی۔ تابعین کے لئے لفظ "رحمہ اللہ تعالیٰ" دورِ صحابہ میں بہت کم تھا، بعد میں زیادہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= عنهم و رضوا عنه، ذلك لمن خشي ربه﴾. (البينة: ۸)

(۱) "حضرت وہب ابن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے۔ اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ احد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں، بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ان کو منتشر کردے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے"۔ حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ بھی یہی صورت پیش آئی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوش خبری دی۔ اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے میں گھس گئے اور شہید ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے وہب جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی، اور شہید ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ وہب کے سرہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ: "اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں"۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا، باوجودیکہ اس لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی زخمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہب کے عمل پر آیا، میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہنچوں۔ ان پر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا، ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرات اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں"۔ (فضائل اعمال، حکایات صحابہ، باب ہفتم، حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احد میں شہادت، ص: ۷۸، ۷۹، کتب خانہ فیضی لاہور)

ایضاً

حضرت صدر مفتی صاحب دار العلوم دیوبند! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سوال[۵۱۹۹]: سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "علیہ السلام" کہنا، اس کے جواز کا فتویٰ دار العلوم سے صادر ہونا سخت حیرانی کا باعث ہے۔ غالباً کسی نومشق طالب علم نے فتوی کی ترتیب دی اور آپ حضرات نے بلا تعمق کے تصدیق فرما کر اہل سنت وجماعت کے کاز کو نقصان پہنچایا۔

قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے انبیاء کے اسماء کے ساتھ "سلام" (۱) اور ذکرِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ "ترضی" کا استعمال کیا ہے (۲)۔ اہل بدعات اور روافض سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصیت سے "علیہ السلام" کہتے ہیں، ان کا عقیدہ عصمتِ اثناعشریہ سے بھی متعلق ہے۔

فقہاء اور مفسرین کی چند عبارتیں ملاحظہ فرما کر فتویٰ صادر فرمائیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے حجتِ شرعیہ بن سکتی تھی اگر دیگر فقہائے مجتہدین کی عبارات ان کا ساتھ دیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض خدمت ہے کہ خود فتاویٰ عزیزی کے قدیم نسخہ میں جو بنارس کے مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے کتب خانہ میں دیکھا گیا جس میں تفصیل سے دس صفحات پر پھیلا کر جواز وعدمِ جواز ہر دو طرح کے دلائل قلمبند فرما کر کے اخیر میں اپنا قولِ فیصل یوں فرماتے ہیں:

۱ ...... "پس واضح دلائل مثلِ آفتابِ نیمروز گردید کہ صلوۃ چہ بلکہ سلام ہم بالاستقلال بر غیرِ انبیاء جائز نیست، وآنچہ اسناد و شہود بر جوازِ سلام آوردند نمونۂ اینست قابلِ تمسک نیستند، لاحتمال الوجوہ الأخر فیھا۔ وشاھد نص فی المطلوب باید بہ محتمل الوجوہ، کما سبق. پس اثباتِ دعویٰ بآنہا نتوان کرد غور باید کرد و انصاف باید داد، ورجال را بحق باید شناخت نہ حق را بر جال". فتاوی عزیزی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿سلام علی نوح فی العالمین﴾ (سورۃ الصافات: ۷۹)

و قال اللہ تعالیٰ ﴿سلام علی إل یاسین﴾. (سورۃ الصافات: ۱۳۰)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿سلام علی إبراھیم﴾. (سورۃ الصافات: ۱۰۹)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ﴾ (سورۃ البینۃ: ۸)

مخطوطہ، ص: ۳۳۰، ۳۳۱ (۱)۔

۲......تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

"أما إذا أفرد غيره من أهل البيت بالصلوة، فمكروه، وهو من شعار الروافض. و في الإكليل في توضيح الصلوة والسلام ناقلاً عن الإمام الجويني: إنه في معنى الصلوة، فلا يستعمل في الغائب و لا يفرد به غير الأنبياء، فلا يقال: عليٌّ عليه السلام. وبعد السطرين: قد بين علة المنع بحيث قال: والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلوة: إن ذلك شعائر أهل البدع، ثم استشهد من شفاء القاضي عياض تركتها اختصاراً"(۲)۔

۳......قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مظہری میں بڑی وضاحت سے فرمایا ہے:

"لكن أهل الشرع من المحدثين والفقهاء اصطلحوا على اختصاص لفظ "الصلوة" بالأنبياء أو بنبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا تبعاً. و بناءً على هذا الاصطلاح قال مالك رحمه الله تعالىٰ: أكره الصلوة على غير الأنبياء. قال عياض رحمه الله تعالىٰ: هذا قول مالك و سفيان، وهو قول المتكلمين والفقهاء، قالوا: يُذكر غير الأنبياء بالرضىٰ و الغفران والرحمة".

"الصلوة على غير الأنبياء فلم يكن من المعروف، وإنما أحدثت في دولة بني هاشم يعني الخلفاء العباسية". ملخصاً۔

یہ تفسیر پارہ نمبر:۱۱، آیت: ﴿وصل عليهم﴾ الخ کے تحت منقول ہے(۳)۔

۴......روح المعانی، پ نمبر ۱۱: ﴿وصل عليهم﴾ کے تحت مفصل وضاحت مذکور ہے:

"فلا يقال: عليٌّ عليه السلام، بل يقال: رضي الله تعالىٰ عنه. والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلوة من أن ذلك شعار أهل البدع، وأنه مخصوص في لسان السلف بالأنبياء والملائكة عليهم السلام"(٤)۔

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص: ۲۳۷، باب الخلافة، سعید)

(۲) (مدارک التنزیل، (سورة الأحزاب) : ۲/ ۳۵۴، قدیمی)

(۳) (التفسیر المظهری، (سورة التوبة : ۱۰۳)، ۴/۲۹۲، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۴) (روح المعانی : ۲۲/ ۸۶، تحت قوله تعالیٰ: ﴿صلوا علیه﴾ (سورة الأحزاب : ۵۶)، داراحیاء بیروت)

۵......''شفاء'' قاضی عیاض حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ میں سلام کی بحث میں بڑی صاف عبارت مل جائے گی۔ دیکھ لیں (۱)۔

---

(۱) قال القاضی رحمه الله: "عامة أهل العلم متفقون على جواز الصلوة على غير النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وروى عن ابن عباس: "أنه لاتجوز الصلوة على غير النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". وروى عنه: لاتنبغى الصلوة على أحد إلا النبيين. وقال سفيان: يكره أن يصلى إلا على نبى. ووجدت بخط بعض شيوخى: مذهب مالک أنه لايجوز أن يصلى على أحد من الأنبياء سوى محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهذا غير معروف من مذهبه، وقد قال مالک فى المبسوط ليحيى بن إسحاق أكره الصلوة على غير الأنبياء، وماينبغى لنا أن نتعدى ما أمرنا به. قال يحيى بن يحيى: لست آخذ بقوله، ولا بأس بالصلوة على الأنبياء كلهم وعلى غيرهم، واحتج بحديث ابن عمر وبما جاء فى حديث تعليم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلوة عليه، وفيه: "وعلى أزواجه وعلى آله".

وقد وجدت معلقاً عن أبى عمران الفاسى: روى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما كراهة الصلوة على غير النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: وبه نقول، ولم يكن يستعمل فيما مضى. وقد روى عبدالرزاق عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على أنبياء الله ورسله، فإن الله بعثهم كما بعثنى". قالوا: والأسانيد عن ابن عباس لينة.

والصلوة فى لسان العرب بمعنى الترحم والدعاء، وذلک على الإطلاق حتى يمنع منه حديث صحيح أو إجماع، وقد قال تعالى: ﴿هو الذى يصلى عليكم وملكته﴾ [الأحزاب: ۴۳] الآية. وقال: ﴿خذ من أمولهم صدقةً تطهرهم وتزكيهم بها، وصل عليهم﴾ [التوبة: ۱۰۳]، الآية. وقال: ﴿أولئک عليهم صلوت من ربهم ورحمة﴾ [البقرة: ۱۵۷].

وقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اللهم صل على آل أبى أوفى". وكان إذا أتاه قوم بصدقتهم قال: "اللّٰهم صلى على آل فلان". وفى حديث الصلوة: "اللّٰهم صلى على محمد وعلى أزواجه وذريته". وفى آخر: "وعلى آل محمد". قيل: أتباعه وقيل: أمته، وقيل: آل بيته، وقيل: الأتباع والرهط والعشيرة، وقيل: آل الرجل ولده، وقيل: قومه، وقيل: أهله الذين حرمت عليهم الصدقة.

وفى رواية أنس سئل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من آل محمد؟ قال: "كل تقى". ويجى على مذهب الحسن أن المراد بآل محمدٍ محمد نفسه، فإنه كان يقول فى صلاته على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اللهم اجعل صلواتک وبركاتک على آل محمدٍ". يريد نفسه؛ لأنه كان لايخل =

....

= بالفرض ويأتي بالنفل؛ لأن الفرض الذى أمر الله تعالىٰ به هو الصلوة على محمد نفسه، وهذا مثل قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "لقد أوتى مزماراً من مزامير آل داؤد". يريد من مزامير داؤد.

وفي حديث أبي حميد الساعدى في الصلوة: اللّٰهم صل على محمد وازواجه وذريته". وفي حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه كان يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلى أبي بكر وعمر". ذكره مالك في المؤطا من رواية يحيى الأندلسي. والصحيح من رواية غيره ويدعو لأبي بكر وعمر. وروى ابن وهب عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: كنا ندعو لأصحابنا بالغيب، فنقول: اللّٰهم اجعل منك على فلان صلوات، ثم الأبرار الذين يقومون بالليل ويصومون بالنهار. قال القاضي: والذى ذهب إليه المحققون وأميل إليه ما قاله مالك وسفيان رحمهما الله.

وروى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه واختاره غير واحدٍ من الفقهاء والمتكلمين أنه لايصلي على غير الأنبياء عند ذكرهم بل هو شئ يختص به الأنبياء توقيراً وتعريزاً كما يخص الله تعالىٰ عند ذكره بالتنزيه والتقديس والتعظيم، ولا يشاركه فيه غيره، كذلك يجب تخصيص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسائر الأنبياء بالصلوة والتسليم ولا يشاركه فيه سواهم، كما أمر الله بقوله: ﴿صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾ [الأحزاب: ۵۶]. ويذكر من سواهم من الأئمة وغيرهم بالغفران والرضى كما قال تعالىٰ: ﴿يقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾ [الحشر: ۱۰]، وقال : ﴿والذين تبعوهم بإحسان رضي الله تعالىٰ عنهم﴾ [التوبة: ۱۰۰].

أيضاً فهو أمرٌ لم يكن معروفاً في الصدر الأول كما قال أبو عمران، وإنما أحدثه الرافضة والمتشيعة في بعض الأئمة، فشاركوهم عند الذكر لهم بالصلوة وساووهم بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ذلك. وأيضاً فإن التشبه بأهل البدع منهى عنه، فتجب مخالفتهم فيما التزموه من ذلك، وذكر الصلوة على الآل والأزواج مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحكم التتبع والإضافة إليه لا على التخصيص. قالوا: وصلاة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على من صلى عليه مجراها مجرى الدعاء، والمواجهة ليس فيها معنى التعظيم والتوقير. قالوا: وقد قال تعالىٰ: ﴿لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضاً﴾ [النور: ۶۳]. فكذلك يجب أن يكون الدعاء له مخالفاً لدعاءِ الناس بعضهم لبعض، وهذا اختيار الإمام أبي المظفر الإسفرائيني من شيوخنا، وبه قال أبو عمر بن عبدالبر". (كتاب الشفاء للقاضي عياض، الباب الرابع في حكم الصلوة عليه والسلام، الفصل الثامن في الاختلاف في =

۶......"نسیم الریاض شرح شفاء" قاضی عیاض میں وضاحت بھی خوب قابلِ دید ہے(۱)۔

۷......شرح فقہ اکبر میں ہے:

"قوله: عليٌّ عليه السلام من شعار أهل البدع، فلا يستحق في مقام المرام، تفسير أبي السعود" (۲)۔

۸......تفسیر کبیر میں ہے:

"إن أصحابنا يمنعون من ذكر صلوات الله عليه وعليه الصلوة والسلام إلا في حق الرسول"(۳)۔

۹......اصول الشاشی کا حوالہ بھی دیتے ہیں: "والسلام على أبي حنيفة" تو وہ جذبۂ عقیدت میں

= الصلوة على غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۴۱، ۴۴۳، دارالفكر بيروت)

(۱) "الواقع بين العلماء في الصلوة على غير الأنبياء صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أي في جواز الصلوة على غيره من المؤمنين غير الأنبياء كالصحابة ونحوهم، وسائر الأنبياء: اى بقيتهم غيره كإبراهيم وموسى ونحوهما. وسائر بمعنى "باقى" كما تقدم. والخلاف في جواز الصلوة على من ذكر استقلالاً لابطريق التبعية له، كالصلوة على اٰله وأزواجه. قال القاضي عياض المؤلف وفقه الله: "عامة أهل العلم": أى جميعهم متفقون على جواز الصلوة على غير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الأنبياء والملائكة والمؤمنين، ودعواه الاتفاق مطلقاً ليست بمسلمة. وقد قال النووي رحمه الله تعالىٰ في الأذكار: اجمعوا على طلب الصلوة على نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكذلك أجمع من يعتد به على استحبابها على سائر الأنبياء والملائكة استقلالاً، وأما غيرهم ابتداء، فالجمهور على أنه لايصلى عليهم، واختلف في هذا المنع، فقال بعض أصحابنا: إنه حرام، والأكثر على أنه مكروه، كراهة تنزيه. وذهب كثير إلى أنه خلاف الأولىٰ، وليس مكروهاً، والصحيح الذى عليه الأكثر كراهة تنزيه؛ لأنه شعار أهل البدع. انتهى". (نسيم الرياض في شرح الشفاء، الباب الرابع من القسم الثاني في حكم الصلوة عليه والتسليم لديه، فصل في الاختلاف في الصلوة على غير النبي: ۵۰۴/۳، المكتبة السلفية المدينة المنورة)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للقاري، ص:۱۶۷، قديمي)

(۳) (التفسير الكبير، (سورة التوبة: ۱۰۳): ۱۸۰/۱۶، مكتب الإعلام الإسلامي)

لکھ گئے ہیں(۱)۔

۱۰......وہیں پر حاشیہ بھی دیکھ لیا جائے، جمہور عدمِ جواز کی طرف گئے ہیں (۲)۔

۱۱......"أما الصلوة على غير الأنبياء عليهم الصلوة والسلام، فيجوز تبعاً، و تكره استقلالاً؛ لأنه في العرف شعار ذكر الرسل، و لذلك كره أن يقال: محمد عزوجل مع كونه عزيزاً جليلاً"(۳)۔

غنية المستملي (المعروف بالكبيري) میں ہے:

"فلا يقال: فلان عليه السلام، فالواجب الاتباع واجتناب الابتداع"(٤)۔

۱۲......تفسیر کشاف میں ہے:

"لأنه يؤدي إلى الاتباع بالروافض". ٢٤٦/٣(٥)۔

۱۳......طیبی کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے حاشیہ پر ہے:

---

(۱) (أصول الشاشي، ص: ۵، قديمي)

(۲) "قوله: على أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. ذكره لبراعته الاستهلال، وأردفه بالصحابة إشارةً إلى أنه من التابعين، وهو الأشبه بالصواب، لما لم يختلفوا في رؤيته أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه. وإنما خص أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ بالدعاء بالسلامة ليعلم أن المصنف رحمه الله تعالىٰ حنفي المذهب". (حاشية أصول الشاشي، المصدر السابق، (رقم الحاشية: ۸)، قديمي)

(۳) لم أجد هذه العبارة بلفظها، وقد ذكر النووي المسألة بهذا اللفظ: "ولا يصلى على غير الأنبياء استقلالاً .... ولكن يصلى عليهم تبعاً، فيقال تبعاً: اللهم صلى على محمد وآل محمد وأصحابه وأزواجه وذريته .... لم ينقل (السلف) استعمالهم ذلك، بل خصوا به الأنبياء كما خصوا الله تعالىٰ بالتقديس والتسبيح، فيقال .... قال عزوجل .... ولا يقال: قال النبي عزوجل وإن كان عزيزاً جليلاً". (حاشية النووي على صحيح الإمام مسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد التشهد: ۱۷٦/۱، قديمي)

(۴) (الحلبي الكبير للشيخ إبراهيم الحلبي الحنفي، ص: ۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۵) (الكشاف، (سورة الأحزاب: ٥٦): ۵۵۸/۳، دار الكتب العربي بيروت)

"فالجمهور على عدم الجواز ابتداءً، وقيل: إنه حرام، و قيل: إنه مكروه، وقيل: هو ترك الأولىٰ، والصحيح أنه مكروه كراهة تنزيه، واتفقوا على جواز جعل غير الأنبياء تبعاً لهم في الصلوة"(۱)۔

۱۴.....خود جماعت دیوبند کے سرخیل حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''ردالسلسلہ'' میں فرماتے ہیں: ''بجز حضرات انبیاء، ملائکہ علی نبینا وعلیہم السلام کے کسی اَور پر استقلالاً درود شریف وسلام نہ پڑھے، البتہ تبعاً مضائقہ نہیں'' ۔ص:۹(۲)۔

۱۵.....صلاۃ علی النبی کی فصل أشعۃ اللمعات:۱/۴۰۵، نکال کر دیکھ لیا جائے، جمہور کا مختار مذہب یہ لکھا ہے کہ:

"مخصوص است بانبیاء، ومشارکت نیست بایشان جزءِ ایشان را درآن، الخ"(۳).

۱۶.....درمختار میں ابن عابدین کہتے ہیں:"لا يصلى على غير الأنبياء و على غير الملائكة إلا بطريق التبع". پھرانہوں نے بھی شفاء کی عبارت مذکور نقل کی ہے،۵/۴۹۷(۴)۔

اخیر میں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دارالعلوم جیسے علمی فقہی اور بین الاقوامی شہرت یافتہ جگہ سے اس قدر غیر ذمہ دارانہ شرعی تحریر صادر ہو، امید کہ نظر ثانی کے بعد جواب ارسال فرمائیں گے۔تمام فتوے مختلف مقامات سے آچکے ہیں، کتابت جاری ہے،عنقریب شائع کرانا ہے۔

فتوے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے، ہونا تو یہی چاہئے کہ فرصت نہ بھی ہو، تو اس کے لئے فرصت نکال لیجئے، ہم دارالعلوم جیسی دینی درسگاہ سے بھی توقع باندھے منتظر ہیں، امید کہ فوراً فرصت نکال کر جواب عنایت

(۱) (حاشية مشكوة المصابيح، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها، ص: ۸۷، (رقم الحاشية : ۱)، قديمي)

(۲) لم أظفر عليه

(۳) (أشعة اللمعات، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فضلها : ۱/۴۰۴، مكتبه نوريه رضويه سكهر)

(۴) (الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى : ۶/۷۵۳، سعيد)

فرمائیں گے۔اس میں اہل بدعت اور اہل سنت کے مابین اس نوع کا معرکۃ الآراء عقیدہ گرم ہے، اہلِ بدعت ایسے ہیں جو صحابہ کی ایک جماعت پر لعن وطعن کرتے ہیں وہ مجوزینِ "علیہ السلام" بہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ورنہ دیوبندی و بریلی کے مختلف اداروں سے جوابات موصول ہو چکے ہیں، سب نے منع تجویز فرمائے فقط۔والسلام۔

حیدرعلی، کتب خانہ مہدوی، مظہرالعلوم بنارس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سلام ایک تحیہ اور دعاء ہے، زندوں کے لئے بھی، مُردوں کے لئے بھی۔ملاقات کے وقت اس کی تعلیم دی گئی ہے(۱) "السلام علیکم، و علیکم السلام"(۲)،اس کے ساتھ "و رحمۃ اللّٰہ"اور "وبرکاتہ" بھی ثابت ہے(۳)۔

---

(۱) "عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :" إن أولی الناس باللہ من یبدأ بالسلام". رواہ أحمد و أبوداود والترمذی". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب السلام، الفصل الثانی، ص: ۳۹۸، قدیمی)

(۲) "والأفضل للمسلم أن یقول : السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته، والمجیب کذلک یرد". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السابع فی السلام : ۳۲۵/۵، رشیدیه)

(۳) "عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رجلاً جاء إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فقال: السلام علیکم، فرد علیه، ثم جلس، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم : "عشر". ثم جاء اٰخر، فقال: السلام علیکم ورحمة اللہ، فرد علیه، فجلس: فقال: "عشرون". ثم جاء اٰخر، فقال: السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته، فرد علیه، فجلس، فقال: "ثلاثون". رواہ الترمذی وأبوداؤد". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب السلام، الفصل الثانی، ص: ۳۹۸، قدیمی)

(وکذا فی سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب کیف السلام: ۷۰۶/۲، دارالحدیث ملتان)

وقال العلامة النووی رحمه اللہ تعالیٰ: "والأفضل أن یقول: السلام علیکم لیتناوله وملکیه، وأکمل منه أن یزید: ورحمة اللہ، وأیضاً وبرکاته .... وأما صفة الرد، فالأفضل والأکمل أن یقول: وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتهم". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب لیسلم الراکب علی الماشی: ۲۱۲/۲، قدیمی)

سلام کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پہلے سے جان پہچان ہوتو سلام کیا جائے بلکہ: "وتقرئ السلام علی من عرفت و من لم تعرف، اھ". بخاری شریف(۱)۔

اس کو آپس کی محبت کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اس لئے اس کے پھیلانے اور عام کرنے کا حکم ہے:

"أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم، اھ". مسلم شریف"(۲)۔

صغیر، کبیر، قلیل، کثیر، راکب، ماشی، قاعد، سب کو ہی اس کی تلقین کی گئی ہے(۳)، حتی کہ ملائکہ کو آدم علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کا سلام کرنا اور ان کا جواب دینا منقول ہے(۴)۔ الحاصل یہ کسی کا مخصوص و متعین حصہ نہیں، اس لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی مخصوص نہیں، نہ کسی معصوم کی تعیین وتخصیص ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، خود اہلِ بیت اطہار ہوں، یا خلفائے راشدین مہدیین ہوں، یا دیگر اکابر ہوں، کسی کے لئے اس کی مخالفت نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں، نہ اجماع سے ثابت، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے۔

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب السلام للمعرفة و غير المعرفة : ۲/۹۲۱، قديمي)

(۲) (الصحيح للإمام مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، وأن محبة المؤمنين من الإيمان، وأن إفشاء السلام سبب لحصولها: ۱/۵۴، قديمي)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "يسلم الصغير على الكبير، والمارّ على القاعد، والقليل على الكثير".

"وعنه رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يسلم الراكب على الماشي، والماشي على القاعد، والقليل على الكثير". (صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب تسليم القليل على الكثير، وبابٌ: يسلم الراكب على الماشي : ۲/۹۲۱، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خلق الله آدم على صورته .... فلما خلقه قال: اذهَبْ فسلِّم على أولئك النفر وهو نفر من الملائكة جلوس فاستمِع ما يُحيُّونَكَ فإنها تَحِيَّتُكَ وتحيّة ذريّتك، فذهب فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليك ورحمة الله .... اھ". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب السلام، الفصل الأول: ۱/۳۹۷، قديمي)

کسی وقت یا کسی مقام میں اگر یہ لفظ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عرفاً مخصوص ہوکر شعارِ روافض ہوگیا ہے تو اس کی شعاریت کو ختم کردینے کی ضرورت ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ حضرات خلفائے اربعہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر ازواجِ مطہرات کے لئے بھی اس کو استعمال کیا جائے (١)۔

روافض کا عقیدہ ان سب کے حق میں معصومیت کا نہیں، بلکہ بعض کے حق میں تو نہایت قبیح عقیدہ رکھتے ہیں۔بس یہ بات ختم ہوجائے گی کہ یہ لفظ معصوم کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی نہ اختیار کیا جائے، اس سے بھی بظاہر نفسِ شعاریت باقی نہ رہے گی (٢)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں یہ بات ضرور مستقر ہوجائے گی کہ یہ لفظ معصوم کے لئے مستعمل ہوتا ہے غیر معصوم کے لئے نہیں۔

بس جن اکابر محدثین: امام بخاری و امام ابوداؤد وغیرہ کے کلام میں یہ لفظ غیر نبی کے لئے استعمال ہوا ہے ان کے متعلق یہ خیال قائم ہوگا کہ وہ بھی ان کو معصوم مانتے تھے اور ان کا عقیدہ بھی وہی تھا جو شیعوں کا عقیدہ ہے اور اس عقیدہ میں وہ اکابر اور شیعہ متحد ہیں، یا شیعوں کا عقیدہ ان سے ماخوذ ہے، یا نعوذ باللہ وہ بھی شیعہ تھے، اس لئے اس خرابی کے پیشِ نظر غور کرلیا جائے کہ شعاریت کو ختم کرنے کی کونسی صورت اَہون ہے۔

آپ نے جو عبارات منسلکہ پرچہ میں نقل کی ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کے علاوہ بقیہ اکثر عبارات پہلے بھی دیکھی ہوئی ہیں، اب مکرر بھی مراجعت کی، ان میں سے بیشتر عبارات تو لفظ "صلوٰۃ" سے متعلق ہیں "سلام" کے متعلق نہیں۔اور بعض عبارات احناف کی نہیں، غیر احناف کی ہیں جن کو حنفیہ

---

(١) "قلت: و قد غلب في هذا في عبارة كثير من النساخ للكتب أن يفرد علي رضي الله تعالىٰ عنه بأن يقال: "عليه السلام" من دون سائر الصحابة أو "كرم الله وجهه". وهذا وإن كان معناه صحيحاً، لكن ينبغي أن يسوّى بين الصحابة في ذلك، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المومنين عثمان أولى بذلك منه رضي الله عنه، ورضي عنهم أجمعين". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ٥٦)، ٣/٥١٦، ٥١٧، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(٢) "لا يصلي على غير الأنبياء و على غير الملائكة .... اهـ". (الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ٦/٧٥٣، سعيد)

پر حجت قرار دینا مشکل ہے۔

۱......حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہر دو عبارت متعارض ہیں۔

۲......مدارک کی عبارت منقولہ میں "الصلوۃ" کو اہل بیت کے لئے مکروہ لکھا ہے "السلام" کا اس میں ذکر نہیں۔ اس کے حاشیہ اکلیل میں "السلام" کا مکروہ ہونا، امام جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے، نیز قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوالہ دیا ہے۔

یہ ہر سہ حضرات حنفی نہیں، ان کے منع کا مدار بھی شعاریت ہے جس کا حل اوپر بیان کر دیا گیا، جیسے: لفظ "امام" شیعوں کے نزدیک معصوم کے لئے مخصوص اور ان کا شعار ہے، مگر اہل سنت والجماعت نے اس لفظ کو دوازدہ حضرات کے لئے مخصوص نہیں رکھا، بلکہ اَور بھی بہت سے حضرات پر اس کا اطلاق کیا، جیسے ائمہ اربعہ، ائمہ مجتہدین اور ائمہ کلام وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اب یہ شبہ نہیں ہوتا کہ امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے اس کی شعاریت ختم ہوگئی (۱)۔

۳......قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ سب بحث لفظ "الصلوۃ" کے متعلق ہے، نہ کہ "السلام" کے متعلق (۲)۔

۴......روح المعانی میں لفظ "علیّ علیه السلام" کو منع کیا ہے، احقر نے بھی گذشتہ فتویٰ میں بحوالۂ شرح فقہ اکبر میں یہ عبارت نقل کر دی تھی، اس کی دلیل قیاس ہے "الصلوۃ" پر علت وہی شعار ہے جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔

---

(۱) "أما إذا أفرد غيره من أهل البيت، فمكروه، و هو من شعار أهل البدع". (تفسير مدارك: ۳۵۴/۲، قديمى)

(۲) "لكن أهل الشرع من المحدثين والفقهاء اصطلحوا على اختصاص لفظ "الصلاة" بالأنبياء أو بنبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا تبعاً. و بناءً على هذا الاصطلاح قال مالك رحمه الله تعالىٰ: أكره الصلاة على غير الأنبياء. وقال عياض: هذا قول مالك و سفيان، و هو قول المتكلمين و الفقهاء، قالوا: يذكر غير الأنبياء بالرضى والغفران والرحمة. وأما الصلاة على غير الأنبياء، فلم يكن من المعروف، و إنما أحدثت في دولة بني هاشم، يعني خلفاء العباسية". (التفسير المظهرى: ۲۹۲/۴، حافظ كتب خانه كوئٹه)

۵......قاضی عیاض حنفی نہیں۔

۶......وہ بحث بھی دیکھ لی ہے۔

۷......اس کو خود یہاں کے فتوی میں نقل کیا گیا تھا جیسا کہ ابھی نمبر:۴ کے ذیل میں گذرا۔

۸......تفسیر کبیر کے مصنف حنفی نہیں، علاوہ ازیں اس میں "الصلوۃ" کا تذکرہ ہے "السلام" کا نہیں ہے۔

۹......اس میں بھی "الصلاۃ" سے بحث ہے "السلام" سے تعرض نہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جس قدر عقیدت ہے اور اس کی بنا پر "السلام علی أبی حنیفة" مصنف اصول الشاشی نے لکھدیا ہے تو کیا ان کو معصوم تصور کر کے لکھا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا حضرت امام سے بڑے صحابہ اس عقیدت کے مستحق نہیں، درحقیقت ایسا لکھ کر مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے شعاریت پر ضرب لگادی اور بتادیا کہ یہ لفظ معصوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔

۱۰......میری کتاب میں اس پر کوئی حاشیہ ہی نہیں، بہتر ہوتا آپ وہ عبارت بھی نقل فرمادیتے، تاہم اگر جمہور احناف کا یہ مسلک ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے تو مجھے اصرار نہیں، رجوع کرلوں گا، مگر اب تک میری نظر سے یہ نہیں گزرا، بلکہ اہلِ ترجیح فقہاء سے اس کا راجح اور مختار ہونا بھی نہیں دیکھا۔

۱۱......کبیری میں اصالۃً تو "الصلوۃ" کو غیر انبیاء اور غیر ملائکہ پر استقلالاً مکروہ لکھا ہے اور اس کا اجماعی ہونا نقل کیا ہے اور روافض کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ غیر انبیاء اور غیر ملائکہ پر بھی "الصلوۃ" کے قائل ہیں، پھر "السلام" کو اس پر قیاس کیا، اس کی علت وہی شعاریت ہے، جس کا حل بتادیا گیا(۱)۔

۱۲......اس کا حاصل بھی وہی تشبہ بالروافض سے احتراز ہے جس کی صورت اوپر لکھدی گئی۔

۱۳......اس عبارت نے مسئلہ کو بہت ہلکا کردیا: "والصحیح أنه مکروه کراهة تنزیه"(۲) تو اس

---

(۱) "و أما استقلالاً فتکره إلا علی الأنبیاء و الملائکة، علی ذلک إجماع السلف، خلافاً للروافض .... وکذلک "علیه السلام" لم یعهد فی لسان الشرع إلا تبعاً، فلا یقال: فلان علیه السلام .... اهـ". (الحلبی الکبیر، ص:۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (حاشیة مشکوة المصابیح، باب الصلاة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و فضائلها، الفصل =

پر تشدد زیبا نہیں۔ کراہتِ تنزیہہ پر رسالہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر یہ عبارت بھی مجموعی صلوۃ وسلام کے متعلق ہے۔

۱۴..... اس میں درود شریف والسلام کے مجموعہ کو استقلالاً انبیاء اور ملائکہ کے لئے مخصوص بتایا گیا ہے، نہ کہ "السلام" کو(۱)۔

۱۵..... اشعۃ اللمعات سے جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، وہ صلوۃ و سلام کے مجموعہ سے متعلق ہے نہ کہ سلامِ محض سے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:

"اختلاف کرده اند که آیا جائز است صلوة وسلام بر غیرِ انبیاء باستقلال یا نے؟ ومختار نزدِ جمهور آنست که مخصوص است بانبیاء، ومشارکت نیست بایشاں جز ایشاں"۔

اس کے تقریباً ڈیڑھ سطر کے بعد ہی محض "السلام" کے متعلق یہ عبارت ہے:

"ومتعارف در متقدمین تسلیم بود بر اهلِ بیتِ رسول الله از ذریت وازواجِ مطهرات در کتبِ قدیمه از مشایخ اهل سنت و جماعت کتابتِ آن یافته می شود، و درمتأخرین ترکِ آن متعارف شده است. والله أعلم"(۲)۔

اب غور کیجئے کہ اہلِ سنت و جماعت کے متقدمین مشائخ پر کیا حکم لگایا جائے گا، اگر آپ کے مخالف فریق نے یہ عبارت بھی پیش کردی تو آپ کا استدلال بہت کمزور و بے جان ہو کر رہ جائے گا۔

۱۶..... درمختار علامہ علاء الدین حصکفی کی تصنیف ہے، ابن عابدین کی تصنیف نہیں، پھر جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ "الصلوۃ" کے متعلق ہے "السلام" سے متعلق نہیں۔

= الأول، ص: ۸۷، (رقم الحاشية : ۱)، قديمي)

(۱) "و لا يصلى على غير الأنبياء و لا غير الملائكة إلا بطريق التبع". (الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتىٰ: ۷۵۳/۶، سعيد)

(۲) (أشعة اللمعات شرح مشكوة (فارسى)، كتاب الصلوة، باب الصلاة، باب الصلوة على النبى وفضلها: ۴۰۵/۱، مكتبه نوريه رضويه. سكهر)

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ مالکی کی جو تصنیف علامہ ابن عابدین نے نقل کی ہے، وہ بھی مجموعۂ صلوۃ وسلام سے متعلق ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وقال القاضي عياض رحمه الله تعالىٰ: الذي ذهب إليه المحققون، وأميل إليه ما قاله مالك و سفيان، واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين أنه يجب تخصيص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسائر الأنبياء بالصلوة والتسليم، الخ"(۱)۔

علامہ شامی کی اپنی رائے بھی ملاحظہ فرمالی جائے، "وهو هذا:

"أقول: و كراهة تشبه بأهل البدع مقررة عندنا أيضاً، لكن لا مطلقاً، بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه بهم، اهـ"(۲)۔

اس نے تو استدلال کی بنیاد کو بالکل ہی متزلزل کردیا۔

احقر ان تمام عبارات کو مکرر دیکھنے کے بعد بھی اپنی رائے میں تغیر و ترمیم کی ضرورت نہیں سمجھتا، ورنہ بلا جھجک رجوع کرلیتا اور قطعاً ناجائز لکھ دیتا۔

احقر کی درخواست اب بھی وہی ہے (جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہے) کہ اس مسئلہ کو موضوع بحث نہ بنایا جائے، یہ ایک مستقل فتنہ ہے جس میں اور وکالت نہیں کرسکیں گے، بلکہ استدلال کی حیثیت (کمزور اور بودے پن) کی وجہ سے مسلک کو مجروح کردیں گے۔ عجب نہیں کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ آئندہ کو آپ سے اعتماد ہی ختم ہوجائے، پھر آپ کوئی پختہ ٹھوس بات فرمائیں تو اس کے تسلیم کرنے میں بھی تامل کیا جائے۔

دارالعلوم کے دارالافتاء پر آپ نے جو کچھ افسوس کیا ہے وہ غایتِ تعلق کی بنا پر ہے: "المسلم مرأة المسلم" کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

امید ہے کہ آئندہ بھی خیر خواہانہ مشورہ سے محروم نہیں فرمائیں گے، میں انشاء اللہ قدر کی نگاہ سے دیکھوں گا اور شکر گزار ہونگا۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۷۵۳/۶، سعید)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

أيضاً

سوال[۹۱۹۶]: مخدوم ومکرم حضرت مفتی صاحب دامت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ہدایت تحقیقات اور حضرت والا کا فتویٰ مرسل ہے۔ فریق ثانی کے متعلق یہ عرض ہے:

۱...... وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن وطعن کو روا رکھتے ہیں، سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "علیہ السلام" کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ بنارس میں انہوں نے مستقل فتنہ پیدا کر دیا ہے اور یزید کو علانیہ ملعون اور جہنمی اور کافر کہتے ہیں۔

۲...... اور اس فتنہ پیدا کرنے والے ایک مخصوص ادارہ کے علماء ہیں جو ہمیشہ اس نوع کے فتنے کو ابھارتے ہیں۔ امید کہ فوراً جواب سے نوازیں گے۔ دار العلوم دیوبند کے فتوے کے بغیر ہم لوگ یتیم ہیں۔ فقط والسلام۔

ابو طارق، عبد القدوس قاسمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ہدایت نظر ثانی وثالث کے بعد جواب ارسال ہے:

۱...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو شخص لعنت کرتا ہے، وہ لعنت اسی پر واپس جاتی ہے اور وہ شخص اپنی عاقبت برباد کرتا ہے(۱)۔ اگر وہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "علیہ السلام" کہتا ہے تو آپ سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر وسیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو "علیہم السلام" کہئے تاکہ شعاریت ختم ہو جائے (۲)۔

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لايرمي الرجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمي)

(۲) "وقد غلب في هذا في عبارة كثير من النساخ للكتب أن يفرد عليٌّ رضي الله عنه بأن يقال: عليه =

اگر آپ نے خود حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "علیہ السلام" نہ کہا تو آپ بچ جائیں گے، مگر وہ اس سے باز نہیں آئے گا اور اس کی شعاریت برقرار رہے گی اور بہت سے مشائخ متقدمین سے ایسی عبارتیں نقل کردے گا جن سے اس کا دعویٰ ثابت ہوگا، اور آپ ان مشائخ کا احترام کریں گے اور ان کے خلاف کچھ نہ کہہ سکیں گے۔

یزید کو کافر اور جہنمی کہنا ہمارا مسلک نہیں (۱)، بلکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور علامہ کیاہراسی شافعی نے اس کو کافر اور مخلد فی النار فرمایا ہے (۲)، ہم لوگ نہ اس کو کافر کہتے ہیں اور نہ اس کی تعریف میں قصیدہ خوانی کر کے اس کو خلیفۃ الخامس علیہ السلام کہتے ہیں (۳) اگرچہ شرح عقائد نسفی میں اس پر لعنت کو جائز لکھا ہے، بلکہ لعنت کر بھی دی ہے (۴)، لیکن ہمارے اکابر نے یہ طریقہ پسند نہیں کیا۔

۲.....ان کے جواب میں اگر خاموشی اختیار کی جائے تو ممکن ہے کہ سنجیدہ طبقہ اس کو قابل التفات نہ سمجھے، پھر بعد چندے یہ خود ہی ختم ہو جائے، ورنہ جواب کی صورت میں تو پھر جواب الجواب وغیرہ کی نوبت آکر امتداد ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک رحم فرمائے اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ والسلام۔

احقر: محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۲۶ھ۔

= السلام من دون سائر الصحابة، أو كرم الله وجهه. وهذا وإن كان معناه صحيحاً، ولكن ينبغي أن يسوى بين الصحابة في ذلک، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان أولى بذلک منه رضي الله تعالىٰ عنه وعنهم أجمعين". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۶): ۴/۵۱۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "وإنما اختلفوا في يزيد بن معاوية حتى ذكر في الخلاصة وغيره أنه لاينبغي اللعن عليه؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن لعن المصلين ومن كان من أهل القبلة". (شرح فقه الأكبر، ص: ۷۲، قديمي)

(۲) "وبعضهم أطلق اللعن عليه: أي على يزيد لما أنه كفر حين أمر بقتل الحسين رضي الله تعالىٰ عنه انتهى". (شرح الفقه الأكبر، المصدر السابق)

(۳) "وحقيقة الأمر التوقف فيه، ومرجع أمره إلى الله سبحانه تعالىٰ". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۳، قديمي)

(۴) "والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذلک وإهانته أهل بيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه =

یزید کے لئے "علیہ السلام" اور "رضی اللہ عنہ" کا استعمال

سوال[۹۱۹۷]: کیا یزید کے نام کے ساتھ علیہ السلام یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ سکتے ہیں اور لکھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"علیہ السلام" عموماً انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ کہتے اور لکھتے ہیں (۱)، کبھی اہل بیت کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے (۲)، کبھی دیگر اولیاء اللہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲ھ۔

فاسق وفاجر کے لئے "رضی اللہ عنہ" اور "نور اللہ مرقدہ"

سوال[۹۱۹۸]: اگر ایک فاسق وفاجر شخص کو ہم "رضی اللہ عنہ" کہیں تو گناہ ہے۔ "نور اللہ مرقدہ" کہیں تو حرج ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کیا فاسق وفاجر کے لئے دعائے مغفرت نہ کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے مغفرت اگر فاسق وفاجر کے لئے جائز نہ ہوتی تو نماز جنازہ اس کی میت پر نہ پڑھی جاتی (۳)۔

= وسلم مما تواتر معناه وإن كان تفاصيله آحاد، فنحن لانتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه". (شرح العقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۱۷، المطبع اليوسفي)

(۱) "قال الجمهور من العلماء: لايجوز إفراد غير الأنبياء بالصلوة؛ لأن هذا قد صار شعاراً للأنبياء إذا ذكروا، فلا يلحق بهم غيرهم، فلا يقال: "قال أبوبكر صلى الله عليه، أو قال علي صلى الله عليه" وإن كان المعنى صحيحاً". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۵۶): ۲۸۲/۳، مكتبه دار الفيحاء)

(۲) "(ويستحب الترضي للصحابة) وكذلك من اختلف في نبوته كذي القرنين ولقمان". (الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، براً كان أ فاجراً .... الصلوة واجبة على كل مسلم، براً كان أو فاجراً وإن عمل =

عرفاً "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" صحابہ کرام کے لئے، یا بہت سے بہت ان کے قریب تر حضرات کے لئے ہے، اس وجہ سے کسی فاسق و فاجر کے لئے ایسے کلمات کہنے سے ان کے صحابہ ہونے، یا ان کے قریب تر بلند مرتبہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغز ومع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه ملتان)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها وولدها". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلوة على أهل لا إله إلا الله: ۴۱/۳، دارالفكر بيروت)

(۱) "يستحب الترضي والترحم على الصحابة والتابعين فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، فيقال: رضي الله عنه، أو رحمه الله، ونحو ذلک. وأما ما قاله بعض العلماء: إن قوله: رضي الله عنه مخصوصٌ بالصحابة، ويقال في غيرهم: رحمه الله فقط، فليس كما قال، ولا يوافق عليه، بل الصحيح الذي عليه الجمهور استحبابه، ودلائله أكثر من أن تحصر. فإن كان المذكور صحابياً ابن صحابي قال: قال ابن عمر رضي الله عنهما، وكذا ابن عباس، وابن الزبير، وابن جعفر، وأسامة بن زيد ونحوهم، يشمله وأباه جميعاً". (كتاب الأذكار للنووي رحمه الله، باب الصلوة على الأنبياء وآلهم تبعاً لهم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل: يستحب الترضي والترحم على الصحابة والتابعين، ص: ۱۲۰، دارالبيان بيروت)

"(ويستحب الترضي للصحابة رضي الله عنهم) وكذا من اختُلف في نبوته كذي القرنين ولقمان". (الدرالمختار). "(قوله: ويستحب الترضي للصحابة)؛ لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضا من الله تعالىٰ، ويجتهدون في فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضا، فهؤلاء أحق بالرضا، وغيرهم لا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

پردہ فرض ہے یا سنت؟

سوال[۹۱۹۹] : ۱..... غیر محرم سے مستورات کے لئے پردہ فرض ہے یا سنت؟ اور قرآن شریف کی کس آیت شریفہ کی رو سے، یا کس حدیث شریف کی رو سے تاکہ پوری تسلی کر کے عمل کیا جائے؟

پردہ کس سے فرض ہے؟

سوال[۹۲۰۰] : ۲..... زید کے باپ سے زید کی بیوی کو پردہ کرنا آیا ہے یا نہیں؟ اور اگر پردہ کرنا نہیں آیا تو اس کے بارے میں قرآن شریف کی کوئی آیت شریفہ ہے، یا حدیث شریف ہے؟ اسے بھی درج فرما کر آگاہی بخشیں۔ فقط۔

ڈاکٹر محمد عبدالرشید، اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال، صوابی، ڈاکخانہ صوابی، ضلع پشاور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱..... فرض ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾ الآية"(۱). بدائع الصنائع: ۱۲۱/۵(۲)۔

---

(۱) (سورة النور: ۳۱)

(۲) العبارة بتمامها: "وأما النوع السادس: وهن الأجنبيات الحرائر، فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى الوجه والكفين، لقوله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾ [النور: ۳۰]، إلا أن النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة وهي الوجهه والكفان رخص بقوله تعالیٰ: ﴿ولا يبدين زينتهن إلا ماظهر منها﴾ [النور: ۳۱]. والمراد من الزينة مواضعتها، ومواضع الزينة الظاهرة الوجه والكفان، فالكحل زينة الوجه، والخاتم زينة الكف، ولأنها تحتاج إلى البيع والشراء والأخذ والعطاء، ولا يمكنها ذلك عادةً =

"لایجوز النظر إلی المرأة، لما فیه من خوف الفتنة، ولهذا قالؑ علیه الصلوة السلام: "المرأة عورة مستورة". زیلعی: ۶/ ۱۷(۱)۔"

﴿فاسئلوهن من وراء حجاب﴾ الآیة(۲)۔

۲.....نہیں: "یحل للرجل النظر من ذوات محارمه إلیٰ رأسها .... لقوله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا یبدین زینتهن إلا لبعولتهن أو آبائهن أو آباء بعولتهن﴾ الآیة". بدائع: ۵/ ۱۲۰(۳)۔

وبسط طرق الاستدلال فی إلقاء السکینة۔ بلکہ ان کے خلاف نص ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۱/۱۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، یکم/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= إلا بکشف الوجه والکفین، فیحل لها الکشف، وهذا قول أبی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه". (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الاستحسان، النوع السادس: ۶/ ۴۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی النظر والمس: ۷/ ۳۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (سورة الأحزاب: ۵۳)

"عن ابن عمر رضی الله عنهما، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "المرأة عورة، فإنها إذا خرجت من بیتها، استشرفها الشیطٰن". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثانی، قدیمی)

(وکذا فی الهدایة: ۴/ ۴۵۸، فصل فی الوطی والنظر والمس، کتاب الکراهیة، مکتبة شرکت علمیة)

(۳) (بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، النوع الثالث: ۶/ ۴۸۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/ ۳۲۸، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه ومالایحلّ له، کتاب الکراهیة، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/ ۳۶۷، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۴/ ۴۶۱ کتاب الکراهیة، فصل فی الوطی والنظر والمس، مکتبه شرکة علمیه)

پردہ کا حکم

سوال[۹۲۰۱]:۱...... پردہ اسلام میں ضروری ہے یا نہیں؟

۲...... اگر کوئی عورت پردہ نہ کرے تو اس کو گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... پردہ اسلام میں ضروری چیز ہے، قرآن کریم (۱) اور حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها النبی قل لأزواجک و بناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

وقال العلامة الجصاص: "روی عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: "الجلباب الرداء". وقال ابن أبی نجیح عن مجاهد: یتجلببن، لیعلم أنهن حرائر، ولا یعرض لهن فاسق. وروی محمد بن سیرین عن عبیدة: ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن﴾. قال: تقنّع عبیدة، وأخرج إحدی عینیه.

وحدثنا عبدالله بن محمد قال: حدثنا الحسن بن أبی الربیع قال: أخبرنا عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر عن الحسن قال: کن إماء بالمدینة یقال لهن: کذا وکذا، یخرجن فیتعرض لهن السفهاء فیؤذونهن، وکانت المرأة الحرة تخرج فیحسبون أنها أمَة فیتعرضون لها، فیؤذونها، فأمر الله المؤمنات أن: ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن، ذلک أدنی أن یعرفن﴾ أنهن حرائر فلایؤذین .... اهـ". (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۵۴۶، قدیمی)

(۲) "وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت، استشرفها الشیطان". رواه الترمذی". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی، ص: ۲۶۹، قدیمی)

"وعن أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها أنها کانت عند رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ومیمونة رضی الله تعالیٰ عنها إذا أقبل ابن أم مکتوم، فدخل علیه، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "احتجبا منه". فقلت: یا رسول الله! ألیس هو أعمی لا یبصرنا؟ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أفعمیا وَانِ، أنتما ألستما تبصرانه"؟ (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی، ص: ۲۶۹، قدیمی)

۲......وہ گنہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۲۰/ ربیع الثانی/ ۵۸ھ۔

پردہ کس عمر سے کس عمر تک کرنا چاہیے؟

سوال[۹۲۰۲]: پردہ کے متعلق عورت کو کتنی عمر تک پردہ کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب لڑکی سیانی ہوجائے کہ اس کے اندر ایسا مادہ پیدا ہوجائے کہ خود اس کو مرد کی خواہش ہونے لگے، یا مرد کو اس کی خواہش ہونے لگے تو وہ پردہ کے قابل ہوگی، پھر ساری عمر پردہ کرے گی، کسی وقت بھی اس کو آزادی نہیں کہ بے پردہ ہوکر مردوں میں گھومتی پھرے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿تلک حدود الله، و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه﴾ (سورة الطلاق: ۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعص الله ورسوله ويتعدّ حدوده، يدخله ناراً خالداً فيها، وله عذاب مهين﴾ (سورة النساء: ۱۴)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها النبى قل لأزواجک و بناتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

وقال العلامة الجصاص: "روى عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: "الجلباب الرداء". وقال ابن أبى نجيح عن مجاهد: يتجلببن، ليعلم أنهن حرائر، ولا يعرض لهن فاسق. وروى محمد بن سيرين عن عبيدة: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن﴾. قال: تقنّع عبيدة، وأخرج إحدى عينيه.

وحدثنا عبدالله بن محمد قال: حدثنا الحسن بن أبى الربيع قال: أخبرنا عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر عن الحسن قال: كن إماء بالمدينة يقال لهن: كذا وكذا، يخرجن فيتعرض لهن السفهاء فيؤذونهن، وكانت المرأة الحرة تخرج فيحسبون أنها أمة فيتعرضون لها، فيؤذونها، فأمر الله المؤمنات أن: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن، ذلک أدنى أن يعرفن﴾ أنهن حرائر فلايؤذين ....اهـ". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة الأحزاب: ۵۹): ۳/۵۴۶، قديمى)

چہرہ کا پردہ

سوال[۹۲۰۳]: چہرہ کا پردہ عورت کے لئے کسی حدیث یا کلام اللہ سے ثابت ہے، یا اجماعِ امت اور قیاس سے؟ اور اس کی علت اندیشۂ فساد ہے، یا اَور کچھ، اگر اندیشہ فساد نہ رہے تو پھر منہ کا چھپانا فرض ہے یا واجب یا مستحب؟

سعید احمد کھیڑہ، افغان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقلد کا منصب علت اور دلیل پوچھنا نہیں (۱)، یہ کام مجتہد کا ہے، مقلد کا فرض ہے کہ اس کے امام نے قرآن وحدیث کو دیکھ کر سمجھ کر جو مسئلہ بتادیا ہے اس پر عمل کرے، مأخذ کے درپے نہ ہو۔ اجنبی سے چہرہ کا چھپانا بلا اندیشۂ فساد بھی علاوہ مواقع مستثنیٰ کے ہر حال میں ضروری ہے:

"(فحل النظر) مقيدٌ بعدم الشهوة، وإلا فحرام، وهذا في زمانهم، و في زماننا فمنع من الشابة، قهستاني وغيره". درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۱۰/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف ۲۹/شوال ۵۴ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "على أن الواجب على المقلد العمل بقول المجتهد وإن لم يظهر دليله، كما أفاده في رسم المفتي". (الدرالمختار: ۳/۲۱۰، كتاب النكاح، باب الرضاع، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۳۷۰، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

وقال الله تعالى: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ قال أبوبكر: "في هذه الأية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين، و إظهار الستر و العفاف عند الخروج، لئلا يطمع أهل الريب فيهن. وفيها دلالة على أن الأمَة ليس عليها ستر وجهها وشعرها؛ لأن قوله تعالىٰ: ﴿ونساء المؤمنين﴾ ظاهره أنه أراد الحرائر". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة الأحزاب: ۵۹). ۳/۵۴۶، قديمي)

قال الحافظ ابن كثير: "أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطّين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب و يبدين عيناً واحدةً". (تفسير ابن كثير: ۳/۲۸۴، (سورة الأحزاب: ۵۹)، مكتبه دار السلام، رياض) .... =

....

= ’’آج کل بعض لوگ یہ شور مچا رہے ہیں کہ ’اسلام میں پردہ کا حکم تو ہے، مگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے‘ ان نادانوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتی کہ اگر چہرہ کا پردہ نہیں ہے تو مَردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے کا کیوں حکم دیا گیا؟ چہرہ ہی میں کشش ہے اور وہی مجمع المحاسن ہے، سورۂ احزاب کی آیت ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ سے چہرہ ڈھانکنے کا واضح حکم معلوم ہو رہا ہے۔

بعض لوگوں کو نماز کے مسئلہ سے دھوکہ ہوا ہے، کیونکہ نماز میں عورت کا چہرہ کھلا رہنے سے نماز ہو جاتی ہے (جس پر قیاس کرکے چہرہ کے پردہ نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں) حالانکہ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ شرائطِ نماز میں لکھا ہے، نہ کہ احکامِ پردہ میں، لہٰذا چہرہ کھول کر نماز ہو جانے سے غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھول کر آنے پر استدلال کرنا بددیانتی ہے۔ حضرات فقہاءؒ نے شرائطِ نماز میں اس مسئلے کو لکھا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس مسئلے کے بعد: ”وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال“ فرما کر ایسے فاسد خیال لوگوں کے منہ پر مہر ثبت فرمایا ہے۔

اور شیخ ابن الہمامؒ نے زاد الفقیر میں لکھا ہے کہ:

”و فی الفتاوی: الصحيح أن المعتبر فی فساد الصلوة انكشاف ما فوق الأذنين، وفی حرمة النظر يستوى ما يليها: أی ما فوق الأذنين وما تحتهما“. (زاد الفقير، ص: ۲۵ مجلس علمی ڈابھیل)

دوسری بات یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ چہرہ کھولنے کی اجازت ہے تب بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کا کوئی ذکر نہیں۔ جو لوگ ﴿إلا ما ظهر منها﴾ سے عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھول کر گھومنے پھرنے کا جواز ثابت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ان الفاظ میں عورتوں کو چہرہ کھولنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کے چھپانے کے اہتمام سے زحمت و تکلیف نہ ہو، اس میں نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کے جواز و عدمِ جواز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(اور) آیت میں ﴿إلا ما ظهر﴾ فرمایا، نہ کہ ”إلا ما أظهرن“ اسی سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو قصداً و ارادۃً نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے‘‘۔ (ملخص از خواتین کے لئے شرعی احکام)

نیز اس دورِ فساد میں فتنہ سے مامون رہنے کی کون گارنٹی دے سکتا ہے؟ اور خوفِ فتنہ و فساد کی وجہ سے چہرہ کے پردہ پر تمام علمائے کرام متحد و متفق ہیں، بالفرض اگر چہرے کا پردہ نہیں تب بھی اس دورِ فساد میں فتنہ کی وجہ سے واجب ہے، لأن درء المفسدة مقدم على جلب المنفعة. والله اعلم بالصواب.

چہرہ کا پردہ

سوال[۹۲۰۴]: خالدہ ادیب خانم نے جوایک مشہورترکی خاتون ہیں، ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش کے عنوان پراپنے ساتویں خطبہ میں یہ بات صاف طور پرظاہر کی ہے کہ:

''کلام الٰہی کے اعتبار سے عورتوں کوحکم دیا گیا کہ وہ اپنے سر، سینے، اورزینت کو چھپادیں، چہروں کے چھپانے کا کہیں ذکرنہیں ہےاورنہ عورتوں سے کہا گیا کہ وہ گھر میں بیٹھی رہیں اورخدمتِ عامہ انجام نہ دیں''۔ علاوہ ازیں اسی خطبہ میں آگے چل کر یہ الفاظ موجود ہیں کہ''اگراس پردہ کومسلمان قائم رکھنا چاہتے ہیں توانہیں اختیار ہے، مگر وہ یہ بات ہرگزنہیں کہہ سکتے کہ اس کی بنامذہب کے احکام پر ہے''۔

لہذا براۓ مہربانی یہ فرمائیے کہ وہ کونسی احادیث یااسلامی روایات ہیں جن کی روسے عورتوں کوبغیرعذر چہرہ چھپاناضروری ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سر، سینہ، زینت اورتمام بدن کے چھپانے کاحکم تسلیم کرنے کے بعد چہروں کے چھپانے کے حکم میں تامل کرناہی حیرت انگیز ہے، غورکامقام ہے﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾(۱) کاحکم کس لئے ہے، اگراس سے چہروں کاپردہ مقصودنہیں توکیاہے، اور﴿يا أيها النبي قل لأزواجك و بناتك و نساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ الاية(۲) کاکیامطلب ہے؟

اس کی تفسیرحضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماسے اس طرح مروی ہے:

"قال علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب، ويبدين عيناً واحدة، اهـ". ابن كثير(۳)۔

---

(۱) (سورة النور: ۳۰)

(۲) (سورة الأحزاب: ۵۹)

(۳) (تفسير ابن كثير: ۳/۶۸۴، (سورة الأحزاب: ۵۹)، دار الفيحاء دمشق)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو اصالۃً گھروں میں رہنے کا حکم ہے، اگر کسی حاجت کے لئے مجبوراً نکلیں تو چہرہ اور سر چھپا کر نکلیں، راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کی مقدار کھولنے کی گنجائش ہے۔ اور عبیدۃ سلمانی نے اس آیت کی تفسیر بتلاتے وقت اپنا چہرہ اور سر چھپا کر دکھلایا اور صرف بائیں آنکھ کو کھولے رکھا، کذا فی تفسیر ابن کثیر(۱)۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کس قدر موجبِ فضیلت ہے، لیکن ارشاد ہے:

"صلوة المرأة فی بیتها أفضل من صلوتها فی حجرتها، وصلوتها فی مخدعها أفضل من صلوتها فی بیتها". رواه أبو داؤد(۲)۔

ایک اور روایت میں ہے:

"ولا تمنعوا إماء الله مساجد الله، ولكن ليخرجن و هن تفلات". و فی رواية: "وبيوتهن خيرٌ لهن"(۳)۔

ایک دفعہ کچھ عورتیں جمع ہو کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- مرد جہاد کر کے فضیلت میں ہم سے بڑھ گئے، آپ کوئی عمل ایسا بتایئے جس سے جہاد جیسی فضیلت حاصل ہو، ارشاد ہوا:

"من قعدت منكن فی بیتها، فإنها تدرك عمل المجاهدين فی سبيل الله تعالیٰ"(٤)۔

یعنی "جو تم میں سے اپنے گھر میں بیٹھی رہے اس کو جہاد جیسا اجر ملے گا"۔

جہاد جیسی عبادت اور خدمت ملک وملت کے مقابلہ میں بھی عورتوں کو گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم ہوا۔

---

(۱) "وقال محمد بن سيرين: سألت عبيدة السلماني عن قول الله عزوجل: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ فغطى وجهه و رأسه، وأبرز عينه اليسرى". (تفسير ابن كثير: ۳/۲۸۴، دار الفيحاء دمشق)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۹۶، كتاب الصلوة، باب الجماعة، الفصل الثاني، قديمی)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۹۱، كتاب الصلوة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، إمداديه ملتان)

(۳) (سنن أبي داؤد: ۱/۹۱، كتاب الصلوة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، إمداديه ملتان)

(۴) (تفسير ابن كثير: ۳/۶۳۷، دار الفيحاء دمشق)

ترمذی کی روایت میں ہے:

"عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن المرأة عورة، فإذا خرجت، استشرفها الشيطان"(۱)۔

خالدہ ادیب خانم نے افسانہ نگاری اور عبارت آرائی، یا دیگر طرقِ مروجہ سے ملک وقوم کی خدمت کر کے ممکن ہے کہ ادبی دنیا میں کوئی خاص شہرت پیدا کی ہو، اور اربابِ قلم سے خراجِ تحسین وصول کیا ہو، لیکن مذہبی اصول وفروع پر عبور کے لئے صرف اتنا کافی نہیں، بلکہ اس کا ساحل بہت بعید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۸/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ شعبان/ ۶۴ھ۔

محرم سے پردہ کی حد

سوال [۹۲۰۵]: پردہ دار عورت، بہنوئی، بھائی، پھوپھا، چچا، دیور سے پردہ کس حد تک کرے؟ یعنی شریعت میں اس کا کیا درجہ ہے؟ اور ہاتھ صرف گٹوں تک اور چہرہ کھول کر سامنے آجائے تو کچھ حرج تو نہیں ہے، یعنی ان لوگوں سے کس درجہ تک پردہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بھائی اور چچا سے پردہ نہیں (۲)، بہنوئی، پھوپھا، چچازاد بھائی وغیرہ سے پردہ ہے، بالکل ان کے

---

(۱) (سنن الترمذي: ۲۲۲/۱، أبواب الرضاع، باب، قبيل أبواب الطلاق واللعان، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأخواتكم و عماتكم و خالتكم و بنات الأخ و بنات الأخت﴾ فأفرد بنات الأخ، وبنات الأخت بالذكر؛ لأن اسم الأخ والأخت لا يتناولهن كما يتناول اسم البنات بنات الأولاد".

(أحكام القرآن للجصاص: ۱۷۷/۲، قديمي)

وقال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "وفروع أبويه وإن نزلن، فتحرم بنات الإخوة والأخوات وبنات أولاده الإخوة والأخوات". (ردالمحتار: ۲۸/۳، فصل في المحرمات، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۷۳/۱، الباب الثالث في بيان المحرمات، رشيديه)

سامنے نہ آئے (۱)۔ اگر ایک ہی مکان میں رہتے ہوں اور مکان کی تنگی ہو تو مجبوراً اتنا پردہ بھی کافی ہے کہ چہرہ ہاتھ نہ کھولے بلکہ گھونگھٹ کرے (۲) اور تنہائی میں ایک جگہ ان کے ساتھ نہ ہو اور بے تکلفی ہنسی مذاق نہ کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مشترکہ مکان میں شرعی پردہ

سوال[۹۲۰۶]: جس مکان میں پورا خاندان ساتھ رہتا ہو، وہاں پردہ قائم رکھنے کی صورت (جب

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم و بناتكم وأخواتكم و عماتكم و خالتكم و بنات الأخ وبنات الأخت﴾ .... الخ ". (سورة النساء: ۲۳)

وقال العلامة الشامي: "أنواع تحريم النكاح سبع:

قرابة ملك رضاع جمع وزِيدَ خمسة أتتك بالبيان
تطليقة لها ثلاثاً واللعان تعلق بحق غير من نكاح
أوعدة خنوثة بلا اتضاح وآخر الكل اختلاف الجنس
كالجن والمائي لنوع الإنس".

(ردالمحتار: ۲۸/۳، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲۸۵/۲، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، قديمي)

(۲) "والمراد تحذير المرأة منهم كما يحذر من الموت، فإن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع، لتمكنهم من الوصول والخلوة بلا نكير". (لمعات على هامش مشكوة المصابيح، تحت الحديث: "الحمو الموت". كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول، ص: ۲۶۸، قديمي)

(۳) "وعن عمر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يخلونّ رجل بالمرأة إلا كان ثالثهما الشيطان". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۹، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

کہ جیٹھ اور دیور یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہوں) تحریر فرماتے ہوئے پردہ شرعی کو واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باقی بدن تو چھپا رہتا ہی ہے، چہرہ بھی سامنے نہ کریں اور نامحرم کے ساتھ خلوت کا موقع کبھی آنے نہ دیں، ہنسی مذاق سے پوری احتیاط رکھیں۔ یہ اس وقت جب کہ مکان میں تنگی کی وجہ سے اتنی گنجائش نہ ہو کہ نامحرم کی آمد کے وقت مکان کے اندرونی حصہ میں چلی جائیں، یا پردہ درمیان میں لٹکا دیں، اگر گنجائش ہو تو چہرہ چھپا کر بھی سامنے آنے سے اجتناب کریں۔ یہ تو عورتوں کے حق میں ہے۔

مردوں کے حق میں یہ ہے کہ جب مکان میں جائیں، اطلاع کر کے جائیں اور نگاہ نیچی رکھیں اور ہنسی مذاق، نیز خلوت سے پوری احتیاط کریں:

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت، اهـ". بخاري شريف(۱)۔

"زاد ابن وهب في روايته عن مسلم: سمعت الليث يقول: الحمو أخو الزوج وما أشبه من أقارب الزوج ابن العم و نحوه. و وقع عند الترمذي بعد تخريج الحديث قال الترمذي: يقال: هو أخو الزوج، كره له أن يخلو بها، قال: ومعنى الحديث على نحو ما روى: "لايخلون رجل بامرأة فإن ثالثهما الشيطان، اهـ". و هذا الحديث الذي أشار إليه أخرجه أحمد من حديث عامر بن ربيعة. وقال النووي رحمه الله تعالىٰ. اتفق أهل العلم باللغة على أن الأحماء أقارب زوج المرأة كأبيه وعمه وأخيه وابن أخيه وابن عمه ونحوهم، اهـ". فتح الباري: ۲۸۹/۹(۲)۔

---

(۱) (صحيح البخاري: ۷۸۷/۲، كتاب النكاح، باب: لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول على المغيبة، قديمي)

(۲) (فتح الباري: ۳۳۱/۹، كتاب النكاح، (رقم الحديث: ۵۲۳۲)، دارالفكر بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۲۷۸/۲، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۱۰۲)، رشيديه)

"الخلوة بالأجنبية حرام، اهـ". درمختار(۱)۔

"تمنع من كشف الوجه بين رجال لخوف الفتنة، اهـ".تنوير: ۱/۴۲۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الدر المختار: ۳۶۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(۲) (تنوير الأبصار مع ردالمحتار: ۴۰۶/۱، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، سعيد)

ترجمہ عربی عبارت:

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں پر داخل ہونے سے بچو'' انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ!۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ ارشاد فرمایا: ''دیور تو موت ہے''۔ (بخاری شریف)۔

''ابن وہب نے مسلم کی روایت میں زیادہ کیا ہے کہ میں نے لیث سے سنا فرماتے تھے: حمو (دیور) شوہر کا بھائی ہے اور جو شوہر کے عزیز و اقارب میں سے اس کے مشابہ ہو: چچا ہو بیٹا وغیرہ۔ اور حدیث کی تخریج کے بعد ترمذی نے کہا ہے: کہا جاتا ہے کہ شوہر کے بھائی کے لئے مکروہ ہے کہ اس کے ساتھ (بھائی کی بیوی کے ساتھ) تنہائی کرے۔

اور حدیث کے معنی جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث جس کی طرف اشارہ کیا ہے احمد نے عامر بن ربیعہ کی حدیث سے اس کی تخریج کی ہے۔ اور نوویؒ نے کہا کہ علمائے سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ احماء سے مراد عورت کے شوہر کے اقارب ہیں، جیسے: شوہر کا باپ، اس کا چچا، اس کا بھائی اور بھائی اور چچا کا بیٹا اور ان کے مثل''۔ (فتح الباری)۔

''اجنبیہ کے ساتھ خلوت حرام ہے''۔ درمختار۔ ''لوگوں کے درمیان عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا فتنہ کے اندیشہ سے'' (تنویر)۔

بیوی کو بے پردگی پر مجبور کرنا

سوال[۹۲۰۷]: زید نے اپنی لڑکی صفیہ کا عقد عمر کے بیٹے ظفر کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ اس کی لڑکی پردہ میں رہے گی اور ارکانِ شرعی کی پابند رہے گی۔ ظفر نے دو سال کے بعد اپنی بیوی کو بے پردہ رکھنا شروع کیا، نیز جب وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتی ہے تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ کیا رام کہانی شروع کر رکھی ہے۔ زید کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ اپنی بچی کو گھر لے آیا۔ ظفر کا اصرار ہے کہ وہ اپنی بیوی کو لے جائے گا، زید کا کہنا ہے کہ تم نے شرط پوری نہیں کی اس لئے اب میں رخصت نہ کروں گا۔ ایسی صورت میں شرعی نقطۂ نگاہ سے کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو چاہئے کہ وہ ظفر سے پختہ عہد کرلے اور چند معزز آدمیوں کے سامنے تحریر کرالے کہ ظفر اب آئندہ اپنی بیوی کو پردہ کے ساتھ رکھے گا، بے پردگی پر مجبور نہ کرے گا، نیز احکامِ شرع کی پابندی کرے گا۔ اور اگر اس پر اطمینان نہ ہو تو زوجہ کو چاہئے کہ حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے(۱) کہ ظفر میرا شوہر ہے مجھے بے پردہ رکھتا ہے اور احکام شرع کی بجا آوری میں مخل ہوتا ہے۔ اس پر حاکم ظفر کو بلا کر تحقیق کرے اور اس کو حکم دے کہ تم اپنی زوجہ کو پردہ میں رکھو اور احکام شرع کی پابندی میں رکاوٹ نہ ڈالو، ورنہ آزاد کردو۔ اس پر ظفر احکام شرع کی پابندی کا وعدہ کرے، یا آزاد کردے اگر وعدہ کرے تو بہتر ہے، اگر آزاد

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإن خفتم شقاق بينهما، فابعثوا حَكَماً من أهله وحكماً من أهلها، إن يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما﴾ (سورة النساء: ۱۱۶)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ عليه: "أي وجهوا وأرسلوا إلى الزوجين لإصلاح ذات البين ﴿حَكَماً﴾: أي رجلاً عدلاً عارفاً حسن السياسة والنظر في حصول المصلحة .... وخص الأهل؛ لأنهم أطلب للصلاح وأعرف بباطن الحال وتسكن إليهم النفس، فيطلعون على ما في الضمير كل من حب وبغض، وإرادة صحبة، أو فرقة، وهذا على وجه الاستحباب". (روح المعاني، (سورة النساء: ۱۱۶): ۶/۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کردے تو بعد عدت نکاحِ ثانی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

بیوی کو بے پردگی سے روکنا

سوال [۹۲۰۸]: زید اپنی بیوی کو اس بات پر تنبیہ کرتا ہے کہ وہ پردہ غیر محرم سے کرے اور چاہتا ہے کہ علم دین سیکھے، مگر وہ دونوں سے انکار کرتی ہے۔ نیز زید کی حیثیت چٹنی، روٹی اور گاڑھ پہنانے کی ہے اور اس کی بیوی کہتی ہیں کہ یہ خوراک ہم سے نہیں کھائی جاتی اور اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر جہاں چاہتی ہے، جاتی ہے یعنی اپنی خالہ وغیرہ کے یہاں جہاں پر غیر محرم آتے جاتے ہیں، یعنی اس کے ماموں کا لڑکا، یا اس کے خالو اور اس کے خالو کا بہنوئی وغیرہ جن سے وہ پردہ کرنے سے گریز کرتی ہے۔

باوجود اس کے کہ چند مرتبہ اس کو ہدایت کی گئی کہ وہ پردہ کرے مگر وہ باز نہیں آئی اور یہ جواب دیا گیا کہ ان سے پردہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نیز زید کو اعتبار نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند سے علیحدہ رہ کر پاکدامن رہے۔ عرصہ ڈیڑھ ماہ سے وہ خود چلی گئی بلا خاوند کی مرضی۔ اب اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کے ذمہ لازم ہے کہ امورِ مذکورہ میں زید کی اطاعت کرے (۲) اور صبر وشکر کے ساتھ

---

(۱) "عدة الحرة .... ثلاثة قروء: أي حيض، لقوله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾......... اهـ". (مجمع الأنهر: ۱/۴۶۴، كتاب الطلاق، باب العدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "حق الزوج على الزوجة أن تطيعه في كل مباح يأمرها به". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲/۲۹۷، إمداديه)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۵۵۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ظاهره أنه عند الأمر به يكون واجباً عليها كأمر السلطان الرعية به". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۸، سعيد)

زندگی گذارے(۱)،علمِ دین بقدرِ ضرورت سیکھنا فرض ہے(۲)۔نامحرم سے پردہ فرض ہے(۳)،اگر وہ نامحرم سے پردہ نہ کرے، بلکہ اس کے سامنے چہرہ کھولے تو مرد کوحق ہے کہ مناسب سزا دے اور بقدرِ ضرورت پیٹ بھی سکتا ہے(۴)۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: جاء ت امرأة إلى النبى صلى الله تعالیٰ علیه وسلم فقالت: یا رسول الله ! ما حق الزوج على المرأة؟ قال: "أن لا تمنع نفسها ولو كانت على ظهر قتب. ولا تصوم يوماً إلا بإذنه إلا رمضان، فإن فعلت، كان الأجر له والوزر عليها. ولاتخرج إلا بإذنه، فإن خرجت لنفسها لعنتها ملائكة الرحمة و ملائكة العذاب حتى ترجع". (تنبيه الغافلين، ص: ۲۷۸، باب حق الزوج على زوجته، مكتبه حقانيه پشاور)

"ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة". (بدائع الصنائع: ۳/۶۱۳، كتاب النكاح، فصل فی طاعة الزوج، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم : "طلب العلم فريضة على كل مسلم". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثانی، ص: ۳۴، قديمی)

قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالیٰ: "قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع والعلم بوحدانيته ونبوة رسوله، وكيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عين". (مرقاة المفاتيح: ۱/۴۷۷، كتاب العلم (رقم الحديث: ۲۱۸)، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار، قبيل مطلب فی فرض الكفاية وفرض العين: ۱/۴۲، سعيد)

"قال العلائی في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم مايحتاج إليه العبد فی إقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى، ومعاشرة عباده. وفرض على كل مكلف ومكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل" (رد المحتار: ۱/۴۲،ملطب في الفرق بين المصدر والحاصل بالمصدر، سعيد)

(وكذا فی فتح البارى : ۱/۱۴۱،دار الفكر بيروت)

"واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر مايحتاج لدينه". (الدرالمختار، المقدمة: ۱/۴۲، سعيد)

(۳) قال الله تعالى ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن إلاماظهر﴾ الآية (سورة النور: ۳۱)

(۴) "عن قتادة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ذكر لنا أن رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم، قال فی خطبة =

اگر بلا اجازت و بلا رضامندیٔ شوہر کہیں جائے گی تو جب تک شوہر کے گھر واپس نہ آئے نفقہ کی مستحق نہیں، یعنی شوہر کو حق ہے کہ نفقہ بند کردے کہ جب میرے مکان پر آئے گی تب نفقہ دوں گا (۱)۔ اور جب شوہر کو بدگمانی ہے تو اس کو ہرگز جائز نہیں کہ زوجہ کو کسی ایسی جگہ جانے کی اجازت دے، جس جگہ اس کو خدشہ اور بدگمانی ہے، اگر جازت دے گا تو گنہگار ہوگا (۲)۔

یہ بھی ضروری ہے کہ عورت کے حقوق میں حتی الوسع کمی نہ کرے (۳)، اگر باوجودِ قدرت کے کمی کرے

= وهو يومئذ بمنى: "أيها الناس! إن لكم على النساء حقاً، وإن لهن عليكم حقاً، وإن من حقكم عليهن أن يحفظن فرشكم .... فإن هن فعلن ذلک، فقد أحل الله لكم أن تضربوهن ضرباً غير مبرح". (تنبيه الغافلين، ص: ۲۷۸، باب حق الزوج على زوجته، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶۱۳/۳، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج، دار الكتب العلمية بيروت)

"بخلاف الزوج إذا عزر زوجته، لترک الزينة والإجابة إذا دعاها إلى فراشه، وترک الصلوة، والخروج من البيت". (كنز الدقائق).

قال العلامة ابن نجيم: "ومنه ما إذا كشفت وجهها لغير محرم أو كلّمت أجنبياً .... وكما يجوز ضربها للخروج إذا كان الخروج بغير حق". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۸۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳۷۵/۲، غفاريه)

(۱) "وإن نشزت، فلانفقة لها حتى تعود إلى منزله، والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۵/۱، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۵۷۶/۳، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۲۶/۱ كتاب الطلاق، باب النفقة، رشيديه)

(۲) لقوله عليه السلام: "اتقوا مواضع التهم". (كشف الخفاء، حرف الهمزة مع الباء الموحدة، (رقم الحديث: ۸۸): ۳۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "الدنانير أربعة: دينار تنفقه في سبيل الله تعالىٰ .... و دينار تنفقه على أهلک، وأعظمها أجراً الدينار الذي تنفقه على أهلک". (تنبيه الغافلين، =

گا تو گنہگار ہوگا۔شوہر کو بھی چاہیے کہ زوجہ کو نرمی سے اولاً سمجھائے (۱) ہر بات پر ناراض نہ ہو، ممکن ہے وہ مان جائے اور آئندہ ایسی خلافِ طبع، خلافِ شرع حرکات سے باز آجائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/۵/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہذا سہارنپور۔

جو عورت پہلے سے بے پردہ ہو اس کو بھی پردہ لازم ہے

سوال[۹۲۰۹]: شادی سے پہلے عورت نے کبھی پردہ نہیں کیا، شادی کے بعد اس کا خاوند کہتا ہے کہ پردہ کرو، مگر یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے کہ اب تک پردہ نہیں کیا تو اب کیا پردہ کرنا ہے، جب کہ ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ دوسرے اس علاقہ میں برقع کا رواج بھی نہیں ہے۔تو اس عورت کو خاوند کے کہنے کے مطابق پردہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو پردہ کرنا چاہیے، اگر کسی نے مدتِ دراز تک نماز نہیں پڑھی اور وہ یہ کہے کہ اب بڑی عمر میں کیا نماز پڑھیں گے تو اس کا یہ جواب غلط ہے، اسی طرح اس عورت کا جواب غلط ہے۔فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

= ص: ۲۸۰، باب حق المرأة على الزوج، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) "قال أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيّ المؤمنين أكمل إيماناً؟ قال: "أحسنهم خلقاً مع أهله". (تنبيه الغافلين، باب حق المرأة على الزوج، ص: ۲۷۹)

(۲) "عن الحسن البصريؒ، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "استوصوا بالنساء خيراً، فإنهن عندكم لا يملكن لأنفسهن شيئاً". (تنبيه الغافلين، باب حق المرأة على الزوج، ص: ۲۷۹، مكتبة حقانيه پشاور)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج: ۳/۶۱۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"وينبغي للآمر والناهي أن يرفق، ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه وزانه، ومن وعظه علانيةً فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۳، رشيديه)

کیا نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پردہ ہے؟

سوال[۹۲۱۰]: کچھ لوگوں نے ایسا مشہور کر رکھا ہے کہ عورت کے نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے جس سے نکاح ہوا ہے اس سے پردہ ضروری ہے۔ تو اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کا جس مرد سے نکاح ہو گیا وہ اس کا شوہر ہو گیا، اگرچہ ابھی رخصتی نہ ہوئی ہو، اس سے پردہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

لڑکیوں کا فیکٹری میں کام کرنا

سوال[۹۲۱۱]: یہاں انگلینڈ کا یہ اصول ہے کہ لڑکا یا لڑکی کی عمر جب تک سولہ سال کی نہ ہو اس وقت تک اسکول جانا فرض ہے، جب سولہ سال کی عمر ہو جاتی ہے تو اسکول کی طرف سے فیکٹری میں کام دیتے ہیں۔ تو ہم لوگوں کا پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کو اسکول کی جانب سے کام ملتا ہے، اس فیکٹری میں خالص عورتوں ہی کا کام ہوتا ہے اور اس میں عورتیں ہی کام کرتی ہیں، مرد کا نام بھی نہیں - یہ فیکٹری سپلائی کی ہے - میں نے دو عالم سے پوچھا، انھوں نے یہ جواب دیا کہ جس فیکٹری میں عورتیں ہی کام کرتی ہوں اس میں کام پر لڑکی کو بھیجنے میں کوئی حرج تو نہیں، جس ڈیپارٹ منٹ میں عورتیں کام کرتی ہیں وہاں کی سپروائزر عورت ہی ہوتی ہے۔

---

(۱) "أما النظر إلى زوجته و مملوكته، فهو حلال من قرنها إلى قدمها عن شهوة وغير شهوة، وهذا ظاهر، إلا أن الأولى أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه، كذا في الذخيرة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن، فيما يحل للرجل النظر إليه ومالايحل له، رشيديه)

"(وينظر إلى فرج أمته و زوجته) يعني عن شهوة وغير شهوة، قال عليه السلام: "غض بصرك إلا عن زوجتك وأمتك". وما روى عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنت أغتسل أنا و رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في إناء واحد". ولأنه يجوز المس والغشيان" (البحر الرائق: ۳۵۴/۸، فصل في النظر واللمس، كتاب الكراهية، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۴۶۱/۴، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

بوقتِ حاجت شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

عورتوں کو مزدوری کے لئے باہر نکلنا

سوال[۹۲۱۲]: ہم ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سابقہ زمانہ سے ہمارے خاندان

---

(۱) "(قوله: ومعتدة الموت تخرج يوماً وبعض الليل لتكتسب) لأجل قيام المعيشة؛ لأنه لا نفقة لها، حتى لو كان عندها كفايتها، صارت كالمطلقة، فلا يحل لها أن تخرج لزيارة ولا لغيرها ليلاً أو نهاراً. والحاصل أن مدار الحل كون خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها". (البحر الرائق: ۲۵۸/۴، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الإحداد، رشيديه)

"ولها السفر والخروج من بيت زوجها للحاجة". (الدرالمختار: ۱۴۵/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

وقال الرافعي رحمه الله: "(قول الشارح: للحاجة) ولغيرها لا تخرج ولو خاليةً من الأزواج للأمر بالقرار في البيوت". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۳/ ۱۹، سعيد)

"قال في البحر: فإذا أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم بغير رضى الزوج، ليس لها ذلك. فإذا وقعت لها نازلةٌ، إن سأل الزوج من العالم وأخبرها بذلك، لايسعها الخروج، وإن امتنع من السوال يسعها الخروج من غير رضى الزوج. وإن لم تقع لها نازلة، لكن أرادت .... ولا يسعها الخروج مالم تقع لها نازلة". (حاشية طحطاوي على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲۶۸/۲، دارالمعرفة بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "(وتعتدان): أي معتدة طلاق وموت في بيتٍ وجبت فيه، لايخرجان منه إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات، فتخرج لأقرب موضع إليه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۳۶/۳، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد)

میں مچھلی پکڑنے اور اس کے فروخت کرنے کا پیشہ چلا آرہا ہے۔ گھر کے تمام مرد و عورت اپنی قوتِ بازو سے کما کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر وہ زمانہ شریف تھا، دوسروں کی عزت کو خود اپنی عزت سمجھا جاتا تھا، مگر آج زمانے کی فضا نے ہر شخص کے دل میں فتنہ اور بے حیائی کے جذبات کو پیدا کر دیا ہے۔ اور ہماری قوم اس قدر بے خبر ہے کہ وہ اپنے مذہب کے ایک ادنیٰ سے جز پر بھی عامل نہیں ہے۔ ہماری عورتیں باہر لوگوں کی مزدوری کرتی ہیں، ہم ان کو منع کرتے ہیں مگر باز نہیں آتی ہیں۔ اور کچھ غنڈے قسم کے لوگ بھی گھر پر ٹھہرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض وہ عورتیں جو باز رہتی ہیں، ان کو بھی جانے کا موقع ملتا ہے۔

اس لئے پُر زور عرض ہے کہ آپ ان عورتوں کی کمائی حرام قرار دے کر ایسا حکم صادر فرمائیں جس کے ذریعہ یہ عورتیں اپنے اس مزدوری کے پیشہ کو چھوڑ کر پردہ کی پابند ہو جائیں اور پردہ کا حکم ان کے لئے کیا جائے تا کہ بے حیائی کا شکار نہ بنیں۔ نیز یہ بات بھی ہماری قوم میں رائج ہے: حق سلب کر لینا، ناپ تول میں کمی کرنا، جھوٹ بولنا۔ اس لئے اس پر بھی شرعی روشنی میں ان باتوں پر جواز یا ممانعت کا حکم لگائیں۔ آیا یہ باتیں صحیح ہیں یا باطل؟ اور باطل پر عمل کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بے حیائی اور بدکاری کی بُرائی کو سب ہی جانتے ہیں، کوئی بے خبر نہیں (۱)۔ ایسی حالت میں صرف فتویٰ کافی نہیں بلکہ تعلیم کا انتظام کیا جائے، گھروں میں دینی کتابیں سنائی جائیں، بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے، علمائے حق کے وعظ کہلوائیں، سب برادری اس پر غور کر کے اصلاح کا پختہ ارادہ کرے، ہر شخص اپنی بیوی کا نان ونفقہ پورا پورا دے اور اس کو مجبور کرے کہ اب تم کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں، تمہاری ہر ضرورت یہیں پوری کی جائے گی، مچھلی پکڑنے اور فروخت کرنے کے لئے بھی مت جانا۔

دوسرے کا حق غصب کر لینا کبیرہ گناہ ہے، جو شخص ایک بالشت زمین کسی کی غصب کرے گا ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا (۲) اور چار پیسے کے عوض سات سو فرض مقبول

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها ومابطن﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتقربوا الزنى إنه فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة بني إسرائيل: ۳۲)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ =

نمازیں دلائی جائیں گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۱۳۹۰ھ۔

حفاظتِ نظر کے ساتھ بازار سے خرید وفروخت

سوال[۹۲۱۳]: یہاں کے دوکاندار کلکتہ میں کروم خریدنے کے لئے جاتے ہیں، کلکتہ میں جو کروم بناتے ہیں وہ غیر مسلم ہیں، ان لوگوں کی جو عورتیں ہیں وہ بھی اپنے مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں، عام بیوپاری لوگ مال خریدنے جاتے ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی عورتیں بچوں کو دودھ دیتے وقت چھاتی کو ننگی کرکے دودھ دیتی ہیں، بیوپاری لوگ سامنے ہی ہوتے ہیں۔ مسلم بیوپاری کو وہاں جاکر مال خریدنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال خریدنا تو درست ہے، لیکن نامحرم پر نظر نہ کی جائے، جیسا کہ بازار میں بھی بہت سی عورتیں سر وبازو کھولے ہوئے رہتی ہیں، ان کی طرف نظر ممنوع ہے(۲) اور نفس بازار سے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنا شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمى)

(۱) لم أظفر عليه

(۲) "عن الحسن مرسلاً قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لعن الله الناظر والمنظور إليه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۷۰، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثالث، قديمى)

"وفيما إذا كان الناظر إلى المرأة الأجنبية هو الرجل، قال: فليجتنب بجهده، وهو دليل الحرمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه، رشيديه)

اگر اچانک بلاقصد نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے، مگر پھر دوسری بار قصداً اجنبیہ کو دیکھنا جائز نہیں، لقول عليه الصلوة =

عورتوں کو گھومنے کے لئے باہر نکلنا

سوال[۹۲۱۴]: آج کل بعض حضرات کا خیال ہے کہ چہار دیواری میں عورتوں کو محصور رکھنا ظلم ہے، عورتوں کو اپنے شوہروں کے ساتھ برقع اوڑھ کر گھومنا چاہئے، کیونکہ عہدِ نبوی میں عورتیں جنگ میں شریک ہوتی تھیں اور ہر کام میں امداد دیتی تھیں۔

محمد یونس۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن شرائط اور احوال کی رعایت سے عہدِ نبوی میں عورتیں جہاد میں شریک ہوئی ہیں، آج ان کا عشرِ عشیر بھی موجود نہیں، بلکہ ان کا پایا جانا عادۃً محال ہے، تاہم جس درجہ میں فقہاء نے اجازت دی ہے اس درجہ میں جہاد کے لئے آج بھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے، یعنی اضطرار کی حالت میں نفیرِ عام کے وقت عورتوں کو جہاد کے لئے نکلنا درست ہے بشرطیکہ ان کو قتال کی قدرت بھی ہو اور لشکر بڑا ہو، مرہم پٹی وغیرہ کے لئے بوڑھی عورتوں کو نکلنا جائز ہے، جوانوں کو جائز نہیں۔

"قال محمد رحمه الله تعالیٰ: لا يعجبنا أن تقاتل النساء المسلمات مع الرجال إلا أن يضطرّ المسلمون إلى ذلك، فإن اضطر المسلمون إلى ذلك بأن جاء النفير، وكان في خروجهن حاجة وضرورة، فلا بأس بخروجهن للقتال .... ولا تخرج الشوابّ لمداواة الجرحى وسقى الماء والطبخ والخبز لأجل الغزاة، أما العجائز اللاتي دخلن في السن، فلا بأس بأن يخرجن في الصوائف ونحوها من الجنود العظام، ويداوين المرضى والجرحى، ويسقين الماء، ويخبزن ويطبخن، ولكن لا يقاتلن". عالمگیری: ۲/۲۰۳(۱)۔

= والسلام لعلي رضي الله عنه: "يا علي! لا تتبع النظرة النظرة، فإن لك الأولىٰ، وليست لك الأخرة". رواه أحمد والترمذي". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۹، كتاب النكاح، باب النظر الى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۱۸۹، كتاب السير، الباب الأول في تفسيره شرعاً وشرطه وحكمه، رشيديه) ....=

جب کہ جہاد کے لئے نکلنے کا یہ حکم ہے تو پھر شوہروں کے ساتھ گھومنا تو کوئی عبادت بھی نہیں، اس کو جہاد پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے، خصوصاً جب کہ روایاتِ ذیل سے پردہ کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے:

"المراة عورة، فإذا خرجت، استشرفها الشيطان". ترمذی(۱)۔

"صلوٰة المرأة فی بیتها أفضل من صلوتها فی حجرتها، وصلوتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها". أبوداؤد(۲)۔

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلی الله علیه وسلم

= "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه، قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یغزو بأم سلیم، ونسوة من الأنصار معه إذا غزا، فیسقین الماء ویداوین الجرحی".

"قال النووی رحمه الله: فیه خروج النساء فی الغزو، والانتفاع بهن فی السقی والمداواة ونحوهما، وهذه المداواة لمحارمهن وأزواجهن، وماکان منها لغیرهم، لا یکون فیه مس بشرة إلا فی موضع الحاجة .... وقال الحافظ تحت حدیث الربیع: وفیه جواز معالجة المرأة الأجنبیة الرجلَ الأجنبیَّ للضرورة. قال ابن بطال: ویختص ذلک بذوات المحارم ثم بالمتجالات منهن؛ لأن موضع الجرح لا یُلتذّ بلمسه بل یقشر منه الجلد، فإن دعت الضرورة لغیر المتجالات فلیکن بغیر مباشرة ولا مس". (تکملة فتح الملهم: ۲۴۹/۳، کتاب الجهاد، باب غزوة النساء مع الرجال، مکتبه دار العلوم کراچی)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قلت : یارسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هل علی النساء من جهاد؟ قال: "نعم، علیهن جهاد لاقتال، فیه الحج والعمرة". (مسند أحمد بن حنبل، حدیث السیدة عائشة، (رقم الحدیث: ۲۴۲۹۴): ۲۳۴/۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"عن عائشة أم المؤمنین أنها قالت: یارسول الله نری الجهاد أفضل العمل، أفلا نجاهد؟ قال: "لا، لکنّ أفضل الجهاد حجّ مبرور". (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور: ۲۰۶/۱، قدیمی)

(۱) (جامع الترمذی: ۲۲۲/۱، اخر کتاب الرضاع، باب، قبیل أبواب الطلاق واللعان، سعید)

(۲) (وسنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی خروج النساء إلی المسجد: ۹۱/۱، إمدادیه ملتان)

ماأحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". بخاری(۱)۔

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس زمانہ کا حال بیان فرمایا ہے جس کے متعلق ارشاد ہے:"خير القرون قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم"(۲)۔

آج فتنہ وفساد کے غلبہ کی وجہ سے مساجد میں نماز کے لئے عورتوں کا آنا بدرجۂ اُولیٰ ممنوع ہوگا(۳)، جیسا

(۱) (صحيح البخاري: ۱/۱۲۰، كتاب الصلوة، باب خروج النساء إلى المسجد، قديمي)

(۲) (مشكوة المصابيح، باب مناقب الصحابة، الفصل الأول، ص: ۵۵۳، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ روى هشام عن محمد بن سيرين قال: قيل لسودة بنت زمعة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا تخرجين كما تخرج أخواتك؟ قالت: والله! لقد حججت واعتمرت، ثم أمرني الله أن أقِرّ في بيتي، فوالله! لا أخرج. فما خرجت حتى أخرجوا جنازتها. وقيل: إن معنى ﴿وقرن في بيوتكن﴾ كن أهل وقار وهدوء وسكينة، يقال: وقر فلان في منزله يقر وقوراً إذا هدأ فيه واطمأنّ به، وفيه الدلالة على أن النساء مأمورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة الأحزاب: ۳۳): ۳/۵۲۹، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاتمنعوا النساء أن يخرجن إلى المساجد، وبيوتهن خيرٌلهن".

ورواه أحمد والطبراني: عن أم حميدالساعدية رضي الله تعالىٰ عنها أنها جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقالت: يا رسول الله! إني أحِبّ الصلاة معك. فقال صلى الله عليه وسلم: "قد علمت، وصلاتك في حجرتك خيرٌ لك من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خيرٌ لك من صلاتك في مسجد الجماعة". (فقه السنة: ۱/۲۲۹، كتاب الصلاة، باب صلوة الجماعة، حضور النساء الجماعة في المساجد، دارالكتاب العربي بيروت)

"وعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله على وسلم: "صلوة المرأة في بيتها أفضل من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في مخدعها أفضل من صلوتها في بيتها". رواه أبو داود".

(مشكوة المصابيح، ص: ۹۶، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثاني، قديمي)

قال الشيخ المحدث الدهلوي رحمه الله: "هو محمول على عجوز غير مشتهاة لم تخرج بطيب ولا بزينة، وفي زماننا خروج النساء للجماعة مكروه لفساده. وقيل: لأن الغرض من حضورهن كان ليتعلمن الشرائع، ولا احتياج إلى ذلك في زماننا لشيوعها، والستر لهن أولى". (لمعات التنقيح في =

....

= شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۰۵۹): ۲۸۲/۳، مكتبه رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۳۰۴، كتاب الصلاه، قديمی)

وقال الحصكفی رحمه الله تعالیٰ: "(ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقاً) ولو عجوزاً ليلاً (على المذهب) المفتی به لفساد الزمان. واستثنى الكمال بحثاً العجائز المتفانية .... اهـ". (الدرالمختار). قال الشامی رحمه الله تعالی: "(قوله: ولو عجوزاً ليلاً) بيان للإطلاق: أی شابةً أو عجوزاً، نهاراً أو ليلاً. (قوله: على المذهب المفتی به): أی مذهب المتأخرين. قال فی البحر: وقد يقال: هذه الفتوى الذی اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقاً اتفاقاً، وأما العجوزفلها حضور الجماعة عند الإمام إلا فی الظهر والعصر والجمعة: أی وعندهما مطلقاً، فالإفتاء بمنع العجائز فی الكل مخالف للكل، فالاعتماد على مذهب الإمام، اهـ.

قال فی النهر: وفيه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام، وذلک أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناءً على أن الفسقة لا ينتشرون فی المغرب؛ لأنهم بالطعام مشغولون وفی الفجر والعشاء نائمون، فإذا فرج انتشارهم فی هذه الأوقات لغلبة فسقهم، كما فی زماننا بل تحريهم إياها، كان المنع فيها أظهر من الظهر .... اهـ". (ردالمحتار ۵۶۶/۱ كتاب الصلاة، باب الجماعة، مطلب: إذا صلى الشافعی، سعيد)

"وأطبق المتأخرون على أن الفتوى على منع الكل فی الكل .... وإذا منعت عن حضور الجماعة، فمنعها من حضور الوعظ والاستسقاء أولیٰ. وأدخله العينی رحمه الله فی الجماعات، وما قلناه أولیٰ". (النهر الفائق: ۲۵۰/۱، ۲۵۱، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة والحدث فی الصلوة، امداديه)

مذکورہ بالا عبارات سے عورتوں کا کسی بھی مجلس میں شرکت کے لئے نکلنے کا عدمِ جواز واضح اور مصرح ہے، حتی کہ مجلسِ وعظ میں شرکت کے لئے نکلنا بھی درست نہیں جیسا کہ صاحبِ نہر کی عبارت سے معلوم ہوا۔

مگر موجودہ دور کے فقہاء نے بوجۂ مجبوری عورتوں کو مجلسِ وعظ میں شرکت کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے، راجع للتفصيل: (احسن الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، عنوان: مجلس وعظ کے لئے خروج: ۲۱/۸، سعيد)

(وفتاویٰ حقانيه، كتاب الحظر والإباحة، باب الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر: ۲۳۸/۲، جامعه دار العلوم حقانيه)

کہ نہایہ(۱)، کفایہ(۲)، عنایہ(۳)، مبسوط(۴)، جامع الرموز(۵)، محیط(۶) وغیرہ میں مصرح موجود ہے۔ جب کہ دینی امور میں عورتوں کے نکلنے کا یہ حکم ہے تو پھر شوہروں کے ساتھ گھومنا تو کوئی دینی ضرورت نہیں، بلکہ نصاریٰ کا شعار اور طریقہ ہے، وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/۳/۵۳ھ، صحیح: عبداللطیف، ۲۷/۳/۵۳ھ۔

---

(۱) لم أظفر عليه.

(۲) (فتح القدير مع الكفاية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۱۷، رشيديه)

(۳) (فتح القدير مع العناية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۳۱۷، رشيدية)

(۴) "والمرأة كذلك مشغولة بخدمة الزوج منهيةٌ عن الخروج شرعاً، لما في خروجها إلى مجمع الرجال من الفتنة". (المبسوط للسرخسي: ۲/۳۷، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وليس على النساء خروج في العيدين، وقد كان يرخص لهن في ذلك، فأما اليوم، فإني أكره ذلك يعني للشوابّ منهن، فقد أمِرنَ بالقرار في البيوت ونُهِينَ عن الخروج، لما فيه من الفتنة".

(المبسوط السرخسي: ۲/۶۳، باب صلاة العيدين، مكتبة الغفارية)

(۵) "وأما عندهما فالحضور رخصة في الكل كما في الكسوف والاستسقاء، كما في المحيط. وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فيكره حضورها كل جماعة، وهو المختار، كما في الاختيار وغيره. وفيه إشارة إلى أن حضور الواسطة يعني الكهلة مكروه في زماننا، وينبغي أن يكون كذلك في زمانهم. في المحيط: قالت عائشة رضي الله عنها للنساء حين شكون إليها عن عمر رضي الله عنه، لنهيهن عن الخروج إلى المساجد: لو علم النبي عليه الصلاة والسلام ما علم عمر، ما أذن لكنّ إلى الخروج".

(جامع الرموز: ۱/۱۷۴، كتاب الصلاة، فصل: يجهر الإمام، المطبعة الكريمية بلبدة القزان)

(۶) "ثم تكلموا أن في زماننا هل يرخص لهن في الخروج أم لا؟ أما الصواب فلا يرخص لهن في الخروج في شئ من الصلوات عندنا". (المحيط البرهاني: ۲/۲۱۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، مكتبة الغفاريه كوئٹه).

نامحرموں کو دیکھنا

سوال[۹۲۱۵]: زید ہمیشہ اجنبی حسین عورتوں کو تاکتا رہا(۱) اور احباب سے حالات بیان کرتا رہا۔ کیا اس کو بھی گناہ کبیرہ کہا جاوے گا، اور اصرار علی الکبیرۃ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجنبیہ کو (شہوت سے) دیکھنا بلا ضرورتِ شرعیہ حرام ہے، کیونکہ آنکھ کا زنا ہے، ایسے فعل سے توبہ کرنا ضروری ہے، اگر توبہ نہ کرے تو یہ اصرار ہے(۲)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۲۳/۶/۵۳ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''تاکنا: گھورنا، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، دیکھنا، جھانکنا: چھپ کر دیکھنا، تاڑنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۸، فیروز سنز لاهور)

(۲) "قال ابن الكمال: لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار .... وفي الصغائر العبرة للغلبة، أو الإصرار على الصغيرة، فتصير كبيرةً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۳، سعيد)

فصلٌ فی مایتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

عورت کی آواز کا پردہ ہے یا نہیں؟

سوال[۹۲۱۲]: ا.....کسی عورت کا بیہودہ مردوں کے سامنے تقریر کرنا کیسا ہے مجمع میں؟

۲.....اگر مقرر عورت برقع اوڑھ کر مردوں کے مجمع میں تقریر کرے تو کیسا ہے؟

۳.....ایسی عورت کی تقریر سننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا.....ناجائز ہے(۱)۔

---

(۱) "فظهرُ الكف عورة على المذهب، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: على الراجح) عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه. وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده، ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، وتعلّمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه الصلاة والسلام: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء". فلا يحسن أن يسمعها الرجل، اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر.

قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل: إذا جهرت بالقراءة في الصلاة، فسدت كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق، اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد. ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا: صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها، لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة، اهـ. قلت: ويشير=

۲......عورت کا مَردوں کے ساتھ مسجد میں جا کر نماز پڑھنا بھی علمائے کرام نے ممنوع لکھا ہے(۱)، خواہ

= إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۶، سعيد)

"ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة". (المبسوط للسرخسي: ۱/۲۷۷، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ روى هشام عن محمد بن سيرين قال: قيل لسودة بنت زمعة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا تخرجين كما تخرج أخواتك؟ قالت: والله! لقد حججت واعتمرت ثم أمرني الله أن أقِرّ في بيتي، فوالله! لا أخرج. فما خرجت حتى أخرجوا جنازتها. وقيل: إن معنى ﴿وقرن في بيوتكن﴾ كن أهل وقار وهدوء وسكينة، يقال: وقر فلان في منزله يقر وقوراً إذا هدأ فيه واطمأنّ به، وفيه الدلالة على أن النساء مأمورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة الأحزاب: ۳۳): ۳/۵۲۹، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاتمنعوا النساء أن يخرجن إلى المساجد، وبيوتهن خيرٌ لهن".

ورواه أحمد والطبراني: "عن أم حميد الساعدية رضي الله تعالىٰ عنها أنها جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقالت: يا رسول الله! إني أحِبّ الصلاة معك. فقال صلى الله عليه وسلم: "قد علمت، وصلاتك في حجرتك خيرٌ لك من صلاتك في مسجد قومك، وصلاتك في مسجد قومك خيرٌ لك من صلاتك في مسجد الجماعة". (فقه السنة: ۱/۲۲۹، كتاب الصلاة، باب صلوة الجماعة، حضور النساء الجماعة في المساجد، دارالكتاب العربي بيروت)

"وعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله علي وسلم: "صلوٰة المرأة في بيتها أفضل من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في مخدعها أفضل من صلوتها في بيتها". رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، ص: ۹۶، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثاني، قديمي)

قال الشيخ المحدث الدهلوي رحمه الله: "هو محمول على عجوز غير مشتهاة لم تخرج بطيب ولا بزينة، وفي زماننا خروج النساء للجماعة مكروه لفساده، وقيل: لأن الغرض من حضورهن كان ليتعلمن الشرائع، ولا احتياج إلى ذلك في زماننا لشيوعها، والستر لهن أولىٰ". (لمعات التنقيح في شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۰۵۹): ۳/۲۸۲، مكتبه رشيديه) .... =

برقع اوڑھ کر جائے یا بلا برقع اوڑھے، کیونکہ اس میں بہت مفاسد اور فتن ہیں، لہٰذا عورت کا مَردوں کے مجمع میں جا کر تقریر کرنا بھی (بلا شدید ضرورت کے) منع ہے۔

٣...... مَردوں کو ایسے مجمع میں شریک ہونا اور تقریر سننا شرعاً درست نہیں (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، ٢٠/ ربیع الثانی/ ٥٨ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٠٣، كتاب الصلاة، قديمي)

وقال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "(ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقاً) ولو عجوزاً ليلاً (على المذهب) المفتي به لفساد الزمان. واستثنى الكمال بحثاً العجائز المتفانية .... اهـ". (الدر المختار). قال الشامي رحمه الله تعالى: "(قوله: ولو عجوزاً ليلاً) بيان للإطلاق: أي شابةً أو عجوزاً، نهاراً أو ليلاً. (قوله: على المذهب المفتي به): أي مذهب المتأخرين، قال في البحر: وقد يقال: هذه الفتوىٰ الذي اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقاً اتفاقاً، وأما العجوز فلها حضور الجماعة عند الإمام إلا في الظهر والعصر والجمعة: أي وعندهما مطلقاً، فالإفتاء بمنع العجائز في الكل مخالف للكل، فالاعتماد على مذهب الإمام اهـ.

قال في النهر: وفيه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام، وذلك أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناءً على أن الفسقة لا ينتشرون في المغرب؛ لأنهم بالطعام مشغولون وفي الفجر والعشاء نائمون، فإذا فرج انتشارهم في هذه الأوقات لغلبة فسقهم -كما في زماننا، بل تحريهم إياها- كان المنع فيها أظهر من الظهر .... اهـ". (ردالمحتار ١/٥٦٦ كتاب الصلاة، باب الجماعة، مطلب: إذا صلى الشافعي، سعيد)

"وأطبق المتأخرون على أن الفتوى على منع الكل في الكل .... وإذا منعت عن حضور الجماعة، فمنعها من حضور الوعظ والاستسقاء أولىٰ. وأدخله العيني رحمه الله في الجماعات، وما قلناه أولى". (النهر الفائق: ١/٢٥٠، ٢٥١، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة والحدث في الصلوة، رشيديه)

(١) "نغمة المرأة عورة .... قال عليه الصلوة والسلام "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء"، فلا =

عورت کی تقریر لاؤڈ اسپیکر پر

سوال[۹۲۱۷]: مستورات کو لاؤڈ اسپیکر پر بیان کرنا رات میں جائز ہے یا نہیں؟ عورتوں کی آواز گھر سے باہر نکلنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صرف مستورات کا مجمع ہو اور آواز نامحرموں تک نہ پہونچے تو عورت کا وعظ کہنا اور اپنی بات بتانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۵ھ۔

= يحسن أن يسمعها الرجل .... ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لافطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة، إنا نريد بذلك كلامها .... ولانجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تلينها وتقطيعها، لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۴۰۶/۶، سعيد)

(۱) قال العلامة الجصاص تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن﴾ (الآية): "وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب، إذا كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها، ولذلك كره أصحابنا أذان النساء؛ لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت والمرأة منهية عن ذلك". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۳، باب ما يجب من غض البصر عن المحرمات، قديمي)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۵۲۸/۳، فصل، قديمي)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق: ۴۵۸/۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۹۹، باب الأذان، قديمي)

"فظهرُ الكف عورة على المذهب، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح". =

لاؤڈ اسپیکر پر تعلیم کے لئے لڑکیوں کی تقریر

سوال[۹۲۱۸]: ہمارے یہاں شہر مالیگاؤں میں لڑکیوں کے دینی مدارس قائم ہیں جس میں دینی تعلیم دی جاتی ہے اور قرات قرآن وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔ سال کے اختتام پر لڑکیوں اور عورتوں میں دینی جذبہ بیدار کرنے کے لئے ایک مخصوص عورتوں کا پردے کے پورے انتظام کے ساتھ ایک جلسہ منعقد کیا جاتا ہے جس میں لڑکیاں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ تقریر، نظم، مکالمہ وغیرہ پیش کرتی ہیں۔ نیز مختلف مدارس کی لڑکیوں کا قرآن شریف کی قرات میں مقابلہ بھی ہوتا ہے اور انعام بھی دیا جاتا ہے۔ ان جلسوں میں مَردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے جو ان کی تقریروں کو سنتے ہیں۔ تو اس قسم کے جلسے کرنا اور لڑکیوں اور عورتوں کا - جو اکثر بالغ ہی ہوتی ہیں - لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تقریر کرنا از روئے شرع درست ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

= (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: على الراجح) عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه. وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده، ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، وتعلّمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه الصلاة والسلام: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء". فلا يحسن أن يسمعها الرجل، اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر.

قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل: إذا جهرت بالقراءة في الصلاة، فسدت كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق، اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد. ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا: صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها، لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة، اهـ. قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۰۶، سعيد)

"ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة". (المبسوط للسرخسي: ۱/۲۷۷، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبة غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوعمر لڑکیوں کا اس طرح جلسہ کرنا بظاہر ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے، ان کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں، مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے، مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں، خاص کر جب مردوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ لاؤڈ اسپیکر پر ان کی تقریر مکالمے سنتے ہیں اور دلچسپی لیتے اور نظمیں بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ خود عورتوں کا جمع ہونا مستقل فتنہ ہے، اسی وجہ سے تقریباتِ خاندان میں بھی شرکت کی ان کو اجازت نہیں دی جاتی، اگر شوہر اجازت دے تو وہ بھی ماخوذ ہوگا۔

فتنوں کا علم جگہ جگہ کے خطوط سے بھی ہوتا رہتا ہے، جو بصورتِ استفتاء آتے ہیں۔ اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں۔ بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے، ان کو اس طرح نہ تعلیم دی جائے نہ تقریر کرائی جائے۔

"ویمنعها من زیارة الأجانب وعیادتهم والولیمة، وإن أذن کانا عاصیین، اه". درمختار۔ "(قوله: والولیمة) ظاهره ولو کانت عند المحارم؛ لأنها تشتمل علی جمع، فلا تخلوا من الفساد عادةً، اه". شامی: ۲/۶٦٥(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

عورتوں کی اجلاس میں شرکت، تقریر وقراءت

سوال[۹۲۱۹]: مسلم خواتین دینی اجتماعات منعقد کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور وعظ وتقریر کی مکلف ہیں یا نہیں؟ عورت کی آواز بھی سترِ عورت بتائی جاتی ہے تو عورت وعظ وتقریر کس طرح کرے؟ اور جس وعظ وتقریر کو غیر محرم بھی سنیں تو کیا یہ جائز ہے؟

ہمارے یہاں رواج ہوگیا ہے کہ بعض خواتین جو کہ اونچے درجہ کی تعلیم یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سی خواتین شرعی پردے اور شرعی لباس کی پابند نہیں ہیں، جلسۂ سیرتِ پاک وقراءت وغیرہ منعقد کرتی ہیں اور ان جلسوں میں خواتین کو مدعو کرتی ہیں۔ ایسا ہی ایک جلسہ مسجد شاہی خیریت آباد میں منعقد ہو رہا ہے، اشتہار چسپاں کیا جا رہا ہے، مسجد مذکور محصورہ ہے۔ حصۂ مسجد کا بلند چبوترہ تقریباً ۸/ فٹ بلند ہے، چبوترہ مسجد پر

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب النفقة: ۳/۶۰۳، سعید)

مسجد کی اصل عمارت ہے اور صحن مسجد واقع ہے جو داخلِ مسجد ہے، وسیع وعریض بلند چبوترہ کے اطراف کی زمین جو محصور ہے وہ مسجد ہی کی چہار دیواری ہے، اسی بلند چبوترہ پر جلسہ منعقد ہوتا ہے۔ جلسہ گاہ کو شامیانے وغیرہ سے گھیرا جاتا ہے۔

حصارِ مسجد کے باہر بعض مکانات بلند (دومنزلہ) غیر مسلموں کے ہیں، یہاں سے مسجد محصور اور صحنِ مسجد بھی نظر آتا ہے۔ جلسۂ مذکورہ کی شرکاء خواتین کی تعداد ایسی بھی رہی جو مسجد کے محصورہ علاقہ کے باب الداخلہ سے جلسہ گاہ کے شامیانے تک بے پردہ گئیں اور واپس ہوئیں۔ کیا خواتین کے ایسے اجتماعات (جو اشتہار منسلکہ سے ظاہر ہے اور جس کی صراحت اوپر کی گئی ہے) جائز ہوسکتے ہیں؟ شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

شریعت نے عورتوں کو پردہ کی بہت تاکید فرمائی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: ''عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ مکان سے باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے'' (۱)۔ ایک حدیث میں ہے: ''میں نے اپنے بعض مَردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا'' (۲)۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ''جو عورت خوشبو لگا کر مَردوں کے قریب سے گذرتی ہے وہ ایسی ہے'' یعنی بدکاری کی دعوت

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت، استشرفها الشیطان". رواہ الترمذی". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۶۹، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثانی، قدیمی)

"وقیل: إنها ذات عورة، والمعنی أن المرأة یستقبح بروزها وظهورها، فإذا خرجت أمعن النظر إلیها لیغویها بغیرها ویغوی غیرها بها، فیوقعها أو أحدهما فی الفتنة، أو یرید الشیطان شیطان الإنس من أهل الفسق: أی إذا رأوها بارزةً، استشرفوها بما بثه الشیطان فی نفوسهم من الشر". (مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۳۱۰۹): ۲۸۲/۶، رشیدیه)

(۲) "عن أسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ما أدع بعدی فتنةً أضر علی الرجال من النساء". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۸۸، کتاب الفتن، باب فتنة النساء، قدیمی)

دینے والی ہے(۱)۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ''نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو سیدھا دل پر جا کر لگتا ہے''(۲)۔

اس لئے بلاضرورت عورت کا مکان سے نکلنا منع ہے اگر چہ وہ پردہ کے ساتھ نکلے، ضرورت پر جبکہ بغیر مکان سے نکلے کام نہ چلے تو میلے کچیلے کپڑے پہن کر پردہ کے ساتھ نکلنے کی گنجائش ہے(۳)، اس طرح کہ مہکتی

---

(۱) "عن أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا استعطرت المرأة فمرت على القوم ليجدوا ريحها، فهي كذا كذا". قال قولاً شديداً". (سنن أبي داؤد: ۲/۵۷۵، كتاب الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، دارالحديث ملتان)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: -يعني عن ربه عز وجل- "النظر سهم مسموم من سهام إبليس". رواه الطبراني والحاكم". (الترغيب والترهيب، كتاب النكاح، ومايتعلق به الترغيب في غض البصر، والترهيب عن إطلاقه ومن الخلوة بالأجنبية ولمسها: ۳/۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الاية) (سورة الأحزاب: ۵۹)

"ولها السفر والخروج من بيت زوجها للحاجة". (الدرالمختار: ۳/۱۴۵، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

وقال الرافعي رحمه الله: "(قول الشارح: للحاجة)، ولغيرها لا تخرج ولو خاليةً من الأزواج، للأمر بالقرار في البيوت". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار: ۳/ ۹ ۱، سعيد)

"قال في البحر: فإذا أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم بغير رضى الزوج، ليس لها ذلك. فإذا وقعت لها نازلةٌ، إن سأل الزوج من العالم وأخبرها بذلك، لايسعها الخروج، وإن امتنع من السوال يسعها الخروج من غير رضى الزوج. وإن لم تقع لها نازلة، لكن أرادت .... ولا يسعها الخروج مالم تقع لها نازلة". (حاشية طحطاوى على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۲٦۸، بيروت)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "(وتعتدان): أى معتدة طلاق وموت في بيتٍ وجبت فيه، لاتخرجان منه، إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات، فتخرج لأقرب موضع إليه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۵۳٦، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، سعيد) .... =

خوشبو نہ ہو، کوئی چیز جاذبِ نظر نہ ہو، پھر ضرورت پوری ہونے پر فوراً واپس آجائے (۱)۔

دین سیکھنے اور مسائل معلوم ہونے کا مکان پر اگر انتظام نہ ہوسکے تو دینی ضرورت کی خاطر بھی پردہ کے ساتھ نکل سکتی ہے، ضرورت کی چیز کوئی لانے والا نہ ہو مثلاً پانی وغیرہ تب بھی اس طرح نکل سکتی ہے (۲)۔ الحاصل تفریح وسیر کے لئے، شہریوں کی ملاقات کے لئے، خوش طبعی کی محفلوں کے لئے، رسمی جلسوں کے لئے نکلنے کی اجازت نہیں۔

بے پردہ نکلنا تو ہر صورت میں ناجائز ہے، پھر مسئولہ جلسہ میں تو مسئولہ طریقہ پر سخت قسم کا فتنہ ہے جس میں تقریر وقراءت کی آواز بھی نامحرم تک پہونچتی ہے (۳)، اس میں صورت بھی دکھاتی ہیں اور عورتیں بھی ہر قسم کی

= "(قوله: ومعتدة الموت تخرج يوماً وبعض الليل لتكتسب) لأجل قيام المعيشة؛ لأنه لا نفقة لها، حتى لو كان عندها كفايتها، صارت كالمطلقة، فلا يحل لها أن تخرج لزيارة ولا لغيرها ليلاً أو نهاراً. والحاصل أن مدار الحل كون خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره، فمتى انقضت حاجتها، لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها". (البحر الرائق: ۲۵۸/۴، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الاحداد، رشيديه)

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) عورت کی آواز پردہ ہے، نامحرموں تک اس کی آواز پہنچنا جائز نہیں:

قال العلامة الجصاصؒ تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن﴾ (الآية): "وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب، إذ كان صوتها أقرب إلى الفتنة من صوت خلخالها، ولذلك كره أصحابنا أذان النساء؛ لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت والمرأة منهيةٌ عن ذلك". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۳، باب ما يجب من غض البصر عن المحرمات، قديمي)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۵۲۸/۳، فصل، قديمي)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق: ۴۵۸/۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، رشيديه) .... =

ہوتی ہیں اور جلسے دین کے نام پر کیے جاتے ہیں، اس لئے ہرگز اجازت نہیں۔ اگر یہ جلسہ جس کا اشتہار آپ نے بھیجا ہے، محض مَردوں کا جلسہ ہوتا تب بھی بہت سے غیر شرعی امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، پھر عورتوں کے لئے اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۱۹۹، باب الأذان، قديمي)

"فظهرُ الكف عورة على المذهب، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: على الراجح) عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه. وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده، ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، وتعلّمها القرآن من المرأة أحب، قال عليه الصلاة والسلام: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء". فلا يحسن أن يسمعها الرجل، اهـ. وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر.

قال في الفتح: وعلى هذا لو قيل: إذا جهرت بالقراء ة في الصلاة، فسدت، كان متجهاً، ولهذا منعها عليه الصلاة والسلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق، اهـ. وأقره البرهان الحلبي في شرح المنية الكبير، وكذا في الإمداد. ثم نقل عن خط العلامة المقدسي: ذكر الإمام أبو العباس القرطبي في كتابه في السماع: ولايظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا: صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح، فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولانجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها، لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة، اهـ. قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۰۶/۱، سعيد)

"ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة". (المبسوط للسرخسي: ۲۷۷/۱، كتاب الصلوة، باب الأذان، مكتبة غفاريه كوئٹه)

الفصل الثانی فیمن یجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

اندیشۂ فتنہ کی صورت میں محارم سے بھی پردہ ہے

سوال[۹۲۲۰]: محرم یعنی حقیقی باپ، بھائی، چچا، تایا، ماموں وغیرہ کے کیریکٹر وکردار کے مشکوک ہونے کی صورت میں، مثلاً: نشہ شراب کرنا، یا کوئی اَور عمل فاسد وفسق وفجور میں مبتلا ہونے اورلڑکی کو باہر پھرنے، نمائش جیسی قبیح جگہ پر لے جانے، غیر مسلم یا غیر محرم کے سامنے آنے پر مجبور کرنے کی صورت میں شوہر کوان وجوہ کے مدِ نظر ان حضرات محرم کے سامنے اوران سے ملنے کی اجازت دینے پر پابندی عائد کرنے کی شرعی اجازت ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فتنہ کا اندیشہ ہواور بگڑنے کا خطرہ ہوتو ان سے بھی پردہ کرایا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والمراد إذا لم تكن محرماً؛ لأن المحرم بسبيل منها، إلا إذا خاف على نفسه أو عليها الشهوة، فحينئذ لا يمسها و لا ينظر إليها ولا يخلو بها، لقوله عليه السلام: "العينان يزنيان وزناهما النظر، واليدان تزنيان وزناهما البطش، والرجلان يزنيان وزناهما المشي، والفرج يصدق ذلك أو يكذبه". فكان في كل واحد منها زنا، والزنا محرم بجميع أنواعه، وحرمة الزنا بالمحارم أشد و أغلظ، فيجتنب الكل". (البحر الرائق: ۳۵۲/۸، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۸/۵، الباب الثامن، رشيديه)

"وقال عليه السلام: من قبل رجل أمه، فكأنما قبل عتبة الجنة. وإن لم يأمن ذلك أو شك، فلا يحل لها النظر والمس". (الدرالمختار: ۳۶۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد) =

بہنوئی کی والدہ سے پردہ

سوال[۹۲۲۱]: عمر بکر کا سالا ہے تو بکر کی والدہ سے عمر کا پردہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پردہ ہوگا وہ محرم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بہنوئی کی اولاد سے پردہ

سوال[۹۲۲۲]: ایک عورت ہے (شادی شدہ) اس کی بہن کے خاوند کا انتقال ہوگیا۔ کیا اب اس کو اپنے سوتیلے بھانجوں یعنی اپنی بہن کے خاوند کے بچوں سے- جو کہ دوسری بیوی سے ہیں- پردہ نہ کرنا چاہیے؟

حاجی محمد خلیق، سہارنپور، ۸/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پردہ کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ اجنبی محض ہیں (۲)، اس سے نکاح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۷/ ۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ رجب/ ۵۶ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= (وكذا في كتاب المبسوط للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ: ۳/ ۵۰، كتاب الاستحسان، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا جناح عليهن في آبائهن ولا أبنائهن، ولا إخوانهن ولا أبناء إخوانهن، ولا أبناء أخواتهن، ولا نسائهن، ولا ملكت أيمانهن، واتقين الله﴾ (سورة الأحزاب: ۵۵)

قال أبوبكر الجصاص تحت هذه الآية: "قال قتادة رخص لهؤ لاء أن لايجتنبن منهم، قال أبوبكر ذكر ذوي المحارم متهن وذكر نسائهن". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الأحزاب، باب ذكر حجاب النساء: ۳/ ۳۷۰، دار الكتاب العربي بيروت)

"(وعن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء": أي غير المحرمات على طريق التخلية، أو على وجه التكشف". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۶/ ۲۷۸، رشيديه)

(۲) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة)

چچی اور ممانی سے پردہ

سوال[۹۲۲۳]: چچی اور ممانی سے پردہ کرنا ضروری ہے، یا دیگر محارم کی طرح ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں سوتیلی ہوں یا سگی، شرعاً اجنبی ہیں، ان سے پردہ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ غیروں سے (۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

مطلقہ بیوی سے پردہ

سوال[۹۲۲۴]: ایک شخص نے ایک عورت کو طلاق دیدی ہے، وہ عورت پھر بھی اس کے گھر آتی ہے، حالانکہ اس عورت کا نکاح دوسری جگہ ہو چکا ہے۔ تو اب وہ شخص کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق کے بعد جب عدت گذر گئی تو وہ عورت بالکل غیر ہوگئی، اس سے میل جول جائز نہیں رہا، لہٰذا پردہ لازم ہے (۲)۔ اور جب اس نے دوسرے آدمی سے نکاح بھی کرلیا ہے، تو موجودہ شوہر کے حوالہ کرکے اپنے

---

(۱) (قدمر تخریجه تحت عنوان: بہنوئی کی والدہ سے پردہ)

راجع للتفصیل: (أحسن الفتاوی، باب المحرمات، چچی حلال ہے، ممانی حلال ہے: ۵/ ۷۲،، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن﴾ (سورة النور: ۱۸)

وقال الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "ينظر الرجل من الرجل سوی مابين سرته إلی ماتحت ركبته ومن عرسه وأمته الحلال، له وطؤها، فخرج المجوسية والمكاتبة والمشتركة ومنكوحة الغير".
(الدر المختار: ۳۶۶/۶، فصل في النظر والمس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل". (قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب في المحرمات: ۳۶۶/۱، رشيديه) .... =

پاس آنے سے بالکل روک دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۹۲ھ۔

نامحرم ملازم سے پردہ

سوال[۹۲۲۵]: زید اپنی بیوی کا فرماں بردار ہے، اور اپنی بیوی کے واسطے ایک نامحرم شخص کو ملازم رکھا ہے، جو ہر وقت اس کی خدمت یعنی کھانا پکانا اور جھاڑو لگانا اور گھر کے کام میں مشغول رہتا ہے۔ اور وہ دونوں میاں بیوی بیوقوف بتلاتے ہیں اور بچہ کہتے ہیں، حالانکہ اس کی مونچھیں نکلنی شروع ہوگئی ہیں، اور اس کی عمر بلوغت کو پہونچ چکی ہے۔ کیا اپنے آرام کی خاطر اس کا گھر میں بے روک ٹوک آنا جانا درست ہے؟ اور دلہن صاحبہ کی خدمت ایسے آدمی سے لینا درست ہے؟

اس کو دو تین سال میں دلہن صاحبہ نے کام بھی گھر کا بہت محنت سے سکھایا ہے، مگر بدقسمتی سے اب وہ جوان ہوگیا ہے، اب بیگم صاحبہ اس کو علیحدہ کرنا نہیں چاہتی ہیں، کیوں کہ آرام میں فرق پڑتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے(۱) اور جب وہ ملازم ہے، گھر کا کام بھی کرتا ہے تو بسا اوقات اس سے خلوت اور تنہائی کی بھی نوبت آتی ہوگی، عورت کو نامحرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کرنا حرام ہے(۲)، لہٰذا اس

= (وكذا في الهداية: ۴/ ۴۶۱، كتاب الكراهية، فصل في النظر، شركة علميه ملتان)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن﴾ (النور: ۱۸)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايبيتن رجل عند امرأة ثيب، إلا أن يكون ناكحاً أو ذامحرم". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۸، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال صلى الله عليه وسلم: "لايخلونّ رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطن". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۹، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي) .... =

ملازم کو علیحدہ کر کے کسی عورت یا نابالغ یا کسی محرم کو ملازم رکھا جائے، ورنہ اس سے با قاعدہ پردہ کرنا چاہئے، اس کے سامنے چہرہ کھول کر بے پردہ آنا اور اس کو مکان میں بے پردہ بلانا جائز نہیں۔ اپنے آرام کی خاطر شریعت کے خلاف کرنا اور خدا اور رسول کے احکام نہ ماننا سخت گناہ ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۵۹ھ۔

سالی سے پردہ

سوال [۹۲۲۶]: سالی سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں اور کچھ حد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! پردہ کرنا چاہئے، وہ اجنبیہ ہے (۲)، اس کی بہن کو طلاق دینے اور عدت گزرنے پر، یا اس کے

= وقال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "الخلوة بالأجنبية حرام إلا لملازمة المديونة هربت ودخلت". (الدر المختار). قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "الخلوة بالأجنبية مكروهة، وإن كانت معها أخرى كراهة تحريم .... ويظهر لي أن مرادهم بالمرأة الثقة أن تكون عجوزاً لا يجامع مثلها مع كونها قادرةً على الدفع وعن المطلقة، فليتأمل". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ٦/٣٦٨، سعيد)

(وكذا في الهداية: ٤/٤٤٢، كتاب الكراهية، فصل في الوطي والنظر واللمس، شركة علميه ملتان)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعص الله ورسوله، ويتعد حدوده، يدخله ناراً خالداً فيها﴾. (سورة النساء: ٤)

وقال الله عزوجل: ﴿تلك حدود الله، ومن يتعد حدود الله، فقد ظلم نفسه﴾ (سورة الطلاق: ٢٨)

(٢) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء": أي غير المحرمات على طريق التخلية أو على وجه التكشف. فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ .... وهم أقارب الزوج غير آبائه وأبنائه. قال القاضي: الحمو قريب الزوج كابنه وأخيه. قال: "الحمو الموت" الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ٦/٢٧٨، رشيديه) .... =

انتقال پر اس سے نکاح درست ہے(۱)، اس سے خلوت بھی منع ہے (۲)، ہنسی مذاق اور بے پردہ سامنے آنا بھی منع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

دوست کی بیوی کا پردہ

سوال[۹۲۲۷]: ا.....شرع میں پردہ کس سے جائز ہے؟

۲.....زید وعمر دو دوست ہیں، نیک سیرت، پابندِ نماز، روزہ ہیں۔ کیا وہ اپنی بیویوں کو ایک دوسرے کے سامنے کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا.....جس سے نکاح جائز ہے اس سے پردہ لازم ہے (۳)۔

۲.....نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ رجب/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في فيض القدير، (رقم الحديث: ۲۹۱۸): ۲۴۵۲/۵، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لك حلال". (تفسير ابن كثير: ۴۷۴/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۶/۵، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲۶/۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۴۱۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع إلى الحاشية الأولىٰ)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴) .... =

نامحرم معمر عورت سے پردہ

سوال[۹۲۲۸]: معمر عورت بے پردہ رہتی ہو، اس کے یہاں جانا جائز ہے یا نہیں، جبکہ کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں بے پردہ ملنا جائز نہیں، خواہ وہ معمر ہی کیوں نہ ہو، اس کے چہرے کی طرف بھی نہ دیکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جیٹھ اور دیور کے پردہ میں فرق

سوال[۹۲۲۹]: عورتوں کے لئے پردہ کے لحاظ سے جیٹھ اور دیور میں کچھ فرق تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھ فرق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۹ھ۔

= "سوى ما قد بينت لكم تحريمه". (تفسير ابن عباس، (سورة النساء: ۲۴)، ص: ۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما المرأة الحرة التي لا نكاح بينه وبينها ولا حرمة ممن يحل له نكاحها، فليس ينبغي أن ينظر إلى شيء منها". (المبسوط للإمام محمد رحمه الله: ۵۶/۳، كتاب الاستحسان، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "(الخلوة بالأجنبية حرام)". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغير محرم، فلا تخلوا برجل، شاباً أو شيخاً، اهـ". (ردالمحتار: ۳۶۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(۲) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل: يارسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". (مشكوة المصابيح، =

بازار میں چندہ کے لئے جانا جہاں بے پردہ عورتیں ہوں

سوال[۹۲۳۰]: امام مسجد کا ایک ادارہ کا چندہ وصول کرنا ایسی صورت میں جبکہ شہروں میں عام طور سے عورتیں عریاں نظر آتی ہیں، نیز شہری ماحول میں امام صاحب کو بسا اوقات رہنا پڑتا ہے، کیونکہ پورے مہینہ دوکانوں میں لگے ہوئے بکسوں کے ذریعہ چندہ حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح امام صاحب کا بسا اوقات بازار ہی میں گذر ہوتا ہے، شہر کے بازار، محلے، گلیوں میں پھرتے رہنا، زہد وتقوی کا مجروح ہونا یقینی ہے۔ کیا امام صاحب کا فعل مناسب یا روا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدودِ شرعیہ کی رعایت کرتے ہوئے شہروں اور بازاروں میں ضرورت سے جانا جائز ہے، محض تفریح یا برہنہ عورتوں کو دیکھنے کے لئے جانا جائز نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۳/۴/۸۸ھ۔

= كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول، ص: ۲۶۸، قديمي)

"قال النووي رحمه الله: والمراد بالحمو هنا أقارب الزوج غير آبائه". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲۷۸/۶، رشيديه)

(۱) بازار میں جاتے وقت نظر کی حفاظت بہت ضروری ہے، بدنظری پر شدید وعیدیں آئی ہیں:

"عن الحسن مرسلاً قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لعن الله الناظر والمنظور إليه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۷۰، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثالث، قديمي)

"وفيما إذا كان الناظر إلى المرأة الأجنبية هو الرجل، قال: فليجتنب بجهده، وهو دليل الحرمة". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه، رشيديه)

اگر اچانک بلا قصد نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے، مگر پھر دوسری بار قصداً اجنبیہ کو دیکھنا جائز نہیں:

"عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعلي رضي الله عنه: "يا علي! لا تتبع النظرة النظرة، فإن لك الأولىٰ، وليست لك الأخرة". رواه أحمد والترمذي". =

جوان بیٹی باپ، بہن بھائی کا ایک بستر پر سونا

سوال[۹۲۳۱]: جوان بیٹی کا باپ کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر یا بستر پر ایک ساتھ لیٹنا، سونا از روئے شرع کیا حکم ہے، اسی طرح جوان بھائی بہن کا اور اسی طرح جوان بیٹے اور باپ کا ہمراہ لیٹنا اور سونا از روئے شرع کیسا ہے؟ خلاف شرع ہونے کی صورت میں عتابِ الٰہی کی کیا صورت واقسام ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرگز اجازت نہیں، یہ سب الگ الگ سویا کریں، حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:''جب بچے سیانے ہوجائیں، ان کے بستر الگ الگ کردو''(۱)۔ حدیث پاک کے خلاف کرنے کا نتیجہ یہاں بھی برا ہے اور آخرت میں بھی برا ہے، کوئی عارضی وجہ ہو مثلاً کوئی اتنا بیمار ہے کہ بغیر ماں، بہن، بیٹی کے وہ چین سے لیٹ نہیں سکتا اور خدمت کے لئے ان کی ضرورت ہے تو اس مجبوری کا حکم دوسرا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (مشكوٰة المصابيح، ص: ٢٦٩، كتاب النكاح، باب النظر الى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

(١) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مُرُوْا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين ...... وفرّقوا بينهم في المضاجع". رواه أبوداود". (مشكوٰة المصابيح، ص: ٥٨، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، قديمي)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "أمر من التفريق "بينهم": أى بين البنين والبنات على ما هو الظاهر .... وقال ابن حجر: بهذا الحديث أخذ أئمتنا فقالوا: يجب أن يفرق بين الإخوة والأخوات، فلا يجوز حينئذ تمكين ابنين من الاجتماع في مضجع واحد......... والفرق بينهم في المضاجع في الطفولية تأديباً ومحافظةً لأمر الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح: ٢/٢٧٦، كتاب الصلاة، (رقم الحديث: ٥٧٢)، رشيديه)

(٢) "الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، (رقم القاعدة: ٥٦٨): ١/٢٥١، إدارة القرآن كراچى)

بہو کا ساس کے بدن کو دبانا اور مالش کرنا

سوال[۹۲۳۲]: ایک عورت جو کہ گھر کے زیادہ کام کرنے کی وجہ سے، یا کمزوری کی بناء پر اس کے پورے بدن میں درد ہوتا رہتا ہے، اور اس عورت کی بہو اور بالغ اور نابالغ لڑکے بھی موجود ہیں۔ اس حال میں کیا اس عورت کے بالغ لڑکے اپنی والدہ کی پیٹھ اور کمر پر، اسی طرح اس کی ران اور ساق پر روغن وغیرہ کی مالش کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہو کا اس خدمت کو انجام دینا أہون ہے:

"ينظر الرجل من الرجل سوى ما بين سرته إلى ماتحت ركبتيه، ومن محرمه إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد أمن شهوته، لا إلى الظهر والبطن والفخذ. وما حل نظره، حل لمسه، اه". درمختار(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

بھاوج کے ساتھ رہنا اور بھتیجوں سے خدمت لینا

سوال[۹۲۳۳]: زید کا انتقال ہو جاتا ہے، بوقتِ انتقال ان کی بیوی اور چچازاد بھائی بکر زندہ ہیں،

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳۶۴/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۸/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۷/۳، كتاب الحظر والإباحة، باب فيما يكره من النظر والمس للأقارب والأجانب ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۳۸/۲، كتاب الكراهية، فصل في بيان أحكام النظر، دارإحياء التراث العربي بيروت)

زیداور بکر دونوں لاولد ہیں۔ بکر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بکر اپنی دیکھ بھال کرنے کے اہل بیس سال سے نہیں تھے، چنانچہ زید نے ان کو لاکر اپنے پاس رکھا اور زید اور ان کے بیوی نے ان کی ساری خدمت کی اور سب خرچ اٹھایا۔

بکر کے پاس ۲۵، ۳۰/ بیگہ زمین تھی جس پر زید نے کاشت کی اور اس کی آمدنی اور نیز اس سے زیادہ اپنے پاس سے بکر پر خرچ کیا، بکر نے بہت خوشی اور مطمئن زندگی چچازاد بھائی اور بھابھی کے پاس گذاردی۔ اچانک زید کا انتقال ہوگیا۔ بکر جو نہ اکیلے رہ سکتے ہیں، عمر اور عقل کی کمی کی وجہ سے انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھاوج کی زیرِ نگرانی رہیں گے اور کسی قیمت پر کہیں اور جانے کے لئے تیار نہیں ہیں، چنانچہ وہ اسی طرح رہ رہے ہیں۔

زید کی جائیداد میں سے ۳/۴ حصہ بکر کے نام منتقل کردیا گیا ہے، اسی طرح روپیہ میں سے بھی ان کا حصہ ان کے نام جمع کردیا گیا ہے، یہ سب زید کی بیوہ نے بخوشی اپنے بھائی کے مشورہ پر کیا۔ اور وہ بھائی جو بہت ایماندار اور متمول ہے، ان دونوں کی جائیداد کی دیکھ بھال کررہا ہے۔

۱......کیا بکر کی چوتھی یا پانچویں پشت کے بھتیجا کا شرعی حق ہے کہ وہ بکر کو اپنی زیرِ نگرانی رکھیں اور ان کی جائیداد کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لیں؟

۲......پسر نمبر ۱۴ بہت ہی معمولی حیثیت رکھتے ہیں اور پچھلے بیس سال میں زید یا بکر کے تعلقات خوشگوار رہے، زید کی بیوہ ان کے رشتہ دار یا بکر کے اور زیادہ دور کے رشتہ دار جن کا رشتہ آٹھویں یا نویں پشت سے ملتا ہے اور جو ایماندار اور متمول ہیں، شرعاً ان کے لئے کیا حکم ہے؟

سید غلام مرتضیٰ، نمبر: ۲۸۔

ساؤتھ روڈ، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......بکر اپنی اور اپنی جائیداد کی نگرانی خود نہیں کرسکتے، جس کی نگرانی ان کے اور ان کی جائیداد کے حق

میں مفید ہو اس کو نگراں تجویز کیا جائے۔ اگر وہ موجودہ بھاوج کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور ان کو ہر طرح کا اطمینان ہے تو رہ سکتے ہیں، لیکن چونکہ بھاوج شرعاً محرم نہیں، اس لئے ان کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں بے پردہ نہ رہیں(۱)، یا پھر بھاوج سے شرعی طریقے پر نکاح کرلیں۔

چوتھی پانچویں پشت کا کوئی بھتیجا خدمت کرنا چاہے تو اس کی سعادت ہے، اس کو خدمت سے منع نہ کیا جاوے، خاص کر جبکہ اس کو جائیداد وغیرہ کا کوئی خیال بھی نہ ہو، بلکہ اخلاص سے خدمت کرے۔

۲...... جائیداد کی نگرانی کے لئے تو رشتہ داری پر خیر خواہی مقدم ہے، خدمت کا ہر ایک کو حق ہے، کوئی خطرہ نہ ہو تو خدمت کا موقع دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۷/۲/۹۵ھ۔

کافرہ عورت کو بیوی کی طرح رکھنا

سوال[۹۲۴۴]: ایک مسلمان جوان عاقل بالغ اپنی زوجہ منکوحہ کو آٹھ نو سال سے اپنے ساتھ نہیں رکھتا اور ایک کافرہ عورت جوان ساتھ رکھتا ہے، اس عورت کے متعلق دریافت کرنے سے وہ کہتا ہے کہ نوکر ہے، مگر ظاہری معاملات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بی بی ہے۔ علاوہ ازیں وہ سرکاری نوکری کرتا ہے اور جہاں قیام کرتا ہے۔

اس عورت کو بھی ساتھ رکھتا ہے۔ اور اس وقت وہاں اس کا کوئی خویش واقارب نہیں رہتا، بلکہ وہ شخص اور وہ عورت ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اور اس شخص کے کھانے پینے غرض ہر کام وہ ہی عورت کرتی ہے۔ اب براہ خدا فرمایئے:

الف: اس طور پر ایسی بیگانی عورت بطورِ خادم رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ب: اس شخص پر زنا کا شبہ لاحق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل: يارسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول، ص: ۲۶۸، قديمي)

ج: جو عالم یا قاضی این ہمہ دیدہ دانستہ جانبداری کرے تو اس پر شرعاً کیا گناہ ہے؟

د: ایسے لوگوں کی ہم نشینی اور اکل وشرب جائز ہے یا نہیں؟

ہ: اگر یہ ہر ایک کا فتویٰ ہو جائے تو ہر ایک کے لئے کیا حد جاری ہوگی؟ بینوا بالتفصیل وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: اجنبیہ عورت کو نوکر رکھنا شرعاً درست ہے(۱)، لیکن اجنبیہ کے ساتھ خلوت حرام ہے(۲)۔

ب: بلا دلیلِ شرعی کسی کو زانی کہنا حرام ہے، خواہ اس کے کتنے ہی وسیع تعلقات ہوں(۳)، لیکن اس

---

(۱) اجنبیہ کو بطور نوکر رکھنا جائز تو ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اجنبیہ عورت کو نوکرانی کے طور پر نہ رکھا جائے، لیکن اگر کبھی اس کی نوبت آئے تو درج ذیل شرائط کی پابندی لازمی ہے تاکہ فتنہ سے بچا جائے:

۱- خاتون ملازمہ کو پابند کیا جائے کہ وہ ایسا لباس پہن کر آئے جس سے سرتاپاؤں پورا جسم چھپا ہوا ہو۔

۲- مردوں کے سامنے حتی الامکان نظریں نیچی رکھیں اور مرد بھی ضروری بات کرتے وقت نظریں نیچے رکھیں۔

۳- تنہائی اور خلوت سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔

۴- مواقعِ تہمت اور ایسے اسباب سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔

"ویکره له أن یستأجر امرأةً حرةً أو أمةً یستخدمها ویخلو بها، لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لایخلونّ رجل بامرأة لیس منها بسبیل، فإن ثالثهما الشیطن". ولأنه لا یأمن من الفتنة علی نفسه أو علیها إذا خلا بها، ولکن هذا النهی لمعنی فی غیر العقد، فلا یمنع صحة الإجارة ووجوب الأجر إذا عمل کالنهی عن البیع وقت النداء". (المبسوط للسرخسی، کتاب الإجارات، باب إجارة الرقیق فی الخدمة وغیرها، الجز السادس عشر : ۵۹/۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۵۷۰/۵، کتاب الإجارة، فصل فی شرائط الرکن، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (مرتفصیله تحت عنوان "نامحرم ملازم سے پردہ")

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتنابزوا بالألقاب﴾ قال الإمام الجصاص رحمه الله تعالیٰ: "وهذا یدل علی أن اللقب المکروه هو مایکرهه صاحبه ویفید ذماً للموصوف به؛ لأنه بمنزلة السباب والشتیمة". (أحکام القرآن للجصاص: ۶۰۳/۳، (سورة الحجرات: ۲۶)، قدیمی)

"وبیان ذلک أن جمیع ما مرّ من ألفاظ القذف والشتم الموجبة للتعزیر منهیٌّ عنها شرعاً .... قال تعالی: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب﴾ فکان فیها حق الله تعالیٰ وحق العبد، وغلب حق العبد =

کو بھی لازم ہے کہ ایسے تعلقات نہ رکھے جس سے لوگوں کو بدگمانی کا موقع ہو، ایسے تعلقات رکھنا بھی شرعاً ممنوع ہے(۱)۔

ج: عالم یا قاضی نے کیا جانبداری کی ہے، اگر یہ کہا ہے کہ ایسے شخص کو زانی مت کہو تو یہ صحیح کہا ہے، کیونکہ جب تک چار عینی گواہ عادل یہ شہادت نہ دیں کہ ہم نے اپنی آنکھ سے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس وقت تک کسی کو زانی کہنا جائز نہیں (۲)۔ اگر کوئی اور جانبداری کی ہے تو اس کو تحریر کیجئے۔

= لحاجته". (ردالمحتار: ۷۴/۴، کتاب الحدود، مطلب فی الجرح المجرد، سعید)

(۱) "لقوله علیه الصلاة والسلام: "اتقوا مواضع التهم". هو معنی قول عمر: " من سلک مسالک التهم اتهم" رواه الخرائطی فی "مکارم الأخلاق" عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه موقوفاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا یلومن من أساء الظن به". (الموضوعات الکبریٰ، حرف الهمزة، (رقم الحدیث: ۱۵۱)، ص: ۴۹، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿لولا جاؤا علیه بأربعة شهداء، فإذ لم یأتو بالشهداء، فأولئک عند الله هم الکاذبون﴾ (سورة النور: ۱۳)

قال الجصاص رحمه الله تعالیٰ: "قد أبانت هذه الآیة عن معنیین: أحدهما: أن الحد واجب علی القاذف مالم یأت بأربعة شهداء. والثانی: أنه لا یقبل فی إثبات الزنا أقل من أربعة شهداء". (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۴۴۹، قدیمی)

"فاشترط فی الشهادة علی الزنا الشروط الآتیة: أولاً: أن یکون الشهود أربعة بخلاف الشهادة علی سائر الحقوق، قال الله تعالیٰ: ﴿واللاتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن أربعةً منکم، فإن شهدوا فأمسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت أو یجعل الله لهن سبیلاً﴾ ولقوله تعالیٰ: ﴿والذین یرمون المحصنات، ثم لم یأتوا بأربعة شهداء﴾ فإن کانوا أقل من أربعة، لم تقبل". (فقه السنة: ۳۷۳/۲، کتاب الحدود، وحد الزنا، دارالکتب پشاور)

وقال الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "ویثبت بشهادة أربعة رجال فی مجلس واحد، فلو جاء وا متفرقین، حُدّوا". (الدر المختار). قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: ویثبت): أی الزنا عند القاضی". (ردالمحتار: ۷/۴، کتاب الحدود، مطلب الزنا شرعاً لا یختص، سعید)

(وکذا فی الفتاوی السراجیة، ص: ۶۰، کتاب الحدود، باب الإقرار، سعید) .... =

د: ایسے شخص کو مسئلہ کی شرعی حیثیت اولاً نرمی سے سمجھادی جائے کہ اجنبیہ کے ساتھ ایسے تعلقات کا رکھنا اورخلوت کرنا شرعاً ممنوع ہے(۱) اور لوگوں کو تہمت لگانے اور بدگمانی کا موقع ملتا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز چاہیے (۲)۔اس کے بعد بھی اگر وہ نہ مانے بلکہ اس اجنبیہ سے خلوت کرے تو پھر اس سے ترکِ تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرے اور اپنی حالت شریعت کے مطابق بنائے (۳)۔

ہ: کیا فتویٰ ہوجائے اور کیا حد جاری کرنا چاہتے ہیں، اور کس سے کون سا فعل موجب حد سرزد ہوا اور یہاں حدود جاری کرنے کا شرعاً کس کو اختیار حاصل ہے، تفصیل سے لکھئے تاکہ غور کیا جاسکے۔

تنبیہ: کافرہ سے مسلم کا نکاح حرام ہے،لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات﴾ الأية(٤)۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱۲۶/۳، كتاب الحدود، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (سورة النساء: ۲۴)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم، هن لك حلال". (تفسير ابن كثير: ۴۷۴/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۶/۵، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهرى: ۶۲/۲، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۴۱۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "لقوله عليه الصلاة والسلام: "اتقوا مواضع التهم". هو معنى قول عمر: " من سلك مسالك التهم اتهم" رواه الخرائطي في "مكارم الأخلاق" عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه موقوفاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومن من أساء الظن به". (الموضوعات الكبرىٰ، حرف الهمزة، (رقم الحديث: ۱۵۱)، ص: ۴۹، قديمي)

(۳) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوقِ الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصِلَته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده". (مرقاة المفاتيح: ۷۵۹/۸، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، رشيديه)

(۴) (سورة البقرة: ۲۲۱) .... =

آٹھ نو سال سے زوجہ کو اپنے ساتھ نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی (۱)۔ اگر زوجہ نے اپنے حقوق کو معاف نہیں کیا اور شوہر کے اس طرزِ عمل سے خوش نہیں تو اس کو چاہئے کہ عدالتِ مسلم میں دعویٰ کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے اور اتنی مدت سے میرے حقوق ادا نہیں کرتا، میرے حقوق ادا کرائے جائیں، یا طلاق دلائی جائے۔ اس پر حاکم باقاعدہ واقعات کی تحقیق کر کے اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو، شوہر کو حاضر کرے اور کہے کہ یا تم اپنی زوجہ کو طلاق دیدو، یا اپنی زوجہ کے حقوق ادا کرو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ اگر شوہر کوئی صورت اختیار کرلے بہتر ہے، ورنہ حاکم مسلم خود تفریق کردے (۲)، اس کے بعد عدتِ طلاق تین حیض گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ۵/رجب/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "حدثنا نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أنه كان إذا سئل عن نكاح اليهودية والنصرانية قال: "إن الله حرم المشركات على المسلمين. قال: فلا أعلم من الشرك شيئاً أكبر، أو قال: أعظم من أن تقول ربها عيسىٰ أو عبد من عبيد الله". (أحكام القرآن للجصاص، باب نكاح = المشركات: ۱/۴۵۵، قديمي)

(۱) "وركنه (أي الطلاق) لفظ مخصوص، هو ماجعل دلالته على معنى الطلاق من صريح أو كناية".
(ردالمحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۳۰، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(۲) "زوجۂ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے، لیکن اگر باوجودِ سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعے پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے"۔ (حیلۂ ناجزہ، ص: ۷۳، ۷۴، دار الإشاعت، کراچی)

الفصل الثالث فی الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسّها
(اجنبی عورتوں سے تنہائی اور میل جول اور مَس کرنے کا بیان)

بعض غیر محارم اور عورت کا غیر محرم کے سامنے آنا

سوال[۹۲۳۵]: عورت کا غیر محرم کے سامنے آنا کیسا ہے؟ خالو، پھوپھا، بہنوئی، دیور، جیٹھ وغیرہ کا حکم محرم کا ہے یا غیر محرم کا؟ غیر محرم کے سامنے آنے کی حکم شرع توڑنے پر عتاب خداوندی کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب نامحرم ہیں(۱)، ان کے سامنے بے پردہ آنا، ان سے بے تکلف ہنسی مذاق کرنا سخت فتنہ کا موجب ہے، حدیث شریف میں دیور کو موت قرار دیا ہے، غیر آدمی کو اتنی جرأت نہیں ہوتی جتنی ان لوگوں کو ہوتی ہے، ان سے پردہ لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (الاية) (سورة النساء: ۲۴)

(۲) "عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول، ص: ۲۶۸/۲، قديمي)

قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالیٰ: "قال النووي رحمه الله: والمراد بالحمو هنا أقارب الزوج غير آبائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر والفتنة منهم أوقع، لتمكنهم من الوصول إليها والخلوة بها من غير نكير عليهم". (مرقاة المفاتيح: ۲۷۸/۶، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۱۰۲)، رشيديه)

نامحرم کے ساتھ تنہائی اگرچہ وہ متدین ہو

سوال[۹۲۳۶]: اگر زید اپنی زوجہ اور لڑکے اور لڑکی کو خالد کی سرپرستی میں دیدے تو کیا ایسی صورت میں وہ قابلِ لعن وطعن ہوگا یا لائقِ مبارکباد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خالد سرپرستی کا اہل ہے، تربیت سے واقف ہے، متدین ہے تو کوئی لعن وطعن نہیں، حق تعالیٰ فتنہ سے بچائے (۱)۔ لڑکی کا نامحرم کے ساتھ رہنا، یا بے پردہ اس کے پاس جانا، تنہائی کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ متدین ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۱۱ھ۔

---

(۱) بالغ لڑکی کو نامحرم مرد کے حوالے کرنا شرعاً جائز نہیں اگرچہ مرد دین دار ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس میں فتنے کا سخت خطرہ ہے، كما سيأتي تحت الحاشية الآتية.

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاتلِجُوا على المغيبات، فإن الشيطن يجري من أحدكم مجرى الدم". الحديث. (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۹، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

"إن الشيطن": أي كيده ووسواسه "يجري": أي يسري "من الإنسان": أي فيه، وقيل: عُدّى "يجري" بـ "من" على تضمين معنى التمكن: أي يتمكن الإنسان في جريانه "مجرى الدم": أي في جميع عروقه .... شبّه سريان كيده وجريان وساوسه في الإنسان بجريان دمه في عروقه وجميع أعضائه، فهو كناية عن تمكنه من إغواء الإنسان وإضلاله تمكناً تاماً وتصرفه فيه تصرفاً كاملاً بواسطة نفسه الأمارة بالسوء الناشئ قواها من الدم .... وقيل: إرادة الحقيقة، فإن الشياطين أجسام لطيفة قادرة بأقدار الله تعالىٰ على كمال التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاة المفاتيح: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، الفصل الأول، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايبتين رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً أو ذا محرم". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۸، كتاب النكاح، باب بيان العورات، قديمي) .... =

نامحرم کے ساتھ تنہائی

سوال[۹۲۲۷]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ مہرعلی اور محمد رضا دونوں دوست ہیں، محمد رضا نے مہرعلی سے کہا کہ میرے لئے بازار سے بیل لانا۔ وہ لینے کے لئے گئے، مگر ملا نہیں، یہ کہنے کے لئے شام کو مہرعلی محمد رضا کے گھر گئے، جب کہ اس کے بیوی بچے موجود تھے، گھر میں جا کر مہرعلی صحن میں بیٹھ گئے۔ وہ یہ بتلانے گئے تھے کہ بیل ملا نہیں، مگر مہرعلی کی زوجہ جو بدکلام اور لڑاکو ہے، اس نے یہ کیا کہ اپنے گھر سے فوراً اس مکان پر آئی اور دروازہ بند کردیا اور خود اپنے شوہر مہرعلی کو بدنام کیا اور ان کو ذلیل کیا کہ محمد رضا کی بیوی سے اس کا ناجائز تعلق ہے۔ اس صورت میں اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

دراصل مہرعلی کے پاس بہت سے جانور ہیں جن کی دیکھ بھال نہیں ہوتی، اس لئے یہ شکایت مہرعلی کی زوجہ کو ہے کہ ہم سے یہ جانور نہیں پلتے ہیں۔ بہرحال اس واقعہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو نامحرم عورت کے پاس اس طرح شام کے وقت مکان میں جا کر بیٹھنا مناسب نہیں، اس سے احتیاط کی جائے (۱)۔ بیل خریدنے کے متعلق بات کرنے کے لئے بلکہ بتانے کے لئے کہ "خریدا ہے یا نہیں"

= "عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایخلونّ رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطٰن". رواه الترمذی". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی)

وقال الحصکفی رحمة الله تعالیٰ علیه: "الخلوة بالأجنبیة حرام". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغیر محرم، فلا تخلو برجل، شاباً أو شیخاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۳۶۸/۱، سعید)

(۱) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لاتلِجُوا علی المغیبات، فإن الشیطٰن یجری من أحدکم مجری الدم". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۹، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی، قدیمی)

"إن الشیطٰن": أی کیده ووسواسه "یجری": أی یسری "من الإنسان": أی فیه، وقیل: عُدّی "یجری" بـ "من" علی تضمین معنی التمکن: أی یتمکن الإنسان فی جریانه "مجری الدم": أی فی =

مکان کے اندر جانے کی بالکل ضرورت نہیں تھی، دروازہ پر کھڑے ہوکر بتاکر چلے جاتے۔ عورت کا باہر سے دروازہ بند کرکے شوہر کو بدنام اور ذلیل کرنا بڑی ذلیل حرکت ہے، اگر اس کو اپنے شوہر کے گھریلو معاملات کے متعلق کوئی شکایت تھی اس کی وجہ سے زنجیر لگا کر بدنام کرنا نہایت کمینہ پن ہے، اس کو لازم ہے کہ شوہر سے معافی مانگے۔ اور اپنی غلطی اور حماقت کا اقرار کرکے آئندہ ہمیشہ کے لئے ایسی حرکت سے اجتناب کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

بوڑھے آدمی کے ساتھ خلوت

سوال[۹۲۳۸]: کسی ساٹھ یا اسی سالہ بوڑھے کو کسی غیر محرم یا کنواری عورت کے ساتھ تنہائی میں

= جميع عروقه .... شبّه سريان كيده وجريان وساوسه في الإنسان بجريان دمه في عروقه وجميع أعضائه، فهو كناية عن تمكنه من إغواء الإنسان وإضلاله تمكناً تاماً وتصرفه فيه تصرفاً كاملاً بواسطة نفسه الأمارة بالسوء الناشئ قواها من الدم .... وقيل: إرادة الحقيقة، فإن الشياطين أجسام لطيفة قادرة بأقدار الله تعالىٰ على كمال التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاة المفاتيح: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، الفصل الأول، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايبتين رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً أو ذا محرم". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۸، كتاب النكاح، باب بيان العورات، قديمي)

"عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايخلونّ رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطٰن". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۹، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني)

وقال الحصكفي رحمة الله تعالىٰ عليه: "الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغير محرم، فلا تخلو برجل، شاباً أو شيخاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۸، سعيد)

باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

منع ہے:"وأجمعوا أن العجوز لا تسافر بغير محرم، فلا تخلوا برجل، شاباً أو شيخاً".

شامی :۲۳۵/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ۔

نامحرم کے ساتھ رکشا میں بیٹھنے کی سزا

سوال[۹۲۳۹]: میں ایک ساٹھ سال کی عورت ہوں اور ۶۵/سال کے ایک مرد کے ساتھ بازار سے گھر تک رکشا میں بیٹھ گئی، جب میں گھر پہونچی تو میرے سماج نے مجھے اپنے سماج سے باہر کردیا۔ تو آپ سے یہی کہنا چاہتی ہوں کہ اگر میں اس کے ساتھ بیٹھ کرگئی تو کیا گناہ ہوا؟ اگر میں نے اس کے ساتھ کوئی گناہ بھی کیا ہو، کیا سزا ہے یا کیا کفارہ ہے کہ اس کو میں ادا کردوں اور سماج میں شامل ہوسکوں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نامحرم سے پردہ لازم ہے(۲)، اس طرح اس کے ساتھ رکشا میں بیٹھ کرآنا کہ بدن سے بدن لگے

---

(۱) (ردالمحتار: ۳۶۸/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "لاتلِجُوا على المغيبات، فإن الشيطن يجري من أحدكم مجرى الدم". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۹، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

"إن الشيطن: أي كيده ووسواسه "يجري": أي يسري "من الإنسان": أي فيه. وقيل: عُدّي "يجري" بـ "من" على تضمين معنى التمكن: أي يتمكن الإنسان في جريانه "مجرى الدم": أي في جميع عروقه .... شبّه سريان كيده وجريان وساوسه في الإنسان بجريان دمه في عروقه وجميع أعضائه، فهو كناية عن تمكنه من إغواء الإنسان وإضلاله تمكناً تاماً وتصرفه فيه تصرفاً كاملاً بواسطة نفسه الأمارة بالسوء الناشئ قواها من الدم .... وقيل: إرادة الحقيقة، فإن الشياطين أجسام لطيفة قادرة بأقدار الله تعالیٰ على كمال التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاة المفاتيح: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، الفصل الأول، رشيديه) .... =

درست نہیں ہے (۱)۔ اگر اس کے علاوہ بھی کوئی گناہ کیا ہو تو جیسا گناہ ہو ویسی ہی اس کی سزا ہوگی۔ اب موجودہ وقت میں شرعی سزا کے شرائط موجود نہ ہونے کی وجہ سے اصلی سزا نہیں دی جاسکتی۔ سماج سے الگ کردینا ہی سزا ہے۔ توبہ استغفار کے بعد جب اطمینان ہوجائے کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور پردہ کا اہتمام کیا جائے گا تو سماج میں شامل کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۰ھ۔

= "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لایبیتن رجل عند امرأة ثیب إلا أن یکون ناکحاً أو ذا محرم". رواه مسلم". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۲۸، کتاب النکاح، باب بیان العورات، قدیمی)

"عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایخلونّ رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطٰن". رواه الترمذی". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی، قدیمی)

وقال الحصکفی رحمة اللہ تعالیٰ علیه: "الخلوة بالأجنبیة حرام". (الدرالمختار). "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغیر محرم، فلا تخلوا برجل، شاباً أو شیخاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوٰة: ۱/۳۶۸، سعید)

(۱) "حل لمسه إذا أمن الشهوة علی نفسه .... إلا من أجنبیة، فلا یحل مس وجهها وکفها وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ". (الدرالمختار: ۶/۳۶۷، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، سعید)

"قال رحمه اللہ: (یمس ما یحل له النظر إلیه) یعنی یجوز أن یمس ما حل له النظر إلیه من محارمه ومن الرجل، لا من الأجنبیة". (البحر الرائق: ۸/۳۵۲، کتاب الکراهیة، فصل فی النظر اللمس، رشیدیه)

"ولا یحل له أن یمس وجهها ولا کفها وإن کان یأمن الشهوة". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۹، کتاب الکراهیة، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۴۰۷ کتاب الحظر والإباحة، باب فیما یکره من النظر والمس للأقارب والأجانب ومالایکره، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یأیها الذین اٰمنوا توبوا إلی اللہ توبةً نصوحاً، عسی ربکم أن یکفّر عنکم سیئاتکم﴾ =

کاروبار میں نامحرم کو ہاتھ لگانا

سوال[۹۲۴۰]: ایک شخص جو کہ عورتوں کو چوڑی پہنانے کا کاروبار کرتا ہے، وہ سب عورتوں کو اپنی ماں بیٹی تسلیم کرتا ہے، غلط نظر نہیں ڈالتا ہے، دوسرا کاروبار اس کے لئے مشکل ہے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم کو ہاتھ لگانا درست نہیں (۱) اگرچہ کوئی نامناسب خیال دل میں نہ آئے۔ اپنی بیوی، بہن وغیرہ کسی کے ذریعہ یہ کام انجام دیا جائے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

زیرِ تربیت لڑکی سے خدمت

سوال[۹۲۴۱]: ایک چھوٹی لڑکی ہے، اس کے رشتہ داروں میں سے سوائے پھوپھی کے کوئی موجود

= (الآية) (سورة التحريم: ۲۸)

"ولا يجوز (أى الهجر) فوقها (أى فوق الأيام الثلاثة) إلا إذا كان الجهران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... وأجمع العلماء على أن من خاف مكالمة أحد وصِلَته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً فى دنياه، يجوز له مجانبته وبُعده". (مرقاة المفاتيح: ۷۵۹/۸، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) "حل لمسه إذا أمن الشهوة على نفسه .... إلا من أجنبية، فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ". (الدرالمختار: ۳۶۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس، سعيد)

"قال رحمه الله: (يمس ما يحل له النظر إليه) يعنى يجوز أن يمس ما حل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل، لا من الأجنبية". (البحر الرائق: ۳۵۶/۸، كتاب الكراهية، فصل فى النظر اللمس، رشيديه)

"ولا يحل له أن يمس وجهها ولا كفها وإن كان يأمن الشهوة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۷/۳ كتاب الحظر والإباحة، باب فيما يكره من النظر والمس للأقارب والأجانب ومالايكره، رشيديه)

نہیں ہے، اب اس کی پرورش میں وہ بچی دے دی گئی۔ تو کیا کسی صورت میں اس مربیہ کو اس لڑکی سے بحکمِ شرعی خدمت لینے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مربیہ بچی کی تعلیم وتربیت کے لئے خدمت بھی لی جاسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۵ھ۔

مَردوں کا نامحرم عورتوں کو چوڑی پہنانا

سوال[۹۲۴۲]: چوڑیاں پہنانے والے، پردہ نشین عورتوں یا غیر پردہ نشین عورتوں کو چوڑیاں پہناتے ہیں۔ مَردوں کا چوڑیاں پہنانا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منع ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود۔

نامحرم کو چوڑیاں پہنانا

سوال[۹۲۴۳]: ایک مسلمان آدمی جو چوڑیوں کا کام کرتا ہے، یعنی چوڑی پہنانے کا پیشہ ہے، نیز ذریعۂ معاش بھی یہی ہے، اور وہ شخص مختلف گاؤں میں جاکر چوڑیاں پہناتا ہے اور فروخت بھی کرتا ہے اور غیر محرم عورتوں کا ہاتھ پکڑ کر چوڑیاں پہناتا ہے۔ تو اس کا پہنانا کیسا ہے اور شریعت اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے؟ لہٰذا جواب مطلوب ہے۔

---

(۱) خدمت چونکہ تربیت کا حصہ ہے، لہٰذا مربیہ بچی سے خدمت لے سکتی ہے:

"روی أن رجلاً جاء إلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: عندی یتیم فمم أضربہ؟ قال: "مما تضرب بہ ولدک" یعنی لابأس أن تضربہ للتأدیب ضرباً غیر مبرح مثل مایضرب الوالد ولدہ".

(تنبیہ الغافلین، باب الإحسان إلی الیتیم، ص: ۱۹۲، رشیدیہ)

(۲) (راجع، ص: ۲۲۵، رقم الحاشیۃ: ۱)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۷ھ۔

چوڑی پہنانے کا پیشہ

سوال[۹۲۴۴]: ۱......بہت سے مرد چوڑیاں پہنانے کا کام کرتے ہیں، یہ کمائی حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز؟

۲......بہت سی عورتیں بے پردہ ہوکر باہر دیہات میں چوڑیاں پہناتی ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ علاوہ ازیں ایک عورت جس کا خاوند مرگیا ہو اور لڑکے اس کے جوان باروزگار ہوں اور پھر بھی وہ عورت چوڑیاں بے پردگی سے پہناوے تو اس کی ذمہ داری کس کے ذمہ ہے، بالفرض اگر وہ لڑکے اس کو نان ونفقہ نہ دیں تو کیا حکم ہے اور اگر اس کو کھانا کپڑا وغیرہ دیں اور بے پردگی سے منع کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......چوڑیوں کی قیمت حلال ہے۔نامحرم کے ہاتھ وغیرہ کو مس کرنا ناجائز ہے(۲)۔

---

(۱) "وماحل نظره، حل لمسه إلا من أجنبية، فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۷/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس: ۳۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس: ۴۳/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"کسی اجنبی کو ہاتھ پکڑانا، یا کوئی بھی عضو مس کرنے کی قدرت دینا عورت کے لئے بلاضرورت شدیدہ حرام ہے، اور چوڑیاں پہننا ضرورت میں داخل نہیں"۔(احسن الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، پردہ ودیگر متعلقہ مسائل: ۳۱/۸، سعيد)

(۲) "حل لمسه إذا أمن الشهوة على نفسه ...... إلا من أجنبية، فلا يحل مس وجهها وكفها وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ". (الدرالمختار: ۳۶۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

"قال رحمه الله: (يمس ما يحل له النظر إليه) يعني يجوز أن يمس ما حل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل لا من الأجنبية". (البحر الرائق: ۳۵۶/۸، كتاب الكراهية، فصل في النظر اللمس، رشيديه) =

۲...... یہ تجارت اور اجرت جائز ہے، چاہے لڑکے نان نفقہ دیں، چاہے نہ دیں(۱)۔ بے پردگی منع ہے(۲)

= "ولا يحل له أن يمس وجهها ولا كفها وإن كان يأمن الشهوة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۲۹، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۴۰۷ كتاب الحظر والإباحة، باب فيما يكره من النظر والمس للأقارب والأجانب ومالايكره، رشيديه)

(۱) "فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لايصلح أوّله إلا بآخره. وإن كان يصلح أوله دون آخرة، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) پردہ کی شریعت میں بہت تاکید آئی ہے، اور بے پردگی پر بہت وعیدیں آئی ہیں:

"وعنه (ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه) عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، ص: ۲۶۹، قديمي)

"وعن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة رضي الله تعالىٰ عنها إذ أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه". فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، ص: ۲۶۹، قديمي)

وقال الله تعالى: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ قال أبوبكر: "في هذه الأية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين، و إظهار الستر و العفاف عند الخروج لئلا يطمع أهل الريب فيهن. وفيها دلالة على أن الأمَة ليس عليها ستر وجهها وشعرها؛ لأن قوله تعالىٰ: ﴿ونساء المؤمنين﴾ ظاهره أنه أراد الحرائر". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۴۶، قديمي)

قال الحافظ ابن كثيرؒ: "أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهم في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب و يبدين عيناً واحدةً". (تفسير ابن كثير: ۳/ ۶۸۴، (سورة الأحزاب: ۵۹)، مكتبه دار السلام، رياض)

جس کی ذمہ داری خود اس بے پردہ پر ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ رجب/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ رجب/ ۶۷ھ۔

ضرورت پڑنے پر نامحرم عورتوں سے گفتگو

سوال[۹۲۴۵]: بیہقی کی ایک روایت ہے کہ جو نامحرم پر نظر ڈالے اور جو اپنے اوپر نامحرم کی نظر پڑنے کی خواہش اور تمنا کرے اس پر خدا کی لعنت ہے، (مذکورہ حدیث مولانا عاشق الٰہی بلندشہری نے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں'' کے، ص:۶۶ پر اخذ کی ہے)۔آج کے دور میں مندرجہ بالا حدیث پر عمل کرنا دشوار ہو رہا ہے، کیونکہ جدھر نظر ڈالیں عورتیں ہی عوتیں نظر آتی ہیں۔ دفتروں میں بحیثیتِ آفیسر یا سکریٹری، اسپتال میں بحیثیتِ ڈاکٹر یا نرس، دوکانوں میں بحیثیتِ مالک یا نوکر اور کالجوں میں بحیثیتِ پرنسپل یا استاد، اسی طرح دیگر شعبوں میں خواتین کسی نہ کسی عہدہ پر فائز ہیں اور کام کے کرنے میں انہی سے واسطہ پڑتا ہے اور ان سے مخاطب ہو کر بات کرنے پر ان پر نظر پڑتی ہے، اگر ان کی طرف مخاطب نہ ہوں تو کام نہیں ہوتا۔ ایسی مجبوری کی حالت میں ان کی طرف مخاطب ہونا درست ہوگا یا نہیں؟ اور دیکھنے والے پر گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہ کی جائے، نگاہ بچا کر بھی بات کی جاسکتی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ألا! كلكم راع وكلم مسئول عن رعيته، الإمام راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع في أهله وهو مسئول عن رعيته". (صحيح البخاري: ۱/۱۲۲، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى، قديمي)

"وقال غيره: دخل في هذا العموم المنفرد الذي لا زوج له ولا خادم ولا ولد، فإنه يصدق عليه أنه راع على جوارحه، حتى يعمل المأمورات ويجتنب المنهيات فعلاً ونطقاً واعتقاداً، فجوارحه وقواه وحواسه رعيته". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعه في القرى: ۱۳/۱۴۲، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم أو ليلة، فإذا =

سالی اور دیور کے ساتھ گفتگو

سوال[۹۲۴۲]: عمر اپنی بالغ سالی کے ساتھ بات کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور عمر کی بیوی کا دیور کے ساتھ بات کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کا سالی سے بات کرنا وقتِ ضرورت پردہ کے ساتھ جائز ہے(۱)، لیکن بے پردہ ہوکر سالی کے سامنے آنا اور بے تکلفی سے ہنسی مذاق کرنا، تنہائی میں ملنا جائز نہیں۔ ایسا ہی حال عمر کی بیوی کا اپنے دیور کے ساتھ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= هو بأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: "ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة"؟ قالا: الجوع يا رسول الله! قال: "وأنا والذي نفسي بيده! لأخرجني الذي أخرجكما، قوموا". فقاموا معه، فأتى رجلاً من الأنصار، فإذا هو ليس في بيته، فلما رأته المرأة، قالت: مرحباً وأهلاً، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أين فلان"؟ قالت: ذهب يستعذب لنا من الماء".

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "فيه جواز سماع كلام الأجنبية ومراجعتها الكلام للحاجة". (شرح النووي على المسلم: ۱۷۷/۲، كتاب الاشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك، قديمي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب الإشربة، باب جواز اشتباعه غيره إلى دار عن يثق برضا بذلك ويتحققه تحققاً تاماً واستحباب الاجتماع إلى الطعام: ۳۳/۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

"الضرورات تتقدر بقدرها". (ردالمحتار: ۳۷۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(۱) "الضرورة تتقدر بقدرها". (الدرالمختار: ۳۷۰/۶، سعيد)

(۲) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۸، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول، قديمي) ....=

غیر مرد کے ساتھ ٹھٹھا کرنا

سوال[۹۲۴۷]: اگر عورت غیر مرد کے ساتھ ٹھٹھا کرتی ہے(۱) تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی عورت کا غیر مرد کے ساتھ مذاق یا ٹھٹھا کرنا جائز نہیں، بہت بے شرمی کی بات ہے۔مرد کو چاہیے کہ اس کے جواب میں مذاق کی بات نہ کہے، یا اس کو ڈانٹ دے یا خاموش چلا جائے۔اور اس کے باپ بھائی شوہر سے کہے کہ اس کو منع کر دیا جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

غیر محرم سے تعلق ومحبت کا علاج

سوال[۹۲۴۸]: ایک عورت جس کا نام سکینہ ہے، اس کو ایک شخص سے محبت پیدا ہوئی، جس وقت سکینہ کی شادی ہوئی تھی اس وقت کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت کسی اجنبی شخص سے محبت کرتی ہے۔اور اس نے اس اجنبی شخص کو ایک رومال بھی دیا ہے، اب معلوم نہیں کہ محبت ان دونوں میں کیسی ہے۔اب آپ مطلع فرمائیں کہ کیا صورت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر آدمی سے محبت کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں، فوراً توبہ کرکے اللہ تعالیٰ سے عہد کرے اور

= "قال: "الحمو الموت": أي دخوله كالموت مهلك، يعني الفتنة منه أكثر لمساهلة الناس في ذلك .... قال أبو عبيد: معناه: فليمت ولا يفعل ذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲۷۸/۶، (رقم الحديث: ۳۱۰۲)، رشيديه)

(۱) "ٹھٹھا کرنا: ہنسی کرنا، مذاق کرنا"۔(فیروز اللغات، ص: ۴۲۶، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزاً". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۹/۶، سعيد)

نامحرم کے ساتھ بلاضرورت شدیدہ جب عام بول چال کی اجازت نہیں تو اس کے ساتھ مذاق وٹھٹھا کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

دعاء کرے کہ حق تعالیٰ توبہ پر قائم رکھے، درود شریف کثرت سے پڑھا کرے، انشاء اللہ تعالیٰ غلط محبت سے دل صاف ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۸ھ۔

عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟ اور عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر کرنا

سوال [۹۲۴۹]: عورتوں کو لپ اسٹک لگانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بے پردگی کا رواج ہے، اس صورت میں کیا ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے حکم کے باعث لپ اسٹک استعمال کر کے موٹر کار میں بیٹھ کر یا پیدل کسی کام سے یا یونہی تفریحاً جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں کفار یا فساق کا شعار ہیں ان کو استعمال کرنا درست نہیں، اسی طرح جو چیزیں مَردوں کا شعار ہیں ان کو استعمال کرنا عورتوں کو درست نہیں (۱)۔ مسئولہ چیزوں میں اگر کوئی چیز نجس ہو تب بھی استعمال ممنوع ہوگا۔ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے فرض وضوء وغسل میں کوتاہی رہتی ہو یعنی پانی پہونچنے سے مانع ہو تو فریضۂ طہارت ناتمام رہے گا (۲)۔ جو چیزیں عرفاً شادی شدہ کا شعار ہے اس کو غیر شادی شدہ استعمال کرے تو اس میں ایک طرح کی تلبیس ہے۔

پردہ لازم ہے اور بغیر پردہ کے رہنا اور نامحرم کے ساتھ ملنا موٹر پر جانا، یہ سب امور خلافِ

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "ويجب: أي يفرض غسل كل مايمكن من البدن بلاحرج مرةً ...... ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه أو في سنه المجوف، به يفتي. وقيل: إن صلباً منع، وهو الأصح". (الدرالمختار: ۱/۱۵۲، ۱۵۳، مطلب: في أبحاث الغسل، سعيد)

شرع ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مرد، عورتیں راستہ پر مل کر نہ چلیں

سوال[۹۲۵۰]: راستہ میں سڑک کی کون سی طرف چلنا مسنون ہے؟ کیا مرد اور عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتیں کنارے کنارے چلیں، مرد درمیان میں چلیں۔ عورتیں مل کر مردوں کے ساتھ نہ چلیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ اسکول میں رہنا اور غیر محارم کے ساتھ کمرے میں خلوت

سوال[۹۲۵۱]: جو لڑکی مردوں کے اسکول میں نامحرم لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرے گی اور

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك وبنتك ونسآء المؤمنين يُدنين عليهن من جلا بيبهن، ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين﴾ (سورة الأحزاب: ۵۹)

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت، استشرفها الشيطن". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، ص: ۲۶۹، قديمي)

(۲) "عن حمزة بن أبي أسيد الأنصاري عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول -وهو خارج من المسجد، فاختلط الرجال مع النساء في الطريق- فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء: "استأخرن، فإنه ليس لكُنّ أن تحققن الطريق، عليكن بحافات الطريق". فكانت المرأة تلصق بالجدار حتى أن ثوبها ليتعلق بالجدار من لصوقها به".

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى أن يمشي يعني الرجل بين المرأتين". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۶۸، كتاب الأدب، باب في مشي النساء في الطريق، إمداديه ملتان)

نامحرموں کے ساتھ ہر قسم کا خلاملا، خلوت جلوت میں ہوگا تو اس کے والدین گنہگار ہوں گے یا نہیں، تو ان کے گھر والوں کے ساتھ تمام مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہیئے؟

غیر محرم مرد غیر محرم عورت جو ان کے ساتھ جس کا شوہر زندہ ہوایک کمرے میں اکٹھا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر یا وہ علیٰحدہ کمرے میں رہتے ہیں، کوئی تیسرا شخص نہیں ہوتا ہے۔ کیا اس میں گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اور مہر کی ادائیگی کا حقدار وہ مرد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدین نے اس کی اجازت دی ہے اور لڑکی کے اس طرز سے خوش ہیں تو والدین بھی بڑے گنہگار ہوں گے (۱)، اس طرح ان دونوں کا کمرے میں رہنا حرام ہے (۲)۔ اس حرام کام سے مہر لازم نہیں ہوتا ہے۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان، واتقوا الله﴾. (سورة المائدة: ۲)

والدین پر لازم ہے کہ بچی کو اس گناہ سے بچائیں، لقولہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم ناراً﴾ (سورة التحریم: ۶)

"ان عبد الله بن عمر رضی الله عنهما یقول: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته: الإمام راع ومسئول عن رعیته، والرجل راع فی أهله وهو مسئول عن رعیته". (صحیح البخاری: ۱۲۲/۱، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری، قدیمی)

"وقال الحسن: تُعلّمهم وتأمرهم وتنهاهم". قال أبوبکر: "وهذا یدل علی أن علینا تعلیم أولادنا وأهلینا الدینَ والخیرَ وما لایُستغنی عنه من الآداب ...... ویدل علی أن للأقرب فالأقرب منا مزیةً به فی لزومنا تعلیمهم وأمرهم بطاعة الله تعالیٰ". (أحکام القرآن للجصاص: ۶۹۷/۳، مطلب: یجب علینا تعلیم أولادنا وأهلینا، (سورة التحریم: ۶)، قدیمی)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لاتلِجُوا علی المغیبات، فإن الشیطٰن یجری من أحدکم مجری الدم". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۹، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الثانی، قدیمی)

"إن الشیطن: أی کیده ووسواسه "یجری": أی یسری "من الإنسان": أی فیه. وقیل: عُدّی =

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "یجری" بـ "من" علی تضمین معنی التمکن: أی یتمکن الإنسان فی جریانہ "مجری الدم": أی فی جمیع عروقہ .... شبّہ سریان کیدہ وجریان وساوسہ فی الإنسان بجریان دمہ فی عروقہ وجمیع أعضائہ، فہو کنایۃ عن تمکنہ من إغواء الإنسان وإضلالہ تمکناً تاماً وتصرفہ فیہ تصرفاً کاملاً بواسطۃ نفسہ الأمارۃ بالسوء الناشئ قواہا من الدم .... وقیل: إرادۃ الحقیقۃ، فإن الشیاطین أجسام لطیفۃ قادرۃ بأقدار اللہ تعالیٰ علی کمال التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، کتاب الإیمان، باب الوسوسۃ، الفصل الأول، رشیدیہ)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "ألا! لایبیتن رجل عند امرأۃ ثیب إلا أن یکون ناکحاً أو ذا محرم". رواہ مسلم". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۲۸، کتاب النکاح، باب بیان العورات، قدیمی)

"عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "لایخلونّ رجل بامرأۃ إلا کان ثالثہما الشیطٰن". رواہ الترمذی". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبۃ، الفصل الثانی)

وقال الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: "الخلوۃ بالأجنبیۃ حرام". (الدرالمختار). قال العلامۃ ابن عابدینؒ: "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغیر محرم، فلا تخلوا برجل، شاباً أو شیخاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ: ۱/۳۶۸، سعید)

الفصل الرابع فی النظر إلی العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

اپنا ستر دیکھنا

سوال[۹۲۵۲]: ا......اپنا ستر بوقتِ حاجت یا دوسری ضرورتوں کے علاوہ دیکھتے رہنا کیسا ہے؟

بیوی کا ستر دیکھنا

سوال[۹۲۵۳]: ۲......اپنی بیوی کے ستر کو دیکھنا کیسا ہے؟ ساتھ ہی اندرونی و بیرون ستر کی تفصیل فرمادیں۔

مولوی عبدالشکور، دربھنگہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......مورثِ نسیان ہے(۱)۔

۲......اجازت ہے(۲)۔لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:"وما رأی منی وما

---

(۱) "[نكتة] قيل: ست تورث النسيان .... اهـ". (الدرالمختار). "[تتمة]: زاد بعضهم: مما يورث النسيان أشياء: منها العصيان .... واللعب بالمذاكير أو الذكر حتى ينزل، والنظر إليه". (ردالمحتار: ۲۲۵/۱، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مطلب: ست تورث النسيان، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۳۶۶/۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(۲) "وينظر الرجل إلى جميع بدن زوجه حتى فرجها، والأولىٰ تركه، اهـ". (سكب الأنهر علي هامش مجمع الأنهر: ۵۳۹/۲، فصل في النظر ونحوه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

رأیت منه". الحدیث(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۹ھ۔

زوجین کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا

سوال[۹۲۵۴]: زوج زوجہ کو اپنے حجرے میں تنہائی کے وقت ایک دوسرے کا فرج دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، مگر نہ دیکھنا اَولیٰ ہے: "وینظر الرجل إلی جمیع بدن زوجه حتی فرجها، والأولیٰ ترکه، اھ". سکب الأنهر: ۲/۵۳۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۶/۲۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۸/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

---

(۱) (مرقاة المفاتیح: ۶/۲۸۹، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثالث، رشیدیه)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: مانظرت، أو ما رایت فرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قط". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۳۸، أبواب النكاح، باب الستر عند الجماع، قدیمی)

(۲) (سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۳۹، فصل فی النظر ونحوه، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وعن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: "ما نظرت، أو مارأیت فرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قط". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۳۸، ابواب النكاح، باب الستر عند الجماع، قدیمی)

"قلت: وقد یجاب بأنه أغلبی إلی فرجها بشهوة وغیرها، والأولی ترکه؛ لأنه یورث النسیان". (الدرالمختار). وقال العلامة الشامی رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: والأولی ترکه) قال فی الهدایة: الأولی أن لا ینظر کل واحد منهما إلی عورة صاحبه، لقوله علیه الصلاة والسلام: "إذا أتی أحدکم أهله، فلیستتر مااستطاع، ولا یتجردان تجرد العیر". ولأن ذلک یورث النسیان، لِوُرود الأثر". (ردالمحتار: ۶/۳۶۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، سعید) .... =

بیوی کا جسم دیکھنا

سوال[۹۲۵۵]: شوہر اپنی منکوحہ عورت کے پورے جسم کو دیکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں، یا کونسا عضو دیکھنا حرام اور کونسا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی زندگی میں تمام جسم کو دیکھنے کا حق ہے، مگر "وما رای منی وما رأیت منه" حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رعایت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

فرج میں ادخالِ اصبع سے کھیلنا

سوال[۹۲۵۶]: اگر مرد اپنی بیوی کی خواہشات ذکر کے علاوہ کسی اور چیز سے پوری کرتا ہے، مثلاً اس کی شرمگاہ میں انگلیاں ڈال کر کھیلتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ انگلیاں ڈال کر کھیلنے کی جگہ نہیں اور انگلی آلۂ جماع نہیں: "الأصبع ليس آلة للجماع، الخ". شامی: ۱/۱۵۰(۲)۔

اگر وہ عنین ہے، اس میں جماع کی طاقت نہیں، بیوی کا حق ادا نہیں کرسکتا ہے تو اس کو طلاق دیدے تاکہ وہ اپنا دوسرا انتظام کرلے۔ اور وہ کس مقصد کے لئے ایسا کرتا ہے، ایسا کرنا مادۂ صالحہ کو ضائع کرنا ہے، جیسے کوئی شخص محنت سے روپیہ جمع کرے، پھر اس کو دریا میں پھینک دے۔ مرد وعورت دونوں کا حکم یکساں ہے،

= (وكذا في الهداية مع حاشية اللكهنوي: ۷/۱۹۶، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، إدارة القرآن كراچي)

(۱) (مرقاة المفاتيح: ۶/۲۸۹، باب النظر الى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثالث، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۱/۱۶۲، كتاب الطهارة، باب مايوجب الغسل، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۱۱۱، كتاب الطهارة، المعاني الموجبة للغسل، رشيديه)

اضاعت دونوں کے حق میں اضاعت ہے۔کوئی غرضِ صحیح اس سے متعلق ہوتو اس پرغور کیا جاسکتا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے درمختار کتاب الصوم:۲/۱۳۷، میں اس سلسلہ میں بحث کی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۱۲/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۷/۸۸ھ۔

ولادت سے ساتویں روز برہنہ کر کے نہلانا

سوال[۹۲۵۷]: ایک لڑکی کو بچہ پیدا ہوا ساتویں روز اس کو بالکل برہنہ کر کے نہلایا گیا جس میں تین عورتیں اَور شامل تھیں۔یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی عورت کو عورتوں کے سامنے بھی بالکل برہنہ ہونا جائز نہیں،خواہ نہانے کے لئے ہو یا کسی اَور مقصد کے لئے ہو، پردہ کر کے نہایا جائے جہاں اس کے جسم کو کوئی نہ دیکھے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۶/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) "(أو أدخل أصبعه اليابسة فيه) : أى دبره أو فرجها، ولو مبتلةً، فسد". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أى دبره أو فرجها) أشار إلى أن تذكير الضمير العائد إلى المقعدة، لكونها فى معنى الدبر ونحوه، وإلى أن فاعل أدخل ضمير عائد على الشخص الصائم الصادق بالذكر والأنثى". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصلوة الصوم ومالايفسد: ۲/۳۹۷، سعيد)

(۲) "وأما الثالث: وهو بيان ما يحل من ذلك وما يحرم للمرأة من المرأة، فكل ما يحل للرجل أن ينظر إليه من الرجل يحل للمرأة أن تنظر إليه من المرأة، وكل مالا يحل له لا يحل لها، فتنظر المرأة من المرأة إلى سائر جسدها إلا ما بين السرة والركبة .... ولا يجوز لها أن تنظر ما بين سرتها إلى الركبة إلا عند الضرورة". (بدائع الصنائع: ۶/۴۹۹، كتاب الاستحسان، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۸/۳۵۴، كتاب الكراهية، فصل فى النظر واللمس، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۴۱، كتاب الكراهية، فصل فى النظر والمس، دارالكتب العلمية بيروت)

بے پردگی کی حالت میں اسپتال میں ولادت

سوال[۹۲۵۸]: زید کو منکوحہ ہندہ پہلے بچہ کی ولادت کے وقت زید نے گھر پر زچگی کا بندوبست کیا، لیکن بچہ کسی طرح نہ ہوا، مجبوراً اسپتال لیجانا پڑا اور آپریشن کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ہوئی۔ اسپتال میں پردہ کا کوئی انتظام نہیں، دوسرے بچہ کی ولادت کا وقت قریب ہے، گھر پر انتظام میں جان کا خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں زید کیا کرے؟ اسپتال میں علیحدہ کمرہ لے کر بے پردگی میں کچھ کمی ہوسکتی ہے، زید کے پاس کچھ نہیں، قرض لے کر ہی بندوبست کیا جاسکتا ہے۔ زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب جان کے لالے پڑ جائیں تو یہ بے پردگی انتہائی مجبوری کے باعث ہے، نہ اختیاری ہے نہ خوشی سے ہے، اللہ پاک اپنے بندوں کی مجبوریوں کو خوب جانتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "إن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة الضرر يزال، (رقم القاعدة: ۵۲۸): ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

"(قوله: لإباحته لتحمل الشهادة) وكذا نظر المقابلة والخافضة والختان والطبيب. وزاد في الخلاصة: من مواضع حل النظر للعورة عند الحاجة الاحتقان والبكارة في العنة والرد بالعيب، فتح. ونظمتُها بقولي:

ولا تنظر لعورة أجنبي	بلا عذر كقابلة طبيب
وختان وخافضة وحقن	شهود زنا بلا قصد مريب
وعلم بكارة في عنة أو	زنا أو حين رد للمعيب

(ردالمحتار: ۳۶/۴، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، مطلب: المواضع التي يحل فيها النظر إلىٰ عورة الأجنبي، سعيد)

"ينظر الطبيب إلى موضع مرضها بقدر الضرورة؛ إذ الضرورات تتقدر بقدرها. وكذا نظر قابلة وختان، وينبغي أن يعلم امرأة تداويها؛ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف". (الدرالمختار). =

ڈاکٹر کے سامنے اپنا بدن کھولنا

سوال[۹۲۵۹]: اللہ تعالیٰ نے جو پردہ کا اور نامحرم سے چھپنے کا حکم پارہ:۱۸، رکوع:۱۰، آیت: چار، میں فرمایا ہے، اس میں کوئی استثناء بھی مرض وغیرہ کی حالت میں نامحرم معالج کے روبرو بے حجاب ہونے کا اور اپنے تمام جسم کو تصرف میں دینے کا دیا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی زوجہ ایسا فعل کرے تو اپنے خاوند کے ناموس میں خلل ڈالا کہ نہیں، اور ایسی صورت میں شوہر کو اس سے باز پرس کا حق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصۂ جسم کو چھپانا فرض ہے، اگر اس میں کوئی تکلیف، زخم وغیرہ ہو کہ بغیر معالج کے سامنے کھولے

= قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وينبغي، الخ) كذا أطلقه في الهداية والخانية. وقال في الجوهرة: إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج، يجوز النظر إليه عند الدواء؛ لأنه موضع ضرورة. وإن كان في موضع الفرج، فينبغي أن يعلم امرأةً تداويها. فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو يصيبها وجعٌ لا تحتمله، يستروا منها كل شئ إلا موضع العلة، ثم يداويها الرجل ويغضّ بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح، اهـ، فتأمل. والظاهر أنّ "ينبغي" هنا للوجوب". (ردالمحتار: ۳۷۰/۶، ۳۷۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

"ثم النظر إلى الحرة الأجنبية قد يصير مرخصاً عن الضرورة، كذا في المحيط .... ويجوز النظر إلى الفرج للخاتن وللقابلة وللطبيب عند المعالجة، ويغضّ بصره ما استطاع، كذا في السراجية.......... امرأة أصابتها قرحة في موضعٍ لا يحل للرجل أن ينظر إليه، لا يحل أن ينظر إليها لكن تُعلّم امرأة تداويها. فإن لم توجد امرأة تداويها ولا امرأة تتعلّم ذلك إذا عُلّمت وخيف عليها البلاء أو الوجع أو الهلاك، فإنه يستر منها كل شئ إلا موضع تلك القرحة، ثم يداويها الرجل يغضّ بصره ما استطاع إلا عن ذلك الموضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۹/۵، ۳۳۰، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه .... اهـ، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۳، كتاب الحظر والإباحة، باب فيما يكره من النظر والمس، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية: ۴۵۸/۴، فصل في الوطي والنظر والمس، مكتبه شركة علميه، ملتان)

علاج نہ ہوسکتا ہوتو صرف اتنا حصہ شدتِ ضرورت کے وقت کھولنا شرعاً درست ہے، اس سے زیادہ نامحرم کے سامنے کھولنا جائز نہیں:

"وينظر الطبيب إلىٰ موضع مرضها، اه". كنز(۱)۔ "وفي نظر الطبيب إلىٰ موضع المرض ضرورةٌ، فيرخص لهم أحياناً لحقوق الناس ودفعاً لحاجتهم، فصار كنظر الختان والخافضة. وكذا ينظر إلىٰ موضع الاحتقان للمرض؛ لأنه مداواة. وينبغي للطبيب أن يعلّم امرأةً إن أمكن؛ لأن نظر الجنس أخف. وإن لم يمكن، ستر كل عضو منها سوى موضع المرض، ثم ينظر يغضّ بصره عن غير ذلك الموضع ما استطاع؛ لأن ماثبت للضرورة يتقدر بقدر الضرورة. والأصل أن لايجوز النظر إلى امرأة لما فيه من خوف الفتنة، ولهذا قال عليه السلام: "المرأة مستورة، اه". زيلعي بتغير(۲)۔

اس میں بہتر یہ ہے کہ معالج کسی عورت کو علاج سکھلا دے اور وہ عورت علاج کردے تا کہ مرد کے سامنے کھولنے کی نوبت نہ آوے۔ اگر یہ دشوار ہوتب مرد کے سامنے کھولنے کی اجازت ہے اور تمام بدن معالج کے تصرف میں دینا یا معالج کا موضعِ مرض کے علاوہ کسی دوسرے حصہ کو دیکھنا ہرگز درست نہیں (۳)۔ اگر بغیر

---

(۱) (كنز الدقائق، ص: ۴۲۴، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، كتب خانه رشيديه)

(۲) (تبيين الحقائق: ۴۰/۷، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "امرأة أصابتها قرحة في موضعٍ لا يحل للرجل أن ينظر إليه، لا يحل أن ينظر إليها، لكن تُعلّم امرأة تداويها. فإن لم يجدوا امرأةً تداويها ولا امرأةً تتعلم ذلك إذا علمت وخيف عليها البلاء أو الوجع أو الهلاك، فإنه يستر منها كل شي إلا موضع تلك القرحة، ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا عن ذلك الموضع، ولا فرق في هذا بين ذوات المحارم وغيرهن؛ لأن النظر إلى العورة لا يحل بسبب المحرمية، كذا في فتاوى قاضيخان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۰/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه .... اهـ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۳۸/۲، كتاب الكراهية، فصل في بيان أحكام النظر ونحوه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرا الرائق: ۳۵۲/۸، ۳۵۳، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، رشيديه)

شرعی ضرورت کے عورت اپنا جسم غیرمحرم کے سامنے کھولے، یا اس سے تعلقات قائم کرے، یا اس سے ہمکلام ہو، یا شوہر کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آئے تو شریعت نے اجازت دی ہے کہ ایسی حالت میں شوہر اس کو سزا دے:

"يعزر المولى عبده والزوج زوجته على تركها الزينة الشرعية مع قدرتها عليها، وتركها غسلَ الجنابة، وعلى الخروج من المنزل لو بغير حق، وترك الإجابة إلى الفراش لو طاهرةً من نحو حيض. ويلحق بذلك لو ضربت ولدها الصغير عند بكاء، أو ضربت جارية غيره ولا تتعظ بوعظه أو شتمته، ولو بنحو ياحمار، أوا دعت عليه أو مزقت ثيابه، أو كلمةً ليسمعها أجنبي، أو كشف وجهها لغير محرم أو كلّمته .... أو أعطت مالم تجر العادة به بلا إذنه. والضابطة: كل معصية لاحدّ فيها، للزوج والمولىٰ التعزير، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/ ۶۰ھ۔

ملازمت کے لئے ڈاکٹری معائنہ

سوال [۹۲۶۰]: زید میونسپلٹی میں فنِ تجوید، قرآن شریف اور ضروریاتِ دین کے لئے، یا اَور کسی شعبہ میں ملازم ہے اور وہ شخص عالم بھی ہے، اور کسی قسم کا مریض نہیں، میونسپلٹی کی طرف سے اس کو ڈاکٹری معائنہ کا حکم دیا۔ نو سال ملازمت کرنے کے بعد ڈاکٹری معائنہ کی صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر انسان کے بدن کو سر سے پیر تک ننگا کر کے بدن کا معائنہ کرتا ہے، حتی کہ ذکر کو ہاتھ میں لیتا ہے اور دباتا بھی ہے تاکہ سوزاک و آتشک معلوم کر سکے، اور دُبر میں بھی انگلی تک مارتا ہے، تاکہ بواسیر معلوم کر لے۔

تو کیا ملازمت کے لئے یہ ڈاکٹری کرنا کرانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مع مذاہب ائمۂ اربعہ ادلۂ اربعہ

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال في الفتح: وإذا أساء العبد الأدب، حل لمولاه تأديبه، وكذا الزوجة .... اهـ". (ردالمحتار: ۴/۷۷ كتاب الحدود باب التعزير، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۵/۸۱، كتاب الحدود، فصل في التعزير، رشيديه)

سے مع حوالہ جات کتب معتبرہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طور پر ڈاکٹری معائنہ کرانا اور کرنا ناجائز ہے، جس حصۂ بدن کو چھپانا فرض ہے اس کو اس غرض کے لئے کھولنا اور نامحرم کو دکھانا اور اس کا ہاتھ لگوانا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اگر ملازمت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے تو ایسی شرط کو قبول کرنا بھی جائز نہیں:

"وینظر الرجل إلى الرجل إلا العورة، وهي ما بين السرة والركبة. ثم حكم العورة في الركبة أخف منه في السوءة، حتى ينكر عليه في كشف الركبة برفق، وفي الفخذ بعنف، وفي السوءة بضرب إن لج. ويمس ما حل النظر إليه: أي من محارمه أو من الرجل لا من الأجنبية، اهـ". زيلعي: ۱۸/۶، ۱۹(۱)۔

اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سترِ عورت ائمۂ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق فرض ہے:

"أجمعوا على أن ستر العورة عن العيون واجب في الصلوٰة وغيرها، اهـ". ميزان الكبرىٰ: ۱۵۶/۱ (۲)۔ "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق". الحديث(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/صفر/۵۹ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق للزيلعي: ۴۱/۷، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر اليه، رشديه)

(۲) (الميزان الكبرى للشعراني: ۱۶۹/۱، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۲۰۸/۸، كتاب اللباس (رقم الحديث: ۴۴۲۰)، رشيديه)

(۳) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي) .... =

داخلۂ کالج یا ملازمت سرکاری کے لئے برہنہ بدن کا معائنہ

سوال[۹۰۶۱]: آج کل جو پولیس میں بھرتی کے وقت یا کالجوں میں داخلہ کے وقت آدمی کو ننگا کر کے اس کا ڈاکٹری معائنہ کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے کیونکہ کشفِ عورت تو حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کشفِ عورت کے لئے یہ ضرورت شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ نہ اس پر مدارِ صحت ہے نہ زندگی، کوئی اور بھی شرعی ضرورت اس پر موقوف نہیں۔ تحصیلِ علم جس کے لئے یہ معائنہ کرایا جاتا ہے، اولاً خود محلِ کلام ہے کہ بہت سے عقائد اسلام کے خلاف اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ داخلہ کالج پر موقوف نہیں، خارجی طریق سے بھی اس کی تحصیل ممکن ہے۔ پولیس کی ملازمت میں بہت سے مواقع پر قانوناً خلافِ شرع کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، نیز اس پر کچھ معیشت کا بھی مدار نہیں، بغیر اس کے بہت بڑی مخلوق آسائش کے ساتھ موافقِ شرع زندگی بسر کرتی ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں ارتکابِ حرام کی ہرگز گنجائش نہیں، بلکہ اجتناب واجب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۴/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۶/ ربیع الثانی/ ۵۷ھ، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

=(ومسند الإمام أحمد: ۶۷/۵، (رقم الحديث: ۲۰۱۳۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"وقال محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ: لا يسع المأمور أن يفعله حتى يكون الذى أمره عدلاً، وحتى يشهد عدلٌ سواه على أن على المأمور ذلك .... وقال على رضى الله عنه: فما أمرتكم من طاعة الله فحقٌّ عليكم طاعتى فيما أحببتم أو كرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيرى، فلا طاعة لأحد فى معصية الله، إنما الطاعة فى المعروف". حديث حسن، رواه الحاكم فى صحيحه، وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه، اهـ". (مرقاة المفاتيح: ۲۷۴/۷، ۲۷۵ كتاب الإمارة والقضاء، (رقم الحديث: ۳۶۹۶)، رشيديه)

(۱) "عن عمران قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق". (مسند الإمام أحمد: ۵۹/۶، (رقم الحديث: ۲۰۱۳۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

بانجھ کی اولاد کے لئے اس کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر وظیفہ پڑھنا

سوال[۹۲۶۲]: ایک بریلوی شخص جس عورت کے لڑکا نہ ہو، اس کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر یعنی پائجامہ کے اندر ہاتھ داخل کر کے گھنٹوں وظیفہ پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا بھی وظیفہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وظیفہ تو کیا ہوتا نفسانی ہوس ہے، نہایت ہی شرمناک اور کمینہ حرکت ہے(۱)۔ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی عورتوں کو اس سے علیحدہ رکھیں، خود بھی علیحدہ رہیں۔ اگر مرید ہوگئے ہوں تو بیعت فسخ کردیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

ستر کھول کر کشتی کرنا

سوال[۹۲۶۳]: پہلوان کشتی کرتے ہیں، مگر صرف لنگوٹ باندھ کر عام مجمع میں لڑتے ہیں حالانکہ از روئے شریعت گھٹنوں تک ستر فرض ہے۔

---

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کا ایک حصہ فرمایا ہے، صحیح بخاری میں حدیث منقول ہے: "إن الحياء من الإيمان". (كتاب الأدب، باب الحياء: ۹۰۳/۲، قديمى)

اور جب انسان کے اندر حیا ہو، تو وہ بہت سے چھوٹے بڑے منکرات سے بچتا ہے، لیکن بعض لوگوں میں حیا نہیں ہوتی اور پھر اس وجہ سے وہ ایسی حیا سوز حرکتوں میں مبتلا ہوتے ہیں کہ انتہا ہوتی ہے، بلکہ ان کو منکرات میں بجائے قبح کے حسن نظر آتا ہے، اور بغیر جھجک اور بغیر روک ٹوک کے اس میں مبتلا ہوتے ہیں:

" أبو مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "إن مما أدرك الناس من كلام النبوة الأولىٰ: إذا لم تستحى، فاصنع ما شئت". (صحيح البخارى، كتاب الأدب، بابٌ: إذا لم تستحيي فاصنع، الخ: ۹۰۴/۲، قديمى)

(۲) ایسا شخص درجۂ ولایت سے عاری ہے جس کی بیعت جائز نہیں:

"الولى هو العارف بالله و صفاته ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الانهماك فى اللذات والشهوات واللهوات". (مجموعه الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: ۳۳۵/۴، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى شرح العقائد، ص ۱۴۸۰، مكتبه خير كثير كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلوانوں کا یہ فعل ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

کشتی کا دنگل دیکھنا

سوال[۹۲۶۴]: کشتی کا دنگل دیکھنا کیسا ہے، زید کہتا ہے کہ درست نہیں، کیونکہ ران کھلی رہتی

---

(۱) " وينظر الرجل عن الرجل إلى ماسوى العورة، وقد بينت في الصلوة أن العورة ما بين السرة إلى الركبة، والسرة ليست بعورة، خلافاً لِمَا يقوله أبوحنيفة والشافعي رحمهما الله تعالىٰ. والركبة عورة، خلافاً للشافعي رحمه الله تعالىٰ. ثم حكم العورة في الركبة أخفّ منه في الفخذ، وفي الفخذ أخفّ منه في السوءة، حتى ينكر عليه في كشف الركبة برفق، وفي الفخذ بعنف، وفي السوءة بضرب إن أصرّ، اهـ". (مجمع الأنهر: ۵۳۸/۲، كتاب الكراهية، فصل في بيان أحكام النظر ونحوه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"والرابع ستر عورته، ووجوبه عامٌّ ولو في الخلوة على الصحيح إلا لغرض صحيح .... وهي للرجل ما تحت سرته إلى ماتحت ركبته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: ووجوبه عام): أي في الصلاة وخارجها. (قوله: ولو في الخلوة): أي إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً، وفي الخلوة على الصحيح .... ثم إن الظاهر أن المراد بما يجب ستره في الخلوة خارج الصلاة هو ما بين السرة والركبة فقط .... (قوله: للرجل) احتراز عن المرأة الأمَة والحرة، وعن الصبي، كما سيأتي. (قوله: تحت سرته) هو ماتحت الخط الذي يمر بالسرة ويدور على محيط بدنه بحيث يكون بعده عن مواقعه في جميع جوانبه على السواء، كذا في البرجندي، اهـ، إسمعيل. فالسرة ليست من العورة، درر.

(قوله: إلى ماتحت ركبته) نادما لما قيل: إن "تحت" من الظروف التي لا تتصرف، حموى، فالركبة من العورة لرواية الدار قطني: "ما تحت السرة إلى الركبة من العورة". لكنه محتمل، والاحتياط في دخول الركبة، ولحديث علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الركبة =

ہے۔بکر کہتا ہے کہ درست ہے اس لئے کہ ستر دیکھنے کا قصد نہیں ہوتا۔اس میں کس کا قول درست ہے؟

مولوی محمد یسین صاحب، مبارکپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کا قول درست ہے:"لقول النبی صلی الله علیه وسلم: "لاتنظر إلی فخذ حيّ ولا میت". الحدیث(۱)۔ اس میں نظر کی ممانعت ہے جو کہ فعلِ عین ہے، اس میں قصد وعدمِ قصد برابر ہے، عدمِ قصد سے معصیت مرتفع نہیں ہوتی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

چار انگل کی لنگوٹی باندھ کر تماشہ دکھانا

سوال[۹۲۶۵]: ہمارے یہاں نٹ لوگ کھیل تماشہ کرتے ہیں(۲)، یہ لوگ چار انگل کی لنگوٹی باندھ کر کھیلتے ہیں، ڈھول بجتا رہتا ہے اور اس پر انعام مانگتے ہیں۔یہ جائز ہے یا نہیں؟

= من العورة". وتمامه فی شرح المنیة". (ردالمحتار: ۱/۴۰۴، کتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، مطلب فی ستر العورة، سعید)

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۸۹، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثانی، قدیمی)

"عن أبی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : "لاینظر الرجل إلی عورة الرجل، ولا المرأة إلی عورة المرأة". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۸، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الأول، قدیمی)

"قال ابن الملک: أی لاتصل بشرة أحدهما إلی بشرة الآخر فی ثوب واحد فی المضجع، لخوف ظهور فاحشة بینهما. قال المظهر: ومن فعل، یعزر ولایحد. وفیه بیان تحریم النظر إلی مالایجوز، وعورة الرجل مابین سرته ورکبته". (مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الأول: ۶/۲۷۷، (رقم الحدیث: ۳۱۰۰)، رشیدیه)

(۲) "نٹ: بازی گر، شعبدہ باز"۔(فیروز اللغات، اردو، ص: ۱۳۵۱، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

لوگوں کے سامنے ستر کھولنا اور چار انگل کی لنگوٹی باندھ کر تماشہ کرنا (۱)، ناچنا، ڈھول بجانا (۲) اور اس پر انعام مانگنا سب ناجائز ہے، تماشہ کرنے والے اور دیکھنے والے اور اس پر پیسے دینے والے سب ہی گنہگار ہیں، سب کو توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

پانی کو عبور کرتے ہوئے رانیں کھولنا

سوال [۹۲۶۲]: جب پانی عبور کرنا ہو اور پانی گھٹنوں سے اوپر تک ہو تو تہہ بند کو رانوں تک اٹھانا اور گھٹنے اور ران کھولنا اس طرح پانی عبور کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "عن جرهد رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أمَا علمت أن الفخذ عورةٌ". رواه الترمذى وأبو داود".

"وعن على رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال له: "يا علىّ! لاتبرز فخذك، ولا تنظر إلى فخذ حيّ ولا ميتٍ". رواه أبو داود وابن ماجة".

"عن الحسن مرسلاً قال: بلغنى أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لعن الله الناظر والمنظور إليه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۹، ۲۷۰، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، قديمى)

(۲) "عن جابرٍ رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق فى القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقى فى شعب الإيمان".

"وعن نافع قال: كنت مع ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما فى طريق، فسمع مزماراً فوضع أصبعيه فى أذنيه ونآى عن الطريق إلى الجانب الأخر، ثم قال لى بعد أن بَعُدَ: يا نافع! هل تسمع شيئاً قلت: لا، فرفع أصبعيه من أذنيه. قال: كنت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسمع صوت يراعٍ فصنع مثل ما صنعت. قال نافع: وكنت إذ ذاك صغيراً". رواه أبو داود". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۱۱، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف سے گھٹنوں تک عورت ہے، کسی کے سامنے اس حصۂ بدن کو کھولنا جائز نہیں، نہ نماز میں نہ خارج نماز میں۔ اس حکم میں ہر مرد عالم ہو یا غیر عالم، سب کا حکم ایک ہے۔ جو شخص گھٹنے کھولے اس کو نرمی سے منع کیا جاوے، جو ران کھولے اس کو سختی سے منع کیا جاوے۔ البتہ اگر گھٹنے اور رانیں پانی میں چھپ جائیں اور کپڑا بالکل پانی کے قریب رہے کہ بدن کسی کو نظر نہ آئے تو اس طرح عبور کرنا شرعاً درست ہے:

"وينظر الرجل عن الرجل إلى ماسوى العورة، وقد بينت في الصلوٰة أن العورة ما بين السرة إلى الركبة، والسرة ليست بعورة، خلافاً لِمَا يقوله أبو حنيفة والشافعي رحمهما الله تعالىٰ والركبة عورة، خلافاً للشافعي رحمه الله تعالىٰ. ثم حكم العورة في الركبة أخفّ منه في الفخذ، وفي الفخذ أخفّ منه في السوءة، حتى ينكر عليه في كشف الركبة برفق، وفي الفخذ بعنف، وفي السوءة بضرب إن أصرّ، اهـ". مجمع الأنهر: ۵۳۸/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۰/۶۴ھ۔

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۵۳۸/۲، كتاب الكراهية، فصل في بيان أحكام النظر ونحوه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"والرابع ستر عورته، ووجوبه عامٌّ ولو في الخلوة على الصحيح إلا لغرض صحيح .... وهي للرجل ما تحت سرته إلى ماتحت ركبته". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله. ووجوبه عام): أي في الصلاة وخارجها. (قوله: ولو في الخلوة): أي إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً، وفي الخلوة على الصحيح .... ثم إن الظاهر أن المراد بما يجب ستره في الخلوة خارج الصلاة هو ما بين السرة والركبة فقط .... (قوله: للرجل) احتراز عن المرأة الأمة والحرة، وعن الصبي، كما سيأتي. (قوله: تحت سرته) هو ماتحت الخط الذي يمر بالسرة ويدور على محيط بدنه بحيث يكون بعده عن مواقعه في جميع جوانبه على السواء، كذا في البرجندي، اهـ، إسمعيل. فالسرة ليست من العورة، درر. .... =

گھٹنا ستر ہے یا نہیں؟

سوال[۹۲۶۷]: اگرایک آدمی گھٹنا کھولے تو وہ کیسا ہے؟ اوراس کا فعل حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گھٹنہ حنفیہ کے نزدیک ان اعضاء میں سے ہے جن کا چھپانا واجب اور کھولنا ۔جس سے ستر باقی نہ رہے۔مکروہ تحریمی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۹۰ھ۔

کاشتکاروں کے لئے کشفِ عورت

سوال[۹۲۶۸]: اگر کاشتکار ستر نہ چھپاوے اور جب تک کاشتکاری کا کام کرے اس وقت تک کھولے رکھے، اگر ان کو اس پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ ستر کو ڈھانکو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اس سے مجبور ہیں۔تو کیا ایسا کرنا، یا ایسا کہنا ان کا درست ہے از روئے شرع شریف؟

الجواب حامداًومصلياً:

ایسا کرنا اور ایسا کہنا خلافِ شرع ہے،شریعت کا حکم سب کے لئے ہے،کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں:

"يجوز أن ينظر الرجل إلى الرجل إلا إلى عورته، كذا في المحيط. وعليه الإجماع، كذا في الاختيار شرح المختار. وعورته ما بين سرته حتى تجاوز ركبته، كذا في الذخيره. وما دون السرة إلى منبت الشعرة عورة في ظاهر الرواية. ثم حكم العورة في الركبة أخفّ منه في

= (قوله: إلى ماتحت ركبته) نادما لما قيل: إن "تحت" من الظروف التي لا تتصرف، حموى، فالركبة من العورة لرواية دار قطني: "ما تحت السرة إلى الركبة من العورة". لكنه محتمل، والاحتياط في دخول الركبة، ولحديث على رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الركبة من العورة". وتمامه في شرح المنية". (ردالمحتار: ۱/۴۰۴، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، سعيد)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان: پانی کو عبور کرتے ہوئے رانیں کھولنا

الفخذ، وفي الفخذ أخف منه في السرة، الخ". هنديه(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم، ۲۷/۷/۵۹ھ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

گھٹنے کھول کر کھیتی وغیرہ کا کام کرنا

سوال[۹۲۶۹]: گھٹنے کھول کر اپنا کام مثلاً کھیتی وغیرہ کرسکتا ہے یا نہیں، اور دریا وغیرہ میں گھسنے کی حالت میں ضرورۃً پائجامہ یا تہبند کو چڑھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گو بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ گھٹنے نہ کھولے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۵/۸۷ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه ....اهـ، رشيديه)

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالىٰ: "يحل للرجل أن ينظر من الرجل الأجنبي إلى سائر جسده، إلا ما بين السرة والركبة، إلا عند الضرورة .... ولا ينظر إلى الركبة. ولا بأس بالنظر إلى السرة، فالركبة عورة، والسرة ليست بعورة عندنا.

والصحيح قولنا، لما روى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ماتحت السرة عورة". والركبة ماتحتها، فكانت عورةً، إلا ماتحت الركبة صار مخصوصاً، فبقيت الركبة تحت العموم، ولأن الركبة عضوٌ مركبٌ من عظم الساق، والفخذ على وجه يتعذر تمييزه. والفخذ من العورة، والساق ليس من العورة، فعند الاشتباه يجب العمل بالاحتياط. وذلك فيما قلنا، بخلاف السرة؛ لأنه اسم لموضع معلوم لا اشتباه فيه". (بدائع الصنائع: ۴۹۷/۶، كتاب الاستحسان، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق ۴۱/۷، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۸/۳ باب فيما يكره من النظر والمس للأقارب .... اهـ، رشيديه)

(۲) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: =

....

= "إذا زوّج أحدكم عبده أمته، فلا ينظرنّ إلى عورتها". وفي رواية: "فلا ينظرنّ إلى مادون السرة وفوق الركبة". رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۹، كتاب الآداب، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني، قديمي)

"يجوز أن ينظر الرجل إلى الرجل إلا إلى عورته، كذا في المحيط. وعليه الاجماع، كذا في الاختيار شرح المختار. وعورته ما بين سرته حتى تجاوز ركبته، كذا في الذخيره. وما دون السرة إلى منبت الشعرة عورة في ظاهر الرواية. ثم حكم العورة في الركبة أخفّ منه في الفخذ، وفي الفخذ أخفّ منه في السرة، حتى أن من رأى غيره مكشوف الركبة ينكر عليه برفق ولا ينازعه إن لج، وإذا رآه مكشوف الفخذ أنكر عليه بعنف ولا يضربه إن لج، وإذا رآه مكشوف السرة أمره بستر العورة وأدّبه على ذلك إن لج، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۲۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه ....اهـ، رشيديه)

قال العلامة الكاسانی رحمه الله تعالیٰ: "يحل للرجل أن ينظر من الرجل الأجنبی إلى سائر جسده، إلا ما بين السرة والركبة، إلا عند الضرورة .... ولا ينظر إلى الركبة. ولا بأس بالنظر إلى السرة، فالركبة عورة، والسرة ليست بعورة عندنا.

والصحيح قولنا، لما روی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "ماتحت السرة عورة". والركبة ماتحتها، فكانت عورةً، إلا ماتحت الركبة صار مخصوصاً، فبقيت الركبة تحت العموم، ولأن الركبة عضوٌ مركبٌ من عظم الساق، والفخذ على وجه يتعذر تمييزه. والفخذ من العورة، والساق ليس من العورة، فعند الاشتباه يجب العمل بالاحتياط. وذلك فيما قلنا، بخلاف السرة؛ لأنه اسم لموضع معلوم لا اشتباه فيه". (بدائع الصنائع: ۴۹۷/۶، كتاب الاستحسان، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق ۴۱/۷، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۰۸/۳ باب فيما يكره من النظر والمس للأقارب .... اهـ، رشيديه)

برہنہ ہوکر سونا

سوال[۹۲۷۰]: رات کوایک آدمی بالکل برہنہ ہوکر سوتا ہے، یہ عادت کیسی ہے؟ اگر سونے کی حالت میں پائجامہ، یا کپڑا باندھ کر سوتا ہے تو اس میں صبح کو اٹھتے وقت تری دیکھتا ہے۔ لہذا تری والے کپڑے سے نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اور ننگا سونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ننگا ہوکر سونا مکروہ ہے(۱)۔ جس کپڑے پرسونے کے بعد تری دیکھی وہ نجس ہوگیا، اگر وہ تری مقدار عفو سے زائد ہو تو اس کپڑے سے نماز درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن بهز بن حكيم عن أبيه، عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ماملكت عينك". فقلت: يارسول الله! أرأيت إذاكان الرجل خالياً؟ قال: "فالله أحق أن يستحي منه". رواه الترمذي، وأبو داؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني، ص: ۲۶۹، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله: "قال: "فالله أحق أن يستحيي منه". وهذا يدل على وجوب الستر في الخلوة إلا عند الضرورة كما سبق". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني: ۲۸۵/۶، ۲۸۶، رشيديه)

(۲) "كل مايخرج من بدن الإنسان مما يوجب خروجه الوضوء أو الغسل، فهو مغلظ، كالغائط والبول والمني والمذي والودي والقيح والصديد والقيئ .... فإذا أصاب الثوب أكثر من قدر الدرهم يمنع جواز الصلوة". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الثاني في الأعيان النجسة: ۴۶/۱، رشيديه)

باب اللباس

الفصل الأول في القميص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

شرعی لباس

سوال[۹۲۷۱]: کیا شرعی لباس یہی ہے جو آپ علماء حضرات پہنتے ہیں، یہ کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لباس سنت سے ثابت ہو وہ یقیناً شرعی ہے(۱) اور جس لباس کا سنت میں ذکر نہ ہو اور اس کو صلحاء نے اختیار کیا ہو، کفار اور فساق کا شعار نہ ہو، وہ بھی شرعی لباس ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹/۷/۸۸ھ۔

مسنون لباس

سوال[۹۲۷۲]: زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نصف ساق کُرتا اور چھوٹی موری

---

(۱) "والمراد بالسنة هنا أقواله وأفعاله وأحواله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، رشيديه)

(۲) "قال القاري: أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ ....اهـ". (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵/۴۱، معهد الخليل)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، نزار مصطفى الباز رياض)

والا پائجامہ ثابت نہیں (۱)، لہٰذا یہ بدعت ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اس قسم کے لباس سلف صالحین نے اسلامیت اور کفاریت کے درمیان فرق کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور عمر کہتا ہے کہ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، لیکن جو حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر ہر ہر سنت پر عمل کرنے والے ہیں وہ تو بغیر ثابت شدہ شی پر عمل نہیں کریں گے۔ لباسِ مسنونہ مع حوالہ و دلیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نصف ساق تک کرتہ حدیث شریف سے ثابت ہے، اس کو صالحین نے اختیار کیا ہے۔ پائجامہ پہننے کا عرب میں عام دستور نہیں تھا، بلکہ لنگی کا دستور تھا اور وہ بھی نصف ساق سے نیچے تک ہوتی تھی، اس کی بھی حدیث شریف میں تصریح ہے۔ نصف ساق سے نیچے تک بھی اجازت ہے، لیکن ٹخنوں سے اونچے رہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ماأسفل من الكعبين من الإزار فی النار". رواه البخاری، اه". مشكوة شريف، ص: ۳۷۳(۲)۔

"عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إزرة المؤمن إلی أنصاف ساقيه لاجناح عليه، فما بينه وبين الكعبين وما أسفل من ذلك، ففی النار". قال ذلك ثلاث مرات. "ولاينظر الله يوم القيامة إلی من جر إزاره بطراً". رواه أبو داؤد وابن ماجة، اه". مشكوة شريف، ص: ۳۷۲(۳)۔

"قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من جر ثوبه من مخيلة، لم ينظر الله

---

(۱) "موری: پاجامے کا پائنچہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۱۴، فيروز سنز لاهور)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمی)

(صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب ماأسفل من الكعبين ففی النار: ۸۶۱/۲، قديمی)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۴، قديمی)

(وأبو داؤد، كتاب اللباس، باب فی قدر موضع الإزار: ۲۱۲/۲، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب موضع الإزار أين هو؟، ص: ۲۵۵، قديمی)

إليه يوم القيامة". فقلت لمحارب: اذكر إزاره، قال: ماخص إزاراً ولاقميصاً، اه". بخاری، ص: ٨٦١(١)۔

بعض آدمی پائجامہ بھی پہنتے تھے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس کو پسند فرمایا اور خریدا(۲)۔ بعض روایات میں ہے کہ پہنا بھی ہے، زادالمعاد میں اس کی تصریح ہے(۳)۔ باقی اس کی تفصیل نہیں دیکھی ہے کہ وہ کیسا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۰ھ۔

مسنون لباس کے لئے بڑھاپے کا انتظار نہیں

سوال[۹۲۷۳]: مسنون لباس یا مسنون چیز کو اختیار کرنے کے لئے کوئی عمر ہے یا بڑھاپے میں کوئی سنت کو رائج کرے، لوگ اس کا مذاق اڑائیں تو کیا اس کو عمل میں لانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتباعِ سنت کے لئے بڑھاپے کا انتظار کرنا غلط ہے: ﴿قل إن كنتم تحبون الله، فاتبعوني، يحببكم الله﴾ الاية(٤)۔

---

(١) (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء: ص ٨٦١/٢، قديمي)

(٢) "عن سويد بن قيس رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتانا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فساومنا سراويل". (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب لبس السراويل، ص: ٢٥٦، قديمي)

(وكذا في جمع الوسائل مع هامش المناوي، قبيل باب ماجاء في مشية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢١٥/١، تاليفات أشرفيه)

(٣) "واشترى سراويل، والظاهر أنه إنما اشتراها ليلبسها. وقدروي في غير حديث أنه لبس السراويل، وكانوا يلبسون السراويلات بإذنه". (زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٥٤، دار الفكر)

(وكذا في حاشية المناوي على جمع الوسائل، قبيل باب ماجاء في مشية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ٢١٥/١، تاليفات أشرفيه)

(٤) (سورة آل عمران: ٣١)

"عليكم بسنتي و سنته الخلفاء الراشدين". الحديث(۱)۔

لوگوں کے مذاق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مردہ سنت کے احیاء میں بڑا اجر ہے:"من أحيىٰ سنةً من سنتي بعد ما أميتت". الحديث(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۲ھ۔

کون سے لباس کا استعمال مذہبِ اسلام میں جائز ہے، اور پینٹ کوٹ کا استعمال

سوال[۹۲۷۴]: مذہب اسلام میں جن جن لباسوں کا استعمال درست ہے، اس کی نشاندہی فرمادیں۔کیا ہندوستان میں کوٹ اور پتلون استعمال کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لنگی، کرتہ، ٹوپی، عمامہ، چادر، یہ لباس عام طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے(۳)،

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰،قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/۱۱۰، حديث العرباض بن سارية رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۶۶۹۳)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن ابن ماجة، المقدمة، باب سنة الخلفاء الراشدين، ص: ۵، قديمي)

(۲) "عن بلال بن الحارث المزني رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحيىٰ سنةً من سنتي قد أميتت بعدي، فإن له من الأجر مثل أجور مَن عمل بها مِن غير أن يُنقص من أجورهم شيئاً". (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

(وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من أحيا سنةً قد أميتت، ص: ۱۹، قديمي)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۰/۵۲۰۲، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۳) "عن أبي بردة قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله تعالىٰ عنها كساءً ملبداً وإزاراً غليظاً، فقالت. قُبض روح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في هذين". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد) .... =

پائجامہ بھی منقول ہے(۱) لنگی یا پاجامہ ٹخنہ سے اونچا ہونا چاہیے، ٹخنہ ڈھکنا منع ہے(۲)۔ پھر ہر وہ لباس جو کفار

= (وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۲۱۰، تاليفات اشرفيه)

"عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القميص". (شمائل الترمذى، باب ماجاء فى لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵، سعيد)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۱۳۰، تاليفات اشرفيه لاهور)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء". (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب اللباس، باب في القلنسوة: ۵/۱۳۹، (رقم الحديث: ۸۵۰۵)، عباس أحمد الباز مكة)

(وكذا في المستدرک حاكم عن أبي الدرداء: ۳/۳۸۱، بيروت)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: دخل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مكة يوم الفتح عليه عمامة سوداء". (شمائل الترمذى، باب ماجاء فى عمامة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد)

(۱) "عن سويد بن قيس رضى الله تعالىٰ عنه قال: أتانا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فساومنا سراويل". (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب لبس السراويل، ص: ۲۵۶، قديمى)

(وكذا فى جمع الوسائل مع هامش المناوى، قبيل باب ماجاء فى مشية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۲۱۵، تاليفات أشرفيه)

"واشترى سراويل، والظاهر أنه إنما اشتراها ليلبسها. وقدروى فى غير حديث أنه لبس السراويل، وكانوا يلبسون السراويلات بإذنه". (زاد المعاد، فصل فى ملا بسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۴، دارالفكر)

(وكذا فى حاشية المناوى على جمع الوسائل، قبيل باب ماجاء فى مشية رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۲۱۵، تاليفات أشرفيه)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماأسفل من =

وفساق کا مخصوص شعار ہو، اس سے بچنا چاہیے (۱)۔ کوٹ، پتلون ہندوستان میں پہننا حرام تو نہیں رہا البتہ صلحاء کا شعار نہیں، اس سے بچنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الكعبين من الإزار في النار". رواه البخاري، اهـ". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ماأسفل من الكعبين ففي النار: ۸۶۱/۲، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إزرة المؤمن إلى أنصاف ساقيه لاجناح عليه، فما بينه وبين الكعبين وما أسفل من ذلك، ففي النار". قال ذلك ثلاث مرات. "ولاينظر الله يوم القيامة إلى من جر إزاره بطراً". رواه أبو داؤد وابن ماجة، اهـ". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمي)

(وأبوداؤد، كتاب اللباس، باب في قدر موضع الإزار: ۲۱۲/۲، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب موضع الإزار أين هو؟، ص: ۲۵۵، قديمي)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن ابي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دارالحديث)

(والجامع الصغير مع فيض القدير: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) پتلون کی شعاریت اگرچہ ختم ہوگئی ہے، لیکن اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو -جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہوگیا ہے- تو اس کو پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب ناجائز ہے:

"عنه (ابن عمر) رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دارالحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال علي القاري: "أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ.......... اهـ". (مرقاة المفاتيح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشيديه)

"وعلى هذا لا يحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يَصِف حجمها، فيحمل ما مر =

کرتا کہاں تک لمبا ہو

سوال[۹۲۷۵]: کرتا کس قسم کا اور کتنا پہننا سنت ہے، اور کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نصف ساق تک کرتا ہونا ثابت ہے؟ اگر ہے تو کیا نصفِ ساق سے اوپر خواہ گھٹنا سے نیچے ہو یا اوپر یا کمر تک ہو، سب سنت کے خلاف ہونے میں برابر ہیں یا نہیں؟ اگر برابر ہیں تو پھر بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ اگر کمر تک عبا(۱) پہنے ہوں تو اس کو گھٹنا تک کی ترغیب دیتے ہیں۔ تو گھٹنا تک کی کیوں نصف ساق تک رہنی چاہیے، کیوں کہ خلافِ سنت ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر کوئی فرق ہے تو فرق کیا ہے، اور وجہِ فرق کیا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

عرب میں عامۃً ٹخنے کے قریب تک دراز کرتہ پہننے کا رواج ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کرتے نصفِ ساق تک ہوتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک کرتہ قصیر القامت بھی تھا، جس کی تفصیل معلوم نہیں، ابن ماجہ کی روایت کتاب اللباس میں ہے (۲)، بظاہر صورت حال یہ تھی کہ جیسا وقت پر میسر آ گیا، پہن لیا جسم مبارک کی ساخت پر مستقل بنوانے اور سلوانے کا معمول نہیں تھا۔ مدارج النبوۃ میں لباس

= على ما إذا لم يصف حجمها". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب في النظر واللمس: ۳۶۶/۲، سعيد)

قال العثماني مدظله العالي: "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل و المرأة، لا تقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً أو موافقاً لدور الأزياء. وكذلك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره، فهو في حكم ما سبق في الحرمة و عدم الجواز". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۸/۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) "عبا: ایک لمبا کوٹ یا چغہ جو پاؤں تک ہوتا ہے، جبہ، چغہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۸۹، فیروزسنز، لاهور)

(۲) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى في شملة قد عقد عليها". قال المحشي: "قد عليها" أشار إلى صغرها". (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس، ص: ۲۶۲، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في جمع الوسائل شرح الشمائل، باب اللباس: ۱۳۴/۱، تاليفات أشرفيه)

(شمائل كبرى: ۱۹۴/۱، دار الإشاعت كراچی)

مبارک کی کچھ تفصیل بھی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نصفِ ساق تک کُرتا

سوال[۹۲۷۶]: نصفِ ساق تک کرتا سنتِ موکدہ ہے یا غیر موکدہ، اگر کوئی اس کو ترک کرے تو گنہگار رہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

موکدہ اور غیر موکدہ سنن ہدیٰ کا قسمیں ہیں، کُرتہ وغیرہ کا طول اور ہیئت سننِ زوائد میں سے ہے جس میں یہ تقسیم نہیں، ایسی سنن کا حکم یہ ہے کہ بنیت اتباع اختیار کرنے میں ثواب ملے گا، ترک کرنے میں ثواب سے محرومی ہوگی (۲)، لیکن کفار یا فساق کے شعار کو اختیار کرے گا تو گناہ ہوگا (۳)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۳/۶/۲۷ھ۔

---

(۱) ''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ، لباس شریف میں وسعت اور ترکِ تکلف تھا، مطلب یہ کہ جو پاتے زیب تن فرما لیتے اور تعیین کی تنگی اختیار نہ فرماتے، اور کسی خاص قسم کی جستجو نہ فرماتے، اور کسی حال میں عمدہ ونفیس کی خواہش نہ فرماتے، اور نہ ادنیٰ وحقیر کا تکلف فرماتے، جو کچھ موجود ومیسر ہوتا پہن لیتے، اور جو لباس ضرورت کو پورا کردے اسی پر اکتفا فرماتے۔اکثر حالتوں میں چادر پیراہن اور ازار ہوتا جو کہ سخت اور موٹے کپڑے کے ہوتے، اور پشمینہ بھی پہنتے۔منقول ہے کہ آپ کی چادر شریف میں متعدد پیوند لگے ہوئے تھے جسے آپ اوڑھا کرتے تھے، اور فرماتے: ''میں بندہ ہی ہوں اور بندوں ہی جیسا لباس پہنتا ہوں''۔اسے شیخین نے روایت کیا ہے''۔(مدارج النبوۃ، باب یازدہم، نوع روم درلباس مبارک: ۱/۵۶۵، ضیاء القرآن لاہور)

(۲) "والسنة نوعان: سنة الهدى، و تركها يوجب إساءةً وكراهيةً كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد، و تركها لا يوجب ذلك كسِيَر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في لباسه و قيامه و قعوده والنفل، ومنه المندوب، يثاب فاعله و لا يسيء تاركه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة مطلب في السنة وتعريفها، الفصل الثاني: ۱/۱۰۳، سعيد)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي) .... =

کُرتا نصف ساق تک ہے

سوال[۹۲۷۷]: امام کے لئے کُرتا پہننے کی کوئی حد ہے یا نہیں، اگر ہے تو کہاں تک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نصف ساق تک کا کرتہ مسنون ہے، اس سے کچھ نیچے تک بھی درست ہے، امام اور مقتدی سب کا حکم ایک ہی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۱۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۱۲/۲۳ھ۔

کُرتہ کی کیفیت

سوال[۹۲۷۸]: تہبند اور بغیر کلی دار کرتہ جس کو عرفِ بنگال میں ''پنجابی'' کہا جاتا ہے، اس کو لباسِ مسنون شمار کیا جائے گا یا نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جامۂ مبارک جس کو قمیص سے تعبیر کیا گیا، اس کی کیا شکل تھی؟ بینوا توجروا۔

= (وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ٢٠٢/٢، دار الحديث ملتان)

(والجامع الصغير مع فيض القدير: ٥٧٤٣/١١، (رقم الحديث: ٨٥٩٣)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(١) "عن حذيفة بن اليمان رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أخذ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعضلة ساقي أو ساقه، وقال: "هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فلا حق للإزار في الكعبين".

(شمائل الترمذي، باب ماجاء في إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٨، سعيد)

"وأما القدر المستحب فيما ينزل إليه طرف القميص والإزار، فنصف الساقين". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم جر الثوب خيلاء، وبيان حد ما يجوز إرخاؤه إليه وما يستحب: ١٩٥/٢، قديمي)

"كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قميصاً فوق الكعبين". (جمع الوسائل شرح الشمائل، باب اللباس: ١٣٣/١، تاليفات اشرفيه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قال: أخرجت إلينا عائشة رضى الله تعالىٰ عنها كساءً ملبداً وإزاراً غليظاً، فقالت: قبض روح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى هذين". شمائل الترمذى(۱)۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام والتسلیم وفات کے وقت بھی تہبند پہنے ہوئے تھے، شمائلِ ترمذی شریف میں تہبند کی بھی تفصیل مذکور ہے(۲)۔

"عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنه قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القميص. وقد أخرج الدمياطى كان قميص رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قطناً قصير الطول والكمين، اه". جمع الوسائل(۳)۔

"عن أسماء بنت يزيد قالت: كان كُمُّ قميص رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى الرسغ. قال الجوزى: فيه دليل على أن السنة أن لايتجاوز كُمُّ القميص الرسغ، وأما غير القميص فقالوا: السنة فيه أن لايتجاوز رؤوس الأصابع من جبة وغيرها، انتهى.

ونقل فى شرح السنة أن أبا الشيخ ابن حبان أخرج بهذا الإسناد بلفظ: كان كُمُّ قميص رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أسفل من الرسغ. وأخرج ابن حبان أيضاً عن طريق مسلم بن يسار عن مجاهد عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوى الكمين بأطراف أصابعه، اه". جمع الوسائل(٤)۔

---

(۱) (شمائل الترمذى، باب ماجاء فى صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد)

(۲) "عن أبى بردة رضى الله تعالىٰ عنه قال: "أخرجت إلينا عائشة رضى الله تعالىٰ عنها كساءً ملبّداً وإزاراً غليظاً، فقالت: قبض روح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى هذين". (شمائل الترمذى، باب ماجاء فى صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد)

(۳) (جمع الوسائل شرح الشمائل، باب ماجاء فى لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/ ۱۳۱، ۱۳۲، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۴) (جمع الوسائل شرح الشمائل، باب ما جاء فى لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قمیص پسندیدہ تھی اور وہ ٹخنوں سے کچھ اونچی ہوتی تھی اور آستین کبھی پہنچوں تک اور کبھی انگلیوں تک ہوتی تھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

کُرتے میں کالر

سوال[۹۲۷۹]: کرتوں کے اندر جو کالر لگواتے ہیں، کیا وہ قمیص کے ساتھ مشابہت نہیں ہے اور اس کا لگوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی غلط چیز کی مشابہت ہے تو اس سے بچنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

سیاہ کرتا پہننا

سوال[۹۲۸۰]: مسلمان مرد کو کالا تہبند باندھنا، یا کالا کرتا پہننا، یا کالی واسکٹ پہننا کیسا ہے؟

= ۱۰۷/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (بذل المجهود: ۴۰/۵، مكتبه الشيخ)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة ۵۵۸/۲، دار الحديث)

"وعنه": أي ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما "قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم": أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۵۷۴۳/۱۱، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے،مگر جب کسی جماعت فساق یا کفار کا شعار ہوجیسا کہ محرم میں روافض کا شعار ہے(۱) تو اس سے بچنا چاہیے(۲)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قمیص پہننا

سوال[۹۲۸۱]: آج کل جس طرح کی قمیص پہنی جاتی ہے،اس کا پہننا کسی بھی نوع سے آخرت میں پکڑ کا باعث ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نفسِ قمیص کا پہننا پکڑ کا باعث نہیں،خاص کر ایسے علاقے میں جہاں کا عام لباس یہی ہو(۳)،لیکن مسنون لباس کا اختیار کرنا اتباعِ سنت کا تقاضہ ہے،اس کو ترک کر کے قمیص مروجہ پہننا بڑی فضیلت سے محرومی کی بات ہے(۴)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیو بند،۲/۱/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے:سید مہدی حسن غفرلہ،۲/۱/۸۶ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "و یکره للرجل تسوید الثیاب و تمزیقها للتعزیة". (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة: ۳۴۵/۴، رشیدیه)

"وقص الشارب إمارة أهل السنة والجماعة، وترکه إمارة الرفض، وکذا لبس السواد".

(الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الثالث فی الحظر والإباحة: ۳۱۱/۶،رشیدیه)

(۳) "فإن الإسلام .... لم یقرر الإنسان نوعاً خاصاً، أو هیئةً خاصةً من اللباس .... وإنما وضع مجموعةً من المبادی، الخ". (تکملة فتح الملهم، کتاب اللباس: ۸۷/۴، دارالعلوم کراچی)

(۴) "فأما هیئة اللباس، فتختلف باختلاف عادة کل بلد". (فتح الباری، کتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال: ۳۳۲/۱۰، دارالمعرفة بیروت)

"فإن الإسلام .... لم یقصره علی نوع دون نوع، ولم یقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هیئةً =

قمیص کا حکم

سوال[۹۲۸۲]: قمیص کا کیا حکم ہے خاص کر جب کہ آستین کرتے کی آستین کے برابر ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف قمیص اگر پوری آستین کی ہو اور پائجامہ ٹوپی وغیرہ فیشن کا نہ ہو تو یہ بھی بہتر نہیں ہے۔ اگر چہ کچھ عموم ہو گیا ہو، مگر علماء اور صلحاء اچھا نہیں سمجھتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کالردار قمیص اور بڑے پائنچوں کا پائجامہ

سوال[۹۲۸۳]: کالر کی قمیص استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اور بڑے پائنچا کا پاجامہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو "من تشبه بقوم فهو منهم" کا جواب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب یہ دونوں چیزیں کفار یا فساق کا شعار نہیں، اس لیے تشبہِ ممنوع میں داخل نہیں، البتہ ہمارے اطراف میں اتقیاء اور صلحاء کا یہ لباس نہیں، اس لئے ایسے لباس کا ترک اَولیٰ وانسب ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

= خاصةً من اللباس ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعةً من المبادی". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس، والزينة: ۴/ ۸۷، دار العلوم كراتشی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۸/ ۳۴۹، رشيديه)

(۱) قال القاری: "أی من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی في الإثم أو الخير .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/ ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/ ۵۷۴۳ نزار مصطفى رياض)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵/ ۴۰. معهد الخليل الاسلامی)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم =

آستین کا لمبا بنوانا

سوال[۹۲۸۴]: عموماً نیا قسم کے لوگ کرتے کی آستین لمبی بنوا کر اوپر کی طرف موڑ لیتے ہیں، ان کی حرص میں مذہبی قسم کے آدمی بھی اگر آستین لمبی بنوا کر موڑ لیں تو یہ مناسب ہے کہ نہیں، اور اسراف بیجا ہے کہ نہیں؟ اور ایسا کرنے والے کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لمبی آستین تو عموماً عرب میں رائج تھی اور اس کو شرفاء کا لباس تصور کیا جاتا تھا اسی وجہ سے فقہاء نے نماز شروع کرتے وقت آستین سے ہاتھوں کا ظاہر کرنا مستحب لکھا ہے (۱) اور سجدہ کرتے وقت گرم زمین پر آستین کا زائد حصہ پیشانی کے نیچے رکھ کر اس پر سجدہ کرنا بھی منقول ہے (۲)۔ اگر ضرورت نہ ہو تو بیکار آستین

= فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة ۵۵۸/۲، دار الحدیث ملتان)

(ومشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وفیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳): ۵۷۴۳/۱۱ مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

"قال القاری: أی من شبه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم أو الخیر عند الله تعالیٰ". (بذل المجهود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰/۵. معهد الخلیل، کراچی)

قال العلامة المناوی: "المشارکة فی الهدی فی الظاهر تؤثر تناسباً و تشاکلاً بین المتشابهین تعود إلی موافقة ما فی الأخلاق والأعمال، وهذا أمر محسوس، فإن لابس ثیاب العلماء مثلاً یجد من نفسه نوع انضمام إلیهم". (فیض القدیر شرح الجامع الغیر، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳): ۵۷۴۴/۱۱، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۱) "و آدابها: أی الصلوة .... وإخراج کفیه من کمیه عندالتکبیر؛ لأنه أقرب إلی التواضع وأبعد التشبه بالجبابرة". (مجمع الأنهر، کتاب الصلوة: ۹۱/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ۲۷۶، قدیمی)

(۲) "و لو سجد علی کمه أو فاضل ثوبه، صح". (الدر المختار، کتاب الصلوة، آداب الصلوة: ۵۰۱/۱، سعید)

"إذا بسط کمه وسجد علیه إن بسط لیقی التراب عن وجهه، کره. وإن بسط لیقی التراب =

کیوں زائد کی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۲ھ۔

آستین لمبا بنوانا

سوال[۹۲۸۵]: بعض لوگ کرتہ کی آستین لمبی سلواتے ہیں، پھر پہننے کے وقت دراز کرتے ہیں۔ یہ افضلیت کے خلاف ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آستین کا یہ طریقہ بھی عرب کا عام دستور ہے، ایک کرتہ مبارک قصیر الکمین بھی تھا جس کی تفصیل انجاح الحاجه میں "إلی الرسغین" کی ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوڑا پائجامہ

سوال[۹۲۸۶]: بڑے اور چوڑے پائجامہ کے بارے میں کیا قول ہے، کیا افضلیت وسنت کے

= عن عمامته و ثيابه، لا يكره". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع، الفصل الثانی: ۱/۱۰۸، رشيديه)

(۱) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه كان يمدّ كمّ القميص حتى إذا بلغ الأصابع، قطع ما فضل". (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب ماجاء في القميص: ۵/۴۰، معهد الخليل كراچی)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۳۲، تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قميصاً قصير اليدين والطول". قال المحشی: "قوله: "يلبس قميصاً قصير اليدين": أی قصير الكمين، وكان إلى الرسغين". (سنن ابن ماجة مع إنجاح الحاجة، كتاب اللباس، باب كمّ القميص، ص: ۲۵۶، قديمی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب ماجاء في القميص: ۵/۴۰، معهد الخليل كراچی)

خلاف ہے؟ اگر ہے تو پھر کیا بات ہے کہ بعض بزرگ لوگ بھی چوڑا پائجامہ پہنتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جبکہ پائجامہ مبارک کی کوئی ہیئت مذکور نہیں تو پھر اس کو خلافِ سنت کیسے کہا جائے، ہر جگہ کے اہلِ علم اور اہلِ صلحاء کا جو لباس ہے، انشاءاللہ تعالیٰ اس میں خیر ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوڑی دار پائجامہ

سوال[۹۲۸۷]: مردوں کے لئے چوڑی دار پائجامہ اگر ٹخنوں سے اونچا ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑی دار پائجامہ مکروہ ہے کہ یہ غیر متشرع لوگوں کا لباس ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوڑی مہری کا پائجامہ

سوال[۹۲۸۸]: چوڑی مہری کا پائجامہ اگر ٹخنوں سے اوپر بنایا جائے احتیاط سے کہ ران بھی نہ نکلے تو

---

(۱) "فإن الإسلام .... لم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئة خاصة من اللباس ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعةً من المبادىء والقواعد الأساسية يجب على المسلم أن يحتفظ بها في أمر لباسه، الخ". (تكملة فتح الملهم: كتاب اللباس والزينة: ۸۷/۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأداب، باب المتشبهون بالنساء: ۳۳۲/۱۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(۲) "من شبه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ .... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۸۷/۵، معهد الخليل الاسلامى)

(وكذا في فيض القدير: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحديث: ۸۵۹۳) مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ یہ عام طور پر پہنا جاتا ہے وہاں مکروہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

پائجامہ یا لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت کی وجہ

سوال [۹۲۸۹]: نماز کی حالت میں ہو یا کوئی دوسری حالت میں ٹخنوں سے نیچا پاجامہ یا لنگی پہننا کیوں منع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جو شخص (پاجامہ یا لنگی سے) ٹخنے ڈھانکے گا تو یہ حصہ دوزخ میں جلے گا'' (۲) اس لئے مکروہ تحریمی ہے (۳)، اس طرح نماز بھی مکروہ تحریمی ہوتی ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في مسائل كثيرة، حتى جعلوا ذلك أصلاً، فقالوا في الأصول في ماتترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (مجموعة رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۱۱۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في شرح المجله لسليم رستم باز اللبناني، المقالة الثانيه في القواعد الفقهيه، (رقم المادة: ۳٦)، العادة محكمة: ۳۴/۱، مكتبه حنفيه)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة السادسة، العادة محكم، اعتبار العادة والعرف: ۲٦۸/۱، ادارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب موضع الإزار، ص: ۲۵۵، قديمی)

(۳) "فما نزل عن الكعبين، فهو ممنوع، فإن كان للخيلاء فهو ممنوع منع تحريم، وإلا فمنع تنزيه".

(شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم جر الثوب خيلاء، وبيان حد مايجوز =

ٹخنے سے نیچے پائجامہ

سوال[۹۲۹۰]: پائجامہ جس سے ٹخنے چھپ جائے کیسا ہے اگر چہ تکبر نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لباس متکبرین اور فساق کا ہے، اگر اس نیت سے ہو کہ ان کے ساتھ تشبہ اختیار کیا جاوے یا تکبر کی نیت سے ہو تو حرام، ورنہ مکروہ ہے:

"ولا يجوز الإسبال تحت الكعبين إن كان للخيلاء؛ إذ قد نص عليه الشافعي. وبغير الخيلاء منع للتنزيه لا للتحريم". مرقاة(۱)۔

آج کل عام طور پر یہ لباس اُنھیں لوگوں کا ہے جن پر مغربیت کا بھوت سوار ہے جو اپنی قدیم وضع اور طرزِ معاشرت کو برا سمجھتے ہیں اور مغربی تہذیب پر فخر کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی مشابہت بھی مذموم ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= إرخاؤه إليه ومايستحب: ۲/۱۹۵، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۳۱۴): ۸/۱۲۹، رشيديه)

(۳) "ويكره كل ما كان من أخلاق الجبابرة". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فى المكروهات، ص: ۳۵۰، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، بيان كراهية الصلوة، ص: ۳۴۸، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلوة، مکروہاتِ نماز، عنوان: مرد کونماز میں ٹخنے ڈھانکنا: ۳/۴۰۴، سعيد)

(۱) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول: ۸/۱۲۹، (رقم الحديث: ۴۳۱۴)، رشيديه)

(وكذا في شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم جر الثوب خيلاء، وبيان حدما يجوز إرخاؤه إليه ومايستحب: ۲/۱۹۵، قديمي)

(۲) "وعنه (ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه =

دھوتی، لنگی کا استعمال اور حقہ پینا

سوال[۹۲۹۱]: پیتل تانبے کے بے قلعی برتنوں کو استعمال کرنا، حقہ ضروری پینا، دھوتی لنگی استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیتل اور تانبے کے برتنوں کا استعمال کرنا درست ہے، البتہ اگر کفار کی مشابہت ہو تو منع ہے(۱)۔ لنگی اس طرح باندھنا جس سے ستر کھلے، یا کفار کے طریقے پر باندھنا ناجائز ہے اور شرع کے موافق باندھنا درست ہے(۲)۔ حقہ کسی بیماری کی وجہ سے دواء پینا درست ہے(۳) اور بغیر بیماری کے شوقیہ پینا مکروہ ہے(۴)، اگر نشہ

= بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دار الحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۱۱/۵۷۴۳ مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "وأما الآنية من غير الفضة والذهب، فلا بأس بالأكل والشرب والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۳، سعيد)

"ويجوز استعمال الأواني من الصفر". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشيديه)

(۲) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۹، سعيد)

"يجوز للعليل شرب الدم والبول وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاء ه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۵/۳۵۵، بيروت)

(۴) علامہ شامیؒ اور دوسرے علماء نے عدمِ کراہت کو ترجیح دی ہے اگر بدبو نہ ہو، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"وللعلامة الشيخ علي الأجهوري المالكي رسالة في حله، نقل فيها أنه أفتى بحله مَن يعتمد عليه من أئمة المذاهب الأربعة. قلت: وألّف في حله أيضاً سيدُنا العارف عبد الغني النابلسي رسالةً =

ہوتو ناجائز ہے (۱)۔ بدبودار منہ لے کر مسجد میں جانا بہر صورت ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

= سماها "الصلح بين الإخوان في إباحة شرب الدخان " و تعرّض له في كثيرٍ من تآليفه الحسان، وأقام الطامةَ الكبرى على القائل بالحرمة أو بالكراهة، فإنهما حكمان شرعيان لا بدلهما من دليلٍ، ولا دليل على ذلك، فإنه لم يثبت إسكاره ولا تفتيره ولا إضراره، بل ثبت له منافع، فهو داخل تحت قاعدة: الأصل في الأشياء الإباحة. وإن فرض إضراره للبعض، لا يلزم منه تحريمه على كل أحد، فإن العسل يضر بأصحاب الصفراء الغالبة، وربما أمرضهم مع أنه شفاء بالنص القطعي، و ليس الاحتياط في الافتراء على الله تعالىٰ بإثبات الحرمة أو الكراهة اللذينِ لا بدلهما من دليل بل في القول بالإباحة التي هي الأصل، الخ". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۵۹/۶، سعيد)

(و كذا في أحسن الفتاوى، كتاب الأشربة، عنوانِ مسئله: حقہ پینے کا حکم: ۴۸۱/۸، سعيد)

(و كفايت المفتي: ۱۴۵/۹، دار الإشاعت كراچي)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر خمر، و كل مسكر حرام". (الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام: ۱۶۷/۲، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الحدود، (رقم الحديث: ۳۶۳۸)، باب بيان الخمر، ص: ۳۱۷، قديمي)

(۲) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ما سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الثوم؟ فقال: "من أكل، فلا يقربنّ مساجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب مايكره من الثوم والبقول فيه: ۸۲۰/۲، قديمي)

"وقال الإمام العيني رحمه الله تعالىٰ في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... و يلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره، وإنما خص الثوم هنا بالذكر و في غيره كالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

لنگوٹ

سوال[۹۲۹۲]: کیا لنگی کے نیچے (انڈرویر) لنگوٹ وغیرہ باندھنا افضل ہے، اگر ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لنگوٹ کا تذکرہ نہیں، کسی کو قطرے کا مرض ہو، یا آنت اترنے کا مرض ہو، یا بدن کسنا ہی مقصود ہو تو استعمال کرنا ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

پائجامہ اور لنگی میں کون افضل ہے

سوال[۹۲۹۳]: پائجامہ پہننا افضل ہے یا لنگی، اگر پائجامہ ہے تو کس قسم کا؟ اور اگر لنگی ہے تو کس قسم کی، سلی ہوئی یا بغیر سلی ہوئی؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لنگی پسند کرتے تھے یا پائجامہ، اگر لنگی تو سلی ہوئی یا بغیر سلی ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پائجامہ خریدنا اور پسند فرمانا تو ثابت ہے (۲)، ایک روایت میں پہننا بھی منقول ہے (۳) اس کی

---

(۱) "وقد علمت أن العبرة للحمة لا للظاهر على الظاهر، فافهم". (تنوير الأبصار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶، سعيد)

"يكره للرجال أن يلبسوا الثوب المصبوغ بالعصفر أو الورس أوالزعفران". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، ص: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، في اللبس: ۱۹۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"مرد کے لئے کسم اور زعفرانی رنگ اتفاقاً ممنوع ہے، سرخ رنگ میں اختلاف ہے.......... مفتی بہ قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، باقی سب رنگ جائز ہیں"۔ (إمداد الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، أحكام متعلقه لباس، عنوان مسئلہ: حرمت علت رنگ والوان مختلف: ۱۲۵/۴، دار العلوم كراچی)

(۲) "عن سويد بن قيس رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتانا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فساومنا سراويل". (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب لبس السراويل، ص: ۲۵۶، قديمی) .... =

....

= (وكذا في جمع الوسائل: ۱/۲۱۵، تاليفات اشرفيه)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازار پائے کو پہنا ہے۔ اگر ازار پائے سے وہی مراد ہے جو چادر کی مانند بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اگر مراد سراویل یعنی پائے جامہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس کے پہننے میں اختلاف ہے، بعض اس پر یقین رکھتے ہیں کہ آپ نے سراویل نہیں پہنی، لیکن شمنی شرح شفاء میں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراویل پہنی ہے۔ لیکن حضور کا سراویل خریدنا تو متفق علیہ ہے۔ چنانچہ جامع الاصول میں ترمذی وابوداؤد کی حدیث سے مروی ہے کہ سراویل کا یہ خریدنا مکہ مکرمہ میں تھا۔

اور ابوعلی موصلی اپنی مسند میں بہ سند ضعیف حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراویل چار درہم میں خریدی اور بازار والوں کا ایک وزان یعنی تولنے والا تھا جو قیمت کو وزن کرتا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: خوب خوب کھینچ کر (زیادہ) تو لو، اس شخص نے کہا میں نے کبھی بھی کسی کو ایسا کہتے نہیں سنا کہ وہ قیمت کی ادائیگی ایسا کلمہ کہہ کر کرے، اس پر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: افسوس ہے تجھ پر تو اپنے نبی کو نہیں پہچانتا، پھر وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا، یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، بلکہ از قبیلِ شاہوں۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراویل لے کر روانہ ہوئے۔ ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک سے سراویل کو لے لوں اور خود اٹھا کر لے چلوں۔ فرمایا: سامان کا مالک زیادہ لائق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے، مگر وہ کہ کمزور و ناتواں ہو تو اسے اس کا بھائی مدد دے۔ پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ سراویل کو پہنیں گے، فرمایا: ہاں میں سفر وحضر اور شب وروز پہنتا ہوں، اس لئے کہ مجھے ستر چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، اور میں اس سراویل سے زیادہ ستر پوش کوئی جامہ نہیں پاتا اور طبرانی ودار قطنی اور عقیلی بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، لیکن سندِ ضعیف کے ساتھ۔ اور اس حدیث کا دار و مدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے جو کہ بہت ہی ضعیف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خریدنا صحیح وثابت ہے۔

اور ابن قیم اپنی کتاب ہدی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ خریدنا پہننے کے لئے تھا اور روایت بھی کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراویل پہنی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی آپ کے زمانہ اقدس میں آپ کی اجازت سے پہنی، اور امام بخاری اپنی صحیح میں ترجمہ لائے ہیں، لیکن کوئی حدیث اس کے پہننے کی نہیں لائے، اس لئے کہ صحیح نہ ہوگی۔ اور اس طریقہ اور شرط کے ساتھ جو امام بخاری کے نزدیک معتبر تھی محدثین روایت لاتے ہیں کہ امیر =

....

= المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس دن شہید ہوئے وہ سراویل پہنے ہوئے تھے۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سراویل پہننے کو لازم کرلو، اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ تمہارا ستر پوش ہے۔ اور عورتیں جو باہر نکلتی ہیں ان کو محصن ومحفوظ بناتا ہے، یعنی سراویل ان کے لئے زیادہ لائق ومناسب ہے، خصوصاً گھر سے باہر نکلنے کی حالت میں۔

اسی طرح بعض مصنفینؒ بھی روایت لاتے ہیں اور اس حدیث کو علامہ امام جلال الدین سیوطیؒ جمع الجوامع میں امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ان لفظوں کے ساتھ لائیں ہیں کہ: انہوں نے فرمایا: میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بقیع میں بارش کے دن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت گدھے پر سوار گذری اس کے ساتھ بوجھ تھا، گدھے کا پاؤں زمین کے نشیب میں پھسلا اور وہ عورت زمین پر گر پڑی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا رخ انور ادھر سے پھیر لیا۔ صحابہ کہنے لگے: یارسول اللہ! وہ سراویل پہنے ہوئے ہیں، پھر دعا فرمائی:

اللّٰهم اغفر للمسترولات من أمتي، يأيها الناس! اتخذوا السرويلات، فإنها من استر ثيابكم، وخصوا بها من نساء كم".

یعنی: ''اے خدا! میری امت کے پائے جامہ پہننے والوں کو بخش دے، اے لوگو! پائے جامہ پہننے کو لازم کرلو یہ تمہارے کپڑوں میں سب سے زیادہ ستر پوش ہے اور تمہاری عورتیں تو اسے خاص ہی کرلیں''۔

اس حدیث کو ترمذی اور العقیلی نے الضعفاء میں اور ابن عدی نے الآداب میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث کو ابن جوزی موضوعات میں لائے ہیں، لیکن انہوں نے یہ درست نہیں کیا، کیونکہ میرے نزدیک یہ حدیث متعدد سندوں سے ثابت ہے''۔ (حاشية مدارج النبوة، باب: تواضع، ادب اور حسن معاشرت: ۸۵/۱، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(شرح سفر السعادة، باب درعموم احوال ومعاشی، فصل درپوشش ھائے مختلف، ص: ۴۳۵، ۴۳۶، مطبع منشی نول کشور)

(۳) "واشترى سراويل، والظاهر أنه إنما اشتراها ليلبسها، وقد روى في غير حديث أنه لبس السراويل، وكانوا يلبسون السراويلات بإذنه". (زاد المعاد، باب فضل الحج الأكبر، فصل في وملا لبسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۴، دار الفكر)

کیفیت کا علم نہیں، زیادہ تر لنگی ہی استعمال فرماتے تھے(۱)، سلی ہوئی تھی یا بغیر سلی ہوئی اس کا علم نہیں، اندازہ یہ ہے کہ بغیر سلی ہوئی تھی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۷/۱/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/محرم الحرام/۶۸ھ۔

غسل کے بعد کُرتا پہلے پہنے یا پائجامہ

سوال[۹۲۹۴]: غسل کرنے کے بعد پہلے پائجامہ پہنے یا قمیص؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح درست ہے، پہلے کرتا پہننا بہتر ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "كان عثمان يأتزر إلى أنصاف ساقيه، وقال: هكذا كانت إزرة صاحبي يعني النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد)

"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبسه" حال من أحب: أي يحبه للبسه له لا لنحو تصدق "القميص" قال الزين العراقي رحمه الله تعالىٰ: فيه ندب لبس القميص، وإنه كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، لما فيه من مزيد الستر لإحاطته بالبدن بالخياطة بخلاف الرداء والإزار والشمله ونحوها مما يشتمل به مما يحتاج إلى ربط أو إمساك أو لف أو عقد؛ إذ ربما غفل عنه لابسه فيسقط عنه بخلاف القميص". (شرح المناوي للشمائل على هامش جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۳۲، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "و در جبہ و پیراہن و جبہ پوشیدن سنت آنست کہ دست راست وا آورد و باز دست چپ .... چنانچہ معمولی است ولفافہ مردہ رانیز ہمیں دستور کنند"۔ (ضیاء القلوب، ص: ۱۵۴)

"تبسط اللفافة أولا ثم يبسط الإزار عليها، ويقمص، ويوضع على الإزار، ويلف يساره ثم يمينه ثم اللفافة كذلك، ليكون الأيمن على الأيسر الخ". وقال شامية: "(قوله: ويقمص، الخ): أي الميت =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أی یلبس القمیص بعد تنشیفه بخرقة. (وقوله: لیکون الأیمن علی الأیسر، الخ) اعتباراً بحالة الحیاة".

(ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۰۲، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، ص: ۵۸۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

الفصل الثانی فی لبس البنطلون والصُّدرة وغیرھما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

کوٹ، پتلون اور انگریزی بال

سوال[۹۲۹۵]: کوٹ اور پتلون پہننے والوں اور سر پر انگریزی بال رکھنے والوں کے حق میں اب اس حدیثِ تشبہ کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا، اگر اب بھی اطلاق ہوتا ہے تو کیا انگریزی بال رکھنے والا ہر وقت گناہ میں مبتلا رہتا ہے، یا صرف ایک گناہ میں کہ انگریزی بال رکھے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس میں اتنا تشدد نہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان اطراف میں یہ صلحاء کا لبس نہیں، اس سے بچنا چاہیے، کراہت کا درجہ ہے(۱)۔ انگریزی بالوں میں بھی کراہت ہے جو مستر ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) ''آج کل پینٹ شرٹ (کوٹ پتلون) اور انگریزی بال کا اگرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہوگیا ہے، مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے۔ الغرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔ پتلون کے متعلق یہ تفصیل اس وقت ہے جب اس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو۔ جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہوگیا ہے۔ تو اس کو پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب ناجائز ہے:

''عنہ (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ''من تشبہ بقوم، فھو منھم''. (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشھرة: ۵۵۸/۲، دار الحدیث ملتان) .... =

پینٹ کوٹ کا استعمال

سوال[۹۲۹۶]: پینٹ اور کوٹ نماز کے بعد پہن لیا جائے تو کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس علاقہ میں یہ کفار وفساق کا شعار ہو، وہاں اس سے پرہیز کیا جائے اور جہاں شعار نہ ہو، سبھی استعمال کرتے ہوں وہاں کا یہ حکم نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۸/۹۶ھ۔

= (ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال علي القاري: "أى من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ..... ...... اهـ". (مرقاة المفاتيح، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشيديه)

"وعلى هذا لا يحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يَصِف حجمها، فيحمل ما مر على ما إذا لم يصف حجمها". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب في النظر واللمس: ۳۶۶/۶، سعيد)

قال العثماني مدظله العالي: "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل و المرأة، لا تقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً أو موافقاً لدور الأزياء. و كذلك اللباس الرقيق أواللاصق بالجسم الذى يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذى يجب ستره، فهو فى حكم ما سبق في الحرمة و عدم الجواز". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۸/۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: عن القزع". والقزع أن يحلق رأس الصبي، فيترك بعض شعره". (سنن أبي داؤد، كتاب الترجل، باب في الصبي له ذؤابة: ۵۷۷/۲، دار الحديث ملتان)

"ويكره القزع، وهو أن يحلق البعض و يترك البعض قطعً مقدار ثلاثة أصابع، كذا في الغرائب". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۳۵۷/۵، رشيديه)

(۱) "عنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه =

درزی کو ناجائز لباس سینا

سوال[۹۲۹۷]: میں سلائی کا کام کرتا ہوں اور لوگ ہر قسم کا نقشہ یا ہر قسم کا لباس سلوا کر پہنتے ہیں تو مجھے سینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز لباس سینا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

کوٹ پتلون سینا

سوال[۹۲۹۸]: زید کا کام کپڑے سینے کا ہے اور مختلف قسم کے کپڑے بنانے ہوتے ہیں جس میں کوٹ پتلون بھی تیار کرنا ہوتا ہے اور پتلون اس وقت اس قسم کی تیار کی جارہی ہے کہ رانوں میں پھنسی ہوتی ہے۔ جواب عنایت فرمائیں کہ کوٹ اور پتلون سینا جائز ہے یا ناجائز؟

= بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وفيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(۱) اگر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو تو پھر اس طرح کے لباس کا سینا اور پہننا اور اس کو دیکھنا سب اعانت علی المعصیۃ ہونے کی بناء پر ناجائز ہے:

"وعلى هذا لا يحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها، يَصِف حجمها، فيحمل على مامر". (ردالمحتار: ۳۶۶/۶، فصل في النظر واللمس من كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على ما لايجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز لايجوز، و تمامه في شرح الوهبانية". (الدر المختار: ۳۶۰/۶، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

الجواب حامداًو مصلیاً:

اس طرح کا کپڑا سینے میں انکشافِ ستر کا تو احتمال نہیں ہے، یعنی اس سے مرد کا وہ حصہ بدن نہیں کھلتا جس کا چھپانا فرض ہے، رانوں میں اگر پتلون اس طرح پھنسی ہو کہ ران کی ہیئت ادھر سے ظاہر نہ ہوتی ہو تو کچھ اشکال نہیں (۱)۔ البتہ خود ایسے کپڑے پہننا مکروہ ہے تو اس وجہ سے ان کے سینے میں بھی ایک قسم کی کراہت ہوگی، لیکن اگر یہ لباس عامۂ مسلمان پہنتے ہوں تو کراہت بھی نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: و لا يضر التصاقه): أي بالإلية مثلاً .... وعبارة شرح المنية: أما لو كان غليظاً لا يرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو، وتشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئياً، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلوة". (ردالمحتار: ۱/۴۱۰، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد، سعيد)

"اقول: مفاده أن رؤية الثوب بحيث يَصِف حجم العضو ممنوعةٌ ولو كثيفاً لا ترى البشرة منه .... وحقيقته صار له حجم: أي نتوو ارتفاع. ومنه قوله: حتى يتبين حجم عظامها، وعلى هذا لايحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يَصِف حجمها، فيحمل مامر". (ردالمحتار: ۶/۳۶۶، فصل في النظر والمس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۲) واضح رہے کہ یہ حکم اس لباس کا ہے جس میں اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، لیکن اگر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو تو پھر اس طرح کے لباس کا سینا اور پہننا اور اس کو دیکھنا سب اعانت علی المعصیۃ ہونے کی بناء پر ناجائز ہے:

"وعلى هذا لا يحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها، يَصِف حجمها، فيحمل على مامر". (ردالمحتار: ۶/۳۶۶، فصل في النظر واللمس من كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على ما لايجوز، وكل ما أدى إلى مالا يجوز لايجوز، و تمامه في شرح الوهبانية". (الدرالمختار: ۶/۳۶۰، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

کوٹ قمیص، بونٹ، ترکی ٹوپی وغیرہ

سوال[۹۲۹۹]: مروجہ کوٹ، کالردار قمیص اور بونٹ (۱) کا استعمال کیسا ہے؟ اور ترکی ٹوپی کا استعمال کیسا ہے اور برجس جو کہ گھوڑے کی سواری کے وقت استعمال ہوتی ہے اس کا استعمال کیسا ہے اور پیتل وغیرہ کے بٹن اور دیگر اشیاء مثلاً لوٹا، دیگچی، یا عورتوں کے لئے زیورات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لباس مذکور اس زمانہ میں صلحاء کا لباس نہیں اس لئے اس لباس سے اجتناب چاہئے (۲)، خصوصاً اہل علم کو کہ وہ مقتدا ہیں اور جو لباس کسی غیر قوم کا مخصوص قومی شعار ہے، اس کا استعمال نہایت خطرناک ہے، حتی کہ فقہاء نے ایسے لباس اختیار کرنے والے کی تکفیر کی ہے (۳)۔

ترکی ٹوپی کا رنگ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے کے مطابق ناپاک ہوتا ہے (۴)، اس لئے اس کو جب تک اس قدر نہ دھولیا جائے کہ رنگ کٹنا بند ہوجائے، اس سے نماز درست نہیں (۵)، اگر وہ سرخ

---

(۱) ''بونٹ: بوٹ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۵، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال علي القاري: "اي من شبه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ.......... (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(۳) "المبدء الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة، لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۴/۸۸، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۴) واضح رہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں مختلف رنگوں کے متعلق فتاویٰ موجود ہیں۔ لیکن اس میں ترکی ٹوپی کے رنگ کی کوئی تصریح موجود نہیں، البتہ ترکی ٹوپی کے متعلق یہ فتویٰ موجود ہے:

سوال: ''ترکی ٹوپی کا اوڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ''ٹوپی ترکی اصل شعار نیچریوں کا ہے، مگر دوسرے لوگوں میں بھی شائع ہوجاوے تو مضائقہ نہیں''۔

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب جواز وحرمت کے مسائل، ترکی ٹوپی پہننا، ص: ۲۸۵، سعید)

(۵) "(ولا يضر بقاء أثر) كلون وريح (لازم) فلا يكلف في إزالته إلى ماء حار أو صابون ونحوه، بل يطهر ماصبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً، والأولىٰ غسله إلى أن يصفو الماء". (الدر المختار). =

رنگ سے رنگی ہوئی ہوتو اس کا استعمال ناجائز ہے، کیونکہ مرد کو خالص سرخ رنگ کا استعمال منع ہے(۱)۔

پیتل کے زیورات اور ظروف جو دیگر اقوام کے ساتھ مخصوص نہیں عورتوں کو جائز ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۷/ ۵۶ھ۔

پیتل کے زیورات اور برتن بلاقلعی کے مکروہ ہیں، کمافی ردالمحتار (۲)۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۹/ رجب/ ۵۶ھ۔

= قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "إعلم أنه ذكر في المنية أنه لو أدخل يده في الدهن النجس أو اختضبت المرأة بالحناء النجس، أو صبغ الثوب بالصبغ النجس، ثم غسل كل ثلاثاً، طهر . ثم ذكر عن المحيط أنه يطهر إن غسل الثوب حتى يصفو الماء، ويسيل أبيض". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في حكم الصبغ والاختضاب بالصبغ أو الحناء النجسين: ۱/ ۳۲۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في تطهير النجاسات: ۱/ ۲۳۰، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الطهارات، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، في تطهير النجاسات: ۱/ ۲۲۰، غفاريه كوئٹه)

(۱) "ويكره الأحمر والمعصفر للرجال؛ لأنه عليه السلام نهى عن لبس الأحمر والمعصفر .... فأفاد أن المراد كراهة التحريم، وهو المحمل عند الإطلاق". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/ ۱۹۱، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۶/ ۳۵۸، سعيد)

(۲) "(ويكره الأكل في نحاس أو صفر، الخ) .... وفي الجوهرة: وأما الأنية من غير الفضة والذهب، فلابأس بالأكل والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/ ۳۴۳، سعيد)

کراہت کا قول بلاقلعی زنگ کی بناء پر ہے کہ وہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے:

"ثم قيد النحاس بالغير المطلي". (ردالمحتار، المصدر السابق)

"حاصل یہ ہے کہ کان میں، ہاتھوں میں، گلے میں زیور پہننا شرعاً جائز ہے اور عورتوں کو چونکہ قدرتی اور فطری طور پر زینت کی ضرورت ہے، اس لئے شریعت نے ان کے لئے چاندی، سونے کے زیور کی بھی اجازت ہے، حالانکہ مردوں کو چاندی، =

قمیص، پینٹ، کوٹ پہننا

سوال[۹۳۰۰]: ۱.....قمیص، پینٹ، کوٹ ان تینوں چیزوں کا پہننا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر ان کو پہن کر نماز ادا کریں تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

۲.....ان تینوں کا پہننا مطلقاً مکروہ ہے یا نہیں، اگر اس میں کراہت ہے تو کس درجہ کی؟

۳.....مشابہتِ قوم سے کیا مراد ہے؟ اگر عام طور پر مسلم ہندو قمیص کو پہنتے ہیں، کسی قوم کا شعار باقی نہ رہا، پھر ان سے تو مشابہت باقی نہیں رہتی ہے، جیسے ساڑھی صوبہ بہار میں ہندو اور مسلم عورتیں عام طور پر پہنتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں ساڑھی کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں جو لباس کفار یا فساق کا شعار نہ ہو، بلکہ عام طور پر صلحاء اور فساق سب ہی استعمال کرتے ہوں، وہاں اس کو ممنوع نہیں کہا جائے گا، ہاں لباسِ مسنون کو اس کے مقابلہ میں احسن وافضل کہا جائے گا۔ اور جہاں جس قدر شعاریت ہوگی اسی قدر کراہت ہوگی (۱)۔ اس کلیہ کے تحت اشیائے مسئولہ اور ان کے علاوہ بہت سی اشیاء کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۰ھ۔

= سونا پہننے کی اجازت نہیں، کانوں میں بالیاں جبکہ عہدِ نبوی میں پہنی گئی اور شرعاً اس کو جائز رکھا گیا تو کانوں کو چھیدنے کو مثلہ کے مشابہ خیال کرنا بھی غلطی ہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحة، بارہواں باب: زیورات، زیور کے متعلق ایک تفصیلی مضمون: ۹/۱۸۳)

(۱) "عنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دارالحدیث ملتان)

(ومشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قدیمی)

قال علی القاریؒ: أی من تشبه نفسه بالکفار مثلاً في اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم" أی في الإثم أو الخیر عند الله تعالیٰ". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشیدیه)

دفتر کے وقت پتلون پہننا

سوال[۹۳۰۱]: ایک مسلمان سرکاری دفتر میں ملازم ہے، دفتر میں جب جاتا ہے تو پتلون وغیرہ پہن کر جاتا ہے اور واپس آکر اتار دیتا ہے۔ تو کیا دفتر کے وقت پہننا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں پتلون کفار یا فساق کا مخصوص شعار نہیں ہے تو پہننا جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۸۷ھ۔

لباس، پتلون وغیرہ

سوال[۹۳۰۲]: پتلون وقمیص پہننے والا انسان جنت میں جاسکتا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کے مطابق پتلون وقمیص تشبہ بانگریز ہے تو کیا علی گڑھ کٹ پائجامہ اور بنگلہ کرتا یا کلی دار کرتہ، لکھنوٴ کرتہ جس کو عام طور سے ہندوستانی لوگ اور کانگریسی لوگ استعمال کرتے ہیں، اس میں تشبہ بالہنود نہیں ہے؟ علی گڑھ پائجامہ اور پتلون میں کیا فرق ہے؟ کیا علی گڑھ کٹ پائجامہ اور کرتہ وگاندھی کیپ (ٹوپی) درست ہے؟

جیسا لباس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، یا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین استعمال کرتے تھے۔ آپ تمام لوگوں کا لباس

---

(۱) "(قوله: و لا يضر التصاقه): أى بالإلية مثلاً .... وعبارة شرح المنية: أما لو كان غليظاً لا يرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو، وتشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئياً، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلوة". (ردالمحتار: ۱/ ۴۱۰، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد، سعيد)

"اقول: مفاده أن رؤية الثوب بحيث يَصِف حجم العضو ممنوعةٌ ولو كثيفاً لا ترى البشرة منه .... وحقيقته صار له حجم: أى نتوء ارتفاع. ومنه قوله: حتى يتبين حجم عظامها، وعلى هذا لايحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يَصِف حجمها، فيحمل مامر". (ردالمحتار: ۶/ ۳۶۶، فصل في النظر والمس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

کیسا تھا، اور کس رنگ کو پسند فرماتے تھے؟ اگر آپ لوگوں کا لباس یہ نہیں تھا اور نہ پتلون وقمیص کے مثل تھا تو قمیص وپتلون پہننا کیسا ہے؟ دونوں میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لباس میں تشابہ نہیں ہے؟ اگر تشابہ ہے تو مع دلیل واضح فرمائیں۔

کیا صرف بنیان ولنگی پہن کر گھر سے باہر نکلنا، یا چوراہے پر جانے کو شریعت نے پسند فرمایا ہے یا نہیں؟

اگر پتلون قمیص تشبہ باہلِ کتاب ہے تو کیا کلائی کی گھڑی وامریکن پائخانہ، بجلی کا پنکھا، ٹیری کاٹ، ٹیر لین پہننا، جدید طرز کی عمارت بنوانا، صوفا سیٹ، کیا یہ تمام چیزیں انگریزوں سے مشابہت نہیں ہے؟ یہ سب تو انگریزوں کی دین ہے۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رہن سہن ایسا ہی تھا؟ کیا عورتوں کا ساڑھی، قمیص اور بلاؤز پہننا تشبہ بالہنود نہیں ہے؟ کیا عورتوں کو ہر قسم کا لباس پہننے کی اجازت ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دیگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا لباس کیسا تھا؟

بعض آیت قرآنی مثلاً: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾(۱) یا "إن الله لا ينظر إلى صوركم، ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم"(۲) سے اللہ تعالیٰ کیا بیان فرمانا چاہتے ہیں؟ اگر پتلون قمیص پہن کر اچھی طرح شریعت کی پابندی اور دین کے ارکان کو ادا کرے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسا بندہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو لباس کفار یا فساق کا شعار ہو اس کا استعمال کرنا منع ہے (۳)۔ قمیص اور علی گڑھ پائجامہ ناجائز نہیں ہے، اس کو پہن کر اطاعت کرنے سے مستحقِ جنت ہوسکتا ہے۔ پینٹ بھی اہل کتاب کا مخصوص شعار نہیں رہا۔ امید ہے کہ آپ کے معارضات کے جواب کی ضرورت نہیں رہی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

---

(۱) (سورة الحجرات: ۱۳)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳/ ۲۶۱، مسند أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۰۵۷۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال علي القاري: "أي من شبه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ.......... (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/ ۱۵۵، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

ٹائی کا استعمال

سوال[۹۳۰۳]: ا......کسی ملازمت میں ترقی کا معیار ٹائی باندھنے پر ہو تو ایسی صورت میں ٹائی باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲......کسی کالج یا اسکول کی پوشاک میں ٹائی باندھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاریٰ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی، کہیں ہلکی۔ جہاں اس کا استعمال عام ہو جائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا(۱)۔

---

(۱) ٹائی کا استعمال اگرچہ مسلمانوں میں بھی عام ہو گیا ہے، مگر اس کے باوجود انگریزی لباس کا حصہ ہی ہے، اگر انگریزی لباس تصور نہ کیا جائے، لیکن فساق وفجار کا لباس تو بہرحال ہے، لہٰذا تشبہ بالفساق کی وجہ سے ممنوع قرار دیا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ اہلِ صلاح اس لباس کو پسند بھی نہیں کرتے، کیونکہ یہ علماء وصلحا کے لباس کے خلاف ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس کے علاوہ ٹائی میں ایک اور خرابی یہ بھی ہے کہ عیسائی اس سے اپنے عقیدہ ''صلیبِ عیسیٰ علیہ السلام'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو کہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے، لہٰذا تشبہ بالکفار کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے مذہبی یادگار اور مذہبی شعار ہونے کی وجہ سے بھی پہننا جائز نہیں:

''وعنه (أی عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''من تشبه بقوم'': ای من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. ''فهو منهم'': أی فی الإثم والخیر. قال الطیبی: هذا عام فی الخَلق والخُلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر فی الشبه ذكر فی هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لاغیر، فإن الخلق الصوری لایتصور فیه التشبه .... وقد حكی حكایةً غریبةً ولطیفةً عجیبةً، وهی: أنه لما أغرق الله سبحانه فرعون واٰله لم یغرق مسخرته الذی كان یحاكی سیدنا موسیٰ علیه الصلوٰة والسلام فی لبسه وكلامه ومقالاته، فیضحک فرعون وقومه من حركاته وسكناته، فتضرع موسیٰ إلی ربه: ''یارب! هذا كان یؤذینی أكثر من بقیة اٰل فرعون، فقال الرب تعالیٰ: ما أغرقناه، فإنه كان لابساً مثلاً =

۲...... جواب نمبر: اسے ظاہر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۶ھ۔

لباس میں فساق وفجار کا شعار

سوال [۹۲۰۴]: تشبہ لباس وغیرہ کے بارے میں ایک استفسار یہ ہے کہ عورتوں کے لئے پائچا دار پائجامہ اور ساڑھی جائز ہے یا نہیں؟ اور موٹی ساڑھی پہن کر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں یہ کفار وفساق کا شعار ہے، وہاں ناجائز ہے(۱)۔ جہاں عام ہے، ان کا شعار نہیں، وہاں جائز ہے(۲)۔

= لباسک، والحبیب لایعذب من کان علی صورۃ الحبیب". فانظر من کان متشبهاً بأهل الحق علی قصد الباطل حصل له نجاۃ صوریة، وربما أدت إلی النجاۃ المعنویة، فکیف بمن یتشبه بأنبیائه وأولیائه علی قصد التشرف والتعظیم". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشیدیه)

البتہ اگر ادارہ یا حکومت کی طرف سے پابندی ہو، نہ لگانے پر سزا دی جاتی ہے، یا کوئی اور رکاوٹ بنتا ہو تو اس صورت میں لگانے والے پر گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اس ادارے یا حکومت کے ارکان پر گناہ عائد ہوگا جس نے ایسا ضابطہ بنایا ہے۔

(۱) "وعنه (ابن عمر) رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرۃ: ۵۵۸/۲، دار الحدیث ملتان)

(ومشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وفیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، نزار مصطفی ریاض)

قال علی القاری: "ای من شبّه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس و غیره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": ای فی الإثم أو الخیر عند الله تعالیٰ......... اهـ". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث. ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(۲) "فإن الإسلام .... لم یقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هیئة خاصة من اللباس ولا أسلوباً خاصاً للمعیشة، وإنما وضع مجموعة من المبادی، والقواعد الأساسیة یجب علی المسلم أن یحتفظ بها فی أمر لباسه، الخ". (تکملة فتح الملهم، کتاب اللباس والزینة: ۸۷/۴، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی فتح الباری، باب المتشبهون بالنساء: ۴۰۸/۱۰، قدیمی) ....=

پھر اگر پردہ پورا ہو تو اس سے نماز بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فساق یا فجار کے شعار کو اختیار کرنا

سوال [۹۳۰۵]: ۱...... نائیلون، پلاسٹک اور کانچ کی چوڑیوں کا استعمال عورتوں کے لئے کیسا ہے؟

۲...... ہمارے علاقہ میں مسلم خواتین مانگ میں سیندور، پیشانی پر رنگ یا سیندور کا ٹیکہ اور بازار کی ٹکیاں لگاتی ہیں، ایسی زینت و آرائش مسلم خواتین کے لئے کیسی ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں کفار یا فساق کا شعار ہے وہاں ممنوع ہے، لأجل التشبه (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۵ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(۱) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنه أنها سألت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتصلي المرأة في درع و خمار ليس عليها إزار؟ قال: "إذا كان الدرع سابغاً يغطي ظهور قدميها". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب في كم تصلي المرأة، ص: ۹۴، دار الحديث ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۷۰/۱، رشيديه)

"ويكفي للمرأة درع ضيق و مقنعة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ص: ۲۱۱، قديمي)

(۲) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وفيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، نزار مصطفى رياض)

قال علي القاري: "أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ.......... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشيديه)

لباسِ فساق

سوال[۹۳۰۶]: داڑھی بنانے والا نائی بھی مواخذہ دار ہوگا یا نہیں، کیونکہ اس کا پیشہ یہی ہے، جیسا عوام حکم دیتے ہیں ویسا ہی بناتا ہے؟ اسی طرح کپڑا پہننے والا انگریزی کوٹ یا نیکر یا پتلون وغیرہ سیتے ہیں، یہ کس حکم میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نائی اور درزی بھی گناہ گار ہے، کذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۵۱/۵ (۱) زیلعی: ۴۹/۶ (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

تنگ لباس پر تنبیہ

سوال[۹۳۰۷]: عام مسلمان مرد اور عورتیں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی تنگ لباس پہننے لگیں جس سے تمام اعضاء ظاہر ہونے لگیں۔ یہ سب عریانی کے برابر ہے اور عریانی حرام ہے تو پھر علمائے دین کہاں سو گئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے دین تو بیدار ہیں اور دوسروں کو بیدار کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اس مسئلہ پر بھی رسالہ ''نظام''

---

(۱) "خياطا أمره أن يتخذ له ثوباً على زىّ الفساق، يكره له أن يفعل؛ لأنه سبب التشبه بالمجوس والفسقة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

(۲) "لو أن خياطاً أمره إنسان أن يخيط له ثوباً على زىّ الفساق، يكره له أن يفعل؛ لأن هذا تسبيب في التشبه بالمجوس والفسقة". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۵/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"لو أن خياطاً أمره إنسان أن يخيط قميصاً على زىّ الفساق، يكره أن يفعل ذلك".

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۱/۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالا يكره ومايتعلق بالضيافة: ۴۰۲/۳، رشيديه)

کانپور میں دیر تک بہت سی قسطوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔اور رسالہ دارالعلوم دیوبند میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔دوسرے لوگ اس بیدار کرنے کے باوجود اگر سوتے ہی رہیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۸۹/۳/۱۱ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۸۹/۳/۱۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وما علينا إلا البلاغ المبين﴾ (سورة يس: ۱۷)

قال ابن كثير: "يقولون: إنما علينا أن نبلغكم ما أرسلنا به إليكم، فإذا أطعتم كانت لكم السعادة في الدنيا والأخرة، وإن لم تجيبوا، فستعلمون غب ذلك، والله أعلم". (تفسير ابن كثير: ۳/۷۴۹، مكتبه دارالسلام رياض)

قال الآلوسي: تحت قوله تعالىٰ: ﴿وما علينا إلا البلاغ المبين﴾ إلا تبليغ رسالته تعالىٰ تبليغاً ظاهراً بيناً بحيث لايخفى على سامعه، ولا يقبل التأويل والحمل على خلاف المراد أصلاً وقد خرجنا من عهدته، فلا مؤاخذة علينا من جهة ربنا، كذا قيل". (روح المعاني: ۲۲/۲۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث في العمامة و القلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

عمامہ کا حکم

سوال[۹۳۰۸]: عمامہ باندھنا سنت ہے یا نہیں، امام کو پگڑی باندھ کر نماز پڑھانا بہتر ہے یا بغیر پگڑی کے؟ آج کل بہت کم لوگ پگڑی باندھ کر نماز پڑھاتے ہیں، بہتر کیا ہے اور سنت کیا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

عمامہ باندھنا بھی اسی طرح کی سنت ہے، بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا اور پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، اصرار کی وجہ سے مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے، قال صاحب السعاية: "الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، اه"(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

جس عمامہ پر چاندی کے نقش ہوں اس کا استعمال

سوال[۹۳۰۹]: جس عمامہ پر چاندی کے تاروں کے نقش کئے گئے ہیں، کیا ایسا عمامہ کو استعمال کرنا

---

(۱) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القرأة: ۲۶۵/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رُفعت عن رتبتها، الخ". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، كتاب الصلوة: ۳۳۸/۲ دار المعرفة بيروت)

"وأما إذا سجد بغير سبب، فليس بقربة و لا مكروة، وما يفعل عقيب الصلوة مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنةً أو واجبةً، وكل مباح يؤدي إليه، فمكروه، هكذا في الزاهدي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعيد)

جائز ہے، اور اس کا سر پر باندھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ نقش کنارے پر چار انگل سے کم یا برابر ہیں تو اجازت ہے، پھر خواہ وہ اتنا گنجان ہی کیوں نہ ہو جس سے کپڑا چھپ جائے، درمختار میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اگر کنارے پر نہیں، بلکہ تمام عمامہ پر ہے اور سب کو جمع کر کے دیکھا جائے تو چار انگل سے زائد نہ ہو تب بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۹۰ھ۔

عمامہ بیٹھ کر، پائجامہ کھڑے ہوکر پہننا

سوال [۹۳۱۰]: عمامہ بیٹھ کر اور پائجامہ کھڑے ہوکر پہننا منع ہے۔ اس کی اصل کہاں تک ہے، احادیث شریفہ، تعاملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی کوئی حجت ملتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ عمامہ کھڑے ہوکر باندھنا چاہیے اور پائجامہ بیٹھ کر پہننا چاہیے، اس کے خلاف میں کچھ مضرتیں دیکھی ہیں:

"والتعمم قاعداً والتسرول قائماً يورث البخل والتقتير والإسراف والكسل والتواني

---

(۱) "يحرم لبس الحرير و لو بحائلٍ بينه وبين بدنه على المذهب الصحيح، وعن الإمام: إنما يحرم إذا مس الجلد. قال في القنية: و هي رخصة عظيمة في موضعٍ عمّت به البلوى أو في الحرب، فإنه يحرم أيضاً عنده. وقالا: يحل في الحرب على الرجل لا المرأة، إلا قدر أربع أصابع كأعلام الثوب مضمومةً، وقيل: منشورةً، وقيل: بين بين. وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق و لو في عمامة، كما بسط في القنية. وفيها: عمامة طرزها قدر أربع أصابع من إبريسم من أصابع عمر رضي الله تعالىٰ عنه، وذلك قيس شبرنا يرخص فيه، الخ". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۲/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع الملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۲/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق للزيلعي: كتاب الكراهية، فصل في اللبس. ۳۱/۷، دار الكتب العامية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس: ۳۳۲/۵، رشيديه)

والتهاون فی الأمور، کل ذلك يورث النسيان، اھ". تعليم المتعلم مع الشرح، ص: ٤٤(١)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/رجب/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ٹوپی کا ثبوت

سوال[۹۳۱۱]: اس سلسلہ کی روایت پیش فرمائیں، میرے پاس کوئی کتاب اپنی نہیں ہے، روایت سے بیان فرمائیں جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول سرپوشی یعنی ٹوپی کے متعلق آجاوے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب حامداً ومصلیاً:

"واعلم أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانت له عمامة سوداء تسمى السحاب، وكان يلبس تحتها القلانس –جمع قلنسوة– وهي غشاء مبطن يستر به الرأس، قاله الفراء. وقال غيره: هي التي تسميها الشاشية والعراقيه. وروى الطبراني وأبو الشيخ والبيهقي في شعب الإيمان من حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قلنسوةً ذات آذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى". وإسناده ضعيف، كذا في أبي داؤد والمصنف: "فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس" قال المصنف غريب، وليس إسناده بالقائم. وروى ابن أبي شيبة: "دخل مكة يوم الفتح، وعليه شقة سوداء، وأن عمامته كانت سوداء". جمع الوسائل شرح شمائل: ١/٣٠٤(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(١) (تعليم المتعلم، طريق التعلم، فصل فيما يجلب الرزق، ص: ٧٥، قديمي)

(٢) (جمع الوسائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ١/١٦٦. مصطفى البابي الحلبي مصر)

مسنون ٹوپی

سوال[۹۳۱۲]: حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کس قسم کی ٹوپی استعمال فرمائی ہے گول یا لمبی؟ من فضلك حرروا، وأجيبو بالحديث الصحيح؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

= "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قلنسوةً بيضاء". (مجمع الزوائد و منبع الفوائد، كتاب اللباس، باب: ۳، في القلنسوة (رقم الحديث: ۸۵۰۵): ۱۴۹/۵، عباس أحمد الباز مكة)

(وكذا في المستدرك لحاكم، كتاب معرفة الصحابة، عن حديث أبي درداء، (رقم الحديث: ۵۴۵۰): ۳۸۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وانظر أيضاً زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر بيروت)

(وأيضاً رساله: ضياء القلوب في لباس المحبوب من خلاصة الفتاوى: ۱۵۳/۳، رشيديه)

"عن ركانة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "فرق مابيننا وبين المشركين العمائم على القلانس". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمي)

"كانت له عمامة تسمى: السحاب، كساها علياً، وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة. وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة، ويلبس العمامة بغير قلنسوة". (زاد المعاد في هدى خير العباد، فصل في ملابسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۳۵/۱، مؤسسة الرسالة بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم، ويلبس بغير القلانس". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۰): ۱۴۷/۸، رشيديه)

"ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قلنسوةً ذات آذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى". (جمع الوسائل، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۶۶/۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"لا بأس بلبس القلانس، وقد صح أنه كان لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلانس يلبسها". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل السابع في اللبس: ۳۶۹/۴، رشيديه)

(ومسند أحمد، من أحاديث سيدنا عمر بن الخطاب: ۲۳/۱، (رقم الحديث: ۱۵۱)، دارإحياء بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

"كان كمام أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطحاء - جمع كمّة- .... وهي القلنسوة المدوّرة: أي كانت مبسوطةً على رؤوسهم لازقةً غير مرتفعة عنها .... وكان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة، ويلبس ذوات الآذان في الحرب. وكان ربما نزع قلنسوةً، فجعلها سترةً بين يديه وهو يصلي". مرقاة: ۸/۲٤٦(۱)-

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کی ٹوپی استعمال کی گئی ہے، ایسی بھی کہ جس میں سترہ بننے کی صلاحیت ہے اور گول بھی جو کہ سر سے چپکی ہوئی ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

کس قسم کی ٹوپی ثابت ہے؟

سوال[۹۴۱۳]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس قسم کی ٹوپی پہننا ثابت ہے؟ اور ہماری کون سی ٹوپیاں پہننا مطابقِ سنت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ٹوپی گول سر مبارک پر اکثر چپکی ہوئی ہوتی تھی (۲) بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طویل بھی

---

(۱) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۴۱، (رقم الحديث: ۴۳۳۳)، رشيديه)

"كانت له عمامة تسمى: السحاب، كساها علياً، وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة. وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة، ويلبس العمامة بغير قلنسوة". (زاد المعاد في هدى خير العباد، فصل في ملا لبسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۲، دارالفكر بيروت)

(وكذا في شمائل كبرى: ۱/۲۰۲، دارالإشاعت كراچي)

(۲) "واعلم أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... كان يلبس تحتها القلانس -جمع قلنسوة- وهي غشاء مبطن يستتر به الرأس" .... "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يلبس قلنسوةً ذات آذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى". (جمع الوسائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۰۴، تاليفات أشرفيه)

منقول ہے(۱)، اکابر صلحاء کا لباس قابلِ اتباع ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

گول ٹوپی

سوال[۹۳۱۴]: گول ٹوپی لگانا سنت ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹوپی کیسی دیتے تھے جو لوگ اصرار کرتے ہیں، گول ٹوپی پر ان کا اصرار کرنا کیسا ہے؟

غفور احمد ہردوئی۔

---

(۱) "عن أبي كبشة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان كمام أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بطحا". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمي)

قال علي القاري: "جمع بطحاء: أي كانت مبسوطةً على رؤوسهم لازقةً غير مرتفعة عنها". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۳۳): ۱۴۱/۸، رشيديه)

(۲) علماء چونکہ علمی اور دینی طور پر انبیاء کے وارث ہیں اور سنن نبویہ پر چلنے والے ہیں، اور تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کو اختیار کرنے والے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إنما يخشى الله من عباده العلماءُ﴾ (فاطر: ۲۸) لہٰذا ان کی اتباع میں سنت کی اتباع ہے:

"العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهماً، وإنما ورّثوا العلم". (سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء، ص: ۲۰، قديمي)

قال الملا علي القاري: "وإنما ورّثوا العلم". لإظهار الإسلام ونشر الأحكام، أو بأحوال الظاهر والباطن على تباين أجناسه واختلاف أنواعه". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۴۷۲/۱، (رقم الحديث: ۲۱۲)، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر بيروت)

وأيضاً رسالة: (ضياء القلوب في لبس المحبوب في خلاصة الفتاوى: ۱۵۳/۳، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

گول ٹوپی سر سے ملی ہوئی (چپکی ہوئی) جبکہ اونچی نہ ہو، حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)، مگر یہ چیز سنن عادیہ میں سے ہے، سنن ہدیٰ میں سے نہیں، بس جو شخص اتباع کرے گا وہ ماجور ہوگا، لیکن اس پر کسی کو اصرار کا حق نہیں کہ تارک پر ملامت کی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

دو پلی ٹوپی اور گول ٹوپی

سوال[۹۳۱۵]: اکثر علمائے دیوبند جس لمبی ٹوپی کو پہنتے ہیں وہ درست ہے یا نہیں؟ اس لمبی ٹوپی میں کسی قسم کی کراہت ہے یا نہیں؟ کیا یہ لمبی ٹوپی اور گول ٹوپی دونوں سنت ہونے میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دو پلیا ٹوپی بھی ہمارے دیار میں صلحاء کا لباس ہے، بعض اکابر گول پہنتے ہیں، بعض دو پلیا، کسی پر

---

(۱) "واعلم أنه صلى الله تعالیٰ علیه وسلم .... كان يلبس تحتها (تحت العمامة) القلانس —جمع قلنسوة— وهی غشاء مبطن يستتر به الرأس .... عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم يلبس قلنسوةً ذات آذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى".

(جمع الوسائل، باب ما جاء فی عمامة رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۱۶۶، مصطفى البابی الحلبی مصر)

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم يلبس قلنسوةً بيضاء". (مجمع الزوائد و منبع الفوائد، كتاب اللباس، بابٌ فی القلنسوة (رقم الحديث: ۸۵۰۵): ۵/۱۴۹، عباس أحمد الباز مكة)

(۲) "والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إساءةً وكراهيةً كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسِيَر النبی صلى الله تعالیٰ علیه وسلم فی لباسه وقيامه وقعوده والنفل، ومنه المندوب يثاب فاعله ولا يسیء تاركه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعريفها: ۱/۱۰۳، سعيد)

نکیر نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۴ھ۔

گول اور لمبی ٹوپی کی سنیت کی تحقیق مع فتاویٰ دارالعلوم ومظاہر علوم

سوال [۹۳۱۶]: ہمارے مغربی بنگال میں ٹوپی سے متعلق ایک اشتہار چھاپا گیا ہے جس کے اندر تمام جگہوں سے استفتاء کیا گیا ہے اور وہ تمام فتوے اس کے اندر جمع کردیئے گئے، اور اس میں مفتی ابوظفر صاحب فروردی (مفتی بنگال وآسام) نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ:

"**الجواب**: مواهب لدنيه(۲) وتحفة الأحوذي في شرح

---

(۱) علماء چونکہ علمی اور دینی طور پر انبیاء کے وارث ہیں اور سنن نبویہ پر چلنے والے ہیں، اور تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کو اختیار کرنے والے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إنما يخشى الله من عباده العلماءُ﴾ (فاطر: ۲۸) لہٰذا ان کی اتباع میں سنت کی اتباع ہے:

"العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهماً، وإنما ورّثوا العلم". (سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء، ص: ۲۰، قديمي)

قال الملا علي القاري: "وإنما ورّثوا العلم" لإظهار الإسلام ونشر الأحكام، أو بأحوال الظاهر والباطن على تباين أجناسه واختلاف أنواعه". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۴۷۲/۱، (رقم الحديث: ۲۱۲)، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۲، دار الفكر بيروت)

وأيضاً رساله: (ضياء القلوب في لباس المحبوب من خلاصة الفتاوى: ۱۵۳/۳، رشيديه)

(۲) "وعن أبي كبشة الأنماري قال: كانت كمام أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بطحا، وفي رواية: أكمة. وهما جمع كثرة وقلة. والكمة: القلنسوة، يعني أنها كانت منبطحةً غير منتبعة.

و في شرحه: "وفي المصباح: الكمة بالضم القلنسوة المدوّرة؛ لأنها تغطي الرأس". (شرح المواهب اللدنية، النوع الثاني في لباسه و فراشه: ۲۷۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

الترمذی(۱) اورمشکوۃ(۲)میں ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم،صحابہ کرام گول ٹوپی پہنتے تھے،محبانِ سنت کو ضروری ہے کہ لمبی کے بجائے گول ٹوپی استعمال کریں اور حدیث:"من أحب سنتی فقد أحبنی، ومن أحبنی کان معی فی الجنة" کے مصداق بنیں۔

کتبہ ابوظفر غفرلہ۔

اوردارالعلوم دیوبند کے مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کا فتویٰ۔

"**الجواب**: گول اورسرمبارک سے چپٹی ہوئی تھی، کما هو المستفاد من شرح المواهب للإمام الزرقانی: ۹/۵(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد جمیل الرحمٰن دارالعلوم دیوبند۔

اسی طریقہ پرمظاہرعلوم سہارنپور کا فتویٰ:

"**الجواب**: گول ٹوپی پہننا جائز ہے،فتاوی رشیدیہ،ص:۴۸۳(۴)۔صحابہ کرام کی ٹوپی اٹھی ہوئی نہیں ہوتی تھی،مشکوۃ شریف،ص:۳۷۴، میں روایت:

"عن أبی كبشة قال: كمام أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم بطحا". وفی مرقاةالمفاتیح:"أی مسبوطة علی رؤسهم ولازقة مع رؤسهم غیر مرنفعة"(۵)۔ فقط۔

کتبہ مظفرحسین المظاہری۔

---

(۱) (تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب بعد باب ماجاء فی ترقیع الثوب: ۴۷۹/۵، رقم الحدیث: ۱۸۴۲، المکتبة السلفیة بالمدینة المنورة)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۴، قدیمی)

(۳)(شرح المواهب، النوع الثانی فی لباسه وفراشه: ۲۷۸/۶، دارالکتب العلمیه، بیروت)

(۴) (فتاوی رشیدیه، کتاب: جواز وحرمت کے مسائل، ص: ۵۷۶، سعید)

(۵)(مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۴، قدیمی)

"کمہ" کی جمع "کمام" ہے کمہ کے معنی گول ٹوپی، کذا فی القاموس (۱)۔

ان تمام روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گول ٹوپی کا استعمال کرنا سنت ہے کہ جس کی سنیت حدیث سے ثابت ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ جو علمائے دیوبند لمبی ٹوپی استعمال کرتے ہیں اس کی سنیت میں کوئی ثبوت ہے کہ نہیں؟ اور ہماری اس ٹوپی کے پہننے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے، ٹوپی کا رواج ڈالنے والے علمائے دیوبند ہی ہیں، کیا مطلق ٹوپی کا استعمال ہی سنت ہے، یا اس کے اندر اس کی ہیئت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟ اور وہ ہیئت بھی کون کون سی ہے جن سے سنیت ادا ہو جائے گی اور ان میں افضل کون سی ہوگی؟

اگر ہم صرف یہ کہیں کہ ٹوپی کا استعمال سنت زوائد میں سے ہے، لہذا جو چاہے پہنے تو یہ بات کافی نہیں ہے، کیونکہ جب ہم ٹوپی سنت ہی کی نیت سے پہنتے ہیں تو جس سے سنت کامل درجہ کی ادا ہو وہی استعمال کریں، ورنہ تمام زندگی ٹوپی سر پر لئے پھریں لیکن کامل سنت ادا نہیں ہوگی، یا اس کے لئے جو کامل درجہ کی سنت پر عمل کرنا چاہے اگر چہ شرعاً زیادہ اہم نہیں ہے، لیکن اس کے متعلق کبھی علمائے فرروری کے ساتھ ہمارا اہم کلام ہوتا ہے، اس وقت ہمارا جواب دینا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت سے عرض یہ ہے کہ اس کو تفصیل وار تشفی بخش جواب دیکر مشکور فرمائیں۔ ٹوپی کا استعمال سنت زائدہ ہے، یا اس کی ہیئت سنت زائدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عبارت بحوالہ اشتہار نقل کی گئی ہے، مشکوۃ و مرقاۃ سے ان میں گول ٹوپی کی تصریح نہیں، صرف یہ بات مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں، اوپر کو اُبھری ہوئی بلند نہیں تھیں: "مسبوطة على رؤسهم ولازقة مع رؤسهم غير مرتفعة، اه" (۲)۔

مگر مرقات ہی میں یہ بھی موجود ہے: "وكان ربما نزع قلنسوته، فجعلها سترةً بين يديه ويصلي، اه"، مرقاة: ۸/۲۴۶ (۳)۔

---

(۱) المنجد، ص: ۸۹۳، دار الاشاعت کراچی)

(۲) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۳) "كانت مسبوطة على رؤسهم لازقة غير مرتفعة عنها، الخ. وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة =

جو ٹوپی سر سے چپکی ہوئی ہو، اٹھی ہوئی نہ ہو، اس سے سُترہ کا کام کس طرح لیا جائے گا جبکہ سترہ کے متعلق یہ بھی موجود ہے کہ:

"سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم من سترة المصلي؟ فقال: "مثل مؤخرة الرحل" إلى قوله: "وفسرت بأنها ذراع فما فوقه، اهـ". مراقي الفلاح، ص: ٢٤٠ (١)۔

المواهب اللدنيه اورتحفة الأحوذي کی عبارتیں منقول نہیں جن میں غور کیا جائے، صرف نام مذکور ہیں۔ پہلے اشتہار کا دعویٰ ثابت ہوجائے تب دوسری باتوں کا نمبر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۶ھ۔

کامدار ٹوپی وجوتا

سوال [۹۳۱۷]: جوتا یا کلاہ یا کپڑا جس پر کہ زری یا سلمہ ستارے کا کام نکلا ہوا ہو، وہ جھوٹا ہو یا سچا، مَردوں کو جائز ہے یا نہیں، جب کہ چار انگشت سے زیادہ ہووے، اور جوتے میں چار انگشت کا اعتبار کیسے کیا جاوے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سچے کام کا جوتا کلاہ کپڑا مرد کو چار انگشت سے زائد ناجائز ہے:

"يكره أن يلبس الذكور قلنسوةً من الحرير أو الذهب أو الفضة أو الكرباس الذي خيط عليه إبريسم كثير أو شيء من الذهب أو الفضة أو أكثر من قدر أربع أصابع". شامي: ٥/١٠ (٢)۔

= بين يديه وهو يصلي". (مرقاة المفاتيح: ٨/١٢١، رشيديه)

(١) "لأنه سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلي فقال: "مثل مؤخرة الرحل" .... وفسرت بأنها ذراع .... فمافوقه كذا في غاية البيان". (مراقي الفلاح، باب مايفسد الصلوة، فصل في اتخاذ السترة ودفع المارين يدي المصلي إذا ظن، ص: ٣٦٦، ٣٦٥، قديمي)

(٢) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/٣٥٤، سعيد)

"يكره أن يلبس الذكور قلنسوةً من الحرير والذهب والفضة والكرباس الذي خيط عليه إبريسم كثيراً، رشيء من الذهب أو الفضة أكثر من قدر أربع أصابع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس: ٥/٣٣٢، رشيديه) .... =

"حكم النعل فيما نحن فيه حكم الثياب الأخر كالقميص والعمامة وغيرهما". غاية المقال، ص: ١٤٢(١)۔

جوتے وغیرہ میں چار انگشت عرض سے پیائش کرلیا جاوے، اگر زائد ہوتو ناجائز ہے:

"وهل المراد قدر الأصابع أصابع طولاً وعرضاً بأن لايزيد طول العلم وعرضه على دلك، أو المراد عرضه فقط وإن زاد طوله على طولها؟ المتبادر من كلامهم الثاني". ردالمحتار: ۳۰۸/۵(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹیرلنگ کپڑا، کشتی دار ٹوپی اور قمیص پہننا

سوال[۹۳۱۸]: ٹیرلنگ کپڑے کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، کشتی دار ٹوپی اور قمیص پہننا بھی جائز ہے یا نہیں، کراہت بھی ہے پہننے میں یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ٹیرلنگ میں اگر کوئی ناپاک چیز نہیں ہے(۳) تو اس کا پہننا درست ہے، کشتی نما ٹوپی درست ہے، قمیص

= "ويكره أن يلبس الذكور قلنسوةً من الحرير أوالذهب أو الفضة أو الكرباس الذى عليه إبريسم كثير أو شيء من الذهب أو الفضة أكثر من قدر أربع أصابع". (الفتاوى السراجية، كتاب الكراهية، فصل فى اللبس: ۷۵، سعيد)

(۱) العبارة بتمامها: "وحاصل ما نحن فيه أن حكم النعل فيما نحن فيه حكم الثياب الأُخر، كالقميص والعمامة وغيرهما بلا شك ولاريب، فإن كان فيه قدر أربع أصابع من الذهب أو الفضة أو الحرير أو غيرهما مما يحرم استعماله، أو أقل من قدر أربع أصابع أو أعلام متفرقة، يجوز لبسه، كما صرحوا به فى القلنسوة، و إلا لا. والله أعلم بالصواب، و عنده حسن الثواب". (غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، رسالة من مجموعة رسائل اللكنوى: ۲۱۹/۱، إدارة القرآن كراچى)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ۳۵۱/۶، سعيد)

"ويحل للنساء لبس الحرير، ولا يحل للرجال إلا قدر أربع أصابع كالعلم". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى اللبس: ۱۹۲/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "ٹیرلنگ: باریک ململ"۔ (English to English Dictionary, Page No. 956, Feroz Sons, Lahore)

بھی درست ہے(۱)، لیکن مسنون لباس اور صلحاء کا لباس اختیار کرنا اعلیٰ بات ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۷ھ۔

ننگے سر پھرنا

سوال[۹۳۱۹]: مَردوں کو ننگے سر رہنا کیسا ہے اور شرعاً یہ فعل مَردوں کا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

وقتِ ضرورت ننگے سر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو طریقہ آج کل رائج ہو رہا ہے کہ ہر وقت ننگے سر بالوں میں تیل ڈالے ہوئے پھرتے رہتے ہیں، یہ طریقہ اصالۃً صلحاء اور اہلِ مروت کا نہیں، بلکہ خدا کے دشمنوں کا طریقہ ہے، اس کے اجتناب لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

"و مباح و هو الثوب الجميل للتزين .... إذا لم يكن للكبر". (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

راجع للتفصيل: (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۷/۴، دارالعلوم كراچي)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال على القاري: "أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ ....اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۱۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۰/۵، معهد الخليل، كراچي)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير، (رقم الحديث. ۸۵۹۳): ۵۷۴۳/۱۱، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

الفصل الرابع فی لباس النسآء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

سیاہ برقعہ، جمپر، لہنگا، سلاخیں، سرخی کا حکم

سوال[۹۳۲۰]: آج کل جوشہروں میں کالا برقع عام طور پر رائج ہے یہ جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو کیا علت ہے؟ ایک لباس ہے جس کا نام ''جمپر'' ہے(۱)، وہ اوپر سے بہت تنگ اور نیچے سے کچھ کھلا ہوتا ہے۔اس کا استعمال کیسا ہے؟ نیز ''لہنگا'' (۲) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ نیز عورتیں جو اپنے سروں پر سلاخیں لگاتی ہیں تا کہ بال آگے کی طرف نہ آئیں وہ جائز ہیں یا نہیں؟ اور چھوٹی چھوٹی بچیاں جو تھوڑے تھوڑے بال کٹواتی ہیں، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ نیز ہونٹوں کی سرخی کے بارے میں کچھ روشنی ڈالئے۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

جو لباس کفار یا فساق کا شعار نہ ہو اور مقصودِ ستر اس سے حاصل ہو جاتا ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں (۳)۔ سلاخیں تو وہ ہوتی ہیں جو دروازوں یا کھڑکیوں میں لگائی جاتی ہیں تا کہ روشنی اور ہوا آتی رہے، آدمی یا جانور کتا وغیرہ نہ آسکے، وہ سلاخیں سر میں کیسے لگائی جاتی ہیں (۴)۔ چھوٹی بچی کا سر تو منڈا بھی دیا جاتا ہے جیسا

---

(۱) ''جمپر: عورتوں کی ڈھیلی ڈھالی کُرتی، کرچ کی ڈھیلی ڈھالی کُرتی جو ملاح پہنتے ہیں''۔(فیروز اللغات، ص: ۴۷۱، فیروزسنز لاهور)

(۲) ''لہنگا: دیہاتی عورتوں کا غرارہ، گھگھرا''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۷۲، فیروز سنز لاهور)

(۳) "وعنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: "قال رسول الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم"۔ (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة ۵۵۸/۲، دار الحدیث)

(۴) یہ سلاخ نما سوئی جیسی ہوتی ہے، دونوں سرے ایک جانب مڑے ہوئے ہوتے ہیں، ایک طرف کچھ لمبی اور دوسری کچھ کم ہوتی ہے، بالوں کو کنٹرول کرنے کے لئے پشت کی طرف لگائی جاتی ہے، یہ جائز ہے، کراہت کی کوئی وجہ نہیں، جس طرح عام =

کہ عقیقہ کے وقت، اس میں کوئی حرج نہیں (۱)۔ ہونٹ تو قدرت کی طرف سے سرخ ہوتے ہیں، اس کے متعلق کیا پوچھنا (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

عورتوں کا لباس اور ستر

سوال [۹۳۲۱]: ۱.....عورتوں کو ساڑھی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲.....عورتوں کو سفید لٹھے کی شلوار پہننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

=لباس میں کوئی کراہت نہیں جب کہ خلافِ شرع نہ ہو:

"لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحر الرائق كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(۱) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: عقّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: "يا فاطمة! احلقي رأسه و تصدقي بزنة شعره فضةً". (جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة: ۲۷۸/۱، سعيد)

(مشكوة المصابيح، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ص: ۳۶۲، قديمي)

"يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه و يحلق رأسه و يتصدق عند الأئمة الثلاثة فضةً أو ذهباً، ثم يعق عند الحلق عقيقةً إباحةً، الخ". (ردالمحتار، كتاب الأضحية، قبيل كتاب الحظر والإباحة: ۳۳۶/۶، سعيد)

"العقيقة عن الغلام و عن الجارية و هي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس و حلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة، كذا في الوجيز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني والعشرون في والعقيقة: ۳۶۲/۵، رشيديه)

(۲) سرخی اگر عورت اپنے شوہر کی خاطر زیب و زینت کے لئے لگاتی ہے تو مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہو اور اسی طرح ایسے اجزاء بھی شامل نہ ہو جن کی وجہ سے دورانِ غسل پانی ہونٹوں تک نہیں پہنچتا ہو، ورنہ وضو اور غسل درست نہیں ہونگے:

"ولابد من زوال مايمنع وصول الماء للجسد كشمع و عجين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في بيان فرائض الغسل، ص: ۱۰۲، قديمي)

۳......عورت کواونچی ایڑی کا چپل جیسا کی آجکل رواج ہے پہننا جائز ہے یانہیں؟

۴......عورتوں کوکھڑی ایڑی کا لیڈی بوٹ جیسا کہ یورپین استعمال کرتی ہیں جائز ہے یانہیں؟

۵......عورتوں کا سر میں کنگھی یا کلف وغیرہ لگانا جائز ہے یانہیں، کیوں کہ اکثر عورتیں اس وجہ سے لگاتی ہیں کہ بال اور مانگ خراب نہ ہووہ دیر تک ٹھیک رہے؟

۶......جس گھر میں کسی غیر محرم کا گذر نہ ہوتو ایسے گھر میں عورتوں کو گلے کھلی نصف آستین کی قمیص یا جمپر پہننا جائز ہے یانہیں؟

۷......مصری قطع کا برقع جس کا ناف سے اوپر کا حصہ علیحدہ اور بدن پر فٹ ہوتا ہے عورتوں کو اوڑھنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: فضل الرحمان سرساوی، ضلع سہارنپور، یکم/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱-۴......جو لباس کفار یا فساق یا مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کو اس کا استعمال ناجائز ہے، جو مشترک ہے اس کا استعمال جائز ہے، تاہم صلحاء کا لباس جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو اس کا استعمال مستحسن ہے، اس سے ان تمام نمبروں کا جواب ہوگیا۔

۵......اگر یہ محض زینت وآرام کے لئے ہوتو جائز ہے بشرطیکہ یہ فساق یا کفار کا شعار نہ ہو۔

۶......لباس کی حیثیت سے جواب آچکا، پردہ کی حیثیت سے جواب یہ ہے کہ محرم سے ان اعضاء کا پردہ نہیں، بشرطیکہ کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۷......لباس کی حیثیت سے جواب معلوم ہوگیا، فٹ ہونے کی حیثیت سے-جس سے بدن کی کیفیت ظاہر ہو- جواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں نامحرم کے سامنے جانا منع ہے:

"قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لعن اللّٰہ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال". رواه البخاری". مشکوۃ، ص: ۳۸۰(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمى)

(وصحيح البخارى، كتاب اللباس، باب المتشبّهين بالنساء: ۲/۸۷۴، قديمى)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". رواه أحمد وأبوداؤد". مشكوة، ص: ٣٧٥(١)۔

"وأما نظره إلى ذوات محارمه، فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة والباطنة، وهي: الرأس والشعر والعنق والصدر والأذن والعضد والساعد والكف والساق والرجل والوجه". عالمگیری: ٤/٣٠٥(٢)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۵۸ھ۔

عورتوں کا چوڑی دار پائجامہ پہننا

سوال[۹۳۲۲]: عورتوں کے لئے چوڑی دار پائجامہ پہننا اور پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے، آیا نماز

---

(١) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ٣٧٥، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب لبس الشهرة: ٥٥٨/٢، دارالحديث ملتان)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار". (مرقاة المفاتيح: ١٥٥/٨، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ٤٣٤٧)، رشيديه)

(٢) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر، الخ: ٣٢٨/٥، رشيديه)

"وينظر الرجل .... من محرمه إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ٣٦٦/٦، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في النظر: ٣٠٠/٤، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق: ٣٥٥/٨، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٤٥٩/٤، كتاب الكراهية، باب النظر واللمس، مكتبه شركت علميه ملتان)

میں اس کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی قباحت تو نہیں، اگر ہے تو کیا؟ و نیز اس کے استعمال سے کسی قسم کا گناہ تو نہیں اگر ہے تو کس قدر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ اس سے جسم کی ہیئت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس سے احتیاط چاہیے، خصوصاً ایسے وقت کہ خاندان کے غیر محرم لوگ بھی اس مکان میں رہتے ہوں، مبادا اس حدیث کی وعید میں داخل ہو جائیں:

"مالك عن مسلم بن أبي مريم عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها، وريحها يوجد من مسيرة خمس مأة سنة، اه". مؤطا إمام مالك: ۱٦۱/۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

عورتوں کو نیم آستین کا کرتہ پہننا

سوال[۹۴۲۳]: عورتوں کا یہ فیشن ہو گیا ہے کہ بغیر آستین کے قمیص پہنتی ہیں، بعض نمازی عورتوں نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ چولی۔ جو بے آستین قمیص کی سبب تنگ اور کوتاہ ہوتی ہے۔ پہن کر سارا جسم کپڑوں سے ڈھانک کر نماز پڑھتی ہیں۔ دریافت یہ ہے کہ ہر وقت یا کبھی کبھی بے آستین قمیص پہننا جائز ہے یا نہیں، اور کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟

---

(۱) (مؤطا الإمام مالک، کتاب الجامع، باب ما یکره للنساء لباسه من الثياب، ص: ۷۰۹، میر محمد، کراچی)

(والصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب النساء الكاسيات العاريات: ۲/۲۱۷، قديمی)

"وعلى هذا لايحل النظر إلى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳٦٦/٦، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز میں سارا جسم ڈھانکنا ضروری ہے، صرف چہرہ، دونوں ہاتھ گٹوں تک دونوں قدم کھلے رکھنے کی اجازت ہے، شامی (۱)۔ اگر نیم آستین قمیص سے اوپر اس طرح چادر اوڑھ کر نماز پڑھی جائے کہ سب جسم پوشیدہ رہے تو نماز ہوجائے گی (۲)۔ ہاتھ کا کہنی تک یا اوپر تک اپنے محرم باپ، بھائی وغیرہ کے سامنے کھل جائے تو اس پر پکڑ نہیں لیکن نامحرم سے پردہ مکمل لازم ہے (۳) جیسے چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، یا دیور وغیرہ (۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۲۰ھ۔

---

(۱) "وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۵، سعيد)

"وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها و قدميها". (كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۱/۴۶۸، رشيديه)

(۲) "و يكفى للمرأة درع ضيق و مقنعة". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب شروط الصلوة، ص: ۲۱۱، قديمى)

(۳) "وينظر الرجل من الرجل .... سوى مابين سرته إلى ماتحت ركبته، فاركبته عورة لا السرة .... ومن محرمه هى من لايحل له نكاح أبداً بنسب أو سبب ولو بزنا إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته .... وإلا لا، لا إلى الظهر والبطن .... وينظر من الأجنبية ولو كافرةً -مجتبى- إلى وجهها وكفّيها فقط، للضرورة". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس: ۶/۳۶۴، ۳۶۹، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل النظر، الخ: ۵/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتا ب الكراهية، فصل فى النظر: ۴/۲۰۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) "ومن محرمه هى من لا يحل له نكاحها أبداً بنسب أوسبب". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس: ۶/۳۶۷سعيد)

سینہ بند اور عورت کا موئے زیرناف استرے سے لینا

سوال[۹۳۲۴]: باڈی جو عورتیں اپنے پستان پر لگاتی ہیں جائز ہے کہ نہیں؟ موئے زیرناف اگر استرے سے لینا چاہے تو لے سکتی ہے کہ نہیں؟ موئے زیرناف لینے کی کوئی حد ہے یا کہ نہیں، کچھ ایام ہیں کہ اتنے روز میں لینا ضروری ہے، یا موئے زیرناف ساری زندگی نہ لے، جیسا کہ ہمارے ملک میں کچھ قوم ایسی ہیں جو کبھی زیرناف لیتی ہی نہیں؟ تو وہ شریعت کے مطابق کس جرم کے مرتکب ہیں، اور شریعت کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پستان کی حفاظت کے لئے سینہ بند کا استعمال درست ہے (۱)۔ موئے زیرناف اگر عورت استرہ سے بنائے تب بھی گناہ نہیں ہے، مگر افضل یہ ہے کہ صابون وغیرہ سے صفائی کرے (۲)۔ ہر ہفتہ میں صفائی کرنا اعلیٰ بات ہے، یہ نہ ہو تو پندرہ روز میں صفائی کرلیں، چالیس روز کے اندر بھی گنجائش ہے، اس کے بعد تک صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، بالکل ہی صفائی نہ کرنا ظاہر ہے اس کے بھی بڑھ کر ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۷ھ۔

---

(۱) "لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳۶۸/۴، رشيديه)

(وكذا أيضاً في تكملة فتح الملهم ۸۷/۴، دارالعلوم كراچی)

(۲) "والسنة في عانة المرأة النتف". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۶/۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۳۸۱/۳، الفن الثالث: الجمع والفرق، أحكام الأنثى، إدارة القرآن كراچی)

(وأحسن الفتاوى: ۷۸/۸، كتاب الحظر والإباحة، بالوں كے احكام، عنوان: زیرناف بال صاف کرنے کے لئے پاؤڈر کا استعمال، سعيد)

(۳) "(والسنة تقليم الأظافير وحلق العانة، الخ) في القنية: يستحب حلق عانته و تنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرةً، فإن لم يفعل ففي خمسة عشر يوماً مرةً، ولا عذر في تركه وراء أربعين". (مجمع =

عورتوں کے لئے فیشن کی چیزیں

سوال[۹۳۲۵]: عورتوں کے لئے کھڑا جوتا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ذلی سلیپر(۱) اونچی ایڑی گرگابی(۲) وغیرہ پہننا کیسا ہے؟ اور مردوں کے لئے بوٹ جوتہ وغیرہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور عورتوں کے لئے بال بنانا کلب وغیرہ، اور بالوں کا خفنی پھول بنانا کیسا ہے؟ نیز عورتوں کو چُنا ہوا دوپٹہ جائز ہے یا نہیں؟ اور "من تشبه بقوم فهو منهم"(۳) کا کیا مطلب ہے؟ مع حوالہ تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے لئے اصلِ کلی یہ ہے کہ: جو لباس مخصوص ہے مردوں کے ساتھ اس کا عورتوں کو پہننا جائز نہیں اور جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اس کا مردوں کو پہننا جائز نہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے(۴)۔ جو لباس کفار یا فساق کا شعار ہے وہ سب چیزیں منع ہیں،

= الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۲۶/۴، غفاريه كوئته)

"يستحب حلق عانته و تنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرةً، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشرة، وكره تركه وراء أربعين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الكراهية، ۴۰۶/۲، سعيد)

"ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرةً، فإن لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوماً، ولا يعذر في تركه وراء الأربعين. فالأسبوع هو الأفضل، والخمسة عشر الأوسط، والأربعون الأبعد، ولا عذر فيما وراء الأربعين، ويستحق الوعيد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۳۵۷/۵، رشيديه)

(۱) "ذلی سلیپر: (Slipper) ایڑھی کا جوتا"۔ زیر پائی، (English to English & Urdu Dictionary, Page: 868, Feroz Sons, Lahore)

(۲) "گرگابی: جوتا جو صرف پنجے تک ہوتا ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۰۹۲، فيروز سنز، لاهور)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(۴) "وعنه (ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، =

بعض کی ممانعت زیادہ درجہ کی ہے اور بعض کی کم درجہ کی ہے، ان سب کو ترک کر کے صلحاء کا لباس اختیار کرنا چاہیے(۱):

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما، عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم أنه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء بأن يلبس لبسة النساء أو تزيا بزيهن". قال النووی فی الروضة: والصواب أن التشبه بالرجال للنساء أو عكسه حرام. "عن أبی هريرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم الرجل يلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل".

"عن ابن أبی مليكة قال: قيل لعائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها: إن المرأة تلبس النعل الذی يلبسه الرجال، فقالت: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم الرجلة من النساء". وهی المترجلة، يقال: امرأة رجلة إذا تشبهت بالرجل فی الزی، فأما فی العلم والرأی محمود، منه أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها كانت رجلة الرأی". بذل المجهود: ۵۷/۵ (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

مردانہ لباس عورتوں کے لئے

سوال[۹۳۲۶]: عورتوں کے لئے بنیان، شلوار، جاکٹ، قمیص پہننے کا کیا حکم ہے؟

سعید احمد کھیڑہ افغانوی۔

= باب الترجل، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(۱) "عنه (ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما) قال: قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

(۲) (بذل المجهود شرح أبی داؤد، كتاب اللباس، باب فی لباس النساء: ۵۷/۵، معهد الخليل الإسلامی كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ مردوں اور کفار یا فساق کا مخصوص شعار نہیں تو جائز ہے، ورنہ نا جائز ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ شعبان۔

عورت کے لئے انگیہ کا استعمال

سوال [۹۳۲۷]: عورت کے لئے بری سیر (انگیہ) کا استعمال کیسا ہے، کیا دونوں قسم کی بری سیر لینی پستان کو پست کرنے اور ابھارنے والے کا حکم یکساں ہے یا فرق ہے؟ نیز زینت کے لئے لپ اسٹک سیندور وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "وعنه (ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قدیمی)

"عنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دارالحدیث ملتان)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "من تشبه بقوم": أی من شبّه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار، أو باهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر. قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: هذا عام فی الخَلق والخُلق والشعار". (مرقاة المفاتیح: ۸/۱۵۵، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷)، رشیدیه)

(سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دار الحدیث ملتان)

"لا بأس بلبس الثیاب الجمیلة إذا کان لا ینکر علیه فیه". (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس: ۸/۳۴۹، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو چیز کفار اور فساق کا شعار ہو اس کا استعمال ممنوع ہے (۱)، پھر کفار کا مذہبی شعار کی ممانعت بہت شدید ہے (۲)۔ جو چیز مردوں کا شعار ہے اس کا استعمال عورتوں کو ممنوع ہے (۳)۔ ایسا لباس جو بدن کی ہیئت کو ظاہر ونمایاں کرتا ہو وہ بھی ان کے حق میں ممنوع ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

چوڑیاں پہننا

سوال[۹۳۲۸] : چوڑیاں پہننا کیسا ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مردانہ لباس عورتوں کے لئے''۔)

(۲) کفار کے مذہبی شعار کو اپنانے کو بعض صورتوں میں فقہائے کرام نے کفر تک قرار دیا ہے:

''رجل اشتری یوم النیروز شیئاً لم یکن یشتریه قبل ذلک، إن أراد به تعظیم النیروز کما یعظّمه المشرکون، کفر''. (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة: ۳۴۰/۴، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الفقه الأکبر للملاعلی القاریؒ، فصل فی الکفر صریحاً وکنایةً، ص: ۱۸۶، قدیمی)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً أو خطأً، السادس فی التشبیه: ۳۳۴/۶، رشیدیه)

(۳) ''عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال''. (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین: ۸۷۴/۲، قدیمی)

(وکذا فی مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(وکذا فی الجامع الصغیر مع فیض القدیر: ۴۹۹۴/۱۰، (رقم الحدیث: ۷۲۶۵)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۴) قال العلامة الشامی بعد نقل أقوال الفقهاء: ''وعلی هذا لا یحل النظر إلی عورة غیره فوق ثوب ملتزق بها یَصِف حجمها: فیحمل مامرّ علی ما إذا لم یَصِف حجمها''. (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس: ۳۶۶/۶، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(صرف عورتوں کے لئے مردوں کومنع ہے(۱)۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی۔

آوازدار چوڑی پہننا

سوال[۹۳۲۹]: رسالہ ''مولوی'' میں تحریر تھا کہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

---

(۱) "وعن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سافر كان آخر عهده بإنسان من أهله فاطمة، وأول من يدخل عليها فاطمة، فقدم من غزاة، وقد علقت مسحاً أو ستراً على بابها، وحلت الحسن والحسين قُلبين من فضة، فقدم فلم يدخل، فظنت أن مامنعه أن يدخل مار آى، فهتكت الستر، وفكت القُلبين عن الصبيين، وقعطته منهما، فانطلقا إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يبكيان، فأخذه منهما فقال: "ياثوبان! اذهب بهذا إلى فلان، إن هؤلاء أهلي أكره أن يأكلوا طيباتهم في حياتهم الدنيا، ياثوبان! اشتر لفاطمة قلادة من عصب، وسوارين من عاج". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني، ص: ۳۸۳، قديمي)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "(قُلبين) بضم القاف: أي سوارين .... (منعه أن يدخل): أي بيت فاطمة لما رآى بنور النبوة وظهور المكاشفة تستر بابها، وتعيير جنابها بالباس أولادها مالايجوز لهما من اللبس .... ولعل القلبين كانا في يدى فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها، وألبستهما الحسنين على ظن أنه يجوز لهما لبسهما، فلما عاقبها النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بهجرتها، وعاقبها على ماصدر منها في صورة عصيانها، وكفرها بالصدقة عنها وعن أولادها، يجبرها بشراء القلادة والسوارين لتلبسهما احترازاً من التشبه بالرجال". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني: ۸/۲۴۷، ۲۴۹، رشيديه)

"يجوز للنساء لبس أنواع الحلى كلها من الذهب والفضة، والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق والعقد والتعاويذ والقلائد وغيرها". (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال: ۱۷/۲۹۳، إدارة القرآن كراچى)

"يحرم أيضاً تشبه الرجال بالنساء في اللباس والزينة، كالأساور والعقود (الأطواق) والأقواط".

(الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الحظر والإباحة، تاسعاً: الترجل والتخنث: ۴/۲۶۸۳، رشيديه)

کہ: عورتوں کو چوڑی پہننا چاہیے اور مہندی لگانا چاہیے، اس کی آواز سے برکت ہوتی ہے۔ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عورتوں کے لئے مہندی لگانے کا حکم احادیث میں موجود ہے، کذا فی المشکوہ، باب الترجل، ص: ۳۸۳(۱)۔ مگر آواز دار چوڑی کے متعلق روایت مسئولہ میں نے نہیں دیکھی، آواز والا جلاجل اور جرس کی ممانعت حدیث میں صراحۃً آئی ہے:

"عن ابن الزبير أن مولاةً لهم ذهبت بابنة الزبير إلى عمر ابن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه وفي رجلها أجراس، فقطعها عمر، وقال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "مع كل جرس شيطان". رواه أبو داؤد"(۲)۔

"وعن بنانة مولاة عبدالرحمن ابن حيّان الأنصارى كانت عند عائشة رضى الله تعالىٰ عنها إذا دخلت عليها بجارية وعليها جلاجل يصوتن، فقالت: لاتدخلنها عليّ إلا أن تقطع جلاجلها، سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لاتدخل الملائكة بيتاً فيه جرس". رواه أبوداؤد". مشكوة شريف، باب النعال، ص: ۳۷۹(۳)۔

---

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنه أن هندا بنت عتبة قالت: يانبى الله! بايعنى، فقال: "لا أبايعک حتى تغيرى كفيک، فكأنهما كفا سبع". رواه أبو داؤد".

"وعنها رضى الله تعالىٰ عنها قالت: "أومت امرأة من وراء ستر، بيدها كتاب إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقبض النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يده، فقال: "ماأدرى أيد رجل أم يد امرأة". قالت: بل يد امرأة، قال: "لو كنت امرأةً، لغيرت أظفارک". يعنى بالحناء. رواه أبو داؤد والنسائى". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثانى، ص: ۳۸۳، قديمى)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الخاتم، الفصل الثانى، ص: ۳۷۹، قديمى)

(۳) (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

سوال والی حدیث سے پہلے یہ دونوں حدیثیں ہیں۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ شریف میں دیکھ لیجئے (۱)۔ روایت مسئولہ کے الفاظ اور حوالہ اگر رسالہ ''مولوی'' میں ہو، نقل کیجئے تاکہ اس کی تحقیق کی جاسکے۔ رسالہ مولوی اہل علم کا رسالہ نہیں کہ اس کی نقل کردہ ہر روایت اور ہر مسئلہ قابل اعتماد ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (مظاهر حق جديد، كتاب اللباس، کنگھی کرنے کا بیان، عورتوں کو ہاتھوں پر مہندی لگانا مستحب ہے: ۴/ ۲۱۵، دارالاشاعت كراچی)

الفصل الخامس فی الثیاب المحرمة وغیرها

(ناجائز لباس کا بیان)

مرد کے لئے مخمل کا استعمال

سوال[۹۳۳۰]: مخمل کا استعمال مرد کے لئے درست ہے یا نہیں، کیونکہ وہ ریشم تو ہوتا نہیں، مثلاً مخمل کی ٹوپی عام طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو ریشم نہ ہو، اس کا استعمال مرد کے لئے جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۴ھ۔

ریشم کا کپڑا اور کیڑا

سوال[۹۳۳۱]: "دود القز" کی تعریف فقہاء نے کیا فرمائی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ دود القز کی تعریف میری نظر سے عبارتِ ذیل میں مذکور ہے:

---

(۱) "فإن الإسلام ...... لم يقصره على نوع دون نوع، ولم يقرّر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئةً خاصةً من اللباس، ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعةً من المبادی". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۷/۴، دار العلوم كراتشی)

"لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۱۹۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

''دودالقز کے انڈے سابودانہ (۱) کے مانند ہوتے ہیں، پہلے ان بیضوں کو تقریباً پانچ ماہ تک گھر میں رکھا جاتا ہے، جب ایک موسم آتا ہے تو اس وقت ایک خاص قسم کے برگ (۲) میں رکھا جاتا ہے حفاظت سے، چندروز بعد اس میں سے کیڑے پیدا ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگتے ہیں اور پتی کھاتے ہیں۔ جب ان کا بڑھنا ختم ہو جاتا ہے تو شہادت کی انگلی کے مانند بن جاتے ہیں، اس کے بعد نقلِ مکان کرتے ہیں۔ ان کو کیلے کے خشک پتے میں رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد کیڑے کے چاروں طرف ایک سوت لپٹا رہتا ہے، چندروز میں وہ سوت ایک قسم کا گالہ (۳) سا بن جاتا ہے۔ اور وہ کیڑا آہستہ آہستہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور اندر رہ جاتا ہے تو وہ کیڑا اسی گالہ کو کاٹ کر نکل جاتا ہے مانند شہد کی مکھی کے، اور سوت کا سوت رہ جاتا ہے تو پھر اس سے کپڑا تیار ہوتا ہے، اس کو ریشمی کپڑا کہا جاتا ہے یا نہیں''۔

اس کپڑے کا استعمال جائز ہے یا نہیں، اس سے نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کپڑے کی تعریف جو میں نے کی، فقہاء کی تعریف کے مطابق ہے یا نہیں، کیونکہ کہ آسام کے بعض علماء اس کپڑے کو دیکھتے ہوئے اس کپڑے کو مردوں کے لئے جائز کہتے ہیں؟

عبدالمتین کچھاڑی، صوبہ آسام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"أما دود القز، فيقال لها: الدودة الهندية، وهي من أعجب المخلوقات، وذلك أنه

---

(۱) ''سابودانہ: ساگودانہ'' (فیروز اللغات، ص: ۷۲۰، فیروز سنز، لاهور)

''سابودانہ: ساگودانہ، ایک قسم کی خوراک''۔ (نور اللغات: ۲۶۶/۳، سنگ میل پبلی کیشنرز لاهور)

(۲) ''برگ: پتا، ورق، پات''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۶، فیروز سنز، لاهور)

''برگ: پتہ، توشہ سامان''۔ (نور اللغات: ۵۸۵/۱، سنگ میل پبلی کیشنرز لاهور)

(۳) ''گالہ: دھنی ہوئی روئی کا چھوٹا سا گچھا، برف کی مانند سفید چیز''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۸، فیروز سنز، لاهور)

يكون أولاً بزراً في قدر حب التين، ثم يخرج الدود عنه في فصل الربيع، ويكون عند الخروج أصغر من الذر وفي لونه. ويخرج من الأماكن الدفئة من غير حضن إذا كان مصروراً مجعولاً في حق، وربما تأخر خروجه، فتصره النساء وتجعله تحت ثديهن. وإذا خرج أطعم ورق التوت الأبيض، ولايزال يكبر ويعظم إلى أن يصير في قدر الأصبع. وينتقل من السواد إلى البياض أولاً فأولاً، وذلك في مدة ستين يوماً على الأكثر، ثم يأخذ في النسج على نفسه بما يخرجه من فيه إلى أن ينفد مافي جوفه منه ويكمل عليه مابينيه إلى أن يصير كهيئة الجوزة، ويبقى فيه محبوساً قريباً من عشرة أيام، ثم ينقب عن نفسه تلك الجوزة، فيخرج منها فراش أبيض، له جناحان لايسكنان من الاضطراب.

وعند خروجه يهيج إلى السفاد، فيلصق الذكر ذنبه بذنب الأنثى ويلتحمان مدةً، ثم يفترقان وتبزر الأنثى البزر الذى تقدم ذكره على خرق بيض تفرش له قصداً إلى أن ينفذ ما فيها منه. ثم يموتان هذا إن أريد منها البزر، وإن أريد الحرير، ترك في الشمس بعد فراغه من النسج بعشرة أيام يوماً أو بعض يوم، فيموت. وفيه من أسرار الطبيعة أنه يهلك من صوت الرعد وضرب الطست والهاون ومن شم الخل والدخان ومس الحائض والجنب، ويخشى عليه من الفار والعصفور والنمل والوزغ وكثرة الحر والبرد، اهـ". حيوة الحيوان، ص: ۳۴۱(۱)۔

وقريب منه ما في عجائب المخلوقات: ۳۱۸/۲(۲)۔

خالص اصلی ریشم پہننا مرد کو ناجائز ہے، مگر چار انگشت کی مقدار جائز ہے اور جس کا بانا ریشم ہے(۳) اور

(۱) (حيوة الحيوان، باب الدال المهملة: ۴۷۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "دودة القز: دويبة إذا شبعت من الرعي، طلبت مواضعها في الأشجار والشوك ومضت، الخ". (عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات، للقزويني رحمه الله تعالىٰ، النوع السابع من الحيوان الهوام والحشرات، ص: ۲۶۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "بانا: تانا کے خلاف، وہ تار جسے جولاہے کپڑے کی عرض میں بنتے ہیں"۔(نور اللغات، ص: ۵۱۵، سنگ میل لاہور)

تانا سوت وغیرہ کچھ اور ہے(۱)، وہ بھی خالص ریشم کے حکم میں ہے اور عورت کو جائز ہے۔

"ویحل للنساء لبس الحریر، ولایحل للرجال إلا قدر أربع أصابع کالعلم. ولا بأس بلبس ماسواه إبریسم ولحمته غیره وعکسه لایلبس إلا فی الحرب، ویکره لبس خالصه خلافاً لهما". المنتقی: ۲/۵۲۲(۲)۔

مرد کو ریشمی کپڑا پہننا جس طرح ناجائز ہے، اس کو پہن کر نماز بھی مکروہ ہے:

"والثوب الحریر والمغصوب وأرض الغیر تصح فیها الصلوة مع الکراهة: أی التحریمة، ذکره السید. وفی السراج والقهستانی: تکره فی الثوب الحریر والثوب المغصوب وإن صحت، والصواب إلی الله تعالیٰ، اهـ". مراقی الفلاح وطحطاوی(۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرہ، ۶/محرم/۵۶ھ، صحیح: عبداللطیف، ۶/محرم الحرام/۵۹ھ۔

---

(۱) "تانا: سوت کے دھاگے جو کپڑا بُننے میں لمبائی کی طرف ہوں"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۳۹، فیروز سنز لاهور)

(۲) (الدرالمنتقی فی شرح الملتقی علی مجمع الأنهر، کتاب اللباس: ۴/۱۹۴، غفاریه)

"ویحل للنساء لبس الحریر، ولایحل للرجال إلا قدر أربع أصابع کالعلم .... ولا بأس بلبس ماسداه إبریسم ولحمته غیره وعکسه لایلبس إلا فی الحرب، ویکره لبس حالصه، خلافاً لهما". (مجمع الأنهر، المصدر السابق)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب اللباس، فصل فی اللبس: ۸/۳۴۷، رشیدیه)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب شروط الصلوة وأرکانها، ص: ۲۱۱، قدیمی)

"والرابع ستر عورته: أی ولو بما لایحل لبسه کثوب حریر، وإن أثم بلا عذر، کالصلوة فی الأرض المغصوبة". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی ستر العورة: ۱/۴۰۴، سعید)

"أطلق فیما یستر به ما یباح لبسه ومالا یباح، فلو سترها بثوب حریر وصلی، صحت وأثم، کالصلوة فی الأرض المغصوبة، ولو لم یجد یصلی فیه لا عریاناً". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۶۷، رشیدیه)

ریشمی جبہ

سوال[۹۳۳۲] : ایک صاحب نے امام صاحب کو جبہ لیڈی منٹن بنا کر پیش کیا(۱)، جس پر کچھ گوٹہ کا کام بھی ہوا ہے(۲) گلے کی پٹی پر بظاہر لیڈی منٹن کا ریشمی کپڑا بولا جاتا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ حقیقتاً ریشم نہیں ہے۔ ایسی شکل میں اس کے استعمال میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریشمی لباس تو مرد کو جائز نہیں (۳)، ریشمی نہ ہو تو درست ہے(۴) بشرطیکہ وہ کفار یا فساق کا شعار نہ ہو(۵)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) ''منٹن: جُغہ''۔(English to English Dictionary, Page 510, Feroz Sonz Lahore)

(۲) ''گوٹہ: کناری، چاندی یا سونے کے تاروں کا باختہ، تِلّی لیس''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۲۰، فیروز سنز لاهور)

(۳) "عن عمر، وأنس، وابن الزبير، وأبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنهم عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من لبس الحرير في الدنيا، لم يلبسه في الأخرة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنما يلبس الحرير في الدنيا مَن لا خلاق له في الأخرة". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

"يجب أن يعلم أن لبس الحرير –وهو ما كانت لحمته حريراً وسداه حريراً– حرامٌ على الرجال في جميع الأحوال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: لا يكره في حالة الحرب، ويكره في غير حالة الحرب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلك ومالا يكره: ۳۳۱/۵، رشيديه)

"يكره لبس الحرير للذكور، صغيراً كان أو كبيراً". (الفتاوىٰ السراجيه، باب في اللبس، ص: ۷۵، سعيد)

(۴) "لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(۵) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه =

ریشمی رومال وازار بند

سوال[۹۳۳۳]: ریشمی رومال اور ازار بند مردوں کو استعمال کرنا درست ہے یا نا درست؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ازار بند خالص ریشمی اور جس کا بانا ریشمی ہو، مرد کو ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر تانا ریشمی ہو(۲) اور بانا سوت وغیرہ کچھ اور ہو تو جائز ہے، نفسِ رومال جائز ہے، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو ناجائز ہے اور قیمتی ہونا تکبر کی علامت ہے:

"لبس الحرير الخالص حرام على الرجل إلا لدفع القمل أو حكة، كمافي الحداد من عاية البيان". كذا في واقعات المفتين(۳)۔

"يكره ما لحمته حرير و سداه غير ذلك، لابأس بلبس الحرير للرجل فی حالة الحرب، لابأس بلبس ما سداه حرير ولحمته غير ذلك". فتاویٰ سراجیہ(٤)۔

"وقال فی المحيط: وكذا تكة الحرير و لبنته و هو لقب لا يحل للرجال؛ لأنه استعمال تام". زیلعی(٥)۔

= بقوم، فهو منهم". (أبو داؤد كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة ۵۵۸/۲، دار الحديث)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمی)

قال علی القاری: "أی من شبه بالكفار مثلاً فی اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم أو الخير عند الله تعالیٰ......... (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(۱) "بانا: تانا کے خلاف، وہ تار جسے جولاہے کپڑے کی عرض میں بنتے ہیں"۔(نور اللغات، ص: ۵۱۵، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

(۲) "تانا: سوت کے دھاگے جو کپڑا بنے میں لمبائی کی طرف ہوں"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۳۹، فیروز سنز لاهور)

(۳) لم أجد

(۴) (الفتاویٰ السراجية، كتاب الاستحسان، باب اللبس، ص: ۷۵، سعيد)

(۵) (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۲/۷، دار الكتب العلمية بيروت) =

"لا يكره خرقة لوضوء أو مخاط أو عرق لو لحاجة، ولو للتكبر تكره". قال الشامي: "والخرقة المقوّمة دليل الكبر، بزازية. وبه علم أنه لا يصح أن يراد بالخرقة ما يشمل الحرير، اهـ". الشامي (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ہر ریشم کیڑے سے بنتا ہے

سوال [۹۳۳۴]: ریشم یا ریشمی کپڑا صرف کیڑے سے بنتا ہے یا اَور چیز سے بھی ریشم تیار ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریشم اصلی تو وہی ہے جو کیڑے سے بنتا ہے، لیکن نقلی ریشم بھی ولایت سے آتا ہے جو کسی اَور چیز سے بنتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۹/۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس، ص: ۳۳۱/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في النظر: ۳۶۳/۶، سعيد)

"ولا بأس بخرقة الوضوء والمخاط. وفي الجامع الصغير: يكره الخرقة التي تحمل ليمسح بها العرق؛ لأنها بدعة محدثة، والصحيح أنه لا يكره. وحاصله أن من فعل شيئاً من ذلك تكبراً، فهو مكروه، ومن فعل ذلك لحاجة وضرورة، لم يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس: ۳۳۳/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر: ۳۵۰/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۷/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الدميري: "أما دود القز، فيقال لها: الدودة الهندية، وهي من أعجب المخلوقات، وذلك أنه يكون أولاً بزراً ...... هذا إن أريد منها البزر، وإن أريد الحرير، ترك في الشمس بعد فراغه من النسج بعشرة أيام". (حيوة الحيوان، باب الدال المهملة: ۴۷۵/۱، دار الكتب العلمية بيروت) =

ٹیرلین کا استعمال

سوال[۹۳۳۵]: آج کل لوگ عام طریقے سے ٹیرلین اور ٹیری کوٹ (کپڑے) کا کرتا قمیص اور شیروانی وغیرہ لباس پہنتے ہیں۔ کیا شرعی اعتبار سے اس کے استعمال میں کوئی قباحت ہے، اور اس قسم کا لباس کو پہن کر نماز پڑھنے یا پڑھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ناپاک نہیں اور اس میں ستر پورا ہے، نیز وہ کفار یا فساق کا شعار نہیں تو اس کا استعمال درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نائیلون کا استعمال

سوال[۹۳۳۶]: نائیلون کا کپڑا جائز ہے یا نہیں، کیونکہ عام طور پر مشہور ہے کہ اس میں سور کی چربی ڈالی جاتی ہے؟

محمد ارشد کاندھلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے تحقیق نہیں، اگر سور کی چربی ڈالی جاتی ہے تو یہ ناپاک ہے، استعمال درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

= (وكذا في عجائب المخلوقات، النوع السابع من الحيوان: الهوام، ص: ۲۶۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "فإن الإسلام .... لم يقصره على نوع دون نوع، ولم يقرّر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئةً خاصةً من اللباس ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعةً من المبادئ". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۷/۴، دار العلوم كراتشي)

"لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لا ينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۱۹۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "(خلا جلد خنزير، فلا يطهر، الخ): أي لأنه نجس العين، بمعنى أن ذاته بجميع أجزائه نجسة حياً=

مرد کے لئے کون کونسے رنگ ناجائز ہیں

سوال[۹۳۳۷]: مرد کے لئے کون کون سے رنگ ناجائز ہیں؟

مولوی محمد اقبال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال، ولا بأس بسائر الألوان".

تنویر: ۳۵۱/۵(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۲/۶۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وميتاً". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام الدباغة: ۲۰۴/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء: ۴۱/۱، مكتبه شركت علميه)

(۱) (تنوير الأبصار على هامش ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶، سعيد)

"يكره للرجال أن يلبسوا الثوب المصبوغ بالعصفر أو الورس أو الزعفران". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۱/۴، غفاريه كوئٹه)

الفصل السادس فی أشیاء الزینة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟

سوال[۹۳۳۸]: عورتوں کو لپ اسٹک لگانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے حکم کے باعث لپ اسٹک استعمال کر کے موٹر کار میں بیٹھ کر یا پیدل کسی کام سے یا یونہی تفریحاً جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں کفار یا فساق کا شعار ہیں ان کو استعمال کرنا درست نہیں، اسی طرح جو چیزیں مَردوں کا شعار ہیں ان کو استعمال کرنا عورتوں کو درست نہیں (۱)۔ مسئولہ چیزوں میں اگر کوئی چیز نجس ہو تب بھی استعمال ممنوع ہوگا۔ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے فرض وضوو غسل میں کوتاہی رہتی ہو یعنی پانی پہونچنے سے مانع ہو تو فریضۂ طہارت ناتمام رہے گا (۲)۔ جو چیزیں عرفاً شادی شدہ کا شعار ہے اس کو غیر شادی شدہ استعمال کرے تو اس میں ایک طرح کی تلبیس ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۳۷۵/۲، قدیمی)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "ویجب: أی یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج مرةً .... ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین أسنانه أو فی سنه المجوف، به یفتی. وقیل: إن صلباً منع، وهو الأصح". (الدرالمختار: ۱۵۲/۱، ۱۵۳، بحث الغسل، سعید)

لڑکوں کے لئے کریم پاؤڈر کا استعمال

سوال[۹۳۳۹]: چند لڑکے کریم پاؤڈر لگاتے ہیں، کیا مردوں کو لگانا جائز ہے؟ ظاہر ہے جب ان کو لگاتے ہیں تو زینت ہی مقصود ہوتی ہے۔

نذیر احمد مظفر نگری، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں عورتوں کا شعار ہوں مردوں کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہے(۱)۔ اسی طرح جو چیز کفار یا فساق کا شعار ہو اس کے بھی استعمال کی اجازت نہیں (۲)۔ اسی قاعدہ پر اپنے سوال کو جانچ کر جواب نکال لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۱ھ۔

لبوں پر سرخی

سوال[۹۳۴۰]: عورتوں میں رواج ہے کہ ہونٹوں پر سرخی لگاتی ہیں۔ کیا یہ مناسب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل خوبصورتی کو فنا کر کے مصنوعی خوبصورتی کو اس کی جگہ پیدا کرنا جو کہ عقل ودانش اور ذوقِ سلیم کے

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: "لعن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال". (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء: ۸۷۴/۲، قدیمی)

(ومشكوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دارالحدیث)

(والجامع الصغیر مع فیض القدیر: ۵۷۴۳/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

بھی خلاف ہے(۱)، اگر اس میں کوئی ناپاک چیز ہو جیسے عامۃً اسپرٹ ہوتی ہے تو ہونٹوں اور چہرے کی ناپاکی کا بھی حکم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

بالوں ہونٹوں پر سرخی

سوال[۹۳۴۱]: کیا عورتیں بنے ہوئے لمبے بالوں، ہونٹوں پر سرخی اور آنکھوں کے پلکوں پر رنگ کرکے نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرخی ایسی ہے جس نے بالوں اور ہونٹوں کو ڈھانک لیا اور طہارت میں پانی وہاں نہیں پہونچتا تو طہارت ناممکن رہے گی اور نماز نہیں ہوگی (۳)۔ اگر کسی دوسرے بنے ہوئے بالوں میں لگائیں تو اس سے

---

(۱) عورت کے لئے نفس تزئین اختیار کرنا گھر کے اندر شوہر کی اجازت سے جائز ہے:

"وأما التحمير ونحوه فيجوز بإذن الزوج وفي داخل البيت، ويحرم بغير إذن الزوج وخارج المنزل". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الحظر والإباحة، تاسعاً: الترجل والتخنث: ۴/۲۶۸۳، رشيديه)

(۲) آج کل عموماً اسپرٹ چونکہ پاک اشیاء سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا اسپرٹ مرکبات میں استعمال کرنا مباح ہے، اور اس کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

"وإن معظم الكوحل التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لاتتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى. والله سبحانه اعلم".

(تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكوحل المسكرة: ۳/۶۰۸، دارالعلوم كراچی)

(۳) "ويجب: اى يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرةً، كأذن وسرة وشارب، حاجب .... ولا يمنع الطهارة ونيم: أي خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته وحناء ولو جرمه، به يفتي". (الدر المختار: ۱/۱۵۲، ۱۵۴، مطلب: أبحاث الغسل، سعيد) .... =

طہارت ناممکن نہیں رہے گی، لیکن دوسرے بال اپنے بالوں میں اس طرح لگانا تاکہ اصلی بال معلوم ہوں درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۴، الفصل الأول في فرائض الوضوء، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح: ۱/۶۳، قديمي)

الفصل السابع فی المتفرقات

علماء کی مستورات کا فیشن حجتِ شرعیہ نہیں؟

سوال [۹۳۴۲]: کتاب ''دوزخ کا کھٹکا'' میں لکھا ہے کہ پاؤڈر، سرخی، مانگ جوڑا باندھنا، جدید طرز کا کالا برقعہ، ان کا استعمال عورتوں کو ممنوع ہے، مگر آج کی جدید عورت اعتراض کرتی ہے کہ یہ سب فیشن علماء کے یہاں بھی موجود ہیں، پس علماء کی عورتوں کا یہ فعل حجت ہے۔ ایسے ہی مَردوں کو کوٹ پتلون، ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانا، ان کا استعمال ''من تشبه بقوم فهو منهم''(۱) میں داخل ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

مَردوں کو ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی مکروہ تحریمی ہے، حدیث شریف میں اس پر وعید آئی ہے(۲)۔ لباس کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ جو لباس سنت سے ثابت ہے وہ یقیناً اعلیٰ اور افضل ہے(۳) اور جو لباس ممنوع

---

(۱) ''عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: ''إنما يلبس الحرير في الدنيا مَن لا خلاق له في الأخرة''. (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمی)

(۲) ''عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: ''ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار''. (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۳، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب موضع الإزار، ص: ۲۵۵، قديمی)

قال النووی: ''فما نزل عن الكعبين، فهو ممنوع، فإن كان للخيلاء، فهو ممنوع منع تحريم''.

(شرح النووی علی الصحيح لمسلم: ۱۹۵/۲، قديمی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۱۲۹/۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

ہے، مثلاً: مرد کے لئے ریشمی لباس (۱)، یا عورتوں کے لئے ایسا لباس جس سے جسم نظر آئے اس کی اجازت نہیں (۲)۔ اس کے علاوہ جو لباس کفار یا فساق کا شعار ہو، اس کا اختیار کرنا درست نہیں (۳)۔

علماء کی مستورات اگر ناجائز لباس اختیار کریں اور علماء ان کو منع کریں مگر وہ نہ مانیں، سرکشی اور بغاوت کر کے ناجائز لباس اختیار کریں تو اس کی وجہ سے علماء پر کوئی الزام نہیں (۴)۔ اگر علماء ان کو ناجائز لباس کی

= "وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تمسک بسنتي عند فساد أمتي، فله أجر مأة شهيد". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

(۱) "في فتاوى قاضي خان: لبس الحرير المصمت حرام في الحرب وغيره، كما يكره لباس الصبيان الذكور أيضاً، ويكون الإثم على من ألبسهم. وقال أبو يوسف و محمد رحمهما الله تعالیٰ: لابأس بلبس الحرير في الحرب". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۸/ ۱۳۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس: ۵/ ۳۳۱، رشيديه)

(۲) قال العثماني مدظله العالي: "فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل و المرأة، لاتقره الشريعة الإسلامية مهما كان جميلاً وموافقاً لدور الأزياء. وكذلك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصةٍ من الجسم الذي يجب ستره، فهو في حكم ما سبق في الحرمة و عدم الجواز". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۴/ ۸۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۳) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال القاري: "أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالیٰ......... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/ ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/ ۵۷۴۳، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿وما علينا إلا البلاغ المبين﴾ (سورة يس: ۱۷)

قال الحافظ ابن كثير: "يقولون: "إنما علينا أن نبلغكم ما أرسلنا به إليكم، فإذا أطعتم كانت لكم السعادة في الدنيا والأخرة، وإن لم تجيبوا فستعلمون غب ذلك، والله أعلم". (تفسير ابن كثير: =

اجازت دیں، یا منع نہ کریں، یا ان کے ناجائز لباس سے راضی ہوں تو ان کا ایسا کرنا شرعاً قابلِ اعتبار نہیں، اس کو حجتِ شرعیہ قرار نہیں دیا جاسکتا (۱)۔

کفار کے شعار غیر مذہبی کو اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے جو کہ حرام کے قریب ہے (۲) اور ان کے شعارِ مذہبی کو اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، یہ کفر کے قریب ہے (۳)۔ امید ہے کہ اس سلسلہ کی تمام جزئیات کا حکم سمجھ میں آجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

درزی کا بچا ہوا کپڑا رکھ لینا

سوال [۹۳۴۳]: زید خیاطی کا کام کرتا ہے، لوگوں کے کپڑے سیتا ہے اور معقول سلائی لے کر بال

= ۳/۷۴۹، مکتبه دار السلام رياض)

قال العلامة الآلوسيّ: "إلا بتبليغ رسالته تعالىٰ تبليغاً ظاهراً بيّناً بحيث لا يخفى على سامعه، ولايقبل التأويل والحمل على خلاف المراد أصلاً، وقد خرجنا من عهدته فلا مؤاخذة علينا من جهة ربنا، كذا قيل". (روح المعاني: ۲۲/۲۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "اعلم أن أصول الشرع ثلاثة: الكتاب والسنة وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس". (نور الأنوار، ص: ۴، سعيد)

(۲) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال القاري: "أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس و غيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ......... اهـ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۷۴۳، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۳) "رجل اشترى يوم النيروز شيئاً ولم يكن يشتريه قبل ذلك، أراد به تعظيم النيروز، كفر: أي لأنه عظم عيد الكفرة". (شرح الفقه الأكبر، فصل: في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۶، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر، صريحاً وكناية، ص: ۱۴۶، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى ۶/۷۵۴، سعيد)

بچوں کی پرورش کرتا ہے، دوسرا کوئی روزگار نہیں ہے، لیکن زید نے اپنا یہ طور بنا رکھا ہے کہ اگر مسلم کا کپڑا کاٹتا ہے تو جو کچھ بچ جاتا ہے واپس کر دیتا ہے، غیر مسلموں کا بچا ہوا کپڑا واپس نہیں کرتا۔ لہٰذا ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی، جائز نہیں حرام ہے(۱)، غیر مسلم کی چوری کا معاملہ زیادہ سخت ہے: "خصومة الذمی أشد من خصومة المسلم، اھ". درمختار (۲) وغیرہ میں یہ مضمون وارد ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گریباں کھلا رکھنا

سوال[۹۳۴۴]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا رہتا تھا یا نہیں، اگر کسی کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا رہے تو اس کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کبھی کھلا رکھنا بھی ثابت ہے اور بعض صحابہ نے اس کو دیکھ کر ایسا پسند کیا کہ ہمیشہ ہی کھلا ہی رکھا:

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿السارق والسارقة، فاقطعوا أيديهما﴾ (سورة المائدة: ۳۸)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قديمی)

"هی لغةً أخذ الشیء من الغير خفيةً، وتسمية المسروق سرقةً مجاز. وشرعاً باعتبار الحرمة أخذه كذلك بغير حق، نصاباً كان أم لا". (الدرالمختار، كتاب السرقة: ۴/۲، سعيد)

(۲) العبارة بتمامها: "(خصومة الذمی والدابة يوم القيامة أشد من خصومة المسلم)، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: لأن خصومة الذمی، الخ) فی الخانية من الغصب: مسلم غصب من ذمی مالاً أو سرقه، يعاقب عليه يوم القيامة؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً، والذمی لا يرجی منه العفو بخلاف المسلم، فكانت خصومة الذمی أشد". (ردالمحتار، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۶۹۴/۳، سعيد)

(وكذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الغصب، فصل فی براءة الغاصب والمديون: ۲۵۸/۳، رشيديه)

"عن معاوية بن مرة عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: أتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى رهط من مزينة لنبايعه، وإن قميصه لمطلق، أو قال: زر قميصه". شمائل، ص: ۳۸(۱)۔

"قال عروة فما رأيت معاوية ولا ابنه قط إلا مطلقَىْ أزارهما قط فى شتاء ولا حر، ولا يزرران إزرارهما". أبو داؤد شريف(۲)۔

"قوله: فما رأيت معاوية، الخ". وهذا وإن كان اختياراً لما هو خلاف الأولى خصوصاً فى الصلوة، لكنهما أحبا أن يكون على مارأيا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإن كان إطلاق إزراره إذ ذاك لعارض ولم يكن هذا من عامة أحواله صلى الله تعالى عليه وسلم، وذلك لما فيه من قلة المبالاة بامر الصلوة، إلا أن الكراهة لعلها لا تبقى فى حق معاوية وابنه، لكون الباعث لهما حب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واتباعه فيما رأياه من الكيفية، الخ". بذل المجهود: ۵۲/۵(۳)۔

اس حالت میں نماز کا حکم بھی عبارت مذکورہ سے معلوم ہوگیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رجب/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ رجب/ ۷۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (شمائل الترمذى، باب ماجاء فى لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵، سعيد)

(۲) (سنن أبى داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء فى حل الأزرار: ۲۰۹/۲، مكتبه رحمانيه)

(۳) (بذل المجهود وشرح أبى داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء فى حل الإزرار: ۵۲/۵، معهد الخليل)
(وكذا فى الشمائل الترمذى، باب ماجاء فى لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۰، دارالكتب العلمية بيروت)

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول فی الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

سونے چاندی کی انگوٹھی وغیرہ

سوال[۹۳۴۵]: سونے چاندی کی انگشتری اور بوتام بنانا شریعت میں جائز ہے یا ممنوع ہے(۱)، اگر جائز ہے تو کتنا سونا چاندی جائز ہے مرد وعورت کیلئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سونے چاندی کی انگشتری بنانا شرعاً درست ہے، البتہ مرد کو صرف چاندی کی انگشتری کی اجازت ہے وہ بھی ایک مثقال سے کم (۲)، عورت کیلئے کوئی قید نہیں ہے، اس کیلئے سونے کی بھی اجازت ہے(۳) اور وزن

---

(۱) بوتام: تکمہ، گھنڈی، گولا، کوئی چھوٹی سے گول چیز"۔ (Button) (English to english & Urdu Dictionary, Page No: 115, Feroz Sons, Lahore)

(۲) "ولايتحلى الرجل بذهب و فضة مطلقاً إلا بخاتم ....منها: أى الفضة ....ولا يزيده على مثقال، وقيل: لايبلغ به المثقال". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶-۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۳) "يجوز للنساء التحلي بالذهب و الفضة، إلا الخاتم ....من الفضة .... وفي الاختيار: سَنّ أن يكون الخاتم على قدر مثقال أو دونه". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، غفاريه)

میں بھی جس قدر چاہے استعمال کر سکتی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۰ھ۔

سونے کی انگوٹھی مرد کے لئے

سوال[۹۳۴۶]: سونے کی انگوٹھی مرد کیلئے جائز ہے یانہیں؟ ریڈیو، گانا بجانا، ناٹک(۲)، قوالی، جھوٹی خبریں خود سننا اور اپنے اہل وعیال کو سنانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

سونے کی انگوٹھی مرد کو پہننا حرام ہے(۳)۔ریڈیو پر امورِ مسئولہ کو سننا جائز نہیں(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۳۹۱ھ۔

---

(۱)''عورت کے لئے انگوٹھی کے سوا دوسرا زیور ہر قسم کی دھات کا بنا ہوا جائز ہے، انگوٹھی صرف سونے اور چاندی کی جائز ہے خواہ جس مقدار کی بھی ہو''۔(أحسن الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، باب أحكام لباس وزينت، عنوان: عورت کے لئے زیور اور انگوٹھی کا حکم: ۸/۷۰، سعيد)

(۲)''ناٹک: ناچنے والا، رقاص، تماشا کرنے والا بہروپیا، ایکٹر، کھیل، تمثیل، ڈرامہ''۔(فيروز اللغات، ص: ۱۳۳۹، فيروز سنز لاهور)

(۳)"عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب". (سنن ابن ماجة، أبواب اللباس، باب النهي عن التختم بالذهب، ص: ۲۵۹، قديمي)

"ولايتختم بغيرها كحَجَر وذهب وحديد". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۵/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، رشيديه)

(۴)"استماع صوت الملاهي كالضرب بالقضيب ونحوه حرام". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيمايتعلق بالمناهي: ۳۵۹/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۲۳/۴، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

انگوٹھی میں سونے کا نگ

سوال[۹۳۴۷]: مرد انگوٹھی میں سونا بطورِ نگینہ کے استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہدایہ کتاب الکراھیہ، کی عبارت:

"والحلقة هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها، ولامعتبر بالفص، حتى يجوز أن يكون من حجر، الخ" کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کی انگوٹھی مرد کیلئے جائز قرار دی گئی ہے اور اس کا وزن متعین کر دیا گیا کہ اس سے زائد نہ ہو۔ اس مسئلہ کے ذیل میں صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے کہ حلقہ اور نگینہ کا مجموعی وزن اتنا ہونا مراد نہیں، بلکہ وزن کی یہ تحدید حلقہ کیلئے ہے(۱)، لہٰذا اگر صرف حلقہ کا اتنا وزن ہو اور نگینہ مثلاً: پتھر کا ہو کہ مجموعہ کا وزن زیادہ ہو جائے تب بھی درست ہے۔

اگر نگینہ پتھر کا ہو تو اس کی اجازت دی گئی ہے، اگر حلقہ پتھر کا ہو تو اس کو منع کیا گیا ہے، اگر پتھر کے نگینہ میں سونے کی کیل ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں، اگر کسی اَور چیز کا نگینہ ہو جو کہ مرد کیلئے ممنوع ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں:

"ثم الحلقة في الخاتم هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها، ولامعتبر بالفص، حتى أنه يجوز أن يكون حجراً أو غيره، كذا في السراج الوهاج. ولابأس بسدّ نقب الفص بمسمار الذهب، كذا في الاختيار شرح المختار". عالمگیری: ۱۰۲/٤(۲)۔

---

(۱) "والختم بالذهب على الرجال حرام، لما روينا. وعن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي عليه السلام نهى عن التختم بالذهب. ولأن الأصل فيه التحريم، والإباحة ضرورة الختم أو النموذج، وقد اندفعت بالأدنىٰ، وهو الفضة، والحلقة هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها، ولا معتبر بالفص حتى يجوز أن يكون من حج. ويجعل الفص إلى باطن كفه، بخلاف النسوان؛ لأنه تزين في حقهن". (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/۴۵۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۳۳۵/۵، رشيديه)

"ولایتختم إلا بالفضة، وهذا نص علی أن التختم بالحجر والصفر حرام، اه". هدایه(۱)۔

والمسئلة مذكورة في تكملة فتح القدير: ۹٦/۸(۲)، والبحر الرائق: ۹۱/۸(۳)، وتبيين الحقائق: ۱/٦(٤)۔

چونکہ نگینہ حلقہ کا تابع ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ (نگینہ) سونے کا ہو تو گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسے ازرار

---

(۱) (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴۵۷/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (تكملة فتح القدير، كتاب الكراهية، فصل في اللبس ۲۲/۱۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "ولا يتحلى الرجل بالذهب والفضة إلا الخاتم .... لما روينا، غير أن الخاتم وما ذكر مستثنى تحقيقاً لمعنى النموذج والفضة؛ لأنهما من جنس واحد، وكان للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم من فضة، وكان في يده إلى أن توفي، ثم في يدأبي بكر إلى إن توفي، ثم في يد عمر إلى أن توفي، ثم في يد عثمان إلى أن وقع في البئر، فأنفق مالاً عظيماً في طلبه، فلم يجده، ووقع الخلاف بين الصحابة والتشويش من ذلك الوقت إلى أن استشهد .... والحلقة هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها، ولا يعتبر بالفص؛ لأنه لايجوز من الحجر". (البحر الرائق، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۴) "ولا يتحلّى الرجل بالذهب والفضة .... لما روينا، غير أن الخاتم .... من الفضة مستثنىٰ تحقيقاً لمعنى النموذج، والفضة أغنت عن الذهب؛ لأنهما من جنس واحد، وقد ورد آثار في جواز التختم بالفضة، وكان للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خاتم فضة، وكان في يده إلى أن توفي، ثم في يد أبي بكر إلى أن توفي، ثم يد عمر إلى أن توفي، ثم في يد عثمان إلى أن وقع من يده في البئر، فأنفق في طلبه مالاً عظيماً، فلم يجده، ووقع الخلاف فيه والتشويش بينهم من ذلك الوقت إلى أن استشهد رضي الله تعالىٰ عنه. ولا يتختم بغير الفضة كالحجر والحديد والصفر ...... ولأن الأصل فيه التحريم، والإباحة ضرورة التختم والنموذج، وقد اندفعت بالأدنىٰ، وهي الفضة. والحلقة هي المعتبرة؛ لأن قوام الخاتم بها، ولا معتبر بالفص حتى يجوز من الحجر". (تبيين الحقائق كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۵/۷، ۳٦، دارالكتب العلمية بيروت)

ثوب کی اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

چاندی وغیرہ کی انگوٹھی

سوال [۹۳۴۸]: مرد کو سونا، چاندی، پیتل، لوہے ۶، ۷/ آنے بھر تک استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو صرف چاندی کی انگوٹھی ساڑھے تین ماشہ کی مقدار درست ہے، اس کے علاوہ کسی دھات کی

---

(۱) واضح رہے کہ یہاں پر جواب کی دو عبارتیں قابلِ توجہ ہیں: ۱- ''اگر پتھر کے نگینہ میں سونے کے کیل ہو تو اس کی اجازت نہیں'' حالانکہ حوالہ میں لکھی ہوئی عالمگیری کی اس عبارت: ''ولا بأس بسد نقب الفص بمسمار الذهب'' سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

۲- دوسری آخر والی عبارت ''چونکہ نگینہ حلقہ کا تابع ہوتا ہے، الخ'' لکھ کر جواز کا قول لکھا ہے اور اوپر والی عبارت: ''اگر کسی اور چیز کا نگینہ ہو جو کہ مرد کیلئے ممنوع ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں''۔ دونوں عبارتوں میں بظاہر تناقض نظر آرہا ہے، یا کاتب کی سہو ہے، لہذا عالمگیری کی عبارت کو دلیل بنا کر پتھر کے نگینے میں سونے کی کیل کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور حلقہ کا تابع بنا کر سونے کے نگینے کا عدمِ اجازت معلوم ہوتا ہے۔ اور مقیس علیہ (ازرارِ ثوب) خود محلِ تأمل ہے۔ اس عبارت کے مطلب کو حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے، فرمایا:

''مدت ہوئی حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول کہ: اس ازرار سے مراد کلابتوں کی گھنڈی ہے، بٹن اس میں داخل نہیں۔ ان کے صاحبزادے قاری عبدالسلام مرحوم سے سن کر صفائی معاملات کے اس مسئلہ میں مجھ کو تردد ہوگیا ہے اور اس وقت احتیاط کے درجہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں''۔ (إمداد الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، أحكام متعلقه لباس، تحت عنوان: ''سونے چاندی، پیتل، لوہے وغیرہ کا استعمال: ۴/ ۱۳۱، مكتبه دار العلوم، کراچی)

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں: ''جائز نہیں، قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "لابأس بازرار الديباج والذهب". (الدر المختار: ۵/ ۲۲۶). بعض نے اس سے سونے کے بٹنوں کا جواز سمجھا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ ازرار گھنڈی کو کہتے ہیں، بٹن کو نہیں، گھنڈی کپڑے کے تابع ہوتی ہے بٹن تابع نہیں، اس لئے سونے یا چاندی کے تار کی گھنڈی جائز ہے بٹن جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم''۔ (أحسن الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، احکام لباس وزینت، تحت عنوان: مرد کے لئے سونے چاندی کے بٹن: ۸/ ۷۰، سعيد)

انگوٹھی مرد کیلئے درست نہیں، کذافی الدر المختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

چاندی کی انگوٹھی

سوال [۹۳۴۹]: انگشتری کی چاندی کی جس کا وزن تقریباً ۶/ ماشہ ہے، کیا اس کو آدمی پہن سکتا ہے یا نہیں اور اگر پہن سکتا ہے تو کس وزن کی پہن سکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بادشاہ وقاضی اور متولی وغیرہ کو مُہر لگانے کیلئے انگشتری چاندی کی جائز ہے جس کا وزن چار ماشہ سے کم ہو، اَوروں کیلئے مناسب نہیں:

"وترك التختم لغير السلطان والقاضي وذي حاجه إليه كمتول أفضل، اه". درمختار۔

"وفي البستان عن بعض التابعين: لايتختم إلاثلاثه: أمير أو كاتب أو أحمق".(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

کئی نگ والی انگوٹھی

سوال [۹۳۵۰]: انگوٹھی جس میں کئی نگ ہوں، یا ایک ہی نگ کی دو تین انگوٹھی انگلیوں میں پہننا کیسا

---

(۱) "ولايتحلى الرجل بذهب و فضه مطلقاً إلابخاتم.......... منها: أي الفضة .... ولايزيده على مثقال". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحه، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶-۳۶۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحه، فصل في اللبس: ۳۶۱/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۱۹۷/۴، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر واللمس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

ہے؟ اور ایسی انگوٹھیاں پہنے ہوئے نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی انگوٹھیاں جس میں کئی نگ ہو حرام ہے، ایک سے زائد انگوٹھی بھی کوئی مرد نہ پہنے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۷/۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وإنما يجوز التختم بالفضة إذا كان على هيئة خاتم الرجال، أما إذا كان على هيئة خاتم النساء بأن يكون له فصان أو ثلاثة، يكره استعماله للرجال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۳۳۵/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۷۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل السابع في اللبس: ۳۶۸/۶، رشيديه)

الفصل الثانی فی أسنان الذهب والفضة

(سونے چاندی کے دانتوں کا بیان)

چاندی سونے کے دانت، ان کے تار اور خول کا دانت کیلئے استعمال

سوال [۹۳۵۱]: ا...... بعض مردوں اور عورتوں کے دانت کمزوری سے ہلنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے مردعورتیں اپنے اپنے دانتوں میں چاندی وسونے کا خول چڑھواتے ہیں، یا چاندی یا سونے کے تار سے دانتوں کو بندھواتے ہیں مضبوطی کے لئے۔ تو کیا مردوں اور عورتوں کے لئے سونے و چاندی کا خول چڑھوانا یا دانتوں پر ٹانکہ لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ یا محض عورتوں کیلئے روا ہے تو مردوں کیلئے کیا حکم ہے؟

۲...... مظاہرِ حق میں ہے کہ ''جہاد میں کسی صحابی کی ناک ضائع ہوگئی تھی تو صحابی نے ناک پر سونے کا خول بنوایا تھا''۔ ان کو جہاد کی وجہ سے اجازت تھی، یا عوام کو بھی اجازت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونے کی ممانعت ہے، چاندی کی اجازت ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں کی اجازت ہے، فتاوی عالمگیری: ۳۳۶(۱) میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق نقل کی ہے، لہٰذا گنجائش ہے، اوراس میں مردوعورت کا ایک ہی حکم ہے۔

۲...... مجھے تو مظاہرحق میں یہ واقعہ باوجود تلاش کے ملا نہیں، خدا جانے آپ نے کہاں سے دیکھ کر لکھا ہے، کیونکہ مصباح کے حوالہ سے علامہ شلبیؒ نے زیلعی شرح کنز، ج:۱۶۶، کے حاشیہ پر یہ واقعہ حضور صلی اللہ

---

(۱) "قال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ فی مجلس اٰخر: سألت أباحنیفة رحمه الله تعالیٰ عن ذلک، فلم یر بإعادتها بأساً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، قبیل الباب الحادی عشر فی الکراهة فی الأکل: ۳۳۶/۵، رشیدیه)

علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل کا لکھا ہے(۱) اور آپ کہتے ہیں کہ ایسا ایک جہاد میں ہوا۔ بدائع (۲)، زیلعی (۳)، ردالمحتار (۴) وغیرہ میں لکھا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سونے چاندی کے دانت

سوال [۹۳۵۲]: صحابی کا خول ناک پر چڑھوانے کا واقعہ یہ ہے- مظاہر حق، جلد سوم، کتاب اللباس، ص: ۴۹۹، بحوالہ ترمذی: "حضرت عبد الرحمٰن بن طرفہ سے روایت ہے کہ دادا عرفجہ ابن اسعد کی ناک کاٹی گئی دن کلاب کے، پس بنائی اس نے چاندی کی، پس بدبو ہوئی وہ ناک، اس پر حکم کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ بنادے سونے کی ناک"۔ اس دلیل سے بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے" (۵)۔

---

(۱) "کلاب .... اسم وادٍ بین الکوفه والبصرة .... وکان به وقعة مشهورة بین العرب قبل المبعث بخمس سنین، وهو عن الیمامة ستة أمیال". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی النظر والمس: ۳۶/۷، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲) "وقد روی أن عرفجة أصیب أنفه یوم الکلاب، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب الاستحسان، قبیل کتاب البیوع: ۱۳۲/۵، سعید)

(۳) "ویحتمل أنه علیه الصلاة والسلام رخّص عرفجة بذلک". (تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب الکراهیة: ۳۷/۷، سعید)

(۴) "واحتمال أن ذلک خصوصیةٌ لعرفجة". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی النظر والمس: ۳۶۲/۶، سعید)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الاستحسان، قبیل الفصل الثانی عشر فی الکراهیة فی الأکل: ۸۷/۶، غفاریه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی أحکام النظر ونحوه: ۱۹۲/۴، غفاریه)

(۵) (مظاهر حق (جدید)، کتاب اللباس، باب الخاتم، الفصل الثانی: ۱۸۹/۴، إداره اشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ واقعہ متعدد کتب میں دیکھا ہوا ہے اور یاد بھی ہے، مگر آپ نے خط میں اس کو ''جہاد'' لکھا تھا، حالانکہ یہ نبوت سے بھی کئی سال قبل کا واقعہ ہے، اس لئے مجھے تردد اور تأمل تھا، نیز جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت حضرت عرفجہ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اور آپ نے لکھا تھا کہ ''ایک صحابی کی جہاد میں ناک کٹ گئی تھی'' اس لئے تردد تھا، اگر آپ ''جہاد'' اور ''صحابی'' تحریر نہ کرتے تو کچھ اشکال نہیں تھا(۱)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دانت کو چاندی کے تار سے باندھنا درست ہے، سونے کے تار سے درست نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں سے درست ہے، امام محمد رحمۃ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے(۲)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے کی ناک کی اجازت مجبوری بدبو کی وجہ سے دی گئی ہے اور جب تک چاندی سے کام چل سکے سونے کے استعمال کی ضرورت نہیں، كذا في الزيلعي شرح الكنز(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وكان ذهب أنفه يوم الكُلاب .... والحاصل أن يوم الكلاب اسم حرب معروفة من حروبهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الخاتم، الفصل الثاني: ۱۹۳/۸، (رقم الحديث: ۴۴۰۰)، رشيديه)

"يوم الكُلاب -كغراب- اسم ماء كانت عنده وقعة بالجاهليه". (قوت المغتذى على جامع الترمذى، أبواب اللباس، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب: ۳۰۶/۱، سعيد)

(۲) "عن عرفجة بن أسعد رضى الله تعالىٰ عنه قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذت أنفاً من ورق فانتن علىّ، فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتخذ أنفاً من ذهب". (جامع الترمذى، أبواب اللباس، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب: ۳۰۶/۱، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب: ۲۳۰/۲، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الخاتم، الفصل الثاني، ص: ۳۷۹، قديمى)

(۳) "قال رحمه الله: (وشد السن بالفضة): أى يحل شد السن المتحرك بالفضة، ولايحل بالذهب، وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وقال محمد رحمه الله: يحل بالذهب أيضاً وهو =

چاندی سونے کا دانت

سوال[۹۳۵۳]: جب دانت ٹوٹ جائے اس کی جگہ دانت کے اوپر سونا یا چاندی کا دانت یا میخ یا پترہ لگوالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چاندی کی میخ، پترہ، دانت لگوانا جائز ہے۔ سونے کی میخ، پترہ، دانت لگوانا جائز نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونے کی میخ وغیرہ بھی درست ہے۔ سونے کی میخ وغیرہ سے اختلاف کی وجہ سے اجتناب احوط ہے:

"ولایشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة، و جوّزهمامحمد رحمه الله تعالى".

درمختار۔ "وفي التاتارخانية: وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه وإذا قطع أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سناً اخر، فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند الإمام محمد يتخذ من

= رواية عنهما، لِمَاروى أن "عرفجة بن سعد أصيب أنفه يوم كلاب، فاتخذ أنفاً من فضة، فأنتن فامره النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخذ أنفاً من ذهب . ولأن الفضة والذهب من جنس واحد، والأصل الحرمة فيهما، فإذا حل التضبيب بأحدهما حل بالأخر، ووجه المذكور هنا أن استعمالهما حرام إلا للضرورة، وقد زالت بالأدنىٰ، وهو الفضة، فلا حاجة إلى الأعلىٰ، فبقي على الأصل وهو الحرمة. والضرورة فيما روى لما تندفع بالفضة حيث أنتنت، ولأن كلامنا في السنّ، والمروى في الأنف، فلا يلزم من عدم الإغناء في الأنف عدم الإغناء في السنّ، ألا ترى أن التختم جاز لأجل الختم، ثم لما وقع الاستغناء بالأدنىٰ لايصار إلى الأعلىٰ، ولايجوز قياسه على الأنف فكذا هنا. ويحتمل أنه عليه الصلوة والسلام خص عرفجة رضي الله تعالىٰ عنه بذلك كما خصّ الزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنهما بلبس الحرير لأجل الحكة في جسمهما". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر والمس: ۳۶/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، قبيل فصل في النظر واللمس: ۸/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، مع ملتقى الأبحر، كتاب الكراهيه، قبيل فصل في أحكام النظر ونحوه: ۱۹۶/۴، غفاريه)

الذهب أيضاً". شامی: ۵/ ۳۱۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

رولڈ گولڈ کور میں دانت

سوال[۹۳۵۴]: زید کا ایک دانت چوٹ لگنے سے ٹوٹ گیا ہے، زید دانت لگوانے کی غرض سے ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ مستقل لگا رہنے والا دانت لگوائیں گے جو نکالنا نہیں پڑے گا۔ تو رولڈ گولڈ کور (۲) میں وہ دانت لگے گا جسے عام طور پر لوگ لگواتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ رولڈ گولڈ سونے کا کیا حکم ہے، رولڈ گولڈ کور میں اگر زید دانت لگوائے تو کیا حکم ہے؟ چاندی کے کور میں لگوا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگرچہ سونے اور چاندی دونوں کا دانت لگوانے کی بھی گنجائش ہے، لیکن چاندی سے کام چل جائے تو سونے سے پرہیز مناسب ہے:

"إذا جدع أنفه أو أذنه، أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سناً آخر، فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضاً، اهـ". ردالمحتار: ۵/ ۲۲۶(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۲/ ۹۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/ ۱۹۶، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، قبيل فصل في النظر واللمس: ۸/ ۳۵۰، رشيديه)

(۲) "گولڈ: سونا، زر، طلا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۱۱۵، فيروز سنز لاهور)

(۳) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحه، قبيل فصل في النظر والمس: ۶/ ۳۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهيه، قبيل فصل في أحكام النظر ونحوه: ۸/ ۳۵۰، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر والمس: ۸/ ۳۵۰، رشيديه)

چاندی کا خلال

سوال[۹۳۵۵]: ہندہ کو عرصہ سے چاندی کے خلال کی عادت ہے اور پان وغیرہ کھانے کی وجہ سے چھالیہ اندر کے دانتوں میں پھنس جاتی ہے اور تنکے سے نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چاندی کے خلال کیلئے طبیب کہتا ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، مگر بہشتی زیور کے اندر ممنوع لکھا ہے(۱)۔ اب دریافت طلب یہ کہ چاندی کا خلال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چاندی کا خلال استعمال نہ کریں، تانبے، پیتل وغیرہ کا استعمال کر لیا کریں، اس کے لئے وزن مقرر نہیں، جتنی ضرورت ہو استعمال کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۱۹/۴/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا جائز نہیں، بلکہ ان کی چیزوں کا کسی طرح سے استعمال کرنا درست نہیں، جیسے چاندی سونے کے چمچہ سے کھانا پینا، خلال سے دانت صاف کرنا، گلاب پاش سے گلاب چھڑکنا، سرمہ دانی یا سلائی سے سرمہ لگانا ...... غرض ان کی چیز کا کسی طرح استعمال کرنا درست نہیں"۔ (بہشتی زیور، حصہ سوم، باب: ۳۶، چاندی سونے کے برتنوں کا بیان، ص: ۲۵۲، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "وكذالايجوز الاكتحال بميل الذهب والفضة، وكذا المكحلة، وكل ماكان يعود الانتفاع به إلى البدن، كذافي السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۴، رشيديه)

"ولايجوز استعمال آنية الذهب والفضة .... وعلى هذا المجمرة والملعقة والمدهن والميل والمكحلة والمرآة ونحو ذلك". (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهيه، فصل في حكم الحرير والحلي: ۲/۴۱۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل السابع في اللبس: ۴/۳۷۱، رشيديه)

الفصل الثالث فی مصنوعات الذهب وغیره

(سونے وغیرہ کی مصنوعات کا بیان)

کُرتے میں سونے کے بٹن

سوال[۹۳۵۶]: سونا استعمال کرنا مردوں کیلئے حرام ہے، لیکن سابق صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاوی دار العلوم میں لکھا ہے کہ ''سونے کا بٹن مردوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے''۔ دلیل درمختار وغیرہ سے پیش کر کے یہ فرمایا کہ ''چونکہ یہ بٹن مستقل نہیں، بلکہ لباس کے تابع ہیں، لہذا درست ہے''(۱)۔ آیا واقع میں یہ درست بھی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بہت دنوں کے بعد اس پر نگاہ پہنچی ہے، اس لئے تعجب ہو رہا ہے، ورنہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوی کو دیکھنے کے بعد لب کشائی کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سونے کے بٹن کرتے میں گندھے ہوئے ہیں (۲)، تو یہ کُرتے کے تابع ہو کر جائز ہے:

"لابأس بإزرار الديباج أو الذهب". الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ۳٤۸/۵(۳)۔

اور اگر الگ بنے ہوئے ہیں اور کُرتہ میں لگاتے ہیں جیسا کہ آج کل رواج ہے تو ناجائز ہے، اس لئے

---

(۱) (فتاوی دار العلوم دیو بند (إمداد المفتیین)، کتاب الحظر والإباحہ، باب اللباس والزینة، عنوان: ''سونے چاندی کے بٹن استعمال کرنا جائز ہیں'': ۸۱۵/۲، دار الإشاعت کراچی)

(۲) ''گندھنا: آٹے میں پانی ڈال کر ملانا، سر کے بالوں کو گتھنا، ہار کا گتھنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۰۹، فیروز سنز، لاھور)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحہ، فصل فی اللبس: ۳۵۵/۶، سعید)

کہ اس صورت میں وہ کرتہ کے تابع نہیں ہوں گے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

سونے چاندی کے بٹن

سوال[۹۳۵۷]: مرد کو سونے چاندی وغیرہ کے بٹن جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو سونے چاندی کے بٹن جائز نہیں(۲)۔وغیرہ کا مطلب کیا ہے، اس کے معلوم ہونے پر جواب ملے گا۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

رولڈ گولڈ کے سنہرے بٹن، گھڑی کی چین، لوہے کی انگوٹھی، مخلوط دھاتوں کے بٹن کا حکم

سوال[۹۳۵۸]: آج کل جو رولڈ گولڈ کی سنہرے رنگ کے جو بٹن بازار میں فروخت ہوتی ہے، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز گھڑی کے سنہرے چینوں کا کیا حکم ہے؟ ان دھاتوں کا شمار لوہے وغیرہ میں ہوگا یا نہیں، اگر ہے تو کتبِ فقہ میں مثلاً ھدایہ وغیرہ میں جو یہ مسئلہ صراحۃً لکھا ہے کہ حدید وغیرہ دھاتوں کے بٹن وغیرہ استعمال کرنا مکروہ ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بٹن جو کپڑے میں سلا ہوا ہو وہ تابع ثوب ہے، درمختار میں ازرارِ ذھب کو جائز لکھا ہے(۳)۔لوہے کی

---

(۱) "حدثنا آدم ......قال: نهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب". أو قال: "حلقة الذهب، وعن الحرير والاستبراق، الخ". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب خواتيم الذهب: ۲/ ۸۷۱، قديمی)

"ويكره أن يلبس الرجل ثوباً فيه كتابة بذهب وفضة". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/ ۳۳۹، رشيديه)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "لابأس بإزرار الديباج أو الذهب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في =

انگوٹھی مکروہ ہے(۱)، رولڈ گولڈ کی حقیقت کے متعلق ان لوگوں سے تحقیق کی جائے جو اس کا تجربہ رکھتے ہیں، وہ بتاسکیں گے کہ یہ سونا ہے یالوہا یامخلوط، مخلوط ہونے کی صورت میں جو دھات غالب ہوگی اس کا حکم جاری کیا جائے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۶/۹۶ھ۔

پیتل کے بٹن

سوال[۹۳۵۹]: کیا مردوں کو پیتل وغیرہ کے بٹن جس پر پالش ہوتی ہے، پہننا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے(۳) جبکہ ان میں تشبہ نہ ہو(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

= اللبس: ۳۵۵/۶، سعید)

(۱)"والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۰/۶، سعيد)

"ولايتختم بحجر ولاصفر ولاحديد". (الدرالمنتقى المعروف بسكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۷/۴، غفاريه)

"التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۳۳۴/۵، رشيديه)

(۲)"وما غالبه الفضة أو الذهب فضةٌ وذهبٌ". (الدرالمنتقى شرح الملتقى، كتاب الصرف: ۱۶۶/۴، غفاريه)

"والغالب عليه الغش منهما في حكم عروض اعتبار اللغالب". (الدرالمختار، كتاب الصرف: ۲۶۶/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۳۴/۶، رشيديه)

(۳)"ولاباس بأن يلبس الصبي اللؤلؤ وكذا البالغ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب =

تانبہ کے برتن پر چاندی کی قلعی

سوال[۹۳۶۰]: تانبہ وغیرہ کے برتن پر اگر چاندی یا سونے کی قلعی کرا کر استعمال کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تانبے کے برتن پر سونے چاندی کے پانی سے اگر اس طرح قلعی کردی جائے کہ اس سے مستقلاً الگ نہ

= العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۴، رشيديه)

"الأصل في الأشياء الإباحة". (الأشباه والنظائر، القواعد الكلية: ۱/۲۲۳، إدارة القران كراچى)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبى داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دار الحديث ملتان) (ومشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

"من تشبه بقوم": أى تزيّافى ظاهره بزيهم، وفى تعرفه بفعلهم وفى تخلقهم، بخلقهم وسار بسيرتهم وهديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم: أى وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهر الباطن "فهو منهم". وقيل: المعنى من تشبه بالصالحين، وهو من أتباعهم يكرم كما يكرمون. ومن تشبه بالفساق، يهان ويخذل كهم. ومن وضع عليه علامة الشرف أكرم وإن لم يتحقق شرفه. وفيه أن من تشبه من الجن بالحيات وظهر بصورتهم، قتل. وأنه لا يجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء، كذا ذكره ابن رسلان. وبأبلغ من ذلك صرح القرطبي فقال: لوخص أهل الفسوق والمجنون بلباس منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لايعرفه أنه منهم، فيظن السوء، فيأثم الظان والمظنون فيه بسبب العون عليه". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أى من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى في الإثم والخير. قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار". (مرقاة المفاتيح: ۸/۱۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

ہو سکے تو اس کی گنجائش ہے، کذا فی رد المحتار : ۵/۳۰۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

برتن پر سونے چاندی کا ملمع کرنا

سوال [۹۳۶۱]: جیسا کہ چاندی سونے کے برتن وغیرہ استعمال کرنا حرام ہیں، تو اگر کسی برتن پر چاندی یا سونے کا ملمع ہو تو اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چاندی یا سونے کا صرف پانی چڑھایا گیا ہو جس کو مستقلاً جدا نہ کیا جا سکتا ہو تو گنجائش ہے، اجتناب پھر بھی ورع ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

سکہ پر سونے چاندی کا ملمع کرکے زیور بنانا

سوال [۹۳۶۲]: سکہ کا زیور بنوا کر اس پر سونے چاندی کا پانی چڑھواتے ہیں تو اس کا استعمال مرد عورت پر درست ہے یا نہیں؟ مرد انگوٹھی اور بٹن اس کا استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وكذا الإناء المضبب بالذهب أو الفضة". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أي الحكم فيه كالحكم في المفضض، يقال: باب مضبب: أي مشدود بالضباب، الخ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۴، سعيد)

"وحل الشرب في إناء مفضض .... ويتقي موضع الفضة يعني يتقي موضعها بالفم، وقيل: بالفم واليد في الأخذ والشرب". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/۱۹۷، غفاريه)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس پرسونے چاندی کاملمع کرکے اس کازیوربنوانااوراستعمال کرناعورتوں کے لئے درست ہے۔مردکو صرف ایک انگوٹھی کی مقداروزن میں اجازت ہے،وہ بھی چاندی کا،بٹن تابعِ ثوب اس میں توسع ہے،مرد کے لئے بھی اجازت ہے:

"ولایتحلی الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها ولا يتختم بغيرها كحجر وذهب وحديد و صفر ورصاص وزجاج. و فی الحاوی القدسی: إلا الخاتم قدر درهم. ولا بأس بإزرار الديباج والذهب. ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوی علیه فضة وألبس بفضة حتى لا يرى، اه". درمختار وشامی(۱)۔

محض معمولی پانی اگرسونے چاندی کاہوتووہ کافی نہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹۳/۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۹۳/۱/۲۰ھ۔

تانبے،پیتل وغیرہ کااستعمال

سوال[۹۳۶۳]: پیتل،تانباکے بےقلعی برتنوں کااستعمال کرنا،حقہ ضروری پینا،دھوتی،لنگی استعمال کرناکیساہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیتل اورتانبے کے برتنوں کااستعمال کرنادرست ہے(۲)۔البتہ اگرکفارکی مشابہت ہوتو

---

(۱) (ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶-۳۶۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح الملتقى مع در المنتقى، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، مكتبه غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۲) "وأما الآنية من غير الفضة والذهب، فلا بأس بالأكل والشرب والانتفاع بها، كالحديد والصفر النحاس والرصاص والخشب والطين". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۳/۶، سعيد) =

منع ہے(۱)۔ لنگی اس طرح باندھنا جس سے ستر کھلے یا کفار کے طریقے پر باندھنا ناجائز ہے اور شرع کے موافق باندھنا درست ہے۔ حقہ کسی بیماری کی وجہ سے دواءً پینا درست ہے(۲) اور بغیر بیماری کے شوقیہ پینا مکروہ(۳)، اگر نشہ ہو تو ناجائز ہے(۴)۔ بدبودار منہ لے کر مسجد میں جانا بہرصورت ناجائز

= "ولابأس بآنية العقيق والبلور والزوجاج والزبرجد والرصاص". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۳۳۵/۵، رشيديه)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وكذا في سنن أبي داؤد، باب في لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دارالحديث ملتان)

(۲) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن: ۳۵۴/۵، رشيديه)

(۳) "علامہ شامی اور دوسرے علمائے کرام نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے بشرطیکہ بدبودار نہ ہو:

" وللعلامة الشيخ علي الأجهوري المالكي رسالة في حله، نقل فيها أنه أفتى بحله مَن يعتمد عليه من أئمة المذاهب الأربعة. قلت: وألف في حله أيضاً سيدنا العارف عبدالغني النابلسي رسالةً سماها "الصلح بين الإخوان في إباحة شرب الدخان" وتعرض له في كثير من تآليفه الحسان، وأقام الطامة الكبرىٰ على القائل بالحرمة أو بالكراهة، فإنهما حكمان شرعيان لابدّ لهما من دليل، ولا دليل على ذلك .... فهو داخل تحت قاعدة: الأصل في الأشياء الإباحة". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۵۹/۶، سعيد)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴۸۱/۸، سعيد، وكفايت المفتي: ۱۴۵/۹، دارالإشاعت كراچي)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام". (الصحيح لمسلم، كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وكل خمر حرام، ص: ۱۶۷، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الحدود، باب بيان الخمر، ص: ۳۱۷، قديمي)

ہے، مسواک وغیرہ سے منہ صاف کر کے جانا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قيل لأنس رضي الله تعالىٰ عنه: ماسمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الثوم؟ فقال: من أكل، فلا يقربن مساجدنا". (صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، باب ما يكره من الثوم والبقول: ۸۲۰/۲، قديمي)

"وقال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة، مأكولاً أو غيره .... وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره كالبصل والكراث، لكثرة أكلهم لها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

الفصل الرابع فی مایتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

گھڑی باندھنا کیسا ہے؟

سوال[۹۳۶۴]: اسلام میں چاندی کے علاوہ اَور چیزیں حرام ہیں تو گھڑی ہم لوگ استعمال کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اس میں ہر چیز لوہے کی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

گھڑی اگر زیور کے طور پر ہاتھ میں نہ باندھی جائے، بلکہ وقت دیکھنے کے لئے ہو جیسا کہ وہ اسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے تو ممنوع نہیں، جس طرح لوہے کا خَود اور تلوار اور زرہ پہننا اور لگانا ممنوع نہیں، کیونکہ وہ زیور نہیں بلکہ ضرورت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

گھڑی کس ہاتھ میں پہنی جائے؟

سوال[۹۳۶۵]: کچھ لوگ بائیں ہاتھ کے بجائے داہنے ہاتھ میں گھڑی پہنتے ہیں اور کچھ لوگ

---

(۱) ''اسٹیل کی چین زیور میں شمار نہیں ہے کہ اس کا باندھنا حرام ہو، بلکہ ایک ضرورت کی حیثیت میں استعمال ہوتی ہے، ہاں جو گھڑی یا چین زنانی طرز وساخت کی ہو، اس کو مردوں کا استعمال کرنا: ''لعن الله المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال''. أو كما قال عليه الصلوة والسلام'' کے مطابق درست نہ رہے گا''۔ (نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة، تحت عنوان: ''کلائی گھڑی میں اسٹیل کی چین باندھنا'': ۱/۳۸۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

(وكذا في أحسن الفتاوى، الحظر والإباحة، المتفرقات، عنوان: ''ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا'': ۸/۲۱۳، سعید)

(وكذا في جدید فقہی مسائل، بیان زیبائش وآرائش: ۱/۷۳، مکتبة الایمان لاهور)

بائیں ہاتھ میں۔ کس ہاتھ میں گھڑی پہننا بہتر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کیا کسی مخصوص ہاتھ میں گھڑی باندھنا غیروں کا شعار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس سے بچنا چاہیے، ورنہ دونوں میں سے جس میں دل چاہے استعمال کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

انگوٹھی اور گھڑی کی چین

سوال[۹۳۶۶]: ۱...... "فی الجامع الصغير: ولايتختم إلا بالفضة. وهذا نص على أن التختم بالحجر والحديد والصفر حرام، ورأى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على رجل خاتم صفر، فقال: "مالي أجد منك رائحة الأصنام"؟ ورأى على آخر خاتم حديد فقال: "مالي

---

(۱) اکثر خیر کی چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں سمت کو ترجیح دی ہے اور گھڑی بھی ذریعۂ خیر ہے کہ اس سے نماز اور عبادات کے اوقات معلوم ہوتے ہیں، اس لئے دائیں ہاتھ میں پہننا زیادہ بہتر ہوگا:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: إن كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليحب التيمن في طهوره إذا تطهر، وفي ترجّله إذا ترجل، وفي انتعاله إذا انتعل". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في ترجل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴، سعيد)

"إذا أكل أحدكم فليأكل بيمينه، وإذا شرب فليشرب بيمينه". (الصحيح لمسلم، كتاب الأشربه، باب آداب الطعام والشراب: ۲/۱۷۱، قديمي)

"إذا انتعل أحدكم، فليبدأ باليمنى". (صحيح البخاري: ۲/۸۷۰، كتاب اللباس، ينزع النعل اليسرى، قديمي)

لیکن اگر کسی غرضِ صحیح کے تحت بائیں ہاتھ میں باندھی جائے تو بھی درست ہے، جیسا کہ کوئی شخص زیادہ لکھتا ہو، تو اس کو لکھتے وقت گھڑی دائیں ہاتھ میں ہوتے ہوئے دقت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

أرى عليك حلية أهل النار". هداية اخرين، ص: ٤٤١، كتاب الكراهية، مجتبائى(١)۔

مذکورہ بالا احادیث میں نہی اور ممانعت صرف تختم تک محدود ہے، یا چاندی سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں سے بنی ہوئی تمام چیزوں کو شامل ہے، خواہ وہ چیزیں خاتم کی شکل میں ہوں یا اور کسی زیور کی شکل میں، اگر یہ نہی صرف تختم تک محدود نہیں تو پھر آج کل اسی سے گھڑیوں کے لئے عموماً چین استعمال کی جاتی ہے جو سفید ہے یا سنہری، بہر صورت وہ مختلف قسم کی دھاتوں سے تیار ہوتی ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ اس قسم کی چین مذکورہ بالا احادیثِ نہی کے تحت داخل ہو کر ممنوع ہے یا نہیں؟

۲......آج کل عورتوں اور بالخصوص بچیوں کے لئے اکثر پیتل، رولڈ گولڈ، یا مختلف قسم کی دھاتوں سے بنے ہوئے زیورات، مثلاً: چوڑیاں، ہار، اریگ (۲) وغیرہ وغیرہ مستعمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح آج کل عینک کے اندر پلاسٹک کے علاوہ اسٹیل وغیرہ کی جو سفید یا سنہری فریم استعمال کی جاتی ہیں، کیا یہ سب چیزیں بھی مذکورہ بالا حدیثِ نہی کے تحت داخل ہو کر ممنوع اور ناجائز ہیں؟ اگر ناجائز ہیں تو آج کل عمومِ بلویٰ کے پیشِ نظر اس میں گنجائش کا پہلو ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

١......"ولايتحلى الرجل بالذهب والفضة إلا بالخاتم والمنطقة وحلية السيف من الفضة". متن كنز۔ "(قوله: من الفضة) قيد للمذكور جميعه. عيني". شلبي على هامش الزيلعي: ١٥/٦(٣)۔

"ولايتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها: أي الفضة إذا لم يُرِد به التزين". درمختار۔ "(قوله: ولايتحلى): أي لايتزين (قوله: إذا لم يُرد به التزين)

---

(١) (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٤/٤٥٥، إمداديه ملتان)

(۲) "اریگ: انگوٹھی، کڑا، کنڈا، احاطہ"۔ (English to English and Urdu Dictionary, Page No.: 786, Feroz Sons Lahore)

(٣) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٣٥/٧، دار الكتب العلميه بيروت)

الظاهر أن الضمير في "به" راجع إلى "الخاتم" فقط؛ لأن تحلية السيف والمنطقة لأجل الزينة لابشيء اٰخر بخلاف الخاتم، ويدل عليه مافي الكافية حيث قال: قوله: (إلابالخاتم) هذا إذا لم يُرد به التزين". ردالمحتار: ٥/٣١٤(١)۔

"التختم بالذهب والحديد والصفر حرام، والتختم بالذهب والحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء". شامي: ٥/٣١٥(٢)۔

"ولايتختم رجل ولاامرأة بحجر ولاصفر ولاحديد ولاغيرها إلا الفضة، وقيل: يباح التختم بالحجر، الخ". سكب الأنهر: ٢/٥٣٦(٣)۔

عباراتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ تختم دوسری دھاتوں کی مردعورت سب کیلئے منع ہے،عورت کیلئے ذھب وفضہ دونوں کی اجازت ہے، مرد کیلئے تحلی یعنی تزین خواہ بشکلِ خاتم ہو یا کسی اَور شکل میں ہوصرف فضہ مخصوص مقدار تک درست ہے۔

حلیۃ السیف والمنطقہ کی بھی قیود کے ساتھ اجازت ہے، جوشن کی بھی حرب میں اجازت ہے، دستی گھڑی کی چین ذھب وفضہ کے علاوہ جس دھات کی بھی ہو وہ خاتم کے حکم میں نہیں، یہ متعین نہیں کہ یہ حلیہ ہی ہے،اقرب یہ ہے کہ اس کا حال جیبی گھڑی کی طرح ہے کہ وہ حلیہ نہیں۔مشابہ بالحلیہ ہونے کی وجہ سے بھی حرمت کافتویٰ محتاجِ دلیل ہے،احتیاط کی جائے تو وہ أقرب إلی الورع ہے(۴)۔

---

(١) (رد المحتار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/٣٥٩، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٤/١٩٥، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٨/٣٤٨، رشيديه)

(٢) (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/٣٥٩، ٣٦٠، سعيد)

(٣) (سكب الأنهر الدر المنتقى شرح الملتقى، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٤/١٩٧، غفاريه)

(۴) "چین کے استعمال کی دوصورتیں ہیں:١- اس کا باندھنا بذاتِ خود مقصود ہو، جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں،٢- بذاتِ خود مقصود نہ ہو،کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے،صورت اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلاکراہت جائز ہے"۔(أحسن الفتاوى، متفرقات الحظر والإباحة، (تحت عنوان): "ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا": ٨/٢١٣، سعيد)

۲..... ان میں کوئی چیز ممنوع نہیں، فتاوی رشیدیہ میں عورتوں کو ہر قسم کے زیورات کی اجازت دی ہے(۱) عینک بھی حلیہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

گھڑی میں کس دھات کا پٹہ ہو؟

سوال[۷۹۳۶]: کلائی گھڑی میں اسٹیل، یارولڈ گولڈ، یا کسی اور دھات کا پٹہ لگانا کیسا ہے؟ اور ایسا پٹہ باندھے ہوئے نماز پڑھنے یا پڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، اس طرح نماز بھی درست ہے، یہ زیور نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

= (ونظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة: ۱/۳۸۰، رحمانیه لاهور)

(وجدید فقهی مسائل لمولانا سیف الله خالد، زیبائش وآرائش: ۱/۷۳، مکتبة الایمان لاهور)

(۱) ''عورتوں کو چوڑیاں ہر قسم کی پہننا درست ہے، خواہ کانچ کی ہوں، خواہ سونے چاندی، لوہے، تانبے، پیتل کی ہوں۔ جو شی زینت کی ہے، خواہ لباس ہو، یا زیور وہ عورتوں کو حالتِ عدت میں نادرست ہے، اس لئے بوقت عدت چوڑیاں وغیرہ توڑ پھوڑ دی جاتی ہیں، بعد عدت اگر کوئی عورت پہنے تو مضائقہ نہیں۔ جس کی آمدنی نو روپیہ حلال ہو، دس روپیہ حرام خواہ برعکس یا دونوں مساوی ہوں، اس کا ہدیہ وغیرہ دعوت ضیافت سے نادرست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاوی رشیدیه، مندرجه تالیفات رشیدیه، جواز وحرمت کے مسائل، ص:۴۹۱، إداره اسلامیات لاهور)

(۲) ''چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں: ۱- اس کا باندھنا بذات خود مقصود ہو، جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں، ۲- بذات خود مقصود نہ ہو، کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے، صورت اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے''۔ (أحسن الفتاوی، متفرقات الحظر والإباحة، (تحت عنوان): ''ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا'': ۸/۲۱۳، سعید)

(وکذا فی نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة: ۱/۳۸۰، رحمانیه لاهور)

(وجدید فقهی مسائل لمولانا سیف الله خالد، زیبائش وآرائش ۱/۷۳، مکتبة الایمان لاهور)

گھڑی کا استعمال مرد وعورت کے لئے

سوال[۹۳۶۸]: کلائی کی گھڑی کے استعمال میں مرد اور عورت یکساں ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟ بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ اس کا مرد وعورت میں عام رواج ہو، کوئی تخصیص کسی کی نہ ہو تو وہاں ہر دو کا حکم ایک ہے(۱)۔ اور جس جگہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہو عورتیں عام طور پر استعمال نہ کرتی ہو، وہاں عورتوں کو ناجائز ہے، کیونکہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ تشبہ کی حدیث شریف میں ممانعت ائی ہے، کذافی المشکوٰۃ، ص: ۳۸۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

گھڑی اور سونے کی چین وغیرہ

سوال[۹۳۶۹]: گھڑی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو گھڑی کا کیس، ڈائل وچین سونے کا بنوانا، یا سونے کا پانی چڑھوانا، یا پین کا نب سونے کا بنوانا اور قمیص وکرتے وغیرہ کا بٹن سونے چاندی کا بنوانا کیسا ہے؟ رولڈ گولڈ کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال: ۸۷۴/۲، قدیمی)

(وکذا فی فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۴۹۹۴/۱۰، (رقم الحدیث: ۷۲۶۵)، مکتبه نزار مصطفی الباز مکة المکرمة ریاض)

الجواب حامداًومصلیاً:

وقت معلوم کرنے کیلئے تاکہ ہر کام کا نظام صحیح رہے اور اپنے وقت سے نہ ہٹے اور وقت ضائع نہ ہو تو گھڑی رکھنا درست ہے اور ہاتھ میں باندھنا بھی درست ہے(۱)، مگر کیس، ڈائل، چین سونے کا نہ ہو(۲)، سونے کا پانی اس میں ہو تو مضائقہ نہیں (۳)۔ چاندی سونے کا بٹن کپڑے میں اس طرح ہو جیسے گھنڈی کہ جدا نہ ہو سکے تو وہ تابعِ ثوب قرار دے کر درست ہے(۴)۔ رولڈ گولڈ کی حقیقت مجھے معلوم نہیں، اگر وہ سونا چاندی نہیں اور اس پر سونے یا چاندی کا پانی ہے تو اس کا حکم آچکا۔ قلم کے نب پر اگر سونے کا پانی ہو تو وہ بھی درست ہے(۵)، خالص سونے کا نہ ہو(۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۹۱/۱/۲۵ھ۔

---

(۱) (أحسن الفتاوی، متفرقات الحظر والإباحة، عنوان: "ہاتھ میں چین والی گھڑی باندھنا": ۸/۲۱۳، سعید)

(ونظام الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، عنوان: "کلائی گھڑی میں اسٹیل کی چین باندھنا": ۱/۳۸۰، رحمانیه)

(۲) "ولايتحلى الرجل بالذهب والفضة إلا بالخاتم والمنطقة وحلية السيف من الفضة". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۷/۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۸/۳۴۸، رشيديه)

(۳) "ولا بأس بالانتفاع بالأواني المموهة بالذهب والفضة بالإجماع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۵، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في الاحتكار: ۲/۴۲۲، حقانيه)

(۴) "لا بأس بأزرار الديباج أو الذهب". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۵، سعيد)

آج کل چونکہ کپڑوں کے بٹن کپڑوں میں پیوست نہیں ہوتے، بلکہ الگ لگائے جاتے ہیں اس لئے جواز کا حکم نہیں ہوگا۔

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۶) (راجع رقم الحاشية: ۲)

جیبی گھڑی کا کیس چاندی کا ہو اس کا حکم

سوال[۹۳۷۰]: جیبی گھڑی کا کیس چاندی کا ہو تو اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولايتحلى الرجل بالذهب والفضة إلا بالخاتم والمنطقة وحلية السيف من الفضة، الخ". قال العلامة الشلبي: "(قوله: من الفضة) قيد للمذكور جميعه". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٣٥/٧، دار الكتب العلميه، بيروت)

"ولايتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية السيف منها: أي الفضة إذا لم يُرد به التزين". (الدرالمختار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس: ٣٥٩/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٣٢٨/٨، رشيديه)

الفصل الخامس فی الحلیۃ للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

بیوہ عورت کا زیور پہننا

سوال[۹۳۷۱]: بیوہ عورت کا کانچ کی چوڑی اور چاندی سونے کی چوڑی پہننا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ بیوہ عورت کانچ کی چوڑی نہیں پہن سکتی ہے(۱)۔ نیز عورتوں کو چاندی سونے کے زیور کے علاوہ دیگر چیزوں کا زیور پہننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ کو بعد عدت زیور، کانچ کی چوڑی وغیرہ سب درست ہے(۲)، جس زیور میں کفار وفساق کی مشابہت نہ ہو، عورتوں کیلئے وہ سب درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''کانچ: شیشہ، ایک قسم کا سخت چمکدار مادہ جو ریت اور کھاری یعنی سجی کے ذریعہ بنایا جاتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۸۳، فیروز سنز، لاھور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یتوفون منکم و یذرون أزواجاً یتربصن بأنفسھن أربعة أشھر وعشراً، فإذا بلغن أجلھن، فلاجناح علیکم فیما فعلن فی أنفسھن﴾ الآیة (سورة البقرہ: ۲۳۴)

"قوله: ﴿فیما فعلن﴾ یعنی من التزیین والتطییب". (حاشیة التفسیرات الأحمدیه، ص: ۱۴۹، حقانیه)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ فلاجناح علیکم فیما فعلن فی أنفسھن﴾ مماحرم علیھن فی العدة". (روح المعانی: ۲/۱۵۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"فإذا انقضت عدتھا، فلاجناح علیھا أن تتزین وتتصنع وتتعرض للتزویج". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۶، سھیل اکیڈمی لاھور)

(۳) " والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء". (ردالمحتار، کتاب =

سہاگن کے لئے سیاہ موتیوں کے ہار کا استعمال

سوال[۹۳۷۲]: یہاں پر شادی شدہ عورتیں گلے میں ایک زیور کالے موتیوں کا پہننا ضروری سمجھتی ہیں، بعض کالے موتی دھاگہ میں ڈال کر اور بعض سونے کے تار میں جڑ واکر۔ بہر حال سہاگن کو ضروری سمجھا جاتا ہے(۱)۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کالے موتیوں کا ہار پہننا سہاگن کیلئے شرعاً لازم نہیں، اس کی پابندی غیر ضروری ہے اس کو ترک کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۵/۹۱ھ۔

= الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۰، سعید)

"ولايتختم بحجر ولاصفر ولاحديد". (الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۴/۱۹۷، غفاريه)

"التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة: ۵/۳۳۴، رشيديه)

(۱) "سہاگن: وہ عورت جس کا خاوند زندہ ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) عورتوں کے لئے حدودِ شرع کے اندر نفسِ زینت اختیار کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين .... وفي تبيين المحارم: إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبتت للمرأة لحية أو شوارب، فلا تحرم إزالته، بل تستحب". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۷۳، سعيد)

لیکن جس چیز پر دوام، استمراری عمل اور لزوم کا ثبوت نہ ہو، اس کام کو سنتِ مستمرہ اور واجب کی طرح لازم سمجھ کر کرنا شرعاً مذموم اور قبیح ہے، جب کہ کوئی مستحب کام التزام کے ساتھ کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے، تو غیر مستحب اور غیر ثابت تو بطریقہ اولیٰ مکروہ، مذموم اور بدعت کے زمرے میں آئے گا:

"أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع، وعلى هذا فلا شك في الكراهة، وهذا هو غرض من أفتى بالكراهة". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)　　=

چوڑیاں پہننا

سوال[۹۳۷۳]: چوڑیاں پہننا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(صرف عورتوں کیلئے مردوں کومنع ہے)(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زیور پہننے کے لئے ناک میں سوراخ کرنا

سوال[۹۳۷۴]: عورتیں جوزیور پہننے کے لئے ناک اورکان میں سوراخ کرتی ہے یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے:"لابأس بثقب أذن البنت. وهل تجوز الخزاء في الأنف؟ لم أره". درمختار۔ "قلت: إن كان مما يتزين به النساء كما هو في بعض البلاد، فهو فيها كثقب القرط". شامي: ۳۷۱/۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۶/۵/۹۰ھ۔

= "(قوله: وتركها أولى)؛ لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة مع أنه كان يمكنه التسوية قبل الشروع في الصلوة، بحر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة، ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة أولى: ۶۴۲/۱، سعيد)

(۱) "يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق، الخ". (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحِلّه للنساء: ۲۹۳/۱۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، غفاريه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهيه، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(وكذا في امداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، احکام متعلقہ لباس: ۱۲۶/۴، دارالعلوم، كراچی)

(۲) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، سعيد) =

لڑکیوں کے کان چھیدنا

سوال[۹۳۷۵]: لڑکیوں کو کان چھدوانا مسنون یا مکروہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"لابأس بكي البهائم للعلامة وثقب أذن الطفل من البنات؛ لأنهم كانوا يفعلونه في زمن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غير إنكار". شامي: ۲۷۵/۵(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے کان میں بالی وغیرہ کے لئے سوراخ کرنا درست ہے۔

نفع المفتي والسائل، ص: ۱۳۷، میں ناک کے سوراخ کو بھی کان پر قیاس کرتے ہوئے جائز لکھا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۴/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۸/صفر۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء، الخ: ۳۵۷/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۴/۷، رشيديه)

(وكذا في نفع المفتي والسائل من مجموعة رسائل اللكهنوي: ۱۹۶/۴، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۲، سعيد)

(۲) "الاستفسار: هل يجوز ثقب أنف النساء؟ الاستبشار......... إن كان للتزين، يجوز كما في ثقب الأذن......... يجوز قياساً على ثقب الأذن". (نفع المفتي والسائل، من مجموعة رسائل اللكهنوي، المتفرقات: ۱۹۶/۴، إدارة القرآن كراچي)

"ولابأس .... بثقب آذان الأطفال من البنات؛ لأنهم كانوا يفعلون ذلك في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير إنكار". (الفتاوىٰ العالمكرية، كتا ب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء، الخ: ۳۵۷/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۴/۸، رشيديه)

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

''یاسین'' نام رکھنا

سوال[۹۳۷۶]: میرا نام محمد یاسین ہے۔ احکامِ شریعت اول میں مولوی احمد رضا خان صاحب نے یاسین رکھنے کو منع لکھا ہے۔ دلیل یہ پیش کی ہے کہ ''نامعلوم المعنیٰ'' پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح نامعلوم المعنیٰ نام رکھنا بھی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ احکام القرآن ابن عربی کی (۱) اورنسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض کے حوالہ سے دو حدیثیں نقل کی ہیں، جس کی رو سے یاسین نام رکھنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اگر احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ آنجناب کی نظر میں صحیح ہے تو پھر بندہ کو نام تبدیل کرانے میں کوئی عذر نہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص کو کسی لفظ کے معنی کا علم نہ ہو اس کے نزدیک وہ لفظ ''نامعلوم المعنیٰ'' ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں (کسی لغت کے اعتبار سے یا محاورہ اور عرف کے اعتبار سے) بھی نامعلوم المعنیٰ ہی ہو۔ عدمِ

---

(۱) ''المسئلة الثالثة: رواية أشهب عن مالك: لايسمّى أحد يٰس؛ لأنه اسم الله تعالىٰ كلام بديع، وذلك أن العبد يجوز له أن يتسمى باسم الله إذا كان فيه معنى منه، كقوله: عالم، وقادر، ومزيد، ومتكلم. وإنما منع مالك من التسمية بهذا؛ لأنه اسم من أسماء الله لايدرى معناه، فربما كان معناه ينفرد به الرب، فلا يجوز أن يقدم عليه العبد إذا كان لايعرف هل هو اسم من أسماء الباري، فيقدم على خطر منه، فاقتضى النظر رفعه عنه. فإن قيل: فقد قال الله تعالىٰ: ﴿سلام على إل يٰسين﴾؟ قلنا: ذلك مكتوب بهجاء فيجوز التسمية به، وهذا الذي ليس بمتهجّى هو الذي تكلم مالك عليه مما فيه من الإشكال. والله أعلم''. (أحكام القرآن لابن العربي، سورة يٰس: ۴/۱۶۰۷، ۱۶۰۸، دار المعرفة، بيروت)

علم کا علاج سوال ہے: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾(۱)۔ "إنما شفاء العيّ السوال". الحديث(۲)۔ نہ یہ کہ عدمِ علم کے ساتھ فتویٰ بھی لگانا شروع کردے، عدمِ علم کی حالت میں فتویٰ کا نتیجہ "ضلوا وأضلوا" ہے(۳)۔

تفسیر مظہری(۴)، تفسیر الدرالمنثور(۵)، تفسیر معالم التنزیل(۶)، تفسیر ابن کثیر وغیرہ(۷) میں "یاسین" کے متعدد معنی بیان کئے ہیں۔ تفسیر فتح القدیر للشوکانی میں ہے: "وقال سعيد بن جبير وغيره: هو اسم من أسماء محمد صلى الله عليه وسلم"(۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۶ھ۔

---

(۱) (سورة النحل: ۴۳)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارات، باب في المجروح يتيمم: ۱/۵۴، إمداديه)

(۳) الحديث بأسره: "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم: "إن الله لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يترك عالماً، اتخذ الناس رؤوساً جهالاً، فسئلوا، فأفتوا بغير علم، فضلّوا وأضلوا". (جامع الترمذي، أبواب العلم، باب ماجاء في ذهاب العلم: ۲/۹۳، سعيد)

(۴) "وقيل: معناه: "يا إنسان" بلغة طي، يعني به محمداً صلى الله عليه وسلم". (التفسير المظهري، سورة يٰسين: ۱/۷۰، حافظ كتب خانه كوئٹه)

(۵) "أخرجه ابن مردوية من طريق ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما "يسين" محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وفي لفظ: قال: يا محمد. وأخرج ابن أبي شيبة عن ابن عباس في قوله: "يسين". قال: يا إنسان". (الدر المنثور في تفسير المأثور: ۵/۴۸۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۶) "معناه: "يا إنسان" بلغة طيء، يعني محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (تفسير البغوي المسمى معالم التنزيل: ۴/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۷) "و روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما .... أنّ "يسين" بمعنى "يا إنسان". (تفسير ابن كثير، سورة يسين: ۳/۵۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۸) (فتح القدير للشوكاني، سورة يسين: ۴/۳۵۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

''حسین احمد'' نام رکھنا

سوال[۹۳۷۷]: ماقولكم رحمكم الله في التسمية "بحسين أحمد" هل تجوز أولا؟ بينوا بالكتاب، توجروا بالثواب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لم أره صريحاً، و لكن الترتيب اللغوي لا يمنع الجواز، لكون المضاف صفةً للمضاف إليه، وهذا مما له شواهد في كلام العرب (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۷/صفر/۵۹ھ۔

''غلام محمد، صدر العلی، غلام نبی، غلام رسول، رسول بخش'' نام رکھنا

سوال[۹۳۷۸]: غلام محمد، صدر العلی اور غلام نبی اور غلام رسول اور رسول بخش نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غلام محمد، غلام نبی، غلام رسول نام رکھنا درست ہے، رسول بخش نام نہیں رکھنا چاہئے۔ غلام محمد صدر العلی نام بھی درست ہے جب کہ ''صدر العلی'' کو صفتِ ''محمد'' قرار دیا جائے، لیکن غالب یہ ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ نام صدر العلی ہی مشہور ہوجائے گا اور غلام محمد ترک ہوجائے گا، اس لئے مناسب نہیں جیسا کہ اوروں کے متعلق تجربہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳/۴/۹۴ھ۔

---

(۱) "مثل جرد قطيفة، و أخلاق ثياب". (الكافية لزيني زاده، ص: ۱۷۸، امير حمزه كتب خانه كوئٹه)

(۲) حضرت مفتی صاحب کا جواب اس وقت ہے جب کہ ''غلام محمد صدر العلی'' پورا ایک ہی نام ہو اور ''صدر العلی'' کو ''محمد'' کی صفت قرار دی جائے، لیکن سوال سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غلام محمد اور صدر العلی دونوں جدا جدا نام ہیں، اس لئے صدر العلی کو محمد کی صفت قرار دینا مشکل نظر آ رہا ہے، لہٰذا صرف صدر العلی نام رکھنے سے تو ہر صورت میں احتیاط کرنا چاہئے: .... =

''محمد عظیم'' نام رکھنا

سوال[۹۳۷۹]: میں نے اپنے لڑکے کا نام ''محمد عظیم'' رکھا ہے، لیکن ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ نام نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ نام اللہ تعالیٰ کا ہے، اس نام کو رکھ کر (نعوذ باللہ) دوسرا خدا بنانا چاہتے ہو۔ یہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد عظیم نام رکھنا شرعاً درست ہے، ہرگز شرک نہیں، محمد عظیم اللہ کا نام نہیں، بے فکر رہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۴ھ۔

= "لكن التسمية بغير هذه الأسماء في هذا الزمان أولى؛ لأن العوام يصغرون هذه الأسماء عند النداء". (الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، باب التسمية، ص: ۷۲، سعيد)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۱۷، سعيد)

(۱) چونکہ عرصۂ قدیم سے مسلمانوں میں یہی نام رکھنے کا رواج اور معمول بھی ہے، اس لئے اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں:

"التسمية باسم .... لا يستعمله المسلمون الأولى أن لا يفعل". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۶/۳۷۰، رشيديه)

"أحب الأسماء إلى الله تعالىٰ عبدالله وعبدالرحمن، لكن التسمية بغير هذه الأسماء في هذا الزمان أولى؛ لأن العوام يصغرون هذه الأسماء للنداء، والتسمية باسم يوجد في كتاب الله تعالىٰ كالعلي والكبير والرشيد والبديع جائزة؛ لأنه من الأسماء المشتركة ويراد في حق العباد غير مايراد في حق الله تعالىٰ كذا في السراجية. وفي الفتاوىٰ: التسمية باسم لم يذكره الله تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا استعمله المسلمون تكلموا فيه، والأولىٰ أن لايفعل، كذا في المحيط".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع والعشرون في تسمية الأولاد: ۶/۱۲۹، غفاريه كوئٹه)

''زنجن علی'' نام کو بدل کر ''محمد علی'' رکھنا

سوال[۹۳۸۰]: اس ناکارہ کا نام پیدائش کے وقت ''محمد زنجن علی'' رکھا گیا تھا، بیس سال تک اس نام سے پکارا جاتا رہا، عزیز واقارب اور گاؤں والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ میں نے مدرسہ فیض العلوم میں ملازمت کی تو ایک مولوی صاحب نے ''محمد علی'' نام رکھنے کا مشورہ دیا، میں نے قبول کرلیا۔

مدرسہ میں اس نام سے مشہور ہوگیا، عقد کے وقت بھی یہی نام نکاح نامہ میں درج کیا گیا، لیکن سرکاری وثیقہ جات اور میٹرک کی سند میں ''محمد زنجن علی'' ہی لکھا ہوا ہے۔ چونکہ یہ نام ہندوانہ ہے، اس لئے احقر کو فکر ہے، غیر اختیاری طور پر احقر کا یہ نام پڑ گیا۔ اب اس کا کیا تدارک کیا جائے؟ یہ نام جائز ہے یا ناجائز، جو لوگ اس نام سے پکاریں ان کو جواب دیا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نام ''محمد علی'' ہی رکھئے، غیر اختیاری طور پر جو مشہور ہوگیا اس کی اصلاح اس طرح کیجئے کہ جو شخص غلط نام سے پکارے یا لکھے، اس کو بتادیجئے کہ میرا نام محمد علی ہے، ضرورت پیش آئے تو سرکاری کاغذات میں بھی اس کی اصلاح کرادیں کہ اصل اور صحیح نام محمد علی ہے، غلطی سے فلاں نام مشہور ہوگیا(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۱۵ھ۔

''مرسلین'' نام رکھنا

سوال[۹۳۸۱]: میرا لڑکا جس کی عمر ساڑھے تین سال ہے، اس کا نام میں نے ''مرسلین'' رکھ دیا

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غيّر اسم عاصية، وقال: "أنت جميلة". (الصحيح لمسلم، كتاب الأدب، باب تغيير استحباب الاسم القبيح إلى حسن: ۲۰۸/۲، قديمي)

قال النووي: "معنى هذه الأحاديث تغيير الاسم القبيح أو المكروه إلى حسن، وقد ثبت أحاديث بتغييره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أسماء جماعة كثير من الصحابة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب تغيير الاسم القبيح: ۳۲۹/۲، إمداديه ملتان)

تھا، لیکن اب ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ نام اس بچے کے لئے مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کل جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں سب کے مجموعہ کو مرسلین کہا جاتا ہے۔اس لئے آپ کا کیا ارشاد ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

کسی بچہ کا نام مرسلین نہیں رکھنا چاہئے، اگر لفظِ ''مرسلین'' کا نام میں لانا ہی ملحوظ ہے تو ''خادم المرسلین'' یا ''غلام المرسلین'' وغیرہ کچھ رکھ دیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۶/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۶/۹۴ھ۔

''ربّانی'' نام رکھنا

سوال[۹۳۸۲]: کیا بچہ کا نام ''ربانی'' رکھا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

ربّانی نام رکھنا درست ہے،اس کا ترجمہ ''اللہ والا'' لیکن پیغمبروں کے نام کے موافق نام رکھنا (۲)، یا پھر ایسا نام رکھنا جس میں ''عبد'' آئے اور اللہ کے کسی نام کی طرف مضاف ہو بہتر و پسندیدہ ہے، جیسے عبد الرحمٰن،

---

(۱) "التسمية باسم .... ولا يستعمله المسلمون الأولى أن لايفعل". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۶/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد: ۵/۳۶۲،رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع والعشرون في تسمية الأولاد: ۶/۱۲۹، غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سمّوا بأسماء الأنبياء، ولاتسموا بأسماء الملائكة". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳۵۵۳/۷، (رقم الحديث: ۴۷۱۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

قال العلامة المناوي: "فيكره التسمي بها، كما ذكره القشيري، ويسن بأسماء الأنبياء".

(فيض القدير، المصدر السابق)

عبدالرحیم وغیرہ(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹/۴/۹۰ھ۔

''یحییٰ'' اور''ناصر'' نام رکھنا

سوال[۹۳۸۳]: میرے دولڑکے ہیں: یحییٰ اعظم اور ناصر اعظم۔ یہ میں نے اپنے نام سے ملا کر رکھا تھا چونکہ میرا نام نورالاعظم ہے، مگر دینی اعتبار سے جاہل ہوں، اس لئے بصد آداب ملتمس ہوں کہ شرعی اعتبار سے یہ نام برا تو نہیں ہوگا؟ اگر ایسا ہو تو پھر غلام محمد یحییٰ اور غلام محمد ناصر رکھا جائے تو بہتر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یحییٰ اور ناصر نام بھی صحیح اور کافی ہیں، کچھ اضافہ ہی کرنا ہے تو محمد یحییٰ اور محمد ناصر پورا نام کر دیجئے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

---

(۱) ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''أحب الأسماء إلی اللہ عزوجل عبداللہ وعبدالرحمٰن''. قال المحشي: ''یلتحق بھذین الاسمین ماکان مثلھا کعبدالرحیم''.

(سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في تغییر الأسماء: ۳۲۸/۲، إمدادیہ ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأدب، باب مایستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قدیمي)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأدب، باب النھي عن التکني بابی القاسم الخ: ۲۰۶/۲، قدیمي)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۴۱۷/۲، قدیمي)

(۲) ''التسمیة باسم .... ولا یستعملہ المسلمون الأولیٰ أن لایفعل''. (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الفصل التاسع في المتفرقات: ۳۷۰/۲، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراھیة، الباب الثاني والعشرون في تسمیة الأولاد: ۳۶۲/۵، رشیدیہ)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الاستحسان والکراھیة، الفصل الرابع والعشرون في تسمیة الأولاد: ۱۲۹/۶، غفاریہ کوئٹہ)

''عبدالرّبّان'' نام رکھنا

سوال[۹۳۸۴]: عبدالرّبّان نام رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اللہ کے ناموں میں ''رب'' ہے ''ربّان'' نہیں، اس لئے ''عبدالرب'' رکھنا درست ہے عبدالربّان نہیں رکھنا چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفااللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بچہ کا نام ''محمد رسول اللہ'' یا ''موسیٰ کلیم اللہ'' رکھنا

سوال[۹۳۸۵]: کسی بچہ کا ''محمد رسول اللہ'' یا ''موسیٰ کلیم اللہ'' یا ''حضرت رسول اللہ'' نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''محمد، موسیٰ، کلیم اللہ'' جداگانہ تینوں نام رکھنا درست ہے۔ ''رسول اللہ، محمد رسول اللہ، موسیٰ کلیم اللہ'' نام نہ رکھے جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۷ھ۔

---

(۱) ''ربان'' چونکہ فقیہ اور عالم شخص کو کہتے ہیں اور وہ خود ''عبد'' ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں ''عبد'' کی اضافت عبد ہی کی طرف ہے جو کہ ناجائز ہے، چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ''الربانیون'' کا معنی یوں بیان کیا ہے: ''(الربانیون) العلماء الفقهاء''.

(روح المعاني، (سورة المائدة: ۴): ۶/۱۴۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسيرابن كثير: ۲/۶۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) چونکہ ''رسول اللہ، محمد رسول اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ'' نام لیتے وقت ذہن فوراً انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، یہی وجہ تھی کہ ابتدائے اسلام میں ''ابوالقاسم'' کنیت رکھنا ممنوع تھا:

''عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: نادى رجل رجلاً بالبقيع: يا أبا القاسم! فالتفت إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يارسول الله! إني لم أعنك، إنما دعوتُ فلاناً، فقال رسول الله صلى الله =

کسی کا نام ''محمد'' ہو اُس پر درود کی علامت

سوال[۹۳۸۲]: بہت سے لوگ جن کا نام ''محمد'' ہوتا ہے، وہ لفظ ''محمد'' یا ''احمد'' کے ساتھ صلعم کا مخفف یعنی ''ص'' لکھتے ہیں، حالانکہ یہ مخصوص ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے۔ اس کے جواز اور عدمِ جواز سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کا نام ''محمد'' ہو، یا نام کے ساتھ ''محمد'' ہو، نہ اس پر درود شریف پڑھا جاتا ہے اور نہ لکھا جاتا ہے، نہ اس کا حکم ہے، بلکہ درود شریف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ جو لوگ ایسی جگہ لفظ ''محمد'' پر ''ص'' بنادیتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ہے، ان کا مقصد اپنے نام پر درود پڑھنا نہیں، بلکہ لفظِ ''محمد'' سے ذہن منتقل ہوجاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی طرف، اس انتقالِ ذہنی کی وجہ سے ''ص'' بنادیتے ہیں، مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں، بلکہ اگر اس سے یہ شبہ ہو کہ غیر نبی پر درود پڑھا جارہا ہے تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے (۱)۔

تنبیه: سوال میں جو لفظ ''صلعم'' ہے یہ مہمل لفظ ہے، جہاں درود کا حکم ہے وہاں پورا درود لکھا جائے

= عليه وسلم: "تسموا باسمي، ولاتكتنوا بكنيتي". (الصحيح لمسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم: ۲۰۶/۲، قديمي)

(وكذا في فيض القدير، شرح الجامع الصغير: ۳۵۵۳/۷، (رقم الحديث: ۷۱۷۴)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "عن أبي الحوراء السعدي، قال لحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما: ماحفظت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع مايريبك إلى مالايريبك". (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، قبيل أبواب صفة الجنة: ۷۸/۲، سعيد)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث حسن بن علي رضي الله عنهما: ۳۰۰/۱، (رقم الحديث: ۱۷۲۹)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

نہ کہ صلعم (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۷ھ۔

کسی ادارہ کا نام، نامِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھنا

سوال [۹۳۸۷]: اگر کچھ مسلمان قومی وملی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوکر تبلیغ دین ومعاشرے کی صحت مند تعمیر کی خاطر اپنے حبیب پاک کے نام نامی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی علمی ادارہ یا شفاخانہ کھولنا چاہیں تو کھول سکتے ہیں یا نہیں، مثلاً ''پروفٹ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میڈیکل کالج ہسپتال'' کے نام سے اگر کوئی علمی ادارہ کھولا جائے تو کہاں تک شرعی طور پر جائز ہوگا؟ صحیح تحقیق سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذاتِ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک سے تبرک حاصل کرنا عینِ سعادت اور تقاضائے عقیدت ہے، مگر اس کی صورت یہ ہے کہ اس نام مبارک کی لاج کے لئے اپنے اپنے معیار، اپنے خاندان، اپنی قوم، اپنی بستی اور حیثیت وقوت کے مطابق تمام امت کے لئے جدوجہد کی جائے تا کہ ہر ایک امتی کے اخلاق،

(۱) "وقال بعض أهل الحديث: كان لي جار فمات فرؤى في المنام، فقيل له: مافعل الله بك؟ قال: غفرلي. قيل: بم ذاك؟ قال: كنت إذا كتبتُ ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الحديث كتبت " صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ".

وقال سفيان بن عيينة: حدثنا خلف صاحب الخلفان قال: كان لي صديق رضي الله تعالىٰ عنه يطلب معي الحديث، فمات فرأيته في منامي وعليه ثياب خضر يجول فيها، فقلت: "ألست معي تطلب الحديث"؟

قال: بلىٰ. قلت: فما الذى أصارك إلى هذا؟ أو كما قال، قال: كان لايمر حديث فيه ذكر محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلا كتبت في أسفله " صلى الله تعالىٰ علبه وسلم " فكافأني ربي هذا الذى ترى علي". (جلاء الإفهام في الصلوة والسلام على خير الأنام، فصل: الموطن الحادى والعشرون من مواطن الصلوة عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عنه كناية اسمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

اعمال، اقوال، صورت، شکل، وضع قطع، تجارت، زراعت، غرض ہر چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع اور آپ کی ہدایت کے تحت ہوجائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر ایک کی محبت پر غالب ہوجائے (۱)۔

کسی دوا کا نام، کسی بلڈنگ کا نام، کسی شفاخانہ کا نام اسمِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ کر نام کی شہرت سے روپیہ حاصل کرنا اور اس کے لئے مقدس نام مبارک کو ذریعہ بنانا اونچا مقصد نہیں، پست مقصد ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی اور بلڈنگ کو کسی ایسے کام میں استعمال کرتا ہے کہ اس کو نام مبارک کی عظمت سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہوتی، بلکہ مخالفت ہوتی ہے، اور اسم مبارک سے تبرک کے بجائے دوسرا معاملہ کیا جاتا ہے، اس لئے اس سے احتراز ہی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

درست اور نادرست نام

سوال [۹۳۸۸]: کسی کا نام: ۱-عبدالحبیب، ۲-یا غلام نبی ۳-یا غلام مصطفیٰ ۴-یا عبدالنبی، ۵-یا عبدالرسول، ۶-یا محمد رسول، ۷-یا شیخ محمد، ۸-یا صرف محمد، ۹-یا صرف احمد، ۱۰-یا رب الدین وغیرہ اس قسم کے نام شرعاً رکھنا کیسا ہے؟ فقط۔

عبدالکلام غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان میں: ۲، ۳، ۷، ۸، ۹- نام درست ہیں، باقی نام رکھنا مکروہ ہے۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من ولدہ ووالدہ والناس أجمعین". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/۴۹، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/۷، قدیمی)

تنبیه: عبدالکلام نام بھی قابلِ تغییر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

بچہ کا نام ''نبی خان'' رکھنا

سوال [۹۳۸۹]: میرے یہاں ۱۷/ نومبر ۶۷ء کو ایک بچہ پیدا ہوا ہے، ابھی تک اس بچے کا نام نہیں رکھا گیا، اس بچے کا تاریخی نام لکھدیں یا کوئی اور نام لکھدیں، لیکن نام ''نبی خان'' پر ہونا چاہئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاریخی نام نکالنے سے مجھے مناسبت نہیں، اس لئے معذور ہوں۔ ایک بات عرض ہے وہ یہ کہ بچے کا نام پیدائش کے ساتویں روز رکھنا مستحب ہے، اب ماشاء اللہ سوا دو برس ہو چکے ہیں نام رکھنے میں اتنی تاخیر نہ کرنا چاہئے (۱)۔ نام میں مستحب یہ ہے کہ ایسا نام رکھا جائے جس میں عبد آئے، مثلاً عبداللہ، عبدالرحمان، عبدالرحیم وغیرہ (۲) یا پیغمبر کا نام ہو، مثلاً: یحییٰ، زکریا، داؤد، یوسف، محمد وغیرہ ان میں سے کسی کا نام نبی خان نہیں (۳)۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''یستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه، ویحلق رأسه، ویتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضةً أو ذهباً، ثم یعق عند الحلق عقیقة إباحةً علی مافي الجامع المحبوبي''. (ردالمحتار، کتاب الأضحیة، قبیل کتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۳۶، سعید)

(۲) ''عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ''أحب الأسماء إلی اللہ عزوجل عبداللہ، وعبدالرحمٰن''. (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب في تغییر الأسماء: ۲/۳۲۸، إمدادیه ملتان)

قال المحشی: ''یلتحق بهذین الاسمین ماکان مثلها کعبدالرحیم وعبدالصمد وعبدالمالک''.

(حاشیة سنن أبی داؤد، المصدر السابق)

(وابن ماجة، أبواب الأدب، باب مایستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۱۷، سعید)

(۳) ''سموا بأسماء الأنبیاء''. الحدیث. قال المناوی: ''ویسنّ بأسماء الأنبیاء''. (فیض القدیر شرح =

''محمد علیم'' نام رکھنا

سوال[۹۳۹۰]: محمد علیم نام رکھنا کیسا ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ نام درست نہیں ہے اس لئے کہ صفت دوام علم کہ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفت کے ساتھ خاص ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

"قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما: فوق کل عالمٍ عالمٌ إلا أن ینتهی العلم إلی اللّٰہ تعالیٰ". والمعنیٰ أن إخوة یوسف علیه السلام کانوا علماء إلایوسف علیه السلام أفضل منهم، ا ھ". روح المعانی: ۹۳/٤، سورۂ یوسف ﴿وفوق کل ذی علم علیم﴾(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ علیم اللہ تعالیٰ کا مخصوص نام نہیں، لہٰذا محمد علیم نام رکھنا ناجائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''ابوالاعلیٰ'' نام رکھنا

سوال[۹۳۹۱]: ''ابوالاعلیٰ'' نام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا اولیاء اللہ میں سے کسی کا رہا ہے یا نہیں؟ نیز اس نام میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ اگر ابوالاعلیٰ نام رکھنا درست ہوتو ابوالرحمٰن، ابوالجبار، ابوالغفار وغیرہ نام رکھنا بھی درست ہونا چاہئے، اس لئے کہ جس طرح ''الرحمٰن'' خدا کا صفاتی نام ہے اسی طرح

= الجامع الصغیر: ۳۵۵۳/۷، (رقم الحدیث: ۷۱۷۴)، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"التسمیة باسم یوجد فی کتاب اللّٰہ تعالیٰ جائزة". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٦/٤۱۷، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ السراجیة، کتاب الحظر والإباحة، باب التسمیة، ص: ۷۲، سعید)

"التسمیة باسم لم یذکره اللّٰہ تعالیٰ ورسوله فی عبارةٍ ولایستعمله المسلمون، الأولیٰ أن لایفعل". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة،، کتاب الکراهیه، الفصل التاسع فی المتفرقات: ۳۷۰/٦، رشیدیه)

(۱) (روح المعانی: ۳۰/۱۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر، (سورۃ یوسف: ۷٦): ۴۸۵/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

''اعلیٰ'' بھی خدا کا صفاتی نام ہے۔ امید ہے کہ اس میں صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''اعلیٰ'' صفتِ خاص نہیں کہ کسی اَور کے لئے اس کا اطلاق درست نہ ہو، قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہے: ﴿قلنا لاتخف إنك أنت الأعلیٰ﴾ (۱)۔ نیز اہلِ اُحد کو ارشاد ہے: ﴿وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾ پاره: ٤ (٢)۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء اللہ میں کسی کا نام مجھے معلوم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

''محمد عمر فاروق'' نام رکھنا

سوال [۹۳۹۲]: بچوں کا نام محمد عمر فاروق رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برکت کے لئے محمد عمر فاروق نام رکھنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

''عبدالسبحان'' نام رکھنا

سوال [۹۳۹۳]: اگر زید نے اپنے لڑکے کا نام ''عبدالسبحان'' رکھ دیا تو یہ نام رکھنا صحیح ہے یا غلط

---

(۱) (سورة طٰهٰ: ٦٨)

(٢) (سورة آل عمران: ١٣٩)

یہ اگرچہ صفتِ خاصہ نہیں، لیکن ذہن پر ایک قسم کا التباس آتا ہے اور مسلمانوں میں اس کا عام رواج بھی نہیں ہے اس لئے احتیاط بہتر ہے:

"التسمية باسم .... لايستعمله المسلمون، الأولى أن لايفعل". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ٦/٣٧٠، رشيديه)

(۳) برکت اس وجہ سے ہے کہ ایک نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے، لہذا یہ مجموعۂ برکات ہے۔

ہے؟ اور زید اپنے خیال میں یہ بات ملحوظِ نظر رکھتا ہے کہ ''سبحان'' مصدر ہے اور مصدر اسمِ فاعل اور اسم مفعول کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ تو اگر زید نے سبحان مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں لے کر عبدالسبحان کے معنیٰ ''پاکی کئے ہوئے کا بندہ'' کئے، اب یہاں عبدالسبحان میں جو سبحان مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ شانہٗ لیا جائے تو یہ مراد لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس وقت عبدالسبحان نام رکھنا درست ہوگا یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصدر کا اسمِ فاعل واسم مفعول کے معنی میں آنا سماعی ہے یا قیاسی؟ اگر قیاسی ہے تو پھر مصدر کو بمعنی اسم فاعل واسمِ مفعول کے لے سکتے ہیں، مگر اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اگر سماعی ہے تو موردِ سماع پر منحصر رہے گا، تو زید ثبوت پیش کرے کہ سبحان مصدر کلام عرب میں کسی جگہ بمعنیٰ اسم مفعول آیا ہے۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، زید بتلائے کہ سبحان کا اطلاق قرآن کریم، حدیث شریف یا دیگر کتب معتبرہ میں خدائے تعالیٰ پر کیا گیا ہے:

''قلت: ومن هٰهنا وضح لك أن تسمية العوام أطفالهم "بعبد السبحان" ممّا لامعنى لها، ويجب نهيهم عنها، فإن العبودية لاتُضاف إلا إلى اسم من أسماء الله تعالىٰ، والسبحان ليس علَماً له ولاوصفاً له بل هو مصدر، فاحفظه فإنه من الفوائد النفيسة". السعاية: ۲/۱٦٤(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/ ذی قعدہ/۱۳٦۰ھ۔

---

(۱) (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: يجب نهي العوام عن تسميتهم أطفالهم بعبد السبحان: ۱٦۴/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وسبحان مصدر كغفران، ولايكاد يستعمل إلامضافاً منصوباً، الخ". (تفسير البيضاوي، (سورة البقرة: ۳۲): ۶۲/۱، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في البحر المحيط: ۱۴۸/۱، دارالفكر بيروت)

''عبدمناف'' نام رکھنا

سوال[۹۳۹۴]: ہمارے ایک دوست نے اپنے لڑکے کا نام عبد مناف رکھا، اس لفظ کے کیا معنی ہیں، اور یہ نام رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا یہ نام اللہ کے نام میں سے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''مناف'' اللہ کا نام نہیں، اس لئے عبد مناف نام بھی نہیں رکھنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۶/۴/۸۷ھ۔

''یافث'' نام رکھنا

سوال[۹۳۹۵]: میں اپنے بچے کا نام ''یافث'' رکھنا چاہتا ہوں، یافث کے معنی اور مطلب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام یافث تھا (۲)، اس کے معنی معلوم نہیں، یہ عربی لفظ نہیں، یہ نام رکھنے میں بھی مضائقہ نہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ پیغمبروں کے نام پر یا صحابہ کے نام پر رکھا جائے (۳)، یا ایسا نام

---

(۱) "فإن العبودية لاتضاف إلا إلىٰ اسم من أسماء الله تعالىٰ". (السعاية، باب صفة الصلوٰة، مطلب: يجب نهي العوام، الخ: ۱۶۴/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"التسمية باسم .... لايستعمله المسلمون، الأولى أن لايفعل". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۳۷۰/۶، رشيديه)

(۲) "وقيل: إنما كان نوح وبنوه الثلاثة: سام وحام ويافث". (تفسير ابن كثير، سورة هود: ۴۴۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في روح المعاني، (سورة هود: ۴): ۵۵/۱۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سموا بأسماء الأنبياء، ولاتسموا بأسماء الملائكة". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳۵۵۳/۷: رقم الحديث: ۴۷۱۷، نزار مصطفى رياض)

رکھا جائے جس کے شروع میں ''عبد'' ہو اور دوسرا لفظ اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہو جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم، عبدالخالق، عبدالحمید (۱)، عبدالسبحان وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

''عبدالرحیم'' کو ''رحیم'' کہہ کر پکارنا

سوال [۹۳۹۲]: ہمارے اطراف میں جن لوگوں کا نام عبدالرحیم، عبدالقدوس وغیرہ ہے، ان کو ''اے رحیم، اے قدوس'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ اس طرح بلانا گناہ ہے: کیونکہ شرح فقہ اکبر میں صفحہ ۲۳۸ میں ہے کہ: "من قال لمخلوقٍ یا قدوس الخ" (۳)۔ جس سے عدمِ جواز مفہوم ہوتا ہے۔ تو زید کا یہ سمجھنا

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أحب الأسماء إلی الله عزوجل عبدالله وعبدالرحمٰن". (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء: ۳۲۸/۲، امدادیه ملتان)

قال المحشی: "یلتحق بهذین الاسمین ماکان مثلها کعبدالرحیم". (حاشیة أبی داؤد، المصدر السابق)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأدب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم، الخ: ۲۰۶/۲، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۱۷/۶، سعید)

(۲) ''عبدالسبحان'' نام رکھنا مناسب نہیں، جیسا کہ خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود اس پر بحث فرمائی ہے، کما تقدم تحت عنوان: ''عبدالسبحان نام رکھنا'' من: (السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: یجب نهی العوام عن تسمیتهم أطفالهم بعبد السبحان: ۱۶۳/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وسبحان مصدر کغفران، ولایکاد یستعمل إلامضافاً منصوباً، الخ". (تفسیر البیضاوی، (سورة البقره: ۳۲): ۶۲/۱، میر محمد کتب خانه)

(وکذا فی البحر المحیط: ۱۴۸/۱، دارالفکر بیروت)

(۳) (شرح الفقه الأکبر، للملا علی القاری رحمه الله، قبیل فصل فی المرض والموت والقیامة، ص: ۱۹۳، قدیمی)

صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو عامۃً اس سے بچاؤ مشکل ہے، لہٰذا کیا صورت اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی تعظیم کرتے ہوئے اللہ پاک کا نام بولنا اس کو اللہ کے درجہ میں تسلیم کرنا ہے جو کہ کفر ہے، لیکن معنیٰ لغوی کی رعایت سے کوئی لفظ بولنا جس میں خدائے پاک کے نام کی شرکت مقصود نہ ہو، کفر نہیں۔ صورت مسئولہ میں معنیٰ کی طرف دھیان نہیں ہوتا ہے، بلکہ علَم (نام) میں اختصار کیا جاتا ہے:

"ومن قال لمخلوق: یاقدوس أوالقیوم أوالرحمٰن، أوقال: اسماً من أسماء الله الخالق، كفر، انتهٰی. وهو يفيد أنه من قال لمخلوق: ياعزيز ونحوهم، يكفر أيضاً، إلا إن أراد بهما المعنى اللغوی. والأحوط أن يقول: ياعبد القدير يا عبدالرحمٰن، اھ". شرح فقه اکبر، ص: ۲۳۸ (۱)۔

عبدالرحیم وغیرہ نام رکھنے کی حدیث میں تاکید آئی ہے، اس کو منع نہیں کیا جا سکتا، البتہ نام لینے والوں کو ہدایت کی جائے گی کہ وہ پورا نام باادب لیا کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۱ھ۔

جسمانی امراض کے لئے نام بدلنا

سوال [۹۳۹۷]: کوئی مرد یا عورت اگر بیمار ہو جائے، تو پیر صاحب کہتے ہیں کہ اس بیمار کا جو نام

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر، قبيل فصل في المرض والموت والقيامة، ص: ۱۹۳، قديمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أحب الأسماء إلى الله عزوجل عبدالله وعبدالرحمن". (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب تغيير الأسماء: ۳۲۸/۲، إمداديه ملتان)

قال المحشی: "يلتحق بهذين الاسمين ما كان مثلهما كعبد الرحيم". (حاشية أبی داؤد، المصدر السابق)

(والصحيح لمسلم مع شرحه للنووی، كتاب الأدب، باب النهی عن التكنی بأبی القاسم: ۲۰۶/۲، قديمی)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴۱۷/۶، سعيد)

رکھا ہے وہ بہت برا ہے، اس کا نام بدلنے سے ٹھیک ہوجائیگا۔ جاہل لوگ تسلیم کرکے اس کا نام بدل دیتے ہیں۔ اس کا کہیں ثبوت ہے یا شرک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نام خلافِ شرع ہو اس کو بدل دینا حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)، شریعت کے موافق جو نام ہو، اس کو جسمانی امراض کے علاج کے لئے بدلنا ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۴ھ۔

قوم کا نام ''افغان محمدی''

سوال[۹۳۹۸]: ہم لوگ مختلف قسم کی دستکاری کرتے ہیں. ہماری برادری کے کچھ لوگ ملازمت کرتے ہیں۔ دفتری ملازم اپنی قومیت کیا لکھائے، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم کا بھی کوئی نام تجویز ہو، جیسے مسلمان قوموں میں سبھی کے نام ہیں، ہر شخص اپنا حسب نسب باشرع بتاتا ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں میں اس وقت بیداری ہے اور مسئلہ کو طے کرنے کے لئے ہندوستان میں پوری برادری کمربستہ ہے، اس موقع پر آپ ہماری مدد فرمائیں۔

۱.....کیا ہماری برادری اپنی انجمن کا نام ''انجمن افغان محمدی'' رکھ سکتی ہے؟

۲.....کیا ہماری برادری کی قوم کا نام ''محمدی'' ہوسکتا ہے؟

۳.....کیا ہماری برادری کی قوم کا نام ''افغان محمدی'' ہوسکتا ہے؟

۴.....کیا ہماری برادری کا نام ''شیخ افغانی'' ہوسکتا ہے؟

سائل: محمد یوسف ولد محمد لقمان، آزاد باڈی ورکس، مظفرنگر۔

---

(۱) ''عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم غیّر اسم عاصیة (هی بنت عمر بن الخطاب) وقال: ''أنت جمیلة''. (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی تغییر الاسم القبیح: ۳۲۸/۲، إمدادیه ملتان)

''وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن زینب کان اسمها برة، فقیل: تُزکّی نفسها، فسماها رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم زینب''. (الصحیح لمسلم، کتاب الأدب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح إلی حسن: ۲۰۸/۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا نام جو مختلف صنعتوں پر حاوی ہو جس میں سب ہی مسلم صنعت کار داخل ہو سکتے ہوں آپ نے ''انجمن افغان محمدی'' تجویز کیا ہے۔

افغان ''فغن'' کی جمع ہے جس کے معنی ''ہنر'' کے بھی ہیں یعنی ''فنکار'' مسلم، پیشہ اور مذہب دونوں کی اس میں رعایت ہوگئی۔ ہر فرد اپنے کو افغانی بھی کہہ سکتا ہے، جس کا مطلب ہوگا: ''متعدد صنعتوں کو جاننے والا'' جس کا حاصل یہ نکلا کہ یہ شخص صنعت، پیشہ دستکاری والی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب خصال الفطرة

الفصل الأول فی اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

داڑھی

سوال[۹۳۹۹]: ایک شخص یوں کہتا ہے کہ داڑھی رکھواؤ تو کوئی حرج نہیں اور نہ رکھواؤ تو بھی کوئی حرج نہیں واقع ہوتا اور داڑھی رکھوانا سنت ہے۔

الجواب حامداًومصلياً:

وہ شخص غلط کہتا ہے، داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا منڈانا حرام ہے، ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے پہلے کٹوانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور سے داڑھی رکھنے اور بڑھانے کا حکم فرمایا ہے(۱):

(۱) "عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "أحفوا الشوارب وأعفوا اللحی".

"وعن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحی".

"وعن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "جزوا الشوارب وأرخوا اللحی، خالفوا المجوس".

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "عشرٌ من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمی) .... =

....

= "عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "انهكوا الشوارب وأعفوا اللحى". (صحيح البخارى: ۸۷۵/۲، باب إعفاء اللحى، كتاب اللباس، قديمى)

(وسنن أبی داؤد: ۸/۱، باب السواک من الفطرة، دارالحديث ملتان)

(وسنن أبی داؤد: ۵۷۷/۲، كتاب الترجل، باب في أخذ الشارب، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي: ۷/۱، كتاب الطهارة، إحفاء الشارب وإعفاء اللحى، قديمى)

(وصحيح البخارى: ۸۷۵/۲، كتاب اللباس، باب اعفاء الحى، قديمى)

قال النووى رحمه الله تعالیٰ: "فحصل خمس روايات: "أعفوا، وأوفوا، وأرخوا، وأرجوا، ووفروا. ومعناها كلها تركها على حالها، هذا هو الظاهر من الحديث الذى يقتضيه ألفاظه، وهو الذى قاله جماعةٌ من أصحابنا وغيرهم من العلماء". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱۲۹/۱، قديمى)

"وقص اللحية من صنع الأعاجم، وهو اليوم شعار كثيرٍ من المشركين كالأفرنج والهنود، ومن لاخلاق له فى الدين من الطائفة القلندرية". (مرقاة المفاتيح: ۹۱/۲، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

"واللحية هى الفارقة بين الصغير والكبير، وهى جمال الفحول وتمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها. وقصُّها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله، ولحوق أهل السؤدد والكبرياء بالرعاع". (حجة الله البالغة: ۵۱۷/۱، خصال الفطرة وما يتصل بها، إعفاء اللحية وقصّ الشوارب، قديمى)

(وأيضا حجة الله البالغة: ۵۱۶/۲، إطالة اللحى وإحفاء الشوارب، قديمى)

(وكذا فى بذل المجهود: ۳۳/۱، كتاب الطهارة، باب السواک من الفطرة، مكتبه إمداديه ملتان)

قال محمد رحمه الله تعالیٰ: "عن ابن عمر رضى الله تعالیٰ عنهما: أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقصّ ما تحت القبضة. قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبى حنيفة". (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچى)

"يحرم على الرجل قطع لحيته، اھ". درمختار: ۲۸۸/۵ (۱)۔

"وأما الأخذ منها (أي من اللحية) وهي دون ذلك: أي دون القبضة –كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال– فلم يبحه أحدٌ، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم، فتح. اھ". درمختار: ۱۷٤/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

داڑھی کی تحقیق

سوال [۹۴۰۰]: ا...... شریعت مقدسہ مطہرہ میں داڑھی رکھنے کے متعلق امر ہے یا نہیں، کچھ احکام صادر فرمائے ہیں یا نہیں؟ اثبات ہو یا نفی دونوں صورتیں مدلل مستحکم بدلائلِ شرعیہ ہوں تا کہ عامۃ المسلمین کو کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

۲...... یہ بھی تحریر کریں کہ کتنی جگہ کے بالوں کو داڑھی کہا جاتا ہے، یہ تحقیق بھی شرع شریف کی روشنی میں ہونا از حد ضرور ہے۔

۳...... اگر داڑھی رکھنے کے متعلق شریعت مقدسہ کا حکم ہے تو کیا چہرے کے کسی حصہ کے بالوں کو استرے سے کٹوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... داڑھی کا رکھنا واجب ہے، اور منڈانا اور ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا ناجائز ہے:

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين، أوفروا اللحى، وأحفوا الشوارب". وفي رواية: "أنهكوا الشوارب، وأعفوا

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۱۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۲، كتاب الصوم، باب مايفسد، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد: ۱۸۷/۲، بيروت)

اللحی". متفق علیه، الخ". مشکوٰۃ شریف(۱)۔

"ولا بأس أن يقبض على لحيته، فإن زاد على قبضة منها شيء، جزّه، الخ". عالمگیری(۲)۔

"أما الأخذ منها وهي دون ذلك، كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد، اه". فتح القدیر(۳)۔

"قص اللحية كان من صنيع الأعاجم وهو اليوم شعار كثيرٍ من أهل الشرك وعَبَدة الأوثان كالأفرنج والهنود ومَن لا خلاق لهم في الدين من الفرقة الموسومة بالقلندرية في زماننا، الخ". مرقاۃ(۴)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح: ۲/۳۸۰، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۲/۸۷۵، باب إعفاء اللحی، كتاب اللباس، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب الطهارة: ۱/۸، باب السواک من الفطرة)

(وأيضاً فی سنن أبی داؤد: ۲/۵۷۷، كتاب الترجل، باب فی أخذ الشارب، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائی: ۱/۷، إحفاء الشارب وإعفاء اللحی، قديمی)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۸، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر فی الختان ...... وقص الشارب وحلق الرأس، رشيديه)

(۳) (فتح القدير: ۲/۳۴۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۴) (مرقاة المفاتيح: ۲/۹۱، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

(وكذا فی حجة الله البالغة، خصال الفطرة، ومايتصل بها، إعفاء اللحية وقصّ الشوارب: ۱/۵۱۷، قديمی)

(وكذا فی حجة الله البالغة، إطالة اللحی وإحفاء الشوارب: ۲/۵۱۶، قديمی)

(وكذا فی بذل المجهود: ۱/۳۳، كتاب الطهارة، باب السواک من الفطرة، مكتبه امداديه ملتان)

۲.....عربی میں "لُحی" اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت ہوتے ہیں اور چونکہ داڑھی اس ہڈی پر پیدا ہوتی ہے اس لئے داڑھی کو "لِحیۃ" کہتے ہیں، پس اس ہڈی پر جو بال ہوں ان کو کٹوانا یا منڈانا جائز نہیں ہے، ایک قبضہ تک پہونچنے کے بعد کٹوانا درست ہے:

"اللحی العظام الذی علیه الأسنان، الخ". المغرب(۱)۔

۳.....خط بنوانا یعنی جو بال داڑھی کی حد سے بڑھ کر رخسار پر پیدا ہوگئے ہوں، ان کو منڈوانا درست ہے، نیچے جولب کے بال ہوتے ہیں ان کو منڈوانا منع ہے، حلق پر جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی نہیں منڈوانا چاہیئے:

"ولا یحلق شعر حلقه. وعن أبی یوسف: لا بأس بذالك .... نتف الفنیکین بدعة وهما جانبا العنفقة وهی شعر الشفة السفلیٰ، کذا فی الغرائب". عالمگیری(۲)۔

"عن أبی حنیفةؒ: أنه یجوز قص کل شعر مانع من زینة اللحیة. الخ"(۳)۔

ڈاڑھی وغیرہ کی اقسام کی زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو "درك المـارب فی أحكام اللحی والشوارب". "هدایة النور فی أحكام الأظفار والشعور". "نور اللحی وما یتعلق باللحی". داڑھی کا فلسفہ"۔ "داڑھی کی قدر و قیمت" وغیرہ رسائل دیکھئے، اس میں احکام وحِکَم حکم وعلل زیادہ ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹/۹/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

---

(۱) (المغرب، اللحی، ص: ۴۲۴، إدارة دعوة الإسلام، یوسفیه بنوریه کراچی)

"واللحی: منبت اللحیة من الإنسان وغیره ...... واللحیان: حائطا الفم، وهما العظمان اللذان فیهما الأسنان من داخل الفم من کل ذی لحی". (لسان العرب: ۲۴۳/۱۵، دار صادر بیروت)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر: ۳۵۸/۵، رشیدیه)

(۳) لم أظفر علی مأخذ هذه العبارة

ایک مشت ڈاڑھی کی تحقیق

همایوں منزل کلکته

محترم جناب مفتی محمود احمد صاحب زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ

سوال[۹۴۰۱]: بعدازاں گذارش یہ کہ بخیرہ کر خدا سے آپ کی خیریت کا طالب ہوں، ادھر کچھ دنوں سے ڈاڑھی کا مسئلہ چھڑا ہوا ہے، معلوم کرنا یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ڈاڑھی کی صحیح مقدار کیا ہے، ایک مشت سے کم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حقیقی مسئلہ تحریر فرمائیں۔ اگر ممکن ہو تو ایک مشت کے سلسلہ میں کوئی قولی حدیث اور قرآن کی آیت تحریر فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ والسلام۔

طالب دعا: غلام رسول بقلم ابوالکرم عبدالحنان، یکم/فروری/ ۱۹۲۹ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث شریف میں صاف "أعفوا اللحی" (۱) "أرخوا اللحیٰ" (۲) "أوفروا اللحیٰ" (۳) کے الفاظ موجود ہیں جن کا ترجمہ ہے: "ڈاڑھی بڑھاؤ۔ ڈاڑھی لٹکاؤ۔ ڈاڑھی زیادہ کرو"۔ ان الفاظ کا تقاضہ تھا کہ بڑھانے کی کوئی حد مقرر نہ ہوتی اور کٹانا بالکل جائز نہ ہوتا، مگر حدیث کے راوی صحابی کا معمول تھا کہ ایک مشت سے جو مقدار آگے بڑھ جاتی اس کو کٹا دیتے۔ اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں روایت کیا

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أحفوا الشوارب، وأعفوا اللحى". (الصحيح لمسلم، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "جزوا الشوارب، وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس". (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، باب خصال الفطرة، قديمي)

(۳) "وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين أوفروا اللحى، وأحفوا الشوارب". وفي رواية "انهكوا الشوارب وأعفوا اللحى". متفق عليه. (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمي)

ہے اور اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب قرار دیا ہے (۱)۔

کسی صحابی سے منقول نہیں کہ ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے کسی نے کٹائی ہو، منڈانے کا، تو وہاں سوال ہی نہ تھا، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث شریف کا وہی مطلب سمجھا ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ پس حدیث کا کوئی ایسا مطلب نکالنا جو سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فہم کے خلاف ہو جائز نہیں، ایسا مطلب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں ہوسکتا، بلکہ مطلب نکالنے والے کے خود اپنے ذہن کا مطلب ہے جس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سر تھوپنا افتراء ہے جس پر سخت وعید ہے، ایسے شخص کے لئے جہنم کی سزا بیان فرمائی گئی ہے (۲)۔

درمختار میں مذکور ہے کہ ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے کٹانا کسی نے بھی جائز نہیں کہا (۳)۔ سیدھی

---

(۱) "محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة، عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقصّ ما تحت القبضة. قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچی)

"ولا بأس أن يقبض على لحيته، فإن زاد على قبضة منها شئ، جزّه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر في الختان ...... وقص الشارب، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹/۳، كتاب الحج، باب الجنايات، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲۰/۳ رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسد، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۸۶/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد وما لا يفسده، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱۸۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبدالعزيز، قال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تعمد عليّ كذباً، فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري: ۲۱/۱، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، قديمي)

(۳) "وأما الأخذ منها (أي من اللحية) وهي دون ذلك: أي دون القبضة –كما يفعله بعض المغاربة =

سیدھی بات ہے کہ جب بڑھانے کا حکم ہے تو کٹانے سے وہ حکم ٹوٹے گا اور حکم کی خلاف ورزی معصیت ہے، جو لوگ ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے کٹانے اور خشخشی یا اس سے کچھ زائد پر کفایت کرتے ہیں، وہ ثبوت دیں کہ کٹانے کا حکم کس حدیث سے ثابت ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

داڑھی کی مقدار

سوال[۹۴۰۲]: گذارش ہے کہ زید مسلکاً حنفی ہے، اس کے چند احباب نے ایک روز بات چیت کے درمیان زید سے دلیل طلب کی کہ ایک مشت ڈاڑھی کی قید کہاں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں صحاح ستہ کی کوئی صحیح روایت موجود ہے، یا فقط صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرزِ عمل پر عمل کیا جاتا ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔ خصوصاً ایک مشت کی قید کہاں سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: شمشاد احمد اعظمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاڑھی بڑھانے کا امر صحیح حدیث میں موجود ہے(۱)، بڑھانے کی ضد کٹانا ہے، قصر ہو یا حلق۔ کسی شی

= ومخنثة الرجال– فلم يبحه أحدٌ. وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم، فتح. اهـ".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد: ۴۱۸/۲، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۹۱/۲، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۳۴۷/۲، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفاره، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۱) "عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما، عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: "أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى".

"وعن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحى". ....=

....

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "جزوا الشوارب، وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس".

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عشرٌ من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمى)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "انهكوا الشوارب وأعفوا اللحى". (صحيح البخارى: ۲/۸۷۵، باب إعفاء اللحى، كتاب اللباس، قديمى)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۸، باب السواك من الفطرة، دارالحديث ملتان)

(وسنن أبي داؤد: ۲/۵۷۷، كتاب الترجل، باب في أخذ الشارب، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي: ۱/۷، كتاب الطهارة، إحفاء الشارب وإعفاء اللحىٰ، قديمى)

(وصحيح البخارى: ۲/۸۷۵، كتاب اللباس، باب اعفاء الحى، قديمى)

قال النووى رحمه الله تعالىٰ: "فحصل خمس روايات: "أعفوا، وأوفوا، وأرخوا، ووفّروا". ومعناها كلها تركها على حالها، هذا هو الظاهر من الحديث الذى يقتضيه ألفاظه، وهو الذى قاله جماعةٌ من أصحابنا وغيرهم من العلماء". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمى)

"وقص اللحية من صنع الأعاجم، وهو اليوم شعار كثيرٍ من المشركين كالأفرنج والهنود، ومن لاخلاق له في الدين من الطائفة القلندرية". (مرقاة المفاتيح: ۲/۱۹، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

"واللحية هي الفارقة بين الصغير والكبير، وهي جمال الفحول وتمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها. وقصُّها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله، ولحوق أهل السؤدد والكبرياء بالرعاع". (حجة الله البالغة: ۱/۵۱۷، خصال الفطرة وما يتصل بها، إعفاء اللحية وقصّ الشوارب، قديمى)

(وأيضاً حجة الله البالغة: ۲/۵۱۶، إطالة اللحى وإحفاء الشوارب، قديمى) .... =

کا امر کرنا اس کی ضد سے نہی کرنا ہے، جیسے نماز کا امر اس کے ترک سے نہی ہے، جب امر وجوب کے لئے ہوگا تو اس کی ضد سے نہی تحریم کے لئے ہوگی، کما فی تیسیر التحریر، المجلد الثانی، ص: ٦٩ (١)۔

بخاری شریف اور دیگر صحاح میں: "أعفوا اللحی". "أوفروا اللحی". "أرخوا اللحی". "وفروا اللحی" صیغے موجود ہیں (٢)، امر کے صیغے (اگر) وجوب کے لئے نہ ہوتے بلکہ سنیت کے لئے ہوتے تو احیاناً امر کے خلاف بھی منقول ہوتا، مگر نہ قولاً منقول ہے نہ فعلاً، کبھی بھی بیانِ جواز کے لئے اس کی نوبت نہیں آئی، یہ دوام ومواظبت بلا ترک ہی وجوب کے لئے قوی دلیل ہے (٣) چہ جائیکہ اس کے ساتھ ہی اس کے خلاف کی مخالفت بھی صراحۃً وارد ہے: "خالفوا المجوس" (٤)۔

اس امر کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، انہوں نے اس کا مطلب قولاً وعملاً یہی سمجھا اور ان کے اس فہم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا کہ ایک مشت سے جو زائد ہو جائے اس کے کٹانے کی اجازت ہے اور اسی حدیث سے یہ عملاً ثابت ہوتا ہے، یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو یہ حدیث نہیں پہونچی ہو، کیونکہ وہ خود اس کے راوی ہیں، اگر ان کا عمل نہ ہوتا تو ایک مشت سے زائد کو بھی کٹانے کی

= (وكذا في بذل المجهود: ١/٣٣، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، مكتبه امداديه ملتان)

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقصّ ما تحت القبضة. قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، ص: ١٩٨، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچي)

(١) "أن الأمر يقتضي كراهة الضد ولو إيجاباً، والنهي كونه سنةً مؤكدةً ولو تحريماً .... قول (العامة) من أن الأمر بالشئ نهيٌ عن ضده إن كان واحداً، وإلا فعن الكل، وأن الأمر بالضد المتحد".

(تيسير التحرير: ١/٣٧٣، الأمر يقتضي كراهة الضد ولو إيجاباً، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) (راجع، ص: ٣٩٩، رقم الحاشية: ١)

(٣) "فما كان فعله أولىٰ من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي، ففرض، أو بظني فواجب".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب: في معنى الإشتقاق وتقسيمه إلى ثلاثة أقسام: ١/١٠٢، سعيد)

(وكذا في المغني في أصول الفقه، ص: ٨٣، باب النهي، جامعة أم القرى مكة المكرمة)

(٤) (الصحيح لمسلم، باب خصال الفطرة: ١/١٢٩، قديمي)

اجازت نہ ہوتی۔

پس صحابہ کرام کے جمِ غفیر کے عمل کو برقرار رکھنا اور ان حضرات کا دوام واستمرار کے ساتھ اس کا اہتمام فرمانا اجتماعی توارث وتواتر ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایک مشت سے پہلے ہی کٹانے کو جائز کہتا ہے وہ ثبوت پیش کرے کہ کس حدیث سے ثابت ہے، کیونکہ یہ کٹانا، بڑھانے کی ضد ہے جس کی ممانعت بڑھانے کے امر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ہے، صحابہ کرام کے اجماع وتوارث سے ہے، بلکہ یہ "ما أنا عليه وأصحابي "(۱) کی بناء پر شعار میں داخل ہے، اس کو فقط صحابہ کرام کا طرزِ عمل کہہ کر ہلکا اور خفیف سمجھنا خطرناک ہے(۲)، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ ایک مشت سے پہلے قطع کرنا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں:

"وأما الأخذ منها دون ذلك (أى دون القبضة) -كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال- فلم يبحه أحدٌ. وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم، اه". فتح القدير(۳)۔ در مختار(٤)۔

والبسط في "درك المآب في أحكام اللحى والشوارب". "وهداية النور في أحكام الأظفار والشعور". "ونور الضحىٰ في ما يتعلق باللحى". "وبذل المجهود في شرح أبي داؤد".

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب اعتصام، الكتاب والسنة، الفصل الثاني: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) "وفي الخلاصة: من رد حديثاً، قال بعض مشايخنا: يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً كفر، أقول: هذا هو الصحيح، إلا إذا كان رد حديث الآحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستحقار والإنكار". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷، مطلب في إيراد الألفاظ المكفرة التي جمعها العلامة بدر الرشيد من أئمة الحنفية، دارالكتب العلمية بيروت)

"لولم ير السنة حقاً، كفر؛ لأنه استخفاف". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۷۴، سعيد)

(۳) (فتح القدير: ۲/۳۴۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۴) (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد: ۲/۴۱۸، سعيد)

"وفتح القدير والعناية شرح هداية"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۰ھ۔

داڑھی بڑھانے اور موئے زیرِ ناف کاٹنے کی وجہ

سوال[۹۴۰۳]: موئے زیرِ ناف کی صفائی کا حکم اسلام دیتا ہے اور داڑھی کے بال کو بڑھانے کا حکم دیتا ہے، اس کی علت کیا ہے اور کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ یہ اعتراض ایک غیر مسلم دہریہ کا ہے، جس کی نظر میں قرآن وحدیث کوئی چیز نہیں ہے جسے مستدل بنا کر جوابدہی کی جائے، وہ سرے سے منکر ہے۔ لہٰذا عقل وہوش وخرد کی روشنی میں ایسا مفصل جواب دیا جائے جس سے باطل کو خاموش کیا جاسکے اور ناطقہ کو بند کردیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بنیاد ہی کا منکر ہے اس سے فرعی مسئلہ میں بحث کرنا قرینِ دانش مندی نہیں، بلکہ عقل وخرد کے تقاضے ہی کے خلاف ہے۔ ہاں اگر وہ محض اس مسئلہ کی وجہ سے قرآن وحدیث کا منکر ہے اور اس کے سمجھ میں آنے پر قرآن وحدیث کو تسلیم کرنے کا اور ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو پھر اس کا جواب اہم ہوجائے گا، اور یہ محض فرعی نہیں رہے گا بلکہ بنیاد کو تسلیم کرنے کے لئے اس کو بنیاد قرار دے دیا جائے گا، یعنی اس مسئلہ کی علت وحکمت تو بہت معمولی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ قرآن وحدیث اس کی نظر میں کوئی چیز نہیں۔

اگر اس مسئلہ کی حکمت اس کی سمجھ میں آبھی گئی تو یہ اس کے لئے ذریعہ نجات نہیں، اور اس کی زبان اعتراض سے بند نہیں ہوگی وہ دس اعتراض اور بھی کرسکتا ہے، لیکن قرآن وحدیث پر ایمان لے آئے تو ایسے ایسے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے اور ان کی حکمتوں کو سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا اور نجات کا دروازہ کھل جائے گا، ورنہ اعتراض کے دریا میں غوطہ لگاتے لگاتے عمر ختم ہوجائے گی اور ساحل تک نہیں پہونچ سکے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

داڑھی کی مقدار اور اس کا مفصل حکم

سوال[۹۴۰۴]: ۱......داڑھی کا رکھنا کیا فرض واجب ہے یا سنت اور کیوں؟

۲.....داڑھی کی مقدار فقہاء نے چار انگشت رکھی ہے۔ آیا یہ منصوص ہے، اگر ہے تو کونسی نص ہے؟

۳.....اجماعِ امت جو شرعی حجت ہے وہ اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے؟

۴.....کیا اب بھی کسی مسئلہ پر امت کو اجماع کا اختیار باقی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں؟

۵.....اجماع کی تعریف۔

۶.....ایک شخص تمام احکامِ شرع کا پابند ہے، مگر داڑھی کو مشین یا قینچی سے کٹواتا ہے اور اس فعل کو بالکل حلال سمجھتا ہے، یعنی ایک فعلِ حرام کو حلال سمجھتا ہے کیا وہ کافر ہے یا نہیں؟ اگر اس کو کافر کہا جاوے تو وہ باوجودیکہ کلمہ گو بھی ہے اور صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ وجہاد وغیرہ کا پکا معتقد اور پابند ہے تو کافر کیوں؟

۷.....اگر کافر نہیں تو اس کے خلاف لازم آئے گا کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کا اعتقاد کرنا کفر ہے۔ برائے نوازش بحوالہ کتب معتبرہ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

۸.....داڑھی کے متعلق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تشبہ نصاریٰ اور یہود سے بچو، نہ منڈاؤ اور نہ بالکل چھوڑ دو۔ اور دوسری جگہ داڑھی کے بڑھانے کا امر اور مونچھوں کے کٹانے کا حکم بیان فرمایا ہے، مگر مقدار منصوص نہیں اور فقہاء کے قول کو ماننے کے لئے ہر ایک تیار نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....داڑھی کا رکھنا واجب ہے اور حدِ متعین تک پہونچنے سے پہلے منڈانا، یا کٹانا حرام ہے:

"یحرم علی الرجل قطع لحیته، اهـ". درمختار (۱)۔ "حلق اللحیة مثلةٌ فی حق الرجال، والمثلة حرام، فحلق اللحیة حرام، اهـ". هدایه (۲)۔

"خالفوا المشرکین أوفروا اللحی، وأحفوا الشوارب". مشکوٰة شریف (۳)۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد: ۲/۴۱۸، سعید)

(۲) لم أجد هذه العبارة فی الهدایة، بل فیها: "أن حلق الشعر فی حقها (أی حق المرأة) مثلةٌ کحلق اللحیة فی حق الرجال". (الهدایة: ۱/۲۵۵، کتاب الحج، باب الإحرام، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۳۸۰، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قدیمی)

(والصحیح لمسلم: ۱/۱۲۹، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قدیمی)

"قص اللحية كان من صنيع الأعاجم، وهو اليوم شعار كثيرٍ من أهل الشرك وعَبَدة الأوثان كالإفرنج والهنود ومَن لا خلاق لهم فى الدين من الفرقة الموسومة بالقلندرية في زماننا، اهـ". مرقاة(۱)۔

۲...... "والقص فيها سنة، وهو أن يقبض الرجل لحيته، فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكر محمد فى كتاب الآثار عن الإمام .... وبه نأخذ، اهـ". محيط السرخسى، اهـ". طحطاوی(۲)۔

۳......اس میں مختلف اقوال ہیں، صحیح یہ ہے کہ ہر عصر کے عدول مجتہدین کا اجماع حجت ہے:

"اختلف الناس فيمن ينعقد بهم الإجماع، قال بعضهم: لا إجماع إلا للصحابة. وقال بعضهم: لا إجماع إلا لأهل المدينة. وقال بعضهم: لا إجماع إلا لعترة النبى صلى الله عليه وسلم. والصحيح عندنا أن إجماع علماء كل عصر من أهل العدالة والاجتهاد حجة، اهـ". حسامی(۳)۔

۴......علماء کی تصریح اور اہل تجربہ کے مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ اس زمانہ میں اجتہاد مفقود ہے، لہٰذا اب کسی مسئلہ فقہیہ پر شرعی اجماع دشوار ہے(۴)۔

۵...... "اتفاق مجتهدى أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته فى عصر من

---

(۱) (مرقاه المفاتيح: ۲/۱۹، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۱۸، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب فى الأخذ من اللحية، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۲۰۳، فصل فى البيع، كتاب الحظر والإباحة، دار المعرفة، بيروت، لبنان)

(۳) (الحسامى، الاصل الثالث، باب الاجماع، ص: ۹۳، سعيد)

(۴) لم اطلع على مأخذه.

الأعصار على أمر من الأمور اھ". حصول المامون(۱)۔

۶، ۷…… جو شی حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہو، اس کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے، اور داڑھی کٹانے کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے اخبارِ آحاد سے ثابت کی ہے۔ پس شخصِ مذکور کی تکفیر درست نہیں، البتہ ایسے شخص کو علماء نے فاسق لکھا ہے۔ اور جو شخص ناجائز کام کو ناجائز سمجھ کر کرتا ہے اس کے فسق سے ایسے شخص کا فسق بہت بڑھا ہوا ہے جو ناجائز کو جائز سمجھتا ہے، کیونکہ اس کے اعتقاد اور عمل دونوں میں خرابی ہے:

"إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حرمته لعينه وقد ثبت بدليل قطعي، يكفر، وإلا فلا، بأن يكون حرمته لغيره أو ثبت بدليل ظني، اھ……… استحلال المعصية كفرٌ، قال الشارح القونوي: كأنه أراد –والله أعلم– بالمعصيةِ المعصية الثابتة بالنص القطعيّ لِمَا في ذلك من جحود مقتضى الكتاب. أما المعصية الثابتة بدليل الظني كخبر الواحد، فإنه لا يكفر مستحلها، ولكن يفسق، اھ". شرح فقه أكبر(۲)۔

۸…… جو شخص مقلد ہے اس کو عمل کے لئے اپنے امام کا قول کافی ہے(۳) اور جو غیر مقلد ہے اس کو کسی سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کو چاہئے کہ خود قرآن واحادیث کا تتبع کرکے مسائل کا استخراج کرے۔

جو شخص فقہاء کے قول کو نہیں مانتا تو کیا اس نے ہر ہر مسئلہ کو خود قرآن وحدیث سے سمجھا ہے، مأخذ دریافت کرنا مقلد کا منصب نہیں اور نہ مجیب اس کا مکلّف ہے، البتہ تصحیحِ نقل کا ذمہ دار ہوتا ہے، نقل جواب نمبر:۲ میں پیش کردی گئی، گو اس میں حوالۂ مأخذ بھی موجود ہے جس کی تفصیل نہایہ شرح ہدایہ میں ہے، یعنی ایک حدیث قولی ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا، اور ایک ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ہے جو گویا کہ اس حدیثِ قولی کی

---

(۱) (إرشاد الفحول، المقصد الثالث: الإجماع، البحث الأول: ۱/۲۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، مطلب في إيراد الألفاظ المكفرة التي جمعها العلامة بدر الرشيد من أئمة الحنفية، ص: ۲۴۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "ان الواجب على المقلد العمل بقول المجتهد وإن لم يظهر دليله". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع: ۳/۲۱۰، سعيد)

تفسیر ہے جس کو بذل المجہود شرح ابوداؤد جلد: ۵ میں بھی امام غزالی سے نقل کیا ہے اور اس مجموعہ سے نسبت کی تحدید مستفاد ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں فرمایا ہے: "وبہ نأخذ" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

داڑھی کی حدِ شرعی

محترمی جناب صدر المفتی صاحب، زیدت معالیکم ! دار العلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۹۴۰۵]: عرض خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ یہ براہین ودلائلِ شرعیہ فقہ حنفی کے مطابق تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمایا جائے، عین کرم ہوگا۔

ڈاڑھی کی حدِ شرعی کیا ہے؟

کرم فرما کر سوال کا جواب جلد عنایت فرمایا جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ آں جناب کو جزائے خیر دے گا۔

والسلام۔

خادم محمد: بدر الحسن،

مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم، چاندواڑہ، ضلع مظفرپور، بہار۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

داڑھی کی حدِ شرعی ایک قبضہ ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں سند کے ساتھ اس کو

---

(۱) "محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ماتحت القبضة. قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (كتاب الآثار، باب حف الشعر من الوجهِ ص: ۱۵۱، مكتبه اهل سنة وجماعة كراچى)

نقل کیا ہے(۱) اور فتح القدیر (۲) اور درمختار (۳) وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کاٹنا، یا کاٹ کر ایک مشت سے کم کرالینا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں، کسی نے اس کو مباح قرار نہیں دیا۔ یہ اجماع کے درجہ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

داڑھی منڈانے کا حکم

سوال [۹۴۰۲]: ۱.....ایک شخص داڑھی منڈواتا ہے اور لوگوں کو منڈانے کی ترغیب بھی کرتا ہے۔

۲.....یا منڈواتا تو ہے مگر ترغیب نہیں کرتا ہے۔

۳.....اور ایک شخص ایسا ہے جو تمام شعائرِ اسلام کو پورے پورے ادا کرتا ہے مگر داڑھی منڈاتا ہے، لیکن ترغیب نہیں کرتا ہے، نہ اپنے منڈانے کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ دوسرے لوگوں کو داڑھی رکھنے کی ترغیب کرتا ہے۔ کیا ان تینوں شخصوں میں سے کسی کو فاسق کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فاسق کا اطلاق آتا ہے تو کس کس شخص پر ان شخصوں میں سے شرع شریف میں قاضی کے یہاں ان کی قسم معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو کس کی اور اگر وہ توبہ کرلیوے داڑھی منڈانے سے اور نہ منڈوائے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو داڑھی نہ منڈانے کی وجہ سے اور توبہ

---

(۱) "محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة، عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (كتاب الاثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "جزوا الشوارب، وأعفوا اللحى، خالفوا المجوس". فهذه الجملة واقعة موقع التعليل. وأما الأخذ منها وهي دون ذلك -كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال- فلم يبحه أحد". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة: ۳۴۸/۲، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "وأما الأخذ منها (أي من اللحية) وهي دون ذلك: أي دون القبضة -كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال- فلم يبحه أحدٌ. وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم، فتح". (الدرالمختار على ردالمحتار: ۴۱۸/۲، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب في الأخذ من اللحية، سعيد)

کرنے کی وجہ سے معاف فرمادیگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تینوں فاسق ہیں، تینوں مردود الشہادۃ ہیں، پہلا شخص زیادہ گنہ گار ہے، اس سے کم دوسرا، اس سے کم تیسرا۔ جوبھی صدق دل سے توبہ کرے گا، اللہ پاک اس کی توبہ کو قبول فرمادیں گے اور گذشتہ گناہ معاف کردیں گے:

"یحرم علی الرجل قطع لحیته، اه". درمختار: ٤٠٢/٥(١)۔

''حرام ہے مرد پرڈاڑھی کا کاٹنا''۔

"حلق اللحیة مثلةٌ فی حق الرجال، والمثلة حرام، فحلق اللحیة حرام، اه"(٢)۔

''ڈاڑھی کا مونڈنا مثلہ ہے، مَردوں کے حق میں اور مثلہ حرام ہے، پس ڈارھی مونڈنا حرام ہے''۔

قال فی البحر: ٩٩/٧، بعد بحث طویل: "الحاصل أن الفسق بنفسه مانع شرعاً من قبولها"(٣)۔

''نفسِ فسق قبولِ شہادت سے مانع ہے''۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: ﴿ومن یعمل سوءًا أو یظلم نفسه، ثم یستغفر اللہ، یجد اللہ

---

(١) (الدرالمختار علی ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ٤٠٧/٦، سعید)

(٢) لم أجد هذه العبارة، وقد ذكرها فی الهدایة بلفظ: "أن حلق الشعر فی حقها مثلة كحلق اللحیة فی حق الرجال". (الهدایة: ٢٥٥/١، كتاب الحج، باب الإحرام، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

"عن الحسن قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "عشر خصال عملتها قوم لوط، بها أهلكوا: إتیان الرجال بعضهم بعضاً .... وضرب الدفوف، وشرب الخمور، وقص اللحیة، وطول الشارب والصفر ...... الخ". (روح المعانی: ٧٢/١٧، تحت قوله تعالیٰ: ﴿ولوطاً اٰتینه حكماً وعلما ونجّینه من القریة التی كانت تعمل الخبائث﴾، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وكذا فی الدرالمنثور: ٣٢٤/٤، تحت قوله: ﴿ولوطا اٰتیناه﴾

(٣) (البحر الرائق. ١٥٤/٧، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل، رشیدیه)

غفوراً رحیماً﴾(الآیہ)(۱)۔

"جو شخص نافرمانی کرے، یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ پاک سے مغفرت چاہے تو پائے گا اللہ پاک کو غفور رحیم"یعنی اللہ پاک اس کی مغفرت فرمائیں گے اور رحم کریں گے۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۰/۲/۶۱ھ۔

داڑھی کو بالکل صاف کرنے اور ایک انگلی رکھنے میں تفاوت

سوال[۹۴۰۷]: ڈاڑھی کو بالکل صاف کرانا، یا ایک انگل، یا دو انگل رکھنا ان دونوں میں کچھ تفاوت ہے یا نہیں، ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داڑھی کی جو مقدار ایک مشت سے زائد ہو جائے اس کو کٹانے کی اجازت ہے، اس سے پہلے اجازت نہیں (۲)۔ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا چھوٹی یا ایک انگل دو انگل رکھتا ہے، ایک مشت کی مقدار نہیں پہونچنے

---

(۱) (سورة النساء : ۱۱۰)

(۲) "محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، قديمي)

"وفي النهاية شرح الهداية: واللحية عندنا طولها بقدر القبضة –بضم القاف– وما وراء ذلك يجب قطعه .... (وقوله: يجب) بمعنى: "ينبغي" أو المراد: سنةٌ مؤكدةٌ قريبة إلى الوجوب، وإلا فلا يصح على إطلاقه. وقال ابن الملك: تسوية شعر اللحية سنة، وهي أن يقص كل شعرة أطول من غيرها ليستوي جميعها.

وفي الإحياء: قد اختلفوا فيما طال من اللحية، فقيل: إن قَبَضَ الرجل على لحيته وأخذ ما تحت القبضة، فلا بأس به، وقد فعله ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما وجماعةٌ من التابعين، واستحسنه الشعبي، وابن سيرين، وكرهه الحسن، وقتادة ومن تبعهما، وقالوا: تركُها عافية أحب؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: "وأعفوا اللحى". لكن الظاهر، هو القول الأول، فإن الطول المفرط يشوه الخلقة، =

دیتا، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ دونوں خلاف شرع کے مرتکب اور گناہگار ہیں۔ ۱۹، ۲۰ کا فرق ہے۔ در مختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ میں داڑھی کے متعلق تفصیل مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۲۵ھ۔

= ويطلق ألسنة المغتابين بالنسبة إليه، فلا بأس للاحتراز عنه على هذه النية.

قال النخعي: عجبت لرجل عاقل طويل اللحية: كيف لا يأخذ من لحيته فيجعلها بين لحيتين: أى طويل وقصير، فإن التوسط من كل شئ أحسن، ومنه قيل: خير الأمور أوسطها". (مرقاة المفاتيح: ۲۲۳/۸، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۳۹)، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع في الختان وقص الشارب، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۱۸/۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، مطلب في الأخذ من اللحية،سعيد)

"روى الطبرني، عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما رفعه "من سعادة المرء خفة لحيته". واشتهر أن طول اللحية دليل على خفة العقل". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمى". (الدرالمختار). "وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته". (ردالمحتار، كتاب الكراهية، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى عليه الصلوة والسلام: "جزوا الشوارب، وأعفوا اللحى، خالفوا المجوس". فهذه الجملة واقعة موقع التعليل. وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة: ۳۴۸/۲، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده، مطلب في الأخذ من اللحية: ۴۱۸/۲، سعيد)

داڑھی کے چھوٹے بڑے بالوں کو برابر کرنا

سوال[۹۴۰۸]: جس شخص کی داڑھی ایک مشت کے برابر نہ ہو اور ان بالوں میں بعض چھوٹے ہیں اور بعض بڑے ہیں تو سب کو برابر اور سیدھا کرنے کی خاطر کاٹے تو کیسا ہے؟ کیونکہ بعض چھوٹے اور بعض بڑے ہونے کی وجہ سے اچھے معلوم نہیں ہوتے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں کاٹنا چاہئے جو بال ایک مشت سے زائد ہو جائیں ان کو کاٹ سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۶ھ۔

بیوی کا شوہر سے داڑھی کاٹنے کا مطالبہ کرنا

سوال[۹۴۰۹]: زید اور ہندہ میں زوجیت کا رشتہ ہے، لہٰذا ہندہ زید کو یہ خط تحریر کر رہی ہے، خط کی عبارت اور مضمون یہ ہے:

''جناب زید صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام کے عرض کرتی ہوں: آپ کہتے ہیں کہ میں گھر جاتا ہوں تو مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا، آپ سے جب تک کوئی بات نہیں کرے گا، جب تک کہ آپ کام نہیں سیکھ لیتے، پورا کام سیکھ لو اور داڑھی کم کرو اور قمیص اونچی کرو، کیونکہ بالکل بوڑھے لگتے ہو اور اچھے نہیں لگتے، اس وجہ سے آپ سے سب گھبراتے ہیں، سادھو سے ہو، مولوی بھی بہت دیکھے، لیکن ایسے نہیں دیکھے جیسے تم، خدا ایسے مولویوں سے بچائے، زیادہ کپڑے ایسے پہنتے ہو جیسے کپڑے کبھی ہم نے دیکھے ہی نہ ہوں، آپ کو دیکھ کر مجھے غصہ آتا ہے۔

اگر آپ کو میری بات پسند نہ ہو تو میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے، ایسے

---

(۱) قد مضى تخريجه تحت عنوان ''داڑھی کو بالکل صاف کرنے اور ایک انگلی رکھنے میں فرق''

''والسنة قدر القبضة، فما زاد، قطعه''. (البحر الرائق: ۳/۱۹، كتاب الحج، باب الجنايات، رشيديه)

انسان سے میں راضی نہیں ہوں جو میرا مذاق اڑائے (داڑھی رکھنے کی بناء پر)۔ خدا ایسے مولویوں سے بچائے، بالکل گاؤں والے بن کر آ جاتے ہو۔

اور مجھے روپے بھیج دو اور اپنی خیریت سے جلد مطلع کرو اور میری ان باتوں کا جواب دو۔ تنگ ہو کر خط لکھا ہے آپ مانو یا نہ مانو، آپ کو خدا ہی سمجھائے گا اگر سمجھ میں نہ آئے تو''۔

اس خط سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہندہ کو ڈاڑھی اور نیچے کرتے سے بہت زیادہ نفرت ہے اور تحقیرِ دین ہے، لہٰذا اس خط کی بناء پر ہندہ پر کفر کا حکم ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر ثابت ہوتا ہو تو زید کا نکاح ہندہ سے باقی رہا یا نہیں، یا بین بین کا درجہ ہے کہ نہ باطل ہے نہ ثابت، پھر نکاح ثانی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور بقایا مہر کی ادائیگی زید پر واجب ہے یا نہیں؟ آیا زید کو قصرِ داڑھی جائز ہے، جبکہ زید کی عمر اس وقت ۲۸/ سال کی ہے اور ہندہ کی عمر ۱۸/ سال کی ہے؟

اور ہندہ یہ خط اپنے میکہ سے لکھ رہی ہے اور زید اس وقت ٹیلر ماسٹر کا کام سیکھ رہا ہے، مشاہدہ کے لئے زید کا فوٹو بھی بھیجا جا رہا ہے، لہٰذا آپ حضرات اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ کی اس تحریر کی بناء پر نکاح ختم ہو کر ہندہ زید کی زوجیت سے خارج نہیں ہوئی، دوبارہ نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پہلا نکاح باقی ہے(۱)۔ اس نے جو خط لکھا وہ جہالت اور ماحول کا اثر ہے، اس کی تعلیم وتفہیم کی ضرورت ہے، زید کو داڑھی کٹانے کی ضرورت نہیں، نہ اس کی اجازت ہے(۲)، اس داڑھی سے نہ وہ سادھو معلوم

---

(۱) ''وما كان خطئاً من الألفاظ ولا يوجب الكفر، فقائله مؤمن على حاله ولا يؤمر بتجديد النكاح''.

(الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بتلقين الكفر: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، الثاني فيما يكون كفراً من المسلم وما لايكون، النوع الأول في المقدمة: ۳۲۲/۲، رشيديه)

(۲) ''عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: '' لا طاعة في معصية، إنما =

ہوتا ہے، نہ گاؤں والا۔ بندہ کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مہر اس تحریر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوا اور زید کے ذمہ باقی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳ھ۔

ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانا

سوال[۹۴۱۰]: میرا ایک دوست ہے جس کا نام محمود احمد ہے اور انگریز مسلمان ہے، اس کو داڑھی کا بہت شوق ہے، لیکن چونکہ انگریزی فوج میں ہے، لہٰذا اس کو داڑھی رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بارے میں وہ جاننا چاہتا ہے کہ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر بال انگریزی ہوں اور کترا دیں تو کیا حکم ہے؟ اور نماز قمیص اور پتلون سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر سر پر ٹوپی نہ ہو پھر نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور انشورنس کرانا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جملہ امور کے بارے میں ضروری تحریر روانہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دوست کو عافیت سے رکھے، اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق دے۔ داڑھی رکھنا اور اس کو بڑھانا شرعاً واجب ہے، حدیث شریف میں اس کا حکم آیا ہے، ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے

= الطاعة فی المعروف". متفق علیه". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، ص: ۳۱۹، قدیمی)

"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۹۹۰۳): ۱۲/۶۳۸۶، مکتبه نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة)

(۱) "والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحیحة، وموت أحد الزوجین، سواء کان مسمی أو مهر المثل، حتی لایسقط منه شئ بعد ذلک إلا بالابراء، الخ". (الفتاوی العالمکیریة، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی: ۱/۳۰۳، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب النکاح باب المهر: ۳/۱۰۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب المهر: ۳/۲۵۱، رشیدیه)

کٹانا اور ایک مشت سے کم کرالینا جائز نہیں (۱)۔ انگریزی بال رکھنا مناسب نہیں (۲)۔

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے تو صورت وشکل وضع قطع بھی اسلامی ہی چاہئے۔ ایک سکھ نے فوج میں ملازمت کی درخواست کی اور شرط کی داڑھی نہیں منڈاؤں گا، اس کی درخواست منظور ہوئی۔ آپ کے انگریز دوست بھی اس کی کوشش کرلیں۔ قمیص اور پتلون سے بھی نماز درست ہوجائے گی (۳)، جبکہ سب ارکان صحیح طریقہ پر ادا ہوجائیں، سر پر ٹوپی کا ہونا مستحب ہے (۴)، گو بلا ٹوپی بھی نماز ادا ہوجائے گی۔ انشورنس جائز نہیں لیکن اگر قانونِ ملازمت کی وجہ سے مجبوری ہو تو ایسا آدمی شرعاً معذور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "خالفوا المشركين، أوفروا اللحی وأحفوا الشوارب". (الصحيح لمسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرة، قديمی)

(۲) "عنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵/۲، الفصل الثانی، قديمی)

(۳) "والرابع ستر عورته، ووجوبه عام ولو فی الخلوة علی الصحيح". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۴/۱ كتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوٰة، سعيد)

"ومنها ستر العورة، لقوله تعالیٰ: ﴿يابنی آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ قيل فی التاويل: الزينة ما يواری العورة، والمسجد الصلاة، فقد أمر بمواراة العورة فی الصلاة". (بدائع الصنائع: ۵۴۳/۱، كتاب الصلوٰة، فصل فی بيان شرائط الأركان، بيروت)

(۴) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما، قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يلبس قلنسوةً سوداء". (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱۴۹/۵، كتاب اللباس، باب فی القلنسوة، (رقم الحديث: ۸۵۰۵)، عباس أحمد الباز مكه)

(وكذا فی المستدرك لحاكم، حديث أبی الدرداء، كتاب معرفة الصحابة، (رقم الحديث: ۵۴۵۰): ۳۸۱/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومسند الإمام أحمد، حديث سيدنا عمر بن الخطاب: ۲۳/۱، (رقم الحديث: ۱۵۱)، دارإحياء بيروت)

علاج کے لئے داڑھی صاف کرنا

سوال[۹۴۱۱]: ایک شخص ہے جس کی داڑھی میں روگ لگ گیا ہے جس کا کافی علاج بھی کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نیز ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ داڑھی صاف کر دیجئے، اس کے بعد آپ کا علاج کامیاب ہو جائے گا۔ کیا ایسی صورت میں داڑھی صاف کرانا شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امراض کے علاج کے لئے جب کوئی جائز دوا مفید نہ ہو تو مجبوراً نجس اور حرام دوا کے ستعمال کی بھی اجازت ہے جب کہ تجربہ کار اور دیندار معالج تجویز کردے کہ شفا حرام چیز سے ہی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر بغیر داڑھی صاف کرائے صحت نہیں ہو سکتی تو مجبوراً تحصیلِ صحت کے لئے اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

مجاہدین کے لئے داڑھی منڈانا

سوال[۹۴۱۲]: ایک شخص یا کئی ہوں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم داڑھی کیوں منڈاتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ: ہم مجاہدین ہیں، اگر تم کو یقین نہ ہو تو تم یجا کر دیکھ لو، ہم کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کے واسطے داڑھی منڈانا جائز ہے۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت مجاہدین کو داڑھی منڈانے کے لئے فرمایا تھا یا نہیں؟ اگر فرمایا تھا تو کسی خاص مصلحت سے یا عام، اگر کسی خاص مصلحت سے فرمایا ہو، یا کسی وجہ سے فرمایا ہو تو اگر وہ وجہ اس وقت بھی پائی جائے تو داڑھی منڈانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر حضور نے نہیں فرمایا تو اس کی کیا اصلیت ہے وہ کیوں کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہیں سے پوچھو کہ ڈاڑھی منڈانے کی اجازت مجاہدین کے لئے کس دلیل سے ثابت ہے، حدیث

---

(۱) "وجوزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءً، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه".

(الدرالمختار، فصل في البيع من كتاب الحظر: ۳۸۹/۸، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

شریف میں تو داڑھی منڈانے کی ممانعت عام ہے(۱)۔ پھر مجاہدین کو کس دلیل سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح، سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين، أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحى". (الصحيح لمسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرة، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۸۷۵/۲، باب إعفاء اللحى، كتاب اللباس، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۵۷۷/۲، كتاب الترجل، باب في أخذ الشارب، دار الحديث ملتان)

قال العلامة الملا علي القاري عليه رحمه الله تعالىٰ تحت قوله عليه الصلوة والسلام: "خالفوا المشركين": أي فإنهم يقصون اللحى ويتركون الشوارب حتى تطول كما فسره بقوله: "أوفروا": أي أكثروا. "اللحى" بكسر اللام، وحكى ضمها .... ذكره السيوطي، والمعنى: اتركوا اللحى كثيراً بحالها، ولا تتعرضوا لها، واتركوها لتكثر". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۱): ۲۱۱/۸، رشيديه)

سوال: "جب کوئی شخص جہاد پر جائے تو اس کے لئے ڈاڑھی منڈوانا جائز ہے یا نہیں؟ جہاد کے لئے جو راستہ ہے وہاں کفار ہیں، بغیر ڈاڑھی والے کو اندر چھوڑتے ہیں اور ڈاڑھی والے کو قتل کرتے ہیں، بینوا توجروا"۔

الجواب باسم ملهم الصواب: "ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، جہاد کی ضرورت سے فعل حرام کا ارتکاب جائز نہیں، بلکہ ایسے موقع میں تو گناہوں سے بچنے اور استغفار کی زیادہ تاکید ہے، قال الله تعالىٰ: ﴿وإن تصبروا وتتقوا لايضركم كيدهم شيئاً﴾، وقال حكاية عن الربيين الذين كانوا يقاتلون مع نبيهم: ﴿ربنا اغفرلنا ذنوبنا وإسرافنا في أمرنا، وثبت أقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين﴾. اس آیت کے مضمون کی ترتیب میں اس پر دلالت ہے کہ جس طرح نصرت ثبات اقدام پر موقوف ہے اسی طرح ثبات اقدام گناہوں سے توبہ واستغفار پر موقوف ہے، وقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فإنه لايدرك ما عندالله إلا بطاعته". فقط۔ (أحسن الفتاوىٰ، كتاب الجهاد، بضرورت جہاد ڈاڑھی منڈانا جائز نہیں: ۱۸،۱۷/۶، سعيد)

داڑھی اگانے کے لئے چہرہ پر استرہ پھیرنا

سوال[۹۴۱۳]: ایک صاحب ہیں جن کے داڑھی نہیں آئی ہے، فی الحال ان کا چہرہ بالکل صاف ہے، کئی آدمیوں نے اس بات کا مشورہ دیا ہے کہ داڑھی کی جگہ پر استرہ یا بلیڈ پھیریں تو داڑھی کی جگہ بال اگ سکتے ہیں، حالانکہ وہ صاحب امامت کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ چہرہ پر بالکل بال نہ ہوں استرہ یا بلیڈ داڑھی کے بال آنے کی غرض سے پھیروا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چہرہ پر بالوں کا اُگنا قدرت کی طرف سے ہے، اپنی اختیاری چیز نہیں، اگر بالکل بال نہ اگیں تو بندہ گنہگار نہیں (۱)۔ لہٰذا بال اگانے کے لئے استرہ یا بلیڈ چہرے پر پھیرنے کی ضرورت نہیں (۲)، لیکن بال اگنے کے بعد ان کو منڈوانا گناہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۶ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (الایة)

(۲) **سوال**: ایک شخص کی عمر تیس سال ہے، مگر اس کی داڑھی اور مونچھیں نہیں نکلیں۔ کیا وہ اس احتمال کی بناء پر کہ شاید داڑھی نکل آئے، استرا چلا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب:

"اس ضرورت سے استرا چلانا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔ (أحسن الفتاوی: ۸/۷۷، کتاب الحظر والإباحة، داڑھی پیدا کرنے کے لئے استرا چلانا، سعید)

(وکذا فی فتاوی رحیمیة: ۱۰/۱۱۶، کتاب الحظر والإباحة، دارالإشاعت کراچی)

(۳) "عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "أحفوا الشوارب، وأعفوا اللحی"۔

"وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "خالفوا المشرکین، أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحی"۔

"وعن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "جزوا الشوارب، وأرخوا اللحی، خالفوا المجوس"۔ .... =

....

= "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عشرٌ من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية". الحديث. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "انهكوا الشوارب، وأعفوا اللحى". (صحيح البخاري: ۲/۸۷۵، باب إعفاء اللحى، كتاب اللباس، قديمي)

(وسنن أبي داؤد: ۱/۸، باب السواك من الفطرة، دارالحديث ملتان)

(وسنن أبي داؤد: ۲/۵۷۷، كتاب الترجل، باب في أخذ الشارب، دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي: ۱/۷، كتاب الطهارة، إحفاء الشارب وإعفاء اللحى، قديمي)

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "فحصل خمس روايات: "أعفوا، وأوفوا، وأرخوا، ووفّروا". ومعناها كلها تركها على حالها، هذا هو الظاهر من الحديث الذي يقتضيه ألفاظه، وهو الذي قاله جماعةٌ من أصحابنا وغيرهم من العلماء". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

"وقص اللحية من صنع الأعاجم، وهو اليوم شعار كثيرٍ من المشركين كالأفرنج والهنود، ومن لاخلاق له في الدين من الطائفة القلندرية". (مرقاة المفاتيح: ۲/۱۹، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹)، رشيديه)

"واللحية هي الفارقة بين الصغير والكبير، وهي جمال الفحول وتمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها. وقصُّها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله، ولحوق أهل السؤدد والكبرياء بالرعاع". (حجة الله البالغة: ۱/۵۱۷، خصال الفطرة وما يتصل بها، إعفاء اللحية وقصّ الشوارب، قديمي)

(وأيضا حجة الله البالغة: ۲/۵۱۶، إطالة اللحى وإحفاء الشوارب، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود: ۱/۳۳، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، مكتبه امداديه ملتان)

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقصّ ما تحت القبضة". قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة". (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچي) .... =

خط بنوانا

سوال[۹۴۱۴]: زید نے موئے حلقوم کو استرے سے صاف کرالیا، اس کا خیال ہے کہ یہ جائز ہے۔ اور نیز کانوں کے پاس کے بال بھی اور رخسار پر سے استرے سے صاف کرالیتا ہے، لہٰذا جواب سے سرفراز فرمائیں۔ نیز کنپٹی کے بال قینچی سے کم کرالیتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: زید ان تینوں جگہ کے بالوں کو صاف کرانا خط بنوانا تصور کرتا ہے اور عمر اس کے خلاف بیان کرتا ہے۔ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ: لابأس به، اھ". عالمگیری(۱)۔ "لابأس بأن يأخذ شعر الحاجبين وشعر وجهه ما لم يتشبه بالمخنثين، اھ". طحطاوی(۲)۔

= (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب في الفرق بين قصد الجمال وقصد الزينة: ۴۱۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۲، كتاب الصوم، باب مايفسد، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد: ۱۸۷/۲، بيروت)

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان ...... وقص الشارب، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱۸۶/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۷۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر في الختان وقص الشارب، رشيديه)

اس سے معلوم ہوا کہ حلق کے بالوں کو نہیں مونڈنا چاہئے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اجازت دیتے ہیں۔ رخسار کے بال کا مونڈنا یعنی خط بنوانا شرعاً درست ہے(۱)۔ کان کے قریب جو ہڈی ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے اور نیچے ڈاڑھی کا حصہ ہے، لہٰذا اوپر کا حصہ منڈوانا درست ہے(۲) اور نیچے کا درست نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۴/۶۴ھ۔

عورت کی ڈاڑھی کا حکم

سوال[۹۴۱۵]: عورت کے اگر ڈاڑھی نکل آوے تو کٹوا سکتی ہے یا نہیں؟

= (وكذا في مرقاة المفاتيح: ۸/۲۰۹، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) خط بنوانا درست ہے، مگر بہتر نہیں: قال الشيخ أنور شاه الكشميري رحمه الله تعالى: "أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغةً، وإن كره الفقهاء أخذها؛ لأنه إن كان بالحديد فذلك يوجب الخشونة في الخدين، وإن كانت بالنتف فإنه يضعّف البصر". (فيض الباري: ۴/۳۸۰، كتاب اللباس، باب قص الشارب، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

(۲) کان کے قریب والی ہڈی جب کہ سر کا حصہ ہے، اس میں اُگے ہوئے بال سر کے ہیں، اور سر کے بال منڈانا درست ہیں:

قال القاري رحمه الله تحت قوله عليه الصلاة والسلام: "أحلقوا كله أو اتركوا كله، الخ":
"فيه إشارة إلى أن الحلق في غير الحج والعمرة جائز، وأن الرجل مخيّرٌ بين الحلق وتركه، لكن الأفضل أن لا يحلق". (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۶، كتاب اللباس، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(۳) کیونکہ یہ داڑھی کے بال ہیں اور داڑھی کے بالوں کا حلق جائز نہیں: "يحرم على الرجل قطع لحيته".
(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کٹوا سکتی ہے(۱)۔فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جمعہ کے روز حجامت

سوال[۹۴۱۶]: روزِ جمعه قبل نماز جمعه حجامت ساختن چه حکم دارد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

این طریقِ نبی علیه الصلوٰة والسلام است: "کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقصّ شاربه، ویقلم أظفاره یوم الجمعة قبل أن یروح إلی الصلوٰة". أخرجه البیهقی، اهـ". ردالمحتار (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۵۶/۳/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وفي تبيين المحارم: إزالة الشعر من الوجه حرام، إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب، فلا تحرم إزالته، بل تستحب". (ردالمحتار: ۶/۳۷۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹): ۲/۹۱، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود: ۱/۳۳، باب السواك من الفطرة، إمداديه ملتان)

"عورت کے لئے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر داڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ازالہ مستحب ہے"۔(أحسن الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، بالوں کے احکام، عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا: ۸/۷۵، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۶/۴۰۵، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقص شاربه، ويأخذ من أظفاره كل جمعة قبل أن يخرج إلى صلاة الجمعة". (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۲، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۲)، رشيديه)

مونچھ کا حلق کرنا

سوال[۹۴۱۷]: مونچھ کا حلق کرنا کیسا ہے، اگر حلق جائز ہے تو قصر اَولیٰ ہے یا حلق؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة، اه". درمختار: ۵/۳۵۸(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مونچھ کا مونڈنا بدعت ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ سنت ہے۔ جو فعل سنت اور بدعت کے درمیان ہو اس کا ترک اَولیٰ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مونچھیں منڈانا

سوال[۹۴۱۸]: مونچھوں کو استرے سے منڈانے کو علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب ''شامی'' میں جو جائز لکھا ہے، وہ عبارت اور صفحہ وجلد صاف صاف، مع ترجمہ، اعراب لگا کر بھیجیں۔ اور زیادہ بہتر ہے کہ کوئی مستند حدیث کی عبارت بھی لکھیں۔ اس کے بارے میں یہاں پر فتنۂ عظیم برپا ہے، ایک مفتی لکھتے ہیں کہ بدعت ہے اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ درمختار میں ہے: "حلق الشارب بدعة". (مونچھ منڈانا بدعت ہے)(۳) حدیث میں ہے: "أحفوا الشوارب" مونچھیں پست کراؤ(۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

"واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا أنه القص. قال في البدائع: وهو الصحيح. وقال الطحاوي: القص حسن والحلق أحسن. وهو قول علمائنا الثلاثة، نهر". (ردالمحتار: ۲/۵۵۰، كتاب الحج، باب الجنايات، سعيد)

(۲) "إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة". (ردالمحتار: ۱/۶۴۲، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أحفوا الشارب، وأعفوا اللحى". (سنن النسائي، كتاب الطهارة، إحفاء الشارب وإعفاء اللحى: ۱/۷، قديمي) =

الجواب حامداًومصلیاً:

"حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة". در مختار بر حاشیہ رد المحتار المعروف بالشامی: ۵/۲۵۸ (۱)۔

''مونچھ کا مونڈنا بدعت ہے اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے''۔ یہ دونوں قول ایک ہی کتاب میں ایک ہی جگہ موجود ہیں۔حدیث شریف میں حلق کا لفظ نہیں جس کے معنیٰ مونڈنے کے ہیں، بلکہ لفظ "جزوا" آیا ہے جس کے معنیٰ خوب کاٹنے کے ہیں (۲)۔ایک روایت میں "أحفوا" آیا ہے (۳) اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ اس طرح کاٹیں کہ مونڈنے کے قریب ہوجائیں۔طحطاوی، ص:۲۸۷ اور شامی :۲/۱۵۵، میں وہ روایتیں مذکور ہیں (۴)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

= (والصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "جزوا الشوارب، وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس". (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خالفوا المشركين، أحفوا الشوارب، وأوفوا اللحى". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۱۲۹، قديمي)

(والصحيح البخاري، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحى: ۲/۸۷۵، قديمي)

(وكذا في حجة البالغة، إطالة اللحى وإحفاء الشوارب: ۲/۵۱۶، قديمي)

(۴) "قال في الفتح: وتفسير القص أن ينقص حتى ينتقص عن الإطار، وهو بكسر الهمزة: ملتقى الجلدة واللحم من الشفة. وكلام صاحب الهداية على أن يحاذيه". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۰، سعيد)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الحض، باب الجنايات: ۳/۳۴، مصطفىٰ البابي الحلبي،مصر) .... =

ریش بچہ اور اس کے دونوں طرف کے بال کٹوانا

سوال[۹۴۱۹] : ۱......ریش بچہ(۱) کے بالوں کو بالکل کتروانا کیا بدعت ہے؟

۲......نچلے ہونٹ کے قریب دونوں کناروں کے بال منڈوانا کیا بدعت ہے؟

۳......جس کے ریش بچہ کے کناروں پر بال نہیں ہوتے تو رخساروں کی طرح وہاں خط بنوانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جی ہاں(۲)۔

۲......ہونٹ کے قریب کے بال دونوں کناروں سے منڈوانا تا کہ کھاتے پیتے وقت منہ میں نہ جائیں، درست ہے(۳)۔

= قال العلامة علي بن سلطان محمد القاري عليه رحمه الله تعالىٰ: "قص الشارب". قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: فيسنّ إحفاؤه حتى تبدو حمرة الشفة العليا". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۷۹): ۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲۰۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

حدیث میں "جز" کے علاوہ "أحفوا الشوارب" "قص الشارب" اور "انهكوا الشوارب" کے الفاظ بھی موجود ہیں، جن کا معنی ہلکا کرنا، تراشنا (المنجد، ص: ۳۵۷، دارالإشاعت کراچی)

"کاٹنا، کترنا" (منجد، ص: ۱۳۲۰) اور کاٹنے میں مبالغہ کرنے کے ہیں۔ اس باب میں عبارات فقہاء مختلف ہیں۔

(۱) "ریش بچہ: ٹھوڑی کے بال"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۴، فیروزسنز لاہور)

(۲) "(تنبيه) نتف الفنبكين بدعة، وهما جانبا العنفقة، وهي شعر الشفة السفلى، كذا في الغرائب". (ردالمحتار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۴۰۷/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵، رشيديه)

(۳) "وأما طرفا الشارب وهما السبالان، فقيل: هما منه، وقيل: من اللحية، وعليه فقيل: لابأس =

۳...... جب وہاں بال ہی نہیں تو خط بنوانا کس لئے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/ ۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= بتركهما، وقيل: يكره لما فيه من التشبه بالأعاجم وأهل الكتاب، وهذا أولىٰ بالصواب".

(ردالمحتار، باب الجنايات: ۵۵۰/۲، سعيد)

"كان بعض السلف يترك سُباليه، وهما أطراف الشوارب". (ردالمحتار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ۴۰۷/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء: ۳۵۸/۵، رشيديه)

"قص الشارب أن يأخذ ما طال على الشفة بحيث لايؤذى الآكل، ولايجتمع فيه الوسخ".

(مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ۲۰۹/۸، مكتبه حقانيه پشاور)

فصلٌ فی حلّاق اللحیة

(نائی کا بیان)

داڑھی بنانے والے نائی کا حکم

سوال[۹۴۲۰]: داڑھی بنانے والا نائی بھی مواخذہ دار ہوگا یا نہیں، کیونکہ اس کا پیشہ یہی ہے (کہ) جیسا عوام حکم دیتے ہیں ویسا ہی بناتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نائی گنہگار ہے، کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ٥/٢٥١(١) زیلعی: ٦/٤٩(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(١) "فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها، لما فيه من الإعانة على مالا يجوز، وكل ما أدى إلى ما لايجوز لا يجوز، وتمامه في شرح الوهبانية". (الدر المختار: ٦/٣٦٠، فصل في اللبس، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(٢) "لا يجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر .... وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له، ويجب عليه رده على صاحبه". (تبيين الحقائق: ٦/١١٩، كتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة، بيروت)

(وكذا في حاشية الشلبي على هامش التبيين للزيلعي: ٧/١٠٨، كتاب الأشربة، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"أمره إنسان أن يتخذله خفاً على زيّ المجوس أو الفسقة، أو خياطاً أمره إنسان أن يخيط له ثوباً على زيّ الفساق، يكره له أن يفعل ذلك". (مجمع الأنهر ٢/٥٣٠، فصل في الأكل، كتاب الكراهية، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نائی کے پیشہ کی تفصیل

سوال[۹۴۲۱]: ۱...... زید قوم سے نائی ہے، اس کا روزگار حجامت بنانا ہے، آج کل داڑھی منڈانے کا زیادہ رواج ہے، اگر زید داڑھی نہیں مونڈتا تو لوگ کہتے ہیں کہ ہم دوسرا نائی مقرر کرلیں گے۔

۲...... زید کو غیر مسلموں کی داڑھی مونڈنی کیسی ہے؟

۳...... مسلموں اور غیر مسلموں کے سر کے بال فینسی کاٹنا کیسا ہے؟

۴...... زید کو بعض مسلم داڑھی کاٹنے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم غیر مسلموں کی بھی تو داڑھی مونڈتے ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... داڑھی مونڈنا جائز نہیں، وہ لوگ اگر دوسرا نائی مقرر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تو آپ مت گھبرائیں، رزّاق خدا ہے(۱)۔

۲...... وہ بھی جائز نہیں(۲)۔

۳...... مکروہ ہے(۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث لا يحتسب، ومن يتوكل على الله، فهو حسبه﴾ (سورة الطلاق: ۳)

"وعن النواس بن سمعان رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) انگریزی بالوں میں چونکہ تشبہ بالغیر ہے اور تشبہ بالغیر ناجائز ہے، لہٰذا انگریزی بال بنانا اور بنوانا دونوں مکروہ اور ناجائز ہے:

"عنه (ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما) قال: "قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دار الحديث ملتان)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ: "من تشبه بقوم": أي من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في =

۴......زید غیر مسلموں کو بھی انکار کردے اور مسلمانوں کو بھی، پھر مجبور نہیں کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

حجام کا داڑھی مونڈنا

سوال[۹۴۲۲]: میں حجام ہوں، یہاں کے مسلمان مجھے اپنی داڑھی کے منڈادینے پر مجبور کررہے ہیں اور پنچایت کرکے میری داڑھی کو زبردستی منڈادینا چاہتے ہیں۔ کیا داڑھی منڈادینے کی شریعت میں گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داڑھی مونڈنا ناجائز ہے(۱)، پنچایت کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ناجائز کام پر مجبور کرے اور آپ کے لئے بھی ناجائز کام میں پنچایت کی اطاعت جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۷ھ۔

مسلم حجام کا غیر مسلم کی داڑھی مونڈنا

سوال[۹۴۲۳]: ۱......مسلم نائی غیر مسلم، مشرک، بھنگی کی حجامت یعنی داڑھی مونڈنا اور بال کترنا وغیرہ بلاکراہت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

= اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى فى الإثم والخير. قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ: هذا عام فى الخَلق والخُلق والشعار". (مرقاة المفاتيح: ۱۵۵/۸، كتاب اللباس، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(سنن أبى دأود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

(۱) "يحرم على الرجل قطع لحية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۱۸/۲، ۴۰۷/۶، سعيد)

(۲) "وعن النوّاس بن سمعان رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق". (مشكوة المصابيح: ۳۲۱/۲، كتاب الإمارة، الفصل الثانى، قديمى)

جن اوزاروں سے غیر مسلم کی حجامت بنائی ان سے مسلم کی حجامت بنانا

سوال[۹۴۲۴]: ۲.....اُن اوزاروں سے جن سے غیر مسلم، مشرک کی حجامت بنائی گئی ہو ان سے مسلم کی حجامت بغیر صاف کئے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....حجام کے لئے مسلم یا غیر مسلم کی داڑھی مونڈنا درست نہیں (۱)۔

۲.....جس استرے یا قینچی سے غیر مسلم کے سر کے بال مونڈے یا کاٹے ہوں اس پر خون لگا ہوا نہ ہو تو اس سے مسلم کے سر کے بال مونڈنا یا کاٹنا درست ہے، صفائی کرنا یعنی دھونا لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۹۵ھ۔

---

(۱) یہ اعانت علی المعصیت ہے اور اعانت علی المعصیت ناجائز ہے، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

قال العلامة الآلوسي تحت هذه الآية: "فيعم النهي كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني: ۶/ ۵۷ دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"﴿ولاتعاونوا على الإثم﴾ وهو الذنب والمعصية، وهي كل مامنعه الشرع، أو حاك في الصدر وكرهت أن يطلع عليه الناس، ولا تتعاونوا على التعدى على حقوق الغير. والإثم والعدوان يشمل كل الجرائم التي يأثم فاعلها، ومجاوزة حدود الله بالاعتداء على القوم: ﴿واتقوا الله﴾ بفعل ماأمركم به واجتناب مانهاكم عنه". (التفسير المنير: ۵/ ۶۹، بيروت)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويطهر صقيلٌ لامسام له كمرآة وظفر وعظم وزجاج وآنية مدهونة أو خراطي وصفائح فضة غير منقوشة بمسح يزول به أثرها مطلقاً، به يفتي". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بمسح) متعلق بيطهر، وإنما اكتفى بالمسح؛ لأن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يقتلون الكفار بسيوفهم، ثم يمسحونها ويصلون معها، ولأنه لاتتداخله النجاسة، وما على ظهره يزول بالمسح، بحر". (ردالمحتار: ۱/ ۳۱۰ باب الأنجاس، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية ۱/ ۳۱۵ كتاب الطهارة، باب تطهير الأنجاس، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۳۹۱ كتاب الطهارة، باب الأنجاس، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۵۹، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، دارإحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثانی فی الشّعر

(بالوں کا بیان)

بال رکھنا افضل ہے یا منڈوانا؟

سوال[۹۴۲۵]: سر پر بال رکھنا افضل ہے یا منڈوانا؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے علاوہ بھی بال منڈوانا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام عادت مبارکہ بال رکھنے کی تھی، منڈوانا بہت کم ثابت ہے، بعض صحابہ ہمیشہ منڈاتے تھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) قال الملا علی القاری رحمه الله تحت حدیث: "أو اتركوا كله" "فيه إشارة إلى أن الحلق في غير الحج والعمرة جائز، وأن الرجل مخيرٌ بين الحلق وتركه، لكن الأفضل أن لا يحلق إلا في أحد النسكين كما كان عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع أصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم، وانفرد منهم عليٌّ كرم الله وجهه". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۶/۸، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۷)، رشيديه)

"وإنما حلق رؤوسهم مع أن إبقاء الشعر أفضل". (مرقاة المفاتيح: ۲۴۲/۸، رشيديه)

"وأخرج الإمام أبو داؤد رحمه الله تعالىٰ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها، فعل بها كذا وكذا من النار". قال علي رضي الله تعالىٰ عنه: فمن ثم عاديتُ رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي. وكان يجز شعره -رضي الله تعالىٰ عنه-".

قال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ: "وبهذا الحديث استدل الطيبي على سنية حلق =

....

= الرأس لتقريره صلى الله عليه وسلم، ولأنه من الخلفاء الراشدين الذين أمرنا بمتابعة سنتهم وردّ عليه القاري وابن حجر، فقالا: إن فعله رضي الله تعالىٰ عنه إذا كان مخالفاً لسنته عليه الصلاة والسلام وبقية الخلفاء، يكون رخصةً لاسنةً". (بذل المجهود: ۱/۱۵۲، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، إمداديه ملتان)

وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "وفي الروضة للزندويستي: أن السنة في شعر الرأس إما الفرق أو الحلق. وذكر الطحاوي: أن الحلق سنة، ونسب ذلك إلى العلماء الثلاثة". (ردالمحتار: ۶/۴۰۷، فصل في البيع، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۷، الباب التاسع عشر في الختان، رشيديه)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، بالوں کے حلق وقصراور خضاب وغیرہ کے احکام، سر کے بال کٹوانا: ۴/۲۲۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، بالوں کے احکام، سر کے بالوں کی جائز وناجائز صورتوں کی تفصیل: ۸/۸۱، سعيد)

چونکہ آج کل فساد کا دور ہے اس لئے بچوں کے لئے بال حلق کرنا ضروری ہے، چنانچہ ابوداؤد میں ہے:

"عن عبد الله بن جعفر رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم أمهل آل جعفر ثلاثاً، ثم أتاهم فقال: "لاتبكوا على أخي بعد اليوم" ثم قال: "ادعوا لي بني، أخي، فجيئ بنا كأنا أفرخ، فقال: "ادعوا لي الحلاق". فأمره فحلق رؤوسنا". (سنن أبي داؤد: ۲/۵۷۷، كتاب الترجل، باب حلق الرأس، دار الحديث ملتان)

قال العلامة خليل أحمد السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ: "وفيه أن الكبير من أقارب الأطفال يتولى أمرهم وينظر في مصالحهم من حلق الرأس وغيره". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الترجل، باب في حلق الرأس: ۵/۷۷، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

''حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر مونڈنے والے کو بلایا اور حکم فرمایا کہ ہمارا سر مونڈ دے۔ (ابوداؤد: ۵۷۷، نسائی: ۲۹۱)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے سر میں بال بہتر نہیں، اس کو مونڈنا بہتر ہے۔ بچوں کے سر میں بال رکھنا اور اسے =

سر پر بال (پٹھے) رکھنا

سوال[۹۴۲۶]: پٹھے یعنی سر پر بال رکھنا کیسا ہے یعنی جائز یا سنت یا ناجائز، اور سب کے لئے یکساں حکم ہے یا کچھ تفصیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر پر بال رکھنا کانوں کی لو تک، یا اس سے نیچے، یا شانے تک جائز اور سنت ہے(۱)، مگر آج کل جو بال رکھے جاتے ہیں وہ اول تو اس نیت سے نہیں رکھے جاتے اگر نیت بھی ہو تو پھر جس طرز سے رکھے جاتے ہیں وہ طرز ثابت نہیں۔ سیدھی مانگ بیچ میں نہیں نکالی جاتی، ٹیڑھی مانگ نکالی جاتی ہے، یہ سب فیشن متعزبین کا ہے۔

اَمارد اور ایسے نوجوان جو سر پر بال رکھتے ہیں اس میں اَور فتنہ کا اندیشہ ہے جس کا علم اور مشاہدہ ہر ذی بصیرت کو ہے، اس لئے ان کو اس فیشن سے ضرور روکا جائے گا(۲)۔

= جھاڑنا جیسا کہ غیر مسلموں کا دیکھی دیکھی مسلمانوں میں رائج ہے؟ درست نہیں، اسلامی شعائر کے خلاف ہے نصاب الاحتساب میں ہے کہ: بچوں کے سر پر بڑے بالوں کا رکھنا حرام ہے"۔ (بحواله شمائل کبری، بالوں کے سلسلے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ عادات کا بیان، بچوں کے بال مونڈنا سنت ہے: ۱/۴۹۴، زمزم پبلشرز)

(۱) پٹھے رکھنے کی تین قسمیں ہیں: وفره: کانوں کی لو تک۔ لمّه: کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک۔ اور جمّه: کندھوں تک۔ پہلی صورت افضل ہے:

"عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أی واصلاً أو منتهیاً إلی نصف أذنیه .... وکان له: أی لرأسه الشریف شعر: أی نازل فوق الجمة، بضم الجیم وتشدید المیم ماسقط علی المنکبین ودون الوفرة"۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۹۰، ۹۲، باب شعر رسول علیه السلام، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(وأحسن الفتاوی: ۸/۸۱، کتاب الحظر والإباحة، عنوان: "بالوں کے احکام، سر کے بالوں کی جائز وناجائز صورتوں کی تفصیل"، سعید)

(۲) کیونکہ اس میں غلبۂ فساد کا اندیشہ ہے: "عن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أمهل آل جعفر ثلاثاً أن یأتیهم، ثم أتاهم، فقال: "لا تبکوا علی أخی بعد الیوم"۔ ثم قال: "ادعوا لی بنی أخی"۔ فجیئ بنا کأنا أفرخ، فقال: "ادعوا لی الحلاق"۔ فأمره فحلق رؤوسنا"۔ (سنن أبی =

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحبّ موافقة أهل الكتاب في مالم يؤمر فيه، وكان أهل الكتاب يسدلون أشعارهم، وكان المشركون يفرّقون رؤوسهم، فسدل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ناصيته، ثم فرق بعدُ". رواه البخاري ومسلم"(۱)۔

اس روایت سے سر کے بالوں کا حال معلوم ہوگیا ہوگا کہ آپ کفار کے طریقہ کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن ہم لوگ آج رفتار وگفتار ہر چیز میں انہیں کے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من تشبه بقوم فهو منهم". رواه أبوداؤد وأحمد". مشكوٰة شريف، ص: ۳۷۵(۲)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= داؤد: ۲/۵۷۷، كتاب الرجل، باب حلق الرأس، دارالحديث، ملتان)

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب صفة شعره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وصفاته وحليته: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وفي صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الفرق: ۲/۸۷۷، قديمي)

(۲) (مشكوٰة المصابيح: ۲/۳۸۰، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قديمي)

قال القاري رحمه الله تعالىٰ: "وكان أهل الكتاب: أي اليهود والنصارى يسدلون .... أشعارهم، والمراد هنا إرسال الشعر حول الرأس من غير أن يقسم نصفين: نصفٌ من جانب يمينه ونحو صدره، ونصفٌ من جانب يساره كذلك. وقيل: سدل الشعر إذا أرسله ولم يضم جوانبه. وفي شرح مسلم للنووي: قال العلماء: المراد إرساله على الجبين واتخاذه كالقصة، والفرق فرق الشعر بعضه من بعض. وقيل: السدل أن يرسل الشخص شعره من ورائه، ولا يجعله فرقتين.

والفرق أن يجعله فرقتين كل فرقة ذؤابة، وهو المناسب لقوله: وكان المشركون يفرقون -بكسر الراء ويضم- وروي من التفريق رؤوسهم: أي شعر رؤوسهم بعضها من بعض، ويكشفونها عن جبينهم. قال العسقلاني: الفرق قسمة الشعر، والمفرق وسط الرأس، وأصله من الفرق بين الشيئين "فسدل النبي صلى الله عليه وسلم" ناصيته": أي حين قدم المدينة، ثم فرق .... رأسه: أي شعره "بعد": بضم الدال: أي بعد ذلك من الزمان. قال ابن الملك: لأن جبريل عليه الصلاة والسلام أتاه وأمره بالفرق ففرق المسلمون رؤوسهم. .... =

سر کے بالوں کی تفصیل

سوال[۹۴۲۷]: سر پر بال رکھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ زلف رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ بعض لوگ استرے سے منڈاتے ہیں، بعض لوگ مشین سے کتراتے ہیں، بعض لوگ چھوٹے بڑے بال (انگریزی بال) رکھتے ہیں۔ اس میں کون سا طریقہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر عرب میں بال رکھنے کا دستور تھا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بال رکھتے تھے(۱)۔ احرام سے حلال ہوتے وقت منڈانا بھی ثابت ہے، اور ایسے وقت میں منڈانے کو ترشوانے پر ترجیح دی ہے(۲)۔ کچھ منڈانا کچھ باقی رکھنا منع ہے، منڈوائے تو تمام منڈوائے، رکھے تو تمام رکھے۔ زیادہ بڑے ہو جائیں اور منڈوانا نہ چاہے تو یہ بھی درست ہے کہ چھوٹے چھوٹے کرادے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۷ھ۔

= قال النووي: واختلفوا في تأويل موافقة أهل الكتاب فيما لم ينزل عليه فيه شئ، فقيل: فعله إئتلافاً لهم في أول الإسلام، وموافقةً لهم على مخالفة عَبَدة الأصنام، فلما أغناه الله تعالىٰ عن ذلك وأظهر الإسلام على الدين كله، خالفهم في أمورٍ منها". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۴/۸، ۲۱۵، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۵)، رشيديه)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أي واصلاً أو منتهياً إلى نصف أذنيه .... وكان له: أي لرأسه الشريف شعر: أي نازل فوق الجمّة ودون الوفرة .... وكانت جمّته تضرب شحمة أذنية .... كان يبلغ شعره شحمة أذنيه". (جمع الوسائل في شرح الشمائل: ۱/۹۰-۹۴، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رآى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن ذلك، وقال: "احلقوا كله أو اتركوا كله". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قديمي)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "بال رکھنا افضل ہے یا منڈوانا"

(۳) "ويكره القزع، وهو أن يحلق البعض ويترك البعض قطعاً مقدار ثلاثة أصابع، كذا في الغرائب". =

بالوں میں کفار کی مشابہت

سوال[۹۴۲۸]: ماالحکم عن الشعر الذی یقطع خلف الرأس فقط کما یفعل الکفار، هل هو جائز أم لا، أم حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ما[موصولة] کان شعار الکفار، فإن کان شعاراً مذهبیاً، فهو حرام علی المسلمین. وإن کان شعاراً قومیاً، فهو مکروه". (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

انگریزی بال

سوال[۹۴۲۹]: کیا انگریزی بال رکھنے والوں پر اس حدیث کا اطلاق ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا؟ اگر ہوتا ہے تو کیا انگریزی بال رکھنے والا ہر وقت گناہ میں مبتلا رہتا ہے، یا صرف ایک گناہ میں کہ انگریزی بال رکھے ہیں؟

= (ردالمحتار، فصل فی البیع من کتاب الحظر والإباحة: ۴۰۷/۶، سعید)

(۱) "وعنه (ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما) قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

"من شبّه نفسه بالکفار مثلاً فی الباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر .... قال الطیبی: هذا عام فی الخَلق والخُلق والشعار ولما کان الشعار أظهر فی الشبه ذکر فی هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه، لاغیر". (مرقاة المفاتیح: ۱۵۵/۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۳۴۷)، رشیدیه)

"وکراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا". (ردالمحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۷۵۳/۶، سعید)

الجواب حامداًو مصلیاً:

اس میں بھی کراہت ہے جو مستر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

انگریزی بال رکھنا

سوال[۹۴۳۰]: انگریزی بال رکھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

انگریزی بال بناء بر تشبہ مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

انگریزی بال کو سنتی بال بنانا

سوال[۹۴۳۱]: انگریزی بال کو سنتی بال میں تبدیل کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ انگریزی بال منڈا دیے جائیں(۳)، اس کے بعد سنت کے مطابق رکھے جائیں تا کہ

---

(۱) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير .... قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب. قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه، لاغير". (مرقاة المفاتيح: ۸/۱۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

"وكراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۳، سعيد)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) "عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت لحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما: ماحفظت من رسول الله =

کامل تبدیل ہوجائیں، گوبغیر منڈائے بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

عورتوں کا بالوں کی مینڈھیاں گوندھ کر کلپ لگانا

سوال[۹۴۳۲]: سر کے بالوں کو ایک چوٹی گوندھنا، کلپ لگانا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلپ تو میں سمجھا نہیں کیا چیز ہے۔ ہاں! سر کے بالوں کی مینڈھیاں جن کو عربی میں ضفائر کہتے ہیں گوندھنا سنت ہے جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

"عن أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قلت: يا رسول الله! إنی امرأة أشد ضفراً أفأنقضه لغسل الجنابة؟ فقال: "لا، إنما يكفيك أن تحثی علی رأسك ثلث حثيات، ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين" اه". شامی: ۱/۱۵۸(۱)۔ نیز مجمع البحار: ۱/۲۹۲ میں تفیض کے

= صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قال: حفظت من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "دع ما يريبک إلی مالا يريبک". جامع الترمذی، أبواب صفة القيامة، قبيل أبواب صفة الجنة: ۲/۷۸، سعيد)

"وفی الروضة للزندويستی: أن السنة فی شعر الرأس إما الفرق أو الحلق، وذكر الطحاوی: أن الحلق سنة، ونسب ذلک إلی العلماء الثلاثة .... ويرسل شعره من غير أن يفتله، وإن فتله فذلک مكروه؛ لأنه يصير مشبهاً ببعض الكفَرة والمجوس فی ديارنا يرسلون الشعر من غير فتل، ولكن لا يحلقون وسط الرأس بل يجزون الناصية، تاتر خانيه". (ردالمحتار: ۶/۴۰۷، فصل فی البيع، كتاب الخطر والإباحة، سعيد)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴/۲۰۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) (ردالمحتار: ۱/۱۵۳، كتاب الطهارة، مطلب: أبحاث الغسل، سعيد)

والحديث رواه مسلم فی صحيحه، فليراجع: (الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۹، ۱۵۰، كتاب الطهارة، باب حكم ضفائر المغتسله، قديمی)

متعلق لکھا ہے کہ:"فی غیر الإحرام مندوب، اھ"(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نائلون کی چوٹی کا استعمال

سوال[۹۴۳۳]: نائلون کے بالوں کی چوٹیاں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان بالوں کو اس طرح سر کے بالوں سے ملالینا جس سے دیکھنے پر اصل بال سر کے معلوم ہوں، یہ خداع ہے، درست نہیں:"لعن اللہ الواصلة والمستوصلة". رواہ البخاری(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

عورتوں کا دو چوٹی رکھنا، سرخی پوڈر استعمال کرنا

سوال[۹۴۳۴]: مسلمان خواتین جو دو چوٹیاں آج کل عام طور سے باندھ رہی ہیں، اور یہ عمل فیشن میں داخل ہو گیا ہے، لہٰذا شرعاً یہ عورتوں کا فعل جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں سرخی پوڈر اور اسی قسم کی زیبائش کرنا کہاں تک درست ہے، اور عورتوں کو ننگے سر رہنا کیسا ہے؟

حاجی عبدالرزاق، اونچی سڑک کانپور۔

---

(۱) لم أطلع عليه

(۲) (صحيح البخاري: ۲/۸۷۸، كتاب اللباس، باب الوصل في الشعر، قديمي)

"الواصلة: أي التي توصل شعرها بشعر آخر زوراً، وهي أعم من أن تفعل بنفسها أو تأمر غيرها بأن يفعله. "والمستوصلة": أي التي تطلب هذا الفعل من غيرها، وتأمر مَن يفعل بها ذلك، وهي تعم الرجال والمرأة .... قال النووي رحمه الله تعالیٰ: الأحاديث صريحة في تحريم الوصل مطلقاً، وهو الظاهر المختار، وقد فصل أصحابنا فقالوا: إن وصلت بشعر آدمي، فهو حرام بلا خلاف؛ لأنه يحرم الانتفاع بشعر الآدمي وسائر أجزائه لكرامته. وأما الشعر الطاهر من غير الآدمي، فإن لم يكن لها زوج ولا سيد، فهو حرام أيضاً .... وقال مالك والطبري: والأكثرون على أن الوصل ممنوع بكل شئ: شعرٍ أو صوفٍ أو خرقٍ أو غيرها، واحتجوا بالأحاديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۰۰): ۸/۲۱۷، ۲۱۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جو چیز کفار یا فساق کا شعار ہو اس کو اختیار کرنا گناہ ہے(۱)۔عورتوں کو سر کی حفاظت لازم ہے، نامحرم کے سامنے سر یا بال کھولنا درست نہیں، فیشن کے ساتھ بناؤ سنگار کر کے نکلنا زنا کی دعوت دینا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بالوں میں پن لگانا

سوال[۹۴۳۵]: کیا سر کے بالوں کو روکنے کے لئے عورتیں ولڑکیاں بال پن لگا سکتی ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "عنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم : "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوٰة المصابيح: ۲/۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، قديمي)

"أى من شبّه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره". (مرقاة المفاتيح: ۸/۱۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يأيها النبي قل لأزواجك وبنٰتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الآية) (سورة الأحزاب: ۵۹)

قال العلامة الجصاص رحمه الله تعالیٰ: "تقنّع عبيدة وأخرج إحدى عينيه .... اهـ". وقال ابن عباس ومجاهد رضی الله تعالیٰ عنهم: تغطي الحرة إذا خرجت جبينها ورأسها خلاف حال الإماء .... وفيها دلالة علیٰ أن الأمة ليس عليها ستر وجهها وشعرها؛ لأن قوله تعالیٰ: ﴿ونساء المؤمنين﴾ ظاهره أنه أراد الحرائر، وكذا روى في التفسير، لئلا يكن مثل الإماء اللاتي هن غير مأمورات بستر الرأس والوجه، فجعل الستر فرقاً يُعرف به الحرائر من الإماء. وقد روى عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أنه كان يضرب الإماء، ويقول: اكشفن رؤوسكن ولا تشبهن بالحرائر". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۵۴۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۲۲/۸۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ کفار وفساق کا شعار نہیں تو گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۶/۹/۸۵ھ۔

کلپ کا استعمال

سوال[۹۴۳۶]: کلپ ایک زیور ہوتا ہے جس کو عورتیں سر کے بالوں میں لگاتی ہیں۔ان کا استعمال جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کلپ بالوں میں لگانا عورتوں کے لئے جائز ہے، بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو اور کفار یا فساق کا شعار نہ ہو کہ اصل جواز ہے، اور ممانعت وجوہ مذکورہ پر ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۳/۱/۹۲ھ۔

ابروؤں کے درمیان بالوں کا حکم

سوال[۹۴۳۷]: بال دونوں ابروؤں کے درمیان کے کٹانا یا منڈانا جائز ہے یا رکھنا؟

ریاض الحق کلیانوی۔

---

(۱) "الأصل في الأشياء الإباحة". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، اليقين لايزول بالشک، (رقم القاعدة: ۳۴۰): ۱/۲۰۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "الأصل في الأشياء الإباحة عند بعض الحنفية، ومنهم الكرخي رحمه الله تعالىٰ، وقال بعض أصحاب الحديث: الأصل فيها الحظر، وقال بعض أصحابنا: الأصل فيها التوقف بمعنى أنه لابدلها من حكم، لكنا لم نقف عليه بالفعل، انتهى. وفي الهداية من فصل الحداد: أن الإباحة أصل، انتهى". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة: اليقين لايزول بالشک، (رقم القاعدة: ۳۴۰): ۱/۲۰۹، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں ابروؤں کے درمیان بال منڈانا، یا کتروانا بغرضِ حصولِ زینت جائز نہیں، کذا نقل فی نور الضحیٰ، ص: ٤٤، عن غاية التوضيح(١)۔ فقط۔

محمود گنگوہی، ۱۳/۳/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/۵۳ھ۔

رخسار اور حلق کے بالوں کا حکم اور ڈاڑھی کی مقدار

سوال[۹۴۳۸]: رخسار و حلق کے بال چنوانا یا منڈانے جائز ہیں یا نہیں؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ یہ ڈاڑھی میں داخل نہیں، نیز ان کا یہ بھی قول ہے کہ ڈاڑھی مطلقاً نہ کٹانا چاہئے، کیونکہ "اعفاء" مطلق ہے۔ لہٰذا ایسی حدیث بیان فرماویں جس سے مشت سے زائد کا کٹانا واجب یا مسنون ہونا ثابت ہو اور حدیث بھی قوی ہو جیسے اعفاء والی۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: مولوی میاں احمد، مدرس گوگیرہ ضلع منٹگمری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رخسار اور حلق کے بالوں کا چنوانا اور منڈانا شرعاً درست ہے، نہ منڈوانا بہتر ہے:

"ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: لابأس بذلك، ولابأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يتشبه بالمخنثين، اهـ". عالم گیری: ٥/٣٥٨(٢)۔

---

(١) لم أجد

(٢) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٥/٣٥٨، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار، وقص الشارب وحلق الرأس، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ٦/٣٧٣، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٠٧، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ٨/٢٠٩، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ٤٤٢٠)، رشيديه)

حدیثِ اعفاء کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خود عمل امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار، ص: ۱۲۷، میں یہ نقل کیا ہے:

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة". قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ، اهـ"(۱)۔

اسی وجہ سے عالم گیری: ۳۵۱/۵(۲)، طحطاوی، ص: ۲۸۷(۳) بذل المجهود شرح ابی داؤد: ۷۹/۲(٤) میں ڈاڑھی کی مسنون مقدار ایک قبضہ تحریر کی ہے، وبسط المسئلة فی رد المحتار: ۱۷٤/۲ فی مفسدات الصوم(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۳ھ۔

---

(۱) (كتاب الآثار، ص: ۱۹۸، باب حف الشعر من الوجه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی البحر الرائق: ۱۹/۳، كتاب الحج، باب الجنايات، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۱۸۲/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد وما لا يفسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی حاشية الشلبی علی هامش تبيين الحقائق: ۱۸۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والقص سنة فيها، وهو أن يقبض الرجل لحيته، فإن زاد منها على قبضته، قطعه، كذا ذكر محمد رحمه الله". (الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: فی الختان والخصاء وقلم الأظفار وقص الشارب وحلق الرأس: ۳۵۸/۵، رشيديه)

(۳) "تطويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون، وهو القبضة". (حاشية طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۸۱، فصل فيما يكره للصائم، قديمی)

(۴) "والسنة فيها القبضة". (بذل المجهود: ۳۳/۱، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، إمداديه ملتان)

(۵) "فإذا زاد على القبضة شئ، جزّه، كما فی المنية. وهو سنة كما فی المبتغی، وفی المجتبی والينابيع وغيرها ..... اهـ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴۰۷/۲، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير: ۳۴۷/۲، باب ما يفسد ولا يفسد، كتاب الصوم، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

بغل کے بال

سوال[۹۴۳۹]: اگر چالیس دن بغل کے بال نہ بنوائیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس میں کراہت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ٹانگوں کے بال کاٹنا

سوال[۹۴۴۰]: کیا مرد اور عورتیں اپنی ٹانگوں کے بال ٹخنوں تک منڈوا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا بہتر نہیں، مگر حرام بھی نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، قال: وقّت لنا في قص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترك أكثر من أربعين ليلةً". (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

"والمعنى أن لا نترك تركاً يجاوز أربعين، لا أنه وقّت لهم الترك أربعين". (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۲، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۲)، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۸، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود: ۱/۳۳، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۵۵۲، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۵۲، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۴۰۷، فصل في البيع، كتاب الكراهية، سعيد)

(۲) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أطلى بدأ بعورته، =

استرے سے بالوں کی صفائی

سوال[۹۴۴۱]: موئے زیرناف آپ کس چیز سے صاف فرماتے تھے؟ سرین کے بالوں نیز ران وغیرہ کے بالوں کے متعلق آپ کا عمل شریف کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

استرے سے موئے زیرناف صاف کرنے کا عام معمول تھا(۱)، بقیہ مواقع مسئولہ میں بالوں کا ہونا منقول نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو استرے سے صفائی کرنا

سوال[۹۴۴۲]: عورت موئے زہار کے لئے استرہ استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟

محمد فاروق،

مقام اتراوں، ضلع الہ آباد، ۲۸/شوال/۰۷ھ۔

= فطلاها بالنورة، وسائر جسده أهله". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۶، أبواب الأدب، باب الإطلاء بالنورة، میر محمد کتب خانه)

''اس کے علاوہ اور تمام بدن کے بالوں کا مونڈنا، رکھنا دونوں درست ہیں''۔ (بہشتی زیور، بالوں کے متعلق احکام، مسئلہ نمبر:۱۵، ص:۸۳۰، دارالاشاعت)

(۱) ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ سنت مرد اور عورت کے حق میں یہ ہے کہ استرہ وغیرہ سے بال صاف کرے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ مردوں کے حق میں استرہ بہتر ہے اور عورتوں کے حق میں اکھاڑنا''۔ (شمائل کبری، زیرناف بال کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان، زیرناف بال مونڈنا: ۵۴۷/۱، زمزم پبلشرز کراچی)

''نورہ'' بھی استعمال فرماتے تھے: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا طلى بدأ بعورته، فطلاها بالنورة". (سنن ابن ماجة، أبواب الأدب، باب الإطلاء بالنورة، ص: ۲۶۶، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتی ہے، مگر مناسب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذیقعدہ/ ۰۷ھ۔

موئے زیر ناف کس جگہ سے کاٹے جائیں

سوال [۹۴۴۳]: انسان حد بلوغ تک پہونچنے کے بعد ناف کے نیچے جو بال ہوتے ہیں ۴۰/ روز کے بعد کاٹنا (مونڈنا) پڑتا ہے، اگر یہ ضروری ہو تو کس جگہ سے لے کر کس جگہ تک کاٹنا ضروری ہے، کاٹنے سے کافی ہوگا یا مونڈنا پڑے گا؟ اور یہ فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب یا نفل؟ اگر کوئی نہ کاٹے تو اس کی عبادت قبول ہوگی یا گنہگار رہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف کے نیچے دائیں بائیں جو بال ہوں نیز خصیتین پر جو بال ہوں اور پھر نیچے جو بال ہوں ان سب کو صاف کر دینا چاہئے (۲)، خواہ ان کو مونڈا جائے، یا کسی دوا سے اڑا دیا جائے، یا قینچی سے کتر دیا جائے (۳)،

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الفطرة خمس: الختان، والاستحداد .... ونتف الإبط". متفق علیه". (مشکوة المصابیح: ۲/ ۳۸۰، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قدیمی)

قال القاری رحمه الله تعالیٰ: "والاستحداد": أی حلق العانة، وهو استفعال من الحدید، وهو استعمال الحدید من نحو الموسی فی حلق العانة ذی الشعر الذی حوالی ذکر الرجل وفرج المرأة، زاد ابن شریح: وحلقة الدبر، فجعل العانة منبت الشعر مطلقاً، والمشهور الأول، فإن أزال شعره بغیر الحدید، لایکون علی وجه السنة ....اهـ".

"ونتف الإبط": أی نتف شعره .... قال فی شرح المشارق: المفهوم من حدیث أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، أن حلق الإبط لیس بسنة، بل السنة نتفه؛ لأن شعره یغلظ بالحلق، ویکون أعون للرائحة الکریهة. قال النووی: النتف أفضل لمن قوی علیه، لما حکی أن الشافعی رحمه الله تعالیٰ کان یحلق إبطه، فقال: علمت أن السنة نتفه، لکن أقوی علی الوجع". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، باب=

منڈنا اعلیٰ بات ہے۔ یہ صفائی ہر ہفتہ جمعہ کے روز مناسب ہے، اس کا موقعہ نہیں تو پندرہ روز میں صفائی کردی جائے۔ ۴۰/ روز تک مؤخر نہ کریں، ورنہ کراہت تحریمی کا ارتکاب ہوگا (۱)۔

عبادت جب اپنی شرائط وفرائض کے مطابق ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ قبول ہوگی۔ یہ صفائی ہر ہفتہ سنت ہے، چالیس روز واجب ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۸ھ۔

= الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۰): ۲۰۹/۸، ۲۱۰، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۱۲۸/۱، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۷/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۵۵۶/۲، فصل المتفرقات، كتاب الكراهية، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۷/۵، ۳۵۸، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(۳) "وفي الإبط يجوز الحلق، والنتف أولى". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۰۶/۶، فصل في البيع، كتاب الخطر والإباحة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۵۶/۲، باب المتفرقات، كتاب الكراهية، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويستحب حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرةً، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشرة، وكره تركه وراء الأربعين، مجتبى". (الدرالمختار). قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "ولا عذر فيما وراء الأربعين، ويستحق الوعيد ....اهـ". (ردالمحتار: ۴۰۶/۶، ۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل البيع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع سكب الأنهر: ۵۵۶/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۵۸/۵، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح: ۲۱۲/۸، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۲)، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على مسلم: ۱۲۹/۱، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، قديمي)

(وكذا في جامع الرموز: ۳۲۸/۳، كتاب الكراهية، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۲۴، آخر باب الجمعة، قديمي)

(۲) قد مر في الحاشية المتقدمة أنفاً

موئے زیر ناف کو دفن کرنا

سوال[۹۴۴۴]: کیا زیر ناف کے بال بنانے کے بعدان بالوں کوبھی دفن کرنا چاہئے، یا کسی محفوظ جگہ پر ڈالنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

دفن کرنا بہتر ہے، کسی ایسی جگہ ڈالنا بھی درست ہے جہاں نجاست نہ ہو، غسل خانہ یا بیت الخلاء میں نہ ڈالے، طحطاوی، ص: ۲۲۷(۱)، نہ ایسی جگہ ڈالے جہاں کسی کی نظر پڑے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

موئے زیرِ ناف کاٹنے کی مدت

سوال[۹۴۴۵]: ایک شخص کو حاجت زیر ناف بال بنانے کی ہوئی اوراس نے یہ حاجت پوری کی، لیکن اس کی عقل میں یہ نہ آیا کہ یہاں تک کاٹے یعنی کل ادھر سے ادھر تک، نیچے سے اوپر تک، اب کاٹنے میں جان کر یعنی خود مجبور ہوکر نیچے سے کچھ بال دوچار چھوڑ دے یا انجان پنے سے خود بخود چھوٹ گئے، بعد میں دیکھا

(۱) "فإذا قلم أظفاره أوجزّ شعره، ينبغي أن يدفن ذلک الظفر والشعر المجزور. فإن رمى به فلا بأس، وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل، يكره ذلک". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۲۰۲/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دارالمعرفة بيروت)

"وإذا حلق شعر بدنه أو قلم أظافيره، ينبغي أن يدفن ذلک الظفر أو الشعر، قال الله تعالىٰ: ﴿ألم نجعل الأرض كفاتاً أحياءً وأمواتاً﴾، وإن رمى به، فلا بأس. وإن ألقاه في الكنيف أو المغتسل، كره ذلک؛ لأنه يورث البرص". (غواص البحرين على هامش جامع الرموز: ۳۲۸/۳، كتاب الكراهية، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش العالمكيرية: ۴۱۱/۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۵۲/۲، باب المتفرقات، كتاب الكراهية، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۴۰۵/۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

ہوتو پھر کیا کر سکتا ہے جب کہ کاٹ چکا اور پاک وصاف ہو چکا۔لہٰذا اب یہ بتانا چاہئے کہ آیا پھر کل بال کاٹے یا چھوڑ دے اور چالیس دن کے بعد کاٹے یا چالیسویں دن ضرور کاٹ لے یا نماز واقعی نہیں ہوتی۔

شفیق احمد محلہ شاہ ولایت سہارنپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مستحب اور افضل یہ ہے کہ ان دو چار بالوں کو بھی صاف کردے۔افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بال صاف کرے ورنہ پندرہ روز میں صفائی کرے، چالیس روز تک بال صاف نہ کرنا گناہ ہے، ایسے شخص کی نماز بھی مکروہ ہوتی ہے:

"یستحب أن یقلم أظفاره ویقص شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه فی کل أسبوع مرةً، ویوم الجمعة أفضل، ثم فی خمسة عشر یوماً، والزائد علی الأربعین اثم، اه". طحطاوی، ص: ۳۰۴(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح:عبداللطیف الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، ۲۴/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

غسل میں گرے ہوئے بالوں کو کیا کیا جائے؟

سوال[۹۴۴۶]: بعض عورتوں میں یہ بات مشہور ہے کہ حالتِ حیض یا جنابت میں جو بال سر کے گر جائیں یا ٹوٹ جائیں اس کو جمع کیا جائے، پھر جب جنابت سے پاک ہونے کا غسل کرتی ہے، اس وقت ان بالوں کو اپنے انگوٹھے میں باندھ کر غسل کرتی ہے، پھر غسل کے بعد ان کو دفنا دیتی ہے۔کیا اس کی کوئی اصل ہے یا محض واہیات؟

محمد یونس افریقی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بات بے اصل اور لغو ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۵۲۴، اخر باب الجمعة، قدیمی)

موئے زیرِ ناف دوسرے سے صاف کرانا

سوال[۹۴۴۷]: ایک شخص معمر بیمار ہوجاتا ہے، عرصہ ۶، ۷/ ماہ بیمار رہتا ہے، پورا صاحبِ فراش ہے کہ حرکت کی بھی طاقت نہیں، اس کی اہلیہ کو بھی ضعف بصر ہے۔ کیا اس کا بیٹا زیرِ ناف بال استرے سے صاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بدرجۂ مجبوری جائز ہے(۱)، مس کرنے اور دیکھنے سے حتی الوسع احتیاط کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبداللطیف۔

نابینا موئے زیرِ ناف کس طرح صاف کرے؟

سوال[۹۴۴۸]: نابینا شخص موئے زیرِ ناف کس طرح صاف کرے گا؟ صابن کے ذریعہ صاف کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صابن کے ذریعہ صفائی کرلینا بھی درست ہے:

"قال في الهندية: ويبتدئ من تحت السرة. ولو عالج بالنورة، يجوز، كذا في الفتاوى".

(۱) "إن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة الضرر يزال: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "حلق عانته بيده، وحلق الحجام جائز إن غض بصره، كذا في التتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۸، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/۲۰۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دار المعرفة بيروت)

ردالمحتار: ٥/٢٦١(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴۰۱ھ۔

کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت

سوال[۹۴۴۹]: موئے انسانی جو نائی کاٹ کر پھینک دیتا ہے، بطورِ کھاد کے کھیتوں میں استعمال کرنا اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (ردالمحتار، فصل في البيع من كتاب الحظر والإباحة: ٦/٤٠٦، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء: ٥/٣٥٨، رشيديه)

(۲) اعضائے انسان محترم ہیں، ان کا استعمال اور بیع وشراء شرعاً ناجائز ہے:

"حرم استعماله، حتى لو طحن عظمه في دقيق، لم يؤكل في الأصح احتراماً". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ: "وإن حرم استعماله: أی استعمال جلده، أو استعمال الأدمي بمعنی أجزائه ...... (قوله: احتراماً): أی لانجاسةً". (ردالمحتار: ١/٢٠٤، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في أحكام الدباغة، سعيد)

"والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح، شرح الوهبانية". (الدرالمختار: ٣/٢١١، كتاب النكاح، باب الرضاع، سعيد)

"وبطل بيع .... شعر الإنسان لكرامة الآدمي ولو كافراً، ذكره المصنف". (الدرالمختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ قوله: "(ذكره المصنف) حيث قال: والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له، اهـ: أی وهو غير جائز". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الأولیٰ مكرم شرعاً ولو كافراً: ٥/٥٨، سعيد)

الفصل الثالث فی تقلیم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

ناخن اور بالوں کو جلانے کا حکم

سوال[۹۴۵۰]: انسان کے ناخن اور بال وغیرہ کو جلانا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو شہری عورتوں کے جو بال کنگھی سے نکلتے ہیں ان کو مکانات پختہ ہونے کی وجہ سے دفن نہیں کرسکتیں۔ ان کے لئے کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جلانا جائز نہیں، ایسی عورتیں کسی کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر کہیں ڈال دیں:

"وفی الخانية: ينبغی أن يدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره، وإن رماه فلا بأس، وكره إلقائه فی كنيف أو مغتسل؛ لأن ذلك يورث داءً. وروی أن النبی صلی الله عليه وسلم أمر بدفن الشعر والظفر، وقال: "لاتتغلب به سحرة بنی ادم، اه". ولأنهما من أجزاء الآدمی فتحترم، اه".

طحطاوی، ص: ۲۸۷(۱)۔

---

(۱) (حاشية طحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۷، قديمی)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی الختان: ۳/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا فی غواص البحرين علی هامش جامع الرموز، كتاب الكراهية: ۳/۳۲۸، المطبعة الكريمية ببلدة قزان) .... =

لیکن بالوں کوٹکڑے ٹکڑے کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر: ۳۵۸/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲۰۲/۴، دار المعرفة بيروت)

"فإذا قلم أظفاره أوجزّ شعره، ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزور. فإن رمى به، فلا بأس. وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل، يكره ذلك". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۰۲/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دار المعرفة بيروت)

"وإذا حلق شعر بدنه أو قلم أظافيره، ينبغي أن يدفن ذلك الظفر أو الشعر، قال الله تعالىٰ: ﴿ألم نجعل الأرض كفاتاً أحياءً وأمواتاً﴾. وإن رمى به، فلا بأس. وإن ألقاه في الكنيف أو المغتسل، كره ذلك؛ لأنه يورث البرص". (غواص البحرين على هامش جامع الرموز: ۳۲۸/۳، كتاب الكراهية، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش العالمكيرية: ۴۱۱/۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۵۲/۲، باب المتفرقات، كتاب الكراهية، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۴۰۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

الفصل الرابع فی الخضاب

(مہندی اور خضاب کا بیان)

داڑھی یا سر پر خضاب لگانے کا حکم

سوال[۹۴۵۱]: داڑھی یا سر کے بالوں پر مہندی یا دیگر قسم کا خضاب کرنا کیسا ہے، خلفائے راشدین میں سے کسی نے کیا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہندی کا خضاب سر پر، ڈاڑھی پر مرض کی وجہ سے درست ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو مہندی کا خضاب لگانے کا مشورہ دیا تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: قال أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة، ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "غيّروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد". (الصحيح لمسلم، كتاب اللباس والزينة، استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة وتحريمه بالسواد: ۱۹۹/۲، قديمی)

حضرت ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مہندی لگانا ثابت ہے:

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أنه سئل عن خضاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكر أنه لم يخضب، ولكن قد خضب أبوبكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما". (سنن أبي داؤد: ۵۷۸/۲، كتاب الترجل، باب في الخضاب، دار الحديث ملتان)

"الخضاب أفضل؛ لأن جماعةً من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم خضبوا، كان أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه يخضب بالحناء، وبعضهم كان يخضب بالزعفران، روى ذلك عن على رضي الله تعالىٰ عنه. وبعضهم بالسواد، روى عن عثمان والحسن والحسين وعقبة بن عامر وابن سيرين رضي الله تعالىٰ عنهم. ومذهبنا أن الصبغ بالحناء والوسمة حسن، كما في الخانية. قال النووي رحمه الله تعالىٰ: ومذهبنا =

خضاب کا حکم

سوال[۹۴۵۲]: خضاب لگانا کیسا ہے؟ اگر نا جائز ہے تو بعض اکابرینِ امت ایسا عمل کیوں کرتے ہیں جس سے عوام دلیل پکڑتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سرخ مہندی کا خضاب بلا کراہت درست ہے(۱)، سیاہ خضاب جس سے بالوں کی سیاہی اصلی سیاہی

= استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أو حمرة وتحريم خضابه بالسواد على الأصح؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "غيّروا هذا الشيب، واجتنبوا السواد". (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۳۶۳/۴، بيروت)

(۱) قال الشامي رحمه الله تعالىٰ: "أما بالحمرة، فهو سنة الرجال وسيما المسلمين، اهـ". (ردالمحتار: ۷۵۶/۶، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى، سعيد)

"مثله كما ورد في الحديث: عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة، ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "غيروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد". رواه مسلم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمي)

"قال النووي: في الخضاب أقوال، وأصحها أن خضاب الشيب للرجال والمرأة يستحب، وبالسواد حرام، وقد سبق عن الإمام محمد رحمه الله تعالىٰ أنه قال في موطئه: لانرى بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأساً، وإن تركه أبيض فلا بأس به، كل ذلك حسن. وفي الشرعة: الخضاب سنة ثبت قولاً وفعلاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۴): ۲۱۳/۸، ۲۱۴، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة وتحريمه بالسواد: ۱۹۹/۲، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۵، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۲/۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، رشيديه)

معلوم ہو، مکروہ تحریمی ہے، البتہ مجاہد کو بحالتِ جہاد ارہابِ اعداء کے لئے درست ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیوی کے سامنے تزیین کیلئے بھی گنجائش ہے، ممکن ہے کہ سیاہ خضاب کرنے والے حضرات اس قول کی آڑ لیتے ہوں، یا اَور کوئی وجہ ہو، وہ خود ہی اپنے فعل کی وجہ بیان کر سکتے ہیں:

"قال فی الذخیرة: أما الخضاب بالسواد للغزو لیکون أھیب فی عین العدو، فھو محمود بالاتفاق، وإن لیزیّن نفسه للنساء فمکروہ، وعلیه عامة المشائخ. وبعضھم جوّزہ بلا کراھة. روی عن أبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال: کما یعجبنی أن تتزین لی، یعجبھا أن أتزین لھا، اھ". شامی: ۲۷۱/۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مہندی یا خضاب لگانا

سوال[۹۴۵۳]: مرد کو داڑھی میں مہندی یا خضاب یا تلوؤں (۲) میں گرمی دور کرنے کے مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو داڑھی میں خضاب لگانا، مہندی لگانا شرعاً درست ہے (۳)، ہاتھ پیر میں مہندی لگانا درست نہیں،

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲۲/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۹/۵، الباب العشرون فی الزینة، رشیدیه)

(۲) "تلوے: ایڑی اور پنجے کے بیچ کا حصہ، پاؤں کے نیچے کا حصہ، کفِ پا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۷۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "عن عثمان بن عبد اللّٰه بن موھب قال: دخلت علی أم سلمة رضی اللّٰه تعالیٰ عنھا، فأخرجت إلینا شعراً من شعر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مخضوباً". (صحیح البخاری: ۸۷۵/۲، کتاب اللباس، باب مایذکر فی الشیب، قدیمی)

قال الحصکفی رحمه اللّٰه تعالیٰ: "یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیته". (الدر المختار).

قال العلامة الشامی رحمه اللّٰه تعالیٰ: "(قوله: خضاب شعرہ ولحیته) لا یدیه ورجلیه، فإنه مکروہ للتشبه بالنساء". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۲/۶، فصل فی البیع، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۵۹/۵، کتاب الکراھیة، الباب العشرون فی الزینة ...... رشیدیه) =

گرمی دور کرنے کے لئے طبیب سے پوچھ کر کوئی اور چیز لگالے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۲/۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، رشيديه)

(۱) بوجہِ مجبوری مرد کے لئے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانے کی گنجائش ہے: "ولا ينبغي أن يخضب يدي الصبي الذكر ورجله إلا عند الحاجة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۵، كتاب الكراهية، الباب العشرون في الزينة، رشيديه)

"وأما خضب اليدين والرجلين، فيستحب في حق النساء، ويحرم في حق الرجال إلا للتداوي". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الثاني: ۲۳۳/۸، (رقم الحديث: ۴۴۵۲)، رشيديه)

الفصل الخامس في الختان

(ختنہ کا بیان)

ختنہ کی ابتدا، کون سے انبیائے کرام مختون پیدا ہوئے؟

سوال[۹۴۵۴]: ختنہ سنتِ ابراہیمی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے، یا اس سے پہلے سے چلا آرہا ہے، اگر پہلے سے ہے تو کس پیغمبر سے یہ سنت جاری ہوئی؟ اور حضرت آدم علیہ السلام مختون تھے یا نہیں، اسی طرح پر تمام انبیاء علیہم السلام؟ اور اگر تمام انبیاء علیہم السلام تھے تو وہ ید قدرت سے مختون ہی متولد ہوتے تھے یا بعد میں ختنہ کئے گئے؟ اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشروع ہوا ہے تو اگلے انبیاء علیہم السلام کی ذوات کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ کس نے کیا؟ وہ کس نام اور کس قوم کا تھا، اور ان کے زمانہ میں کون قوم یہ کام کرتی تھی؟ اور غسلِ جنابت کی ابتداء کن سے ہوئی؟

ہر سوال کا مفصل جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے، اگرچہ بعض سوال تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں، مگر من وجہٍ شرعی ہونے کی حیثیت سے منصب سے چنداں نازیبا نہیں، بالخصوص جبکہ بعض چیزوں کی ابتداء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بیان کی ہو، مبرہن بیان فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وقال القرطبي: وفي المؤطأ وغيره: عن يحيى بن سعيد أنه سمع سعيد بن المسيب رحمه الله تعالىٰ يقول: إبراهيم عليه السلام أول من اختتن، الخ". تفسير ابن كثير: ١/١٦٦(١)۔

---

(١) (تفسير ابن كثير: ١/٢٢٩، (سورة البقرة: ١٢٤)، مكتبه دار السلام رياض)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ٢/٦٨، دار الكتب العلمية بيروت)

"أول من ختن إبراهيم عليه السلام، ولم يختتن أحدٌ قبله". (تفسير الخازن ١/٨٢، حافظ كتب خانه كوئٹه)

"إن إبراهيم عليه السلام أول من اختتن وهو ابن عشرين ومأة، واختتن بالقدوم، اه". فتح الباری: ۱۱/۷۴(۱)۔

"وقد ثبت لإبراهيم عليهم السلام أوليات أخرىٰ كثيرةٌ: منها أنه أول من ضاف الضيف، وقص الشارب، واختتن، ورؤى الشيب وغير ذلك بأدلة فی كتابی: إقامة الدلائل علی معرفة الأوائل، اه". فتح الباری: ۱/۲۷۶(۲)۔

"إن إبراهيم عليهم السلام أمر أن يختتن وهوحينئذ ابن ثمانين سنةً، فعجّل واختتن بالقدوم فاشتد عليه الوجع، فدعا ربه، فأوحی الله إليه أنك عجلت قبل أن نأمرك بالته. قال: يارب! كرهت أن أؤخر أمرك. قال الماوردی: القدوم جاء مخففاً ومشدداً، وهو الفأس الذی اختتن به. وذهب غيره إلیٰ أن المراد به مكانٌ يسمیٰ القدوم. وقال أبو عبيد الهروی فی الغريبين: يقال: هو كان مقيله، وقيل: اسم قرية بالشام. وقال أبو شامة: هو موضع بالقرب من القرية التی فيها قبره. وقيل: بقرب حلب. وجزم غير واحد أن الآلة بالتخفيف. وصرح ابن السكيت بأنه لا يشدّد. وأثبت بعضهم الوجهين فی كل منهما، اه". فتح الباری: ۱۰/۲۸۸(۳)۔

"وفی الوشاح لابن دريد: قال ابن الكلبی: بلغناعن كعب الأحبار رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: نجد فی بعض كتبنا أن آدم عليه السلام خُلق واثنا عشر نبياً من بعدهٖ من وُلده خلقوا مختتنين آخرُهم محمد صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، وشيث، وإدريس، ونوح، وسام، ولوط، ويوسف، وموسی، وسليمان، وشعيب، ويحيیٰ، وهود، وصالح صلی الله تعالیٰ عليهم أجمعين، اه". خصائص كبریٰ: ۱/۵۳(۴)۔

---

(۱) (فتح الباری: ۱۱/۱۰۴، كتاب الاستيذان، باب الختان بعد الكبر، قديمی)

(۲) (فتح الباری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالیٰ: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلاً﴾: ۶/۴۷۱، دارالسلام)

(۳) (فتح الباری: ۱۰/۴۲۰، كتاب اللباس باب قص الشارب، قديمی)

(۴) (الخصائص الكبریٰ: ۱/۱۳۳، باب الآية فی ولادته صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مختوناً مقطوع السرة، دارالكتب الحديثة)

"عن أنس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنى وُلدت مختوناً ولم ير أحد سوأتى، اهـ". دلائل النبوة لأبى نعيم: ١/٤٦(١)۔

"للعلماء أقوال فى ختانه صلى الله عليه وسلم: أحدها: أنه ولد مختوناً مسروراً. الثانى: أن الملائكة ختنوه، فنقل أبو نعيم الأصبهانى بسنده عن أبى بكرة أن جبرئيل ختن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين طهر قلبه". دلائل النبوة: ١/٤٦(٢)۔

"ختنه فى اليوم الذى شق فيه صدره المبارك، وملئ علماً وحكمةً، وذلك خلف خيمة حليمة رضى الله تعالىٰ عنها، وكان ختانه فى اليوم الثالث أن جده عبدالمطلب ختنه فى اليوم السابع، وسماه وأضاف، اهـ". سفر السعادة، ص: ١١٠(٣)۔

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ختن حسناً وحسيناً لسبعة أيام. قال الوليد: فسألت مالكاً عنه، فقال: لا أدرى ولكن الختان طهرة، فكلما قدمها كان أحب إلىّ. وأخرج البيهقى حديث جابر رضى الله تعالىٰ عنه، وأخرج أيضاً من طريق موسى بن على عن أبيه أن إبراهيم عليه السلام ختن إسحق وهو ابن سبعة أيام، اهـ". فتح البارى: ١٠/ ٢٨٩(٤)۔

عبارتِ بالا سے امورِ ذیل ثابت ہوئے: ختنہ سنتِ ابراہیمی ہے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہم

---

(١) (دلائل النبوة لأبى نعيم ١/١٩٢، ١٩٣، المكتبة العربية حلب)

(٢) (دلائل النبوة لأبى نعيم، المصدر السابق)

"قال الحاكم: تواترت الأحاديث أنه عليه السلام ولد مختوناً". (هامش دلائل النبوة، المصدر السابق)

(وكذا فى الخصائص الكبرى: ١/١٣٢، دارالكتب الحديثة)

(٣) (سفر السعادة لمجد الدين الفيروز آبادى على هامش كشف الغمة عن جميع الأمة، باب فى عموم أحواله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومعاشه، فصل فى الفطرة وتوابعها: ٢/٢٣٦، المطبعة المنيرية بالأزهر)

(٤) (فتح البارى: ١٠/٤٢٠، ٤٢١، كتاب اللباس باب قص الشارب، قديمى)

السلام نے اس کو کیا اور خود اپنے ہاتھ سے کیا، کسی خاص قوم کا پیشہ نہیں تھا۔ حضرت آدم علیہم السلام مختون پیدا ہوئے اور بارہ انبیاء علیہم السلام مختون پیدا ہوئے (۱)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تین قول ہیں، صحیح یہ ہے کہ آپ بھی مختون پیدا ہوئے (۲)۔

غسلِ جنابت کا حکم اس امت کے لئے تو ﴿وإن كنتم جنباً فاطهروا﴾ الآية سے ثابت ہے، اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس کا ذکر کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۴/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟

سوال [۹۴۵۵]: انبیاء میں سے چند پیغمبروں کا مولود مختون ہونا شامی کے پانچویں جز میں صفحہ نمبر: ۴۶۷ پر ہے (۳)، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختون مولود ہوئے یا نہیں؟

---

(۱) قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "وذكر زين العرب أن أربعة عشر نبياً وُلدوا مختونين: آدم، وشيث، ونوح، وصالح، وشعيب، ويوسف، وموسى، وزكريا، وسليمان، وعيسى، وحنظلة بن صفوان وهو نبي أصحاب الرس، ونبينا محمد صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وعلى سائر الأنبياء والمرسلين. وذكر صاحب الشرعة: أنه قد ولد الأنبياء كلهم مختونين مسرورين: أي مقطوعي السرة كرامةً لهم، لئلا ينظر أحد إلى عوراتهم، إلا إبراهيم عليه الصلاة والسلام، فإنه قد ختن نفسه ليستن بسننه بعدها". (مرقاة المفاتيح: ۲۰۸/۸، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۵۲/۶، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتى، سعيد)

(۲) "وقد اختلف في ختانه صلى الله عليه وسلم على ثلثة أقوال: أحدها: أنه وُلد مختوناً مسروراً، ورُوي في ذلك حديث لايصح، ذكره أبو الفرج ابن الجوزي في الموضوعات، وليس فيه حديث ثابت، وليس هذا من خواصه فإن كثيراً من الناس يولد مختوناً، والناس يقولون لمن ولد كذلك: ختنه القمر، وهذا من خرافاتهم، القول الثاني: أنه ختن صلى الله عليه وسلم يوم شق قلبه الملائكة عند ظئره حليمة، (لكن قال الذهبي: إن هذا منكر، كذا في شرح الإحياء) والقول الثالث: أن جدّه عبدالمطلب ختنه يوم سابعه، وصنع له مأدبة وسمّاه محمداً، قال أبوعمر بن عبدالبر في هذا الباب حديث مسند غريب". (فتح الملهم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۴۱۸/۱، شركت علميه)

(۳) (الدر المختار: ۷۵۲/۶، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

"قد اختلف الرواة والحفاظ في ولادة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مختوناً ولم يصح فيه شيئ. وأطال الذهبي في رد قول الحاكم أنه تواترت به الرواية، وقد ثبت عندهم ضعف الحديث. وقال بعض المحققين من الحفاظ: الأشبه بالصواب أنه لم يولد مختوناً". ردالمحتار، جلد خامس، مسائل شتى(۱)۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا ختنہ کیا تھا(۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختنہ کا وقت اور حکم

سوال[۹۴۵۲]: قرآن مجید میں کس جگہ لکھا ہے کہ مسلمان ختنہ کرادیں، ختنہ کرانے کے متعلق کونسی حدیث ہے؟ کیا ختنہ کرانا سنت ہے یا فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ یا مستحب؟ لڑکے کی ختنہ کتنی عمر تک کرانا چاہئے، اگر دس سال تک ختنہ نہ ہو اس کی نماز درست ہے یا نہیں، جس شخص کا ختنہ نہ ہوا ہو کیا وہ مسلمان نہیں؟ جس بالغ شخص کا ختنہ نہ ہوا، ہو اس کے ہاتھ کا کھانا، پانی مکروہ ہے یا حرام ہے، اور کیا وہ امامت نہیں کراسکتا؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/۷۵۲، کتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

(۲) تلاش کرنے سے یہ حوالہ الخصائص الکبریٰ میں نہیں ملا، البتہ عبارت ذیل موجود ہے:

"وأخرج الطبراني في (الأوسط) .... أن جبرئيل عليه السلام ختن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين طهر قلبه". (الخصائص الكبرىٰ: ۱/۹۱، باب الآية في ولادته صلى الله عليه وسلم مختونا مقطوع السرة، رشيديه)

"والقول الثالث: أن جدّه عبدالمطلب ختنه يوم سابعه، وصنع له مادبة وسمّاه محمداً، قال أبو عمر بن عبدالبر: في هذا الباب حديث مسند غريب". (فتح الملهم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة: ۱/۴۱۸، شركت علميه)

الجواب حامداًومصلیاً:

ختنہ سنت ہے اور شعائر میں سے ہے(۱)۔ بلوغ سے پہلے پہلے جب بچہ میں تحمل کی طاقت ہو ختنہ کرادیا جائے، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وقت کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں، بعض فقہاء نے سات سال بعض نے نو سال کا وقت تجویز کیا ہے، کذا فی مجمع الأنهر وطحطاوی(۲)۔ بغیر ختنہ کے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الفطرة خمس، الختان والاستحداد .... اهـ". (مشكوة المصابيح: ۲/۳۸۰، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قديمي)

"من السنة الختان، وبه قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۰۸، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۰)، رشيديه)

قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر، وهو من شعائر الإسلام". (الدرالمختار: ۶/۷۵۱، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۷۴۴، كتاب الخنثى، مسائل شتى، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"الختان قيل: إنه سنة، وهو الصحيح، كذا في الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۷، كتاب الكراهية، الباب التاسع في الختان ....اهـ، رشيديه)

(۲) "ووقت الختان غير معلوم عند الإمام، فإنه قال: لا علم لي بوقته. ولم يرو عنهما فيه شئ، وقيل: سبع سنين، وقيل: لا تختن حتى يبلغ، وقيل: أقصاه اثنى عشرة سنةً، وقيل: تسع سنين، وقيل: وقته عشر سنين؛ لأنه يؤمر بالصلوة إذا بلغ عشراً اعتباراً وتخلقاً، فيحتاج إلى الختان؛ لأنه شرع للطهارة. وقيل: إن كان قوياً يطيق أَلَمَ الختان، خُتن، وإلا فلا، وهو أشبه بالفقه". (مجمع الأنهر، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۲/۷۴۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"(قوله: سبع سنين)؛ لأنه يؤمر بالصلوة إذا بلغها، فيؤمر بالختان حتى يكون أبلغ في التنظيف، قاله في الكافي. زاد في خزانة الأكمل: وإن كان أصغر منه فحسن، وإن كان فوق ذلك قليلاً، فلا بأس به. وقيل: لا يختن حتى يبلغ؛ لأنه للطهارة، ولاتجب عليه قبله. (قوله: وقيل: عشر)؛ لزيادة أمره بالصلوة إذا بلغها". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۴/۳۶۱، دارالمعرفة بيروت) .... =

اکثر طہارت ناقص رہتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے، اس کے ہاتھ کا کھانا، پانی حرام نہیں، البتہ وہ ترکِ ختنہ کی وجہ سے گنہ گار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ رمضان/ ۶۷ھ۔

ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا اور دعوت کرنا

سوال[۹۴۵۷]: کیا ختنہ میں لوگوں کو شریک کرنا اور دعوت کرنا درست ہے، اگر ختنہ اور عقیقہ ایک ساتھ کرے اور دعوت دے کر گوشت کھلائے تو کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا تو غلط ہے(۱)، لیکن ختنہ سے فراغت کے بعد اگر بطورِ شکر یہ ادائے سنتِ دعوت کردے، خواہ عقیقہ کے ساتھ یا بغیر عقیقہ کے درست ہے(۲)، ضروری تصور کرنا غلط ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/ ۷۵۱، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/ ۳۴۱، كتاب الكراهية، نوع في السلام، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۱) "حدثنا عبد الله، حدثني أبي، حدثنا محمد بن سلمة الحراني عن ابن إسحاق -يعني محمداً- عن عبيد الله أو عبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن قال: دعي عثمان ابن أبي العاص رضي الله تعالىٰ عنه إلى ختان، فأبى أن يجيب، فقيل له، فقال: إناكنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا ندعى له". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۱۷۴۵): ۵/ ۲۵۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "فأما الدعوة في حق فاعلها، فليست لها فضيلةٌ تختص بها، لعدم وُرود الشرع بها، ولكن هي بمنزلة الدعوة لغير سبب حادث، فإذا قصد فاعلها شكر نعمة الله عليه وإطعام إخوانه وبذل طعامه، فله أجر ذلك إنشاء الله تعالىٰ". (المغني لابن قدامة، كتاب الوليمة، حكم الدعوة إلى الختان والإجابة إليها: ۸/ ۱۱۸، دار الفكر بيروت)

(۳) غیر ثابت کام، یا ثابت مستحب پر اصرار اور التزام کرنا اور اس کو واجب یا سنت کا درجہ دینا مذموم ہے: =

ختنہ کے موقع پر اناج لوٹا بھر کر دیا جائے وہ کس کا حق ہے؟

سوال[۹۴۵۸]: ختنہ کے وقت کچھ اناج لوٹے میں بھر کر مسجد میں لاتے ہیں، وہ کس کا حق ہے؟ اور بھی اس قسم کی چیزیں آتی ہیں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ختنہ وغیرہ کے وقت اگر رسم کے طور پر لازم سمجھ کر مسجد میں کچھ دیا جائے تو نہ لیا جائے، اگر خوشی کے طور پر امام یا مؤذن کو کچھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں (۱)، جس کو دیا جائے اسی کا حق ہے۔ اگر مسجد کے لئے کوئی چیز دی جائے تو وہ مسجد کا ہی حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۶ھ۔

بالغ کا ختنہ

سوال[۹۴۵۹]: زید نابالغ ہی تھا کہ اس کا باپ مر گیا، بوجہ سرپرست نہ ہونے کے ختنہ نہ ہو سکا، اب زید کی عمر ۲۵/ سال کی ہے، چمڑا سخت ہو گیا ہے، مگر زید کہتا ہے کہ اب میں مثل مختون کے ہوں۔ ایسی صورت میں ختنہ کرانا ضروری ہے یا نہیں؟

= "أن الإصرار على مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في الشرع، وعلى هذا فلا شك في الكراهة، وهذا هو غرض من أفتى بالكراهة". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"(قوله: وتركها أولى) لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة مع أنه كان يمكنه التسوية قبل الشروع في الصلوة، بحر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة أولى: ۶۴۲/۱، سعيد)

(۱) خوشی کے موقع پر ہدیہ وتحفہ دینا محبت ومودت کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے، مگر آج کل خوشی کے مواقع پر اس طرح کے ہدایا وغیرہ رسماً اور جبراً دیئے جاتے ہیں، کیونکہ ایسے مواقع پر ہدیہ وغیرہ نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے، اس لئے فی زمانہ ایسے مواقع پر ہدیہ وغیرہ نہ دینا احوط ہے۔ ہاں! جہاں کہیں یہ صورتیں نہ ہوں وہاں درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختنہ سنتِ مؤکدہ ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے(۱)، بلا عذرِ شدید بالغ سے بھی ساقط نہیں ہوتا، البتہ چونکہ زید مثل مختون کے ہے، نیز چمڑا سخت ہوگیا ہے، اس لئے بضرورت ساقط ہوسکتا ہے:

"والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر، وهو من شعائر الإسلام". الدرالمختار على هامش رد المحتار: ۵/۲۵۶۔ "صبي حشفته ظاهرة بحيث لو راه إنسان ظنّه مختوناً، ولا تقطع جلدة ذكره إلا بتشديد آلمه، ترك على حاله كشيخ أسلم. وقال أهل النظر: لا يطيق الختان، ترك أيضاً". الدرالمختار على هامش رد المحتار(۲)۔

اس سے امامت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، فقہاء نے اس کو بابِ کراہتِ امامت میں شمار نہیں کیا ہے، فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الفطرة خمس، الختان والاستحداد". الحديث. (مشكوة المصابيح: ۲/۳۸۰، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، قديمي)

"من السنة الختان، وبه قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح: ۸/۲۰۸، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۴۲۰)، رشيديه)

قال الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر، وهو من شعائر الإسلام". (الدرالمختار: ۶/۷۵۱، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۷۴۴، كتاب الخنثى، مسائل شتى، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"الختان قيل: إنه سنة، وهو الصحيح، كذا في الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۷، كتاب الكراهية، الباب التاسع في الختان .... اهـ، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار على ردالمحتار: ۶/۷۵۱، مسائل شتى، سعيد)

"وفي صلاة النوازل: الصبي إذا لم يختن ولا يمكن أن يمدّ جلدته لتقطع إلا بتشديد، وحشفته ظاهرة، فإذا رآه إنسان يراه كأنه ختن، ينظر إليه الثقات وأهل البصر من الحجامين، فإن قالوا: هو على =

ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت

سوال[۹۴۲۰]: ایک عجیب وغریب بینک قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے جس کو "ختنہ بینک" کہا جائے گا۔ دنیا بھر میں روزانہ لاکھوں بچے کے ختنے کاٹے جاتے ہیں، اور اعلیٰ قسم کی کھال کاٹ کر ضائع کردی جاتی ہے، آئندہ اس نفیس کھال کو بھی بینک میں جمع کرکے پلاسٹک سرجری یا کھال پیوند لگانے کے کام میں لگایا جائے گا۔ اب علمائے کرام کو ایک نیا فتویٰ دینا ہوگا کہ ختنے کی کھال کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ مسلمان بچہ کی ختنہ کی کھال کافر کے جسم پر اور کافر بچہ کی ختنہ کی کھال مسلمان کے جسم پر لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

کافی عرصہ ہوا پاکستان میں ایک سرجن نے ایک بچہ کا ختنہ کرکے اس کھال کا پیوند اس کے چہرے پر لگادیا تھا، ڈاکٹر کی اس حرکت پر یا جرأت پر اس وقت وہاں کے علمائے کرام نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

الجواب حامداًومصلياً:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور بجمیع اجزاء قابلِ احترام ہے، ختنہ کی کھال بھی اس کا جز ہے، اس کی خرید وفروخت جائز نہیں:

"والادمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقة بالجمادات إذلالٌ له: أي وهو غير جائز، وبعضه في حكمه. وصرح في فتح القدير

= خلاف ما يمكن الاختتان، فإنه لا يشدد عليه ويترك، كذا في الذخيرة. الشيخ الضعيف إذا أسلم ولا يطيق الختان إن قال أهل البصر: لا يطيق، يترك؛ لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة أولىٰ، كذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵۷، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۷۴۴، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۰۹، كتاب الحظر والإباحة، فصل في الختان، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۷۳، التاسع في المتفرقات، كتاب الكراهية، رشيديه)

ببطلانه، اه". ردالمحتار(۱)۔

"کل إهاب دبغ .... فلا .... آدمی فلا يدبغ لكرامته، ولو دبغ طهر وإن حرم استعماله: أى استعمال جلده". درمختار وشامی مختصراً(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۵۸، کتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمی مكرم شرعاً ولو كافراً، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۲۰۴، كتاب الطهارة، مطلب فی أحكام الدباغة، سعيد)

"ولا يجوز بيع شعر الآدمی، ولا الانتفاع به ولا بشئ من أجزائه؛ لأن الآدمی مكرم غير مبتذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً". (مجمع الأنهر ۲/۵۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی سكب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۹، دار إحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی النهر الفائق: ۳/۴۲۸، باب البيع الفاسد، إمدادیہ ملتان)

قال الحافظ ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ: "والآدمی مكرم شرعاً وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبتذال به وإلحاقه بالجمادات إذلال له.........اهـ". (فتح القدير: ۶/۴۲۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

باب الصورة والملاهي

الفصل الأول في الصورة

(تصویر کا بیان)

فوٹو کھچوانا

سوال[۹۴۶۱]: فوٹو کھنچوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فوٹو کھنچوانا منع ہے، اگر کوئی دینی ضرورت اس پر موقوف ہو، یا ایسی دنیوی ضرورت ہو کہ آدمی مجبور ہو جائے تو معذوری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

فوٹو رکھنا

سوال[۹۴۶۲]: فوٹو یا تصویر کو آرائش کے لئے رکھا جائے، مناسب ہے یا نہیں، یا صرف یادگار کے لئے رکھا جائے؟ نصف یا تمام فوٹو رکھنا بھی تحریر کریں۔ بہت سی کتابوں میں بھی تصاویر وغیرہ ہوتی ہیں۔ کیا ان کا

---

(۱) "وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال، فلابأس باستعماله؛ لأن المواضع للضرورة مستثناة عن الحرمة، كما في تناول الميتة". (شرح كتاب السير الكبير، باب مايكره في دارالحرب ومالايكره: ۲۱۸/۳، مكتبه عباس أحمد الباز مكة مكرمة)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة، (رقم القاعدة: ۵۶۸): ۲۵۱/۱، إدارة القرآن كراچي)

رکھنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جاندار کا فوٹو پورا ہو یا نصف، یادگار کے لئے، آرائش کے لئے بہرصورت ناجائز ہے (۱)۔ اگر کتابوں میں تصاویر ہوں جیسے لغت کی کتابوں: المنجد میں ہے اور وہ کتابیں بند ہیں تو گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۸۹ھ۔

تصویر اور کتے کا حکم

سوال [۹۴۶۳]: ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ ''جس گھر میں کتا یا تصویریں ہوتی ہیں، اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔ تو یہ چیزیں کیسی ہیں؟ اور کتا نہلانے کے بعد ناپاک کیوں ہو جاتا ہے جب کہ پانی کا کام پاک کرنا ہے؟

ممتاز الاسلام، محلہ پیرزادگان ہانسی، ضلع حصار۔

---

(۱) "أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: "(قوله: أو مقطوعة الرأس): أي سواء كان من الأصل أو كان لها رأس و محي، وسواء كان القطع بخيط خيط على جميع الرأس حتى لم يبق له أثر، أو بطليه بمغرة أو بنحته أو بغسله؛ لأنها لاتعبد بدون الرأس عادةً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۶۴۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومالايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/ ۴۱۵، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) نیز ایسی کتابوں میں ضرورت بھی ہے، لہذا بقدرِ ضرورت اس کی اجازت دی جائے گی، ''لأن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر: ۱/ ۲۵۱، القاعدة الخامسة، رقم القاعدة: ۵۶۸، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداًو مصلياً:

"عن طلحة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و لا تصاوير". متفق عليه". مشكوة شريف، ص: ۳۸۵(۱)۔

کتا پالنا جائز نہیں، مگر مکان، کھیتی، جانوروں کی حفاظت اور شکار کے لئے جائز ہے:

"و فى الأجناس: لاينبغى أن يتخذ كلباً إلا أن يخاف من اللصوص أو غيرهم .... ويجب أن يعلم بأن اقتناء الكلب لأجل الحرس جائز شرعاً، وكذلك اقتناؤه للاصطياد مباح، وكذلك اقتنائه لحفظ الزروع والماشية جائز، كذا فى الذخيرة". عالمگیری: ۲۴٦/٤(۲)۔

ذی روح کی تصویر بنانے اور رکھنا دونوں ناجائز ہیں، البتہ غیر ذی روح کی تصویر بنانے اور رکھنے میں گناہ نہیں:

"سعيد ابن أبى الحسن –فى حديث طويل– فقال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: ويحك إن أبيت أن لاتصنع، فعليك بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح". رواه البخارى". مشكوة، ص:۳۸٦(۳)۔

جس شی میں پاک ہونے کی صلاحیت نہ ہو، پانی اس کو پاک نہیں کرسکتا، زندہ کتے کی کھال اگر اس کے اوپر کوئی ناپاکی نہ ہو پاک ہے، البتہ لعاب نجس العین ہے(۴)، اس میں پاک ہونے کی صلاحیت نہیں۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۵۳/۴/۲۴ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۵، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، قديمى)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادى والعشرون فيما يسع من جراحات بنى آدم والحيوانات وقتل الحيوانات ومالايسع عن ذلک: ۳٦۱/۵، رشيديه)

(وكذا فى بذل المجهود: ٦۸/۵، كتاب اللباس، باب فى الصور، معهد الخليل كراچى)

(۳) (مشكوة المصابيح،ص: ۳۸٦، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الثالث، قديمى)

(والصحيح لمسلم: ۲۰۲/۲، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، قديمى)

(۴) "وسؤر الخنزير وكلب وسباع بهائم .... نجس مغلظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل فى البئر: ۲۲۲/۱، ۲۲۳، سعيد) .... =

کپڑے پر جاندار کی تصویر

سوال [۹۴۶۴]: سوتی کپڑے کے کناروں پر مور وغیرہ کی تصاویر بنانا کیسا ہے؟ ایک شخص اپنی مرضی سے نہیں بنانا چاہتا، مگر اس سے فرمائش کی جاتی ہے، اس پر وہ اعتراض بھی کرتا ہے کہ ایسی شکل دار چیز بنانے سے مجھے سخت اعتراض ہے۔ ایسی صورت میں بنانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی جائے، خواہ کاغذ پر خواہ کپڑے پر چاہے، قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اَور آلہ سے، یک دم بنالیا جائے یا ایک ایک عضوا لگ الگ بنایا جائے، کپڑے کی بناوٹ میں ہو یا کسی اَور چیز کی بناوٹ میں، بہر صورت ناجائز اور گناہ ہے۔ اپنی مرضی سے ہو یا کسی کی فرمائش سے روپیہ کے لالچ میں ہو، یا ویسے ہی نفس کی خواہش سے ہو، کسی طرح اجازت نہیں ہے (۱)۔

جو کام ناجائز ہو وہ کسی دوسرے کی خواہش یا فرمائش یا اس کی ناخوشی کے ڈر سے جائز نہیں ہوگا۔ سچے مسلمان کی آزمائش کا موقع یہی ہوتا ہے کہ ایک ناجائز کام کو دوسرے لوگ کرتے اور نفع کماتے ہیں اور یہ نفع کی پرواہ نہیں کرتا، بلکہ نقصان اٹھاتا ہے اور دوسروں کی ناگواری کو برداشت کرتا ہے، مگر خدائے پاک کی نافرمانی نہیں کرتا (۲)۔ اگر مور کا سر نہ بنایا جائے تو اس کی شرعاً اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۱۹۳، كتاب الطهارة، فصل في الآبار، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "فظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرامٌ بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۶۴۷، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة.......... اهـ سعيد)

(۲) "عن النوّاس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق". رواه في شرح السنة". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني، قديمي)

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ....=

جاندار کی تصویر بے جان کے ضمن میں

سوال[۹۴۶۵]: میں جدہ کی جامعہ میں غوطہ کا کام کرتا ہوں مجھے سمندر میں غوطہ لگا کر سیپ حاصل کرنا پڑتا ہے، آج کل مجھے سمندر میں پانی کے اندر کی مخلوقات جیسے: مچھلی، جھاڑ اور پتھر کی تصویر کھینچنے کے لئے کہا گیا۔لہٰذا برائے مہربانی یہ بتائیے کہ کیا یہ کام جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ پانی کے اندر کی مخلوق: جھاڑ، پتھر وغیرہ کی تصویر کھینچ لیا کریں، اس میں کسی جاندار کی تصویر بھی آجائے تو حرج نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۱۴۰۱ھ۔

تہوار کے موقع پر جاندار کی تصویریں بنانا

سوال[۹۴۶۶]: مسلمان حلوائی ہندوؤں کے تہواروں کے موقع پر مٹھائی کے کھلونے بناتے ہیں، جس میں گائے بھینس انسان بندر وغیرہ کی شکل کے ہوتے ہیں، پھر ان کوفروخت کرتے ہیں تو مسلمان حلوائی کے

= "فإذا أمر بمعصية، فلا سمع ولا طاعة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۱۹، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الاول، قديمي)

(۳) "(أو مقطوعة الرأس): أى سواء كان من الأصل، أو كان لها رأس و محى". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۴۸/۱، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

(وكذا فى إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة: ۱۵۴/۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۱) "الأمور بمقاصدها، يعنى أن الحكم الذى يترتب على أمرٍ يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر......... ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف، والتقدير: حكم الأمور بمقاصد فاعلها: أى أن الأحكام الشرعية التى تترتب على أفعال المكلفين منوطة بمقاصدهم من تلك الأفعال، فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذى فعله أمراً مباحاً كان فعله مباحاً، وإن قصد أمراً محرماً كان فعله محرماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱۷/۱، ۱۸، المقالة الثانية، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

لئے مٹھائی سے جاندار کی تصویر بنانا اور ان کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار تصویروں کا پتھر، مٹی، مٹھائی، کھلونے سب منع ہیں، مسلمانوں کا اس سے بچنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

صدر کے مرنے پر اس کی تصویر ہال میں لگانا

سوال[۹۴۶۷]: یہاں پر ایک قومی ادارہ بنام انجمن اسلامیہ چل رہا ہے، اس کے نائب صدر کا انتقال ہوگیا ہے، اب ممبران اس کا بہت بڑا فوٹو انجمن کے ہال میں لگانا چاہتے ہیں (بطور یادگار)۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور بطورِ رسم فوٹو کی رسم بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ہرگز ہرگز اجازت نہیں، بت پرستوں نے ابتداءً اپنے بڑوں کے نام بطور یادگار بت بنائے تھے، پھر ان کی پرستش کرنے لگے(۲)، فوٹو بھی تصویر ہے(۳)۔ جس مکان میں تصویر ہو وہاں ملائکہ نہیں آتے، مصورین

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عند الله المصورون". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۳۸۵/۲، قديمي)

(۲) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا تذرنّ ودًّا ولا سواعاً ولا يغوث ويعوق ونسراً﴾ وأخرج أبو الشيخ في العظمة عن محمد بن كعب القرضي أنه قال: كان لآدم عليه السلام خمسة بنين: ود، وسواع، فكانوا عباداً، فمات رجل منهم، فحزنوا عليه حزناً شديداً، فجاء هم الشيطان، فقال: حزنتم على صاحبكم هذا؟ قالوا: نعم، قال: هل لكم أن أصور لكم مثله في قبلتكم إذا نظرتم إليه ذكرتموه، قالوا: نكره أن تجعل لنا في قبلتنا شيئاً نصلي عليه، قال: فأجعله في مؤخر المسجد، قالوا: نعم. فصوره لهم حتى مات خمستهم، فصور صورهم في مؤخر المسجد، فنقصت الأشياء حتى تركوا=

کو بہت شدید عذاب ہوگا:

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنها اشترت نمرقةً فيها تصاوير، فلما راها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قام على الباب فلم يدخل، فعرفت فى وجهه الكراهية، قالت: فقلت: يا رسول الله! أتوب إلى الله وإلى رسوله ماذا أذنبت، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما بال هذه النمرقة"؟ قلت: اشتريتها لتقعد عليها و توسدها. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم: أحيوا ما خلقتم". وقال: "إن البيت الذى فيه الصورة لا تدخله الملائكة". متفق عليه". مشكوة شريف(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عید کارڈ، کرسمس کارڈ، دیوالی کارڈ بغیر جاندار کی تصویر کے چھاپنا

سوال[۹۴۶۸]: عید کارڈ عید کارڈ، کرسمس کارڈ، دیوالی کارڈ بغیر جاندار تصویر والوں کی طباعت جائز ہے یا نہیں؟

= عبادة الله وعبدوا هؤلاء". (روح المعاني: ۷۷/۲۹، (سورة النوح: ۲۳) دار إحياء التراث العربي،بيروت)

(وكذا فى تفسير ابن كثير: ۵۴۹/۴، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا فى معارف القرآن: ۵۶۶/۸، إدارة المعارف كراچى)

(۳) قال الشيخ العلامه محمد تقى العثمانى حفظه الله و رعاه: "والواقع أن التفريق بين الصور المرسومة والصور الشمسية (أى الفوتوغرافية) لا ينبغى على أصلٍ قوى. و من المقرر شرعاً أن ما كان حراماً أو غير مشروع فى أصله، لا يتغير حكمه بتغير الآلة .... فلا فرق بينما كانت الصورة قد اتخذت بريشة المصور أو بالآلات الفوتوغرافية. والله سبحانه تعالىٰ أعلم". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حكم الصور الشمسية: ۱۶۳/۴، مكتبه دار العلوم، كراچى)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول: ۳۸۵، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہبِ باطل اور عقیدۂ باطلہ کی جس چیز سے اشاعت ہوتی ہے، اس کی تجارت ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۸ھ۔

پیسہ، روپیہ کی تصویر پر ڈائجسٹ کو قیاس کر کے مسجد میں ''ہدیٰ ڈائجسٹ'' کے مطالعہ کا حکم

سوال[۹۴۶۹]: کوئی کتاب جس میں عکسی تصاویر ہوتی ہیں مثلاً: ہدیٰ ڈائجسٹ جو دہلی سے شائع ہوتی ہے، اس قسم کی کتابوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ پیسہ روپیہ، دیا سلائی پر تصویر ہوتی ہے اور یہ جیب میں رہتی ہے، روپے پیسے مسجد میں بطور چندہ جیب سے نکال کر دیئے جاتے ہیں۔ فوٹو یا تصاویر کسی شخص کے ہوں، مسجد میں بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) چونکہ مقصودی چیز اشاعتِ دین ہے، اور جو چیزیں اشاعتِ دین کے خلاف ہوں، اور ان سے باطل کی تائید ہوتی ہو، ان کو ترویج دینا اور ان کی اشاعت کرنا مذموم اور ناجائز ہے، جیسے باطل نظریات پر مبنی کتابوں کا مطالعہ اور باطل نظریات پر مناظرہ ترویجِ باطل کا سبب ہونے کی بنیاد پر فقہاء نے منع فرمایا ہے:

"تعلم الكلام والنظر والمناظرة فيه وراء قدر الحاجة مكروه، وقيل: الجواب في هذه المسئلة أن كثرة المناظرة المبالغة في المجادلة مكروه؛ لأن ذلك يؤدي إلى إشاعة البدع والفتن، وتشويش العقائد، وهذا ممنوع جداً، كذا في جواهر الإخلاطي .... قال الشيخ الإمام صدر الإسلام أبو اليسر: نظرت في الكتب التي صنفها المتقدمون في علم التوحيد، فوجدت بعضها للفلاسفة مثل إسحق الكندي والاستقراري وأمثالهما، وذلك كله خارج عن الدين المستقيم زائغ عن الطريق القويم، فلا يجوز النظر في تلك الكتب، ولايجوز إمساكها، فإنها مشحونة من الشرك والضلال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۳۷۷/۵، رشيديه)

(وكذا في نصاب الاحتساب، الباب الثالث والثلاثون في الاحتساب في باب العلم والمعلم، ص: ۱۳۷، دار العلوم المملكة العربية السعودية)

الجواب حامداً ومصلياً:

پیسہ، روپیہ، دیا سلائی پر جو تصاویر ہوتی ہیں عموماً وہ بہت چھوٹی ہوتی ہے، بعض اوقات یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جاندار کی تصویر ہے یا کوئی اَور پھول وغیرہ ہے، ایسی چھوٹی تصاویر کی چیز کے حکم میں تخفیف ہے(۱)۔ نیز پیسہ روپیہ ایسی ضرورت کی چیز ہے کہ بغیر اس کے چارۂ کار نہیں، اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کو پاس رکھنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے(۲)۔ نیز اس سے بچنا دشوار ہے، کیونکہ بغیر تصویر پیسہ روپیہ یہاں نایاب ہے(۳)۔

نیز ان تصاویر کو دیکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی، ان میں جاذبیت نہیں، کتابوں کی تصاویر کی یہ شان نہیں پس ان کو پیسہ روپیہ کی تصاویر پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اس لئے ان میں تخفیف کو تلاش نہ کرے۔ مسجد کو ایسی

---

(۱) "(إلا أن تكون صغيرةً)؛ لأن الصغار جداً لا تُعبد، فليس لها حكم الوثن، فلا تكره في البيت .... والمراد بالصغيرة التي لا تبدو للناظر على بُعدٍ، والكبيرة التي تبدو للناظر على بُعدٍ، كذا في فتح القدير. ونقل في النهاية أنه كان على خاتم أبي موسى ذبابتان، وأنه لما وجد خاتم دانيال عليه السلام في عهد عمر رضي الله تعالىٰ عنه، وجد عليه أسد و لبوة بينهما صبي يلحسانه .... وفي الخلاصة من كتاب الكراهة: رجل صلى و معه دراهم وفيها تماثيل مَلِك، لابأس به، لصغرها، اهـ". (البحر الرائق: ۲/۵۰، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۴۱۴، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۱/۶۴۸، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "لكن في الخزانة: إن كانت الصلوة مقدار طير، يكره. وإن كانت أصغر فلا، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(۲) "الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، (رقم القاعدة: ۵۶۸): ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی))

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

چیزوں سے بچانا چاہیئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

پریس میں خبروں کے ساتھ تصویر چھاپنا

سوال[۹۴۷۰]: ہندوستان میں ہزاروں مسلمان پریسوں میں ملازم ہیں جن کو خبروں کے ساتھ ساتھ تصویریں بھی چھاپنی پڑتی ہیں، اس ملازمت کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی کمائی کھانا حرام ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر چھاپنا اور شائع کرنا شرعاً جائز نہیں (۲)، اس کی ملازمت بھی ناجائز ہے، کیونکہ ناجائز کام کی ملازمت بھی ناجائز ہوتی ہے (۳)، لیکن اگر پریس مشینوں میں دوسری جائز چیزیں بھی چھاپی جائیں

---

(۱) "لأن المسجد ما بني إلا لها (أي العبادة) من صلوة أو اعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم أو تعلمه وقراءة القرآن". (غمز عيون البصائر للحموي شرح الأشباه والنظائر: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: و سواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان في ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار: ۶۴۷/۱، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲۸۵/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۸/۲، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(۳) "لا تصح الإجارة لعسب التيس .... ولا لأجل المعاصي مثل الغناء و النوح والملاهي". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "وفي الملتقى: امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً، ردّته على أربابه إن علموا، و إلا تتصدق به". (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: الاستيجار على المعاصي، سعيد)

"قال: ولا يجوز الاستيجار على الغنا والنوح، وكذا سائر الملاهي؛ لأنه استيجار على المعصية، والمعصية لا تستحق بالعقد". (الهداية: ۳۰۳/۴، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركة علميه،ملتان) =

اوراس کے ساتھ تصویریں بھی ہوں اور تصویریں کم ہوں اور جائز چیزیں زائد ہوں تو ایسی تمام آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۱)۔ نیز جو شخص ایسی ملازمت کرے گا، اس کی پوری ملازمت کو بھی ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا، اس کی ملازمت خالص جائز ملازمت سے کمتر اور ادنی ہوگی اور خالص ناجائز ملازمت سے غنیمت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

باتصویر اخبار کا حکم

سوال[۹۴۷۱]: وہ اخبار و رسائل جن میں صفحہ کی ایک جانب بہترین مذہبی مضمون ہو اور دوسری جانب کسی ذی روح کی تصویر، ایسی صورت میں اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

مولوی ابراہیم جاڑا، افریقہ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

تصویر کو روشنائی سے مٹادیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۱): " أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال .... إذا علم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع، فلا بأس به؛ لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام، فالمعتبر الغالب". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۲/۵، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

(۲) "(ممحوّ الرأس) فسّر به احترازاً من أن تقطع بخيط ونحوه، فإنه لاينفي الكراهة؛ لأن بعض الحيوانات مطوّق، فلا يتحقق قطعه إلا بمحوه، وهو بأن يجعل الخيط على كل رأسه بحيث يخفى، أو يطليه بطلاء يخفيه، أو يغسله و نحو ذلك". (فتح القدير: ۴۱۶/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، فصل، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۴۸/۱، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲۸۵/۱، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، رشيديه)

تصویردار کاغذ کو جلانا

سوال[۹۴۷۲]: جس کاغذ میں کسی انسان کی تصویر بنی ہو، اس کو جلانا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض تصویر ہے تو اس کو جلانا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تصویر کی طباعت اور اس کی آمدنی

سوال[۹۴۷۳]: آج کل بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے اندر جاندار کی تصاویر ہوتی ہیں اور یہ پریس میں طبع ہوتی ہیں۔طباعت کے آنے والے کاموں میں دوثلث حصہ ایسا ہوتا ہے جس پر کسی نہ کسی جاندار کی تصویر ہوتی ہے۔ہر صفحۂ طباعت کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس پر تصویر نہیں ہوتی۔اب مسلمان کے لئے ان تصاویر کا طبع کرنا کیا تصویر بنانے اور تصویر کشی کے حکم میں آتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا ممنوع ہے خواہ ابتداءً جاندر سے بنائی جائے یا تصویر سے نقل کی جائے قلم سے ہو یا مشین سے، یا کپڑے کی بناوٹ میں ہو، یا پتھر، لکڑی، لوہے وغیرہ پر کسی آلہ سے بنائی جائے (۲)۔اور جب کہ ٹریڈ مارکہ کے طور پر ہو تو وہ مقصود کے درجہ میں ہوگی (۳)، اس لئے اس کو جائز نہیں کہا جائے گا۔اس پر جو

(۱) "الكتب التي لاينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسوله ويحرق الباقي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۲، سعيد)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: سواء صنعه لِمَا يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء أوحائط وغيرها، اهـ. فينبغي أن يكون حراماً لا مكروهاً إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل بتواتره، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(۳) "الأمور بمقاصدها، يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من =

وعیدیں حدیث پاک میں وارد ہیں وہ بہت سخت ہیں (۱)۔ یہ تو تصویر کی طباعت کے متعلق ہے۔

اس سے حاصل شدہ آمدنی کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر کی اجرت کے مقابلہ میں غیر تصویر کی (یعنی جائز آمدنی) زیادہ ہے تو سب آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا بلکہ غلبہ کا اعتبار ہوگا (۲)۔ یہ تو کلی اور اصولی جواب ہے۔ خاص طور پر اجارہ فاسدہ کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ اجرت پر ملک متحقق ہو جاتی ہے:

"والأجر يطيب وإن كان السبب حراماً، اهـ". شامي: ۵/۲۸، أول باب الإجارة الفاسدة(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۵/۸۷ھ۔

= ذلک الأمر......... ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف، والتقدير: حكم الأمور بمقاصد فاعلها: أى أن الأحكام الشرعية التي تترتب على أفعال المكلفين منوطة بمقاصدهم من تلك الأفعال، فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذى فعله أمراً مباحاً، كان فعله مباحاً، وإن قصد أمراً محرماً، كان فعله محرماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۱۷، ۱۸، المقالة الثانية، (رقم المادة: ۲) مكتبه حنفيه كوئثه)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله". متفق عليه".

"وعن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قديمى)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع. ولايجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة، إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع، فلا بأس به؛ لأن أموال الناس لاتخلو عن قليل حرام، فالمعتبر الغالب، وكذا أكل طعامهم، كذا في الاختيار شرح المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۵، سعيد)

باتصویر رسائل کی خریداری

سوال[۹۴۷۴]: جن رسالوں کے اندر تصویریں ہوں جیسے ڈائجسٹ وغیرہ اور وہ دینی رسائل جن میں تصاویر ہوں، ایسے رسالوں کا خریدنا کیسا ہے؟ جواب مدلل و مفصل بحوالہ عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام۔

عزیزالدین، مفتاح العلوم، جلال آباد۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن رسالوں کو ذی روح کی تصویر کی وجہ سے خریدا جاتا ہے ان کا خریدنا جائز نہیں: "لأن الأمور بمقاصدها (۱)۔ اگر مقصود مضامینِ صحیحہ کا پڑھنا ہے تو خریدنا درست ہے، تصاویر تابع ہیں ان کو محو کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۶ھ۔

چڑیا والی گھڑی

سوال [۹۴۷۵]: زید گھڑی کی ایک فیکٹری قائم کرنا چاہتا ہے جس میں آج کل کی نئی نئی ڈیزائن کی گھڑیاں چلتی ہیں، جو گھڑی زید بنوانا چاہتا ہے اس میں پلاسٹک کی چڑیا ہوگی اور فٹنگ اس طرح ہوگی کہ جب گھنٹہ بجتا ہوگا تو اس وقت چڑیا اندر سے باہر آئے گی اور اس کے منہ سے گھنٹے کی آواز نکلے گی اور گھنٹہ بجنے کے بعد خود بخود ایک چھوٹا سا دروازہ کھلے گا اور وہ اندر چلی جائے گی، اور دروازہ بند ہو جائے گا۔ تو کیا یہ تصویر والی گھڑی بنانا، یا اس کی فیکٹری قائم کرنا از روئے شرع جائز ہے؟ آج کل جدید حالات میں اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا تو بہر حال ناجائز ہے (۲)، یہ حکم تو بنانے کا ہے، لیکن چونکہ مقصود یہ چڑیا نہیں، بلکہ

---

(۱) (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۱۷، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، (رقم القاعدة: ۱۴۲): ۱/۹۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: و سواء صنعه =

وقت معلوم کرنا مقصود ہے، اس کے لئے گھڑی کے پرزے ہوں اور مشینیں، سووہ شرعاً درست ہے، ان کی بیع بھی درست ہے (۱)۔ لیکن جس طرح دروازے پر کپڑے کا پردہ ڈالنا اصل مقصود ہو جو کہ شرعاً جائز ہے مگر اس کپڑے میں تصویر بنی ہوئی ہو، یا اس پر چھپی ہوئی ہو تو اس پردہ کو استعمال کرنا قبیح و مذموم ہے جس سے ناگواری حدیث پاک میں موجود ہے (۲)۔ اسی طرح اس گھڑی کو رکھنا اور استعمال کرنا بھی قبیح اور مذموم ہوگا۔ بنانے والے اور استعمال کرنے والے کا فرق بھی اس سے واضح ہوگیا، استعمال کرنا خواہ اپنے پاس رکھ کر ہو یا فروخت کرکے ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۱ھ۔

سوال متعلق استفتاء بالا

(**نـــوٹ**) مستفتی نے جواب سابق نمبر: ۱۹۷ (پرانی ترتیب کے مطابق) کا

= لـمـا يـمتهـن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان في ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۴۷، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(۱) "لأن الأمور بمقاصدها" (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، (رقم القاعدة: ۲): ۱/۹۷، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وعن سفينة أن رجلاً ضاف عليَّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: فتبعته، فقلت: يارسول الله! ماردك؟ قال: "إنه ليس لي أو لنبي أن يدخل بيتاً مزوّقاً". رواه أحمد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۷۸، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، قديمي)

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يكن يترك في بيته شيئاً فيه تصاليب إلا نقضه". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۵، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، قديمي)

حوالہ دیا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور اسی پر مزید سوالات مرتب کرکے ان کی وضاحت طلب کی ہے:

سوال [۹۴۷۶]: ۱......ایسی گھڑی کا بنانا اور فروخت کرنا اور استعمال کرنا سب کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے؟

۲......اگر سب کا ایک ہی حکم ہے تو ''قبیح ومذموم'' کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے، یہ مکروہ کا درجہ رکھتا ہے یا قطعی حرام کا؟ برائے مہربانی ذرا صاف تحریر فرمائیں۔

عبدالرحمٰن معرفت امام صاحب، مسجد نور ۴۷/ نشان پاڑہ، بمبئی نمبر: ۹۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جواب سابق میں جاندار کی تصویر ہونے کی بنا پر بنانے کو ''ناجائز'' لکھا ہے جس کے معنیٰ ''حرام'' کے ہیں (۱)۔ استعمال کرنے کو ''قبیح ومذموم'' لکھا ہے جس کے معنیٰ ''مکروہ'' کے ہیں، استعمال خواہ فروخت کرنے کی

---

(۱) جاندار کی تصویر بنانا بنصِ حدیث حرام ہے:

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتاني جبريل -عليه السلام- قال: أتيتک البارحة، فلم يمنعني أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل، وكان في البيت قرام ستر فيه تماثيل، وكان في البيت كلب، فمُرْ برأس التمثال الذي على باب البيت فيقطع فيصير كهيئة الشجرة، ومُرْ بالستر فيقطع فليجعل و سادتين منبوذتين توطأن، ومُرْ بالكلب فليخرج. ففعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه الترمذي وأبو داؤد''.

''عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما؛ إذ جاء رجلٌ فقال: يا ابن عباس! إني رجل إنما معيشتي من صنعة يدي، وإني أصنع هذه التصاوير. فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لا أحدّثک إلا ما سمعتُ من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعتُه يقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، وليس بنافخ فيها أبداً''. فربا الرجل ربوةً شديدةً واصفرّ وجهه، فقال: ويحک! إن أبيت إلا أن تصنع فعليک بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح''. رواه البخاري''. (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۶، باب التصاوير، الفصل الثاني والثالث، قديمي)

''وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و لا صورة". المراد بهم =

صورت میں ہو یا پاس رکھنے کی صورت میں ہو۔ مال متقوم ہونے کی وجہ سے بیع کو باطل نہیں کہا جائے گا، بلکہ بیع درست ہوگی، یعنی بدلین پر متعاقدین کی ملک حاصل ہو جائے گی (۱)۔

تصویرِ ذی روح ہونے کی بناء پر اس کاروبار کو قبیح و مذموم یعنی مکروہ کہا جائے گا، تاہم اگر ذہن پھر کوئی اغلاق پیدا کردے تو پھر بھی دریافت کرسکتے ہیں، کیونکہ اغلاق پہلے جواب میں بھی نہیں تھا، بلکہ ذہن نے پیدا کیا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۴ھ۔

برکت کے لئے تصاویر گھر میں رکھنا

سوال[۹۴۷۷]: ۱......مکان وغیرہ میں برکت وخوبصورتی کے لئے علمائے کرام وبزرگانِ دین کی تصاویر کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

= الـذيـن يـنـزلـون بـالبـركة لا الـحـفـظة، و عدم دخولهم لزجر صاحب البيت عن اتخاذ الصور، الخ".
(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۱/۴۱۴، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دارالكتب العلميه بيروت)

"وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: و سواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان في ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۴۷، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(۱) مال غیر متقوم کی بیع باطل ہوتی ہے: "وكـذا يـبـطـل بيـع مـال غيـر متقوم كالخمر والخنزير". (مجمع الأنهر: ۲/۵۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"قال الإتقاني: فأما البيع بالميتة والدم باطل، وكذلك بيع الحر، وذلك لانعدام حقيقة البيع؛ لأنها مبادلة المال بالمال على التراضي، وهذه الأشياء ليست بمال عند أحد ممن له دين سماوي فيبطل البيع ولايفيد الملك". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴/۳۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

اخبار میں تصاویر کی اشاعت کرنا

سوال[۹۴۷۸]: ۲......اگر کوئی شخص اپنا فوٹو بنوا کر اپنے پاس رکھے یا کہیں بھیجے تو جائز ہے یا نہیں؟

۳......آج کل اخبارات میں علمائے کرام کی تصاویر آرہی ہیں، مثلاً: اخبار الجمعیۃ میں جناب مولانا سعید احمد صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ودیگر اکابرین کی تصاویر آرہی ہیں، اس فعل سے اکثر لوگ حجت پکڑتے ہیں اور تصویر کو جائز کہتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کا ان علماء کے فعل کو حجت پکڑ کر تصویر فوٹو وغیرہ کو جائز کہنا اور اخبارات ورسائل وغیرہ میں شائع کرانا صحیح وجائز ہے یا نہیں؟

اس کا مفصل حکم مدلل مع ذکر احادیث وآیات قرآن مجید بیان فرما کر ثواب دارین کے مستحق ہوں۔ اگر کوئی صورت جواز کی ہو۔ جس کا اثبات ادلۂ اربعہ سے ہوتا ہو۔ نکلتی ہو بعیدہ ہو یا قریبہ، اس کو بھی بیان فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اور اگر کوئی شخص کسی عالم یا بزرگ کی تصویر خفیہ طور پر کھنچوا کر شائع کرادے تو وہ شخص من جانب شرع گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: بندہ احمد حسن دہام پوری، نائب ناظر تحصیل، ۸/ ذیقعدہ/۱۳۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ایسی تصویر کا گھر میں خوبصورتی وبرکت وغیرہ کے لئے رکھنا شرعاً حرام ہے، اس سے برکت نہیں ہوتی بلکہ نحوست ہوتی ہے، کیونکہ ملائکہ رحمت کا آنا موقوف ہوجاتا ہے(۱)۔

---

(۱) "عن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير". متفق عليه".

"وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن ميمونة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أصبح يوماً واجماً، وقال: "إن جبريل كان وعدني أن يلقاني الليلة، فلم يلقني، أمَ والله! ما أخلفني". ثم وقع في نفسه جِرو كلب تحت فسطاط له، فأمر به فأخرج، ثم أخذ بيده ماءً فنضح مكانه، فلما أمسى لقيه جبريل فقال: "لقد كنت وعدتني أن تلقاني البارحة"؟ قال: أجل! ولكنا لا ندخل بيتاً فيه كلب ولا صورة".

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يكن يترك في بيته =

۲......ناجائز ہے(۱)۔

۳......ایسی تصویر سے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ شرعی مسائل کا ادلۂ اربعہ سے ثبوت ہوتا ہے اور یہ کوئی سی بھی دلیل نہیں۔ بے جان چیزوں درختوں وغیرہ کی تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا درست ہے(۲)۔ اسی طرح بلاسر کی تصویر رکھنا بھی جائز ہے(۳)۔ نیز چھوٹی چھوٹی تصویریں جیسے روپیہ پیسہ پر ہوتی ہیں جن کی کوئی

= شيئاً فيه تصاليب إلا نَقَضَه". رواه البخاری". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۵، باب التصاوير، الفصل الأول، قديمی)

(۱) "وظاهر كلام النووی فی شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: و سواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان فی ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۴۷، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، سعيد)

(وكذا فی النهر الفائق: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۴۸، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما .... قال: "إن كنت لابدّ فاعلاً، فاصنع الشجر و ما لا نفس له". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۰۲، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، قديمی)

قال النووی رحمه الله تعالىٰ: "و أما الشجر و نحوه مما لا روح فيه، فلا يحرم صنعته، ولا التكسب به، وسواء الشجر المثمر وغيره". (شرح النووی على الصحيح لمسلم: ۲/۲۰۱، كتاب اللباس، قديمی)

"والتمثال خاص بمثال ذی الروح، لكن المراد هنا ذو الروح، فإن غير ذی الروح لايكره كالشجر". (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: ۱/۳۶۴، مصطفىٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی النهر الفائق: ۱/۲۸۳، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، قديمی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۱/۶۴۹، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، سعيد)

(۳) "أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أو مقطوعة الرأس): أی سواء كان من الأصل أو كان لها رأس و محی، =

خاص عظمت نہیں ہوتی، ان میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔

”عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ”أتاني جبريل –عليه السلام– قال: أتيتك البارحة، فلم يمنعني أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل، وكان في البيت قرام ستر فيه تماثيل، وكان في البيت كلب، فمُرْ برأس التمثال الذي على باب البيت فيقطع فيصير كهيئة الشجرة، ومُرْ بالستر فيقطع فليجعل و سادتين منبوذتين توطأن، ومُرْ بالكلب فليخرج. ففعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم“. رواه الترمذي وأبو داؤد“.

= وسواء كان القطع بخيط خيط على جميع الرأس حتى لم يبق له أثر، أو بطليه بمغرة أو بنحته أو بغسله؛ لأنها لاتعبد بدون الرأس عادةً“. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۶۴۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۴۱۵، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير: ۱/۴۱۲، كتاب الصلوة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) ”ولو كانت الصورة صغيرةً كالتي على الدرهم، أو كانت في اليد أو مستترةً أو مهانةً مع أن الصلاة بذلك، لا تحرم، بل و لا تكره“. (ردالمحتار: ۱/۶۴۷، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، سعيد)

(وكذا في الهداية مع فتح القدير: ۱/۴۱۲، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

”روي أنه كان على خاتم أبي موسى ذبابتان، وكان لابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما كانون محفوف بصور صغار“. (العناية على هامش فتح القدير، المصدر السابق)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۲۸۳، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۰، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

"عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما؛ إذ جاء رجلٌ فقال: يا ابن عباس! إني رجل إنما معيشتي من صنعة يدي، وإني أصنع هذه التصاوير. فقال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: لا أحدثك إلا ما سمعتُ من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعتُه يقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، وليس بنافخ فيها أبداً". فربا الرجل ربوةً شديدةً واصفرّ وجهه، فقال: ويحك! إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح". رواه البخاري". مشكوة شريف(۱)۔

"وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و لا صورة". المراد بهم الذين ينزلون بالبركة لا الحَفَظة، و عدم دخولهم لزجر صاحب البيت عن اتخاذ الصور، الخ". هامش زيلعي(۲)۔

جو شخص خفیہ طریق سے کسی عالم وغیرہ کی تصویر کھینچوا کر شائع کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۱/۱۵ھ۔

مکان میں تصاویر

سوال[۹۴۷۹]: تصاویر گھروں میں رکھنا تو حرام ہے، لیکن چھت پر جو ٹھکریاں لگی ہوتی ہیں اس میں کمپنی کی طرف سے کسی جانور وغیرہ کی تصویر نقش کی گئی ہے تو ایسے مکان میں رہنا کیسا ہے؟ (یہ بھی ممکن ہے کہ کمپنی کا ٹریڈ مارک ہو)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث پاک میں ہے:

"قال عليه الصلوة والسلام: "إن البيت الذي فيه الصورة لاتدخله الملٰئكة". متفق

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۶، باب التصاوير، الفصل الثاني والثالث، قديمي)

(۲) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ۱/۴۱۴، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دارالكتب العلميه بيروت)

علیه". مشکوة شریف، ص: ۳۸۵(۱)۔

جس مکان میں (جاندار کی) تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی داخل ہونا گوارہ نہیں کیا، بلکہ داخل ہونے کا ارادہ فرمانے کے باوجود تصویر کی وجہ سے تشریف لے گئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

آنکھ اور دانت کی تصویر

سوال[۹۴۸۰]: ہم بغرضِ تجارت منجن یا سرمہ بنا کر فروخت کرنا چاہتے ہیں تو اس میں یعنی منجن کے لیبل پر صرف دانت چھپوانا چاہتے ہیں اور سرمہ کے لیبل پر صرف آنکھ کی تصویر ہوگی چہرہ نہیں ہوگا۔ از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف دانت اور صرف آنکھ کی تصویر درست ہے جب کہ بقیہ چہرہ نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، باب التصاویر، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قدیمی)

"عن أبي طلحة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب التصاوير، ص: ۳۸۵، قديمي)

(۲) "عن سفينة أن رجلاً ضاف علىَّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: لودعونا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء فوضع يديه على عضادتي الباب، فرآى القرام قد ضرب في ناحية البيت فرجع، قالت فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها فتبعته: فقلت: يارسول الله! ماردّك، قال: "إنه ليس لي أولنبي أن يدخل بيتاً مزوّقا". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمي)

(۳) تصویر کا اطلاق اس پر اسی وقت ہوگا جب چہرہ اور سر نظر آئے:

"أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه". (الدرالمختار). وقال العلامة=

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر

بسم الکریم بن صاحب الحق، پیش امام پیکنو رتھائی لینڈ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سوال[۹۴۸۱]: (الف) بعداز دعوت عرض ہے کہ آپ کے یہاں اس خط کے ساتھ ایک خاکہ بھیج رہے ہیں، ویسے دیکھنے سے آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ اس خاکہ میں کلمۂ شہادت کے الفاظ کو اس مشکل میں ترتیب دیا گیا ہے کہ اس سے باقاعدہ تصویر بن گئی ہے جس میں ناک، کان، آنکھ ہر چیز بدن کے صاف دکھائی دیتی ہے، برائے مہربانی اس کے متعلق شرعاً حکم سے آگاہ فرمادیں۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے، اس کو گھر میں لٹکانا شرعاً مناسب ہے؟ برائے مہربانی اس خط کو جواب کے ساتھ واپس فرما کر مشکور فرمادیں۔

نوٹ: اس تصویر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

(ب) آپ سب بزرگوں سے استدعاء کہ مجھے اور میرے بھائی عزیز اللہ کے حق میں دعاء فرمائیں کہ

= ابن عابدين رحمه الله تعالى "(قوله: أو مقطوعة الرأس): أي سواء كان من الأصل، أو كان لها رأس ومحي، وسواء كان القطع بخيط خيط على جميع الرأس حتى لم يبق له أثر، أو بطليه بمغرة أو بنحته أو بغسله؛ لأنها لاتعبد بدون الرأس عادةً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۶۴۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۲۸۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۴۱۵، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير: ۱/۴۱۶، كتاب الصلوة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"(أو مقطوعة الرأس): أي ممحوة الرأس بخيط بخيطه عليه حتى لا يبقى للرأس أثر، أو يطليه بمغره أو نحوه أو ينحته، فبعد ذلك لا يكره؛ لأنها لا تعبد بدون الرأس عادةً". (تبيين الحقائق: ۱/۴۱۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۵۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البناية: ۲/۵۴۸، كتاب الصلوة، رشيديه)

اللہ کریم رشد وہدایت کی نعمت سے سرفراز فرماویں، ہمیں صحیح بندگی کی توفیق عطا فرماویں اور ہم سب سے خوش ہوکر ہمیں اپنے پاس بلائے۔آمین۔

محترمی زیدا حترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دل سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے بھائی عزیز اللہ کو ہمیشہ رشد و ہدایت پر رکھے، اتباع سنت کی پوری توفیق دے، دونوں جہاں کی ترقیات سے نوازے۔ آمین! آپ سے بھی دعاء کی درخواست ہے (جواب خط کی پشت پر ہے)۔

احقر محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے خواہ لکڑی، مٹی، لوہا، سونا وغیرہ کسی مادہ سے بنائی جائے، یا قلم سے کسی کاغذ یا تختی پر بنائی جائے، یا مشین سے عکس لیا جائے، کسی طرح اجازت نہیں (۱)۔ ایسی تصویر بنانے والوں کے لئے حدیث شریف میں عذاب شدید کی وعید ہے، ایسی تصویروں کو مکان میں رکھنا اور کمرہ کی زینت کے لئے آویزاں کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔

---

(۱) "و ظاهر كلام النووی فی شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، وصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاةً لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان فی ثوب أو بساط أو درهم وإناء و حائط وغيرها، اهـ. فينبغی أن يكون حراماً لا مكروهاً إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل بتواتره، اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۴۷، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، سعيد)

(۲) "عن ابن السباق أن عبد الله بن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: أخبرتنی ميمونة رضی الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أصبح يوماً واجماً فقالت ميمونة رضی الله تعالىٰ عنها: يارسول الله! لقد استنكرت هيئتك منذ اليوم، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن جبريل كان وعدنی أن يلقانی الليلة، فلم يلقنی، أمَ والله! ما أخلفنی". قال: فظلّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومه ذلك على ذلك، ثم وقع فی نفسه جر و كلب تحت فسطاط لنا، فأمر به فأخرج، ثم أخذ بيده ماءً فنضح مكانه، فلما أمسى لقيه جبريل عليه السلام، فقال: "لقد كنتَ وعدتّنی أن تلقانی =

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر بنانا تو براہ راست رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغاوت اور کھلا مقابلہ کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہذا آپ ہی کی تصویر بنائیں گے (معاذ اللہ)، یہ صورت نہایت خطرناک ہے۔ نیز اپنے ذہن میں صورت مبارکہ کو تجویز کر کے تصویر بنا کر آپ کی طرف منسوب کرنا کہ یہ آپ کی صورت مبارکہ ہے، بہتان عظیم ہے جس کی سزا جہنم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

روضۂ اقدس کی تصویر مسجد میں

سوال[۹۴۸۲]: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی تصویر مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ خانہ کعبہ کی تصویر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لگا سکتے ہیں، مگر سامنے نہ لگائیں جس سے نمازیوں کی نظر اس پر جائے، اونچائی پر لگائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

= البارحة". قال: أجل! ولكنا لا ندخل بيتاً فيه كلب و لا صورة". (الصحيح لمسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ: ۱۹۹/۲، قديمي)

قال النووي رحمه الله تعالى: "قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها". (شرح النووي على مسلم: ۱۹۹/۱، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان الخ، قديمي)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كذب على متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". (الصحيح لمسلم: ۷/۱، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قديمي)

(۲) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي". (الدر المختار). "(قوله: لأنه يلهي =

تعلیم کے لئے فوٹو

سوال[۹۴۸۳]: کوئی شخص کالج کی تعلیم حاصل کررہا ہو اور ایسے کالج کے سلسلۂ تعلیم کو باقی رکھنے کے لئے فوٹو اُتروانے کی اشد ضرورت ہو تو کیا وہ کالج کی تعلیم کو برقرار رکھتے ہوئے فوٹو اتر واسکتا ہے؟ از روئے شریعت اس کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں لکھیں، تاکہ سلسلۂ تعلیم باقی رکھا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس تعلیم کے منقطع کرنے میں نقصانِ عظیم نہ ہو تو منقطع کردیا جائے، ورنہ اس کو جاری رکھنے کے لئے مجبوراً فوٹو کی بھی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

پرائیویٹ امتحان کے لئے فوٹو

سوال[۹۴۸۴]: آج کل سیکڑوں مسلم طلباء اور طالبات پرائیویٹ امتحانات دیتے ہیں جس میں فوٹو لازمی ہے تو اس طرح فوٹو کھنچوانا جائز ہے یا نہیں؟

= المصلي): أي فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره: ۱/۶۵۸، سعيد)

"قال في الشرنبلالية: قلت: فعلى هذا لا يختص بالمحراب، بل في أيّ محل يكون أمام من يصلي، بل أعم منه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۲/۲۵، كتاب الصلوة، فصل: كره استقبال القبلة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۴۲۰، كتاب الصلوة، قبيل باب الوتر والنوافل، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱)"إن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۱، القاعدة الخامسة، (رقم القاعده: ۵۲۸)، إدارة القرآن كراچي)

"تصویر کھینچنا اور کھنچوانا منع ہے، کھنچوانا اگر کسی ضرورت پر مبنی ہو مثلاً: پاسپورٹ کے لئے مباح ہے۔ نیز فوٹو کی تصویر تو صاحبِ تصویر کے علم وارادہ کے بغیر کھینچ جاتی ہے، اس میں صاحبِ تصویر پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والاباحۃ، بیسواں باب فوٹو، مصوری اور تصویر، بلاضرورت تصویر کھنچوانا حرام ہے: ۹/۲۲۷، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلياً:

فوٹو اتروانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسی مجبوری ہے کہ بغیر اس کے گزارہ نہیں تو وہ معذوری ہے، مجبوری کی حدتک گنجائش ہوگی (۱)، اس پر بھی توبہ واستغفار لازم ہے۔ لڑکیوں کو لڑکوں کی طرح داخلہ لینا، امتحانات دینا، ملازمت کرنا شرعاً بھی قبیح ومذموم ہے اور عقلاً بھی، نیز ان کی غیرت وحیا کے بھی سخت خلاف ہے اور بے شمار اس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

تنخواہ وصول کرنے کے لئے فوٹو

سوال [۹۴۸۵]: میری ملازمت کو بائیس سال ہونے کو آئے ہیں، وظیفہ کے لئے پچیس سال کی

---

(۱) "لأن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۱، القاعدة الخامسة، رقم القاعدة: ۵۲۸، إدارة القرآن كراچى)

(۲) چونکہ عورت کو بغیر کسی مجبوری کے باہر نکلنے سے شریعت نے منع کیا ہے: لقوله تعالیٰ: ﴿وقرن في بيوتكن ولا تبرّجن تبرج الجاهلية الأولىٰ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

نیز نوکری کرنا اور کمانا عورتوں پر لازم نہیں، جب کہ وہ کسی کی کفالت میں ہوں، کیونکہ اس صورت میں ان کا نفقہ کفیل پر ہوتا ہے، ایسے غیر ضروری کام کے لئے کسی ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں:

"هي لغةً: ما ينفقه الإنسان على عياله، وشرعاً هي الطعام والكسوة والسكنى، وعرفاً هي الطعام. ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: .... وقرابة وملك .... فتجب للزوجة بنكاح صحيح .... على زوجها". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۷۱، ۵۷۲، سعيد)

"تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها، أو لم يدخل، كبيرةً كانت المرأة أو صغيرةً يجامع مثلها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة: ۱/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، باب النفقة: ۱/۴۳۴، رشيديه)

تکمیل کی ضرورت ہے، مگر فوٹو وظیفہ نکالنے کے لئے ضروری ہے، چونکہ میری نظر سے "أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصوّرون "(۱) گزرا۔ایسی صورت میں وظیفہ کے حصول کے لئے فوٹو لے لوں تو جائز ہوگا یا گناہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بغیر فوٹو کے وظیفہ نہ ملنے پر آپ کو زیادہ زحمت نہ ہو اور آپ برداشت کر سکیں تو فوٹو نہ لیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

شناختی کارڈ فوٹو کے ساتھ

سوال [۹۴۸۶]: آج کل حکومت پاکستان نے ایک لعنت شناختی کارڈ نکالی ہے کہ ہر شخص کے پاس اس شناختی کارڈ پر فوٹو ہونا ضروری ہے، جس کے پاس نہیں ہوگا وہ جاسوس سمجھا جائے گا اور اس کو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔اب علماء وصلحاء کے لئے اس حکم کی پابندی کرنا کیسا ہے، خواہ مجبوراً ہو؟ ہم لوگ ازحد پریشان ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب ایک ملک میں شہری بن کر رہنا ہے اس سے مفر نہیں تو وہاں کے قانون پر عمل کرنا ہوگا قانون کی خلاف ورزی مستقل جرم ہے جس کی سزا ناقابلِ برداشت بھی ہو سکتی ہے (۳)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۳۸۷، باب التصاوير، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً، ويرزقه من حيث لا يحتسب﴾. (سورة الطلاق: ۲،۳)

لیکن بوقت ضرورت فوٹو کی گنجائش ہے، كما تقدم تحت المسئلة الماضية آنفاً.

(۳) "ان مخالفة الأمير حرام، إلا إذا اتفق الأكثر أنه ضرر، فيتبع، اهـ". (ردالمحتار: ۱۴۶/۴، كتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته، فصل في كيفية القسمة، مطلب: مخالفة الأمير حرام، سعيد)

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". (الدرالمختار). "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع و لا تجوز مخالفته .... و في ط عن الحموي: إن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب، اهـ". (ردالمحتار: ۴۲۲/۵، كتاب القضاء، فصل في الحبس، مطلب: طاعة الإمام واجبة، سعيد) .... =

جس طرح قانونی مجبوری کی وجہ سے بعض ملازمین کو بیمہ کرانا پڑتا ہے جس میں قمار بھی ہے، سود بھی ہے۔ نیز رشوت دیئے بغیر بھی دفعِ ظلم یا وصول یابیِ حق کی کوئی صورت نہیں، اسی طرح شرعی عدمِ جواز کے باوجود قلب میں شدید انکار کے ساتھ اس کو (شناختی کارڈ کو) بھی برداشت کیا جائے اور استغفار بھی کرتے رہیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معذور قرار دیں گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۱۷ھ۔

معلم مقرر کرنے کے لئے فوٹو منگانا

سوال[۹۴۸۷]: بیرونِ ہند کے لوگ ہندوستان سے کسی عالم کو بچوں کی تعلیم دینے کی غرض سے بلاتے ہیں، لیکن وہ حضرات اس عالم کا فوٹو صرف دیکھنے کی غرض سے طلب کرتے ہیں۔ تو کیا فوٹو تصویر کھینچنا جائز ہے؟ اسی طریقہ سے شادی کے معاملہ میں لڑکے کا فوٹو طلب کرتے ہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں کہ جن کے لئے حرام کام کی اباحت دی جائے، بچوں کی تعلیم کے لئے معلم کے فوٹو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے اخلاق وحالات بذریعہ خط معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ یہی حال شادی کا

= (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۲۶۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في وجوب طاعة الإمام، سعيد)

(۱) "إن الضرورات تبيح المحظورات". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۱، القاعدة الخامسة، (رقم القاعدة: ۵۲۸)، إدارة القرآن كراچی)

"أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفي التاشيرة وفي البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصاً فيه، فإن الفقهاء رحمهم الله تعالىٰ استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة .... الخ". (تكملة فتح الملهم: ۴/۱۶۴، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة، مكتبه دار العلوم كراچی)

ہے، اس کے لئے بھی فوٹو کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۵/۹۰ھ۔

فوٹو مٹانے کی ترکیب

سوال [۹۴۸۸]: ایک عورت نے ریشم میں اپنے فوٹو کھنچوار کھے ہیں، لیکن اب اس کو توجہ ہوئی۔ تو وہ کیا کرے، جلادے یا استعمال میں لاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کپڑے کو رنگ لیا جاوے جس سے فوٹو باقی نہ رہے تو پھر استعمال درست ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) لہذا کسی مباح کام کے لئے تصویر سازی کی اجازت نہ ہوگی جو کہ حرام ہے:

''یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی مصلحت ونفع کے لئے گناہ کرنا، یا کسی فرض وواجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً: کوئی شخص دنیوی نفع کے لئے جھوٹ بولے، دھوکہ دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کردے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق وحرام ہے، اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لئے بھی کسی معصیت کا ارتکاب حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے اور ام المصالح ہے............ البتہ اگر کوئی کام شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ صرف مباح یا مستحب ہے، اس کو کسی دینی مصلحت مثلاً: عوام کو فتنہ یا معصیت یا تکلیف سے بچانے کے لئے چھوڑ دینا جائز ہے............ مصلحۃً ترک مستحب یا مباح میں بھی یہ شرط ہے کہ اس سے قانون شرع میں تحریف اور مداخلت فی الدین نہ ہوتی ہو مثلاً: اس مستحب یا مباح کام کو عملاً یا اعتقاداً حرام سمجھنے لگے یا کسی مباح شرعی کی ممانعت کا قانون بنادیا جائے۔............ حاصل یہ ہے کہ کسی مصلحت کی خاطر مستحب کام کو تو چھوڑا جاسکتا ہے مگر حدود اللہ سے تجاوز اور قانون شریعت کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں''۔ (احسن الفتاوی: ۶/۳۷-۳۹، رسالہ: سیاست اسلامیہ، سعید کراچی)

(۲) "(أو مقطوعة الرأس): أي ممحوة الرأس بخيط يخيطه عليه، حتى لا يبقى للرأس أثر، أو يطليه بمغرة أو نحوه، أو ينحته، فبعد ذلك لا يكره؛ لأنها لا تعبد بدون الرأس عادةً". (تبيين الحقائق: ۱/۴۱۵، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البناية: ۲/۵۴۸، كتاب الصلوة، رشيديه)

الفصل الثاني في التمثال

(مجسمہ سازی کا بیان)

شیر کی کھال کیا تصویر کے حکم میں ہے؟

سوال[۹۴۸۹]: شکاری لوگ شیر، چیتے وغیرہ کا شکار کرنے کے بعد اس کا چمڑہ اس طرح نکالتے ہیں کہ پورا سر اس کے ساتھ رہنے دیتے ہیں، پھر چمڑے کو دباغت کر لیتے ہیں، سر کا اندرونی حصہ بھی کسی طرح صاف کر لیتے ہیں اور اس چمڑے کو جس کے ساتھ پورا سر مع آنکھ وغیرہ کے ہوتا ہے گھر میں رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح حیوان کے سر کو رکھنا جائز ہے یا تصویر کی طرح اس کا رکھنا بھی جائز نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ تصویر کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الاول/ ۸۷ھ۔

شیر کی کھال میں گھاس بھر کر اس کو شیر بنانا

سوال[۹۴۹۰]: اس زمانہ میں بڑے گھروں میں شیر کی کھال میں گھاس بھر کر اس کو شیر جیسی شکل بنا دیتے ہیں اور مکان میں بطور نمائش رکھتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گھاس وغیرہ بھر کر اس طرح شیر کی صورت بنانا اس کا رکھنا اس کی نمائش کرنا، سب نادرست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۲) **سوال**: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بھینس کا بچہ مرگیا، اور وہ بھینس بغیر بچہ کے =

گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا

سوال [۹۴۹۱]: ایک شخص گڑیاں بناتا ہے اور انہیں بنا کر لڑکیوں کو دیتا ہے اور زیور وغیرہ بھی لا کر دیتا ہے گڑیوں کو پہنانے کے لئے۔ اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو لڑکیوں کے کھیلنے کے لئے جائز قرار دیتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فعل سے استدلال کرتا ہے(۱) اور یہ شخص امامت بھی کرتا ہے۔

= دودھ نہیں دیتی اگر اس مردہ بچہ کی کھال نکلوا کر اور اس میں بھوس وغیرہ بھر کر بھینس کو دکھلا کر دودھ لینے کی غرض سے رکھ لیا جاوے تو کیا اس طرح مردہ بچہ کو قائم رکھنا اور دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ''جائز ہے''۔(إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، جائز وناجائز، مکروہ افعال کا استعمال، عنوان: جس جانور کا بچہ مرجائے اس کا دودھ نکالنے کے لئے مصنوعی بچہ بنا کر رکھنا: ۱۵۴/۴، دار العلوم کراچی)

سوال: ''جناب مفتی صاحب! گائے بھینس رکھنے والوں میں رواج کہ جب ان کی گائے یا بھینس کا بچہ مرجائے تو اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر لیتے ہیں، جیسے گائے یا بھینس اپنا بچہ تصور کر کے دودھ آسانی سے دے دیتی ہے۔ تو کیا شرعاً یہ تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب: ''صورتِ مسئولہ میں بچھڑے کی کھال پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ یہ تصویر کے حکم میں ہے، بلکہ ضرورت کی وجہ سے قدرتی پیدا کردہ جسم کو ایک گونہ محفوظ رکھا جاتا ہے، اس سے یہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں ہے، بلکہ بوقت ضرورت ایسا کرنا مرخص ہے''۔(فتاویٰ حقانیہ، کتاب الکراهية، باب التصاویر، بچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا: ۴۳۳/۲، حقانیہ پشاور)

بوقت ضرورت اس کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے جواز پر فتویٰ دیا ہے، جیسے گذشتہ سوال میں گذر گیا، یہاں کوئی خاص ضرورت پیش نظر نہیں، اس لئے بظاہر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

نیز تاریخ کے اعتبار سے یہ فتویٰ مؤخر ہے، اس لئے اس کو رجوع پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها، أنها كانت تلعب بالبنات عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قالت: وكانت تأتيني صواحبي فكنّ ينقمعن من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسرّ بهنّ إلي .... حدثنا محمد بن بشر كلهم عن هشام بهذا الإسناد، وقال في حديث جرير: كنت ألعب بالبنات في بيته وهنّ اللعب". (الصحيح لمسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، باب في فضل عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ۲۸۵/۲، قديمي) .... =

دریافت طلب امر یہ ہے کہ گڑیوں کا بنانا اور لڑکیوں کا کھیلنا گڑیوں سے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گڑیا کیسی تھی؟ کپڑے کی یا لوہے کی، تانبے پیتل مٹی کی اور پھر ان میں ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ اعضاء بھی موجود تھے یا نہیں؟ جب تک مستدِل ان چیزوں کی تحقیق نہ کرے اس وقت تک زمانۂ مروجہ کی گڑیاں بنانے اور فروخت کرنے پر استدلال درست نہ ہوگا۔ تصویر جاندار کی بنانے اور رکھنے سے خواہ کپڑے کی ہو، خواہ کسی اَور شئی کی احادیث میں صریح ممانعت ہے(۱)۔

= عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم تزوّجها وهی بنت سبع سنین وزفّت إلیه، وهی بنت تسع سنین ولعبها معها، ومات عنها، وهی بنت ثمانی عشرة". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح واستیذان المرأة، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قدیمی)

موجودہ زمانے کی (تصویری) گڑیوں کے جواز پر حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کرنا درست نہیں، کیونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں، چنانچہ ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ویحتمل أن یکون مخصوصاً من أحادیث النهی عن اتخاذ الصور، لما ذکر من المصلحة، ویحتمل أن یکون قضیة عائشه رضی الله تعالیٰ عنها هذه فی أول الهجرة قبل تحریم الصورة". (مرقاة المفاتیح: ۲/۲۹۴، کتاب النکاح، (رقم الحدیث: ۳۱۲۹)، رشیدیه)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أتانی جبریل -علیه السلام- قال: أتیتک البارحة، فلم یمنعنی أن أکون دخلت إلا أنه کان علی الباب تماثیل، وکان فی البیت قرام ستر فیه تماثیل، وکان فی البیت کلب، فمُرْ برأس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کهیئة الشجرة، ومُرْ بالستر فیقطع فلیجعل و سادتین منبوذتین توطأن، ومُرْ بالکلب فلیخرج. ففعل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". رواه الترمذی وأبو داؤد".

"عن سعید بن أبی الحسن قال: کنت عند ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما؛ إذ جاء رجلٌ فقال: یا ابن عباس! إنی رجل إنما معیشتی من صنعة یدی، وإنی أصنع هذه التصاویر. فقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: لا أحدّثک إلا ما سمعتُ من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سمعتُه یقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتی ینفخ فیه الروح، ولیس بنافخ فیها أبداً". فربا الرجل ربوةً شدیدةً=

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازہ پر لٹکے ہوئے پردہ کو تصویر ہی کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناگواری کو دیکھ کر پھاڑ ڈالا تھا(۱)، غالباً مستدل کے سامنے یہ احادیث بھی ہوں گی:

"وكذا بطل بيع مالٍ غير متقوم كالخمر والخنزير، ويدخل فيه فرسٌ أوثورٌ من خزف لاستيناس الصبي؛ لأنه لاقيمة له ولايضمن متلفه". درمنتقی:۲/۵٤(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۲/ ربیع الأول/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= واصفرّ وجهه، فقال: ويحك! إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه روح". رواه البخاري". (مشكوة المصابيح، ص: ٣٨٦، باب التصاوير، الفصل الثاني والثالث، قديمي)

"وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و لا صورة". المراد بهم الذين ينزلون بالبركة لا الحفَظة، و عدم دخولهم لزجر صاحب البيت عن اتخاذ الصور، الخ". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي: ١/٤١٣، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، دارالكتب العلميه بيروت)

"وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: و سواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، و سواء كان في ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار: ١/٦٤٧، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٢٨٥، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٢/٤٨، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، رشيديه)

(١) "وعنها (عائشة رضي الله تعالىٰ عنها) أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج في غزاة، فأخذت نمطاً فسترته على الباب، فلما قدم فرأى النمط، فجذبه حتى هتكه، ثم قال: "إن الله لم يأمرنا أن نكسوا الحجارة والطين". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، ص: ٣٨٥، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، قديمي)

(٢) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٢/٥٤، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ٥/٢٢٦، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

بچوں کی گڑیا اور کھلونا

سوال [۹۴۹۲]: مسلمانوں کے گھروں میں بچوں کے لئے جو کھلونے ہوتے ہیں ان میں گڑیا وغیرہ اکثر و بیشتر ہوا کرتی ہیں۔ بچے کا ایسے کھلونا کے ساتھ کھلانا کیسا ہے، مسلمانوں کے گھروں میں ان کا رکھنا کیسا ہے؟ مسلمانوں کے ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڑیا کی یا کسی اَور کھلونے کی شکل وصورت جاندار کی نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں (۱)، جاندار کی صورت بنانا اور گھر میں رکھنا منع ہے (۲)، بچوں کے لئے بھی نہ رکھیں۔ ایسی صورتوں کی تجارت بھی نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "وفي اٰخر حظر المجتبى: عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز بيع اللعبة وأن يلعب بها الصبيان". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: عن أبي يوسف): اى ناقلاً عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وظاهره أنه قوله، لارواية عنه، حتى يقال: إن هذا يشعر بضعفه، ونسبته إلى أبي يوسف لاتدل على أن الإمام يخالفه، لاحتمال أن يكون له في المسألة قول، فافهم". (ردالمحتار: ۲۲۶/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(ومرقاة المفاتيح: ۲۹۴/۲، تحت رقم الحديث: ۳۱۲۹، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتاني جبريل -عليه السلام- قال: أتيتك البارحة، فلم يمنعني أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل، وكان في البيت قرام ستر فيه تماثيل، وكان في البيت كلب، فمُرْ برأس التمثال الذى على باب البيت فيقطع فيصير كهيئة الشجرة، ومُرْ بالستر فيقطع فليجعل و سادتين منبوذتين توطأن، ومُرْ بالكلب فليخرج. ففعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه الترمذى وأبو داؤد".

"عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما؛ إذ جاء رجلٌ فقال: يا ابن عباس! إني رجل إنما معيشتي من صنعة يدى، وإني أصنع هذه التصاوير. فقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: لا أحدّثك إلا ما سمعتُ من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعتُه يقول: "من صوّر صورةً، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح، وليس بنافخ فيها أبداً". فربا الرجل ربوةً شديدةً واصفرّ وجهه، فقال: ويحك! إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر وكل شيء ليس فيه =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= روح". رواه البخاری". (مشکوة المصابیح، ص: ۳۸۲، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الثانی والثالث، قدیمی)

"وقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلب و لا صورة". المراد بهم الذین ینزلون بالبرکة لا الحَفَظة، و عدم دخولهم لزجر صاحب البیت عن اتخاذ الصور، الخ". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی: ۱/۴۱۲، کتاب الصلوة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، دارالکتب العلمیه بیروت)

"وظاهر کلام النووی فی شرح مسلم: الإجماع علی تحریم تصویر الحیوان، وقال: و سواء صنعه لما یمتهن أو لغیره، فصنعته حرام بکل حال؛ لأن فیه مضاهاة لخلق الله تعالیٰ، و سواء کان فی ثوب أوبساط أو درهم وإناء وحائط وغیرها، اهـ". (رد المحتار: ۱/۶۴۷، مطلب: إذا تردد الحکم بین سنة و بدعة، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۲۸۵، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۸، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، رشیدیه)

(۳) "وکذا بطل بیع مالٍ غیر متقوم کالخمر والخنزیر، ویدخل فیه فرسٌ أوثورٌ من خزف لاستیناس الصبی؛ لأنه لاقیمة له ولایضمن متلفه". (الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۴، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی درالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۲۶، کتاب البیوع، باب المتفرقات، سعید)

الفصل الثالث فی الملهی والتلفزیون

(سینمااورٹی وی کا بیان)

سینماد یکھنا

سوال[۹۴۹۳]: موجودہ زمانہ میں جوسینماوغیرہ نکلے ہیں جس میں انسان وحیوان کی تصویریں بذریعۂ آلاتِ موسیقی دکھلائی جاتی ہیں جس کو بولتی گاتی فلم کہتے ہیں، اس میں پیسہ خرچ کرنااوراس کودیکھنا شرعاً کس قسم کا گناہ ہےاورکیااس پراصرار کبیرہ ہےاورکیااس سے کفرلازم آتا ہے؟

سیدحبیب الرحمٰن، شہربمبئی، نمبر:۸،محلہ کمائی ٹولہ، پانچویں گلی کی مسجد۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سینماوغیرہ تماشوں کودیکھنا اضاعتِ وقت، لہوولعب اورگناہ ہے(۱)، اس میں پیسے خرچ کرنا اسراف

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ﴾ (سورۃ لقمان: ۶)

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: "﴿لھو الحدیث﴾ علی ما روی عن الحسن: "کل ماشغلک عن عبادۃ اللہ تعالیٰ وذکرہ من السمر والأضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا......الخ".

(روح المعانی: ۶۷/۲۱، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی تفسیر ابن کثیر: ۵۸۳/۳، مکتبہ دارالفیحاء، دمشق)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: "وفی السراج: ودلّت المسألۃ أن الملاھی کلھاحرام، ویدخل علیھم بلا إذنھم، لإنکار المنکر. قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات". قلت: وفی البزّازیۃ: استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام؛ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: "استماع الملاھی معصیۃ، والجلوس علیھا فسق، والتلذذبھا کفر": أی بالنعمۃ، فصرفُ الجوارح إلی غیرماخُلق لأجلہ کفرٌ بالنعمۃ لاشکرٌ، فالواجب کل الواجب أن یجتنب کی لایسمع، لماروی أنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام أدخل أصبعہ فی أذنہ =

....

= عند سماعه". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ذكر شيخ الإسلام أن كل ذلك مكروه عند علمائنا، واحتج بقوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الآية، جآء في التفسير: أن المراد الغناء .... سماع غناء، فهو حرام باجماع العلماء .... والحاصل: أنه لا رخصة في السماع في زماننا". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۸۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ۳/۱۶۲، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ۷/۴۱۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو: ۵/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۶، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۱، قديمي)

قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "الغناء" -بكسر الغين، ممدوداً: أي التغني- "ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". يعني الغناء سبب النفاق ومؤدٍ إليه، فأصله وشعبته، كما قال .... وفي شرح السنة: قيل: الغناء رقية الزنا......... وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة. والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام .... وأطنب في دلائل تحريمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۸/۵۵۷، ۵۵۸، (رقم الحديث: ۴۸۱۰)، رشيديه). .... =

ہے جوکہ بنصِ قطعی ممنوع ہے: ﴿و لا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾(۱) و فی مقام اٰخر: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين، وكان الشيطان لربه كفوراً﴾(۲)۔ توبہ نہ کرنے سے اصرار علی الکبیرہ ہوجاوےگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۲۳/۶/۵۳ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= "وكره كل لهو، لقوله عليه الصلاة والسلام: "كل لهو المسلم حرام إلاثلاثة". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وكره كل لهو): أى كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما فى شرح التاويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص والسحرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلهامكروهة؛ لأنها زىّ الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغيرذلك حرام". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۹۵/۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فى الغناء واللهو: ۳۵۲/۵، رشيديه)

(وكذا فى الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة: ۴۷۵/۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير والعناية على هامش فتح القدير: ۶۳/۱۰، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۱) (سورة الأعراف: ۳۱)

(۲) (سورة الإسراء: ۲۷)

(۳) "وترد شهادته بتأخيره: أى سنينا؛ لأن تأخيره صغيرةٌ، و بارتكابه مرةً لا يفسق إلا بالإصرار، بحر". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ عليه: "(قوله: إلا بالإصرار): أى لكن بالإصرار، فهو استثناء منقطع، لعدم دخول الإصرار تحت المرة. ثم لا يخفى أنه لا يلزم من عدم الفسق عدم الإثم، فإنه يأثم و لو بمرة .... ومقتضاه أنه غير مقدر بعدد بل مفوض إلى الرأى والعرف، والظاهر أنه بمرتين لا يكون إصراراً". (ردالمحتار: ۴۵۷/۲، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، سعيد)

(وكذا فى النهر الفائق: ۵۴/۲، كتاب الحج، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق: ۵۴۳/۲، كتاب الحج، رشيديه)

سینما تھیٹر دیکھنا

سوال[۹۴۹۴]: مسلمان مرد وعورتوں کا سینما، ٹاکیز، تھیٹر تماشا میں جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے:"الملاهی کلها حرام حتی التغنی بضرب القضیب، اهـ". هدایه(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

سینما، تصویر، فوٹو

سوال [۹۴۹۵]: ۱..... عمر سینما کا شائق ہے، اس بہانہ سے جاتا ہے کہ اس سے نصیحت آمیز باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ کیا کسی صورت میں سینما جانا درست ہوسکتا ہے؟

---

(۱) (الهدایة: ۴/۴۵۵، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"لأن محمداً رحمه الله تعالیٰ علیه أطلق اسم اللعب والغناء بقوله: فوجد ثمة اللعب والغناء. فاللعب وهو اللهو حرام، کذا فی العنایة. وهذا القدر من التعلیل کاف فی بیان دلالة المسئلة علی أن الملاهی کلها حرام، هو الصحیح المختار عندی. وقد زاد جمهور الشراح علی ذلک کلاماً آخر حیث قالوا: فاللعب وهو اللهو حرام بالنص، قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لهو المؤمن باطل إلا فی ثلاث: تادیبه فرسه". وفی روایة: وملا عبته بفرسه ورمیه عن قوسه وملا عبته مع أهله". (فتح القدیر: ۱۰/۱۴، ۱۵، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۳۴۹، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۴۸۲، کتاب الشهادة، باب القبول و عدمه، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۲/۵۵۰، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی العنایة علی هامش فتح القدیر: ۱۰/۱۴، کتاب الکراهیة، فصل فی الأکل والشرب، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

تصویراور فوٹو میں فرق

سوال[۹۴۹۶] : ۲.....تصویراور فوٹو میں کچھ فرق ہے یانہیں، فوٹو رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ جواب مفصل اور کتب معتبرہ سے ہونا ضروری ہے۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....کیا عمر کو نصیحت آمیز باتیں اہلِ صلاح کی مجلس میں کہیں میسر نہیں آتیں کہ اس لہو ولعب اور خلافِ شرع مجلس میں جاتا ہے، یہ سب حیلہ اور کیدِ نفس ہے، ایسی جگہ جانا شرعاً ہرگز جائز نہیں (۱)۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾ (سورة لقمان: ٦)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿لهو الحديث﴾ على ما روى عن الحسن: "كل ماشغلك عن عبادة الله تعالىٰ وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء ونحوها.....الخ".

(روح المعاني: ٦٧/٢١، (سورة لقمان: ٦) دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ٥٨٣/٣ ،مكتبة دارالفيحاء، دمشق)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وفي السراج: ودلّت المسألة أن الملاهي كلهاحرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم، لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: "صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذبها كفر": أى بالنعمة، فصرفُ الجوارح إلى غيرماخُلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكرٌ، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لايسمع، لماروى أنه عليه الصلوٰة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ذكر شيخ الإسلام أن كل ذلك مكروه عند علمائنا، واحتجّ بقوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الآية، جآء في التفسير: أن المراد الغناء ...... سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء ....والحاصل: أنه لارخصة في السماع في زماننا". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٣٤٩/٦، سعيد)

(وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٤٨٢/٥، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ١٢٢/٣، مكتبه شركت علميه ملتان) =

۲.....حکم کے اعتبار سے ہر دو میں کچھ فرق نہیں، فوٹو بالکل تصویر کے حکم میں ہے، حیوان کا فوٹو رکھنا شرعاً ناجائز ہے:

"عن أبی طلحة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولاتصاوير، اهـ". بخاری شریف(۱)۔

بے جان درخت وغیرہ کا فوٹو رکھنا درست ہے:

"قال العلماء: تصوير صورة الحيوان حرامٌ شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد (أی "أشد الناس عذاباً عند الله المصورون") وسواء صنعه لما يمتهن،

= (وكذا فی فتح القدير، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ۷/۴۱۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو: ۵/۳۵۲،رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل فی الأكل والشرب: ۸/۳۴۶، رشيديه)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الغناء ينبت النفاق فی القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقی فی شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۱، قديمی)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "الغناء" -بكسر الغين، ممدوداً: أی التغنی- "ينبت النفاق فی القلب كماينبت الماء الزرع". يعنی الغناء سبب النفاق ومؤدٍ إليه، فأصله وشعبته، كما قال .... وفی شرح السنة: قيل: الغناء رقية الزنا.......... وقال النووی فی الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه. وإن كان سماعه من الأجنبية، كان أشد كراهة. والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربی الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذاسماعه حرام .... وأطنب فی دلائل تحريمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۸/۵۵۷،۵۵۸، (رقم الحديث: ۴۸۱۰)، رشيديه)

(۱) (صحيح البخاری: ۲/۸۸۰، كتاب اللباس،باب التصاوير، قديمی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۱/۳۴۷،مطلب اذاتردد الحكم بين سنة وبدعة، سعيد)

(وایضاً راجع عنوان "تصاویر برکت کے لئے گھر میں رکھنا")

أم لغيره، فصنعه حرام بكل حال، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أوفلس أو إناء أوحائط أو غيرها، فأما تصوير ماليس فيه صورة الحيوان، فليس بحرام، اه". فتح الباري: ۱/۳۱۵(۱)۔

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے تصویر اور فوٹو کے احکام میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، اس میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قسم قسم کی فلم دیکھنا

سوال [۹۴۹۷]: ۱...... فلم ''خانۂ خدا'' دیکھنا کیسا ہے؟

۲...... موجودہ دور کی فلمیں دیکھنا کیسا ہے؟

۳...... جنگ کی فلمیں دیکھنا کیسا ہے؟

۴...... تبلیغی فلم (جس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو) دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴...... ناچ گانا شرعاً ناجائز ہے، اس کا دیکھنا اور سننا بھی ناجائز ہے اگر چہ وہ فلم ہی کے ذریعہ ہو، دینی عبادت کو تماشہ بنانا تو اور بھی خطرناک ہے۔ فلم تو خود مستقل لغو تماشا ہے، اس میں اور لغوں کو ملایا جائے تو مجموعۂ لغویات ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) (فتح الباري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، (رقم الحديث: ۵۹۵۰): ۱۰/۴۷۰، قديمي)

(۲) (تصویر کے شرعی احکام، ادارۃ المعارف کراچی)

(۳) "ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كماينبت الماء النبات". (الدر المختار).

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ودلت المسألة، الخ)؛ لأن محمداً رحمه الله =

متبعِ شریعت کو سینما دیکھنا

سوال [۹۴۹۸]: نیک کام میں حصہ لیتا ہے، لیکن سینما دیکھتا ہے۔ اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز پڑھنا اور ہر نیک کام میں حصہ لینا عین سعادت ہے، سینما دیکھنا گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۵/۶۶ھ۔

= تعالیٰ أطلق اسم اللعب والغناء، فاللعب وهو اللهو حرام بالنص، قال عليه الصلوة والسلام: "لهو المؤمن باطل إلا في ثلاث .... اهـ". وكذا قول الإمام "ابتُليت" دليل على أنه حرام، إتقاني. وفيه كلام لابن الكمال، فيه كلام، فراجعه متأملاً". (ردالمحتار: ۳۴۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

"وكره كل لهو، لقوله عليه الصلاة والسلام: "كل لهو المسلم حرام إلاثلاثة". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وكره كل لهو): أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد، كما في شرح التاويلات. والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار. واستماع ضرب الدف والمزمار وغيرذلك حرام. وإن سمع بغتةً، يكون معذوراً، ويجب أن يجتهدأن لايسمع". (ردالمحتار: ۳۹۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۴۷۵/۴، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۴/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو، رشيديه)

(۱) "ودل قوله: "ابتُليت" على حرمة كل الملاهي حتىٰ التغني بضرب القضيب؛ لأن الابتلاء إنما يكون بالمحرم". (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۵۵۰/۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

سینما میں معجزۂ شق القمر اور اس کی توجیہ

استفتاء [۹۴۹۹]: زید کہتا ہے کہ اگر سینما کے تماشہ میں معجزۂ شق القمر کی تصویر دکھلائی جاتی ہے اور نعت، غزلیں پڑھی جاتی ہیں تو ﴿إن الحسنات يذهبن السيئات﴾(۱) کے ارشادِ خداوندی کے مطابق معصیت کا زور ہلکا ہوتا ہے، اس لئے وہ دلیلیں پیش کرتا ہے: اولاً یہ کہ نعت وغزل اور معجزۂ شق القمر کی تصویر عوام کے حق میں علمی گہری تبلیغی قیمت رکھتی ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ نفس کی خرابیاں جب انسان کا مُنہ کالا کرنے پر ہی آمادہ ہی کریں تو صریح حرام کاری کے مقابلے میں تو متعہ کی گنجائش بہر حال ہے ہی۔

اس کے جواب میں عمر کہتا ہے کہ یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ سینما کے تماشہ میں نعت غزل پڑھنے یا معجزۂ شق القمر کی تصویر دکھانے سے معصیت کی شدت کم نہیں ہوتی، بلکہ اور زائد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے احکامِ شرعیہ کا استخفاف لازم آتا ہے، اس کی صورت بالکل وہی ہو جاتی ہے جو قرآن پاک کو ساز اور دف پر گا کر پڑھنے سے ہو سکتی ہے اور جس کے متعلق فقہائے کرام نے متفقہ طور پر حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے، پس زید وعمر کے مذکورہ بالا اقوال میں سے کس کا قول شرعاً صحیح اور کس کا غلط ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا قول غلط اور عمر کا قول صحیح ہے، ایسے موقع میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پڑھنا سوئے ادب اور خلافِ احترام ہے:

"وفي الخلاصة: من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب، يكفر. قلت: ويقرب منه ضرب الدف والقضيب مع ذكر الله تعالىٰ ونعت المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكذا التصفيق على الذكر، اهـ". شرح فقه أكبر، ص: ۲۰۵(۲)۔

---

(۱) (سورة هود: ۱۱۴)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۷، فصل في القراءة والصلوة، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۲۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، التاسع فيما يقال في القرآن والأذكار والصلاة: ۳۳۸/۶، رشيديه) .... =

اسی طرح معجزۂ شق القمر وغیرہ کی تصویر دکھانا، یہ بھی گستاخی اور معجزہ کا استہزاء اور استخفاف ہے، جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں (۱)۔ آیت: ﴿إن الحسنات يذهبن السيئات﴾ (۲) سے استدلال بے محل اور علیحدہ ہے، اس آیت پر غور کیا جائے تو حسنات کی ترغیب ہے، نہ کہ سیئات کی اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/رجب/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ناظم مظاہر علوم، ۲/رجب/۶۲ھ۔

سینما کے جواز پر واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے استدلال

استفتاء [۹۵۰۰]: زید سینما کا تماشہ دیکھنے جاتا ہے اور اس کے جواز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ یوم الزینت سے استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر اس جاہل میلے میں صرف جاتے ہی نہیں، بلکہ لوگوں کو بلا کر لے جاتے ہیں اور الٹے ساحروں سے فرمائش کرتے ہیں: ﴿قالوا یاموسیٰ إما تلقي وإما أن نكون أول من ألقى (٤)۔ اور وہ میلہ ہی کیا جس میں سحر کا مظاہرہ ہو رہا ہو اور وہ بھی پیغمبرِ وقت کے ایماء سے! انتہیٰ کلام زید۔

غرض قرآن کریم کی ان آیات سے زید نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ جس طرح یوم الزینت کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض صحیح اور مصلحت بنی مظاہرہ باطل پر صرف صورۃً تھی حقیقۃً مقصود اس باطل کا روکنا تھا، اس

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: ۱/۶۹۳، دار إحيا التراث العربي، بيروت)

(۱) "والاستهزاء بشيء من الشرائع كفرٌ، ابن كمال". (الدرالمختار، كتاب الشهادة، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۴، سعيد)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، قبيل فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۷۶، قديمي)

(۲) (سورة هود: ۱۱۴)

(۳) قال ابن كثير: "يا معاذ! اتبع السيئة الحسنة تمحها، وخالِقِ الناس بخلق حسن". (تفسير ابن كثير: ۲/۶۰۹، مكتبه دار الفيحاء دمشق)

(۴) (سورة طه: ۶۵)

لئے سینما کا دیکھنا بھی جائز ہوسکتا ہے۔لیکن جب زید سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آج سینما دیکھنے کے بعد کون سی اعجازِ موسیٰ علیہ السلام سے اس فن کو توڑا جاسکتا ہے؟ تو وہ جواب میں صرف یہ کہتا ہے کہ اگر کسی سینما میں نعت، غزل گائے جائیں، یا معجزۂ شق القمر کی تصویریں دکھادی جائیں وغیرہ—من قبل ذلك— تو یہ باتیں عوام کے حق میں بہت بڑی تبلیغی قیمت رکھتی ہیں اور اس طرح سحرِ سامری کسی درجے میں اعجازِ موسیٰ کے تابع ہوجاتا ہے اور سینما سے کچھ نہ کچھ اصلاح وتبلیغ کا کام سرانجام پاجاتا ہے۔

اس کے جواب میں عمر کہتا ہے کہ قیاس مع الفارق ہے اور غلط ہے، سینما کے تماشہ دیکھنے کو یوم الزینت، سحر شکنی سے کوئی ربط نہیں ہوسکتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام یوم الزینت میں تماشہ دیکھنے نہ گئے تھے، بلکہ حکمِ خداوندی سے ابطالِ سحر کرنے گئے تھے۔ نیز یوم الزینت کا موقع تماشہ کے رنگ اور سحروں کا نظارہ کرنے اور یا ساحروں کا سحر دیکھنے کے لئے مقرر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ اس دن ان اطراف واکناف سے لوگ جمع ہوتے تھے، اس لئے سب کے سامنے علی رؤس الاشہاد اِحقاقِ حق وابطالِ باطل مطلوب تھا۔مزید عمر کہتا ہے کہ سینما کے تماشہ میں نامحرم عورتیں نیم عریاں ہوکر نامحرم مردوں سے اختلاط کرتی ہیں اور سینکڑوں بیہودگی ہوتی ہیں۔

نعت اور غزلوں کا گانا گایا جانا خود شریعت کا استخفاف ہونے کی بناء پر حرام ہے، علی ہذا القیاس اس قسم کے فحش مجمع میں معجزۂ شق القمر، اسی قبیل کی دوسری تصویریں دکھایا جانا ایک مستقل معصیت ہے، اس لئے یہ چیزیں اصلاح وتبلیغ کے ذیل میں نہیں آسکتیں، بلکہ سنگین معاصی ہیں جن کو حتی الامکان روکنے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ ان کی حوصلہ افزائی کرنی۔ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور کس کا غلط؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کا قول سراسر غلط ہے اور خلاف شرع ہے اور قیاس مع الفارق ہے، وہاں یوم الزینت (۱) کے اجتماع کو ذریعہ بنایا گیا اِحقاقِ حق اور ابطال باطل کے لئے اور اصل مقصود بوحی الٰہی احقاقِ حق ابطال باطل علی

---

(۱) "یوم الزینت" سے مراد ہے، قول باری تعالیٰ: ﴿قال موعدکم یوم الزینة وأن یحشر الناس ضحیً﴾ (سورة طه: ۵۹)

روٴس الاشہاد تھا(۱) اور یہاں نعت غزلوں اور معجزۂ شق القمر کی تصویروں کو بغرضِ حسنِ نیت اور تبلیغ ذریعہ بنایا جاتا ہے ارتکابِ محرمات واشاعتِ فواحش کا، یعنی جن لوگوں کو سینما سے طبعی نفرت ہے وہ لوگ ویسے تو ارتکابِ محرمات وحرامات کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور اپنا عزیز وقت اور مال ضائع کرکے اخوان الشیاطین کی فہرست میں نام درج نہیں کراتے، ان کے لئے شیطان نے یہ جال بنایا ہے کہ ایسے لوگ معجزہ دیکھنے اور نعت غزلیں سننے کے لئے آسکتے ہیں اور مقصود ہے ”فواحش ومحرمات کا ارتکاب“۔

جولوگ نعت، غزلیں سینما میں پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں، نیز معجزات کی تصاویر دیکھتے اور یاد دکھلاتے ہیں ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس قدر محبت اور تعلق ہے جس کی بناء پر وہ ایسا کرتے ہیں (۲) اس کا اندازہ ان کے شب وروز کے افعال: معاملات، وضع وقطع سے ہوسکتا ہے کہ کس قدر سنت کا اتباع کرتے ہیں اور حرام کاموں سے بچتے ہیں، یا ایسا دیکھنے کے بعد کتنے لوگوں کی حالت سنت کے مطابق ہوگئی؟

قاعدہ ہے کہ حصولِ مقصد کے بعد ذریعہ کی ضرورت نہیں رہتی (۳) جیسا کہ احقاقِ حق وابطالِ باطل کے بعد یوم الزینت کی ضرورت نہیں رہی تھی اور ساحروں کی سحر کاری باطل ہونے کے بعد عصاء کو ثعبان کی

---

(۱) ”وإنما واعدهم ذلك اليوم؛ ليكون علو كلمة الله، وظهور دينه، وكبت الكافر، وزهوق الباطل على رؤوس الأشهاد“. (تفسير القرطبي، الجز الحادى عشر: ۱۴۹/۶، (سورة طه: ۵۹)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) مجالسِ فسق میں تلاوت اور نعت وغیرہ پڑھنا جائز نہیں ہے:

”والمجلس الذى اجتمعوا فيه للغناء والرقص لايُقرأ فيه القرآن كما لايقرأ فى البِيَع والكنائس؛ لأنه مجمع الشيطان“. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيريه: ۳۳۸/۶، التاسع فيما يقال فى القرآن، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۵۵۱/۲، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) ”الضرورات تقدر بقدرها“ فلا يأكل من الميتة إلا قدرسد الرمق. من ثم اليمين الكاذبة لاتباح للضرورة، إنما يباح التورية والتعريض“. (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۷۱)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز كراچى)

صورت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو اتنے زمانہ سے سینما میں نعت، غزلیں پڑھی جارہی ہیں تو کتنے لوگوں کی حالت مطابقِ شریعت ہوگئی اور کتنے لوگوں نے ان فواحش ومحرمات کو ترک کیا؟ جس کو ذریعہ بنایا گیا تھا تبلیغ اور اتباعِ سنت کا اور اس نصب العین کے ماتحت کیا آج تک کسی سینما کے ملازموں کی حالت درست ہوئی ہے؟ اورانہوں نے ملازمت ترک کی، یا سینما کو بند کردیا گیا؟ کچھ نہیں، سب حیلہ ہے، بہانۂ شیطانی مکروفریب ہے، نفس کا دھوکہ ہے اور نہایت خطرناک ہے:

"عن أبی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "إن إبلیس قال: أهلكتُهم بالذنوب، فأهلكونی بالاستغفار، فلما رأیت ذلك أهلكتُهم بالأهواء، فهم یحسبون أنهم یُحسنون صنعاً، فلا یستغفرون". رواه ابن أبی عاصم وغیره، اهـ". ترغیب وترهیب: ۱/۲۵(۱)۔

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں کے ذریعہ ہلاک کیا تو انہوں مجھے استغفار کے ذریعہ ہلاک کردیا، یعنی توبہ کرکے گناہ معاف کرالئے اور میری کوشش بے کار گئی۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے خواہشِ نفسانی کے ذریعہ ہلاک کیا، پس خیال کرتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر ہیں اس لئے توبہ ہی نہیں کرتے"۔

جو شخص گناہ کو گناہ خیال کرتے ہیں اس کے متعلق توقع ہے کہ توبہ کرے اور راہ راست پر آجائے، لیکن جو شخص گناہ کو جائز اور ثواب جان کر کرے اس کی حالت زیادہ خطرناک ہے، اس لئے توبہ کی بھی توقع نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رجب/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رجب/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ناظم مظاہر علوم ۲/ رجب/ ۶۲ھ۔

---

(۱) (لم أعثر علیه)

(۲) "عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "كل أمتی =

نیک نیت سے سینماد یکھنااوراس کااعلان کرنا

سوال [۹۵۰۱]: زیدعلی الاعلان یہ کہتا ہے کہ میں کبھی کبھی لمبے وقفوں کے بعدسینما جو تھیٹر یاناٹک کی قسم کاایک تماشہ ہے(۱)، جس میں گانا، بجانا، ناچ، رنگ، مردوعورت کا اختلاط اور کھلے چہروں اور ننگے بازوؤں کی نمائش ہوتی ہے، دیکھتااورفسق کاارتکاب عمداً کردیا کرتا ہوں اوراللہ سے امید ہے کہ میری نیت پرنظر کرکےاس باب میں مواخذہ نہ فرمائے گا۔پس زیدکایہ کہنایعنی قول صحیح ہے؟

الف:حسنِ نیت کی بناءپروہ مواخذۂ اُخروی سے بچ جائے گا،یامعصیت کاضررکم ہوجائے گا؟

ب:کیامعصیت کرنے کے بعدزیدکاعلی الاعلان اظہارمعصیت،معصیت کے ضررکوہلکاکرتاہے،یا زیادہ،ازروئے شریعت کیاہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سینماد یکھناشرعاًناجائزہے،اس عدمِ جوازکی چندوجوہ ہیں:گانا،بجانا،ناچ،رنگ(۲)،مَردوعورت

= معافى إلا المجاهرون". (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول، ص: ۴۱۲، قديمى)

"إلا المجاهرون"......هو مستثنى من قوله: "معافى" وهو فى معنى النفى: أى كل أمتى لاذنب عليهم إلا المجاهرون ...... قال الطيبى: والأظهر أن يقال: كل أمتى يتركون عن الغيبة إلا المجاهرون .... والمجاهرون هم الذين جاهروا لمعاصيهم وأظهروها .... كل لايؤاخذون، أولا يعاقبون عقاباً شديداً إلاالمجاهرون". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الحفظ اللسان والغيبة والشتم: ۵۷۵/۸، (رقم الحديث: ۴۸۳۱)، رشيديه)

(۱) "ناٹک:ناچنے والا،رقاص،تماشاکرنے والا،کھیل،ڈرامہ"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۳۳۹، فيروز سنز،لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾ (سورة لقمان: ۲)

قال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالىٰ: "﴿لهو الحديث﴾ على ما روى عن الحسن: "كل ماشغلك عن عبادة الله تعالىٰ وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء ونحوها.....الخ". (روح المعانى، (سورة لقمان: ۲): ۶۷/۲۱، دارإحياء التراث العربى، بيروت) .... =

....

= (وكذا فى تفسير ابن كثير، (سورة لقمان: ٦): ٣/٥٨٣،مكتبه دار الفيحاء، دمشق)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وفي السراج: ودلّت المسألة أن الملاهي كلهاحرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم، لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذبها كفر": أي بالنعمة، فصرفُ الجوارح إلى غيرماخُلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكرٌ، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لايسمع، لماروى أنه عليه الصلوٰة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه". (الدر المختار).

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "ذكر شيخ الإسلام أن كل ذلک مكروه عند علمائنا، واحتجّ بقوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الآية، جآء في التفسير: أن المراد الغناء .... سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء .... والحاصل: أنه لارخصة في السماع في زماننا".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤٩، سعيد)

(وكذافى الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٥/٤٨٢، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ٣/١٢٢،، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ٧/٤١٠، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو: ٥/٣٥٢،رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ٨/٣٤٦، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ٢/٤١١، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "الغناء" -بكسر الغين، ممدوداً: أي التغني- "ينبت =

کا اختلاط، کھلے چہروں اور ننگے بازوؤں کی نمائش (۱)، لہو ولعب (۲)، اضاعتِ وقت ومال (۳)، ان سب پر

= النفاق في القلب كماينبت الماء الزرع". يعني الغناء سبب النفاق ومؤدٍ إليه، فأصله وشعبته، كما قال وفي شرح السنة: قيل: الغناء رقية الزنا.......... وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه. وإن كان سماعه من الأجنبية، كان أشد كراهة. والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذاسماعه حرام وأطنب في دلائل تحريمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۵۵۷/۸، ۵۵۸، (رقم الحديث: ۴۸۱۰)، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن عن جلابيبهن﴾ (سورة الأحزاب: ۲۲)

"عن عقبة بن عامر أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إياكم والدخول على النساء". فقال رجل من الأنصار: يارسول الله! أفريت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب: لايخلون رجل بامرأة: ۷۸۷/۲، قديمي)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

(۲) "وكره كل لهو، لقوله عليه الصلاة والسلام: "كل لهو المسلم حرام إلاثلاثة".(الدرالمختار).

قال ابن عابدين: "(قوله: وكره كل لهو): أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التاويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلهامكروهة ؛ لأنها زيّ الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغيرذلك حرام". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۵/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو: ۳۵۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة: ۴۷۵/۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير والعناية على هامش فتح القدير: ۶۴/۱۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتسرفوا إنه لايحب المسرفين﴾ (سورة الأعراف: ۳۱) .... =

طرفہ، اس پر علی الاعلان اظہار! ان میں ہر وجہ عدمِ جواز کے لئے مستقل ہے، کتب فقہ میں ہر ایک کی ممانعت بصراحت موجود ہے۔ حسنِ نیت کو ظاہر نہیں کیا کہ وہ کیا ہے، جو نیت خلافِ شرع ہو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں (۱)، اگر اچھی نیت ہے تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، لیکن شریعت ظاہر پر حکم لگائے گی (۲)، لہذا اس مخفی حسنِ نیت کی وجہ سے ان محرمات کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی، اظہارِ معصیت مستقل معصیت اور ممنوع ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فلم حج

سوال [۹۵۰۲]: فلم ''خانۂ خدا'' دیکھنا کیسا ہے کہ اس میں تمام حج کے مقامات اور ارکانِ حج کرتے دکھلاتے ہیں اور کچھ مسلم نمائندوں نے اس کی تائید میں بیانات بھی دیئے ہیں۔ کیا قرآن وحدیث شریف کی روشنی میں یہ بیانات صحیح ہیں اور اس فلم کو دیکھنا درست ہے؟

= قال العلامة الجصاص: "والإسراف هو مجاوزة حد الاستواء، فتارةً يكون بمجاوزة الحلال إلى الحرام". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۵۱، مطلب: في ستر العورة في الصلاة، قديمي)

وقال الله تعالى: ﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين، وكان الشيطن لربه كفوراً﴾ الآية (سورة الإسراء: ۲۷)

"قيل: فيه وجهان: أحدهما: أنهم إخوانهم باتباعهم آثارَهم وجريهم على سننهم. والثاني، أنهم يقرنون بالشياطين في النار". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۲۹۳، قديمي)

(وكذا في روح المعاني: ۱۵/ ۶۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "أن ترك المنهي عنه لايحتاج إلى نية للخروج عن عهدة النهي". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الأولىٰ، لاثواب إلا بالنية، ص: ۳۰، قديمي)

(۲) "(قوله: ظاهراً فقط): أي ينفذ ظاهراً لاباطناً؛ لأن شهادة الزور حجة ظاهراً لاباطناً، فينفذ القضاء". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في القضاء بشهادة الزور: ۵/ ۴۰۶، سعيد)

(۳) "وفي الطريقة المعينية: لااستحالة في جعل المعصية سبباً للعبادة التي حكمها أن تكفر المعصية وتذهب السيئة .... وإنما المحال أن تجعل سبباً للعبادة الموصلة إلى الجنة اهـ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكفارة، مطلب لااستحالة في جعل المعصية سببا للعبادة: ۳/ ۴۷۲، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

سب جانتے ہیں کہ ’’فلم‘‘ لہوولعب اور بے کار لوگوں کے لئے آلۂ تفریح ہے، جن پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد ہے حج ان میں عظیم الشان رکن اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، دینِ اسلام کے اتنے بڑے رکن کو آلۂ تفریح بنانا تعلیماتِ اسلام کے سخت خلاف ہے، جو لوگ آیتِ قرآنیہ سے تفریح کیا کرتے ہیں، ان کی سخت مذمت قرآن پاک میں آئی ہے اور ممانعت کی گئی ہے: ﴿لاتتخذوا ایات اللّٰہ ھزواً﴾ الآیہ (۱)۔

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ ’’اگر تفریح کے لئے ایک شخص واعظ بن کر ممبر پر بیٹھ کر وعظ کی نقل کرے اور سب بیٹھے سنتے رہیں، یا ایک شخص کو عالم بنا کر بٹھایا اور لوگ آ آ کر اس سے مسائل دریافت کریں اور وہ جوابات دیتا رہے اور یہ سب تفریح کے طور پر ہو، ان کا ایمان سلامت نہیں رہے گا‘‘ (۲)۔

یہ اس وقت ہے جبکہ اس میں اور خرافات نہ ہوتی ہو، ورنہ شناعت وقباحت میں اَور اضافہ ہوگا، ایسی فلم سے بالکل اجتناب کیا جائے۔ حق تعالیٰ ان تمام بندوں کو توفیق دے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنی توبہ کا اعلان بھی شائع کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۳۱)

(۲) ’’من جلس علی مکان مرتفع، والناس حولہ یسألون منہ بطریق الاستھزاء، ثم یضربونہ بالوسائد: أی مثلاً، وھم یضحکون، کفروا جمیعاً: ای لاستخفافھم بالشرع. وکذا لولم یجلس علی المکان المرتفع. ونقل عن الأستاذ نجم الدین الکندی بسمر قند: أن من تشبہ بالمعلم علی وجہ السخریۃ وأخذ الخشبۃ وضرب الصبیان، کفر، یعنی لأن معلم القرآن من جملۃ علماء الشریعۃ، فالاستھزاء بہ وبمعلمہ یکون کفراً‘‘. (شرح الفقہ الأکبر للملاعلی قاری، ص: ۱۷۳، فصل فی العلم والعلماء، قدیمی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/۳۳۷، کتاب السیر، الثامن فی الاستخفاف بالعلم، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۲/۲۷۰، کتاب السیر، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، مطلب: ومنھا مایتعلق بالعلم والعلماء، رشیدیہ)

ٹیلی ویژن

سوال [۹۵۰۳]: ٹیلی ویژن دیکھنا، اس کو گھر میں رکھنا کیسا ہے، کیا ٹیلی ویژن دیکھنے والے مثل ناچ دیکھنے والے کے فاسق ہوگا؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اس میں ناچ ہوتا ہوتو وہ ناچ دیکھنے والے کے مثل ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال [۹۵۰۴]: زید ریڈیو کا کام کرتا ہے اور گھر پر ریڈیو بھی رکھتا ہے، عمر اس پر اعتراض کرتا ہے کہ ریڈیو رکھنا ناجائز ہے۔سوال یہ ہے کہ ریڈیو کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں رکھا جاسکتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے، تفسیر ہوتی ہے، دینی تقریریں ہوتی ہیں، صحیح خبریں سنائی جاتی ہیں، حالاتِ حاضرہ پر صحیح تبصرہ کیا جاتا ہے، ان امور کا سننا جائز ہے اور اس مقصد کے لئے ریڈیو گھر پر رکھنا بھی جائز ہے(۲)۔ریڈیو پر گانا بجانا ہوتا ہے(۳)، فحش مکالمہ ہوتا ہے، بلاوجہ کسی کو بُرا کہا جاتا ہے اور بدنام کیا جاتا

---

(۱) "أما التلفزيون والفديو، فلاشک في حرمة استعمالها بالنظر إلى مايشتملان عليه من المنكرات الكثيرة: من الخلاعة والمجون، والكشف عن النساء المتبرجات أو العاريات، وما إلى ذلک من أسباب الفسوق". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس، والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۱۶۴/۴، مكتبه دارالعلوم، كراچی)

(۲) "محض تلاوت دووجہ سے ناجائز ہے: ۱- عموماً تلاوت کرنے والا اجرت لیتا ہے اور تلاوت محضہ پر اجرت لینا حرام ہے، ۲- اسی مجلس میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی توہین ہے، لہٰذا اس کا سننا بھی جائز نہیں، تفسیر بیان کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔(أحسن الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، ریڈیو پر تلاوت وتفسیر: ۱۹۹/۸، سعيد)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق=

ہے، ان امور کا سُننا اور اس مقصد کے لئے رکھنا درست نہیں (۱)۔

ریڈیو کی بیع ومرمت درست ہے (۲)، پھر اگر خریدنے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے، فروخت کرنے والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۰ھ۔

گانا سننے کی دلیل

سوال [۹۵۰۵]: ایک شخص کہتا ہے کہ گانا سننا جائز ہے اور دلیل میں یہ حدیث شریف پیش کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکان میں چند لڑکیاں گا رہی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن رہے تھے، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گذرے، انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں شیطانی کام کیا، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو'' (۳)۔ لہذا آپ سے عرض ہے کہ بتایئے ہم اس شخص کو کیا جواب دیں؟

= في القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۱ باب البيان والشعر الفصل الثالث، قديمي)

(۱) "لأن الأمور بمقاصدها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، (رقم القاعدة: ۴۸): ۱/۱۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) ''اگر یہ یقین ہو کہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ساز باجا اور گانا وغیرہ کے گناہ میں مبتلا نہ ہوگا تو خریدنا اور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں''۔ (أحسن الفتاوىٰ، كتاب البيوع، عنوان مسئله: ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کی خرید وفروخت: ۶/۵۰۵، سعيد)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: دخل عليّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعندي جاريتان تغنيان بغناء بُعاث، فاضطجع على الفراش، وحول وجهه، ودخل أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه، فانتهرني، وقال: مزمارة الشيطان عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأقبل عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "دعهما، فلما غفل غمزتهما فخرجتا". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحرب والدرق يوم العيد: ۱/۱۳۰، قديمي)

الجواب حامداً ومصلياً:

چھوٹی بچیاں اگر کچھ پڑھیں، جو نہ گانے کے قواعد: راگ وغیرہ سے واقف ہیں، نہ ان کی کسی کو شہوت ہو، نہ وہ پردہ کے قابل ہوں تو ان پر بڑی عورتوں کو قیاس کرنا جن کی آواز میں فتنہ ہو اور صورت بھی فتنہ، اور ان سے پردہ بھی ضروری ہے بالکل غلط ہے، ہرگز قابلِ استدلال نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۸ھ۔

ٹرانسسٹر سننا

سوال [۹۵۰۶]: ٹرانسسٹر ریڈیو پر خبروں کا سننا کیسا ہے؟ چونکہ آلۂ لہو ولعب ہے، اس لئے یہ اشکال پیدا ہوا ہے، ورنہ فی نفسہ خبروں کا سننا کچھ قبیح نہیں معلوم ہوتا۔ ایک مولوی صاحب اپنے گھر پر ریڈیو لگا کر خبر سن رہے تھے، ان کے والدِ محترم نے منع کیا کہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے، تو انہوں نے حوالہ دیا کہ شیخ الحدیث صاحب دارالعلوم دیوبند کو میں نے سنتے دیکھا ہے۔ اب صورتِ مسئولہ میں جو حکمِ شرعی ہو اسے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض خبروں، تبصروں اور تقریروں کا سننا تو درست ہے (۲)، گانا بجانا اور غلط چیزوں کا سننا منع ہے۔ یہ

---

(۱) قال الحافظ ابن الحجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: "قال القرطبي رحمه الله تعالىٰ: ليستا بمغنيتين": أي ليستا ممن يعرف الغناء كما يعرفه المغنيات المعروفات بذلك. وهذا منها تحرز عن الغناء المعتاد عند المشتهرين به، وهو الذي يحرك الساكن ويبعث الكامن، وهذا النوع إذا كان في شعر فيه وصف محاسن النساء، والخمر وغيرهما من الأمور المحرمة، لايختلف في تحريمه". (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحرب والدرق يوم العيد، (رقم الحديث: ۹۴۹): ۲/۵۶۳، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة لقمان: ۶): ۲۱/۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ریڈیو میں گانا بجانا، قوالی، فحش ڈرامے وغیرہ سننا جائز نہیں، کوئی مفید تقریر ہو تو اس کے سننے میں کوئی مضائقہ نہیں، قرآن مجید سننا بھی مباح ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ"۔ (کفایت المفتي، کتاب الحظر والإباحة، سولھواں باب: ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر، عنوان مسئلہ: ریڈیو سننا: ۹/۲۱۱، دار الإشاعت کراچی) .... =

آلہ اصالۃً خبروں کو بہت جلد پھیلانے کے لئے موضوع ہے، مگر اس میں لہو ولعب، گانا بجانا بھی بہت کثرت سے ہوتا ہے، جو ممنوع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

= دوسری جگہ پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں: ''ریڈیو کی مشین گھر میں لگانا اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں خبریں اور مباح تقریریں سنی جائیں، گانا بجانا اور ناجائز تقریریں نہ سنی جائیں''۔ (كفاية المفتي، كتاب الحظر والإباحة، سولھواں باب: ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر، عنوان: ریڈیو کا استعمال کب جائز ہے: ۹/ ۲۱۸، دارالإشاعت کراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾ (سورة لقمان: ٦)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿لهو الحديث﴾ على ما روى عن الحسن: "كل ماشغلك عن عبادة الله تعالىٰ وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغناء ونحوها......الخ".

(روح المعاني، (سورة لقمان: ٦): ٢١/ ٦٧، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، (سورة لقمان: ٦): ٣/ ٥٨٣، مكتبه دار الفيحاء، دمشق)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وفي السراج: ودلّت المسألة أن الملاهي كلها حرام، ويدخل عليهم بلا إذنهم، لإنكار المنكر. قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام؛ لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أي بالنعمة، فصرفُ الجوارح إلى غير ما خُلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكرٌ، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع، لما روى أنه عليه الصلوٰة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه". (الدرالمختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ذكر شيخ الإسلام أن كل ذلك مكروه عند علمائنا، واحتج بقوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الآية، جآء في التفسير: أن المراد الغناء .... سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء .... والحاصل: أنه لارخصة في السماع في زماننا". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/ ٣٤٩، سعيد)

(وكذافي الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ٥/ ٤٨٢، سعيد) =

ریڈیو بجانا اور اس میں گانا سننا

سوال[۹۵۰۷]: ریڈیو بجانا، گانا سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے، جو کہ حکم کے اعتبار سے حرام کے قریب ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس کو حرام بھی فرمایا ہے(۱)، جائز خبریں سننے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۷ھ۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ۳/۱۶۲، مكتبه شركت علميه،ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل: ۷/۴۱۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو: ۵/۳۵۲،رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۶، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ص: ۴۱۱، قديمي)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "الغناء" -بكسر الغين، ممدوداً: أي التغني- "ينبت النفاق في القلب كماينبت الماء الزرع". يعني الغناء سبب النفاق ومؤدٍ إليه، فأصله وشعبته، كما قال .... وفي شرح السنة: قيل: الغناء رقية الزنا......... وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه، وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة. والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذاسماعه حرام .... وأطنب في دلائل تحريمه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث: ۸/۵۵۷،۵۵۸، (رقم الحديث: ۴۸۱۰)، رشيديه)

(۱) "استماع صوت الملاهي كالضرب بالقضيب ونحوها حرام". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل فيما يتعلق بالمناهي: ۶/۳۵۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۲۳ غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجاره، باب الإجارة الفاسدة. ۶/۵۵سعيد)

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نیزہ بازی دیکھنے سے کھیل تماشے پر استدلال

سوال[۹۵۰۸]: صحاح ستہ میں ہے کہ عیدین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گود میں اٹھا کر نیزہ کا کھیل دکھلایا(۱)۔اس وقت بالغ تھیں یا نابالغ تھیں؟ کتب میں موجود ہے کہ خوشی کا دن تھا اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی خوشی پوری کی۔اور بعض کتب میں ہے کہ عمر آپ کی کم تھی، یعنی نابالغ تھیں۔اس سے عیدین میں کچھ کھیل تماشے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اظہار خوشی بھی زیادہ کرنا چاہیے۔

---

(۱) نوٹ: حدیث شریف میں گود میں اٹھانے کا ذکر نہیں، بلکہ ام المؤمنین نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوکر نیزہ بازی کو دیکھ رہی تھی:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل عليّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعندي جاريتان .... وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب، فإما سألت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإما قال: "تشتهين تنظرين"؟ فقلت: نعم، فأقامني وراءه، خدي على خده، وهو يقول: "دونكم بني أرفدة". حتى إذا مللتُ قال لي: "حسبک"؟ قلت: نعم، قال: "فاذهبي". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد: ۱/۱۳۰، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسترني بردائه وأنا أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد حتى أكون أنا أسأم، فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو". (سنن النسائي، كتاب العيدين، اللعب في المسجد يوم العيد ونظر النساء إلى ذلک، قبيل كتاب قيام الليل وتطوع النهار: ۱/۲۳۶، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب العيدين، قبيل كتاب صلوة الاستسقاء: ۱/۲۹۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کے روز اظہارِ سرور وخوشی میں تو اشکال نہیں آپ بھی کیجئے، مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ فرحت وبشاشت کا اظہار ملنے والوں سے کرنا مستحب ہے(۱)۔ دوسری چیز اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان نامحرموں کو دیکھنا ہے، اس کے متعلق یہ ہے کہ بالاصالہ اجنبی کے چہرہ کی طرف دیکھنا شرعاً اس وقت درست ہے جب کہ ہر قسم کے فتنوں سے امن ہو، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو اس مقام پر امن تھا، اس لئے کوئی اشکال نہیں، حتی کہ حضرت ابن ام مکتوم ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کو پردہ کرنے کا حکم فرمایا، وہاں سے اشکال بھی کیا گیا کہ صحابی تو نابینا ہیں ان سے کیا پردہ آپ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو'' (۲)۔ آج کون شخص دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فتنوں سے امن ہے۔ اسی لئے فقہاء نے مطلق ممانعت کر دی ہے (۳)۔

تیسری چیز اس حدیث میں تیر اور نیزہ کا کھیل ہے تو اس کے متعلق خود آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) "ویظهر الفرح والبشاشة في وجه مَن يلقاه من المؤمنين". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۰، قديمي)

(۲) "أن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: فبينما نحن عنده أقبل ابن أم مكتوم فدخل عليه -وذلك بعد ماأمرنا بالحجاب- فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه". فقلت: يارسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفَعَمْياوَانِ أنتما، ألستما تبصرانه"؟ هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الإستيذان، باب ماجاء في احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲، سعيد)

(۳) "فإن خاف الشهوة أو شك، امتنع نظره إلى وجهها، فحِلُّ النظر مقيد بعدم الشهوة، وإلا فحرام. وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من الشابة". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۷۰/۶، سعيد)

کا امر ہے کہ تیر اندازی اور نیزہ بازی سیکھو، جہاد میں کام آنے والی چیز ہے(۱)، یہی حال، لاٹھی، تلوار، بندوق سیکھنے کا ہے۔آپ بھی بہ نیتِ جہاد سیکھئے اور مشق کیجئے، اجر ملے گا۔اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر تھیں۔اور حضرت عائشہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چادر سے چھپا رکھا تھا، وہ کمر کے پیچھے کھڑی ہو کر کندھے کے قریب سے دیکھ رہی تھیں، ان کو تو حبشی بالکل نہیں دکھ رہا تھا، اور وہ حبشی کے چہرے کی طرف نہیں بلکہ نیزہ کی طرف دیکھ رہی تھیں، جیسے کہ فٹ بال، والی بال اور کرکٹ کا کھیل دیکھنے والے نظر گیند کی طرف رکھتے ہیں، نہ کہ گیند والے کے چہرے کی طرف۔نیز اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔حدیث کی پوری تفصیل فتح الباری:۲/۳۵۶، میں ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ۔

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... "ارموا واركبوا، وأن ترموا أحبُّ إلیّ من أن تركبوا. لیس من اللهو إلا ثلاث: تأدیب الرجل فرسه، وملاعبته أهله، ورمیه بقوسه ونبله، الخ". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الرمی: ۱/۳۴۷، امدادیه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الجهاد، باب الرمی فی سبیل الله، ص: ۲۰۲، قدیمی)

المراد باللهو فی الحدیث المذکور اللهو المباح، کما فیما بین السطور من أبی داؤد فلیراجع المصدر السابق (فضلِ مولیٰ ابن القاضی فضل خالق المرحوم)

(۲) "واستدلّ به علی جواز اللعب بالسلاح علی طریق التواثب للتدریب علی الحرب والتنشیط علیه. واستنبط منه جواز المثاقفة، لما فیها من تمرین الأیدی علی آلات الحرب. قال عیاض: وفیه جواز نظر النساء إلی فعل الرجال الأجانب؛ لأنه إنما یکره لهن النظر إلی المحاسن والاستلذاذ بذلک .... أما النظر بشهوة، وعند خشیة الفتنة فحرام اتفاقاً. وأما بغیر شهوة، فالأصح أنه محرم. وأجاب عن هذا الحدیث بأنه یحتمل أن یکون ذلک قبل بلوغ عائشة رضی الله تعالیٰ عنها.......... أو کانت تنظر إلی لعبهم بحرابهم لا إلی وجوههم وأبدانهم". (فتح الباری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید: ۲/۵۶۶، قدیمی)

(وکذا فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم، قبیل کتاب صلوة الاستسقاء: ۱/۲۹۱، ۲۹۲، قدیمی)

کشتی چلانے میں مقابلہ کرنا

سوال[۹۵۰۹]: بعض جگہ کشتیاں چلائی جاتی ہیں اس غرض سے کہ دیکھیں کہ کون اپنی کشتی کو آگے نکالے، جو آگے نکلے اس کو انعام دیا جاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بغیر انعام کے بھی کشتیاں چلائی جاتی ہیں کہ دیکھیں کون کشتی آگے نکالے۔ شرعاً یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر محض لہو ولعب کے لئے اختیار کرتے ہیں تو شرعاً ممنوع ہے۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ جہاد میں بسا اوقات دریائی سفر اور کشتیاں چلانے کی نوبت آتی ہے، اس کے لئے مشق کرلی جائے تو یہ ممنوع نہیں، بلکہ پسندیدہ ہے، بشرطیکہ انعام کوئی تیسرا دے، کذافی یفهم من مجمع الأنهر: ۲/۵٤۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ربیع الآخر/۵۸ھ۔

والی بال

سوال[۹۵۱۰]: دس بارہ شخص جو قوم کے سردار کہلاتے ہیں اور تمام شہر کے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں، وہ روزانہ جمع ہوکر دل خوش کرنے کے لئے شام کو جنگل میں دو بانس بالمقابل گاڑ کر اور جالی ڈال کر بال کو کبھی ادھر پھینکتے ہیں، کبھی ادھر پھینکتے ہیں۔ اس کھیلنے کے لئے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

---

(۱) "تجوز المسابقة بالسهام والخيل......... وإن شرط فيها جعل من إحدى الجانبين أو من ثالث لأسبقهما، جاز". (ملتقى الأبحر) "ولأنه يحتاج إليه في الجهاد للكر والفر، وكل ماهو من أسباب الجهاد، فتعلمه مندوب إليه سعياً في إقامة هذه الفريضه". (ملتقى الأبحر شرح مجمع الأنهر، كتاب الكراهيه، فصل في المتفرقات: ۲۱٦/٤، غفاريه كوئٹه)

(وكذافي ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۳۹۵/٦، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل السادس في المسابقة: ۳۲٤/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۹/۵ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۹/۵ھ۔

فٹ بال، کبڈی کھیلنا، کشتی لڑنا

سوال[۹۵۱۱]: ۱..... گیند کھیلنا، فٹبال کھیلنا، کبڈی کھیلنا، لکڑی کھیلنا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "وكره كل لهو، لقوله عليه السلام: "كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله، وتأديبه لفرسه، ومناضلته بقوسه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۵/۶، سعيد)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الله عزوجل يدخل بالسهم الواحد ثلثة نفر الجنة: صانعه يحتسب في صنعته الخير، والرامي به، ومنبله. وارموا واركبوا، وأن ترموا أحب إليَ من أن تركبوا. ليس من اللهو إلا ثلث: تأديب الرجل فرسه، وملاعبته أهله، ورميه بقوسه ونبله، ومن ترك الرمي بعد ما علمه رغبةً عنه، فإنها نعمة تركها، أو قال: كفرها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في القرى: ۳۶۳/۱، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وجامع الترمذي، أبواب الجهاد، باب ماجاء في الرهان: ۲۹۹/۱، سعيد)

"المراد باللهو في الحديث المذكور اللهو المباح، كما فيما بين السطور من أبي داؤد فليراجع المصدر السابق". (مصحح)

"اگر ستر کھولنے اور نماز کے قضاء ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو والی بال کھیلنے کی ورزش کی نیت سے شرعاً گنجائش ہے، جسمانی ورزش جس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو، جائز ہے۔ ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً: کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے، تاہم اگر ان چیزوں میں مشغولی کی وجہ سے نماز یا اور کسی امر شرعی میں نقصان نہ آئے تو صرف تشبہ کی وجہ سے کراہت ہوگی، حرمت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ اور یہ بات کہ ان چیزوں کو ہاتھ لگانا مثل خنزیر کے گوشت کے ہاتھ لگانے کے ہے، افراط واعتداء فی الحکم ہے جس سے احتراز واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحۃ، اکیسواں باب: متفرقات، عنوان مسئلہ: فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ کھیلنے کا حکم: ۲۶۹/۹، دار الإشاعت کراچی)

۲...... کشتی لڑنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳...... کشتی لڑنا دنگل (۱) کے اندر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر ورزش اور مشقِ جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کیلئے کھیلے تو درست ہے (۲)، مگر ستر پوشی اور دیگر حدودِ شریعت کی رعایت لازم ہے (۳)، انہماک کی وجہ سے احکامِ شرعیہ: نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے۔

۲، ۳...... جواب نمبر: ۱ کے مطابق ہے، ان کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

تاش کا کھیل

سوال [۹۵۱۲]: ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میں صرف دل کو بہلانے کے لئے تاش کھیلتا ہوں جس میں کسی بھی قسم کی کوئی شرط نہیں رکھی جاتی، جیسا کہ دوسرے کھیل ہیں، مثلاً: فٹ بال اور والی بال، ہاکی، کرکٹ

---

(۱) "دنگل: کشتی کرنے کی جگہ، اکھاڑہ، پہلوان کی جائے نشست"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۴۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "تجوز المسابقة بالسهام والخيل، والحمير، والإبل، والإقدام، لقوله عليه السلام: "لاسبق إلا في خف أو نصل، أو حاضر". والمراد بالخف الإبل، وبالنصل الرمي، وبالحاضر الفرس والبغل. وفي الحديث: "سابق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبوبكر وعمر رضي الله تعالى عنهما، فسبق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". ولأنه يحتاج إليه في الجهاد للكرّ والفرّ وكلّ ماهو من أسباب الجهاد، فتعلّمه مندوبٌ إليه سعياً في إقامة هذه الفريضة". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحظر والإباحة، فصل في المتفرقات: ۲۱۲/۴، غفاريه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۳۲۴/۵، رشيديه)

(والسراجية، كتاب الحظر والإباحة، ص: ۷۶، سعيد)

(۳) "وينظر الرجل إلى الرجل إلا العورة، وهي مابين السرة والركبة". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر: ۴۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في النظر: ۱۹۹/۴، غفاريه)

وغیرہ، تو اس کے غلط ہونے کی کیا وجہ ہے، جبکہ اس میں کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی جاتی۔ تو کیا اس کیلئے تاش کھیلنا اس صورت کے ساتھ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرکٹ، ہاکی، وغیرہ میں ایک غرضِ صحیح کے پیشِ نظر اجازت ہے (یہ سب ممنوعِ محض نہیں) بخلاف تاش کے کہ اس میں یہ غرضِ صحیح موجود نہیں (۱)، نیز یہ دوسرے کیلئے ذریعۂ قمار بن سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وكره تحريماً اللعبُ بالنرد، وكذا الشطرنج". (الدرالمختار). "وإنما كره؛ لأن من اشتغل به، ذهب عناءه الدنيوى وجاءه العناء الأخروى، فهو حرام وكبيرة عندنا، الخ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۴/۶، سعيد)

(وكذا في كفايت المفتي، كتاب الحظر والإباحة، پندرھواں باب: لہو ولعب، عنوان: تاش چوسر اور شطرنج کھیلنا جائز نہیں: ۲۰۴/۹ جديد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۲۲/۴، غفاريه)

بعض علماء نے بغیر شرط لگائے جائز لکھا ہے، لیکن جمہور کی رائے مطلقاً عدم جواز کی ہے:

"وأباحه الشافعي وأبو يوسف رحمهما الله تعالىٰ في رواية، ونظمها شارح الوهبانية، فقال: ولا بأس بالشطرنج وهي رواية:: عن الحبر قاضي الشرق والغرب تؤثر. وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب، وإلا فحرام بالإجماع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۴/۶، سعيد)

"ويحرم عند الجمهور غير الشافعية أيضاً الشطرنج". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع، رابعا اللهو، الشطرنج: ۲۶۶۳/۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند، (يعني عزيز الفتاوىٰ)، كتاب الحظر والإباحة، شطرنج کھیلنا حرام ہے، ص: ۷۱۳، دارالاشاعت کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، غناء ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، شطرنج کا حکم: ۲۴۰/۴، ۲۴۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال العلامة الآلوسي تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولاتسبوا الذين﴾ الخ: "واستدل بالآية على أن الطاعة إذا =

تعلیمی تاش

سوال[۹۵۱۳]: تعلیمی تاش کھیلنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا مع الکراہت؟ اگر ناجائز ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچوں کو حروف کی شناخت کے لئے یہ تاش استعمال کرایا جائے تو فی نفسہ درست ہے، جیسے بورڈ پر لکھ کر شناخت اور مشق کرائی جاتی ہے(۱)، لیکن اندیشہ یہ ہے کہ یہی کھیل آئندہ چل کر ہار جیت کے تاش کا ذریعہ بن جائے گا، اور دوسری غلط چیزوں کی طرف اس سے رہنمائی ہوگی، جیسے حلِ معمہ وغیرہ۔ اس لئے اس طریقہ کو نہ اپنایا جائے (۲)، بلکہ جو طریقہ سلف کا پہلے سے موجود ہے اسی کو اختیار کیا جائے، اس میں خیر و برکت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

= أدّت إلی معصیة راجحة، وجب ترکها، فإن مایؤدی إلی الشر شرٌ". (روح المعانی: ۲۵۲/۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وأحسن الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة، باب المتفرقات، تحت عنوان: شطرنج لوڈو اور بارہ گوٹی کھیلنا جائز نہیں: ۲۴۲/۸، سعید)

(۱) "اگر ہار جیت نہ ہو تو جائز ہے، بلکہ مبتدیوں کے حق میں شاید مفید ہے۔ واللہ اعلم"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، باب: غنا ومزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، عنوان مسئلہ: تعلیمی تاش: ۲۵۲/۴، مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

"تعلیمی تاش بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کرنا مباح ہے"۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحة، اکیسواں باب: متفرقات، عنوان مسئلہ: تعلیمی تاش بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کرنا: ۲۶۸/۹، دارالإشاعت کراچی)

(۲) قال العلامة الآلوسی. تحت قوله تعالیٰ: ﴿ولاتسبوا الذین الخ﴾. "واستدل بالآیة علی أن الطاعة إذا أدّت إلی معصیة راجحة، وجب ترکها، فإن مایؤدی إلی الشر شر". (روح المعانی: ۲۵۲/۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

قال العلامة الحصکفی: "کل ما أدی إلی مالایجوز، لایجوز". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۳۶۰/۶، سعید)

کیرم بورڈ

سوال[۹۵۱۴]: کیرم بورڈ ایک کھیل ہے، کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟ اطلاعاً عرض ہے کہ کھیل بغیر شرائط وبغیر ہار جیت کے کھیلا جاتا ہے، جواز ہوتو کس صورت میں اور ناجائز ہوتو کس صورت میں؟ اطلاع فرما کر مشکور فرمائیں۔فقط۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی جھانسی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ہار جیت نہ ہواور احکامِ شرعیہ میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے تو کبھی کبھی وحشت دور کرنے اور دل بہلانے کے لئے اس کھیل (کیرم) کی گنجائش ہے، تاہم اس کی عادت نہ ڈالی جائے، اوراس کو چھوڑنے کی کوشش کی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۶ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "روّحوا القلوب ساعةً فساعةً". (الجامع الصغير للسيوطي مع فيض القدير: ۳۴۱۵/۷، (رقم الحديث: ۴۴۸۴)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ تحت قوله: "روحوا القلوب ساعةً فساعةً": وفي رواية: "ساعةً وساعةً": أی أريحوها بعض الأوقات من مكابدة العبادات بمباح لاعقاب فيه، ولا ثواب. قال أبوالدرداء رضی الله تعالیٰ عنه: إنی لأجم فؤادی ببعض الباطل: أی اللهو الجائز لأنشط للحق. وذكر عند المصطفى صلی الله تعالیٰ عليه وسلم القرآن والشعر، فجاء أبوبكر رضی الله تعالیٰ عنه، فقال: أقراء ة وشعر؟ فقال: نعم! ساعةً هذا وساعةً ذاك. وقال علی كرم الله وجهه: اجمعوا هذه القلوب، فإنها تمل كما تمل الأبدان: أی تكل. وقال بعضهم: إنما ذكر المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لأولئك الأكابر الذين استولت هموم الأخرة على قلوبهم، فخشي عليها أن تحترق". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، (رقم الحديث: ۴۴۸۴): ۳۴۱۵/۷، ۳۴۱۶، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

"وحاصل الكلام: ترويح القلب وتفريحه، وكذا تمرين البدن من الارتفاقات المباحة والمصالح البشرية التي لا تمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضرّ بالمعاش أوالمعاد". (تكملة فتح الملهم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنرد شير، حكم =

کیرم بورڈ بطورِ تفریح

سوال[۹۵۱۵]: کیرم بورڈ بغیر شرط محض تفریح کیلئے کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فی نفسہ اس میں خواہ گناہ نہ ہو، لیکن آئندہ چل کر بسا اوقات یہی ہار جیت کے طور پر کھیلنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، لہٰذا احتیاط مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الألعاب في الشريعة: ۴/۴۳۳، دارالعلوم كراچی)

"قال أبوالدرداء: إني لأجم فؤادي ببعض الباطل: أي اللهو الجائز، لأنشط للحق". (فيض القدير: ۷/۳۴۱۵، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "روّحوا القلوب ساعةً فساعةً". (الجامع الصغير للسيوطي مع فيض القدير: ۷/۳۴۱۵، (رقم الحديث: ۴۴۸۴)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله: "روحوا القلوب ساعةً فساعةً": وفي رواية: "ساعةً وساعةً": أي أريحوها بعض الأوقات من مكابدة العبادات بمباح لاعقاب فيه، ولا ثواب. قال أبوالدرداء رضي الله تعالىٰ عنه: إني لأجم فؤادي ببعض الباطل: أي اللهو الجائز لأنشط للحق. وذكر عند المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القرآن والشعر، فجاء أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: أقراءة وشعر؟ فقال: نعم! ساعةً هذا وساعةً ذاك. وقال علي كرم الله وجهه: اجمعوا هذه القلوب، فإنها تمل كما تمل الأبدان: أي تكل. وقال بعضهم: إنما ذكر المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لأولئك الأكابر الذين استولت هموم الأخرة على قلوبهم، فخشي عليها أن تحترق". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، (رقم الحديث: ۴۴۸۴): ۷/۳۴۱۵، ۳۴۱۶، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"وحاصل الكلام: ترويح القلب وتفريحه، وكذا تمرين البدن من الارتفاقات المباحة والمصالح البشرية التي لا تمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضرّ بالمعاش أوالمعاد". (تكملة فتح الملهم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنرد شير، حكم الألعاب في الشريعة: ۴/۴۳۴، دارالعلوم كراچی)

"قال أبوالدرداء: إني لأجم فؤادي ببعض الباطل: أي اللهو الجائز، لأنشط للحق". (فيض القدير: ۷/۳۴۱۵، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

گھر میں کھیل کھیلنا

سوال[۹۵۱۶]: گھر کے اندر کھیل کھیلنا جائز ہے یا نہیں، مثلاً: ٹیبل ٹینس، کیرم بورڈ، اور بیڈمنٹن وغیرہ؟ میرا ایک دوست کہتا ہے کہ یہ کھیلنا جائز نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کھیل کفار یا فساق کا شعار نہ ہو اور اس میں ہار جیت پر مال کی شرط نہ ہو، اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے طاعات ترک نہ ہوں اور اس میں کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو تو درست ہے، اگر اس میں صحت درست وقوی ہو کر دشمن کے مقابلہ کی قوت میں ترقی ہو تو اس نیت سے اس میں ترغیب بھی ہے(۱)، جیسے گھوڑے کی سواری میں

---

(۱) "وحاصل الكلام أن ترويح القلب وتفريحه، وكذا تمرين البدن من الارتفاقات المباحة والمصالح البشرية التي لاتمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماک فيها بحيث يضر بالمعاش أو المعاد. وهذا هو السر في إباحة بعض الملاهي في بعض الأحيان، فإن هذا اللهو على هذه النية والغرض لم يبق لهواً، بل عاد مصلحةً وفائدةً، كما سبق في الأحاديث المذكورة من إباحة السباحة والرماية والانتضال بالقوس والمسابقة بالإبل والبهائم، وإجراء الخيل، وملاعبة الأهل، فإنها وإن كانت في صورة اللهو، ولكنها لما كان الاشتغال فيها على غرض صحيح ومصالح معاشية أو معادية، خرجت عن اللهوية حقيقة، فأبيحت، وربما استحبت. نعم! من فعلها بقصد التلهي والتلعّب، كان حراماً ومكروهاً في حقه، صرح به الفقهاء.

وكما أن اللهو قد يصير مصلحة بالنية، ويخرج عن اللهوية، كذلک قد تصير الأعمال الصالحة بالنية الفاسدة لهواً، أو تعود لسدّها عن ذكر الله لعباً ومعصيةً. قال عليه الصلوة والسلام: "كل شئ ليس من ذكر الله، فهو لهو ولعب". ذكره في الجامع الصغير برمز النسائي، ووضع عليه علامة الحسن.

وإذا عرفت أن اللهو قد يعود مصلحةً بنية صحيحة ومصلحةً مقصودةً، والمصالح قد تعود لهواً بنية فاسدة، أو انهماک فيها بحيث يشغل عن ذكر الله، فقد اتضح لک اختلاف الفقهاء في بعض الملاهي، فإنه أحلّها من أحلّها إذا كانت لغرض صحيح بنية صالحة. وحرمها من حرمها لعدم اعتداده بتلک النية المصالحة، والغرض الصحيح في جانب مايلزمه من المفاسد، ولما رأى بالتجربة أن إثمها =

یا تیرنے میں (۱)، ورنہ جیسا کہ جتنا غلط کھیل ہوگا ویسا ہی اس پر حکم بھی ہوگا۔ اس ضابطہ کے تحت ہر کھیل کا حکم

= أكبر من نفعها .... وأما مالم يرد فيه النهي عن الشارع، وفيه فائدة ومصلحة للناس، فهو بالنظر الفقهي على نوعين. الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذكر الله وحده، وعن الصلوات والمساجد، التحق ذلك بالمنهي عنه، لاشتراك العلة، فكان حراماً أو مكروه.

والثاني: ماليس كذلك، فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب، فهو مكروه، وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة وبنية استجلاب المصلحة، فهو مباح، بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه". (تكملة فتح الملهم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حكم الألعاب في الشريعة: ۴/۴۳۴، ۴۳۵، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۱) "وعن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الله عزوجل يدخل بالسهم الواحد ثلثة نفر الجنة: صانعه يحتسب في صنعته الخير، والرامي به ومُنبّله. وارموا واركبوا، وأن ترموا أحب إليّ من أن تركبوا. ليس من اللهو إلا ثلث: تأديب الرجل فرسه، وملاعبته أهله، ورميه بقوسه ونبله، ومن ترك الرمي بعد ما علمه رغبةً عنه، فإنها نعمة تركها" أو قال: "كفرها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب الرمي: ۱/۳۶۳، مكتبه رحمانيه لاهور)

"المراد باللهو في الحديث المذكور اللهوُ المباح، كما فيما بين السطور من أبي داؤد فليراجع المصدر السابق". (مصح)

"وكره كل لهو لقوله عليه السلام: "كل لهو حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۵، سعيد)

"تجوز المسابقة بالسهام والخيل......... ولأنه يحتاج إليه في الجهاد للكرّ والفرّ، وكل ماهو من أسباب الجهاد فتعلّمه مندوب إليه سعياً في إقامة هذه الفريضة". (مجمع الأنهر مع الملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۱۶، غفاريه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۰۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل السادس في المسابقة: ۵/۳۲۶، رشيديه)

معلوم ہوسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

بچوں کا لٹو وغیرہ کھیلنا

سوال[۹۵۱۷]: بچوں کو لٹو کھیلنے کی اجازت دی جائے یا نہیں؟ اسی طرح ترکی ٹوپی اور کوٹ پہننے کی اجازت دی جائے یا نہیں، اگر اجازت دی جائے تو کس عمر تک؟ اگر بیان فرمائیں گے تو مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چہ یہ چیزیں بچوں کے حق میں حرام نہیں، تاہم جس قدر اچھے اخلاق وافعال کا ان کو عادی بنایا جائے گا اسی قدر بڑے ہوکر ان پر اثر ہوگا۔ جو کوٹ کسی غیر قوم کا شعار نہیں وہ درست ہے، بڑے کی حق میں بھی بچے کے حق میں بھی (۲)۔

---

(۱) "فالضابط في هذا الباب .... أن اللهو المجرد الذي لاطائل تحته، وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش ولا المعاد حرامٌ أو مكروهٌ تحريماً .... وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية، فإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة .... كان حراماً أو مكروهاً تحريماً .... وأما مالم يرد فيه النهي عن الشارع، وفيه فائدة ومصلحة للناس، فهو بالنظر الفقهي على نوعين: الأول: ماشهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب على منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذكر الله وحده، وعن الصلوة والمساجد، التحق ذلك بالمنهي عنه، لاشتراك العلة، فكان حراماً أو مكروهاً. والثاني ماليس كذلك، فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب، فهو مكروه. وإن اشتغل به لتحصيل تلك المنفعة، وبنية استجلاب المصلحة، فهو مباح، بل قد يرتقي إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه .... وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة في نفسها مالم تشتمل على معصية أخرى، ومالم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه. والله سبحانه أعلم". (تكملة فتح الملهم، قبيل كتاب الرؤيا: ۴/ ۴۳۵، دارالعلوم كراچی)

(۲) "وعنه (ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي) =

ترکی ٹوپی بھی درست ہے(۱)۔ لٹو کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ قمار نہ ہو(۲)، لیکن سنت کے موافق

= قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أوبالفساق أو الفجار، أوبأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال طيبي رحمه الله تعالیٰ: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار". (مرقاة الفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، (رقم الحديث: ۴۳۴۷)، رشيديه)

"المشاركة في الهدى في الظاهر تؤثر تناسباً وتشاكلاً بين المتشابهين، تعود إلى موافقة ما في الأخلاق والأعمال، وهذا أمرٌ محسوسٌ". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴۳/۱۱، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "لابأس بلبس الثياب الجميله إذا كان لاينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

"لابأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لايتكبر، وكذا جمع المال إذا كان من الحلال". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۷۸/۴، رشيديه)

(۲) "حرمت شطرنج کی علت صرف تصاویر اور جوا ہی نہیں، اگر تصاویر اور جوا کا وجود شطرنج کے لئے لازم ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی کراہت تنزیہہ کا قول نہ فرماتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کھیل میں بھی ذہنی ورزش ہوگی وہ ناجائز ہوگا، اور جو ذہنی ورزش سے پاک ہو وہ جائز ہے، خواہ اس میں جسمانی ورزش ہو یا محض دل ودماغ تفریح جیسے لٹو، چکی، بچوں کے کھلونے اور سیر و تفریح وغیرہ۔ وجوہ الفرق تین ہیں:

۱- دل ودماغ کے سامنے مقاصد اصلیہ بہت کثیر ہیں، بلکہ مقاصد آخرت تو غیر متناہیہ ہیں، اس لئے انہیں کسی مقصد کی تحصیل کے لئے ذہنی ورزش کو ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں، بلکہ فرصت ہی نہیں:

آں خیالاتی کہ دام اولیاء ست

عکس مہرویان بستان خداست

جسمانی صحت کے لئے جسمانی ورزش کی ضرورت ہے، اس لئے جائز بلکہ بقدر ضرورت واجب و موجب اجر ہے، اسی طرح دل ودماغ کی تفریح کا سامان بھی صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کی وجہ سے جائز و باعث اجر ہے، بشرطیکہ وہ ذہنی ورزش سے پاک ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دل ودماغ کی تفریح اور ورزش دونوں کا اجتماع محال ہے، دماغی تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع اور دماغی ورزش مضر ہے۔

اگر کسی کو بارہ ٹہنی جیسی ذہنی ورزش میں دماغی فرحت محسوس ہو تو اس کی مثال کھجلی کے مرض جیسی ہے جس میں کھجلانے =

....

= سے وقتی طور پر لذت وسکون ملتا ہے، مگر بعد میں سخت تکلیف واذیت۔

دماغ بادشاہ ہے اور پورا جسم اس کی فوج ہے، فوج کے لئے پریڈ اور جنگی مشقیں کرنا لازم ہے، اس لئے کہ یہ تحصیل مقصد کا ذریعہ ہے، مگر بادشاہ کے لئے جس طرح جسمانی پریڈ مضر ہے اسی طرح فکری پریڈ بھی سخت مضر ہے، حکومت کا بقاء اس پر موقوف ہے کہ بادشاہ دماغ کو فکری پریڈ میں لگانے کی بجائے براہ راست تحصیل مقاصد کی طرف متوجہ رکھے۔

۲- ذہنی ورزش دل ودماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں مخل ہونے کے علاوہ جسمانی صحت کے لئے بھی سخت مضر ہے۔ اس کے برعکس جسمانی ورزش اور تفریح صحت جسمانیہ کے لئے نافع ہونے کے ساتھ دل ودماغ کے مقاصد اصلیہ کی تحصیل میں بھی معین ومددگار ہے۔

اس وجہ ثانی اور وجہ اول میں یہ فرق ہے کہ اول میں مقصود یہ ہے کہ ورزش ذہنی کی ضرورت نہیں، اس لئے عبث ولہو میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اور وجہ ثانی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ صحت جسمانیہ اور دل ودماغ کے مقاصد کی تحصیل کے لئے سخت مضر ہے۔

۳- ذہنی ورزش میں ایسا انہماک ہوجاتا ہے جو مشاغل دینیہ ودنیویہ کو نقصان پہنچاتا ہے، جسمانی ورزش میں اتنا انہماک نہیں ہوتا، اس فرق کی دو وجوہ ہیں:

ا= جسمانی ورزش میں کچھ وقت کے بعد تھکاوٹ کا احساس اس سے روک دیتا ہے، گویا الارم اور منبہ کا کام دیتا ہے، ذہنی ورزش میں ایسا کوئی منبہ نہیں۔

۲= جسمانی ورزش میں دماغ کسی قدر آزاد ہوتا ہے، کھیل میں مشغول تو ہوتا ہے، مگر اتنا نہیں کہ دوسری جانب توجہ کا ہوش ہی نہ رہے اور ذہنی ورزش میں مکمل طور پر اسی طرف مشغول ہوتا ہے۔

لوگ جسے ''ذہنی ورزش'' کہتے ہیں وہ درحقیقت ''تفکر بے مقصد'' ہے، جو نعمت فکر کو بے محل صرف کرنے کی وجہ سے تبذیر ہے۔

تحقیق حکم کی غرض سے اس قسم کے مروجہ کھیلوں کے نقشے اور کھیل جانے والے دارالافتاء میں بلائے گئے، بندہ نے چند علماء کو ساتھ بٹھا کر ان کے طریق کار کا معاینہ کر کے فیصلہ کیا کہ ان میں سے کس میں تفکر بے مقصد ہے اور کس میں محض دماغی تفریح، تفصیل درج ذیل ہے:

تفکر بے مقصد	دماغی تفریح
ا- شطرنج، ۲- تاش	ا- کیرم بورڈ =

لباس اور معاشرت اختیار کرنا موجبِ برکت وثواب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بچہ کو جھنجنے سے بہلانا

سوال[۹۵۱۸]: نابالغ بچوں کو جھنجھنے سے بہلانا کیسا ہے، جبکہ تصویر والے نہ ہوں، یہ مزامیر میں شمار تو نہیں ہے؟

= ۳-ڈرافٹ، ۴-لوڈو، ۱۰-سوال جوڑ ۲-لوڈو کا حاشیہ

۶-اٹھارہ گوٹی، بارہ گوٹی، نو گوٹی ۳-لوڈو کی پشت

۷-اڈہ کھڈہ، چوسر، چوپڑ، کنگل چرا، چنگاپوہ، نردبازی، پچیسی ۴-دو گوٹی (کیونکہ اس میں عدم تفکر ضروری ہوتا ہے)

مندرجہ بالا دماغی تفریح کے کھیلوں کا تفصیل مذکور کے تحت اگرچہ جواز معلوم ہوتا ہے، مگر ان میں فسادات ذیل کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں:

۱-ان سے ذہنی ورزش والے کھیلوں میں ابتلاء کا خطرہ ہے۔

۲-ناجائز کھیلوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

۳-بے دین لوگوں کا شعار ہے۔

۴-دیکھنے والوں کے لئے موقع اشتباہ وباعث سوءظن۔

۵-انہماک کی وجہ سے دین ودنیا کے اہم کاموں سے غفلت۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (أحسن الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، باب المتفرقات، عنوان مسئله: شطرنج، لوڈو اور بارہ گوٹی کھیلنا جائز نہیں: ۸/ ۲۴۱، سعيد)

(۱) "لابأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لايتكبر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۸/ ۳۴۹، رشيديه)

"لابأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لايتكبر، وكذا جمع المال إذا كان من الحلال".

(خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۴/ ۳۷۸، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ مزامیر میں شمار نہیں، اس کی گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۱/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت سبع سنين، وزُفّت إليه وهي بنت تسع سنين ولعبها معها". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، ص: ۲۷۰، قديمي)

"لعب –جمع لعبة– أرادت ما كانت تلعب به. وفيه إباحة لعب الجواري بهن، ولم يثبت كونها صوراً محرمةً". (حاشية مشكوة المصابيح، (رقم الحاشية: ۷)، المصدر السابق)

سوال: ''بچوں کا باجہ، سیٹی، سیفٹی ریزر، بلیڈیا کاغذ پر چھپی ہوئی تصویریں جو بچے پانی میں بھگو کر اپنے ہاتھوں یا کتابوں پر اتار لیتے ہیں اور شیشے کی گولیاں وغیرہ ان چیزوں کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

(شیخ رشید احمد سوداگر، صدر بازار دہلی)

جواب: ''بچوں کا باجہ، سیٹی، سیفٹی ریزر، بلیڈ، گولیاں، یہ چیزیں بیچنی جائز ہیں، تصویر بیچنی جائز نہیں ہیں۔محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ''۔(كفايت المفتي، كتاب الحظر والإباحة، بچوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم: ۹/۲۰۵، دار الاشاعت کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، بچوں کے کھیل کھلونے فروخت کرنے کا حکم: ۴/۲۵۶، مكتبه دار العلوم کراچی)

باب الموالات مع الکفار والفَسَقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

غیر مسلم سے تعلقات

سوال[۹۵۱۹]: ہندو سے دوستی کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا کہ نہیں، یعنی ایسے ہندو سے دوستی قائم کرنا جو کہ مسلمانوں کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں پہونچاتا ہے اور یہ دوستی اس کی بہت زمانہ سے چلی آرہی ہے، تو اس کے ساتھ دوستی قائم کرنا عندالشرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بستی دار یا محلّہ دار ہونے کی وجہ سے، یا کسی اَور ضرورت کی وجہ سے اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور میل ملاپ رکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۴ھ۔

کافر سے موالات ومواسات

سوال[۹۵۲۰]: کسی ہندو کا مسلمان سے دوستانہ تعلق ہے، شادی کے وقت ایک دوسرے کو روپیہ،

---

(۱) "ولا بأس بمصافحة المسلم جارَه النصرانيَّ إذا رجع بعد الغيبة و يتأذى بترک المصافحة، کذا في الغنية". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر في أحکام أهل الذمة: ۳۴۸/۵، رشيديه)

"ولابأس بأن يصل الرجل المسلم المشرک، قريباً کان أو بعيداً، محارباً کان أو ذمياً. وأراد بالمحارب المستأمن". (البحر الرائق، کتاب الکراهية، فصل في البيع: ۳۷۴/۸، رشيديه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۶، سعيد)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الکراهة، الباب الرابع: ۳۴۷/۵، رشيديه)

کھانے پکانے اور کھانے کو دیتے ہیں اور ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں۔ایسا روپیہ لینا دینا اور کھانا پینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفار سے دوستانہ تعلق اور دلی محبت حرام ہے،لقوله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لاتتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً﴾ الآية(۱)۔

البتہ دنیوی معاملات میں لین دین وغیرہ بضرورت درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۶/۱۰/۶۴ھ۔

شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک

سوال[۹۵۲۱]: غیر مسلم اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے،ظاہر ہے کہ اگر اس کو اللہ کی عظمت کا علم ہوجاتا تو ایسا نہ کرتا۔علم رکھنے والے کے لئے ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا کیسا ہے؟سمجھانے پر نہ ماننے پر جسمانی تکلیف پہونچانے کا حق ہے یانہیں،جب کہ قدرت ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کیا جسمانی تکلیف پہونچانے سے اس کی اصلاح ہوجائے گی جب کہ وہ بے علم ہے،اصلاح کی صورت تو یہ ہے کہ اخلاق وشفقت سے اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا علم کرایا جائے اور عقیدہ درست کیا

---

(۱) (سورة المائدة: ۵۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء﴾ (سورة المائدة: ۵۱)

(۲) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان ممالا بد منه، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في أهل الذمة والأحكام التي تعود اليهم: ۳۴۸/۵، رشيديه)

جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

جس کا ظاہر کافروں جیسا ہو، اس کے ساتھ تعلق

سوال [۹۵۲۲]: ایک شخص مسلمان ہے مگر ظاہر غیر مسلموں جیسا ہے، فسادات کے دوران وہ مسلمانوں کے گھر جاتا ہے، اس کو کافر سمجھ کر قتل کر دیتے ہیں۔ جواب طلب یہ بات ہے کہ اس مقتول کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا یا مسلمانوں کے ساتھ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مسلمان تھا اور اس کا خاتمہ کفر پر نہیں بلکہ اسلام پر ہوا تو وہ مستحق نجات ہے، اس کے ساتھ دنیا میں وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمان کے ساتھ کرنے کا حکم ہے (۲)، رہا حشر کا حال سو جو شخص بھی جس کے ساتھ محبت

---

(۱) قال العلامة ابن البزاز الكردری رحمه الله تعالیٰ: "تعليم صفة الخالق مولانا جل جلاله للناس وبيان خصائص مذهب أهل السنة والجماعة من أهم الأمور، وعلى الذين تصدّوا للوعظ أن يلقنوا الناس في مجالسهم على منابرهم ذلك قال الله تعالیٰ: ﴿وذكر فإن الذكر تنفع المؤمنين﴾، وعلى الذين يؤمون في المساجد أن يعلموا جماعتهم شرائط الصلوة، وشرائع الإسلام، وخصائص مذاهب الحق. وإذا علموا في جماعتهم مبتدعاً، أرشدوه". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، الثاني فيما يكون كفراً من المسلم: ۶/۳۲۰، رشيديه)

(۲) "ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: ويغسل المسلم): أی جوازاً؛ لأن من شروط وجوب الغسل كون الميت مسلماً"

"قال في البدائع: حتى لايجب غسل الكافر؛ لأن الغسل وجب كرامةً وتعظيماً للميت، والكافر ليس من أهل ذلك (قوله: قريبه) مفعول تنازع فيه الأفعال الثلاثة قبله (قوله: كخاله) أشار إلى أن المراد بالقريب مايشمل ذوی الأرحام كما في البحر". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، قبيل: مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۵، رشيديه)

رکھتا ہے اوراس کے طریقہ کو پسند کرتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے، "المرء مع من أحب" (۱)، لیکن اگر کوئی شخص بے علم ہونے یا عملی کوتاہی کی وجہ سے پابند شرع نہ ہو تو اس کے متعلق ایسا فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي وائل عن عبدالله رضي الله تعالیٰ عنه قال: جاء رجل إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال: یارسول الله! کیف تری فی رجل أحب قوماً، ولمّا یلحق بهم قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: المرء مع من أحب". (الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب المرء مع من أحب: ۲/۳۳۲، قدیمی)

قال العلامة النووی رحمه الله تعالیٰ: "قوله: صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: للذی سأله عن الساعة ما أعددت لها قال: حبَّ الله ورسوله، قال: أنت مع من أحببت، وفی روایات: "المرء مع من أحب" فیه فضل حبّ الله ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، والصالحین وأهل الخیر الأحیاء والأموات، ومن أفضل محبة الله ورسوله امتثال أمرهما، واجتناب نهیهما، والتأدب بالآداب الشرعیة، ولا یشترط فی الانتفاع بمحبة الصالحین أن یعمل عملهم إذ لو عمله لکان منهم، ومثلهم. وقد صرح فی الحدی الذی بعد هذا بذلک، فقال: رجل أحب قوماً ولمّا یلحق بهم. قال أهل العربیة: مما نفی للماضی المستمر فیدل علی نفیه فی الماضی، وفی الحال بخلاف لم، فإنها تدل علی الماضی فقط، ثم إنه لایلزم من کونه معهم أن تکون منزلته وجزاؤه مثلهم من کل وجه". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب المرء مع من أحب: ۲/۳۳۱، ۳۳۲، قدیمی)

الفصل الأول فی التشبه بالكفار

(کفار کی مشابہت کا بیان)

سراغ رسانی کے لئے کافروں کی ہیئت اختیار کرنا

سوال[۹۵۲۳]: بلوائیوں کی خفیہ تنظیم کی سراغ رسانی کے لئے اوران کے حملے کو پسپا کرنے کے لئے اگر سر پر چوٹی رکھ لی جائے اور زنار باندھ لی جائے اور سر پر ٹیکا لگایا جائے اور دھوتی پہن لی جائے، اور یہ سب امور صرف اتنی دیر کے لئے کئے جائیں جتنی دیر تک ضرورت ہو، جائز ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا امور کے بغیر دفاع ناممکن ہے، کیونکہ سراغ رسانی دفاع کے لئے مثل لازم کے ہیں۔ ان مسائل کی حضرت والا اصل بھی تحریر فرمائیں تو مزید تشفی ہو جائے گی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلوائیوں کی خفیہ تنظیم کی سراغ رسانی کے لئے زنار باندھنے، سر پر چوٹی رکھنے اور دھوتی وغیرہ پہننے کی اتنی دیر تک کے لئے اجازت ہے:

"يكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لضرورة ودفع الحر و البرد، وبشد الزنار في وسطه، إلا إذا فعل ذلك خديعةً في الحرب و طليعةً للمسلمين". عالم گیری(١)، البحر الرائق (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر، منها مايتعلق بتلقين الكفر والأمر بالإرتداد: ٢/٢٧٦، رشيديه)

(٢) "و بشد الزنار في وسطه إلا إذا فعل ذلك خديعةً في الحرب وطليعةً للمسلمين". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٥/٢٠٨، رشيديه) .... =

بہروپیہ اور سی آئی ڈی کا غیر مسلم کی صورت وضع بنانا

سوال[۹۵۲۴]: ۱......زید بوجہ پیشۂ خوردونوش (بہروپیہ) ایسے روپ بدلتا ہے جس سے اس کے ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے، مثلاً: کبھی ہندو کمہار، ہندو فقیر وغیرہ بنتا ہے، ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے(۱)، گلے میں مالا ڈالتا ہے(۲) یہ تو اس کے افعال ہوتے ہیں، مگر بعض اوقات وہ خود اپنا ہندو ہونا بیان کرتا ہے اور مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے، گویا خود کو ہندو کہہ کر دھوکہ دیتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے مسلمان رہنے اور نکاح قائم رہنے کی نسبت کیا حکم ہے؟ اگر نکاح ساقط ہوجاتا ہے تو بغیر حلالہ کے نکاح ثانی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲......بکر بوجہ ملازمت سرکاری سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کسی مفرور ملزم کی تلاش میں، یا کسی معلوماتِ واقعہ کے لئے اپنا فرضِ منصبی ادا کرنے کے لئے ایسا روپ بھرلے کہ انجان آدمی کو اس کے مسلمان ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوتا، بلکہ اس کو ہندو ہونے کا یقین ہوتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے ہندو ہونے کا مقر نہیں۔ تو ایسی حالت میں اسلام و نکاح کا کیا حکم ہے؟

محمد احمد شاغل تھانوی، متعلم مدرسہ ہذا، ۲۹/ جمادی الاولیٰ/۵۲ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا ضرورتِ شدیدہ کفار کا مخصوص لباس استعمال کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾(۳)۔

اور قشقہ لگانا کفار کا مذہبی شعار ہے، جیسے زنار پہننا، اس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے:

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، ثم ألفاظ الكفر أنواع: ۲/۵۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، ألفاظ الكفر، السادس في التشبيه: ۶/۳۳۲، رشيديه)

(۱) ''قشقہ: تلک، ٹیکہ، صندل وغیرہ کا نشان جو ہندو ماتھے پر لگاتے ہیں''۔(فيروز اللغات، ص: ۵۹۶، فيروز سنز، لاهور)

(۲) ''مالا: پھولوں، موتیوں یا سونے کا بنا ہوا ہار، گجرا''۔(فيروز اللغات، ص: ۱۱۸۵، فيروز سنز، لاهور)

(۳) (سورة هود: ۱۱۳)

"یكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح، إلا لضرورة دفع الحر والبرد، وبشد الزنار في وسطه، إلا إذا فعل ذلك خديعةً في الحرب". عالم گیری:۲/۸۹۴ (۱)، بحر الرائق: ۵/۱۲۳ (۲)۔

اور اپنے ہندو ہونے کا اقرار کرنا خود کفر ہے:

"وأما الهازل والمستهزئ إذا تكلم بكفر استخفافاً و مزاحاً واستهزاءً، يكون كفراً عند الكل وإن كان اعتقاده خلاف ذلك". عالم گیری:۲/۸۹۴ (۳)، فتاوی قاضی خان: ۴/۶۰۷ (۴)۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اور ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے:

قال العلامة الحصكفيؒ: "وارتداد أحدهما: أي الزوجين فسخٌ، فلاينقص عدداً عاجلٌ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بتلقين الكفر والأمر بالارتداد والتشبيه: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للقاري، فصل في الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في التشبيه بالكفار، الخ: ۵/۵۱۹، ۵۲۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع السادس في التشبيه: ۶/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس السادس في التشبيه: ۴/۳۸۷، رشيديه)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، موجبات الكفر أنواع، منها مايتعلق بتلقين والأمر بالارتداد .... اهـ: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(۴) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب ما يكون كفراً من المسلم و ما لايكون: ۳/۵۷۷، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

بلاقضاء". درعلی الشامی: ۲/۶٤۳(۱)۔

اس کے بعد اگر وہ شخص مسلمان ہوجائے تو پھر اس کا نکاح اس پہلی عورت سے جو اس کے نکاح میں تھی بلا حلالہ کئے شرعاً درست ہے:

قال الشامی تحت قول الدر: "(فسخ) نقلاً عن الفتح؛ لأن الحرمة بالردة غير متأبدة، فإنها ترتفع بالإسلام". وتحت قول الدر: "(فلا ينقص عدداً) فلو ارتد مراراً و جدّد الإسلام فی كل مرة، وجدد النكاح على قول أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ، تحل امرأته من غير إصابة زوج ثان، بحر عن الخانية"(۲)۔

۲.....اگر محض کفار کا لباسِ قومی اختیار کیا ہے تو اس سے کفر نہیں بلکہ گناہ ہوتا ہے، اگر کفار کا شعارِ مذہبی اختیار کیا ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر نمبر: ا میں مذکور ہے، دليله ذکر ثَم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۶/۲ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/ جمادی الثانی/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳۷۳/۳، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثانی، الجنس الأول فی المقدمة: ۳۸۳/۴، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر فی نكاح الكفار: ۳۳۹/۲، رشيديه)

• (وكذا فی المحيط البرهانی كتاب السير، فصل فی مسائل المرتدين، نوع آخر من المتفرقات: ۵۸۳/۵، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصلٌ من فصلٍ فی الإرجاء: ۵۴۶/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳۷۵/۳، رشيديه)

شعارِ اہل کفر کو اختیار کرنا

سوال[۹۵۲۵]: زید مسلمان اور عمر ہندو نے باہمی مشترکہ دوکان کھولی، اس دوکان کے شروع کرنے کی تاریخ ہندو پنڈت کاہنوں سے پوچھ کر معین کی، چنانچہ معینہ تاریخ پر اہل ہنود کے رواج کے مطابق دوکان کھولی گئی، یعنی پنڈتوں و برہمنوں کو دعوت دی گئی اور حساب کی بہی پر بجائے "بسم اللہ" کے لفظ ''اوم'' (جو ہندو اپنی خط وکتابت میں لکھتے ہیں، لکھا گیا، اور ہنومان وغیرہ کی ان پر تصویریں بنائی گئیں (۱)، اور زید مسلمان کی پیشانی پر ہندوؤں کی رسم مخصوص کے مطابق سرخ رنگ کے ٹیکے لگائے گئے، اور چاول وغیرہ بھی جیسے ہندو لگاتے ہیں ماتھے پر لگائے گئے، اور تھالیوں پر گھی کے چراغ رکھ کر مطابقِ رسم کے جلائے گئے۔ یہ سب کچھ علماء کے منع کرنے کے بعد کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید نے جو یہ فعل دیدہ و دانستہ کیا ہے اس پر بسبب اس فعل کے بموجبِ شریعتِ بیضاء کیا حکم عائد ہوتا ہے اور دیگر مسلمانوں کو زید سے کیا برتاؤ کرنا چاہیئے اور جو لوگ اس مجلس میں شریک ہوئے ہیں ان پر کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم قوم کے شعارِ قومی کو اختیار کرنا کبیرہ گناہ ہے اور شعارِ مذہبی کو اختیار کرنا بلا ضرورت معتبرہ عند الشرع کفر ہے (۲)، لہذا احتیاطاً زید کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر لینا چاہیئے اور آئندہ کے لئے بھی ایسے افعال سے پختہ توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور جتنے مسلمان اس مجلس میں شریک ہوئے ہیں سب کو توبہ کرنا

---

(۱) ''ہنومان: ہندوؤں کا ایک دیوتا، ہندوؤں کا ایک روایتی سردار جس نے سیتا جی کی بازیابی میں رام چندر کی مدد کی تھی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "یکفر ...... بوضع قلنسوة المجوسی علی رأسه علی الصحیح، وبشد الزنار فی وسطه". (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتین: ۲۰۸/۵، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر، الفصل السادس في التشبيه: ۳۳۲/۶، رشيديه)

ضروری ہے(۱)۔

اگر زید توبہ نہ کرے اور اپنے فعل کو برا نہ سمجھے تو مسلمانوں کو اسے سمجھانا چاہیئے، اگر باوجود فہمائش کے نہ مانے اور اپنی بات پر جما رہے تو اس سے قطع تعلق کر دینا چاہیئے تاکہ تنگ آ کر توبہ کر لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۲/۱۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۴/صفر/۵۶ھ، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

غیر قوموں کے ساتھ تشبہ

سوال[۹۵۲۶]: عورت کا بے پردہ پھرنا، ساڑھی پہننا، انگریزی لیڈی وضع، جوتا مردوں اور عورتوں کو پہننا، کپڑے بھی اسی وضع کے، بالوں کو بھی اسی طرح سے گوندھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جملہ امور ممنوع اور ناجائز ہیں "من تشبه بقوم فهو منهم". الحديث (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) "و من خرج إلى السدة: أى مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز، كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۶، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر، الفصل السادس في التشبيه: ۶/۳۳۳، رشيديه)

(۲) قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلة مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۹، رشيديه)

(۳) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه =

ہندوانہ زیبائش

سوال[۹۵۲۷]: مشرقی اضلاع میں رواج کے مطابق مسلمان عورتیں بھی مانگ میں سیندور بھرتی ہیں(۱) ماتھے پر بندیاں لگاتی ہیں، پیر کی انگلیوں میں بچھونے پہنتی ہیں(۲) اور ساڑھی کا استعمال کرتی ہیں۔ ازروئے شریعت اس قسم کی زیبائش جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چیزیں اصالۃً غیر مسلموں کی ہیں، بعض تو محض قومی ہیں اور بعض میں مذہبیت کی بھی شان ہے، ایسی

= بقوم، فهو منهم " (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵،)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لباس الشهرة، ص: ۵۵۸، دار الحديث ملتان)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵،)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لباس الشهرة: ۵/۴۰، معهد الخليل الاسلامي كراچي)

قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أي تزيا في ظاهره بزيّهم، و في تعرّفه بفعلهم، وفي تخلقه بخلقهم، وسار بسيرتهم و هديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم: أي وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا يجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظانّ والمظنون فيه بسبب العون عليه. وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية .... وقد تكون عادات في نحو طعام و لباس ومسكن و نكاح و اجتماع و افتراق .... و قد يحمل منهم في القدر المشترك الذي شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصيةً أو شعاراً لها، كان حكمه كذلك". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں"۔(فيروز اللغات، ص: ۸۳۰، فيروز سنز لاهور)

(۲) "بچھونے: ایک قسم کا زیور جو پاؤں کی انگلیوں پر پہنا جاتا ہے"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۸۳، فيروز سنز، لاهور)

چیزوں کا اہلِ اسلام کو اختیار کرنا منع ہے، قسمِ ثانی کا استعمال قسمِ اول سے زیادہ سخت ہے اور اس کی ممانعت بھی شدید ہے۔ اور جس جگہ یہ چیزیں اہلِ اسلام میں غیر مسلموں کی صحبت کے اثرات سے کچھ پھیل گئی ہیں، یا نومسلموں میں ترکۂ آباء کی حیثیت سے باقی رہ گئی ہیں، وہ بے علم اور بے عمل مسلمانوں میں ہیں، ان کی اصلاح لازم ہے نہ کہ اشاعت (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود گنگوہی غفرلہ۔

بالوں میں کفار کی مشابہت

سوال [۹۵۲۸]: ما الحکم عن الشعر الذی یقطع خلف الرأس فقط – کما یفعل

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دارالحدیث ملتان)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "من شبه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰/۵، معهد الخلیل الاسلامی، کراچی)

قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاهره بزیّهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وکان التشبه بحق قد طابق فیه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغیرهم، فقد یظن به من لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء، فیأثم الظانّ والمظنون فیه بسبب العون علیه. وقال بعضهم: قد یقع التشبه فی أمور قلبیة .... وقد تکون عادات فی نحو طعام و لباس ومسکن و نکاح و اجتماع و افتراق .... و قد یحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فیه، فإن کان کفراً أو معصیةً أو شعاراً لها، کان حکمه کذلک". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵۷۴۳/۱۱، ۵۷۴۴، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

الکفار- هل هو جائز أم لا، أم حرام؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ما كان شعارَ الكفار، فإن كان شعاراً مذهبياً، فهو حرام على المسلين، وإن كا شعاراً قومياً فهو مكروه (١)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۸۷ھ۔

عورت کو مانگ میں سیندور اور پیشانی پر بندی لگانا

سوال[۹۵۲۹]: کیا عورت اپنی زینت کے لئے مانگ میں سیندور(۲) اور پیشانی پر بندی لگا سکتی ہے(۳)؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مانگ میں سیندور اور پیشانی پر بندی غیر مسلم عورتوں کا شعار ہے، اس سے بچنا لازم ہے ہرگز اس کو

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن القزع. والقزع أن يحلق رأس الصبي، فيترك بعض شعره". (سنن أبي داؤد، كتاب الترجل، باب في الصبي له ذؤابة: ٢/٥٧٧، دارالحديث ملتان)

"و عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم راى صبياً قد حلق بعض رأسه و ترك بعضه، فنهاهم عن ذلك وقال: "احلقوا كله أو اتركوا كله". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ٣٨٠، قديمي)

"ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ٢/٥١٣، غفاريه كوئٹه)

(۲) "سیندور: ایک قسم کا سرخ سفوف"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۲، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "بندی: کانچ کی رنگین ٹکلی جو عورتیں ماتھے پر چپکاتی ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۱۹، فیروز سنز، لاہور)

اختیار نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۶ھ۔

سرکاری تقاریب میں ہنود کا مسلمان کی پیشانی پر سیندور لگانا

سوال [۹۵۳۰]: سرکاری تقریبوں میں مسلمانوں کی پیشانیوں کو ہندولوگ سیندور لگاتے ہیں (۲)، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دارالحدیث ملتان)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "من شبه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰/۵، معهد الخلیل الاسلامی، کراچی)

قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاهره بزیّهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وکان التشبه بحق قد طابق فیه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغیرهم، فقد یظن به من لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء، فیأثم الظانّ والمظنون فیه بسبب العون علیه. وقال بعضهم: قد یقع التشبه فی أمور قلبیة ...... وقد تکون عادات فی نحو طعام و لباس ومسکن و نکاح و اجتماع و افتراق .... و قد یحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فیه، فإن کان کفراً أو معصیةً أو شعاراً لها، کان حکمه کذلک". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵۷۴۳/۱۱، ۵۷۴۴، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) "سیندور: ایک قسم کا سرخ سفوف"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۲، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداًو مصلیاً:

ان کے مذہبی شعار میں شرکت کی اجازت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

لباس اور برتن میں تشبہ سے پرہیز

سوال [۹۵۳۱]: ایک مسلمان شخص کو میں نے منع کیا تھا کہ تم وہ چتے ہوئے گھڑے کو جن کو ہندو استعمال کرتے ہیں تم نہ استعمال کیا کرو، وہ گھڑے استعمال کرو جو چتے ہوئے نہ ہوں اور کنی دار دھوتی نہ استعمال کرو (۲) وہ بھی ہندو استعمال کرتے ہیں، تم بے کنی کی دھوتی استعمال کرو۔شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟ جواب سے مشرف فرمائیں۔

بندو محلّہ پٹھان پورہ سہارنپور۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

جو برتن یا کپڑا وغیرہ کسی غیر مسلم قوم کا مخصوص شعار ہو، مسلمانوں کو اس سے حتی الوسع اجتناب چاہیے،

---

(۱) "وعن الإمام أبي حفص: لو أن رجلاً عبد ربه خمسين سنةً، ثم جاء يوم النيروز، فأهدى إلى بعض المشركين هديةً يريد تعظيم ذلك اليوم، فقد كفر". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكرية، كتاب الفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، السادس في التشبيه: ۳۳۴/۶، رشيديه)

"ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم" (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۵۱۳/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۵۷۷/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(۲) "کنی دار: وہ کپڑا جس کے کناروں پر کسی رنگ کی کناری ہو، کنارہ دار" ۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۸، فیروز سنز، لاهور)

کیونکہ کفار کے ساتھ تشبہ منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۴/۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا

سوال[۹۵۳۲]: عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد لائٹ روشن کردی جاتی ہے اور اس کے بعد جماعت ہوتی ہے، کیونکہ کچھ اندھیرا ہوجاتا ہے۔ ایک صاحب کو اس پر اعتراض ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آتش پرستی کے مشابہ ہے۔ اتفاق سے بجلی کا بلب امام کے کھڑے ہونے کی جگہ لگا ہوا ہے، اس لئے انہیں خلجان رہتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد بلب روشن کیا جانا چاہیئے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے، کیا ان کا یہ خلجان صحیح

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دار الحديث ملتان)

قال الملا علی القاری: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر عند اللہ تعالیٰ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود: ۴۰/۵، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

قال العلامة المناوی: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاهره بزیهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وکان التشبه بحق قد طابق فیه الظاهرُ الباطنَ .... وأنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ...... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ مُنع لبسه لغیرهم، فقد یظن به مَن لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء فیأثم الظان والمظنون فیه بسبب العون علیه. وقال بعضهم: قد یقع التشبه فی أمور قلبیة .... و قد تکون عادات فی نحو طعام و لباس ومسکن و نکاح و اجتماع و افتراق .... و قد یحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فیه، فإن کان کفراً أو معصیةً أو شعاراً لها، کان حکمه کذلک". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴۳/۱۱، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

فیض احمد باندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خلجان لغو اور بے اصل ہے، آتش پرستی سے اس کو کوئی مشابہت نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دھوتی باندھنا

سوال [۹۵۳۴]: دھوتی اس طریقہ سے باندھنا کہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو یعنی شلوار نما، یا دوسری قسم سے جیسے ہندو وغیرہ باندھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو طریقہ ہندوؤں کے ساتھ خاص ہے، اس طریقے سے باندھنا منع ہے (۲)۔ فقط۔

حررہ محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شيء، فإنا نأكل و نشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً، وفيما يقصد به التشبه". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۸/۴، دارالعلوم كراچي)

"ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شئ. فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً، وفيما يقصد به التشبه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، الخ: ۱۸/۲، رشيديه)

(۲) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵،)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لباس الشهرة، ص: ۵۵۸، دار الحديث ملتان)

قال العلامة الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيديه) .... =

مسلمان بھنگی کا حکم

سوال[۹۵۳۴] : (الف) زید ایک مسلمان بھنگی کی عورت کو لے کر بلا نکاح کئے ہوئے مفرور ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد واپس آیا اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اب اس حالت میں زید کے ساتھ کھانا کھانا اور اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے؟ اور کیا اس حرکت حرام سے اسلام سے خارج ہوگا یا نہیں؟ زید کا مسجد میں جانا اور وضو کا برتن استعمال کرنا کیسا ہے؟

(ب) زید اب اپنی اس حرکت سے مسجد میں تائب ہوتا ہے اور بستی کے مسلمان اس کو روا نہیں سمجھتے اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ زید مسجد میں آکر وضو کرتا ہے تو جس برتن میں وضو کرتا ہے، اس کو الگ کر دیتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے؟ نیز جو لوگ زید کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں وہ کیسے ہیں، وہ معذب عند اللہ ہوں گے یا نہیں؟

(ج) مسلمان بھنگی کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں، جو لوگ اس کو برا جانتے ہیں وہ کیسے ہیں؟ یہاں کے اکثر مسلمان بھنگی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ جواب مفصل مع احادیث صحیحہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: نور محمد معرفت قبول احمد صدیقی۔

= (وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة : ۵/ ۴۰، معهد الخليل الاسلامی، کراچی)

قال العلامة المناوی: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاهره بزیهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظانّ والمظنون فيه بسبب العون عليه. وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية .... وقد تكون عادات في نحو طعام و لباس ومسكن و نكاح و اجتماع و افتراق .... و قد يحمل منهم في القدر المشترک الذي شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصيةً أو شعاراً لها، كان حكمه كذلک". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/ ۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

الجواب حامداً ومصلياً:

(الف) یہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک کبیرہ گناہ کرنے سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا، پس زید مسلمان ہے:

"ولا نكفر مسلماً بذنبٍ من الذنوب وإن كانت كبيرةً إذا لم يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان". شرح فقه أكبر، ص: ٨٦(١)۔

(ب) زید نے جب صدق دل سے توبہ کرلی تو وہ توبہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے، اب سابقہ گناہ کی وجہ سے اس پر طعن اور اس سے پرہیز کرنا جائز نہیں ہے اور اسلام سے خارج جاننا تو کسی طرح بھی درست نہیں، سخت خطرناک گناہ ہے، مسلمانوں کو اس سے توبہ لازم ہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کو کافر سمجھنا کفر ہے(٢)۔

"ثم كون التوبة سبباً لغفران الذنوب وعدم المواخذة بها مما لاخلاف فيه بين الأمة، وليس شيئاً يكون سبباً لغفران جميع الذنوب إلا التوبة. ثم إذا تاب توبةً صحيحة، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك وشبهه". شرح فقه أكبر، ص: ١٩٥، ١٩٦(٣)۔

---

(١) (شرح الفقه الأكبر، بحث في أن الكبيرة لاتخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ١٠٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿وهو الذى يقبل التوبة عن عباده ويعفو عن السيئات﴾ (سورة الشورىٰ: ٢٥)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة النساء: ١١٠)

"إذ قال لغيره: ياكافر!، أو للمرأة: ياكافرة! ولم يقل المخاطب: شيئاً، فالفقيه أبوبكر الأعمش البلخي على أنه كافر .... وإن اعتقده كافراً، فخاطبه على اعتقاده أنه كافر، كفر؛ لأنه لما اعتقد المسلم كافراً، فقد اعتقد دين الإسلام كفراً، ومن اعتقد دين الإسلام كفراً، فهو كافر". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، الخامس في الإقرار بالكفر: ٦/٣٣٠، رشيديه)

(٣) (شرح الفقه الأكبر، مسألة في التوبة وشرائطها وفيها أبحاث جليلة، ص: ٢٣٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(ج) اگر وہ پاکی کا اہتمام کرتا ہے اور کھانے وغیرہ کو نجاست سے پاک رکھتا ہے تو وہ پاک ہے، بلادلیل اس کو ناپاک کہنا درست نہیں، البتہ اس میں نجاست کا تیقن ہو تو اس کو ناپاک کہا جائے، شک کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتا: "شك في وجود النجس، فالأصل بقاء الطهارة". اشباہ، ص: ۵۵ (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ۸/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، اليقين لايزول بالشك، ص: ۶۱، قديمي)

الفصل الثاني في الشركة في أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

ہندوؤں کے مذہبی تہوار میں شریک ہونا

سوال[۹۵۳۵]: مسلمانوں کا ہندوؤں کی خوشی میں شامل ہونا، مثلاً: بنگال میں یہ رواج ہے کہ جب وہاں رام لیلا ہوتی ہے تو کشتی پر بتوں کو رکھ کر اس کے پیچھے کشتیوں میں سوار ہو کر ہندو اور مسلمان شرکت کرتے ہیں اور ان کشتیوں کو ہندو و مسلمان کھیلتے بھی ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کا ان کی مجلس میں شرکت کرنے سے ان کے مسلمان ہونے میں تو کوئی اثر پیدا نہیں کرتا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ شرکت قطعاً ممنوع ہے اور گناہ ہے (۱) اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دار الحديث ملتان)

قال الملا علي القاري: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۰/۵، معهد الخليل الإسلامي كراچي) .... =

رام لیلا جیسے تہوار میں شرکت

سوال[۹۵۳۶]: رام لیلا یا اس قسم کے تہوار میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان کے مذہبی تقریبات میں شرکت خطرناک ہے(۱)، الا یہ کہ مقصود شرکت سے سیر وتفریح، نیز ان کی

= قال العلامة المناوی: "من تشبه بقوم": أی تزیّاً فی ظاهره بزیّهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی و کان التشبه بحق قد طابق فیه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغیرهم، فقد یظن به من لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء، فیأثم الظانّ والمظنون فیه بسبب العون علیه. وقال بعضهم: قد یقع التشبه فی أمور قلبیة .... وقد تکون عادات فی نحو طعام و لباس ومسکن و نکاح و اجتماع و افتراق .... و قد یحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فیه، فإن کان کفراً او معصیةً أو شعاراً لها، کان حکمه کذلک". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

کفار کی مذہبی تہواروں میں شرکت کر کے انہی کی طرح اس میں حصہ لینے اوران سے موافقت کرنے سے متعلق فقہائے کرام کی عبارات بہت سخت ہیں کہ کفرتک کے حکم پر مشتمل ہیں:

"وعن الإمام أبی حفص رحمه الله تعالیٰ: لو أن رجلاً عبَدَ ربه خمسین سنةً، ثم جاء یوم النیروز، فأهدی إلی بعض المشرکین هدیةً یرید تعظیم ذلک الیوم، فقد کفر". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً أو خطأً، السادس فی التشبیه: ۶/۳۳۴،رشیدیه)

"ویکفر بخروجه إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلک الیوم" (مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب ألفاظ الکفر أنواع: ۴/۵۱۳، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب مایکون کفراً من المسلم ومالایکون: ۳/۵۷۷، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۵۴، سعید)

(۱) "ویکفر بخروجه إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلک الیوم". (مجمع =

رونق بڑھانا نہ ہو، بلکہ کوئی جائز و پسندیدہ مقصد ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۰ھ۔

غیر قوم کے تہوار میں ان کو مبارکباد دینا

سوال[۹۵۳۷]: غیر قوم کے تہوار کے دن مسلمانوں کو انہیں مبارکباد دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۱۴۰۱ھ۔

= الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۵۱۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۵۷۷/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، السادس في التشبيه: ۳۳۴/۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(وشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ۱۸۶، قديمى)

(۱) "لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو لحاجة، كذا في التمرتاشي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الملتقط، ص: ۲۷۷، مكتبه حقاينه پشاور)

(۲) "اجتمع المجوس يوم النيروز، فقال مسلم: "خوب رسمی نہادہ اند" أو قال: "نیک آئین نہادہ اند" يخاف عليه الكفر". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في الخروج إلى النشيدة والذهاب إلى ضيافة المجوس: ۵۱۹/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ۱۸۶، قديمى)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، السادس في التشبيه: ۳۳۳/۶، رشيديه)

غیرقوم کے مذہبی اجتماع میں شرکت

سوال[۹۵۳۸]: غیرقوم کے لوگ ہمیں بعض اوقات ان کے مذہبی اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے دعوت دیتے ہیں۔ایسے اجتماع میں شرکت کرنا شریعت کے اعتبار سے درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان کے اجتماع کو اپنی شرکت سے رونق دینا درست نہیں:"من كثر سواد قوم، فهوم منهم"(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوؤں کے میلہ میں جانا

سوال[۹۵۳۹]: مسلمان مردوعورت کا ہندوؤں کے میلوں میں تماشا دیکھنے جانا، ہندوؤں کے تیوہاروں میں جوکھانے پکتے ہیں(۲) ایسے کھانے پکاکر کھانا ہندوؤں کے رسوم پوجا وغیرہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب باتیں ناجائز اور گناہ ہیں،اگر ہندو کے تیوہار کی تعظیم کے لئے چندہ دینا اور شرکت کرنا ہے تو یہ کفر ہے،مسلمانوں کو ایسے امور سے توبہ ضروری ہے:

"رجل اشترى يوم النيروز شيئاً لم يكن يشتريه قبل ذلك، إن أراد به تعظيم النيروز

---

(۱) "من كثر سواد قوم فهو منهم، و من رضي عمل قوم كان شريكاً في عمله". (كنز العمال، كتاب الصحبة من قسم الأقوال: ۹/۲۲، (رقم الحديث: ۲۴۷۳۵)، مكتبه التراث الإسلامي حلب)

"ومن خرج إلى السدة: أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز، كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً أو كناية، ص: ۱۸۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل السادس في التشبيه: ۶/۳۳۳، رشيديه)

(۲) "تیوہار: خوشی کا دن، جشن، تہوار"۔(فيروز اللغات، ص: ۴۰۷، فيروز سنز لاهور)

يعظمه المشركون، كفر". مجموعة فتاوىٰ: ٢/٢١٥ (١)۔

میلے اور نمائش میں جانا

سوال [۹۵۴۰]: ۱..... میلے میں جانا کیسا ہے، کلبہ (۲) اور چھتر (۳) کا میلہ، اردوسہرا (۴) وغیرہ جب کہ تجارت یا کسی چیز کے خریدنے کی نیت سے جائے اور میلے کے اندر تمام ملک کی اشیاء آتی ہو اور تجارت کا بڑا مرکز ہو؟

۲..... نمائش میں بلاضرورت جانا کیسا ہے؟

منیر احمد پرنوی، از مدرسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ میلے ہندوؤں کے مخصوص قومی اور مذہبی میلے ہیں، ان میں جا کر ان کی رونق کو بڑھانا ناجائز ہے، مسلمانوں کو ان سے اجتناب ضروری ہے (۵)۔ ہاں! اگر کوئی ایسی شی وہاں فروخت ہوتی ہے کہ اس کے

---

(١) (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: ٣٤٠/٤، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ١٨٦، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل السادس في التشبيه: ٣٣٣/٦، رشيديه)

(٢) "کلبہ: چھوٹا سا گھر، غریبوں کا جھونپڑا"۔ (فيروز اللغات، ص: ١٠٢١، فيروز سنز لاهور)

(٣) "چھتر: بڑا چھاتا، نم گیرہ، شامیانہ، جائے پناہ"۔ (فيروز اللغات، ص: ٥٥١، فيروز سنز لاهور)

(٤) "اردوسہرا: پھولوں یا موتیوں کی لڑیاں جو ایک ڈور میں باندھ کر دولہا دولہن کے سر سے چہرے پر لٹکائی جاتی ہے"۔ (فيروز اللغات، ص: ٨٢٤، فيروز سنز لاهور)

(٥) "من كثر سواد قوم فهو منهم، و من رضي عمل قوم كان شريكاً في عمله". (كنز العمال، كتاب الصحبة من قسم الأقوال: ٢٢/٩، (رقم الحديث: ٢٤٧٣٥)، مكتبة التراث الإسلامي حلب)

"ومن خرج إلى السدة: أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز، كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً أو كنايةً، ص: ١٨٦، قديمي)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل =

بغیر چارہ نہیں ہے اور دوسری جگہ وہ ملتی بھی نہیں تو اس کو خریدنے کے لئے جانے میں گنجائش ہے، لیکن اگر دوسری جگہ وہ شی ملتی ہو، یا اس کی ضرورت شدیدہ نہ ہو تو محض تجارت کے لئے وہاں جانا منع ہے(۱)۔

۲......حدیث شریف میں بازار کو "شرّ البقاع" کہا گیا ہے، لہذا بلاضرورت بازار میں ہرگز نہیں جانا چاہئے (۲) اور نمائش میں بازار سے بدرجہا زیادہ خرابیاں ومفاسد ومنکرات ہیں، وہاں جانا بلاضرورت کیسے جائز ہوسکتا ہے بضرورت ومجبوری لہو ولعب ومنکرات سے بچ کر جانا درست ہے (۳)، اہل علم کو جانا ہرگز زیبا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ذی الحجہ/۵۴ھ۔

= السادس فی التشبیه: ۲/۳۳۳، رشیدیه)

"ویکفر بخروجه إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلک الیوم". (مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب ألفاظ الکفر أنواع: ۲/۵۱۳، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، باب مایکون کفراً من المسلم ومالایکون: ۳/۵۷۷، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً أو کفراً أو خطأً، السادس فی التشبیه: ۶/۳۳۴، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۵۴، سعید)

(وشرح الفقه الأکبر، فصل فی الکفر صریحاً وکنایةً، ص: ۱۸۲، قدیمی)

(۱) (راجع رقم الحاشیة: ۳)

(وکذا فی إمداد الأحکام: ۴/۳۸۵، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أحب البلاد إلی الله مساجدها، وأبغض البلاد إلی الله أسواقها". رواه مسلم". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قدیمی)

(۳) " کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے، بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے، ایسے مجمع کی شرکت واعانت سب حرام ہے۔ اور جو کسی غرض مباح سے ہو جیسے: مجمع مسئول عنہ کہ محض تزاید سرور واستحکام امر حکومت کے لئے ہوگا، =

میلہ میں سامان خریدنے کے لئے جانا

سوال[۹۵۴۱]: کسی میلہ میں بضرورتِ خرید وفروخت جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز ضرورت کی ہو اور کسی دوسری جگہ نہ ملتی ہو اس کو خریدنے کے لئے جانا درست ہے، بلا اس کے نہیں جانا چاہیئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۳/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/۵۴ھ۔

ہندوؤں کے میلہ کے وقت بنی ہوئی مٹھائی خرید کر کھانا

سوال[۹۵۴۲]: یہاں پر رکشا بندھن کا میلہ لگتا ہے (۲)، اس موقع پر مٹھائی خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میلہ کی وجہ سے مٹھائی بہت زیادہ بنتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دکاندار اپنی بکری کے لئے مٹھائی بناتے ہیں، اس کو خرید کر کھانا درست ہے اگرچہ وہ رکشہ بندھن والوں کے خریدنے کی نیت سے بناتے ہوں (۳)۔ میلہ میں شرکت سے اجتناب چاہیے (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= میرے نزدیک اس کا یہ حکم نہیں، ہاں اگر کسی مقتدا کی شرکت سے یہ احتمال ہے کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے ناجائز مجامع کو اس پر قیاس کر کے بداحتیاطی کرنے لگیں گے، وہاں اس عارض کی وجہ سے سداللذ رائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا۔ اور اشتہار تقسیم کرانا تو ہر حال میں جائز ہے، اس کو تکثیر سواد سے کچھ مس نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔(إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، عنوان: بعض سرکاری مجامع میں تجارت: ۱۴۰/۳، دار العلوم کراچی)

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "رکشا بندھن: راکھی باندھنے کی رسم، تہوار جس میں ہندو لوگ اپنے ہاتھوں پر راکھی باندھتے ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۷۱۵، فیروز سنز، لاهور)

(۳) بظاہر یہاں حرمت کی کوئی وجہ نہیں کہ پہلے کم بناتے تھے، اب میلے کی وجہ سے زیادہ بناتے ہیں:

(۴) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه =

ہولی کے دن ہندو استاد سے ملنا

سوال[۹۵۴۳]: زید ایک اسکول میں پڑھتا ہے، ہولی کے روز زید ایک ہندو مدرس کے یہاں ملنے گیا، غرض ملنے سے یہ تھی کہ زید کی طرف سے اس مدرس کے خیالات اچھے رہیں تا کہ امتحان میں اچھی ڈویژن مل سکے۔ زید ہولی کی اَور کسی بات میں بفضلہ تعالیٰ شامل نہیں ہوا، مثلاً: رنگ وغیرہ میں، بلکہ ساری کفار کی رسموں کو بُرا جانتا ہے اوران سے نفرت کرتا ہے، البتہ اس ہندو مدرس کے یہاں ملنے گیا اگر چہ دل میں نفرت کرتا تھا۔ وہ ہندو مدرس زید سے ملے بھی اور کچھ کھانا جو اُن کے یہاں پکتا ہے کھلایا۔

وہیں پر ایک دوسرے ہندو مدرس بھی آگئے اورانہوں نے زید سے کہا کہ تم ہولی میں نہیں ملے، زید کو دل میں نفرت کرتا تھا، مگر ان کے کہنے سے کچھ خیال نہیں آیا، ان سے بھی مل لیا۔ پھر ملنے کے بعد خیال آیا اور بہت

= بقوم، فهو منهم " (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دارالحديث ملتان)

قال الملا علي القاري: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أى في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۰/۵، معهد الخليل الاسلامي، كراچى)

قال العلامة المناوي: "من تشبه بقوم": أى تزيا في ظاهره بزيّهم، و في تعرّفه بفعلهم، وفي تخلقه بخلقهم، وسار بسيرتهم و هديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم: أى وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا يجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ...... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظانّ والمظنون فيه بسبب العون عليه. وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية .... وقد تكون عادات في نحو طعام و لباس ومسكن و نكاح و اجتماع و افتراق .... و قد يحمل منهم في القدر المشترک الذى شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصيةً أو شعاراً لها، كان حكمه كذلک". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۵۷۴۳/۱۱، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

ممکن ہے کہ خیال کے اندر مدرس کو خوش کرنے کے واسطے ملنے گیا تھا۔ پھر تیسرے مدرس سے ملنے کی خواہش کی، کوشش بھی کی مگر بفضلہ تعالیٰ ان سے نہ مل سکا، کیونکہ وہ گھر پر موجود ہی نہ تھے۔

بعد میں زید کو بہت افسوس ہوا اور توبہ واستغفار کیا کہ ایسا نہ ہو، خدانخواستہ-توبہ توبہ-کوئی کفر کی بات سرزد ہوگئی ہو۔ زید ہولی کی شرکت کی غرض سے نہیں ملا، نہ اس خیال سے کہ ان کی شان کو بڑا جان کر، محض اپنی طرف سے اچھے گمان قائم کرانے تھے تاکہ امتحان میں اچھے نمبر ملیں۔ اسی شب کو زید نے ایک خواب دیکھا کہ زید کا دوبارہ نکاح ہوا ہے۔ تو زید کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ زید کو توبہ کرکے دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے، یا توبہ کرلے اور پہلا نکاح باقی رہے گا؟ زید کا یہ فعل معاذ اللہ کفر کی حد کو تو نہیں پہونچا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو صورت مسئولہ میں سچے دل سے توبہ واستغفار ضروری ہے۔ کفار کے مذہبی تہوار میں شرکت حرام ہے(۱)، مگر چونکہ اس کے دل میں ہولی کی تعظیم نہیں تھی، بلکہ نفرت تھی، اس لئے زید اسلام سے خارج نہیں ہوا اور نکاح بھی نہیں ٹوٹا(۲)۔ تاہم اگر تجدیدِ نکاح کرلے تاکہ قلب کو پوری طرح اطمینان حاصل ہوجائے تو اس میں

---

(۱) "ویکفر بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۵۱۳/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۵۷۷/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، السادس في التشبيه: ۳۳۴/۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

(وشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۸۶، قديمي)

(۲) "ولو قال لمجوسي: يا أستاذ تبجيلاً، كفر، الخ". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى "(قوله: تبجيلاً) قيد به؛ لأنه لولم يكن كذلك، بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة، فلا بأس به، ولا كفر". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۱۳/۶، سعيد)

مضائقہ نہیں، بلکہ افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/صفر/۶۱ھ۔

مسلمانوں پر ہولی کا رنگ چھڑکنا

سوال[۹۵۴۴]: ہولی کے دنوں میں ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر جبراً رنگ چھڑکا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ہولی میں مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ شریک ہونا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرع کے بھی خلاف ہے(۲) اور قانون کے بھی خلاف ہے، ایسا کرنے والوں کو پولیس نے زدوکوب

---

(۱) "لاشک فی فرضیة علم الفرائض الخمس .... وعلم الألفاظ المحرمة أو المکفِّرة، ولَعمری! ھذا من أھم المھمات فی ھذا الزمان؛ لأنک تسمع کثیراً من العوام یتکلمون بما یکفر وھم عنھا غافلون. والاحتیاط أن یجدد الجاھل إیمانه کل یوم ویجدد نکاح امرأته عند شاھدین فی کل شھر مرةً أو مرتین". (ردالمحتار، مطلب فی فرض الکفایه وفرض العین: ۱/۴۲، سعید)

(۲) چونکہ اس میں تشبہ کا لحاظ ہوتا ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فھو منھم" (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرة، ص: ۵۵۸، دارالحدیث ملتان)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه اللہ تعالیٰ: "من شبه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأھل التصوف الصلحاء الأبرار "فھو منھم": أی فی الإثم والخیر". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۱۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی بذل المجھود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرة: ۵/۴۰، معھد الخلیل الاسلامی، کراچی)

قال العلامة المناوی رحمه اللہ تعالیٰ: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاھره بزیّھم، و فی تعرّفه بفعلھم، وفی تخلقه بخلقھم، وسار بسیرتھم و ھدیھم فی ملبسھم وبعض أفعالھم: أی وکان =

بھی کیا ہے، کوئی اپنی کمزوری سے مرعوب ومغلوب ہو جائے تو دوسری بات ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

عیسائی مذہبی تقریب میں شرکت

سوال[۹۵۴۵]: یوکے میں ہم بسنے والے سب حضرات عیسائی مذہب والے کی کیرسمس ۲۵، ۲۶/ دسمبر کا دن آتا ہے تو عیسائی مذاہب والے بخشش دیتے ہیں، اسی طرح عیسائی مذہب والے کا کیرسمس کا کارڈ بھی ہوتا ہے، وہ بھی ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ تو یہ سب لینا اور دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ ان کی مذہبی عبادت ہے تو اس میں ہرگز شرکت جائز نہیں ہے(۲)۔ اگر مذہبی عبادت نہیں، محض

= التشبه بحق قد طابق فيه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا يجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ..... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظانّ والمظنون فيه بسبب العون عليه. وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية .... وقد تكون عادات في نحو طعام و لباس ومسكن و نكاح و اجتماع و افتراق .... و قد يحمل منهم في القدر المشترك الذى شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصيةً أو شعاراً لها، كان حكمه كذلك". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۱) "لا بأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو لحاجة، كذا في التمرتاشي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في الملتقط، ص: ۲۷۷، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۴/۵۱۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۳/۵۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازيه على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، =

قومی یا ملکی خوشی کا دن ہے تو اس کا حکم زیادہ سخت نہیں، اگرچہ اس سے بھی بچنے کا حکم ہے، مگر ہلکا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= السادس في التشبيه: ۲/۳۳۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

(وشرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً و كنايةً، ص: ۱۸۲، قديمي)

(۱) "وعن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحلال بيّن والحرام بين، وبينهما مشتبهاتٌ لايعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات، استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمي)

الفصل الثالث فی إعانة الکفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

غیر مسلم کے مذہب میں مسلم کا روپیہ لگانا

سوال[۹۵۴۶]: غیر مسلم کے مذہب میں اگر کوئی مسلمان روپیہ لگائے تو اس کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب نہ پوچھئے، بلکہ یہ پوچھئے کہ گناہ کتنا ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی مصلحت سے تعاون

سوال[۹۵۴۷]: زید ایسی بستی میں رہتا ہے جس کی ہندو مسلم آبادی تقریباً برابر ہے، اس بستی میں خصوصاً ایام قربانی میں ہنگامہ وفساد کے اندیشہ کے باوجود گائیں ذبح کی جاتی ہیں۔ زید غیر مسلموں سے رابطہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الایة (سورة المائدة: ۳)

"ھو عام لکل بر و تقوی وإثمٍ وعدوانٍ، ھکذا قال المفسرون". (التفسیرات الأحمدیة، ص: ۳۳۱)، مکتبہ حقانیہ پشاور)

قال ابن کثیر تحت ھذہ الأیة : "یأمر تعالیٰ عبادہ المؤمنین بالمعاونة علی فعل الخیرات و ھو البر، و ترک المنکرات وھو التقوی. وینھاھم عن التناصر علی الباطل والتعاون علی المآثم والمحارم". (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۰، دار السلام ریاض)

"کل ما یؤدی إلی مالا یجوز، لا یجوز". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۶/ ۳۶۰، سعید)

قائم کرنے اور اسے نبھانے میں محسوس کرتا ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے ذبیحہ گاؤ کے سلسلہ میں فساد کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہے گا، اوران کی مذہبی پوجا میں کھانے پینے والے سامان، سواری اور پوجا جاری نہ رہنے کے اوقات میں مقام پوجا پران کی دل دہی کرنے (بنیتِ استوارِ تعلقات) کے ذریعہ غیر مسلموں کا تعاون محض اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کے ان اعمال سے غیر مسلموں سے تعلقات اچھے رہیں گے۔

اوراس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو ذبیحہ گاؤ کے ذریعہ فریضۂ قربانی ادا کرتے وقت کسی طرح کے فساد کا اندیشہ نہیں رہے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ مذکورہ طریقہ مذکورہ نیت کے ساتھ شرعی نقطۂ نظر سے درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اعمالِ صالحہ پر بغیر نیت کے ثواب مرتب نہیں ہوتا: "لا ثواب إلا بالنية". الأشباه والنظائر (١)۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کام بھی نیتِ صالحہ سے کیا جائے وہ جائز بھی ہو، کیونکہ جن امور کی ممانعت ہے وہ نیتِ صالحہ سے جائز نہیں ہوجاتے، قرآن کریم میں ہے: ﴿تعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

---

(١) (الأشباه والنظائر، الفن الأول: ١/٦٣، إدارة القرآن كراچی)

"قوله: "بالنية" هي بالتشديد، وقد تخفف لغةً: عزم القلب على الشئ. واصطلاحاً: قصد الطاعة والتقرب إلى الله تعالىٰ في إيجاد فعل، وفيه أن هذا إنما يستقيم في عبادة يترتب عليها ثواب لا المنهيات المترتب عليها عقاب. فالصواب تفسيرها بتوجه القلب نحو إيجاد فعل، لو تركه موافق بغرض جلب نفع، أو دفع ضرر حالاً أومآلاً، والمراد من العزم إرادة الفعل". (شرح الحموی على الأشباه والنظائر، الفن الأول: قول في قواعد الكلية، الأولىٰ: لاثواب إلا بالنية: ١/٦٣، إدارة القرآن كراچی)

(٢) (سورة المائدة: ٢)

تعمیرِ مندر میں امداد

سوال[۹۵۴۸]: ایک شخص مسلمان، دیندار، صلح پسند ہے، اس کی زمین داری میں ایک گاؤں ہے جس میں تمام ہندو آباد ہیں، کسی مسلمان کا گھر نہیں ہے اور سکنائی زمین ان کی مقبوضہ زمین دار کی طرف سے اس پر کوئی ٹیکس یا محصول نہیں۔ زمین دار کے سب گاؤں والے تابعدار ہیں اور زمیندار ان کو ہر طرح خوش رکھنے کا قصد کرتا ہے، کیونکہ زمانہ کاشتکاروں کی خوشحالی کا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ گاؤں میں عبادت کے لئے کوئی مندر وغیرہ بن جاوے اور زمین میں کوئی حق روکنے کا بھی نہیں ہے، بلکہ انکار میں اندیشۂ فساد ومخالفت کا ہے۔ ایسی صورت میں اجازت وامداد اگر کی جاوے تو کس حیلہ وصورت سے کی جاوے؟ بینوا توجروا۔

عبدالحمید تھانوی باغپت، حویلی نواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روکنے پر قدرت ہو اور مندر بنانا زمین دار کی اجازت پر موقوف ہو تو روکنا ضروری ہے اور اجازت دینا جائز نہیں (۱)۔ اور اس میں امداد کرنا تو ہر حال میں حرام ہے اور سخت معصیت ہے (۲)۔ اگر زمین زمیندار کی

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه، عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإیمان".

(مشکوة المصابیح، کتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قدیمی)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ: "ثم اعلم أنه إذا کان المنکر حراماً وجب الزجر عنه، وإذ کان مکروهاً ندب. والأمر بالمعروف أیضاً تبع لما یؤمر به، فإن وجب فواجب، إن ندب فمندوب، ولم یتعرض له في الحدیث؛ لأن النهي عن المنکر شامل له؛ إذ النهي عن الشيء أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والکل معروف. وشرطهما أن لا یؤدي إلی الفتنة، کما علم من الحدیث، وأن یظن قبوله، فإن ظن أنه لایقبل فیستحسن إظهار الشعار الإسلام. ولفظ "من" لعمومه شمل کل أحد رجلاً أو امرأةً، عبداً أو فاسقاً أو صبیاً ممیزاً إذا کان وإن کان یستقبح ذلک من الفاسق قال الله تعالیٰ: ﴿أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسکم﴾ وقال عزوجل: ﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾.......... قال النووي رحمه الله تعالیٰ في شرح مسلم: قوله: "فلیغیره بیده" وقد تطابق علی وجوبه الکتاب والسنة وإجماع الأمة، وهي أیضاً من النصیحة التي هي الدین .... فمن وجب علیه وفعله ولم یمتثل =

ملک نہ ہو بلکہ وہ لوگ اپنی زمین میں بنانا چاہیں تو پھر روکنا واجب نہیں، مگر امداد پھر بھی جائز نہیں ہے، والبسط فی ردالمحتار: ۴۱۸/۳ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔

مندر اور پوجا میں چندہ دینا

سوال [۹۵۴۹]: ہمارے یہاں کچھ لوگ دسہرہ اور درگا پوجا کے میلے کے سلسلے میں چندہ دیتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں دیتے ہیں، دینے والوں کو منع کرنے پر یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ میل جول کا یہ ایک طریقہ ہے، گورنمنٹ ہم سے ٹیکس لیکر مندر و مسجد دونوں میں صرف کرتی ہے، اورنگ زیب عالمگیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مندر تعمیر کرائے اور بہت سے مندر پرستوں کو وظیفہ دیتے تھے۔

مندرجہ بالا تاویل کے پیشِ نظر از روئے شریعت فتویٰ جاری فرمائیں، تاکہ ہم لوگ مطمئن ہو سکیں اور ہم اسلامی مسائل کے پیشِ نظر لین دین قائم رکھیں۔

= المخاطب، فلا عتب بعد ذلک علیه لکونه أدی ماعلیه، وماعلیه أن یقبل منه، وهو فرض کفایة، ومن تمکن منه وترکه بلا عذر أثم". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۵۱۳۷): ۸/۸۶۲، رشیدیه)

(۲) ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیة (سورة المائدة: ۳)

"هو عام لکل بر وتقوی وإثم وعدوانٍ، هکذا قال المفسرون". (التفسیرات الأحمدیه، ص: ۳۳۱، مکتبه حقانیه پشاور)

قال الحافظ ابن کثیر رحمه الله تعالیٰ: "وینهاهم عن التناصر علی الباطل والتعاون علی المآثم والمحارم". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۰، دارالسلام ریاض)

(۱) قال العلامة الحصکفي رحمه الله تعالیٰ: "ولایصح وقف مسلم أو ذميّ علی بیعة أوحربی، وقیل: أو مجوسی، الخ". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "أما فی المسلم، فلِعدم کونه قربةً فی ذاته". (ردالمحتار: ۳۴۲/۴، کتاب الوقف، مطلب فی وقت المرتد والکافر، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

ضرر سے بچنے کے لئے ان لوگوں کوتملیکاً پیسے دیدئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، پھر وہ جہاں چاہیں خرچ کریں (۱)، اس صورت میں عالمگیر کے یا کسی اور کے فعل سے استدلال کی ضرورت نہیں اور ان کی پوری کیفیت بھی سامنے نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کفار کے میلہ میں چندہ دینا

سوال[۹۵۵۰]: ۱......ملک برہما میں یہ دستور ہے کہ ہر ایک سال ہر ہر محلّہ میں ایک ایک مہینہ میلہ لگتا ہے، جس میں ناچ، رنگ، سرود وغیرہ کھیل تماشے بھی ہوتے ہیں۔ اس مہینہ کو برہمی زبان میں ''پھیا پھیلوی'' یعنی ''بھوت میلہ'' کہتے ہیں، جس میں روپیہ پیسہ چندہ دیتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... چندہ دینے والے لوگ کہتے ہیں کہ جیسا زمانہ ہو ویسا چلنا چاہئے۔ تو ایسے لوگ اسلام سے خارج ہوجاتے ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو پھر اس جیسے کہنے والے کے پیچھے اقتدا فی الصلوۃ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... بلکہ ناجائز ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية (۲)۔

۲...... یہ لوگ اسلام سے واقف نہیں اس لئے ایسا کہتے ہیں، ان کو مسئلہ سمجھا دیا جائے کہ اسلام نے ہر

---

(۱) "وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين .... مسلمٌ وهب لمرتد هبةً فعوّضه منها المرتد، ثم قتل أو لحق بدار الحرب، جازت الهبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشيديه)

(۲) (سورة المائدة: ۲)

"هو عام لكل بر و تقوى و كل إثم و عدوان". (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۳۱، مكتبه حقانيه پشاور)

ہر مسئلہ ضروریہ کو تفصیل سے بیان کردیا ہے اور اس کی اجازت نہیں دی کہ جیسا زمانہ ہو ویسا چلنا چاہیئے (۱)۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو ایسے لوگوں کو امام نہ بنایا جائے جب کہ ان سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو، کیونکہ امامت کے لئے صالح، دیندار، متبع شریعت اور مسائلِ شرعیہ سے واقف آدمی ہونا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ربیع الثانی/۶۷ھ۔

غیر مسلم کی تقریب میں مصلحۃً وسیاسۃً شرکت کر کے چندہ دینا

سوال [۱۹۵۵۱]: کیا غیر مسلموں کے مذہبی کاموں میں مثلاً: مندر بنوانے یا مورتی کے نصب کے موقع پر جشن وغیرہ میں چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ موجودہ بھارت میں مصلحتاً یا سیاستاً چندہ دینا جائز ہے، لیکن حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے بہار کے اسکولوں میں گاندھی جی کا مشہور گھیت ''جن من گن'' پڑھنے سے سختی سے منع فرمادیا تھا، لیکن زید نے مصلحتاً جائز کہہ دیا۔ اس بارے میں کس کا قول درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور کی رائے صحیح ہے، اس راستہ کو بند ہی کیا جائے، ہرگز نہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم، وأتممت علیکم نعمتي، و رضیت لکم الإسلام دیناً﴾. (سورة المائدة: ۳)

قال الحافظ ابن کثیر: "هذه أکبر نِعَم الله تعالیٰ علی هذه الأمة حیث أکمل تعالی لهم دینهم، فلا یحتاجون إلی دینٍ غیره، ولا إلی نبيّ غیر نبیهم صلوات الله وسلامه علیه، ولهذا جعله الله تعالیٰ خاتم الأنبیاء و بعثه إلی الإنس والجن، فلا حلال إلا ما أحله ولا حرام إلا ما حرمه و لا دین إلا ما شرعه، وکل شيء أخبر به، فهو حق و صدق لا کذب فیه و لا خلف". (تفسیر ابن کثیر: ۱۲/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا في روح المعاني: ۶۰/۲، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في معارف القرآن: ۳۲/۳، ادارة المعارف، کراچی)

کھولا جائے، تھوڑے کی اجازت سے بات بہت دور تک پہونچے گی جس کا نتیجہ بہت خراب نکلے گا، جیسا کہ بعض جگہ کا مشاہدہ ہے: "من تشبه بقوم، فهو منهم". الحديث(۱)۔ ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا، فتمسكم النار﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمی)

(وسنن أبی داؤد، كتاب اللباس، باب لبس الشهر، ص: ۵۵۸، دارالحديث ملتان)

قال الملا علی القاری: "من شبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا فی بذل المجهود، كتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۵/۴۰، معهد الخليل الاسلامی، كراچی)

قال العلامة المناوی: "من تشبه بقوم": أی تزيا فی ظاهره بزيّهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسيرتهم و هديهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا يجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ...... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغيرهم، فقد يظن به من لا يعرفه أنه منهم، فيظن به ظن السوء، فيأثم الظانّ والمظنون فيه بسبب العون عليه. وقال بعضهم: قد يقع التشبه فی أمور قلبية .... وقد تكون عادات فی نحو طعام و لباس ومسكن و نكاح و اجتماع و افتراق .... و قد يحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصيةً أو شعاراً لها، كان حكمه كذلک". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحديث: ۸۵۹۳)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) (سورة هود: ۱۱۳)

﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾: أی لاتميلوا إليهم أدنى ميل، والمراد بهم المشركون كما روى ذلک ابن جرير وابن أبی حاتم عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما. وفسر الميل بميل القلب إليهم بالمحبة، وقد يفسر بما هو أعم من ذلک كما يفسر ﴿الذين ظلموا﴾ ممن وجد منه مايسمى ظلماً مطلقاً .... ويشمل النهی حينئذ مداهنتهم وترک التغيير عليهم مع القدرة، والتزيی بزيهم وتعظيم ذكرهم ومجالستهم من غير داع شرعی .... وإذا كان حال الميل فی الجملة إلى=

ہندوؤں کی رسم میں چندہ

سوال[۹۵۵۲]: ہم لوگ ایسی جگہ پر رہتے ہیں کہ جہاں اکثر آبادی ہندوؤں کی ہے اور ہم لوگوں کو ان کے ساتھ مل جل کر رہنا ہوتا ہے، اگر ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں تو ہم لوگوں کو ہر طرح کھانے پینے کی چیزیں ملنا اور کسی قسم کا کاروبار کرنا مشکل ہوجائے گا، بچوں کی تعلیم بھی مشکل ہوجائے گی۔ اگر ہم ان کے ساتھ مل کر رہتے ہیں تو یہ لوگ اپنے کسی کسی پوجا میں مثلاً: کالی درگاہ، لکھشمی وغیرہ میں ہم سے کچھ چندہ کرتے ہیں، اگر نہ دیا جائے تو یہ لوگ ہم سے دشمنی رکھتے ہیں اور خطرہ کا سبب ہوجاتا ہے۔

لہذا آپ سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ اس مجبوری کے درجہ میں اگر کچھ پیسہ یا سامان دیدیں تو یہ جائز ہے یا نہیں، اور ہم لوگ اس میں گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں ان لوگوں کو چندہ دے دیا جائے جو چندہ مانگنے آئیں، پھر وہ جہاں ان کا دل چاہے خرچ کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۳ھ۔

= من وجد منه ظلم مافي الإفضاء إلى مساس الناس النار، فما ظنك بمن يميل إلى الراسخين في الظلم كل الميل، ويتهالك على مصاحبتهم ومنادمتهم، ويتعب قلبه وقالبه إدخال السرور عليهم ويستنهض الرجل والخيل في جلب المنافع إليهم ويبتهج بالتزيي بزيهم، والمشاركة لهم في غيهم، ويمد عينيه إلى مامتعوا به من زهرة الدنيا الفانية". (روح المعاني، (سورة هود: ۱۱۳): ۱۲/۱۵۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) مطلب یہ ہے کہ ان کو تملیکاً دیا جائے، ان کی ملک میں آنے کے بعد کسی بھی جگہ خرچ کرنے سے چندہ دہندگاں پر مواخذہ نہیں ہوگا:

"وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين .... مسلمٌ وهب لمرتد هبةً، فعوّضه منها المرتد ثم قتل أو لحق بدار الحرب، جازت الهبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشيديه)

ہولی میں چندہ دینا

سوال[۹۵۵۳]: عمر جس محلہ کی مسجد میں رہتا ہے، اس میں مسلمان کم اور ہندو بہت ہی زیادہ ہیں اور وہ اس سے کبھی گر بنس کی پوجا کے لئے چندہ لینے آتے ہیں اور کبھی ہولی کا چندہ لینے آتے ہیں۔ تو کیا اس کو چندہ دیدینا چاہیئے؟ ایک بار اس نے ہولی کا چندہ نہیں دیا، رات کو اس کے احاطہ میں لگی ہوئی لکڑیاں اکھاڑ کر لے گئے اور ہولی میں جلادیں۔ جب وہ صبح سو کر اٹھا تو دیکھا کہ اس کے احاطہ کی بہت سی لکڑیاں کوئی رات میں چوری سے اکھاڑ کر لے گیا۔ تو کیا ایسی حالت میں اسے روپیہ، آٹھ آنے چندہ دیدینا چاہیئے جب کہ اس کے مقابلہ میں اس کا بہت نقصان ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجبوری کی حالت میں ان کو پیسے دیدے جو مانگنے آئے، یعنی ان کی ہی ملک کردے، پھر وہ جہاں چاہیں خرچ کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

سانگ کرانا اور اس میں روپیہ دینا

سوال[۹۵۵۴]: ہندوؤں نے ہمارے گاؤں میں ایک مندر تعمیر کرایا تھا، اور اس کے لئے سانگ کرایا تھا (۲) اس میں روزانہ طے کے علاوہ جو بچتا تھا وہ مندر کا ہوگا، اس میں مسلمانوں نے بھی انعام دیا۔ ہندوؤں کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی سانگ کرایا۔ ایک شخص نے حجرہ کے لئے ۵۱/ روپے دیئے تھے، ان روپیہ کو سانگ والوں کو دے کر دوسرا سانگ کرایا۔ تقریباً ۱۹۰/ روپے زائد تھے تو ان بچے ہوئے روپیہ کو حجرہ کی تعمیر میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين .... مسلمٌ وهب لمرتد هبةً، فعوّضه منها المرتد ثم قتل أو لحق بدار الحرب، جازت الهبة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشیدیه)

(۲) "سانگ کرنا: تماشا کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۹، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداً ومصلياً:

سانگ کھیلنا، اس کا دیکھنا، اس پر انعام دینا سب غلط اور خلافِ شرع ہے، مسلمانوں کو غیر مسلموں کی حرص میں ایسا کرنا اور بھی بے غیرتی ہے(۱)۔ جو روپیہ بچ گیا ہے وہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے انعام دیا ہے، ان کو واپس کر دیا جائے، پھر اگر سب متفق ہو کر از سرِ نو تعمیرِ حجرہ کے لئے دیں تو تعمیر میں خرچ کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم" (مشکوة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ص: ۵۵۸، دار الحدیث ملتان)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه اللہ تعالیٰ: "من شبه نفسه بالکفار مثلاً فی اللباس وغیره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أی فی الإثم والخیر". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۱۵۵، رشیدیه)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۵/۴۰، معهد الخلیل الاسلامی کراچی)

قال العلامة المناوی: "من تشبه بقوم": أی تزیا فی ظاهره بزیّهم، و فی تعرّفه بفعلهم، وفی تخلقه بخلقهم، وسار بسیرتهم و هدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم: أی وکان التشبه بحق قد طابق فیه الظاهرُ الباطنَ .... و أنه لا یجوز الآن لبس عمامة زرقاء أو صفراء ...... لو خص أهل الفسوق والمجون بلباسٍ منع لبسه لغیرهم، فقد یظن به من لا یعرفه أنه منهم، فیظن به ظن السوء، فیأثم الظانّ والمظنون فیه بسبب العون علیه. وقال بعضهم: قد یقع التشبه فی أمور قلبیة .... وقد تکون عادات فی نحو طعام و لباس ومسکن و نکاح و اجتماع و افتراق .... و قد یحمل منهم فی القدر المشترک الذی شابههم فیه، فإن کان کفراً أو معصیةً أو شعاراً لها، کان حکمه کذلک". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱۱/۵۷۴۳، ۵۷۴۴، (رقم الحدیث: ۸۵۹۳)، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض)

(۲) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". (مجمع الزوائد، کتاب البیوع، باب الغصب: ۴/۲۷۲ دار الفکر بیروت) .... =

غیر مسلم سے کفن سلوانا

سوال[۹۵۵۵]: غیر مسلم سے کفن سلوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہے، جیسے اور معاملات درست ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کافر میت کو جلانے کے لے سامان دینا

سوال[۹۵۵۶]: اگر کوئی کافر مردہ آدمی کو ہسپتال سے گاڑی یا کشتی وغیرہ سے پہونچادیں، یا مردہ جلانے کے لئے سامان فراہم کردیں تو"تعاون علی المعصیة"ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے کہ"إعانة علی المعصیة"ہے،لہذا اجتناب چاہیئے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

= (ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

(وكنز العمال، الفرع الثاني في أحكام الايمان: ۱/۳۹۷، التراث الإسلامي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب ما جاء في الظلم، ص: ۲۰۲، حقانيه پشاور)

(۱) "لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملة إذا كان مما لا بد منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية، كتاب الحظر والإباحة، ص: ۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۴، رشيديه)

(۲) "ويكره تحريماً بيع السلاح من أهل الفتنة إن علم؛ لأنه إعانة على المعصية". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة، قبيل كتاب اللقيط: ۴/۲۶۸، سعيد) .... =

ہندولاش کوجلانے کے لئے مسلمان کالکڑی فروخت کرنا

سوال[۹۵۵۷]: ہندوکی میت جلوانے کے واسطے ایک مسلمان کالکڑی وغیرہ دیناشرعاً کیساہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مسلم سے اگر ہندولکڑی خریدے اور مسلم کومعلوم ہے کہ یہ اس سے مردہ جلاوے گا، اس کے ہاتھ فروخت کرنادرست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، مظاہرعلوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

(مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، قبيل كتاب اللقيط: ۵۱۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

سوال: ''ایک امام باڑہ بنتاہے ایک شخص نے اپناسامان یعنی کڑی وغیرہ واسطے طیاری امام باڑہ کے مالک امام باڑہ کے ہاتھ فروخت کردی زید کہتاہے کہ یہ شخص جس نے اپنی کڑی امام باڑہ کے واسطے فروخت کردی بڑا گنہگار ہوا یہ کہنا زید کا صحیح ہے یاغلط''؟

جواب: ''اگرکوئی امام باڑہ کے بنانے کوکڑی خریدکرے تواس کے ہاتھ کڑا کا بیع کرناامام صاحب کے نزدیک درست ہے کہ مکان بنانے سے گناہ نہیں ہوتا بلکہ گناہ دوسرا فعل ہے مگربہتر ہے کہ اعانت نہ کرے''۔ (فتاویٰ رشیدیه، کتاب خریدوفروخت کے مسائل، عنوان مسئله: امام باڑہ کی تعمیر کے لئے سامان بیچنا، ص: ۴۹۲، سعید)

''ومن اجر بيتاً لتيخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباح فيه الخمر بالسواد، فلا بأس به، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقالا: لاينبغي أن يكريه لشئ من ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية''. (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴۷۲/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) چونکہ معصیت لکڑی کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں، بلکہ ہندوکے فعل (جلانے) سے ہے، لہٰذالکڑی بیچنے میں بظاہرکوئی حرج نہیں:

''ولابأس بيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقام بعينه بل بعد تغييره، بخلاف بيع السلاح في أيام الفتنة؛ لأن المعصية تقوم بعينه. قال: ومن اجر ليتخذ فيه بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباح فيه الخمر بالسواد، فلا بأس به، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ''. (الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴۷۲/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

الفصل الرابع فی إعانة الفساق والفجار

(فاسق وفاجر کی مدد کرنے کا بیان)

ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے

سوال[۹۵۵۸]: مزدوروں کی جماعت کا صدر، سکریٹری بننا کیسا ہے جس میں شرعی اور غیر شرعی ہر قسم کے کام کرنے ہوتے ہیں؟ کیا کسی مسلمان صدر کو کسی غیر مسلم کی میت میں جانا، یا اس کی ہڈیاں جمع کرنے کے لئے جانا اور ندی میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ نیت شرک کی نہیں، نہ استعانت کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر شرعی ناجائز کام کرنا سب کے لئے ناجائز ہے، صدر یا سکریٹری کو ناجائز کام کرنا، یا کرانا اپنے انتظام سے اور بھی زیادہ مذموم ہے(۱)، خاص کر جو امور شعارِ کفر ہوں ان کی ہرگز اجازت نہیں اگر چہ شرک کی نیت اور اعانت و استعانت مقصود نہ ہوں(۲)۔ جہاں تک اجتماعی نظم کا تعلق ہے، اس کے لئے اگر صدر یا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الایة (سورة المائدة: ۲)

قال الملاجیون رحمه الله تعالیٰ: "هو عام لکل برٍ و تقوی وإثمٍ وعدوانٍ، هکذا قال المفسرون". (التفسیرات الأحمدیه، ص: ۳۳۱، مکتبه حقانیه پشاور)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمه الله تعالیٰ تحت هذه الآیة: "یأمر تعالیٰ عباده المؤمنین بالمعاونة علی فعل الخیرات وهو البر، و ترک المنکرات وهو التقوی، وینهاهم من التناصر علی الباطل والتعاون علی المآثم والمحارم". (تفسیر ابن کثیر، (سورة المائدة: ۲): ۲/۱۰، مکتبه دار الفیحاء)

"کل ما یؤدی إلی مالا یجوز، لا یجوز". (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۶/۳۶۰، سعید)

(۲) "ویکفر بخروجه إلی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلک الیوم". (مجمع الأنهر، کتاب السیر، باب المرتد، ثم أن ألفاظ الکفر أنواع: ۲/۵۱۳، غفاریه کوئٹه) =

سکریٹری بنادیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں جب کہ وہ آدمی اس کی اہلیت بھی رکھتا ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معصیت میں ساتھ دینا

سوال[۹۵۵۹]: مسماۃ زہرہ بی بی منکوحہ مسمی گل حسن کو مسمی غلام محمد فرار کر کے لے گیا ہے اور چار ماہ سے اس کے ساتھ زنا کر رہا ہے۔ مسمی گل حسن غریب اور ناتواں ہے، بجز شریعت کے وہ کسی اور کو نہیں پکار سکتا۔ غلام محمد کہتا ہے کہ اسلام چھوڑ دوں گا، مگر عورت کو نہیں چھوڑوں گا، کچھ لوگ غلام محمد کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اب دارالعلوم دیوبند سے اس کا فیصلہ مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کرنا قطعی حرام ہے: ﴿ولا تقربوا الزنی إنه كان فاحشةً و ساء سبيلاً﴾ الایة (۲)، جو شخص اس خبیث فعل میں مبتلا ہو وہ سخت گنہگار ہے اور لوگوں کے ذمہ حسب استطاعت اس سے

= (وكذا في الفتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۳/۵۷۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

(۱) "لابأس بأن يضيف كافراً لقرابة أو لحاجة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(وكذا في الملتقط، ص: ۲۷۷، حقانيه كوئٹه)

(۲) (سورة الإسراء: ۳۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿فمن ابتغى وراء ذلك، فأولئك هم العادون﴾ (سورة المؤمنون: ۷)

"عن الهيثم بن مالك الطائي رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مامن ذنب بعد الشرك أعظم عند الله من نطفةٍ وضعها رجل في رحمٍ لا يحل له". (تفسير ابن كثير: ۳/۳۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

روکنا ضروری ہے(۱)، اس میں اس کا ساتھ دینا اور مدد کرنا معصیت ہے، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية(۲)۔

---

(۱) "عن طارق بن شهاب قال: أوّل من قدم الخطبة قبل الصلوة مروان، فقام رجل فقال لمروان: خالفت السنة، فقال: يافلان! قدترك ماهناك، فقال أبو سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه: أما هذا فقد قضى ما عليه، سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (جامع الترمذى، أبواب الفتن، باب ماجاء فى تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب: ۲/۴۰، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر، من الإيمان الخ: ۱/۵۱، قديمى)

(ومسند أحمد بن حنبل، مسند أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۰۲۷۶): ۳/۳۹۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ: "ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً وجب الزجر عنه، وإذ كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، إن ندب فمندوب، ولم يتعرض له فى الحديث؛ لأن النهى عن المنكر شامل له؛ إذ النهى عن الشئ أمر بضده، وضد المنهى إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف. وشرطهما أن لا يؤدى إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهارا لشعار الإسلام. ولفظ "من" لعمومه شمل كل أحد رجلاً أو امرأةً، عبداً أو فاسقاً أو صبياً مميزاً إذا كان، وإن كان يستقبح ذلك من الفاسق، قال الله ﴿أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم﴾ وقال عزوجل ﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾.......... قال النووى رحمه الله تعالىٰ فى شرح مسلم: قوله: "فليغيره بيده" هو أمر إيجاب، وقد تطابق على وجوبه الكتاب والسنة وإجماع الأمة، وهى أيضاً من النصيحة التى هى الدين .... فمن وجب عليه وفعله ولم يمتثل المخاطب، فلا عتب بعد ذلك عليه، لكونه أدى ماعليه، وماعليه أن يقبل منه. وهو فرض كفاية، ومن تمكن منه وتركه بلا عذر، أثم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۱۳۷): ۸/۸۶۲، رشيديه)

(۲) (سورة المائده: ۲)

قال الملاجيون رحمه الله تعالىٰ: "هو عام لكل بر و تقوى وإثم و عدوان". (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۳۱، مكتبه حقانيه پشاور) ....=

اگر اس کے ساتھ میل جول ترک کردینے سے اس کی اصلاح کی توقع ہے تو میل جول ترک کردینا چاہیئے، ظالم سے الگ رہنے کا حکم ہے: ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾ الاية(۱)۔ جو شخص یہ کہے کہ اسلام کو چھوڑ دوں گا، حرامکاری نہیں چھوڑوں گا، اس کا ایمان برقرار رہنا دشوار ہے(۲)۔ حق تعالیٰ ہدایت دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۷ھ۔

= وقال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكرات و هو التقوى. وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، دار السلام رياض)

(۱) (سورة هود: ۱۱۳)

"﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾: أي لاتميلوا إليهم أدنى ميل، والمراد بهم المشركون كماروى ذلك ابن جرير وابن أبي حاتم عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما. وفسر الميل بميل القلب إليهم بالمحبة، وقد يفسر بما هو أعم من ذلك كما يفسر ﴿الذين ظلموا﴾ ممن وجد منه مايسمى ظلماً مطلقاً .... ويشمل النهي حينئذ مداهنتهم وترك التغيير عليهم مع القدرة، والتزيي بزيهم، وتعظيم ذكرهم ومجالستهم من غير داع شرعي .... وإذا كان حال الميل في الجملة إلى من وجد منه ظلم مافي الإفضاء إلى مساس الناس النار، فما ظنك بمن يميل إلى الراسخين في الظلم كل الميل، ويتهالك على مصاحبتهم ومنادمتهم، ويتعب قلبه وقالبه إدخال السرور عليهم ويستنهض الرجل والخيل في جلب المنافع إليهم ويبتهج بالتزى بزيهم، والمشاركة لهم في غيهم، ويمد عينيه إلى مامتعوا به من زهرة الدنيا الفانية". (روح المعاني، (سورة هود: ۱۱۳): ۱۲/۱۵۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "الرضا بالكفر كفرٌ". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم: ۳/۵۷۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الباب الرابع في الإيمان والإسلام: ۶/۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القاري الحنفي رحمه الله، قبيل بحث التوبه، ص: ۱۵۴، قديمي)

قاتل کی مدد کرنا

سوال[۹۵۶۰]: زید نے عمر کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، جس کا سبب کچھ زمین کا جھگڑا ہے، اور اب قتل ہو جانے کے بعد زید پریشان ہے کہ مغفرت کی کیا شکل ہو۔ تو کیا ایسے شخص کی مغفرت ہونے کی کوئی شکل ہے؟ ایسے شخص کی بعد القتل رہائی کی کوشش کرنا اور مدد کرنا کہ کسی طرح چھوٹ جائے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز آجائے شرعاً درست ہے کہ نہیں؟ جو فعل اس سے صادر ہوا ہے وہ مقتول کی بدعنوانیوں کو دیکھ کر ہوا ہے تو کیا ایسی شکل میں اس مدد کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مقتول کے واسطے دعائے مغفرت، ایصال ثواب اور اس کے بچوں کی اعانت (امداد) دلجوئی کرتا رہے، زیادہ سے زیادہ ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار میں مشغول رہے، حق تعالیٰ سے توقع ہے کہ وہ اس جرم عظیم میں تخفیف فرمائے گا، وہ اس مرحوم مقتول کو اپنے خزانۂ غیب سے بہت کچھ دے کر راضی فرما دے تو کیا بعید ہے(۱)۔

جس طرح مقتول کے ساتھ ہمدردی کا حکم ہے، قاتل کے ساتھ بھی ہمدردی کا حکم ہے، اس کی ہمدردی یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کما ورد فی الحدیث: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً"۔ اس پر دریافت

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفر عنكم سيآتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال الإمام النووی رحمه الله تعالىٰ: "التوبة مااستجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع من المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً. فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البراءة منه. وركنها الأعظم الندم". (شرح النووی على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمی)

ايضاً راجع للتفصيل: (روح المعانی، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وإنجاح الحاجة حاشية ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمی)

کیا گیا کہ ظالم کی نصرت کس طرح کی جائے تو فرمایا: ''اس کو ظلم سے روکنا یہ اس کی مدد ہے'' (۱)۔

اگر رہائی میں اس کی توقع ہو تو یہ بھی اس میں داخل ہے، لیکن اس کو بے قصور قرار دینے کی کوشش کرنا یہ جائز نہیں ہے، یہ ظلم کی اعانت ہے (۲)، جھوٹ ہے جو کہ خود مستقل جرم ہے (۳)۔

ہاں! کوشش اس طرح ہو سکتی ہے کہ مقتول کے ورثاء کو روپیہ دے کر خوشامد کر کے راضی کر لیا جائے، یہ صورت درست ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۵ھ۔

مقتول اور قاتل کی مدد کرنا

سوال [۹۵۶۱]: ایک مسلمان کو چند مسلمانوں نے مل کر قتل کر دیا، اب چند مسلمان قاتلوں کی جانی و مالی امداد کر رہے ہیں۔ ان کے لئے کیا حکم ہے، جب کہ مقتول بظاہر بے گناہ ہے؟ ایسی صورت میں قاتل کی مدد کی جائے یا مقتول کے ورثاء کی مدد کی جائے؟ از روئے شرع جواب دیں۔

---

(۱) الحديث بتمامه: "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً". قال: يارسول الله! هذا ننصره مظلوماً، فكيف ننصره ظالماً؟ قال: "تأخذ فوق يديه". (صحيح البخاري، أبواب المظالم، باب عن أخاك وظالماً أو مظلوماً: ۱/ ۳۳۱، قديمي)

(راجع للتفصيل، فتح الباري، أبواب المظالم: ۵/ ۱۲۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق، ص: ۱۰، قديمي)

(۴) "﴿ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لِوَليّه سلطاناً﴾: أي سلطةً على القاتل، فإنه بالخيار فيه: إن شاء قتله قوداً، وإن شاء عفا عنه على الدية، وإن شاء عفا عنه مجاناً". (تفسير ابن كثير، سورة بني إسرائيل: ۳/ ۳۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

ناحق قتل کرنا جرمِ عظیم ہے(۱) ظلم کا ساتھ دینا اوراس کی مدد کرنا بھی سخت گناہ ہے لقولہ تعالیٰ: ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية (۲)۔ اس کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اورآخرت میں بھی، مظلوم کی مدد کرنا حسبِ حیثیت لازم ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۹۱ھ۔

اپنے باپ کے قاتل کی مدد کرنا

سوال[۹۵۶۲]: پانچ بھائیوں نے سازش کرکے اپنے باپ کو قتل کردیا، ان میں سے چار بھائیوں نے رشوت لوگوں سے دلوا کر رہائی حاصل کرلی۔ اب اس صورت میں ان لڑکوں کی مدد کرنا ان کے ساتھ برتاؤ کیسا کرنا اوران کا باپ کو قتل کرنے کا کیا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بلاوجہ شرعی اپنے باپ کو قتل کرنا بہت بڑا ظلم اورسخت قسم کا گناہ ہے، اس کا وبال ناقابلِ برداشت ہے(۴)،

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً، فجزاؤه جهنم خالداً فيها، وغضب الله عليه، ولعنه، وأعدّله عذاباً عظيماً﴾. (سورة النساء: ۹۳)

(۲) (سورة المائدة: ۲)

(۳) "عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع، فذكر عيادة المريض واتباع الجنائز وتشميت العاطس وردّ السلام ونصر المظلوم".

(صحيح البخاري، أبواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم: ۱/۱۳۳۱، قديمي)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق﴾ (سورة الإسراء: ۳۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فلا تقل لهما أف و لا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

والدین کو جب اف تک کہنا صحیح نہیں ہے تو ان کو مارنا اورقتل کرنا بطریقِ اَولیٰ ناجائز وحرام ہے:

قال العلامة ابن كثير رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿فلا تقل لهما أف﴾: أي لاتُسمعهما قولاً سيئاً حتى ولا التأفيف الذي هو أدنى مراتب القول السيّئ". (تفسير ابن كثير، (سورة الإسراء: =

اس سلسلہ میں ان کی کوئی مدد نہ کی جائے (۱) نہ رشوت دے کر اس جرمِ عظیم کو چھپایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۸۸ھ۔

= ۲۳): ۳/ ۵۰، مکتبه دارالفيحاء بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"هو عام لكل برٍ و تقوى وإثمٍ وعدوانٍ، هكذا قال المفسرون". (التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، مكتبه حقانيه پشاور)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ تحت هذه الآية: "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، و ترك المنكرات وهو التقوى. وينهاهم من التناصر على الباطل والتعاون علي المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲) : ۲/ ۱۰، دارالفيحاء بيروت)

"كل ما يؤدى إلى مالا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۰، سعيد)

(۲) رشوت دینا چونکہ اصالۃً حرام ہے، بعض صورتوں میں فقہائے کرام نے گنجائش کے مطابق اجازت دی ہے، لیکن صورتِ مذکورہ میں چونکہ کام بھی ناجائز ہے، اس لئے اس پر رشوت دینا حرام درحرام ہے:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ثم الرشوة أربعة أقسام: منها: ماهو حرام على الآخذ والمعطى، وهو الرشوة على تقليد القضاء والإمارة. الثاني: إرتشاء القاضي ليحكم، وهو كذلك ولو القضاء بحق؛ لأنه واجب عليه. الثالث: أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعاً للضرر أو جلباً للنفع، وهو حرام على الأخذ فقط .... الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله، حلال للدافع حرام على الأخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب، انتهى مافي الفتح ملخصاً". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/ ۳۶۲، سعيد)

"عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي". (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۲/ ۱۴۸، مكتبه رحمانيه، لاهور) =

ظالم کی رہائی میں مدد کرنا

سوال[۹۵۶۳]: زید وعمرو دو بھائی تھے، زید نابالغ اور عمر بالغ۔ عمر نے اپنے باپ خالد کا قرض مشترکہ زمین سے ادا کیا، زمین فروخت کر کے لیکن زید کی نابالغی کی وجہ سے دستخط نہیں ہوئے، اب چک بندی کے دوران بیع شدہ زمین عمر کے حصہ میں آئی اور زید کا حصہ نہیں دیا کہ دستخط نہیں تھے۔ زید کا مطالبہ ہوا کہ موجودہ زمین سے نصف مجھے دو، عمر نے انکار کیا جس کی وجہ سے معاملات کشیدہ ہوگئے، یہاں تک کہ عمر زید کو قتل کرنے کے ارادہ سے کئی مرتبہ گیا۔

اس کے بعد ایک بیوہ عورت نے زید کے لڑکے سے نکاح کرنا چاہا، عمر اپنے لڑکے سے چاہتا تھا، مگر عورت تیار نہیں تھی جس کی وجہ سے عداوت میں کافی اضافہ ہوگیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے مل کر مصالحت چاہی، مگر عمر نے دوسرے روز زید کو دن میں مصالحت کے بہانہ سے بلا کر اچانک قتل کر دیا، جب زید کی عورت نے شور مچایا تو اس کو بھی ختم کر دیا، کیا اس صورت میں زید اور اس کی بیوی شہید ہوئے کہ نہیں؟ اور عمر کی قید سے رہائی کے لئے مدد کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید اور اس کی عورت دونوں شہید ہیں(۱)۔ اگر عمر نے اپنی حرکت پر نادم ہو کر سچی توبہ کر لی اور اس پر

= قال العلامة خليل أحمد سهارنفوري رحمه الله تعالىٰ تحت قوله: "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : الراشي". أي معطي الرشوة "والمرتشي": أي آخذها. قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: الراشي المعطي، والمرتشي الآخذ، وإنما يلحقهم العقوبة معاً إذا استويا في القصد والإرادة، ورشاء المعطي لينال به باطلاً ويتوصل به إلى الظلم. فأما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلماً، فإنه غير داخل في هذا الوعيد". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۳۰۷/۵، مكتبه إمداديه ملتان)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهل فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد". (مسند الإمام أحمد: ۳۱۱/۱، (رقم الحديث: ۱۶۵۵)، دار إحياء التراث العربي)

"هو (أي الشهيد) كل مسلم طاهر بالغ قُتل ظلماً، الخ". (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية، =

اطمینان ہوتو اس کی مدد کرنا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

ظالم سے ہمدردی کا طریقہ

سوال[۹۵۶۴]: ظالم انسان کے ساتھ ہمدردی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور ہمدردی کی جائے اور اس کی ہمدردی یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے، کما ورد فی حدیث:

= ص: ۳۴۳، الصدف)

"الشهيد هو من قتله أهل الحرب .... أو قتله مسلم ظلماً، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلاة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمى)

اگر توبہ نہ کی ہو، بلکہ اسی طرح اپنے کئے ہوئے ظلم کو ظلم تصور نہ کرے، بلکہ جائز سمجھتا رہے تو یہ فسق ہے، اور فاسق کی اعانت جائز نہیں:

قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية (سورة المائدة: ۲)

قال الملاجيون رحمه الله تعالىٰ: "هو عام لكل برٍ و تقوى وإثمٍ وعدوانٍ، هكذا قال المفسرون". (التفسيرات الأحمديه، ص: ۳۳۱، مكتبه حقانيه پشاور)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ تحت هذه الآية: "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، و ترك المنكرات وهو التقوى. وينهاهم من التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲) : ۲/۱۰، مكتبة دار الفيحا بيروت)

"كل ما يؤدى إلى مالا يجوز، لا يجوز". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى اللبس: ۶/۳۶۰، سعيد)

"انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً". الحديث (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

ظالم کو مارڈالنا

سوال[۹۵۶۵]: عمر اور زنجن کی ایک اراضی کی بنا پر رنجش ہے، زیادتی زنجن غیر مسلم کی ہے، وہ بڑا فسادی اور غنڈہ ہے، عمر شریف اور دیندار ہے۔ ایک مرتبہ عمر کو لاٹھیوں سے مارنا شروع کیا اور دوسری مرتبہ گھونسوں اور جوتوں سے زدوکوب کیا۔ یہ شخص پولیس کا دلال بھی ہے، اس لئے پولیس والے اس کے خلاف کارروائی نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں اپنی جان کی حفاظت کے لئے زنجن کو جان سے مروادینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، قیامت میں اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنی جان کی حفاظت لازم ہے، اس کے لئے ہر مناسب تدبیر کو اختیار کی جاسکتا ہے(۲)، دوسرے کی

---

(۱) الحديث بتمامه: "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً". قال: يا رسول الله! هذا ننصره مظلوماً، فكيف ننصره ظالماً؟ قال: "تأخذ فوق يديه". (صحيح البخاري، أبواب المظالم، باب أعنْ أخاك ظالماً أو مظلوماً: ۳۳۱/۱، قديمي)

"فقال: "تأخذ فوق يديه" كنى به عن كفه عن الظلم بالفعل إن يكف بالقول، عبّر بالفوقية إشارةً إلى الأخذ بالاستعلاء والقوة". (فتح الباري، أبواب المظالم، باب أعن أخاك ظالماً أو مظلوماً: ۱۲۴/۵، قديمي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب ماجاء في الظلم، ص: ۲۰۲، حقانيه پشاور)

(۲) "ومن شهر على المسلمين سيفاً، فعليهم أن يقتلوه .... قوله: فعليهم .... إشارة إلى الوجوب، والمعنى وجوب دفع الضرر. وفي سرقة الجامع الصغير: و من شهر على رجل سلاحاً ليلاً أو نهاراً، أو شهر عليه عصا ليلاً في مصر أو نهاراً في طريق في غير مصر، فقتله المشهور عليه عمداً، فلا شيء عليه".

(الهداية، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص و ما لا يوجب: ۶۲/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص، الخ: ۲۳۲/۱۰، مصطفى البابي مصر)

جان لینا مقصود نہ ہونا چاہیئے، اس کا انجام دنیا اور آخرت میں برا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١١/١٠/٨٥ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١١/١٠/٨٥ھ۔

زانی کی مدد بھی گناہ ہے

سوال[٩٥٦٦]: ایک شخص برسرِ عام زنا کرتا ہے جب کہ اس کے پاس دو عورتیں شادی شدہ موجود ہیں، پھر بھی دوسری عورتوں کو بہلا پھسلا کر گھر لاتا ہے۔ اس کے اس کام میں اس کے والدین وغیرہ بھی شامل ہیں۔ تو کیا اس زنا کا گناہ اس کو تنہا ہوگا، یا جو اس کام میں اس کی مدد کر رہے ہیں ان کو بھی ہوگا؟ نیز ایسے شخص سے تعلق رکھنا، کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کرنا حرام کاری ہے(١)، اس میں اس کی جس قدر بھی کوئی مدد کرے گا وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا(٢)، تمام خاندان والوں کو ضروری ہے کہ اس کی روک تھام کریں(٣) اگر ترکِ تعلق سے اس کی اصلاح کی

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة الإسراء: ٣٢)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ٢)

"هو عام لكل برٍ وتقوى وإثمٍ وعدوانٍ، هكذا قال المفسرون". (التفسيرات الأحمدية، ص: ٣٣١، مكتبه حقانيه پشاور)

(٣) "وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: "يأيها الناس! إنكم تقرأون هذه الآية: ﴿يأيها الذين امنوا عليكم أنفسكم لايضرّكم من أضلّ إذا اهتديتم﴾ فإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الناس إذا رأوا منكراً فلم يغيّروه، يوشک أن يعمهم الله بعقابه". رواه ابن ماجة والترمذي وصححه. وفي رواية أبي داؤد: "إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه، أوشک أن يعمّهم الله بعقاب". وفي أخرى له: "ما من قوم يعمل فيهم بالمعاصي، ثم يقدرون على أن يغيّروا ثم لايغيرون، إلا يوشک أن يعمّهم الله بعقاب". وفي أخرى له: "مامن قوم يعمل فيهم بالمعاصي هم أكثر ممن يعمله".

وعن جرير بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "مامن رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون على أن يغيروا عليه، ولا يغيّرون إلّا =

توقع ہوتو اس کے یہاں کھانا پینا وغیرہ چھوڑ دیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۲ھ۔

بدکاری کی وجہ سے گھر سے نکالی گئی بھانجی کو اپنے یہاں پناہ دینا

سوال[۹۵۶۷]: میری بہن کی لڑکی ہے اس کی ماں کا انتقال ہوگیا ہے، باپ نالائق ہے، بھائی نے گھر سے باہر کردیا ہے اس وجہ سے کہ اس کے ناجائز بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ وہ لاوارث تھی اس لئے میں نے اس کی شادی کردی تھی، لیکن سال بھر بعد اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی، پھر دوسری جگہ شادی نہیں ہوئی تھی، سوچ رہے تھے کہ اب کہاں رشتہ تلاش کیا جائے کہ اس کی زندگی بن جائے، طلاق ہوئے دو سال ہوگئے۔

پہلی شادی جب ہوئی تو اس کے بھائی لوگ میرے اوپر بہت خفا ہوئے، اس لئے دوسری شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا، آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی عذاب بن کر رہ گئی۔ بھائیوں نے جب نکال دیا تو میرے گھر آئی ہے، رہ رہی ہے۔

= أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا". رواه أبوداؤد وابن ماجة". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، قديمي)

(۱) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليالٍ، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

قال الملا علي القاري عليه رحمه الله تعالىٰ: "قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته مايفسد عليه دينه أو يدخل مضرةً في دنياه، يجوز له مجانبة وبعده .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مرّ الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۷۵۸/۸، ۷۵۹، رشيديه)

اب بتایئے کہ میں اپنے گھر رکھوں یا نہ رکھوں اور اب اس کے بارے میں کیا کیا جائے، یعنی لڑکی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے؟ مجھ کو رکھنے میں عذاب ہوتو میں لڑکی کو نکال دوں، اور اگر عذاب نہ ہوتو میں رکھے رہوں اور پھر جب بچہ پیدا ہوتو بچہ کا کیا کروں؟ بچہ کو کہیں دور بھیج دوں یا کیا کروں؟ میں بہت پریشان ہوں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر وہ اس وقت نہ کسی کے نکاح میں ہے نہ عدت میں ہے تو کوشش کر کے کسی مناسب جگہ اس کا نکاح کردیا جائے، کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی جائے (۱) اور جب تک نکاح نہ ہو، آپ اس کو اپنے گھر رکھ سکتے ہیں، وہ آپ کی بھانجی ہے، آپ اس کے محرم ہیں (۲)۔ جو بچہ غلط طریقہ پر پیدا ہو اس کا کیا قصور ہے، وہ اپنی ماں کے پاس رہے گا، اس کو ماں سے جدا نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

ناجائز اولاد کو سماج میں جگہ دینا

سوال [۹۵۲۸]: ہمارے یہاں قصبہ سیانہ ضلع بلند شہر میں ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ اپنی ازدواجی زندگی گزارتی تھی، اس اثناء میں آج سے قریب پچیس سال قبل اپنے شوہر کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے ساتھ ناجائز طریقہ کے ساتھ چلی گئی۔ اور گھر سے فرار ہونے کے بعد اس شخص کے ساتھ بغیر طلاق اور بغیر نکاح کے رہنے لگی، جس کے بطن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جب کہ دونوں لڑکے اور لڑکیاں اب بالغ ہیں۔ اور قریب دس سال پہلے اس شخص کا انتقال ہو چکا ہے جس سے یہ چار بچے پیدا ہو چکے ہیں، اب ان بچوں کا سرپرست کوئی نہیں ہے، لہذا ہم اہلِ قصبہ سیانہ ضلع بلند شہر کے مسلمان بھائی یہ چاہتے ہیں کہ ان بچوں کو سماج میں جگہ دی جائے۔ اور اس عورت کے بارے میں بھی فتویٰ صادر فرمائیں کہ ان کو

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهاتکم ...... و بنت الأخ و بنت الأخت﴾ (النساء: ۲۳)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تزر وازرةٌ وزر أخریٰ﴾ (سورة الزمر: ۷)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه، ومن أساء فعلیها﴾ (حم السجدة: ۴۶)

قال العلامة الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ ﴿من أساء فعلیها﴾ ضرُّه لا علی الغیر". (روح المعانی (سورة حم السجدة: ۴۶): ۱۳۱/۲۴، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

سماج میں جگہ دی جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان بچوں نے تو کوئی جرم نہیں کیا(۱) ان کو سماج میں جگہ دے کر ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا جائے جس سے ان کی اچھی طرح تعلیم وتربیت ہو۔ اور اس عورت کو اس کی نالائق اور کمینہ حرکات سے توبہ کرا کے اس کی بقیہ زندگی کو شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه، ومن أساء فعليها﴾ (سورة حم السجدة: ۴۶)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿من أساء فعليها﴾ ضرُّه لا على الغير". (روح المعاني، (سورة حم السجدة: ۴۶): ۱۳۱/۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً، عسى ربكم أن يكفّر عنكم سيئاتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (سنن ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمي)

"والمراد بالتوبة هنا الرجوع عن الذنب، وقد سبق في كتاب الإيمان أن لها ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً. فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق. وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۸/۲۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

بقیة كتاب الحظر والإباحة

باب مايتعلق بالجنات

(جنات کا بیان)

۱	انسان افضل ہے یا جنات	۲۰
۲	کسی دیو کے نبی کی شکل وصورت اختیار کرنے کا عقیدہ	۲۱
۳	جن کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا	۲۲
۴	دیو کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنانا	۲۲
۵	جنات اور شیاطین انسان کو ستا سکتے ہیں یا نہیں؟	۲۵
۶	جن کا مختلف صورتوں میں آنا	۲۶
۷	مزارات پر جنات کا آنا	۲۷

۸	جن اور پیر کا عورتوں پر آنا	۲۹
۹	جنات سے حمل	۳۰
۱۰	جماعِ جن سے استقرار حمل	۳۱
۱۱	کیا آسیبی اثر سے زبان گنگ ہوسکتی ہے؟	۳۱
۱۲	جنات کو جلانا	۳۲
۱۳	جنات کا عمل	۳۲
۱۴	جنات کی مالی اعانت	۳۳
۱۵	مرغ کیوں بولتا ہے؟	۳۳
۱۶	گدھا کیوں بولتا ہے؟	۳۴
۱۷	گدھا کیوں بولتا ہے	۳۵
۱۸	ستارہ ٹوٹنے کا سبب، مرغ بولنے کی وجہ	۳۵
۱۹	ہمزاد کیا ہے؟	۳۶
۲۰	طویل العمر جن صحابی کا ظہور	۳۷

باب مایتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول فی السحر

(سحر کا بیان)

۲۱	سحر کا حکم	۴۸
۲۲	سحر کا اثر اور ساحر کا حکم	۴۹
۲۳	جادو کرنے والے کا حکم	۵۰
۲۴	دفعِ سحر کے لئے سحر سیکھنا	۵۱
۲۵	دفعِ سحر کے لئے سحر کرنا	۵۲
۲۶	دفعِ سحر کی ترکیب	۵۳

۲۷	مشرکانہ منتر سے علاج	۵۴
۲۸	منتر کے ذریعہ علاج کرنا	۵۵
۲۹	قرعہ کے ذریعے ساحر یا مجرم معلوم کرنا	۵۵
۳۰	جادو، گنڈہ وغیرہ غیر مسلم سے لینا	۶۱

الفصل الثانی فی العوذة

(تعویذ کا بیان)

۳۱	کیا تعویذ میں اثر ہے؟	۶۳
۳۲	تعویذ اور عملیات	۶۴
۳۳	خون سے تعویذ لکھنا	۶۵
۳۴	مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا	۶۶
۳۵	ڈاکوؤں کو تعویذ کے ذریعہ ہلاک کرنا	۶۷
۳۶	تعویذ، گنڈے کے لئے نامحرم سے میل جول	۶۸
۳۷	عورتوں کو عامل سے تعویذ لینا اور کاہنوں سے جھاڑ پھونک کرانا	۷۲

الفصل الثالث فی العملیات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

۳۸	عملیات سے متعلق چند ضروری سوالات	۷۳
۳۹	قرآن شریف کے ذریعہ چور کا نام نکالنا	۷۵
۴۰	آیتِ قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا	۷۶
۴۱	چور کا نام نکالنا	۷۷
۴۲	کافر سے جھاڑ پھونک	۷۷
۴۳	غیر مسلم سے آسیب کا علاج کرانا	۷۸

۴۴	غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا	۷۹
۴۵	حاضرات نکلوانا	۸۰
۴۶	نظرِ بد کے لئے مرچیں جلانا	۸۱
۴۷	نظر بد سے حفاظت کے لئے بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ لگانا	۸۲
۴۸	علم جفر کا حکم	۸۳
۴۹	جھاڑ پھونک سے سانپ کے کاٹنے کا علاج	۸۵
۵۰	غیر مسلم سے سانپ کے کاٹے کو جھڑوانا	۸۶
۵۱	سفلی عمل کے ذریعے سٹہ کا نمبر بتانا	۸۷
۵۲	عمل برائے امداد مظلومین واجرتِ تعویذ	۸۸
۵۳	عمل برائے گمشدہ	۸۹
۵۴	کشفِ ارواح کا عمل	۸۹
۵۵	شادی ہونے کے لئے عمل	۸۹
۵۶	وسعتِ رزق کا عمل	۹۰
۵۷	وسعتِ معیشت کا علاج	۹۰
۵۸	دستِ غیب کا عمل	۹۰
۵۹	یا جبرائیل بحق یا وھاب کا وظیفہ	۹۱
۶۰	"قل ھو اللہ أحد، یا جبرئیل" کا وظیفہ	۹۱
۶۱	"نادعلی" کا وظیفہ	۹۲
۶۲	عمل کو پلٹنے کا حکم	۹۳
۶۳	جوانی میں عملیات کرانا	۹۴
۶۴	لکھے ہوئے پانی کی مضرت اور اس کا علاج	۹۴
۶۵	عذابِ قبر سے حفاظت کا عمل	۹۵

باب الأشتات

(حظر واباحت کے مختلف مسائل کا بیان)

۶۶	سبز پتوں اور شاخوں کو کاٹنا........................	۹۷
۶۷	پھل دار درخت کو کاٹنا........................	۹۸
۶۸	پائنچے سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا........................	۹۹
۶۹	نئی صدی کا استقبال........................	۱۰۰
۷۰	غلط پروپیگنڈہ کی مذمت........................	۱۰۱
۷۱	چراغ پھونک مار کر بجھانا........................	۱۰۲
۷۲	ردّی کاغذ کا گتا بنانا........................	۱۰۳
۷۳	تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا........................	۱۰۴
۷۴	آلۂ مکبر الصوت........................	۱۰۵
۷۵	جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں، اس سے سحری کے لئے جگانا........................	۱۰۶
۷۶	بجلی سے آدمی کیوں مرجاتا ہے؟........................	۱۰۶
۷۷	کمر کے دونوں جانب ہاتھ رکھنا........................	۱۰۷
۷۸	کیڑے مکوڑوں کی پیدائش........................	۱۰۸
۷۹	غلامی کو ناپسند کرنا........................	۱۰۸
۸۰	دوسرے کی دیوار پر اپنے مکان کی بنیاد رکھنا........................	۱۰۹
۸۱	خدا کے واسطے معافی مانگنے پر معاف نہ کرنا اور روپے لے کر معاف کرنا........................	۱۱۰
۸۲	"اِنشاء اللہ" کہنا........................	۱۱۰
۸۳	''خدا اور رسول کو منظور ہو تو'' کہنا کیسا ہے؟........................	۱۱۱
۸۴	جشنِ بخاری شریف........................	۱۱۱

۸۵	کھانا کھاتے وقت چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنا	۱۱۳
۸۶	کسی کی بات کاٹنا	۱۱۴
۸۷	اپنی بات کو اونچا رکھنا	۱۱۴
۸۸	آبِ حیات	۱۱۵
۸۹	کیا لڑکے والا افضل ہے لڑکی والے سے؟	۱۱۵
۹۰	شاگرد سے احتلام کے کپڑے دھلوانا	۱۱۶
۹۱	نابالغ شاگرد سے خدمت لینا	۱۱۶
۹۲	چھوٹے بچوں سے خدمت لینا	۱۱۷
۹۳	امرد کی تعریف	۱۱۸
۹۴	امرد سے خط وکتابت	۱۱۹
۹۵	امرد کو کن سے احتراز کرنا چاہیئے؟	۱۱۹
۹۶	خودداری کا مفہوم	۱۲۰

کتاب الرھن

(گروی رکھنے کا بیان)

۹۷	توسیعِ مدتِ رہن پر معاوضہ لینا	۱۲۱
۹۸	مکانِ مرہون میں رہنا	۱۲۲
۹۹	مرہون سے نفع اٹھانا	۱۲۳
۱۰۰	مالک کی اجازت سے رہن سے نفع اٹھانا	۱۲۵
۱۰۱	انتفاع از رہن	۱۲۶
۱۰۲	انتفاع بالمرہون	۱۲۸
۱۰۳	انتفاع بالمرہون	۱۳۰
۱۰۴	موروثی زمین کو رہن رکھنا	۱۳۰
۱۰۵	کھیت کا رہن	۱۳۳

۱۰۶ زمین رہن پر دینے کی صورت ۱۳۴
۱۰۷ رہن اور اجارہ ۱۳۶
۱۰۸ ضمانِ مرہون میں کونسی قیمت معتبر ہوگی اور امانت کو رہن رکھنا ۱۳۹
۱۰۹ بیع و رہن کی ایک صورت ۱۴۰
۱۱۰ رہن کی واپسی ورثائے راہن کے لئے ۱۴۵

کتاب الفرائض

الفصل الأول فی الترِکة وتصرف المیت فیھا

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

۱۱۱ اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ورثاء پر تقسیم کرنا ۱۴۷
۱۱۲ مملوکہ اور سرکاری زمینوں میں وراثت ۱۴۹
۱۱۳ مالِ شرکت کی وراثت ۱۵۰
۱۱۴ کیا بیوی کے مرنے پر مہر بھی ترکہ ہے؟ ۱۵۲
۱۱۵ مرحومہ زوجہ کا مہر ترکہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ۱۵۲
۱۱۶ ایک بیٹے کو روپیہ دینے کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں حق ۱۵۳
۱۱۷ اپنی جائیداد مدرسہ کو دینا ۱۵۴
۱۱۸ اپنا پیسہ وارث کو دے یا مدرسہ میں؟ ۱۵۶
۱۱۹ غیر وارث کو کچھ جائیداد دینا ۱۵۶
۱۲۰ جائیداد دیکر واپسی ۱۵۸

الفصل الثانی فی مایتعلق بدَین المیّت و أمانته

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

۱۲۱ میت کے ذمہ قرض ہوتو اس کا حکم ۱۶۰

۱۲۲	قرضۂ میت کون ادا کرے؟	۱۶۲
۱۲۳	باپ کا قرض ادا کر کے اس کو میراث سے وصول کرنا	۱۶۲
۱۲۴	مرحوم کا قرضہ مسجد میں دینا	۱۶۴
۱۲۵	میت پر دعوائے دَین	۱۶۵
۱۲۶	ورثاء اور غرماء کے درمیان مصالحت	۱۶۶
۱۲۷	ورثاء اور غرماء کی مصالحت پر اشکال	۱۷۲
۱۲۸	دینِ مہر مقدم ہے میراث کی تقسیم پر	۱۷۲
۱۲۹	ودیعت کا روپیہ وفاتِ مودع پر اس کی مرضی کے خلاف صرف کرنا	۱۷۳
۱۳۰	میت کی امانت ورثاء کو دی جائے	۱۷۷
۱۳۱	میت کا مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہو گیا	۱۷۸

الفصل الثالث فی وصیة المیت وإقراره

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

۱۳۲	وصیت بحالتِ سکرات	۱۸۱
۱۳۳	وارث کے لئے وصیت	۱۸۳
۱۳۴	وصیت بحق وارث	۱۸۴
۱۳۵	وارث کے حق میں وصیت	۱۸۶
۱۳۶	چچازاد اور پھوپھی زاد میں تقسیم ترکہ اور وصیت	۱۸۸
۱۳۷	لڑکی کے حق میں وصیت	۱۹۰
۱۳۸	لڑکی کے لئے وصیت یا ہبہ	۱۹۲
۱۳۹	وارث اور اجنبی کے لئے وصیت	۱۹۵
۱۴۰	وارث کے حق میں وصیت	۲۰۲
۱۴۱	ایضاً	۲۰۴
۱۴۲	بھانجے، بھتیجے، پھوپھی، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے وصیت کرنا	۲۰۸

۱۴۳	بیٹی کے حق میں وصیت اور بیٹی اور مرحوم کے بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ........	۲۱۰
۱۴۴	وصیت ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے........	۲۱۴
۱۴۵	وصیت ایک تہائی میں........	۲۱۶
۱۴۶	وصیت اور تقسیم ترکہ........	۲۱۷
۱۴۷	مال وصیت کے بارے میں اختلاف........	۲۱۹
۱۴۸	میراث کی ایک صورت اور وصیت نامہ........	۲۲۰
۱۴۹	وصیت پورا کرنے کی ایک صورت........	۲۲۳
۱۵۰	قربانی کی وصیت پر عمل کب تک واجب ہے؟........	۲۲۴
۱۵۱	وصی اور وارث میں اختلاف........	۲۲۵
۱۵۲	بیوی کے لئے جائیداد کی وصیت........	۲۲۹
۱۵۳	کنواں کھدوانے کے لئے سو روپے کی وصیت........	۲۳۱
۱۵۴	والد کی وصیت کہ میرا فلاں بیٹا میرے کفن دفن میں شریک نہ ہو........	۲۳۲
۱۵۵	مرض الموت کی حد اور تعریف اور مرض الموت میں وارث کے حق میں اقرار........	۲۳۵
۱۵۶	عورت کا ارادہ تھا کہ اپنے کپڑے مدرسہ میں دیدے اس کے انتقال پر شوہر کیا کرے؟........	۲۳۶

الفصل الرابع فی استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدمِ استحقاقِ وراثت کا بیان)

۱۵۷	حقِ وراثت موتِ مورث کے بعد ہوتا ہے........	۲۳۷
۱۵۸	حقِ میراث نہ لینے سے باطل نہیں ہوتا........	۲۳۸
۱۵۹	حصۂ میراث پر قبضہ نہ کرنے سے میراث باطل نہیں ہوتی........	۲۳۹
۱۶۰	پراویڈنٹ فنڈ کا ورثہ میں سے مستحق کون ہوگا؟........	۲۴۱
۱۶۱	پراویڈنٹ فنڈ کا مستحق انتقالِ ملازم کے بعد کون ہے؟........	۲۴۶
۱۶۲	مدرس کے انتقال کے بعد اس کی بقایا تنخواہ کا مستحق اس کا بڑا لڑکا ہوگا یا سب اولاد؟........	۲۴۸

۱۶۳	غیر شادی شدہ لڑکا شادی کا خرچ میراث سے لے سکتا ہے یا نہیں؟	۲۵۰
۱۶۴	رخصتی سے پہلے انتقال ہو جائے تو مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی	۲۵۱
۱۶۵	دادا اور مربی کے مال میں حق	۲۵۲
۱۶۶	غائب غیر مفقود کا حصۂ وراثت	۲۵۵
۱۶۷	گناہ کی وجہ سے میراث ساقط نہیں ہوتی	۲۵۶
۱۶۸	کیا پاگل کی بیوی کو میراث ملے گی؟	۲۵۷
۱۶۹	ناراض بیوی کو میراث کا حصہ اور مہر دونوں ملیں گے	۲۵۹
۱۷۰	بحالتِ مرض طلاق سے بیوی کو وراثت ملے گی یا نہیں؟	۲۶۰
۱۷۱	کیا کوئی وارث ترکۂ میت کا کرایہ دار ہو سکتا ہے؟	۲۶۱
۱۷۲	سوال متعلق استفتاء بالا	۲۶۳
۱۷۳	دین مہر کی وراثت	۲۶۵
۱۷۴	جہیز، مہر، وراثت	۲۶۶
۱۷۵	متوفیہ بیوی کی اولاد کا مہر کا مطالبہ کرنا	۲۶۹
۱۷۶	بیوی کے انتقال کے بعد ادائیگی مہر کی صورت	۲۷۱
۱۷۷	وفاتِ شوہر پر مطالبۂ مہر اور حصۂ میراث	۲۷۲
۱۷۸	ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا	۲۷۴
۱۷۹	کیا بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ ملے گا؟	۲۷۶
۱۸۰	کسی وارث کی ترکہ سے دستبرداری، زندگی میں لڑکے لڑکی کو ہبہ میں برابری اور ان کے حصے	۲۷۷
۱۸۱	عورت کا سوتیلا بیٹا وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۲	داماد وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۳	حقِ وراثت جبراً وصول کرنا	۲۸۰
۱۸۴	دوسرے وارث کے حصہ پر قبضہ کرنا	۲۸۱
۱۸۵	والد کے موروثی مکان کو تعمیر کر کے اس میں دوسرے ورثاء کا حق	۲۸۳

۱۸۶	مشترکہ زمین میں کسی وارث کا مکان تعمیر کر کے ملکیت کا دعویٰ کرنا..........	۲۸۴
۱۸۷	باپ کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنا..........	۲۸۵
۱۸۸	غیر کفو میں نکاح اور مکانِ مورث پر قبضہ..........	۲۸۶
۱۸۹	متوفی کی زمین کو صرف نام کر دینے سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ورثاء کا حق ہے..........	۲۸۸

الفصل الخامس فی موانع الإرث

(موانعِ ارث کا بیان)

۱۹۰	کیا اختلافِ دارین مانعِ ارث ہے، وارث ہونے کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟..........	۲۹۱
۱۹۱	کیا مرتدہ وراثت کا حق دار ہے؟..........	۲۹۴
۱۹۲	جو عورت قادیانی ہو جائے کیا وہ مستحقِ میراث ہے؟..........	۲۹۶

الفصل السادس فی التصرف فی الترکة

(ترکہ میں تصرف کرنے کا بیان)

۱۹۳	میراث میں بعض ورثاء کا تصرف..........	۲۹۸
۱۹۴	ادائے قرض سے پہلے ترکۂ میت سے نفع اٹھانا..........	۳۰۷
۱۹۵	ترکۂ میت میں اگر بعض ورثاء تجارت کریں، کیا اس میں سب شریک ہوں گے؟..........	۳۰۹
۱۹۶	ترکۂ مشترکہ سے ایک وارث نے زمین خریدی، اس میں دوسرے وارث کا حصہ..........	۳۱۰
۱۹۷	میت کا زمین بیوی کے نام خریدنا، اور مالِ مشترک میں ورثاء کا تصرف..........	۳۱۱
۱۹۸	مشترکہ موروثہ جائیداد میں کسی شریک کا اپنے حصہ پر قبضہ نہ کرنا..........	۳۱۴
۱۹۹	مالِ موروث مشترک سے صدقہ دینا..........	۳۲۱
۲۰۰	مالِ مشترک سے اعزہ کی ضیافت..........	۳۲۲
۲۰۱	ترکۂ میت سے ضیافت وایصالِ ثواب..........	۳۲۴
۲۰۲	بھتیجوں کی پرورش کا صرفہ بھائی کے ترکہ سے وصول کرنا..........	۳۲۵
۲۰۳	موتِ زوجہ کے بعد زوج کا اس کے ترکہ میں خصوصی دعویٰ..........	۳۲۷

۲۰۴	دوسرے کی ملکِ وراثت کو وقف کرنا	۳۲۸
۲۰۵	بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے چھوٹے بھائی کا نہیں	۳۲۹
۲۰۶	اگر کسی وارث کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ اپنا حصہ فروخت کر دے گا	۳۳۰
۲۰۷	مرحومہ بیوی کا مہر مسجد و مدرسہ میں دینا	۳۳۲
۲۰۸	شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی، غیر مملوک مکان کی بیع اور وقف	۳۳۴

الفصل السابع فی الإرث فی المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

۲۰۹	مالِ حرام میں وراثت	۳۳۸
۲۱۰	ترکۂ حرام کا حکم	۳۳۹
۲۱۱	مالِ حرام ورثاء کیلئے	۳۴۰
۲۱۲	منشیات کی آمدنی سے مکان کی تعمیر اور اس کی توریث	۳۴۰
۲۱۳	جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ورثاء کے حق میں اس کا حکم	۳۴۲
۲۱۴	ناجائز میراث میں حصہ	۳۴۳
۲۱۵	مورث کا حرام مال وارث کے لئے	۳۴۴

الفصل الثامن فی ذوی الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

۲۱۶	لڑکی کا حصۂ میراث	۳۴۶
۲۱۷	لڑکی کا والد کی میراث میں حصہ	۳۴۷
۲۱۸	بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ	۳۴۷
۲۱۹	زوجہ اور ہمشیرہ کو میراث	۳۴۸
۲۲۰	بیوی اور بھانجہ میں تقسیم وراثت	۳۵۱

۲۲۱	ورثاء میں زوجہ، دوبیٹیاں، تین بھتیجے ہوں تو تقسیم میراث	۳۵۳
۲۲۲	ورثہ میں بہن اور بیوی کا چچا ہو تو ترکہ کس کو ملے گا؟	۳۵۴
۲۲۳	بہن اور چچا کا حصۂ میراث	۳۵۶
۲۲۴	بیوہ بھائی اور بہن میں تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۵	زوج، ام، حقیقی بہن اور چچا کے درمیان تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۶	ورثاء میں زوج، حقیقی بہن اور علاتی بہن ہو تو تقسیم میراث	۳۵۹
۲۲۷	تین بھتیجے، ایک بیٹی ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۱
۲۲۸	تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیم میراث	۳۶۲
۲۲۹	ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیم میراث	۳۶۵
۲۳۰	دو بیویوں اور ان کی اولاد میں تقسیم میراث	۳۶۷
۲۳۱	ورثاء میں حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۹
۲۳۲	نانی کو میراث	۳۷۱
۲۳۳	بعض ورثاء کو کچھ دیکر فارغ کر دینا	۳۷۲
۲۳۴	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۷۴
۲۳۵	سوتیلے بیٹے کی موہوبہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟	۳۷۵
۲۳۶	مناسخہ کی ایک صورت کا حکم	۳۷۷
۲۳۷	مناسخہ کی ایک صورت	۳۷۹
۲۳۸	ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیم وراثت	۳۸۲
۲۳۹	شوہر اور بھائیوں میں تقسیم ترکہ	۳۸۳
۲۴۰	باپ اور بیٹے کے میراث کی تقسیم	۳۸۴
۲۴۱	صورت عائلہ میں باپ کا حصہ	۳۸۸
۲۴۲	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۸۹
۲۴۳	بلا ضابطۂ شرعیہ تقسیم کی ہوئی جائیداد میں وراثت	۳۹۲

۲۴۴	بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ترکہ	۳۹۴
۲۴۵	فرائض اور تعیین ترکہ	۳۹۵
۲۴۶	ردعلی الزوجین اور ابن وبنتِ معتق اور ابن وبنت رضاعی کی باہمی ترتیب	۳۹۷
۲۴۷	توریثِ اُخت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب	۴۰۰
۲۴۸	مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کرنا	۴۰۲
۲۴۹	پنشن اور گریجویٹی فنڈ میں میراث کا حکم	۴۰۲
۲۵۰	بیمہ فنڈ میں میراث کا حکم	۴۰۲
۲۵۱	پنشن میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق	۴۰۲
۲۵۲	میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق	۴۰۲
۲۵۳	بلڈنگ میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق	۴۰۲
۲۵۴	سامانِ آرائش میں وراثت	۴۰۳
۲۵۵	دوسرے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے سامان پر میت کی طرف سے بخشش کا دعویٰ	۴۰۳
۲۵۶	فنڈ کی رقم کے متعلق بھائی کا نام لکھوا دینا	۴۰۷
۲۵۷	جائیداد میں شرکت اور اس کی تقسیم	۴۰۹
۲۵۸	جائیداد اور وراثت	۴۱۲
۲۵۹	بھائی اور بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکی کے لئے وصیت	۴۱۷
۲۶۰	ترکہ سے نفقۂ عدتِ وفات اور خرچۂ رضاعت کاٹنا اور تقسیم ترکہ	۴۱۸

الفصل التاسع فی العصبات وذوی الأرحام وتوریث الحمل

(عصبات، ذوی الارحام اور توریثِ حمل کا بیان)

۲۶۱	عصبات کی انتہا کیا دادا کے چچا تک ہے؟	۴۲۰
۲۶۲	عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے؟	۴۲۱

۲۶۳	چوتھی پشت کا عصبہ بھی وارث ہے..	۴۲۳
۲۶۴	عینی مقدم ہے علاتی پر..	۴۲۴
۲۶۵	علاتی بھتیجا، عینی کی موجودگی میں وارث نہیں..	۴۲۵
۲۶۶	عینی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کو کچھ نہیں ملتا..	۴۲۶
۲۶۷	علاتی بہن اور چچازاد بھائی کے درمیان تقسیمِ ترکہ..	۴۲۸
۲۶۸	بھتیجوں اور بھانجیوں میں ترکہ کی تقسیم..	۴۲۹
۲۶۹	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیمِ میراث..	۴۳۰
۲۷۰	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیمِ ترکہ..	۴۳۱
۲۷۱	سوال متعلق استفتاء بالا..	۴۳۳
۲۷۲	عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت..	۴۳۴
۲۷۳	میراث ذوی الارحام..	۴۳۸
۲۷۴	ذوی الارحام کا مسئلہ..	۴۴۰
۲۷۵	ذوی الارحام کی حد بندی..	۴۴۱
۲۷۶	بیوہ، علاتی بھتیجی اور حقیقی بھانجوں میں تقسیم ترکہ..	۴۴۲
۲۷۷	بیوہ، حقیقی ممانی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور بہنوں میں تقسیمِ ترکہ..	۴۴۴
۲۷۸	ذوی الارحام میں تقسیمِ میراث کی ایک صورت..	۴۴۷
۲۷۹	چچا نے بھتیجا کی پرورش کی، کیا چچا کی خرید کردہ جائیداد میں بھتیجا کا حصہ ہے؟..	۴۵۱
۲۸۰	توریثِ حمل کی ایک صورت..	۴۵۳
۲۸۱	طلاق کے بعد حمل کب تک مستحق میراث ہے؟..	۴۵۶
۲۸۲	توریثِ حمل کی متعدد صورتیں اور ان پر اشکالات..	۴۵۷
۲۸۳	سوال متعلق استفتاء بالا..	۴۵۸
۲۸۴	ایضاً..	۴۶۱

۲۸۵	ایضاً	۴۶۳

الفصل العاشر فی الحجب والحرمان

(حجب اور حرمان کا بیان)

۲۸۶	ایک وارث دوسرے وارث کی موجودگی میں محروم کیوں ہے؟	۴۶۴
۲۸۷	شادی کی وجہ سے لڑکیاں محروم نہیں ہوتیں	۴۶۴
۲۸۸	کیا ترکہ میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جس سے بیٹی محروم ہے؟	۴۶۵
۲۸۹	بیوہ نکاحِ ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں	۴۶۸
۲۹۰	بیوہ اگر دوسرا نکاح کرے تو وہ وراثت سے محروم نہیں	۴۷۰
۲۹۱	عقدِ ثانی کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا	۴۷۰
۲۹۲	دادا کی میراث سے پوتا کیوں محروم ہے؟	۴۷۱
۲۹۳	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کا حقِ وراثت	۴۷۲
۲۹۴	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث	۴۷۳
۲۹۵	پوتا وارث کیوں نہیں؟	۴۷۳
۲۹۶	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو جائیداد دینا	۴۷۴
۲۹۷	لڑکیوں کے ہوتے ہوئے جائیداد نواسہ کو دینا	۴۷۵
۲۹۸	لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے بحالتِ مرض لڑکے کو جائیداد دینا	۴۷۶
۲۹۹	جائیداد بھتیجا کو دینا بیٹوں کو نہ دینا	۴۷۹
۳۰۰	باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجے وارث نہیں	۴۸۰
۳۰۱	لے پالک بنانا	۴۸۳
۳۰۲	حج بدل اور وقف کے ذریعہ ورثہ کو محروم کرنا	۴۸۴
۳۰۳	نافرمان بیٹے کو عاق کرنا	۴۸۶
۳۰۴	نافرمان بیٹے کو میراث سے محروم کرنا	۴۸۷
۳۰۵	نافرمان اولاد کو عاق کرنا	۴۸۹

۳۰۶	ترکہ کے مکان سے کسی وارث کو الگ کرنا	۴۹۱
۳۰۷	بیوہ کو محروم کرنے کے لئے ورثائے شوہر کا دعوائے طلاق	۴۹۲

الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

۳۰۸	نابالغ کے مال کی ولایت کس کو ہے؟	۴۹۵
۳۰۹	سفیہ کا مال کب اس کے حوالے کیا جائے؟	۴۹۶
۳۱۰	کیا بھانت میراث کا عوض ہے؟	۴۹۷
۳۱۱	ولی عہد بنانا	۴۹۸
۳۱۲	بھائی کے وعدے	۴۹۹
۳۱۳	اگر سوال شیعہ سنی کے توارث کا ہو تو جواب کس طرح دیا جائے؟	۵۰۰
۳۱۴	شیعہ عورت بغیر وارث چھوڑے مرنے پر اس کے موروثہ زیور کا مصرف	۵۰۲
۳۱۵	کفن ترکہ سے دیا جائے گا یا شوہر کے ذمہ ہے؟	۵۰۳
۳۱۶	فرائض کے قواعد	۵۰۴

بابٌ

رسالہ آسان فرائض

۳۱۷	علم الفرائض کی فضیلت	۵۱۱
۳۱۸	اصطلاحاتِ فرائض کی وضاحت	۵۱۲
۳۱۹	ترکۂ میت میں حقوقِ واجبہ	۵۱۲
۳۲۰	ورثہ کی قسمیں	۵۱۳
۳۲۱	حصصِ معینہ کی قسمیں	۵۱۴

فصلٌ فی ذوی الفروض

۳۲۲	ذوی الفروض کی اقسام	۵۱۵

۳۲۳	ذکور کے حالات	۵۱۵
۳۲۴	اَب کے حالات	۵۱۵
۳۲۵	جد کے حالات	۵۱۶
۳۲۶	ابن الأم کے احوال	۵۱۶
۳۲۷	زوج کے احوال	۵۱۷
۳۲۸	اناث کے حالات	۵۱۷
۳۲۹	زوجہ کے احوال	۵۱۷
۳۳۰	بنت کے احوال	۵۱۷
۳۳۱	بنت الابن کے حالات	۵۱۸
۳۳۲	اخت عینی کے حالات	۵۱۸
۳۳۳	اخت علاتی کے احوال	۵۱۸
۳۳۴	اخت اخیافی کے احوال	۵۱۹
۳۳۵	ام کے حالات	۵۱۹
۳۳۶	جدہ کے حالات	۵۲۰

فصل فی االعَصَبة

۳۳۷	عصبات کی قسمیں	۵۲۰

فصلٌ فی الحجب والحرمان

۳۳۸	حجب	۵۲۲
۳۳۹	حرمان	۵۲۳

فصل فی مخارج ذوی الفروض

۳۴۰	مخارج فروض	۵۲۳

بابٌ فی العول

۳۴۱ چھ کا عول ۵۲۷
۳۴۲ بارہ کا عول ۵۲۸
۳۴۳ چوبیس کا عول ۵۲۹

باب الرد

۳۴۴ مسائل رد ۵۳۱
۳۴۵ رد کی قسم اول ۵۳۱
۳۴۶ رد کی قسمِ ثانی ۵۳۲

فصلٌ فی التماثل والتداخل والتوافق والتباین

۳۴۷ معرفتِ نسبت کا طریقہ ۵۳۸

فصلٌ فی التصحیح ۵۳۹

باب المناسخة ۵۵۲

بقية كتاب الحظر والإباحة

باب مايتعلق بالجنات

(جنات کا بیان)

انسان افضل ہے یا جنات

سوال[۹۵۲۹]: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾(۱) کیا جن انسان سے افضل ہیں، کیونکہ جن کو اول ذکر کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

انسان کو اللہ پاک نے جنات سے اشرف واکرم بنایا ہے، جیسا کہ تفسیر کبیر (۲)، شرح عقائد وغیرہ میں ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۸/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) (سورة الذّريٰت: ۵۶)

(۲) "أما المكلفون فهم أربعة أنواع: الملائكة والإنس والجن والشياطين. و لا شك أن الإنس أفضل من الجن والشياطين". (التفسير الكبير، [سورة البقرة: ۳۴]: ۲/۲۲۴، دار الكتب العلميه طهران)

(۳) شرح عقائد میں یہ بات صراحۃً مذکور نہیں ہے، البتہ "وعامة البشر أفضل من عامة الملائكة" سے دلالۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان جب ملائکہ سے افضل ہے تو جنات سے تو بطریقِ اولیٰ افضل ہوگا، راجع: (شرح العقائد، ص: ۱۷۷، قديمي)

"وجعل الطيبي "من" بيانيةً كما في قولك: بذلت له العريض من جاهي: أي فضّلناهم على الكثيرين الذين خلقناهم من ذوي العقول كما هو الظاهر من "من" وهم منحصرون في الملك والجن والبشر. فحيث خرج البشر؛ لأن الشيء لايفضّل على نفسه، بقي الملك والجن، فيكون المراد بيان تفضيل البشر عليهم جميعاً، و هو الذي يقتضيه مقام المدح". (روح المعاني، [سورة الإسراء: ۷۰]: ۱۵/۱۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کسی دیو کے نبی کی شکل وصورت اختیار کرنے کا عقیدہ

سوال[۹۵۷۰] : جوانگشتری کے دیو کے پاس چلے جانے کا اور نبی اللہ کی شکل وصورت کو دیو وغیرہ کے اختیار کرنے کا قائل ہو، شرعاً اس کی سزا کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ عقیدہ لغو اور غلط ہے، اس کو اپنے اس عقیدہ سے توبہ لازم ہے۔ علمائے اسلام نے تصریح کی ہے کہ کوئی شیطان کسی نبی کی شکل میں نہیں آسکتا (۱)، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق خود احادیث میں موجود ہے کہ شیطان آپ کی شکل نہیں بنا سکتا (۲)۔ اور محققین اور مفسرین نے جمیع انبیائے علیہم السلام کے متعلق تحریر کیا

---

(۱) "يشير إلى أن الله تعالىٰ وإن أمكنه (أى الشيطان) من التصور في أيّ صورة أراد، فإنه لم يمكنه من التصور في صورة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". (فتح البارى، كتاب التعبير، باب من راى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المنام : ۱۲/ ۳۸۶، ۳۸۷، دار المعرفة بيروت)

"ولا يتمثل الشيطان بي": أي، لا يحصل له مثال صورتي و لا يتشبه بي. قالوا: كما منع الله الشيطان أن يتصور بصورته فى اليقظة، كذلك منعه فى المنام لئلا يشتبه الحق بالباطل". (عمدة القاري، كتاب التعبير، باب من راى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المنام : ۲۴/ ۲۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن الشيطان لا يتمثل بي": أي لا يستطيع أن يتصور بشكلي الصوري، و إلا فهو بعيد عن التمثل المعنوي". (جمع الوسائل فى شرح الشمائل للملا علي القاري، باب ما جاء في رؤية صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المنام : ۲/ ۲۹۱، اداره تاليفات اشرفيه)

" قال القاضي رحمه الله تعالىٰ: قال بعض العلماء: خص الله تعالىٰ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن رؤية الناس إياه صحيحةٌ وكلها صدق، و منع الشيطان أن يتصور فى خلقته لئلا يكذب على لسانه فى النوم كما خرق الله تعالىٰ العادة للأنبياء عليهم السلام بالمعجزة، وكما استحال أن يتصور الشيطان فى صورته فى اليقظة، ولو وقع، لاشتبه الحق بالباطل و لم يوثق بما جآء به مخافةً من هذا التصور، فحماها الله تعالىٰ من الشيطان و نزغه ووسوسته وإلقائه وكيده، قال: و كذا حمى رؤيتهم بأنفسهم". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب الرؤيا: ۲/ ۲۴۳، قديمى)

(۲) "أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رآنى فى =

ہے کہ شیطان کو قدرت نہیں دی گئی کہ کسی نبی کی صورت میں آسکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جن کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا

سوال[۹۵۷۱]: کیا شیطان وجنات دوسری مخلوق بالخصوص انسانوں کی شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہو سکتے ہیں حدیث شریف سے ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۱ھ۔

دیو کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنانا

سوال[۹۵۷۲]: مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بوقت حاجت بیت الخلاء وغیرہ اپنی انگشتری خادم کو دے جایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک دیو سلیمان علیہ السلام کی شکل بنا کر انگشتری خادم سے لے کر

= المنام فسيراني في اليقظة، ولا يتمثل الشيطان بي". (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب: من رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المنام: ۲/۱۰۳۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "تسمّوا باسمي ولاتكتنوا بكنيتي، ومن رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثل في صورتي". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

"عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ومن رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثل بي". (جامع الترمذي، أبواب الرؤيا، باب ما جاء في قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من رآني في المنام فقد رآني": ۲/۵۳، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الرؤيا: ۲/۲۴۲، قديمي)

(۱) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: إن الشيطان يتمثل في صورة الرجل، فيأتي القوم فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون، فيقول الرجل منهم: سمعت رجلاً أعرف وجهه ولا أدري ما اسمه يحدث". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، ص: ۴۱۴، قديمي)

(وكذا في آكام المرجان، ص: ۱۸، الباب السادس، مكتبه خير كثير كراچي)

تختِ شاہی پر جا بیٹھا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے خادم سے انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا کہ آپ حضرت سلیمان نہیں ہیں، وہ تو انگشتری لے گئے۔ اس سے آگے کچھ اَور بھی مشہور ہے۔ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ نبی اللہ کی شکل وصورت کوئی جن وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بنا سکتا ہے تو تبلیغ احکام کیسے ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قصہ بعض مفسرین نے کتب یہود سے نقل کیا ہے، تفسیر کشاف تفسیر مدارک، تفسیر معالم التنزیل، قاضی عیاض وغیرہ نے اس قصہ کی تردید کی ہے(۱)، امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت زور شور سے اس قصہ پر

---

(۱) "قوله تعالىٰ: ﴿ولقد فتنا سليمان﴾ وهذا ونحوه مما لابأس به، وأما ما يروى من حديث الخاتم والشياطين وعبادة الوثن في بيت سليمان .... فاخبر آصف سليمان بذلک، فكسر الصورة وعاقب المرأة، ثم خرج وحده إلى فلاة، وفرش له الرماد، فجلس عليه تائباً إلى الله متضرعاً . وكانت له أم ولد، يقال لها: أمينة، إذا دخل للطهارة أو لإصابة امرأة وضع خاتمه عندها، وكان ملكه في خاتمه، فوضعه عندها يوماً، وأتاها الشيطان صاحب البحر وهو الذي دلّ سليمان على الماس حين أمر ببناء بيت المقدس، واسمه صخر على صورة سليمان فقال: ياأمينة! خاتمي، فتختم به وجلس على كرسي سليمان، وعكفت عليه الطير والجن والإنس، وغير سليمان عن هيئته، فأتى أمينة لطلب الخاتم، فأنكرته وطردته، فعرف أن الخطيئة قد أدركته، فكان يدور على البيوت يتكفف، فإذا قال: أنا سليمان حثوا عليه التراب وسبوه . ثم عمد إلى السماكين ينقل لهم السمک، فيعطونه كل يوم سمكتين، فمكث على ذلک أربعين صباحاً عدد ماعبد الوثن في بيته، فأنكر آصف وعظماء بني إسرائيل حكم الشيطان".

وسأل آصف نساء سليمان، فقلن: مايدع امرأة منا في دمها ولا يغتسل من جنابة، وقيل: بل نفذ حكمه في كل شئ إلا فيهنّ، ثم طار الشيطان، وقذف الخاتم في البحر، فابتلعته سمكة ووقعت السمكة في يد سليمان، فبقر بطنها، فإذا هو بالخاتم، فتختم به ووقع ساجداً، ورجع إليه ملكه وجاب صخرة لصخر، فجعله فيها وسدّ عليه بأخرى، ثم أو ثقهما بالحديد والرصاص، وقذفه في البحر.

وقيل: لما افتتن، كان يسقط الخاتم من يده لايتماسک فيها، فقال له آصف: إنک المفتون بذنبک، والخاتم لايقرّ في يدک، فتب إلى الله عزوجل. ولقد أبى العلماء المتفنون قبوله، وقالوا: هذا من أباطيل اليهود، والشياطين لايتمكنون من مثل هذه الأفاعيل، وتسليط الله إياهم على عباده حتى يقعوا في تغيير الأحكام وعلى نساء الأنبياء حتى يفجروا بهن". (تفسير الكشاف، (سورة صٓ: ۳۴): =

اشکالات کئے ہیں (۱)۔اصولاً بھی یہ قصہ غلط ہے، کیونکہ اس صورت میں تبلیغی احکام میں بہت کچھ خلط ہوگا، نیز کچھ وثوق نہ ہوگا کہ اب تک جو انبیاء علیہم السلام -جن کی نبوت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے- وہ واقعۃً نبی تھے، یا معاذ اللہ کوئی دیو اور شیطان ان کی صورت بنا کر آگیا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= ۴/۹۳، ۹۴، دار الکتاب العربی بیروت)

(وكذا في تفسير المدارك (سورة ص: ۳۴): ۲/۴۳۷، قديمي)

(وكذا في تفسير البغوي المسمى معالم التنزيل، (سورة ص: ۳۴): ۴/۶۲-۶۴، اداره تالیفات اشرفیه،ملتان)

(۱) "واعلم أن أهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام من وجوه: الأول أن الشيطان لو قدر على أن يشتبه بالصورة والخلقة بالأنبياء، فحينئذ لايبقى اعتماد على شئ من الشرائع، فلعل هؤلاء الذين رآهم الناس في صورة محمد وعيسىٰ وموسىٰ عليهم السلام ماكانوا أولئك بل كانوا شياطين تشبهوا بهم في الصورة لأجل الإغواء والإضلال، ومعلوم أن ذلك يبطل الدين بالكلية.

الثاني: أن الشيطان لو قدر على أن يعامل نبي الله سليمان بمثل هذه المعاملة، لوجب أن يقدر على مثلها مع جميع العلماء والزهاد، وحينئذ وجب أن يقتلهم، وأن يمزق تصانيفهم، وأن يخرب ديارهم، ولما بطل ذلك في حق آحاد العلماء، فلأن يبطل مثله في حق أكابر الأنبياء أولىٰ.

والثالث: كيف يليق بحكمة الله وإحسانه أن يسلط الشيطان على أزواج سليمان؟ ولاشك أنه قبيح.

الرابع: لو قلنا: إن سليمان أذن لتلك المرأة في عبادة تلك الصورة، فهذا كفر منه، وإن لم يأذن فيه ألبتة، فالذنب على تلك المرأة، فكيف يؤاخذ الله سليمان بفعل لم يصدر عنه؟ فأما الوجوه التي ذكرها أهل التحقيق في هذا الباب فأشياء: الأول: أن فتنة سليمان أنه ولدله ابن، فقالت الشياطين: إن عاش صار مسلطاً علينا مثل أبيه، فسبيلنا أن نقتله، فعلم سليمان ذلك، فكان يربيه في السحاب فبينما هو مشتغل بمهماته إذا ألقي ذلك الولد ميتاً على كرسيه، فتنبه على خطيئته في أنه لم يتوكل فيه على الله فاستغفر ربه وأناب .... الخ". (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، (سورة ص: ۳۴): ۲۶/۲۰۸، دار الكتب العلمية طهران)

جنات اور شیاطین انسان کو ستا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۹۵۷۳]: زید کی بیوی بہت پریشان ہے، وہ اکثر کہا کرتی ہے کہ میں جنات میں سے ہوں۔ کیا دراصل جنات اور شیطان انسانوں کو لگتے ہیں؟ شریعتِ مطہرہ میں کہیں اس قسم کی کوئی چیز آئی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

انسان میں جن اور شیطان کا داخل ہو جانا ممکن ہے: "إن الشیطان یجری من الإنسان مجری الدم". الحدیث. بخاری شریف(۱)۔ آکام المرجان فی أحکام الجان میں اس کی تفصیل مروی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "عن علی بن حسین عن صفیّة بنت حییّ رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم معتکفاً فأتیته أزوره لیلاً فحدثته ثم قمت، فانقلبت فقام معی لیقلبنی، و کان مسکنها فی دارِ أسامة بن زید، فمرّ رجلان من الأنصار، فلما رأیا النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أسرعا، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "علی رسلکما إنّها صفیة بنت حییّ". فقالا: سبحان الله، یا رسول الله! فقال: "إن الشیطان یجری من الإنسان مجری الدم، وإنی خشیت أن یقذف فی قلوبکما سوءً". أو قال: "شیئاً". (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبلیس و جنوده: ۱/ ۴۶۴، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالیٰ: "إن الله جعل للشیطان قوةً علی التوصل إلی باطن الإنسان. وقیل: ورد علی سبیل الاستعارة: أی أنّ وسوسته تصل فی مسام البدن مثل جری الدم من البدن". (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبلیس وجنوده: ۶/ ۴۲۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رای خالیاً بامرأة، الخ: ۲/ ۲۱۶، قدیمی)

(۲) "و ذکر أبوالحسن الأشعری في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم یقولون: إن الجن تدخل في بدن المصروع کما قال الله تعالیٰ: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون إلا کما یقوم الذي یتخبطه الشیطان من المس﴾ الایة. قال عبد الله بن أحمد بن حنبل : قلت لأبی: إن قوماً یقولون: إن الجن لا تدخل في بدن الإنس. قال: یا بُنيّ! یکذبون، هوذا یتکلم علی لسانه". (آکام المرجان فی غرائب الأخبار وأحکام =

جن کا مختلف صورتوں میں آنا

سوال[۹۵۷۴]: جن عورت میں آسکتا ہے یا نہیں اور بیل وغیرہ بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً مصلیاً:

آسکتا ہے(۱) بیل وغیرہ بھی بن سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الجان، بیان دخول الجن في بدن المصروع: ص: ۱۰۷، مکتبہ خیر کثیر کراچی)

"تصرفِ جن و شیاطین در بدنِ آدمی یعنی در روح ہوائی وتسمیۂ او کہ حامل قوی است، و آنرا بصرع الجن در عربی می نامند، و بآسیب وخبط در عرف تعبیر میکنند، نزدِ اہلِ سنت بلکہ اکثرِ فرقِ اسلام مسلّم است، چنانچہ در تفسیر نیشاپوری وغیرہ در آیت: ﴿یتخبطه الشیطان من المس﴾ مذکور است: "وأکثر المسلمین علی أن الشیطان قادرٌ علی الصرع والقتل والإیذاء بتقدیر الله تعالیٰ".
(فتاوی عزیزی: ۱۱۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

(وکذا فی مجموعة الفتاوی (اردو)، ص: ۱/۹۳، سعید)

(۱) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة آنفاً)

(۲) "لا شک أن الجن یتطورون و یتشکلون فی صور الإنس والبهائم، فیتصورون فی صور الحیّات والعقارب، وفی صورة الإبل والبقر والغنم والخیل والبغال والحمیر، و فی صور الطیر، وفی صور بنی آدم، کما أتی الشیطان قریشاً فی صورة سراقة بن مالک بن جعشم لمّا أرادوا الخروج إلی بدر".
(آکام المرجان فی غرائب الأخبار و أحکام الجان، الباب السادس فی بیان تطور الجن و تکلمهم فی صور شتی: ص: ۱۸، مکتبه خیر کثیر کراچی)

"زعموا أن الجن جواهر مجریة، لها تصرفٌ وتأثیرٌ فی الأجسام العنصریة من غیر تعلق بها تعلق النفوس البشریة بأبدانها". (شرح المقاصد، الفصل الثانی فی العقل، المبحث الثالث فی الملائکة والجن والشیاطین: ۲/۴۹۹ دارالکتب العلمیة بیروت)

"وأما مَن ادّعی أنه یری شیئاً منهم بعد أن یتطور علی صورٍ شتی من الحیوان، فلا یقدح فیه، وقد تواردت الأخبار بتطورهم فی الصور". (فتح الباری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن و ثوابهم وعقابهم: ۶/۴۲۳، قدیمی)

مزارات پر جنات کا آنا

سوال[۹۵۷۵]: ہمارے گاؤں میں غیر مسلم لوگوں کے دو تین منڈھ یعنی مزار ہیں، جن پر عقیدہ ہے کہ یہ سب کی سنتے ہیں۔ ہر سال میلہ بھی لگتا ہے، کافی دور سے لوگ آ کر منت مانگتے ہیں، چڑھاوا چڑھاتے ہیں، اکھاڑہ ہوتا ہے(۱)، بھگتوں پر ان کی روح آ جاتی ہے(۲)، باقاعدہ بیان ہوتے ہیں، فیصلے ہوتے ہیں، بیماریاں بھی دور کی جاتی ہیں اور کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ بھگت لوگ جو بے قابو ہو کر مدہوش شکل میں جب کہ آواز بھی بدل جاتی ہے اور طرح طرح کی باتیں غیبی بھی بتلاتے ہیں۔ کیا یہ شیطانی نصرت ہے یا کہ جنات کا فعل ہے، یا کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ کہ ان کی روح سوار ہوتی ہے جن کے اوپر یہ اثر ہوتا ہے۔

ہوش میں آنے کے بعد وہ پھر انسانیت پر آ جاتا ہے، جب وہ اکھاڑہ ہوتا ہے جب ہی ان پر یہ اثر ہوتا ہے، دیر ہو جانے پر وہ بھگت لوگ ان منڈھ میں جاتے ہیں، وہیں سے اثر شروع ہوتا ہے۔ آخر یہ کیا بات ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی اصل کیا ہے؟

کافی تعجب بھی ہوتا ہے، کافی لوگوں کے عقیدے بھی خراب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان منڈھوں کی طرف منہ کر کے پائخانہ پیشاب بھی نہیں کرتے، یہ بھی عقیدہ ہے کہ منت ماننے پر پوری ہوتی ہے۔ ان کے خاص عام بھگتوں پر ہی یہ روح سوار ہوتی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ اس کی کیا اصل ہے؟ عنایت ہوگی تا کہ یہ اشکال دور ہو۔

چند ساتھی کہتے ہیں کہ شیطانی نصرت ہے، اگر شیطانی ہے تو پھر استغفار، لاحول وغیرہ سے ایسا نہیں ہونا چاہیے، اگر جنات کا معاملہ ہے تو پھر دوسری بات ہے، اس لئے براہ کرم مفصل مطلع فرماویں، عنایت ہوگی۔

---

(۱) ''اکھاڑہ: وہ جگہ جو کشتی لڑنے اور کسرت کرنے کے لئے بنائی گئی ہو، سادھوؤں کی منڈلی، تماشہ دکھانے والوں یا گانے بجانے والوں کی منڈلی، ناچ رنگ کی محفل، حسینوں کا جھمکٹ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸، فیروز سنز، لاھور)

(۲) ''بھگت: گنڈے تعویذ کرنے والا، بھوت پریت اتارنے والا، سازندہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۳۶، فیروز سنز، لاھور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

انسان کے جسم میں جنات گھس جاتے ہیں(۱) اور تماشے بناتے ہیں، ان کا مقصد تفریح ہے اور عقائد واعمال کو خراب کرنا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے قرآن شریف پڑھتا ہے تو وہ بھی پڑھنے لگتے ہیں، ایسی جگہ سے دور رہنا چاہئے۔ غیر اللہ کی نذر ماننا معصیت بلکہ شرک ہے(۲)، کبھی ان کے

---

(۱) "و ذکر أبوالحسن الأشعری في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن المصروع كماقال الله تعالىٰ: ﴿الذين يأكلون الربوا لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ الاية. (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، بيان دخول الجن في بدن المصروع، ص: ۱۰۷، مكتبه خير كثير، كراچی)

"زعموا أن الجن جواهر مجردة، لها تصرفٌ وتأثيرٌ في الأجسام العنصرية من غير تعلق بها تعلق النفوس البشرية بأبدانها". (شرح المقاصد، الفصل الثاني في العقل، المبحث الثالث في الملائكة والجن والشياطين: ۲/۴۹۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما مَن ادّعى أنه يرى شيئاً منهم بعد أن يتطور على صورٍ شتى من الحيوان، فلا يقدح فيه، وقد تواردت الأخبار بتطورهم في الصور". (فتح الباري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الجن و ثوابهم وعقابهم: ۶/۴۲۳، قديمی)

(۲) "وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ماهو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أومريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء، فيجعل ستره على رأسه فيقول: يا سيدي فلان! إن ردّ غائبي أوعوفي مريضي أو قضيت حاجتي، فلك من الذهب كذا، أو من الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أو من الماء كذا، أو من الشمع كذا، أو من الزيت كذا، فهذا النذر باطل بالإجماع، لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق .... ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، واعتقاده ذلك كفرٌ". (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسده، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أوزيت أونحوه: ۲/۴۳۹، سعيد)

کاموں میں شرکت نہ کریں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

جن اور پیر کا عورتوں پر آنا

سوال[۹۵۷۶]: ۱...... یہ جو سنا جاتا ہے کہ عورتوں کو جنات چمٹ جاتے ہیں اور ان سے برا فعل کرتے ہیں، یہ سچ ہے کہ نہیں؟

۲...... نیز پیر صاحب آکر بھی چمٹ جاتے ہیں، یہ بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جنات عورتوں کو مَردوں کو بچوں کو چمٹ سکتے ہیں(۱) اور بُرا فعل بھی کر سکتے ہیں(۲)۔

۲...... کوئی پیر صاحب یا بزرگ انتقال کے بعد کسی کو نہیں چمٹتے بلکہ جنات اور شیاطین آتے ہیں اور بزرگوں کے نام بتلاتے ہیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۱۲ھ۔

---

(۱) "من حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من بني آدم من مولود إلا نخسه الشيطان، فيستهل صارخاً من نخسه إياه، إلامريم وابنها". (آكام المرجان، ص: ١٧٨، الباب الثالث بعد المأة، في بيان حضور الشيطان المولود، مكتبه خير كثير، آرام باغ، كراچی)

(۲) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو أن أحدكم إذا أراد أن يأتي أهله قال: بسم الله .... فإنه إن يقدر بينهما ولد في ذلك لم يضره الشيطان أبداً".

"إن الله عزوجل ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهيا أن يأتي الرجل امرأته وهي حائض، فإذا أتاها، سبقه إليها الشيطان، فحملت". (آكام المرجان، ص: ٧٧، الباب الرابع والثلاثون، مكتبه خير كثير كراچی)

(۳) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: إن الشيطان ليتمثل في صورة الرجل، فيأتي القوم =

جنات سے حمل

سوال[۹۵۷۷]: جنات کی صحبت سے عورت کوحمل قرار پاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنات کی صحبت سے بھی استقرارِحمل ہوکر بچہ پیدا ہوسکتا ہے۔حدیث شریف میں ہے:"هل رئی فیکم المغرّبون"؟ قلت: وماالمغربون؟ قال: "الذین یشترك فیهم الجن"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۱ھ۔

= فیحدثهم بالحدیث من الکذب فیتفرقون، فیقول الرجل منهم: سمعت رجلاً أعرف وجهه ولا أدری ما اسمه یحدّث". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، ص: ۴۱۴،قدیمی)

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، ص: ۳۹۰، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "وقوله: "المغربون" بتشدید الراء المکسورة: أی المبعدون، ولما کان للتبعید معنی مجمل مبهم، احتاجت إلی بیانها، فقالت: "قلت: وماالمغربون" وقع السؤال عن الصفة أعنی التغریب، ولذلک لم تقل: ومن المغربون، فأجاب: بأن التغریب الحقیقی المعتد به اشتراک الجن "قال: الذین یشترک فیهم الجن": أی فی نطفهم، أو فی أولادهم لترکهم ذکر الله عند الوقاع، فیلوی الشیطان إحلیله علی إحلیله، فیجامع معه. قال الله تعالیٰ: ﴿وشارکهم فی الأموال والأولاد﴾ فیجب علی الإنسان فی الحدیث: "إذا خالط امرأته أن یقول: بسم الله، اللهم! جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا" فإذا ترک هذا الدعاء أو التسمیة شارکه الشیطان فی الوقاع، ویسمی هذا الولد مغرباً؛ لأنه دخل فیه عرق غریب، أوجاء من نسب بعید. وقیل: أراد بمشارکة الجن فیهم أمرهم إیاهم بالزنا، وتحسینه، لهم، فجاء أولادهم من غیر رشده، ویحتمل أن یراد به من کان له قرین من الجن یلقی إلیه الأخبار وأصاف الکهانة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۴۵۶۵): ۸/۳۳۱، رشیدیه)

(وکذا فی آکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجان، ص: مکتبه خیر کثیر کراچی)

جماعِ جن سے استقرارِ حمل

سوال[۹۵۷۸]: اگر جن لوگ کسی عورت سے صحبت کریں تو کیا اس سے حمل ٹھہر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمل ٹھہر سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ۔

کیا آسیبی اثر سے زبان گنگ ہوسکتی ہے؟

سوال[۹۵۷۹]: کیا جنات قوم میں یہ قدرت اور طاقت ہے کہ کسی انسان کی زبان بند کردیں یا بہرا گونگا اندھا وغیرہ تصرفات کردیں۔ ہمارے یہاں ایک نوجوان تندرست اور صحیح سالم ہے، لیکن اس کی یہ حالت ہے کہ دن ورات میں کبھی ایک دو گھنٹہ اور کبھی تین چار گھنٹہ تک بولتا نہیں۔ اس کا بہت ہی زیادہ علاج کیا گیا لیکن فائدہ بالکل نظر نہیں آتا۔ یہاں پر بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک جن عورت کا اثر ہے، تو ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں، جنات قوم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کی زبان بند کردے یا کسی کو نابینا یا بہرا بنادے۔ صحیح کیا ہے؟

---

(۱) "هذا الباب في بيان المناكحة بين الإنس والجن، والكلام هنا في مقامين: أحدهما في بيان إمكان ذلك ووقوعه، والثاني في بيان مشروعيته. أما الأول فنقول: نكاح الإنسي الجنية وعكسه ممكن، قال الثعالبي: زعموا أن التناكح والتلاقح قد يقعان بين الإنس والجن، قال الله تعالىٰ: ﴿وشاركهم في الأموال والأولاد﴾، وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا جامع الرجل امرأته ولم يسم، انطوى الشيطان إلى إحليله فجامع معه". وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إذا أتى الرجل امرأته وهي حائض، سبقه الشيطان إليها، فحملت، فجاء ت بالمخنث". (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، الباب الموفي ثلاثين في بيان مناكحة الجن، ص: ۶۲، مكتبه خير خثير، آرام باغ كراچى)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال لي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هل رئي فيكم المغرّبون"؟ قلت: وما المغربون؟ قال: "الذين يشترك فيهم الجن". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، ص: ۳۹۰، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جناتی تصرفات سے بھی اس قسم کے اثرات ہو سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۶ھ۔

جنات کو جلانا

سوال [۹۵۸۰]: جنات کو جلا سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں، پھر کیسے جل سکتے ہیں؟ اور شرعاً یہ فعل عاملین کا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی اور تدبیر سے وہ پیچھا نہ چھوڑیں بلکہ ستاتے ہی رہیں تو جلانا بھی درست ہے (۲)، انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے مٹی کا ڈھیلا مارنے سے چوٹ لگتی ہے، سر پھٹ جاتا ہے مٹی کی چھت یا دیوار اوپر گرنے سے دب کر مر بھی جاتا ہے۔ اسی طرح جنات کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور آگ سے جل سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنات کا عمل

سوال [۹۵۸۱]: ۱...... مسمی محمد قاسم پر ایک جن آتا ہے اور حالتِ نماز میں آکر پریشان کرتا ہے اس سے رہائی کی کیا شکل ہے؟

---

(۱) "یجوز إرادة الحقیقة، فإن الشیاطین أجسام لطیفة قادرة بأقدار الله تعالیٰ علی کَمَالِ التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب في الوسوسة، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۶۸): ۱/۲۴۶، رشیدیه)

"إن الله جعل للشیطان قوةً علی التوصل إلی باطن الإنسان". (فتح الباری، کتاب بدء الخلق: ۶/۴۲۱، قدیمی)

(۲) قال الشیخ التھانوی رحمہ اللہ: "بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت لکھ دیں کہ: گر نہ جائے تو جل جائے"۔ (إمداد الفتاویٰ: ۴/۸۸، مکتبه دار العلوم کراچی)

جنات کی مالی اعانت

سوال[۹۵۸۲] : ۲.....وہ جن محمد قاسم کی مالی اعانت بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کو قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....کسی عامل سے اس کی ترکیب دریافت کی جائے، بندہ جنات کا عامل نہیں۔

۲.....مالی اعانت قبول نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۱۴ھ۔

مرغ کیوں بولتا ہے؟

سوال[۹۵۸۳] : مرغ کی آواز سن کر کیا پڑھنا چاہیے اور اس کے بولنے کی کیا علامت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرغ اکثر جب بولتا ہے تب فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کو طلب کرنا چاہیے، کذا

---

(۱) کیونکہ اس رقم کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ جنات نے کہاں سے حاصل کی، اور کس ذریعے سے حاصل کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ عملیات حاصل شدہ رقم کو حرام قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''دست غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہوجاتے ہیں بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو خرچ کرچکا ہے، وہ جہاں بھی ہو، وہاں سے اٹھالاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں، سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کرکے مجھ کو دیا کرو۔ اس نے یہی کام جناب سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے کا کسی کو انکار ہوسکتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟

سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لائیں تو بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے ورنہ اوروں کو لاکر کیوں نہیں دیتے؟ محض عمل کے جبر سے لاتے ہیں تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دے خود حرام ہے اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا بھی سمجھ میں آ گیا''۔ (عملیات وتعویذات اور اس کے شرعی احکام، دست غیب اور جنات سے پیسے یا کوئی چیز منگانے کا حکم، ص: ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

فی المشکوۃ، ص: ۲۹۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

گدھا کیوں بولتا ہے؟

سوال[۹۵۸۴]: گدھے کا رینگنا اس کی کیا علت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شیطانی اثر ہے، اس وقت "أعوذ" پڑھنی چاہیے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ وسلم: "إذا سمعتم صیاح الدیکة فسلوا الله من فضله، فإنها رأت ملکاً. وإذا سمعتم نهیق الحمار، فتعوذوا بالله من الشیطان، فإنها رأت شیطاناً". (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شغف الجبال: ۱/۴۶۶، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الدعاء عند صیاح الدیک: ۲/۳۵۱، قدیمی)

قال العلامة الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالیٰ: "قوله: "فإنها رأت ملکاً" بفتح اللام، قال عیاض: کان السبب فیه رجاء تأمین الملائکة علی دُعائه واستغفارهم له، وشهادتهم له بالإخلاص، ویؤخذ منه استحباب الدعاء عند حضور الصالحین تبرکاً بهم. وصح ابن حبان. وأخرجه أبوداؤد وأحمد من حدیث زید بن خالد رفعه: "لاتسبوا الدیک، فإنه یدعو إلی الصلوة". وعند البزار من هذا الوجه سبب قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ذلک وأن دیک صرخ فلعنه رجل، فقال ذلک. قال الحلیمی: یؤخذ منه أن کل من استفید من الخیر، لاینبغی أن یسبّ ولا أن یستهان به، بل یکرم ویحسن إلیه. قال: ولیس معنی قوله: "فإنه یدعو إلی الصلوة". أن یقول: بصوته حقیقةً صلوا أو حانت الصلوة، بل معناه: أن العادة جرت بأنه یصرخ عند طلوع الفجر، وعند الزوال فطرة فطره الله علیها". (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شغف الجبال: ۶/۴۳۴، ۴۳۵، قدیمی)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "إذا سمعتم =

گدھا کیوں بولتا ہے

سوال[۹۵۸۵]: جب گدھا ڈھینچتا ہے تو اس کی کیا علامت ہے، اور کیا پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب گدھا بولتا ہے تو شیطان رجیم سے پناہ مانگنی چاہیے، کیونکہ وہ عامۃً شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے، کذا فی المشکوۃ، ص: ۲۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ستارہ ٹوٹنے کا سبب، مرغ بولنے کی وجہ

سوال[۹۵۸۶]: تارے کا ٹوٹنا اور مرغ کے بولنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شیطان کو دفع کرنے کے لئے انگارا مارا جاتا ہے، جس کو تارا ٹوٹنا کہتے ہیں(۲)، مرغ کبھی تو ویسے ہی بولتا ہے، کبھی کسی فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= صیاح الدیکة فسلوا الله من فضله، فإنها رأت ملكاً. وإذا سمعتهم نهيق الحمار، فتعوّذوا بالله من الشيطن الرجيم، فإنه رآى شيطاناً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب أسماء الله تعالىٰ، باب الدعوات فى الأوقات، الفصل الأول، ص: ۲۱۳، قديمى)

(۱) "إذا سمعتهم نهيق الحمار، فتعوّذوا بالله من الشيطن الرجيم، فإنه رآى شيطاناً". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الدعوات فى الأوقات، ص: ۲۱۳، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إلا من خطف الخطفة فأتبعه شهاب ثاقب﴾ (سورة الصافات: ۱۰)

قال العلامة الألوسى رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿يجد له شهاباً رصداً﴾: أى يجد شهاباً راصداً له، ولأجله يصده عن الاستماع بالرجم، فـ "رصداً" صفة "شهاباً" .... قيل: يجدله ذوى شهاب راصدين بالرجم، وهم الملائكة عليهم السلام، الذين يرجمونهم بالشهب ويمنعونهم من الاستماع". (روح المعانى، (سورة الجن: ۹): ۸۷/۲۹، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ وسلم قال: "إذا سمعتم صياح الديكة =

ہمزاد کیا ہے؟

سوال[۹۵۸۷]: کیا یہ صحیح ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جس کو ''ہمزاد'' کہتے ہیں، واقع میں شیطان پیدا ہوتا ہے، یا صرف لوگوں کی کہاوت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حدیث پاک میں موجود ہے، ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے(۱)، عوام اس کو ''ہمزاد''

= فسلوا الله من فضله، فإنها رأت ملكاً. وإذا سمعتم نهيق الحمار، فتعوذوا بالله من الشيطان، فإنها رأت شيطاناً". (صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شغف الجبال: ۴۶۶/۱، قديمی)

(والصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الدعاء عند صياح الديک: ۳۵۱/۲، قديمی)

قال العلامة الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالیٰ: "قوله: "فإنها رأت ملكاً" بفتح اللام، قال عياض: كان السبب فيه رجاء تأمين الملائكة على دُعائه واستغفارهم له، وشهادتهم له بالإخلاص، ويؤخذ منه استحباب الدعاء عند حضور الصالحين تبركاً بهم. وصح ابن حبان. وأخرجه أبوداؤد وأحمد من حديث زيد بن خالد رفعه: "لاتسبوا الديک، فإنه يدعو إلى الصلوة". وعند البزار من هذا الوجه سبب قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ذلک وأن ديک صرخ فلعنه رجل، فقال ذلک. قال الحليمی: يؤخذ منه أن كل من استفيد من الخير، لاينبغي أن يسبّ ولا أن يستهان به، بل يكرم ويحسن إليه. قال: وليس معنى قوله: "فإنه يدعو إلى الصلوة". أن يقول بصوته حقيقةً: صلوا، أو حانت الصلوة، بل معناه أن العادة جرت بأنه يصرخ عند طلوع الفجر، وعند الزوال فطرة فطره الله عليها". (فتح الباری شرح صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شغف الجبال: ۴۳۴/۶، ۴۳۵، قديمی)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: 'قال رسول الله صلى الله تعالیٰ وسلم :"ما منكم من أحد إلا وقد وكّل الله به قرينه من الجن". قالوا: وإياک يا رسول الله !؟ قال :"وإياى، إلا أن الله أعانني عليه فأسلم، فلا يأمرنی إلا بخير". (الصحيح لمسلم، كتاب صفة المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه: ۳۷۶/۲، قديمی)

کہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

طویل العمر جن صحابی کا ظہور

سوال[۹۵۸۸]: ذیل میں درج کردہ بعنوان ''حدیث ظہور صحابی'' (جو فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے) کو بنیاد بنا کر مولوی محمد حنیف اسلم قاضی کے شمارے میں اس کی پرزور اشاعت کی، اس شمارے کا نام روحانی عالم مظفرنگر تھا جو ماہ جنوری وفروری ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا جس سے عوام میں انتشار ہوا۔ اور مستفتی نے مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور سے مراجعت کی اور ان دونوں حضرات کے جوابات کے ساتھ دارالافتاء دارالعلوم دیو بند سے رجوع کیا۔

حدیث ظهور صحابی

بسم الله الرحمن الرحيم

عن أمير المؤمنين خليفة المسلمين سلطان الأجنة سيدنا حضرت عمر بن خيام رضي الله تعالىٰ عنه، سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال النبي صلىٰ الله تعالىٰ عليه وسلم: ''أصحابي كلهم كنجوم السماء المشرقة، وواحد منهم يعيش طويلاً، ويحمل خليفةً في الناس في أواخر أربع مأة سنة وألف من الهجرة النبوية، فهو يظهر بسنتي، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقةً كلهم في النار إلا واحدةً''. فقالوا: ومن ذاك يارسول الله!؟ قال: ''هو من سن بسنتي وسنة خليفتي، أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم''.

أجزت الحكيم إحسان إلهي أن يروى هذا الحديث عني.

دستخط عمر بن خيام، ۱۳۹۸ھ۔

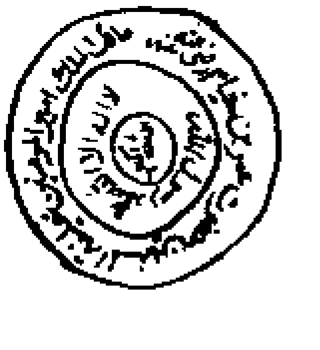

''میں مکہ کا رہنے والا ہوں، مکان میرا میدان عرفات میں تھا اور آج بھی ہے، میرے والد عمر بن احسان نے مجھے بتایا کہ میں ۵۰۰ء میں پیدا ہوا، میرے والد اپنی قوم کے سردار تھے اور بہت بڑے جادوگران کے پاس رہتے تھے، خود بھی جادو کے ماہر تھے۔ میرے والد کی عمر چھ سو سال ہوئی تھی، ۷ھ میں ۹/ ذیقعدہ کو میرے والد کا انتقال ہوا۔ میں پندرہ دن کے بعد ۲۴/ ذیقعدہ/ ۷ھ کو صبح صادق کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا، آپ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، کچھ دیر میں نے انتظار کیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اسلام میں داخل ہوا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا شروع کیا۔ جب ہجرت کی گئی، میں اور کچھ صحابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ پہونچے، میں ہر وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا۔

۷ھ نبوی سے ۱۰ھ تک جس قدر جنگ ہوئیں، میں سبھی میں حضور کے ہمراہ رہا اور مدینہ میں رات کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سوتا تھا۔ اور اس کے بعد ۱۰ھ میں مجھے حکم ہوا کہ تم تبلیغِ اسلام کے لئے اپنی قوم میں جاؤ، میں نے یہاں آکر بہت کوشش کی اور تین ماہ کے اندر پھر میرے لئے حکم ہوا کہ ہندوستان میں جاؤ، میں نے یہاں آکر بہت کوشش کی اور تین ماہ کے اندر نو سو ۹۰۰/ جنات کو اسلام میں داخل کیا۔ اس کے بعد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ پہونچا اور نو سو جنات کی تعداد میرے ساتھ گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد ہم سب ہی ہندوستان واپس آگئے۔ حضور مجھ سے بہت خوش ہوئے اور ہم سب کے لئے دعاء کی، جب سے ہندوستان ہی میں رہتا ہوں۔

جب یہاں آیا تھا، یہاں کا بادشاہ عدال مسیح ابن عرفان تھا، میں نے تبلیغ کا کام جاری رکھا اور ہم نے بڑی تعداد میں جنات کو مسلمان بنالیا۔ بہت کوشش کرنے پر میں نے ۹۳ھ میں عدال مسیح بن عرفان کو (مسلمان) اسلام میں داخل کیا اور اس کا نام محمد قاسم رکھا

اور لقب اس کا مولائی بن عرفان رہا۔ اور میں قاضی شریعت بنادیا گیا۔ ایک مرتبہ مولوی اہل اللہ مجرم بن کر ہمارے سامنے پیش کئے گئے، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کردی، مولوی شاہ اہل اللہ نے مجھ سے کلام کیا کہ کیا تم صحابیِ رسول ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا، ان کو پھر واپس پہونچادیا گیا۔

۱۲۴۱ھ میں شاہ محمد قاسم بن عرفان ہم سے رخصت ہوکر عالمِ بقاء کو پہنچ گئے، قوم جنات نے مل کر مجھے تختِ شاہی پر بٹھادیا اور اپنا بادشاہ مان لیا۔ اس کے بعد بابا فرید گنج شکر سے میں لاہور میں ملا، پھر دوسری مرتبہ دہلی میں ملا۔ مولوی محمد یوسف صاحب سے ۴۰/ مرتبہ خود ہی میں نے مل کر گفتگو کی اور تب تبلیغ کا کام ترقی پر پہونچا۔ ایک مرتبہ خود ہی مولانا زکریا صاحب سے ملنے کے لئے بشکل انسان بن کر گیا، مگر ان سے گفتگو نہ کرسکا۔ اس کے بعد ۱۳۸۹ھ میں حکیم احسان الٰہی میرے پاس آپہونچے اور بالمشافہ مجھ سے گفتگو کی، تب سے آج تک ہر ماہ چار پانچ مرتبہ میں خود حکیم احسان الٰہی کو اپنے پاس بلاتا ہوں۔ اور ۹۷ھ میں میں نے حکیم احسان الٰہی کو اپنا خلیفہ مقرر کردیا ہے۔ انسانوں کی بیعت کے لئے، ابھی تک کوئی دنیا کا انسان اس طرح سے میرے پاس نہیں آیا۔ اب امت محمدیہ پر ظاہر ہونے کی اجازت دے دی ہے اور ساتھ ہی مولوی محمد حنیف کو بھی لگادیا ہے تاکہ دونوں مل کر دین کی خدمت کرسکیں۔ میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمانے کی توفیق عطا فرمائے''۔ عمر ابن خیام۔

ذیل کی معروضات کا جواب مرحمت فرمائیں:

کیا یہ مضمون صحیح اور صادق ہوسکتا ہے، اس کی صداقت اور اہلِ مضمون کی صداقت میں کوئی شبہ تو نہیں، ہے یعنی یہ صاحب جو قوم جن میں سے ہیں اور اب تک حیات ہیں اور صحابی ہونے کے دعویدار ہیں۔ سب کچھ صادق ہوسکتا ہے یا کہ حکیم احسان الٰہی اور مولوی محمد حنیف کی جعل سازی اور دوکانداری کا چکر ہے، کیونکہ یہ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈے کرتے ہیں؟ اور معلوم ہوا کہ یہ مضمون صحابی جن کی طرف سے اپنے ماہنامہ رسالہ میں

اشاعت کے لئے دیا گیا ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ کسی تبلیغی آدمی نے ہمارے حضرت شیخ سے ان صحابی جن سے ملاقات کے متعلق دریافت کیا تھا تو آپ نے اجازت دی تھی، لیکن ان صحابی نے ملاقات سے منع کردیا ہے، یہاں بھی کچھ لوگ حکیم احسان الٰہی سے متعلق ہیں، ان کے ذریعہ سے ان صحابی سے کچھ دینی ودنیوی امور کے متعلق معلومات کرتے رہتے ہیں، ان کے تحریری جواب آئے ہیں۔ بعض تحریرات پر ان کے نام پر ''امیر المومنین'' کا لفظ بھی تھا، اس پر میں نے اعتراض کیا۔ کہ ''امیر الجنات'' کہنا چاہئے، اس کے بعد سے ''امیر المومنین'' کا لفظ ختم کردیا ہے۔

اب بات دریافت کرنی ہے کہ اگر ان سے بشکلِ انسانی کوئی آدمی ملاقات کرے تو وہ تابعین میں داخل ہوگا یا نہیں؟ اور ان سے دینی فیض بذریعہ بیعت وغیرہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور خیر القرون میں باہم جنات وانسان میں اس طرح بیعت اور رشد وہدایت اور فیض رسانی کا سلسلہ قائم ہوا ہے یا نہیں اور اب ہوسکتا ہے یا نہیں؟

شافی وکافی رائے عالی کے ذریعہ تسلی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- اس میں شک نہیں کہ بعض جنات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرآن کریم پڑھنے کو سنا اور ایمان لائے، جیسا کہ سورۂ جن میں مذکور ہے(۱)۔

۲- یہ بھی صحیح ہے کہ عموماً جنات کی عمر طویل ہوتی ہے، جیسا کہ آکام المرجان فی احکام الجان میں ہے(۲)۔

۳- یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متعدد مرتبہ تبلیغ احکام کے لئے جنات میں تشریف لے گئے، جیسا کہ بذل المجہود میں مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قل أوحی إلی أنه استمع نفر من الجن، فقالوا إنا سمعنا قرآناً عجباً، یهدی إلی الرشد فآمنا به، ولن نشرک بربنا أحداً﴾ (سورة الجن: ۱، ۲)

(۲) لم أجد

(۳) "عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، قال له لیلة الجن: =

۴-یہ بھی ثابت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر واپسی میں ایک جگہ سانپ کی شکل میں ایک جن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جو حقِ ضیافت ادا کرنا چاہتا تھا، جیسا کہ کتاب المغازی میں ہے(۱)۔ان مثبت امور کے ساتھ کچھ منفی امور بھی قابلِ لحاظ ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ نے کسی جن کو نبی یا نذیر بنا کر انسانوں کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا(۲)۔

= "ما في إداوتک"؟ قال: نبيذ، قال: "تمرة طيبة وماء طهور". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ: ۱/۱۳، مكتبه إمداديه ملتان)

قال العلامة خليل أحمد السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ: "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال له": أي لعبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه "ليلة الجن": أي ليلة ذهب الجن بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى قومهم ليتعلموا منه الدين وكان معه عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، وفي رواية زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه، الخ". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ: ۱/۵۵، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب أحكام المياه، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۸۰): ۲/۱۸۱، رشيديه)

(۱) "وروى ابن العربي بسنده إلى جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: بينا أما مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمشي إذ جاء ت حية، فقامت إلى جنبه، فأدنت فاها من أذنه، وكأنها تناجيه أو نحو هذا، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "نعم". فانصرفت، الخ". (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، الباب الحادي عشر في بيان أن الجن يأكلون ويشربون، فصل في تأويل أحاديث واردة في هذا الباب، ص: ۳۰، مكتبه خير كثير كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبيّن لهم، فيضل الله من يشاء ويهدي من يشاء، وهو العزيز الحكيم﴾ (سورة إبراهيم: ۴)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وإلى ثمود أخاهم صلحاً، قال يقوم اعبدوا الله مالكم من إله غيره﴾ (سورة هود: ۶۱)

"الجمهور على أنه لم يكن من الجن نبي .... قال البغوي في تفسير الأحقاف: وفيه دليل على أنه عليه السلام كان مبعوثاً إلى الإنس والجن جميعاً. قال مقاتل رحمه الله تعالىٰ: لم يبعث قبله نبي =

۲- حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی جن کو عہدۂ امامت سپرد نہیں کیا، جیسا کہ سفر میں تشریف لے جاتے وقت اپنی جگہ کسی کو امام مقرر کر کے جانے کا معمول تھا(۱)۔

۳- کسی جہاد میں کسی جن کو امیر بنا کر نہیں بھیجا جیسا کہ صحابہ میں سے کسی کو امیر بنا کر بھیجنے کا معمول تھا(۲)۔

۴- کسی جن کو کسی بستی میں حاکم اور قاضی بنا کر نہیں بھیجا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا ہے(۳)۔

= إلى الإنسن والجن". (الأشباه والنظائر، أحكام الجان، ص: ۳۲۳، قديمي)

(۱) "عن مصعب بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج إلى تبوك، فاستخلف عليًا، قال: أتخلّفني في الصبيان والنساء؟ قال: "ألا ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ إلا أنه ليس نبي بعدي". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة: ۲/۶۳۳، قديمي)

(۲) "قال: حدثنا سفيان، قال: الذي حفظناه من عمرو بن دينار قال: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما، يقول: بعثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلث مأة راكب أميرنا أبو عبيدة بن الجراح رضي الله تعالىٰ عنه نرصد عير قريش، فأقمنا بالساحل نصف شهر، فأصابنا جوع شديد حتى أكلنا الخبط، فسمّي ذلك الجيش جيش الخبط، الخ". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة سيف البحر وهم يتلقون عيراً لقريش وأميرهم أبو عبيدة: ۲/۶۲۵، قديمي)

"عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث بعثاً وأمر عليهم أسامة بن زيد، فطعن الناس في إمارته، فقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "إن تطعنوا في إمارته، فقد كنتم تطعنون في إمارة أبيه من قبل، وأيم الله! إن كان لخليقاً للإمارة، وإن كان لمن أحبّ الناس إلي، وإن هذا لمن أحب الناس إلي بعده". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أسامة بن زيد رضي الله تعالىٰ عنهما في مرضه الذي توفي فيه: ۲/۶۴۱، ۶۴۲، قديمي)

(۳) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما بعثه إلى اليمن قال: "كيف تقضي إذا عرض لك قضاء"؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: "فإن لم تجد في كتاب الله"؟ قال: =

۵-کسی جن کو قاضی بنا کر بھی کوئی تبلیغی دعوت نامہ دے کر نہیں بھیجا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا(۱)۔

غرض جنات کی کوئی ولایت، امامت، حکومت انسانوں پر ثابت نہیں فرمائی، بلکہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے جنات کی قیادت سے آزاد رکھا ہے، یہاں تک کہ انسان عورت کا نکاح قوم جن کے مرد سے جائز نہیں قرار دیا گیا، جیسا کہ کتبِ فقہ شامی وغیرہ میں مذکور ہے(۲)۔شوہر کی بیوی پر ولایت ہوتی ہے:

= فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "فإن لم تجد في سنة رسول الله"؟ قال: أجتهد رأى، ولا آلو، قال: فضرب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على صدره، وقال: "الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لمايرضى به رسول الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل في القضاء والخوف منه، الفصل الثاني، ص: ۳۲۴، قديمى)

"عن أبى بردة رضى الله تعالىٰ عنه قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبا موسىٰ ومعاذ بن جبل رضى الله تعالىٰ عنهما إلى اليمن، قال: بعث كل واحد منهما على مخلاف، قال: واليمن مخلافان. ثم قال: "يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا". فانطلق كل واحد منهما إلى عمله، الخ". (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب بعث أبى موسىٰ ومعاذ رضى الله تعالىٰ عنهما إلى اليمن قبل حجة الوداع: ۶۲۲/۲ قديمى)

(۱) "أن عبدالله بن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، أخبره أن أبا سفيان بن حرب رضى الله تعالىٰ عنه أخبره أن هرقل أرسل إليه في ركب من قريش، وكانوا تجاراً بالشام في المدة التى كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مادّ فيها أبا سفيان وكفار قريش، فأتوه وهم بإيلياء، فدعاهم في مجلسه ....ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الذى بعث به مع دحية الكلبى إلى عظيم بُصرىٰ، فدفعه عظيم بُصرىٰ إلى هرقل، فقرأه، فإذا فيه: "بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى .... الخ". (صحيح البخارى، باب كيف كان بدؤ الوحى إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقول الله عزوجل: ﴿إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده﴾: ۱/۴، ۵، قديمى)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وبقى من المحرمات الخنثى المشكل لجواز ذكورته والجنية وإنسان الماء لاختلاف الجنس .... وقد نظمت السبعة مع الخمسة المزيدة بقولى: =

﴿الرجال قوامون علی النساء﴾(۱)۔

واقعہ مسئولہ میں جس روایت کوظہور صحابی کے نام سے درج کیا گیا ہے اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ: چودھویں صدی کے اخیر میں طویل العمر جن صحابی کا ظہور ہوگا اور امت کے ۷۳/ فرقے ہوں گے، ایک فرقہ جو اس طویل العمر کی اطاعت کرے گا، صرف وہی نجات پائے گا، باقی ۷۲/ فرقے جو اس کی اطاعت نہیں کریں گے اگرچہ وہ قرآن کریم اور سند سے صحیح ثابت شدہ احادیث پر عمل کریں گے وہ سب جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ ۷۳/ فرقوں کی تفصیل اکابر اسلاف کی کتابوں میں صدیوں پہلے سے مذکور ہے، جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں تفصیلاً تحریر فرمایا ہے(۲)۔ مولانا محمد یونس

=

أنواع تحريم النكاح سبع	قرابة ملك رضاع جمع
كذلك شرك نسبة المصاهرة	وأمة عن حرة مؤخرة
وزيد خمسة أتتك بالبيان	تطليقة لها ثلاثاً واللعان
تعلق بحق غير من نكاح	أو عدة خنوثة بلا اتضاح
واخر الكل اختلاف الجنس	كالجن والمائي لنوع الإنس

(ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۸/۳، سعيد)

"ونهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن نكاح الجن، وقول الفقهاء: لاتجوز المناكحة بين الإنس والجن وكراهية من كرهه عن التابعين دليل على إمكانهم؛ لأن غير الممكن لايحكم عليه بجواز ولا بـ لدمه في الشرع". (آكام المرجان في غرائب الأخبار وأحكام الجان، الباب الموفي ثلاثين في باين مناكحة الجن، ص: ٦٢، مكتبه خير كثير، كراچي)

(۱) (سورة النساء: ۳۴)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: افترقت اليهود على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفرقت النصارى على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة، وتفترق أمتي على ثلث وسبعين فرقة".

"عن معاوية بن سفيان رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قام، فقال: ألا إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام فينا، فقال: ألا إن من قبلكم من أهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملّة، وإن هذه الملة ستفترق على ثلث وسبعين، ثنتان وسبعون في النار، وواحد في الجنة، وهي الجماعة". زاد ابن =

صاحب دامت فیوضہم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور نے خوب وضاحت سے کلام کیا ہے۔

مزید برآں غور طلب یہ بات تھی کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفۂ وقت کی درخواست پر اپنی کتاب موطاء تصنیف فرمائی جس پر خلیفہ نے چاہا کہ اس کتاب کو بیت اللہ میں آویزاں کیا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ تمام لوگ اس کے موافق عمل کریں تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شدید انکار کیا اور فرمایا کہ: صحابہ کرام مختلف اطراف میں احادیث کو لے کر گئے ہیں، جو حدیث جس کے پاس مستند ذرائع سے پہونچی ہے وہ تو اس پر ہی عمل کرے گا، سب کو موطاء پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرنے کا حق نہیں ہے(۱)۔

اس کے برخلاف واقعہ مسئولہ میں صرف ایک شخص کی اتباع پر نجات کو منحصر کردیا گیا ہے اور وہ بھی ایسا کہ سب کی نظروں سے غائب، اس کو صرف ایک شخص اس کا خلیفہ دیکھتا ہے، بات کرتا ہے۔ تو یہ درحقیقت اس طویل العمر جن کی اتباع کی دعوت نہیں، بلکہ اس خلیفہ کے لئے مسلمانوں کی گردن کو جھکانا ہے، حالانکہ اس خلیفہ کو شرعاً کسی جن سے کسی حدیث کا روایت کرنا بھی جائز نہیں ہے:

= يحيى وعمرو في حديثهما وأنه سيخرج في أمتي أقوام تجارى بهم تلك الأهواء كما يتجارى الكلب لصاحبه". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب شرح السنة: ۲/۲۸۳، مكتبه إمدايه ملتان)

"عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليأتينَ على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية، لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً كلهم في النار إلا ملة واحدة". قالوا: ومن هي يارسول الله؟ قال: "ما أنا عليه وأصحابي".

(جامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة: ۲/۹۳، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب افتراق الأمم، ص: ۲۸۷، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، قديمي)

(۱) "قال أبو نعيم في الحيلة عن مالك: قال: شاورني هارون الرشيد في أن يعلق المؤطأ على الكعبة ويحمل الناس على مافيه، فقلت: لاتفعل، فإن أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان وكل مصيب". (مقدمة أوجز المسالك، الباب الثاني في الكتاب، الفصل الثاني في المؤلف، وفيه فوائد: ۱/۱۹، مكتبه إمداديه ملتان)

"ومنها قبول رواية الجنی ذكره صاحب آكام المرجان، وذكر السيوطی أنه لاشك فی جواز روايتهم عن الإنس ماسمعوه، سواءٌ علم الإنسی بهم أولا. وإذا أجاز الشيخ من حضر دخل الجن كما فی نظيره من الإنس. أما رواية الإنس عنهم فالظاهر منعها، لعدم حصول الثقة بعد التهم". الأشباه والنظائر (۱)۔

یعنی جنات کوتو انسانوں سے حدیث روایت کرنے کا حق ہے، مگر انسان کو جنات سے روایت کرنا ممنوع ہے، کیونکہ جنات کے عادل ہونے پر اعتماد حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں، وہ مختلف صورتیں بھی بناسکتے ہیں اوراپنے نام بھی مختلف بتاسکتے ہیں۔ مجھے خود بھی واسطہ پڑا ہے، ایک جن نے اپنا نام بتایا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، ایک جن نے کہا کہ ہم ختم المرسلین ہیں۔

علاوہ ازیں دستخط اورمہر میں "سلطان الأجنة" لکھا ہے، حالانکہ "أجنة" تو "جنین" کی جمع ہے "جن" کی جمع نہیں۔ قال الله تعالی: ﴿إذ أنتم أجنة فی بطون أمهاتكم﴾ (۲)۔ اورجنین اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو، ابھی پیدا نہ ہوا ہو۔

اگرکوئی شخص ان طویل العمر جن سے ملاقات کرنا چاہے، یا ان سے تعویذ یا حدیث کی سند لینا چاہے تو اس کونزخنامہ دیکھ کرہی حیرت ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو بہت بلندمرتبہ تھے، زہدوقناعت کا مجسمہ تھے، ان کے اتباع کرنے والے بھی اس طرز سے ہمیشہ دوراورمتنفر رہے۔ بعض اکابر سے کسی حدیث کا کسی جن سے نقل کرنا بعض کتب میں مذکور ہے، مگر وہ بطورِ اُعجوبہ اورغریبہ اورنادرہ ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ "النوادر" میں نقل فرمایا ہے (۳)، اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس

---

(۱) (الأشباه والنظائر فی الفقه الحنفی، الفن الثالث: الجمع والفرق، أحكام الجان، ص: ۳۲۲، قديمی)

(۲) (سورة النجم: ۳۲)

(۳) "ووقعت قصة كذلك لأخی المؤلف الشاه أهل الله رحمه الله تعالیٰ كما ذكره صاحب تذكرة الرشيد فی هامش كتابة (۱/۱۰۱) وهی أن الشاه أهل الله كان يتلو القرآن فی المسجد فإذا بحية صغيرة، فقتلها، فجاء رجلان وقالا: إن الملک يطلبک (وظن الشيخ أنه يطلبه ملک الإنس وكانت دولة الغول تحكم علی الهند حينئذ) فقام الشيخ معهما وذهابه إلی البرية، والشيخ يسير معهما وهو =

رسالہ کا نام ہی ''النوادر'' رکھا ہے۔ اس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھنا مقصود نہیں چہ جائیکہ نجات ہی اس پر منحصر کردی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب لاریب فیہ، سید احمد علی سعید، دار العلوم دیو بند، ۴/۴/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يحسب أن ملك الإنس خرج إلى الاصطياد وطلبه من الصحراء، ولم يزل يمشي معهما حتى رآى باباً في الأرض، فدخل فيه فإذا هناك ملك الجن يحكم في المخاصمات، فسلم الشيخ وجلس في ناحية المجلس، فلما فرغ الملك من القضايا، طلب الشيخ وبرز المدعي قائلاً: إن هذا قتل ابني، وأطلب القود منه. قال الشاه أهل الله: إني لم أقتل أحداً، ثم بان أن المراد بقتل ولده هو ماقتله في صورة الحية، فأقر الشيخ بقتله، وكاد أن يقتل قصاصاً بأمر الملك، لكن ظهر هناك في ذلك الجن صحابي جنّي وقرأ حديث: "من قتل في غير زيه فدمه هدر" فأبطل الملك دمه مما سمع من حديث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبلغوا الشاه أهل الله مأمنه".

وطلب حكيم الأمة التهانوي قدس سره إجازة هذا الحديث من القطب الكنكوهي قدس سره، فكتب له الإجازة، وذكر سنده هكذا: حدثني شيخي الشاه أحمد سعيد المجددي قال: حدثني أبي الشاه أبو سعيد المجددي، قال: حدثني شيخ الشيوخ الشاه عبدالعزيز الدهلوي، قال: حدثني عمي الشاه أهل الله الدهلوي، عن القاضي الجني المعمر، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من قتل في غير زيه فدمه هدر". (الرسائل الثلاث الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. النوادر من أحاديث سيد الأوائل والأواخر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ذكر مسند الجن، ص: ۷۹، ۱۸۰، المكتبة اليحيوية، بسهارنفور الهند)

باب مایتعلق بالسحر و العوذة

الفصل الأول فی السحر

(سحر کا بیان)

سحر کا حکم

سوال[۹۵۸۹]: ۱......کیا مسلمان کو جادو کرنا جائز ہے، اور جو جادو کا عمل کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

۲......کسی شخص کی چوری ہونے کی وجہ سے اگر کسی قسم کا عملی جادو ہو یا قرآن پاک سے ہو اپنی چیز کے ملنے کے لئے کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سحر کرنا کبیرہ گناہ ہے، کذا فی شرح الفقه الأکبر (۱)۔

۲......آیاتِ قرآنی پڑھ کر دعا کرنا یا دوسرے سے کرانا کہ یا اللہ میری چیز مل جائے، درست ہے۔ حدیث شریف میں بھی دعا ثابت ہے۔ لیکن سحر کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الکاهن: الساحر، والمنجم إذا ادّعی العلم بالحوادث الآتیة، فهو مثل الکاهن .... ومایعطی هؤلاء حرام بالإجماع، کما نقله البغوی والقاضی عیاض وغیرهما". (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۴۹، قدیمی)

(۲) "فی الفتح: السحر الحرام بلاخلاف بین أهل العلم". (ردالمحتار، مطلب فی الساحر والزندیق: ۴/ ۲۴۰، سعید)

(ومعارف القرآن: ۱/ ۲۷۹، ادارة المعارف کراچی)

سحر کا اثر اور ساحر کا حکم

سوال[۹۵۹۰]: زید وجع المفاصل کی بیماری میں چار ماہ سے بیمار رہا، علاج کرتا رہا مگر بے سود۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ کسی نے جادو کیا ہے، مکان کی تلاشی لی گئی اور کچھ تعویذ نکل آئے جس کے بعد مریض کو افاقہ ہوا۔ ایک صاحب نے اپنے عمل (جادو) سے رکھنے والے کو معلوم کیا جو اس گھر کی رہنے والی ہندہ ہے، مگر وہ اس فعل سے انکار کررہی ہے۔ مریض اس کے بعد بھی سخت بیمار رہا۔

۱......کیا جادو کے ذریعہ بیمار ہونا شرعاً درست ہے؟

۲......بغیر دیکھے تعویذ رکھنے والے کو معلوم کرنا ممکن ہے؟

۳......اگر جواب اثبات میں ہو تو تعویذ رکھنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

۴......اور نفی کی صورت میں اس قسم کے اعتقاد رکھنے والے کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......شرعاً یہ محال نہیں، بلکہ ممکن ہے(۱)۔

۲......عملیات کے ذریعہ یہ بھی ممکن ہے، لیکن بغیر حجتِ شرعیہ کے شرعاً مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳...... جب تک وہ عورت اقرار نہ کرے یا شرعی شہادت سے ثبوت حاصل نہ ہو، اس کو سزا دینا درست نہیں۔

۴......جو لوگ سحر (جادو) کے منکر ہیں ان کا یہ انکار اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے:

---

(۱) راجع: (معارف القرآن، سحر کی حقیقت: ۱/۲۷۴، ادارة المعارف کراچی)

"إنه قد يؤثر في موت المسحور ومرضه من غير وصول شئ ظاهر إليه". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۰، قديمی)

"السحر حق عندنا وجوده وتصوره وأثره". (ردالمحتار، مطلب في التنجيم والرمل: ۱/۴۴، سعيد)

"قال المحقق في الفتح: قال أصحابنا: للسحر حقيقة وتأثير في الأجسام، خلافاً لمن منع ذلک". (إعلاء السنن، كتاب السير، حكم السحر وحقيقة: ۱۲/۲۰۰، إدارة القرآن كراچی)

"اختلفوا: أنه (أي للسحر) تأثير فقط بحيث يغير المزاج، فيكون نوعاً من الأمراض، أو ينتهي إلى الحالة بحيث يصير الجماد حيوانا مثلاً وعكسه؟ فالذي عليه الجمهور هو الأول، وذهبت طائفة قليلة إلى الثاني .... والحق أن لبعض أصناف السحر تأثيراً في القلوب كالحب والبغض وإلقاء الخير والشر، وفي الأبدان بالألم والسقم اه". فتح الباري: ۱۰/۱۸۸ (۱)۔

"والسحر في نفسه حق أمر كائن، إلا أنه لايصلح إلا للشر والضرر بالخلق، والوسيلة إلى الشر شر فيصير مذموماً، اه"(۲)۔ "قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: الساحر إذا أقر بسحره أو ثبت بالبينة، يقتل ولايستتاب منه". الدرالمختار: ۱/۳۵٦(۳)۔

"فلو فعل مافيه هلاك إنسان، أو مرضه، أو تفريق بينه وبين امرأته وهو غير منكر لشئ من شرائط الإيمان، لايكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً في الأرض بالفساد، فيقتل الساحر والساحرة؛ لأن علة القتل السعي في الأرض بالفساد، وهذه العلة تشتمل الذكر والأنثى. وأما إذا كان سحراً هو كفر، فيقتل الساحر لا الساحرة؛ لأن علة القتل الردة والمرتده لاتقتل، كذا ذكره صاحب الإرشاد في الإشراق". شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۷۸ (٤)۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ہندہ کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جادو کرنے والے کا حکم

سوال [۱۹۵۹]: ہم پر ڈیڑھ سال سے کسی نے جادو کرادیا ہے، جو خصوصاً قوتِ مردانہ پر اثر انداز ہے جس کے باعث ہم بہت پریشان ہیں۔ فتویٰ اس لئے لینا چاہتے ہیں کہ عامل کو چوٹ دی جائے یا کرانے

(۱) (فتح الباري، كتاب الطب، باب السحر: ۱۰/۱۷۳، ۱۷۴، قديمى)

(۲) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب في الساحر والزنديق: ۴/۲۴۱، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب في الساحر والزنديق: ۴/۲۴۰، سعيد)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، السحر والعين حق، ص: ۱۴۵، قديمى)

والے کو؟ جب کہ شرعی ثبوت موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں ہی مجرم اور مستحقِ سزا ہیں(۱) جادو بر سر جادو گر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹۰ھ۔

دفعِ سحر کے لئے سحر سیکھنا

سوال[۹۵۹۲]: عمر نے سحر اور سفلیات کے ذریعہ زید کی جان اور مال کو ہلاکت اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے، ایسی صورت میں زید اپنی جان ومال کی حفاظت میں سیکھ کر مدافعت کرے یا کوئی دوسرا شخص سحر کے ذریعہ مدافت کرے، مدافعت کے لئے سحر سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سحر میں ایسا کوئی عمل یا اعتقاد اختیار کرنا ہوتا ہے جس سے ایمان باقی نہیں رہتا، اس کا سیکھنا اور کرنا یا دوسرے سے کرانا کچھ بھی جائز نہیں:

"قال الشيخ أبو منصور الماتريدي: القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ، بل يجب البحث عنه، فإن كان في ذلك رد ما لزمه في شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا، فلو فعل مافيه هلاك إنسان أو مرضه أو تفريق بينه وبين امرأته، وهو غير منكر لشئ من شرائط الإيمان، لايكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً في الأرض بالفساد، اهـ". شرح فقه أكبر، ص: ۱۷۸(۲)۔

(۱) قال العلامة علاؤ الدين الطرابلسي: "قال في النوازل: الخناق والساحر يقتلان إذ أقرّا؛ لأنهما ساعيان في الأرض بالفساد". (معين الحكام، الباب الحادي والخمسون في القضاء بما يظهر من قرائن الأحوال والأمارات وحكم الفراسة ....، فصل في عقوبة الساحر والخناق الزنديق، ص: ۱۹۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"قال أبو حنيفة: الساحر إذا أقرّ بسحره أو ثبت بالبينة، يقتل ولايستتاب منه". (ردالمحتار، مطلب في الساحر والزنديق، باب المرتد: ۴/۲۴۰، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر، السحر والعين حق، ص: ۱۴۵، قديمي) .... =

"یکفر السّاحر بتعلمه وفعله، اعتقد تحریمه أو لا، اه". در مختار(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۵ھ۔

دفعِ سحر کے لئے سحر کرنا

سوال[۹۵۹۳]: ہمارے علاقہ گجرات میں آج کل سحر کا بڑا زور ہے، ذرا سا اختلاف یا دشمنی ہوئی کہ فریقِ مخالف نے جان لینے یا پریشان کرنے کے لئے غیر مسلم ساحروں سے سحر کروایا جاتا ہے، اس کے دفعیہ کے لئے تعویذات وعملیات سب کچھ کیا گیا، مگر فائدہ نہیں ہوا، البتہ تخفیف ہوجاتی ہے۔ عاملوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ سفلی اور ناپاک علم ہوتا ہے، اس لئے اس کا مکمل دفعیہ بھی اسی طرح سفلی اور ناپاک عملوں سے ہی ہوسکتا ہے۔ چند مشرک عالم بھی تعلق کی وجہ سے عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر شریعت کا احترام اور گناہ کے ڈر کی وجہ سے نہ تو آج تک خود کیا اور نہ کسی کو اجازت دی۔ اب تک بہت سے لوگ پریشان ہوچکے ہیں اور متعدد اموات بھی ہوچکی ہیں۔

تو کیا ایسی صورتِ حال میں غیر مسلموں سے مشرکوں سے سحر ٹوٹکا وغیرہ تمام پلید چیزوں کے رد کے لئے کروانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ہمیں کچھ کھانا پینا، باندھنا، پڑھنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے عمل کے ذریعے خود دفع کرتا ہو، یا ان میں سے کوئی بات کرنی ہوتی ہو تو کیا ان میں کوئی فرق ہوگا، یا دونوں صورتیں مساوی ہوں گی؟

مولانا ابراہیم صاحب، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، گجرات۔

= (وکذا في مرقاة المفاتیح، کتاب الدیات، باب قتل أهل الردة والسعاة: ۱۱۷/۷، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، مطلب في الساحر والزندیق: ۲۴۰/۴، سعید)

"وأما تعلیمه وتعلّمه، ففیه ثلاثه أوجه: الصحیح الذی قطع به الجمهور أنهما حرامان". (مرقاة المفاتیح، کتاب الدیات، باب قتل اهل الردة والسعاة: ۱۱۷/۷، رشیدیه)

"تعلمه وتعلیمه حرام". (ردالمحتار، مطلب في التنجیم والرمل: ۴۴/۱، سعید)

(ومعارف القرآن: ۲۷۹/۱، ادارۃ المعارف کراچی)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب السیر، باب حد الساحر ضربة بالسیف وکذا فی سب الله أو الرسول أو واحدا من الانبیاء، حکم السحر وحقیقته: ۵۹۹/۱۲،)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ضرورت کی حالت میں اس سے علاج کرنا درست ہے(۱)، مگر اس طرح کہ جو کچھ کرنا ہو وہ خود کرے، کھانا، پینا، باندھنا، پڑھنا کوئی کام مسحور کو نہ کرنا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

دفعِ سحر کی ترکیب

سوال[۹۵۹۴]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، مگر ہندہ کے گھر والوں نے زید پر جادو کرادیا جس سے اپنے والدین سے بالکل بیزار ہوگیا، بہت عمل کیا مگر افاقہ نہیں ہوا۔ اب یہ بتلایا گیا کہ شیطانی عمل ہی سے دور ہوگا۔ تو اگر ایسا عمل (جادو) کرایا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہنا کہ ''عملِ شیطانی ہی سے علاج ہوتا ہے'' یہ صحیح نہیں ہے، دفعِ سحر جائز اعمال سے بھی ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفعِ سحر کے لئے معوذتین نازل ہوئی تھیں (۲)، مثلاً: اگر سحر کئے کو چالیس روز تک سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ الرحمن الرحیم چینی کے برتن پر زعفران کے پانی سے لکھ کر دھو کر پلایا جائے نہار منہ تو باذنہٖ تعالیٰ شفا ہوجاتی ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ سورۂ

---

(۱) "وفي ذخيرة الناظر: تعلمه فرض لرد ساحر أهل الحرب، وحرام ليفرق به بين المرأة وزوجها، وجائز ليوفق بينهما". (ردالمحتار، مطلب في التنجيم والرمل: ۱/۴۴، سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، ص: ۳۰۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال القرطبي رحمه الله تعالىٰ: "ثبت في الصحيحين من حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سحره يهودي من يهود بني زريق، يقال له: لبيد بن الأعصم، حتى يخيل إليه أنه كان يفعل الشئ ولايفعله .... فأنزل الله هاتين السورتين". (تفسير القرطبي، سورة الفلق: ۱۰/۱۸۱، ۱۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

فاتحہ سورۂ شفاء ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۸۸ھ۔

مشرکانہ منتر سے علاج

الاستفتاء [۹۵۹۵]: زید جو کہ بے علم ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، دھوبی کا پیشہ کرتا ہے، ایک منتر کے ذریعہ کچھ امراض کی مثلاً اندرونی پھوڑا و کینسر کی جھاڑ پھونک کرتا ہے جس سے مریضوں کو صحت ہو جاتی ہے۔ جس منتر سے وہ جھاڑتا ہے، اس میں غیر اللہ سے اعانت لی جاتی ہے، خدا کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ البتہ ابتداء میں بسم اللہ وہ ضرور پڑھ لیتا ہے، مثلاً یوں کہتا ہے کہ فلاں دیوی یا دیوتا کے نام سے، یا ان کے حکم سے اچھا ہو جا، جل جا، پھنک جا۔ کیا اس سے علاج کرانا عام حالات میں جائز ہے یا نہیں؟

بکر کینسر کا مریض ہے اور دو مستند پابند شرع ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اس کا علاج بے سود ہے۔ چونکہ یہ مرض معدہ اور جگر کے درمیان ہے اس لئے آپریشن یا بجلی کا علاج بھی خطرناک ہے۔ اندریں حالات ایسے مریض کو زید سے جھاڑ پھونک کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے شخص سے بذریعہ جھاڑ پھونک علاج کرانا جائز نہیں، اس میں دیوی دیوتا کو شافی اور متصرف مانا گیا ہے اور اس جھاڑنے والے کو اس دیوی دیوتا کا مقرب تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسا عقیدہ بھی اسلام کے خلاف اور کفر ہے(۲) اور ایسے شخص سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس عقیدہ کی تصدیق اور اس کا اعزاز ہے۔ شافی مطلق،

---

(۱) "أخبرنا قبيصة، أخبرنا سفيان عن عبدالملك بن عمير قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "فاتحة الكتاب شفاء من كل داء". (سنن الدارمي، باب فضل فاتحة الكتاب، (رقم الحديث: ۳۳۷۰): ۵۳۸/۲، قديمي)

(۲) "أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لاتؤثر بذاتها، بل بذات الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب الطب والمرض والرقى: ۲۹۵/۴، مكتبه دارالعلوم، كراچی) =

حاجت روا، متصرف صرف اللہ پاک ہے، اس کے حکم کے ماتحت زندگی بھی نعمت ہے اور موت بھی راحت ہے، اس سے بغاوت کرکے زندگی بھی وبال ہے اور موت بھی عذاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

منتر کے ذریعہ علاج کرنا

سوال[۹۵۹۶]: ہمارے یہاں بچوں کو سر اور منہ وغیرہ میں گھاؤ پھوڑا پھنسی وغیرہ ہوتا ہے تو اس کا تعویذ بنا کر دیتے ہیں اور دم بھی کرتے ہیں، مسلمان ہوکر، وہ یہ ہے: سیتا ستی کو سات بیٹا پھوک پھوان، لڑیوان میل پوان، دودھ پوان، لڑیوان پوان، دھان سیتا ستی، ایک لاکھ، ۳۶ اولیاء کا یہ الفاظ ہوئے۔ آپ بتائیے کہ کیا ہے، نیز یہ بھی تحریر کیجئے کہ دہائی کا کیا معنی ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دہائی پڑھنا اور اس کا دم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرعہ کے ذریعے ساحر یا مجرم معلوم کرنا

سوال[۹۵۹۷]: ایک عورت بیمار ہے اور اس عورت کا علاج مختلف ڈاکٹر اور حکیموں سے کرایا گیا، لیکن کہیں بھی آرام نہیں ہوا۔ جب اس عورت کو کہیں بھی ان علاجوں سے فرق نہ پڑا تو برادری کے بڑے بڑے

= (وكذا في فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات: ۱۰/۲۴۰، قديمي)

(۱) "وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ماهو، ولعله يدخله سحراً وكفراً وغير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۵۳۵): ۸/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب السلام، باب الطب والمرض والرقى: ۲/۲۱۹، قديمي)

لوگوں نے کمیٹی کی، اور ایک عامل سے کہا کہ تم اگر قرعہ ڈالنا چاہتے ہو تو قرعہ کے ذریعہ سے معلوم کرو، اس عورت کو جن کا اثر، یا کوئی جسمانی قدرتی مرض، یا جادو ہے۔

اس قرعہ ڈالنے والے شخص نے قرعہ کے ذریعہ معلوم کر کے بتلایا کہ اس عورت پر جادو کا اثر ہے، حالانکہ قرعہ ڈالنے والا شخص کوئی خاص ماہر عملیات کے فن میں نہیں ہے۔ قرعہ اس طریقہ سے ڈالا گیا کہ اس عامل شخص نے ایک کوری ہانڈی منگائی اور لوگوں کے نام الگ الگ پرچیوں پر لکھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ، حسنین۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔کا واسطہ دیا اور اس ہانڈی پر چار بڑے فرشتوں کے نام لکھے۔

اور اس ہانڈی کو ایک طرف سے اس عامل نے اور دوسری طرف سے ایک دوسرے شخص نے شہادت کی انگلی کے اگلے حصہ سے ہانڈی کے کناروں سے ہانڈی کو اٹھالیا، اور وہ پرچیاں ہانڈی میں ڈال دیں اور سورۂ یٰسین شریف کو پڑھا، اور جب سورۂ یٰسین کے پہلے مبین پر پہنچا تو ہانڈی گھوم گئی اور سورۂ یٰسین کو پڑھ کر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس کو بھی پڑھا اور یہ الفاظ بھی پڑھے:

"الٰھی بحرمتِ سلیمان ابن داؤد علیہ السلام ساحر یا مجرم حاضر شود"۔

تو ہانڈی گھوم گئی۔ دوبارہ سب پرچیاں نکال لیں اور پھر الگ الگ پرچیاں ڈال دیں، دو پرچیوں پر ہانڈی گھوم گئی، جبکہ وہی عمل کیا جو پہلے تھا۔ جن کے نام پر ہانڈی پھری، انہی دو آدمیوں کو جادوگر قرار دیا گیا۔

اس مسئلہ کے اندر چند چیزیں ہیں، جن میں سے ہر ایک کا جواب مطلوب ہے:

۱.....قرعہ شریعتِ محمدی علیہ السلام میں گذری ہوئی بات پر، یا جادوگر کو معلوم کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ قرعہ کی اصل حقیقت قرآن وحدیث میں کیا ہے؟ اس ماسبق طریقہ سے قرعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲.....جب یہ قرعہ جائز ہے تو اس قرعہ کی وجہ سے یہ دونوں آدمی جادوگر قرار دئے جائیں گے یا نہیں، جبکہ مدعی وکمیٹی کے لوگوں کے پاس کوئی شرعی گواہ موجود نہیں ہے، صرف قرعہ کی وجہ سے ان دونوں آدمیوں کو ساحر ومجرم قرار دیا جارہا ہے؟

۳.....اگر اس ہانڈی کے پھرنے سے ان دو آدمیوں کا نام آجائے، لیکن علاوہ اس قرعہ کے کوئی ثبوت مدعیان یا پنچایت کے پاس ان کے جرم کا نہیں ہے، حالانکہ یہ دونوں فریق محفلِ عام میں قسم وحلف کے لئے تیار

ہیں، قسم اس طریقہ سے اٹھاتے ہیں کہ "ہم خدائے تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں" اور قسم دوبارہ اس طرح سے کھاتے ہیں کہ "اگر ہم نے اس عورت پر جادو کیا ہو تو خدائے پاک ہم پر غضب نازل کرے"۔

ایسی صورت میں اس قرعہ کا اعتبار ہوگا یا اس حلف اور قسم کا؟ کیونکہ شرعی گواہ ان کے جادو کرنے کا کوئی کسی کے پاس موجود نہیں ہے۔

مجرم جو قرار دئے گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات ہانڈی پھیرتے ہوئے پڑھی گئی ہے، ان پر ہمارا یقین ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس قرعہ والے مولوی سے کچھ غلط ہانڈی پھر گئی ہو، ہم نے جادو نہیں کیا، ہم خدا کے مجرم ہوں گے اگر ہم نے جادو کیا۔

۴...... اگر یہ عمل قرعہ اندازی کا گذری ہوئی بات پر ناجائز ہے، نصوصِ قطعیہ قرآن وحدیث سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور قرعہ ڈالنے والا کہتا ہے: اگر مفتیان کرام حدیث وقرآن کریم سے ناجائز بتلادیں تو اس گناہ کی وجہ سے توبہ واستغفار کرنے کے لئے تیار ہوں، اور جو برادری کے لوگ میرے اس دھوکہ میں آگئے ان سے بھی معافی کا طلبگار رہوں۔ اب اس عامل پر کوئی خاص مقرر سزا شریعت کی ہے یا توبہ واستغفار کرے؟ بعد کو پنچایت سے معافی کے بعد بری قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس عامل نے بھی دوسرے عامل کی اجازت سے یہ عمل کیا تھا۔

۵...... جن لوگوں کے سامنے یہ عمل کیا تھا انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس ہانڈی پر کسی کا نام آئے تو ہم اس کے مطابق مجرم کو سزا دیں گے، حالانکہ یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے علاوہ شرعی طور سے حلف وقسم پر کوئی طریقہ بری ہونے کا ہے یا نہیں؟ قرعہ قرار نہ دیا جائے، تو قوم یعنی پنچایت نے فتویٰ کے جواب تک کوئی سزا نہیں دی، تو کیا یہ پنچایت اس عہد کی وجہ سے گنہگار ہوگی یا نہیں، جبکہ مسئلہ سے بے خبر ہے؟

۶...... قرعہ یا استخارہ گذری ہوئی بات پر ڈالا جائے یا آئندہ والی بات پر قرعہ جائز ہے، یا استخارہ جائز ہے؟

۷...... اگر اس طرح قرعہ ڈالنا شریعت میں جائز ہے تو مجرمان کو اس قرعہ پر مجرم ہی قرار دیا جائے گا، یا قسم پر بری کیا جائے گا "القسم علی المدعی والیمین علی من أنکر" پر عمل ہوگا؟

اگر اس طرح پر پرچیاں ڈال کر ہانڈی چلانا ناجائز ہے، عامل توبہ کرے تو وہ قابلِ معافی ہے یا نہیں؟

اور جو شخص جادو کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے اور کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرعہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک کام میں دو صورتیں ہیں اور دونوں شرعاً برابر ہیں، جس صورت کو چاہے اختیار کرلیا جاوے، محض اطمینان کے لئے قرعہ اندازی کرلی جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس کو سفر میں جانا ہے، شریعت کی طرف سے اس کو اجازت ہے جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جائے، دوسری کو اعتراض کا حق نہیں، وہ قرعہ اندازی کرتا ہے جس کے نام پر نکل آیا اس کو ساتھ لے جاتا ہے (۱)۔

یا مثلاً: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس نے چار بیٹے چھوڑے اور ترکہ میں جائیداد (زمین، باغ، مکان) ہے، یہ چاروں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس تمام جائیداد کو قیمت اور حیثیت کے اعتبار سے چار قطعہ قرار دیئے جائیں گے جو کہ حیثیت اور قیمت میں برابر ہیں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کون سا قطعہ کس کو دیا جائے، تو قرعہ اندازی کرلی جاتی ہے، اس طرح کہ قطعوں کے نمبر مقرر کردیئے جاتے ہیں، نمبر ۱: قطعہ فلاں کا ہے، نمبر ۲: فلاں، نمبر ۳: فلاں، نمبر ۴: فلاں، پھر چار کاغذوں پر نمبر ۱، ۲، ۳، ۴/ لکھ کر گولی بنادی جائے، تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ اس گولی میں کس نمبر کا قطعہ لکھا ہوا ہے، پھر کسی ناسمجھ بچے کو بلا کر کہا جاوے کہ ان چاروں گولیوں کو ان چاروں پر تقسیم کردیں، یا یہ چاروں آنکھیں بند کرکے ایک ایک گولی اٹھالیں، جس کے حصہ میں جو گولی گرے، اس میں لکھا ہوا قطعہ اس کو مل جائے۔

ا...... غرض قرعہ آئندہ کاموں کے لئے ہوتا ہے، گذشتہ کے لئے نہیں۔ قرعہ شرعی دلیل نہیں ہے، محض

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد سفراً، أقرع بين نسائه، فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه". متفق عليه. (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب القسم، الفصل الأول، ص: ۲۷۹، قديمي)

"وفي الهداية: لاحق لها في القسم حالة السفر، ويسافر الزوج بمن شاء منهن، والأولىٰ أن يقرع بينهن، فيسافر بمن خرجت قرعتها .... ولأنه قد يثق بإحداهما في السفر، وبالأخرى في الحضر، والقرار في المنزل لحفظ الأمتعة، أو لخوف الفتنة، أو تمنع من سفر إحداهما كثرة سمنها، فتعين من يخاف صحبتها في السفر للسفر لخروج قرعتها إلزام للضرر الشديد، وهو مندفع بالنافي للحرج". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب القسم، (رقم الحديث: ۳۲۳۲): ۶/۳۸۰، رشيديه)

اطمینان کے لئے ہے(۱)۔

۲...... عامل صاحب نے جوصورت اختیار کی ہے اس کی وجہ سے شرعاً ان دونوں شخصوں کو جادو کا مجرم قرار دینا جائز نہیں (۲)۔

۳...... جب وہ دونوں آدمی انکار کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔

۴...... قرعہ شرعی حجت اور دلیل نہیں، عامل صاحب کو لازم ہے کہ بلا شرعی دلیل کے محض اپنے کسی عمل پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کو مجرم قرار نہ دیں (۳)۔ اور توبہ واستغفار کریں، جب وہ توبہ واستغفار کرلیں اور جن دو

---

(۱)"القسمة ...... شرعاً: جمع نصيب شائع له في مكان معين، وسببها طلب الشركاء أو بعضهم الانتفاع بملكه على وجه الخصوص". (ردالمحتار، كتاب القسمة ۶/۲۵۳، سعيد)

"كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكاً لصحته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر". (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني، الفصل الثاني من في أحكام القسمة، (رقم المادة: ۱۱۶۲): ۱/۶۴۳، مكتبه حنفيه)

(۲)"وهذه الأضرب كلها تسمى كهانةً، وقد أكذبهم كلهم الشرع، ونهى عن تصديقهم وإتيانهم. والله أعلم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۲، قديمي)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ (سورة الحجرات: ۱۲)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ تحت قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظن﴾: أي تباعدوا منه، وأصل اجتنبه كان على جانب منه، ثم شاع في التباعد اللازم له، وتنكير ﴿كثيراً﴾ ليحتاط في كل ظن ويتأمل حتى يعلم أنه من أي القبيل، فإن من الظن مايباح اتباعه كالظن في الأمور المعاشية، ومنه مايجب كالظن حيث لاقاطع فيه من العمليات كالواجبات الثابتة بغير دليل قطعي، وحسن الظن بالله عزوجل، ومنه مايحرم كالظن في الإلهيات والنبوات، وحيث يخالفه قاطع وظن السوء بالمؤمنين، ففي الحديث: "ان الله تعالىٰ حرم من المسلم دمه وعرضه، وأن يظنّ به ظنّ السوء". وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً: "من أساء بأخيه الظنّ، فقد أساء بربه الظنّ إن الله تعالىٰ يقول: ﴿اجتنبوا كثيراً من الظنّ﴾". (روح المعاني، (سورة الحجرات: ۱۲): ۲۶/۱۵۶، داراحياء التراث العربي بيروت)

آدمیوں کو جادوگر قرار دیا ہے ان سے معافی مانگ لیں (١) اور اطمینان ہو جائے کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے، تو اب تک جو کچھ کیا غلط فہمی کی وجہ سے کیا تو ان کو معاف کر دیا جائے، ان کو سزا نہ دیجائے۔

٥...... یہ عہد بھی غلط فہمی اور نادانی کی وجہ سے کیا گیا، جب قرعہ حجتِ شرعی نہیں ہے تو اس سے ثابت ہو جانے کی بناء پر مجرم قرار دیکر سزا دینا جائز نہیں (٢)، اگر ان لوگوں نے قسم کھائی تھی تو اب سزا نہ دینے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کریں، جس جس نے قسم کھائی تھی کفارہ دیں، دس غریبوں کو شکم سیر دو وقت کھانا کھلائیں، یا کپڑا پہنائیں، یا تین روزے مسلسل رکھیں (٣)، توبہ استغفارہ کریں اور آئندہ کبھی ایسی قسم نہ کھائیں (٤)۔

---

(١) "إن لها (أي التوبة) ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ٢/٣٥٤، قديمي)

(٢) "صل من قطعك، وأحسن إلى من أساء إليك". (فيض القدير شرح الجامع الصغير رقم الحديث ٥٠٠٤: ٧/٣٧١٩، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(٣) "قال الله تعالىٰ: ﴿فكفارته إطعام عشرة مسٰكين من أوسط ما تطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾ (سورة المائدة: ٨٩)

قال الآلوسي رحمه الله: "أي فكفارته ذلك، ويشترط الولاء عندنا". (روح المعاني: ٧/١٤، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٤) "عن الحارث بن سويد قال: دخلت على عبدالله أعوده وهو مريض، فحدثنا بحديثين: حديثاً عن نفسه، وحديثاً عن رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "لَلّٰه أشدّ فرحاً بتوبة عبده المؤمن رجلٍ في أرض دويّةٍ مهلكةٍ معه راحلته عليها طعامه وشرابه، فنام فاستيقظ وقد ذهبت، فطلبها حتى أدركه العطش، ثم قال: أرجع إلى مكان الذي كنت فيه فأنام حتى أموت، فوضع رأسه على ساعده ليموت، فاستيقظ وعنده راحلته، عليها زاده وطعامه وشرابه، فالله أشد فرحاً بتوبة العبد المؤمن من هذا براحلته وزادِه". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ٢/٣٥٤، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

۶……استخارہ بھی آئندہ بات کے لئے ہوتا ہے، قرعہ بھی آئندہ بات کے لئے ہوتا ہے، دونوں جائز ہیں، عامل صاحب نے جو عمل کیا ہے وہ نہ قرعہ ہے نہ استخارہ ہے، استخارہ کی ترغیب آئی ہے، ابوداؤد شریف وغیرہ میں مذکور ہے(۱)۔

۷……یہ قرعہ بھی نہیں ہے، نہ شرعی حجت ہے، اس سے کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، وہ دونوں شخص ایسی صورت میں بری ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۳ھ۔

جادو، گنڈہ وغیرہ غیر مسلم سے لینا

سوال[۹۵۹۸]: مسلمان مردوعورت کا جادو کرنا کرانا، کافروں سے گنڈے، تعویذ منتر کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جادو کرنا اور کرانا حرام ہے، اگر اس میں کوئی شی عقیدۂ اسلام کے خلاف ہو تو کفر ہے۔ اور ہنود سے منتر اور گنڈا اور تعویذ وغیرہ نہیں لینا چاہیے کہ اس میں بسا اوقات شرک کی باتیں ہوتی ہیں، اس کی تعظیم اور اس پر اعتقاد کفر ہے:

"فإن كان في ذلك (أي السحر) ردّ ما لزمه في شرط الإيمان، فهو كفر، وإلا فلا.

---

(۱) "عن محمد بن المنكدر أنه سمع جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة كما يعلمنا السورة من القرآن، يقول لنا: "إذا همّ أحدكم بالأمر، فليركع ركعتين من غير الفريضة ولْيقل: اللهم إني أستخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك وأسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب، الخ". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب الاستخارة: ۱/۲۱۵، دار الحديث ملتان)

(۲) "وهذه الأضرب كلها تسمى كهانةً، وقد أكذبهم كلهم الشرع، ونهى عن تصديقهم وإتيانهم. والله أعلم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۲، قديمي)

فلو فعل مافيه هلاك إنسان أو مرضه أو تفريق بينه وبين امرأته وهو غير منكر لشئ من شرائط الإيمان، لايكفر، لكنه يكون فاسقاً ساعياً في الأرض بالفساد، فيقتل الساحر والساحرة؛ لأن علة القتل السعي في الأرض بالفساد، اه". شرح فقه أكبر، ص: ١٨٧ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۹/صفر/۱۳۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (شرح الفقه الأكبر، السحر والعين حق، ص: ١٣٥، قديمي)

الفصل الثانی فی العوذة

(تعویذ کا بیان)

کیا تعویذ میں اثر ہے؟

سوال[۹۵۹۹]: کیا عامل کے جائز عمل یعنی تعویذ وغیرہ کے استعمال سے اپنے مضر اور مفید مقاصد کی تکمیل ہو جائے، پھر اعتقاد رکھنا جائز ہے، یا مسنون طریقہ اور دعاء سے مقاصد کی تکمیل کا آرزومند رہنا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقیقی نفع وضرر تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، مگر جس طرح غذا و دوا میں اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے، اسی طرح تعویذات میں بھی اثر رکھا ہے لیکن کسی چیز کو خداوند تعالیٰ کی طرح نفع وضرر کا مالک تصور کر لینا جائز نہیں(۱)۔ فقط دعاء پر اعتماد کر لینا اعلیٰ مقام ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا نرقی فی الجاهلية، فقلنا: یا رسول اللہ! کیف تری فی ذلک، فقال: "اعرضوا علیّ رقاکم، لابأس بالرقی مالم یکن فیه شرک". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، قبیل الفصل الثانی، ص: ۳۸۸، قدیمی)

"أن الرقی یکره منها ماکان بغیر اللسان العربی، وبغیر أسماء اللہ تعالیٰ وصفاته وکلامه فی کتبه المنزلة. "لابأس بالرقی مالم یکن فیه شرک": أی کفر". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۴۵۲۸، ۴۵۳۰): ۸/ ۳۰۳، ۳۰۴، رشیدیه)

"أجمع العلماء علی جواز الرقیه عند اجتماع ثلاثة شروط: أن یکون بکلام اللہ تعالیٰ وبأسمائه وبصفاته، وباللسان العربی، أو بما یعرف معناه من غیره، وأن یعتقد أن الرقیة لاتؤثر بذاتها بل بذات اللہ =

تعویذ اور عملیات

سوال[۹٦۰۰]: ا...... ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو کہ تعویذ لکھ کر دیتا ہے، کوئی تعویذ زعفران سے لکھتا ہے، کوئی تعویذ سفید مرغ کے خون سے لکھتا ہے، اور کوئی تعویذ پیاز کے عرق سے لکھتا ہے، اور وہ عالم نہیں ہے۔ کیا اس کا ایسا کرنا درست ہے؟

۲...... ایک کتاب ''عملیات اور تعویذات'' ہے جس میں طرح طرح کے فائدے بتلائے گئے ہیں، مثلاً: محبت کرنے کا عمل، دشمن پر فتح یاب ہونے کا عمل، اسی قسم کے اور بہت سے عمل بتلائے گئے ہیں اور لکھے گئے ہیں۔ کیا ان پر عمل کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... اگر وہ اس فن کو جانتا ہے تو درست ہے، اگر دھوکہ دیتا ہے، یا شرکیہ چیزیں لکھتا ہے تو گنہگار ہے(۱)۔

۲...... جو عمل کرنا ہو، اس کو لکھ کر دریافت کرلیں، وہ کتاب میرے پاس نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ٦/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ٦/ ۹۰ھ۔

= تعالیٰ". (فتح الباری، کتاب الطب: ۱۰/ ۱۹۵، دارالفکر بیروت)

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك، فقال: "اعرضوا عليّ رقاكم، لابأس بالرقي مالم يكن فيه شرك". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب والرقي، الفصل الأول، قبيل الفصل الثاني، ص: ۳۸۸، قديمي)

"أن الرقي يكره منها ما كان بغير اللسان العربي، وبغير أسماء الله تعالىٰ وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة. "لابأس بالرقي مالم يكن فيه شرك": أي كفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقي، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۲۸، ۴۵۳۰): ۸/ ۳۰۳، ۳۰۴، رشيديه)

"أجمع العلماء على جواز الرقيه عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالىٰ وبأسمائه وبصفاته، وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره، وأن يعتقد أن الرقية لاتؤثر بذاتها بل بذات الله تعالىٰ". (فتح الباري، كتاب الطب: ۱۰/ ۱۹۵، دارالفكر بيروت)

خون سے تعویذ لکھنا

سوال[۹۶۰۱]: اگر پرندہ وغیرہ جیسے مرغ، بطخ کے خون سے شیطان کے نام لکھ کر فتیلہ بنا کر جلا دیا جائے (۱) جنات وغیرہ کے اثر کو دور کرنے کے لئے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر ہنس کے خون سے آیتِ قرآنی لکھ کر تعویذ بنایا جائے (۲) تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حروف کا بھی شریعت میں احترام لازم ہے اگر چہ ان کے مجموعہ سے کوئی قابلِ اہانت نام حاصل ہو جائے:

"إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبو جهل على غرض، يكره أن يرموا إليه؛ لأن لتلك الحروف الحرمة، كذا في السراجية، الخ". عالمگیری: ٤/٩٨(٣)۔

دمِ مفسوح نجس ہے(۴)، اس سے شیطان یا کسی اور ملعون کا نام لکھنے سے بھی احترامِ حرف کے خلاف ہونے کی بناء پر منع کیا جائے گا، پھر آیاتِ قرآنی کا تو بہر حال احترام فرض ہے، اس کے ساتھ اس معاملہ کی اجازت نہیں۔ بعض عامل خون سے آیات یا اسماء لکھتے ہیں اور علاجاً اس کو درست کہتے ہیں کہ اضطراراً نا جائز چیز بھی جائز ہو جاتی ہے جب کہ وہ جائز طریقہ پر دفع نہ ہو سکے اور اسی ناجائز پر رفعِ اضطرار منحصر ہے(۵)۔ مگر یہ

---

(۱) "فتیلہ: موٹی بتی، بٹی ہوئی چیز، تعویز کی بتی جس سے بیمار یا آسیب زدہ کو دھونی دیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ہنس: ایک قسم کی بطخ، ایک قسم کی آبی بط، روح، آتما، جان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شئ من القرآن: ٥/٣٢٣، رشيديه)

(وكذا في السراجية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات ص: ٧٦، قديمي)

(۴) "ودم مسفوح من سائر الحيوانات". (الدرالمختار، باب الأنجاس: ١/٣١٩، سعيد)

(۵) "يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٨٩، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات، وفيه=

بات کہ اضطرار کا دفعیہ اسی پر منحصر ہے، بغیر حجت قاطعہ کے قابل تسلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا

سوال[۹۶۰۲]: مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانوی (نوراللہ مرقدہ) نے بیاض یعقوبی، ص:۱۹۴ پر اس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے اور شامی جلد اول، مطبوعہ مصر، ص:۱۹۴، پر نکسیر کے لئے پیشانی پر سورۃ فاتحہ یا اخلاص لکھنے کو جائز لکھا ہے اور یہی ان کے نزدیک مفتی بہ ہے۔ اس میں صحیح قول کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ رشیدیہ: ۳/۹۵، کتاب الحظر والإباحۃ میں آیات قرآنیہ واسمائے الٰہیہ کو نجاست سے لکھنا حرام قرار دیا ہے، مگر جس طرح حالت اضطرار میں کلمۂ کفر کا تلفظ مباح ہے(۱) اسی طرح اس کی بھی اجازت ہے، نہ کرنا اس عمل کا اور مرجانا افضل ہے(۲)، فقہاء کے جائز فرمانے کا یہی مطلب ہے اور ناجائز فرمانا علی الاصل ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/رجب/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/رجب/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/رجب/۶۶ھ۔

= العزل وإسقاط الولد: ۵/۳۵۵، رشیدیه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان﴾ (سورة النحل: ۱۰۶)

(۲) "وإن أكره على الكفر، وقلبه مطمئن بالإيمان .... ويؤجر لو صبر لتركه الإجراء المحرم، ومثله سائر حقوقه تعالیٰ". (الدرالمختار). "أي يؤجر أجر الشهداء، لماروی أن خبيباً وعماراً ابتليا بذلك، فصبر خبيب حتی قتل، فسماه النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم سيد الشهداء". (ردالمحتار، كتاب الإكراه: ۶/۱۳۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإكراه: ۴/۲۳۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الاكراه، الباب الثاني فيما يحل للمكره أن يفعل ومالايحل: ۵/۳۸، رشيديه)

(۳) یعنی اصلاً تو کام ناجائز ہے، البتہ صحت یابی کی اس کے علاوہ کوئی اور ممکنہ صورت نہ ہو تو خون سے تعویذ لکھنے کی رخصت ہے، =

ڈاکوؤں کوتعویذ کے ذریعہ ہلاک کرنا

سوال[۹۲۰۳]: ایک گاؤں کے چند آدمی ڈاکہ زنی کے عادی ہوگئے ہیں جن سے عام لوگ بہت پریشان ہیں۔ ایسے لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسے لوگ ہلاک کردینے کے قابل ہیں؟ اگر تعویذات اور عملیات سے ان کو ہلاک کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈاکوؤں کی اصل سزا قرآن پاک میں قتل، صلب، قطع بھی مذکور ہے(۱)، مگر اس کو جاری کرنا ہر ایک کے اختیار میں نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے لئے ایک خاص قسم کا تسلط وغلبہ والا امیر المومنین ہونا ضروری ہے، اس کی زیرِ نگرانی یہ سزادی جاسکتی ہے(۲)۔ لیکن جان، مال، اولاد، عزت کی حفاظت کی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے، اور

= تاہم اس رخصت پر عمل کرنے کی بجائے عزیمت پر عمل کرکے وہ آدمی مرجائے تو وہ مثاب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"اتفق العلماء على أن الدم حرام نجس لايؤكل ولاينتفع به". (أحكام القرآن لابن العربي: ۱/۵۳، بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص: ۱۴۹/۲، قديمي)

"وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن "يس والكهف" ونحوهما خوفاً من صديد الميت .... فالأسماء المعظمة باقية على حالها، فلا يجوز تعريضها للنجاسة .... تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش، وماذك إلا لاحترامه .... ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى مالم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، قبيل: باب الشهيد: ۲۴۶/۲، ۲۴۷، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض﴾ (سورة المائده: ۳۳)

(۲) "وأركانه ستة على مانظمه ابن الغرس بقوله:

أطراف كل قضية قضية حكمية   ست يلوح بعدها التحقيق

حكم، ومحكوم به وله، ومحكوم عليه، وحاكم". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وحاكم) هو إما الإمام أو القاضي أو المحكوم، أما الإمام، فقال علماؤنا: حكم السلطان =

اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون کرنے کی ضرورت ہے۔ خود بھی ہوشیار رہیں، غافل نہ رہیں۔ جو شخص جان، مال، اولاد عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے(۱)۔ جائز تعویذات کے ذریعہ سے اگر حفاظت ہو سکے تو شرعاً اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ٦/٤/٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ٦/٤/٨٨ھ۔

تعویذ، گنڈے کے لئے نامحرم سے میل جول

سوال[۹۲۰۴]: اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو تعویذ، گنڈے کرنے کو اپنا پیشہ بنالے اور غیر مسلم کو

= العادل ينفذ". (ردالمحتار، كتاب القضاء: ۳۵۳/۵، سعيد)

"وأما شرائط جواز إقامتها، فمنها مايعم الحدود كلها، ومنها مايخص البعض دون البعض".

"أما الذي يعم الحدود كلها، فهو الإمامة، وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام، وهذا عندنا". (بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۲۵۰/۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد". (سنن الترمذي، أبواب الديات، باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد: ۲٦۱/۱،سعيد)

(وكذا في سنن النسائي، كتاب المحاربة وتحريم الدم، باب من قاتل دون دينه فهو شهيد: ۱۷۲/۲،قديمي)

(وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في قتال اللصوص: ۳۱٤/۲، مكتبه رحمانيه)

(وسنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من قتل دون ماله فهو شهيد: ۱۸۵/۲، قديمي)

"ودخل فيه المقتول مدافعاً عن نفسه أو ماله أو المسلمين أو أهل الذمه، فإنه شهيد".

(ردالمحتار، باب الشهيد: ۲٤۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الشهيد: ۳٤۵/۲، رشيديه)

(۲) کیونکہ جائز امور کے لئے تعویذ کی شرعاً اجازت ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی کفریہ الفاظ نہ ہوں۔

بھی تعویذ قرآنی آیات سے لکھ کر دیوے، اور ان سے اجرت بھی لیوے، نیز نامحرم عورتوں سے بے پردگی سے ملے جلے، حتی کہ نامحرم عورتوں کو مار پیٹ کرتا ہو؟ اور کہتا ہے کہ مجھے شیخ مدنیؒ نے تعویذ کرنے کی اجازت دی ہے، یا ان کے خلفاء کا نام لیتا ہے، کیا اس شخص کا یہ فعل شریعت کے خلاف نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ میں قرآنی آیات یا احادیث کی دعائیں، یا ان کے اعداد لکھ کر شفا کے لئے دینا درست ہے(۱)۔ جس طرح نبض پر ہاتھ رکھ کر نامحرم کے مرض کی تشخیص کرنا درست ہے، اسی طرح اگر ضرورت پیش آئے تو علاجاً بال پکڑنا بھی درست ہے(۲)۔ تعویذات پر اجرت لینا بھی درست ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ علاج

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: "رخص رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الرقية من العين، والحمة، والنملة".

"وكان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قد نهى عن الرقى لما عسى أن يكون فيها من الألفاظ الجاهلية، فانتهى الناس عن الرقى .... والمراد بالرقية هنا مايقرأ من الدعاء وآيات القرآن لطلب الشفاء، منها ماورد من حديث مسلم والترمذي والنسائي وابن ماجة عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "بسم الله أرقيك من كل شئ يؤذيك، ومن شر كل نفسٍ أو عينِ حاسدٍ الله يشفيك، بسم الله أرقيك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۲۶): ۳۰۱/۸، رشيديه)

"إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ماهو، ولعله يدخله سحراً وكفراً وغير ذلك. وأما ماكان من القرآن أوشئ من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(۲) "والأصل أن لايجوز النظر إلى امرأة؛ لما فيه من خوف الفتنة، ولهذا قال عليه الصلوة والسلام: "المرأة مستورة، اهـ". وينظر الطبيب إلىٰ موضع مرضها، اهـ". "وفي نظر الطبيب إلىٰ موضع المرض ضرورةٌ، فيرخص لهم أحياناً لحقوق الناس ودفعاً لحاجتهم، فصار كنظر الختان والخافضة. وكذا ينظر إلىٰ موضع الاحتقان للمرض؛ لأنه مداواة. .... وينبغي للطبيب أن يعلّم امرأةً إن أمكن؛ لأن نظر الجنس أخف. وإن لم يمكن، ستر كل عضو منها سوى موضع المرض، ثم ينظر يغضّ بصره عن غير ذلك الموضع ما استطاع؛ لأن ماثبت للضرورة يتقدر بقدر الضرورة". (تبيين الحقائق: ۳۹/۷، ۴۰، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس، دارالكتب العلمية بيروت)

سے واقف اور ماہر ہو، قریب کرنا جائز نہیں (۱)۔ نامحرم کے ساتھ تنہائی بھی جائز نہیں ہے (۲)۔ نیز ایسا کوئی کام

(۱) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه، قال: بعث رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی أبی بن کعب طبيباً، فقطع منه عرقاً، ثم كواه عليه".

"قوله: "طبيباً" قال القرطبي: يدل على أنه لايلي عمل الشئ إلا من يعرفه". (تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب: لكل داء دواء، واستحباب التداوي: ۳۳۹/۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"ذكر مالك في "موطئه": عن زيد بن أسلم أن رجلاً في زمان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أصابه جرح، فاحتقن الجرح الدم، وأن الرجل دعا رجلين من بني أنمار، فنظرا إليه فزعما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لهما: "أيكما أطب"؟ فقال: أوفي الطب خير يارسول الله! فقال: "انزل الداؤ الذي أنزل الداء".

ففي هذا الحديث أنه ينبغي الاستعانة في كل علم وصناعة بأحذق، فإنه إلى الإصابة أقرب". (زاد المعاد في هدى خير العباد، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الإرشاد إلى معالجة أحذق الطبيبين، ص: ۷۸۱، دارالفكر بيروت)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لاتلجوا على المغيبات، فإن الشيطن يجري من أحدكم مجرى الدم". الحديث. (مشكوة المصابيح: ۲۶۹/۲، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني، قديمي)

"إن الشيطن": أي كيده ووسواسه "يجري": أي يسري "من الإنسان": أي فيه، وقيل: عُدّي "يجري"، بـ "من" على تضمين معنى التمكن: أي يتمكن الإنسان في جريانه "مجرى الدم": أي في جميع عروقه .... شبّه سريان كيده وجريان وساوسه في الإنسان بجريان دمه في عروقه وجميع أعضائه، فهو كناية عن تمكنه من إغواء الإنسان وإضلاله تمكناً تاماً وتصرفه فيه تصرفاً كاملاً بواسطة نفسه الأمارة بالسوء الناشئ قواها من الدم .... وقيل: إرادة الحقيقة، فإن الشياطين أجسام لطيفة قادرة بأقدار الله تعالىٰ على كمال التصرف ابتلاءً للبشر". (مرقاة المفاتيح: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، الفصل الأول، رشيديه)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايبتين رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً أو ذا محرم". رواه مسلم". (مشكوة المصابيح: ۲۶۸/۲، كتاب النكاح، باب بيان العورات، قديمي) .... =

بھی نہ کیا جائے جس سے مسلمانوں کو بدگمانی پیدا ہو اور تہمت کا موقعہ نکلے۔ غیر مسلم کو قرآنی آیات لکھ کر نہ دی جائے (۱)۔ ہاں! اگر غلاف کے ساتھ ہو اور بے ادبی کا مظنہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔

غیر مسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھاڑ پھونک کی اجرت لی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ہے (۲)۔ فقط اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

= "عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایخلونّ رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشیطٰن". رواه الترمذی". (مشكوٰة المصابیح: ۲/۲۶۹، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثانی)

وقال الحصكفی رحمة الله تعالیٰ علیه: "الخلوة بالأجنبیة حرام". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وأجمعوا أن العجوز لاتسافر بغیر محرم، فلا تخلو برجل، شاباً أو شیخاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/۳۶۸، سعید)

(۱) قال الفقیه رحمه الله تعالیٰ: لاینبغی للرجل أن یعرض نفسه للتهمة ولایجالس أهل التهمة ولایخالطهم، فإنه یصیر منهما .... وروی عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "من كان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التهم". (بستان العارفین، الباب الرابع والستون فی النهی عن التعرض للتهمة، ص: ۵۳، رشیدیه)

"وذكر عن لقمان الحكیم أنه قال لابنه: یابنی! من یصحب صاحب السوء لم یسلم، ومن یدخل مدخل السوء یتهم". (تنبیه الغافلین، باب حفظ اللسان، ص: ۱۱۵، رشیدیه)

(۲) "عن أبی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال: انطلق نفر من أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سفرة سافروها، حتی نزلوا علی حیّ من أحیاء العرب، فاستضافوهم، فأبوا أن یضیفوهم، فلدغ سید ذلك الحی، فسعوا له بكل شئ لاینفعه شئ، فقال بعضهم: لو أتیتم هؤلاء الرهط الذین نزلوا لعله أن یكون عند بعضهم شئ، فأتوهم فقالوا: یاأیها الرهط! إن سیدنا لدغ وسعینا له بكل شئ لاینفعه، فهل عند أحد منكم من شئ؟ فقال بعضهم: نعم والله! إنی لأرقی، ولكن والله! لقد استضفناكم فلم تضیّفونا، فما أنا براق لكم حتی تجعلوا لنا جعلاً، فصالحوهم علی قطیع من الغنم، فانطلق یتفل علیه ویقرأ .... فقال بعضهم: اقسموا، فقال الذی رقی: لاتفعلوا حتی نأتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فنذكر له الذی =

عورتوں کو عامل سے تعویذ لینا اور کاہنوں سے جھاڑ پھونک کرانا

سوال[۹۶۰۵]: کیا عورتوں کو تعویذ والے، نیز کاہنوں کے پاس جا کر جھاڑ پھونک کرانا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم سے دور رہنا چاہیئے (۱)، کاہن کے پاس جا کر اس سے مخفی باتیں پوچھنا تو زیادہ خطرناک ہے(۲)۔تعویذ وغیرہ کی ضرورت ہو تو عامل سے اپنے شوہر، یا کسی محرم والد بھائی وغیرہ کے ذریعہ منگالیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

= كان، فننظر ما يأمرنا. فقدموا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكروا له، فقال: "ومايدريك أنها رقية"؟ ثم قال: "قد أصبتم، اقسموا واضربوا لي معكم سهماً". فضحك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب مايعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب: ۱/۳۰۴، قديمي)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لايبيتن عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحاً أو ذا محرم". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قديمي)

"في الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

"والخلوة بالأجنبية يكره تحريماً". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل السابع في المتفرقات: ۶/۳۷۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أتى كاهناً فصدقه بما يقول، أو أتى امرأته حائضاً، أو أتى في دبرها، فقد برئ مما أنزل على محمد". (مشكوة المصابيح، كتاب الطب، باب الكهانة، الفصل الثاني: ۲/۳۹۳، قديمي)

الفصل الثالث فی العملیات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

عملیات سے متعلق چند ضروری سوالات

سوال[۹۶۰٦]: ۱.....ایک متوسط آمدنی والا شخص جس کے کئی ذریعہ آمدنی ضروریاتِ زندگی کے لئے کافی ہیں، کیا مزید آرام وآرائش کے لئے نقوش وتعویذات پر معاوضہ یا نذرانہ لے سکتا ہے؟

۲.....تعویذات ونقوش کو دنیاوی منافع کے حصول کی غرض سے استعمال کرنا کیسا ہے؟

۳.....کیا ضرورت منداور مریض کو بطور تعویذ آیت تحریر کرکے دے سکتا ہے تاکہ مریض بازو پر یا گلے میں باندھے؟ اعداد کے ذریعہ نقوش پُر کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ کیا عملیات میں عربی کے علاوہ دیگر زبان مثلاً عبرانی وغیرہ غیر نامانوس الفاظ کیا جاسکتا ہے؟

۴.....عملیات سے جن وشیاطین کو تابع کرنا، انہیں جانا اور ہلاک کرنا یا عمل تسخیر سے لوگوں کو مسخر کرنا اوران کے دل ودماغ پر اثر انداز ہونا کیسا ہے؟

۵.....کیا عملیات سے ہلاکت اعداء اللہ اوران کو مختلف قسم کی مضرتیں پہونچانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ایک قسم کا معالجہ ہے جو شخص واقف ہو اور صحیح طریقہ پر علاج کرے تو نذرانہ لے سکتا ہے(۱)۔

---

(۱) "عن أبی سعید الخدری أن رهطاً من أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انطلقوا فی سفرة سافروها، فنزلوا بحیّ من العرب فاستضافوهم، فأبوا أن یضیفوهم. قال: فلدغ سید ذلک الحیّ، فشفوا له بکل شیٔ لاینفعه شیٔ، فقال بعضهم: لو اتیتم هؤلاء الرهط الذین نزلوا بکم لعل أن یکون عند بعضهم شیٔ نفع صاحبکم، فقال: بعضهم إن سیدنا لدغ، فهل عند أحدٍ منکم یعنی رقیة؟ فقال رجل من القوم: إنّی لأرقی، ولکن استضفناکم فأبیتم أن تضیفونا، ما أنا براق حتی تجعلوا لی جعلاً فجعلوا له قطیعاً من =

حسبۃً للہ خلقت کو نفع پہونچانا اعلیٰ بات ہے۔

۲..... جائز منافعِ دنیویہ کے لئے جیسے دفعِ مرض کے لئے جائز تعویذات ونقوش کا استعمال کرنا جائز ہے(۱)۔

۳..... آیات دے سکتا ہے(۲)، مگر تعویذات کو موم جامہ کرکے ایسے طریقہ پر استعمال کرے کہ بے وضو اس کا مس نہ ہو(۳)۔ اعداد کے ذریعہ بھی نقوش دینا درست ہے۔ اعداد آیت کے یا اسمائے الٰہیہ کے ہوں۔ جس عبارت کا مفہوم معلوم نہیں اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے خواہ کسی زبان کے ہوں(۴)۔

۴..... جنات وشیاطین کے شر سے تحفظ کے لئے جائز عملیات کرنا درست ہے(۵)۔ ان کے ذریعہ

= الشآء، فأتاه فقرأ عليه بأمّ الكتاب، ويتفل، حتى برء كأنما أنشط من عقال، فأرفاهم جعلهم الذى صالحوه عليه، فقالوا: اقتسموا، فقال الذى رقا: لاتفعلوا حتى نأتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فنستأمره، فغدوا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أين علمتم أنها رقية؟ أحسنتم، واضربوا لى معكم بسهم". (سنن أبى داؤد، كتاب الإجارة، باب فى كسب الأطباء: ۲/۱۲۹، إمداديه ملتان)

(۱) "ان الأمور بمقاصدها". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القواعد الكلية، القاعدة الثانية، ص: ۳۱، قديمى)

(۲) "وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية، فلابأس، بل يستحب، سواء كان تعويذاً أو رقيةً أو نشرةً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۵۵۳): ۸/۳۲۱، رشيديه)

(۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿لايمسه إلا المطهرون﴾ (سورة الواقعة: ۷۹)

"ولابأس بتعليق التعويذ، ولكن ينزعه عند الخلاء والقربان، كذا فى الغرائب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(۴) "وأما على لغة العبرانية ونحوها، فيمتنع، لاحتمال الشك فيها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۶/۳۶۳، سعيد)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۲)

دوسروں کو ضرر پہونچانے کے لئے عملیات کرنا درست نہیں، اس میں خطرات بھی ہیں، عملیات سے کسی کو مسخر کرنا و ماؤف کرنا درست نہیں (۱)۔

۵.....اگر اعداء اللہ کے شر سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو تو جائز عملیات کے ذریعہ بقصدِ تحفظ انتظام کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۵ھ۔

قرآن شریف کے ذریعہ چور کا نام نکالنا

سوال [۹۶۰۷]: قرآن شریف کے ذریعے چیلنج دیکر کسی شخص کو مجرم اور یقینی طور پر چور بتلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: "لا یأخذ الفال من المصحف". شرح فقہ أکبر: ص: ۱۸۳ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۵۹ھ۔

---

(۱) البتہ دفعِ ظلم کے لئے ہو تو جائز ہے:

(إمداد الفتاوی، تعویذات واعمال: ۸۹/۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) جائز عملیات سے مراد یہ ہے کہ اس میں الفاظ کفریہ نہ ہو اور شیاطین وغیرہ سے استمداد بھی نہ ہو۔

(۳) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۴۹، مبحث: اليأس من رحمة الله كفرٌ، قديمي)

(وكذا في نفع المفتي والسائل: ۱۷۲/۴، من مجموعة رسائل اللكنوي، إدارة القرآن كراچي)

"قال الزركشي رحمه الله تعالىٰ: ويحرم مدّ الرجل إلى شئ من القرآن أو كتب العلم، انتهى. وفي إطلاق الحرمة وقفة، بل الأوجه عدمها إذا لم يقصد بذلك ماينافي تعظيمه .... والأولى أن لا يستدبره، ولا يتخطّاه، ولا يرميه بالأرض بالوضع ولا حاجة تدعو لذلك، بل لو قيل: بكراهة الأخير لم يبعد". (الفتاوى الحديثية لابن حجر المكي، مطلب في أنه يكره أخذ الفال من المصحف، ص: ۳۰۷، قديمي)

آیتِ قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا

سوال[۹۶۰۸]: ایک شخص برابر قرآن کے ذریعہ چوروں کا نام نکالنے اور نکل جانے کو صحیح ماننا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور ان کے نام نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو ایک تاگے یا رسی میں باندھ کر لوہے کی کیل کے بیچ میں لٹکا کر اس کیل کو دو شخص کیل کے دونوں سروں کو ایک ایک شہادت کی انگلی پر اٹھا لیتے ہیں اور اٹھانے کی حالت میں قرآن کیل کے بیچ میں لٹکا رہتا ہے۔ اب نام نکالنے والے کا کہنا ہوتا ہے کہ جب اصل چور کا نام پرچہ پر لکھا ہوا قرآن میں ڈالا جائے گا تو قرآن گھومنے و چکر لگانے لگے گا، بس سمجھ لیجئے کہ چور اصل یہی ہے جس کے نام پر گھوم گیا۔ جناب والا سے دریافت ہے کہ یہ اہانتِ قرآن ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حرکت قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے، بے ادبی ہے اور اہانت کو مستلزم ہے(۱)۔ اگر کسی کا نام نکل بھی آئے تو یہ شرعی حجت نہیں، اس کے ذریعہ اس کو چور قرار دینا جائز نہیں۔ اس پیشہ کو ترک کرنا اور توبہ کرنا لازم ہے، اس سے عقائد بھی فاسد ہوتے ہیں، بہتان کا بھی دروازہ کھلتا ہے، بدگمانی بھی پھیلتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) بدگمانی سے احادیث شریف میں ممانعت آئی ہے، لہٰذا ایسا کام کرنے سے بھی بچنا ضروری ہے جس سے لوگ بدگمانی کریں:

قال الفقيه رحمه الله تعالىٰ: لا ينبغي للرجل أن يعرض نفسه للتهمه ولا يجالس أهل التهمة ولايخالطهم، فإنه يصير متهما .... وروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم". (بستان العارفين، الباب الرابع والستون في النهى عن التعرض التهمه، ص: ۵۳، رشيديه)

"وذكر عن لقمان الحكيم أنه قال لابنه: يابني! من يصحب صاحب السوء لم يسلم، ومن يدخل مدخل السوء يتهم". (تنبيه الغافلين، باب حفظ اللسان، ص: ۱۱۵، رشيديه)

چور کا نام نکالنا

سوال[۹۶۰۹]: فال نکالنا یعنی نام نکالنا جائز ہے کہ نہیں؟ جب کہ اکثر مشاہدہ میں یہ بات آگئی ہے کہ اس میں غلط نام آتا ہے، دوسرے آدمی کو غلط رسوا اور بدنام کیا جاتا ہے اور اکثر چوری دستیاب بھی نہیں ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فال نکالنا شرعی دلیل نہیں ہے، جس کا نام نکلے اس کو چور قرار دے کر زبردستی اس سے مالِ مسروقہ وصول کرنا، یا اس کو سزا دینا، گرفتار کرانا، یا اس کو ذلیل اور رسوا کرنا جائز نہیں ہے(۱)۔ البتہ اس مقصد کے لئے ہو کہ چور ہوگا تو وہ ڈر کر مال واپس کردے گا تو یہ تدبیر درست ہے، لیکن اگر وہ اس تدبیر سے نہ دے تو اس کو یقینی چور نہیں کہا جائے گا اور کسی قسم کی زیادتی کا حق نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۹/۵/۱۳ھ۔

کافر سے جھاڑ پھونک

سوال[۹۶۱۰]: زید کہتا ہے کہ جھاڑ پھونک مریض پر کافر سے کرانا جائز ہے، بکر کہتا ہے جائز نہیں، بلکہ شرک ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر سے جھاڑ پھونک کرانے میں اس کا اعزاز اور اس کے ساتھ عقیدت کا اظہار ہو تو ناجائز ہے(۲)،

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المسلم أخو المسلم لايظلمه ولايخذله ولايحقره، التقوىٰ ههنا" ويشير إلى صدره ثلث مرار "بحسب امرءٍ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه". (مشكوة المصابيح، كتاب آداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول: ۴۲۲/۲، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لايتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين﴾ (آل عمران: ۲۸)

"أن كل ما عده العرف تعظيماً وحسبه المسلمون موالاةً، فهو منهي عنه ولو مع أهل الذمة، لاسيما إذا أوقع شيئاً في قلوب ضعفاء المؤمنين". (روح المعاني: ۱۲۰/۳، (سورة ال عمران: ۲۸) =

ورنہ جائز ہے جب کہ وہ جھاڑ پھونک میں شرک استعمال نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم سے آسیب کا علاج کرانا

سوال[۹۶۱۱]: ایک شخص نے آسیب زدہ کا غیر مسلم سے علاج کرایا، بعدہ وہ اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ آیا وہ استغفار کرنے سے عنداللہ مغفور ہو جائے گا، یا اس کی دوسری صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غلطی سے علاج کرایا ہے تو توبہ واستغفار کرلے(۲)۔ اگر وہ کلماتِ کفریہ وشرکیہ کے ذریعہ علاج

= دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "إن الرقى يكره منها ماكان بغير اللسان العربي، وبغير أسماء الله تعالىٰ وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة......... ولايكره منها ماكان على خلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن وأسماء الله تعالى ....

لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك: أي كفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۲۸) : ۳۰۳/۸، ۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

"رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها ممالايجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى: ۳۱۸/۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال النووي: "واتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً .... اهـ". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في روح المعاني تحت آية ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۹/۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"لو تاب عن القبيح لكونه قبيحاً، وجب أن يتوب عن كل القبائح". (روح المعاني: ۳۶/۲۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

نہیں کرتا، بلکہ جائز طریقہ پر علاج کرتا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں (۱)، جیسا کہ غیر مسلم ڈاکٹر یا طبیب سے جسمانی علاج درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۹ھ۔

غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا

سوال[۲۹۶۱۲]: مسلمان ہندو سے منتر کرالیتے ہیں، مسلمانوں کے لئے اس طرح کرانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیر مسلم سے ایک تو علاج کرانے کے لئے یہ صورت ہے کہ وہ فنِ معالجہ کا ماہر ہے جیسے ڈاکٹر ہے، حکیم ہے، وید ہے (۲) کہ اس میں محض اس کی مہارتِ فن سے فائدہ حاصل کرتا ہے، جیسا کہ کسی وکیل غیر مسلم سے مقدمہ کی پیروی کرائی جائے، سو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے (۳)۔ دوسری صورت معالجہ کی یہ ہے کہ اس کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی تصور کیا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بابرکت ومقبول ہیں، جب وہ دم کرے گا تو اللہ تعالیٰ مرض کو ختم فرمادیں گے، اس صورت میں غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا گویا کہ اس کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی قرار دینا ہے، حالانکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق نہیں اور اس میں اس کے باوجود کافر ہونے کے بڑا اکرام واعزاز ہے (۴)۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے، اس سے عقائد فاسد ہوتے

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "غیر مسلم سے سانپ کا کاٹا جھڑوانا"۔)

(۲) "وید: ہندی طریقے پر علاج کرنے والا طبیب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۱۸، فیروز سنز لاهور)

(۳) "وفیه إشارة إلی أن المریض یجوز له أن یستطب بالکافر فیما عدا إبطال العبادة". (ردالمحتار: ۴۲۳/۲، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۹۳/۲، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۴۶۳/۱، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، دارالمعرفة بیروت)

(۴) کافر کو کوئی ایسا منصب ومقام دینا جس سے مسلمان کی طرح اس کا اعزاز واکرام لازم آرہا ہو، جائز نہیں: =

ہیں کہ آدمی بغیر ایمان لائے بھی کفر کی نجاستوں میں ملوث ہوکر بزرگ ومقبول بارگاہ الٰہی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

حاضرات نکلوانا

سوال[۹۶۱۳]: ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ عامل لوگ بچوں کے ناخن میں سیاہی دے کر مؤکل یعنی جن سے جو چاہے سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب مؤکل دیتا ہے۔ تو شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ جنات کو قبضہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاضرات (۱) میں کلماتِ کفریہ وشرکیہ نہ ہوں نہ استمداد من غیر اللہ ہو، تو درست ہے ورنہ نہیں (۲)۔ لیکن حاضرات میں نظر آنے والی چیز یقینی نہیں ہوتی، بعض اکابر کا خیال ہے کہ وہ صرف دیکھنے والے اور عامل کے تخیل کا اثر ہوتا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے کوئی قطعی حکم نافذ کرنا، یا کسی پر کوئی الزام عائد کرنا درست

= "عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قلت لعمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن لي كاتباً نصرانياً فقال: ما لك؟ قاتلك الله! ألا اتخذت حنيفاً، أما سمعت هذه الآية؟ قلت: له دينه ولي كتابته، فقال: لا أكرمهم إذ أهانهم الله، و لا أعزهم إذ أذلّهم الله، ولا أدنهم إذ أبعدهم الله". (تفسير غرائب القرآن ورغائب الفرقان على هامش تفسير الطبري: ۱۶۰/۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) "حاضرات: بھوت پریت کو جمع کر کے ان سے پوشیدہ حال معلوم کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۶۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) "ولابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك: أي الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۳۰): ۳۰۴/۸، رشيديه)

"رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها ممالايجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۳۱۸/۸، رشيديه)

نہیں۔ جنات کو قبضہ میں کرنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے؟ اور اس سے کیا غرض ہوتی ہے؟ لکھ کر دریافت کریں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/ ۸۸ھ۔

نظرِ بد کے لئے مرچیں جلانا

سوال[۹۶۱۴]: بچہ کو یا کسی جانور مثلاً بھینس گائے کو نظرِ بد لگ جانے پر عورتیں عام طور پر مرچ یا سات کپڑے کی کترین(۱)، یا صرف سلا ہوا کپڑا لے کر بچے یا جانور کی طرف سات مرتبہ یا کچھ کم وبیش اشارہ کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیتی ہیں۔ اس طریقہ سے نظر جھاڑنا کیسا ہے؟ پھٹکری وغیرہ سے بھی جھاڑتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نظرِ بد اتارنے کے لئے مرچیں وغیرہ پڑھ کر آگ میں جلانا درست ہے(۲)، جب کہ کوئی خلافِ شرع چیز ان پر نہ پڑھی جائے، مثلاً: کسی دیوی دیوتا وغیرہ کی دہائی، یا کسی جن وشیطان سے استعانت وغیرہ(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/ ۹۲ھ۔

---

(۱) ''کترین: کتر کی جمع، کپڑے کی چھانٹن، دھجی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۹۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أمرني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أن استرقي من العين". (معاني الآثار للإمام الطحاوي، كتاب الكراهة، باب الكي هل هو مكروه ام لا؟، بحث الرقي: ۲/۳۲۷، سعيد)

"لابأس بوضع الجماجم في الزرع والمطبخة لدفع ضرر العين؛ لأن العين حق تصيب المال والآدمي والحيوان، ويظهر أثره في ذلک عرف بالآثار .... روى أن امرأة جاء ت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقالت: نحن من أهل الحرث وإنا نخاف عليه العين، فأمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يجعل فيه الجماجم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۴، سعيد)

(۳) "ولابأس بالرقى مالم يكن فيه شرک: أى الكفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى: ۸/۳۰۴، رشيديه) =

نظر بد سے حفاظت کے لئے بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ لگانا

سوال[۹۲۱۵]: بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ نظر بد سے حفاظت کے لئے لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے(۱)، نظر کا لگ جانا حق اور ثابت ہے، حدیث پاک میں موجود ہے(۲)۔ اس سے حفاظت کے لئے جو علاج وتدبیر تجربہ سے ثابت ہو اس کا اختیار کرنا درست ہے جب کہ اس میں کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ ہو(۳)۔ پس اگر یہ غیر مسلموں کا طریقہ وشعار ہو تو اس سے بچنا چاہئے(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۶ھ۔

= "رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها ممالايجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۳۱۸/۸، رشيديه)

(۱) البتہ اگر تجربہ سے اس کا مفید ہونا ثابت ہو تو اس کی اجازت ہے۔

وفي شرح السنة: "روى أن عثمان رضى الله تعالىٰ عنه رأى صبياً مليحا فقال: "دسِّموا نونته كيلا تصيبه العين". ومعنى "دسّموا" سودوا و"النونة" النقرة التي تكون في ذقن الصبى الصغير". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، آخر الفصل الأول: ۳۰۵/۸، رشيديه)

(وكذا في زاد المعاد، فصل في ستر محاسن من يخاف عليه العين، ص: ۸۰۰، دار الفكر بيروت)

(۲) "حدثنا عبدالرزاق، نا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ماحدثنا أبوهريرة رضى الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "العين حق". (سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب ماجاء في العين: ۱۸۵/۲، امداديه ملتان)

(۳) "وأما ما كان من الآيات القرآنية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية فلا بأس، بل يستحب، سواء كان تعويذاً أو رقيةً أو نشرةً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۵۵۳): ۳۲۱/۸، رشيديه)

(۴) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال. قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

علم جفر کا حکم

سوال[۱۶۹۶۱]: ایک شخص ہمارے گاؤں میں آیا ہے اور وہ ہمارے گاؤں اور شہر کے دورے پر ہے۔ وہ بوہرہ جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کویت دیش میں جا کر چند سال سیر کی ہے اور وہاں علم جفر کی تعلیم پائی ہے، جس کے ذریعہ یہ نئے نئے شعبدے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے۔

یہ لوگوں کے ماضی کے حالات کسی حد تک بالکل صحیح بتاتا ہے اور کچھ مستقبل کے بھی حالات بتادیتا ہے، جس کی وجہ سے دیندار مسلمان بھی اس کے شیدا ہوگئے۔ اور یہ دھوکہ بڑی زور سے ہر طرف پھیل رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ علم (جفر) صاحبِ اکرام وبزرگانِ دین کو بھی تھا، اس علم سے ان لوگوں نے کام لئے ہیں۔ اس کے اس عمل سے بہت سے مسلمانوں کے ایمان پر اثر آرہا ہے، مگر صحیح معلومات نہ ہونے سے بہک رہے ہیں۔

نوٹ: اگر اس شخص کو کسی آدمی کا نام کہہ دو تو وہ اس کے ماضی کے حالات بیان کردیتا ہے، چاہے وہ سامنے حاضر ہو یا نہ ہو۔ بعض مسلمانوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ علم ناجائز ہے اور بعض اس کی تائید کرتے ہیں۔ آپس میں مسلمانوں میں اختلاف پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور اس سے بھی زیادہ حالات بگڑنے کے امکان ہیں۔ اس لئے آپ جلد از جلد جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم جفر کی نہ قرآن کریم نے تعلیم دی، نہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو سیکھا، نہ محدثین نے اس کی طرف توجہ دی، نہ فقہاء اور اولیائے کرام نے اس کو قابلِ التفات سمجھا، بلکہ کتبِ فقہ: الأشباہ والنظائر (۱) ودر مختار (۲) وغیرہ میں اس کے سیکھنے کو منع کیا ہے۔

---

(۱) "تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر مايحتاج إليه لدينه. وفرض كفاية، وهو مازاد عليه لنفع غيره. ومندوباً وهو التبحر في الفقه وعلم القلب. وحراماً وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل وعلم الطبيعيين والسحر". (الأشباه والنظائر، الفن الثالث، الجمع والفرق، فائدة عن الإمام البخاري، فيما ينبغي لطلب العلم، ص: ۳۶۹، قديمي)

(۲) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين .... وحراماً وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم =

یہ شرعی حجت نہیں، نہ اس کے ذریعہ سے کسی کا جرم ثابت ہوتا ہے، نہ براءت۔

اگر کوئی شخص علم جفر کے ذریعہ کسی کو چور بتائے تو اس کو چوری کی سزا دینا جائز نہیں (۱)۔ اس علم کے ذریعہ بہت سی چیزیں سامنے آجاتی ہیں، جنات اور شیاطین سے بہت سی چیزیں معلوم کی جاسکتی ہیں، مگر یہ سب چیزیں بالکل لغو اور ہیچ ہیں۔ جوگی اور پنڈت بھی ہاتھ دیکھ کر بعض صرف صورت دیکھ کر، بعض نام سن کر بہت کچھ بتانے والے آج بھی موجود ہیں، بعض مسلمان بھی یہ سب کچھ بتادیتے ہیں، مگر ان کی نسبت صحابہ کرام کی طرف

= والرمل". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والرمل) هو علم بضروب أشكال من الخطوط النقط بقواعد معلومة تخرج حروفاً تجمع، ويستخرج جملةً دالةً على عواقب الأمور، وقد علمت أنه حرام قطعاً، وأصله لإدريس عليه السلام: أي فهو شريعة منسوخة. وفي فتاوىٰ ابن حجر أن تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم، لما فيه من إيهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالىٰ في غيبه".

(الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في النجيم والرمل: ۱/۴۴، سعيد)

(۱) **سوال:** "شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دزد (چور) کے معلوم کرنے کی ترکیب لکھی ہے اور یہاں بعض بزرگ یہی ترکیب کرتے ہیں کہ دزد معلوم کرنے کے لئے ایک آیت بیضۂ مرغ پر لکھتے ہیں اور پھر سورۂ یٰسین یا کوئی اور سورۃ پڑھتے ہیں اور ایک چھوٹے لڑکے سے بیضہ کو دکھلواتے ہیں، وہ لڑکا اس انڈے میں دیکھ کر بتاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں چیز لئے ہوئے ہے۔ اس ترکیب سے بعض چیزیں لوگوں کو مل گئی ہیں، دزد کا پتہ لگ گیا ہے، ایسی ترکیب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس ترکیب پر یقین نہ کرے، قرائن کا اتباع کرے کہ یقین کرنا جائز نہیں، حالانکہ یقین یا ظن غالب پیدا کرنے کے لئے ایسا ہورہا ہے۔

الجواب: نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ جس کا اس طرح سے پتہ لگے اس کا تفحص بطریق شرعی کریں، لیکن عوام اس حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ سوال بالا

سوال: یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: میرے نزدیک بالکل ناجائز، اس لئے کہ عوام حدِ تفحص سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم".

(إمداد الفتاویٰ، تعویذات واعمال، عنوان مسئلہ: چور برآمد کرنے کے لئے عملیات: ۴/۸۶، ۸۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

کرنا غلط ہے، ان اکابر نے نہ جفر سیکھا اور نہ سکھایا، نہ اس طرف توجہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھاڑ پھونک سے سانپ کے کاٹنے کا علاج

سوال[۹۶۱۷]: ا...... بنگال میں سانپ کثرت سے ہوتے ہیں، اکثر کاٹ بھی لیتے ہیں۔ وقت پر علاج کرنے والا کوئی مسلمان نہیں ملتا تو ہندوؤں سے علاج کراتے ہیں، وہ لوگ جھاڑ پھونک سے علاج کرتے ہیں۔ تو ان سے جھاڑ پھونک کرانا کیسا ہے؟

۲...... بعض دفعہ یہ لوگ ہاتھ چلاتے رہتے ہیں اور پتہ لگا لیتے ہیں کہ زہر اتر گیا یا باقی ہے۔ لہٰذا اس پر اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

۳...... اگر آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے تو براہِ کرم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... اگر یہ متعین ہے کہ وہ اس جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلمات پڑھتے ہیں تو ان سے جھاڑ پھونک کرانا جائز نہیں (۱)۔ اگر محض احتمال ہو تو مکروہ ہے (۲)۔

۲...... یہ ایک تجربہ کی چیز ہے جس کو تجربہ ہوگا بتا سکے گا، کوئی شرعی اعتقادی چیز نہیں جس سے ایمان کا خطرہ ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ مقیاس الحرارۃ سے بخار دیکھ لیتے ہیں، یا اطباء نبض سے بخار اور اس کی قسم معلوم کر لیتے ہیں۔

---

(۱) "رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها ممالايجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۵۵۲): ۳۱۸/۸، رشيديه)

(۲) "وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولايدرى ماهو، ولعله يدخله سحراً أو كفراً وغير ذلك". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۲، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب الطب والمرضى والرقى: ۲۹۵/۴، مكتبه دارالعلوم، كراچى)

۳.....اکتالیس دفعہ الحمد شریف مع "بسم اللہ"، سات مرتبہ ﴿وإذا بطشتم بطشتم جبارين﴾، تین مرتبہ ﴿قل يأيها الكافرون﴾ اول وآخر درود شریف سات سات دفعہ پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ نیز پانی پر دم کر کے پلادیں۔ اگر بے ہوش ہو تو پانی اس پر چھڑک دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

غیر مسلم سے سانپ کے کاٹے کو جھڑوانا

سوال [۹۶۱۸]: کافر سے سانپ کاٹے کا جھڑوانا کیسا ہے جب کہ ان میں کلماتِ کفر و شرک بھی ہوتے ہیں، دیوی دیوتاؤں کے نام ہوتے ہیں؟ اگر کوئی کافر صرف بھگوان، یا رام وغیرہ کا نام لے تو کیا یہ تاویل صحیح ہے کہ وہ خدا کا نام ہے، کسی بھی لغت و زبان میں ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس رقیہ میں کلماتِ کفر ہوں، یا ایسے کلمات ہوں جس کے معنی معلوم نہ ہوں وہ رقیہ جائز نہیں (۱)۔ ہندو جھاڑ پھونک میں اپنے منتر وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے جس میں دیو دیوتاؤں سے استمداد مطلوب ہوتی ہے جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ اور بھگوان اور رام خداوند قدوس کے نام نہیں ہیں اور ان کے مفہوم سے خدائے پاک کی ذات بالا ومنزہ ہے۔ شامی: ۵/۳۵۷ میں ہے:

"وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ماهو، ولعله يدخله سحراً وكفراً وغير ذلك. وأما ما كان من القرآن أو شيئ من الدعوات، فلا بأس به" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۸ھ۔

---

(۱) "رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها ممالايجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۵۵۲): ۸/۳۱۸، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

"إن الرقى يكره منها ما كان بغير اللسان العربي، وبغير أسماء الله تعالىٰ وصفاته وكلامه في =

سفلی عمل کے ذریعے سٹہ کا نمبر بتانا

سوال[۹۲۱۹]: ایک شخص عالم ہے اور بظاہر متقی پرہیزگار بھی ہے، امامِ مسجد بھی ہے، مگر وہ عالم سفلی عمل کے ذریعہ سے سٹے کا نمبر بتلاتا ہے۔ اس کے پاس اگر کوئی شخص اس کا خادم بن کر جاتا ہے اور خوشامد کرتا ہے تو عالم صاحب اس کو سٹہ کا عمل بتلا دیتے ہیں۔ اور عالم صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل مجبور اور مفلس ہو تو سٹے کا عمل ایسے شخص کے لئے پڑھنا جائز ہے اور جو روپیہ نمبر لگانے کا ملے وہ جائز بتلاتے ہیں۔ تو آپ شرعی رو سے بتلایئے کہ ایسے عالم کا عقیدہ کیسا ہے؟ اور سٹے کا عمل کرنا اور بتلانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ جو شریعت کا مسئلہ ہو اس کو صاف صاف تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس عالم کا یہ طریقہ غلط اور خلافِ شرع ہے، ایسی آمدنی بھی حرام ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتبه المنزلة .... ولا يكره منها ما كان على خلاف ذلك كالتعوذ بالقرآن وأسماء الله تعالىٰ .... لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك: أى كفر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۵۲۸): ۳۰۲/۸، ۳۰۳، ۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في شرح النووى على الصحيح لمسلم، باب الطب والمرض والرقى: ۲۱۹/۲، قديمى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب، والعارية، الفصل الثانى، ص: ۲۵۵، قديمى)

"عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايدخل الجنة لحم نبت من السحت، وكل لحم نبت من السحت كانت النار أولى به". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب، مطلب الحلال، الفصل الثانى، ص: ۲۴۲، قديمى)

عمل برائے امداد مظلومین واجرتِ تعویذ

سوال[۹۶۲۰]: زید کے دل میں خلوص ہے اور وہ خلوص نیت سے کوئی قرآنی عمل کر رہا ہے کہ اس سے وہ قوت حاصل کر کے دین وقوم کی خدمت کرے گا۔ مراد مظلومین کی امداد اور ظالمین کا خاتمہ ہے۔ زید کے لئے وہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ تعویذ کے لکھنے والے تعویذ دینے کے بعد جو پیسہ لیتے ہیں، ان کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک عمل کی پوری کیفیت سامنے نہ آنے اس کے متعلق حکم کیا لکھا جائے، نیز قرآن کریم ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے(۱)، ظالموں کے ظلم سے روکنے اور عدل کو پھیلانے کے احکام بھی موجود ہیں(۲)، دعاء اور بددعاء بھی موجود ہے: ﴿ربنا اطمس علی أموالهم﴾(۳)۔ جو شخص تعویذ جانتا ہے اور اس میں کوئی غلط چیز استعمال نہیں کرتا، غلط کام کے لئے تعویذ نہیں دیتا، اس کے لئے نذرانہ کی بھی گنجائش ہے(۴)، مگر اس کو

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وهدی ورحمةً للعالمین﴾ (سورة یونس: ۵۷)

(۲) قال الله تعالی: ﴿إن الله یأمر بالعدل والإحسان وإیتاء ذی القربی، وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی﴾ (سورة النحل: ۹۰)

(۳) (سورة یونس: ۸۸)

(۴) "أن الرقیة لیست بقربة محضة، فجاز أخذ الأجرة علیها". (تکملة فتح الملهم، کتاب الطب، باب جواز أخذ الأجرة علی الرقیة بالقرآن: ۴/۳۳۰، مکتبه دار العلوم کراچی)

"جوزوا الرقیة بالأجرة ولو بالقرآن کما ذکره الطحاوی؛ لأنها لیست عبادة محضة بل من التداوی". (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة والتهلیل ونحوه: ۶/۵۵، سعید)

"لا بأس بالاستیجار علی الرقی والعلاجات کلها وإن کنا نعلم أن المستأجر علی ذلک قد یدخل فیما یرقی به بعض القرآن؛ لأنه لیس علی الناس أن یرقی بعضهم بعضاً، فإذا استوجروا فیه علی أن یعملوا مالیس علیهم أن یعملوا، جاز ذلک". (شرح معانی الآثار للامام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الإجارت، باب الاستیجار علی تعلیم القرآن: ۲/۲۹۷، سعید)

پیشہ بنانا مناسب نہیں، حسبۃً للہ خدمت خلق کا مقام بلند ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

عمل برائے گمشدہ

سوال[۹۶۲۱]: گم شدہ چیز کے لئے کوئی عمل براہِ کرم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو رکعت تنہائی میں صلوۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھ کر درود شریف سات دفعہ، سورۂ لقمان رکوع نمبر:۲، کی آیت ﴿يا بني إنها إن تك﴾ سے ﴿لطيف خبير﴾ تک ۱۱۹/ دفعہ پھر "یا حفیظ "۱۱۹/ دفعہ، پھر درود شریف ۷/ دفعہ پڑھ کر دعاء کی جائے کہ: اے خدائے پاک! میں گنہگار ہوں، تُو غفار ہے، میں عاجز ہوں تُو قادر ہے، میں نادان ہوں تُو دانا ہے، میں ضعیف ہوں تُو قوی ہے، میں محتاج ہوں تُو غنی ہے، فلاں چیز بلا استحقاق کے تُو نے ہی عطا فرمائی اور سب کچھ تیرا ہی دیا ہوا ہے، وہ چیز گم ہوگئی حالانکہ اس کی حاجت بھی تیری ہی پیدا کی ہوئی ہے، وہ چیز واپس عطا فرما دے، مجھے محروم نہ فرما۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/۹/۹۵ھ۔

کشفِ ارواح کا عمل

سوال[۹۶۲۲]: عمر کا بیان ہے کہ ایک عمل یا وظیفہ ایسا ہے کہ جس کے پڑھنے سے آسمان وزمین، جنت ودوزخ، لوح وقلم کا حال معلوم ہوجاتا ہے اور قبر کے حالات اور روحوں سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے معلوم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

شادی ہونے کے لئے عمل

سوال[۹۶۲۳]: حنیف خان کا لڑکا معین خان ہے جو اس وقت بالغ ہے، لیکن ایک آنکھ خراب

ہونے کی وجہ سے اس کی شادی نہیں ہوتی ہے۔آپ دعاء کیجئے اور ایک تعویذ لکھ دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معین کو بتادیں کہ وہ بعد عشاء تنہائی میں دو رکعت نمازِ حاجت پڑھ کر "یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع" ۱۰۱/ دفعہ، اول وآخر درود شریف ۷/ دفعہ پڑھ کر دعاء کیا کریں۔حق تعالیٰ کامیاب فرمائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۶ھ۔

وسعتِ رزق کا عمل

سوال[۹۶۲۴]: احقر کا ذریعۂ معاش کاشتکاری ہے اور کچھ مقروض بھی ہے، اس لئے دعاء کریں اور وسعتِ رزق کے لئے کوئی عمل کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت اور فجر کے درمیان "سبحان اللہ وبحمدہ، وسبحان اللہ العظیم وبحمدہ، أستغفر اللہ" سو بار، اول اور آخر درود شریف گیارہ بار روزانہ پڑھا کریں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۷ھ۔

وسعتِ معیشت کا علاج

سوال[۹۶۲۵]: معیشت کے لئے اگر کوئی تدبیر یا عمل ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورہ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار اول وآخر درود شریف ۱۱/ بار پابندی سے پڑھیں، حق تعالیٰ حلال روزی برکت والی دے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۹۳ھ۔

دستِ غیب کا عمل

سوال[۹۶۲۶]: دستِ غیب کا عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دستِ غیب کا جو عمل آج کل رائج ہے، وہ جنات کے ذریعہ چوری ہے، لہٰذا ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

یا جبرائیل بحق یا وہاب کا وظیفہ

سوال[۹۶۲۷]: ۱.....''یاجبرائیل بحق یا وھاب''اس طریقہ سے پڑھنا کیسا ہے؟

''قل ھو اللّٰہ أحد، یا جبرئیل'' کا وظیفہ

سوال[۹۶۲۸]: ۲.....''قل ھو اللّٰہ أحد یاجبرائیل'' ہر آیت کے ساتھ مؤکل کا نام لے کر پڑھنا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یأیھا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارۃً عن تراض منکم﴾ (سورۃ النساء: ۲۹)

''عن عمرو یثربی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: خطبنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ''لایحل لامرئ من مال أخیہ شيء إلا بطیب نفس منہ''. (شرح معانی الآثار للإمام الطحاوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ، کتاب الکراھۃ، باب الرجل یمر بالحائط ألہ أن یأکل منہ أم لا؟: ۲/۳۷۵، قدیمی)

''دست غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہوجاتے ہیں بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو خرچ کرچکا ہے، وہ جہاں بھی ہو، وہاں سے اٹھالاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ ان کے ہاتھ آئے، نکال لاتے ہیں، سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کرکے مجھ کو دیا کرو۔ اس نے یہی کام جنات سے لیا اور چوری کے ناجائز ہونے کا کس کو انکار ہوسکتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی؟

سوال تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لائیں تو بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے ورنہ اوروں کو لاکر کیوں نہیں دیتے؟ محض عمل کے جبر سے لاتے ہیں تو کس کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھ کو دے دے خود حرام ہے، اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا بھی سمجھ میں آگیا''۔ (عملیات وتعویذات، اور اس کے شرعی احکام، دست غیب اور جنات سے پیسے یا کوئی اور چیز منگانے کا حکم، ص: ۱۲۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....ثابت نہیں۔

۲.....قرآن کریم جس طرح نازل ہوا اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح تلاوت فرما کر صحابہ کرام کو سنایا اور پڑھا، یا اسی طرح پڑھنا چاہیے، اس میں تغیر وتبدل کا کسی کو حق نہیں:

﴿وإذا تتلى عليهم اياتنا بينات، قال الذين لايرجون لقاء نا ائت بقرآن غير هذا أو بدله، قل مايكون لي أن أبدله من تلقاء نفسي إن اتبع إلا ما يوحى إليّ، إني أخاف إن عصيت ربي عذاب يوم عظيم﴾ (سورة يونس، ركوع: ۲)(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۵ھ۔

''نادعلی'' کا وظیفہ

سوال[۹۶۲۹]: ''نادعلی'' کے نام سے مشہور ایک عمل عملیات کی کتابوں میں ہے، کیا اس کو بطور وظیفہ کے پڑھنا جائز ہے۔ نادعلی یہ ہے:

"نادعلياً مظهر العجائب، وتجده عوناً لك في النوائب كل هم وغم سينجلي يا محمد بولايتك ياعلي ياعلي ياعلي"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نادعلی کا وظیفہ پڑھنا غلط ہے، خلافِ شرع ہے، اس کو ہرگز نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) **ترجمہ**: ''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح، کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا، یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے''۔ (ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ سورہ یونس: ۱۵)

(۲) مذکورہ الفاظ "ناد علياً العجائب الخ" میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ان سے مدد مانگی جارہی ہے، جب کہ مدد کرنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنا ناجائز وحرام ہے، لہٰذا مذکورہ الفاظ کو بطور دعا یا =

عمل کو پلٹنے کا حکم

سوال[۹۶۳۰]: میری بہن کے شوہر کی دوسری بیوی نے میری بہن اوران کے شوہر میں جدائی ڈالنے کا ایسا سخت کوئی عمل کرادیا کہ اگر اس کو پلٹا جائے تو عامل بتاتے ہیں کہ اس عمل کرانے والی کی جان کا خطرہ ہے۔ایسی صورت میں شرعاً عمل پلٹنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے عامل سے اس کو پلٹایا جائے جو اس عمل کے اثر کو ختم کردے اور کفر وشرک یا کسی حرام چیز کا ارتکاب نہ کرے(۱) اور جان نہ لے لے، ہلاک نہ کردے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۸ھ۔

=وظیفہ پڑھنا جائز نہیں، نیز اگر مذکورہ الفاظ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاضر وناظر ہونے کے عقیدے سے پڑھا جائے تو یہ شرک ہے،اور شرک کی کبھی بھی معافی نہیں ہوگی۔

قال الله تعالیٰ: ﴿قل لا أملک لنفسي ضرًّا ولا نفعاً إلا ماشاء الله﴾ (سورة يونس: ۴۹)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ تحت قوله تعالیٰ: ﴿قل لا أملک﴾: أی لا أقدر علی شئ منهما بوجه من الوجوه. وتقديم الضر لما أن مساق النظم الكريم لإظهار العجز عنه، وأما ذكر النفع فللتعميم إظهاراً لكمال العجز". (روح المعاني، (سورة يونس: ۴۹): ۱۳۰/۱۱، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وقد روی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم في إباحة الرقی كلها مالم يكن شرک .... عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالیٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يارسول الله! كنا نرقي في الجاهلية فما تری في ذلک؟ قال: "اعرضوا عليّ رقاكم، لابأس بالرقی مالم يكن شرک .... عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لما نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم عن الرقی أتاه خالي فقال: يارسول الله! إنک نهيت عن الرقی وإني أرقي من العقرب، قال: "من استطاع منكم أن ينفع أخاه، فليفعل". (شرح معاني الآثار للإمام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ، كتاب الكراهة، باب الكي هل هو مكروه أم لا، مبحث الرقی: ۴۲۷/۲، ۴۲۸، سعيد)

"وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولايدریٰ ماهو، ولعله يدخله سراً أو كفراً أو غير ذلک". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب الطب، باب الطب والمرضی والرقی: ۲۹۵/۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۱) .... =

جوانی میں عملیات کرانا

سوال[۹۶۳۱]: سنا ہے کہ اپنے اوپر عملیات کا استعمال جوانی کی عمر میں نہ کیا جائے، کیونکہ بھٹکنے کا خوف ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عملیات (تسخیر وغیرہ) سے پرہیز کیا جائے، جو اعمالِ صالحہ احادیث سے ثابت ہیں، ان کو اختیار کرنے میں خطرہ نہیں اور وہ باعثِ خیر وبرکت بھی ہیں اور موجبِ اجر وثواب بھی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۸ھ۔

لکھے ہوئے پانی کی مضرت اور اس کا علاج

سوال[۹۶۳۲]: اگر پانی پر کوئی شخص (جو برتن وغیرہ میں رکھا ہو) لکھ جاوے اور اس کے پینے سے گلا دکھنے لگے تو اور پانی لے کر اس کو چاقو سے تین بار کاٹ کر پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک ٹوٹکا ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اگر اعتقاد ہو کہ چاقو سے کاٹ کر پانی پینے سے گلا ٹھیک ہو جائے گا تو چونکہ یہ شرعاً کوئی علاج ہے نہ طباً۔ لکھے ہوئے پانی کو نہ شریعت نے مضر بتایا، نہ طب نے، لہٰذا اس سے احتراز چاہیے۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو تو یہ ایک فعلِ عبث ہے اور دوسروں کے حق میں مفسدِ عقیدہ، اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے پانی کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہوگا کہ پانی کو لکھنا نہیں چاہیے اور اس میں ایک مضرت بھی تجویز کردی کہ گلا دکھے گا، کیونکہ بلا مضرت بتلائے

= وقال الله تعالى: ﴿ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق﴾ (سورة الفرقان: ٦٨)

(۱) مثلاً ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اور معوذتین کا پڑھنا، اسی طرح ہر کام کی انجام دہی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو دعائے ماثورہ ثابت ہیں، ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شاید یہ مخصوص احترام نہ ہوگا، یا لکھنے سے پانی میں کچھ ذرات گرنے کی وجہ سے اس کو منع کیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۴/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

عذابِ قبر سے حفاظت کا عمل

سوال[۹۲۳۳]: کوئی ایسا عمل تحریر فرمائیں جس سے قبر میں عذاب نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ناپاکی سے بچنا، ہمیشہ پاک رہنا(۱)، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنا، سنت کا پورا اتباع کرنا، سونے سے پہلے سورہ ملک پابندی سے پڑھنا(۲)، ہر نماز میں درود شریف کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کی دعا پڑھنا جس میں "أعوذبك من عذاب القبر" بھی ہے(۳)۔ چغل خوری سے پرہیز کرنا(۴)۔ یہ چیزیں ایسی ہیں

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: "إنهما ليعذبان، ومايعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لايستتر من البول". وفي رواية مسلم: "لايستنزه من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة". ثم أخذ جريدةً رطبةً، فشقها بنصفين، ثم غرز في كل قبر واحدةً. قالوا: يارسول الله! لم صنعت هذا؟ فقال: "لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا". (مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الأول، ص: ۴۲، قديمي)

(وكذا في تنبيه الغافلين، باب النميمة، ص: ۹۰، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال لرجل: ألا اتحفك بحديث تفرح به؟ قال: بلى، قال: اقرأ تبارك الذي بيده الملك، وعلمها أهلك وجميع ولدك وصبيان بيتك وجيرانك، فإنها المنجية والمجادلة تجادل أو تخاصم يوم القيامة عند ربها لقارئها، وتطلب له أن ينجيه من عذاب النار وينجي بها صاحبها من عذاب القبر، قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لوددت أنها في قلب كل إنسان من أمتي". (تفسير ابن كثير، سورة الملك: ۴/۵۰۸، مكتبه دار السلام رياض)

(۳) "عن مسلم بن أبي بكرة، قال: كان أبي يقول في دبر كل صلاة: "اللهم إني أعوذبك من الكفر والفقر وعذاب القبر". فكنت أقولهن، فقال: أي بني! عمن أخذت هذا؟ قلت: عنك، قال: إن رسول الله=

کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے اہتمام کے برکت سے عذابِ قبر سے حفاظت رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقولهن في دبر كل صلوة". (عمل اليوم والليل، باب مايقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث: ١١١)، مكتبه الشيخ كراتشى)

(وكذا في سنن النسائي، كتاب الصلوة، باب التعوذ في دبر الصلوة: ١٩٨/١، قديمى)

(٣) (راجع رقم الحاشية الأولىٰ أعني من الصفحة المتقدمة)

باب الأشتات

(حظر واباحت کے مختلف مسائل کا بیان)

سبز پتوں اور شاخوں کو کاٹنا

سوال [۹۶۳۴]: سبز درختوں کو فروخت کرنا، ان کو کاٹنا، ان کے تختے نکالنا کیسا ہے، جبکہ درخت کی پتیاں تسبیح کرتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت کے لئے ایسے درختوں کو کاٹنا، فروخت کرنا، آرہ مشین چلا کر تختہ نکالنا سب درست ہے۔ سبز درختوں کی تسبیح کی وجہ سے ضروریات کو نہیں روکا جاتا، ورنہ جانوروں کو گھاس کھلانا ہی منع ہو جائے گا اور سبزی کھانا بھی ختم ہو جائے گا۔ سبز شاخ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی درخت سے جدا فرما کر اس سے کام لیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ربیع الاول/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: "إنهما ليعذبان، ومايعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لايستتر من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة". ثم أخذ جريدةً رطبةً، فشقّها بنصفين، ثم غرز في كل قبر واحدةً. فقالوا: يارسول الله! لِمَ صنعت هذا؟ فقال: "لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱/۱۸۲، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ۱/۳۷۳، (رقم الحديث: ۱۹۸۱)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب وضع الجريد على القبر: ۱/۲۹۱، قديمي)

پھل دار درخت کو کاٹنا

سوال[۹۶۳۵]: پھل والے درخت کو یا بغیر پھل والے درخت کو سرسبز وشاداب ہونے کی حالت میں کٹوا کر تجارت کرنا، یا اپنے ضروری کاموں میں صرف کر لینے کا کیا حکم ہے، جائز ہے یا نا جائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حسبِ ضرورت یہ تصرف جائز ہے، بلاضرورت نفعِ عام کی چیز کو کٹوانا سدِ منفعت اور اضاعتِ مال ہے۔ نیز سبز درخت تسبیح کرتا ہے(۱)، اس کو تسبیح سے روکنا ہے۔ اور بوقتِ ضرورت کٹوانے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ درخت وغیرہ انسانوں کی ضرورت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں:

في أحكام القرآن لأبي بكر الرازي الجصاص تحت قوله تعالىٰ: ﴿ماقطعتم من لينة﴾ الآية: "وروى عثمان بن عطاء عن أبيه قال: لمّا وجّه أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه الجيش إلى الشام، كان فيما أوصاهم به: "ولاتقطعْ شجرةً مثمرةً". قال أبوبكر: "تأوله محمدبن الحسن على أنهم قد علموا أن الله تعالى سيغنمهم إياها وتصير للمسلمين إذا غزوا أرض الحرب وأرادوا الخروج، فإن الأولى أن يحرقوا شجرهم وزروعهم وديارهم، وكذلك قال أصحابنا في مواشيهم إذا لم يمكنهم إخراجها ذُبحت ثم أحرقت. وأما ما رجوا أن يصير فيئاً للمسلمين، فإنهم إن تركوه ليصير للمسلمين، جاز، وإن أحرقوه غيظاً للمشركين، جاز استدلالاً بالآية،

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: "إنهما ليعذبان، ومايعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لايستتر من البول، وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة". ثم أخذ جريدةً رطبةً فشقها بنصفين، ثم غرز في كل قبر واحد. فقالوا: يارسول الله! لِمَ صنعت هذا؟ فقال: "لعله أن يخفف عنهما ما لم ييبسا". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱۸۲/۱، قديمي)

قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ "وقد قيل: إن المعنى فيه أن يسبّح مادام رطباً، فيحصل التخفيف ببركة التسبيح. وعلى هذا فيطرد في كل مافيه رطوبة من الأشجار وغيرها". (فتح الباري، كتاب الوضوء، بابٌ: من الكبائر أن لايستتر من بوله: ۳۲۵/۱، قديمي)

وبما فعله النبي صلى الله عليه وسلم في أموال بني النضير". أحكام القرآن:۳/۵۲۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱۸/۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۱۹۵۷ھ۔

پائنچے سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا

سوال[۹۶۳۶]: آدمی یا عورت کلی دار پائجامہ پہنے ہوئے ہے، اس صورت میں عورت کو پیشاب، پاخانہ یا شوہر سے وطی کرنا، یعنی آدمی کا جانگیا یا ڈھیلا پائجامہ پہن کر بغیر ازار بند کھولے ہوئے دائیں یا بائیں پیر اٹھا کر پیشاب یا پاخانہ یا عورت سے وطی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پیشاب بھی ہوجائے گا، پاخانہ بھی ہوجائے گا، وطی بھی ہوجائے گی، شریعت کی طرف سے اس پر پابندی نہیں، لیکن اس طرح کرنے سے کپڑا خراب ہوجانے کا اندیشہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (أحكام القرآن، (سورة الحشر: ۵): ۳/۶۴۲، قديمي)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم رآى أعرابياً يبول في المسجد فقال: "دعوه" حتى إذا فرغ، دعا بماء فصبه عليه". (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس الأعرابيّ حتى فرغ من بوله في المسجد: ۱/۳۵، قديمي)

قال الحافظ في شرح الحديث المذكور: "إنما تركوه يبول في المسجد .... أما أن لايقطعه، فلا يأمن من تنجيس بدنه أوثوبه". (فتح الباري: ۱/۴۲۸، قديمي)

"وفيه التحذير من ملابسة البول". (فتح الباري، قبيل باب ماجاء في غسل البول: ۱/۴۲۶، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، قبيل باب صب الماء على البول في المسجد: ۲/۱۲۷، إدارة الطباعة المنيرية)

نئی صدی کا استقبال

سوال[۹۶۳۷]: کیا پندرہویں صدی کے استقبال میں جلسے جلوس کرنا درست ہے، کیا قرآن وحدیث اور فقہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، جو لوگ ایسا کریں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کا ثبوت دلائل شرعیہ میں کہیں نہیں ملا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کے ہر کام کی بنیاد خوشنودئ خداوندی، وقار اور سنجیدگی پر ہو اور نئی صدی کے استقبال میں جلسے جلوس اور اس قسم کے دیگر امور میں نہ خوشنودی ہے، نہ وقار، نہ سنجیدگی:

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال لأشجّ عبدالقیس: "إن فیک لخصلتین یحبهما الله: الحِلمُ والأناة". رواه مسلم".

"عن أنس رضي الله تعالی عنه أن رجلاً قال للنبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أوصني فقال: "خذِ الأمر بالتدبیر، فإن رأیت في عاقبته خیراً، فأمضِه. وإن خفتَ غَیّاً، فامسک". رواه في شرح السنة".

"وعن مصعب بن سعید عن أبیه رضي الله تعالیٰ عنه -قال الأعمش: لا أعلمه إلا عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- قال: "التُّؤَدَة في کل شئ خیرٌ إلا في عمل الآخرة". رواه أبو داؤد".

"وعن عبدالله بن سرجس رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "السَّمتُ الحَسَن والتُّؤَدَة والاقتصاد جزءٌ من أربعٍ وعشرین جزءً من النبوة". رواه الترمذي". (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الحذَر والتأني في الأمور، الفصل الثاني، ص: ۴۳۰، قدیمی)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالیٰ: "الحلم" ...... مکافاة الظالم في الأصل، ثم یستعمل في العفو عن الذنب. قیل: والمراد به هنا عدمُ استعجاله وتراخیه حتی یَنظر في مصالحه "والأناة" ...... فقیل: معناه (أي معنی الأناة): الوقار والتثبت. وقیل: الثبات في الطاعات. وقیل: المراد جودة نظرة في العواقب .... اهـ". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الحذَر والتأني في الأمور، الفصل الأول: ۸/۷۸۵، (رقم الحدیث: ۵۰۵۳)، رشیدیه)

وقال: "خذِ الأمر بالتدبیر" .... أي بالتفکر في دبره، والتأمل في مصالحه ومفاسده، =

غلط پروپیگنڈہ کی مذمت

سوال[۹۶۳۸]: مسلمان کے خلاف پروپیگنڈہ قائم کرنا اوران مسلمانوں کے جوکہ واقعی مسلمان ہیں یعنی نماز روزہ کے پابند،اور یہ پروپیگنڈہ کرنے والے اپنے کوشریعت کا پابند کہتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان سے نہ کوئی بولے نہ ان کی معیت وغیرہ میں شریک ہو۔اور جب وہ لوگ سلام کرتے ہیں تو شریعت کے پابند اشخاص جوکہ اپنے کوسمجھتے ہیں تھوکتے ہیں اورسلام کا جواب نہیں دیتے۔تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

بلاوجہ ایسا کرنا حرام ہے(۱)،جس وجہ سے ایسا کرتے ہیں اس کی وجہ معلوم ہونے پر زیادہ تفصیل

= والنظر في عاقبة أمره". (مرقاة المفاتيح، المصدر السابق، الفصل الثاني: ۸/۲۸۷، (رقم الحديث: ۵۰۵۲)، رشيديه)

باوجود اس کے اگر کوئی صرف خوشی کے طور پر بھی کرتا ہے تب بھی درست نہیں، کیونکہ اس میں کفار سے تشبہ ہے اور فضول خرچی تو ہر حال میں ہے،لہذا اس عمل کو ترک کرنا چاہیئے:

قال الله تعالى: ﴿ولاتبذرتبذيراً، إن المبذرين كانوا إخوان الشيطان﴾ (سورة الإسراء: ۲۶،۲۷)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من تشبه بقوم، فهو منهم". (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴۷): ۸/۱۵۵، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المريض، الفصل الأول، ص: ۱۳۳، قديمي)

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ =

اورتوضیح کی جاسکتی ہے کہ اس وجہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

چونکہ سوال کو سائل نے مجمل رکھا اس لئے مفتی صاحب کا جواب بھی سائل کے سوال کے مطابق مجمل ہے، بہتر یہ تھا کہ سائل سوال کو تشریح وتعیین سے معلوم کرتا، پس سوال کے مطابق مفتی صاحب کا جواب صحیح ہے۔

فقط والسلام۔واللہ اعلم۔

حررہ العبدسعیداحمد غفرلہ۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۵۷ھ۔

چراغ پھونک مارکر بجھانا

سوال[۹۶۳۹]: چراغ منہ سے پھونک مارکر بجھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح بھی درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

= بالسلام". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر .... اهـ، الفصل الأول، ص: ۴۲۴، قديمى)

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالىٰ: "وقال أكمل الدين من أئمتنا: في الحديث دلالةٌ على حرمة هجران الأخ المسلم فوق ثلاث أيام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر .... اهـ، الفصل الأول: ۷۵۸/۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

"وعن أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ملعون من ضارّ مؤمناً أومكربه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر .... اهـ، الفصل الثاني، ص: ۴۲۸، قديمى)

(۱) حدیث میں بجھانا مطلق آیا ہے، کسی معین طریقہ کا ذکر نہیں:.................. =

ردّی کاغذ کا گتا بنانا

سوال[۹۶۴۰]: موجودہ دَور میں کاغذ کی افراط کے ساتھ ردّی کی بھی بہت کثرت ہے، اس میں اردو اخبارات جس میں ترجمہ احادیث اور ترجمہ قرآن پاک بھی ہوتا ہے۔ نیز بہشتی زیور، اردو، فقہ یا عربی قواعد وغیرہ کے اوراق ہوتے ہیں۔ ان کا مَصرف کیا ہے؟ آج کل گتا میل گتا بنانے کے واسطے یہ ردی خریدتا ہے اور وہ وہاں دُھل کر صاف ہوکر گتا بنانے کے کام میں آجاتی ہے، جو انسان کی ضرورت کے کام آتا ہے اور ردّی کی فروختگی میں مسلمان کو نفع بھی ہے۔ چونکہ اکثر اردو پریس اور اردو کتب خانہ مسلم آدمیوں کے ہیں اور اس میں ان کا کافی نقصان بھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ ان اوراق کی بے ادبی نہیں کرتے، نجاست میں استعمال نہیں کرتے (۱)، ان کو دھو کر گتا بناتے ہیں تو ان کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۳ھ۔

= "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أطفئوا المصابيح عند الرقاد، فإن الفويسقة ربما اجترت الفتيلة، فأحرقت أهل البيت". (مشكوة المصابيح، كتاب الأطعمة، باب تغطية الأواني وغيرها، قبيل كتاب اللباس، ص: ۳۷۲، قديمي)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: ۳۷۸/۴، (رقم الحديث: ۱۴۷۴۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وہ اوراق جو لکھنے کے کام آتے ہیں، وہ اگرچہ خالی اور صاف ہوں تب بھی ان کا احترام کرنا چاہیے:

"وكذا ورق الكتابة لصقالته وتقوّمه، وله احترام أيضاً، لكونه آلةً لكتابة العلم، ولذا علله في التاترخانية: بأن تعظيمه من آداب الدين. ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقاً. وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلةً للكتابة كما ذكرنا، ويؤخذ منها عدم الكراهة فيما لايصلح لها إذا كان قالعاً للنجاسة غير متقوم كما قدمناه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۳۴۰/۱، سعيد)

(۲) "قوله: لابأس بكواغذ أخبار: أي بجعلها غلافاً لمصحف ونحوه والظاهر أن المراد بالأخبار =

تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا

سوال[۹۲۴۱]: تعلیم کی غرض سے چھوٹے بچوں کو صبح کے وقت نعتِ حضور پُرنور پڑھوایا جاتا ہے تا کہ بچوں کو شوق ہو اور دوسرے بچے تعلیم کے لئے آئیں۔ یہ شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام مستقل قربت وسعادت ہے(۱)، بچے اور بڑے سب ہی پڑھا کریں، مگر ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک جداگانہ تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے، آواز ملا کر جس میں گانے اور قوالی کا طرز پیدا ہو جائے نہ پڑھیں، نعت کا بھی یہی حال ہے، ترانے کے طور پڑھنے سے اس میں لہو ولعب کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اس سے پوری احتیاط چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۵ھ۔

= التواريخ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۶/۶، سعيد)

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالیٰ تحت قوله: "الظاهر": إنه أشار بنقله إلى أن تصحيح الانتفاع بالخالصة تصحيح لجواز بيعها أيضاً". (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۰۸/۶، سعيد)

(۱) "على أن المختار عند جماعة منهم أبو العباس المبرد وأبو بكر بن العربي أن نفع الصلوة غير عائد له صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بل للمصلي فقط، وكذا قال السنوسي في شرح وسطاه: إن المقصود بها التقرب إلى الله تعالى لا كسائر الأدعية التي يقصد بها نفع المدعو له، اهـ. وذهب القشيري والقرطبي إلى أن النفع لهما. وعلى كل من القولين فهي عبادة يتقرب بها إلى الله". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب: هل نفع الصلوة عائد للمصلي أم له وللمصلي عليه: ۵۱۶/۱، سعيد)

(۲) "نعم إذا قيل ذلك على الملاهي امتنع، وإن كان مواعظ وحكماً للآلات نفسها لا لذلك التغني، اهـ ...... وفي الملتقى: وعن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والتذكير، فما ظنك به عند الغناء الذي يسمونه وجداً ومحبةً، فإنه مكروه لا أصل له في الدين". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۹/۶، سعيد)

آلۂ مکبر الصوت

سوال[۹۶۴۲]: ایک شخص نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ بڑے بڑے مجمع میں (قرآن خواں، واعظ،مقرر) کی آواز تمام مجمع کے حاضرین کو اس آلہ کے ذریعہ سے بلا تکلف اوبخوبی قاری صاحب، واعظ مقرر صاحب کی آواز پہنچ جاوے اور کوئی فردِ واحد اس کثیر مجمع میں حضرات فائض کے فیض سے محروم نہ رہ سکیں۔

استفسار طلب یہ امر ہے کہ ایسے آلہ کا استعمال ضرورت مذکورہ کے وقت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آلہ کے جواز وعدم جواز کی دلیل کتب شرعیہ سے ہونی چاہیئے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جگہ محض آواز کا پہونچانا مقصود ہو اور اس میں صرف حاضرین کو خطاب ہی ہو اور کوئی عبادت اس کے علاوہ نہ ہو، وہاں اس آلہ کا بھی استعمال جائز ہے کہ اصل مقصود کے حصول کا مُعین ہے، جب اصل مقصود مباح ہے تو اس کا وہ معین کہ جس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہو وہ بھی مباح ہوتا ہے، وهذا مما لا يخفى على أحد ممن مارس علم الفقه والحديث(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہانپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات. الضرورات تتقدر بقدرها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۷۰، ۱۷۱)، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز کراچی)

"امام کے پیچھے دوسری صف میں جو مبلغ کھڑے کئے جاتے ہیں کہ وہ زور سے تکبیرات کہتے رہیں تا کہ لوگوں کو تکبیراتِ زوائد اور تکبیرات رکوع وسجود پہنچانے میں آسانی ہو، ان کے سامنے لاؤڈ اسپیکر لگا دیا جائے تو جائز ہے جس سے صرف تکبیرات لوگوں کو پہنچ جائیں اور نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے، امام کی قرأت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے نہ پہنچائی جائے۔ نماز کے بعد امام لاؤڈ اسپیکر کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ دے تو جائز ہے"۔ (كفاية المفتي، كتاب الحظر والإباحة، سولھواں باب: ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر: ۹/ ۲۰۶، دار الاشاعت کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (آلات جدیدہ، آلۂ مکبر الصوت کے شرعی احکام، آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز میں، ص: ۳۸، ادارۃ المعارف کراچی)

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں، اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال[۹۶۴۳]: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یانہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یانہیں؟ اور لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گانا گا کر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہ بھی ناجائز ہے۔ شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے۔ اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہلِ علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۹/۱۷ھ۔

بجلی سے آدمی کیوں مرجاتا ہے؟

سوال[۹۶۴۴]: کڑک اور بجلی کیا چیز ہے، اس بجلی سے انسان یا جانور مرجاتے ہیں، اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

---

(۱) "ولا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه، وكذا دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم يخبر أنه حلال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"إذا أهدى الرجل إلى انسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدى من الحرام، ينبغي له أن لايقبل الهدية ولا يأكل من طعامه مالم يخبر أنه حلال". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة: ۴/۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافة: ۵/۳۴۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا مختصر بیان میبذی میں ہے(۱) اورتفسیر فتح العزیز میں زیادہ ہے(۲)۔ یہ مسئلہ نہ فقہ کا ہے، نہ عقائد کا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۵/ ۷/ ۹۲ھ۔

کمر کے دونوں جانب ہاتھ رکھنا

سوال[۹۶۴۵]: دونوں طرف کمر پرہاتھ رکھنا کیسا ہے،اوردونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نامناسب ہے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۰/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) "وأما الرعد والبرق، فسببها أن الدخان إذا ارتفع واحتبس (الدخان فيما بين السحاب)، فما صعد إلى العلو مزّق السحاب تمزيقاً عنيفاً، فيحصل صوت هائل هو الرعد بتمزيقه. وإن اشتعل الدخان (لما فيه من الدهنية) بالحركة، كان برقاً (إن كان لطيفاً، وينطفي بسرعة) وصاعقة (إن كان غليظاً، ولا ينطفى حتى يصل إلى الأرض، وإذا وصل إليها فربما صار لطيفاً ينفد فى المتخلل ولا يحرقه. ويذب الأجسام المندمجة فيذيب الذهب والفضة فى الصرة مثلاً، ولا يحرقها إلا ما احترق من الذوب. وربما كان كثيفاً غليظاً جداً، فيحرق كل شئٍ أصابه، وكثيراً ما يقع على الجبل، فيدكّه دكاً". (الميبذى، ص: ۹۷، مير محمد كتب خانه)

(۲) (تفسير عزيزى، (سورة البقرة: ۱۹): ۱/ ۲۱۶-۲۲۳، سعيد)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: نهى أن يصلى الرجل مختصراً". (صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب الخصر فى الصلوة: ۱/ ۱۶۳، قديمى)

قال العينى رحمه الله تعالىٰ: "الخصرُ وضع اليد على الخاصر. وقد فسره الترمذى بقوله: والاختصار هو أن يضع الرجل يده على خاصرته فى الصلوة. وكأنه أراد نفس الاختصار المنهىّ عنه، =

کیڑے مکوڑوں کی پیدائش

سوال[۹۶۴۶]: جس طریقے سے انسان کی پیدائش کے پہلے اس میں روح کا فرشتہ روح ڈال دیتا ہے، اسی طریقے سے کیا کیڑے مکوڑے، چیونٹی، یا اسی طریقے کے جاندار، کیا ان میں بھی روح ڈالی جاتی ہے، یا یونہی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے اناج میں ہو جاتے ہیں، مچھر ہو جاتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیڑے مکوڑے بھی سب باذنِ خداوندی پیدا ہوتے ہیں، خود بخود پیدا نہیں ہوتے (۱)۔ تفصیلی کیفیت پیدائش کی معلوم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۵/۲۷ھ۔

غلامی کو ناپسند کرنا

سوال[۹۶۴۷]: اگر کوئی شخص اسلام کے دستورِ "غلامی" کو ناپسند کرتا ہو اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہو تو وہ مسلمان باقی رہ جائے گا یا کافر ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ناپسندیدگی اصل حقیقت کے نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ دیگر اقوام آج کل ناپسند کرتی

= وإلا فحقيقة الاختصار لاتتقيد بكونها في الصلوة .... أما الحكمة في النهي عن الخصر فقيل: لأن إبليس أهبط مختصراً، قيل: لأن اليهود تكثر من فعله، فنهي عنه كراهةً للتشبه بهم". (عمدة القاري، باب الخصر في الصلوة: ۲۹۷/۷، إدارة الطباعة المنيرية)

(والصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، باب كراهة الاختصار في الصلوٰة: ۲۰۶/۱، قديمي)

(وكذا في فتح الباري، باب الخصر في الصلوٰة: ۱۱۴/۳، قديمي)

"وكره التخصر -وضع اليد على الخاصرة- للنهي، ويكره خارجها تنزيهاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مطلب: مكروهات الصلوٰة: ۶۴۲/۱، سعيد)

(وكذا في الهداية مع الدراية، كتاب الصلوٰة: ۱۴۰/۱، شركت علميه ملتان)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا إله إلا هو خالق كل شئ﴾ (سورة الأنعام: ۱۰۲)

ہیں اور وہ حقیقت سے واقف نہیں، اب بجائے اس کے کہ ایسے شخص کے لئے کوئی سخت حکم حاصل کریں، آپ اس کو حقیقت سمجھائیں تاکہ وہ دیگر اقوام کا اتباع چھوڑ کر اسلام کا اتباع کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی دیوار پر اپنے مکان کی بنیاد رکھنا

سوال[۹۶۴۸]: زید کی دیوار جس کے نیچے سے پانی زید کے مکان کا نکلا کرتا تھا اور دونوں مکانوں میں حدِ فاصل تھی، اس پر عمر نے اپنے مکان کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ دیوار زید کی ملک ہے تو زید کی دیوار پر عمر کو اپنے مکان کی بنیاد رکھنا بغیر زید کی اجازت کے ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، 　صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "ويحسن بنا قبل الشروع في شرح أحاديث العتق أن نورد ههنا مقابلةً وجيزةً نبحث فيها عن حقيقة الرق ومكانته في الإسلام، فإنه قد كثر الشغب على المسلمين من قِبَل أصحاب الغرب ومقلديهم في إباحه الرق، وقد زعمه الناس في هذا الزمان وصمةً على جبين الدين، ومثاراً للشبه ضد الإسلام، ولا حول ولا قوة إلا بالله العظيم. .... اهـ". (تكملة فتح الملهم: كتاب العتق، الرق في الإسلام: ۱/ ۲۶۳، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة، المقالة الأولى (رقم المادة: ۹۶)، ص: ۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وكذا لو كان مسيل ماء سطحه إلى دار رجل وله فيها ميزاب قديم، فليس لصاحب الدار منعه عن مسيل الماء، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتا ب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب ومايتصل بذلك: ۵/ ۳۹۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۴/ ۲۴۰، المكتبة الغفاريه) .... =

خدا کے واسطے معافی مانگنے پر معاف نہ کرنا اور روپے لے کر معاف کرنا

سوال[۹۶۴۹]: جہاں خدا اور رسول کا واسطہ مانگنے پر معافی نہ ہوسکے، وہاں چند روپے دے کر معاف کردیا، آپ اس بارے میں کیا صلاح دیتے ہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

کسی شخص سے کوئی قصور ہوجائے اور وہ معافی مانگے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے، خاص کر جبکہ وہ اللہ کے واسطے معافی مانگے: ﴿ولیعفوا ولیصفحوا﴾(۱)۔ خدا کے نام پر معافی مانگنے سے معاف نہ کرنا، روپے لے کر معاف کرنا بڑی پست حوصلگی کی بات ہے، البتہ اگر کسی نے مالی نقصان کیا ہو تو اس نقصان کا معاوضہ لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۹ھ۔

"إنشاء اللّٰہ" کہنا

سوال[۹۶۵۰]: عبادت کے کام میں جیسا کہ میں نے اعلان کیا کہ "إنشاء اللّٰہ تعالیٰ" کل سے عصر کی نماز ۵/ بجے ہوگی۔ یہ "انشاء اللّٰہ" کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وکذا فی الدرالمختار، کتاب إحیاء الموات، فصل فی الشرب: ۶/۴۳۳، سعید)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولیعفوا ولیصفحوا ألا تحبون أن یغفر اللہ لکم، واللہ غفور رحیم﴾ (سورۃ النور: ۲۲)

(۲) "لو أتلف مال غیرہ تعدیاً، فقال المالک: أجزتُ أورضیت، لم یبرأ من الضمان". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب المأذون: ۶/۱۹۸، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقولنّ لشایءٍ إنی فاعل ذلک غداً. إلا أن یشاء اللہ﴾ (سورۃ الکہف: ۲۳، ۲۴)

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: "وجوز أن یکون المستثنیٰ منہ أعم الأوقات أی لاتقولن ذلک فی وقت من الأوقات إلا فی وقت مشیئۃ اللہ تعالیٰ ذلک القول منک". (روح المعانی، (سورۃ=

’’خدااوررسول کومنظور ہوتو‘‘ کہنا کیسا ہے؟

سوال[۹۶۵۱]: ’’اگر یہ کام خدااوراس کے رسول کومنظور ہو جائے ہوتو ہو جاوے گا‘‘ ایسا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرک ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۸/صفر/۶۸ھ۔

جشنِ بخاری شریف

سوال[۹۶۵۲]: رسم ورواج کے مطابق جشنِ بخاری شریف منایا جارہا ہے اور ہر طالب علم سے چالیس روپے لیتے ہیں،بعض طلبہ تو ایسے بھی ہیں جو ناشتہ وغیرہ بھی نہیں کرتے ہیں،تقریباً تین سال سے یہ جشن منایا جارہا ہے۔نیز روپے ناظمِ انجمن یا ناظمِ رقم کو نہ دینے کی وجہ سے انجمن کے کچھ افراد کہتے ہیں کہ تمہارا نام انجمن سے خارج کردوں گا۔ان وجوہات کے پیشِ نظرلڑکے خائف ہوکرروپے ادا کرتے ہیں،اوران روپیوں سے تمام انجمن والے بریانی پلاؤ وغیرہ نوش کرتے ہیں۔کیا یہ فعل شرعاً درست ہے؟اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پرعمل ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی نیک کام کی توفیق ہوتو اس پر بطورِ شکر کے اگر احباب وفقراء کو کچھ کھلا دیا جائے تو ناجائز نہیں، مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ بقرہ یاد کرلی تو ایک اونٹ ذبح کر کے اعزہ واقرباء

= الکهف: ۲۳): ۱۵/۲۴۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ماکان لنا أن نشرک بالله من شئ﴾ (سورة یوسف: ۳۸)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رجل: یارسول الله! أیّ الذنب أکبر عندالله؟ قال: "أن تدعو لله نداً وهو خلقک". (مشکوة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر، الفصل الأول، ص: ۱۶،قدیمی)

کوکھلا دیا(۱)۔

لیکن جوصورت سوال میں درج ہے اس میں قباحت زیادہ ہے، بعض غریب طلباء ہیں جن میں وسعت نہیں، ان سے چندہ لیا جائے وہ شرم کی وجہ سے انکار نہ کرسکیں، یا دباؤ ڈال کر ان سے وصول کیا جائے اور وہ مجبور ہوکردیں تو ایسا پیسہ لینا اوراس کوکھانا شرعاً درست نہیں، حدیث شریف میں ہے:

"لایحل مال امرء مسلم إلابطیب نفس منه"(۲)۔

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لایجوز لأحدمن المسلمین أن یأخذ مال أحد بغیر سبب شرعی"(۳)۔

نیز اس میں تفاخر ہے اور ریا ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: تعلم عمر رضی الله تعالیٰ عنه البقرة فی اثنتی عشرة سنةً، فلما ختمها، نحر جزوراً". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، مقدمة المؤلف، باب کیفیة التعلم والفقه، لکتاب الله تعالیٰ، وسنة نبیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وماجاء أنه سهل علی من تقدم العمل به دون حفظه: ۱/۳۰، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (کنز العمال، الفرع الثانی فی أحکام الایمان: ۱/۳۹۷، مکتب التراث الإسلامی حلب)

(ومجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب البیوع، باب الغصب: ۴/۱۷۲، دارالفکر بیروت)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلا بطیب نفسٍ منه". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قدیمی)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، ۵/۶۸، رشیدیه)

(۴) "وعن شداد ابن أوس رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "من صلی یرائی فقد أشرک، ومن صام یرائی فقد أشرک، ومن تصدق یرائی فقد أشرک". (مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، الفصل الثالث، ص: ۴۵۵، قدیمی)

"عن محمود بن لبید رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إن أخوف ما =

کھانا کھاتے وقت چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنا

سوال[۹۶۵۳]: ۱..... زید کہتا ہے کہ چارپائی پر بیٹھ کر پائتان کی طرف بیٹھ کر کھانا چاہیے، جو لوگ سرہانے بیٹھ جاتے ہیں ان کا منہ پائنتی کی طرف ہوتا ہے، لہٰذا یہ رزق کی توہین ہے، سو اس طرح کھانا ناجائز ہے۔ کیا زید کا خیال ٹھیک ہے؟

چارپائی پر غسل کرنے سے کیا وہ ہمیشہ کے لئے نجس ہوگئی؟

سوال[۹۶۵۴]: ۲..... ایک صاحب کہتے ہیں کہ کسی نبی نے چارپائی پر بیٹھ کر غسل کیا تھا، سو یہ گندگی کی چیز ہوئی، اس پر بیٹھ کر کھانا کھانا درست نہیں۔ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

۱..... یہ چیز عرفاً کھانے کی توہین نہیں سمجھی جاتی، اس لئے اس کو ناجائز کہنا صحیح نہیں۔

۲..... یہ بات بلا دلیل ہے، اگر کسی تخت یا فرش پر کسی نبی نے غسل کیا ہو تو کیا اس کی وجہ سے وہ تخت یا فرش نجس ہو کر کبھی پاک نہیں ہو سکے گا، اور اس کی وجہ سے ہر جگہ کا ہر تخت اور ہر فرش ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بالکل نجس ہو جائے گا؟ زمین پر تو قضائے حاجت فرمانا صریح وصحیح احادیث سے ثابت ہے(۱) تو کیا کسی زمین پر بھی کھانا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

= أخاف عليكم الشرك الأصغر". قالوا: يارسول الله! وما الشرك الأصغر؟ قال: "الرياء". (مشكوة المصابيح، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۶، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل حديث محمود بن لبيد رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۲۳۱۱۹): ۲/۵۹۶، داراحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "عن المغيرة بن شعبة رضى الله تعالىٰ عنه قال: كنت مع النبى صلى الله عليه وسلم فى سفر فقال: "يامغيرة! خذ الأداوة". فأخذتُها، ثم خرجتُ معه، فانطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى توارى عنى، فقضى حاجته، ثم جاء وعليه جبة شامية". (الصحيح لمسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين: ۱/۱۳۳، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الطهارة، باب ما جاء فى المسح على الخفين، ص: ۴۱، قديمى)

نیز سوال نمبر:ا میں صرف سرہانے بیٹھ کر کھانا کھانے کو منع کیا ہے، پائنتی کی طرف بیٹھ کر سرہانے کی طرف کھانا رکھوا کر کھانے کی اجازت دی ہے، اس کی کیا وجہ ہے، کیا وہ حصہ گندہ نہیں ہوا، استغفر اللہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۸/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۸/۱ھ۔

کسی کی بات کاٹنا

سوال[۹۶۵۵]: جب دو شخص گفتگو کر رہے ہوں تو تیسرے شخص کو درمیان میں بات کاٹنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص بات کرتا ہو تو بلا وجہ بات نہ کاٹی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اپنی بات کو اونچا رکھنا

سوال[۹۶۵۶]: اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی راہ کے خلاف چل کر اپنی بات کو اونچی رکھے اور اپنے فلاں بہنوئی کی بات کو گرانا چاہتا ہو کسی وجہ سے، تو وہ شخص کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص گنہگار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۵/۲۸ھ۔

---

(۱) "حکایت: یکے را از حکماء شنیدم کہ می گفت: ہرگز کسے بجہلِ خود اقرار نکردہ است، مگر آنکس کہ چوں دیگرے در سخن باشد، ہمچناں تمام ناگفتہ سخن آغاز کند مثنوی:

سخن را سرست اے خرد مند وبن   میاور سخن درمیانِ سخن

خداوند تدبیر وفرہنگ وہوش   نگوید سخن تانہ بیند خموش".

(گلستانِ سعدی، باب چہارم، حکایت نمبر: ۷، ص: ۱۴۱، قدیمی)

آبِ حیات

سوال[۹۶۵۷]: آبِ حیات کیا چیز ہے، آیا اس کے اجزاء ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتبِ حدیث وتفسیر میں اس کا وجود مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں آبِ حیات کی تفصیل ہے(۱)۔ فقط سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۷ھ۔

کیا لڑکے والا افضل ہے لڑکی والے سے؟

سوال[۹۶۵۸]: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکے والے کا درجہ اعلیٰ ہے اور لڑکی والے کا درجہ لڑکے والوں سے کم ہے۔ کیا شرعاً بھی درجہ میں تفاوت ہے؟

حافظ علی احمد تھان، گاؤں سیتاپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان باتوں کی وجہ سے شرعاً درجہ نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے، یہ درجہ کا فرق عوام کا تجویز کردہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) "وروى خيثمة بن سليمان من طريق جعفر الصادق عن أبيه أن ذا القرنين كان له صديق من الملائكة، فطلب منه أن يدلّه على شئ يطول به عمره، فدلّه على عين الحيات وهي داخل الظلمة، فسار إليها والخضر على مقدمته، فظفر بها الخضر ولم يظفر بها ذو القرنين". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث خضر مع موسى عليهما السلام: ۵۳۶/۶، قديمي)

"مجمع البحرين وعندها عين تسمى عين الحياة لا تصيب شيئاً إلا حيي". (تفسير الخازن (سورة الكهف: ۲۱۷/۳، حافظ كتب خانه كوئته)

"وقال سفيان يزعم ناسٌ أن تلك الصخرة عندها عين الحياة لايصيب ماء ها شيئاً إلا عاش".

(التفسير المظهرى: ۴۸/۶، حافظ كتب خانه كوئته)

(وكذا في تفسير العثماني، ص: ۵۲۱، تاج كمپنى كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يهب لمن يشاء إناثاً ويهب لمن يشاء الذكور﴾. (سورة الشورى: ۲۵) =

شاگرد سے احتلام کے کپڑے دھلوانا

سوال[۹۶۵۹]: اگر کوئی استاذ اپنے شاگردوں سے احتلام کے کپڑے دھلواتا ہے تو وہ کپڑے شاگردوں کے لئے دھونا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ عام لوگوں نے اس کو چند بار تنبیہ کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ نامناسب ہے، شرم وحیاء کے بھی خلاف ہے، بچوں پر بھی اس کے بُرے اثرات پڑیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ شاگرد سے خدمت لینا

سوال[۹۶۶۰]: ا…… ایک معلم صاحب جو کہ پیش امام بھی ہیں، کیا وہ اپنے کسی شاگرد نابالغ سے وضو کے لئے پانی منگا کر طہارت کر سکتے ہیں، جیسا کہ وہ روز ایسا ہی کرتے ہی اور اسی وضو سے نماز بھی پڑھاتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

۲…… بہت سے لوگ جو کہ دستکار ہیں، وہ اپنے چھوٹے چھوٹے شاگردوں سے جو کہ نابالغ ہیں ان سے پانی منگا کر پی سکتے ہیں، وہ خود آرام کرتے ہیں اور شاگرد بے چارے پنکھا جھلتے رہتے ہیں۔ کیا ان کا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا…… ان کی تربیت کے لئے اور سلیقہ سکھانے کے لئے پانی منگانا اور اس پانی سے وضو کرنا اور اس وضو

= وقال الله تعالیٰ: ﴿يأيها الناس إنا خلقنكم من ذكر وأنثى وجعلنكم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إن أكرم عند الله أتقاكم﴾ (سورة الحجرات: ۲۶)

"وناسب هذا المساق أن يدل في البيان من أول الأمر على أنه تعالیٰ فعل لمحض مشيئته سبحانه لامدخل لمشيئة العبد فيه، فلذا قدمت الإناث وأخرت الذكور كأنه قيل: يخلق مايشاء يهب لمن يشاء، من الإناسي مالا يهواه، ويهب لمن يشاء منهم مايهواه، فقد كانت العرب تعد الإناث بلاء".

(روح المعاني، سورة الشورى: ۲۵/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

سے نماز پڑھنا پڑھانا سب درست ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وقتاً فوقتاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کام لیتے اور وہ اس وقت نابالغ تھے(۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی لاکر دیا جب کہ وہ نابالغ تھے(۲)۔

۲......اس کا حکم بھی نمبر: ا سے معلوم ہوگیا، لیکن بچوں پر زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہیئے، جس سے وہ اکتا کر پریشان ہوجائیں، خاص کر یہ صورت کہ وہ پنکھا جھلتے رہیں اور استاد آرام سے سوتے رہیں، اس سے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اکتا جاتے ہوں گے۔ اگر استاذ ان سے خدمت لیں تو ان کو انعام بھی دینا چاہیئے جس سے وہ خوش ہوجائیں اور ان کی علمی اور اخلاقی تربیت بھی کی جائے، ان کو ہنر بھی سکھایا جائے کہ یہ ان کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۸/۴/۹۰ھ۔

چھوٹے بچوں سے خدمت لینا

سوال[۹۲۶۱]: مصنف بہارِ شریعت نے لکھا ہے کہ: ''معلمین کو نابالغ لڑکوں سے پانی بھروا کر

(۱) "عن أم سليم رضي الله تعالیٰ عنها، أنها قالت: يارسول الله! أنس خادمک، ادع الله له، قال: "اللهم أكثر ماله وولده، وبارک له فيما أعطيته، الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قديمي)

قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالیٰ: "أنس بن مالک بن النصر الخزرجي كنيته أبو حمزة، قدم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، وهو ابن عشر سنين وانتقل إلى البصرة في خلافة عمر رضي الله تعالیٰ عنه ليفقه الناس وهو آخر من مات بالبصرة من الصحابة سنة إحدى وتسعين". (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۲۰۸): ۱۰/۵۷۸، رشيديه)

(۲)"عن عبيد الله بن أبي يزيد عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم دخل الخلاء، فوضعت له وضوءاً، قال: "من وضع هذا"؟ فأخبر، فقال: "اللهم فقهه في الدين".

(صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء: ۱/۲۶، قديمي)

(ومسند الإمام احمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ، مسند عبدالله بن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، (رقم الحديث: ۳۳۶۹): ۱/۵۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

استعمال کرنا جائز نہیں''۔فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جن چھوٹے بچوں کو استاذ کے سپرد کیا جاتا ہے تو ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے، اس لئے ان سے اس قسم کا کام لینا جن سے خدمت کا سلیقہ اور عادت ہو جائے اور اپنی بڑائی طبیعت میں نہ آئے درست ہے۔ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی خدمت لینا ثابت ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال کی تھی جب ان کی والدہ نے خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کر دیا تھا، یہ خدمت کیا کرتے تھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۷/۲۹ھ۔

امرد کی تعریف

سوال[۹۶۶۲]: امرد کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کی لبیں معمولی سی ہوں اور داڑھی نہ نکلی ہو، یا اس سے قبل ہی اس قابل ہو کہ عورتوں کو اس کی طرف رغبت (شہوت) ہوتی ہو(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۵/۲۴ھ۔

---

(۱) "عن أم سليم رضي الله تعالىٰ عنها، أنها قالت: يارسول الله! أنس خادمك، ادع الله له، قال: "اللهم أكثر ماله وولده، وبارك له فيما أعطيته، الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قديمي)

قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "أنس بن مالك بن النضر الخزرجي كنيته أبو حمزة، قدم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وهو ابن عشر سنين وانتقل إلى البصرة في خلافة عمر رضي الله تعالىٰ عنه ليفقه الناس وهو آخر من مات بالبصرة من الصحابة سنة إحدى وتسعين". (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۲۰۸): ۱۰/۵۷۸، رشيديه)

(۲) "أمرد هو الشاب الذي طر شاربه ولم تنبت لحيته .... وهذا شامل لمن نبت عذاره، بل بعض =

امرد سے خط وکتابت

سوال[۹۶۶۳]: امرد سے خط وکتابت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ضرورت ہوتو درست ہے، فتنہ ہوتو پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۰ھ۔

امرد کو کن سے احتراز کرنا چاہیئے؟

سوال[۹۶۶۴]: امرد کو کن کن لوگوں سے احتراز کرنا چاہیئے، مثلاً: ماموں، چچا وغیرہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ممانعت یا عدم ممانعت کا حکم اشخاص وافراد کے اعتبار سے ہوگا، یا حکم سب کے حق میں برابر ہوگا، یعنی حکم کا تعلق شہوت پیدا ہونے والے، یا نہ ہونے سے ہے، یا امرد کی ذات سے ہے کہ وہ مشتہیٰ ہے؟ اگر حکم کا تعلق مشتہیٰ سے مان لیا جائے تو ظاہر ہے اس کے لئے ہر آن وہر لحمہ برابر نہ ہوگا۔

= الفَسَقة يفضله على الأمرد خالي العذار ...... وأن ابتدائه من حين بلوغه سناً تشتهيه النساء .... والمراد من كونه صبيحاً أن يكون جميلاً بحسب طبع الناظر ولو كان أسود؛ لأن الحُسن يختلف باختلاف الطبائع". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ۱/۴۰۷، سعيد)

(۱) "فحل النظر منوطٌ بعدم خشية الشهوة .... اهـ". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن القطان: "أجمعوا على أنه يحرم النظر إلى غير الملتحي بقصد التلذذ بالنظر، وتمتع البصر بمحاسنه، وأجمعوا على جوازه بغير قصد اللذة، والناظر مع ذلك آمن الفتنة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۱۹۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة ۱/۱۸۳، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو(۱)۔ذات امرد سے حکم کا تعلق ہے اور افراد اور اشخاص سے بھی تعلق ہے،افراد واشخاص اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۵/۹۰ھ۔

خودداری کا مفہوم

سوال[۹۶۶۵]: اسلام میں خودداری کا کیا مفہوم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

خودداری کا مفہوم ہے:"اپنی حیثیت کے موافق کام کرنا،ایسے کام سے بچنا جس سے ذلت پیش آئے"۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۲/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۲/۲/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فحل النظر منوط بعدم خشية الشهوة .... اهـ". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال ابن القطان: "أجمعوا على أنه يحرم النظر إلى غير الدلتحي بقصد التلذذ بالنظر، وتمتع البصر بمحاسنه، وأجمعوا على جوازه بغير قصد اللذة، والناظر مع ذلك آمن الفتنة". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۱/۱۹۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة ۱/۱۸۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ (سورة النور: ۳۰)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"،یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے،مگر شہوت سے جائز نہیں اس کو شہوت سے نہ دیکھیں۔"اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں"،یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور لواطت سب داخل ہے"۔(بیان القرآن:۸/۵،حصہ دوم،سعید)

کتاب الرهن

(گروی رکھنے کا بیان)

توسیعِ مدتِ رہن پر معاوضہ لینا

سوال[۹۶۶۶]: زید نے اپنا ایک مکان بکر کے پاس با قبضہ مبلغ تین سو روپے پر دو سال کے لئے رہن رکھ دیا۔ اور فسخِ رہن کی تاریخ مقرر کر کے دستاویز پر تحریر کر دیا: "اگر متعینہ وقت پر نہ دے سکا تو یہ رہن نامہ بیع نامہ متصور ہوگا"۔ جب مدت رہن ختم ہونے لگی تو زید نے مزید تین سو روپے بکر سے لے کر فسخِ دین کی تاریخ میں اضافہ کر لیا۔ اور جب مزید توسیع قریب الختم ہونے کو آئی تو پھر مبلغ دو سو روپے بکر سے لے کر پھر دستاویز تحریر کر دی کہ: "اگر میں ۱۹۶۴ء تک فسخِ رہن نہ کروں تو یہ رہن بیع نامہ ہوگا"۔ چنانچہ ۶۴ء شروع ہوگیا، اب زید چاہتا ہے کہ مکان بکر سے واپس لے لے۔ تو شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

تحریر رہن کی تاریخ گزر جانے پر بیع نامہ تصور کرنے کی تصریح شرعاً صحیح نہیں، شرعاً بیع نہیں (۱)، زید قرض واپس کر کے مکان بصورتِ رہن واپس لے سکتا ہے (۲)، بکر نے اس مدتِ رہن میں مکان سے نفع حاصل

---

(۱) "البيع ينعقد بإيجاب و قبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإذا طلب دينه، أمر بإحضار الرهن، فإذا أحضره أمر الراهن بتسليم كل دينه أولاً، ثم أمر المرتهن بتسليم الرهن". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۷۴، كتاب الرهن ، غفاريه كوئٹه)

"و يؤمر المرتهن بإحضار رهنه، والراهن بأداء دينه أولاً". (البحر الرائق: ۸/۴۳۷، كتاب الرهن ، رشيديه)

"وإذا طلب المرتهن دينه، يؤمر بإحضار الرهن؛ لأن قبض الرهن قبض استيفاء، فلا يجوز أن =

کیا تو وہ ناجائز ہوا، سود ہوا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۰/۲۵ھ۔

مکانِ مرہون میں رہنا

سوال[۹۶۶۷]: ایک شخص نے ایک مکان بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ گروی رکھا ہے، تقریباً چھ سات برس کا عرصہ ہوگیا ہے گروی رکھے ہوئے، اور گروی رکھنے والا اس مکان میں کبھی خود رہتا ہے اور کبھی اپنے رشتہ دار کو رکھتا ہے۔ اور مکان اس درجہ کا ہے کہ اگر کرایہ پر دیا جائے تو کم ازکم چار روپیہ کرایہ پر چڑھ سکتا ہے۔ اب یہ دریافت کرنا ہے کہ آیا اس گروی رکھنے والے کو مکان مذکور میں اس طرح بود و باش کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر درصورت ناجائز ہونے کے مکان مالک کو دیدے اور اپنا روپیہ وصول کرلے اس سے تو جو نفع اس نے چھ سات برس کے زمانہ میں مکان سے حاصل کیا ہے، اس کا معاوضہ شرعاً دینا پڑے گا یا نہیں اور اگر نہیں دے تو اس کا مواخذہ شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

مرتہن کو مکانِ مرہون میں رہنا ناجائز ہے، اگر اس مکان میں رہے گا تو غاصب کہلائے گا اور گنہگار ہوگا اور ایسی صورت میں منافعِ غصب کا تاوان لازم نہیں:

"أو عقد كبيت الرهن إذا سكنه المرتهن، ثم بان للغير معداً للإجارة، فلا شيء عليه، اهـ". درمختار۔ قال الشامي: "(قوله: فلا شيء عليه)؛ لأنه لم يسكنها ملتزمها للأجر، كما لو

= يقبض ماله مع قيام الاستيفاء؛ لأنه يتكرر الاستيفاء على اعتبار الهلاك في يد المرتهن و هو محتمل، وإذا أحضره أمر الراهن بتسليم الدين أولاً، ليتعين حقه كما تعين حق الراهن تحقيقاً للتسوية كما في تسليم المبيع والثمن: يحضر المبيع ثم يسلم الثمن أولاً". (الهداية: ۵۱۷/۴، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

(وكذا في الهداية: ۴۷۱/۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، شركت علميه ملتان)

رهنها المالك سكنها المرتهن، اهـ". رد المحتار: ۵/۱۸۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۴/رجب/۵۶۔

مرہون سے نفع اٹھانا

سوال[۹۶۶۸]: عام طور پر راہن مرتہن کے درمیان یہ بات طے شدہ ہوتی ہے کہ مرتہن مرہونہ چیز سے فائدہ حاصل کرے، مثلاً: مکان کا کرایہ اور زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے، لیکن یہ بات ناجائز بھی سمجھی جاتی ہے۔ کتاب ''مفید المفتی والمستفتی'' اردو ''فتاوی عزیزی، ص:۵۹، ۶۰'' پر حسبِ ذیل عبارت مطالعہ سے گزری:

> ''مگر فقیر کے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں رواج و عادات کے موافق ''ہبہ'' کے لفظ کو ''اباحت'' یعنی فائدہ اٹھانے کی اجازت دینے میں سمجھنا چاہئے۔ پس روپ داس نے جو باقی شاہ کو اپنی مرہونہ زمین کے محصول اور پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی۔
>
> اور اس پر دو شاہد دلالت کرتے ہیں: ایک یہ کہ فقہ کا مقرر کیا ہوا قاعدہ ہے کہ

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۰۸/۶، کتاب الغصب، سعید)

"و لا يضمن منافع ما غصبه، سواء سكنه أو عطله، إلا في الوقف. قال في المجمع: وكذا السكنى بتاويل العقد لماتقدم عن القنية من سكنى المرتهن بتأويل عقد الرهن". (مجمع الأنهر: ۹۴/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئته)

"لا يقال: إن الغاصب تلزمه أجرة المغصوب إذا كان معداً للاستغلال كما إذا كان وقفاً أو مال يتيم؛ لأنا نقول: إنما تلزمه الأجرة في المعدّ للاستغلال إذا لم يكن الغصب بتأويل عقد كعقد الرهن في مسئلتنا، فإن كان كذلك، لا تلزمه الأجرة اتفاقاً". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، ص: ۱۹۴، رقم المادة: ۷۵۰)، حقانيه پشاور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۳۷/۶، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

"العادۃ محکمۃ" جیسا کہ "الأشباہ والنظائر" میں موجود ہے(۱) اور عرف وعادت اس امر کو ثابت کر رہے ہیں کہ راہن مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کو بھی عرف اور عادت پر قیاس کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ فقہ کا باندھا ہوا قاعدہ ہے کہ''عقود اور معاملات میں معانی کا اعتبار ہے نہ الفاظ کا''(۲)۔

اس واسطے فقیہ لوگ ہبہ بالعوض کو بیع کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جس بات کو ناجائز سمجھا جارہا ہے، وہ جائز ہے''(۳)۔

مہربانی فرما کر آپ ہر دو صورتوں کا حکم بیان فرمائیں تا کہ الجھن رفع ہو۔

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدۃ السادسۃ، ص: ۹۳، قدیمی)

(۲) "العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لا للألفاظ والمبانی". (قواعد الفقہ، ص: ۹۱، (رقم القاعدۃ: ۱۸۳)، الصدف پبلشرز)

(۳) مستفتی نے فتاوی عزیزی (اردو) کی عبارت کو یا تو بہت اختصار سے نقل کیا ہے اور یا اس کے سامنے والا ترجمہ اور ہمارے ہاں کے ترجمہ میں فرق ہے، بہر حال دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، لہذا فتاوی عزیزی کی محولہ عبارت اس طرح ہے:

''لیکن فقیر کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں موافق رواج وعادت کے لفظ ہبہ سے مراد اباحت سمجھنا چاہیے، یعنی ایسی صورتوں میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ راہن کی اجازت ہوتی ہے کہ مرتہن شئ مرہونہ سے نفع اٹھائے تو روپ داس گسائن نے جو باقی شاہ مرتہن کو نافع اپنی زمین مرہونہ کا اور پھل درختوں کا دے دیا تو اس سے مراد یہ تھی کہ روپ داس گسائن راہن نے یہ اجازت دے دی ہے کہ باقی شاہ مرتہن زمین مرہونہ کے منافع اور درختوں کے پھل سے فائدہ اٹھائے، اور امر کے لئے دلیل یہ ہے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ العادۃ محکمۃ یعنی عادت حکم آنے والی ہے، ایسا ہی کتاب أشباہ والنظائر میں موجود ہے، اور باعتبار عرف وعادت کے یہی امر مروج ہے کہ راہن کہہ دیتا ہے کہ شئ مرہونہ کے منافع مرتہن کے لئے مباح ہیں تو اس مسئلہ میں بھی عرف وعادت کے موافق ایسا ہی سمجھنا چاہیے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بھی اصول فقہ میں ثابت ہے کہ: "العبرۃ فی العقود للمعانی لا للألفاظ" یعنی معاملات میں جو الفاظ مستعمل ہوں تو ان معاملات میں ان الفاظ سے جو اصل مقصود ہوا کرتا ہو اسی کا اعتبار ہوگا، صرف الفاظ کی جانب لحاظ نہ ہوگا۔ اسی واسطے یہ کہتے ہیں ہبہ بالعوض کے بارہ میں فی الواقع بیع کا حکم ہے''۔ (فتاوی عزیزی، مسائل رہن، رہن زمین کی ایک صورت، ص: ۵۳۶، ۵۳۷، سعید)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ فائدہ اٹھانا بالکل ناجائز ہے، خواہ راہن نے صراحۃً اجازت دیدی ہو یا عرفاً رواج ہو، جن لوگوں نے اجازتِ راہن کے بعد جائز سمجھ لیا ہے ان پر علامہ شامی نے ردالمحتار میں رد کیا ہے(۱) اور مولانا عبدالحیؒ نے مستقل ایک رسالہ اس مسئلہ پر لکھا ہے جس میں قطعاً ناجائز قرار دیا ہے اور کتب فقہ کی عبارات کو نقل کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/محرم الحرام/ ۶۸ھ۔

مالک کی اجازت سے رہن سے نفع اٹھانا

سوال[۹۲۶۹]: اشیائے مرہونہ سے مالک کی اجازت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ہدایہ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے: "وليس للمرتهن أن ينتفع بالرهن لا باستخدام و لا سكنى

---

(۱) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (الدرالمختار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(۲) "وقد اغترّ كثيرٌ من علماء عصرنا و من سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط و غيره، و من دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلّو وأضلّوا. وقد التزمتُ أنا من مدة مديدة أني كلما سُئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقةً أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادرٌ قطعاً". (مجموعة رسائل اللكنوى، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲۳۲/۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الاتاسي: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

و لا لبس، إلا أن يأذن له المالك". هدايه: ٤/٥٠٦(١)۔

الجواب حامداًومصلياً:

ناجائز ہے:"لا الانتفاع به مطلقاً إلا بإذن، اهـ" تنویر۔ "قال في المنح: و عن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي -وكان من كبار علماء سمرقند- أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون رباً، وهذا أمر عظيم .... قال: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، و لو لاه لما أعطاه الدراهم، و هذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع، والله تعالى أعلم، اهـ". شامي: ٥/٤٢٧(٢)۔

صاحبِ ہدایہ کے زمانہ میں عرف نہ ہوگا۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنویؒ نے اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام الفلك المشحون (ہے)(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ذی قعدہ/۶۷ھ۔

انتفاع از رہن

سوال[۹۶۷۰]: زید نے عمر کو ایک ہزار روپے دیئے اور اس کی دس بیگہ زمین اس سے لے لی، اس شرط کے ساتھ کہ بیس روپے لگان کے انہیں روپوں سے کاٹے جائیں گے۔ تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

بظاہر یہ ایک ہزار روپے قرض ہے اور دس بیگہ زمین رہن ہے، رہن سے نفع اٹھانا درست نہیں (۴)۔

---

(۱) (الهداية: ۵۱۸/۴، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (ردالمحتار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(۳) (مجموعة رسائل اللكنوى، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن، كراچى)

(۴) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه=

اس کے ساتھ ہی طے کرنا کہ بیس روپے لگان اسی ایک ہزار روپے سے لیا جائے گا تو یہ اجارہ ہوگا، ایک عقد میں دو معاملے کرنا (ایک رہن، دوسرا اجارہ) شرعاً درست نہیں (۱)۔ زید کو چاہیے کہ اس معاملے کو فسخ کردے، پھر قرض

= يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (الدرالمختار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

"وقد اغترّ كثيرٌ من علماء عصرنا و من سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط و غيره، و من دون أن يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلّوا وأضلّوا. وقد التزمتُ أنا من مدة مديدة أني كلما سُئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمي منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقةً أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقي والعرفي نادرٌ قطعاً". (مجموعة رسائل اللكنوی، الفلك المشحون فی الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۲۳۶/۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، حقانيه پشاور)

(۱) "عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين في صفقة". (إعلاء السنن: ۱۷۴/۱۴، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين في بيعة، إدارة القرآن كراچی)

البتہ اگر عقدِ رہن کے بعد عقد اجارہ کریں تو یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں رہن کا معاملہ باقی نہیں رہتا:

"أما الإجارة فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة .... وإن كان هو المرتهن وجدد القبض للإجارة .... بطل الرهن، والأجرة للراهن". (ردالمحتار: ۵۱۱/۶، كتاب الرهن، سعيد)

"وكذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة". (الفتاوى العالمكيرية: ۴۶۵/۵، الباب الثامن في تصرف الراهن، رشيديه)

سوال: "ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنی زمین سو روپے کے عوض گروی رکھی اس شرط پہ کہ تیس برس کے بعد ہم روپیہ دے کر زمین واپس کریں گے اور اس درمیانی مدت میں جو کچھ پیداوار کا منافع ہو وہ اپنے تصرف میں لائے اور مالگذاری ادا کرے"۔

جواب: "رہن کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، کیونکہ زمین میں مرتہن کو فقط حق حبس ہوتا ہے اور شرطاً انتفاع مفضی =

کا معاملہ مستقلاً ایک ہزار کے ساتھ رہے اور زمین کو جداگانہ کرایہ پر لے لے اور اس کا معاملہ جداگانہ بیس روپے طے کرے اور یہ بھی طے کرے کہ عمر اس قرض کو قسط وار ادا کردیا کرے، مثلاً: بیس ۲۰/ روپے کی قسط تجویز کرلی جائے، عمر جب قسط ادا کرے، زید اُسے وصول کر کے کرایۂ زمین لگان میں عمر کو دے دیا کرے تو اس طرح یہ معاملہ درست ہوگا، زمین اس صورت میں رہن نہیں ہوگی، صرف کرایہ پر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

انتفاع بالمرہون

سوال [۹۶۷۱]: ۱...... روپیہ قرض دیکر زمین رہن رکھ کر استفادہ کرنا اور لگان گورنمنٹ کو خود ادا کرتے رہنا یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر پھر اس قرضخواہ کو زمین کھیتی کرنے کے لئے ۵، ۱۰/ من کے بدلہ میں لکھ دیتے ہیں خواہ زمین میں کچھ پیداوار ہو یا نہ ہو۔ یہ کیسا ہے؟

۳...... بعض لوگ رہن رکھ کر استفادہ کرنے کی وجہ سے کچھ عدد سالانہ روپیہ اس سے کاٹ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ صورت جائز نہیں (۲)۔

= اِلی الربا ہے، مرہون کے منافع اور زوائد راہن کی ملکیت میں اسی طرح کا نفقہ بھی راہن کے ذمے پس مرتہن زمین مرہونہ کی آمدنی یا جانور مرہون کے دودھ میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جس قدر زمین کا سرکاری لگان ادا کرنا پڑے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الدیون، دوسرا باب: دخلی رہن، مرتہن کا رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا: ۸/ ۱۴۱، دارالإشاعت کراچی)

(۱) "وكذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثامن في تصرف الراهن: ۵/ ۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الرهن: ۶/ ۵۱۱، سعيد)

(۲) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (الدرالمختار: ۶/ ۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد) .... =

۲.....۵، ۱۰/من غلہ اگر صحیح حساب سے قرض میں محسوب کرلیں تو درست ہے، ورنہ نہیں، یعنی غلہ وصول کرتے وقت جو نرخ ہو اس نرخ سے قیمت لگا کر یہ سمجھیں کہ گویا ہم نے اپنے قرض میں سے اتنا وصول کرلیا(۱)۔

۳.....ایسی زمین کا جو کچھ سالانہ کرایہ بغیر کسی دباؤ کے ہوتا ہے، اگر اتنی مقدار وصول کردہ روپیہ سے کاٹ دیں تو جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

= "وقد اغترّ كثيرٌ من علماء عصرنا و من سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط و غيره، و من دون أن يتأملوا فى أن المعروف كالمشروط، فضلّو وأضلّوا. وقد التزمتُ أنا من مدة مديدة أنى كلما سُئلت من الانتفاع بالإذن، أجبت الكراهة، لعلمى منهم أن الإذن عندهم يكون مشروطاً حقيقةً أو عرفاً، والإذن المجرد عن شوب الاشتراط الحقيقى والعرفى نادرٌ قطعاً". (مجموعة رسائل اللكنوى، الفلك المشحون فى الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه پشاور)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۳۶/۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، حقانيه پشاور)

(۱) "قال الحموى فى شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسى عن جده الأشقر عن شرح القدورى الأخطب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان فى زمانهم لمطاوعتهم فى الحقوق، والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أىّ مال كان". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱۵۱/۶، سعيد)

(۲) یہ رہن کا معاملہ نہیں بلکہ اجارہ کا ہوا کہ قرض دینے والا جو کہ کرایہ دار بھی ہے، مقروض کی زمین کا کرایہ اپنے قرض میں محسوب کرسکتا ہے:

"وأما الإجارة، فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهى باطلة .... وإن كان هو المرتهن وجدّد القبض للإجارة .... بطل الرهن، والأجرةُ للراهن". (ردالمحتار: ۵۱۱/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۵/۵، الباب الثامن فى تصرف الراهن، رشيديه)

انتفاع بالمرہون

سوال[۹۶۷۲]: مرتہنہ زمین سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یانہیں؟ اسی طرح رہن رکھے ہوئے باغ کے پھل وغیرہ جو فصل میں پیدا ہوتے ہیں جس کے پاس رہن رکھا ہوا ہے، استعمال کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کے پاس جوشیٔ رہن رکھی جائے اس کواس شیٔ سے نفع حاصل کرنا منع ہے، کیونکہ یہ سود کے حکم میں ہے، خواہ وہ شیٔ زمین ہو، یاباغ ہو، یامکان وغیرہ ہو، سب کا حکم یکساں ہے:

قال الحصكفي بعد نقل الأقوال: "ثم نقل عن التهذيب أنه يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن. قال المصنف: وعليه يُحمل ما نقل عن محمد بن أسلم من أنه لايحل للمرتهن ذلك ولو بالإذن؛ لأنه ربوا. قلت: تعليله يفيد أنها تحريمية، فتأمله، اهـ". درمختار: ۳۳۶/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

موروثی زمین کورہن رکھنا

سوال[۹۶۷۳]: مسمی زید نے (دوقطعہ کھیت تخمینی پانچ بیگہ پختہ جس کا منافع بصورتِ لگان ۴۰

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۲۲/۶، کتاب الرهن، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

"يكره للمرتهن أن ينتفع بالرهن وإن أذن له الراهن. قال في المنح: لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. وجزم في رد المحتار بما في جواهر الفتاوى: من أنه إن كان مشروطاً، صار قرضاً جرّ فيه منفعةً وهو ربا، وإلا يكون مشروطاً فلا بأس .... قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة المشروط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۹۶/۳، ۱۹۷، رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، الفلك المشحون في الانتفاع بالمرهون: ۱۲/۳، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه، پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الرهن: ۲۳۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

سالانہ تخمیناً ہوتا ہے، داخلی رہن رکھ دیا یعنی مالکِ اراضی مثلاً: بکر کو دوسو روپے دیدیئے، کھیتوں پر قبضہ کرلیا اس شرط پر کہ جس وقت میرا روپیہ دوسو دَین ادا کردو گے، میں کھیت چھوڑ دوں گا اور منافع خود (یعنی زید) لیتا رہوں گا۔ اس عقدِ رہن پر باقاعدہ ضابطہ عدالت گورنمنٹ پورا کیا گیا یعنی رجسٹری وغیرہ کی گئی۔ مالکِ اراضی مسمی بکر کی ملک کاشتکارانہ تھی، وہ ایک زمیندار کا مالگذار تھا۔ اس عقدِ رہن کے انعقاد کا زمانہ تخمیناً دس سال ہے، کچھ دنوں سے تخمیناً چار سال سے جب کہ مسمی بکر کی مالی حالت بہت خراب ہوئی، زمیندار کو مالگزاری بھی زید ہی ادا کرتا ہے۔

یہ صورت مسئلہ کی ہے، اس میں صرف دو سوال ہیں:

۱.....آیا شرعاً عقدِ رہن یعنی دخلی رہن (جس صورت سے سمجھا گیا) جائز ہے یا ناجائز؟

۲.....اگر ناجائز ہے تو اب شرعی تدارک کیا ہے؟ مفصل سمجھایا جائے۔ زید توبہ کرنے کو تیار ہے۔ اب تک فک رہن نہیں ہوا۔ بکر دوسو روپیہ ادا نہیں کرسکتا۔ زید دس سال سے منافع کمارہا ہے۔ نیز چار سال سے مالگذاری بھی زمیندار کو دیتا ہے جو تخمیناً ۱۸/ روپے ہے۔

المستفتی: مہدی حسن، کانپور، محلّہ بیکن گنج، مدرسہ مظہر العلوم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھیت کسی اَور شخص کی ملک ہے، بکر کے پاس اس کی موروثی کاشت ہے اور بکر نے بعوض دوسو روپیہ قرض زید کے پاس اسے رہن رکھ دیا اور زید نے دس سال اس کی آمدنی حاصل کی اور چار سال مالگذاری نمبر:۱۸، بھی ادا کی۔ اس تمام قضیہ میں تین چیزوں کا حکم تفتیش طلب ہے: کھیت وقرض، دوسو روپیہ، مالگذاری ۱۸/ روپے معاملہ فاسد در فاسد ہے، اس لئے تینوں چیزوں کا حکم لکھا جاتا ہے۔

کھیت کا بصورت موجودہ نہ زید کو رکھنا جائز ہے نہ بکر کو، اس کا فوراً چھوڑ دینا واجب ہے(۱)، اس کے

(۱) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه، فليردها إليه".

"وعن سمرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي".

(مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، قديمي) .... =

بعد مالک کو اختیار ہے، خواہ خود کاشت کرے، یا اپنی رضامندی سے زید، بکر وغیرہ کسی کو کاشت پر دے، یا بیع، ہبہ جو دل چاہے کرے(۱)، کیونکہ موروثی ناجائز ہے۔ لہذا بکر غاصب ہے، اس کو جائز نہیں کہ کسی دوسرے کے کھیت کو غصب کر کے کسی کے پاس رکھ دے۔ اور دس سال تک جو زید نے آمدنی حاصل کی ہے، اپنا خرچہ بیج وغیرہ اس میں سے نکال کر باقی کو غرباء و مساکین پر صدقہ کر دے کہ یہ ملک خبیث ہے(۲)۔ اور جس قدر آمدنی بکر نے بغیر مالک کی رضامندی کے اس کھیت سے حاصل کی ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

قرض دوسو روپیہ بدستور باقی ہے، بکر کے ذمہ اس کا ادا کرنا واجب ہے، ادا کرے یا معاف کرائے۔

مالگذاری نمبر : ۱۸، زید نے اگر بکر کے کہنے پر بطور قرض ادا کی ہے تو اس کو بھی بکر سے وصول کر سکتا ہے، اگر تبرعاً و احساناً ادا کی ہے تو اس کے وصول کرنے کا حقدار نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ۸/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۲۳/ ۸/ ۵۸ھ۔

= "وحكمه وجوب الإثم إن علم، ووجوب ردّ عينه في مكان غصبه إن كانت باقيةً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۷۸، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء .... اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "(وما نقص منه): أي من العقار (بفعله كسكناه): أي سكنى الغاصب في الدار المغصوبة (و زرعه) في الأرض المغصوبة (ضمنه): أي النقصان .... و يأخذ الغاصب رأس ماله و هو البذر و ما غرم من النقصان وما أنفق على الأرض، و يتصدق بالفضل". (مجمع الأنهر: ۴/۸۱، كتاب الغصب، غفاريه، كوئٹه)

"و يردّونه على أربابه إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "الضمانات تجب إما بأخذ أو بشرط، وإلا لم تجب". (قواعد الفقه، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز) =

کھیت کا رہن

سوال[۹۶۷۴] : ا...... زید نے اپنا کھیت رہن رکھا اس شرط سے کہ میں جتنی مالگذاری زمیندار کو ادا کرتا ہوں اس قدر مرتہن ادا کر دیا کرے، یا سال میں اس قدر کٹ جایا کرے گا، یعنی راہن کو مرتہن ادا کر دیا کرے۔ جب پٹانے کے لئے روپیہ ہو جائیں تو پٹانے کی صورت میں بقیہ روپیہ ادا کر لے(۱)۔ اور مالگذاری لے لینے کی صورت میں سب روپیہ ادا کر کے اپنا کھیت واپس لے لیوے۔ تو کیا صورت مذکورہ جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کیوں؟ جو بھی صورت ہو مدلل مع حوالہ تحریر فرماویں؟

۲...... اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو اس کو ضرور تحریر فرمائیں۔

نعیم الدین بستوی غفرلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... یہ معلوم نہیں کہ اس کھیت کی پیداوار کس کے پاس رہے گی راہن کے یا مرتہن کے، اگر مرتہن کے پاس رہے گی تو ناجائز ہے، "لأن کل قرض جر نفعاً، فھو ربوا" (۲)۔

۲...... جواز کی صورت یہ ہے کہ مالگذاری حسبِ دستور راہن کے ذمہ رہے اور پیداوار جو کچھ ہو وہ

= "والأصل أن کل ما یطالب بہ الإنسان بالحبس والملازمة، یکون الأمر بأدائہ مثبتاً للرجوع من غیر اشتراط الضمان، ومالا فلا، إلا إذا شرط الضمان". (ردالمحتار: ۵/۲۰۷، کتاب الھبة، باب الرجوع فی الھبة، سعید)

"و کل ما وجب علی أحدھما فأداہ الآخر، کان متبرعاً، إلا أن یأمرہ القاضی بہ، و یجعلہ دیناً علی الآخر". (ردالمحتار: ۶/۴۸۶، کتاب الرھن، سعید)

(۱) "پٹانا: وصول کرنا، آپ پاشی کرنا، چھت ڈلوانا، سودا کرنا، لین دین کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۷، فیروز سنز، لاھور)

(۲) (فیض القدیر: ۹/۴۴۸۷، (رقم الحدیث: ۶۳۳۶)، مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض جر منفعةً، فھو ربا". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۸، ۴۹۹، إدارة القرآن کراچی)

"کل قرض جر نفعاً حرام". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۶۶، سعید)

(وکذا فی الھدایة، کتاب الکراھیة، قبیل مسائل متفرقة: ۴/۴۷۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

مرتہن اپنے پاس محفوظ رکھے، پھر راہن قرض ادا کرے اور کھیت پیداوار مرتہن سے وصول کرلے (۱)، یا مرتہن اس کھیت کو بطور اجارہ راہن سے لے لے، اجرت پیشگی ادا کردے اور میعاد اجارہ پوری ہونے پر کھیت واپس کردے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زمین رہن پر دینے کی صورت

سوال [۵۹۶۷]: ایک شخص اپنی زمین کسی کے پاس بالعوض سورو پیہ یا دوسورو پیہ رکھتا ہے اس شرط پر کہ میں زمین تمہارے قبضہ میں دیتا ہوں اور جو کچھ پیداوار ہوگی، تم کھاؤ پیو، اور سالانہ جو کچھ پیداوار ہوگی اس کے عوض دس روپیہ سالانہ سورو پیہ میں اور دوسورو پیہ میں بیس روپیہ سالانہ مجرا کرلینا، گویا میں نقد روپیہ نہیں دوں گا، گویا دس سال کو میں نے زمین تم کو دیدی، اس کے بعد زمین میری ہوگی، خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، میں ذمہ دار نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میں بیچ میں بقیہ روپیہ ادا کردوں تو زمین میری ہوجائے گی۔ اس قسم کا لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(الزائد الذی یتولد من المرهون) کولد الدابة والثمر واللبن والصوف والوبر والارش یکون للراهن، لتولده من ملکه غیر أنه (یکون مرهوناً مع الأصل)". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص:۳۹۳، (رقم المادة: ۷۱۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶/۵۲۱، کتاب الرهن، فصل فی مسائل متفرقة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۴/۳۰۴، کتاب الرهن، فصل: رهن عصیراً، غفاریه کوئٹه)

(۲) "أما الإجارة فالمستأجر إن کان هو الراهن، فهی باطلة .... وإن کان هو المرتهن و جدّد القبض للإجارة .... بطل الرهن، والأجرةُ للراهن". (ردالمحتار: ۶/۵۱۱، کتاب الرهن، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۵/۴۶۵، الباب الثامن فی تصرف الراهن، رشیدیه)

اس صورت میں عقد اجارہ صحیح ہوگا، مگر عقد رہن باطل ہوجائے گا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، کیونکہ یہ رہن کی صورتیں ہیں اور رہن میں راہن کو یا مرتہن کو انتفاع کا حق نہیں ہوتا، کما هو مصرّح فی کتب الفقه ۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ زمین اجارہ پر دیدی جائے اور مدتِ اجارہ متعین کر کے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہے بطور اجرت پیشگی وصول کیا جاوے اور اس مدت تک وہ شخص کھیتی وغیرہ کر کے زمین سے نفع حاصل کر کے پھر واپس کردے: "لیس للمرتهن الانتفاع بالرهن، اهـ". مراة: ۱/۳۸۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۶۴ھ۔

---

(۱) (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۷۳، كتاب الرهن، غفاريه كوئته)

"والغالب من أحوال الناس أنهم يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۲۳۴، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

"لا يحلّ له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فى الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى مجموعة رسائل اللكنوى، الفلك المشحون: ۳/۱۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن، حقانيه پشاور)

"وأما الإجارة، فالمستاجر إن كان هوالراهن، فهى باطلة .... وإن هو المرتهن و جدّد القبض للإجارة .... بطل الرهن، والأجرة للراهن". (رد المحتار: ۶/۵۱۱، كتاب الرهن، سعيد)

"وكذلك لو استأجر المرتهن، صحت الإجارة، وبطل الرهن إذا جدّد القبض للإجارة".

(الفتاوى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۶۵، الباب الثامن فى تصرف الراهن، رشيديه)

رہن اور اجارہ

سوال[۹۶۷۶]: زید نے بکر کے پاس کچھ زمین رہن رکھی اس شرط پر کہ زمین کا لگان بکر دے گا اور اس رہن کے علاوہ کچھ پیسے اور مزید بکر زید کو دیتا ہے اور اس زمین کا نصف غلہ بکر لیتا ہے اور نصف غلہ زید لیتا ہے۔ اب زید بکر سے زمین واپس لینا چاہے تو وہ کس شرط پر اور کس طرح لے سکتا ہے؟

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں جس طرح آپ حضرات کو زحمت دی گئی تھی، اسی طرح ایک دوسرے مفتی صاحب سے بھی جواب منگایا گیا تھا، اب چونکہ دو فتووں میں بظاہر تعارض ہے، جو ہمارے لئے موجبِ تشویش ہے۔ اس لئے براہ کرام تشویش کا ازالہ فرمائیں۔

الجواب: من جانب مدرسه شمس العلوم

''صورت مسئولہ میں ایسا معاملہ کرنا شرعاً حرام ہے۔ مسلمانوں کو سود کا لین دین کرنا اور سودی معاملات سے مطلقاً احتراز کرنا لازم ہے۔ جو صورت سوال میں درج ہے، یہ بھی سودی معاملہ ہے، مرتہن جو نفع زمینِ مرہون سے اٹھا رہے ہیں اور سب کو اپنے تصرف میں لا رہے ہیں وہ بھی سود ہے، کیونکہ شریعت کا قاعدہ مقرر ہے کہ وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے ربا ہے، لقوله عليه السلام: "كل قرض جرّ نفعاً، فهو ربوا"(۱)۔

عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرض دیتے ہیں تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ اگر نفع کی امید نہ ہو تو قرض نہیں دیں گے، یہ امر ممنوع ہے:

"والغالب من أحوال الناس إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع إلى اخره، كذا في المضمرات"(۲)۔

سرکاری محصول (لگان) بذمۂ راہن ہوتا ہے، مرتہن سے یہ شرط کرنا کہ مرتہن

---

(۱) (فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۲): ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۲۳۳، كتاب الرهن، دار المعرفة بيروت)

محصول ادا کرے بالکل ناجائز ہے:

"و نفقة الرهن والخراج والعشر على الراهن". الدرالمختار. "وقال الشامي عن المنح: "إنه لا يحل: أي للمرتهن أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن للربوا .... ثم رأيت في جواهر الفتاوىٰ: إن كان مشروطاً، صار قرضاً فيه منفعةٌ، وهو ربوا، اهـ"(۱)۔ "ليس للمرتهن أن ينتفع الرهن لا باستخدام و لا سكنى و لا لبس"(۲)۔

زمین رکھنے والے نے خواہ نفع اٹھانے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، ہر حال میں حرام ہے۔ زید کو چاہئے کہ مرتہن سے اپنی زمین واپس لے لے اور جو رقم لی ہے، قرض ہے، کل کو ادا کر دیں۔ اور جو غلہ مرتہن نے استعمال کیا ہے، کل رقم سے قیمت لگا کر اس کو منہا کر کے زید سے رقم وصول کر لیں ورنہ ربا ہوگا۔ اگر زید اپنی زمین کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے تو پھر سے عقد کرے اور مرتہن قبضہ جدید کرے۔

رہن کے ساتھ اجارہ جمع نہیں ہوسکتا، كما في الدر المختار:

"بخلاف الإجارة والبيع والهبة والرهن من المرتهن ومن أجنبي إذا باشر أحدهما بإذن الآخر حيث يخرج عن الراهن"۔ وفي الشامي: "أما الإجارة، فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطل .... وإن كان هو المرتهن وجدد القبض للإجارة، بطل الرهن"(۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احقر محمد شعیب بھاگل پوری
خادم مدرسہ شمس العلوم ضلع سیتاپور۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۸۷، كتاب الرهن، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۵۱۱، كتاب الرهن، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

من دار العلوم دیوبند :

یہاں کے فتوے میں بھی رہن کے نفع اٹھانے کو حرام لکھا ہے (اس لئے کہ وہ سود ہے)(۱)۔ جب اجارہ کا معاملہ کرلیا تو رہن کا معاملہ ختم ہوگیا (۲)، پہلے قبضہ بحیثیتِ مرتہن تھا، جب رہن ختم کردیا اور اجارہ کا

(۱) "وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته: أى ليس للمرتهن الانتفاع بإجارة أو بإعارة إذا لم يكن له الانتفاع بنفسه، فلا يكون مالكاً لتسليط الغير عليه إلا بإذن الراهن. وفي المنح: وعن عبدالله بن محمد بن مسلم السمرقندى -وكان من كبار علماء سمرقند-: أن من ارتهن شيئاً لايحل له أن ينتفع بشي منه بوجه من الوجوه، وإن أذن الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستو في دينه كاملاً فتبقى له المنفعة التي استو في فضلاً فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۷۳، كتاب الرهن ، غفاريه كوئته)

"والغالب من أحوال الناس أنهم يريدون عند الدفع الانتفاع، ولو لاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع". (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۲۴۴، كتاب الرهن ، دار المعرفة بيروت)

"لا يحلّ له أن ينتفع بشيء منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم". (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن ، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، (رقم المادة: ۷۵۰)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوى ، الفلك المشحون: ۳/۱۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۲۴۴، كتاب الرهن ، حقانيه پشاور)

"وأما الإجارة فالمستأجر إن كان هو الراهن، فهي باطلة .... وإن كان هو المرتهن و جدّد القبض للإجارة .... بطل الرهن، والأجرة للراهن". (رد المحتار: ۶/۵۱۱، كتاب الرهن ، سعيد)

(۲) "وكذلك لو استأجره المرتهن، صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض للإجارة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۶۵، الباب الثامن فى تصرف الرهن ، رشيديه)

(وكذا في العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۹/۱۱۷، كتاب الرهن ، مصطفىٰ البابى الحلبى ،مصر)

معاملہ کرلیا تو پھر قبضہ بحیثیت مستاجر ہوگیا، رہن اور اجارہ کو جمع نہیں کیا گیا اور بحالت رہن اجازت نہیں دی گئی۔ الحاصل جو صورت انتفاع بالمرہون یا جمع بین الرہن والاجارۃ حرام وممنوع ہے، اس کی اجازت نہیں دی گئی اور جس صورت کی اجازت دی گئی ہے (اجارۂ محضہ) وہ ممنوع نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۰ھ۔

ضمانِ مرہون میں کونسی قیمت معتبر ہوگی اور امانت کو رہن رکھنا

سوال [۹۶۷۷]: زید کی بیوی کو طلاق ہوئی، زید کے سالے کولڑکے کے والد نے کچھ قرضہ اپنی معرفت سے دلوایا تھا۔ انہوں نے کہا یہ روپیہ ادا کرو تو فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ بات قرار پائی کہ اس کے عوض میں کچھ زیور کسی کے پاس جمع کردیا جائے، روپیہ ادا ہونے پر زیور واپس لے لیا جاوے گا، لہذا ایک پان طلائی ایک تولہ، ایک گلو بند طلائی دونوں چیزیں ایک صاحب کے پاس جمع کردی گئیں۔ تقریباً تین سال کے بعد وہ روپیہ زید کے سالے نے ادا کردیا۔ اسی دوران جن صاحب کے پاس وہ امانت رکھا تھا، کچھ پریشانیاں آئیں اور انہوں نے اپنے زیور کے ساتھ امانت کی وہ چیزیں بھی گروی رکھدیں، پھر ان کی حالت خراب ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زیور بنیا کے یہاں ڈوب گیا۔

اب تقریباً بارہ سال کا عرصہ ہوگیا، اس وقت سونے کا بھاؤ تقریباً ایک روپیہ تھا۔ اس دوران جن صاحب کے پاس زیور جمع تھا ان کے لڑکوں نے زید کے داماد کے پاس کام کیا، اس کے ۱۲۲/ روپے ان کے داماد پر باقی رہ گئے، جب ان سے مانگے گئے تو زید نے کہا کہ ہمارا زیور آپ کے پاس ہے، اس کے حساب میں مجرا کرلینا۔ اس کو بھی تقریباً پانچ برس ہوگئے۔ اب زید اپنا زیور لینا چاہتا ہے، امانت دار کہتا ہے کہ زیور جس وقت دیا تھا، اُس وقت جو سونے کا بھاؤ تھا وہ میں دوں گا۔ زید کہتا ہے کہ اِس وقت سونے کا جو بھاؤ ہے اس حساب سے میں لوں گا۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت روپیہ رہن کا معاملہ ختم کیا جارہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، امانت دار کو حق نہیں تھا کہ وہ امانت کو اپنی ضرورت کے لئے رہن رکھ دے، ایسی صورت میں اس کے ذمہ ضمان لازم ہے۔ اگر زیور

ڈوب گیا اور رہن میں ختم کر دیا گیا تو اس کی موجودہ قیمت لازم ہوگی، امانت دار موجودہ قیمت دے کر بری الذمہ ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۵/۹۴ھ۔

بیع ورہن کی ایک صورت

سوال [۹۶۷۸]: علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں کیا فرماتے ہیں:

سراج الحسن صاحب مرحوم ایک زمین پر اپنا مکان تعمیر کراتے ہیں، تعمیر کے بعد اس زمین کا بیع نامہ اپنی بیوی کے نام کراتے ہیں۔ بعد مدتِ طویل کے سراج الحسن صاحب کا انتقال ہو جاتا ہے اور بیوی دو صاحبزادے اور لڑکی مسماۃ فاطمہ بیگم ان کے وارث ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبزادے کی نالائقی کی بنا پر کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء زوجہ سراج الحسن مرحوم تنِ تنہا رہن رکھتی ہیں اور فاطمہ بیگم اور عین الحسن کے دستخط بھی رہن نامہ پر کر جاتی ہیں۔

کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء مکان کو فروخت کر دیتی ہیں، جس کے محرکِ اعلیٰ مسمی عین الحسن ہوتے ہیں، اس وقت بیعنامہ پر صرف عین الحسن کی طرف سے ہوتی ہیں اور بیعنامہ مسماۃ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بوقتِ بیعنامہ لڑکی مسماۃ فاطمہ بیگم بالغ اور شادی شدہ ہے اور عین الحسن اور شمس الحسن بھی بالغ ہیں، شمس الحسن کی عمر اس

---

(۱) "الوديعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات تُضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تُضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴۶، (رقم المادة: ۸۰۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"(وإن انقطع المثل) بأن لا يوجد في السوق الذي يباع فيه. وإن كان يوجد في البيوت (فقيمته يوم الخصومة): أي وقت القضاء، وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يوم الغصب، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ: يوم الانقطاع، ورجحا". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۸۳/۶، كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۱۷/۶، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲۹۶/۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۷۸/۴، ۷۹، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

وقت ۱۹/ سال کی ہوتی ہے۔ عرصہ دو سال بعد مسماۃ فاطمہ بیگم وشمس الحسن کی طرف سے مقدمہ دائر کیا جاتا ہے کہ والدہ کو ہم لوگوں کے حصے بیچنے کا کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا ہم لوگوں کو ہمارا حصہ ملنا چاہئے۔ مسمی شمس الحسن کا دعویٰ ہے کہ ہم نابالغ تھے اور مسماۃ فاطمہ بیگم باوجود بالغی کے اپنا حق طلب کرتی ہیں۔

امور قابلِ تنقیح حسبِ ذیل ہیں:

۱- رہن نامہ پر مسماۃ فاطمہ بیگم اور عین الحسن کے دستخط ہیں اور رہن کا مضمون یہ ہے کہ ”مکان میں تنِ تنہا مالک ہوں اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے، محض اطمینانِ مہاجن کے لئے ان لوگوں کے دستخط کرائے جارہے ہیں، لیکن جب بیعنامہ ہوتا ہے تو دستخط صرف عین الحسن کے ہوتے ہیں اور بیعنامہ پر فاطمہ بیگم کی دستخط نہیں ہے اور کچھ عرصہ بعد مسماۃ شفیق النساء (جو اصل بائع ہیں) اور فاطمہ اور شمس الحسن کی طرف سے دعویٰ ہوتا ہے۔

۲- مدعیان کہتے ہیں کہ بیعنامہ ناجائز ہے، لہٰذا ہمارا حصہ ملنا چاہئے۔

۳- شمس الحسن اپنی نابالغی کا بھی عذر پیش کرتے ہیں اور سابق رہن نامہ پر ان کے دستخط بھی نہیں ہیں۔

۴- دعویٰ بیع کے دو سال بعد ہوا ہے۔

۱......اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع والدہ جو بحیثیت متولی ہیں، اول رہن بعدہ بیع کرتی ہے اور صرف تنِ تنہا راہن اور بائع بنتی ہے، اس کا رہن اور بیع کل کی طرف سے صحیح ہوا یا نہیں، جب کہ تمام حضرات دو سال تک خاموش رہے؟

۲......اگر شرعی حیثیت سے بیع باطل یا فاسد ہے اور استحقاق صحیح ہے تو مشتری کو روپیہ واپس ملنا چاہئے یا نہیں؟

۳......زمین تنِ تنہا شفیق النساء کے نام سے خریدی جاتی ہے، اس سے مکان کی ملکیت پر کیا اثر پڑے گا، حالانکہ مکان سراج الحسن مرحوم کی ذاتی رقم سے بنایا گیا ہے؟

نوٹ: مدعیان کی نیت ہے کہ بذریعہ عدالت اپنے حصہ پر قابض ہو جائیں اور روپیہ نہ دیں۔ اور وہ لوگ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ مکان کے مالک ہمارے والد تھے، بعد وفات والد سراج

الحسن مرحوم ہماری والدہ مسماۃ شفیق النساء کوتنہا بیع ورہن کا کوئی حق نہیں ہے، لہذا ہم لوگوں کا حصہ ملنا چاہئے۔

(ب) مدعاعلیہم زمین کے بیعنامہ اور رہن نامہ کے مطابق بیع کو جائز سمجھتا ہے اور حصہ دینے پر تیار نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اعتراض تھا تو رہن نامہ پر دستخط کیوں کیا؟ جب کہ تنہا ملکیت مسماۃ شفیق النساء نے اس میں لکھدی تھی۔

(ج) اصل بائع بھی یعنی مسماۃ شفیق النساء بھی عدالت میں بیعنامہ سے انکار کررہی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو دھوکہ دے کر ایسا کیا گیا (یہ خلاف واقعہ ہے)۔ اصل بات یہ ہے کہ مدعیان مفت میں قبضہ چاہتے ہیں۔

(د) اگر سچی گواہی دی جاتی ہے تو مدعاعلیہم کا وکیل کہتا ہے کہ مقدمہ ہار جاؤں گا، بلکہ تمہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ مسماۃ شفیق النساء نے خود اپنے روپے سے مکان تعمیر کرایا ہے، لیکن اس وقت گواہوں کو اللہ نے کچھ دینی امور کی طرف سے مائل کردیا ہے، وہ لوگ غلط گواہی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اب شرعاً یہ بتلایا جائے کہ سچی گواہی دینے سے ایک شخص کا روپیہ مفت میں ڈوبتا ہے، لہذا اگر صاحبِ حق کا حق دلانے کے لئے جھوٹ بول سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہ بیع ورہن کا کیا حکم ہے اور دعویٰ کیسا ہے؟ قدرے تفصیل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

بندہ: محمد شفیع آلہ آبادی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ سراج الحسن مرحوم نے بیوی کے نام بیعنامہ کردیا ہے خواہ بیوی کی زمین میں مکان بنایا ہے اور صرف تعمیر کا بیعنامہ کیا ہو اور زمین کی بیوی پہلے سے مالک ہو، یا زمین بھی سراج الحسن کی ہو اور زمین وتعمیر ہردو کا بیعنامہ بیوی کے نام بعوضِ دینِ مہر کیا ہو تو زوجہ اس کی تنہا مالک ہے(۱)، اس کو ترکۂ سراج الحسن تجویز کرکے دیگر ورثہ کا مطالبہ میراث کرنا بے محل ہے(۲)، تنہا شفیق النساء کو اس کے رہن وبیع کا پورا پورا اختیار ہے(۳)۔ ایسی

(۱) "إن الملكية تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد والصحة واللزوم والنفاذ".
(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۳۵۷، حقانيه پشاور)

(۲) اس لئے کہ یہ اب مرحوم کا ترکہ نہیں رہا، قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "لأن التركة ماتركه الميت من الأحوال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(۳) اس لئے کہ وہ اس کی مالک بنی اور مالک کو اپنی ملک میں ہر قسم کے جائز تصرف کرنے کا اختیار۔ في المجلة: "كل =

صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسماۃ نے بحیثیتِ متولی رہن یا بیع کیا ہے، خاص کر جب کہ رہن نامہ میں تنِ تنہا مالک ہونے کی تصریح بھی ہے اور دوسروں کے دستخط کی وجہ محض حصول اطمینان ظاہر کی گئی ہے۔

شروعِ سوال میں مسماۃ کے نام بیع نامہ کا ذکر ہے اور صفحہ:۳ (ب) کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ اس کا ثبوت نہیں تو وہ بیع نامہ کہاں گیا، بیعنامہ پر بائعہ کے دستخط کافی ہیں، کسی اَور کے دستخط کی ضرورت نہیں۔ عین الحسن کے دستخط نہ ہوتے تب بھی بیعنامہ صحیح تھا۔ بیعنامہ کے ناجائز ہونے کی وجہ مدعیان کیا بیان کرتے ہیں، حالانکہ عین الحسن کے اس پر دستخط ہیں، اتنی مدت تک مدعیان کیوں خاموش رہے۔ درمختار مسائل شتی میں مذکور ہے کہ اگر کسی زمین کو فروخت کیا جائے اور بائع کے اقارب اس پر سکوت کریں اور پھر اس بیع کو فسخ کرانا چاہیں کہ یہ بیع ہماری مرضی کے خلاف ہوئی ہے تو ان کا قول معتبر نہیں ہوگا (۱)۔

امید ہے کہ اس تحریر میں سوال کے تمام اجزاء کا جواب آ گیا تاہم نمبروار جواب بھی تحریر ہے:

۱......صورت مسئولہ میں والدہ تن تنہا مالک ہے، کیونکہ سراج الحسن مرحوم نے یہ مکان بعوضِ مہر مسماۃ کے نام بیع کیا ہے اور فاطمہ بیگم اور عین الحسن بھی رہن نامہ پر اس کے گواہ ہیں، لہذا مالک ہونے کی حیثیت سے اس کو بیع اور رہن کا پورا اختیار ہے (۲)۔

۲......بیع کے باطل اور فاسد ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں، لہذا نہ بیع فسخ کی جائے گی، نہ روپیہ مشتری کو واپس دلایا جائے گا (۳)۔

= يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "باع عقاراً أو حيواناً أو ثوباً، وابنه أو امرأته أو غيرهما من أقاربه حاضر يعلم به، ثم ادعى الابن مثلاً أنه ملكه، لاتسمع دعواه". (الدرالمختار، مسائل شتى: ۷۴۲/۲، ۷۴۳، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱۸۰/۱، دارالفكر بيروت)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۲۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "البيع النافذ يفيد الحكم في الحال إذا كان البيع لازماً نافذاً وليس لأحد المتبايعين الرجوع عنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۱، (رقم المادة: ۳۷۵،۳۷۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

۳.....اگر مسماۃ شفیق النساء کے نام زمین خریدی اور اس کو دیدی گئی ہے اور پھر اس کی اجازت سے سراج الحسن مرحوم نے اس پر مکان تعمیر کیا ہے تو وہ مکان مسماۃ ہی کا ہے، البتہ جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ مسماۃ کے ذمہ ہے، پھر اگر بعوضِ مہر سراج الحسن نے ساقط کردی تو اب کسی کو اس کے طلب کرنے کا اختیار نہیں (۱)۔ اور اگر بغیر اجازت تعمیر کیا ہے تو وہ مسماۃ کا ہی ہے اور مسماۃ کے ذمہ وہ خرچ شدہ رقم بھی واجب نہیں۔ اور اگر سراج الحسن نے وہ مکان اپنے لئے تعمیر کیا ہے تو وہ تعمیر سراج الحسن کی ہے، لیکن جب کہ وہ مسماۃ کو بعوضِ مہر دیدیا تو وہ مکان بھی مسماۃ کا ہوگیا، اگر مسماۃ کو نہ دیتا تو مسماۃ کو اختیار تھا کہ اس مکان کو مسمار کرانے کا مطالبہ کرتی (۲)۔

نوٹ: یہ ظلم ہے (۳)۔

(ب) مدعیٰ علیہم کا جواب تو بظاہر صحیح ہے۔

(ج) کیا سارے کاغذ دستخط کرالئے گئے اور کیا اس بیعنامہ پر کوئی گواہ موجود نہیں، اگر شرعی گواہ موجود ہیں تو ان کی گواہی قبول ہوگی اور مسماۃ کا انکار غیر معتبر ہوگا (۴)۔ اور کیا رہن نامہ بھی دھوکہ دیکر کرایا گیا ہے؟

---

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "لأن الترکة ماترکه المیت من الأحوال صافیاً عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال". (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیه)

"کل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۶۵۴/۱، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، کتاب القسمة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "عمر دار زوجته بإذنها فالعمارة لها والنفقة دین علیها؛ لصحة أمرها. ولو عمرّ لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ویکون غاصباً للعرصة فیؤمر بالتفریغ بطلبها ذلک، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو طوع في البناء فلا رجوع له". (الدرالمختار، مسائل شتی: ۷۴۷/۶، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، وتدلوا بها إلی الحکام لتأکلوا فریقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾. (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۴) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده: أن النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "البینة علی المدعي والیمین علی المدعی علیه". (مشکوة المصابیح، باب الأقضیة والشهادات: ۳۲۷/۲، قدیمی)

"وإذا صحت الدعویٰ سأل القاضي المدعی علیه عنها، فإن اعترف قضی علیه، وإن أنکر سأل =

(د) اگر حق کا فیصلہ اور ظلم سے نجات اسی پر موقوف ہے تو گواہوں کو توریہ اور تعریضاً کذب کی اجازت ہے، صریح جھوٹ سے احتراز کریں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ربیع الاول/ ۱۷ھ۔

جب تک بیعنامہ اور رہن نامہ سامنے نہ ہو اور گواہوں کے بیانات نہ ہوں، اس وقت تک فریقین کی تصدیق وتکذیب مشکل ہے، معاملہ طے کرنے والوں کو سب جزؤں کو غور سے دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ سوال سے کچھ متعارض باتیں ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے جوابات صرف سوالات کے مطابق لکھدیئے گئے ہیں، اصل حقیقت کے بدلنے سے جوابات بھی بدل جائیں گے۔ اول فیصلہ کرنے والے تحقیقات کریں، اس کے بعد اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہو تو تحقیق کرلی جائے۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ ربیع الاول/ ۱۷ھ۔

رہن کی واپسی ورثائے راہن کے لئے

سوال [۹۶۷۹]: زید نے اپنا مکان بعوض تین سو روپے پانچ سال تک کی مدت کے لئے بعوض تین سو روپے ماہوار خالد کو رہن رکھ دیا اور اس رہن نامہ کے اندر تحریر ہے کہ اگر اس مدتِ مقررہ میں رقم ادا نہ ہوئی تو رہن نامہ کو بیع نامہ تصور کیا جائے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو ورثائے شرعی زید کے فوت ہونے پر مکان بیع کرنا چاہیں تو کیا بیع کا حق ہوگا؟

= المدعي البينة؛ لقوله عليه الصلوة والسلام: "ألک بينة"؟ فقال لا فقال "لک يمينه". وإن أحضرها قضى بها". (الهداية، كتاب الدعوى: ۲۰۱/۳، إمداديه ملتان)

(۱) "والتعريض والتورية: إطلاق لفظ ظاهر في معنى وخفي في آخر مع إرادة خفية، وهو ضرب من الغرر والخدع. قال العلماء: فإن دعتنا إليه مصلحة شرعية راجحة على خداع المخاطب، أو حاجة لامندوحة عنها إلا بالكذب، فلا بأس بالتعريض. وإن لم تدع إليه مصلحة كذلک، كره". (الفتاوىٰ الحديثية، مطلب: في التعريض والتورية، ص: ۱۹۷، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۱۳/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح: ۷۴/۳، ۷۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رہن ہے، بیع نہیں، نہ رہن رکھتے وقت نہ پانچ سال گزرنے پر، زید قرض واپس کردے اور اپنا مکان لے لے، چاہے فروخت کردے(۱)، قرض جتنا لیا ہے اسی قدر واپسی ہوگی، زیادہ کی نہیں (۲)۔ زید کے بعد اس کے ورثاء کو بھی اس کا حق حاصل ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "توقف بيع الرهن رهنه على إجازة مرتهنة أو قضاء دينه، فإن وجد أحدهما، نفذ". (الدر المختار: ۵۰۸/۲، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن والجناية عليه، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۲/۵، كتاب الرهن، الباب الثامن في تصرف الرهن، رشيديه)

(۲) قرض پر زیادتی بغیر کسی عوض کے وصول کرنا سود ہے جو کہ حرام ہے:

"كل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار: ۱۶۶/۵، كتاب البيوع، فصل في القرض، سعيد)

(۳) "قيد بالتركة؛ لأن الإرث يجرى في الأعيان المالية، أما الحقوق فمنها ما يورث كحق حبس المبيع وحبس الرهن، ومنها مالا يورث كحق الشفعة وشرط الخيار". (ردالمحتار: ۷۶۲/۲، كتاب الفرائض، سعيد)

"مات الراهن، باع وصيه رهنه بإذن مرتهنه وقضىٰ دينه لقيامه مقامه". (الدر المختار: ۵۱۹/۶، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن، سعيد)

کتاب الفرائض

الفصل الأول فی الترِکة وتصرف المیت فیها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ورثاء پر تقسیم کرنا

سوال[۹۶۸۰]: ۱..... زید ابھی حیات ہے لیکن بطور حفظِ ماتقدم کہ آئندہ اہل میں جھگڑا وفساد نہ ہو، اس لئے زندگی ہی میں اندازہ سے تقسیم جائیداد فرمارہے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

۲..... کیا زید چونکہ ابھی حیات ہے اس لئے ساری جائیداد اس کی مِلک ہے، اس لئے اپنی زندگی میں جس کو جتنا چاہے دینے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے پر ورثاء راضی نہیں ہیں۔

۳..... اگر شرعی طور سے تقسیم ہی حیات میں بھی ضروری ہے تو حسبِ ذیل حالات ہیں جو درج ذیل ہیں۔ براہِ کرم جس کا جو شرعی حق دیا جانا چاہئے تحریر فرمادیا جائے تو سب کو ان کے حق کے موافق حق کی تقسیم کرکے زید اور اس کے ورثاء عند اللہ ماجور ہوسکیں۔ رہبری چاہتے ہیں۔

زید کی دو بیویاں ہیں: ایک کا نام حفیظ بیگم مرحومہ ہے جس کے بطن سے ۴/ مرد ولد ہیں اور دو لڑکیاں ہیں جو بالغ ہیں، ان میں سے دو لڑکوں کی اور لڑکیوں کی شادی ہوگئی۔ نیز زید کی دوسری بیوی جو حیات ہیں ان کا نام بی پاشا جہاں ہے، ان کے بطن سے ۳/ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک لڑکی بالغ ہے اور شادی بھی ہوگئی ہے، باقی دو لڑکے اور لڑکیاں نابالغ ہیں۔

ترکہ کی تقسیم میں لڑکے کو کتنا حصہ ملے گا اور لڑکی کو کیا اور بیوی کا کیا حصہ ہوتا ہے۔ نیز مرحوم بیوی کا حصہ بھی نکالا جانا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر نکالا جانا ضروری ہے تو پھر اس حصہ کے حقدار اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد ہوسکتی ہے یا کل ورثاء میں؟ زید اس کو تقسیم کرنے کا مجاز ہے۔ براہِ کرم اس کا جواب جلد از جلد

مطلوب ہے۔فقط۔

عبدالعلیم عفی عنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنی زندگی میں اپنی مملوکہ جائیداد میں تصرف کا مختار ہے(۱)، جس کو جس قدر مناسب سمجھے دے دے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ کسی ہونے والے وارث کو طبعی رنج کی وجہ سے ضرر پہونچانا مقصود نہ ہو(۲)، اس لئے ایسی حالت میں مفتی بہ قول کے مطابق لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر حصہ دیا جائے(۳)۔آٹھواں حصہ نکال کر موجودہ بیوی کو دیا جائے(۴)، بقیہ کو گیارہ حصے بنا کر ہر دو بیویوں سے پیدا شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دے دیا جائے(۵)۔مرحومہ بیوی کا کوئی حصہ نہیں(۶)،لیکن اگر اس کا مہر باقی ہو،

(۱) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما مايرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة وكونه من أهلها أن يكون حرّاً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(۲) "ولو وهب رجل لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين .... وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۴/۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۹۰، رشيديه)

(۳) "وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة". (البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الهبة: ۴/۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۴/۳۹۱، رشيديه)

(۴) اس لئے کہ جب میت کی اولاد موجود ہو تو بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا،قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۶) مرحومہ بیوی کو حصہ اس لئے نہ ملے گا کہ وارث کا مورث کی موت کے وقت زندہ ہونا شرط ہے اور وہ زندہ نہیں: =

ادانہ کیا گیا ہو، نہ اس نے معاف کیا ہوتو وہ اس کے ورثاء کو ملے گا(۱)، جن میں خود شوہر بھی حصہ دار ہے(۲)۔
فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

مملوکہ اور سرکاری زمینوں میں وراثت

سوال[۹۶۸۱]: باپ کے انتقال کے بعد اس کی زرعی زمین میں لڑکی بھی مستحقِ میراث ہوگی، یا ساری زمین لڑکے کو مل جائے گی؟ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ زرعی زمینوں کی مالک غالباً حکومت ہوگئی ہے، یہ زمینیں اب افراد کی ملک نہیں ہیں، تو اگر لڑکا ساری زرعی زمین خود لے لے اور اپنی بہن کو کچھ نہ دے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ باغ اور باغ کی زمین اور مکان اور مکان کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین ملکِ سرکاری ہے اور اس نے برائے کاشت کرایہ پر کسی کو دی ہے تو وہ اس کی ملک نہیں ہوگئی، اس کے انتقال پر اس زمین میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۳)، بلکہ جس کو سرکار دے گی اس کو اس میں حقِ کاشت حاصل ہوگا۔ یہی حال باغ اور گھر کی زمین کا ہے۔ جو زمین کسی کی مملوکہ ہے، اس میں

= "وشروطه ثلاثة: موت مورث .... ووجود وارثه عند موته حياً". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذى له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۱۰۹۲): ۱/۶۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولكم نصف ماترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) "يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني .... والمبيع المحبوس بالثمن والدار المستأجرة". (الدرالمختار). "لأن التركة في الاصطلاح: ماتركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد) =

وراثت جاری ہوگی (۱)۔ اور لڑکی کو حصہ نہ دینا ظلم اور غصب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مالِ شرکت کی وراثت

سوال [۹۶۸۲]: جس وقت حسین بخش واللہ بخش کے تینوں لڑکوں نے ایک جائیداد مساوی حصہ پر خرید کی تھی تو اس وقت حسین بخش واللہ بخش دونوں بھائی زندہ تھے، کچھ عرصہ کے بعد یکے بعد دیگرے انتقال ہوا ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ جائیداد جو کہ تینوں فریق نے مساوی طور پر خرید کی ہے کیسے تقسیم ہونی چاہیئے؟ فقط والسلام۔

محمد حنیف، راجپور،

ضلع دھرہ دون، ۲۱/فروری/۵۴ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جائیداد خریدتے وقت حسین بخش واللہ بخش زندہ تھے اور پھر بعد میں ان کا انتقال ہوا تو اس سے تقسیم

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۱/۴۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمي)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۲۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

پر کوئی اثر نہیں پڑتا(۱)، اس جائیداد کے برابر ۳/ حصہ کر کے تینوں لڑکوں کے ورثاء کو دیدیئے جاوینگے(۲)۔ اگر ان کے ورثاء میں اللہ بخش وحسین بخش بھی ہیں یعنی ان کا انتقال لڑکوں کے بعد میں ہوا ہے تو ان کو بھی حصہ ملے گا، ہر ایک کے انتقال کے وقت جس قدر ورثاء اس کے زندہ رہے(۳)۔ اگر سوال میں اس کی تفصیل ہوتی تو پوری طرح جائیداد کی تقسیم اور اس کے حصص کا حال معلوم ہوجاتا، اب جس قدر سوال ہے اس قدر جواب ہے(۴)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۶۴ھ۔

---

(۱) واضح رہے کہ یہ اس وقت ہے کہ جائیداد سب بیٹوں کی ہو، والدین کا حصہ اس میں نہ ہو:

"(سئل) فی إخوة خمسة سعیهم و کسبهم واحد وعائلتهم واحدة حصلوا بسعیهم و کسبهم أموالاً، فهل تکون الأموال المذکورة مشترکةً بینهم أخماساً؟

الجواب: ماحصله الإخوة الخمسة بسعیهم و کسبهم یکون بینهم أخماساً". (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الترکة: ۱/۹۵، مکتبه میمنیة مصر)

(۲) "القسمة ...... سببها طلب الشرکاء أو بعضهم الانتفاع بملکه .... ورکنها هو الفعل الذی یحصل به الإفراز والتمییز بین الأنصباء ....وحکمها تعیین نصیب کل من الشرکاء علی حدة". (الدرالمختار: ۶/۲۵۴، کتاب القسمة، سعید)

"وأما بتقسیم العین الواحدة وتعیین کل حصة شائعة بکل جزء من أجزائها فی قسم منها کقسمة العرصة الواحدة بین اثنین، ویقال لها: قسمة تفریق وقسمة فرد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱۸، (رقم المادة: ۱۱۵)، کتاب الشرکة، الباب الثانی فی القسمة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۲۰۳ کتاب القسمة، الباب الأول فی تفسیرها وبیان ماهیة القسمة الخ، رشیدیه)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبویه لکل واحد منهما السدس مماترک﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) "وشروطه ثلاثة: موت مورث حقیقةً أو حکمًا، ووجود وارثه عند موته حیاً .... والعلم بجهة الإرث". (ردالمحتار: ۶/۷۵۸، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

کیا بیوی کے مرنے پر مہر بھی ترکہ ہے؟

سوال [۹۶۸۳]: اگر بیوی نے مہر معاف نہ کیا ہو اور شوہر کی طرف سے ادا بھی نہ کی گئی ہو، اسی درمیان بیوی کا انتقال ہو جائے تو مہر کا کیا ہوگا جب کہ شوہر پر واجب ہے، کیا غریبوں، مسکینوں میں مہر کی رقم تقسیم کر دینے سے مہر ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مہر مرحومہ بیوی کا ترکہ قرار دیا جائے گا اور حسبِ حصصِ شرعیہ ورثاء پر تقسیم ہوگا جیسا کہ اور ترکہ تقسیم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۱ھ۔

مرحومہ زوجہ کا مہر ترکہ میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال [۹۶۸۴]: زید نے اپنے نکاح کے فوراً بعد اپنی زوجہ کا مہر ادا نہیں کیا، ارادہ بھی تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو ادا کر دوں۔ زید صاحبِ اولاد ہے، مگر زید کی زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ اب زید کیلئے ادائیگی مہر میں کیا مسئلہ ہے؟ وہ مسجد یا مدرسہ کو مہر دینے کیلئے تیار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہر اَب ترکۂ زوجہ بن گیا ہے(۲)، اب اس میں شرعی میراث جاری ہوگی، ایک چوتھائی کا مستحق

---

(۱) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدّين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث، حنفيه كوئٹه)

"يبدأ من تركة الميت الخالية .... لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

شوہر ہے(۱)، وہ خود رکھ لے اور بقیہ اولاد کو دیدے۔ اگر سب لڑکے ہیں تو سب کو برابر دیدے، اگر لڑکی بھی ہے تو دوہرا لڑکے کو، اکہرا لڑکی کو دیدیا جائے (۲)۔ یہ اس وقت ہے کہ زوجین کے والدین میں سے کوئی زندہ نہ ہو، ورنہ سب کی تفصیل لکھ کر ہر ایک کا حصہ دریافت کرلیں۔ پورا مہر بغیر دیگر ورثاء کی اجازت کے از خود مسجد وغیرہ میں دینے کا حق نہیں، اپنا حصہ جس طرح چاہے کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۳/۵ھ۔

ایک بیٹے کو روپیہ دینے کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں حق

سوال [۹۶۸۵]: ایک شخص نے انتقال کیا، ان کا ایک لڑکا بیان کرتا ہے کہ والد صاحب نے مجھ کو ایک ہزار روپے دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ تم اپنے فلاں کام میں لاؤ اور ہم کو واپس نہ دینا۔ اور یہ بیان ان کا اپنے والد کے انتقال کے بعد ہے، مگر متوفی کے کاغذات میں مستعار لکھے ہوئے نکلے تو اس صورت میں وارثانِ متوفی مذکور کے حکمِ شرعی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

نیز اگر گواہان کے ذریعہ متوفی کے مرض الموت کا یہ ثبوت مل جائے کہ متوفی نے اب مرض الموت میں واپس لینے کا ارادہ ترک کردیا تھا، یا معاف کردیا ہے تو کیا یہ فعل متوفی کی وصیت سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور یہ بات کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، متوفی کوئی عالم نہیں تھے کہ اس بات کو جانتے۔ کیا اس صورت میں اس فعل کو عبث سمجھا جائے گا؟

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۰، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

"كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في أحكام الأملاك، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لأن الملك مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۴/۵۰۲، أول كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیگر ورثاء کو اس لڑکے کا یقین ہے کہ والد نے بحالتِ صحت وہ روپیہ دیدیا، واپس لینے کے لئے نہیں دیا، بلکہ ہبہ کردیا ہے تب تو وہ روپیہ محض اس لڑکے کا ہے، دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں (۱)۔ اگر یقین نہیں اور اس کے پاس ثبوتِ شرعی بھی نہیں تو پھر وہ ترکہ شمار ہوگا اور سب ورثاء اس میں شریک ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/شوال/ ۶۷ھ۔

اپنی جائیداد مدرسہ کو دینا

سوال [۹۶۸۶]: ہمارے گاؤں میں ہمارے بزرگ حاجی بھورے خان کی کچھ زمین زائد ہے اور

---

(۱) "یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث فی أحکام الهبة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی بیان قواعد الفقهیه، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الدر المختار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیه)

(۲) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال فی خطبته: "البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه". (جامع الترمذی: ۱/۲۴۹، أبواب الأحکام، باب ماجاء أن البینة علی المدعی، سعید)

"فإذا صحت الدعوی من المدعی، سأل القاضی المدعی علیه .... فإن اعترف بدعواه، قضیٰ علیه بها؛ لأنه غیر متهم فی حق نفسه. وإن أنکر سأل المدعی البینة لإثبات ما ادعاه، فإن أحضرها، قضیٰ بها لظهور صدقها". (اللباب فی شرح الکتاب: ۳/۱۲۲، کتاب الدعوی، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/۳۴۵، کتاب الدعوی، رشیدیه)

ان کے آگے پیچھے لڑکا لڑکی کچھ نہیں، ہاں! تائے، چچے، پوتے، بھتیجے موجود ہیں۔ اب حاجی صاحب اپنی یہ زمین مدرسہ یا مسجد میں دینا چاہتے ہیں۔ سوال طلب یہ مسئلہ ہے کہ آیا وہ اپنی جائیداد مدرسہ یا مسجد میں دے سکتے ہیں یا نہیں، یا پوتے وغیرہ کو دیں؟ اور ہمارے گاؤں کی مسجد قریب ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ دور کے بھتیجے ضرورت مند نہیں اور ان کو محروم کر کے نقصان پہونچانا بھی مقصود نہیں تو حاجی صاحب کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی جائیداد اپنے مدرسہ یا مسجد کے لئے وقف کردیں (۱) تاکہ صدقۂ جاریہ بن جائے، ورنہ بہتر یہ ہے کہ ایک تہائی کی وصیت مدرسہ ومسجد کے لئے کردیں، بقیہ ورثاء کو مل جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "الوقف .... وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا ببرّ الأحباب، وفي الآخرة بالثواب، يعني بالنية من أهلها. ومحلُّه المال المتقوم، وركنه الألفاظ الخاصة: كأرضي هذه صدقةٌ موقوفةٌ مؤبدةٌ على المساكين ونحوه". (الدرالمختار: ۴/۳۳۹، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۳۱۷، ۳۱۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(۲) "عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: مرضت عام الفتح حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: أي رسول الله! إن لي مالاً كثيراً و ليس يرثني إلا ابنة لي أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: "لا" قلت: فالشطر؟ قال: "لا" قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثيرٌ، أن تذر و رثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس". (سنن ابن ماجة، أبواب الوصايا، باب الوصية بالثلث: ۲/۱۹۴، قديمي)

"وتجوز الوصية بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه". (الدرالمختار). "هل الوصية بأقل من الثلث أولىٰ أم تركها؟ قالوا: إن كانت الورثة فقراء و لا يستغنون بما يرثون، فالترك أولىٰ لما فيه من الصدقة، وقال عليه السلام: "أفضل الصدقة على ذي الرحم الكاشح". ولأن فيه رعاية الفقر و القرابة. وإن كانوا أغنياء يستغنون بنصيبهم، فالوصية أولىٰ".

(ردالمحتار: ۶/۶۵۰، ۶۵۱، كتاب الوصايا، سعيد) .... =

اپنا پیسہ وارث کو دے یا مدرسہ میں؟

سوال [۹۶۸۷]: ایک آدمی کے پاس زکوۃ کا روپیہ آیا، وہ آدمی نابینا تھا اور پیروں سے معذور تھا، موصوف نے وہ روپیہ کسی اور آدمی کے پاس بطورِ امانت رکھ دیا اور پھر ان کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم کا کوئی وارث نہیں ہے، صرف مرحوم کا ایک بھانجا حیات ہے اور مرحوم کے نزدیک وقتِ نزع امین بھی نہیں تھا اور نہ مرحوم نے کسی دوسرے کے لئے کوئی وصیت کی۔ تو اب امین یہ رقم مدرسہ میں دے یا بھانجا کو دے یا غریب کو دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھانجا ایک قسم کا وارث ہے، اگر اس سے قریب تر کوئی مستحق وارث نہیں تو بھانجا کو دیدے(۱)، مدرسہ میں دینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۹۲ھ۔

غیر وارث کو کچھ جائیداد دینا

سوال [۹۶۸۸]: ا......اس مسئلہ کے بارے میں حکمِ شرع سے مطلع کریں: ایک عورت مسماۃ حبیبہ جو کہ لاولد ہے، اس کے مندرجہ ذیل رشتہ دار ہیں:

حبیبہ

حقیقی والدہ — شوہر — حقیقی بھائی ۳ — حقیقی بہن ۲

حبیبہ کے مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے ہر ایک مالدار ہے۔ حبیبہ چاہتی ہے کہ ایک دوسرے غیر رشتہ

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۹۱، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیه)

(۱) "وجملة القول فیه کما فی الصنف الأول وهو أنهم إما أن یتفاوتوا فی الدرجة أولاً، فإن تفاوتوا قدم الأقرب ولو أنثی کبنت أخت وابن بنت أخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام: ۶/۷۹۴، سعید)

"ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

دار کو جو کہ صاحبِ حاجت ہے اس کو کچھ حصہ فی سبیل اللہ دینا چاہتی ہے۔ اور حبیبہ وصیت نہیں کرنا چاہتی ہے، بلکہ اپنی زندگی میں کچھ ثواب کی نیت سے دوسرے حاجت مند کو دینا چاہتی ہے، لیکن اس کے بعض رشتہ دار کہتے ہیں کہ ہم رشتہ داروں کی موجودگی میں غیر رشتہ دار کو حصہ دینا ناجائز اور گناہ ہے۔ ازروئے شرع فیصلہ سے مطلع فرمائیں، کہ رشتہ داروں کی موجودگی میں غیرِ رشتہ دار کو فی سبیل اللہ ہبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتی ہے تو اپنی ملکیت میں سے کتنی مقدار دے سکتی ہے؟

۲.....اگر ہبہ کرنا اور دے دینا درست ہے تو رشتہ دار کا اس میں رکاوٹ ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حبیبہ کو اختیار ہے کہ اپنی تندرستی اور صحت میں اپنی ملکیت میں سے کسی حاجت مند کو فی سبیل اللہ کچھ دیدے اور اس پر اس کا قبضہ کرادے، رشتہ داروں کو روکنے کا اختیار نہیں (۱) اور جب کہ حبیبہ کا مقصود رشتہ داروں کو محروم کرنا نہیں ہے، بلکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے غریب کی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہے اور رشتہ دار سب مالدار ہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے:

"أما شرائطها فأنواع يرجع بعضها إلى نفس الركن و بعضها يرجع إلى الواهب وبعضها يرجع إلى الموهوب، أما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، الخ". فتاوى عالمگیری: ۳/۴۸٤ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، كتاب الشركة، الباب الثالث في أحكام الأملاك، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۴/۵۰۲، أول كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، سعيد)

"ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۸۷، كتاب الهبة، سعيد)

جائیداد دیکر واپسی

سوال [۹۶۸۹] : ۱.....محبوب الرحمٰن کا انتقال ہوا اور انھوں نے اپنی شادی نہیں کی، اس لئے لاولد فوت ہوئے۔ مرحوم نے حقیقی بھائی، بہن، ماں، باپ، تایا، چچا، پھوپھی وغیرہ کوئی نہیں چھوڑا۔

۲.....محبوب الرحمٰن ابن حاجی عبدالرحمٰن بن سلطان علی بن شاہ غنی، یہ چار نسلیں اکیلی ہی گذری ہیں، صرف ایک ماموں زاد بہن کا لڑکا (عبدالکریم) اور ایک ماموں زاد بھائی کی دولڑکیاں چھوڑی ہیں۔ مرنے سے چار روز قبل اپنی کل جائیداد دیگر عزیزان اور وارثان کے سامنے زبانی ہبہ بھی عبدالکریم کو کردیا، اور کنجیاں وضروری کاغذات، بینک کی کتاب اور تمام اثاثۂ بیت سپرد کرکے قابض بنادیا۔ علاوہ ازیں قرضہ کی فہرست بھی لکھوادی اور وارثان کا خیال رکھنے کی بھی ہدایت اور وصیت کی۔

۳.....محبوب الرحمٰن نے بوقتِ سفرِ حج اپنے پاسپورٹ میں والدۂ عبدالکریم (طیبہ خاتون) کو اپنا وارث درج کرادیا تھا اور روانگیٔ حج سے قبل جملہ اختیارات بحیثیتِ مالکانہ طیبہ خاتون کو سپرد کرکے قابض بنادیا تھا اور طیبہ خاتون کا بھی اب انتقال ہوگیا ہے، ان کے صرف ایک لڑکا عبدالکریم ہی باقی ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہے۔

۴.....جائیداد محبوب الرحمٰن کے والد عبدالرحمٰن کی ذاتی خریدی ہوئی تھی جو پوری کی پوری محبوب الرحمٰن کو پہونچی تھی۔

۵.....ایسی صورت میں ترکہ تقسیم ہوگا یا فردِ واحد مالک ہوگا؟

شجرہ

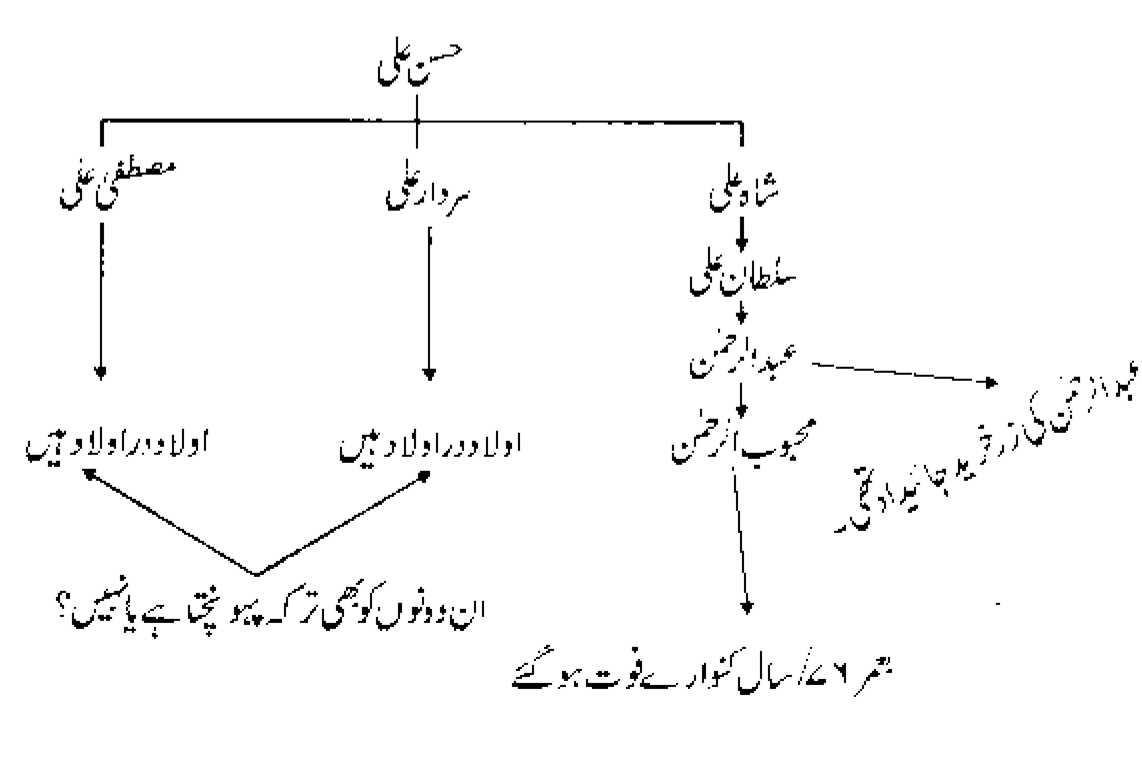

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کو جاتے وقت والدۂ عبدالکریم کو اپنا وارث درج کرایا تھا اور اختیارات سپرد کردئے تھے، اس کا حاصل تو یہ تھا کہ اگر اس سفر سے واپسی نہ ہوسکی تو والدۂ عبدالکریم کو میرا مال دیدیا جائے، یہ مطلب نہیں کہ فی الحال ہبہ کرکے ان کو مالک بنادیا، ورنہ واپسی پر خود قابض ومالک ہونے کا کوئی حق نہیں تھا، بلکہ والدۂ عبدالکریم کے بعد ان کے ورثاء کو وہ حق پہونچتا، اور محبوب الرحمٰن ان کے وارث نہیں، اس لئے اگر محبوب الرحمٰن نے مرض الموت میں زبانی ہبہ عبدالکریم کو کیا ہے اور قبضہ بھی کرادیا ہے تب بھی یہ وصیت کے حکم میں ہے، لہٰذا بعد ادائے دین وغیرہ ایک تہائی ترکہ کا مستحق باعتبارِ وصیت عبدالکریم ہے(۱)۔

بقیہ دو تہائی کے حقدار محبوب الرحمٰن کے والد (عبدالرحمٰن) کے دادا (شاہ علی) کے بھائیوں (سردار علی ومصطفیٰ علی) کی اولاد در اولاد میں جو قریب ترین مرد ہوں گے، وہ برابر کے حقدار ہوں گے(۲)، ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں مستحق نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) "وأما لو وهب وسلّم لغير الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة. وإن لم يخرج ولم تجز الورثة الهبة، فإنما تصح في ما يخرج من الثلث". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(۲) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة". (السراجي، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(وكذا في الشريفية شرح السراجية، ص: ۳۹، باب العصبات، سعيد)

(۳) چونکہ ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبہ کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے، لہٰذا ماموں زاد بھائی کی لڑکیاں مستحق نہیں ہیں:

"إنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن عصبة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۹، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام، رشيديه)

"هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبة، ولا يرث مع ذي سهم ولا عصبة". (الدرالمختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الارحام، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/۵۲۲، كتاب الفرائض، فصل في ذوي الأرحام، مكتبه غفارية كوئٹه)

الفصل الثانی فی مایتعلق بدَین المیت و أمانته

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

میت کے ذمہ قرض ہو تو اس کا حکم

سوال [۹۶۹۰]: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس حال میں کہ اس کے اوپر کافی قرض تھا، اس کی اولاد کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارا باپ فلاں کا مقروض تھا، اب قرض خواہ اپنا دیا ہوا قرض اس کی والدہ سے مانگتا ہے، تو اولاد نہ تو انکار ہی کرتی ہے اور نہ ہی اقرار۔ بتایا جائے کہ اس متوفی مقروض کا آخرت میں کیا حال ہوگا، نیز اولاد کا سب کچھ جانتے ہوئے کیا ہوگا؟ اور ان کی شرعی حیثیت اب کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض خواہ کے پاس اگر قرضہ کا شرعی ثبوت ہے، یا میت کی اولاد کو قرض کا علم ہے تو میت کے ترکہ سے اولاد کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، قرض ادا ہونے کے بعد جو کچھ بچے اس کے ایک تہائی سے میت کی وصیت پوری کی جائے اگر کوئی وصیت کی ہو(۱)۔ اس کے بعد ورثاء شرعی طریقہ پر یہ تقسیم کرنے کے حقدار ہوں گے، اس سے پہلے حقدار نہیں ہوں گے، اگر قرض ادا نہیں کریں گے تو ظالم ہوں گے(۲)۔

---

(۱) "ثم تقدم دیونه التی لها مطالبٌ من جهة العباد". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "هو ما کان ثابتًا بالبینة مطلقاً أو بإقرار، ثم تقدم وصیته من ثلث ما بقی، ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۶/۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفیما یتعلق بالترکة، رشیدیه)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "مطل الغنی ظلم".

(سنن أبی داؤد: ۲/۴۷۵، کتاب البیوع، باب فی المطل، دارالحدیث ملتان)

اگر میت نے کچھ نہیں چھوڑا تو ورثاء کے ذمہ اس قرض کا ادا کرنا ضروری نہیں، تاہم اگر اولاد کو اپنے والد کو آخرت کے مواخذہ سے بچانے کی فکر ہو تو اس کا قرض ادا کریں (۱)۔ اگر اتنا ترکہ چھوڑا جس سے قرضہ ادا کر دیا جائے تو آخرت میں اس میت کی پکڑ نہیں ہوگی، اگر اتنا ترکہ نہیں چھوڑا، پکڑ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۸۸ھ۔

---

(۱) "والمراد بالدین دینٌ له مطالب من جهة العباد .... فلا یلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصیٰ بها أو تبرعوا بها من عندهم". (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "نفس المؤمن معلّقة بدینه حتی یُقضی عنه". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۵۲، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانی، قدیمی)

"عن عبد الرحمن بن کعب بن مالک قال: کان معاذ بن جبل رضی الله تعالیٰ عنه شاباً سخیاً، وکان لا یمسک شیئاً، فلم یزل یدان حتی أغرق ماله کله فی الدَّین، فأتی النبی صلی الله علیه وسلم فکلّمه لیکلم غرماء ه، فلو ترکوا لأحد لترکوا لمعاذ، لأجل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فباع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لهم ماله حتی قام بغیر شیئ". (مشکوٰة المصابیح، المصدر السابق)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: أُتِیَ النبی صلی الله علیه وسلم بجنازة لیصلی علیها، فقال: "هل علیٰ صاحبکم دینٌ"؟ قالوا: نعم، قال: "هل ترک له من وفاء"؟ قالوا: لا، قال: "صلوا علی صاحبکم". قال علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه علیّ دینُه یا رسول الله!، فتقدم فصلی علیه". وفی روایة معناه: وقال: "فک الله رهانک کما فککتَ رهان أخیک المسلم، لیس من عبد مسلم یقضی عن أخیه دینه إلا فک الله رهانه یوم القیامة". (مشکوٰة المصابیح، المصدر السابق)

(وصحیح البخاری: ۱/۳۰۵، کتاب الحوالة، باب إذا حال دین المیت علی رجل، قدیمی)

قال الحافظ العینی رحمه الله تعالیٰ: "وقال بعض أهل العلم: یجب علی الإمام أن یقضی من بیت المال دَین الفقراء اقتداءً بالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فإنه قد صرح بوجوب ذلک علیه حیث =

قرضۂ میت کون ادا کرے؟

سوال [۹۶۹۱]: مرحوم کے قرض کا علم اس کی بیوی کو ہی ہے جس کا وہ قرض ہے، وہ اگر یہ کہے کہ میں اس بیوہ کے ہاتھ سے نہیں لوں گا، اگر اس کا بھائی وغیرہ کوئی دے تب لوں گا تو بیوہ ہی کو قرض ادا کرنا ضروری ہے یا بھائی بھی ادا کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض مرحوم کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، خواہ بیوہ ادا کرے خواہ بھائی، جس کے ہاتھ سے بھی ادا کر دیا جائے گا، مرحوم بری ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باپ کا قرض ادا کر کے اس کو میراث سے وصول کرنا

سوال [۹۶۹۲]: ایک شخص کے ذمہ قرض تھا، وہ قرض اس کے لڑکے نے ادا کیا۔ پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا، لہٰذا اس شخص نے اپنے مرنے پر وہی مکان جو اس قرض میں مکفول تھا جو اس کے لڑکے کے قرض ادا کرنے سے بری ہوا تھا ترکہ میں چھوڑا، اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنے وارث چھوڑے۔ تو کیا جبکہ متوفی مرحوم کا ترکہ لڑکا اور لڑکی میں تقسیم کیا جائے تو اس قرضہ ادا شدہ میں سے بھی لڑکی کے ذمہ بقدرِ حصہ ڈالا جاوے یا نہیں،

= قال: "فعليّ قضاءه". ولأن الميت المديون خاف أن يعذب في قبره علىٰ ذلك الدين، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الآن" حين بردت جلدته. وكما أن على الإمام أن يسد رمقه ويراعي مصلحته الدنيوية، فالأخروية أولى". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۱۲/۱۱۳، كتاب الحوالة، بابٌ: إذا حال دين الميت على رجل جاز، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مطالِبٌ من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي". (الدر المختار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتّبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه ...... ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله". (السراجي، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

جبکہ یہ صورت ہے کہ اگر وہ لڑکا قرضہ ادا نہ کرتا تو وہ مکان باقی نہیں رہ سکتا تھا اور وہ مکان قرض میں لگ جاتا اور ورثاء کو کسی طرح ترکہ نہ پہنچتا؟ بینوا وتوجروا۔

خواجہ عامر حسن، محلہ شاہ ولایت صاحب، سہارنپور، یکم/اگست/۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر باپ کے کہنے پر بطورِ قرض ادا کیا ہے یعنی مثلاً: باپ نے یہ کہا تھا کہ اتنا روپیہ میرے ذمہ فلاں شخص کا قرض ہے جس کے عوض میں میرا یہ مکان مکفول ہے تو یہ قرض میری طرف سے ادا کردے اور اتنا روپیہ بجائے اس شخص کے میرے ذمہ واجب ہے اور اب میں تیرا مقروض ہوں تب تو وہ روپیہ لڑکا باپ کے ترکہ سے وصول کرسکتا ہے، روپیہ کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے مقدم ہے، لڑکے کو حق ہے کہ پہلے اپنا قرضہ وصول کرلے اس کے بعد ترکہ تقسیم کرے (۱)۔

مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس روپیہ کے قرض ہونے کا شرعی ثبوت موجود ہو، یا ورثاء سب اس کو تسلیم کریں (۲)۔ اگر لڑکے نے بطورِ قرض وہ روپیہ باپ کی طرف سے نہیں ادا کیا، بلکہ محض تبرع اور احسان کیا ہے تو اب اس کو ترکہ سے وصول نہیں کرسکتا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال المکرّم/۵۸ھ۔

---

(۱) "ثم تقدم دیونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصیته من ثلث ما بقي، ثم یقسم الباقي بعد ذالک بین ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

"کفن الوارث المیت أو قضیٰ دینه من مال نفسه، فإنه یرجع ولا یکون متطوعاً".

(الدرالمختار: ۶/۷۱۷، ۷۱۸، کتاب الوصایا، فصل في شهادة الأوصیاء، سعید)

(وکذا في خلاصة الفتاوی: ۴/۴۴۰، کتاب الوصایا، الفصل السادس في تصرفات الوصي، رشیدیه)

(۲) "ثم تقدم دیونه ...... ویقدم دین الصحة". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "هو ما کان ثابتاً بالبینة مطلقاً، أو بالإقرار في حالة الصحة". (ردالمحتار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) "تنعقد الهبة بالإیجاب والقبول، وتتم بالقبض الکامل؛ لأنها من التبرعات: والتبرع لایتم إلا =

مرحوم کا قرضہ مسجد میں دینا

سوال [۹۶۹۳]: زید عمر سے قرض لیتا ہے اور کسی مجبوری کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پاتا، اب عمر مرجاتا ہے، اور کچھ دن بعد خود زید بھی مرجاتا ہے، اب زید کے ورثاء اس قرض کو ادا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ قرض کس کو ادا کیا جائے گا، کیا اس قرض کو مدرسہ، مسجد، یا مسجد کے کسی مکان میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کسی بیوہ، یتیم، محتاج کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے قرض لیا تھا، اس کے ورثاء کے ذمہ لازم ہے کہ مقدارِ قرض مرحوم کے ترکہ سے اس شخص کے ورثاء کو دیں جس سے قرض لیا تھا(۱)، کسی اور بیوہ، یتیم محتاج، مدرسہ، مسجد کو دینا کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۲/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

= بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

"من وهب لأصوله وفروعه ..... فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۲، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۷۰۴، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۳۸۵، كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، رشيديه)

(۱) "يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه ..... ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۵۳، ۵۵۴، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۵۳، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) مالِ متروکہ ورثاء کا حق ہوتا ہے، لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں:

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذن". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۰، =

میت پر دعوائے دَین

سوال [۹۶۹۴]: شخصے بر میت بعد از تقسیمِ ترکہ بین الورثاء، یا قبل از تقسیمِ آں دعوائے دَین می کند، ومتوفی در بابِ دین مذکور ہیچ اظہارے عند الموت نکردہ، ورثائے میت ہم عدمِ علمیتِ دَین را اظہار می کنند، ومدعی بینہ ودیگر کدام ثبوتے ندارد. پس درین حالت بر مدعی حلف خوردن لازم است یا بر ورثائے میت یا دعویٰ اوشان غیر مسموع است؟ از جواب جلد مشرف فرمایند. فقط.

(مولوی) محمد عثمان بلوچ، مہتمم مدرسہ احرار العلوم کراچی، ۲/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو أن رجلاً قدم رجلاً إلى القاضي، وقال: إن أباً هذا قد مات، ولي عليه ألف درهم دين .... وإن لم تكن للمدعي بينةٌ وأراد استحلاف هذا الوارث، يستحلف على العلم عند علمائنا رحمهم الله تعالى: "بالله ما تعلم أن لهذا على أبيك هذا المال الذي ادّعى وهو ألف درهم ولا شيئ منه""؟ فإن حلف انتهىٰ الأمر، وإن نكل يستوفي الدين من نصيبه. وفي الخانية: في ظاهر الرواية فإن كان هذا الوارث المدعي عليه أقرّ بالدين على الأب أو أنكر، فلما حلف نكل حتى صار مقراً بالدين، إلا أنه قال: لم يصل إليّ شيئ من تركة الأب، فإن صدقه المدعي في ذلك، فلا شيئ له، وإن كذبه وقال: لابل وصل إليه ألف درهم أو أكثر دراهم، وأراد أن يحلف يحلفه على البتات: "بالله ما وصل إليك من مال أبيك هذا الألف ولا شيئ منه"؟ فإن نكل لزمه القضاء، وإن حلف لاشيئ عليه، اهـ". فتاوی ہندیہ: ۳/ ۴۰۰، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون(۱)۔

= (رقم المادة: ۹۲)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷، کتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون في إثبات الوكالة والوراثة والدين، رشیدیہ) .... =

اگر میت در ترکہ مال گذاشتہ است، ومداعی بر دعوی خود بیّنہ نمی دارد، وورثاء اقرارِ دین نمی کند، پس مدعی را حق است کہ از ورثاء حلف ستاند، اگر حلف کنند دعوائے مدعی ساقط خواهد شد. واگر انکار کنند، دعویٰ لازم خواهد شد. والبسط فی الخانیة (١) والهندیة (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٥/٥/٥٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ٢٥/ جمادی الاولیٰ/٥٦ھ۔

ورثاء اور غرماء کے درمیان مصالحت

سوال [٥٩٦٩]: شامی، جلد چہارم، فصل فی التخارج میں ہے کہ جب ترکہ میں دین علی الناس ہو، تو

= (وكذا في الدر المختار: ٥/٥٨٥، كتاب الدعوى، باب دعوى النسب، سعيد)

(وكذا في جامع الفصولين: ٢/٣٨، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدّين في التركة، اسلامی کتب خانہ کراچی)

(١) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢/٤٢١، ٤٢٢، كتاب الدعوى، باب اليمين، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون في إثبات الوكالة والورثة والدين: ٢/٤٠٦، ٤٠٧، رشيديه)

ترجمہ سوال:

کوئی شخص ورثاء میں ترکہ تقسیم ہونے کے بعد، یا قبل تقسیم، میت پر دین کا دعوائے کرتا ہے اور مرحوم نے موت کے وقت اس کا کوئی اظہار بھی نہیں کیا، ورثاء بھی دین سے عدمِ علمیت کا اظہار کرتے ہیں اور مدعی گواہ وغیرہ کوئی ثبوت نہیں رکھتا، اس صورت میں مدعی پر حلف لازم ہے یا ورثائے میت پر، یا اس کا دعویٰ ہی نا قابلِ سماعت ہے؟ جواب سے جلد مشرف فرماویں۔ فقط۔

خلاصۂ جواب:

اگر میت نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے اور مدعی اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں رکھتا، اور ورثاء دین کا اقرار نہیں کرتے تو مدعی کو حق ہے کہ ورثاء سے حلف لیوے، اگر حلف کرلیں تو مدعی کا دعویٰ ساقط ہوجائے گا، اگر حلف سے انکار کریں تو دعویٰ لازم ہوجائے گا۔ فقط۔

صلح کے جائز ہونے کے چار حیلے ہیں، جن میں سے حیلۂ ثالثہ کو "احسن الحیل" لکھا ہے، حالانکہ جو ضرر حیلۂ ثانیہ میں ہے وہ بعینہ ثالثہ میں بھی ہے یعنی "النقد خيرٌ من النسيئة" (١)۔

تو اب ثالثہ کا ثانیہ سے احسن ہونا سمجھ میں نہیں آتا، لہذا بندہ کی رائے ناقص میں حیلۂ ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ "مُصالح کا حصہ، دَین سے تبرعاً پورا کردیں اور اس کے حصہ میں غرماء پر رجوع نہ کریں" غالباً اسی لئے حیلہ ثانیہ میں "وأحالهم بحصته" پر محشی لکھتے ہیں: "لا محل لهذه الجملة ههنا" (٢) پس اس حیلہ میں دو ضرر ہیں: ایک وہی جو حیلۂ اُولیٰ میں ہے اور دوسرا "النقد خيرٌ من النسيئة" (٣) یعنی مُصالح کو حصہ نقد مل گیا اور باقی ورثاء کو ان کا حصہ نسیئہ ملے گا اور ثالثہ میں صرف "النقد خيرٌ من النسيئة" (٤) کا ضرر ہے، یعنی مُصالح کو قرض فی الحال دیتے ہیں اور اس قرض کو، نیز اپنے حصہ کو غرماء سے نسیئہ وصول کریں گے۔

حیلۂ اُولیٰ میں بھی اگرچہ ایک ہی ضرر ہے، مگر وہ ثالثہ کے ضرر سے زیادہ ہے، اور ثانیہ میں دو ضرر ہیں، لہذا ثالثہ أحسن الحيل ہوا، اور رابعہ میں کوئی ضرر نہیں۔

مگر ایک اعتراض اب بھی باقی ہے، وہ یہ کہ مُصالح بہر صورت صلح تو دین کے سوا باقی ترکہ پر کرتا ہے تو حیلۂ اُولیٰ میں ورثاء اپنا حصہ قرض پورا لیتے ہیں اور مُصالح اپنے حصہ سے غرماء کو بری کرتا ہے تو اس میں ضرر مُصالح کا ہے نہ کہ ورثاء کا، بعینہ یہی ضررِ مُصالح ثانیہ ورابعہ میں بھی ہے کہ وہ اپنا حصۂ دین وصول نہیں کرتا، مگر

---

(١) "وبطل الصلح إن أخرج أحد الورثة وفي التركة ديون بشرط أن تكون الديون لبقيتهم؛ لأن تمليك الدين من غير مَن عليه الدين باطلٌ. ثم ذكر لصحته حِيَلاً، فقال: وصح لو شرطوا إبراء الغرماء منه: أي من حصته؛ لأنه تمليك الدين ممن عليه، فيسقط قدر نصيبه عن الغرماء، أو قضوا نصيب المُصالح منه تبرعاً منهم وأحالهم بحصته، أو أقرضوه قدر حصته منه وصالحوه عن غيرهم بما يصلح بدلاً وأحالهم بالقرض على الغرماء وقبلوا الحوالة، وهذه أحسن الحيل، ابن كمال. والأوجه أن يبيعوه كفًا من تمر أو نحوه بقدر الدين، ثم يحيلهم على الغرماء". (الدرالمختار: ٦٤٢/٥، ٦٤٣، كتاب الصلح، فصل في التخارج، سعيد)

(٢) (ردالمحتار: ٦٤٣/٥، كتاب الصلح، فصل في التخارج، سعيد)

(٣) وہ ہے تمليك الدين من غير من عليه الدين اور یہ باطل ہے، شامی بحوالہ بالا۔

(٤) بحواله بالا.

ثانیہ میں ورثاء کا بھی ضرر ہے، یعنی "النقد خیر من النسیئة" اور یہی ضرر ورثاء، ثالثہ میں بھی ہے۔

غرضیکہ اُولیٰ ورابعہ میں صرف مصالح کا ضرر ہے اور ثالثہ میں صرف ورثاء کا اور ثانیہ میں جانبین کا، پس ثانیہ احسن الحیل ہونا چاہیئے لیتحقق المساوات۔ آنجناب اپنی تحقیقِ عمیق کے فیصلے سے مطلع فرماویں۔

فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حیلۂ ثالثہ کا "احسن الحیل" ہونا صاحب درمختار نے ابن کمال سے نقل کیا ہے، لیکن سکب الأنہر: ۲/۳۱۹، میں اس کے احسن ہونے پر اشکال بھی کیا ہے: "قلت: ولایخلو أیضًا عن ضرر التقدیم" (۱)۔

اسی اشکال کو شامی نے حیلۂ رابعہ کے اُوجہ ہونے کی وجہ سے پیش کیا ہے: "(قوله: والأوجه)؛ لأن فی الأخیرة لایخلوا عن ضرر التقدیم فی وصول ماله، ابن ملك، اهـ". شامی: ٤/٦٦٤ (۲)۔

نیز علامہ زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، مگر زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُولیٰ اور ثانیہ سے ثالثہ کے اُوجہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے:

"وإن شرطوا أن یبرأ الغرماء منه: أی من الدَّین، صح؛ لأنه إسقاطٌ أوتملیكٌ للدین ممن علیه الدین، وکل ذلك جائز. وقال صاحب الهدایة: وهذه حیلة الجواز، وأخری: أی حیلة أخری: أن یعجلوا قضاء نصیبه متبرعین. ثم قال: فی الوجهین ضرر بقیة الورثة، والأوجه أن یقرضوا المُصالح مقدار نصیبه ویصالحوا عما وراء الدین، ویحیلهم علی استیفاء نصیبه من الغرماء، وهذا فی الوجهین ظاهر؛ لأنهم إذا أعطوا المُصالح شیئًا بمقابلة الدین أو قدر الدین ولم یحصل لهم الدین، فقد حصل لهم ضرر دنیوی، ولیس فی الصورة الثالثة مثل ذلك من الضرر؛ لأنهم وإن خرج منهم قدر الدین لکن حصل لهم الدین بمقابلته، فانتفی عنهم إلا ضرر النقد،

---

(۱) (الدر المنتقی شرح الملتقی المعروف بسکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۴۰، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدین، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) (ردالمحتار: ۵/۶۴۳، کتاب الصلح، فصل فی التخارج، سعید)

فإن العين خيرٌ من الدين، اهـ". زيلعي: ۵/۵۱(۱)۔

اس کے بعد حیلۂ رابعہ کو اوجہ کہا ہے اور "وأحالهم بحصته" سے صاحب الدرر پر رد مقصود ہے:

"(قوله: وأحالهم بحصته) ذكره رداً علىٰ صاحب الدرر، وتبعه المصنف حيث قالا: ولا يخفى فيه: أي هذا الوجه من الضرر ببقية الورثة، ولكنه لايرجع عليهم بما أحالهم به، فيكون الضرر عليهم مرتين، اهـ". طحطاوى، ص: ۳٦٠(۲)۔

حیلۂ ثانیہ میں جو ضرر ہے، اس میں فقہاء کی عبارتیں دو طرح کی ملتی ہیں: ایک: "النقد خيرٌ من النسية". دوسری: "عدم رجوع الورثة على الغرماء" چنانچہ تکملۂ فتح القدير میں ہے(۳)۔ اور حاشیہ عنایہ شرح ہدایہ: ۷/۵٤ میں اسی کو حق کہا ہے(۴)، کفایہ میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی

---

(۱) (تبيين الحقائق للزيلعي رحمة الله تعالىٰ عليه: ۵/۵۱۱، ۵۱۲، كتاب الصلح، باب الصلح في الدين، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار: ۳/۳٦٠، كتاب الصلح، فصل في التخارج، دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت)

(۳) "وإذا كان في التركة دَينٌ على الناس، فأدخلوه في الصلح على أن يخرجوا المصالح عنه ويكون الدين لهم، فالصلح باطل؛ لأن فيه تمليك الدين من غير مَن عليه، وهو حصة المصالح. وإن شرطوا أن يبرأ الغرماء منه ولا يرجع عليهم بنصيب المصالح فالصلح جائز؛ لأنه إسقاط وهو تمليك الدين ممن عليه الدين .... وأخرىٰ: أن يعجلوا قضاء نصيبه متبرعين، وفي الوجهين ضرر ببقية الورثة". (فتح القدير: ۸/۴۴۲، كتاب الصلح، فصل في التخارج، رشيديه)

(۴) "(قوله: وفي الوجهين ضرر بقية الورثة) لعدم رجوعهم على الغرماء، كذا في الكفاية وشرح تاج الشريعة. وقالوا .... أما في الوجه الأول: فإن بقية الورثة لايمكنهم الرجوع على الغرماء، وفي الوجه الثاني لزوم النقد عليهم بمقابلة الدين الذي هو نسيئة، والنقد خيرٌ من النسيئة، انتهى. وقال بعض الفضلاء بعد نقل المعنىٰ الأول عن الكفاية: وهذا هو الحق، لاما في سائر الشروح من لزوم الـ... بالنسيئة في الصورة الثانية إذ لانسيئة عند التبرع، فليتأمل، انتهى". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۸/۴۴۲، كتاب الصلح، فصل في التخارج، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

وجہ بیان کی ہے۔"إذلا نسیئة عند التبرع"(۱)۔ اور علت اُولیٰ کے متعلق حاشیۂ عنایہ میں ہے:"أقول فیه بحث"(۲)۔

اس تقدیر پر حیلۂ اُولیٰ وثانیہ ہر دو میں ورثاء کو حصۂ مُصالح میں غرماء پر رجوع کا حق نہیں ہوگا، اور ثانیہ میں مزید براں یہ کہ مُصالح کا حصۂ دین اپنے پاس سے تبرعاً دینا ہوگا، البتہ مصالح کے حق میں ثانیہ احسن ہے اُولیٰ سے کیونکہ اُولیٰ میں مصالح کو کچھ حصہ دین نہیں ملتا اور ثانیہ میں بقیہ ورثاء سے مل جاتا ہے اور حیلۂ ثالثہ میں بقیہ ورثاء کو بعوضِ قرض مصالح غرماء پر رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ بدلِ قرض کے مستحق ہوجاتے ہیں تو گو مُصالح کا حصہ دین اور اپنا حصہ دین سب کچھ غرماء سے وصول کرتے ہیں، کوئی حق مالی فوت نہیں ہوتا، صرف وصولیابی میں تاخیر ہوتی ہے اور اتنی بات میں ثالثہ ورابعہ ہر دو شریک ہیں، پھر رابعہ کے اَوجہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ "والأوجه: أی الأیسر والأخف، اهـ". ط(۳)۔

الحاصل: اُولیٰ میں حصۂ دینِ مصالح غرماء سے قطعاً ساقط ہے اور بقیہ ورثاء کو بھی اس میں رجوع علی

---

(۱) "(قوله: وفی الوجهین ضرر بقیة الورثة) لعدم رجوعهم علی الغرماء، كذا في الكفاية وشرح تاج الشريعة. وقالوا .... أما في الوجه الأول: فإن بقية الورثة لايمكنهم الرجوع على الغرماء، وفي الوجه الثاني لزوم النقد عليهم بمقابلة الدين الذي هو نسيئة، والنقد خيرٌ من النسيئة، انتهى. وقال بعض الفضلاء بعد نقل المعنىٰ الأول عن الكفاية: وهذا هو الحق لاما في سائر الشروح من لزوم النقد بالنسيئة في الصورة الثانية إذ لانسيئة عند التبرع، فليتأمل، انتهى". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴۴۲/۸، كتاب الصلح، فصل في التخارج، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "أقول: وفيه بحث؛ لأن ماذكره إنما يفيد ثبوت الفائدة للغرماء لا لبقية الورثة، فإن قيل: إذا لم يبق للمصالح على الغرماء حق يسهل للغرماء أداء حصص بقية الورثة، فيحصل من هذه الجهة فائدة لبقية الورثة .... قلنا: إن حصل لهم فائدة من تلك الجهة، يحصل لهم الضرر من جهة أن حصة المصالح لا تصير لهم". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۴۴۲/۸، كتاب الصلح، فصل في التخارج، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۳۶۰/۳، كتاب الصلح، فصل في التخارج، دارالمعرفه،بيروت)

الغرماء کا حق نہیں، البتہ اپنا حصۂ دین پورا لیں گے، اس میں مصالح کا نقصان ظاہر ہے۔ ثانیہ میں مُصالح اپنا حصۂ دین پورا بقیہ ورثاء سے وصول کر لے گا اور ورثاء اس میں رجوع علی الغرماء نہیں کریں گے، کیونکہ انہوں نے مُصالح کے ساتھ غرماء کے ساتھ تبرع کیا ہے، اس میں ورثاء کا نقصان ظاہر ہے۔ ثالثہ میں مصالح کو بھی حصہ دین مل جاتا ہے اور بقیہ ورثاء کے پاس سے بھی کچھ مفت خرچ نہیں ہوا، بلکہ جو کچھ دیتے ہیں وہ قرض ہے جس کو بذریعۂ حوالہ غرماء سے وصول کرلیں گے، اگر نقصان ہے تو صرف نسیئہ کا ہے اور یہ اہون ہے، لہذا یہ احسن الحیل ہوا (۱)۔

رابعہ میں رجوع علی الغرماء کی وجہ سے نسیئہ ضرور ہے جیسا کہ ثالثہ میں تھا، لیکن بیع ہونے کی وجہ سے قرض کے معاملہ سے نجات ہے اور حق نہ مُصالح کا ضائع ہوتا ہے، نہ بقیہ ورثاء کا، اس لئے یہ اَوجہ ہے۔ هذا ماعندی واللّٰہ أعلم بحقیقة الحال۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/محرم/۶۶ھ۔

---

(۱) "وصح لو شرطوا إبراء الغرماء منه: أی من حصته؛ لأنه تمليک الدين ممن عليه الدين، فيسقط قدر نصيبه عن الغرماء، أو قضوا نصيب المصالح منه: أی الدين تبرعاً منهم وأحالهم بحصته، أو أقرضوا قدر حصته منه: أی الدين تبرعاً منهم وأحالهم بحصته، أو أقرضوا قدر حصته منه وصالحوه عن غيرهم بما يصلح بدلاً وأحالهم بالقرض على الغرماء وقبلوا الحوالة، وهذه أحسن الحيل. والأوجه أن يبيعوا كفاً من تمر أو نحوه بقدر الدين، ثم يحيلهم على الغرماء". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "لأن في الأولیٰ ضرر للورثة، حيث لايمكنهم الرجوع على الغرماء بقدر نصيب المُصالح، وكذا في الثانية؛ لأن النقد خيرٌ من النسيئة". (الدرالمختار: ۲۴۳/۵، كتاب الصلح، فصل في التخارج، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: "(وإن شرطوا أن يبرأ الغرماء منه): أی من الدين (صح)؛ لأنه إسقاط أو تمليک للدين ممن عليه الدين، وكل ذلک جائز. وقال صاحب الهداية: وهذه حيلة الجواز، وأخرى: أی حيلة أخرى أن يعجلو قضاء نصيبه متبرعين، ثم قال: وفي الوجهين ضرر ببقية الورثة. والأوجه أن يقرضوا المصالح مقدار نصيبه ويصالحوا عمّا وراء الدين ويحيلهم على استيفاء نصيبه من الغرماء، وهذ =

ورثاء اور غرماء کی مصالحت پر اشکال

سوال[۹۶۹۶]: میت کا دین ہو کسی پر تو جواز صلح کے حیل اربعہ میں سے تیسرے حیلہ کا احسن الحیل ہونا سمجھ میں آ گیا، مگر رابعہ کا اَوجہ بمعنیٰ ''ایسر ہونا'' سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ اس میں مصالح کا ضرر ظاہر ہے، ثالثہ میں تو مُصالح اپنا حصۂ قرض پورا وصول کر لیتا ہے، رابعہ میں صرف ایک مشت کھجور کے بدلہ میں اپنا دین ان کے حوالہ کرتا ہے اور اسے بالکل کچھ نہیں ملتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اوجہ اگر بمعنیٰ "أنفع للمُصالح" ہوتا تب بھی حیلۂ اُولیٰ کے مقابلہ میں صحیح ہوتا، اگرچہ ثانیہ وثالثہ کے مقابلہ میں صحیح نہ ہوتا، لیکن یہ اَوجہ بمعنیٰ "الأیسر والأخف فی حق الورثة" ہے، وھذا ظاهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دینِ مہر مقدم ہے میراث کی تقسیم پر

سوال [۹۶۹۷]: مسمی محمد یٰسین مرحوم متوفی کے ایک لڑکا دو لڑکیاں: ایک بالغہ ایک نابالغہ، ایک زوجہ وارث ہیں، لیکن زوجہ بعوضِ دینِ مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ کی دعویدار ہے اور ترکہ متوفی پانچ ہزار سے بہت کم ہے۔ تو اس صورت میں ترکۂ متوفی تمام زوجہ کو بعوض دین مہر دیا جائے گا، یا جمیع ورثاء میں تقسیم ہوگا، اگر تقسیم ہوگا

= الوجهين ظاهر؛ لأنهم إذا أعطوا المصالح شيئًا بمقابلة الدين أو قدر الدين ولم يحصل لهم الدين، فقد حصل لهم ضرر دنيوى، وليس فى الصورة الثالثة مثل ذلك من الضرر؛ لأنهم وإن خرج منهم قدر الدين، لكن حصل لهم الدين بمقابلته، فانتفىٰ عنهم الضرر إلاضرر النقد، فإن العين خيرٌ من الدين. والأوجه منه أن يبيعوه كفاً من تمر أونحوه بقدر الدين، ثم يحيلهم على الغرماء أو يحيلهم ابتداءً من غير بيع شئ ليقبضوه له، ثم يأخذ لأنفسهم". (تبيين الحقائق: ۵/۵۱۲، كتاب الصلح، باب الصلح فى الدين، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "والأوجه: أى الأيسر لهم والأخف". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۳/۳۶۰، كتاب الصلح، فصل فى التخارج، دار المعرفة بيروت لبنان)

تو شرعاً ہر وارث کو کس قدر پہونچے گا؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔

سعید احمد از گنگوہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں متوفی کا کل ترکہ زوجہ کو بعوضِ دینِ مہر دیا جائے گا اور ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ قرضہ کی ادائیگی شرعاً ورثاء کے حق پر مقدم ہے:

في السراجي، ص:۳: "قال علمائنا رحمهم الله تعالى: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم نفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته، الخ"(۱)۔

بشرطیکہ زوجہ نے معاف نہ کیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۲ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ، صدر المدرسین۔

صحیح: سعید احمد، صدر مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی۔

ودیعت کا روپیہ وفاتِ مودع پر اس کی مرضی کے خلاف صرف کرنا

سوال [۹۶۹۸]: زید نے اپنی ضرورت کے لئے اپنے ایک عزیز مثلاً جمال سے کچھ قرض مانگا، جمال نے کہا کہ میری والدہ کا روپیہ ایک صاحب کے پاس رکھا ہوا ہے جو میری معرفت ہی امانت رکھوایا تھا، وہ میں تم کو دلائے دیتا ہوں اس کو تم خرچ کرلو، جب ضرورت ہوگی تم ادا کر دینا۔ اس طرح جمال اور جمال کے بھائی کمال نے وہ روپیہ زید کو دیدیا اور زید نے اس کو اپنی ضرورت میں خرچ کرلیا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد جمال وکمال کی والدہ نے اور جمال کے بڑے بھائی عقیل نے زید سے کہا

---

(۱) (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳ سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

کہ جو روپیہ جمال نے تم کو دیا ہے وہ تم اپنے پاس رکھنا، اور جب ہماری پوتی و بھتیجی (ہندہ) جو یتیم ہے اس کا عقد ہو جائے تو اس بھتیجی کو دیدینا، ہم میں سے کسی کو نہ دینا۔

اس گفتگو کے بعد جمال کی والدہ کا انتقال ہو گیا (جن کا روپیہ تھا) اور عقیل صاحب پاکستان چلے گئے، ان سے زید کی کوئی خط و کتابت بھی نہیں رہی، اور عقیل صاحب بہت بیمار وغیرہ سنے گئے۔ جمال کے چھوٹے بھائی کمال سے زید کی سخت مخالفت ہو گئی، یہاں تک کہ کمال نے زید سے ملنا اور گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کیا اور سخت ناراض ہو گیا۔

اب جمال اور کمال اور عقیل کی بھتیجی کا نکاح ہونے لگا تو اس ہندہ لڑکی کی والدہ جمال و کمال کی بھاوج کا خط زید کے پاس ایک عزیز کی معرفت آیا کہ جو روپیہ تمہارے پاس ہندہ کی دادی نے رکھوایا تھا وہ اس وقت دیدو تاکہ ہندہ کا نکاح کر دیا جائے اور ضروری کاموں میں خرچ ہو سکے۔

زید نے ان عزیز کو یہ جواب دیدیا کہ ہندہ کی والدہ سے کہا کہ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ نکاح کے بعد دینا۔ ہندہ کے چچا جمال نے جنھوں نے یہ روپیہ زید کو ابتداء دیا تھا، زید سے کہا کہ وہ روپیہ اس وقت دیدو، میں ہی ہندہ کا نکاح کر رہا ہوں۔ زید نے یہ سوچ کر کہ جمال ہی کی معرفت یہ روپیہ میرے پاس آیا تھا، اور جمال ہی اس لڑکی کا ولی بھی ہے، روپیہ کی اصل مالکہ والدۂ جمال کا انتقال ہو چکا، ان کے دوسرے بیٹوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے جو ان سے معلوم کر سکوں، ادھر لڑکی کی والدہ بھی اس وقت روپیہ لینا چاہتی ہے اور چچا بھی کہہ رہے ہیں اس لئے زید نے وہ روپیہ جمال کو واپس کر دیا۔

اب ہندہ کا شوہر زید کو پریشان کرتا ہے کہ تم نے وہ روپیہ جمال کو کیوں واپس کیا، وہ تو بعد نکاح ہندہ کو دینا چاہیئے تھا، تم ذمہ دار تھے تم روپیہ مجھے دیدو۔ زید نے کہا کہ جن لوگوں نے میرے پاس روپیہ رکھا تھا ان کے مانگنے پر میں نے واپس کر دیا۔ ہندہ کا شوہر کہنے لگا کہ ہندہ کی والدہ نے کوئی پرچہ نہیں لکھا تھا کہ تم روپیہ واپس کر دو، لڑکی کے چچا جمال نے دھوکہ سے ان کی طرف سے پرچہ لکھ کر بھجوایا تھا۔

زید نے کہا کہ مجھے یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ پرچہ جعلی بنا کر بھیجا گیا ہے کہ لڑکی کی والدہ اور اس کے چچا جمال جب دونوں اسی وقت روپیہ واپس لینا چاہتے ہیں تو مجھے کیا حق ہے، اصل مالک روپیہ کا زندہ نہیں ہے جو ان سے رائے لیتا، ان کے دو لڑکوں سے معلوم نہیں کر سکتا تھا، اس نے جمال ہی کے کہنے سے اور لڑکی کی والدہ کی

رضامندی سمجھ کر روپیہ واپس کردیا۔

ہندہ کے شوہر نے اوراس کے ہمدردوں نے زید کے ساتھ زیادہ سختی کی، اس کی ایک کافی قیمتی چیز چرا کرلے گئے اور یہ کہا کہ جب تم روپیہ دیدوگے تو یہ چیز ملے گی، تم پر ذمہ داری یہ تھی کہ نکاح کے بعد لڑکی کو روپیہ دیتے، جمال کو روپیہ کیوں دیدیا؟ اگر ایسی حالت میں میرے اوپر اس رقم کی لڑکی ہندہ کو دوبارہ ادائیگی ضروری ہوگی تو میں وہ رقم ادا کردوں گا، اس وقت میری چیز واپس کردو۔

دریافت طلب یہ ہے کہ ان حالات میں کیا زید پر یہ واجب ہے کہ وہ رقم جو جمال وغیرہ نے زید کو دی تھی اور زید نے جمال کو واپس کردی، اب زید وہ رقم اپنے پاس سے دوبارہ ہندہ کو ادا کرے؟ جو حکم ہو مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندہ کا شوہر اس روپیہ سے بالکل بے تعلق ہے اس کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، اس نے زید کی جو چیز چوری کرکے رکھ لی ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے (۱)۔ اگر ہندہ اس پر رضامند تھی کہ اس کے چچا نے وہ روپیہ اس کی شادی کی ضروریات میں صرف کردیا تو اب زید کے ذمہ دوبارہ وہ روپیہ ہندہ کو دینا لازم نہیں (۲)۔ زید نے بھی غلطی کی کہ اصل مالک ہندہ کی دادی کی ہدایت پر عمل نہیں کیا اور شادی سے قبل روپیہ ہندہ کے چچا کو دیدیا، اس کو چاہیئے تھا کہ نہ چچا کو دیتا نہ والدہ کو، بلکہ شادی کے بعد براہ راست ہندہ کو دیتا۔ اب اگر ہندہ اس پر رضامند

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"أكل المال بالباطل على وجهين: أحدهما أخذه على وجه الظلم والسرقة والخيانة والغصب وما جرى مجراه، والآخر من جهة المحظور .... وقد انتظمت الآية حظر الأكل من هذه الوجوه كلها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۴۴، قديمي)

(۲) "أجنبيٌّ أنفق على بعض الورثة فقال: أنفقت بأمر الموصي وأقرّ به الوصيُّ ولا يعلم ذلك إلا بقول الوصي بعد ما أنفق، يُقبل قول الوصي .... وفيه: قال: أنفقْ عليّ أو على عيالي أو على أولادي، ففعل، قيل: يرجع بلا شرطه، وقيل: لا. ولو قضىٰ دينه بأمر، رجع بلا شرطه، وكذا كل ما كان مطالَباً به من جهة العباد". (الدر المختار: ۳/۳۱۷، ۳۱۸، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في أمر غيره بالإنفاق، سعيد)

نہیں کہ جورو پیہ اس کی دادی نے اس کے لئے تجویز کیا تھا وہ اس کی شادی میں صرف ہوگیا اور وہ مطالبہ کرتی ہے تو زید ہندہ کو روپیہ دیدے (۱) اور جو روپیہ اس کے چچا اور والدہ کو دیا تھا وہ ان سے واپس لے لے (۲)۔

یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ ہندہ کی دادی نے اس روپیہ سے اپنی ملک ختم کر کے ہندہ کو اس کا مالک بنا کر زید کے پاس بطورِ امانت رکھا اور زید کو امین قرار دیا ہو، لیکن صورتِ واقعہ میں ایسا نہیں معلوم ہوتا، بلکہ زید مقروض ہے، ہندہ کی دادی کا اور قرض کی ادائیگی کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ ہندہ کی شادی کے بعد اس کو دیدیا جائے، پھر دادی کا انتقال ہوگیا تو وہ روپیہ سب دادی کا ترکہ بن گیا جس میں شرعی وراثت جاری ہوگی (۳) اور ورثاء میں جب لڑکا موجود ہے تو پوتی کا کوئی حق نہیں (۴)، وہ جمال اور اس کے بھائی بہن کا حق ہے، ہندہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ ہندہ کی والدہ کا نہ ہندہ کے شوہر کا (۵)۔ اگر جمال کی کوئی بہن نہیں تو سب

---

(۱) "(وصح ضمان الولي مهرها ولو) المرأة (صغيرةً) ولو عاقدا؛ لأنه سفير". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله : وصح ضمان الولي مهرها): أي سواء كان ولي الزوج أو الزوجة، صغيرين كانا أو كبيرين، أما ضمان ولي الكبير .... منها فظاهر؛ لأنه كالأجنبيّ. ثم إن كان بأمره، رجع، وإلا لا". (ردالمحتار: ۳/۱۴۰، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في ضمان الولي المهر،سعيد)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۳) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(۴) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالميراث جزء الميت: أي البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

(۵) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيديه)

بھائیوں کو برابر ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۸ھ۔

میت کی امانت ورثاء کو دی جائے

سوال[۹۲۹۹]: ۲۴، ۲۵/ سال کی عمر کا لڑکا اپنے باپ سے خفا ہو کر اپنے چچا کے یہاں رہنے لگا اور مرتے وقت اپنے دوست کے پاس چھ روپیہ امانت چھوڑ گیا، امانت رکھنے والے کے والد اور دو بھائی موجود ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میرا لڑکا تمہارے پاس مبلغ تیس روپے نقد چھوڑ کر مرا ہے اور یہ روپیہ میرے حوالہ کرو، جس کے پاس امانت رکھی تھی وہ روپیہ دینے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ اگر اقرار کریں تو تیس روپے دینے پڑیں گے۔ اگر امانت رکھنے والا مبلغ چھ روپے سے پوشیدہ کسی مدرسہ کے اسباب میں لگا دیں تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوگا یا نہیں، اگر یہ روپیہ مدرسہ میں دینے سے ادا نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس چھ روپے کا مدرسہ میں دینا، یا اور کسی کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بلکہ مرنے والے کے ورثاء کو دینا ضروری ہے(۲)، اگر وہ تیس روپے کا دعویٰ کرے تو ثبوت پیش کرے، بغیر ثبوت کے تیس روپیہ کا دعویٰ شرعاً معتبر نہیں اور نہ اس کے ذمہ دینا ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) بھائی چونکہ عصبہ ہیں اس لئے ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ تمام ترکہ کے مستحق ہیں:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له إلفرض".

(تبيين الحقائق: ۲۸۵/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلىٰ أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱/۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في خطبته: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي: ۲۴۹/۱، أبواب =

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

اگر اقرار میں اندیشہ ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اتنی رقم ان کو کسی طرح دے دی جائے، اطلاع کی ضرورت نہیں ہے(۱)۔ باقی جوابات صحیح ہیں۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

میت کا مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہو گیا

سوال [۹۷۰۰]: قمر الدین کے یہاں ایک لڑکا، دوسری لڑکی تھی، لڑکی کی شادی کرنے کے بعد سامانِ جہیز دیکر رخصت کیا۔ محمد عمر کی شادی قمر الدین نے کی، لیکن بچپن میں ہی عمر کی بیوی کا انتقال ہوا۔ قمر الدین کے انتقال کے بعد محمد عمر کا نکاح ماموں صاحب نے کیا، اس بیوی کے دو بچے پیدا ہوئے، لڑکی کا انتقال ہو گیا، لڑکا حیات ہے، لیکن چار سال کا تھا کہ اس کے والد محمد عمر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی پھوپھی مع سامان کے لڑکے اصغر کو اپنے گھر لے گئی اور پرورش کرنے پر اپنی پوتی سے نکاح کر دیا اور پانچ چار سال لڑکی نکاح میں رہی، اس کے بعد لڑکی کے باپ نے کچھ تہمت یا الزامات لگا کر لڑکی کو آزاد یا طلاق حاصل کر لی ہے، لیکن بیوی کی زبانی معلوم ہوا کہ جو مہر بندھی تھی وہ لڑکی کے سامنے رکھا تو لڑکی نے بخوشی واپس لوٹا کر معاف کر دیا۔

اور اب رہا سامان و مکانات کا معاملہ یہ ہے کہ قمر الدین اور فرزند محمد عمر کی یہ میراث تھی، لیکن حیات اصغر کو پھوپھی صاحبہ تمام سامان گھر کا لے کر اپنے سسرال چلی گئی اور مکان مسجد کو دیدیا، جب کہ اصغر جوان ہو گیا تھا اور اس شرط پر دیا کہ میرا حق ہے، تم بھی اپنا حق دو۔ اب مکان میں اور سامان میں وہ حقدار ہے یا نہیں؟ اگر حقدار

= الأحكام، باب في أن البينة على المدعي، سعيد)

(۱) واجب الأداء حقوق کے ادا کرنے میں دلی نیت کا اعتبار ہوتا ہے:

"نوى الزكاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز في الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان".

(الدر المختار: ۶/۷۳۳، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۷۰، رشيديه)

ہے تو وہ اپنا سامان پھوپھی سے لے سکتا ہے اور مکان بھی لے سکتا ہے؟ آیا پھوپھی کو بھی کچھ حق پہونچے گا یا نہیں، اگر پہونچے تو اس کا طریقۂ تقسیم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب شوہر نے مہر کا روپیہ ادا کرنے کے لئے بیوی کے سامنے رکھ دیا اور بیوی نے بخوشی وہ روپیہ شوہر کو دیدیا اور دونوں کو اس کا اقرار ہے تو مہر ادا ہو گیا (۱)۔ قمرالدین کے انتقال پر لڑکی اور لڑکا محمد عمر دونوں وارث ہیں، لڑکی کا اکہرا حصہ ہے اور لڑکے محمد عمر کا دوہرا حصہ ہے (۲)۔ محمد عمر کے انتقال پر اسی شرح کے ساتھ لڑکا (اصغر) اور لڑکی دونوں وارث ہیں، پھوپھی کو قمرالدین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا وہ اس میں حقدار نہیں (۳) اگرچہ اپنے والد کے ترکہ میں حقدار ہے۔ پھوپھی صاحبہ نے بچہ کی پرورش کی بہت اچھا کیا، ان کو اجر ملے گا، لیکن قمرالدین اور محمد عمر کی متروکہ جائیداد، روپیہ، مکان، سامان کسی چیز میں بھی ان کو تصرف مالکانہ کرنے کا حق نہیں (۴)۔

---

(۱) "للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق .... و ليس لأحد من أوليائها أبٍ ولا غيره الاعتراض عليها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۱٦، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

"التخلية رفع الموانع بأن يضع المال بين يدى المولىٰ بحيث لو مد يده أخذه، فحينئذ يحكم القاضي بأنه قبضه، وكذا في ثمن المبيع وبدل الإجارة". (رد المحتار، كتاب العتق، باب العتق على جعل بالضم ويفتح، المال: ۳/٦٧٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴/۴۴۳، كتاب العتق، باب العتق على جعل، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) واضح رہے کہ جب میت کی اولاد موجود ہو تو "اخت" یعنی میت کی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا:

"ويسقط بنو الأعيان و هم الإخوة لأبوين بالابن وابنه وبالأب وفي الجد خلاف". (الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/۴۵۳، كتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي) ....

محض ان کے مکان مسجد میں دینے سے وہ مکان مسجد کا نہیں ہوا(۱)، ہاں! اگر اصغر نے بالغ ہونے کے بعد بخوشی مسجد میں دیا ہے تو وہ مسجد کا ہو گیا۔

اصغر کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے باپ دادا کا پورا سامان پھوپھی صاحبہ سے واپس لے لے، مگر چونکہ پھوپھی صاحبہ نے اس کی پرورش کی شادی کی، اس لئے ان کے احسان کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، ان کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آئے اور اپنی وسعت کے موافق مالی خدمت بھی کرتا رہے، ویسے بھی پھوپھی صاحبہ کا رشتہ ایسا ہے کہ ان کی خدمت کرتے رہنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهيه، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ومن شرائطه (أي شرائط الوقف): الملك وقت الوقف حتى لوغصب أرضاً، فوقفها، ثم ملكها، لايكون وقفاً". (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۶۷، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

"رجلٌ وقف أرضاً لرجل آخر في برّ سماه، ثم ملك الأرض، لم يجز، وإن أجاز المالك، جاز عندنا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۵۳، كتاب الوقف، الباب الأول، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان، وإيتاء ذي القربىٰ﴾ (سورة النحل: ۹)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من أبرّ البرّ صلة الرجل أهل ودّ أبيه بعد أن يولي". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۹، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قديمي)

"روى أبو يعلى في مسنده وابن حبان في صحيحه: "من أحب أن يصل أباه في قبره، فليصل إخوان أبيه من بعده". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۸/ ۶۵۴، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۴۹۱۷)، رشيديه)

الفصل الثالث فی وصیة المیت وإقراره

(میت کی وصیت اوراقرار کا بیان)

وصیت بحالتِ سکرات

سوال[۱۰۷۰۹]: زید کے تین فرزند ہیں:۱-رسول خان جو کہ انتقال کر چکے ہیں-۲-محمد خاں-۳-سکندرخاں، یہ دونوں زندہ ہیں-ان بھائیوں کے درمیان اپنے والد کا ایک مکان ہے،اس مکان میں مرحوم رسول خان کی زوجہ رہتی تھی-رسول خان کی کوئی اولاد نہیں تھی-مرحوم رسول خان کی زوجہ کے انتقال کے وقت سکندرخان نے مذکورہ بالا مکان اپنی دختر مسماۃ عابدہ بی بی کے جبکہ ان کی شادی نہیں ہوئی تھی وصیت نامہ اس کے نام ایک دوسری جگہ اپنی مرضی سے کرالیا،گل صاحبہ بی بی زوجہ رسول خان اس وقت حالت سکرات میں تھی اور ان کی لاعلمی میں ان کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا نشان کرالیا،اور یہ وصیت نامہ جبکہ عابدہ بی بی کی شادی ہوگئی تب ان کے ہاتھ میں چلا گیا-اب عابدہ بی بی مذکورہ بالا مکان کو لینا چاہتی ہے-

عابدہ بی بی کی والدہ کے بعد سکندرخان نے دوسری شادی کی ہے،زوجۂ ثانی کے بطن سے تین لڑکے اور دولڑکیاں ہیں اور محمد خان کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے،کیا یہ مکان صرف عابدہ بی بی کو ملے گا یا سب کا حصہ ہوگا،اگر سب کا حصہ ہوگا تو کتنا حصہ ملے گا؟ کیا حالتِ سکرات میں جو انگوٹھا کا نشان کرایا یہ قابلِ قبول ہوگا یا نہیں،اور نشان لینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سکرات اور لاعلمی کی حالت میں نشان انگوٹھا لگانے سے ملکیت کا دعویٰ کرنا شرعاً غلط ہے(۱)، یہ تدبیر

(۱) "يلزم في الهبة رضا الواهب، فلا تصح الهبة التي وقعت بالجبر والإكراه". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۷۲، (رقم المادة: ۸۵۹)، كتاب الهبة، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۱۰۹، كتاب الوصايا، الباب الرابع، فصل في اعتبار حالة الوصية، رشيديه)

بالکل بیکار ہے، دھوکہ ہے، گناہ ہے(۱)۔ والد کے انتقال کے وقت اگر تین لڑکے موجود تھے تو تینوں برابر کے حقدار ہیں (۲)، تنہا ایک لڑکے کی بیوی مالک نہیں نہ اس کے دینے سے وہ سب مکان کسی کو مل سکتا ہے (۳)، وہ تو اپنے شوہر سے حصہ پانے کی مستحق ہے (۴)۔ اگر ایک لڑکے کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور والد کے انتقال پر دو لڑکے زندہ رہے تو وہ دونوں برابر کے حقدار ہیں (۵)، مرحوم لڑکے کی بیوی بالکل بے حق ہے (۶)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (الصحيح لمسلم: ۱/۷۰، كتاب الإيمان، باب من غشنا، قديمي)

(۲) "العصبة: وهم كل من ليس له سهم مقدّر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، أخذ جميع المال". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۲۲، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه، پشاور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) جب کہ یہ مکان تینوں بھائیوں کے درمیان مشترک تھا، لہٰذا ایک لڑکے کی بیوی کسی کو ہبہ نہیں کر سکتی: "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۵) (راجع رقم الحاشية: ۲)

(۶) بہو سسر کی شرعی وارث نہیں: "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب: =

وارث کے لئے وصیت

سوال[۹۷۰۲]: اگر کوئی شخص کسی متقی، عابد وزاہد کی وصیت ومسلک وطریقۂ عمل کے خلاف وراثت وغیرہ میں دستِ تصرف دراز کرے تو خائن وغاصب کہلائے گا کہ نہیں؟ اور اس وصیت کے مطابق ورثاء میں حقدار کو حق نہ ملنے پر حق تلفی ہوگی کہ نہیں؟ اور ایسا شخص غاصب کہلائے گا کہ نہیں؟ اور اس کے اس فعل سے موصی کو روحی تکلیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحق کو اس کا حق نہ دینا اس پر خود بے جا قبضہ وتصرف کرنا غصب ہے(۱)، موصی کو شرعی وصیت کے بعد اس کے خلاف کرنے سے موصی کو روحی اذیت کا مظنہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۱ھ۔

= وهو الزوجية، والولاء". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۵، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) قال الله تبارك وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمی)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه .... وإن فعل كان ضامناً.......... ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه، وجب عليه ردّه". (شرح المجلة: ۱/۶۱، ۶۲، (رقم المادة: ۹۶، ۹۷)، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۴۴۴، (رقم القاعدة: ۱۷۱۳)، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۲۱۱، كتاب الغصب، سعيد)

وصیت بحقِ وارث

سوال[۹۷۰۳]: ۱.....خلاصۂ سوال یہ ہے کہ حاجی نھو لاولد تھے، جو کچھ ان کے پاس روپیہ تھا وہ ان کی ذاتی کمائی کا تھا اور ان کا اپنے بھائی سے کوئی تعلق نہیں، جب ان کی طبیعت خراب ہوئی تو جس کے پاس روپیہ امانت تھا ان کو بلا کر کہا کہ میرا تمام روپیہ صرف میری بیوی کو دیا جائے، وہی مالک ہے۔ کیا یہ ہدایت حاجی نھو کی شرع کے مطابق ہے؟ ترکہ ۸۰۰/ روپیہ ہے۔

۲.....حاجی نھو کے بعد ان کی بیوی مالک بن گئی اور اپنی زندگی میں وہ کل مال خرچ کرتی رہی، جب حاجی نھو کی بیوی بیمار ہوئی تو کوئی پُرسانِ حال نہ رہا، صرف حاجی نھو کی بہن کی لڑکی شہزادی نے خدمت کی، بیماری میں انھوں نے کہا کہ میرا کل روپیہ زیور وغیرہ سب شہزادی کو دے دیا جائے، پھر ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کا انتقال ہوتے ہی حاجی نھو کے بھائی اور حاجی نھو کی بیوی کے بھائی کا لڑکا حقدار بن کر سامنے آگئے کہ ہم بھی وارث ہیں۔

بہر حال ان سب نے مل کر ایک تحریر لکھ دی کہ اگر ہمارا حق شرعاً نکلتا ہے تو ہم مسجد شیخ ہمایون میں وقف کرتے ہیں۔ یہ تحریر حاجی نھو کی بیوی کے بھائی کا لڑکا اور شہزادی نے مل کر لکھ دی ہے۔ حاجی نھو کے بھائی نقد روپیہ کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارا حصہ ہم کو دو، ہم ایصالِ ثواب کریں گے۔ اس مسئلہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ فقط۔ اس تحریر سے مال وقف ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....بیوی شرعی وارث ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ شرعی وارث کے لئے جو وصیت کی جائے وہ اس وقت معتبر ہوتی ہے کہ دوسرے ورثاء بھی اجازت دیدیں، ورنہ وہ معتبر نہیں ہوتی (۱)۔ پس اگر حاجی نھو کے بھائی

---

(۱) "عن یونس بن راشد عن عطاء عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لا تجوز وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة". قال ابن قطان فی کتابہ: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لابأس بہ. وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عندہ حسن". (نصب الرایة للزیلعی: ۴/۴۰۴، کتاب الوصایا، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الریان بیروت لبنان)

"(ولا لوارثہ وقاتلہ مباشرةً) لاتسبیباً کما مر (إلا بإجازة ورثتہ) لقولہ علیہ السلام: "لا وصیة =

نے بھی اس وصیت کی اجازت دی ہے تو حاجی نتھو کی کل رقم اور کل ترکہ ان کی بیوی کا ہوگیا، اگر اجازت نہیں دی تو بیوی صرف ایک چوتھائی ترکہ کی حقدار ہے(۱) اور بقیہ کے مستحق بھائی ہیں(۲)، مثلاً: اگر کل ترکہ ۸۰۰/ ہے تو بیوی کو بعد ادائے مہر وغیرہ اس میں سے ۲۰۰/ ملے گا اور بقیہ ۶۰۰ / بھائی کا ہے، دوسرے بھائی کی اولاد اس میں حقدار نہیں(۳)۔

۲.....حاجی نتھو کی بیوی مرحومہ کو اپنے کل مال کی وصیت کا حق نہیں، صرف ایک تہائی کی وصیت کا حق ہے(۴)، پس ایک تہائی ترکہ تو حسب وصیت شہزادی کو دیا جائے، بقیہ مرحومہ کے بھائی کے لڑکے کا ہے، بشرطیکہ

= لوارث إلا أن يجيزها الورثة". يعني عند وجود وارث آخر كما يفيده آخر الحديث". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٦٥٥، ٦٥٦، كتاب الوصايا، سعيد)

(١) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ١٢)

(٢) بھائی عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد عصبہ کل مال کا مستحق ہوگا:

"قال رحمه الله: (ثم الأخ لأب وأم، ثم الأخ لأب، ثم ابن الأخ لأب وأم، ثم ابن الأخ لأب. وإنما قدموا على الأعمام؛ لأن الله تعالىٰ جعل الإرث في الكلالة للإخوة عند عدم الولد والوالد". (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ٧/٤٨٦، دارالكتب العلمية بيروت)

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ٧/٤٨٥، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) بیوی کے بھائی کی اولاد شرعاً وارث نہیں ہے، اس لئے مستحق میراث نہیں:

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٤٧، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ٦/٧٦٢، كتاب الفرائض، سعيد)

(٤) "(وكونه غير وارث وقت الموت". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(وقت الموت): أي لاوقت الوصية، حتى لو أوصى لأخيه وهو وارث ثم ولد له ابن، صحت الوصية للأخ. ولو أوصى لأخيه وله ابن، ثم مات الابن قبل موت الموصي، بطلت الوصية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٦/٦٤٩، سعيد)

اس سے قریب تر کوئی اور وارث نہ ہو(۱)۔ حاجی نتھو کے بھائی کو اس ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا(۲)، جو کچھ ان سب نے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرنا چاہیے (۳)۔

شہزادی نے جو خدمت مرحومہ کی کی ہے، حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے، اس کو چاہیے کہ مرحومہ کے ترکہ کو اس خدمت کا معاوضہ نہ سمجھے، مرحومہ کے بھائی کے لڑکے نے اگر خدمت نہیں کی تو بہت بڑی حق تلفی کی (۴)، لیکن اس حق تلفی کی وجہ سے وہ شرعی میراث سے محروم نہیں ہوگا (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/ ۸۵ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال[۹۷۰۴]: مسماۃ ہندہ کے زوج کا انتقال ہوا، اس کے والد نے دوسری جگہ نکاح ثانی مسمیٰ

---

(۱) چونکہ مرحومہ کے بھائی کا بیٹا یعنی ابن الأخ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں کل مال کا مستحق ہوتا ہے (كما تقدم، فليراجع، ص: ۱۸۵، رقم الحاشية: ۲)

(۲) شوہر کا بھائی مرحومہ کا وارث نہیں ہے (كما تقدم، فليراجع، ص: ۱۸۵، رقم الحاشية: ۳)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله، ومن قطعني قطعه الله". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۴۱۹/۲، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قديمى)

"الرحم" قال السيوطي: أي رحم الأقارب كيف كانوا "من وصلني"......... "ومن قطعني" .... والقطع عبارة عن الغضب عليه والإعراض عنه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۶۵۸/۸، (رقم الحديث: ۴۹۲۱)، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، رشيديه)

(۵) میراث چونکہ متعین من جانب اللہ ہے، حق تلفی سے ساقط نہیں ہوتا:

"الإرث جبريٌّ لا يسقط بالإسقاط". (تكملة رد المحتار: ۵۰۵/۱، كتاب الدعوى، مطلب: واقعة الفتوىٰ، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۱/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۴/۴، كتاب الفرائض، غفاريه كوئٹه)

زید سے کر دیا، بعد اس کے ہندہ کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ہندہ کو حقِ شرع نہ کہ باپ سے مکان کرائی پہونچا ہندہ کے زوجِ ثانی نے جو اس کا منشہ بنا بڑھی کا چھوڑ دیا اور کرائی اپنی کرایہ پر دیگر گذریات کرتے رہے، مرمت کرائی نواب خود کراتا رہا، اس کی آمدنی سے جدید کرائی ہی کرتا رہا، اسی کی آمدنی سے شوہر ثانی نے کچھ روپیہ جمع کر کے بلا اطلاع زوجہ ثانیہ نے اپنی دختر جو زوجہ اولیٰ سے تھی، کچھ زمین خرید کر کے اس کے نام کر دی اور جمع شدہ باقی کسی شخص کے پاس امانت رکھ دیا۔

اتفاق سے بیمار ہو گیا، حالتِ بیماری میں جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس نے کہا کہ اپنا روپیہ لے لو، اس نے کہا کہ اگر میں مر جاؤں تو یہ روپیہ میری دختر جو زوجہ اولیٰ سے ہے اس کو دے دینا۔ اس نے یہ کہا کہ تم جس کو چاہو اپنے سامنے دیدو۔ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ زید کا انتقال ہو گیا، ہندہ کا زید سے جس وقت نکاح ثانی ہوا تھا اس کے پاس اس وقت کوئی ترکہ ذاتی یا پدری نہیں تھا، صرف مزدوری پر گزر رتھا، مرتے وقت بھی کوئی ترکہ نہیں چھوڑا سوائے زوجہ ثانیہ کے مال کے، اور جو اس میں اضافہ ہوا ہے وہ اسی کے مال سے ہوا ہے، البتہ محنت اور مزدوری ضرور اس نے کی ہے، ایسا ہی زوجہ ثانیہ کا نان ونفقہ اس کے ذمہ تھا۔ ایسی صورت میں ترکہ زید کے وارث کو پہنچتا ہے کہ نہیں اور وصیت شرعاً جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کے انتقال کے وقت جو کچھ زید کی ملکیت میں تھا، وہ اس کے ورثاء کو بقدرِ حصصِ شرعیہ پہونچے گا (۱) اور لڑکی بھی چونکہ وارثہ ہے اس لئے اس کو میراث ملے گی، وصیت اس کے حق میں جائز نہ ہوگی، ہاں اگر دوسرے ورثاء بڑے یعنی بالغ ہوں اور وہ اس وصیت کی اجازت دے دیں تو وصیت جاری ہو سکتی ہے (۲)۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "يبدأ من تركة الميت". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال" (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا تجوز (أي الوصية) بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثاء بعد موته وهم كبار .... ولا تجوز الوصية للوارث إلا أن يجيزها الورثة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، رشيديه)

اور جو مال زوجہ ثانیہ کا تھا اگر زوجہ ثانیہ نے وہ مال ہبہ کر کے زید کا اس پر باقاعدہ قبضہ نہیں کرایا تھا تو وہ زوجہ ثانیہ کی ملک ہے(۱)، اس کو زید کا ترکہ تصور کر کے زید کے ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے گا:

"لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث آخر، اه". رد المحتار: ۵/۵۷۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ہذا، ۱۱/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

چچازاد اور پھوپھی زاد میں تقسیم ترکہ اور وصیت

سوال[۹۷۰۵]: عبد الجبار خان نے انتقال کیا، ترکہ میں بڑی جائیداد و مکانات چھوڑے۔ ورثاء میں ذوی الفروض کوئی نہیں، صرف چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرحوم کے چچازاد بھائی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی ہیں، چچازاد بہنوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ نیز عبد الجبار خان مرحوم چونکہ لاولد تھے، ان کی بیوی بھی اکثر بیمار رہتی تھی، اس لئے موجودہ ذوی الارحام نے ان کی بھر پور خدمت کی، انھوں نے کچھ مطالبات بھی پیش کئے ہیں، مرحوم نے ان سے کچھ دینے اور مدد کرنے کا تذکرہ بھی کیا تھا اور اپنی حیات میں ان کی مدد کرتے تھے اور آئندہ بھی مدد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اندریں صورت کیا ذوی الارحام کو ترکہ سے حصہ مل سکتا ہے؟

نوٹ: موجودہ ورثاء کا کیسے مسئلہ ہوگا؟ دریافت طلب یہ ہے کہ موجودہ ورثاء اپنی رضامندی سے تقسیم ترکہ کا معاملہ کسی کمیٹی کے سپرد کریں اور کمیٹی کو اختیار دیں، اپنی صوابدید کے مطابق یہ کمیٹی ترکہ کی تقسیم اس طرح کرے کہ ترکہ سے ذوی الارحام کو ان کی خدمات کا صلہ مل جائے، یا دینی مدرسہ میں کمیٹی ترکہ کچھ دیدے جس مدرسہ کی مرحوم نے مدد کی ہو۔ کیا کمیٹی کو یہ اختیار ہے؟

---

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۶/۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرحوم کے ذمہ کوئی قرض ہوتو اول اس کو ادا کیا جاوے، پھر اگر کوئی وصیت کی ہو ذوی الارحام کے لئے یا مدرسہ وغیرہ کے لئے تو ایک تہائی ترکہ سے اس کو پورا کیا جاوے(۱)، پھر جو کچھ بچے وہ صرف دو چچازاد بھائیوں کو نصف نصف دیدیا جاوے(۲)، چچازاد بہنوں اور پھوپھیوں کی اولاد (یعنی مذکورہ سب کی اولاد) کو اس ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا۔

ذوی الارحام نے جو خدمت کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں ملے گا(۳)، اس کے عوض دنیا میں میراث میں حصہ نہیں۔ مرحوم نے جو کچھ جس جس کو دینے اور مدد کرنے کا ارادہ کیا تھا، اب اس ارادہ کو وراثت سے پورا کرنے کا حکم نہیں(۴)۔ بحصۂ مساوی جب دونوں چچازاد بھائیوں کو ان کا حصہ مل

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده، وما أبقته الفرائض عند وجود مَن له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵ كتاب الفرائض، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإنما يرث ذووا الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه ولم يكن عصبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۹، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إن الله لايضيع أجر المحسنين﴾ (سورة التوبة: ۱۲۰)

(۴) مرنے کے بعد مال، جائیداد سب ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گا اور میت کی ملک نہ رہے گا، تو میت کے صرف دینے کے ارادہ سے وہ مستحق نہیں ہوئے، الا یہ کہ وصیت کی ہو تو وہ ثلث میں جاری ہوگی، یا ورثاء از خود تبرعاً مرحوم کے ارادے کی تکمیل کریں:

"والإرث في الشرع: انتقال مال الغير إلى الغير على سبيل الخلافة". (الفتاوىٰ العالمكيرية:=

جائے، پھر وہ مرحوم کی نیت پوری کرنے اور مرحوم کے ذوی الارحام کے ساتھ خیرخواہی کرنے اور مرحوم کو ثواب پہونچانے کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق جتنا بھی دیں گے، اس سے ان کو بھی ثواب ہوگا اور ذوی الارحام کی بھی خیرخواہی ہوگی، اور مدرسہ کی بھی مدد ہوگی، جس سے مرحوم کو بھی اجروثواب ملے گا (۱)۔

کسی کمیٹی یا انجمن کے حوالہ اگر اس تقسیم کو کیا جائے تو وہ بھی بطریقۂ مذکورہ پر تقسیم کردے، بحیثیت وراثت نہ ذوی الارحام کو دے نہ مدرسہ کو دے، دونوں وارثوں کو برابر دیدے (۲)، پھر وہ دونوں اپنے اپنے حصہ میں اپنی رائے کے مطابق تصرف کریں، جس جس کو جتنا چاہیں دیدیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۹۰ھ۔

لڑکی کے حق میں وصیت

سوال [۹۷۰۶]: مجھ کو ایک مسماۃ نے مبلغ ۵۰/ نقد اور کچھ سونے چاندی کی چیزیں بطور امانت دی اور یہ وصیت کی کہ اس میں سے میری چھوٹی بیٹی کے لئے کان اور ہاتھوں میں زیور بنوا دینا اور باقی سب لڑکے کو

= ۲/۷۴۴، کتاب الفرائض، رشیدیہ)

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة مّا، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أى سواء كانت صلاةً، أو صوماً، أو صدقةً، أو قراءةً، أو ذكراً، أو طوافاً، أو حجاً، أو عمرةً، أو غير ذلك .... وجميع أنواع البر .... اهـ".

(ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۵۹۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فى إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۲) "ثم يقسم الباقى بعد ذلك بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع".

(الدرالمختار: ۶/۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا فى السراجى، ص: ۳، سعيد)

(۳) "ولكل واحد منهم أن يتصرف فى حصته كيف ماشاء". (شرح المجلة: ۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن، مكتبه حنفية كوئٹه)

دیدینا۔ اس پر میں نے یہ دریافت کیا کہ دوسری لڑکیوں کو بھی دیا جائے یا نہیں جو کہ شادی شدہ ہیں، اس نے کہا کہ میں سب کو دے چکی، ان کی شادی کردی، صرف ان ہی کو دینا ہے جن کا میں ذکر کرگئی ہوں۔

اس کے کچھ دن بعد وہ مسماۃ فوت ہوگئی اور عرصہ ایک دو ماہ بعد چونکہ سونا گراں ہوگیا تھا، میں نے ان کو فروخت کردیا تا کہ ان کا زیادہ نفع ہوجائے، صرف اس غرض سے میں نے اس چیز کو فروخت کردیا۔ اب میرے پاس ان کی کل رقم ۴۳۴/ روپے کی ہے۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مجھ کو مطابق حکمِ خداوندی آگاہ کردیجئے، تا کہ میں اس کے مطابق ادا کروں، تا کہ میرے ذمہ کوئی معاوضہ نہ رہے۔

نوٹ: اس عورت کی کل تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

محمد ابراہیم بقلم خود، بازار نخاسہ سہارنپور، مورخہ ۴/ جنوری/ ۱۹۳۷ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی شرعاً وارث ہوتی ہے اور وارث کے لئے شرعاً وصیت ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر دوسرے سب وارث اجازت دیدیں اور وہ بڑے یعنی بالغ ہوں تو وصیت درست ہوسکتی ہے، ورنہ مثل دوسرے ترکہ کے اس میں بھی وراثت جاری ہوگی، کذا فی الشامی، ص: ۵۷۵(۲)۔

---

(۱) "عن یونس بن راشد، عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالىٰ علیه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". قال ابن قطان فی کتابه: ویونس بن راشد قاضی حران، قال أبو زرعة: لابأس به، وقال البخاری: کان مرجئاً، وکان الحدیث عنده حسن".
(نصب الرایة للزيلعی: ۴/۴۰۴، کتاب الوصایا، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، مکتبة موسسة الریان بیروت، لبنان)

"عن أبی أمامة الباهلی رضی الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله تعالىٰ علیه وسلم یقول فی خطبة عام حجة الوداع: "إن الله تبارک وتعالىٰ قد أعطی کل ذی حق حقه، فلا وصية لوارث".
(جامع الترمذی، أبواب الوصایا، باب ماجاء لاوصية لوارث: ۲/۳۲، سعید)
(وسنن أبی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصية للوارث: ۲/۴۰، إمدادیه ملتان)

(۲) "ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله علیه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن =

اگر اس عورت کے ماں باپ اور شوہر موجود نہیں تو اس کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ پانچ سہام قرار دے کر ایک ایک تینوں لڑکیوں کو اور دو سہام لڑکے کو دے دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵

۳ لڑکیاں	لڑکا
۳	۲

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ شوال/ ۵۵ھ۔

لڑکی کے لئے وصیت یا ہبہ

سوال [۹۷۰۷]: اگر کوئی آدمی اپنی تمام جائیداد اپنی لڑکی کے نام تندرستی کی حالت میں کردے جیسا کہ پنجاب میں رواج ہے کہ لڑکی کو باپ کے مرنے کے بعد کچھ نہیں ملتا۔ آیا یہ فعل درست ہے یا نہیں، اور اس لڑکی کو اس کی آمدنی کھانی جائز ہے یا نہیں؟ یا اس نے لڑکی کے نام تمام جائیداد وصیت کردی تو اس وصیت سے یہ تمام جائیداد اگر مل جائے تو پھر اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ اپنی زندگی میں نصف جائیداد لگادے اور

= يُجيزها الورثة .... اهـ" وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۱) واضح رہے کہ بیٹا اور بیٹی دونوں مل کر عصبہ ہیں اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال عصبہ کو دیا جائے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۸۰، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

نصف عصبہ کے لئے چھوڑ دے اور وہ لڑکی اپنی خوشی سے باپ کے مرنے کے بعد کہہ دے کہ میں حصہ چھوڑ تی ہوں، اس کو جو عصبہ میں سے نصف ملتا تھا۔ شریعت کے لحاظ سے اس لئے کہ ترکہ تو مرنے کے بعد ہی تقسیم ہوتا ہے، تو اس کا حکم تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ صحت وتندرستی اگر باقاعدہ ہبہ کر کے لڑکی کا قبضہ کرادے تو بلاشبہ ہبہ صحیح ہوگا، اور لڑکی مالکہ ہوجائے گی اور آمدنی اس کے لئے درست ہوگی (۱)، لیکن دیگر ورثاء ومستحقین کو نقصان پہونچانے کی نیت سے ایسا کرنا گناہ ہے (۲)، لہٰذا جس قدر کی وہ مستحق ہوتی اس قدر دینا چاہئے۔

اگر اپنی زندگی میں تقسیم نہیں کیا، بلکہ یہ کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد نصف ترکہ لڑکی کو دیا جائے، اور نصف کسی دوسرے مستحق کو، تو شرعی حکم یہ ہے کہ یہ وصیت ہے اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی جب تک کہ دیگر ورثاء راضی نہ ہوں (۳)۔ لہٰذا اگر لڑکی صرف ایک ہے اور لڑکا کوئی نہیں تو شرعاً وہ نصف ہی کی مستحق

---

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "وفي فتاوىٰ قاضي خان: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة .... وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم". (الدرالمختار: ۵/۶۹۶، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۷۹، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

(۳) "عن يونس بن راشد عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". قال ابن قطان في كتابه: ويونس بن راشد قاضي حران، قال أبو زرعة: لا بأس به، وقال البخاري: كان مرجئاً، وكان الحديث عنده حسن".

(نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، ۴۰۵، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الريان بيروت)

"عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم=

ہے، چاہے یہ وصیت کرتا، چاہے نہ کرتا۔ اگر وہ نصف سے کم کی مستحق تھی، مثلاً دو یا زیادہ لڑکیاں ہیں، یا لڑکا بھی موجود ہے تو ایسی حالت میں وہ نصف کی مستحق نہیں، بلکہ کم کی مستحق ہے، استحقاق سے زیادہ میں وصیت کا نفاذ دیگر ورثاء کی اذن پر موقوف ہے(۱)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں اپنا حق میراث چھوڑتا ہوں تو اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا: "لو قال الوارث: تركت حقي، لم يبطل حقه؛ إذ الملك لا يبطل بالترك". أشباه (۲)۔ لیکن اگر قبضہ کرنے کے بعد اپنا حصہ کسی وارث کو ہبہ کردے تو درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

= يقول في خطبة عام حجة الوداع: "إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث". (جامع الترمذي، أبواب الوصايا، باب ماجاء لاوصية لوارث: ۳۲/۲، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث: ۴۰/۲، إمداديه ملتان)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة ......اهـ" وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۲/۹، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۹۰/۶، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كن نساءً فوق اثنتين، فلهن ثلثا ما ترك، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء، فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللثنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الأشباه والنظائر: ۵۳/۳، باب ما يقبل الإسقاط من الحقوق ومالا يقبله وبيان أن الساقط لا يعود، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في جامع الفصولين، ص: ۴۰/۲، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين، إسلامی كتب خانه كراچی)

(۳) جب ہر وارث کو اس کا حصہ دے دیا تو وہ وارث اس حصہ کا مالک بن جاتا ہے اب اگر وہ اس حصہ کو کسی کو ہبہ کردے تو اس کا =

وارث اور اجنبی کے لئے وصیت

سوال[۹۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل میں:

عبداللطیف کے والد مطیع اللہ نے اپنے فرزند عبداللطیف کو اپنے مکان سے علیحدہ کردیا اور اپنے ساتھ سے اور بلا کسی چیز دیئے ہوئے صرف عبداللطیف کے جسم پر جو کپڑا تھا وہی تھا۔ والد سے علیحدہ ہونے پر عبداللطیف اپنے پھوپھا صاحب کے مکان پر گئے اور دس روز وہاں رہے۔ بعدہ عبداللطیف کے دادا صاحب جو کہ اپنے بیٹے مطیع اللہ صاحب سے علیحدہ رہتے تھے وہ آکر عبداللطیف کو اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے اور اپنے ہمراہ ایک سال رکھا اور اپنے پاس سے کھانے پینے کا سامان اور پرورش کیا۔

عبداللطیف نے جو کمائی کی اور کام کیا، عبداللطیف کے دادا صاحب ان کو جمع کرتے رہے اور جب ایک سال ہوگیا تو عبداللطیف کی بیوی عبداللطیف کے ساتھ رہنے کے قابل ہوئی، اس وقت عبداللطیف کے دادا صاحب نے عبداللطیف کو ان کی کمائی دے کر عبداللطیف کو اپنے ہمراہ سے علیحدہ کردیا۔ اب وہ کھانے کمانے لگے اور دادا صاحب نے انتقال کیا۔

بعدہ عبداللطیف کی دادی صاحبہ جو سوتیلی دادی تھی، وہ عبداللطیف کے ہمراہ آکر رہنے لگی اور عبداللطیف کے دادا صاحب کا جو سامان تھا گھر ستی کا وہ عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب اٹھا کر لے گئے اور ایک پائی بھی سوتیلی ماں کو نہیں دیا۔

اب عبداللطیف اپنی سوتیلی دادی کو ساتھ لیکر کھاتے کماتے رہے مع بیوی- اور بچے کے اور اپنی کمائی

= یہ ہبہ کرنا درست ہے:

رجل قال لغيره: هذه الأمة لک قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: هذه هبة جائزة يملكها إذا قبض". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل فيما يكون هبة من الألفاظ ومالايكون: ۳/ ۲۶۱، رشيديه)

"وأما مايرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغا مالكاً للموهوب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها وشرائطها وأنواعها وحكمها وفيما يكون هبة من الألفاظ ومايقوم مقامها ومالايكون: ۴/ ۳۷۴، رشيديه)

سے عبداللطیف نے ایک مکان بھی خرید لیا جس میں مکان کے علاوہ عبداللطیف کے پاس سات سوتیں روپے تھے، بقیہ برتن وغیرہ اور تمام گھرستی اور زیورات - وہ زیورات جو کہ عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب نے اپنی بہوکو بنوایا تھا اس زیور کی قیمت پانچ سو پچاس تھی - عبداللطیف کے والد مطیع اللہ صاحب نے لے لی تھی-

بعدہ عبداللطیف نے انتقال کیا اور عبداللطیف کی کمائی کا زیور جو تھا وہ بھی مطیع اللہ صاحب نے سمیٹ لیا اور اٹھا کر لے گئے، کیوں کہ عبداللطیف نے اپنی زندگی میں اپنے پھوپھا کے صاحبزادے احمد اللہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد میرے والد مطیع اللہ صاحب میرا سامان اور زیورات وغیرہ نہ لینے پائے او رمیرے بیوی اور بچے اور دادی کو دیا جاوے، لیکن عبداللطیف کی وفات کے بعد ان کے والد مطیع اللہ صاحب تمام سامان اٹھا کر لے گئے اور اس پر قبضہ کیا۔ چھوڑا عبداللطیف نے وفات بعد فرزند محمد شریف عمر سات سال کو اور بیوی کو اور دادی کو۔

سائل: حاجی محمد ابراہیم محمد عبداللہ، امیا کی منڈی، مکان نمبر: ۵۰/۷۲، شہر بنارس۔

الجواب هو الموفق للصواب حامداً ومصلياً ومسلماً:

صورت مسئولہ میں بعد تجہیز وتکفین وادائے دین ومہر وغیرہ (۱) از کل مال عبداللطیف کا ایک ثلث ترکہ حسب وصیت سوتیلی دادی کو ملے گا (۲) اور بقیہ دو ثلث ترکہ چوبیس سہام ہوکر ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا، اس

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۲) "ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي بعد تجهيزه وديونه، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۰، ۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

طرح کہ چار سہام والد کو ملیں گے (۱) تین سہام زوجہ (۲) کو اور سترہ سہام لڑکے کو ملیں گے (۳)۔ والد کے متعلق ترکہ سے محروم ہونے کی جو وصیت کی ہے وہ شرعاً لغو اور ناقابلِ عمل ہے (۴)۔

وصیت وارث کے حق میں بغیر اجازتِ دیگر ورثاء کے نافذ نہیں ہوتی (۵)، وصیت کا حق صرف ایک

---

(۱) واضح رہے کہ جب میت کی اولاد ہو تو باپ کو سدس ملے گا اور چوبیس کا سدس چار ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"أما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض، وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) میت کی جب اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اور چوبیس کا آٹھواں حصہ تین ہے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) لڑکا چونکہ عصبہ ہے تو ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی تمام جائیداد عصبہ کو ملے گی:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۳، سعيد)

(۴) چونکہ میراث جبری حق ہے اختیاری نہیں ہے کہ اسقاط قبول کرے:

"الإرث جبريٌّ لا يسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار: ۵۰۵/۱، مطلب: واقعة الفتوىٰ، كتاب الدعوىٰ، سعيد)

"وهذا العلم مختص بحالة الممات، وغيرُه بالحياة أو باعتبار أسباب الملك، فإنها جبريّةٌ أو اختيارية، فالأول الميراث والثاني غيره من أسباب الملك". (تبيين الحقائق: ۴۷۱/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۴/۴، كتاب الفرائض، غفاريه كوئته)

(۵) "عن يونس بن راشد، عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". قال ابن قطان في كتابه: ويونس بن راشد=

ثلث ترکہ میں ہوتا ہے، اگر اس سے زائد میں کی جائے تو ورثاء کی اجازت پر موقوف رہتی ہے، ایک ثلث میں بہرحال نافذ ہوگی، خواہ ورثاء راضی ہوں یا نہوں (۱)۔ اگر کل مال میں وصیت کی جائے تب بھی ایک ثلث میں نافذ کرنا لازم ہے (۲)۔

اگر ایک ثلث کے اندر اندر کسی معین شئی کی وصیت کی جاوے جس میں وارث اور اجنبی دونوں کو شریک کیا جاوے یعنی: تنفیذ وصیت سے مانع موصی لہ کی ہو، نہ کہ موصی بہ کی تخصیص تو اس صورت میں حصۂ اجنبی کی

= قاضي حران، قال: أبو زرعة: لا بأس به، وقال البخاري: كان مرجئاً، وكان الحديث عنده حسن". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مكتبة مؤسسة الريان، بيروت)

"عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول في خطبة عام حجة الوداع: "إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث". (جامع الترمذي، أبواب الوصايا، باب ماجاء لاوصية لوارث: ۲/۳۲، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث: ۲/۴۰، إمداديه ملتان)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة ......اهـ" وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "ولو أوصى رجل بربع ماله ولآخر بنصف ماله، إن أجازت الورثة، فنصف المال للذي أوصىٰ له بالنصف، والربع للموصى له بالربع، والباقي للورثة على فرائض الله تعالىٰ ولو لم يجز الورثة، تصح من الثلث، فيكون بينهما على سبعة أسهم أربعة للموصى له بالنصف وثلاثة للموصى له بالربع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثالث في الوصية بثلث المال الخ: ۶/۹۷، رشيديه)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجوز ورثته بعد موته". (الدرالمختار: ۶/۶۵۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

وصیت درست ہوگی اور حصۂ وارث کی وصیت باطل ہوگی (اگر دیگر ورثاء اجازت نہ دیں)(۱)، یہ ہی محمل ہے، ہدایہ کی اس عبارت کا:"ومن أوصىٰ لأجنبيّ ولوارثه، فللأجنبي نصف الوصية، وتبطل وصية الوارث، اھ"(۲)۔اور"نصف الوصية"کی تفسیر"الثلث" ہدایہ میں مذکور نہیں۔فتح القدیر(۳)عنایہ وغیرہ میں بھی نہیں، اسی وجہ سے ملتقی الابحر میں موصیٰ بہ کو عین قرار دیا اور شرح میں وارث کے ساتھ قاتل کو بھی ذکر کیا:

"وإن أوصى بعينٍ لوارثه أو قاتله ولأجنبيّ، فللأجنبي نصفها ولا شئ للوارث، اھ".

سکب الأنهر: ۲/۷۰۲(٤)۔

اور مجمع الانہر میں"نصفها" کی ضمیر کا مرجع متعین کیا ہے:"أي نصف العين، اھ"(٥) یعنی جس معین شئ کی وصیت میں اجنبی کے ساتھ وارث کو بھی موصی اقرار دیا ہے، ایسی صورت میں اس اجنبی کو اس معین شئ کا نصف حصہ ملے گا۔

درر الحكام، ص:٤٣٧، شرح غرر الأحكام میں اس جزیہ کو"ألف" کے ساتھ ذکر کیا ہے:

"وفي بألف لوارث وأجنبيّ له نصفه وخاب الوارث يعني: إذا أوصى لوارثه وللأجنبي، فللأجنبي نصف الوصية، وتبطل وصية الوارث؛ لأنه أوصى بما يملك الإيصاء به وبما لايملك،

(۱) "ولو أوصى لوارثه ولأجنبيّ، صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا، بطل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/٩٠، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۴/۶۶۳، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، إمداديه ملتان)

(۳) واضح رہے کہ فتح القدیر میں یہ تشریح ہے.....البتہ عنایہ کی عبارت یوں ہے:

"ومن أوصى لأجنبي ولوارثه ظاهر .... وهذا بخلاف ما إذا أقرّ بعين أو دين لوارثه وللأجنبي، حيث لايصح في حق الأجنبي كما لايصح في حق الوارث". (العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱۰/۴۵۵، كتاب الوصايا، باب الوصيه بالثلث، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (سكب الأنهر وملتقى الأبحر: ۴/۴۳۲، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، غفاريه كوئٹه)

(۵) "وإن أوصى بعين لوارثه وللأجنبي، فللأجنبي نصفها: أي نصف العين، ولا شئ للوارث". (مجمع الأنهر، باب الوصية بالثلث: ۴/۴۳۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

فصح فی الأول لا الثانی، اھ"(۱)۔

یہاں پر "نصف الوصیة" کا مصداق "نصف الألف" ہے جیسا کہ ملتقی الابحر میں "نصف العین" تھا اور بعض کتب میں لفظ "شيء" مذکور ہے:

"ولو أوصی لأجنبيّ ولوارثه بشيءٍ ولا وارث له غیره، ثم مات، فیکون له: أي للأجنبيّ نصف الوصیة، وبطل وصیة الوارث. وإن کان وارث غیره، فإن أجاز، لا یبطل أیضاً، اھ".

"(قوله: نصف الوصیة، الخ)". لأنه أوصی بما یملك وبما لایملك، فصح فی الأولی، وبطل فی الثانی، بخلاف ما إذا أوصیٰ لحيّ ومیت؛ لأن المیت لیس بأهلٍ للوصیة، فلا یصح مزاحماً، فیکون الکل للحيّ والوارث من أهلها، ولهذا یصح بإجازة الوصیة، فافترقا، اھ". فتح المعین: ۵۷۳/۳(۲)۔ والبسط فی تکملة بحر الرائق: ۴۸۲/۸(۳)۔

یہاں "نصف الوصیة" کا مصداق "نصف الشيء" یا "الموصی به" ہے پس عبارتِ ہدایہ میں "نصف الوصیة" کی تعیین "الثلث" اور پھر اس پر قیاس کر کے وارثین کی صورت میں "ثلث الثلث" کی تفریع صحیح نہیں (ثلث الثلث کا مصداق تین قرار دینا بھی سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ جب بارہ کو ایک ثلث مانا ہے تو اس کا ثلث ۴/ ہوتا ہے، تین نہیں ہوتا) مبسوط (۴)۔

---

(۱) (درر الحکام شرح غرر الأحکام، کتاب الوصایا، باب الوصیة بالثلث، ص: ۴۳۷، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) (فتح المعین: ۵۳۷/۳، کتاب الوصایا، باب الوصیة بثلث المال، سعید)

(۳) "وإن أوصی لأحدهما بجمیع ماله وللآخر بثلث ماله ولم تجز الورثة، فثلثه بینهما نصفان، وهذا عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ. قال رحمه الله: ولا یضرب الموصیٰ له بأکثر من الثلث .... وله أن الموصیٰ له یضرب بما یستحقه وهو لا یستحق ماوراء الثلاث إلا بإجازة الورثة، ولم توجد". (البحر الرائق: ۲۲۴/۹، کتاب الوصایا، باب الوصیة بثلث المال رشیدیه)

(۴) "ولو ترک خمسة بنین وأوصی لأحدهم بکمال الثلث مع نفسه وأوصی لأجنبي بثلث مابقي من الثلث، فإن الأجنبي یأخذ سبع جمیع المال؛ لأنه لامزاحمة للوصیة للوارث مع الوصیة للأجنبي، فیاخذ الأجنبي کمال حقه کأنه لم یوص لأحد غیره، وثلث مابقي من الثلث، وهو ثلث الثلث إذا لم یکن =

فتاویٰ عالمگیری(۱)، قاضی خان وغیرہ(۲) کتبِ فقہ میں بھی جزئیہ مسئولہ کی نظیریں موجود ہیں۔

"سئل في امرأة أوصت لولديها: زيد وهند، ولإخوتها الثلاثة بجميع ما تملكه، ثم ماتت عن وَلَدَيها المذكورين وخلفت تركةً ولم يجيز أوصيتها لهم هل تنفذ الوصية للإخوة من الثلث؟

الجواب: نعم! ولو أوصىٰ لوارثه ولأجنبيّ، صحت في حصة الأجنبي، وتتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، فإن أجازا، جاز، وإن لم يُجيزوا، بطل. ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتىٰ كان لهم الرجوع بعد ذلك. خانيه، من فصل من تجوز الوصية ومن لا تجوز، اه". تنقيح الفتاوىٰ الحامديه: ۲/۳۱۵(۳)۔

دیکھئے اس صورت میں دو وارث ہیں جن کو اجنبی کے ساتھ وصیت میں شریک کیا ہے اور کل مال کی وصیت کی ہے تو یہاں تنفیذ وصیت سے مانع دو چیزیں ہیں: موصیٰ بہ یعنی کل مال، اور موصیٰ لہ یعنی اجنبی کے ساتھ وارث کی شرکت۔ تو یہاں دونوں چیزوں کی رعایت کی گئی ہے، موصیٰ لہ کی رعایت سے وارث کے حق میں

= هناك وصية أخرى". (المبسوط للسرخسي، كتاب العين والدين، باب الوصية بأكثر من الثلث، الخ: ۱۵/۱۰، ۱۱، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "ولو أوصى لوارثه ولأجنبيّ، صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا بطل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "ولو أوصى لوارثه ولأجنبي، صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا، جاز، وإن لم يجيزوا بطل. ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۹۶، فصل فيمن تجوز وصيته وفيمن لا يجوز، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۳) (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۳۱۵، كتاب الوصايا، مطلب: أوصى لوارثه ولأجنبي في حصة الأجنبي، مكتبه ميمنيه مصر)

بلا اجازت نافذ نہیں کی گئی، موصیٰ بہ کی رعایت سے صرف ایک ثلث میں نافذ کی گئی ہے جو کہ مقصود بالسوال ہے اور اسی کو "حصۃ الأجنبی" جواب میں کہا گیا ہے۔

اسی طرح صورت مسئولہ میں ایک ثلث سوتیلی دادی کو ملے گا جو کہ اجنبی ہے، اور اس کے ساتھ دو وارث وصیت میں شریک ہیں ان کے حق میں بغیر اجازتِ ورثاء وصیت نافذ نہیں ہوگی، بلکہ "حصۃ الوارث" دو ثلث حسبِ میراث تقسیم ہوگا، جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شوال/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/شوال/ ۶۹ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال[۹۴۰۹]: زید کا انتقال ہوا، اس نے کافی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور وارثانِ حقیقی میں ایک بھائی، ایک اہلیہ، چار بہنیں چھوڑی ہیں۔

بیوی اور بھائی نے بیماری کے زمانے میں زید پر دباؤ ڈالا کہ ہمارے نام وصیت نامہ لکھ دو، زید نے مجبور ہوکر اپنے بھتیجے کے نام وصیت نامہ لکھ دیا اور اہلیہ کے نام بھی۔ اس وصیت نامہ پر بھتیجے، اہلیہ اور ایک بہن کے دستخط ہیں۔ اگر وصیت نامہ کو صحیح مان لیا جائے تو بھائی اس وصیت شدہ جائیداد کے علاوہ مزید حصہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی شرعی وارث ہے، اس کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک دیگر ورثاء اجازت نہ دیدیں (۱)۔

---

(۱) "حدثنا هشام بن عمار، ثنا اسمعيل بن عياش، ثنا شرحبيل بن مسلم الخولاني: سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۵، كتاب الوصايا، بابٌ: لا وصية لوارث، قديمي)

"عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، (رقم =

بھتیجے کے حق میں جو وصیت کی ہے، اگر وہ جبراً کرائی گئی ہے تو وہ بھی معتبر نہیں (۱)، اگر رضامندی سے وصیت کی، پھر بعد میں یہ کہہ دیا کہ بھائی یہ تمہارا حقِ وراثت ہے، خواہ تم اس کو اپنے لئے رکھو خواہ اپنے لڑکے کو دیدو، تمہارا حق پھر نہیں ہے، تو گویا عوض میراث قرار دیکر وصیت کی ہے، یہ بھی شرعی اعتبار سے لغو اور بیکار ہے۔ ابھی بھائی میراث کا مستحق ہی نہیں ہوا تو پھر اس کے عوض کا کیا محل ہے (۲)۔ نیز اس اعتبار سے گویا کہ بھائی کے حق میں

= الحديث: ٨٠٧٠)، مكتبة مؤسسة الريان بيروت لبنان)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة ......اهـ" وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٦٥٥، ٦٥٦، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٩/٢١٢، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٩٠، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٩/٢١٢، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۱) کسی سے اس کا مال جبراً وقہراً لینا جائز نہیں:

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوٰة المصابيح: ١/٢٥٥، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(وكذا في شرح معاني الآثار للإمام الطحاوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الكراهية، باب الرجل يمر بالحائط أله أن يأكل منه أم لا؟: ٢/٣٧٥، سعيد)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، ولو أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم: ١/٢٢، (رقم المادة: ٩٧)، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ میراث تو مرنے کے بعد جاری ہوتی ہے، نہ کہ زندگی میں:

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: وهل الإرث الحيّ من الحي أم من الميت): أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته، والأول قول زفر ومشايخ العراق، والثاني المعتمد، والثاني قول الصاحبين". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٧٥٨، كتاب الفرائض، سعيد) =

وصیت کی ہے جو کہ شرعی وارث ہے، لہٰذا معتبر نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

وارث کے حق میں وصیت

سوال[۹۷۱۰]: ۱......سید عبدالاحد صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے قبل جائیداد وغیرہ کے متعلق وصیت کی، ان کی وصیت استفتاء کے ساتھ ملحق کردی گئی ہے، ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں کہ آیا اس وصیت کا نفاذ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے تو کس طرح پر؟ مدلل ارشاد فرمائیں۔

۲......متوفی کے جملہ ورثاء کی فہرست بھی اسی کے ساتھ ملحق ہے۔ جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی اور کن لوگوں کو حصہ مل سکتا ہے؟

المستفتی: محمد مرتضیٰ عفی عنہ، ۲۸/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "حدثنا هشام بن عمار، ثنا اسمعيل بن عياش، ثنا شرحبيل بن مسلم الخولاني: سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۵، كتاب الوصايا، بابٌ: لا وصية لوارث، قديمي)

"عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مكتبة مؤسسة الريان بيروت لبنان)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يُجيزها الورثة ......اهـ" وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

سید عبدالاحد مرحوم ولد سید ہدایت حسین مرحوم، ساکن مجھوامیر نے اپنی تاریخ انتقال سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل مندرجہ ذیل وصیت زبانی مجھ سے اور اسحاق سلمہ سے روبرو دیگر وارثان واقرباء کے کی تھی، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- ''نوردیدہ زہرہ بی بی دختر متوفی کی ولیہ زمانہ نابالغیت میں اس کی ماں ہاجرہ بی بی بیوہ متوفی رہیں گی۔

۲- بذریعہ وصیت زبانی حسب ذیل جائیداد، حسب ذیل وارثان کی تنہا ملکیت ہوگی، ہاجرہ بیوہ متوفی۔ جملہ زمینداری کا ایک ثلث (علاوہ حصہ شرعی) بقیہ وارثان وحقداران۔

۱: جملہ حصہ اندر باغیچہ قلمی واقع مجھوامیر،

۲: جملہ حصہ اندر باغیچہ واقع مجھواشاہی۔

۳: جملہ حصہ مکان موجودہ مع اگواڑہ وپچھواڑہ (۱)۔

۴: جملہ سامان منقولہ اندر مکان علاوہ سامان مندرجہ۔

(ب) زہرہ بی بی دختر متوفی (علاوہ حقِ شرعی جائیداد کے) سنگاردان ۱/ عدد (۲) پتیلا کلاں ایک عدد، لگن کلاں ایک عدد (۳)، سینی ایک عدد (۴)، دیگچی خورد دو عدد، اگالدان دو عدد (۵)، فرش بدری ایک عدد (۶)، گلاس بدری ایک عدد (۷)، طشتری تانبہ ۳/ عدد (۸)، کشتی چینی ایک عدد (۹)، قاب چینی

(۱) ''اگواڑا: مکان کا سامنے والا حصہ، پچھواڑے کی ضد''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۱، فیروز سنز لاہور)

''پچھواڑا: عقب خانہ، گھر کی پشت، مکان کی پیٹھ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''سنگاردان: سنگار کی چیزیں رکھنے کا صندوقچہ یا پٹاری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) ''لگن: طشت، طاس، پرات، ٹب، شمعدان، اگردان''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۶۱، فیروز سنز لاہور)

(۴) ''سینی: دھات کا بنا ہوا خوان یا کشتی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۵) ''اگالدان: پیک دان، تھوکنے کا برتن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۵۹، فیروز سنز لاہور)

(۶) ''فرش بدری: فرش بچھونا، بستر بچھانے کی چیز، بوریا، غالیچہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۲۸، فیروز سنز لاہور)

بِدری: چھوٹی تھیلی: (فیروز اللغات، ص: ۱۸۸، فیروز سنز لاہور)

(۷) ''گلاس بدری: گلاس، پانی پینے کا برتن، ساغر، شیشہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۰۴، فیروز سنز لاہور) =

ایک عدد(۱)، روپیہ اندر سیونگ پاس بک ۶۷/ روپے(۲) ملکیت زہرہ بی بی۔

۳- کھیت نمبر: ۵۹۸ دوازی، ۸ بھرآٹھ بسوہ(۳) علاوہ بقیہ جائیداد غیر منقول حسب قانون شرع محمدی جملہ حقداران کو ملے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے حق میں وصیت کی ہے وہ شرعی وارث ہیں، وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: "لاوصية لوارث". الحديث(٤)، لیکن اگر دیگر ورثاء بالغ ہوں اور وہ اس وصیت کی اجازت رضامندی سے دیں تو ان کی مرضی کے موافق نافذ ہو سکتی ہے(۵)۔

=(۸) "طشتری: رکابی، چھوٹی تھالی، پرچ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۸، فیروز سنز لاهور)

(۹) "کشتی چینی: کشتی، ناؤ، بیڑی، سفینہ، ڈونگا، ایک قسم کی پیالی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۴، فیروز سنز، لاهور)

(۱) "قاب چینی: بڑی رکابی، تھال"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۲، فیروز سنز لاهور)

(۲) "سیونگ پاس بک: عوام کی بچت کا روپیہ امانتاً رکھنے والا ادارہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۰، فیروز سنز لاهور)

"پاس بک، Pass Book، بنک کی کتاب"۔ (The English to English Dictionary, Page: 636, Feroz Sons Lahore)

(۳) "بسوا: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۴، فیروز سنز لاهور)

(۴) "حدثنا هشام بن عمار، ثنا إسمعيل بن عياش، ثنا شرحبيل بن مسلم الحولاني: سمعت أبا أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصيه لوارث". (سنن ابن ماجة: ۱۹۵/۲، كتاب الوصايا، بابٌ: لا وصية لوارث، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الوصايا، باب الوصية لوارث: ۳۲/۲، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث: ۴۰/۲، إمداديه ملتان)

(۵) "ولا لوارثه .... إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوراث إلا أن يجيزها الورثة وهم كبار عقلاء". فلم تجز إجازة صغير". (الدرالمختار: ۶۵۶/۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۲/۹، كتاب الوصايا، رشيديه) .... =

مسئلہ ۸

زوجہ	دختر	حقیقی بہن	سوتیلی ماں	سوتیلی بہن	خالہ	چچازاد بھائی	چچازاد بہن
۱	۴	۳			محروم		

بعد تجہیز وتکفین وادائے قرض (مہر وغیرہ) (۱) سید عبدالاحد صاحب کا کل ترکہ آٹھ سہام قرار دے کر حسب نقشہ بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا، یعنی ایک سہم زوجہ کو ملے گا (۲) چار دختر کو ملیں گے (۳)، تین حقیقی بہن کو (۴)۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه).

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۳۰۲، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كا ن لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء فالأولىٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۷، سعيد)

(۴) حقیقی بہنیں چونکہ میت کی بنت کی وجہ سے عصبہ ہوگئیں، اور عصبہ ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ تمام ترکہ کا مستحق ہوتا ہے:

"وأما للأخوات لأب وأم، فأحوال خمس .... ولهن الباقي مع البنات أو بنات الابن، لقوله عليه السلام: "اجعلو الأخوات مع البنات عصبةً". (السراجي، ص: ۱۰، سعيد) .... =

باقی سوتیلی ماں، سوتیلی بہن (۱)، خالہ (۲)، چچازاد بھائی، بہن سب محروم رہیں گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

بھانجے، بھتیجے، پھوپھی، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے وصیت کرنا

سوال [۹۷۱۱]: مسماۃ زینب کا انتقال ہوا جس کے ورثاء دو بھائی اور ایک بہن موجود ہیں ترکہ ۱۴۹/ روپیہ ہیں نیز وصیت کی کہ ۴/ بھانجے کو دینا اور ۲۵/ بھتیجے کو دینا ۲۰/ قربانی وغیرہ میں خرچ کرنا جس کا

= (وكذا في شرح معاني الآثار، كتاب الفرائض، باب الرجل يموت ويترك بنتاً وأختاً وعصبةً سواها: ۲/ ۴۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) واضح ہو کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بہن اس لئے محروم ہیں کہ وراثت کے اسبابِ ثلاثہ میں سے کوئی سبب پایا نہیں جاتا:

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) خالہ ذوی الارحام میں سے ہے اور ذوی الفروض وعصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو حصہ نہیں ملے گا:

"وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه ولم يكن عصبة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۵۹، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، سعيد)

(۳) چچازاد بھائی، بہن اس لئے محروم ہیں کہ ان کا درجہ بعد میں ہیں اور عصبہ میں یہ قانون ہے کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کو حصہ نہیں ملے گا:

"الأقرب فالأقرب يرجّحون بقرب الدرجة". (السراجي، ص: ۱۳، سعيد)

"ويقدم الأقرب فالأقرب منهم". (الدر المختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

ثواب مجھ کو پہونچا دینا، ایک جوڑا اور بتیس سیر گیہوں پھوپھی کو دینا۔ تو یہ وصیت اور ترکہ کس طرح پر تقسیم کریں؟ فقط والسلام۔

سعید احمد کھیڑہ افغانوی، ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو بھائی اور ایک بہن بالغ ہیں اور اس وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو حسب وصیت مسماۃ زینب ۷/ کو مصارف مذکورہ پر صرف کر دیا جائے (۱)، آگے کچھ بچا ہی نہیں جو ورثاء پر تقسیم کیا جائے اور مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

اگر اس وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو اس میں سے ایک ثلث کو یعنی ۲/۱ پیسہ سے ۱/ پیسہ مصارف مذکورہ بیان کردہ وصیت کے موافق صرف کر دیا جائے (۲) اور بقیہ دو ثلث یعنی ۴/۲ پیسہ اور ۱/ پیسہ کا دو تہائی کو پانچ سہام بنا کر ایک بہن کو اور دو دو سہام دونوں بھائیوں کو تقسیم کر دیا جائے (۳) اور تجہیز وتکفین اور دین کی

---

(۱) "ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۹۰/۶، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۲/۹، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا الدرالمختار: ۶/۶۵۲، كتاب الوصايا، سعيد)

(۲) "ولا تصح بما زاد على الثلث ولا لقاتله ووارثه إن لم تُجز الورثة .... وفيه: ويشترط أن يكون المجيز من أهل التبرع بأن يكون بالغاً عاقلاً". (تبيين الحقائق: ۷/۳۷۶، ۳۷۷، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت)

"ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي، ص:۳، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (تبيين الحقائق: ۷/۳۸۰، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

ادائیگی تنفیذِ وصیت اور تقسیمِ ترکہ پر مقدم ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ　　صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/۵۶ھ۔

بیٹی کے حق میں وصیت اور بیٹی اور مرحوم کے بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ

سوال[۹۷۱۲]: واقعات اس طرح ہیں کہ قاضی فضل الرحمٰن صاحب کے دولڑکے ہیں: قاضی تجمل حسین، قاضی خلیل الرحمٰن۔ قاضی تجمل حسین کی اولاد میں ایک لڑکی مسماۃ بدرالنساء ہے، اور خلیل الرحمٰن کے لڑکے اور لڑکیاں ہیں، قاضی تجمل کی لڑکی مسماۃ بدرالنساء کا عقد قاضی خلیل الرحمٰن (یعنی چھوٹے بھائی) کے لڑکے جمیل احمد سے ہوا تھا، لیکن آپس کے اختلافات کی بناء پر جمیل احمد نے بدرالنساء کو طلاق دیدی، اپنی اولاد کو بھی ساتھ لے گیا، اور جمیل احمد نے دوسری جگہ عقد کرلیا۔

قاضی فضل الرحمٰن کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں دونوں بھائی: تجمل حسین و خلیل الرحمٰن ۲/۱، برابر کے حصہ دار ہیں جس کا ذکر سرکاری کارڈ میں بھی ہے۔ قاضی فضل الرحمٰن صاحب مرحوم کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے علاوہ سرکاری کارڈ میں قاضی تجمل حسین کی نجی جائیداد اور بھی ہے۔

قاضی تجمل حسین فوت ہوگئے اور فوت ہونے کے بعد میں ان کی بیٹی بدرالنساء کو طلاق دیدی گئی۔ قاضی خلیل الرحمٰن حیات ہیں، اور قاضی تجمل حسین نے اپنے مرنے سے قبل حیات میں ایک وصیت نامہ بھی تحریر کیا کہ میرے مرنے کے بعد میری لڑکی مسماۃ بدرالنساء کو میری مشترکہ جائیداد، غیر مشترکہ جائیداد کی وارث ہوگی۔ مسماۃ بدرالنساء کے گذر اوقات کا ذریعہ اس کے والد مرحوم قاضی تجمل حسین کی مشترکہ و غیر مشترکہ جائیداد بھی ہے۔

۱.....تحریر فرمائیں کہ مسماۃ بدرالنساء کا اس مشترکہ جائیداد میں کتنا حق اور حصہ ہے جو کہ دونوں بھائی تجمل حسین مرحوم و خلیل الرحمٰن حیات کا برابر حصہ ہے۔

۲..... مسماۃ بدرالنساء کا اس جائیداد میں کتنا حق پہونچتا ہے جو کہ اس کے والد مرحوم قاضی تجمل حسین کی

---

(۱) "يبدأ من تركة الميت بتجهيزه، يعم التكفين .... ثم تقدم ديونه التي لها مطالِبٌ من جهة العباد .... ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي .... ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته". (الدر المختار: ۲/۷۵۹-۷۶۱ كتاب الفرائض، سعيد)

نجی یعنی بھائی سے علیحدہ اور جائیداد ہے، جس کا سرکاری کارڈ میں وجود ہے، اور کیا اس نجی جائیداد میں خلیل الرحمٰن کا بھی کوئی حق پہونچتا ہے یا نہیں؟

۳......مسماۃ بدر النساء نے ابھی عقد نہیں کیا ہے، اور اگر عقد کرلے تو کیا وہ مشترکہ جائیداد اور غیر مشترکہ جائیداد میں اس کا حق رہے گا یا نہیں؟

۴......مسماۃ بدر النساء کے گذر اوقات کی ذمہ داری خلیل الرحمٰن پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲......قاضی تجمل حسین نے اپنے انتقال پر اگر صرف یہی دو وارث چھوڑے: ایک لڑکی مسماۃ بدر النساء اور ایک بھائی قاضی خلیل الرحمٰن، تو قاضی تجمل حسین مرحوم کا ترکہ- بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث: دَین وغیرہ (۱)- دو حصہ بنا کر نصف ان کی لڑکی مسماۃ بدر النساء کو ملے گا (۲) اور نصف ان کے بھائی قاضی خلیل الرحمٰن کو ملے گا (۳)۔

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة والثلثان للاثنين فصاعدةً". (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷، سعيد)

"وأما النساء فالأولىٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۳) بھائی چونکہ عصبہ ہے، ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ تمام جائیداد عصبہ کو ملے گی: =

قاضی تجمل حسین کو جو کچھ اپنے والد کے ترکہ سے ملا ہے، اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی۔ جو کچھ ان کی ذاتی پیدا کردہ جائیداد وغیرہ ہو، اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی (۱) یعنی مشترکہ جائیداد کے ۱/۲، میں آدھا بدر النساء کا ہے اور آدھا قاضی خلیل الرحمٰن کا اور نجی میں بھی ان دونوں کا آدھا آدھا ہے۔

۳.....عقد کر لینے سے بھی وہ محروم نہیں ہوگی، بلکہ حسب تحریر بالا والد کی کل مملوکہ متروکہ سے نصف کی حقدار رہے گی (۲)۔

۴..... جب مسماۃ بدر النساء کے والد کا چھوڑا ہوا ترکہ (مشترکہ اور نجی) اتنا ہے کہ اس میں سے وہ نصف کی حقدار ہے اور وہ اس کے گذر اوقات کے لئے کافی ہے تو اس کی ذمہ داری (نان ونفقہ) قاضی خلیل الرحمٰن کے ذمہ نہیں ہے اور وہ اپنا حصہ وصول کر کے اپنے مصارف کا انتظام کرے (۳)۔

= وأما العصبة بنفسه فكل ذكر لاتدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف .... ثم جزء أبيه: أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجي في الميراث، باب العصبات، ص: ۱۳، سعيد)

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۰۳/۴، كتاب الفرائض، غفاريه كوئٹه)

(۱) ترکہ سے ملا ہو یا خود کمایا ہو، سب چونکہ میت کی ملکیت شمار ہوگی لہذا تمام اشیاء میں میراث جاری ہوگی:

"لأن التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (الدر المختار: ۷۵۹/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"ثم شرع في الحجب فقال: لايحرم ستة من الورثة بحال ألبتة: الأب والأم والابن والبنت، أي الأبوان والوالدان والزوجان". (الدر المختار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۷۷۹/۶، ۷۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب: ۴۵۲/۶، رشيديه)

(۳) تندرست وتوانا اور غیر عاجز، بالغ شخص کا نفقہ اپنے ذمہ ہے، چاہے مرد ہو یا عورت:

"وتجب (أي النفقة) أيضاً لكل ذي رحم محرم صغير أو أنثى مطلقاً ولو كانت الأنثى بالغةً =

اگر وہ ترکہ قاضی خلیل الرحمٰن کے قبضہ میں ہے تو ان کے ذمہ لازم ہے کہ نصف خود رکھ کر نصف بدر النساء کے حوالہ کردیں اور ادائے حق کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں (۱)۔ بھتیجی اور مرحوم بھائی کی نشانی ہونے کی حیثیت سے وہ بہرصورت احسان ومروت کی مستحق ہے۔ لڑکے نے اگرچہ طلاق دیدی ہے اور وہ بہو نہیں رہی، لیکن بھتیجی تو اب بھی ہے، اس سے غافل نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں (۲) اور اس کی اولاد کو اس سے کلیۃً جدا رکھ کر اس کے دل کو نہ تڑپائیں (۳)۔

= صحيحةً أو كان ذكراً بالغاً لكن عاجزاً عن الكسب". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: مطلقاً) سواء كانت بالغةً أو صغيرةً، صحيحةً أو زمنةً .... والمراد بالصحيحة القادرةُ على الكسب، لكن لو كانت مكتسبةً بالفعل كالقابلة والمغسّلة، لانفقة لها". (ردالمحتار: ۳/۶۲۷، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في نفقة قرابة غير الأولاد من الرحم المحرم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۵۶۶، كتاب الطلاق، باب النفقات، فصل في نفقة ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۴۶، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني": أي تأخيره أداء الدين من وقت إلى وقت "ظلم" فإن المطل منع أداء ما استحق أداء ه وهو حرام من التمكن. ولو كان غنياً، ولكنه ليس متمكناً، جاز له التأخير إلى الإمكان". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۶/۱۱۹، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله، ومن قطعني قطعه الله". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۹، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قديمي)

"وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲۳، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة، قديمي)

(۳) "عن أبي أيوب رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من فرّق بين والدة وولدها، فرق الله بينه وبين أحبّته يوم القيامة". رواه الترمذي". ....=

تنبیہ: قاضی تجمل حسین نے اپنی لڑکی کے حق میں مشترکہ، غیر مشترکہ جائیداد کی جو وصیت کی وہ شرعاً معتبر اور لازم نہیں ہے، ہاں! اگر قاضی خلیل الرحمن صاحب رضامندی سے اس کی اجازت دیں تو مسماۃ بدر النساء کل کی حقدار اور مالک ہو جاوے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۹۰ھ۔

وصیت ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے

سوال[۹۷۱۳]: ایک بوڑھیا عورت ہے اس کی تین لڑکیاں ہیں، سب سے بڑی لڑکی کے ایک فرزند اور ایک لڑکی ہے۔ بوڑھیا اپنی نانی کے یہاں بود و باش کر رہی ہے۔ بوڑھیا مرتے وقت سولہ روپے چھوڑ گئی

= "وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: وهب لي رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم غلامين أخوين فبعتُ أحدهما، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ياعلي! ما فعل غلامک"؟ فأخبرته، فقال: "رُدّه رُدّه". .... "وعنه: أنه فرق بين جارية وولدها، فنهاه النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلک، فرد البيع". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۹۱، كتاب النكاح، باب النفقات وحق المملوک، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "عن يونس بن راشد، عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". قال ابن قطان في كتابه: ويونس بن راشد قاضي حران، قال أبو زرعة: لابأس به. وقال البخاري: كان مرجئاً، وكان الحديث عنده حسن". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، كتاب الوصايا، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الريان بيروت لبنان)

"عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول في خطبة عام حجة الوداع: "إن الله تبارک وتعالیٰ قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية للوارث". (جامع الترمذي، أبواب الوصايا، بابٌ: لاوصية للوارث: ۲/۳۲، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث: ۲/۴۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۶۵۲، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

ہے اور یہ وصیت کرگئی ہے کہ یہ روپیہ یتیم کو نہیں دیتی ہوں اور نہ جس کے گھر میں بلکہ یہ روپیہ کسی کام میں صرف کردیا جائے یہ بوڑھیا کی وصیت ہے۔ اب اگر یہ روپیہ کسی مدرسہ کے کام میں صرف کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، یا اس مدرسہ کے مدرس جو صاحب نصاب ہیں، ان کو تنخواہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ روپیہ اس بوڑھیا کے کل ترکہ کا ایک تہائی حصہ، یا اس سے کم ہے تب تو اس کی وصیت کے موافق مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے (۱)۔ اگر ایک تہائی سے زائد ہے تو اس زیادہ کو مدرسہ میں دینا ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، اگر سب ورثاء بالغ ہوں اور اجازت دیں تب تو مدرسہ میں خرچ کرنا صحیح ہوگا۔ اگر اجازت نہ دیں یا وہ نابالغ ہوں تو درست نہیں (۲)۔ جب وہ روپیہ مدرسہ کے مہتمم کو مدرسہ کی ضرورت کے لئے دیا جائے تو اس کو تنخواہ میں صرف کرنا بھی صحیح ہے اگر چہ مدرس صاحبِ نصاب ہو (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۶۱ھ۔

---

(۱) "عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: مرض مرضاً أشفى فيه، فعاده رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقال: يا رسول الله! إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنتي، أفأتصدق بالثلثين؟ قال: "لا". قال: فبالشطر قال: "لا". قال: فبالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثيرٌ، إنك إن تترك ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تدعهم عالةً يتكففون الناس". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۹۵، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما لايجوز للموصي في ماله، دار الحديث ملتان)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار". (الدر المختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۳، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۳۷۶، ۳۷۷، كتاب الوصايا، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وأما صدقة التطوع، فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة". (بدائع الصنائع: ۲/۴۷۶، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي إليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانيه: ۲/۲۷۵، كتاب الزكوة، باب من توضع الزكوة فيه، إدارة القران كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۵ كتاب الزكوة، الفصل الثامن في من توضع الزكوة فيه، غفاريه كوئٹه)

وصیت ایک تہائی میں

سوال[۹۷۱۴]: صوفی عبدالعزیز بیمار ہوئے، انھوں نے وصیت کی کہ عبداللہ! تم اس زمین کو بونا کھانا اور نصف آمدنی مسجد کو دینا اور نصف تم رکھنا۔ اب عبدالعزیز کا بھتیجا پاکستان سے آیا ہے اور اس زمین کا مطالبہ کرتا ہے، مگر عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ زمین مسجد کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ وصیت وقف درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں جو ہبہ یا وقف کیا جائے وہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے(۱) اور ایک تہائی ترکہ میں معتبر مانا جاتا ہے، لہٰذا اگر عبدالعزیز نے مرض الموت میں وصیت کی ہے تو ایک تہائی میں سے نصف آمدنی مسجد کیلئے ہوگی اور نصف عبداللہ کے لئے (۲)۔ دو تہائی عبدالعزیز کے وارث کی ہوگی۔ اگر وارث صرف ایک بھتیجا ہے تو وہی مستحق ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: مرضتُ عام الفتح، حتى أشفيتُ على الموت، فعادني رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: أى رسول الله! إن لى مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنةٌ لى، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: 'لا' قلت: فالشطر؟ قال: "لا" قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثيرٌ، أن تذر ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس". (سنن ابن ماجة، أبواب الوصايا، بابٌ: لاوصية لوارث: ۱۹۴/۲، قديمي)

(۲) "وأما لو وهب وسلّم لغير الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة". (شرح المجلة: ۴۸۴/۱، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، (رقم المادة: ۸۷۹)، مكتبه حنفية كوئته)

"وإن أوصىٰ بجميع ماله ولآخر بثلث ماله ولم تجز الورثة، فثلثه بينهما نصفان". (البحر الرائق: ۲۲۴/۹، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۶۷/۶، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۸۷/۷، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث المال، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) واضح رہے کہ بھتیجا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ کو کل ترکہ ملے گا: =

وصیت اور تقسیمِ ترکہ

سوال[۹۷۱۵]: ا......ایک مرتبہ میری والدہ نے فرمایا کہ چاول خریدلو، شاید کہ نفع ہو۔ بہن نے کہا کہ رقم میری ہوگی منافع آپ کا، جس کو منظور کرلیا۔ خریداری ہوئی، مگر قیمت گرگئی، نقصان سے فروخت کردیئے گئے۔ ماہ رمضان میں موسم برسات میں والدہ کا پیر پھسل گیا، کافی چوٹ آئی، تدبیر کی گئی مگر افاقہ نہیں ہوا، جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو والدہ سے کہا گیا کہ کچھ کہنا ہو تو کہو۔ تو انھوں نے کچھ رقم کے بارے میں وصیت کی کہ چاول کی رقم سے اتنا فلاں اور اتنا فلاں کو اور کچھ زیور اور نقد والدہ کے بھی تھے، کچھ رقم دارالعلوم دیوبند کے لئے بھی بتلائی جس کو دے چکا ہوں۔ تو اب میں اس وصیت پر کیسے عمل کروں جبکہ چاولوں میں خسارہ ہوا؟

والدہ مرحومہ کی ذاتی رقم ۱۹۵/ روپے اور دو زیور اور مال موجود ہے، اور وصیت کی رقم کی کل میزان ۱۱۵/ روپے ہوتے ہیں۔

۲......جو زمین بٹائی پر دی گئی ہو(۱) اس کی تقسیم ہر چیز میں ہوگی، یا صرف غلہ میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......جبکہ چاول کی رقم آپ کی تھی اور والدہ کے لئے صرف نفع کا وعدہ تھا اور نفع نہیں ہوا، بلکہ خسارہ ہوا تو والدہ صاحبہ کی یہ وصیت شرعاً واجب العمل نہیں(۲)، آپ ان کو ثواب پہونچانے کے لئے جو کچھ بھی

= "العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده، وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، سعيد)

"وأما العصبة بنفسه، فكل ذكر لاتدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف .... ثم جزء أبيه : أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، سعيد)

(۱) "بٹائی: پیداوار کی وہ تقسیم جو اجارہ دار اور مالک زمین میں قرار پائے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) اس لئے کہ یہ وصیت دوسرے کی ملک کی ہے اور دوسرے کی ملک میں وصیت باطل ہے:

"ومن أوصى بنصيب ابنه أو غيره من الورثة، فالوصية باطلة؛ لأنه وصية بمال الغير". (اللباب =

دیں گے ان کو نفع ہوگا(۱)۔ جو کچھ ترکہ ان کا (زیور یا نقد وغیرہ) ہے۔اس میں سب ورثاء کا حصہ ہے، ورثاء کی تفصیل معلوم ہونے پر سب کا حصہ لکھا جا سکتا ہے۔ ورثاء اگر سب بالغ ہوں اوراس بات پر رضامند ہوں کہ ان کے ترکہ سے وصیت پوری کی جائے تو اس کی بھی اجازت ہے(۲)، یہ بھی درحقیقت وصیت کی شرعی تنفیذ نہیں، بلکہ ایصالِ ثواب ہے۔

۲......بہتر صورت یہ ہے کہ ہر چیز میں بٹائی کی جائے (۳)، پھر کوئی فریق اس میں سے کوئی چیز نہ لینا

= في شرح الكتاب: ۲۲۶/۵، كتاب الوصايا، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۶۹/۲، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۹۹/۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۱) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوماً، أو حجاً، أو صدقةً، أو قراءة قرآن، أو الأذكار إلى غير ذلک من جميع أنواع البر، ويصل ذلک إلى الميت وينفعه .... وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه: أنه سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعوا لهم، فهل يصل ذلک إليهم؟ قال: "نعم .... اهـ". (تبيين الحقائق: ۴۱۹/۲، ۴۲۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار: ۵۹۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

(۲) "ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۹۰/۲، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶۵۶/۲، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲۱۲/۹، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۳) "ثم يقسم الباقي بعد ذلک بين ورثته بالكتاب، والسنة والإجماع". (الدرالمختار: ۷۶۱/۶، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، سعيد)

چاہے تو اپنا حصہ دوسرے فریق کو قیمۃً دیدے یا بلا قیمت ہی شرعی طور پر دے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

مال وصیت کے بارے میں اختلاف

سوال[۹۷۱۲]: عبدالحمید کے بھائی (پھوپھی زاد) تصور علی حاجی جس کے بچپن ہی میں والدین فوت ہوگئے تھے، اس کی پرورش میرے ہی والدین نے کی اور اس کو پڑھایا لکھایا، جوان ہونے پر اس کی شادی بھی کردی تھی۔ یہ لاولد تھا، یہ بیمار ہوا اور مجھ کو بلوایا، میں اس کے پاس آیا، میری موجودگی میں یہ فوت ہوگیا، اس کا گور، جنازہ کر دیا(۲)۔ کفن دفن کرنے کے بعد چند آدمی جو کہ دنیا دار ہیں، مجھ کو یہ کہا کہ میرے والد کی جو نقدی رقم ہے یا سامان پکا کنواں ہے وہ سب مرنے والا مسجد میں دے گیا۔ میں نے کہا مجھ کو تو یہ بتلایا تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تیرا ہے، مگر ان لوگوں نے مجھ کو قطعی جواب دیدیا۔ آیا میرا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ اپنے حق میں وصیت کے مدعی ہیں، وصیت کا حکم یہ ہے کہ وہ ایک تہائی ترکہ میں نافذ ہوتی ہے، جبکہ ورثاء اس کو تسلیم کرلیں(۳) یا وصیت پر شرعی دلیل موجود ہو(۴)۔ نیز کسی ایک وارث کے حق میں معتبر اس

---

(۱) "كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۴۳/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "گور: قبر"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۲، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين". (السراجي في الميراث، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۷۶۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۵/۴، كتاب الفرائض، غفارية كوئٹه)

(۴) "ادعىٰ علىٰ ميتٍ حقاً أو شيئاً مما كان بيده، فأقر الوارث به، لزمه في حصته". (جامع الفصولين: ۴۳/۲، الفصل التاسع والعشرون، اسلامی کتب خانه کراچی)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۹/۷، كتاب الدعوىٰ، رشيديه)

وقت ہوتی ہے جبکہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں اور اجازت دیدیں (۱)۔ پس مرحوم کے ورثاء جس کے حق میں وصیت کو تسلیم کرلیں، اس کو ایک تہائی ترکہ دیا جائے گا (۲)، بقیہ دو تہائی ورثاء کا ہوگا (۳)، ورثاء کی تفصیل آپ لکھیں تو سب کے حصہ متعین کردیے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

میراث کی ایک صورت اور وصیت نامہ

سوال [۱۷۹۱۷]: زید کا انتقال ہوگیا ہے جس نے پسماندگان مندرجہ ذیل چھوڑے: تین بھتیجے اور دو بھتیجیاں، نیز دو حقیقی بھانجے اور دو بھانجیاں۔ مسئلہ یہ ہے کہ زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، کس کو کس قدر حصہ ملے گا؟ جبکہ زید کی مندرجہ ذیل وصیتیں بھی ہیں اور زید کا تعلق ایک مدرسہ سے تا وفات رہا ہے:

وصایا:

۱- "میرے پاس کچھ دھات کے برتن ہیں (۴) جو میری ملک نہیں بلکہ مدرسہ

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "لا تجوز وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الرایة: ۴/۴۰۴، (رقم الحدیث: ۷۰۸۰)، کتاب الوصایا، مؤسسة الریان، بیروت)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله علیه الصلاة والسلام: "لا وصیة لوارث إلا أن یجیزها الورثة". .... وهم کبار". (الدرالمختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیه)

(۲) "ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین". (السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۴/۴۹۵، کتاب الفرائض، غفاریة کوئٹه)

(۳) "ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، سعید)

(۴) "دھات: وہ معدنی جوہر جس میں پگھلنے کی خصوصیت ہو جیسے سونا، چاندی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۹، فیروز سنز لاهور)

کے ہیں۔

۲-تمام کچے برتن میرے ہیں جن کو چاہیں دیئے جائیں۔

۳-دوچار کتابوں کے علاوہ سب کتابیں میری ہیں جن کو حسب استعداد ضرورت مندلوگوں کو دیدی جائیں، جن میں میرا خادم عمر بھی شامل ہے۔

۴-میرے نئے پرانے کپڑے کسی ایک شخص کو نہ دیئے جائیں، بلکہ ضرورت مندوں کو دے دیئے جائیں۔

۵-بڑا صندوق میرا ذاتی ہے، چھوٹا صندوق مدرسہ کا ہے جو بغیر استعمال کئے رکھا ہے۔

۶-دوعدد بوریوں میں کپڑے ہیں، کچھ سلے ہوئے کچھ بغیر سلے، وہ بھی میرے نہیں ہیں، نیز لکڑی کا صندوق اور چارپائی بھی میری نہیں ہے۔

۷-میرے روپے کا حساب بکر وخالد دو شخصوں کو معلوم ہے، اگر کسی بھائی کا قرضہ ہوتو وہ گواہوں کے ساتھ ان دونوں سے لے لے۔

۸-میرے خرچ کے علاوہ جو کچھ بچے وہ مدرسہ کو دیدیا جائے''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو اشیاء زید کی ملک نہیں بلکہ بطورِ امانت اس کے پاس تھیں وہ زید کا ترکہ نہیں (۱)، اس میں کسی وارث کا حق نہیں، وہ جس کی ہیں اس کو دیدی جائیں (۲)۔ جو اشیاء زید کی ملک تھی وہ ترکہ ہیں، اولاً تجہیز

---

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "يبدأ من تركة الميت". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال".

(ردالمحتار: ۷۵۹/۶، کتاب الفرائض، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۱/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

"يخبر تعالیٰ أنه يأمر بأداء الأمانات إلى أهلها، وفي حديث الحسن عن سمرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "أدِّ الأمانة إلى من ائتمنک، ولا تخن من خانک". رواه الإمام أحمد =

وتکفین متوسط طریقہ پر کر کے جو کچھ بچے اس کے ایک تہائی میں وصیت پوری کی جائے، اس کے بعد بقیہ ترکہ تینوں حقیقی بھتیجوں کو برابر ملے گا (۱)۔ بھتیجیوں (۲)، بھانجوں، بھانجیوں کو اس کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۸۹ھ۔

= ....اهـ". وهـذا يعم جميع الأمانات الواجبة على الإنسان من حقوق الله عز وجل .... ومن حقوق العباد بعضهم على بعض كالودائع وغير ذلك مما يأتمنون به بعضهم على بعض". (تفسير ابن كثير: ۱/۶۸۵، دار السلام الرياض)

(۱) "يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من المال، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) بھتیجا چونکہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال کا مستحق ہوگا:

"ثم جزء أبيه: أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجي، ص: ۱۳، سعيد)

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده، وما أبقته الفرائض عند وجود مَن له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(۳) مذکورہ ورثاء ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو حصہ نہیں ملے گا:

"والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة .... فيبدأ بذي الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية، ثم الرد على ذوي الفروض النسبية، ثم ذوي الأرحام". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

"هو كل من ليس بذي سهم ولا عصبة .... ولا يرث مع ذي سهم ولا عصبة". (الدر المختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب ذوي الارحام، سعيد)

"وإنما يرث ذووا الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض .... ولم يكن عصبة". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۹، كتاب الفرائض، باب ذوي الأرحام، رشيديه)

وصیت پورا کرنے کی ایک صورت

سوال[۹۷۱۸]: میری والدہ کا ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا ہے، انتقال کے بعد بحکم شرع ہم نے ہرایک وارث کو اس کا حق دیدیا۔ قبل از فوت میری والدہ نے ۱/۳ میں سے وصیت کی تھی، اس وصیت میں کچھ وارثین کے لئے مثلاً بڑی لڑکی کو کچھ دیا، نواسی کو کچھ دیا، چھوٹی لڑکی کو ایک مکان دیا، نواسی کو، اسی طرح کچھ تعمیر مسجد کے لئے، مطلب یہ کہ ۱/۳ میں انھوں نے وصیت کی ہے، اس وصیت کے مطابق جو بچا وہ شرعی فیصلہ کے مطابق تقسیم کردیا۔

کچھ دنوں کے بعد میری والدہ کو ہمارے ایک عزیز ہیں جو دیندار اور اکثر و بیشتر ان کے خواب بالکل صحیح ہوتے ہیں، انھوں نے خواب دیکھا، پوچھا کیسا حال ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے جو بھی صدقات وغیرہ دیئے ہیں ان سب کا اجر مجھے پورا پورا مل گیا ہے، لیکن میرے ایک غریب کو نہیں ملا جس کی وجہ سے تکلیف میں ہوں، لہٰذا تم فلاں بہن (جو عورتوں میں دینی وتبلیغی کام کرتی ہیں) حنیفہ بائی کو یہ میری امانت ہے ان کو بھجوادیں اور میری لڑکیوں کو کہہ دیں۔ یہ لوگ بہت ہی پریشان ہیں، آپ اس خواب کو حل فرما کر ہمارے حال پر کرم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وصیت میں اس غریب عورت کے لئے بھی تجویز کیا تھا تو اس کو بھی دیا جائے (۱)، ورنہ اس کے ساتھ سلوک اور خیر کا معاملہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۹۵ھ۔

---

(۱) "ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین". (السراجی، ص: ۳، سعید)

"ثم تصح الوصية لأجنبيّ من غير إجازة الورثة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۹۰/۶، كتاب الوصية، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۵۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وإذا حضر القسمة أولو القربى واليتمىٰ والمسكين، فارزقوهم منه، وقولوا لهم قولاً معروفاً﴾ (سورة النساء: ۸)

قربانی کی وصیت پر عمل کب تک واجب ہے؟

سوال[۹۷۱۹]: ہندہ آخر عمر میں تھی، اس کا بیٹا سفر میں تھا، اس نے کہا کہ وہ بیٹا آیا یا نہیں؟ تو ہندہ نے اپنے بھائی کو یہ وصیت کر کے اپنی دو بیگھ زمین بھائی کے نام پر لکھ کر جاری کرایا کہ ہر سال میرے لئے ایک قربانی کرنا۔ بعدہ ہندہ مرگئی، جب بیٹا گھر آیا تو وہ زمین بھائی نے بیٹے کے نام کردی اور وصیت جاری رکھی، پھر بیٹا مرگیا، اس نے وہ زمین دوسرے کے نام فروخت کردی تھی۔ سوال یہ ہے کہ:

۱.....قربانی کی وصیت کب تک جاری رہے گی؟

۲.....وصیت کردہ زمین وارثوں کا ترکہ بن سکتی ہے؟

۳.....اگر ترکہ بن سکتی ہے تو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۴.....اگر وارث نے فروخت کردی تو مشتری کا روپیہ یعنی ثمن کس کے ذمہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب تک وہ زمین بھائی کے پاس رہی اس وقت تک وصیت کے موافق قربانی بھائی کے ذمہ لازم رہی بعد میں نہیں (۱)۔

---

(۱) واضح رہے کہ وصیت شرعاً ایک ثلث میں جاری ہوا کرتی ہے، لہذا مذکورہ زمین کا حساب لگا کر صرف ایک ثلث کے بقدر قربانی کرنا بھائی کے ذمہ لازم ہے، ایک ثلث سے زائد میں نہیں:

"عن عامر بن سعد عن أبيه قال: مرض مرضاً أشفى فيه، فعاده رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنتي، أفأتصدق بالثلثين؟ قال: "لا". قال: فبالشطر؟ قال: "لا". قال: فبالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثيرٌ، إنك إن تترك ورثتك أغنياء خيرٌ من أن تدعهم عالةً يتكففون الناس". (سنن أبي داؤد: ۲/۳۹۵، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما لايجوز للموصي في ماله، مكتبة دار الحديث ملتان)

"ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۶۵۲، كتاب الوصايا، سعيد)

۲...... جب بھائی نے مرحومہ کی وصیت کردہ زمین اس کے لڑکے کو دیدی تو وہ اس کی ملک ہوگئی، حسبِ تخریجِ شرعی اس میں وراثت جاری ہوگی (۱)۔

۳...... ہر وارث کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے (۲)۔

۴...... وصیت صرف بھائی کے حق میں تھی، اس نے جب مرحومہ کے لڑکے کو ہبہ کردی تو وہ مالک ہوگیا (۳) اس کو بھی فروخت کرنے کا حق تھا، اور اس کے بعد جس کو وراثت میں ملی اس کو بھی فروخت کرنے کا حق ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

وصی اور وارث میں اختلاف

سوال [۹۷۲۰]: ہمارا ایک پھوپی زاد بھائی منشی حسین بخش ولد رحیم بخش عرصہ ۲۵/ سال کا ہوا، انتقال کرگیا تھا۔ اور مرحوم اپنی حیات میں مرنے سے پہلے اپنی بیوی اور اپنے لڑکے کو اور اپنے مال اسباب کو مجھ پر وصیت کرگیا تھا اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم ان کے مختار ہوگے، یہ تمام اشیاء تمہارے سپرد ہیں۔ یہ بھی

---

(۱) "ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته بالكتاب .... والسنة والإجماع". (الدرالمختار: ۷۶۲/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۵/۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۵/۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقةٌ في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۴۳/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۳) "يملك الموهوبَ الموهوبُ له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۸۸/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۸/۶، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) (راجع رقم: ۲)

وصیت کر گیا تھا کہ سوروپے تمہارے میرے ذمہ ہیں اور ۱۲۷/ روپیہ پنچایتی (۱) میرے پاس ہیں۔ ۹۶/ روپیہ مرحوم کی بیماری اور کفن دفن پر میں نے صرف کئے۔ دفن کرنے کے بعد میں نے پنچایت کی رقم اور جو کچھ مال اسباب تھا، وہ سب میں نے پنچائت میں رکھا اور میں نے پنچوں سے کہا کہ ان میں مختار کون ہونا چاہیئے، مرحوم کی یہ وصیت تھی۔ تو اس پر پنچوں نے مجھے مختار بنایا اور جو کچھ بھی چیز تھی وہ سب میرے سپرد کردی تھی، تحریر وغیرہ کوئی نہیں ہوئی۔

مرحوم کا بچہ سال بھر کا تھا، ڈیڑھ برس تک بیوہ اور بچہ کی پرورش میں نے کی جس پر ۱۳۰/ روپیہ میرا صرف ہوا۔

ان زیورات میں سے میں نے تین چار زیور بیوہ کو دیدئے تھے، بیوہ نے ڈیڑھ سال بعد نکاح کرلیا، لڑکے کی عمر اس وقت ڈھائی سال کی تھی۔ پھر میں نے پنچایت کی اور پنچایت نے یہ لڑکا میرے سپرد کردیا اور میں نے اس کی پرورش کی اور لڑکے کی مسلمانی (۲) بھی میں نے کی اور سگائی بھی میں نے کی (۳)، مگر قدرتِ الٰہی سے یہ لڑکا جس کا نام کرم الٰہی تھا انتقال کرگیا، اس کا کفن دفن ودیگر اخراجات سب میں نے کئے۔

اس کے بعد اس کے والیان جو کہ چوتھی یا پانچویں پشت میں ایک دادا کی اولاد ہیں، مندرجہ ذیل اشخاص ہیں:

مولا بخش، قادر بخش، نظام الدین، خیر الدین، علیم الدین۔

یہ سب ایک دادا کی اولاد ہیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے تمام اشیاء طلب کی جس پر میں نے جواب دیا کہ جس وقت اس کا والد گذرا تھا اس نے مجھے اس کا سرپرست بنایا تھا اور پنچایت نے مجھے وارث بنایا، اور ساڑھے چار سال کے بعد انھوں نے مجھ پر دعویٰ ہی کیا تھا کہ یہ لڑکا ہمیں ملنا چاہیئے۔ عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ جب پنچایت نے محمد خان کو وارث بنایا تھا تو عدالت کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ محمد خان ہی ہر چیز کا سرپرست ہے۔

---

(۱) "پنچایتی: عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی حکومت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "مسلمانی: ختنہ، سنت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) "سگائی: منگنی، نسبت"۔ (ایضاً: ۸۰۴)

انھوں نے میرا تمام روپیہ فضول بیجا صرف کرایا اور پھر یہ دعویٰ بھی خارج ہوگیا اور محمد خان کے حق میں کامیابی ہوئی، اس کے بعد انہوں فوجداری مقدمہ ۴۰۶/ کا کیا جس میں خدا کے فضل سے محمد خان کو کامیابی ہوئی اور اب ان کا ارادہ دیوانی کرنے کا ہے(۱)، مگر میں نہیں چاہتا کہ کسی قسم کا جھگڑا ہو اور میرا بہت سا روپیہ ناجائز طریقہ پر خرچ ہو، آپ کا فتویٰ چاہتا ہوں۔

مرحوم منشی حسین بخش کی ایک سگی بھانجی ہے، اس لڑکی نے بھی نوٹس دیا ہے اپنے حقوق کے لئے، دادا کی اولاد صرف تین اشخاص ہیں اور یہ جائیداد مرحوم کی پیدا کردہ ہے جدی نہیں، صرف ایک مکان جدی تھا، وہ خیر الدین نے بچہ کی نابالغی میں ہی قبضہ کرلیا تھا۔ جو شرع کا حکم ہو اس پر عمل کیا جاوے، ان وارثوں کے سوا اور کوئی وارث نہیں۔

محمد خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے قرض وغیرہ (۲) اس طرح تقسیم ہوگا کہ آٹھواں حصہ بیوہ کو ملے گا (۳)، سات

---

(۱) "دیوانی: عدالت خفیفہ، وہ عدالت جس میں مال وزر جائیداد اور قرضہ وغیرہ کے مقدمات کی سماعت ہو"۔ (فیروز اللغات، ص:۶۷۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تُقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يُقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۳) جب میت کی اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

حصے لڑکے کو ملیں گے(۱)، پھر لڑکے کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے ایک تہائی اس کی والدہ کو ملے گا(۲)، اور دو تہائی مولا بخش وغیرہ کو(۳)۔ ان میں سے جو لوگ زیادہ قریب ہیں اور ایک درجہ میں ہیں، وہ برابر کے حقدار ہیں۔ مرحوم کا جو کچھ ترکہ ہے، اس کو بطریقِ مذکورہ ورثاء کے حوالہ کردیجئے، آپ کو خود رکھنا درست نہیں(۴)۔ اب سرپرستی بھی ختم ہوچکی، پنچایت کا فیصلہ بھی کچھ کارگر نہیں(۵)۔

جو روپیہ آپ نے اپنا خرچ کیا ہے وہ اگر احسان اور تبرع ہے تو آپ نہیں لے سکتے(۶)، اگر لڑکے کی

---

(۱) بیٹا عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد تمام میراث کا مستحق ہوگا:

"العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه، فلأمه الثلث﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"والثالثة: الأم، ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات .... والثلث عند عدم هؤلاء ...... اهـ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۹، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۱، سعيد)

(۳) چونکہ یہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کے بعد کل مال کا مستحق ہوگا، كما تقدم في رقم الحاشية: ۱۔ پھر عصبۂ قریب کو ترجیح ہوگی بعید پر:

"إذا اجتمعت العصبات بعضها عصبةٌ بنفسها وبعضها عصبةٌ بغير وبعضها عصبةٌ مع غيرها، فالترجيح منها بالقرب إلى الميت، لا بكونه عصبةً بنفسها". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۲، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

"الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة". (السراجي، ص: ۱۳، سعيد)

(۴) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۵) سرپرستی اس وقت تھی جب تک مرحوم بچہ زندہ تھا، اس کے فوت ہونے پر سرپرستی بھی ختم ہوئی۔

(۶) "ورجع بما جهزه بالمعروف على تركته ...... وذلك إن نوى الرجوع ...... فإن نوى =

پرورش میں عدالت یا پنچایت کے حکم سے بطورِ قرض اپنا روپیہ خرچ کیا ہے اور خرچ کرتے وقت اس بات کے گواہ بھی آپ نے بنائے تھے کہ یہ روپیہ میں قرض دے رہا ہوں، پھر وصول کرلوں گا تو آپ وہ روپیہ لے سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

بیوی کے لئے جائیداد کی وصیت

سوال[۱۲۷۹]: ا…… بکر کی دو بیویاں ہیں، زوجہ اول زاہدہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، اس کے انتقال کے بعد دوسری زوجہ سعیدہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ بکر کچھ اراضیات کا مالک ہے، زوجہ اول زاہدہ کے لئے کوئی اراضی مخصوص نہیں کی، زوجہ دوم سعیدہ کے لئے وصیت کی کہ فلاں اراضی دیدی جائے، بکر کے انتقال کے بعد وہ اراضی سعیدہ کو دیدی گئی اور وہ اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ علیحدہ زندگی بسر کرنے لگی، اس اراضی سے وہی فائدہ اٹھاتی رہی۔ گورنمنٹ کے عام احکام کے پیشِ نظر، ظ قبضہ سعیدہ ہی مالکِ اراضی قرار پائی، اب اہلیہ دوم سعیدہ کا انتقال ہوگیا۔

اس اراضی کی نسبت برادر خورد وکلاں میں یہ تکرار ہو رہا ہے کہ برادر خورد(۲) کا کہنا کہ والد نے میری والدہ کو یہ اراضی بذریعۂ وصیت بلاشرط دیدی اور گورنمنٹ نے بلاکسی کارروائی کے ان کے نام ہبہ کردیا، اس لئے

= التبرع، فلا رجوع له". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۰/۷۵۹۲، كتاب الوصايا، المبحث الثالث في أحكام تصرفات الوصي، رشيديه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(۱) "أنفق الوصي من مال نفسه على الصبي، وللصبي مال غائب، فهو متطوع في الإنفاق استحساناً، إلا أن يشهد أنه قرض، أو أنه يرجع عليه؛ لأن قول الوصي لا يقبل في الرجوع فيشهد لذلک".

(ردالمحتار: ۶/۷۱۷، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء، سعيد)

(۲) "برادر خورد: چھوٹا بھائی"۔ (نور اللغات: ۱/۵۷۵، سنگ میل پبلی کیشنز، لاهور)

اس اراضی میں برادر کلاں اور اس کی ہمشیرہ کو کوئی استحقاق نہیں، میں ہی اس اراضی کے پانے کا مستحق ہوں۔

۲...... پنچ کی رائے یہ ہے کہ جو اراضی اہلیہ دوم سعیدہ کو بذریعۂ وصیت بلا کسی شرط کے دی گئی ہے وہ اسی وقت سے اس کی حیثیت مالکانہ قرار پائی ہے، اور گورنمنٹ کے اس کے نام پٹہ دارہ (۱) قرار دے کر اس کو مالکانہ حیثیت دے دی، اس لئے برادر کلاں (۲) اور اس کی ہمشیرہ کو اس میں سے حق نہیں مل سکے گا۔

ان واقعات کے پیش نظر کیا برادر کلاں اور اس کی حقیقی بہن اراضی مذکورہ میں شرعاً حصہ پانے کے مجاز ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کتنی اراضی کے مجاز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... بکر نے زوجہ دوم سعیدہ کو جو اراضی دی ہے اگر بعوضِ مہر دی ہے، یا محض وصیت کی ہے مگر سب دیگر ورثاء نے اس کی اجازت دیدی ہے اور وہ اراضی سعیدہ کو دیدی گئی تو وہ تنہا مالک تھی (۳)، اس کے انتقال کے بعد خود اس کی اولاد تو اس کی مستحق ہوگئی، اور بکر کی زوجۂ اُولیٰ سے پیدا شدہ اولاد اس کی مستحق نہیں ہوگی، کیونکہ وہ بکر کا ترکہ نہیں (۴)۔

---

(۱) ''پٹہ دار: وہ تحریر جس کے ذریعے سے جائیداد غیر منقولہ لگان یا کرائے پر دی یا لی جائے۔ وہ دستاویز جو کاشت کار مالکِ زمین کو اجارے کی بابت لکھ کر دے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۸، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''برادر کلاں: بڑا بھائی''۔ (نور اللغات، ص: ۳،۴/۲/۸۱۲)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "لا وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الرایة للزیلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، کتاب الوصایا، مؤسسة الریان بیروت)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته وهم کبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغیر ومجنون".

(الدر المختار: ۶/۶۵۶، کتاب الوصایا، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، کتاب الوصایا، رشیدیه)

(۴) جب کہ بکر نے زوجہ ثانیہ کے لئے وصیت کی اور دوسرے ورثاء نے اجازت دی تو اس صورت میں یہ زوجۂ ثانیہ کا ترکہ ہوا، بکر کا ترکہ نہ رہا، لہٰذا زوجۂ اولیٰ کی اولاد ذوی الارحام ہیں، وہ زوجۂ ثانیہ کی اولاد (ذوی الفروض) کے ہوتے ہوتے مستحقِ میراث نہیں ہیں۔ ....

۲...... یہ رائے صحیح ہے، بیوی شرعاً وارث ہوتی ہے اور وارث کے حق میں جو وصیت کی جائے وہ اس وقت معتبر ہوتی ہے کہ سب ورثاء اس کی اجازت دیدیں، لہٰذا پہلی زوجہ کے لڑکے اور لڑکی نے اگر اس وصیت پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس کو منظور کرلیا تو یہ وصیت معتبر ہوگی، اب اس کے مطالبہ کا حق نہیں رہا۔

تنبیہ: جو وارث نابالغ ہو، اس کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۳ھ۔

کنواں کھدوانے کے لئے سو روپے کی وصیت

سوال[۹۷۲۲]: زید نے بہ ہوش وحواس بروقت انتقال ورثاء کے سامنے ایک شخص کو ایک سو روپیہ دیا اور وصیت کی کہ اس سے کنواں بنوادے۔ چونکہ رقم تھوڑی ہے اور اس سے کنواں نہیں بن سکتا تو یہ روپیہ اور کسی جگہ صرف ہوسکتا ہے یا نہیں، کسی کارِ خیر میں یا مدرسہ میں دیدیا جائے، مرحوم کو ثواب ملے گا یا نہیں، اور وصیت پوری نہ کرنے کا مواخذہ نہیں ہوگا؟ اور جب کہ مرحوم دے چکا ہے تو اب اس میں ورثاء کا تو کوئی حق نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض الموت میں سو روپیہ دیئے ہیں تو یہ وصیت ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ ایک ثلث میں جاری ہوتی ہے، یعنی اگر کل ترکہ کا ثلث سو روپیہ ہو تو وصیت پوری کی جاوے گی، ورنہ اس کا نافذ کرنا ضروری نہیں، اگر ورثاء چاہیں نافذ ہوگی ورنہ نہیں، بلکہ کل ترکہ کا ثلث نکال کر اس میں نافذ ہوگی، مگر اس رقم سے مستقل کنواں نہیں بن سکتا تو جو کنواں بن رہا ہو اس میں اس رقم کو دیدیا جائے تب بھی وصیت پوری ہوجائے گی۔ اگر کنواں کے اندر اس رقم کا خرچ کرنا دشوار ہو تو پھر کسی دینی مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دیدیا جاوے: هكذا ماذكروا في وصية الحج:

"أوصى بحج، أحج عنه راكباً من بلده إن كفى نفقته ذلك، وإلا فمن حيث تكفي. وإن مات حاج في طريقه أو أوصى بالحج عنه، يحج من بلده إن بلغ نفقته ذلك، وإلا فمن

= "وهو (أي ذوو الأرحام) كل قريب .... (لايرث مع ذي سهم ولا عصبة سوى الزوجين) لعدم الرد عليهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام: ۷۹۱/۶، سعيد)

حیث تبلغ". تنویر (۱)۔

قال الطحطاوی: ۳۲۱/۴: "إن أوصى بمال يحج عنه، فإن حسن الطريق وإلا صرف إلى ما يراه الفقهاء من وجوه البر" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، ۱۶/۱۱/۵۲ھ۔

والد کی وصیت کہ میرا فلاں بیٹا میرے کفن دفن میں شریک نہ ہو

سوال [۹۷۲۳]: ۱...... میرے والد صاحب کی عمر ۸۰، ۹۰/ سال کی ہے اور بہت زیادہ ضعیف ہوگئے ہیں۔ ہم لوگ تین بھائی ہیں اور دو بیویوں کی اولاد ہیں، ایک سوتیلا بھائی ہے۔ والد صاحب سوتیلے بھائی اور سوتیلی ماں سے زیادہ انسیت رکھتے ہیں، والد صاحب کا کہنا ہے کہ ہمارے مرجانے کے بعد تم دونوں لڑکے اور تمہاری بیوی بچے ہمارے جنازہ پر ہاتھ نہ لگانا اور نہ ہمارے کفن دفن میں شریک ہونا۔ ایسی صورت میں ہم دونوں بھائی مع اہل وعیال کے والد صاحب کے جنازے میں شریک ہوکر کفن دفن کریں یا نہ کریں؟

۲...... والد صاحب کے اس تاکیدی حکم کے خلاف کرنا کیسا ہے؟

۳...... والد صاحب کا اس طرح کا حکم بچوں کو ماننا ضروری ہوگا یا نہیں؟

۴...... اس طرح کے حکم نہ ماننے پر قیامت کے دن کوئی مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے والد صاحب کی یہ وصیت قابل عمل نہیں، بالکل بیکار ہے (۳)، آپ سب ان کی تجہیز وتکفین

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۶/۶۶۲، ۶۶۳، كتاب الوصايا، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۴/۳۲۱، كتاب الوصايا، دارالمعرفة بيروت لبنان)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۸۱، كتاب الوصايا، باب العتق في المرض والوصية، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۲۱۰، كتاب الوصايا، باب العتق في المرض، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) غیر شرعی وصیت کا نفاذ اور اس میں وصیت کرنے والے کی اتباع جائز نہیں:

"يشترط في الموصى له شروط صحة وشروط نفاذ، أما شروط الصحة، فهي ما يأتي .... =

میں شریک ہوں (۱) اور سب کام شریعت کے مطابق کریں، قیامت میں آپ سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ

مرض الموت کی حد اور تعریف اور مرض الموت میں وارث کے حق میں اقرار

سوال[۹۷۲۴]: زید عرصہ دوتین سال سے ایک مرض مہلک میں مبتلا تھا، یعنی پیشانی پر مرض (سرطان) انگریزی میں (کینسر) اردو میں (پھوڑا) کہتے ہیں، زید نے مقامی حکماء وڈاکٹر وغیرہ کا عرصہ تک مرض مذکور کا علاج کرایا، لیکن صحت یاب نہیں ہوا۔ بعدازاں بیرونی ڈاکٹر بمقام (مراج) انتقال سے تین ماہ پیشتر

= وألا يكون الموصى له جهةً معصيةً .... فإذا كان له جهة معصية، بطلت الوصية باتفاق الفقهاء كالوصية لأندية القمار والمراقص وإقامة القباب على المقابر أو النياحة على المولىٰ .... لأن الوصية شرعت صلةً أو قربةً، فلا يصح أن تكون في معصيةً، فإذا وقعت كذلك كانت باطلةً اتفاقاً؛ لأنها وصية بمحرم شرعاً". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۰/ ۷۴۲۳، كتاب الوصية، المطلب الثاني: شروط الوصية، والوصية لجهة معصية، رشيديه)

"أوصىٰ بأرضٍ له تبني بيعة أو كنيسة، عندهما لايجوز. وجه قولهما أن الوصية بهذه الأشياء وصيةٌ بما هو معصية، والوصية بالمعاصي لاتصح". (بدائع الصنائع: ۷/ ۳۴۱، كتاب الوصايا، فصل: أما شرائط الركن، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۶۹۰، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب وغيرهم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۹۵، ۹۶، كتاب الوصايا، الباب الثاني، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۴۹۵، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "حق المسلم على المسلم خمسٌ: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۳۳، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الأول، قديمي)

اپنے برادر کلاں (۱) کو ہمراہ لیکر بغرض علاج گیا، مرضِ مذکور کا علاج وہاں بھی نہیں ہوا۔ آخر کار بیرونی ڈاکٹر نے انتقال سے ڈھائی ماہ قبل زید کو لا علاج قرار دیکر اپنے وطن واپس کر دیا۔

پھوڑے کی یہ حالت تھی کہ روز بروز چہرہ پر بڑھتا جاتا تھا، یہاں تک نوبت پہونچی کہ مرض نے پیشانی سے تالو تک غار کر دیا جس سے بدبو اور عفونت بیحد پیدا ہوگئی، بس دماغ سے خون اور پیپ رات دن جاری تھا۔ انتقال سے ڈیڑھ ماہ قبل مریض کی ایک آنکھ پانی ہو کر خود بخود بوجہ مرض جاتی رہی، بعد ازاں دوسری آنکھ بھی جاتی رہی، سر پر اور آنکھوں پر ہر وقت پٹی بندھی رہتی تھی، دو تیماردار زید کو اٹھاتے اور بٹھاتے تھے۔

چونکہ زید تاجر تھا، خرچ کچھ پاس نہیں تھا، آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی تھی، سواری میں لیٹ کر تیماردار کو ساتھ لے کر اپنی دوکان پر انتقال سے بیس یوم پیشتر گیا اور چھ سات سو کا پارچہ یک وقت میں دیگر دوکان داروں کو فی الوقت دے کر چند گھنٹے میں واپس مکان پر آ گیا، کیوں کہ مرض دماغی تھا نہ آنکھوں سے نظر آتا تھا، نہ دماغ کام دیتا تھا پس صاحب فراش ہو گیا۔

چنانچہ ایسی صورت میں زید نے اپنے انتقال سے ایک ماہ سولہ یوم پہلے اپنے ایک وارث بکر کے قرضہ کا اقرار کر کے قرضہ میں اپنی جائیداد منقولہ کو مکفول کر دیا جس سے دیگر ورثاء محروم الارث تصور کئے جا رہے ہیں۔

الحاصل: ۱..... مرض الموت کی تفسیر اور حد بموجبِ مذہبِ مختار کیا ہے؟

۲..... مرض مذکورہ بالا پر بموجبِ مذہبِ مختار مرض الموت کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

۳..... کیا مرض متذکرہ بالا کی صورت میں زید کا اقرار نامہ اپنے وارث کے قرضہ کا شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ فقط۔

المستفتی: حکیم ظہیر احمد خان، ٹونک قدیم، ۸/ جمادی الثانیہ/ ۶۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... في الهندية: "المريض مرض الموت مَن لا يخرج إلى حوائج نفسه، وهو الأصح، كذا في خزانة المفتي. حد مرض الموت تكلموا فيه، والمختار للفتوى أنه إذا كان الغالب منه الموت، كان مرض الموت، سواء كان صاحب فراش أو لم يكن، كذا في

(۱) ''برادر کلاں: بڑا بھائی''۔ (نور اللغات، ص: ۸۱۲/۴، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

المضمرات، اھ". عالم گیری: ٤/١٧٦ (١)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مرض الموت کے متعلق قول مختار للفتویٰ یہ ہے کہ جس مرض سے وقوع موت غالب ہو وہ ہی مرض الموت ہے، خواہ اس مرض کی وجہ سے مریض صاحبِ فراش ہو خواہ نہ ہو۔

۲..... اگر ماہرینِ فنِ طب اس کو مرضِ مہلک کہتے ہیں جیسا کہ سوال میں درج ہے تو یہ مرض الموت ہے (۲)۔

۳..... مرض الموت میں اقرار کسی وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، پس اگر بکر اس مریضِ مقر کا بوقتِ موت بھی وارث رہے تو یہ اقرار دیگر ورثاء کے اِذن سے معتبر ہوگا۔ اگر بوقتِ اقرار تو بکر وارث ہے اور بوقتِ موتِ مقر وارث نہ رہے تو یہ اقرار شرعاً معتبر ہوگا:

"إقرار المريض لوارثه لا يجوز إلا بإجازة بقية الورثة، فإن كان المقرّ له وارث المريض وقت الإقرار وبقي وارثاً كذلك إلى أن مات المريض، فالإقرار باطل. وإن كان المقرّله وارثاً وقت الإقرار وخرج من أن يكون وارثاً بعد الإقرار وبقي كذلك حتى مات، بأن أقرّ لدينه وليس له ابن ثم حدث له ابن وبقي هذا الابن حياً إلى أن مات المريض، فالإقرار جائز، هكذا في المحيط، اھ". عالمگیری: ٤/١٧٦ (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۱۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۴ھ۔

---

(١) (الفتاوى العالمكيرية: ١٧٦/٤، كتاب الإقرار، الباب السادس في إقرار المريض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٣٨٣/٣، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٢٥٦/٩، كتاب الوصايا، باب الوصية بثلث ماله، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ٣٩٢/٢، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ٧٥٤/١٠، كتاب الوصايا، الفصل الثاني في حكم تبرعات المريض ومرض الموت، رشيديه)

(٢) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(٣) (الفتاوى العالمكيرية: ١٧٦/٤، كتاب الإقرار، الباب السادس في أقارير المريض وأفعاله، رشيديه)

"وإن أقر المريض لوارثه بمفرده أو مع أجنبي بعين أو دين، بطل .... إلا أن يصدقه بقية الورثة ...... =

عورت کا ارادہ تھا کہ اپنے کپڑے مدرسہ میں دیدے اس کے انتقال پر شوہر کیا کرے؟

سوال[۹۷۲۵]: زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا وہ اپنے کپڑے چلتا می کے مدرسہ میں دینا چاہتی تھی۔ تو جس مدرسہ میں کلام پاک، اردو کی تعلیم ہو، لیکن بیرونی بچے قیام وطعام والے نہ ہوں تو اس مدرسہ میں وہ چاندی وغیرہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زکوۃ یا صدقہ واجبہ نہیں، مدرسہ یا مسجد میں دینا درست ہے، تعمیر وتنخواہ میں بھی خرچ کرنا صحیح ہے(۱)، ہاں! اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اس میں نابالغ کا حصہ نہ ہو اور جس بالغ کا حصہ ہو وہ بھی بخوشی مسجد یا مدرسہ میں دینے کی اجازت دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۹۲ھ۔

= بعد موته". (الدر المختار: ۵/۶۱۳، كتاب الإقرار، باب إقرار المريض، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۱۴۷، كتاب الإقرار، الفصل الثالث في إقرار المريض، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۷/۲۲۷، كتاب الإقرار، فصل في إقرار المريض، سعيد)

(۱) "ولو أوصىٰ أن يجعل أرضه مسجداً، يجوز بلا خلاف .... ولو أوصىٰ بثلث ماله لأعمال البر، ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه الله تعالىٰ أن كل ما ليس فيه تمليك، فهو من أعمال البرّ، حتى يجوز صرفه إلى عمارة المسجد وسراجه دون تزيينه .... وفي الفتاوىٰ الخلاصة: ولو أوصىٰ بالثلث في وجوه الخير، يصرف إلى القنطرة أو بناء المسجد أو طلبة العلم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۷، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصية والتي لاتكون وصية ومايجوز من الوصية ومالايجوز، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۲۳۴، كتاب الوصايا، الفصل الثاني في الوصية بالكفارة، رشيديه)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يُجزِ الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار". (الدر المختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۲۲۴، كتاب الوصايا، الفصل الأول في، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

الفصل الرابع فی استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدمِ استحقاقِ وراثت کا بیان)

حقِ وراثت موتِ مورث کے بعد ہوتا ہے

سوال[۹۷۲۶]: زید موجود ہے، زید کی اولاد میں ایک لڑکا اور دولڑکیاں ہیں، لڑکیوں میں ایک حیات ہے اور ایک کا انتقال ہو چکا ہے۔ زید کی موجودگی میں سب جائیداد کی تقسیم زبردستی کرنے لگے ہیں، حالانکہ زید موجود ہے۔ شرعاً زید کی اولاد کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جب تک زندہ ہے اپنی جائیداد کا خود مالک ہے، کسی وارث کا بحیثیتِ وراثت کوئی حق نہیں (۱)۔ زید کا جب انتقال ہو جائے گا، اس وقت جو ورثاء ہوں گے وہ حسبِ قواعدِ شرعیہ وارث ہوں گے، اس وقت مسئلہ دریافت کرنا (۲)، ابھی کسی کو زبردستی لینے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "أما بیان الوقت الذی یجری فیه الإرث .... قال مشایخ بلخ: الإرث یثبت بعد موت المورث". (البحر الرائق: ۹/۳۶۴، کتاب الفرائض، رشیدیه)

قال العلامه الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "وهل إرث الحی من الحیّ أم من المیت: أی قبیل الموت فی آخر جزء من أجزاء حیاته؟ المعتمد الثانی". (الدرالمختار).

"لأن الترکة فی الاصطلاح: ما ترکه المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغیر بعینٍ من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۸، ۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) "وشروطه ثلاثة: موت مورث حقیقةً أو حکماً، ووجود وارثه عند موته حیاً .... والعلم بجهة إرثه". (ردالمحتار: ۶/۷۵۸، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸) .... =

حقِ میراث نہ لینے سے باطل نہیں ہوتا

سوال[۹۷۲۷]: خواجہ کی تین لڑکیاں: ہندہ وغیرہ اور ایک لڑکا تھا۔ خواجہ کا تو انتقال ہوگیا، ہندہ وغیرہ لڑکیاں اور باب اللہ لڑکا کو چھوڑ گیا۔ سارا ترکہ باب اللہ کے نام ہوگیا، لیکن اس کی بہنیں ہندہ وغیرہ نے اپنا حق نہیں لیا، حتی کہ اپنے بھائی باب اللہ سے سب سے پہلے انتقال کرگئیں۔ بعدۂ باب اللہ دولڑکیاں اور ایک لڑکا سرور کو چھوڑ کر انتقال کرگئے، باب اللہ کا سب ترکہ ان کے لڑکے سرور کے نام ہوگیا۔ بعدۂ سرور بھی دو بہنیں اور ایک بیوی چھوڑ کر انتقال کرگئے، اب سرور کے ترکہ میں اس کی پھوپھیاں، ہندہ وغیرہ کے لڑکے حق کا دعویٰ کرتے ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ سرور کی پھوپھیوں، ہندہ وغیرہ نے جبکہ اپنے بھائی باب اللہ سے اپنی زندگی میں اپنا حق نہیں لیا اور باب اللہ کا سارا ترکہ ان کے لڑکے سرور کے نام ہو چکا ہے تو کیا پھوپھیوں کے مرجانے کے بعد بھی ان کا حق باقی ہے اور ان کے لڑکے شرعاً حصہ لے سکتے ہیں، اگر لے سکتے ہیں تو کیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محض نہ لینے سے وارث کی ملک مالِ مورث سے زائل نہیں ہوتی (۱)، لہٰذا اگر ہندہ وغیرہ نے باب اللہ

= "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوٰة المصابیح: ۱/۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

"لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدرالمختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی بیان القواعد الفقهیة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) "لو قال وارث: ترکت حقی، لا یبطل حقه؛ إذ الملک لا یبطل بالترک". (جامع الفصولین: ۲/۴۰، الفصل الثامن والعشرون فی مسائل الترکة والورثة والدین .... اھ، اسلامی کتب خانه، کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۲۲۳ – ۲۲۵، باب إقرار المریض، فصل فی مسائل شتی، سعید)

کو اپنا حصہ ہبہ کر کے با قاعدہ قبضہ کرا دیا تھا تب تو ہندہ کے ورثاء کو باب اللہ کے ورثاء سے اس کے لینے کا حق حاصل نہیں۔ اور اگر با قاعدہ ہبہ نہیں کیا تو پھر حق حاصل ہے(۱)، جس کی مقدار خواجہ کے انتقال سے اس وقت تک نام بنام موتی کی ترتیب اور ورثاء کی تفصیل معلوم ہونے پر تحریر کی جاسکتی ہے:

"لو قال الوارث: تركت حقي، لم يبطل حقه؛ إذ الملك لا يبطل بالترك". أشباه، ص: ۲۳۹(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۷/۱۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

حصۂ میراث پر قبضہ نہ کرنے سے میراث باطل نہیں ہوتی

سوال[۹۷۲۸]: ایک عورت فوت ہوئی، اس نے اپنے ورثاء میں والد وشوہر اور ایک لڑکی چھوڑی، ان ورثاء کے درمیان ترکۂ متوفیہ ہر قسم بروئے مصلحت خود تقسیم ہوگیا اور ہر وارثِ متوفیہ اپنے اپنے حصہ پر قابض ہوگیا، مگر والدِ متوفیہ اپنے حصوں پر قابض ہونے کے بعد جب اپنے حصۂ مکان مسکونہ پر قابض ہونے لگا تو اس نے اپنی نواسی یعنی دخترِ متوفیہ کو کچھ رنجیدہ پایا، اس وجہ سے والد متوفیہ نے ترکۂ مکان پر اپنا قبضہ اس وقت حاصل نہیں کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دخترِ متوفیہ کا ابھی انتقال ہوگیا۔ اب والد متوفیہ مذکورہ بالا اپنے حصۂ مکان پر قابض ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، الباب الثالث في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۱، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) (الأشباه والنظائر: ۳/۵۳، باب ما يقبل الإسقاط من الحقوق ومالا يقبله، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في جامع الفصولين: ۲/۴۰، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين، اسلامی كتب خانه كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۱۲ عورت

شوہر	والد	لڑکی
۳	۲ + ۱ = ۳	۶

شریعت کے موافق صورت مسئلہ میں تقسیم ترکہ اس طرح ہے کہ کل ۱۲/ سہام ہوں گے: تین شوہر کے، تین والد کے، چھ لڑکی کے (۱)۔ اس کے خلاف اگر کسی طرح صلح اور تقسیم ہوگئی اور سب ورثاء بالغ ہیں اور اس پر رضامند ہیں تو وہ تقسیم میراث نہیں، بلکہ مالِ مشترک کی تقسیم ہے کہ فلاں چیز لڑکی کے لئے اور فلاں چیز شوہر اور فلاں چیز والد کے لئے، اس کے لئے سب کی رضامندی ضروری ہے (۲)۔ جب لڑکی رضامند نہیں اور تقسیمِ مذکور حکمِ حاکم سے نہیں ہوئی تو بروئے شریعت تقسیم کرنا چاہیئے۔

اگر تقسیم کے وقت لڑکی رضامند تھی، بعد میں طبعی افسوس ہوا، اور والد نے دلداری کے لئے مکان پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ لڑکی کو مستعار دیدیا تو اب اس پر قبضۂ مالکانہ درست ہے (۳)۔ اگر مستعار نہیں دیا تھا بلکہ ہبہ کردیا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن كان لهن ولد، فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۲) قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: "ولو كان في الميراث رقيق وغنم وثياب، فأقسموا وأخذ بعضهم الرقيق وبعضهم الغنم، جاز بالتراضي". (خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۲۱۰، كتاب القسمة، الفصل الأول فيما يقسم وفيما لا يقسم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۲۶۸، الباب الخامس عشر في صلح الورثة والوصي في الميراث، كتاب الصلح، رشيديه)

(۳) "وللمعير أن يسترد العارية متى شاء، سواء كانت العارية مطلقةً أو مؤقتةً؛ لأنها غير لازمة". =

تھا، اور اس پر لڑکی کا قبضہ پہلے سے تھا تو وہ لڑکی کی ملک ہو چکا تھا اب اسے واپس لینا درست نہیں (۱)، بلکہ قانونِ شرع کے موافق اس میں میراث جاری ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۴/ ۷/ ۵۷ھ۔

پراویڈنٹ فنڈ کا ورثہ میں سے مستحق کون ہوگا؟

سوال [۹۷۲۹]: وراثت کے بارے فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ مطلوب ہے، سید عبد العلیم صاحب مرحوم نے ۱۹/ اگست/ ۷۱ء کو انتقال فرمایا، انہوں نے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے:

مسماۃ بی بی ہاجرہ زوجۂ متوفی، جمیلہ خاتون دختر متوفی، نسیمہ خاتون دختر متوفی، رشیدہ خاتون دختر متوفی، شوکت علی پسر متوفی۔

مرحوم ریلوے کے کارخانہ ملازم تھے، پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے تنخواہ کا ایک جزو ہر ماہ وضع ہو کر جمع ہوتا رہتا ہے، اختتامِ ملازمت کا کل رقم جمع کنندہ کو ادا ہو جایا کرتی ہے، بصورتِ انتقالِ ملازم دورانِ ملازمت اس شخص کو ملتی ہے جسے وہ نامزد کر جائے، اس طرح جمع شدہ رقم نامزد شخص کو ادا کر کے محکمہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش

= (خلاصة الفتاوی: ۲۹۲/۴، کتاب العارية، الفصل الثالث فی طلب العارية وردها، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۶۷۷/۵، كتاب العارية، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۵۰/۱، (رقم المادة: ۸۱۳)، كتاب العارية، الفصل الثانی، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمه أو لعمته أو لخاله أو لخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۲/۱، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث منه، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۸۵/۴، كتاب الهبة، الباب الخامس فی الرجوع فی الهبة وفيما يمنع، رشيديه)

(وكذا فی خلاصة الفتاوی: ۴۰۲/۴، كتاب الهبة، الفصل الثانی فی الرجوع فی الهبة، رشيديه)

ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرحوم نے ہاجرہ بی بی کا نام نامزدگی کے خانہ میں تحریر کیا تھا، چنانچہ ہاجرہ بی بی نے دس ہزار سے کچھ زائد رقم اس مد میں وصول کر لی اور اس کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کرتی ہیں، متوفی نے یہ رقم نہ انہیں ہبہ کی، نہ کسی اَور مطالبہ میں دی، یہ رقم مرحوم کے قبضہ اور تصرف میں نہیں تھی۔

۱...... ایسی صورت میں کیا وہ رقم تنہا ان کی ملکیت ہوگی، یا سب ورثاء اس میں حصہ رسدی کے مستحق ہیں؟

۲...... مسماۃ ہاجرہ بی بی نے متوفی کے انتقال کے بعد جب انہیں غسل وکفن کے بعد لٹایا گیا تو تمام حاضرین کے سامنے مہر معاف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ معافی اس لئے درخوراعتناء نہیں ہے کہ متوفی نے نہ اس کو سنا اور نہ قبول کیا، اس لئے وہ بارِدَینِ مہر باقی ہے۔

۳...... مرحوم کی کچھ رقم ڈاکخانہ میں جمع تھی اور پندرہ سو روپیہ- جو بینک ڈرافٹ کی صورت میں تھا- نکل نہ سکتا، یہ پندرہ سو روپے حج کی درخواست کے ساتھ ڈرافٹ کی صورت میں کیا گیا تھا، درخواست کی نامنظوری کے بعد نکالا نہیں گیا اور درخواست دہندہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ رقوم تنہا ہاجرہ بی بی کو ملے گی یا ورثاء میں تقسیم ہوگی؟

۴...... جمیلہ خاتون دختر متوفی اپنے شوہر فیض الرحیم صاحب کاظمی کے ساتھ لاہور میں ہیں، سیاسی حالاتِ ناسازگار کے باعث آمدورفت فی الحال غیر ممکن ہے، وارث میں ان کا بھی وہی حق ہے جو دوسرے ورثاء کا۔ انھوں نے اپنی خالہ اور خالو کو لکھا کہ جب تقسیم ہو تو ان کا حصہ بھی الگ کر دیا جائے، چنانچہ ورثاء نمبر ایک و پانچ کے باوجود جمیلہ خاتون کے خالو- مسمی مقبول صاحب- اس کے مؤید ہوئے اور انھوں نے چند بار اس کا اعادہ کیا، مگر بعد میں ان کے خیالات تبدیل ہوگئے۔ دوران گفتگو انھوں نے فرمایا کہ:

۱- ''تحریر کا کیا اعتبار، ہوسکتا ہے کہ بھالے کی نوک پر جمیلہ سے یہ تحریر لکھوائی گئی ہے، استقرارِ حق کے لئے انھیں خود آنا چاہیئے۔

۲- جمیلہ کا حصہ ورثاء نمبر ایک کے ساتھ شامل رہے گا اور اسی کی سپردگی میں رہے گا، اس لئے کہ وہی اس کا سگا بھائی ہونے کی حیثیت سے شرعاً اس کا مجاز ہے، دوسرے کسی کو اس کا حق نہیں پہونچتا کہ اس کی سپردگی میں جمیلہ کا حصہ دیا جائے۔ نیز یہ کہ جب بھی جمیلہ آئیں گی تو ورثاء نمبر ایک انہیں کچھ دے دلا کر راضی کر لے گا''۔

اس رائے کی تائید میں فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ بھی دیا گیا۔

جمیلہ خاتون ماں اور بھائی سے اپنے حصہ کی طلب میں حصہ کا الگ نہ کیا جانا اور بھائی کے ساتھ اور ان کی سپردگی میں دینے پر اصرار، اس پر فتویٰ کی آڑ فسادنیت پر مبنی ہے، جمیلہ خاتون کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جسے پسند کریں ان کی سپردگی میں ان کا حصہ دیا جائے۔ ورثاء نمبر ایک کے دل میں یہ خدشہ ہے کہ اگر جمیلہ خاتون کا حصہ الگ کردیا گیا تو وہ لازماً ان کے بڑے باپ اور خسر سید عبدالرحیم صاحب کی سپردگی میں چلا جائے گا، اس طرح ورثاء نمبر ایک اس سے محروم ہوجائیں گے، اس خدشہ کے دفعیہ کی یہ صورت بھی پیش کی گئی کہ جمیلہ خاتون کا حصہ الگ کرکے اس کی معقول قیمت ادا کردی جائے تاکہ وہ رقم انہیں دیدی جائے، مگر اس پر بھی آمادہ نہیں ہے۔ براہ کرم جملہ امور کا واشگاف جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......سید عبدالعلیم کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۸ تصـ ۴۰ — سید عبدالعلیم

زوجہ	ابن		بنت	بنت	بنت
ہاجرہ بی بی	شوکت علی	۷/۳۵	جمیلہ	نسیمہ	رشیدہ
۱/۵	۱۴		۷	۷	۷

بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث ترکۂ مرحوم چالیس سہام بناکر پانچ سہام زوجہ (ہاجرہ بی بی) کو ملیں گے (۱)۔ سات سات سہام ہر لڑکی کو ملیں گے، چودہ سہام لڑکے کو ملیں گے (۲)۔ مرحوم کی تنخواہ سے وضع

(۱) جب میت کی اولاد موجود ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اور مذکورہ صورت میں چالیس کا آٹھواں پانچ ہے، وہ اس کا حصہ ہے:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن کان لکم ولد، فلهن الثمن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) بیٹا اور بیٹیاں دونوں مل کر عصبہ بن جاتے ہیں، تو بقاعدہ ﴿للذکر مثل حظ الأنثيين﴾ کے بیٹے کو دوہرا اور بیٹیوں کو اکہرا حصہ ملے گا: .... =

ہوکر جمع شدہ رقم بھی مرحوم کا ترکہ ہے(۱)۔ خانۂ نامزدگی میں کسی کا نام لکھا دینے سے ہبہ ہوکر اس کی ملک نہیں ہوگی (۲)، یہ شرعی وصیت بھی نہیں (۳)۔ پس ہاجرہ بی بی کا ایسی رقم کو وصول کرکے تنہا اپنی ذات ملک تصور کرنا

= قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۱) "المدرس لو مات أو عزل فی أثناء السَّنَة قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، یعطی بقدر ما باشر، ویصیر میراثاً عنه کالأجیر إذا مات فی أثناء المدة". (ردالمحتار: ۴/۴۳۵، کتاب الوقف، مطلب فیما لو مات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعید)

"کما أن أعیان المتوفی المتروکة عنه مشترکةٌ بین ورثته علی حسب حصصهم، کذلک یکون الدین الذی له فی ذمة آخر مشترکاً بینهم علی قدر حصصهم". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، کتاب الشرکة، الفصل الثالث فی الدیون المشترکة، مکتبه حنفیة، کوئٹه)

"زید دائن کے انتقال کے بعد وارث اپنے اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ مدیون سے کرسکتے ہیں اور مدیون کا انتقال ہوجائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کرسکتا ہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الدیون: ۸/۱۳۸، دارالاشاعت)

(۲) پراویڈنٹ فنڈ چونکہ سب یکمشت نہیں ہوتا، اس وجہ سے اگر کوئی کسی کو ہبہ کریں تو اس سے بھی ملک میں نہیں آتا، کیونکہ ملک کے لئے قبضہ شرط ہے اور یہاں قبضہ نہیں پایا جاتا:

"تنعقد الهبة بالإیجاب والقبول، وتتم بالقبض الکامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لایتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، کتاب الهبة، مکتبه حنفیه، کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

(۳) "(هی [أی الوصیة] تملیک مضاف إلی مابعد الموت) عیناً کان أو دیناً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوصایا: ۶/۶۴۸، سعید)

غلط ہے، اس میں سب ورثاء حسبِ تفصیل بالا شریک ہیں۔

۲..... غسل وکفن کے وقت زوجۂ متوفی نے مہر معاف کردیا تو وہ معاف ہوگیا(۱)، اس کے لئے شوہر کا سننا یا قبول کرنا ضروری نہیں۔

۳..... یہ پندرہ سو کی رقم بھی مرحوم کا ترکہ ہے(۲)، تنہا ہاجرہ بی بی اس کی مالک نہیں، حج کمیٹی سے واپس لے کر حصۂ رسد سب پر تقسیم کی جائے۔

۴..... جمیلہ خاتون کا حصہ محفوظ رکھنا ضروری ہے، اس میں کسی وارث کو بلا اجازتِ جمیلہ خاتون تصرف کا حق نہیں(۳)، جبکہ حالات خراب ہونے کی وجہ سے وہاں سے آنا فی الحال دشوار ہے تو یہ مطالبہ کہ ان

---

(۱) "وصح حطها لكله (أى حط الزوجة المهر) أو بعضه، قبل أو لا". (الدرالمختار: ۱۱۳/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(وكذا فى الهدايه: ۳۲۵/۲، كتاب النكاح، باب المهر، شركة علميه ملتان)

(۲) "المدرس لو مات أو عزل فى أثناء السَّنَة قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، يعطى بقدر ما باشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير إذا مات فى أثناء المدة". (ردالمحتار: ۴۳۵/۴، كتاب الوقف، مطلب فيما لو مات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعيد)

"كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركةٌ بين ورثته على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذى له فى ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱۰/۱، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، الفصل الثالث فى الديون المشتركة، مكتبه حنفية، كوئٹه)

"زید دائن کے انتقال کے بعد وارث اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ مدیون سے کرسکتے ہیں اور مدیون کا انتقال ہوجائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کرسکتا ہے"۔ (كفايت المفتى، كتاب الديون: ۱۳۸/۸، دارالاشاعت)

(۳) "مشركة الأملاك العين يرثها رجلان أو يشتريانها، فلا يجوز لأحدهما أن يتصرف فى نصيب الآخر إلا بإذنه، وكل واحد منهما فى نصيب صاحبه كالأجنبى". (الهداية: ۲۲۴/۳، كتاب الشركة، طبع شركة علمية ملتان) .... =

کوخود آنا چاہیئے بے محل اور مہمل ہے، خاندان والے اہلِ دیانت اور اہل الرائے جس کے پاس رہنے سے اس کی حفاظت تصور کریں، یا اس کے پاس محفوظ کرکے جمیلہ کو مطلع کردیں۔ پھر اگر وہ کسی کو خود نامزد کردے تو اس کی سپردگی میں دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پراویڈنٹ فنڈ کا مستحق انتقالِ ملازم کے بعد کون ہے؟

سوال[۹۷۳۰]: زید ایک اسکول کا ملازم تھا، اس کا کچھ روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں کٹ کر جمع ہے، انہوں نے اپنا لائف انشورنس بھی کروایا تھا جو سرکاری ملازموں کے لئے ضروری ہے، اور روپیہ پانے کی جگہ صرف اپنے لڑکے عمر کا نام درج کروایا۔ نیز زید نے اپنا روپیہ پہلی بیوی عائشہ کے نام بینک میں جمع کیا اور پاس بک لاکر عائشہ کے حوالہ کردی اور کچھ روپیہ دوسری بیوی شاکرہ کے نام جمع کئے، لیکن پاس بک حوالہ نہ کیا، بلکہ اپنے ہی پاس رکھا۔ اب چند ماہ ہوئے زید کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اپنے وارثوں میں دو بیویوں: عائشہ اور شاکرہ اور دو لڑکے: عمر وبکر اور تین لڑکیوں کو چھوڑا۔

اب چند اُمور استفسار طلب ہیں:

(الف): پراویڈنٹ فنڈ والا روپیہ تمام وارثوں کو بحصۂ شرعی ملے گا، اگر ملے گا تو کیوں، یا حکومت جس وارث کو چاہے دیدے؟

(ب): لائف انشورنس والا روپیہ صرف بڑے لڑکے عمر کو ملے یا تمام وارثوں کو؟

(ج): دونوں بیویوں کے نام جو بینک بیلنس جمع ہے، کیا وہ ہبہ نہیں، اگر ہبہ نہیں تو کیوں؟

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۰۱/۱، (رقم المادة: ۱۰۷۵)، كتاب الشركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "حصة أحد الشريكين في حكم الوديعة في يد الآخر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۰۸/۱، (رقم المادة: ۱۰۸۸)، كتاب الشركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانةً في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

(الف): ملازم کی کارکردگی کی اجرت کا جز جو کہ جمع کرلیا جاتا ہے وہ ملازم کا دَین ہے، اس پر جتنی رقم زائد ملتی ہے وہ اسی کا انعام ہے، گو کہ اس پر ابھی ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی، لیکن اس کا اصل مستحق ملازم ہی ہے، ملازمت ختم ہونے پر وہ اس کو وصول کرسکتا ہے، اگر اس سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا تو ورثاء پر بحصۂ شرعی اس کی بھی تقسیم ہوگی (۱)۔ تاہم انعام دینے والا چونکہ ابھی تک اپنے انعام کا مالک ہے، وہ اگر ملازم کی کارکردگی کا انعام اس کے کسی مخصوص وارث کو دینا چاہے تو اس کو حق ہے۔

(ب): محض اتنی بات سے وہ روپیہ بڑے لڑکے عمر کی ملک نہیں ہوا، کیونکہ اس میں "تملیك الدين ممن ليس عليه الدين" ہے (۲)۔ ہاں! اگر عمر کو روپیہ دے کر بطور ہبہ مالک بنا دیتا، پھر اس کی طرف سے وکیل ہو کر جمع کرتا تو دوسری بات تھی (۳)۔ اب تو وہ سب ورثاء کا حق ہے، لیکن اصل جمع کردہ رقم سے جو رقم زائد ملے

---

(۱) "وتنفسخ الإجارة بموت أحد المتعاقدين: أي أحدٍ من الآجر والمستأجر، وأن المنافع والأجرة صارت ملكاً للورثة، والعقد السابق لم يوجد منهم، فينتقض". (مجمع الأنهر: ۵۵۹/۳، باب فسخ الإجارة، مكتبه غفارية كوئٹه)

"المدرس لومات أو عزل في أثناء السنة قبل مجئ الغلة وظهورها من الارض، يعطىٰ بقدر ما باشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير إذا مات في أثناء المدة". (ردالمحتار: ۴/۴۳۵، كتاب الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۹/۱۴۵، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "أحد الورثة لو قبض شيئاً من بقية الورثة وأبرأ من التركة وفي التركة ديون على الناس إن كان مراده البرأة من قدر حصته من الدين، صح. وإن كان مراده تمليك حصته من الورثة، لايصح؛ لأنه تمليك الدين من غير من عليه الدين". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۲۴۹، كتاب المداينات، مكتبه ميمنية مصر)

(۳) "يملك الموهوبُ له الموهوبَ بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، الباب الثاني في أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اس کو صدقہ کریں(۱)۔

(ج): ہبہ کے لئے موہوب لہ کا قبضہ کرادینا لازم ہوتا ہے، یہاں ایسا نہیں ہوا، اس لئے یہ ہبہ تام نہیں، پاس بک لاکر حوالہ کردینے سے قبضہ نہیں ہوگیا، بلکہ جمع شدہ روپیہ کے وصول کرنے کا حق ہوگیا(۲) وصول کرنے سے پہلے وہ روپیہ اصل مالک کا ہے اور انتقال کے بعد ورثاء مستحق ہیں، وھذا کلہ ظاہر۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

مدرس کے انتقال کے بعد اس کی بقایا تنخواہ کا مستحق اس کا بڑا لڑکا ہوگا یا سب اولاد؟

سوال[۱۳۷۱۹]: قصبہ کیرانہ میں ایک مدرسہ قرآن پاک کی تعلیم کا عرصہ سے قائم ہے، اس کا خرچ وقف جامع سے نہیں دیا جاتا ہے، بلکہ ایک صاحبِ خیر نے کچھ اراضی خرید کر کے مدرسہ کے نام وقف کی، مگر وہ آمدنی بہت قلیل ہے، مدرسہ کا خرچ کچھ بچوں کی فیس اور اہلِ خیر کے چندہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ بعض وجوہ کی بنا پر مولوی مسیح الزماں نے -جو اس مدرسہ کے مہتمم تھے- استعفیٰ دیدیا، اور مولوی خالد صاحب جو جامع مسجد کے جمعہ کے امام ہیں، وہ اس کے کارکن اور متولی ہوگئے۔

---

(۱) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولىٰ، ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۶/ ۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/ ۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس في الكسب، رشيديه)

(۲) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئته)

"وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

"ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً حتى لا تثبت الملك للموهوب له قبل القبض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

جس وقت مولوی صاحب موصوف نے استعفیٰ دیا، مدرسین کی تنخواہوں کا حساب باقی تھا، حافظ رحمت اللہ صاحب مدرس اول کی تنخواہ قریب گیارہ ماہ کی باقی تھی، جس میں ان کو مبلغ فیس ماہانہ اور چندہ ماہانہ کی رقم وصول تھی، اور بقایا بعد وصول چندہ وفیس باقی تھی، دستخط کسی رقم پر نہیں تھے۔ حافظ رحمت اللہ صاحب مدرس اول کا انتقال ہوگیا، ان کی جگہ حافظ حنیف ان کا بڑا لڑکا مدرس ہوگیا، یہ بڑا لڑکا حالتِ حیات میں اپنے والد حافظ رحمت اللہ کی جگہ اکثر کام کرتا تھا، اور بقول مولوی خالد صاحب ایک زمانہ میں اس بڑے لڑکے نے گیارہ بارہ ماہ تک حافظ رحمت اللہ کی جگہ مدرسہ کا کام کیا، اور اس لڑکے کے ساتھ حافظ صاحب مذکور کا رہن سہن کھانا پینا تا حیات رہا۔

جب مولوی صاحب نے اہتمام سے استعفیٰ دیا ہے تو اس میں یہ بات طے ہوگئی کہ استعفیٰ تک جو تنخواہیں مدرسین کی بقایا ہیں ان کی ادائیگی کی ذمہ داری مولوی صاحب پر ہے، اور بعد ازاں مولوی خالد صاحب مولوی صاحب اب اس بقایا تنخواہ کو ادا کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ رحمت اللہ فوت شدہ کے علاوہ حافظ حنیف کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بقیدِ حیات ہیں، مگر ان دونوں کا حافظ رحمت اللہ مرحوم کے ساتھ رہن سہن کا کوئی تعلق نہیں ہوا۔ مولوی خالد صاحب کا کہنا ہے کہ اس بقایا رقم کا مستحق بوجوہ بالا حافظ حنیف ہے جو اب ان کی جگہ مدرس ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس بقایا تنخواہ کے وارث تینوں یعنی بڑا لڑکا اور چھوٹا لڑکا اور لڑکی ہیں، یا صرف بڑے لڑکے کو یہ بقایا رقم دیدی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بقایا تنخواہ حافظ صاحب مرحوم کا ترکہ ہے، جملہ ورثاء حسبِ حصصِ شرعیہ اس کے مستحق ہیں، تنہا بڑا لڑکا پوری تنخواہ کا حقدار نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۶۲ھ۔

---

(۱) "ثم يقسم الباقي بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة ...... ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدر المختار: ۶/ ۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/ ۴۹۵، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۴۷۳، كتاب الفرائض، مكتبه دار الكتب العلميه بيروت)

غیر شادی شدہ لڑکا شادی کا خرچ میراث سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۹۷۳۲]: ایک شخص مسمی زید کا انتقال ہوا، مرحوم نے اپنے پسِ پشت ایک بیوی اور ایک خواہر حقیقی اور پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے وارث چھوڑے۔ از روئے شرع شریف بیوی اور خواہر اور اولاد ذکور واناث کو وراثت سے فرداً فرداً کس قدر حصہ ملے گا؟ مرحوم نے اپنی حیات میں پانچ لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی اپنے حصے سے کی تھی، ایک لڑکا بے شادی شدہ ہے تو اس بے شادی شدہ لڑکے کو علاوہ حصہ کے شادی کا حصہ بھی باپ کی ملک سے علیحدہ شرعاً ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث وبعد ادائے دینِ میت ومہرِ زوجہ وتنفیذِ وصایا(۱) زید کے کل ترکہ کو بہتر سہام پر تقسیم کیا جاوے گا اور ہر وارث اپنے حصہ کا بقدرِ استحقاق مستحق ہوگا(۲)۔ اور بے شادی شدہ لڑکے کو علاوہ حصۂ میراث کے باپ کے ترکہ سے شرعاً شادی کا حصہ نہیں ملے گا(۳)۔

تفصیل حصۂ ورثاء

مسئلہ ۸ تصـــ ۷۲

زوجہ	ابن	ابن ۷/۶۳	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	اخت حقیقی
۱/۹	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷	محروم

(۱) "یبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه، ثم تقدم ديونه التي لها مطالِبٌ من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۵۹-۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الشريفية، ص: ۳-۷، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء، فيبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات .... اهـ".

(الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲) =

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۷/۱۲/۵۱ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ۲۷/۱۲/۵۱ھ۔

رخصتی سے پہلے انتقال ہو جائے تو مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی

سوال[۹۷۳۳]: ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح وکیل وگواہوں کی موجودگی میں حسبِ روئے شرع شریف اور دولہا کی جانب سے کچھ کپڑا اور سونا بھی دولہن کو دیا گیا، لیکن خطبۂ نکاح نہیں پڑھایا گیا۔ نیز جانبین اولیاء کی طرف سے قرار پایا کہ رخصتی آٹھ ماہ بعد ہوگی، بقضائے الٰہی شوہر کا ۸/ ماہ کے بعد انتقال ہوگیا، اب تک بیوی سے ایک بار بھی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا سوال ہے کہ عورت کس قدر مہر کی مستحق ہے، نیز جائیداد منقولہ وغیرہ ترکہ شوہر سے حصہ پائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہوگیا، کیونکہ خطبہ پڑھنا نکاح کے لئے مندوب ہے فرض نہیں:

"ویندب إعلانه وتقدیم خطبة، اه." درعلی الشامی: ۲/۴۲۸(۱)۔

اور لڑکی مہر مقررہ کی مستحق ہوگی:

"ومن سمی مهراً عشرةً فما زاد، فعلیه المسمی إن دخل بها أو مات عنها؛ لأنه بالدخول یتحقق تسلیم المبدل، وبه یتأکد البدل، وبالموت ینتهی النکاح نهایته، والشئ بانتهائه یتقرر ویتأکد، فیتقرر بجمیع مواجبه". هدایه: ۲/۳۰۴(۲)۔

= وقال الله تعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۱) (الدرالمختار: ۳/۸، کتاب النکاح، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۳۳۱، کتاب النکاح، فصل فی شرائط النکاح، رشیدیه)

(۲) (الهدایة: ۲/۳۲۴، کتاب النکاح، باب المهر، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

"ویجب الأکثر منها إن .... عند وطء أو خلوةٍ صحت من الزوج أو موت أحدهما". =

اور میراث کی بھی مستحق ہوگی:

قال الكمال في الفتح: ٤٣٨/٢: "(قوله: والشيء بانتهائه يتقرر)؛ لأن انتهائه عبارة عن وجوده بتمامه، فيستعقب مواجبه الممكن إلزامُها من المهر والإرث والنسب، الخ"(١)۔

ويتحقق الإرث برحم ونكاح صحيح ولو بلا وطئ ولا خلوة إجماعاً". شامی: ٦٦٦/٨(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۴/ذی الحجہ/۵۱ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

دادا اور مربی کے مال میں حق

سوال[۹۷۳۴]: شیخ عبدالکریم نے انتقال کیا اور مسمی عبدالشکور ایک لڑکا چھوڑا اور اپنی بیوی اور ایک لڑکی مسماۃ شافعہ کو۔ شیخ مرحوم کے انتقال کے بعد ہی ان کے والد شیخ عبدالقادر بھی بیمار پڑے، جب بظاہر بچنے کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی تو محلّہ کے چند بزرگوں مثلاً: مولوی عبدالعالی مرحوم، شیخ خان محمد مرحوم، حاجی نور محمد مرحوم اور شیخ محمد عثمان- جو اَب بھی بقیدِ حیات ہیں- نے عبدالشکور کے واسطے سفارش کی کہ آپ کے لڑکے عبدالکریم کا انتقال ہو چکا ہے، آپ ان کے لڑکے عبدالشکور کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بوجوہ والد کے انتقال کے محجوب اور محروم رہے، تو جواب میں بولنے کی معذوری کی وجہ سے تینوں انگلیاں اٹھا کر اس کا اشارہ کیا کہ تینوں (یعنی لڑکا محمد نعیم اور لڑکا عبدالحمید اور عبدالشکور پوتا) برابر برابر ہیں۔

اس کے بعد عبدالقادر نے انتقال کیا اور ان کے ترکہ جائیداد کو وصیت کے مطابق عبدالحمید، محمد نعیم اور عبدالشکور نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ باپ دادا دونوں کے انتقال، اور متروکہ جائیداد کے وصیت کے مطابق تقسیم

= (الدر المختار: ١٠٢/٣، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(١) (فتح القدير: ٣٢٢/٣، كتاب النكاح، باب المهر، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) (ردالمحتار: ٧٦٢/٦، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٤٤٧/٦، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٣٦٥/٩، كتاب الفرائض، رشيديه)

ہوجانے کے بعد عرصہ ڈیڑھ دو ماہ کے عبدالکریم مرحوم کے ایک لڑکا مسمی محمد پیدا ہوا، چونکہ باپ دادا دونوں کے انتقال کے بعد محمد کی پیدائش ہوئی تھی اس لئے ان کی پرورش اور جملہ ضروریات کی تمام ذمہ داری عبدالشکور کے ذمہ رہی، عبدالشکور ان کی جملہ ضروریات کو پوری کرتے رہے۔

عبدالشکور کو جو رقم بذریعۂ وصیت ترکہ میں ملی اس سے کاروبار کرنے لگے اور اپنے دست بازو سے کمائے ہوئے سرمایہ سے اپنے اہل وعیال اور نیز محمد کی پرورش اور نگہداشت کرتے رہے، ان کی متعدد شادیاں بھی کیں۔ محمد جب کام سیکھنے کے قابل ہوئے تو استطاعت کے مطابق وہ بھی عبدالشکور کا ہاتھ بٹاتے رہے اور کام کاج کرتے رہے، اس طرح سے محمد، عبدالشکور کے ہمراہ عرصۂ دراز تک رہے اور عبدالشکور ان کی جملہ ضروریاتِ زندگی کو پوری کرتے رہے۔ اب عرصہ پانچ چھ سال سے محمد، عبدالشکور سے الگ رہنے لگے ہیں اور اپنے حقِ شرعی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں حسبِ ذیل سوالات کے جوابات بیان فرمائے جائیں:

۱...... جب کہ محمد اپنے باپ ودادا دونوں کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تو محمد کا وصیت میں کوئی حقِ شرعی ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا اور کیونکہ، اور اگر نہیں تو کیونکر؟

۲...... عبدالشکور نے جو کاروبار کیا اور جائیداد فراہم کی اس میں بحالتِ مذکورہ محمد کا کوئی حق شرعاً ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا اور کیونکر، اور اگر نہیں ہوتا ہے تو بھی کیونکر؟ مدلل اور واضح بیان فرمایا جائے؟ بینوا توجروا؟

نیازمند: محمد مصطفیٰ اعظمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر شیخ عبدالقادر جب ہی بولنے سے معذور ہوئے اور زبان بند ہوئی تھی تو اس وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، بلکہ حسبِ ضابطۂ علم فرائض میراث تقسیم ہوگی۔ اگر زبان بند ہوئے دیر ہو چکی تھی اور اپنے مقصد کو اشارات ہی سے سمجھاتے تھے اور پاس رہنے والے اشاروں کو سمجھتے تھے تو شرعاً ان کی وصیت معتبر ہوگی (۱) اور محمد

(۱) "ولا من معتقل اللسان بالإشارة إلا إذا امتدت عقلته حتى صارت له إشارة معهودة، فهو كأخرس .... وقيل: إن امتدت لموته، جاز إقراره بالإشارة والإشهاد عليه، وكان كأخرس، قالوا: وعليه الفتوى". =

بوقت وصیت پیدا نہیں ہوا تھا، نہ اس کے حق میں کوئی وصیت کی، وصیت کی رو سے کوئی استحقاق نہیں:

"إيماء الأخرس وكتابته كالبيان باللسان، بخلاف معتقل اللسان في وصية ونكاح وطلاق وبيع وشراء وقود وغيرها من الأحكام: أي إيماء الأخرس فيما ذُكر معتبرٌ، ومثله معتقل اللسان إن عُلمت إشارته وامتدت عقلته، به يفتى، اه". درمختار۔ "(قوله: به يفتى) هو رواية عن الإمام، ومقابله ما في الكفاية عن الإمام التمرتاشي تقديره بسنة، اه". شامي: ٥/٦٤٥(١)۔

۲...... جبکہ اصل سرمایہ عبدالشکور کا ہے اور اس نے ہی محمد کی پرورش کی ہے اور پھر بعد میں محمد نے عبدالشکور کی پرورش وغیرہ میں خرچ کیا ہے(۲)، اس کے عوض میں محمد نے عبدالشکور کی اعانت کی ہے، لہٰذا محمد کو مطالبہ کا حق نہیں۔ عبدالشکور اگر از خود کچھ دیدے تو تبرع اور احسان سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے، جیسا کہ باپ کوئی کاروبار کرے اور بیٹا اس کا ہاتھ بٹائے تو وہ سب باپ کی ملک ہوتا ہے:

"الأب وابنه يكتسبان في صنعةٍ واحدةٍ ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن

= (الدرالمختار: ۶/۲۵۷، کتاب الوصایا، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۱۰۹، كتاب الوصايا، الباب الرابع، فصل في اعتبار حالة الوصية، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۳، كتاب الوصايا، نوع في تصرف المريض، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۶/۷۳۷، ۷۳۸، كتاب الوصايا، مسائل شتى، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولو أنفق على عبد مشترك أو أدى خراج كرم مشترك، فهو متطوع الكل". (الدرالمختار).

"وذكر قبيله في قن أو زرع بينهما، فغاب أحدهما وأنفق الآخر، يكون متبرعاً".

(ردالمحتار: ۴/۳۲۲، كتاب الشركة، مطلب مهم فيما إذا امتنع الشريك من العمارة والإنفاق في المشترك، سعيد)

كأن الابن في عياله، لكونه معيناً له، ألا ترى لو غرس شجرةً تكون للأب، اه". شامی:
٤/٤٨٣ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/ ٦٧ھ۔

غائب غیر مفقود کا حصۂ وراثت

سوال[۹۷۳۵]: شجاعت علی خان مرحوم کے تین لڑکے: حلیم خاں، سلیم خاں، نعیم خان ہیں۔ حلیم خان ۱۹۴۳ء میں گھر سے چلے گئے تلاشِ معاش کے سلسلہ میں، ۱۹۵۲ء میں معلوم ہوا کہ حلیم خان مونگیر جیل میں ہیں، چنانچہ اس کے ملاقاتی ایک جیل کے سپاہی نے حلیہ بھی بتلا دیا، لیکن کوششِ بلیغ کے باجود حلیم خان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ اس درمیان شجاعت خان مرحوم نے اپنے بیٹے سلیم خان اور نعیم خان کے ساتھ مل کر جائیداد بڑھائی اور کل جائیداد مرحوم نے اپنے نام رکھی۔ بعدہ شجاعت علی خان مرحوم ۱۹۵٦ء میں انتقال کر گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ مرحوم کی جائیداد میں مفقود الخبر حلیم خان کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ حلیم خان کی بیوی اور ایک لڑکا موجود ہے جو اپنے باپ حلیم خان کا حصہ چاہتا ہے، کیونکہ شجاعت علی خان مرحوم کی جائیداد سے ان کی بیوی اور ان کے دوسرے لڑکے سلیم خان اور نعیم خان فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لہٰذا دریافت یہ ہے کہ شجاعت علی خان مرحوم کی جائیداد سے کس کا کیا حصہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ حلیم خان کا مونگیر جیل میں ہونا معلوم ہے تو اس کو مفقود الخبر قرار نہیں دیا جائے گا(۲)، بلکہ سلیم

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۳۲۵، کتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۷، كتاب الدعوىٰ، مطلبٌ: ما اكتسبه الابن يكون لأبيه، مكتبة ميمنية مصر)

(۲) "المفقود هو غائب لم يُدر أحيٌّ هو فيتوقع، أم ميت". (الدر المختار). "(قوله: هو غائب) أفاد أن قول الكنز: هو غائب لم يدر موضعه، معناه: لم تدر حياته ولا موته. قال في البحر: فالمدار إنما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه .... قلت: الظاهر أن علم المكان يستلزم العلم بالموت =

خان اور نعیم خان کی طرح وہ بھی ترکہ کا برابر مستحق ہوگا۔ اگر شجاعت علی خان کے والدین اور بیوی کا انتقال پہلے ہو چکا ہے اور اس کے ورثاء صرف یہ تین لڑکے ہیں تو بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی المیراث ان تینوں کو برابر تقسیم ہوگا(۱)، پھر حلیم خان کے حصہ میں جو کچھ آئے اس کو محفوظ رکھا جائے، اور خود اس سے دریافت کرکے اگر وہ کہے تو اس کی بیوی اور لڑکے کو دیدیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۱۹ھ۔

گناہ کی وجہ سے میراث ساقط نہیں ہوتی

سوال[۹۷۳۶]: ایک شخص عبداللہ نامی کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت دو لڑکے: خالد وزاہد اور ایک لڑکی شہناز بیگم کو چھوڑا۔ بڑے بھائی نے شہناز بیگم کی شادی کردی۔ ابھی چھوٹے بھائی کی شادی نہیں ہوئی تھی، نہ ترکہ کی تقسیم ہوئی تھی۔ بہن نے ایک شخص سے منہ کالا کرلیا اور حمل قرار پاگیا، جب لوگوں میں شہرت ہوئی تو دونوں بھاگ کر چلے گئے اور پہلے شخص کے طلاق دینے کے بعد دونوں نے آپس میں شادی کرلی۔ اب مال کی تقسیم ہوئی، دونوں بھائیوں نے دنیوی رسم کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیا اور بہن کا حصہ نہیں رکھا۔

کچھ دنوں کے بعد کسی خیر خواہ نے کہا: اس میں تمہاری بہن کا بھی حصہ ہے اور یہ حق العبد ہے، یہ معاف نہیں ہوسکتا، اس کو اس کا حق دیدو۔ تو انھوں نے غصہ میں آکر کہا ہم بھی جانتے ہیں کہ اس کا بھی حق ہے، لیکن

= والحياة غالباً". (ردالمحتار: ۲۹۲/۴، كتاب المفقود، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۶/۶، الباب الثامن في المفقود والأسير، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۳۷، فصل في المفقود، سعيد)

(۱) "يُبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن.......... بتجهيزه من غير تقتير ولا تبذير ...... ثم تقدم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب): أي القرآن وهم الأبوان، والزوجان، والبنون والبنات، والإخوة". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۷۶۲/۶، سعيد)

ایسے نالائقوں کو حق نہیں ملنا چاہیئے، یہ کہہ کر انکار کر دیا، گویا زنا ان کے نزدیک مانعِ ارث ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعۂ از روئے شرع زنا مانعِ ارث ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

زنا گناہ کبیرہ ہے(۱)، لیکن لڑکی اس کی وجہ سے اپنے والد کے ترکہ سے محروم نہیں کی جائے گی (۲)، جو لوگ اس کا حق نہیں دیتے ہیں وہ غاصب وظالم ہیں، اس کا وبال دنیا وآخرت دونوں جگہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۱ھ۔

کیا پاگل کی بیوی کو میراث ملے گی؟

سوال[۹۷۳۷]: ۱..... مجنون اور پاگل شخص کو اس کے والد مرحوم کی جائیداد میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ اس پاگل شخص کا انتقال باپ کے بعد مگر ماں کی موجودگی میں ہوا ہے۔

۲..... مطلقہ بیوی نے اپنے شوہر پر مقدمہ دائر کیا، شوہر کے بھائی نے صلح کر کے مقدمہ واپس کرا دیا اور مطلقہ کو پاگل شوہر کی جائیداد سے ساڑھے تین آنہ کا حصہ دیدیا، یہ وکلاء کی رائے سے دیا گیا اور اس لئے دیا تا کہ

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولاتقربوا الزنیٰ إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۲)

(۲) اس لئے کہ زنا موانعِ ارث میں سے نہیں ہے:

"الموانع من الإرث أربعة: الرق .... والقتل .... واختلاف الدينين، واختلاف الدارين". (السراجی، ص: ۴ ط: سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۶۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۵۴، كتاب الفرائض، الباب الخامس في الموانع، رشيديه)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبریٰ للبيهقي: ۴/۳۸۷، (رقم الحديث: ۵۴۹۲)، باب شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

آئندہ کوئی جھگڑا نہ رہے، مگر اس کے باوجود مطلقہ بیوی اب پھر مطالبہ کررہی ہے اور کورٹ میں کررہی ہے۔ کیا کورٹ کا کیا ہوا فیصلہ ٹھیک اور درست ہو سکتا ہے؟

۳.....کورٹ کو اسلامی (لاء) قانون کے خلاف فیصلہ کرنے کا حق ہے، کیا اس فیصلہ پر عمل کیا جائے خصوصاً مسلمانوں کو؟ فقط۔

سلطان احمد، ڈی این مرچنٹ، ٹرنک روڈ، رائچور (اے پی)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....جنون موانعِ ارث میں سے نہیں ہے (۱)، حسبِ قانونِ شرع مجنون بھی اپنے والد مرحوم کے ترکہ سے حصۂ میراث پائے گا (۲)۔

۲.....مرحوم کی اولاد موجود ہے، اگر مرحوم نے مرض الوفات میں طلاق دی تھی تو بیوہ مطلقہ کو ترکہ مرحوم سے بعد ادائے دینِ مہر وغیرہ آٹھواں حصہ ملے گا ۱/۸، جبکہ عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو (۳)،

---

(۱) "الموانع من الإرث أربعة: الرق، والقتل، واختلاف الدينين، واختلاف الدارين". (السراجی، ص: ۴، سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۶۶، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) "الرجل إذا طلّق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته أو في حال مرضه .... ثم مات وهي في العدة، فإنهما يتوارثان بالإجماع .... ولو طلقها طلاقاً بائناً أو ثلاثاً، ثم مات وهي في العدة، فكذلك عندنا ترث". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۶۲، کتاب الطلاق، الباب الخامس فی طلاق المریض، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۵۵۵، کتاب الطلاق، فصل فی المعتدة التی ترث، رشیدیه)

(وکذا فی شرح الوقایة: ۲/۹۳، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، سعید)

اس سے زائد کی وہ حقدار نہیں۔

۳...... تقسیمِ میراث میں قرآن کریم کا فیصلہ معتبر ہے، قرآن ہی نے حصۂ میراث متعین کیا ہے، اسی کو فیصلہ کا حق ہے(۱)، حصہ کسی اور نے متعین کیا ہوتا تو اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۵ھ۔

ناراض بیوی کو میراث کا حصہ اور مہر دونوں ملیں گے

سوال[۹۷۳۸]: ۱...... ہندہ کنواری لڑکی، قوم بلوچ کا عقد اس کے باپ نے زید جو کہ قوم سے جویہ ہے کرادیا، اس کے بعد ہندہ اپنے خاوند زید کے پاس تھوڑے ایام ٹھہری تھی کہ ہندہ کا باپ کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنی لڑکی ہندہ کو اپنے گھر لے گیا۔ بعدہ کچھ عرصہ بعد زید بیمار ہوگیا اور کئی پیغام بھیجے کہ میری بیوی مسماۃ ہندہ کو میرے پاس کر جاؤ، مگر ہندہ کے باپ نے زید کے پاس ہندہ کو نہیں بھیجا اور نہ خود ہندہ اپنے خاوند کے پاس آئی، حتی کہ زید فوت ہوگیا۔ کیا اس صورت میں مسماۃ ہندہ کو زید کے مال ومتاع سے شرعاً کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟

۲...... نیز ہندہ کو اس کے خاوند نے مہر بھی نہیں دیا تھا کہ فوت ہوگیا تو اب بعد انتقال ہندہ مہر کی حقدار ہے یا نہیں اور ہندہ کو زید کے مال سے مہر کس طرح ادا کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... زید نے ہندہ کو طلاق نہیں دی، لہٰذا شرعی طریق پر وہ میراث کی مستحق ہے، اس ناراضگی کی وجہ سے

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿آباؤکم وأبناؤکم لاتدرون أیهم أقرب لکم نفعاً، فریضةً من الله، إن الله کان علیماً حکیماً﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال العلامة أبوبکر الرازی: "قیل: معناه: لا تعلمون أیهم أقرب لکم نفعاً فی الدین والدنیا، والله یعلمه، فاقسموه علی ما بینه؛ إذ هو عالم بالمصالح". (أحکام القرآن للجصاص: ۲/۱۲۰، قدیمی)

"سمی هذا العلم فرائض؛ لأن الله قدره بنفسه ولم یفرض تقدیره إلی مَلَکٍ مقرب ولا نبیّ مرسل، وبیّن نصیب کل واحد بخلاف سائر الأحکام". (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۷۵۸، کتاب الفرائض، سعید)

وہ میراث سے محروم نہیں ہوئی، اگر زید کے گھر بالکل نہ گئی ہوتی تب بھی وارث ہوتی:

"وتوارثا قبل الفسخ؛ لأن النكاح صحيح والملك به ثابت، فإذا مات أحدهما فقد انتهى النكاح، سواء مات قبل البلوغ أو بعده؛ لأن الفرقة بينهما لا تقع إلا بقضاء القاضي، فيتوارثان ويجب المهر كله وإن مات قبل الدخول، اهـ". زيلعي: ۲/۱۲۵(۱)۔

۲......اگر زید نے مہر ادا نہیں کیا اور ہندہ نے معاف نہیں کیا تو ہندہ اس مہر کی مستحق ہے، میراث کی تقسیم کرنے سے پہلے اور قرض کی طرح مہر کی ادائیگی بھی ضروری ہے(۲)، اولاً دین مہر وغیرہ ادا کردیا جائے، اس کے بعد اگر کچھ بچے تو اس کو ورثاء میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کیا جائے، دلیله ما مر في الجواب الأول۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بحالتِ مرض طلاق سے بیوی کو وراثت ملے گی یا نہیں؟

سوال[۹۷۳۹]: ماقولكم رحمكم الله تعالىٰ أيها العلماء الكرام والجهابذة العظام في هذه المسئلة أن رجلاً قد طلق امرأته ثلاثاً في حالة الصحة، ثم مات الرجل وهي في العدة، فهل ترثه أم لا؟ بينوا بحوالة الكتب والبرهان، توجروا عند الله المنان۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لاترث فيه، قال في الكنز: "طلقها رجعياً أو بائناً في مرضه ومات في عدتها، ورثت، وبعدها لا". الىٰ آخره(۳)۔

قال في البحر: "أطلق البائن، فشمل الواحدة والثلاث، وقيد بأن يكون في مرضه

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۲/۵۱۱، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ثم تقدم ديونه التي لها مُطالِبٌ من جهة العباد". (الدرالمختار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الشريفية، ص: ۵، سعيد)

(۳) (كنز الدقائق، ص: ۱۲۳، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعيد)

احترازاً عما إذا طلق في الصحة ثم مرض ومات وهي في العدة، لا ترث". إلى اٰخره(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

کیا کوئی وارث ترکۂ میت کا کرایہ دار ہوسکتا ہے؟

سوال[۹۷۴۰]: میرے والد صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں اپنی جائیداد اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کردی اور ایک مکان اس تصریح کے ساتھ باقی رکھا کہ اس کے کرایہ کی آمدنی میں سے ۱/۴ حصہ میرے اور

---

(۱) (البحر الرائق: ۴/۷۰، کتاب الطلاق، باب طلاق المریض، رشیدیہ)

قال العلامة كمال الدين ابن الهمام: "(قوله: في مرض موته) احتراز عما لو صح من ذلك المرض بعد ما طلقها، ثم مات وهي في العدة، لا يكون له حكم مرض الموت، فلا ترثه .... وأجمعوا أنه لو طلقها في الصحة في كل طهر واحدةً، ثم مات أحدهما، لا يرثه الآخر". (فتح القدير: ۴/۱۴۵، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار، ص: ۳۸۸، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعيد)

ترجمۂ سوال

ایک شخص نے حالت صحت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، عورت ابھی عدت ہی میں تھی کہ اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ تو اس صورت میں وہ عورت وارث ہوگی یا نہیں؟

ترجمۂ جواب

اس صورت میں وراثت نہیں ہوگی، کنز میں ہے: کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی حالتِ مرض میں رجعی یا بائن طلاق دیدی اور شخص بیوی کے زمانہ عدت میں مرگیا تو وہ عورت وارث ہوگی اور اگر اس کی عدت کے بعد مرا تو وارث نہیں ہوگی، الخ۔ بحر میں کہا ہے کہ بائن کو مُطلَق ذکر کیا ہے، پس یہ ایک اور تین دونوں کو شامل ہے اور اپنے مرض میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، یہ اس صورت سے احتراز ہے جبکہ حالتِ صحت میں طلاق دی ہو پھر مریض ہوا ہو اور عورت کے زمانۂ عدت میں مرگیا ہو کہ اس صورت میں عورت وارث نہیں ہوگی، الخ۔

میرے والدین کے ایصالِ ثواب میں خرچ ہوگا اور بقیہ ۳/۴ حصہ ورثاء آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ ورثاء میں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی شامل ہیں، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد اس پر عملدرآمد ہوتا رہا۔

اس مکان کے ایک حصہ میں میرے ایک بھائی کرایہ پر آباد ہیں، اور پرانا کرایہ متعین کیا ہوا ادا کر رہے ہیں، جبکہ اب مارکیٹ میں کرایہ کا ریٹ بہت بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایک بھائی اور بہن کا حصہ خرید لیا ہے، اب میں ڈھائی حصہ کا مالک ہوں۔ کرایہ دار بھائی کے علاوہ بقیہ سب حصہ داروں کا ان سے مطالبہ ہے کہ موجودہ کرایہ میں موجودہ نرخ کے مطابق اضافہ کریں جس سے ایصالِ ثواب کی رقم میں اضافہ ہو اور ورثاء کے حصۂ رسد میں بھی، لیکن اس پر وہ بھائی تیار نہیں ہیں، اس لئے سب حصہ دار چاہتے ہیں کہ وہ مکان خالی کردیں تاکہ دوسرے کو موجودہ کرایہ پر دیا جاسکے، لیکن وہ اس کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کرایہ دار بھائی بقیہ بھائیوں (حصہ داروں) کا مطالبہ ماننے کے پابند ہیں یا نہیں؟ سوال کا منشاء یہ ہے کہ چونکہ وہ بھی ۳/۴ حصہ میں ۲/۱۱ حصہ کے مالک ہیں تو کیا اتنی ملکیت کی بناء پر وہ سب کا مطالبہ رد کرنے کے مجاز ہیں، اور بقیہ بھائیوں کا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ وہ بھائی بحیثیت وارث اس مکان سے منتفع ہونے کے حقدار ہیں تو نہ ان کو مکان خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ ان سے کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ وصیت پوری کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مکان کی تقسیم کرکے ۱/۴ کو حسبِ وصیت کرایہ پر دیا جائے، پھر خواہ کوئی وارث کرایہ پر لے یا غیر، اور کرایہ ایصالِ ثواب میں صرف کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ۱/۴ حصہ فروخت کردیا جائے (۱)، وارث اگر

(۱) "صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدةً معلومةً وأبداً، وبغلتها، فإن خرجت الرقبة من الثلث سلمت إليه: أى الموصىٰ له، لها: أى لأجل الوصية، وإلا تخرج من الثلث، تقسم الدار أثلاثاً". (الدر المختار)۔

"ولو أوصىٰ بغلة داره أو عبده فى المساكين. جاز ...... لأن الغلة عين مالٍ يتصدق به".

(ردالمحتار: ۶/۶۹۱، ۶۹۲، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة، سعيد)

(وكذا فى الهداية: ۶۸۲/۳، كتاب الوصايا، باب الوصية بالسكنى والخدمة والثمرة، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

خریدنا چاہے تو وہ مقدم ہے(۱)، اس کی قیمت ایصالِ ثواب میں صرف کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۵ھ۔

سوال متعلق استفتاء بالا

سوال[۹۷۴۱]: ایک استفتاء نمبر ۳۹ (ت) کیا تھا جس کا جواب گیا تھا، اسی مسئلہ میں ایک بات اور معلوم کرنی ہے۔ جو جواب گیا تھا، اس کو ذیل میں درج کر رہا ہوں:

''جبکہ وہ بھائی بحیثیتِ وارث اس مکان سے منتفع ہونے کے حقدار ہیں تو نہ ان کو مکان خالی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ ان سے کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ وصیت پوری کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مکان کی تقسیم کرے، ۱/۴ کو حسبِ وصیت کرایہ پر

= (وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۹۴، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة، رشيديه)

(۱) "الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع، ثم للخليط في حق المبيع .... أفاد أن هذا اللفظ ثبوت حق الشفعة لكل واحد من هؤلاء، وأفاد الترتيب، أما الثبوت فلقوله عليه السلام: "الشفعة لشريك مالم يقاسم". ولقوله عليه السلام: "جار الدار أحق بالدار". (الهداية: ۴/۳۸۷، كتاب الشفعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۲۱۶، كتاب الشفعة، سعيد)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع".

(ردالمحتار: ۲/۲۴۳، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۰۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

"فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنه والجماعة، صلاةً كان، أو صوماً، أو حجاً، أو صدقةً، أو قرأة القرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، ص: ۶۲۲، قديمي)

دیا جائے کہ پھر خواہ کوئی وارث کرایہ پر لے یا غیر، اور ایصال ثواب میں خرچ کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ۴/ ۱ حصہ فروخت کر دیا جائے، وارث اگر خریدنا چاہے تو مقدم ہے، اس کی قیمت ایصالِ ثواب میں خرچ کی جائے''۔

آپ نے وصیت پوری کرنے کی دوصورتیں بیان کی ہیں، دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ وہ ۴/ ۱ حصہ فروخت کر دیا جائے، وارث اگر خریدنا چاہے تو مقدم ہے''۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ اگر اکثر وارث یہ چاہتا ہے کہ میں خریدلوں تو اس سلسلہ میں رفعِ نزاع کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل تو وصیت پورا کرنے کی پہلی ہی صورت ہے، یعنی تقسیم کرکے ۴/ ۱ حصہ کو بالکل جدا کر دیا جائے، لیکن اگر باہمی نزاع کی وجہ سے یہ صورت ممکن نہ ہو، یا تقسیم کے بعد ۴/ ۱ حصہ قابلِ انتفاع نہ رہے تو پھر دوسری صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے، جوشخص زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے (۱)، پھر قیمت کو ایصالِ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے کوئی دوسرا مکان خرید کر اس کو کرایہ پر دیا جائے (۲)، اس کا کرایہ صدقہ کیا

---

(۱) ''وكـذا يـفـتـى بـكـل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه، ومتى قضى بالقيمة شرى بها عقاراً آخراً، فيكون وقفاً بدل الأول''. (الدرالمختار: ۴/۴۰۸، ۴۰۹، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۲/۵۵۳، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته، دار المعرفة بيروت)

(۲) قـال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ''وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع''. (ردالمحتار: ۲/۲۴۳، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۰۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

''فـللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنه والجماعة، صلاةً كان، أو صوماً، أو حجاً، أو صدقةً، أو قرأة القرآن، أو الأذكار، أو غير ذلک من أنواع البر، ويصل ذلک إلى الميت''. (حاشية =

جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۵ھ۔

دینِ مہر کی وراثت

سوال[۹۷۴۲]: ایک عورت کا انتقال ہوا اور شوہر اس کا زندہ ہے اور شوہر کے ذمہ اس کا دینِ مہر ہے اور عورت کے ایک لڑکا اور والدہ اور تین بھائی ہیں۔ لہٰذا از روئے شریعت دین مہر سے کس کس کو اور کتنا کتنا پہونچتا ہے؟ اور عورت کے پانچ ماہ بعد لڑکے کا انتقال ہوگیا اور اس کے والد اور نانا اور تین ماموں ہیں۔ لہٰذا از روئے شریعت اس کے حصہ کے کون کون حقدار ہوں گے اور کتنا کتنا پہونچے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا ترکہ بعد تجہیز و تکفین وادائے دینِ میت وتنفیذِ وصایا(۱) بارہ سہام قرار دے کر حسبِ نقشۂ ذیل صورت مسئولہ میں تقسیم ہوگا(۲)۔

= الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، ص: ۶۲۲، قدیمی)

(۱) "یبدأ من ترکة المیت بتجهیزه، ثم تقدم دیونه التی لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم تقدم وصیته من ثلث مابقی، ثم یقسم الباقی بین الورثة". (الدرالمختار: ۶/۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الشریفیة، ص: ۳-۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۲) اولاد کی موجودگی میں شوہر کو ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا:

قال الله تعالیٰ: ﴿فإن کان لهن ولد، فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیة یوصین بها أو دین﴾ (سورة النساء: ۱۲)

اور اولاد کی موجودگی میں میت کے والدین کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا:

وقال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبویه لکل واحد منهما السدس مما ترک إن کان له ولد﴾ (سورة النساء: ۱۱)

مسئلہ ۱۲ مسماۃ

شوہر	والدہ	لڑکا	بھائی
۳	۲	۷	محروم

مسئلہ ۱ مستقیم لڑکا صـــ ۷

والد	نانا	ماموں
$\frac{۱}{۷}$	محروم	محروم

مسئلہ ۱۲ الأحیاء المبلغ ۱۲

شوہر	عورت کی والدہ
۱۰	۲

دینِ مہر کو بمنزلۂ ترکہ موجودہ فرض کر کے مثل اَور ترکہ کے اس میں بھی بصورت بالا وراثت جاری ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ ہذا، ۲۳/ ۷/ ۵۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ رجب۔

جہیز، مہر، وراثت

سوال [۹۷۴۳]: ا..... زید کے دو بیٹے: بکر و عمر ہیں، ہر دو کی شادی مسماۃ الف و ب دونوں حقیقی بہنوں سے ہوئی ہے، الف بکر کی اور ب عمر کی منکوحہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد بقضائے الٰہی عمر لا وَلد فوت ہو جاتا ہے، اس کی منکوحہ مسماۃ ب عدت مقررہ اپنی سسرال میں گذار کر بعد انقضائے عدت مسماۃ ب بیوہ کو اس کے والدین

میکے لے جانا چاہتے ہیں تو مسمی زید مذکور بیوہ مذکورہ کو اس کے والدین کے حوالہ نہیں کرتے، بلکہ مسماۃ مذکورہ کو خلاف مرضی مسماۃ ب ووالدینِ مسماۃ ب جبراً سسرال میں روکے رکھتا ہے، حتی کہ زید مذکور بیمار ہوکر بستر مرگ پر دراز ہوجاتا ہے اور مرنے سے پیشتر اپنی بہو مسماۃ ب کو کہتا ہے کہ میرے بعد میری جملہ جائیداد واملاک نصف کی تم مالک ہو اور نصف دیگر مسمی بکر کی ملک ہے۔

زید مذکور کے مرنے کے بعد جب مسماۃ ب اپنے میکہ میں آئی اور مسمّٰی بکر سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو مسمّٰی بکر نے مسماۃ ب کو مال دینے سے صاف انکار کردیا اور باپ اور متوفی بھائی کی جملہ جائیداد واملاک پر قابض ہوگیا، حتی کہ مسماۃ ب کو میکے سے ملے ہوئے زیورات اور پارچہ جات واسباب بھی نہ دیا۔ اندریں حالت از روئے شرع شریف مسماۃ ب بیوہ کی حق رسی کیسے ہوسکتی ہے؟

نیز کیا مسماۃ ب اپنے میکے سے ملے ہوئے زیورات اسباب وغیرہ- جو اس وقت سے بکر نے اپنے قبضہ میں کر رکھے ہیں- مالک اور ان اشیاء کا بکر سے مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

۲......بکر سے اپنے مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

۳......وہ زیورات واسباب وغیرہ جو مسماۃ ب کو سسرال سے ملے تھے، کیا وہ مسماۃ مذکورہ کی ملک ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کل، یا جز؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ ب کو جو زیورات وپارچہ جات واسباب وغیرہ اس کے میکے سے ملے ہیں وہ تمام اس کی ملک ہیں، ان میں بکر کا کوئی حق نہیں، بکر کا ان کو خود رکھنا صریح ظلم اور غصب ہے(۱)۔ مسماۃ ب کو اپنا مہر وصول کرنے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ شوہر نے ادا نہ کیا ہو اور مسماۃ نے معاف نہ کیا ہو۔ اولاً ترکۂ شوہر سے مہر وغیرہ ادا کیا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یایها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکوٰة المصابیح: ۱/۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

جاوے گا(۱)، اس کے بعد میراث تقسیم ہوگی۔ بکر کا متوفی بھائی کے کل ترکہ پر قبضہ کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ جملہ ورثاء کا حق بحصۂ شرعی ان کو دیدے(۲)۔

اور زید نے جو بوقتِ مرض الموت وصیت کی ہے وہ کل مال میں جاری نہیں ہوگی بلکہ ایک تہائی میں جاری ہوگی(۳)۔ اور مسماۃ ب چونکہ زید کی شرعاً وارث نہیں اس کے حق میں یہ وصیت ضروری جاری ہوگی(۴) اور بکر چونکہ شرعی وارث ہے اس کے حق میں اس وصیت کا جاری ہونا دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے(۵)۔

---

(۱) "ويبدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم تقدم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين الورثة". (الدرالمختار: ۶/۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يايها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "ثم تقدم وصيته ولو مطلقةً على الصحيح من ثلث ما بقي بعد تجهيزه وديونه، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدرالمختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۴) "وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار". (الدرالمختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصاية، سعيد)

"رجل مات ولم يدع وارثاً غير امرأته وأوصى بماله كله لرجل، فإن أجازت المرأة، فالمال كله للموصىٰ له، وإن لم يجز فالسدس للمرأة وخمسة أسداسه للموصى له". (خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۲۳۵، كتاب الوصايا، الفصل الثالث في الوصية للأقرباء والجيران، رشيديه)

(۵) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: إني لتحت ناقة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسيل عليَّ لعابُها فسمعته يقول: "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ألا! لا وصية لوارث". (سنن ابن ماجة: ۲/۱۹۵، أبواب الوصايا، بابٌ: لا وصية لوارث، قديمي)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرةً إلا بإجازة ورثته، لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، وهم كبار عقلاء". (الدرالمختار: ۶/۶۵۵، ۶۵۲، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

مسماۃ ب کوحق ہے کہ وہ اپنا مہر اور اپنا میکہ سے ملا ہوا کل سامان اور حسبِ وصیت اپنا حصۂ میراث بکر سے بذریعۂ عدالت وصول کرلے۔

اور جو زیورات مسماۃ کو سسرال سے ملے تھے وہ اگر بطورِ تملیک ملے تھے، یا برادری میں بطور تملیک ملنے کا رواج ہے تو وہ بھی تمام مسماۃ ب وصول کرسکتی ہے، اگر بطورِ عاریت ملے تھے، یا بطورِ عاریت ملنے کا رواج ہے تو وہ وصول نہیں کرسکتی (۱)، ہاں! ترکۂ شوہر ہونے کی حیثیت سے بطور میراث وصول کرسکتی ہے۔

حصۂ میراث کل ورثاء کے معلوم ہونے پر معلوم ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۶۴/۵/۳۰ھ۔

متوفیہ بیوی کی اولاد کا مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۹۷۴۴]: ایک صاحب فرماتے ہیں: ایک بیوی ان کی حیات ہیں اور ایک بیوی عرصہ چالیس سال کے قریب گذرا کہ انتقال کرگئی ہیں اور دونوں بیویوں سے اولاد ہے۔ موجودہ بیوی اور ان کی اولاد مہر کا مطالبہ کرتی ہے، اور جب سابقہ بیوی کی اولاد مہر کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ متوفی نے کہا تھا کہ سابقہ بیوی سے مہر میں معاف کراچکا ہوں۔

تو کیا متوفی کا یہ کہنا کافی ہوگا یا ثبوتِ شرعی کی ضرورت ہوگی؟ اور اگر معافی کا ثبوت شرعی متوفیہ یعنی اپنا مہر معاف کرنے والی بیوی کے مرض الموت کا ثبوت شرعی ہوجائے تو یہ معاف کرنا درست ہوگا، یا وصیت مان کر ایک ثلث معاف رکھا جائے گا۔ اور دو ثلث ورثاء کیلئے محفوظ رہے گا؟ وصیت وارث کیلئے جو نہیں ہوتی ہے اس

---

(۱) "جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك، ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته، وبه يفتي......... جهز ابنته، ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية، وقالت: هو تمليك، أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه، وقال الأب: عارية، فالمعتمد أن القول للزوج، ولها إذا كان العرف مستمراً أن الأب يدفع مثله جهازاً لا عارية. وأما إن كان مشتركاً كمصر والشام، فالقول للأب". (الدر المختار: ۳/۱۵۵، ۱۵۶، باب المهر، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۲۷، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

کا معافی پر کیا اثر پڑے گا، آیا وصیت مان کر کلام عبث ہو جائے گا، یا معافی مکمل ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر موجودہ ورثاء کے نزدیک متوفی کا قول پہلی بیوی کے مہر کی معافی کے متعلق صحیح ہے تو اس کیلئے کسی شرعی ثبوت کی ضرورت نہیں، یعنی جب وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ متوفی نے یہ کہا تھا کہ پہلی بیوی سے مہر معاف کرا چکا ہوں تو بس اتنا کافی ہے، مہر معاف کرتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں۔ اگر ورثاء یہ کہیں کہ پہلی بیوی نے بحالتِ مرض الموت معاف کیا ہے، اور متوفی کا قول یہ تھا کہ بحالتِ صحت معاف کیا ہے، تب بھی متوفی کا قول معتبر ہوگا۔ اگر مرض الموت میں معاف کیا جائے تو یہ وصیت ہے جو کہ وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی، نہ کل میں نہ ثلث میں:

"لو أبرأت زوجها من مهرها أو وهبته إياه، ثم ماتت بعد مدة، فقالت الورثة: أبرأته في مرض موتها، وأنكر الزوج، فالقول قوله، كذا في التبيين، اهـ". عالمگیری: ۱/۳۲۲ (۱)۔

"لاوصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، اهـ". درمختار: ۵/۵۷۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/۶۷ھ۔

جبکہ زوجہ اُولیٰ کے وارث مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور معافی کے منکر ہیں تو دوسرے ورثاء کے ذمہ مہر کی معافی کا ثبوت ہے۔ عند اللہ معافی کیلئے تو گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، لیکن قضاءً اختلاف کی صورت میں

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۲۱، ۳۲۲، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۵۸۳، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار: ۶/۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

"عن يونس بن راشد، عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاتجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، كتاب الوصايا، مؤسسة الريان بيروت لبنان)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۲۱۲، كتاب الوصايا، رشيديه)

مدعی معافی کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر معافی کے گواہ موجود نہ ہوں تو فریقِ ثانی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اسی طرح مرض الموت میں اگر معافی کا دعویٰ زوجہ اُولیٰ کے وارث کرتے ہیں تو ان کے ذمہ اس کا اثبات گواہوں سے ضروری ہے، اگر وہ اس کا ثبوت نہ دے سکیں تو پھر دیگر ورثاء کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۶۷ھ۔

بیوی کے انتقال کے بعد ادائیگی مہر کی صورت

سوال [۹۷۴۵]: زید کی بیوی اس کی عدمِ موجودگی میں فوت ہوئی اور زید کو مہر معاف کرانے کی مہلت نہ ہوئی، اس نے دو بچے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑے ہیں، والدین بھی حیات ہیں۔ اس حالت میں ادائیگی مہر کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاد موجود ہونے کی وجہ سے زید ربعِ ترکہ کا مستحق ہے، لہٰذا ایک چوتھائی اپنا حصہ کاٹ لے اور تین

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في خطبته: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي: ۱/ ۲۴۹، أبواب الأحكام، باب ماجاء أن البينة على المدعي، سعيد)

"البينة على المدعي واليمين على المنكر". (شرح المجلة: ۱/ ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتب حنيفه كوئته)

"فإذا صحت الدعوى من المدعي، سأل القاضي المدعى عليه عنها. لينكشف له وجه الحكم، فإن اعترف بدعواه، قضى عليه بها .... وإن أنكر، سأل المدعي البينة لإثبات ماادعاه، فإن أحضرها قضى بها لظهور صدقها، وإن عجز عن ذلك وطلب يمين خصمه، استحلف عليها". (اللباب في شرح الكتاب: ۳/ ۱۲۲، كتاب الدعوى، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۷/ ۳۴۵، رشيديه)

حصے دیگر ورثاء پر حسبِ حصص تقسیم کردے(۱)۔

مسئلہ ۱۲ لـ ۳۶

زوج	اب	ام	ابن	۵/۱۵	بنت
۳/۹	۲/۶	.			
			۱۰		۵

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۳/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

وفاتِ شوہر پر مطالبۂ مہر اور حصۂ میراث

سوال[۹۷۴۲]: مسماۃ زینب کا نکاح بعوض نوسو روپے کے ایک داروغہ صاحب سے ہوگیا تھا، داروغہ صاحب نے ایک مرتبہ مسماۃ زینب سے حالتِ غصہ میں یہ کہا: ''تو گھر سے نکل جا، تجھ کو طلاق'' اس کے بعد پھر دوبارہ عقد کیا گیا تھا۔ اب داروغہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد وغیرہ پر ان کی پہلی بیوی کی اولاد

---

(۱) اولاد کی موجودگی میں شوہر چوتھائی حصہ کا مستحق ہوتا ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿فإن كان لهن ولد، فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

میت کے والدین کو اولادِ میت کی موجودگی میں چھٹا حصہ ملتا ہے:

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان لكم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۱)

بقیہ میراث صورتِ مسئولہ میں اولاد میں سے لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا:

وقال الله تبارك وتعالیٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

﴿وإن كانوا إخوة رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

قابض ہے۔ مسماۃ زینب نے اپنے مہر اور ترکہ کا دعویٰ کیا ہے، لیکن مخالفوں نے یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ داروغہ صاحب نے تو طلاق دیدی تھی۔

اب یہ عرض ہے کہ صورت موجودہ میں مسماۃ زینب کو اپنے ترکہ اور مہر کے وصولی کرنے کا حق داروغہ صاحب کی جائیداد سے ہے یا نہیں؟ اور عقدِ ثانی کے ثابت ہونے کی صورت میں اس کا استحقاق ہوگا یا نہیں؟ نیز مخالفوں کی افواہ سے نکاحِ ثانی پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اگر نکاحِ ثانی کا باضابطہ ثبوت بہم نہ پہونچ سکے تو کیا حکم ہوگا؟ امید کہ ہر پہلو پر نظر فرما کر جواب باصواب مع حوالہ کتب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر نکاحِ ثانی ثابت ہو جائے اور داروغہ صاحب کے انتقال تک دوبارہ شرعی جدائی ثابت ہو کر عدت نہ گذر چکی ہو تو مسماۃ مذکورہ اپنے حصۂ میراث کی مستحق ہوگی اور نکاحِ ثانی کی وجہ سے مہرِ ثانی کی بھی مستحق ہوگی۔ اگر نکاحِ ثانی کا ثبوت نہ ہوسکا، یا بحالتِ صحت داروغہ صاحب دوبارہ جدائی کا ثبوت ہو کر عدت ختم ہو چکی ہو تو حصۂ میراث کی مستحق نہ ہوگی اور عقدِ اول کی وجہ سے مہر مذکور کا بہر حال مطالبہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور مسماۃ مذکور نے معاف نہ کیا ہو۔ اور مہر ثانی کے استحقاق کا مدار نکاحِ ثانی کے ثبوت پر ہے اور مہر کی ادائیگی تقسیمِ ترکہ سے مقدم ہے:

"المهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق، اهـ". فتاویٰ هنديه، ص: ۳۱٤ (۱)۔

"للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق". ص: ۳۲۸ (۲)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۳، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۱۰۲، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۱٦، باب المهر، الفصل العاشر في هبة المهر، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۳۸۰، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

"إذا تزوج امرأةً ودخل بها، ثم طلقها بائناً، ثم تزوجها في العدة، ثم طلقها قبل الدخول بها في النكاح الثاني". ص: ۳۳٦(۱)۔

"الرجل إذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته أو في حال مرضه برضاها أو بغير رضاها، ثم مات وهي في العدة، فإنهما يتوارثان بالإجماع. ولو طلقها طلاقاً بائناً أو ثلاثاً، ثم مات وهي في العدة، فكذلك عندنا ترث. ولو انقضت عدتها، ثم مات، لم ترث، اھ". فتاوی هنديه، ص: ٤٨٣(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا

سوال[۷۷۹۴]: زید نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں، تینوں بیویوں کے انتقال کے بعد زید کا بھی انتقال ہو گیا۔ پسماندگان میں اس وقت زید کے چھ بیٹے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے: محل اُولیٰ سے دو بیٹے، محل ثانی سے دو بیٹے، محل سوم سے دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی تھی، لیکن بیٹی صغرسنی میں ہی زید کے سامنے مر گئی تھی۔

زید نے اپنی موت سے پہلے کچھ زیورات حاجی عبدالرشید صاحب کی امانت میں رکھے تھے جس کا علم زید کے چند دوستوں اور بیٹوں کو بھی تھا اور ہے، مگر محلِ سوم کے لڑکوں نے باپ کے انتقال کے بعد اپنے باپ کی امانت حاجی عبدالرشید صاحب سے یہ کہہ کر واپس لے لی ہے کہ جو زیورات میرے باپ کے آپ کے پاس امانت میں ہیں وہ میری ماں کے ہیں، میری ماں کو میری ماں کے والدین کی طرف سے ملے تھے، لہٰذا ان

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، ۱/۳۲۳، کتاب النکاح، باب المهر، الفصل الثالث عشر في تكرار المهر، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۱۰۲، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، ۱/٤٦٢، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۳۸۸، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، سعيد)

زیوروں کے حقدار جن کے امین آپ ہیں ہم دونوں بھائیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ حاجی عبدالرشید صاحب لڑکوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اس وعدہ کے ساتھ کہ میں تمہیں تمہارے باپ کی امانت لوٹا رہا ہوں، لیکن تم اگر صادق القول ثابت نہ ہوسکے تو ایسی حالت میں تمہیں زیورات مجھ کو واپس کردینے پڑیں گے۔ علاوہ مرقومہ زیورات کے زید کی اور بھی جائیدادیں ہیں جن کا بٹوارہ ہنوز عمل میں نہیں آیا ہے(۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ حقائق کی روشنی میں محلِ سوم کے لڑکوں کا دعویٰ لغو اور غلط ثابت نہ ہونے کی صورت میں متذکرہ زیورات کے حقدار از روئے شرع کیا محلِ سوم کے لڑکے ہی ہوں گے؟ برخلاف اس کے اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مذکورہ زیورات محلِ سوم کے نہیں، بلکہ زید کی کمائی کے ہیں، تو ایسی صورت میں زیورات کی، نیز دیگر جائیداد کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیئے، یعنی تینوں محل کے لڑکوں میں کس کو کتنا ملنا چاہیئے؟ از راہِ کرم حکمِ شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محلِ سوم کے لڑکوں کے علاوہ دیگر اولاد کو بھی اس کا اقرار ہے کہ یہ زیورات محلِ سوم کے زید کے پاس امانت تھے جو اس نے حاجی عبدالرشید صاحب کے پاس رکھے ہیں، یا اس پر شرعی شہادت موجود ہو تو یہ صرف محلِ سوم کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے، زید کی دیگر اولاد کا اس میں کوئی حصہ نہیں (۲)، ورنہ دیگر جائیداد وغیرہ کی طرح ان میں بھی سب حقدار ہوں گے (۳)، چھ حصہ بنا کر سب کو ایک ایک حصہ برابر ملے گا (۴)، اگر زید کے ذمہ کوئی

---

(۱) "بٹوارہ": "تقسیم"۔

(۲) "ادعی علی میت حقاً أو شیئاً مما کان بیده فأقر الوارث به، لزمه". (الفتاویٰ الأنقرویة: ۸۵/۲، کتاب الدعویٰ، دارالإشاعت قندھار)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۹۵۲/۲، (رقم المادة: ۱۶۴۲)، کتاب الدعویٰ، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "البینة علی المدعی، والیمین علی المدعی علیه". رواه الترمذی". (مشکوٰة المصابیح: ۳۲۷/۲، باب الأقضیة والشهادات، قدیمی)

(۴) "إذا اجتمع جماعة من العصبة فی درجة واحدة، یقسم المال علیهم باعتبار أبدانهم .... لکل =

قرض دین مہر وغیرہ باقی ہو تو اس کو تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا (۱)۔ اگر زید کے والدین زندہ ہوں تو چھٹا حصہ ان کو بھی ملے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۹۴ھ۔

کیا بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ ملے گا؟

سوال [۹۷۴۸]: میرے والد اپنی دوکان کے خود مالک تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ میری والدہ کے سامنے کہا کہ میرے بعد یہ سب تیرا ہے۔ میری والدہ کے ہمراہ پہلے شوہر سے دو لڑکیاں تھیں، پھر میں پیدا ہوئی، اب ماں چاہتی ہے کہ میرے باپ کی جائیداد میں ان پہلی دو لڑکیوں کو بھی شامل کرے۔ کیا از روئے شرع ساتھ آئی لڑکیاں بھی میرے باپ کی جائیداد میں حقدار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تمہارے والد کے تم کو محض یہ کہہ دینے سے کہ ''میرے بعد سب تیرا ہے'' ان کی متروکہ جائیداد کی تم تنہا وارث نہیں ہوگی (۳)، بلکہ تمہارے والد کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ تمہاری والدہ کو ملے گا (۴)، اور بقیہ کی تم

= واحد سهم". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۶۳، كتاب الفرائض، باب العصبات، مكتبه حقانية پشاور)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/ ۳۸۲، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ...... ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته".

(الدر المختار: ۶/ ۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/ ۳۶۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۴۷۲، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) "ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً، حتى لايثبت الملك للموهوب له قبل القبض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/ ۴۸۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(۴) قال الله تبارك تعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

مالک ہوگی (۱)، بشرطیکہ تمہارے والد کے دادا پردادا میں سے کوئی مرد زندہ نہ ہو۔ تمہاری والدہ کی دونوں لڑکیاں جو تمہارے والد سے نہیں وہ تمہارے والد کے ترکے میں حقدار نہیں (۲)۔ ہاں! تمہاری والدہ اپنا آٹھواں حصہ تم کو اوران کو دینا چاہتی ہیں تو دے سکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۸ھ۔

کسی وارث کی ترکہ سے دستبرداری، زندگی میں لڑکے، لڑکی کو ہبہ میں برابری اوران کے حصے

سوال[۹۷۴۹]: زید بنارسی ساڑیوں کا تاجر ہے اوراس وقت اس کی اولاد میں چھ لڑکے اورایک لڑکی موجود ہے اوراس کی زوجہ بھی موجود ہے۔ عرصہ تک زید کے لڑکے زید کے ساتھ رہتے رہے اوراس کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹاتے رہے۔ مورخہ ا/ ۷/ ۷۰ءکو ان میں سے ایک لڑکا عمر زید سے الگ ہوگیا اوراس نے اپنا الگ کاروبار شروع کردیا اور بقیہ پانچ لڑکے زید کے ساتھ ہنوز شریک ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی حیات ہی میں اپنے کاروبار کا حساب لگا کر عمر کو اس کا حصۂ رسد دے کر اس سے دست برداری لکھوالے تاکہ زید کے انتقال کے بعد کوئی نزاع باقی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا اس طرح دست برداری عمر سے لکھوانے کا زید کو حق حاصل ہے، اور عمر بعد فوت ہونے زید کے دوبارہ حصۂ میراث کا حقدار ہوگا؟ اگر عمر دست برداری پر آمادہ نہ ہو تو زید کو مذکورہ بالا کارروائی کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

(ب) اپنی حیات میں تقسیم کرتے وقت زوجہ، لڑکی، لڑکے کا حصہ برابر ہوگا یا نصف کے حساب سے؟

---

(۱) بیٹی کو نصف ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے ملے گا اور بقیہ بطور رد کے ملے گا: "مافضل عن فرض ذوی الفروض ولامستحق له، يرد على ذوي الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين، وهو قول عامة الصحابة رضي الله تعالى عليهم أجمعين" (السراجي في الميراث، ص: ۲۸)

(۲) ان لڑکیوں میں چونکہ استحقاقِ ارث کے اسبابِ ثلاثہ پائے نہیں جاتے، اس وجہ سے محروم ہیں: "ويستحق الإرث بأحد ثلاثة: برحم، ونكاح صحيح، وولاءٍ". (الدر المختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف وب) زید زندگی میں جو کچھ اپنی اولاد اور بیوی کو دے گا وہ میراث یا میراث کا بدل نہیں، بلکہ عطیہ ہے، جس بیٹے کو دیدے گا اور اس کا قبضہ کرادے گا وہ مالک ہوجائے گا(۱)، پھر زید کے انتقال پر وہ بھی دوسرے بیٹوں کی طرح میراث کا حقدار ہوگا، دست برداری لکھوانے کی وجہ سے وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا(۲)۔ اپنی حیات میں جو کچھ دیا جائے وہ سب کو برابر دیا جائے لڑکی اور لڑکے کو بھی برابر دیا جائے(۳)، اگر ضرورت یا حسنِ عمل یا خدمت کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا جائے تب بھی گنجائش ہے، مگر دوسرے کو نقصان پہونچانے کی غرض سے ہرگز ایسا نہ کیا جائے، ورنہ ظلم ہوگا(۴)، کیا بیوی کو بھی دے کر الگ کرنا مقصود ہے، ایسا نہیں چاہیئے۔

اگر کسی لڑکے میں صلاحیت ہے کہ وہ الگ کام کرے اور اس میں منفعت ومصلحت ہے تو اس کو الگ

---

(۱) "یملک الموهوبُ له الموهوبَ بالقبض. فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدر المختار: ۶۸۸/۵، کتاب الهبة، سعید)

(۲) میراث جبری حق ہے، دستبرداری لکھوانے سے ساقط نہیں ہوتا ہے: "الإرث جبريٌ لا یسقط بالإسقاط". (تکملة ردالمحتار: ۵۰۵/۱، کتاب الدعوی، مطلب: واقعة الفتوی، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۴۷۱/۷، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۴۹۴/۴، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) "المختار التسویة بین الذکر والأنثی في الهبة". (البحر الرائق: ۴۹۰/۷، کتاب الهبة، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۲۳۷/۶، کتاب الهبة، رشیدیه)

(۴) "لو وهب رجل شیئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض .... روی عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی أنه لا بأس به إذا کان التفضل لزیادة فضلٍ في الدین، وإن کانا سواءً یکره، وروی عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی أنه لا بأس به إذا لم یقصد به الإضرار". (الفتاوی العالمکیریة: ۳۹۱/۴، کتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغیر، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۲۳۷/۶ کتاب الهبة، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۴۹۰/۷ کتاب الهبة، رشیدیه)

کردیا جائے اور مناسب رقم اس کو دیدی جائے، پھر دوسرے اور تیسرے اور بعد والے لڑکوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے تاکہ کسی کو کوئی زیادتی کی شکایت نہ ہو، پھر زید کے انتقال پر سب لڑکے برابر کے حقدار ہوں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۴ھ۔

عورت کا سوتیلا بیٹا وارث نہیں

سوال[۹۷۵۰]: زینب فوت ہوئی، وارث میں صرف دولڑکیاں، ایک سوتیلا بیٹا نعیم الدین کو چھوڑا، پس متروکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اور کوئی وارث نہیں تو ترکہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا، سوتیلا (شوہر کا لڑکا) اس کا وارث نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

داماد وارث نہیں

سوال[۹۷۵۱]: اگر دختر و داماد کو متوفی نے اپنے پاس رکھ لیا ہو اور وہ اس کے شامل رہتا ہو تو خانہ داماد اور دختر دونوں کا حق ہے یا صرف دختر کا، کیونکہ متوفی کا قریبی چچا و برادر حقیقی نہیں ہے؟

---

(۱) "المختار التسویة بین الذکر والأنثی فی الهبة". (البحر الرائق: ۷/۴۹۰، کتاب الهبة، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الهبة، رشیدیه)

(۲) "ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجیة، والولاء".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

داماد کو داماد ہونے کی وجہ سے کوئی ترکہ نہیں پہونچتا(۱)، بلکہ صرف دختر کو پہونچتا ہے۔ اگر داماد سے کوئی دوسرا رشتہ بھی ہے تو اس کے ظاہر ہونے پر حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۶۰/۴/۱۹ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۶۰/۴/۱۹ھ۔

حقِ وراثت جبراً وصول کرنا

سوال[۹۷۵۲]: پنجاب کا دستور ہے کہ عورت کو وراثتِ شرعی سے محروم کردیا جاتا ہے، لیکن کسی عورت کا خاوند فوت ہوجائے تو وہ خاوند کی کل جائیداد پر قابضہ ہوجاتی ہے، اس کو فروخت کا حق نہیں، تاحینِ حیات اس کا قبضہ رہتا ہے۔ دریں صورت باقی ورثاء کو کہا جاوے کہ عورت بے اولاد کو چوتھا حصہ سرکاری طور پر اس کے نام کرادو اور باقی حصہ اپنا لے لو۔ اگر ورثاء اس فیصلہ پر راضی نہ ہوں تو کیا وہ عورت کل جائیداد پر قابض رہ کر جائیداد کی آمدنی سے اپنے شرعی حصہ کی مالیت وصول کرنے کی حقدار ہے یا نہیں؟ فقط۔

المستفتی: لطف الرحمٰن، شہر میرٹھ۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر ورثاء خاوند، عورت کا شرعی حصہ نہ دیں تو عورت کو حق ہے کہ جس طرح قدرت ہو اپنا شرعی حصہ

---

(۱) داماد میں استحقاقِ ارث کے اسباب ثلاثہ میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا، لہٰذا وہ کسی حصۂ میراث کا مستحق نہیں:

"ویقسم الباقی بین ورثته: أی الذین ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة، كقوله علیه السلام: "أطعموا الجدات السدس". أو الإجماع، فجعل الجد كالأب وابن الابن. ویستحق الإرث برحم ونكاح وولاء. والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة كما أفاده بقوله: فیبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات .... اهـ". (الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعید)

"ویستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجیة، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكیریة: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشیدیه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشیدیه)

وصول کرلے، زائد لینے کا حق نہیں (۱)، زائد کو دیگر ورثاء کے حوالہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۵/۱۳۶۳ھ۔

دوسرے وارث کے حصہ پر قبضہ کرنا

سوال [۹۷۵۳]: زید متوفی کی بیوی اور چار بہنیں ہیں۔ زید کے خسر نے اپنی ہر لڑکی کو ۲۵، ۲۵/ بیگہ زمین باقاعدہ لکھ دی تھی، دو بہنیں پاکستان چلی گئیں، اس لئے ہندوستانی بہنوں نے کل سو بیگہ

---

(۱) "عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخلت هند بنت عقبة امرأة أبي سفيان على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن أباسفيان رجلٌ شحيحٌ لايعطني من النفقة مايكفني ويكفي بنيّ إلا ما أخذتُ من ماله بغير علمه، فهل عليّ في ذلك من جناح؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خذي من ماله بالمعروف مايكفيك ويكفي بنيك". (الصحيح لمسلم: ۲/۷۵، كتاب الأقضية، باب قضية هند، قديمي)

"ثم اختلف العلماء في جواب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هل كان قضاءً أو إفتاءً؟ والصحيح أنه كان إفتاءً .... استدل الشافعي رحمه الله تعالىٰ بحديث الباب على مذهبه أن الدائن إن ظفر بشيء من مال المديون الباطل، جاز له استيفاء دينه من ذلك المال، سواء كان المال من جنس حقه أوغيره. وتسمى هذه المسئلة مسٔلة الظفر. والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ماظفر به من جنس حقه، ولايجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسئلة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم: ۲/۵۷۸، كتاب الأقضية، باب قضية هند، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"ورأيت في الحظر والإباحة من المجتبى .... وجد دنانير مديونه وله عليه دراهمُ، له أن يأخذ؛ لاتحادهما جنساً في الثمنية .... وقال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما في ديارنا لمداواتهم العقوق". (ردالمحتار: ۶/۱۵۱، كتاب الحجر، سعيد)

زمین نصف نصف بانٹ لی اور پچاس پچاس بیگہ زمین پر بہن قابض ہوگئی۔ زید کی پہلی بیوی نے فوت ہونے سے قبل اپنی مقبوضہ پچاس بیگہ زمین زید کو باقاعدہ لکھ دی تھی۔ زید بیوی کے فوت ہونے کے بعد اس پر قابض رہا۔ اب زید کی وفات کے بعد زید کے ترکہ میں پچاس بیگہ زمین بھی شامل ہوگی یا صرف ۲۵/ بیگہ جو زید کی بیوی کو اس کے والد نے دی تھی؟

پاکستانی بہنیں ابھی حیات ہیں اور انہوں نے اپنے حصہ کی زمین کسی کو ہبہ نہیں کی۔ زید کی موجودہ بیوی کے متعلق زید نے اپنی زندگی میں مرنے سے ایک ماہ قبل یہ کہا تھا کہ میرے بعد تم میری ۹۰/ بیگہ زمین کی مالک ہوگی۔ سرکار کے قانون کے اعتبار سے زید کی بیوی کے نام زید کی اراضی کل اس کے نام ہو چکی تھی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کے خسر نے اپنی ہر لڑکی کو ۲۵/ بیگہ زمین لکھ دی تھی جن میں سے دو پاکستان چلی گئیں، بقیہ دو نے ان کے حصہ کی زمین پر بھی بغیر کوئی معاملہ (بیع، ہبہ وغیرہ) طے کئے قبضہ کر لیا تھا، یہ قبضہ شرعاً غلط تھا، اس سے وہ سب کی مالک نہیں ہوگئی، پس ان میں زید کی بیوی کا زید کو اپنی پوری مقبوضہ زمین (۲۵/ بیگہ اپنی اور ۲۵/ بیگہ پاکستانی بہن کا حصہ) دینا شرعاً درست نہیں ہوا، پاکستانی بہن کے حصہ میں تصرف کا اس کو حق نہیں تھا (۱)، لہذا وہ ترکۂ زید نہیں (۲)۔ موجودہ بیوی کے حق میں زید کا زمین کے متعلق وصیت کرنا اس شرط پر معتبر ہو سکتا ہے کہ اس کے بھائی اور بہن نے بھی اس کی اجازت دی ہو (۳)، ورنہ یہ وصیت معتبر نہیں۔ زمین کی مالک اگر حکومت ہے تو

---

(۱) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولایة علیه، وإن فعل كان ضامنًا". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفیه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعید)

(۲) "لأن التركة ما تركه المیت من الأموال صافیًا عن تعلق حق الغیر بعینٍ من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعید)

(۳) "عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلی الله تعالىٰ علیه وسلم قال: "لاتجوز وصیة لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الرایة للزیلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحدیث: ۸۰۷۰)، كتاب الوصایا، مؤسسة الریان بیروت)

(وكذا في سنن ابن ماجة: ۲/۱۹۵، كتاب الوصایا، بابٌ: لا وصیة لوارث، قدیمی) .... =

اس کا قانون معتبر ہوگا، وہ چاہے جس کے نام کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

والد کے موروثی مکان کو تعمیر کر کے اس میں دوسرے ورثاء کا حق

سوال[۹۷۵۴]: زید کے والد کا موروثی مکان جس کو زید نے ۳۵،۴۰/ ہزار روپے ذاتی صرف کر کے پختہ بنوایا ہے، اس کی تقسیم شرعی کس طرح ہوگی؟ اور اس مکان میں زید کے بھائیوں کی اولاد کا شرعاً کیا حصہ ہوگا؟ براہ کرم تقسیم شرعی فرما کر فتویٰ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اگر دیگر ورثاء سے کوئی معاملہ مکان تعمیر کرنے سے پہلے کرلیا ہے تو اس کو لکھنا چاہئے کہ معاملہ کیا ہے۔ اگر کوئی معاملہ نہیں کیا اور ان سے تعمیرِ مکان کی اجازت بھی نہیں ملی تو اس تعمیر کا زید تنہا مالک ہے، دوسرے ورثاء کا اس تعمیر میں کوئی حصہ نہیں، البتہ زمین میں ان کا حصہ ہے۔ اب یا تو وہ اپنے حصہ کی زمین لے لیں اور جس قدر تعمیر اس حصہ میں آئے اس کی قیمت زید کو دیدیں، یا زید ان کے حصہ زمین سے اپنی تعمیر ہٹالے:

"سئل فیما إذا بنی قصراً بماله بنفسه في دار مشترکة بینه وبین إخوته بدون إذنهم قبل أن یکون البناء ملکاً له؟ الجواب: نعم، وإذا بنی في الأرض المشترکة بغیر إذن الشریك، له أن ینقض بناء ه، ذکره في التاتارخانیة من متفرقات القسمة، اهـ". تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱/ ۱۰۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۱۳۹۴ھ۔

= "وقال المنذري: إنما یبطل الوصیة للوارث في قول أکثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة، فإذا أجازوها جازت، کما إذا أجازوا الزیادة علی الثلث". (عمدة القاري، کتاب الوصایا، باب: لاوصیة للوارث: ۱۴/ ۵۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱/ ۱۰۰، کتاب الشرکة، مطلبٌ: بنیٰ له قصراً بماله في دار مشترکة، مکتبة میمنیة مصر) =

مشترکہ زمین میں کسی وارث کا مکان تعمیر کر کے ملکیت کا دعویٰ کرنا

سوال[۹۷۵۵]: زید وعمر کے نام سے ایک فرم تھی جس میں سنگی رمی کا کام ہوتا تھا(۱) جس کے مالک اور کام پرداز زید، خالد، سلمان، صابر تھے۔ خورد ونوش یکجائی تھی۔ سلمان نے آپس کے تعلقات کی ناخوشگواری کی شکل میں سرمایہ اور مکان میں سے اپنا حصہ لے کر الگ کام شروع کردیا۔ اس کے بعد زید، خالد وصابر مالک فرم رہے اور خورد ونوش یکجائی رہی۔ اس کے بعد خالد کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد زید وصابر نے خالد کی اہلیہ کو حصۂ شرعی کے مطابق سرمایہ ومکان دیکر مطمئن کردیا، وہ الگ رہنے لگی۔

اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، جس نے دولڑکے بالغ: واقد اور ساجد، اور دولڑکیاں بالغہ راشدہ ورابعہ، اور بیوی اور برادر صابر چھوڑے۔ اب دونوں لڑکوں بیوی اور صابر کے درمیان کوئی تقسیم نہیں ہوئی۔ فرم ان ہی تینوں کی نگرانی میں چلتی رہی اور مشترکہ فرم سے زید نے بحالتِ حیات کافی اراضی خریدی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد دونوں لڑکے اور صابر میں تعلقات کشیدہ ہوگئے اور اس دوران سرمایہ ومکانات اور اشیائے ضروریاتِ زندگی واراضی نصف نصف تقسیم کرلی گئی، اور دونوں بھائیوں میں کام مشترک رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مشترکہ دور میں کچھ اراضی حاصل کی یا بنائی، حالانکہ زید کے دونوں لڑکوں نے زید کے انتقال کے بعد دونوں تینوں کے ترکے کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے تمام چیزوں میں نصف صابر سے لے کر مشترک کام کرتے رہے۔ کافی عرصہ کے بعد ان دونوں کے تعلقات خراب ہوگئے، ایک فریق نے ضرور یہ چاہا کہ حساب فہمی، سرمایہ وبٹوارۂ مکانات واراضی واشیاء کا ہوجائے، لیکن ایک فریق تیار نہیں ہوا۔ بدرجۂ مجبوری جس کے پاس جتنا تھا الگ اس سے کام کرنے لگے۔

اس صورت میں شرعی حکم سے آگاہ فرمایا جائے اور جن اراضی کے بارے میں یہ دونوں بھائی کہتے ہیں کہ لوگوں نے بنائی ہے یا حاصل کی ہے، وہ خاص کر ان لوگوں کی ملک ہوگی یا مشترکہ جبکہ اب تک تمام

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۲۶۸/۶، كتاب القسمة، سعيد)

(۱) ''سنگی رمی: ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس میں سوت ملا ہوتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۴، فیروز سنز لاہور)

جائیداد مشترک رہی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگران کے پاس ثبوت ہے کہ الگ سرمایہ سے انہوں نے اراضی حاصل کی ہے، مشترکہ سرمایہ سے حاصل نہیں کی ہے تو ان کی بات تسلیم کی جائے گی اور اس اراضی کو مشترک نہیں قرار دیا جائے گا، یعنی کل فرم میں جتنے شرکاء ہیں ان کو حصہ دار نہیں تصور کیا جائے گا۔ جس کا سرمایہ اس اراضی میں لگا ہے وہی مالک ہے، دوسروں کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ اگر ثبوت نہیں تو جس جس کا حصہ اس مشترک فرم اور سرمایہ میں وہ ہر ایک اپنے حصہ کے بقدر شریک ہے۔ اب چاہیں اس اراضی سے حصہ دیا اور لیا جائے، چاہے قیمت کا مطالبہ کرلیں، جائز ہے، کذا فی فتاویٰ الهندیه (۱) وتنقیح الفتاویٰ الحامدیه (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۱۳۸۷ھ۔

باپ کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنا

سوال[۹۷۵۶]: جوشخص اپنے والد کی جائیداد پر جابرانہ قابض ہوجائے اور باپ کو کچھ نہ دینا چاہے، نہ اس کی کسی قسم کی خدمت کرے، بلکہ اس کو دھمکائے اور ڈرائے اور باپ اس قابل نہ ہو کہ وہ اپنی طاقت سے کما سکتا ہو۔ ایسا شخص عنداللہ گنہگار ہے یا نہیں، اور قیامت میں اس کا کیا حال ہوگا؟

---

(۱) "لم أجده في الهندية، وقد قال الشيخ سليم رستم باز: "إذا بنى أحد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۴۷، (رقم المادة: ۱۱۷۳)، كتاب الشركة، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۲) "سئل فيما إذا بنى زيد قصراً بماله لنفسه في دار مشتركة بينه وبين إخوته بدون إذنهم، فهل يكون البناء ملكاً له؟ الجواب: نعم! إذا بنى في الأرض المشتركه بغير إذن الشريك، له أن ينقض بناؤه".

(تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۱۰۰، كتاب الشركة، مطلبٌ: بنى له قصراً بماله في دار مشتركة، مكتبة ميمنية مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۲۶۸ كتاب القسمة، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسا آدمی غاصب اور بڑا ظالم ہے اور سخت گنہگار ہے، اس کی دنیا بھی تباہ اورآخرت بھی برباد ہے، اپنے اس ظلم کا وبال اس پر یہاں بھی پڑ کر رہے گا، بغیر اس کے بھگتے موت نہیں آئے گی۔ اس کو لازم ہے کہ والد کی جائیداد واپس کردے(۱)، اور والد کی خدمت کر کے ان کو راحت پہونچائے اور ان سے معافی مانگے، ورنہ اللہ پاک اس سے ناراض ہوں گے اور وہ شخص مستحق غضب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۱۳۸۸ھ۔

غیر کفوٴ میں نکاح اور مکانِ مورث پر قبضہ

سوال[۹۷۵۷]: زید ہاشمی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے اولاد کی نابالغی کی حالت میں غیر کفو میں نکاح کرلیا، تمام گھر والے اور ماں بھائی سب اس سے ناراض ہوئے اور سمجھایا، پر وہ نکاح سے باز نہیں رہی۔ اس غیر کفوٴ میں نکاح سے بہت شور مچا، چارہ جوئی تک کی گئی، لیکن شنوائی تک نہیں ہوئی، مزید حالات بہت پیچیدہ

---

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، قديمي)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وقضىٰ ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما، فلاتقل لهما أفٍ ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريمًا﴾. (سورة الإسراء: ۲۳)

وقال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿أن اشكر لي ولوالديك، إليّ المصير﴾ (سورة لقمان: ۱۴)

وقال تعالىٰ: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفاً﴾ (سورة لقمان: ۱۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "الوالد أوسط أبواب الجنة، فأضع ذلك الباب أواحفظه".

"عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله! ماحق الوالدين على ولدهما؟ قال: "هما جنتك ونارك". (سنن ابن ماجة: ۲/۲۶۰، كتاب الأدب، باب بر الوالدين، قديمي)

اور معاملات غلط صورت اختیار کر گئے۔

آخر مسماۃ کے ماں بھائی سب کو وطن چھوڑ کر پاکستان جانا پڑا۔ زید ہاشمی کا صرف ایک مکان باقی رہ گیا ہے، روپیہ مالیت اور زمین تو غاصبین وبرباد کرنے والوں نے برباد کردی جو زید کے یتیم لڑکوں کو پہنچتا۔ اب اس مکان پر بھی دانت ہے(۱) اور لڑکوں کو محروم کردینا چاہتے ہیں۔ زید کی اولاد سے مسماۃ کو سخت عداوت ہے اور دوسرے ناجائز شوہر کی اولاد کو بہت چاہتی ہے، اور وارثوں کے اس مکان میں اپنے ناجائز شوہر کی اولاد کو حصہ دار بنانے کیلئے زید ہاشمی کے مکان کو اپنے نام بتاتی ہے، اور اب تک کوئی ثبوت بھی نہ دے سکی۔

اب سوال یہ ہے اس صورت میں مسماۃ کا نکاح - جو سید مشہور ہے - غیر کفو میں جائز ہوا یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ حسبِ تحریر صورت میں مکان زید ہی کی اولاد کو ملنا چاہیے، یا دوسرے شوہر کی اولاد کو بھی حصہ پہنچتا ہے، جبکہ ہم نے سنا ہے کہ نکاح بھی اس سے شرعاً نہیں ہوا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید ہاشمی مرحوم کے ترکہ سے (خواہ مکان ہو یا کچھ اور) مسماۃ بحقِ زوجیت آٹھواں حصہ پانے کی حقدار ہے(۲)، اگر مہر باقی ہو تو اس کی بھی حقدار ہے(۳)۔ مسماۃ کا نکاحِ ثانی اگر صحیح طریقہ پر بھی تسلیم کیا جائے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو وہ زید ہاشمی کے ترکہ سے حصہ پانے کی بالکل حقدار نہیں، وہ تو قطعاً غیر ہے(۴)، البتہ مسماۃ کی

---

(۱) ''دانت: میل، رغبت، خواہش، قصد، ارادہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاھور)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن کان لکم ولد فلھن الثمن﴾ (سورۃ النسآء: ۱۲)

"وأما للزوجات فحالتان: الربع عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمن مع الولد وولد الابن وإن سفل". (السراجی فی المیراث، ص: ۷، سعید)

(۳) "ثم تقدم دیونه التی لها مُطالبٌ من جهة العباد". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/ ۳۶۴، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی الشریفية، ص: ۵، سعید)

(۴) "ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوی العالمکیریة: ۶/ ۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

جو کچھ ملک ہو خواہ اس کے پہلے شوہر سے یا والدین وغیرہ سے ملی ہو وہ ضرور مسماۃ کی ہے۔

مکانِ مذکور کے متعلق مسماۃ کا دعویٰ بغیر ثبوت کے تسلیم نہیں ہوگا(۱)، بلکہ وہ زید ہاشمی کا ترکہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۳/۱۳۹۴ھ۔

متوفی کی زمین کو صرف نام کردینے سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ورثاء کا حق ہے

سوال[۹۷۵۸]: ا...... میرے والد جمشید خان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوگیا، اس کے کئی برس پہلے میرے والد صاحب کے ایک دوست حافظ علی نے میرے والد صاحب سے کہا کہ مجھے گورنمنٹ سے بندوق کا لائسنس لینا ہے۔ گورنمنٹ بندوق کا لائسنس اس کو دیتی ہے جس کے نام کوئی اراضی ہو، والد مرحوم نے حافظ صاحب کے نام ۵۳/۱ ایکڑ زمین کردی اور انہوں نے یہ کھاتا دکھلا کر گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کرلیا۔

لائسنس ملنے کے بعد حافظ صاحب نے زمین واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس لئے والد صاحب نے برائے نام کردیا تھا، یعنی صرف کاغذات تک محدود تھا، ورنہ حافظ صاحب کا کوئی تعلق اس اراضی سے نہیں تھا۔ چنانچہ حافظ صاحب کی وفات کے بعد ان کے ورثاء نے ان کا نام جمشید حسین خان کے ورثاء کے نام کردیا، تو اس کے کئی برس بعد پتہ چلا کہ حافظ صاحب نے والد صاحب کی بغیر اجازت اس اراضی کو گورنمنٹ میں رہن رکھ کر

= (وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۵۵، كتاب الفرائض، حقانيه پشاور)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لو يعطى الناس بدعواهم، لادّعىٰ ناس دماء رجال وأموالهم، ولكن اليمين على المدعىٰ عليه". رواه مسلم".

وفي شرحه للنووي "أنه قال: وجاء في رواية البيهقي .... عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعًا: "لكن البينة على المدعي واليمين على من أنكر". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۶، كتاب القضاء، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، قديمي)

"قال النووي: هذا الحديث قاعدة شريفة كلية من قواعد أحكام الشرع، ففيه أنه لا يقبل قول الإنسان فيما يدّعيه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى بينة أو تصديق المدعىٰ عليه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۷/۳۲۶، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات، (رقم الحديث: ۳۷۵۸)، رشيديه)

چھ ہزار روپیہ حاصل کرلیا۔ اب کئی برس کے بعد سات ہزار سے زائد مع سود کے ہوگئی۔

اب گورنمنٹ بعلت بقایہ اس اراضی کو نیلام کررہی ہے، ہم اور ہمارے نابالغ بھائی سخت پریشان ہیں، کچھ ذی اثر حضرات کو ساتھ لے کر حافظ صاحب مرحوم کے صاحبزادگان کے پاس گئے اور ان لوگوں سے کہا کہ جوزمین آپ نے ہمارے نام واپس کردی تھی، حافظ صاحب مرحوم نے رہن رکھ کر چھ ہزار نقد لے لیا تھا، اس رقم کو آپ لوگ داخل کریں۔ ورثاء اس رقم کو داخل سرکار کرنے سے انکار کررہے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حافظ صاحب نے مذکورہ واقعہ کے تحت ہمارے والد صاحب کے ساتھ بے ایمانی یا دھوکہ نہیں دیا؟

۲...... کیا سعادت منداولاد کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ اگر والد نے کوئی غلطی کی ہو تو ان کے انتقال کے بعد ہماری والدہ اور ہم لوگوں سے اپنے والد حافظ صاحب کی غلطی چاہ کر اپنے والد کو خدا کی پکڑ سے بچاتے؟

۳...... حافظ صاحب نے جو چھ ہزار روپے حاصل کیا ہے تو اب وہ مع سود کے سات ہزار سے زائد پر ہماری ہی جائیداد سے گورنمنٹ حاصل کرے گی تو حافظ صاحب کے ذمہ سے قرضہ ختم ہوجائے گا؟ کیا حافظ صاحب کے ورثاء ہم یتیم نابالغ بیوہ کی جائیداد سے زبردستی یہ رقم سات ہزار کی دلوا کر اپنے باپ کو آخرت کی پکڑ سے بچاسکتے ہیں؟

۴...... جولوگ اس وقت حافظ صاحب کے ورثاء کی ہاں میں ہاں ملارہے ہیں، وہ کس درجہ خدا کی نافرمانی کررہے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... اگر پہلے طے کرلیا کہ محض لائسنس حاصل کرنے کی مصلحت سے صرف کاغذ میں نام درج کرایا جارہا ہے، مالک نہیں بنایا جارہا ہے، پھر اس پر حافظ صاحب کا قبضہ نہیں ہوا تو شرعاً یہ ہبہ معتبر نہیں (۱)، حافظ

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، مكتبه حنفية، كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/ ۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد) .... =

صاحب کو اس کا حق نہیں تھا کہ وہ اس زمین کو رہن رکھ کر اس پر قرض لیں (۱)۔ اولاد نے بعد میں وہ اراضی واپس کر دی، یہ بھی دلیل ہے کہ اولاد نے اس کو ہبہ نہیں تصور کیا۔ اب قرض کے متعلق یہ حکم ہے کہ حافظ صاحب کے ترکہ سے قرض ادا کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ بچے وہ بطور ترکہ تقسیم کیا جائے (۲)۔ جمشید حسین خان کی زمین سے قرض ادا کرنے کا حق نہیں (۳)۔

اگر ترکہ نہیں چھوڑا تو اولاد کے ذمہ قرض ادا کرنا واجب نہیں، اگر ادا کر دے گی تو والد مرحوم کے ساتھ احسان ہوگا اور ان کو پکڑ سے بچانے میں مدد ملے گی (۴)، جس کی کوشش حتی الوسع کرنا تقاضائے سعادت مندی ہے۔ اور اہلِ حق کو ان کا حق پہنچانے میں پوری کوشش کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۳/۲۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الهداية: ۳/ ۳۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "ثم تقدم ديونه التي لها مُطالِبٌ من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته". (الدر المختار: ۶/ ۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) (راجع رقم: ۱)

(۴) "والمراد بالدين دين له مطالب من جهة العباد لادين الزكاة والكفارات ...... فلايلزم الورثة أداؤها إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها من عندهم". (تبيين الحقائق: ۷/ ۴۷۲، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/ ۳۶۲، كتاب الفرائض، رشيديه)

الفصل الخامس فی موانع الإرث

(موانعِ ارث کا بیان)

کیا اختلافِ دارین مانعِ ارث ہے، وارث ہونے کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟

سوال[۹۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے حالت صحت وتندرستی میں اپنی تمام جائیداد زمین روپیہ ایک مدرسہ اور ایک مسجد کے لئے وصیت کی تھی، ان کی کوئی اولاد وارثین نہیں تھے، خود ہندہ نے کسی دن کسی سے اس بات پر اقرار بھی نہیں کیا، محلہ والے کو بھی کوئی وارث موجود ہونے کا علم نہیں۔ لہٰذا ہندہ کی وصیت کے مطابق ان کی رحلت کے بعد جب پنچایت نے اس وصیت کو جاری کرنے کے لئے مجلس قائم کی تو اتفاقاً ایک شخص نے ایک خط نکالا جس میں یہ تحریر ہے کہ.

''پاکستان میں اس ہندہ کا ایک بھائی ہے جو وراثت کا دعویٰ کر رہا ہے''۔

اب سوال یہ ہے کہ پاکستان سے ہندہ کا بھائی ہونے کا دعویٰ خط کے ذریعہ کر رہا ہے، یا شہادت پیش کرنی پڑے گی؟ شقِ ثانی میں وہاں سے باقاعدہ شہادت لے کر خط کے ذریعہ بھیج دینا کافی ہے، یا شاہدین کا یہاں آکر شہادت دینا ضروری ہے، حالانکہ پاکستان سے ہندوستان آنا ممنوع ہے؟

وارث ہونے کی صورت میں کل جائیداد میں وصیت جاری ہوتی ہے یا نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے: "وصحت بالکل عند عدم ورثته"(۱)۔ لیکن حالتِ شبہ مثلاً: صورت مرقومہ ثلث پر وصیت جاری ہوجاتی ہے، یا شبہ دور ہوجانے تک موقوف رہتا ہے۔

اختلافِ دارین مسلمانوں کے حق میں مانعِ ارث کے بارے میں کیا حکم رکھتا ہے؟ شریفیہ شرح سراجی کے قول: "دون المسلمین" اس تخصیص پر اشکال پیش کر کے شارح بسیط کے حوالہ سے عمومیت نقل کر کے جواب تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۶۵۲، کتاب الوصایا، سعید)

"وما فی حق المسلمین، فقد لا یکون مانعاً کأهل البغي والعدل والمسلم فی دارنا مع المسلم المستأمن في دار الحرب، یرث كل واحد منهما عن صاحبه. وقد یکون مانعاً كما أسلما في دار الحرب وهاجر أحدهما إلیٰ دارالإسلام بالنص، اه. فمراد التخصیص أن الاختلاف بصفة الكلیة مختص بالكفار لا أن مطلق الاختلاف المسطور مختص بهم، اه"(۱)۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اختلاف الدار کے اختصاص اورعدمِ اختصاص میں مفتیٰ بہ قول کیا ہے اور ہندوستان، پاکستان کے درمیان وراثت جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ مدلل باحوالہ جواب تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔واضح رہے کہ ہندوستان میں اگر پاکستان کی جائیداد موجود ہوتو حکومت قبضہ کرسکتی ہے۔فقط والسلام۔

العارض:مخلص الرحمٰن،خادم دارالعلوم بانسکنڈی،۹/۹/۸۲ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ہندہ نے کبھی اپنے کسی وارث کا اقرار نہیں کیا اور اہل خاندان اور اہل محلّہ کو بھی کسی وارث کا علم نہیں تو ہندہ کے انتقال کے بعد محض خط کی بنا پر خط لکھنے والے کو ہندہ کا بھائی اور وارث شرعی قرار نہیں دیا جائے گا جب تک وہ شہادت سے ثابت نہ کردے، شہادت کے لئے حاضر ہونا شرط ہے، غائب کی شہادت کافی نہیں، یعنی بھائی اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کرے تب اس کا دعویٰ ثابت ہوگا:

"وفي الأقضية: شهدا بأنه وارثه، لا وارث له غيره، أو أخوه أوعمه لا نعلم له وارثاً غيره، لا تقبل حتى يبيّنا طريق الوراثة له، و الأخوة والعمومة لاختلاف الأسباب .... ويشترط ذكر لا وارث له غيره لإسقاط التلوم عن القاضي، والشرط في سماع هذه البينة إحضار الخصم وهو إما وارث أو غريم الميت له على الميت دين أو مودع الميت أو الموصى له أو به، لا فرق بين أن يكون مقراً بالحق أو منكراً .... ذكر محمد رحمه الله تعالى في

(۱) (الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۰۲ فصل في الموانع، سعيد)

الکتاب: من ادعی أنه أخوه لأبيه وأمه وأقام البينة، تقبل". تنقيح الفتاوی الحامدية، ص: ۳۳۶"(۱)۔

اگر پنچایت کو اس خط سے شبہ پیدا ہوگیا ہے تو فی الحال وصیت ایک ثلث میں کردی جائے اور دوثلث کو محفوظ رکھا جائے، تا آنکہ پنچایت کو اطمینان ہوجائے جتنے وقت میں بھی اطمینان ہو، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سال نقل کیا ہے۔

عبارتِ منقولہ بالا سے پہلے عبارتِ ذیل:

" وذکر أن القاضي يحتاط ويتلوم زماناً يقع في غالب رأيه أنه لو كان له وارث اخر لظهر في مثل هذه المدة، ولم يقدره لا بشيء. وذكره الطحاوي في مختصره، وقدره لذلك حولاً؛ لأن الغيبة قد تمتد إلى الحول. قيل: هذا قولهما. وما ذكر في المبسوط قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأنه لا يرى التقدير بالاجتهاد إذا لم يكن فيه نص ولا إجماع، بل هو موكول إلىٰ رأي مَن ابتُليَ به، وهما يثبتان المقدار بالاجتهاد، كما قالا في التعزير محيط السرخسي، اهـ". حوالہ بالا(۲)۔

اختلافِ دارین کے ذیل میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو دفع کیا ہے جس نے اہل اسلام

---

(۱) (تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ۱/۳۳۶، كتاب الشهادة ومطالبه، مطلبٌ: لا بد في شهادة الميراث من بيان طريقه، مكتبه ميمنية بمصر)

(۲) (تنقيح الفتاوی الحامدية: ۱/۳۳۵، كتاب الشهادة ومطالبه، مطلب في الشهادة في الميراث، مكتبه ميمنية بمصر)

"ولا بد مع الجر المذكور من بيان سبب الوراثة وبيان أنه أخوه لأبيه وأمه أو لأحدهما ونحو ذلك .... وهو قول الشاهد: لاوارث أو لا أعلم له وارثاً غيره، ورابع وهو أن يدرك الشاهد الميت، وإلا فباطلة لعدم معاينة السبب". (الدر المختار: ۵/۴۹۶، كتاب الشهادة، باب الاختلاف في الشهادة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۸۹، كتاب الشهادة، الباب السادس في الشهادة في المواريث، رشيديه)

کے حق میں اختلاف کو مانعِ ارث قرار دیا ہے:

"فمدفوع بقول بعض علمائنا: يخايل لي أن هذا كان في ابتداء الإسلام حين كانت الهجرة فريضةً، ألا ترى أن الله تعالى نفى الولاية بين مَن لم يهاجر فقال: ﴿والذين امنوا ولم يهاجروا مالكم من ولايتهم من شئ حتى يهاجروا﴾ فلما كانت الولاية بينهما منتفيةً، كان الميراث منتفياً؛ لأن الميراث على الولاية، فأما اليوم فينبغي أن يرث أحدهما من الآخر؛ لأن حكم الهجرة قد نُسخ بقوله صلى الله عليه وسلم: "لا هجرة بعد الفتح" اهـ". رد المحتار: ۶۷۳/۵(۱)۔

البتہ ثبوتِ وارث محتاجِ بینہ ہے(۲)، اب صورت مسئلہ میں اختلافِ دار مانعِ ارث نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مرتدہ وراثت کا حق دار ہے؟

سوال[۹۷۲۰]: خالدہ نکاح توڑنے کے لئے مرتدہ ہوگئی حالانکہ اس طرح نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ تو کیا وراثت کی حقدار ہے؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۷۶۸/۶، کتاب الفرائض، سعید)

"ولكن هذا الحكم في أهل الكفر لا في حق المسلم، حتى أن المسلم إذا مات في دارالإسلام وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك، يرث". (البحر الرائق: ۳۲۵/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۶، فصل في الموانع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۹۸/۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفارية كوئٹه)

(۲) "وذكر محمد رحمه الله تعالىٰ في الكتاب: من ادّعىٰ أنه أخوه لأبيه وأمه وأقام البينة، تقبل". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۳۳۶/۱، كتاب الشهادة، مطلبٌ: لابد في شهادة الميراث من بيان طريق، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۸۸/۳، كتاب الشهادة، الباب السادس في الشهادة في المواريث، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مذہب اور ظاہر الروایہ تو یہی ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے، مگر چونکہ عورتوں نے اس کو مفارقت کا آلہ بنالیا ہے، اس لئے بعض علماء نے حکم فرمایا ہے کہ نکاح تو فسخ ہوجاتا ہے، لیکن عورت کو تجدیدِ اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ پھر دیکھا گیا کہ اس میں بھی مشکلات کا سامنا ہے اور جبر کرنا دشوار ہے، اس لئے فتویٰ دیا گیا کہ نکاح فسخ نہیں ہوتا، تاہم جب تک وہ تجدید اسلام اور پھر تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک صحبت وغیرہ بھی ممنوع ہے، لیکن دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ یہ سب کچھ بطور سزا اور تعزیر کے ہے اور یہی غایت ہے، لہٰذا صورت موجودہ میں عورت کو مستحقِ وراثت قرار دینا اس غایت کے منافی ہے، اسی سزا کے ذیل میں مرتدہ کا نفقہ بھی ساقط ہوجاتا ہے، نیز اختلافِ دین کا مانعِ ارث ہونا مصرح ومنصوص ہے:

"وارتداد أحدهما فسخٌ عاجلٌ، فللموطوءة كل مهرها، ولغيرها نصفه لو ارتد. ولا شئ من المهر والنفقة سوى السكنى، به يفتى لو ارتدت لمجئ الفرقة منها قبل تأكده .... وصرحوا بتعزيرها خمسةً وسبعين، وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجراً لها بمهرٍ يسيرٍ كدينار، وعليه الفتوى، ولوالجية. وأفتى مشايخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً وتيسيراً، اهـ". درمختار (۱)۔

"(قوله: والنفقة) قد علمت أن الكلام في غير المدخول بها، وهذه لا نفقة لها لعدم العدة، لا لكون الردة منها، لكن المدخول بها كذلك لا نفقة لها لو ارتدت، ولذا قال في البحر: وحكم نفقة العدة كحكم المهر قبل الدخول، فإن كان هو المرتد فلها نفقة العدة. وإن ارتدت فلا نفقة لها. .... (قوله: وعلى تجديد النكاح) فلكل قاض أن يجدده بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا، وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها. ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك. (قوله: زجراً لها) عبارة البحر: حسماً لباب المعصية والحيلة للخلاص منه، اهـ. ولا يلزم من هذا أن يكون الجبر على تجديد النكاح مقصوراً على ما إذا ارتدت لأجل الخلاص منه، بل

---

(۱) (الدرالمختار: ۱۹۳/۳، ۱۹۴، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۷۲/۳- ۳۷۶، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، رشیدیه)

قالوا ذلك سداً لهذا الباب من أصله، سواء تعمدت الحيلة أم لا، كيلا تجعل ذلك حيلةً............اه.

ولا يخفى أن الإفتاء بما اختاره بعض أئمة بلخ أولى من الإفتاء بما في النوادر، ولقد شاهدنا من المشاق في تجديدها فضلاً عن جبره بالضرب ونحوه مالا يعدّ ولا يحدّ. وقد كان بعض مشايخنا من علماء العجم ابتُلِيَ بامرأةٍ تقع فيما يوجب الكفر كثيراً، ثم تنكر، وعن التجديد تأبى. ومن القواعد: المشقة تجلب التيسر، والله الميسّر لكل عسير". شامی بقدر الحاجة: ۲/۶۱۶(۱)۔

"أما المرتد، فلا يرث من أحدٍ لا من مسلمٍ ولا من مرتدٍ، وكذلك المرتدة لا ترث من أحد؛ لأنها ليست ذات ملة، اه". شريفيه، ص: ۱۵۵(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۶/۷/۶۱ھ۔

جو عورت قادیانی ہو جائے کیا وہ مستحقِ میراث ہے؟

سوال[۹۷۶۱]: حفیظ اللہ کا انتقال ہوا، انہوں نے تین لڑکے اور ایک لڑکی غفورہ اور ایک بیوی چھوڑی۔ حفیظ اللہ کی زوجہ کی رضامندی سے ان کے لڑکوں نے ایک دوسرے متروکہ مکان میں تین قرعے ڈال لئے اور اس طرح مکان میں شرکت کے ساتھ رہنے لگے۔ غفورہ نے کہا کہ میں اپنا حصہ نہیں لوں گی، کچھ عرصہ کے

---

(۱) (ردالمحتار: ۳/۱۹۴، ۱۹۵، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، سعید)

(۲) (الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۴۱ فصل في المرتد، سعيد)

"المرتد لا يرث من مسلم ولا من مرتد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۵، كتاب الفرائض، الباب السادس: ميراث المرتد، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۷۲، كتاب الفرائض، الفصل الخامس في موانع الإرث، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۴/۲۵۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، سعيد)

بعد غفورہ نے اپنے قادیانی شوہر کے اثر سے قادیانیت اختیار کرلی۔ سوال یہ ہے کہ غفورہ باوجود قادیانی ہونے کے اپنے مسلم باپ کے ترکہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفیظ اللہ کے انتقال کے وقت اس کی لڑکی غفورہ مسلمان تھی، اس وقت مستحقِ میراث ہوگئی تھی، جس وقت اس نے قادیانیت اختیار کرلی تھی اس وقت اگر حفیظ اللہ زندہ ہوتے اور پھر انتقال ہوتا تو وہ مستحقِ میراث نہ ہوتی (۱)، لیکن مسلمان لڑکی کا نکاح قادیانی سے شرعی نکاح نہیں (۲)، اس پر بڑا ظلم کیا گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ وہ خود بھی قادیانی ہوگئی۔

افسوس! آج جبکہ میراث دینے کا وقت آیا تب تو پوچھا جاتا ہے اور جب اس کے ایمان وعصمت کو تباہ کرکے نکاح قادیانی سے کیا جارہا تھا، اس وقت دریافت نہیں کیا گیا کہ یہ اقدام کس درجہ کا جرم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۱۳۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال العلامة السيد الجرجاني رحمه الله تعالىٰ: "وأما المرتد، فلا يرث من أحدٍ لا من مسلمٍ ولا من مرتدٍ؛ لأنه جان بارتداده، فلا يستحق الصلة الشرعية التي هي الإرث بل يحرم عقوبةً". (الشريفيه شرح السراجية، ص: ۱۴۱، فصل في المرتد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۵/۶، كتاب الفرائض، الباب السادس في ميراث أهل الكفر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۷۲/۶، كتاب الفرائض، النوع الثالث في المناسخة، الفصل الخامس في موانع الإرث، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبدٌ مؤمن خيرٌ من مشرك ولو أعجبكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"ولا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدةً ولا مسلمةً .... ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۸۲/۱، كتاب النكاح، القسم السابع: المحرمات بالشرك، رشيديه)

"والمرتدة لا يجوز نكاحها مع أحد، وكذلك المرتد لا يجوز نكاحه مع أحد. وفي الهداية: مسلمة ولا كافرة ولا مرتدة". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۸/۳، كتاب النكاح، الفصل الثامن في بيان مايجوز من الأنكحة وما لايجوز، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الهداية: ۳۴۵/۲، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، شركة علمية ملتان)

الفصل السادس فی التصرف فی الترکة

(ترکہ میں تصرف کرنے کا بیان)

میراث میں بعض ورثاء کا تصرف

سوال[۹۷۶۲]: مخدوم مطاع جناب مولوی صاحب دام ظلہم!

بعد تحیہ تعظیم وسلام مسنون عرض ہے مندرجہ ذیل میراث کے ایک جھگڑے کے بعض اجزاء کے متعلق، اس سے قبل چند بار پوچھا جا چکا ہے مگر تجربہ یہ ہوا ہے کہ جب تک مفصل حالات اور واقعات عرض نہیں کئے جائیں گے، اطمینان بخش جوابات حاصل نہ ہوں گے۔ نیز چند باتیں اب ایسی معلوم ہوئی ہیں جن کی وجہ سے گذشتہ جوابات میں تبدیلی کا قوی احتمال پیدا ہو گیا ہے۔ لہذا مفصل حالات عرض کر کے جوابات کی درخواست ہے۔

زید نے اپنے بیمار بھائی عمر کا علاج کرایا، سو روپیہ تو عمر کے پاس موجود تھے، اور بقولِ زید ان کے علاوہ چار سو روپیہ زید کے عمر کے علاج میں اور خرچ ہو گئے، عمر جانبر نہ ہوا(۱)۔ اس کی وفات کے بعد اس کی بیوی ہندہ کے باپ نے ہندہ کے مہر، نیز دیگر حقوق کا مطالبہ ورثاء عمر سے کیا۔ زبانی طور پر ہندہ نے مہر معاف کر دیئے تھے، مگر پدرِ ہندہ نے اس معافی کو نہیں مانا اور مقدمہ بازی شروع کر دی جس میں بقولِ زید دو سو روپیہ زید کے خرچ ہو گئے، آخر زید نے پدر ہندہ کو آٹھ سو روپیہ دے کر جملہ حقوق سے دستبرداری کرالی۔ ان آٹھ سو روپیہ میں سے چار سو روپیہ تو زید کے اپنے تھے اور چار سو روپیہ ایک شخص فخر الدین سے قرض لئے گئے۔

عمر کا کچھ ترکہ وطن میں تھا اور کچھ بمبئی میں۔ وطن میں تو ایک متوفی باپ کے چھوڑے ہوئے مکان میں عمر کا حصہ تھا، یہ حصہ اس زمانہ ارزانی کی قیمت کے حساب سے اندازاً تین سو روپیہ کا ہوگا۔ دوسرے ایک زمین تھی جو زید و عمر کے آدھے ساجھے کی تھی (۲)۔ وفاتِ عمر سے کئی سال کے بعد زید نے اس زمین کو چار سو پچاس روپیہ

---

(۱) "جانبر: زندہ، صحیح سلامت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۴۴، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "ساجھے: شراکت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۲۷، فیروز سنز، لاہور)

میں بیچا اور اس کی کل قیمت اپنے ذاتی خرچ میں کرلی۔ تیسرے عمر کا کچھ سامان غیر نقد تھا جو اندازاً ایک سو اسّی روپیہ کا ہوگا جس میں سے سو روپیہ کا سامان تو تنہا زید نے لے لیا، اور باقی زید سمیت سب ورثائے عمر پر بحساب شرعی تقسیم ہوا۔

پدر ہندہ سے فارغ ہوکر زید بمبئی گیا اور وہاں اول عمر کے جمع کردہ بارہ سو روپیہ بینک سے وصول کئے جس میں سے چار سو روپیہ فخر الدین مذکور کو بھیج دیئے اور پانچ سو روپیہ اپنے ایک چھوٹے بھائی بکر کو قرض دیئے۔ بعدہ زید نے بمبئی میں ایک شخص سے ۱۲۵/ روپیہ اور دوسرے شخص یامین نامی سے پندرہ سو روپیہ اور وصول کئے، لیکن بمبئی میں ترکۂ عمر کو وصول کرنے کی کوشش میں بقولِ زید چھ سو روپیہ خرچ ہوگئے۔ شخص مذکور نہ تو عمر کا قرضدار تھا نہ امانتدار، پھر بھی اس نے پندرہ سو روپیہ زید کو اس طرح دیئے کہ بمبئی میں عمر اور اس شخص کی ایک مشترکہ دوکان دستکاری کی تھی۔

بعد وفاتِ عمر، زید نے اس کے پاس پہنچ کر اس سے کہا: یا تو عمر کی جگہ مجھ کو دوکان میں اپنا شریک بنا، یا حقِ شرکت بمبئی میں جو گڈول کے انگریزی نام سے رائج ہے۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ عمر اور اس شخص کے درمیان ۱۲ ، حقِ ترکت کا معاہدہ شاید طے ہوا ہو۔ کیونکہ شرکت دوکان کے متعلق عمر اور اس کے درمیان ایک عہد نامہ لکھا گیا تھا، جس میں بہت سی دفعات تھیں۔ بہرحال اس شخص نے زید کی آخری بات کو مان کر پندرہ سو روپیہ گڈول کے دیئے تھے۔

عمر کی بیماری، ہندہ سے مقدمہ بازی، بکر کو قرض دہی اور بمبئی میں ترکۂ عمر کو وصول کرنے کے کوششوں میں جتنا روپیہ خرچ ہوا، اس کو کم کرکے ترکۂ عمر کا زرِ نقد جو کچھ بچا وہ زید کے اپنے مال میں مخلوط ہوکر زید ہی کے ہاتھوں سے تھوڑا سا زید اور اس کے اہل وعیال پر اور زیادہ تر ورثائے عمر باستثنائے چند پر کئی سال تک خرچ ہوا۔ اس خرچ میں بڑا حصہ زید کے اپنے روپیہ کا تھا، کیونکہ خرچ اتنا وسیع تھا کہ باقی ماندہ زرِ نقد ترکۂ عمر اس کے مقابلہ میں نہایت قلیل تھا۔

زید نے رقم ترکۂ عمر سے بکر کو جو پانچ سو روپیہ قرض دیئے تھے اس کے متعلق بکر نے زید سے دریافت

کیا کہ یہ قرض آپ ہی کوادا کیا جائے یا اس کو قابلِ تقسیم قرار دیکر سب ورثاء کو بقدر ان کے حصوں کے دیدیا جائے۔ زید نے جواب دیا کہ جیسا کہ تیری سمجھ میں آئے ویسا کردے۔ بکر نے اپنی سہولت کے لئے یہ تجویز کیا کہ رقم قرض سے بقدر اپنے حصہ کے کاٹ کر باقی کو زید ہی کوادا کرنے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ کچھ ادائیگی تو زرِنقد سے کردی اور باقی کے بدلہ میں مکان متروکۂ پدر میں سے اپنے حصہ کوزید کودیدینے کا وعدہ کرلیا۔

ان واقعات سے عرصۂ دراز کے بعداب زید کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ متوفی باپ کے مکان کو تنہا اپنی ملکیت میں کرلیا جائے، کیونکہ اول تو زید کے پانچ سوروپیہ باپ پر قرض تھے جوازروئے وصیت زید کو مکان پدر سے وصول کرنے تھے، دوسرے مکان مذکورہ کی مرمت میں زید کے سوروپیہ خرچ ہوئے، تیسرے مکان پرایک شخص سے مقدمہ بازی ہوئی، تواس میں زید کے تین سوروپے خرچ ہوئے۔

اس کے علاوہ مکان مذکور میں سے اپنی ایک بہن کا حصہ زید خرید چکا ہے اور ایک بھائی بکر نے بھی اپنا حصہ مکان زید کودیدینے کا وعدہ کیا ہواہے، جیسا کہ اوپر مذکور بھی ہو چکا۔ تو ازروئے حساب ورثاء پدر میں سے جس جس کا تھوڑا بہت حق مکان مذکور میں باقی نکلے وہ دے دلاکر مکان کو اپنا کرلیا جائے۔ زید کی یہ خواہش دیگرورثاء کوناگوار ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے ترکۂ عمر کو یاد کیا کہ اگر ترکۂ عمر میں ہمارے کچھ حقوق باقی ہوں توان کے ذریعہ سے ہمارے وہ بوجھ ہلکے ہوجائیں جن کے دباؤ سے ہم سے دستبرداری کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

چنانچہ انہوں نے اول تو زید سے ترکۂ عمر کے حسابات کا مطالبہ کیا، دوسرے یہ کہ ترکۂ عمر سے متعلق خرچ کی جورقمیں زید نے بتائیں جن کا ذکراوپر ہو چکا ہے ان پر اعتراضات کئے کہ یہ رقوم اندازہ سے بہت زیادہ ہیں۔

زید نے کہا میرا اپنا روپیہ تم لوگوں پر خرچ ہوا جس کا اگر حساب لگایا جائے تو ترکۂ عمر میں حقدار بننے کے بجائے تم لوگ میرے زیرِ احسان ہو، اور اگر چہ میرے احسانات تم پر بطورِ قرض کے نہیں ہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ ترکۂ عمر کی جواشیاء ابتک بھی باقی ہیں، اگرازروئے حساب وہ میری ملکیت قرار نہ پاسکیں تو میرے احسانات کے معاوضہ ہی میں وہ میری ہوجائیں، چنانچہ باہر کے مکان میں سے عمر کا حصہ مجھے مل جائے اور بکر کا

بھی مل جائے، جبکہ بکر مجھ سے اس کا وعدہ بھی کر چکا ہے۔

اور میرے پانچ سو روپیہ جو والد مرحوم کے مکان پر قرض ہیں، نیز مرمت مکان اور مقدمہ بازی میں جو میرا روپیہ خرچ ہوا ہے اس کے بدلہ میں دیگر ورثاء اگر پدر سے دستبرداری کو گوارہ نہیں کرتے ہیں تو کم از کم اتنا ہی کردیں کہ مکان کو میرے نام پانچ سال کیلئے دخلی رہن کردیں پھر میرے قرض کی ادائیگی کی کوشش کرتے رہیں، اور درصورتِ عدم ادائیگی مجھے اختیار ہوگا مکان سے وصول کر لینے کا۔ اور میری بتائی رقوم اخراجات متعلق ترکۂ عمر میں غیر معمولی زیادتیوں کا شبہ، سوتم لوگوں نے میرے احسانات کو بالکل بھلا دیا، تم دوسرے کے دست نگر ہو کر زندگیاں گذارنے والو! اخراجات کی وسعت کا صحیح اندازہ کیسے لگا سکتے ہو۔

مہربانی فرما کر سوالاتِ ذیل کے جوابات کے علاوہ جو اور باتیں قابلِ اطلاع ہوں ان سے بھی مطلع فرمایا جائے:

۱...... آخری سطور میں مذکورہ زید کا اظہارِ برہمی مع عدمِ جوابدہی، احتمالِ زیادتی، اخراجات متعلق ترکۂ عمر بجا ہے یا بیجا؟

۲...... یامین سے وصول شدہ روپیہ ترکۂ عمر میں شمار ہونے کے قابل تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کے احکام سے مطلع فرمایا جائے۔

۳...... ورثاء عمر جن پر زرِ ترکۂ عمر خرچ ہوا اور وہ جن پر نہیں ہوا، ترکۂ عمر ختم شدہ اور باقی ماندہ میں اگر کچھ حقوق رکھتے ہوں تو ان سے مفصل مطلع فرمایا جائے۔

۴...... بکر نے جو اپنا حصۂ مکان زید کو دیدینے کا وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرے، یا رقم قرض باقی ماندہ کو تمام ورثاء عمر پر تقسیم کرے؟

۵...... ترکۂ عمر سے متعلق خرچ کی جو رقوم زید نے بتائی ہیں اور ان میں اندازہ سے بہت زیادہ زیادتیوں کے احتمال کا کوئی جواب زید نے نہیں دیا تو ان کو زید کے بتانے کے مطابق ہی ماننا پڑے گا، یا اندازہ کے مطابق بھی کیا جاسکتا ہے؟

۶......زید نے بحیثیتِ مسلمان ہونے کے زیرِ ترکۂ عمر کو ورثائے عمر باستثنائے چند پر بے حساب خرچ کیا ہے، حالانکہ ترکہ میں حساب ہوتا ہے، مثلاً: ماں کا اتنا، بہن کا اکہرا، بھائی کا دوہرا۔ تو کیا ولی ہونے کی وجہ سے زید کیلئے یہ حساب معاف ہے؟

۷......زید نے بیوۂ عمر ہندہ کو جو آٹھ سو روپیہ دے کر جملہ حقوق سے دستبرداری لی، اس کے ساتھ متوفی باپ کے مکان میں عمر کے حصہ میں سے ہندہ کا جتنا حصہ نکلتا تھا بیع نامہ ہندہ سے اپنے نام کرالیا۔ کیا زید کی یہ کار وائی شرعاً درست ہوگئی؟ فقط۔

احقر احمد حسین، مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......یہ برہمی مغلوب الغضب ہونے کی بناء پر ہے، کوئی باضابطہ جواب نہیں۔

۲......اس کے لئے زید کا بیان سامنے ہونا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے کس بناء پر روپیہ وصول کیا ہے، اگر اس نے ناحق جبراً وصول کیا ہے تو یہ حرام ہے، اور ہرگز ترکۂ عمر نہیں (۱)۔ اگر واقعۃً عمر نے روپیہ دیا اور شرکت کا معاملہ کیا اور حساب سے اس قدر روپیہ عمر کا ہوتا تھا تو پھر یہ ترکۂ عمر شمار ہوگا۔ اور اول صورت میں اس روپیہ کی واپسی زید کے ذمہ لازم ہے (۲)، ثانی صورت میں جو اَور ترکہ کا حال وہی اس کا بعد ادائے قرض وغیرہ (۳)۔ ترکۂ عمر میں جمیع ورثاء شریک ہیں اور یہ شرکت حسبِ استحقاقِ وراثت ہوگی جس کی تفصیل ورثاء کی

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرّة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۲) "أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "مطل الغني". أي تأخيره أداء الدين من وقت إلی وقت "ظلم" فإن المطل منع أداء ما استحق أداء ه وهو حرام من المتمكن. ولو كان غنياً، ولكنه ليس متمكناً، جازله التأخير إلی الإمكان". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۶/۱۱۹، رشيديه)

(۳) "يبدأ بتركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه، ثم يقدم ديونه التي لها مُطالب من جهة=

تفصیل وتعیین معلوم ہونے پر تحریر کی جاسکتی ہے۔

جن ورثاء پر ان کے استحقاق سے زیادہ خرچ ہوا، اگر ان کی طلب پر خرچ ہوا تو ان کے ذمہ اس مقدار زیادتی کی واپسی لازمی ہے، وہ ایسے ورثاء کو دیں جن کو باوجودِ استحقاق کے کچھ نہیں ملا، یا استحقاق سے کم ملا۔ اگر بغیر ان کی طلب کے یہ زیادتی ان پر خرچ ہوئی، تو خرچ کرنے والا اس کا ضمان ان ورثاء کو ادا کرے، جن کو ترکہ نہیں ملا، یا استحقاق سے کم ملا (۱)۔

۴...... جبکہ زید نے عمر کے جمع کردہ بارہ سو روپیہ بینک سے وصول کرکے بکر کو پانچ سو روپیہ قرض دیئے اور ادائیگی کی صورت دریافت کرنے پر اختیار دیدیا کہ جیسا تیری سمجھ میں آئے ویسا کردے، یعنی رقم قرض خواہ کل زید کو دیدے خواہ جملہ ورثاء میں حسبِ حصص تقسیم کردے، پھر بکر نے اپنا حصۂ میراث کاٹ بھی لیا تو اب بکر کو چاہئے کہ بقیہ رقم (اپنا حصہ کاٹنے کے بعد) تنہا زید کو نہ دے، نہ بصورتِ نقد نہ بصورتِ حصۂ مکان (۲)، بلکہ جس

= العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع". (الدرالمختار: ۶/۷۵۹، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

"كما أن أعيان المتوفي المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(۱) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عيناً إن كان قائماً، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيمياً، ومثله إن كان مثلياً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۲) "مايقبضه كل واحد من الدائنين من الدين المشترك، يكون مشتركاً بينهما، وللشريك الآخر أخذ حصته منه، ولا يسوغ للقابض أن يختص به وحده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۳، (رقم المادة: ۱۱۰۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في ديون المشتركة، مكتبة حنفية كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۷، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، رشيديه)

طرح اپنا حصہ خود کاٹ لیا ہے زید کو نہیں دیا، اسی طرح ہر وارث کا حصہ اس وارث کو دے، صرف زید کے حوالہ نہ کرے، زید کو صرف زید کا حصہ دے۔

۵...... زید سے تفصیل دریافت کرلی جائے، جب تک جھوٹ اور خیانت کا ثبوت نہ ہو زید کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر دیگر ورثاء کو یقین نہ ہو تو زید سے قسم لی جاسکتی ہے (۱)۔

۶...... یہ معاف نہیں، زید کے ذمہ کے ہر ایک کا حصہ پورا پورا دینا واجب ہے (۲)، ایک کا حصہ دوسرے پر از خود خرچ کرنا جائز نہیں (۳)۔

۷...... اگر بیوہ ہندہ نے مہر معاف کردیا تو وہ شرعاً معاف ہوگیا، پدر ہندہ کو مہر کے مطالبہ اور مقدمہ بازی کا ہرگز حق نہیں (۴)، جبکہ ہندہ موجود ہے اور کہتی ہے کہ میں نے مہر معاف کردیا تو پھر پدر ہندہ کا ورثاء عمر

---

(۱) "وهو أن الشريك أمينٌ في المال، فيقبل قوله بيمينه في مقدار الربح والخسران والضياع والدفع لشريكه ولو بعد موته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ولو وكل بقبض وديعته، ثم مات الموكل، فقال الوكيل: قبضت في حياته وهلك، وأنكرت الورثة، أو قال: دفعته إليه، صُدّق". (ردالمحتار: ۴/۳۱۹، كتاب الشركة، سعيد)

(۲) ہر شخص کا حصہ چونکہ زید کے پاس امانت ہے اور امانت کو اپنے مالک تک پہنچانا واجب ہے: قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالته أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنًا". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) "للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق، دخل بها زوجها أو لم يدخل، وليس لأحد من أولياء أب ولاغيره الاعتراضُ عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۳۱۲، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل العاشر في هبة المهر، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۲۵، كتاب النكاح، باب المهر، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۱۱۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

سے مقدمہ بازی کر کے مہر وصول کرنا سراسر ظلم ہے(۱)۔البتہ ہندہ اپنا حصۂ میراث ضرور وصول کر سکتی ہے(۲)۔
اور زید نے جو آٹھ سو روپے دیئے ہیں تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس میں بعوضِ مہر کس قدر ہیں اور بعوضِ میراثِ ہندہ کس قدر ہے۔

جس قدر رقم زید نے بعوضِ حصۂ میراثِ ہندہ ادا کی ہے، اس کے عوض میں وہ ہندہ کے حصۂ میراث کا مالک ہو گیا(۳)، اور شرعاً یہ درست ہے، خواہ وہ مکان کا حصہ ہو خواہ دیگر سامان کا، دیگر ورثاء اب اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتے۔جس طرح زید نے اپنے نام بیعنامہ کرالیا ہے، دیگر ورثاء کو بھی یہ حق حاصل تھا، جب زید نے اس حق کو وصول کر لیا اور دیگر ورثاء خاموش رہے تو اب اَوروں کا حق ساقط ہو گیا(۴)، اور چونکہ یہ رقم زید نے ترکۂ عمر سے نہیں دی، اس لئے ورثاء عمر کو اس میں شرکت کا حق نہیں۔یہاں تک سوالات کے جوابات تھے۔

عمر کی بیماری پر جو کچھ زید نے خرچ کیا، اگر عمر کی طلب پر بطورِ قرض خرچ نہیں کیا تو زید کو اس کے مطالبہ کا حق نہیں(۵)۔

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۲) "والمرأة تأخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة إن كانت التركة دراهم أو دنانير، وإن كانت التركة شيئًا يحتاج إلى البيع، فبيع ماكان يصلح ويستوفي صداقها". (خلاصة الفتاویٰ: ۴/ ۲۴۱، كتاب الوصايا، الفصل السابع في الدعویٰ والشهادة، رشيديه)

(۳) "وصيه أو ورثته نقدوا ثمن كفنه من مالهم، يرجع به في التركة، وكذا أداء دينه". (جامع الفصولين). "وللوارث أن يقضي دين الميت وأن يكفنه بغير أمر الورثة، كان له أن يرجع في مال الميت". (جامع الفصولين مع حاشيته: ۲/ ۳۶، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين، اسلامی كتب خانه كراچی)

"وكذا لو قضیٰ الوارث أوالوصي دينًا من ماله، كان له أن يرجع في مال الميت". (خلاصة الفتاویٰ: ۴/ ۲۴۰، كتاب الوصايا، الفصل السادس في تصرفات الوصي، رشيديه)

(۴) "سكوت المالک القديم حين قسم ماله بين الغانمين رضا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: المواضع التي يكون فيها السكوت كالقول: ۴/ ۴۸۲، سعيد)

(۵) "كفّن الوارث الميت أو قضیٰ دينه من مال نفسه، فإنه يرجع، ولا يكون متطوعًا". (الدرالمختار). =

حصۂ ہندہ کو جبکہ زید نے اپنے نام بیع کرایا ہے تو اس کی قیمت ترکۂ عمر سے ادا کرنا درست نہیں، لہذا فخر الدین کا روپیہ بھی زید کو اپنے پاس سے دینا چاہیئے نہ کہ ترکۂ عمر سے(۱)۔ زمین مشترکہ کو فروخت کر کے نصف قیمت بطورِ اصل مالک زید کی ہے، اور بقیہ نصف میں جملہ ورثاء عمر شریک ہیں (۲)، زید کا کل قیمت کو اپنے ذاتی خرچ میں لانا درست نہیں۔ جملہ ورثاء اپنے حصہ میراث کا مطالبہ زید سے کر سکتے ہیں۔

باپ کے مکان متروکہ میں جو حصہ عمر کا تھا اس میں بھی جملہ ورثاء شریک ہیں۔ ایک سو اسّی روپیہ کے سامان میں سے زید کو سو روپیہ کا سامان تنہا رکھنا بھی جائز نہیں، صرف اپنا حصہ رکھ سکتا ہے (۳)۔ بارہ سو روپیہ میں بھی سب شریک ہیں (۴)، اسی طرح ۱۲۵/ روپیہ اور پندرہ سو روپیہ کا حال ہے۔

جس قدر رقم زید کی ترکۂ عمر کے وصول کرنے میں خرچ ہوئی، اس کو زید ترکۂ عمر سے استحساناً کاٹ سکتا ہے (۵)، ہندہ کے پدر سے مقدمہ بازی میں جو کچھ خرچ ہوا، اس کو ترکۂ عمر سے نہیں کاٹ سکتا (۶)، اس

= "أنفق الوصي من مال نفسه على الصبي، وللصبي مال غائب، فهو متطوع في الإنفاق، إلا أن يشهد أنه قرض أو أنه يرجع عليه .... وتكفيه النية فيما بينه وبين الله تعالى". (ردالمحتار: ۷۱۷/۶، ۷۱۸، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۴۰/۴، كتاب الوصايا، الفصل السادس في تصرفات الوصي، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۳۰۴، رقم الحاشية: ۳)

(۲) "ثم تقضى ديونه من جميع مابقي .... ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجي، ص: ۳، سعيد)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۴) "وللشريك الآخر أخذ حصته منه، ولايسوغ للقابض أن يختص به وحده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۱۳/۱، (رقم المادة: ۱۱۰۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۵) "وأما أجرة نقد الدين، فعلى المديون، إلا إذا قبض رب الدين الدين .... فالأجرة على رب الدين؛ لأنه بالقبض دخل في ضمانه". (ردالمحتار: ۵۲۰/۴، كتاب البيوع، مطلب: فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن، سعيد)

(۶) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه .... وإن فعل، كان ضامناً". (شرح المجلة =

نے وہ مقدمہ محض اپنی ذات کیلئے لڑایا ہے، نہ کہ دیگر ورثاء کیلئے۔ جس قدر ترکۂ عمر ورثاء مستحقین کے پاس پہنچ چکا، اس قدر سے زید سبکدوش ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۶/۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳/ جمادی الثانی/ ۱۳۶۶ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

ادائے قرض سے پہلے ترکۂ میت سے نفع اٹھانا

سوال[۹۷۶۳]: زید نے اپنے وارثوں میں تین بالغ لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا، ترکہ میں ایک موروثی سکنیٰ مکان ہے جس میں زید کا بھائی بھی شریک ہے، اس کے علاوہ گیارہ سو کے قریب رقم ایک میعادِ معینہ کیلئے سرحدی تحویل میں امانت ہے اور دوسری طرف متفرق واجب الادا قرض کی رقم ہیں جن میں چار سو کے قریب سودی قرضہ بھی شامل ہے۔ زید کے بعض ورثاء اور دوستوں نے مرحوم کی عاقبت میں بہتری کے اور اس خیال سے کہ دیر کرنے سے سود کی رقم زیادہ جائے گی، سرکاری تحویل سے اختتامِ میعاد سے قبل رقم لے کر سارے قرضے ادا کرنے پر اتفاق کرلیا ہے۔

تین وارث لڑکوں میں دو چھوٹے بھائی برسرِ روزگار ہیں، لیکن بڑا بھائی (الف) عرصہ سے کسی روزگار پر قادر نہیں اور اپنے متعلقین کی کفالت کیلئے بعض اوقات بادلِ ناخواستہ دوسروں سے استمداد پر مجبور ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ سے اس کا ارادہ زراعت کا ہے اور اسی غرض سے قطعۂ اراضی بھی لگان پر لیا ہے، مگر زراعت کے دیگر اخراجات کیلئے سودی قرضہ لینے کے سوائے اس وقت کوئی اور وسیلہ نہیں ہے، اس کے بغیر ملنا ناممکن نظر آتا ہے اور بہ ہزار دقت بہت گراں سود پر مل سکتا ہے۔

اس لئے (الف) یہ چاہتا ہے کہ جو واجب الأدا سودی قرضہ ہے اس کی ادائیگی بالفعل ملتوی کر کے اس رقم سے اس کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے، وہ زراعت کے حاصل سے دو تین سال کے اندر رقم قرضہ مع سود کے صراف کو واپس کردے گا، کیونکہ اس وقت رقم صراف کو واپس کر کے جدید قرضہ کے ملنے کی امید نہیں ہے۔

= لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في القواعد الفقهيه، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ذی علم اور تجربہ کار شخص ہے اس کے خلاف بے اعتمادی کی کوئی وجہ نہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا قرضہ کی ایسی رقم کی ادائیگی کو ایک گھر کیلئے ذریعۂ معاش قائم کرنے کی مفید اور جائز غرض سے مدت مذکورہ تک ملتوی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے ترکہ میں سے تقسیم میراث سے قبل قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے(۱)، خصوصاً جب کہ قرض سودی ہو تو جس قدر جلدی اس کا ادا کرنا ممکن ہو اس میں تاخیر کی گنجائش نہیں (۲)، اور صورت مسئولہ میں واقعات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ سودی قرض تمام بڑی سے بڑی جائیداد کو کھا کر فنا کر دیتا ہے۔ اور اس پر بھی وثوق نہیں کیا جاسکتا کہ مدت مذکورہ میں الف کو زراعت میں کچھ نفع اور بچت ہو کہ جس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رقم مذکورہ تمام کی تمام زراعت میں صَرف ہو جائے اور کچھ بھی وصول نہ ہو، اس لئے موہوم امید پر سودی قرض کی ادائیگی کو مؤخر کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو جلد از جلد ادا کر دیا جائے۔

اور اس کے بعد اگر الف میں صدق اور خوف خدا ہے اور وہ حرام سے بچ کر اکلِ حلال کا طالب ہے تو اس کے لئے اللہ پاک ضرور بالضرور جائز طریقہ سے رزق مہیا فرمائیں گے اور حرام سے محفوظ رکھیں گے۔ اگر اس کو قرض کی ضرورت پیش آئیگی تو بلا سود قرض ملے گا۔

اس پُر آشوب زمانہ میں ایسے بندگانِ خدا موجود ہیں اور بڑے بڑے کاروبار کر رہے ہیں جن کو کبھی سودی قرض کی نوبت نہیں آتی اور بلا سود ہزاروں کی رقم مہیا ہو جاتی ہے:

قال اللّٰہ تبارك وتعالى فی كتابه المجيد: ﴿ومن يتق اللّٰه، يجعل له مخرجًا ويرزقه من

---

(۱) "ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد". (الدر المختار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مطل الغني ظلم". (مشكوٰة المصابيح: ۱/ ۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، قديمي)

حیث لا یحتسب﴾ الآیة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۱۳۵۹ھ۔

ترکۂ میت میں اگر بعض ورثاء تجارت کریں، کیا اس میں سب شریک ہوں گے؟

سوال[۹۷۶۴]: زید نے انتقال کے وقت ایک بیوہ تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑی، اس میں سے زید ہی نے اپنی حین حیات میں بڑی لڑکی کی شادی کردی۔ زید کے کل متروکہ کا حساب تیرہ سو روپے ہوا۔ زید کے دو لڑکے بڑے تھے، ان پر ایک چھوٹی بہن، ایک چھوٹے بھائی اور والدہ کی کفالت عائد تھی، لہذا کل وارثوں میں سے کسی نے بھی اپنا حصہ طلب نہیں کیا۔ اور اسی تیرہ سو روپے سے دونوں بڑے لڑکوں نے تجارت شروع کردی، جس کو گیارہ سال گذر گئے۔ اور بڑی شادی شدہ لڑکی کے علاوہ سب کا نان ونفقہ چلتا رہا اور اب بھی چل رہا ہے۔

اب بڑے دو لڑکوں کے علاوہ سب ورثاء کہتے ہیں کہ جو موجودہ ترکہ ہے وہ سب کا ہے، وہ سب تقسیم کیا جائے۔ زید کے دونوں بڑے لڑکوں کا کہنا ہے کہ صرف مرتے وقت تیرہ سو روپے تقسیم ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ کونسا ترکہ تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا ترکہ وہ ہے جو اس کے انتقال کے وقت چھوڑا ہے(۲)، اس میں سب ورثاء شریک ہیں، جن دو لڑکوں نے روپیہ لے کر تجارت کی ہے اس میں دوسرے شریک نہیں، وہ خود ان کی محنت ہے نہ کہ سب کی(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۶/۱۳۸۷ھ۔

---

(۱) (سورۃ الطلاق: ۲، ۳)

(۲) "لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) "إذا أخذ أحد الورثة مبلغًا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين وعمل فيه وخسر، كانت =

ترکۂ مشترکہ سے ایک وارث نے زمین خریدی، اس میں دوسرے وارث کا حصہ

سوال[۹۷۶۵]: ایک قطعۂ زمین خریدی گئی اس وقت جب کہ دو حقیقی بھائی اوران کے حقیقی والدتو ایک گھر میں رہتے تھے اورکام دھندہ بھی سب ایک ہی میں تھا، لیکن خریدی خطۂ زمینِ مذکورہ کی صرف ایک ہی بھائی کے نام کی گئی جو بڑا تھا۔ لہذا چھوٹا بھائی اس زمین میں نصف کا شریک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

جس نے وہ زمین خریدی ہے اگراس نے اپنے ہی لئے خریدی ہے تو وہ اسی کی ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، قیمت اگرمشترک روپیہ سے ادا کی ہے تو شرکاء کا روپیہ حسبِ حصص دینا اس کے ذمہ واجب ہے:

"لو تصرف أحد الورثة فی التركة المشتركة وربح، فالربح للمتصرف وحده، كذا فی الفتاویٰ الغياثية، اهـ". هندية: ٤/ ٣٤٦(١)۔

اگروہ شرکت کیلئے خریدی ہے تو مشترک ہے، شرکاء قیمت میں بھی شریک ہوں گے، بیّنہ نہ ہونے کی صورت میں وجوب ثمن کیلئے مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا:

"لو صدقه فی الشراء للشركة وكذبه فی دعوى الأداء من مال نفسه، قال الخير الرملی

= الخسارة عليه، كما أنه إذا ربح لايسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ١/ ٦١٠، (رقم المادة: ١٠٩٠)، كتاب الشركة، الفصل الثانی، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ١/ ٩٣، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٢/ ٣٤٦، كتاب الشركة، الباب السادس فی المتفرقات، فصل: لو تصرف أحد الورثة، رشيديه)

"إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصی الصغار فی الأراضی المورثه، تصير جملة الحاصلات مشتركةً بينهم. وأما لو بذر بغير إذن بقية الورثة، فالغلة للزارع فقط ولو كان البذر مشتركاً .... ولكن لو بذر أحدهم حبوب نفسه، فالحاصلات له خاصةً، لكنه يضمن لبقية الورثة حصتهم مما نقصت الأرض بزراعته". (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ٦٠٩، (رقم المادة: ١٠٨٩)، كتاب الشركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ٢/ ٢٠٧، كتاب المزارعة ومطالبه، مكتبه ميمنيه، مصر)

فی حاشیة المنح: والذی یظهر أن القول للمشتری؛ لأنه لما صدقه الآخر فی الشراء، ثبت الشراء للشركة، وبه یثبت نصف الثمن بذمته، ودعواه أنه دفع من مال الشركة دعویٰ وفائه، فلایقبل بلابینة، ولذا قالوا: إذا لم یعرف شراء ه إلابقوله، فعلیه الحجة ؛ لأنه یدعی وجوب المال فی ذمة الاٰخر وهو ینكر وهنا لیس منكراً بل مقر بالشراء الموجب لتعلق الثمن بذمته، وله تحلیفه أنه مادفعه من مال الشركة، قال المشتری: هولی خاصةً اشتریتُه بمالی لنفسی قبل الشركة، فالقول له بیمینه: بالله ماهومن شركتنا، أوحال الشركة لو من جنس تجارتهما، فهو للشركة، وإن لم یكن من تجارتها فهو له خاصة". شامی بتغیر: ۳/ ۵٤۹(۱)۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲/۳/۵۹ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۴/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

میت کا زمین بیوی کے نام خریدنا، اور مال مشترک میں ورثاء کا تصرف

سوال[۹۷۲۲]: زید فوت ہو چکا اور ورثاء ذیل چھوڑے:

ایک زوجہ، چھ بنات، اخ عینی، شرعاً۔ اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

زید نے جو زمین اپنی کمائی سے خرید کر اپنی زوجہ کے نام خرید کرائی، اس خیال سے کہ اولاد نرینہ نہیں ہے، مرنے کے بعد بھائی مالک ہو جائے گا، اگر زوجہ کے نام ہوگی بھائی محروم رہے گا۔ اور بقیہ جائیداد منقولہ از قسم نقد وغیرہ وہ زید کی عورت کے پاس ہے، اس کو وہ اپنے صرف میں کر رہی ہے، زید کے بھائیوں کو کچھ نہیں دیتی۔ سوال یہ ہے کہ جو جائیداد زوجہ کے نام ہے وہ ترکہ میں شمار ہو کر قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

زید کی زوجہ کا حق مہر......۲۵/ روپیہ تھا، اگر زید نے تمام جائیداد بعوض حق المہر عورت کو لکھدی ہو اس غرض سے کہ دوسرا وارث محروم رہے۔ کیا یہ تحریر شرعاً جائز ہے؟ جس قدر جائیداد منقولہ وغیر منقولہ جو ترکہ میت

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۳۱۴، كتاب الشركة، مطلب فی دعوی الشریک أنه أدی الثمن من ماله، سعید)

(وكذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق: ۵/۲۹۴، كتاب الشركة، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكیریة: ۳/ ۶۱۸، كتاب الشركة، باب شركة العنان، رشیدیه)

سے ہے اور عوت کے قبضہ میں ہے اس کو وہ عورت فروخت کرسکتی ہے بغیر رضامندی دیگر ورثاء کے یا نہیں؟ فقط۔

نفیس احمد، پھلاؤدہ، ضلع میرٹھ (یو، پی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲۴ ۷۲

اخ عینی	بنات ٦	زوجہ
۵/۱۵	۱٦/۴۸	۳/۹

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین وادائے دینِ میت وتنفیذِ وصیت وغیرہ از ثلث مال (۱)، زید کا ترکہ بہتر [۷۲] سہام قرار دے کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ۹/ سہام زوجہ کو ملیں گے (۲)، ۴۸/ سہام ست بنات (۳)، کو یعنی ہر ایک کو آٹھ آٹھ سہام، ۱۵/ سہام اخ عینی کو (۴)۔

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۲/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(۲) میت کی جب اولاد ہو تو زوجہ کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النسآء: ۱۲)

(۳) بنات کو مذکورہ صورت میں ثلثان یعنی دو تہائی حصے ملیں گے:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترك﴾ (سورة النسآء: ۱۱)

(۴) اخ عینی عصبہ ہے، ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو رہ جائے وہ عصبہ کو ملے گا۔

"العصبة: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية: ٦/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه) =

سوال کے ابتداء میں ہے کہ ''وہ جائیداد زوجہ کے نام خرید کرائی ہے'' آخر میں ہے کہ ''زوجہ کے نام منتقل کرائی ہے''۔ اگر یہ مطلب ہے کہ بائع سے براہ راست جائیداد زوجہ کے نام خریدی اور منتقل کرائی ہے تب تو وہ زوجہ کی ملک ہے، ترکۂ زوج نہیں (۱)، مگر یہ کہ زوجہ اس بات کا اقرار کرلے، یا ورثاء زوج کے پاس اس کا ثبوت ہو کہ یہ جائیداد متوفی نے اصالۃً اور حقیقۃً اپنے لئے خریدی تھی اور کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے کاغذ میں زوجہ کا نام تحریر کرادیا تھا تو اس وقت ترکۂ میت شمار ہوکر حسبِ تحریر بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا۔

اگر یہ مطلب ہے کہ اپنے نام خرید کر پھر زوجہ کے نام منتقل کرادی تھی تو اس صورت میں اگر بحالتِ صحت وتندرستی بطورِ ہبہ منتقل کر کے زوجہ کا قبضہ اس پر کرادیا تھا تو وہ زوجہ کی ملک ہے ترکۂ متوفی نہیں، بھائی مطالبہ نہیں کرسکتا (۲)۔

اگر بحالتِ صحت وتندرستی لکھی ہے تو یہ تحریر معتبر ہے (۳)، اگر مرض الموت میں لکھی ہے تو اس کی کیفیت لکھ کر دوبارہ دریافت کریں۔

جس قدر حصہ زوجہ کی ملک ہے، خواہ زوج نے اپنی حیات میں اس کو دیا ہو خواہ ترکہ میں ملا ہو، اس کو فروخت کرسکتی ہے، اس میں رضامندی کی ضرورت نہیں اور کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، خواہ وہ جائیداد مشترک ہو

= (وكذا في تبيين الحقائق: ٧/٤٨٥، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) جب کہ کوئی شخص اپنے ہی مال سے کسی کے لئے کوئی چیز خرید کراسے دے دے تو یہ ہبہ ہے، اور ہبہ دراصل قبض سے تام ہوجاتا ہے، كما سيأتي تحت الحاشية الآتية.

(۲) "يملك الموهوبُ له الموهوبَ بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة، ص: ٤٧٣، كتاب الهبة، الباب الثالث، (رقم المادة:)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ٥/٦٩٠، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٣٧٤، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(۳) واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب میت ''زید'' نے مذکورہ زمین اپنی زوجہ کو بحقِ مہر یا بطورِ ہبہ دینے کیلئے لکھا ہو اور ساتھ قبضہ بھی کرایا ہو، بغیر قبضہ کے ہبہ اور ملک تام نہیں ہوتا ہے:

"ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً، حتى لايثبت الملك للموهوب له قبل القبض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٣٧٤، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

خواہ تقسیم شدہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/رجب/۱۳۶۴ھ۔

مشترکہ موروثہ بائیداد میں کسی شریک کا اپنے حصہ پر قبضہ نہ کرنا

سوال[۹۷۶۷]: مسائلِ ذیل بغرضِ جواب ارسالِ خدمت سراپا برکت ہے۔بعد ارقام جواب فتویٰ مزین بمہر فرما کر احقر کے پاس واپس فرمادیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔جواب جلد درکار ہے۔

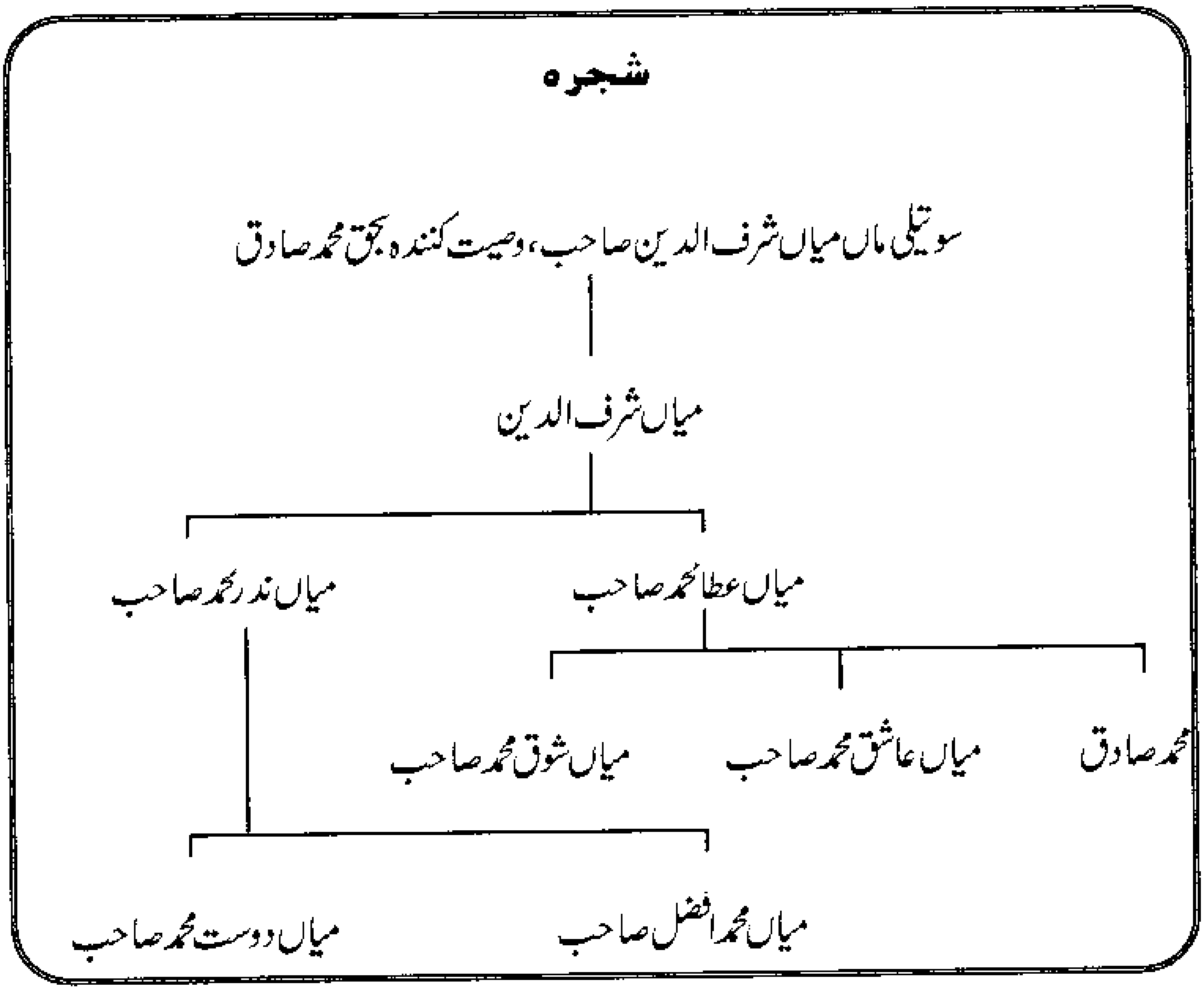

(۱) "کیف ما یتصرف صاحب الملک المستقل فی ملکه، فکذا یتصرف أیضاً فی الملک المشترک اتفاقاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۵۹۹، (رقم المادة: ۱۰۶۹)، کتاب الشرکة، الفصل الثانی، حنفیه کوئٹه)

میاں شرف الدین صاحب، میاں عطا محمد صاحب مع دو پسران: میاں عاشق محمد صاحب و میاں شوق محمد صاحب۔ میاں نذر محمد صاحب مع ہر دو پسران اور محمد صادق ہر ایک علیحدہ علیحدہ رہا کرتے تھے اور خرچ بھی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ تھا۔ میاں شرف الدین صاحب نے جائیداد سکنیٰ علاوہ جائیداد زرعی کے جو اُن کے نام درج کاغذات سرکار تھی، چاہے وہ جدی تھی یا بعدہ خود خرید کردہ تھی، چاہے خود خرید کردہ زر ترسیل شدہ ہر دو پسران میاں شرف الدین صاحب سے خرید کی گئی تھی، اور صاحب موصوف نے کاغذات میں بوجۂ ملازمتِ پردیس وعدمِ حاضریٔ پسران خود اپنے نام رجسٹر وغیرہ کرالی۔ مندرجہ ذیل طریق پر تقسیم کردی:

میاں شرف الدین صاحب نے اپنے بڑے پسر میاں عطا محمد صاحب کو سکنیٰ زمین سے تخمیناً سات مرلہ اراضی جس پر علاوہ کچا مکیہ کے مکانات کے ایک مکان پختہ ملبہ کا تعمیر شدہ تھا۔ اور میاں نذر محمد صاحب کو سکنیٰ زمین پیمائشی دس مرلہ بنابر وجہ کہ اس اراضی پر کچا ملبہ کے مکانات تعمیر شدہ تھے، حوالہ کردی اور اپنے لئے تین مکانات سکنیٰ علیحدہ رکھ لئے اور ہر دو پسران کے مکانات سے بھی حصہ مکانات بڑے رہائش تا حینِ حیات تصرف میں رکھ لئے۔

ماسوائے ایک کمرہ (درحصہ میاں نذر محمد صاحب) وسیڑھی کمرہ وراستہ وغیرہ (درحصہ میاں عطا محمد صاحب) کمرہ متذکرہ جو علی الترتیب میاں نذر محمد صاحب و میاں عطا محمد صاحب کے حصہ میں آئے۔ اور جس پر محمد صادق پسر عطا محمد بموجبِ وصیت پردادی مندرجہ بالا در شجرہ وزان بعد فیصلہ شرعی قابض اور رہائش پذیر تھا۔ ہر دو پسران میاں شرف الدین صاحب نے قبضہ کرلیا اور میاں شرف الدین صاحب نے ان تین مکانات سے دو دو مکانات پر مکمل تصرف کرلیا اور تیسرا مکان جو بطورِ بیٹھک مشترکہ طور پر ہر ایک فریق کے زیرِ استعمال جیسا کہ قبل از تقسیم تھا رہا۔

اس دوران میں بعد تقسیم قبضہ ہائے مکانات بطریق بالا میاں عطا محمد صاحب راہیٔ ملک بقا ہوگئے۔ اور بعد وفات میاں عطا محمد صاحب مرحوم محمد صادق نے اپنے والد ماجد میاں شرف الدین صاحب سے درخواست کی کہ چونکہ اس کے پاس کوئی اور بیٹھک نہیں اور نہ ہی شریعت میں پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم موصوف کی وفات کے بعد بموجودگی میاں نذر محمد صاحب ان کے وارث ہوسکتے ہیں، اپنی جائیداد یعنی سہ

مکانات سے جو صاحب موصوف بوقت تقسیم اپنے تصرف میں رکھ لئے تھے بیٹھک متذکرہ بطورِ ہبہ یا قیمۃً جیسا مناسب خیال فرمادیں پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم کے حق میں منتقل فرمادیویں، کیونکہ اس مکان بیٹھک پر محمد صادق نے بلاشرکت کسی دیگر فریق کے کافی ملبہ لگایا ہوا ہے۔

اور اگر میاں شرف الدین مکان بیٹھک محمد صادق کے حوالہ نہ کرنا چاہیں تو اس ملبہ کی موجود الوقت یا اسی قدر ملبہ اگر بروئے شریعت محمد صادق لینے کا حق دار ہوتو مرحمت فرمادیں۔ جس کے جواب میں صاحب موصوف نے ارشاد فرمایا کہ مکان بیٹھک پر دوصورت میں محمد صادق کونہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی ملبہ کی موجود الوقت قیمت اور نہ ہی اسی قدر ملبہ دیا جاسکتا ہے۔ اس جواب پر محمد صادق نے ملبہ مکان بیٹھک پر سے جو اس نے لگایا تھا اتارنے کی درخواست کی تو جواب ملا کہ ملبہ جو محمد صادق نے مکان متذکرہ پر لگایا ہوا ہے چاہے شریعت، رواج، پنچایت، یا قانون محمد صادق کو اجازت نہ بھی دے تو بھی محمد صادق کو ملبہ متذکرہ اتارنے کی بخوشی اجازت ہے اور اس بات پر صاحب موصوف رضامند ہیں۔

اس تصفیہ کے بعد محمد صادق بیٹھک کے حصول میں کوشاں رہا، حتی کہ عرصہ زائد از دوسال گزرگیا اور بیٹھک بدستورِ سابق مشترکہ طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اب میاں شرف الدین صاحب نے بذریعہ تحریری رقعہ اپنے سابقہ فیصلہ کی رو سے محمد صادق کو ملبہ اتارنے کا حکم دیا اور جملہ برادراں محمد صادق کو اپنا اپنا سامان نشست وبرخاست مکان بیٹھک سے اٹھانے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ بیٹھک خالی کردو، کیونکہ محمد صادق اور اس کے دیگر برادران میاں عاشق محمد ومیاں شوق محمد صاحبان پابندی شرع محمدی کے دعویدار ہیں۔ لہذا مندرجہ ذیل امور کیلئے مفصل شرعی احکام درکار ہیں:

۱...... آیا ملبۂ متذکرہ بیٹھک جو محمد صادق نے بلاشرکت کسی دیگر فریق بیٹھک پر لگایا ہوا ہے اور جس کے اتارنے کی اجازت میاں شرف الدین صاحب نے برضامندی دی، محمد صادق شرعاً لینے کا حقدار ہے یا نہیں، جبکہ کسی دیگر فریق نے نہ ہی کوئی ملبہ لگایا اور نہ ہی شکست وریخت میں خرچ کرکے محمد صادق کا ہاتھ بٹایا، حالانکہ استعمال مشترکہ ہوتا رہا؟

۲...... آیا میاں شرف الدین صاحب کو اس جائیداد سے جو بوقتِ تقسیمِ جائیداد مابین پسران خود

صاحب موصوف نے اپنے قبضہ میں رکھی تھی، بیٹھک متذکرہ کوئی امر شرعاً مانع ہے، اگر میاں شرف الدین صاحب اپنے مرحوم پسر میاں عطا محمد صاحب کی اولاد کو کچھ حصہ یا سالم اپنی زندگی میں منتقل فرمادیویں؟

۳......اگر میاں شرف الدین صاحب اپنے پسر میاں نذر محمد صاحب، یا اس کی اولاد کو اپنی زندگی میں اپنی جائیداد پر تصرف کرنے کی اجازت دیں اور پسران میاں عطا محمد صاحب مرحوم کو نظر انداز فرمادیویں تو کیا:

(الف) یہ عمل صاحب موصوف کا شرعاً قطع رحمی کے مترادف نہ ہوگا، تو قطع رحمی کرنے والے کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) اگر یہ عمل میاں شرف الدین صاحب شرعاً قطع رحمی کے مترادف ہوگا۔

۴......جو جائیداد زر مرسلہ میاں عطا محمد مرحوم سے میاں شرف الدین صاحب خرید کرتے رہے اور بجائے اپنے پسر میاں عطا محمد صاحب مرحوم کے نام رجسٹری کرانے کے بعد اپنے نام رجسٹری وغیرہ کراتے رہے ہیں۔

(الف) ایسی جائیداد کا شرعاً کون مالک ہے؟

(ب) کیا اس جائیداد کا میاں شرف الدین صاحب کو کسی دیگر شخص کے حق میں منتقل کرنے کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

(ج) کیا میاں شرف الدین صاحب ایسی جائیداد اپنے قبضہ میں رکھنے کے شرعاً حقدار ہیں؟

(د) کیا یہ جائیداد میاں شرف الدین صاحب کی وفات کے بعد ترکہ میاں شرف الدین صاحب میں شامل کی جاسکتی ہے؟

۵......مرحوم میاں عطا محمد صاحب کے ترکہ میں ان کے والد میاں شرف الدین صاحب بحیثیت والد متوفی ۶/۱ حصے کے شرعاً حقدار ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں، لیکن عملاً باوجود اصرار ورثاء میاں عطا محمد صاحب مرحوم اپنا حصہ لینے سے لیت ولعل فرمارہے ہیں، حالانکہ مرحوم کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً ساڑھے سات سال کا گذر رہا ہے، لہذا:

(الف) اگر میاں شرف الدین صاحب اپنی زندگی میں ۶/۱ حصہ حاصل نہ کریں اور لینے سے انکار بھی نہ کریں تو کیا بعد وفات میاں شرف الدین صاحب یہ حصہ ۶/۱ حصہ ترکہ میاں شرف الدین صاحب میں

شمار ہوگا؟

(ب) اگر میاں شرف الدین صاحب ۶/ ۱ حصہ لینے میں لیت ولعل کرتے ہیں اور زندگی وفا نہ کرے تو کیا ورثاء میاں عطا محمد مرحوم گنہگار تو نہ ہوں گے؟

(ج) اگر شرعاً ورثاء میاں عطا محمد صاحب مرحوم گنہگار ہوں گے تو ان کو شرعاً کیا عمل کرنا چاہئے جس وجہ سے وہ اس بارے سبکدوش ہوسکیں؟

احقر الناس: محمد صادق کھوکھر بقلم خود۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... محمد صادق حقدار ہے (۱)۔

۲..... بیٹھک کو اپنے قبضہ وتصرف میں رکھنا شرعاً درست ہے کوئی مانع نہیں۔ بحالتِ صحت وتندرستی اگر منتقل کردیں گے تو شرعاً یہ انتقال معتبر ہوگا اور عطا محمد کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاوے گی (۲)۔

۳..... (الف، ب): اپنی زندگی میں کلی اختیار ہے۔ عطا محمد کی اولاد کو نظر انداز کردینے سے کوئی حق تلفی بھی نہیں (۳)، البتہ مروت کا تقاضا یہ ہے کہ نظر انداز نہ کریں۔

---

(۱) "عَمَر دارَ زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها، لصحة أمرها. ولو عمر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرصة، فيؤمر بالتفريغ بطلبها ذلك". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: والنفقة دين عليها)؛ لأنه غير متطوع في الإنفاق، فيرجع عليها لصحة أمرها، فصار كالمأمور بقضاء الدين". (الدرالمختار، كتاب الوصايا، مسائل شتى: ۶/۷۴۷، سعيد)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۳، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶۸۸، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) "وفي الخانية: لو وهب شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، روي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضلٍ في الدين. وإن كانوا سواءً، يكره". =

۴.....(الف، ب، ج، د): اگر عطا محمد نے اس لئے روپیہ بھیجا کہ آپ میرے لئے جائیداد خرید لیں اور میاں شرف الدین نے اس کیلئے خریدی مگر کسی مصلحت یا مجبوری سے عطا محمد صاحب کا نام درج نہیں کرایا، بلکہ اپنا نام درج کرایا ہے وہ جائیداد عطا محمد ہی کی ملک ہے(۱)، میاں شرف الدین کو اس میں اصالۃً مالکانہ تصرف کا حق نہیں، وہ کسی کے حق منتقل نہیں کر سکتے اور بعد وفات میاں شرف الدین صاحب کا ترکہ شمار ہو کر ورثاء میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ ترکہ عطا محمد کا قرار پا کر عطا محمد کے ورثاء میں تقسیم ہوگی (۲)۔ ۱/۶ میاں شرف الدین کو ہی ملے گا (۳)۔

اگر عطا محمد نے روپیہ بطور ہبہ اپنے والد کو دیا ہے اور والد نے اپنے لئے یہ جائیداد خریدی ہے تو وہ کلیۃً میاں شرف الدین کی ملک ہوگی (۴)، ان کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق بھی حاصل ہوگا، جس کے حق میں چاہیں

= (ردالمحتار: ۴/۴۴۴، کتاب الوقف، مطلب مهم فی قول الواقف، سعید)

(وكذا في فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۷۹، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

(وكذا في البزازيه على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۷، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير، رشيديه)

(۱) "والملک يثبت للمؤكل ابتداءً في الأصح، فلايعتق قريب الوكيل بشرائه .... حتى لو أضافه إلى نفسه، لايصح .... تتعلق بمؤكله لابه، لكونه فيها سفيراً محضًا". (الدرالمختار: ۵/۵۱۴، كتاب الوكالة، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، كتاب الوكالة، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "والمراد من التركة ماتركه الميت خاليًا عن تعلق حق الغير بعينه". (تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مماترک﴾. (سورة النساء: ۱۱)

"وأما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(۴) "يملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسليم =

وہ منتقل بھی کرسکیں گے، اور بعد وفات ترکہ میاں شرف الدین شمار ہوکر ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

۵.....میاں شرف الدین کو چاہئے کہ معاملہ کو صاف کردیں یعنی اپنا حصہ ۱/۶ اوصول کرلیں، پھر اگر کسی کو دینا چاہیں تو اس کو دیدیں، معلق رکھنا اچھا نہیں (۱)۔

(الف) یہ ایک ۱/۶ احصہ ترکہ میاں شرف الدین شمار ہوگا۔

(ب) میاں شرف الدین بھی ورثائے میاں عطا محمد صاحب میں سے ہیں، دیگر ورثاء کو چاہئے کہ ۱/۶ احصہ میاں شرف الدین کے حوالہ کردیں، پھر بھی وہ قبضہ نہ کریں تو ان ورثاء پر کوئی الزام نہیں۔ تاہم اگر میاں شرف الدین صاحب نے اپنا حصہ باوجود اس سعی ورثائے عطا محمد کے نہیں لیا اور میاں شرف الدین صاحب کا انتقال ہوگیا تو ان ورثاء پر گناہ نہیں (۲)۔

= رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث، مکتبه حنفیة کوئٹه)

(و کذا فی الدر المختار: ۵/۶۸۸، کتاب الهبة، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، رشیدیه)

(۱) واضح رہے کہ میراث میں ایک جبری ہے اور حق حصہ نہ لینے سے بھی باطل نہیں ہوجاتا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فریضةً من الله﴾. (النساء: ۱۱)

"وهی ضربان: شرکة ملک وهی أن یملک متعدد عینًا أو دینًا .....بإرث أو بیع أو غیرهما بأیّ سبب کان جبریاً أو اختیاریاً ولو متعاقباً". (الدر المختار). وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: بأیّ سبب کان) هو مفهوم قوله: بإرث أو بیع، فإن الأول جبریٌّ والثانی اختیاریٌّ". (ردالمحتار: ۴/۳۰۰، کتاب الشرکة، سعید)

"والثالث: إما اختیاریٌّ وهو الوصیة أو اضطراریٌّ، وهو المیراث". (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۵۹۸، (رقم المادة: ۱۰۶۲)، ۱۰۶۴، کتاب الشرکة، الفصل الأول، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) اس لئے کہ میاں عطا محمد کے ورثاء کی طرف سے کوئی تعدی اور ظلم نہیں، لہذا ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

(ج) حسبِ تحریر (ب) عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/صفر/۱۳۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۱۳۶۸ھ۔

مالِ موروث مشترک سے صدقہ دینا

سوال [۹۷۶۸]: زید کا انتقال ہوگیا، اب زید کی بیوی ہندہ اور ایک نابالغہ لڑکی ہے، مال موروثہ غیر مقسوم ہے۔ زید کی زندگی کی حالت میں ہندہ کی والدہ بیوہ کو زید اپنے مال سے نان ونفقہ دیتا تھا۔ کیا بعد موت بیوہ والدہ ہندہ اس مال موروثہ سے بطورِ سابق نان نفقہ میں تصرف کرسکتی ہے یا نہیں؟ زید نے بوقتِ موت اس بارے میں کچھ تصریح نہیں کی۔ فی الحال وہ نابالغہ لڑکی اور اس کی بیوی کے اندر مالِ موروثہ مشترک ہے اور ہندہ اپنے عزیز واقارب وطالب علم وغیرہ کی اس غیر مقسومہ مال سے مہمانداری اور دعوت وغیرہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال مشترک سے ہندہ کیلئے جائز نہیں کہ کوئی صدقہ وغیرہ کسی کو دے یا مہمانداری کرے اور ہندہ کی والدہ کو بھی اس مال سے طریقہ سابقہ پر نان نفقہ لینا جائز نہیں، البتہ بعد تقسیم ہندہ کو حق ہے کہ اپنا مال والدہ کو دے یا مہمانوں کو کھلائے یا صدقہ کرے:

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، اهـ". ردالمحتار: ۱/۹٤۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲٤۰، كتاب الصلوة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/۸۱، كتاب الصلوة، باب الجنائز، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱٦۷، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، رشيديه)

مالِ مشترک سے اعزہ کی ضیافت

سوال[۹۷۶۹]: ۱.....(الف) کسی شخص کے اپنے بھائی یا اپنی لڑکی کی اولاد ہے، ان میں سے بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں جو کہ یتیم ہیں، ان کا مال متروکہ مشترک ہے۔ مذکورہ اولاد اپنے چچا، نانا کو کھانا کھلانے کے لئے زور لگاتے ہیں، حالانکہ چچا، نانا مال مشترک کو یتیم کا مال سمجھ کر کھانا نہیں چاہتے۔ ایسی حالت میں اگر چچا یا نانا کھانا کھالیوے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اولاد مذکورہ میں سے جو بالغ ہو چکے ہیں ان کو نکاح کی ضرورت ہے اور نکاح میں روپیہ وغیرہ خرچ کرنا، نیز تقریب ولیمہ، رشتہ داروں اور ہمسایہ کے لوگوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بالغ کو مال متروکہ مشترکہ سے خرچ کرنا اور لوگوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ بتقدیر اول کس طرح جائز ہے اور بتقدیر ثانی بالغوں کا نکاح کے جملہ خرچ کس طرح کرنا ہوگا؟ جواب تحریر فرمائیں۔

(ترکۂ میت میں ایک وارث کی محنت سے اضافہ ہوا، اس کی تقسیم کس طرح ہو)

۲.....(الف): خالد کی بہن زینب کو اس کے باپ عمر نے نکاح دیدیا، عمر نے مرتے وقت اپنے بیٹے خالد کو کہا کہ: بیٹا! میرے بعد تم ہی تو میرے مال متروکہ کے مالک ہوگے، تم اپنی بہن زینب کو ہر سال سسرال سے لایا کیجیئو، اگر ہو سکے اسے کھلا پلا کر کپڑا وغیرہ دے کر خوش رکھیو۔ زینب کا خیال ہے کہ اگر بھائی کے مکان پر ہر سال آجایا کروں تو کافی ہے، باپ کا متروکہ مال بھائی کے پاس رہے اس کا تقاضہ نہیں کرتی، صراحۃً اپنا حصہ چھوڑتی بھی نہیں۔

نیز عمر کے مرنے کے بعد خالد نے کمائی کر کے مال متروکہ کو اور بڑھایا، نیز جائیداد کا بھی منافعہ ملتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد مال متروکہ مشترکہ میں سے مہمانداری، قربانی، خیرات، زکوٰۃ، مدرسہ کا چندہ وغیرہ دینی کارِ خیر میں خرچ کرتا ہے، آیا خالد کیلئے جائز ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر کریں۔

(ب) حالتِ مذکورہ میں خالد کی بہن زینب ایسی حالت میں اپنی اولاد چھوڑ کر مرگئی تو زینب کی اولاد کو مالِ مذکورہ میں حصہ ملے گا یا نہیں، اگر ملے گا تو خالد کو ان یتیموں کا مال علیحدہ کئے بغیر کارِ خیر میں مال خرچ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ فقط۔

لطف الرحمٰن، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......(الف) یہ کھانا شرعاً جائز نہیں، اگران بچوں کی دل شکنی کے خیال سے چچا، نانا کھانا کھالیں تو اس کی قیمت بصورت نقد، یا کسی دوسری صورت سے ان کو دیدیں (۱)۔ یہ حکم نفس کھانے کا ہے۔ اگر یہ کھانا سویم، چہلم وغیرہ مروجہ رسوم وبدعات کے ماتحت ہو تو اس کو دل شکنی کے خیال سے بھی نہیں کھانا چاہئے (۲):

"ویکره اتخاذ ضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لافی الشرور، وهی بدعة مستقبحة. روی الإمام أحمد رحمة الله تعالی علیه وابن ماجة بإسناد صحیح عن جریر ابن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: کنا نعد الاجتماع إلی أهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة، اه .... ولا سیما إذا کان فی الورثة صغار أوغائب، اهـ". شامی (۳)۔

(ب) تقسیم کرکے بالغ اپنے حصہ سے خرچ کریں، مالِ مشترک سے اپنے نکاح وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، کیونکہ اس شرکت میں ہرایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہے:

"ولایجوز لأحد هما أن یتصرف فی نصیب الأخر إلا بأمره، وکل واحد منهما کالأجنبی فی نصیب صاحبه، اهـ". عالم گیری (٤)۔

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وآتوا الیتمیٰ أموالهم، ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب، ولاتأکلوا أموالهم إلی أموالکم، إنه کان حوبًا کبیراً﴾. (سورة النسآء: ۲)

قال العلامة الجصاص رحمه الله تعالیٰ: "وروی محمد فی کتاب الآثار عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن رجل عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال. "لایأکل الوصی من مال الیتیم قرضًا ولاغیر". وهو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ. وذکر الطحاوی أن مذهب أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه یأخذ قرضاً إذا احتاج، ثم یقضیه". (أحکام القرآن، (سورة النساء: ۲): ۲/۶۵، دارالکتاب العربی بیروت)

(۲) "ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعیاد ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم .... فالحاصل أن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لأجل الأکل یکره". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۸۱، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۲۴۰، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز، سعید)

(۴) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۳۰۱، کتاب الشرکة، الباب الأول، رشیدیه) .... =

۲...... (الف) خالد کے ذمہ واجب ہے کہ باپ کے مرنے کے وقت جس قدر ترکہ موجودہ تھا اس کو حسبِ وراثتِ شرعیہ تقسیم کر کے بہن کا حصہ بہن کو دیدے(۱)، اور جو کچھ مال مشترک سے خرچ کیا ہے، اس کو بعد تقسیم اپنے حصہ میں محسوب کرے(۲)۔

(ب) جبکہ زینب نے اپنا حصہ خالد کو ہبہ نہیں کیا تو اب اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، زید کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کو بہن کی اولاد کے حوالہ کردے، ایسے مال مشترک سے خرچ کرنا جائز نہیں، جو کچھ خرچ کیا وہ اپنے حصہ میں شمار کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۱۳۶۴ھ۔

ترکۂ میت سے ضیافت وایصالِ ثواب

سوال[۹۷۷۰]: مالِ متروکہ میں میت کا حق کس قدر باقی رہتا ہے اور ورثاء نابالغ ہوتے ہوئے بغیر وصیتِ میت اموالِ متروکہ غیر مقسوم میں سے کوئی کارِ خیر جیسے ضیافت وغیرہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور درصورتِ وصیت کیا حکم ہے؟

= (وكذا في الدر المختار: ۴/ ۳۰۰، كتاب الشركة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۶۱۲، كتاب الشركة، رشيديه)

(۱) "ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب والسنة ...... والإجماع".

(الدر المختار: ۶/ ۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۳، سعيد)

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده عينًا إن كان قائمًا، وإلا فيضمن قيمته إن كان قيميًا". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد الفقهية، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۲۰۰ كتاب الغصب، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۰۱، كتاب الشركة، الباب الاول، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ترکۂ میت سے اولاً تجہیز و تکفینِ میت کی جائے، اس کے بعد دَینِ میت ادا کیا جائے، پھر اگر وصیت کی ہو تو ایک ثلث سے وصیت پوری کی جائے (۱)، ایک ثلث سے زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، الا یہ کہ ورثاء اجازت دیدیں بشرطیکہ ورثاء بالغ ہوں، نابالغ کی اجازت بھی معتبر نہیں (۲)۔ بغیر وصیت مطلقاً اور بصورت وصیت ایک ثلث سے زائد ضیافت وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، جبکہ ورثاء نابالغ ہوں یا غائب ہوں:

"ویکره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء.......... فيحترز عنها.......... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أوغائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبًا من المنكرات الكثيرة، اهـ". شامي: ۱/۸۴۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۶۷ھ۔

بھتیجوں کی پرورش کا صرفہ بھائی کے ترکہ سے وصول کرنا

سوال[۱۷۷۹]: زید نے اپنے بھتیجا اور بھتیجی کی دو لڑکیوں کی پرورش اور شادی بیاہ بھی کی تو کیا زید

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوقٌ أربعةٌ مرتبةٌ: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضىٰ ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين الورثة". (السراجية، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ولايجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۶۵۱، كتاب الوصايا، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۲۴۰، كتاب الصلوة، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۶۷، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۸۱، كتاب الصلوة، باب الجنائز، رشيديه)

بھائی کے ترکہ میں سے بھتیجا اور اس کی لڑکی کی پرورش وغیرہ کا خرچ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے بھتیجا اور بھتیجوں کی پرورش اولاً تبرعاً کی ہے تو اب خرچ نہیں لے سکتا، نہ زید کے بعد زید کا لڑکا لے سکتا ہے(۱)۔ اگر اس پر گواہ موجود ہیں کہ اپنے پاس سے بطورِ قرض خرچ کر کے پرورش کی ہے اور یہ نیت تھی کہ میں اپنے بھائی کے ترکہ سے جو کہ ان بھتیجوں کی ملک ہے وصول کروں گا اور اس پر بیّنہ موجود ہے تو لے سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳۵۹/۳/۲۷ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ربیع الثانی / ۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) "من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه أو أخته أو لأولادهما أو لعمّه أو لعمته أو لخاله أو لخالته شيئًا، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة: ۸۶۶)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۸۵، كتاب الهبة، الباب الخامس في مايمنع الرجوع في الهبة ومالايمنع، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۷۰۴، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۲) "أنفق الوصيُّ من مال نفسه على الصبي، وللصبي مالٌ غائبٌ، فهو متطوع في الإنفاق استحسانًا، إلا أن يشهد أنه قرض أو يرجع عليه .... وفي المحيط عن محمد: إذا نوى الأب الرجوع ونقد الثمن على هذه النية، وسعه الرجوع فيما بينه وبين الله تعالىٰ. وأما في القضاء فلايرجع مالم يشهد". (ردالمحتار: ۶/۷۱۷، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء، سعيد)

"وكذا لو اشترى الوصيُّ طعامًا لنفقة أو كسوة بشهادة الشهود، فله أن يرجع في مال الصغير. وإنما اشترط شهادة الشهود؛ لأن قول الوصي معتبر في الإنفاق، ولكن لايقبل في الرجوع في مال الميت إلا بالبينة". (خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۴۴۰، كتاب الوصايا، الفصل الرابع في الدفن والكفن وما يتصل بها، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين: ۲/۳۶، الفصل الثامن والعشرون، اسلامی كتب خانه كراچی) =

موتِ زوجہ کے بعد زوج کا اس کے ترکہ میں خصوصی دعویٰ

سوال[۹۷۷۲]: ایک عورت کا انتقال ہوا، اس کے متروکہ مال میں سے کچھ اسباب علاوہ نقد سونے کے چھ اشرفیاں اور کچھ کپڑے اور تاگوں کی ریل نکلے ہیں(۱)۔ شوہر کہتا ہے کہ جب افریقہ سے میری عورت آنے لگی ہے اس وقت میں نے اشرفیاں دی تھیں اگر چہ اس وقت جو نکلی تھیں اس سے زیادہ تھیں، نیز کپڑوں کے ٹکڑے تاگوں کے ریل میری دوکان کے ہیں، لہذا اشرفیاں اور یہ چیزیں مجھے خاص ملنی چاہئیے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان چیزوں میں اَور ورثاء کا بھی حق ہے یا خاوند کو صرف حق ہے؟

نــــوٹ: جب مرحومہ عورت افریقہ سے آئی تھی تو خاوند افریقہ میں تھا، عورت کو آئے ہوئے تقریباً اٹھارہ برس ہوئے اس عرصہ میں عورت اپنے ملک میں رہی۔ عورت کے افریقہ سے آنے کے بعد تقریباً آٹھ نو برس کے بعد خاوند ملک آیا، تھوڑی مدت رہ کر افریقہ چلا گیا۔ چھ سات برس کے بعد پھر ملک آیا، ڈیڑھ دو برس سے عورت خاوند سے الگ رہتی تھی۔

الجواب حامداًومصلياً:

جو سامان مرد کیلئے مخصوص ہوتا ہے، یا اس کی دوکان اور تجارت کا ہے وہ مرد کا ہے، اس میں عورت کے دیگر ورثاء کا حق نہیں، مگر یہ کہ اس پر کوئی ثبوت پیش کریں کہ یہ عورت کی ملک ہے۔ اور جو سامان مرد وعورت ہر دو کیلئے مشترک ہے وہ بھی صورت مسئولہ میں مرد ہی کیلئے ہے:

"وإذا مات أحدهما، ثم وقع الاختلاف بين الباقي وورثة الميت، فعلىٰ قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى: مايصلح للرجال، فهو للرجل إن كان حيًا، ولورثته إن كان ميتاً، وما يصلح للنساء فهو على هذا، وما يصلح لهما فعلىٰ قول محمد هو للرجل إن كان حيًّا، ولورثته إن كان ميتاً. وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: المشكل للباقي عنهما. وما كان من متاع التجارة والرجل معروف لتلك، فهو للرجل، كذا في المحيط". كذا في

= (وكذا في البحر الرائق: ۹/ ۳۱۶، كتاب الوصايا، باب الوصي ومايملكه، رشيديه)

(۱) ''تاگا: ڈورا، دھاگا، سوت کا تار''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۸، فیروز سنز لاہور)

''رِیل: پھرکی، پچک''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۵، فیروز سنز لاہور)

الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۳۲۹(۱)۔

اور جو سامان عورت کیلئے مخصوص ہوتا ہے وہ عورت کا ترکہ شمار ہوگا اس میں شوہر کیساتھ دیگر ورثاء بھی شریک و مستحق ہوں گے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔

دوسرے کی ملکِ وراثت کو وقف کرنا

سوال[۹۷۷۳]: زید نے چند درختانِ امبہ زمیندار کی اراضی میں نصب کرلیا تھا(۲)اوراس پراس کا ہر طرح کا تصرف تھا، مگر اس کے نام کسی قسم کا کوئی اندراج کاغذات وہی (۳) میں نہیں تھا۔ کچھ گھریلو ضرورتوں کے تحت اپنے نصب کردہ درختاں بکر سے مناسب قیمت لے کر فروخت کردیا۔ اسی درمیان میں سرکاری حکم کے بموجب پٹواریوں کو یہ ہدایت ہوئی کہ متفرق درختاں کا اندراج مع ملکیت کے کیا جاوے۔اس موقعہ پر بکر نے کاغذات وہی میں باغ کا اندراج اپنے نام کرالیا جس پر زید کو کوئی عذر نہیں تھا اور نہ گاؤں کے لوگوں ہی کو کوئی اعتراض پیدا ہوا۔

بکر کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا علی دنیا میں آیا تو کچھ لوگوں کو ضد پیدا ہوئی اور اس کے تحت ایک پارٹی بنا کر اس اراضی کو گرام سماج کی ملکیت بنانی چاہی۔ چونکہ اس کے اردگرد بلا اندراج قبرستان بھی ہے، لوگ باغ مذکور کو بھی قبرستان بنانا چاہتے ہیں، لوگوں کا کہنا ہے کہ باغ مذکورہ پر عمر کا تصرف شرعاً ناجائز ہے۔شرعاً کیا حکم ہے؟

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۳۲۹، کتاب النکاح، الباب السابع عشر فی اختلاف الزوجین فی متاع البیت، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۷/ ۳۸۱، ۳۸۲، کتاب الدعوی، باب التحالف، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۵/ ۳۶۰، کتاب الدعوی، باب التحالف، مکتبه دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) ''امبہ: آم کی ایک قسم کا درخت''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۲۵، فیروز سنز لاهور)

(۳) ''بہی: وہ رجسٹر جس میں حساب وغیرہ لکھتے ہیں، روزنامچہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۳۸، فیروز سنز لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

جب تک اس کے وقف ہونے کا شرعی ثبوت نہ ہو، والد کا وارث ہونے کی حیثیت سے عمر کا اس پر قبضہ درست ہوگا۔ اصل مالک کے قبضہ سے بلاوجہ شرعی کوئی چیز نکالنا ظلم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۱۳۸۹ھ۔

بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کرسکتا ہے چھوٹے بھائی کا نہیں

سوال[۹۷۷۴]: ایک شخص اپنے پس پشت دولڑکوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا، ان میں سے ایک بالغ تھا اور ایک نابالغ۔ بالغ لڑکے نے والد کی جائیداد کو فروخت کردیا اور کچھ گورنمنٹ کی ملکیت ہوگئی، لیکن نابالغ بھائی کی بغیر اجازت اس نے یہ جرأت کی ہے، اور بحمد اللہ فی الحال دونوں بھائیوں کے درمیان تعلقات خوشگوار ہیں۔ اب نابالغ بھائی بالغ ہونے کے بعد اپنا حق طلب کرتا ہے۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ جو چھوٹا بھائی خود مختار ہے وہ اپنا حق لینا چاہتا ہے، اور جن کو فروخت کیا گیا ہے انہیں حضرات سے لینا چاہتا ہے۔ تو کیا حق طلبی دوم وہی شی اول بار دے کر لی جاسکتی ہے؟

تیسری بات فروخت جن صاحب سے کیا گیا ہے، انہی سے کورٹ سے ثابت کر کے اپنا حصہ وہ چھوٹے لڑکے کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ اب مشتری بڑے بھائی سے لے یا نہ لے، کوئی سروکار نہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے بھائی کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے (۱)، چھوٹے بھائی کا حصہ فروخت کرنے کا اختیار نہیں، اس کے حصہ کی بیع نہیں ہوئی (۲)، وہ بالغ ہونے پر اپنے حصہ کے بقدر بیع کو ختم کر کے اپنا حصہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے، خریدار اس کے حصہ کی قیمت بڑے بھائی سے وصول کرے۔ یہ بھی درست ہے کہ چھوٹا بھائی اپنا حصہ مستقلاً پہلے خریدار یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۱۳۹۲ھ۔

اگر کسی وارث کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ اپنا حصہ فروخت کردے گا

سوال [۹۷۷۵]: میں اپنی حیات میں اپنے تین لڑکے اور ایک لڑکی کو شرع کے مطابق اپنے مکان کے حصے کر کے ان کے قبضے میں دینا چاہتا ہوں، منجھلے اور چھوٹے لڑکے اور لڑکی سے میں اور میری اہلیہ خوش ہیں۔ بڑے لڑکے کے ساتھ بیوی جس سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، یہ بہو زنانہ اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے، اپنا، اپنے میاں اور بچوں کی پرورش اپنی آمدنی سے عرصہ سے کر رہی ہے اور اپنے ساس اور سسر کی ہر طرح کی

---

(۱) "یصح بیع الحصة المعلومة الشائعة بدون إذن الشریک". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۱۰۳، (رقم المادة: ۲۱۵)، کتاب البیوع، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۱/۲۴۶، کتاب البیوع، مطلب: بیع الحصة من العمارة، مکتبه میمنیه مصر)

(۲) "کل تصرف صدر منه تملیکاً کان کبیع وتزویج، وله مجیزٌ حال وقوعه، انعقد موقوفًا: أی علیٰ إجازة مَن یملک ذلک". (الدرالمختار: ۵/۱۰۶، کتاب البیوع، فصل فی الفضولی، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۰۴، (رقم المادة: ۳۶۸)، کتاب البیوع، مکتبه حنفیه، کوئٹه)

(۳) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم باز: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، کتاب الشرکة، باب أحکام القسمة، مکتبه حنفیة کوئٹه)

"لأن الملک مامن شانه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۴/۵۰۲، کتاب البیوع، سعید)

خدمت کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے ہم دونوں اس بہو سے بے انتہا خوش ہیں۔

بڑے لڑکے نے ہم دونوں کی ناخوشی کے باوجود دوسرا نکاح کرلیا، دوسری بہو سے دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، اسی بیوی کے یہاں میرا بڑا لڑکا قیام کرتا ہے اور کھانا پہلی بیوی کے یہاں پر کھاتا ہے۔

اگر بڑے لڑکے کو اس کا حصہ قبضہ میں دیدیا گیا تو ڈر ہے کہ وہ اس کو یا تو فروخت کردے، یا دوسری بیوی اور اس کے بچوں کو دیدے اور پہلی بیوی کو محروم کردے اس لئے اگر شرعاً اجازت ہو تو میں اس بڑے لڑکے کے حصہ کو اس کی پہلی بیوی کے مہر میں دیدوں یا پہلی بیوی کے لڑکوں کو دےدوں اور جب تک یہ میرے پوتے بالغ نہ ہوں اس وقت تک ان کی ماں اور ان کے چچا اس حصے کے ذمہ دار ہوں۔شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ اپنی زندگی میں ہی دینا چاہتے ہیں تو چار حصے برابر کر کے تین حصے تینوں لڑکوں کو، ایک حصہ لڑکی کو دیدیں یعنی لڑکی کا حصہ لڑکے کے برابر ہوگا، نصف نہیں ہوگا (۱)۔ سب کے حصوں پر ان کا قبضہ کرادیں، پھر ہر ایک کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا حصہ خود رکھے یا ہبہ کرے یا فروخت کردے، آپ کو روکنے کا حق نہیں ہوگا (۲)۔

البتہ اگر کسی کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ خدانخواستہ معصیت میں صَرف کردے گا تو اس کو کچھ نہ دیں (۳)، جس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ پہلی بیوی کو محروم کردے گا تو ابھی وراثت یا محرومیت کا سوال ہی

---

(۱) "وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثىٰ في الهبة". (البحر الرائق: ۷/۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقةٌ في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۴۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "وإن كان في ولده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قُوته كيلا يصير معيناً له في المعصية .... ولو كان ولد فاسقًا وأراد أن يصرف ماله إلىٰ وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه) =

نہیں۔ مہر دونوں بیویوں کا واجب ہے (۱)، دونوں کا نفقہ بھی واجب ہے (۲)، دونوں کے ساتھ برابری کا رہن سہن لازم ہے (۳)، ورنہ شوہر گنہگار ہوگا، اس کو فہمائش کی جائے کہ وہ اس کا خیال رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

مرحومہ بیوی کا مہر مسجد و مدرسہ میں دینا

سوال [۶۷۷۶]: زید نے اپنے نکاح کے فوراً بعد اپنی زوجہ کا مہر ادا نہیں کیا، ارادہ یہی تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو ادا کردوں۔ زید صاحبِ اولاد ہے، مگر زید کی زوجہ کا انتقال ہوگیا۔ اب زید کیلئے ادائیگی مہر میں کیا

= (وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۷، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(۱) قال الله تبارك و تعالىٰ: ﴿وآتوا النساء صدُقتهن نحلةً﴾. (سورة النساء: ۴)

"ثم المهر واجب إبانةً لشرف المحل، فلايحتاج إلىٰ ذكره". (الهداية: ۲/۳۲۳، كتاب النكاح، باب المهر، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۲۴۹، كتاب النكاح، باب المهر، رشيديه)

(۲) "النفقة واجبةٌ للزوجة على زوجها، مسلمةً كانت أو كافرةً، إذا سملت نفسها إلىٰ منزله، فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها". (الهداية: ۲/۴۳۷، كتاب الطلاق، باب النفقة، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات: ۱/۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱/۴۲۴، رشيديه)

(۳) "ويجب أن يعدل فيه: أي في القسم بالتسوية في البيتوتة وفي الملبوس والمأكول والصحبة".

(الدرالمختار: ۳/۲۰۱، ۲۰۲، كتاب النكاح، باب القسم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۳۷۹، ۳۸۰، كتاب النكاح، باب القسم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۳/۲۲۶، كتاب النكاح، باب القسم، إدارة القرآن كراچي)

مسئلہ ہے؟ وہ مسجد یا مدرسہ کومہر دینے کیلئے تیار ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہراب ترکۂ زوجہ بن گیا ہے کہ اس میں شرعی میراث جاری ہوگی (۱)۔ ایک چوتھائی کا مستحق شوہر ہے، وہ خود رکھ لے (۲) اور بقیہ اولاد کو دیدے۔ اگر سب لڑکے ہیں تو سب کو برابر دیدے، اگر لڑکی بھی ہے تو دوہرا لڑکے کو اکہرا لڑکی کو دیدیا جائے (۳)۔ یہ اس وقت ہے کہ زوجہ کے والدین میں سے کوئی زندہ نہ ہو، ورنہ سب کی تفصیل لکھ کر ہر ایک کا حصہ دریافت کرلیں۔ پورا مہر بغیر دیگر ورثاء کی اجازت کے از خود مسجد وغیرہ میں دینے کا حق نہیں (۴)، اپنا حصہ جس طرح چاہے کرے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۳/۵ھ۔

---

(۱) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركًا بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"وأمّا الاثنان من السبب، فالزوج والزوجة: فللزوج النصف عندعدم الولد وولد الابن، والربع مع الولد وولد الابن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثامن في ذوي الفروض، رشيديه)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورةالنساء: ۱۱)

اس لئے کہ اولاد عصبہ ہے اور ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کا ہوگا۔

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده، وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "ومن شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم ملكها، لايكون وقفًا". (مجمع الأنهر: ۲/۵۶۸، كتاب الوقف، غفاريه كوئٹه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه .... وإن فعل كان ضامنًا". (شرح المجلة: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۲۰۰، كتاب الغصب، سعيد)

(۵) "كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقةٌ في=

شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی، غیر مملوک مکان کی بیع اور وقف

سوال[۹۷۷۷]: تنقیح کی گئی۔اب مولانا صاحب گذارش ہے کہ ہماری مسجد محلّہ شیشگران، فیروز آباد اس میں پانچ عہدیدار ہیں: ۳/آدمی ورکن کمیٹی کے ممبروں میں کل: صدر، سکریٹری، خزانچی اور اس کے علاوہ ۲۸/ممبر ہیں، لیکن ان میں معاملہ الجھن میں پڑ گیا۔

ایک عورت مسماۃ حمیدن ضلع علی گڑھ کی رہنے والی ہے، اس کا شوہر موجود ہے، اب سے بیس سال پہلے وہ عورت فیروز آباد آ گئی ہے اور اس عورت نے میرے ماموں بنام ننھے سے نکاح کرلیا، ایک دوسرے مرد نے علی گڑھ سے لاکر ۵۰۰/روپیہ لاکر اس کو ننھے کو دیدیا ہے، حالانکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی، اس کے دو بچہ بھی ہیں۔ ننھے اور کلو دو بھائی تھے اور دونوں ایک ہی مکان میں ہمیشہ رہتے تھے، کبھی جدا نہیں ہوئے ہیں۔اور اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو اولاد سابقہ شوہر سے تھی۔

اس عورت نے کئی مرتبہ ننھے سے یہ کہا کہ یہ جائیداد جو میرے پاس ہے، میرے یا میرے بچوں کے نام کردے، اس نے عورت کا کہنا نہیں مانا۔کلو نے اپنے بھائی ننھے سے کہا کہ تم اس عورت کو علیحدہ کردو، لیکن ننھے نے کہا کہ تم یہ سمجھ لو کہ تمہارے بھائی کے پاس رنڈی ہے۔

پھر اتفاق سے ننھے اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں ملنے کیلئے گئے تھے کہ راستہ ہی میں ان کا انتقال کسی بیماری کی وجہ سے ہوگیا، انہوں نے کوئی شی کسی کے نام بیع یا رجسٹری نہیں کی۔کلو نے عورت سے کہا کہ تم میرے بھائی کی بیوی ہو، میرے پاس رہو، مگر وہ ان کے ساتھ رہنے پر تیار نہیں ہوئی۔

اہل محلّہ نے عورت کو بہکانا شروع کردیا اور اہل محلّہ نے یہ کہا کہ اس مکان میں تیرا حصہ ۴/۱ ہے، کیونکہ ننھے کے کوئی اولاد تیرے سے نہیں ہے اور اس مکان کو محلّہ شیشگران کی مسجد کے نام ہبہ کردے، اور مسجد کے نام بیع نامہ کرادیا اور بیع نامہ صدر نواب الدین کے نام کرادیا ہے۔اس سے کلو کو سخت پریشانی ہوئی، دونوں بیعنامہ کی نقل کو پڑھا، جو بیعنامہ صدر نواب الدین کے نام ہے- جو کہ مسجد کے صدر ہیں- اس میں کوئی شرط نہیں ہے۔

جو پارٹی اس مکان کو لینا چاہتی ہے وہ یہ کہتی ہے کہ اس عورت نے یہ شرط رکھ کر مسجد کے نام بیعنامہ کیا

= حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في ملكه كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۴۳/۱، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

ہے کہ میری زندگی اس مکان میں رہوں گی اور یہ چوتھائی مکان میں جو مسجد کے نام کر رہی ہوں کلو کو آپ نہیں دے سکتے۔اس عورت نے جو جو کاغذات مسجد کو دیئے ہیں اس میں بھی مکان کا بیعنامہ ننھے اور اپنے نکاح کی رسید دیدی ہے،اور ایک کرایہ نامہ کا کاغذ بھی دیا ہے جو کہ کبھی ننھے کلو سے کرایا ہوگا،اور اپنی طلاق کی کوئی رسید نہیں دی ہے،نہ اس کے پاس سابقہ شوہر کی کوئی رسید ہے۔اب عندالشرع کیا حکم ہے؟

اس سوال پر تنقیح یہ رہی:

تنقیح:

۱- اس عورت نے جو کاغذ بطور بیع نامہ مسجد کیلئے لکھا ہے جو کہ صدر صاحب کے نام ہے،وہ یا اس کی نقل بھیجئے۔

۲-حمیدن کا شوہر موجود ہوتے ہوئے آپ کے ماموں مرحوم کا اس عورت سے نکاح کیسے ہوا،کیا ماموں کو اس کا علم نہیں تھا؟اگر نکاح کے بعد یہ علم ہوا کہ یہ منکوحہ ہے تو اس نے کیا اثر لیا،آیا اس بات کو غلط تصور کرتے ہوئے اپنے نکاح کو صحیح سمجھا،یا مسماۃ حمیدن کو اپنے سے الگ کیا،یا ماموں کو علم نہیں ہوسکا؟ آپ نے بھی ان کو خبر نہیں کی کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے؟

۳-ماموں صاحب نے اپنے انتقال پر کوئی اولاد چھوڑی ہے یا کہ نہیں؟

جواب تنقیح:

۱-مسماۃ حمیدن نے جو بیعنامہ صدر مسجد نواب الدین کے نام کیا ہے،اس کی پختہ نقل رجسٹری شدہ آپ کو روانہ کرتے ہیں،یعنی ملاحظہ ہو۔

۲-مسماۃ حمیدن سے جب ننھے جلسری نے نکاح کیا،اس وقت ان کو ہر بات کا علم تھا کہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اور اس نے طلاق نہیں دی ہے اور اس کے دو بچے موجود ہیں۔اس عورت سے بھی ننھے کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی اور نہ پہلی بیوی سے تھی۔

۳- میں نے ماموں صاحب سے اس معاملہ میں کئی مرتبہ کہا،سنا اور ان کو جو پریشانی ہوتی تھی وہ ذکر کرتے تھے اور کہتے تھے اب تو جو کرلیا سو کرلیا،اب کیا ہو۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب ننھے کو معلوم تھا کہ یہ عورت دوسرے شخص کی بیوی ہے اور شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، بلکہ دھوکہ دیکر اس کو لایا گیا ہے تو ننھے کا اس سے نکاح جائز نہیں تھا، وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے (۱)، جتنی مدت تک وہ ننھے کے ساتھ رہی، معصیت وحرام کاری ہوتی رہی۔ ایسی صورت میں وہ شرعاً ننھے کی بیوی نہیں، ننھے کے ترکہ سے کچھ بھی پانے کی حقدار نہیں، مکان کا چوتھائی حصہ فروخت کرنے کا اس کو حق نہیں ہے، اس کا بیع نامہ بالکل بیکار ہے جب تک کلو اس کی اجازت نہ دے (۲)، اس لئے کہ مکان مذکورہ پورا کلو کی ملک ہے، کلو اجازت دے تو اس کی بیع درست ہو سکتی ہے ورنہ نہیں (۳)۔

کلو کو پورا حق ہے کہ اس عورت کو مکان سے نکال باہر کرے (۴)، وہ اپنے اصل شوہر کے پاس چلی

---

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ ، وکذلک المعتدہ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۰، کتاب النکاح، القسم السادس فی المحرمات، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/۴، کتاب النکاح، باب مایجوز من الأنکحة ومالایجوز، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳/۱۳۱، کتاب النکاح، مطلب فی النکاح الفاسد، سعید)

(۲) واضح رہے کہ جب نکاح نہیں ہوا تو وراثت بھی نہیں ملے گی لہٰذا تصرف بھی صحیح نہیں ہوا:

"ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجیة، والولاء". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها اھ، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(۳) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه أو وکالة منه .... وإن فعل، کان ضامناً".

(شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۴) "کیفما یتصرف صاحب الملک المستقل فی ملکه، فکذا یتصرف أیضاً فی الملک المشترک اتفاقًا". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۵۹۹، کتاب الشرکة، الفصل الثانی، (رقم المادة: ۱۰۶۹)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

جائے۔کلو پورے مکان کا خود ہی مالک ہے۔ایک ہزار روپیہ جو کہ بطور بیعنامہ کے اس نے صدر محترم کو دیا ہے اس کو واپس لے سکتا ہے،صدر محترم کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کو واپس کردیں،اور جو روپیہ صدر محترم نے اس عورت کو مکان کی قیمت کا ٣/ ہزار دیا ہے،وہ اس سے واپس لے سکتے ہیں۔

اگر عورت واقعۃً ننھے کی بیوی ہوتی،رنڈی کی طرح بلا شرعی نکاح کے نہ ہوتی اور پھر وہ اپنا چوتھائی حصہ فروخت کرتی تو بھی بیع فاسد ہوتی،کیونکہ اپنی حیات تک مکان مذکور میں رہنے کی شرط لگا رکھی ہے جو کہ مفسدِ بیع ہے (١)،اس شرط کا پارٹی کو اقرار ہے (اگرچہ تحریر میں یہ شرط نہ ہو) بیع فاسد کا فسخ کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے (٢)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه نهىٰ عن بيع وشرط". أخرجه الطبراني في الأوسط". (إعلاء السنن: ١٤/ ١٤٠، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع بالشرط، إدارة القرآن كراچي)

"ولا بيع بشرطٍ لايقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفعٌ لأحدهما". (الدرالمختار). "ومنه مالو شرط البائع أن يهبه المشتري شيئًا، أو يقرضه، أو يسكن الدار شهراً، أو أن يدفع المشتري الثمن إلى غريم البائع". (ردالمحتار: ٥/٨٥، كتاب البيوع، مطلب في البيع بشرط، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/١٣٣، ١٣٤، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع، رشيديه)

(٢) "لكل واحد من المتعاقدين فسخه رفعاً للفساد، وهذا قبل القبض ظاهرٌ؛ لأنه لم يفد حكمه، فيكون الفسخ امتناعاً منه، وكذا بعد القبض". (الهداية: ٣/ ٦٧، كتاب البيوع، فصل في أحكامه، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ١/٢٠٨، (رقم المادة: ٣٧٢)، كتاب البيوع، الفصل الثاني، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذافي خلاصة الفتاوىٰ: ٣/٤٦، كتاب البيوع، الفصل الرابع في البيع الفاسد، جنس آخر في أحكام بياعات الفاسدة، رشيديه كوئته)

الفصل السابع فی الإرث فی المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

مالِ حرام میں وراثت

سوال[۹۷۷۸]: مالِ ربا میں وراثت جاری ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر وراثت جاری ہوگی تو وارث کیلئے اس مال کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو مال ربا شرعاً حرام ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ اگر بعینہ وہ مال موجود ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر وہ مال ہلاک کردیا تو ضمان ضروری ہے:

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها". درمختار: ٥/٦٦٣(١)۔

"فيجب ردعين الربوا لو قائمًا لارد ضمانه". وقال الشامي: "وإنما يجب رد ضمانه لو استهلكه". ٤/٢٤٤(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ جمادی الثانیہ/۱۳۵۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/۴۹۳، كتاب الفرائض، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۱۶۹، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق: ۶/۲۰۹ كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

=

ترکۂ حرام کا حکم

سوال[۹۷۷۹]: آباء واجداد کسبِ حرام سے جو مال جمع کر کے چھوڑ گئے ہیں، وہ مال ان کے ورثاء کے واسطے حلال ہے یا نہیں؟ اور اس مال سے کوئی کارِ خیر کرنا جیسے حج وغیرہ درست ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیونکر؟ وضاحت سے بیان فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خالص حرام ہے اور اربابِ اموال معلوم ہیں تو اس کی واپسی لازم ہے، اگر معلوم نہیں تو تصدق لازم ہے تاکہ وبال سے بچ جائے۔ اگر وہ مخلوط ہے حلال وحرام سے تو ورثاء کو اس کا لینا حکماً درست ہے، لیکن بقدرِ حرام کا بدل ادا کرنے سے پہلے تصرف درست نہیں:

"أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه، وإلا فله أخذه حكماً، أما في الديانة، فيتصدق به بنية إرضاء الخصماء، اهـ". شامی: ٤/١٤٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳٦۷ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۳/۱۰۷ كتاب البيوع، باب الربا، دار المعرفة، بيروت)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم. وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه:" (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا: ۵/۹۹، سعيد)

"إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردّوا المال إلىٰ أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

"ولهذا قال أصحابنا: لو أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً إن علم وارثه ذلك بعينه، لايحل له أخذه. وإن لم يعلم، له أخذه حكمًا، إلّا ديانةً، فيتصدق به بنية الخصماء". (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، =

مالِ حرام ورثاء کے لئے

سوال[۹۷۸۰]: اگر کسی آدمی کے پاس مال حرام ہوتو مرنے کے بعد اس کی اولادِ بالغ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مال کا اصل مالک معلوم ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر معلوم نہیں، البتہ وہ مال بجنسہ جو حرام ہے، معلوم ہے تو کسی فقیر کو صدقہ کرنا اصل مالک کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ضروری ہے۔ اور اگر مال مخلوط ہے، یہ معلوم نہیں کہ کونسا حرام اور کونسا حلال ہے تو ورثاء کو استعمال کرنا درست ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اس سے احتیاط کریں، یعنی اگر مالک کا علم ہو تو اس کو دےدیں، ورنہ صدقہ کردیں۔

اگر تمام مال حرام ہے تو اس کا استعمال درست نہیں، مالک معلوم ہونے کی صورت میں واپسی ضروری ہے، نہ معلوم ہونے کی صورت میں صدقہ کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۶/۳/۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ربیع الاول/۱۳۵۶ھ۔

منشیات کی آمدنی سے مکان کی تعمیر اور اس کی توریث

سوال[۹۷۸۱]: میرے والد صاحب شراب اور دیگر منشیات کے تاجر کا حساب کرنے والے ملازم تھے، اسی ملازمت سے والد صاحب نے پیسہ پس انداز کر کے ایک مکان خریدا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ایک

= فصل في الكسب: ۱۸۷/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل البيع، دارالكتب العلمية: ۲۰/۷، بيروت)

(۱) "وإذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ للورثة أن يردّوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. وإن كان كسبه من حيث لايحل وابنه يعلم ذلك ومات الأب ولايعلم الابن ذلك بعينه، فهو حلال في الشرع، والورعُ أن يتصدق به بنية خصماء أبيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

حصہ جس کی مالیت دو ہزار ہوگی، اب اس حصہ سے مجھے نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ میں بھی ایک غریب آدمی ہوں، گذربسر کے موافق وظیفہ ملتا ہے۔اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسکرات ومنشیات میں سے بعض تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بیع وشراء حرام ہے(۱)، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کی بیع وشراء حرام نہیں ہے(۲)، والد صاحب نے جو رقم اپنی کمائی سے پس انداز کی تھی، وہ اگر حرام وغیر حرام مشترک تھی تو اس سے جو مکان بنالیا ہے، آپ کیلئے بحیثیتِ وارث اس کے استعمال کی گنجائش ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عبدالرحمن بن وعلة السبائی من أهل مصر أنه سأل عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عما يعصر من العنب، قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: إن رجلاً أهدى لرسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، فقال له رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "هل علمت أن الله قد حرّمها"؟ قال: لا، فسارّ إنسانًا، فقال له رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "بم ساررتَه"؟ فقال: أمرتُه، ببيعها، فقال: "إن الذى حرم شربها حرم بيعها". قال: ففتح المزادة حتى ذهب مافيها".

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لما أنزلت الأيات من آخر سورة البقرة فی الربا، قالت: خرج رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إلى المسجد، فحرّم التجارة فی الخمر". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۲،۲۳، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الخمر،قديمی)

(۲) "وصح بيع غير الخمر مما مرّ، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون". (الدر المختار، كتاب إحياء الموات، فصل فی الشرب: ۶/۴۵۴، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فی البيع: ۴/۲۱۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلىٰ أربابه .... وإن كان كسبه من حيث لايحل وابنه يعلم ذلك ومات الأب ولايعلم الابن ذلك بعينه، فهو حلال له فی الشرع، والورعُ أن يتصدق به". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد) ....=

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ورثاء کے حق میں اس کا حکم

سوال [۹۷۸۲]: ۱...... جس مال کی زکوٰۃ پوری و جزوی نہ دی گئی ہو، اگر ایسا مال ترکہ وراثت میں ملے، عام لوگوں کو یا خواص کو اس کا لینا کیسا ہے؟

۲...... مال مذکور میں بے برکتی یا نحوست تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... آدمی کے مرنے کے بعد ورثاء کو ایسا مال لینا درست ہے ور ورثاء کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں، البتہ اگر وصیت کی ہو تو اس کی زکوٰۃ ثلثِ مال سے ادا کردی جائے، اگر بلا وصیت اس کی زکوٰۃ ورثاء نے ادا کردی ہو تو اس کی وجہ سے میت کے ذمہ سے انشاء اللہ زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی:

"وأما دين الله تعالىٰ فإن أوصىٰ به، وجب تنفيذه من ثلث الباقي، وإلا لا". درمختار۔

قال الشاميؒ: "(قوله: أما دين الله تعالى، الخ) محترز قوله: (من جهة العباد) وذلك كالزكوٰة والكفارات ونحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلايلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها هم من عندهم؛ لأن الركن في العبادات نية المكلف وفعله، وقد فات بموته، فلا يتصور بقاء الواجب، اهـ، وتمامه فيه. أقول: وظاهر التعليل أن الورثة لو تبرعوا بها، لايسقط الواجب عنه، لعدم النية منه، ولأن فعلهم لايقوم مقام فعله بدون إذنه، تأمل، اهـ". ردالمحتار: ۵/۵۳۶(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی زکوٰۃ میت کے ذمہ واجب تھی، جب اس نے ادا نہیں کی تو ورثاء پر اس کا گناہ نہیں۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب: ۱۸۷/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۷۶۰/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۲/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۶/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

۲...... زکوۃ ادا نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء پر تو اس کا کوئی وبال نہیں (۱)، البتہ نفسِ مال جیسا کہ بعد ادائے زکوۃ طیب اور مزکی ہوتا ہے ویسا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱/۱۳۵۴ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/محرم ۱۳۵۴ھ

ناجائز میراث میں حصہ

سوال [۹۷۸۳]: میرے والد مرحوم محکمۂ جنگلات کے چوکیدار تھے، بعد وظیفہ انتقال ہوگیا، حج بھی کر چکے تھے، اب ان کی جائیداد وارثوں میں تقسیم ہونے والی ہے۔ میں اپنے والد کی جائیداد کو ناجائز سمجھتے ہوئے اس جائیداد سے مستفید ہونے کے بجائے اپنی اولاد کے نام منتقل کرنا چاہتا ہوں اور اپنا گذر بسر اپنی تنخواہ پر ہی کروں گا۔ میرے اس خیال کو بعض لوگ درست نہیں فرماتے، وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ میری رہبری فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جائیداد وغیرہ آپ کے والد صاحب نے جائز طریقہ پر کمائی ہے وہ سب ان کا ترکہ ہے (۲)، دوسرے بھائیوں کی طرح آپ بھی وارث ہیں، آپ کو اپنا حصہ میراث لینے کا پورا حق ہے، اس کو حرام تصور نہ کریں۔ جو چیزیں ناجائز طریقہ پر مثلاً: رشوت سے حاصل کی ہو اور اس کا مالک معلوم ہو، وہ نہ لیں، اس کے

---

(۱) "(قوله: أما دين الله تعالىٰ، الخ) محترز قوله: (من جهة العباد) وذلك كالزكوٰة والكفارات ونحوها. قال الزيلعي: فإنها تسقط بالموت، فلايلزم الورثة أدائها، إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها هم من عندهم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "التركة في الاصطلاح: ماتركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال".

(ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية، بيروت)

مالک کو واپس کردیں، اپنی اولاد کی طرف بھی منتقل نہ کریں (۱)، زہر سے جس طرح خود پرہیز ضروری ہے، اپنی اولاد کو بھی کھلانے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۳۰ھ۔

مورث کا حرام مال وارث کے لئے

سوال [۹۷۸۴]: حرام کاروبار کے مالک کے مرجانے کے بعد وہ حرام پیسے وارثین کے لئے حلال ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ وارثین کا کاروبار حلال ہو اور حرام کاروبار کو برا سمجھتے ہوں۔ بعض عالم کا کہنا ہے کہ مورث کا حرام مال وارثین کے لئے حلال ہوجاتا ہے۔ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ تبدیلِ مِلک سے تبدیلِ حکم لازم آتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لك صدقة ولنا هدية" (۲)۔ مِلک بدلنے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ ہوگیا۔

سوال یہ ہے کہ مِلک کے تبادلے سے تبدیلِ حکم لازم آتا ہے اس کے اندر عموم ہے یا صرف صدقہ کے لئے خاص ہے اسی وراثت کے پیسے سے وارثین حضرات مرحوم مورث کی طرف سے حجِ بدل کرانا چاہتے ہیں۔ اس پیسے سے حجِ بدل کرانا اور کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) "إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردّوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه، تصدقوا به". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۹۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: فيمه ورث مالاً حراماً، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۸۷/۴، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن أنس أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتي بلحم تصدق به على بريدة، فقال: "هو عليها صدقة، وهو لنا هدية". (صحيح البخاري، كتاب الزكوة، باب مايذكر في الصدقة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأله: ۲۰۲/۱، قديمي)

الجواب حامداًو مصلیاً:

جس شخص نے حرام پیسہ اور سامان جمع کیا ہے پھر انتقال ہو گیا اور ورثاء کو معلوم ہے کہ یہ مال حرام ہے تو وہ سامان اور پیسہ ورثاء کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ یہاں تبدیلِ ملک کی بحث بے محل ہے، اس لئے کہ مورث کی مِلک اگر ثابت ہو جاتی اور وہ مستحق ہوتا مگر وارث اس کا اصالۃً مستحق نہ ہوتا تو مورث کا نائب ہو کر مستحق ہو سکتا تھا۔ اور صورتِ مسئولہ میں تو مورث کی مِلک ثابت نہیں پھر نائب کی مِلک کیسے ثابت ہوگی:

"أخذ مورثه رشوةً أو ظلماً، إن علم ذلك بعينه، لايحل له أخذه.......... والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له ويتصدق بنية صاحبه. وإن كان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئاً منه بعينه، حل له حكماً، والأحسن ديانةً التنزه عنه، اه، ردالمحتار: ٤/١٣٠(١)۔

حرام پیسہ کو حج کے لئے خرچ کرنا مکروہ تحریمی ہے اگر چہ اس سے حج ادا ہو جائے گا، مگر قبول نہیں ہوگا، اور خدائے پاک کی خوشنودی حاصل نہیں ہوگی۔

"يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها. ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج، اه". شامی: ٢/٤٠(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۸/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما: ۵/۹۹، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

الفصل الثامن فی ذوی الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

لڑکی کا حصۂ میراث

سوال[۹۷۸۵]: اگر کوئی شخص قوم فقیر بلا اولاد ذکور مرجائے اور اس کی جائیداد اراضی اس کی پیدا کردہ یا اس کے والد کی پیدا کردہ ہو اور اس کا برادر حقیقی یا چچا حقیقی یا بھتیجا حقیقی نہ ہو، صرف دختر ہو تو دختر کو اس کا ترکہ شرعاً ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دختر کو نصف ترکہ تو ضرور ہی ملے گا (۱) اور اگر کوئی ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہیں تو دوسرا نصف بھی اسی کو مل جائے گا یعنی وہ کل کے وارث ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۱۳۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۴/۱۳۶۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾. (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء: فالأولیٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۵۲، کتاب الفرائض، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/ ۴۷۸، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲) لڑکی ذوی الفروض میں سے ہے اور ذوی الفروض جب اکیلا ایک ہی شخص ہو تو اس صورت میں اپنے حصہ سے زائد حصۂ میراث اس پر رد ہو کر وہی مالک ہوجاتا ہے:

"فيبدأ بذي الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية .... ثم الرد على ذوي الفروض النسبية بقدر حقوقهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/ ۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه) =

لڑکی کا والد کی میراث میں حصہ

سوال[۹۷۸۶]: لڑکی کو اپنے والد کی جائیداد میں سے کونسا حصہ ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی میراث کی تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ میت کی لڑکی تو صرف ایک ہو اور لڑکا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں لڑکی کو میت کے کل ترکہ کا نصف ملتا ہے۔ دوم یہ کہ لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو اس صورت میں ان لڑکیوں کو میت کے کل ترکہ کا دو ثلث ملتا ہے۔ سوم یہ کہ کوئی لڑکا بھی ہو، اس صورت میں لڑکے سے نصف کے مستحق ہوگی خواہ ایک لڑکا ہو یا زیادہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۸/۶/۱۳۵۶ھ۔

بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ

سوال[۹۷۸۷]: بیوی کو اپنے شوہر کی جائیداد میں سے کونسا حصہ ملنا چاہئے، احکامِ شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔

= (وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۶۴ كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجية، ص: ۳، سعيد)

(۱) مذکورہ تینوں صورتیں اس آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہیں:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين، فإن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة، والثلثان للأثنين فصاعدةً، ومع الابن للذكر مثل حظ الأنثيين، وهو يعصّبهنّ". (السراجية، ص: ۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرکوئی اولاد بھی ہوتو بیوی کوآٹھواں حصہ ملتاہے،اگرکوئی اولادنہیں توچوتھائی حصہ ملتاہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۶/۶/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۸/۶/۱۳۵۶ھ۔

زوجہ اورہمشیرہ کومیراث

سوال[۹۷۸۸]: سردارصاحب کاانتقال ہوگیا،مرحوم نے ایک بیوی،ایک ہمشیرہ اورایک بھانجا،ایک نواسی چھوڑا۔بھانجامذکورکی والدہ کاانتقال سردارکی حیات میں ہوگیاتھا،اورلڑکی کابھی حیات ہی میں انتقال ہوگیاتھا۔قبل انتقال سردارکے تیرہ چودہ روزاس نے اپنے شوہر،دولڑکیاں،والدین کوچھوڑاتھا،ایک لڑکی مرگئی،ایک زندہ ہے،یعنی جس کونواسی سردارلکھاگیاہے۔اب دریافت یہ ہے کہ مرحوم کاترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

نوٹ ضروری: سردارموصوف مرحوم نے بھانجامذکورحقیقی اوربھتیجاغیرحقیقی کی پرورش بچپن سے کی،شادی وغیرہ انہی نے کی ہے،اوراکثرکہتے تھے کہ جوکچھ ہے سب انہی کاہےاورانہیں دونوں نے قرضہ جو مکان بنانے میں لگاتھاادا کیااورکچھ باقی ہے،وہی اداکریں گے۔لہذاان باتوں کومدنظررکھتے ہوئے جواب مرحمت فرمادیں۔

محمدیوسف مؤمن پورہ ناگپورکیم/محرم/۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن ممّا تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲).

"فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد أو ولد ابن وإن سفل، والربع لها عند عدمها، فللزوجات حالتان: الربع بلاولد، والثمن مع الولد". (الدرالمختار: ۶/ ۷۷۰، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجية، ص: ۷، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	بھانجہ	نواسی
۱	۳	محروم	محرومہ

صورت مسئولہ میں بشرطِ صحتِ سوال وعدم موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین، وادائے دین وغیرہ (۱) سردار صاحب کا کل ترکہ چار سہام قرار دے کر حسبِ نقشہ بالا وارثان پر تقسیم ہوگا، ایک سہم زوجہ کو ملے گا (۲) اور تین سہم ہمشیرہ کو (۳)،

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) مذکورہ صورت میں میت کی اولاد نہیں، لہٰذا زوجہ کو ربع ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

(۳) مذکورہ صورت میں اخت "بہن" چونکہ ذی الفروض میں سے ہے، لہٰذا اس کو نصف ملے گا، اس لئے کہ میت کے اصول وفروع موجود نہیں، مگر مسئلہ میں اجمالی طور پر بہن کو تین حصے دیئے گئے ہیں، تفصیل یہ ہے کہ بہن کو دو حصے بوجہ ذی الفرض ہونے اور ایک حصہ بطور رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے دیئے گئے ہیں:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿إن امرؤٌ هلک ليس له ولد وله أخت، فلها نصف ماترک﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

"الخامسة: الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، رشيديه)

بھانجے کو اور نواسی کو کچھ نہیں ملے گا(۱)۔

آپ نے یہ تحریر نہیں کیا کہ بھتیجا اگر حقیقی نہیں تو کیسا ہے، نہ بھتیجا کو ورثاء میں شمار کیا۔ اگر علاتی بھتیجا ہے یا چچازاد بھائی کا لڑکا ہے تو شرعاً وہ بھی وارث ہوگا۔ اُس وقت چار سہم میں سے ایک بیوی کو ملے گا، ایک بھتیجے کو، دو ہمشیرہ کو(۲)۔ اگر ماموں زاد یا پھوپھی زاد بھائی کا لڑکا ہے، یا خالہ زاد بھائی کا لڑکا ہے تو پھر وہ

(۱) "فیبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبیة، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیة، ثم ذوی الأرحام". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، ۷۶۴، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض: ۶/ ۴۴۷، رشیدیه)

(۲) اگر بھتیجا بھی موجود ہو تو تقسیم یوں ہوگی:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	بھتیجہ علاتی	نواسی	بھانجا
۱	۲	۱	محروم	

اور اگر چچازاد بھائی کا لڑکا موجود ہو تب بھی تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۴

زوجہ	ہمشیرہ	ابن ابن العم	نواسی	بھانجا
۱	۲	۱	محروم	

واضح رہے کہ یہاں علاتی بھتیجا اور چچازاد بھائی کا لڑکا عصبات میں سے ہے اور عصبات کو باقی ملے گا، یعنی ذوی الفروض کو اپنا حصہ دے کر جو کچھ بچ جائے وہ عصبات کو دیا جائے گا:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقی من سهام ذوی الفروض". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/ ۴۵۱، رشیدیه)

(وکذا فی السراجی، ص: ۳، سعید)

محروم رہے گا(۱)۔ کسی کو بچہ جاننے یا باپ کو جاننے سے کچھ نہیں ہوتا، اس سے میراث نہیں ملتی (۲)، ہاں! اگر کوئی وصیت کسی کے حق میں کی ہو تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۱۳۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم/۱۳۵۹ھ۔

بیوی اور بھانجے میں تقسیم وراثت

سوال[۹۷۸۹]: ہمارے یہاں میونسپل بورڈ میں ایک بہشتی منشی خان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس شخص کی اولاد کوئی نہیں، صرف بیوی مسماۃ محفوظی اور رشتہ داروں میں صرف ایک بھانجا عبداللطیف ہے۔ منشی خان نے ایک پختہ مکان اور خانگی سامان کے علاوہ میونسپل بورڈ میں آٹھ سو روپیہ فنڈ بھی چھوڑا ہے۔ منسلکہ ہذا ایک وصیت نامہ کے ذریعہ منشی خان نے اپنا مکان و سامان سب اپنی بیوی کو دیا ہے اور اس وصیت نامہ کو رجسٹری نہیں کرایا، نہ اس وصیت نامہ میں کسی اور شخص کو اپنا وارث یا رشتہ دار بتایا ہے۔

اب ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کو صحیح اور قابلِ عمل تسلیم کیا جائے اور بھانجا عبداللطیف کو ناحق قرار دیا جائے، اگر نہیں تو پھر تقسیم کس طرح ہوگی؟ آٹھ سو روپے میں سے بیوی اور بھانجا کو کتنے کتنے دیئے جائیں؟

مسماۃ کا ارادہ ہے کہ مکان فروخت کر کے یہاں سے اپنے میکہ چلی جائے۔ اس صورت میں اس کو حق

---

(۱) "فيبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذكور، ثم الرد على ذوي الفروض النسبية، ثم ذوي الأرحام". (الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، ۷۶۴، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۲، سعيد)

(وكذا في السراجية، ص: ۳، سعيد)

حاصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس میں بھی مسماۃ کا اور بھانجا کا حصہ متعین فرما دیجئے۔

حکیم عبدالرحمن، بلند شہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی شرعی وارث ہے اور کسی وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک کہ دوسرے وارث رضامند نہ ہوں (۱)۔ اگر مسمیٰ منشی خاں کا وارث بھانجا عبداللطیف اور بیوہ مسماۃ محفوظاً کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو اس وصیت کے معتبر ہونے کا مدار عبداللطیف کی اجازت پر ہے، اگر وہ اس کی اجازت دیتا ہے تو حسبِ وصیت نامہ محفوظاً ان چیزوں کی مالک ہو جائے گی، ورنہ تو اس کے ترکہ سے اولاً اس کا قرض مہر وغیرہ جو بھی اس کے ذمہ ہو ادا کیا جائے (۲)۔ اس کے بعد ایک چوتھائی ترکہ مسماۃ محفوظاً کو (۳) اور بقیہ مسمّٰی عبداللطیف کو دیا جائے۔ فقط،

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: إني لتحت ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم، يسيل علىّ لعابُها، فسمعته يقول: "إن الله قد أعطىٰ كل ذى حق حقه، ألا! لاوصية لوارث". (سنن ابن ماجه، ص: ۱۹۵، كتاب الوصايا، بابٌ: لاوصية لوارث، قديمى)

"ولاتجوز بما زاد على الثلث لقول النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث سعد بن أبى وقاص رضى الله تعالىٰ عنه: "الثلث والثلث كثيرٌ" بعد مانفى وصيته بالكل والنصف، ولأنه حق الورثة .... إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار؛ لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه، ولا معتبر بإجازتهم فى حال حياته". (الهداية: ۴/ ۶۵۱، كتاب الوصايا، باب فى صفة الوصية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/ ۳۷۲، كتاب الوصايا، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجى فى الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول فى تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۳) قال الله تبارک وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولدٌ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"للزوجة الربع عند عدمهما، والثمن مع أحدهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض: =

مکان، نشست گاہ، اثاثہ سب کی تقسیم اسی طرح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ورثاء میں زوجہ، دو بیٹیاں، تین بھتیجے ہوں تو تقسیمِ میراث

سوال [۹۰۷۹]: حاجی عبدالغنی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے کچھ جائیداد غیر منقولہ چھوڑی ہے اور وارثان میں دو لڑکیاں اور تین برادرزادے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے۔ مہربانی فرما کر حکم شرعی سے مطلع فرمایئے کہ ان کو کتنا کتنا جائیداد متروکہ میں سے ملے گا؟

حاجی عبدالغنی صاحب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲۴ تصــ ۷۲

زوجہ خانزادی	دختر کبریٰ	دختر بانو	برادرزادہ عبدالغفار	برادرزادہ عبدالجبار	برادرزادہ عبدالستار
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۸}{۲۴}$	$\frac{۸}{۲۴}$	۵	۵	۵

(عصبہ: $\frac{۵}{۱۵}$)

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث، بعد تجہیز وتکفین وادائے مہر وغیرہ از کل مال وتنفیذِ وصیت از ثلث (۱) مال حاجی عبدالغنی کا ترکہ جائیداد غیر منقولہ وغیرہ بہتر سہام بنا کر اس طرح تقسیم ہوگی کہ نو سہام

= ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

"أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدةً عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمن مع الولد وولد الابن وإن سفل". (السراجية، ص: ۷، سعيد)

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم=

بیوہ کو ملیں گے(۱) چوبیس چوبیس سہام ہردو دختر کو ملیں گے(۲)، پانچ پانچ سہام ہرسہ برادر زادہ کو ملیں گے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

ورثہ میں بہن اور بیوی کا چچا ہو تو ترکہ کس کو ملے گا؟

سوال[۱۹۷۱]: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کی نہ اولاد ہے اور نہ ہی بیوی ہے، صرف ایک بہن

= تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۱) میت کی چونکہ اولاد موجود ہے، لہٰذا زوجہ (بیوی) کو اس صورت میں ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"وأما الإثنان من السبب، فالزوج والزوجة .... وللزوجة الربع عند عدمهما، والثمن مع أحدهما". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۱۰، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) بیٹیاں جب ایک سے زیادہ ہوتو ثلثان ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كن نساءً فوق اثنتين، فلهن ثلثا ماترك﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وللبنت النصف والأكثر الثلثان". (البحر الرائق: ۹/ ۳۷۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۳) برادر زادے بھتیجے عصبہ ہیں اور عصبہ کو باقی یعنی ذوی الفروض سے جو رہ جائے وہ عصبہ کو مل جائے گا:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في السراجية، ص: ۳، سعيد)

ہے۔تو دریافت یہ ہے کہ اس کی بہن کو اس کا مکان مل سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور اس شخص کی بیوی کا ایک چچا بھی موجود ہے، لیکن وہ بھی لاولد ہے۔عندالشرع ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کے صرف ایک بہن اور ایک بیوی کا چچا ہے تو اس کا کل ترکہ مکان وغیرہ اس کی بہن کو ملے گا (۱)، بیوی کے چچا کو کچھ نہیں ملے گا (۲)۔اگر اس کے ذمہ کوئی قرض بھی ہو تو اس کا ادا کرنا پہلے ضروری ہے۔اگر کوئی وصیت بھی کی ہے تو ایک تہائی ترکہ سے پہلے وصیت پوری کی جائے گی (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

---

(۱) واضح رہے کہ بہن کو ابتداءً بطور ذی فرض ہونے کے نصف ملے گا اور باقی مال بھی جب دیگر ورثاء موجود نہ ہوں تو بہن کو علیٰ سبیل الرد ملے گا:

"فيبدأ بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذكور، ثم الرد على ذوی الفروض النسبية بقدر حقوقهم". (الدرالمختار). "(قوله: ثم الرد): أی عند عدم من تقدم ذكره من العصبات يرد من أصحاب الفروض على ذوی الفروض النسبية". (ردالمحتار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فی الشريفية شرح السراجية، ص: ۹، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۶/ ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) "الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضیٰ ديونه من جميع مابقی من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقی بعد الدين، ثم يقسم الباقی بين ورثته". (السراجية، ص: ۳، سعيد)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

بہن اور چچا کا حصۂ میراث

سوال[۹۷۹۲]: زید کا لاولد انتقال ہوگیا اور ایک حقیقی ہمشیرہ اور ایک حقیقی چچازاد بھائی وارث چھوڑا۔ ترکۂ مورث کیسے تقسیم ہوگا؟

محمد رضا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی اور شرعی وارث نہیں تو بعد تجہیز وتکفین وادائے دینِ میت وتنفیذِ وصایا(۱)، وشرط عدم موانعِ ارث زید کا کل ترکہ میں سے نصف بہن کو ملے گا(۲) اور نصف چچازاد بھائی کو(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۷/۱۲/۱۳۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذی الحجہ/۱۳۵۳ھ۔

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً، فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت وللبنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ۷، السعيد)

(۳) "العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في السراجية، ص: ۳، سعيد)

بیوہ بھائی اور بہن میں تقسیم میراث

سوال[۹۷۹۳]: زید کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن اور بھتیجے ہیں۔ زید کے ترکہ کی تقسیم شرعی کس طرح ہوگی؟ ان ورثاء میں کون کون اور کتنا کتنا حصہ پائیں گے؟ زید کے انتقال کے دس مہینہ بعد زید کے بھائی کا بھی انتقال ہوگیا، اب بھائی کے لڑکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

بیوی	بھائی	بہن	بھتیجے
۱	۲	۱	محروم

بشرطِ صحتِ سوال بعد ادائے دین، مہر وغیرہ زید کا ترکہ چار سہام بنا کر ایک سہم بیوی کو ملے گا(۱)، دو سہم بھائی کو ملیں گے، ایک سہم بہن کو ملے گا(۲)، پھر بھائی کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ اس کے ورثاء کو ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زوج، ام، حقیقی بہن اور چچا کے درمیان تقسیمِ میراث

سوال[۹۷۹۴]: ماقولکم رحمکم اللہ فی الصورۃ المذکورۃ فی الذیل:

---

(۱) اس لئے کہ میت کی جب اولاد نہ ہو تو بیوی کو (چوتھائی) حصہ ملے گا:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) بھائی بہن دونوں اس صورت میں عصبہ ہیں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا ملے گا:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء حسب ذیل باقی رہے:

زوج	ام	اخت حقیقی	عم

ترکہ کس نہج پر تقسیم ہوگا اور تصحیح کس طرح کی جاوے گی، اور کیا کیا اور کس کس کو ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲ تصـ۸ ہندہ

زوج	ام	اختِ عینیہ	عم
۳	۲	۳	محروم

میت کا کل ترکہ بعد تجہیز وتکفین وادائے دین وغیرہ وتنفیذِ وصیت (۱)، آٹھ سہام پر تقسیم ہوگا: تین سہام زوج کو (۲)، دوام کو (۳)، تین اختِ عینیہ کو تقسیم ہوگا (۴) اور عم محروم رہے گا (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) میت کی چونکہ اولاد نہیں، لہٰذا زوج کو نصف کو ملے گا: ....=

ورثاء میں زوج، حقیقی بہن اور علاتی بہن ہو تو تقسیم میراث

سوال [۹۷۹۵]: مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں:

محمودہ بیگم دوسری والدہ سے محمد حنیف خان شوہر، فہیمہ بیگم حقیقی بہن، امان اللہ خاں علاتی بھائی، شفقت اللہ خان بندو سوندہ حمیدہ نور جہاں

م

محمد حنیف خان	فہیمہ بیگم	امان اللہ خان	شفقت اللہ خان	بندو	سوندہ	حمیدہ	نور جہاں
شوہر	حقیقی بہن	علاتی بھائی	علاتی بھائی	علاتی بہن	علاتی بہن	علاتی بہن	علاتی بہن

= قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولكم نصف ما ترک أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ١٢)

(۳) میت کی جب اولاد نہ ہو اور اخوۃ واخوات بھی متعدد نہ ہوں اور احد الزوجین مع الاب بھی نہ ہو تو اُم کو ثلث کل ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترک إن كان له ولد، فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث﴾ (سورة النساء: ١١)

(۴) میت کے جب نہ اصول یعنی: اب اب الاب وغیرہ نہ ہوں اور نہ فروع یعنی ابن ابن الابن، بنت ہو تو اختِ عینی قائم مقامِ بنت کے ہے، ایک ہو تو نصف، ایک سے زائد ہو تو ثلثان ملے گا:

"الخامسة: الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/ ٤٥٠، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ٩، فصل في النساء، سعيد)

(۵) عم چونکہ عصبات میں سے ہے اور عصبہ کا حکم یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں، ذوی الفروض سے جو بچ جائے وہ ان کو ملے گا، اگر ذوی الفروض سے کچھ بھی نہیں بچا تو کچھ بھی نہیں ملے گا، جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض: ٦/ ٤٥١، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ٢/ ٥٢٢، كتاب الفرائض، باب في العصبات، حقانيه پشاور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

م

محمد حنیف خاں (شوہر) فہمیدہ بیگم (حقیقی بہن) امان اللہ خاں شفقت اللہ خاں بندو سوندہ حمیدہ نورجہاں

۱ ۱

محروم

بشرطِ صحتِ سوال میت کا کل ترکہ بعد ادائے حقوقِ متقدمہ کے (۱) دوسہام قرار دیکر نصف شوہر کو ملے گا (۲)، اور نصف حقیقی بہن کو (۳)۔ دوسری والدہ سے جو بہن بھائی ہیں، وہ سب محروم رہیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۶/ ۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۶/ ۱۳۵۷ھ۔

(۱) حقوقِ متقدم سے مراد تجہیز وتکفین، ادائے دین، ادائے مہر اور تنفید وصیت ہے، ان تمام کو ادا کرنے کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا:

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولكم نصف ماترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"وأما الاثنان من السبب، فالزوج والزوجة: للزوج النصف، عند عدم الولد وولد الابن، والربع مع الولد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوى الفروض، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ۶، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء: فالأولىٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعدًا الثلثان". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۵۶، كتاب الفرائض، فصل في ذوى السهام، مكتبه حقانية پشاور) =

تین بھتیجے، ایک بیٹی ہوتو تقسیم ترکہ

سوال[۹۷۹۶]: اللہ داد خان، عالیجاہ خان نے مشترکہ مکانات تعمیر کئے چندروز کے بعد اللہ داد خان نے انتقال پایا اور تین لڑکے وارث چھوڑے۔ اس کے بعد عالیجاہ خان صاحب کا انتقال ہوا اور ایک لڑکی اور تین بھتیجے وارث چھوڑے۔ مکانات مشترکہ موصوفہ بالا شرعاً کس طرح تقسیم ہونے چاہئیں؟

السائل: طفیل احمد بقلم خود ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اللہ داد خان کا مکانات میں جس قدر حصہ تھا، وہ تمام بعد تجہیز و تکفین وادائے دین وتنفیذِ وصیت اس کے تین لڑکوں کو برابر مل جائے گا(۱)، عالیجاہ خان کا جس قدر حصہ تھا وہ اس کے انتقال کے بعد

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/ ٤٤٨، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) مذکورہ صورت میں بیٹے چونکہ عصبہ ہیں اس لئے اپنے والد کی جائیداد کے تمام حصہ کے مالک ہوں گے۔ تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۳ — اللہ داد خان

ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱

"العصبات: وهم كل مَن ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقى من سهام ذوى الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/ ۵۶۲، كتاب الفرائض، باب العصبات، مكتبه حقانيه،پشاور)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/ ۳۸۱، كتاب الفرائض،رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/ ٤٥١، كتاب الفرائض، الباب الثانى فى العصبات، رشيديه)

نصف اس کی لڑکی کو ملے گا اور نصف تینوں بھتیجوں کو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۵۲ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ۔

تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیمِ میراث

مخدومی محترمی جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسبِ ذیل سوالات کے جوابات بروئے شریعتِ اسلام بمہر خاص مرحمت فرماویں:

سوال[۹۷۹۷]: ۱......ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے وارث تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، مرحوم کا ترکہ جائیداد معافی اراضی کا لگان سالانہ ہے، اس میں ہر ایک کا حصہ کتنا رہے گا؟

۲......ایک لڑکے کا قبضہ نانا صاحب مرحوم کی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ پر ہے اور اس کا داخل خارج

---

(۱) نقشۂ تقسیم ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۲ تصحیح ۶ عالیجاہ خان

بنت	ابن الاخ	۱/۲	ابن الاخ	ابن الاخ
۱/۲	۱		۱	۱

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدةً، فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"فيبدأ بذى الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية ....اهـ". (الفتاوىٰ العالمكبرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقى من سهام ذوى الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث فى العصبات: ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/۷۷۴، سعيد)

اس جائیداد پر ہو چکا ہے۔اس حالت میں اس کو والد صاحب مرحوم کے ترکہ میں سے حصہ ملے گا یا نہیں اور اگر ملے گا تو کس حساب سے؟

۳.....متوفی کی جائیداد کی آمدنی سے تجہیز وتکفین کا قرض پہلے ادا ہوگا، یا متوفی کے ذمہ جو قرض ان کی حیات کا ان کے ہاتھ کا ہے وہ پہلے ادا ہوگا؟

۴.....بعض ورثاء نے متوفی کی تجہیز وتکفین میں فضول خرچی کر کے خلافِ شرع روپیہ صرف کیا اور تیجے کا کھانا پکایا، اس میں بہت قرض لیا اور سال بھر تک میت کے ایصال ثواب کیلئے قرض کر کے فاتحہ دلاتے رہے۔ یہ رقم متوفی کی آمدنی سے وصول کر سکتے ہیں کیا؟

۵.....کیا ورثاء کو حصے متوفی کا جائز قرض ادا ہونے کے بعد دیئے جائیں گے؟

قاضی ثناء اللہ، کرانہ مرچنٹ، بھاجی بازار، دھاری (سی، آئی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۷

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲	۲	۲	۱

۱.....بعد تجہیز وتکفین وادائے قرض وغیرہ سات سہام بنا کر اس طرح ترکہ تقسیم ہوگا کہ ایک سہم لڑکی کو ملے گا اور دو دو سہام ہر لڑکے کو ملیں گے۔ اراضی اور دیگر منقولہ غیر منقولہ کل ترکہ کی تقسیم اسی طرح ہوگی (۱)۔

۲.....نانا کی جائیداد پر جائز یا ناجائز قبضہ کرنے کی وجہ سے والد کے ترکہ سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ والد

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

کے ترکہ سے حسب جواب: ۱۱حصہ ملے گا(۱)۔

۳......اول متوسط طریق پر تجہیز وتکفین ہوگی، پھر دوسرا قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر اگر کوئی وصیت کی ہوتو ایک تہائی ترکہ سے وہ وصیت پوری کی جائے گی، اس کے بعد ورثاء کو حصہ ملے گا(۲)۔

۴...... یہ رقم جو ایصال ثواب، فاتحہ، تیجہ وغیرہ میں خرچ کی ہے، اس کو ترکہ سے وصول کرنا درست نہیں، بلکہ جن لوگوں نے یہ خرچ کیا ہے وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں(۳)۔

تنبیہ: مروجہ طریقہ پر فاتحہ اور تیجہ منع ہے(۴)۔

---

(۱) "ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوی العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "(يبدأ من تركة الميت بتجهيزه) يعم التكفين من غير تقتير ولاتبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مُطالب من جهة العباد .... ثم وصيته من ثلث مابقي .... ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته".

(الدرالمختار: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ۳،۷، سعيد)

(۳) "التركة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث، فيبدأ أولاً بجهازه وكفنه ومايحتاج إليه في دفنه بالمعروف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشديه)

(۴) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لافي الشرور، وهي بدعة مستقبحة ...... وفي البزازية: ويكره الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۶۷، كتاب الصلوٰة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۸۱، كتاب الصلوٰة، باب الجنائز، رشيديه) =

۵.....متوفی نے جوقرض اپنی حیات میں لیا تھا اس کوادا کرنے کے بعدورثاءکوحصہ ملے گا اور جورقم تیجہ وغیرہ میں خرچ کی ہے اس کوترکۂ مشترکہ سے ادا کرنا درست نہیں، بلکہ وہ خود ان خرچ کرنیوالوں کے ذمہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۲۴/ جمادی الاولیٰ/۱۳۶۹ھ۔

ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیمِ میراث

سوال[۹۷۹۸]: مسمّٰی حاجی کریم الدین کا انتقال ہوا،اس نے ایک لڑکا حاجی عزیزالدین، تین لڑکیاں: مسماۃ مجیداً، مریم، حاجن عزیزاً، چھوڑے۔لہذا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ زوجہ مسماۃ حبیاً تھی جس کا انتقال ہوگیا اور ورثاء مذکورہ چھوڑے۔پھرعزیزاً کا انتقال ہوا،اس نے مذکورہ بھائی بہن چھوڑے۔عزیزالدین کے نانا نے اپنی زندگی میں ایک مکان عزیزالدین کودیدیا تھا اور ایک لڑکی مرتے وقت چھوڑی تھی۔آیا اس مکان میں مسماۃ مجیداًاورعزیزاً کا کچھ حصہ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۴

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
حبیاً	عزیزالدین	مجیداً	مریم	عزیزاً
کأن لم تکن؛ لأنها ماتت أولاً وترکت الورثة المذکورة	۲/	۱/	۱/	کأن لم تکن؛ لأنها ماتت أولاً وترکت الورثة المذکورة

= "لایجوز مایفعله الجهال بقبور الأولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السروج والمساجد إلیها، ومن الاجتماع بعد الحول کالأعیاد ویسمونه عرسًا". (التفسیر المظهری: ۶۵/۲، حافظ کتب خانه کوئٹه)

(۱) "ثم تقدم دیونه التی لها مُطالبٌ من جهة العباد". (الدرالمختار: ۷۶۰/۶، کتاب الفرائض، سعید) =

حسب بیانِ سائل صورت مسئولہ میں مسمّٰی حاجی کریم الدین کا ترکہ بعد ادائے دین وغیرہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ۴/ سہام کئے جائیں گے، ایک ایک دونوں لڑکیوں مجیداً اور مریم کو، اور دو سہام لڑکے حاجی عزیز الدین کو ملیں گے، ھکذا فی کتب الفرائض (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اگر عزیز الدین کے نانا نے اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں وہ مکان ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دیدیا تھا تو وہ عزیز الدین کی ملک ہے (۲)، اس میں مجیداً و مریم و عزیزاً وغیرہ کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن اگر مرض الموت میں ہبہ کرکے قبضہ کرایا ہے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے، یعنی ایک تہائی میں جاری ہوگی، بشرطیکہ عزیز الدین شرعی وارث نہ ہو۔ اور دو تہائی کی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، اگر قبضہ نہیں کرایا تو وہ ہبہ تام نہیں ہوا (۳)، حسب حکم شرع اس میں وراثت جاری ہوگی۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۶/ ۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ رجب/ ۱۳۵۷ھ۔

= (وكذا في السراجي، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

"قال رحمه الله تعالىٰ: وعصبها الابن، وله مثلا حظها. معناه: إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (تبيين الحقائق: ۷/ ۴۸۰، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصية، ولا وصية لوارث. ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد =

دو بیویوں اور ان کی اولاد میں تقسیمِ میراث

سوال [۹۷۹۹]: ایک شخص کی دو بیوی ہیں، ایک بیوی سے ایک نواسی اور دوسری بیوی سے چار لڑکی۔ اس میں سے بڑی بیٹی سے ایک لڑکا یعنی نواسہ اور ایک لڑکی یعنی نواسی۔ دو بھائی اور ان دونوں کے دو دو لڑکے ہیں۔ ان میں سے کس کس کو کیا کیا حق پہنچتا ہے اگر دونوں بھائی انتقال کر جائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شخص متوفی کے ترکہ میں دونوں بیویاں چاروں لڑکیاں حق دار ہیں:

مسئلہ ۸ صـــ ۳۲

زوجہ	زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت البنت	بنت البنت	ابن البنت
زبیدہ	حمیدہ	عابدہ	شاہدہ	عائشہ	طاہرہ			
۱		۷						
۲	۲	۷	۷	۷	۷		محروم	

شخص متوفی کا ترکہ حقوقِ متقدمہ علی الارث کے بعد ۳۲/ سہام ہو کر دو دو، دونوں بیویوں کو (۱)، اور

= مونہ، صحت"۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۴۸۳، (رقم المادۃ: ۸۷۹)، کتاب الھبۃ، الفصل الثانی فی ھبۃ المریض، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"وأما لو وھب وسلم لغیر الورثۃ، فإن خرج الموھوب من ثلث مالہ، صحت الھبۃ. وإن لم یخرج ولم تُجزِ الورثۃ الھبۃ، فإنما تصح فی مایخرج من الثلث، ویجبر الموھوب لہ علی رد الباقی: أی .... فإن أجازھا الورثۃ، صحت وإن لم تجزھا، تنفذ من الثلث فقط"۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز: ۱/۴۸۴، کتاب الھبۃ، باب ھبۃ المریض، (رقم المادۃ: ۸۷۹)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۷۰۰، کتاب الھبۃ، باب الرجوع فی الھبۃ، سعید)

(۱) مذکورہ صورت میں بیویوں کو ثمن ملے گا، اس لئے کہ میت کی اولاد موجود ہے اور بتیس کا ثمن چار ہے: =

سات سات ہر لڑکی کو ملیں گے(۱)۔اور نواسے اور نواسیاں ذوی الارحام میں سے ہیں، اصحاب الفرائض کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے ہیں(۲)۔

دونوں بھائیوں کی مشترکہ جائیداد میں اگر ملک برابر ہے تو چاروں لڑکے برابر حق دار ہیں، یعنی پوری جائیداد کے چار حصہ کرکے ایک ایک حصہ لیں گے(۳)۔اور اگر بھائیوں کی ملک برابر نہیں ہے، بلکہ ایک بھائی

= قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"وأما الاثنان من السبب الزوجُ والزوجةُ .... وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۲۰، کتاب الفرائض، مکتبه حقانیه پشاور)

(۱) چاروں لڑکیوں کو ثلثان بوجہ ذوی الفرض ہونے کے ملے گا اور باقی بطور رد کے:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كن نساءً فوق اثنتين، فلهن ثلثا ما ترك﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما النساء، فالأولیٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت، وللبنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۲) "وذو الأرحام كل قريب ليس بذى سهم ولا عصبة، وهم كالعصبات، مَن انفرد منهم أخذ جميع المال. وذوالأرحام أربعة أصناف: صنف ينتمي إلى الميت وهم أولاد البنات وأولاد بنات الابن" (الفتاویٰ العالمكيرية، کتاب الفرائض، باب ذوى الأرحام: ۶/۴۵۸، رشیدیه)

"فيبدأ بذوى الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذكور، ثم الرد على ذوى الفروض النسبية بقدر حقوقهم". (الدرالمختار). "(قوله: ثم الرد): أى عند عدم من تقدم ذكره من العصبات يردّ من أصحاب الفروض على ذوى الفروض النسبية". (ردالمحتار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(وكذا فى الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۳) بیٹے عصبہ ہیں اور میت کے ورثاء میں اگر صرف عصبہ ہو تو کل مال کا مستحق ہے:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقى من سهام ذوى الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الاختيار لتعليل المختار: ۵۲۲/۲، کتاب الفرائض، باب العصبات، مکتبه حقانیه، پشاور) .... =

کے مثلاً دو تہائی ہے، دوسرے کی ایک تہائی تو اولاً جائیداد کو دونوں بھائیوں کی ملک کے حساب سے تقسیم کیا جائے، پھر ہر ایک بھائی کی ملک کی دونوں بیٹوں میں برابر تقسیم کردی جائے (۱)۔ جتنے ورثاء سوال میں ذکر کئے گئے ہیں، سب کو متوفی کے انتقال کے وقت زندہ مان کر اور اس تقدیر پر کہ اَور کوئی وراث نہیں ہے، دونوں مسئلوں کا حل کیا گیا ہے۔

لیکن اگر سب اس وقت زندہ نہ ہوں، مثلاً دونوں بیویاں زندہ ہیں اور بیٹیاں زندہ نہیں ہیں، بلکہ صرف نواسے نواسیاں زندہ ہیں، یا بیویاں بھی زندہ نہیں ہیں اور اسی طرح دونوں بھائیوں کے انتقال کے بعد چاروں لڑکوں کے ساتھ اگر کوئی دوسرا وارث بھی ہو، مثلاً دونوں بھائیوں کی بیویاں بھی ہوں تو دونوں مسئلوں کا حل دوسرے طریقہ پر ہوگا، اس کو الگ لکھ کر (کہ صرف اتنے ورثاء موجود ہیں) معلوم کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۱۳۸۸ھ۔

ورثاء میں حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہو تو تقسیمِ ترکہ

سوال [۹۸۰۰]: مسماۃ الف (ایک فرضی نام ہے) نے اپنے پہلے شوہر کی وفات کے کچھ عرصہ بعد

= "وعند الانفراد عن غيره في الورثة يحرز جميع المال بجهة واحدة". (الشريفية، ص: ۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلميه بيروت لبنان)

(۱) واضح رہے کہ دونوں بھائیوں کے حصے تقسیم کرنے کے بعد اگر دونوں بھائیوں کے یہی دو دو بیٹے ہیں اور کوئی وارث نہ ہو تو دونوں کی جائیداد کو دو حصے کرکے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے گا:

مسئلہ ۲

ابن	ابن
۱	۱

اپنا نکاحِ ثانی مسمّٰی زید کے ساتھ کرلیا تھا اور یہ کہ ترکہ جائیداد اور غیر منقولہ مسماۃ مذکورہ کو اپنے سابق شوہر سے ملا ہوا ہے۔ بعدہٗ مسمی زید کی وفات کے بعد زید کے حقیقی وارثان نے ترکہ زید پر تقسیم کیا اور مسماۃ الف کو بھی اس کا حصہ از ترکہ منقولہ وغیر منقولہ بموجب حقِ شرعی دیدیا۔

چنانچہ مسماۃ مذکورہ ہر دو ترکہ جات پر بحیثیتِ مالکانہ قابض ودخیل ہوئی۔ سابق شوہر سے کوئی اولاد حیات نہیں ہے اور نہ زید کے نطفہ سے کوئی اولاد پیدا ہوئی۔ نیز زید کا قریبی رشتہ مسماۃ الف کے ساتھ نکاح ہونے سے قبل حقیقی سالی کا بھی وابستہ تھا۔ اب محض مسماۃ الف کا ایک حقیقی بھائی مسمی عمر موجود ہے اور مسمی زید کے نطفہ سے سابقہ بیوی سے پیدا شدہ تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔

زید کی وفات کو تقریباً نو سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اب تک بدستور مسماۃ الف کی بود وباش زید کے وارثان مذکور کے ساتھ ہے۔ مسماۃ مذکورہ کی کوئی حقیقی بہن بھی حیات نہیں، صرف اس کی بہن کی دختر ہے۔ مندرجہ بالا مسماۃ الف کے ترکہ کے جائز شرعی وارث کون کون ہو سکتے ہیں اور کس قدر حصہ پا سکتے ہیں؟

محمد صدیق از دہرہ دون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسماۃ الف کے والدین دادا، وغیرہ کوئی موجود نہیں، صرف مسمی عمر حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہے تو اس صورت میں مسماۃ کا کل ترکہ بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث برادرِ حقیقی مسمی عمر کو ملے گا (۱)، بہن کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا (۲)، ترکہ بعد وفاتِ مورث تقسیم ہو چکا ہے۔

---

(۱) بھائی عصبہ ہے اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ عصبہ کو ملتا ہے:

"العصبات وهم كل مَن ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوى الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۶۲/۲، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه، پشاور)

(۲) بہن کی اولاد ذوی الارحام میں سے ہے اور ذوی الفروض وعصبہ ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے:

"إنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن =

سوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مسماۃ الف کا انتقال ہو چکا، لہذا انتقال کے وقت اگر بے وارث رہے، یا کسی وارث کا اضافہ ہوگیا تو اس کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۶/۱۳۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

نانی کو میراث

سوال [۹۸۰۱]: ہندہ کا انتقال ہوگیا، کوئی اولاد ان کے نہیں۔ وارثوں میں شوہر، ایک سگا بھائی، ایک سگی بہن، ایک نانی چھوڑی۔ جائیداد میں صرف ایک کھیت ہے۔ اس میں ترکہ کس قدر تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۶ تص ۱۸

زوج	نانی	بھائی	۲/۶	بہن
۳/۹	۱/۳	۴		۲

بعد ادائے حقوقِ واجبہ: تجہیز وتکفین (۲) ہندہ متوفیہ کا ترکہ ۱۸/ حصوں پر منقسم ہوکر نو حصے

= عصبة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۵۹/۶، كتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشيديه)

"وهو كل قريب ليس بذى سهم ولاعصبة ولايرث مع ذی سهم ولاعصبة". (الدرالمختار: ۷۹۱/۶، كتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعيد)

(وكذا فی الاختيار لتعليل المختار: ۵۷۶/۲، كتاب الفرائض، فصل فی ذوی الأرحام، مكتبه حقانيه، پشاور)

(۱) "يعتبر كونه وارثاً أو غير وارث وقت الموت لا وقت الوصية". (الدرالمختار: ۶۵۱/۷، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا فی الاختيار لتعليل المختار: ۵۲۹/۲، كتاب الوصايا، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) حقوقِ واجبہ یعنی تجہیز وتکفین کے علاوہ دینِ میت اور وصیت پورا کیا جائے گا: .... =

شوہر کو (۱) اور تین نانی کو (۲) اور چار بھائی کو اور دو بہن کو دیئے جائیں گے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

بعض ورثاء کو کچھ دیکر فارغ کردینا

سوال [۹۸۰۲]: زید نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے دو عقد نکاح کیے، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ پسماندگان میں دونوں بیوی سے نو اولادیں اور ایک بیوہ ہے۔ ترکہ کے بٹوارے میں بڑی دقتیں حائل ہوگئی ہیں، اندیشہ نزاع پیدا ہوجانے کا ہے۔ ضروری معلوم ہوا کہ شرعی طور سے معاملات کی وضاحت حاصل

= "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۱) شوہر اولاد کی عدم موجودگی میں نصف ترکہ کا مستحق ہوتا ہے:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولكم نصف ماترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) "الجدة الصحيحة كأم الأم وإن علت وأم الأب وإن علا .... ولها السدس، لأب كانت أو لأم، واحدة كانت أو أكثر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ۱۱، فصل في النساء، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء آيت: ۱۱)

"العصبة: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۶۲، فصل في العصبات، مكتبه حنفيه پشاور)

کر کے اطمینان کرلیا جائے تاکہ بٹوارہ کے بعد مرنے والوں کے ذمہ کسی طرح کا مواخذہ نہ رہے۔

مسائل یہ ہیں: ایک قدیمی کاروبار میں دو قدیمی بھائی برابر کے شریک دار تھے، ان دونوں نے ایک قطعۂ مکان اور چند کمپنیوں کے شیئرز (حصے) اس مشترکہ کاروبار کی رقم سے زید کے نام خرید کیا تھا، کیونکہ دونوں بھائیوں کی اولاد میں اس وقت سب سے بڑے یہی تھے، اور رقم کاروباری کاغذات میں خرید جائیداد کھاتہ کے نام سے لکھ دی گئی تھی۔ مکان وشیئرز کا منافع اور ان کے جو مصارف کا اندراج کاروباری کاغذات میں ہوا کرتا تھا، سالانہ مجموعی منافع شرکاء پر تقسیم ہوجاتا تھا۔

ان دونوں کے انتقال کے بعد ان دونوں کی اولادیں کاروبار میں شریک دار ہوئیں اور شرکاء پر منافع تقسیم ہوتا رہا۔ زید کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد جب قانونی مشورہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مکان وشیئرز کے قانونی مالک زید مرحوم کے وارثان ہیں، زید مرحوم کے بھائیوں کا حق ملکیت اس وقت تک قابلِ تسلیم نہ ہوگا جب تک جملہ وارثانِ زید کے نام بھائیوں بیعنامہ نہ کرادیں۔

ان سب دشواریوں کے ہوتے ہوئے اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ مکان وشیرز کی پختہ قیمت کا تخمینہ کرکے زید مرحوم کے کاروباری سرمایہ سے زید مرحوم کے بھائیوں کو ان کے حصہ کے مطابق رقم دیدی جائے تو یہ طریقہ مناسب رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کرلینا شرعاً درست ہے، اس صورت میں بھائیوں کا جو حق وحصہ مکان اور کمپنیوں کے شیرز میں تھا اس کا معاوضہ ان کو مل جائے گا اور تقسیم جائیداد کی زحمت بھی نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "التخارج وهو تفاعل، والمراد به ههنا أن يتصالح الورثة على إخراج بعضهم عن الميراث بشئ معلوم من التركة، وهو جائز عند التراضي، نقله محمد في كتاب الصلح عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما. وذكر عن عمروبن دينار أن عبد الرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه طلّق امرأته تماضر الكلبية في مرض موته، ثم مات وهي في العدة، فورثها عثمان رضي الله تعالىٰ عنه مع ثلث نسوة آخر، فصالحوا عن ربع ثمنها على ثلاثة وثمانين ألفاً، فقيل: هي دنانير، وقيل: دراهم". (الشريفية شرح السراجية، =

تقسیم میراث کی ایک صورت

سوال[۹۸۰۳]: چند مکان ترکہ کی صورت میں ایسے ہیں جن کو زید مرحوم کے بھائیوں اور زید کے وارثان پر تقسیم کرنا ہے۔ ان مکانات میں وارثان کا جو حصہ متعین ہو وہ مجموعی طور پر وارثان کی رضامندی سے ایک ہی مکان میں کل حصہ دیدیا جائے۔ گرہستی (۱) کے بٹوارہ میں جس سامان کے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے قیمت تقسیم کردی جائے تو یہ طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچوں کے حق میں یہ مفید ہو کہ مختلف مکانات سے ان کا حصہ نکال کر ایک مکان میں جمع کر دیا جائے کہ اس میں کسی کی شرکت نہ ہو تو یہ بھی درست ہے، لیکن قیمت کا اندازہ دیانت دار اور تجربہ کار حضرات سے کرایا جائے تاکہ بچوں کو نقصان نہ ہو (۲)۔ جو سامان بچوں کی ضرورت سے زائد ہو اور حفاظت کرنے میں اس کے ضائع ہونے یا خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے قیمت کو محفوظ کر لینا بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۹ھ۔

= ص: ۷۳، فصل فی التخارج، سعید)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۶۴۲، کتاب الصلح، فصل فی التخارج، سعید)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۲/۸۵۵، کتاب الصلح، کلام فی التخارج، (رقم المادة: ۱۵۷۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) ''گرہستی: گھر کا انتظام''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۲۶، فیروز سنز لاهور)

(۲) "والوصی إذا قاسم مالاً مشترکاً بینه وبین الصغیر، لایجوز، إلا إذا کان للصغیر فیها منفعةٌ ظاهرةٌ عند أبی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه". (أحکام الصغار علی هامش جامع الفصولین: ۱/۲۳۶، کتاب القسمة، اسلامی کتب کراچی)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتقربوا مال الیتیم إلا بالتی هی أحسن حتی یبلغ أشده﴾

"جواز التصرف فی مال الیتیم للوالی علیه من جد أو وصی أبٍ لسائر ما یعود نفعه علیه؛ لأن الأحسن ماکان فیه حفظ ماله وتثمیره، فجائز علی ذلک أن یبیع ویشتری للیتیم بما لاضرر علی الیتیم فیه .... وعلی أن یشتری مال الیتیم لنفسه إذا کان ذلک خیراً للیتیم، وهو قول أبی حنیفة رحمه الله =

سوتیلے بیٹے کی موہوبہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟

سوال[۹۸۰۴]: مسماۃ نور جہاں الٰہی بخش متوفی کی زوجہ ثانیہ تھی اور الٰہی بخش کی زوجہ اُولیٰ کے بطن سے طفیل احمد تھا جس کو اس نے ایامِ طفولیت سے ۳۵/ سال کی عمر تک مثل اپنے حقیقی لڑکے کے پرورش کیا، اور نور جہاں والٰہی بخش کے درمیان باہمی رنجش کا موقع پیش آیا۔ الٰہی بخش نے مسماۃ مذکورہ کو طلاق دیدی اور تقریباً تیس ہزار کی جائیداد وزیورات نقد واثاث البیت وغیرہ جو کچھ کہ مسماۃ مذکورہ کے قبضہ میں تھی کچھ واپس نہیں دیا۔

بعد عدت مسماۃ مذکورہ نے مسمی عبدالاحد سے نکاح کرلیا، تقریباً ۲۵، ۳۰/ سال تک عبدالاحد خاں مذکور کے گھر میں رہی، اور بدقسمتی سے اس کے بطن سے عبدالاحد کے یہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور عبدالاحد مذکور فوت ہوگیا۔ مسماۃ نور جہاں نے اپنے شوہر اول کے پسر طفیل احمد کو چند مرد ماں کے روبرو کہا کہ میں اپنی عمر تیری سرپرستی میں سپرد کرنا چاہتی ہوں اور اپنی کل جائیداد منقولہ وغیرہ تیرے نام کردونگی، تو مجھ کو تازیست ایک سو روپیہ ماہواری دینا اخراجات کیلئے۔

چنانچہ نور جہاں مذکور کے قبضہ میں جو کچھ جائیداد اس کے نام پر تھی بذریعۂ ہبہ نامہ رجسٹری کردیا۔ ترکۂ شوہر مسمیٰ عبدالاحد کو تقسیم کرانے کی فکر کی، کیونکہ حسبِ شرع ترکہ اس طرح تقسیم ہوتا تھا۔ مسمیٰ (عبدالاحد) کا بھائی عبدالصمد عبدالاحد کے سامنے فوت ہوچکا اور عبدالصمد کا لڑکا عبدالرؤف بھی اپنے باپ

= تعالیٰ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲۹۷/۳، قديمي)

"إذا كان في الورثة صغير وكبير، فقاسم الوصيّ مع الكبير وأعطاه حصته وأمسك حصة الصغير، فهو جائز". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين: ۱/ ۲۳۵، كتاب القسمة، مكتبه اسلامی کتب خانه کراچی)

"وجاز بيعه عقار صغير من أجنبي لامن نفسه بضعف قيمته، أو لنفقة الصغير أو دين الميت أو وصية مرسلة لانفاذ لها إلامنه، أولكون غلاته لا تزيد على مؤنته أو خوف خرابه أو نقصانه، أو كونه في يد متغلب". (الدرالمختار). "(قوله: أو في يدمتغلب) كأن استرده منه الوصي ولا بينة له وخاف أن يأخذه المتغلب منه تمسكاً بما كان له من يد، فللوصي بيعه وإن لم يكن لليتيم حاجةٌ إلى ثمنه".

(الدرالمختار: ۶/ ۷۱۱، كتاب الوصايا، سعيد)

عبدالصمد کے سامنے فوت ہوگیا۔عبدالرؤف کے دولڑکے: حمید الظفر ، ایوب خاں منجملہ چار سہام کے تین سہام ان لڑکوں کو ایک چوتھائی اور مسماۃ نور جہاں کا دینِ مہر۔ مسماۃ نور جہاں نے باہمی فیصلہ کرکے اپنا ترکہ جدا کرلیا اور قابض ہوگئی۔

چونکہ طفیل احمد سے اس کی جملہ جائیداد کا وعدہ ہوچکا تھا، اس لئے طفیل احمد نے تین سو روپیہ جائیداد کی ترمیم پر خرچ کیا۔ مسماۃ نور جہاں نے اپنی حیات میں کرایہ داروں سے یہ کہہ دیا کہ میں کل جائیداد طفیل احمد کو دے چکی ہوں، اس کا کرایہ طفیل احمد کو دینا۔ اور مسماۃ نور جہاں بھی فوت ہوگئی، اس کی تجہیز وتکفین جملہ رسومات طفیل احمد مذکور نے کی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا ترکہ حسبِ وعدہ مسماۃ مذکور کے اس کا مالک طفیل احمد ہے، یا حمید الظفر وایوب خاں کو پہنچتا ہے؟ اور کوئی رشتہ دار مسماۃ مذکورہ کا مادری یا پدری نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حمید الظفر وایوب خاں مسماۃ نور جہاں کے شرعی وارث نہیں، اگر مسماۃ اپنی جائیداد طفیل احمد کو شرعی ہبہ نہ کرچکی ہوتی تب بھی حمید الظفر وایوب خاں کو اس جائیداد سے شرعاً کوئی حصہ نہ ملتا(۱)۔ پھر جبکہ اپنی زندگی میں بحالتِ صحت مسماۃ اپنی جائیداد تقسیم کراکے اس پر قابض ہوگئی اور طفیل احمد کو دے چکی اور اس پر قبضہ بھی طفیل احمد کا پورا پورا کرادیا جس سے طفیل احمد شرعاً اس جائیداد کا مالک ہوگیا۔ تو اب بطریقِ اَولیٰ حمید الظفر وایوب خاں کو اس جائیداد سے کوئی حصہ نہیں ملے گا:

"وتصح: (أي الهبة) بالإيجاب والقبول والقبض، أما الإيجاب والقبول، فلأنه عقد والعقد منعقد بالإيجاب والقبول. والقبض لابد منه لثبوت الملك". هدایه: ۱/ ۲۸۰(۲)۔

"والأصل في هذا أن كل عقد من شرطه القبض، فإن الشرط لا يفسده كالهبة والرهن،

---

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء، وهو على ضربين". (الفتاوی العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) (الهداية: ۳/ ۲۸۱ كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

كذا فی السراج الوهاج". عالمگیری: ۲/ ۴۹۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، صحیح: عبدالرحمٰن عفی عنہ، ۱۴/۱/۱۳۵۲ھ۔

مناسخہ کی ایک صورت کا حکم

سوال[۹۸۰۵]: ایک مکان کے دو بھائی حصہ دار ہیں، ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے جس کے کوئی اولاد نہیں ہے، البتہ مرحوم نے اپنے ماں باپ اور ایک بھائی چھوڑے۔ بعد ازاں مرحوم کی والدہ کا انتقال ہوگیا، اب صرف باپ بھائی موجود ہیں۔ جائیداد میں چونکہ مرحوم بھائی نصف کا حصہ دار تھا تو مرحوم کے حصہ کی شرعاً تقسیم کیا ہوئی، یعنی باپ کو اس کی جائیداد میں سے کس قدر اور بھائی کو کس کس قدر حصہ پہنچے گا؟

اکبر علی، بابو عبدالرحمٰن، روڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۳ تصـ ۱۲

ام	اب	اَخ
زینب	زید	عمر
۱/۴	۲/۸	م

مسئلہ ۴	مسئلہ تداخل	ام زینب	مافی الید ۱
زوج			ابن
زید			عمر
۱			۳

الأحیاء المبلغ ۱۲

اب	ابن
زید	عمر
۹	۳

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۹۶، كتاب الهبة، الباب الثامن فی حكم الشرط فی الهبة، رشيديه) =

ا..... بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث وادائے دینِ میت وتنفیذِ وصایا(۱)، مرحوم بھائی کا کل ترکہ حسبِ صورت مندرجہ بالا بارہ، سہام پر تقسیم کر کے ہر وارث کو اپنے حصہ کے موافق دیں گے (۲)۔

= "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الفصل الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين، ثم يقسم الباقى بين ورثته". (السراجى في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) مسئلۂ اُولیٰ کے ورثاء میں ام کو ثلث ملے گا، اس لئے کہ جب میت کی اولاد نہ ہو اور اخوۃ واخوات بھی ذی العدد نہ ہوں اور نہ أحد الزوجين مع الأب ہو تو اس صورت میں ام ثلثِ کل کا مستحق ہوگی:

قال الله تبارک وتعالىٰ: ﴿فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه، فلأمه الثلث﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"وأما للأم فأحوال ثلث: السدس مع الولد أو ولد الابن وإن سفل أو مع الاثنين من الإخوة والأخوات فصاعداً من أىّ جهة كانا، وثلث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين، وثلث مابقى بعد فرض أحد الزوجين". (السراجى في الميراث، ص: ۱۱، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۲، سعيد)

"اب" میت کی جب اولاد نہ ہو تو اب عصبہ ہوگا، بطور عصوبت کے باقی مال کا مستحق ہوگا:

"أما الأب، فله أحوال ثلث: الفرض المطلق وهو السدس، وذلک مع الابن وابن الابن وإن سفل. والفرض والتعصيب، وذلک مع الابنة أو ابنة الابن وإن سفلت. والتعصيب المحض، وذلک عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل". (السراجى، ص: ۶، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۷۰، كتاب الفرائض، سعيد)

مسئلۂ اُولیٰ میں تیسرا وارث اخ ہے، میت کے جب اصول یا فروع موجود ہو تو اخ بھائی میراث سے محروم ہو جائے گا:

"ويسقط الإخوة والأخوات بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق، وبالجد عند أبى =

۲.....تایا کے ترکہ سے ایسی صورت میں بھتیجوں کو نہیں ملے گا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبدالرحمٰن عفی عنہ، صحیح: عبداللطیف عفی عنہ۔

مناسخہ کی ایک صورت

سوال[۹۸۰٦]: ۱.....مسمیٰ زید نے انتقال کیا۔ عمر پسر، احمد پسر، زبیدہ دختر، ہندہ زوجہ وارث چھوڑے۔

۲.....مسماۃ زبیدہ نے انتقال کیا۔ اللہ رکھا شوہر، عمر برادر، محمد پسر، ہندہ مادر چھوڑے۔

۳.....ہندہ نے انتقال کیا۔ محمد نواسہ، اللہ رکھا داماد، عمر واحمد پسران چھوڑے۔

= حنيفة رحمه الله تعالى". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض: ۴۵۰/٦، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۷۷۲/٦، سعيد)

مسئلہ ثانیہ میں زوج ہے اور جب میت کی اولاد ہو تو زوج کو ربع لے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لهن ولدٌ، فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين﴾. (سورة النساء: ۱۲)

ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد بقیہ مال عصبہ کو ملتا ہے اور مسئلہ ثانیہ میں "ابن" عصبہ ہے:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، باب في العصبات: ۴۵۱/٦، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۷۷۳/٦، سعيد)

(۱) "يرجحون بقرب الدرجة أعني أولهم بالميراث جزءُ الميت .... ثم جزء أبيه: أي الإخوة، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجية، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

"فأقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن .... ثم الأخ لأب وأم، ثم الأخ لأب، ثم ابن الأخ لأب وأم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، باب العصبات: ۴۵۱/٦، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

مسئلہ ۸، تصـ ۴۰، تصـ ۴۸۰ زیدمورث اعلیٰ

بنت	ابن	ابن	زوجہ
زبیدہ	احمد	عمر	ہندہ
۷	۱۴ / ۱۶۸	۱۴ / ۱۶۸	۱ / ۵ / ۲۰

مسئلہ ۱۲ تباین مافی الید ۷ زبیدہ

اخ	اخ	ام	ابن	زوج
احمد	عمر	ہندہ	محمد	اللہ رکھا
محروم		۲ / ۱۴	۷ / ۴۹	۳ / ۲۱

مسئلہ ۲ تداخل (۳۷) ما فی الید ۷۴ ہندہ

ختن یعنی داماد	ابن البنت یعنی نواسہ	ابن	ابن
اللہ رکھا	محمد	احمد	عمر
محروم		۱ / ۳۷	۱ / ۳۷

المبلغ ۴۸۰

الأحیاء

محمد	اللہ رکھا	احمد	عمر
۴۹	۲۱	۲۰۵	۲۰۵

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین واداۓ دینِ میت، وغیرہ (۱) مورثِ اعلیٰ مسمّی زید کا کل ترکہ چارسواسّی سہام (۲) قرار دیکر حسبِ نقشۂ بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا، یعنی عمر اور احمد پسران زید میں سے ہر ایک کو دوسو پانچ سہام (۳)، اور اللہ رکھا زوجِ زبیدہ کو اکیس (۴) اور محمد پسر زبیدہ کو

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲،۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "المناسخة أن يموت بعض الورثة قبل القسمة، والأصل فيه أن تصحّح فريضة الميت الأول وتصحح فريضة الميت الثاني، فإن انقسم نصيب الميت الثاني من فريضة الأول على ورثته، فقد صحت المسئلتان. وإن كان لايستقيم فإن كان بين سهامه ومسألته موافقةٌ فاضربْ وفقَ التصحيح الثاني في التصحيح الأول. وإن لم يكن بينهما موافقةٌ، فاضرب كل الثاني في الأول، فالحاصل مخرج المسئلتين.

وطريق القسمة أن تضرب سهامَ ورثة الميت الأول في المضروب وسهامَ ورثة الميت الثاني في كل مافي يده أو في وفقه، فإن مات ثالث فصحح المسئلتين الأوليين". (الاختيار لتعليل المختار: ۵۹۰/۲، كتاب الفرائض، فصل في الماسخة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱۵/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۰۱/۶، كتاب الفرائض، فصل في المناسخة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"العصبة وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"وأما الإثنان من السبب، فالزوج والزوجة، فللزوج النصف عند عدم الولد وولد الابن، =

انچاس سہام (۱) از روئے شرع ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۱۳۵۸ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیمِ وراثت

سوال [۹۸۰۷]: مسمی محمد جعفر خاں فوت ہوئے اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

والدہ	زوجہ	لڑکے	لڑکیاں	ہمشیرہ
مسماۃ بیبجی	اللہ دی	محمد عاقل محمد باقر	عقیلہ بیگم، کنیز فاطمہ	صغریٰ بیگم

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲۴، تصـ ۱۴۴ — محمد جعفر خان المتوفی

زوجہ	ام	ابن	ابن	بنت	بنت	اخت
اللہ دی	بیبجی	محمد عاقل	محمد باقر	عقیلہ بیگم	کنیز فاطمہ	صغریٰ بیگم
۳/۱۸	۴/۲۴	۳۴	۳۴	۱۷	۱۷	محرومہ

(۱۷/۱۰۲)

= والربع مع الولد وولد الابن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٥٠، كتاب الفرائض، رشيديه)

(١) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ١١)

"العصبة وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٥١، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد ادائے دینِ میت، مہر وغیرہ از کل مال وتنفیذِ وصیت از ثلث میت (۱) کا کل ترکہ ۱۴۴/ سہام قرار دے کر حسبِ نقشۂ بالا ورثاء پر تقسیم ہوگا، هكذا في كتب الفرائض (۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۵/۱۳۵۵ھ۔

التخریج صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

شوہر اور بھائیوں میں تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۰۸]: زید کی بیوی ایک حصہ جائیداد کی بلاشرکتِ غیر مالک تھی جو اس کو ترکۂ پدری سے

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

یعنی کل جائیداد کے ایک سو چوالیس حصے کرکے بیوہ کو اٹھارہ، ماں کو چوبیس، بیٹوں میں سے ہر ایک کو چونتیس چونتیس اور بیٹیوں میں سے ہر ایک کو سترہ سترہ حصے ملیں گے۔

(۲) اولاد کی موجودگی میں بیوی کو ثمن ملتا ہے:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مماتركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

اور اولاد کی موجودگی میں دادا، دادی کو چھٹا حصہ ملتا ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مماترك إن كان له ولد﴾ (سورة النساء: ۱۱)

اور اولاد اگر ذکور واناث دونوں ہوں تو ان کے ہر فریق میں ذکور کو دوہرا اور اناث کو اکہرا حصہ ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

پہنچا تھا۔ انتقال کے وقت زید کے علاوہ عمر، بکر بھائی بھی اس نے اپنے وارثان میں چھوڑے ہیں، زید کی بیوی کا کوئی بچہ زندہ نہیں ہے۔ تو از روئے شریعت یہ امر دریافت طلب ہے کہ زید کو اپنی بیوی کی جائیداد میں کتنا حصہ پہنچتا ہے اور عمرو بکر اپنی بہن کی جائیداد میں کتنے کتنے حصے کے وارث ٹھہرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کی بیوی کا ترکہ نصف زید کو ملے گا (۱) اور نصف دونوں بھائی: عمرو بکر کو ملے گا (۲)، بشرطیکہ مرحومہ کی والدہ پہلے انتقال کرچکی ہو۔ یہ ترکہ خواہ والد کی طرف سے ملا ہو، یا شوہر نے تملیکاً دیا ہو، یا اَور کسی طرح ملا ہو، سب کا یہی حکم ہے۔ مہر اگر ادا نہیں کیا گیا، نیز بیوی نے معاف نہیں کیا تو اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۸ھ۔

باپ اور بیٹے کے میراث کی تقسیم

سوال [۹۸۰۹]: ایک شخص کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، اس نے تینوں لڑکوں کی اور دونوں لڑکیوں کی شادی کردی اور باورچی خانہ سب کا مشترک ہے۔ پھر ایک لڑکا ملازمت پر چلا گیا اور اپنے ساتھ اپنے بچوں کو لے گیا۔ چند سالوں کے بعد بڑے لڑکے کا انتقال ہوگیا اور ایک بیوہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں، ان

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولكم نصف ما ترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) "فيبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم المعتق، ثم عصبة الذكور .... اهـ". (الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(۳) "ولم يعترض المؤلف لبيان مايجري فيه الإرث ومالايجري فيه، فنقول: لاشك أن أعيان الأموال يجري فيها الإرث". (البحر الرائق: ۹/۳۶۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

"قيد بالتركة؛ لأن الإرث يجري في الأعيان المالية". (ردالمحتار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

سب کے مصارف کے کفیل دادا صاحب رہے۔ پھر ملازمت پر جانے والا لڑکا بھی واپس آ گیا اور اس نے اپنا گھر علیحدہ بنایا۔ بڑے لڑکے کے انتقال کے بعد وہ شخص (والد صاحب) صاحبِ فراش ہوگئے اور بالکل لاچار ومعذور ہوگئے۔

اس کے بعد ملازمت سے واپس آنے والے لڑکے نے باپ کے کاروبار میں سے ایک کاروبار یعنی موٹر جو کہ کرایہ پر چلتی ہے، اس سے بطورِ نگرانی ملازمت کرلی اور اپنی محنت اور جانفشانی اور جدوجہد کے بعد دوسرے کو شریک کر کے پوری موٹرا اپنے نام کرلی اور اس کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس دوران اس لڑکے نے اپنے باپ کو اس کاروبار کا کوئی حساب نہیں دیا، البتہ تمام حساب اچھی طرح لکھا ہوا ہے۔

اس کاروبار کے ہاتھ میں لینے کے تقریباً پانچ سال بعد باپ کا انتقال ہوگیا اور اپنے ترکہ میں ایک بڑا مکان اور ایک چھوٹا مکان اور کچھ بونڈ چھوڑا، چند غیرت مند لوگوں نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ چھوٹا مکان کاروبار کرنے والے لڑکے کو دیدیا۔ اور تقریباً اس ہی کے برابر مکان بڑے لڑکے کو دیدیا، اور بڑے مکان کا بقیہ حصہ جو کہ تقریباً چھوٹے مکان کے برابر ہی ہے، دونوں بہنوں کو دیدیا۔

بہنوں نے اس مکان کے حصہ کو سب سے بڑے لڑکے کی بیوہ اور لڑکیوں کے رہنے کیلئے دیدیا، نیز دیگر سامان بھی بقدر حصہ تقسیم کردیا۔ اور بہنوں کیلئے یہ طے ہوا کہ ایک بھائی ایک بہن کو اور ایک بھائی ایک بہن کو اس کے حصہ کے مطابق رقم دے دے۔ یہ سب کام زبانی طے ہوئے، تحریری نہیں۔

تقریباً پانچ سال بعد موٹر کا کاروبار کرنے والے لڑکے کا انتقال ہوگیا جس نے ایک مکان، ایک موٹر کرایہ پر چلنے والی اور ایک ٹیکسی کرایہ پر چلنے والی ترکہ میں چھوڑی ہے (موٹر اور ٹیکسی میں ایک شخص اور شریک ہے) اس شخص کی ایک بیوی اور ایک ۱۱/ سال کی لڑکی ہے- جو کہ فاتر العقل اور معذور ہے- چھوڑی ہے۔

شرعی حیثیت سے اس شخص کی زندگی کے دوران اس کے کاروبار میں، جس لڑکے نے اپنی محنت وجانفشانی سے جو کام کیا ہے اور نفع ونقصان اٹھایا ہے۔

۱...... باپ کے انتقال کے بعد اس نفع ونقصان میں تمام ورثاء شریک رہیں گے یا نہیں؟

۲...... باپ کے انتقال کے بعد اس کاروبار میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

۳...... اب اس لڑکے کے انتقال کے بعد اس لڑکے کے مال میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

اب اس گھر میں صرف ایک بھائی، دو بہن اور ایک شخص کی بیوہ اور ایک فاتر العقل لڑکی حیات ہیں۔ اس معاملہ میں شریعت کی رو سے جس طرح تقسیم ہوگی، اسے بالتفصیل بیان فرمائیں، تاکہ حقدار کو اس کے حق کے مطابق اس کا حق پہنچ جائے اور خدا کے یہاں ماخوذ ہونے سے محفوظ رہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جس لڑکے نے ملازمت سے آکر والد کے کاروبار (موٹر) میں نگرانی کی ملازمت کرلی، یہ ملازمت درست ہوگئی۔ پھر اگر پورے موٹر اپنے نام والد سے خرید لی، یا شرعی طور پر ہبہ کرالی تو وہ موٹر اس کی ملک ہوگئی (۱)۔ پھر باغیرت لوگوں نے والد کے انتقال کے بعد جو تقسیم زبانی کی اور تمام ورثاء نے منظور کرلی وہ بھی معتبر ہوگی (۲)۔ جو موٹر اس لڑکے نے اپنے نام کرالی تھی، اگر اس کو بھی تقسیم کردیا کہ اس میں بھی تمام ورثاء شریک رہیں اور اس لڑکے نے اس کو بھی منظور کرلیا تو اس کی بھی تقسیم ہوگئی (۳)۔

جب تک کاروبار باپ کا تھا، نفع ونقصان کا ذمہ دار باپ تھا، جب لڑکے نے موٹر (خرید کر یا ہبہ کراکے) اپنے نام کرالی تو وہ لڑکا ذمہ دار ہوگیا، کوئی دوسرا وارث ذمہ دار نہیں (۴)۔

۲...... باپ نے اپنی ملک میں جو کچھ چھوڑا، اس میں سب وارث حسبِ حصص شریک ہیں (۵)۔

---

(۱) "یملک الموهوبُ له الموهوبَ بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸٦۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشیدیه)

(۲) "إذا حکم رجلان رجلاً، فحکم بینهما ورضیا بحکمه، جاز". (الهدایة: ۳/۱۴۳، کتاب القاضی، باب التحکیم، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی الدرالمختار: ۵/۴۲۸، کتاب القضاء، باب التحکیم، سعید)

(۳) (راجع رقم: ۲)

(۴) اس لئے کہ بیع اور ہبہ سے اس کی ملک ہوگئی، کما تقدم فی رقم الحاشیة: ۱، فلیراجع)

(۵) "لأن الترکة ماترکه المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید) ....=

۳......جس لڑکے نے جو کچھ باپ سے علیحدہ خود کمایا وہ اُسی کا ہے(۱)، اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ آٹھواں حصہ بیوہ کو ملے گا(۲)، نصف ترکہ لڑکی کو ملے گا(۳) پھر جو کچھ بچے اس میں سے دوہرا بھائی کو ملے گا، اکہرا اکہرا بہن کو ملے گا(۴)، یعنی کل چالیس سہام ہوں گے، پانچ سہام بیوہ کے ہیں، بیس سہام لڑکی کے ہیں، تین تین سہام بہنوں کے، چھ سہام ایک بھائی کے(۵)۔ کوئی قرض دینِ مہر وغیرہ ہو تو

= "ثم يقسم الباقي بين ورثته: أي الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع".

(الدرالمختار، کتاب الفرائض، ۶/۷۶۲، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: "أقول: وفي فتاوىٰ الخيرية: سئل في ابنٍ كبيرٍ ذي زوجة وعيالٍ له كسبٌ مستقلٌ حصل بسببه أموالاً ومات: هل هي لوالده خاصةً أم تقسم بين ورثته؟ أجاب: هي للابن تقسم بين ورثته .... حيث كان له كسب مستقل بنفسه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوىٰ: ۲/۱۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الخيرية على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۱/۱۸۵، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) میت کی جب اولاد ہو تو "زوجہ" کو آٹھواں حصہ ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن﴾ (سورة النساء: ۱۲).

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً، فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

(۵) تقسیم کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۸، تصــ ۴۰

بیوہ	بیٹی	بھائی	بہن	(۳/۱۵)	بہن	بہن
۱/۵	۴/۲۰	۶	۳		۳	۳

اس کو پہلے ادا کیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۹۲ھ۔

صورتِ عائلہ میں باپ کا حصہ

سوال[۹۸۱۰]: اگر کسی مسئلہ میں باپ عصبہ ہو اور اصحابِ فرائض کو حصہ دینے کے بعد کچھ نہ بچتا ہو اور عول کی گنجائش ہے تو کیا مسئلہ کو عول کر کے باپ کو حصہ دیں گے، یا محروم ہو جائے گا، یا یہ صورت ہے کہ باپ فرض کا بھی مستحق ہے اور تعصیب کا بھی؟ مسئلہ میں اصحاب فرائض کو حصہ مل گیا، باپ نے بھی اپنا حصہ پالیا اور مسئلہ میں عول کی گنجائش ہے تو کیا عول کر کے باپ کو تعصیب بھی دیا جائے گا، یا فرض پر اکتفاء کر کے تعصیب سے معدوم کر دیا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باپ اگر کسی صورت میں عصبہ نہ ہو تو وہ ذوی الفروض میں ضرور ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ نہ عصبہ ہو نہ ذی فرض میں ہو، اس کا ذی فرض ہونا تو منصوص ہے ﴿لکل واحد منهما السدس﴾ الآیة(۲)۔

پھر کبھی اس کے ساتھ وہ عصبہ بھی ہو جاتا ہے، کبھی عصبہ محض رہتا ہے(۳)، لیکن معدوم نہیں ہوتا۔ پس

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) (سورة النساء: ۱۱)

(۳) "أما الأب فله أحوال ثلث: الفرض المطلق وهو السدس، وذلك مع الابن وابن الابن وإن سفل. والفرض والتعصيب معاً وذلك مع الابنة أو ابنة الابن وإن سفلت. والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل". (السراجية، ص: ۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/ ۴۷۳، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

یہ سوال بے محل ہے کہ اصحابِ فروض کو دینے کے بعد باپ کیلئے کچھ نہ بچے، کیونکہ وہ خود بھی اصحابِ فروض میں ہے، اس کا فرض دینے کیلئے ضرورت پیش آنے پر عول بھی کیا جائے گا، مثلاً:

مسئلہ ۱۲، تصـ ۱۵

زوج	بنت	بنت	ام	اب
۳	۴	۴	۲	۲

یہاں اصل مسئلہ ۱۲/ سے کر کے عول ۱۵/ سے کیا گیا ہے، باپ کو معدوم نہیں کیا گیا۔ باپ کو جس صورت میں عصبہ محض قرار دیا گیا ہے، وہ ایسی صورت میں اصحابِ فرائض سب لے لیں اور باپ کیلئے کچھ نہ بچے:

"والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن، اه". سراجی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

تقسیمِ میراث کی ایک صورت

سوال[۹۸۱۱]: ایک شخص عمر نے اپنی حیات میں چاہا کہ اپنا مسکونہ مکان اپنی دختر ہندہ کے نام کردے، جس کو ہندہ کے شوہر ندیم نے قبول نہیں کیا۔ کئی برس کے بعد عمر کی حیات ہی میں ہندہ کا انتقال ہوا اور اس کے اپنے وارث مسلمہ (عمر کی بیوی) اور فرمان (عمر کا لڑکا) چھوڑے۔ ہندہ کی حیات ہی میں عمر نے مسکونہ مکان مسلمہ کے نام منتقل کر دیا تھا۔

ایک روز مسلمہ کے والدین کے انتقال پر عمر اور مسلمہ میں مشورہ ہوا کہ مسلمہ کے ملنے والے ورثاء میں سے ہندہ کے بچوں کو دو ہزار فی کس حصہ دیدیا جائے (چونکہ فرمان کی اولاد ہونے کے بعد مسکونہ مکان دینے کا

= (وكذا في الاختيار لتعليل المختار ۲/۵۵، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) (السراجية، ص: ٦، سعيد)

سوال نہ رہا)۔ مسلمہ نے کہا چاروں کو دو دو ہزار یعنی کل آٹھ ہزار، عمر نے کہا کہ نہیں بلکہ دس ہزار، دو ہزار ہندہ کے شوہر واصف کو بھی دیا جائے کہ وہ بھی اپنا ہی بچہ ہے۔ اس کے بعد عمر نے انتقال کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً وارث کون کون ہیں، آیا عمر کی بیوی مسلمہ اور پسر فرمان، یا ہندہ کی اولاد بھی وارث ہے؟ اگر وہ وارث نہیں ہے تو کیا اس کا حق ہے کہ تقاضا کر کے اپنا حصہ طلب کرے؟

مسلمہ اور فرمان نے ہندہ کی اولاد کو اپنے مکان میں ایسے وقت رکھا جبکہ ان سے کرایہ کا مسکونہ مکان چھوٹ رہا تھا۔ اس اولاد کو احسان فراموشی کر کے حصہ طلب کرنا جائز ہے؟ عمر نے جو مسلمہ کو اپنے والد کے ترکہ میں دو دو ہزار دینے کا مشورہ دیا تھا وہ صرف مشورہ تھا یا وصیت تھی؟ کیا ہندہ کی اولاد اپنا حصہ کہہ کر طلب کرسکتی ہے؟ مسلمہ کو مشورہ میں کمی بیشی کا حق ہے یا نہیں؟ اور مسلمہ کے ساتھ اگر ہندہ کی اولاد نافرمانی اور بدتمیزی کرے اور بالکل نہ دے تو کیا وہ گنہگار ہوگی؟

ہندہ کے انتقال کے بعد عمر اور مسلمہ نے واصف کی دوسری شادی کی جس سے بچے ہوئے، انہوں نے اپنے ہی مکان میں رکھا، کھانا، پینا دونوں کا الگ رہا، مگر کبھی (تقریباً اٹھائیس سال) کوئی کرایہ طلب نہیں کیا۔ وقتاً فوقتاً اپنی ضرورت اور رہائش کیلئے واصف نے مرمت وغیرہ اپنے حصۂ مکان میں اپنے پاس سے کرائے۔ آخر میں تقریباً پانچ چھ سال پہلے فرمان سے کہہ کر چابی طلب کی کہ مکان میں مرمت وغیرہ کرانا ہے، مگر دوسرے حصۂ مکان میں عارضی منتقل ہوکر اپنے حصہ بلا اجازتِ فرمان و مسلمہ (وارثان عمر) ایک حصہ منہدم کرا کر دوسرا کمرہ تعمیر کرایا جس کی تعمیر کا خرچہ وہ پندرہ ہزار بتاتے اور طلب کرتے ہیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا وہ حصے جو مکان اصلی وارثان کے بلا منظوری کرایا گیا ہے، اس کی لاگت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ واصف کے خاندان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ فرمان اور مسلمہ کا ارادہ اس مکان کو فروخت کرنے کا ہے۔ واصف اور اس کے بچوں کا اندازہ مکان کی قیمت کا ۱/۳ تھا، مکان ان کی اندازہ قیمت سے دوگنی اور تگنی قیمت پر فروخت ہوا ایسی صورت میں کیا فرمان اور مسلمہ کو واصف کو کچھ ادا کرنا چاہئے، جبکہ انہوں نے خریدار کو وہ حصۂ مکان دکھایا بھی نہ تھا؟ اور لاگت کے بعد واصف وغیرہ اس حصے مکان میں جو انہوں نے اپنی رہائش اور زیبائش کیلئے بنایا تھا، تقریباً پانچ سال وہ بھی لئے اور اپنا مکان تیار ہونے پر دوسری جگہ چلے بھی گئے اور ایسی صورت میں کیا واصف کا رقم طلب کرنا جائز ہے؟ اور اگر مسلمہ انکار کرے تو کیا

گناہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کے بعض اجزاء میں اشکال ہے، ہندہ کا شوہر پہلے بتایا گیا کہ ندیم ہے پھر بتایا گیا کہ واصف ہے،شاید یہ دونوں ندیم اورواصف ایک ہی شخص کے نام ہوں گے۔ ہندہ کے انتقال پراس کے وارث دوظاہر کئے گئے: مسلمہ (عمر کی بیوی) یعنی ہندہ کی والدہ،فرمان (عمر کا لڑکا) یعنی ہندہ کا بھائی، حالانکہ ہندہ کا والد (عمر) خودبھی زندہ اوروارث ہے۔نیز آگے چل کر یہ بھی بتایا گیا ہے: ہندہ کے بچوں کودودو ہزارروپے دینے کامشورہ کیا گیااورمجموعہ آٹھ ہزار بتایا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندہ کے چار بچے بھی ہیں،ان کوورثاء میں کیوں شمارنہیں کیا گیا۔

تاہم مشورہ کی وجہ سے بغیر روپیہ دیئے ہوئے ہندہ کی اولاد نہ مالک ہوئی نہ مستحق، یہ مشورہ وصیت بھی نہیں (۱) اس کی بناء پر ہندہ کی اولاد کو نانا اورنانی کے ترکہ سے مطالبہ کا حق نہیں،اس کے اصلی وارث فرمان اور مسلمہ (بیٹااوربیوی) ترکہ کے حقدار ہیں،آٹھواں حصہ بیوی کا ہے (۲)،بقیہ لڑکے کا (۳)۔اگرکوئی قرض دینِ مہروغیرہ ذمہ میں ہوتواس کوتقسیمِ ترکہ سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے (۴)۔فرمان اورمسلمہ خوشدلی سے کچھ دیدیں

(۱) "الإیصاء فی الشرع تملیک مضاف إلی مابعد الموت .... وأما رکنها فقوله: أوصیتُ بکذا لفلان، وأوصیتُ إلی فلان کذا". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۹۰، کتاب الوصایا، الباب الأول، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/۳۷۵، کتاب الوصایا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن کان لکم ولد، فلهن الثمن مما ترکتم﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۳) لڑکا عصبہ ہے اورذوی الفروض کوحصہ دینے کے بعد بقیہ تمام ترکہ عصبہ کوملتا ہے:

"العصبة من یأخذ جمیع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود مَن له الفرض المقدر". (تبیین الحقائق: ۷/۴۸۵، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیه)

(وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۲۲، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) "تتعلق بترکة المیت حقوق أربعة مرتبة: الأول یبدأ بتکفینه وتجهیزه، من غیر تبذیر ولا تقتیر، ثم تقضی دیونه من جمیع مابقی من ماله، ثم تنفذ وصایاه من ثلث مابقی بعد الدین، ثم یقسم الباقی بین =

تو ہندہ کی اولاد کو چاہیئے کہ شکریہ کے ساتھ قبول کرلے۔ نانی کا احترام ضروری ہے، ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا معصیت اور گناہ ہے۔

واصف اور اس کے متعلقین کو مکان میں عاریۃً رکھا اور کرایہ وصول نہیں کیا، یہ مسلمہ اور فرمان کا احسان وتبرع تھا، واصف کو مالک نہیں بنایا تھا، اس کو حق نہیں تھا کہ مکان کا کوئی حصہ منہدم کرا کے دوبارہ تعمیر کرائے جب تک اصلی مالک کی اجازت نہ لے لے، اس لئے اس کا یہ تصرف غلط ہوا(۱)۔ یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ مسلمہ اور فرمان نے اپنے مکان میں ۲۸/ سال تک بلا کرایہ کے رکھا تو اس احسان کے عوض واصف نے وہ مکان کا حصہ نیا بنوادیا: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾(۲) الاٰية۔

اب اس میں جو کچھ صرف ہوا، اس کا مطالبہ بے محل ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

بلا ضابطۂ شرعیہ تقسیم کی ہوئی جائیداد میں وراثت

سوال[۹۸۱۲]: زید کے چار بھائی ہیں اور پوری جائیداد کی مالک والدہ ہیں۔ نیز زید کی حیات ہی

= ورثته". (السراجی فی المیراث، ص: ۲، ۳، سعید)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الفرائض، الباب الأول فی تعریفها وفیما یتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

(۱) "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملك غیره بلا إذنه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، المقالة الثانیة فی القواعد الفقهیة، مكتبه حنفیه كوئٹه)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(۲) (سورة الرحمن: ۶۰)

(۳) چونکہ تعمیر کا یہ خرچ اس نے بغیر مالک کی اجازت کے اپنی طرف سے کیا ہے، اس لئے وہ مطالبہ کا مستحق نہیں:

"عمّر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها والنفقة دین علیها، لصحه أمرها. ولو عمرّ لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ویكون غاصباً للعرصة، فیؤمر بالتفریغ بطلبها ذلك، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو متطوع فی البناء فلا رجوع له". (الدرالمختار، كتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۴۷، سعید)

میں بغیر ضابطہ اس جائیداد کا بٹوارہ ہوگیا تھا، مگر کچھ روز بعد زید وفات پاجاتے ہیں اور زید کے کوئی اولاد بھی نہیں تھی جس کا وارث وہ لڑکا یا لڑکی ہوجاتی۔ لہذا وفات کے بعد غیر ضابطہ (جس کا ابھی بیعنامہ نہیں ہوا) جائیداد یا مال سے اس کی بیوی حصہ دار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس بٹوارہ (۱) پر والدہ صاحبہ نے رضامندی ظاہر کرکے اس کو منظور کرلیا تو وہ صحیح ہوگیا اور جو کچھ زید کے حصہ میں آیا وہ زید کی ملک ہوگیا (۲)، وفاتِ زید کے بعد حسبِ قواعدِ شرعیہ اس میں میراث جاری ہوگی اور بیوی کو بھی ۴/۱ حصہ ملے گا، والدہ کو ۶/۱ ملے گا (۳)۔ جو کچھ زید کے ذمہ دینِ مہر اور قیمت جائیداد وغیرہ ہو اس کو

---

(۱) ''بٹوارہ: حصہ، تقسیم، بانٹ''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۸۰، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

(۲) واضح رہے کہ والدہ کا اپنی جائیداد اپنی زندگی میں بیٹوں میں تقسیم کرنا ہبہ ہے اور ہبہ میں واہب کی رضا ضروری ہے، ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ یعنی جس کو دی گئی، اس کی ملک ہوجاتی ہے:

''یلزم في الهبة رضا الواهب، فلاتصح الهبة التي وقعت بالجبر والإكراه''. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۲، (رقم المادة: ۸۶۰)، كتاب الهبة، الباب الثاني في شرائط الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

''يملك الموهوب له الموهوب بالقبض''. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، كتاب الهبة، الباب الثاني، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی زید کے کل ورثاء تین قسم کے ہیں: ۱- بیوی، ۲- ام (والدہ)، ۳- تین بھائی۔ اس ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے کل جائیداد کو چھتیس حصے کرکے بیوہ کو ۹/ حصے اور والدہ ۶/ حصے اور تین بھائیوں کو ۲۱/ حصے یعنی ہر ایک کو سات سات حصے ملیں گے:

تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۱۲، تصـــ ۳۶ — متوفی زید

زوجہ	ام	اخ		اخ	اخ
۳/۹	۲/۶	۷	۷/۲۱	۷	۷

=

تقسیمِ میراث اسے پہلے ادا کیا جائے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

بیٹے اور بیٹی میں تقسیمِ ترکہ

سوال[۹۸۱۳]: ان کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے اور یہ دونوں بقیدِ حیات ہیں، ان دونوں کے سوا کوئی اور ورثاء نہیں۔ مرحوم کے ورثاء میں ان دونوں کا شرعی اعتبار سے کیا حصہ قرار پاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کے ترکہ کے بعد ادائے حقوقِ متقدمہ تین سہام بنا کر دو سہام لڑکے کو ملیں گے، ایک سہم لڑکی کو ملے گا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند،۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

= قال الله تعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾. (سورة النساء: ۱۲)

وقال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان له إخوة، فلأمه السدس من بعد وصية يوصى بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"والعصبة مطلقاً كل من يأخذ من التركة ما أبقته أصحاب الفرائض". (الشريفية شرح السراجية، ص: ۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجية، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النسآء: ۱۱) =

فرائض اور تعیین ترکہ

سوال[۹۸۱۴]: ہندہ مرگئی، اس نے شوہر، ماں، باپ، بہن وارث چھوڑے۔ کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا اور ترکہ کون کون سا شمار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں ہندہ کی ملک کردی گئی خواہ والدین کی طرف سے خواہ سسرال کی طرف سے وہ سب ہندہ کا ترکہ ہے (۱)۔ جن چیزوں کے متعلق ملک اور عدم ملک کی تصریح نہیں اور ہندہ کے استعمال میں تھیں جیسے چارپائی وغیرہ، اور شوہر کہتا ہے کہ یہ میری ملک ہیں تو ان میں تفصیل ہے: وہ یہ کہ جو چیزیں مخصوص ہیں عورتوں کیلئے، جیسے: زنانہ کپڑے، زیور وغیرہ وہ بھی ہندہ کا ترکہ ہے، اور جو چیزیں مردوں کیلئے مخصوص ہیں، یا مشترک ہیں تو وہ شوہر کی ملک ہیں، ہندہ کا ترکہ نہیں (۲)۔ ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ چھ سہام بنا کر تین سہام شوہر کو (۳)

= وقال الله تعالیٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

(۱) "أما لو مات فادّعت ورثته، فلاخلاف فی كون الجهاز للبنت، لما فی الولوالجية: جهّز ابنته ثم مات، فطلب بقية الورثة القسمة، فإن كان الأب اشترىٰ لها فی صغرها أو فی كبرها وسلم لها فی صحته، فهو لها خاصةً". (ردالمحتار: ۱۵۷/۳، كتاب النكاح، باب المهر، سعيد)

(۲) "وإن اختلف الزوجان فی متاع البيت، فالقول لكل واحد منهما فيماصلح له مع يمنيه، والقول له فی الصالح لهما". (الدرالمختار: ۵۶۳/۵، كتاب الدعوىٰ، باب التحالف، سعيد)

"وإن اختلف الزوجان فی متاع البيت، فالقول لكل واحد منهما فيما يصلح له .... قالوا: والصالح له: العمامة والقباء والقلنسوة والطيلسان والسلاح و المنطقة والكتب والفرس والدرع والحديد، فالقول فی ذلک له مع يمنيه. وما يصلح لها: الخمار والدرع والأساورة وخواتم النساء والحلی والخلخال نحوها فالقول لها فيها مع اليمين". (البحر الرائق: ۳۸۱/۷، كتاب الدعوىٰ، باب التحالف، رشيديه)

(وكذا فی تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الدعوىٰ ومطالبه: ۱۶/۲، مكتبه ميمنه بمصر)

(۳) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولكم نصف ماترک أزواجكم إن لم يكن لهن ولدٌ﴾ (سورة النساء: ۱۲)

ایک سہام ماں کو(۱) دوسہام باپ کوملیں گے(۲) بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كان له إخوة، فلأمه السدس من بعد وصية يوصي بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"والثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد أو ولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات من أيّ جهة كانوا، والثلث عند عدم هؤلاء، وثلث مايبقي بعد فرض الزوج والزوجة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۹/۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ صورت اس وقت ہے کہ جب بہنیں متعدد ہوں اور اگر بہن ایک ہو تو اس صورت میں ام کو ثلثِ باقی ملے گا۔ تو اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کل سہام کو چھ حصے کر کے زوج کو تین سہام، ام کو ایک سہم اور اب کو دو سہام ملیں گے۔

تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۶ — ہندہ

شوہر	ماں	باپ	بہن
۳	۱	۲	محروم

قال الله تعالىٰ: ﴿فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه، فلأمه الثلث﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"أما للأم فأحوال ثلث: السدس مع الولد أو ولد الابن وإن سفل أو مع الاثنين من الإخوة والأخوات فصاعداً، وثلث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين، وثلث مابقي بعد فرض أحد الزوجين. وذلك في مسئلتين: زوج وأبوين وزوجة وأبوين". (السراجية، ص: ۱۱، سعيد)

(۲) باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے اپنے حصے کے علاوہ باقی میراث ملتا ہے:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ويسقط الإخوة والأخوات بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق، وبالجد عند أبي حنيفة=

ردعلی الزوجین اورابن وبنتِ معتق اورابن وبنت رضاعی کی باہمی ترتیب

رشید احمد عفی عنہ مدرسِ اول مدینۃ العلوم بھپنڈ ہ، پوسٹ راہوکی، جودھ پور لائن، متصل حیدر آباد، سندھ۔

مشفقی المکرم زیدت عنایاتکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال[۹۸۱۵]: بعداز طلبِ خیریتِ جانبین گذارش یہ ہے کہ استفتاء کا جواب موصول ہوا، آنجناب کی محنت اور تحقیق میں جانفشانی کا ممنون ہوں۔ بعض مسائلِ سابقہ کے متعلق اپنے خیال ناقص کو پیش کرتا ہوں، اگر خلافِ عقل یا نقل ہو تو امید ہے کہ اصلاح فرما کر ممنوع فرماویں گے۔ نیز بعض جدید استفسارات کا جواب تحریر فرما کر شکر گزاری کا موقع دیں۔ امید ہے کہ تکلیف دہی سے معاف رکھیں گے، بلکہ دعائے خیر میں فراموش نہ فرماویں گے۔

ردعلی الزوجین وبنتِ معتق اورابن وبنتِ رضاعی کی باہمی ترتیب کے متعلق بندہ کی رائے ناقص یہ ہے کہ ان کی توریث چونکہ شرعی طریق سے نہیں، سراجی کے حاشیہ میں ہے کہ: ''مالِ متروکہ کا ان لوگوں کو ملنا بطریقِ ارث نہیں ہے، بلکہ بوجہ قرب الی المیت ہے''(۱) پس جب ترکہ کی تقسیم ان پر بطور وراثت نہیں تو شرعی ترتیب بھی

= رحمة الله تعالىٰ عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض: ۶/ ۴۵۱، رشيديه)

(۱) سراجی کے حاشیہ کی عبارت یہ ہے:

"ونقل في الحمادية أن المفتىٰ به هو الرد عليها في هذا الزمان. وقال في الدرالمختار: ذكر الزيلعي معزياً للنهاية: أن بنت المعتق والابن والبنت رضاعاً ترث في زماننا، لفساد بيت المال، وكذا مافضل عن فرض أحد الزوجين يُردّ عليه". (حاشية السراجية، ص: ۳، (رقم الحاشية: ۹)، سعيد)

"وإذا مات المعتق ولم يترك إلا بنت المعتق، فلا شيء، لما في ظاهر الرواية عن أصحابنا، ويكون الميراث لبيت المال. وحكي عن بعض مشايخنا أنهم كانوا يفتون في هذه المسئلة أن يدفع المال إليها لا بطريق الإرث، ولكن لأنها أقرب إلى الميت من بيت المال، كيف وأنه ليس في زماننا بيت المال، وإنما كان كذلك في زمن الصحابة. وإذا دفع ذلك إلى سلطان الوقت أو القاضي لايصرفون إلى مصرفه، هكذا كان يفتي القاضي أبوبكر وصدر الشريعة. وذكر الإمام عبدالواحد الشهيد في =

نہ ہوگی، مسلمان حاکم یا بستی کے با اثر لوگ ان میں سے جس کو چاہیں دیدیں۔

اس کے متعلق جدید استفسار یہ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ میں (صفحہ وغیرہ یاد نہیں) تحریر فرمایا کہ: ''اگر زوجہ یا زوج بیت المال کے مال کے مستحق ہوں تو ان کو دیا جائے''(۱)۔ پس یہ قید کہاں سے معلوم ہوئی؟ نیز اگر ''استحقاق'' کی قید لگائی جائے تو زوجہ وغیرہ کی کیا خصوصیت رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق وراثت کی وجہ سے جن کو حصہ ملتا ہے ان کی ترتیب منقول ہے (۲)، اور جن کو حقِ وراثت کی وجہ

= فرائضه أن الفاضل عن سهام الزوج والزوجة لايوضع في بيت المال بل يدفع إليهما؛ لأنهما أقرب إلى الميت من جهة النسب، وكان الدفع إليهما أولى من غيرهما، وكذلك الابن والابنة من الرضاع إذا لم يكن للميت غيرهما يدفع المال إليهما". (البحر الرائق: ۹/ ۳۸۴، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) امداد الفتاویٰ کی عبارت یہ ہے:

''الجواب: امورِ خیر میں صرف کرنا قائم مقام بیت المال کے ہے، اور ردعلی الزوجین اس وقت جائز ہے جب کہ زوجین مصارف بیت المال میں سے ہوں''۔(إمداد الفتاویٰ: ۴/ ۳۵۵، کتاب الفرائض، عنوان: بودنِ امورِ خیر بجائے بیت المال وردعلی الزوجین، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين، فإن كن نساءً فوق اثنتين، فلهن ثلثا ماترك، وإن كانت واحدةً فلها النصف. ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد، فإن لم يكن له ولد وّ ورثه أبواه فلأمّه الثلث، فإن كان له إخوة فلأمّه السدس من بعد وصية يوصى بها أو دين، اٰباء كم وأبناء كم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعاً، فريضةً من الله، إن الله كان عليماً حكيماً. ولكم نصف ماترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين. ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. وإن كان رجل يورث كلٰلةً أو امرأةٌ وله أخ أو أخت فلكل واحد منهما السدس، فإن كانوا أكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصى بها أو دين، غير مضارّ، وصيةً من الله، والله عليم حكيم﴾ (سورة النساء: ۱۱، ۱۲)

"فيبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذكور، ثم الرد على ذوي الفروض النسبية، ثم ذوي الأرحام، ثم بعدهم مولىٰ الموالات، ثم المقر له بنسب، ثم الموصى له =

سے نہیں ملتا ان کی ترتیب منقول نہیں، اور چونکہ ایسا مال اصالۃً بیت المال میں رہنا چاہئے تھا، لہذا جو شخص بیت المال میں تصرف کا حق رکھتا ہو، اُسی کی رائے سے اس میں بھی تصرف کیا جائے گا اور وہ حاکمِ وقت ہے یا جماعتِ معززۂ مسلمین اس کے قائم مقام ہے۔ اور جو بیت المال کے مصارف ہیں وہی اس مال کے بھی مصارف ہیں، چنانچہ شریفیہ شرح سراجی ص:۱۴ میں ہے:

"ثم بيت المال: أي إذا لم يوجد أحد من المذكورين، توضع التركة في بيت المال على أنها مال ضائع، فصارت لجميع المسلمين. اعلم أن هذا المال في بيت المال يصرف إلى نفقة المريض وأدويته إذا كانوا فقراء .... وللإمام حق الإعطاء والمنع"(۱)۔

زوجین پر رد بھی اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے قید لگائی ہے کہ "اگر وہ بیت المال کے مستحق ہوں تو ان کو دیا جائے۔"

علاوہ ازیں زوجین اور بنت المعتق وغیرہ کو چونکہ میت سے قرابت کا بھی تعلق ہے، لہذا ان میں دو چیزیں جمع ہو جائیں گی: اول احتیاج، دوم قرابت۔ تو فقط اہلِ احتیاج پر ان کو تقدیم ہوگی، لیکن اگر ان میں احتیاج نہ ہو بلکہ صاحبِ وسعت ہوں تو ان کیلئے ورع، افضل والیق ہے، حتیٰ کہ اغنیاء کیلئے بیت المال میں کوئی حصہ نہیں جب تک وہ عامل قاضی وغیرہ نہ ہوں اور فقرا کیلئے بلا ان وجوہ کے بھی حصہ ہے:

"سئل عليُّ الرازي عن بيت المال: هل للأغنياء فيه نصيب؟ قال: لا، إلا أن يكون عاملاً أو قاضياً، الخ". شامي: ۳۸۷/۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

= بمازاد على الثلث، ثم بيت المال". (الدرالمختار: ۷۶۲/۶، ۷۶۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجية، ص: ۳، سعيد)

(۱) (الشريفية شرح السراجية، ص: ۱۱، سيعد)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۱۸/۴، ۲۱۹، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۱/۱، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، فصل: مايوضع في بيت المال، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۲۱۷/۴، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، سعيد)

توریثِ اُخت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب

سوال[۹۸۱۶]: زید نے وفات پائی، ایک زوجہ اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بہن چھوڑی اور ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے:

مسئلہ ۱۰

۱	۲	۳	۴
زوجہ	بنتاں	اخت لاب وام	اخ لاب

اب ہم کو جمہور کا مذہب تو معلوم ہے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب معلوم کرنا ہے، امید ہے کہ آپ فیصلہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کے مطابق مع حوالہ کتاب تحریر فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ایک تو بنتان میں جمہور سے مختلف ہے، جمہور کے نزدیک بنتان ثلثان کی مستحق ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک نصف کی:

"وأما لبنات الصلب، فأحوال ثلث: النصف لواحدة، وهذا مصرّح بها في الاية. والثلثان للاثنتين فصاعدةً، والمنصوص عليه في القرآن صريحًا أنها إن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترك. وأما الاثنتان فحكمهما عند ابن عباس رضي الله عنهما حكم الواحدة، وهو ظاهر، وعند سائر الصحابة رضي الله عنهم حكم الجماعة، اهـ". شريفيه(۱)۔

---

(۱) (الشريفية شرح السراجية، ص: ۲۱، فصل في النساء، سعيد)

"وللبنت النصف، لقوله تعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدةً، فلها النصف﴾ قال رحمه الله تعالىٰ: وللأكثر الثلثان، وهو قول عامة الصحابة رضي الله عنهم، وبه أخذ علماء الأمصار. وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه جعل حكم الثنتين منهن حكم الواحدة، فجعل لها النصف .... وللجمهور ماروى عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم =

اور دوسرے اخت میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک بنت کے ساتھ اخت عصبہ بن جاتی ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک عصبہ نہیں بنتی:

"ولهن (للأخوات لأب وأم) الباقي مع البنات أو مع بنات الابن، وهو قول جمهور العلماء، وقال ابن عباس رضى الله عنهما: لاتعصيب لهن مع البنات، الخ". شريفيه شرح سراجى، ص: ۳۲(۱)۔

لیکن دونوں مسلکوں میں جمہور کا مسلک راجح ہے، كما في موضعه (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الاول/ ۱۳۵۶ھ۔

مفتی مقلد اور مستفتی مقلد کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب پر فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائز نہیں (۳)۔ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم/ ربیع الاول/ ۱۳۵۶ھ۔

= بابنتيها من سعد، فقالت: يا رسول الله! هاتان ابنتا سعد بن الربيع قُتل أبوهما معك في أحد شهيداً وإن عمّهما أخذ مالهما، فلم يدَع لهما مالاً، ولاينكحان إلابمال. فقال: "يقضى الله في ذلك". فنزلت آية الميراث، فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمّهما فقال: "أعط بنتى سعد الثلثين، وأمّهما الثمن، وما بقى فهو لك". (البحر الرائق: ۹/۳۷۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۷۸، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الشريفية شرح سراجية، ص: ۲۶، فصل في النساء، سعيد)

"(وعصبهن إخواتهن والبنت وبنت الابن)، يعني: يعصب الأخوات البنت وبنت الابن، لقوله عليه الصلوة والسلام: "اجعلوا الأخوات مع البنات عصبةً". .... وروى أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قضى في ابنة وابنة ابن وأخت، لبنت النصف، ولابنة الابن السدس، والباقي للأخت .... وهذا قول جمهور الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم. وروى عن ابن عباس أنه أسقط الأخوات بالبنت، واختلفت الرواية عنه في الإخوة والأخوات، في رواية عنه. الباقي كله للإخوة، وفي رواية: الباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. قيل: هو صحيح من مذهبه". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (البحر والتبيين، المصدر السابق)

(۳) (البحر والتبيين، المصدر السابق)

مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کرنا

سوال[۹۸۱۷]: ۱.....زید کی بیوی نے اگر چہ اپنے مطالبات: مہر وغیرہ، خرچۂ عدت معاف کر دیا تھا، مگر اب مطالبہ کر رہی ہے۔ اس کا یہ مطالبہ قابلِ ادائیگی ہے یا نہیں؟

پنشن اور گریجویٹی فنڈ میں میراث کا حکم

سوال[۹۸۱۸]: ۲.....سرکاری ملازم کو گریجویٹی ملتی ہے، زید نے فارم میں اپنی اہلیہ کا نام لکھا تھا، جب رقم اہلیہ وصول کرلے تو اس میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟ نیز زید کا قرضہ اس رقم سے اس کی اہلیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے یا نہیں؟

بیمہ فنڈ میں میراث کا حکم

سوال[۹۸۱۹]: ۳.....بیمہ کی رقم وصول کرنے کیلئے بھی بیوی کے نام کا فارم بھرا گیا تھا۔ جب رقم اہلیہ وصول کرے تو دیگر ورثاء بھی اس میں حقدار ہیں یا نہیں؟

پنشن میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق

سوال[۹۸۲۰]: ۴.....پنشن کی چڑھی ہوئی رقم پانے کی حقدار بھی صرف اہلیہ ہے، یہ قانون سرکاری ہے۔ جس وقت یہ رقم وصول ہو تو دیگر ورثاء اس میں حقدار ہیں یا نہیں؟ نیز اس رقم سے زید کا قرضہ ادا کر دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق

سوال[۹۸۲۱]: ۵.....میڈیکل امداد کی رقم جو گورنمنٹ سے ملی وہ بھی اہلیہ کے قبضہ میں رہی، دیگر ورثاء اس پر حقدار ہے یا نہیں؟

بلڈنگ میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق

سوال[۹۸۲۲]: ۶.....زید نے ایک بلڈنگ چھوڑی جو کرایہ پر ہے، اس بلڈنگ کا وہ حصہ جس میں زید رہتا تھا، اس کا وصیت نامہ اہلیہ کے نام لکھ دیا تھا، اہلیہ نے کرایہ کی رقم وصول کی ہے۔ دیگر ورثاء میں بھی وہ رقم

قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

سامانِ آرائش میں وراثت

سوال[۹۸۲۳]: ۷.....زید کے مکان کا سامانِ آرائش وبرتن وغیرہ اہلیہ کے قبضہ میں ہیں، یہ سامان بھی دیگر ورثاء میں قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

دوسرے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے سامان پر میت کی طرف سے بخشش کا دعویٰ

سوال[۹۸۲۴]: ۸.....زید مرحوم کا کچھ سامان دیگر لوگوں کے پاس ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ سامان ہمیں زید نے بخشش کرایا تھا۔ یہ بخشش درست ہے یا نہیں، نیز یہ سامان بھی دیگر ورثاء پر قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

حاجی محمد اسحاق صاحب، ٹونک راجستھان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....دینِ مہر معاف کرنے سے معاف ہوگیا، اب اس کے مطالبہ کا حق نہیں (۱)۔ وفات شوہر کے بعد نفقۂ عدت واجب نہیں ہوتا (۲)۔ جو سامان زیور وغیرہ بیوی کی ملک کر دیا گیا تھا اور وہ موجود ہے تو اس کا مطالبہ کرسکتی ہے (۳)، وہ معاف کرنے سے اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اسی طرح حقِ میراث ایک چوتھائی

---

(۱) "إذا وهب أحد الزوجين لصاحبه، لايرجع في الهبة وإن انقطع النكاح بينهما". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳۸۶/۳، كتاب الهبة، فصل في الرجوع في الهبة، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۷/۱، (رقم المادة: ۸۶۷)، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۲۸۷/۳، كتاب الهبة، باب مايصح رجوعه ومالايصح، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "لانفقة للمتوفى عنها زوجها، سواء كانت حاملاً أوحائلاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۵۸/۱، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الثالث في نفقة المعتدة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵۷۵/۳، كتاب الطلاق، باب النفقة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۴۴۳/۲، كتاب الطلاق، باب النفقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "لوجهز ابنته وسلمه إليها، ليس له في الاستحسان استرداده، وعليه الفتوىٰ .... وإذا بعث =

ہے وہ بھی طلب کرسکتی ہے(۱)۔قرض کا حکم نمبر:۸میں ہے۔

۲.....جبکہ اس فارم نامزد(نامنیشن) کے ذریعہ صرف وصول کرنے کا اختیار مقصود ہے، تملیک مقصود نہیں تو اس گریجویٹی میں حسبِ وراثت جملہ ورثاء شریک ہیں(۲)۔قرض کا حکم نمبر:۸میں ہے۔

۳.....اس کا حال بھی نمبر:۲کی طرح ہے۔

۴.....قانونی اعتبار سے جو مستحق ہو، پنشن اسی کو ملے گی(۳)،قرض کا حکم نمبر:۸میں ہے۔

۵.....یہ ترکۂ زید ہے، سب ورثاء حقدار ہیں(۴)،قرض کا حکم نمبر:۸میں ہے۔

= الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج، ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك". (الفتاوى العالمكيريه، كتاب النكاح، باب المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/۲۶-۲۷، كتاب النكاح، مسائل الجهاز، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) "كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركةٌ بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركاً بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۱)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفية، كوئٹه)

(۳) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع واحسان سرکار کا ہے، بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہٰذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی''۔ (إمداد الفتاویٰ: ۴/۳۴۳، کتاب الفرائض، عنوان: عدم جریان میراث در وظیفہ سرکاری تنخواہ، دار العلوم کراچی)

(۴) امداد کی رقم زید نے اپنی زندگی میں وصول کی ہو تو مرنے کے بعد ترکہ شمار ہو کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا:

"لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال، كما في شروح السراجية". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

٦...... بیوی کے حق میں وصیت معتبر نہیں جب تک دوسرے ورثاء رضامند نہ ہوں (۱)، اس کرایہ میں سب ورثاء شریک ہیں (۲)، قرض کا حکم نمبر: ۸ میں ہے۔

۷...... وہ سامان جو زید کی ملک تھا، اب اس کا ترکہ ہے، اس میں سب ورثاء حصہ دار ہیں (۳)، تنہا بیوی کی ملک نہیں۔

۸...... اگر ورثاء کے نزدیک بخشش کرنا تسلیم نہیں، اور وہ سامان ورثاء کے پاس ہے تو وہ ترکہ ہے، ورثاء حقدار ہیں (۴)۔ کل ترکہ سے اولاً مرحوم کا قرض ادا کیا جائے (۵) پھر:

مسئلہ ۴، تصـــ ۲۴ — زید

بیوی	حقیقی بھائی	ہمشیرہ	ہمشیرہ	ہمشیرہ	ہمشیرہ
۱/٦			۳/۱۸		
	٦	۳	۳	۳	۳

چوبیس حصہ بنا کر چھ حصہ اہلیہ کو ملیں گے (٦)، چھ حصے بھائی کو ملیں گے، تین تین حصے ہر ہمشیرہ کو ملیں گے (۷)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۱۳۹۵ھ۔

(۱) "عن عطاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، كتاب الوصايا، مؤسسة الريان، بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "كان المال للولد، وكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله من ذلك ما أحب، فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس، وجعل للمرأة الثمن والربع، وللزوج الشطر والربع". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: لا وصية لوارث: ۱/۳۸۳، قديمي) .... =

....

= قال الحافظ: "جنح الشافعي في الأم إلى أن هذا المتن متواتر فقال: وجدنا أهل الفتيا ومن حفظنا عنهم من أهل العلم بالمغازي من قريش وغيرهم لايختلفون في أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال عام الفتح: "لاوصية لوارث". ويوثرون عمن حفظوه عنه ممن لقوه من أهل العلم، فكان نقل كافة عن كافة .... والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم؛ لأن الأكثر على أنها موقوفة على إجازة الورثة، كما سيأتي بيانه". (فتح الباري، كتاب الوصايا، بابٌ: لاوصية لوارث: ۴٦٨/۵، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥٥، سعيد)

(۲) "كما أن أعيان المتوفي المتروكة عنه مشتركةٌ بين الورثة على حسب حصصهم، كذلك يكون الدين الذي له في ذمة آخر مشتركًا بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ٦١٠/١، (رقم المادة: ١٠٩١)، كتاب الشركة، الفصل الثالث في الديون المشتركة، مكتبه حنفية، كوئٹه)

(۳) امداد کی رقم زید نے اپنی زندگی میں وصول کی ہوتو مرنے کے بعد ترکہ شمار ہوکر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا:

"لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال، كما في شروح السراجية". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٧٥٩/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ٣٦٥/٩، رشيديه)

(۴) "الخارج وذواليد إذا ادّعيا إرثاً من واحد، فذو اليد أولى، كما في الشراء". (ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ، باب دعوى الرجلين: ۵٧٠/۵، سعيد)

(۵) "ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله .... ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي، ص: ۳، سعيد)

(٦) واضح رہے کہ چھ چوبیس کا ربع ہے اور میت کی جانب اولاد نہ ہوتو زوجہ کو "ربع" چوتھا حصہ ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ١٢)

(٧) بھائی بہن دونوں عصبہ ہیں، تو بقانون "للذكر مثل حظ الأنثيين" بھائی کو دوہرا اور بہنوں کو اکہرا ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ١٧٦)

فنڈ کی رقم کے متعلق بھائی کا نام لکھوا دینا

سوال[۹۸۲۵]: زید نے اپنی تنخواہ میں سے فنڈ کی رقم میں وصیت دار اپنے پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام کیا ہے کہ میری موت کے بعد اس فنڈ کا حقدار میرا بڑا بھائی ہوگا۔ یہ فنڈ کی رقم تقریباً بیس ہزار کے قریب ہے، اور زید کی کل ملکیت کل ملازمت کا روپیہ تقریباً پچھتر ہزار روپے ہے۔

زید کے والد صاحب زید کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے، انتقال کے بعد سے ہی زید کی پرورش کی ذمہ داری بڑے بھائی کے ہی سر تھی، مثلاً: تعلیم، شادی بیاہ اور غریبی اور مفلسی کے زمانہ میں زید کو اچھی سی ملازمت بھی دلوائی اور کوشش کر کے ایک ہونہار اور قابل انسان بنایا۔

زید کے انتقال کے وقت زید کی والدہ محترمہ، زید کا بڑا بھائی پرورش کنندہ اور زید کی بیوی اور دو لڑکیاں اور ایک لڑکا شامل ہے، باقی ہیں۔ زید کی شادی سے پہلے بھی فنڈ کی رقم اپنے پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام تھی اور انتقال کے بعد بھی فنڈ کی رقم اپنے بڑے بھائی کے نام لکھی ہے اور باقی کی رقمیں خود اپنے ہی نام لکھی ہے۔

شادی کرنے کے تقریباً ۵/ سال کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، زید نے فنڈ کی رقم شادی سے پہلے بھی بڑے بھائی کے نام کیا تھا اور انتقال کے بعد بھی بڑے بھائی کا نام بھی موجود ہے، لیکن زید جس فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا، اس فیکٹری کا قانون ہے کہ شادی کرنے کے بعد وہ فنڈ کی رقم کاٹ دیجاتی ہے جو کہ پرورش کنندہ کے نام لکھی ہے اور وہ رقم بھی فیملی میں چلی جاتی ہے۔

اور اگر زید یہ وعدہ بھی کر لیتا کہ میری شادی کے بعد میرے بھائی کا نام کٹ جائے گا اور وہ شادی کے بعد بھی اپنے پرورش کنندہ کے نام پر رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ وصیت اور حقدار بھائی ہی ہوتا، کیونکہ اس نے دوسرے فارم میں خود کا یا اپنی بیوی کا نام لکھا نہیں اور نام اپنے بڑے بھائی کا موجود ہے، کیونکہ شادی کے پانچ سالوں کے درمیان میں مرحوم اپنے بڑے بھائی کا نام کاٹ سکتا تھا اور خود کا نام لکھ سکتا تھا، مگر نام فنڈ کی رقم میں ابھی بھی موجود ہے اور زید نے اپنی زندگی میں اس وصیت کو رد نہیں کیا اور آخر عمر تک اس پر قائم رہے ہیں۔

اس رقم کو بعد کی رقمیں جو کہ خود زید کے نام تھی وہ تو شرع شریف کے مطابق تقسیم ہو چکی ہے، لیکن اس فنڈ کا مسئلہ رکا ہوا ہے۔ کیا یہ فنڈ کی رقم بزرگ پرورش کنندہ بڑے بھائی کو حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ عام سرکاری قانون تو یہ ہے کہ مرنے سے پہلے کوئی جب انسان کوئی وصیت کرے کہ میری موت کے بعد فلاں چیز کا حقدار

فلاں ہوگا تو وہی حقدار ہوتا ہے، شادی کرنے اور کرانے سے کوئی مطلب نہیں ہوتا؟

پھر اگر زید اپنے بڑے بھائی کو فنڈ کی رقم دینے کا ارادہ نہیں کرتا تو وہ دوسری رقموں کی طرح خود کا نام لکھ سکتا تھا اور بڑے بھائی کا نام کاٹ سکتا تھا، لیکن بڑے بھائی کا نام موجود ہے۔ کیا یہ رقم جو کہ پرورش کنندہ بڑے بھائی کے نام موجود ہے وہ بھی وارثان پر شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی، یا صرف زید کے نام کی رقمیں شرع شریف کے مطابق تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی تنخواہ سے جتنا حصہ کٹ کر جمع ہوا اور اس پر جو کچھ زائد ملا وہ سب مرحوم کا ترکہ ہے (۱)، جس کے متعلق وہ اپنے بڑے بھائی کے حق میں وصیت کر چکا تھا جس کو اپنے آخر حیات تک اس کو منسوخ نہیں کیا، اگر چاہتا تو (تبدل حالات، شادی اور اولاد ہوجانے کی بناپر) منسوخ کرسکتا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وصیت پر قائم رہا ہے۔

پس اگر وہ رقم تمام ترکہ کے ایک ثلث کے اندر ہے تو حسبِ وصیت بڑے بھائی کو دی جائے، وصیت کا یہی حکم ہے کہ وہ ایک ثلث میں نافذ ہوتی ہے (۲)، اگرچہ جس وقت وصیت کی تھی اس وقت بڑا بھائی وارث ہونے کی وجہ سے مستحق وصیت نہیں تھا، لیکن انتقالِ مورث کے وقت بڑا بھائی وارث نہیں رہا، کیونکہ لڑکا پیدا ہوچکا تھا۔ اس صورت میں بھائی کیلئے وصیت شرعاً معتبر ہے۔

---

(۱) "المدرس لومات أو عزل في أثناء السّنة، قبل مجيء الغلة وظهورها من الأرض، يُعطى بقدر ماباشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير، إذا مات في أثناء المدة". (ردالمحتار: ۴/۴۳۵، كتاب الوقف، مطلب فيما لومات المدرس أو عزل قبل مجئ الغلة، سعيد)

"كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركةٌ بين ورثته على حسب حصصهم، كذلك يكون الدّين الذى له في ذمة آخر مشتركا بينهم على قدر حصصهم". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱۰، (رقم المادة: ۱۰۹۲)، كتاب الشركة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ثم تنفذ وصايا من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة والإجماع". (السراجية، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

درمختار میں ہے: "وکونه غير وارث وقت الموت، الخ".

شامی نے لکھا ہے: "قوله: (وقت الموت): أی وقت الوصية، حتى لو أوصى لأخيه وهو وارث، ثم ولد له ابنٌ، صحت الوصية لأخ. ولو أوصى لأخيه وله ابن، ثم مات الابن قبل الموصى، بطلت الوصية، زيلعي. الخ". شامی: ۳۱۶/۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۲۵ھ۔

جائیداد میں شرکت اور اس کی تقسیم

سوال[۹۸۲۶]: محمد رضا عرف جمن صاحب نے بنارس میں ایک مکان خریدا اور یہیں رہنے لگے، محمد رضا عرف جمن صاحب کے دو لڑکے تھے: بڑے کا نام رحمت اللہ اور چھوٹے کا نام محمد شمس الدین تھا۔ محمد رضا صاحب سلائی کا کام کرتے تھے۔ اور محمد رحمت اللہ نے پہلے کمپاؤنڈری سیکھی اور اس کے بعد حکیمی کرنے لگے۔

محمد رضا عرف جمن اور رحمت اللہ دونوں الگ الگ کام کرتے تھے اور روپیہ دونوں دیتے تھے جس سے گھر کے تمام اخراجات پورے ہوتے تھے۔ بعد میں محمد رضا نے کام بند کردیا جس کی وجہ سے وہ گھر کیلئے اخراجات نہ دیتے تھے، صرف محمد رحمت اللہ ہی گھر کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے اور یہ سب ملکر آپس میں رہتے تھے۔ بعدہ رحمت اللہ نے بنارسی کپڑے کا کام شروع کردیا اور یہاں سے چھوڑ کر بارہ بنکی چلے گئے اور وہیں تجارت کرتے تھے۔

زوجۂ رحمت اللہ (دفاتن) کہا کرتی تھی کہ محمد رحمت اللہ نے تین سو بیس روپے اپنے والد محمد رضا سے لئے تھے اور ان سے کپڑے کا کاروبار شروع کیا اور بعد میں اپنے والد کا روپیہ ادا کردیا جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بہر حال یہ ظاہر ہے کہ رحمت اللہ بنارسی کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور بارہ بنکی میں رہتے تھے اور جب موقع ملتا تھا بنارس بھی آتے تھے۔ یہاں بنارس میں رحمت اللہ کی اہلیہ دفاتن اور بچے اور ان کے والد محمد رضا اور چھوٹے بھائی محمد شمس الدین ان کی یہاں سے مدد کیا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ رحمت اللہ صاحب جو کپڑے وغیرہ یہاں

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۴۹/۶، کتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۷۶/۷، ۳۷۷، كتاب الوصايا، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۲۳/۴، ۴۲۴، كتاب الوصايا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

بنارس میں بننے کا آرڈر وغیرہ دیا کرتے تھے اس کو یہاں سے بارہ بنکی یا جہاں رحمت اللہ کہتے تھے پارسل کردیا کرتے تھے۔

محمد رحمت اللہ نے اپنے روپیہ سے یہاں بنارس میں ایک مکان اپنے نام اور ایک بڑے لڑکے کے نام سے خریدا، یہ سب مکان اپنے والد کی زندگی میں خریدا۔ اس کے بعد رحمت اللہ کے والد محمد رضا کا انتقال ہوگیا، لیکن کاروبار حسبِ دستور چلتا رہا، محمد رحمت اللہ وہاں سے روپیہ بھیجتے رہے اور یہاں پر سب اکٹھا کھاتے پیتے رہے۔ کچھ سال بعد محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے، اور اپنے دو لڑکے: محمد حسین، محمد قاسم اور ایک لڑکی نصرت اور زوجہ دفاتن اور زیور اور کچھ روپے چھوڑے۔ اب چونکہ شمس الدین گھر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے وہ گھر کے تمام کاروبار دیکھنے لگے اور یہاں سے بارہ بنکی چلے گئے تاکہ وہاں کاروبار دیکھیں۔

محمد شمس الدین نے رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے زیورات وصول کرکے کچھ مکان اور جائیداد اپنے نام خریدی۔ اور کچھ دنوں میں بارہ بنکی کا کاروبار ختم ہوگیا، اور شمس الدین یہاں بنارس چلے، یہاں آکر کچھ دنوں محمد شمس الدین اور دونوں لڑکے اپنا الگ الگ کھانے پینے لگے۔ اب سوال یہ ہے کہ جائیداد کس کی مانی جائے گی، حکیم محمد رحمت اللہ کی یا شمس الدین کی، یا محمد رضا عرف جمن کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مکان محمد رضا عرف جمن نے بنارس میں خریدا وہ ان کا ترکہ ہے (۱)، ورثاء شرعی میں حصوں کے موافق تقسیم ہوگا (۲)۔

محمد رضا اور محمد رحمت اللہ کا بنارس میں کام الگ الگ تھا، کمائی ہر ایک کی مستقل تھی (مشترک نہیں تھی)،

---

(۱) "لأن التركة ماتركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعينٍ من الأموال". (ردالمحتار: ۷۵۹/۲، کتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته بالكتاب أو السنة، أو الإجماع". (الدرالمختار: ۷۶۱/۲، کتاب الفرائض، سعيد)

البتہ گھر کا خرچ مشترک چلاتے تھے، اس کمائی کے دونوں جداگانہ مالک تھے (۱)۔ پھر محمد رضا نے کام بند کر کے کمائی کا سلسلہ بند کر دیا، صرف محمد رحمت اللہ کماتے اور سب خرچ برداشت کرتے رہے۔ پھر محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں کام شروع کیا اور بقولِ زوجہ رحمت اللہ نے جو روپیہ قرض لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ محمد رضا کی آمدنی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، ان کے پاس روپیہ نہیں، ان کا خرچ بھی محمد رحمت اللہ کے روپیہ سے پورا ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں بارہ بنکی کے کام میں محمد رحمت اللہ ہی کا روپیہ لگا، اس سے ترقی ہوئی اور اس سے بنارس کے اخراجات پورے ہوئے۔

محمد شمس الدین نے جو مدد کی وہ روپیہ لگا کر نہیں، بلکہ آرڈر بھیجنے اور مال تیار کرنے میں مدد کی تو محض مُعین کی حیثیت میں رہے، روپیہ نہیں لگایا۔ اس لئے بنارس و بارہ بنکی میں محمد رحمت اللہ نے تین مکان خریدے ہیں، وہ نہ محمد رضا کے ہیں اور نہ شمس الدین کے ہیں، بلکہ محمد رحمت اللہ کے ہیں (۲)۔

محمد رضا کے انتقال پر ان کے بنارس والے مکان پر سب ورثاء کا حصہ ہوگا۔ محمد رحمت اللہ کے انتقال پر ان کے خریدے ہوئے تینوں مکانوں میں ان کے ورثہ: ایک بیوی (۳)، دو لڑکوں، ایک لڑکی کا حصہ کا ہوگا، شمس

---

(۱) "لأن الملک مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار: ۵۰۲/۴، کتاب البیوع، سعید)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمة الله عليه: "أقول: سئل في ابنٍ كبيرٍ ذي زوجةٍ وعيالٍ له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً مات: هل هي لوالده خاصةً أم تقسم بين ورثته؟ أجاب: هي للابن تقسم بين ورثته .... حيث كان له كسب مستقل". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية: ۱۷/۲، کتاب الدعوی، مکتبه ميمنيه مصر)

(۳) میت کی جب اولاد ہو تو بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

بیٹے اور بیٹی چونکہ عصبہ ہیں، لہٰذا بمقتضائے: "للذكر مثل حظ الأنثيين" بیٹے کو دوہرا اور بیٹیوں کو اکہرا حصہ ملے گا:

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

لہٰذا مرحوم کی کل جائیداد کو چالیس حصے کر کے بیوی کو پانچ حصے، دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک کو چودہ چودہ اور بیٹی کو سات حصے دیئے جائیں گے۔ تقسیم کا نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں: .... =

الدین کا حصہ نہیں ہوگا(۱)۔ محمد شمس الدین نے محمد رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے روپیہ سے جو کچھ مکان وغیرہ اپنے نام خرید اہے، اس کا ان کو حق نہیں تھا، وہ ان کے مالک نہیں، ان کو لازم ہے کہ یہ سب محمد رحمت اللہ کی بیوی اور اولاد کو دیدیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۱۳۹۱ھ۔

جائیداد اور وراثت

سوال[۹۸۲۷]: زید مرحوم کا ایک کارخانہ ہے، اس کارخانہ کی عمارت پر تقریباً چالیس سال قبل زید مرحوم کے تقریباً پینتیس ہزار=/۳۵۰۰۰، روپے تعمیر میں خرچ ہوئے تھے۔ زید نے اپنے حینِ حیات میں مذکورہ بالا عمارت کو اپنی تجارت دوبارہ ایجاد کرنے کی غرض سے اپنے شہر کے ایک مالدار تاجر کے پاس رہن میں دیگر بطورِ قرض دس ہزار روپے، لے کر کاروبار چلایا تھا، چند سالوں کے بعد تجارت میں بھاری خسارہ ہو کر کاروبار ختم ہوگیا۔ کاروبار خسارہ میں ختم ہونے پر زید اپنی مذکورہ بالا عمارت روپے دیکر رہن سے چھڑا نہ سکے۔

مسئلہ ۸، تصـ ۴۰

بیوی	بیٹا		بیٹا	بیٹی
۱/۵	۱۴	۷/۳۵	۱۴	۷

(۱) اس لئے کہ مرحوم کی اولاد موجود ہے اور جب میت کی اولاد ہو تو بھائی بہن محروم ہونگے:

"وبنو الأعيان: أي الإخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات: أي الإخوة والأخوات لأب، كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل". (الشريفية شرح السراجية، ص: ۲۸، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار: ۶/۷۷۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه ملكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة: ۱/۲۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في القواعد، مكتبه حنفيه كوئٹه)

رہن والوں کا تقاضا زیادہ ہونے پر مجبور و بے بس ہونے پر زید مرحوم نے اپنی بیوی خیر النساء سے ان کے زیورات تخمیناً پانچ ہزار روپوں سے زیادہ رقم کے ان سے وعدہ پر لیکر کہ مذکورہ جائیداد کو رہن سے چھڑا کر اس پوری عمارت کو بیوی کے نام لکھ کر بذریعۂ رجسٹری دستاویز منتقل کر دیں گے۔ بیوی سے یہ وعدہ پکا کر کے ان کے زیورات بطورِ قرض حاصل کرلیا۔ اور ان کو فروخت کر کے پانچ ہزار روپے لے کر مذکورہ رہن والے صاحب -- جن کے پاس یہ جائیداد بطور رہن کے رہی - گفتگو کر کے یہ بات طے کر لی کہ رہن کی رقم دس ہزار میں سے اس وقت فوری طور پر پانچ ہزار روپے دیدیں گے اور بقیہ رقم کارخانہ ماہانہ کرایہ۔ کے آمد میں وہ صاحب جمع کرتے جاویں۔

اس طرح یہ معاملہ طے کر کے زید نے اپنی بیوی کے زیورات سے جو پانچ ہزار روپے یا کچھ زائد رقم دستیاب ہوئی، اس رقم کو رہن والے صاحب کو دیدیا اور میعادِ رہن ختم ہونے پر اس جائیداد کو بیوی کے نام لکھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس اثناء میں زید کا انتقال ہوگیا۔

زید مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تینوں نے متفقہ طور پر (لڑکی نے اپنی جانب سے شوہر کو گواہی کیلئے وکیل بنا کر ان تینوں نے) اپنے والد مرحوم کے حسبِ وعدہ اس عمارت کو اپنی ماں کے نام لکھ کر دستاویز بنا کر رجسٹری کرا کے جائیداد ماں کے قبضہ میں کلیۃً دیدی۔ اور اس طرح یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوی خیر النساء کے نام منتقل ہوگئی، اس وقت زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، اور ان کے بڑے فرزند اور ایک بیٹی یعنی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور ایک بہن بھی زندہ تھی۔ اس جائیداد کے منتقل ہونے کے بعد چار پانچ سال تک زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، ان کو اس کا پورا علم تھا اور اس عرصہ میں انہوں نے کبھی اپنے پوتے پوتی یعنی زید مرحوم کی اولاد یا بہو سے اس کے متعلق ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔

زید مرحوم کی والدہ اس واقعے کے چار پانچ سال تک زندہ رہ کر انتقال کر گئیں، ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن کی طرف سے بھی اس حق کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا، اس لئے یہ سب اور خاندان بخوبی آگاہ تھے، ان کو پوری طرح معلوم تھا کہ یہ جائیداد زید رہن رکھ چکا ہے اور زید مرحوم کی بی بی نے اپنے زیورات شوہر کو بطور قرض مذکورہ وعدہ پر دیکر چھڑائی تھی، ورنہ وہ جائیداد رہن سے نہ چھوٹتی اور اسی میں ڈوب کر ختم ہو جاتی۔

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوہ بی بی کے نام بذریعہ دستاویز رجسٹری منتقل ہوکر تقریباً تیس سال کی طویل مدت گذر گئی اور تیس برس سے زید کی بیوی کا قبضہ کلیۃً چلا آرہا ہے، وہی اس کی آمدنی اور سیاہ وسفید کی مالکہ تھی۔ اس عرصہ میں زید کی والدہ کلثوم زندہ رہیں اور کوئی مطالبہ نہیں کیا، آخران کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعدان کے بڑے بیٹے اور بیٹی جن کا ابھی ذکر کیا چند سال زندہ رہے اوران کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ نہیں، ان لوگوں کا بھی انتقال ہوگیا ہے (تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گذر گیا)۔

زید مرحوم کی بی بی خیرالنساء صاحبہ جن کے نام جائیداد ہے مستقل تیس سال سے انہیں کے قبضہ میں کلیۃً چلا آرہا تھا اور آمدنی وغیرہ کی وہی مالکہ رہی تھیں، چھ سات ماہ ہوا انتقال کرگئیں۔ اب آپ سے گذارش ہے کہ مذکورہ باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں:

۱...... مذکورہ حالات کے پیشِ نظر بھی اگر زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن- جنہوں نے زید مرحوم کے انتقال کے بعد اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے چھ سات سال بعد انتقال فرمایا- ان کی اولادوں، وارثوں کی طرف سے مذکورہ بالا زید کی بیوی پر تیس سال قبل منتقل شدہ جائیداد میں زید مرحوم کی والدہ ماجدہ یعنی دادی کے حق کا مطالبہ اور دادی مرحومہ سے ان کے بڑے بیٹے (والد) اور بیٹی (پھوپھی) کے حق کا مطالبہ کریں تو کیا قابلِ سماعت اور حق بجانب ہوگا؟

۲...... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی آمدنی کا مطالبہ تیس سال کے بعد اور صاحب جائیداد کے انتقال کے بعد وارثوں سے کی جاوے تو کیا یہ قابلِ قبول اور حق بجانب ہے؟

۳...... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی ۳۰/ سال کی آمدنی کا مطالبہ کریں تو کیا یہ بھی قابلِ سماعت ہوگا؟ اگر ہو تو اس کا واجب الادا کس کے ذمہ ہے اور شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... زید مرحوم تو اپنی حیات میں نہ بیوی کا قرض پانچ ہزار ۵۰۰۰/ روپیہ ادا کرسکے اور نہ جائیداد بعوضِ قرض اس کے نام منتقل کرنے کا وعدہ پورا کرسکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں اور ادائے دینِ مہر ودیگر قرض سب ورثاء کا حصہ تھا، والدہ کا بھی اور تمام اولاد کا بھی اور بیوی کا بھی۔ بیوی کے قرض بصورتِ زیور

ونقدادانہیں کیا گیا، بلکہ جائیداد کی صورت میں ادا کیا گیا تاکہ مرحوم وعدہ بھی پورا ہو جائے اور بیوی کو اپنا قرض بھی وصول ہو جائے۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب ورثاء متفق ہو کر یہ صورت اختیار کرتے، یعنی زید کی والدہ کا بھی مشورہ ہوتا، مگر ایسا نہیں کیا گیا، یہ کوتاہی ہوئی۔

تاہم جب زید کی اولاد نے اس کی تکمیل کی یعنی اپنے والد کا قرض ادا کر دیا اور زید کی والدہ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی جبکہ وہ بھی ۶/ اوراثت کی حقدار تھیں (۱)، بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مرحوم بیٹے کا قرض ادا کرنے کی جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ اس پر رضامند تھیں، اور حکم بھی یہی ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے متوفی کا قرض ادا کیا جائے (۲)۔

پس صورت مسئولہ میں زید کی بیوی اس جائیداد کی مالک ہوگئی، پھر اس کے انتقال پر اس کے ورثاء کا حق ہے۔ زید کے بھائی بہن کا اس میں حق نہیں، وہ زید کی بیوی کے وارث نہیں (۳)، البتہ اپنی والدہ کے وارث ہیں، مگر اس جائیداد میں والدہ کا جو کچھ حصہ تھا وہ بعوضِ قرض زوجۂ زید کے پاس چلا گیا۔ ہاں! اس کے علاوہ جو کچھ والدہ کا ترکہ ہو اس میں سے ان کو حصہ ملے گا (۴)۔ اور زید کی اولاد کو اپنی دادی کے ترکہ سے کچھ

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبویه لکل واحد منهما السدس مماترک إن کان له ولد﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۲) "ثم تقدم دیونه التی لها مُطالبٌ من جهة العباد". (الدرالمختار: ۶/۷۶۰، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۹/۳۶۶، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۳) "ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجیة، والولاء".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۶۲، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۵۴، کتاب الفرائض، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) "لأن الترکة ماترکه المیت من الأموال صافیًا عن تعلق حق الغیر بعینٍ من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه) .... =

نہیں ملے گا، اس لئے کہ زید کا انتقال والدہ کے سامنے ہوگیا تھا اور زید کے بھائی بہن موجود تھے (۱)۔

۲..... یہ مطالبہ درست نہیں۔

۳..... یہ بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

تنبیہ: یہ جواب اس تحریر پر ہے کہ زید مرحوم کی جائیداد کو بیوی کے نام بعوضِ قرض منتقل کرنے پر والدہ زید کی رضا مندی معلوم ہو۔ اگر وہ اس پر راضی نہیں تھیں (اس لئے کہ مقدار قرض پانچ ہزار کے مقابلہ میں جائیداد کی مالیت بہت زیادہ تھی) اور والدہ نے ناخوشی کا اظہار کر دیا تھا اور اجازت نہیں دی تھی، گو بعد میں دعویٰ اور مطالبہ نہ بھی کیا ہو تو پھر والدہ کا حق ساقط نہیں ہوا (۳)، انتقالِ والدہ کے بعد اس میں زید کے بھائی بہن کا بھی حصہ ہوگا۔

پھر ان کی خاموشی اور مطالبہ نہ کرنے سے ان کا حق بھی ختم نہیں ہوا۔ پھر ان کی اولاد کا بھی حق ختم نہیں ہوا، البتہ مدتِ طویلہ گذر جانے کی وجہ سے دعویٰ اور مطالبہ کا حق ضابطۃً اور قضاءً نہیں رہا (۴)۔ تاہم عنداللہ دیانۃً

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۴۷۱، كتاب الفرائض، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) جب میت کی اولاد بیٹے، بیٹیاں موجود ہیں تو پوتے محروم ہوں گے:

قال العلامة سراج الدين رحمة الله عليه: "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني: أوّلهم بالميراث جزء الميت: أي البنون، ثم بنوهم". (السراجي، ص: ۱۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۶۳، كتاب الفرائض، حقانيه پشاور)

(۲) اس لئے یہ لوگ مرحومہ خیر النساء کے وارث نہیں، راجع، ص: ۴۱۵، رقم الحاشية: ۳.

(۳) "لايسقط الحق بتقادم الزمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۹۹۶، رقم الماد: ۱۶۷۴، كتاب الدعوىٰ، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۲/۱۹۳، الفن الثاني، كتاب القضاء والشهادات والدعاوى، إدارة القرآن كراچى)

(۴) "إذا ترك الدعوىٰ ثلاثاً وثلاثين سنةً، ولم يكن مانع من الدعوىٰ، ثم ادّعى، لاتسمع دعواه؛ لأن ترك الدعوىٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً .... ونقل عن الخلاصة: لاتسمع بعد ثلاثين=

برأت نہیں ہوئی، اس لئے ان سے مفاہمت ومصالحت کر کے سبکدوشی کرلی جائے، یا ان کو جائیداد میں حصہ دے کر راضی کیا جائے، یا قیمت دی جائے، یا معاف کرایا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

بھائی اور بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکی کے لئے وصیت

سوال [۹۸۲۸]: ۱..... ظہور الحق مرحوم نے بذریعۂ وصیت نامہ اپنی تحریر میں کہا کہ علاوہ نقد کے دیگر جائیداد منقولہ میں سے میری اہلیہ کا حصہ نکال کر ما بقی جائیداد کو فروخت کردیا جائے اور اس کے زرِ ثمن کو حمیدہ اختر سلمہا کے جہیز تیار کرنے میں لگا دیا جائے اور شادی ہوگئی تو دوسری بہنوں کے جہیز میں لگا یا دیا جائے۔ ابھی حمیدہ اختر اور دوسری بہنوں کی شادی نہیں ہوئی۔ کیا وصیت مرحوم بہن اور بھائی کی موجودگی مرحوم کی جائیداد کا مصرف مرحوم کی اہلیہ کی بھتیجوں پر از روئے شرع جائز ہے اور نفاذ پذیر ہے یا نہیں؟

۲..... کیا مرحوم کی وقفیہ جائیداد کا متولی مرحوم کی حقیقی بہنیں اور بھائی کی موجودگی میں ان کی اہلیہ اور ان کے مرنے کے بعد ان کی بھتیجیاں وغیرہ از روئے شرع ہوسکتی ہیں یا نہیں، یا ان کے بھائی اور بہن؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... بھائی بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکیاں وارث نہیں (۲)، ان کے حق میں وصیت شرعاً معتبر

= سنةً". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: إذا ترك الدعوىٰ ثلاثاً وثلاثين سنة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ الأنقروية: ۲/۵۸، كتاب الدعوىٰ، الفصل الأول، دار الإشاعت، قندهار)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۹۹۴، (رقم المادة: ۱۶۷۰)، كتاب الدعوىٰ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جادًّا، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه".

"وعنه (سمرة رضي الله تعالىٰ عنه) عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدي". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمي)

(۲) بہن کی لڑکیاں ذوی الارحام میں سے ہیں، اور بھائی بہن عصبہ ہیں، ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں عصبہ کل مال لے =

ہے، لہٰذا مرحوم کے ترکہ کے ایک ثلث میں وصیت نافذ کی جائے گی (۱)۔

۲...... مرحوم نے اپنے بعد کیلئے جس کو متولی جائیدادِ موقوفہ قرار دیا ہے وہ متولی ہوگا (۲) اور مرحوم کی قائم کردہ ترتیب کا شرعاً لحاظ رکھا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۳/۱۳۹۵ھ۔

ترکہ سے نفقۂ عدتِ وفات اور خرچۂ رضاعت کاٹنا اور تقسیم ترکہ

سوال [۹۸۲۹]: مسمّی عبدالرشید متوفی کی وفات کے چھ ماہ بعد اس کی حاملہ بیوہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی چار سال زندہ رہ کر مرگئی، اب عبدالرشید کے ترکہ کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہے۔ ہمارے علاقہ کے ایک

= جاتے ہیں، لہٰذا بہن کی لڑکیاں ذوی الارحام ہونے کی بنیاد پر محروم اور غیر وارث ہیں:

"وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض مَن يُردّ عليه ولم يكن عصبة".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/ ٤٥٩، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٦/ ٧٩١، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، سعيد)

(۱) "وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يُجزِ الوارث ذلك، لا الزيادة عليه". (الدر المختار: ٦/ ٦٥٠، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٩/ ٢١٣، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٧/ ٢٧٦، كتاب الوصايا، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وإن شرط أن يليه فلان بعد موتي، ثم بعده يليه فلان، ثم بعده يليه فلان، فهذا الشرط جائز، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، الخ: ٢/ ٤٠٨، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ٥/ ٥٠٤، قديمي)

(۳) "شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ٤/ ٤٩٥، كتاب الوقف، مطلب: ماخالف شرط الواقف، سعيد)

"صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار: ٤/ ٤٤٥، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٥/ ٤١١، كتاب الوقف، رشيديه)

مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ عبدالرشید کی بیوی کی مدتِ حمل اور مدتِ رضاعت کا نفقہ ترکہ میں سے ادا کیا جاوے، بعدازاں لڑکی کی تربیت کا دوسال کا خرچہ ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے، وہ جملہ ورثاء میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کر دیا جاوے۔ کیا یہ فتویٰ صحیح ہے، کیا بیوہ اپنے حصہ کے علاوہ نفقہ لینے کی حقدار ہے؟ بیوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں مدتِ حمل کا نفقہ مجموعہ ترکہ میں سے بیوہ کو لینے کا شرعاً صحیح قول کی بناء پر حق حاصل نہیں، نہ وہ مدتِ رضاعت کے نفقہ کی مستحق ہے۔ نیز مدتِ تربیت دوسال کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ اپنا مہر لے سکتی ہے، بشرطیکہ معاف نہ کیا ہو اور عبدالرشید مرحوم نے ادا بھی نہ کیا ہو۔ اس کے بعد تمام ترکہ جملہ ورثاء پر حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم ہوگا اور بیوی کو اس میں سے آٹھواں حصہ ملے گا اور لڑکی کے مرنے کے بعد اس کا حصہ ورثاء پر تقسیم ہوگا، اس میں سے بیوہ کو بھی شرعاً حصہ ملے گا:

"سئل في من توفي وزوجته حاملٌ، فهل لها نفقة في مال الزوج أم لا؟ أجاب: اختلف المشايخ فيما إذا كانت حاملاً، قال بعضهم: نفقتها في جميع المال، وقال بعضهم: لانفقة لها في مال الزوج، وهو الصحيح، كذا في الخلاصة"(١) عمدة أرباب الفتاوى ص: ٥٤٧(٢)۔

"وإن كان الأب قد مات وترك أموالاً، وترك أولاداً صغاراً، كانت نفقة الأولاد من أنصبائهم. وكذا كل من يكون وارثاً، فنفقته في نصيبه. وكذلك امرأة الميت يكون نفقتها في حصتها من الميراث، حاملاً كانت أو حائلاً". عالمگیری: ۲/ ۱۵۱، مطبوعہ رحیمیہ(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۵/ ذیقعدہ، ۵۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (خلاصة الفتاوىٰ: ٥٨/٢، كتاب النكاح، الفصل التاسع عشر في النفقات، امجد اكيڈمی لاهور)

(٢) لم أجده

(٣) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/ ٥٦٤، باب النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ١/ ٧٦، باب النفقة ومطالبه، مطلبٌ: إذا مات عن أم ولده الحامل، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ٣٨، باب النفقة، مطلب: لانفقة للمتوفى عنها زوجها، مكتبه حقانيه پشاور)

الفصل التاسع فی العصبات وذوی الأرحام وتوریث الحمل

(عصبات، ذوی الارحام اورتوریثِ حمل کا بیان)

عصبات کی انتہا کیا دادا کے چچا تک ہے؟

سوال[۹۸۳۰]: وراثت میں عصبہ کہاں تک ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو داد کے چچا تک ختم کرتے ہیں(۱)، اس کے بعد ذوی الارحام کی طرف وراثت منتقل ہو جائے گی۔ اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اِلی آخرہ تک عصبہ کو لکھتے ہیں(۲)۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ظاہراً درست معلوم ہوتی ہے کہ اگر اِلی آخرہ عصبہ کو مانا جائے تو ذوی الارحام کو نمبر ہی نہیں آسکتا ہے۔ آپ برائے مہربانی مع حوالہ کتب اس کو تحریر فرماویں کہ ان دونوں روایتوں میں سے فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا تھا(۳)۔ صحیح وہی ہے جس کو

---

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''تمام کتبِ فرائض وفقہ کی تصریح کے موافق کل عصبات یہ ہیں: ''ابن، ثم ابن الابن وإن سفل، أب، جد صحيح وإن علا، حتى إلى آدم عليه السلام، جزء الأب وإن سفل، جزء الجد يعني عم، ثم ابنه وإن سفل، عم الأب، ثم ابنه وإن سفل، عم الجد، ثم ابنه وإن سفل''۔

پس اس پر عصبات ختم ہوگئے، اور مفہوم تصانیف حسبِ تصریح علماء حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصبات نہیں''۔ (إمدادالفتاوی: ۴/۳۴۳، کتاب الفرائض، منتهی شدن عصوبت بأولاد عم الجد، مکتبه دار العلوم کراچی)

(۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''درجۂ دوم کے عصبات کا بیان یہاں ختم کردیا گیا، اسی طرح پانچویں، چھٹی پشت تک لکڑ دادا اور پکڑ دادا تک اور پھر اس سے اوپر تک سلسلہ چل سکتا ہے، جب تک ان میں سے کوئی بھی موجود ہوگا، خواہ کتنی ہی دور کی پشت کا ہو''۔ (قانونِ وراثت، مفید الوارثین، ص: ۱۸۵، پانچواں باب: عصبات کا بیان، سعید)

(۳) امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ''اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا تھا''۔ (امداد الفتاویٰ: =

مولانا اصغرحسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔الجامع الوجیز میں اس کی تصریح ہے(۱)۔جس وقت کسی عصبہ کی تحقیق نہ ہوتو ذوی الارحام کوترکہ ملے گا(اگرآپ اپنی تحریر میں کتاب کا حوالہ دیتے اورعبارات نقل کرتے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اورحضرت مولانا اصغرحسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کن کتب میں عبارات لکھی ہیں،تو میں بھی جواب میں عبارات نقل کردیتا،تاہم میں نے جامع وجیز کا حوالہ دیا ہے)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے؟

سوال[۱۰۹۸۳]: امدادالفتاویٰ جلدسوم،ص:۱۱۸،۱۱۹،میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کافتویٰ ہے کہ"اولادعم الجد پرعصوبت ختم ہوجاتی ہے"(۲)،یعنی أولاد عم أب الجد بطورِعصوبت وارث نہ ہوں

= ۳۴۴/۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۱)واضح رہے کہ "الجامع الوجیز" سے مراد"فتاویٰ بزازیہ"ہے:

"ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب، وكذا بنوهما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذُّكران وإن سفلوا". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۶/۲، كتاب الفرائض، الفصل الثاني في العصبات المحضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸۳/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۸۷/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲)امدادالفتاویٰ کی پوری عبارت اس طرح ہے:

سوال: "شرعِ محمدی کا مسئلہ یہ ہے کہ جب عصبہ نہ ہو.........توذوی الأرحام وارث ہوتے ہیں،لیکن یہ امرناممکن ہے کہ کسی متوفی کا کوئی عصبہ نہ ہو،اگرآدم علیہ السلام کارشتہ لگایا جاوے،مثلاً:ایک علوی یاصدیقی وغیرہ کا انتقال ہو،ایک غاصب نے متوفی کی جائیداد پر قبضہ کرلیا تب ذوی الأرحام نے دعویٰ متروکہ کا کیا،غاصب یہ کہتا ہے کہ تم اس وقت وارث ہوسکتے ہو کہ جب عصبہ نہ ہو،علوی اورصدیقی کے بہت سے خاندان دنیا پر موجود ہیں،جب تک وہ موجود ہیں تم بحیثیتِ ذوی الأرحام کے وارث نہیں ہوسکتے ہو۔تو ایسی حالت میں ذوی الأرحام کوعصبہ کاعدم کس طرح ثابت کرنا چاہیے؟یہ ظاہر ہے کہ عصبہ کاعدم ثابت کرنا قریب قریب محال ہے،تواس کے یہ معنی ہوں گے کہ ذوی الارحام متوفی کے متروکہ کا کبھی وارث نہ ہو۔یہ بات اگرچہ =

گے۔ بعدہ ملحقاتِ تتمۂ اُولی، امداد الفتاویٰ، ص: ۳۲۸، میں حضرت نے عام اطلاع دی ہے کہ: ''میرے اس فتوی پر وثوق نہ کریں، میں ازسرِنو تحقیق کر رہا ہوں، دیگر اہلِ علم بھی اس کی اپنے طور پر تحقیق کریں'' (۱)۔

= خلافِ عقل ہے، لیکن اس کے لئے فقہ کی کسی مستند کتاب کی ضرورت ہے۔ عنایت فرما کے فقہ کی کتب کے حوالہ سے جواب تحریر فرما کر ممنون فرمایئے''؟

جواب: ''اس غاصب کے استدلال باطل کا یہی جواب کافی ہے کہ شریعت نے ذوی الأرحام کو بھی وارث بنایا ہے، ورنہ اگر عصبہ میں اس قدر تعمیم ہوتی تو ذوی الأرحام کے وارث ہونے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے، اس کو خود شریعت باطل کر رہی ہے، اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی۔ اور جو ائمہ توریثِ ذوی الأرحام کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے بھی کبھی یہ دلیل بیان نہیں کی، اور اس کے بعد مستحقین کو میراث دلائی، حتی کہ اخیر میں بیت المال مستحق قرار پایا۔ تو یہ سب احکام جو نصاً و اجماعاً ثابت ہیں سب باطل ہو جاویں گے، اور نص اور اجماع کا ابطال باطل ہے، اور جو دعوی مستلزم امرِ باطل کو ہو وہ خود باطل ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال اور دعوی غاصب کا باطل ہے۔

تمام کتبِ فرائض و فقہ کی تصریح کے موافق عصبات یہ ہیں:

ابن، ثم ابن الابن وإن سفل، أب، جد صحيح وإن علا حتى إلى آدم عليه السلام، جزء الأب وإن سفل، جزء الجد يعني عم، ثم ابنه وإن سفل، عم الأب، ثم ابنه وإن سفل، وعم الجد ثم ابنه وإن سفل.

بس اس پر عصبات ختم ہو گئے، اور مفہوم تصانیف حسبِ تصریح علماء حجت ہے، معلوم ہوا کہ اس سے آگے عصبات نہیں ہے۔ اور مرتبہ ثالثہ میں جد کے عموم ''وإن علا'' سے دوسرے مراتب میں عموم لازم نہیں، بلکہ عدمِ عموم اس لئے لازم ہے کہ عموم کی صورت میں جزء الجد کے بعد کوئی مرتبہ نہ نکلنا چاہیے، کیونکہ عم الأب اور عم بھی کسی مرتبہ کے جد کے تو جز ہی ہیں۔

اور بعض محشین نے جو جزء الجد میں جد کو عام کہہ دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض متون میں کل مراتب کو چار عنوان میں منحصر کر دیا ہے: ۱- جزء، ۲- اصل، ۳- جزء الأب، ۴- جزء الجد۔

اس پر شبہ عدمِ تناول عم الأب و عم الجد کا وارد ہوتا تھا، اس کے دفع کے لئے عام کہہ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس عموم سے مراد مطلق عموم نہیں، بلکہ عموم خاص ہے جو تناول عم الأب اور عم الجد پر منتہی ہو جاوے، جیسا شامی نے اس ایراد کو اسی طرح دفع کیا ہے، پس ثابت ہوا کہ دوسرے مراتب میں جد سے خاص اب الأب مراد ہے۔ پس جو شخص میت کے اب الأب کے عم کی اولاد سے بھی نہ ہو وہ عصبہ نہیں ہے، اور بہت ہی ظاہر ہے لیکن قدرے فہم درکار ہے''۔ (امداد الفتاوی، عنوان: منتهی شدن عصوبت باولادِ عم الجد: ۴/۳۴۲، ۳۴۳، مکتبه دار العلوم، کراچی)

(۱) حاشیہ امداد الفتاوی میں لکھا ہے کہ: ''اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا ہے، جس کی تفصیل کتاب میں درج =

اب گذارش یہ ہے کہ حضرت اس کے متعلق کیا فیصلہ کر گئے؟ اگر حضرت کا کوئی فیصلہ معلوم نہیں تو آنجناب اپنی تحقیق عمیق سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں، حسنِ خاتمہ کی دعاء سے فراموش نہ فرماویں۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری رائے تو معلوم نہیں ہوسکی، مگر جامع وجیز یعنی فتاویٰ بزازیہ: ۴۵۶/۳، برحاشیہ عالمگیری، جلد:۶، سے معلوم ہوتا ہے کہ "أولاد عم أب الجد" بھی بطورِ عصوبت وارث ہوں گے:

"ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذكران وإن سفلوا، ثم مولى العتاقة، اهـ". (۱)۔ تتمہ إمداد الفتاوی میرے پاس موجود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چوتھی پشت کا عصبہ بھی وارث ہے

سوال[۲ ۹۸۳]: اگر اہلِ اسلام فقیر قوم کی دختر موجود ہو اور شادی سے اپنے باپ کے شامل ہو اور متوفی کا حقیقی برادر و چچا و بھتیجا نہ ہو تو دختر کی موجودگی میں تیسری، چوتھی پشت کے جدوں کا شرع کے بموجب کوئی حق ملتا ہے، ایسی صورت میں کہ جائیداد بزرگوں کی پیدا کردہ نہ ہو اور متوفی یا والد متوفی نے خود پیدا کی ہو۔

= ہونے سے رہ گئی ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ۳۴۴/۴)

(۱) (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۴۵۶/۶، كتاب الفرائض، الفصل الثاني: العصبات المحضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸۳/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۵۰۵/۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۸۷/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسری یا چوتھی پشت کے عصبات کو بھی حق پہنچتا ہے اگر چہ جائیداد ان کے بزرگوں کی پیدا کردہ نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۴/۶۰ھ۔

عینی مقدم ہے علاتی پر

سوال[۹۸۳۳]: آسمان خان نے انتقال کیا اور ایک لڑکا حمید خان اور دو زوجہ وارث چھوڑے: خدیجہ وافسوں۔ پھر حمید خاں فوت ہوا۔ ماں افسوں بی بی اور عم الأب لأب تین چھوڑے: قلمدار خاں، علمدار خاں، اعلمدار خاں۔ اور ابن عم الأب لأب وأم تین چھوڑے: ظلمات خاں، رحیم خاں، عبدالقادر خاں۔

اس میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ عم الأب لأب میراث کا مستحق ہے یا ابن عم الأب لأب وأم مستحق ہے؟ لیکن مبسوط کی عبارت سے معلوم ہوا کہ استحقاق میراث میں عم الأب لأب ہی مقدم ہے:

"کذا في ضياء السراج، وكذا الحال في أبناء هؤلاء الأصناف. قال في المبسوط في بيان الأعمام وأبنائهم: "ثم العم لأب وأم، ثم العم لأب، ثم ابن العم لأب وأم، ثم ابن العم لأب، ثم عم الأب لأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم الجد. انتهى". مبسوط: ۲۹/۱۷٤ (۲)۔ چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہے، لہذا بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

---

(۱) "ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم ابن عم الأب لأب، وكذا بنوهما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذكران وإن سفلوا". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۴۵۶/۶، كتاب الفرائض، الفصل الثاني في العصبات المحضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸۳/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۸۷/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (المبسوط للسرخسي: ۱۹۳/۲۹، كتاب الفرائض، باب أصحاب المواريث، غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عم الأب لأب کو تقدم ہے ابن عم الأب لأب وأم سے۔ ذوالقرابتین کو ذوالقرابة الواحدة پر تقدم اس وقت ہوتا ہے جب کہ درجہ میں مساوی ہوں، ورنہ جس کا درجہ اعلیٰ ہوگا وہ مقدم ہوگا:

”وبعد ترجيحهم بقرب الدرجة يرجحون عند التفاوت بأبوين وأب –كما مرّ– بقوة القرابة، فمن كان لأبوين من العصبات ولو أنثىٰ –كالشقيقة مع البنت تُقدم على الأخ لأب– مقدم على من كان لأب، لقوله صلى الله عليه وسلم: ”إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات“. والحاصل أنه عند الاستواء في الدرجة يقدم ذوالقرابتين، وعند التفاوت فيها يقدم الأعلى، اهـ“. درمختار علیٰ هامش ردالمحتار: ٥/٦٧٨(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٣/ رمضان/ ٦٦ھ۔

علاتی بھتیجا، عینی کی موجودگی میں وارث نہیں

سوال[۴۹۸۳]: مسمی زید نے دو بھتیجے عینی اور ایک بھتیجا علاتی چھوڑا۔ اب اس کی جملہ جائیداد کے وارث ازروئے شرع شریف بھتیجے عینی ہیں، یا کہ علاتی بھتیجا وارث ہے؟

المستفتی: عبداللطیف، ضلع جہلم، معرفت نصیر احمد، متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین وادائے دینِ میت از کل مال، وتنفیذِ وصیت وغیرہ

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/٧٧٥، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ٦/٤٥١، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ٩/٣٨٣، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ٦/٤٥٦، كتاب الفرائض، الفصل الثاني في العصبات المحضة، رشيديه)

از ثلث مال (۱)۔صورتِ مسئولہ میں زید کا ترکہ اس کے دونوں عینی بھتیجوں کو ملے گا، علاتی بھتیجا اس صورت میں وارث نہیں ہوگا:

"ثم يرجحون بقوة القرابة، أعني به أن ذا القرابتين أولىٰ من ذي قرابة واحدة، ذكراً كان أو أنثىٰ، لقوله عليه السلام: "إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات". كالأخ لأب وأم، أو الأخت لأب وأم إذا صارت عصبةً مع البنت أولى من الأخ لأب والأخت لأب، وابن الأخ لأب وأم أولى من ابن الأخ لأب، اهـ". سراجي، ص: ۱٦ (۲)۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۳/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ ربیع الاول/ ۶۳ھ۔

عینی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کو کچھ نہیں ملتا

سوال [۵۹۸۳]: ایک شخص فوت ہوجاتا ہے اور مندرجہ ذیل ورثہ چھوڑتا ہے، اس کی میراث کس

---

(۱) "يبدأ من تركة الميت الخالية عن حق الغير بتجهيزه -يعم التكفين- ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث ما بقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته". (الدرالمختار: ۲/۷٦۳، كتاب الفرائض، سعيد)

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأولىٰ يبدأ بتكفينه، ثم تقضىٰ ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم بين ورثته". (السراجي، ص: ۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ٦/۷٥۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (السراجي، ص: ۱۳، سعيد)

"ويرجحون بقوة القرابة، فمن كان لأبوين من العصبات مقدّمٌ علىٰ من كان لأب، لقوله صلى الله عليه وسلم: "إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات". (الدرالمختار: ٦/۷۷٥، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/٥۰٦، كتاب الفرائض، غفاريه، كوئته)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/٥۲۲، ٥۲۳، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه، پشاور)

طرح تقسیم کی جائے: دو برادر حقیقی، دو برادر علاتی، ایک ہمشیرہ حقیقی، ایک ہمشیرہ علاتی۔

مسـ

أخ عینی	أخ عینی	أخ علاتی	اخ علاتی	أخت عینی	أخت علاتی

بینوا توجروا۔

مسکین علی احمد غفر اللہ لہ، اسکندری، ۱۳/شوال/ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث کل پانچ سہام ہوں گے: دو دو ہر دو حقیقی بھائیوں کو ملیں گے(۱)، ایک سہم حقیقی بہن کو ملے گا، علاتی بھائی بہن محروم رہیں گے، لقولہ علیہ السلام: "إن أعیان بنی الأم یتوارثون دون بنی العلات، اھ". سراجی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ ۱۰/ ۱۳۶۷ھ۔

---

(۱) واضح رہے کہ بھائی بہن ملکر دونوں عصبہ بن جاتے ہیں تو بقاعدہ "للذکر مثل حظ الأنثیین" کے دو دو حصے ہر ایک بھائی کو، اور ایک حصہ بہن کو ملے گا:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"اذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فیکون للابن مثل حظ الأنثیین". (تبیین الحقائق: ۷/ ۴۸۰، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/ ۴۴۸، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۲) (السراجی، ص: ۱۳، ۱۴، سعید)

(وکذا فی الدر المختار: ۶/ ۷۷۵، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۴/ ۵۰۶، کتاب الفرائض، غفاریه، کوئٹه، ودار الکتب العلمیة بیروت) =

علاتی بہن اور چچازاد بھائی کے درمیان تقسیمِ ترکہ

سوال[۹۸۳۶] زید وفات پاتا ہے اور پسماندگان میں سے ایک اپنی سوتیلی ماں کی لڑکی ہے (علاتی بہن) اور دو چچازاد بھائی چھوڑتا ہے اور بس۔ اس کے ترکہ کو۔منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔کس طرح اور کن کن پر تقسیم کیا جائے گا؟

السائل محمد عزیز، علی گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۲، تصــ ۴ زید

چچازاد بھائی		چچازاد بھائی	علاتی بہن
۱	۱/۲	۱	۱/۲

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین واداے دینِ میت از کل مال، وتنفیذِ وصیت وغیرہ از ثلثِ مال(۱) زید کا کل ترکہ چار سہام قرار دیکر حسبِ نقشۂ بالا ورثہ پر تقسیم ہوگا، یعنی علاتی بہن کو دو، ہر دو چچازاد بھائیوں کو ایک ایک (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ربیع الاول۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

= "عن علي أنه قال: إنكم تقرأون هذه الآية ﴿من بعد وصيّة توصون بها أو دين﴾ وأن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قضى بالدين قبل الوصية، وأن أعيان بني الأم يرثون دون بني العلات، الرجل يرث أخاه لأبيه وأمه دون أخيه لأبيه". (جامع الترمذي، أبواب الفرائض، باب ماجاء في ميراث الإخوة من الأب والأم: ۲/ ۲۹، سعيد)

(۱) "يبدأ بتكفينه وتجهيزه .... ثم تقضىٰ ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجية، ص: ۳، سعيد) ....=

بھتیجوں اور بھانجیوں میں ترکہ کی تقسیم

سوال[۷ ۹۸۳]: اگر کوئی شخص فوت ہوجائے اور تین حقیقی بھتیجیاں اور تین حقیقی بھانجیاں چھوڑے تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۳، تصــ ۹

تین حقیقی بھتیجیاں	تین حقیقی بھانجیاں
۲/۶	۱/۳

یہ سب ورثاء ذوی الارحام کی صفِ ثالث کے ہیں، اولاً اصول پر تقسیم کرکے پھر ان کا حصہ ان کے فروع کو دیا جائے گا۔ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے(۱)۔ اور پھر مسائل ذوی الارحام میں ان کے قول پر

= (وكذا في الدرالمختار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كن نساءً فوق اثنتين، فلهن ثلثا ماترك، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"السادسة: الأخوات لأب .... فللواحدة النصف، وللأكثر الثلثان عند عدم الأخوات لأب وأم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(وكذا في السراجية، ص: ۱۰، فصل في النساء، سعيد)

(۱) "وأما إذا اختلف الفروع والأصول، اعتبر محمد رحمة الله عليه في ذلك الأصول، وقسم عليهم أثلاثاً، وأعطى كلاً من الفروع نصيب أصله، وهما اعتبرا الفروع فقط، لكن قول محمد رحمة الله عليه أشهر الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في جميع ذوي الأرحام، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۷۹۷، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۴۷، ۴۸، باب ذوي الأرحام، فصل في الصنف الثالث، سعيد) =

فتویٰ ہے، كما في شرح عقود رسم المفتي(۱)۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ظاہر قول یہی ہے، كما في الشريفيه، ص: ۱۲۵(۲)۔ لہذا کل نو سہام بنا کر دو دو سہام تینوں حقیقی بھتیجیوں کو ملیں گے، ایک ایک سہام تینوں حقیقی بھانجیوں کو ملیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۱۳۸۸ھ۔

دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم میراث

سوال[۸۹۸۳]: زید کی پہلی بیوی سے دو لڑکے اور ایک لڑکی، دوسری بیوی سے صرف ایک لڑکا ہے۔ بتلایئے کہ باپ کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر صرف یہ ہی وارث ہیں تو کل سات سہام (حصے) بنا کر دو دو سہام (حصے) تینوں لڑکوں کو ملیں گے ایک (حصہ) لڑکی کو ملے گا(۳)۔ دین، مہر وغیرہ ادا کرنا تقسیم میراث سے پہلے ضروری ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۸۰/۲، كتاب الفرائض، فصل في ذوي الأرحام، مكتبه حقانيه، پشاور)

(۱) "الثالث ما في متن الملتقىٰ وغيره في مسئلة القسمة على ذوي الأرحام: وبقول محمد يفتي. قال في سكب الأنهر: أي في جميع توريث ذوي الأرحام، وهو أشهر الروايتين عن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وبه يفتي، قاله الشيخ .... وقال في الكافي: وقول محمد أشهر الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في جميع ذوي الأرحام، وعليه الفتوىٰ". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۸۰، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) "وقول محمد أشهر الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في جميع أحكام ذوي الأرحام، وعليه الفتوىٰ". (الشريفية، ص: ۱۰۷، باب ذوي الأرحام، سعيد)

(۳) لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملکر عصبہ بن جاتے ہیں اور ورثہ میں اگر صرف عصبہ ہو تو کل جائیداد انہی کو ملے گا:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

"إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فيكون لابن مثل حظ الأنثيين". (تبيين الحقائق: ۴۸۰/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۶، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(۴) "ثم تقدم ديونه التي لها مُطالبٌ من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك =

دو بیویوں کی اولاد میں تقسیمِ ترکہ

سوال[۹۸۳۹]: زید کی سب سے پہلی بیوی جوتھی اس سے ایک لڑکا ہے، زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، زید نے اس کے بعد دوسری بیوی کی، اس بیوی سے دولڑکیاں باقی تھیں۔ زید کا جب انتقال ہوا تو اس بیوی سے لڑکا پیٹ میں تھا، زید کے مرنے کے بعد چھ ماہ بعد یہ لڑکا پیدا ہوا، دولڑکیاں اور لڑکا ہوگیا۔ لڑکیاں جوتھیں وہ اپنی والدہ ہی کے سامنے انتقال فرما گئیں تھیں۔ زید کا جس وقت انتقال ہوا تو وہ آدھا مکان چھوڑ کر مر گئے تھے، جس وقت یہ دوسری بیوی کا لڑکا ہوشیار ہوگیا۔

جو تہائی مکان جو اس کو ملا تھا، دونوں لڑکوں نے آپس میں تقسیم کر کے چوتھائی، چوتھائی کرلیا تھا۔ دوسری بیوی کے لڑکے نے مبلغ پانچسو روپیہ فروخت کردیا تھا، اب وہ دوسری بیوی کا لڑکا اپنی والدہ کا آٹھواں حصہ اور اپنی دونوں بہنوں کا حصہ مانگتا ہے۔ تو اب التماس ہے کہ پہلی بیوی کا جولڑکا ہے اس کو بھی حق پہنچتا ہے یا نہیں بہنوں کے حصہ میں سے کیوں دولڑکیاں جوتھیں وہ بھی ایک ہی باپ سے تھیں؟

زید کی دوسری بیوی سے جولڑکا ہے وہ پہلی بیوی کے لڑکے سے اپنی بہنوں اور والدہ کا حصہ مانگتا ہے، اپنا مکان کا تہائی اس نے فروخت کردیا تھا، اب پہلی بیوی کا جولڑکا ہے اس کے حصہ میں سے اپنی والدہ اور بہنوں کا حصہ مانگتا ہے تو بہنوں اور والدہ کے حصہ میں سے پہلی بیوی کے لڑکے کو ان کے حصہ میں سے کچھ پہنچے یا نہیں؟

محبوب الرحمٰن، محلہ ٹولی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک بیوی کو اور اس کی اولاد کو دوسری بیوی کے حصہ سے اور دوسری بیوی کی اولاد کے حصہ سے کچھ نہیں ملے گا، لہذا دوسری بیوی کی لڑکیوں کے حصہ میں پہلی بیوی کے لڑکے............اسی طرح دوسری بیوی کے لڑکے کو

= بین ورثته". (الدر المختار: ۶/۷۶۱، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۷/۴۷۲، کتاب الفرائض، دار الکتب العلمیة بیروت)

ان بہنوں اور ماں کے حصہ کے مطالبہ کا پہلی بیوی کے لڑکے کے حصہ میں سے کوئی حق نہیں (۱)۔ البتہ باپ جمیع ترکہ میں سے اپنی بہنوں اور ماں کا حصہ اور مہر (بشرطیکہ مہر کی ادائیگی یا معافی نہ ہوئی ہو) کے مطالبہ کی حقدار ہے، اسی طرح پہلی بیوی کا لڑکا بھی جمیع ترکہ میں سے اپنی ماں کا مہر -بشرطیکہ مہر کی ادائیگی یا معافی نہ ہوئی ہو- وصول کرسکتا ہے (۲) اور جس قدر حصہ ماں کے ترکہ اور بہنوں کے ترکہ سے دوسری بیوی کے لڑکے کو پہنچے اس کو فروخت کرسکتا ہے (۳)۔

مسئلہ ۸، تصـــ ۴۸

زوجہ اولیٰ	زوجہ ثانیہ	ابن زوجہ اولیٰ	ابن زوجہ ثانیہ	بنت	بنت
	$\frac{1}{6}$	۱۴	۱۴	۷	۷

کأن لم تکن؛

لانها ماتت قبله

(۱) چونکہ اسباب ارث میں کوئی سبب نہیں پایا جارہا ہے، اس وجہ سے استحقاق نہیں: "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۳، كتاب الفرائض، الفصل الأول، رشيديه)

(۲) "المرأة يأخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة". (خلاصة الفتاوى: ۴/۴۲۱، كتاب الوصايا، الفصل السابع في الدعوى والشهادة، رشيديه)

(۳) اس صورت میں لڑکا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کو ملے گا:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

کل ترکہ حسبِ نقشۂ مسطورہ تقسیم کیا جاوے۔ دوسری بیوی اور اس کی لڑکیوں کے ترکہ کی تقسیم پورے ورثہ معلوم ہونے پر لکھی جاسکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

سوال متعلق استفتاء بالا

سوال [۹۸۴۰]: جس وقت زید کا انتقال ہوا تھا تو جو دوسری بیوی تھی وہ زندہ تھی، اس وقت اس بیوی کے پاس دونوں بیویوں کا زیور اور برتن وغیرہ ہا ہے تو یہ سامان سب اس بیوی کے والدین کے یہاں رہے، بعد میں اس دوسری بیوی کا انتقال ہوگیا تو وہ سب سامان اس کے والدین کے پاس رہا۔ جب لڑکا ہوشیار ہوگیا تو اس کے ماموں نے سب سامان لڑکے کو دیدیا اور لڑکے کی شادی ہوئی تو سب زیور لڑکے کی بیوی کو چڑھادیا اور برتن وغیرہ اس کے قبضہ میں دیدیے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک باپ کے دو لڑکے ہیں، زیور وغیرہ میں دونوں کا حق ہے یا ایک کا؟

سائل بالا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زیور وغیرہ پہلی بیوی کی ملک ہے، اس میں دوسری بیوی اور دوسری بیوی کی اولاد کا کوئی حق نہیں (۲)،

---

(۱) نقشۂ مذکورہ کے مطابق تمام اہلِ سہام کے حصص کی عبارات بالترتیب ذکر کی جاتی ہیں: زوجۂ اولیٰ کو میراث اس وجہ سے نہیں ملے گا کہ میراث زندہ کو ورثہ کو ملے گا، نہ کہ فوت شدہ کو:

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقةً أو حكماً، ووجود وارثه عند موته حياً، والعلم بجهة الإرث". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۷۵۸/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴۹۴/۴، غفاريه كوئته)

زوجۂ ثانیہ چونکہ مرحوم کے مرنے کے بعد زندہ تھی لہٰذا مرحوم کے ترکہ میں ثمن (آٹھویں حصے) کی مستحق ہوگی:

قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

بیٹے اور بیٹیاں چونکہ عصبہ ہیں تو بقاعدہ "للذكر مثل حظ الأنثيين" کے تقسیم ہوگی۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

(۲) استحقاقِ ارث کے اسباب ثلاثہ میں سے کوئی سبب نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر مستحق ہے، "ويستحق الإرث برحم =

وہ تمام پہلی بیوی کے لڑکے کا ہے (بشرطیکہ کوئی اَور شرعی وارث نہ ہو)(۱)۔ اور جو سامان زید کا ہے، اس کی تقسیم کی صورت جواب نمبر:۱، میں بیان کردی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۷/۶/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الثانیہ/۱۳۵۴ھ۔

عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت

سوال[۱۹۸۴۱]: ایک شخص غلام حیدر خاں تھے، ان سے دولڑکے پیدا ہوئے۔ غلام قادر خاں کے ایک پسر غلام حضرت خاں، وغلام دستگیر خاں کے دولڑکے: غلام فرید خاں وعبدالوہاب خاں۔ عبدالوہاب خاں کے پسر محمد رفیق خاں جولاولد فوت ہوئے۔ غلام فرید خاں کے دولڑکے: عبدالرشید خاں وعبدالوحید خاں ومسماۃ عزیز بیگم۔ عزیز بیگم کی ایک لڑکی سلطان جہاں ہوئی۔ سب فوت ہوگئے، صرف سلطان جہاں حیات ہیں۔

سب سے آخر میں عبدالوحید خاں کا انتقال ہوا ہے، ان کے ترکہ کے متعلق علماء سے فتویٰ لیا گیا، تو علمائے ٹونک نے سلطان جہاں کو ذوی الارحام میں سے مان کر عبدالوحید خاں کا ترکہ یوں تقسیم کیا ہے کہ:

''عبدالوحید خاں کی دو بیوہ گاں کو ایک چہارم دے کر باقی میں چوتھائی، یا یوں کہا جائے کہ بیوہ گاں کو ۴/ دیگر باقی ۱۲/ بھانجی سلطان جہاں کو۔ تجمل حسین خاں عصبہ نہیں ہیں، ان کا کچھ حق نہیں ہے''۔

اور علمائے بھوپال نے یہ فتویٰ دیا کہ:

= ونكاح وولاء". (الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۳، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ بیٹا عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل مال کا مستحق ہوگا:

اس صورت میں لڑکا عصبہ ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام ترکہ عصبہ کو ملے گا:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۸۵، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

''تجمل حسین خاں عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام مسماۃ سلطان جہاں کا کوئی حق نہیں ہے۔ ۴/ بیوگاں کا نکال کر باقی ۱۲/ تجمل حسین کو ملے گا''۔

میں حیران ہوں کہ یہ کیا بات ہے، کس کو صحیح مان کر عمل کیا جائے؟ براہِ عنایت ان دونوں فتاویٰ کے اختلاف کا باعث اور ان میں کسی ایک کے صحیح ہونے اور دوسرے کے غلط ہونے کی وجوہ ودلائل تحریر فرما کر مجھ کو ممنون ومشکور فرماویں اور اللہ تعالیٰ سے اجرِ عظیم حاصل فرمائیں۔ بینوا توجروا، یکم جنوری/ ۴۸ء۔

نوٹ: غلام حیدر خاں کے انتقال کو یک صد برس سے زائد عرصہ گذر چکا ہے، ان کا انتقال ۱۲۵۱ھ میں ہوا ہے۔ اور عبدالوحید خاں نے اپنے بھائی عبدالرشید خاں کی وفات پر ان کے ترکہ کے متعلق عدالت میں یہ بیان دیا ہے کہ میرے بھائی عبدالرشید خاں کا وارث سوا میری اور میری بھانجی سلطان جہاں کے اَور کوئی نہیں ہے۔

حمر خاں، مقام مالو سنٹرل، انڈیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ تھا کہ وہ فتاویٰ بھی ہمراہ بھیجے جاتے جن میں اختلاف ہوا، تاکہ فریقین کے بیان کردہ دلائل میں بھی غور کرنے کا موقع ملتا۔ سراجی میں اگرچہ ''فرع أجداده'' نہیں فرمایا، لیکن دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ امام کردری نے جامع وجیز میں ترتیب عصبات کے ذیل میں لکھا ہے:

''ثم عم الأب لأب وأم، ثم عم الأب لأب، ثم ابن عم الأب لأب وأم، ثم ابن العم لأب، وهكذا بنوهما وإن سفلوا، وهكذا عمومة الأجداد وإن علوا، وأولادهم الذُّكران وإن سفلوا، اهـ''۔ فتاویٰ بزازیہ: ۴۵۶/۳ (۱)۔

یہ کتاب کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی نہیں، نہ یہ اردو میں ہے، نہ غیر معتبر ہے، بلکہ کشف الظنون میں

(۱) (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۶/۲، كتاب الفرائض، الفصل الثاني في العصبات المحضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸۳/۹، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۸۷/۷، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية، بيروت)

اس کے متعلق لکھا ہے:

"وذكر الأئمة أن عليه التحويل، قيل لأبي سعود المفتي: لِما لم تجمع المسائل المهمة ولم تؤلف فيها كتاباً؟ قال: إني أستحيي من صاحب البزازية مع وجود كتابه؛ لأنه مجموعة شريفة جامعة للمهمات كما ينبغي، اهـ"(۱)۔

رہا یہ اشکال کہ ایسے عموم کی حالت میں ذوی الارحام کی توریث کا مدار عدمِ علمِ عصبات پر ہے کہ بغیر تحقیق کسی کو عصبہ قرار دیکر وارث نہیں بنایا جاسکتا (۲)۔ بوضع المال فی بیت المال کی صورت میں جو اشکال عصبات کے متعلق ہے وہ ذوی الارحام کے متعلق بھی ہوگا، بلکہ اس سے زائد ہوگا، کیونکہ عصوبت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مستثنیٰ کیا گیا ہے، مگر ذوی الارحام سے تو وہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ پھر ایسی کونسی صورت نکل سکتی ہے کہ میت کے ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو، اور بیت المال کے حوالے اس کا ترکہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وأعلمہ وأتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

اگر اس بات کا شرعی ثبوت موجود ہے کہ عبدالوحید خاں کے دادا یا پردادا کی نسل میں کوئی مذکر موجود ہے، خواہ وہ کوئی ہو تجمل حسین ہو یا عمرو بکر، اس کو عبدالوحید خاں صاحب کے ترکہ سے حصہ ملے گا (۳)۔ ذوی

---

(۱) (كشف الظنون: ۱/۲۴۲ باب الباء، منشورات مكتبة المثنى بغداد العراق)

(۲) "رجل طلب الميراث وادّعى أنه عم الميت، يشترط لصحة دعواه أن يفسّر، ويقول: هو عمه لأبيه وأمه، أو لأبيه، أو لأمه. ويشترط أن يقول: وهو وارثه ولاوارث غيره". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۴، كتاب الدعوى، مكتبه ميمنية مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۵۸۵، كتاب الدعوى، باب دعوى النسب، سعيد)

(۳) "وإنما يرث ذووا الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه ولم يكن عصبة". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۹، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام، رشيديه)

"وهو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبة ولايرث مع ذي سهم ولا عصبة". (الدر المختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۷، الفصل الثالث في ذوي الأرحام، رشيديه)

الارحام کو عصبہ کی موجودگی میں حصہ نہیں ملتا، اس کے ثبوت کیلئے مفتی محمود صاحب نے جو عبارات پیش کی ہیں وہ کافی ہیں، اوراس صورت میں تجمل حسین خاں کو اگر عصبہ ہیں، یعنی عبدالوحید خاں کے سلسلہ نسب میں اوپر جا کر پردادا، یا اس سے اوپر کسی جگہ مل جاتے ہیں تو علاوہ ان کی زوجہ کے حصہ کے سب کے وہ بھی وارث ہوں گے (۱) بھانجی وارث نہ ہوگی (۲)۔ ہاں! اگر تجمل حسین کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو ان کو حصہ نہ ملے گا، بھانجی وارث ہوگی۔

جناب مولانا مفتی سرفراز احمد صاحب نے سراجی کے علاوہ دوسری کتابیں غالباً اس وقت مطالعہ نہیں فرمائیں، اگر وہ اور کتابوں کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرمائیں گے۔ واللّٰہ الهادی إلی صراط مستقیم(۳)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۰/ ربیع الاول/ ۱۳۶۸ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ زوجہ ان ذوی الفروض میں سے ہے جن پر رد نہیں کیا جاسکتا یعنی ذوی الفروض سببیہ میں ہے جیسا کہ تمام فتاویٰ میں یہ قید موجود ہے، کما فی الدر:

"ثم الرد علی ذوی الفروض السببیه کالزوجین؛ لأن سبب الرد هو القرابة الباقیة بعد أخذ الفرض، وقرابة الزوجیة حکمیة لاتبقی بعد أخذ الفرض، فلا رد لانتفاء سببه" (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۴، سعید)

"ولایرث مع ذی سهم ولا عصبة سوی الزوجین، لعدم الرد علیهما". (الدرالمختار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام: ۶/ ۷۹۱، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الفصل الثانی فی ذوی الأرحام: ۶/ ۴۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام: ۶/ ۴۵۹، رشیدیه)

(۲) اس لئے کہ بھانجی ذوی الارحام میں سے ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے۔

(۳) سوال میں نفسِ مسئلہ پوچھا گیا ہے اور ساتھ ہی دو فتووں میں تعارض بیان کیا گیا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتداءً فرمایا ہے کہ: "بہتر یہ تھا کہ وہ فتاویٰ بھی ہمراہ بھیجے جاتے جن میں اختلاف ہوا، تاکہ فریقین کے بیان کردہ دلائل میں بھی غور کا موقع ملتا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مذکورہ سوال کے ساتھ مستفتی نے وہ دو فتاویٰ ساتھ نہیں بھیجے ہیں، لیکن مذکورہ بالا عبارت کے متصل ہی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "سراجی میں اگرچہ "فرع أجداده" نہیں فرمایا، لیکن =

میراث ذوی الارحام

سوال[۹۸۴۲]: زید کا انتقال ہوا۔ چھوڑا حقیقی ماموں کے دولڑکے، عمر، بکراور حقیقی پھوپھی کے دو لڑکے: خالد، واقد، اور ایک لڑکی زبیدہ کو۔ پس ان پھوپھی زاد بھائی بہن پر زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ دونوں ماموں زاد بھائی ایک ایک ماموں کے لڑکے ہیں اور پھوپھی زاد بھائی خالد و واقد ایک پھوپھی کے لڑکے ہیں اور زبیدہ دوسری پھوپھی کی لڑکی ہے، لیکن سب حقیقی ہی پھوپھی کی اولاد ہیں۔ جواب مدلل مع حوالہ کتاب عنایت ہو۔

مولوی محمد یاسین، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ۔

= دوسری جگہ اس کی تصریح موجود ہے الخ"۔

اس کے بعد جامع وجیز (فتاویٰ بزازیہ) کی عبارت نقل کر کے فرمایا ہے: "یہ کتاب کسی ہندوستانی کی نہیں، نہ یہ اردو میں ہے، نہ غیر معتبر ہے بلکہ کشف الظنون میں اس سے متعلق لکھا ہے، الخ"۔ پھر کشف الظنون کی عبارت نقل فرمائی ہے۔ آگے جا کر اشکال نقل فرما کر جواب دیا ہے۔ اسی طرح حضرت مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے، اور پھر آخر میں یہ فرمایا کہ: "جناب مولانا مفتی سرفراز احمد صاحب نے سراجی کے علاوہ دوسری کتاب غالباً اس وقت مطالعہ نہیں فرمائیں، اگر وہ اور کتابوں کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرمائیں گے"۔

تو ان دونوں حضرات (حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب اور مفتی سعید احمد صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ) کی مجموعی عبارات سے معلوم ہوا کہ سوال کے ساتھ سائل نے دونوں متعارض فتاویٰ بھی بھیجے ہیں۔

لہٰذا حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتِ اولیٰ اور عباراتِ آخرہ میں، اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی آخری عبارت کا حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتِ اولیٰ میں بظاہر تعارض ہے، یہی وجہ ہے کہ سوالِ مذکور کے اندران دونوں حضرات کی کی ہوئی وضاحتوں اور جوابی تفصیلی عبارات سے متعلق کوئی ایسی چیز نہیں جس کو دیکھ کر کہا جائے کہ ان حضرات کی وضاحتیں فلاں جملہ کے مقابلہ میں ہیں۔

لہٰذا کہا جائے گا کہ سائل نے پہلی مرتبہ سوالِ مذکور بھیجا، پھر حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا، اس میں حضرتؒ کے جملۂ اولیٰ کو دیکھ کر سائل نے وہ دو فتاویٰ متعارضہ بھی بھیج دیئے، اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے عبارتِ اولیٰ کے بعد والا جواب دیا ہے۔ لیکن شاید مرتبین حضرات سے تسامح ہوا کہ حضرتؒ کے جوابِ اول اور اس کے بعد فتاویٰ متعارضہ کو نقل نہیں کیا، اس جوابِ اول کا صرف ایک جملہ نقل کر کے جوابِ ثانی کو بغیر فتاویٰ متعارضہ کے نقل کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال وعلمہ اتم واحکم۔ (فضلِ مولیٰ بن فضل خالق المرحوم)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جملہ ورثاء ذوی الارحام کی صنفِ رابع کی اولاد ہیں اور قرب میں سب مساوی ہیں، مگر حیزِ قرابت مختلف ہے اور کوئی وَلدِ عصبہ نہیں۔ عمر اور بکر کی قرابت والدہ کی جانب سے ہے، لہذا اصل مسئلہ تین سے قرار دے کر دو ثلث تو والد کے قرابت والوں یعنی پھوپھی زاد بھائی بہن بھائیوں کو ملے گا اور ایک ثلث والدہ کی قرابت والوں یعنی ماموں زاد بھائیوں کو ملے گا، اس کے بعد پھوپھی کی اولاد کو جو کچھ ملا تھا وہ ان کے درمیان "للذکر مثل حظ الأنثیین" تقسیم ہو جائے اور تیس سے تصحیح ہو جائے۔

مسئلہ ۳، تص ۳۰

ماموں کا لڑکا	ماموں کا لڑکا	پھوپھی کا لڑکا	پھوپھی کا لڑکا	پھوپھی کی لڑکی
عمر	بکر	خالد	واقد	زبیدہ
۵	۵	۸	۸	۴

"وإن اختلف حیز قرابتهم، فالثلثان لمن یدلی بقرابة الأب، فالثلث لمن یدلی بقرابة الأم، اهـ". شامی: ۵/۵۰۷(۱)، وهکذا فی السراجیة، ص: ۴۵(۲)، و الشریفیة، ص: ۱۳۳(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

(۱) (ردالمحتار: ۶/۷۹۲، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام، سعید)

(۲) "وإن استووا فی القرب ولکن اختلف حیز قرابتهم .... لکن الثلثین لمن یدلی بقرابة الأب، فتعتبر فیهم قوة القرابة، ثم ولد العصبة. والثلث لمن یدلی بقرابة الأم، وتعتبر فیهم قوة القرابة".

(السراجیة، ص: ۵۳، باب ذوی الأرحام، فصل فی الصنف الرابع وفی أولادهم، سعید)

(۳) (الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۱۲۰، باب ذوی الأرحام، فصل فی الصنف الرابع وأولادهم، سعید)

ذوی الارحام کا مسئلہ

سوال [۹۸۴۳]: زید کا انتقال ہوگیا ہے، وہ ایک بنت العم اور خال چھوڑ گیا ہے۔ ان دونوں میں سے ترکۂ زید کا وارث کون ہوگا؟ مع حوالہ کتب بیان فرمائیں۔

فضل الحق، کمرلائی، ۹/ شعبان/۱۳۶۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسئلہ ۵

بنت العم	خال
۴	۱

یہ دونوں وارث ذوی الارحام کی چوتھی قسم میں داخل ہیں اور ایک من جہۃ الاب ہے، دوسرا من جہۃ الام ہے۔ تقسیم کی صورت یہ ہے کہ دوثلث بنت العم کو ملے گا اور ایک ثلث خال کو(۱) بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۸/ شوال/۱۳۶۲ھ۔

---

(۱) "وإن كان حيز قرابتهم مختلفًا، فلا اعتبار لقوة القرابة كعمة لأب وأم، وخالة لأم، أوخالة لأب وأم، وعمة لأم، فالثلثان لقرابة الأب، والثلث لقرابة الأم". (السراجي، ص: ۵۱، باب ذوی الأرحام، فصل في الصنف الرابع، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۹۷، كتاب الفرائض، باب توريث ذوى الأرحام، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۸۱، كتاب الفرائض، فصل في ذوى الأرحام، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۶۴، كتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوى الأرحام الصنف الرابع، رشيديه)

(۲) حقوقِ متقدمہ یعنی تجہیز وتکفین، ادائے دین، اگر وصیت کی ہے تو تنفیذ وصیت کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا: =

ذوی الارحام کی حد بندی

سوال[۹۸۴۴]: سراجی ودیگر کتبِ فرائض میں عصبات کے تحت میں لفظ"وإن علا، وإن سفلوا"لکھ کر درجاتِ عصبات کو غیر محدود کردیا ہے، بایں صورت توریث ذوی الارحام ناممکن ہوجاتی ہے، مثلاً: قوم خوجہ ایک شخص سے چلی، اب یہ قوم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہے، اب میت کے ورثہ میں تو جزء الجد موجود نہیں، لیکن ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ ان کا جزء الجد ضرور کسی نہ کسی جگہ ضرور موجود ہوگا اور شجرۂ نسب ہر قوم کا ملنا مشکل ہے۔

صورت ہذا میں اگر ذوی الارحام کو کچھ دیا گیا، تو عصبات موجودہ غیر معلوم محروم رہ جائیں گے، اب توریثِ ذوی الارحام بغیر حد بندی نہیں ہوسکتی۔ اگر حد بندی عصبات کی کوئی صورت ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں، ورنہ اشکال کا جواب تحریر فرمائیں۔

صورت ہذا کے ماتحت جائیداد میں پھوپھیوں کو کچھ ملے گا یا نہیں غلام حسن کی موجودگی میں؟

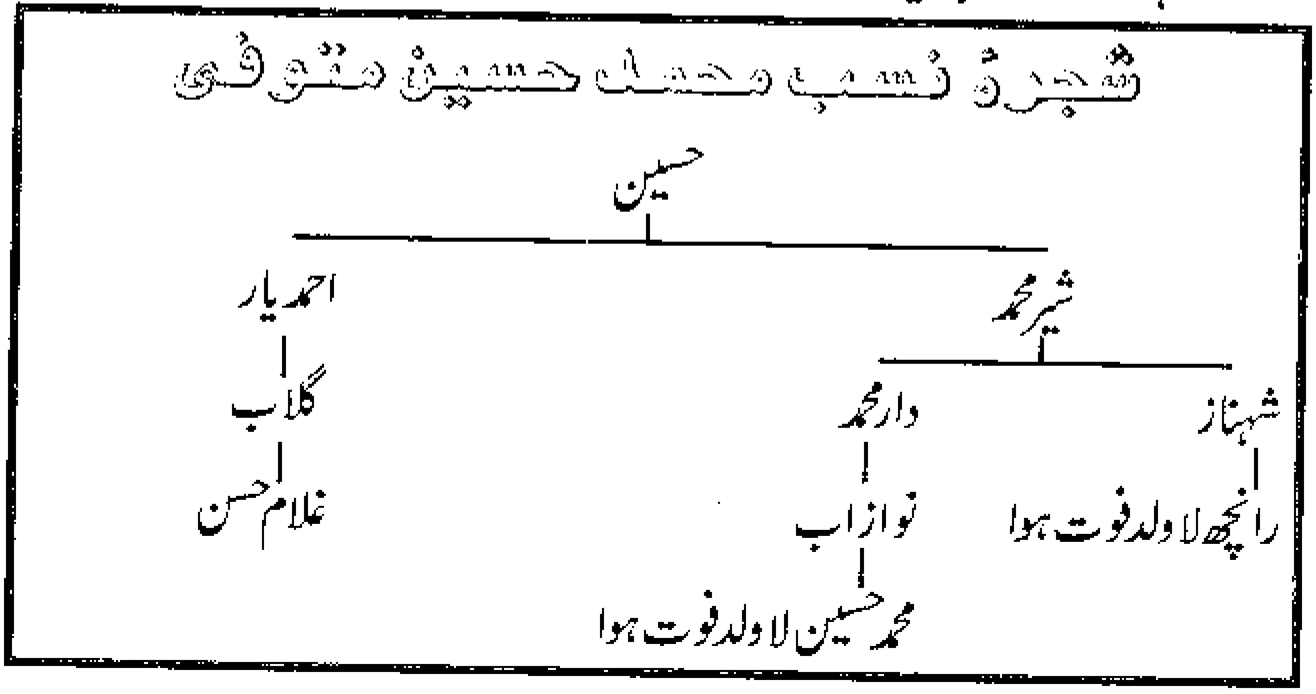

المستفتی: محمد عبدالحق، مقام تورال ضلع ڈیرہ۔

= "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا اشکال صحیح ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ توریثِ ذوی الارحام کی صورت صرف یہ کہ عصبات کی عصبیت کا ثبوت نہ ہو(۱)، ورنہ حقیقۃً عصبات کا عدم دشوار ہے، حد بندی کی ضرورت نہیں، ثبوتِ شرعی پر تحقیق کافی ہے۔ صورت مسئولہ میں پھوپھیوں کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ عصبہ محمد حسین متوفی کا یعنی پردادا مسمی شیر محمد کے بھائی احمد یار کا پوتا مسمی غلام حسن موجود ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم رہتے ہیں۔ لہذا اگر محمد حسین کا کوئی اور شرعی وارث موجود نہیں، صرف پھوپھیاں اور پردادا کے بھائی کا پوتا موجود ہے تو کل ترکہ بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث کے پردادا کے بھائی کے پوتے کو مل جائے گا(۲)۔ نیز پھوپھیاں محروم رہیں گی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۶/۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۱ھ۔

بیوہ، علاتی بھتیجی اور حقیقی بھانجوں میں تقسیم ترکہ

سوال[۹۸۴۵]: زید کا انتقال ہوا، چھوڑا زوجہ ہندہ اور علاتی بھتیجی صالحہ اور پانچ حقیقی بھانجے: محمد

---

(۱) "وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحدٌ من أصحاب الفرائض ممن يرد عليه، ولم يكن عصبة".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۹/۶، كتاب الفرائض، باب في ذوي الأرحام، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۹۱/۶، كتاب الفرائض، باب ذوي الأرحام، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۷/۶، كتاب الفرائض، الثالث في ذوي الأرحام، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ عصبہ ہے اور عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کا مستحق ہوگا:

"العصبة من يأخذ جميع المال عند انفراده وما أبقته الفرائض عند وجود مَن له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۴۸۵/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۱/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۷۴/۶، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

عمر، محمد حسن، محمد حسین، محمد سلیم، محمد ظہیر کو۔ پس ترکہ زید کا کس طرح تقسیم ہوگا؟ جواب مدلل مع عبارت وحوالہ کتاب کے تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علاتی بھتیجی اور حقیقی بھانجے ذوی الارحام کی صنفِ ثالث میں داخل ہیں جن کی نوعیت توریث میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اور فتویٰ اما محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اولاً ان کے اصول پر میراث تقسیم کی جائے، پھر ان اصول کا حصہ ان کے فروع کو دیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ربع زوجہ کا، نصف حقیقی بہن کا، باقی علاتی بھائی کا

مسئلہ ۴

زوجہ	حقیقی بہن	علاتی بھائی
۱	۲	۱

مسئلہ ۴، تصـــ ۲۰

زوجہ	حقیقی بھانجے					علاتی بھتیجی
	۱					
ہندہ	محمد عمر	محمد حسن	محمد حسین	محمد سلیم	محمد ظہیر	صالحہ
$\frac{1}{5}$	۲	۲	۲	۲	۲	$\frac{1}{5}$

"أو كان بعضهم أولاد العصبات وبعضهم أولاد أصحاب الفرائض، فأبو يوسف رحمة الله تعالى عليه يعتبر الأقوى، ومحمد رحمة الله تعالى عليه يقسّم المال على الإخوة والأخوات مع اعتبار عدد الفروع والجهات في الأصول، فما أصاب كل فريق يقسّم بين

فروعهم، اهـ". سراجی، ص: ۴۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۶۶ھ۔

بیوہ، حقیقی ممانی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور بہنوں میں تقسیمِ ترکہ

سوال[۹۸۴۶]: زید کا انتقال ہوگیا، حسبِ ذیل وارث چھوڑے: بیوی، حقیقی ممانی، دو حقیقی ماموں زاد بھائی اور دو حقیقی ماموں زاد بہنیں۔ زید کے والد کے چار حقیقی ماموں زاد بھائی اور تین حقیقی چچازاد بہنیں۔ سب سے پہلے بیوی کا مہر دینا ہوگا، بعد کو جو کچھ بچے گا ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ تو کون کون ان وارثوں میں کتنے کتنے کا حقدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعد تجہیز وتکفین اول زید کے ذمہ جو قرض، مہر وغیرہ ہو، اس کو ادا کیا جائے، پھر اگر اس نے کچھ وصیت کی ہو تو ایک تہائی ترکہ سے وہ وصیت پوری کی جائے (۲)، اس کے بعد ایک چوتھائی ترکہ زید کی بیوی کو دیا جائے (۳)، بقیہ زید کے والد کے پانچ حقیقی چچازاد بھائیوں میں برابر تقسیم کردیا جائے (۴)، ان کے علاوہ مذکورہ رشتہ داروں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا، چاہے وہ زید کی والدہ کے عزیز ہوں یا والد کے عزیز ہوں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) (السراجی، ص: ۴۸، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۱، كتاب الفرائض، باب ذوي الأرحام، الصنف الثالث، رشيديه)

(وكذا في الشريفية شرح سراجية، ص: ۱۱۲، ۱۱۱، باب ذوي الأرحام، رشيديه)

(۲) "يبدأ من تركة الميت بتجهيزه -يعم التكفين- ثم تقدم ديونه التي لها مُطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بعد ذلك بين ورثته". (الدر المختار: ۶/۷۵۹، ۷۶۰، كتاب الفرائض، سعيد)

....

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٤٧، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيديه)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (سورة النساء: ١٢)

"والربع لها عند عدمهما، فللزوجات حالتان: الربع بلاولد، والثمن مع الولد". (الدرالمختار: ٦/٧٧٠، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٥٠، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(۴) مذکورہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ میت کے ورثاء میں ایک بیوہ زید کے والد کے پانچ حقیقی چچازاد بھائی ہوں۔

موجودہ سوال میں مذکورورثاء میں تقسیم میراث اس طرح سے ہوگا کہ کل ترکہ کوآٹھ حصوں میں تقسیم کر کے بیوہ کودو اور زید کے ماموں زاد بھائیوں میں سے ہرایک کودودو، جب کہ ماموں زاد بہنوں میں سے ہرایک کوایک ایک حصہ دیا جائے اور باقی ورثاء محروم ہوں گے، مزید تفصیل کے لئے نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۴ تصـ ۸

زوجہ	حقیقی ماموں زاد بھائی	حقیقی ماموں زاد بھائی	۳/۶	حقیقی ماموں زاد بہن	حقیقی ماموں زاد بہن	حقیقی بھائی	زید کے والد کے چار حقیقی ماموں زاد بھائی	زید کے والد کی تین حقیقی چچازاد بہنیں
۱/۴	۲	۲		۱	۱		محروم	

"قال رحمه الله تعالىٰ: (ولايرث مع ذي سهم وعصبة سوى إحدى الزوجين؛ لعدم الرد عليهما): أي لايرث ذوو الأرحام مع وجود ذي فرض أو عصبة إلا إذا كان صاحب الفرض أحد الزوجين، فيرثون معه لعدم الرد عليه؛ لأن العصبة أولىٰ منه. وكذا الرد على ذوي السهام أولىٰ من ذوي الأرحام؛ لأنهم أقرب، إلا الزوجين، فإنهما لاقرابة لهما مع الميت، وإرثهما نظير الدين، فإن صاحب الدين لايرد عليه ما فضل بعد قضاء الدين، فكذا لايرد عليهما مافضل من فرضهما، على ذلك كان عامة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم .... اهـ". (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ٧/٤٩٤، ٤٩٥، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

....

= "وذو الأرحام أصناف أربعة: الصنف الأول ينتمي: أي ينتسب إلى الميت، وهم أولاد البنات وإن سفلوا، ذكوراً كانوا أو إناثا، وأولاد بنات الابن كذلك. والصنف الثاني: ينتمي إليهم الميت، وهم الأجداد الساقطون: أي الفاسدون وإن علوا كأب أم الميت، وأب أب أمه، والجدات الساقطات: أي الفاسدات وإن علون كأم أب أم الميت، وأم أم أب أمه. والصنف الثالث ينتمي إلى أبوي الميت، وهم أولاد الأخوات وإن سفلوا، سواء تلك الأولاد ذكورا أو إناثاً، وسواء كانت الأخوات لأب وأم، أو لأب، أو لأم، وبنات الإخوة وإن سفلن سواء كانت الإخوة من الأبوين أو من أحدهما، وبنو الإخوة لأم .... والصنف الرابع ينتمي إلى جدى الميت، وهما أب الأب وأب الأم، أو جدّتيه وهما أم الأب وأم الأم، وهم العمات .... والأعمام لأم .... والأخوال والخالات، فإنهم إخوة وأخوات لأم الميت، فإن كانوا من أبيها وأمها أو من أبيها فهم منتمون إلى جد الميت من قبل أمه، وإن كانو من أمها كانوا منتمين إلى جدته من قبل أمه، فهؤلاء الأصناف الأربعة، وكل من يدلي إلى الميت بهم من ذوى الأرحام ...... ويتناول أولاد الصنف الرابع .... وروى أبو يوسف والحسن بن زياد عن أبي حنيفة، وابن سماعة عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة: أن أقرب الأصناف وأقدمهم في الميراث الصنف الأول ثم الثاني ثم الثالث ثم الرابع كترتيب العصبات .... وهو المأخوذ للفتوىٰ". (الشريفية شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، ص: ۹۷-۹۹، حقانيه پشاور)

"وإن اختلط في الصنف الرابع الذكور والإناث، واستوت أيضاً قرابتهم في القوة بأن يكونوا كلهم لأب وأم أو لأب أو لأم، فللذكر مثل حظ الأنثيين". (الشريفية شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، الصنف الرابع، ص: ۱۱۶، حقانيه پشاور)

"إذا لم توجد عمومة الميت وخؤولته وأولادهم، انتقل حكمهم المذكور إلى عم أب الميت لأم وعمته وخاله وخالته، وإلى عم أم الميت وعمتها وخالها وخالتها". (الشريفة شرح السراجية، باب ذوى الأرحام، فصل في أولاد الصنف الرابع، ص: ۱۲۳، حقانيه پشاور)

"وإنما يرث ذوو الأرحام إذا لم يكن أحد من أصحاب الفرائض ممن يردّ عليه، ولم يكن عصبة، وأجمعوا على أن ذوى الأرحام لايحجبون بالزوج والزوجة: أي يرثون معهما، فيعطى للزوج والزوجة نصيبهما، ثم يقسم الباقي بين ذوى الأرحام مما لو انفردوا، مثاله: زوج وبنت وخالة وبنت عم فللزوج النصف، والباقي لبنت البنت. ثم الأولىٰ بالميراث من الصنف الأول الأقرب إلى الميت لبنت =

ذوی الارحام میں تقسیمِ میراث کی ایک صورت

سوال[۹۸۴۷]: ایک شخص مسمی عبدالغفور نے انتقال کیا اور یہ وارث چھوڑے:

مرحوم کے حقیقی چچا مسمی عبدالرحیم کی دونواسی: مسمیات زینب اور فاطمہ اور ایک نواسا مسمیٰ محمد عمر اور مرحوم کی حقیقی خالہ مسماۃ حفصہ کے دو پوتے، مسمایان: عبدالحلیم اور عبدالعلی اور مرحوم کی ایک حقیقی پھوپھی مسماۃ کریمہ کا ایک نواسہ مسمی عبدالستار اور یہی پھوپھی کی دو پوتییں مسماۃ: آمنہ اور کلثوم اور تین پوتے مسمیان: عبدالملک اور عبد القدوس اور عبدالسلام۔ اور مرحوم کی دوسری حقیقی پھوپھی مسماۃ رحیمہ کا ایک پوتہ مسمیٰ عبدالاحد۔ یہ کل بارہ وارث موجود ہیں۔ سواب مرحوم عبدالغفور کے ترکہ کا موافقِ شرع کے کیا فیصلہ ہے؟ مرحوم کے وارثین کے نسب ناموں کے شجرے حسب ذیل ہیں: ⟸

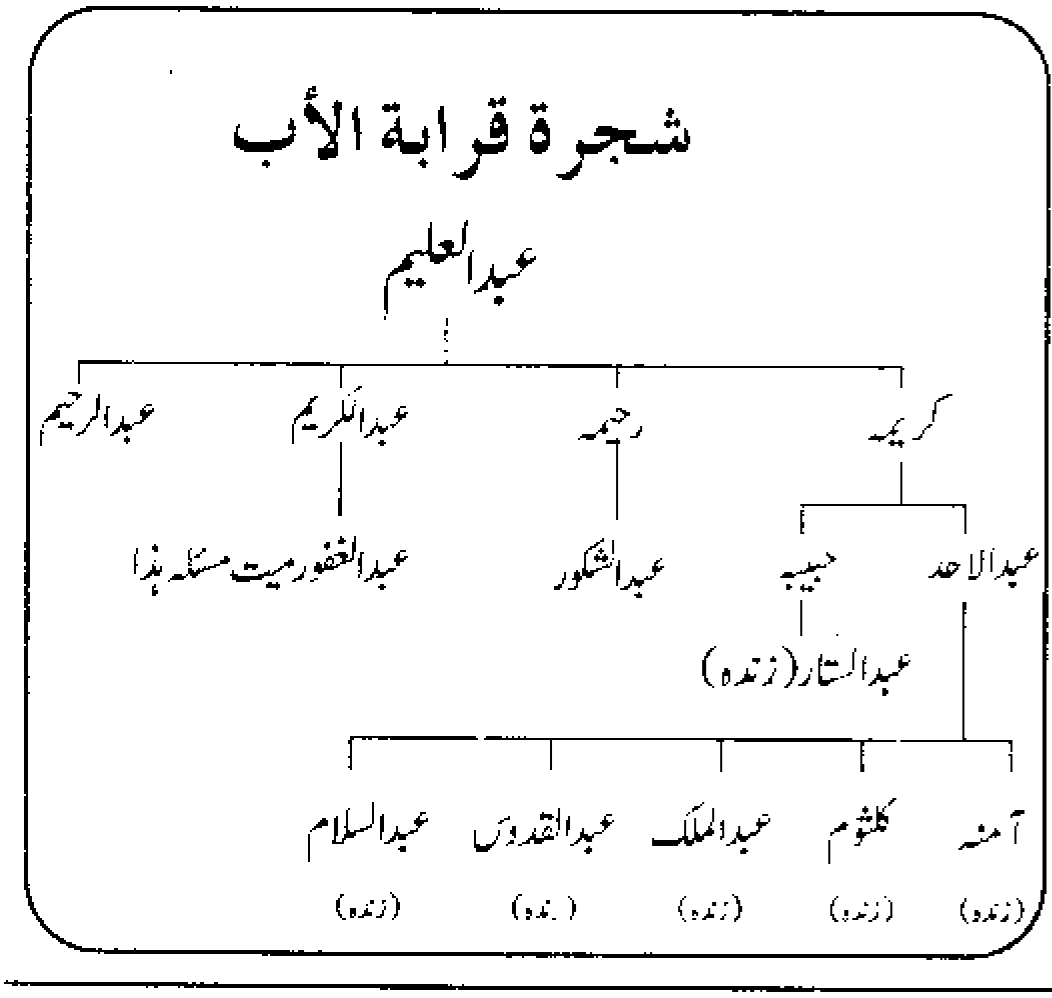

= البنت أولیٰ من بنت بنت البنت". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب العاشر في ذوي الأرحام: ۶/۴۵۹، رشیدیه)

(۵) دیگر اعزہ والدین ذوی الارحام میں سے ہیں اور عصبات کی موجودگی میں ذوی الارحام کو میراث نہیں ملے گا:

"فیبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبیة، ثم المعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی ذوي الفروض النسبیة، ثم ذوي الأرحام". (الدرالمختار). "أي یبدأ بهم عند عدم ذوي الفروض النسبیة والعصبات". (الدرالمختار: ۶/۷۶۲، ۷۶۴، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا في البحر الرائق: ۹/۳۶۴، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(وکذا في السراجیة، ص: ۳، سعید)

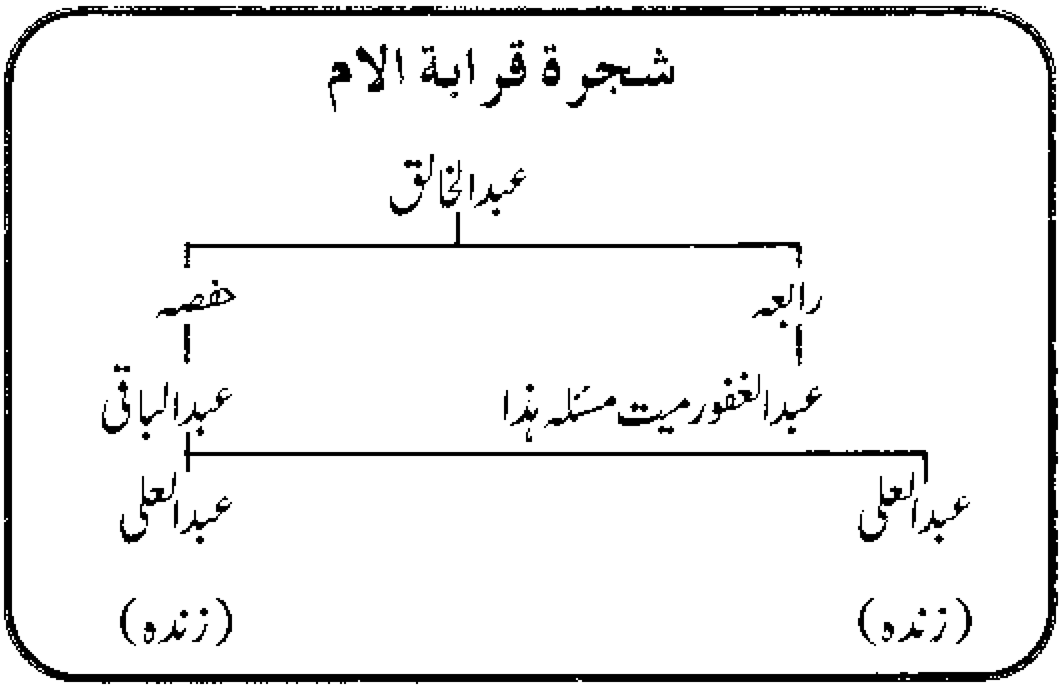

الجواب حامداًومصلیاً:

فی العالگیریہ: ۲/ ٤٦٤، فی الصنف الرابع: "وإن کانوا ذکوراً أو أناثاً واستوت قرابتهم، فللذکر مثل حظ الأنثیین. وإن کان حیز قرابتهم مختلفاً فالثلثان لقرابة الأب وهو نصیب الأب، والثلث لقرابة الأم وهو نصیب الأم. وکذا فی أولادهم، أولهم بالمیراث أقربهم إلی المیت من أیّ جهة کان، انتهی". (۱)۔

وفیها أیضًا، ص: ٤٥۹: "واختلفوا فی ولد ولد الوارث، والصحیح أنه لیس بأولی، کذا فی خزانة المفتیین"(۲)۔

وفی السراجی: "فصل فی أولادهم: أی أولاد الصنف الرابع". شریفیه(۳)۔ "الحکم فیهم کالحکم فی الصنف الأول، الخ"(٤)۔

وفیه أیضاً: "وکذلک عند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ إذا کان فی أولاد البنات بطون مختلفة یقسّم المال علی أول بطنٍ اختلف فی الأصول، ثم یجعل الذکور طائفةً والإناث طائفةً

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ٤٦۲، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، الصنف الرابع، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/ ٤٥۹، کتاب الفرائض، باب ذوی الأرحام، رشیدیه)

(۳) (السراجی، ص: ٥۱، باب ذوی الأرحام، فصل فی أولاد هم، سعید)

(٤) (الشریفیة شرح السراجیة، ص: ۱۱۷، باب ذوی الأرحام، فصل فی أولادهم، سعید)

بعد القسمة، فما أصاب الذكور، يجمع ويقسّم على الخلاف الذى وقع فى أولادهم، وكذلك ماأصاب الإناث، وهكذا يعمل إلى أن ينتهى"(١)۔

وفيه أيضاً: "وكذلك محمد رحمه الله تعالى يأخذ الصفة من الأصل حال القسمة عليه، والعدد من الفرع"(٢)۔ وفيه أيضًا: "وقول محمدرحمه الله تعالى أشهر الروايتين عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى فى جميع ذوى الأرحام، وعليه الفتوىٰ، انتهىٰ"(٣)۔

ان تمام روایتوں سے سوال میں لکھی ہوئی صورت کا حکم معلوم ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرحوم کے ترکہ کا تیسرا حصہ تو دو حصہ ہوکر مرحوم کی ماں کی طرف کے وارثوں کو یعنی خالہ کے پوتے عبدالحلیم اور عبدالعلی کو ایک حصہ ملے گا، اور باقی دوتہائی مال مرحوم کے باپ کی طرف کے وارثوں کو یعنی چچا اور پھوپھی کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ یہ دوتہائی پہلے خود چچا اور پھوپھیوں پر تقسیم ہوگا، مگر تقسیم میں چچا اور پھوپھیوں کی اولاد میں جتنے وارث ہیں ان کی گنتی کے برابر چچا اور پھوپھیں مان کران پر تقسیم کریں گے۔

پس صورتِ موجودہ میں پھوپھیوں کی اولاد میں چونکہ سات شخص ہیں، لہذا سات پھوپھیں مانی جائیں، اور چچا کی اولاد میں تین شخص ہیں لہذا تین چچا مانے جائیں گے۔ اور ایک مرد کا حصہ دوعورتوں کے حصے کے برابر ہوتا ہے، اس لئے یہ دوتہائی کے تیرہ حصہ کرکے اس میں سے چھ حصے چچا کو ملیں گے۔

پھر چچا کی اولاد میں پہلے درجے کی اولاد چونکہ ایک ہی قسم کی ہے یعنی لڑکی ہے، لہذا اس کو چھوڑ کر دوسرے درجے میں جو دوقسم کی اولاد ہے یعنی ایک نواسہ محمد عمر اور دونواسی زینب اور فاطمہ، اور نواسے کا حق نواسی سے دوگنا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ چھ حصوں کے چار حصے کرکے ایک ایک حصہ نواسی کو اور دو حصے نواسے کو دیئے جائیں۔

---

(١) (السراجى، ص: ٤١، باب ذوى الأرحام، سعيد)

(وكذا فى الشريفية شرح السراجية، ص: ١٠٢، سعيد)

(٢) (السراجى، ص: ٤٢، باب ذوى الأرحام، الصنف الثانى، سعيد)

(٣) (السراجى، ص: ٤٤، باب ذوى الفرائض، فى الصنف الأول، سعيد)

(وكذا فى الشريفية، ص: ١٠٧، باب ذوى الأرحام، الصنف الأول، سعيد)

اور پھوپھیوں کے حصہ میں جو سات آتے ہیں، اس کا یہ حکم ہے کہ پھوپھیوں کی پہلے درجہ کی اولاد میں چونکہ دوقسم کے لوگ ہیں: مرد اور عورت یعنی ایک لڑکی حبیبہ اور دو لڑکے عبدالصمد اور عبدالشکور ہیں، اور حبیبہ اور عبدالشکور کی اولاد میں صرف ایک ایک شخص ہے اور عبدالصمد کی اولاد میں پانچ شخص ہیں، لہذا پہلے درجہ کی اولاد پھوپھیوں کی موافق قاعدۂ مذکورہ بالا کے ایک لڑکی اور چھ لڑکے مانے جائیں گے اور ایک لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوتا ہے۔

اس لئے پھوپھیوں کے حصہ میں جو سات حصے آئے ہیں، ان کے تیرہ حصے کئے جائیں گے، اس میں سے ایک حصہ پھوپھی کی لڑکی حبیبہ کے حصہ میں آئے گا اور اس کے لڑکے عبدالستار کو مل جائے گا اور باقی بارہ حصے پھوپھی کے لڑکوں عبدالصمد اور عبدالشکور کے حصے میں رہے، وہ ان دونوں کی اولاد جو کہ پھوپھیوں کی دوسرے درجہ کی اولاد ہے ان کو ملیں گے، مگر ان دونوں کی اولاد میں بھی مرد وعورت یعنی دولڑکیاں اور چار لڑکے ہیں، اس لئے مذکورہ بارہ حصوں کے دس حصے کئے جائیں گے، ان میں سے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں آمنہ اور کلثوم کو مل جائے گا اور دو دو حصے ایک ایک لڑکے کو یعنی عبدالاحد اور عبدالملک اور عبدالقدوس اور عبدالسلام کو ملیں گے۔

اب اس حساب کو آسانی سے سمجھنے کیلئے ایک مثال لکھی جاتی ہے، مثلاً: مرحوم عبدالغفور کا ترکہ چھبیس روپے ساڑھے چھ آنہ ہے۔ تو اس میں سے ایک تہائی آٹھ روپے دس پائی (جو مرحوم کی خالہ کے حصے کے ہیں) خالہ کے پوتوں عبدالحلیم اور عبدالعلی کو ملیں گے، ہر ایک کو چار روپے، چھ آنے، پانچ پائی ملیں گے اور باقی دو تہائی یعنی سترہ روپے، نو آنے، آٹھ پائی کے تیرہ حصے کرکے اس میں سے چھ حصہ کی رقم آٹھ روپے، ڈیڑھ آنہ مرحوم کے چچا کے حصہ کے چار حصے ہوکر ان کی دونواسی: زینب اور فاطمہ اور نواسہ محمد عمر کو ملیں گے۔ ہر ایک نواسی کو دو روپے دو پیسے اور نواسے کو چار روپے ایک آنہ ملے گا۔

اور باقی سات حصے کی رقم نو روپے سات آنے آٹھ پائی (جو پھوپھیوں کے حصے کے ہیں) تیرہ حصے کرکے اس میں سے ایک حصہ یعنی گیارہ آنے آٹھ پائی حبیبہ کے حصہ میں آکر اس کے لڑکے عبدالستار کو مل جائیں گے اور باقی بارہ حصے کی رقم آٹھ روپے، بارہ آنے جو عبدالصمد اور عبدالشکور کے حصے کے ہیں وہ دس حصہ ہوکر ان کی اولاد یعنی دولڑکیاں آمنہ اور کلثوم اور چار لڑکے۔ عبدالاحد اور عبدالملک اور عبدالقدوس اور عبدالسلام کو

ملیں گے۔ ہر ایک لڑکی کو چودہ آنے اور ہر ایک لڑکے کو پونے دو روپے ملیں گے۔

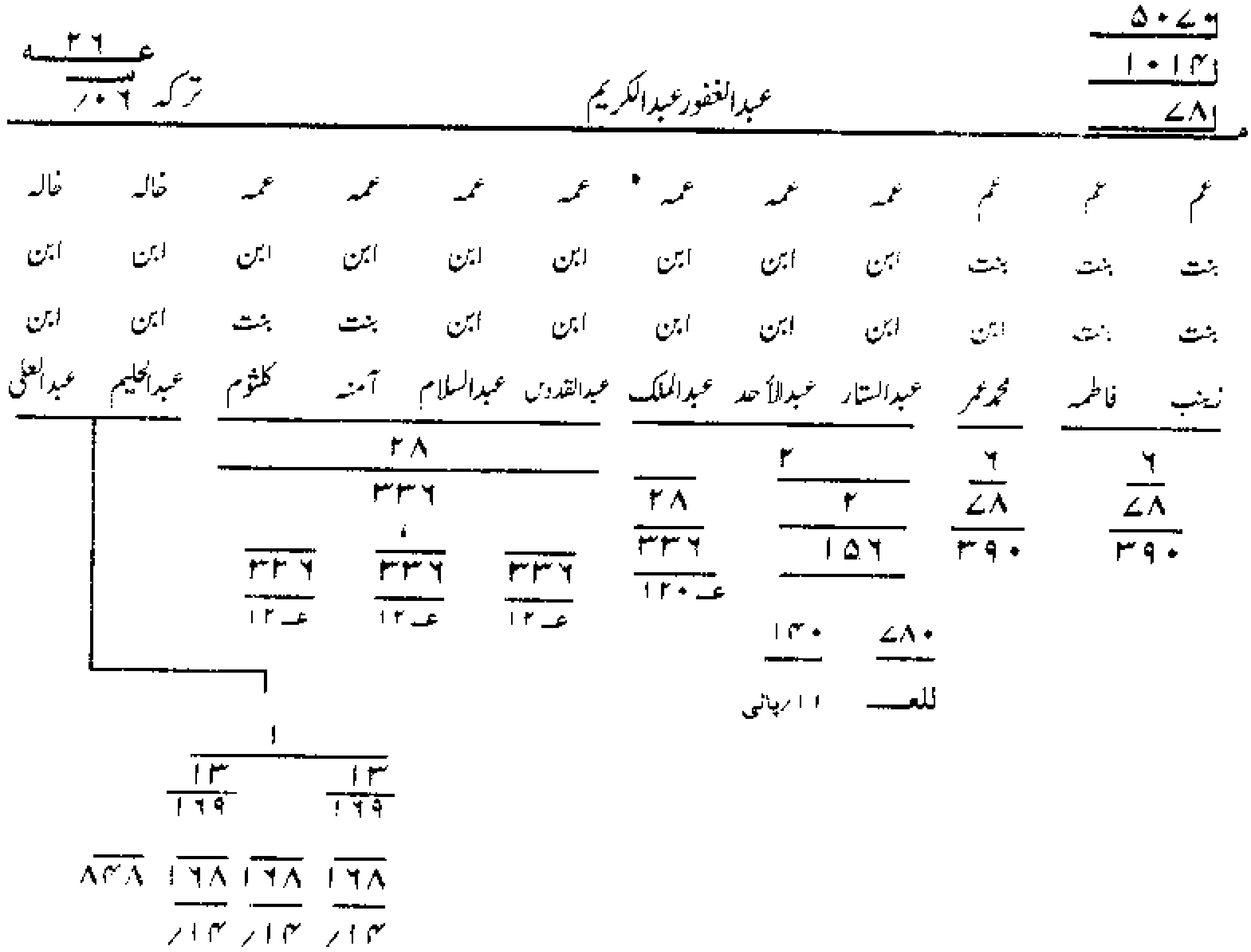

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رمضان المبارک/ ۱۳۶۶ھ۔

تخریج کی اصولی تقسیم اور رقوم کی تصحیح صحیح ہے، مگر بیچ میں جو سہام کا عمل کیا ہے وہ بہت مجمل ہے، جو قاعدہ اہلِ فرائض نے نقلِ سہام کا ذکر کیا ہے اس کے مطابق سمجھ میں نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ شعبان/ ۶۶ھ۔

چچا نے بھتیجا کی پرورش کی، کیا چچا کی خرید کردہ جائیداد میں بھتیجا کا حصہ ہے؟

سوال [۹۸۴۸]: زید نے اپنے بھتیجا کی (جس کا باپ اس کو دو ڈھائی سال کا چھوڑ کر مر گیا) پرورش کی وہ جوان ہو کر تھوڑا بہت کام کرنے لگا اور ابھی اپنے چچا ہی کے پاس تھا کہ اس کے چچا زید نے ایک مکان خرید

کیا۔آیا زید نے خرید کردہ مکان میں زید کا پرورش یافتہ بھتیجا بھی شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا بھتیجا کوئی مستقل علیحدہ کام کرتا ہے تو اس کی کمائی خود اسی کی ہے، زید کی نہیں۔ اور اگر وہ علیحدہ کام نہیں کرتا بلکہ زید کی معیت اور شرکت میں کرتا ہے تو اس کی کمائی اس کی ملک نہیں، بلکہ زید کی ملک ہے اور یہ کہا جائے گا کہ اصل کاروبار کرنے والا زید ہی ہے اور بھتیجا اس کا معین۔

جو مکان زید نے خریدا ہے، اس میں بھتیجا کا حصہ نہیں۔ اگر روپیہ کچھ بھتیجا کی ملک سے ادا کیا ہے تو اس روپیہ کی بطورِ قرض واپسی ضروری ہے:

"أبٌ وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال، فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال الأب، لكونه معيناً له، ألاترى أنه لو غرس شجرةً تكون لأب. وكذا الحكم في الزوجين إذا لم يكن لهما شيء، ثم اجتمع بسعيهما أموال كثيرة، فهي للزوج، وتكون المرأة معينةً له، إلا إذا كان لها كسب عليحدة، فهو لها، كذا في القنية. وما تغزله من قطن الزوج وينسجه هو كرابيس، فهو للزوج عندهم جميعًا، كذا في الفتاوى الحمادية، اهـ". هندية: ۲/۳۰۸(۱)۔

"زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب عليحدة، ويجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت ولا التساوي ولا التميز؟ فأجاب بأنه بينهما سوية، وكذلك لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية ولو اختلفو في العمل والرأي، اهـ". ردالمحتار: ۲/۵۴۰(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۳/۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

(۱) (الفتاوی العالمکیرية: ۲/ ۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الاعمال، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۴/۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) .... =

توریثِ حمل کی ایک صورت

رشید احمد عفی عنہ، مدرسِ اول مدینۃ العلوم بھپنڈ او، پوسٹ راہو کی، متصل حیدرآباد سندھ۔

مشفقی المکرّم زیدت عنایاتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سوال [۹۸۴۹]: بعد از طلبِ خیریتِ طرفین گذارش یہ کہ بندہ ۱۰/ شعبان المعظم سے مدرسہ میں رخصت ہوجانے کی وجہ سے اپنے غریب خانہ خیر پور آیا ہوا ہے اور اس جگہ بفضلہ تعالیٰ ہر طرح سے عافیت ہے۔ باعثِ تحریر آنکہ مسئلہ مذکورۂ ذیل میں بندے کو قدرے شبہ ہے، کیونکہ یہ مسئلہ بندہ نے صرف اجتہاد سے تحریر کردیا ہے، اس جگہ کوئی کتب خانہ موجود نہیں، تاکہ معتبر کتب سے اس کی تحقیق کرلی جاتی اور اب آنجناب کی طرف ارسال ہے، اگر صحیح ہو تو تصویب فرماویں اور حوالہ بھی ہوسکے تو تحریر فرمادیں۔ اور اگر خطا ہو تو اصلاح فرما کر ممنون فرماویں۔ مسئلہ یہ ہے کہ:

اگر حمل غیر مورث کا ہو اور حاملہ معتدہ رجعیہ ہو اور اس نے مضی عدت کا اقرار بھی نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے چھ ماہ اور وقتِ طلاق سے دو برس میں سے جو مدت اَبعد ہو، اس کے اندر اندر پیدا ہونا شرط ہے اور اگر مضی مدت کا اقرار کیا ہو تو اقرار سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو، بشرطیکہ مذکورہ بالا أبعد الأجلین کے بھی اندر ہو، کیونکہ اگر ستة أشهر من موت المورث أبعد ہے تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعیہ میں یومِ طلاق سے دو برس کے بعد بھی وارث ہوگا۔

اور اگر یومِ طلاق سے دو برس أبعد الأجلین، تو اس میں اگرچہ ممکن ہے کہ موتِ مورث کے وقتِ حمل نہ ہو، اس کے بعد رجوع کر کے وطی کی ہو اور حمل ہوگیا ہو، مگر یہ خلافِ ظاہر ہے، اصل یہ ہے کہ اس نے رجوع نہیں کیا۔

فقط بقیہ سب خیریت ہے۔ امید ہے کہ حضور کا مزاج گرامی بھی مع الخیر ہوگا، حسنِ خاتمہ کی دعا سے فراموش نہ فرماویں۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الدعوىٰ، مطلب: ما اكتسبه الابن يكون لأبيه: ۲/۱۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية: ۱/۵۱، ۵۲، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور، پاكستان)

رشید احمد غفرلہ، لدھیانوی ثم خیر پوری، از خیر پور، میرس جامع مسجد (سندھ)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا، اور جو تفصیل آپ نے تحریر کی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کا مأخذ کیا ہے۔ امید کہ مدرسہ پہنچ کر بعد رخصت تحریر فرمائیں گے(۱)۔

---

(۱) یہ استفتاء حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا، اسی نوع کے تین سوالات احسن الفتاوی میں ایک ہی جگہ موجود ہیں، لیکن دونوں کی تاریخوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تینوں فتاوی کی تاریخیں بعد کی ہیں، یعنی ۱۳۷۵ھ کی اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی پہلے کا یعنی ۱۳۶۶ھ کا ہے۔ احسن الفتاوی کے تینوں فتاوی یہ ہیں:

سوال: ''ایک شخص کی موت کے چھ ماہ بعد اس کی والدہ کو بچہ پیدا ہو جو ڈیڑھ سال سے مطلقہ رجعیہ تھی تو یہ بچہ وارث ہوگا؟

ایک شخص فوت ہوا، سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے پر اس کا بھائی پیدا ہوا، حالانکہ ان کے باپ نے ان کی والدہ کو تقریباً ڈیڑھ سال سے طلاق رجعیہ دی ہوئی ہے، یہ بھائی شرعاً وارث ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب:

اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس ولد کا علوق موتِ مورث کے وقت موجود تھا، کیونکہ وقتِ موت سے دو برس کے عرصہ تک بچہ پیدا ہونے سے ظاہر یہی ہے کہ زوج نے رجوع نہیں کیا اور یہ علوق قبل از طلاق ہے، لہذا یہ بھائی وارث ہوگا۔

قال الإمام المرغيناني رحمه الله تعالى: "بخلاف ما إذا أعتقت المعتدة عن موت أو طلاق، فجاءت بولد لأقل من سنتين من وقت الموت أو الطلاق، حيث يكون الولد مولى لموالي الأم وإن أعتق الأب؛ لتعذر إضافة العلوق إلى مابعد الموت والطلاق البائن لحرمة الوطء، وبعد الطلاق الرجعي، لما أنه يصير مراجعاً بالشک. فاستند إلى حالة النكاح، فكان الولد موجوداً عند الإعتاق فعتق مقصوداً". (هداية، كتاب الولاء: ۳/ ۳۴۲)

وفي بحث الحمل من الشامية: "وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد =

....

=

لستة أشهر أو أقل، إلا إذا كانت معتدةً ولم تقر بانقضائها، الخ"۔

اور اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار کیا ہو تو یہ بھائی اس شرط سے وارث ہوگا کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو، وإلا فلا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲/ رجب/ ۷۵ھ۔

سوال: ''حمل غیر مورث کی وراثت کے لئے موت مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونا شرط ہے:

حمل غیر مورث کا ہو تو اس کے وارث ہونے کی شرط ولادت لأ قل من ستۃ أشہر ہے یا کہ لتمام ستۃ أشہر؟ شامیہ میں "لستة أشهر أو أقل" اور بحر میں صرف "لأقل من ستة أشهر" لکھا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب:

شامی نے سراجیہ کی موافقت کی ہے، اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے، لیکن مبسوط میں دیگر بعض مسائل میں ستۃ اشہر کو اقل کے ساتھ لاحق کیا ہے، اور طحطاوی میں اسی مسئلہ میں ستۃ اشہر کا اکثر کے ساتھ لاحق ہونا مصرح ہے: "وإن جاءت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لايرث، اهـ".

بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے، خود شامیہ میں مسئلہ ذیل میں ستۃ اشہر کو اکثر کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

"والمتوفى عنها إذا ادعت انقضاءها، ثم جاءت بولد لتمام ستة أشهر، لايثبت نسبه، ولأقل يثبت، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۶۲۳)۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳/ رجب/ ۷۵ھ۔

حمل غیر موت مورث مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا مگر ورثہ بوقت موت وجود حمل کے مقر ہیں تو یہ حمل وارث ہوگا؟

سوال:

شامیہ بحث الحمل میں ہے:

"وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد لستة أشهر أو أقل، إلا إذا كانت معتدةً ولم تقر بانقضائها أو أقر الورثة بوجوده".

اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے یا کہ بعض کا کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

محترم المقام زید احترامکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہ تعالیٰ یہاں ہر طرح خیریت ہے، خداوند تعالیٰ طرفین میں عافیت رکھے، اس مبارک ماہ، مبارک اوقات میں مبارک مشاغل میں۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبان بادہ پیما را

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی دین و دنیوی مخصوص نعمتوں سے مالا مال فرمائیں۔

احقر محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۱۳۶۶ھ۔

طلاق کے بعد حمل کب تک مستحق میراث ہے؟

سوال[۹۸۵۰]: اگر مورث کی والدہ حاملہ ہے اور معتدہ رجعیہ ہے، عدت گذرنے کا اس نے اقرار نہیں کیا تو اس کا ولد موتِ مورث یا وقتِ طلاق سے کتنی مدت کے اندر پیدا ہو تو وارث ہوگا؟

الجواب ومنه الصدق والصواب:

چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے، اس لئے صرف مقرین کے حق میں ان کا اقرار معتبر ہوگا، البتہ اگر موتِ مورث کے وقت ظہورِ حمل عام طور پر معلوم ہو، یا اس کے ظہور پر شاہد موجود ہوں تو جملہ وارثوں کے حق میں اس کا ارث جاری ہوگا، ظہورِ حمل کا اعتبار جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

"يثبت نسب ولد المعتدة بموت أو طلاق إن جحدت ولادتها بحجة تامة أو حمل ظاهر، الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۲۶).

حمل کی ولادت سے قبل اس کے لئے سہم موقوف رکھنا بھی ظہورِ حمل کے اعتبار کی دلیل ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴/رجب/۱۳۷۵ھ۔

(أحسن الفتاوى، كتاب الوصية والفرائض: ۹/۲۸۳-۲۸۵، سعيد)

البتہ احسن الفتاویٰ نویں جلد کے آخر میں "تسهيل الميراث" کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ نے سبق چہاردہم "حمل کا حکم" کے عنوان کے تحت جو بحث کی ہے اس کا اور فتاویٰ محمودیہ میں ذکر کردہ فتویٰ دونوں کا سنہ ۱۳۶۶ھ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وقتِ طلاق سے اکثر مدتِ حمل کے اندر پیدا ہونے سے بچہ وارث ہوگا، جب کہ توریث کا مدار ثبوت نسب پر ہے:

"وإن كان الحمل من غيره: أي من غير الميت وجاء ت بالولد لأقل من ستة أشهر، يرث. وإن جاء ت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لايرث، كما إذا ترك زوجة حبلىٰ من ابنه الكافر أو الرقيق، إلا إذا كانت تلك المرأة معتدة طلاق أو فرقة ولم تقرّ بانقضاء العدة، فإنه حينئذ يرث الولد لضرورة إثبات النسب الداعية إلى إضافته العلوق إلى أكثر مدة الحمل، اهـ". طحطاوی: ۴۰۳/۴(۱)۔

صورت مسئولہ کا مدار توریثِ مطلق سے ثبوتِ نسب پر نہیں، بلکہ ولد الأم ہونے پر ہے، لہٰذا یہاں مضی عدت اور عدمِ مضی کو دخل نہیں اور اکثر مدتِ حمل کا اعتبار نہیں، بلکہ اگر موتِ مورث سے لأقل من ستة أشهر ولادت ہو تو وارث ہوگا، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

توریثِ حمل کی متعدد صورتیں اور ان پر اشکالات

سوال[۱۹۸۵]: حمل غیر مورث کا ہو تو اس حمل کے وارث ہونے کی شرط ولادت لأقل من ستة أشهر ہے، یا لتمام ستة أشهر، شامی نے "ستة أشهر أو أقل"(۲)، بحر نے صرف "لأقل من ستة

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴۰۳/۴، كتاب الفرائض، فصل في الغرقى والحرقىٰ، دارالمعرفة للطباعة والنشر، بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۸۰۱/۶ كتاب الفرائض، فصل في الغرقىٰ والحرقىٰ، سعيد)

(وفي السراجية، ص: ۵۸، فصل في الحمل، سعيد)

(۲) "وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد لستة أشهر أو أقل، وإلافلا". (ردالمحتار: ۸۰۱/۶، كتاب الفرائض، فصل في الغرقىٰ والحرقىٰ، سعيد)

أشہر" لکھاہے(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شامی: ۲/۷۰۲ نے سراجی ص: ۴۹ کی موافقت کی ہے(۲)، اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے، لیکن مبسوط ہی میں اور بعض مسائل میں ستۃ أشہر کو اَقل کے ساتھ لاحق کیا ہے(۳)، اکثر کے ساتھ لاحق نہیں کیا۔ اور طحطاوی میں صاف ہے کہ اس مسئلہ میں ستۃ اشہر اکثر کے ساتھ لاحق ہے، بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے: "وإن جاء ت به لستة أشهر أو أكثر، فإنه لايرث، اهـ"(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

سوال متعلق استفتاء بالا

سوال [۹۸۵۲]: اکثر کتب متداولہ میں یہی لکھاہے کہ اگر حمل مورث کا ہو اور عورت نے انقضائے عدت کا اقرار کرلیا ہو تو حمل وارث نہ ہوگا۔ تو کیا اگر اقرار سے لأقل من ستة أشهر پیدا ہوجائے تب بھی وارث نہ ہوگا؟

---

(۱) "ذكر الصدر الشهيد في فرائضه، أن الجنين يرث إذا كان موجوداً في البطن عند موت المورث بأن جاء لأقل من ستة أشهر مذ مات المورث .... وهذ االتقدير في استحقاق الجنين من غير الأب". (البحر الرائق: ۹/ ۳۹۱، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) چنانچہ سراجی میں ہے: "وإن كان من غيره وجاء ت بالولد لستة أشهر أو أقل منها، يرث. وإن جاء ت به لأكثر من أقل مدة الحمل، لايرث". (السراجي، ص: ۵۸ فصل في الحمل، سعيد)

(وراجع ردالمحتار، المصدرا السابق)

(۳) "وانما يعلم وجوده في البطن إذا جاء ت به لأقل من ستة اشهر مذ مات المورث؛ لأن أدنىٰ مدة الحمل ستة أشهر. وإن جاء ت به لأكثر من ستة أشهر، فلا ميراث له". (المبسوط: ۱۵، الجزء: ۳۰، ص: ۲۰، كتاب الفرائض، باب ميراث الحمل، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/ ۴۰۳، كتاب الفرائض، فصل في الغرقىٰ والحرقىٰ، دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اقرار پرعدت ختم ہوجاتی ہے،لیکن اقرار کے بعد لأقل من ستة أشهر پیدا ہوجانا اس کے لئے مکذّب ہے،لہذا بچہ ثابت النسب اور وارث ہوگا،بشرطیکہ اکثر مدتِ حمل (دوسال) کے اندر پیدا ہوا ہو۔اگر موتِ مورث سے دوسال کے بعد پیدا ہوگا تو ثابت النسب اور وارث نہیں ہوگا:

"والمتوفى عنها إذا ادّعت انقضائها، ثم جاء ت بولد لتمام ستة أشهر، لايثبت نسبه، ولأقل يثبت، اهـ". شامی: ۸۵۸/۲(۱)۔

"يثبت نسب ولد المقرة بانقضاء العدة إذا جاء ت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، كما إذا أقرّت بعد مامضى من عدتها سنتان إلاشهرين فجاء ت بولد بعد ثلاثة أشهر من وقت الإقرار، لم يثبت نسبه منه؛ لأن شرط ثبوته أن يكون لأقل من سنتين من وقت الفراق بالموت أو بالطلاق، وبعد ه لايثبت. وإن لم تقرّ بالانقضاء فمع الإقرار أولىٰ، اهـ". زیلعی(۲)۔

"قال الإتقاني: هذا الذى ذكره القدورى يتناول كل معتدة، سواء كانت معتدةً عن وفات أو عن طلاق، بائن أو رجعى؛ لأنه أطلق المعتدة ولم يقيّدها، يدل عليه ماذكره فخر الإسلام وغيره فى شروح الجامع بقولهم: إذا أقرت بانقضاء العدة فى الطلاق البائن أو الرجعى فى مدةٍ تصلح لثلاثة أقراء، ثم ولدت، فإن ولدت لأقل من ستة أشهر منذ أقرت، ولأقل من سنتين منذ بانت، وفى الرجعى كيف ماكانت بعد مايكون لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، يثبت، لعلمنا ببطلان الإقرار. وإن ولدت لستة أشهر منذ أقرت، يثبت (☆)؛ لأنا لم نعلم بفساد الإقرار، كذلك فى الوفاة، اهـ". شلبی ہامش الزيلعی: ۴۲/۳(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۴۰/۳، كتاب النكاح، باب العدة، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق لفخر الدين الزيلعى: ۲۸۲/۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلميه بيروت)

(☆) "(قوله: يثبت) هكذا فى الأصل، والظاهر أنه "لم يثبت" قد سقط "لم" من الكاتب. محمود حسن گنگوہی غفرلہ۔

(۳) (حاشية الشلبى على هامش التبيين للزيلعى: ۲۸۲/۳، ۲۸۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلميه بيروت)

والمسئلة مذكورة في البحر: ١٧٣/٤(١)- وفتح القدير: ٣٠٥/٣(٢)-
لیکن علامہ زیلعی نے ایک اشکال کیا ہے (۳) جس کو صاحبِ بحر اور شامی نے برقرار رکھا ہے، فليتأمل فيه(٤)-

في الفتاوىٰ الهندية: "ولومات عنها قبل الدخول أو بعده، ثم جاء ت بولد من وقت الوفات إلىٰ سنتين، يثبت النسب منه. وإن جاء ت به لأكثر من سنتين من وقت الوفات، لايثبت النسب. هذا كله إذا لم يقرّ بانقضاء العدة، وإن أقرت –وذلك في مدة تنقضي في مثلها عدة الطلاق والوفاة سواء– ثم جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، يثبت النسب،

---

(١) "أما من الأب، فإن جاء به لأقل من سنتين من وقت الموت، فإنه يرث مالم تقرّ بانقضاء العدة .... فالأصل أن المعتدة إذا جاء ت بالولد لأقل من سنتين من وقت الطلاق، فإنه يثبت نسب الولد من الزوج إذا لم تقرّ بانقضاء العدة، فإذا ثبت النسب من الميت، يرث منه ضرورةً. وإن جاء لأكثر من سنتين، لايثبت النسب من الميت، ولايرث منه". (البحر الرائق: ٣٩١/٩، كتاب الفرائض، رشيديه)

(٢) "قوله: ويثبت نسب ولد المطلقة الرجعية إذا جاء ت به لسنتين أو أكثر مالم تقرّ بانقضاء عدتها، ثم جاء ت بولد، لايثبت نسبه، إلا إذا جاء ت به لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، فإنه يثبت نسبه". (فتح القدير: ٣٥١/٤، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٣) (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ٢٨٣/٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(٤) "وذكر في التبيين .... بقي فيه إشكال وهو ما إذا أقرت بانقضاء عدتها، ثم جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار ولأقل من سنتين من وقت الفراق، ينبغي أن لايثبت نسبه إذا كانت المدة تحتمل ذلك بأن أقرت بعد ما مضى سنة مثلاً، ثم جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار؛ لأنه يحتمل أن عدتها انقضت في شهرين أو ثلاثة أشهر، ثم أقرب بعد ذلك بزمان طويل، ولا يلزم من إقرارها بانقضاء العدة أن تنقضي في ذلك الوقت فلم يظهر كذبها بيقين، إلا إذا قالت: انقضت عدتي الساعة، ثم جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من ذلك الوقت". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ٢٧٠/٤، ٢٧١، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، مطلب في ثبوت النسب من الصغيرة: ٥٤٤/٣، سعيد)

وإلافلا، اھ". عالم گیری: ۱/۵۳۷(۱)۔

جب ثبوت نسب ہوگا تو استحقاقِ وراثت بھی ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال[۹۸۵۳]: شامی بحث الحمل میں ہے: "وإن كان من غيره، فإنما يرث لو ولد لستة أشهر أو أقل، إلا إذا كانت معتدةً ولم تقرّ بانقضائها أو أقر الورثة بوجوده"(۲)۔

اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے، یا اکثر کا یا بعض کا اقرار بھی کافی ہے، اگر کل کا اقرار ضروری ہے تو کل ورثہ کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہوگا، نیز بعض کا اقرار اور بعض کا سکوت کل کے اقرار کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر معتدہ رجعیہ ہو تو ظاہر ہے کہ روزِ طلاق سے دوسال کے بعد بھی اگر ولادت ہو تو حمل وارث ہوگا اور اگر معتدہ بائنہ ہو، یا ورثہ نے حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس حمل کا روزِ طلاق یا موت سے دوسال کے اندر اندر پیدا ہونا ضروری ہے، مگر کتاب میں یہ شرط نہیں لگائی گئی، جو تحقیق ہو مطلع فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں صراحۃً کوئی جزئیہ نہیں ملا۔ حملِ مورث کے متعلق فصل ثبوت النسب میں عبارت ہے:

"ويثبت نسب ولد المعتدة بموت أو طلاق إن جحدت وِلادَتها بحجة تامة أوحبل ظاهر، أو إقرار الزوج به، أو تصديق بعض الورثة، فيثبت في حق المقرّين. وإنما يثبت النسب في حق غيرهم حتى الناس كافةً إن تم نصاب الشهادة بهم، بأن شهد مع المقر رجلٌ اخر. وكذا لوصدقه عليه الورثة وهم من أهل التصديق، فيثبت النسب، وإلا يتم نصابها، لايشارك المكذبين، اھ". درمختار مختصراً(۳)۔

"(قوله: أو تصديق بعض الورثة) المراد بالبعض مَن لايتم به نصاب الشهادة وهو الواحد

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵۳۷، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار: ۶/۸۰۱، كتاب الفرائض، فصل في الغرقیٰ والحرقیٰ، سعيد)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳/۵۴۴، ۵۴۲، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعيد)

العدل أو الأكثر مع عدم العدالة كما يظهر مقابله ح. و صورة المسئلة: لو أدعت معتدة الوفاة الولادة، فصدقها الورثة ولم يشهد بها أحدٌ، فهو ابن الميت في قولهم جميعاً؛ لأن الإرث خالص حقهم، فيقبل تصديقهم فيه، فتح. (قوله: فيثبت في حق المقرين) الأولى: في حق من أقر، يشمل الواحد، ولأنهم لو كانوا جماعةً، ثبت في حق غيرهم أيضاً، إلا أن يحمل على ما إذا كانوا غير عدول، أفاده قوله: (في حق غيرهم): أي في حق من لم يصدق، اهـ". شامی: ۸۶۳/۲(۱)۔

لیکن یہ نفسِ ولادت کے متعلق کلام ہے۔ معتدہ بائنہ رجعیہ کا جزئیہ صریحہ اس سے پہلے جواب میں شلبی ہامش الزیلعی سے منقول ہو چکا ہے(۲) اور یہ بحر(۳)، وشامی وغیرہ میں بھی ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۵۴۲/۳، سعيد)

(۲) "قال الإتقاني: هذا الذي ذكره القدوري يتناول كل معتدة، سواء كانت معتدةً عن وفات أو عن طلاق، بائن أو رجعي؛ لأنه أطلق المعتدة ولم يقيّدها، يدل عليه ماذكره فخر الإسلام وغيره في شروح الجامع بقولهم: إذا أقرت بانقضاء العدة في الطلاق البائن أو الرجعي في مدةٍ تصلح لثلاثة أقراء، ثم ولدت، فإن ولدت لأقل من ستة أشهر منذ أقرت، ولأقل من سنتين منذ بانت، وفي الرجعي كيف ماكانت بعد مايكون لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار، يثبت؛ لعلمنا ببطلان الإقرار. وإن ولدت لستة أشهر منذ أقرت، يثبت؛ لأنا لم نعلم بفساد الإقرار، كذلك في الوفاة، اهـ". (حاشية الشلبي على هامش التبيين للزيلعي: ۲۸۲/۳، ۲۸۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "والمقرّة بمضيها لأقل من ستة أشهرمن وقت الإقرار، وإلا لا: أي ويثبت نسب ولد المعتدة المقرة بمضيها إذا جاء ت بالولد لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار .... ولو جاء ت به لستة أشهر أو أكثر من وقت الإقرار، لم يثبت؛ لأنا لم نعلم بطلاق الإقرار، لاحتمال الحدوث بعده، وهو المراد بقوله: وإلا لا". (البحر الرائق: ۲۷۰/۴، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، رشيديه)

(۴) "وكذا المقرة إن ولدت لذلك من وقت الإقرار: أي من أقرت بانقضائها بعد ثلاثة أشهر. (قوله: إن ولدت لذلك): أي لأقل من ستة أشهر من وقت الإقرار: أي ولأقل من تسعة أشهر من وقت الطلاق، لظهور كذبها بيقين، وحينئذ فلا فرق بين الإقرار وعدمه في أنه لايثبت النسب، إلا إذا ولدته لأقل من تسعة أشهر". (ردالمحتار: ۵۴۳/۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعيد)

ایضاً

سوال[۹۸۵۴]: اگر حمل غیرِ مورث کا ہو اور چھ ماہ کے بعد پیدا ہو وفاتِ مورث سے، تو وہ تب وارث ہوگا کہ ورثہ نے وفاتِ مورث کے وقت اس حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو، یہ اقرار سب وارث کریں یا بعض کا اقرار کافی ہے؟

اس کے متعلق آپ نے ثبوت والی عبارات تحریر فرمائی ہیں، مگر اس صورت میں "إقرار مَن یتم به الشهادة" اس لئے کافی ہے کہ ولادت خود ایسی چیز ہے کہ اس پر شہادت معتبر ہے، بخلاف صورت مسئولہ کے کہ حمل کا وجود ہی یقینی نہیں تو اس پر شہادت کیسے قبول ہوگی، ایک غائب اور محتمل چیز پر شہادت معتبر نہ ہوگی۔ پس احقر کا اس کے متعلق یہ خیال ہے کہ اقرار چونکہ حجتِ قاصرہ ہے، اس لئے مقرّین کے حق میں حمل وارث ہوگا، بقیہ کے حق میں وارث نہ ہوگا اگرچہ مقرّین کی تعداد نصابِ شہادت سے بھی زائد ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے متعلق صراحۃً جزئیہ ملنے کی نفی کر کے ثبوت النسب والی عبارات نقل کی تھیں اور اس سے پہلے سوال کے جواب میں یہ مذکور تھا کہ جب ثبوتِ نسب ہوگا تو استحقاقِ وراثت بھی ہوگا (۱)۔ نیز عباراتِ درمختار میں یہ فقرہ بھی مذکور تھا: "فیثبت في حق المقرین"(۲)، اس سب سے مقصود بعض احتمالات کی اَقربیت کو بیان کرنا تھا۔ اقرار کا حجت قاصرہ ہونا مصرح ہے جس کی نظیر "فیثبت في حق المقرّین" بھی ہے، اگرچہ وہ نقصانِ نصاب پر مرتب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

(۱) چنانچہ بحرالرائق میں ہے: "فإذا ثبت النسب من المیت، یرث منه ضرورةً". (البحر الرائق: ۹/۳۹۲، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۲) "(فیثبت في حق المقرین) .... ویثبت نسب ولد المعتده بموت أو طلاق إن جحدت ولادتها بحجة تامة أو حبل ظاهر أو إقرار الزوج به أو تصدیق بعض الورثة، فیثبت في حق المقرین". (الدرالمختار). "(قوله: أو تصدیق بعض الورثة) المراد بالبعض مَن لایتم به نصاب الشهادة، وهو الواحد العدل أو الأكثر مع عدم العدالة .... (قوله: فیثبت في حق المقرین) الأولیٰ في حق من أقر، یشمل الواحد، ولأنهم لو كانوا جماعةً، ثبت في حق غیرهم أیضاً". (ردالمحتار: ۳/۵۴۴، ۵۴۶، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، سعید)

(وكذا في تبیین الحقائق: ۳/۲۸۲، ۲۸۴، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، دارالکتب العلمیه بیروت)

الفصل العاشر فی الحجب والحرمان

(حجب اور حرمان کا بیان)

ایک وارث دوسرے وارث کی موجودگی میں محروم کیوں ہے؟

سوال[۹۸۵۵]: ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے کہ ایسی شریعت نے محجوب کو میراث سے کیوں محروم ٹھہرایا ہے، اس کی کیا وجہ ہے اور کیا راز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میراث کیلئے شریعت نے احکام بیان کئے ہیں کہ کون وارث کس حالت میں کتنی میراث کا مستحق ہوگا، اور کون کس کی وجہ سے محجوب ہوگا۔ دادا مستحقِ میراث ہے، لیکن باپ کی موجودگی میں اس کو کچھ نہیں ملتا، کیونکہ دادا کا رشتہ باپ کے واسطے سے ہے۔ اسی طرح بھائی وارث ہوتا ہے، مگر باپ کی موجودگی میں اس کو کچھ نہیں ملتا، اس لئے کہ اس کا رشتہ بھی باپ کے واسطے سے ہے۔ یہی حال پوتے کا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں وہ وارث نہیں ہوتا(۱)، یہ بات بالکل صاف اور قابلِ قبول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۲/۸ھ۔

شادی کی وجہ سے لڑکیاں محروم نہیں ہوتیں

سوال[۹۸۵۶]: شیخ خیرات احمد مرحوم کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، دونوں لڑکیاں شادی شدہ

---

(۱) "ويسقط الجد بالأب؛ لأن الأب أصل في قرابة الجد إلى الميت". (السراجي). "لأن قرابته بواسطة الأب، فما دامت الواسطة أهلاً للميراث، فالميراث للواسطة كابن الابن مع الابن". (الشريفية، ص: ۱۹، باب معرفة الفروض ومستحقيها، سعيد)

"كل من يدلي: أي ينتمي إلى الميت بشخصٍ، لايرث مع وجود ذلك الشخص، كابن الابن، فإنه لايرث مع الابن". (الشريفية، ص: ۴۸، باب الحجب، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۷، باب الحجب، سعيد)

ہیں،ان دونوں لڑکیوں کا والد کی جائیداد میں شرعاً حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شادی ہونے کی وجہ سے لڑکیاں باپ کی وراثت سے محروم نہیں ہوتیں،ان کو ضرور حصہ ملتا ہے(۱)۔اگر صرف چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں،تو بعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی المیراث دس سہام بنا کر دو دو سہام چار لڑکوں کو اور ایک ایک سہام دونوں لڑکیوں کو تقسیم کر دیا جائے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:سید احمد علی سعید،نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

کیا ترکہ میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جس سے بیٹی محروم ہے؟

سوال[۹۸۵۷]: مرزا محمد اسحاق بیگ کا انتقال ہوگیا،پسماندگان میں ان کی بیوہ اور دو لڑکے مرزا فخرالدین بیگ و مرزا معین الدین بیگ اور ایک لڑکی سلطانہ بیگم ہیں۔مرزا محمد اسحاق بیگ کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے اپنی بہن کو کل جائیداد سے محروم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں،اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مکان و باغات میں تو حصہ ہوتا ہے لیکن کھیتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔مرزا محمد اسحاق بیگ اپنی زندگی میں خود ہی کاشت کرتے تھے اور تمام کھیتوں پر مرزا محمد اسحاق کا قبضہ تھا۔

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النسآء: ۱۱)

(۲) نقشہ تقسیم ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۱۰

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۲	۱	۱

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن کانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (سورة النساء: ۱۷۶)

اب مفتیان کرام بتائیں کہ مذکورہ بالا جائیداد میں سے از روئے شرع فرائض سلطانہ بیگم کو کیا حصہ ملے گا؟ نیز باقی لوگوں میں جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ باپ کی چھوڑی ہوئی منقولہ وغیر منقولہ اشیاء میں سے کیا کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے جس میں لڑکی حصہ دار نہ ہو اور وہ صرف لڑکوں کو ہی ملے؟ یہ بھی مطلع کیجئے کہ بہن کی اس حق تلفی اور حصہ غصب کرنے والے کی کیا کوئی سزا شرعی ہے جو حشر میں ملے گی، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ یہ بھی مطلع فرمایئے کہ حق دینے میں دیر کرنا کیسا ہے؟

یہ بھی مطلع کیجئے کہ عدالتی قانون کی طرح کیا شرع میں بھی اس کی کوئی میعاد مقرر ہے کہ اس کے بعد یہ حق تمادی ہو جائے اور لڑکی اس کے پانے کی مستحق نہ رہے؟ جو لوگ مذکورہ بالا حق تلفی میں کسی قسم کی مدد زبانی یا عملی کریں ان کی کیا سزا ہے؟ یا جو لوگ مذکورہ حق تلفی کے خلاف زبانی یا عملی مدد کریں ان کے لئے کیا اجر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ ۸، تصـــ ۴۰ — مرزا محمد اسحاق بیگ

زوجہ زہرہ بیگم	ابن فخر الدین بیگ	ابن معین الدین بیگ	بنت سلطانہ بیگم
$\frac{1}{5}$	۱۴	۱۴	۷

(ابناء و بنت: $\frac{7}{35}$)

بشرطِ صحتِ سوال وعدمِ موانعِ ارث بعد تجہیز وتکفین وادائے دَین مہر وغیرہ از کلِ مال وتنفیذ وصیت از ثلثِ مال(۱) مرزا محمد اسحاق بیگ کا کل ترکہ چالیس سہام بنا کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ پانچ سہام بیوہ (زہرہ

(۱) حقوق متقدمہ یعنی تجہیز وتکفین، ادائے دین، اگر وصیت کی ہے تو تنفیذ وصیت کے بعد بقیہ ترکہ تقسیم ہوگا:

"تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه، من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۹، ۷۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۶/ ۴۴۷، رشيديه)

بیگم) کوملیں گے(۱)، چودہ چودہ سہام دونوں لڑکوں فخر الدین ومعین الدین کوملیں گے، سات سہام لڑکی سلطانہ بیگم کوملیں گے(۲)۔روپیہ، زیور، کپڑا، برتن، گھر کا سامان، مکان، باغ، کھیت غرض جو چیز بھی محمد اسحاق مرحوم کی ملک تھی سب کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

بہن کی حق تلفی کرنا سخت ہے، بہن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ شفقت کی جائے۔ اگر وہ بڑی ہے تو اس کا حق والدہ کے قریب ہے، اگر چھوٹی ہے تو اس کا حق بیٹی کے قریب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرلی تو اس کی سزا میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا(۳)۔دو تین پیسے کے عوض سات سو مقبول فرض نمازیں دلائی جائیں گی، جس کا حق واجب ہو اس کے ادا کرنے میں بلاوجہ تاخیر کرنا اور ٹلانا ظلم ہے(۴)، خاص کر جب کہ صاحبِ حق کی طرف سے مطالبہ بھی ہو، اگر ادا نہ کیا اور تاخیر ہوگئی تو وہ مطالبہ ساقط نہیں ہوگا، یہاں تک کہ قیامت کو دلایا جائے گا(۵)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارک و تعالیٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النسآء: ۱۱)

(۳) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوق يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۷۵، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: "مطل الغني ظلم، وإذا اتبع أحد على ملئ فليتبع". (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في المطل واحسن القضاء: ۲/۴۷۴، دار الحديث ملتان)

(۵) "الحق لايسقط بتقادم الزمان". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب القضاء والشهادات: ۲/۱۹۳، إدارة القرآن كراچی)

"ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۴/۳۱، سعيد)

"وعنه (ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لتؤدنّ الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء". رواه مسلم". (مشكوة =

ظالم کی ظلم میں مدد کرنا بھی ظلم ہے(۱)۔ مظلوم کو ظلم سے بچانے کے لئے حسبِ طاقت وحیثیت مدد کرنا لازم ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

بیوہ نکاحِ ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں

سوال[۹۸۵۸]: ایک عورت جس کا شوہر مر چکا ہے، بعد عدت عقدِ ثانی کرتی ہے۔ عورت کے اولاد نہیں ہے، صرف خسر زندہ ہے۔ شوہر مذکورہ بالا اور اس کے والد سب ایک ہی ساتھ رہتے تھے۔ عورت مذکورہ زیورات، ملبوسۂ جسم ومنقولہ جائیداد وغیر منقولہ میں کتنا حصہ پاسکتی ہے، یا نہیں پاسکتی علاوہ مہر کے؟ اگر عورت مذکورہ نے مہر معاف کر دیا ہے تو واقعاتِ مندرجہ بالا میں کوئی حق رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر معاف نہیں کیا تو جائیداد مذکورہ بالا سے مہر وصول ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ شوہر مذکور اور اس کے والد ایک ہی ساتھ رہتے تھے، شوہر کی کوئی علیحدہ جائیداد رقم وغیرہ نہیں ہے۔

المصابیح، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، قدیمی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"عن أوس بن شرحبیل أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشکوۃ المصابیح، باب الظلم، ص: ۴۳۶، قدیمی)

"فقد خرج من الإسلام": أی من کمال الإیمان أو من حقیقة الإسلام المقتضی أن یسلم المسلمون من لسانه ویده". (مرقاۃ المفاتیح، باب الظلم: ۸/۸۵۸، (رقم الحدیث: ۵۱۳۵)، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقویٰ﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً". فقال رجل: یا رسول اللہ! أنصره مظلوماً، فکیف أنصره ظالماً؟ قال: "تمنعه من الظلم، فذلک نصرک إیاہ". متفق علیه". (مشکوۃ المصابیح، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقد ثانی کرنے کی وجہ سے وہ عورت مہر یا وراثت سے محروم نہیں ہوگی (۱)، جو اشیاء: زیور، لباس وغیرہ عورت کی ملک ہیں، خواہ اس کے والد نے دی ہوں خواہ شوہر یا خسر نے تملیکاً دی ہوں، وہ تو بلا شرکتِ غیر عورت کی ملک ہیں (۲)، اور شوہر اپنے والد کے ساتھ رہتا تھا، ان میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۳)، عورت کو بھی کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ جو اشیاء شوہر کی ملک ہو چکی تھیں، خواہ اس نے خود حاصل کی ہوں خواہ اس کے والد نے تملیکاً دیدی ہوں وہ ترکہ شمار ہوں گی (۴)، اولاً قرضہ مہر وغیرہ ادا کیا جائے گا، اس کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے

---

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"ثم شرع في الحجب فقال: ولا یحرم ستة من الورثة بحال ألبتة: الأب، والأم، والابن، والبنت :أي الأبوان والوالدان والزوجان". (الدرالمختار، کتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۷۷۹/۶، ۷۸۰، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب: ۴۵۲/۶، رشیدیه)

(۲) "فإن کل أحد یعلم أن الجهاز ملک للمرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه کله، وإذا ماتت یورث عنها، ولا یختص بشيء منه". (ردالمحتار: ۵۸۵/۳، کتاب الطلاق، باب النفقة، سعید)

(۳) اصل جائیداد باپ کی ہے میت یعنی بیٹے کی نہیں ہے اور عورت کو اپنے شوہر کے ترکہ سے میراث ملے گی، نہ کہ سسر کے مال سے:

"الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الابن في عیاله، لکونه معیناً له .... وفي الخانیة: زوج بنیه الخمسة في داره وکلهم في عیاله، واختلفوا في المتاع، فهو للأب، وللبنین الثیاب التي علیهم لا غیر". (ردالمحتار: ۳۲۵/۴، کتاب الشرکة، فصل في الشرکة الفاسدة، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیة: ۱۷/۲، کتاب الدعویٰ، مکتبه میمنیه، مصر)

(۴) "یملک الموهوبُ له الموهوبَ بالقبض، فالقبض شرطٌ لثبوت الملک لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدرالمختار: ۶۹۰/۵، کتاب الهبة، سعید)

چوتھائی حصہ عورت کو ملے گا، ھکذا فی الھندیۃ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۱/شوال/ ۶۷ھ۔

بیوہ اگر دوسرا نکاح کرے تو وہ وراثت سے محروم نہیں

سوال [۹۸۵۹]: کیا اگر کوئی عورت بیوہ ہونے کے بعد دوسرے سے نکاح کرلے تو اس سے اپنے مرحوم شوہر کی جائیداد اور ملک سے مہر کا حق نہیں؟ یہاں کی کمیٹی کا خیال ہے کہ اپنا کوئی حق اس عورت کو مل نہیں سکتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوہ جب بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے تو اس کا مہر اور حق وراثت مرحوم شوہر کے ترکہ سے ساقط نہیں ہوتا، بلکہ وہ حقدار رہتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/ ۱۳۸۸ھ۔

عقدِ ثانی کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا

سوال [۹۸۶۰]: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیوہ عورت جو عقدِ ثانی میں آتی ہے ترکہ میں اس کا اور

---

(۱) "التركة تتعلق بها حقوق أربعة: جهاز الميت ودفنه، والدين، والوصية والميراث، فيبدأ أولاً بجهازه وكفنه وما يحتاج إليه في دفنه ...... ثم بالدين". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مماتركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل".

(السراجي في الميراث، ص: ۶، ۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

اس کے بچوں کا حصہ کم ہوتا ہے۔شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال غلط ہے، اس کا جتنا حصہ ہے وہ ضرور اس کی مستحق ہے، عقدِ ثانی کی وجہ سے ہرگز حصہ میں کمی نہیں آئے گی، اولاد بھی اپنے پورے حصہ کی حقدار رہے گی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۸۹ھ۔

دادا کی میراث سے پوتا کیوں محروم ہے؟

سوال[۹۸۶۱]: مظلوم میراث کا مطلب کیا ہے، اور مظلوم میراث کیوں کہا جاتا ہے؟ ہم لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں پھر بھی اس کی کون (سی) وجہ ہوگی۔دادا کی موجودگی میں باپ مرجائے تو بیٹا محروم میراث ہوتا ہے اور نانا کی موجودگی میں ماں مرجائے تو بیٹا محروم ہوگا۔خلاصہ تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہوجانے کے بعد اس پر ایمان لانا اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے (۲)، اس کی علت دریافت کرنے کا حق نہیں۔البتہ حکمت کی تحقیق کی جاسکتی ہے، مگر حکمت کے سمجھنے کیلئے بڑے علم اور اعلیٰ فہم کی ضرورت ہے (۳) جن غریبوں کو املا لکھنا بھی صحیح نہ آتا ہو، ان کو اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (سورة النساء: ۱۲)

"أما للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل".

(السراجی فی المیراث، ص: ۶، ۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۶/۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه، وما نهكم منه فانتهوا﴾ (سورة الحشر: ۷)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اٰباؤكم وأبناؤكم لاتدرون أيهم أقرب لكم نفعًا فريضةً من الله﴾ الآية =

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کا حقِ وراثت

سوال[۹۸۲۲]: ہم چار بھائی ہیں، والد صاحب کا انتقال ہوگیا، انہیں کی موجودگی میں ایک بھائی کا بھی انتقال ہوگیا۔ مرحوم بھائی کے بچے ہیں، ان بچوں کا حق ترکہ میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ مرحوم نے تین بیٹے چھوڑے اور چوتھے مرحوم بیٹے نے اولاد چھوڑی، تو صرف مرحوم کے بیٹے وارث ہوں گے اور اس ترکہ سے چوتھے بیٹے کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا(۱)، ہاں اس چوتھے بیٹے نے اپنا خود مملوکہ ترکہ چھوڑا ہو تو وہ اس کی اولاد کو ملے گا۔ تفصیل معلوم ہونے پر سب کا حصہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۶ھ۔

= ......"جملة معترضة لبيان مصالح تقدير الميراث وحكمته، والمعنى: أن الله تعالىٰ قدر قسمة التركة من عند نفسه على حسب ماعلم فيه حكمةً ومصلحةً. ولو وكّلها إليكم لم تعلموا أن آباء كم وأبناء كم الباقون أيهم أقرب لكم نفعًا وأبعد ضررًا، وأيهم بالعكس، فوضعتم الأموال على غير حكمة من غير إدراك نفع، فتولى الله ذلك بنفسه فضلاً منه ومنةً من عنده، ولم يكلها إلى اجتهادكم لعجزكم عن معرفة المقادير". (التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية، ص: ۲۳۴، مكتبه حقانيه پشاور)

واضح رہے کہ اگر میت کی اولاد موجود ہو تو پوتا اس لئے میراث سے محروم رہے گا کہ وراثت میں قرابتِ قریبہ قرابتِ بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے تو بیٹا چونکہ قریب ہے پوتے سے تو قریب ہی میراث کا مستحق ہوگا نہ کہ بعید:

"الأقرب فالأقرب بقرب الدرجة، أعني: أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم بنوهم وإن سفلوا". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، سعيد)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ (القول السديد في تحقيق ميراث الحفيد از جواهر الفقه: ۲/۴۷۹، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۱) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني: أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم بنوهم". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۲، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۸۱، ۳۸۲، كتاب الفرائض، رشيديه)

بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث

سوال[۹۸۶۳]: حاجی عبدالرزاق کے دولڑکے ہیں: سلامت اللہ وعصمت اللہ، اور حاجی صاحب موجود ہیں اور سلامت اللہ کا انتقال ہوگیا، ان کا بڑا لڑکا مشتاق احمد بچا۔ اس کا شریعت کے اعتبار سے حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی عبدالرزاق صاحب کے انتقال کے وقت ایک لڑکا موجود ہے اور دوسرے لڑکے کی اولاد موجود ہے اور دوسرا لڑکا خود انتقال کرچکا ہے تو اس دوسرے لڑکے کی اولاد کو حاجی عبدالرزاق کے ترکہ سے وراثت نہیں ملے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پوتا وارث کیوں نہیں؟

سوال[۹۸۶۴]: پوتے دادا کی وراثت کے حقدار کیوں نہیں، درآنحالیکہ وہ بے چارے یتیم ہیں اور دلجوئی کے زیادہ مستحق ہیں؟ پوتوں کے وارث نہ ہونے کی حکمت بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکمت کا علم صاحبِ شرع کو ہے، ہم نہیں جانتے (۲)، ہمارا مسلک تو یہ ہے:

---

(۱) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني: أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم بنوهم". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۲، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۹/۳۸۱، ۳۸۲، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿آباؤكم وأبناء كم لاتدرون أيهم أقرب لكم نفعًا﴾ .... "جملة معترضةٌ لبيان مصالح تقدير الميراث وحكمته، والمعنىٰ: أن الله تعالىٰ قدّر قسمة التركة من عند نفسه على حسب ماعلم فيه حكمةً ومصلحةً. ولو وكّلها إليكم، لم تعلموا أن أباء كم وأبناء كم الباقون أيهم أقرب لكم نفعًا وأبعد ضرراً، وأيهم بالعكس، فوضعتم الأموال على غير حكمة من غير إدراك نفع، =

زبان تازہ کردن باقرارِ تو نینگیختن علت از کارِ تو

(سعدی)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/۷/۱۳۶۱ھ۔

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو جائیداد دینا

سوال[۹۸۶۵]: کیا زید کو اپنی جائیداد پر یہ حق ہے کہ وہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو نہ دے کر پوتوں کے نام لکھ دے اور تا حیاتِ خود ولی رہے، بعدہ اپنے لڑکے کو ولی بنادے؟

= فتولى الله ذلك بنفسه فضلاً منه ومنةً من عنده، ولم يكلها إلى اجتهادكم لعجزكم عن معرفة المقادير". (التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية، ص: ۲۳۴، مكتبه حقانيه پشاور)

تقدیراتِ شرعیہ رائے اور خیالات پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ ان کا تعلق نقل سے ہے:

"عن أبي إسحق عن عبدخير عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: لو كان الدِّين بالرأى، لكان أسفل الخف أولىٰ بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على ظاهر خفيه". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۲، باب كيف المسح، دار الحديث ملتان)

"قال": أى عليّ رضي الله تعالىٰ عنه: "لو كان الدين بالرأى": أى بظاهر الرأى ومجرد العقل دون الرواية والنقل "لكان أسفل الخف أولىٰ بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يمسح على ظاهر خفيه".

قال القارى رحمه الله عليه: "اعلم أن العقل الكامل تابعٌ للشرع؛ لأنه عاجز عن إدراك الحِكم الإلهية، فعليه التعبد المحض بمقتضى العبودية. وماضل من الكفَرة والحكماء المبتدعة وأهل الأهواء إلا بمتابعة العقل وترك موافقة النقل. وقد قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: لو قلتُ بالرأى لأوجبتُ الغسل بالبول؛ لأنه نجسٌ متفقٌ عليه، والوضوء بالمني؛ لأنه نجسٌ مختلف فيه، ولأعطيتُ الذكر في الإرث نصف الأنثىٰ؛ لكونها أضعف منه". (بذل المجهود شرح سنن أبي داؤد: ۲/۹۹، كتاب الطهارة، باب كيف المسح، مكتبه امداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو پورا اختیار ہے کہ اپنی جائیداد پوتوں کو دیدے یا کسی اَور کو دے، لیکن اتنا خیال رہے کہ مستحق کو محروم کرنے کا قصد نہ ہو(۱) کہ یہ ظلم اور معصیت ہے(۲)۔ بہتر یہ ہے کہ پوتوں کو کل جائیداد نہ دے، بلکہ ایک تہائی کے اندر اندر دیدے اور اپنا مالکانہ قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادے، اور جو چیز تقسیم کے قابل ہو ان کو تقسیم کرکے ان کو دیدیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

لڑکیوں کے ہوتے ہوئے جائیداد نواسہ کو دینا

سوال[۹۸۲۶]: ایک شخص ایسا ہے جو کہ بالکل ضعیف ہو چکا ہے، اس کے پانچ لڑکیاں ہیں جو شادی ہوجانے کی وجہ سے اپنے اپنے گھر پر ہیں۔ اس شخص کی خدمت نواسہ کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اپنے

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك، لارواية في الأصل عن أصحابنا، وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضلٍ له في الدين . وإن كانوا سواء، يكره. وروى المعلّى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوّىٰ بينهم .... وفيه: رجلٌ وهب في صحته كل المال للواحد، جاز في القضاء، ويكون آثمًا فيما صنع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، جنس آخر في الهبة من الصغير، رشديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۷۹، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمي)

"الأفضل في هبة الابن والبنت التثليث كالميراث، وعند الثاني التنصيف". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكرية: ۶/۲۳۷، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

نواسہ کے نام کھیت، مکان لکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکیوں کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں، بلکہ واقعۃً نواسے کو حق الخدمت کے طور پر معاوضہ کی حیثیت سے دینا چاہتا ہے تو خدمت کے موافق دینا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۱۳۸۸ھ

لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے بحالتِ مرض لڑکے کو جائیداد دینا

سوال [۹۸۶۷]: ایک شخص نے مرنے سے تقریباً ۵/ ماہ پہلے بحالتِ بیماری ایک اقرار نامہ اپنی جائیداد کے متعلق لکھوا کر عدالت میں رجسٹری کرادیا ہے، مقرّ اور اس کا پسر مقرّ لہ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ مقر کی زوجہ (مقرلہ کی والدہ) عرصہ دس گیارہ سال پہلے فوت ہو چکی ہے اور مقرلہ شادی شدہ ہے اور بچوں والا ہے۔ جائیداد و مکان بسعی اکثر مقر کی پیدا کردہ ہے اور کچھ موروثی ہے۔

وہ اپنے اقرار نامہ میں لکھتا ہے کہ: ''میں زرعی جائیداد پہلے اپنے پسر کے نام کاغذات سرکاری کرا چکا ہوں''۔ اس تملیک کے بعد بھی باپ اسی طرح اس گھر میں رہتا ہے جس طرح کہ پہلے رہتا تھا، اس تملیک سے غرض صرف دختران کو محروم رکھنے کی ہے۔ نقل اقرار نامہ پشت استفتاء ہذا پر تحریر ہے۔ اب دختران باپ کی جائیداد سے اپنا حق طلب کرتی ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس اقرار نامہ سے کیا اس کی دختران محروم ہو سکتی ہیں؟ یہ امر قابل غور ہے کہ مقر اقرار نامہ ہذا کے وقت بیمار تھا، اور برابر نویسندگی کے وقت تک بیمار رہا اور اسی بیماری میں فوت ہوا۔

المستفتی: حکیم کریم خاں، ۶/ ربیع الاول/ ۱۳۵۹ھ۔

خلاصۂ نقل اقرار نامہ رجسٹری شدہ:

''من کہ شیخ غلام محمد ولد شیخ عبدالرحیم، قوم شیخ، سکنہ خان پور جھورن، تحصیل خانپور میں مملوکہ مقر واقع ہیں، تمام مقر و پسرم حقیقی عبدالغفور کے پیدا کردہ ہیں۔ چونکہ پسرم

(۱) تقدم تخریجہ. تحت عنوان: ''بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو وراثت''۔

عبدالغفور حکمت اور طبابت کا کام کرتا ہے، اس نے کافی روپیہ کمایا ہے اور اس کی کمائی سے بہت سی جائیداد پیدا کی گئی ہے، کسی قدر تو جائیداد پسرم کے اپنے نام پر ہے، مگر بہت سی جائیداد جو کہ پسرم نے خریدی بوجہ عزت وشانِ پدری کے مقر کے نام پر خرید کی۔ مکاناتِ مذکورہ بالا کی تعمیر بھی اس نے کرائی ہے اور مقر کے نام قرضہ بھی اس نے ادا کیا ہے۔ اور مقر کا اکلوتا لڑکا اور بڑا ہی فرماں بردار اور فہیم ہے، مقر اس کی فرمانبرداری سے بہت خوش ہے۔

مقر کے دو دختران: مسماۃ زینب خاتون اور مسماۃ شاہدہ خاتوں شادی شدہ موجود ہیں، مقر نے ان کو کافی زیورات وسامان جہیز کے وقت دیئے ہیں، اور گڑھی اختیار خاں وہاں اراضی سکنی ومکان بھی ان کو جداگانہ - جو کہ ان کے قبضہ میں ہے- قبل ازیں حکیم عبد الغفور خاں پسرم مدنظر رکھتے ہیں۔ تمام اراضیاتِ زرعی واقعہ مواضعات: خانپور اور موضع جہورن تحصیل خانپور تملیک بالقبضہ تھی، عبدالغفور پسرم داخل خارج کراچکا اور تاریخ تملیک سے اس پر مالکانہ قبضہ پسرم کا ہے۔

اب ہر دو مکانات مندرجہ بالا جس کی مالیت مبلغ =/۱۰۰۰۱، بمعہ جملہ حقوق داخلی وخارجی روشناس ہو جو مقر کو حاصل تھی بوجہ خدمت گذاری وفرمانبرداری پسرم کی۔ اپنی زندگی میں بھی عبدالغفور پسر حقیقی خود تملیک بالقبضہ کر کے قبضہ مالکانہ اسی کو دیدیا ہے، امروز سے مقر کو کوئی تعلق جائیداد متصرفہ بالا تملیک کردہ سے نہیں رہا اور نہ ہوگا، بمثلِ ذات خاص مقر کی جائیداد مذکورہ بالا کا مالک وقابض تصور ہوگا۔

نقشہائے ہر دو مکانات لفِ ہذا ہیں، لہذا تملیک نامہ ۸/ کے اسٹام پر لکھدیتا ہوں تا کہ سند رہے اور ضرورت کے وقت کام آوے تا کہ بعد میں کوئی حجت پیدا نہ کرنے پاوے۔

۱۶/ ماہ صفر المظفر / ۱۳۵۹ھ، ۷/ اپریل/ ۱۹۲۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر غلام محمد ایسے مرض میں مبتلا تھا کہ جس سے غالبًا لوگ صحت یاب نہیں ہوتے بلکہ اکثر مرجاتے

ہیں، یا وہ صاحبِ فراش تھا کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہیں تھا اور ایسی حالت میں یہ تملیک نامہ ہبہ نامہ کیا اور پھر صحت یاب نہیں ہوا، بلکہ اسی حالت اور اسی مرض میں انتقال ہوگیا تو یہ مرض الموت کا ہبہ نامہ ہے جو وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی ہے جب تک دوسرے ورثا اجازت نہ دیں۔ پس دیگر ورثہ کی رضامندی اور اجازت کے بغیر یہ ہبہ نامہ شرعاً ناقابلِ عمل ہے، اس میں شرعی طریق پر میراث جاری ہوگی۔

اور اگر ایسا مرض نہ تھا معمولی بیماری میں ہبہ نامہ کیا تو یہ وصیت کے حکم میں نہیں، بلکہ ہبہ صحیح ہے(۱)۔ جس شی پر موہوب لہ کو قبضہ کرادیا، وہ معتبر ہے، بہر دو صورت موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، اور مکان میں قبضہ ہوا نہیں بلکہ جس طرح واہب کا قبضہ پہلے تھا، اسی طرح بعد میں رہا، خواہ مرض الموت ہو خواہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے مکان کا ہبہ غیر معتبر ہے۔

لڑکیوں کو شرعی حصہ ملے گا۔ اگر بحالتِ صحت لڑکے یا لڑکی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھالیتا تو پھر اس میں اور

---

(۱) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئًا لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة في مرض الموت وصيةٌ ولا وصية لوارث. ولكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت .... وإنما تتوقف الهبة على إجازة الورثة إذا مات المريض من ذلك المرض، كما قيده في المتن بقوله: "بعد وفاته". وأما لو برئ المريض، نفذت الهبة ولو لم يُجزها الورثة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

"عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: "إن الله قد أعطىٰ كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۵، كتاب البيوع، باب الوصايا، الفصل الثاني، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/۶۵۹، كتاب الوصايا، سعيد)

"عن يونس بن راشد، عن عطاء عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لاتجوز وصية لوارث إلا أن تشاء الورثة". (نصب الراية للزيلعي: ۴/۴۰۴، (رقم الحديث: ۸۰۷۰)، مؤسسة الريان بيروت لبنان)

کسی کا حصہ نہ ہوتا(۱)، لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے ان کو کچھ نہ دینا ظلم اور گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ ربیع الثانی/۵۹ھ۔

جائیداد بھتیجا کو دینا بیٹوں کو نہ دینا

سوال[۹۸۶۸]: میرے والد صاحب اپنی زمین اپنے بھتیجا کے نام ہمارا حق دبا کر کر رہے ہیں، جبکہ ہم پر قرضہ اتنا ہے کہ مکان اور زمین دے کر بھی بقایا رہتا ہے اور ان کا بھتیجا نابالغ ہے۔ میرے چھوٹے چار بھائی بہن ہیں، ان کی پرورش وشادی باقی ہے۔ ان حالات میں شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ آپ کو نقصان پہنچانے کیلئے ایسا کرتے ہیں تو یہ ظلم اور گناہ ہے(۳)، ان کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے، ورنہ آخرت میں سخت باز پرس ہوگی۔ لیکن باپ کو اپنی اولاد سے طبعی محبت اور شفقت ہوتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بعد بھی اولاد کی آسائش کیلئے انتظام کرتا ہے تاکہ اولاد پریشان نہ ہو، پھر موجودہ صورت

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وهب في مرضه ولم يسلّم حتى مات، بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصيةً حتى اعتبر فيه الثلث، فهو هبة حقيقةً، فيحتاج إلى القبض". (ردالمحتار: ۵/۷۰۰، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳)، كتاب الهبة، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۶۶، كتاب الفرائض، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمي)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

میں جو والد کرنا چاہتے ہیں تو ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی، ممکن ہے کہ اولاد نافرمان ہوں، یا اس کی طرف سے اندیشہ ہو کہ وہ زمین کو معصیت میں ضائع کردے گی (۱)، یا بھتیجا کا یا اس کے مورث کا کوئی مطالبہ ذمہ میں ہوگا، اس کو ادا کرنا مقصود ہو، ورنہ بلاوجہ کوئی باپ اپنی اولاد کی بدخواہی نہیں کیا کرتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۱۳۸۸ھ۔

باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجے وارث نہیں

سوال[۹۸۶۹]: محمد یامین نے بیوہ محمد یوسف سے نکاح کیا، ساتھ میں محمد اصغر آیا جو سوتیلا بھتیجا تھا، اب محمد یامین کی اس کی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ محمد یوسف ہی محمد علی کی پہلی بیوی سے تھا، باقی سب اولاد محمد علی کی دوسری بیوی سے ہے۔

۱...... چنداجو کہ محمد علی کا سگا بھتیجا ہے، اس کی جائیداد میں کتنے کا حقدار ہے، اور چچیرے بھائیوں کی نجی جائیداد میں حقدار ہے یا نہیں؟

۲...... بشیر لڑکی محمد علی اپنے باپ کی جائیداد میں کتنی حقدار ہے، اور بھائیوں کی نجی جائیداد میں بھی حقدار ہے یا نہیں اگر ہے تو کتنی؟

۳...... محمد یوسف جس کا باپ کے سامنے انتقال ہوا، باپ کی جائیداد میں حقدار ہے یا نہیں؟ محمد یوسف کی نجی جائیداد کا مالک محمد اصغر ہے، اس میں سے بھتیجا احمد حسن بھی حقدار ہے یا نہیں؟

۴...... محمد یامین نے سوتیلے بھائی محمد یوسف کی بیوہ حفیظاً سے نکاح کیا، ساتھ میں محمد اصغر آیا۔ اس لئے محمد یامین کا حصہ محمد اصغر کو ملنا چاہیے یا نہیں؟ اور اس کی والدہ کی محمد اصغر کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں، محمد یامین سے

---

(۱) "ولو كان ولده فاسقًا وأراد أن يصرف ماله إلىٰ وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

"ولو كان ولد فاسقًا فأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركه؛ لأن فيه إعانة على المعصية". (خلاصة الفتاویٰ: ۴/ ۴۰۰، كتاب الهبة، جنس آخر في الهبة من الصغير، رشيديه)

بھی کوئی اولاد نہیں۔ محمد یامین کی نجی جائیداد سے بھتیجے احمد حسن کو- جو حیات ہے-حق پہنچتا ہے یا نہیں، اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟

۵.....محمد حسن کا حق اور اس کی نجی جائیداد کا مالک احمد حسن ہے یا کسی اَور کو بھی حق پہنچتا ہے، اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟

۶.....امیر حسن کا انتقال والدہ کے سامنے ہوا، مگر اس نے نجی جائیداد بھی چھوڑی، اس میں کتنا کتنا کس کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....محمد علی کے انتقال کے وقت پسری اولاد موجود ہونے کی وجہ سے بھتیجا محروم رہے گا۔ چندا کو محمد علی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا (۱)۔ جس چچیرے بھائی نے اپنے انتقال پر اپنے والد یا اپنے لڑکے کو چھوڑا ہے، اس کے ترکہ سے بھی چندا کو کچھ نہیں ملے گا (۲)۔

۲.....محمد علی کے انتقال پر دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود تھی، اس کا ترکہ پانچ حصہ بنا کر دو دو حصے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک حصہ لڑکی بشیراً کو ملے گا (۳)۔ بھائیوں کے ترکہ سے اس کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ کسی

---

(۱) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني: أولهم بالميراث جزء الميت: أي البنون، ثم بنوهم". (السراجي، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۶۳/۲، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) (راجع رقم الحاشية المتقدمة)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (سورة النساء: ۱۱)

مسئلہ ۵

بیٹا	بیٹا	بیٹی
۲	۲	۱

بھائی نے باپ کو چھوڑا، کسی نے بیٹے کو چھوڑا۔ دونوں صورتوں میں بشیر احمد محروم ہے(۱)۔

۳...... محمد یوسف کا انتقال باپ کے سامنے ہوگیا، وہ باپ کا وارث کیسے ہوتا۔ اگر اس نے کوئی ذاتی جائیداد چھوڑی ہے، خواہ سامان یا نقد وغیرہ چھوڑا ہے تو اس میں سے بھی بھتیجا احمد حسن حقدار نہیں (۲)۔

۴...... محمد یامین کے ترکہ سے محمد اصغر کو اس وجہ سے کچھ نہیں ملے گا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آیا ہے، حقیقی بیٹا ہوتا تو مستحق ہوتا (۳)۔

۵...... اس کا وارث لڑکا احمد حسن ہے، بھائی، بھتیجا کوئی وارث نہیں (۴)۔

۶...... اس کا وارث باپ محمد علی ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) "وبنو الأعيان: أى الإخوة والأخوات لأب وأم، وبنو العلات: أى الإخوة والأخوات لأب كلهم يسقطون بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب بالاتفاق". (الشريفية، ص: ۲۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوى الفروض، رشيديه)

(۲) باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجا محروم رہے گا، كما تقدم في الحاشية المتقدمة آنفاً.

(۳) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والنسب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الاول، رشيديه)

(وكذا في الدر لمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۴) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني: أولهم بالميراث جزء الميت: أى البنون، ثم بنوهم". (السراجي في الميراث، ص: ۱۳، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۲۳، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه پشاور)

(۵) دوسرے ورثہ مثلاً ماں، بیوی، یا بیٹے، وغیرہ، ہوں تو وہ بھی وارث ہوں گے:

"ثم يقسم الباقي بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة .... أو الإجماع".

(الدر المختار: ۶/۷۶۱، ۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۳، سعيد)

لے پالک بنانا

سوال[۹۸۷۰]: گودنامہ(۱) شرعی نقطۂ نظر سے کیا ہے، اور گودنامہ سے اگر ایک بھائی کی حق تلفی ہورہی ہو تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلۂ وراثت ایسا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے براہ راست قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے(۲)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے، جسے سب ورثاء کے متعین ہیں۔کسی ترکیب سے مستحق کو محروم کرنا یا کم دینا اور غیر مستحق کو وارث قرار دینا شرعاً جائز نہیں، یہ حقیقی وارث کی حق تلفی ہے(۳)، غصب ہے، ظلم ہے(۴)، جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھائیں، ان کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور جہنم میں جلیں گے(۵)۔

گودنامہ کی وجہ سے ہرگز ہرگز وراثت کا استحقاق نہیں ہوتا(۶)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۲۷ھ۔

---

(۱) ''گودنامہ: متبنیٰ، لے پالک بنانا''۔(فیروز اللغات، ص:۱۱۱۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿اٰباؤکم وأبناؤکم لاتدرون أیھم أقرب لکم نفعًا فریضةً من اللہ، إن اللہ کان علیمًا حکیماً﴾ (سورة النسآء: ۱۱)

(۳) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من قطع میراث وارثه، قطع اللہ میراثه من الجنة یوم القیمة". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۶۶، کتاب البیوع، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۴) "وعن أبی حرّة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۵) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿إن الذین یأکلون أموال الیتامیٰ ظلمًا إنما یأکلون فی بطونهم ناراً، وسیصلون سعیراً﴾ (سورة النساء: ۱۰)

(۶) چونکہ استحقاقِ ارث کے اسباب تین ہیں، وہ اسباب جہاں جہاں پائے جائیں وہ لوگ مستحق وراثت ہوں گے اور جن لوگوں=

حج بدل اور وقف کے ذریعہ ورثہ کو محروم کرنا

سوال[۹۸۷۱]: ایک شخص عذر کے زمانہ میں بعد پانچ سال اپنی ماں کے ساتھ اپنی جدی جائیداد اور ترکہ چھوڑ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا، جس کا وارث مفرور کا بڑا بھائی ہوگیا اور اس کی اولاد در اولاد اس مال پر قابض چلی آتی ہے۔ دورانِ سفر میں مفرور کی ماں کا بھی انتقال ہوگیا، غرضیکہ اس شخص نے باہر ہی پرورش پائی اور پھر پھرتا گھرتا ایک جگہ مقیم ہوکر کسی کی ملازمت اختیار کی، حتی کہ اس نے پھر خود تجارت شروع کی اور شادی بھی باہر ہی غیر برادری میں کی اور اپنی خود پیدا کردہ آمدنی میں سے جائیداد بنالی۔

اب اس کی عمر تقریباً ۵۰/ یا ۶۰/ برس کی ہوگی، جب کہ اس کے بھائی کی اولاد کو کسی طرح سے معلوم ہوگیا کہ وہ ان کا بزرگ ہے، وہ اس کے پاس آنے جانے لگے اور اس سے مستفیض ہوتے رہے۔ وہ شخص چونکہ لاولد تھا، بیوی کا بھی انتقال ہوگیا تھا، اس نے اپنا مکان مسجد کے نام پر وقف کردیا۔

چند سال بعد اپنے مرض الموت لاحق ہونے سے قبل اس نے ایک رقم جو کہ تقریباً دو ہزار روپے کی ہے تین آدمیوں کی تحویل میں ہے اور یہ وصیت کردی کہ روپیہ جب تک میں زندہ ہوں اپنے مصارف میں لاؤں گا اور میرے مرنے کے بعد اس روپے کو میرے بجائے حج بدل کرانے کے بعد جو بچے فی سبیل اللہ صرف کردینا، میرا کوئی وارث نہیں اور نہ میں کسی کو دینا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہا گیا کہ تمہارے بھائی کی اولاد ہے ان کو کچھ دے دو، مگر انہوں نے نہ مانا۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک ماہ بعد ان کو مرض فالج یکا یک ہوگیا اور تین چار روز بے ہوش رہ کر انتقال کرگئے۔ اب اس کے بھائی کی اولاد اس کے ترکہ کی مدعی ہے۔ شرع شریف سے اس کا فیصلہ فرما کر عنداللہ مشکور وعنداللہ ماجور ہوں۔ اور مرحوم حنفی المذہب تھے۔ جواب پشت پر مرحمت فرمایا جائے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ برائے

= میں وہ اسباب نہ ہوں وہ مستحق میراث نہیں ہیں:

" ویستحق الإرث بإحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجة، والولاء". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، الباب الاول، رشیدیه)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعید)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۵۵/۲، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

جواب ارسال ہے۔

حبیب اللہ سوداگر چرم، محلّہ نوگنج، مقام دہرہ دون۔

الجواب حامداًو مصلیاً:

وصیت ایک ثلث ترکہ میں بہرصورت نافذ ہوجاتی ہے اور اگر ایک ثلث سے زائد کی وصیت کی جاوے تو وہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوجاتی ہے، پس ایک ثلث میں وصیت کو پورا کرنا لازم ہے (۱)، یعنی ایک شخص کو اس کی طرف سے حج کرادیا جائے، تمام سفرحج اور ضروریات حج کا خرچ دیا جائے اور یہ ایک تہائی ترکہ میں سے دیا جائے، واپسی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ ورثہ کا ہوگا۔ اور حج مرنے والے کے وطن سے کرانا چاہئے۔ اگر ایک ثلث ترکہ میں اس جگہ سے حج نہ ہوسکے تو پھر جس جگہ سے حج ہوسکتا ہو وہیں سے کرادیا جائے:

"يحج عنه من ثلث ماله، سواء قيّد الوصية بالثلث بأن أوصى أن يحج بثلث ماله، أو أطلق بأن أوصىٰ أن يحج عنه، هكذا في البدائع. فإن لم يعيّن مكاناً، يحج عنه من وطنه عند علمائنا. وهذا إذا كان الثلث يكفي الحج من وطنه، فأما إذا كان لايكفي لذلك فإنه يحج عنه من حيث يمكن الإحجاج عنه بثلث ماله، كذا في المحيط .... وما فضل في يدالحاج عن الميت بعد النفقة في ذهابه ورجوعه، فإنه يَردّه على الورثة، لايسعه أن يأخذ شيئًا مما فضل، اهـ". فتاویٰ عالمگیری، ص: ۲٦٥ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/۱۱/۱۳۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ذی قعدہ/ ۱۳۵۵ھ۔

---

(۱) "ثم وصيته: أي تنفذ وصيته من ثلث مابقي بعد التجهيز والدين، وفي أكثر من الثلث لايجوز إلا بإجازة الورثة". (البحر الرائق: ۹/ ۳٦۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

"ثم تنفذ وصاياه من ثلث مايبقى بعد الكفن والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/ ٤٤٧، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ٦/ ۷٦۱، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲٥۹، كتاب الحج، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، رشيديه)=

نافرمان بیٹے کو عاق کرنا

سوال [۹۸۷۲]: زید دہلی کے پنجابی خاندان کا فرد ہے۔ زید نے محبت سے مجبور ہوکر ایک باورچی کی لڑکی سے شادی کرلی، جس سے زید کے ماں باپ رضامند نہیں ہیں، جس سے ایک لڑکا ہے اور ہندہ بھی حاملہ ہے۔ کیا اس وجہ سے زید کے والدین اپنی جائیداد سے محروم کرسکتے ہیں؟ کیا زید نے ایک غریب ہندہ کو سہارا دیا، اس سے شرعاً نکاح کیا تو یہ جرم عظیم ایسا ہے کہ زید کے والدین اس کو عاق کردیں، جبکہ زید بے حد پریشان حال بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی سعادت اس میں ہے کہ والدین کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو غالب رکھے(۱)، لیکن اگر اس کے قلب میں ہندہ کی محبت اتنی گھر کرگئی ہے کہ وہ مجبور اور مغلوب ہوگیا تو پھر والدین کو بھی اس کی رعایت چاہئے۔ اب جبکہ شادی کو اتنی مدت گذر گئی اور اثر بھی مرتب ہوگیا تو اس کی جدائی پر مجبور نہ کیا جاوے کہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔

شریعت میں عاق کرنا لغو ہے، اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر والد باضابطہ تحریر لکھ دیں کہ میرے انتقال کے بعد میرے ترکہ میں سے میرے فلاں بیٹے کو میراث نہ دی جائے تو شرعاً یہ تحریر بالکل بے کار اور ناقابلِ عمل ہوگی اور والد کے انتقال کے بعد وہ لڑکا بھی شرعاً وراثت کا حقدار ہوگا، نافرمانی کی وجہ سے اس کا حصہ ختم نہیں

= (وكذا في الدر المختار: ۶/ ۶۶۲ كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۱۹، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۵۲، كتاب المناسك، باب الوصية، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) قال الله تبارك و تعالى: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أفٍ ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريمًا﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رضي الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص ۴۱۹، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني، قديمي)

ہوگا، نہ کم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/ ۱۳۸۸ھ۔

نافرمان بیٹے کو میراث سے محروم کرنا

سوال [۹۸۷۳]: زید اپنے باپ عمر کے ساتھ اس کی زندگی میں نہایت ناروا اور غیر مناسب سلوک رکھتا ہے جس کی بناء پر اس کا باپ عمر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی وراثت سے محروم کردے۔ تو جائز ہے یا ناجائز؟

صورت مسئلہ حسبِ ذیل ہے:

زید کے دادا یعنی عمر کے باپ نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد سے جو کہ وقف علی الاولاد کی ہے۔ عمر یہ چاہتا ہے کہ اپنی اس جائیداد سے جو کہ اس کے باپ نے وقف کی اپنی اولاد زید کو (جو کہ باپ کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتا ہے) اپنی وراثت سے محروم کردے۔ کیا شرعی نقطۂ نظر سے وہ ایسا کرسکتا ہے اور اس کے انتقال کے بعد اس کی یہ اولاد اس کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ سے محروم الارث ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

قمر الحسن۔

---

(۱) "الإرث جبريٌ لایسقط بالإسقاط". (تکملة رد المحتار: ۱/۵۰۵، کتاب الدعویٰ، مطلب: واقعة الفتویٰ، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۴/۴۹۶، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"وهذا العلم مختص بحال الممات وغیره بالحیاة، أو باعتبار أسباب الملک، فإنها جبریة أو اختیاریة، فالأول المیراث، والثاني غیره من أسباب الملک". (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والثالث إما اختیاري وهو الوصیة، أو اضطراري وهو المیراث". (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وراثت ملکِ غیر اختیاری ہے (۱)، لہٰذا باپ کو حق نہیں ہے کہ اپنے بعد ورثہ میں سے کسی کو محروم کردے (۲)، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین کردیا ہے وہ اس کو ضرور پہنچے گا، خواہ مورث راضی ہو یا ناراض ہو۔ البتہ اصل مالک کو یہ اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ملک میں جس نوع کا چاہے تصرف کرے: بیع، ہبہ، صدقہ، وقف سب کچھ کرسکتا ہے (۳)۔ اگر اولاد شریر ہو اور باپ کو خیال ہو کہ میرے بعد تمام جائیداد خدا کی نافرمانی میں صرف کرے گی تو بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اس جائیداد کو مصارفِ خیر میں صرف کردے (۴) اور صورتِ مسئولہ میں تو جائیداد وقف علی الاولاد ہے، لہٰذا حتی الوسع وقف کی شرائط کا لحاظ

---

(۱) "الإرث جبریٌ لایسقط بالإسقاط". (تکملة رد المحتار: ۱/۵۰۵، کتاب الدعویٰ، مطلب: واقعة الفتویٰ، سعید)

"وهذا العلم مختص بحال الممات وغیره بالحیاة، أو باعتبار أسباب الملک، فإنها جبریة أو اختیاریة، فالأول المیراث، والثانی غیره من أسباب الملک". (تبیین الحقائق: ۷/۴۷۱، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیه بیروت)

"والثالث إما اختیاری وهو الوصیة، أو اضطراری وهو المیراث". (مجمع الأنهر: ۴/۴۹۴، کتاب الفرائض، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من قطع میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة". رواه ابن ماجه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۶۶، باب الوصایا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۳) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، کتاب الشرکة، الباب الثالث، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۴) "وإن کان فی ولده فاسق، لاینبغی أن یعطیه أکثر من قُوْته کیلا یصیر معیناً له فی المعصیة .... ولو کان ولده فاسقاً وأراد أن یصرف ماله إلی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث، هذا خیرٌ من ترکه".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۹۱، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۲۳۷، کتاب الهبة، الجنس الثالث فی هبة الصغیر، رشیدیه) .... =

رکھنا چاہئے(۱)۔

اگر واقف نے محروم کرنے کی نفی کی ہے، یا کوئی ایسی شرط نہیں لگائی کہ جس سے زید کو محروم کیا جا سکتا ہو تو عمر کو محض اس بناء پر کہ زید اس کو اذیت پہنچاتا ہے ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ زید کو محروم کردے۔ رہا زید کا اپنے باپ عمر کو اذیت اور تکلیف پہنچانا، یہ سخت گناہ ہے، زید کو اپنی ان حرکتوں سے باز آنا چاہئے اور توبہ کرنی فرض ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ۸/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

نافرمان اولاد کو عاق کرنا

سوال[۹۸۷۴]: جو اولاد ۱۶، ۱۴/ برس کی عمر کی از قسم ذکور ہو اور ہوشیار صاحبِ شعور ہو، ذی علم اور تعلیم اردو و انگریزی پاتے ہوں، وہ اپنے باپ سے باوجودیکہ اس نے ان کو کوئی تکلیف نہیں پہونچائی ہو اور نہ اس کے ساتھ اس نے کوئی بدسلوکی کی ہو، وہ اپنے ماں کے ورغلانے سے اس قدر متنفر ہیں کہ کبھی نام بھی نہ لیں، بلکہ نام سن کر لعنت کریں، کبھی پوچھ کر نہ دیکھیں کہ مرگیا یا زندہ ہے، اس کے سایہ سے ڈریں۔ پس ایسی اولاد

= (وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/ ۴۳۳، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً، أما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلٰهما، فلا تقل لهما أفٍ ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ (سورة الإسراء: ۲۳)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رغم أنفه، رغم أنفه، رغم أنفه". قيل: من يا رسول الله!؟ قال: "من أدرك والديه عند الكبر أحدهما أو كلاهما، ثم لم يدخل الجنة". (رواه مسلم)

"وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۸، ۴۱۹، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني، قديمي)

نالائق کیا باپ کی وارث ہوسکتی ہے؟ اور کیا ایسی ناخلف اولاد کو باپ عاق نہیں کرسکتا، اور اگر ایسی اولاد کو وہ عاق کردے تو کیا جائز اور حق بجانب نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اولاد کی نالائقی یقیناً قابلِ گرفت اور جرم ہے، مگر اس سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوسکتی، نہ باپ کو محروم کرنے کا حق ہے۔ اگر باپ نے کہہ بھی دیا، بلکہ تحریر کردیا کہ میں نے اپنی اولاد کو محروم کردیا ہے، میرے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہ دیا جائے تب بھی بیکار ہے، اس کو حصہ شرعی ضرور ملے گا (۱)۔

اگر باپ نے اپنا تمام مال اپنی زندگی میں خود خرچ کردیا، خواہ دوسرے عزیز قریب کو دے دیا، یا غرباء ومساکین کو تقسیم کیا، یا مدارس ومساجد وغیرہ میں لگا دیا اور اپنے بعد کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تو دوسری بات ہے، لیکن ایسا کرنا جائز نہیں گناہ ہے (۲)۔ ہاں! اگر یہ خیال ہو کہ میرے بعد میری اولاد اس مال کو وراثت میں خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں صَرف کرے گی تو ایسا کردینا چاہیے تاکہ اس کا مال نافرمانی میں صرف نہ ہو:

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الوصايا، الفصل الثالث، ص: ۲۶۶، قديمي)

"سئل في امرأة ماتت عن أم وأخت شقيقة، وخلفت تركةً مشتملةً على أمتعة وأوانٍ أشهدت الأخت المزبورة على نفسها بعد قسمة بعضها أنها أسقطت حقها من بقية إرث أختها وتركتها لأمها المزبورة، فهل لايصح الإسقاط المذكور؟

الجواب: إلارث جبريٌّ لايسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإقرار، مطلب: الإرث جبري لايسقط بالإسقاط: ۵۴/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، قلت: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقةً إلى الله وإلى رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قال: "أمسك عليك بعض مالك، فهو خيرٌ لك". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا تصدق أو وقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز: ۳۸۶/۱، قديمي)

قال الحافظ العسقلاني: "واستدل به على كراهة التصدق بجميع المال". (فتح الباري، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو وقف بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز: ۴۸۵/۵، قديمي)

"ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذا خيرٌ من تركه، كذافي الخلاصة، اه". عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی الحجہ/۶۰ھ۔

ترکہ کے مکان سے کسی وارث کو الگ کرنا

سوال[۹۸۷۵]: میں میرٹھ کا رہنے والا ہوں، میرے باپ کا نام عبد اللطیف تھا، میرے باپ کے دو بھائی عبد البصیر وعبد العلیم تھے اور میرے دادا کا نام عبد الباری تھا۔ دادا کی حیات ہی میں میرے باپ کے دونوں بھائی الگ ہوگئے تھے، کاروبار بھی علیحدہ کرلیا۔ اور انہوں نے جس وقت مکان کی تعمیر کی، تو جس حصے میں رہتے تھے وہی تعمیر کیا، بقیہ مکان جس میں میرے والد رہتے تھے وہ تعمیر نہیں ہوا۔ چونکہ میرا باپ علیحدہ ہوگیا تھا۔

اب اللہ کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ میرے والد کا انتقال میرے دادا کے سامنے ہی ہوجاتا ہے، اب میں عبد الحفیظ بے باپ کے ہوگیا۔ اب کچھ آدمیوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ عبد الحفیظ کے چچا مکان میں حصہ نہ دیں گے، تو کبھی کبھی میرے دادا سے اور دادی معصوماً سے یہ سوال کرلیا کرتے تھے کہ حفیظ کا نام مکان میں چڑھاؤ۔ میرا چچا عبد البصیر یہ کہہ کر برابر کردیا تھا کہ حفیظ کو ہم ساتھ رکھیں گے اس کو علیحدہ نہیں کریں گے، جس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے مکان کے برابر میں ایک مکان بک رہا تھا جو میرے چچا عبد البصیر نے میرے نام خرید نے نہیں دیا اور یہ کہہ دیا میرے دادا سے کہ ہم حفیظ کو نہیں نکالیں گے۔

اب دادا، دادی کا انتقال ہوگیا تو ہمارے چچا عبد العلیم نے ان کی وصیت کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے نام یعنی عبد العلیم اور عبد البصیر کا اندراج میونسپلٹی میں کیا۔ اب میرے دونوں چچا کا انتقال ہوگیا اور دونوں

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب السادس فی الهبة للصغیر: ۳۹۱/۴، رشیدیه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الهبة، جنس آخر في الهبة من الصغير: ۴۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير: ۲۳۷/۶، رشيديه)

چچا کی اولاد مجھ کو گھر سے نکالتی ہے اور کہتی ہے کہ تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دادا، دادی مرحوم چچا نے نہ آپ کو کچھ ہبہ کیا، نہ کوئی حصہ متعین کر کے آپ کے نام پر وصیت کی، صرف اتنی بات رہی کہ آپ کو مکان سے نہیں نکالیں گے، اس سے مکان کی ملکیت میں تو آپ کا کوئی حصہ نہیں (۱)، لیکن اگر یہ وصیت کی ہو کہ آپ کو مکان میں رہنے کا حق دیا جائے، مکان سے نکالا نہ جائے تو شرعاً یہ وصیت معتبر ہوگی، ورثاء کو چاہئے کہ اس کی پابندی کریں:

"صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدةً معلومةً وأبداً". درمختار: ٥/٤٤٢ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۳۹۳ھ۔

بیوہ کو محروم کرنے کے لئے ورثائے شوہر کا دعوائے طلاق

سوال [۹۸۷۶]: ایک شخص کے پاس اس کی عورت عرصہ دراز تک رہتی رہی، بیماری میں اس کی خدمت بھی کی، اس کی خدمت گزاری اور ازدواجی تعلقات کے گواہ بھی موجود ہیں اور اس کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مرد نے اپنے مرض میں اس کے جملہ حقوق کو تسلیم کر کے بھائیوں سے سلوک کرنے کی وصیت بھی کی، لیکن بعد وفات شوہر اس کے وارث عورت کا ترکہ و دینِ مہر غصب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس کی عورت کو تقریباً ۸/ سال ہوئے شوہر طلاق دے چکا ہے۔

---

(۱) اس لئے کہ ہبہ نہیں ہوا اور ہبہ میں تصریح اور قبضہ میں دینا ضروری ہے اس کے بغیر ہبہ تام نہیں:

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ١/ ٤٢٢، (رقم المادة: ٨٣٧)، كتاب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(٢) (الدرالمختار: ٦/ ٦٩١، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنىٰ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ٩/ ٢٩٣، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنى، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٧/ ٤١٥، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنىٰ، دار الكتب العلمية، بيروت)

ایسی صورت میں ورثاء کا قول بطلاق قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں ورثائے شوہر نے آٹھ سال تک اگر طلاق کی شہادت کو چھپایا ہے اور باوجود طلب کے شہادت نہیں دی تو وہ اس کتمان اورتاخیر بلا عذر کی وجہ سے فاسق ہو گئے:

کتمان الشهادة کبیرة، ویحرم التأخیر بعد الطلب". أشباه، ص: ۳۲۹(۱)۔ "شاهد الحسبة إذا أخر شهادته لغیر عذر لایقبل لفسقه، کما فی القنیة". أشباه، ص: ۳۱۳(۲)۔

نیز ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ نیز مسلمان کے فعل کو حتی الوسع صحیح وحلال محمل پر حمل کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے:

"حمل فعل المسلم علی الصحة والحل واجب ما أمکن". مبسوط سرخسی: ۷۲/۱۷(۳)۔

لہٰذا ان دونوں کے تعلقات کو ناجائز نہ کہا جائے گا۔ اگر ورثائے شوہر کے قول کو صحیح بھی مانا جائے تو ہوسکتا ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دی ہو، اس کے بعد رجوع کر لیا ہو، یا طلاق بائنہ دی ہو مگر دوبارہ نکاح کر لیا ہو جس کا ورثائے شوہر کو علم نہ ہوا ہو، لہٰذا اس صورت میں عورت حصہ شرعیہ وراثت کی مستحق ہوگی۔ اگر مہر معاف نہیں کیا ہے تو مہر کی مستحق ہوگی اور دینِ مہر وراثت پر مقدم ہوگا۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب القضاء والشهادات والدعاوی، ص: ۲۷۱، دارالفکر بیروت)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، الفوائد، کتاب القضاء والشهادات والدعاوی، ص: ۲۶۰، دارالفکر بیروت)

(۳) (المبسوط للسرخسی، کتاب الدعویٰ، باب اختلاف الأوقات فی الدعویٰ وغیر ذلک: ۵۶/۱۷، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

البتہ اگر ورثائے شوہر طلاق مغلظہ وعدم حلالہ کی شہادت دیتے ہیں اور ۸/ سال ہوئے یعنی طلاق کے وقت بھی شہادت دے چکے تھے اور ان میں شرائط شہادت: عدالت ومروت وغیرہ بھی موجود ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی اور عورت وراثت کی مستحق نہ ہوگی۔ دین مہر کی اس صورت میں مستحق ہوگی بشرطیکہ معاف نہ کیا ہو اور ورثاء شوہر کے مقابلہ میں دوسرے گواہ عدم طلاق کے عادل موجود ہیں تو ان کو ترجیح ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۶/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۸/ محرم الحرام/۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

نابالغ کے مال کی ولایت کس کو ہے؟

سوال[۷۹۸۷]: میت کے انتقال کے بعد سب وارثان کا ولی اس کا لڑکا ہے اور میت کی بیوی لڑکے کی ماں حقیقی نہیں ہے۔ عورت لڑکے کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی اور کہتی ہے کہ میرا حصہ اور میری تین لڑکیوں کا حصہ علیحدہ کردو۔ یہ تینوں لڑکیاں نابالغ ہیں، اور عورت بھی عاقلہ نہیں اور میت کے سوتیلا بھائی بھی ہے۔ عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کے ساتھ رہے۔ صورت یہ ہے ۳ لڑکیاں نابالغہ کے، ایک طرف سوتیلا بھائی ہے اور ایک طرف سوتیلا چچا ہے۔ لہذا اس صورت میں ان کا ولی کون ہوگا؟

لڑکی کا چچا دیندار بھی نہیں، ان کا حصہ الگ کرنے سے ضائع ہونے کا خوف ہے، لہذا اگر ان کا حصہ الگ کردیا جائے اور ضائع ہوجائے تو شریعت کے اعتبار سے ذمہ دار کون ہوگا؟ اور نابالغ کا حصہ الگ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغوں کے مال کی ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو حاصل ہوتی ہے، لہذا اگر مرنے والے نے کسی کو وصی بنایا ہو تو وہ ولی ہوگا، اگر کسی کو ولی نہیں بنایا تو ان کا دادا ولی ہوگا، اگر دادا موجود نہ ہو تو پھر حاکمِ وقت کو ولایت حاصل ہے۔ اگر حاکم وقت مسلمان ہو تو وہ خود ان نابالغوں کے مال کی حفاظت کرے، یا کسی دیندار شخص کو مقرر کردے۔ اگر حاکمِ وقت مسلمان نہ ہو تو پھر سربرآوردہ چند صلحاء کسی کو مقرر کردیں جس کو ان نابالغوں کے حق پر خیر خواہ سمجھیں والدہ کو، یا بھائیوں کو، یا چچا کو:

"والولاية فی مال الصغير إلى الأب، ثم وصيه، ثم وصی وصيه، ثم إلى أب الأب، ثم

إلى وصيه، ثم إلى القاضي، ثم إلى من نصبه القاضي، اهـ". تنویر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ۱۴/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

سفیہ کا مال کب اس کے حوالے کیا جائے؟

سوال[۹۸۷۸]: زید کا انتقال چند سال قبل ہوا، اس کے اموال وجائیداد بین الورثہ اب تک تقسیم نہیں ہوئے، اب تقسیم ہونے والے ہیں۔ وارثین میں ایک اس کی بہن بھی ہے اور وہ سفیہ ہے، یعنی خیر وشر کے امتیاز کی طاقت نہیں رکھتی، وہ اپنی سفاہت اور چند لالچ مندوں کی تحریص کی وجہ سے پورے اموال کو ضائع کردے گی، اس کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ تقسیم کے وقت اس کے حصہ کے مال کو اس کے حوالہ کئے بغیر اس کے اولیاء یعنی اس کی اولاد کے حوالہ کرنے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟

سفیہ کے شرعی معنی کیا ہیں، اور کن حالتوں میں مضر ثابت ہوتا ہے؟ اگر اس سفیہ کا مال اس کے حوالہ کردیں تو پھر اس مال کی خرید وفروخت اور نقل وہبہ کرنے پر حجر ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرعی طریقہ پر بہن وارث ہے اور وہ سفیہ ہے، اپنے مال کو بے محل ضائع کردینے کا قوی مظنہ ہے تو جو اہلِ فہم اہلِ دیانت اس کے حق میں خیر خواہ ہوں اس کی ضروریات کو دیکھ کر سمجھ کر مناسب طور پر انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، خاندانی لوگ باہمی مشورہ سے اس کے حوالہ کردیں:

"وعندهما يحجر على الحر بالسفه والغفلة، وبه: أي بقولهما يفتى صيانةً لما له".

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، كتاب الوكالة، فصل: لايعقد وكيل البيع والشراء، قبيل باب الوكالة بالخصومة والقبض، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۳۰۱، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

درمختار۔ "هو تبذير المال وتضييعه على خلاف مقتضى الشرع أو العقل". درمختار: ۹۳/۵(۱)۔

اگر مال سفیہ کے حوالہ کردیا گیا اور اس نے کوئی تصرف بیع وہبہ کا کیا تو وہ شرعاً معتبر ہوگا، کذا فی ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۱۳۹۶ھ۔

کیا بھانت میراث کا عوض ہے؟

سوال[۹۸۷۹]: ہمارے یہاں کا جاہلانہ دستور یہ ہے کہ لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، بلکہ دستور قائم یہ کررکھا ہے کہ تمام جائیداد لڑکوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔ اور لڑکی جو سسرال سے گھر آتی ہے (اپنے باپ کے گھر) تو اس کے بھائی وغیرہ کھانا کپڑا وغیرہ ہر سال دیکر اس کو رخصت کردیتے ہیں اور یہی اس کا حق حصہ سمجھا جاتا ہے۔

اگر حصہ نہ سمجھا جائے تو کیا بھائی وغیرہ پر یہ کرنا لازم ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ فعل کیسا ہے؟ کیا ایسا کرنے والے افراد ﴿للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ کے خلاف نہیں کرتے، اگر کرتے ہیں تو اس سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔ یہاں اس طرح دینے کو بھانت کہتے ہیں۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۴۸/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۵۳۸/۱، (رقم المادة: ۹۵۸)، كتاب الحجر، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳۵۱/۳، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "والحاصل أن كل مايستوي فيه الهزل والجد، ينفذ من المحجور، ومالا فلا .... فإن بلغ الصبي غير رشيد، لم يسلم إليه ماله حتى يبلغ خمسًا وعشرين سنةً، فصح تصرفه قبله: أي قبل المقدار المذكور من المدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۵۰/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۳۵۲/۳، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۵۴۸/۱، (رقم المادة: ۹۸۲)، كتاب الحجر، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رواج اصل میں ہندوانہ رواج ہے، خاص اوقات میں جولڑکیوں کودیا جاتا ہے، اس کومیراث کا بدل قرار دینا جائز نہیں، میراث انتقالِ مورث کے بعد ملتی ہے (۱)۔ اور یہ معاملہ بسا اوقات زندگی میں بھی شروع ہوجاتا ہے، پھر جتنا حصہ میراث ہوتا ہے، اس کی قیمت کا بھی کوئی تخمینہ نہیں ہوتا، نہ باقاعدہ لڑکیوں کا حصہ میراث کوخریدا جاتا ہے، نہ ان کی رضا طلب کی جاتی ہے۔ بہرحال اس رواج کوختم کرنا ضروری ہے، لڑکیوں کوان کا پورا پورا حصہ میراث دیا جائے (۲)۔ اپنی بہن کے ساتھ جوصلہ رحمی کرے، یہ عین سعادت ہے (۳)، لیکن اس میں پابندیٔ رواج یا معاوضۂ میراث کودخل نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۳۹۱ھ۔

ولی عہد بنانا

سوال [۹۸۸۰]: اسلام کے قانون کے مطابق ولی عہد بنا سکتے ہیں یا نہیں، اس کومیراث ملے گی یا نہیں؟

---

(۱) "وهل إرث الحی من الحی أم من المیت ؟ المعتمد الثانی". (الدرالمختار: ۶/۷۵۸، کتاب الفرائض، سعید)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون، وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والأقربون مما قل منه أو کثر، نصیبًا مفروضًا﴾. (سورة النساء: ۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿یوصیکم الله فی أولاد کم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾. (سورة النساء: ۱۱)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصله الله، ومن قطعنی قطعه الله". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۴۱۹، کتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الأول، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهماقال: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم: "من کانت له أنثیٰ، فلم یادها ولم یهنها ولم یؤثر ولده علیها -یعنی الذکور- أدخله الله الجنة". رواه أبوداؤد". (مشکوة المصابیح، ص: ۴۲۳، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ولی عہد بنانے کا تو حق ہے مگر اُسے حق وراثت نہیں ملے گا، حق وراثت صرف اس کو ملے گا جس کو شریعت نے وارث بنایا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۴ھ۔

بھائی کے وعدے

سوال[۱۹۸۸۱]: ہمارے ابا اور اماں اور تین بھائی اور تین بہن تھے، ابا نے بڑی بہن کی شادی کرنی چاہی تو انہوں نے انکار کردیا، لہذا ابا نے انہیں بارہ سوروپے کا کاغذ اور ایک ہنڈیہ چاندی کے روپیوں سے بھری ہوئی دی۔ کچھ دنوں کے بعد ابا کا انتقال ہوگیا، پھر یکے بعد دیگرے بڑے اور چھوٹے بھائی کا انتقال ہوگیا، پھر ہم لوگ تین بہن اور ایک بھائی رہ گئے اور والدہ بھی۔ والدہ نے دو بہنوں کی شادی کردی اور پھر وہ بھی انتقال کر گئیں۔ اب ہم بھائی اور بہن رہ گئے۔ ہمارے پاس پانچ سیر چاندی اور کافی تانبے کے برتن اور مکان اور تین بیگہ زمین اور گھر کا سرمایہ۔ پھر بھائی کی بھی شادی ہوگئی۔

میرے پاس جو ہنڈیا روپیہ والی اور بارہ سوروپے تھا، بھائی نے اس وعدے پر لے لیا کہ وہ مجھے حج کرائے گا اور ایک ایک پائی ادا کردے گا اور میری زندگی تک میرا ساتھ دے گا۔ جب میں نے دیدیا تو وہ مجھے پریشان کرنے لگا اور شادی پر مجبور کرنے لگا، مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ لہٰذا جناب والا سے گذارش ہے کہ بتائیں اس میں میرا کتنا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا بھائی کا حصہ ہے، اس سے آدھا حصہ آپ کا ہے(۲)، سب کا سب بھائی کو لینے کا حق نہیں(۳)،

---

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۷۶۲/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۵۵/۲، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وإن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾. (سورة النساء: ۱۷۶)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا!

جو چیز آپ کی تھی وہ بھائی نے بطورِ قرض لی تھی، اس کی واپسی بھائی کے ذمہ واجب ہے(۱)۔ اور جب بھائی کا وعدہ ہے کہ ایک ایک پائی تمہاری ادا کروں گا، تو اس وعدہ کو بھی پورا کرنا ضروری ہے(۲)، کیونکہ حقِ واجب کا وعدہ ہے۔ آپ کو بلا وجہ شادی سے انکار نہیں کرنا چاہیے، اس میں دینی اور دنیاوی بہت سی مصالح ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۱۳۹۱ھ۔

اگر سوال شیعہ سنّی کے توارث کا ہو تو جواب کس طرح دیا جائے؟

سوال[۹۸۸۲]: اگر کوئی حنفی، سنّی مفتی شیعوں کے مسائلِ میراث سے واقف ہو تو وہ استفتاء جس میں مورثِ اعلیٰ شیعہ ہو اور باقی مورث و وارث سنی ہوں، یا مورثِ اعلیٰ سنّی ہو اور بقیہ مورث و وارث خواہ کل

= لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، قديمي)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: قال: "من طلب حقاً، فيطلبه في عفاف واف أوغير واف". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبة وأخذ الحق في عفاف، ص: ۱۷۴، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "نفس المؤمن معلقة بدَينه حتى يقضى عنه". (ابن ماجه، المصدر السابق)

"القرض، هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ ليردّ مثله". (الدرالمختار: ۱۶۱/۵، كتاب البيوع، فصل في القرض، سعيد)

(۲) قال الله تبارك وتعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة الإسراء: ۳۴)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي، فليس مني. وتزوجوا فإني مكاثر بكم الأمم". (سنن ابن ماجة: ۱/۱۳۲، ۱۳۳، كتاب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح، قديمي)

نکاح کے مصالح اور فوائد سے متعلق احیاء العلوم الدین میں امام غزالی نے بارہ صفحات پر طویل بحث کی ہے۔

فليراجع: (إحياء العلوم، كتاب آداب النكاح، آفات النكاح وفوائده: ۲/۳۲-۴۳، قديمي)

شیعہ ہوں خواہ بعض شیعہ و بعض سنی، پس ایسی صورت میں سنّی مفتی ایسے استفتاء کا جواب کس طرح لکھے، آیا ہر بطن میں اپنے اصول کے موافق لکھے، یا مورث شیعہ کے ترکہ وحصہ کو اصولِ تشیع کے موافق اور مورث حنفی وسنّی کے ترکہ وحصہ کو اصولِ حنفیت کے مطابق، یا کیا صورت ہوگی؟ جو صورت ہو مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد یسین، مدرسہ احیاء العلوم، اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو فرقہ شیعہ کا کافر ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے جواب دینا شرعاً درست نہیں، بلکہ جو اسباب میراث اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہیں انہیں اسباب کے ماتحت ان کو بھی جواب دیا جائے گا:

"الكفار يتوارثون فيما بينهم بالأسباب التي يتوارثون بها أهل الإسلام فيما بينهم من النسب والسبب، اهـ". عالمگیری: ٦/٤٥٤، الباب السادس في ميراث أهل الكفر(١)۔

اور جو فرقہ کافر نہیں بلکہ مسلم ہے، اس کو بھی حنفی سنّی اپنے اصول کے مطابق جواب دے گا، جیسا کہ اگر کوئی شافعی المذہب کسی مفتی حنفی سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق کوئی مسئلہ دریافت کرے تو حنفی مفتی اس وقت امام شافعی کے مذہب کے موافق جواب نہیں دے گا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق جواب دے گا۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیہ نے "در مختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع" میں "كتاب إحياء الموات" سے کچھ پہلے لکھا ہے:

"فروع: كتب: ماقول الشافعي؟ يكتب جواب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ".

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"(قوله: كتب، الخ) مثل الكتابة السوال بالقول، ومثل الشافعي غيره من أصحاب

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/٤٥٤، كتاب الفرائض، الباب السادس في ميراث أهل الكفر، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ٣٠/٣٦، كتاب الفرائض، باب مواريث أهل الكفر، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ٦/٤٧١، ٤٧٢، كتاب الفرائض، الفصل الخامس في موانع الإرث، رشيديه)

المذاهب، اهـ". ردالمحتار: ۵/۲۹۹(۱)۔

مذہب شیعہ کے مطابق سوال کرنے سے مفتی سنی کو بطریقِ اولیٰ مذہب اہل السنۃ کے مطابق جواب دینا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم سہارنپور، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

شیعہ عورت بغیر وارث چھوڑے مرنے پر اس کے موروثہ زیور کا مصرف

سوال [۹۸۸۳]: ایک شیعہ مذہب عورت کا ایک شخص نے کچھ زیور چوری کرلیا، وہ عورت فوت ہوگئی۔ یہ زیور اس خیال سے رکھا تھا کہ اس سے امام باڑہ بنوائے، یا کسی مذہبی کام میں صرف کرے۔ مرحومہ نے کوئی وارث بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے مرنے کے بعد چور کے دل میں خوف پیدا ہوا، اب وہ اس زیور کی رقم کو کسی ایسی جگہ خرچ کرنا چاہتا ہے جو مالکہ کیلئے باعثِ اجر بنے۔ از روئے شریعت رہنمائی فرمائیں کہ یہ رقم کس مصرف میں لگائی جائے، مسجد یا مدرسہ یا طلباء کے مصارف وغیرہ میں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس عورت کا کوئی نزدیک دور کسی قسم کا وارث نہیں تو وہ روپیہ غرباء پر صدقہ کردیا جائے، نادار طلبہ بھی مستحق ہیں، بیواؤں، یتیموں اپاہجوں کو بھی دیا جاسکتا ہے (۳)۔ مسجد مدرسہ اور راستہ وغیرہ کی تعمیر، یا کسی بھی

---

(۱) (الدرالمختار وردالمحتار: ۶/۴۲۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في شرح العقود رسم المفتي، ص: ۱۰۲-۱۰۴، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في البحرالرائق: ۶/۴۵۰، كتاب القضاء، رشيديه)

(۲) "ويأخذ القاضي كالمفتي بقول أبي حنيفة على الإطلاق، ثم بقول أبي يوسف، ثم بقول محمد رحمهم الله تعالىٰ .... ولا يخيّر إلا إذا كان مجتهداً، بل المقلد متى خالف معتمد مذهبه، لاينفذ حكمه". (الدرالمختار). "وأما المقلد فعليه العمل بمعتمد مذهبه، علم فيه خلافًا أولا". (الدرالمختار وردالمحتار: ۵/۳۶۰، ۳۶۱، كتاب القضاء، مطلب: يفتي بقول الإمام على الإطلاق، سعيد)

(۳) "إذا لم يوجد أحدٌ من المذكورين، توضع التركة في بيت المال على أنها مال ضائع، فصارت لجميع المسلمين، فيصرف إلى نفقة المريض وأدويته إذا كانوا فقراء". (الشريفية، ص: ۱۱، سعيد) =

تنخواہ میں صرف نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/ ۱۳۹۵ھ۔

کفن ترکہ سے دیا جائے گا یا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال[۹۸۸۴]: ہندہ کے مرنے کے بعد جو عرفاً یا شرعاً لازمی اخراجات ماتم مثلاً کفن یا خیرات وغیرہ کئے جاتے ہیں وہ ہندہ کے ترکہ میں سے ہوں گے یا خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے؟

المستفتی: بندہ محمد عرفان عفا اللہ عنہ ضلع مظفر آباد ڈاکخانہ: چناری۔ کشمیر، ۳/محرم/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کا کفن مفتی بہ قول پر زوج کے ذمہ لازم ہے:

"واختلف فی الزوج، والفتوی علی وجوب کفنها علیه، اهـ". تنویر: ۱/۹۰۵(۲)۔

= "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۱) "(قوله: لو بماله الحلال) أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثًا ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لايقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، كتاب الصلوة، مطلبٌ: كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۷۸، كتاب الصلوة، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (تنوير الأبصار والدر المختار: ۲/۲۰۶، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كفن الزوجة على الزوج، سعيد)

"وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالاً، وعليه الفتوىٰ، هكذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۶۰، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب الجنائز، فصل غسل الميت ......والتكفين وغير ذالک، رشيديه)

خیرات کے متعلق یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا اوراس سے زائد میں ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر ورثہ بالغ ہوں اوراجازت دیدیں تو زائد میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ اگر وصیت نہیں کی تو انتقال کے بعد سے تمام ترکہ میت کی ملک سے خارج ہوکر ورثہ کی ملک میں آ گیا، ورثہ کو اختیار ہے جس دور چاہیں خیرات کر کے میت کو ثواب پہنچائیں (۲) لیکن اگر کوئی وارث نابالغ بھی ہے تو اس کے حصہ کو صدقہ کرنا جائز نہیں (۳) زوج کے ذمہ کچھ لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فرائض کے قواعد

عالی جناب مولانا المفتی محمود الحسن صاحب!

السلام علیکم

عرض ہے کہ خادم کو ذیل قاعدہ کی جلد ضرورت ہے۔وھی ھذہ:

سوال[۹۸۸۵]: اگرایک نام کے بہت سے وارث ہوں تو ان میں باہم تقسیم کرنے کیلئے سہام

---

(۱) "وتجوز بالثلث للأجنبي وإن لم يجز الوارث ذلك، لاالزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار. المراد أن يكونوا من أهل التصرف". (الدرالمختار: ۶/۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۹۰، كتاب الوصايا، رشيديه)

(۲) "لأن التركة في الاصطلاح ماتركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (ردالمحتار: ۶/۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(۳) "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع .... ولاسيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازه، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

(۴) "ويكره اتخاذ الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة". (ردالمحتار، المصدر السابق)

لگانے کا پورا قاعدہ تحریر کرنے کے بعد فرائض کے دیگر مباحث تو کچھ آتے بھی ہیں، مگر قاعدہ مسئول عنہا سے بالکل مناسبت نہیں، شاید مجھ جیسے ضعیف الاستعداد تلامذہ کو بھی آپ جیسے جید الاستعداد اساتذہ سے فائدہ پہنچے۔ یہ فن بندہ نے مدرسہ میں بالکل نہیں پڑھا، اس لئے اس فن کی مشکل اصطلاح کے بیان کرنے سے امید ہے کہ گریز فرمائیں گے اور حتی الامکان تسہیل فرمائیں گے۔

خادم: شبیر احمد شاہ پوری، خطیب جامع مسجد کالکا، ضلع انبالہ۔ ۱۳/محرم/۶۰ ۱۳ھ۔

الجواب:

محترمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا سوال نہایت مجمل ہے، حضرت قاری صاحب سے دریافت کیا، مگر کوئی متعین مفہوم حاصل نہیں ہوا، بلکہ علی سبیل التخمین یہ فرمایا کہ ’’اگر ورثہ متعدد ہوں اور مثلاً سب کا نام زید ہے تو بوقتِ تقسیم ان میں تمیز کی کیا شکل ہے‘‘۔ اور میں نے یہ سمجھا کہ: ’’اگر ایک قسم کے چند وارث ہوں، مثلاً: چند بیویاں ہوں، یا چند بیٹے ہوں، یا چند بھائی ہوں، ان میں تقسیمِ ترکہ کی کیا صورت ہے‘‘۔

اول صورت میں تو تمیز بذریعۂ اول ثانی وثالث (۱)، یا بذریعۂ اضافت الی الاب وغیرہ سہل ہے، مثلاً: زید اول وزید ثانی وزید ثالث وغیرہ، یا زید بن عمر، زید بن بکر، یا زید بن خالد وغیرہ۔ اسی طرح اُناث میں بھی آسانی ہے۔ نیز یہاں اضافت الی الزوجہ سے بھی تمیز ہوسکتی ہے۔

ثانی صورت میں سہام میں لگانے کیلئے ضرورت ہے کہ ان ورثہ کی نوعیت معلوم ہو، یعنی ورثہ تین قسم

(۱) ’’ویفرز کل نصیب .... ویلقب الأنصباء بالأول والثاني والثالث، ویکتب أسمائهم ویقرع، فمن خرج اسمه أولاً فله السهم الأول، ومن خرج ثانیًا فله السهم الثاني، ومن خرج ثالثاً فله السهم الثالث إلی أن ینتهي إلی الأخیر‘‘. (البحر الرائق: ۲۷۶/۸، کتاب القسمة، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار: ۲۶۲/۶، کتاب القسمة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۰۶/۵، کتاب القسمة، الباب الثاني في بیان کیفیة القسمة، رشیدیه)

’’وإذا اجتمع جماعةٌ من العصبة في درجة واحدة، یقسم المال علیهم باعتبار أبدانهم لا باعتبار أصولهم، مثاله: ابن أخ وعشرة بني آخر .... المال بینهم علی أحد عشرة سهماً لکل واحد سهم‘‘.

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۱/۶، کتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشیدیه)

کے ہوتے ہیں: اول ذوی الفروض، جن کا حصہ کتاب اللہ میں مقرر ہے(۱)۔ ثانی عصبات، جن کا حصہ مقرر نہیں، بلکہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ لیتے ہیں۔ اور جب ذوی الفروض نہ ہوں تو سب ترکہ لے لیتے ہیں(۲)۔

ثالث ذوی الارحام، جو بوقتِ عدمِ ذوی الفروض وعصبات مستحق ہوتے ہیں، اوران دونوں میں سے کسی کی موجودگی میں مستحق نہیں ہوتے(۳)۔

اب میں عصبات کی چند مثالیں لکھتا ہوں جو ایک نوع کے ہیں، اور ذوی الفروض کوئی موجود نہیں، ایسی صورت میں عددِ ورثہ کے مطابق سہام بنا کر تقسیم کردیئے جائیں گے۔

مسئلہ ۴

زید

ابن	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱	۱

مسئلہ ۵

زید

اخ	اخ	اخ	اخ	اخ
۱	۱	۱	۱	۱

(۱) "ذوی الفروض، وهم کل من کان له سهم مقدر فی کتاب الله تعالیٰ أو فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم أو بالإجماع". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۴۷، کتاب الفرائض، رشیدیه)

(۲) "العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدّر، ویأخذ مابقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال". (الاختیار لتعلیل المختار: ۲/۵۶۲، کتاب الفرائض باب العصبات، حقانیه پشاور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات، رشیدیه)

(۳) "ذوی الأرحام: وهو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبة، ولایرث مع ذی سهم ولا عصبة سوی الزوجین". (الدرالمختار: ۶/۷۸۱، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الأرحام، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۵۹، کتاب الفرائض، الباب العاشر فی ذوی الأرحام، رشیدیه)

مسئلہ ۴

عم	عم	عم	عم
۱	۱	۱	۱

اگرلڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوں تو لڑکے کو دوہرا حصہ ملے گا، اس کا حصہ بمنزلہ دولڑکیوں کے ہوگا، مثلاً: ایک لڑکا اور دولڑکیاں ہوں تو کل چار سہام بنائیں گے، دولڑکے کو اور ایک ایک ہرلڑکی کو (۱)، مثلاً:

مسئلہ ۴　　زید

ابن	بنت	بنت
۲	۱	۱

مسئلہ ۸　　زید

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۱	۱

مسئلہ ۷

ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
۲	۲	۱	۱	۱

یہی صورت اس وقت ہوگی جبکہ بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں (۲)، مثلاً:

---

(۱) قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللّٰہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾. (سورۃ النساء: ۱۱)

(۲) وقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن کانوا إخوۃً رجالاً ونساءً، فللذکر مثل حظ الأنثیین﴾. (سورۃ النساء: ۱۷۶)

مسئلہ ۵

أخ	أخت	أخت	أخت
۲	۱	۱	۱

مسئلہ ۸ زید

أخ	أخ	أخ	أخت	أخت
۲	۲	۲	۱	۱

یہ سب اس وقت ہے جب کل ورثہ عصبات ہوں، ذوی الفروض نہ ہوں۔ اگر ذوی الفروض ہوں تو سہام لگانے میں اول ذوی الفروض کی رعایت کی جائے گی، پھر عصبات کی (۱)، چند مثالیں سمجھئے:

مسئلہ ۴ ہندہ

زوج	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۱	۱

زوج ذوی الفروض میں سے ہے، ایسی حالت میں چوتھائی کا مستحق ہے اور بیٹے عصبات ہیں۔ پس کل چار سہام بنا کر ایک زوج کو دیدیا، باقی تین بچے وہ تینوں بیٹوں کو برابر تقسیم کردے (۲)۔

---

(۱) "فيبدأ بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق" (الدر المختار: ۶/۷۶۳، كتاب الفرائض، سعيد)

"العصبة وهم كل من ليس له سهام مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات، رشيديه)

(۲) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿فإن كان لهن ولد، فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

مسئلہ ۴ ہندہ

زوج	ابن	بنت
۱	۲	۱

مسئلہ ۸ ہندہ

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۲	۱

یہاں زوجہ ذوی الفروض میں سے ہے، آٹھویں حصہ کی مستحق ہے(۱)، لہذا کل سہام آٹھ بنا کر ایک زوجہ کو دیا، باقی سات رہے، وہ اکہرا لڑکی کو اور دوہرا لڑکوں کو تقسیم کردیا۔

مسئلہ ۶

اب	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۱

یہاں اَب ذوی الفروض میں سے ہے، چھٹے حصہ کا مستحق ہے(۲)، لہذا کل چھ سہام بنا کر ایک والد کو دیا، باقی پانچ کو بقاعدۂ مذکورہ تقسیم کردیا۔ پوری واقفیت بغیر پڑھے یا بغیر جملہ ضوابط کو فرداً فرداً سمجھے دشوار ہے۔

(۱) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم﴾ (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس﴾ (سورة النساء: ۱۱)

"أما الرجال فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض، رشيديه)

مفید الوارثین میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس علم کے مباحث کو تحریر کیا ہے(۱)، اسی طرح اور نئی کتب اس فن میں تحریر ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (قانون وراثت، مفید الوارثین، تالیف: حضرت مولانا سید أصغر حسین صاحب رحمة الله علیه، سعید)

باب

رسالہ آسان فرائض

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد! یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں علم فرائض کے کثیر الوقوع مسائل وقواعد کو آسان اور عام فہم طرز سے بیان کیا گیا ہے اور تدقیقات، دلائل، نوادر کا ذکر نہیں کیا کہ وہ ذی استعداد طلبہ اور اہل علم کا حصہ ہے۔ اور اس رسالہ سے مقصود یہ ہے کہ اردوداں بھی معمولی طریقہ پر روزمرہ کی ضروریات کو حل کرسکیں اور بوقتِ حاجت جہاں اشکال ہو اس کو علماء سے رجوع کریں۔ وما توفیقی إلا باللّٰہ۔

علم الفرائض کی فضیلت

علم الفرائض کی حدیث میں فضیلت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"تعلموا الفرائض وعلموها الناس، فإنها نصف العلم"(۱)۔

---

(۱) (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۹، أبواب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، میر محمد کتب خانہ کراچی)

"عن عبدالرحمن بن رافع التنوخی، عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "العلم ثلاثة، وما سوی ذلک فهو فضل: آیةٌ محکمةٌ، أوسنةٌ قائمة، أو فریضة عادلةٌ". (سنن أبی داؤد: ۳۹۹/۲، کتاب الفرائض، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض، دار الحدیث ملتان)

یعنی: ''علم فرائض کو خود سیکھو اور دوسرے لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے''۔ اس حدیث شریف میں تنہا علم فرائض کو نصف العلم فرمایا گیا ہے۔

اصطلاحاتِ فرائض کی وضاحت

فائدہ: جس کا انتقال ہو، اس کو ''میت'' کہتے ہیں (۱)، اور جو مال وہ چھوڑے اس کو ''ترکہ'' (۲)، اور اس مال کے بروئے وارثت مستحقین کو ''ورثہ'' (۳)، اور ان کے بروئے حساب حصصِ شرعیہ کو ''سہام'' کہتے ہیں (۴)۔

ترکۂ میت میں حقوقِ واجبہ

ترکۂ میت میں چار قسم کے حق ہیں:

اول: خود میت کا حق ہے، وہ یہ کہ اس کی تجہیز وتکفین متوسط طریقہ پر کی جائے، یعنی کفن نہ بہت اعلیٰ قسم کا دیا جائے، نہ بہت ادنیٰ قسم کا، بلکہ درمیانی درجہ کا دیا جائے۔

دوسرا حق قرض خواہوں کا ہے، یعنی اگر میت کے ذمہ کوئی دَین، مہر وغیرہ ہو تو بعد تجہیز وتکفین وہ ادا کیا جائے، اگر کچھ مال بچے۔

تیسرا حق موصیٰ لہ کا ہے، یعنی اگر میت نے انتقال سے پہلے کوئی وصیت کی ہو، مثلاً: یہ کہ میرے ذمہ اتنی

---

(۱) "الموت زوال الحياة عمن اتُّصف بها". (قواعد الفقه، ص: ۵۱۳، الصدف پبلشرز، کراچی)

(۲) "التركة في الاصطلاح: ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير". (ردالمحتار: ۷۵۹/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۷۱/۷، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "الإرث في الاصطلاح: حقٌ قابلٌ للتجزي، يثبت لمستحقٍ بعد موت مَن كان له ذلك لقرابةٍ بينهما، فهو بمعنى المورِث. والوارث اصطلاحًا: المنتمي إلى الميت الحقيقي أو الحكمي". (دليل الوارث حاشية السراجي، ص: ۴، سعيد)

(وكذا في القاموس الفقهي، ص: ۳۷۷، حرف الواو، إدارة القرآن، كراچی)

(۴) "السهم: النصيب". (قواعد الفقه، ص: ۳۳۱، الصدف پبلشرز، کراچی)

نمازیں، اتنے روزے باقی ہیں، یا میرے ذمہ حج فرض تھا وہ ادانہیں کیا، یا میرے ثواب کیلئے اتنا روپیہ غرباء ومساکین کو دیا جائے تو ورثہ کے ذمہ ایک تہائی ترکہ باقیہ سے اس وصیت کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے (۱)۔ اگر تہائی ترکہ باقیہ سے یہ وصیت پوری ہوجائے تو بہتر ہے، ورنہ اس سے زائد میں پورا کرنا لازم نہیں، بلکہ ورثاء کی رضاء واجازت پر موقوف ہے دل چاہے تو اس کی وصیت کو پورا کریں ورنہ نہیں (۲)۔

تنبیہ:

نابالغ وارث کی رضا واجازت کا شرعاً اعتبار نہیں، لہذا اس کا حصہ ہرگز نہ خرچ کیا جائے (۳)۔

چوتھا حق ورثہ کا ہے، یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع، سے جن ورثہ کا جتنا حصہ ثابت ہے وہ ان کو دیا جائے (۴)۔

ورثہ کی قسمیں

ورثہ کی تین قسمیں ہیں: ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام۔

---

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول: يبدأبتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجی، ص: ۲، ۳، سعید)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۷۵۹، كتاب الفرائض، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "ولاتجوز (أى الوصية) بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۹۰، كتاب الوصايا، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۶۵۰، كتاب الوصايا، سعيد)

(۳) "ويشترط أن يكون المُجيزمن أهل التبرع بأن يكون بالغاً عاقلاً". (تبيين الحقائق: ۷/ ۳۷۷، كتاب الوصايا، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "ثم يقسم الباقي بعد ذلک بين ورثته: أى الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة .... أو الإجماع". (الدرالمختار ۶/ ۷۶۱، كتاب الفرائض، سعيد)

ذوی الفروض: جس کا حصہ معین ہے(۱)۔

عصبات: جن کا حصہ معین نہیں، بلکہ ذوی الفروض کے حصص دینے کے بعد جو بچے وہ سب عصبات کو مل جاتا ہے، اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو کل عصبات کو مل جاتا ہے(۲)۔

ذوی الارحام: وہ ہیں جو اول دونوں قسموں کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے (۳)۔

حصصِ معینہ کی قسمیں

کل فروض (حصص معینہ) چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن۔ ان تینوں کو فروض کی نوعِ اول کہتے ہیں۔ ثلثان، ثلث، سدس۔ ان تینوں کو فروض کی نوعِ ثانی کہتے ہیں (۴)۔

---

(۱) "ذوی السهام: وهم كل من كان له سهم مقدر فی كتاب الله تعالیٰ، أو فی سنة رسوله عليه السلام، أو بالإجماع". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۵، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيديه)

(وكذا فی الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۶۲، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه كوئٹه)

(۳) "ذوی الأرحام: هو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبة، ولايرث مع ذی سهم ولا عصبة". (الدرالمختار: ۶/۷۹۱، كتاب الفرائض، باب توريث ذوی الأرحام، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۹، كتاب الفرائض، باب ذوی الأرحام، رشيديه)

(۴) "الفروض المذكورة فی القرآن نوعان: الأول: النصف .... والربع، والثمن .... والثانی: الثلث والثلثان ...... والسدس". (الدرالمختار: ۶/۸۰۳، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۴، كتاب الفرائض، الباب الحادی عشر فی حساب الفرائض، رشيديه)

فصلٌ فی ذوی الفروض

ذوی الفروض کی اقسام

ان فروض (حصص معینہ) کے مستحقین کو ذوی الفروض کہتے ہیں اور وہ کل بارہ نفر ہیں، چار ذکور (مرد) ہیں، آٹھ اناث (عورتیں) ہیں۔ تفصیلِ ذکور: اب، جد، اخیافی بھائی، زوج (۱)۔

پہلے ان کے حالات معلوم ہو جائیں تو پھر اناث اوران کے حالات بیان کئے جائیں گے۔

ذُکور کے حالات

۱۔ أب کے حالات:

میت کے ورثہ میں اگر باپ موجود ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

اول: فرضِ مطلق (سدس) کا مستحق ہوگا، یعنی باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور یہ اس وقت ہے کہ میت کے بیٹا یا پوتا بھی موجود ہو۔

دوم: فرض وتعصیب معاً: یعنی ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے پہلے چھٹا حصہ دیا جائے گا، اس کے بعد دیگر ذوی الفروض کے حصص دے کر جو کچھ بچے گا، وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جائے گا۔ اور یہ اس وقت ہے کہ میت کے بیٹی یا پوتی موجود ہو۔

سوم: تعصیبِ محض یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد عصبہ ہونے کی حیثیت سے جو کچھ بچے گا، باپ کو مل جائے گا اور کوئی حصہ معینہ باپ کو نہیں ملے گا، اس حالت میں وہ ذوی الفروض میں سے نہیں ہے۔ اور یہ اس

(۱) "وأصحاب هذه السهام اثنا عشر نفراً، أربعة من الرجال، وهم: الأب، والجد، والأخ لأم، والزوج. وثمان من النساء، وهن: الزوجة، والبنت، وبنت الابن .... والأخت لأب وأم، والأم، والجدة الصحيحة". (السراجی، ص: ۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۴۸/۶، کتاب الفرائض، رشیدیه)

وقت ہے کہ ورثہ مذکورین میں سے (بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی) کوئی نہ ہو(۱)۔

۲۔جد کے حالات:

دادا کی وراثت کی بھی وہی تین صورتیں ہیں جو باپ کی ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ اگر باپ اوردادادونوں موجود ہوں تو دادا کو کچھ نہیں ملے گا...... وہ کالعدم ہوگا(۲)۔

۳۔ ابن الأم کے احوال:

اخیافی بھائی جو صرف ماں میں شریک ہو، اس کی تین صورتیں ہیں: جب کہ وہ ایک ہو تو اس کو سدس ملے گا، جب دو یا زیادہ ہوں تو ثلث ملے گا، جب میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد یا باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو تو پھر کچھ نہیں ملے گا، بلکہ وہ کالعدم ہوگا(۳)۔

---

(۱) "أما الرجال: فالأول الأب، وله ثلاثة أحوال: الفرض المحض وهو السدس مع الابن وابن الابن وإن سفل .... والتعصيب المحض، وذلك عند عدم الولد وولد الابن. والتعصيب والفرض، وذلك مع البنت وبنت الابن، فله السدس بالفرض والنصف للبنت ......والباقي له بالتعصيب".
(الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه، پشاور)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثاني، رشيديه)

(۲) "والجد الصحيح كالأب .... ويسقط الجد بالأب؛ لأن الأب أصل في قرابة الجد إلى الميت". (السراجي، ص: ۶، سعيد)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۳) "والثالث: الأخ لأم، وله السدس، وللاثنين فصاعداً الثلث. وإن اجتمع الذكور والأناث، استووا في الثلث. قال الله تعالىٰ: ﴿وإن كان رجل يورث كلالةً أو امرأةٌ وله أخ أو أخت، فلكل واحد منهما السدس﴾". [سورة النساء: ۱۲]. (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۶، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

٤۔ زوج کے احوال:

شوہر کی دوصورتیں ہیں: اگر میت کی اولاد نہ ہوتو نصف ملے گا اور اگر اولاد ہوتو ربع کا مستحق ہوگا(۱)، یہاں تک ذکور کا بیان ختم ہوا۔

اناث کے حالات

زوجہ، بنت، بنت الابن، اخت عینی، اخت اخیافی، اخت علاتی، ام، جدہ (دادی، نانی)۔

۱۔ زوجہ کے احوال:

بیوی کی دوصورتیں ہیں: اگر اولاد نہ ہوتو ربع کی مستحق ہوگی، اگر اولاد ہوتو ثمن کی مستحق ہوگی۔ غرض شوہر سے نصف کی مستحق ہوگی (۲)۔

۲۔ بنت کے احوال:

لڑکی کی تین صورتیں ہیں: ایک ہوتو نصف کی مستحق ہوگی، دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں تو ثلثان کی مستحق ہوں گی (۳)۔ اور اگر لڑکا بھی ہوتو عصبہ بن جائیں گی، یعنی لڑکی کو اکہرا اور ہر لڑکے کو دوہرا ملے گا (۴)۔ اس صورت میں وہ ذوی الفروض میں نہیں۔

---

(۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولکم نصف ماترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد، فإن کان لهن ولد، فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیة یوصین بها أو دین﴾. (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد، فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین﴾. (سورة النساء: ۱۲)

(۳) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین، فإن کن نساءً فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترک، وإن کانت واحدةً فلها النصف﴾ (سورة النساء: ۱۱)

(۴) قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وإن کانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذکر مثل حظ الأنثیین﴾. (سورة النساء: ۱۷۶)

۳۔ بنت الابن کے حالات:

پوتی کی چھ صورتیں ہیں: تین تو وہی ہیں جو بیٹی کی ہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ میت کے اگر بیٹی بھی ہو تو پوتی کو سدس ملے گا۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتی کو کچھ نہیں ملے گا۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ جب دو بیٹیاں ہوں اور کوئی پوتا بھی ہو تو اس صورت میں وہ پوتی اپنے بھائی (پوتے) کے ساتھ عصبہ بن جائے گی اور باقی ترکہ میں سے اکہرا پوتی کو اور دوہرا پوتے کو مل جائے گا (۱)۔

٤۔ اخت عینی کے حالات:

عینی بہن کی پانچ صورتیں ہیں: ایک ہو تو نصف۔ دو یا زیادہ ہوں تو ثلثان۔ اگر عینی بھائی بھی ہو تو عصبہ بن جائے گی، یعنی بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا ملے گا۔ اگر بیٹی یا پوتی بھی موجود ہو تو اس کے دینے کے بعد جو بچے گا وہ سب عینی بہن کو مل جائے گا، یعنی وہ عصبہ بن جائے گی۔ اگر بیٹا، پوتا، باپ، دادا کوئی موجود ہو تو پھر عینی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، وہ کالعدم ہوگی (۲)۔

۵۔ أخت علاتی کے احوال:

باپ شریک بہن کی سات حالتیں ہیں: پانچ تو وہی ہیں جو عینی بہن کی ہیں۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ ایک عینی بہن بھی اگر موجود ہو تو اس وقت علاتی بہن کو سدس ملتا ہے، جیسا کہ بیٹی کے موجود ہونے کی صورت میں پوتی

---

(۱) "وبنات الابن كبنات الصلب، ولهن أحوال ست: النصف للواحدة، والثلثان للاثنتين فصاعدةً عند عدم بنات الصلب، ولهن السدس مع الواحدة الصلبية تكملةً للثلثين، ولا يرثن مع الصلبيتين إلا أن يكون بحذائهن أو أسفل منهن غلامٌ، فيعصّبهن، والباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين، ويسقطن بالابن". (السراجي، ص: ۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۸/۶، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۲) "وأما الأخوات لأب وأم، فللواحدة منها النصف، وإن كانتا اثنتين فصاعداً فلهما الثلثان، ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين .... ويسقطن بالابن وابن الابن وإن سفل، وبالأب والجد وإن علا .... ولهن الباقي مع البنات أو مع بنات الابن، لقوله عليه السلام: "اجعلوا الأخوات مع البنات عصبةً". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۶/۲، كتاب الفرائض، الفصل الأول في أصحاب الفرائض، رشيديه)

کو سدس ملتا ہے، اور دو بیٹیاں ہونے کی صورت میں پوتی کو کچھ نہیں ملتا ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ دو یا زیادہ عینی بہن ہوں تو علاتی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، بلکہ وہ کالعدم ہوگی۔ ہاں! اگر اس صورت میں کوئی علاتی بھائی بھی ہو تو باقی ترکہ اکہرا علاتی بہن کو ملے گا اور دوہرا علاتی بھائی کو، یعنی وہ عصبہ بن جائے گی (۱)۔

۶۔ اخت اخیافی کے احوال:

ماں شریک بہن کا بالکل وہی حال ہے جو ابن الام (ماں شریک بھائی) کا ہے (۲)۔

۷۔ ام کے حالات:

ماں کی تین حالتیں ہیں: ایک حالت میں سدس ملتا ہے، وہ اس وقت کہ میت کے اولاد، یا بیٹے کی اولاد ہو، یا دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن بھی کسی قسم کے ہوں۔ دوسری صورت میں ثلث ملتا ہے، وہ جب کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔ تیسری صورت میں ثلث ملتا ہے۔ مگر بعد فرضِ احد الزوجین، مثلاً: کسی عورت نے شوہر چھوڑا اور ماں باپ، تو شوہر کا فرض حصہ معینہ (نصف) نکالنے کے بعد جو بچے اس کا ثلث ماں کو ملے گا۔ اور اگر مرد کا انتقال ہوا اور اس نے زوجہ چھوڑی اور ماں باپ تو زوجہ کا فرض حصہ معینہ (ربع) نکالنے کے بعد جو بچے اس کا ثلث ماں کو ملے گا (۳)۔

---

(۱) "الأخوات لأب وهن كالأخوات لأبوين عند عدمهن، فللواحدة النصف، وللأكثر الثلثان عند عدم الأخوات لأب وأم، ولهن السدس مع الأخت لأب وأم تكملةً للثلثين، ولا يرثن مع الأختين لأب وأم إلا أن يكون معهن أخ لأب، فيعصبهن، فيكون للأختيين لأب وأم الثلثان والباقي بين الأولاد للذكر مثل حظ الأنثيين، ولهن الباقي مع البنات أو مع بنات الابن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۰، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۰، سعيد)

(۲) "والثالث: الأخ لأم، وله السدس، وللاثنين فصاعداً الثلث. وإن اجتمع الذكور والأناث، استووا في الثلث. قال الله تعالىٰ: ﴿وإن كان رجل يورث كلالةً أو امرأةٌ وله أخ أو أخت، فلكل واحد منهما السدس﴾".

[سورة النساء: ۱۲]. (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۵۶، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۸، كتاب الفرائض، رشيديه)

(۳) قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس إن كان له ولد، فإن لم يكن له ولد =

۸ـــ جدہ کے حالات:

دادی، نانی کو سدس ملے گا۔ ماں اگر موجود ہو تو دادی، نانی کو کچھ نہیں ملے گا۔ باپ اگر موجود ہو تو دادی کو کچھ نہیں ملے گا(۱)۔

یہاں تک ذوی الفروض کا بیان ختم ہوا، آگے ورثہ کی دوسری قسم عصبات کا بیان شروع ہوتا ہے۔

فصل فی العَصَبة

عصبات کی قسمیں

عصبہ تین قسم پر ہے: عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ۔

قسمِ اول: **عصبہ بنفسہ**

عصبہ بنفسہ ہر وہ مذکر ہے جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کسی عورت کا واسطہ نہ آئے، اس کی

= وورثه أبواه، فلأمه الثلث، فإن كان له إخوة فلأمه السدس﴾ (سورة النساء: ١٢)

"وأما للأم: فأحوال ثلث: السدس مع الولد، أو ولد الابن وإن سفل، أو مع الاثنين من الإخوة والأخوات فصاعداً من أيّ جهة كانا، وثلث الكل عند عدم هولاء المذكورين، وثلث مابقى بعد فرض أحد الزوجين". (السراجی، ص: ١١، سعيد)

(وكذا فى الاختيارلتعليل المختار: ٥٥٩/٢، كتاب الفرائض، مكتبه حقانيه پشاور)

(١) "عن ابن بريدة عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم جعل للجدة السدس إذا لم تكن دونها أم". (سنن أبى داؤد: ٤٠١/٢، كتاب الفرائض، باب فى الجدة، دار الحديث ملتان)

(ومشكوٰة المصابيح: ٢٦٣/١، باب الفرائض، قديمى)

"وللجدة السدس، لأم كانت أو لأب، واحدةً كانت أو أكثر إذا كن ثابتات متحاذيات فى الدرجة، ويسقطن كلهن بالأم والأبويات أيضاً بالأب، وكذلک بالجد". (السراجی، ص: ١١، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤٥٠/٦، كتاب الفرائض، رشيديه)

چار قسمیں ہیں:

اول: جزءِ میت بیٹا، پوتا وغیرہ۔

دوم: اصلِ میت باپ، دادا وغیرہ۔

سوم: میت کے باپ کا جز: بھائی، بھتیجا وغیرہ۔

چہارم: میت کے دادا کا جز: تایا، چچا وغیرہ۔

ان کی وراثت قرب وقوت کے اعتبار سے ہوگی یعنی قریب کی موجودگی میں بعید کو کچھ نہیں ملے گا۔ ترتیبِ مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے یعنی جزءِ میت کے ہوتے ہوئے اصلِ میت کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے کچھ نہیں ملے گا (اگرچہ ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے اس کا حصہ ضرور ملے گا)۔ اور پھر جزء میں بھی جب بیٹا ہوتو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، یعنی بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہے گا۔ نیز بیٹے کی موجودگی میں باپ، باپ کی موجودگی میں تایا، چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔

یہ تو قرب کے لحاظ سے ہے اور قوت کا مطلب یہ ہے کہ عینی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی اور عینی چچا کی موجودگی میں علاتی چچا کو کچھ نہیں ملے گا(۱)۔

قسمِ دوم: **عصبہ بغیرہ**

وہ چار عورتیں ہیں جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے ایک ہونے کی صورت میں نصف اور دو یا

---

(۱) "العصبات النسبية ثلاثة: بنفسه، وعصبة بغيره، وعصبة مع غيره .... العصبة بنفسه وهو كل ذكرٍ لم يدخل في نسبته إلى الميت أنثى .... ثم العصبات بأنفسهم أربعة أصناف: جزء الميت، ثم أصله، ثم جزء أبيه، ثم جزء جده. ويقدم الأقرب فالأقرب منهم بهذا الترتيب، فيقدم جزء الميت كالابن، ثم ابنه وإن سفل، ثم أصله الأب، ثم الجد الصحيح وهو أبو الأب وإن علا .... ثم جزء أبيه الأخ لأبوين، ثم لأب، ثم ابنه وإن سفل، ثم جزء جده العم لأبوين، ثم لأب، ثم ابنه وإن سفل، ثم عم الأب، ثم ابنه، ثم عم الجد، ثم ابنه كذلک وإن سفل .... ويرجحون بقوة القرابة، فمن كان لأبوين مقدمٌ على من كان لأب، لقوله صلى الله عليه وسلم: "إن أعيان بني الأم يتوارثون دون بني العلات". والحاصل أنه عند الاستواء في الدرجة يقدّم ذوالقرابتين، وعند التفاوت فيها يقدّم الأعلى".

(الدرالمختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

زیادہ ہونے کی صورت میں ثلثان ملتا ہے، وہ اپنے بھائیوں کی ہونے کی صورت میں عصبہ ہوجاتی ہیں: بیٹی، بیٹے کے ساتھ اور پوتی، پوتے کے ساتھ، عینی بہن بھائی کے ساتھ، علاتی بہن، علاتی بھائی کے ساتھ (۱)۔

قسم سوم: **عصبه مع غیره**

وہ عورت جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے، مثلاً: بہن عصبہ بن جاتی ہے بیٹی کے ساتھ (۲)۔

یہاں تک ذوی الفروض اور عصبات کی تقسیم پوری ہوگئی۔ اب بعض امور قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں جن سے ورثہ کے مستحق اور محروم ہونے کا حال معلوم ہوگا۔

فصلٌ فی الحجب والحرمان

حجب

پانچ ورثہ ایسے ہیں جن کے حصص میں دوسرے ورثہ کی موجودگی میں کمی آ جاتی ہے، اگر وہ نہ ہوتے تو ان کو حصہ زیادہ ملتا ہے۔ وہ پانچ یہ ہیں: شوہر، بیوی، ماں، پوتی، علاتی بہن، مثلاً: اگر اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف ملتا ہے مگر اولاد کی موجودگی میں ربع ملتا ہے وغیرہ وغیرہ (۳)۔

---

(۱) "یصیر عصبة بغیره البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وإن سفلوا، والأخوات لأبوین أو لأب بأخیهن، فهن أربع: ذوات النصف والثلثین، یصرن عصبةً بإخوتهن". (الدرالمختار: ۶/۷۷۵، کتاب الفرائض، فصل فی العصبات، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۴۵۱، کتاب الفرائض، باب العصبات، رشیدیه)

(۲) "وأما العصبة مع غیره، فکل أنثیٰ تصیر عصبةً مع أنثیٰ أخریٰ کالأخت مع البنت، لماذکرنا".

(السراجی، ص: ۱۴، سعید)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۷۷۶، کتاب الفرائض، باب العصبات، سعید)

(۳) "الحجب علی نوعین: حجب نقصان، وهو حجب عن سهم إلی سهم، وذلک لخمسة نفر: =

حرمان

چھ ورثا ایسے ہیں جو کبھی محروم نہیں ہوتے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کو کچھ نہ ملے: بیٹا، باپ، شوہر، بیٹی، ماں، بیوی۔

بعض ورثا ایسے ہیں کہ کسی وقت ان کو وراثت ملتی ہے کسی وقت نہیں ملتی، اس کا مدار دو قاعدوں پر ہے:
اول یہ کہ جس شخص سے میت کی قرابت کسی واسطے سے ہو، جب وہ واسطہ موجود ہوگا وہ شخص محروم ہوگا، مثلاً: دادا کہ اس سے قرابت بواسطۂ والد ہے تو والد کی موجودگی میں دادا کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتا اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجا محروم رہے گا۔ لیکن اخیافی بھائی بہن اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ ماں کی موجودگی میں بھی ان کو وراثت ملتی ہے، حالانکہ ان سے رشتہ ماں ہی کے واسطہ سے ہے(۱)۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اَقرب کی موجودگی میں اَبعد محروم رہے گا، جیسا کہ بھائی کی موجودگی میں چچا محروم رہتا ہے۔ عصبہ بنفسہ کی بحث میں اس کا بیان آچکا۔

فصل فی مخارج ذوی الفروض

مخارج فروض:

یہاں سے تقسیمِ میراث کا طریقہ شروع ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ کل فروض چھ ہیں جن کی

= الزوجين، والأم، وبنت الابن، والأخت لأب". (السراجي، ص: ۱۲، باب الحجب، سعيد)

(۱) "وحجب حرمان، والورثة فيه فريقان: فريقٌ لايحجبون بحال البتة وهم ستة: الابن، والأب، والزوج، والبنت، والأم، والزوجة. وفريقٌ يرثون بحال ويحجبون بحال، وهذا مبنيٌّ على أصلين: أحدهما هو أن كل من يدلي إلى الميت بشخصٍ لايرث مع وجود ذلك الشخص سوى أولاد الأم، فإنهم يرثون معها لانعدام استحقاقها جميع التركة، والثاني الأقرب فالأقرب، كماذكرنا". (السراجي، ص: ۱۶، باب الحجب، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۵۲، كتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب، رشيديه)

دو نوع ہیں: نوعِ اول: نصف، ربع، ثمن۔ نوعِ ثانی: ثلثان، ثلث، سدس (۱)۔

جب کسی میت کی میراث تقسیم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے ورثہ میں ذوی الفروض ہیں یا نہیں۔ اگر ذوی الفروض ہوں تو وہ صرف نوعِ اول کے ہیں یا صرف نوعِ ثانی کے یا مخلوط۔ اگر صرف نوع اول کے ہیں تو ایک ایک ہیں یا زیادہ، اگر صرف نوع اول کا ایک وارث ذوی الفروض میں سے ہے تو جو اس کا فرض ہو، اس کے موافق عدد سے وراثت تقسیم کردی جائے، مثلاً: اگر اس کا فرض ثمن ہے تو آٹھ عدد کل ترکہ کو قرار دے کر تقسیم کردیں، اگر فرض ربع ہے تو تقسیم چار سے کردیں، اگر نصف ہو تو تقسیم دو سے (۲)۔

اور اگر ایک سے زیادہ ذوی الفروض ہوں تو جو بڑے سے بڑا عدد اس فرض کے موافق ہو، اس سے تقسیم کردیں، مثلاً: ایک کا فرض ثمن، ایک کا نصف ہے، آٹھ سے تقسیم کردیں، مثلاً: زید کا انتقال ہو ، نے ایک بیوی چھوڑی، ایک بیٹی، ایک بھائی، تو اس صورت میں بیوی اور بیٹی ذوی الفروض میں سے ہیں اور بھائی عصبہ ہے۔ بیوی کا فرض ثمن ہے، بیٹی کا نصف ہے اور باقی بھائی کا ہے تو ثمن کے موافق آٹھ ہے، لہذا کل ترکہ آٹھ

---

(۱) "الفروض المذكورة في القرآن نوعان: الأول: النصف .... والربع، والثمن .... والثاني: الثلث والثلثان ......والسدس". (الدرالمختار: ۶/۸۰۳، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۴، كتاب الفرائض، الباب الحادي عشر في حساب الفرائض، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الفروض نوعان: الأول: النصف، والربع، والثمن. والثاني: الثلُث، والثلثان، والسدس. فالنصف من اثنين، والربع من أربعة، والثمن من ثمانية، والثلثان والثلث من ثلاثة، والسدس والسدسان من ستة، فإذا اختلط النصف من نوع الأول بكل النوع الثاني أو ببعضه أو باثنين فهي من ستة، وإن اختلط الثمن كذلك فمن أربعة وعشرين". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۹۱، ۵۹۳، كتاب الفرائض، فصل في حساب الفرائض، مكتبه حقانية پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۴، كتاب الفرائض، باب حساب الفرائض، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۸، باب مخارج الفروض، سعيد)

سہام قرار دے کر اس طرح تقسیم کردیں گے:

مسئلہ ۸

زوجہ	بنت	اخ عینی
۱	۴	۳

یہی عمل اس وقت کیا جائے گا جب کہ صرف نوعِ ثانی کے ذوی الفروض ہوں، مثلاً: اگر کوئی فرض ثلثان یا ثلث ہو تو تین سے، اگر سدس بھی ہو تو چھ سے، جیسے: زید کا انتقال ہوا، اس نے ماں چھوڑی اور دو عینی بہنیں، ایک چچا۔ تو ماں کا سدس ہے اور دو بہنوں کا ثلثان ہے، باقی چچا کا ہے۔ چھ سے اس طرح تقسیم کردیا جائے:

مسئلہ ۶

ام	اخت عینی	اخت عینی	عم
۱	۲	۲	۱

اگر دونوں نوع کے مخلوط ہوں تو اگر نوعِ اول کا نصف مخلوط ہو، نوعِ ثانی کے سب اقسام کے ساتھ، یا بعض کے ساتھ تو چھ سے تقسیم کیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۶

زوج	ام	اخت اخیافی	اخت اخیافی
نصف	سدس	ثلث	
		۲	
۳	۱	۱	۱

اور اگر نوعِ اول کا ربع مخلوط ہو نوعِ ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ تو بارہ سے تقسیم کیا جائے گا، مثلاً:

مسئلہ ۱۲

عم	اخت اخیافی	اخت اخیافی	ام	زوجہ
۳	ثلث ۴		سدس	ربع
	۲	۲	۲	۳

اور اگر نوعِ اول کا ثمن مخلوط ہو نوعِ ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ تو چوبیس سے تقسیم کیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۲۴

عم	بنت	بنت	ام	زوجہ
عصبہ	ثلثان ۱۶		سدس	ثمن
۱	۸	۸	۴	۳

بابٌ فی العول

جس عدد سے کل ورثہ کے حصہ کو تقسیم کیا جائے اس کو ''مخرج'' کہتے ہیں۔ ذوی الفروض ہونے کے وقت جب ترکہ تقسیم کیا جائے تو کل مخارج یہ ہوں گے: ۲=۳=۴=۶=۸=۱۲=۲۴۔

کبھی مخرج کم رہ جاتا ہے یعنی اس مخرج سے جمیع ذوی الفروض کے فروض پورے نہیں ہوتے تو ایسے وقت میں مخرج میں کچھ زیادتی کرلی جاتی ہے، اس زیادتی کو اہلِ فرائض کی اصطلاح میں ''عول'' کہتے ہیں۔ چار مخرج ایسے ہیں کہ جن میں کبھی عول کی ضرورت نہیں پڑتی: ۲=۳=۴=۸۔ تین مخارج ایسے ہیں جن میں کبھی کبھی عول کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تین یہ ہیں: ۶=۱۲=۲۴۔

چھ کا عول

چھ کا عول دس تک ہوسکتا ہے یعنی کبھی اس میں ایک کی زیادتی کریں گے کبھی دو کی، کبھی تین کی، کبھی چار کی (۱)۔ اس لئے چار مثالوں کی ضرورت ہوئی، مثلاً:

مسئلہ ۶، عــ ۷

زوج	اخت	اخت
	۴	
۳	۲	۲

مسئلہ ۶، عــ ۷

زوج	اُم	اُخت
۳	۲	۳

---

(۱) "العول: هو زيادة السهام على مخرج الفريضة، ثم المخارج سبعة: أربعة لاتعول: الاثنان والثلاثة، والأربعة، والثمانية. وثلاثةٌ قد تعول بالاختلاط........ فستة تعول أربع عولات إلى عشرة وتراً وشفعاً، فتعول لسبعة كزوج وشقيقتين، ولثمانية كهُمْ (أى المذكورين من قبل) وأم، ولتسعة كهُمْ وأخ لأم، ولعشرة كهم وأخ آخر لأم. واثناعشرة تعول ثلاثًا إلىٰ سبعة عشرة وتراً لا شفعًا، فتعول لثلاثة إلىٰ سبعة عشرة وتراً لاشفعاً، فتعول لثلاثة عشر كزوجة وشقيقتين وأم، ولخمسة عشرة كهم وأخ لأم، ولسبعة عشر كهم وأخ آخر لأم. وأربعة وعشرون تعول إلى سبعة وعشرين فقط كامرأة وبنتين وأبوين".

(الدرالمختار: ۷۸۶/۶، كتاب الفرائض، باب العول، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۸، كتاب الفرائض، الباب الثالث عشر في العول، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۹، باب العول، سعيد)

مسئلہ ۶، عـــ ۹

زوج	اُختان عینی	ام	اخت لأم
۳	۴	۱	۱

مسئلہ ۶، عـــ ۱۰

زوج	اختان عینی	اُختان لأم	اُم
۳	۴	۲	۱

بارہ کا عول

بارہ کا عول کبھی تیرہ ہوگا کبھی پندرہ، کبھی سترہ، اس لئے تین مثالوں کی ضرورت ہوئی، مثلاً:

مسئلہ ۱۲، عـــ ۱۳

زوج	بنت	بنت	ام
۳	۴	۴	۲

مسئلہ ۱۲، عـــ ۱۵

زوج	بنتان	اب	ام
۳	۸	۲	۲

مسئلہ ۱۲، عـــ ۱۷

زوجہ	اُختان لأم	اختان لأب	جدہ
۳	۴	۸	۲

چوبیس کا عول

چوبیس کا عول صرف ستائیس ہوگا، اس کی مثال یہ ہے، مثلاً:

مسئلہ ۲۴، عــــ ۲۷

زوجہ	بنت	بنت	اب	ام
	۱۶			
۳	۸	۸	۴	۴

☆......☆......☆......☆......☆

باب الرد

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخرج سے جمیع ذوی الفروض موجودہ کے حصص دینے کے بعد کچھ بچ جاتا ہے جس کا کوئی مستحق نہیں ہوتا (اس بچے ہوئے کو فاضل کہتے ہیں) تو یہ فاضل پھر انہیں ذوی الفروض کو ان کے حصص کے حقوق کی نسبت سے مکرر دیا جاتا ہے، اس کو "رد" کہتے ہیں (۱)۔

تو رد گویا کہ عول کی ضد ہوا کہ وہاں مخرج میں اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں مخرج کو کم اور مختصر کرنا پڑتا ہے۔

تنبیہ:

رد کی ضرورت عصبہ کی موجودگی میں کبھی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ فاضل کا مستحق ہوتا ہے تو گویا کہ ایسی صورت میں فاضل بچتا ہی نہیں (۲)۔

تنبیہ:

زوجین پر رد نہیں ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) "الرد ضد العول: مافضل عن فرض ذوی الفروض ولا مستحق له، یردّ علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم إلا علی الزوجین". (السراجی، ص: ۲۸ باب الرد، سعید)

(۲) "والرد ضده کما مرّ، فإن فضل عنها: أی عن الفروض والحال أنه لاعصبة ثمةً، یردّ الفاضل علیهم بقدر سهامهم إلا علی الزوجین". (الدرالمختار: ۷۸۷/۶، کتاب الفرائض، باب العول، سعید)

"الرد ضد العول .... فنقول: مافضل عن فرض ذوی الفروض ولامستحق له من العصبة ولوکان یحرز". (الشریفیة، ص: ۷۴، باب الرد، سعید)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة)

مسائل رد

رد کے مسائل چار قسم پر ہیں: پہلی دو قسمیں تو ایسی ہیں جن میں صرف ایسے ورثہ ہوں جن پر رد ہوتا ہے (یعنی زوجین نہ ہوں) اور دوسری دو قسمیں ایسی ہیں جن میں اصحاب الرد اور غیر اصحاب الرد دونوں قسم کے ورثہ ہوں (۱)۔

رد کی قسمِ اول

اول یہ کہ صرف ایک جنس کے ورثہ ہوں ایسی صورت میں عدد رؤس ورثہ کو مخرج قرار دے کر تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً:

مسئلہ ۲، ردّیہ

بنت	بنت
۱	۱

اس صورت میں دو بنت ثلثان کی مستحق ہیں تو مخرج تین کو قرار دیا جائے، ان کو ثلثان یعنی دو دینے کے بعد ایک فاضل رہا، وہ بھی انہیں دو کو دیا جائے گا اور عددِ رؤس یعنی دو کو مخرج بنا کر ایک ایک دونوں کو مل جائے گا۔

دوسری مثال:

مسئلہ ۲، ردّیہ

اخت اخیافی	اخت اخیافی
۱	۱

(۱) "ثم مسائل الباب: أی الرد علی أقسام أربعة: أحدها: أن یکون فی المسألة جنس واحد ممن یرد علیه عند عدم من لایُردّ علیه، فاجعل المسألة من رؤسهم، کما لو ترک بنتین أو أختین أو جدتین، فاجعل المسألة من اثنین". (السراجی، ص: ۲۹، باب الرد، سعید)

کہ یہ دونوں ثلث کی مستحق ہیں تو کل مخرج تین بنا کر ایک دونوں کو ملا اور دو فاضل رہے، عدد روٗس دو سے تقسیم کردیا۔

تیسری مثال:

مسئلہ ۲، ردّیہ

جدہ	جدہ
۱	۱

کہ یہ دونوں سدس کی مستحق ہیں تو کل مخرج چھ بنا کر ایک ان دونوں کو ملا، پانچ فاضل رہے، عددِ روٗس سے تقسیم کردیا۔ یہی حال اس وقت ہوگا جب کہ بنتان یا اختان ہوں۔

رد کی قسمِ ثانی

ثانی یہ کہ دو یا زائد جنس کے ورثہ ہوں تو ایسی صورت میں ان کے مجموعۂ سہام کو مخرج بنا کر تقسیم کردیں گے (۱)۔ مثلاً:

مسئلہ ۲، ردّیہ

جدہ	اُختِ لاُم
۱	۱

(۱) "والثاني: إذا اجتمع في المسألة جنسان أو ثلاثة أجناس ممن يُردّ عليه عند عدم من لا يرد عليه، فاجعل المسألة من سهامهم، أعني: من اثنين إذا كان في المسألة سدسان، أو من ثلاثة إذا كان فيها ثلث وسدس .... اهـ". (السراجي، ص: ۲۹، سعيد)

"والثاني: ان كان المردود عليه جنسين أوثلاثة، فمن عدد سهامهم، فمن اثنين لو سدسان، وثلاثة لو ثلث، وأربعة لو نصف وسدس، وخمسة كثلثين وسدس". (الدرالمختار: ۷۸۹/۶، كتاب الفرائض، باب العول، سعيد)

کہ دونوں کو سدس سدس مل کر چار فاضل رہے، عددِ سہام سے تقسیم کردیا۔ الحاصل سدسان کی صورت میں مخرج کو دو قرار دیا جائے۔

دوسری مثال:

مسئلہ ۳، ردّیہ

ام	اَخ لاُم	اَخ لاُم
	۲	
۱	۱	۱

اس صورت میں ام کو سدس ملے گا، اولادِ لاُم کو ثلث۔ مخرج چھ بنا کر ایک اُم کا ہو گیا دو اولادِ اُم کو مل گئے۔ تین سہام تقسیم ہو گئے، تین فاضل قابلِ رد رہے، عددِ سہام تین سے تقسیم کردیا۔ الحاصل جب ثلث اور سدس جمع ہوں تو مخرج تین کو قرار دیا جائے گا۔

تیسری مثال:

مسئلہ ۴، ردّیہ

ام	بنت
۱	۳

اس صورت میں ام کو سدس ملے گا، بنت کو نصف، کل سہام چھ ہو کر ایک ام کو ملے گا، تین بنت کو۔ یعنی: چار سہام تقسیم ہو گئے، دو فاضل رہے، لہذا عددِ سہام چار سے تقسیم کردیا۔ اسی طرح اگر بجائے اُم کے بنت الابن ہو، اس وقت بھی یہی عمل ہوگا۔ اگر بنت اور جدہ ہوں، یا ایک اخت عینی اور ایک اخت علاتی ہو، یا ایک اخت عینی اور جدہ ہو، یا ایک اخت عینی اور ایک اخت اخیافی ہو، تب بھی یہی صورت ہوگی۔ الحاصل جب ذوی الفروض نصف اور سدس کے مستحق ہوں گے، اس وقت رد کی صورت میں مخرج چار کو قرار دیا جائے گا۔

چوتھی مثال:

مسئلہ ۵، ردّیہ

بنت	بنت	ام
۲	۲	۱

اس صورت میں اُم کو سدس ملے گا اور بنتان کو ثلثان۔ حسبِ ضابطہ مخرج چھ بنا کر ایک اُم کو ملے گا اور چار بنتان کو۔ پانچ سہام تقسیم ہوگئے، ایک فاضل رہا تو عددِ سہام پانچ ہی سے تقسیم کردیا۔ اسی طرح یہ مثال:

مسئلہ ۵، ردّیہ

بنت	بنت الابن	اُم
۳	۱	۱

کہ بنت نصف کی مستحق ہے اور بنت الابن سدس کی، ام بھی سدس کی۔ حسبِ ضابطہ چھ سہام بنا کر تین بنت کو ملیں گے، ایک بنت الابن کو، ایک ام کو۔ پانچ سہام تقسیم ہوئے، ایک فاضل رہا، لہذا پانچ سے ہی تقسیم کردیں گے۔ اسی طرح یہ مثال:

مسئلہ ۵

اخت عینی	ام
۳	۲

کہ اخت عینی نصف کی مستحق ہے اور اُم ثلث کی۔ چھ سہام بنا کر تین اخت کو ملے اور دو اُم کو، پانچ سہام تقسیم ہوئے، ایک فاضل رہا، لہذا پانچ سے ہی تقسیم کردیں گے۔ الحاصل جب ذوی الفروض ثلثان اور سدس، یا

نصف اور سدس ان، یا نصف اور ثلث کے مستحق ہوں تو رد کی صورت میں مخرج پانچ کو قرار دیا جائے گا۔

ثالث ورابع..... ثالث ورابع کا سمجھنا قواعد تصحیح کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہذا ان دونوں کا بیان انشاء اللہ تصحیح کے بعد آئے گا اور تصحیح سے پہلے نسبتوں کا حال معلوم ہونا ضروری ہے۔

فصلٌ فی التماثل و التداخل و التوافق و التباین

دو عددوں کے درمیان چار قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں: ۱- تماثل ۲- تداخل ۳- توافق ۴- تباین (۱)۔

---

(۱) "وإذا أردت معرفة التماثل والتوافق والتداخل والتباين بين العددين .... فتماثل العددين كون أحدهما مساوياً للآخر كثلاثة وثلاثة. وتداخل العددين المختلفين بأحد أمرين على ماهنا: إما بأن يعد أقلهما الأكثر: أي يفنيه، أو يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمةً صحيحةً بلاكسر كقسمة الستة على ثلاثة أو اثنين. وتوافق العددين أن لايعد: أي لايفني أقلهما الأكثرَ، لكن يعدهما عدد ثالث كالثمانية مع العشرين يعدهما أربعة، فيوافقان بالربع. وتباين العددين أن لايعد العددين المختلفين عددٌ ثالثٌ أصلاً كالتسعة مع العشرة.

وإذا أردت معرفة التوافق والتباين بين العددين المختلفين أسقط الأقل من الأكثر من الجانبين مراراً، فإن توافقا في واحد تباينا، وإن توافقا في اثنين فبالنصف، أو ثلاثة فبالثلث، هكذا إلى العشرة".

(الدر المختار: ۸۰۷/۶، ۸۰۸، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۲/۶، كتاب الفرائض، الباب الثاني عشر في معرفة التوافق والتماثل والتداخل، رشيديه)

"تماثل العددين كون أحدهما مساويًا للآخر، وتداخل العددين المختلفين أن يعد أقلُّهما الأكثر: أي يفنيه، أونقول: هو أن يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمةً صحيحةً، أو نقول: أن يزيد على الأقل مثله أو أمثاله، فيساوي الأكثر، أو نقول: هو أن يكون الأقل جزءً للأكثر مثل ثلاثة وتسعة. وتوافق العددين هو أن لايعد أقلهما الأكثرَ ولكن يعدهما عددٌ ثالثٌ كالثمانية مع العشرين تعدهما أربعةٌ، فهما متوافقان بالربع .... وتباين العددين لايعد العددين معًا عددٌ ثالثٌ كالتسعة مع =

تماثل:

جب دوعدد آپس میں برابر ہوں، ان کو متماثل کہتے ہیں اوران کے درمیان کی نسبت کوتماثل کہتے ہیں، جیسے کسی جنس کے ورثہ کا عدد چار ہے اور وراثت سے جوان کوحصہ ملا، اس کا عدد بھی چار ہے تو عددِ رؤس اور عدد سہام کے درمیان تماثل کی نسبت ہوگی۔

تداخل:

تداخل جب دوعدد برابر نہ ہوں، بلکہ ایک کم دوسرا زائد ہواور عددِ اقل عدد اکثر کوفنا کردے تو ان کو متداخل اوران کے درمیان کی نسبت کوتداخل کہیں گے۔

تنبیه:

فنا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عدد اقل اکثر سے دو یا زائد مرتبہ منہا یعنی تفریق کردیں تو عدد اکثر فنا ہوجائے۔ مثلاً: عدد اکثر ۹/ اور اقل ۳/ ہے تو ۹/ سے ۳/ کوایک مرتبہ تفریق کیا ۶/ بچے، پھر ۶/ سے ۳/ کوتفریق کیا تو ۳/ بچے پھر ۳/ کو ۳/ سے تفریق کیا تو ۹/ بالکل ختم وفنا ہوگیا تو کہا جائے گا کہ ۹/ اور ۳/ میں تداخل ہے۔ اسی طرح ۱۲/ اور ۴/ کا حال ہے۔

بالفاظِ دیگر تداخل کی تعریف یہ ہے کہ عددِ اکثر جب عدد اقل پر تقسیم کیا جائے تو بلا کسی کسر کے پورا پورا تقسیم ہوجائے۔ بعبارۃ اُخری: عددِ اقل میں خودعدد اقل ایک یا زائد مرتبہ زائد کیا جائے تو عدد اکثر کے مساوی ہوجائے۔

توافق:

توافق جب عددِ اقل، عددِ اکثر کوفنا نہ کرے، بلکہ کوئی عددِ ثالث ان دونوں کوفنا کردے تو ان کو متوافق اوران کے درمیان کی نسبت کوتوافق کہتے ہیں، جیسے ۸/ اور ۲۰/ کہ ان میں سے اقل یعنی ۸/ اکثر یعنی ۲۰/ کوفنا نہیں کرتا، بلکہ ان دونوں کوایک عددِ ثالث یعنی چار فنا کردیتا ہے، چار دونی آٹھ اور چار پنجہ بیس۔ لہذا ان دونوں میں توافق بالربع کی نسبت ہوئی، اس لئے کہ چار مخرج ہے ربع کا، ۸/ کا وفق ۲/ ہے اور ۲۰ کا وفق ۵/ ہے۔

= العشرة". (السراجي، ص: ۳۰، سعيد)

۱۵/ اور ۱۸/ میں توافق بالثلث ہے، یعنی ۳/ فنا کردے گا ۱۵/ اور ۱۸/ دونوں کو، تین پنجہ پندرہ اور تین چھکہ ۱۸/ ۔۱۵/ کا وفق ۵/ ہے، ۱۸/ کا وفق ۶/ ہے۔ ۱۵/ اور ۲۰/ میں توافق بالخمس ہے، ۱۵/ کا وفق ۳/ ہے، ۲۰/ کا وفق ۴/ ہے۔ ۱۸، اور ۳۰/ میں توافق بالسدس ہے، ۱۸/ کا وفق ۳/ ہے، ۳۰/ کا وفق پانچ ہے۔

اسی طرح بالسبع بالثمن، بالتسع، بالعشر کو سمجھنا چاہئے۔ پھر دس سے آگے اس طرح کہیں گے: "بجزءٍ من أحد عشر، بجزءٍ من خمسة عشر وغيره" مثلاً: ۳۰/ اور ۴۵/ میں توافق بجزءٍ من خمسة عشر ہے۔ پندرہ دونی تیس، پندرہ تیہ پینتالیس، ۳۰/ کا وفق ۲/ ہے، پینتالیس کا وفق ۳/ ہے۔

تباین:

تباین جب دونوں عددوں کو کوئی تیسرا عدد بھی فنا نہ کرے تو متباین ہوں گے اور ان کے درمیان کی نسبت تباین ہوگی، جیسے ۹/ اور ۱۰/ کہ یہ دونوں نہ متماثل ہیں کیونکہ برابر نہیں، نہ متداخل ہی کیونکہ ۹/ فنا نہیں کرسکتا ۱۰/ کو، نہ متوافق ہے، کیونکہ کوئی عدد ثالث ان دونوں کو فنا نہیں کرتا، اس لئے یہ متباین ہیں۔

دلیل حصر:

دو عددوں کے درمیان اگر برابری ہو تو وہ متماثل ہوں گے، اگر برابری نہ ہو تو اگر عدد اقل فنا کردے گا اکثر کو تو وہ متداخل ہوں گے، اگر اقل فناء نہ کرے اکثر کو تو اگر کوئی عددِ ثالث (واحد کے علاوہ) ان دونوں کو فنا کردے تو وہ متوافق ہوں گے، اگر کوئی عددِ ثالث (واحد کے علاوہ) فناء نہ کرے (بلکہ واحد فناء کرے) تو وہ متباین ہوں گے (۱)۔

تنبیہ:

واحد عدد نہیں (۲)۔

---

(۱) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۲) "كالتسعة مع العشرة، فإنه لايعدهما شئ سوى الواحد الذى ليس بعدد". (ردالمحتار: ۸۰۸/۶، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا فى الشريفية، ص: ۵۹، باب العول، فصل فى معرفة التوافق والتداخل، سعيد)

معرفتِ نسبت کا طریقہ

تداخل اور تماثل کی نسبت تو ظاہر ہی ہے، توافق اور تباین معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عددِ اقل کو اکثر سے کم (تفریق) کیا جائے ایک مرتبہ یا چند مرتبہ اور یہ عمل دونوں جانب سے کیا جائے، پس اگر دونوں واحد میں متفق ہوجائیں تو ان کے درمیان توافق نہیں، بلکہ تباین ہے۔ اور اگر واحد کے علاوہ کسی عدد میں متفق ہوجائیں تو ان کے درمیان توافق ہے اس جزء کے اعتبار سے جو اس کا مخرج ہے، جیسے: ایک عدد ''سات'' ہے اور دوسرا عدد ''دس'' ہے، اقل یعنی سات کو جب اکثر یعنی دس سے کم کیا تو تین باقی رہے، پھر سات سے ایک دفعہ تین کم کیا تو چار رہے، پھر چار سے تین کم کئے تو ایک رہا، پھر تین سے ایک دفعہ ایک کم کیا تو دو رہے، پھر دو سے ایک کم کیا تو ایک رہا۔ غرض واحد میں سات اور دس متفق ہوگئے، لہذا ان دونوں میں تباین ہے(۱)۔

ایک عدد بیس ہے دوسرا عدد آٹھ ہے، بیس سے آٹھ کم کیا تو بارہ رہے، پھر بارہ سے آٹھ کم کیا تو چار رہے، پھر آٹھ سے چار کم کیا تو چار رہے۔ اب عدد اکثر بھی چار رہ گیا، اور اقل بھی چار رہ گیا دونوں اس میں متفق ہوگئے تو ان دونوں میں توافق بالربع ہوا، اس لئے کہ ربع کا مخرج چار ہے، بیس کا وفق پانچ ہوگا اور آٹھ کا وفق دو ہوگا۔ پانچ چوک ۲۰/ دو چوک ۸/ یہاں تک نسبتوں کا بیان ہوا۔ اب تصحیح کا بیان شروع ہوتا ہے۔

---

(۱) "وإذا أردت معرفة التماثل والتوافق والتداخل والتباين بين العددين .... فتماثل العددين كون أحدهما مساوياً للآخر كثلاثة وثلاثة. وتداخل العددين المختلفين بأحد أمرين على ماهنا: إما بأن يعد أقلهما الأكثر: أي يفنيه، أو يكون أكثر العددين منقسماً على الأقل قسمةً صحيحةً بلا كسر كقسمة الستة على ثلاثة أو اثنتين. وتوافق العددين أن لايعد: أي لايفني أقلهما الأكثرَ، لكن يعدهما عدد ثالث كالثمانية مع العشرين يعدهما أربعة، فيوافقان بالربع. وتباين العددين أن لايعد العددين المختلفين عددٌ ثالثٌ أصلاً كالتسعة مع العشرة.

وإذا أردت معرفة التوافق والتباين بين العددين المختلفين أسقط الأقل من الأكثر من الجانبين مراراً، فإن توافقا في واحد تباينا، وإن توافقا في اثنين فبالنصف، أو ثلاثة فبالثلث، هكذا إلى العشرة".

(الدر المختار: ۶/۸۰۷، ۸۰۸، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۶۶، كتاب الفرائض، الباب الثاني عشر في معرفة التوافق والتماثل والتداخل، رشيديه)

فصلٌ فی التصحیح

ترکہ اس طرح تقسیم کرنا چاہئے جس سے کسی وارث کے سہام میں کسر نہ ہو، بلکہ پورے پورے ملیں۔ اگر شروع ہی سے سہام سب کے پورے ہوں تب تو آگے عمل کی ضرورت ہی نہیں (۱)۔

مسئلہ ۲

ام	اب	بنت	بنت
۱	۱	۲	۲

اگر کسر واقع ہو تو اس کے لئے چھ اصول ہیں جن میں سے دو میں تو رؤس اور سہام میں نسبت دیکھی جاتی ہے:

اصل اول

یہ کہ صرف ایک طائفہ کے سہام منکسر ہوں اور سہام ورؤس کے درمیان توافق ہو، اس وقت اس طائفہ کے عددِ رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدی جاتی ہے (۲)۔

---

(۱) "إن كانت سهام كل فريق منقسمةً عليهم بلاكسرٍ، فلا حاجة إلى الضرب، كأبوين وبنتين".

(السراجي، باب التصحيح، ص: ۲۲، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۹۴/۲، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الدرالمختار: ۸۰۸/۲، ۸۱۰، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(۲) "وإن انكسر على طائفة واحدة، ولكن بين سهامهم ورء وسهم موافقة، فيضرب وفق عدد الرء وس =

مسئلہ ۶، تصـــ ۳۰

بنات ۱۰	ام	اب
۴/۲۰	۱/۵	۱/۵

طائفۂ بنات کے سہام میں کسر آتی ہے اور عددِ رؤس دس ہے اور عددِ سہام چار، ان میں توافق بالنصف ہے، عددرؤس کا وفق پانچ ہے تو پانچ کو اصل مسئلہ یعنی مخرج ۶/ میں ضرب دیں گے جس سے تیس بنیں گے اور چھ سے سہام ملے تھے، ہرایک کے سہام کو بھی پانچ پانچ میں ضرب دینگے۔

اور اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو یعنی اس میں عول کی نوبت آتی ہو تو عددرؤس کے وفق کو عول میں ضرب دیں گے۔ مثلاً:

مسئلہ ۱۲، عــ ۱۵، تصـــ ۴۵

بنات ۶	اب	ام	زوج
۸/۲۴	۲/۶	۲/۶	۳/۹

یہاں بھی بنات پر سہام منکسر ہیں اور عددِ رؤس ۶/ اور عدد سہام ۸/ میں توافق بالنصف ہے، عددِ رؤس کا وفق تین ہے، اس کو عول یعنی پندرہ میں ضرب دیجائے گی جس سے پینتالیس ہو جائیں گے، پھر ہرایک کے سہام کو تین تین میں ضرب دیں گے۔

اصل ثانی

یہ کہ ایک طائفہ پر سہام منکسر ہوں اور عددرؤس وعدد سہام میں تباین ہو، اس وقت اس طائفہ کے کل

= من انکسرت علیهم السهام في أصل المسئلة، وعولها إن كانت عائلةً كأبوين وعشربنات أو زوج وأبوين وست بنات". (السراجي في الميراث، باب التصحيح، ص: ۲۲، سعيد)

عددِ رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے(۱)۔اگر وہ مسئلہ عائلہ ہے تو عول میں ضرب دیں گے۔مثلاً:

مسئلہ ۶، تصــ ۱۸

زوج	جدہ	اخوات لأم ۳
$\frac{۳}{۹}$	$\frac{۱}{۳}$	$\frac{۲}{۶}$

یہاں اخوات لأم پر سہام منکسر ہیں اور ہر دو عدد تباین ہے، لہذا عددِ رؤس یعنی تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے جس سے اٹھارہ ہو جائیں گے، اب ہر اخت لأم کو دو دو مل جائیں گے۔

عول کی مثال:

مسئلہ ۶، عــ ۷، تصــ ۳۵

زوج	أخوات ۵
$\frac{۳}{۱۵}$	$\frac{۴}{۲۰}$

اخوات کے سہام منکسر ہیں، عدد رؤس پانچ اور عدد سہام چار میں تباین ہے، لہذا پانچ کو عول یعنی سات میں ضرب دیں گے، پھر ہر وارث کے سہام کو پانچ پانچ میں ضرب دیں گے جس سے اخوات کے سہام بیس ہو کر کسر مرتفع ہو جائے گی اور ہر اُخت کو چار چار مل جائیں گے۔

تنبیہ:

بقیہ چار اصول میں ایک طائفہ کے عددِ رؤس کی نسبت دوسرے طائفہ کے عدد رؤس سے دیکھی

(۱) "وأن لاتكون بين سهامهم و رء وسهم موافقة، فيضرب كل عدد رء وس من انكسرت عليهم السهام في أصل المسئلة، وعولها إن كانت عائلةً كاب وأم وخمس بنات، أو زوج وخمس أخوات لأب وأم". (السراجي في الميراث، باب التصحيح، ص: ۲۲، سعيد)

جاتی ہے(۱)۔

اصل ثالث

یہ کہ ایک طائفہ سے زائد پر سہام منکسر ہوں اوران کے رؤس کے درمیان تماثل ہوا، اس وقت کسی ایک عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے(۲)۔ اگر وہ عائلہ ہو تو عول ہی میں ضرب دیں گے۔ مثلاً:

مسئلہ ۶، تصـــ ۱۸

بنات۳	جدات۳	اعمام۳
۴/۱۲	۱/۳	۱/۳

تین بنات کو چار ملے، تین جدات کو ایک ملا، تین اعمام کو ایک۔ کسی فریق کے سہام بھی پورے تقسیم نہیں ہوتے، ہر ایک میں کسر ہے اور جملہ عدد رؤس میں تماثل ہے، لہذا ایک فریق کے رؤس ۳/کو اصل مسئلہ ۶/ میں ضرب دیا تو اٹھارہ ہوگئے، پھر ہر فریق کے عددِ سہام کو تین میں ضرب دیدی جس سے ہر فریق کے افراد پر سہام پورے پورے تقسیم ہوجائیں گے۔

عول کی مثال:

مسئلہ ۶، عـــ۷، تصـــ ۲۱

اخوات لأب لأم۳	جدات۳	اخوات لأم۳
۴/۱۲	۱/۳	۲/۶

---

(۱) "وأربعة بين الرء وس والرء وس". (السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

(۲) "وأما الأربعة فأحدها أن يكون الكسر على طائفتين أو أكثر، ولكن بين أعداد رء وسهم مماثلة، فالحكم فيها أن يضرب أحد الأعداد فی أصل المسئلة، مثل: ست بنات وثلث جدات وثلثة أعمام".

(السراجی فی المیراث، باب التصحیح، ص: ۲۲، سعید)

اصل رابع

یہ کہ ان رؤس کے درمیان تداخل ہو اس وقت سب سے بڑے عددِ رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔ اگر عائلہ ہو تو عول میں ضرب دیں گے(۱)۔ جیسے:

مسئلہ ۱۲، تصـــ ۱۴۴

زوجات۴	جدات۳	اعمام۱۲
۳	۲	۷
۳۶	۲۴	۸۴

یہاں چار کو بھی بارہ سے تداخل کی نسبت ہے اور تین کو بھی، اور سب سے بڑا عدد رؤس بارہ ہے، لہذا اصل مسئلہ کو بارہ میں ضرب دیں گے، اب کل سہام ایک سو چوالیس ہو جائیں گے۔ پھر ہر ایک کے سہام کو بارہ میں ضرب دیں گے، جس سے ۳۶/ ہو جائیں گے اربع زوجات کے، اور چوبیس ہوں گے ثلاث جدات کیلئے، اور چوراسی ہوں گے اثناعشر اعمام کیلئے۔ ہر طائفہ کے اعداد کو افراد پر تقسیم کر دیں گے۔ مثلاً:

۹	۸	۷
۴) ۳۶	۳) ۲۴	۱۲) ۸۴
۳۶	۲۴	۸۴
xx	xx	xx

عول کی مثال:

مسئلہ ۱۲، عـــ ۱۳، تصـــ ۱۵۶

زوجہ۶	اخوت۳	جدات۱۲
۳	۸	۲
۳۶	۹۶	۲۴

(۱) "والثاني: أن يكون بعض الأعداد متداخلاً في البعض، فالحكم فيها أن يضرب أكثر الأعداد في أصل المسئلة مثل أربع زوجات وثلث أجداد واثناعشر عمًا". (السراجي، لمصدر السابق)

اصل خامس

یہ کہ ان رؤس کے درمیان توافق ہوتو اس وقت ایک طائفہ کے وفق کو دوسرے طائفہ میں ضرب دیں گے، پھر حاصل ضرب کو تیسرے طائفہ کے وفق میں (اگر اس حاصل ضرب کو طائفۂ ثالثہ کے ساتھ توافق کی نسبت ہو، ورنہ کل طائفہ ثالثہ میں) ضرب دیں گے۔ پھر اس حاصل ضرب کو طائفہ رابعہ کے وفق (اگر اس حاصل ضرب کو طائفۂ رابعہ کے ساتھ توافق کی نسبت ہو، ورنہ کل طائفہ رابعہ میں) ضرب دیں گے (۱)۔

علی ہذا القیاس پھر مجموعۂ حاصل کو اصل مسئلہ میں اگر عائلہ نہ ہو، ورنہ عول میں ضرب دیں گے۔ جیسے:

مسئلہ ۲۴، تصـ ۴۳۲۰

زوجات۴	بنات۱۸	جدات۱۵	اعمام۶
۳	۱۲	۴	۱

یہاں پر چار اور اٹھارہ میں توافق ہے، اٹھارہ اور پندرہ میں توافق، پندرہ اور چھ میں توافق۔ اولاً چار کو اٹھارہ کے وفق ۹/ میں ضرب دیں گے جس کا حاصل ضرب ۳۶/ ہوگا، پھر دیکھا تو ۳۶/ اور ۱۵/ میں توافق بالثلث ہے، بارہ تیہ ۳۶/ پانچ تیہ ۱۵/۔ ۳۶/ کو پانچ میں ضرب دینے سے ۱۸۰/ ہوئے۔ پھر دیکھا تو ۱۸۰/ کو چھ میں توافق بالسدس، ۱۸۰/ کا وفق ۳۰/ ہے اور چھ کا وفق ہے ایک، ۱۸۰/ کو ایک میں ضرب دینا بے سود۔ کل حاصل ضرب یہی ۱۸۰/ میں ضرب دیں گے اور عددِ رؤس پر تقسیم کر دیں گے جس سے ۱۸۰×۲۴= ۴۳۲۰/ کل سہام ہوجائیں گے اس کے بعد ہر فریق کے سہام کو ۱۸۰/ میں ضرب دیں گے اور عددِ رؤس پر

(۱) "والثالث: أن يوافق بعض الأعداد بعضاً، فالحكم فيها أن يضرب وفق أحد الأعداد في جميع الثاني، ثم مابلغ في وفق الثالث إن وافق المبلغ الثالث، وإلا فالمبلغ في جميع الثالث، ثم المبلغ في الرابع كذلك، ثم المبلغ في أصل المسئلة كأربع زوجات، وثماني عشرة بنتاً وخمس عشرة جدةً وستة أعمام" (السراجي في الميراث، باب التصحيح، ص: ۲۳، سعید)

تقسیم کردیں گے۔ جیسے:

مسئلہ ۲۴، تصــــ ۴۳۲۰

زوجات۴	بنات۱۸	جدات۱۸	اعمام۶
۳	۱۶	۴	۱
۱۸۰	۱۸۰	۱۸۰	۱
۵۴۰	۲۸۸۰	۷۲۰	۱۸۰
۴ (۱۳۵)	۱۸ (۱۶۰)	۶۰ (۴۸)	۱۸ (۳۰)
۱۴	۱۰۸	۱۲۰	x
۱۲	۱۰۸	۱۲۰	
۲۰	x	x	
۲۰			
x			

(باہر کے اعداد: زوجات ۴ / ۱۳۵، بنات ۱۸ / ۱۶۰، جدات ۱۵ / ۴۸، اعمام ۶ / ۳۰)

ہر زوجہ کے ۱۳۵/ ہوئے، ہر بنت کے ۱۶۰/، ہر جدہ کے ۴۸/، ہر عم کے ۳۰/ ہوئے۔

اصل سادس

یہ کہ ایک طائفہ کے عددِ رؤس کو دوسرے طائفہ کے عددِ رؤس کے ساتھ تباین کی نسبت ہو، اس وقت ایک عددِ رؤس کو دوسرے میں ضرب دیں گے، پھر حاصل ضرب کو تیسرے میں، پھر حاصل ضرب کو چوتھے میں علیٰ ھذا القیاس، پھر مجموعۂ حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔ اگر عائلہ ہو تو عول میں ضرب دیں گے۔ پھر ہر فریق کے سہام کو اسی مجموعۂ حاصلِ ضرب میں جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی گئی ہے ضرب دیں گے، پھر ہر فریق کے مجموعۂ سہام کو اس کے افراد کے رؤس پر تقسیم کردیں گے(۱)۔

---

(۱) "والرابع: أن تكون الأعداد متباينةً لايوافق بعضها بعضاً، فالحكم فيها أن يضرب أحد الأعداد في جميع الثاني، ثم مابلغ في جميع الثالث، ثم مابلغ في جميع الرابع، ثم ما اجتمع في أصل المسئلة كامرأتين وست جدات وعشر بنات و سبعة أعمام". (السراجي، ص: ۲۴، باب التصحيح، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۷۸۹، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۶۵، ۴۶۶، كتاب الفرائض، الباب الحادي عشر في حساب الفرائض، رشيديه)

مثلاً: ۲×۳×۵×۷× = ۲۱۰

مسئلہ ۲۴، تصــــ ۵۰۴۰

زوجہ۲	جدہ۶	بنات۱	عم۷
۳	۴	۱۶	۱
۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰
۳۱۵ ‖ ۲	۱۴۰ ‖ ۶	۳۳۶ ‖ ۱۰	۳۰ ‖ ۷
۶۳۰	۸۴۰	۳۳۶۰	۲۱۰
۶	۶	۳۰	۲۱
۳	۲۴	۳۶	x
۲	۲۴	۳۰	
۱۰	x	۶۰	
۱۰		۶۰	
x		x	

دو زوجہ ہیں جن کو تین سہام ملے، عدد روس اور عدد سہام میں تباین ہے، لہذا عدد روس برقرار رکھا۔ چھ جدہ ہیں جن کو چار سہام ملے، یہاں عدد روس اور عدد سہام میں توافق بالنصف ہے، عدد روس کا وفق تین ہے، دو اور تین میں تباین ہے، دو کو تین میں ضرب دینے سے حاصلِ ضرب چھ ہوا۔ دس بنات ہیں جن کو سولہ سہام ملے، عدد روس اور عدد سہام میں توافق بالنصف ہے، عدد روس کا وفق پانچ ہے، چھ کو پانچ کے ساتھ تباین ہے اس لئے چھ کو پانچ میں ضرب دینے سے حاصلِ ضرب تیس ہوا۔

عدد اعمام سات ہے جن کو سہم ایک ملا، جس کو عدد روس کے ساتھ تباین کی نسبت ہے، لہذا سات کو برقرار رکھ کر تیس کے ساتھ نسبت دیکھی تو ان میں تباین ہے، تیس کو سات میں ضرب دینے سے مجموعۂ حاصلِ ضرب ۲۱۰/ ہوا، اس کو اصل مسئلہ ۲۴/ میں ضرب دی گئی تو کل سہام ۵۰۴۰/ ہو گئے۔

پھر ہر فریق کے سہام کو ۲۱۰/ میں ضرب دی گئی جس سے ہر دو زوجہ کے مجموعی سہام ۶۳۰/ ہوئے، جن کو عدد روس زوجہ میں دو میں تقسیم کرنے سے ہر زوجہ کو ۳۱۵/ ملے۔ چھ جدہ کے مجموعے سہام ۲۱۰/ میں ضرب دینے سے ۸۴۰/ ہوئے جن کو عدد روس جدہ یعنی چھ پر تقسیم کرنے سے ہر جدہ کو ۱۴۰/ سہام ملے۔ دس بنات کے مجموعی

سہام ۱۶/کو ۲۱۰/ میں ضرب دینے سے ۳۳۶۰/ ہوئے، جن کو عددِ رؤسِ بنات یعنی دس پر تقسیم کرنے سے ہر بنت کو ۳۳۶/ ملے۔ سات اعمام کے ایک سہم کو ۲۱۰/ میں ضرب دینے سے ۲۱۰/ ہوئے جن کو عددِ رؤسِ اعمام یعنی سات پر تقسیم کرنے سے ہر عم کو ۳۰/ سہام ملے (۱)۔

یہاں تک تصحیح کا بیان بفضلہٖ تعالیٰ پورا ہوگیا۔ اب مسائلِ رد کے بقیہ دو قسموں کا بیان شروع ہوتا ہے جن کا سمجھنا نسبت اور تصحیح کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

رد کی قسمِ ثالث

قسمِ ثالث یہ کہ اصحاب الرد ایک جنس کے ہوں اور ساتھ ہی غیر اصحاب الرد، یعنی زوجین میں سے بھی کوئی ہو تو اس وقت اول غیر اصحاب الرد کا فرض اقل مخارج سے دیا جائے گا، پھر باقی کو عدد رؤس اصحاب الرد پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا، جیسا کہ رد کی قسم اول میں شروع ہی سے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پھر اگر یہ پورا پورا بغیر کسر تقسیم ہو جائے تب تو اس میں کچھ کرنا ہی نہیں۔ مثلاً:

مسئلہ ۴، ردّیہ

زوج	بنت	بنت	بنت
۱	۱	۱	۱

یہاں دو قسم کے ورثہ ہیں: زوج غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بنات اصحاب الرد میں سے ہیں اور یہ اصحاب الرد ایک ہی جنس کے ہیں تو اولاً زوج کا فرض ربع اقلِ مخارج چار سے دیا، باقی رہے تین وہ تین بنات کو برابر تقسیم کر دیئے۔ اگر رد کی صورت نہ ہوتی تو مخرج بارہ قرار دے کر ربع ۳/ کا مستحق زوج ہوتا اور ثلثان ۸/ کی مستحق بنات ہوتیں، ایک باقی بچتا۔

(۱) "والثالث: إن كان مع الأول: أي الجنس الواحد مَن لايُردّ عليه وهو الزوجان، أعطى من لايرد عليه فرضه من أقل مخارجه وقسم الباقي، فهي من أربعة: للزوج واحد، وبقي ثلاثة، وهي تستقيم عليهن، فلاحاجة إلى الضرب". (الدر المختار: ۶/۷۸۹، كتاب الفرائض، باب المخارج، سعيد)

اگر اصحاب الرد کا فرض اقلِ مخارج سے دینے کے بعد باقی پورا، پورا تقسیم نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:
یا تو اس باقی کو عددِ رؤس اصحاب الرد کے ساتھ توافق کی نسبت ہوگی یا تباین کی (۱)۔

تنبیہ:

یہاں نسبت تداخل کو توافق میں ہی شمار کیا گیا ہے، اگر توافق کی نسبت ہو تو وفق رؤس کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد میں ضرب دیا جائے۔ جیسے:

مسئلہ ردّیہ ۴، تصـ۸

زوج	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
$\frac{1}{4}$			$\frac{3}{6}$			
	۱	۱	۱	۱	۱	۱

یہاں دو قسم کے ورثہ ہیں، زوج غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بنات اصحاب الرد میں سے، اور یہ اصحاب الرد ایک ہی جنس کے ہیں۔ تو اولاً زوج کا فرض یعنی ربع اقلِ مخارج یعنی چار سے دیا، باقی رہے تین وہ چھ بنات پر پورا تقسیم نہیں ہوتا، اب نسبت دیکھی، باقی یعنی تین اور رؤس اصحاب الرد یعنی چھ میں وہ توافق بالثلث ہے، رؤس کا وفق دو ہے، اس کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد یعنی چار میں ضرب دی تو آٹھ ہو گئے، دو سہام زوج کے ہوئے، ایک ایک ہر بنت کو ملا۔

اگر رد کے طریقہ پر عمل نہ کیا جاتا تو مخرج بارہ قرار دے کر تین زوج کو ملتے اور آٹھ بنات کو ملتے، ایک باقی رہتا۔ اگر باقی کو عدد رؤس اصحاب الرد کے ساتھ تباین کی نسبت ہو تو کل عدد رؤس اصحاب الرد کو مخرج فرض غیر اصحاب الرد میں ضرب دیا جائے (۲)۔

---

(۱) "وإن لم يستقم، فإن وافق رؤوسهم: أي رؤوس مَن يُردّ عليهم كزوج وست بنات، فاضرب وفقها وهو هنا، فبلغ ثمانية، فللزوج اثنان وللبنات ستة". (الدرالمختار، المصدر السابق)

(۲) "وإلا يوافق بل باين، فاضرب كل عدد رؤوسهم فيه المخرج المذكور كزوج وخمس بنات، فالمخرج هنا أربعة للزوج واحد، بقي ثلاثة تباين الخمسة، فاضرب الأربعة في خمسة تبلغ عشرين، كان للزوج واحدٌ اضربه في المضروب يكن خمسةً، فهي له، والباقي ثلاثة أضربها في المضروب تبلغ =

مسئلہ ۴، تصـــ ۲۰

زوج	بنت	بنت	بنت	بنت	بنت
			۱۵		
$\frac{1}{5}$	۳	۳	۳	۳	۳

یہاں باقی یعنی تین کو عددِ رؤس اصحاب الرد یعنی پانچ کے ساتھ تباین ہے، لہذا چار کو پانچ میں ضرب دیا، جس سے بیس ہوگئے، اب پانچ زوج کو ملے اور تین تین ہر بنت کو۔ اگر رد نہ کرتے تو یہاں بھی گذشتہ دونوں مسئلوں کی طرح بارہ سے تقسیم کرتے، تین زوج کو ملتے، آٹھ بنات کو، ایک باقی رہتا۔

رد کی قسم رابع

یہ ہے کہ اصحاب الرد ایک جنس سے زائد ہوں اور غیر اصحاب الرد میں سے بھی کوئی ہو تو اس وقت غیر اصحاب الرد کا فرضِ اقلِ مخارج سے دے کر جو باقی رہے، اس کو مسئلہ اصحاب الرد پر تقسیم کردیا جائے، اگر وہ پورا پورا تقسیم ہوجائے تو اس میں کچھ اور نہیں کرنا (۱) اور اس کی فقط ایک صورت ہے، وہ یہ ہے:

مسئلہ ردّیہ ۴، تصـــ ۴۸

زوجہ	جدہ	جدہ	جدہ	جدہ	اُخت لأم	اُخت لأم	اُخت لأم	اُخت لأم	اُخت لأم	اُخت لأم
$\frac{1}{12}$	۳	۳	۳	۳	۴	۴	۴	۴	۴	۴

یہاں زوجہ غیر اصحاب الرد میں سے ہے اور بقیہ ورثہ دو جنس کے جدّات اور اَخوات لأم اصحاب الرد میں سے

= خمسة عشر، فلكل بنت ثلاثة". (الدر المختار، باب المخارج: ۶/ ۷۸۹، سعيد)

(۱) "والرابع لو كان مع الثاني مَن لايُردّ عليه، فاقسم الباقي من مخرج فرض من لا يردّ عليه علىٰ مسئلة مَن يرد عليه إن استقام كزوجة وأربع جدات وست أخوات لأم، فمخرج مَن لايرد عليه أربعة: للزوجة واحد، بقي ثلاثة تستقيم على سهم الجدات وسهمي الأخوات، لكنه منكسر على آحاد كل فريق كما سيجئ". (الدر المختار، باب المخارج: ۶/ ۷۹۰، سعيد)

تین زوجہ کا فرض اقل مخارج چار سے دینے کے بعد تین باقی رہے، ان تین کو مسئلہ اصحاب الرد پر تقسیم کردیا تو پورا تقسیم ہوگیا، وہ اس طرح کہ اصحاب الرد دو قسم کے ہیں: ایک سدس کے مستحق ہیں، یعنی جدات اور دوسرے ثلث کے یعنی اُخوات لاُم، اور جس وقت رد کی صورت میں ثلث اور سدس جمع ہوں تو مخرج تین کو قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ ۳۶/ میں گذرا، لہذا اس باقی تین کو مسئلہ اصحاب الرد یعنی تین پر تقسیم کیا جو پورا تقسیم ہوگیا، یعنی ایک تو جدات کو ملا اور دو اخوات لاُم کو ملے، تین پورے تقسیم ہوگئے۔

اب دیکھا تو ایک چار پر منکسر ہے اور دو چھ پر، لہذا تصحیح کی ضرورت پیش آئی، مگر یہ ضرورت رد کیلئے نہیں، بلکہ ہر طائفہ کے افراد کے سہام میں کسر کی وجہ سے جیسا کہ بغیر رد کے بھی اس کی نوبت آتی ہے۔ تصحیح کے چھ اصول میں سے اصل خامس پر یہاں عمل کیا جائے گا، وہ اس طرح کہ ایک طائفہ سے زائد پر کسر ہے تو رؤس، رؤس کے درمیان نسبت دیکھی جائے گی اور وہ توافق بالنصف ہے، یعنی چھ اخوات لام اور چار جدات، عدد جدات چار کو وفق عدد اخوات لاُم یعنی تین میں ضرب دیں گے جس سے بارہ بنیں گے، پھر اس بارہ کو اصل مسئلہ چار میں ضرب دیں گے جس سے اڑتالیس ہو جائیں گے۔

پھر چار سے جو سہام ہر طائفہ کو ملے تھے ان کو بارہ میں ضرب دیں گے جس سے بارہ سہام زوجہ کے ہونگے اور بارہ ہی جدات کے کہ ہر جدہ کو تین تین مل جائیں گے اور چوبیس اخوات لام کے ہوں گے کہ ہر اخت لاُم کو چار چار مل جائیں گے۔

تنبیہ:

اگر زوجہ دو ہوں تو اس صورت میں ہر زوجہ کو چھ سہام ملیں گے، اگر تین ہوں تو ہر ایک کو چار، اگر چار ہوں تو ہر ایک کو تین (۱)۔

اگر رد کی صورت پر عمل نہ کیا جاتا تو مثال مذکور میں کل بارہ سہام بنا کر تین زوجہ کو ملتے، دو جدات کو، چار اخوات

---

(۱) "والرابع لو كان مع الثاني مَن لايُردّ عليه، فاقسم الباقي من مخرج فرض من لا يردّ عليه علىٰ مسئلة مَن يرد عليه إن استقام كزوجة وأربع جدات وست أخوات لأم، فمخرج مَن لايرد عليه أربعة: للزوجة واحد، بقي ثلاثة تستقيم على سهم الجدات وسهمي الأخوات، لكنه منكسر على آحاد كل فريق كما سيجئي". (الدر المختار، باب المخارج: ٦/٧٩٠، سعيد)

لام کواور تین باقی رہتے۔ اگر غیر اصحاب الرد کو اقلِ مخارج سے فرض دینے کے بعد جو باقی رہے وہ مسئلہ اصحاب الرد پر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے تو مسئلہ اصحاب الرد کو مخرج غیر اصحاب الرد میں ضرب دیں گے(۱) جیسے۔ مثلاً:

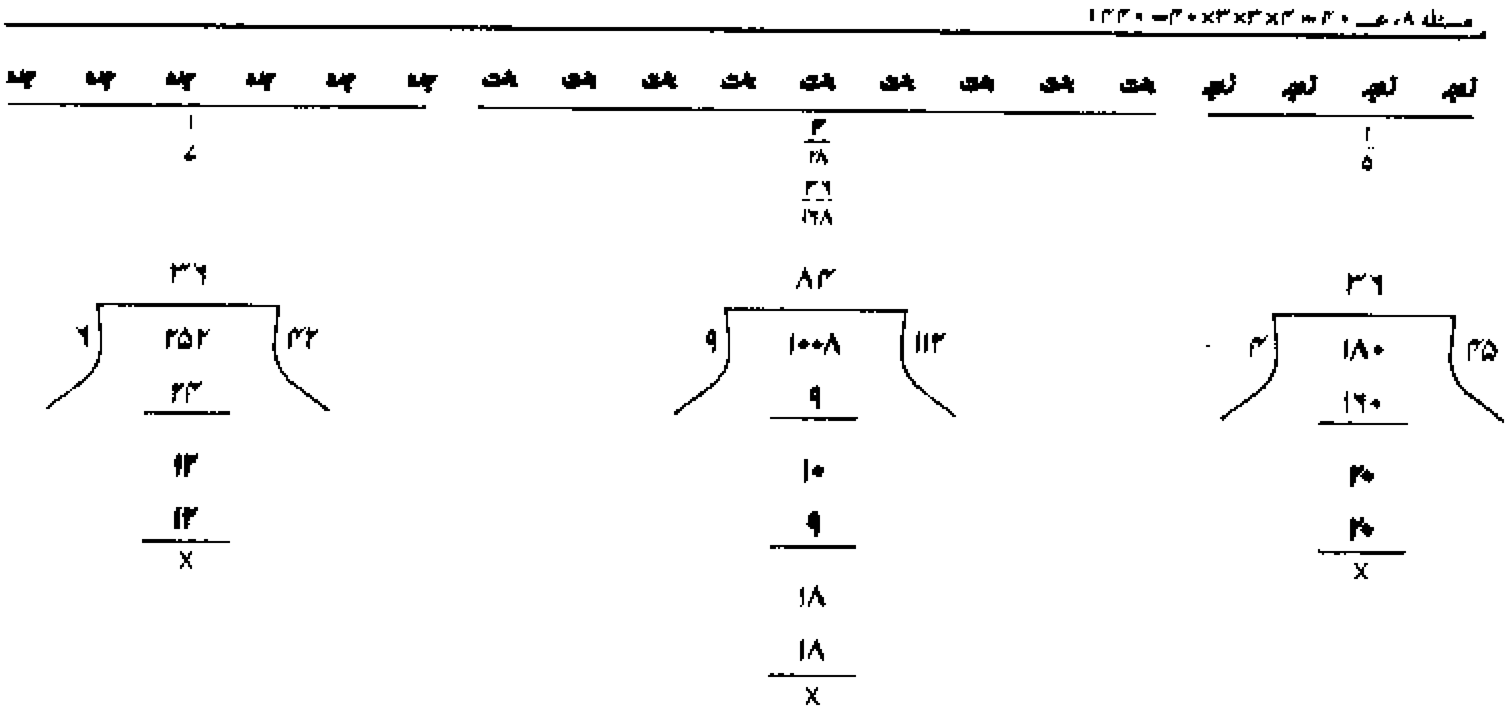

ہر زوجہ کو ۴۵/ سہام ملیں گے، ہر بنت کو ۱۱۲/ سہام ملیں گے، ہر جدہ کو ۴۲/ سہام ملیں گے۔

یہاں زوجات غیر اصحاب الرد ہیں، اور بنات اور جدات اصحاب الرد ہیں، اولاً زوجات کو اقلِ مخارج آٹھ سے فرض دیا یعنی ایک، باقی رہے سات جن کو بنات وجدات پر تقسیم کرنا ہے، ان کا مخرج پانچ ہے کیونکہ بنات ثلثان کی مستحق ہیں اور جدات سدس کی، ایسی صورت میں پانچ کو مخرج قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ ۴۸/ میں بیان ہوا۔ سات پانچ پر

(۱) "وإن لم يستقم، فاضرب جميع مسألة مَن يرد عليه في مخرج مَن لايرد عليه، فالمبلغ الحاصل بهذا الضرب مخرج فروض الفريقين كأربع زوجات وتسع بنات وست جدات، فمخرج من لايرد عليه ثمانية: للزوجات الثمن واحد، بقي سبعةٌ لاتستقيم على مسألة من يرد عليه وهي هناخمسة؛ لأن الفرضين ثلثان وسدس، فاضرب الخمسة في الثمانية تبلغ أربعين، فهي مخرج فروض الفريقين، ثم اضرب سهام مَن لايرد عليه في مسألة من يرد عليه وفيما بقي من مخرج فرض مَن لايرد عليه، يكن للبنات ثمانية وعشرون، وللجدات سبعةٌ، فاستقام فرض كل فريق، لكنه منكسر على آحاد كل فريق .... تصح من ألف وأربعماة وأربعين، وتصح الأولىٰ من ثمانية وأربعين". (الدرالمختار: ۶/ ۷۹۱، كتاب الفرائض، باب العول، سعيد)

(وكذا في السراجي، ص: ۲۱، ۲۴، سعيد)

پورا تقسیم نہیں ہوتا تو مسئلہ اصحاب الرد یعنی پانچ کو مخرج غیر اصحاب الرد یعنی آٹھ میں ضرب دیں گے جس سے چالیس بن جائیں گے۔

پھر سہام غیر اصحاب الرد یعنی ایک کو مسئلۂ اصحاب الرد یعنی پانچ میں ضرب دیں گے جس سے زوجات کے سہام پانچ ہوں گے۔ اور سہام اصحاب الرد یعنی بنات کے چار اور جدات کے ایک کو غیر اصحاب الرد کے اقلِ مخارج سے فرض دینے کے بعد باقی ماندہ یعنی سات میں ضرب دیں گے جس سے بنات کے سہام اٹھائیس ہو جائیں گے، اور جدات کے سہام سات ہو جائیں گے۔

یہاں تک رد کا عمل پورا ہو گیا، اب تصحیح کی ضرورت ہوگی، کیونکہ کسی طائفہ کے سہام اس کے افراد پر منقسم نہیں، بلکہ ہر ایک میں کسر ہے، لہذا تصحیح کے اصول میں سے اصلِ خامس پر عمل کیا جائے گا: عددِ زوجات چار کو عددِ جدات چھ کے ساتھ توافق بالنصف ہے، پس چار کو چھ کے نصف تین میں ضرب دیں گے جس سے بارہ بنیں گے، جس کو عددِ بنات نو کے ساتھ توافق بالثلث ہے، لہذا بارہ کو نو کے ثلث تین میں ضرب دیں گے جس سے چھتیس بنیں گے۔ پھر چھتیس کو تصحیح رد یعنی چالیس میں ضرب دیں گے جس سے کل سہام ایک ہزار چار سو چالیس ہو جائیں گے۔

اس کے بعد چالیس سے جس قدر سہام ہر طائفہ کو ملتے تھے، ان کو ۳۶/ میں ضرب دے کر ہر طائفہ کے افراد پر تقسیم کر دیں گے، یعنی زوجات کو چالیس میں سے پانچ ملے جن کو چھتیس میں ضرب دیا جس سے ایک سو اسّی ہو گئے، جن کو چار زوجات پر تقسیم کر دیا، ہر زوجہ کے پینتالیس ہو گئے۔ اور بنات کو چالیس میں سے اٹھائیس ملے تھے جن کو چھتیس میں ضرب دیا تو ایک ہزار آٹھ ہو گئے، جن کو نو بنات پر تقسیم کر دیا، ہر بنت کے ایک سو بارہ ہو گئے۔ اور جدات کو چالیس میں سے سات ملے تھے جن کو چھتیس میں ضرب دیا تو دو سو باون ہوئے جن کو چھ جدات پر تقسیم کر دیا، ہر جدہ کو بیالیس ملے۔

باب المناسخة

اگر تقسیم ترکہ سے قبل کسی وارث کا انتقال ہو جائے اور ہر دو میت کا ترکہ یکدم تقسیم کیا جائے اس کو

مناسخہ کہتے ہیں (۱)۔

مافی الید

یعنی میتِ اول سے جوترکہ میتِ ثانی کوملا ہے، اس کےاور مخرج کے درمیان نسبت کی رعایت کو اس طریق میں ملحوظ رکھنا ہوتا ہے، اس کے بعد تقسیم میں سہولت ہوتی ہے، پس اگر مافی الید اور مخرج کے درمیان تماثل ہے تب تو ضرب کی حاجت نہیں (۲)۔ مثلاً:

مسئلہ ۱۲، تصــ۳۶ ہندہ

زوج	بنت	بنت	بنت	اخ
۳/۹		۸		۱/۳
	۸	۸	۸	

مسئلہ ۳ تماثل اخ معــ۳

ابن	بنت
۲	۱

(۱) "المناسخة: أن يموت بعض الورثة قبل القسمة". (الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۸۹، كتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فی الدرالمختار: ۶/۸۰۱، كتاب الفرائض، باب المناسخة، سعيد)

(وكذا فی السراجی، ص: ۳۵، باب المناسخة، سعيد)

(۲) "والأصل فيه أن تصحح مسألة الميت الأول، وتعطى سهام كل وارث من التصحيح، ثم تصحح مسألة الميت الثانی، وتنظر بين ما فی يده من التصحيح الأول وبين التصحيح الثانی ثلثة أحوال: فإن استقام ما فی يده من التصحيح الأول على الثانی، فلاحاجة إلى الضرب". (السراجی، ص: ۳۵، سعيد)

(وكذا فی الدرالمختار: ۶/۸۰۱، كتاب الفرائض، فصل فی المناسخة، سعيد)

(وكذا فی الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۸۹، كتاب الفرائض، فصل فی المناسخات، مكتبه حقانيه، پشاور)

اس صورت میں اخ کو تین سہام ملے اور ہندہ کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے اخ کا انتقال ہوگیا۔اس کے وارث ابن اور بنت ہیں۔اخ کا مافی الید بھی تین ہے اور بوقتِ تقسیم ترکہ مخرج بھی تین قرار دیا گیا،لہٰذا اب کسی اَور ضرب کی حاجت نہیں۔

اگر مافی الید اور مخرج کے درمیان توافق ہو تو وفقِ مخرج کو میتِ اول کے مخرج میں ضرب دیں گے اور میتِ اول کے ورثہ کے سہام کو بھی میتِ ثانی کے مخرج کے وفق میں ضرب دیں گے اور میتِ ثانی کے ورثہ کے سہام کو مافی الید کے وفق میں ضرب دیں گے(۱)، جیسے کہ:

مسئلہ ۲۴، تصـ ۷۲، تصـ ۱۴۴ — زید

زوجہ	ابن	بنت	اب
ہندہ	اسلم	سلمہ	اکرم
۳ / ۹ / ۱۸	۳۴	۱۷	۴ / ۱۲
	۶۸	۳۴	

(ابن و بنت: ۱۷)

مسئلہ ۸، تصـ ۲ — توافق بالربع — اب اکرم، مع ۱۲، تصـ ۳

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲ / ۶	۲ / ۶	۲ / ۶	۱ / ۳	۱ / ۳

یہاں میتِ اول کا مخرج اِصالۃً چوبیس اور ابن و بنت کے سہام میں کسر کی وجہ سے تین میں ضرب دے کر بہتر سے تصحیح کی گئی، جس سے اَب کو بارہ سہام ملے، پھر اب کا انتقال ہوا، اس کا مخرج آٹھ قرار دیا۔آٹھ مخرج اور بارہ مافی الید میں توافق بالربع کی نسبت ہے، آٹھ کا وفق دو ہے۔تو میتِ اول کے مخرج بہتر اور اس سے ورثہ کو

(۱) "وإن لم يستقيم، فإن كان بين سهامه ومسألته موافقة، ضربت وفق التصحيح في كل التصحيح الأول". (الدر المختار: ۶/۸۰۲، كتاب الفرائض، فصل في المناسخة، سعيد)

(وكذا في الشريفية، ص: ۹۲، باب المناسخة، سعيد)

جس قدر سہام ملے تھے، ان سب کو دو ضرب دی گئی اور میتِ ثانی کے مافی الید کے وفق تین میں اس کے ورثہ کے سہام کو ضرب دی گئی۔

الأحیاء — المبلغ ۱۴۴

ہندہ	اسلم	سلمہ	احمد	ارشد	امجد	حمیدہ	سعیدہ
۱۸	۶۸	۳۴	۶	۶	۶	۳	۳

اگر میتِ ثانی کے مافی الید اور مخرج کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو میتِ ثانی کے کل مخرج کو میتِ اول کے کل مخرج میں اور میتِ اول کے ورثہ کے سہام میں ضرب دیں گے اور میتِ ثانی کے ورثہ کے سہام کو کل مافی الید میں ضرب دیں گے (۱) مثلاً:

مسئلہ ۲۴، تصــ ۱۲۰

زوجہ	ام	اب	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
زینب	حفصہ	بکر	شاکر	صابر	ناصر	فاخر	عامر	طاہر	صغریٰ
۳/۱۵	(۴)	۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۱/۵

---

(۱) "وإن كان بينهما مباينة، فاضرب كل التصحيح الثاني في كل التصحيح الأول، فالمبلغ مخرج المسألتين، فسهام ورثة الميت الأول تضرب في المضروب، أعني: في التصحيح الثاني أو في وفقه، وسهام ورثة الميت الثاني تضرب في كل مافي يده أوفي وفقه. وإن مات ثالث أو رابع أو خامس، فاجعل المبلغ مقام الأولىٰ، والثالثة مقام الثانية في العمل، ثم في الرابعة والخامسة كذلك إلى غير النهاية".

(السراجي، ص: ۳۵، ۳۶، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار: ۸۰۲/۶، كتاب الفرائض، فصل في المناسخة، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۵۸۹/۲، كتاب الفرائض، فصل في المناسخة، مكتبه حقانيه، پشاور)

مسئلہ ۴، تصـ ۲۰ وفق ۵ تداخل حفصہ معـ ۴

زوج	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
بکر	رشید	سعید	وحید	حمید	مجید
۱/۵			۳/۱۵		
	۳	۳	۳	۳	۳

یہاں میت ثانی کا مافی الید چار ہے اور مخرج تقسیم پانچ ہے، دونوں میں تباین کی نسبت ہے، لہذا پانچ کی ضرب اوپر آئی یعنی میتِ اول کے ورثہ کے سہام میں اور میتِ اول کے مخرجِ تقسیم یعنی چوبیس میں اور چار کی ضرب نیچے آئی، یعنی میتِ ثانی کے ورثہ کے سہام میں (۱)۔

الأحیاء المبلغ ۱۲۰

زینب	بکر	شاکر	صابر	ناصر	فاخر	عامر	طاہر	صغریٰ	رشید	سعید	وحید	حمید	مجید
۱۵	۲۵	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۳	۳	۳	۳	۳

---

(۱) درحقیقت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ مثال تداخل کی ہے اور تباین کی مثال یہ ہے:

مسئلہ ۱۲، ۳/۴ تصـ ۸، تمـ ۷۲

زوج	بنت	۳/۲	بنت
بکر	خالدہ		زینب
۱/۴	۳/۲۷		۳/۲۷

مسئلہ ۳، تصـ ۹ تباین بکر معـ ۲

بنت	بنت	اخت عینی	۱/۳	اخ عینی
خالدہ	زینب	رقیہ		عمر
۱/۳/۶	۱/۳/۶	۱/۲		۲/۴

الأحیاء المبلغ ۷۲

خالدہ	زینب	رقیہ	عمر
۳۳	۳۳	۲	۴

اب ایک ایسی مثال لکھی جاتی ہے جس میں توافق، تباین، تماثل نسبتیں آجائیں (۱):

مسئلہ ۴، بعد الرد، تصــ ۱۶، تصــ ۳۲، تصــ ۲۸

زوج	بنت	ام
زید ۱ ۴	کریمہ ۱ ۴	عظیمہ ۱ ۳ ۲

(۱) "ولو صار بعض الأنصباء ميراثًا قبل القسمة كزوج وبنت وأم، فمات الزوج قبل القسمة عن امرأة وأبوين، ثم ماتت البنت عن ابنتين وبنت وجدة، ثم ماتت الجدة عن زوج وأخوين، فالأصل فيه أن تصحح مسألة الميت الأول وتعطى سهام كل وارث من التصحيح، ثم تصحح مسألة الميت الثانى، وتنظر بين مافى يده من التصحيح الأول وبين التصحيح الثانى، فإن استقام بسبب المماثلة مافى يده من التصحيح الأول على التصحيح الثانى، فلاحاجة إلى الضرب. وإن لم يستقيم، فانظر إن كان بينهما موافقة، فاضرب وفق التصحيح الثانى فى التصحيح الأول. وإن كان بينهما مباينة، فاضرب كل التصحيح الأول، فالمبلغ مخرج المسألتين، فسهام ورثة الميت الأول تضرب فى التصحيح الثانى أو فى وفقه، وسهام ورثة الميت الثانى تضرب فى كل مافى يده أو فى وفقه". (السراجي، ص: ۳۵، ۳۶، سعيد)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶/ ۸۰۱، كتاب الفرائض، فصل فى المناسخة، سعيد)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار: ۵۸۹/۲، كتاب الفرائض، فصل فى المناسخات، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۴۷۰، كتاب الفرائض، الباب الخامس عشر فى المناسخة، رشيديه)

(وكذا فى الشريفية، ص: ۹۰، ۹۴، باب المناسخة، سعيد)

مسئلہ ۴	تماثل مستقیم	زید۴
زوجہ	اب	ام
حلیمہ	عمرو	رحیمہ
۱ / ۲ / ۸	۲ / ۴ / ۱۶	۱ / ۲ / ۸

تیسری مثال:

مسئلہ ۶، مع۲	بالثلث		کریمہ مع۹، مع۳
بنت	ابن	ابن	جدہ
رقیہ	خالد	عبداللہ	عظیمہ
۱ / ۳ / ۱۲	۲ / ۶ / ۲۴	۲ / ۶ / ۲۴	۱ / ۳

مسئلہ ۲، تص۴	تباین	عظیمہ مع۹
زوج	اخ	اخ
عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۱ / ۲ / ۸	۱ (مشترک) — ۱ / ۹	۱ / ۹

				المبلغ ۱۲۸				
				الأحیاء				
حلیمہ	عمرو	رحیمہ	رقیہ	خالد	عبداللہ	عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۸	۱۶	۸	۱۲	۲۴	۲۴	۱۸	۹	۹

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تمت بعون اللّٰہ تعالیٰ وتوفیقه لیلة السبت

۲۳/جمادی الثانیة/۱٤۲٤هـ

تاریخ تکمیلِ کمپوزنگ، سیٹنگ اینڈ ڈیزائننگ از عرفان انور مغل

۱۸/رجب/۱۴۲۷ھ، بمطابق:۱۴/اگست/۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاویٰ محمودیہ سے متعلق چند ضروری باتیں

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، أما بعد!

فتاویٰ محمودیہ کا کام بحمد اللہ تعالیٰ مکمل ہوا، عام طریقہ کے مطابق مقدمہ میں تمام کام کی نوعیت پوری وضاحت سے بیان کی گئی ہے، لیکن چند ایسی چیزیں جو کہ بعد میں کام کے دوران سامنے آئیں- اور جن کا مقدمہ میں ذکر نہیں تھا بعد میں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی- ذکر کی جاتی ہیں:

۱...... فتاویٰ محمودیہ میں کل **۹۸۸۵** سوالات ہیں اور **۲۶۹۲** ذیلی جزئیات ہیں، لہٰذا کل جزئیات کی تعداد **۱۲۵۷۷**، اور ایک رسالہ ''آسان فرائض'' اس کے علاوہ ہے۔

۲...... فتاویٰ محمودیہ قدیم بیس جلدوں کی تخریج، تبویب، تعلیق اور اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں تقریباً تین سال کا عرصہ صرف ہوا ہے۔

۳...... اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدھم کی دعائیں اور سرپرستی، حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا خصوصی اشراف اور حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب زید مجدہم کی کامل جدوجہد، سعی بلیغ، دستگیری اور مسلسل ربط اور حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خصوصی توجہ، کامل نگرانی اور پرخلوص مشاورت کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ محمودیہ کا بہت بڑا کام بہت ہی مختصر عرصہ میں مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر احسان فرمایا۔

۴...... فتاویٰ محمودیہ کی بندہ نے دو مرتبہ بالاستیعاب پروف ریڈنگ کی، دوسری مرتبہ دیکھنے کے بعد

اساتذہ کرام: حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب مدظلہ العالی کے سامنے برائے اشراف پیش کیا، ان حضرات سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالباری مدت فیوضہم نے بالاستیعاب نظر غائر سے دیکھا۔ ان حضرات نے ممکنہ کمیوں کی طرف مفید اشارے فرمائے، خصوصاً حضرت مفتی عبدالباری صاحب نے بعض مسائل کو اپنے موقع ومحل کے مطابق اپنے ابواب میں رکھنے کی نشاندہی فرمائی۔

۵...... فتاویٰ محمودیہ پر کام کی نوعیت کے سلسلے میں کسی بھی چیز کی تعیین لجنۃ المشرفین کے باہمی مشورہ سے طے کی گئی ہے۔

۶...... فتاویٰ محمودیہ کی تخریج چونکہ چودہ علمائے کرام نے کی ہے، اور ہر ہر کتاب کے ایک ہی مطبع کے چودہ چودہ نسخے مہیا کرنا بظاہر مشکل تھا، اور بعض کتب کے چونکہ ہمارے ہاں مختلف مطابع کے متعدد نسخے ہیں، لہٰذا جس ساتھی کو اس کتاب کا جو نسخہ دستیاب ہوا، اس نے اسی نسخے کا التزام کرکے تخریج کی، اس وجہ سے تخریج میں بعض کتابوں کے مختلف مطابع کے حوالے بھی ہیں، مثلاً: "مجمع الأنهر" کے ہمارے ہاں مکتبہ غفاریہ کوئٹہ اور دار إحياء التراث العربي بيروت کے دو نسخے ہیں، لہٰذا ان دونوں مطابع کے حوالے مجمع الأنهر سے دیئے گئے ہیں، لیکن چونکہ حوالہ میں ''باب، فصل اور مطلب'' وغیرہ کا التزام کیا گیا ہے، اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ استفادہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

۷...... چونکہ ہماری کوشش تھی کہ ہر ہر بات باحوالہ اور مستند ہو، اس لئے ہم نے اردو، ہندی اور انگریزی مشکل الفاظ کے معانی لکھتے وقت اردو، انگریزی لغات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

۸...... کسی فتاویٰ یا عام کتاب کی تبویب، ترتیب اور تخریج سے مطلوب اہل مطالعہ اور مستفیدین کی سہولت ہوتی ہے، اسی سہولت کی بنیاد پر ہم نے ایک جیسے مسائل کی تخریج کے لئے گذشتہ یا آئندہ مسائل کی طرف مراجعت کے لئے بہت کم نشاندہی کی ہے، بجائے مراجعت کے ہم نے تقریباً ہر صفحہ پر جواب کی مستقل تخریج کی ہے اگرچہ گذشتہ یا آئندہ مسئلہ میں اسی عبارت کی تخریج کی گئی ہو۔

۹...... اکثر مصنفین ومؤلفین کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی کتابوں کے آخر میں مصادر ومراجع مستقل ذکر

کرتے ہیں، چونکہ ہم نے حوالہ پیش کرتے وقت ہر کتاب کے لوازمات: باب، فصل، مطلب اور مطبع ہر جگہ ذکر کیا ہے، لہٰذا مصادر ومراجع مستقل ذکر کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں۔

۱۰...... فتاویٰ محمودیہ میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سوال شامل کئے بغیر نہ رہے، اسی غرض سے اصل نسخہ کی مکرر مراجعت کی گئی ہے، بہر حال فتاویٰ محمودیہ کی کثرت جزئیات وسوالات اور بڑی ضخامت سے کیا بعید ہے کہ کوئی مسئلہ شامل کئے بغیر رہ گیا ہو، لہٰذا اگر اہل مطالعہ کی نظر سے کوئی سوال اس نوعیت کا گذرے تو گذارش ہے کہ ادارہ کو اطلاع دیں تا کہ اس مسئلہ کو آئندہ کے ایڈیشن میں شامل کیا جاسکے۔

۱۱...... خالص عربی وفارسی سوال وجواب کا ترجمہ التزام کے ساتھ حاشیہ میں رکھا گیا ہے، اور بعض اردو جوابات میں لمبی عربی عبارتوں کا ترجمہ حذف کردیا گیا ہے، بعض جگہوں پر حسبِ ضرورت برقرار رکھا گیا ہے۔

۱۲...... سوال پر ''رقم المسلسل'' لگاتے وقت بعض دفعہ کوئی مسئلہ بغیر نمبر کے بھی رہ گیا ہے، ایسی جگہیں اگرچہ نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن پھر بھی ہم نے ''الف، ب'' سے اس کو نمبر دیا ہے۔

۱۳...... چونکہ فتاویٰ محمودیہ پر کام تجارتی بنیاد پر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کتاب کی خدمت کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، اس وجہ سے تبویب، ترتیب اور تخریج کے علاوہ کتاب کی تزیین کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مختلف رسم الخط اور مختلف فونٹ سائز متن اور حاشیہ میں رکھے گئے ہیں۔

۱۴...... بنیادی طور پر تخصص سال دوم ۱۴۲۴ھ کے ساتھیوں کو فتاویٰ محمودیہ کی تخریج بطور مقالہ حوالے کی گئی تھی، جن ساتھیوں کو یہ مقالہ دیا گیا تھا، ان حضرات کے نام اور مفوضہ ابواب یہ ہیں:

مولوی عبید اللہ شاہوانی صاحب، جمعہ، عیدین اور جنائز۔ مولوی نور الدین پانیزئی صاحب، بیوع، ایمان ونذور، صید وذبائح اور اُضحیہ۔ مولوی عبد الحفیظ صاحب، مسائلِ طلاق۔ مولوی حضرت علی صاحب، وقف مدارس، اجارہ اور فرائض۔ مولوی حضرت حسن صاحب، کتاب الصلوۃ از ابتداء تا امامت۔ مولوی محمد یوسف وزیرستانی صاحب، حظر واباحہ ابتدائی حصہ۔ مولوی صباح الدین غذری صاحب، حظر واباحہ آخری حصہ۔ مولوی غلام اللہ گل صاحب، حج اور نکاح۔ مولوی عمران اشفاق صاحب، ایمان وعقائد اور فرقِ

باطلہ۔ مولوی سید فخر الدین صاحب، وقف از ابتداء تا مساجد و مقابر۔ مولوی اسد اللہ صاحب، سلوک، تاریخ، سیاست، تعبیر الرویا اور علم۔ مولوی عبد المجید صاحب، زکوۃ اور صوم۔ مولوی عبد اللہ ہزاروی صاحب، صلوۃ درمیانی حصہ۔ اور (مولوی) فضل مولیٰ (راقم الحروف)، تبلیغ، تقلید، الفاظ کفر اور بدعات۔

۱۵...... چونکہ فتاویٰ محمودیہ کی تخریج کے بعد اگلا مرحلہ کمپوزنگ کا تھا اور کمپوزنگ میں پروف ریڈنگ ایک اہم جزو ہے، اس لئے حضرات اساتذہ کے مشورہ سے بندہ کا تقرر اسی غرض سے کیا گیا، لیکن چونکہ تصحیح اور پروف ریڈنگ کا سلسلہ بہت طویل تھا، نیز اصل سے املا کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں چند معاونین کی ضرورت تھی، اس لئے لجنۃ المشرفین نے ۱۴۲۵ھ میں تخصص سالِ دوم کے چھ ساتھیوں کا پہلے سال انتخاب کیا، اور ان حضرات کو فتاویٰ محمودیہ کی پروف ریڈنگ اور املا بطور مقالہ دی گئی، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

۱- مولوی محمد حیات زرہ خیلوی صاحب، ۲- مولوی جلال الدین صاحب، ۳- مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب، ۴- مولوی محبوب شیر خان صاحب فیجی، ۵- مولوی محمد واحد صاحب، ۶- مولوی محمد طاہر شاہ صاحب، راولپنڈی۔

دوسرے سال ۱۴۲۶ھ میں بھی چھ ساتھیوں کو پروف ریڈنگ اور املاء کا کام بطور مقالہ دیا گیا، ان کے نام یہ ہیں:

۱- مولوی احمد جان صاحب، ۲- مولوی محمد عمر صاحب، ۳- مولوی احمد خان صاحب، ۴- مولوی عبد الاحد سعید صاحب، ۵- مولوی عبد الغنی صاحب، ۶- مولوی زاہد صاحب۔

پروف ریڈنگ کے تیسرے سال ۱۴۲۷ھ میں کام ہلکا ہونے کی بناء پر چار ساتھیوں کو پروف ریڈنگ اور املاء کا کام بطور مقالہ دیا گیا، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱- مولوی حق نواز صاحب، ۲- مولوی محمد ہاشم صاحب، ۳- مولوی عبد الغنی صاحب، ۴- مولوی وزیر زادہ صاحب۔

فتاویٰ محمودیہ کے مسائل کی کثرت اور وقت کی تنگی کا تقاضا تھا کہ اصل اور بنیادی تخریج کرنے والے چودہ ساتھیوں سے مشکل ترین جزئیات یا غیر دستیاب کتابوں کی تخریج رہ جاتی، اس لئے معاون ساتھیوں کا کام دوطرح کا تھا: ایک یہ کہ اصل کے ساتھ پروف کی املا کرتے تھے، اور دوسرا کام یہ تھا کہ جہاں جہاں تخریج رہ گئی تھی اور مشرف اساتذہ اس کی نشاندہی کرتے تھے، وہاں پر مناسب تخریج کرتے تھے۔ یہ تمام حضرات قابلِ صد تحسین ہیں۔ جزاهم الله تعالیٰ خیراً وزادهم علماً وعرفاناً۔

۱۶...... فتاویٰ محمودیہ پر بطورِ اشراف کام کرنے والے حضرات اساتذہ کرام کو افتاء کے باب میں اور بطور تخریج کام کرنے والے ساتھیوں، اسی طرح پروف ریڈنگ واملاء کرنے والے ساتھیوں کو بحمداللہ تعالیٰ علمی اور فقہی میدان میں بہت عظیم فائدہ ہوا، جس کا اندازہ اس بات سے ہورہا ہے کہ وہ تمام حضرات اپنے اپنے مقام پر علمی وفقہی میدان میں ترقی کرتے جارہے ہیں۔

۱۷...... اللہ تعالیٰ برکتوں سے نوازے بھائی محمد یوسف رانا صاحب (انچارج الفاروق کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ) کو کہ انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں ہمارا ساتھ دیا، ہم ان کے اس احسانِ عظیم پر اُن کے ممنون ہیں۔

۱۸...... فتاویٰ محمودیہ کی اول سے لے کر آخر تک پیسٹنگ کا کام جناب محمد اصغر طورؔ صاحب نے بخوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

۱۹...... فتاویٰ محمودیہ پر ٹائپنگ کا ابتدائی کام مولانا لطیف اللہ زکریا صاحب نے کیا اور اس کے بعد آخر تک کمپوزنگ، سیٹنگ اور ڈیزائننگ کا کام بڑی عمدگی کے ساتھ جناب عرفان انور مغل صاحب نے کیا، جو کہ قابلِ داد ہے۔ جزاه الله تعالیٰ خیر الجزاء۔

فضلِ مولیٰ ابن القاضی المرحوم

رفیق شعبۂ افتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

☆......☆......☆

JAMIA FAROOQIA KARACHI

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	كتاب الإيمان والعقائد	
	مايتعلق بالإيمان	
	(ایمان کا بیان)	
۱	ایمان باللہ مقدم ہے یا نماز؟	۲۸
۲	جنت میں جانے کا وعدہ کس کے لئے ہے؟	۲۹
	مايتعلق بالتقدير	
	(تقدیر کا بیان)	
۳	کافر امیر او رغریب دونوں جہنم میں کیوں؟	۳۱
	مايتعلق بالسعادة والنحوسة	
	(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)	
۴	کیا سفید پیر والی بھینس منحوس ہے؟	۳۳

باب العقائد

ما يتعلق بالله تعالىٰ و صفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

۵	کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے؟	۳۴
۶	دلوں پر اللہ تعالیٰ کا اختیار	۳۵
۷	اللہ کے لئے واحد کا لفظ استعمال کیا جائے یا جمع کا؟	۳۶

مايتعلق بالإشراك بالله تعالىٰ و صفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

۸	غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے اور خدا کے سامنے نہ جھکانے والے کا حکم	۳۸
۹	کیا وفات کے بعد بزرگ اپنے مزار پر چادر چڑھانے کا حکم دیتے ہیں؟	۳۸
۱۰	مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر لگانا	۴۰
۱۱	غیر اللہ کے نام نذر ونیاز وفاتحہ کا حکم	۴۰

مايتعلق بالاستمداد بغير الله تعالىٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

۱۲	یا حضور، یا غوث وغیرہ کہنے کا حکم	۴۳
۱۳	کیا اولیائے کرام دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں؟	۴۳

مايتعلق بالأنبياء عليهم السلام وأتباعهم

(انبیائے کرام اور ان کے متبعین)

۱۴	قرآن میں مذکور پیغمبروں کی تعداد	۴۵
۱۵	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کا ہے؟	۴۶

۱۶	کیا حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوگا؟	۴۸
۱۷	حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں یا زوجہ؟	۴۹
۱۸	نبوت آدم علیہ السلام وخلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۴
۱۹	تورات پھینکنے سے آیت کے اڑنے کا عقیدہ رکھنا	۵۵
۲۰	حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا امت محمدیہ میں ہونے کی دعا وخواہش کرنا	۵۶
۲۱	حضرت عیسیٰ نبی ہوں گے یا امتی اور ان پر وحی آئے گی یا نہیں؟	۵۶
۲۲	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ میں شامل ہوں گے؟	۶۳
۲۳	نبوت اور حیاتِ خضر علیہ السلام	۶۶
۲۴	حضرت عائشہ وفاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تفاضل کا حکم	۶۷
۲۵	کیا امام مہدی پہلے سے موجود ہیں؟	۶۸
۲۶	حضرت میکائیل علیہ السلام کے شانہ کی مسافت	۶۹

مایتعلق بعلم الغیب

(علم غیب کا بیان)

۲۷	ہاتھ دیکھ کر قسمت بتانا	۷۱
۲۸	تعمیر مکان سے پہلے نجومی کو زمین دکھلانا	۷۱

مایتعلق بالحاضر والناظر والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

۲۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جاننا	۷۳
۳۰	کیا ’’یا‘‘ کے معنی حاضر وناظر کے ہیں؟	۷۵
۳۱	تشہد میں بوقت سلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھنا	۷۶

مایتعلق بحیاۃ الأنبیاء وسماع الموتیٰ

(حیات انبیاء اور سماع موتیٰ کا بیان)

۳۲	مسئلہ حیات النبی	۸۱

۳۳	انبیاء کی خدمت میں ازواج مطہرات کا پیش کیا جانا	۸۴
۳۴	میت کا قبر میں نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا	۸۵

مایتعلق بالتوسل في الدعاء

(دعا میں توسل کا بیان)

۳۵	دعا میں توسل	۸۷
۳۶	قبولیت دعا کے لئے ضعفاء کا وسیلہ	۸۸

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

۳۷	مرنے کے بعد عذاب وثواب کا محل اور روح کا جسم سے تعلق	۸۹
۳۸	عذابِ قبر روح کو ہوتا ہے یا جسم کو؟	۹۳

مایتعلق بالجزاء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

۳۹	قیامت کا ایک دن دنیا کے اعتبار سے کتنے دنوں کا ہے؟	۹۶
۴۰	میدان حشر میں باپ کے نام سے پکارا جائے گا یا ماں کے نام سے؟	۹۷
۴۱	کیا گنہگار جہنمیوں کی خلاصی ایک ہی وقت میں ہوگی؟	۹۸

باب الفِرَق

مایتعلق بالروافض

(شیعوں کے عقائد کا بیان)

۴۲	خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو منافق کہنے والے روافض کا حکم	۱۰۰
۴۳	کیا تعزیہ شعائرِ اسلام میں سے ہے؟	۱۰۱

۴۴	شیعہ کے سنی ہونے کا طریقہ........................	۱۰۴
۴۵	تعزیہ کے سامنے تلوار چلانا و کھیلنا........................	۱۰۵
	(حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات)	
۴۶	کربلا کی لڑائی کو دنیوی معاملہ قرار دینا........................	۱۰۹
	مایتعلق بالقادیانیة	
	(قادیانی فرقے کا بیان)	
۴۷	قادیانی کا دعوائے نبوت........................	۱۱۱
	مایتعلق بالبریلویة	
	(بریلوی فرقے کا بیان)	
۴۸	رضا خانی مذہب........................	۱۱۳
۴۹	بریلی اور دیوبند کے علماء میں امتیاز کی صورت........................	۱۱۳
۵۰	کیا اہل بدعت کو مناظرہ کا چیلنج دینا چاہیے........................	۱۱۴
	متفرقات الفرق	
۵۱	بہتر فرقے........................	۱۱۶
	باب الکفریات	
	(کفریات کا بیان)	
۵۲	کافر، مجاہر و غیر مجاہر کی تعریف........................	۱۱۷
۵۳	قرآن کریم کو جلا دینا........................	۱۱۷
	مایتعلق بألفاظ الکفر	
	(الفاظِ کفر کا بیان)	
۵۴	شریعت کے منکر کا حکم........................	۱۱۹

۵۵	غصہ میں کلمۂ کفر کہنا	۱۲۰
۵۶	شرع محمدی کو نہ ماننے والے کا حکم	۱۲۱
۵۷	''اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھی ایک بات کہیں گے تو نہیں مانوں گا'' کا حکم	۱۲۲
۵۸	"نحن عباد محمد(صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)" کا مطلب	۱۲۳
۵۹	داڑھی کو زیرِ ناف کے بالوں سے تشبیہ دینا	۱۲۴
۶۰	غیر عالم باپ کا عالم بیٹوں کو گالیاں دینا	۱۲۵
۶۱	خلافِ شرع کلمات سے رجوع کرنا	۱۲۸
۶۲	پیر کو مولا اور ہادی کہنا	۱۲۹
۶۳	''ہم بے شرع ہی رہیں گے'' اور ''ہم فتویٰ کو نہیں مانتے'' کہنے والے کا حکم	۱۲۹

مایتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

۶۴	علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگانے والے کا حکم	۱۳۱
۶۵	ازواج مطہرات کو انبیائے کرام کی قبروں میں پیش کرنے اور ان سے شب باشی کرنے کا عقیدہ رکھنا	۱۳۲
۶۶	کیا عبد الوہاب نجدی پر فتویٰ کفر ہے؟	۱۳۴

مایتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ وشعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

۶۷	نبوت اور وحی کا مذاق بنانا	۱۳۶
۶۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''ملا'' کا استعمال	۱۳۷
۶۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک حضرت پیران پیر کے کندھے پر	۱۳۸
۷۰	قرآن پاک قصداً زمین پر پھینکنے کا حکم	۱۳۹
۷۱	نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے شخص کا حکم	۱۴۰

۷۲	''مجھے تو نماز پڑھنی ہی نہیں'' کہنے والے کا حکم	۱۴۱
۷۳	کسی مسئلہ پر اہل علم کی توہین کرنا	۱۴۲
۷۴	ڈرامہ کے ذریعہ علماء کی توہین کرنے والوں کا حکم	۱۴۳
۷۵	دینی مسائل کا مذاق اڑانا	۱۴۷
۷۶	مسئلہ پر عمل کرنے والے کو ذلیل وحقیر سمجھنا	۱۴۸

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

۷۷	تقلید کا مطلب	۱۴۹
۷۸	ثبوتِ تقلید	۱۵۱
۷۹	ایضاً	۱۵۱
۸۰	غیر مقلد کی امامت	۱۵۱
۸۱	ائمہ اربعہ کی سنِ ولادت ووفات اوران کے مذاہب کی ترویج	۱۵۱
۸۲	ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا	۱۵۱
۸۳	ائمہ اربعہ کو گالی دینے والے کی امامت	۱۵۱
۸۴	ائمہ اربعہ کو حق تسلیم کرنا کہاں سے ثابت ہے؟	۱۵۷
۸۵	ائمہ اربعہ کے مذاہب کی وجہ	۱۵۸
۸۶	جو شخص فقہ کو نہ مانے، اس کا حکم	۱۶۱

باب البدعات والرسوم

(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)

۸۷	قرآن کی سالگرہ کے موقع پر ختم کا اہتمام کرنا	۱۶۳
۸۸	فجر کی نماز کے بعد سورہ یٰسین شریف کا اہتمام	۱۶۴

۸۹	تیجہ وچہلم کا کھانا	۱۶۵
۹۰	کیا نیاز وفاتحہ کا کھانا مردہ کو پہونچتا ہے؟	۱۶۶
۹۱	درگاہ میں آئے ہوئے ایصالِ ثواب کے پیسے کا مصرف	۱۶۷
	(مروجہ صلوۃ وسلام کا بیان)	
۹۲	سلام پڑھنے کا طریقہ	۱۶۹
۹۳	درود شریف کے لئے مجلس منعقد کرنا	۱۶۹
۹۴	نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام پڑھنا	۱۷۱
۹۵	نماز کے بعد اجتماعاً صلوۃ وسلام پڑھنا	۱۷۱
۹۶	روضۂ اقدس کے پاس عشاء کے بعد درود وسلام پڑھنا	۱۷۳
۹۷	ریڈیو پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا	۱۷۴
	(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)	
۹۸	نماز کے بعد مصافحہ	۱۷۶
۹۹	عید کے بعد مصافحہ	۱۷۶
	(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)	
۱۰۰	نام مبارک پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانا	۱۷۸
	(میلاد وسیرت کی محافل اور عرس کا بیان)	
۱۰۱	مروجہ میلاد کا حکم	۱۷۹
۱۰۲	میلاد مروجہ اور ختنہ کی دعوت	۱۸۱
۱۰۳	دعوت ومیلاد	۱۸۲
۱۰۴	میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چراغاں کرنا	۱۸۳
۱۰۵	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سبیل ونذر اور شہادت کی محافل منعقد کرنا	۱۸۴
۱۰۶	۱۲/ ربیع الاول پر عید الاضحیٰ کو ترجیح دینا	۱۸۷

(مخصوص ایام کی مروجہ بدعات کا بیان)

۱۰۷	شب ولادت میں رات بھر جاگ کر عبادت کرنا	۱۸۹
۱۰۸	شب برات وشب معراج میں لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرنا	۱۹۰
۱۰۹	شب برأت کو جمع ہوکر عبادت کرنا	۱۹۲
۱۱۰	شبِ برأت کے اعمال، حلوا وغیرہ	۱۹۳
۱۱۱	شبِ معراج کی رسوم	۱۹۵
۱۱۲	۲۷ رجب اور ۱۲ ربیع الاول کو تقریر اور جلسہ	۱۹۶
۱۱۳	کون سی راتیں افضل ہیں؟	۱۹۷
۱۱۴	عید کارڈ	۱۹۸

کتاب العلم

مایتعلق بطلب العلم

(طلبِ علم کا بیان)

۱۱۵	قرآن پاک کی تعلیم کا ثواب	۱۹۹
۱۱۶	کیمیا	۱۹۹
۱۱۷	اپنی بیوی سے تعلیم حاصل کرنا	۲۰۰

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

۱۱۸	سنن ہدیٰ اور سنن زوائد	۲۰۱
۱۱۹	مکروہ تحریمی اور حرام میں فرق	۲۰۱
۱۲۰	تأویل	۲۰۲
۱۲۱	لفظ درست نہیں سے کیا مراد ہے؟	۲۰۳
۱۲۲	معذور و مجبور میں فرق	۲۰۴

۱۲۳	اباحت اور تملیک	۲۰۴
۱۲۴	دور اور تسلسل	۲۰۴
۱۲۵	فصاحت و بلاغت	۲۰۵
۱۲۶	ناری اور نوری میں فرق	۲۰۶
۱۲۷	"استعینوا علی أمورکم بالکتمان" کا مطلب	۲۰۶
۱۲۸	"ہفت مسئلہ" میں حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قیام کی تاویل	۲۰۷
۱۲۹	"حفظ الایمان"، "تذکرۃ الرشید"، "براہین قاطعہ"، "بہشتی زیور" وغیرہ پر اشکالات کا جواب۔	۲۰۸
۱۳۰	ایضاً	۲۱۸
۱۳۱	اُمّی کی تشریح	۲۲۴
۱۳۲	امت اُمیہ کا مصداق	۲۲۵
۱۳۳	کیا عرب سب "اُمّی" تھے؟	۲۲۵
۱۳۴	کم پڑھے لکھے کو مولانا کہنا	۲۲۶
۱۳۵	"مرحبا" کا مطلب	۲۲۷

(فتویٰ کا بیان)

۱۳۶	فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے؟	۲۲۸
۱۳۷	غیر عالم سے مسائل پوچھنا	۲۲۸
۱۳۸	بغیر دلیل کے کسی چیز پر حکم لگانا	۲۲۹
۱۳۹	عالم کا غلط رائے پر اَڑ جانا	۲۲۹
۱۴۰	بغیر علم کے فتویٰ دینا	۲۳۰
۱۴۱	تارکِ جماعت عالم کا فتویٰ دینا	۲۳۰
۱۴۲	فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم سے مسئلہ بتانا	۲۳۲
۱۴۳	مفتی کا فتویٰ اگر واقع کے خلاف ہو تو کیا حکم ہے؟	۲۳۲
۱۴۴	حنفی المسلک مفتی کا شافعی فقہ پر فتویٰ دینا	۲۳۴

۱۴۵	فرضی مسئلہ دریافت کرنا........................	۲۳۵
۱۴۶	دارالعلوم دیوبند میں مفتی کی ضرورت	۲۳۵

باب مایتعلق بالقرآن الکریم

(تفسیر کا بیان)

۱۴۷	قرآن کریم میں صیغہ جمع وصیغہ مفرد کی تفصیل	۲۳۶
۱۴۸	"ادعونی استجب لکم" کا مطلب........................	۲۳۸
۱۴۹	"فتلقی آدم من ربه" کلمات کی تشریح	۲۳۸
۱۵۰	﴿ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه أحمد﴾ کا مطلب........................	۲۴۰

(تجویداور ترتیب قرآنی کا بیان)

۱۵۱	بغیر تجوید کے قرآن کریم پڑھنا........................	۲۴۵
۱۵۲	لفظ "اللہ" میں مد کی مقدار	۲۴۶
۱۵۳	آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب	۲۴۷
۱۵۴	آیات کے رموز وعلامات کا حکم	۲۴۸
۱۵۵	قرآن کریم کے اوقاف اور اس کی علامات کیا بدعت ہیں؟	۲۴۹
۱۵۶	قرآن کریم اردو میں لکھنا........................	۲۵۳
۱۵۷	قرآن شریف غیر عربی میں لکھنا........................	۲۵۵

(آداب قرآن کا بیان)

۱۵۸	جنبی کے لئے مسِ قرآن کریم	۲۵۷
۱۵۹	قرآن شریف جیب میں رکھنا	۲۵۸
۱۶۰	قرآن کریم کو چومنا	۲۵۸
۱۶۱	قرآن زانو پر رکھ کر پڑھنا	۲۵۹

۱۶۲ بڑی مسجد میں قرآن شریف کی طرف پشت کرنا ۲۶۰
۱۶۳ اس کمرہ کی چھت پر چلنا، جس میں قرآن مجید موجود ہو ۲۶۰
۱۶۴ جن اخبارات میں قرآن کی آیات ہوں، ان کا حکم ۲۶۰
۱۶۵ قاعدہ بغدادی کی حفاظت اس کو جلا کر ۲۶۱
۱۶۶ قرآن کے پارہ کو بغل میں دبا کر چلنا ۲۶۲

(آداب تلاوت کا بیان)

۱۶۷ ایک مجلس میں پورا قرآن مجید ختم کرنا ۲۶۴
۱۶۸ "قل أعوذ برب الناس ناس ناس" پڑھنا ۲۶۷
۱۶۹ بعض آیتوں کے ساتھ فرشتوں کے نام لکھنا ۲۶۷
۱۷۰ قرأت قرآن کا تقابل ۲۶۸
۱۷۱ ریڈیو کی تلاوت کا سننا ۲۶۹

المتفرقات

۱۷۲ مسئلہ خلق قرآن ۲۷۱
۱۷۳ ۷۸۶ لکھنے کی وجہ ۲۷۱
۱۷۴ کیا سورۂ لہب کا پڑھنا مکروہ ہے؟ ۲۷۲
۱۷۵ آیت قطب اور اس کے پڑھنے کا طریقہ ۲۷۲
۱۷۶ قرآن پاک کا معنی سمجھے بغیر تلاوت کرنا ۲۷۲
۱۷۷ قرآن کریم بواسطہ جبرئیل آیا اور توراۃ بلا واسطہ ۲۷۳

باب مایتعلق بالحدیث النبوي

(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)

۱۷۸ طبقات حدیث ۲۷۶

۱۷۹	"إنما أنا قاسم والله يعطي" کی تحقیق	۲۷۷
۱۸۰	بنیانِ کعبہ کے وقت ازار مبارک اتار دینا	۲۷۸
۱۸۱	سات لاکھ والی حدیث کا ثبوت	۲۸۰
۱۸۲	ایک حدیث کا مطلب	۲۸۱
۱۸۳	"الإسلام بدأ غريباً"	۲۸۲
۱۸۴	حضرت شمس تبریز کی پیدائش سے متعلق ایک بے سند واقعہ	۲۸۳
۱۸۵	معراج نامہ کی ایک موضوع روایت	۲۸۳

باب الكتب المعتمدة وغيرها

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

۱۸۶	بخاری ومسلم کی شروح کا حال	۲۸۵
۱۸۷	کتاب ''صلوۃ وسلام کا ثبوت'' کا تجزیہ	۲۸۶
۱۸۸	تفہیم القرآن کا حال	۲۸۹
۱۸۹	ایک کتاب کے متعلق لاعلمی	۲۸۹
۱۹۰	کتاب ''جلوۂ طور'' کا پڑھنا	۲۹۰
۱۹۱	شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النبی'' کا مطالعہ	۲۹۰
۱۹۲	فتاویٰ رشیدیہ کی تحقیق	۲۹۱
۱۹۳	فقہ کی معتبر کتابیں	۲۹۱
۱۹۴	رسالہ آستانہ پڑھنا	۲۹۲

باب في تذكرة الرجال

(رجال کا بیان)

۱۹۵	محمد عبدالوہاب نجدی	۲۹۳

۱۹۶	سید قطب اور اخوان المسلمین	۲۹۵
۱۹۷	شاہ ابن مسعود و شاہ فیصل کے عقائد	۲۹۵

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

۱۹۸	چاند پر پہنچنے والوں کی تکذیب کی جائے یا تصدیق؟	۲۹۷
۱۹۹	دمدار ستارہ	۲۹۸
۲۰۰	چاند کی خبریں	۲۹۹

باب التبلیغ

(تبلیغ کا بیان)

۲۰۱	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۳۰۰
۲۰۲	تبلیغی جماعت کی حقیقت	۳۰۰
۲۰۳	تبلیغی جماعت کا کام اور فائدہ	۳۰۱
۲۰۴	تبلیغی جماعت کے امیر کے لئے ضروری شرائط	۳۰۳
۲۰۵	کیا تبلیغی جماعت فتنہ ہے؟	۳۰۵
۲۰۶	طلباء کا تبلیغی جماعت میں جانا	۳۰۶
۲۰۷	موجودہ وقت میں مسلمانوں کی اصلاح کا طریق کار	۳۰۷
۲۰۸	کیا دیوبند کے علماء تبلیغی جماعت کو غلط سمجھتے ہیں؟	۳۰۷
۲۰۹	کیا تبلیغی جماعت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے؟	۳۰۸
۲۱۰	امامِ مسجد اگر تبلیغی تقریر کو منع کرے تو کیا حکم ہے؟	۳۰۹
۲۱۱	کیا تبلیغ وتعلیم ہفتہ میں صرف ایک روز ہونی چاہیے؟	۳۰۹
۲۱۲	کیا تبلیغ میں جانا محبتِ شیخ کے قائم مقام ہے؟	۳۱۰

۲۱۳	حج کو جائے یا تبلیغی اجتماع میں؟	۳۱۱
۲۱۴	والدین کی اجازت کے بغیر تبلیغی جماعت میں جانے کا حکم	۳۱۱
۲۱۵	سنن ونوافل کے وقت تبلیغی پروگرام	۳۱۲
۲۱۶	مسجد میں اوابین پڑھیں یا تبلیغی وعظ سنیں؟	۳۱۳
۲۱۷	تبلیغی اجتماع میں کچھ چیزیں لوگ بھول گئے، ان کا حکم	۳۱۴
۲۱۸	اجتماعی جمع کی گئی رقم سے بچے ہوئے پیسوں کا مصرف	۳۱۵
۲۱۹	جماعت والوں کا مساجد میں قیام وطعام وغیرہ کرنے کا حکم	۳۱۶
۲۲۰	عورتوں کی تبلیغ	۳۱۹
۲۲۱	عورتوں کے لئے تبلیغی سفر	۳۲۲
۲۲۲	عورت کا مخلوط مجمع میں وعظ کہنے کا حکم	۳۲۳
۲۲۳	عورتوں کا تبلیغی جماعت بنا کر نکلنا	۳۲۴
۲۲۴	مستورات کا اجتماع	۳۲۶
۲۲۵	کیا مرکزِ تبلیغ آمدنی کا ذریعہ ہے؟	۳۲۷
۲۲۶	ایک واقعہ کی تحقیق	۳۲۷
۲۲۷	بریلوی مکتب فکر کی طرف سے اکابر علماء دیوبند اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات	☆ ۳۲۸
۲۲۸	مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کے متعلق	۳۳۲
۲۲۹	رشید احمد گنگوہی	۳۳۳
۲۳۰	خلیل احمد انبیٹھوی	۳۳۴
۲۳۱	اشرف علی تھانوی	۳۳۴
۲۳۲	تبلیغی جماعت کے بارے میں	۳۳۵
۲۳۳	شیخ الہند محمود الحسن کے بارے میں	۳۳۵
۲۳۴	حضرت نانوتوی کے بارے میں	۳۳۶

۲۳۵	مولانا حسین احمد کے بارے میں	۳۳۶
۲۳۶	حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کے متعلق اعتراضات کے جوابات...	۳۴۷
۲۳۷	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق	۳۵۴
۲۳۸	حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھانوی سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۴
۲۳۹	تبلیغی جماعت کے بارے میں	۳۵۵
۲۴۰	حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۶
۲۴۱	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۶
۲۴۲	حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ تعالیٰ مدنی پر اعتراضات کے جوابات	۳۵۸
۲۴۳	جو شخص خود عمل نہ کرے وہ دوسروں کو کہہ سکتا ہے یا نہیں؟	۳۵۹
۲۴۴	فسادِ معاشرہ کے وقت علماء کی ذمہ داری	۳۶۰
۲۴۵	فتنہ کے وقت تنہائی	۳۶۲

مایتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

۲۴۶	غیر عالم کی تقریر سننا	۳۶۴
۲۴۷	علماء سوء اور ان کا علاج	۳۶۵
۲۴۸	نماز کے بعد متصلاً مسائل بیان کرنا	۳۶۶

کتاب السلوک والإحسان

۲۴۹	اولیاء وصالحین کیا پہلے بھی پیدا ہوئے تھے؟	۳۶۷
۲۵۰	تحقیق مجدد	۳۶۷
۲۵۱	اقطاب وابدال کا مسکن معلوم کرنے کا حساب	۳۷۰
۲۵۲	کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟	۳۷۱

۲۵۳ روحانیت کا حاصل ۳۷۱

مایتعلق بصفات الشیخ وأهمیة التزکیة

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

۲۵۴ اپنا علاج کیسے شخص سے کرایا جائے ۳۷۳
۲۵۵ مثنوی شریف کے مطالعہ کا فائدہ اور طبیب روحانی کی پہچان ۳۷۳

مایتعلق بالبیعة

(بیعت کا بیان)

۲۵۶ بیعت کا حکم ۳۷۵
۲۵۷ دو پیر سے بیعت ہونا ۳۷۵
۲۵۸ کیا پیر اور مرید کے لئے ایک امام کا مقلد ہونا ضروری ہے؟ ۳۷۶
۲۵۹ تمباکو کے تاجر کو اجازتِ بیعت ۳۷۶
۲۶۰ بغیر اجازتِ شیخ بیعت کرنا ۳۷۷
۲۶۱ پیر بدلنا ۳۷۹
۲۶۲ بے دین پیر سے بیعت کرنا ۳۷۹

مایتعلق بمجالس الصوفیة وأذکارهم

(صوفیاء کی مجالس اور ان کے وظائف کا بیان)

۲۶۳ ختم خواجگان کی تاثیر ۳۸۱
۲۶۴ پیر کے بتلائے ہوئے وظیفہ کی شرعی حیثیت ۳۸۳
۲۶۵ دل سے دعا پڑھنا ۳۸۳
۲۶۶ حلقۂ ذکر مخصوص ایام میں اور اس میں عورتوں کی شرکت ۳۸۳
۲۶۷ قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ۳۸۵

کتاب السیر والتاریخ

باب في شمائل النبي صلی اللہ علیہ وسلم

(شمائل نبوی کا بیان)

۲۶۸ قدم شریف وغیرہ تبرکات کا حکم ۳۸۶

۲۶۹ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کے لئے بددعا فرمائی ہے؟ ۳۸۷

۲۷۰ لباس مسنون اور سر کے بالوں کا حال ۳۸۹

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاء، تاریخ کی روشنی میں)

۲۷۱ ایک حکایت سے لاعلمی ۳۹۳

۲۷۲ حوا اور قابیل کے تعلق کا افسانہ ۳۹۳

(عہد صحابہ تاریخ کی روشنی میں)

۲۷۳ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نواسی سے ۳۹۵

۲۷۴ کیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضائی بھائی تھے؟ ۳۹۶

۲۷۵ مہاجرین کی شادی کا طریقہ انصار کی بیویوں کے ساتھ ۳۹۷

(تاریخِ ہند)

۲۷۶ خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت عبدالقادر جیلانی کا زمانہ ۳۹۹

۲۷۷ گاڑا کون ہیں؟ ۳۹۹

۲۷۸ گاندھی اور نہرو کی موت پر کس نے تلاوت کی؟ ۴۰۰

كتاب السياسة والهجرة

(سیاست وہجرت کا بیان)

۲۷۹ علماء کی سیاست میں شرکت ۴۰۱
۲۸۰ ''میں پہلے ہندوستانی ہوں بعد میں مسلمان''، کہنے کا حکم ۴۰۲
۲۸۱ ہندوستان سے ہجرت ۴۰۳
۲۸۲ قوم کے لوگوں کی مخالفت کے باوجود ان کی سرپنچی کرنا ۴۰۵
۲۸۳ حفاظت کی غرض سے مکان یا بستی چھوڑنا ۴۰۶
۲۸۴ گناہ والی جگہ میں قیام کرنا ۴۰۷

(امامت اور خلافت کا بیان)

۲۸۵ حرمین شریفین پر کافر کی حکومت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ۴۰۸

(انتخابات کی شرعی حیثیت)

۲۸۶ الیکشن میں حصہ لینا غیر مسلم عدالتوں سے فیصلہ کرانا ۴۱۰

كتاب تعبير الرؤيا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

۲۸۷ خواب پر حکم ۴۱۲
۲۸۸ خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھنا ۴۱۳
۲۸۹ خواب میں اللہ تعالیٰ کی سواری دیکھنے کا حکم ۴۱۴
۲۹۰ خواب میں جسد پاک میں کیڑے دیکھنا ۴۱۵
۲۹۱ خواب میں روٹی پر قرآن لکھا ہوا دیکھنا ۴۱۵
۲۹۲ خواب میں حدیث پڑھنا پڑھانا ۴۱۶
۲۹۳ خواب میں حج کرنا ۴۱۶

۲۹۴ دشمن کے ہاتھوں گرفتار بیٹے کوخواب میں حج کر کے آیا ہواپایا ۴۱۷
۲۹۵ خواب میں وضوکرتے ہوئے مینار دیکھنا ۴۱۸
۲۹۶ خواب میں خودکو برہنہ دیکھنا ۴۱۸
۲۹۷ خواب میں استادکو برہنہ دیکھنا ۴۱۸
۲۹۸ خواب میں کیکر کی ڈالی میں چمبیلی کے پھول دیکھنا ۴۱۹
۲۹۹ خواب میں کوڑھ والے آدمی کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھنا ۴۱۹
۳۰۰ خواب میں حیض والی گدی سے استنجاء خشک کرتے ہوئے دیکھنا ۴۲۰

کتاب الطهارة

باب في نواقض الوضوء

(نواقضِ وضوکا بیان)

۳۰۱ کیا آنکھ کے زخم کا پانی ناقضِ وضو ہے؟ ۴۲۱
۳۰۲ کیا صرف لیٹنا ناقضِ وضو ہے؟ ۴۲۲
۳۰۳ پلوتھا مارے ہوئے نیند کا حکم ۴۲۲

باب الغسل

(غسل کا بیان)

۳۰۴ نطفۂ ناپاک سے پیدا ہونے والا کیسے پاک ہوسکتا ہے؟ ۴۲۴

الفصل الأول في فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

۳۰۵ غسل میں کلی کا بھول جانا ۴۲۵

الفصل الثاني في موجبات الغسل

(موجباتِ غسل کا بیان)

۳۰۶ کیا شراب موجبِ غسل ہے؟ ۴۲۶

۳۰۷ ایضاً ۴۲۷

باب التيمم

(تیمّم کے احکام کا بیان)

۳۰۸ تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کا حکم ۴۲۸

أحكام المعذورين

(معذور کے احکام کا بیان)

۳۰۹ معذور کی تعریف اور حکم ۴۲۹

۳۱۰ تقاطرِ مذی کا حکم ۴۳۱

۳۱۱ طہارت ونماز میں وہم ۴۳۲

باب في الأنجاس وتطهيرها

(نجاست اور اس سے پاکی کا بیان)

۳۱۲ کتے کی قے اور پائخانہ سے مسجد کو پاک کرنا ۴۳۴

۳۱۳ ناپاک گھی اور مٹی کے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ ۴۳۵

باب الاستنجاء

(استنجاء کا بیان)

۳۱۴ استنجاء وغسل کے وقت استقبالِ قبلہ ۴۳۷

۳۱۵ ایسے زیور کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا، جس پر اللہ لکھا ہو ۴۳۸

کتاب الصلاۃ

۳۱۶ کیا بغیر نماز پڑھے بخشش ہو جائے گی؟ ۴۴۰

۳۱۷ تعزیہ داری چھوڑنے کے لئے نماز چھوڑنے کی شرط ۴۴۱

۳۱۸ تارکِ نماز کا کیا حکم ہے؟ ۴۴۱

باب المواقیت

الفصل الأول في أوقات الصلاة

(اوقاتِ نماز کا بیان)

۳۱۹ فجر کی نماز کا وقتِ مستحب ۴۴۴

۳۲۰ وقتِ فجر میں تین طرح کا عمل ۴۴۶

۳۲۱ نمازِ فجر دن کی نماز ہے یا رات کی؟ ۴۴۹

۳۲۲ ظہر اور عصر کا وقت ۴۵۱

۳۲۳ مثل اول پر نمازِ عصر پڑھنا ۴۵۳

۳۲۴ کلاس میں حاضری کی مجبوری سے عصر ایک مثل پر پڑھنا ۴۵۴

۳۲۵ مغرب وعشاء کی نمازوں میں فاصلہ ۴۵۵

۳۲۶ صلوۃ الحاجۃ وغیرہ بعدِ مغرب پڑھنے کا حکم ۴۵۷

۳۲۷ انگلینڈ میں وقت عشاء ۴۵۸

۳۲۸ پنجگانہ نماز کے مستحب اوقات ۴۵۹

۳۲۹ تہجد کا وقت ۴۶۰

۳۳۰ تہجد کا وقت کب تک ہے؟ ۴۶۱

۳۳۱ وقتِ اشراق ۴۶۲

۳۳۲	جنتری سے اوقات مقرر کرنا	۴۶۳
۳۳۳	جنتریوں میں فرق ہو تو نماز کے لئے کس کا اعتبار کیا جائے؟	۴۶۵
۳۳۴	فجر کی سنتوں کا وقتِ اَدا و قضا	۴۶۶

الفصل الثاني في الأوقات المكروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

۳۳۵	نمازِ فجر ختم ہونے سے پہلے سورج کا طلوع ہونا	۴۷۱
۳۳۶	نمازِ فجر میں طلوع تک تاخیر کرنا	۴۷۱
۳۳۷	فجر کی سنت کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا	۴۷۲
۳۳۸	فجر کے وقت سنتِ فجر کے علاوہ نفل پڑھنا	۴۷۳
۳۳۹	عصر کے بعد باتیں کرنا	۴۷۴

باب الأذان

الفصل الأول في إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

۳۴۰	اذان کا جواب اور اذان و نماز میں فصل	۴۷۶

الفصل الثاني في الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعا کا بیان)

۳۴۱	اذان کے بعد وسیلہ کی دعا	۴۷۸

الفصل الثالث فيما يكره في الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

۳۴۲	بحالتِ نشہ اذان و نماز کا حکم	۴۸۰

۳۴۳	پیشہ ور پھرائی کو مؤذن بنانا	۴۸۲

الفصل الرابع في إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

۳۴۴	غروب سے پہلے اذان کا حکم	۴۸۴

الفصل الخامس في الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

۳۴۵	قضا نماز کے لئے اذان واقامت	۴۸۶

الفصل السادس في الأذان في اذان المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

۳۴۶	بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ	۴۸۷

باب الإقامة والتثويب

الفصل الأول في الإقامة

(اقامت کا بیان)

۳۴۷	منفرد کے لئے اقامت کا حکم	۴۸۸
۳۴۸	کیا ہر نماز میں مؤذن سے تکبیر کی اجازت لی جائے؟	۴۸۸

الفصل الثاني في التثويب

(تثویب کا بیان)

۳۴۹	نمازِ فجر کے لئے قرآن کریم کی تلاوت یا نظم وغیرہ سے جگانے کا حکم	۴۹۰

باب صفة الصلاة

الفصل الأول في شروط الصلاة

(شروطِ صلاۃ کا بیان)

۳۵۰ کیا نیت کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے؟ ۴۹۲

۳۵۱ عربی میں نیت نماز ۴۹۳

۳۵۲ سنت میں نیت کا طریقہ ۴۹۴

۳۵۳ نفل نماز میں حتمی نیت کرنا ۴۹۵

۳۵۴ لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا ۴۹۵

۳۵۵ جس کپڑے میں بدن نظر آئے اس میں نماز پڑھنے کا حکم ۴۹۶

۳۵۶ مستورات کے لئے ٹخنہ ستر ہے یا نہیں؟ ۴۹۷

۳۵۷ قبلہ سے معمولی انحراف کی صورت میں نماز کا حکم ۴۹۸

۳۵۸ کیا مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں؟ ۴۹۹

۳۵۹ قبلہ کا مشتبہ ہونا ۵۰۰

الفصل الثاني في أركان الصلاة

(ارکانِ نماز کا بیان)

۳۶۰ فرض ونفل نماز میں قیام کا حکم ۵۰۱

۳۶۱ چارپائی پر نماز ۵۰۲

۳۶۲ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سجدہ کی کیفیت ۵۰۳

۳۶۳ نماز کے دوران سجدے میں دعا کرنا ۵۰۳

۳۶۴ مرد وعورت کی نماز میں فرق ۵۰۵

الفصل الثالث في سنن الصلاة

(نماز کی سنتوں کا بیان)

۳٦۵	دوقدموں کے درمیان کتنا فصل ہو؟	۵۰۷
۳٦٦	نماز میں ٹخنوں کو ملانے کا حکم	۵۰۸
۳٦۷	امام تکبیرِ تحریمہ کب کہے؟	۵۰۹
۳٦۸	امام کے پیچھے ثناء پڑھنا	۵۱۰
۳٦۹	سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۵۱۰
۳۷۰	نماز شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۵۱۲
۳۷۱	رفع یدین کتنی جگہ ہے؟ نیز مرد وعورت کی نماز میں فرق	۵۱۳
۳۷۲	قومہ میں تحمید اور تسبیح کا حکم	۵۱۷
۳۷۳	مصلی پر کھڑے ہوکر زمین پر سجدہ کرنے کا حکم	۵۱۸
۳۷۴	تشہد کے بعد کی دعا	۵۱۹

الفصل الرابع في آداب الصلاة

(نماز کے آداب کا بیان)

۳۷۵	جوتے پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۰
۳۷٦	نماز میں کیا خیال رکھنا چاہیے؟	۵۲۱

باب الذکر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول في الذكر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

۳۷۷	نماز کے بعد جہراً ذکر کرنا	۵۲۳

۳۷۸	فرض نماز کے بعد وظیفہ پڑھنا	۵۲۳
۳۷۹	فجر اور عصر کے بعد کتنی دیر ذکر میں مشغول رہنے سے مخصوص ثواب ملتا ہے؟	۵۲۴
۳۸۰	چلتے پھرتے ذکر کرنا	۵۲۶

الفصل الثاني في الدعاء بعد الصلاة

(نماز کے بعد دعا کا بیان)

۳۸۱	نماز کے بعد دعا کا طریقہ	۵۲۷
۳۸۲	نماز کے بعد دعا اور اس پر آمین بالجہر کہنا	۵۲۸
۳۸۳	نماز کے ختم پر "اللهم أنت السلام" کی دعا کہاں تک ہے؟	۵۳۰
۳۸۴	سنتوں سے پہلے مسنون دعاؤں کا پڑھنا	۵۳۱
۳۸۵	مشترک دعا میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے؟	۵۳۲
۳۸۶	سنت ونفل کے بعد کس قدر طویل دعا مسنون ہے؟	۵۳۲
۳۸۷	دعا سراً ہو یا جہراً؟	۵۳۳
۳۸۸	دعائے ثانی	۵۳۴
۳۸۹	دعائے ثانیہ کا حکم	۵۳۶
۳۹۰	نماز کے بعد دعائے ثانیہ وثالثہ وفاتحہ مروجہ	۵۳۹
۳۹۱	صبر کی دعا بہتر ہے یا عافیت کی؟	۵۴۱
۳۹۲	نمازِ فجر وعصر کے بعد مسجد میں تقریر ونعت میلاد کا حکم	۵۴۲
۳۹۳	دعا میں کہنیاں سینہ سے لگ جائیں تو......؟	۵۴۳
۳۹۴	مختلف دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا	۵۴۳

☆..... ☆..... ☆..... ☆..... ☆

کتاب الإیمان والعقائد

مایتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

ایمان باللہ مقدم ہے یا نماز؟

سوال[۹۸۸۶]: مسلمانوں کو سب سے پہلے عقیدہ کی ضرورت ہے یا پہلے نماز کی؟ اور بعد میں عقیدے کی؟ اور مسلمانوں کے لئے عقیدہ میں کن کن باتوں کی ضرورت ہے؟ اگر ہمارا عقیدہ صحیح نہیں ہے اور ہم نماز پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس نماز سے جنت نصیب فرمائے گا تو ایسا ہو سکتا ہے؟ مثال کے طور پر شیعہ، اہلِ حدیث، روافض جنت کے حق دار ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیسے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"لا إلـه إلا الله محمد رسول الله" کی شہادت سب سے مقدم ہے، پھر نماز، روزہ، زکوۃ، حج کا نمبر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں صاف مذکور ہے(۱)، عقائد میں "امنت بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ، والبعث بعد الموت" کو اہمیت حاصل ہے،

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمد رسول الله، وإقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم......: ۱/۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام......: ۱/۳۲، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، ص: ۱۱، قديمي)

یہی مدارِ نجات ہے، اسی کسوٹی پر سب کو پرکھا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنت میں جانے کا وعدہ کس کے لئے ہے؟

سوال [۹۸۸۷]: مدرسہ آستانہ تقریباً آٹھ سو روپیہ کا مقروض تھا، سالانہ جلسہ میں بیان کے بعد واعظ نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو جنت خریدے، یعنی مدرسہ مذکورہ کا قرض ادا کر کے آٹھ سو روپیہ میں جنت خرید لے، لہٰذا ایک سکھ کھڑا ہوا اور پورا قرض ادا کر دیا، اب آپ تحریر فرمائیں کہ واعظ اس وعدہ کو کس طرح پورا کریں گے اور اس طرح روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس روپیہ سے مدرسین کی تنخواہیں چڑھی ہوئی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس روپیہ کو مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنت میں جانے کے لئے ایمان شرط ہے، بغیر ایمان لائے کوئی سکھ وغیرہ آٹھ سو روپیہ دے کر جنت میں نہیں جا سکتا، واعظ کا مقصود بھی یہی تھا کہ مسلمان روپیہ دے دے تو جنت کا مستحق ہوگا، کوشش کی جائے کہ وہ سکھ اسلام قبول کرے، ورنہ اس کو بتلا دیا جائے کہ جنت میں جانے کے لئے ایمان شرط ہے، اس شرط کے ساتھ جنت کا وعدہ ہے، بغیر اس کے نہیں (۲)۔ اگر وہ اس کو منظور نہ کرے تو اس کا روپیہ واپس

---

(۱) "في حديث جبريل –عليه السلام–: قال: فأخبرني عن الإيمان، قال: أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره وشره". الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱/۱۱، قديمي)

"أصل التوحيد ومايصح الاعتقاد عليه يجب، أن يقول: امنت بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله والبعث بعد الموت، والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ.....الخ". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰-۱۳، قديمي)

(وفي الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين امنوا وعملوا الصالحات كانت لهم جنت الفردوس نزلاً﴾ (الكهف: ۱۰۷)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين امنوا وعملوا لصلحت أولئك هم خير البرية جزآؤهم عند ربهم جنت عدن تجرى من تحتها الأنهر خلدين فيها أبداً﴾ (البينة: ۷، ۸)

"وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قال: لا إله إلا الله مخلصاً دخل الجنة". (فيض =

کر دیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= القدیر: ۱۱/۵۹۳۴، رقم الحدیث: ۸۸۹۶، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ)

مایتعلق بالتقدیر

(تقدیر کا بیان)

کافر امیر اور غریب دونوں جہنم میں کیوں؟

سوال[۹۸۸۸]: کافر غریب دنیا میں بہت ہیں اور اکثر نان شبینہ کو محتاج ہیں اور مرنے پر جہنم رسید ہوتے ہیں اور کافر امراء دنیا میں آرام سے رہتے ہیں اور کفر میں بھی اشد ہیں، مرنے پر نار جہنم ان کو بھی ہے، کیا سبب ہے؟

محمد شمس الحق گجرا کول نہاوج اعظم گڑھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قدرت کے رموز ہیں، کون جانے کس کے ساتھ کیا معاملہ کس وجہ سے ہے؟ اس کے در پے نہیں ہونا چاہیے، جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھے تو پڑھنا چاہیے:

"الحمدلله الذي أذهب عني الأذىٰ وعافاني من ما ابتلاك به"(۱).

---

(۱) بعینہ یہ الفاظ تو نہیں ملے البتہ عمومی طور پر احادیث میں مصیبت زدہ شخص کو دیکھنے کے وقت مندرجہ ذیل الفاظ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے:

"الحمدلله الذي عافاني مما ابتلاک به وفضلني علی کثیر ممن خلق تفضیلاً".

"عن عمر رضي الله تعالیٰ عنه، أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من رأی صاحب بلاءٍ فقال: "الحمد لله الذي عا فاني مما ابتلاک به، وفضلني علی کثیر ممن خلق تفضیلاً، إلا عوفي من ذلک البلاء کائناً ماکان ما عاش". (سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، باب مایقول إذا رأی مبتلی: ۲/۱۸۲، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الدعاء، باب مایدعو به الرجل إذا نظر إلی أهل البلاء، ص: ۵۵۷، دارالسلام)

(وکذا في المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الدعاء، باب الرجل یری المبتلی مایدعو به: ۱۵/۳۵۲، ۳۵۳، المجلس العلمي) .... =

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الزوائد، كتاب الأذكار، باب مايقول إذا رأى الكوكب ينقض: ۱۰/ ۲۰۰، دار الفكر)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/ ۵۸۰۰، رقم الحديث: ۸۶۸۶، مكتبه نزار مصطفى الباز مكه)

(وكذا في كتاب الأذكار للنووي، كتاب الأذكار المتفرقة، باب مايقول إذا رأى مبتلى بمرض أو غيره، ص: ۲۰۸، دار ابن حزم)

(وكذا في حصن الحصين، ص: ۲۴۲، گابا سنز)

مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ

(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

کیا سفید پیروالی بھینس منحوس ہے؟

سوال[۹۸۸۹]: اگر کوئی بھینس سیاہ ہوتی ہے اوراس کے پیر سفید ہوں، تو اس کو منحوس جانا جاتا ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بے اصل اور غلط ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، وفرّ من المجذوم كما تفرّ من الأسد". (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقي، باب الفأل والطيرة، ص: ۳۹۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الطب، باب لاعدوى: ۸۵۹/۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب السلام، باب لاعدوى ولا طيرة ولا هامة: ۲۳۰/۲، قديمي)

باب العقائد

ما یتعلق باللہ تعالیٰ وصفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے؟

سوال[۹۸۹۰]: زید کہتا ہے کہ: اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اس کا عقیدہ بھی رکھتا ہے اور قرآن شریف میں جو آیت کے معنی بتائے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جواب میں بکر کہتا ہے کہ: یہ جو عقیدہ عوام میں رائج ہے، معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ حاضر ہے، موجود ہے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ علیم وخبیر ہے۔ زید اور بکر دونوں میں سے کون صحیح عقیدہ پر ہے اور صحیح عقیدہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کوئی جسم ہے جو ہر جگہ موجود ہے، جیسے: مثلاً کوئی آدمی ہو، مکان کے مختلف کمروں میں آئے جائے، ایک کمرے میں ہے، تو دوسرے کمرے میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ایک جسم ہے، پاک ناپاک ہر جگہ موجود ہے، یہ عقیدہ غلط ہے(۱)۔ وہ جسم

---

(۱) "وهو شيء لا كالأشياء، ومعنى الشيء إثباته بلا جسم ولا جوهر ولا عرض". (الفقه الأكبر، ص: ۳۵، ۳۶، قديمي)

"(ولا جسم)؛ لأنه متركب ومتحيز، وذلك إمارة الحدوث". (شرح العقائد النسفية، ص: ۳۸، ۳۹، قديمي)

"قال ابن بطال: تضمنت ترجمة الباب أن الله ليس بجسم؛ لأن الجسم مركب من أشياء مؤلفة، وذلك يرد على الجهمية في زعمهم أنه جسم". (فتح الباري، كتاب التوحيد: ۱۳/۳۴۵، دار المعرفة بيروت)

وجسمانیت سے بالاتر ہے، البتہ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے، کوئی شئی کوئی جگہ اس کے علم وقدرت سے باہر نہیں، شرح فقہ اکبر میں اس کی تصریح موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

دلوں پر اللہ تعالیٰ کا اختیار

سوال[۹۸۹۱]: ہماری یہ بحث ہے کہ کیا انسانوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے یا نہیں؟ مثلاً: انسان جو بھی کام دل سے کرے، وہ اچھے ہوں یا بُرے، کیا دل پر خدا کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا وہ خدا کے حکم سے کرتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ مقلّب القلوب ہے، جس دل میں جو چاہے ڈال دے، اسی وجہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ: اے دلوں کے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ(۲)۔ سب

---

(۱) "فالله تعالىٰ عالم بجميع الموجودات لا يعزب عن علمه مثقال ذرة في العلويات والسفليات، وأنه تعالى يعلم الجهر والسر ومايكون أخفى منه من المغيبات، بل أحاط بكل شيء علما من الجزئيات والكليات والموجودات والمعدومات والممكنات والمستحيلات. فهو بكل شيء عليم من الذوات والصفات بعلم قديم، لم يزل موصوفاً به على وجه الكمال، لا بعلم حادث حاصل في ذاته بالقبول والانفعال والتغير والانتقال، تعالىٰ الله عن ذلك شانه وتعظم عمانهاك برهانه". (شرح الفقه الأكبر، ص: ١٦، قديمي)

"قال الله تعالىٰ: ﴿وأن الله قد أحاط بكل شئ علما﴾ وإنما المراد: إحاطة عظمة وسعة وقدرة". (شرح العقيدة الطحطاوية لابن أبي العز، ص: ٢٨١، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، النساء: ١٢٦: ٥/ ٢٢٩، دارالفكر بيروت)

(٢) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: "كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكثر أن يقول: يا مقلب القلوب! ثبت قلبي على دينك". فقلت: يا نبي الله امنا بك وبما جئت به، فهل تخاف علينا؟ قال: نعم! إن القلوب بين أصبعين من أصابع الله، يقلبها كيف يشاء". (جامع الترمذي، كتاب القدر، باب ماجاء أن القلوب بين أصبعي الرحمن: ٢/ ٣٥، ٣٦، سعيد)

=

امت کو یہ دعا کرنی چاہیے، مگر خدائے پاک نے اچھے کاموں کا حکم دیا ہے اور برے کاموں سے منع کیا ہے(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۸/۱۴۰۰ھ۔

اللہ کے لئے واحد کا لفظ استعمال کیا جائے یا جمع کا؟

سوال[۹۸۹۲]: اللہ تعالیٰ واحد ہے تو ''اللہ تعالیٰ کرتا دھرتا، دیتا، لیتا'' بولا جاتا ہے، لیکن آج کل تبلیغی نصاب وغیرہ اور تقریروں میں آپ لوگ ''کرتے دھرتے'' جمع بولتے اور لکھتے ہیں، کیا چکر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تعظیم کے لئے تم اور آپ بولنا بھی درست ہے، اللہ پاک نے بھی فرمایا ہے: ﴿إنا أعطيناك الكوثر﴾(۲)

= (وسنن ابن ماجة، كتاب الدعاء، باب دعاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۲۷۲، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: ۱۱۶۹۷: ۳/۵۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكرون﴾ (النحل: ۹۰)

''وأمثال الأمر بالمعروف: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل﴾ (النساء: ۵۸)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله حق تقته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾ (ال عمران: ۱۰۲)

وقال الله تعالى: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً﴾ (بني إسرائيل: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿وذروا ظاهر الإثم وباطنه﴾ (الأنعام: ۱۲۱)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق ...... ولا تقربوا الزنى إنه كان فاحشة وساء سبيلاO ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق ...... ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن حتى يبلغ أشده ...... ولا تقف ماليس لك به علم ﴾ (بني إسرائيل: ۳۱-۳۶)

(۲) (الكوثر: ۱)

اور ﴿إنا أنزلناه﴾ (۱) اور ﴿نحن أقرب﴾ (۲) وغیرہ وغیرہ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (القدر: ۱)

(۲) (ق: ۱۶)

(۳) البتہ بہتر ہے کہ واحد کے صیغے سے پکارا جائے، کیونکہ اس میں توحید کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے، اسی طرح اَدعیہ ماثورہ بھی واحد کے صیغہ کے ساتھ ہیں۔

مایتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ وصفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے اور خدا کے سامنے نہ جھکانے والے کا حکم

سوال[۹۸۹۳]: جو شخص غیر کے سامنے سر جھکائے اور خدا کے سامنے نہ جھکائے، اس کا حال اور ان کے لئے کیا حکم ہے؟ جو جانتے تو سب کچھ ہیں، مگر کرتے کچھ نہیں اور نہ ہی دوسروں کو منع کرتے ہیں، ہندو تو پیروں کو پوجتے ہیں، مگر مسلمان کو معلوم ہے کہ خالق کون ہے، پھر بھی وہ دور بھاگتا ہے، خدا کے بجائے اوروں کے آگے گردن جھکاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

خطاوار اور گنہ گار ہیں، ان کو توبہ کر کے اپنا عقیدہ اور عمل درست کرنا ضروری ہے(۱)۔ خدائے پاک سب کو توفیق دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۶ھ۔

کیا وفات کے بعد بزرگ اپنے مزار پر چادر چڑھانے کا حکم دیتے ہیں؟

سوال[۹۸۹۴]: نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وفات کے

---

(۱) "من سجد للسلطان بنية العبادة أولم يحضر ها فقد كفر. وفي الخلاصة: ومن سجدلهم إن أراد به التعظيم أي: كتعظيم الله سبحانه وتعالى، كفر، وإن أراد به التحية، اختار بعض العلماء أنه لايكفر، أقول: هذا هو الأظهر. وفي الظهيرية: قال بعضهم، يكفر مطلقاً، وأما تقبيل الأرض فهو قريب من السجود، إلا أن وضع الجبين أو الخد على الأرض فحش وأقبح من تقبيل الأرض. أقول: وضع الجبين أقبح من وضع الخد اهـ". (شرح الفقه الأكبر، أواخر فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۹۳، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۸/۳۶۴، رشيديه) .... =

بعد یہ آکر سوال کرسکتے ہیں کہ ہمارے مزار پر آکر چادر چڑھاؤ اور غیب کی باتیں بتلاتے ہیں اور اپنا پتہ بتلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اوران کے مزار پر جاکر جو دعا کی جاتی ہیں، وہ پوری کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نظام الدین اولیا رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے بزرگ تھے، انتقال کے بعد آکر کسی کو ستانا ان حضرات کا کام نہیں، نہ وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری قبر پر چراغ، چادر یا غلاف چڑھائی جائے، نہ اس بات پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، شیطان اور جنات ان کا نام بتادیتے ہیں، بزرگانِ دین کے مزار پر جاکر ایصالِ ثواب کرنا(۱) اوراس طرح دعا کرنا کہ یا اللہ! اپنے نیک بندہ کے طفیل ہمارا کوئی کام کردے، درست ہے(۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۹۰ھ۔

= (وكذا في روح المعاني، تحت قوله: ﴿وإذ قلنا للملئكة﴾: ۱/۲۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "والسنة زيارتها قائما، والدعاء عندها قائما، كما كان يفعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخروج إلى البقيع ..... فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوة كان أو عمرة أو قراءة للقران أو الأذكار أو غير ذلک من أنواع البر، ويصل ذلک إلى الميت وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، ۶۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

(۲) "أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه كان إذا قحطوا، استسقى بالعباس ابن عبدالمطلب رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا".

(صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۹، قديمي)

"وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ في شرحه: ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة". (فتح الباري، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا: ۲/۶۳۲، قديمي)

"وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى ربه، ولم ينكر أحد من =

مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر لگانا

سوال[۹۸۹۵] : ۱...... جواس دنیا سے چل بسا، وہ زندوں کے کام آسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... خداوندکریم قرآن شریف میں فرماتے ہیں کہ اتباع کرو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، پھر مزاروں کا چکر، مرادوں کا مانگنا، کیسے اسلام میں داخل ہوگیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... کام سے کیا مراد ہے؟

۲..... مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر غلط اور خلافِ شرع ہے(۱)، البتہ ایصالِ ثواب کے لئے اور دنیا کی محبت کم کرنے کے لئے قبرستان جانے کی ترغیب آئی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اللہ کے نام نذر ونیاز وفاتحہ کا حکم

سوال[۹۸۹۶] : حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی صحابی یا ولی کے نام سے چندہ کرکے

= السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية وابتدع مالم يقله عالم قبله، ونازع العلامة ابن امير الحاج في دعوى الخصوصية وأطال الكلام على ذلک في الفصل الثالث عشر في شرحه على المنية فراجعه".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۹۷، سعيد)

"عندنا وعند مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والصديقين والشهداء في حياتهم وبعد وفاتهم". (المهند على المفند، ص: ۸، قديمى)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ذلک بأن الله هو الحق وأن ما تدعون من دونه هو الباطل وأن الله هو العلى الكبير﴾ (حج: ۶۲)

وقال الله تعالى: ﴿والذين تدعون من دونه لايستطيعون نصركم ولا نصر أنفسهم ينصرون﴾ (الأعراف: ۱۹۷)

(۲) "وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة". رواه ابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، رقم الحديث: ۱۷۶۹: ۱/۳۳۴، دارالكتب العلمية بيروت)

نیاز فاتحہ کرائی جائے اور اللہ تعالیٰ کا نام شامل نہ کیا جائے، تو اس جنس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

بلاشبہ کھانا محبوب ومندوب بہت خوب ہے کہ ان پر آیات قرآنیہ پڑھ کر بارگاہ اہل اللہ میں نذر عقیدت پیش کرنا اس کو تبرک بنادیتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

"طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت مابین نمانید وبر آں فاتحہ وقل درود وخواندن تبرک می شود خوردن بیار خوب است" (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الفقیر: محمود ایوب الرضوی غفرلہ، دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد کے لئے چندہ مانگنا اور سوال کرنا غلط طریقہ ہے، حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے، حسب توفیق غرباء کو اللہ کے لئے دے کر ثواب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح اقدس کو پہونچا دینا درست ہے، قرآن کریم جس قدر پڑھ کر ثواب پہونچایا جائے، وہ بھی درست ہے، نوافل پڑھ کر نیز دیگر حسنات کر کے بھی ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے (۲)۔ کھانے کی اشیا سامنے رکھ کر مخصوص آیات پڑھ کر مروجہ فاتحہ ثابت نہیں اور اس کو ضروری سمجھنا اعتقادی مفسدہ ہے (۳)۔ غیر اللہ کے نام پر دینا ہرگز درست

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی: ۱/۷۸، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۲) "الأصل في هذا الباب: أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، شركة علمية)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۱۰۵، رشيديه)

(۳) "قال العلامة اللكنوي رحمه الله تعالىٰ في الفاتحة المروجة: ایں طور مخصوص نہ در آں حضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بود، نہ در زمان خلفاء، بلکہ وجود آں در قرون ثلاثہ کہ مشہود لها بالخیر اند، منقول نہ شدہ، وحالاً در حرمین شریفین. زادهما الله تعالىٰ شرفا – عادات خواص نیست ... واین را ضروری دانستن مذموم است". (مجموعة الفتاویٰ على هامش خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز: ۱/۱۹۵، امجد اکیڈمی لاهور)

نہیں (۱)، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر فتح العزیز میں اس کی پرزور تردید فرمائی ہے (۲) اور اکلیل (۳) میں بہت عبارت اس مسئلہ کے لئے جمع کی ہیں اور اس کو بالکل ناجائز تحریر فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۹/ ۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم والشموع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد، قبيل باب الاعتكاف: ۲/ ۴۳۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمى)

(۲) (اردو ترجمه تفسير عزيزى موسوم به تفسير فتح العزيز مجيدى، سورة البقره: ﴿وما أهل لغير الله به﴾: ۲/ ۹۴۳، سعيد)

(۳) لم أجد هذا الكتاب

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

یاحضور، یاغوث وغیرہ کہنے کا حکم

سوال[۹۸۹۷]: کھیلنا کے پیر شان عزیز اللہ صاحب کو ''یا کھیلنا'' کہنا کہاں تک درست ہے؟ اس پیر صاحب کے خلیفہ پیر علیم الدین صاحب کو ''یاحضور'' کہنا کہاں تک درست ہے؟

سوتے وقت، اٹھتے بیٹھتے وقت، خوشی وغم میں ہر حالت میں ''یاحضور''، ''یاغوث'' وغیرہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ جب کہ کسی بھی وقت میں اللہ اور رسول کا نام نہیں لیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

منع ہے، شرک کے مشابہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۹/ ۸۸ھ۔

کیا اولیائے کرام دوسروں کی مدد کرسکتے ہیں؟

سوال[۹۸۹۸]: لوگ کہتے ہیں کہ اولیائے کرام وصالحین دنیا میں بھی زندہ ہیں اور آخرت میں بھی

---

(۱) "إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالىٰ من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل: ياسيدي فلان! أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوّه بذلك، وأن لايحول حول حماه، وقد عدّه أناس من العلماء شركاً". (روح المعاني، المائدة: ۳۵: ۶/ ۱۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"يكفر بقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، النوع الأول: ۱/ ۶۹۱، دارإحياء التراث العربي بيروت) .... =

21

اس لئے وہ مدد کو آتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

مایتعلق بالأنبیاء علیہم السلام وأتباعہم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین)

قرآن میں مذکور پیغمبروں کی تعداد

سوال[۹۸۹۹]: قرآن پاک میں مذکور پیغمبروں کی کل تعداد بمطابق دعوی بیضاوی ۲۸ ہے، کیا یہ درست ہے؟ نیز مذکور انبیاء فی القرآن کی نبوت کو پہچاننے کا طریقہ کیا ہے؟ مثلاً: نبیوں کی فہرست میں ہوں تو نبی ہوں گے، بعض کتابوں میں معلوم ہوا، مگر یہ اس لئے درست نہیں کہ حضرت مریم، حضرت ذوالکفل، حضرت عزیر بلکہ حضرت عیسیٰ نبیوں کی فہرست میں مذکور ہیں اور پھر نبی ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کس جگہ پر کیا ہے، اس کی پوری نشاندہی فرمائیں تاکہ اس کے متعلقات میں دیکھا جائے، شاید وہاں تفصیل مذکور ہو، تمام پیغمبروں کے نام تو حق تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نہیں بتائے۔ ﴿ومنهم من لم نقصصهم عليك﴾(۱) پھر کوئی پوری فہرست کیسے بتا سکتا ہے؟

قرآن کریم میں کسی کے نام کے ساتھ رسول کا لفظ ہے(۲) اور کسی کے نام کے ساتھ نبی کا لفظ ہے(۳)،

---

(۱) (النساء: ۱۶۴)

(۲) قال الله تعالى: ﴿محمد رسول الله﴾ (الفتح: ۲۹)

وقال الله تعالى: ﴿إنما المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله وكلمته﴾ (النساء: ۱۷۱)

وقال الله تعالى: ﴿وإن إلياس لمن المرسلين﴾ (الصف: ۱۲۳)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وبشرناه بإسحق نبيا من الصالحين﴾ (الصافات: ۱۱۲)

وقال الله تعالى: ﴿واذكر في الكتاب إبراهيم إنه كان صديقا نبيا﴾ (مريم: ۴۱)

وقال الله تعالى: ﴿ووهبنا له من رحمتنا أخاه هارون نبيا﴾ (مريم: ۵۳)

کسی کے متعلق اس پر کتاب نازل ہونے کا تذکرہ ہے(۱) یہ پیغمبر ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کا ہے؟

سوال[۹۹۰۰]: انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اسی کی چاہیے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء انبیاء، امام، امام زادہ، پیر، شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں، سو ان کی تعظیم انسان کی سی کرنی چاہیے، نہ خدا کی سی، تمام انسان اللہ کے بندے بے شک ہیں، لیکن سب کے سب بڑے بھائی کی طرح ہیں، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی۔ اور مقیس علیہ حدیث ہے:

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان في نفر من المهاجرين والأنصار فجاء بعير فسجد له، فقال أصحابه: يا رسول الله! تسجد لك البهائم والشجر، فنحن أحق أن نسجدلك، فقال: اعبدوا ربكم وأكرموا أخاكم" مسند الإمام أحمد بن حنبل: ٧٦/٦(٢).

اور عقائد دیوبند (مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ) ص:۱۴ میں ہے:

---

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿إنا نحن نزلنا عليك القرآن تنزيلا﴾ (الدهر: ٢٣)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولقد اتينا موسى الكتاب فاختلف فيه﴾ (هود: ١١٠)

وقال الله تعالىٰ: ﴿واتينا داود زبورا﴾ (المائدة: ١٦٣)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وقفينا على اثارهم بعيسىٰ ابن مريم مصدقا لما بين يديه من التوراة واتيناه الإنجيل فيه هدى ونور﴾ (المائدة: ٤٦)

(٢) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، رقم الحديث: ٢٣٩٥٠: ١١١/٧، ١١٢، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم پر اتنی ہی فضیلت ہے، جتنی بڑے بھائی کی چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے، تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے''(۱)۔

ان میں کون ٹھیک ہے؟ خلاصہ واضح مع الدلیل شافی جواب فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے عقائد علماء دیوبند کا تو حوالہ دیا، مگر اس سے پہلے جو عبارت نقل کی ہے، اس کا حوالہ نہیں دیا کہ کس کتاب سے نقل کی ہے، یا تو وہ کتاب یہاں بھیج دیجئے، تاکہ پوری کتاب دیکھ کر معلوم ہو سکے کہ اس میں اتنی ہی بات مذکور ہے، یا اس سے زائد بھی ہے، جس سے یہ بات بھی صاف ہو جائے۔

اگر وہ کتاب آپ کے پاس نہ ہو، یا بھیجنا مناسب نہ سمجھیں، تو اس کا حوالہ مع صفحہ دیجئے اور اگر آپ تقویۃ الایمان پوری دیکھ لیں، تو امید ہے انشاء اللہ آپ کا خلجان رفع ہو جائے گا، نفس مخلوق ہونے میں اگر برابر کا درجہ ہو اور فضائل وصفات میں تفاوت ہو تو یہ بھی کوئی خلجان کی بات نہیں (۲)۔ اللہ پاک نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے علوم اور فضائل عطا فرمائے کہ کسی مخلوق کو وہ نہیں ملے (۳)۔ اس کے باوجود ان کو عبد ہی

---

(۱) (المهند على المفند، ص: ۴۳، الميزان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿هل كنت إلا بشرا رسولا﴾ (الإسراء: ۹۳)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل إنما أنا بشر مثلكم﴾ (الكهف: ۱۱۰)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنما أنا بشر مثلكم، أنسى كما تنسون". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان: ۵۸/۱، قديمى)

(۳) "والمعتقد المعتمد أن أفضل الخلق نبينا حبيب الحق، وقد ادعى بعضهم الإجماع على ذلك، فقد قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: إن الله فضل محمداً على أهل السماء والأنبياء". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۱۴، قديمى)

"وعن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان =

کہا جائے گا، معبود نہیں قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

کیا حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوگا؟

سوال[۱۰۹۹۱]: سنا گیا ہے کہ حشر کے دن بعد از حساب وکتاب بی بی مریم کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا جائے گا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بی بی مریم کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ملنا تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: العبد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۱ھ۔

= النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة". (مشكاة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الثاني: ۲/۲۱۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، وأول من ينشق عنه القبر، وأول شافع، وأول مشفع". (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على جميع الخلائق: ۲/۲۴۵، قديمي)

(۱) "وقال أبو القاسم الطبراني في معجمه الكبير: ...... عن ابن بريدة عن أبيه ﴿ثيبات وأبكارا﴾ قال: وعد الله نبيه في هذه الآية أن يزوجه، فالثيب آسية امرأة فرعون وبالأبكار مريم بنت عمران ....

وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء جبريل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فمرّت خديجة فقال: إن الله يقرئها السلام، ويبشرها ببيت في الجنة من قصب، بعيد من اللعب لا نصب فيه ولا صخب، من لؤلؤة جوفاء بين بيت مريم بنت عمران وبيت آسية بنت مزاحم". (تفسير ابن كثير، التحريم: ۵: ۴/۱۰۵، دارالسلام)

"وجاء في بعض الآثار أن مريم وآسية زوجا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الجنة، أخرج الطبراني عن سعد بن جنادة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن الله زوجني في الجنة مريم بنت عمران، وامرأة فرعون وأخت موسىٰ عليه السلام". (روح المعاني، آخر سورة مريم: =

حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں یا زوجہ؟

سوال[۹۹۰۲]: یہاں یہ بات سننے میں آئی ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے، مگر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نہیں ہوا تھا، یہ بات درست ہے؟

جواب از بریلی شریف: اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری (۱) میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور سولہ یا اٹھارہ مہینے کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ "الإكمال في أسماء الرجال" (۲) میں ہے: "هذا إبراهيم ابن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من مارية القبطية رضي الله تعالى عنها".

کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ عزیز مصر کو جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط لکھا تھا، تو اس کے جواب میں اس نے ایک طویل خط لکھا، اس کی مختصر عبارت یہ بھی ہے:

"میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں، جن کی قبطیوں

= ۱۶۵/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لخديجة وهي تجود بنفسها: أتكرهين ما قد نزل بک ولقد جعل الله في الكره خيراً، فإذا قدمت على ضراتک فأقرئيهن مني السلام، مريم بنت عمران ..... الخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، اٰخر سورة التحريم، جزء: ۱۸: ۱۳۱/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وكان مولده في ذي الحجة سنة ثمان من الهجرة". (أسد الغابة في معرفة الصحابة، باب الهمزة والباء ومايثلثهما، إبراهيم ابن رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱۵۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المواهب للعلامة الزرقاني، الفصل الثاني في ذكر أولاده الكرام: ۳۴۵/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إبراهيم بن النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم): هو إبراهيم بن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من مارية القبطية سريته، ولد في المدينة في ذي الحجة سنة ثمان، ومات وله ستة عشر شهراً، وقيل: ثمانية عشر، ودفن بالبقيع". (الإكمال في أسماء الرجال، الباب الأول، ص: ۵۸۵، قديمي)

(مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے''۔

وہ لڑکیاں جو بھیجی تھیں، ان میں ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حرم نبوی میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ ایمان سے مشرف ہو چکی تھیں (۱)۔

اس لئے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرور نکاح کیا ہوگا، نہ کہ آپ حرم نبوی میں لونڈی کی حیثیت سے داخل ہوئیں تھیں کہ یہ شبہ ہو سکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح آپ سے ہوا ہی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شمیم یوسف رضوی دارالافتاء محلہ سوداگراں بریلی شریف، ۸/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

جواب از فقیہ الأمت: شرعی جہاد میں جب دشمن پر غلبہ حاصل کرلیا جائے اور اس کو قید کرکے اپنی حراست میں لے آئیں، پھر دشمن کے افراد کو غازیوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے، تو وہ غازی مالِ غنیمت کی طرح دشمن کے افراد کے بھی مالک ہو جاتے ہیں، ان سے خدمت لینے کا بھی حق ہوتا ہے اور ان کو فروخت کرنے کا بھی حق ہوتا ہے (۲)۔ ان میں جو عورتیں ہوتی ہیں، ان کو باندی لونڈی کہتے ہیں، عربی میں

---

(۱) "مارية القبطية، أم ولد رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) ..... بعث المقوقس صاحب الإسكندرية إلى رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) في سنة سبع من الهجرة بمارية وأختها سيرين، وألف مثقال ذهباً، وعشرين ثوباً ليناً، وبغلته الدلدل، وحماره عفيرا، ويقال يعفور، ومع ذلك خصي يقال له مأبور، شيخ كبير، كان أخا مارية، وبعث بذلك كله مع حاطب بن أبي بلتعه فعرض حاطب بن أبي بلتعة على مارية الإسلام ورغبها فيه فأسلمت، وأسلمت أختها، وأقام الخصي على دينه حتى أسلم بالمدينة بعد في عهد رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم)، وكانت مارية بيضاء جميلة، فأنزلها رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) في العالية في المال الذي صار يقال له سرية أم ابراهيم، وكان يختلف إليها هناك وكان يطؤها بملك اليمين، وضرب عليها مع ذلك الحجاب، فحملت منه، ووضعت هناك في ذي الهجة سنة ثمان". (الإصابة، كتاب النساء، حرف الميم، القسم الأول: ۸/ ۳۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أسد الغابه، النساء، حرف المميم: ۶/ ۲۶۴، دار الفكر)

(وكذا في تاريخ الطبري، ذكر موالي رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم): ۲/ ۲۲۰، مؤسسة الأعلمي)

(۲) "الغنيمة: اسم لما يؤخذ من أموال الكفرة بقوة الغزاة وقهر الكفرة ..... (قوله: فتصح) أي: وتثبت=

"امۃ" کہتے ہیں، جس کی جمع اماءآتی ہے(۱)۔قرآن کریم نے ایسے افراد کو﴿ما ملکت أیمانکم﴾ سے تعبیر کیا ہے(۲)، یعنی جو غلام و باندیاں تمہاری ملک میں ہیں، جو لونڈی جس کی ملک میں آئے، اس کو یہ بھی حق ہے کہ اس سے خدمت لے، یہ بھی حق ہے کہ فروخت کردے، یہ بھی حق ہے کہ ہبہ کردے، یہ بھی حق ہے کہ اس سے صحبت کرے، لیکن اگر لونڈی کا کسی سے نکاح کردیا ہے تو مالک کو اب اس سے صحبت کا حق نہیں رہا(۳)۔ جس لونڈی کو مالک صحبت کے لئے تجویز کرے کہ اس سے صحبت کیا کریں گے، تو وہ اس کی "سریّہ" کہلاتی ہے،

= الأحكام "فتح" أي: من حل الوطء، والبيع والعتق والإرث، بخلاف ماقبل القسمة". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب الغنائم وقسمته: ۱۳۹/۴ - ۱۴۱، سعيد)

"الغنائم: جمع غنيمة، وهي اسم لمال مأخوذ من الكفرة بالقهر والغلبة والحرب قائمة، وحكمها أن يخمس والباقي بعد الخمس للغانمين خاصة ..... (قسمه) ..... (بين المسلمين) أي: الفاتحين كما فعل رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) بخيبر فحينئذ يكون نفس البلاد عشرية وفيه إشعار، بأنه يسترق نساؤهم وذراريهم". (مجمع الأنهر، باب الغنائم وقسمتها: ۱/۶۴۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الجهاد، باب الغنائم وقسمته: ۴۴۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "الأمة: المرأة المملوكة خلاف الحرة وتقول: يا أمة الله! كما تقول يا عبدالله! (جمع) إماء، وآم". (المعجم الوسيط، باب الهمزة، ص: ۲۸، مكتبة الإسلامية)

"أمّا أمة: المملوكة خلاف الحرة، وجمع الأمة أموات وإماء". (لسان العرب، ص: ۴۴/۱۴، دار صادر)

(وكذا في المنجد، ص: ۱۸، بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والمحصنات من النساء إلا ما ملكت أيمانكم﴾ (النساء: ۲۴)

(۳) "وأما في الأمة فلحرمة الاستمتاع بها عليه بالنكاح". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق: ۳۹۰/۳، مصطفىٰ الباز)

"عن رويفع ابن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسق ماءه ولد غيره". (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية وهي حامل: ۲۰۴/۲، رقم الحديث: ۱۱۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في وطىء السبايا: ۳۱۰/۱، مكتبه رحمانيه)

جس کی جمع سراری آتی ہے(۱)۔ایسی باندی لونڈی سے شرعاً نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر اگر اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ ''ام ولد'' کہلاتی ہے(۲)،اس کو فروخت کرنے کا بھی حق نہیں رہتا اور مالک کے انتقال کے بعد وہ آزاد بھی ہو جاتی ہے(۳)۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملک میں آئیں تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سریہ'' بنالیا تھا،یعنی صحبت کے لئے تجویز فرمالیا تھا، کہ ان کا نہ کسی سے نکاح کرنا ہے، نہ ان کو فروخت کرنا ہے، چنانچہ ان سے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے(۴)۔

ہمرشتہ فتویٰ میں "الإکمال في أسماء الرجال" سے جو عبارت نقل کی گئی ہے،اس میں ایک لفظ آگے بھی نقل کر دیا جاتا،تو بات صاف ہو جاتی۔پوری عبارت یہ ہے:

"إبراهيم بن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من مارية القبطية رضي الله تعالى عنها

---

(۱) "والسرية: الجارية المتخذة للملك والجماع ..... والجمع السراري. وفي حديث عائشة، وذكر لها المتعة، فقالت: والله مانجد في كلام الله إلا النكاح والاستسرار، تريد اتخاذ السراري". (لسان العرب: ۳۵۸/۴، دار صادر)

"السرية، الجارية المملوكة (ج) سراري". (المعجم الوسيط، ص: ۴۲۷، مكتبة الإسلامية)

(۲) "فأم الولد، جارية استولدها الرجل بملك اليمين أو النكاح أو بالشبهة ثم ملكها". (ردالمحتار، كتاب العتق، باب الاستيلاء، ص: ۶۸۹، سعيد)

"إذا ولدت الأمة من مولاها، فقد صارت أم ولدٍ". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب العتق، في أمهات الأولاد: ۲۷۳/۴، قديمي)

(وكذا في الهداية، كتاب العتاق، باب الاستيلاد: ۴۷۳/۲، مكتبه شركت علميه)

(۳) "لايجوز بيعها ..... ويوجب عتقها بعد موته". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب العتق، في أمهات الأولاد: ۲۷۳/۴، قديمي)

(وكذا في الهداية، كتاب العتق، باب الاستيلاء: ۴۷۴/۲، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۱۱۸/۶، رشيديه)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۰

سریته"(۱)، یعنی: ''حضرت ابراہیم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سریہ (لونڈی باندی) تھیں، جن کے نکاح کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ کتب فتاویٰ عالمگیری(۲)، مجمع الانہر(۳)، بحرالرائق(۴)، شامی(۵) وغیرہ سب میں مذکور ہے کہ مالک کا نکاح اپنی مملوکہ لونڈی سے جائز نہیں۔

جن عورتوں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کیا ہے، جو کہ ازواج مطہرات ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی(۶)، حافظ بدرالدین عینی(۷)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ اکابر نے ان کی تفصیلی فہرست اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ہر ایک کے متعلق بتایا ہے کہ کس سے کس سن میں نکاح ہوا، ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان میں شمار نہیں کیا، جس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیا، بلکہ شرعاً اس سے نکاح کرنا جائز بھی نہیں، اس کے متعلق یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرور نکاح کیا ہوگا اور یہ کہ وہ

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۰

(۲) "إذا زوج الرجل أمته أو مكاتبه أو مدبرته أو أم ولده أو أمة يملك بعضها لم يكن ذلك نكاحاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الثامن المحرمات بالملك: ۱/۲۸۲، رشيديه)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۴۸۶، مكتبه غفاريه كوئته)

(۴) (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۵) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۴۳، سعيد)

(۶) "أن الأولىٰ كانت في أول قدومه المدينة حيث كان تحته تسع نسوةٍ، والحالة الثانية في آخر الأمر حيث اجتمع عنده إحدى عشرة امرأةً، وموضع الوهم منه أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما قدم المدينة، لم يكن تحته امرأة سوى سودة، ثم دخل على عائشة بالمدينة، ثم تزوج أم سلمة، وحفصة وزينب بنت خزيمة في السنة الثالثة والرابعة، ثم تزوج زينب بنت جحش في الخامسة، ثم جويرية في السادسة، ثم صفية وأم حبيبه وميمونة في السابعة، وهؤلاء جميع من دخل بهن من الزوجات بعد الهجرة على المشهور". (فتح الباري، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نساءه في غسل واحد: ۱/۵۹۶، قديمی)

(۷) (عمدة القاري، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نساءه في غسل واحد: ۳/۳۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

حرم نبوی میں داخل ہوئیں، یہ بے جا جسارت ہے۔ استغفر اللہ العظیم ایسی جسارت پر وعید شدید ہے اور یہ حقیقت سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے۔

سریہ کا رواج صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے حضرات میں بھی رہا، اس وجہ سے ام ولد کی بیع کے متعلق فقہی جزئیات موجود ہیں اور آج کے دور میں نہ شرعی جہاد ہے، نہ کسی کو غلام باندی بنایا جاتا ہے، نہ سریہ کا وجود ہے، اس وجہ سے ایسے مسائل کے سمجھنے میں بھی ناواقف لوگوں کو دشواری ہوتی ہے، ممکن ہے کہ فاضل مجیب نے ناواقفیت کی وجہ سے الإکمال في أسماء الرجال کی عبارت نقل کرتے وقت سریہ کا لفظ بیکار و مہمل سمجھ کر چھوڑ دیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۱۳۹۹ھ۔

نبوت آدم علیہ السلام وخلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سوال[۹۹۰۲]: آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں؟ نیز خلافتِ راشدہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہم السلام نے بھی بذریعہ وحی احکامِ خداوندی کو حاصل کیا اور تبلیغ کی، نبی کی یہی شان ہوتی ہے(۱)۔ اس لحاظ سے وہ بھی نبی تھے(۲)۔

---

(۱) "والرسول إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام، وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فإنه أعم". (شرح العقائد، ص: ۱۰۷، قديمي)

"والرسول من له شريعة وكتاب فيكون أخص من النبي". (شرح الفقه الأكبر لابن المنتهى، ص: ۱۰، قطر)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۱۲، قديمي)

(۲) "روى الطبراني ... أن رجلاً قال: يا رسول الله! أنبي آدم؟ قال: نعم، قال: كم بينه وبين نوح؟ قال: عشرة قرون". (الفتاوى الحديثية، مطلب في عدد الأنبياء والرسل، ص: ۱۴۱، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) ألا =

خلافتِ راشدہ جس کا تذکرہ حدیث شریف میں ہے، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امیر بننے سے پہلے پوری ہوچکی تھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تورات پھینکنے سے آیت کے اڑنے کا عقیدہ رکھنا

سوال[۹۹۰۴]: جس شخص کا عقیدہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کے توراۃ پھینکنے سے ﴿وتفصیل کل شیء﴾(۲) آیت اُڑگئی۔ اس کا عقیدہ صحیح ہے یا نہیں؟ اصل بات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا تذکرہ کتبِ عقائد میں کہیں نہیں پایا، جس شخص کا یہ عقیدہ ہے، اسی سے اس کی دلیل دریافت کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= أخبركم بأفضل الملائكة جبريل، وأفضل النبيين آدم". (البداية والنهاية: ۱/۱۰۸، باب خلق آدم)

"وأول الأنبياء آدم وآخرهم محمد(عليهما السلام)". (شرح العقائد للنسفي، ص: ۱۳۶، قديمي)

(۱) "عن سفينة رضي الله تعالىٰ عنه، قال سمعت النبي (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) يقول: الخلافة ثلاثون سنة، ثم تكون ملكاً، ثم يقول سفينة، أمسك خلافة أبي بكر سنتين، وخلافة عمر عشرة، وعثمان اثنتي عشرة، وعلي ستة". (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، الفصل الثاني: ۲/۲۸۱، رقم الحديث: ۵۳۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"فعليّ خاتم الخلفاء كالنبي خاتم الأنبياء والمهدي خاتم الأولياء". (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن، الفصل الثاني: ۱۰/۲۲، رشيديه)

"والتحقيق: أنه كان بعد علي رضي الله عنه نحو ستة أشهر باقية من ثلثين، وهي مدة خلافة الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما، وكان كمال ثلثين عند تسليم الحسن رضي الله تعالىٰ عنه الخلافة إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه. وذكر بعضهم: أن خلافة أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه سنتان وثلثة أشهر، وعمر رضي الله تعالىٰ عنه عشر سنين وستة أشهر، وعثمان رضي الله تعالىٰ عنه اثنتا عشر سنة إلا عدة أيام، وعليّ رضي الله تعالىٰ عنه أربع سنين وتسعة أشهر". (النبراس، مبحث اختلاف علي ومعاوية رضي الله تعالىٰ عنهما، ص: ۳۰۸، مكتبة حقانيه ملتان)

(۲) (يوسف: ۱۱۱)

حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا امت محمدیہ میں ہونے کی دعاوخواہش کرنا

سوال[۹۹۰۵]: ۱..... کیا یہ صحیح ہے کہ جب اس امت کی تعریف کی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی کہ وہ اس امت کے نبی ہوں؟

۲..... یہ ثابت ہے یا نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس امت میں ہونے کی خواہش کی یا دعاء کی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲..... معالم التنزیل(۱) وغیرہ میں روایت مذکور ہے، جس میں یہ خواہش اور دعا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۷/۳/۱۷ھ۔

حضرت عیسیٰ نبی ہوں گے یا امتی اور ان پر وحی آئے گی یا نہیں؟

سوال[۹۹۰۶]: ۱- ایک صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے آسماں سے نزول فرمائیں گے، نہ ان پر وحی نازل ہوگی، نہ وہ نبی کی حیثیت سے رہیں گے، اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی نہ مانے، اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، ان کے دلائل کا صرف امتی ہونا تحریر فرمایا ہے، ان صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''امتی نبی'' کا لقب وعنوان دیا، ایک پمفلٹ میں یہ بھی لکھا کہ'' آج ایک شخص نزول عیسیٰ کے سلسلہ میں

---

(۱) "عن كعب الأحبار رضي الله تعالىٰ عنه: أن موسىٰ عليه السلام، نظرعند سعيد في التوراة، فقال: إني أجد أمة خير الأمم أخرجت للناس يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، ويؤمنون بالله وبالكتاب الأول وبالكتاب الآخر، ويقاتلوا أهل الضلالة حتى يقاتلوا الأعور الدجال، رب اجعلهم أمتي، قال: هي أمة محمد يا موسى! فقال: رب إني أجد أمة هم الحمادون لله على كل حال ..... فلما عجب موسىٰ من الخير الذي أعطى الله محمدا وأمته، قال: ياليتني من أصحاب محمد! فأوحى الله إليه ثلاث ايات ..... الخ". (تفسير البغوي المسمى بمعالم التنزيل، الأعراف: ۱۴۴: ۲/۱۹۸، إدارہ تاليفات اشرفيه)

(وكذا في تفسير ابن كثير، الأعراف: ۱۵۴: ۲/۳۳۲، دارالسلام)

(وكذا في جامع البيان عن تأويل آي القرآن، الأعراف: ۱۵۰: ۶/۶۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

اکابر علماء سلف کے اقوال کو پس پشت ڈال دیتا ہے''، ان کے اقوال اور امت اسلامیہ کے عقیدہ کے خلاف محض اپنی تحقیق کے بل بوتے پر علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بحیثیت نبی کے ہوگی اوران پر وحی بھی نازل ہوگی، تو کیاان کے دعویٰ سے علماء کرام اور عامۃ المسلمین کے عقیدہ ختم نبوت کو ٹھیس نہیں لگتی ہے؟ انتہیٰ کلامہ۔ حاصل دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی ماننا ایمان وعقیدہ کا جزو ہے۔

۲- دوسرے صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو بے شک شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے شریعتِ موسویہ کا اتباع بھی کر چکے ہیں۔ شریعت محمدیہ کا اتباع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت نہیں، جو پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے بھی جو دنیا میں آتے شریعت محمدیہ پر عمل کرنا ان کے لئے ضروری ہوتا، اتباع اور چیز ہے، امتی ہونا اور چیز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام رسول اللہ تھے، اس کے باوجود ملتِ ابراہیمی پر تھے، حضرت داؤد وحضرت سلیمان علیہما السلام بھی رسول تھے اور شریعت تورات پر عامل تھے (کتاب النبوات، ص: ۱۷۳-۱۷۴، حافظ ابن تیمیہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام امتی ماننا ضروری نہیں، نہ یہ ایمان وعقیدہ کا جز ہے، عوام الناس اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نزول کے بعد نبی قرار دینا ضروری نہیں، ''امتی نبی'' قادیانیوں کی اصطلاح ہے۔

اسلامی عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی نبی نبوت سے معزول نہیں کیا جاتا، نبوت کا مرتبہ کسی نبی کو عطا ہوتا ہے، اس میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی، ان کی نبوت کا کسی درجہ میں انکار کفر ہے، حضرت عیسیٰ پر وحی آنے کا ذکر صحاح کی حدیث میں ہے وہ وحی شریعت محمدیہ کے موافق ہوگی اور وہ وحی نبوت ہوگی، بعد نزول بھی حضرت عیسیٰ معصوم رہیں گے، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب بن کر شریعت محمدیہ کی اشاعت فرمائیں گے۔ (امداد الفتاویٰ مسائل شتی)(۱)۔ از حکیم الامت تھانوی قدس سرہ۔

---

(۱) مذکورہ عبارت امداد الفتاویٰ میں باوجود تلاش کے نہ مل سکی۔ البتہ اسی مضمون کا جواب مذکور ہے۔ (امداد الفتاویٰ، مسائل شتی، حیاتِ عیسیٰ پر شبہ کا جواب: ۴/ ۶۳۹، ۶۴۰، مکتبہ دار العلوم کراچی)

جامعہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حال نے تحریر فرمایا: حضرت عیسیٰ ایک مستقل شرعی نبی ہیں اوران کو آسمان پر زندہ اٹھالینا بھی تواتر سے ثابت ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ وہ قرب قیامت میں دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، دوسری بات کہ امتی اسے کہتے ہیں جس کی اصلاح وہدایت کے لئے اس کی طرف کوئی نبی بھیجا گیا ہو اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں امتی نہیں، البتہ انہوں نے ایک دعا کی تھی اور وہ پوری ہوئی، لہٰذا قرب قیامت میں دوبارہ تشریف لاکر آپ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب بن کر شریعت محمدیہ کی اشاعت کریں گے، مگر وہ اپنی جگہ نبی ہی رہیں گے، امتی نہ ہوں گے۔

نیز ملاعلی قاری نے باب نزول عیسیٰ میں بخاری ومسلم کے حوالہ سے حدیث نقل فرمائی:

"قال النبي صلی الله تعالی علیه وسلم: کیف أنتم الخ".

اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"والحاصل: أن إمامكم واحد منكم دون عيسىٰ عليه السلام، فإنه بمنزلة الخليفة، وقيل: فيه دليل أن عيسىٰ عليه السلام لايكون من أمة محمد عليه الصلاة والسلام بل مقرر الملة ومعيناً لأمته عليهما السلام"(۱).

نیز عقائد اہل سنت والجماعت کی مسلمہ کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی ماننا جزوایمان وعقیدہ قرار نہیں دیا، نہ کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر "خليفتي من أمتي من بعدي أو حكما عادلاً"(۲) وغیرہ کے الفاظ احادیث میں ہیں۔ كذا في الخير الكثير(۳)، ص:۷۷، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه السلام، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۵۰۲: ۱۰/۱۶۳، رشيديه)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه السلام، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۵۰۵، ۵۵۰۲: ۲/۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (الخير الكثير لشاه ولي الله المحدث الدهلوي، أنبياء عليهم السلام وبيان مبادئ تعيناتهم بتفصيل عجيب نادر، ص: ۹۸، ۹۹، رحيميه پشاور)

مندرجہ بالاتحریر کی روشنی میں حسبِ ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے:

۱.....مندرجہ بالا دونوں فریق میں کون سا قول اُقرب اِلی الصواب واُحوط ہے؟

۲.....کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی ماننا جزوِ ایمان ہے اور جو یہ کہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے، مگر امتی نہ ہوں گے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

۳.....امتی کی صحیح تعریف کیا ہے؟

۴.....کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی نہ رہیں گے اور نبی ہونے کی حیثیت ان کی ذات سے ختم ہو جائے گی۔

۵.....نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثل دیگر انبیاء (علیہم السلام) کے معصوم رہیں گے یا نہیں؟

۶.....حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی یا نہیں؟ اور وہ وحی نبوت ہوگی یا نہیں؟ البتہ یہ امر مسلم ہے کہ وہ وحی مطابق شریعت محمدیہ کے ہوگی۔

۷.....حضرت عیسیٰ کو حسبِ سابق کی حیثیت سے ماننے سے اور ان پر وحی آنے کے قائل ہونے سے ختم نبوت کے مسلمہ مسئلہ پر اثر پڑنے کا اشکال صحیح ہے یا غلط؟

۸.....عوام الناس اور بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ امتی کی حیثیت سے نزول فرمائیں گے تو وہ نہ تو نبی کی حیثیت میں رہیں گے اور نہ ان پر وحی آسکے گی، یہ خیال صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حضرت عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے جلیل القدر رسول ہیں، جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے (۱) فرائضِ رسالت پوری تندہی کے ساتھ ادا کئے، یہود نے ان کو بہت اذیت پہنچائی اور ان کے

---

(۱) "﴿ولنجعله اية للناس﴾ أي: دلالة وعلامة للناس على قدرة بارئهم وخالقهم الذي نوّع في خلقهم، فخلق ابائهم ادم من غير ذكر ولا أنثى، وخلق حواء من ذكر بلا أنثى، وخلق بقية الذرية من ذكر وأنثى إلا عيسى، فإنه أو جده من أنثى بلا ذكر". (تفسير ابن كثير، مريم: ۲۱: ۳/۱۵۲، دار السلام)

"قوله تعالى: ﴿إن مثل عيسى عند الله كمثل ادم خلقه من تراب﴾ دليل على صحة القياس، والتشبيه واقع على أن عيسى خلق من غير أب كادم، لا على أنه خلق من تراب". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، ال عمران: ۲۰: ۴/۷۱، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

متعلق سخت ارادہ کیا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قتل وصلب سے بچا کر ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا(۱)۔ انہوں نے ایک دعا کی تھی کہ ان کو امت محمدیہ میں شامل کردیا جائے، وہ دعا قبول ہوئی (۲)، اخیر زمانے میں فتنۂ دجال کے دفعیہ کے لئے وہ آسمان سے اتریں گے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کی شریعت پر عمل اور حکم کریں گے، نہ کہ اپنی شریعت پر۔ اس اعتبار سے ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی کہنا درست ہے (۳)، ورنہ حقیقی معنی کے لحاظ سے امتی کہنا درست نہیں، ان کی نبوت محفوظ رہے گی، وہ سلب

= "ولهذا قيل لعيسى: إنه كلمة الله وروح منه؛ لأنه لم يكن له أب تولد منه، وإنما هو ناشئ عن الكلمة التي قال له بها كن، فكان". (تفسير ابن كثير، النساء: ۱۷۲: ۱/۷۸۵، دار السلام)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وما قتلوه يقينا بل رفعه الله إليه وكان الله عزيزاً حكيماً﴾ (النساء: ۱۵۷)

"والصحيح: أن الله تعالىٰ رفعه إلى السماء من غير وفاة ولا نوم، كما قال الحسن وابن زيد، وهو اختيار الطبري، وهو الصحيح عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه". (تفسير قرطبي، آل عمران: ۵۵: ۴/۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۳/۱۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "قيل: سينزل عيسىٰ عليه السلام من السماء على عهد الدجال ...... ويقتل الدجال ويتزوج بعد قتله امرأة من العرب، وتلد منه، ثم يموت هو بعد ما يعيش أربعين سنة من نزوله، فيصلي عليه المسلمون؛ لأنه سأل ربه أن يجعله من هذه الأمة، فاستجاب الله دعاءه". (تفسير روح البيان، آل عمران: ۵۵: ۲/۵۱، مكتبة القدس كوئته)

(وكذا في تفسير بحر العلوم للسمرقندي: ۱/۲۷۲، آل عمران: ۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "أن سعيد بن المسيب سمع أباهريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده ليوشكن لينزلن فيكم ابن مريم حكما". الحديث ...... قوله: (حكما) أي: حاكما، والمعنى أنه ينزل حاكما بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون حاكماً من حكام هذه الأمة الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه السلام: ۶/۴۹۰، ۴۹۱، دار المعرفة)

"فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسىٰ بعده؟ قلنا: نعم! لكنه يتابع محمدا عليه السلام؛ لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي، ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام". =

نہیں ہوگی، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اعتقاد کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول مخل اور مانع نہیں، وہ کوئی جدید نبی نہیں، جن کی پیدائش خاتم النبیین کے بعد ہو، ان کا آسمان سے نازل ہونا تواتر سے ثابت ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے(۱)۔ مزید شواہد "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" میں ہے(۲)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وعيسى عليه السلام هو من أتم الأنبياء شأناً وأجلهم برهاناً ومزاجه السبوغ، ولذلك كانت معجزاته سبوغية كلها، وكان وجوده من طريق السبوغ، ولذلك حق له أن ينعكس فيه أنوار سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم، ويزعم العامة إذا نزل في الأرض كان واحداً من الأمة، كلا بل هو شرح للاسم الجامع المحمدي ونسخة منسخة منه، فشتان بينه وبين أحد من الأمة إلا أن يتبع القرآن ويأتم بخاتم الأنبياء، وذلك لا يقدح في كماله بل

= (شرح عقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگی محل)

"إن عيسىٰ عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو حيٌ مؤمنا به ومصدقا ...... عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا! إن ابن مريم ليس بيني وبينه نبي ولا رسول، إلا أنه خليفتي في أمتي من بعدي، إنما يحكم عيسىٰ بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقرآن والسنة". (الحاوي للفتاوىٰ، كتاب الأعلام بحكم عيسى عليه السلام: ۲/۱۹۵، دار الفكر)

(۱) "ثم إنه رفعه إليه، وإنه باق حي، وإنه سينزل قبل يوم القيامة كما دلت عليه الأحاديث المتواترة التي سنوردها إن شاء الله قريباً". (تفسير ابن كثير، النساء: ۵۹: ۱/۷۲۸، دار السلام)

"وقد تواترت الأحاديث عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه أخبر بنزول عيسىٰ عليه السلام قبل يوم القيامة إماماً عادلاً مقسطاً". (تفسير ابن كثير، الزخرف: ۶۱: ۴/۱۲۹، دار السلام)

(۲) (التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص: ۹۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

یؤیده فتعرف وهو بذاته محاق لشرور الیهود، ولذلك نزل بین یدی القیامة، وسیأتیك تمام الكلام". الخیر الكثیر، ص: ۷۲(۱).

۲.....حضرت عیسیٰ وعلی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ امتی ہی ہوں گے اور جو شخص ان کے امتی ہونے کا اعتقاد نہ رکھے، وہ اسلام سے خارج ہے یہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں، جس پر مدارِ نجات ہو، اس لئے ایمان کی بنیادوں میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا، البتہ چونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہ چیز نصِ قطعی سے ثابت ہے، اس لئے یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا (۲)۔ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نصِ قطعی کے مخالف عقیدہ کی وجہ سے اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا (۳)۔

۳.....امتی وہ ہے جو نبی نہ ہو اور اس کی ہدایت کے لئے نبی کو مبعوث کیا جائے۔

---

(۱) (الخیر الكثیر لشاه ولي الله المحدث الدهلوي، أنبیاء علیهم السلام وبیان مبادئ تعیناتهم بتفصیل عجیب نادر، ص: ۹۸، ۹۹، مکتبه رحیمیه پشاور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان محمدا أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبیین﴾ (الأحزاب: ۴۰)

"عن ثوبان رضي الله تعالیٰ عنه قال: "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من أمتي بالمشركین ..... وأنا خاتم النبیین لانبي بعدي". (جامع الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعة حتی تخرج كذابون، رقم الحدیث: ۲۲۱۹: ۳/۲۳۷، دارالكتب العلمیة بیروت)

"وكونه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خاتم النبیین مما نطقت به الكتاب، وصدعت به السنة، وأجمعت علیه الأمة". (روح المعاني، الأحزاب: ۴۰: ۲۲/۵۹، دارالفكر)

(۳) "ودعوی النبوة بعد نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم كفر بالإجماع". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، س: ۱۶۴، قدیمی)

"(وكل دعوة نبوة بعد) ظهور (نبوته) الخاتمة (فغي) أي: ضلال وفرط جهل، حمله علی دعواها (وهوی) نفس أمارة بهواها". (شرح العقیدة الطحاویة للمیداني، ص: ۲۷، زمزم پبلشرز)

"وقد أخبر الله تبارك وتعالیٰ في كتابه ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في السنة المتواترة عنه، أنه لا نبي بعده، لیعلموا أن كل من ادعی هذا المقام بعده فهو كذاب وأفاك، دجال، ضال مضل". (تفسیر ابن كثیر، الأحزاب: ۴۰: ۳/۲۵۲، دارالسلام)

۴......ان کی نبوت سلب نہیں ہوگی، بلکہ محفوظ رہے گی، البتہ وہ حکم وعمل شریعت محمدیہ کے مطابق کریں گے(۱)۔

۵......جب ان کی نبوت محفوظ ہے، تو لوازمِ نبوت بھی ان کو حاصل رہیں گے اور وہ معصوم رہیں گے۔

۶......ان کے لئے جدید وحی کی ضرورت نہ ہوگی۔

۷......ختمِ نبوت تو پختہ طور پر ثابت ہے اور ان کے اوپر کوئی جدید وحی نہیں آئے گی اور نہ وہ اپنی شریعت پر حکم وعمل کریں گے، اس لئے سلسلہ ختمِ نبوت اپنی جگہ پر مستحکم ہے(۲)۔

۸......اور جدید وحی بھی نہیں آئے گی اور اپنی شریعت کو نافذ بھی نہیں کریں گے، بلکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو احکام نازل ہوئے، انہیں کو جاری ونافذ کریں گے اور ان احکام کو بھی اس دنیا میں کسی طالب علمانہ حیثیت سے حاصل نہیں کریں گے، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان ہی احکام کی طرف ان کو رہنمائی حاصل ہوگی(۳)۔ شیخ محی الدین بن العربی نے بھی فتوحات مکیہ(۴) میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۱۴ھ۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ میں شامل ہوں گے؟

سوال[۹۹۰۷]: تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں اکابر علماء کے بیانات سننے کا اتفاق ہوا، امتِ محمدیہ کی فضیلت میں انہوں نے بیان کیا کہ انبیاء سابقین میں سے بعض نے امتِ محمدیہ میں شامل ہونے کی تمنا

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۶۰

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۶۰

(۳) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۶۰

(۴) "وإنما ذكرناه لكون الخصم يعلم أنه لا بد أن ينزل في هذه الأمة في آخر الزمان ويحكم بسنة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مثل ماحكم الخلفاء المهديون الراشدون". (الفتوحات المكية، الباب الثالث والسبعون إيضاح وشرح المسائل الروحانية، عيسىٰ بن مريم من أمة محمد وهو أفضل من أبي بكر: ۱۰۸ : ۱۳/ ۱۳۸، المكتبة العربية، مصر)

کی تھی، چنانچہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہوکر تشریف لائیں گے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے بھی اپنی تصنیف کتاب ''داڑھی کا وجوب''، ص:۲۹، (مطبوعہ ۱۲۹۶ھ) میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے:

''مدعیانِ اسلام بتلائیں کہ وہ کیا قدر کر رہے ہیں، سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، جن کے امتی بن کر قبل قیامت ہی حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائیں گے''۔

اور اسی طرح پورے برما کے تبلیغی بیانات میں کہا جاتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ قبل قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہوکر تشریف لائیں گے، شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کے ارادۂ بد سے بچانے کے لئے زندہ آسمان پر اٹھالیا (۱) اور پھر صدیوں بعد حضرت سید الانبیاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور اپنی دعوت قوم کے سامنے پیش کی، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں موجود نہیں تھے، آسمان پر تھے، تو حضرت عیسیٰ کی ہدایت کے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، اس اعتبار سے ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی نہیں کہا جاتا، البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی امت محمدیہ میں شامل ہونے کی (۲)، ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا گیا کہ وہ اخیر زمانہ میں جب کہ ان کی نبوت اور تشریع کا زمانہ نہیں ہوگا،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وإن الذين اختلفوا فيه لفي شك منه، مالهم به من علم إلا اتباع الظن، وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله إليه وكان الله عزيزاً حكيماً﴾ (النساء: ۱۵۷)

"والصحيح أن الله تعالىٰ رفعه إلى السماء من غير وفاة ولا نوم كما قال الحسن وابن زيد، وهو اختيار الطبري، وهو الصحيح عن ابن عباس". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، آل عمران: ۵۵: ۴/۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۳/۱۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "قيل: سينزل عيسىٰ عليه السلام من السماء على عهد الدجال ... ويقتل الدجال ويتزوج بعد قتله =

بلکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور تشریع کا زمانہ ہوگا، آسمان سے نازل ہوں گے(۱) اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ کی حیثیت سے آپ کی شریعت کے مطابق حکم فرمائیں گے اور عمل کریں گے، اس اعتبار سے گویا وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہوں گے، مگر ان کی نبوت سلب نہیں ہوگی، وہ محفوظ ہوگی اور حکم شرع محمدی پر کریں گے(۲)۔ حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ

= امرأة من العرب وتلد منه، ثم يموت هو بعد ما يعيش أربعين سنة من نزوله، فيصلي عليه المسلمون؛ لأنه سأل ربه أن يجعله من هذه الأمة فاستجاب الله دعاءه". (تفسير روح البيان، آل عمران: ۵۵: ۲/۵۱، المكتبة القدس كوئٹه)

"ويقال: إنه ينزل ويتزوج امرأة من العرب بعد مايقتل الدجال، وتلد له ابنة فتموت ابنته، ثم يموت هو بعد ما يعيش سنين؛ لأنه قد سأل ربه أن يجعله من هذه الأمة فاستجاب الله دعاه". (تفسير بحر العلوم للسمرقندي: ۱/۲۷۲، آل عمران: ۵۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم وإمامكم منكم". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب نزول عيسىٰ ابن مريم عليه السلام: ۱/۴۹۰، قديمي)

"عن أبي هريرة (رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: والله لينزلن ابن مريم حكما عادلاً، وليكسرن الصليب......". (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب نزول عيسىٰ عليه الصلوة والسلام، الفصل الأول: ۲/۴۷۹، قديمي)

(۲) "فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسىٰ بعده؟ قلنا: نعم! لكنه يتابع محمدا عليه السلام؛ لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام". (شرح عقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگی محل)

"إن عيسىٰ عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو حيّ مؤمنا به ومصدقا ..... إنما يحكم عيسىٰ بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقرآن والسنة، عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! إن ابن مريم ليس بيني وبينه نبي ولا رسول، إلا أنه خليفتي في أمتي من بعدي". (الحاوي للفتاوىٰ، كتاب الأعلام بحكم عيسىٰ =

الحدیث مذطلہ کا مقصد یہ نہیں کہ ان کی نبوت سلب ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

نبوت اور حیاتِ خضر علیہ السلام

سوال[۹۹۰۸]: حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام والے حضرت خضر ابھی تک حیات ہیں؟ قرآن وحدیث سے اگر کوئی ثبوت ہو تو مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

راجح یہ ہے کہ حضرت خضر ولی تھے(۱)، ان کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور

= عليه السلام: ۲/۱۸۸، ۱۹۵، دار الفكر)

"أن سعيد بن المسيب سمع أباهريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما". الحديث. قوله: (حكما) أي: حاكما، والمعنى أنه ينزل حاكما بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون حاكما من حكام هذه الأمة الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليهما السلام: ۶/۴۹۰، ۴۹۱، دار المعرفة)

(۱) "وذهب كثيرون إلى أنه لم يكن نبيا بل كان وليا، فالله أعلم". (تفسير ابن كثير، كهف: ۸۲: ۳/۱۳۵، دار الفيحاء)

یہ ایک جماعت کی رائے ہے، البتہ اکثر مفسرین اور شراح حدیث آپ کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔ اور اسی کو انہوں نے جمہور کا مذہب قرار دیا ہے۔ اور یہی رائے معاصر ارباب فتاوی کی بھی ہے۔

"فالجمهور على أنه عليه السلام نبي وليس برسول، وقيل هو رسول، وقيل هو ولي، وعليه القشيري وجماعة، والمنصور ماعليه الجمهور، وشواهده من الايات والأخبار كثيرة وبمجموعها يكاد ويحصل اليقين". (روح المعاني، الكهف: ۶۵: ۱۵/۳۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"والخضر نبي عند الجمهور، وقيل: هو عبد صالح غير نبي، والاية تشهد بنبوته؛ لأن بواطن الأفعال لاتكون إلا بوحي ... والأول صحيح، والله أعلم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الكهف: ۶۵: ۱۱/۱۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وحكى ابن عطية البغوي عن أكثر أهل العلم أنه نبي ..... وقالت طائفة منهم القشيري: هو =

ہے(۱)۔محدثین ان کے حیات ہونے کے قائل نہیں ،صوفیہ قائل ہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

حضرت عائشہ وفاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تفاضل کا حکم

سوال[۹۹۰۹]:

جناب فاطمہ اور عائشہ میں فرق ہے اتنا کہ
یہ جنت کی شہزادی تو وہ فردوس کی رانی

= ولي". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليه السلام، رقم الحديث: ۳۴۰۲: ۲/۵۳۶، قديمى)

"فالجمهور على أنه نبي، وهو الصحيح؛ لأن أشياء في قصته تدل على نبوته، وروى مجاهد عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أنه كان نبياً". (عمدة القاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليه السلام، رقم الحديث: ۳۴۰۲: ۱۵/۴۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال الحميري المفسر وأبو عمرو: هو نبي -واختلفوا في كونه مرسلاً- وقال القشيري وكثيرون: هو ولي واحتج من قال بنبوته بقوله: ﴿ما فعلته عن أمري﴾ (الكهف: ۸۲) فدل على أنه أوحي إليه ". (مرقاة المفاتيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب بدء الخلق وذكر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۷۱۱: ۱۰/۳۸۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوى حقانية: ۱/۱۲۸، جامعه دارالعلوم حقانيه)

(وكذا في خير الفتاوى: ۱/۳۲۴، ۳۲۵)

(وكذا في آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/۹۹)

(۱) (الكهف: ۶۰-۸۲)

(۲) "وقال ابن الصلاح: هو حيّ عند جمهور العلماء، والعامة معهم في ذلك، وإنما شذ بإنكاره بعض المحدثين وتبعه النووي، وزاد أن ذلك متفق عليه بين الصوفية وأهل الصلاح، وحكاياتهم في رؤيته، والاجتماع به أكثر من أن تحصى الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما الصلاة والسلام: ۶/۵۳۶، قديمى)

(وكذا في شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه الصلاة والسلام: ۲/۲۶۹، قديمى)=

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت عائشہ وحضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تفاضل کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اس سے سکوت چاہیے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۸/ ۹۵ھ۔

کیا امام مہدی پہلے سے موجود ہیں؟

سوال[۱۰۹۹۱]: بہشتی زیور میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے، تو کیا ان کا وجود پہلے سے ہے؟ ظاہر ہونے سے شبہ ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، پہلے سے نہیں، کتاب المہدی کے عنوان پر امام ابوداؤد- رحمہ اللہ تعالیٰ - نے اپنی سنن میں

= (وكذا في روح المعاني، الكهف: ۲۵: ۱۵/ ۳۲۱، ۳۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وقيل: إن فاطمة رضي الله تعالى عنها أفضل. ويمكن إرجاعه إلى الأول وقيل: بالتوقف لتعارض الأدلة، واختاره الأستروشي من الحنفية وبعض الشافعية". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۳/ ۹۳، سعيد)

"قال السبكي الكبير كما تقدم: لعائشة من الفضائل مالا يحصى، ولكن الذي نختاره وندين الله به أن فاطمة رضي الله تعالى عنها أفضل، ثم خديجة رضي الله تعالىٰ عنها، ثم عائشة رضي الله تعالىٰ عنها. واستدل لفضل فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها بما تقدم في ترجمتها أنها سيدة نساء المؤمنين، قلت: وقال بعض من أدركناه، الذي يظهر أن الجمع بين الحديثين أولىٰ، وأن لا تفضل إحدى هما على الأخرى". (فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خديجة رضي الله تعالىٰ عنها ..... : ۷/ ۱۷۴، قديمي)

"وقال السيوطي في النقاية: نعتقد أن أفضل النساء مريم وفاطمة، وأفضل أمهات المؤمنين خديجة وعائشة، وفي التفضيل بينهما أقوال: ثالثها: التوقف، أقول: التوقف في حق الكل أولىٰ؛ إذ ليس في الأفضلية دليل قطعي، والظنيات متعارضة غير مفيدة للعقائد المبنية على اليقينيات (ق)". (التعليق الصبيح، كتاب الفتن، باب مناقب أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الأول: ۷/ ۳۶۹، رشيديه)

احادیث بھی سند کے ساتھ بیان فرمائی ہیں، جن میں ان کی علامات اور کچھ حالات درج ہیں کہ وہ ایسے ایسے ہوں گے اور یہ کام کریں گے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کے شانہ کی مسافت

سوال[۹۹۱۱]: ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے شانہ سے سرتک آٹھ سو برس کی مسافت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

محمد سلمان متعلم اشرف العلوم گنگوہ سہارنپور

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لولم یبق من الدهر إلا یوم، لبعث الله رجلاً من أهل بیتي، یملأها عدلاً کما ملئت جوراً".

"عن أم سلمة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "المهدي من عِترتي من ولد فاطمة".

"عن أبي سعید الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "المهدي مني، أجلی الجبهة، أقنی الأنف، یملأ الأرض قسطا وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً، ویملک سبع سنین".

"عن أم سلمة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، عن النبي صلی الله تعالی علیه وسلم قال: یکون اختلاف عند موت خلیفة، فیخرج رجل من أهل المدینة هاربا إلی مکة، فیأتیه ناس من أهل مکة، فیخرجونه وهو کاره، فیبایعونه بین الرکن والمقام، ویبعث إلیه بعث من الشام، فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة، فإذا رأی الناس ذلک أتاه أبدال الشام، وعصائب أهل العراق فیبایعونه، ثم ینشأ رجل من قریش أخواله کلب، فیبعث إلیهم بعثا فیظهرون علیهم، وذلک بعث کلب، والخیبة لمن لم یشهد غنیمة کلب، فیقسم المال، ویعمل في الناس بسنة نبیهم صلی الله تعالی علیه وسلم، ویلقي الإسلام بجرانه إلی الأرض، فیلبث سبع سنین، ثم یتوفی، ویصلي علیه المسلمون". (سنن أبي داود، باب ذکر المهدي: ۲/ ۲۳۹، إمدادیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلياً:

عظم جثہ کا بتانا مقصود ہے، تحدید مقصود نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) حضرت میکائیل علیہ السلام کے بارے میں یہ روایت نہ مل سکی، البتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت میں موجود ہے کہ شانہ سے سر تک پانچ سو اور دوسری روایت میں سات سو برس تک کی مسافت ہے:

"وأخرج أبو الشيخ، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما بين منكبي جبريل مسيرة خمس مائة عام للطائر السريع الطيران".

وأخرج أبوالشيخ، عن وهب بن منبه أنه سئل عن خلق جبريل؟ فذكر أن مابين منكبيه من زي إلى زي خفق الطير سبع مائة عام". (الدرالمنثور، البقرة: ۹۷، ۹۸: ۱/۱۸۷، دار الكتب العملية بيروت)

مایتعلق بعلم الغیب

(علم غیب کا بیان)

ہاتھ دیکھ کر قسمت بتانا

سوال[۹۹۱۲]: کیا فرمائیں گے علمائے کرام اس بارے میں کہ ایک مولوی صاحب ہاتھ دیکھ کر دولہا ودلہن کا جوڑا اچھا بُرا نصیب اور بیماری بتلاتے ہیں؟ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا درست نہیں، اس سے پرہیز اور توبہ کریں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

تعمیر مکان سے پہلے نجومی کو زمین دکھلانا

سوال[۹۹۱۳]: ہمارے یہاں لوگوں کا دستور ہے کہ جب گھر بنوانا چاہتے ہیں تو پہلے نجومی کو زمین

(۱) "من أتى كاهنا أو عرافاً، فصدقه بما يقول: فقد كفر بما أنزل على محمد. أخرجه أصحاب السنن الأربعة، وصححه الحاكم عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه". (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعراف: ۴/۲۴۲، سعيد)

"عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من أتىٰ عرافا، فسأله عن شيء لم تقبل له صلوة أربعين ليلة". (صحيح مسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۲، قديمى)

"قال النووي: العراف من جملة الكهان، وقال الخطابى وغيره: العراف هو الذى يتعاطى معرفة مكان المسروق، ومكان الضالة، ونحوهما". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۲، قديمى)

یا عقل والے کو دکھاتے ہیں، وہ اس جگہ بیٹھ کر کچھ پڑھتا ہے، پھر زمین کی اچھی بری کی خبر دیتا ہے یا کہتا ہے کہ بعض حصہ میں نقصان دینے والی اشیاء مدفون ہیں، ان کو نکالتا ہے، جب گھر بنایا جاتا ہے، بعض حضرات اپنا تجربہ بتاتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو گھر والوں کو نقصان ہوتا ہے، تو حکم شرع سے مطلع فرمائیں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ تعلیمات اسلام کے خلاف ہے (۱)، اس سے توبہ کریں اور آئندہ بالکل ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أتى عرافاً، فسأله عن شيء لم تقبل له صلاة أربعين ليلة". (صحيح مسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/ ۲۳۳، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من أتى كاهناً فصدقه بما يقول فقد برئ بما أنزل على محمد". (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان: ۲/ ۱۸۹، رحمانيه)

"من أتى كاهناً أو عرافاً، فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد". أخرجه أصحاب السنن الأربعة، وصححه الحاكم عن أبي هريرة". (ردالمحتار، كتاب السير، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعراف: ۴/ ۲۴۲، سعيد)

مایتعلق بالحاضر والناظر والنور والبشر

(حاضر وناظر اورنور وبشر کا بیان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جاننا

سوال[۹۹۱۴]: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ کہنے والا کہتا ہے کہ تشہد میں بھی حاضر کا صیغہ ہے، یہ مجہول ہے، کیا حضور دورانِ نماز حاضر ہیں؟ اگر نہیں تو غائب کا صیغہ کیوں نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ یہ شب معراج کی یادگار کے طور پر ہے، اس میں یاء حرف نداء محذوف بھی ہے۔ "یا أیہا النبي" تھا یہ اللہ کا کلام ہے، جسے ہم لوگ صرف دہراتے ہیں، اس کے جواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" کہا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے علم میں معاذ اللہ یہ نہ تھا کہ اس کے بعد والے پڑھیں گے اور اتنا ماننے میں کیا حرج ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور اللہ کے حاضر وناظر ہونے میں بڑا فرق ہے، مگر میری سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ آپ کو حاضر وناظر کیسے مانا جائے؟

میرا خیال ہے کہ روح کو حسی اشارہ سے متعین نہیں کیا جاسکتا، حقائق محمد یہ وہ روح اعظم ہے جس کا تعلق (کنکشن) ساری ارواح سے ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس بناء پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر ہوں، مگر بقول حضرت شاہ صاحب اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور کرنا یا خیال آجانا گدھے کے خیال آنے سے بدتر ہے، کیوں کہ گدھے کی تحقیر دل میں ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر دل میں ہوتی ہے، لہٰذا وہ مشرک ہوجاتا ہے(۱)۔ مگر پھر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تشہد میں حاضر کا

---

(۱) ہاں بمقتضائے "ظلمت بعضها فوق بعض" از وسوسۂ زنا، خیالِ مجامعتِ زوجہ خود بہتر است، وصرفِ ہمت بسوئے شیخ وامثال آن از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندین مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ وخر است، کہ خیال آں با تعظیم واجلال بسویدائے قلب انسان می چسپد، بخلاف خیال گاؤ وخر کہ نہ آں قدر چسپدگی مے بود ونہ تعظیم، بلکہ مہان ومحقر مے بود۔ واین تعظیم واجلال غیر کہ در نماز ملحوظ ومقصود مے شود بشرک میکشد"۔ (صراط مستقیم فارسی، ص:۸۶، بحوالہ عبارات اکابر، چوتھا اعتراض، ص:۸۶، مکتبہ صفدریہ)

صیغہ ذہن کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مائل کردیتا ہے اور حاضر ہونے کا ہر کوئی دعویٰ کرسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو بحیثیت نقل پڑھا جاتا ہے، جیسے ﴿وأنا أول المسلمين﴾(۱) اس کو کوئی شخص بھی یہ سمجھ کر نہیں پڑھتا کہ وہ سب سے پہلا مسلمان ہے، لیکن قرآن پاک میں یہ لفظ جس طرح وارد ہوا ہے، اسی طرح پڑھا جاتا ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ (۲) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ (۳) وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں بطور نقل ہی پڑھی جاتی ہیں۔

التحیات کے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے کہ ''روح مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قلب وذہن میں تصور کرکے بحیثیت خطاب پڑھا جائے، درود شریف پڑھتے وقت یہ تصور کیا جائے کہ ملائکہ کے ذریعہ یہ خدمت اقدس میں پیش کیا جائے گا'' (۴)۔ کسی کو ذہن میں تصور کرنا اور چیز ہے، مثلاً: میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں، اس وقت آپ کا تصور میرے ذہن میں ہے، آپ ہی کو خطاب کررہا ہوں، مگر آپ میرے پاس خارج میں موجود نہیں، آپ حاضر وناظر نہیں، مسئلہ بہت صاف ہے، مگر یار لوگوں نے اسے الجھا دیا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی تعبیر بھی غلط کی ہے، ''صرفِ ہمت'' ایک اصطلاحی لفظ ہے، اس کا ترجمہ ''خیال'' سے کرکے عوام کو حد درجہ متوحش کردیا گیا ہے، حالانکہ ''صرفِ ہمت'' صرف خیال کا نام نہیں اور محض خیالات آنے سے مشرک نہیں ہوجاتا، البتہ ''صرفِ

---

(۱) (الأنعام: ۱۶۴)

(۲) (مريم: ۴۱-۴۸)

(۳) (طه: ۴۷-۵۴)

(والشعراء: ۱۶-۳۳)

(والأعراف: ۱۰۴-۱۲۶) وغیرہ

(۴) "وأحضر في قلبك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وشخصه الكريم وقل: "سلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته" وليصدق أملك في أنه يبلغه ويرد عليك ما هو أوفى منه". (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الصلاة ومهمّاتها، الباب الثالث في الشروط الباطنة من أعمال القلب الخ، بيان تفصيل ماينبغي أن يحضر في القلب: ۱/۲۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہمت'' سے مشرک ہوجاتا ہے۔

''صرفِ ہمت'' کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں کسی تصور کو اس طرح قائم کر لینا اور جمالینا کہ وہ تمام قلب کا احاطہ کرلے، کسی اور تصور کی گنجائش نہ رہے، جیسے کسی آئینہ پر سیاہ کپڑا ڈال دیا جائے کہ اس کپڑے کے عکس نے تمام آئینہ کو گھیر لیا، اب کسی اور کے عکس کے اس میں گنجائش نہیں رہی، تو یہ ''صرفِ ہمت'' انتہائی محبت وعظمت کے ساتھ ہوگا اور کسی اور کی گنجائش نہیں رہے گی، یہ آدمی جب نماز میں "إيّاك نعبد وإيّاك نستعين" پڑھے گا تو اس کا خطاب بھی اس کو ہوگا، جس کی طرف یہ ''صرفِ ہمت'' ہے، رکوع سجدہ بھی اسی کے لئے ہوگا۔

غرض! تمام نماز اسی کے لئے ہوجائے گی، حالانکہ نماز تو اللہ کے لئے ہے، حاضر وناظر کے لئے تمام اشیاء کا علم لازم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، قرآن پاک میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ آپ فرمادیں اور اعلان کردیں ﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾(۱) نیز ارشاد ہے: ﴿وعنده مفاتيح الغيب﴾(۲) اور بھی متعدد آیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب ذاتی اور کلی حق تعالیٰ کا خاصہ ہے اور تو اور بریلی کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص ایک ذرہ بھی علم ذاتی، اللہ کے سوا کسی کے لئے مانے وہ اسلام سے خارج ہے''(۳)۔

نیز لکھا ہے کہ ''علم محیط حق تعالیٰ کا خاصہ ہے''، نیز لکھا ہے کہ ''اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا منع ہے''۔ تو پھر جو لوگ حاضر وناظر مانتے ہیں، وہ کس بنیاد پر مانتے ہیں؟ احادیث میں تو بے شمار واقعات ہیں، جن سے حاضر وناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے اور اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں۔ حقائق علمیہ کی بحث یہ عقول عامہ کے سمجھنے سے بالاتر ہے، یہ تو عرفاء کا حق ہے، ان کی ہی اصطلاح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۶/۲۵ھ۔

کیا ''یا'' کے معنی حاضر وناظر کے ہیں؟

سوال[۹۹۱۵]: ''یا'' کے معنی حاضر وناظر کے کہتے ہو، تو لکھ کردو کہ ''یا'' کے معنی حاضر وناظر ہوتا ہے۔

---

(۱) (الأنعام: ۵۰)

(۲) (الأنعام: ۵۹)

(۳) (ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی: ۲۸۴/۳، محمد علی کارخانہ، اسلامی کتب خانہ کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ یا حرف ندا ہے، جس کے ذریعہ کسی کو پکارا جاتا ہے(۱)، جو کہ اس کو سنتا ہے اور ہر ندا کو سنتا وہی ہے جو حاضر ہو، جو حاضر نہ ہو، غائب ہو، دور ہو، وہ خود اس ندا کو نہیں سنتا، اس کو اگر ''یا'' کے ذریعہ ندا کی جاتی ہے تو اس کے ذریعہ سے کی جاتی ہے کہ خدائے پاک وہاں تک ہماری ندا کو پہنچادے گا، اس کے تصور کو ذہن میں حاضر کرکے اس کو ندا کی جاتی ہے، جیسے: کوئی شخص اپنے کسی بڑے کو خط لکھتا ہے، اس میں اس کو خطاب کرتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ حاضر ہے، جس کو وہ خطاب کرر ہا ہے، بلکہ وہ جانتا ہے کہ میرا یہ خط اس کے پاس ڈاک سے پہنچے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

تشہد میں بوقت سلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھنا

سوال[۹۹۱۶]: التحیات میں سلام کے وقت یہ خیال کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر اور ناظر ہے اور سلام سن رہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً: دارالافتاء جامعه نعیمیه مراد آباد

مفتیان کرام نے تصریح فرمائی کہ التحیات مبارکہ بقصد انشاء پڑھے اخبار کے ارادے سے نہیں۔ در مختار، ص:۳۴۲، میں ہے:

"بألفاظ التشهد الإنشاء لا الإخبار"(۲) (ملخصاً).

مراقی الفلاح، مصری، ص:۲۳۱ میں ہے:

"فيقصد المصلي إنشاء هذه الألفاظ مرادة له قاصداً معناها الموضوعة له من عنده، كأنه يحي الله تعالى سبحانه، ويسلم على النبي صلى

(۱) "حرف النداء سبعة: وهي: أ، أيْ، يا ...... الخ ...... وتتعين "يا" في نداء اسم الله تعالى". (جامع الدروس العربية، الباب التاسع منصوبات الأسماء، المنادى: ۳/۱۰۹، قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۰، سعيد)

اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم"(۱) (ملخصاً).

اورحضرات عرفاء محدثین نے کتنے پیارے کلمات لکھے، جن سے اہل ایمان کے ذوقِ عرفان میں نکھار پیدا ہوا اور مخالفین کے حلقوم پر نشتر چلے، حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأحضِر في قلبك النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وشخصه الكريم(۲).

حضرت شیخ محدث دہلوی مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور بعض از ارباب تحقیق گفته اند که آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم باعتبار سریان حقیقت در ذرهائے موجودات واحاطه بابرکات وی بسائر ممکنات در ذات مصلی حاضر است ودرود بصیغه خطاب در حقیقت بملاحظه آن حضور وشهودست صلی الله علیک یا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم".

عبارت مذکور مسئلہ حاضر وناظر پر مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب وبیدہ الحق والصواب (دارالعلوم دیوبند):

التحیات میں لفظ "السلام" پر پہونچ کر صرف نقل واخبار پر کفایت نہ کرے، بلکہ بقصد انشاء ان کلمات کو ادا کرے(۳)، جب کوئی شخص کسی اپنے محترم، مکرم، شیخ، استاذ، والد وغیرہ کو خط لکھتا ہے یا اپنے عزیز، مرید،

---

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۵، قديمي)

(۲) (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الصلاة ومهماتها، الباب الثالث في شروط الباطنة من أعمال القلب: ۱/۲۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "ويقصد بألفاظ التشهد معانيها مرادة له على وجه الإنشاء، كأنه يحي الله تعالىٰ ويسلم على نبيه، وعلى نفسه، وأوليائه، لا الإخبار". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۱۰، سعيد)

"فيقصد المصلي إنشاء هذه الألفاظ مرادة له قاصدا معناها الموضوعة له من عنده، كأنه يحي الله سبحانه وتعالىٰ، ويسلم على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلى نفسه، وأولياء الله تعالىٰ.....". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۵، قديمي)=

شاگرد، بیٹے وغیرہ کو خط لکھتا ہے اور اس میں صیغۂ خطاب استعمال کرتا ہے، وہاں مقصود نقل واخبار نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات مکتوب الیہ کی صورت کو ذہن میں حاضر کر کے وہی محاورات استعمال کرتا ہے، جو اس کے سامنے کرتا اور جانتا ہے کہ یہ خط وہاں پہونچے گا، یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ مکتوب الیہ ہر جگہ ہر وقت حاضر اور ناظر ہے۔

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کو اللہ عز وجل نے اپنی ذات وصفات سے متعلق شان نبوت کے لائق اتنا علم عطا فرمایا ہے کہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وملائکہ عظام کا مجموعی علم ایک قطرہ کے برابر ہے، ناپیدا کنار سمندر کے مقابلہ میں اور خدائے قادر مطلق علیم وخبیر کے علم کے مقابلہ میں سب کے علوم کو وہ نسبت نہیں جو سمندر اور قطرہ میں ہوتی ہے، متناہی اور غیر متناہی کے درمیان کیا نسبت (۱)۔

جو شخص اللہ پاک اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم برابر مانے، ملا علی قاری نے اس کی تکفیر کی ہے (۲)۔ ہر جگہ پر حاضر وناظر ہونا کسی آیت وحدیث سے ثابت نہیں۔ مسئلۂ عقیدہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے (۳)، پھر اگر کوئی خبر واحد یا کسی بزرگ کا مقولہ بظاہر دلیل قطعی کے خلاف معلوم ہوتا ہے، تو حسن ظن کے تحت اس کے ایسے معنی کئے جائیں گے جو دلیل قطعی کے خلاف نہ ہوں، نہ کہ اس کو اصل دلیل قرار دے کر دلیل قطعی کو ترک کر دیا جائے، ایسا کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، عالم الغیب والشہادہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۶۷، رشيديه)

(۱) "إن الله جعل للعقول في إدراكها حدّ انتهي إليه لا تتعداه، ولم يجعل لها سبيلاً إلى الإدراك في كل مطلوب، ولو كانت كذلك لاستوت مع الباري تعالىٰ في إدراك جميع ماكان ومايكون ومالا يكون؛ إذ لو كان، كيف كان يكون؟ فمعلومات الله لا تتناهي، ومعلومات العبد متناهية، والمتناهي لا يساوي مالا يتناهي". (الاعتصام للشاطبي، الباب العاشر في معنى الصراط المستقيم الخ، فصل النوع الثالث، ص: ۵۲۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) (الموضوعات الكبرىٰ، فصل: ومنها مخالفة الحديث لصريح القرآن، ص: ۳۲۴، قديمى)

(۳) "ومعرفة العقائد عن أدلتها بالكلام. وقيد الجمهور الأدلة بالقطعية؛ لأن اتباع الظن في العقائد مذموم". (النبراس، الأدلة الشرعية أربعة، ص: ۱۷، مكتبه حقانيه ملتان)

"والاكتفاء بالظن إنما يجوز في العمليات لا في الاعتقاديات". (النبراس بيان الخلفاء الراشدين، ص: ۳۰۱، مكتبه حقانيه ملتان)

ہے۔اس میں اس کا کوئی شریک نہیں،علم الغیب پر مستقل رسائل تصنیف کیے گئے ہیں،مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ منع کیا ہے، جیسا کہ صمصام میں تصریح ہے(۱)،ملفوظات میں بھی یہ بحث موجود ہے(۲)،خدائے پاک نے حکم فرمایا:

﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾ الآية(۳).

﴿قل ماكنت بدعا من الرسل وما أدري ما يفعل بي ولا بكم﴾ الآية (٤).

﴿وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾ الآية(٥).

﴿قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب إلا الله﴾ الآية (٦).

﴿عالم الغيب والشهادة﴾ الآية(٧).

غیب کی باتوں کا جس قدر علم حق تعالیٰ نے عطا فرمایا،عطا ہوگیا، یہ بات نہیں ہے کہ غیب کی بات پر جب چاہیں مطلع ہوجائیں۔

"ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالى أحياناً، ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي عليه السلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى ﴿قل لايعلم من في السموٰت والأرض الغيب إلا الله﴾" كذا في المسايرة، ص: ۱۸۵،شرح فقه اكبر(۸).

---

(۱) (صمصام، ص: ۲۷، مطبع اهل سنت والجماعت بریلی محله سوداگران)

(۲)"جوشخص ذرہ برابر غیر خدا کے لئے علم بلاواسطہ مانے،کافر ہے"۔(ملفوظات بریلوی:۳/۲۸۴،کارخانہ اسلامی کتب خانہ)

(۳) (الأنعام: ۵۰)

(۴) (الأحقاف: ۹)

(۵) (الأنعام: ۵۹)

(۶) (النمل: ۶۵)

(۷) (التغابن: ۱۸)

(۸) (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۵۱، قديمی)

"وحاصله: أن دعوى الغيب معارضة لنص القرآن، فيكفر بها". (ردالمحتار، باب المرتد، =

"ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر إجماعاً". ملا علي قاري في الموضوعات، ص: ١٦٢ (١).

ملفوظ حصہ اول میں حضرات اکابر دیوبند کی طرف غلط باتیں حسب عادت منسوب کرنے کے بعد خاں صاحب نے جو کچھ اپنا مسلک لکھا ہے، وہ یہ ہے، ''برابری تو درکنار میں نے اپنے کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم وحی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہوسکتی، جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصے کو سمندر سے ہے کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی سے ہے اور وہ غیر متناہی ہے، متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہوسکتی ہے'' (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۹/۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= مطلب في دعوى علم الغيب: ۴/۲۴۳، سعيد)

"وبالجمله فالعلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل للعباد إليه، إلا بإعلام منه بالوحي، أو إلهام بطريق المعجزة، أو الكرامة، أو إرشاد ...". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ۳۴۳، مكتبه حقانيه ملتان)

(۱) (الموضوعات الكبرىٰ، فصل: ومنها مخالفة الحديث لصريح القرآن، ص: ۳۲۴، قديمي)

(۲) (ملفوظات اعلىٰ حضرت بريلوى: ۱/۵۹، محمد على كارخانه اسلامى كتب خانه كراچى)

مایتعلق بحیاۃ الأنبیاء وسماع الموتیٰ

(حیات انبیاء اور سماع موتیٰ کا بیان)

مسئلہ حیات النبی

سوال[۹۹۱۷]: ۱..... حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں علماء اہل سنت کا کیا نقطہ نظر ہے؟ اگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ہیں، تو اس حیات کی کیا نوعیت ہے؟

۲..... منکرینِ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مستدل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا تھا:

"من کان یعبد محمداً فإن محمداً قد مات، ومن کان یعبد اللّٰہ، فإن اللّٰہ حيّ لایموت"(۱).

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ نہیں ہیں، وفات پاچکے، اب حیات کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

۳..... علماء دیوبند نے مسئلہ مجوثہ میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موت کا طاری ہونا قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے(۲)۔

---

(۱) (البدایة والنهایة، احتضاره ووفاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲۴۸/۵، حقانیه پشاور)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول في مرضه الذي مات: "یا عائشة! ما أزال أجد ألم الطعام الذي أکلت بخیبر، وهذا أوانُ وجدت انقطاعَ أبهري من ذلک السم". (مشکاة المصابیح، کتاب الفتن، باب وفاة النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، الفصل الثالث: ۵۴۸/۲، قدیمي) ....=

ارشادِ باری ہے:﴿إنك ميت وإنهم ميتون﴾(۱) اگر موت طاری نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ وہ معاملہ نہ کیا جاتا جو میت کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی غسل، کفن، صلوۃ جنازہ، دفن اور پھر خلیفہ کی تجویز وغیرہ، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موت دوسروں کی موت سے خاص امتیاز رکھتی ہے، آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے کسی کا نکاح درست نہیں (۲)، بعض اس کے قائل

= "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لما قبض رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اختلفوا في دفنه، فقال أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم شيئاً، قال: ما قبض الله نبيا إلا في الموضع الذي يجب أن يدفن فيه". ادفنوه في موضع فراشه". (جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، لما ثقل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جعل يتغشاه الكرب، فقالت فاطمة: واكرب أباه! فقال لها: "ليس على أبيك كرب بعد اليوم" فلما مات قالت: يا أبتاه! أجاب رباً دعاه، من جنة الفردوس ماواه، يا أبتاه! إلى جبريل ننعاه. فلما دفن قالت فاطمة: يا أنس! أطابت أنفسكم أن تحثوا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التراب". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ووفاته: ۲/۶۴۱، قديمي)

(۱) (الزمر: ۳۰)

(۲) "فذهب جماعة من العلماء إلى أن هذه الحياة مختصة بالشهداء، والحق عندي عدم اختصاصها بهم، بل حياة الأنبياء أقوى منهم، وأشد ظهوراً آثارها في الخارج، حتى لايجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد وفاته، بخلاف الشهيد، والصديقون أيضاً أعلى درجة من الشهداء". (التفسير المظهري، البقرة: ۱۵۴): ۱/۱۵۲، حافظ كتب خانه كوئته)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله: ﴿وما كان لكم أن تؤذوا رسول الله﴾ قال: "نزلت في رجل همّ أن يتزوج بعض نساء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعده، قال رجل لسفيان: أهي عائشة؟ قال: قد ذكروا ذلك ...... (قال الحافظ ابن كثير) ولهذا اجتمع العلماء قاطبة على أن من توفي عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من أزواجه أنه يحرم على غيره تزوجها من بعده؛ لأنهن أزواجه في الدنيا والآخرة، وأمهات المؤمنين". (تفسير ابن كثير، الأحزاب: ۵۳): ۳/۶۲۸، دار السلام)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن فاطمة بنت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أرسلت إلى =

ہیں کہ محض کچھ وقفہ کے لئے روح اطہر، جسم مبارک سے جدا ہوئی، پھر وہیں لوٹادی گئی (۱)۔ جو احساسات سمع، بصر وغیرہ کے قبل از موت حاصل تھے، وہ اب قوی تر ہوگئے۔

بعض اس کے قائل ہیں کہ روح مبارک، جسم اطہر سے جدا نہیں کی گئی، بلکہ پھیلاؤ کے اعتبار سے اس کے اوقات کو محدود کردیا گیا اور کیفیت کے اعتبار سے اس میں بہت اضافہ ہوگیا ہے، جیسے ایک چراغ ہو کہ اس کی روشنی بہت دور تک پھیلتی ہے، مگر جس قدر دوری ہوتی جاتی ہے، روشنی دھیمی اور ہلکی ہوتی جاتی ہے، اگر اس چراغ پر ایک طشت ڈھانک دیا جائے، تو روشنی طشت سے باہر نہیں نکلتی، دور تک نہیں پہونچتی، صرف طشت کے اندر رہتی ہے، لیکن کیفیت کے اعتبار سے بہت قوی ہوجاتی ہے (۲)۔ کچھ ایسی حالت یہاں بھی ہے، مگر برزخ کے حالات کو عالم مشاہدہ کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، قیاس الغائب علی الشاہد ناجائز ہے (۳)، کم از کم دوسو

= أبي بكر تسئله ميراثها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما أفاء الله عليه بالمدينة، وفدك، وما بقي من خمس خيبر، فقال أبوبكر: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا نورث، ما تركنا صدقة". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر: ۲/۶۰۹، قديمي)

(۱) "قال البيهقي في كتاب الاعتقاد: الأنبياء بعد ما قبضوا ردت إليهم أرواحهم، فهم أحياء عند ربهم كالشهداء". (الحاوي للفتاوى، كتاب البعث، أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء: ۲/۱۸۰، دار الفكر)

(۲) "اور ارواحِ انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رکھتا ہے پر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لئے حیاتِ جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہوجاتی ہے جیسے ظرفِ مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے...... بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے، بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماعِ مدت اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثلِ نورِ چراغ وظلمت ظرفِ محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہوجاتے ہیں"۔ (نادر مجموعہ رسائل، مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، رسالہ جمالِ قاسمی، ص:۱۱،۱۲، میر محمد کتب خانہ)

(۳) "وقياس الغائب على الشاهد فاسد". (شرح العقائد النسفية، مبحث رؤية الله تعالىٰ والدليل عليها، ص: ۷۵، قديمي)

"ومنعه من قياس الغائب على الشاهد". (روح المعاني البقرة: ۱۴: ۱/۱۵۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وبأن أصل ما ذكروه قياس الغائب على الشاهد وهو أصل كل خبط". (فتح الباري، كتاب التوحيد، باب مايذكر في الذات والنعوت...، رقم الحديث: ۷۴۰۲: ۱۳/۴۷۳، قديمي)

جگہ اس کو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے جس کے ذریعہ سے برزخ، جنت، دوزخ، لوح، عرش وغیرہ پر وارد ہونے والے اعتراضات کو رد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بحقیقۃ الحال، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ’’آب حیات‘‘ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

انبیاء کی خدمت میں ازواج مطہرات کا پیش کیا جانا

سوال[۹۹۱۸]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں، کیا یہ قول صحیح ہے؟ نیز کیا مرنے کے بعد سمع وبصر وادراک بڑھ جاتا ہے؟ عام لوگوں کا حتیٰ کہ کفار کے بھی سمع بصر وادراک بڑھ جاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ نیز "ولایۃ النبي أفضل من نبوتہ" جو مقولہ ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انبیاء علیہم السلام کی حیات ان کی قبور میں برزخی حیات ہے، جو کہ اس عالم کی حیات سے قوی ہے(۱)، جیسے کہ چراغ ہے، اس کی روشنی سارے کمرے میں پھیل رہی ہے، لیکن اس کے اوپر جب طشت ڈھانک دیا جائے، جس سے اس کی روشنی محدود ہو جائے گی، مگر پہلے سے زیادہ قوی ہو جائے گی، جو چیز احادیث سے ثابت ہو، اس کا تو اعتراف کیا جائے گا اور جس چیز کی احادیث میں نفی کردی گئی ہو، اس کا انکار کر دیا جائے گا(۲)۔ اور

---

(۱) "فأقول: حیاۃ النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم في قبرہ ہو وسائر الأنبیاء معلومۃ قطعاً ..... فمن الأخبار الدالۃ في ذلک ما أخرجہ مسلم، عن أنس: أن النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ أسري بہ مر بموسی علیہ الصلاۃ والسلام، وہو یصلي في قبرہ اھ". (الحاوي للفتاوی، أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء: ۲/۱۷۸، دار الفکر)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر، آل عمران: ۱۶۹، ۱/۵۲۵، دار الفیحاء)

(وکذا في التفسیر المظہري، البقرۃ: ۱۵۴، ۱/۱۵۲، حافظ کتب خانہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما آتکم الرسول فخذوہ ومانہکم عنہ فانتہوا﴾ (الحشر: ۷)

"قولہ تعالیٰ: ﴿وما آتکم الرسول فخذوہ﴾ وإن جاء بلفظ الإیتاء، وہو المناولۃ، فإن معناہ الأمر؛ بدلیل قولہ تعالیٰ: ﴿وما نہکم عنہ فانتہوا﴾ فقابلہ بالنہي، ولا یقابل النہي إلا بالأمر؛ والدلیل =

جس چیز سے احادیث ساکت ہو اس میں توقف کیا جائے گا، اپنی قیاس اور رائے سے کوئی بات نہیں کہی جائے گی، میں نے یہ کہیں کسی احادیث میں نہیں دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں۔ کفار کو عذاب کا ادراک واحساس بہت بڑھ جاتا ہے، لذائذ اور نعمتوں سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں، کوئی ادراک باقی نہیں رہتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی دو صفتیں ہیں:

۱- نبوت، جس میں مخلوق کی طرف رخ ہوتا ہے، احکام پہنچانے کے لئے۔

۲- دوسرا وصف ولایت، اس میں حق تعالیٰ کی طرف رخ ہوتا ہے کمالات حاصل کرنے کے لئے، تو جس حالت میں حق تعالیٰ کی طرف رخ ہو، وہ اعلیٰ ہے، اس حالت سے جس میں مخلوق کی طرف رخ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کا قبر میں نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا

سوال [۹۹۱۹]: ایک معتبر کتاب میں بزرگوں کے اقوال اس طرح درج کئے گئے ہیں:

بعض اشخاص اس دنیائے فانی سے کوچ کرنے کے بعد قبروں میں نماز کی پابندی کرتے تھے، ایسے واقعات بزرگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ایسے واقعات اعتبار کرنے کے قابل ہیں یا نہیں؟ اور بعض لوگ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرتے تھے اور ان کا جسم بھی اچھی حالت میں تھا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قسم کے متعدد واقعات شرح الصدور میں مذکور ہیں (۱)، اللہ رب العزت کی حفاظت واجازت سے

= علی فهم ما ذكرناه قبل مع قوله عليه السلام: "إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الحشر: ۷: ۱۸/۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقوله تعالى: ﴿وما اٰتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ أي: مهما أمركم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهى عن الشر". (تفسير ابن كثير، الحشر: ۷: ۴/۴۳۱، دارالسلام)

(۱) (ملاحظہ فرمائیں، شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب أحوال الموتى في قبورهم وأنسهم فيها=

ایسا ہونا بعید نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وهل يصلون فيها ويقرؤون ويتزاورون ويتنعمون ويلبسون؟، ص: ۱۸۷ - ۱۹۱، دارالمعرفة بيروت)

مایتعلق بالتوسل في الدعاء

(دعامیں توسل کا بیان)

دعامیں توسل

سوال[۹۹۲۰]: دعابلاواسطے افضل ہے یابواسطے؟اس طرح کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں صدقہ میں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاعامۃً بلاواسطے ہی ہے(۱)،گاہے بلواسطے بھی ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۳۰/۳/۸۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (المؤمن: ۲۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وإذا سألک عبادی عنی فإنی قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لی وليؤمنوا بی لعلهم يرشدون﴾ (البقرہ: ۱۸۲)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: كنت خلف رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يوماً فقال: يا غلام! احفظ الله، يحفظک، احفظ الله تجده تجاهک، وإذا سألت فسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله ...... الخ". (جامع الترمذي، أبواب الزهد عن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، باب: ۲/۷۸، سعيد)

(۲) "أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه كان إذا قحطوا، استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضي الله تعالیٰ عنه فقال: "اللهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا".

(صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱/۱۳۹، قديمی)

"وقال الحافظ رحمه الله تعالیٰ في شرحه: ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة". (فتح الباري، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا: ۲/۲۳۲، قديمی) .... =

قبولیت دعا کے لئے ضعفاء کا وسیلہ

سوال [۱۰۹۲۱]: خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار پر فتح پانے کے لئے دعا کے وقت خدا کے آگے فقراء صحابہ کا واسطہ پیش کیا تھا، کیا یہ بات شرع سے ثابت ہے؟ مجھے اس بات پر حوالہ چاہیے کہ یہ کس کتاب اور صفحہ پر درج ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقراء صحابہ کے لئے غزوہ بدر میں دعا کی تھی اور یہ بھی بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ "اے اللہ! اگر یہ ختم ہوگئے تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا"۔ یہ بخاری شریف، کتاب المغازی میں ہے: ۲/۵۱۴ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۲ھ۔

= "وقال السبكي: يحسن التوسل بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى ربه ولم ينكر أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية، وابتدع مالم يقله عالم قبله، ونازع العلامة ابن امير الحاج في دعوى الخصوصية وأطال الكلام على ذلك في الفصل الثالث عشر اخر شرحه على المنية فراجعه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۹۷، سعيد)

"عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل في الدعوات بالأنبياء والصالحين من الأولياء والصديقين والشهداء في حياتهم وبعد وفاتهم". (المهند على المفند، ص: ۸، قديمى)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم بدر: اللهم أنشدك عهدك ووعدك اللهم إن شئت لم تعبد" فأخذ أبوبكر بيده، فقال: "حسبك" فخرج، وهو يقول: "سيهزم الجمع ويولون الدبر". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالىٰ ......: ۲/۵۶۴، قديمى)

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما كان يوم بدر، نظر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى المشركين وهم ألف، وأصحابه ثلا ثمائة وتسعة عشر رجلاً، فاستقبل نبي الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القبلة، ثم مديديه، فجعل يهتف بربه: "اللهم أنجزلي ما وعدتني! اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض". الخ. (صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب الإمداد بالملئكة في غزوة بدر وإباحة الغنائم: ۲/۹۳، قديمى)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۲۲۱: ۱/۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

مرنے کے بعد عذاب وثواب کا محل اور روح کا جسم سے تعلق

سوال[۹۹۲۲]: الحمد للہ کسی شک میں مبتلا نہیں ہوں، مگر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد منکر نکیر کے سوالات کے وقت جسم میں روح لوٹائی جائے گی جو ذکر ہے اسی دنیاوی جسم میں یا کسی دوسرے مثالی جسم میں؟ اور قبر سے مراد یہی گڑھا ہے، جس میں ہم دفن کرتے ہیں، یا عالم برزخ کے مقام کا نام ہے اور روح کو عذاب قبر اس دنیاوی جسم پر محسوس ہوتا ہے، جب کہ وہ عموماً سڑ گل کر مٹی ہوجاتا ہے یا کوئی اور جسم ہے؟ اور بعض مخصوص گنہ گاروں کے قبروں میں آجانے پر اس کے سڑے، گلے عبرتناک عذابوں کے مشاہدات معتبر لوگوں نے بیان کئے، مگر اکثر اعلانیہ کبائر میں مبتلا حتی کہ کافر ومشرکین کی کھودی ہوئی قبروں میں صرف بوسیدہ ہڈیوں کا ہونا خود اپنا مشاہدہ ہے، ایسے بعض بزرگوں میں قبر میں مدتوں بعد تازہ نعش مع کفن کے پایا جانا بہت مشہور ہے، ایسے ہی بعض نیکوکاروں کی قبر میں جانے پر چند بوسیدہ ہڈیوں کا پایا جانا بھی مشاہدہ میں ہے، اب تک میں یہی سمجھتا رہا ہوں کہ عذاب قبر عالم برزخ کے مثالی جسم پر ہوتا ہے اور یہ قبر بھی عالم برزخ کا مقام ہے۔

سوالات نکیرین اسی قبر میں ہوتے ہیں، البتہ جس کی دنیاوی قبر موجود ہے، اس کے عذاب وثواب کے اثرات اس دنیاوی قبر پر بھی محسوس ہوتے ہیں، اس قبر اور اس قبر میں قریبی تعلق ہوتا ہے، چنانچہ اس قبر پر کیا گیا سلام مومن بندہ اس قبر میں براہ راست سنتا ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے ایک بزرگ کی صحبت سے حاصل کی تھیں، اب وہ مرحوم ہوچکے، ان باتوں کو بعض کتابوں میں تلاش کیا، نہ پایا تو آپ سے رجوع کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تو یہی ہے کہ اس دنیاوی جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے(۱)، مرنے کے بعد قیامت کو دوبارہ زندہ

(۱) "(وإعادة الروح) أي: ردها أو تعلقها (إلى العبد) أي جسده بجميع أجزائه أو بعضها مجتمعة أو =

ہونے سے پہلے درمیانی وقفہ عالم برزخ ہے(۱)، عذاب وثوابِ قبر کا محل وہی برزخ ہے، مگر قبر میں عامۃً مردہ کو دفن کیا جاتا ہے، اسی میں اسی جسم میں روح داخل کی جاتی ہے(۲)۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ مردہ کو دفن کر کے

= متفرقة (في قبره حق)". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۰۰، قديمي)

"وعن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: يأتيه ملكان فيلجسانه، فيقولون له من ربک؟ فيقول ربي الله ..... وأما الكافر فذكر موته قال: ويعاد روحه في جسده ويأتيه ملكان، فيلجسانه فيقولان: "من ربک"؟ فيقول: هاه هاه، لا أدري!! ..... ". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، الفصل الثاني: ۱/۲۵، ۲۶، قديمي)

"أخرج ابن أبي الدنيا وأبونعيم عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن ابن آدم لفي غفلة عما خلق له ..... فإذا حضره الموت، ارتفع ذلک الملكان، وجاء ملک الموت ليقبض روحه، فإذا دخل قبره ردّت الروح إلى جسده ..... الخ". (شرح الصدور، باب فتنة القبر وسؤال الملكين، ص: ۱۲۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "قال الجوهري: البرزخ الحاجز بين الشيئين، والبرزخ مابين الدنيا والأخرة من وقت الموت إلى البعث، فمن مات فقد دخل في البرزخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، مؤمنون: ۱۰۰: ۱۲/۱۰۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال مجاهد: البرزخ الحاجز مابين الدنيا والاخرة. وقال محمد بن كعب: البرزخ مابين الدنيا والأخرة ليسوا مع أهل الدنيا يأكلون ويشربون ولا مع أهل الأخرة يجازون بأعمالهم، وقال أبوصخر: البرزخ المقابر لاهم في الدنيا ولاهم في الأخرة، فهم مقيمون إلى يوم يبعثون". (تفسير ابن كثير، المؤمنون: ۱۰۰: ۳/۳۴۳، مكتبه دار السلام رياض)

"وعن ابن زيد: أن المراد من ورائهم حاجز بين الموت والبعث في القيامة من القبور باق إلى يوم يبعثون". (روح المعاني، المومنون: ۱۰۰: ۱۷/۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أولم يقبر". (كتاب الروح، المسئلة السادسة، ص: ۷۸، فاروقيه، پشاور)

"واعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيب منه، قبر أولم يقبر". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۳۱۹، جامعه ستاريه)

"واعلم أنه لما كان أحوال القبر مما هو متوسط بين أمر الدنيا والآخرة ولذا تسمى أحوال =

جب اس کے اصحاب لوٹتے ہیں تو وہ قرع نعال کو سنتا ہے(۱)۔ نیز روایات میں ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرنا ترک کردو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ عذاب قبر تم پر منکشف فرمادے(۲)، نیز روایات میں ہے کہ دو قبروں کے قریب سے گزر ہوا تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی سواری کا جانور بھڑکا، اس پر ارشاد فرمایا کہ ان دو قبروں کے مردوں پر عذاب ہو رہا ہے(۳)۔

نیز روایات میں ہے کہ جب مردہ پر عذاب ہوتا ہے، جس سے وہ چیختا ہے، تو اس کی آواز کو جن وانس کے علاوہ اور جانور وغیرہ سنتے ہیں الی غیر ذلک (۴)۔ کبھی کبھی عبرت کے لئے بعض آدمیوں پر بھی عذاب قبر ظاہر

= البرزخ". (نبراس عذاب القبر وثوابه، ص: ۲۱۰، حقانیه ملتان)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "العبد إذا وضع في قبره وتولىٰ، وذهب أصحابه حتى أنه يسمع قرع نعالهم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب المشي في النعل بين القبور: ۲/۱۰۴، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب التسهيل في غير السبتية: ۱/۲۸۸، قديمى)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر". (صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها، وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه....: ۲/۳۸۶، قديمى)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر: ۱/۲۹۰، قديمى)

(ومصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في عذاب القبر ومم هو، رقم الحديث: ۱۲۱۵۳: ۷/۴۴۹، المجلس العلمي)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: مرّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على قبرين". فقال: إنهما يعذبان ومايعذبان في كبير. أما هذا: فكان لا يستنزه من البول، وأما هذا: فكان يمشي بالنميمة، ثم دعا بعسيب رطب فشقّه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعلّه يخفف عنهما مالم ييبسا". (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۱/۴، رحمانيه)

(وجامع الترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في التشديد في البول: ۱/۲۵، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب التنزه عن البول: ۱/۱۲، قديمى)

(۴) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: العبد إذا وضع في قبره =

کردیا جاتا ہے،ان سب آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی جسم پر اسی (گڑھے) میں عموماً یہ عذاب ہوتا ہے،ثواب کے آثار بھی بعض قبور میں دیکھے گئے ہیں،جن لوگوں کو قبر (گڑھے) میں دفن نہ کیا جائے،مثلاً: درندہ کھالے تو ان کا معاملہ دوسرا ہے(۱)۔تفصیل کے لئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''الروح'' اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی شرح الصدر ملاحظہ کریں،ان میں احادیث نقل کی گئی ہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۱۴/۳/۸۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= وتولى ..... ثم يضرب بمطرقة من حديد بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين".

(صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب المسألة في القبر وعذاب القبر: ۲/۳۰۵، إمداديه)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب مسألة الكافر: ۱/۲۸۸، قديمي)

(۱) "ولا يستلزم أن يتحرك ويضطرب من الألم، أو يرى أثر العذاب عليه من إحراق، أو ضرب حتى أن الغريق في الماء، أو المأكول في بطون الحيوانات، أو المصلوب في الهواء يعذب وإن لم نطلع عليه". (نبراس، عذاب القبر، ص: ۲۱۰، حقانيه ملتان)

"(إذا أقبر الميت) أي: دفن وهو قيد غالبي وإلا فالسؤال يشمل الأموات جميعها، حتى أن من مات وأكلته السباع، فإن الله تبارك وتعالى يعلق روحه الذي فارقه بجزئه الأصلي الباقي من أول عمره إلى آخره المستمر على حاله حالتي النمول والذبول الذي تتعلق به أولا فيحيا ويحيا بحياته سائر أجزاء البدن؛ ليسأل فيثاب أو يعذب، ولا يستبعد ذلك فإن الله تعالى عالم بالجزئيات والكليات كلها حسب ماهي عليها، فيعلم الأجزاء بتفاصيلها ويعلم مواقعها ومحالها ويميز بين ماهو أصل وفصل، ويقدر على تعليق الروح بالجزء الأصلي منها حالة الانفراد، وتعليقه به حالة الاجتماع ..... الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، رقم الحديث: ۱۳۰: ۱/۳۴۷، رشيديه)

"أنه غير ممتنع أن ترد الروح إلى المصلوب والغريق والحريق ونحن لانشعر بها؛ لأن ذلك الرد نوع آخر غير المعهود، فهذا المغمى عليه، والمسكوت والمبهوت أحياء، وأرواحهم معهم، ولا نشعر بحياتهم، ومن تفرقت أجزاؤه لا يمتنع على من هو على كل شيء قدير، أن يجعل للروح إتصالا بتلك الأجزاء على تباعد ما بينها وقربه ويكون في تلك الأجزاء شعور بنوع من الألم واللذة ..... الخ". (التعليق الصبيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(۲) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب عذاب القبر، ص: ۱۶۱، دار المعرفة) =

عذابِ قبر روح کو ہوتا ہے یا جسم کو؟

سوال[۹۹۲۳]: کتابوں میں پڑھا ہے کہ مشرکوں کی روح کو قبر کے اندر تا قیامت عذاب ہوتا رہے گا، تو اب روح پر عذاب ہوتا ہے یا جسم پر؟ جب کہ روح تو جسم میں قید ہو جاتی ہے اور بدن، جسم گل سڑ جاتا ہے، تو عذاب قبر کس چیز پر ہوتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ عذاب برزخ میں ہوتا ہے(۱)، جس طرح برزخ ہماری نظروں سے مخفی ہے، اسی طرح یہ عذاب بھی مخفی ہے، روح کا تعلق جسم سے بھی رہتا ہے اور قبر سے بھی رہتا ہے(۲)، اس وجہ سے جس قبر میں عذاب ہوتا ہے اور مردہ اسی سے چیختا ہے، تو اس کے قریب جانور گھاس نہیں کھاتے، ڈر کر بھاگ جاتے ہیں، جن وانس کے سوا اس کی آواز کو

= (وكتاب الروح، المسألة السادسة، هل تعاد إلى الميت في قبره ..... فصل: أحاديث عذاب القبر، ص: ١٥٥، دار ابن كثير)

(١) "وما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أو لم يقبر". (كتاب الروح، المسئلة السادسة، ص: ٧٨، مكتبه فاروقيه پشاور)

"واعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق العذاب، ناله نصيب منه، قبر أو لم يقبر". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، ص: ٣١٩، المكتبة الستارية)

"واعلم أنه لما كان أحوال القبر مما هو متوسط بين أمر الدنيا والآخرة ولذا تسمى أحوال البرزخ". (نبراس، عذاب القبر وثوابه، قبيل والبعث حق، ص: ٢١٠، مكتبه حقانيه ملتان)

(٢) "ولا تظن أن بين الآثار الصحيحة في هذا الباب تعارضاً، فإنها كلها حق يصدق بعضها بعضاً، لكن الشأن في فهمها ومعرفة النفس أحكامها، وأن لها شأناً غير شأن البدن، وأنها مع كونها في الجنة فهي في السماء، وتتصل بفناء القبر وبالبدن فيه ..... الخ". (كتاب الروح، المسألة الخامسة عشر، أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، ص: ١٥٠، ١٥١، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وبهذا يجمع بين ماورد أن مقرها في عليين أو سجين، وبين مانقله ابن عبدالبر عن الجمهور أيضاً: أنها عند أفنية قبورها. قال: ومع ذلك فهي مأذون لها في التصرف وتأوي إلى محلها من عليين أو سجين قال: "وإذا نقل الميت من قبر إلى قبر، فالاتصال المذكور مستمر، وكذا لو تفرقت الأجزاء". (شرح الصدور، باب مقر الأرواح، ص: ٢٣٩، دارالمعرفة)

سنتے ہیں(۱)۔ یہ چیزیں اپنی عقل سے معلوم کرنے کی نہیں، بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو بات جس طرح فرمائی، اس کو اسی طرح مان لینا لازم ہے(۲)۔ اور احادیث میں عذابِ قبر کا تذکرہ موجود ہے(۳)،

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قال: العبد إذا وضع في قبره وتولى ..... ثم يضرب بمطرقة من حديد بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال: ۱/۱۷۸، قديمى)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب مسألة الكافر: ۲/۱۸۸، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب المسألة في القبر وعذاب القبر: ۲/۳۰۵، إمداديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما اتكم الرسول فخذوه ومانهكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر: ۷)

"قوله تعالىٰ: ﴿وما اتكم الرسول فخذوه﴾ وإن جاء بلفظ الإيتاء وهو المناولة، فإن معناه الأمر؛ بدليل قوله تعالىٰ: ﴿وما نهكم عنه فانتهوا﴾ فقابله بالنهي، ولا يقابل النهي إلا بالأمر؛ والدليل على فهم ما ذكرناه قبل مع قوله عليه السلام: "إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه".

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الحشر: ۷: ۱۸/۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أي: مهما أمركم به فافعلوه ومهمانهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهى عن الشر". (تفسير ابن كثير، الحشر: ۷: ۴/۴۳۱، دارالسلام)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، أن يهودية دخلت عليها، فذكرت عذاب القبر، فقالت لها: أعاذك الله من عذاب القبر، فسألت عائشة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن عذاب القبر، فقال: "نعم! عذاب القبر حق". قالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: فما رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعدُ صلى صلاة إلا تعوّذ بالله من عذاب القبر". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر: ۱/۱۸۳، قديمى)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه، قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ..... فقال: إن هذه الأمة تبتلى في قبورها، فلو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه، ثم أقبل علينا بوجهه علينا، فقال: تعوّذوا بالله من عذاب القبر ..... الخ". (صحيح مسلم، كتاب الجنة، وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض المقعد من الميت من الجنة والنار ..... : ۲/۳۸۶، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، رقم: ۱۰۹۴۱: =

ہمارے لئے وہی کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ۳/۴۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مایتعلق بالجزاء والعقوبة

(جزاءاورسزاکابیان)

قیامت کاایک دن دنیاکے اعتبار سے کتنے دنوں کا ہے؟

سوال[۹۹۲۴]: قیامت کاایک دن دنیاکے دنوں کے حساب سے کتنے برس کا ہوگا؟ایک ہزار برس کایاپچاس ہزار برس کا؟

الجواب حامداًومصلياً:

بعضوں کے حق میں وہ دن ایک ہزار برس کا ہوگا اور بعضوں کے حق میں پچاس ہزار برس کا ہوگا(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۱/۲/۹۶ھ۔

---

(۱) "والمراد بيوم مقداره كذا يوم القيامة ولا ينافي هذا قوله تعالىٰ: ﴿كان مقداره خمسين ألف سنة﴾ بناء على أحد الوجهين فيه لتفاوت الاستطالة على حسب الشدة، أو لأن ثم خمسين موطنا، كل موطن ألف سنة". (روح المعاني، السجدة: ۵: ۲۱/۱۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿تعرج الملئكة والروح إليه في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة﴾ قال: هو يوم القيمة جعله الله تعالىٰ على الكافرين مقدار خمسين ألف سنة وقد وردت أحاديث في معنى ذلك ... عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ﴿في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة﴾ ما أطول هذا اليوم! فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده إنه ليخفف على المؤمن حتى يكون أخف عليه من صلاة مكتوبة يصليها في الدنيا". (تفسير ابن كثير، المعارج: ۴: ۵۳۹/۴، دارالسلام)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، المعارج: ۱۸/۱۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میدانِ حشر میں باپ کے نام سے پکارا جائے گا یا ماں کے نام سے؟

سوال[۹۹۲۵]: سائل کا بیان ہے کہ کیا قبر میں یا حشر میں میت کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ حدیث وقرآن سے ثبوت مطلوب ہے، اگر کتاب کا حوالہ دیں، تو زیادہ بہتر ہوگا، نیز سنن ابوداود شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نام اچھے رکھو، کیونکہ حشر میں اپنے باپ داداؤں کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ کیا اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو قیامت کے میدان میں باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ اور اکثر علماء کرام سے سنا گیا کہ قیامت کے میدان میں ماں کے نام سے پکارا جائے گا، تاکہ بندے بندی کی پردہ پوشی ہو، یہ کہاں تک درست ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو حدیث اور کتاب کا حوالہ دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

حشر میں ماں کی طرف منسوب کرکے پکارنے کے متعلق کوئی روایت متون حدیث میں میری نظر سے نہیں گزری، البتہ بذل المجہود شرح ابی داود: ۵/ ۲۶۷، میں نقل کیا ہے:

"قد جاء في بعض الروايات: أنه يدعى الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم، فقيل: الحكمة فيه ستر حال أولاد الزنا، لئلا يفتضحوا. وقيل: ذلك لرعاية عيسى بن مريم عليه الصلاة والسلام. وقيل غير ذلك. فإن ثبت هذا الرواية حمل الاباء على التغليب كما في الأبوين، أو يحمل أنهم يدعون تارة بالاباء وأخرى بالأمهات أو البعض بالاباء، والبعض بالأمهات أو في بعض المواطن بهم، وفي بعضها بهن"(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۳/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۳/ ۸۹ھ۔

---

(۱) (بذل المجهود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۵/ ۲۶۷، معهد الخليل)

"در بعضے روایات آمدہ کہ روز قیامت مردم را بنام مادران خوانند، وگفتہ اند کہ حکمت درین آن است کہ تا اولادِ زنا شرمندہ ورسوانشوند، وجہت رعایت حال عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پدر ندراد"۔ (اشعة اللمعات، كتاب الآداب، باب =

کیا گنہگار جہنمیوں کی خلاصی ایک ہی وقت میں ہوگی؟

سوال[۹۹۲۶]: جو کوئی فاسق جہنم میں داخل ہوگا، اپنے کئے کی سزا پاکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے خلاصی پاکر جہنم سے آزاد ہوکر جنت میں داخل ہوگا، تو یہاں یہ پوچھنا مقصود ہے کہ تمام گنہگار ایک ہی وقت میں جہنم سے شفاعت کے ذریعہ نکلیں گے، مثلاً: کسی نے پچیس سال گناہ میں گزارے ہوں گے، کسی نے چالیس سال گناہ میں گزارے ہوں گے، تو دونوں کی خلاصی ایک ہی وقت میں ہوگی یا دونوں کی سزا کی مدت جب بھی پوری ہوگی، تب ہی رہائی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کی خلاصی ایک ساتھ نہیں ہوگی (۱)، یہاں تک کہ جس شخص کو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا

= الأسامی: ۴/۵۰، مکتبہ نوریہ سکھر)

(وكذا في روح المعاني، الإسراء: ۷۱: ۱۵/۱۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۰/۱۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "حدثنا أنس بن مالك، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير مايزن شعيرة، ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير مايزن برة، ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير مايزن ذرة ......". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار: ۱/۱۰۹، قديمي)

"(وهم) أي: أهل الكبار المتقدم ذكرهم (في مشيئته) تعالىٰ (وحكمه) فهو سبحانه تعالىٰ (إن شاء غفر لهم وعفا عنهم) وذلك (بفضله) ورحمته (كما قال تعالىٰ في كتابه العزيز ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشآء﴾ (النساء: ۴۸)، ﴿وكان فضل الله عليك عظيماً﴾ (النساء: ۱۱۳) وإن شاء عذبهم في النار) المعدة لتطهير الأقذار (بقدر جنايتهم) وظلمهم لأنفسهم ذلك (بعدله) وحكمه (ثم يخرجهم منها برحمته) التي وسعت كل شيء من بريته (وشفاعة الشافعين من أهل طاعته) كأنبيائه ورسله وملائكته وأهل معرفته". (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۲۰۷، زمزم پبلشرز)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه .... : ۱/۱۱، قديمي)

جائے گا، اس کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إني لأعلم اخر أهل النار خروجا منها واخر أهل الجنة دخولا الجنة رجل يخرج من النار حبواً، فيقول الله تعالىٰ له: "إذهب فادخل الجنة "قال" فيأتيها فيخيل إليه أنها ملأى فيرجع، فيقول: "يا رب! وجدتها ملأى، فيقول الله تعالىٰ: إذهب فادخل الجنة، فإن لک مثل الدنيا وعشرة أمثالها، أو إن لک عشرة أمثال الدنيا، قال: فيقول: أتسخربى!؟ أو تضحک بي وأنت الملک؟!". قال: "لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحک حتى بدت نواجذه، قال: فكان يقال ذاک أدنى أهل الجنة منزلاً".

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار: ۱/۱۰۵، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۵۸۲: ۲/۴۹۱، قديمى)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۳۷۰۶: ۱/۶۴۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

باب الفِرَق

مایتعلق بالروافض

(شیعوں کے عقائد کا بیان)

خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو منافق کہنے والے روافض کا حکم

سوال[۷۹۹۲]: ۱.....اس بارے میں شرع کیا ہے کہ جو روافض قرآن پاک کو محرف نہیں سمجھتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت سے انکار نہیں کرتے اور نہ قائلِ افک ہو، لیکن بعض تاویلات فاسدہ اور روایات کتب شیعہ کی بناء پر خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منافق سمجھتے ہیں اور نصوص وفضائل خلفائے ثلثہ میں تاویل کرتے ہیں، تو ایسے رافضی کو خلفائے ثلثہ کو منافق کہنے کی بناء پر محقق علماء اہل سنت کے نزدیک کفر وارتداد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

۲.....زید کہتا ہے کہ خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منافق کہنے والا کافر اور مرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس لئے کہ محقق اہل سنت کے نزدیک بھی نص قطعی کا منکر کافر مرتد ہے اور خلفائے ثلثہ کا ایمان نص قطعی سے ثابت ہے، اس لئے خلفائے ثلثہ کے ایمان کا منکر اور ان کے نفاق کا قائل بالاتفاق کافر ومرتد ہے، اس کی زوجہ کو بدون طلاق لئے دوسرے فرد سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہے، کیا یہ قول زید کا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی تسلیم کرنے کے باوجود ان کو منافق سمجھنا، یہ صریح تضاد اور انتہائی تلبیس ہے، اس قسم کے شیعہ ایمان سے خارج ہیں (۱)۔

---

(۱) "أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي رضي الله تعالىٰ عنه، أو أن جبرئيل غلط في =

۲..... یہ شیعہ ایمان سے خارج ہیں، اگر اس نے ایمان صحیح اختیار کرنے کے بعد یہ مذہب اختیار کیا ہے، تو اس کی سابقہ بیوی کا نکاح فسخ ہوگیا اور وہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، طلاق کی ضرورت نہیں اور اس کا ذبیحہ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۱/۸۹ھ۔

کیا تعزیہ شعائر اسلام میں سے ہے؟

سوال[۹۹۲۸]: معلوم باید شد کہ رسم تعزیہ داری اگرچہ حرام است، لیکن درهندوستان ایں رسم شرعی صورت گرفته است که هنود ایں را شعائر اسلامیاں فهمیده بود، بغض باطن گاهے عملاً باقناع آں سعی می کنند، وجائیکه موقع غنیمت می شمرند ومسلمان را ضعیف می یابند، بنائے فساد پیدا می کنند واگر قدرت نمی یا بند در خاطر خود ایں را خاصه مسلماں دانسته مبغوض می دارند. پس جائیکه ایں رسم قبیح بزمانۂ

= الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، مطلب مهم في سب الشيخين: ۲۳۷/۴، سعيد)

"الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله فهو كافر، ..... ومن أنكر إمامة أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه فهو كافر، وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر، والصحيح أنه كافر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۶۴/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۴/۵، رشيديه)

(۱) "وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم إن كان صيداً". (الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲۹۷/۶، سعيد)

"لا تحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي مرتد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۸/۶، سعيد)

"ومنها: أن يكون مسلماً أو كتابياً، فلا تؤكل ذبيحة أهل الشرك والمجوسي والوثني وذبيحة المرتد". (بدائع الصنائع، كتاب الصيد والذبائح: ۲۲۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

قدیم رائج است، برائے تعزیه او در شرع شریف گنجائش هست یا نیست؟

الجواب حامداًومصلیاً:

رسم تعزیه از شعار اسلام شمردن جهالت وضلالت است، او را هیچ تعلق با اسلام نیست، هرکه غور وتدبر را بکار برد، هویدا خواهد شد که این رسم برائے اسلام وشهدائے اسلام چه ننگ وعار است وطریقه دشمنان اهل بیت است که بر مصاب ووفات ایشاں طاشه وطبل در بر گرفته وعلم بر دست نهاده وتعزیه بر دوش گرفته کوچه کوچه نوحه کناں گشت می کنند وبرنگ غم شادی می نمایند. از اینها کدام حرکت است که برآں در حدیث زجرو توبیخ وارد شده، از علمائے اسلام باید پرسید که کِرا شعار اسلام گویند، دیگر اقوام اگر این حرکات را شعار اسلام تصور نمایند، ازیں تصور باطل ایں جهالت وضلالت را اسلام گردانیدن کجا روا است؟! حضرت شاه ولی الله وپسر وجانشین ایشاں حضرت شاه عبدالعزیز رد بلیغ نموده اند، فتاویٰ عزیزی وتحفهٔ اثنا عشریه مطالعه باید نمود.

چوں در هندوستاں بادشاه همایوں شکست خورده راه فرار گرفت ودر ایران رسید وبعد ازاں بمدد اهل ایران باز حمله آورد وظفریافت، ایرانیاں دخل عظیم یافتند وهمه مراسم شیعت را رفته رفته رواج دادند، ازاں وقت این بلا اینجا شیوع یافت، علما دراں زماں رد بلیغ نمودند وچوں نوبت باکبر رسید، شیعه سعی نمودند که دین اسلام را بکلی مسخ نمایند، ودین اکبری نام نهاده رواج دهند، خدائے پاک حضرت مجدد الف ثانی رحمه الله تعالیٰ را پیدا فرمود برائے قلع این شجر خبیث قائم فرمود، مکتوباتِ ایشان از دلائل بر بطلان این حرکات پُر اند، جائیکه هیچ از شعار اسلام باقی نباشد ومسلمان آنجا اذان، نماز، جماعت را ترک نمودن واز دین کلیتاً جاهل اند وبجز تعزیه هیچ چیز ندانند ودیگر ساکنان آنجا نیز در مسلم وغیر مسلم فرق بنا بر تعزیه نمایند، در آنجا اگر اختلاف وجنگ مابین برتعزیه واقع شود، وعلماء برآں سکوت کنند وگویند اینجا

جنگ کفر واسلام است، وتعزیہ را درکار ساختہ شد، ممکن کہ گنجائش باشد وبر اعانت اہل اسلام عوام را برانگیختہ شدہ باشد، وبس، بیش ازیں نیست خواہ مقابل مہابیری چھنڈا باشد خواہ غیر۔

اگر بر مسلمان وکافر مسئلہ را واضح نمودہ شود کہ این شعار اسلام نیست، بلکہ خلاف اسلام است، ازیں روز این را دور باید کرد، کار آساں شود، نیز غور باید کرد کہ چیز ہائے کہ واقعتاً شعار اسلام اند، یک یک بند کردہ شدند وروزانہ بندمی شوند، واین سلسلہ را اختتامے نیست، بر آن حمیت مسلمانان در جوش نمی آید وخاموش شدہ بہ زبان ہم تذکرہ نمی نمایند کہ مبادا آتش فتنہ سرزند وبر باطل چناں سرفروش می شوند. فقط واللہ تعالیٰ اعلم(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) **ترجمۂ سوال:** معلوم ہونا چاہیے کہ تعزیہ کی رسم اگرچہ حرام ہے، لیکن ہندوستان میں اس رسم نے شرعی صورت اختیار کرلی ہے، کیونکہ ہندو لوگ اس کو شعائر اسلام سمجھتے ہیں، دل میں بغض رکھتے ہوئے کبھی بظاہر عملاً اس کی حوصلہ افزائی کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں کہیں موقع غنیمت جانتے ہیں اور مسلمانوں کو کمزور پاتے ہیں، فساد بپا کرتے ہیں اور اگر اس کی قدرت نہ ملے تو دل میں اس کو مسلمانوں کا خاصہ جان کر مبغوض رکھتے ہیں، لہٰذا جس جگہ یہ رسم قبیح زمانہ قدیم سے رائج ہو، وہاں تعزیہ کرنے کی شریعت مطہرہ میں گنجائش ہے یا نہیں؟

ترجمۂ جواب: تعزیہ کی رسم کو شعار اسلام سمجھنا جہالت اور گمراہی ہے، اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، جو شخص غور وفکر سے کام لے تو اس پر یہ بات عیاں ہوگی کہ یہ رسم اسلام اور شہدائے اسلام کے لئے ننگ وعار کا باعث ہے اور یہ اہل بیت کے دشمنوں کا طریقہ ہے کہ ان کے مصائب اور ان کی وفات پر ڈھول وطبلہ بغل میں لئے ہوئے، جھنڈے ہاتھوں میں تھامے ہوئے، تعزیہ کاندھے پر اٹھا کر گلی گلی نوحہ کرتے پھرتے ہیں اور غم کی صورت بنائے خوشی مناتے ہیں، علمائے کرام سے پوچھنا چاہیے کہ ان میں سے کون سی حرکت ہے جس پر حدیث میں زجر وتوبیخ وارد ہوا ہے اور کون سی حرکت کو شعار اسلام کہتے ہیں؟ دوسری اقوام اگر ان حرکات کو شعار اسلام خیال کرتے ہیں تو ان کے اس باطل تصور سے اس جہالت اور گمراہی کو اسلام قرار دینا کہاں روا ہوگا؟!

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند وجانشین حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس کی سخت تردید فرمائی ہے، فتاویٰ عزیزی اور تحفۂ اثنا عشریہ کا مطالعہ کرنا چاہیے، جب ہندوستان میں ہمایوں بادشاہ شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے ایران پہنچا،=

شیعہ کے سنی ہونے کا طریقہ

سوال[۹۹۲۹] : میں بنام زبانت رضا ایک مسلم شیعہ گھرانے کا ہوں، میری عمر قریب ۲۲ سال ہے اور میں بغیر کسی ڈر وخوف یا دباؤ کے اپنی مرضی سے سنی ہونا چاہتا ہوں، کیونکہ سنی مذہب ہی مذہب ہے اور شیعہ مذہب اور اس کے طور طریق صحیح نہیں ہیں۔ میرا اپنا پکا عقیدہ، ایمان خداوند کریم اور ان کے بھیجے ہوئے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار صحابی حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور قرآن، پانچوں وقت کی نماز، روزے، زکوۃ وحج پر پورا پختہ ایمان ہے اور اللہ ایک ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی زمین، آسمان روز اول سے آخر تک اور نبی کریم اور ان کے چار اصحاب ہر ایک پر مفصل ایمان کامل ہے، لہٰذا بزرگانِ دین سے التماس ہے کہ اس حالت میں میں سنی ہوا یا نہیں؟ اور اگر میں سنی نہ ہوا تو مجھے سنی بنا لیا جائے۔

= پھر ایرانیوں کی مدد سے حملہ کرتے ہوئے فتح یاب ہوا تو ہندوستان میں ایرانیوں کی مداخلت بڑھ گئی اور انہوں نے وہاں شیعوں کے مراسم کو آہستہ آہستہ رواج دیا، اس وقت یہ مصیبت یہاں پھیل گئی۔

اس وقت کے علماء نے اس کی سخت تردید کی، جب اکبر کا زمانہ آیا تو شیعوں نے دین اسلام کو بالکلیہ مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نام نہاد دین اکبری کو رائج کیا، اس شجرۂ خبیثہ کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو پیدا فرمایا، ان کی مکتوبات مذکورہ حرکات کے بطلان پر دیئے گئے دلائل سے بھری پڑی ہیں۔

البتہ جہاں کہیں شعار اسلام میں سے کچھ نہ رہا ہو، وہاں کے مسلمان اذان، نماز، جماعت کو ترک کئے ہوں، دین سے کلیۃً غافل ہوا اور بغیر تعزیہ کے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور وہاں کے رہنے والے بھی مسلم وغیر مسلم کے درمیان تعزیہ ہی کو فرق جانتے ہوں، وہاں اگر تعزیہ پر اختلاف اور جنگ واقع ہو جائے اور وہاں کے علماء اس پر سکوت کو اختیار کریں اور یہ کہیں کہ یہاں کفر واسلام کی جنگ ہے اور تعزیہ کو اس کام میں لائے ممکن ہے وہاں گنجائش باقی رکھی جائے اور اہل اسلام کی اعانت کے لئے عوام کو برانگیختہ کیا جاسکے اور بس، اس سے زیادہ گنجائش نہیں خواہ مقابلے میں مہابیری جھنڈا ہو یا کوئی اور، اگر مسلمان وکافر پر اس مسئلہ کو واضح کیا جائے کہ یہ شعار اسلام نہیں، بلکہ اسلام کے خلاف ہے اسی دن اس کو دور کر دیا جائے، معاملہ سنبھل جائے گا۔ نیز غور کرنا چاہیے کہ بہت سی چیزیں جو کہ واقعتاً شعائر اسلام ہوں، ایک ایک کر کے بند کئے گئے اور روزانہ بند ہوتے جارہے ہیں اور اس سلسلے کا کوئی اہتمام نہیں وہاں مسلمانوں کی حمیت کو جوش نہیں آتا اور خاموش ہیں زبان سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کرتے کہ ایسا نہ ہو کہ فتنہ برپا ہو جائے، جب کہ باطل کے لئے اتنے سرفروش ہو جاتے ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن کریم، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفائے راشدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق شیعوں کے جو غلط عقائد ہیں، ان سے برأت اور توبہ کرکے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو اختیار کرلینے سے اور ان کے مطابق عمل کرنے سے آدمی سنی ہوجاتا ہے(۱)، آپ نے جو عقائد سوال میں تحریر کئے ہیں وہ اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۱/۱۴۰۰ھ۔

تعزیہ کے سامنے تلوار چلانا وکھیلنا

سوال[۹۹۳۰]: لاٹھی وتلوار چلانا سیکھنا کتنا اہم ہے اور مخفی ہنر ہے، ان علاقوں میں جہاں ہندو مسلمان کے درمیان باہمی کشمکش ہے، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، مگر اجتماعی شکل میں لوگوں کا جمع ہوکر کھیلنا اور سیکھنا حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، خصوصاً ان خطرناک علاقوں میں تلوار نکالنا لڑائی کی دعوت ہے، تعزیہ محرم کو تہوار سمجھتے ہیں، اس میں لاٹھی، تلوار وغیرہ کھیلنے میں نہ تو حکومت کی جانب سے کوئی پابندی ہے نہ ہندو غلط اثر لیتے ہیں۔

اگر تعزیہ نہ بنائے جائیں تو حکومت کی جانب سے بھی پابندی ہے اور ہندو عوام کی جانب سے بھی خطرہ ہے، نیز یہ ایک ذوقی چیز ہے، جس میں وقت کا بہت دخل ہے، اس لئے محرم پر ایک خاص قسم کا شوق اور جوش پیدا

---

(۱) "وفي الخامس بهما مع التبري عن كل دين يخالف دين الإسلام الخ".

"وفي الرد تحته: "ثم إن الذي في البدائع: لو أتى بالشهادتين لايحكم بإسلامه حتى يتبرأ عن الدين الذي هو عليه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب في أن الكفار خمسة ......: ۲۲۷/۴، سعيد)

"وإسلامه أن يأتي بكلمة الشهادة، ويتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الإسلام، فإن تمام الإسلام من اليهودي بالتبري عن دينه، ومن النصراني بالتبري عن دينه". (المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين وأحكامهم: ۵۸۸/۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب السير، فصل في أحكام المرتدين: ۵۳۱/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

ہوجاتا ہے اور ہندوؤں پر رعب طاری ہوجاتا ہے، تو کیا مندرجہ بالا عذروں کو مدنظر رکھتے ہوئے تعزیہ بنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے جب کہ تعزیہ کے متعلق ان باطل عقائد کوالگ کردیا جائے، جوعوام میں مشہور ہیں اور عوام کے ذہنوں کوان سے پاک کردیا جائے، تعزیہ کی حقیقت محض بانس وکاغذ کا مجموعہ سمجھا جائے اور اس کواس فن تلوار سیکھنے کا ذریعہ سمجھا جائے۔

اگر بنانا جائز نہیں تو پھر بنوانے والا کون سے گناہ کا مرتکب ہوگا؟ اور اگر نہ بنانے والے دوسری جگہ لاٹھی تلوار سیکھیں تو کیا ان کو بھی گناہ ہوگا اور اس کھیل کا جو تعزیہ میں کھیلا جاتا ہے، مسلمانوں کے لئے دیکھنا درست ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث پاک میں ہے کہ جس کے دل میں خدا کا ڈر ہوتا ہے اس کے دل میں مخلوق کا ڈر نہیں ہوتا اور جس کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو، تو اس کے دل میں مخلوق کا ڈر ہوتا ہے(۱)۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ میری نصرت رعب کے ذریعہ سے کی گئی ہے(۲)۔ اپنے دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے اصل چیز خدا کا ڈر ہے۔ وہ

---

(۱) "من خاف الله خوف الله منه كل شيء" الحديث. أبوالشيخ في الثواب، والديلمي والقضاعي عن واثلة، والعسكري عن الحسين بن علي، كلاهما به مرفوعاً، لفظ العسكري: "من خاف الله أخاف الله منه كل شيء" وهو عنده عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه من قوله بزيادة الشق الآخر، وقال المنذري في ترغيبه: "رفعه منكر. وفي الباب عن علي وبعضها يقوي بعضها. وقد قال عمر بن عبدالعزيز: من خاف الله أخاف منه كل شيء، ومن لم يخف خاف من كل شيء. وقال الفضيل بن عياض: من خاف الله لم يضره أحد ومن خاف غير الله لم ينفعه أحد". (المقاصد الحسنة، حرف الميم، ص: ۴۲۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد من الأنبياء قبل، نصرت بالرعب مسيرة شهر ....". (صحيح البخاري، أبواب المساجد، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، ص: ۷۲، دارالسلام)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ۲۱۲، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب فضائل سيد المرسلين: ۲/۳۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کیا جائے، جب اس سے تعلق ہوگا اور اس کی نافرمانی سے بچیں گے، احکام کی اطاعت کریں گے اور گناہ کو ایسا سمجھیں گے، جیسے بہت بڑا پہاڑ سر پر گرنے والا ہے، اس سے بچ کر آدمی نکل جاتا ہے، اس طرح گناہ سے بچنے کی فکر ہوگی تو خود بخود ہی دشمن پر اثر پڑے گا اور ہوشیاری کام دے گی۔

اگر یہ چیز نہیں، دل میں خدا کا ڈر نہیں، تو مسلمان کے حق میں ہوشیاری بے کار، نیز ان کو استعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی یا وہ ضائع کردیے جائیں گے یا ان پر دشمن قابو پالے گا اور مسلمانوں کی ہلاکت کے لئے استعمال کرے گا، یہ کتنے لوگوں کا تجربہ ومشاہدہ ہے، اس لئے حیلوں سے تعزیہ بنانے یا اس کے سامنے لاٹھی تلوار کھیلنے کے جواز کی تاویل کرنا بے سود ہے۔

۴۷ء تک تو دھوم دھام سے تعزیہ نکلتا تھا، اس کے سامنے لاٹھی تلوار کا کھیل بھی ہوتا تھا، دشمن پر کتنا رعب پڑا، فتنہ تاتار کے وقت سوسو مسلح فوجوں کو ایک ایک تاتاری مردعورت نے ذبح کرڈالا (۱)۔ تعزیہ بہر حال حرام ہے (۲)۔ اس کے سامنے جو کچھ لاٹھی تلوار کھیل ہوتا ہے، وہ ناجائز ہے، اس کو جہاد کا نام دینا یا اس کو جہاد کی مشق

---

(۱) "ولقد حكي لي عنهم حكايات يكاد سامعها يكذب بها من الخوف الذي ألقاها الله سبحانه وتعالى في قلوب الناس منهم، حتى قيل: إن الرجل الواحد منهم كان يدخل القرية أو الدرب وبه جمع كثير من الناس فلا يزال يقتلهم واحد بعد واحد لا يتاجسر أحد يمد يده إلى ذلك الفارس. ولقد بلغني أن إنساناً منهم أخذ رجلا ولم يكن مع التتري ما يقتله به، فقال له: ضع رأسك على الأرض ولا تبرح فوضع رأسه على الأرض، ومضى التتري أحضر سيفا فقتله به، وحكى لي رجل قال: كنت أنا ومعي سبعة عشر رجلا في طريق فجاءنا فارس من التتر، وقال: لنا حتى يكتف بعضنا بعضا، فشرع أصحابي يفعلون ما أمرهم، فقلت لهم: هذا واحد فلم لا نقتله ونهرب؟ فقالوا: نخاف، فقلت: هذا يريد قتلكم الساعة فنحن نقتله فلعل الله يخلصنا فوالله ماجسر أحد يفعل ذلك، فأخذت سكينا وقتلته وهربنا فنجونا، وأمثال هذا كثير". (الكامل في التاريخ لابن الأثير، ذكر ملك التتر مراغة، ذكر دخول التتر ديار بكر والجزيرة وما فعلوه في البلاد من الفساد: ۹/۳۸۵، دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) "تعزیہ داری درعشرہ محرم وساختن ضرائح وصورت وغیرہ درست نیست، این ہمہ بدعت است، بلکہ بدعت سیئہ است"۔ (فتاوی عزیزی، مسئلہ تعزیہ داری محرم: ۱/۷۵، کتب خانہ رحیمیہ)

"تعزیہ داری درعشرہ وغیرہ آں وساختن وصورت قبور... وغیر ذلک این ہمہ بدعت است، نہ در قرن اول بود، نہ در قرن ثانی، نہ در قرن ثالث"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ: ۴/۳۴۴، رشیدیہ)

اور تیاری قرار دینا غلط ہے اور جہاد کو رسوا کرنا ہے۔

تعزیہ کے متعلق یہ تو ممکن ہے کہ ایک دو آدمی کا ذہن صاف کر دیا جائے، لیکن عمومی ذہنیت کو بدل دینا کسی کے قابو میں نہیں ہے، صاف رہنے والے اگر اقتصادی خرابیوں سے بچ کر بھی رہے، ناجائز چیز کا ارتکاب کریں گے تو عملی خرابی تو بہر حال اس میں موجود ہے، لوگ تعزیہ کے ساتھ شریک ہو کر رسوم بجالاتے ہیں، ان کی تقویت وتائید ہی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۴/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في كفايت المفتي، كتاب العقائد: ۱/۲۴۰، دار الاشاعت)

(۱) "من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكاً في عمله". (كنز العمال، كتاب الصحبة من قسم الأقوال: ۹/۲۲، رقم الحديث: ۲۴۷۳۵، مكتبة التراث الإسلامي)

"من خرج إلى السدة أي: مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً أو كناية، ص: ۱۸۶، قديمي)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل السادس: ۶/۳۳۳، رشيديه)

(حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات)

کربلا کی لڑائی کو دنیوی معاملہ قرار دینا

سوال[۱۰۹۳۱]: ایک شخص تاریخ پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کا، جو کربلا کا معاملہ ہے، یہ لڑائی دنیاوی ہے، آیا یہ شخص مسلمان ہے یا نہیں؟ وہ شخص صوم وصلوٰۃ کا پابند بھی ہے اور آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ سے بھی محبت کرتا ہے، آیا اس کا یہ خیال درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۂ تاریخ کی کتابوں میں صحیح اور غلط دونوں قسم کی باتیں ہوتی ہیں، ان کا مطالعہ کر کے ایسا نتیجہ نکالنا، جس سے کہ حدیث شریف کی مخالفت ہوتی ہو، یہ صحیح نہیں، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیاوی معاملہ یعنی حکومت کے لالچ میں کربلا تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ مظلومین کی امداد کے لئے تشریف لے گئے تھے، نتیجہ میں خود ہی مظلوم ہو کر شہید ہو گئے (۱)۔ حدیث پاک میں ان کو اہل جنت کی ایک جماعت کا سردار

---

(۱) "فلما مات معاوية رضي الله تعالىٰ عنه سنة ستين وبويع ليزيد، بايع ابن عمر وابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم، وصمم على المخالفة الحسين وابن الزبير رضي الله تعالىٰ عنهم ...... وقد كثر ورود الكتب عليه من بلاد العراق يدعونهم اليهم. وذلك حين بلغهم موت معاوية وولاية يزيد، ومصير الحسين إلى مكة فراراً من بيعة يزيد ... لما تواترت الكتب إلى الحسين رضي الله تعالىٰ عنه من جهة أهل العراق وتكررت الرسل بينهم وبينه، وجاءه كتاب مسلم بن عقيل بالقدوم عليه بأهله، ثم وقع في غبون ذلك ما وقع من قتل مسلم بن عقيل، والحسين لا يعلم بشيء من ذلك، بل قد عزم على المسير إليهم والقدوم عليهم، فاتفق خروجه من مكة أيام التروية قبل مقتل مسلم بيوم واحد". (البداية والنهاية، قصة الحسين بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما، وسبب خروجه من مكة في طلب الأمارة وكيفية مقتله: ۴، الجزء الثامن: ۵۴۷/-۵۵۵، المكتبة الحقانيه پشاور) .... =

فرمایا گیا ہے(۱)۔ شخص مذکور کو اپنے خیالات کی اصلاح لازم ہے، اس کو اسلام سے خارج نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن مراسلة الكوفيين الحسين رضي الله تعالىٰ عنه للمصير إلى ماقبلهم وأمر مسلم بن عقيل رضي الله تعالىٰ عنه: ۴/۲۵۷، منشورات مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت)

(۱) "عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الحسن والحسين سيداشباب أهل الجنة". (جامع الترمذي، أبواب المناقب، مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن ابي طالب: ۲/۲۱۷، سعيد)

(وابن ماجة، فضل علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۱۳۵، دارالجيل)

(وكذا في الإصابة، حرف الحاء: ۲/۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

مایتعلق بالقادیانیة

(قادیانی فرقے کا بیان)

قادیانی کادعوائے نبوت

سوال[۹۹۳۲]: میرے پاس جماعت احمدیہ کی پچاس کتابیں ہیں۔ میں نے سب کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے ارکان خمسہ سے (جو اسلام کی بنیاد ہیں) مرزا غلام احمد قادیانی کو کلی طور پر اتفاق ہے اور مرزا صاحب کا مقصد ومنشاء اسلام کی ترقی اور دنیا والوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعلیٰ وارفع شان کو ثابت کرنا ہے، جو حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کے ظہور ونزول کے بعد) کا کام ہے، رہا شریعت کا سوال تو جہاں تک میں نے اس جماعت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبی ہونے کا نہیں، بلکہ امتی ہونے کا دعویٰ تھا اور ایسی نبوت کے ہم سب خود قائل ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو نبی بھی ہوں گے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی بھی ہوں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی قرآن وحدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں اور ان احادیث نبوی کا مصداق خود کو قرار دیتے ہیں، جن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور حضرت امام مہدی کے ظہور کی پیشن گوئی فرمائی ہے، جو بہت حد تک میری عقل وسمجھ کے مطابق معقول معلوم ہوتا ہے، میں نے ملنے جلنے والے علماء کو یہ کتابیں دکھائیں اور ان سے غلط ثابت کرنے کی درخواست کی، لیکن یہ کتراجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر کے علماء کو لکھئے، کچھ اداروں سے درخواست کی، لیکن جواب نہیں ملا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس سے مسرت ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آپ کو حق وباطل کی تحقیق وتمیز کا شوق عطا فرمایا اور اس سلسلے میں

آپ نے کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ہے، مہربانی فرما کر وہ کتابیں بھیج دیں، جس میں آپ نے دیکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ امتی ہونے کا دعویٰ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت اس کا مقصود ہے۔ اگر کتابیں نہ بھیج سکیں، تو وہ عبارتیں ان کتابوں سے مع حوالہ صفحہ وطباعت نقل کر کے بھیج دیں تاکہ پھر آپ کو بتایا جا سکے کہ قرآن وحدیث کے خلاف کیا کیا مرزا غلام احمد نے لکھا ہے، کیا قرآن کریم میں کہیں یہ بھی مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال کشمیر میں ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین دادیاں اور تین نانیاں زانیہ تھیں (نعوذ باللہ) کیا قرآن کریم میں کہیں یہ بھی مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے ساتھ نجاری کا کام سیکھتے تھے اور پھر کیاں بنا کر اڑا دیتے تھے، غلام احمد کی خرافات اور اباطیل اتنی کثرت سے ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت، صحیح العقیدہ اس کو تسلیم نہیں کرسکتا، بلکہ ایمان کے خلاف سمجھتا ہے، آپ نے یہ نہیں بتلایا کہ قادیانی کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی آپ کے مطالعہ سے گزری ہیں یا نہیں؟

نوٹ: آئندہ خط بھیجیں اور یہ خط بھی ساتھ ساتھ بھیجیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

مایتعلق بالبریلویة

(بریلوی فرقے کا بیان)

رضاخانی مذہب

سوال [۹۹۳۳]: مذہب رضاخانی کون سا مذہب ہے؟ اور مذہب رضا خانی کا خدا کون ہے؟ اور اس کا خیال کیا ہے؟ اور ان لوگوں کا قرآن شریف کون سا ہے؟ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے لئے آپ ''رضاخانی مذہب'' اور ''اعلیٰ حضرت کے دین'' کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۶ھ۔

بریلی اور دیوبند کے علماء میں امتیاز کی صورت

سوال [۹۹۳۴]: عمر یہ کہتا ہے کہ یہ علمائے بریلی اور علمائے دیوبند دونوں طرف کے علمائے دین ہیں اور دونوں فرقوں میں کشمکش ہے، ہر فرقہ یہ کہتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہر طرف سے کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اور ہر کتاب میں دونوں طرف سے کلام اللہ شریف پیش کیا گیا ہے، آیات وحدیث شریف کا ترجمہ و مستند معتبر کتابوں کے حوالے درج فرمائے ہیں اور جب تقریر کرتے ہیں جب بھی دونوں طرف سے کتابوں کے نام اور حدیث شریف سے بیان فرماتے ہیں، اب عوام کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سب تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد آپ خود ہی غور کیجئے، جواب خود بخود سامنے آجائے گا، وہ یہ کہ جب آپ علمائے دیوبند سے دریافت کررہے ہیں اور وہ اپنے طریق کو حق سمجھتے ہیں تو وہ یہی جواب دیں گے

کہ آپ بھی اسی طریق کو اختیار کیجئے، یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں، کہ غیرحق کو اختیار کریں، اصل یہ ہے کہ طالب حق کے پاس اگر دلائل کو پرکھنے کی کسوٹی موجود نہیں ہے تو وہ کچھ وقت ہفتہ دو ہفتہ ایک جماعت کے بڑے مقتداء کے پاس جاکر رہے اور بہت غور سے اس کی عبادات، معاملات، معاشرت، اپنوں سے تعلق، غیروں سے تعلق، تنہائی کے اوقات، لوگوں کے سامنے کے اوقات کو دیکھے، پھر اسی طرح دوسری جماعت کے مقتدا کے پاس رہے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے، اللہ پاک اس کو ہدایت دیں گے اور اس کے دل میں بات آجائے گی کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے، دوسروں کی ہمدردی ہے، اتباع سنت ہے، خدا کا خوف ہے، خدمت دین کا جذبہ ہے، صبر وتحمل ہے، تواضع ہے، سخاوت ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض خوف خدا اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ ہیں اور فلاں شخص میں ریاکاری ہے، نفس پروری ہے، خواہش نفسانی کا اتباع ہے، بجائے خوف خدا کے دنیاوالوں کا خوف ہے، بجائے خدمتِ دین کے جاہ اور مال مطلوب ہے، بے صبری ہے، بے قراری ہے، تکبر ہے، بخل ہے وغیرہ وغیرہ، جس میں پہلی قسم کی صفات عالیہ ہوں، وہ اس قابل ہے کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے اور اس کی بتائی ہوئی بات پر عمل کیا جائے، جس میں دوسری قسم کی صفات ہوں، اس سے دوری اختیار کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

کیا اہل بدعت کو مناظرہ کا چیلنج دینا چاہیے

سوال[۹۹۳۵]: آکولہ میں رضاخانیوں نے علماء دیوبند پر کافی کیچڑ اچھالا اور ان کو بدنام کرنے کے لئے تقریباً پانچ اشتہار نکالے، ہم نے صبر سے کام لیا، جب شہر کی فضا خراب ہونے لگی، تو ہم نے بھی اشتہار نکالا، اس اشتہار کی ایک عبارت محل اعتراض بنی ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ (ہر دو فریق دس دس ہزار روپے پیشگی رقم بطور ضمانت گورنمنٹ کے پاس جمع کردے، اس رقم سے صرف ججوں کے اخراجات ادا کئے جائیں گے اور بقیہ رقم غالب فریق اپنی صوابدید پر دینی امور میں خرچ کرے گا) قوسین کی عبارت میں شرط کی شکل ہے یا نہیں؟ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (پوسٹر مطبوعہ سوال کے ساتھ ہے) مناظرہ کی آمادگی کے لئے رضاخانیوں کو ایک ماہ کی مہلت دی گئی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کا تو سرمایۂ زندگی ہی اکابر دیوبند کو گالیاں دے کر اپنا ایمان تباہ کرنا اور مخلوق کو گمراہ کرنا ہے، ابتداءً مناظرہ کا چیلنج روپیہ فراہم کرنے کا ذریعہ ہے، پھر جلسہ اسٹیج اشتہار، مناظرین کے مصارف، کتابوں کی فراہمی وغیرہ وغیرہ۔ غرض بہت بڑا بل بن جاتا ہے اور اچھے خاصے وقت کے لئے گزارہ کا، بلکہ عیش وعشرت کا انتظام ہوجاتا ہے، اگر مناسب طریقہ پر مناظرہ کو ٹلا دیا جائے، تو درحقیقت یہی ان کی بڑی شکست ہے، ورنہ مناظرہ کرنے سے پہلے ہی وہ اپنی فتح کے اشتہارات چھپوا لیتے ہیں اور مناظرہ کے بعد ہی مختلف مقامات پر ان کی خوب اشاعت کرتے ہیں، اخبارات میں بھی اشاعت ہوتی ہے، جو لوگ اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے، وہ متاثر ہوجاتے ہیں، بقیہ رقم کا جو مصرف تجویز کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں، بلکہ بقیہ رقم ہر فریق کو واپس دی جائے، یعنی اخراجات اگر مشترک ہوتے تو بقیہ رقم نصف نصف ہر فریق کو مل جائے، ججوں کے متعلق کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ کیسے ہیں مثلاً: قادیانی، شیعہ، رضاخانی، عیسائی، ہندو کیا ان کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا؟ ایک ماہ بعد کی حد نہیں بیان کی گئی، اگر ججوں کی تعیین پر اتفاق نہ ہوسکا، تو کیا ہوگا؟ مطلوبہ رقم کے متعلق کوئی تصریح نہیں کہ وہ کہاں جمع کی جائے گی؟ یعنی بینک میں، ڈاک خانہ میں یا تھانہ میں یا کچہری میں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

متفرقات الفرق

بہتر فرقے

سوال[۹۹۳۶]: ترمذی شریف کی حدیث شریف ہے کہ قیامت تک اسلام میں ۷۲ فرقے نمودار ہوں گے(۱)، برائے مہربانی مطلع فرمادیں کہ اب تک عالم اسلام میں کتنے فرقے نمودار ہو چکے ہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

بہتر فرقوں کی تفصیل بہت طویل ہے۔غیاث اللغات (۲) کا مطالعہ کریں۔ غنیۃ الطالبین (۳) اور الشافعیۃ (۴) وغیرہ میں بھی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : ليأتين على أمتي وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة". قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي". (جامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة: ۹۳/۲، سعيد)

(۲) (غياث اللغات، فصل هامع فا، هفتاد دوملت، ص: ۵۵۰، سعيد)

(۳) غنية الطالبين، القسم الثاني: العقائد والفرق الإسلامية، فصل فأصل ثلاث وسبعين فرقة: ۱۷۵/۱-۱۹۲، قديمی)

(۴) "طبقات الشافعیۃ الکبری میں بہتر فرقوں کی تفصیل تو نہیں ملی، البتہ محمد بن احمد بن نصر الترمذی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ "ان کی مقالات پر مشتمل ایک کتاب ہے، جس کا نام "كتاب اختلاف أهل الصلاة" ہے، اس کتاب کی ابتداء حضرت نے "تفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة" سے کی ہے اور اس میں مبتدعین وفرق باطلہ کا رد بلیغ فرمایا ہے"۔(طبقات الشافعية الكبرى، الطبقة الثانيه، محمد بن احمد بن نصر أبوجعفر الترمذي: ۲۰۲/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

باب الکفریات

(کفریات کا بیان)

کافر، مجاہر وغیر مجاہر کی تعریف

سوال[۹۹۳۷]: کافر اصلی اور غیر اصلی مجاہر اور غیر مجاہر کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر کی تقسیم (اصلی اور غیر اصلی) اور دونوں کے درمیان فرق اور ہر ایک کی تعریف مجھے محفوظ نہیں، کافر مجاہر جو کھلا کافر ہو اور اپنے کو مسلمان نہ کہتا ہو۔ غیر مجاہر جو کہ اسلام کا مدعی ہو مگر اس میں کفر مخفی موجود ہو، جیسے منافقین کا حال تھا۔

﴿ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين﴾(۱).

﴿يقولون بأفواههم ماليس في قلوبهم﴾(۲). فقط والله تعالى اعلم.

قرآن کریم کو جلا دینا

سوال[۹۹۳۸]: ایک مسلمان شرابی، جواری، زنا کار ہے، اس کا غلط عورت سے تعلق ہے، جس سے وہ حرام کاری کرتا ہے، اس کی بیوی نے منع کرنے کے لئے قرآن شریف کا واسطہ دیا، تو اس نے (معاذ اللہ) قرآن شریف جلا دیا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص کا حال نہایت خطرناک ہے، ایمان پر سلامت رہنا نہایت دشوار ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت دے،

---

(۱) (البقرہ: ۸)

(۲) (الفتح: ۱۱)

اصلاح فرمادے، قرآن پاک کا جلانا اگر اہانت کے لئے ہو، تو کفر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وتتمة الفتاوى: من استخف بالقران أو بنحوه مما يعظم في الشرع، كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلاة، ص: ۱٦٧، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، النوع الثالث في القرآن: ۹۲/۱، ۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۵/۵، رشيديه)

مایتعلق بألفاظ الکفر

(الفاظِ کفر کا بیان)

شریعت کے منکر کا حکم

سوال[۹۹۳۹]: ایک شخص کسی نکاح کے معاملہ میں پہلے خود کہتا ہے کہ جو شریعت فیصلہ کرے گی، میں ماننے کے لئے تیار ہوں، لیکن جب اس کی اس بات پر اعتبار کرنے کے لئے کہا گیا کہ قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر کہو، جو شرعی فیصلہ ہوگا میں مان لوں گا، لیکن اس نے ہاتھ رکھنے سے انکار کر دیا، کسی نے کہا کہ جب کہ تم قرآن پر ہاتھ نہیں رکھتا، تو شریعت کا انکار ہی بنتا ہے، اس نے جواب دیا کہ "میں شریعت کو نہیں مانتا"، اس کی اس بات پر تین گواہ بھی گواہی دینے پر تیار ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق کیا کہا جائے، یہ شخص مسلمان باقی ہے اور زوجین کا نکاح باقی ہے یا بوجہ ارتداد نکاح ٹوٹ گیا؟ اس آدمی کی عمر تقریباً ۷۰ سال ہے، اس کی عورت کی عمر ۶۹ سال ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب وہ شریعت کا حکم ماننے کا وعدہ کر چکا تھا، تو پھر قرآن شریف پر ہاتھ رکھنے کے لئے اصرار کرنا غلط اور بے محل تھا، جن لوگوں نے اصرار کیا، ابتداءً غلطی ان لوگوں کی ہے، پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ جب تو قرآن پر ہاتھ نہیں رکھتا تو شریعت کا انکار لازم آتا ہے، یہ زیادتی ہے، تو گویا ان لوگوں نے از خود ہی اس کو شریعت کا منکر قرار دے دیا اور اس سے پہلے اس کی زبان سے کوئی غلط لفظ نکلتا اس کو اسلام سے خارج اور مرتد تصور کر لیا، بلکہ اس پر الزام لگا دیا، تو اسی کے جواب میں اس نے وہ لفظ کہا جس پر اب فتویٰ طلب کیا جا رہا ہے، ان لوگوں کو اپنے متعلق بھی فتویٰ طلب کرنا چاہیے کہ کسی مسلمان کے مرتد اور خارج از اسلام کہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسے لوگ مسلمان باقی رہے یا نہیں (۱) اور ان کا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا، غرض ان لوگوں نے بھی سخت غلطی کی کہ اس کو

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل =

ایسے الفاظ کہے، جن سے متأثر ہوکر اس نے بھی سخت لفظ کہا اور اس نے جو لفظ کہا، وہ بھی شریعت کے نزدیک بہت سخت ہے، دونوں کو توبہ لازم ہے، اپنی اپنی غلطی پر نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کریں، کلمہ پڑھیں احتیاطاً تجدید نکاح بھی کرلیں (۲)۔ اور کوئی کسی کو نہ مرتد کہے، نہ اسلام سے خارج کہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

غصہ میں کلمۂ کفر کہنا

سوال [۹۹۴۰]: زید نے عمر سے ایک جھگڑے میں غصہ میں پوچھا کہ ''کیا تم بندوں کو مسبب

= رجلا بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر، إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلک". (صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب ماینهی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیه المسلم "یاکافر": ۵۷/۱، قدیمی)

"سمعت ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما یقول: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من قال لأخیه "یاکافر" فقد باء بها أحدهما". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما، رقم الحدیث: ۵۸۲۸: ۲۵۶/۲، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) "إذا قال الرجل لغیره: حکم الشرع في الحادثة کذا" فقال ذلک الغیر، "من برسم کاری کنم، نه بشرع: یکفر عند بعض المشائخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، موجبات الکفر أنواع، ومنها مایتعلق بالعلم والعلماء: ۲۷۳/۲، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ البزازیة، کتاب ألفاظ تکون إسلاماً وکفراً، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۳۳۸/۶، رشیدیه)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب السیر، فصل في مسائل المرتدین، نوع في العلم والعلماء: ۵۷/۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۱) "ماکان في کون کفره اختلاف، فإنه یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، الباب العاشر: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب السیر، باب المرتد: ۲۴۶/۴، ۲۴۷، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین، فصل في إجراء کلمة الکفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن کراچی)

الاسباب سمجھتے ہو کہ اگر رسوم میں شرکت کرے تو وہ نوکری سے علیحدہ کردیں گے؟'' عمر نے ایک دم کہہ دیا کہ ''ہاں! ایسا ہی سمجھتا ہوں''۔ اب عمر پوچھتا ہے کہ کلمۂ کفر ہوگیا، توبہ تو اسی وقت کرلی، اس کو ندامت بھی بہت ہے، اب کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ واستغفار اور آئندہ کے لئے احتیاط کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

شرع محمدی کو نہ ماننے والے کا حکم

سوال[۹۹۴۱]: جو شخص حج کرتا ہو اور نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتا ہو، وہ تین مرتبہ اقرار کرے کہ میں شرع محمدی کو نہیں مانتا، اس کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شرعی احکام کی پابندی کرتا ہے، پنجگانہ نماز جمعہ ادا کرتا ہے، پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ شرع محمدی کو نہیں مانتا؟ کلمہ تو یہ بہت سخت ہے، ایمان کے خلاف ہے(۲)، مگر جب تک کچھ تفصیل معلوم نہ ہو، اس پر کیا حکم

---

(۱) "ثم إن كانت نية القائل ...... الوجه الذي يوجب التكفير، لاتنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه، وبين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵/۵۵۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "إذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع في الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: من برسم كار مى كنم، نه بشرع". يكفر عند بعض المشايخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها =

لگایا جاسکتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

’’اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھی ایک بات کہیں گے تو نہیں مانوں گا‘‘ کا حکم

سوال [۹۹۴۲]: خالد اور حامد دونوں کے جھگڑے کے درمیان ماجد پہنچا اور اس سے کہا کہ صلح کرلو، تو حامد بولا کہ ’’اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھی آکر منع کریں گے، تو بھی نہیں مانوں گا‘‘۔ اب ایسے شخص کو گنہ گار کہا جائے گا یا کافر؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جملہ نہایت سخت ہے، حسبِ تصریح فقہاء ایسے شخص کا اسلام سلامت رہنا دشوار ہے(۱)، تجدیدِ ایمان

= مایتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۳، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً وكفراً، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع في العلم والعلماء: ۵/۵۴۷، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "وفي الفتاوى العتابية: ثم الأصل أن جحود أمر الله تعالىٰ أو أمر رسوله كفر". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في رد الأوامر الشرعية: ۵/۳۳۰، قديمى)

"رجل أراد أن يضرب عبده، فقال له رجل: "لا تضربه"، فقال: "اگر محمد مصطفىٰ گويد مزن: نهلم يلزمه الكفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام: ۲/۲۶۶، رشيديه)

"رجل قال لامرأته: "مراسيم نيست"، فقالت امرأته، إنك تكذب، فقال الرجل: لو شهد الأنبياء، والملائكة عندك "كه مراسيم نيست" لا تصدقينهم، فقال: "نعم لا أصدقهم"، ذكر في مجموع النوازل أنها تكفر". (المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين وأحكامهم، نوع فيما يعود إلى الأنبياء: ۵/۵۶۰، مكتبه غفاريه كوئته)

ونکاح کیا جائے (۱)، توبہ کرکے خدا سے پختہ عہد کیا جائے کہ اس قسم کا کوئی لفظ بلکہ کوئی بھی حرکت خدائے پاک کے نبی کے خلاف سرزد نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

"نحن عباد محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)" کا مطلب

سوال [۹۹۴۳]: رضا خانیوں کا کلمہ کون سا ہے اور یہ عبارت کیا ہے:

"اللہ رب محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، نحن عباد محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم" یہ کلمہ ہے یا درود شریف ہے؟ اس کو پڑھنے سے آدمی گنہگار ہوگا یا اس کو ثواب ملے گا اور اس کو پڑھنے والا مومن رہتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عبارت حدیث شریف یا فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، جن کی یہ عبارت ہے ان سے ہی دریافت کرنا چاہیے کہ یہ کلمہ ہے یا درود شریف؟ البتہ اس میں "نحن عباد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" جو کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بندے ہیں، جو شخص حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معبود مانے، وہ اسلام سے خارج ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "ثم إن كانت نية القائل ...... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵/۵۵۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا﴾ (النساء: ۳۶) ....=

داڑھی کو زیرِ ناف کے بالوں سے تشبیہ دینا

سوال[۹۹۴۴]: زید نے بکر کو کہا کہ ''داڑھی رکھ لو'' بکر نے جواب دیا کہ ''ناف کے نیچے کے بال رکھ لوں''، ایسی صورت میں بکر کی شرعی کیا سزا تجویز کی جاسکتی ہے؟ اور اہلِ برادری کیا سزا کفارہ مقرر کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بکر کا جواب بہت سخت ہے، یعنی داڑھی کو زیرِ ناف کے بالوں سے تشبیہ دیتا ہے اور منہ کو شرمگاہ سے تشبیہ دے رہا ہے، پس جس طرح زیرِ ناف کے بالوں کو رکھا نہیں جاتا، بلکہ صاف کردیا جاتا ہے، اسی طرح داڑھی کو نہیں رکھا جائے، بلکہ صاف کردینا چاہیے، داڑھی رکھنا ایسا قبیح و ناپسند ہے(۱)، حالانکہ داڑھی رکھنے بلکہ بڑھانے کا حکم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے، جیسا کہ احادیث میں موجود ہے اور زیرِ ناف کے بالوں کو صاف کرنے کا حکم ہے، دونوں چیزوں کا حکم الگ الگ تھا، بکر نے دونوں کا حکم ایک کردیا، جو کہ بڑی جسارت ہے، ممکن ہے کہ بکر نے اس تفصیل پر غور نہیں کیا ہو، ایسے ہی بے پرواہی سے جواب دے دیا ہو، تاہم

= ''وقال الله تعالىٰ: ﴿وقضىٰ ربک ألا تعبدوا إلا إياه ...﴾ (بني إسرائيل: ۲۳)

''عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لا تطروني كما أطرت النصارىٰ ابن مريم، فإنما أنا عبده، فقولوا: عبدالله ورسوله''. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿واذكر في الكتاب مريم...﴾: ۱/ ۴۹۰، قديمى)

وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۱۶۵: ۱/ ۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) ''من استخف بسنة أو حديث من أحاديثه عليه السلام ... كفر''. (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، الثاني في الأنبياء عليهم السلام: ۱/ ۶۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''وفي اليتيمة: من أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها، كفر''. (شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء، ص: ۱۷۴، قديمى)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الرابع في الإيمان دارالإسلام: ۶/ ۳۲۸، رشيديه)

اس کو اپنے اس جواب پر نادم ہوکر توبہ کرنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۱۴۰۱ھ۔

غیر عالم باپ کا عالم بیٹوں کو گالیاں دینا

سوال[۹۹۴۵]: زید حاجی ہے اور اس کے دولڑکے عالم دین ہیں، ایک دن لڑائی میں زید نے اپنے عالم لڑکوں کو خوب گالیاں دیں اور کہا ''اے کافر عالم تم قرآن وحدیث کا مطلب کیا سمجھوگے، تم تو کتا ہو، تمہارے عالم ہونے کے لئے کیا ثبوت ہے؟ ایک حرامی چمار اگر علم حدیث پڑھے، تو کیا وہ عالم دین ہوجائے گا؟ ہرگز نہیں ارے شیطانو! ہم تو حاجی ہیں، اس لئے ہم نائب رسول ہیں اور ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ کیا ہے کہ جو مکہ معظمہ پہونچ گیا وہ جنت میں جائے گا، اگر کوئی بھی حرامی چمار مکہ معظمہ پہونچ گیا، تو وہ ضروری حاجی ہوجائے گا'' اور اس کے بعد یہ جملہ بھی کہا کہ ''عالم ہی سب سے پہلے جہنم میں جائے گا اور حاجی سب سے پہلے جنت میں جائے گا''، اس صورت میں زید کو تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے یا نہیں؟ اور زید کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

زید کا ایسا کہنا اگر علمِ دین کی توہین وتحقیر کے لئے ہے، تو یہ کفر ہے(۲)، کوئی ذلیل قسم کا کافر اگر اسلام

---

(۱) ''ثم إن كانت نية القائل ...... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك''. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ۲۸۳/۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵۵۰/۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) ''رجل رجع عن مجلس العلم فقال له رجل آخر: ''از كنشت آمده'' يكفر، وكذا لو قال ''مرا بمجلس علم چه كار''، أو قال: ''من يقدر على أداء مايقولون''، أو ألقى الفتوى على الأرض وقال: ''چه شرع است اين'' أو ''چه بازنامه فتوى آوردى'' يكفر''. (خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثامن في استخفاف العلم والعلماء: ۳۸۸/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيريه، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل =

قبول کرکے علم دین حاصل کرے اور علم وعمل اس کا صحیح ہوجائے، تو وہ یقیناً عالم دین اور مستحق جنت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حج سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں (۱)، لیکن اگر حج کے بعد گناہ کرے، تو وہ گزشتہ حج کی وجہ سے معاف نہیں ہوتے، ان گناہوں کی وجہ سے وہ حاجی جہنم کا مستحق بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دوزخ میں ڈال کر سزا دی جاسکتی ہے اور توبہ کے ذریعے سے یا حق تعالیٰ کے معاف فرمادینے کی وجہ سے دوزخ سے بری بھی ہوسکتا ہے، اگر کوئی غیر مسلم مکہ شریف پہونچ جائے، تو وہ جنت کا مستحق نہیں ہوگا، بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہی میں رہے گا۔ جیسے ابوجہل وابولہب مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور حج بھی کرتے تھے، مگر وہ مستحق جنت نہیں ہوئے، جو عالم بدعمل ہو، وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا، ان میں وہ عالم بھی ہے جس میں اخلاص نہیں تھا، ریاکاری تھی (۲)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ زید کے بیٹوں کا عمل زید کی نظر میں خلافِ شرع ہو، جس کی وجہ سے وہ ان کو اس طرح برا کہتا

= الثاني، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۲/۲۳۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب ألفاظ الكفر، فصل من العلم والعلماء: ۵/۵۰۷، ۵۰۹، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه". (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور: ۱/۲۰۶، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة: ۱/۴۳۶، قديمى)

(وفي رواية الترمذي: غفر له ما تقدم من ذنبه". (أبواب الحج، باب ماجاء في ثواب الحج والعمرة: ۱/۱۶۷، سعيد)

(۲) "إن أول الناس يقضىٰ يوم القيامة عليه رجل استشهد ..... ورجل تعلم العلم وعلمه، وقرأ القرآن، فأتي به، فعرّفه نعمه، فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: تعلمت العلم وعلمته وقرأت فيك القرآن، قال: كذبت ولكنك تعلمت العلم ليقال عالم، وقرأت القرآن ليقال هو قارئ، فقد قيل، ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار ..... الخ". (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة، استحق النار: ۲/۱۴۰، قديمى)

(وسنن النسائي، كتاب الجهاد، باب من قاتل ليقال: "فلان جريء": ۲/۵۷، قديمى)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۸۰۷۸: ۲/۶۱۷، ۶۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے اور گالیاں دیتا ہے اور اس کا مقصود علمِ دین کی توہین وتحقیر نہ ہو، جیسا کہ سوال سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ وہ قرآن وحدیث کو برا نہیں کہتا، بلکہ ان کو برا کہتا ہے کہ تم قرآن وحدیث کا مطلب کیا سمجھو گے، تم تو کتا ہو، تمہارے عالم ہونے کے لئے کیا ثبوت ہے، مطلب صاف ہے کہ تم کو کتا شیطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ تم عالم دین نہیں ہو، قرآن وحدیث کو نہیں سمجھتے ہو، ورنہ تم کو ایسا نہ کہا جاتا، بلکہ تمہارا احترام کیا جاتا، عالم دین حقیقت میں وہ ہے جو اس علم پر عمل بھی کرتا ہو(۱)۔ اگر کوئی صاحب علم حدیث پڑھے اور اس پر عمل نہ کرے، تو وہ واقعۃً عالم دین کہہ دینے کا مستحق نہیں، تاہم زید کو ایسے سخت الفاظ کا استعمال کرنا درست نہیں، خاص کر کافر کہنا اور اپنے ہی لئے نائب رسول کا منصب تجویز کرنا، اس کی انتہائی ناواقفیت اور جہالت کی دلیل ہے، اس کو توبہ لازم ہے، مگر اس کی تکفیر سے بھی احتیاط لازم ہے۔

"ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب اهـ ويخاف عليه الكفر إذ قال لفقيه: أي دانشمندك! أو قال: أي علويك! لايكفر إن لم يكن قصده الاستخفاف بالدين اهـ". فتاوى عالمگيری: ۲/۲۴۱(۲).

تاہم احتیاطاً اس کو تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کر لینا چاہیے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۵/۸۶ھ۔

---

(۱) "أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال لكعب: "من أرباب العلم؟" قال: الذين يعملون بما يعلمون" قال: "فما أخرج العلم من قلوب العلماء؟ قال: "الطمع". (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۳۷، قديمي)

(وكذا في سنن الدارمي، باب صيانة العلم، رقم الحديث: ۵۸۴: ۱/۱۵۲، قديمي)

(وكذا في الدر المنثور، البقرة: ۲۸۲: ۱/۲۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثامن في استخفاف العلم: ۴/۳۸۸، رشيديه)

(۳) "ماكان في كون كفره اختلاف، فإنه يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق =

خلافِ شرع کلمات سے رجوع کرنا

سوال[۹۹۴۶]: ۱..... زید اور بکر کی بیوی کے مابین کسی بات پہ جھگڑا ہوا، طول کلامی بڑھتی گئی، زید کی اہلیہ نے بکر پر ایک جرم عائد کیا ہے، زید اور اہلیہ زید کے قول کے مطابق بکر کی بیوی کہتی ہے کہ "میں قرآن وحدیث کو نہیں مانتی" عورت کا کہنا ہے کہ میں نے یہ کہا کہ ایسے قسم کو نہیں مانتی ہوں، مجھ کو دو گواہ چاہیے۔ میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ قرآن وحدیث کو نہیں مانتی، اہلیہ بکر کے ان کلمات کو اپنی برادرانہ پنچائیت میں پیش کیا، پنچائیت نے اس مسئلہ کو قلم بند کر کے اس تحریر پر چار گواہ کے دستخط لے کر ایک مفتی صاحب سے فتویٰ طلب کیا، واضح رہے کہ مذکورہ چاروں گواہان جھگڑے کے وقت موجود نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے کانوں سے اہلیہ بکر کے نازیبا کلمات سنے ہیں، مفتی صاحب نے اہلیہ بکر کے متعلق یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ وہ تجدید کلمہ اور تجدید نکاح کرے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے گواہوں کی شہادت، جو بروقتِ واقعات کے موجود نہ ہو اور جنہوں نے اپنے کانوں سے نہ کچھ سنا ہو اور نہ آنکھوں سے دیکھا ہو، ان کی گواہی شریعت کی نظر میں قابل قبول ہے؟ نیز یہ کہ ایسے گواہوں کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

۲..... زید کی اہلیہ نے بکر پر جو جرم عائد کیا ہے، اس جرم سے اہلیہ بکر نفی کرتی ہے، اس کا کہنا ہے کہ میں نے ایسے نازیبا کلمات نہیں کہے ہیں، حلف لینے کے لئے تیار ہوں، دوسری جانب زید اپنے دعوے کے ثبوت میں حلف لینے کے لئے تیار ہے اور مزید اپنی بیوی کو بھی گواہی میں پیش کر رہا ہے، ایسی صورت میں مسئلہ کا حل کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جس معاملہ میں چشم دید گواہوں کی ضرورت ہو، وہاں ایسی گواہی پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ وہ گواہی قابل قبول نہیں (۱)۔

= الاحتیاط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر في البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب السير، باب المرتد: ۴/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(ولا) يشهد أحد (بمالم يعاينه) بالإجماع ..... الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۷۰، سعید) =

۲......بات کو طول نہ دیا جائے، جب اہلیہ بکر ان کلمات کو خلاف شرع سمجھ کر ان سے اپنی برات کرتی ہے تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے، زید کو چاہیے کہ وہ درگزر کرے، اپنی بات پر ضد نہ کرے، گویا کہ اہلیہ بکر رجوع کر رہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پیر کو مولا اور ہادی کہنا

سوال[۹۹۴۷]: مرید کو اپنے پیر کی شان میں مندرجہ ذیل شعر کہنا درست ہے یا نہیں؟

خدا ان کا مربی تھا، وہ مربی تھے خلائق کے
میرے مولا، میرے ہادی تھے، بے شک ربانی

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر تو اس شعر میں کوئی خرابی نہیں، جو اعتراض ہو، وہ بیان کیا جائے، تا کہ اس پر غور کیا جا سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

’’ہم بے شرع ہی رہیں گے‘‘ اور ’’ہم فتویٰ کو نہیں مانتے‘‘ کہنے والے کا حکم

سوال[۹۹۴۸]: ایک گاؤں میں دو پارٹی ہے، دونوں مسلم حنفی المسلک ہیں، ایک پارٹی کا ایک شخص اپنی اکثریت دولت اور نفسانیت کی بناء پر اگر یہ جملہ کہے کہ ’’ہم بے شرع ہی رہیں گے‘‘ اور ایک نے اسی بنیاد پر یہ جملہ کہا کہ ’’ہم فتویٰ کو نہیں مانتے‘‘۔ اور ایک شخص نے یہ جملہ کہا کہ ’’ہم دس حرام سور کھا چکے ہیں، ایک اور کھائیں گے‘‘۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان مذکورہ تینوں اشخاص کے اس جملہ پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ

= ’’ولا يشهد بما لم يعاينه إلا في النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف الخ‘‘. (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادات، فصل: ۳/۱۵۹، شركت علميه ملتان)

اسلام سے خارج ہوجائیں گے، پھر سے تجدید ایمان ونکاح کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہالت اور نفسانیت کی بناء پر یہ جملہ کہے گئے ہیں، اگر ان کو شرعی حکم معلوم ہوتا اور نفس پر قابو ہوتا تو ہرگز اس کی نوبت نہ آتی، اب یعنی ایسا کہنے والوں کو حکمِ شرعی بتایا جائے گا، تو اندیشہ ہے کہ پھر جہالت اور نفسانیت جوش میں نہ آجائے اور زیادہ خطرناک جملے نہ زبان سے نکل جائیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کا کوئی خیرخواہ قابلِ اعتماد ان کو سمجھائے کہ وہ خود ہی حکم دریافت کرلیں، تاکہ ان کو بتادیا جائے کہ پہلے دو جملے ایسے ہیں کہ ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے (۱)۔ تیسرا جملہ بھی بڑی جرأت کا ہے، اللہ سے نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کرلیں اور کلمہ پڑھ کر دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول دوبارہ کرلیں (۲)۔ فتاویٰ عالمگیری، البحر الرائق وغیرہ کتبِ فقہ میں ایسا ہی مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۳/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "وإذا قال الرجل لغيره: حكم الشرع في الحادثة كذا، فقال ذلك الغير: "من برسم كار كنم، نه بشرع، يكفر عند بعض المشايخ" رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة، فردها وقال: "چه بارمه فتوى آورده" قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع، وكذا لولم يقل شيئاً لكن ألقى الفتوىٰ على الأرض، وقال: اين چه شرع است، كفر ..... ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في أحكام إجراء كلمة الكفر الخ: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة، والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۷۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً وكفراً، الفصل الثامن في الاستخفاف بالعلم: ۶/۳۳۸، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

مایتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگانے والے کا حکم

سوال[۹۹۴۹]: ایک شخص کا کہنا ہے کہ مولوی حشمت علی حنفی مذہب کے بہت بڑے عالم اور مفتی ہیں۔ اور اگر کسی شخص کا اعتقاد ایسا ہو (ایک دیوبندی عقیدہ والے آدمی کی طرف اشارہ کرکے) وہ کافر ہے اور جتنے بھی ایسے عقیدے والے ہیں، وہ سب کافر ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا دراصل سب دیوبندی عقیدے والے کافر ہیں (نعوذ باللہ) اور یہ حشمت علی کون ہے؟ اس سے فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیوبند میں ایک مدرسہ دارالعلوم ہے۔ جو اکابر اہل اللہ عرفاء واہل علم نے قائم فرمایا ہے، اس میں قرآن پاک، حدیث شریف، تفسیر، فقہ وغیرہ دینی علوم کی تعلیم ہوتی ہے، جس کو ایک سو سال سے زائد مدت گزر چکی ہے، یہاں سے پڑھ کر بے شمار علماء دنیا بھر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ، ائمہ مجتہدین کے مذاہب پڑھائے جاتے ہیں اور یہ سب خود حنفی ہیں اور حضرات صوفیاء اولیائے کرام چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی کے طرز پر سلوک طے کرکے نسبت حاصل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور اپنی پوری زندگی کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق اتباع سنت میں گزارنا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات وتعلیمات کو عام کرنا اس مدرسہ کا اصل مقصد ہے، ان کے عقائد بالکل وہی ہیں، جو قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہیں، جن پر قائم رہنے کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ وہی لوگ نجات پائیں گے جو اس

طریق پر رہیں گے(۱)۔

ایسے لوگوں کو جو لوگ کافر کہتے ہیں، وہ خود اپنے ایمان کی خیر منائیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہے، حالانکہ وہ کافر نہ ہو تو وہ کفر خود اس کافر کہنے والے پر لوٹ کر آتا ہے(۲)۔ اس تفصیل وتشریح کے بعد اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ علماء دیوبند اور ان کے ہم عقیدہ حضرات جب اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عین مرضی کے موافق ہیں، تو ان کو کافر کہنے والا کون ہوگا؟! واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۷ھ۔

ازواجِ مطہرات کو انبیائے کرام کی قبروں میں پیش کرنے اور ان سے شب باشی کرنے کا عقیدہ رکھنا

سوال[۹۹۵۰]: مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اپنی کتاب "الملفوظ، حصہ سوم، ص: ۳۰۰" پر یہ عبارت لکھی ہے:

"ازواج مطہرات انبیاء علیہم السلام کے قبور میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان سے

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ..... "وإن بني إسرائيل تفرقت ثنتين وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة" قالوا: من هي يارسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۳۰، قديمي)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلک". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "ياكافر": ۱/۵۷، قديمي)

"سمعت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال لأخيه "ياكافر" فقد باء بها أحدهما". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، رقم الحديث: ۵۸۷۸: ۲/۲۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

شب باشی فرماتے ہیں"۔

کیا یہ عبارت حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے؟ ایسا لکھنے والے اور ایسا کہنے والے کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

کیا یہ عبارت علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح "مواہب لدنیہ" میں چھٹی جلد، ص: ۱۶۹ پر لکھی ہے؟

کیا علماء دیوبند نے مولانا احمد رضا خاں کو بھی گستاخِ رسول اور کافر یا بددین ہونے کا فتویٰ دیا ہے؟ یہ رضا خان کون سا فرقہ ہے؟ کیا حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے مذہب اسلام میں رضا خانی فرقہ کی بنیاد ڈالی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بریلی کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کے ملفوظ میں یہ بات اس طرح موجود ہے، زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب لدنیہ میں لفظ "یبیت" ہے، خاں صاحب نے لفظ شب باشی لکھا ہے، جس کا مطلب عرف عام میں شوہر بیوی کے تعلقات خصوصی کو انجام دینا ہوتا ہے، اس وجہ سے ان پر اعتراض ہے، خاں صاحب نے وصیت کی ہے کہ میرے دین و مذہب پر عمل کرنے کو، جو کہ میری کتابوں میں موجود ہے، ایک فرض سے اہم فرض سمجھیں اور اتباعِ شریعت کو حتی الامکان لازم کہتے ہیں، خود اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت ایک چیز ہے اور احمد رضا خاں صاحب کا دین و مذہب ایک مستقل چیز ہے، جو کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ کی تکفیر کرتے ہیں، جو شخص تکفیر نہ کرے یا کفر میں شک کرے، اس کو بھی کافر جانتے ہیں اور آگے کو اس کی اولاد کو ثابت النسب تسلیم نہیں کرتے، جس کی وجہ سے بے شمار علماء، اتقیاء اور ان کے متبعین خان صاحب کے نزدیک اسلام سے خارج ہیں۔

العیاذ باللہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کافر کہے اور وہ (دلیل شرعیہ) کی روشنی میں کافر نہ ہو تو یہ کلمہ کفر اس کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے(۱)۔ تو ان کے فتوے سے اولیاء اللہ تبارک وتعالیٰ

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي) .... =

عزوجل شانہ وعم نوالہ کیا کافر ہوتے، خودخاں صاحب کا ایمان سلامت رہنادشوار ہوگیا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۱۴۰۱ھ۔

کیا عبدالوہاب نجدی پرفتویٰ کفر ہے؟

سوال[۱۰۹۵۱]: عبدالوہاب نجدی کے عقائد جن کوحضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الشہاب الثاقب'' میں بیان فرمایا ہے، ان عقائد کی وجہ سے کافر کہا جائے گا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ان عقائد کی وجہ سے کافرنہیں کہا جائے گا، کسی چیز کاغلط ہونااور ہےاوراس کاکفر ہونااور ہے، ہرغلط چیز کفرنہیں ہوتی ہے، اگرکوئی شخص کسی کوکافر کہےاورشرعی دلائل کی وجہ سے وہ کافر نہ ہو،تو یہ کلمہ خود کہنے والے پرلوٹتا ہے،اس لئے کسی کوکافر کہنامعمولی بات نہیں ہے۔

"عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". رواه البخاري، ص: ۸۹۳(۱).

نیزکسی مومن کوکافرکہنااس کوقتل کردینے کے مانند ہے۔

= (وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "ياكافر": ۱/۵۷، قديمي)

"سمعت ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال لأخيه "ياكافر" فقد باء بها أحدهما". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، رقم الحديث: ۵۸۷۸: ۲/۲۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "ياكافر": ۱/۵۷، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ، حديث أبي ذر الغفاري رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۲۱۰۶۲: ۶/۲۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من قذف مومناً بالکفر فھو کقتله". رواه البخاري، باب مانھي عن السباب، ص: ۸۹۳(۱).

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب ماینھی عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قدیمی)

(وجامع الترمذي، أبواب الإیمان، باب ماجاء فیمن رمی أخاه بکفر: ۲/۹۲، سعید)

(وکذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل بلفظ "ومن رمی مؤمنا بکفر، فھو کقتله"، حدیث ثابت بن ضحاک الأنصاري رضي الله تعالیٰ عنه، رقم الحدیث: ۱۵۹۵۰: ۴/۲۱۷، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

مایتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ وشعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

نبوت اور وحی کا مذاق بنانا

سوال[۹۹۵۲]: ۱.....ایک شخص نے جب دوسرے شخص کو نماز کے لئے بلایا اور سمجھایا تو اس نے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تو وحی آتی تھی، اگر میرے پاس بھی آنے لگے، تو چھ ماہ کے بعد تبلیغ کے لئے چلا جاؤں، پھر بعد کو اللہ سے معذرت بھی چاہی، بتایئے اس شخص پر کیا لازم ہے؟

۲.....پھر تیسرے شخص نے کہا وحی مجھ پر آتی ہے، تو اسلام کا دشمن ہے، اس شخص پر کیا لازم ہے؟ کیا کفر عائد ہوا اور نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وحی اور نبوت کا مذاق بنانا اور ایسے کلمات کہنا بہت غلط طریقہ ہے(۱)، ایسی باتوں سے نادم ہو کر توبہ کریں، آئندہ کبھی بھی ایسا مذاق نہ کریں، توبہ کی تکمیل کے لئے احتیاطاً کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان بھی کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ وہ دو گواہوں کے سامنے اپنے نکاح کا دوبارہ ایجاب وقبول بھی کرلیں (۲) تا کہ آئندہ پھر کبھی ایسی

---

(۱) "وإذا قال لمن يقرأ القرآن ولا يتذكر كلمة "التفت الساق بالساق" أو ملأقدحا وجاء به وقال: "وكأساً دهاقاً"، أو قال: "وكانت سرابا" بطريق المزاح ..... فهذا كله كفر". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقران: ۵/۳۳۴، قديمي)

"ولو قال: لو كان فلان نبيا لم أو من به كفر، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام: ۲/۲۶۳، رشيديه)

"إذا عاب الرجل النبي عليه السلام في شيء كان كافراً". (فتاوى قاضي خان، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۳/۵۷۴، رشيديه)

(۲) "ثم إن كانت نية القائل ..... الوجه الذي يوجب التكفير، لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة =

نوبت نہ آئے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''ملا'' کا استعمال

سوال[۹۹۵۳]: ۱۶فروری ۱۹۸۰ءکوسورج گرہن ہوا تھا،ایک صاحب مسجد میں کھڑے ہوکر سورج گرہن کے متعلق تقریر کرنے لگے اور دورانِ تقریر میں یہ کہا ''ملا کی دوڑ مسجد تک، وہ بڑا ملا رسول اللہ ہمارے بڑے ملا نے نماز پڑھی ہے، ہم لوگوں کو بھی نماز پڑھنی چاہیے''۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ''بڑا ملا رسول اللہ'' کا لفظ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایسے شخص پر اور سامعین پر توبہ واستغفار وتجدید ایمان لازم ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ملا (مُلا) بہت بڑا تعظیمی لفظ ہے، جید عالم اور مقتدیٰ کے لئے یہ لفظ وضع کیا گیا تھا(۱)۔ چنانچہ افغانستان، فرات، بخاریٰ وغیرہ کے اونچے علماء کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اور کتابوں میں بھی موجود ہے، جیسے ملا علی قاری وغیرہ اور ظاہر ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام عالموں سے بڑے عالم اور تمام

= والرجوع عن ذلک، وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ۲/ ۲۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۵/ ۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵/ ۵۵۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "والنسبة إلى المولى: "مولوي" ومنه استعمال العجم "المولوي" للعالم الكبير، ولكنهم ينطقون به "ملا" وهو قبيح". (تاج العروس: ۲۰/ ۳۱۵، دار الفكر)

''ملا: (عربی ''مولی یا مولوی'' کی تخریب) نہایت عمدہ لکھنے والا، عالم، فاضل، مسجد میں نماز پڑھانے والا، بچوں کو پڑھانے والا''۔(فیروز اللغات،ص:۱۳۴۲، فیروز سنز لاہور)

مقتداؤں سے بڑے مقتدی ہیں(۱)۔ اگر اسی مقصد کے تحت یہ لفظ کہا گیا ہے، تو اس کی وجہ سے تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی اور مقصد تھا تو کہنے والے سے دریافت کر کے حکم معلوم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۱۸ھ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدمِ مبارک حضرت پیرانِ پیر کے کندھے پر

سوال[۹۹۵۴]: اگر کوئی حافظ یا مولوی یہ کہے: ''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کندھے پر ہونا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام وہاں تھک گئے تھے''۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ''میں اس حدیث کو مانتا ہوں، صرف اس معاملہ میں فقہ کی کتابوں کو نہیں مانتا''، لہٰذا ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قدم مبارک کا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کندھے پر ہونا بے اصل ہے، غلط ہے، جھوٹ ہے، نہ کسی حدیث شریف سے ثابت ہے، ان کی پیدائش حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے صدیوں بعد ہوئی(۲)، وہ معراج کے وقت کہاں تھے، ایسی لغو باتیں کہنا ہرگز اہلِ علم اور اہلِ عقل کی شان نہیں،

---

(۱) "قال علیه السلام: "أنا مدينة العلم وعلي بابها". (فيض القدير، رقم الحديث: ۲۸۰۵: ۵/۲۳۰، بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما يطيقون ... ثم يقول: إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان: ۱/۷، قديمی)

"إن سيدنا وشفيعنا محمداً صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جميعا". (إمداد الفتاوی، كتاب العقائد والكلام، استفتاء بعض علماء مصر، سوال نمبر ۵۲۲: ۶/۳۲۷، (قديم) : ۲/۳۱۲ (جديد)، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "الشيخ عبدالقادر الجيلي، ابن أبي صالح أبو محمد الجيلي، ولد سنة سبعين وأربع مائة، ودخل بغداد، فسمع الحديث ... الخ". (البداية والنهاية: ۶/۷۶۸، مكتبه حقانيه پشاور)

اس سے توبہ کی جائے (۱)، جو شخص ایسی بات کو تسلیم نہیں کرتا، صحیح راستہ پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن پاک قصداً زمین پر پھینکنے کا حکم

سوال [۹۹۵۵]: ایک عورت بے وقوف بے عقل ہے، اس نے قصداً قرآن شریف کو اٹھا کر ہاتھوں میں لے کر زمین پر گرادیا ہے، اس کا مسئلہ کیا ہے؟ اور اس عورت کو گھر میں رکھنے کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عورت نے قصداً قرآن کریم کی یہ بے ادبی کی ہے، اس کو کلمہ شریف پڑھا کر توبہ کرائی جائے اور اس کا نکاح بھی دوبارہ کرایا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲۰/ ۱۱ھ۔

---

(۱) "وعن علي بن الحسين رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه". رواه مالک وأحمد. (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثاني: ۲/۴۱۳، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب كف اللسان في الفتنة: ۲/۲۸۶، قديمی)

"(تركه مالا يعنيه) أي: مالا يهمه ولا يليق به قولاً وفعلاً ونظراً وفكراً، فحسن الإسلام عبارة عن كماله ..... وحقيقة مالا يعنيه مالا يحتاج إليه في ضرورة دينه ودنياه، ولا ينفعه في مرضاة مولاه بأن يكون عيشه بدونه ممكنا، وهو في استحاله بغيره متمكنا، وذلک يشمل الأفعال الزائدة والأقوال الفاضلة .....". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۸۴۰: ۸/۵۸۵، رشيديه)

(۲) "ومن وضع رجله على المصحف حالفاً استخفافاً كفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل: في القراءة والصلاة، ص: ۱۶۷، قديمی)

"يكفر بوضع الرجل على المصحف مستخفاً". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالقران: ۵/۴۹۱، إدارة القرآن كراچی)

نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے شخص کا حکم

سوال[۹۹۵۱]: عمداً تارک صلوۃ کے حق میں اور حق میں اس شخص کے جس کو نماز پڑھنے کے لئے بلایا جائے اور وہ شخص نماز پڑھنے سے صاف انکار کردے یا اس سے اعراض ظاہر کرے، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاویٰ جلد اول میں، ص:۵۳۴(۱) پر جو ادارہ اشرف العلوم کراچی نمبر ا، میں چھپا ہے، تارک صلوۃ عمداً کے سلسلہ میں مختلف اقوال ثلثہ ذکر کرنے کے بعد یوں تحریر فرمایا ہے:

''اور اگر نماز سے تنفر یا اعراض ظاہر کیا یا تحقیر واستہزاء سے پیش آیا تو کافر ہوجائے گا، کیونکہ اہانت حکم شرعی کی کفر ہے''۔

اس پر مختلف علماء کرام کے دستخط موجود ہیں، دریافت طلب بات یہ ہے کہ موجود زمانہ میں اس تحریر کے لحاظ سے سینکڑوں ہزاروں کافر ہوجائیں گے، آپ اس سلسلہ میں حدیث وقرآن اور فقہ کی روشنی میں وضاحت کیجئے، آیا یہ شخص ایسی ہی زجر وتوبیخ کا مستحق ہے یا کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص قصداً بلا کسی عذر نماز فرض کو ترک کرتا ہے اور قضاء کرنے کی بھی نیت نہیں رکھتا اور اپنی اس بات پر خدا کے عقاب کا بھی خوف نہیں کرتا، اس کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے:

"(یکفر) بترك الصلاة متعمداً غير ناو للقضاء وغير خائف من العقاب"(بحر: ۵/۱۲۲)(۲).

---

(۱) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة، مسائل منثورہ متعلقه بکتاب الصلاة حکم تارک صلاة عمداً: ۱/۶۳۳، ۶۳۴، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۲) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشیدیه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، الثالث في القرآن والأذكار والصلاة: ۲/۵۰۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلاة والزكاة والصوم: ۵/۳۳۷، قدیمی)

جو شخص نماز پڑھنے سے انکار کرے، اس کے متعلق یہ تفصیل ہے:

"وقول الرجل: لا أصلي يحتمل أربعة أوجه، **أحدها**: لا أصلي لأني صليت، **والثاني**: لا أصلي بأمرك فقد أمرني بها من هو خير منك، **والثالث**: لا أصلي فسقا ومجانة، فهذه الثلثة ليست بكفر، **والرابع**: لا أصلي؛ إذ ليس بواجب علي الصلاة ولم أومر بها"(۱)۔

فقہاء کے تحریر کردہ احکام کو حالات پر منطبق کیجئے، پھر جو اشکال ہو، اُسے دریافت کرلیا جائے، جو شخص خود ہی کفر کی راہ اختیار کرلے، اس کے متعلق جو حکم ہوگا، وہ خود ہی اس پر جاری ہوگا۔ اگر وہ اس حکم کو برداشت نہیں کرسکتا، تو دوسری راہ اختیار کرے، یعنی جو شخص جہنم کی راہ پر جارہا ہے، وہ اگر جہنم نہیں جانتا ہے تو اس راہ پر نہ چلے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ریل کی لائن پر چل رہا ہے، کسی نے اس کو منع بھی کیا، اس پر مت چلو، ریل آئی تو کچلے جاؤگے، اس نے استہزاو مذاق کرکے اس کی بات نہیں مانی، پھر ریل آ بھی گئی اور وہ لائن سے نہیں ہٹا تو اس کا انجام معلوم ہے، جس نے لائن پر چلنے سے منع کیا تھا اور کچل جانے سے ڈرایا تھا، اس پر کیا الزام ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

''مجھے تو نماز پڑھنی ہی نہیں'' کہنے والے کا حکم

سوال[۹۹۵۷]: زید سے نماز پڑھنے کے لئے کہا، اس نے جواب دیا: ''مجھے تو نماز پڑھنی ہی نہیں اور نہ اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے''، تو اس قول سے اس کے ایمان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی جاوے یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها مايتعلق بالقرآن الخ: ۲۶۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع التاسع فيما يقال في القرآن والأذكار والصلاة: ۳۴۰/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلاة والزكاة والصوم: ۵/ ۳۳۵، ۳۳۶، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول تو نہایت خطرناک ہے، ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ مجھے نماز پڑھنی نہیں آتی اس لئے اس کی تکفیر سے احتیاط کی جائے (۱)۔ جب کہ اس کا شمار مسلمانوں میں تھا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ "صلوا علی کل بر وفاجر" (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۲۱ھ۔

کسی مسئلہ پر اہل علم کی توہین کرنا

سوال [۹۹۵۸]: ایک مسئلہ کے بارے میں جھگڑا ہوا تھا مولویوں کا آپس میں، ایک دن بستیوں کے مولوی اور مفتی کے سامنے فیصلہ کرلیا گیا تھا، وہ فیصلہ شرعی اعتبار سے کیا گیا تھا، پھر کچھ دن کے بعد کچھ مولویوں نے دوبارہ فیصلہ کرنے کا پروگرام بنایا، کچھ لوگوں کے سامنے بے عزتی کرنے کے ارادے سے ایک

---

(۱) "وقول الرجل: لا أصلي يحتمل أربعة أوجه، أحدها: لا أصلي لأني صليت، والثاني: لا أصلي بأمرك فقد أمرني بها من هو خير منك، والثالث: لا أصلي فسقا ومجانة، فهذه الثلثة ليست بكفر، والرابع: لا أصلي إذ ليس بواجب علي الصلاة ولم أومر بها". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع، منها مايتعلق بالقران الخ: ۲/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوی البزازية على هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع التاسع فيما يقال في القران والأذكار والصلاة: ۶/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوی التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالصلاة والزكاة والصوم: ۵/۳۳۷، قديمی)

(۲) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على من قتل نفسه غير مستحل لقتلها، رقم الحديث: ۶۸۳۲: ۴/۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في سنن الدارقطني، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، رقم الحديث: ۱۷۵۰: ۲/۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

فیصلہ کردہ مسئلہ کو پھر دوبارہ کروانا اور بے عزتی کی نیت سے ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلا فیصلہ شریعت کے مطابق تھا، تو اس کے توڑنے کا کسی کو حق نہیں، خاص کر ان کی توہین کی غرض سے کسی مسلمان کی توہین درست نہیں، خاص کر اہل علم کی توہین بہت خطرناک ہے(۱)، خدا نفسانیت کے شر سے بچائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۱۴۰۱ھ۔

ڈرامہ کے ذریعہ علماء کی توہین کرنے والوں کا حکم

سوال[۹۹۵۹]: ہمارے محلّہ میں کچھ مسلمانوں نے ڈرامہ کرایا۔ تماشہ بین کی حیثیت سے مسلمان مرد وعورت، بوڑھے بچے شریک ہوئے، ڈرامہ میں سب سے پہلے یہ دکھایا گیا کہ بڑے نواب کے نام سے ایک بچہ کرسی پر بیٹھا تھا، تھوڑی دیر میں ایک بچہ عالمانہ وضع قطع بنا کر آیا، وہ لڑکا خصی کی دم کی ڈاڑھی لگائے ہوئے تھا، عالم نما بچہ کی آمد پر بڑے نواب نے کرسی چھوڑی اور عالم صاحب کو یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ میں چھوٹے نواب کو پڑھنے کے لئے بھیج رہا ہوں، تھوڑی دیر میں چھوٹے نواب بحیثیت متعلم مولوی صاحب کے پاس آئے، انہوں نے چھوٹے نواب (شاگرد) کو پڑھنے کے لئے کہا، نواب نے کہا کہ آج پڑھنے کا خیال نہیں ہے، استاذ نے پڑھنے پر آمادہ کیا، لیکن شاگرد نے نہ پڑھنے کا بہانہ بنایا، شاگرد نے استاد کو پان وغیرہ پیش کیا اور ناشتہ کے لئے کباب اپنے نوکر کی معرفت منگایا، نوکر نے کباب یہ کہہ کر دیا کہ یہ کباب کتے کا جھوٹا ہے، شاگرد کو یہ سن کر افسوس ہوا کہ

---

(۱) "وفي البزازية: والاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم، والعلم صفة الله تعالىٰ منحه فضلاً على خيار عباده، ليدلوا خلقه على شريعته نيابة عن رسله، فالاستخفاف بهذا يعلم أنه يعود إليه، ومن أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: النوع الرابع في الاستخفاف بالعلم: ۱/۶۹۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً وكفراً، الفصل الثاني، النوع الثاني في الاستخفاف بالعلم: ۳۳۶/۲، رشيديه)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء، ص: ۱۷۳، قديمي)

استاذ کے شایانِ شان ناشتہ سے خاطر سے نہ کر سکا، شاگرد افسوس کرتے ہوئے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر بھی کباب عالم کے سامنے ہی چھوڑ کر چلا گیا، عالم نے ادھر ادھر دیکھا، جب اپنے آپ کو تنہا پایا تو اس کتے کے جھوٹے کباب کو کھانا شروع کیا اور جو بچا جیب میں رکھ کر جانے لگا، اتنے میں نوکر آیا اور عالم صاحب کی جیب دیکھ کر پوچھا کہ جیب میں کیا رکھالیا، کتاب ہے یا وہی کتے کا جھوٹا کباب ہے، اسی پر ڈرامہ ختم ہوا۔

مطلق ڈرامہ کی خبر محلّہ کے چند علماء کو ہوئی، اپنے ساتھ چند نمازیوں کو لے کر اس بُری حرکت سے روکنے کے لئے گئے، یہ لوگ عین اس وقت پہونچے جب کہ ڈرامہ ہورہا تھا، علماء اور نمازی حضرات نے دین کا واسطہ دے کر روکنے کی درخواست کی، کسی نے بجلی بجھادی، اس پر ایک عالم نے نعرہ لگایا، مجمع میں انتشار پیدا ہوگیا، اسی انتشار میں ریکارڈ کی تھالی اور دوسرا سامان ضائع ہوگیا، ان بچوں کی امداد واعانت کرنے والے اور جن لوگوں نے ڈرامہ کے لئے سامان دیا تھا، یہ سمجھ کر کہ اپنے علماء کی بدولت سامان ضائع ہوا، ان میں سے ایک عالم کے پاس ضائع شدہ سامانِ لہولعب کا تاوان مانگنے آئے، عالم صاحب نے اس معاملہ کو پنچایت کے فیصلہ پر معلق کردیا کہ اگر محلّہ کی پنچایت فیصلہ کرے گی، تو مجھے تاوان دینے میں انکار نہ ہوگا، اس عالم کو چیلنج کیا کہ ہم لوگ سامان کی قیمت وصول کر کے رہیں گے۔

اس کے بعد بچوں نے کالی جھنڈی اور بکرے کی دم کی ڈاڑھی لگا کر محلّہ میں گشت کیا، اس عالم کو رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، ان کے گھر میں آگ لگانے کی دھمکی دی، اس کے مکان کا محاصرہ کرلیا، ان بڑے چھوٹوں نے جب عالم صاحب سے تاوان کا غیر معمولی مطالبہ کیا، تو عالم نے کہا کہ صرف مجھ سے مطالبہ کیوں کرتے ہو، میرے ساتھ تو اور نمازی بھی تھے، اس صورت حال کے بعد دیکھنے والے اور امداد واعانت کرنے والوں میں دو طرح کے لوگ ہوگئے، کچھ لوگوں نے اہانتِ علماء اور ڈاڑھی کی بے حرمتی کا ڈرامہ دیکھ کر نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا اور کچھ لوگوں نے اس کے بعد بھی ان غلط کاموں کی حمایت وپشت پناہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

محلّہ کے علماء حضرات کو جب توہینِ علماء اور ڈاڑھی کی بے حرمتی کا حال معلوم ہوا، تو معاملہ کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے تقریباً ستائیس علماء پر مشتمل ایک میٹنگ مسئلہ پر غور کرنے بیٹھی، طے یہ ہوا کہ کسی ذمہ دار دارالافتاء سے جواب منگایا جائے، مزید علماء نے اس بات کا بھی احساس کیا کہ معاملہ نازک ہے، ہوسکتا ہے کہ کفر کا فتویٰ آجائے، اس لئے ان تمام دلچسپی لینے والے حضرات کو پوری جماعتِ علماء کی طرف سے یہ حکم سنادیا جائے

کہ جواب آنے تک وہ لوگ اپنی اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جائیں۔

حسبِ پروگرام یہ حکم جمعہ کے بعد پڑھ کر سنایا گیا، یہ حکم سن کر ندامت تو کیا ہوتی، ان میں بعض حضرات محلّہ کے مدرسہ اصلاح المسلمین کے مہتمم کے پاس قربانی کی دی ہوئی کھال کی رقم یہ کہہ کر مانگنے آئے کہ ہم لوگ کافر ہو ہی چکے، اس لئے ہماری دی ہوئی کھال کی رقم واپس کردی جائے، ان میں سے بعض آدمی یہ پوچھنے لگے کہ ہم لوگ کافر ہو ہی چکے ہیں، اس کے بعد بھی ہم لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

بتایئے! کیا ان باتوں سے رضا بالکفر مفہوم نہیں ہوتا اور اس سے پہلے کے واقعات پر توہینِ دین کا پہلو مفہوم نہیں ہوتا؟ ڈرامہ اور اس کے بعد کے حالات آپ کے سامنے ہیں، دیکھنے والے اور سامان وغیرہ سے امداد واعانت کرنے والوں میں حقیقتِ حال ظاہر ہونے کے بعد کچھ لوگ حامی اور کچھ لوگ متنفر ہوئے، آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہر فریق کے بارے میں شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی عالم کا بے عمل ہونا یقیناً بڑا جرم اور قابلِ مذمت ہے(۱)، مگر اس کی وجہ سے مطلقاً سب علماء کی اہانت واستخفاف ہرگز مذہب اسلام میں برداشت نہیں اور ایسی صورت ڈرامہ وغیرہ کے ذریعہ اختیار کرنا، جس سے علم دین اور علماء کی تحقیر واہانت ہوتی ہو، اتنا خطرناک ہے کہ اس سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہو جائے گا، ایسی دلیری کرنا، جس سے معلوم ہو کہ کفر پر راضی ہے، یہ تو اپنے ایمان کی ناقدری بلکہ ایمان سے بیزاری کی کھلی دلیل ہو جائے گی، اس سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنا لازم ہے، شرعی فتویٰ کا احترام سب کو ضروری ہے، اگر کم علمی کی وجہ سے، یا نفس وشیطان کے بہکانے سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے، جس سے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کا حکم عائد ہوتا ہو تو ایسی حرکت پر نادم ہو کر تجدیدِ ایمان وتجدیدِ نکاح کے لئے پوری طرح آمادہ رہنا چاہیے کہ یہی سلامتی، ہدایت اور نجات کا راستہ ہے اور اس کے خلاف چلنے میں تباہی، ضلالت اور ہلاکت ہے۔

---

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالیٰ عنه قال: إن من أشر الناس عندالله منزلة يوم القيامة عالم لا ينتفع بعلمه". (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۳۷، قديمی)

"عن الحسن رضي الله تعالیٰ عنه قال: "العلم علمان؛ علم في القلب، فذاک علم نافع، وعلم على اللسان، فذاک حجة الله عزوجل على ابن آدم". (سنن الدارمي، باب التوبيخ لمن يطلب العلم لغير الله، رقم الحديث: ۳۶۴: ۱/۱۱۴، قديمی)

"ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً، أو فقیهاً من غیر سبب. ویکفر بقوله لعالم: ذکر الحمار في است علمك مریداً به علم الدین، وبجلوسه علی مکان مرتفع، والتشبه بالمذکرین، ومعه جماعة یسئلون منه المسائل، ویضحکون منه، ثم یضربون بالمحراق وکذا یکفر الجمیع لاستخفافهم بالشرع، وکذا لو لم یجلس علی مکان مرتفع، ولکن یستهزئ بالمذکرین ویتمشی والقوم یضحکون. وبإلقاء الفتوی علی الأرض حین أتی بها خصمه ...... وبقوله کفرت حین تکلم بکلمة زعم القوم أنها کفر ولیست بکفر فقیل له کفرت وطلقت زوجتك اھ" (البحر الرائق: ۵/۱۲۳)(۱).

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جولوگ بھی اس ڈرامہ میں شریک ہوئے اوراس سے راضی رہے، سب کواحتیاطاً تجدید ایمان اورتجدید نکاح کرلینا چاہیے، مگر علماء کولازم ہے کہ پہلے عوام کے قلب ودماغ میں دین اورعلم دین کوقائم فرمائیں، عذاب آخرت اوراس کی تصدیق سے دلوں کوپُر کریں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کریں، جب ہرچیز کادرجہ ان کے اندر پیدا ہوجائے اس وقت فتویٰ کابھی ان پراثر ہوگا، ورنہ وہ دیدہ دلیری سے اورآزاد ہوکردین سے ہی دست بردار ہوجائیں گے، اشتعال انگیز اقدامات سے بھی علماء کواجتناب لازم ہے، ضائع شدہ سامان کاضمان اس سے لیاجاسکتا ہے، جس نے ضائع کیاہو، جس نے ضائع نہیں کیا، اس سے لینا درست نہیں اوریہ کہنا کہ فلاں شخص کی وجہ سے ضائع ہواہے، لہٰذا اسی سے ضمان لیاجائے، یہ غلط اورخلاف قاعدہ ہے۔

"لأن الضمان علی المباشر دون المتسبب"(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۲/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۷، ۲۰۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب ألفاظ الکفر، فصل في العلم والعلماء: ۵/۵۰۸، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع في أحکام المرتدین، مطلب موجبات الکفر، ومنها مایتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۰، رشیدیه)

(۲) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضیف الحکم إلی المباشر". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في =

دینی مسائل کا مذاق اڑانا

سوال[۹۹۶۰]: ایک شخص علمائے اکابر کے بتلائے مسائل کا مذاق بنائے اور علمائے کرام کو فحش کلامی اور برا بھلا کہتا ہو، حتیٰ کہ گدھا، اُلّو اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دیتا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مسائل حقہ کا مذاق اڑائے، اس کا ایمان خطرہ میں ہے(۱)، گالی اور فحش کلامی علمائے حق کی شان میں تباہ کن ہے(۲)، اس کو باز آنا اور توبہ کرنا اور معافی مانگنا ضروری ہے(۳)۔ فقط۔

= القواعد الكلية، النوع الثاني، القاعدة التاسعة عشر، ص: ١٩٠، دارالفكر بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٩٠: ١/٥٩، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في القواعد الفقه لعلي أحمد الندوي، القسم الثاني، الفصل الثالث، المبحث الثالث، ص: ٣٨٥، دارالقلم)

(١) "رجل رجع من مجلس العلم، فقال له رجل اخر: "از كنشت آمده" يكفر، وكذا لو قال: "مرابه مجلس علم چه كار" أو قال: "من يقدر على أداء مايقولون"، أو ألقى الفتوىٰ على الأرض، وقال: "چه شرع است اين"، أو "چه بازنامه فتوى آوردى" يكفر". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب ألفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثامن في استخفاف العلم والعلماء: ٣٨٨/٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الفصل الثاني، النوع الثامن في الاستخفاف بالعلم: ٣٣٧/٦، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب ألفاظ الكفر، فصل في العلم والعلماء: ٥٠٧/٥، ٥٠٩، إدارة القرآن كراچى)

(٢) "إهانة أهل العلم كفر". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التحرير: ٧٢/٤، سعيد)

"وفي البزازية: فالاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم، والعلم صفة الله تعالىٰ منحه فضلا على خيار عباده، ليدلوا خلقه على شريعته نيابة عن رسله، فالاستخفاف بهذا يعلم أنه يعود إليه". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع: النوع الرابع في الاستخفاف بالعلم: ٦٩٥/١، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر، ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيها من غير سبب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء: ٢٧٠/٢، رشيديه)

(٣) "ثم إن كانت نية القائل ..... الوجه الذي يوجب التكفير، لاتنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة =

مسئلہ پر عمل کرنے والے کو ذلیل وحقیر سمجھنا

سوال[۹۹۶۱]: اگر کوئی شخص شریعت کے مسئلہ پر عمل کرتا ہے تو لوگ اس کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں، آیا اس مسئلہ پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کے مسئلہ پر عمل کرنے سے کم علم اور کم دین والے حقیر سمجھتے ہیں اپنا نقصان خود کرتے ہیں (۱)، اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں اس کی عزت ہوگی، دنیا والوں کی نظروں میں عزت حاصل کرنے کے لئے احکام شرع کو ہرگز ترک نہ کیا جائے۔

﴿أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعاً﴾ الآية (۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= والرجوع عن ذلك". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، النوع الأول في إجراء كلمة الكفر: ۵۵۰/۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال لي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تحقرن من المعروف شيئاً....". (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ص: ۱۱۴۵، دارالسلام)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب وجوه الصدقة: ۳۱۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، البقرة: ۱۰۱/۱، قديمى)

(۲) (النسا: ۱۳۹)

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

تقلید کا مطلب

سوال[۹۹۶۲]: زید کہتا ہے کہ مسلمان جب تک تقلید کا قائل رہتا ہے، اس وقت تک اس میں ایمان ہی نہیں آسکتا، کیا زید کا یہ کہنا درست ہے؟ کیا واقعی مقلدین بے دین ہوتے ہیں، جب کہ ان لوگوں کے اندر بڑے بڑے عابد، زاہد، صوفی، متقی، پرہیزگار، عالم، محدث، مفسر، مبلغ، دین کے داعی سبھی کچھ پائے جاتے ہیں، مختلف خطابوں سے کروڑوں مسلمان مؤدبانہ طریق پر کسی صاحب کو شیخ الاسلام، کسی کو امام ربانی، کسی کو شیخ الحدیث کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

دوسرے ان لوگوں کے ہزاروں مدارس اسلامیہ جاری ہیں، جن کے اندر لاکھوں مسلمان علمِ حدیث وعلمِ دین حاصل کرتے ہیں، کیا یہ سب پڑھنے پڑھانے والے بے دینی ہی سیکھتے سکھاتے ہیں؟ مثال کے طور پر صحیح سند سے بتایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفع لاہور کی طرف سفر کیا، لاکھوں انسانوں کو مشرف بہ اسلام کیا، کیا وہ دعوت آپ کی بے دینی سے تعلق رکھتی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقلید کے معنی ہیں کہ جو شخص مجتہد نہ ہو وہ حکمِ دین کے بارے میں مجتہد کے قول کو تسلیم کرلے اس اعتماد پر کہ اس نے یہ حکم دلیلِ شرعی (کتاب، سنت، اجماع وقیاس شرعی) سے بتایا ہے، اس کے پاس اس حکم کی دلیل موجود ہے اور خود اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرے(۱)، یہ تقلید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی تھی کہ ایک صحابی

---

(۱) "التقليد: مصدر، في عرف الفقهاء: "هو قبول قول الغير بلا حجة ولا دليل". (القاموس الفقهي، ص: ۳۰۸، إدارة القرآن كراچی)

"التقليد: عبارة عن اتباع الإنسان غيره فيما يقول، أو يفعل معتقدا للحقية فيه من غير نظر =

دوسرے صحابی سے دینی مسئلہ پوچھتے تھے اور دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے تھے(۱)، صحابہ کے بعد برابر یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، اگر زید خدانخواستہ ان سب کو ایمان سے خالی اور بے دین کہتا ہے تو اس کو اپنے ایمان کی فکر لازم ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۵ھ۔

= وتامل في الدليل كان هذا المتبع، جعل قول الغير أو فعله قلادة في عنقه، وعبارة عن قبول قول الغير بلا حجة ولا دليل". (التعريفات للجرجاني، ص: ۴۷، قديمي)

(۱) "وأما غير أهل الاجتهاد فليس له إلا تقليد أهل العلم، فثبت أن أمر الاجتهاد والتقليد أمر متوارث من خير القرون، وقال ابن القيم في كتابه "أعلام الموقعين" (۱-۷) قال الشعبي: من سره أن يأخذ بالوثيقة في القضاء فليأخذ بقول عمر رضي الله تعالىٰ عنه. وقال مجاهد: إذا اختلف الناس في شيء فانظروا ما صنع عمر، فخذوا به. فهذه النصوص يدل على أن طريق التقليد كان شائعاً في الصحابة والتابعين حتى كان بعض المجتهدين يقلد بعضا منهم فضلاً عن غير أهل الاجتهاد بل أرشدهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى التقليد حيث أمرهم باتباع سنة الخلفاء الراشدين، بل أرشدهم الله إلى التقليد حيث قال: "فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون". (مقدمة إعلاء السنن، شرائط الإفتاء: ۲/۶، ۷، إدارة القرآن كراچى)

"وكان الصحابة ومن تبعهم من المسلمين مع أنهم كانوا في خير القرون، وكانوا على منزلة عالية من التقى والورع والعفاف كانوا لايسئلون إلا العلماء والأحبار، وإذا أفتوهم كانوا لا يطالبونهم بالدليل من القرآن والسنة على ذلك بل كانوا يثقون بعلمهم وتقواهم". (التقليد الشرعي وأهميته في الإسلام للفقهه الجليل للمفتي عبدالرحيم لاجپوری، ص: ۹۲، مكتبة الحرمين دبي)

(وكذا في أعلام الموقعين، فصل فضل عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ۱/۲۷، دار الجيل)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "ياكافر": ۱/۵۷، قديمي)

"سمعت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال لأخيه "ياكافر" فقد باء بها أحدهما". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، رقم الحديث: ۵۸۷۸: ۲/۲۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ثبوتِ تقلید

سوال[۹۹۶۳]: ۱......اگر کوئی مسلمان قرآن وحدیث کے موافق عمل کرتا ہے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کی تقلید نہیں کرتا ہے، کیا وہ شخص بہشتی ہے یا دوزخی یا گمراہ؟

ایضاً

سوال[۹۹۶۴]: ۲......کیا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے چار سو سال تک مسلمان مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک مذہب کی تقلید کرتا تھا یا نہیں؟

غیر مقلد کی امامت

سوال[۹۹۶۵]: ۳......کیا غیر مقلد ولامذہبی اشخاص کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں، یا گناہ گار ہوگا؟

ائمہ اربعہ کی سنِ ولادت ووفات اوران کے مذاہب کی ترویج

سوال[۹۹۶۶]: ۴......حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کتنے روز کے بعد مذاہب اربعہ کا ظہور ہوا؟

اور کس نے اظہار کیا اوران ائمہ اربعہ کی سنِ ولادت، وفات کی کیا تاریخ ہے؟ تحریر فرمائیے۔

ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا

سوال[۹۹۶۷]: ۵......چاروں امام کی پیدائش سے پہلے اسلام مکمل تھا یا نہیں؟ اگر مکمل تھا تو ان کی تقلید واجب کیوں ہے؟

ائمہ اربعہ کو گالی دینے والے کی امامت

سوال[۹۹۶۸]: ۶......جو لامذہبی واہلِ حدیث بانیانِ مذاہب اربعہ کو دشنام وطعن وتشنیع کرتے ہیں، ان کی اقتداء نماز میں درست ہے یا نہیں؟ تقلید شخصی کے وجوب کی مفصل دلیل تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....قال الله تبارك وتعالى: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾(۱) وقال: ﴿واتبع سبيل من أناب إليّ﴾(۲).

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ ضروریہ کا علم نہ ہو، تو اہلِ علم سے دریافت کرنا ضروری ہے اور جو شخص خداوند تعالیٰ کی طرف انابت کرتا ہو، اس کا اتباع ضروری ہے۔

قرآنِ کریم میں نہ تو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے کسی عالم کا نام مذکور ہے اور نہ اتباع کرنے کے لئے کسی متبوع کا نام مذکور ہے۔ جس شخص کو مجموعہ احوال سے کسی عالم کا منیب الی اللہ ہونا متحقق ہو جائے، اسی سے مسئلہ دریافت کرنا ضروری ہے اور اسی کا اتباع لازم ہے، اسی کا نام تقلید ہے۔

اتباع کے لئے مسلک کا معلوم ہونا ضروری ہے، ورنہ اتباع کیسے کرے گا اور ائمہ اربعہ کا مسلک ومذہب معلوم ومدون ہے، کسی اور کا مسلک ومذہب اس تفصیل کے ساتھ معلوم ومدون نہیں (۳)۔

لہٰذا ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید لازم اور ضروری ہوئی، نماز، روزہ، قطعی الثبوت وقطعی الدلالت ہیں

---

(۱) (الأنبياء: ۷)

(۲) (اللقمان: ۱۵)

(۳) "وليس للعامي التمذهب بمذهب أحد من أئمة الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم وغيرهم من الأولين وإن كانوا أعلم وأعلى درجة ممن بعدهم؛ لأنهم لم يتفرغوا لتدوين العلم وضبط أصوله وفروعه، فليس لأحد منهم مذهب مهذب محرز مقرر، وإنما قام بذلک من جاء بعدهم من الأئمة الناحلين لمذاهب الصحابة والتابعين، القائمين بتمهيد الأحكام الوقائع قبل وقوعها، الناهضين بإيضاح أصولها وفروعها، كمالک وأبي حنيفة وغيرهما رحمهم الله تعالى". (مقدمة إعلاء السنن، القاعدة الحادية عشر: ۲۲۳/۳، إدارة القرآن كراچی)

"لا بد في الاستنباط أن يعرف مذاهب المتقدمين؛ لأن لايخرج من أقوالهم فيخرق الإجماع ويبني عليها ويستعين في ذلک بمن سبقه ..... وليس مذهب في هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة". (التقليد الشرعي وأهميته للاجفوري، ص: ۹۲، مكتبة الحرمين، دبي)

(وكذا في حجة الله البالغه، فصل في مسائل ضلت فيها الأفهام: ۱/ ۳۵۰، قديمى)

اور تقلید ائمہ اربعہ کی یہ شان نہیں، کیونکہ ان کے نام ہی مطلوب نہیں ۔پس تقلید واجب کے درجہ میں رہ گئی۔

۲......اگر وہ مسلمان خاص، عام، مطلق، مقید، مشترک، مؤل، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معلول، شاذ، منکر، ناسخ، منسوخ وغیرہ اقسام کتب حدیث پر پوری طرح حاوی ہیں اور ائمہ اربعہ کی طرح روایت ودرایت میں کامل ہیں، تو تقلید نہ کرنے میں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اور خوب ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں ایسے آدمی کا روئے زمین پر موجود ہونا عنقا سے کچھ کم نہیں۔

۳......اس مدت میں جو حضرات صفاتِ مذکورہ کے ساتھ متصف تھے، وہ تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ خود مجتہد تھے اور جو متصف نہ تھے، وہ کسی کی تقلید کرتے تھے، بعض تو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتے تھے اور بعض دوسرے ایسے اکابر کی تقلید کرتے تھے، جن کو عالم اور منیب الی اللہ سمجھتے تھے اور ان کے مسلک سے واقف تھے، جیسا کہ حدیث کے طلباء پر مخفی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حکم فرمایا:

"عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إني لا أدري ما بقائي فيكم، فاقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر (رضي الله تعالىٰ عنهما)" (رواه الترمذي، ص: ٥٦)(١).

۴......لا مذہب تو بد دین اور دہریہ کو کہتے ہیں، جب وہ کسی مذہب کا قائل ہی نہیں، تو وہ نماز کیا پڑھے اور کیا پڑھائے گا؟! غیر مقلد کے متعلق تفصیل ہے، اگر وہ ائمہ دین کو سب وشتم ولعن طعن کرتا ہے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، وہ فاسق ہے (۲)۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر دیکھنا چاہیے کہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کرکے پڑھتا

(١) (الجامع للترمذي، كتاب المناقب، باب في مناقب أبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما كليهما: ٢/٢٠٧، سعيد)

(٢) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله: ١/١٢، قديمي)

"ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأمامة: ١/٥٥٩، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/١٢٢، شركة علميه)

ہے یعنی فرائض وواجبات سب کی رعایت کرتا ہے، تب تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور اگر ان سب کی رعایت نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور اگر رعایت وعدمِ رعایت کا کچھ علم نہ ہو تو اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔

اگر فرائض میں تو رعایت کرتا ہے اور واجبات اور سنن کو ترک کرتا ہے یا واجبات میں رعایت کرتا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں بھی امامت مکروہ ہے۔ پہلی صورت میں زیادہ، دوسری میں کم۔

"إن علم تركها في الثلاثة، لم يصح، وإن لم يدر شيئاً كره؛ لأن بعض مايجب تركه عندنا ليس فعله عنده، فالظاهر أنه يفعله وإن علم تركها في الأخيرين فقط ينبغي أن يكره؛ لأنه إذا كره عند احتمال ترك الواجب فعند تحققه بالأولى، وإن علم تركها في الثالث فقط ينبغي أن يقتدى به؛ لأن الجماعة واجبة فتقدم على كراهة التنزيه". (ردالمحتار: ۵۸۸/۱)(۱).

جب اپنا ہم عقیدہ وہم مذہب صالح امام موجود ہو تو کسی غیر کو امام بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

۵......حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت کے متعلق علماء کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ ۶۰ھ میں ولادت ہوئی، دوم یہ کہ ۶۱ھ میں، سوم یہ کہ ۸۰ھ میں یہی راجح ہے۔ وفات ایک سو پچاس ۱۵۰ھ میں ہوئی (۲)۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت میں چند قول ہیں، ۹۰ھ، ۹۳ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ اور وفات

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا: ۵۶۳/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۳/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالإمامة: ۶۰۲/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال أبويعقوب: "وسمعت القاضي أبا الحسين أحمد بن محمد النيسابوري يملي، قال: "أما أبوحنيفة، فلا اختلاف في مولده إنه ولد سنة ثمانين من الهجرة، ومات ليلة النصف من شعبان سنة خمسين ومائة".

قال الشيخ عبدالفتاح أبو غدة رحمه الله تعالىٰ في تعليقه على هذا القول:

"في هذا القول نظر. فقد وجد الاختلاف في مولده، فقيل: سنة ۶۱، وقيل: سنة ۷۰، وقيل: =

۱۷۵ھ میں ہوئی (۱)۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ وفات دوسو چار ۲۰۴ھ

= سنة ۸۰، وهو الذي عليه الأكثر". (الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء، باب ذكر مولد أبي حنيفة ونسبه وسنه، ص: ۱۹۲، المكتبة الغفورية العاصمية)

"الصحيح أنه ولد سنة ثمانين وقيل: إحدى وستين وقيل: ثلاث وستين". (الجواهر المضيئة، ص: ۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ثم ولادته، فمختلف عند أهل النقل، وذكر اليافعي في طبقات الفقهاء: أنه ولد سنة أربع وتسعين، وذكر ابن خلكان وغيره: أنه ولد سنة خمس وتسعين وقيل: سنة تسعين، قال الذهبي في التذكرة: "أما يحيى بن بكير فقال: سمعته، يقول: ولدت سنة ثلث وتسعين فهذا أصح الأقوال. انتهىٰ. واختاره السمعاني في الأنساب ... . (مقدمة أوجز المسالک: ۱/۱۲، مکتبة إمدادیه)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۱۷۵ھ میں لکھنا، بظاہر کاتب کا سہو ہے، اس لئے کہ کتب تراجم کا تقریباً اتفاق ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ "مقدمہ أوجز المسالک" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وأما وفاته، فقال الحافظان السيوطي والزرقاني: مرض مالک يوم الأحد ...... وقال سحنون عن عبدالله بن نافع: "توفي مالک ...... وقال الواقدي: بلغ تسعين سنة ...... وفي التذكرة، قال أبومصعب: لعشر خلت من ربيع الأول وكذلک قال ابن وهب، وقال ابن سحنون: في حادى عشر ربيع الأول وقال ابن أبي أويس: في بكرة أربع عشرة منه وقال مصعب الزبيري: في صفر، وكلهم قالوا: في سنة تسع وسبعين ومائة، انتهى". (أوجز المسالک، مقدمة أوجز المسالک، الباب الثاني، الفائدة الأولىٰ في ترجمته: ۱/۱۲، مکتبه إمدادیه ملتان)

اور علامہ ابن عبدالبر تحریر فرماتے ہیں:

"ولم يختلف أصحاب التواريخ من أهل العلم بالخبر والسير، أن مالكا رحمه الله تعالىٰ توفي سنة تسع وسبعين ومائة". (الانتقاء، باب ذكر مولد مالک بن أنس، ونسبه، ص: ۳۷، المكتبة الغفورية العاصمية، كراتشي)

(وكذا في منازل الأئمة الثلاثة، فصل في ذكر مالک، ص: ۹۱، دار ابن حزم)

(وكذا في تهذيب الأسماء واللغات للنووي، ترجمة الإمام مالک رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۷۹، دارالكتب العلمية بيروت) ....=

میں ہوئی (۱)۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہوئی اور وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی (۲)۔

ان ائمہ اربعہ کے تلامذہ نے ان کے مذاہب کو شائع کیا۔

۶......اسلام مکمل تھا اور اب بھی مکمل ہے اور ان کی تقلید واجب ہونے کی وجہ نمبر ۱، ۲، ۳ میں بیان کردی گئی۔

۷......ایسے لوگوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے، ایسے لوگ فاسق ہیں۔

لقوله عليه السلام: "سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر" (رواه الشيخان والترمذي والنسائي)(۳)۔

یہ دشنام اور طعن سب کچھ ان غیر مقلدین ہی کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ ائمہ اربعہ کی شان بہت بلند ہے، وہ ہرگز اس کے مستحق نہیں۔ جو شخص اللہ کے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے اللہ پاک اس سے عداوت رکھتے ہیں (۴)۔ نفسِ تقلید کا وجوب اوپر ثابت ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج اس بسط اور تفصیل سے کسی کا مذہب

= (وكذا في شذرات الذهب، سنة تسع وسبعين ومائة: ۱/۴۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وكذلك لا خلاف أن الشافعي رحمه الله تعالىٰ ولد سنة خمسين ومائة من الهجرة، وهو العام الذي توفي فيه أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ...... الربيع بن سليمان المؤذن قال: قدم علينا الشافعي مصر سنة مئتين، ومات يوم الخميس ليلاً، وهو ابن خمس وخمسين سنة في آخر يوم من رجب، من سنة أربع ومائتين". (الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء، ص: ۱۱۵، ۱۲۰، المكتبة الغفورية العاصمية)

(۲) "قال عبدالله بن أحمد: قال أبي: ولدت سنة أربع وستين ومائة، وقال عبدالله: ومات في ربيع الآخر سنة إحدى وأربعين ومائتين وله سبع وسبعون سنة". (المغني والشرح الكبير: ۱/۳۱، دار الفكر)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى من السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، سباب المسلم فسوق وقتاله كفر: ۱/۵۸، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في الشتم: ۲/۱۹، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب المحاربة، باب قتال المسلم: ۲/۱۷۴، قديمي)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن الله تعالىٰ قال: ﴿من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب......﴾". (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع: ۲/۹۶۳، قديمي) .... =

مدون نہیں جس تفصیل سے ائمہ اربعہ کا مذہب مدون ہے، تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ ہی میں سے کسی کی تقلید واجب ہوگی۔

تقلید شخصی کی دلیل یہ ہے کہ مسائل دوقسم کے ہیں: اول متفقہ، دوم مختلفہ۔ اول میں سب کی تقلید ہوئی، دوم میں سب کا اتباع تو ہو نہیں سکتا، بعض کا ہوگا بعض کا نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کوئی وجہ ترجیح کی ہو، سو اللہ تعالیٰ نے اتباع کو انابت پر معلق فرمایا ہے۔ جس کی انابت الی اللہ زیادہ متحقق ہوگی، اس کا اتباع کیا جائے گا۔

اب زیادہ انابت کی تحقیق یا اجمالاً کی جائے یا تفصیلاً۔ تفصیلاً تو یہ ہے کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ میں دیکھا جائے کہ حق کس کی جانب ہے، اس میں حرج اور تکلیف مالا یطاق کے علاوہ مقلد مقلد نہ رہا، بلکہ اپنی تحقیق کا متبع ہوا نہ دوسرے کے سبیل کا "وھو خلاف المفروض"۔ اجمالاً یہ ہے کہ ہر امام کی مجموعی حالت پر نظر کی جائے کہ غالباً کون حق پر ہوگا اور کس کی انابت زائد ہے، پس یہی صورت متعین ہے۔

اب جس کو ائمہ اربعہ میں سے جس کے مجموعی احوال پر نظرِ غائر ڈالنے سے معلوم ہو جائے کہ یہ زائد منیب ہے، وہ انہیں کی تقلید کرے گا، یہی تقلید شخصی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۶/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲ ج/ ۵۹ھ۔

ائمہ اربعہ کو حق تسلیم کرنا کہاں سے ثابت ہے؟

سوال[۹۹۶۹]: چار امام امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو برحق ماننا یہ چار نام چاروں کو برحق ماننا، قرآن وحدیث پاک سے ثبوت دو، پارہ نمبر، رکوع نمبر آیت یا بخاری شریف، مسلم شریف، صحاح ستہ کی کوئی بھی حدیث سے ثبوت دو۔

= (وكذا في سنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب صلاة الاستسقاء باب الخروج من المظالم والتقرب إلى الله تعالىٰ بالصدقة ونوافل الخير رجاء الإجابة، رقم الحديث: ٦٣٩٥: ٣/ ٤٨٢، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان الفارسي، كتاب البر والإيمان، باب ماجاء في الطاعات وثوابها، ذكر الأخبار عما يجب على المرء من الثقة بالله في أحواله ..... رقم الحديث: ٣٤٧: ٢/ ٥٨، مؤسسة الرسالة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ (پارہ: ١٤، رکوع: ١)(١) جوشخص دین کی بات سے ناواقف ہے، اس کوحکم ہے کہ وہ واقف سے دریافت کرے اور چاروں امام ہی دین سے واقف گزرے ہیں، اس لئے ان سے دریافت کیا گیا ہے اور کرتے ہیں، صحاح ستہ کے مصنفین بھی حدیث کے اعلیٰ درجہ کے جاننے والے گزرے، اس لئے ان سے علم حدیث کو حاصل کیا جاتا ہے، چنانچہ آپ نے بھی سوال کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ائمہ اربعہ کے مذاہب کی وجہ

سوال[۹۹۷۰]: ہم لوگوں کو بتلائے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا سچا دین یا مذہب پکا تھا اور ہم لوگ کا کیا ہونا چاہیے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے:﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾(٢).

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا ہم لوگوں کو جب تک ان لوگوں کا طریقہ یا مذہب نہیں معلوم ہوگا، تو ہم کیسے شامل ہو سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا جتنے نبی دنیا میں آئے، وہ ایک ہی دین و مذہب کو جاری کرنے آئے اور ہمارے علماء نے وارثِ انبیاء ہوکر کعبہ شریف میں جہاں سے توحید، ایک راستہ یا ایک مذہب نکلا، وہیں چار مذہب کے چار مصلے بچھا دیئے اور اس کے بعد ابھی تک مذہب کی زیادتی ہوتی چلی جارہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی پیشن گوئی کے مطابق تہتر فرقے ہوکر رہیں گے۔ مگر امام لوگوں کا کیا مذہب تھا اور ان لوگوں کے امام کون تھے اور کس کے مقلد تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ

---

(١) (النحل: ٤٣)

(٢) (التوبة: ١١٩)

وشافعی و مالک واحمد رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا دین اسلام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ دین کامل ہے اور اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔

﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾(۱).

چاروں اماموں کا مذہب بھی یہی دینِ اسلام ہے، اس سے باہر نہیں، ان میں جو کچھ تصرف ہے وہ فروعی ہے، حق وباطل کا اختلاف نہیں، ایسا نہیں ہے کہ ایک نے دوسرے کو نعوذ باللہ اسلام سے خارج یا جہنمی قرار دیا ہو، یہ چاروں مذہب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے تابع ہیں مخالف نہیں، جیسا کہ بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ کتب حدیث میں مختلف حدیثیں ہیں اور ایک محدث کا مذہب دوسرے محدث کے خلاف ہے، لیکن اسلام سے باہر کوئی نہیں اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار مختلف ہیں، جو کہ ان کے مذاہب ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، مگر اسلام سے کوئی خارج نہیں، نہ ان پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" (۲). یعنی: "میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کا بھی اقتداء یعنی تقلید کرلو گے، ہدایت پاجاو گے"۔ اور جیسے احادیث مختلف ہیں، مثلاً: کسی میں آمین بالجہر، کسی میں آمین بالسر ہے، کسی میں رفع یدین ہے، کسی میں ترک رفع ہے، جن کی وجہ سے صحابہ کے مذاہب مختلف ہوئے، کسی کو اسلام کا مخالف یا اسلام سے خارج یا حدیث کا مخالف کہنے کا کوئی حق نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دین ومذہب کو جس طرح ائمہ مجتہدین اور محدثین جانتے اور دلائل کی روشنی میں سمجھتے اور دلائل کی قوت وضعف کو پرکھتے تھے، آج کل کے لوگ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے اور جلیل القدر محدثین سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ائمہ مجتہدین کے شاگرد ہیں، لہٰذا ان حضرات کے اختلاف کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے، جیسا کہ کفر واسلام کا اختلاف ہے، یہ سب ناجی ہیں، کوئی

---

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، قديمي)

(وكذا في جامع الأصول في أحاديث الرسول، كتاب الفضائل، الباب الرابع، الفصل الأول، نوع الثالث، رقم الحديث: ۶۳۵۹: ۹/۴۰۹، دار إحيا التراث العربي بيروت)

جہنمی نہیں، بنیادی مسائل جن پر مدارنجات ہے، ان سے ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں۔ سب کے سب خدا کو ایک مانتے ہیں، کوئی مشرک نہیں۔ سب رسول پر ایمان رکھتے ہیں، کوئی منکر رسالت نہیں۔ سب خدا کی کتابوں، فرشتوں، جنت، دوزخ، تقدیر کو برحق سمجھتے ہیں اور ارکانِ اسلام کو بہتر فرقوں میں شامل کر کے اسلام سے خارج قرار دینا درحقیقت اپنے لئے اسلام سے خارج ہونے کا اقرار کرنا ہے (۱)۔

ان حضرات کا اختلاف درحقیقت بڑی رحمت ہے کہ دین میں اس سے بہت وسعت حاصل ہے، جو کہ احادیث سے ثابت ہے۔ "إن هذه أمتكم أمة واحدة" (۲)۔ اگر غور کر لیا جائے تو صاف صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے اختلاف کی ہرگز اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اس لئے کہ سب خدا ہی کو رب مانتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں، جو فرقے خدا کے سوا کسی اور کو رب مانتے اور کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہیں، ان پر ضرور اس سے رد ہوتا ہے، یہ حضرات اپنے اس فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی امت ہیں۔ ایسا نہیں جیسا کہ

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيما رجل قال لأخيه: "يا كافر" فقد باء بها أحدهما". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أكفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال: ۲/۹۰۱، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "يا كافر": ۱/۵۷، قديمي)

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه، أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلا بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمي)

(۲) (الأنبياء: ۹۱)

"﴿إن هذه امتكم﴾ الخ أي: هذه الملة التي كررتها عليكم ملة واحدة، أختارها لكم لتتمكسوا بها، وبعبادة الله تعالىٰ، والقول بالتوحيد وهي التي أدعوكم إليها لتعضوا عليها بالنواجذ؛ لأن سائر الكتب، نازلة في شأنها والأنبياء كلهم مبعوثون للدعوة إليها ومتفقون عليها". (روح المعاني، الأنبياء: ۹۱: ۱۷/۸۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ومن حديث قتادة، أن عمر بن عبدالعزيز كان يقول: ماسرني لو أن أصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يختلفوا؛ لأنهم لولم يختلفوا لم تكن رخصة". (المقاصد الحسنة، ص: ۲۶، دارالكتب العلمية بيروت)

یہود ونصاریٰ میں اختلاف تھا کہ ﴿قالت الیهود لیست النصاری علی شئ وقالت النصاری لیست الیهود علی شئ﴾(۱) جوشخص خود مجتہد نہ ہواس کو تقلید لازم ہے(۲)، ائمہ اربعہ خود مجتہد تھے(۳)۔ ان کو کسی کی تقلید لازم نہیں تھی، مسئلہ تقلید پر چھوٹی بڑی کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں، ان کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔ واللہ یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۲/۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوشخص فقہ کو نہ مانے، اس کا حکم

سوال [۱۰۹۹۷]: ایک شخص اپنے کو عالم اور حافظ کہتے ہیں، ایک فتویٰ کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ فقہ کی کتابوں سے جواب دیا گیا ہے، اس لئے جواب درست نہیں ہے، اس لئے کہ فقہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کو میں

---

(۱) (البقرة: ۱۱۳)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لاتعلمون﴾ (الأنبیاء: ۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿واتبع سبیل من أناب إلیّ﴾ (اللقمان: ۱۵)

"مثل هذا التقلید لابد منه لکل أحد، بل ولاسلامة للدین بدونه ...... ومن ترک هذا التقلید وأنکر اتباع السلف، وجعل نفسه مجتهداً، أو محدثاً واستشعر من نفسه أنه یصلح لاستنباط الأحکام، وأجوبة المسائل من القرآن والحدیث في هذا الزمان، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، أو کاد أن یخلع، ولقد صدق أحد زعمائهم حیث قال بعد تجربة طویلة: إن ترک التقلید أصل الإلحاد والزندقة في حق العامة". (مقدمة اعلاء السنن، قواعد في علوم الحدیث: ۱/۲۸۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في التقلید الشرعي وأهمیته، ص: ۹۲، مکتبة الحرمین دبي)

(۳) "طبقة المجتهدین في الشرع کالأئمة الأربعة ومن سلک مسلکهم في تأسیس قواعد الأصول واستنباط أحکام الفروع عن الأدلة الأربعة من غیر تقلید لأحد لا في الفروع ولا في الأصول". (شرح عقود رسم المفتي لابن عابدین الشامي، ص: ۱۵، مکتبه بیت القلم اسلام آباد)

(وکذا في مجمع البحرین، قسم الدراسة، ص: ۲۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في مقدمة ردالمحتار: ۱/۷۷، سعید)

نہیں مانتا، کیا ان کا قول درست ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ کا انکار کرنا غیر مقلدین کا کام ہے، ہرگز ایسا نہیں کہنا چاہیے، فقہ بھی قرآن پاک اور حدیث شریف اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے(۱)۔ فقہ کے انکار سے ان سب چیزوں کا انکار لازم آئے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وقد روى الشيخ محي الدين في: "الفتوحات المكية" بسنده إلى الإمام أبو حنيفة أنه كان يقول: "إياكم والقول في دين الله تعالىٰ بالرأى، وعليكم باتباع السنة، فمن خرج عنها ضل، ...... وكان يقول: "عليكم باثار من سلف، وإياكم وآراء الرجال اهـ ...... وكان يقول: لم تزل الناس في صلاح مادام فيهم من يطلب الحديث، فإذا طلبوا العلم بلا حديث فسدوا ...... وقال أيضا (أي في الفتوحات) وقد تتبعت بحمد الله أقواله وأقوال أصحابه لما ألفت كتاب: "أدلة المذاهب" فلم أجد قولا من أقواله وأقوال أتباع إلا وهو مستند إلى اية، أو حديث، أو أثر، أو إلى مفهوم ذلك. أو حديث ضعيف كثرت طرقه، أو إلى قياس صحيح على أصل صحيح". (إعلاء السنن، أبوحنيفة وأصحابه المحدثون: ۳/۴۹، إدارة القرآن)

(وكذا في الميزان للشعراني: ۱/۶-۹، ۱۱۸-۱۸۵، ۲۰۷، ۲۰۸، عالم الكتب بيروت)

(وكذا في عقد الجيد، باب تأكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة والتشديد في تركها والخروج عنها، ص: ۵۲، ۵۲، سعيد)

(وكذا في تاريخ المذاهب الإسلامية للإمام أبي زهرة، الكتاب الثاني في تاريخ المذاهب الفقهية، فقه أبي حنيفة، ص: ۳۷۰، ۳۷۱، مكتبة الشيخ كراتشي)

باب البدعات والرسوم

(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)

قرآن کی سالگرہ کے موقع پر ختم کا اہتمام کرنا

سوال[۹۹۷۲]: آج کل اخباروں میں اور ریڈیو پر آتا رہتا ہے کہ قرآن شریف کے نزول کو چودہ سو سال ختم ہوکر پندرہ سو کے آغاز پر ختم قرآن جا بجا کیا جارہا ہے، بلکہ بعض نے تو آئندہ رمضان تک کا اور بعض نے عید الضحیٰ تک کا وقت اس تقریب کے لئے دیا ہے کہ ان میں ضرور کرلینا چاہیے، تو ہم محض پورے شہر والوں کو دعوت دے کر بلائیں اور قرآن خوانی کرائیں، پچاس سے زائد قرآن ختم ہوجائیں گے اور ہر خاص وعام نزول قرآن اور قرآن کی اہمیت کے متعلق علماء کرام سے بیانات سنیں گے، جو مفید ہوں گے، شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں یا کرنے میں حرج ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا بابرکت کلام ہے، جو کہ اس امت کے لئے مستقل لائحہ عمل ہے، اس کی تلاوت پر بہت بڑا اجر وثواب ہے(۱)، اس پر یقین رکھنا اصل ایمان ہے، اس پر عمل کرنا پروانہ نجات ہے،

---

(۱) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالیٰ عنه قال: خرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ونحن في الصفة، فقال: أیکم یحب أن یغدو کل یوم إلی بطحان، أو إلی العقیق فیأتي بناقتین کوماوین في غیر إثم ولا قطع رحم؟ فقلنا: یا رسول الله! نحب ذلک، فقال: "أفلا یغدو أحدکم إلی المسجد فیعلم أو یقرأ ایتین من کتاب الله خیر له من ناقتین، وثلاث خیر له من ثلاث، وأربع خیر له من أربع، ومن أعدادهن من الإبل". (صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن ومایتعلق به، باب فضل قراءة القرآن في الصلاة وتعلمه: ۱/۲۷۰، قدیمی)

"عن أبي سعید رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: یقول الرب تبارک وتعالیٰ: "من شغله القرآن عن ذکري ومسألتي أعطیته أفضل ما أعطي السائلین، وفضل =

نزول قرآن سے ایک سو ل سال گزرنے پر اکابرامت اور سلف صالحین نے اس قسم کی کوئی جوبلی، تقریب یا سالگرہ نہیں منائی، درآنحالیکہ اس وقت کے حضرات کے لئے خیر ہونے کی بشارت احادیث میں موجود ہے اور وہ حضرات ایمان بہت قوی رکھتے تھے، اوران میں اعمال صالحہ تلاوت وغیرہ کا جذبہ آج کے لوگوں سے کہیں زیادہ تھا اور قرآن کریم کے حقوق کو بہت زیادہ پہچانتے تھے، یہ تقریب ایک محدث چیز ہے، جو دین کے نام پر اب دیگر اقوام وملل کی حرص میں پیدا کی جارہی ہے، اس لئے اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔

"من أحدث في ديننا هذا ماليس منه فهو رد"(١). متفق عليه.

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۷ھ۔

فجر کی نماز کے بعد سورہ یٰسین شریف کا اہتمام

سوال[۹۹۷۳]: ہمارے یہاں صبح بعد نماز فجر پابندی سے اسی جگہ سورہ یٰسین ایک شخص پڑھتا ہے اور سب سنتے ہیں، تو عالی جناب فرمائیے! یہ عمل ٹھیک ہے کہ نہیں؟ بلا ناغہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورہ یٰسین شریف کے فضائل حدیث پاک میں وارد ہیں، ایک مرتبہ پڑھنے سے دس قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے(۲)،

= كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه". (جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة، قبيل أبواب القراءات: ٢/ ١٢٠، سعيد)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: ﴿الم﴾ حرف: ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف". (سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن: ٢/ ٥٢١، رقم الحديث: ٣٣٠٨، قديمي)

(١) (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ١/ ٣٧٠، قديمي)

(٢) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لكل شيء قلباً، وقلب القرآن ﴿يسٓ﴾ ومن قرأ ﴿يسٓ﴾ كتب الله له بقراء تها قراءة القرآن عشر مرات". (سنن الترمذي، أبواب وفضائل القرآن، باب ماجاء في يسٓ: ٢/ ١١٦، سعيد)

پریشانی اور مصائب کا دفعیہ بھی اس سے ہوتا ہے(۱) وغیرہ وغیرہ، لہٰذا اگر کوئی شخص پڑھے اور دوسرے لوگ سنیں، تب بھی مضائقہ نہیں، لیکن اگر کوئی شخص شریک نہ ہو، تو اس کو زبان سے برا کہنا یا دل سے برا سمجھنا درست نہیں، کہ اس سے التزام اور اصرار کی شان پیدا ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۱۴۰۰ھ۔

تیجہ و چہلم کا کھانا

سوال [۹۹۷۴]: امسال رمضان المبارک میں بنیتِ ایصالِ ثواب طعام پکا کر روزہ داران کی دعوت کی گئی، جس میں اغنیاء صاحب نصاب حضرات بھی مدعو کئے گئے، لیکن فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ اغنیاء کو ایصالِ ثواب کا کھانا جائز نہیں۔

دن جمعہ کا تھا، بعد جمعہ قرآن خوانی کا اعلان ہوا، قرآن پڑھا گیا، بعد مغرب دعوتی حضرات فارغ ہوئے، معلوم ہوا کہ برسی کا کھانا یہاں پر کھانے کا نام افطاری رکھا گیا، یہ سلسلہ کئی برس چہلم کے تحت چند مکانوں پر چلتا رہا، دیگر یہ کہ ۲۷/ رمضان المبارک کو ایک صاحب کا انتقال ہوا، ان کے فرزند واعزاء ایک عالم صاحب کے پاس گئے کہ رواج تیجہ کے دن بھی کھانا کھلانے کا ہے، شرعی حکم کے تحت کھانا ہم کھلانا چاہتے ہیں، تیسرے دن

---

(۱) "عن عطاء بن أبي رباح رحمه الله تعالیٰ قال: بلغني أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من قرأ ﴿یٰسٓ﴾ في صدر النهار، قضیت حوائجه". (مشكاة المصابیح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث: ۱/۱۸۹، قدیمی)

"قال بعض العلماء: "من خصائص هذه السورة أنها لا تقرأ عند أمر عسیر إلا یسره الله تعالیٰ، وكأن قراءتها عند المیت لتنزل الرحمة والبركة: ویسهل علیه خروج الروح". (تفسیر ابن كثیر، بداءة سورة یٰسٓ: ۳/۷۴۳، دار السلام)

(۲) "الإصرار علی المندوب تبلغه إلی حد الكراهة". (السعایة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهیل اكیڈمی لاهور)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن الیمین: ۲/۴۳۰، قدیمی)

(وكذا في التعلیق الصبیح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۱/۵۴۹، رشیدیه)

کی شب میں کچھ رات گزرنے پر عالم صاحب کو بیدار کیا گیا تو عالم صاحب نے فرمایا "تیجہ و چہلم کرنا جائز ہے، میں ذمہ دار ہوں"، یہ سنا گیا، چنانچہ یہ عالم خود شریک طعام رہے، اس سے قبل بھی جو دعوتیں ہوئیں، ہر ایک میں کلی طور پر شرکت فرمائی، بلکہ نذر و نیاز کے کھانے میں بھی شرکت فرماتے ہیں، ان کا یہ عمل کیا ہے؟ عوام بھی چاہتے ہی ہیں، لیکن شرعی حکم جو بھی ہو ارقام فرمائیں۔ احقر اور احباب ان کھانوں سے اجتناب کرتے ہیں تو مطعون ہوتے ہیں کہ آپ عالم نہیں، یہ عالم ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں کے فتویٰ پوچھنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ فتاویٰ دارالعلوم ان عالم کے سامنے پیش کر دیا جائے، کہ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، اس کے بعد ممکن ہے کہ ان کا مسلک واضح ہو جائے، ایصالِ ثواب کے کھانے کی بحث ردالمحتار، کتاب الجنائز میں ہے(۱) اور شفاء العلیل (۲) مستقل اسی مسئلہ پر تصنیف ہے۔ الطریقۃ المحمدیۃ میں بھی اس کو خوب بیان کیا ہے، امید ہے کہ یہ چیزیں ان عالم صاحب کی نظر میں بھی ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۹ھ۔

کیا نیاز و فاتحہ کا کھانا مردہ کو پہونچتا ہے؟

سوال[۹۹۷۵]: نیاز فاتحہ کی شرطیں کیا ہیں؟ کیا فاتحہ کی ہوئی مٹھائی یا مرغ مسلم مردہ تک پہونچتا ہے؟

---

(۱) "وفي البزازية: "ويكره اتخاذ الطعام في يوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الإخلاص ..... وقال: وهذه الأفعال كلها للرياء والسمعة فيحترز عنها لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى"".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲) (شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، في مجموعة رسائل ابن عابدين، ص: ۱۵۲، سهيل اكيڈمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی بھی نیک کام کرکے بغیر کسی ایسی پابندی کے جس کا شرعاً ثبوت نہ ہو، ثواب پہونچا دینا درست ہے۔ شرعی طریقہ پر صدقہ کرنے سے جو ثواب حاصل ہو، وہ مردہ کو پہونچتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

درگاہ میں آئے ہوئے ایصالِ ثواب کے پیسے کا مصرف

سوال[۶۷۹۹]: ہمارے الّال میں بہت بڑا درگاہ ہے، جو بہت مشہور ہے، جس کی روزانہ آمدنی کے طور پر نیاز وغیرہ سے بہت جمع ہوتا ہے، کچھ فلوس فراہم کئے ہیں، جو نیاز کے طور پر آتے ہیں، اس فراہم کئے ہوئے پیسے کو کیا کہتے ہیں؟ فراہم کئے ہوئے پیسے کس طور پر استعمال کرسکتے ہیں؟ کیا اس پیسے کو دین سکھانے والے اسکولوں کو یا دنیاوی سکھانے والے اسکولوں پر خرچ کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ کے نام پر غرباء کو کچھ دے کر ایصال ثواب کردینا شرعاً درست ہے(۲)، اس قسم کا جو روپیہ درگاہ

---

(۱) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(ولهذا اختاروا) أي: الشافعية في الدعاء: أللهم أوصل مثل ثواب ماقرأته إلى فلان، أما عندنا (أي: الحنفية) فالواصل إليه نفس الثواب. وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "الأصل ان كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه". (الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۱۴، مكتبه غفاريه كوئته)

"فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قرأة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". =

کے ذمہ دار صاحب کو دیا گیا ہو، وہ غرباء کو بھی دے سکتے ہیں اور دین کے دوسرے کاموں میں بھی صَرف کر سکتے ہیں اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر دی جائے، اس کا لینا اور خرچ کرنا درست نہیں، اس واسطے مناسب یہ ہے کہ دینے والوں کو پوری تفصیل کے ساتھ مسئلہ بتایا جائے کہ وہ اللہ کے نام پر دیں اور اس کا ثواب صاحب درگاہ مرحوم کو پہنچا دیں اور اس روپیہ کا اختیار درگاہ کے ذمہ دار کو دے دیں کہ وہ ثواب کے لئے دین کے جس کام میں چاہیں، صَرف کیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۲۲۱، ۲۲۲، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام ..... قال في البحر: ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد: ۴۷۱/۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۵۲۱/۲، رشيدية)

(مروجہ صلوۃ وسلام کا بیان)

سلام پڑھنے کا طریقہ

سوال [۹۹۷۷]: سلام پڑھنے کا حکم ہے تو شرطیں کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جیسا کہ نماز میں تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے یا بہت ہی دل جمعی سے درود وسلام تنہائی میں بیٹھ کر پڑھتا رہے، اس نیت کے ساتھ کہ یہ صلوۃ وسلام بذریعہ ملائکہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا جائے گا، جو شخص روضۂ اقدس پر حاضر ہو، وہ اس امید سے پڑھے کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں۔ احادیث سے ایسا ہی ثابت ہے(۱)۔ فقط۔

درود شریف کے لئے مجلس منعقد کرنا

سوال [۹۹۷۸]: ہفتہ واری یا ہفتہ میں دو یوم مجلس درود شریف قائم کرنا کیسا ہے؟ اور اس میں خود شریک ہوکر درود خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور صاف الفاظ میں جواب سے مطلع کیجئے گا۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائيا أبلغته". (شعب الإيمان، الخامس عشر، باب في تعظيم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإجلاله وتوقيره: ۲/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۵۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب التسليم على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۸۹، قديمى)

(وكذا في سنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في فضل الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۴۰۹، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درود شریف اعلیٰ درجہ کی قربت اور بے شمار اجر وثواب کی چیز ہے، نیز امتی کے ذمہ حق لازم ہے(۱)، مگر اس کے لئے مستقلاً مجالس کا منعقد کرنا ثابت نہیں، اپنے اپنے طور پر شب وروز میں جس سے جس قدر ہوسکے، درود شریف کا ہدیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا کرے اور اس سعادت کو حاصل کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش میں لگا رہے، اس کے لئے مجلس منعقد کرنے کا ثبوت نہ حدیث شریف میں ہے، نہ آثار صحابہ میں ہے، نہ ائمہ اربعہ سے ثابت ہے، پس یہ کوئی شرعی چیز نہیں، جس طرح ایک سیاسی جلوس اور جھنڈے مختلف پارٹیاں مختلف مواقع پر نکالتی ہیں، اسی طرح یہ جلوس اور جھنڈا بھی شروع کردیا گیا، کتبِ حدیث وفقہ میں یہ کہیں نہیں، اس کو ثواب اور قربت کی چیز سمجھنا غلط اور ممنوع ہے۔

لکھنؤ میں روافض محرم کے موقع پر اپنا جلوس نکالتے ہیں، جس میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر سب وشتم وتبرا کرتے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح کرنے پر فساد ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے آیت ﴿محمد رسول اللّٰه والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم﴾ (۲) پڑھ دی، جس پر زبردست ہنگامہ ہوا، حتیٰ کہ اس آیت پر تقریر کرنا ممنوع ہوگیا تھا۔

اس پر حضرت مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ نے قانونی چارہ جوئی کی، جس کی وجہ سے ان کو جیل بھی جانا پڑا، ان کا کہنا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف قرآن پاک میں مذکور ہے اور وہ واجب الاحترام ہیں، ان کی تعریف تو جرم ہوجائے اور ان کو گالیاں دینے کی عام اجازت ہو، یہ کتنا بڑا ظلم ہے، اللہ پاک نے

(۱) "في القول البديع للإمام السخاوي رحمه الله:

"من أوجب شعب الإيمان الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محبة له، وأداءً لحقه، وتوقيراً له، وتعظيما، والمواظبة عليها من باب أداء شكره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وشكره واجب لما عظم منه الإنعام ...... الخ". (محل الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸۳، مؤسسة الريان)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة". (سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

(۲) (الفتح: ۲۹)

مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کو مقصد میں کامیابی دی اور محرم کے غالباً پندرہ روز تک جلسہ کرنے، جلوس نکالنے، مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرنے کی اجازت ہوگئی، ان کی اس جدوجہد کو مسئولہ جلوس اور جھنڈے سے کیا نسبت اور جہاں مدح صحابہ کی مخالفت نہ ہو اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف گالیاں سے بھرے ہوئے جلوس نہ نکلتے ہوں، تو وہاں جلوس ممنوع ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام پڑھنا

سوال[۹۹۷۹]: کھڑے ہوکر بیک وقت دس بیس آدمیوں کا سلام پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ سلف صالحین سے منقول نہیں، نہ کسی شرعی دلیل سے ثابت ہے، یہ بدعتی کا طریقہ ہے(۱)۔ فقط۔

نماز کے بعد اجتماعاً صلوۃ وسلام پڑھنا

سوال[۹۹۸۰]: مسلمان فرض اور سنت کی پابندی اور عمل آوری کو چھوڑ کر یوم الجمعہ کو بعد نماز جمعہ مسجد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کی ادائیگی باجماعت بلند آواز پڑھنے کو فرض عین کا درجہ دیتے ہیں، صلوۃ وسلام پڑھنے پر اگر منع کیا جائے تو ہنگامہ کرتے ہیں، اس صورت میں اس کا حاصل جواب کیا ہے؟

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمی)

"قال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ في شرح هذا الحديث: أي: أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه .... (ماليس منه) أي: رأيا ليس له في الكتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد) أي: مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۱۱/۵۵۹۴، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھنا بہت بڑی سعادت ہے، تقاضا ایمان ہے، ادائے حق کا ذریعہ ہے(۱)، لیکن فرائض وسنن مؤکدہ کو چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے، صلوۃ وسلام کے ذریعہ سے ترک فرائض کی ہرگز ہرگز مکافات نہیں ہوگی، اس کا وبال دنیا وآخرت میں نہایت سخت ہے، نہ اللہ اس سے خوش، نہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے۔ پہلے فرائض کی پابندی کرے اور سنت مؤکدہ کو اختیار کرے اور حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سیکھے، اس کو پوری زندگی میں نافذ وجاری کرے، تب تو صلوۃ وسلام کے کثرت نور علیٰ نور ہے، لیکن صلوۃ وسلام کے لئے بھی اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ باوضو قبلہ رو بیٹھ کر پوری توجہ واخلاص سے اس تصور سے پڑھا جائے کہ میری طرف سے ملائکہ تنہائی میں اس صلوۃ وسلام کو لے جا کر خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں اور دربارِ عالی سے جواب بھی ملتا ہے(۲)۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أولی الناس بي یوم القیامة أکثرهم علي صلوة". (سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۱۱۰، سعید)

"وعن حسین بن علي رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "البخیل الذي من ذکرت عنده فلم یصل علي". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث الحسین بن علي رضي الله تعالیٰ عنهما: ۱/۳۳۱، رقم الحدیث: ۱۷۳۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"عن أبي طلحة رضي الله تعالیٰ عنه: أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم جاء ذات یوم والبشر في وجهه، فقال: إنه جاء ني جبریل، فقال: إن ربک یقول: أما یرضیک یامحمد! أن لایصلي علیک أحد من أمتک إلا صلیت علیه عشراً، ولا یسلم علیک أحد من أمتک إلا سلمت علیه عشراً". (سنن الدارمي، کتاب الرقائق، باب في فضل الصلاة علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۴۰۷، رقم الحدیث: ۲۷۷۳، قدیمی)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما من أحد یسلم علي إلا رد الله علي روحي، حتی أرد علیه السلام". (سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب زیارة القبور: ۱/۲۸۶، إمدادیه)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: إن لله =

اور بلند آواز سے جماعت کا صلوٰۃ وسلام پڑھنا صحابہ کرام، محدثین ومتاخرین، مجتہدین اور اولیاءِ کاملین سے ثابت نہیں، اس طریقہ کو بند کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۱۰/۲/۹۲ھ۔

روضۂ اقدس کے پاس عشاء کے بعد درود وسلام پڑھنا

سوال [۹۹۸۱]: بعد نماز عشاء روضۂ اقدس کے پاس درود شریف پڑھنا سلام پڑھنا ممنوع ہے، ایسا کیوں ہے؟ بعد نماز عشاء حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے، یہ کہاں تک قرآن وحدیث سے تعلق رکھتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃ وسلام روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہر وقت جائز اور موجب قرب وسعادت ہے، یہ کسی وقت ممنوع نہیں، عشاء کے بعد ممنوع کہنا بے دلیل ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= ملئكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام". (سنن النسائي، كتاب السهو، باب التسليم على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۸۹، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته". (شعب الإيمان: ۲/۱۵۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "(الحديث: من ذكرت عنده" فليحفظ) وإزعاج الأعضاء برفع الصوت جهل اهـ قال في الهندية: رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مكروه، ومايفعله الذين يدعون الوجد والمحبة لا أصل له: ويمنع الصوفية من رفع الصوت وتخريق الثياب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/۵۱۹، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى علي =

ریڈیو پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا

سوال[۹۹۸۲]: کیا ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ میں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک آتا ہے، اس اسم مبارک پر درود شریف پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ٹیپ ریکارڈ میں تو ایک آواز کو بھر دیا گیا، پھر جب چاہیں اس کو سن لیں، اصل آواز ایک تھی، باقی جب جب سنیں گے، اس کی نقل ہوگی، ریڈیو میں بعینہ وہی آواز ہوتی ہے، اصلی آواز پر اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا چاہیے(۱) نقل

= عند قبري سمعته ومن صلى علي نائياً أبلغته". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي، الفصل الثالث: ١/١٩٠، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يذكر الله عزوجل على كل أحيانه". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول: ١/١٠٠، دارالكتب العلمية بيروت)

"فأكثر من ذكر نبيك باحسان. وأدم الصلاة عليه بالجنان واللسان، فإن صلاتك تبلغه وهو في صريحه، واسمك معروض على روحه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (القول البديع، الباب الرابع، ص: ٣٣٣، مؤسسة الريان)

(١) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي..."". (سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رغم أنف رجل: ٢/١٩٤، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي"". (سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رغم أنف رجل: ٢/١٩٤، قديمي)

"وقد جزم بهذا القول أيضاً المحقق ابن الهمام في زاد الفقير فقال: مقتضى الدليل افتراضها في العمرمرة وإيجابها كلما ذكر إلا أن يتحد المجلس فيستحب التكرار بالتكرار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب هل نفع الصلاة عائد للمصلي: ١/٥١٦، سعيد) .... =

پر لازم نہیں، تاہم بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في التعليق الصبيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها: ۱/ ۵۴۰، رشيديه)

(۱) "بخلاف السماع عن الببغاء، والصدى فإن ذلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذلك ليس بتلاوة صحيحة لعدم أهليته لانعدام التمييز". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من تجب عليه: ۱/ ۴۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/ ۱۰۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/ ۱۳۲، رشيديه)

(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)

نماز کے بعد مصافحہ

سوال[۹۹۸۳]: نماز ختم ہونے پر امام سے کھڑے ہوکر لوگوں کا ہاتھ ملانا، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علامہ شامی نے اس کو بدعت قبیحہ لکھا ہے، اس لئے کہ قرونِ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں اور روافض کا شعار ہے(۱)۔ فقط۔

عید کے بعد مصافحہ

سوال[۹۹۸۴]: اگر کہیں پر فتنہ کا خوف ہو تو وہاں عید میں مصافحہ گلے مل سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ کا خوف کیا ہے؟ کیا ماریں گے یا جیل بھیجیں گے؟ بہت سے بہت دو چار فقرے کہہ دیں گے، سو وہ

---

(۱) "ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالىٰ عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة، لا أصل له في الشرع". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ۶/۳۸۱، سعيد)

"فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة، ويتصاحبون بالكلام، ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا، يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علمائنا: بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۸/۵۸۴، رشيديه)

(وكذا في السعاية على شرح الوقاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۴، ۲۶۵، سهيل اكيڈمى لاهور)

اب بھی کہتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)

نام مبارک پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانا

سوال[۹۹۸۵]: کیا پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام لینے پر انگلیوں کو چومنے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ کے لئے کوئی حدیث مرفوع ثابت نہیں، جیسا کہ ردالمحتار میں بطور خلاصہ بحث نقل کیا ہے(۱)۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۸، سعيد)

"وحكى الخطاب في شرح مختصره "خليل" حكاية أخرى غيرما هنا، وتوسع في ذلك ولا يصح شيء من هذا في المرفوع كماقال المؤلف بل كله موضوع.

وكذا قال السخاوي في المقاصد الحسنة: ولا يصح في المرفوع من كل هذا شيء".

(المقاصد الحسنة مع هامشه، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹، ص: ۴۴۱-۴۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"این تقبیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ اند، نہ واجب و نہ سنت، مثل کنز العباد، وخزانۃ الروایات وجامع الرموز، وفتاویٰ صوفیہ وغیرہ، مگر در اکثر کتب فقہ معتبرہ متداولہ نشان آن نیست، وآن کتب کہ در انہا این مسئلہ مذکوراست غیر معتبر اند۔ چنانکہ جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وغیرہ این وجہ کہ درین کتب رطب و یابس بلا تنقیح مجتمع است، تفصیل آن در رسالہ من "النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير" موجود است۔ دریں باب فقہا نقل میکنند آنہا بتحقیق محدثین صحیح نیستند۔ الخ"۔ (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الکراهية: ۴/۳۲۵، رشیدیه)

(میلاد وسیرت کی محافل اورعرس کا بیان)

مروجہ میلاد کا حکم

سوال[۹۹۸۶]: اگرہم جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں آپ کے تذکرہ کے لئے ایک محفل منعقد کریں، جس میں آپ کے اور دیگر اولیاء کے حالات بیان کئے جائیں، خصوصاً آپ کے مولود کے وقت کے حالات کو بیان کریں اور اسے باعثِ برکت سمجھیں اور مولود کے بعد آپ کی تشریف آوری کا اعتقاد رکھیں، تو ایسی مجلس کا منعقد کرنا کیسا ہے؟ اور اگر ہم آپ کی تشریف آوری کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی محض آپ کے اسم گرامی کو بھی باعث برکت سمجھتے ہوئے ادب سے کھڑے ہوکر سلام اور درود بھیجیں، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ باہم مجلس کے منعقد کرنے کا اہتمام نہ کریں، بلکہ بے اہتمام لوگ جمع ہوجائیں اور ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ مبارکہ کرنے لگیں، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک، خواہ آپ کی عبادات، نماز، روزہ، حج وغیرہ کا ذکر ہو، خواہ عبادت، سونے، جاگنے، چلنے، بیٹھنے، حضر وسفر وغیرہ کا ذکر ہو، خواہ دشمنوں سے صلح وجنگ کا ذکر ہو، بلکہ آپ کی بکری، اونٹنی، کمان، زرہ وغیرہا، غرض ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کا ذکر ہو، بلاشبہ باعثِ خیر وبرکت اور موجبِ اجر وثواب ہے(۱)۔ جب تک اس میں کوئی غیر ثابت چیز داخل ولازم نہ کی جائے اور دیگر خلافِ شرع عوارض سے پاک صاف ہو۔ درود شریف اور سلام کے فضائل بے شمار احادیث میں مذکور ہیں(۲)۔

---

(۱) ”نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا، بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے“۔ (براهين قاطعه، ص: ۴، دار الاشاعت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من صلى عليّ واحدة، صلى الله عليه عشراً". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/ ۱۷۵، قديمي) =

قرآن پاک میں بھی یہی حکم ہے(۱)۔

آج کل محفل میلاد شریف کا بعض جگہ رواج ہے، اس میں بہت سی غیر مشروع چیزیں داخل ولازم ہوگئی ہیں اور اس نام سے جو مجلس کی جاتی ہے، اس کی ابتداء ۶۰۰ھ کے بعد شروع ہوئی (۲)، اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی، اسی وقت سے علماء حق نے اس کو منع کیا ہے، چنانچہ علامہ محدث ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدخل میں بتیس صفحات میں اس کے شرعی قبائح بیان فرمائے ہیں (۳)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا عقیدہ بھی بے اصل اور بلا دلیل ہے، احادیث میں مذکور ہے کہ "صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ حجرۂ مبارکہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، تو صحابہ کرام تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، اس پر فرمایا کہ میرے لئے قیام نہ کرو" (۴)۔ جب ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود قیام سے منع فرمادیا گیا تو پھر ایسی محفلوں میں قیام کی کہاں گنجائش ہے، صحابہ کرام کی نظروں میں

= "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلي عليّ صلاة واحدة، صلى الله عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات، ورفعت له عشر درجات".

(سنن النسائي، كتاب السهو، باب الفضل في الصلاة على النبي: ۱/۱۹۱، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، إقامة الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۶۵، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما﴾ (الأحزاب: ۵۶)

(۲) (الحاوي للفتاوىٰ، حسن المقصد في عمل المولد، ص: ۲۰۰، رشيديه)

(۳) (المدخل لابن الحاج المكي، فصل في المولد: ۲/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۴) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئا على عصا، فقمنا له، فقال: "لا تقوموا كما يقوم الأعاجم يعظم بعضها بعضاً". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك: ۲/۷۰۱، مكتبه دار الحديث ملتان)

(وكذا في جمع الفوائد، باب العطاس والتثاؤب والمجالسة: ۳/۳۵۲، رقم الحديث: ۷۷۸۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث أبي أمامة الباهلي: ۶/۳۳۷، رقم الحديث: ۲۱۶۷۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بلکہ دلوں میں کوئی بھی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھا، مگر جب آپ کو دیکھتے تھے تو قیام نہیں کرتے تھے(۱)۔ کیونکہ یہ قیام ناگوار تھا البتہ وعظ اور قرآن پاک وحدیث شریف کی ہدایات سنانے کے لئے لوگوں کو جمع کیا جائے، پھر صحیح حالات وکمالات اور ہدایات بیان کیا کریں اور زیادہ سے زیادہ اصلاح کی فکر میں لگ جائیں۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

میلادِ مروجہ اور ختنہ کی دعوت

سوال[۹۹۸۷]: لوگ میلاد کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شب میں ختنہ کراتے ہیں، گویا کھانے میں میلاد اور ختنہ دونوں کی نیت ظاہر ہو رہی ہے، ایسی صورت میں مولوی صاحب جو میلاد پڑھانے کے لئے مدعو ہیں کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختنہ پر لوگوں کو بلانا اور دعوت کرنا شرعاً ثابت نہیں (۲)، میلادِ مروجہ میں بھی چند خرابیاں ہیں۔ مثلاً: اس میں جو روایات سنائی جاتی ہیں وہ اکثر محدثین کے نزدیک موضوع یعنی غلط ہیں، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جو شخص ایسی بات منسوب کرتا ہے، جو کہ آپ نے نہیں فرمائیں، اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے(۳)۔ اس لئے ایسی مجلس نہ کی جائے، البتہ کسی محقق متبع سنت عالم کا وعظ کرایا جائے۔ جس میں ولادت

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا، لما يعلمون من كراهيته لذلك". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب القيام، الفصل الثاني: ۲/ ۴۰۳، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل: ۲/ ۱۰۴، سعيد)

(۲) "فأما الدعوة في حق فاعلها، فليست لها فضيلة تختص بها لعدم ورود الشرع بها". (المغني لابن قدامة، كتاب الوليمة، حكم الدعوة إلى الختان والإجابة إليها: ۸/ ۱۱۸، دارالفكر)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله =

شریفہ کا بھی ذکر ہو اور اخلاق، اعمال، اقوال، عبادات، معاملات کا بھی ذکر ہو تو بہتر۔ اس سے اتباعِ سنت کی توفیق ہوگی اور خلاف چیزوں سے بچنے اور اپنی زندگی کو سدھارنے کی بھی روشنی ملے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

دعوت ومیلاد

سوال[۹۹۸۸]: زید ایک مولوی صاحب کی دعوت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے یہاں شام کا یا صبح کا کھانا کھائیے، چنانچہ مولوی صاحب جاتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور زید کھلانے کے بعد بطیب خاطر مولوی صاحب کو کچھ پیسے دیتا ہے، مگر زید اپنی خوشی سے دیتا ہے، مگر ایسے مواقع کے اندر مولوی صاحب کو کچھ دینے کا رواج ضرور ہے اور اس کے بعد رخصت کے وقت کچھ روپیہ پیسہ دے کر مولوی صاحب کو خوش کرتا ہے، ان صورتوں کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور میلاد النبی کا جائز طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض خوشی یا ثواب کے لئے دعوت کرنا یا کچھ رقم دینا درست ہے، مگر وعظ کرا کے اس کا معاوضہ دینا شرعاً درست نہیں، اگر وعظ کے لئے مستقل طور پر وعظ کی تشکیل اور ماہانہ تنخواہ مقرر کر کے ملازم رکھا جائے، تو یہ جائز ہے(۱)،

= تعالیٰ علیه وسلم: ۱۰۱/۲، قدیمی)

(وصحیح مسلم، مقدمة، باب تغلیظ الکذب علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۷/۱، قدیمی)

(وکذا في جامع الترمذي، أبواب العلم، باب ماجاء في تعظیم الکذب علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۹۴/۲، سعید)

(۱) "الاستئجار علی الطاعات کتعلیم القرآن، والفقه، والتدریس، والوعظ لایجوز أي: لایجب الأجر .... قال الإمام الفضلي: والمتأخرون علی جوازه .... والحیلة أن یستأجر المعلم مدة معلومة ثم یأمره بتعلیم ولده". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، نوع في تعلیم القرآن والحرف: ۳۷/۵، ۳۸، رشیدیه)

(وکذا في تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإجارة، مطلب: استأجره لیؤم الناس: ۱۱۲/۲، مکتبه میمنیه مصر) .... =

طریقہ مروجہ پر مجلسِ مولود منعقد کرنا اور اس میں مولود خوانی کرانا شرعاً ممنوع ہے(۱) اور فی نفسہٖ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک جو کہ معتبر حدیثوں میں موجود ہے، بلاتعیینِ تاریخ اور التزامِ ہیئت، و بلاانضمامِ منکراتِ شرعیہ و بدون فسادِ عقائد، خواہ وہ ذکرِ ولادت ہو یا عبادات و معاملات، جہاد، نکاح وغیرہ کا ذکر ہو، بلاتردد، درست و باعثِ ثواب اور موجبِ خیر وبرکت ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: ''تبلیغ الحق''(۲) ''مدخل''(۳)، ''براہین قاطعہ''(۴)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۷/۶۰ھ۔

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چراغاں کرنا

سوال[۹۹۸۹]: جو لوگ بارہ ربیع الاول، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدائش کے دن

= (وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة: شفاء العليل: ۱/۱۷۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "والموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة، وذكر، وصلوة وسلام على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ومدحه، وعلى شر بل شرور لولم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها ليس فيها شر، لكنها قليل نادر. ولا شك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المقررة المشهورة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح. فمن علم وقوع الشر فيما يفعله من ذلك فهو عاص اثم". (الفتاوى الحديثية، مطلب الاجتماع للموالد والأذكار وصلوات التراويح مطلوب مالم يترتب عليه شر وإلا فيمنع منه، ص: ۲۰۲، قديمي)

"فصل في المولد: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وإظهار الشعائر مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة ... الخ". (المدخل، فصل في المولد: ۲/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وأقبح منه النذر بقراءة المولد في المنابر، ومع اشتماله على الغناء واللعب ... الخ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، سعيد)

(۲) (تبليغ الحق، ص: ۸۹۷، بحواله فتاوى محموديه: ۲/۲۲۵، إدارة الفاروق كراچی)

(۳) (المدخل لابن الحاج المكي، فصل في المولد: ۲/۲-۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) (براهين قاطعه بجواب أنوار ساطعه، مؤلفه: مولانا خليل احمد سهارنپوری رحمه الله تعالى، مقيد میں حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے: اس قاعدے کا مطلب، ص: ۴۹، دار الاشاعت)

مسجدوں اور گھروں میں روشنی کرتے ہیں اور شیرینی تقسیم کرتے ہیں، کیا شرعاً درست ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ قرآن کریم، حدیث شریف، اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہم سے ثابت نہیں، اس سے پورا اجتناب کیا جائے (۱)، اپنی پیدائش کے دن حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سبیل ونذر اور شہادت کی محافل منعقد کرنا

سوال [۹۹۹۰]: امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدس نام لے کر اگر کوئی یہ کہے کہ نذر

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا مالیس منه فهو رد". (صحیح البخاري، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

"قال العلامة المناوي رحمه الله تعالیٰ: أي: أنشأ واخترع، وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه ...... (مالیس منه) أي: رأیا لیس له في الکتاب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد) أي: مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر: ۱۱/۵۵۹۴، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، مکتبه نزار ریاض)

(وکذا في مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحدیث: ۱۴۰، رشیدیه)

(۲) "عن أبي قتادة رضي الله تعالیٰ عنه قال: سئل رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن صوم الاثنین، فقال: "فیه ولدت، وفیه أنزل عليّ". (مشکاة المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول: ۱/۱۷۹، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الصوم، باب استحباب ثلاثة أیام من کل شهر وصوم یوم عرفة وعاشوراء، والإثنین والخمیس: ۱/۳۶۸، قدیمی)

(وکذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث أبي قتادة الأنصاري رضي الله تعالیٰ عنه: ۲/۲۰۵، رقم الحدیث: ۲۲۰۴۴، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سبیل ہے اور نذرِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لنگر ہے، تو اغنیاء وفقراء سب ہی مسلمان اس طعام اور سبیل کو، جس کو امام عالی مقام کے مقدس نام سے منسوب کیا گیا ہے، بخیال تبرک استعمال کر سکتے ہیں اور ذکرِ حسین کی محفل اور شہادتِ حسین کی محفل منعقد کرنا اور ان کا غم کرنا اور ان کے علومرتبت کو یاد کر کے اور ان کا ذکر سن کر خوش ہونا اور فخر کرنا اور خوشنودی اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر اور ان کے محامد بیان کرنے کے لئے اگر محفل منعقد کی جائے، تو پہلے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محامد بیان کئے جائیں، پھر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات عالیہ صحیح روایات سے بیان کئے جائیں تا کہ ان کی حق گوئی وحق پسندی کی دوسروں کو بھی رغبت ہو اور جرأت پیدا ہو، شرح فقہ اکبر میں ایسا ہی لکھا ہے (۱)، اس طریق کو اختیار کرنے سے تشبہ بالروافض نہیں ہوگا، ایسی مجلس کو ماتم اور نوحہ سے بھی پاک صاف رکھا جائے کہ شرعاً ماتم اور نوحہ سے سخت ممانعت ہے (۲)، غیر اللہ کے

---

(۱) "وأفضل الناس بعد النبيين عليهم الصلاة والسلام أبوبكر الصديق، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان ذوالنورين، ثم علي بن ابي طالب المرتضى رضوان الله عليهم أجمعين، عابدين ثابتين على الحق ومع الحق نتولاهم جميعاً، ولا نذكر أحداً من أصحاب رسول الله إلا بخير.

وقال الملا علي القارئ في شرحه: "وفي شرح العقائد: "على هذا الترتيب وجدنا السلف، والظاهر أنه لو لم يكن لهم دليل هناك لما حكموا بذلك، وكأن السلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمان على عليّ رضي الله تعالىٰ عنه حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الحسنين". (الفقه الأكبر مع شرحه، ص: ۶۱، ۶۲، قديمى)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ليس منا من ضرب الخدود، وشق الجيوب، ودعا بدعوى الجاهلية". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ليس منا من شق الجيوب: ۱/۱۷۲، قديمى)

"أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "النياحة إذا لم تتب قبل موتها، تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب". (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب التشديد في النياحة: ۱/۳۰۳، قديمى)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم النائحة والمستمعة". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في النوح: ۲/۹۰، إمداديه)

نام کی نذر کا عامۃً مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے، شرعاً اس کی اجازت نہیں، غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز دی جائے یا نذر مانی جائے، یہ سخت معصیت اور ایک قسم کا شرک ہے۔

بحر(۱) شامی (۲) وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا اس سے پورا اجتناب کیا جائے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب مقصود ہو تو دین کا کوئی بھی کام کر کے ثواب پہنچا دینا بہتر ہے (۳)۔ مثلاً: مسجد بنوا دی جائے، مسجد میں چٹائی بچھا دی جائے، پانی کا انتظام کر دیا جائے، مدرسہ بنوا دیا جائے، قرآن پاک اور دینی کتابیں مدرسہ میں وقف کر دی جائیں، یا پڑھنے والوں کو دے دی جائیں، حج کرا دیا جائے، غریب حاجت مند کے کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات کا انتظام کر دیا جائے، قرآن، تسبیح نماز پڑھ کر بھی ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

غرض جس قدر بھی اخلاص سے ہو، زیادہ فائدہ مند ہے۔ مروجہ سبیل تو رسمی طریق پر کی جاتی ہے کہ اس روز حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیاسے شہید ہوئے، لہٰذا پانی اور شربت پلایا جائے، حالانکہ نہ ان کے پاس یہ پانی پہنچتا ہے نہ شربت، نہ ان کو اس کی حاجت، ان کو جنت کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں ملتی ہیں، جن کے سامنے اس پانی

---

(۱) "وأما النذر الذي ينذره أكثر العوام على ماهو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أوله حاجة ضرورية، فيأتي بعض الصلحاء، فيجعل ستره على رأسه فيقول: يا سيدي فلان! إن ردّ غائبي أو عوفي مريضي، أو قضيت حاجتي، فلك من الذهب ومن الفضة كذا، أو من الطعام كذا، أو من الماء أو من الشمع كذا، أو من الزيت كذا، فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه، منها: أنه نذر لمخلوق. والنذر للمخلوق لايجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتكون للمخلوق. ومنها: أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها: أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى، واعتقاده ذلك كفر". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(۲) "اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام". (الدرالمختار، كتاب الصوم: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۳) "الأصل: أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره الخ، سواء كانت صلاة، أو صوماً، أو صدقة، أو قراءة، أو ذكراً، أو طوافاً، أو حجاً، أو عمرة، أو غير ذلك". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، شركت علميه)

اور شربت کی کوئی حیثیت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۸۷ھ۔

۱۲/ ربیع الاول پر عید الاضحیٰ کو ترجیح دینا

سوال[۱۰۹۹۱]: ۱..... اہل اسلام کے نزدیک قرآن وحدیث شریف میں بارہ ربیع الاول کو زیادہ اہمیت وعظمت وفضیلت حاصل ہے یا یوم عید الاضحیٰ کو کیوں کہ تمام اسلامی تقریبات کا حصول حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود باجود کے صدقے اور طفیل میں ہے۔

۲..... اگر کوئی شخص بلا دلیل یوم عید الاضحیٰ یا کسی اور تقریب کو ۱۲/ ربیع الاول پر ترجیح دیتا ہے تو اس کا یہ فعل شرعاً حسن ہے یا قبیح ہے اور وہ قابل تسلیم لائق تعمیل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... عید الاضحیٰ کے متعلق شریعت نے احکام تجویز فرمائے ہیں، یہ یوم النحر ہے، رات مزدلفہ میں گزار کر صبح کو منیٰ میں پہنچ کر شیطان کے کنکری ماری جاتی ہے، سر منڈایا جاتا ہے، قربانی کی جاتی ہے، طواف زیارت کیا جاتا ہے(۱)، ان مشاغل کی وجہ سے حاجی سے نماز عید بھی ساقط ہے، حج ایسا فریضہ ہے کہ اس کے ادا کرنے سے تمام گناہ معاف ہو کر آدمی ایسا ہو جاتا ہے، جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو(۲)۔

---

(۱) "إذا غربت الشمس أتى ..... مزدلفة ..... وإذا أسفر جداً أتى منى ..... ورمى جمرة العقبة ..... ثم بعد الرمي ذبح إن شاء؛ لأنه مفرد، ثم قصر ..... وحلقه أفضل ..... ثم طاف للزيارة يوماً من أيام النحر".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في الدفع من عرفات: ۲/۵۰۸-۵۱۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۶۰۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحج، فصل في الإحرام: ۱/۵۰۵، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته أمه". (سنن ابن ماجة، المناسك، باب فضل الحج، ص: ۴۱۹، دارالسلام)

(وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة، ص: ۵۶۹، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۴۶۷، دارالكتب العلمية بيروت)

بارہ ربیع الاول کے متعلق شریعت نے ایسے احکام تجویز نہیں کئے، نفلی روزہ اس دن رکھ لیا جائے تو بہتر ہے، پیر کے روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامۃً روزہ رکھتے تھے(۱)، ارشاد بھی فرمایا تھا کہ اس دن میری ولادت ہوئی ہے(۲)، اس تفصیل سے امید ہے کہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا۔

۲..... جواب نمبر ا کے بعد شاید اس سوال کی ضرورت نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم الاثنين والخميس".

(سنن النسائي، كتاب الصيام، باب صوم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۲۵، دار السلام)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب صيام يوم الاثنين والخميس، ص: ۲۴۸، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الثاني: ۱/۳۸۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل عن صوم الاثنين؟ فقال: "فيه ولدت، وفيه أنزل علي". (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام، ص: ۴۷۸، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الثاني: ۱/۳۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(مخصوص ایام کی مروجہ بدعات کا بیان)

شبِ ولادت میں رات بھر جاگ کر عبادت کرنا

سوال[۹۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ بعض علاقوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یوم پیدائش اور شب معراج میں رات بھر مسجدوں میں گزارتے ہیں اور عبادت ودعا میں پوری رات بیدار رہتے ہیں، حتیٰ کہ کبھی بھی مسجدوں کا رخ نہیں کرتے اوران دنوں میں پورے عابد بن جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان راتوں سے پوری رات کی عبادت کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟ نیز اس خصوصی عبادت کا حکم کیا ہے؟ براہین قاطعہ میں بخاری شریف کی یہ روایت مکمل ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چاشت کی نماز کو بدعت قرار دیا، جب لوگوں نے اجتماعی حالت میں کثرت سے ادا کرنا شروع کیا، تو اس حالت میں عبادت کرنا کہیں بدعت میں تو داخل نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

یوم پیدائش یا شب پیدائش میں یا شبِ معراج میں بیدار رہ کر تمام رات خصوصیت سے عبادت کرنا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، جن راتوں میں مثلاً: شبِ برات وشبِ عید وغیرہ میں بیدار رہ کر عبادت کرنا ثابت بھی ہے، ان میں بھی مسجد میں اجتماعی طور پر شب بیداری کرنے کو فقہاء نے ممنوع وبدعت قرار دیا ہے، جیسا کہ مراقی الفلاح، ص:۲۴۱(۱) پر

(۱) "ویکره الاجتماع على إحياء ليلة من الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أصحابه. فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز، منهم عطاء وابن ملكية وفقهاء أهل المدينة وأصحاب مالك وغيرهم وقالوا: ذلك كله بدعة اهـ". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل=

تصریح ہے، لہٰذا طریق مذکورہ کو بند کیا جائے، اپنی اپنی جگہ پر جس کو جب بھی توفیق ہو، بلا کسی قید کے جتنی عبادت کرلے، عین سعادت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۱ھ۔

شبِ برات وشبِ معراج میں لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرنا

سوال[۹۹۹۳]: شبِ برأت وشبِ معراج کی راتوں کو مسجد کے قریبی مدرسہ میں نماز کے وقتوں کے بعد ساری رات تلاوتِ قرآن لاؤڈ اسپیکر پر کرنا، جس کی آواز ساری بستی میں پہنچتی ہے، ازروئے شریعت جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی فضیلت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تلاوت کلام پاک خالص باری تعالیٰ کی عبادت ہے، لہٰذا اس میں ریا اور سُمعہ سے بچنا ضروری ہے، نیز قرآن جہراً پڑھنے میں کسی کی نماز وغیرہ میں خلل نہ آوے، اس کا خیال رکھنا بھی نہایت اہم ہے، اگرچہ قرآن شریف کا زور سے پڑھنا افضل ہے، لیکن بلند آواز سے پڑھنے میں ریا کا یا سُمعہ کا خوف ہو یا کسی نماز پڑھنے والے یا وظیفہ پڑھنے والے کو تکلیف ہو، تو آہستہ پڑھنا چاہیے۔

شبِ قدر اور پندرہویں شعبان کو قرآن مکبر الصوت میں پڑھنے سے بہت سے اس شب میں نفل پڑھنے والے، درود شریف پڑھنے والے یا وظائف پڑھنے والے ہوتے ہیں، نیز شب کو سب لوگ بیدار نہیں رہتے اور نہ پوری شب بیدار رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا ان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے اور ان کی نیند میں خلل پیدا ہونے کا قاریٔ القرآن سبب بنتا ہے اور گنہگار ہوتا ہے، نیز بلند آواز سے پڑھنے پر سننا ضروری ہوجاتا ہے اور سماع

= في تحية المسجد وصلاة الضحیٰ وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۳، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (المعروف الحلبي الكبير)، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

سے اعراض والا گنہگار ہوجاتا ہے، جس کا سبب قاری القرآن بنتا ہے، لہٰذا ان امور الصدر کے پیشِ نظر مکبر الصوت پر قرآن پڑھ کر دور تک آواز پہنچانا درست نہیں ہے، نیز شبِ قدر اور شبِ برأت جیسی راتوں میں اجتماعاً قرآن خوانی کو فقہاء اہلِ سنت والجماعت نے مکروہ لکھا ہے، لہٰذا تنہا پڑھنا افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ پس اجتماعاً شب بیداری نہیں کرنا چاہیے۔

"لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال، الأفضل في قرأة القرآن خارج الصلاة الجهر" عالمگیری: ۳۱۶/۵(۱).

"ولو كان القارئ واحداً في المكتب يجب على المارين الاستماع، صبي يقرأ القرآن في البيت وأهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع" عالمگیری: ۳۱۷/۵(۲).

"وعلى هذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم (قارئ) أي: لأنه يكون سبباً لإعراضهم عن استماعه، أو لأنه يؤذيهم بإيقاظهم. ونقل الحموي عن أستاده قاضي القضاة يحيى الشهير عن قاضي زاده أن له رسالة حقق فيها: أن سماع القرآن فرض عين". شامی شرح درمختار: ۵۷۰/۱(۳).

"ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي المتقدم ذكرها في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع من اداب المسجد والتسبيح والقراءة: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع من اداب المسجد والتسبيح والقراءة: ۳۱۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، القراءة خارج الصلاة، ص: ۴۹۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۵۴۶/۱، سعيد)

فأنكره أكثر العلماء من أهل الحجاز". مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،

ص: ۳۲٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

شبِ برأت کو جمع ہوکر عبادت کرنا

سوال[۹۹۹۴]: شبِ برأت میں بعد نماز عشاء قرآن خوانی ہوتی ہے اور شیرینی تقسیم ہوتی ہے، تقریر ہوتی ہے، لوگ قبرستان جاتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شبِ برأت میں نوافل پڑھنا، تلاوت کرنا، چپکے سے قبرستان جا کر اموات کے لئے دعائے مغفرت کرنا عمدہ بات اور مفید ہے، کارِ ثواب ہے، لیکن اس کے لئے اجتماع کرنا اور اس کو تقریب بنانا غلط ہے(۲)۔ ۱۵/ شعبان کو روزہ رکھنا بھی روایت میں ہے(۳)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۳، رشيديه)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا أصحابه. فأنكره أكثر العلماء ... وقالوا: ذلك كله بدعة اهـ". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمى)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۳، رشيديه)

(وكذا في غنية المستملي (المعروف الحلبي الكبير)، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف =

شبِ برأت کے اعمال، حلواوغیرہ

سوال[۹۹۹۵] :۱...... یہاں پر علاقہ کوہِ کن (چاول کے ملک میں) شعبان کی ۱۵/ تاریخ کو عید سمجھ کر ثواب کی نیت سے چاول کا حلوا بنایا جاتا ہے، تو ایسا حلوا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... یہاں ایک عالم صاحب کا قول ہے کہ ۱۵/ تاریخ کو شعبان کو ہلکی غذا کھا کر اس رات کو مسجد میں آنا جائز ہے، یعنی چاول کا حلوا ہلکی غذا ہے، یہ کہنا سچ ہے یا غلط؟

۳...... بہت لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ رسم حلوا ہمارے بڑے بزرگوں کا ہے، اس کو ہم ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، تو یہ رسم شعبان میں کر سکتے ہیں یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز؟

۴......اس عالم کا قول یہ ہے کہ خطبہ مواعظ الحسنات اور بہشتی زیور اور دوسری فقہ کی کتابوں میں جو لکھا ہے کہ حلوا پکا کر کھانا منع ہے، یہ قابلِ سنت نہیں ہے، یہ اختلافی مسائل ہیں، ایسی کتابوں کو باہر مت نکالو، یعنی مت پڑھو، مجھے قرآن کے ثبوت کی ضرورت ہے، ایسے عالم کے لئے آپ کا کیا کہنا ہے؟ یہ کس عقیدے کا ہے؟

۵......جو عالم قرآن ہی کو سند مانتا ہے اور دوسری کتابوں کو مانتا نہیں، اس کے لئے فتویٰ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس کو عید سمجھ کر ثواب کی نیت سے چاول کا حلوا بنانا بے اصل اور غلط ہے (۱)۔

= من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها ...... فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس ...... الخ". (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، باب ماجاء في قيام شهر رمضان، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان: ۱/ ۹۹، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قديمى)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها: من أحدث في أمرنا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۰، قديمى)

"كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه، فهو مكروه، كتعيين السورة للصلاة وتعيين القراءة لوقت". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة، مطلب: كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال: ۲/ ۳۶۷، المكتبة الميمنة، مصر)

"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم، والتخصيص من غير مخصص مكروه". (سباحة=

۲......اس کوشرعی سمجھنا غلط ہے، البتہ اس رات کو نوافل پڑھنا، تلاوت کرنا، دعا کرنا ثابت ہے(۱)۔ وہاں بھی مجمع نہ کیا جائے، قبرستان میں مخفی طور پر جانا بھی ثابت ہے، وہاں بھی مجمع نہ کیا جائے۔

۳......جو رسم غلط ہو، اگر چہ بڑوں نے کی ہو، وہ قابلِ ترک ہے(۲)۔

۴......کسی چیز کو ثواب سمجھنے اور بطور عبادت کرنے کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے، ان عالم صاحب سے دریافت کیا جائے کہ کون سی دلیل سے ثابت ہے، شرعی دلیل چار ہیں: قرآن پاک، حدیث شریف، اجماع، قیاس مجتہد(۳)۔

جو چیز ان میں سے کسی دلیل سے ثابت نہ ہو، وہ ثواب نہیں، عبادت نہیں، اس کے عبادت نہ ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہاں! جو شخص ایسی چیز کو عبادت کہے، اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے۔

= الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، تحت الثاني والأربعون، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوي: ۳/ ۹۰، إدارة القرآن)

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا يومها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر فأغفرله؟ ألا مسترزق فأرزقه ..... الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث: ۱/ ۱۱۵، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ماجاء في قيام شهر رمضان، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "فإن أصول الفقه أربعة: كتاب الله، وسنة رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وإجماع الأمة، والقياس". (أصول الشاشي، ص: ۵، قديمي)

"(اعلم أن أصول الشرع ثلثة) والأصول جمع أصل ..... والمراد بها ههنا الأدلة والشرع ..... إن كان بمعنى المشروع فاللام فيه للجنس أي: أدلة الأحكام المشروعة الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس". (نور الأنوار، ص: ۴، ۵، سعيد)

"فان أصول الشرع ثلثة: الكتاب والسنة وإجماع الأمة والأصل الرابع القياس المستنبط من هذه الأصول ..... الخ". (الحسامي، ص: ۳، قديمي)

۵...... کیا حدیث شریف کو بھی تسلیم نہیں کرتا اور اجماع کا بھی منکر ہے اور قیاس مجتہد کو بھی نہیں مانتا، اگر ایسا ہے تو وہ شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور گمراہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

شبِ معراج کی رسوم

سوال[۹۹۹۶]: ہمارے یہاں شبِ معراج میں چند باتیں خصوصی طور پر کرتے ہیں، جو مذکور ہیں، اس میں صحیح اور غیر صحیح کو واضح فرمائیں۔

۱...... اس رات مسجد کی طرف سے کوئی شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور بتیاں ضرورت سے زائد جلاتے ہیں۔

۲...... اس رات میں امام یا کسی سے تقریر کراتے ہیں، بعد ازاں لوگ نوافل میں مشغول ہوتے ہیں، اس میں ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس رات میں نوافل یا قضائے عمری پڑھتے ہیں، اس میں ثواب کی کثرت سمجھتے ہیں، اگر امام اس رات اس وجہ سے کہ ثواب زیادہ سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ تقریر نہ کریں، تو کون سا راستہ صحیح ہے؟ احادیث میں اس رات کو خصوصی طور پر گزارنے کی جیسا کہ شبِ قدر یا شبِ معراج کے متعلق بھی آیا ہے تو وضاحت فرمائیں۔

---

(۱) "وفي الخلاصة: من رد حديثا قال بعض مشايخنا: يكفر، وقال المتأخرون: إن كان متواتراً كفر، أقول: هذا هو الصحيح إلا إذا كان رد حديث الأحاد من الأخبار على وجه الاستخفاف والاستحقار والإنكار". (شرح الفقه الأكبر، قبيل فصل في القراءة والصلاة، ص: ۱۶۲، قديمي)

"فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده (أي الإجماع)، فإنهم لم يشترطوا سوى القطع في الثبوت، ويجب حمله على ما إذا علم المنكر ثبوته قطعاً؛ لأن مناط التكفير وهو التكذيب أو الاستخفاف عند ذلك يكون، أما إذا لم يعلم فلا، إلا أن يذكر له أهل العلم ذلك فيلج". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب في منكر الإجماع: ۴/۲۲۳، سعيد)

"(وحكمه في الأصل أن يثبت المراد به شرعاً على سبيل اليقين) يعني أن الإجماع في الأمور الشرعية في الأصل يفيد اليقين والقطعية فيكفر جاحده ... الخ". (نور الأنوار، بابُ الإجماع، ص: ۲۲۱، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... نوافل کا پڑھنا ہر شب میں درست اور موجبِ ثواب ہے، شبِ معراج میں پڑھنے پر زیادتی ثواب کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں، نہ تقریر کا اہتمام ثابت ہے، زیادہ بتیاں جلانا اسراف ہے، جس کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے(۱) تبرک کی تقسیم بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

۲۷ رجب اور ۱۲ اربیع الاول کو تقریر اور جلسہ

سوال[۹۹۹۷]: ۱..... شبِ معراج میں بعد نماز عشاء تقریر ہوتی ہے، معراج شریف کے بیان پر روشنی ڈالی جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے، بدعت تو نہیں ہے؟

۲..... ۱۲ اربیع الاول کو بھی بعد نماز عشاء تقریر ہوتی ہے اور قرآن کریم ختم کر کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، دودھ بالٹی میں جمع کر کے آگ لگائی جاتی ہے، پھر وہ دودھ سب بچوں کو پلایا

(۱) "من البدع المنكرة مايفعل في كثير من البلدان من إيقاد القناديل الكثيرة العظيمة والسرف في ليال معروفة من السنة كليلة النصف من شعبان، فيحصل بذلک مفاسد كثيرة: منها مضاهاة المجوس في الاعتناء بالنار في الإكثار منها. ومنها: إضاعة المال في غير وجهه ... وفي شرح المهذب للإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: وصرح أئمتنا الأعلام رضي الله تعالىٰ عنه: بأنه لايجوز أن يزاد على سراج مسجد سواء كان في شهر رمضان أو غيره؛ لأن فيه إسرافاً كما في الذخيرة وغيرها". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، فوائد ومسائل شتى من الحظر والإباحة، مطلب: من البدع المنكرة إيقاد القناديل الكثيرة: ۲/ ۳۵۹، المكتبة الحقانية)

"ومن المفاسد مايجعل في الجوامع من إيقاد القناديل، وتركها إلى أن تطلع الشمس وترتفع، وهو فعل اليهود في كنائسهم. وأكثر مايفعل ذلک في العيد، وهو حرام". (غمز عيون البصائر، شرح الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۳۷، إدارة القرآن كراچی)

"الاستفسار: إسراج السرج الكثيرة الزائد عن الحاجة ليلة البراءة أو ليلة القدر في الأسواق والمساجد كما تعارف في أمصارنا، هل يجوز؟ "الاستبشار": هو بدعة كما في خزانة الروايات عن القنية". (نفع المفتي والسائل، كتاب الحظر والإباحة، المتفرقات من مجموعة رسائل عبدالحي اللكنوي: ۴/ ۱۹۸، إدارة القرآن كراچی)

جاتا ہے، یہ بدعت تو نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اس شب میں کوئی مخصوص عمل مسنون نہیں، جیسا کہ اور راتوں کا حال ہے، وہی اس کا حال ہے، اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہ کی جائے (۱)۔

۲.....حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک حالات کا بیان کرنا اور سننا عین سعادت ہے اور تقاضائے ایمان ہے، اس شب کے ساتھ اس کو خاص کرنا بڑی کوتاہی ہے، جو صورت سوال میں تحریر ہے، یہ نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا، نہ ائمہ مجتہدین کے فقہ میں مذکور ہے، ایسی چیز کو ثواب اور قربت سمجھ کر عمل کرنا غلط ہے، اس میں شرکت نہ کی جائے، نرمی اور شفقت سے سمجھا کر اصلاح کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم شعبان/ ۱۴۰۰ھ۔

کون سی راتیں افضل ہیں؟

سوال [۹۹۹۸]: شب بیداری کے لئے کتنی راتوں کی حدیث میں فضیلت آئی ہے، کیا شبِ معراج بھی اس میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان کے اخیر عشرہ کی راتیں خاص کر لیلۃ القدر، عیدین کی راتیں، عشرہ ذی الحجہ کی راتیں، نصف

---

(۱) "ویکره الاجتماع علی إحیاء لیلة من اللیالي في المساجد وغیرها؛ لأنه لم یفعله النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولا أصحابه. فأنكره أكثر العلماء.....، وقالوا: ذلک كله بدعة اهـ". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحیة المسجد وصلاة الضحیٰ وإحیاء اللیالي، ص: ۴۰۲، قدیمی)

"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا مالیس منه، فهو رد". (صحیح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۰، قدیمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۹۳، رشیدیه)

شعبان کی رات، نگران راتوں میں مسجد میں اجتماعی صورت اختیار نہ کی جائے، نور الایضاح ومراقی الفلاح وطحطاوی میں فصل في بيان النوافل کے ذیل میں اس کو بیان کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عید کارڈ

سوال [۹۹۹۹]: عید کارڈ بھیجنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

رسم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(وندب إحياء ليالي العشر الأخير من رمضان) لما ورد عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا دخل العشر الأخير من رمضان أحيا الليل ..... (و) ندب (إحياء ليلتي العيدين) الفطر والأضحى لحديث "من أحيا ليلة العيد أحيا الله قلبه يوم تموت القلوب" ..... (و) ندب إحياء (ليالي عشر ذي الحجة ..... وليلة النصف من شعبان)". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۹۹، ۴۰۰، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في إحياء ليالي العيدين والنصف: ۲/۲۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، قيام الليل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) قال المفتي رشيد أحمد اللدهيانوي رحمه الله تعالىٰ:

"عید کارڈ سے اگر فخر ونمود مقصود ہو تو بلاشبہ ناجائز ہے اور اگر اس سے محض زینت اور دوسرے کا دل خوش کرنا مقصود ہو، تو یہ آرائش وزیبائش میں داخل ہے جو بلاشبہ جائز ہے۔ بلکہ إلقاء السرور في قلب المؤمن کے تحت باعث ثواب ہے۔

(احسن الفتاوی، كتاب الحظر والإباحة، رسوم مروجہ، عید کارڈ کا حکم: ۸/۱۴۷، سعيد)

کتاب العلم

مایتعلق بطلب العلم

(طلبِ علم کا بیان)

قرآن پاک کی تعلیم کا ثواب

سوال[۱۰۰۰۰]: اگر کوئی کسی کو قرآن پاک پڑھائے اور پڑھنے والا کامیاب ہو، تو پھر اس کو کیا فائدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعلیم کا ثواب تو ملے گا ہی، اگر اخلاص ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیمیا

سوال[۱۰۰۰۱]: علم کیمیا(۲) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اگر معلوم ہو جاوے، تو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً تانبا سونا بن جائے اور دھوکہ نہ ہو، تو جیسے دوسری صنعتیں جائز ہیں، یہ بھی جائز ہے، مگر ماہرین

---

(۱) "طلب العلم والفقه إذا صحت النية أفضل من جميع أعمال البر. وكذا الاشتغال بزيادة العلم إذا صحت النية؛ لأنه أعم نفعا لكن بشرط أن لايدخل النقصان في فرائضه". (الفتاوى البزازية، كتاب الاستحسان: ۲/ ۳۷۸، رشيديه)

(۲) "علم کیمیا: چیزوں کے اجزا اور بناوٹ کا علم، رانگ کو چاندی اور تانبے کو سونا بنانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۵۵، فیروز سنز لاہور)

سے عامۃً ایسا سنا ہے کہ ایک انچ کی کسر رہ جاتی ہے اور اس شغل میں لگنے والوں کو عموماً پیسے والا نہیں دیکھا، بہت تنگ حال میں دیکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

اپنی بیوی سے تعلیم حاصل کرنا

سوال[۱۰۰۰۲]: کسی شخص کی بیوی تعلیم یافتہ ہے، شوہر ان پڑھ ہے، شخص مذکور اپنی بیوی سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ استاذ شاگرد کے حقوق کیسے ادا ہوں تحریر فرما دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی سے بھی دین حاصل کر سکتے ہیں، جہاں تک استاذ ہونے کا تعلق ہے، اس کا احترام کریں اور جہاں تک بیوی کا تعلق ہے، دوسرا معاملہ بھی اس کے ساتھ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) شوہر کا مقام استاد سے بھی بڑھ کر ہے، لہذا بیوی استاد ہونے کی صورت میں اس کے احترام کے ساتھ ساتھ شوہر ان سے منافع زوجیت بھی لے سکتا ہے۔

"وقال الزندويستي حق العالم على الجاهل، وحق الأستاذ على التلميذ واحد على السواء، وهو أن لايفتح الكلام قبله، ولا يجلس مكانه وإن غاب، ولا يرد عليه كلامه، ولا يتقدم عليه في مشيه، وحق الزوج على الزوجة أكثر من هذا، وهو أن تطيعه في كل مباح". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الأول في العلم: ۲/ ۳۵۱، رشيديه)

"وحق الزوج على الزوجة أن تطيعه في كل مباح يأمرها به". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوصايا، مسائل شتى: ۶/۷۵۲، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۵۵۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

سنن ہدیٰ اور سنن زوائد

سوال[۱۰۰۰۳]: کپڑا وغیرہ یا اور چیزیں داہنی جانب سے شروع کرنا یا اور کام داہنی جانب سے شروع کرنا اور بہت سی سنتیں لکھی ہیں، تو مطلب یہ ہے کہ یہ سنتیں زائدہ ہیں، جیسے نماز وضو وغیرہ میں بتایا ہے، یا سنت مؤکدہ یا مستحب یا زوائد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سنن زوائد ہیں، جب کہ ان کا تعلق عادات، معاشرات سے ہو۔ اور سنن ہدیٰ ہیں جب کہ ان کا تعلق عبادات سے ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۲ھ۔

مکروہ تحریمی اور حرام میں فرق

سوال[۱۰۰۰۴]: بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حرام اور مکروہ تحریمی میں صرف دلیل کے اعتبار سے فرق ہے، یعنی حرام دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی دلیل ظنی سے، کیا یہ قول صحیح ہے؟

---

(۱) "وهي نوعان: الأول سنة الهدیٰ ..... كالجماعة ..... والثاني الزوائد ..... كسير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في لباسه وقعوده ..... فإن هؤلاء كلها لا تصدر منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على وجه العبادة ..... بل على سبيل العادة". (نور الأنور، فصل في أحكام المشروعة، بحث سنن الهدیٰ والزوائد الخ، ص: ۱۶۷، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها: ۱/۱۰۳، سعيد)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الطهارة: ۱/۳۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قول صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۳ھ۔

تأویل

سوال[۱۰۰۰۵]: "کردمی تاویل بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را" اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شعر کا حاصل یہ ہے کہ اپنے ذہن اور مذاق کی وجہ سے الفاظ قرآن میں تاویل نہ کرو کہ اصل معنی کو بدل کر دوسرے معنی کو مراد لینے لگے، بلکہ اپنے ذہن اور مذاق میں تاویل کرو، کہ اس کو قرآن کے موافق بناؤ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

لفظ درست نہیں سے کیا مراد ہے؟

سوال[۱۰۰۰۶]: فقہاء جب لفظ "درست نہیں" بولتے ہیں تو اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اور مکروہ تحریمی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی اجازت نہیں، مکروہ تحریمی ناجائز ہی ہے(۲)، یعنی ایسا کرنا جائز نہیں، بعض

---

(۱) "بيان ذلك أن الأدلة السمعية أربعة: الأول قطعي الثبوت والدلالة ...... الثاني: قطعي الثبوت ظني الدلالة ...... الثالث عكسه ...... الرابع ظنيهما ...... فبالأول يثبت الافتراض والتحريم، وبالثاني والثالث الإيجاب وكراهة التحريم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۳۷/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۱۶۹/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳۰۸/۵، رشيديه)

(۲) "كل مكروه حرام عن محمد، وعندهما: إلى الحرام أقرب". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: =

چیزیں ایسی ہیں کہ مثلاً: نماز میں کھنکھارنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی کرے تب بھی کہا جائے گا کہ نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگئی، پھر بھی صورتوں میں فرض ادا ہونے کے باوجود اس کا اعادہ لازم ہوتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۸ھ۔

معذور ومجبور میں فرق

سوال[۱۰۰۰۷]: معذور ومجبور میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے عرف میں معذور وہ ہے جس کے لئے حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ من جہۃ العباد نہ ہو، بلکہ سماوی ہو(۲)، جیسے کوئی شخص جنگل میں ہو کہ وہاں پانی موجود نہیں، وہ معذور ہے تیمم کے لئے۔ مجبور وہ ہے جس کے لئے رکاوٹ من جہۃ العباد ہو، جیسے کسی کو پکڑ کر کوٹھری میں بند کر دیا اور پانی اس کو نہیں دیتے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

= ۶/۳۳۷، سعید)

"الاشتغال بعمل اٰخر مکروہ کراهة تحريم؛ لأنه في رتبته، ويصح إطلاق اسم الحرام عليه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(۱) "كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، والمختار أنه جابر للأول". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۴۸، قديمى)

(۲) "العذر: عند الحنفية: ما يتعذر عليه المعنى على موجب الشرع إلا بتحمل ضرر زائد".

في قول ابن حجر: "هو الوصف الطارئ على المكلف المناسب للتسهيل عليه". (القاموس الفقهي، حرف العين، ص: ۲۴۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۳۷۵، الصدف پبلشرز)

(۳) "قال ثعلب في صحيحه: جبرت الكسر صححته وأجبرت فلانا قهرته جبراً في الأول وإجباراً في =

اباحت اور تملیک

سوال[۱۰۰۰۸]: اباحت اور تملیک میں کیا فرق ہے؟

محمد شمس الحق گجراکول نہاوج اعظم گڑھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

تملیک ایک جنس ہے، جس کے تحت متعدد انواع ہیں، ہبہ، صدقہ، عطیہ، نحلہ، ہدیہ، صلہ وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

دور اور تسلسل

سوال[۱۰۰۰۹]: دور اور تسلسل کی تعریف فرمایئے۔

محمد شمس الحق گجراکول نہاوج اعظم گڑھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الدور هو توقف كل واحد من الشيئين على الآخر" كليات أبوالبقاء، ص: ۳۳۱(۱)۔

"التسلسل هو إما: أن يكون في الاحاد المجتمعة في الوجود، أو لم يكن ، الثاني كالتسلسل في الحوادث، والأول: إما أن يكون فيها ترتيب أولاء الثاني كالتسلسل في النفوس الناطقه والأول: إما أن يكون ذلك الترتيب طبعا كالتسلسل في العلل والمعلولات والصفات والموصوفات، أو وصفيا كالتسلسل في الأجسام، والتسلسل في جانب العلل باطل بالاتفاق ،

= الثاني، فهو مجبور من جبر ومجبر من أجبر اهـ، وقال في المغرب: جبره بمعنى أجبره لغة ضعيفة، ولذا قل استعمال المجبور بمعنى المجبر". (حاشية شلبي على التبيين، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۲۱۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (كليات أبو البقاء، المسمى الكليات، فصل الدال: ۲/۳۳۴، منشورات وزارة الثقافة والإرشاد القوي، دمشق)

وفي المعلولات بأن لاتقف بل يكون بعد كل معلول معلول آخر، فيه خلاف فعند المتكلمين لايجوز، وعند الحكماء يجوز، والتسلسل في الأمور الاعتبارية غير ممتنع بل واقع" كليات، ص: ۲۱٤(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۷ھ۔

فصاحت وبلاغت

سوال[۱۰۰۱۰]: بلاغت وفصاحت کے کیا معنی ہیں؟ کوئی آیت قرآنی لکھ کر سمجھایئے۔

محمد شمس الحق گجراکول نہاوج اعظم گڑھ

الجواب حامداً ومصلياً:

والأصل في البلاغة: أن يجمع الكلام ثلثة أوصاف صوابا في موضع اللغة وطبقا للمعنى المراد منه صدقا في نفسه، وفصاحة المفرد كحسن كل عضو من أعضاء الإنسان، وفصاحة الكلام كحسن ترتيب أعضاء الإنسان، وبلاغة الكلام كالروح الذي لأجله يرغب في البدن، ولا يدرك حسن الفصيح الا بالسمع اهـ. كليات ابو البقاء، ص: ۵۰۰.

کلام فصیح یہ ہے کہ اس کے مفردات تنافر، فراغت، مخالفت قیاس سے خالی ہوں اور ضعف تالیف اور تعقید بھی اس میں نہ ہو۔ ایسا کلام اگر مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو، تو وہ کلام بلیغ ہے(۲)۔ قرآن کریم

---

(۱) (الكليات، لأبي البقاء أيوب بن موسىٰ الحسيني الكَفَوي، فصل التاء: ۱/۴۰۷، منشورات وزارة الثقافة والإرشاد القوي، دمشق)

(۲) "وأما فصاحة الكلام فخلوصه من ضعف التأليف ..... ومن التنافر ..... ومن التعقيد ..... وأما بلاغة الكلام فمطابقته لمقتضى الحال مع فصاحته". (كليات أبي البقاء، فصل الباء، ص: ۹۵، دارالاشاعت كراچی)

"ففصاحة الكلمة سلامتها من تنافر الحروف، ومخالفة القياس، والغرابة ..... وفصاحة الكلام سلامته من تنافر الكلمات مجتمعة، ومن ضعف التأليف، ومن التعقيد مع فصاحة كلماته ..... فبلاغة الكلام مطابقته لمقتضى الحال مع فصاحته". (دروس البلاغة، مقدمة في الفصاحة والبلاغة، ص: ۵، ۲، ۱۱، قديمی)

(وكذا في مختصر المعاني، مقدمة، تعريف الفصاحة في الكلام، ص: ۱۷، ۲۲، ۲۵، نعمانيه كوئته)

فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

ناری اور نوری میں فرق

سوال[۱۰۰۱۱]: اللہ جل جلالہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو ملائکہ نے سجدہ کیا اور سردار (شیطان) نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔فرشتوں کی جماعت نوری، سردار (شیطان) کی جماعت انگاری، تو نوری کا نام ملائکہ اور انگاری کا نام کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ناری کو نوری کا سردار تسلیم کرنے پر کون سی نص ہے، وہ لکھئے، تب اس کی وجہ تحریر کی جائے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۹۵ھ۔

"استعینوا علی أمورکم بالکتمان" کا مطلب

سوال[۱۰۰۱۲]: "استعینوا علی أمورکم بالکتمان" کا کیا مطلب ہے؟ مثال سے واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حاجت پیش آئے تو مخلوق سے نہ کہے، اس سے پوشیدہ رکھے، خالق سے کہے کہ وہی خالق حاجت ہے، مثلاً: بھوک لگے تو در بدر سوال کرتا نہ پھرے، کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دے کہ مجھے بھوک ہے۔خالق

---

(۱) "إن إعجاز كلام الله إنما هو بهذا الطريق، وهو كونه في غاية البلاغة، ونهاية الفصاحة على ماهو الرأي الصحيح". (التلويح مع التوضيح، ص: ۱۷، نور محمد كراچى)

"أن وجه الإعجاز إنما يمكن في فصاحة ألفاظه وبلاغة عباراته، وجودة سبكه، إذ هو في الدرجة العليا من البلاغة التي لم يعهد مثلها". (البيان في علوم القرآن للعلامة الصابوني، الفصل الثامن إعجاز القرآن، آراء العلماء في الإعجاز، ص: ۱۵۱، المدرسة العثمانية كراتشي)

جل جلالہ کی طرف سے انتظام ہوگا۔

﴿یرزقه من حیث لا یحتسب﴾(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۳ھ۔

''ہفت مسئلہ'' میں حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قیام کی تاویل

سوال[۱۰۰۱۳]: زید بعد میلاد قیام کرتا ہے اور حوالہ دیتا ہے ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کا کہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مستحق اور کارِ ثواب ہے، نیز یہ فرمایا ہے کہ میں خود بھی قیام کرتا ہوں اور قیام کرتے ہوئے بہت لطف حاصل کرتا ہوں (۲)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہی مسائل کے واسطے چار قسم کی دلیل ہوتی ہے، کتاب، سنت، اجماع، قیاسِ مجتہدین (۳)۔ اگر کسی

---

(۱) (الطلاق: ۲)

''﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لايحتسب﴾ فإنه اعتراض بين المتعاطفين جيء به لتأكيد ماسبق من الأحكام بالوعد على اتقاء الله تعالىٰ فيها ..... ويفرج عنه مايعتريه من الكروب ويرزقه من وجه لايحضر ولا يحتسبه .....الخ''. (روح المعاني، الطلاق: ۲/ مبحث تأويل قوله ﴿ومن يتق الله.....﴾ الخ: ۱۳۵/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''روى الإمام أحمد عن أبي ذر قال: جعل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يتلو عليّ هذه الآية ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لايحتسب﴾ حتى فرغ من الآية، ثم قال: ''يا أبا ذر! لو أن الناس كلهم أخذوا بها كفتهم'' ..... وإذا كان الرزق وغيره من الأشياء لايكون إلا بتقدير الله تعالىٰ ولا يقع إلا على وفق علمه فليس للعاقل إلا التسليم للقدر''. (التفسير المنير، الطلاق: ۲: ۲۸/ ۲۷۱، ۲۷۲، دارالفكر بيروت)

(۲) (كليات إمداديه، فيصله هفت مسئله، ص: ۸۰، دارالاشاعت)

(۳) ''فإن أصول الفقه أربعة: كتاب الله، وسنة رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإجماع الأمة والقياس''. (أصول الشاشي، ص: ۵، قديمي)

''(إعلم أن أصول الشرع ثلثة) والأصول جمع أصل ..... والمراد بها ههنا الأدلة والشرع ..... =

ولی برگزیدہ کا کوئی قول یا عمل ایسا ثابت ہو، جس کے لئے چاروں دلیلوں میں سے کوئی دلیل نہ ہو، تو ان ولی کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے ان کے اس قول وعمل کے لئے محمل حسن تجویز کیا جائے اور اس کو خلاف شرع ہونے سے بچانے کی تدبیر کی جائے گی، یہ نہیں ہوگا کہ اس قول وعمل کو اصل قرار دے کر ادلۂ شرعیہ کو نظر انداز کر دیا جائے، قیام کرتے ہوئے لطف حاصل ہونا شرعی دلیل نہیں، جس سے فقہی مسئلہ ثابت کیا جائے۔

فیصلہ ہفت مسئلہ کی اصل عبارت دیکھئے، اگر اس سے یہ ثابت ہو کہ شرعاً قیام کرنا چاہیے، تو اس کی وضاحت اس کے ضمیمہ میں دیکھئے، اس میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے:

''نفس ذکر مندوب اور قیود بدعت ہیں''۔

فتاویٰ رشیدیہ میں یہ مسئلہ متعدد مقامات پر مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۲/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

''حفظ الایمان''، ''تذکرۃ الرشید''، ''براہین قاطعہ''، ''بہشتی زیور'' وغیرہ پر اشکالات کا جواب

سوال [۱۰۰۱۴]: الاستفتاء

مکرمی جناب مفتی صاحب اور دیگر علماء کرام حامیان دارالعلوم دیوبند دام ظلکم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد عرض حال خدمت میں یہ ہے کہ ہم اہل مغربی بنگال ہیں، ہمارے علاقوں اور اطراف میں زیادہ تر اور اکثر لوگ ہمیشہ سے علماء دیوبند کے معتقد، معتمد، مقتدی ہیں۔ اس بناء پر ہمارے جملہ مسئلہ ومسائل اور فرائض اور فتاویٰ کو بلا چوں وچرا مانتے اور بسر وچشم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان دنوں میں چند مہینوں سے ہمارے اندر اختلاف شدید پیدا اور رونما ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے اندر پہلے سے دو گروہ تھے، ایک محض پیر پرست جن کو بس پیر پرستی ہی کافی ہے اور موجب نجات ہے، ان کو شریعت سے کوئی سروکار نہیں، صرف پیر صاحب ہی پر توکل اور بھروسہ ہے اور ان کو صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے: ''یا غوث پاک!''، ''یا خواجہ پیا!''، ''یا

= إن كان بمعنى المشروع فاللام فيه للجنس أي: أدلة الأحكام المشروعة ..... الكتاب والسنة وإجماع الأمة، والأصل الرابع القياس". (نور الأنوار، ص: ۴، ۵، سعيد)

(۱) (فتاوىٰ رشيديه، كتاب البدعات، ص: ۴۰۹-۴۲۸، سعيد)

مولیٰ!"، "یا علی مشکل کشا!" وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا گروہ صوم صلوٰۃ کا پابند اور حتی الامکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے مطیع و پیرو ہے۔ ایک صاحب یہاں آکر چند لوگوں کو مرید کر گئے ہیں اور وہ صاحب خاص کر بریلوی عقیدے کے پیر ہیں، ان کے یہاں بدعت کفر شرک کی کئی باتیں ہیں، بلکہ بدعت کفر وشرک ہی درحقیقت اپنے لئے دین حق اور شرع متین سمجھتے ہیں۔ بقول حالی:

نہ توحید میں کچھ خلل آئے اس سے
نہ اسلام بگڑے اور نہ ایمان جائے

مختصر یہ ہے کہ ہمارے اطراف کے قرب وجوار میں جتنے پیر پرست اور نفس پرست گمراہ لوگ تھے، ان کو موقع غنیمت مل گیا ہے، لہٰذا وہ سب لوگ مل جل کر یہ فتویٰ جاری کر دیئے ہیں:

"جتنے علماء دیوبندی ہیں اور ان کے کل معتقدین...... کافر، مرتد، مشرک ہیں، ان کے ساتھ سلام کلام کرنا، لین دین کرنا، بیاہ شادی کرنا، ان کا ولیمہ کھانا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا قطعی حرام ہے"۔

اس صورت میں ہم کو کیا کرنا چاہیے اور کون سا طرز وطریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ہم آپ لوگوں سے مشورہ چاہتے ہیں، بایں ہمہ اس کی تردید میں کوئی کتاب لکھی گئی ہو تو برائے مہربانی میرے پتہ پر ضرور بالضرور بھیج دیں تاکہ ان لوگوں کا صحیح طور سے مقابلہ کیا جائے اور دندان شکن جواب دیا جائے، نیز اگر ممکن ہو تو اپنے کسی عالم فاضل صاحب کو حسبِ ذیل مقاموں میں بھیج کر گمراہ لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لئے حتی الامکان جد وجہد کی ضرور بالضرور کوشش فرمائیں، کم ازکم برائے مہربانی اس مغربی بنگال میں جو علماء دیوبندی ہیں، ان علماء کو بھی آپ حضرات ایماء واشارہ کر دیں تاکہ وہ مذکورہ حسبِ ذیل پتوں پر آکر خالص دینی اور مذہبی خدمات اور صحیح تبلیغ اسلام سے لوگوں کو آگاہ وآشنا اور ہشیار وخبردار کر دیں، بندہ بھی ان کے ساتھ ہو کر اسلامی خدمات کے لئے ہر دم تیار ہے۔

تدبیر سنبھالنے کی نہیں ہماری کوئی
ہاں! ایک دعا تیری کہ مقبول خدا

دیر کیا ہے مہدی آخر زماں کو بھیجئے
تا کہ ان کے ساتھ ہم زندہ کریں اسلام کو

اس بریلوی عقیدہ کا ایک آدمی ایک اشتہار چھپا کر ہمارے اطراف میں عوام کو تقسیم کررہا ہے، ملاحظہ کے لئے ایک اشتہار اور مع اس کا اردو ترجمہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، آپ کو جو مناسب وموضوع کارروائی اور اقدام کرنا ضروری ہو، اس کا بندوبست فرما کر ہمیں نہایت ہی ممنون ومشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی، ہم اس کے عملی جواب اور عملی اقدام کے منتظر ہیں۔عملی کارروائی اور اس کے اقدام کے مواضع اور اس کے پتے:

۱-شہر کلکتہ خاص کر

۲-بولپور، شانتی نیکیتن کی بڑی مسجد، ضلع بیربھوم

۳-موضع سنکھی، ضلع نزد بولپور، وایا بولپور، ضلع بیربھوم

۴-موضع خوانجی، ضلع بردوان بولیو اندازاً ۱۵ میل بجانب شرج (ان مقاموں میں بس اور ٹرین کی آمدورفت ہے)۔جواب کے لئے اس درخواست کے ہمراہ ڈاک ٹکٹ بھی ارسال کیا جاتا ہے۔فقط والسلام۔

العارض الحقیر :غلام موسیٰ ندوی نقوی امام متولی چیتابا ڑا مسجد

پتہ مراسلات:۱/ ۲۵، بلک برنی لین کلکتہ،۱۲ مورخہ فروری ۱۹۷۶ء۔

بریلوی فرماتے ہیں کہ ایک اشتہار کا بنگلہ سے اردو میں ترجمہ:''وہاں نجدی سے ہوشیار خبردار نظم میں اس اشتہار کو چھپا کر بانٹ دو، ہم کو جہاد کا ثواب ضرور مل جائے گا۔انگریزوں کے دوران حکومت میں دیوبند انگریز کا ایجنٹ تھا اور اس زمانے میں بھی مسلمانوں کے درمیان فتنے وفساد انگریز کا کام کررہا ہے، ہندوستان میں وہابی اور نجدی فرقوں کا مرکز دیوبند ہے۔یہ لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے کافر اور مرتد اور اسلام سے خارج ہوگئے ہیں اور اس فرقے کی مختلف کتابوں میں سے چند مردود اور مفسد عقائد کی نظیر ملتی ہے اور مثال حسب ذیل ہیں:

۱-''رسول اللہ جیسے علمِ غیب ہر ایک بچہ اور پاگل یہاں تک کہ چار پائے جانور کو بھی ہے''۔(حفظ الایمان از اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

۲- ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوت عوام الناس کے لئے ہے، مگر عقل مندوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے''۔ (تحذیر الناس از قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

۳- ''عملیات امت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عملیات کے برابر ہے، یہاں تک کہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جاتے ہیں''۔ (تحذیر الناس)

۴- ''کوا کھانا حلال ہے اور ثواب بھی ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ از رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ)

۵- ''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شیطان کا علم زیادہ ہے''۔ (خلیل احمد انبیٹھوی)

۶- ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیوبند مدرسہ میں اردو تعلیم حاصل کی''۔ (براہین قاطعہ)

۷- ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیوبندی علماء کے لئے کھانا پکانے آتے تھے''۔ (تذکرۃ الرشید، جلد اول)

۸- ''کسی کو دہائی دینا شرک اور کفر ہے''۔ (بہشتی زیور از اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

۹- ''علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی نام رکھنا کفر اور شرک ہے''۔ (بہشتی زیور)

۱۰- ''مخلوقات کے بڑے چھوٹے یہاں تک کہ نبی اور ولی بھی اللہ پاک کی شان کے مقابلہ میں چمار سے بدتر ہیں''۔ (تقویۃ الایمان از اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) وغیرہا۔

دیوبندوں کے کل بدعقائد کی تفصیل اور توضیح کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، لہٰذا ہم اس مختصر اشتہار میں صرف دس نمونہ پر اکتفا کرتے ہیں، وہابی فرقہ کی تردید میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، سنی اور حنفی علماء کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں، جاء الحق، ظفر الإسلام، المصباح الجديد، التحقيقات، جراثیم وہابیہ۔ سنی علماء صاحبان، غلام احمد قادیانی، قاسم صاحب نانوتوی، اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی، ان پانچ شخصوں کو کافر، مرتد اور خارج از اسلام کہہ چکے ہیں، جو شخص ان کے کافر ہونے میں شک وشبہ کرے گا، وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (حسام الحرمین ملاحظہ فرمائیں)۔ وہابی نجدی دیوبندی فرقے کے لوگ ان مولویوں کو وہابی جانتے ہیں، لہٰذا تمام وہابی، دیوبندی، تبلیغی، لامذہبی اور کافر ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے شادی بیاہ کرنا، کروانا حرام ہے، وہابی دیوبندی سے اپنا ایمان بچایئے۔ فقط''۔

خادم اہل سنت محمد مستقیم نیم گرامی، ڈاک خانہ نیمگرام بلوری، ضلع مرشد آباد۔

نوٹ: ایک اصل اشتہار بھی اس کے ساتھ منسلک ہے۔ بمورخہ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زیداحترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا، پڑھ کرآپ کی پریشانی کا علم ہوا، ایک طبقہ کا مستقل مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ اہل حق علماء سے عوام کو بدظن کرتا رہتا ہے اوراس سلسلہ میں جس قسم کے اعتراضات اس کے امکان میں ہو، شائع کرتا رہتا ہے، تقریباً ایک صدی بیت گئی، ان اعتراضات کی تردید میں درجنوں کتابیں لکھی گئیں۔ سواشتہارات کے جوابات دیئے گئے، ہزاروں اشتہارات شائع کئے گئے، لیکن یہ طبقہ ہمیشہ اعتراضات کی تجدید کرتا رہتا ہے، دینِ حق کی جس قدر خدمات دارالعلوم دیوبند نے کی ہیں، وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، قرآن کریم کی تفسیر وتراجم، حدیث پاک کی شروح وحواشی، فقہ کے مسائل وفتاویٰ، تزکیۂ باطن، اصلاحِ قلب، وعظ وتذکیر، غرض کہ دین اسلام کے ہر شعبہ میں اس کی خدمات نہایت نمایاں ہیں، جن کا انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا اور آسمان پر تھوکنا ہے۔

آج براعظم کا کون سا خطہ ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور فاضل موجود نہیں؟ جن کی بدولت باطل اور جہالت کی تاریکی دور ہوکر حق اور علم کی روشنی پھیل رہی ہے، بدعت کے بادل چھٹ کر سنت کا سورج طلوع ہورہا ہے، مشرکانہ رسوم ختم ہوکر ایمانی اعمال جاری ہورہے ہیں، قبر پرستی سے طبائع متنفر ہوکر مساجد آباد کرنے کی طرف توجہ ہورہی ہے، دارالعلوم کا یہ فیض بحمد للہ بڑھتا جارہا ہے اور جگہ جگہ دینی مدارس قائم ہوکر قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں، حلال وحرام کی تمیز قائم ہورہی ہے، قدیم مدارس سے فارغ ہوکر فضلاء قوم کی ہدایت میں مشغول ہیں، اہل باطل ان سب دینی احسانات کی بیداری کو دیکھ کر پریشان ہیں اور بوکھلاہٹ میں جو جو نہ کرنا تھا، وہ کررہے ہیں۔

لیکن بحمد للہ ان کے جھوٹ کا پردہ خود قوم چاک کررہی ہے، بعض سادہ لوح پڑھے لکھے، صحیح جذبہ رکھنے والے بھی فریب میں آجاتے ہیں اوراکابر اہل اللہ کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، لیکن حقیقتِ حال پر جب ان کو اطلاع ہوتی ہے، تو فوراً اپنی بدگمانی سے توبہ کرلیتے ہیں اورتحریر کردہ اعتراض کی تردید اور جواب میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، "بسط البنان"، "تغییر العنوان"، "خلاصة البیان"، "توضیح البیان"،

"تسهيل الفرقان" یہ سب "حفظ الإيمان" کی شرح اور توضیح کے سلسلہ میں شائع کی جا چکی ہیں۔

۱-"حفظ الإيمان" میں یہ عبارت اس طرح متن عبارت کو بگاڑا گیا ہے، جی چاہے تو اصل کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

۲-"تحذير الناس" کے مصنف حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی تین صورتیں لکھی ہیں اور ہر طرح کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کی ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمان کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی پیدا ہونے والا نہیں ہے اور مکان کے اعتبار سے خاتم النبیین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی زمین میں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اپنی ذات مقدسہ کے اعتبار سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں، ختم نبوت کے جتنے طریقے تھے، سب کو آپ کی ذات والا پر اس طرح منحصر کر دیا گیا کہ کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی، اس کے لئے جوابات "محذورات عشر" دیکھئے تو حقیقت معلوم ہو۔

۳-مصنف علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ آدمی میں دو قسم کی قوتیں ہیں: ایک قوت علمی، دوسری قوت عملی، پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں، ایک "من حيث التأثير" ایک "من حيث التأثر". جس میں قوت علمیہ "من حيث التأثير" اعلیٰ درجہ کی ہوئی، دوسرا کوئی اس کے مقابل نہ ہو سکے، وہ نبی ہے اور جس میں قوت علمیہ "من حيث التأثر" اعلیٰ درجہ کی ہو، وہ صالح ہے۔

ان چار قسم کے طبقات کو قرآن کریم کی آیت ﴿أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا﴾(۱) میں بیان کیا گیا ہے، یہ مضمون بہت علمی اور دقیق ہے، امت میں بعض حضرات ایسے گزرے ہیں کہ دیکھنے میں ان کا عمل بہت تھا، جسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کیا ہے(۲)، حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزے بہت کثرت سے رکھے(۳)۔

---

(۱) (النساء: ۶۹)

(۲) "عن أنس بن مالك قال: قالت امرأة عثمان بن عفان حين قتلو: لقد قتلتموه وإنه ليحي الليلة بالقرآن في ركعة". (حلية الأولياء، عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۵۵، ۵۶، دار الفكر)

(۳) بخاری شریف میں ان کے بارے میں قصہ مذکور ہے، جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:........................ =

ایسے حضرات بھی گزرے ہیں ایک دن رات میں آٹھ مرتبہ قرآن ختم کیا(۱)۔ایک ہزار نفلیں روزانہ پڑھیں (۲)، اپنی عمر میں ساٹھ حج کئے (۳)عمل کی یہ کثرت حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں،مگر اس کے باوجود کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے، ان حضرات کا یہ عمل بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی ہدایت پر مر مٹنے کے نتیجہ میں تھا،اس میں کون سی اعتراض کی بات ہے،جو لوگوں کو گمراہ اور مشتعل کیا جارہا ہے۔

۴-فقہاء نے کوے کی تین قسمیں لکھی ہیں،ایک وہ جس کی غذا ہی مردار اور غلاظت ہے،وہ کرگس اور گدھ کی طرح حرام ہے۔ایک وہ جس کی غذا صرف غلہ اور دانہ ہے،وہ کبوتر کی طرح حلال ہے۔ایک وہ جو دانہ غلہ بھی کھاتا ہے اور غلاظت بھی کھالیتا ہے،امام ابو یوسف اس کو مکروہ کہتے ہیں،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ مرغی کی طرح حلال ہے کہ وہ بھی دونوں چیزیں کھالیتی ہے،یہی قول راجح ہے(۴)،عنایہ شرح ہدایہ

= "فلقيته بعد، فقال: كيف تصوم؟ قال: كل يوم، قال: وكيف تختم؟ قال: كل ليلة، قال: صم في كل شهر ثلثة ثلثة ... قال: صم أفضل الصوم صوم داود صيام يوم وإفطار يوم...". (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب في كم يقراء القرآن: ۲/۷۵۵، قديمي)

(۱) "وممن ختم أربعا في الليل وأربعا في النهار السيد الجليل ابن الكاتب الصوفي رحمه الله تعالىٰ، وهذا أكثر ما بلغنا في اليوم والليلة". (كتاب الأذكار، كتاب تلاوة القرآن، ص: ۱۳۸، مكتبه دارالبيان)

(۲) "وكان يصلي في كل يوم وليلة ألف ركعة". (البداية والنهاية، السنة الرابعة والتسعين للهجرة، ترجمة علي بن الحسين: ۵/۱۲۸، حقانيه پشاور)

(۳) "قال عبدالله بن عمرو بن العمركي: "سمعت عبدالصمد بن الفضل: سمعت مكيا يقول: "حججت ستين حجة، وتزوجت ستين امرأة، وجاورت بالبيت عشر سنين، وكتبت عن سبعة عشر نفساً من التابعين، ولو علمت أن الناس يحتاجون إليّ لما كتبت عن أحد دون التابعين". (تاريخ الإسلام ووفيات مشاهير الأعلام، الطبقة الثانية والعشرون، ترجمة مكي ابن ابراهيم بن بشير بن فرقد (ع) أبو السكن الحنظلي البلخي: ۵/۶۳۷، رقم الترجمة: ۹ ۰ ۰ ۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "وأما الغراب الأبقع والأسود فهو أنواع ثلثة: "نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف، وليس بمكروه، ونوع منه لا يأكل إلا الجيف وهو الذي سماه المصنف الأبقع الذي يأكل الجيف، وإنه مكروه، ونوع يخلط: يأكل الحب مرة والجيف أخرى، ولم يذكره في الكتاب، وهو غير مكروه عند أبي حنيفة رحمه =

فتاوی عالمگیری (۱)، فتاوی قاضی خان (۲) فتاوی شامی (۳) وغیرہ میں کوے کی قسمیں اور احکام درج ہیں۔

ایک مستقل رسالہ اس مسئلہ پر شائع شدہ ہے، جس میں ہندوستان کے بہت اونچے اہل علم، اہل فقہ، اہل فتاوی کے فتاوی مع الدلائل منقول ہیں، اس کا نام ہے:"فصل الخطاب في تحقيق مسئلة الغراب"، ایک جائز چیز کو لوگ اگر حرام و ناجائز سمجھتے ہوں، تو اس کی حرمت کی تردید کے لئے اس کو استعمال کرنا اور کھانا، تا کہ لوگوں کے عقیدے کی اصلاح ہو جائے اور وہ حلال کو حرام نہ سمجھیں، باعثِ اجر و ثواب بھی ہے۔

۵- یہ محض جھوٹ ہے، ''براہین قاطعہ'' میں کہیں ایسا نہیں لکھا ہے۔

۶- یہ بھی جھوٹ ہے، ''براہین قاطعہ'' میں کہیں بھی ایسا نہیں لکھا ہے۔

''براہین قاطعہ'' بارہا چھپی اور چھپتی رہتی ہے، اس کو منگا کر دیکھ لیا جاوے۔

۷- ''تذکرۃ الرشید'' میں کہیں نہیں لکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیوبندی علماء کے لئے کھانا پکانے آئے تھے۔

۸- جو شخص دہائی کا مفہوم سمجھتا ہے اور شریعت کے اصول سے بھی واقف ہے، اس کو منع ہی کرے گا، مثلاً: کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہو جاوے، خدائے پاک سے دعا کرنے کے بجائے کسی کو پکارے کہ اے فلانے جن یا شیطان یا فلانے مردا مجھے اس مصیبت سے بچا، تو اس کی کہاں اجازت ہے (۴)۔

= الله تعالیٰ، مكروه عند أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ. (قوله: وكذا الغراف) وهو غراب القيظ لا يؤكل. وأصل ذلك أن ما يأكل الجيف، فلحمه نبت من الحرام، فيكون خبيثا عادة، وما يأكل الحب لم يوجد ذلك فيه، وما يخلط كالدجاج والعقعق فلا بأس بأكله عند أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ وهو الأصح". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل: ۹/۵۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني: ۵/۲۸۹، ۲۹۰، رشيديه)

(۲) (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد: ۳/۳۵۷، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۷، ۳۰۸، سعيد)

(۴) "ومنها أنه ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالیٰ، واعتقاده ذلك كفر". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب النذر الذي يقع للأموات: ۲/۴۳۹، سعيد) .... =

۹- خدائے پاک کی جو صفت خاصہ ہے، اس کو کسی غیر کی طرف منسوب کرنا یہ شریک فی الصفات ہے۔ مثلاً: سب اللہ کے بندے ہیں، کسی کو غیر اللہ کا بندہ کہنا یا مثلاً: سب اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، کسی کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیدا کیا ہوا کہنا یا مثلاً: سب کے گناہوں کو معاف کرنا اور بخش دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پھر یہ کہنا کہ فلاں گناہ کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخش دیں گے، فلاں کے گناہوں کو حسین معاف کردیں گے، کتنا غلط تصور اور عقیدہ ہے(۱)۔

۱۰- اگر یہ چیز اسی طرح تقویۃ الایمان میں ہے اور اس کا مطلب یہی ہے تو اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اس کے مصنف پر کیوں کفر کا فتویٰ نہیں دیا، کیونکہ بار بار کفر کے فتوے سے انکار کرتے ہیں، جب کہ وہ ستر وجوہ کفر کی مصنف میں ثابت کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص ان کے کفر اور عذاب میں شک کرے، وہ خود کافر ہے، پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم ان کو کافر نہیں کہتے، تو اپنے اس فتوے کی رو سے کافر نہ کہنے کی وجہ سے وہ خود کافر ہوئے یا نہیں؟

یہ سوال بار بار مولانا احمد رضا خاں صاحب سے بھی کیا گیا، بذریعہ خط بھی اور بذریعۂ اشتہار اور اس پر رسائل بھی لکھے گئے اور آج تک ان کے متبعین سے سوال کیا جارہا ہے، مگر کوئی جواب نہیں آیا، اس مسئلہ پر مستقلاً تین چار کتابیں لکھی گئی ہیں (شائع ہو چکی ہیں) نیز رضا خانیت کی تردید میں حسام الحرمین وغیرہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بھی کتابیں شائع کی جاچکی ہیں، مطالعہ کیجئے:

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۵۲۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/ ۴۲، إمداديه)

(۱) "والشرك أن يثبت لغير الله سبحانه وتعالىٰ شيئاً من الصفات المختصة كالتصرف في العالم بالإرادة الذي يعبر عنه بكن فيكون". أو العلم الذاتي من غير اكتساب بالحواس، ودليل العقل، والمنام والإلهام ونحو ذلك، أو الإيجاد لشفاء المريض". (الفوز الكبير، ص: ۱۸، مكتبه خير كثير)

"فالشرك في الربوبية، فإن الرب سبحانه هو المالك المدبر المعطي المانع الضار النافع الخافض الرافع المذل، فمن شهد أن المعطي أو المانع أو الضار أو النافع أو المعز أو المذل غيره فقد أشرك بربوبيته". (مجموعة الفتاوى لابن تيمية: ۱/ ۴۲، بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۳۶: ۳/ ۱۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۱-الشہاب الثاقب، ۲-مرحوم اسدشین، ۳-قطع الوتین، ۴-غلط فہمیوں کا ازالہ، ۵-اعلیٰ حضرت کا حقہ شریف، ۶-اعلیٰ حضرت کا دین مذہب، ۷-رضا خانی مذہب، ۸-بدعات وممنوعات رضا خانی مذہب کے آئینہ میں، ۹-ابن الوقت کی خانہ تلاشی، ۱۰-معركة القلم، ۱۱-طلوع السهيل على الجعيل، ۱۲-السحاب المدار، ۱۳-الجنة لأهل السنة، ۱٤-انتصاف البري، ۱٥-دافع البهتان، ۱٦-شفاء الصدور الكوكب اليماني على أولاد الزاني، ۱۷ الطين الذورب علىٰ أسود الكاذب، ۱۸-عقائد علماء دیوبند وغیرہ وغیرہ بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں، انگریزی ایجنٹ ہونا دیکھنا ہوتو ''منادی ملا'' (کتاب کا نام) کا مطالعہ کریں۔

نیز وہ رسالہ دیکھیں جس میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا اور انگریزوں کو ظل الله في الأرض تسلیم کیا، اس سلسلہ میں علماء دیوبند کا موقف معلوم کرنا ہوتو ۱-حیات شیخ الہند، ۲-سفرنامہ اسیر مالٹا، ۳-نقشِ حیات، ۴-علماء ہند کا شاندار ماضی، ۵-ریشمی خط کی تحریک کا مطالعہ کریں، جس سے حقیقت روشن ہوگی کہ میدانِ شاملی میں علماء دیوبند نے کس طرح جہاد کیا اور مالٹا میں علماء دیوبند پر کیا کیا مظالم توڑے گئے، نینی جیل، کراچی جیل وغیرہ میں کس طرح یہ حضرات نظربند رہے اور محبوس کئے گئے، آج بریلوی طبقہ کے کچھ لوگ تاریخ کو اس طرح مسخ کرنا چاہتے ہیں، جس طرح علماء دیوبند کے صاف اور صحیح باتوں کو مسخ کرکے قوم میں اشتعال پیدا کرتے ہیں۔

یہی ان کی زندگی کا کل سرمایہ ہے کہ علماء حق کی تکفیر کریں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو ان کے خلاف مشتعل کرکے بھڑکائیں، اس کے علاوہ ان کے پاس زندہ رہنے کا کوئی سامان نہیں ہے، کوئی علمی کام نہیں، ایک کتاب جس کا نام ہے ''تکفیری افسانے''، اس میں ایک بڑی طویل فہرست ہے، اس کو دیکھ کر پتہ چلے گا کہ کتنی بڑی مخلوق کو اعلیٰ حضرت نے فاضل بریلوی نے کافر لکھا ہے اور اتنا بڑا بوجھ کفر کا تیار کیا ہے کہ میدانِ حشر میں اس کو سر پر لے کر حاضر ہوں گے اور علماء حق ان پر دعویٰ کریں گے کہ اس شخص نے ہم کو کافر کہا ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت خان صاحب کا کیا حال ہوگا؟! علماء حق کے سفارش اور شفاعت کرنے والے آقا دو جہاں سید الاولین والاخرین امام المرسلین (فداہ روحی وارواح آبائی) صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ اصحابہ وذریاتہ واہل بیتہ وبارک وسلم ہوں گے۔ اس وقت خان صاحب کے متبعین بھی دیکھیں گے کہ خان صاحب کس طرح اتنے بڑے بوجھ کا تحمل کریں

گے، جس کے نتیجہ میں کفروعذاب کے سوا کچھ نہیں۔فقط واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم.

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۹۶ھ۔

ایضاً

سوال[۱۰۰۱۵]: ہمارے یہاں حیدرآباد میں مولانا پالن پوری کے بیانات کے بعد ایک مختصر رسالہ ''پالن حقانی کی حقیقت اور تبلیغی جماعت کی حقیقت''، ۱۵/صفحات پر مشتمل شائع ہوا، جس میں بہت اعتراضات ہیں (دیوبند، تبلیغ، وہابیت وغیرہ پر)۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''حفظ الایمان''، ص:۷، ۸، کی عبارت ہے کہ:

الف- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبی مراد ہے تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو زید، عمرو بلکہ ہر صبی ومجنون، بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے، گویا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقابلہ نعوذ باللہ جانوروں سے کیا جارہا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

ب- مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ گنگوہی کا نکاح خواب میں مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بانی دارالعلوم دیوبند سے ہوا، جس طرح زن وشوہر کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے، اس طرح ان دو صاحبوں نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔ (تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص:۲۰۹)۔

ج- مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''براہین قاطعہ، ص:۵۱'' میں بحث کرتے ہیں کہ شیطان ملعون کو حضور اکرم سے زیادہ علم ہے اور جو یہ عقیدہ شیطان کے لئے رکھیں وہ مسلمان اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی علم اللہ کے طرف سے دیا ہوا ہے، تو وہ مشرک اور جہنمی ہے۔

د- ایک مرید نے خواب میں کلمہ پڑھا ''لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ'' پریشان ہوکر پیر کے پاس آیا، تو حضرت اس پر خفا نہ ہوئے اور نہ اس سے تجدید ایمان کرایا، نہ تجدید بیعت کرائی، اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو، وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ (رسالہ امداد تھانہ بھون، ص:۲۵)۔

۲- اس اشکال کا پیچھے اشکالوں سے کوئی تعلق نہیں، اگر مرشد دور ہو اور خط وکتابت بھی نہ ہو، تو کیا کسی

دوسرے بزرگ سے رجوع کرسکتے ہیں؟ اگر مرشد زندہ ہو تو کسی دوسرے بزرگ سے بیعت کرسکتے ہیں اور اس کے ذکر وعقیدہ پر عمل کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا، پڑھ کر آپ کی پریشانی کا حال معلوم ہوا، ایک طبقہ کا مستقل مشغلہ یہی ہے کہ وہ اہلِ حق علماء سے عوام کو بدظن کرتا رہتا ہے اور اس سلسلہ میں جس جس قسم کے اعتراضات اس کے امکان میں ہوتے ہیں، شائع کرتا ہے، تقریباً ایک صدی بیت گئی، ان اعتراضات کی تردید میں درجنوں کتابیں لکھی گئی ہیں، صدہا اخبارات میں جوابات دیئے گئے، ہزاروں اشتہارات شائع کئے گئے، لیکن یہ طبقہ ہمیشہ اعتراضات کی تردید کرتا رہتا ہے، حق کی خدمت جس طرح دارالعلوم دیوبند نے کی ہے، وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے، قرآن کریم کی تفسیر، تراجم، حدیث پاک کی شروح، حواشی فقہ پر مسائل فتاویٰ، تزکیۂ باطن، اصلاح قلب، وعظ وتذکیر، غرض دین اسلام کے ہر شعبہ میں اس کی خدمات نہایت ہی نمایاں ہیں۔ جن کا انکار آفتاب پر خاک ڈالنا یا آسمان پر تھوکنا ہے، آج براعظم کا کون سا خطہ ہے، جہاں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور فاضل موجود نہیں ہیں؟ جن کی بدولت باطل اور جہالت کی تاریکی دور ہوکر حق اور علم کی روشنی پھیل رہی ہے، بدعت کے بادل چھٹ کر سنت کا سورج طلوع ہو رہا ہے، مشرکانہ رسوم ختم ہوکر ایمانی اعمال جاری ہو رہے ہیں، قبر پرستی سے طبائع متنفر ہوکر مساجد آباد کرنے کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں۔

دارالعلوم کا یہ فیض بحمد اللہ بڑھتا جا رہا ہے، جگہ جگہ دینی مدارس قائم ہوکر قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں، حلال وحرام کی تمیز قائم ہو رہی ہے، قدیم مدارس سے فارغ ہوکر فضلاء قوم کی ہدایت میں مشغول ہیں، اہلِ باطل ان سب دینی احساسات کی بیداری کو دیکھ کر پریشان ہیں، بوکھلاہٹ میں جو جو نہ کرنا تھا، وہ کر رہے ہیں، لیکن بحمد اللہ ان کے جھوٹ کا پردہ خود قوم چاک کر رہی ہے، سادہ لوح پڑھے لکھے صحیح دینی جذبہ رکھنے والے بھی فریب میں آجاتے ہیں اور اکابر اہل اللہ کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں، لیکن جب حقیقتِ حال پر ان کو اطلاع ہوتی ہے، تو فوراً اپنی بدگمانی سے توبہ کرلیتے ہیں، آپ وہ رسالہ یہاں بھیج دیتے تو

بہتر تھا، جس سے آپ کو شبہات پیدا ہوئے، تاہم آپ کے تحریر کردہ اعتراضات کا جواب نمبر وار تحریر کیا جاتا ہے، حق تعالیٰ تشفی دیں۔

(الف)- اصل سوال یہ تھا کہ زید علم غیب کی دو قسمیں مانتا ہے، ایک بالذات، اس سے تو عالم الغیب خدا کے سوا کوئی متصف نہیں ہوسکتا اور دوسری قسم بواسطہ۔ عالم الغیب سے مراد اصطلاحات شرعیہ میں وہی غیب ہے، جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لئے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو، اسی بناء پر ﴿لا یعلم من في السموات والأرض الغیب إلا اللّٰه﴾(۱) ﴿لو کنت أعلم الغیب﴾(۲) وغیرہ فرمایا گیا ہے اور جو علم بواسطہ ہو، اس پر غیب کا اطلاق محتاج قرینہ ہے، تو بلا قرینہ مخلوق پر غیب کا اطلاق تو ہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہوگا، قرآن مجید میں لفظ راعنا کی ممانعت (۳) اور حدیث مسلم میں عبدی وامی و ربی کہنے سے نہی اسی وجہ سے وارد ہے (۴)۔ اس لئے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا، پھر

---

(۱) (النمل: ٦٥)

(۲) (الأعراف: ۱۸۸)

(۳) "﴿یا أیها الذین اٰمنوا لاتقولوا راعنا﴾ الرعي حفظ الغیر لمصلحته سواء کان الغیر عاقلاً أولا، وسبب نزول الآیة، کما أخرج أبو نعیم في الدلائل عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنه: أن الیهود کانوا یقولون ذلک سرّا لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وسب قبیح بلسانهم، فلما سمعوا أصحابه علیه الصلاة والسلام یقولون: أعلنوا بها، فکانوا یقولون ذلک ویضحکون فیما بینهم، فأنزل الله تعالیٰ هذه الآیة، وروی أن سعد بن عبادة رضي الله تعالیٰ عنه سمعها منهم، فقال: یا أعداء الله! علیکم لعنة الله، والذي نفسي بیده لئن سمعتها من رجل منکم یقولها لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، لأضربن عنقه، قالوا: أولستم تقولونها؟ فنزلت الآیة ونهي المؤمنون سداً للباب، وقطعا للألسنة، وإبعاداً عن المشابهة".

(روح المعاني، البقرة: ۱۰۴: ۱/۳۴۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر، البقرة: ۱۰۴: ۱/۳۲۸، رشیدیه)

(وکذا في جامع البیان للطبري، البقرة: ۱/۳۷۳-۳۷٦، دار المعرفة بیروت)

(۴) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا یقولن أحدکم عبدي فکلکم عبید الله ولکن لیقل: "فتاي" ولا یقل العبد: "ربي" ولکن لیقل، "سیدي".

(صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب حکم إطلاق لفظه العبد والأمة والمولیٰ والسید: ۲/۲۳۸، قدیمي) =

آگے چل کر دو قسمیں بیان فرمائی ہیں کہ زید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب کس بناء پر کہتا ہے، آیا آپ کو ہر غیب کا عالم مانتا ہے کہ کوئی چیز آپ کے علم سے خارج نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور آپ کا علم برابر ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟

اس کے خلاف بے شمار نصوص (آیات) احادیث موجود ہیں، اگر ہر غیب کا عالم نہیں مانتا، بلکہ بعض غیب کا عالم مانتے ہیں، کہ کسی چیز کا علم تھا، کسی کا نہیں تھا، تو ایسی حالت میں یہ لفظ عالم الغیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہی کیوں خاص قرار دیا جاتا ہے، جب کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی ایسی چیز کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے کو نہیں ہوتا، اس کے اعتبار سے وہ غیب ہے، کیا زید سب کو عالم الغیب کہے گا، پھر علم غیب کو من جملہ کمالات نبوی شمار کیوں کیا جاتا ہے، کیونکہ بعض غیب کے لئے تو مرد ہونا بھی شرط نہیں، بلکہ انسان ہونا بھی شرط نہیں۔

لہٰذا زید کے قول پر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آتی ہے، ایک صورت میں خرابی یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دے دیا، جو کہ شرک ہے(۱)۔ دوسری صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی صفت کو کمال قرار دیا جس کے لئے مومن وانسان ہونا بھی ضروری نہیں ہے، ان دونوں خرابیوں کی وجہ سے زید کے قول کو غلط قرار دیا ہے کہ جو کچھ خرابی لازم آتی ہے، وہ زید کے قول پر لازم آئی تھی۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تو وہ قول نہیں جو زید کا قول ہے، پھر زید کے قول پر جو خرابی لازم آئی ہے، اس کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر کے تردید کی ہے، اس کو مولانا تھانوی کا قول اور اعتقاد قرار دینا

= (وكذا في تفسير ابن كثير، الجز: ١، البقرة: ١٠٤: ١/٣٢٨، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الأسامي، الفصل الأول، رقم الحديث: ٤٧٦٠: ٢/١٨٢، دار الكتب العلمية بيروت)

(١) "من اعتقد تسوية علم الله تعالىٰ ورسوله يكفر إجماعاً، اهـ". (الموضوعات الكبرىٰ لملا علي القارئ، ص: ١٦٢، نور محمد)

"وبالجملة فالعلم بالغيب أمر تفرد به الله تعالىٰ، لا سبيل للعباد إليه". (النبراس شرح شرح العقائد، ص: ٣٤٣، مكتبه حقانيه ملتان)

"اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر وناظر، وعالم خفی وجلی در ہر وقت وہر آن ست، اعتقاد شرک است"۔ (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاویٰ: ٤/٣٣١، امجد اکیڈمی لاهور)

صریح ظلم ہے، بہتان ہے، مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حفظ الایمان کی ایک شرح بھی لکھی ہے، جس کا نام ہے ''بسط البنان'' اس میں دریافت کیا گیا تھا:

''مولانا احمد رضا بریلوی یہ بیان فرماتے ہیں اور حسام الحرمین میں آپ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے حفظ الایمان میں اس کی تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے، ایسا ہر بچہ کو اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور چار پائے کو حاصل ہے، اس لئے امور ذیل دریافت طلب ہے:

۱- آیا آپ نے حفظ الایمان میں یا کسی کتاب میں ایسی تصریح کی ہے؟

۲- اگر تصریح نہیں تو بطریقہ لزوم بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے نکل سکتا ہے؟

۳- یا ایسا مضمون آپ کی مراد ہے؟

۴- اگر آپ نے نہ ایسے مضمون کی تصریح فرمائی، نہ اشارہ اور نہ عبارت ہے اور نہ آپ کی مراد ہے، تو ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے یا صراحۃً یا اشارۃً کہے، آپ اسے مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟

اس کا جواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نمبر وار دیا ہے۔

''۱- میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گزرا۔

۲- میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم نہیں آتا، چنانچہ آخر میں عرض کروں گا۔

۳- جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں اور میرے دل میں بھی کبھی اس کا خطرہ نہیں گزرا، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا میری مراد کیسے ہوسکتا ہے؟

۴- جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں، اس لئے کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور اکرم سرور عالم فخر بنی آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی''۔

اور تفصیل سے دلائل اور نقل عبارات کے ساتھ زید کے اعتقاد کی تردید کی ہے، اسی حفظ الایمان میں موجود ہے کہ نبوت کے لئے جو علوم لازم اور ضروری ہیں، وہ آپ کو تمامہا حاصل ہوگئے تھے۔ بسط البنان میں ہے:

''اتصاف شرط ہے جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع علوم عالیہ شریفہ

متعلقہ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے کہ وہ نعوذ باللہ زید وعمرو صبی ومجنون وحیوانات کے علم مماثل آپ کے علم کے بتلائے گا کہ زید وعمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں، یہ علوم تو آپ کے مثل دوسرے انبیاء ملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں، البتہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب خالص الاعتقاد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کا مقابلہ شیطان کے علم سے کیا گیا ہے''۔

شیطان کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وسیع ترنہیں، حفظ الایمان بار بار چھپی اور چھپتی رہے گی، چند صفحات کی کتاب ہے، مکتبہ نعمانیہ دیوبند، سہارنپور یوپی میں بسط البنان چھپی ہے، اس کو منگا کر ملاحظہ کریں۔

ب- حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب دیکھا اور خود ہی تعبیر بھی فرمائی کہ حضرت نانوتوی کی اولاد کی پرورش کرتا ہوں، یعنی حضرت نانوتوی کے متوسلین حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد حضرت گنگوہی کی طرف رجوع ہو گئے تھے، ان کی تربیت اور سلوک حضرت گنگوہی ہی نے فرمائی، جو لوگ فن تعبیر رؤیا سے ناواقف ہیں، ان لوگوں کا خیال خواب کے ظاہر پر جاتا ہے اور اصل حقیقت سے وہ لوگ بے بہرہ ہیں، اگر خواب کا وہی مطلب ہو، جو ظاہر ہے تو مولانا احمد رضا خاں صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت کی ہے، جیسا کہ خاں صاحب کے ملفوظ، حصہ دوم، ص: ۲۲ میں ہے۔

د- اس عبارت کی ایک سطر بلکہ ایک جملہ بھی براہین قاطعہ میں موجود نہیں نہ یہ مفہوم موجود ہے، یہ سراسر بہتان ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''خان صاحب نے مجھ پر یہ بہتان لگایا ہے، اس کا حساب روزِ جزا میں ہوگا''۔

ج- اصل تو یہ غلط ہے کہ خواب دیکھنے والا حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرید تھا، بلکہ وہ تو خواب دیکھنے اور سارا قصہ پیش آنے کے بعد مرید ہوا، مولانا تھانوی نے نہ اس خواب کی تائید کی، نہ خود رسول ہونے کا دعویٰ کیا، بلکہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے خواب میں جو کچھ نکلا، جس کی وجہ سے بیداری میں وہ پریشان ہو کر جان سے تنگ آ گیا اور ایک ایک سانس لینا اس کو دشوار ہو گیا تھا، اس کو بچانے اور تسلی دینے کے لئے یہ بتلایا تھا، جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو، بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے، ایسی حالت میں اس پر خفگی

کا کیا محل تھا، اس کے متعلق تو اندیشہ تھا کہ وہ ہلاک ہو جائے، اس کے بعد وہ مرید ہوا اور اس کی اعتقادی اور عملی اصلاح ہوئی۔

۲- جس کا شیخ مرشد دور ہو، اس کی خدمت میں حاضر ہونے اور صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا، وہ خط کے ذریعہ اپنے حالات لکھ کر ہدایات حاصل کرتا رہے، نیز اس مرشد کے کوئی تربیت یافتہ مجاز یا مرید قریب ہو، تو اپنے مرشد سے اجازت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرے، مرشد جب کہ اہل حق میں سے ہو، خود بھی متبع سنت ہو اور اتباع سنت کی تاکید بھی کرتا ہو، تو اس سے بیعت کا تعلق منقطع نہ کرے، بلکہ اگر وہ اجازت دے تو اس سے استفادہ کرنا اور اس کے بتائے ہوئے وظائف پر عمل کرنا بھی درست و مفید ہوگا۔ ہاں! اگر مرشد متبع سنت نہ ہو، بدعات میں مبتلا ہو یا معاصی کا عادی ہو یا جاہ کا طالب ہو اور مال کا محبّ ہو، وہ خود ہی اس قابل نہیں کہ اسے مرشد بنایا جائے اور ہدایت حاصل کی جائے، بلکہ وہ خود محتاج ہے کہ کسی مرشد برحق سے اپنی اصلاح کرائے۔ فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

امّی کی تشریح

سوال[۱۰۰۱۲]: أمة أمية کے معنی کیا ہیں؟ ان پڑھ جاہل یا کچھ اور؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجمع بحار الانوار: ۱/۹۱، میں اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے:

"يعني على أصل ولادة أمهم لم يتعلمو الكتابة والحساب فهم على جبلتهم الأولى"(۱).

جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، وہ اُمّی ہے۔

---

(۱) (مجموع بحار الأنوار، حرف: أمم: ۱/۱۰۷، مكتبه دار الإيمان، المدينة المنورة)

"(قوله عليه الصلاة والسلام: أمية) منسوب إلى الأم؛ لأنه باق على الحال التي ولدته أمه، ولم يتعلم قراءة ولا كتابة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال: ۴/۳۶۴، رشيديه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۹۳، الهمزة المقصورة، الصدف پبلشرز)

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اُمی تھے، یعنی آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ کو تمام ضروری اور شانِ نبوت کے لائق اتنے علوم عطا فرمائے، کہ کسی کو نہیں ملے، لہٰذا اس موقع پر اُمی کا ترجمہ جاہل کرنا جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۵ھ۔

امت اُمیہ کا مصداق

سوال[۱۰۰۱۷]: اُمت اُمیہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"بعث في الأميين رسولاً، وقيل: نسبة إلى أم القرى. فإن قلت: العرب فيهم الكتاب وأكثرهم كانوا يعرفون الحساب؟ قلت: أن أكثرهم أميون والحساب حساب النجوم، وهم لا يعرفونه الخ". مجمع بحار الأنوار: ۱/۹۱-۹۲. (مطبوعة دائرة المعارف عثمانيه، حيدر آباد)(۱). فقط والله تعالى اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۵ھ۔

کیا عرب سب "اُمی" تھے؟

سوال[۱۰۰۱۸]: اہلِ عرب کیا بالکل ان پڑھ، جاہل تھے اور ان میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا اور ان میں کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے، تو "أمت أميه" سے اہلِ عرب مراد لینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان میں لکھے پڑھے بھی تھے، اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کو لکھوا دیا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، حدیثیں بھی وہ حضرات لکھا کرتے تھے، مگر اس کا عمومی رواج

(۱) (مجمع بحار الأنوار، باب الهمزة مع الميم: ۱/۱۰۷، دار الإيمان مدينه منوره)

نہیں تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۹ھ۔

کم پڑھے لکھے کو مولانا کہنا

سوال[۱۰۰۱۹]: کسی کم پڑھے لکھے کو مولانا ومولوی کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرفاً کم پڑھے لکھے کو ہمارے اطراف میں مولوی صاحب یا مولانا صاحب نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کو کہا جاتا ہے جو فارغ التحصیل یا سند یافتہ ہو، جو ابھی پڑھ رہا ہو، اس کو بھی تفاولاً کہہ دیا جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "وفي حديث كعب بن مالك الذي رواه الإمام مسلم تصريح بأنه كان كاتباً، حيث قال: ... إذا نبطي من نبط أهل الشام ممن قدم الطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدلّ على كعب بن مالك؟ قال: فطفق الناس يشيرون له إليّ حتى جاءني فدفع إليّ كتاباً من ملك غسّان وكنت كاتباً فقرأته". (صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك: ۲/۳۶۲، قديمي)

"قيل: إنما سمّوا أميين؛ لأنهم كانوا لا يكتبون ولا يقرأون الكتابة، وأراد الأكثر الأعم وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ". (أحكام القرآن للجصاص رحمه الله تعالىٰ، الجمعة: ۲: ۳/۲۶۳، قديمي)

"أكثرهم لايكتبون ولا يقرأون". (روح المعاني، الجمعة: ۲: ۲۸/۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) لہذا عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کم پڑھے لکھے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

"والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

.... واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في مسائل". (شرح عقود رسم المفتي، تعريف العرف، ص: ۱۷٦، دار الكتاب)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۱۴، رشيديه)

''مرحبا'' کا مطلب

سوال[۱۰۰۲۰]: لفظ ''مرحبا'' کی اصلیت اوراس کا اردو میں استعمال کا مطلب کیا ہے؟ براہِ کرم جواب میں ارقام فرمائیں کہ از روئے قواعد لفظ مرحبا کون کلمہ ہے، یعنی اسم ہے یا فعل یا حرف؟ اگر فعل ہے تو مصدر ہے یا مشتق؟ اگر مشتق ہے تو اشتقاق میں کون سی قسم ہے؟ بول چال میں امر معلوم ہوتا ہے یا امرونہی محض حروف ہے اور بطور مخاطب کے لئے مستعمل ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ اردو میں فقط حاضر کے لئے مستعمل ہوتا ہے یا غائب کے لئے۔ لفظ مشترک کی حقیقت از روئے نحو قواعد معلوم ہو جائے، اس کے طریقۂ استعمال پر کافی روشنی پڑے گی۔ امید ہے کہ اس معمولی استفتاء کے جواب میں مرحبا کے لغوی معنی اور اس کی حقیقت از روئے قواعد سے رہنمائی کی جائے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحبا عربی میں ترکیب لغوی کے اعتبار سے مفعول مطلق مصدر میمی ہے یا صیغۂ ظرف ہے، بمنزلہ خوش آمدید مستعمل ہوتا ہے یعنی آپ بہتر جگہ تشریف لے آئے، اس کو اپنا ہی مکان سمجھیں، بے تکلف ٹھہریئے، کوئی پریشانی اور وحشت آپ کو نہ ہونی چاہیے، یہ کوئی غیر جگہ نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''قوله ''أهلاً'' أي: أتيت أهلاً لا أجانب ''وسهلا'' أي: وطئت مكاناً سهلاً عليك ولا وعرا. وقال المبرد: هي منصوبة على المصدر أي: رحبت بلادك مرحباً أي: رحباً ''أهلت أهلاً'' أي: تأهلت تأهلا، فقدر له فعلاً'' (شرح الرضي على الكافية، المفعول به: ۱/۳۰۶، قديمي)

''مرحبا بك'' و ''أهلا بفلان'' أي: هذا الدعاء مختص بك، هذا إن فسرت ''مرحباً بموضع الرحب أي: أتيت موضعاً رحيباً وإن فسرته بالمصدر أي: رحب موضعك مرحبا أي: رحبا''. (شرح الرضي على الكافية، المفعول المطلق: ۱/۲۷۴، قديمي)

فتویٰ کا بیان

فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے؟

سوال[۱۰۰۲۱]: حافظ یا مولوی یا قاری یا میانجی وغیرہ فتویٰ دینے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے باقاعدہ فتویٰ سیکھا نہ ہو اور اس کے اندر صلاحیت نہ ہو، اس کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ (صدر مفتی)، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۷ھ۔

غیر عالم سے مسائل پوچھنا

سوال[۱۰۰۲۲]: جو شخص عالم نہ ہو، اس سے مسائل کا دریافت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اپنی رائے سے دینی مسائل بتائے تو اس سے پوچھنا گمراہی کا سامان مہیا کرنا ہے، اگر کتاب میں دیکھ کر بتائے اور معتبر غیر معتبر کو نہ پہچانتا ہو تو اس کے بتائے ہوئے مسائل میں صحیح غلط کی تمیز نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "رأيت في فتاوىٰ العلامة ابن حجر سئل في شخص يقرأ، ويطالع في الكتب الفقهية بنفسه، ولم يكن له شيخ، ويفتي، ويعتمد على مطالعته في الكتب فهل يجوز ذلك أم لا، فأجاب بقوله، لايجوز له الإفتاء بوجه من الوجوه". (مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أفتى بغير علمٍ كان إثمه على من أفتاه". (سنن أبي داود، باب التوقي في الفتيا: ۲/۱۵۹، إمداديه)

(وكذا في شرح عقود رسم المفتي في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/۳۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "وقد رأيت فتاوىٰ العلامة ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: سئل في شخص يقرأ ويطالع في الكتب =

بغیر دلیل کے کسی چیز پر حکم لگانا

سوال[۱۰۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں زید نے یہ دعا پڑھی: الٰہی بحق محمد رسول، دعا مجھ گنہگار کی ہووے قبول' بکر نے اعتراض کیا کہ یہ دعا مکروہ بھی ہے اور ناجائز بھی ہے، اس کا پڑھنا روانہیں ہے، لہٰذا آپ اس مسئلہ کا شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

معرفت: کتب خانہ قاسمی دیوبند

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شئ پر ناجائز یا مکروہ کا حکم بغیر دلیل کے تو نہیں ہوسکتا، بکر کے پاس کوئی دلیل ہوگی، اس سے دریافت کر کے لکھیں، تاکہ اس میں غور کیا جاسکے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۴ھ۔

عالم کا غلط رائے پر اَڑ جانا

سوال[۱۰۰۲۴]: کیا آج کل علمائے دین حق اپنی بات کو اوپر کرنے کے لئے غلط مسئلہ پر بھی اَڑ جاتے ہیں، کیا ان میں اپنی غلطی کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر طبقہ میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کا علم کمزور ہوتا ہے اور اسی علم پر وہ رائے قائم کرلیتا ہے، جو کہ غلط

= الفقهية بنفسه، ولم يكن له شيخ، يفتي ويعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك أم لا؟ فأجاب بقوله: لا يجوز له الإفتاء". (شرح عقود رسم المفتي، من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵، ۱۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قال عليّ مالم أقل، فليتبوأ مقعده من النار، ومن أفتى بغير علم كان إثم ذلك على من أفتاه" الخ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۳۶۵، رقم الحديث: ۸۵۵۵۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من أفتى الناس وليس بأهل للفتوىٰ، فهو اٰثم وعاص". (أعلام الموقعين: ۴/۱۶۶، دارالكتب العلمية بيروت)

ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ پختہ علم اور صحیح رائے عطافرمائے، کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت خطرناک ہے،اس سے اپنا ایمان سلامت رہنا دشوار ہوجاتا ہے،اس لئے کسی مسلمان کو کافر کہنے سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

بغیر علم کے فتویٰ دینا

سوال[۱۰۰۲۵]: عدم تحقیق وثبوت کی صورت میں ظنی طور پر مسئلہ بتانا کیسا ہے؟ جب کہ کبھی تحقیق کے بعد صحیح نکلے اور کبھی غلط ہوجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلاتحقیق مسئلہ بتانا درست نہیں ہے۔

"وفي أثر مرفوع ذكره أبو الفرج وغيره: من أفتى الناس بغير علم لعنته ملائكة السماء وملائكة الأرض" كذا في أعلام الموقعين: ٢/٢٥٦ (٢). والله تعالىٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

تارکِ جماعت عالم کا فتویٰ دینا

سوال[۱۰۰۲۶]: اگر کوئی عالمِ دین مسجد میں جانا اور جماعت کی نماز پڑھنا اپنی آبادی میں ترک

---

(١) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ١/٣٩٨، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم "ياكافر": ١/٥٧، قديمي)

"سمعت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من قال لأخيه "ياكافر" فقد باء بها أحدهما". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، رقم الحديث: ٥٨٧٨: ٢/٢٥٦، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) (أعلام الموقعين، فوائد تتعلق بالفتوى، من أفتى وليس أهلاً للفتوى أثم: ٤/٢٢٣، دارالجيل بيروت)

کردے، جب کہ صرف ایک ہی مسجد ہے اور اذان اور جماعت وقت پر مسجد میں نہ ہو، بلکہ اکثر وقت اذان وجماعت ہوتی ہی نہ ہو اور وہ عالم دین دوسرے گاؤں میں کبھی کبھی جاتا ہے، لیکن دوسری جگہ فتویٰ بہت دیتا ہے کہ یہ جائز ہے، یہ ناجائز ہے، تنخواہ لینا حرام ہے، تو ایسے شخص کے فتویٰ پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فتویٰ جو بھی صحیح ہو، وہ واجب القبول ہے، اگر اس کی صحت میں تردد ہو تو دوسرے معتمد حضرات سے تصدیق وتوثیق کرالی جائے (۱)، ترک جماعت بلا عذر شرعاً نہایت قبیح ومذموم ہے (۲)۔ جو شخص دواماً اس کا تارک ہو، وہ فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے (۳)۔ مسجد میں اذان وجماعت کا نہ ہونا بڑے وبال کی

---

(۱) "قال الشيخ: والذي تقتضيه القواعد أن نفصّل، فنقول: إذا أفتاه المفتي نظر: فإن لم يوجد مفتٍ آخر لزمه الأخذ بفتياه، ولا يتوقف ذلك على التزامه، لا بالأخذ في العمل به ولا بغيره، ولا يتوقف أيضاً على سكون نفسه إلى صحته. وإن وجد مفتٍ آخر، فإن استبان أن الذي أخذه هو الأعلم الأوثق، لزمه ما أفتاه به؛ بناء على الأصح في تعينه كما سبق، وإن لم يتبين ذلك لم يلزمه ما أفتاه بمجرد إفتاءه؛ إذ يجوز له استفتاء غيره وتقليده، ولا يعلم اتفاقهما في الفتوىٰ، فإن وجد الإتفاق، أو حكم به عليه حاكم لزمه حينئذٍ". (آداب الفتوىٰ للنووي، فصل في آداب المستفتي......، الخامسة، ص: ۹۵، دارالكتاب كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقد ناسا في بعض الصلوات، فقال: لقد هممت أن امر رجلاً يصلي بالناس، ثم أخالف إلى رجال يتخلفون عنها، فآمر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم، ولو علم أحدهم أنه يجد عظما سمينا لشهدها" يعني صلوة العشاء". (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجمعة، وبيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية: ۱/۲۳۲، قديمى)

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: "أرادوا بالتأكيد الوجوب. وقيل: واجبة وعليه العامة. قال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۲، رشيديه)

(۳) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "قوله (فاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو =

چیز ہے(۱)۔ تمام اہل بستی کو اس کا انتظام کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۰ھ۔

فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم سے مسئلہ بتانا

سوال[۱۰۰۲۷]: فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے کسی کو مسئلہ بتانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسئلہ کو پوری طرح سمجھ لیا ہے، تو بتانا ہی درست ہے، قیود وشرائط وبسا اوقات مذکور نہیں ہوتیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۵/۳/۹۴ھ۔

مفتی کا فتویٰ اگر واقع کے خلاف ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۰۲۸]: ۱- ہم کہ محمد وصی پسر عبدالسمیع خان قصبہ مئو ضلع اعظم گڑھ، یوپی کے رہنے والے ہیں، چونکہ احقر کا عقد مسماۃ ہاجرہ خاتون دختر محمد ادریس خاں ساکن قصبہ کوپا گنج کے ہمراہ ہوا تھا اور زوجہ میرے مکان پر رخصت ہوکر آئی اور دو یوم مقیم بھی رہی اور بحسن وخوبی یہاں سے رخصت ہوکر اپنے میکہ گئی۔

۲- اس کے بعد احقر متعدد بار اپنی سسرال کو پا گنج گیا اور دو چار دن مقیم بھی رہا۔

۳- احقر نے رخصتی کے لئے بار بار کہا اور بارہا تقاضا کرتا رہا، مگر خسر رخصت کرنے میں حیلہ کرتے

= ذلک". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعید)

(وکذا في الهداية، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شرکت علمیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من ثلثة في قرية ولا بدو لا تقام فيهم الصلاة، إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليک بالجماعة، فإنما يأكل الذئب القاصية". (مشكاة المصابيح، کتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثاني: ۱/۹۶، قديمی)

"وهي نوعان ... سنة الهدى وتاركها يستوجب إساءة ..... كالجماعة والأذان والإقامة فإن هؤلاء كلها من شعائر الدين والإسلام، ولهذا قالوا: إذا أصر أهل مصر على تركها يقاتلوا بالسلاح من جانب الإمام". (نور الأنوار، فصل في الأحكام المشروعة، ص: ۱۶۷، سعيد)

رہے، اس طرح سے ہنوز رخصت نہیں کیا۔

۴- اب معلوم ہوا ہے کہ خسر محمد ادریس کو پانچ نے ایک استفتاء مندرجہ نمبر ۱۹۴۰، ادارہ دیوبند جس کا جواب جناب مفتی صاحب دیوبند سے اس کی موافقت میں صادر فرمایا ہوا ہے، جیسا کہ مندرجہ استفتاء ہے، لہٰذا احقر بحلف روبرو دو گواہان کے بیان کرتا ہے کہ یہ بالکل لغو اور بے بنیاد ہے، احقر نے کبھی بھی اپنی بیوی ہاجرہ خاتون کو اس قسم کی بات نہیں کہی ہے اور نہ تحریر بھیجی ہے، اس لئے اپنا بیان حلفیہ دے کر اپنا دستخط بنا دیا ہے۔

کاتب: محمد یٰسین، گواہ شفیع احمد، گواہ فیض الرحمٰن

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال کو صحیح صحیح لکھنا مستفتی کی ذمہ داری ہے، مفتی کا جواب تو سوال پر ہی مرتب ہوتا ہے، اگر کوئی شخص سوال غلط اور خلافِ واقع لکھ کر مفتی سے جواب حاصل کرے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجرم ہوگا (۱)، مثلاً: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی اور اس پر مفتی نے جواب دیا کہ زید پر اس کی بیوی حرام ہوگئی، تو اس سے وہ حرام جب ہی ہوگی کہ طلاق دی ہو، ورنہ وہ حرام نہیں ہوگی، یا مثلاً: کوئی شخص خنزیر کے گوشت کے متعلق یہ کہے کہ یہ بکری کا گوشت ہے اور مفتی فتویٰ دے دے کہ یہ حلال ہے، تو اس سے وہ بکری کا گوشت بن کر حلال نہیں ہو جائے گا، بلکہ خنزیر ہی کا گوشت رہے گا اور حرام ہی رہے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص سوال کرے فلاں عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت گزر گئی ہے، اس سے نکاح زید کا درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مفتی نے جواب دیا کہ بعد عدت درست ہے اور واقعۃً اس کو طلاق نہ دی گئی ہو، یا

(۱) "عن أم سلمة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنما أنا بشر وإنكم تختصمون، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، وأقضي له على نحو مما أسمع، فمن قضيت له من حق أخيه شيئاً فلا يأخذ، فإنما أقطع له قطعة من النار". (الصحيح للإمام البخاري، كتاب الحيل، باب، رقم الحديث: ۶۹۶۷، ص: ۱۲۰۱، دار السلام رياض)

(وصحيح للإمام مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، رقم الحديث: ۱۷۱۳، ص: ۷۵۹، دار السلام رياض)

(وسنن أبي داود، كتاب الأقضية، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، رقم الحديث: ۳۵۸۳: ۳/۳۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

عدت نہ گزری ہو، تو اس کا نکاح زید سے درست نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حنفی المسلک مفتی کا شافعی فقہ پر فتویٰ دینا

سوال[۱۰۰۲۹]: کیا شافعی المسلک مفتی، حنفی مسلک کے مطابق اور حنفی المسلک مفتی، شافعی مسلک کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مفتی سے سوال کیا کہ فلاں مسئلہ میں حضرت امام شافعی کا کیا فتویٰ ہے، تو حنفی مفتی کو چاہیے کہ جواب اس طرح دے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے، (کسی شافعی کو امام شافعی کا فتویٰ پوچھنا ہو تو شافعیہ سے پوچھے) الغرض اپنے امام کا مذہب چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینے کا حق نہیں (۱)۔ الا یہ کہ فقہاء مجتہدین نے کسی خاص مسئلہ میں ضرورتِ شدیدہ کے موقع پر کہ بغیر اس کے چارہ نہ ہو، فتویٰ دیا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۹ھ۔

---

(۱) "وأما المقلد، فلا ينفذ قضاؤه بخلاف مذهبه أصلاً كما في القنية، قلت: ولا سيمافي زماننا، فإن السلطان ينص في منشوره على نهيه عن القضاء بالأقوال الضعيفة، فكيف بخلاف مذهبه، فيكون معزولاً بالنسبة لغير المعتمد من مذهبه، فلا ينفذ قضاءه فيه". (الدرالمختار). "قوله: (فكيف بخلاف مذهبه) أي: فكيف ينفذ قضاءه بخلاف مذهبه؛ لأنه إذ أنهاه عن القضاء بالأقوال الضعيفة في مذهبه لا ينفذ قضاؤه فيها بخلاف مذهبه بالأولى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، مقدمة: ۱/۷۶، سعيد)

(وكذا في شرح عقود رسم المفتي، مطلب الصحيح أن قضاء المقلد بمذهب بالغير أو بالضعيف لاينفذ، ص: ۲۰۷-۲۰۹، دارالكتاب كراچى)

(وكذا في التصحيح والترجيح مع اللباب، مقدمة المؤلف، ص: ۱۲۹، ۱۳۰، صديقي پبلشرز كراچى)

(۲) كما أفتى علماء الهند بمذهب المالكية في مسئلة المفقود والعنين والمتعنت.

فرضی مسئلہ دریافت کرنا

سوال[۱۰۰۳۰]: اگر کوئی مسلمان مرد خدانخواستہ زبان سے کوئی کلمۂ کفر کہہ دے، جس سے کہ وہ کافر ہو جائے، مثلاً: خدا کو گالی دے دے، یا کسی شرعی بات کا منکر ہو جائے اور وہ اپنی عورت سے صحبت کرے اور حمل پڑ جائے اور مثلاً: لڑکی پیدا ہو جائے، تو میرے بزرگانِ دین! تو وہ لڑکی حرام ہے یا حلال؟ کیونکہ وہ مرد کافر ہو گیا تھا اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا تھا اور اس نے عورت سے صحبت کی، تو وہ زنا ہو گیا، وہ حمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بات واقعۃً پیش آئی ہو، صحیح صحیح لکھ کر اس کا حکم دریافت کرنا چاہیے، فرضی باتیں مثلاً مثلاً کہہ کر ایسے امور میں پوچھنا ٹھیک نہیں، کافر ہو جانا بہت سخت ہے، اللہ پاک محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دارالعلوم دیوبند میں مفتی کی ضرورت

سوال[۱۰۰۳۱]: علمائے دیوبند کا عمل صرف قرآن وحدیث سے ہے، تو مدرسہ دیوبند میں مفتی کیوں ہوئے ہیں؟ ان کا کام کیا ہوتا ہے؟ مفتی صاحب جو فیصلہ دیتے ہیں، وہ قرآن کے چار نمبر سے دیتے ہیں، یا حدیث کے حوالہ سے دیتے ہیں؟ لکھ کر دو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شخص میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ قرآن کریم اور حدیث شریف سے مسئلہ نکال سکے اور سمجھ سکے، اس لئے مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی موجود رہتے ہیں، جو کہ قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت شدہ مسائل کو بتلاتے رہتے ہیں اور قوم کو بہت بڑی سہولت حاصل ہو جاتی ہے، کہ مسائل بکھرے ہوئے معلوم ہوتے رہتے ہیں، بسا اوقات اہل علم کو اشکالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کو بھی جواب حاصل کر کے اشکالات رفع کرنا آسان ہو جاتا ہے، غلط فرقے اپنی جہالت یا اختلال وتلبیس سے دین میں دخل اندازی سے مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹانے کی تدبیر میں لگے رہتے ہیں، ان کی جہالت اضلال تلبیس کا دجل بھی ختم کر دیا جاتا ہے اور براہین قاطعہ کی روشنی میں صراط مستقیم واضح ہو کر حفظ ایمان کی توفیق ہو جاتی ہے، اس لئے مفتیوں کو رکھے ہوئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باب مایتعلق بالقرآن الکریم

(تفسیر کا بیان)

قرآن کریم میں صیغہ جمع وصیغہ مفرد کی تفصیل

سوال[۱۰۰۳۲]: شخصے می گوید که در قرآن کریم صیغه توحید نیست مگر چند جا زیرا که عبارت قرآن کریم بصیغۂ جمع تلفظ می فرماید، بناءً علیه در تصوف هم توحید ذاتی نمایاں نیست، زیرا که در تصوف هم توحید را تقسیم کرده اند، در قرآن حکیم مثالش: ﴿نحن نزلنا الذکر﴾(۱) دیگر: ﴿إنا إلیکم لمرسلون﴾(۲)، ﴿إنا أعطیناك الکوثر﴾(۳)، ﴿إنا إلی ربنا لمنقلبون﴾(٤) ﴿إن إلینا إیابهم ثم إن علینا حسابهم﴾(۵).

بسیارے که قرآن کریم بصیغه جمع تلفظ می فرماید.

الجواب حامداً ومصلیاً:

صیغه جمعه برائے واحد هم مستعمل می شود، در زبان عربی وفارسی ایں استعمال بے شمار است. پس در هر جا صیغۂ جمع را برائے تعدد فهمیدن ومنافی توحید دانستن سراسر خطا است. قرآن کریم بنیاد ایمان بر توحید نهاده است ﴿قل هو الله

(۱) (الحجر: ۹)

(۲) (یس: ۱٦)

(۳) (الکوثر: ۱)

(٤) (الزخرف: ۱٤)

(۵) (الغاشیة: ۲۵، ۲٦)

أحد﴾ الآية(۱)، ﴿إياك نعبد وإياك نستعين﴾ الآية(۲)، ﴿إلهكم إله واحد﴾ الآية(۳)، ﴿لم يكن له شريك﴾ الآية(٤). وبر توحيد مشركين اعتراض وتعجب مى نمودند.

﴿أجعل الآلهة إلها واحداً إن هذا لشيء عجاب﴾(٥) وتصوف كه منتهاو مقصود داد احسان است. "أن تعبد الله كأنك تراه". الحديث(٦). بر توحيد مبنى است وهيچ گونه شرک را روا ندارد. چنانچه اول ذکر در تصوف همین است. "لا إله إلا الله" كه اين كلمه در كلام مجيد ودر حديث شريف نيز آمده وجميع صحابه كرام ومن بعدهم همه اين كلمه را راس ايمان، راس تصوف نگاشته اند. والله سبحانه وتعالى اعلم.

حرره العبد محمود غفرله، دارالعلوم ديوبند، ۱۲/۸/۹۲هـ.

---

(۱) (الإخلاص: ۱)

(۲) (الفاتحة: ۴)

(۳) (البقرة: ۱۶۳)

(۴) (الإسراء: ۱۱۱)

(۵) (ص: ۵)

(۶) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، ص: ۱۱، قديمى)

ترجمۂ سوال: "ایک آدمی کہتا ہے کہ قرآن کریم میں چند مقامات کے علاوہ صیغۂ توحید نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی عبارت صیغۂ جمع کے ساتھ تلفظ فرماتا ہے، اسی بناء پر تصوف کے اندر توحید ذاتی نمایاں (اجاگر) نہیں، کیونکہ تصوف میں بھی توحید و تقسیم پایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثال ﴿نحن نزلنا الذکر﴾ دوسری مثالیں ﴿إنا إليكم لمرسلون﴾ الخ (الغرض) قرآن کریم اکثر صیغۂ جمع کے ساتھ تلفظ فرماتا ہے"۔

ترجمۂ جواب: "صیغۂ جمع واحد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہ استعمال عربی اور فارسی زبان میں بے شمار موجود ہے، لہذا ہر جگہ صیغۂ جمع کو تعدد کے لئے سمجھنا اور توحید کے منافی جاننا سراسر غلطی ہے، قرآن کریم نے ایمان کی بنیاد توحید پر رکھی ہے، ﴿قل هو الله أحد﴾ ... الخ اور توحید کے اوپر مشرکین نے اعتراض کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا "أجعل الآلهة الخ" تصوف جس کا منتہا اور مقصود احسان (جو کہ) "أن تعبد الله كأنك تراه" ہے توحید پر مبنی ہے اور کسی قسم کے شرک کو جائز نہیں رکھتا، چنانچہ تصوف میں سب سے پہلا ذکر یہ ہے کہ "لا إله إلا الله" اور یہ کلمہ کلام مجید اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے اور تمام صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والوں نے اس کلمہ کو ایمان اور تصوف کی بنیاد قرار دیا ہیں"۔

"ادعونی استجب لکم" کا مطلب

سوال[۱۰۰۳۳]: "ادعونی" اجابت پر مستحکم یقین بہتر ہے، یا پھر یہ بھی سوچنا، خبر نہیں ہوگا کہ نہیں۔ یعنی کسی دعا پر سفارش پر حفاظت کا وعدہ ہے، اس کو پڑھنا ایسا کہ بلا تردد بلا تامل مطمئن ہوجائے، کہ تخلف کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، یا تاہم یہ سوچے کہ خبر نہیں کہ موعودیہ شیٔ ملے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آداب دعا میں سے یہ بھی ہے کہ استجابت دعا پر پورا وثوق ہو کہ وعدہ ہے، "استجب لکم" (۱) لیکن اگر باری تعالیٰ کے علم میں اس دعا کا میری منشا کے مطابق پورا نہ ہونا میرے حق میں خیر ہو تو میں اس پر راضی ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

"فتلقیٰ آدم من ربہ" کلمات کی تشریح

سوال[۱۰۰۳۴]: سورۃ البقرہ کے بارے میں کہ آیت نمبر ۳۷، ترجمہ روشن چراغ، ص: ۷۔

ترجمہ: "پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کردیا، بے شک وہ معاف کرنے والے اور صاحب رحم ہے"۔

نوٹ: لوگ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا یوں کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے نام کے برابر جو نام نامی تحریر تھا، عرش اعظم لوح محفوظ پر اس کے صدقہ میرا قصور معاف فرمادے، تو اللہ تعالیٰ نے قصور معاف

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: إذا دعا أحدكم فليعزم المسئلة، ولا يقولن أحدكم: "اللهم إن شئت فأعطني، فإنه لا مستكره له". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب ليعزم المسئلة فإنه لا مكره له: ۹۳۸/۲، قديمي)

"السابع: أن يجزم بالطلب ويوقن بالإجابة ويصدق رجاء ه فيها". (كتاب الأذكار، كتاب جامع الدعوات، باب اداب الدعاء، ص: ۴۹۰، مكتبه دار البيان)

(وكذا في إحياء علوم الدين، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الثاني في اداب الدعاء وفضله ... الخ، اداب الدعاء وهي عشرة: ۳۹۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فرمادیا تو کیا یہ روایت درست ہے؟ یا قرآن پاک کی آیت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ خاص کلمات یاد کرائے، آدم علیہ السلام نے ان کلمات کو ادا کیا تو اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس آیت سے متعلق یہ بھی ایک قول ہے، جس کو روح المعانی ص: ۲۳۷(۱) میں قیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

"قيل رأى مكتوباً على ساق العرش محمد رسول الله فتشفع به".

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو قول مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا مصداق ﴿ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا﴾ الآية ہے(۲)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا مصداق: "اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفرلي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت" ہے(۳)۔ تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر میں دوسرے اقوال بھی منقول ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۴ھ۔

---

(۱) (روح المعاني، البقرة: ۳۷: ۱/۲۳۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقالت طائفة: رأى مكتوباً على ساق العرش (محمد رسول الله) فتشفع بذلك". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۳۷: ۱/۲۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المنثور: ۱/۱۴۲، دار الفكر بيروت)

(۲) "والمروي في المشهور عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أن هذه الكلمات هي ﴿ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا﴾ الآية". (روح المعاني، البقرة: ۳۷: ۱/۲۳۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱/۲۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المنثور: ۱/۱۴۲، دار الفكر بيروت)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مذکورہ روایت تتبع کے باوجود نہیں ملی، البتہ مذکورہ کلمات ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں:

"وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أنها سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك لا إله إلا أنت ظلمت نفسي فاغفرلي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت". (روح المعاني، البقرة: ۳۷: ۱/۲۳۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير النيسابوري على هامش الطبري: ۱/۲۹۱، دار المعرفة) =

﴿ومبشراً برسول يأتي من بعدي اسمه أحمد﴾ کا مطلب

سوال [۱۰۰۳۵]: گزارش یہ ہے کہ آج کل ایک قادیانی نے میرے ایمان میں شک ڈال دیا، انہوں نے وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق کئی آیتوں سے استدلال کرکے وفات ثابت کرنے کی کوشش کی، دیگر آیتوں پر تو میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی، مگر ایک آیت ایسی پیش کرنے کی وجہ سے میں شک میں پڑ گیا ہوں اور وہ آیت یہ ہے:

﴿ومبشراً برسول يأتي من بعدي اسمه أحمد﴾.

اس کا استدلال یہ ہے کہ اس میں بعدی سے مراد میری وفات کے بعد ہے۔ اگر بعدی سے مراد یہ لیا جائے کہ میرے آسمان پر جانے کے بعد، تو اس میں آسمان کا لفظ موجود نہیں ہے اور اگر یہ مراد لیا جاوے کہ میرے پیچھے آئے گا، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمانوں پر چلے گئے ہیں، لہٰذا مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ ان کے ضمیر کے مطابق اس کے کیا معنی ہوں گے؟ جواب تحریر کرتے وقت "لانبي بعدي" میں جو "بعدي" کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی بھی سامنے رکھ کر جواب دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"من بعدي" کا ہمیشہ یہی مطلب نہیں ہوتا کہ میرے مرجانے کے بعد، باپ کہیں سفر میں جاتا ہے تو نصیحت کر جاتا ہے کہ میرے بعد ایسا کرنا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ میرے مرنے کے بعد، استاد کچھ دیر کے لئے مدرسے سے باہر جاتا ہے تو طلباء سے کہتا ہے کہ میرے بعد شرارت نہ کرنا۔ ایک ضلع میں ایک کلکٹر ہے، اس کا تبادلہ تجویز ہے، اس کو بتایا نہیں گیا کہ تبادلہ کہاں ہوگا، وہ اپنے ماتحتوں سے کہتا ہے کہ میرے بعد کلکٹر (۱) فلاں شخص

= ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

"وعن ابن عباس (رضي الله تعالى عنهما) ووهب بن منبه أن الكلمات: سبحانك اللهم وبحمدك لا إله إلا أنت عملت سوءاً، وظلمت نفسي فاغفرلي إنك خير الغافرين. سبحانك اللهم وبحمدك لا إله إلا أنت عملت سوءاً وظلمت نفسي فتب علي إنك أنت التواب الرحيم". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱/۲۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "کلکٹر: ضلع کا بڑا افسر، محصل، وصول کرنے والا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۹، فیروز سنز، لاہور)

ہوگا، اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا (یا اس کو معلوم ہو چکا ہے کہ فلاں شخص آئے گا) تو اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ موجودہ کلکٹر کے مرنے کے بعد دوسرا کلکٹر آئے گا، اگر بالفرض اس کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ اس کا تبادلہ کہاں ہوگا۔ تو یہ ضروری نہیں کہ ماتحتوں کو اپنے تبادلہ کا مقام بتا بھی دے، مقصد اس کلکٹر کا یہ ہے کہ میں اس وقت اس ضلع میں تعینات ہوں، میری تعیناتی یہاں سے ختم ہونے پر دوسرا کلکٹر آئے گا، اس کی تعیناتی ختم خواہ دوسرے ضلع میں منتقل ہوکر ہو، خواہ ریٹائر ہوکر ہو، خواہ کسی اور طرح ہو، کوئی معمولی سمجھ والا بھی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ کلکٹر صاحب اپنے مرنے کے بعد کے لئے یہ ہدایت دے رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت میری لائی ہوئی کتاب انجیل پر عمل ہے اور اس پر عمل کرانے کے لئے میں بحیثیت رسول متعین ہوں، لیکن میں خاتم النبیین نہیں ہوں، میرے لائے ہوئے احکام ہمیشہ کے لئے نہیں، بلکہ اللہ کے علم میں ایک حیات مقرر ہے، اس کے ختم ہونے پر دوسرے رسول آئیں گے، جن کا نام مبارک ''احمد'' ہے، ان پر ایمان لانا ضروری ہے، ان کی تشریف آوری پر ان کے لائے ہوئے احکام پر عمل کرنا ہی ذریعۂ نجات ہوگا، اس وقت میرے لائے ہوئے احکام پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ وہ منسوخ ہو جائیں گے(۱) ہوسکتا ہے، اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا ہی نہ گیا ہو کہ ان کو آسمان پر اٹھایا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو تو علم ہو، لیکن اپنے ماتحتوں پر اظہار نہ فرمایا ہو، پھر جب کہ قرآن پاک میں صاف صاف موجود ہے: ﴿وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ إلیہ﴾(۲) یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا ہے۔

یہاں ''رفع'' سے مراد رفع جسمانی ہے، نہ کہ رفع درجات (۳)، اس لئے کہ یہود جس چیز کو قتل کرنا

(۱) ''والمقصد أن الأنبياء عليهم السلام لم تزل تنعته، وتحكيه في كتبها على أممها، وتأمرهم باتباعه ونصره، وموازرته إذا بعث ... الخ''. (تفسير ابن كثير، الصف: ۶: ۲۲۳، دار السلام)

(۲) (النساء: ۱۵۸)

(۳) ''وأما رفع عيسى عليه الصلاة والسلام فاتفق أصحاب الأخبار والتفسير على أنه رفع ببدنه''. (التلخيص الحبير، كتاب الطلاق، رقم: ۱۷۰۲: ۲: ۱۲۵۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكه)

''معنى قوله: ﴿إني متوفيك﴾ أي: منهم عمرك، فحينئذ أتوفاك فلا أتركهم حتى يقتلوك، بل رافعك إلى سمائي، ومقربك بملائكتي، وأصونك عن أن يتمكنوا من قتلك، وهذا —

چاہتے تھے وہ جسم ہی تھا، اس کی نفی کی گئی ہے، اس کا رفع بتلایا گیا ہے، اس لئے لفظ ''بل'' لایا گیا ہے۔ درجات کا قتل کرنا، نہ یہود کے ذہن میں تھا، نہ بس میں۔ پھر ﴿وما قتلوہ یقیناً﴾ کے بعد ﴿رفعہ اللہ إلیہ﴾ فرمانے سے ان کی تردید اور ان کے غلط عقیدہ کا ابطال کیسے ممکن ہے۔ نیز احادیث صحیحہ سے رفع جسمانی ثابت ہے (۱) اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے (۲)، جس کے مقابلہ میں قادیانی کی تاویلاتِ رکیکہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

حدیث پاک میں ''لا نبي بعدي'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی آجانے کے بعد جب کہ آپ کی تعیناتی ہوگئی، تو کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ کی تعیناتی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ بھی متبع ہوں گے، مستقل تعیناتی ہونے کی حیثیت سے اپنے لائے ہوئے احکام انجیل پر عمل کرانے کے لئے تشریف نہیں لائیں گے (۳)۔

= تأويل حسن". (التفسير الكبير، آل عمران: ۶۸/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"أي مستوفي أجلك، ومعناه أني عاصمك من أن يقتلك الكفار ومميتك حتف أنفك لا قتلاً بأيديهم (ورافعك إلي) إلى سمائي ومقر ملائكتي". (تفسير مدارك، آل عمران: ۱/۱۶۸، قديمي)

(۱) "عن سعيد بن المسيب قال: رفع عيسى ابن مريم وهو ابن ثلاث وثلاثين سنة ومات معاذ بن جبل وهو ابن ثلاث وثلاثين سنة". (مستدرك على الصحيحين، كتاب معرفة الصحابة، رقم الحديث: ۵۱۷۳: ۳/۳۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن الحسن رضي الله تعالى عنه: أنه لما قتل علي، قام خطيبا فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد! والله لقد قتلتم الليلة رجلاً في ليلة نزل فيها القرآن وفيها رفع عيسى ابن مريم ....". (كنز العمال، كتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة: ۱۳/۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فإن المراد الأولى وهو رفع جسده إلى السماء إجماعاً بلا فصل، والدليل القاطع على ذلك أن هذه الآيات قرنت على وفد نجران باتفاق علماء النقل، ونزلت لإصلاح عقيدتهم، وعندهم أن عيسى عليه السلام رفع بشخصه وجسده .... الخ". (عقيدة الإسلام، فصل في قوله تعالى: ﴿ورافعك إلي﴾: ۱۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "فإن قيل: قد ورد في الحديث نزول عيسى بعده، قلنا: نعم! لكنه يتابع محمدا عليه السلام: لأن شريعته قد نسخت، فلا يكون إليه وحي ونصب الأحكام، بل يكون خليفة رسول الله عليه السلام". (شرح عقائد النسفية للتفتازاني، ص: ۱۰۱، طبع فرنگي محل) .... =

اس تشریح کے ذریعہ سے اس شخص کی نبوت بھی باطل ہوگئی جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں وفات سے قبل ہی دعویٰ نبوت کرے، جیسے اسود عنسی۔ "من بعدي" کی ایک نظیر قرآن پاک سے اور پیش کرتا ہوں: ﴿بئسما خلفتموني من بعدي﴾(۱)۔ یہاں موت کے معنی کا امکان ہی نہیں۔

اس کے بعد غور طلب امر یہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے متعلق اجماعی عقیدہ ہے، اس کو غلط قرار دینے پر آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا مدار ہے۔ اس دعویٰ اور دلیل میں ربط کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہر حال بشر ہیں، ایک روز ان کو بھی موت آئے گی، تو کیا ان کی موت سے اس وقت کے تمام لوگ نبی ہو جائیں گے، یا جس وقت مرزا کے نزدیک موت آئی تھی، اس وقت سب لوگ نبی بن گئے تھے، مرزا کی نبوت کو ان کی وفات سے تعلق کیا ہے، کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہو، فوراً مرزا کی نبوت تسلیم کرلی جاوے۔

ایک اصولی چیز بھی ذہن میں رکھیں، وہ یہ کہ قرآن پاک کا صحیح مطلب وہ ہے جو کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سمجھانے سے سمجھا، پھر صحابہ کرام کو سمجھایا، پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد کے لوگوں کو سمجھایا۔ وهلم جراً۔

= "إن عيسىٰ عليه الصلاة والسلام مع بقائه على نبوته معدود في أمة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وداخل في زمرة الصحابة رضي الله تعالى عنهم، فإنه اجتمع بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو حيّ مؤمنا به ومصدقا ..... إنما يحكم عيسىٰ بشريعة نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالقران والسنة. عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا! إن ابن مريم ليس بيني وبينه نبي ولا رسول إلا أنه خليفتي في أمتي من بعدي". (الحاوي للفتاوىٰ، كتاب الأعلام بحكم عيسىٰ عليه السلام: ۲/۱۸۸، ۱۹۵، دار الفكر)

"أن سعيد بن المسيب سمع أباهريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده ليوشكن لينزلن فيكم ابن مريم حكما". الحديث ..... قوله: (حكما) أي: حاكما، والمعنى: أنه ينزل حاكما بهذه الشريعة، فإن هذه الشريعة باقية لا تنسخ، بل يكون حاكما من حكام هذه الأمة الخ". (فتح الباري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى بن مريم عليه السلام: ۶/۴۹۰، ۴۹۱، دار المعرفة)

(۱) (الأعراف: ۱۵۰)

پس اگر کوئی شخص قرآن پاک کی کسی آیت کا ایسا مطلب بیان کرے، جو نہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمجھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا، نہ انہوں نے کسی کو سمجھایا، بلکہ سب کے خلاف ہے، تو وہ درحقیقت قرآن پاک کا مطلب نہیں ہے، بلکہ خود اس کے نفس کا تراشیدہ مطلب ہے، جو شیطان مضل کے مشورہ سے تجویز کیا گیا ہے، اس کو خدائے پاک اور قرآن کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۵/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۵/ ۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(تجویداور ترتیب قرآنی کا بیان)

بغیر تجوید کے قرآن کریم پڑھنا

سوال[۱۰۰۳۲]: ۱... قرآن شریف پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ ادنیٰ سے ادنیٰ طریقہ کیسے پڑھنا چاہیے؟

۲... مثلاً تراویح میں حافظ صاحب قرآن شریف سنتے ہیں اور ایسی جلدی پڑھتے ہیں کہ حروف مد (واو، الف، یا) کو جتنا کھینچنا چاہیے تھا نہیں کھینچ، مثلاً في قوله تعالیٰ: ﴿لو أنزلنا﴾ کی جگہ "لو أنزلن" الف کو نہیں کھینچا۔ اگر پڑھنے والا قرآن شریف کے معنی جاننے والا ہے تو کیا ہوگا؟ اور مقتدی عالم کا کیا حکم ہوگا؟ اور مقتدی امی کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر پڑھنے والا قرآن شریف کا جاننے والا نہیں ہے، صرف حافظ قرآن ہے، تو پھر عالم مقتدی اور امی کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کو تجوید وترتیل سے پڑھنا چاہیے۔ قصداً تجوید وترتیل کو ترک کرنا درست نہیں (۱)۔

"والأخذ بالتجويد ثم لازم من لم يجود القرآن آثم".

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ورتل القرآن ترتيلا﴾ (المزمل: ۴)

"﴿ورتل القرآن﴾ أي: في أثناء ما ذكر من القيام أي: اقرأه على تؤدة وتبيين حروف". (روح المعاني، المزمل: ۲۹/ ۱۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"في شرح المهذب: واتفقوا على كراهة الإفراط في الإسراع قالوا: وقراءة جزء بترتيل أفضل من قراءة جزئين في قدر ذلك الزمان بلا ترتيل". (الإتقان في علوم القرآن، النوع الخامس والثلاثون، في آداب تلاوته وتاليفه: ۱/ ۱۵۱، دار الفكر)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، باب كيفية التلاوة لكتاب الله: ۱/ ۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

لیکن عام لوگ تجوید حاصل نہیں کرتے، علوم سے ناواقف ہیں، اس غلبۂ جہل کی بناء پر فقہاء نے جواز نماز میں توسع سے کام لیا ہے، جواہلِ علم ہیں یعنی معنی سمجھتے ہیں وہ بھی اکثر مسائل تجوید سے واقف نہیں، نہ ترتیل کی مشق کرتے ہیں، نہ سب حفظ کا اہتمام کرتے ہیں، نہ سارے حافظ تراویح میں سناتے ہیں، اس لئے ایسی غلطیوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے، جن میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ایسی غلطیوں کے متعلق کچھ قواعد بھی لکھے ہیں، فتاویٰ شامی، فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، کبیری وغیرہ کتب فقہ میں بہت جزئیات بھی جمع کردی گئی ہیں۔ صورت مسئولہ میں بھی توسع ہے۔ قصداً اس طرح پڑھنا جائز نہیں، کوئی عالم مقتدی ہو اور وہ سمجھے کہ معنی بالکل بگڑ گئے، کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے، تو وہ ایسی نماز کا اعادہ کرادے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۱۸ھ۔

لفظ ''اللہ'' میں مد کی مقدار

سوال[۱۰۰۳۷]: یہاں پر ایک مولوی صاحب سے بحث ہوگئی ہے کہ لفظ ''اللہ'' پر مد کتنا ہونا چاہیے، الف کے برابر یا کم، بعض کہتے ہیں کہ اس میں مد جائز ہی نہیں، جلالت کے لئے مد صرف ''لا إلـه إلا اللّٰہ'' میں خاص ہے، یہ مسئلہ قرأت میں کس طرح ہے، ہندو عرب والوں کا عمل اس میں کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

المد في إسم الجلالة (اللّٰه) مد طبعي، في حالة الوصل مقدار ألف كما قال في خلاصة البيان، ص: ۲۱: والمد طبعي، وهو إطالة المد بحسب الطبع مع عدم السبب، ومقداره بقدر الألف لا أزيد ولا أنقص، سواء كانت المدة مرسومة نحو: قال، يقول قيل أم لا نحو: رحمن الخ ... أما في حالة الوقف فمد عارضي يجوز فيه الطول بثلث ألفات للسكون، ثم التوسط بألفين، ثم القصر بألف بجواز التقاء الساكنين في الوقف، ولعدم الاعتداء بالعارض وهو الكون الوقفي بالإسكان أو بالإشمام لا بالروم للحركة فح قصر فقط. خلاصة البيان، ص: ۲۲(۱).

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۵ھ۔

(۱) (خلاصة البيان، ص: ۱۶، ۱۷، إدارة اسلاميات)

آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب

سوال[۱۰۰۳۸]: قرآن شریف کی ترتیب کس لحاظ سے ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ آخری آیت ﴿اليوم أكملت لكم﴾ الآية(۱) اور بعض جگہ ﴿واتقوا يوماً ترجعون فيه إلى الله﴾(۲) ہے، آپ مفصل مدلل لکھیں کہ قرآن کریم کی ترتیب، نقطے دار اعراب کس نے لکھوائے اور سورتیں کس طرح الگ بنائی گئیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ ترتیب، نزول ترتیب نہیں ہے۔ کوئی آیت یا کوئی سورت نازل ہوتی تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمادیا کرتے کہ اس کو فلاں آیت یا فلاں سورۃ سے پہلے یا بعد میں رکھو، یہ تعیین نصاً تھی (۳)، پھر جب سب کو ایک جگہ جمع کیا گیا تو اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا، اولاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت جنگِ یمامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے جمع کیا (۴)، پھر اس میں زائد

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) (البقرہ: ۲۸۱)

(۳) "روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا نزلت عليه سورة دعا بعض من يكتب، فقال: ضعوا هذه السورة في الموضع الذي يذكر فيه كذا وكذا". (مناهل العرفان، المبحث الثامن في جمع القرآن بمعنى كتابته في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۷۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"... فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب، فيقول: ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا ... الخ". (الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه: ۱/۱۱۶، دار ذوى القربى)

(وكذا في تفسير القرطبي، مقدمة المؤلف: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "أن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: أرسل إليّ أبوبكر مقتل أهل اليمامة (أي: عقب استشهاد القراء السبعين / في واقعة اليمامة) فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه: "إن عمر أتاني فقال: إن القتل قد استحر (أي اشتد) يوم اليمامة بقراء القرآن، وإني أخشى أن يستحر القتل بالقراء بالمواطن، فيذهب كثير من القرآن، وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر: "كيف نفعل =

قرات کو جو کہ منسوخ ہو چکی تھی، نکال کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جمع کیا گیا، موجودہ ترتیب وہی ترتیب عثمانی ہے(۱)، جن روایات میں آخری سورت یا آخری آیت کو بتلایا گیا ہے، وہ باعتبار نزول ہے(۲)۔ اعراب اور نقطوں سے متعلق مشہور یہ ہے کہ حجاج نے لگوائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

آیات کے رموز وعلامات کا حکم

سوال[۱۰۰۳۹]: اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے والا استادفوائد مکیہ کی رو

= مالم يفعله رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال عمر رضي الله تعالى عنه: "هذا والله خير، فلم يزل يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك، ورأيت في ذلك الذي رأى عمر، قال زيد: "قال أبوبكر: "إنك رجل شاب عاقل لانتهمك، وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فتتبع القرآن ما جمعه، فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال، ما كان أثقل عني مما أمرني به من جمع القرآن! قلت: "كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قال: "هو والله خير، فلم يزل أبوبكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح صدر أبي بكر وعمر. فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللحاف وصدور الرجال، حتى وجدت اخر سورة التوبة مع أبي خزيمة الأنصاري لم أجدها مع غيره ﴿لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم﴾ حتى خاتمة براءة، فكانت الصحف عند أبي بكر حتى توفاه الله، ثم عند عمر حياته، ثم عند حفصة بنت عمر رضي الله تعالى عنهما". (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۲/۷۴۵، ۷۴۶، قديمي)

(۱) "وقال الحاكم في المستدرك: جمع القرآن ثلاث مرات: إحداها بحضرة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ... الثانية: بحضرة أبي بكر رضي الله تعالى عنه ... الجمع الثالث: هو ترتيب السور في زمن عثمان رضي الله تعالى عنه ... كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تنزل عليه السور ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب، فيقول: ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا ... الخ". (الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن عشر في جمعه وترتيبه: ۱/۱۴۰، دار ذوي القربى)

(وكذا في مناهل العرفان للزرقاني، جمع القرآن على عهد عثمان رضي الله تعالى عنه: ۱/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، مقدمة المؤلف: ۱/۴۵، دار الكتب العلمية بيروت)

سے أعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھنے سے مجبور ہے اور رموز علامات اور حرکات وسکنات بالکل خالی ہو، بقیہ ویسا ہی تلاوت کرے، تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ کوشش کے باوجود حرکات وسکنات کی رعایت نہیں کرپاتا، تو تب بھی وہ ثواب کا مستحق ہے (۱)۔ آیات کے رموز وعلامات سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۹ھ۔

قرآن کریم کے اوقاف اور اس کی علامات کیا بدعت ہیں؟

سوال [۱۰۰۴۰]: قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لئے مناسب موقع ومحل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماء اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں، مثلاً: تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے توقف کی قسمیں کرکے ان کے لئے رموز اوقاف وضع کئے ہیں کہ ان کی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں، مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں کمی بیشی کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لئے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً: إیضاح الوقف والابتداء للأنباري متوفی ۳۲۸ھ، الاکتفاء في معرفة الوقف والابتداء لأبي محمد الداخي متوفی

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرؤه يتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران اثنان". (سنن ابن ماجة، باب ثواب القرآن، ص: ۲۷۴، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب في فضل حافظ القرآن: ۱/۲۶۹، قديمي)

"فله أجران، أي: أجر لقرآته وأجر لتحمل مشقته، وهذا تحريض على تحصيل القراءة". (بذل المجهود في حل أبي داود، الجزء التاسع، باب ثواب قراءة القرآن: ۲/۳۳۸، مكتبه قاسميه ملتان)

٤٤٤ھ ، الاهتداء في بيان الوقف، والابتداء للعلامة ابن الجزري رحمه الله تعالیٰ ، منار الهدی في بيان الوقف، والابتداء للأشموني (یہ کتابیں عام طور پر دستیاب ہیں)۔المرشد لشیخ زکریا الانصاری (یہ کتاب منار الہدیٰ کے حاشیہ پر ہے)۔متقدمین ومتاخرین سے بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم وفن کی خدمت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا۔

جواب طلب بات یہ ہے کہ علماء اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اوران کے لئے رموز مقرر کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا حکم ہے؟ علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وقف کی قسمیں اور ان کے احکام اوران کے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے برہان فی علوم القرآن: ۱/۳۵۴ (۱) میں اور ثانی الذکر نے الإتقان فی علوم القرآن: ۱/۸۹ (۲) میں لکھا ہے:

"وذهب أبو يوسف رحمه الله تعالى القاضي صاحب أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلى تقدير الموقوف عليه من القرآن التام، والناقص، والحسن، والقبيح، وتسميته بذلك بدعة، ومعتمد الوقف على نحوه مبتدع، قال: "لأن القرآن معجز وهو كالقطعة الواحدة، فكله قرآن وبعضه قرآن، وكله تام حسن وبعضه تام حسن، حكى ذلك أبوقاسم ابن برهان النحوي عنه".

جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی کہ علامہ سجاوندی کے مقرر کردہ رموز اوران پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری وواجب ہے، تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں "رد الطغيان في أوقاف القرآن" کے نام سے کتاب لکھی ہے (۳)۔جس میں حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر

---

(۱) (البرهان في علوم القرآن، النوع الرابع والعشرون: أقسام الوقف: ۱/۳۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (الإتقان في علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون في معرفة الوقف والابتداء: ۱/۱۲۴، دارالفكر)

(۳) مذکورہ رسالہ دستیاب نہ ہوسکا، البتہ فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال "قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ" کے عنوان سے مذکور ہے، جس میں مولانا سید نذیر حسین صاحب اور دیگر اہل حدیث حضرات کے جوابات مذکور ہیں۔اس کے بعد ان کے رد میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا آٹھ صفحات پر مشتمل مفصل جواب مذکور ہے۔ممکن ہے رسالہ سے سائل کی مراد=

وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے، اس کو حل فرمائیں اور مفصل ومدلل باحوالہ جواب سے مستفیض فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ فجزاکم اللہ أحسن الجزاء في الدارین. فقط والسلام.

المستفتي: خلیق اللہ مدرس مدرسہ صولتیۃ، ص-ب، ۱۱۴ مکۃ المکرمۃ.

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر علم وفن کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں، جیسے: صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ۔ ان تمام اصطلاحات کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کرنا دشوار ہے۔ مثلاً: اصطلاحات حدیث، مرفوع، مرسل، موقوف، منقطع، معضل، منکر، شاذ، غریب، فرد وغیرہ، جس وقت علم حدیث کو بحیثیت فن مدون کیا گیا تو اس کی اصطلاحات بھی تجویز کی گئی، اس کو اس اعتبار سے بدعت کہنا صحیح ہے کہ یہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں، مگر ان کے مفاہیم میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا اور مفاہیم کے ادا کرنے کے لئے الفاظ کا ہونا ضروری ہے، مگر چونکہ یہ اصطلاحات افہام وتفہیم کے لئے ہیں۔

امر تعبدی کے درجہ میں نہیں، اس لئے ان کو اصطلاحی بدعت ضلالہ قرار دے کر رد کرنا بھی درست نہیں، رموز قرآنیہ کا حال بھی یہی ہے، ان اصطلاحات کو بدعت کہنا اس حیثیت سے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں، درست ہے، لیکن ان کو بدعت ضلالہ قرار دے کر رد کردینا بھی درست نہیں، حضرات فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے زلۃ القاری میں اس سے بحث کی ہے اور کسی جگہ بھی وقف کو لازم قرار نہیں دیا ہے، جیسا کہ قراء ومجودین کا حال ہے۔

میم وقف لازم است مگر از او
گر بگذری بیم کفر است اندر او (۱)

= یہی جواب ہو۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رشیدیہ، قرأت اور تجوید کا بیان، قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ، ص: ۳۲۲، سعید)

(۱) **ترجمہ:** ''میم وقف لازم ہے لیکن اگر آپ یہاں وقف نہ کرتے ہوئے گزریں گے تو اس میں کفر کا اندیشہ ہے''۔

علامہ ابراہیم حلبی نے غنیۃ المستملی (۱) میں اور دیگر فقہاء نے اپنی کتابوں میں بے محل وقف کو تو بعض اقوال پر مفسد صلوۃ کہا ہے، وقف نہ کرنے کو مفسد صلوۃ نہیں کہا اور ترجیح عدم فساد کو دی ہے (۲)، علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ اگر تمام قرآن کریم میں بالکل وقف نہیں کیا، تو بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، یعنی طی ارض کی طرح اگر حق تعالیٰ کسی کو قدرت دے دیں کہ وہ ایک سانس میں سارا قرآن شریف پڑھ دے، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، بس یہ وقوف مزینات ومحسنات ہیں، نہ کہ واجبات ومفسدات۔

المسئلة الثانية في الوقف والابتداء في غير موضعهما فإن لم يتغير به المعنى لا تفسد بالإجماع من المتقدمين والمتأخرين، وإن يتغير به المعنى ففيه اختلاف والفتوى على عدم الفساد بكل حال، وهو قول عامة علمائنا

---

(۱) "(و) أما الحكم (في قطع) بعض (الكلمة) عن بعض لانقطاع نفس أو نسيان الباقي ... (فقد كان الشيخ الإمام شمس الأئمة) الحلواني (يفتي بالفساد) من مثل ذلك، وبه قال بعض المشائخ (و) لكن (عامة المشائخ قالوا: لا تفسد لعموم البلوى) في انقطاع النفس والنسيان ... (أما الوقف) في غير موضعه والابتداء من غير موضعه (فلا يوجب) ذلك (فساد الصلاة أيضاً لعموم البلوى) بانقطاع النفس أو النسيان ... (عند عامة علمائنا وعند بعض) العلماء (تفسد) إن تغير المعنى تغيراً فاحشاً ... الخ". (الحلبي الكبير، زلة القاري، ص: ۴۸۰، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ من غير موضع الابتداء وإنه على وجهين. الأول: أن لا يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً، لكن الوقف والابتداء قبيح ... لا تفسد صلاته بالإجماع بين علمائنا رحمه الله تعالى. الوجه الثاني: أن يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً ... وفي هذا الوجه لا تفسد صلاته عند علمائنا، وعند بعض العلماء تفسد صلاته، والفتوى على عدم الفساد على كل حال؛ لأن في مراعاة الوقف والوصل والابتداء إيقاع الناس في الحرج، خصوصاً في حق العوام، والحرج مدفوع شرعاً". (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۳۷۷/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، مسائل زلة القاري: ۶۳۲/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، منها الوقف والوصل: ۸۱/۱، رشيديه)

المتأخرين؛ لأن في مراعاة الوقف والوصل إيقاع الناس في الحرج لا سيما العوام والحرج مدفوع كما في الذخيرة والسراجية والنصاب، وفيه أيضاً لو ترك الوقف في جميع القرآن لاتفسد صلاته عندنا". حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص: ٢٠٤(١). والله سبحانه وتعالى اعلم.

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

قرآن کریم اردو میں لکھنا

سوال[۱۰۰۴۱]: اخبار ''آزاد ہند'' ۲۴ جون میں آپ کا فتویٰ روشن چراغ کے متعلق شائع ہوا، جس میں آپ نے جو فتویٰ دیا ہے، اس کا خلاصہ بندہ اس طرح درج کررہا ہے، روشن چراغ کے مترجم محمد خان جالندھری نے جو کتاب لکھی ہے، وہ عربی مع اردو ہے، مگر فی الحال بازاری روشن چراغ میں عربی کا پتہ نہیں ہے اور کاتب وشائع کنندہ یا کمپنی یا چھاپہ خانہ کا پتہ بھی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے پھر اپنا فتویٰ اس کے متعلق بھی دیا ہے کہ کلام پاک چونکہ عربی زبان میں اللہ نے اپنی شان حکمت سے نازل کیا ہے، اس کو صرف اردو میں لکھنے سے اس کی تحریف اور لفظوں ومعنی میں الٹ پھیر ہونے کا ڈر ہے، لہٰذا اس کے پڑھنے کی بھی ممانعت ہے، بندہ ناچیز نے بھی ایک کتاب روشن چراغ کاتب محمد خان جالندھری کی دیکھی ہے، اس میں کتاب کا نام اور پریس کا نام تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی لکھا ہے، بندہ اس فتویٰ کو سن کر کافی پریشان وسرگرداں ہے۔

مجھ ناچیز کے ذہن میں یہ باتیں گردش کرتی ہیں کہ شاید جو کتاب آپ نے دیکھی ہے، وہ کسی صاحب نقال نے محمد خان جالندھر کے روشن چراغ کی نقل کرلی ہوگی۔ اور کاتب اور کمپنی کا نام لکھا ہو اور بطور بازاری کرکے اپنی دنیاوی روزی حاصل کرنے کا سہارا ڈھونڈ لیا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر یہ چور بازاری کی نقل نہ ہو اور صرف اردوداں قرآن پاک یعنی اللہ کے ارشاد کو سمجھ سکے تو اس میں کون سی غلطی ہوگی، یہ کوئی کفر کی بات نہیں ہے، اگر ہے تو کوئی شرعی فیصلہ قرآن وحدیث کے حوالے سے ناچیز بندہ کو آگاہ کریں اور ہمیں شکریہ کا موقع دیں۔

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، قبيل فصل فيما لايفسد الصلاة، ص: ٣٤٠، قديمي)

چونکہ میں کوئی خاص علم یافتہ نہیں ہوں، اس لئے آپ ان سنجیدہ مسائل کوحل کردیں، تاکہ دل پریشان نہ ہو، دینی مذہبی معلومات حاصل کرسکوں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم عربی میں نازل ہوا، اس کو عربی میں دوسروں تک پہونچایا گیا، عربی میں لکھا گیا، عربی کو برقرار رکھ کر اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر ہر زبان میں لکھنا اور چھاپنا اور بیان کرنا درست ہے، عربی کو ختم کرکے محض آیت کسی بھی زبان میں لکھنا اور چھاپنا جائز نہیں، اسی طرح عربی الفاظ کو کسی اور رسم الخط ہندی، انگریزی، بنگلہ وغیرہ میں چھاپنا بھی جائز نہیں۔ اس پر اتفاق واجماع ہے، جیسا کہ الاتقان میں مذکور ہے(۱)۔ محض ترجمہ (بغیر اصل عربی عبارت کے) شائع کرنے میں خرابی یہ ہے کہ لوگ صرف ترجمہ پڑھا کریں گے اور عربی میں قرآن کریم سے محروم رہ جائیں گے، پھر اس عربی کا چھپنا بھی رفتہ رفتہ بند ہوجائے گا، عربی ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ ترجمہ کس قدر صحیح ہے اور کس قدر غلط ہے؟ اور قرآن پاک کا معاذ اللہ وہ حال ہوجائے گا، جو کہ آج توریت اور انجیل کا حال ہے کہ اصل کا چھپنا ختم ہے، ترجمہ ہی ترجمہ سب جگہ پھیل رہا ہے اور اس میں بھی ہمیشہ ترمیم وتحریف ہوتی رہتی ہے۔ اور جس کا جو دل چاہتا ہے، چھاپ دیتا ہے، کوئی تمیز نہیں کہ کون سا ترجمہ صحیح ہے؟ کون سا غلط ہے؟

غیر مسلم بھی قرآن پاک کا ترجمہ کرتے ہیں اور اپنے مطلب کی باتیں قرآن پاک کے نام پر شائع کرتے ہیں، عوام ان پڑھ ان کے پھندے میں آجاتے ہیں، مگر اصل عربی متن کے پڑھنے پڑھانے، یاد کرنے، سنانے کا رواج ہے، اس لئے اہل علم بتلا دیتے ہیں کہ فلاں ترجمہ غلط ہے، اگر خدانخواستہ عربی متن کا رواج نہ رہے اور سب کے پاس ترجمہ ہی ترجمہ ہو تو پتہ چلنا دشوار ہوجائے گا اور جب مسلمانوں کے پاس ان کے مذہب کی سب سے اعلیٰ کتاب موجود نہ رہے گی تو ان کا اصل دین بھی کہاں رہے گا؟ یہ سب خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے

---

(۱) "وقال أشهب: سئل مالك هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا إلا على الكتبة الأولى، رواه الداني في المقنع ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة ..... وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو، أو ياء أو ألف، أو غير ذلك". (الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون، في مرسوم الخط وآداب كتابته: ۲/۵۳۶، دار الفكر بيروت)

بغیر عربی کے محض ترجمہ کو ناجائز اور ممنوع قرار دیا گیا۔

"في الفتح عن الكافي: "إن اعتاد القرأة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع. وإن فعل في اية أو ايتين فلا، فإن كتب القران وتفسير كل حرف وترجمته جاز، ردالمحتار، ص: ٤٥٣(١). فقط والله تعالى اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن شریف غیر عربی میں لکھنا

سوال[۱۰۰۴۲]: روشن چراغ قرآن پاک مولانا فتح محمد خان جالندھری کا جو اردو ترجمہ والا ہے اس میں ترجمہ اردو ہی اردو میں لکھا ہے، پارے، سورہ، رکوع اور آیت نمبر کا حوالہ ضرور لکھا ہوا ہے۔ لیکن عربی کا لفظ تک نہیں ہے، کیا مندرجہ بالا قرآن پاک کا ڈر دینے کے قابل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا، اس کا ترجمہ وتفسیر ہر زبان میں درست ہے، مگر اصل متن عربی کا محفوظ رکھنا اور چھاپنا ضروری ہے۔ پارہ، سورت، رکوع، آیت کے نمبر لگا دینے سے جب کہ اصل عربی ساتھ نہ ہو، یہ گمان ہوسکتا ہے کہ اسی ترجمہ شریف کا بھی قوی احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ نماز میں اسی ترجمہ کے پڑھنے پر کفایت کی جانے لگے وغیرہ وغیرہ امور کی وجہ سے ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں، الإتقان میں تصریح موجود ہے(۲)۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب: في بيان المتواتر والشاذ: ١/ ٤٨٦، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب صفة الصلاة: ١/ ٢٨٦، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مناهل العرفان في علوم القرآن، حكم ترجمة القرآن بمعنى نقله إلى لغة أخرى: ٢/ ٣٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) "سئل مالك هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا إلا على الكتبة الأولى رواه الداني في المقنع ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة ...... وهل تجوز كتابته بقلم غير العربي ...... =

ایسے ترجمہ کو قبر بنا کر کپڑے میں دفن کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= والأقرب المنع كما تحرم قراء ته بغير لسان العرب ولقولهم: القلم أحد اللسانين، والعرب لا تعرف قلما غير العربي. وقد قال تعالى: بلسان عربي مبين" أخرج ابن أبي داود عن إبراهيم التيمي قال: قال عبدالله: لايكتب المصاحف إلا مصري. قال ابن أبي داود: هذا من أجل اللغات". (الإتقان في علوم القرآن، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط واداب كتابته، ص: ٥٣٦-٥٤١، دار الفكر)

"في الفتح عن الكافي: إن اعتاد القراء ة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع والظاهر أن الفارسية غير قيد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، في بيان المتواتر والشاذ: ۱/ ۳۸۶، سعید)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، اكام النفائس، ص: ۵۳: ۴/ ۳۸۵، إدارة القرآن كراچی)

(آدابِ قرآن کا بیان)

جنبی کے لئے مسِ قرآن کریم

سوال[۱۰۰۴۲]: قرآن مجید کو بغیر وضو چھونا کیسا ہے؟ قرآن مجید میں ﴿لا یمسه إلا المطهرون﴾(۱) ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہر لوگ ہی اسے چھو سکتے ہیں، ناپاک نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ناپاک کا اطلاق جنبی پر ہوتا ہے نہ کہ بے وضو پر، کیونکہ دوسرے مقامات پر حکم ہے کہ ناپاک لوگ مسجد میں نہ جائیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جنبی مسجد میں نہ جانے، بے وضو شخص جا سکتا ہے، ناپاک کا اطلاق بے وضو شخص پر نہیں ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نجاستِ حکمیہ (حدث) کی دو قسمیں ہیں: ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ۔

قرآن پاک کو مَس کرنے اور نماز پڑھنے اور طواف کرنے میں ہر دو قسم مانع ہیں اور قرأتِ قرآن بغیر مَس اور دخولِ مسجد سے صرف دوسری قسم مانع ہے، پہلی قسم مانع نہیں۔

"ویحرم بالجنابة خمسة أشياء الصلاة، وقراءة اٰية من القرآن، ومسها إلا بغلاف، ودخول مسجد، والطواف. ويحرم على المحدث ثلثة أشياء: الصلاة والطواف، ومس المصحف إلا بغلاف" (مراقي الفلاح، ص: ۸۹)(۲).

---

(۱) (الواقعة: ۷۹)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۷، ۱۴۸، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸-۳۵۱، رشيديه)

اصطلاحِ شرع میں بے وضو و بے غسل دونوں کو ناپاک قرار دیا گیا ہے، بے وضو کی ناپاکی حدث اصغر ہے اور بے غسل کی ناپاکی حدث اکبر ہے۔ دونوں کے احکام ہر معاملہ میں یکساں نہیں بعض میں اتحاد ہے، بعض میں فرق ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

قرآن شریف جیب میں رکھنا

سوال[۱۰۰۴۴]: میرے پاس قرآن شریف پاکٹ سائز ہے اور وہ ہر وقت میری جیب میں ہی رہتا ہے، کیا میں اس کو پاخانہ میں بھی ساتھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں اور ظاہر ہے کہ میں ہر وقت باوضو تو ہوتا نہیں، تو اندیشہ ہے کہ میرا ہاتھ میری جیب میں پڑتا ہو، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی کرکے کوئی ایسی صورت بتائیں کہ میں قرآن شریف کو ہر وقت ساتھ رکھا کروں اور تلاوت کیا کروں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ مناسب نہیں کہ قرآن کریم ہر وقت جیب میں رکھا رہے، کبھی ناپاک جگہ بھی جانا ہوتا ہے، کبھی بے وضو بھی ہاتھ لگ جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن کریم کو چومنا

سوال[۱۰۰۴۵]: قرآن کریم کو چومنا کیسا ہے؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا یمسه إلا المطهرون﴾ (الواقعة: ۷۹)

"وعلی هذا إذا كان في جيبه دراهم مكتوب فيها اسم الله تعالى أو شيء من القرآن فأدخلها مع نفسه المخرج يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/ ۳۲۳، رشيديه)

"وعن سلمان أنه قال: ... فقرأ القرآن ولم يمس المصحف حين لم يكن على وضوء ... وعن سعد أنه أمر ابنه بالوضوء لمس المصحف ... وكره الحسن والنخعي مس المصحف على غير وضوء". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/ ۴۲۱، دار الكتاب كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن کریم کو تعظیماً بوسہ دینا شرعاً درست ہے۔

"وروي عن عمر رضي الله تعالى عنه: أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول: عهد ربي عزوجل، وكان عثمان رضي الله تعالى عنه يقبل المصحف ويمسه على وجهه" كذا في ردالمحتار: ٥/٣٤٦(١). والله تعالى أعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲ھ۔

قرآن زانو پر رکھ کر پڑھنا

سوال[۱۰۰۴۲]: قرآن پاک کو زانوں کے اوپر رکھ کر پڑھتا ہے، سو بے ادبی ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ آدمی اکثر اوقات تلاوت ہی میں منہمک رہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر یہ ہے کہ زانوں کے اوپر تکیہ رکھ کر اس پر قرآن کریم رکھے، یہ أقرب إلى الأدب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ جل مجدہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۰/۲۸ھ۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس، باب الاستبراء وغيره: ٦/٣٨٤، سعيد)

"الاستفسار: تقبيل المصحف، هل يجوز؟

الاستبشار: نعم! وقد روي ذلك عن الأصحاب ... روي عن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يأخذ المصحف ويقبله، ويمسحه على وجهه". (فتاوى اللكنوي، كتاب الصلاة، مايتعلق بتلاوة القرآن، ص: ٤٣٧، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، قبيل باب مايفسد الصلاة، ص: ٣٢٠، قديمي)

بڑی مسجد میں قرآن شریف کی طرف پشت کرنا

سوال[۱۰۰۴۷]: صحنِ مسجد میں حوض ہے، جس کی اونچائی فرشِ مسجد سے تقریباً ڈھائی فٹ ہے، حوض محراب تک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مسجد میں لوگ تلاوت کرتے رہتے ہیں اور حوض پر کچھ لوگ وضو بناتے رہتے ہیں، جس سے قرآن پاک کی بے حرمتی کا خیال پیدا ہوتا ہے، کیا حوض کی نوعیت کو باقی رکھتے ہوئے اس بے حرمتی سے بچنے کی کوئی شکل ہے؟ نیز قرب و بعد کی بھی کچھ حدیں متعین ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحنِ مسجد ختم ہونے پر حوض ہے اور وہ سطحِ صحن سے بلند ہے اور مسجد کے اندر یا صحن میں لوگ حوض کی طرف پشت کر کے قبلہ رو ہو کر تلاوت کرتے ہیں اور حوض پر لوگ وضو کرتے ہیں، تو شرعاً یہ صورت درست ہے، تلاوت کرنے والوں کا جسم حائل ہے، قرآن پاک اور وضو کرنے والوں کے درمیان۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

اس کمرہ کی چھت پر چلنا، جس میں قرآن مجید موجود ہو

سوال[۱۰۰۴۸]: ایک کنواں جس میں ہزاروں قرآن پاک خستہ کئے ہوتے ہیں، اس کا منہ بند کر کے برابر کر دیا جاتا ہے، اس پر چلنے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

جب کہ یہ معلوم ہے کہ یہ کنواں اس طرح کا ہے جس کو بند کیا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانتے ہوئے تو احتیاط کرنا بہتر ہے، ورنہ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے مکان کے اندر قرآن شریف ہو اور اس کی چھت پر چلنا پھرنا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جن اخبارات میں قرآن کی آیات ہوں، ان کا حکم

سوال[۱۰۰۴۹]: ''اخبار الجمعیۃ'' اور ''دعوت'' کو ردی میں فروخت کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس

میں بعض جگہ قرآنی آیتیں بھی ہوتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو پاک کپڑے سے لپیٹ کر زمین میں قبر بنا کر دفن کردیں، ردی میں فروخت کرنے سے بہت بے حرمتی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۹ھ۔

قاعدہ بغدادی کی حفاظت اس کو جلا کر

سوال[۱۰۰۵۰]: قرآن کریم اوران کے مانند کیا ایسے قاعدہ بغدادی کے اوراق بھی واجب الاحترام ہوں گے جس میں حروف تہجی کے باعتبار اٹھارہ قواعد تحریر ہوں، اگران اوراق کو کہیں غلاظت سے نکال کر اور دھو کر کہیں احتیاط سے رکھنے یا دفن کرنے کے بجائے امام مسجد، مسجد کے حمام کی آگ روشن کرنے کے کام میں لے آئے، جب کہ نیچے پیشاب خانہ اور جوتوں کے مقام تک اڑ اڑ کر جایا کرے، بلکہ امام کہتا ہے کہ اس قسم کے قاعدہ بغدادی کے اوراق اور اردو کے اخبارات اور دیگر کتب بزبان اردو کے اوراق کا صرف اتنا ہی احترام کرنا ضروری ہے کہ ان کو جلا دیا جائے، کیا واقعی بکر کو ایسا کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حروف مفردہ کا بھی احترام ہے (۲)۔ قاعدہ بغدادی میں تو قرآن کریم کے الفاظ مرکبہ بھی موجود ہیں،

---

(۱) "المصحف إذا صار بحالٍ لا يقرأ فيه، ويدفن كالمسلم". (الدرالمختار). "أي: يجعل في خرقة طاهرة، ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، مطلب: يطلق الدعاء على مايشتمل الثناء: ۱/۱۷۷، سعيد)

"وقال العلامة وهبة الزهيلي: ويدفن المصحف كالمسلم إذا صار بحال لا يقرأ فيه". (الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب التاسع: ۱/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اٰداب المسجد والقبلة والمصحف.... : ۵/۳۲۳، رشيديه)

(۲) "ولو قطع الحرف من الحرف، أو خيط على بعض الحروف في البساط، أو المصلى حتى لم تبق =

نیز قاعدہ نمبر ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کے نام اور کلمات دعائیہ بھی ہیں۔ بس آگ جلانے کا ذریعہ ایسے اوراق کو نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۲/ ۹۴ھ۔

قرآن کے پارہ کو بغل میں دبا کر چلنا

سوال[۱۰۰۵۱]: زید قرآن پاک کے کسی جز کو بغل میں دبا کر مسجد سے باہر بغرض تلاوت لاتا ہے، تو آیا یہ قرآن کے ساتھ سوء ادبی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغل میں دبا کر سینہ سے لگا کر لاتا ہے، تو سوء ادبی نہیں، یہی عرف ہے۔ ایک بزرگ نے قرآن کریم

= الكلمة متصلة لم تسقط الكراهة، وكذلك لو كان عليهما الملك لا غير وكذلك الألف واللام وحدها إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبوجهل على غرض يكره؛ لأن لتلك الحروف حرمة كذا في السراجية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد والقبلة والمصحف: ۳۲۳/۵، رشيديه)

"على أن الحروف في ذاتها لها احترام". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، قبيل باب المياه: ۱۷۸/۱، سعيد)

(۱) "وعليه يتفرع أن الرسائل التي يستغنى عنها وفيها بسم الله تمحى ثم تلقى في الماء الكثير أو تدفن في أرض طيبة كذا في "نصاب الاحتساب" والناس عنه غافلون فإنهم عند مايستغنون من الرسائل يحرقونه وينشرونه في الطرق والنجاسات ولا يبالون في ذلك" (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، نفع المفتي والسائل: ۱۶۰/۴، إدارة القرآن كراچى)

"الكتب التي لاينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كما هي، أو تدفن وهو أحسن كما في الأنبياء". (الدرالمختار). "والدفن أحسن كما في الأنبياء والأولياء إذا ماتوا وكذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت عن الانتفاع بها يعني أن الدفن ليس فيه إخلال بالتعظيم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۲/۶، سعيد)

کی تفسیر لکھی اور فرمایا:

روز قیامت چوں نہد در دست ہر کس نامے
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل (۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ جل مجدہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

(۱) **ترجمہ:** ”قیامت کے دن جب ہر کسی کے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، تو میں بھی تفسیر قرآن کو بغل میں لے کر حاضر ہوں گا“۔

(آدابِ تلاوت کا بیان)

ایک مجلس میں پورا قرآن مجید ختم کرنا

سوال[۱۰۰۵۲]: ۱..... ہندوستان کے بعض علاقوں میں قرآن کریم نماز ونفل با جماعت میں ایک ہی شب میں ختم کرلیا جاتا ہے، لیکن ہمارے صوبہ کے باشعور اہل علم حضرات ختمِ قرآن کے جلسہ وعظ کی طرح مجالس قائم کرنے لگے ہیں، تاکہ لوگوں میں حفظِ قرآن کا جذبہ پیدا ہو اور حفاظت کی یادداشت بھی پختہ ہوجائے، ختمِ قرآن کی ان مجالس میں عوام الناس بھی مدعو ہوتے ہیں، اوقات اس پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور چند حفاظ یکے بعد دیگرے کئی کئی پارے ترتیب عثمانی کے مطابق تلاوت کرکے قرآن حکیم ختم کرتے ہیں، اس تمہید کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ ایک ہی جلسہ میں لاؤڈ اسپیکر پر پورا قرآن مجید تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... تلاوت قرآن کی آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جن جن لوگوں کو سنائی دے، ان سب پر استماع قرآن فرض ہے یا صرف حاضرین مجلس کا سننا کافی ہے؟

۳..... لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے تلاوت کی آواز قضائے حاجت کرنے والوں کے کانوں میں پڑتی ہے، کیا اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک کی تلاوت اور اس کا استماع أفضل القربات ہے(۱)، ملائکہ تک سننے کے لئے آتے

---

(۱) "عن جبير بن نفير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنكم لن ترجعوا إلى الله بأفضل مما خرج منه". يعني القرآن". (جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة: ۲/۱۱۹، سعيد)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن: ۱/۲۶۸، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب قراءة القرآن: ۲/۳۶۶، رقم الحديث: ۲۲۱۵/۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

ہیں(۱)، اللہ پاک کی بے شمار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، حفظ قرآن پاک کا جذبہ اور اس کے پختہ ہونے کا داعیہ بلاشبہ مبارک ہے، اس پاکیزہ مجالس کی برکت سے بہت سی واہیات خرافات ممنوعات سے حفاظت بھی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ خود آواز تلاوت کی طرف اپنی اعلیٰ شان عنایت توجہ فرماتے ہیں(۲)۔ اور جب سکون واطمینان سے ادائے حقوق کے ساتھ تلاوت ہو اور سامعین ادب وشوق سے حاضر ہوکر سنیں، کسی کو گرانی اور بار نہ ہو، تو بظاہر ختم میں بھی مضائقہ نہیں۔

حدیث شریف میں تین دن سے کم میں ختم کرنے کو منع فرمادیا گیا ہے(۳)، اس کا منشا بھی وہی ہے کہ عموماً ایسی حالت میں حق تلاوت ادا نہیں ہوتا، بلکہ بلاغور وتدبر کے جلدی جلدی گرانی وناگواری کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے، ان مجالس کے باوجود جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین اور دیگر

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: أن أسيد بن حضير، قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة، وفرسه مربوطة عنده، إذ جالت الفرس، فسكت، فسكنت، فقرأ فجالت ... ولما أخره رفع رأسه إلى السماء، فإذا مثل الظلمة فيها أمثال المصابيح، فلما أصبح حدث النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: تلك الملائكة دنت لصوتك، ولو قرأت لأصبحت ينظر الناس إليها لا تتوارى منهم". (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب نزول السكينة والملائكة عند قراءة القرآن: ۲/۷۵۰، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب نزول السكينة لقراءة القرآن: ۱/۲۶۹، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الأول: ۱/۱۸۴، قديمی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ما أذن الله لشئ ما أذن لنبي حسن الصوت، يتغنى بالقران يجهر به". (صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن: ۱/۲۶۸، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، باب بلاترجمة، الفصل الأول: ۱/۱۹۰، قديمی)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تحزيب القرآن: ۱/۲۰۷، رحمانيه)

(وجامع الترمذي، كتاب القراءات، باب بلاترجمة: ۲/۱۲۳، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، باب بلاترجمة، الفصل الثاني: ۱/۱۹۱، قديمی)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجالس مبارکہ کا تتبع کرکے دیکھا جاتا ہے، تو وہاں ایسی مجالس کا کوئی پتہ نہیں کہ ایک مجلس میں جمع ہوں، کسی ایک نے ختم کیا ہو، یا نمبروار۔ ان حضرات کے شغف کا تو یہ حال تھا کہ بعض صحابۂ کرام سے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرنا بھی منقول ہے(۱)۔ اور بعض اکابر سے ایک ایک دن میں کئی کئی قرآن ختم کرنا بھی منقول ہے(۲)، مگر یہ سب تنہائی میں پڑھنا منقول ہے، مجلس ومجمع کرکے نہیں۔

جو شغف اور شوق ان حضرات کو تھا، اس کا ہزارواں حصہ بھی آج کسی کو نصیب نہیں، ان حضرات کے اتباع ہی میں خیر وبرکت ہے، اتباع کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی نئی صورتیں پیدا کرنے میں خیر وبرکت نہیں، بلکہ مفاسد ہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلی دوسری مجلس میں کوئی مفسدہ نہ ہو، مگر جب اس کا شیوع ہوگا، اس میں قراء وحفاظ کا تقابل وتفاخر بھی ہوگا، ہر ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش بھی کرے گا، پھر سامعین کچھ ایک کو داد دیں گے، کچھ دوسرے کو اور صرف دادوں پر قناعت نہیں کریں گے، بلکہ دوسرے کی تقبیح کی بھی نوبت آئے گی، ہوسکتا ہے کہ کچھ انعام دینے کی بھی نوبت آئے اور حاضرین کے لئے طعام دعوت کا بھی انتظام ہو اور پھر ایک مجلس پر پوری نکتہ چینی ہو اور دوسری مجلس کی تعریف کی جائے، جس میں کھانا اور انعام پہلی مجلس سے بڑھ کر ہو، غرض اخلاص ورضا خداوندی کا حصہ بہت کم رہ جائے گا، اس کے علاوہ بھی دیگر مفاسد کا مظنہ ہے۔

نیز لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت اگر نمائش کے لئے ہے تو جو بے چارے کچھ اپنی نماز، وظیفہ، تلاوت میں مشغول ہوں گے، مگر اس آواز کی وجہ سے اپنی یہ چیزیں پوری نہیں کرسکیں گے اور ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ وہ اپنی نوافل تلاوت کو چھوڑ کر اس کو سنیں، تو یہ مناسب نہیں، کچھ لوگ سوتے ہوں گے یا اپنے دنیوی کاموں میں مشغول ہوں گے، ان کو پابند کرنا بھی مشکل ہے(۳)۔ اور ایسی صورت اختیار نہ کی جائے جو سلف صالحین کے

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قالت امرأة عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه حين قتلوه: لقد قتلتموه وإنه ليحيي الليلة بالقرآن في ركعة". (حلية الأولياء، عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه: ۱/۵۵، ۵۶، دار الفكر)

(۲) "وممن ختم أربعا في الليل وأربعا في النهار السيد الجليل ابن الكاتب الصوفي رحمه الله تعالى، وهذا أكثر ما بلغنا في اليوم والليلة". (كتاب الأذكار، كتاب تلاوة القرآن، ص: ۱۳۸، مكتبه دار البيان)

(۳) "يجب على القارئ احترامه بأن لا يقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال، دفعا للحرج". (رد المحتار، مطلب استماع =

خلاف ہو، امید ہے کہ اب جداگانہ ہر نمبر کے جواب کی ضرورت نہیں رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۱۳۸۹ھ۔

"قل أعوذ برب الناس ناس ناس" پڑھنا

سوال[۱۰۰۵۳]: "قل أعوذ برب الناس ناس ناس" الخ ہر ناس کو تین مرتبہ کرکے پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ درست نہیں، اس سے آیت قرآنی مسخ اور مہمل ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

بعض آیتوں کے ساتھ فرشتوں کے نام لکھنا

سوال[۱۰۰۵۴]: بعض آیتوں کے ساتھ فرشتوں اور ملائکہ کے نام پڑھے جاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملائکہ کا وجود حق ہے (۱)، انسان کی حفاظت کے ساتھ رہتے ہیں (۲) اور اعانت کے لئے مامور من اللہ

= للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۴۶، سعيد)

"وفي المحيط: "يكره رفع الصوت لقراءة القرآن عند المشتغلين بالأعمال". (مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۳۳۰، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع من آداب المسجد والتسبيح والقراءة: ۵/۳۱۶، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن عنده لا يستكبرون عن عبادته ولا يستحسرون﴾ (الأنبياء: ۱۹)

"(والملائكة عباد الله عاملون بأمره) قوله: والملائكة فالقول بوجود الملائكة ..... مما انعقد عليه إجماع الآراء، نطق به كلام الله، وكلام الأنبياء عليهم السلام". (شرح العقائد مع هامشه، مبحث الملائكة عباد الله تعالىٰ، ص: ۱۴۲، قديمي) .... =

ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے کام اور طرقِ اعانت کو جانتا ہو وہ ان کا نام لے کر اس طرح پڑھے کہ آیت کے ساتھ مخلوط ہو کر جزوِ قرآن ہونے کا شبہ نہ ہو، تو درست ہے۔ جس طرح کہ بعض آیات مثلاً: سورۃ الرحمٰن، سورۃ والمرسلات، سورۃ والتین وغیرہ میں حدیث شریف میں ایسے کلمات منقول ہیں جو کہ جزوِ قرآن نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کے کام اور طریقِ اعانت سے واقف نہیں اور اس طرح پڑھے کہ جزوِ قرآن ہونے کا شبہ ہو یا ان کو مشتبہ متصرف بالذات تصور کرتا ہو، تو ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

قرأتِ قرآن کا تقابل

سوال[۱۰۰۵۵]: ہمارے شہر میں تقریباً تین چار سال کے بعد ایک جشن بنام جلسۂ قرأت کیا جاتا ہے، جس میں شہر و بیرونِ شہر کے قراء حضرات بلائے جاتے ہیں اور وہ اپنے فنِ قرأت کا اظہار مختلف لہجہ میں کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ایک تقابل توازن کی صورت ہو جاتی ہے، بعد ختم جلسہ قرأت ان قراء کو بحسب اظہارِ فنِ قرأتِ قرآن پاک انعام دیئے جاتے ہیں، یعنی کہ سب سے اچھے پڑھنے والے کو سب سے اونچا انعام دیا جاتا ہے، اسی طرح درجہ بدرجہ ریا، تفاخر، تقابل فی القرآن جو کہ ایک امرِ قبیح ہے، بلکہ حرام کا درجہ رکھتا ہے، نیز تلاوتِ قرآن پاک کے وقت اس مجلس میں یا اس سے دور ہٹ کر سگریٹ پینا، بیڑی پینا، تمام نامناسب باتیں کرنا ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جشن کا شریعتِ مطہرہ میں کیا رتبہ ہے؟

= (وكذا في النبراس، مبحث الملائكة الخ، ص: ٣٨٢، مكتبه حقانيه)

(٢) قال الله تعالى: ﴿له معقبت من بين يديه و من خلفه يحفظونه من أمر الله﴾ (الرعد: ١١)

"أي: للعبد يتعاقبون عليه حرس بالليل و حرس بالنهار، يحفظونه من الأسواء والحادثات".

(تفسير ابن كثير، الرعد: ١١: ٢/٦٢٢، المكتبة دار الفيحاء دمشق)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ٩/١٩٧، ١٩٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تقابل اور تفاخر اور اس کا انعام غلط طریقہ ہے، بعض قراء نے اس کو ذریعہ کسب بنالیا ہے(۱)، اس سے پرہیز کیا جائے، ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۱۴۰۰ھ۔

ریڈیو کی تلاوت کا سننا

سوال[۱۰۰۵۲]: اگر کوئی ریڈیو کے پاس تلاوت کلام اللہ کرے، ریڈیو بند کرنے کو وہ حکم کرتا ہے، لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آتے، تو ایسی صورت میں برائے قیامِ حرمتِ کلام سلسلہ تلاوت کلام پاک ملتوی یا منقطع کریں یا شرعاً کیا تدبیر اختیار کریں؟

---

(۱) "عن زاذان قال: سمعته يقول: من قرأ القرآن يأكل به، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (مصنف ابن أبي شيبة، باب في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى: ۲۳۸/۵، رقم الحديث: ۷۸۲۴، المجلس العلمي)

"قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لايجوز الاستئجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: "اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به" فالاستئجار على الطاعات مطلقاً لا يصح عند أئمتنا الثلاثة ...... ولا شك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستئجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعة سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب .... وقال العيني في شرح الهداية معزيا للواقعات: ويمنع القارئ للدنيا، والأخذ والمعطي اثمان". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستيجار على التلاوة: ۱۳۷/۲، مكتبه ميمنة مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۶/۶، سعيد)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۲۷/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲۹۰/۲، رحمانيه)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگرکوئی شخص تلاوتِ کلامِ پاک میں پہلے سے مشغول ہے، پھر ریڈیو شروع ہوجائے اوراس میں بھی تلاوت ہو،تو اختیار ہے کہ اپنی تلاوت کو بند کر کے ریڈیو کی تلاوت کوسنیں یا اپنی ہی تلاوت میں مشغول رہے(۱)، اگر ریڈیو میں تلاوت کے علاوہ کچھ اور چیزیں گانا بجانا خرافات ہو،تو یہ اپنی تلاوت میں مشغول رہے، یا بند کرکے دوسری جگہ یکسوئی سے تلاوت کرے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وفي الدرة المنيفة عن القنية: يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والإنصات، وقيل: لابأس". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۸،قديمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح: ۳۱۷/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۵۴۶/۱، سعيد)

(۲) "ومن حرمة القرآن أن لايقرأ في الأسواق وفي موضع اللغو". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱۶۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

المتفرقات

مسئلہ خلقِ قرآن

سوال[۱۰۰۵۷]: قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کا کیا مسئلہ ہے؟ مخلوق ماننے کا کیا مطلب؟ اور اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے؟ بہر حال خدا کا کلام ہے، یہ مخلوق وغیر مخلوق کا شوشہ چہ معنی دارد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ تو آپ اس وقت سے جانتے ہیں، جب بخاری شریف میں یہ باب پڑھا تھا(۱) اور اس میں علماء کے اقوال اور استدلالات آپ کے سامنے پیش کیے گئے تھے، نیز شرح عقائد نسفی میں بحثا بحثی ہوئی تھی(۲)، آج اسی شوشہ کا کیا آخر ہوا؟ مامون الرشید کے دور میں جتنے شوشے نکل چکے، انہیں سے تاریخ رنگین ہے، اب ان شوشوں کو دبا ہی رہنے دیں، تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

۷۸۶ لکھنے کی وجہ

سوال[۱۰۰۵۸]: ایک ہندو سوال کرتا ہے کہ ۷۸۶ کے عدد تم لکھتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بسم اللہ کے عدد ہیں، لہٰذا گزارش یہ ہے کہ اس کا جواب کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۷۸۶ بسم اللہ کا عدد ہے، تو اس پر اعتراض کیا ہے، تاکہ اس کا جواب دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۱ھ۔

---

(۱) (صحیح البخاري، کتاب التوحید، باب قول اللہ: ﴿واللہ خلقکم وماتعملون﴾ الخ: ۱۱۲۷/۲، قدیمي)

(۲) (شرح العقائد النسفیة، القران کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق، ص: ۵۸، قدیمي)

کیا سورۂ لہب کا پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال[۱۰۰۵۹]: سورہ لہب کا فرض نماز میں پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سورہ لہب بھی قرآن کریم کی سورت ہے۔اس کا بھی نماز میں پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾(۱). واللّٰه تعالیٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲ھ۔

آیت قطب اور اس کے پڑھنے کا طریقہ

سوال[۱۰۰۶۰]: ۱...... قرآن کریم میں آیت قطب کون سی آیت ہے۔

۲...... اس کے پڑھنے کا طریقہ اور اس کے اثرات کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پارہ نمبر۴ میں ﴿وما النصر إلا من عندالله العزیز الحکیم﴾ الخ(۲) کو آیت قطب کہتے ہیں۔ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اس کو پڑھنا بعض اکابر سے منقول ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۷/۱۳ھ۔

قرآن پاک کا معنی سمجھے بغیر تلاوت کرنا

سوال[۱۰۰۶۱]: قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معنی پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص قرآن شریف کے معنی نہیں سمجھتا اور تلاوت کرتا ہے، وہ بھی مستحق اجر ہے۔

لحدیث: "من قرأ حرفاً من کتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشرة أمثالها. لا أقول

(۱) (المزمل: ۲۰)

(۲) (آل عمران: ۱۲۶)

ـم حرف، الف حرف، ولام حرف، وميم حرف" رواه الترمذي(۱)، والدارمي (۲) (مشكاة شريف، ص: ۱۸٦)(۳). والله تعالیٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲ھ۔

قرآن کریم بواسطہ جبرئیل آیا اور توراۃ بلاواسطہ

سوال[۱۰۰۶۲]: جناب مفتی صاحب!

الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور اسی پر ہمارا عمل ہے، لیکن بعض مرتبہ غور کرنے سے ایسی باتیں ذہن میں آتی ہیں، جو غور طلب ہوتی ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز آپ کے سامنے پیش کروں، تاکہ آپ کی صحیح رائے اس مسئلہ میں معلوم ہوسکے، مسئلہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر نازل فرمائے، جس میں بڑے بڑے چار ہیں، ان کی کتابیں بھی بڑی مانی جاتی ہیں، لیکن غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے توریت کو بلاواسطہ نازل فرمایا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن شریف بواسطۂ جبریل علیہ السلام، قرآن شریف میں ﴿امن الرسول﴾ سے مترشح ہوتا ہے، جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

توراۃ کتاب بصورت الواح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی (۴)، جیسے کسی شخص کو کسی جگہ کا ذمہ دار

---

(۱) (جامع الترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء من قرأ حرفاً من القرآن فله من الأجر: ۱۱۹/۲، سعيد)

(۲) (سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن: ۵۲۱/۲، رقم الحديث: ۳۳۰۸، قديمي)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثاني: ۱۸٦/۱، قديمي)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وكتبنا له في الألواح من كل شئ﴾ يريد التوراة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الأعراف: ۱۴۵: ۲۲۴/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

بنایا جائے اور ایک ہدایت نامہ لکھ کر اسے حوالہ کر دیا جائے، کہ اس کے موافق عمل کرتے رہنا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عمل کیا اور امت کو اس پر عمل کی دعوت دی۔ قرآن پاک کلام ہے، جو ۲۳ سال کی مدت میں آہستہ آہستہ حسب مصالح ومواقع اتارا گیا(۱)، اس کو کتاب ہمارے اعتبار سے اس حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ اس کو لکھا گیا۔ (لوح محفوظ) سے اس کو نازل کیا گیا (۲)۔ جیسے کسی کو ولی عہد بنایا جائے اور ہر ہر موقع پر اس کو بواسطہ یا بلا واسطہ بتایا کہ اس وقت یہ کرو، اس وقت یہ کرو، کلام اور کتاب میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے، اس حیثیت کی گہرائی میں جتنا بھی غور کروگے، قرآن پاک کی عظمت کا یقین بڑھتا جائے گا اور موجودہ حالت میں توریت اصلی باقی ہی نہیں رہی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یحرفون الکلم عن مواضعه﴾(۳).

= "إن الله لما كتب لموسى عليه السلام في الألواح التوراة أدناه منه حتى سمع صريف الأقلام ... الخ". (تفسير الطبري، الأعراف: ۱۴۵: ۹/۴۹، دار القرآن بيروت)

(وكذا في تفسير المدارك، الاعراف: ۱۴۵: ۱/۴۳۹، قديمي)

(۱) "حيث قالوا: ﴿لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة﴾ ..... فأجابهم الله تعالىٰ عن ذلك بأنه إنما نزل منجماً في ثلاث وعشرين سنة بحسب الواقع والحوادث، وما يحتاج إليه من الأحكام؛ ليثبت قلوب المؤمنين به". (تفسير ابن كثير، الفرقان: ۳۲: ۳/۴۲۴، دارالسلام، رياض)

(وكذا في روح المعاني، الفرقان: ۳۲: ۱۹/۱۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، ۱۳/۲۲، ۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿إنا أنزلنٰه في ليلة القدر﴾ قال: أنزل القرآن جملة واحدة من عندالله عزوجل في اللوح المحفوظ إلى السفرة الكرام الكاتبين في السماء ... فنجمه جبريل عليه السلام على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عشرين سنة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۳/۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، القدر: ۱: ۳/۴۲۴، دارالسلام)

(وكذا في تفسير المدارك، القدر: ۱: ۲/۸۲۲، قديمي)

(۳) (المائدة: ۱۳)

وقال تعالی: ﴿یکتبون الکتاب بأیدیهم ثم یقولون هذا من عندالله﴾(۱).

اس دنیا میں کلام فرمانے اور مقام قاب قوسین پر بلاکر کلام فرمانے کے فرق کو بھی ملحوظ رکھیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (البقرة: ۷۹)

باب مایتعلق بالحدیث النبوي

(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)

طبقاتِ حدیث

سوال[۱۰۰۶۳]: شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے عجالۂ نافعہ میں طبقات بیان فرمائے ہیں، وہ کیا کیا ہیں؟ احناف کا مسلک احادیث کی روشنی میں اور صحابہ کرام کا عمل بیان فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب حنفی محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجالۂ نافعہ میں کتب حدیث کے طبقات بیان فرمائے ہیں (۱)۔ یہ مضمون اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حنفی محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لیا ہے، جس کو انہوں نے تفصیل سے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے (۲)۔

ثقہ احادیث کے لئے محدثین نے جو قوانین تجویز فرمائے ہیں، ان کے لحاظ سے کتب حدیث چند طبقات پر ہیں۔ سب سے اعلیٰ طبقہ میں تین کتابیں شمار کی ہیں:

۱-موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ (ام الصحیحین) ۲-بخاری شریف ۳-مسلم شریف

فالطبقة الأولى منحصرة بالاستقراء في ثلاثة كتب الموطأ، وصحيح البخاري، وصحيح مسلم اور حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۳۲ (۳) طبقہ ثانیہ میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

الطبقة الثانية كتب لم تبلغ مبلغ الموطأ والصحيحين، ولكنها تتلوها .... كسنن أبي

---

(۱) (عجالہ نافعہ، فصل اول، طبقات کتب حدیث، ص: ۳-۵، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۷۷-۳۸۲، زمزم پبلشرز)

(۳) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۷۷، زمزم پبلشرز)

داود رحمه الله تعالى جامع الترمذي رحمه الله تعالى، ومجتبى النسائي رحمه الله تعالى اور حجة الله البالغة: ۱/۱۳۳(۱) میں طبقہ ثالثہ میں مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند طیالسی کتب بیہقی وطبرانی وغیرہ کو داخل کیا ہے(۲)۔

طبقہ رابعہ میں کتاب الضعفاء لابن حبان، کامل ابن عدی کتبِ خطیب دیلمی وغیرہ کو ذکر کیا ہے(۳)۔

طبقہ خامسہ میں کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا، بلکہ اس کو قطعاً ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ آخر میں ہر طبقہ کا مقام بیان کیا ہے۔

"أما الطبقة الأولى والثانية: فعليهما اعتماد المحدثين، وحوم حماهما مرتعهم ومسرحهم. وأما الثالثة: فلا يباشرها للعمل عليها والقول لها إلا النحارير الجهابذة الذين يحفظون اسماء الرجال علل الاحاديث، نعم! ربما يؤخذ منها المتابعات، والشواهد، ﴿وقد جعل الله لكل شيء قدراً﴾.

وأما الرابعة فالاشتغال بجمعها والاستنباط منها نوع تعمق من المتأخرين. وإن شئت الحق فطوائف المبتدعين من الرافضة والمعتزلة وغيرهم يتمكنون بادنى عناية أن يلخصوا منها شواهد مذاهبهم، فالانتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث الخ" حجة الله البالغة: ۱/۱۳٤(٤).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

"إنما أنا قاسم والله يعطي" کی تحقیق

سوال[۱۰۰۲۴]: کچھ احباب نے تذکرہ کیا کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر دروازے پر درج ذیل

(۱) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۸۰، زمزم پبلشرز)

(۲) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۸۰، زمزم پبلشرز)

(۳) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۸۱، زمزم پبلشرز)

(۴) (حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث: ۱/۳۸۲، زمزم پبلشرز)

حدیث کندہ ہے:

''اے محمد! کہہ دو کہ ہمارا خدا ہم کو دیتا ہے اور ہم سب کو دیتے ہیں''۔

آنجناب سے گزارش ہے کہ یہ روایت جہاں تک صحیح ہو یا جیسا بھی ہو نوازیں، اگر کندہ حدیث ہو تو اس کا حوالہ بھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"إنما أنا قاسم والله يعطي" (الحديث).

بخاری شریف، جلد اول، ص: ۱۶، پر موجود ہے(۱)۔ امام بخاری کا اس حدیث کو لینا اور اس کی تخریج کرنا، خود اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے اور بھی حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

نوٹ: یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، جس میں یہ نہیں فرمایا اے محمد! کہہ دو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

بنایانِ کعبہ کے وقت ازار مبارک اتار دینا

سوال[۱۰۰۶۵]: قبل النبوت جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر اپنا ازار مبارک بناءِ دیوارِ کعبہ کے موقع پر دوش پر رکھ لیا تھا، یہ واقعہ بخاری کے کس باب میں ہے اور صفحہ کیا ہے؟ اس کا ترجمۃ الباب کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر اس وقت کیا ہوگی؟

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب: من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين، رقم الحديث: ۷۱، ص: ۱۷، دار السلام)

(وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب النهي عن المسألة، رقم الحديث: ۱۰۳۷، ص: ۴۱۷، دار السلام)

(۲) "وعن معاوية رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين، وإنما أنا قاسم والله يعطي". (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۵۹، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

باب کراهية في الصلاة وغيرها، ص: ۵۲(۱)، باب فضل مكة وبنيانها، ص: ۲۱۵(۲)، باب بنيان الكعبة، ص: ۵۴۰(۳) بخاری شریف جلد اول میں تین مواقع پر یہ واقعہ مذکور ہے(۱)۔ تراجم وصفحات نقل کردیئے ہیں۔

بعض شراح کی رائے ہے کہ عمرِ مبارک اس وقت پندرہ سال تھی، لیکن عام مورخین وشراح نے ۳۵ سال لکھی ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "حدثنا عمرو بن دينار قال: سمعت جابر بن عبدالله يحدث: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينقل معهم الحجارة للكعبة وعليه إزاره، فقال له العباس عمه: يا ابن أخي! لو حللت إزارك فجعلت على منكبيك دون الحجارة، قال: فحله فجعله على منكبيه، فسقط مغشيا عليه، فمارئي بعد ذلك عريانا". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب كراهية التعري في الصلاة: ۵۲/۱، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها: ۲۱۵/۱، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب بنيان الكعبة: ۵۴۰/۱، قديمي)

(۴) "وذكر ابن اسحق وغيره أن قريشا لما بنت الكعبة كان عمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خمساً وعشرين سنة". (فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب بنيان الكعبة: ۱۸۵/۷، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب مناقب الأنصار، باب بنيان الكعبة: ۳۹۵/۱۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"(قوله: بنيان الكعبة) أي: على يد قريش في حياة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبل بعثته كذا في الفتح، قال العيني: قال الزهري: لما بنت قريش الكعبة لم يبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحلم، وقال ابن بطال وابن التين: كان عمره خمس عشرة سنة. والمشهور أن بناء قريش الكعبة بعد تزويج خديجة (رضي الله تعالىٰ عنها) بعشر سنين فيكون عمره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؛ إذ ذاك خمسة وثلاثين سنة وهو الذي نص عليه محمد بن إسحق، قال موسىٰ بن عقبة: كان بناء الكعبة قبل المبعث بخمس عشر سنة، وهكذا قال مجاهد وغيره". (حواشي الحافظ الشيخ المحدث أحمد علي السهارنفوري على صحيح البخاري، باب بنيان الكعبة: ۵۴۰/۱، قديمي)

سات لاکھ والی حدیث کا ثبوت

سوال[۱۰۰۶۶]: آج جو جماعتیں پھرتی ہیں، ان کے فضائل مختلف احادیث سے لوگ بیان کرتے ہیں، خصوصاً ۷/ لاکھ والی حدیث، تو اس کے بارے میں حضرت والا احقر کے لئے کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسالہ فضائل تبلیغ میں دیکھ لیں(۱)۔ ۷/ لاکھ والی روایت حافظ منذری کی ترغیب ترہیب میں موجود ہے(۲)، "الغدوۃ" اور "روحة في سبيل الله" والی روایت کو عامۂ شراح حدیث نے جہاد پر محمول فرمایا ہے(۳)۔ عام اذہان میں جہاد کا مفہوم قتال فی سبیل اللہ ہے۔ حالانکہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غالباً تیرہ قسمیں تحریر فرمائی ہیں۔ جس میں جہاد باللسان اور جہاد بالقلم بھی ہے(۴)۔ جہاد ماخوذ ہے جہد سے، جس کا حاصل دین کی خاطر

---

(۱) (فضائل تبليغ، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلوي رحمه الله تعالىٰ، كتب خانه فيضي)

(۲) "عن الحسن بن علي ..... وعمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنهم كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من أرسل نفقة في سبيل الله، وأقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله، وأنفق في وجهه ذلک فله بكل درهم سبعمائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضعف لمن يشآء﴾ (البقرة: ۲۶۱)". (الترغيب والترهيب، كتاب الجهاد، الترغيب في النفقة في سبيل الله: ۱/ ۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب الغدوة والروحة في سبيل الله، رقم الحديث: ۲۷۹۲: ۶/ ۱۲، قديمي)

(۴) (عمدة القاري، كتاب الجهاد والسير، باب الغدوة والروحة في سبيل الله، رقم الحديث: ۲۷۹۲: ۱۴/ ۱۲۸، دارالكتب العلمية بيروت)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ تیرہ قسمیں تو تلاش کے باوجود نہ مل سکیں، البتہ زاد المعاد اور فتح الباری میں کچھ قسمیں مذکور ہیں، جو تقریباً دس تک پہنچتی ہیں۔

"كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الذّروة العليا منه ..... فجاهد في الله حق جهاده بالقلب والجنان والدعوة والبيان والسيف والسنان ..... فالجهاد أربع مراتب: جهاد النفس، وجهاد الشيطان، وجهاد الكفار، وجهاد المنافقين، فجهاد النفس أربع مراتب ..... وأما جهاد الشيطان فمرتبتان ..... وأما جهاد الكفار والمنافقين فأربع مراتب ..... الخ". (زاد المعاد، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ =

خدائے پاک کی دی ہوئی صلاحیت واستعداد کو اپنی وسعت کے موافق صَرف کرنا ہے، یہ مفہوم ہر نوع کے جہاد کو شامل ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۵ھ۔

ایک حدیث کا مطلب

سوال[۱۰۰۶۷]: اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟

"قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يوم فتح مكة "أن هذا الاكفرى بعد يوم إلى يوم القيامة"(۲).

= عليه وسلم في الجهاد، ص: ۴۰۰، ۴۰۲، دار الفكر)

"وشرعا بذل قوة في قتال الكفار، ويطلق أيضاً على مجاهدة النفس، والشيطان، والفساق. فأما مجاهدة النفس فعلى تعلم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأما مجاهدة الشيطان فعلى دفع ما يأتي به من الشبهات، وما يزينه من الشهوات. وأما مجاهدة الكفار فتقع باليد، والمال، واللسان والقلب. وأما مجاهدة الفساق فباليد، ثم اللسان، ثم القلب". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير: ۶/۳، قديمى)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الجهاد: ۴/۱۹۲، إمداديه)

(۱) "إن الجهاد لايختص بمباشرة القتال، وإنما هو كل جهد يبذل في سبيل إعلاء كلمة الله وكسر شوكة الكفر والكفار، سواء كان بالسلاح، أو بالمال، أو بالعمل، أو بالقلم، أو باللسان". (تكملة فتح الملهم، كتاب الجهاد: ۳/۴، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب السير: ۹/۳۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الجهاد: ۴/۱۹۲، إمداديه)

(۲) یہاں بظاہر کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، احادیث کی بہت سی کتب میں فتح مکہ کے موقع پر اس مضمون کی روایات اس طرح موجود ہیں:

"إن هذا البلد حرام" حرمه الله لم يحل فيه قتال لأحد قبلي، وأنها أحلت لي ساعة فهو حرام حرمه الله إلى يوم القيامة". (سنن الكبرى للبيهقي، كتاب اللقطه، باب لاتحل لقطة مكة إلا لمنشد، رقم: ۱۲۱۱۸: ۶/۳۲۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن النسائي، مناسک الحج، تحريم القتال فيه، رقم: ۲۸۷۶: ۵/۲۲۶، دار المعرفة بيروت) =

حدیث بالا میں لفظ ''مکہ'' آیا ہے، اس کے تحت مدینہ طیبہ داخل ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حدیث کا حوالہ دیا جائے کہ کس کتاب اور کس باب میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

"الإسلام بدأ غريباً"

سوال[۱۰۰۲۸]: "الإسلام بدأ غريباً" کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام کی بتائی ہوئی باتیں عقائد، اخلاق، اعمال، عبادات کو جس طرح لوگوں نے ابتداءً اجنبی سمجھا اور تعجب اور انکار کی نظروں سے دیکھا، اسی طرح بعد میں بھی لوگ اجنبی سمجھیں گے اور تعجب وانکار کی نظروں سے دیکھیں گے، اس پر فرمایا گیا ہے(۱)۔

"فطوبیٰ للغرباء قیل من الغرباء؟ قال: الذین یصلحون عند فساد الناس" الحدیث(۲). واللّٰہ تعالیٰ أعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۶/۲۰ھ۔

= (وصحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، رقم: ۳۱۸۹، ص: ۵۳۱، دارالسلام رياض)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عباس رضي الله تعالى عنه، رقم: ۲۳۵۳: ۱/۲۸۱، عالم الكتب بيروت)

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۳۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتح الملهم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريباً وسيعود غريباً: ۱/۲۸۹، رشيديه)

(وكذا في تحفة الأحوذي على هامش الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريباً وسيعود غريباً: ۳/۳۶۳، المكتبة الفاروقية ملتان)

(۲) (سنن الترمذي، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ۲۶۲۹: ۴/۳۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الفتن، رقم الحديث: ۳۹۸۸: ۵/۴۲۹، دارالجيل)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان: ۱/۸۴، قديمي)

حضرت شمس تبریز کی پیدائش سے متعلق ایک بے سند واقعہ

سوال[۱۰۰۶۹]: زید نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، صورت یہ بتائی کہ حضرت مولانا روم کی جولڑکی تھی، اس کے پیٹ میں درد ہوا، اس نے باپ سے جاکر کہا کہ ابا جان! میرے شکم میں درد ہے، آپ نے فرمایا کہ فلاں طاق میں شیشی رکھی ہوئی ہے، اس میں سے دوا استعمال کرلو، لڑکی نے ایسا ہی کیا، مگر اس طاق میں ایک دوسری شیشی رکھی ہوئی تھی، جس میں حضرت منصور کی راکھ تھی، بس وہ استعمال کرلی، اس سے لڑکی کو حمل قرار پایا، اس سے حضرت شمس تبریز پیدا ہوئے، کیا یہ واقع صحیح ہے؟ کتاب کا نام یاد نہیں ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ واقعہ بے سند بلکہ بے اصل ہے، مولانا شمس تبریز رحمہ اللہ تعالیٰ تو مولانا روم کے شیخ اور بزرگ تھے، مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیٹی کے لڑکے نہیں تھے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریز نہ شد

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معراج نامہ کی ایک موضوع روایت

سوال[۱۰۰۷۰]: ہمارے یہاں ایک پیر مشائخ ہوکر ایک بزرگ گزرے ہیں یا نہیں، ان کی کتاب معراج نامہ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج نصیب ہوئی اس وقت ساتویں آسمان پر دسترخوان بچھایا گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تنہا نہیں کھاؤں گا، میرے ساتھ کسی اور شخص کا ہونا بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کھانا تناول فرمایئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کیا اللہ سے، میرا ساتھ دیجئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں کھانے وغیرہ سے منزہ ہوں، اس وقت پردہ سے ایک ہاتھ نمودار ہوتا ہے، وہ ہاتھ بھی کھانے میں شریک ہے۔

ہاتھ جو نمودار ہوا تھا، اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی بھی تھی، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے

تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انگلی میں انگوٹھی دیکھی، جو انگوٹھی ساتویں آسمان پر دیکھی تھی، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ انگوٹھی کس کی ہے؟ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ انگوٹھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھانے میں شریک تھے۔

آیا یہ مطلب صحیح ہے یا نہیں تو ایک پیر مشائخ جو ایک خداداد بزرگ تھے، ان کے لکھنے کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ تحقیق مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روایت اردو، فارسی، عربی کی کسی کتاب میں نہیں دیکھی، بے سند بات کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا ہرگز جائز نہیں، سخت معصیت ہے (۱)۔ یہ معراج نامہ میں نے نہیں دیکھا، نہ ان بزرگ سے واقف ہوں، اس قصہ کا غلط اور نبوت کے خلاف ہونا ظاہر ہے، بعض آدمی کتاب لکھ کر کسی بزرگ کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من کذب علي متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار". (صحیح مسلم، مقدمة الکتاب، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۸، دارالسلام)

(وصحیح البخاري، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲۴، دارالسلام)

(وسنن ابن ماجة، کتاب السنة، باب التغلیظ في تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۱/۶۳، دارالجیل)

باب الكتب المعتمدة وغيرها

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

بخاری ومسلم کی شروح کا حال

سوال[۱۰۰۷۱]: ایک عالم مسلم شریف کی شرح کرتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح معتبر ہے یا کہ نہیں اور ایسے عالم پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟ شرحیں جیسے: فتح الباری، عینی، مرقات، اشعۃ اللمعات، یہ سب معتبر ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے امام ہیں، انہوں نے مسلم شریف کی شرح کی ہے اور بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں، بلکہ یہ کہئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے محقق، منقح ہیں، شرح حدیث اور جرح وتعدیل میں ان کا قول معتبر ہے، مگر مذہباً وہ شافعی ہیں، اس لئے فقہ میں ان کا قول حنفیہ پر حجت نہیں (۱)، فتح الباری بھی معتبر کتاب ہے، اس کا حال بھی ایسا ہی ہے (۲)۔ عینی (۳)، مرقات (۴) اشعۃ اللمعات (۵) یہ

(۱) "ثم اعتنى بالتصنيف، فجمع شيئاً كثيراً، منها ما أكمله، ومنها مالم يكمله، فمما كمل شرح مسلم، والروضة، والمنهاج، والرياض، والأذكار، والتبيان، وتحرير التنبيه وتصحيحه، وتهذيب الأسماء واللغات، وطبقات الفقهاء وغير ذلک. ومما لم يتممه ولو كمل لم يكن له نظير في بابه: شرح المهذب الذي سماه المجموع، وصل فيه إلى كتاب الربا ...... وحرر الفقه في المذهب وغيره وحرر الحديث على ماينبغي، والغريب، واللغة وأشياء مهمة لا توجد إلا فيه ...... الخ". (البداية والنهاية، السنة السادسة والسابعين وست مائة. الشيخ محي الدين النووي: ۷/۳۲۲، ۳۲۳، حقانيه پشاور)

(۲) (فتح الباري شرح صحيح البخاري للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (۷۷۳هـ - ۸۵۲هـ)

(۳) (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري للإمام العلامة بدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد العينى =

تینوں کتابیں حنفیہ کی ہیں اور معتبر ہیں، ان کو غیر معتبر قرار دینا مذہب اور شرح سے عدم واقفیت کی بناء پر ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

کتاب ''صلوۃ وسلام کا ثبوت'' کا تجزیہ

سوال[۱۰۰۷۲]: ایک کتاب (صلوۃ وسلام کا ثبوت) کا اس مقام میں سلسلہ اشاعت بڑھتا ہی جارہا ہے، جس سے اہل بدعت کو کچھ نہ کچھ ترقی ہی ہوتی جارہی ہے، بایں وجہ اگر حضرت اقدس اس کتاب کا جواب عنایت فرمادیں، تو اس کی یہاں اشاعت کے لئے کوشش کی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کتاب ''صلوۃ وسلام کا ثبوت'' پہونچی، ماشاء اللہ عقل وفہم سے مالا مال ہے، مسئلہ تو یہ تھا کہ نماز کے بعد جماعت بناکر ہاتھ باندھ کر صلوۃ سلام پڑھنے کا ثبوت اُدلہ شرعیہ سے ہے یا نہیں؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ائمہ مجتہدین، محدثین عظام، اولیائے ذوی الاحترام رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے یا نہیں؟ مصنف دام فضلہ نے اس کے لئے کوئی عبارت نہیں پیش کی ہے، غیر متعلق مسائل کے لئے عبارت جمع کردی ہیں، لیکن جو دکھتی رگ تھی، اس کے لئے ایک عبارت بھی نہیں پیش کرسکے، بے سروسامانی کے عالم میں مجبوراً لکھنا پڑا: ''اللہ اکبر! آج مسلمان کہنے والوں کا یہ عالم کہ چند مسلمان بعد نماز فجر صلوۃ وسلام کہنے کو اپنا شعار بنالیں، تو اس پر شور برپا کیا جائے کیا ایمان والے ایسا کرسکتے ؟ نہیں! ہرگز نہیں، ص: ۲۳''۔

مصنف کا یہ آخری حربہ ہے، نفس صلوۃ سلام کے متعلق کس مسلمان کو انکار ہے؟! اس کی فضیلت اور اس کے ثبوت کا کوئی منکر نہیں، دیکھو! حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تصنیف، کس شان کے ساتھ فضائل درود شریف کو بیان فرمایا ہے اور کتنی آیات وروایات کو جمع کردیا ہے، دیدۂ ودل اس سے روشن

= المتوفى سنة، ۸۵۵هـ)

(۱) (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للعلامة المرحوم برحمة الباري علي بن سلطان محمد القاري، ۹۳۰-۱۰۱۴هـ)

(۲) (أشعة اللمعات شرح مشكاة للشيخ عبدالحق محدث الدهلوي، المتوفي: ۱۳۵۰هـ-۱۳۵۲هـ)

ہوجاتے ہیں، نیز حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی شیخ الحدیث کی تصنیف، نیز علامہ سخاوی، امام نووی، ملاعلی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے اس مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

اب انہیں چیزوں کو نقل کر کے لکھنا مصنف علام کے لئے مفید نہیں، جب تک نقلی ثبوت پیش نہ کریں، شعار تو وہ ہے جس کو شریعت نے شعار قرار دیا ہو، جب کہ اصل مسئلہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں موجود ہے تو اس کے متعلق از خود کسی خاص چیز کو شعار بنانے کا حق کہاں ہے؟ حضرت سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ساتھ کیا صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین، محدثین عظام، اولیاء ذوی الاحترام رحمہم اللہ تعالیٰ کو قلبی محبت نہیں تھی؟ کیا وہ عشق میں سرشار نہیں تھے؟ وہ تو ایسے سرشار تھے کہ اپنی زندگی کا ایک ایک گوشہ سنت سے معمور کیا اور چار دانگ عالم میں سنت کی اشاعت کی، اس کی خاطر دنیوی ناموس پر لات ماردی، مال خرچ کئے، خاندان سے بے تعلق ہونے کی نوبت آئی، وطن چھوڑنا پڑا کہ ان کی پوری زندگی سنت کے مطابق ہوجائے، مگر انہوں نے یہ صورت اختیار نہیں فرمائی، جس کو مصنف علام شعار بنا رہے ہیں اور شعار بنانے کی دعوت دے رہے ہیں۔

غیر شعار کو شعار بنانا کس دلیل سے ثابت ہے؟ ساری کتاب اس سے خالی ہے، اس ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ با آوازِ بلند پڑھنے سے دوسروں کی نماز وغیرہ میں کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ تو خود مصنف کو معلوم ہے، فقہی مسئلہ مسلّم ہے کہ جس طرح دوسرا کوئی اپنے کام میں مشغول ہو، مثلاً: قرآن کریم کی تلاوت، نماز وغیرہ میں، تو وہاں با آواز بلند قرآن کریم پڑھنا منع ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری (۱)، شامی (۲) وغیرہ میں موجود ہے، تو صلوۃ وسلام با آوازِ بلند پڑھنے کی کہاں اجازت ہوگی؟ نیز روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو کچھ صلوۃ وسلام پڑھا جائے، اس کو بنفسِ نفیس حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جائے، وہ بواسطہ

(۱) "لا يقرأ عندا لمشتغلين بالأعمال، ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، وفي موضع اللغو كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن...... : ۵/۳۱۶، رشيديه)

(۲) "يجب على القارئ احترامه بأن لايقرأ في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۴۶، سعيد)

ملائکہ خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے، جیسا کہ سنن بیہقی کی روایت میں صاف صاف موجود ہے(۱)۔ جس کو کسی نے اردو میں بھی نظم کیا ہے:

ذات اقدس پر جہاں سے جو بھی پڑھتا ہے سلام
لا کے پہونچاتے ہیں خدمت میں ملائک من وعن
سامنے آکر پڑھے جو اس کو وہ سنتے ہیں خود
ہے یہ ثابت اس پہ شاہد ہیں روایاتِ سنن

مزید تفصیل کے لئے گلدستہ سلام، فضائل دورود شریف وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ فضائل درود شریف کو جس قدر بھی طبع کراکے شائع کیا جائے، بہت مفید ہے، کسی مزید تصنیف کی حاجت نہیں، آپ کی اس کتاب کی تردید کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں اصل مسئلہ کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی، بلکہ سلف صالحین کے خلاف خود شعار بنانے کی رائے دی گئی ہے، جو خود اس کے محدث اور بدعت ہونے کی دلیل ہے۔ صحیحین کی روایت میں ہے:

"من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد متفق عليه" مشكاة المصابيح: ۱/۲۷(۲)۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) تلاش کے باوجود یہ روایت سنن الکبری للبیہقی میں نہیں ملی، البتہ یہی روایت امام بیہقی کی تصنیف "شعب الایمان" میں موجود ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته". (شعب الإيمان، الخامس عشر، باب في تعظيم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وإجلاله وتوقيره: ۲/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۵۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث: ۱/۸۷، قديمي)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۲۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲/۲۹۰، رحمانيه)

تفہیم القرآن کا حال

سوال[۱۰۰۷۳]: تفہیم القرآن میں کس کس جگہ اختلاف ہے اور یہ اختلاف کس کس قسم کا ہے؟ براہِ کرم تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تفہیم القرآن میرے پاس نہیں ہے، بغیر اس کو سامنے رکھے تفصیلی جواب نہیں لکھا جا سکتا۔ دوسرا سبب جو پہلے سبب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کتاب کہیں سے حاصل بھی کی جائے، تو جواب کے لئے ہر چیز کے متعلق پوری بحث کی ضرورت ہوگی کہ یہ تفسیر فلاں حدیث کے خلاف ہے، اس حدیث کی سند یہ ہے، اس سند میں فلاں فلاں راوی ہیں، اس راوی کے متعلق فلاں فلاں محدث نے ایسا ایسا کلام کیا ہے۔ اور یہ کلام فلاں فلاں کتاب میں موجود ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فلاں حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور وہ حدیث محدثین کے نزدیک ایسی ہے کہ وہ فلاں حدیث سے متعارض ہے اور تعارض کے دفعیہ کی یہ صورت ہے کہ وہ راجح اور وہ مرجوح ہے اور وجہ ترجیح یہ ہے، یا فلاں ناسخ ہے اور فلاں منسوخ ہے اور نسخ کی دلیل فلاں صحابی کی حدیث ہے، اس لئے کہ وہ متاخر الاسلام ہیں، یا فلاں آیت کی تفسیر خود فلاں آیت کے خلاف ہے، یا فلاں صحابی کے اثر کے خلاف ہے یا اجماع کے خلاف ہے یا فلاں آیت کی تفسیر بائیبل سے ماخوذ ہے اور بائبل تحریف شدہ ہے، پھر یہ کہ اس کی تحریف لفظی ومعنوی ہے یا صرف لفظی ہے، یا صرف معنوی ہے۔

غرض یہ بہت بڑا صحرا ہے، اگر کوئی شخص علم تفسیر، شرح غریب، استنباط، جرح وتعدیل، تطبیق، دفع تعارض، ناسخ منسوخ وغیرہ علوم سے واقف ہو، تو اس کے لئے مختصر جواب بلکہ اشارہ بھی کافی ہوگا، جیسے قانونی دفعات کی بحث کا حال ہوتا ہے کہ وکیل، بیرسٹر، جج وغیرہ کو اس کا سمجھنا سہل ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی قانون سے ناواقف ہو، اگر چہ بہت بڑا ڈاکٹر، انجینئر، طبیب، قاری، حاجی ہو، مگر قانونی دفعات کا بالتفصیل اس کو سمجھانا دشوار ہوتا ہے، اب تک اس کا کوئی حل سامنے نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۶ھ۔

ایک کتاب کے متعلق لاعلمی

سوال[۱۰۰۷۴]: دارالاشاعت دیوبند سے ایک کتاب فتاویٰ محمودی شائع ہوئی تھی، اس پر

۱۳۴۷ھ اشاعت ہے، یہ پہلی بار کس سن میں طبع ہوئی اور کس مطبع سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

کتاب ''جلوۂ طور'' کا پڑھنا

سوال[۱۰۰۷۵]: مولانا محمد اسحاق دہلوی کی تصنیف ''جلوۂ طور'' وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں، بغیر دیکھے کوئی رائے کیسے قائم کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النبی'' کا مطالعہ

سوال[۱۰۰۷۶]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف اشرف الجواب کے حصہ چہارم کے ص: ۱۶۳، پر عنوان ''تفاضل تفصیلی بین الأنبیاء ممنوع ہے''، میں کتاب ''سیرت النبی'' مصنفہ مولانا شبلی نعمانی جس کی تکمیل مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے فرمائی ہے، اس پر اعتراض کیا گیا ہے(۱)۔ اور مصنف صاحب پر تنقید کی گئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ کتاب ۶ /ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور میرے پاس موجود ہے، کیا اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کی سند میں کچھ شک وشبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتاب ''سیرت النبی'' مصنفہ علامہ شبلی نعمانی میں بعض احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے، جو کہ غلط ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی آزادمزاجی کی وجہ سے بعض غلطیاں ہیں، اہل علم تو سمجھتے ہیں اوروں کو پتہ نہیں چلتا، چونکہ ان کا مقصود اس کتاب سے عیسائیوں کو جواب دینا ہے، اس لئے بھی مضمون کی پوری رعایت نہیں ہوسکتی، سید

---

(۱) (اشرف الجواب، حصہ چہارم، انتالیسواں اعتراض، تفاضل تفصیلی بین الانبیاء ممنوع ہے، ص: ۵۰۵، ۵۰۷، مکتبہ عمر فاروق)

سلیمان ندوی صاحب نے بعد کے ایڈیشن میں کچھ سنبھالا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

فتاویٰ رشیدیہ کی تحقیق

سوال [۱۰۰۷۷]: فتاویٰ رشیدیہ، اس پر سن اشاعت ۱۳۴۸ھ ہے، یہ کتاب پہلی بار کس سن میں طبع ہوئی اور علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کس زمانہ میں ہوئے ہیں، فتوی رشیدیہ میں متعدد جگہ پر رشید احمد لکھا ہوا ہے، کیا یہ تاریخ دینے کی ۱۳۰۱ھ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تحقیق نہیں کہ پہلی بار کب طبع ہوا ہے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہے(۱)۔ اور مجموعہ فتاویٰ رشیدیہ ان کی وفات کے بعد طبع ہوا ہے۔ ۱۳۰۱ھ، یہ مہر بننے کی تاریخ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

فقہ کی معتبر کتابیں

سوال [۱۰۰۷۸]: درج ذیل مسئلہ میں کتب معتبرہ کی عبارت مع ترجمہ تحریر کریں:

اگر کوئی عالم فتوی کی کتابیں جیسے: عالمگیری، درمختار، رد المحتار، فتح القدیر، فتوی عزیزیہ، فقہ اکبر، شرح فقہ اکبر کو نہ مانے اور یہ کہے کہ ”نہیں! قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع امت اور قیاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو نہیں مانتا ہوں“ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ فتوی کی یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر معتبر ہیں، تو ان کے منکر کا کیا حکم عائد ہوتا ہے؟ اور ان کتابوں میں قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع امت اور قیاس ہی کی باتیں ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص قرآن وحدیث، اجماع، قیاس (چاروں اصول فقہ) کے علاوہ کسی چیز کو بطور دلیل شرعی نہ مانتا

---

(۱) (تذکرۃ الرشید: ۲/۱۳۲، ادارہ إسلامیات)

ہو وہ صحیح راستہ پر ہے، فتویٰ عالمگیری، ردمختار، ردالمحتار، فتح القدیر، فتاویٰ عزیزی، فقہ اکبر، شرح فقہ اکبر، یہ سب کتابیں بحیثیت مجموعی معتبر اور قابلِ عمل ہیں۔

ان میں فقہ حنفی کے مطابق مسائل درج ہیں، بھول چوک وخطا سب کے ساتھ ہے، اگر ان کتابوں میں کوئی مسئلہ بھول یا خطا کے ماتحت ہو بھی تو اس سے تمام کتابوں کو غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا، جو شخص ان کتابوں کو نہیں مانتا، اس سے اس کی وجہ اور تشریح دریافت کی جائے، چونکہ اس کو عالم کہا گیا ہے تو ضرور وہ اپنی بات کی وجہ اور تشریح بیان کرے گا، اس کی بات پر حکم لگانے میں جلدی نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

رسالہ آستانہ پڑھنا

سوال [۱۰۰۷۹]: آستانہ رسالہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آستانہ وغیرہ میں صحیح وغلط دونوں قسم کی آمیزش ہے، ہر بات قابلِ عمل وقابلِ اعتماد نہیں، اکثر رسالہ کا ایسا ہی حال ہے اور کم علم والے صحیح اور غلط میں فرق بھی نہیں کر پاتے، اس لئے ایسے لوگوں کو اخبارات ورسائل دیکھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، سید مہدی حسن غفرلہ، ۶/۴/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أن الواجب على العامي الاستفتاء من المفتي لا العمل بظواهر الأحاديث؛ لأن الحديث قد يكون منسوخاً وقد يكون ظاهره متروكاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مايفسد الصوم مع الكفارة: ۲/۲۵۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۱/۳۴۳، إمداديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل كان مريضاً في رمضان فخاف إن صام: ۲/۲۹۴، رشيديه)

باب في تذكرة الرجال

(رجال کا بیان)

محمد عبدالوہاب نجدی

سوال[۱۰۰۸۰]: محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں عقائد علماء دیوبند ص:۱۲۹١ ''ہمارے نزدیک اس کا حکم وہی ہے، جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے اور خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی، جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی اور تاویل سے امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے، اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے مال اور جان حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں، آگے فرماتے ہیں کہ ان کا حکم باغیوں کا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ یہ فعل تاویل سے ہے، اگرچہ باطل ہی سہی اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوا، اپنے کو حنبلی مذہب بتلاتے تھے، لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں۔ اور جو اس کے عقیدے کے خلاف ہو، وہ شرک ہے، اس بناء پر انہوں نے اہلِ سنت اور علمائے اہلِ سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ عبدالوہاب اور اس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلے میں نہیں ہے۔ نہ تفسیر وفقہ وحدیث کے علمی سلسلہ میں اور نہ تصوف میں، اب رہا مسلمانوں کے جان ومال اور آبرو کو حلال سمجھنا، سو یہ ناحق ہوگا یا حق؟ پھر اگر ناحق ہے، تو بلا تاویل ہے، جو کفر اور خارج از اسلام ہونا ہے اور اگر ایسی تاویل سے ہے جو شرعاً جائز نہیں تو فسق ہے اور اگر حق ہو تو جائز بلکہ واجب ہے۔

باقی رہا سلف اہلِ اسلام کو کافر کہنا، سو ہم ان میں سے نہ تو کسی کو کافر کہتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کافر سمجھتے

ہیں، بلکہ یہ فعل ہمارے نزدیک رفض اور دین میں اختراع ہے"(۱)۔ اس سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علماء دیوبند کے نزدیک وہ خارجی اور رافضی ہے، لیکن جان و مال اور آبرو کو حلال جاننے میں معاملہ صاف ہوا کہ حق کیسے ہوسکتا ہے، اگر حق ہوتا، تو علامہ شامی اس طرح کیسے کہتے؟ اب باقی رہا ناحق یا بلا تاویل یا تاویل فاسدہ یا تاویل جواز آپ کی نظر میں کون ٹھیک ہے؟ توضیح فرمائیں! اور ایک رسالہ میں دیکھا کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کی مقتدی اچھے اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کسی امام کو نہیں مانتے (۲)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہندوستان کے علماء نے محمد بن عبدالوہاب سے ملاقات نہیں کی، جیسی خبریں لوگوں نے سنائیں اور سنا کر دریافت کیا، اس کے متعلق جواب دیا، چونکہ مسلمان سے نیک گمان رکھنا چاہیے اور نیک گمان کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں (۳)، اسلام خود ضامن ہے، البتہ بدگمانی کی دلیل نہ ہو، اس لئے تکفیر میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

"كف اللسان والقلم عن تكفير مسلم" لازم ہے (۴)۔

---

(۱) (المهند على المفند يعنى عقائد علمائے اهلِ سنت ديوبند، جواب السوال الثاني عشر، ص: ۳۷، ۳۸، الميزان لاهور)

(۲) (فتاوی رشیدیه، مسائل منثوره، وہابی کا عقیدہ، ص: ۵۵۱، سعید)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ...﴾ (الحجرات: ۱۲)

"وروينا عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه قال: ولا تظنن بكلمة خرجت من أخيك المؤمن إلا خيرا، وأنت تجدلها في الخير محملا". (تفسير ابن كثير، الحجرات: ۱۲: ۴/۲۷۱، دار السلام)

"أخرج البيهقي في شعب الإيمان عن سعيد بن المسيب، قال: كتب إلى بعض إخواني من أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن ضع أمر أخيك على أحسنه مالم يأتك ما يغلبك ... الخ". (روح المعاني، الحجرات: ۱۲: ۲۶/۱۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "إن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر، واحتمال واحد في نفيه، =

محمد بن عبدالوہاب سے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، جس کو جیسا پہونچا لکھ دیا۔ اب اس بحث کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اس کے گروہ میں بھی بعض لوگ متشدد ہیں، بعض نرم ہیں، سب پر یکساں حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

سید قطب اور اخوان المسلمین

سوال[۱۰۰۸۱]: اخوان المسلمین اور سید قطب شہید کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخوان المسلمین اور سید قطب شہید نے اصلاحی قدم اٹھایا، حکومتِ وقت نے برداشت نہیں کیا، اس اصلاح کا تفصیلی نظام میرے سامنے نہیں کہ اس کے متعلق لکھ سکوں، کہ کس قدر وہ کتاب وسنت کے مطابق تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

شاہ ابن مسعود وشاہ فیصل کے عقائد

سوال[۱۰۰۸۲]: شاہ ابن مسعود اور شاہ فیصل کے عقائد وہی تھے، جو عبدالوہاب نجدی کے تھے، کیا

= فالأولیٰ للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في إفناء مسلم واحد". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۱۲۳، قديمی)

"ومنها إذا كان في المسئلة وجوه توجبه ووجه واحد يمنعه يميل العالم إلى ما يمنع من الكفر، ولا يرجح الوجوه على الوجه؛ لأن الترجيح لايقع بكثرة الأدلة، ولاحتمال أنه أراد الوجه الذي لايوجب التكفير". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً: ۳/ ۳۲۱، رشيديه)

"السابعة: ما في البحر من باب المرتد نقلاً عن فتاویٰ الصغریٰ: الكفر شيء عظيم، فلا أجعل المؤمن كافر امتى وجدت رواية أنه لايكفر، ثم قال: والذي تحرر أنه لايفتی بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان في كفره اختلاف، ولو رواية ضعيفة". (شرح عقود رسم المفتي، الرواية التي يحترز بها من تكفير مسلم الخ، ص: ۱۴۱، دارالكتاب)

حکم ہے؟ اس کے بارے میں تحقیق کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میں نے ان کے عقائد نہ کسی کتاب میں دیکھے، نہ کبھی زبانی تحقیق کی نوبت آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

چاند پر پہنچنے والوں کی تکذیب کی جائے یا تصدیق؟

سوال[۱۰۰۸۳]: آج کل عوام وخواص میں مشہور ہے کہ امریکہ کے کچھ لوگ چاند پر گئے اور وہاں سے مٹی وغیرہ بھی لائے، اس بارے میں ہمارے علماء کے مختلف بیانات ہیں، کسی طرف سے یہ اشتہار شائع ہوتا ہے کہ ''امریکہ کے کچھ لوگوں نے چاند پر جاکر واقعہ معراج کو مزید ثبوت بخشا اور شق القمر کی تصدیق ہوئی، جس سے اسلام کی تقویت ہوئی''۔

کسی کی جانب سے یہ شائع ہوتا ہے کہ ''جھوٹے ہیں، اللہ نے آسمانوں کو شیاطین سے محفوظ کردیا ہے اور چاند آسمان ہی میں ہے اور فلسفیوں کے نام لکھے ہیں، لہذا کوئی بھی شیطان جن وانس آسمان پر نہیں جاسکتا''، جس سے ہم جیسے کم علم بہت پریشان ہیں، چونکہ اشتہاروں میں شائع ہوتا ہے کہ ''جس نے اس پر یقین کیا کہ چاند پر انسان گیا، وہ خارج از اسلام ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا وغیرہ وغیرہ''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امریکہ والوں کے بارے میں اگر آپ سکوت کریں، کچھ بھی نہ کہیں، تو کیا اشکال ہے؟ نہ کوئی خارج اسلام کہے گا، نہ تجدید نکاح کا حکم دے گا، خدا جانے ایسے اشتہارات کس نے شائع کئے اور آپ کو ان کے پڑھنے اور یقین کرنے پر کس نے مجبور کیا، اگر تحقیق ناقص ہی مقصود تھی، تو دونوں طرف کے اشتہارات ہی یہاں بھیج دیتے، جس میں قرآن پاک اور حدیث شریف کے حوالے دیئے ہیں، یہ طریقہ نہیں جو آپ نے اختیار کیا، جو آدمی محض مسئلہ یا دلیل معلوم کرے اس کا جواب مسئلہ یا دلیل لکھ دینے سے ہوجاتا ہے، جو شخص کسی کی تردید چاہے یا دو فریق کے اختلاف کے متعلق تحقیق چاہے، اس کو اس شخص کی اور دونوں فریق کی دلیل بھی دریافت

کر کے لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ہم سے تو ہر بات کا حوالہ کتب فقہ سے طلب کرتے ہیں اور جناب زید اور فریقین کی باتیں بلا دلیل و بلا حوالہ کتب فقہ کے لکھ دیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۷/۹۴ھ۔

دمدار ستارہ

سوال[۱۰۰۸۴]: آج کل یہاں پر شب کے تین بجے دمدار ستارہ نمودار ہوتا ہے، یہ ستارہ پہلے شمال کی جانب نکلتا تھا اور اب مشرق کی جانب نکلتا ہے، اس کے بارے میں عوام میں بہت سی باتیں مشہور ہو رہی ہیں، براہِ کرم واضح فرمادیں کہ ایسے ستاروں کے بارے میں شرعاً کوئی چیز ثابت ہے یا نہیں؟ اور اس ستارے کی شرعی پوزیشن کیا ہیں؟ نیز اس بارے میں عوام کے قیاسات پر یقین کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یقین کیا جا سکتا ہے تو کس حد تک؟ براہِ کرم بالتفصیل جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الإشاعة لأشراط الساعة میں ص:۵۷ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بحوالہ مردویہ منقول ہے کہ جب فلاں فلاں کام ہونے لگیں، تو دمدار ستارہ طلوع ہوگا(۱)، اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادات میں اخلاص نہ رہے، معاصی کی شدت ہو جائے، حدود اللہ قائم نہ کی جائیں، تو اس وقت اسی قسم کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں، جن کا مقصد مخلوق کو خداوند تعالیٰ کی طاعات کی طرف توجہ کرنا ہے، تا کہ معاصی کم ہوں، لوگ اخلاص پیدا کریں اور یہ ظاہر ہے کہ عامۃً ایسی آسمانی نشانیوں کو آج کل تماشا بنا لیا جاتا ہے، فوٹو لئے جاتے ہیں۔ کیمیاوی تحقیقات کی جاتی ہے اور عبرت حاصل کر کے اصلاح کی کوشش نہیں کی جاتی ہے۔

قحط، زلزلہ، سیلاب، طوفان، وبا کا اثر، آتش فشاں، مختلف قسم کے اسباب کو مسلط کیا جاتا ہے، کبھی دور سحر انسانی شکل میں بھی ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ

---

(۱) "ومنها: ظهور كوكب له ذنب. عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: يا سلمان إذا كان حج الملوك تنزها، والأغنياء للتجارة، والمساكين للمسألة، والقراء رياء وسمعة فعند ذلك يظهر نجم له ذنب. رواه ابن مردويه". (الإشاعة لأشراط الساعة للبرزنجي، ومنها رضخ رؤوس أقوام بكواكب من السماء، ص: ۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

اللہ تعالیٰ نے د مدار ستارہ کے متعلق کلام کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

چاند کی خبریں

سوال[۱۰۰۸۵]: چاند پر پہنچنے والے سائنس دانوں کی خبریں ریڈیو اور اخباروں میں نشر ہوتی رہتی ہیں یہ کہ "وہ چاند سے مٹی لائے یا پتھر لائے اور چاند کو زمین کا ٹکڑا بتلاتے ہیں اور وہاں پہاڑ وندی نالے بھی ہیں"۔ کیا یہ خبریں صحیح ہیں اور ان کی قرآن وحدیث میں کوئی تصدیق ملتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جیسے اور بہت سی خبریں عجائبات کی بیان کی جاتی ہیں، اسی طرح یہ خبریں بھی ہیں، اگر یہ بھی صحیح ہو جائیں، تو قرآن وحدیث کی اس سے مخالفت وتردید لازم نہیں آتی، ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۴/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب التبلیغ

(تبلیغ کا بیان)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

سوال[۱۰۰۸۶]: اس نازک وقت میں علماء کو خاموش رہنا چاہیے یا جگہ جگہ اور موقع بموقع مساجد میں تقریر کرتے رہنا چاہیے؟ علماء کیوں خاموش ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسبِ حیثیت لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۶ھ۔

تبلیغی جماعت کی حقیقت

سوال[۱۰۰۸۷]: تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اور تبلیغ کن لوگوں کو کرنی چاہیے؟ اور کن لوگوں کو تبلیغ کرنے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دہلی نظام الدین میں مدت دراز تک حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کا قیام رہا

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، مقدمة، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ص: ۴۲، دار السلام)

"قال بعض العلماء: الأمر الأول للأمراء، والثاني للعلماء، والثالث لعامة المسلمين". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۲۱، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول، ص: ۴۳۶، قديمي)

جو کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے اور ان کے پاس تربیت پائی تھی، پھر ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور ان سے بھی سلاسل اربعہ میں خلافت واجازت پائی۔

دہلی کے قریب علاقہ میوات ہے، وہاں مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ لاکھوں مسلمانوں کی تعداد تھی، مگر ان کے سروں پر چوٹے تھے، نام ہندوانہ، رسوم مشرکانہ، نماز سے ناواقف، کلمہ سے بھی ناآشنا تھے، ان میں ابتداءً مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ شروع کی اور لوگوں میں شوق پیدا کیا کہ دین سیکھنے کے لئے چلو، چنانچہ جھولے میں چنے لے کر ایک چلہ کے لئے ایک ایک جماعت دس دس بارہ بارہ آدمیوں کی نکلی، جن میں ایک شخص ایسا ساتھ کر دیا، جو وضو، نماز ایک دو پارہ قرآن شریف پڑھا ہوا ہے اور وہ اس جماعت کو تعلیم دیتا اور وضو نماز سکھاتا اور جگہ جگہ جا کر وہاں کے لوگوں کی خوشامد کر کے اپنے ساتھ کام میں شامل کرنے کی دعوت دے کر جماعت کو بڑھاتا، چالیس روز تک خراب اخلاق واعمال سے یہ لوگ بچے رہے کہ شراب نہیں پی، زنا نہیں کیا، چوری نہیں کی، لڑائی نہیں کی، گالی نہیں دی وغیرہ وغیرہ اور استعداد کے موافق کسی نے پوری نماز سیکھ لی، کسی نے کچھ سورتیں یاد کرلیں، جب یہ جماعت واپس آئی، تو اپنی بستی سے دوسری جماعت کو تیار کیا، غرض دین سیکھنے کے واسطے نکلنے کا شوق عام ہوگیا، اس سے بہت بڑا فائدہ مسلمانوں کو ہوا اور ہو رہا ہے، اس کا نام تبلیغی کام ہے اور اس کے کرنے والوں کا نام تبلیغی جماعت ہوگیا، چھ اصول یا چھ نمبر اس لئے مقرر کر دیئے گئے، جن کے سمجھنے یاد کرنے سے پورے دین کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، تقریر بھی انہیں چھ باتوں کی ہوتی ہے، جو اہلِ علم ہوں، وہ تفصیل سے تبلیغ وتقریر کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی جماعت کا کام اور فائدہ

سوال[۱۰۰۸۸]: ہمارے شہر مظفرنگر میں تبلیغی جماعت کا کام بڑے زوروں پر ہے، اس جماعت میں جو حضرات کام کرتے ہیں، وہ ہم کو مندرجہ ذیل کام کرنے کی صلاح دیتے ہیں:

۱– یہ کہ اپنی زندگی میں چار مہینے اللہ کے راستے میں لگاؤ۔

۲- ایک سال میں چالیس روز اللہ کے راستہ میں لگاؤ۔

۳- مہینہ میں تین دن اللہ کے راستہ میں لگاؤ۔

۴- ایک وقت مقرر کر کے گھر میں تبلیغی نصاب کی تعلیم ہونی ضروری ہے۔

۵- ایک وقت مقرر کر کے مسجد میں تبلیغی نصاب کی تعلیم ہونی ضروری ہے۔

۶- ایک ہفتہ میں ایک روز اپنی قریبی مسجد میں جو اجتماع ہوتا ہے، اس میں بھی ضرور شریک ہوں اور ایک ہفتہ میں مرکز والی مسجد میں اجتماع ہوتا ہے، اس میں بھی ضرور شریک ہوں۔

۷- صبح کے وقت نمازِ فجر پڑھنے کے فوراً بعد اپنے محلہ میں گشت کرو، جس میں لوگوں کو اس بات کی دعوت دو کہ ہر ایک آدمی ان تمام مندرجہ بالا باتوں کا کرنے والا بن جائے، جس وقت یہ جماعت مسجد سے روانہ ہوتی ہے تو اس وقت یہ جماعت عاجزانہ دعا مانگ کر روانہ ہوتی ہے، یہ تمام پروگرام جو کسی کی ملازمت کرتا ہے، وہ بھی کرے اور جو خود اپنا کام کرتا ہے، وہ بھی کرے، یہ ہدایت کرتے ہیں، جس جگہ ملازمت کرتے ہیں، چاہے وہ منع بھی کرے، جب بھی جانا چاہیے، ان تمام باتوں سے ہم لوگوں کو آپ احادیث کی روشنی میں بتلانے کی تکلیف گوارہ کریں، تاکہ ہم ٹھیک طرح سے کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ (۱) تمام دنیا کو ہمارے لئے پیدا کیا اور ہم کو آخرت کے لئے پیدا کیا۔

"إنما الدنيا خلقت لكم وأنكم خلقتم للآخرة" (۲).

اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہماری زندگی کا ہر سانس اللہ کی عبادت میں لگا رہے اور کل کائنات کو اللہ کی

---

(۱) (الذاريات: ۵۴)

(۲) "وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بعض خطبه: المؤمن بين مخافتين بين أجل قد قضى لا يدري ما الله صانع فيه، وبين أجل قد بقي لا يدري ما الله قاض فيه، فليتزوّد العبد من نفسه لنفسه، ومن دنياه لآخرته ومن حياته لموته، ومن شبابه لهرمه، فإن الدنيا خلقت لكم وأنتم خلقتم للآخرة ... الخ".
(إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب ذم الدنيا، بيان ذم الدنيا: ۹/ ۵۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

عبادت کے لئے استعمال کیا جائے، جس چیز کے استعمال سے منع کردیا گیا ہے، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، مگر افسوس کہ ہماری موجودہ زندگی اس کے بالکل برعکس ہے، ہمارے سامنے دنیا ہی دنیا رہ گئی، ساری زندگی دنیا کمانے میں اور دنیا کی چیزوں کے حاصل کرنے میں صرف ہورہی ہے، آخرت کی طرف سے پوری غفلت ہے، زندگی کے اس رخ کو بدلنے کے لئے تبلیغی جماعت نے یہ نظام تجویز کیا ہے کہ جس قدر محنت اس فانی دنیا پر ہورہی ہے، آہستہ آہستہ وہاں سے ہٹ کر یہ محنت آخرت پر ہونے لگے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک دین زندہ ہوکر مسلمانوں کی پوری زندگی میں سرایت کرجائے، تجربہ یہ ہے کہ تحریر کردہ نظام پر عمل کرنے سے زندگی کا رخ بڑی حد تک بدل جاتا ہے، مگر چھ اصولوں کی پابندی بے حد ضروری ہے، ورنہ حدود پر قائم رہنا دشوار ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۱ھ۔

تبلیغی جماعت کے امیر کے لئے ضروری شرائط

سوال[۱۰۰۸۹]: تبلیغی جماعت میں ایک امیر ہوتا ہے، ان کے لئے کن کن باتوں کا ہونا شرط ہے، اگر اتنی باتیں نہ ہوں، تو اس کو امیر بنانا کیسا ہے؟ جس طرح ابھی تبلیغ کا کام مسلمانوں کی ٹولی میں چلہ لکھا کر جاہل وعالم سب مل کر گھومتے ہیں، ایسا گھومنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا چاروں امام میں سے کسی کا ایسا طریقہ رہا ہے کہ مسلمانوں میں جاکر تبلیغ کریں اور وہ بھی چلہ لکھا کر، پہلے کی تاریخ دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بزرگانِ دین چلہ ۴۰ روز یا اس سے بھی زائد ایک جگہ بیٹھ کر عبادتوں میں مشغول رہتے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جیسے امام نماز کے لئے اعلیٰ صفات کی ضرورت ہے، مگر جب ان صفات کا امام نہ ملے، تو مجبوراً کم درجے کے آدمی کو امام بنالیا جاتا ہے، اس طرح تبلیغی جماعت کے امیر کا حال ہے، جو شخص نماز کے لئے مسجد میں نہ آتا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے متعلق تحقیق فرماتے، مکان پر آدمی بھیجتے تھے(۱)، یہاں تک کہ

---

(۱) "عن أبي بن كعب (رضي الله تعالىٰ عنه) قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوماً الصبح فقال: أشاهد فلان قالوا: لا! قال: أشاهد فلان قالوا: لا! قال: إن هاتين الصلاتين أثقل الصلوات على المنافقين ...... الخ". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في فصل صلاة الجماعة: ۹۲/۱، رحمانيه) =

ارشاد فرمایا کہ جو لوگ صبح کی نماز میں نہیں آتے، جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (۱)، یہ بھی روایت میں موجود ہے کہ ترک جماعت کی ہمت منافق کو بھی نہیں ہوتی تھی (۲)۔ ایسی حالت میں جماعت بنا کر لوگوں کے مکانوں پر جانے اور گھومنے کی ضرورت نہیں تھی، اب آپ خود دیکھ لیں کہ کتنے لوگ ہیں جو مسجد میں نہیں آتے ؟! اور کتنے لوگ ہیں جن کو نماز نہیں آتی ؟! اور کتنے لوگ ہیں جن کو کلمہ بھی نہیں آتا ؟! نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے، اس کا مطلب سمجھنے والے تو بہت ہی کم ہیں، اس لئے اب ضرورت ہے۔

= "أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه فقد سليمان بن أبي حثمة في صلاة الصبح، وأن عمر غدا إلى السوق، وسكن سليمان بين المسجد والسوق فمرّ على الشفاء أم سليمان، فقال لها: لم أر سليمان في الصبح". فقالت: "إنه بات يصلي فغلبته عيناه، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: لأن أشهد صلاة الصبح في جماعة أحب إلي من أن أقوم ليلة". (موطأ إمام مالک، كتاب الصلاة، باب ماجاء في العتمة والصبح، ص: ۱۱۵، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث: ۱/۹۷، قديمی)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: لقد هممت أن امر بالصلاة فتقام، ثم امر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة، فأحرّق عليهم بيوتهم بالنار". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترک والجماعة: ۱/۹۱، رحمانیه)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعه وبيان التشديد في التخلف عنها: ۱/۲۳۲، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة، الفصل الثالث: ۱/۱۲۱، قديمی)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: حافظوا على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادى بهن ... ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق بيّن النفاق ... الحديث". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترک الجماعة: ۱/۹۲، رحمانیه)

(وصحيح مسلم، كتاب الصلاة ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها: ۱/۲۳۲، قديمی)

(وسنن النسائي، كتاب الإمامة، باب المحافظة على الصلوات حيث ينادى بهن: ۱/۱۳۶، قديمی)

جیسے کہ دینی مدارس اور اساتذہ کے طلبہ کے لئے کتابیں، درسگاہیں، کمرے، مطبخ، امتحان وغیرہ کتنی چیزیں، جس کا انتظام کیا جاتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت نہیں تھی، یہ سب دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کے لئے ہے، جو سراسر خیر ہی خیر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

کیا تبلیغی جماعت فتنہ ہے؟

سوال[۱۰۰۹۰]: مسلک دیوبند سے وابستہ ایک عالم نے ابھی حال میں ایک رسالہ تحریر کیا، جس کا نام ہے "مروجہ تبلیغی جماعت" کتاب ملنے کا پتہ "مدرسہ فاروقیہ، اتراؤں ضلع الہ آباد" اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت من جملہ فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے، اس میں شرکت بدعت وگمراہی ہے، ان عالم صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مروجہ تبلیغی جماعت اپنی موجود ہیئت کذائیہ مثلاً: چلہ، دعا بالجہر، بیداری شب جمعہ وغیرہ وغیرہ بدعت ہے، اس کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو کیا حضرات علمائے حق کا اس میں شریک ہونا، اعانت کرنا حرام ہے؟ بعض حضرات کا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ خود ایک زبردست فتنہ ہے، اس سے عوام میں گمراہی کے شیوع کا اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس رسالہ کے مصنف کے شیخ حضرت مولانا وصی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مروجہ تبلیغی جماعت اور اس کے کام کو پسند فرمایا اور تائید کی ہے، نیز مصنف رسالہ کے استاد ومربی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اخیر حیات تک تائید فرماتے رہے، نیز دیگر اکابر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی ہے، ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے "کیا تبلیغی کام ضروری ہے" اس میں اکابر مرحومین اور موجودین کی تحریرات ایک صاحب نے شائع کردی ہے، اصل یہ ہے کہ قریب سے کام میں حصہ لے کر دیکھا جائے، تو صحیح رائے قائم کی جائے اور جو اشکالات لکھے ہیں، وہ خود ہی حل ہو جائیں، میرے خیال میں اس کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں کہ قلمی لڑائی کا دروازہ کھلتا ہے، جس کو اشکال ہو، وہ حل کرے، حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اعتراضات کے جوابات شائع کردیئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

طلباء کا تبلیغی جماعت میں جانا

سوال[۱۰۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دینی مدارس کے طلباء اگر کبھی کبھی زمانہ تعلیم میں کچھ روز کے لئے ہفتہ، عشرہ یا دو چار یوم کے لئے تبلیغی جماعت کے ہمراہ چلے جائیں، تو کیا مناسب نہ ہوگا، اول تو طلباء کو توفیق شرکت کی کم ہوتی ہے اور پھر استادوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ جاہلوں کی جماعت ہے، یہ کیسا ہے؟ مفصل احکام لکھو۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلباء کو اپنی تعلیم کا حرج کر کے تبلیغی سفر میں نہیں جانا چاہیے، جمعہ کی تعطیل میں جانا بہتر ہے، اگر استاد سفر میں جائیں یا دیگر ضرورت کی وجہ سے رخصت پر ہوں، جس سے سبق کا حرج نہ ہو، تب بھی طلباء کو جانے میں مضائقہ نہیں، الحاصل سبق کا حرج نہ کریں، اگر کسی طالب علم کی اصلاح ہی کے لئے اکابر واساتذہ اس کا جانا تجویز کریں، یا ارباب مدرسہ جس طرح تقریر وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور اس کے لئے سبق بند کرتے ہیں اور طلباء کے حق میں اس کو نافع سمجھتے ہیں، اسی طرح ایک دو روز کے لئے تبلیغی سفر بھی تجویز کریں، تو ان کی تجویز پر عمل کرنا چاہیے، اس طرف رخ رکھنے سے تعلیم کا بڑا مقصد پورا ہوتا ہے اور غلط رخ سے حفاظت ہوتی ہے، تبلیغی جماعت اور اس کے کام کے متعلق اکابر کی تحریرات بشکل خطوط متعدد بار مختلف ذرائع سے شائع ہو چکے ہیں، لکھنؤ میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، تمام اساتذہ وطلباء اسباق بند کر دیتے ہیں اور اجتماع میں شرکت کرتے ہیں، یہ بات کہ ”جاہلوں کی جماعت ہے“، بڑی حد تک صحیح ہے، اس اعتبار سے کہ جاہلوں کو یہ کہہ کر سفر میں نکالا گیا کہ دین سیکھنے کے لئے چلو، چنانچہ لاکھوں کی تعداد جاہلوں کی ایسی ہوگئی کہ تبلیغی سفر سے ان کا ایمان درست ہو گیا۔ کفر، شرک، رسومات، بدعات، جرائم سے انہوں نے توبہ کر لی، اخلاق بصدق واعمال درست کر لئے، نماز وقرآن سیکھ کر پابند ہو گئے، حج کیا، دین کی باتیں بیان کرنے کا سلیقہ سیکھ گئے، بعض جاہلوں کو کئی کئی گھنٹہ بیان کرتے ہوئے میں نے خود سنا ہے، اس میں کئی کئی سو حدیثیں بیان کیں اور ان کے مطلب کو بہت سمجھا کر بیان کیا، ایسے بیان کو سن کر مدارس کے بہت سے اہل علم حضرات بھی حیران رہ گئے، کہ بغیر مدرسہ میں پڑھے، ان میں اتنا عظیم الشان تغیر کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۶/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

موجودہ وقت میں مسلمانوں کی اصلاح کا طریق کار

سوال[۱۰۰۹۲]: اس زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کا ازروئے موافق شریعت کیا چارہ کار ہونا چاہیے؟

منیر احمد مدرسہ عربیہ عین العلم ٹانڈہ فیض آباد، یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایمان ویقین پختہ کریں، عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اہتمام سے حاصل کریں، آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی سے رہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین کو اپنے اندر جمانے اور دوسرے بھائیوں تک پہونچانے اور ظلم معصیت کے مٹانے میں منہمک ہوجائیں، تو خدائے پاک کی نصرت ہوگی۔

﴿یأیها الذین آمنوا إن تنصروا الله ینصرکم﴾(۱) الآیة. اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ہوئی تو پھر کوئی دوسرا غالب نہیں ہوگا۔

﴿إن ینصرکم الله فلا غالب لکم﴾(۲) الآیة. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۸/ ۹۳ھ۔

کیا دیوبند کے علماء تبلیغی جماعت کو غلط سمجھتے ہیں؟

سوال[۱۰۰۹۳]: ہمارے مقام کے کچھ احباب موجودہ تبلیغی کام پر (جس کی سرپرستی مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اعتراض کرتے ہیں، مسجد میں ایک اشتہار لگایا گیا ہے کہ دیوبند کے چند علماء جن کے کچھ نام بھی لکھے گئے ہیں، اس کام کو غلط سمجھتے ہیں اور یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، میں تو بالکل مطمئن ہوں کہ یہ ان حضرات کا اعتراض بالکل غلط ہے اور اشتہار بھی غلط ہے، پھر بھی اس بات کی یہاں ضرورت ہے کہ اس کی تصدیق ہوجائے، براہ کرم تبلیغی کام کے تعلق سے علماء دیوبند کا کیا خیال ہے؟ معلوم فرمائیے! تاکہ

(۱) (محمد: ۷)

(۲) (آل عمران: ۱۶۰)

سندر ہے، یہ اشتہار بریلوی عقائد کے اشخاص میں سے ایک شخص کی طرف سے لگایا گیا ہے۔ جولعات اس کاغذ پر ہوں تو بہتر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند تبلیغی جماعت میں برابر شرکت کرتے رہتے ہیں، دیوبند میں مدرسہ میں بھی جماعت کام کرتی ہے اور یہاں مرکز نظام الدین دہلی جماعتیں جاتی رہتی ہیں، بریلوی تو اپنے سوا سب ہی کو کافر کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۱۱/ ۱۴ھ۔

کیا تبلیغی جماعت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے؟

سوال [۱۰۰۹۴]: تبلیغی جماعت جو دہلی سے نکلتی ہے، وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بالکل خلاف ہے، ان کی نہ کوئی کتاب مطالعہ میں ہے، نہ حق اللہ کا خیال، نہ حق العباد کا، نہ قرضہ سے نفرت، نہ بزرگوں سے عبرت، نہ مسائل سے محبت، یہ کیا دین ہے؟؟؟ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکمل کر دکھایا تو ان کا طریقہ کیوں نہ اپنایا، اس جماعت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دہلی نظام الدین کی تبلیغی جماعت کے متعلق یہ کہنا کہ وہ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نور اللہ مرقدہ کے مخالف ہے بالکل غلط ہے، میں نے جماعت کے اکابر کے پاس حضرت تھانوی کی کتابیں دیکھی ہیں، جو اُن کے مطالعہ میں رہتی ہیں، بدعتیوں کا تو بڑا اعتراض ہی اس جماعت پر یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے اور ان کے بیان کئے ہوئے مسائل پھیلاتی ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ملفوظ ہے کہ ”میری تمنا یہ ہے کہ علوم حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہوں اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو“ لہٰذا یہ جماعت تو ان کے علوم کو سب دنیا میں ہدایت کے لئے پھیلانے والی ہے، حق اللہ اور حق العباد کی فکر سب کو ضروری ہے، جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے، اس کو اپنی اصلاح ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۱۰/ ۹۴ھ۔

امامِ مسجد اگر تبلیغی تقریر کو منع کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۰۹۵]: تبلیغی جماعت بعض مساجد میں جاتی ہیں، تو وہاں کے امام صاحب کہتے ہیں کہ بلا اجازت امام کے تقریر نہیں کر سکتے، ہماری طرف سے اجازت نہیں ہے اور امام ہذا بریلوی عقائد کے علمبردار عالم ہیں، ان کا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دلیل منصوصات میں سے ہو، تو زیادہ بہتر ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام تقریر نہ کی جائے، اپنا حلقۂ تعلیمی اور کتاب سنانے کا کام کریں، تاکہ کام بھی ہو جائے اور فتنہ برپا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا تبلیغ وتعلیم ہفتہ میں صرف ایک روز ہونی چاہیے؟

سوال [۱۰۰۹۶]: تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں: ہر دن تعلیم بھی، وعظ وتذکیر یا کتاب پڑھنا چاہیے، جب کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک ہفتہ میں ایک بار کی تعلیم بھی ثابت کی ہے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمانۂ خیر القرون میں اتنا علم تھا کہ آج اس کا ہزارواں حصہ بھی موجود نہیں، حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھتے ہی قلوب پر علوم الہیہ کی بارش ہوتی تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی پرتو تھے، اس کے باوجود بعض حضرات نے اپنے آپ کو تعلیم کے لئے متعین اور وقف فرما دیا تھا۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ حضرات بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ درس میں ایک وقت میں سولہ سو پڑھنے والے تھے، ان سب کو دین سکھلایا جاتا تھا، یہ کام روزانہ ہوتا تھا۔ آج بھی بڑے بڑے مدارس موجود ہیں، کیا وہاں بھی ہفتہ میں دو روز کی تعلیم کا مشورہ دیں گے، اصل بات یہ ہے کہ جس قدر دین سے ناواقفیت ہو، اس کے موافق واقف کرنے کے ذرائع حاصل کرنا ضروری ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۲ھ۔

کیا تبلیغ میں جانا محبتِ شیخ کے قائم مقام ہے؟

سوال[۱۰۰۹۷]: تبلیغی جماعت گاؤں گاؤں، شہر شہر، گھر گھر جا کر لوگوں کو کلمۂ اسلام، ایمان مجمل ومفصل، وضو، نماز، روزہ، زکوۃ اور مسنون دعائیں وغیرہ سکھاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایمان کو قلب میں راسخ کرنا، اطمینان دلی حاصل کرنا، الإحســان حدیث جبریل علیہ السلام والی کیفیت پیدا کرنے کے لئے حسبِ تحریر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تصوف کا راستہ اختیار کر کے کسی کامل بزرگ کو مرشد کی حقیقت سے پکڑنا ضروری ہے یا تبلیغ میں چلہ دے کر ہر کس وناکس کے ساتھ تبلیغ میں جانے سے یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"ولا تحصل هذه السعادة العظيمة بغير تصرف بجذبة الإلهية، ولا سبب في طريق الجذبة أقوى من صحبة الشيخ الذي سلوكه بطريق الجذبة الخ"(۱).

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل مقصود اتباعِ سنت ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ابتداء "إنما الأعمال بالنيات"(۲) سے ہے اور انتہا "أن تعبد الله كأنك تراه"(۳) پر ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ "طرق الوصول إلى الله تعالى بعدد أنفاس الخلائق".

مگر عام طور پر وصول شیخ محقق کی تربیت سے ہوتا ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے آپ نے بھی نقل کیا ہے، پھر تربیت اگر تبلیغی جماعت کی جد وجہد کے طرز پر ہو، تو اس کے ذریعہ نسبت قویہ حاصل ہوگی اور خطرات کم ہوں گے، جن کا تعلق کسی شیخ محقق سے نہیں اور وہ تبلیغی جماعت کی جد وجہد صحیح طریقہ پر کریں، تو وہ بھی مقاماتِ قرب پر فائز ہوں گے اور یہ کام ان پر واضح کر دے گا کہ تعلق مع الشیخ کی کس قدر

---

(۱) (نقل رسالہ شیخ تاج الدین سنبھلي رحمه الله تعالى، ص: ۳۶، کتب خانه علویه رضویه مسجد نوری لائل پور)

(۲) (صحيح البخاري، قبل كتاب الإيمان، باب كيف كان بدؤ الوحي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۱، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي عن الإيمان والسلام ... الخ: ۱۲/۱، قديمي)

ضرورت ہے، پھر تعلق کرکے بہت جلد وہ کامیاب ہوں گے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۴ھ۔

حج کو جائے یا تبلیغی اجتماع میں؟

سوال[۱۰۰۹۸]: امریکہ میں تبلیغی اجتماع ہونے والا ہے اور وہاں کا صرفہ تقریباً ۱۵/ہزار روپے ہے، تو کیا اجتماع میں جانا ضروری ہے یا وہ شخص اجتماع میں نہ جائے، حج بیت اللہ کرے اور نہ جانے کی صورت میں وہ عند اللہ گنہ گار تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے ذمہ حج فرض ہے، تو اس فرض کو ادا کریں، تبلیغی جماعت حج میں بھی جاتی ہیں، ان کے ساتھ رہ کر تبلیغی کام بھی کرتا رہے، اگر اس کے ذمہ حج فرض نہیں، تبلیغی اجتماع یا ایام حج سے بہت پہلے ہے، تو وہ اجتماع میں شرکت کرلیں، پھر اگر حج کے موقع پر اللہ وسعت دے تو حج بھی کرلیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

والدین کی اجازت کے بغیر تبلیغی جماعت میں جانے کا حکم

سوال[۱۰۰۹۹]: ایک صاحب اپنے بھائی اور والد صاحب کے ساتھ تجارت، شرکت میں کرتے ہیں، ہر سال کے اخیر میں منافع اور سال کا پورا خرچ دیکھ لیا جاتا ہے، منافع سب بھائیوں اور والد صاحب میں تقسیم ہوکر ان کے نام جمع رہتا ہے اور گھر کا پورا خرچ تین بڑے بھائیوں کے منافع میں لے کر وضع کیا جاتا ہے، چھوٹے بھائی اور والد صاحب بھی کاروبار میں ہاتھ بٹاتے ہیں، الحمد للہ والد صاحب کسی بھائی کی خدمت کے محتاج نہیں، چلتے پھرتے ہیں، اب اگر بڑے بھائیوں میں سے ایک بھائی تبلیغی جماعت کے ساتھ تین چار مہینے کے لئے باہر جانا چاہے، تاکہ اپنی اصلاح، ایمان ویقین درست ہو تو کیا والد صاحب کے لئے اس بھائی کو روکنا درست ہے؟ نیز لڑکا والد صاحب کی اجازت کے بغیر جا سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ چار آٹھ دن گھومنے جانا ہو تو بغیر اجازت بھی جاتے ہیں اور والد صاحب کو کوئی ناگواری بھی نہیں ہوتی، نیز اگر تبلیغ میں جانے والا بھائی تین چار ماہ کا اپنا منافع چھوڑ دے اور تبلیغ میں جائے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدصاحب اس کی خدمت کے حاجت مند نہیں ہیں اور اس کے جانے سے کام میں نقصان نہیں ہوتا، دوسرے بھائی بخوشی اجازت دیتے ہیں اور حقوق واجبہ بیوی بچوں کے تلف نہیں ہوتے، تو والدصاحب کو منع نہیں کرنا چاہیے، اس حالت میں وہ اگر جاکر اپنا ایمان اور عمل پختہ کرے، تو اس سے والدصاحب کو اجر ملے گا، جہاں تک فرض کے حاصل کا درجہ ہے، اس میں تو والدصاحب کی اجازت کی ضرورت نہیں اور جو درجہ استحباب ہے، اس میں والدصاحب کی اجازت ورضامندی کے بغیر نہ جائے (۱)، والدصاحب گھومنے اور سیر کرنے کے لئے اجازت دیتے ہیں اور تبلیغی سفر سے روکتے ہیں، تو اس کا یہ حل ہے کہ کوشش اور خوشامد کر کے والدصاحب کو بھی تبلیغی سفر میں لے جائے، جب ان کو اس کا نفع معلوم ہوگا، تو پھر خود جائیں گے اور دوسروں کو بھی بھیجنے کی کوشش کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۳۰ھ۔

سنن ونوافل کے وقت تبلیغی پروگرام

سوال [۱۰۱۰۰]: عموماً ظہر ومغرب کے بعد جماعت کی طرف سے تقریری اعلان ہوتا ہے، ابھی لوگ سنتیں نوافل ہی میں مشغول رہتے ہیں، ادھر مسجد میں تقریر شروع ہوجاتی ہے، عوام تو درکنار خواص کو بھی نماز میں الجھن ہونے لگتی ہے، قرأت وتسبیحات بسا اوقات تعداد رکعات میں بھی بھول ہوجاتی ہے، اگر پروگرام مسجد

---

(۱) "وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحيا". (الدرالمختار). "أي: إن لم يخف على والديه الضيعة إن كانا مؤسرين، ولم تكن نفقتها عليه، وفي الخانية: لو أراد الخروج إلى الحج، وكره ذلك قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج. وفي بعض الروايات: لايخرج إلى الجهاد إلا بإذنهما، ولو أذن أحدهما فقط، لاينبغي له الخروج؛ لأن مراعاة حقهما فرض عين والجهاد فرض كفاية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۸/۶، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الأول: ۳۲۷/۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس والعشرون: ۳۶۵/۵، ۳۶۶، رشيديه)

سے باہر رکھا جاتا ہے، تو سامعین کی اتنی بڑی تعداد نہیں ہوگی۔

کیا دینی تبلیغ کے لئے نماز کے اوقات میں تقریر و تعلیم وغیرہ کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اگر فقہی رو سے گنجائش نہیں نکل سکتی، تو جماعت والے کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرائض وسنن مؤکدہ کی رعایت رکھتے ہوئے تبلیغی پروگرام شروع کیا جائے، کتنے لوگ ایسے ہیں، جو نماز کے ارکان واجبات شرائط سنن سے واقف نہیں، التحیات وغیرہ کو بھی صحیح طور پر نہیں جانتے، ان کی نمازوں کو صحیح کرانا اور نماز کی اہمیت ذہن نشین کرانا، دین کی طرف راغب کرنا، بہر حال نوافل سے اہم اور قابل ترجیح ہے، نوافل کو خواص حضرات بعد میں مسجد ہی میں یا مکان پر بھی ادا کرلیں گے، لیکن گشت کرکے اور خوشامد کرکے جن لوگوں کو مسجد میں لایا گیا ہے، ان کا پھر ہاتھ لگنا اور جمع ہونا مشکل ہوگا اور فرائض تو جماعت سے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد بھی سنن مؤکدہ مختصر کی رعایت کرلیں، تو جماعت والے حضرات کو انشاء اللہ خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں اوّابین پڑھیں یا تبلیغی وعظ سنیں؟

سوال[۱۰۱۰۱]: مسجد میں جماعت تبلیغی بعد نماز مغرب تعلیم کرتی ہے، جو حضرات صلوۃ اوابین پڑھتے ہیں، وہ اس کے خلاف ہیں، ہماری نمازوں میں خلل پڑتا ہے، اگر بعد میں تعلیم کرتے ہیں، تو لوگ رکتے نہیں، تو کیا تعلیم ترک کردیں، کیا صورت ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوافل کے لئے افضل اور احسن طریقہ یہ ہے کہ مکان پر پڑھے، گو مسجد میں بھی منع نہیں ہے، کبیری (۱)

---

(۱) "(و) تطوعه بها (في البيت أفضل) وهذا غير مختص بما بعد الفريضة بل جميع النوافل ما عدا التراويح وتحية المسجد، الأفضل فيها المنزل (لما روي عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان يصلي جميع السنن والوتر في البيت) على ما تقدم من حديث عائشة حين سألها عبدالله بن شقيق عن صلاته عليه السلام وغيره من الأحاديث، وفي الصحيحين أنه عليه السلام احتجر حجرة في مسجد من =

شرح منیۃ میں اس کی روایت بھی ذکر کی گئی ہے، خصوصاً مغرب کی نوافل کے لئے، لیکن جولوگ تعلیم کے مقابلہ میں نوافل کو اختیار کرتے ہیں، ان کو زبردستی نوافل سے ہرگز نہ روکا جائے، بلکہ نرمی سے سمجھایا جائے کہ نوافل بعد میں بھی ہو سکتے ہے اور مکان پر بھی ادا ہو سکتے ہے، لیکن جولوگ دین سیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، اس لئے کہ ان کو تو نہ توجہ ہے نہ فرصت اور وہ صرف نماز کے لئے مسجد میں آجاتے ہیں، اگر ان کے کان میں دین کی کچھ باتیں پڑ جائیں تو بہتر ہے، لیکن نمازوں میں خلل پڑتا ہو تو رک جانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تبلیغی اجتماع میں کچھ چیزیں لوگ بھول گئے، ان کا حکم

سوال[۱۰۱۰۲]: یہاں کچھ عرصہ قبل تبلیغی اجتماع ہوا تھا، جس میں لوگ کثرت سے اپنے دستی رومال، چھتریاں، جوتے، اجتماع گاہ میں بھول گئے ہیں، چنانچہ اجتماع کے موقع پر بھی بار بار مکبر الصوت پر اعلان کیا گیا تھا، مگر اس وقت سے لے کر اب تک ان کا کوئی مالک آیا نہیں، خصوصاً دستی رومال کو تو عام طور پر کوئی لینے آتا بھی نہیں، تو کیا ہم ان سب چیزوں کو فروخت کر کے کسی غریب کو صدقہ کر سکتے ہیں؟ یا پھر بعینہ یہ چیزیں صدقہ کرنی ہوں گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعینہ ان کو خیرات کرائے، اس نیت سے کہ ان کے مالک کو ثواب ملے، مگر یہ اس وقت ہے کہ مالک کے

= حصير في رمضان ...... الحديث ...... إلى أن قال: فعليكم بالصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. وأخرج أبوداود: صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة ...... وذكر الإمام أحمد رحمه الله تعالى عن السائب بن يزيد أنه قال: "لقد رأيت الناس في زمن عمر بن الخطاب إذا انصرفوا من المغرب انصرفوا جميعا حتى لا يبقى في المسجد أحد كأنهم لايصلون بعد المغرب حتى يصيروا إلى أهلهم ...... والبعض يقولون: التطوع في المسجد حسن وفي البيت أحسن كما قال المصنف، وبه أفتى الفقيه أبوجعفر ......". (الحلبي الكبير، ص: ٤٠٠، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٢٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ١/١١٣، رشيديه)

ملنے سے مایوس ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

اجتماعی جمع کی گئی رقم سے بچے ہوئے پیسوں کا مصرف

سوال[۱۰۱۰۳]: ایک دینی کام مثلاً: تبلیغی اجتماع کے لئے چند احباب نے مل کر کچھ رقم جمع کی، اب وہ کام پورا ہو گیا اور نصف سے بھی کم رقم خرچ ہوئی، تو اگر باقی روپے دینے والوں کو واپس کر دیئے جائیں، تو وہ اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ واپسی کی صورت یہ رکھی جائے کہ کل رقم کا چالیس فیصد حصہ خرچ ہوا ہے، تو اب ہر ایک کی رقم میں سے چالیس فیصد وضع کر کے باقی رقم واپس کر دی جائے، چندہ دینے والے کہتے ہیں کہ ہم نے تو اس کام کے لئے یہ رقم نکالی تھی، اب ہم خود کیسے استعمال کریں، تو کیا یہ احباب خود استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر نہ کر سکتے ہوں، تو اس کے علاوہ کسی اور دینی کام میں یہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح یہ رقم وہ لوگ بھی خود خرچ کر سکتے ہیں، بہتر ہے کہ ان کی اجازت سے دوسرے دینی کام تبلیغی اجتماع یا دینی مدرسہ میں خرچ کرالے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

---

(۱) "(قوله: فينتفع الرافع) أي: من رفعها من الأرض أي: التقطها، وأتى بالفاء، فدل على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمردا جواز الانتفاع بها والتصدق ..... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه)

(۲) "ويشترط أن يكون المؤكل ممن يملك التصرف بالنوع الذي وكله: لأن التوكيل يستفيد ولاية التصرف من المؤكل ويقدر عليه من قبله". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الوكالة: ۲/۷۷۳، رقم المادة: ۱۴۵۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الإذن والإجارة توكيل". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الوكالة: ۴/۴۰۵، رقم المادة: ۱۴۵۲، حقانيه)

جماعت والوں کا مساجد میں قیام وطعام وغیرہ کرنے کا حکم

سوال[۱۰۱۰۴]: عوام میں دینی بیداری اور مسائل کا شوق پیدا کرنے کے لئے حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتھک جدوجہد کرکے ہندوستان میں تبلیغ کے نام پر جو جماعت تیار کی ہے، بحمد اللہ ملک کے باہر بھی اس کے اثرات پھیل رہے ہیں اور یہ جماعت ملکی پیمانے پر ترقی کرکے آج عالمگیر جماعت بن چکی ہے، لوگوں میں دینی شعور، صوم وصلوۃ کی پابندی کا نیک جذبہ پیدا ہورہا ہے، چونکہ اس جماعت سے وابستہ ہونے والے زیادہ تر کم پڑھے لکھے مسلمان ہیں، اس لئے ان لوگوں کے ہاتھوں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی جارہی ہیں اور ان لوگوں کے ان رویوں کو دیکھ کر پڑھے لکھے لوگوں کے اندر ایک طرح کی بدگمانی پیدا ہورہی ہے، اس لئے مندرجہ ذیل جواب کو حاصل کرنے کے لئے استفتاء آپ کی خدمت میں ارسال ہے، امید ہے کہ قرآن وحدیث اور فقہی حوالے کے ساتھ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے تاکہ اس کی روشنی میں جماعت میں لائی ہوئی خرابی کی نشاندہی کی جائے اور ذمہ داران تبلیغ کے تعاون سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

مساجد کو جماعت والوں نے طعام وقیام ونوم واستراحت کی جگہ بنالی ہے، مسجد کے آس پاس جگہوں میں رہتے ہوئے کھانا پینا مسجد میں ہوتا ہے، ہانڈی، پلیٹ اور ضروریات کے دوسرے سامان مسجد میں رکھے جاتے ہیں، اس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، جماعت کے رویہ سے عوام کے دلوں میں سے مسجد کا احترام نکلتا جارہا ہے، جماعت والوں کے ساتھ مقامی حضرات بھی کافی مقدار میں مسجد میں سوتے ہیں، بالخصوص مسجد میں سونے والوں کی زمانہ گرمی میں تعداد کثیر ہوتی ہے، مسجد کو اس حالت میں دیکھ کر مسافر خانہ کا دھوکہ ہونے لگتا ہے، کیا باہر سے آنے والی جماعت کے لئے طعام وقیام ونوم استراحت فقہی رو سے جائز ہے، اگر جواب نفی میں ہے، تو باہر سے آنے والے حضرات کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرات علماء کرام دامت برکاتہم ومدت فیوضکم!

سلام مسنون، نیاز مقرون، دعا مسنون!

مسجد میں کھانا سونا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی مسافر ہو اور اس کا کہیں ٹھکانا نہ ہو یا معتکف ہو، تو فقہاء نے اجازت دی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

"وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب اهـ". درمختار.

"وإذا أراد ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف، فيدخل، ويذكر الله تعالى بقدر مانوى، أو يصلي، ثم يفعل ماشاء" فتاوى هنديه اهـ(۱) شامي: ۱/۶۱۹.

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتکاف کے علاوہ بھی نفلی اعتکاف کی نیت کرے اور مسجد میں جاکر نماز ذکر اللہ کچھ کرے، تو اس کے لئے بھی کھانے سونے وغیرہ اعمال کی اجازت ہے، مگر مسجد کو ہوٹل اور باورچی خانہ نہ بنایا جائے، مسجد کے آس پاس اگر کوئی جگہ ہو، تو کھانے پکانے کا انتظام وہاں مناسب ہے، آج کل بے شمار مساجد ملک کے مختلف حصوں میں غیر آباد پڑی ہوئی ہیں، کسی جگہ ان پر بالکل ہی غیروں کا قبضہ ہے، جن میں وہ رہتے ہیں اور ان کے جانور بھی وہاں پلتے ہیں، گوبر پیشاب وہیں ہوتا ہے، کتنی ہی مساجد مقفل ہیں، بعض صرف جمعہ کے لئے کھلتی ہیں اور بعض میں مؤذن اگر کسی وقت کبھی ایک دو آدمی کے ساتھ کبھی تنہا نماز پڑھ لیتا ہے، بعض مساجد مقفل بھی نہیں، کبھی کوئی آ گیا، اس نے نماز پڑھ لی بعض مساجد سے متعلق جائیداد (زمین ودکان) وقف ہیں، دوسرے لوگ ان پر قبضہ کر لئے ہیں، ان سے مقدمہ کی نوبت آگئی ہے اور بعض جگہ مقدمہ کی بھی طاقت نہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے اگر تبلیغی جماعت مساجد میں جاکر وہاں اعتکاف کی نیت کر کے ذکر وتلاوت تعلیم میں مشغول رہے، وہاں کھانا بھی کھائیں اور سو بھی جائیں، تو اس سے لوگوں کو زیادہ متوحش ہونا نہیں چاہیے، کیونکہ وہاں دین کا ہی کام ہوتا ہے، بے نمازی بھی ان کی بدولت مسجدوں میں آتے اور نمازی بن جاتے ہیں، مسجدیں آباد رہتی ہیں، اذان جماعت پابندی سے ہوتی ہے، غیروں کے قبضہ سے حفاظت ہو جاتی ہے، اس لئے بخاری شریف، باب نوم الرجال في المسجد(۲) اور اس کے ذیل کی احادیث نیز اور دوسرے ابواب مثلاً: باب(۳) يأخذ بنصول النبل إذا مر في المسجد، باب(٤) أصحاب الحراب في المسجد

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۳، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۴، قديمي)

(۴) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۵، قديمي)

اور باب(۱) التقاضي والملازمة في المسجد، باب(۲) الأسير والغريم يربط في المسجد، باب(۳) الخيمة في المسجد للمرضى وغيرهم، باب(٤) الاستلقاء في المسجد وغیرہ ملاحظہ کرنے سے بہت سے مسائل واضح ہوں گے۔ نیز الاشباہ والنظائر میں ہے: القول في أحكام المساجد(۵). میں بہت سی جزئیات موجود ہیں، کتب احادیث میں بھی موجود ہے، مال صدقہ مسجد میں جمع کیا جاتا تھا، وہیں سے تقسیم ہوتا تھا(٦) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب حکومت فارس کو فتح کیا گیا تو مال غنیمت مسجد ہی میں لاکر ڈالا گیا، شاید آج کل کے کوئی تاجر صاحب دیکھیں، تو وہ یہ رائے قائم کرلیں کہ یہ مسجد نہیں، بلکہ

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۵، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۶، قديمي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۶، قديمي)

(۴) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة: ۱/۶۸، قديمي)

(۵) (الأشباه والنظائر، الفن الثالث، الجمع والفرق، القول في أحكام المسجد، ص: ۴۳۹، دارالفكر بيروت)

(٦) بخاری شریف میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں مستقل باب باندھا ہے۔

"باب القسمة وتعليق القنو في المسجد".

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: "أتي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمال من البحرين، فقال: "انثروه في المسجد، وكان أكثر مال أتي به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ".

(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد: ۱/۶۰، قديمي)

"قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ في شرح هذا الحديث:

"وموضع الحاجة منه هنا جواز وضع مايشترك المسلمون فيه من صدقة ونحوه في المسجد، ومحله ما إذا لم يمنع مما وضع له المسجد من الصلاة وغيرها مما بني المسجد لأجله، ونحو وضع هذا المال وضع مال زكاة الفطر". (فتح الباري، كتاب الصلاة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد: ۱/۶۸۰، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد: ۴/۲۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

کسی فیکٹری کا گدام ہے، تاہم احترامِ مسجد کا لحاظ سب کو لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیو بند۔

عورتوں کی تبلیغ

سوال[۱۰۱۰۵]: ۱..... کیا پُر فتن پُر آشوب زمانے میں عورتوں کو تبلیغ کے لئے محلہ محلہ، شہر شہر، وقصبات وغیرہ میں جانا درست ہے؟

۲..... کیا محلہ یا غیر محلہ میں پنج وقتہ نماز با جماعت ترجمۂ قرآن پاک سننے کے لئے عورت شریک ہو سکتی ہے؟

۳..... کیا عورتوں کو علم حاصل کرنا ضروری ہے؟ براہِ مہربانی یہ بھی بتلائیں کہ وہ کون سے علوم ہیں؟ جن کا سیکھنا ضروری ہے؟ کیا اس کا ذریعہ مروجہ تبلیغ ہے؟ اور کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے؟ اور اس کے لئے وہ باہر نکل سکتی ہیں یا نہیں؟ علماء سے معلوم ہوا کہ بغیر محرم کے حج تک کی بھی عورتوں کے لئے اجازت نہیں ہے۔

۴..... مبلغین عورتوں میں کہتے ہیں کہ اگر تبلیغ کے لئے تمہارے مرد منع کریں، تو ان کا کہنا مت مانو، کیونکہ اللہ کے مقابلہ میں والدین وخاوند سب غیر ہیں، کیا اس قسم کے الفاظ کہنا درست ہے؟

۵..... اکثر مبلغین تبلیغ کی فضیلت اور اجر وثواب میں آیات واحادیث پڑھ کر سناتے ہیں، جو جہادِ اکبر کے لئے آئی ہیں، کیا ان مروجہ تبلیغ میں ان احادیث وآیات کا پڑھنا درست ہے؟ مثلاً: ﴿انفروا خفافا وثقالاً﴾ الآیة (۱) اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے سات لاکھ نیکیوں کا ثواب آیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا مرد وعورت سب پر فرض ہے (۲)۔

---

(۱) (التوبة: ۴۱)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة" الحديث. (المقدمة من سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ص: ۲۰، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۳۴، قديمي) .... =

جو والدین اولاد کو علم دین نہیں سکھائیں، وہ بڑی حق تلفی اور ظلم کرتے ہیں، جس کا بھگتان دنیا میں بھی کرنا ہوتا ہے اور آخرت میں بھی کرنا ہوتا ہے، اس تعلیم نہ ہونے کے مفاسد عالمگیر ہیں، اگر والدین اپنے اپنے گھروں میں ضروری دینی تعلیم کا انتظام کرلیں، تو معاملہ بہت آسان ہوجائے، اگر ایسا نہیں کرسکتے تو کم از کم ہر محلہ میں دینی تعلیم کے لئے مدارس ومکاتب کا قیام عمل میں لایا جائے۔

اگر یہ بھی نہیں تو جہاں مدارس قائم ہیں، وہاں بچوں کو بھیجا جائے، لیکن اس میں بھی عمل دشوار سمجھا جاتا ہے اور بے عملی کے سبب بے عملی عام ہے، اعتقادات، اخلاق، اعمال صالحہ، اقوال اور معاشرت میں عمومی خرابی کے دروازے کھل رہے ہیں اور مسلمان ذلت ورسوائی میں گرفتار ہیں، اس عمومی بگاڑ کی اصلاح کے لئے دینی تعلیم کو عام کرنے اور دینی فضا بنانے کے لئے تبلیغی جماعت کا کام اس وقت مناسب اور مفید ہے، لیکن یہ بھی اسی وقت مفید ہے جب کہ اس میں احکام شرعیہ کی پابندی کی جائے، اگر حدود شرع سے تجاوز ہوگا، تو یہ کام بھی فتنوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

اس لئے اب مقررین کو انتہائی احتیاط اور حدود کے ماتحت تقریر کرنا لازم ہے، کوئی بات خلاف سنت زبان سے نہ نکلے، کوئی عمل احکام فقہ کے خلاف نہ ہو، ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے، عورتوں کے لئے پردہ کی سخت تاکید ہے، بلاضرورت اپنے مکان سے نہ نکلیں (۱)، نامحرموں کے سامنے نہ ہوں، یہ بات نہ ہو سینما

= "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر ما يحتاج إليه وفرض كفاية، وهو ما زاد عليه لنفع غير". (الدر المختار، مقدمة: ۱/۴۲، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الأحزاب: ۵۹)

قال العلامة الجصاص: روي عن عبدالله رضي الله تعالى عنه قال: "الجلباب الرداء" وقال ابن أبي نجيح عن مجاهد: يتجلبين، ليعلم أنهن حرائر". ولا يعرض لهن فاسق". وروى محمد بن سيرين عن عبيدة: ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ قال: تقنع عبيدة، وأخرج إحدى عينيه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۵۴۲، قديمي)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الثاني: ۲/۲۶۹، قديمي)

جانے سے تو ان کو روکا جائے اور تبلیغی اجتماع میں بے پردہ زیب زینت کے ساتھ خوشبو لگا کر اجازت دی جائے، بلکہ دونوں جگہ بے پردہ جانے سے روکنا ضروری ہے۔

سنیما بہر حال معصیت گاہ ہے، جس کو سب ہی ناجائز جانتے ہیں، وہاں کسی طرح بھی جانا کسی کے لئے بھی درست نہیں، تبلیغی اجتماع میں اگر ان کے بے پردہ جانے سے فتنہ پیدا ہو جائے، تو اور زیادہ معصیت کا سامنا ہوگا، وہاں پردہ کے ساتھ اپنے محرم کے ساتھ جانے سے ان کی اصلاح محلہ والوں کے لئے مفید اور درست ہے، بغیر محرم کے سفر کرنا درست نہیں۔ اگر شوہر ایسا حکم دے جس سے خدا کا حکم ٹوٹتا ہو تو پھر اس کی اطاعت جائز نہیں (۱)، لیکن اگر وہ احکام شرعیہ کے مطابق حکم دے تو اطاعت لازم ہے۔ جہاد کا مفہوم بہت عام ہے، دین کی خاطر جدوجہد کو جہاد کہا گیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے بہت سے شراحِ حدیث نے جہاد کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں (۲)۔

قلم کے ذریعہ دین کے احکام کو لکھنا بھی جہاد ہے، دینی کتابیں پڑھنا بھی جہاد ہے، مدارس ومکاتب قائم کرنا بھی جہاد ہے، تبلیغ کے لئے جانا بھی جہاد ہے، وعظ ونصیحت کرنا بھی جہاد ہے، اس پر مخالفین اعتراض

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمی)

"سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لا طاعة لأحد في معصية الله تبارك وتعالى". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، بقية حديث الحكم بن عمرو الغفاري، رقم الحديث: ۲۰۱۳۱: ۵۹/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "والجهاد بكسر الجيم أصله لغةً "المشقة" .... وشرعاً بذل قوة في قتال الكفار. ويطلق أيضاً على مجاهدة النفس والشيطان والفساق، فأما مجاهدة النفس فعلى تعلم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأما مجاهدة الشيطان فعلى دفع مايأتي به من الشبهات وما يزينه من الشهوات، وأما مجاهدة الكفار فتقع باليد والمال واللسان والقلب، وأما مجاهدة الفساق فباليد ثم اللسان ثم القلب".

(فتح الباري، كتاب الجهاد والسير: ۳/۶، قديمی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الجهاد: ۱۹۲/۴، إمداديه)

(وكذا في زاد المعاد، فصل في مراتب الجهاد، ص: ۴۰۳، دار الفكر)

کرتے ہیں، ان کا جواب دینا ان سے مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث: "من اغبرت قدماه في سبيل الله، حرمه الله على النار" بخاري، ص: ١٢٤(١)، کو جمعہ کی نماز کے لئے بیان کیا ہے اور جہاد کے لئے بھی، یعنی جس کے قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہو جائیں، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، خدا کے راستہ سے مراد بظاہر جہاد فی سبیل اللہ ہے، مگر جو شخص جمعہ کے لئے جائے، اس کے راستہ کا بھی یہی اجر ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الجمعہ میں ص: ۱۲۴ پر اس حدیث کو بیان فرمایا ہے، پھر اس کو کتاب الجہاد میں ذکر فرمایا ہے (۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کا مفہوم ان کے نزدیک بھی عام ہے، لیکن خدا کے راستے میں قتل ہونے کا ثواب جو مخصوص ہے، وہ قتل ہونے ہی میں ملے گا، وہ دوسری طرف جہاد سے نہیں ملے گا، لہٰذا جہاد کو قتل کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں، امید ہے کہ آپ کے جملہ اعتراضات کا جواب اس تحریر سے حاصل ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

عورتوں کے لئے تبلیغی سفر

سوال [۱۰۱۰۶]: ۱..... مستورات بغیر اپنے محرم کے تبلیغ کرنے کی غرض سے سفر کرتی ہیں، تو کیا ایسی عالم اور غیر عالم عورتوں کا سفر کرنا، مذکورہ صورت میں جائز ہوگا یا نہیں؟

۲..... عورتیں تبلیغ کرنے کی مجاز ہیں؟

۳..... اگر عورتوں کو تبلیغ کرنے کا حق نہیں ہے تو پھر مستورات دین کے مسائل کس طرح سیکھیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... شرعاً اس کی اجازت نہیں کہ کوئی عورت بغیر محرم کے سفر کرے، خواہ کسی مقصد کے لئے ہو (۳)۔

---

(١) (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة: ١/١٢٤، قديمي)

(٢) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من اغبرت قدماه في سبيل الله: ١/٣٩٤، قديمي)

(٣) "في الهداية: لا يجوز لها أن تحج بغيرهما (أي: الزوج والمحرم) إذا كان بينهما وبين مكة ثلاثة أيام ... بخلاف ما إذا كان بينها وبين مكة أقل من ثلثة أيام؛ لأنه يباح لها الخروج إلى مادون السفر بغير محرم". (الهداية، كتاب الحج: ١/٢٣٣، شركت علميه) .... =

۲...... عورتیں بھی عورتوں کو حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے تبلیغ کرسکتی ہیں، بلکہ کرنی چاہیے، کسی مکان میں جمع ہوجائیں اور کوئی عورت ان کو کتاب پڑھ کر سنادیا کرے، کلمہ نماز درست کرادے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عقائد اخلاق واعمال سکھادیا کرے۔

۳...... اس کا جواب ۲ سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

عورت کا مخلوط مجمع میں وعظ کہنے کا حکم

سوال [۱۰۱۰۷]: عرض کرنا یہ ہے کہ ہمارے محلّہ دین بازار، حیدرآباد میں ہر ماہ، ۱۰/ تاریخ کو ایک زنانہ اجتماع میں ایک خاتون صاحبہ بیان کرتی ہے، باضابطہ لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ جس میں عورتوں اور مردوں کا انتظام رہتا ہے، کیا یہ صحیح ہے کہ ایک عورت اپنا وعظ مردوں کو سناسکتی ہے؟ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیجئے اور خاتون صاحبہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنا وعظ مردوں کو برابر سناسکتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کا تبلیغی اجتماع میں لاؤڈ اسپیکر پر تقریر وعظ کرنا، جس سے نامحرم مردوں تک آواز جائے، صحیح نہیں، غلط طریقہ ہے(۱) اس کو چاہیے کہ وہ اس کے لئے تبلیغی جماعت کے مرکز نظام الدین دہلی سے دریافت

= "وقال في الفتح: كما في الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم"، وفي لفظ لهما: "فوق ثلاث". وفي لفظ للبخاري: "ثلاثة أيام". (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ۴۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۵۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحج: ۲/ ۴۶۴، ۴۶۵، سعيد)

(۱) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و(العورة) للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين ...... وصوتها على الراجح".

"قال عليه السلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء. فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ۱/ ۴۰۶، سعيد)

"قال العلامة الجصاص تحت قوله تعالىٰ: ﴿ولا يضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن﴾ =

کریں، وہاں سے بھی اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۹۹ھ۔

عورتوں کا تبلیغی جماعت بنا کر نکلنا

سوال[۱۰۱۰۸]: ہماری عورتوں میں عورتوں کی جماعتیں محلہ اور بیرونِ محلہ میں تبلیغی گشت کرتی ہیں اور مردوں کے اجتماعات کی طرح عورتوں کے اجتماعات ہوتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی محفوظ جگہ میں آس پاس کی بہت سی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں، جماعتِ نسواں کی امیر یا اس کی اجازت سے کوئی ایک عورت، عورتوں کے مجمع کو خطاب کرتی ہے، کبھی کتاب پڑھ کر اور کبھی دوسرے طریقہ سے دین واسلام کی باتیں، یہ رفتار دن بدن تیز تر ہوتی جاتی ہے، ابھی حال ہی میں بمبئی سے کچھ عورتیں اپنے لڑکے کے ساتھ بہار کے بعض مقامات پر عورتوں کو تبلیغ کرنے کے لئے سفر کر کے آئیں، مختلف محلوں میں عورتوں کے اجتماعات ہوئے، اس کی وجہ سے عورتوں میں تبلیغ کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے، بمبئی سے عورتوں کی آمد سے ہمارے علاقہ میں ہلچل مچ گئی، موافق ومخالف سوالات کرنے لگے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عورتوں کی جماعتیں مرکز نظام الدین دہلی کے ذمہ داروں کے مشورہ سے بھیجی جاتی ہیں، غرض یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عہد مبارک میں مردوں کی طرح عورتوں کی جماعت ایک نیک مقصد کی خاطر بھیجا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین، تابعین، تبع تابعین کے دور میں اس کا ثبوت ملتا ہے؟ فقہی رو سے اس کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں ہے تو عورتوں کی اصلاح کا جائز طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ عورتیں جماعت کا کام کس طرح کر سکتی ہیں؟ مندرجہ بالا امور کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی سے عورتوں کے جماعت نکلنے کی کوئی ہدایت کی گئی ہو تو میرے علم میں نہیں،

= الآية، "وفيه دلالة على أن المرأة منهية عن رفع صوتها بالكلام بحيث يسمع ذلك الأجانب ..... ولذلك كره أصحابنا أذان النساء؛ لأنه يحتاج فيه إلى رفع الصوت والمرأة منهية عن ذلك". (أحكام القرآن، باب مايجب من غض البصر عن المحرمات: ۳/ ۴۶۵، قديمي)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۵۸، رشيديه)

البتہ اگر کسی مقام پر عورتیں جمع ہوجائیں تو وہاں پر کوئی مرد صالح جا کر اس طرح تقریر کردیں کہ یہ خود کسی عورت کو نہ دیکھے اور نہ عورتیں اس کو دیکھیں اس کی شرعاً اجازت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض عورتوں نے درخواست کی تھی کہ مرد تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور دین سیکھتے ہیں، عورتیں کیا کریں؟ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فلاں مکان میں فلاں روز عورتیں جمع ہوجائیں، میں وہاں آؤں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱)۔

نیز یہ بھی ثابت ہے کہ کسی موقع پر عورتیں جمع ہوئیں اور بعض امہات المؤمنین نے وہاں جا کر ان کو دینی احکام کی تبلیغ کی (۲)، اس طرح آج بھی کوئی اجتماع عورتوں کا ہوجائے، پردے کا پورا لحاظ کرتے ہوئے تو مناسب ہے، لیکن کوئی عورت مائیک پر تقریر نہ کرے، جس سے باہر تک آواز جائے اور پھر تقریر بھی عورتوں کے مناسب نہیں، اگرچہ بغیر مائیک ہو، ہاں! کتاب پڑھ کر سنا دینا بغیر مائیک کے درست ہے، تقریر میں حدود کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے، مردوں کو بھی جو عالم نہ ہو، تاکید ہے کہ وہ چھ اصول پر قناعت کریں، عورتیں گلی کوچوں میں مردوں کی طرح ہرگز گشت نہ کریں۔

ہاں! اپنے محرم اور شوہر کے ساتھ پردے کے ساتھ جائیں اور عورتوں کے اجتماع میں شرکت کریں تو درست ہے، ان کے محرم اگر سفر کر کے کہیں جائیں اور عورتیں ان کے ساتھ ہیں، اس میں کیا اشکال ہے، سفر حج

(۱) "قال: سمعت أبا صالح ذكوان يحدث من أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قالت النساء للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: غلبنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوما من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن، فكان فيما قال لهن: "ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجاباً من نار"، فقالت امرأة: واثنين، فقال: واثنين". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم: ۱/۲۰، قديمى)

(۲) "... وكن نساء يبعثن إلى عائشة (رضي الله تعالىٰ عنها) بالدرجة فيها الكرسف فيه الصفرة فتقول: لا تعجلن حتى ترين القصة البيضاء" تريد بذلك الطهر من الحيضة". (صحيح البخاري، كتاب الحيض، باب اقبال المحيض وإدباره ...: ۱/۴۶، قديمى)

(ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حلقۂ درس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سیرۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا للعلامۃ سید سلیمان ندویؒ، تعلیم، افتاء اور ارشاد، ص: ۲۸۱-۳۰۶، مجلس نشریات اسلام)

وغیرہ کے لئے بھی تو سفر کرتی ہیں، اس طرح اس کو بھی سمجھ لیا جائے، اصل تو یہ ہے کہ ماں، باپ، بھائی بہن وغیرہ بچوں کو گھر میں تعلیم دیں اور دین سکھلائیں، شوہر کے ذمہ بھی ضروری ہے، بیوی کو دینی تعلیم دے اور ضروری مسائل سکھلائے، مگر اس ذمہ داری کو آج نظر انداز کیا جارہا ہے، اگر اس ذمہ داری کا احساس ہوجائے، تو پھر مشکلات پیش نہ آئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مستورات کا اجتماع

سوال[۱۰۱۰۹]: گزارش ہے کہ ٹانڈے میں عورتیں بھی ہفتے میں دو تین بار تبلیغی اجتماع کرتی ہیں، ایک عورت کتاب پڑھتی ہے، یہ اجتماع متفرق محلوں میں جگہ جگہ ہوتا رہتا ہے، کہیں کہیں تو بازاروں میں بھی ہوکر مستورات کو جانا پڑتا ہے اور دن میں ہی یہ چلنا پھرنا ہوتا ہے، ایسے اجتماعات کیسے ہیں؟ کیا مستورات شریک ہوسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین سیکھنا مردوں عورتوں سب کو ضروری ہے(۱)، عورتوں کے لئے زیادہ اسلم طریقہ یہ ہے کہ مکان پر رہ کر اپنے والد بھائی چچا شوہر وغیرہ محرموں سے سیکھے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو دیگر مستورات سے پورے پردہ کے ساتھ جا کر سیکھے، مستوارت نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی تھی تو ان کے لئے مخصوص دن اور مخصوص جگہ کے لئے اجتماع تجویز فرمادیا تھا، وہاں پہونچ کر جمع ہونا حدیث شریف میں مذکور ہے(۲)، حدود

---

(۱) "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم". (سنن ابن ماجة، کتاب السنة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص: ۳۴، دارالسلام)

(ومشکاة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثاني: ۱/۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في فتح الباري، کتاب العلم: ۱/۱۴۱، دارالفکر)

(۲) "قال النساء للنبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک، فوعدهن یوماً لقیهن فیه فوعظهن وأمرهن". (صحیح البخاري، کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء یوماً =

شرع کے اندر رہنا اور فتنوں سے بچنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

کیا مرکزِ تبلیغ آمدنی کا ذریعہ ہے؟

سوال [۱۰۱۱۰]: دہلی نظام الدین اولیاء میں جو تبلیغی مرکز ہے، وہاں پر روزانہ سیکڑوں آدمی کھانا کھاتے ہیں، اس کے لئے چندہ ہوتا ہے یا مخصوص لوگ اس کام کو چلاتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ کرنے کا ہم کو علم نہیں، اگر اس کی تحقیق مطلوب ہو، تو ان سے ہی تحقیق کی جائے، یہ چیز فتویٰ کی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایک واقعہ کی تحقیق

سوال [۱۰۱۱۱]: سائل کا بیان ہے کہ ایک مبلغ صاحب نے اپنی تقریر میں یوں بیان کیا کہ ''کچھ عرب یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اشاعتِ اسلام کے لئے ملک چین گئے اور وہاں غلہ کی تجارت شروع کی اور اس طرح سے غلہ کے نقائص دور کرنے کے بعد غلہ کو وہاں کی قیمت سے کم قیمت پر یہ دعا کرکے بیچا کہ ''اے اللہ! کاشت کار مٹی میں دانہ ملاتا ہے، تو تو اس کے دانے کو ضائع نہیں کرتا ہے اور ہم تو تیری مخلوق پر صرف کر رہے ہیں، کیا ہمارے دانوں کا بدلہ تو نہیں دے گا''۔ اس دعا کے بعد یہ لوگ اپنا غلہ کم قیمت پر لوگوں کو دیتے رہے، جو غلہ ان لوگوں کے پاس تھا، اس میں اللہ پاک نے ایسی برکت دی کہ پھر وہ ختم نہ ہوا اور یہ اپنی تجارت میں عام دوسرے تاجروں پر غالب آگئے اور پھر وہاں ان کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی''۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ کون سے صحابہ تھے، ان کے نام کیا تھے، ان کا یہ واقعہ کس کتاب میں ہے؟

= علی حدة في العلم، ۲۳، دار السلام)

(وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب فضل من یموت له ولد فیحتسبه، :ص ۱۱۴۷، دار السلام)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان مقرر تبلیغ صاحب سے دریافت کرلیں، تو پھر کتاب میں تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱/۱ھ۔

بریلوی مکتب فکر کی طرف سے اکابر علماء دیوبند اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات

سوال[۱۰۱۱۲]: حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم!

گزارش یہ ہے کہ بریلی کے تبلیغی جماعت اور اکابر علماء دیوبند پر کچھ اعتراضات اور اس سلسلہ میں سوالات آئے ہوئے ہیں، جن کا ترجمہ عربی میں پیش خدمت ہے۔ براہِ کرم مولانا ارشاد احمد صاحب کے ذریعہ دارالعلوم سے ان کے جوابات لکھوا دیجئے۔ وهو هذا:

"۱..... قال تعالى: ﴿وما كنا معذبين حتى نبعث رسولاً﴾(۱) فنظراً في هذه الآية الشريفة، إن مات كفار العالم في العصر الراهن على كفرهم هل يعذبون أم لا؟ فإن قيل: إنهم غير معذبين لعدم التبليغ إليهم: فيكون المعذبون عصاة المؤمنين فحسب، ويكون مخالفاً للحديث الشريف (أي: كثرة أهل الجنة وقلة أهل جهنم) وإن قيل: هم معذبون، فقد وجدوا مبلغين نظراً إلى الآية السابقة. فيكون هذا التبليغ تحصيل الحاصل وهو محالٌ. وإن قيل: ليس المقصود من هذا التبليغ دعوة الكفار إلى الإسلام بل المقصود تقريب المسلمين الذين يعيشون بعيداً عن الإسلام، وتقريب من وجه من الكفار إلى الملة الحنفية جمعهم على مسلك واحد مع قطع النظر عن

(۱) (بني إسرائيل: ۱۵)

الاختلافات الفروعية، فيقال: لهذه الأفعال (أي: دعوة الملة، أي: الصلاة وغيرها) سمى تبليغاً وما كلم تسمية شخص أو جماعة بأسماء غير لائقة بهم وإن جاز تسميه القومية، والتذكير، ونحوهما تبليغاً. لجاز تسمية ذلك المبلغ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.

۲ ..... قد عرف من تعريف النبي أنه لم يرد بالتبليغ وجوباً، فنظراً في قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل(۱) "والعلماء ورثة الأنبياء"(۲) كيف يسوغ تسمية هذه الأفعال تبليغاً الذي هو من ميراث المرسلين؟ وإن كان هذا الإملاء مشتقاً من قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تبليغ الشاهد الغائب" فما المراد بالشاهد والغائب؟ فإن كان المراد بهما الذين حضروا في حجة الوداع، والذين غابوا عنها فقد انقرض زمانهم وأفعالهم، وإن كان المراد بهما "العالم والجاهل" فقد انقلب الأمر في مبلغي زماننا أعني مبلغون اليوم أكثرهم الجاهلون ويبلغون العالمين.

۳..... قد شاع وانتشر في ربوع كثير له الوعظ والتعليم في المساجد والمدارس وغيرهما، هذه الأفعال دينية أم لا؟ لإخلاص من التسليم أنها دينية، فما سبب قول هذه الجماعة لمن لا يستطيع أن يخرج معهم: "لا

(۱) "حديث: علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" قال شيخنا ومن قبله الدميري والزركشي: إنه لا أصل له، زاد بعضهم: ولا يعرف في كتاب معتبر". (المقاصد الحسنة، حرف العين المهملة، رقم الحديث: ۷۰۲، ص: ۳۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الموضوعات الكبرىٰ، حرف العين المهملة، رقم: ۲۱۴، ص: ۱۵۹، قديمى)

(وكذا في كشف الخفاء، حرف العين المهملة، رقم: ۱۷۴۴: ۲/۷۴، المكتبة العصريه)

(۲) (سنن أبي داود، كتاب العلم، باب في فضل العلم: ۲/۱۵۷، مكتبه رحمانيه)

(وجامع الترمذي، كتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة: ۲/۹۷، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم: ۱/۲۰، قديمى)

تخرجون في سبيل الله بعد دعوة إلى سبيله؟".

مريدين تذميمهم مع أنهم يفعلون مثل هذه الأفعال الدينية.

٤...... لما دعى الرسل الناس إلى توحيد الله سبحانه وتعالى، فالضعفاء والفقراء قدموا إلى إجابتهم أوّلاً، وأنكر أكثر الأغنياء والأجراء، هذه هي العادة في الأنبياء والمرسلين، وذلك يدل على حقيقة أفعالهم ودعوتهم، بخلاف هؤلاء الجماعة، يقدم إليهم أكثر الأغنياء أو الأمراء، وأكثر الموظفين الذين أقعدوا من العمل وسائر الموظفين في عطلاتهم، وأكثر أولئك الأغنياء لا يؤدون الزكاة والصدقه ولا ينفقون على اليتامىٰ والفقراء، والضعفاء لايقبلون إلى دعوتهم، هذه خلاف عادة الإسلام والأمراء الحق، فإن قيل: أنهم يدعون بالحكمة والموعظة الحسنة كما قال القرآن، فيجدون الأعضاء كثيراً ويحصلون على كثير الفائدة، ففي هذا القول نسبة أي دعوة المرسلين والأنبياء، وهو باطل نقلاً وعقلاً.

٥...... الاعتماد على الأعمال الحسنة وعدم الخوف بسببها واليأس من رحمة الله لتراكم المعاصي كلاهما كفر، كما جاء في الحديث، وهذه الجماعة يتلقون الأمن من عذاب الله إلى من خرج معهم أربعين يوماً أو أربعة أشهر، ويقولون لهم: فزت ونجيت في الآخرة، وقد سمعت أذناي هذا القول كراراً ومراراً منهم.

٦...... يفهم من قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لقد هممت أن آمُرَ" الخ(١).

---

(١) (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية: ١/٢٣٢، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة: ١/٩١، رحمانيه) =

أن المتأخرين عن الجمعة والجماعة كانوا موجودين في عهد الرسالة كالعصر الراهن، وأن النبي الكريم صلى الله تعالى عليه وسلم والصحابة الكرام رضي الله تعالىٰ عنهم لم يذهبوا إلى ديارهم للدعوة إلى الجمعة والجماعة، واكتفوا بالدعوة العامة فأي شيء يمنع عن اتباع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالىٰ عنه في الاكتفاء بالدعوة العامة؟

۷...... ليس بين الأنبياء والمرسلين والأصحاب والأتباع في الأصول هكذا، يقول أولئك الجماعة: "يجوز الالتحاق في جماعتنا لكل من تقلد مذهباً من المذاهب الأربعة المعتبرة التي ليس لهم اختلاف في الأصول، ولكن أسفاً فوق الأسف المروي خلاف ذلك! وهم يلحقون في جماعتهم من لايعتبر بالسلف الصالحين ومن لا يؤمن بالقدر.

۸...... في هذه الجماعة يخرج قوم فاتت لهم الفرائض كثيراً وعليهم قضاء ها لأربعة أشهر وأربعين يوماً، ومع ذلك لا يأمرهم أمراء هذا الجماعة بقضاء الفرائض، ولا يتركونهم يقضونها، ولا يأمرونهم بسائر الواجبات كنفقة العيال والأهل، ولا يعلمونهم العلوم الواجبة، ولا يتركونهم متعلمها، بل يشوقونهم في تعليم فضائل الأعمال ويحضونهم إلى الأعمال المسنونة فما حكم هذه الأفعال في الشرع.

۹...... وما هو رأي أولئك في مشية الله تعالى وقدره؟

۱۰...... هذا التبليغ الذي بداه مولانا الياس رحمه الله تعالى مع الشرائط الجديدة أهو خير من تبليغ العلماء الذين مضوا قبله؟ هذا بدعة حسنة أم سنة أم واجبة؟

= ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة، الفصل الثالث: ۱/۱۲۱، قديمي)

۱۱...... لا يأمر أصحاب التبليغ في بلادنا لمن يخرج معهم من الأغنياء بالزكاة، أي شيء منع هؤلاء عن أمر الناس بالزكاة؟

۱۲...... يقول المعترض: سمعناهم يقولون: إن هذه الجماعة من مستحق الزكاة، وهم قسم من الثمانية التي ذكرت في القرآن، وهم قسم في سبيل الله، وهم يأخذون الروبيات زكوة من الأغنياء إلا المؤمنين بهذه الدعوى أهذه صحيحة أم لا؟

۱۳...... أمراء الجماعة يمنعون من يخرج معهم في الجماعة أن لايتكلم غيره بغير إذنهم، ولو كان هو صديقه الصحيح. فما هي أدلة هذه الشرائط؟ وطلب الأجوبة تحقيقاً لا إلزاماً، ناقلاً أقوال الأئمة المتقدمين، ومستنبطاً من الايات والاحاديث بنفسه"۔

مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کے متعلق

۱- بس یہ تسلیم نہیں کروں گا کہ خدائے تعالیٰ کو جھوٹ بولنا محال ہے۔ (ایک روزہ، ص:۱۴۵)۔

۲- ایسا کہنا بدعت ہے کہ خدا کو مکان وجہات سے پرہیز ہے اور مومن لوگ خدا کو بہشت میں بلا مکان وجہات دیکھیں گے۔ (ارضاء الحق، ص:۳۵)

۳- آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یا اولیاء کرام کا نماز میں خیال آنا ممنوع وبدتر ہے، اگر چہ اپنی بیوی یا دوسری عورت کے ساتھ جماع کرنے کا خیال آنا ممانعت میں کچھ درجہ کم ہے۔

۴- خدا کو غیب کا علم صرف مشیت کے وقت ہوتا ہے، یعنی جب ارادہ کرتا ہے، تب ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص:۱۶)۔

۵- خدا کا ثقل برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے عرش میں چرچراہٹ ہوتی ہے۔ (ص:۴۱)

۶- انبیاء کے معجزات سے جادو اور ساحروں کے اعمال غریب کو اہمیت ہے۔ (ص:۲۴)

۷- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس خیال سے "یا محمد" پکارنا شرک ہے، کہ وہ ہماری دعا سنیں گے،

یا دیکھیں گے۔

۸- جو کسی انبیاء یا اولیاء کو دور سے پکارتا ہو، وہ مشرک ہے، جو اُن کی تعظیم کرے، وہاں جھاڑو دے، پیاسے کو پانی پلادے، وہ بھی مشرک ہے۔ (تقویۃ الایمان)۔

رشید احمد گنگوہی

۱- رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب دعوؤں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں ص:۴۱ میں: ﴿إن أولياء ه إلا المتقون﴾ کی روشنی میں اسماعیل دہلوی کو ولی اور اہل جنت فرمایا ہے اور تقویۃ الایمان کے بارے میں کہا ہے کہ نہایت عمدہ کتاب ہے، شرک وبدعت کو سب کھول کر رکھ دیا ہے، لاجواب کتاب ہے، اس کا استدلال قرآن وحدیث سے ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے پاس رکھنا، پڑھنا، اس پر عمل کرنا عین الاسلام ہے۔ (فتویٰ رشیدیہ، ص:۴۱)۔

۲- خدائے تعالیٰ کو جھوٹ بولنا جائز ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ، ص:۸۴۔

۳- انبیاء اولیاء سے جو غیر معمولی کام ہوتا ہے، اس کو لوگ حیرت سے دیکھتے ہیں، لیکن ساحروں اور جادوگروں سے اس سے بھی زیادہ عجیب کام دیکھ سکتے ہیں۔ (رشیدیہ، ص:۲۲)۔

۴- محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کا عقیدہ اچھا تھا، وہ متبع سنت تھے، بدعت کو مٹانے والے تھے، ان کے مقتدی بھی اچھے لوگ تھے۔ (ص:۲۳۵)۔

۵- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا اور نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم غیب کا دعویٰ کیا، نبی کے علم غیب نہ ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث وآیات زیادہ وارد ہیں اور رسولِ خدا کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر ہے۔ (رشیدیہ، ص:۹۶)۔

۶- علم غیب خدا کی خصوصیت ہے، اسے کسی اور کی طرف منسوب کرنا، توہم الکفر سے خالی نہیں ہے، خواہ کسی تاویل کے ساتھ ہو۔ (رشیدیہ، ص:۱۳۰)۔

۷- اولیاء اللہ کو اس عقیدہ سے خیال رکھنا مظنۃ الکفر ہے، کہ وہ یہ خیال رکھنے پر واقف ہیں۔ (رشیدیہ، ص:۴۹)۔

۸- ''یا شیخ عبد القادر'' کہنا مورد الشرک ہے، خواہ کسی تاویل سے ہو۔ (رشیدیہ، ص: ۵۲)۔

۹- اس خیال سے نبی کو دور سے پکارنا کہ وہ سن لیتا ہے، کفر ہے۔ (ص: ۶۶)۔

۱۰- یا أکرم الخلق مالي من ألوذ به سواك عند حلول الحادث العمم

اس بیت کو دور سے اس خیال سے کہنا شرک ہے کہ وہ سن لیتے ہیں۔ (ص: ۶۸)۔

۱۱- ''رحمۃ للعالمین'' یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت سے نہیں (ص: ۹۶)۔

۱۲- اولیاء کا عرس کرنا ناجائز ہے۔ (ص: ۶۱)۔

۱۳- مولود بدعت ہے (ص: ۱۰۳) اگرچہ شرع کے خلاف نہ ہو (ص: ۱۰۵)

۱۴- اس زمانہ میں جس نے میری اتباع کی ہے، اس کو ہی بشارت بالجنۃ ہے اور اہل جنت ہیں (تذکرۃ الرشید، ص: ۱۷)۔

خلیل احمد انبیٹھوی

۱- خدا کو جھوٹ بولنا جائز ہونے کے بارے میں جو دعویٰ ہے، وہ کوئی نیا دعویٰ نہیں، کیونکہ قدماء اس کے قائل ہیں۔ (براہین قاطعہ، ص: ۲)۔

۲- کذب، شرک، خیانت، سفاہت اور ظلم یہ سب صفات خدا کے بارے میں محال کہنا جہالت ہے۔ (تذکرۃ الخلیل، ص: ۸۶)۔

۳- شیطان اور ملک الموت کا علم جتنا وسیع ہے، اتنے علم کی وسعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا یا اعتقاد رکھنا شرک ہے۔ (براہین قاطعہ، ص: ۵۱)۔

۴- مولودِ رسول اور ہندو و نصاریٰ کے مولود و عرس دونوں برابر ہے، بلکہ اس سے بدتر ہیں، کیونکہ وہ لوگ پورے سال میں ایک مرتبہ کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان جب چاہتے ہیں، کرتے ہیں، یہ عمل ناجائز ہے۔ (براہین قاطعہ، ص: ۱۴۸)۔

اشرف علی تھانوی

۱- نبی خدا کو علم غیب نہیں، اگر خدا نے بعض علوم کو بتا دیا اس سے کوئی خصوصیت نہیں ہے، کیونکہ علمِ غیب

جیسے رسول کو ہے، ایسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل، بلکہ جانور اور چوپائے کو حاصل ہے۔(حفظ الایمان، ص:۷-۸)۔

۲-کسی کے پاس حاجت مانگنا، یوم التفاؤل و یوم التشاؤم تلاش کرنا، نذر کرتے ہوئے پیسے متعین کرنا، کسی دن کو نحس خیال کرنا، بزرگوں کے نام ذکر کرنا، یہ سب بدعت ہے اور شرک بھی ہے۔(بہشتی زیور)

تبلیغی جماعت کے بارے میں

۱-مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاد رشید احمد گنگوہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اس زمانہ کے مجدد تھے اور قطب تھے اور ان سے مجدد کا کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا، لیکن ان کے متبعین و معتقدین سے ہونا کافی ہے۔(ملفوظات، ص:۱۲۳)۔

۲-اس خیال سے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔"الصلاة والسلام علیك یا رسول الله" پکارنا صحیح نہیں، اگر یہ خیال نہ ہو تو پکار سکتا ہے، لیکن اس سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ یہاں شرکِ خفی ہے۔(مکتوبات الیاس، ص:۹۰)۔

۳-دوسری جگہ فرمایا:''اے لوگو! میرے اس تبلیغی کام کو برکت سمجھ کر کرتے رہو، برکت الگ رہتی ہے اور عمل دوسرا ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش جب ہوئی تو اس کے ساتھ یہ برکت بھی شروع ہوئی، لیکن عمل اس کے بعد ہی شروع ہوا، اسی طرح مجھے بھی سمجھو، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا جو حقیقی کام ہے وہ اب تک شروع بھی نہیں ہوا اور جس دن ہمارا یہ حقیقی کام شروع ہو جائے گا، لوگ اس سے سات سو صدی پہلے جیسے مسلمان تھے، ویسا زمانہ لوٹ کر آئے گا''۔(ملفوظات، ص:۳۲)۔

۴-مجھے نیند میں بھی بہت نصیحت حاصل ہوتی ہے، اس وجہ سے مجھے نیند زیادہ ملنے کے لئے کوشش کرنا ہے، حکیموں کے کہنے کی وجہ سے میں سر میں تیل لگا کر مالش کرا دیتا ہوں، اس وجہ سے مجھے اچھی نیند آتی ہے اور خواب میں مجھے خبر ہوئی کہ (كنتم خير أمة) کا مامور بالشخصیت تم ہو اور تم انبیاء جیسے ہو اور لوگوں کے لئے ہم نے بھیجا ہے(ملفوظات، ص:۴۰)۔

شیخ الہند محمود الحسن کے بارے میں

۱-یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ کوئی اختیار کا خدا کے لئے ملائکہ یا پیغمبروں پر اتارنا محال ہے۔(جہد المقل، ص:۳)۔

۲-اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان قرآن شریف جیسی اہم کتاب ہے، کیونکہ کتاب اللہ سے چند لوگ ہدایت پاتے ہیں اور چند لوگ ضلالت، یہی حال تقویۃ الایمان کا بھی ہے، کیونکہ جس کے دل میں پہلے سے ہدایت ہے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جس کے دل میں نفاق اور تعصب ہے، وہ اس سے ضلالت حاصل کریں گے۔ (الجہد المقل، ص:۵)۔

حضرت نانوتوی کے بارے میں

۱-اگر نبی کی کوئی خصوصیت ہے تو وہ صرف علم کے بارے میں ہے اور عمل میں سب امت برابر ہیں اور نبی سے غالب بھی آجاتے ہیں۔ (تحذیر الناس، ص:۵)۔

۲-لفظ خاتم النبیین کو آخری نبی کے معنی جاننا جاہلوں کا خیال ہے، کیونکہ قبلیت زمان یا بعدیت زمان سے کوئی خصوصیت نہیں ہے، اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی آئے تو خاتم النبیین کے خلاف نہیں ہوگا۔ (تحذیر الناس، ص:۲-۱۳-۱۲-۱۳)۔

مولانا حسین احمد کے بارے میں

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر آج کل مولود کے نام سے جو کرتے ہیں، اس کو قرآن وحدیث یا عمل صحابی یا تبع تابعین کے عمل سے بھی دلیل نہیں ملے گی، بلکہ یہ عادت ہندوؤں کے پاس سے مسلمانوں نے لیا، عجیب وغریب عادت ہے۔ (الجمعیۃ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال نامہ میں عربی واردو ہر قسم کی عبارتیں بصورت اعتراض برائے جواب موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض دونوں زبانوں پر عبور رکھتے ہیں اور دونوں کو سمجھتے ہیں۔ نیز جن کتب پر اعتراضات ہیں، وہ اردو میں ہیں۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ جوابات اردو میں تحریر کئے جائیں۔

فأقول وبالله التوفيق وهو خير رفيق.

۱...... تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی میں ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ میوات کا بہت بڑا علاقہ دینی اعتبار سے نہایت پسماندہ علاقہ تھا، جرائم، چوری، ڈاکہ، زنا، قتل وغیرہ میں جاہلیتِ عرب کے

مشابہ تھا، نام بھی اسلامی نہیں تھے، لباس اور وضع قطع بھی اسلامی نہیں تھی، سروں پر چوٹی موجود تھی، گھروں میں بت رکھے ہوئے تھے، علم اور اخلاق سے بالکل بیگانہ تھے، اس علاقہ کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے بہت ہی قلق محسوس کیا، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کے ارشاد واشارہ سے وہاں کام شروع کیا، سب سے پہلے بنیادی چیز کلمہ طیبہ ان کو سکھایا، الفاظ صحیح کروائے، ترجمہ بتایا، تشریح کی، اس کا مطالبہ سمجھایا، پھر نماز کی فرضیت بتائی، اس کا طریقہ سکھایا، پابندی کی تاکید کی، علم سیکھنے کی ترغیب دی، ذکر الٰہی کی تلقین کی، ہر مسلمان کے اکرام واعزاز کی اہمیت بتائی، ہر کام میں اخلاص کا طریقہ سمجھایا، لایعنی بیکار باتوں سے پرہیز کا حکم دیا، دین کی ان اہم باتوں کو سیکھنے کے لئے گھروں سے نکلنے کی ترغیب دی۔

شروع شروع میں سخت دشواریاں پیش آئیں، لیکن حق تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی، اس کام کا نفع ان لوگوں کی سمجھ میں آیا اور وہ جان گئے، خالق ومالک اللہ ہے، جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے کئے سے ہوتا ہے، ظاہری اسباب معمولی حیثیت رکھتے ہیں، بغیر خدا کے چاہے ان میں تاثیر نہیں، ہر شئی اپنی تاثیر میں خدائے پاک کی محتاج ہے اور خدائے پاک کسی شئی کا محتاج نہیں، لہٰذا خدائے پاک سے تعلق کے بغیر یعنی اس کو پہچاننے اور اس کے حکموں پر عمل کئے بغیر زندگی بیکار ہے، وبالِ جان ہے، اس کے عذاب کو لانے والی ہے، یہ بات ذہنوں میں جب آگئی، تو دین سیکھنے اور مذکورہ باتوں کو حاصل کرنے کے لئے جماعت بنا کر نکلنے کا رواج ڈالا، ہر شخص اپنا خرچ اپنے ساتھ لے کر اپنے مشاغل سے نکل کر باہر جائے، جماعت کا ایک امیر مقرر کرلیا جائے۔

چنانچہ جماعتیں نکلنی شروع ہوئیں، کسی کے پاس جھولے میں چنے ہیں اور کسی کے پاس سوکھی روٹی ہے، کسی کے پاس آٹا ہے، وغیرہ وغیرہ، دس آدمیوں کا ایک امیر ہے، جو کہ پارہ عم پڑھا ہوا ہے، وہ ہر ایک کو کلمہ سکھاتا ہے، وضو سکھاتا ہے، الحمد یاد کرواتا ہے اور ''قل ہو اللہ احد'' یاد کرواتا ہے اور التحیات ودرود شریف یاد کرواتا ہے، پانچ وقت کی نماز کے ساتھ اشراق، تہجد وغیرہ بھی پڑھواتا ہے، ہر ایک کو دوسرے کی عزت وخدمت کی تاکید کرتا ہے، یہ چیزیں تو اس جماعت کی آپس کا مشغلہ ہے، پھر جس بستی میں یہ لوگ جاتے ہیں، وہاں مسجد میں قیام کرتے ہیں، اعتکاف کی نیت کرتے ہیں، اپنا مشغلہ جاری رکھتے ہیں، اہلِ بستی کے پاس جاکر ان کو خوشامد کرکے مسجد میں لاتے ہیں، نماز کی اہمیت بتاتے ہیں، اپنا سبق ان کو سناتے ہیں، وہ ان سے دعا درود کی درخواست کرتے ہیں، آپ بھی ہمارے ساتھ باہر چلیں، ان میں سے حسب توفیق کچھ لوگ وقت نکال کر ساتھ جاتے ہیں،

جو کچھ دین کی مذکورہ باتیں یہ لوگ جانتے ہیں، وہ اس جماعت کو سکھاتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں، وہ سیکھتے ہیں، غرض مثلاً: ایک چلہ گزار کر یہ جماعت واپس آتی ہے، تو دین کی مذکورہ بہت سی باتیں سیکھ کر آئی، اس مدت میں شراب، زنا، چوری، ڈاکہ، گالی وغیرہ رزائل سے محفوظ رہی، اپنے مقام پر پہنچ کر بھی اس مشغلے کو حسب حیثیت باقی رکھا، جس قدر ان کی اصلاح ہوئی، ان کو خود بھی اس کی قدر ہوئی اور دوسروں کو بھی احساس ہوا کہ فلاں شخص کس قدر جرائم کا مرتکب تھا، اہل بستی اس سے خائف تھے، لیکن ایک چلہ جماعت کے ساتھ گزارنے کے بعد آیا، تو دیکھا کہ اب سب کی عزت کرتا ہے، خدمت کرتا ہے، راحت پہونچاتا ہے، دین کی ترغیب دیتا ہے، چوری اور ڈاکہ چھوڑ چکا ہے، زکوۃ وصدقہ دینے کی نیت کر چکا ہے اور کچھ شروع بھی کر دیا ہے۔

لہٰذا کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ جماعت اور دوسرے لوگوں کی نکلی، غرض اسی طرح تمام علاقہ میوات میں دین سیکھنے کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ان کی محنت سے دوسرے علاقے کے لوگ بھی متاثر ہوئے اور خدائے پاک کے فضل سے ایسی دینی جدوجہد کی بدولت جگہ جگہ ایسے مدارس بھی قائم ہو گئے جن میں حدیث وتفسیر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، بے شمار لوگ حافظ وعالم بھی ہو گئے، تاجروں، ملازموں، عہدہ داروں، کاشتکاروں، مزدوروں غرض ہر طبقہ کے بے شمار لوگ اس محنت میں لگے ہوئے ہیں، یہ جماعتیں اپنی غربت وافلاس کی وجہ سے پیدل بھی طویل سفر کرتی ہیں اور باحیثیت لوگ بس، ریل، ہوائی جہاز سے بھی سفر کرتے ہیں، بندرگاہوں پر اور جہازوں میں بھی کام کرتے ہیں، جدہ، مکہ مکرمہ، عرفات، مزدلفہ، مدینہ منورہ میں بھی کام کرتے ہیں۔ جس کی برکت سے بہت لوگوں کا حج صحیح طریقہ پر ادا ہوتا ہے، حرم شریف اور احرام کے حقوق بھی بجالاتے ہیں، زندگی کے ہر شعبے میں اس کی برکات نمایاں ہیں، اس جماعت کے اصول کو اختیار کرنے سے تمام دین کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

اب یہ ہے کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے دین کو حاصل کرتا ہے اور ہر بڑا اپنے چھوٹے کو اس کی حیثیت کے موافق سکھاتا ہے، اسی جماعت کا نام تبلیغی جماعت ہو گیا، کیونکہ یہ جماعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس پہونچاتے ہیں، پھر پہونچانے والے کو تبلیغی کہتے ہیں، تبلیغ کے معنیٰ پہونچانے ہی کے ہیں (۱)۔

---

(۱) "البلاغ: (الاسم من الإبلاغ والتبليغ، وهما: الإيصال) يقال: أبلغه الخبر إبلاغاً، وبلغه تبليغاً، =

یہاں دارالعلوم میں بھی ایک مستقل شعبہ ہے، جس کا نام شعبہ تبلیغ ہے، اس میں متعدد حضرات مامور ہیں، جن کو مبلغ ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کو کبھی کسی نے رسول اللہ نہیں کہا، نہ کہنے کی اجازت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف احکام پہونچانے کے لئے مختلف صحابہ کرام کو مامور فرمایا اور وہ مبلغ قرار پائے (۱)، مگر ان کو رسول اللہ قرار نہیں دیا، رسول اللہ اور مبلغ کے درمیان تساوی کی نسبت نہیں کہ ہر مبلغ کو رسول اللہ کہنا جائز ہو، جن کفار کو تبلیغ کی گئی، حجت تام ہوگئی، جن کو نہیں کی گئی، ان کو خبر ہی نہیں کہ کوئی رسول دنیا میں آئے اور احکام خدا کو پہونچائے، ان کا حال خود امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب عقائد واصول میں منقول ہے (۲)، غیر

= والثاني أكثر، قال الراغب". (تاج العروس: ۲۲/۴۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أبلغ إليه: أو صله ويقال: بلغ عنه الرسالة إلى القوم: أوصلها إليهم". (المنجد في اللغة والإعلام، ص: ۴۸، انتشارات اسما عيليان، تهران ايران)

"والإبلاغ: الإيصال، وكذلك التبليغ، والاسم منه البلاغ". (لسان العرب: ۸/۴۱۹، دار صارد بيروت)

(۱) "وكان عبادة يعلم أهل الصفة القرآن، ولما فتح المسلمون الشام أرسله عمر بن الخطاب وأرسل معه معاذ بن جبل وأبا الدرداء رضي الله تعالى عنهم، ليعلموا الناس القرآن بالشام ويفقهوهم في الدين، وأقام عبادة بحمص، وأقام أبوا الدرداء بدمشق ومضى معاذ رضي الله تعالىٰ عنه إلى فلسطين .... الخ". (أسد الغابة في معرفة الصحابة، رقم: ۲۷۸۹: ۳/۵۵، دارالفكر)

"ومن مناقبه (أي عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه) منها: .... وسيره عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه إلى الكوفة، وكتب إلى أهل الكوفة: "إني قد بعثت عمار بن يسار أميرا وعبدالله بن مسعود معلما ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اهل بدرٍ فاقتدوا بهما، واسمعوا قولهما، وقد اثرتكم بعبدالله على نفسي". (أسد الغابة في معرفة الصحابة، رقم: ۳۱۷۷: ۲/۲۸۳، دارالفكر)

(وكذا في الإصابة في تميز الصحابة: ۴/۲۰۱، رقم: ۴۹۷۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ: "لولم يبعث الله تعالىٰ رسولاً لوجب على العقلاء معرفته بعقولهم". (أصول الشاشي، الأصل الأول، فصل في الأمر: ۳۴، قديمي)

(وكذا في تفسير روح المعاني، بني إسرائيل: ۱۵: ۱۵/۳۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مسلموں میں آج بھی رسائل اخبارات تقاریر کے ذریعہ تبلیغ جاری ہے، اس سے نفع بھی ہو رہا ہے۔

۲..... حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبلیغ پر مامور تھے۔

﴿یا أیها الرسول بلغ ما أنزل إلیك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته﴾ (۱).

اسلام وایمان کی تبلیغ کفار کو کی، احکام کی تبلیغ اہل اسلام کو کی، پھر یہ کہنا: "إنه لم یؤمر بالتبلیغ وجوباً" کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

یہ تو نص قطعی کے خلاف ہے، تبلیغ کا حکم دورِ صحابہ کے انقراض سے ختم نہیں ہوا، بلکہ یہ تو قیامت تک چلے گا، دین ایسا نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تبلیغ فرمائی ہو اور حاضرینِ حجۃ الوداع کو تبلیغ کے لئے مامور فرما کر سلسلہ ختم فرما دیا ہو، ورنہ آپ تک دین کیسے پہونچتا، دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بے شمار صحابہ وتابعین ومن بعدہم کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا ہے (۲)۔ یہ کہنا کہ جاہل تبلیغ کرتے ہیں علماء کو، یہ غلط بات ہے، ناواقفیت پر مبنی ہے، اس کی تفصیل جواب نمبر ا میں مذکور ہے، جاہل لوگ علماء کو سبق سناتے ہیں، ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

۳..... دین کے لئے مساجد میں وعظ کہنا اور مدارس میں تعلیم دینا بھی دینی افعال واعمال ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں، تبلیغ کے لئے نکلنا بھی دینی عمل ہے، جو شخص ایک عمل میں مشغول ہے اس کو دوسرے عمل کی مذمت کا حق نہیں، یہ بھی مسلم ہے کہ ایک عمل کو پورا کرنے سے اس کا ثمرہ ملتا ہے جو عمل نہیں کیا اس کا ثمرہ نہیں ملتا، مثلاً:

---

(۱) (المائدة: ۶۸)

(۲) ہر یکے شیخ را میداند وکتابے میخواند، بعد ازاں سرگروہ خود را مثل ابوحنیفہ بنسبت حنفیان، وشافعی بنسبت شافعیان می ماند، وہمچنین سیدے عبدالقادر بنسبت قادریان، وخواجہ نقشبند بنسبت نقشبندیان، وخواجہ معین الدین چشتی بنسبت چشتیاں باز، سلاسل ایں بزرگاں منتہی می شود بجنید بغدادی ومعاصران وے، وہم چنین قراء سبعہ در قراءت، وشیخ ابوالحسن اشعری در علم کلام، وثعلبی وواحدی وامثال ایشان در تفسیر، ومحمد بن اسحق در علم سیرت وعلی ہذا القیاس..... وسوم آنکہ علماء صحابہ را در آفاق فرستند، وایشان را امر نمایند بروایت حدیث ومردمان را حمل کنند بر اخذ از ایشاں چنانکہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن مسعود را با جمعی کوفہ فرستاد، ومعقل بن یسار وعبداللہ بن مغفل وعمران بن حصین را بصرہ، وعبادہ بن صامت وابو درداء را بشام، وبمعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند"۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، نکتہ سوم در بیان کیفیت خلفائے راشدین درمیان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وامت: ۲/۶، سہیل اکیڈمی لاہور)

نماز پڑھنے سے نماز کا ثمرہ ملے گا، روزہ نہیں رکھا تھا روزہ کا ثمرہ نہیں ملے گا۔ یہی حال تمام اعمال وافعال کا ہے۔ فی سبیل اللہ کا اطلاق ہر دینی کام کے واسطے نکلنے پر آتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے موقع پر بھی اور نمازِ جمعہ کے لئے نکلنے کے موقع پر بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں فی سبیل اللہ کا لفظ آیا ہے(۱)۔ رہنمائی کریں، مشغول علماء شوق وصدرِ دل سے تعاون کریں، انشاء اللہ تعالیٰ اچھے ثمرات مرتب ہوں گے۔

۴...... میوات کا علاقہ جہاں سے اس کام کی ابتدا کی گئی، نہایت مفلوک الحال علاقہ ہے کہ لوگ ان میں اہل ثروت نہیں، غریب لوگ ہیں، اولاً اس دعوت پر لبیک کہنے والے ہیں، ہمارے علاقہ میں عموماً عامۃً غرباء وضعفاء ہی در بدر پھرتے ہیں، مالدار طبقہ بہت بعد میں متوجہ ہوا، وہ بھی بہت کم ہے، صحابہ کرام میں حضرت عثمان غنی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معمولی اور ضعیف درجہ کے حضرات نہیں تھے(۲)، ہاں! اکثریت ابتداء میں ضعفاء وغرباء کی تھی، نیز اولاً ضعفاء کا قبول کرنا دلیل قطعی نہیں، صرف قرینہ ہے، دلیل قطعی اور قرینہ میں فرق ہے۔

۵...... کسی عملِ حسن پر جو بشارت ہو اس کو سنا دینے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ معاصی پر عذاب سے مامون وبے خوف کر دیا گیا، آخر احادیث کثیرہ میں بشارتیں وارد ہیں، مثلاً: چالیس روز جماعت سے تکبیر اولیٰ

---

(۱) "حدثنا عباية ابن رفاعة قال: "أدركني أبوعبس رضي الله تعالىٰ عنه وأنا أذهب إلى الجمعة فقال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب المشي إلى الجمعة: ۱/ ۱۲۴، قديمي)

"أخبرني أبوعبس اسمه عبدالرحمن بن جبر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ما اغبرت قدما عبد في سبيل الله فتمسه النار". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من اغبرت قدماه في سبيل الله: ۱/ ۳۹۴، قديمي)

(۲) "حدثنا هشام عن أبيه: أسلم أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه وله أربعون ألفا فأنفقها في سبيل الله".

(الإصابة في تمييز الصحابة: ۴/ ۱۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تاريخ الخلفاء، ص: ۳۷، مؤسسة الكتب الثقافية)

(وكذا في أسد الغابة: ۲/ ۲۲۲، دارالفكر)

سے نماز پڑھنے پر نار سے برأت اور نفاق سے برأت وارد ہیں(۱)۔اس کو سنا دینا بھی کیا عذاب خداوندی سے مامون کر دیتا ہے۔

نیز "من قال لا إله إلا الله دخل الجنة" بھی وارد ہے(۲)۔

نیز یہ تو غور کریں! کہ تبلیغی نصاب میں فضائل نماز وغیرہ کتب ہیں جو جماعت میں پڑھی اور سنائی جاتی ہیں، ان میں ترکِ جماعت اور دیگر معاصی پر سخت وعیدیں ہیں، وہ بھی یہ جماعت سناتی اور بیان کرتی ہے۔ پھر خوف سے مامون ہوجانے کا شبہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

۶...... جو شخص جماعت میں نہ آتا، اس کے پاس آدمی بھیجا جاتا، کتبِ حدیث میں مذکور ہے(۳)۔ نیز مذکورہ فی السوال میں تہدید بہت کافی ہے، آج یہ کافی نہیں، اس کی قدرت بھی نہیں۔

۷...... کیا اہلِ زیغ کی اصلاح واجب نہیں، اگر ان کو ساتھ لے کر عقائد کو درست کیا جائے اور اعمال صالحہ کی تلقین کی جائے، تو کیا یہ کام معصیت ہے؟ یا اگر وہ خود آئیں، تو ان کو منع کر دیا جائے؟ کیا منافقین

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من صلى لله أربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة الأولىٰ، كتبت له براء تان: براء ة من النار وبراء ة من النفاق".

(جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في فضل التكبيرة الأولىٰ: ۱/۵۶، سعيد)

(۲) (جامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله: ۲/۹۲، سعيد)

(وكذا في صحيح ابن حبان، كتاب الإيمان، باب فضل الإيمان: ۱/۴۲۳، ۴۲۴، رقم الحديث: ۱۵۱، مؤسسة الرسالة)

(وكذا في مستدرك على الصحيحين، كتاب التوبة والإنابة: ۴/۲۷۹، رقم الحديث: ۷۶۳۸/۳۸، دار الكتب لعلمية بيروت)

(۳) "أن عمر ابن الخطاب فقد سليمان بن أبي حثمة في صلوة الصبح، وأن عمر غدا إلى السوق، ومسكن سليمان بين المسجد والسوق، فمر على الشفاء أم سليمان فقال لها: "لم أر سليمان في الصبح"؟ فقالت: "إنه بات يصلي فغلبته عيناه، فقال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: "لأن أشهد صلوة الصبح في جماعة أحب إلي من أن أقوم ليلة". (موطأ إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في العتمة والصبح، ص: ۱۱۵، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث: ۱/۹۷، قديمى)

جماعت میں نہیں آتے تھے؟ اور کیا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح کی سعی نہیں فرمائی؟

۸.....فضائل نماز میں ترکِ نماز اور وجوب قضا کو مستقلاً پڑھایا اور سنایا جاتا ہے کہ ترک پر کیسی سخت وعید ہے اور قضا کس قدر ضروری ہے، فضائل صدقات میں اہل وعیال کے نفقہ کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے، وہ بھی پڑھائی جاتی ہے، تحصیل علم کا مستقل نمبر ہے، جو کہ اصول میں داخل ہے۔

۹..... ایمان مشیة الله تعالیٰ وقدرته پر لازم ہے(۱)۔

۱۰.....جس طرح آٹھ دس سال دینی تعلیم کا نصاب ہے، مختلف فنون کی کتابیں کچھ علوم آلیہ ہیں، کچھ مقصود ہیں، مدارس میں ان کے لئے گھنٹے مقرر ہیں، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات ہوتے ہیں، غرض مستقل ایک نظام ہے، یہ نظام دورِ صحابہ وتابعین میں نہ تھا، کیا اس کو بدعت کہہ کر ترک کر دیا جائے؟ یا اس کے منافع سامنے ہیں اور کوئی چیز اس میں اصول شرع کے خلاف نہیں، ذرا وسعت نظر سے کام لیں، تو تبلیغی جماعت کے کام کی حیثیت واضح ہو جائے گی۔

۱۱.....فضائل صدقات میں زکوۃ نہ دینے پر جو وعیدیں ہیں، ان کو سن کر بے شمار لوگوں نے زکوۃ ادا کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس کا ہم کو براہِ راست علم ہے۔

۱۲..... جو شخص صاحبِ نصاب ہے، وہ مستحق زکوۃ نہیں (۲)، اس جماعت کے غیر اہل علم کو مسائل

---

(۱) "وكل شيء يجري بقدرته ومشيئته، ومشيئته تنفذ". (العقيدة الطحاوية، ص: ۵، إمداديه ملتان)

"أصل التوحيد ومايصح الاعتقاد عليه يجب ..... والله تعالىٰ واحد ..... لم يزل ولا يزال بأسمائه وصفاته الذاتيه والفعلية ..... أما الذاتية فالحياة والقدرة ..... والإرادة". (الفقه الأكبر، ص: ۱۶، ۱۸، قديمي)

"والمحدث للعالم وهو الله تعالىٰ الواحد ..... الحي القادر العليم السميع البصير الشائي.....". (شرح العقائد النسفية، ص ۳۲-۳۷، قديمي)

(۲) "ولا يجوز الدفع إلى الغني". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الزكاة، جنس اخر من أداء الزكاة: ۲۴۲/۱، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز: ۲۰۶/۱، شركت علميه ملتان)

بتانے اور فتویٰ دینے کی اجازت نہیں، اس کے نصاب میں جو کتابیں پڑھی اور سنائی جاتی ہیں، ان میں لکھے ہوئے مسائل کو اہل علم واہلِ فتویٰ سے سمجھ کر عمل کرنے کی تاکید ہے، جو مسئلہ نصاب میں نہ ہو، اس کو اہلِ علم اور اہلِ فتویٰ سے پوچھ کر عمل کریں۔

۱۳...... یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی طالب علم اپنے مدرسہ میں رہتا ہے، اس کی تربیت کے لئے قانون بنا دیا گیا ہے کہ دوسرے کمرہ میں نہ جائے، دوسری جماعت کے طالب علم سے بات نہ کرے، مدرسہ سے باہر کوئی رشتہ دار آیا ہو، بلا اجازت اس سے ملاقات کے لئے نہ جائے، اس قسم کی پابندی کے منافع پر غور کریں کہ کس قدر اوقات کا تحفظ ہے، فتنوں سے امن ہے، جمعیت قلب ہے، اپنے علم اور مقصد کے ساتھ لگن ہے، یہ پابندی ایسی نہیں، جیسی زنا اور سرقہ پر پابندی ہے کہ خلاف کرنے سے سنگسار کردیا جائے گا یا قطع ید کردیا جائے گا، جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہو، اطباء وڈاکٹر بھی زیر علاج مریض کو بہت سی مباح چیزوں سے پرہیز بتاتے ہیں، ان سے بھی شرعی دلیل نہیں دریافت کی جاتی، بلکہ مریض کی مصلحت اور اس کے لئے ان کے تجربہ پر قناعت کی جاتی ہے۔

یہاں تک عربی عبارت میں تحریر کردہ شبہات واعتراضات کے جوابات ذکر کئے گئے، اب اردو عبارات میں لکھے ہوئے اعتراضات کے جوابات تحریر ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر جو اعتراضات آپ نے لکھے ہیں، یہ نئے نہیں ہیں، بریلی کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب نے ایک عورت کو پس پردہ بٹھا کر اس کی گود میں بچہ دے کر دردِزہ وکراہ کی نقل اور اس کے بچے کو بیدار کر کے رونے کی آواز پر سب لوگوں کا کھڑے ہو کر ”یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک“ پڑھنا، ان چیزوں کو حضرت مولانا نے بدعت وناجائز لکھا ہے، کیونکہ قرآن کریم اور حدیث شریف آثار صحابہ اجماع فقہ، مجتہدین نیز دیگر اولیاء کرام جیسے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، نیز اس میں سخت توہین ہے، ایک عورت کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ بنانا ہے اور اس کے بچے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنانا ہے اور گویا کہ اس مجلس میں ولادت ہو رہی ہے (استغفر اللہ العظیم)۔ اگر معترض کے والد کی ولادت کا اس طرح میلاد کیا جائے تو وہ خود بھی اس کو برداشت نہیں کرسکتا، کوئی غلط اور غیر ثابت چیز نہ ہو تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ولادت

شریف کا ذکر ہو، خواہ بچپن کی تربیت کا، خواہ عبادات، معاملات، غزوات کا ذکر ہو، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کا ذکر ہو، مثلاً: بکری، اونٹنی، تلوار، لباس وغیرہ، ہر ایسی چیز کا ذکر موجب سعادت اور باعثِ خیر وبرکت ہے(۱)، حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث ساری عمر ذکر مبارک میں رہے، حدیث شریف پڑھاتے رہے، اتباعِ سنت کی تلقین کرتے رہے، درود شریف کی ہدایت کرتے رہے، بدعات کو مٹاتے رہے۔

۱۴.....تذکرۃ الرشید، ص: ۱۷ میں یہ الفاظ موجود نہیں، البتہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے خاص وصیت فرمائی ہے کہ ''میرے دین ومذہب پر جو میری کتب سے ظاہر ہے، عمل کرنا ہر فرض سے اہم فرض ہے''۔ حالانکہ ان کی کتب مدت دراز سے چھاپ کر شائع کردی ہیں، ان کے جوابات بھی چھپے ہوئے ہیں۔ مگر مبتدعین رضاخانیوں کا طبقہ ان اعتراضات کو بار بار چھاپتا رہتا ہے اور ملک میں پھیلاتا رہتا ہے، بیرونِ ملک بھی پہونچاتا ہے، اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر دیوبند پر جو اعتراضات لکھے ہیں، ان کے جوابات بھی بار ہا دیئے جاچکے ہیں۔ الجنة لأهل السنة، السحاب المدرار، توضيح البيان، الشهاب الثاقب، سبيل السداد، تسهيل العرفان، تغيير العنوان، کشفِ حقیقت، انکشاف حقيقة البدعت، صاعقۂ آسمانی، رضاخانی مذہب اور بھی بہت سی کتابیں ہیں، مدت سے شائع شدہ ہیں، ان کو دیکھئے تو حقیقت معلوم ہوگی اور کس طرح اکابر دیوبند کی عبارتوں کو مسخ کیا ہے۔ اور کس قدر جھوٹ ان کی طرف منسوب کرکے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ کوشش اب بھی برابر جاری ہے، اگر حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے خدائے پاک کی شان میں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان

---

(۱) ''نفس ذکرِ میلادِ فخرِ عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا، بلکہ ذکرِ ولادت آپ کا مثل ذکر ودیگر سیر وحالات کے مندوب ہے''۔ (براهين قاطعه، ص: ۴)

"ولا بأس بالجلوس للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن ...... : ۳۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲۱۰/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب البدعات: ۲۴۹/۵، مكتبه دارالعلوم كراچى)

میں گستاخی و بے ادبی کی ہے، توان پر صاف صاف فتویٰ خود بریلی سے ہی دریافت کریں، اگران سے کفر کا فتویٰ ملتا ہے، تو جواُن کو کافر نہ کہے، حالانکہ وہ ان کی کفریات سے خوب واقف ہے، تو اس پر کیا فتویٰ ہے؟ اگر مولانا مرحوم پر کفر کا فتویٰ نہیں تو کیوں نہیں؟ مہربانی فرما کر ان باتوں کا جواب بریلی سے منگا کر ہمارے پاس بھیج دیں۔

اب ان کے متعلق نمبروار جوابات مختصراً عرض ہیں:

۱- یہی حاصل ہے، مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریر کا بھی، دیکھو: حیات الموات، ص:۶۔

۲-مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ عبارت نہیں۔

۳- یہ بھی مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے، انہوں نے یہ عبارت نہیں لکھی۔

۴- یہ بھی غلط ہے، انہوں نے ایسا نہیں لکھا۔

۵-سنن ابوداؤد شریف میں یہ حدیث پاک موجود ہے(۱)، یہ بریلوی لوگ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا فتویٰ لگائیں گے اور جو صحابہ کرام اس کو روایت کرتے ہیں اور محدثین لکھتے ہیں اور تمام دینی بڑے مدارس میں یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، صحاح ستہ میں داخل ہے، ان سب پر کیا فتویٰ لگائیں گے، اگر حدیث کے معنیٰ کسی کو معلوم نہ ہوں، تو وہ اہل علم سے دریافت کرے، فتویٰ لگانے کا اس کو کیا حق ہے؟؟؟

۶- نبی پر وحی آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نصرت ہوتی ہے، معجزات کا ظہور ہوتا ہے، ساحر وجادوگر جو کچھ اعمال غریبہ کرتے ہیں، وہ اس کے لئے مستقل محنت وریاضت کرتے ہیں، شیاطین ان کی مدد کرتے ہیں، جس کی وجہ سے سیدھے سادھے آدمی چکر میں پڑ جاتے ہیں، اس لئے ایسی چیزوں کو دیکھ کر اپنا ایمان کمزور نہ کریں، ان کو مقرب نہ سمجھیں، اہمیت کا یہ مطلب نہیں کہ جادوگر مقرب الٰہی ہوتے ہیں، بلکہ جادو نقصان پہونچانے والی چیز ہے، اس سے بچنے کی اہمیت ہے۔

---

(۱) "عن جبير بن محمد بن مطعم عن أبيه، عن جده، قال: "أتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعرابي فقال: يارسول الله! جهدت الأنفس وضاعت العيال .... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ويحك! أتدري ماتقول؟ ... ويحك أتدري ما الله؟ إن عرشه على سمٰواته لهكذا". وقال بأصابعه مثل القبة عليه، وإنه ليئط به أطيط الرحل بالراكب". وقال ابن بشار في حديثه: "إن الله فوق عرشه، وعرشه فوق سمٰواته". وساق الحديث. (سنن أبي داود، كتاب شرح السنة، باب في الجهمية: ۲/ ۳۰۵، ۳۰۶، مكتبه رحمانيه)

۷- یہ تو فقہ کی کتابوں مجمع الانہر وغیرہ میں بھی لکھا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا کہ ہماری ہر پکار کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ سے براہِ راست سنتے ہیں، شرک ہے(۱)۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے قریب صلوٰۃ وسلام پڑھے میں اس کو خود سنتا ہوں، جو شخص دور سے پڑھے، وہ ملائکہ کے ذریعہ میرے پاس پہونچایا جاتا ہے(۲)۔

۸- جو عقیدہ نمبر ۷ میں لکھا ہے، اس عقیدے کے ساتھ پکارنے کا حکم تو وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام کی تعظیم تو لازم ہے، اس کی تعظیم کو شرک نہیں لکھا، یہ ان پر بہتان ہے، ان کو سجدہ کرنا شرک ہے، اس کی ہرگز اجازت نہیں، وہاں نفسِ جھاڑ دینا اور نفسِ پیاسے کو پانی پلانا بھی شرک نہیں، جو کام اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، وہ غیر اللہ کے ساتھ خاص کرنا ضرور شرک ہے، مثلاً: یہ کہنا کہ مجھے بیٹا دے دیجئے یا ان کی قبر پر سجدہ کرنا وغیرہ اس کو حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرک لکھا ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔

حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کے متعلق اعتراضات کے جوابات

۱- واقعتاً حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم، محدث،

---

(۱) "ویکفر لقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم اهـ". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب المرتد، النوع الأول: ۱/۶۹۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً، الخ، الفصل الثاني، النوع الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ: ۶/۳۲۶، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائيا أبلغته". (شعب الإيمان، الخامس عشر من شعب الإيمان، باب في تعظيم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإجلاله وتوقيره، رقم الحديث: ۱۵۸۳: ۲/۲۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأقوال، الباب السادس في الصلاة عليه وعلى اله عليه الصلاة والسلام، رقم الحديث: ۲۱۶۲: ۱/۲۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث: ۱/۸۷، قديمي)

بزرگ، صاحب نسبت تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھتیجے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے تھے، خدا اور رسول کے دشمنوں سے جہاد کیا، بڑی مشقتیں برداشت کیں، جہاد ہی میں شہید ہوئے ''سیرت سید احمد شہید'' میں ان کے حالات دیکھئے، جن کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ تقویۃ الایمان میں انہوں نے اپنے دور کی بدعات وشرکیہ رسوم وعقائد کی خوب تردید کی ہے، جس طرح کسی کے پیٹ میں مادہ فاسدہ جگہ پکڑ چکا ہو جس کی وجہ سے صحت برباد ہورہی ہو، اس کو مسہل دوا دی جاتی ہے اور مادہ فاسدہ نکالا جاتا ہے اور صحت کو بحال کیا جاتا ہے، اسی طرح تقویۃ الایمان کے ذریعہ عقائد فاسدہ وشرکیہ رسوم کو انہوں نے ختم کیا ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو پیش کیا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، مسہل کی وجہ سے مریض کے پیٹ میں درد بھی ہوتا ہے اور بار بار بیت الخلا میں بھی اس کو جانا پڑتا ہے، ذائقہ بھی خراب ہوجاتا ہے، مگر مادہ فاسدہ کے نکل جانے پر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے کہ کتنی بڑی تباہی کی بلا سے نجات مل گئی۔ اس لئے تقویۃ الایمان میں بعض تعبیرات مسہل کی طرح تیز اور سخت بھی ہیں، مگر مضمون ان کا مفید ہے، اسی لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی۔

۲- حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ عبارت کہیں نہیں لکھی، یہ تو ان پر بہتان ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں:

> ''الجواب: ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے۔
>
> قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أصدق من اللہ قیلا﴾ (۱) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے، وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں۔
>
> "تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً" (فتاویٰ رشیدیہ: ۱/۱۶)(۲)''۔

---

(۱) (النساء: ۱۲۲)

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب العقائد، اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت، ص: ۳۸۹، سعید)

وہ تو ایسے شخص کو کافر اور ملعون کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کے کلام میں جھوٹ بتائے یا یہ کہے کہ حق تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، ان کے نزدیک تو اللہ پاک کے کلام میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔

۳-حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا غلط ہے۔

۴-پوری عبارت نقل نہیں کی گئی، میں نقل کرتا ہوں:

''الجواب: محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں! جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا اور عقائد سب کے متحد ہیں، اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا سا ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۱/۱۱۱)(۱)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''الجواب: محمد ابن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں، وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل الحدیث تھا، بدعت وشرک سے روکتا تھا، مگر تشدد اس کے مزاج میں تھا۔ واللہ اعلم''۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۲/ ۸۸)(۲)۔

پھر جب دوسری قسم کے حالات معلوم ہوئے، تو حضرت گنگوہی نے تعریف نہیں کی، بلکہ سکوت فرمایا، کسی مسلمان سے نیک گمان قائم کرنے کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ بدگمانی کی دلیل کا نہ ہونا کافی ہے(۳)، یہی ضابطہ ہے جس کی وجہ سے دلیل کسی مسلمان کے حق میں برا لفظ کہنے سے مانع ہے، دلیل ہونے پر

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، مسائل منثورہ، وہابی کا عقیدہ، ص: ۵۵۱، سعید)

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ، مسائل منثورہ، وہابی کا عقیدہ، ص: ۵۵۱، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا﴾ (الحجرات: ۱۲)

''وروینا عن أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: ولا تظنن بکلمة خرجت من أخیک المؤمن إلا خیراً، وأنت تجدلها في الخیر محملا''. (تفسیر ابن کثیر، الحجرات: ۱۲: ۴/ ۲۷۱، دارالسلام)

''عن سعید بن المسیب رحمه اللہ تعالیٰ قال: کتبت إلی بعض إخواني من أصحاب رسول اللہ=

بھی بلاضرورت کسی کو برا کہنے کا مشغلہ اختیار کرلینا نہیں چاہیے، نیز حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر میں بھی اس کی رعایت ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں: ''مگر ہاں! جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟''

۵- اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شان نبوت کے لائق اپنی ذات وصفات اور عالم آخرت سے متعلق اتنا علم عطا فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور سب مخلوقات کا علم ایک قطرہ کے مانند ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم سمندر کے مانند ہے(۱)۔ لیکن اللہ پاک کا علم اس سے بھی زائد ہے، کیونکہ وہ غیر متناہی ہے(۲)، نیز وہ ذاتی علم ہے اور ان کا علم عطائی ہے اور جب شریعت میں علم الغیب بولا جاتا ہے، تو اس سے علم ذاتی ہی مراد ہوتا ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں، جن میں حضور

= صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن ضع أمر أخيك على أحسنه مالم يأتك ما يغلبك ..... الخ". (روح المعاني، الحجرات: ۱۲: ۲۶/۱۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "قال عليه السلام: "أنا مدينة العلم وعليّ بابها". (فيض القدير، رقم الحديث: ۲۸۰۵: ۵/۲۳۰۰، بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أمرهم أمرهم من الأعمال بما يطيقون ..... ثم يقول: إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان: ۱/۷، قديمي)

"إن سيدنا وشفيعنا محمدا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعلم الخلق وأفضلهم جميعاً". (إمداد الفتاوى، كتاب العقائد والكلام، استفتا بعض علمائے مصر، سوال نمبر ۵۲۲: ۶/۳۲۷ (قديم): ۶/۳۱۲ (جديد)، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "إن الله جعل للعقول في إدراكها حداتنتهي إليه لا تتعداه، ولم يجعل لها سبيلاً إلى الإدراك في كل مطلوب، ولو كانت كذلك لاستوت مع الباري تعالىٰ في إدراك جميع ماكان ومايكون ومالا يكون، إذا لو كان كيف كان يكون؟ فمعلومات الله لا تتناهي، ومعلومات العبد متناهية والمتناهي لايساوي ومالا يتناهي". (الاعتصام للشاطبي، الباب العاشر في معنى الصراط المستقيم الخ، فصل النوع الثالث، ص: ۵۶۲، دار المعرفة بيروت)

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اور علم الغیب کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص مانا گیا ہے۔

﴿قل لا يعلم من في السمٰوت والأرض الغيب إلا الله﴾(١).

﴿وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو﴾(٢).

﴿إنما الغيب لله﴾(٣).

﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾(٤). وغیرہ وغیرہ۔

احادیث میں تأبیرنخل(۵)، بیرمعونہ(۶)، حدیبیہ(۷)، افک(۸)، امامت(۹)، شفاعت(۱۰)

---

(١) النمل: ٢٥)

(٢) (الأنعام: ٥٩)

(٣) (يونس: ٢٠)

(٣) (الأنعام: ٥٠)

(٥) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمع أصواتا، فقال: ما هذا الصوت؟ قالوا: "النخل يؤبرونه"، فقال: لو لم يفعلوا الصلح". فلم يؤبروا عامئذٍ، فصار شيصاً، فذكروا ذلک للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "إن كان شيئاً من أمر دنياكم فشأنكم به، وإن كان من أمور دينكم فإليّ". (سنن ابن ماجة، أبواب الرهن، باب تلقيح النخل، ص: ١٨٠، مطبع مجتبائی لاهور)

(٦) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: استأذن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبوبكر في الخروج حين اشتد عليه الأذى ...... فقتل عامر بن فهيرة يوم بئر معونة ... فقال: "إن أصحابكم قد أصيبوا، وإنهم قد سألوا ربهم"، فقالوا: "ربنا! أخبرعنا إخواننا بما رضينا ورضيت عنا، فأخبرهم عنهم". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ...... وبئر معونة الخ: ٢/٥٨٧، قديمى)

(٧) "عن المسورة بن مخرمة ومروان بن الحكم رضي الله تعالىٰ عنه قالا: فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عام الحديبية لا يريد قتالاً، وساق معه الهدي سبعين بدنة ...... قال: "فدعاه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فبعثه ليخبرهم أنه لم يأت لحرب أحد، وإنما جاء زائرالهذا البيت معظما لحرمته، فخرج عثمان رضي الله تعالىٰ عنه حتى أتى مكة ..... قال: واحتبسته قريش عندها، قال: "وبلغ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه قد قتل ...... الخ". (تفسير ابن كثير، الفتح: ٢٦: ٣/٢٣٨-٢٥٠، دار السلام) .... =

وغیرہ بے شمار امور ہیں، جن سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، اگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہی بات تحریر فرمادی، جو کہ قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے، مولانا احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی عالم الغیب کہنے کو "الأمن والعلی" میں منع لکھا ہے۔ اسی طرح ملفوظات میں بھی منع لکھا ہے۔

۶- نمبر ۵ سے اس کا بھی جواب ہوگیا۔

۷- نمبر ۵ یہ بھی واضح ہوگیا، نیز حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراضات کے جوابات میں نمبر ۷ میں بھی اس کا جواب آگیا۔

۸- اس کا جواب بھی نمبر ۵ میں آگیا۔

= (۸) "أن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها زوج النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حین قال لها أهل الإفک ...... فدعا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علي بن أبي طالب وأسامة بن زید حین استلبث الوحي یستأمرهما في فراق أهله، فأما أسامة بن زید فأشار علی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم بالذي یعلم من براء ة أهله ...... ثم قال: "أما بعد، یا عائشة! فإنه قد بلغني عنک کذا وکذا، فإن کنت بریئة فسیبرئک الله، وإن کنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبي إلیه ...... قالت: فلما سري عنه، وهو یضحک، فکانت أول کلمة تکلم بها: "یا عائشة! أما الله فقد برّأک". (صحیح البخاري، کتاب التفسیر، النور، باب قول عزوجل: ﴿إن الذین جاؤا بالإفک﴾ الخ: ۲/ ۶۹۲، ۶۹۸، قدیمی)

(۹) "عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة قال: دخلت علی عائشة رضي الله تعالیٰ عنها فقلت: "ألا تحدثیني عن مرض رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قالت: بلی، ثقل النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: "أصلی الناس"؟ قلنا: لاهم ینتظرونک، قال: "ضعوا لي ماء في المخضب" قالت: ففعلنا، فذهب لینوء، فأغمي علیه، ثم أفاق، فقال: ...... فأرسل النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی أبي بکر، بأن یصلي بالناس". (صحیح البخاري، کتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام لیؤتم به: ۱/ ۹۵، قدیمی)

(۱۰) "سمعت سهل بن سعد یقول: سمعت النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: أنا فرطکم علی الحوض، من ورده شرب منه، ومن شرب منه لم یظمأ أبدا، لیردَن عليّ أقوام أعرفهم ویعرفونني: ثم یحال بیني وبینهم" ...... قال: "إنهم منّي!! فیقال: "إنک لا تدري مابدّلوا بعدک"، فأقول: "سحقاً سحقا لمن بدّل بعدي". (صحیح البخاري، کتاب الفتن، باب ماجاء في قول الله: ﴿واتقوا فتنة لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصة﴾: ۲/ ۱۰۴۵، قدیمی)

۹-اس کا جواب بھی نمبر ۵ میں آ گیا۔

۱۰-اس خیال سے دور سے کہنے کا یہی حکم ہے، جیسا کہ نمبر ۵ میں ہے۔

۱۱-اولیاءِ کرام کے طفیل میں بھی رحمت نازل ہوتی ہے، اگرچہ رحمت کاملہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہی طفیل میں ہے اور رحمت کاملہ کا مظہر اتم ذات مقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے (۱)۔

۱۲-عرس مروج ثابت نہیں (۲)۔

۱۳-مجلس مولود مقرر کرنا، جس میں روایات بھی غلط بیان کی جائیں اور اس میں کفریات بھی ہیں (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنك إلا رحمة للعالمين﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

"عن عمرو بن أبي قرة قال: كان حذيفة رضي الله تعالى عنه، بالمدائن فكان يذكر أشياء قالها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لأناس من أصابه في الغضب ..... ولقد علمت أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خطب فقال: أيما رجل من سببته أو لعنته لعنة في غضبي، فإنما أنا من ولد آدم أغضب كما يغضبون، وإنما بعثني رحمة للعالمين فاجعلها عليهم صلاة يوم القيامة". (سنن أبي داود، كتاب شرح السنة، باب النهي عن سبّ أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲۹۲/۲، رحمانيه)

"أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب رضي الله تعالى عنه، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل بنبينا فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا". (صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام إذا قحطوا: ۱۳۹/۱، قديمي)

(۲) "فيجب أن يحذر مما يفعلون على رأس السنة من موته، ويسمون حولاً، فيدعون الأكابر والأصاغر، ويعدّون ذلك قربة، وهي بدعة ضلالة؛ لأن التصدق لم يختص بيوم دون يوم، ولا تصح إلا على الفقراء والمحتاجين .....". (تبليغ الحق، ص: ۸۹۷، بحواله فتاوىٰ محموديه: ۲۳۸/۳، اداره الفاروق كراچى)

"قال عليه السلام: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

"عن العرباض بن سارية رضي الله تعالى عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ..... وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة". (سنن أبي داود، كتاب السنة آخر باب في لزوم السنة: ۶۳۵/۲، دار الحديث ملتان)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من كذب عليّ =

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق

۱- یہ عبارت براہین قاطعہ میں نہیں، جو کچھ اس میں ہے، اس کی نقل فقہ کی معتبر کتاب ردالمحتار سے پیش کردی ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی یہ اعتراض تھا، جو کہ بہتان ہے۔

۲- یہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی بہتان ہے، تذکرۃ الخلیل میں صاف صاف موجود ہے کہ ظلم کا تحقق خدائے تعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں تو عقلاً محال ہوا تو اس کا امکان بھی عقلاً ممتنع ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل، ص:۸۶)(۱)۔

۳- یہ عبارت بھی براہین قاطعہ میں نہیں۔

۴- اس کا جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیے گئے اعتراضات، نمبر ۱۳ کے جوابات میں آگیا۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھانوی سے متعلق اعتراضات کے جوابات

۱- یہ عبارت ان الفاظ کے ساتھ حفظ الایمان میں نہیں، اس میں اپنی طرف سے معترض نے کچھ بڑھا کر مطلب بگاڑا ہے، جو کہ صریح بہتان ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ خبیث مضمون کبھی میرے خیال میں بھی نہیں آیا، میں اس کو کفر سمجھتا ہوں، دیکھو ''البیان'' اور ''السحاب المدرار'' وغیرہ۔ ظالموں نے بہتان لگا کر پھیلایا ہے، نفس مسئلہ کی تشریح حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب نمبر ۵ میں ہے۔

= متعمدا فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۱/۱/۲۱، قديمي)

"ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وإظهار الشعائر مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة ....". (المدخل، فصل في المولد: ۲/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"ونظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ووضع أمه له من القيام، وهو أيضاً بدعة لم يرد فيه شيء". (الفتاوىٰ الحديثية، مطلب في أن الكلام أثناء مولده الخ، ص: ۱۱۲، قديمي)

(۱) (تذكرة الخليل، ص: ۱۴۷، مكتبة الشيخ)

۲-بزرگوں کا تذکرہ کرنا اور دینی کارنامے بیان کرنا درست اور ذریعۂ اصلاح ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے نام کی طرح بطور وظیفہ ان کا نام پڑھنا غلط ہے اور موہم ہے، بقیہ مذکورہ چیزیں بھی بے اصل ہیں۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں

۱-اس میں اعتراض کیا ہے، تشریح کریں۔

۲-اس کا جواب گزر چکا۔

۳-جب سے آدمی بدعت سے تائب ہو کر سنت پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے، اس وقت سے سنت کی رحمت و برکت شروع ہو جاتی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا رحمت و برکت ہیں (۱)۔ جب سے اس دنیا میں تشریف لائے رحمت و برکت کا ظہور شروع ہو گیا، پھر کارِ نبوت شروع کیا اور وحی آئی، اس وقت کی رحمت و برکت کا حساب لگانا دشوار ہے، بددینی، بدعملی، بدعت کو مٹانے اور دینداری، اعمال صالحہ، سنت کو دنیا میں پھیلانے کے لئے جب سے اجتماعی اور غیر اجتماعی شکل اختیار کی گئی، اسی وقت سے اس کی برکت ظاہر ہونا شروع ہو گئی اور جس قدر کام بڑھتا گیا، اسی قدر خیر و برکت میں اضافہ ہوتا گیا اور ہو رہا ہے۔

۴-"کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر" میں ہر وہ شخص داخل ہے، جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے حق تعالیٰ قبول فرمالے (۲)۔ یہی انبیاء کا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وما أرسلنک إلا رحمة للعالمین﴾ (الأنبیاء: ۱۰۷)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قیل یا رسول الله! أدع علی المشرکین، قال: إني لم أبعث لعانا، وإنما بعثت رحمة". (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب من لعنه النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أو سبه: ۲/۳۲۳، قدیمي)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إنما أنا رحمة مهداة". (تفسیر ابن کثیر، الأنبیاء: ۱۰۷: ۳/۲۷۱، دارالسلام)

(۲) "والظاهر أن الخطاب وإن کان خاصا بمن شاهد الوحي من المؤمنین أو بعضهم، لکن حکمه یصلح أن یکون عاما للکل کما یشیر إلیه قول عمر رضي الله تعالیٰ عنه فیما حکی قتادة: "یا أیها الناس! من سره أن یکون من تلکم الأمة فلیؤد شرط الله منها". (روح المعاني، آل عمران: ۱۱۰: ۳/۲۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت) .... =

طریقہ ہے، جو شخص اس طریقہ کو جس قدر اختیار کرے گا، انبیاء علیہم السلام سے اسی قدر اس کو قرب کی نسبت حاصل ہوگی، یہ نسبت شخص واحد کو بھی حاصل ہو سکتی ہے اور جس شخص کے ذریعہ لاکھوں آدمی اس مبارک کام میں لگ جائیں، ہر ایک کی محنت میں اس شخص کا حصہ ہوگا اور اس کی نسبت زیادہ سے زیادہ قوی ہوگی، چنانچہ اللہ پاک نے یہ مقام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو عطا فرمایا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اعتراضات کے جوابات

۱- یہی مضمون مجملاً احمد رضا خاں صاحب نے بھی لکھا ہے، جیسا کہ ''حیات الموات''، ص:۶، میں ہے۔

۲- ہر صحیح دینی کتاب کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ جس نے اس کو مانا، اس کو ہدایت ہوئی، جس نے نہیں مانا، وہ غلط راہ پر چلا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے متعلق اعتراضات کے جوابات

ذہن کو غصہ سے خالی کر کے غور کریں! حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابہ کی دو رکعت بعد والوں کی دو لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہیں (۱) اور جو کچھ انہوں نے ایک مد یا اس کا نصف صدقہ دیا ہے، دوسرے لوگ اگر پہاڑ برابر سونا صدقہ دیں، تب بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے (۲)، یہ اسی وجہ سے ہے کہ

= ''قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: هم الذين هاجروا من مكة إلى مدينة وشهدوا بدرا والحديبية، وقال عمر ابن الخطاب رضي الله تعالى عنه: من فعل فعلهم كان مثلهم''. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، ال عمران: ۱۱۰: ۲/۱۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأفعال، ال عمران، رقم الحديث: ۴۲۹۰: ۲/۱۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) باوجود تلاش کے یہ روایت نہ مل سکی۔

(۲) ''عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى قال: ''قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ''لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه''. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب. ۱/۱۸، ۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة: ۲/۳۱۰، قديمي) .... =

ان کا ایمان نہایت قوی تھا، جس کا تعلق قوتِ علمیہ سے ہے، بعد والوں کو یہ نصیب نہیں، حضرت نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ کسی دن بھی ہزار یا پانچ سو نفلیں پڑھی ہوں، حالانکہ امت کے بعض حضرات سے یہ ثابت ہے، نیز وتر کی ایک رکعت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورا قرآن کریم پڑھا(۱)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو رکعت نفل میں پورا قرآن شریف ختم کیا ہے(۲)، رمضان المبارک میں ہر روز ایک ختم کرتے تھے(۳)، حضرت نبی کریم سے یہ چیزیں ثابت نہیں، مگر جو مقام کیفیت ایمانیہ اور شانِ نبوت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے عطا فرمایا، اس کا کروڑواں حصہ بھی ان اعمال کثیرہ کی وجہ سے کسی کو حاصل نہیں، یہ بات بالکل حق اور صحیح ہے۔

۲- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحذیر الناس میں ہرگز ایسا نہیں لکھا، خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کو جاہلوں کا خیال قرار نہیں دیا، ان پر بہتان ہے، جس کی برأت وہ ''جواب محذورات عشر'' میں

= (وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في النهي عن سبّ أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲۹۲/۲، إمداديه)

(۱) "عن عثمان بن عبدالرحمن التيمي قال: قال أبي: لأغلبن الليلة على المقام، قال: فلما صليت العتمة تخلصت إلى المقام حتى قمت فيه، قال: فبينا أنا قائم إذا رجل وضع يده بين كتفي، فإذا هو عثمان بن عفان، قال: فبدأ بأم القرآن، فقرأ حتى ختم القرآن، فركع وسجد، ثم أخذ نعليه فلا أدري أصلى قبل ذلك شيئاً أم لا ...... عن أنس بن مالك قال: قالت أمرأة عثمان بن عفان حين قتلوه: "لقد قتلتموه، وإنه ليحي الليلة بالقرآن في ركعة". (حلية الأولياء، عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه، ص: ۵۵، ۵۶، دار الفكر)

(۲) "عن ابن المبارك: "أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ صلى خمساً وأربعين سنة الصلوات الخمس بوضوء واحد، وكان يجمع القرآن في ركعتين". (تهذيب الأسماء واللغات، النوع الثاني الكنى، الحاء المهملة: ۳۳۱، أبو حنيفة الإمام: ۳۲۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تاريخ بغداد، ذكر من اسمه النعمان، النعمان بن ثابت، أبو حنيفة التيمي، ما ذكر من عبادة أبي حنيفة وورعه: ۳۵۳/۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) تلاش کے باوجود بعینہ یہی بات نہ مل سکی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ عام دنوں میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے اور رمضان میں روزانہ دو قرآن ختم کرتے تھے:

"وروي أيضاً عن أبي يوسف: كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يختم القرآن كل يوم وليلة ختمة. =

فرما چکے ہیں۔ جس کو چھپے ہوئے سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، انہوں نے ختم نبوت کے تین معنی بتا کر ہر طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ثابت کیا ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ تعالیٰ مدنی پر اعتراضات کے جوابات

اگر مجلس میلاد قرآن کریم، حدیث شریف، آثار صحابہ، فقہ ائمہ مجتہدین سے ثابت ہو تو پیش کریں، بات یہ ہے کہ چھ صدی امت پر اس طرح گزر گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں ملتا، تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے شاہ اربل نے یہ مجلس منعقد کی اور شاہانہ کی، پھر اس کی نقل اس کے وزیروں اور امراء نے کی، یہ واقعہ ۶۰۲ھ کا ہے (۱)۔

= حتی إذا كان شهر رمضان، ختم فيه مع ليلة الفطر اثنين وستين ختمة". (كتاب تنوير بصائر المقلدين، الباب الأول، فصل في عبادته وكثرة صلوته. ص: ٦٤، دار ابن حزم)

"كان يختم في كل يوم وليلة مرة، وفي رمضان كل يوم مرتين، مرة في النهار، ومرة في الليل". (إقامة الحجة للإمام اللكنوي، الباب الثاني، أبوحنيفة النعمان، ص: ٧٦، مكتب المطبوعات الإسلامية)

"حدثنا يحيى بن نصر قال: "كان أبوحنيفة ربما ختم القرآن في شهر رمضان ستين ختمة". (تاريخ بغداد، ذكر من اسمه النعمان، النعمان بن ثابت، أبوحنيفة التيمي، ما ذكر من عبادته وورعه: ١٣/ ٣٥٣، مؤسسة الرسالة)

(۱) "وأما احتفاله بمولد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فإن الوصف يقصر عن الإحاطة به، لكن نذكر طرفاً منه وهو أن أهل البلاد كانوا قد سمعوا بحسن اعتقاده فيه، فكان كل سنة يصل إليه من البلاد القريبة خلق كثير من الفقهاء والصوفية والوعاظ والقراء والشعراء، ولا يزالون يتواصلون من المحرم إلى أوائل شهر ربيع الأول ...... فكان مظفر الدين (ملك إربل) ينزل كل يوم بعد صلاة العصر ويقف على قبة قبة إلى آخرها، ويسمع غناء هم، ويتفرج على خيالاتهم، وما يفعلونه في القباب ...... هكذا يعمل كل يوم إلى ليلة المولد ..... فإذا كان صبيحة يوم المولد أنزل الخلع من القلعة إلى الخانقاه على أيدي الصوفية ...... فإذا فرغوا من الموسم تجهز كل إنسان للعود إلى بلده، فيدفع لكل شخص شيئاً من النفقة، وقد ذكرت في ترجمة الحافظ أبي الخطاب ابن دحية في حرف وصوله إلى إربل وعمله لكتاب "التنوير في مولد السراج المنير" لما رأى من اهتمام مظفر الدين به". (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان لابن خلكان، ترجمة مظفر الدين صاحب إربل: ٤/ ١١٧، ١١٩، رقم الترجمة: ٥٤٧، دار صادر بيروت)

اس وقت علماءِ حق نے اس پر نکیر کی ہے، علامہ ابن الحاج نے ''المدخل'' میں ۳۲ صفحات اس کی تردید میں لکھے ہیں (۱)، ۷۰۰ کے کچھ بعد ان کی وفات ہے۔ اعتراضات کے اندر جان پیدا ہوجاتی، اگر ادلۂ اربعہ میں کسی دلیل سے مجلس میلاد کا ثبوت پیش کردیا جاتا، افسوس یہ ہے کہ جس چیز کو اعلیٰ درجہ کی قربت کہا جارہا ہے، وہ بے دلیل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۱۰/ ۹۷ھ۔

جو شخص خود عمل نہ کرے وہ دوسروں کو کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۱۱۳]: کیا یہ اچھی بات ہے کہ جو کام خود نہ کرے، اس کو دوسروں کو کرنے کا حکم کرے اور ایک ناجائز بات کو جائز قرار دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز بات کو جائز قرار دینا تو سراسر باطل ہے، اگر ایک شخص پر حکم شرعی عائد نہیں ہوتا، اس لئے وہ خود

---

(۱) مدخل سے چند اقتباسات:

''ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وإظهار الشعائر يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة ..... ومضوا في ذلك على العوائد الذميمة في كونهم يشتغلون في أكثر الأزمنة التي فضلها الله تعالىٰ وعظمها ببدع ومحرمات، ص: ۳ ..... فتعظيم هذا الشهر الشريف إنما يكون بزيادة الأعمال الزاكيات فيه والصدقات إلى غير ذلك من القربات، فمن عجز عن ذلك، فأقل أحواله أن يجتنب ما يحرم عليه ويكره له تعظيما لهذا الشهر الشريف، وإن كان ذلك مطلوبا في غيره إلا أنه في هذا الشهر أكثر احتراماً ..... فيترك الحدث في الدين ويجتنب مواضع البدع ومالا ينبغي، ص: ۵، ۲ ..... بل يزعم يتأدب، فيبدأ المولد بقراءة الكتاب العزيز، وينظرون إلى من هو أكثر معرفة بالهنوك والطرق المهيجة لطرب النفوس، فيقرأ عشراً، وهذا فيه من المفاسد وجوه، ص: ۶ ..... ثم العجب كيف خفيت عليهم هذه المكيدة الشيطانية والدسية من العين'' ص: ۷ ..... ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم تشوقت نفوس النساء لفعل ذلك، قد تقدم ما في مولد الرجال من البدع ..... فكيف إذا فعله النساء، ص: ۱۲''. (المدخل، فصل في المولد: ۲/ ۳-۱۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

عمل نہیں کرتا اور دوسروں پر عائد ہوتا ہے، اس لئے دوسرے کو کہتا ہے، تو یہ درست ہے، مثلاً: ایک بیمار آدمی ہے، روزہ رکھنے سے معذور ہے اور غیر معذور سے روزہ رکھنے کو کہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے، اسی طرح بیمار آدمی جو کہ مسجد نہیں جاسکتا وہ اپنے غیر معذور بیٹوں کو کہے تو یہ ٹھیک ہے اور اگرچہ حکم اس پر بھی عائد ہوتا ہے مگر خود عمل نہیں کرتا اور دوسروں کو عمل کے لئے کہتا ہے، تو اس کے کہنے کی وجہ سے اس کی پکڑ نہیں ہوگی، البتہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے پکڑ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فسادِ معاشرہ کے وقت علماء کی ذمہ داری

سوال[۱۰۱۱۴]: آج کے معاشرہ میں بہت سی ایسی چیزیں ضروریات میں شامل ہیں کہ جن کو شرعاً ضروریات میں شامل کرنے میں تامل ہوتا ہے، مگر رواج میں ضرورت میں داخل ہیں، مثلاً: لباس کے مسئلہ میں شرعاً ستر پوشی کی حد تک ضرورت ہے، اس میں لباس کی وضع قطع وغیرہ کو کوئی دخل نہیں، مگر رواج میں اپنے وقار کے مطابق کپڑا پہننا پڑتا ہے، اسی طرح طعام وغیرہ اور زندگی کی دوسری ضروریات میں کہ اس کے ملحوظ رکھنے پر انسان مجبور ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو ذلیل اور حقیر کہلائے، قرونِ اولیٰ کے لوگوں کی معاشرت اگر عقلاً محال نہیں، تو عملاً ناممکن ضرور ہے۔

دین دار لوگوں میں بھی یہ چیز ضروری ہے اور روزمرہ کے شواہد ثبوت ہیں، علاوہ ازیں لباس، طعام

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: قلنا یارسول الله! لا نأمر بالمعروف حتی نعمل به، ولا ننهی عن المنکر حتی نجتنبه کله، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: مروا بالمعروف، وإن لم تعملوا به، وانهوا عن المنکر، وإن لم تجتنبوه کله". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۸۱۲۲: ۱۰/۵۵۰۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز مکه)

"فکل من الأمر بالمعروف وفعله واجب، لایسقط أحدهما بترک الآخر علی أصح قولي العلماء من السلف والخلف ...... والصحیح: أن العالم یأمر بالمعروف وإن لم یفعله، وینهی عن المنکر وإن ارتکبه". (تفسیر ابن کثیر، البقرہ: ۴۴: ۱/۱۲۵، مکتبه دارالفیحاء ومکتبه دارالسلام)

(وکذا في إحیا العلوم، کتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر، باب آداب المستحب: ۲/۳۹۹، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

وغیرہ کے سلسلہ میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں، جن کو آج کل قوی برداشت نہیں کر سکتے، جدید معاشرت اور تعلیم سے دور رہتے ہیں، مسلمان اچھوت (۱) ہوکر رہ جائیں گے اور آج کل جدید تعلیم کے لئے روپے کی ضرورت کو بھی ضرورت میں شامل کرنا ضروری ہے اور اس پر ایک بچے پر ہزاروں روپے آتے ہیں، اب اضطرار میں قرونِ اولیٰ کا اعتبار ہوگا کہ اس دور کا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

معاشرہ اگر عوام وخواص کا بگڑ جائے تو اس کی اصلاح ضروری ہے، نہ یہ کہ اس کی خاطر نصوص میں ترمیم کی جائے (۲)، ورنہ جو حال علمائے بنی اسرائیل کا ہوا اس کے برداشت کرنے کی طاقت کس میں ہے، انہوں نے اولاً عوام کو معاصی سے روکا، وہ باز نہ آئے تو انہیں کے اکیل، شریب، جلیس بن گئے، روکنا چھوڑ دیا، تو سب پر لعنت اتری، جیسا کہ احادیث میں صاف صاف مذکور ہے (۳)۔ الحاصل معاشرہ کے لحاظ سے عمومی محرمات

---

(۱) ''اچھوت: بغیر چھوا ہوا، کورا، تازہ، ہندوؤں میں اونی قومیں جن کے ہاتھ کا چھوا کھانا، پانی اونچی ذات کے ہندو استعمال نہیں کرتے، شودر، بھنگی، چمار وغیرہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فبما نقضهم ميثاقهم لعنّهم وجعلنا قلوبهم قسية يحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظاً مما ذكروا به﴾ (المائدة: ۱۳)

"﴿يحرفون الكلم عن مواضعه﴾ أي: فسدت فهومهم، وساء تصرفهم في آيات الله، وتأولوا كتابه على غير ما أنزله، وحملوه على غير مراده، وقالوا عليه مالم يقل، عياذاً بالله من ذلك". (تفسير ابن كثير، المائدة: ۱۳ : ۲/۴۷، دار السلام رياض)

"وقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿يحرفون الكلم عن مواضعه﴾ صفة أخرى (لقوم) وصفوا أولاً بمغايرتهم للسماعين تنبيها على استقلالهم، وإصالتهم في الرأي ...... ثم باستمرارهم على التحريف بياناً لإفراطهم في العتو والمكابرة والاجتراء على الله تعالىٰ، وتعييناً للكذب الذي سمعه السماعون على بعض الوجوه كما هو ظاهر ..... أو مطلق الكلم في قول عن المواضع التي وضع ذلك فيها إما لفظاً بإهماله، أو تغيير وضعه، وإما معنى بحمله على غير المراد، وإجرائه في غير مورده". (روح المعاني، المائدة: ۱۳ : ۶/۱۳۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرآءيل على لسان داود وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدونo كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلون﴾ (المائدة: ۷۸، ۷۹) =

کے ارتکاب کی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

فتنہ کے وقت تنہائی

سوال [۱۰۱۱۵]: ا...... جب دور پُر فتن ظاہر ہو تو خلوت وتنہائی میں سلامتی ہے، لہٰذا وہ دورا بھی ظاہر ہوا کہ نہیں؟

۲...... ﴿یا أیها الذین امنوا علیکم أنفسکم﴾ الخ آیت کریمہ کا مصداق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... جو آدمی اپنے دین کی حفاظت اپنے معاشرہ اور ماحول میں رہ کر نہیں کر سکتا ہے اور تنہائی میں رہ کر کر سکتا ہے تو اس کے لئے اب بھی یہ وقت ہے(۱)، اگر اس کے پاس دین بھی نہیں ہے اور تنہائی میں رہ کر دین

= "﴿لبئس ما کانوا یفعلون﴾ وقال الإمام أحمد رحمه الله تعالیٰ: ...... عن عبدالله قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لما وقعت بنو إسرائیل في المعاصي، نهتهم علماؤهم، فلم ینتهوا، فجالسوهم في مجالسهم" قال یزید: وأحسبه قال: "وأسواقهم، ووأکلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض، ولعنهم علی لسان داود وعیسیٰ ابن مریم". (تفسیر ابن کثیر، المائدة: ۷۹: ۲/۱۱۴، دارالسلام ریاض)

(وجامع الترمذي، أبواب التفسیر، المائدة: ۲/۱۳۵، سعید)

(۱) "عن أبي سعید الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یوشک أن یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر، یفر بدینه من الفتن". رواه البخاري. (مشکاة المصابیح، کتاب الفتن، الفصل الأول: ۲/۲۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

"والآیة تدل علی أن من لم یتمکن من إقامة دینه في بلده کما یجب، وعلم أنه یتمکن من إقامته في غیره حقت علیه المهاجرة". (التفسیرات الأحمدیة، النساء: ۹۷، ۱/۲۷۲، قدیمی)

(وکذا في أحکام القرآن للجصاص، النساء: ۹۷: ۲/۳۵۳، قدیمی)

(وکذا في التفسیرات الأحمدیة، النساء: ۹۷، ص: ۳۰۵، کریمی)

حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں یا تنہائی اختیار کرکے بھی دین کی حفاظت نہیں کرسکتا، یا حقوق واجبہ کو ترک کردے گا تو اس کو تنہائی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ بہتر ماحول کو تلاش کرے، جہاں اچھا آدمی میسر آجائے، اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے، برے آدمی کی صحبت سے دور رہے(۱)۔

۲......﴿یا أیها الذین امنوا علیکم أنفسکم﴾ الخ کا مطلب یہ ہے کہ دین کی اشاعت اور ادائیگی میں لگے رہو اور کوشش کرتے رہو، اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو تم پر اس کا الزام نہیں، لوگوں کو نہ ماننے کی وجہ سے مایوس ہوکر اشاعت وتبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر، فحامل المسک إما أن یحذیک، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ریحاً طیبة، ونافخ الکیر إما أن یحرق ثیابک، وإما أن تجد منه ریحا خبیثة". (صحیح البخاري، کتاب الذبائح والصید، باب المسک، ص: ۹۸۴، دارالسلام)

"هذا الحدیث إرشاد إلی الرغبة في صحبة الصلحاء والعلماء ومجالستهم؛ فإنها تنفع في الدنیا والآخرة ...... قیل: مصاحبة الأخیار تورث الخیر، ومصاحبة الأشرار تورث الشر کالریح إذا هبت علی الطیب عقبت طیبا، وإن مرت علی النتن حملت نتنا ...... والحاصل أن الصحبة تؤثر". (التعلیق الصبیح، کتاب الأداب، باب الحب في الله: ۵/۲۵۶، رشیدیه)

(وکذا في مرقاة المفاتیح، کتاب الاداب، باب الحب في الله: ۸/۷۴۲، رشیدیه)

(۲) "وتوهم من ظاهر الآیة الرخصة في ترک الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر، وأجیب عن ذلک بوجوه: الأول: أن الاهتداء لایتم إلا بالأمر بالمعروف والنهي عن المنکر. فإن ترک ذلک مع القدرة علیه ضلال ...... ومن الناس من فسر الاهتداء هذا بالأمر بالمعروف والنهي عن المنکر، وروی ذلک عن حذیفة وسعید بن المسیب. والثاني: أن الآیة تسلیة لمن یأمر وینهی، ولایقبل منه عند غلبة الفسق وبعد عهد الوحي ...... والثالث: أنها للمنع عن هلاک النفس حسرة وأسفاً علی مافیه الکفرة والفسقة من الضلال". (روح المعاني، المائدة: ۱۰۵: ۷/۳۵، ۳۶، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

مایتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

غیر عالم کی تقریر سننا

سوال[۱۰۱۱۶]: یہاں کے مسلمانوں نے ایک بیرونی مقرر کو بلایا، جن کی تقریر سے بدعقیدہ لوگوں کے عقیدے درست ہوگئے، بے نمازی نمازی بن گئے، بے داڑھی والے ڈاڑھی والے ہوگئے، عورتوں، بچوں، علماء وعوام مردوں سب نے ہی ان کی تقریروں کو دلچسپی سے سنا، ہر بات قرآن وحدیث وفقہ کے دلائل سے مبرہن ہوتی ہے، بہت سادہ اور شیریں بیان رہا، لیکن اس کے باوجود وہ مقرر محترم لکھنے پڑھنے کی استعداد مکمل نہیں رکھتے، قرأت واردو کا تلفظ صحیح نہیں، گجراتی لکھ پڑھ لیتے ہیں، اردو بالکل نہیں آتی، البتہ اردو کی کتاب لکھ پڑھ لیتے ہیں، دینی مطالعہ بہت وسیع ہے، کبھی یہ صاحب قوال تھے، اب اللہ رب العزت نے ان کا رخ اپنی طرف موڑ لیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پڑھ کی تقریر سننا اور ان کی تقاریر میں شرکت کرنا درست نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

حافظ بدرالدین صاحب حقانی، یونانی دواخانہ محلہ بازار سرائے ترین مراد آباد

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ واصلاح اصالۃً صاحب باطن علماء حقانی کا منصب اور فریضہ ہے، غیر عالم عامۃً حدود کی رعایت کرنے اور حق وباطل میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، آج کل صحیح علمِ دین عموی طور پر تو باضابطہ محقق علماء کی خدمت میں رہ کر کتابیں پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے، کبھی محض اکابر کی صحبت اور مطالعہ کتب سے بھی کافی علم آجاتا ہے اور طبیعت میں سلامتی ہو اور غباوت وغوایت سے حق تعالیٰ محفوظ رکھے، تو یہ علم بھی جو کہ محض اکابر کی صحبت سے حاصل ہوا ہے، بہت نافع ہوجاتا ہے، پھر صحبتِ اکابر سے قوت مجاہدہ بھی بیدار ہوجائے، تو ایسے علم والے کے سامنے اکابر علماء بھی جھکتے اور اس کی صحبت وتذکیر کو اکسیر سمجھتے ہیں، اس کی نظیریں ماضی قریب وبعید میں بھی موجود

ہیں اور زمانہ حال بھی خالی نہیں، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے اونچے درجے کے محقق و مستند علماء تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت سے وہ چیز حاصل کی جو مدرسہ میں ان کو نہیں ملی تھی، لیکن ایسی نظیریں خال خال ہوتی ہیں، پس اگر مقرر موصوف کو خدائے پاک نے اپنی رحمت تذکیر وتاثیر سے نوازا ہے اور علماء ان کی تقریر وتحریر کو اصول شرع کے مطابق صحیح اور ان کے حوالجات کو معتبر فرماتے ہیں، تو ضرور ان کا وعظ سننا اور تقریر سے مستفید ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۶ھ۔

علماء سوء اور ان کا علاج

سوال[۱۰۱۱۷]: ایسے مولوی صاحبان جو گندم نما(۱) جو فروش ہیں، ہمیشہ وہ قوم کو لڑا کر فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ کون ہیں اور ان کو کیا کہا جائے؟

"من يفرق بين الشيء فاقتلوه بالسيف" سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو لوگ اپنے نفس واقتدار کی خاطر قوم کو لڑاتے ہیں، وہ "شر من تحت أديم السماء" ہیں (۲)۔ ان

(۱) "گندم نما جو فروش: گندم دکھا کر جو کو بیچنے والا، جس کے ظاہر اور باطن میں فرق ہو، مکار، دغاباز، دھوکا دینے والا۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۶۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "یوشک أن یأتي علی الناس زمان لایبقی من الإسلام إلا اسمه، ولا یبقی من القرآن إلا رسمه، مساجدهم عامرة، وهي خراب من الهدی، علماء هم أشر من تحت أدیم السماء من عندهم یمدح الفتنة". (شعب الإیمان للبیهقي، الثامن عشر باب في نشر العلم: ۲/۳۱۱، رقم الحدیث: ۱۹۰۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في کنز العمال، المجلد السادس: ۱۱/۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(ومشکاة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۲۶۷: ۱/۶۹، ۷۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

کا علاج یہ ہے کہ ان کی باتیں نہ سنی جائیں۔"فاقتلوہ بالسیف" کا حکم ہر ایک کے لئے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

نماز کے بعد متصلاً مسائل بیان کرنا

سوال[۱۰۱۱۸]: ایک شخص صبح کی نماز میں مختلف مسجدوں میں روزانہ جاتا ہے اور سلام پھیرتے ہی کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ نماز میں سجدہ اس طرح پر کرو، رکوع اس طرح پر، اگر ٹخنے خشک رہ گئے یا پیشاب کا قطرہ نکل گیا اور بھی چند باتیں بیان کرتا ہے کہ یہ باتیں ہوں تو نماز نہیں ہوتی، یہ تو ٹھیک ہے، مگر وہ سلام پھیرتے ہی کھڑا ہو جاتا ہے جو لوگ دوسری رکعت میں شریک ہوتے ہیں، ان کا دھیان اس کے وعظ میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس سے کہتے ہیں جب سب نماز سے فارغ ہو جائیں اس وقت بیان کروں، بہتر تو یہ ہے کہ امام جب دعا سے فارغ ہو جائے، تو اس وقت بیان کریں، مگر وہ نہیں مانتا اور ناراض ہوتا ہے، حکم تو یہ ہے کہ قرآن شریف بھی زور سے نہ پڑھا جائے، مسجد میں داخل ہو تو سلام بھی مت کرو، لوگوں کا دھیان ہٹے گا، کیا اس کا یہ فعل جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس وقت لوگ نماز میں مشغول ہوں، اس وقت اس شخص کو بیان نہیں کرنا چاہیے، اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ الخ". (الدر المختار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

"وتكره قراءة القرآن في الطواف كذا في الملتقط، لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء الخ: ۵/۳۱۶، رشيدية)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۹۱، إدارة القرآن كراچی)

کتاب السلوک والإحسان

اولیاء صالحین کیا پہلے بھی پیدا ہوئے تھے؟

سوال[۱۰۱۱۹]: اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب میں بھی اس طرح اولیاء کرام یا پیر پیدا ہوتے تھے، اگر نہیں تو خدا تک رسائی کیسے ہوتی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے بھی پیدا ہوتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

تحقیقِ مجدّد

سوال[۱۰۱۲۰]: الف..... مجددین کرام از روئے حدیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتنے عرصہ میں من جانب اللہ تشریف لائے ہیں؟

ب..... حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سے اب تک کتنے مجددین آئے ہیں اور ان کے بعد فوری طور پر ظاہری طور سے کون مجدد تشریف لائے اور دورِ حاضر اور متوسط میں کتنے مجدّدین کرام تشریف لا چکے ہیں؟ نیز اس صدی کا مجدد ظاہری طور پر کس کو مانا جا سکتا ہے؟

ج..... حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مراتب نیز حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، حضرت نانوتوی، حضرت علامہ انور شاہ، حضرت مدنی گنگوہ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے درجات کے سلسلہ میں مندرجہ بالا سوالات کی روشنی میں جواب باصواب سے نوازا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابوداؤد شریف میں ہے(۱):

''راس مائۃ پر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مبعوث فرماتے ہیں، جو کہ امت کے دین کی تجدید کرتا ہے، یعنی جو سنتیں متروک ہوگئیں، ان کو جاری کرتا ہے اور جو بدعتیں پھیل گئیں، ان کو مٹاتا ہے''(۲)۔

اس شخص کی تعیین حدیث شریف میں نہیں ہے، البتہ اہلِ علم وتقویٰ حضرات احوال وقرائن سے بطریقہ غلبۂ ظن تجویز کیا کرتے ہیں کہ فلاں عالم میں یہ احوال وصفات موجود ہیں، مجدد علوم ظاہرہ وباطنہ کا عالم ہوتا ہے، فقہ، حدیث، تفسیر، تزکیۂ باطن کے فنون پر حاوی ہوتا ہے، ایک صدی کے ختم پر اور دوسری صدی کے شروع پر اس کے تجدیدی کارنامے بہت نمایاں ہوتے ہیں، مجدد کبھی تنہا ایک شخص ہوتا ہے، کبھی اس سے زائد، حتیٰ کہ ایک جماعت بھی مجدد ہوتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وسط صدی میں کوئی شخص مجدد سے افضل پیدا ہوتا ہے اور دین کی خدمت انجام دے کر رخصت ہوجاتا ہے، نہ صدی کا شروع پاتا ہے اور نہ صدی کا آخر، ابوداؤد کی شروح میں تفصیل مذکور ہے(۳)۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، فيما أعلم عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إن الله يبعث لهٰذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها". (سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة: ۲/۲۴۱، إمداديه)

(وكذا في المستدرك على الصحيحين، كتاب الفتن والملاحم، رقم الحديث: ۸۶۷۱: ۵/۲۲۵، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۴۷: ۱/۳۶، قديمى)

(۲) "يبين السنة من البدعة، ويكثر العلم، ويعز أهله، ويقمع البدعة، ويكسر أهلها". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، رقم: ۲۴۷: ۱/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة: ۵/۱۰۳، مكتبة الشيخ)

(وكذا في عون المعبود، كتاب الملاحم، باب يذكر في قرن المائة: ۱۱/۳۰۵، دار الفكر بيروت)

(۳) "اعلم أن المراد من رأس المائة في هذا الحديث ..... وقال الطيبي: الرأس مجاز عن آخر السنة، وتسميته رأسا باعتبار أنه مبدأ السنة الأخرى. انتهى ... وما قال بعض السادات الأعاظم: إن قيد الرأس =

مستقل رسالے بھی اس حدیث کی شرح میں لکھے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حضرت علامہ مجدد شیخ جلال الدین سیوطی اور بدرالدین عینی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس پر کافی بحث کی ہے۔ چند مجددین کے نام بھی شمار کئے ہیں، اول صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بتائے گئے ہیں، دوسری صدی کے مجدد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، تیسری صدی کے قاضی ابوالعباس ابن سریج رحمہ اللہ تعالیٰ، ابوالحسن (الاشعری) رحمہ اللہ تعالیٰ، زمخشری رحمہ اللہ تعالیٰ، محمد ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ چوتھی کے ابوبکر بن الباقلانی، ابوطیب صعلوکی رحمہ اللہ تعالیٰ، پانچویں صدی کے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ، چھٹی صدی کے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ، ساتویں کے تقی الدین، آٹھویں کے زین الدین عراقی، شمس الدین جزری، سراج الدین بلقینی رحمہم اللہ تعالیٰ، نویں کے جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ، شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ، دسویں کے شہاب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)۔

= اتفاقي، وإن المراد أن الله يبعث في كل مائة سواء كان في أول المائة أو وسطها أو اخرها، واختاره ليس بظاهر، بل الظاهر أن القيد احترازي، ولذلك لم يُعد كثير من الأكابر الدين كانوا في وسط المائة من المجددين وإن كانوا أفضل من المجدد الذي كان على رأس المائة، ففي مرقاة الصعود: قد يكون في أثناء المائة من هو أفضل من المجدد على رأسها. نعم! لو ثبت كون قيد الرأس اتفاقياً بدليل صحيح لكان دائرة المجددية أوسع". (عون المعبود شرح أبي داود، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة: ۱۱/ ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴دارالفكر)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة: ۵/ ۱۰۳، المعهد الخليل)

(۱) "إنه كان في المائة الأولىٰ عمر بن عبدالعزيز وفي الثانية الشافعي، وزاد غيره، وفي الثالثة أبو العباس بن سريج وقيل أبوالحسن الأشعري، وفي الرابعة أبو الطيب سهل الصعلوكي، وأبو حامد الأسفرايني أو الباقلاني، وفي الخامسة حجة الإسلام محمد الغزالي، وفي السادسة الفخر الرازي أو الحافظ عبدالغني، وفي السابعة ابن دقيق العيد، وفي الثامنة البلقيني أوالزين العراقي قال في المقاصد الحسنة، وفي التاسعة المهدي ظناً". (كشف الخفاء، حرف الهمزة مع النون، رقم الحديث: ۷۴۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المقاصد الحسنة، حرف الهمزة، رقم الحديث: ۲۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۱۸۴۵: ۳/ ۱۶۵۲، ۱۶۵۷، نزار مصطفى الباز مكة)

حضرت مجدد الف ثانی کے متعلق اکابر کی رائے ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سال تک کی مردہ سنتوں کو زندہ کیا، بعض حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ کو بھی مجدد لکھا ہے، مگر انہوں نے نہ صدی کا شروع پایا اور نہ صدی کا آخر، جن اکابر کے نام لے کر آپ نے ان کے درجات ومراتب کو دریافت کیا ہے، میں ان حضرات کے درجات کو کیا پہچانتا، ان کے خدام کے درجات کو بھی نہیں پہچانتا، بعض اکابر سے سنا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مع اپنی جماعت کے مجدد تھے کہ ان کے کارنامے تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں بہت نمایاں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۱۴ھ۔

اقطاب وابدال کا مسکن معلوم کرنے کا حساب

سوال[۱۰۱۲۱]: بعض کتب تصوف میں اقطاب وابطال کے مسکن کے بارے میں ایک حساب لگا کے یہ بتایا گیا ہے کہ فلاں قطب، فلاں وقت، فلاں سمت میں رہتا ہے، آیا یہ نظریہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ابدال کے متعلق تو کتب حدیث میں کچھ تعیین ملتی ہے(۱)، باقی سب عالم کا جغرافیہ تو علم میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

---

(۱) "عن شريح بن عبيد قال ذكر أهل الشام عند علي رضي الله تعالىٰ عنه وقيل: العنهم يا أمير المومنين! قال: لا، إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: الأبدال يكونون بالشام، وهم أربعون رجلاً، كلما مات رجل أبدل الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب". (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب ذكر اليمن والشام ذكر أويس القرني، الفصل الثالث: ۲/۵۸۲، ۵۸۳، قديمى)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه: ۱/۱۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "الأبدال في =

کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟

سوال[۱۰۱۲۲]: چہ می فرمایند علماء کرام ومفتیان کرام اندریں مسئلہ.

خلفاءراشدین صحابہ کرام علیہم الرضوان، ائمہ عظام کے بعداولیاءکرام میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جواپنے مالک جل شانہ کوزیادہ خوش کرے، اس کا مرتبہ زیادہ ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۲ھ۔

روحانیت کا حاصل

سوال[۱۰۱۲۳]: روحانیت اورحرام کاری ایک جگہ جمع ہوسکتی ہے یانہیں؟ اگرجمع ہوسکتی ہے تو کیسے؟

= هـذه الأمة ثـلاثون مثل إبراهيم خليل الرحمن عزوجل كلما مات رجل أبدل الله تبارك وتعالىٰ مكانه رجلاً". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه: ۶/۴۴، رقم الحديث: ۲۲۲۴۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "قوله تعالىٰ: ﴿إن أكرمكم عندالله أتقاكم﴾ وفي هذه الأية مايدلک على أن التقوىٰ هي المراعى عندالله تعالىٰ وعند رسوله دون الحسب والنسب ..... الخ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الحجرات: ۱۳: ۱۶/۲۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ تعليل للنهي عن التفاخر بالأنساب المستفاد من الكلام بطريق الاستيناف الحقيقي كأنه قيل: إن الأكرم عندالله والأرفع منزلة لديه عزوجل في الأخرة والدنيا هو الأتقىٰ، فإن تفاخرتم ففاخروا بالتقوىٰ". (روح المعاني، الحجرات: ۱۳: ۲۶/۱۶۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن درة بنت أبي لهب رضي الله تعالىٰ عنه قالت: قام رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو على المنبر، فقال: يا رسول الله! أي الناس خير؟ قال: خير الناس أقرأهم، وأتقاهم لله عزوجل، وآمرهم بالمعروف، وأنهاهم عن المنكر، وأوصلهم للرحم". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث درة بنت أبي لهب رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۲۶۸۸۸: ۷/۵۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روحانیت سے غالباً یہ مراد ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا جاوے اور جسم کی خواہشات پر روح کو غلبہ حاصل ہوجاوے، ایسی حالت میں آدمی حرام کاری سے بہت بچتا ہے، مگر معصوم پھر بھی نہیں ہوجاتا، البتہ اگر کسی وقت ناجائز کام اس سے ہوجاوے، تو وہ شرمندہ اور بے قرار ہوتا ہے، روتا ہے، خدا سے توبہ کرتا ہے، بغیر سچی توبہ کئے اس کو چین نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

مایتعلق بصفات الشیخ و أهمیة التزکیة

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

اپنا علاج کیسے شخص سے کرایا جائے

سوال[۱۰۱۲۴]: مجھے مذہب کی رو سے کوئی طریقہ بتایئے، جس کے مطابق عمل کرنے سے مجھے شک وشبہ اور وسوسات کی اس خطرناک اور مہلک بیماری سے ہمیشہ کے لئے نجات ملے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ بیمار کو اپنا علاج خود نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ماہر قابل اعتماد مصلح کی رائے پر عمل کرنا چاہیے، آپ بھی اپنے لئے کسی شخص کو تجویز کرلیں، جو عالم ہو، متبع سنت، تزکیۂ نفس کے لئے کسی بزرگ کے زیرِ تربیت رہ چکا ہو، ان بزرگ نے اس پر اصلاح وتربیت کے لئے اعتماد کیا ہو، لوگوں کو اس کی تربیت سے نفع ہوتا ہو، پھر اپنے آپ کو اس کے حوالہ کردیجئے اور اپنے حالات سے اس کو پوری طرح مطلع کیجئے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتے رہیے، وقت نکال کر اس کے پاس جاکر وقت بھی گزاریئے، اللہ پاک سے دعا کرتے رہیے وہ مقلب القلوب ہے، آپ کو پریشانی سے نجات دے اور سکون عطا فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مثنوی شریف کے مطالعہ کا فائدہ اور طبیب روحانی کی پہچان

سوال[۱۰۱۲۵]: حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مثنوی شریف کو پڑھنے کے بعد کس علم کو قوت اور مدد ملتی ہے۔ اور اس سے کیا فوائد ہیں اور طبیب روحانی کی کیا پہچان ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کی مثنوی شریف معرفت خداوندی کا بیش بہا خزینہ ہے،

جس سے اپنے نفس کے عیوب بھی منکشف ہوتے ہیں، طبیب روحانی کی پہچان کلید مثنوی (۱)، التکشف (۲)، فتاویٰ عزیزی (۳)، القول الجمیل (۴) میں مطالعہ کریں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (کلید مثنوی لمولانا اشرف علي التهانوي، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) (التکشف عن مهمات التصوف، حقیقت طریقت، ص: ۷، کتب خانه مظهری)

(۳) (فتاویٰ عزیزی، فضائل شیخ: ۲/۱۰۴، ۱۰۵، مطبوعه رحیمیه دیوبند)

(۴) (شفاء العليل (ترجمه) القول الجميل، شرائط مرشد، ص: ۲۳-۲۵، مدینه پبلشنگ کمپنی کراچی)

مایتعلق بالبیعة

(بیعت کا بیان)

بیعت کا حکم

سوال[۱۰۱۲۶]: طریقۂ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ وغیرہ پر بیعت کرنا ضروری ہے اور جائز ہے یا نہیں؟ فنافی الشیخ کا تصور جائز ہے یا نہیں؟ دلیل قطعی سے آگاہ فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلاح نفس اور تزکیۂ اخلاق ضروری ہے، خواہ کسی صاحب نسبت متبع سنت بزرگ سے بیعت ہوکر، یا کسی اور طرح سے، فنافی الشیخ کا تصور کسی شیخ محقق سے دریافت کریں اور یہ اصطلاحی لفظ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۶ھ۔

دو پیر سے بیعت ہونا

سوال[۱۰۱۲۷]: دو پیر سے بیعت ہوئے اور دونوں پیر سے محبت اخلاقی طور پر کرتے ہیں، کیا ایک پیر چھوڑ دیں یا دونوں کے ساتھ مریدین بن کر رہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ پہلا پیر شریعت کے مطابق متبع سنت اور صاحب نسبت ہے اور اس کی تربیت سے فائدہ بھی ہوتا ہے، تو دوسرے پیر سے بیعت نہیں ہونا چاہیے اور اس کو برا بھی نہیں کہنا، اخلاق کا معاملہ سب کے ساتھ کرنا چاہیے، پیر تو بس پہلا ہی پیر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۳/۲۹ھ۔

کیا پیراورمرید کے لئے ایک امام کا مقلد ہونا ضروری ہے؟

سوال[۱۰۱۲۸]: پیراورمرید کوایک امام کی تقلید کرنی ضروری ہے یا الگ الگ اماموں کی تقلید کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصلاح باطن اورتزکیۂ نفس کے لئے بیعت کی جاتی ہے(۱)، فقہی مسائل میں اگر پیرومرید کا امام الگ الگ ہو،تو بھی مضائقہ نہیں، دونوں میں اخلاص ہوگا،تو پھر بھی نفع پہونچے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۶/۹۶ھ۔

تمباکو کے تاجرکواجازتِ بیعت

سوال[۱۰۱۲۹]: زیدبکر کے یہاں پیری مریدی ہوئی ہے،زیدبوجہ ضعیفی اپنے اہلِ تعلق میں سے دو صاحبان کودستار بندی کر کے اجازت دینا چاہتے ہیں، ہر دوصاحبان اللہ اللہ کرنے والے ہیں اورتمباکونوشیدنی اورخوردنی کی تجارت کرنے والے ہیں،کیاان صاحبان کواجازت دے سکتے ہیں؟اور چوڑی کی تجارت بھی کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگران کواللہ پاک نے اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ،نسبتِ احسانیہ سے نوازا ہے اوراستحکام پیدا ہوگیا ہے،توان کومجاز بنانا درست ہے،تمباکوخوردنی ونوشیدنی کی تجارت حرام نہیں ہے، ناپسند ہے بدبوکی وجہ سے۔یہ ایسی چیز نہیں کہ اس کی وجہ سے ایک اہل کومحروم کیا جاوے، چوڑیوں کی تجارت بھی فی نفسہ جائز ہے،مگراہلِ خانہ کو پردہ لازم ہے،ان کوتاکید کی جائے کہ وہ پردہ میں رہ کرکام کریں، بے پردگی سے خوش رہنا جائز نہیں، جوشخص صاحبِ نسبت ہوگا،وہ کبھی ناجائز چیز سے خوش نہیں رہ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۵/۶/۸۵ھ۔

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: وحوله عصابة من أصحابه: بايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئاً، ولا تسرقوا ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم".
(مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان: ۱۲/۱، قديمى)

بغیر اجازتِ شیخ بیعت کرنا

سوال[۱۰۱۳۰]: اگر کوئی ایسا شخص جو کسی شیخ طریقت سے مجاز نہیں، تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے یا نہیں کہ کسی کو اس طرح پر بیعت کردے جس طرح پر کہ مشائخ طریقت بیعت کرتے ہیں اور اس کو اس طرح پر ذکر وغیرہ بتائے بعینہ جس طرح پر کہ مشائخ اپنے مریدین کو بتاتے ہیں یا صرف نماز یا روزہ چوری وزنا وغیرہ کے کرنے اور نہ کرنے کی بیعت لیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، کسی کو بیعت کرنے کے لئے اس بیعت کرنے والے کا کسی شیخ طریقت سے مجاز ہونا ضروری نہیں، لیکن اس کے اندر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا جائز ہو، تو پھر اس زمانہ میں جیسا کہ بہت سارے غلط قسم کے پیر بغیر کسی نسبت شیخ کے قائم ہونے کے عوام کو بیعت کرتے رہتے ہیں، ان کو تو یہ ایک سہارا ہوگا کہ علماء نے اس کو جائز کہا ہے۔

دیگر بھی اور مفاسد اس سے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، نیز جب کئی کتبِ تصوف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ راہِ تصوف میں کام کرنا ہو، تو بیعت کا ہونا ضروری ہے، ورنہ شیطان اغوا کر کے کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ جیسا کہ تصوف کی کتاب ترجیح الجواہر المکیہ میں ہے:

"النفس للنوافل أهل من جهة أنها تعمل ما تعمل بتصوفها وراتها. فلما في ذلك لذعت التصوف وإن طلاق وفي الفرائض هي مقهورة تحت حكم التكليف ومن حيث أنها لا حظ لها فيها وذلك من جملة الحكم باشتراط الدخول تحت توبيه المرشد لتدخل النفس تحت حرات فهواره ونهيه فلا تعمل بحظها وشهوتها حتى قالوا لاتكون تحت حكم حلاة خير لك من أن تكون تحت حكم نفسك فقط(۱).

وفي الرسالة القشيرية، ص: ۱۸۲(۲):

---

(۱) سائل کی ذکر کردہ عبارت درست نہیں ہے اور جس کتاب (ترجیح الجواہر المکیہ) کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے، وہ کتاب تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔

(۲) (الرسالة القشيرية للإمام أبي القاسم عبدالكريم بن هوازن القشيري، باب الوصية للمريدين، ص:=

سمعت الأستاذ أبا علي الدقاق يقول: إذا نبتت بنفسها من غير غراس فإنها تورق لكن لاتثمر؛ كذلك المريد إذا لم يكن له أستاذ يأخذ منه طريقته نفساً فنفساً فهو عابد هواه، لا يجد نفاذاً. ثم إذا أراد السلوك فبعد هذه الجملة يجب أن يتوب إلى الله سبحانه من كل زلة؛ فيدع جميع الزلات وسرها وجهرها وصغيرها وكبيرها ويجتهد في إرضاء الخصوم أولاً، ومن لم يُرض خصومه لا يفتح له من هذه الطريقة بشيء، وعلى هذا النحو جروا".

اس عبارت سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے اور ایک ایسا شخص جو اگرچہ عالم ہی ہو اور سنت کے متبع ہو، مگر راہِ سلوک کے اندر کسی شیخ طریقت کے تحت رہ کر محنت ومشقت اٹھا کر اس کی کیفیت وحقائق سے مطلع نہ ہوا ہو اور اس راہ کی جملہ گھاٹیوں سے واقف نہیں ہوا ہو، اس کے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے یا نہیں کہ وہ کسی کی بیعت کر لے اور اس راہ کی تصلیح دے؟ بندہ کو یہ اشکال ہے، براہِ کرم مسئلہ کی حقیقت سے بندہ کو مطلع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

نیز حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاداتِ شیخ الاسلام میں اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسائل تصلیح الدین میں غیر اجازت یافتہ لوگوں کو کسی کو بیعت کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کے لئے عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالح کی تحصیل ضروری ہے اور صرف درجہ علم تک اس کا جاننا یا سمجھنا کافی نہیں، بلکہ ان سے متصف وآراستہ ہونا اور اس میں ملکۂ قویہ اور کیفیت کا حصول نہایت قابلِ اہتمام ہے، اس دور میں استعدادیں اتنی ضعیف ہیں کہ بغیر شیخ کامل محقق سے رابطہ قویہ قائم کئے اصلاح نہیں ہوتی، اخلاق رذیلہ کی اصلاح نہیں ہوتی اور اس کو احسان اور استحضار نہیں، اس کی صحبت اور بیعت سے دوسروں کو یہ چیز کیسے میسر آئے گی، ایسے شخص کا شیخ بن کر دوسروں کو بیعت کرنا اپنے کو منافع تربیت واصلاح کے ثمرات سے محروم رکھنا اور طالبین کے لئے وصول الی الحق سے صدِ راہ بنتا ہے، شیخ کامل کی علامت "التکشف" وغیرہ میں مذکور

= ۳۲۶، ۳۲۷، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے، تربیت کے طرق ضیاء القلوب، تربیۃ السالک وغیرہ میں مبسوط ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۸۵ھ۔

پیر بدلنا

سوال[۱۰۱۳۱]: زید ایک پیر سے مرید ہوا، چند سال کے بعد دوسرے سے، پھر تیسرے پیر سے مرید ہوا، جب کہ پہلا پیر حیات میں ہے، پھر دوسرے، پھر تیسرے پیر کو چھوڑ کر (بغیر اس کی اجازت اور بغیر اطلاع کے) تیسرے چوتھے پیر سے مرید ہوا، اس طرح سے زید نے چار پیروں کو بدلا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ ایسا کرنے والا ہر ایک کے فیض سے محروم رہتا ہے، یک در گیر محکم گیر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱/ ۹/ ۸۸ھ۔

بے دین پیر سے بیعت کرنا

سوال[۱۰۱۳۲]: بکر حج کرکے آیا اور وہ ایسے آدمی سے مرید ہو گیا جس آدمی کو نمازی پور کے علماء دین نے چند وجوہات کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دے کر علیحدہ کر دیا ہے اور اس کو اپنے مرید کے دفتر سے نام کاٹ دیا، تو اب بکر کا حج برقرار رہا یا نہیں؟ اگر برقرار رہا تو ٹھیک کیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بکر نے خود اسلام کے خلاف کوئی ایسی چیز اختیار نہیں کی، جس سے اس پر کفر کا حکم عائد ہو، تو اس کا حج برقرار ہے(۱)، گمراہ، بددین، بے عمل، خلاف سنت چلنے والے پیر سے مرید ہونا جائز نہیں، اس میں دین کی تباہی

---

(۱) "ولو حج أي: مسلم ثم ارتد فعليه الإعادة حتماً إذا استطاع بعد الإسلام". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلا يقع حج الكافر عن الفرض ولا عن النفل إذا أسلم، ولا المسلم إذا ارتد بعد الحج، وإن تاب ويجب عليهم ثانياً إذا استطاعوا". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج: =

وبربادی ہے، ایسے شخص سے بیعت ہونا چاہیے جو بقدرِ ضرورت علم دین رکھتا ہو، اس کے عقائد قرآن وحدیث کے موافق ہوں، شریعت پر عمل کرتا ہو، متبعِ سنت ہو، دنیا کی محبت نہ رکھتا ہو، ہر کام میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ مبارکہ کی پیروی کرتا ہو اور اخلاقِ فاسدہ سے بری ہو، کسی متبعِ سنت بزرگ کی ہدایات کے ماتحت تزکیۂ باطن کرچکا ہو، اہلِ نسبت بزرگ کا اس پر اعتماد ہو، اس کے پاس جانے سے اور اس کی باتیں سننے سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، دین کی رغبت زیادہ اور دنیا کی الفت کم ہوتی ہو(۱)، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، سید احمد علی سعید دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= ۴/ ۵۳۸ - ۵۳۹، رشیدیہ)

(وکذا في غنية الناسک، باب شرائط الحج، ص: ۳۲، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "مرید شدن ازاں کس درست است کہ دراں پنج شرط متحقق باشد، شرط اول علم کتاب وسنت رسول اللہ داشتہ باشد، شرط دوم: آنکہ موصوف بعدالت وتقوی باشد واجتناب از کبائر وعدم اصرار صغائر نماید۔ شرط سوم: آنکہ بے رغبت از دنیا وراغب در آخرت باشد، وبر طاعات مؤکدہ واذکار منقولہ در احادیث صحیحہ آمدہ اند مداومت نماید۔ شرط چہارم: امر معروف ونہی از منکر کردہ باشد۔ شرط پنجم: آنکہ از مشائخ ایں امر گرفتہ باشد وصحبت معتدبہ ایشاں نمودہ باشد، پس ہرگاہ ایں شروط در شخصے متحقق شوند مرید شدن ازاں درست است"۔ (فتاوی عزیزی، ص: ۱۴۲، ۱۵۵، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند)

"قال العبد الضعيف: تزكية الأخلاق من أهم الأمور عند القوم .... ولا يتيسر ذلک إلا بالمجاهدة على يد شيخ أكمل قد جاهد نفسه، وخالف هواه، تخلى عن الأخلاق الذميمة، وتحلى بالأخلاق الحميدة، ومن ظن من نفسه أنه يظفر بذلک بمجرد العلم ودرس الكتب، فقد ضل ضلالا بعيداً، فكما أن العلم بالتعلم من العلماء كذلک الخلق بالتخلق على يد العرفاء .... الخ". (إعلاء السنن، كتاب الأدب، باب الترهيب عن مساوي الأخلاق: ۱۸/ ۴۴۲ - ۴۴۳، إدارة القرآن كراچی)

"الولي هو العارف بالله وصفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الانهماک في اللذات والشهوات والغفلات واللهوات". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۷۹، قديمی)

مایتعلق بمجالس الصوفیة وأذکارھم

(صوفیاء کی مجالس اوران کے وظائف کا بیان)

ختم خواجگان کی تاثیر

سوال[۱۰۱۴۳]: عرض یہ ہے کہ آج سے تین سال قبل ۶۳ھ میں پتی کے تہوار پر شہر مالیگاؤں میں فساد ہوگیا تھا، جس میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانے پڑے تھے، ان کے علاوہ مسلمانوں ہی کو طرح طرح سے پریشان اور خوف زدہ بنادیا گیا تھا، اسی بے کسی سے متأثر ہوکر کچھ لوگوں نے بعد نماز مغرب مسجد میں آیت کریمہ کا ورد شروع کردیا تاکہ اس کی برکت سے شہر کے مسلمانوں کو اس آفت سے نجات ملے، اس کے چند دن کے بعد وہی لوگ جن میں دوسرے حضرات شریک ہوکر بعد نماز مغرب مسجد میں ختم خواجگان کے وظیفہ کا سلسلہ جاری کردیا، جو آج تک جاری ہے۔

الحمدللہ اب تک دوسرا کوئی سانحہ دوبارہ نہیں ہوا، چونکہ ہر عقیدے کے ماتحت یہ سلسلہ جاری کیا گیا تھا، اب یہ عقیدہ زیادہ پختہ ہوگیا ہے کہ ختم خواجگان کی برکت سے مسلمان شہر آج تک محفوظ ہیں، اب یہ حلقہ روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جارہا ہے، اب کچھ مصلیان شہر اس عمل پر معترض ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ عقیدہ کے ساتھ بلاناغہ حلقہ باندھ کر اس اہتمام اور انصرام کے ساتھ جیسا کہ سنت مؤکدہ یا واجب اعمال کو کیا جاتا ہے، قطعی اسلام کے منافی ہے۔ بلکہ اس عمل کو بدعت فی الدین قرار دیتے ہیں، ختم خواجگان کے اختتام کے وظیفہ خواں حضرات پانی پر دم کیا کرتے ہیں، جسے بعض حضرات اس تصور کے ساتھ اپنے گھر لے جاتے ہیں کہ اس کے استعمال سے مریض کو شفا حاصل ہوتی ہے اور دیگر امراض سے حفاظت ہوتی ہے، اس تصور کو بھی لغو اور بیکار کہا جاتا ہے، اس میں اختلاف پیدا ہوا، اب آپ کے فیصلہ پر اتفاق کا وعدہ ہے۔

۱...... شریعت اسلامی میں ختم خواجگان کی کیا نوعیت واصلیت ہے؟

۲...... ازروئے قرآن وحدیث وفقہ اس کا صحیح اور جائز طریقہ کار کیا ہے؟

۳... ختم خواجگان سے متعلق مذکورہ عقائد وتصورات رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ختم خواجگان میں خلاف شرع کوئی چیز نہیں، جیسا کہ ضیاء القلوب میں مذکور ہے(۱)، جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا بابرکت اور ثواب ہونا یقینی ہے، جیسے سونے سے پہلے معوذتین وغیرہ پڑھ کر دم کرنا اور ہاتھ کا جسم پر ملنا احادیث سے ثابت ہے(۲)، اس قسم کا یہ بھی عمل ہے جو کہ اکابر کے تجربہ میں آیا ہوا ہے، اس لئے وقت ضرورت بطور علاج اس پر عمل کرنا درست ہے، مگر اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے، اگر یہ عمل ایسی صورت اختیار کرے تو اس کا ترک کرنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۸/ ۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے۔

اور اسی کے ساتھ اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اس میں ایسا اہتمام والتزام نہ کیا جاوے کہ لوگوں کو بلا بلا کر اس میں شریک کیا جاوے اور جو نہ شریک ہو، اس پر لعن طعن کیا جائے یا حقارت وبرائی کی نگاہ سے دیکھا جائے، اگر ایسا کیا جائے گا تو بدعت اور ناجائز ہو جائے گا(۳)، بلکہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے، جس کا جی

---

(۱) (کلیات امدادیہ، رسالہ ضیاء القلوب، چوتھا باب قرآن پاک پڑھنے اور نماز ادا کرنے اور دیگر اعمال کی کیفیت، ختم خواجگان چشت کا طریقہ، ختم خواجگان قادریہ کا طریقہ، ص: ۶۵، دار الاشاعت)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا أوى إلى فراشه كل ليلة، جمع كفيه ثم نفث فيهما، فقرأ فيهما ﴿قل هو الله أحد﴾ و﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و﴿قل أعوذ برب الناس﴾ ثم يمسح بهما ما استطاع من جسده يبدأ بهما على رأسه ووجهه، وما أقبل من جسده، يفعل ذلك ثلاث مرات". (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات: ۲/ ۷۵۰، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء فيمن يقرأ من القرآن عند المنام: ۲/ ۱۷۷، سعيد)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث السيدة عائشة رضي الله تعالى عنها: ۷/ ۱۶۸، رقم الحديث: ۲۴۳۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رقم: =

چاہے شریک ہو، جس کا جی چاہے نہ شریک ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۸/ ۱۳۸۶ھ۔

پیر کے بتلائے ہوئے وظیفہ کی شرعی حیثیت

سوال[۱۰۱۳۴]: شیخ نے جو وظائف مرید کو بتلائے ہیں، ان کا پورا کرنا مرید پر فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا نفل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خدا تعالیٰ کی طرف سے نماز، روزہ وغیرہ کی طرح تو فرض نہیں، البتہ حکیم اور ڈاکٹر کے بتلائے ہوئے نسخہ کی طرح ازالۂ مرض کے لئے فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۲/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دل سے دعا پڑھنا

سوال[۱۰۱۳۵]: وقتی دعائیں دل میں پڑھے تو کیا یہ جائز ہے؟ درود وغیرہ، کلمہ سوم واستغفار میں اگر زبان سے حرکت نہ کرے، صرف دل میں پڑھے، تو یہ افضل ہے یا زبان سے حرکت دینا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ قلبی توجہ ہے، جو کہ خیر ہے، مگر پڑھنا زبان کا فعل ہے، جس کا اجر کثیر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۳/ ۸۷ھ۔

حلقۂ ذکر مخصوص ایام میں اور اس میں عورتوں کی شرکت

سوال[۱۰۱۳۶]: بعض لوگ بالالتزام ہر پیر اور جمعرات کو اور کسی کے مرنے پر تیسرے، ساتویں

= ۲۹۴: ۳/ ۱/ ۳، رشیدیہ)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲: ۲۶۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين: ۲: ۴۳۰، قديمي)

اور چالیسویں دن، راتوں میں حلقۂ ذکر منعقد کرتے ہیں اور اس میں عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ بلایا جاتا ہے اور بعض جگہ خود عورتیں (بوڑھی وجوان ہر دو قسم) شریک ہوتی ہیں مردوں سے ذکر کو سننے کی غرض سے، عین ذکر کے موقع پر چراغ گل کر دیا جاتا ہے اور ذکر کے بعد کچھ شرینی تقسیم ہوتی ہے، کیا ایسے حلقوں میں عورتوں کو شرعاً بھیجنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذکر اللہ کی ترغیب اور فضیلت قرآن وحدیث شریف میں بکثرت وارد ہے(۱)، مگر ان ایام اور تاریخوں کی تعیین بے اصل ہے، اس کو شرعی چیز قرار دینا غلط اور بدعت ہے، اس پر التزام کرنا غیر ثابت کو لازم قرار دینا ہے(۲)، جو احکام شرع میں تحریف ہے، جو شرعاً مندوب ہو، وہ بھی اصرار والتزام سے مکروہ ہو جاتی ہے۔

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة اهـ"(۳).

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا وسبحوه بكرة وأصيلا﴾ (الأحزاب: ۴۱)

وقال الله تعالى: ﴿فاذكروني أذكركم واشكروا لي ولا تكفرون﴾ (البقرة: ۱۵۲)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يقعد قوم يذكرون الله إلا حفتهم الملائكة، وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة، وذكرهم الله فيمن عنده". (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القران وعلى الذكر: ۲/۳۴۵، قديمي)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا أنبئكم بخير أعمالكم، وأرضاها عند مليككم، وأرفعها في درجاتكم، وخير لكم من إعطاء الذهب والورق ومن أن تلقوا عدوكم فتضربوا أعناقهم ويضربوا أعناقكم؟ قالوا: وما ذاك يا رسول الله؟ قال: ذكر الله". (سنن ابن ماجة، أبواب الأدب، باب ثواب القرآن، ص: ۲۶۸، قديمي)

(۲) "ومنها: التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة" (الاعتصام، باب في تعريف البدع، ص: ۲۲۲، دار المعرفة)

(۳) (سباحة الفكر، ص: ۳۴، مجموعة رسائل اللكنوي: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(ومرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۵۴، سعيد)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور) ...... —

سباحۃ الفکر، ردالمحتار، تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کبیری شرح المنیۃ، طیبی، مرقاۃ وغیرہ میں یہ مضمون بعبارات مختلفہ موجود ہے، پھر عورتوں کو ایسے حلقوں میں شریک کرنا اور عین ذکر کے موقع پر چراغ گل کردینا، مستقل مظنۂ فتنہ ہے، اس کی ہرگز اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۶/ ۹۴ھ۔

قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا

سوال [۱۰۱۳۷]: زید یہ کہتا ہے کہ علماء دیوبند سماع قوالی وعرس کو منع فرماتے ہیں، اگر منع ہے تو اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ یعنی حضرت قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت بابا فرید الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے سماع کیوں سنا اور عرس کیوں کیا اور یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب نے اپنی کتابوں میں سماع اور عرس کو جائز فرمایا ہے، آپ ان کا جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں جس چیز کو منع فرمایا گیا ہے، بزرگانِ دین نے ہمیشہ اس سے پرہیز کیا ہے، اگر کسی چیز کو کسی نے بزرگانِ دین کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ نسبت صحیح نہیں، بلکہ غلط نسبت کرکے اپنے لئے جواز کی راہ نکالی گئی ہے اور بکثرت ایسا ہوتا ہے، جس کا مشاہدہ اور تجربہ ہے یا پھر بعض مجبوری کے احوال ایسے پیش آئے جن سے وہ معذور ہوگئے اور ان پر شرعاً گرفت نہیں، مثلاً: کوئی بزرگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، کسی عذر کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوسکتے، تو غیر معذور کو اتباع کرنا اور ان کے عمل سے استدلال کرنا صحیح نہیں، عمل تو کیا جائے گا شرعی احکام پر اور ان بزرگوں پر اعتراض نہیں کیا جائے گا۔

السنۃ الجلیۃ میں بزرگانِ دین کے اس قسم کے اعمال کی تحقیق تفصیلی مذکور ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس کتاب میں جائز لکھا ہے، اس کو نقل کیجئے تب اس کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے گا۔ ان کی بعض کتابوں میں شیعوں نے گڑبڑ بھی کی ہے، مثلاً تراویح کا انکار ہے، تعزیہ کا ذکر بھی موہم۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۱/ ۸۹ھ۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحظر والإباحة: ۲/ ۳۶۷، حقانيه پشاور)

کتاب السیر والتاریخ

باب في شمائل النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(شمائل نبوی کا بیان)

قدم شریف وغیرہ تبرکات کا حکم

سوال [۱۰۱۳۸]: آج کل جو تبرکات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر جگہ رکھے ہوئے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ مثلاً: ٹانڈہ بادلی رامپور میں ایک پتھر ہے جس کو قدم شریف کہتے ہیں، اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے معراج میں جاتے وقت کے نشان پڑے ہوئے ہیں، تو ان کا کیسا احترام ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا سند کسی شئی کی نسبت حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کرنا جرأت ہے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے(۱)، ٹانڈہ والے پتھر کو بھی بلا سند منسوب کرنے کی اجازت نہیں اور بھی بعض مقامات پر کچھ چیزیں ہیں، بعض کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے، بعض کے متعلق تردد ظاہر فرمایا

---

(۱) "عن سلمة هو ابن الأكوع (رضي الله تعالى عنه) قال: سمعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: من يقل علي مالم أقل فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۵، قديمي)

(وكذا في سنن الكبرى للبيهقي، كتاب آداب القاضي، باب من يشاور: ۱۰/۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

ہے۔ امداد الفتاویٰ میں یہ تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۲/ ۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۲/ ۸۶ھ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کے لئے بد دعا فرمائی ہے؟

سوال[۱۰۱۳۹]: زید اور بکر میں موضوع بحث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کے لئے بد دعا نہیں فرمائی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے، بکر کہتا ہے کہ بعض مرتبہ شریعت کے معاملہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی ہے، جیسا کہ ترجمہ بخاری شریف (۲) پارہ نمبر ۱۰ مطبوعہ رسالہ مولوی دہلی، حدیث نمبر: ۲۴ کا ترجمہ اس طرح پر تحریر ہے کہ ’’حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا خط ایک شخص کو دے کر حکم دیا کہ حاکم بحرین کو پہنچا دینا، حاکم بحرین نے وہ خط لے کر کسریٰ (شاہ ایران) کو پہنچا دیا، کسریٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خط کو پارہ پارہ کردیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اس کی اطلاع پائی، تو آپ نے اس کے لئے بد دعا فرمائی کہ اس کے بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں‘‘۔ مترجم نے جو لفظ ’’بد دعا‘‘ استعمال کیا ہے، یہ لفظ زیر بحث ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور بھی بعض مواقع پر ظالموں کے لئے بد دعا

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، نماز تراویح وغیرہ کے ادا کرنے سے مبارک کا اگر تبرک ہونا ثابت ہو تو اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے: ۴/ ۲۰۹، مکتبہ دار العلوم دیوبند)

(۲) "أن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أخبره: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى مع عبد الله بن حذافة السهمي. فأمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين، فدفعه عظيم البحرين إلى كسرى، فلما قرأه مزقه. فحسبت أن ابن المسيب قال: فدعا عليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يمزقوا كل ممزق". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى كسرى وقيصر: ۲/ ۶۳۷، قديمي)

فرمائی ہے(۱)، نماز میں قنوتِ نازلہ میں بھی خاص خاص آدمیوں کے نام لے کر بددعا فرمائی ہے(۲)۔ پھر

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا رفع رأسه عن الركعة الآخرة يقول: اللهم انج عياش بن أبي ربيعة .... اللهم اشدد وطأتک على مضر، اللهم اجعلها سنين كسني يوسف". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب دعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اجعلها سنين كسني يوسف: ۱/۱۳۶، قديمي)

"حدثنا أنس بن مالک رضي الله تعالى عنه قال: أقبل نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى المدينة وهو مردف أبابكر .... فالتفت أبوبكر فإذا هو بفارس قد لحقهم فقال: يا رسول الله! هذا فارس قد لحق بنا فالتفت نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: اللهم اصرعه، فصرعه الفرس ....". (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة: ۱/۵۵۶، قديمي)

"... دعا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على الأحزاب، فقال: اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب، اهزم الأحزاب، اهزمهم وزلزلهم".

"حدثنا علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: كنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الخندق فقال: ملأ الله قبورهم وبيوتهم نارًا كما شغلونا عن الصلاة الوسطى حتى غابت الشمس". (صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين: ۲/۹۴۴، قديمي)

(۲) "عن عبدالله رضي الله تعالى عنه ... فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اللهم عليک الملأ من قريش، اللهم عليک أبا جهل بن هشام، وعتبة بن ربيعة، وشيبة بن ربيعة، وعقبة بن أبي معيط، وأمية بن خلف ... أو أبي بن خلف ...". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب طرح جيف المشركين في البئر ولا يؤخذ لهم ثمن: ۱/۴۵۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قنت بعد الركوع ... حتى أنزل الله ﴿ليس لک من الأمر شيء﴾". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ليس لک من الأمر شيء﴾: ۲/۶۵۵، قديمي)

(وكذا في تفسير ابن كثير (آل عمران: ۱۲۸): ۱/۵۳۶، دارالسلام رياض)

"وعن مقاتل: أنها نزلت في أهل بئر معونة، وذلک أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أرسل أربعين، وقيل: سبعين رجلاً من قراء أصحابه، وأمر عليهم المنذر بن عمرو إلى بئر معونة ... =

آیت نازل ہوئی: ﴿لیس لك من الأمر شيء أو يتوب عليهم أو يعذبهم فإنهم ظالمون﴾ (۱)۔

اس کے بعد سے بددعا فرمانا بند فرمادیا تھا، لہٰذا اب تعارض نہ رہا، عادتِ مبارکہ یہ بھی تھی کہ اپنی ذات خاص کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتقام نہیں لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو معاف نہیں فرمایا کرتے تھے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۷ھ۔

لباس مسنون اور سر کے بالوں کا حال

سوال [۱۰۱۴۰]: پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخصوص لباس کیا تھا؟ آپ نے کس لباس کو پسند فرمایا؟ آپ نے حلق وقصر کے اسوہ بنایا، بال ترشوانے میں آپ کا معمول کیا تھا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم اخیر تک کیسا لباس رکھا؟ آپ نے کیسے بال رکھنے کی تحسین فرمائی؟ اگر کوئی شخص آپ کے مخصوص بال کے سوا بال رکھے یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس لباس کی تحسین کی ہے اس کے علاوہ دیگر لباس مثلاً: کوٹ پتلون، دھوتی قمیص وغیرہ استعمال کرے تو شرعاً کیسا ہوگا؟ جواز وعدمِ جواز کی تشریح کریں۔

= فاستصرخ عليهم عدو الله ... فقاتلوا حتى قتلوا ...... فلما علم بذلك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وجد وجداً شديداً، وقنت عليهم شهراً يلعنهم فنزلت هذه الآية فترك ذلك". (تفسير روح المعاني، ال عمران: ۱۲۸: ۴/۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (ال عمران: ۱۲۸)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ... وما انتقم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لنفسه إلا أن تنتهك حرمة الله فينتقم لله بها". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۵۰۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب مباعدته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للآثام، واختياره من المباح أسهله، وانتقامه لله تعالى عند انتهاك حرماته: ۲/۲۵۶، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في التجاوز في الأمر: ۲/۳۱۶، رحمانيه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

چادر، لنگی، کرتا (۱) عمامہ یہی لباس عامۃً ہوتا تھا، اس کو پسند فرماتے تھے، حرام سے حلال ہونے کے لئے حلق کو پسند فرمایا، قصر کی بھی اجازت دی (۲)، عامۃً آپ کے بالوں کے تین حال روایات میں آئے ہیں،

---

(۱) "كان صلى الله تعالى عليه وسلم يلبس من الثياب ماوجد من إزار أو رداء أو قميص أو جبة أو غير ذلك". (إتحاف السادة المتقين، بيان آدابه وأخلاقه في اللباس: ۸/ ۲۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله القميص". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۵، سعيد)

"عن أبي بردة (رضي الله تعالى عنه) قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله تعالى عنها كساء ملبداً وإزاراً غليظاً. فقالت قبض رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في هذين" (شمائل الترمذي، باب ماجاء في إزار رسول الله، ص: ۸، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذات غداة وعليه مرط من شعر أسود". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في لباس رسول الله، ص: ۶، سعيد)

"عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: لم يكن ثوب أحب إلى رسول الله من القميص". (الترغيب والترهيب، كتاب اللباس والزينة، الترغيب في القميص، ص: ۵۰۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كنت أمشي مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وعليه رداء نجراني غليظ الحاشية". (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة ومن يخاف على إيمانه إن لم يعط، رقم الحديث: ۲۴۲۹، ص: ۴۲۴، دار السلام)

"عن أبي بردة رضي الله تعالى عنه قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله تعالى عنها كساء ملبداً، وقالت في هذا نزع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۳۱۰۸، ص: ۵۱۵، دار السلام)

(۲) "كان ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول حلق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في حجته".

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "اللهم ارحم المحلقين قالوا: والمقصرين يا رسول الله! قال: اللهم ارحم المحلقين. قالوا: والمقصرين، قال: والمقصرين". (صحيح البخاري، باب الحلق والتقصير عند الإحلال، رقم: ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ص: ۲۷۹، دار السلام)

جمہ، لمہ، وفرہ، نصف کانوں تک، کانوں کی لوتک، شانوں تک، ان کے خلاف بال رکھنا مسنون نہیں ہے(۱)۔ کچھ سر پر بال رکھے جائیں، کچھ سر کے کتا دیئے جائیں، یا منڈا دیئے جائیں، اس کو منع فرمایا ہے(۲)، جو بال غیر قوموں کا یا فساق کا شعار ہوں، ان کی ممانعت تشبہ کی بناء پر ثابت ہے(۳) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

= (وصحيح مسلم، باب جواز تقصير المعتمر من شعره وأنه لايجب حلقه وأنه يستحب كون حلقه، كتاب الحج، ص: ۵۲۹، دار السلام)

(وكذا في الترغيب الترهيب، كتاب الحج، ص: ۳۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كان شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أي: واصلا أو منتهيا إلى نصف أذنيه ... وكان له، أي: لرأسه الشريف شعر أي: نازل فوق الجمة ودون الوفرة ... وكانت جمته، تضرب شحمة أذنيه ... كان يبلغ شعره شحمة أذنيه". (جمع الوسائل: ۱/ ۹۰-۹۴، ادارهٔ تالیفات اشرفیه ملتان)

(وكذا في أشرف الوسائل، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۹۳، ۹۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، باب ماجاء في الشعر: ۲/ ۲۲۳، إمداديه)

"لمة: اللمة بالكسر الشعر المتجاوز شحمة الأذن". فإذا بلغت المنكبين فهي جمة". الوفرة إلى شحمة الأذن". (حاشية جمع الوسائل، ص: ۹۲، ادارهٔ تالیفات اشرفیه ملتان)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم رأى صبيا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه، فنهاهم عن ذلك، وقال احلقوا كله أو اتركوا كله". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في الذوابة، رقم: ۴۱۹۵: ۴/ ۱۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب كراهة القزع، رقم الحديث: ۵۵۶۹، ص: ۹۴۷، دار السلام)

(۳) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم" أي في الإثم والخير ... قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه، لا غير". =

کے لباس کے خلاف لباس استعمال کرنا مسنون نہیں، جو لباس غیر قوموں یا فساق کا شعار ہو، اس کی ممانعت ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۴۳۴۷، رشيديه)

"وكراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۵۳، سعيد)

(۱) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم" أي في الإثم والخير ... قال الطيبي، هذا عام في الخلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه، لا غير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۴۳۴۷، رشيديه)

"وكراهة التشبه بأهل البدع مقررة عندنا". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۵۳، سعيد)

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاء، تاریخ کی روشنی میں)

ایک حکایت سے لاعلمی

سوال[۱۰۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ ''آثار سعید'' میں ''بادشاہ جمجمہ'' کا واقعہ لکھا ہے کہ اس بادشاہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہونا اور دوزخ وغیرہ کا حال بیان کرنا، پھر یہ بدعائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آکر اسی برس تک طاعت ربی میں رہنا، کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی صحت کا علم نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۵ھ۔

حوا اور قابیل کے تعلق کا افسانہ

سوال[۱۰۱۴۲]: ۱..... حوا آدم علیہ السلام کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کے جنسی تعلقات قابیل سے ہو جاتے ہیں، ایک عرصہ کے بعد حوا کی آدم سے علیحدگی ہو جاتی ہے، حوا کا آدم علیہ السلام سے ایک لڑکا ہے، جس کا نام قابیل ہے، حوا قابیل سے شادی کرنا چاہتی تھیں، چند شر پسند عناصر کی وجہ سے حوا کے بچے کو نقصان پہونچنے کے خیال سے حوا اور قابیل تنہائی میں ایجاب وقبول کرتے ہیں اور اس کو راز میں رکھتے ہیں۔

۲..... حوا اور قابیل کے نکاح کی کوئی دستاویز نہیں ہے، لیکن ایک بار ایک واقعہ کا سہارا لے کر پرانی تاریخوں میں قابیل کی فرضی دستاویز تیار کی، جس پر دو گواہوں کے دستخط بھی ہوئے، ایک گواہ نے حوا علیہا السلام کے سامنے دستخط کئے اور دوسرے نے حوا علیہا السلام کی غیر موجودگی میں۔

۳..... جس وقت حوا، قابیل نے ایک دوسرے کو قبول کیا، اس وقت ان دو گواہوں میں سے کوئی نہیں

تھی، بعد میں ان دو گواہوں کو قائم کیا گیا تا کہ دستاویز مکمل ہو سکے۔

۴۔ آدم سے حوا کی علیحدگی کے بعد اگر مدت کے دنوں میں حوا قابیل کے جنسی تعلقات برقرار رہیں اور آگے چل کر دونوں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو کیا حوا کی آدم علیہ السلام سے علیحدگی کے بعد اس پر عدت کا لزوم عائد نہیں ہوتا؟

متذکرہ بالا امور کی روشنی میں فن حقانیت کی روشنی میں مطلع فرمائیں، آیا عدت کی مدت ختم ہونے سے قبل جنسی تعلقات قائم رکھتے ہوئے حوا قابیل کا تنہائی میں ایجاب وقبول کرنا زن وشوہر کی زندگی گزارنا جائز تصور کیا جا سکتا ہے؟ نیز کیا حوا علیہا السلام کی عدم موجودگی میں دوسرے کی دستاویز پر دستخط لینے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جب کہ تنہائی میں ایجاب وقبول ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳، ۴۔ یہ قصہ بالکل افسانہ ہے، ماں سے نکاح کرنا کسی کی شریعت میں جائز نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۱ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم امہتکم وبنتکم...﴾ (النساء: ۲۳)

"ولا بامرأة ابيه واجداده، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم﴾". (الهداية، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/ ۳۰۸، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۶۴، رشيديه)

(عہد صحابہ تاریخ کی روشنی میں)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نواسی سے

سوال[۱۰۱۴۳]: ایک عالم نے اپنی تقریر میں بیان فرمایا کہ بی بی فاطمہ کی دوسری لڑکی ام کلثوم کی شادی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خسر تھے، پھر ان کا نکاح آپ کی نتنی سے کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات صحیح ہے، کتب فقہ، حدیث میں موجود ہے۔

"قال عمر (رضي الله تعالى عنه): "فتزوجت" (شامي: ۱۹۸/۲، کراچی)(۱).

"مطلب: في حديث: "كل سبب ونسب منقطع" كتاب الجنائز، أم كلثوم بنت علي رضي الله تعالى عنهما (كذا في ردالمحتار: ۵۳۷/۱).

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق یہ بھی تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں (۲)، مگر

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كل سبب ونسب منقطع الاسببي ونسبي: ۱۹۸/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۳۶۷/۱، دارالمعرفة)

(۲) "وكانت قبل أن يتزوجها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند خنيس بن حذافة، وكان ممن شهد بدراً، ومات بالمدينة، فانقضت عدتها، فعرضها عمر على أبي بكر فسكت، فعرضها على عثمان حين ماتت رقية بنت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: ما أريد أن أتزوج اليوم، فذكر ذلك عمر =

اس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی سے ان کا نکاح ناجائز نہیں، حرمت مصاہرت یہاں نہیں ہے(۱)، بلکہ اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی سے نکاح ہوتا، تو وہ بھی ناجائز نہ ہوتا، حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۹۹ھ۔

کیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضائی بھائی تھے؟

سوال[۱۰۱۴۴]: ایک کتاب میں یہ لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے، جس کی بناء پر آپ کو بچی نے چچا کہا، کتاب کا نام ہے''اسلام'' حصہ

= لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: "يتزوج حفصة من هو خير من عثمان، ويتزوج عثمان من هو خير من حفصة" فلقي أبوبكر عمر فقال: لا تجد علي، فإن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذكر حفصة فلم أكن أفشي سر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولو تركها لتزوجتها، وتزوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حفصة بعد عائشة". (الإصابة، كتاب النساء، حرف الحاء المهملة: ۸/۸۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أسد الغابة، حرف الحاء: ۶/۶۸، دارالفكر)

(وكذا في المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، ذكر أم المؤمنين حفصة بن عمر بن الخطاب: ۴/۳۸۲، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم﴾ النساء: ۲۴)

"أي ماعدا ماذكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "أسباب التحريم أنواع، قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۶۳، رشيديه)

سوم ص:۲۹۲،اس کی صاف صاف تفسیر بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے(۱)۔اور واقعہ مذکورہ بخاری شریف میں مذکور ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۴/۹۹ھ۔

مہاجرین کی شادی کا طریقہ انصار کی بیویوں کے ساتھ

سوال[۱۰۱۴۵]: مکہ مکرمہ سے مہاجرین کا قافلہ جب مدینہ منورہ پہنچا، تو انصار نے اپنی بیویوں کو مہاجرین کے حوالہ کردیا، تو اس صورت میں نکاح کی کیا صورت تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ غلط ہے کہ انصار نے اپنی بیویوں کو مہاجرین کے حوالہ کردیا، بعض نے یہ کہا تھا کہ تم کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا بھائی بنادیا ہے، اگر باپ مرجاتا ہے اور دو بھائی ہوتے تو دونوں ترکہ برابر تقسیم کرلیتے، اب تم میرے بھائی ہو، لہٰذا تم میرا آدھا مال لے لو اور میرے پاس دو بیویاں ہیں، ایک کو میں طلاق دے دوں گا، عدت گزرنے پر تم اس سے نکاح کرلینا، اس پر ان مہاجرین نے ان کی محبت کا شکریہ ادا کیا اور کہہ دیا کہ تمہارا مال

---

(۱) "حمزة بن عبد المطلب: بن هاشم بن عبد مناف القرشي الهشامي، أبو عمارة عم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأخوه من الرضاعة أرضعتهما ثويبة مولاة أبي لهب". (الإصابة، حرف الحاء: ۱۰۵/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أسد الغابة، باب الحاء: ۱/۲۰۴، دارالفكر بيروت)

(وكذا في الإكمال في أسماء الرجال، ص: ۵۹۰، قديمي)

(۲) "عن البراء رضي الله تعالى عنه قال: اعتمر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في ذي القعدة، فأبى أهل مكة أن يدعوه يدخل مكة ... فخرج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فتبعتهم ابنة حمزة ياعم! ياعم! فتناولها علي فأخذ بيدها الخ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۸۲، قديمي)

بھی تمہیں مبارک ہو اور تمہاری بیویاں بھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وسعت فرمائی اور انہوں نے شادیاں کی (۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "كان المهاجرون لما قدموا بالمدينة يرث المهاجري الأنصاري دون ذوي رحمه للأخوة التي آخى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بينهم، فلما نزلت، "ولكل جعلنا موالي" نسخت". (حياة الصحابة، التوارث بين المهاجرين والأنصار: ۱/ ۳۸۱، دار القلم)

"إن عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه قدم المدينة فآخى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بينه وبين سعد بن الربيع الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه فقال له سعد: أي أخي، أنا أكثر أهل المدينة مالاً، فانظر شطر مالي فخذه، وتحتي امرأتان فانظر أيتهما أعجب إليک حتى أطلقها، فقال عبدالرحمن: بارک الله لک في أهلک ومالک، دلوني على السوق. فدلوه، فذهب فاشترى وباع فربح". (حياة الصحابة، المواخاة بين المهاجرين والأنصار: ۱/ ۳۸۰، دار القلم)

(وكذا في أسد الغابة: ۳۳۶۴، عبدالرحمن بن عوف: ۳/ ۳۷۶، دار الفكر)

(وصحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين المهاجرين والأنصار: ۱/ ۵۳۳، نور محمد كتب خانه)

(تاریخِ ہند)

خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت عبدالقادر جیلانی کا زمانہ

سوال[۱۰۱۴۶]: حضرت شیخ عبدالقادر فخر الدین جیلانی نوراللہ مرقدہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی نوراللہ مرقدہ کے زمانہ میں کتنا تفاوت ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا تابعین میں سے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں بزرگوں کا زمانہ قریب قریب ہے۔ ان میں تابعین کوئی نہیں، بلکہ یہ حضرات چھٹی ساتویں صدی میں گزرے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۶ھ۔

گاڑا کون ہیں؟

سوال[۱۰۱۴۷]: یہ گاڑا قوم کہاں سے چلی اور کون ہے؟ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں سے یہ نام

(۱) "الشيخ عبد القادر الجيلي، ابن أبي صالح أبو محمد الجيلي، ولد سنة سبعين وأربع مائة، دخل بغداد، فسمع الحديث ..... توفي وله تسعون سنة، ودفن بالمدرسة التي كانت له". (البداية والنهاية، سنة إحدى وستين وخمسمائة: ۶/۶۸۷، حقانيه)

"آپ کے والد کا نام اسم شریف، غیاث الدین سنجری تھا، آپ کی پیدائش باتفاق اہلِ تواریخ ۵۳۷ھ ایران کے علاقہ ستیان قصبہ سنجر میں ہوئی ..... آپ کی وفات سلطان التمش کے دور میں ہوئی اور تاریخ وفات بقول جمہور اہل تاریخ ۶ رجب یوم دوشنبہ ہے ..... لیکن سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، ۶۲۷ھ اتنے اقوال ہیں"۔ (تاریخ مشائخ چشت، خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۱۶۵، ۱۷۰، مکتبۃ الشیخ)

(وتاریخ دعوت وعزیمت، باب اول، خواجہ معین الدین چشتی: ۳/۳۰، ۳۱، مجلس نشریات اسلام)

چلا ہے، اس کے متعلق تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے، نہ کتب فقہ میں، نہ کتب حدیث وتفسیر میں، اس پر بحث ہے۔ ایسا مشہور ہے کہ سلاطین مغلیہ کے وقت کسی جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے ایک فوج کا یہ نام تجویز کیا گیا تھا، پھر ان لوگوں کو حکومت کی طرف سے زمین کاشت کے لئے انعام میں دی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۸ھ۔

گاندھی اور نہرو کی موت پر کس نے تلاوت کی؟

سوال [۱۰۱۴۸]: وہ کون کون سے علماء کرام تھے جنہوں نے گاندھی اور نہرو کی ارتھی (۱) پر قرآن کریم کی تلاوت فرمائی تھی؟

محمد ایوب محمد ابرار، نمبر۴۷، اسلام پورہ بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاندھی اور جواہر لال نہرو کی ارتھی پر کس کس نے قرآن کریم کی تلاوت کی، مجھے معلوم نہیں۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۵/۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) ''ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ''۔ (فیروز اللغات ص: ۸۴، فیروز سنز لاہور)

کتاب السياسة والهجرة

(سیاست وہجرت کا بیان)

علماء کی سیاست میں شرکت

سوال[۱۰۱۴۹]: عوام الناس میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ علماء کرام کو موجودہ سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے، کیا اس بگڑے ہوئے ماحول میں علماء کرام کو خاموش رہنا چاہیے؟ جو علماء کرام عملی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں، کیا وہ غلط کر رہے ہیں؟ کیا علماء کا کام صرف مسجد کی امامت کرنا اور مدرسہ کی تعلیم دینا ہے اور بس؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خیال آج کا نہیں، بہت پرانا خیال ہے، پہلے بھی کہا کرتے تھے کہ علماء کا سیاست سے کیا تعلق؟ بات یہ ہے کہ جس عالم کے اندر صلاحیت ہو، وہ صحیح طور پر سیاست کو اور پارٹیوں کو سمجھتا ہو اور اس کے اندر صلاحیت ہو کہ سیاست میں شریک ہوکر دوسروں کو اپنا ہم خیال بنالے گا، غلط بات پر نکیر کرے گا، صحیح راہِ عمل پیش کرے گا، اس کا سیاست میں شریک ہونا درست ومفید ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن من أعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر". (جامع الترمذي، أبواب الفتن، باب أفضل الجهاد: ۲/۴۰، سعيد)

"قال الطرابلسي: السياسة نوعان ..... وسياسة عادلة تخرج الخلق من الظالم، وتدفع كثيراً من المظالم، وتردع أهل الفساد، ويتوصل بها إلى المقاصد الشرعية للعباد". (معين الحكام: ۱/۱۲۹، شركة مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۲۸۹، قديمي)

’’میں پہلے ہندوستانی ہوں بعد میں مسلمان‘‘، کہنے کا حکم

سوال[۱۰۱۵۰]: زید کا کہنا ہے کہ پہلے میں مسلمان ہوں بعد میں کچھ اور، بکر کا کہنا ہے کہ پہلے میں ہندوستانی ہوں، بعد میں مسلمان۔ بکر سیاسی پارٹی سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ کسی وقت بھی اس کو ترک کرکے دوسرا دین قبول کرنے کی گنجائش نہیں۔

﴿ومن یبتغ غیر الإسلام دیناً فلن یقبل منه وھو في الآخرۃ من الخاسرین﴾(۱).

’’وطن‘‘ کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس کو ترک کرکے دوسری جگہ وطن بنالینا (ہجرت کرجانا) بھی درست ہے، بلکہ بعض احوال میں مستحب اور بعض احوال میں ضروری ہوجاتا ہے، لیکن وطن کے حقوق بھی اسلام نے بتائے ہیں، اس کو کلیۃً نظر انداز نہیں کردیا، البتہ وطن کے حقوق تابع ہیں حقوق اسلام کے، یہ تو اصل حقیقت ہے، مگر مسئول فقرہ کو سیاسۃً استعمال کرنے کی وجہ سے اس پر فتویٰ لے کر دیگر مقاصد کا ذریعہ نہ بنایا جائے، کیونکہ اس کا دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان سے ہجرت

سوال[۱۰۱۵۱]: ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت کا اندازہ آپ کو بخوبی طور پر ہوگا۔ میرا وطن فیروزآباد میں ہے اور اپنی اس چھوٹی سی عمر میں تین بلوے دیکھ چکا ہوں، دو فیروزآباد کے اور ایک علی گڑھ کا، فیروزآباد میں ابھی حال کے بلوے میں پولیس اور پی، اے، سی نے جو جو زیادتیاں کی ہیں، وہ سب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں، لہذا ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی بے بسی کے مناظر بھی اور اب حکومت کی خاموشی بھی دیکھ رہا ہوں، ہم سے جو نفرت کا برتاؤ ہوتا ہے، اس کا تجربہ روزانہ ہوتا رہتا ہے، یہ باتیں دیکھ کر بڑی دل آزاری کا باعث بنتی ہے۔

---

(۱) (آل عمران: ۸۵)

جہاں تک ملازمت کا سوال ہے، وہ تو آج نہیں تو کل جائے گی اس لئے کہ روزی کا وعدہ تو اس نے کر رکھا ہے، مگر دل چاہتا ہے کہ اس گھٹن کے ماحول سے نکل کر کہیں چلے جائیں، کسی بھی مسلم ملک میں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہندوستان سے ہجرت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے بھی تو اکیلے ہجرت کرنے سے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور منشاء کے خلاف تو نہیں، علاوہ ازیں اگر والدین کو ساتھ لے لیا جائے جو ضروری بھی ہے، تب بھی اور عزیز واقارب کے حقوق کی ادائیگی کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں اور سب کو ایک ساتھ کہیں اور ہجرت کرجانا ممکن نہیں ہے، کوئی بھی ملک ہمیں قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا، اس کے علاوہ یہاں کے ماحول سے ڈر کر بھاگ جانے والا کہیں خدا کے نزدیک بزدلانہ فعل تو نہ ہوگا یا خودغرضی میں تو شامل نہ ہوگا۔

میں چاہتا ہوں کہ ساری دشواریوں اور مسائل کے باوجود میں وہ کام کروں جو کارِثواب ہو اور خدا کی خوشنودی کا باعث ہوسکے، دوسری طرف بڑی بڑی تمنائیں بھی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور جہاں آپ نے زندگی گزاری اور جہاں ہمارے بزرگوں نے لق ودق صحراؤں اور پتھریلی چٹانوں کے بیچ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، بیسوں مقامات ہیں جنہیں دیکھنے کو دل تڑپتا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہیں رہ کر زندگی گزاروں، ایک طرف یہاں کی دشواریوں اور میری تمنائیں تو دوسری طرف والدین اور قوم کے حقوق ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، آیا کہیں باہر جانے کے لئے ہاتھ پیر ماروں یا یہیں رہ کر قوم کی خدمت کروں؟ اپنی بیش قیمت رائے دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، اسلامی نقطۂ نظر سے کیا صحیح ہے اور خدا میرے کون سے فعل سے خوش ہوسکتا ہے؟

دوسرا مسئلہ جو پریشان کرتا ہے وہ اسرائیل سے عربوں کی جنگ مسلسل جہاد کا درجہ رکھتی ہے، جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ہندوستان کے مسلمان اس جہاد میں حصہ نہ لے کر کہیں خدا کی خفگی تو نہیں مول لے رہے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر دنیا میں کہیں ہو اور مکہ شریف کے مفتی اعظم نے جہاد کا اعلان کردیا تو آیا ساری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگیا یا الگ الگ ممالک کے مسلمان اپنے ملک کے مفتی کے اعلان کا انتظار کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی مقام پر رہ کر احکامِ اسلام بجالاتا ہو، کوئی رکاوٹ غیر کی طرف سے نہ ہو، اس کے ذمہ

ہجرت نہیں۔ جو شخص اپنی جگہ احکام اسلام بجالانے پر قادر نہیں، غیر کی طرف سے رکاوٹ ہے اور کسی دوسرے پرامن مقام پر جانے کی قدرت رکھتا ہے اور وہاں جاکر احکام اسلام بجالانے سے کوئی رکاوٹ نہیں، اس کے ذمہ ہجرت ہے (۱)۔

یہ تو اصل کلی ہے اس کو سامنے رکھ کر حالات کا جائزہ لیا جائے، جن پریشانیوں میں یہاں ابتلاء ہے، ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہاں سے جانے کے اسباب اگر کسی کو میسر ہوں اور دوسری جگہ کی حکومت قبول بھی کرے، تب بھی کلی سکون دشوار ہے، کیونکہ وہاں دوسری قسم کی پریشانیاں ہیں، ان سے گھبرا کر کسی اور جگہ ہجرت کی فکر ہوگی، طریق نبوت پر آج کوئی حکومت نہیں، علاوہ ازیں موجودہ پریشانیوں کے اسباب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ اسباب ہیں خود ہمارے اپنے اخلاق واعمال (۲)۔ یہ اخلاق واعمال ہمارے ساتھ جہاں بھی ہوں گے، وہیں پریشانیاں ہوں گی۔

جیسے کسی جسم میں آتش گیر مادہ ہو، جہاں جائے گا، وہیں آگ لگے گی، کیونکہ دنیا کا کوئی ملک آگ سے خالی نہیں، ایسے شخص کے لئے نجات کی یہ صورت نہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں اور دوسرے سے تیسرے میں جان بچانے کے لئے جائے، بلکہ اس کے لئے تو دانش مندانہ تدبیر یہ ہے کہ اس آتش گیر مادہ کی اصلاح کرے، پھر جہاں بھی رہے گا، امن میں رہے گا، جن اخلاق واعمال پر خدائے پاک کا غضب جوش میں آتا اور اس کا قہر نازل ہوتا ہے، وہ جب تک ساتھ رہیں گے، غضب اور قہر سے کوئی حکومت بچا نہیں سکتی، اگر ان کی اصلاح کرکے ایسے اخلاق واعمال اختیار کئے جائیں، جن پر رحمت وسکینہ کا وعدہ ہے تو ہر جگہ سکون نصیب

---

(۱) "والآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب، وعلم أنه يتمكن من إقامته في غيره حقت عليه المهاجرة". (التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ۱/۲۷۶، قديمي)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۹۷: ۲/۳۵۳، قديمي)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ص: ۳۰۵، كريمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وكذلك نولي بعض الظالمين بعضاً بما كانوا يكسبون﴾ (الأنعام: ۱۲۹)

"استدل به على أن الرعية إذا كانوا ظالمين فالله تعالى يسلط عليهم ظالماً مثلهم. وفي الحديث: "كما تكونوا يولى عليكم". (روح المعاني، الأنعام: ۱۲۹): ۸/۲۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب الانقلاب والاقتصار: ۳/۲۷۸، سعيد)

ہوگا، کوئی حکومت اس کو چھین نہیں سکتی۔

"الاعتدال فی مراتب الرجال" (۱) میں پوری تفصیل مذکور ہے، انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ مفید ہوگا، یہ بھی واضح رہے کہ عمومی بگاڑ کے وقت ایک دو شخص کا اپنی اصلاح پر قناعت کر لینا اور سمجھ لینا کہ اس سے سب کی مصیبت ٹل جائے گی، صحیح نہیں، بلکہ اس کے لئے عمومی جدوجہد کی ضرورت ہے، آج کا جہاد یہ ہے کہ اہل اسلام کے دلوں میں دین کی طلب پیدا کی جائے اور اخلاق واعمال کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایات کے تحت اختیار کرنے کی ان تھک کوشش کی جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قوم کے لوگوں کی مخالفت کے باوجود ان کی سرپنچی کرنا

سوال [۱۰۱۵۲]: عرصہ پندرہ ماہ قبل چند آدمیوں نے مجھے برادر بستیاں کا سرپنچ بنادیا تھا، لیکن جب قوم کے سامنے یہ سرپنچی کی بات آئی تو اس پر بارہ آنے بھر لوگوں نے مخالفت کی اور چار آنے بھر موافقت کی اور جب ہی سے اختلاف بدستور قائم ہے اور کئی مرتبہ مجھ کو شرمندگی بھی اٹھانی پڑی قوم کے سامنے۔ لہذا اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سرپنچی (۲) کی صورت میں آپ کے ذریعہ قوم کی اصلاح متوقع ہو کہ غلط رسمیں ختم ہو کر اداکام شرع کے موافق زندگی بنے تو آپ سرپنچ رہیں اور جو لوگ مخالف ہیں حسن تدبیر سے ان کے ساتھ معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اگر اصلاح کی توقع نہ ہو بلکہ اس میں شر اور فساد ہو تو سرپنچی سے الگ ہو جائیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) (الاعتدال في مراتب الرجال معروف به اسلامي سياست، مكتبة الشيخ)

(۲) "سرپنچ: پنچایت کا سربراہ، پنچوں کا سردار، صدر، میرمجلس"۔ (فیروز اللغات ص: ۸۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، فالإمام =

حفاظت کی غرض سے مکان یا بستی چھوڑنا

سوال[۱۰۱۵۳]: اکثر بلاد میں فساد کا سلسلہ شروع ہے، کوئی شہر محفوظ نہیں، شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جہاد کا حکم نہیں ہے اور سامان حرب نہ ہونے کی وجہ سے کافی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جان ومال عزت وآبرو وہر چیز کی قربانی دینی پڑتی ہے، ایسی صورت میں شرع کا کیا حکم ہے؟ کہ جب ہمارے شہر میں فساد کا خطرہ مخصوص اوقات میں ہے، تو کیا اس شہر میں رہ کر جان ومال عزت وآبرو سب کچھ کر قربان کردیں، کیونکہ بلوائیوں کا مقابلہ تو کر نہیں سکتے۔ یا مخصوص ایام میں چند دنوں کے لئے شہر چھوڑ کر محفوظ مقامات دیہات وغیرہ میں چلے جائیں؟ اگر اس شہر میں رہنے کا حکم ہے جانے کی اجازت نہیں، اگر جانے کی اجازت ہے تو شخصی طور پر یا مجموعی طور پر بھی جانے کی اجازت ہے، جو حکم ہو، مفصل طور پر تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص ایک بستی میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتا، بلکہ دشمنوں میں گھرا ہوا پاتا ہے اور اس کو اپنی جان کا، ایمان کا، اولاد کا، مال کا خطرہ ہے، تو اس کو اجازت ہے کہ اس جگہ سے نکل کر کسی محفوظ جگہ پر چلا جائے، خواہ اس بستی میں دوسرے مکان یا دوسرے محلہ یا پھر دوسری بستی میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

= الأعظم الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته". (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب قوله تعالى: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول﴾، ص: ۱۲۲۹، دار السلام)

"وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحة إلا لم يجد رائحة الجنة". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۲/۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"الراعي ههنا الحافظ المؤتمن على مايليه، أمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالنصيحة فيما يلونهم، وحذرهم الخيانة فيه باخباره، أنهم مسئولون عنه". (التعليق الصبيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۴/۲۶۲، رشيديه)

(۱) "والآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب، وعلم أنه يتمكن من إقامته في غيره حقت عليه المهاجرة". (التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ۱/۲۶۷، قديمي) ....=

گناہ والی جگہ میں قیام کرنا

سوال[۱۰۱۵۴]: اگر کسی جگہ حرام کام بکثرت ہوتا ہے اور اس کو روکا جائے اور وہ رکے نہیں تو وہاں رہنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ دوسری جگہ بھی رہ سکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے ذریعہ سے اصلاح کی توقع ہے، اگر چہ رفتہ رفتہ ہو، تو وہیں رہنا بہتر ہے، اگر خود اس کے اندر مبتلا ہو جانے کا اندیشہ معلوم ہو، تو اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۱۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۹۷: ۲/۳۵۳، قديمي)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ص: ۳۰۵، كريمي)

(۱) "والآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب، وعلم أنه يتمكن من إقامته في غيره حقت عليه المهاجرة". (التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ۱/۲۷۶، قديمي)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۹۷: ۲/۳۵۳، قديمي)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، النساء: ۹۷، ص: ۳۰۵، كريمي)

(امامت اور خلافت کا بیان)

حرمین شریفین پر کافر کی حکومت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۱۵۵]: حرمین شریفین پر کافر کی حکومت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق تعالیٰ حرمین شریفین کو کفار کے تسلط سے محفوظ رکھیں گے، حتیٰ کہ آخری دور میں دجال کو بھی وہاں داخلہ کی جرأت نہیں ہوگی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ دین سب جگہ سے سمٹ کر حجاز میں آجائے گا، جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

"إن الشيطان قد أيس من أن يعبده المصلون في جزيرة العرب" الحديث (مشكاة شريف، ص: ۱۹)(۱).

"قال: "لا يدخل المدينة رعب المسيح الدجال، لها يومئذ سبعة أبواب، على كل باب ملكان" رواه البخاري(۲)، مشكاة شريف: ۲/۴۷۵.

"فلا أدع قرية إلا هبطتها في أربعين ليلة غير مكة وطيبة، هما

---

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، الفصل الأول: ۱/۱۹، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه الخ: ۲/۳۷۶، قديمي)

(وكذا في جامع الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في التباغض: ۲/۱۵، سعيد)

(۲) (كتاب الرقاق، باب العلامات بين يدي الساعة وذكر الدجال، الفصل الأول: ۲/۴۷۵، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة، باب لايدخل المدينة الدجال: ۱/۲۵۲، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث أبي بكرة نفيع بن الحارث بن كلدة رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۱۹۹۲۳: ۶/۱۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

محرمتان علي كلتاهما، كلما أردت أن أدخل واحداً منهما استقبلني ملك بيده السيف صلتا يصدني عنها" مشكاة شريف: ۲/٤٧٦)(١).

"عن عمرو بن عوف: "إن الدين ليأرز إلى الحجاز كما تأرز الحية إلى جحرها". الحديث(٢) (مشكاة شريف: ١/٣٠). فقط والله تعالى أعلم.

☆......☆......☆......☆......☆

(١) (كتاب الرقاق، باب العلامات بين يدي الساعة وذكر الدجال، الفصل الأول: ٢/٤٧٥، ٤٧٦، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب قصة الجساسة: ٢/٤٠٤، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب في خبر الجساسة: ٢/٢٤٢، إمداديه)

(٢) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني: ١/٣٠، قديمى)

(وجامع الترمذي، كتاب الإيمان، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريباً وسيعود غريبا: ٢/٩١، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب فضائل المدينة، باب الإيمان يأرز إلى المدينة: ٢/٢٥٢، قديمى)

(انتخابات کی شرعی حیثیت)

الیکشن میں حصہ لینا غیر مسلم عدالتوں سے فیصلہ کرانا

سوال[۱۰۱۵۲]: چه می فرمائند علماء عظام اندریں مسائل:

الف... غیر اسلامی ولادینی حکومت کی تائید وحمایت کرنا۔

ب... اس کے انتخابی الیکشن میں حصہ لینا۔

ج... ان کی عدالتوں سے متنازعہ مسائل کا حل تلاش کرنا از روئے شریعت کیسا ہے؟

منیر احمد مدرسہ عربیہ عین العلم ٹانڈہ، فیض آباد، یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف... جو حکومت اسلام کی یا کسی بھی مخصوص دین کی پابند نہیں، اس کے زیر اثر رہنے والے مسلمانوں کو ایسے امور میں تائید وحمایت کرنا شرعاً درست ہے، جن سے احکام اسلام منہدم نہ ہونے متصور ہوں۔

ب... حقوق کی حفاظت اور ظلم سے بچاؤ کے لئے انتخابی الیکشن میں حصہ لینا بھی درست ہے۔

ج... باہمی منازعت کا فیصلہ عدالتوں سے تلاش کرنا درست ہے، تاکہ حق دار کو حق پہونچ جائے، ظلم نہ ہونے پائے، ظلم کرنے کے لئے کسی سے بھی تعاون جائز نہیں، اس سے بچنا اور بچانا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لايظلمه ولايسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۹۵۸: ۳/۲۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"وعن أبي موسىٰ رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته" ثم قرأ: ﴿وكذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى وهي ظالمة﴾ متفق =

تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= علیه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۱۲۳: ۲۳۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وعنه (أي: أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة، حتى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء". رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۱۲۸: ۲۳۶/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

کتاب تعبیر الرؤیا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

خواب پر حکم

سوال[۱۰۱۵۷]: چندروز پہلے یہاں کے نیک بخت آدمی نے خواب دیکھا کہ اس کی غیر شادی شدہ لڑکی کے گھر میں ایک بچہ ہے (جس کے بارے میں موضع کی مسجد کے امام صاحب نے افواہ مچایا تھا کہ اس نے نکاح کرلیا ہے اور فرضی گواہ کا نام بتایا تھا، مگر گواہ کے انکار کی وجہ سے نکاح باطل ثابت ہوا اور اس مشہور مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کرلیا گیا) اس فتویٰ کے بعد یہ خواب دیکھا اور والد نے غصہ میں آکر اس بچہ کو چیر دیا اور مار ڈالا، مگر آن کی آن میں وہ بچہ زندہ ہوگیا اور جیسا تھا ویسا ہوگیا، اس خواب کے بعد وہ بے چارہ بے حد پریشان ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، تاہم جو فتویٰ آپ نے منگایا ہے، وہ بھیجئے، اس کے ساتھ سوال بھی ہونا چاہیے جس پر فتویٰ دیا گیا ہے، تب کچھ معلوم ہوسکے گا، خواب کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی پریشان خواب نظر آئے، تو بائیں طرف تھوک دیا جائے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ لیا جائے اور دعا کرلی جائے کہ یا اللہ! پریشان خواب اور اس کے برے اثر سے محفوظ رکھ(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۹۶ھ۔

---

(۱) "عن أبي سلمة بن عبدالرحمن، يقول: لقد أرى الرؤيا، فتمرضني، حتى سمعت أبا قتادة (رضي الله تعالى عنه)، يقول: وأنا كنت أرى الرؤيا فتمرضني حتى سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: الرؤيا الحسنة من الله تعالى. فإذا رأى أحدكم مايحب فلا يحدث به إلا من يحب، وإذا رأى =

خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھنا

سوال[۱۰۱۵۸]: میں نے ایک خواب دیکھا وہ یہ کہ میں دیکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ رونق افروز ہیں اور ہجوم ہورہا ہے، لائن لگی ہوئی ہے، حق تعالیٰ ایک ایک شخص کو بلاتے ہیں اور آسان کچھ معمولی سا سوال کرکے رخصت کردیتے ہیں، جب احقر کا نمبر آیا تو حق تعالیٰ نے کوئی سوال کیا، وہ سوال تو مجھ کو معلوم نہیں ہے اور نہ اور لوگوں کا کوئی سوال معلوم ہوا کہ کیا سوال کیا گیا اور نہ جواب معلوم ہے، جب احقر سے سوال ہوا تو بجائے اس کے کہ میں کچھ جواب دیتا، ہیبت اور خوف سے یک دم رقت طاری ہوگئی اور خوب رویا، رونے کے بعد جب آنکھ کھولی، تو حق تعالیٰ شانہ کا دیدار نصیب ہوا، مگر اور تو کچھ نظر نہیں آیا، صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی سیاہ ریش مبارک نظر آئی، خیال ہوا کہ حق تعالیٰ تو صورت وشکل اور ریش وغیرہ سے پاک ہیں، یہ کیا بات ہے؟

دوسرے یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کتنا زمانہ گزر چکا اور اس سے قبل نہ معلوم کس قدر زمانہ گزرا ہوگا، مگر حق تعالیٰ اب تک جوان ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ دنیا میں علماء نے ہم لوگوں کو اس قدر ڈرایا کہ ہمارے ہوش گم ہوگئے، لیکن یہاں تو حق تعالیٰ کسی سے کچھ بھی نہیں کہتے، معاملہ بالکل برعکس ہے اور حق تعالیٰ اس قدر رحیم وکریم ہیں، کہ آسان آسان سوال کرکے رخصت کردیتے ہیں، اگر حقیقت میں یہ خواب ہے تو براہ کرم تعبیر سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب مبارک ہے، ان شاء اللہ سہولت کا معاملہ ہوگا، علماء کا ڈرانا بھی از خود نہیں، وہ بھی روایت ونصوص سے ماخوذ ہے، فضل خداوندی جس پر ہوجائے، وہ محفوظ رہتا ہے، خدائے پاک صورت وشکل سے پاک صاف ہیں، مگر ان کی تجلی جب ظاہر ہوتی تو بہترین صورت میں ہوگی اور وہ صورت انسانی ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ

= مايكره فليتعوذ بالله من شرها ومن شر الشيطان وليتفل ثلاثا ولايحدث بها أحدا، فلا يحدث به إلا من يحب فإنها لا تضره". (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب إذا رأى أحدكم مايكره فلا يخبر بها ولا يذكرها: ۱۰۴۳/۲، قديمي)

(وكذا في عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا رأى في منامه مايكره، ص: ۱۹۱، مكتبة الشيخ)

(وسنن ابن ماجة، باب من رأى رؤيا يكرهها، ۲۱۱/۲، دار الجيل)

تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں انسان کی بہترین صورت میں دیکھا ہے، تغیرات زمانہ (بڑھاپہ وغیرہ) سے بالاتر ہیں، جو صورت بھی دیکھی جائے وہ اصلی صورت نہیں، کیونکہ وہ حادث اور غیر ہے، بلکہ ایک نوع کی تجلی ہے(۱)۔

شیطان بھی آ کر بتا سکتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۸ھ۔

خواب میں اللہ تعالیٰ کی سواری دیکھنے کا حکم

سوال[۱۰۱۵۹]: سائل کا بیان ہے کہ میری عمر ۴۴ سال ہے، بچپن سے کبھی کبھی یہ خواب دیکھتا ہوں کہ جیسے کسی کی سواری اڑتی ہوئی آرہی ہے اور وہ سواری اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ جیسے نیچے اتر رہے ہیں اور یہ سواری گرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، فوراً میری آنکھ کھل جاتی ہے اور میں بہت پریشان ہوتا ہوں، لیکن آج تک وہ سواری گری نہیں، گرنے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے، اب براہِ کرم اس خواب کی تعبیر دیں۔

---

(۱) "ومن رأى أن الله سبحانه وتعالىٰ حاسبه أو غفر ...... لقي الله في القيامة كذلك". (كتاب الإشارات في علم العبارات لخليل بن شاهين الظاهري المطبوع مع منتخب الكرام في تفسير الأحلام وتعطير الأنام في تعبير المنام، ص: ۴۰۳، دار الفكر)

(وكذا في منتخب الكرام في تفسير الأحلام للإمام محمد بن سيرين المطبوع مع كتاب الإشارات في علم العبارات وتعطير الأنام في تعبير المنام، ص: ۳۹۹، دار الفكر)

(وكذا في تعطير الأنام في تعبير المنام المطبوع مع منتخب الكرام في تفسير الأحلام ومع كتاب الإشارت في علوم العبارات، ص: ۹، دار الفكر)

"ولا جسم لأنه متركب ومتحيز ...... ولا مصور أي: ذي صورة، وشكل مثل صورة انسان، أو فرس". (شرح العقائد النسفية، الدليل على كونه ليس جسماً، ص: ۳۸، ۳۹، قديمى)

(وكذا في النبراس، بحث الكرة، الحي القادر العليم، ص: ۱۱۱، ۱۱۲، حقانيه ملتان)

"﴿فلما تجلى ربه للجبل﴾ فإن التجلي على وجهين: ظهور بالروية أو الدلالة، والرؤية مستعلية في الله تعالىٰ فهو ظهور آياته التي أحدثها لحاضري الجبل". (أحكام القرآن للجصاص: ۵۴/۳، دار الكتاب)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ جس کو حاصل کرنا آپ کی توجہ پر موقوف ہے، غفلت سے حاصل نہیں ہوتی، اتباع سنت اور پورے دھیان کے ساتھ متوجہ رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

خواب میں جسد پاک میں کیڑے دیکھنا

سوال [۱۰۱۶۰]: ایک رضاخانی نے اپنی تقریر میں ایک خواب بیان کیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر کیڑے پڑ گئے، ایک صالح سے دریافت کیا، تو مجھ سے فرمایا کہ امت کے اعمال کی وجہ سے کیڑے پڑ گئے ہیں، مگر رضوی گروہ کے لوگوں نے دین کا کام بہت کیا ہے، تو اچھا ہونے لگا، ایسا خواب غلط ہے یا نہیں؟ مجھے تو امید کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی، رضاخانیوں کی غلط بیانی ہے، میں دیوبندیوں سے تھوڑا سا تعلق رکھتا ہوں، وہیں سے فارغ ہوں، میرا خیال اصح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر کیڑوں وغیرہ سے قطعاً محفوظ ہے، رضاخانی اپنے بدعقائد اور بداعمال سے سنت کو مٹاتے ہیں، اسی سے جو تکلیف روحانی پہنچی ہوگی، وہ اس رضاخانی کو کیڑوں کی شکل میں نظر آئی، اب رضوی گروہ کے لوگ تائب ہوکر تبلیغی جماعت میں آرہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس سے راحت پہنچی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۹۹ھ۔

خواب میں روٹی پر قرآن لکھا ہوا دیکھنا

سوال [۱۰۱۶۱]: ایک رات کو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ روٹیوں پر قرآن پاک لکھا ہوا ہے، کچھ لوگ ان روٹیوں کو زمین میں دفن کر رہے ہیں، میں ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ ان کو اس جگہ دفن مت کرو، یہ راستہ آنے جانے کا ہے، بے ادبی ہوگی، ان کو جنگل میں دفن کردو، مگر ان لوگوں نے دروازے کے آگے ہی دفن کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل قرآن کریم کو روٹی کما لینے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اور بجائے اس پر عمل کرنے کے یہ فکر ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

خواب میں حدیث پڑھنا پڑھانا

سوال[۱۰۱۶۲]: زید ایک روز خواب میں اپنے آپ کو درس حدیث میں حاضر پاتا ہے اور محدث صاحب کو حدیث پڑھانے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، تو اس کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان شاء اللہ حدیث پاک کی برکات زید کو حاصل ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۱۴۰۱ھ۔

خواب میں حج کرنا

سوال[۱۰۱۶۳]: ایک شخص نے روز جمعہ بوقت تین بجے شب جو کہ شب سنیچر بھی کہی جا سکتی ہے، خواب دیکھا کہ حج کو جا رہا ہوں، تو میری بیوی اور والدہ بھی تیار ہو گئیں، ہم چلے بھی گئے، ملنے والے پہنچانے بھی گئے اور کعبہ شریف میں پہنچ بھی گیا، کعبہ شریف کے پاس بیٹھ کر بالو والی زمین کو لکڑی سے ہٹا رہے تھے کہ میرے کانوں میں آواز آئی:

"اللھم لبیك اللھم لبیك"

ہم نے بھی اسی مجمع میں مل کر "اللھم لبیك الخ" شروع کیا اور ہمیں پتہ نہیں میری والدہ اور میری بیوی کہاں ہے، اس مجمع میں ایک آدمی نے کہا، میرے کھانے میں بیس روپے خرچ ہو گئے ہیں اور میری آنکھ کھل گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب ماشاء اللہ مبارک ہے، اگر آپ کے ذمہ حج فرض ہے تو جلد از جلد تیاری کیجئے، اگر فرض نہیں تو

دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ انتظام فرمادے، میں بھی دعا کرتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۹۴ھ۔

دشمن کے ہاتھوں گرفتار بیٹے کو خواب میں حج کر کے آیا ہوا پایا

سوال [۱۰۱۶۴]: ۱..... بنگال کے ایک شخص کا لڑکا عبدالمبارک ۱۹۷۱ء کی ہندوپاک کی جنگ میں ہندوستانی فوج کے ہاتھ گرفتار ہوگیا تھا، اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں زندہ ہے یا وفات پا گیا، اس کے باپ نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھوں میں گھڑی باندھی ہے اور کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارے لڑکا عبدالمبارک حج کرکے آگیا ہے۔

نوٹ: والد نے نذر مانی تھی کہ اگر لڑکا زندہ آگیا، تو اس کو حج کرنے بھیج دوں گا۔

۲..... اس کے بعد دوسرا خواب دیکھا کہ لڑکے کے والد اپنے والد مرحوم سے کہہ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ سے خط بھیجو، میں پیسہ روانہ کردوں گا، اس خواب سے متعلق یہ بات ہے کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کی طرف حج بدل کررہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... پہلے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لڑکا انشاء اللہ تعالیٰ اچھے حال میں ہے اور اس سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ ان سے تائب ہوگیا (۲)۔

۲..... اس میں اشارہ ہے کہ حج بدل کرانے کی وجہ سے والد خوش ہیں اور جو کچھ حج بدل میں خرچ ہوا ہے، اس سے بہت زیادہ حق تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر خواب میں دیکھے کہ اس نے حج کیا ہے، تو حق تعالیٰ اس کے نصیب میں حج کرے گا۔ (تعبیر الرؤیا، ص: ۲۲۳، ادارہ اسلامیات)

(۲) "خواب میں حج کرنا، بیت اللہ کا طواف کرنا اور مناسک حج میں سے بعض کو ادا کرنا دینی درستگی اور دین پر استقامت، ثواب ملنے، خوف سے مامون ہونے پر دلالت کرتا ہے..... اور اگر گمراہی کے راستہ پر چل رہا ہے تو راہ راست پر آئے گا"۔ (خواب اور تعبیر تعطیر الأنام في تعبیر المنام، ص: ۲۰۱، ادارہ اسلامیات)

خواب میں وضو کرتے ہوئے مینار دیکھنا

سوال[۱۰۱۶۵]: مجھے خواب میں نظر آیا کہ وضو کررہا ہوں، جب مینار کی طرف دیکھا تو مینار آسمان سے زمین تک ہل رہا ہے، اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاءاللہ تعالیٰ اسلامی شعار بلند ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۶/۹۴ھ۔

خواب میں خود کو برہنہ دیکھنا

سوال[۱۰۱۶۶]: عرض ہے کہ اکثر چار چھ روز میں خواب میں اپنے آپ کو برہنہ ننگا دیکھتا ہوں اور خواب میں ہی شرمندہ ہوں، اس لئے آپ صاحبان سے گزارش ہے کہ میرے خواب کی تعبیر برائے کرم روانہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب ماشاءاللہ مبارک ہے، یہ اشارہ ہے کہ اپنے اندر جو عیوب اور گناہ ہیں، وہ سامنے آرہے ہیں(۱)، ان کی اصلاح کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، حق تعالیٰ توفیق دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

خواب میں استاد کو برہنہ دیکھنا

سوال[۱۰۱۶۷]: میں نے خواب میں اپنے استاد کو دیکھا کہ برہنہ حالت میں کہیں جارہے ہیں، میں نے ان سے نرمی سے پوچھا کہ اس طرح کہاں جارہے ہیں اور میں نے ان کو اس حالت میں اپنی گود میں اٹھا لیا، تاکہ ان کو کپڑے پہنالوں، بس فوراً ہی میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

---

(۱) حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خواب میں برہنہ ہونا صالح مرد کے لئے خیر اور نیکی ہے۔ (تعبیر الرؤیا، ص: ۱۴۱، ادارہ اسلامیات)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب مبارک ہے، اشارہ ہے کہ استاد محترم اس دنیا کے فانی لباس کو ترک کر کے لباس التقویٰ اختیار کررہے ہیں اور آپ غایت تعلق کی بناء پر خیر خواہی اس میں سمجھ رہے ہیں کہ اسبابِ دنیا کو وہ ترک نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

خواب میں کیکر کی ڈالی میں چمبیلی کے پھول دیکھنا

سوال[۱۰۱۶۸]: ایک رات کو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک ڈالی کیکر کی سوکھی زمین پر پڑی ہے، کیکر کی ڈالی پر چمبیلی کے پھول اور یہ ڈالی قبرستان میں پڑی دیکھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسا اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ نااہل کو بھی اہل بنا کر اس سے کام لے لیتے ہیں، نااہل سے بھی اہل کو پیدا فرمادیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/۶/۱۴۰۰ھ۔

خواب میں کوڑھ والے آدمی کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھنا

سوال[۱۰۱۶۹]: خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سال سے دیکھ رہا ہوں کہ کوڑھ والا آدمی میرا پیچھا کرتا ہے، جس کے سارے بدن پر زخم ہیں، کبھی ایک آدمی مجھے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دو آدمی، مجھے بہت زیادہ ستاتے ہیں، میں بھاگتا ہوں اور مجھے یہ لوگ زبردستی پکڑنا چاہتے ہیں، اسی طرح چھ دفعہ دیکھا، آج سے چار روز پہلے خواب میں دیکھتا ہوں کہ میرے بدن میں سفید داغ ہوگیا ہے، دو جگہ نیند ٹوٹی، بہت گھبرایا، صبح خیال کیا تو بدن میں کچھ نہیں ہے، اب کافی ڈر محسوس کرتا ہوں، براہِ کرم اس خواب کی تعبیر بتائیں اور چھٹکارا کا کوئی راستہ بتائیں، تا کہ اللہ تعالیٰ اس بیماری سے دور رکھے، میری عمر اکتیس سال دو ماہ ہے، میرا پیشہ درزی کا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے کچھ حقوق آپ کے ذمہ رہ جاتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ جو لوگ

کپڑا سلوانے آتے ہیں، ان کا کچھ کپڑا بچا ہوا رہ جاتا ہو یا اور کوئی صورت ہو، غلط آمدنی کھانے سے اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں، خوب سوچ کر جس جس کا حق ذمے ہے، اس کو دے دیں اور معافی چاہیں، اللہ کے سامنے بھی توبہ کریں، اللہ آپ کو محفوظ رکھے، ہر غلط آمدنی سے بچائے، حلال روزی برکت والی عطا فرمائے (آمین)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۱۳۹۹ھ۔

خواب میں حیض والی گدی سے استنجاء خشک کرتے ہوئے دیکھنا

سوال [۱۰۱۷۰]: خادم نے ایک خواب دیکھا ہے، وہ یہ کہ میں قضائے حاجت کے لئے بیت الخلا میں گیا تو قضائے حاجت کے بعد استنجاء خشک کرنے کے لئے بجائے مٹی کے ڈھیلے کے، عورتوں کی ماہواری حیض کی گدی سے استنجاء کر رہا ہوں، یہ خواب دو پہر میں قیلولہ میں سوتے وقت دیکھا، اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلیہ کے ساتھ مباشرت میں اس کا خیال رکھا کریں کہ وہ ماہواری سے فارغ ہونے کے بعد پوری طرح غسل کر کے پاک صاف ہو جائے، تب مباشرت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

کتاب الطہارۃ

باب في نواقض الوضوء

(نواقضِ وضو کا بیان)

کیا آنکھ کے زخم کا پانی ناقضِ وضو ہے؟

سوال [۱۰۱۷۱]: زید کی آنکھ سے بعض مرتبہ کسی تکلیف کی وجہ سے پانی آتا ہے اور زید امام بھی ہے اور یہ پانی نماز پڑھنے کے دوران بھی آجاتا ہے، ایسی صورت میں نماز درست ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اندرونِ جسم کوئی زخم ہے اس سے مواد کی صورت میں پانی آجاتا ہے، تو یہ ناقضِ وضو اور مفسدِ صلوۃ ہے، اگر یہ بات نہیں تو ناقضِ وضو اور مفسدِ صلوۃ نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۱۲/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "لاینقض لو خرج من أذنه ونحوها كعينه وثديه قيح ونحوه كصديد وماء سرة وعين لابوجع، وإن خرج به أي: بوجع نقض؛ لأنه دليل الجرح". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف: ۱/۱۴۷، سعيد)

"الطاهر إذا خرج من السبيلين نقض الوضوء كالريح بخلاف غير السبيلين كالدمع والعرق ... إن كان الماء يسيل من الجرح ينقض الوضوء". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۸۴، رشيديه)

"الدم، والقيح، والصديد، وماء الجرح، والنفطة، والسرة، والثدي، والعين، والأذن لعلة سواء على الأصح. ولوصب دهناً في أذنه فمكث في دماغه ثم سال من أذنه أو من أنفه لاينقض الوضوء". =

کیا صرف لیٹنا ناقض وضو ہے؟

سوال[۱۰۱۷۲]: مسائل کی کتاب میں لکھا ہے کہ چت یا کروٹ سونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ کیا صرف چت یا کروٹ سونے سے ٹوٹ جاتا ہے یا نیند لگنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صرف لیٹنے سے وضونہیں ٹوٹتا، خواہ چت لیٹے یا کروٹ پر، نیند لگنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے(۱)، چاہے کروٹ سے لگی ہو یا چت سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۶ھ۔

پلوتھا مارے ہوئے نیند کا حکم

سوال[۱۰۱۷۳]: کوئی شخص باوضو پلوتھا(۲) مار کر نماز کی حالت کی طرح بیٹھا ہوا ہے، داخل نماز

= (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الأول، الفصل الخامس في نواقض الوضوء: ۱/۱۰، رشيديه)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "وكاء السه العينان، فمن نام فليتوضأ" رواه أبو داود.

قال الشيخ الإمام محي السنة، رحمه الله تعالىٰ: هذا في غير القاعد (هذا) أي: هذا الحكم (في غير القاعد) أي: من النائمين يعني هذا فيمن نام مضطجعاً، فأما من نام قاعداً ممكناً مقعده من الأرض ثم استيقظ ومقعده ممكن كما كان فلا يبطل وضوءه وإن طال نومه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۳۱۶: ۲/۳۶، رشيديه)

"وينقضه حكماً نوم يزيل مسكة أي: قوة الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم على أحد جنبيه أو وركيه أو قفاه أو وجهه وإلا يزول مسكة لا ينقض وإن تعمده في الصلاة أو في غيرها على المختار كالنوم قاعداً، ولو مستنداً إلى ما لو أزيل لسقط، على المذهب، وساجداً أو محتبياً ورأسه على ركبتيه أو شبه المنكب الخ". (الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في نواقض الوضوء: ۱/۱۴۱، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الأول، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ومنها النوم: ۱/۱۲، رشيديه)

(۲) "پلوتھا: سرین کے بل بیٹھنے کا خاص طریقہ"۔ (نور اللغات، ص: ۸۴۸، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

نہیں ہے، نیند آ گئی اس حالت میں اس کا ایک پاؤں زمین پر ٹک گیا، مگر نیند فوراً ٹوٹ گئی، تو وضو باقی رہا یا جاتا رہا؟ نیز ہاتھ ٹیکنے کے تھوڑی دیر بعد دونوں صورتوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ اسی طرح بیٹھا رہا، بیٹھنے کی جگہ زمین سے نہیں اٹھی، تو وضو برقرار ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وينقضه حكماً نوم يزيل مسكة أي: قوة الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض ...... وإلا يزيل مسكة لاينقض، وإن تعمده في الصلاة أو غيرها على المختار، كالنوم قاعداً.

(قوله: كالنوم) مثال للنوم الذي لايزيل المسكة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب نواقض الوضوء: ۱/۱۴۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء: ۱/۵۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء: ۱/۳۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب الغسل

(غسل کا بیان)

نطفۂ ناپاک سے پیدا ہونے والا کیسے پاک ہوسکتا ہے؟

سوال[١٠١٧٤]: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ جب کہ انسان کا وجود ہی نطفہ سے ہے، تو غسل سے اور وضو سے کیسے پاک ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قطرۂ ناپاک کی ماہیت بدل دی گئی، اس کو اشرف المخلوقات بنادیا(١)، اب اگر وہ ناپاک ہوجائے تو اس کے پاک ہونے کی صورت بتادی گئی۔

﴿إذا قمتم إلى الصلوة فاغسلوا وجوهكم﴾ ﴿وإن كنتم جنبا فاطهروا﴾(٢)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(١) قال الله تعالى: ﴿ولقد خلقنا الإنسان من سلالة من طين ○ ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظم لحماً ثم انشأناه خلقا آخر فتبرك الله أحسن الخلقين﴾ (المؤمنون: ١٢-١٤)

"فهذا يدلك على أن الإنسان أحسن خلق باطناً وظاهراً جمال هيئة وبديع تركيب، الرأس بما فيه، والصدر بما جمعه، والبطن بما حواه، والفرج وما طواه، واليدان وما بطشتاه، والرجلان وما احتملتاه؛ ولذلك قالت الفلاسفة: إنه العالم الأصغر، إذ كل ما في المخلوقات جمع فيه". (أحكام القرآن للقرطبي، التين: ٢٠/٨٣، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، التين: ٣٠/١٧٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) (المائدة: ٦)

الفصل الأول في فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

غسل میں کلی کا بھول جانا

سوال[۱۰۱۷۵]: غسل کرتے وقت اگر کلی کرنا بھول جائے جب یاد آ جائے، کر لینا۔ مسائل کی کتاب میں لکھا ہے کہ کیا جسم کے سوکھ جانے کپڑے وغیرہ پہننے کے بعد بھی کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واجب ادا کرتے ہوئے کلی کرنا یاد نہ رہا، تو بدن خشک ہونے سے پہلے یا بعد میں جب بھی یاد آئے، کلی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ترک المضمضة او الاستنشاق أو لمعة من أي موضع كان من البدن ناسياً فصلى، ثم تذكر ذلک يتمضمض أو يستنشق أو يغسل اللمعة، ويعيد ما صلى إن كان فرضاً لعدم صحته". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فرائض الغسل، ص: ۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

"(وإذا نسي المضمضة والاستنشاق في الجنابة حتى صلى لم يجزه) وهو عندنا؛ فإن المضمضة والاستنشاق فرضان في الجنابة، سنتان في الوضوء". (كتاب المبسوط، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل: ۱/۱۷۷، مكتبه غفاريه)

"نسي المضمضة أو جزأ من بدنه فصلى، ثم تذكر فلو نفلاً لم يعده لعدم صحة شروعه".

(قوله: نسي المضمضة) أي: في الغسل المفروض (قوله: فلو نفلاً لم يعد) وأما الفرض فيطالب بأدائه لعدم انعقاده". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، كتاب الطهارة: ۱/۸۹، دار المعرفة بيروت)

الفصل الثاني في موجبات الغسل
(موجباتِ غسل کا بیان)

کیا شراب موجبِ غسل ہے؟

سوال[۱۰۱۷۲]: شراب پی کر وضو کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ نشہ نہ ہو۔ رات کو شراب پی تھی، صبح بغیر غسل کئے صرف وضو کر کے نماز پڑھی گئی، تو آیا غسل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب پینا حرام ہے۔ اس کے پینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے(۱) اور قرآنی حکومت

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنو إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لعن الله الخمر، وشاربها، وساقيها، وبائعها، ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، والمحمولة إليه". (سنن أبي داود، كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر: ۱۶۲/۲، رحمانيه لاهور)

"اقتضت هذه الأية تحريم الخمر من وجهين: أحدهما قوله: (رجس) لأن الرجس اسم في الشرع لما يلزم اجتنابه؛ ويقع اسم الرجس على الشيء المستقذر النجس، وهذا أيضاً يلزم اجتنابه فأوجب وصفه إياها بأنها رجس لزوم اجتنابها، والوجه الأخر: قوله تعالى: ﴿فاجتنبوه﴾ وذلك أمر والأمر يقتضي الإيجاب، فانتظمت الأية تحريم الخمر من هذين الوجهين". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة، باب تحريم الخمر: ۶۲۸/۲، قديمي)

"(وحرم قليلها وكثيرها) بالإجماع (لعينها) أي: لذاتها وفي قوله تعالىٰ: ﴿إنما الخمر والميسر﴾ الآية، عشر دلائل على حرمتها مبسوطة في المجتبى وغيرها". (الدر المختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، ۴۴۹، سعيد)

ہوتو حد بھی جاری کرنے کا حکم ہے(۱)۔تاہم اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، بلا غسل بھی وضو کر کے نماز درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۷/۳/۱۴۰۱ھ۔

ایضاً

سوال[۱۰۱۷۷]: ایک شخص نمازی ہے، مگر کمبخت شرابی ہے، بعد نمازِ عشاء شراب پیتا ہے، تو وہ صبح کی نماز بغیر غسل کے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب پینا کبیرہ گناہ ہے، اس پر لعنت ہوتی ہے(۳)، مگر اس سے غسل واجب نہیں ہوتا(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "يحد مسلم، ناطق، مكلف، شرب الخمر ولو قطرة ...... ثمانين سوطاً". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب حد الشرب: ۳۷/۴، ۴۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد الشرب: ۴۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السادس في حد الشرب: ۱۶۰/۲، رشيديه)

(۲) "المعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة حالة النوم واليقظة، والتقاء الختانين من غير إنزال، والحيض، وكذا النفاس بالإجماع". (الهداية، كتاب الطهارة، فصل في الغسل: ۳۱/۱، ۳۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"يفترض الغسل بواحد من سبعة أشياء: أولها: خروج المني إلى ظاهر الجسد إذا انفصل عن مقره، وهو الصلب بشهوة، وكان خروجه من غير جماع كاحتلام ...... ومنها: تواري حشفة، وتواري قدرها من مقطوعها في أحد سبيلي آدمي حي فيلزمهما الغسل ...... ومنها: وجود ماء رقيق بعد الانتباه من النوم ...... ومنها: وجود بلل ظنه منيا بعد إفاقته إن سكر وبعد إفاقته من إغماء احتياطاً. ويفترض بحيض، ونفاس بعد الطهر من نجاستهما بالانقطاع إجماعاً". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الطهارة، فصل مايوجب الاغتسال، ص: ۹۶، ۱۰۰، قديمى)

(وكذا في مختصر القدوري، كتاب الطهارة، ص: ۷، ۸، قديمى)

(۳) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا شراب موجبِ غسل ہے؟"۔

(۴) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا شراب موجبِ غسل ہے؟"۔

باب التیمم

(تیمّم کے احکام کا بیان)

تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کا حکم

سوال[۱۰۱۷۸]: میرا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اور میں ایک چھوٹے سے بچے کی ماں ہوں، رات میں اپنے شوہر سے ہمبستری کرتی ہوں اور مجھے صبح میں فجر سے پہلے پانی سے نہانے کا موقع نہیں ملتا ہے، کیا جسم میں جہاں نجاست لگی ہو، اُسے دھوکر تیمّم کرکے فجر کی نماز ادا کرسکتی ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک عذر شرعی نہ ہو، تیمّم کافی نہیں، دیر میں اٹھنا وقت تنگ ہوجانا عذر نہیں، اس لئے تیمّم کی اجازت نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۸/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا يتيمم لفوت جمعة، ووقتٍ، ولو وتراً؛ لفواتها إلى بدل". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۱/۲۴۶، سعيد)

"الأصل: أن كل موضع يفوت فيه الأداء لا إلى الخلف، فإنه يجوز له التيمم، وما يفوت إلى خلف، لايجوز له التيمم كالجمعة، كذا في الجوهرة النيرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، الفصل الثالث في المتفرقات: ۱/۳۱، رشيديه)

"ولو خاف خروج الوقت لو اشتغل بالوضوء في سائر الصلاة ماعدا صلاة الجنازة والعيد لايتيمم عندنا، بل يتوضوء ويقضي الصلاة وإن خرج الوقت". (الحلبي الكبير، فصل في التيمم، ص: ۸۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

أحكام المعذورين

(معذور کے احکام کا بیان)

معذور کی تعریف اور حکم

سوال[۱۰۱۷۹]: مسئلہ یہ ہے کہ ناچیز ایک بیماری میں مبتلا ہے۔ مجھے ریح کی بیماری ہے، وضو کرتا ہوں، لیکن بار بار پیچھے کی راہ سے ہوا نکل جاتی ہے، کوئی پانچ منٹ کے بعد یا دس منٹ کے بعد یا پندرہ منٹ کے بعد ہوا نکلتی رہتی ہے، کئی بار تو ایک منٹ بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہوا نکل جاتی ہے، اس وجہ سے مجھے نماز میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ مہربانی فرما کر کچھ راستہ بتایئے، کہ اس کے بارے میں شریعت کا کیا مسئلہ ہے؟ بار بار وضو چلے جانے کی وجہ سے میں نماز کو ایک بار وضو کر کے ادا کر لیتا ہوں، تو نماز ہوگئی یا نہیں اور اس طرح ادا کی ہوئی نماز کو لوٹانا پڑے گا یا نہیں؟ یا نماز ہو جائے گی۔

کبھی کبھی جاگ کر اٹھنے کے بعد کبھی کبھی وضو ۲۰ یا ۲۵ منٹ تک رہتا ہے یا کبھی آدھ گھنٹہ تک بھی رہتا ہے روزانہ پانچ وقت کی نماز میں سے ایک دو بار کی نماز میں ہی ایسا نہیں ہوتا، باقی اکثر ٹائم بھی ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہوا نکلنے کا ایسا موقع کبھی کبھی پیش آتا ہے، باقی اکثر ٹائم پر ہوا چھوڑتی رہتی ہے۔ مجھے یہ بیماری دو تین سال سے ہے، میری ابھی تک تو نمازوں کو ایک بار ہی وضو کر کے ادا کرتا رہتا ہوں پر دو تین بار بھی وضو کیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک دفعہ آپ اندازہ کر لیں اس طرح کہ مثلاً: مغرب کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب ہوتا ہے اس پورے وقت میں اگر آپ کو اتنا وقت بھی نہ ملے، کہ آپ وضو کر کے مغرب کی نماز اس وضو سے ادا کر سکیں، بلکہ ہوا نکلتی رہے تو آپ معذور ہیں(۱)۔ آپ کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کا وقت آنے پر تازہ وضو کر لیا کریں، پھر جب

---

(۱) "(والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والذي ابتلي به يوجد فيه) هذا تعريف المعذور في حالة البقاء، وأما في حالة الابتداء فإن يستوعب استمرار العذر وقت الصلاة كاملاً". (مجمع الأنهر، =

دوسری نماز کا وقت آئے ،تو پھر وضو کرلیں (۱)۔

غرض ایک وقت کی نماز کے لئے ایک وضوکافی ہے اور دوسری وقت کی نماز کے لئے دوسرا وضو کریں، جب تک وقت باقی رہے گا اس وضو سے نماز درست ہوگی ،غرض اس طرح وقت کے اندر اندر ہوا نکلنے سے دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں، پھر آپ معذور ہی رہیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت کی نماز کا حال ایسا ہی رہے، بلکہ پورے وقت میں ایک دوبار ہوا نکلتی رہے تب ہی معذور ہوں گے، اگر چہ ۲۰، ۲۵ منٹ تک ہوا نہ نکلے۔ جب کسی ایک نماز کا پورا وقت مثلاً: مغرب کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ اس طرح گزر جائے کہ بالکل ہوا نہ نکلے تو آپ معذور نہیں رہیں گے (۲) پھر

= كتاب الطهارة، فصل في المعذور: ۱/۸۵، مكتبه غفاريه كوئته)

"وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث" (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۳۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع، ومما يتصل بذلك أحكام المعذور: ۱/۴۰، ۴۱، رشيديه)

(۱) "وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً، فإذا خرج الوقت بطل أي: ظهر حدثه السابق". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۳۰۵، ۳۰۶، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثامن وضوء المعذور: ۱/۴۴۳، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، فصل في المعذور: ۱/۸۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لأنه الانقطاع الكامل". (قوله: وفي حق الزوال) أي: زوال العذر، وخروج صاحبه عن كونه معذوراً (قوله: تمام الوقت حقيقة) أي: بأن لايوجد العذر في جزء منه أصلاً فيسقط العذر من أول الانقطاع" (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۱/۳۰۵، سعيد)

"ثم إذا انقطع وعاد في وقت آخر إن استمر العذر وقتاً كاملاً كان صاحب عذر وإلا فلا". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، قبيل باب الأنجاس: ۱/۱۵۵، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر، كتاب الطهارة، فصل في المعذور: ۱/۸۲، مكتبه غفاريه كوئته)

جب بھی ہوا نکلے دوبارہ وضو کی ضرورت ہوگی۔ خدائے پاک آپ کو شفاعطا فرمائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

تقاطرِ مذی کا حکم

سوال[۱۰۱۸۰]: زید کو دو دن تک مذی کے قطرات نکلتے ہیں، پھر دو دن بند ہو کر پھر یہ مرض شروع ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بیماری میں شمار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بحالتِ قیام نماز پڑھنے وقت رکوع وسجود میں مذی کے قطرات نکلتے ہیں اور بیٹھ کر نہیں نکلتے، تو نماز بیٹھ کر پڑھنی چاہیے(۱)، اگر دو روز یہ حالت رہتی ہے کہ نماز پڑھنے کا وقت بغیر قطرات کے نہیں ملتا، تو وہ دو دن میں معذور ہے، پھر جب یہ حالت نہیں رہتی، تو وہ معذور نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وما لو صلى قائماً سلس بوله، ولو صلى قاعداً لا، فإنه يصلي قاعداً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۹۹/۲، رشيديه)

"وكذا إن صلى قائماً سلس بوله أو سال جرحه أو لم يقدر على القراءة، ولو صلى قاعداً لم يصبه شيء يصلي قاعداً، كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱۳۶/۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلوة المريض، ص: ۴۳۱، قديمى)

(۲) "وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث ...... وهذا شرط العذر في حق الابتداء، وفي حق البقاء، كفى وجوده في جزء من الوقت ولو مرة. وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لأنه الانقطاع الكامل".

(الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۳۰۵/۱، سعيد)

"شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلاة كاملاً وهو الأظهر كالانقطاع=

طہارت ونماز میں وہم

سوال[۱۰۱۸۱]: گزارش یہ ہے کہ احقر کوشک اور وہم کا مرض ہے، غسل وغیرہ یا دوسری پاکی میں تسلی نہیں ہوتی، انتہاء یہ کہ پانی ڈالتا ہوں، لیکن پھر بھی وہم باقی رہتا ہے، وضو ہے یا کسی قسم کی طہارت ہے؟

حتیٰ کہ نماز میں بھی دعا نہیں پڑھتا ہوں اور مکرر پڑھتا ہوں، بار بار یہی وسوسہ لگا رہتا ہے، وضو کریں یا نماز پڑھے اور اعادہ کرتا رہتا ہوں۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں عریضہ تحریر کیا ہے، تا کہ جناب مجھے کوئی وظیفہ یا تعویذ بتائیے، تو میری یہ حالت بدل جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ "لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم" کثرت سے پڑھا کریں(۱) اور کچھ مدت کی

= لايثبت مالم يستوعب الوقت كله ...... وشرط بقائه أن لايمضي عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلي به يوجد فيه هكذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، ومما يتصل بذلك أحكام المعذور: ۱/۴۰، ۴۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، فصل في المعذور: ۱/۸۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "وضد جميع وساوس الشيطان ذكر الله بالاستعاذة والتبري عن الحول والقوة، وهو معنى قولك: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، وذلك لايقدر عليه إلا المتقون الغالب عليهم ذكر الله تعالىٰ". (إحياء علوم الدين، كتاب شرح عجائب القلب، بيان تسليط الشيطان على القلب بالوساوس ...... الخ: ۳/۳۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتي الشيطان أحدكم، فيقول: من خلق كذا؟ من خلق كذا؟ حتى يقول: من خلق ربك؟ فإذا بلغه؛ وليستعذ بالله ولينته".

(فليستعذ بالله) طرداً للشيطان إشارة إلى قوله تعالىٰ: ﴿إلا عبادك منهم المخلصين﴾ وإيماء إلى قوله عليه الصلوة والسلام: "لاحول ولا قوة إلا بالله" فإن العبد بحوله وقوته ليس له قوة المغالبة مع الشيطان ومجادلته، فيجب عليه أن يلتجئ إلى مولاه يعتصم بالله من الشيطان الذي أوقعه في هذا الخاطر الذي لا أقبح منه ...... الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الوسوة، رقم =

بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں، حق تعالیٰ آپ کو اس پریشانی سے نجات دے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۸ھ

☆......☆......☆......☆......☆

= الحديث: ٦٥: ١/٢٢٦، رشيديه)

"وأما قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فليستعذ بالله ولينته: فمعناه إذا عرض له هذا الوسواس فليلجأ إلى الله تعالىٰ في دفع شره عنه، وليعرض عن الفكر في ذلك". (شرح صحيح مسلم للنووي، باب بيان الوسوسة في الإيمان: ١/١٥٥، المطبعة المصرية ومكتبتها)

باب في الأنجاس وتطهيرها

(نجاست اور اس سے پاکی کا بیان)

کتے کی قے اور پائخانہ سے مسجد کو پاک کرنا

سوال[۱۰۱۸۲]: زید نے جب کہ وہ مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوا، تو اندرونی حصہ میں ایک سمت کتے کا پاخانہ دیکھا اور دوسری طرف اس کی قے مشاہدہ کی، تو مسجد کی صفائی اور مشکوک صفوں کی پاکی کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا محض قے کو اس کے مقام سے دور کردینا کافی ہوگا، یا شک وشبہ کے ماتحت تمام مسجد اور سب صفوں کو دھوکر پاک کرنا ضروری ہے؟ اور کتنی مرتبہ دھونا درست ہوگا؟ صرف سرسری اور محدود صفائی سے زید کو اطمینان نہیں ہے، اس لئے جب سے یہ صورت پیش آئی ہے، مسجد مذکور میں نماز ادا کرنے کے بجائے گھر پر ہی نماز ادا کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس کا کچھ جواز ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ ''مسجد یا صف پر'' کتے کا پاخانہ یا قے موجود ہو، اس کو صاف اور پاک کردینا ضروری ہے۔ تب اس جگہ نماز پڑھی جائے۔ تمام مسجد اور تمام صف کا پاک کرنا ضروری نہیں (۱)۔ شک کو ختم کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''هي ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث ومكانه أي: موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخرى وموضع سجوده اتفاقاً في الأصح، لاموضع يديه وركبتيه على الظاهر إلا إذا سجد على كفه كما سيجيء من الثاني أي: الخبث، لقوله تعالى: ﴿وثيابك فطهر﴾. فبدنه ومكانه أولى لأنها ألزم''. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

''(يجب) أي: يفترض (على المصلي) أي: من يريد أن يصلي قبل الشروع في الصلاة (أن يزيل النجاسة) المانعة (عن بدنه وثوبه والمكان الذي يصلي فيه) أي: عليه ... أو المراد المكان الذي يقع فعل =

ناپاک گھی اور مٹی کے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۱۰۱۸۳]: کسی گھی یا دودھ کے مٹی کے برتن میں چوہا گر کر مر جائے تو اس دودھ یا گھی کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس برتن کا دھونے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ عوام میں مشہور ہے کہ مٹی کے برتن میں چوہا مر جائے یا کتا مٹی کے برتن میں منہ ڈال دے، تو وہ مٹی کا برتن دھونے سے بھی پاک نہیں ہوتا، کیا اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گھی اگر جما ہوا ہے تو چوہا نکال کر اس کے آس پاس سے تھوڑا تھوڑا نکال کر پھینک دے، باقی پاک ہے(۱)، اگر گھی پتلا بہتا ہوا ہے، تو سب ناپاک ہو گیا اس کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس میں اس کے برابر پانی ملا کر آگ پر پکایا جائے، جو پانی سے جل جائے، تو پھر اتنا ہی پانی ڈال کر پکایا جائے، اسی طرح تین دفعہ پکانے سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ گھی کے برابر پانی ملا کر رکھ دیا جائے، جب گھی اوپر آجائے اور پانی نیچے رہ جائے تو گھی کو الگ کر لیا جائے، پھر اسی طرح کیا جائے، تین دفعہ اس طرح کرنے سے پاک ہو جائے گا(۲)۔

= الصلاة فيه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الثاني الطهارة، ص: ۱۷۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۵، رشيديه)

(۱) "أن فأرة وقعت في سمن، فماتت، فسئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: "ألقوها وماحولها وكلوه" رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد، باب مايحل أكله: ۲/۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"الفأرة لو ماتت في السمن إن كان جامداً قورماحوله ورمي به، والباقي طاهر يؤكل ... وحد الجامد أنه إذا أخذ من ذلك الموضع لايستوي من ساعته، وإن كان يستوي فهو مائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الأول: ۱/۴۵، رشيديه)

"وتقورنحو سمن جامد بأن لايستوي من ساعته ... لأن السمن الجامد لم يتنجس كله، بل ما ألقي منه فقط". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۴، سعيد)

"ألا ترى أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حكم بطهارة ما جاور السمن الذي جاور الفأرة، وحكم بنجاسة ما جاوراء الفأرة". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، في الفأرة تموت في السمن: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۲) "ويطهر لبن، وعسل، ودبس، ودهن يغلى ثلاثاً". (الدرالمختار). "لو تنجس العسل فتطهيره أن =

دودھ میں چوہا گر کر مر نے سے ناپاک ہوجاتا ہے(۱)۔

مٹی کا برتن تین دفعہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے، خواہ کسی طرح ناپاک ہوا ہو، اس کو مٹی سے رگڑ کر دھو لیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

= يصب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود إلى مكانه، والدهن يصب عليه الماء، فيغلى، فيعلو الدهن الماء، فيرفع بشيء، هكذا ثلاث مرات، وهذا عند أبي يوسف خلافاً لمحمد، وهو أوسع، وعليه الفتوى". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۳۴، سعيد)

"ولو تنجس العسل فتطهيره أن يصب فيه ماء بقدره، فيغلى حتى يعود إلى مكانه والدهن يصب عليه الماء، فيغلى، فيعلو الدهن الماء، فيرفع بشيء، هكذا يفعل ثلاث مرات". (درر الحكام في غرر الأحكام، باب تطهير الأنجاس: ۱/۴۵، مير محمد كتب خانه كراچي)

"تنجس العسل، يلقى في طنجير، ويصب عليه الماء، ويغلى حتى يعود إلى مقداره، هكذا ثلاثاً فيطهر. قالوا: وعلى هذا الدبس، الدهن النجس يغسل ثلاثاً بأن يلقى في الخابية، ثم يصب فيه مثله ماء، ويحرك، ثم يترك حتى يعلو الدهن، فيؤخذ وينقب أسفل الخابية حتى يخرج الماء، هكذا ثلاثاً فيطهر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الأول: ۱/۴۳، رشيديه)

(۱) "فأرة وجدت في قمقمة ولم يدر هل ماتت فيها، أو في جرة، أو في بئر، يحمل على القمقمة". (الدرالمختار). "صورته: ملأجرة من بئر، ثم ملأ قمقمة من تلك الجرة، ثم وجدت في القمقمة فأرة وفي نهاية الحديث: القمقمة مايسخن فيه الماء من نحاس وغيره ويكون ضيق الرأس". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۲۲۸، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، باب الأنجاس، ص: ۱۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الأنجاس: ۱/۲۸، رشيديه)

(۲) "الأواني ثلثة أنواع: خزف وخشب وحديد ونحوها ... فإن كان الإناء من خزف أو حجر وكان جديداً ودخلت النجاسة في أجزائه يحرق، وإن كان عتيقا يغسل". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب الأنجاس: ۱/۱۶۳، دارالمعرفة بيروت)

"دن الخمر إذا غسل ثلاثاً وكان عتيقاً مستعملاً يطهر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۴۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الأنجاس: ۱/۳۳۲، سعيد)

باب الاستنجاء

(استنجاء کا بیان)

استنجاء وغسل کے وقت استقبالِ قبلہ

سوال[۱۰۱۸۴]: آیا مسجد میں غسل خانہ یا استنجاء پاک کرنے کی جگہ اگر اس طریقہ سے بنوائی جائے کہ اگر نہانے کے لئے جائیں یا استنجاء پاک کرنے کی غرض سے جائیں تو قبلہ کی طرف نشست ہوتی ہے۔ اگر دوسری طرف سے کھڑے ہوں یا بیٹھیں تو منہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے یہ درست ہے؟ اگر درست نہیں، تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ مشرح طریقہ سے تحریر فرمائیں۔ اگر ایسے غسل خانہ بنے ہوئے ہوں، تو اس کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

استنجاء پاک کرنے کے لئے قبلہ رو بیٹھنا یا غسل کے لئے قبلہ رو ہونا خلافِ ادب ہے(۱)، اس لئے یا تو ان غسل خانوں کا رخ بدلوا دیا جائے اور اگر دشواری ہو، تو پھر لوگوں کو چاہئے کہ وہ استنجاء پاک کرتے وقت اور غسل کرتے وقت غرض بحالتِ برہنگی قبلہ رو نہ ہوا کریں، بلکہ رخ ذرا بدل کر استنجاء وغسل کریں (۲)۔

---

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء: ۱/۳۴۱، سعید)

"(قوله: لم يكره) أي: تحريماً على ما اختاره التمرتاشي. أما التنزيهية فثابتة لقول الحلبي "تركه أدب". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء: ۱/۱۶۲، دارالمعرفة)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، مطلب في آداب الوضوء، ص: ۲۸، سهيل اكيدمى لاهور)

"وادابه كاذابه سوى استقبال القبلة؛ لأنه يكون غالباً مع كشف عورة. (قوله مع كشف عورة) فلو كان متزراً فلا بأس به". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل: ۱/۱۵۶، سعيد)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري (رضي الله تعالى عنه): أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا". .... =

"كره تحريماً استقبال قبلة، واستدبارها لأجل بول أو غائط، فلو للاستنجاء لم يكره". (در مختار مع هامش الشامي: ۱/۲۲۸).

"لم يكره أي: تحريماً لما في المنية: أن تركه أدب، ولما مر في الغسل أن من آدابه أن لا يستقبل القبلة؛ لأنه يكون غالباً مع كشف العورة حتى لو كانت مستورة لا بأس به". (شامی، نعمانیه: ۱/۲۲۸).

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ایسے زیور کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا، جس پر اللہ لکھا ہو

سوال[۱۰۱۸۵]: عورتیں جو برائے تزئین شوہر گلے میں ہار پہنی ہوئی ہوں، ان میں بعض جگہ اللہ یا محمد کا نام لکھا ہوتا ہے تو آیا اس ہار کو پہنے ہوئے بیت الخلاء میں جانا کیسا ہے؟ مکروہ ہے، تو اس کو متعین کریں۔ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟

= قال أبو أيوب: فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت قبل القبلة فننحرف ونستغفر الله". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قبلة أهل المدينة: ۱/۵۷، قديمي)

"قوله: فكنا ننحرف عنها ونستغفر الله تعالى، يعني كنا نجلس مستقبل القبلة نسياناً على وفق بناء المراحيض ثم ننتبه على ذلك الهيئة المكروة، فننحرف عنها، ونستغفر الله تعالى". (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة: ۱/۷، قاسمية ملتان)

"قوله: فننحرف عنها الضمير إما يرجع إلى القبلة فالمعنى: كنا نتخلى فيها، ونميل عن سمت القبلة قدر ما أمكن لنا، ونستغفر الله تعالى من عدم تحويل السمت كاملاً وهو الأقرب" (معارف السنن، باب النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول: ۱/۹۰، سعيد)

"ولو غفل عن ذلك وجلس يقضي حاجته، ثم وجد نفسه كذلك فلا بأس، لكن إن أمكنه الانحراف ينحرف فإنه عد ذلك من موجبات الرحمة، فإن لم يفعل فلا بأس اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المساجد: ۱/۶۵۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نام پاک کے احترام کے خلاف ہے، مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ویکره الدخول للخلاء، ومعه شيء مكتوب فيه اسم الله أو قرآن وفي حاشية الطحطاوي: "لما روى أبو داود والترمذي عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا دخل الخلاء نزع خاتمه أي: لأن نقشه محمد رسول الله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل فيما يجوز به الاستنجاء، ص: ۵۴، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء: ۱/۳۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع: ۱/ ۵۰، رشيديه)

کتاب الصلاۃ

کیا بغیر نماز پڑھے بخشش ہو جائے گی؟

سوال[۱۰۱۸۶]: کچھ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں، بے نمازیوں کو بھی نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ جواب دیتے ہیں: ''تم جو نمازیں پڑھتے ہو، ہمیں علم ہے، ہم انشاء اللہ خدا کے فضل وکرم سے ویسے ہی بخشے جائیں گے''۔ یہ کس حد تک ٹھیک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ وقت کی نماز فرض عین ہے(۱)، اس کے ترک پر سخت وعید آئی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ترک نہیں فرمائی، حالانکہ بخشے بخشائے تھے، تارک نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کا حشر فرعون وہامان وغیرہ کے ساتھ ہوگا(۲)، اس سے بے پروائی اختیار کرنا نہایت خطرناک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خمس صلوات افترضهن الله تعالى، من أحسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن، كان له على الله عهد أن يغفرله، ومن لم يفعل ذلك فليس له على الله عهد، إن شاء غفرله وإن شاء عذبه". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثاني: ۱/۵۸، قديمي)

"هي فرض عين على كل مكلف ..... ويكفر جاحدها بدليل قطعي ..... الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(اعلم) ... (بأن الصلاة) ... (فريضة) أي: مفروضة مقطوع بالحكم بها ... (ثابتة) ...... (بالكتاب) أي: بالقرآن ... (والسنة) ... الخ". (الحلبي الكبير، ص: ۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه ذكر الصلاة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً وبرهاناً ونجاة يوم القيمة، ومن لم يحافظ عليها، لم =

تعزیہ داری چھوڑنے کے لئے نماز چھوڑنے کی شرط

سوال[۱۰۱۸۷]: زید نماز بھی پڑھتا ہے اور تعزیہ داری بھی کرتا ہے، اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم تعزیہ داری چھوڑ دو، تو وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ میں تعزیہ داری اس وقت چھوڑ دوں گا جب کہ نماز بھی چھوڑ دوں گا، بکر نے اس کو شرط سے بچانے کے لئے کہا کہ ٹھیک ہے، تم تعزیہ داری چھوڑ دو اور نماز چھوڑ دو، کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز خدائے پاک کا فریضہ ہے، جس کا ادا کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے(۱)، مروجہ تعزیہ شیطان کی اطاعت ہے، شیطان کی اطاعت سے روکنے کے لئے یہ شرط لگانا کہ خدا کا فریضہ بھی ترک کردے گا، یہ غلط ہے۔ اس کا کسی کو بھی حق نہیں، لہٰذا زید کا شرط لگانا بھی غلط ہے اور بکر کا اس شرط کو منظور کرنا بھی غلط ہے، بکر کو اس کا کوئی حق نہیں، اس کو بھی توبہ لازم ہے، زید بھی شیطان کی اطاعت چھوڑ دے اور خدائے پاک کے فریضہ پر قائم رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۹۶ھ۔

تارکِ نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۱۸۸]: ایک خاص مسئلہ حضور سے دریافت طلب ہے، وہ یہ کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو

= تكن له نوراً ولا برهاناً ولا نجاة، وكان يوم القيمة مع قارون وفرعون وهامان وأبي بن خلف". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: ۱/۵۸، ۵۹، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، رقم: ۶۵۴۰: ۲/۳۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأقيموا الصلوة واتوا الزكوة﴾ (البقرة: ۴۳)

"عن عبدالله بن الصامت (رضي الله تعالىٰ عنه)، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "خمس صلوات افترضهن الله تعالىٰ، من أحسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن ... الخ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث عبادة بن الصامت (رضي الله تعالىٰ عنه): ۶/۴۳۲، رقم: ۲۲۱۹۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"هي فرض عين على كل مكلف". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور دوسری نمازیں بالکل نہیں پڑھتے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ صرف عید و بقر عید کی نماز پڑھتے ہیں اور سال بھر فرض نمازیں اور جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتے، ان کے لئے شریعت کا کیا مسئلہ ہے؟ وہ مسلمان رہ جاتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ اس ترک نماز کی حالت میں فوت ہو جائیں، تو ان کا شریعت کے مطابق مسلمانوں میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور کچھ لوگ کوئی نماز بھی ساری عمر میں نہیں پڑھتے، لیکن نماز سے انکار نہیں کرتے، ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز فرض عین ہے، جو شخص بلا عذر عمداً نماز ترک کردے، قضا پڑھنے کی بھی نیت نہ ہو اور خوف عذاب بھی نہ ہو، تو فقہاء نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے، جیسا کہ مجمع الانہر میں موجود ہے (۱) اور حدیث میں صاف صاف آیا ہے کہ:

"من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر جهاراً"، كما في الجامع الصغير"(۲)

تاہم ایسے شخص کے ساتھ معاملہ مسلمان ہی جیسا کرنا چاہیے، وہ مر جائے تو غسل وکفن ونماز جنازہ کے

---

(۱) "فمن أنكر شرعيتها كفر بلا خوف". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة: ۱/۱۰۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"ويكفر بترك الصلاة متعمداً غير ناوٍ للقضاء، وغير خائف من العقاب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين ۵/۲۰۶، رشيديه)

"هي فرض عين على كل مكلف ... ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانة، أي: تكاسلاً فاسق، يحبس حتى يصلي: لأنه لحق العبد، فحق الحق أحق". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، الترهيب من ترك الصلاة تعمداً وإخراجها عن وقتها تهاوناً: ۱/۱۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۸۵۸۷: ۱۱/۵۲۳۸، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

بعد دفن کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: (بغاة) اهـ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۰، سعيد)

"وأما بيان من يصلى عليه، فكل مسلم مات بعد الولادة يصلي عليه، صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم، لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بر وفاجر" وقوله: "للمسلم ست حقوق وذكر من جملتها: أن يصلى على جنازته من غير فصل". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلى عليه: ۲/۳۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

باب المواقیت

الفصل الأول في أوقات الصلاة

(اوقاتِ نماز کا بیان)

فجر کی نماز کا وقتِ مستحب

سوال[۱۰۱۸۹]: حنفی صاحب کے نزدیک فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور بطریقِ سنت، نماز جماعت کس ٹائم گھنٹہ کے وقت کے مطابق کھڑی ہونی چاہیے؟ میں شرع کے مطابق وقت معلوم کرنا چاہتا ہوں، جو کہ ہمارے آقائے نامدار کا نماز پڑھنے کا وقت تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز، عامۃً صبح صادق ہونے پر اتنی دیر کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ تاریکی ختم ہو کر ایسی حالت ہو جائے کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر صورت پہچان لیں، جس کو عربی میں اِسفار کہتے ہیں(۱)۔

---

(۱) "عن أبي سمرة قال: حدثني أبو طريف: أنه كان شاهداً مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حصن الطائف، فكان يصلي بنا صلاة الفجر حتى لو أن إنساناً رمى بنبله أبصر مواقع نبله". (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلى فيه الفجر أي وقت هو: ۱/۱۲۲، سعيد)

"عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر قال أبو عيسى: حديث رافع بن خديج حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر: ۱/۴۰، سعيد)

"قال عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "ما صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلاة قبل ميقاتها إلا صلاتين: صلاة العصر بعرفة، وصلاة الفجر بمزدلفة" فإنه قد غلس بها، فسمى =

اس کا اندازہ یہ ہے کہ نماز ختم ہونے پر اگر یہ معلوم ہو کہ نماز صحیح نہیں ہوئی، تو دوبارہ قرأت مسنونہ کے ساتھ اس کو سورج نکلنے سے پہلے لوٹایا جائے (۱)۔ اس طرح اس زمانہ کا نمازوں کے وقت کو بیان کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس وقت گھڑی، گھنٹہ، منٹ کا حساب نہیں کیا جاتا تھا، آپ سورج نکلنے سے پندرہ منٹ پہلے نماز ختم کردیں گے تو انشاء اللہ یہ نماز سنت کے موافق ہوگی (۲)۔ طلوع وغروب سال بھر میں مختلف رہتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

= التغليس بالفجر صلاة قبل الميقات؛ فعلم أن العادة كانت في الفجر الإسفار". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۷۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۳۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفارٍ والختم به هو المختار بحيث يرتل أربعين آية، ثم يعيده بطهارة لو فسد، وقيل: يؤخر جداً.

(قوله: ثم يعيده بطهارة) أي: يعيد الفجر أي: صلاته مع ترتيل القراءة المذكوره ويعيد الطهارة لو فسد بفسادها أو ظهر فسادها بعدمها ناسياً. والحاصل: أن حد الإسفار أن يمكنه إعادة الطهارة ولو من حدث أكبر ..... وإعادة الصلاة على الحالة الأولى قبل الشمس". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في نوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۹، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۳۲، ۲۳۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة (رضي الله تعالى عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخراً، وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس .... وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس ..... وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب منه: ۱/۳۹، ۴۰، سعيد)

"ووقت صلاة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس، فإذا طلعت الشمس، فأمسك عن الصلاة قوله: (مالم تطلع الشمس) أي: شيء منها". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۸۱: ۲/۲۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۵۷-۳۵۹، سعيد) .... =

وقت فجر میں تین طرح کا عمل

سوال[۱۰۱۹۰]: جب مسجد کی گھڑی کا وقت ریڈیو کے وقت کے مطابق ہو اور نقشہ طلوع وغروب میں طلوع آفتاب کا وقت سات بج کر ۲۰ منٹ دکھایا گیا ہو۔

''الف'' وضو کر کے سات بج کر دس منٹ پر مسجد میں داخل ہوتا ہے۔اور طلوع آفتاب کا انتظار کرتا ہے اور تیس منٹ گزارنے کے بعد سات بج کر چالیس منٹ پر فجر قضا پڑھتا ہے۔

''ب'' وضو کر کے سات بج کر پندرہ منٹ پر مسجد میں آتا ہے۔اور فوراً دو رکعت نماز فجر ادا کر لیتا ہے۔ جو ۷ بج کر ۱۸ منٹ میں فارغ ہو سکتا ہے۔

دو سنت ۷ بج کر ۳۵ منٹ پر قضا پڑھتا ہے۔''ب'' کا خیال یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے دو منٹ قبل تک، ادا نماز کا وقت ہے۔صرف طلوع آفتاب کے وقت سجدہ حرام ہے۔

''ج'' وضو کر کے سات بج کر ۳۰ منٹ پر مسجد میں داخل ہوتا ہے۔فوراً دو رکعت نماز سنت قضا پڑھ کر دو رکعت نماز فرض قضاء پڑھتا ہے۔

''ج'' کا خیال ہے کہ طلوع آفتاب کا وقت گزر چکا، سورج باہر ہو چکا، چونکہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، لہٰذا نمازِ فجر پڑھنی چاہیے۔

استفسار یہ ہے کہ ان تینوں حضرات۔''الف''،''ب''،''ج'' کے عمل میں کیا کوتاہی ہے؟ کس کو کس جگہ اصلاح کر لینی چاہیے؟ کس کا خیال درست اور کس کا نادرست ہے؟ کس کو نماز لوٹانا واجب ہے کس کو نہیں؟ مسئلہ صرف نمازِ فجر سے متعلق ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ طلوع شمس سے دس منٹ قبل ''الف'' کو نماز کا وقت ملا، پھر بھی اس نے نمازِ فجر ادا نہیں کی، بلکہ بیٹھ گیا، یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور اس نے قضا نماز پڑھی، تو الف گنہگار رہا(۱)۔ کنارۂ آفتاب ظاہر ہونے

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان، ومنها: الوقت: ۱/۵۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن ابن شهاب الزهري قال: قال سعيد بن المسيب: إن أبا قتادة بن ربعي أخبره قال: قال رسول =

سے پہلے تک نمازِ فجر کا وقت رہتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ نماز اور سجدہ اس وقت ہی حرام ہے، غلط ہے(۱)۔ البتہ کنارۂ آفتاب ظاہر ہونے پر نمازِ فجر کا وقت ختم ہوگیا۔ اس وقت سجدہ کرنا بھی منع ہے (۲)۔ البتہ اس کی تحقیق اگر

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : قال الله عزوجل: إني فرضت على أمتك خمس صلوات وعهدت عندي عهداً أنه من جاء يحافظ عليهن لوقتهن أدخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلا عهد له عندي".

(سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في المحافظة على الصلوات: ۱/۷۳، رحمانيه لاهور)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "الذي تفوته صلاة العصر، فكأنما وتر أهله وماله" متفق عليه. ....قال ابن عبد البر: ويحتمل أن يلحق بالعصر باقي الصلوات، وقد نبّه بالعصر على غيرها، وخصت بالذكر لكونها الوسطى فتركها أقبح من غيرها".

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تعجيل الصلوات، رقم الحديث: ۵۹۴: ۲/۲۸۱، رشيديه)

"﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾ .... وإما عن فعلها في الوقت المقدر لها شرعاً فيخرجون عن وقتها بالكلية، كما قاله مسروق وأبو الضحى". (تفسير ابن كثير، الماعون: ۴/۸۱۷، مكتبة دار السلام)

(۱) "عن أبي هريرة (رضي الله تعالىٰ عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : إن للصلاة أولاً وآخراً، وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس .... وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس .... وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب منه: ۱/۳۹، ۴۰، سعيد)

"ووقت صلاة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس، فإذا طلعت الشمس، فأمسك عن الصلاة قوله: (مالم تطلع الشمس) أي: شيء منها". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الأول، رقم الحديث: ۵۸۱: ۲/۲۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۵۷-۳۵۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان، ومنها: الوقت: ۱/۵۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ينهانا =

کی ہے کہ نقشہ طلوع وغروب میں تحریر کردہ وقت صحیح نہیں، بلکہ کنارۂ آفتاب سات بج کر دس منٹ پر ظاہر ہوتا ہے، تو ''الف'' کا اس وقت نماز نہ پڑھنا درست ہوا۔ اور طلوع کے بعد آفتاب کی زردی ختم ہوکر سفیدی نمایاں ہوجائے، اس وقت نماز پڑھنا درست ہوتا ہے(۱)۔ اور ۲۰ منٹ گزرنے پر اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، بلکہ اس سے پہلے ہی سورج کا رنگ صاف ہوجاتا ہے۔

''ب'' نے جو نمازِ فجر ادا کی ہے وہ صحیح وقت پر ادا کی ہے(۲)۔ پھر اگر یہ اندیشہ تھا کہ سنت ختم ہونے سے پہلے ہی کنارۂ آفتاب ظاہر ہوجائے گا، اس لئے اس وقت سنت ادا نہ کی، بلکہ طلوعِ آفتاب کے ۱۵ منٹ بعد قضا پڑھی تو وہ صحیح ہوگی(۳)۔ سنت کا وقت فرض سے پہلے ہے، البتہ فرض کے بعد طلوع سے پہلے سنت کا پڑھنا

= أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات نهي عن الصلاة فيها: ۱/۲۷۶، قديمي)

"(وكره) تحريماً، وكل مالا يجوز مكروه (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهو) (مع شروق) ..... (واستواء) (وغروب إلا عصر يومه) فلا يكره فعله لأدائه. قوله: (مع شروق) وما دامت العين لا تحار فيها فهي في حكم الشروق ..... أقول: ينبغي تصحيح مانقلوه عن الأصل للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ من أنه مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حكم الطلوع".
(ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۰-۳۷۲، سعيد)
(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة، ص: ۱۸۵، ۱۸۶، قديمي)

(۱) (حواله بالا، يعني حتى ترتفع مالم ترتفع الشمس قدر رمح الخ)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۴۷

(۳) "(وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل (وإلا لا)".

(قوله: إذا خاف الخ) علم منه ما إذا غلب على ظنه بالأولى، نهر. وإذا تركت لخوف فوت الجماعة فالأولى أن تترك لخوف خروج الوقت". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۳۰۰، دار المعرفة بيروت)

"ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن تفوته ركعة =

بھی مکروہ ہے(۱)۔

''ج'' کی یہ بات صحیح ہے کہ موت کا بھروسہ نہیں، مگر نماز پڑھنے کے لئے اتنا لحاظ کرنا چاہیے کہ سورج صاف ہوجائے، زردی ختم ہوجائے (۲)۔ اگر یہ بات دل میں پختہ ہوجائے کہ موت کا بھروسہ نہیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ نماز قضا کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۴ھ۔

نمازِ فجر دن کی نماز ہے یا رات کی؟

سوال[۱۰۱۹۱]: زید کہتا ہے کہ فجر کی نماز دن کی نماز ہے۔ عمر کہتا ہے کہ رات کی نماز ہے اور زید اپنی تائید میں جناب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ میرٹھی اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول بطور استدلال پیش کرتا ہے اور عمر نہار عرفی کو استدلال میں پیش کرتا ہے، تو شرعاً فجر کی نماز دن کی نماز ہے یا رات کی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''صلوة النهار عجماء''(۳)، یعنی دن کی نماز میں قرأت زور سے

= ويدرك الأخرى يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد ثم يدخل؛ لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين، وإن خشي فوتها دخل مع الإمام؛ لأن ثواب الجماعة أعظم والثواب بالترك ألزم بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين". (الهداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۱۵۲، شركت علميه ملتان)

(۱) "وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع، لكراهة النفل بعد الصبح" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۷، سعيد)

"فأفاد المصنف أنها لا تقضى قبل طلوع الشمس أصلاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۳۱، رشيديه)

"وإذا تركها فعندهما لا تقضى أصلاً لا قبل طلوع الشمس لكراهة النفل فيه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، ص: ۳۹۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۴۷

(۳) (تفسير الطبري، بني إسرائيل: ۱۵/۱۲۵، دار المعرفة) =

نہیں کی جاتی۔ اس حدیث کے اعتبار سے فجر کی نماز کو دن کی نمازوں میں شمار نہ کرنا بھی درست ہے۔ اس لئے اس میں قرأت زور سے کی جاتی ہے، اس لئے کہ یہ رات کی نماز ہے۔ نیز لغۃً عرفاً دن سورج نکلنے سے شروع ہوتا ہے، اس لئے بھی فجر کی نماز دن کی نمازوں میں داخل نہیں، کیونکہ طلوع شمس سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اصطلاحِ شرع میں نہار (دن) کی ابتداء صبح صادق سے ہوتی ہے (۱)۔ صوم وغیرہ میں اس کا بھی اعتبار کیا گیا ہے اور نمازِ فجر کا وقت صبح صادق ہونے پر شروع ہوتا ہے حتی کہ رات میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی اذان بھی درست نہیں (۲)۔ نمازِ فجر دن کی نمازوں میں داخل ہے، اس لئے نہ یہ اختلاف کی چیز ہے، نہ آپس میں لڑنے

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية: ۴/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(اليوم): معروف مقداره من طلوع الشمس إلى غروبها، أو من طلوع الفجر الصادق إلى غروب الشمس ..... والأخير تعريف شرعي عند الأكثر". (تاج العروس للإمام الزبيدي، فصل الياء من باب الميم: ۹/۱۱۵)

"(اليوم): زمن مقداره من طلوع الشمس إلى غروبها". (المجمع الوسيط: ۲/۱۰۶۷، انتشارات ناصر خسروا طهران ايران)

"یوم: طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا وقت"۔ (القاموس الوحید ص: ۱۷۱۵، ادارہ اسلامیہ لاہور)

"اليوم: معروف مقداره من طلوع الشمس إلى غروبها أو من طلوع الفجر الصادق إلى غروب الشمس ..... والأخير تعريف شرعي عند الأكثر". (تاج العروس للإمام الزبيدي، فصل اليا من باب الميم: ۹/۱۱۵)

"(قوله: اليوم) أي: اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴۵۴، رشيديه)

(۲) "وعند أبي حنيفة ومحمد لايؤذن في الفجر قبله لما رواه البيهقي: أنه عليه الصلاة والسلام قال: يا بلال! لاتؤذن حتى يطلع الفجر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۷، رشيديه)

"وأما بيان وقت الأذان والإقامة، فوقتهما ما هو وقت الصلاة المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لايجزئه ويعيده إذا دخل الوقت في الصلاة كلها؛ في قول أبي حنيفة ومحمد". (بدائع =

اور بحث کرنے کی چیز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۶ھ۔

ظہر اور عصر کا وقت

سوال[۱۰۱۹۲]: ظہر اور عصر کا وقت احادیث کی روشنی میں کون سا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظہر کے وقت کی ابتداء اس وقت سے ہے جب کہ استواء کے بعد زوال ہوکر سایہ بڑھنا شروع ہوجائے اور انتہا اس وقت ہے جب کہ ہر شیٔ کا سایہ اس کے دو مثل ہوجائے، سایۂ اصلی کے علاوہ (۱)۔

= الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/۲۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً، وكذا في الصبح عند أبي حنيفة ومحمد رحمه الله تعالىٰ، وإن قدم يعاد في الوقت هكذا في شرح مجمع البحرين لابن الملك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(۱) "(وأول وقت) (صلاة (الظهر زوال الشمس) أي الجزء الكائن بعيد زوال الشمس عن خط الاستواء من الزمان، وهذا أيضاً بالإجماع (وآخر وقتها عند أبي حنيفة إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال) أي: سوى الفيء الذي يكون للأشياء عند الزوال (وقالا) أي: أبويوسف ومحمد وهو قول الأئمة الثلاثة آخر وقتها (إذا صار ظل كل شيء مثله) سوى فيء الزوال ...... (وأول وقت) صلاة (العصر إذا خرج وقت الظهر على القولين) فعلى قوله إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال على القولين) فعلى قوله إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، وعلى قولهما إذا صار مثله سواء (وآخر وقتها مالم تغرب الشمس) أي الجزء الكائن قبيل غروب الشمس من الزمان وهذا بالإجماع". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، سهيل اكيذمي لاهور)

"واختلف العلماء في أوقات الصلاة مع الاتفاق على أن الصلاة لها أوقات مخصوصة لاتجز =

عصر کے وقت کی ابتداء اس وقت سے ہے جب کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے اور انتہاء غروب شمس تک ہے(۱)۔

ظہر کے وقت کی ابتداء اور عصر کے وقت کی انتہاء میں جمہور کا مسلک بھی یہی ہے۔ ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء میں اختلاف ہے(۲)۔ دلائل سب کے پاس ہیں۔

گرمی میں ظہر کے وقت تاخیر مستحب ہے۔ امام اعظم کی دلیل ظہر کے وقت کی ابتداء کے لئے یہ حدیث ہے۔

"فصلی بي الظهر حين زالت الشمس وكان قدر الشراك اهـ" أبوداود شريف(۳).

"والمراد منه أن وقت الظهر حين يأخذ الظل في الزيادة بعد الزوال اهـ". بذل المجهود: ۱/۲۲۶(٤).

ظہر کے وقت کی انتہاء کے لئے یہ حدیث ہے:

"فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله اهـ" أبوداود شريف(٥).

= قبلها، وأجمعوا على أن ابتداء وقت الظهر الزوال ولا خلاف في ذلك يعتد به واختلف في آخره ... ثم اختلفوا في آخر وقت الظهر، فقال الأكثرون وفيهم أبويوسف ومحمد: آخر وقت الظهر إذا صار ظل كل شيء مثله، وهو رواية عن الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالى ظاهر الرواية عنه: آخر وقت الظهر إذا صار الظل قامتين واحتجوا له بحديث أمر فيه بإبراد الظهر حتى ساوى الظل التلول ولا يحصل ذلك الإبراد إلا إذا بلغ ظل كل شيء مثليه، وأما أول وقت العصر فعلى الاختلاف الذي ذكرنا في آخر وقت الظهر". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۲۲۷، معهد الخليل الإسلامي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۵، ۴۲۶، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۵۱

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۵۱

(۳) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۶۷، رحمانيه لاهور)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ماجاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۳۸، سعيد)

(٤) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۲۲۶، الخليل الإسلامي)

(٥) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۶۸، رحمانيه لاهور)

عصر کے وقت کی ابتداء کے لئے یہ دلیل ہے:

"وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه اه" أبوداود شريف(١).

"أي: فرغ من الظهر حينئذ كما شرع في العصر في اليوم الأول حينئذ قال الشافعي وبه يندفع اشتراكهما في وقت واحد ويدل له خبر مسلم، وقت الظهر مالم يحضر العصر اه" بذل المجهود، ص: ٢٢٧(٢).

عصر کے وقت کی انتہاء کے لئے یہ دلیل ہے:

"من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدركها اه".

بذل المجهود: ١/٢٢٧(٣).

مثلوں کا سایہ برابر ہوجانے پر ظہر کی نماز پڑھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے خلاف نہیں، بلکہ عین موافق ہے(۴)۔ دلائل کے تعارض، ترجیح، تضعیف، تنسیخ، تعدیل، تجریح وغیرہ مباحث کی تفصیل مطلوب ہو، تو شروح حدیث، فتح الملہم، بذل المجہود، فیض الباری، اوجز المسالک وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

مثلِ اول پر نمازِ عصر پڑھنا

سوال[۱۰۱۹۳]: امام اہلِ حدیث اگر عصر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھے، تو کیا حنفی کی نماز ہوجائے گی؟

= (وجامع الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ماجاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ١/٣٨، سعيد)

(١) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/٢٨، رحمانيه لاهور)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ماجاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ١/٣٨، سعيد)

(٢) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/٢٢٧، الخليل الإسلامي)

(٣) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ١/٢٢٧، الخليل الإسلامي)

(۴) راجع رقم الحاشية: ١، ص: ۴۵١

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت ایسا نہ کرے، ضرورۃً گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۸۷ھ۔

کلاس میں حاضری کی مجبوری سے عصر ایک مثل پر پڑھنا

سوال[۱۰۱۹۴]: میں مقامی کالج میں ایم، اے اردو سال اول کا متعلم ہوں، ہماری کلاس شام کے اوقات میں لگتی ہے، کوئی نہ کوئی نماز بروقت شروع ہوکر ختم بھی ہوجاتی ہے، جب کہ ہم پڑھ رہے ہوتے ہیں، جواب طلب بات یہ ہے کہ آپ بتائیں کہ کیا میں اس نماز کو قبل از وقت پڑھ سکتا ہوں یا پھر قضاء پڑھوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے پڑھنے کا کوئی حق ہی نہیں، الا یہ کہ اجازت ہو، جیسے عصر کی نماز کہ عامۃً سایہ دومثل ہونے پر ادا کی جاتی ہے، مگر ایک مثل پر بھی گنجائش ہے، لہذا عصر کی نماز مثل واحد پر پڑھ سکتے ہیں اس کی قضا نہ کریں(۲)، لیکن مغرب کی نماز غروب سے پہلے نہیں ہوسکتی(۳)۔ اسی طرح ظہر کی نماز زوال آفتاب سے

(۱) "والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين في وقتها بالإجماع" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة الخ: ۱/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۵، ۴۲۶، رشيديه)

(۲) "وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن آخر وقتها إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال، وهو قول أبي يوسف، ومحمد، وزفر، والحسن، والشافعي". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۵، رشيديه)

(۳) "وأما أول وقت المغرب: فحين تغرب الشمس بلا خلاف". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۲۱، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

پہلے نہیں ہوسکتی (۱)، مثل واحد پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ مگر ایک قول میں مثلین تک گنجائش ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۷ھ۔

مغرب وعشاء کی نمازوں میں فاصلہ

سوال [۱۰۱۹۵]: مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک کا کم از کم کیا فاصلہ ہونا چاہیے؟ یہاں عام طور پر رواج بنایا گیا ہے کہ اس کے درمیان زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی عالم یا عابد اس طریق کار کا شکار بن جائے، تو آپ اس کی نماز ہونے نہ ہونے کے بارے میں کیا فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہمارے اطراف میں مغرب سے عشاء تک کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، غروبِ شمس سے شفق

= "قوله: (والمغرب منه إلى غروب الشفق) أي وقت المغرب من غروب الشمس إلى غروب الشفق". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۶۱، سعيد)

(۱) "وأول وقت الظهر: فحين تزول الشمس بلا خلاف". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ۵۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/، ۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۵۹، سعيد)

(۲) "وأما آخره: فلم يذكر في ظاهر الرواية نصاً، واختلفت الرواية عن أبي حنيفة، روى محمد عنه: إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال، المذكور في الأصل: ولا يدخل وقت العصر حتى يصير الظل قامتين ..... وروى الحسن عن أبي حنيفة أن آخر وقتها: إذا صار ظل كل شيء مثله، سوى فيء الزوال، وهو قول أبي يوسف، ومحمد وزفر والحسن". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۲/ ۵۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، ص: ۱۷۵، ۱۷۶، قديمى)

ابیض کے غروب ہونے تک اتنا ہی وقت ہوتا ہے(۱)، جس کا دل چاہے مشاہدہ کرلے یا یہاں کی جنتریوں میں دیکھ لے، اس سے کم فاصلہ پر عشاء کا وقت شروع نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ نماز قبل از وقت ہوئی، جس کو دوبارہ پڑھنا لازم ہے(۲)۔ ایک قول پر صحیح بھی ہو جائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم يغب الشفق ...... ثم الشفق هو البياض الذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة وعندهما هو الحمرة وهو رواية عن أبي حنيفة". (الهداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۸۱، ۸۲، مكتبه شركت علميه)

"والمغرب منه إلى غروب الشفق الأحمر وهو البياض.

قوله: (وهو البياض) أي: الشفق هو البياض عند الإمام، وهو مذهب أبي بكر الصديق، وعمر ومعاذ، وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم، وعندهما وهو رواية عنه هو الحمرة ...... فثبت أن قول الإمام هو الأصح، وبهذا ظهر أنه لايفتى ويعمل إلا بقول الإمام الأعظم". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۷، رشيديه)

(وكذا في كتاب المبسوط، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۲۹۲، ۲۹۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "ومنها الوقت؛ لأن الوقت كما هو سبب لوجوب الصلاة فهو شرط لأدائها، قال الله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ أي: فرضاً مؤقتاً، حتى لايجوز أداء الفرض قبل وقته". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/۵۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"ابتداء ببيان الوقت؛ لأنه سبب للوجوب وشرط للأداء". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/۲۱۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"والشرط الخامس من الشروط الستة هو الوقت، قدمه على النية مع زيادة اهتمامها؛ لكونها شرطاً لكل صلاة كالاستقبال ...... ثم إن دخول الوقت شرط لصحة أداء الصلاة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۲۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) مغرب کی انتہاء اور عشاء کی ابتداء غروب شفق پر ہوتی ہے۔ لیکن شفق کی مراد میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس سے شفق ابیض مراد لیتے ہیں جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس سے شفق احمر مراد ہے۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق نماز صحیح ہو جائے گی۔

"ووقت المغرب منه الى غروب الشفق وهو الحمرة عندهما، وبه قالت الثلاثة، وإليه رجع الإمام كما في شروح المجمع وغيرهما، (قوله وإليه رجع الإمام) أي: إلى قولهما الذي هو رواية عنه أيضاً، وصرح=

صلوۃ الحاجۃ وغیرہ بعدِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال[۱۰۱۹۶]: کیا صلاۃِ حاجت، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوبھی بعد المغرب بلا کراہت جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا کراہت اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۳ھ۔

= في المجمع بأن عليها الفتوىٰ، ورده المحقق في الفتح بأنه لايسعده رواية ولا دراية الخ. وقال تلميذه العلامة قاسم في تصحيح القدوري: إن رجوعه لم يثبت ...... وفي السراج: قولهما أوسع وقوله أحوط، والله أعلم". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة الوسطى: ۱/ ۳۶۱، سعيد)

"وأما أول وقت العشاء: فحين يغيب الشفق بلا خلاف بين أصحابنا لما روي في خبر أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، وأول وقت العشاء حين يغيب الشفق" واختلفوا في تفسير الشفق: فعند أبي حنيفة: هو البياض، وهو قول أبي بكر، وعمر ...... وعند أبي يوسف ومحمد، والشافعي: هو الحمرة وهو قول عبدالله بن عباس وعبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ۵۲۸، ۵۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"ووقت المغرب منه إلىٰ غيبوتة الشفق وهو الحمرة عندهما، وبه يفتى ...... وقولهما أوسع للناس وقول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أحوط؛ لأنه الأصل في باب الصلاة أن لايثبت فيها ركن ولا شرط إلا بما فيه يقين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت: ۱/ ۵۱، رشيديه)

(۱) "ولا بد أن نذكر أحكام تحية المسجد فنقول: هي على حذف مضاف أي: تحية رب المسجد؛ لأن المقصود منها التقرب إلى الله تعالىٰ لا إلى المسجد؛ لأن الإنسان إذا دل بيت الملك فإنما يحيي لا بيته ...... وقد ذكر الإجماع على سنيتها غير أن أصحابنا يكرهونها في الأوقات المكروهة ...... ففي أي وقت صلاها حصل المقصود من ذلك". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/ ۲۳، رشيديه)

"سن تحية المسجد بركعتين يصليها في غير وقت مكروه قبل الجلوس لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يركع ركعتين.

قوله: (في غير وقت مكروه) في القهستاني إذا دخل المسجد بعد الفجر، أو العصر لا يأتي =

انگلینڈ میں وقت عشاء

سوال[۱۰۱۹۷]: یہاں انگلینڈ میں آج کل چھ گھنٹے کی رات ہوتی ہے، تو اکثر فتوے کے مطابق شفق احمر کے بعد عشاء کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ کوئی ایک گھنٹہ کے بعد، ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد، کوئی سوا گھنٹہ کے بعد عشاء کی نماز پڑھتا ہے، لیکن ابھی بعض لوگ غروب کے بعد ۳۶/منٹ کے بعد یا ۴۳/منٹ کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے ہیں، تو کیا عشاء کی نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شفق احمر غروب ہونے پر بھی نماز عشاء کا وقت آجائے گا، جتنے منٹ بعد بھی غروب ہو، شفق ابیض غروب ہونے پر بالاتفاق وقت عشاء شروع ہو جائے گا(۱)۔

= بالتحية، بل يسبح، ويهلل ويصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل تحية المسجد، ص: ۳۹۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد: ۱۸/۲، سعيد)

(۱) "وأما أول وقت العشاء: فحين يغيب الشفق بلا خلاف بين أصحابنا لما روي في خبر أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: وأول وقت العشاء حين يغيب الشفق". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۵۶۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"قوله: (والمغرب منه إلى غروب الشفق) أي: وقت المغرب من غروب الشمس إلى غروب الشفق لرواية مسلم "وقت صلاة مالم يسقط نور الشفق ...... قوله (وهو البياض) أي: الشفق هو البياض عند الإمام وهو مذهب أبي بكر الصديق وعمر وعائشة رضي الله تعالىٰ عنهم. وعندهما وهو رواية عنه هو الحمرة وهو قول ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما ...... وفي السراج الوهاج: فقولهما أوسع للناس وقول أبي حنيفة أحوط". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۴۲۶/۱، ۴۲۷، رشيديه)

"ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى هكذا في شرح الوقاية. وعند أبي حنيفة الشفق هو البياض الذي يلي الحمرة هكذا، وقولهما أوسع للناس، وقول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أحوط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الأول: ۵۱/۱، رشيديه)

پنجگانہ نماز کے مستحب اوقات

سوال[۱۰۱۹۸]: باجماعت نمازِ پنجگانہ کے خصوصاً آج کل موسمِ گرما میں اول وبہتر اوقات کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا مستحب ہے۔

"لقوله عليه الصلاة والسلام: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر". رواه الترمذي. (مشكاة شريف: ١/٦١)(١).

ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر اندر ایسے وقت مستحب ہے کہ گرمی کی شدت میں کمی آجائے۔

"لقوله عليه الصلاة والسلام أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم". رواه البخاري: ١/٧٧(٢).

عصر کی نماز ایسے وقت مستحب ہے کہ دو مثل کے بعد سورج میں تغیر پیدا نہ ہو۔

"لأنه عليه الصلاة والسلام فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية" رواه أبوداود: ١/٥٩(٣).

مغرب کی نماز آفتاب غروب ہونے پر جلد ہی پڑھنا مستحب ہے۔

"لأنه عليه الصلاة والسلام: كان يصلي المغرب إذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب" رواه الترمذي(٤).

عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

"لقوله عليه الصلاة والسلام: لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن

---

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تعجيل الصلوات، الفصل الثاني، ص: ٦١، قديمى)

(٢) (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر: ١/٧٧، قديمى)

(٣) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة العصر: ١/٧٠، رحمانيه لاهور)

(٤) (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في وقت المغرب: ١/٤٢، سعيد)

یؤخروا العشاء إلی ثلث اللیل أو نصفه" رواه الترمذي (۱). وقال حدیث حسن صحیح. (تبیین الحقائق: ۱/۲۰۱، ۸۳/۸٤ (۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تہجد کا وقت

سوال [۱۰۱۹۹]: ایک شخص دس گیارہ بجے نفل وتر پڑھ کر سو جاتا ہے کہ اگر تہجد کے لئے بیدار نہ ہو جائے تو نفل رات کی اس کو تہجد میں مجرا (۳) ملیں گے۔ یہ شخص بارہ ایک بجے جاگتا ہے، لیکن اس وقت تہجد اس نیت سے نہیں پڑھتا کہ شاید صبح کی نماز کے لئے بعد میں نہ جاگ سکے اور اخیر رات میں نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہے اور اس وقت تہجد بھی ادا کرے اور ساتھ ہی نماز صبح بھی ادا کرے۔ اگر یہ شخص تہجد کے لئے صبح نہیں جاگتا تو کیا سونے کے وقت کے نفل جو اس نے تہجد میں مجرا کیا ہے یا بارہ ایک بجے جب کہ وہ جاگے، اسی وقت تہجد ادا کرے؟ بہتر طریقہ سے مطلع فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تہجد کا اصل وقت سو کر اٹھ کر اخیر شب ہے (۴)، اگر اس وقت نہ اٹھ سکے تو سونے سے پہلے بھی پڑھ لینے سے ثواب مل جائے گا (۵)، پھر سونے میں جس قدر تاخیر ہو جائے، مثلاً: ایک بجے سوئے گا تو اسی وقت پڑھ لے یہ زیادہ اچھا ہے، اگرچہ دس بجے پڑھنے سے بھی اجر کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في تأخیر صلاة العشاء الآخرة: ۱/۴۲، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة: ۱/۲۲۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "مجرا دینا: صحیح کرنا، حساب میں لگا دینا، حساب میں محسوب کر دینا"۔ (فیروز اللغات ص: ۱۲۶۷، فیروز سنز لاہور)

(۴) "(وندب صلاة اللیل) خصوصاً آخره کما ذکرناه. وأقل ماینبغي أن یتنفل باللیل ثمان رکعات.

قوله: (خصوصاً آخره) وهو السدس الخامس من أسداس اللیل، وهو الوقت الذي ورد فیه =

تہجد کا وقت کب تک ہے؟

سوال[۱۰۲۰۰]: مکتوبات شیخ الاسلام ص:۱۸۹، جلد اول مکتوب نمبر ۷۷ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلوۃ تہجد کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک بیان فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحاح میں روایت موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور اخیر شب میں بھی تہجد پڑھی ہے، مگر آخری ایام میں اور زیادہ اخیر شب میں پڑھنا ہوا ہے، جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے، برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور سدس اخیر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں۔ تہجد ترک ہجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اس

= النزول الإلهي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر، فصل في تحية المسجد الخ، ص: ۳۹۲، قديمى)

"ومن المندوبات ركعتا السفر ... وصلاة الليل، وأقلها على ما في الجوهرة، ولو جعله أثلاثاً فالأوسط أفضل، ولو أنصافاً فالأخير أفضل.

(قوله ولو جعله أثلاثاً الخ) أي: لو أراد أن يقوم ثلثه وينام ثلثيه والثلث الأوسط أفضل من طرفيه، ولو أراد أن يقوم نصفه وينام نصفه، الأخير أفضل لقلة المعاصي، وللحديث الصحيح، ينزل ربنا إلى سماء الدنيا في كل ليلة حين يبقى ثلث الليل الأخير، فيقول: من يدعوني فأستجيب له؟ من يسألني فأعطيه من يستغفرني فأغفرله". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في صلاة الليل: ۲/۲۵، سعيد)

"يندب الصلاة ليلاً خصوصاً آخره، وهي أفضل من صلاة النهار". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الثاني -الصلاة الفصل الثامن- النوافل أو صلاة التطوع، صلاة التهجد: ۲/۱۰۶۳، رشيديه)

(۵) "وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في صلاة الليل: ۲/۲۴، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي أي: غالباً (فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر) وهو بظاهره يشمل ما إذا كان بعد نوم أم لا". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۱۸۸: ۳/۲۳۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹۲، رشيديه)

لئے اوقاتِ نوم بعد عشاء سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں (۱)۔

اتنا ارشاد کیا گیا ہے، لیکن یہ بات ارشاد نہیں کی کہ کوئی شخص اگر نماز تہجد کا پابند ہو اور کسی وجہ سے سفر میں تھا، نیند آ گئی، آنکھ نہ کھل سکی اور نماز تہجد رہ گئی، ساتھ ہی تسبیح وغیرہ اذکار رہ گئے تو دن کے تقریباً ساڑھے نو بجے یا دس بجے کے اتنی ہی پڑھ لے، تو کیا نماز تہجد ادا میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اس ناکارہ نے حضرت محمد یوسف صاحب خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ سے سنا تھا۔ کیا ایسا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ایسا شخص تہجد کی فضیلت سے محروم نہیں رہے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۶ھ۔

وقتِ اشراق

سوال [۱۰۲۰۱]: طلوعِ آفتاب ۴ بج کر اٹھارہ منٹ پر ہے اور ایک شخص اشراق کی نماز ۴ بج کر ۲۵

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر أحدى عشر ركعة، يسلم من كل ركعتين، ويوتر بواحدة، فيسجد السجدة من ذلک قدر ما يقرأ أحدكم خمسين آية قبل أن يرفع رأسه، فإذا سكت المؤذن من صلاة، وتبين له الفجر، قام فركع ركعتين خفيفتين، ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للإقامة".

(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل الخ: ۱/۲۵۳، قديمی)

(۲) "عن ابن وهب ابن عبدالقاري قال: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من نام من حزبه أو عن شيء منه فقرأه مابين صلاة الفجر وصلاة الظهر كتب له كأنما قرأه من الليل". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب التطوع، باب من نام عن حزبه: ۱/۱۹۴، رحمانيه)

"قوله: (كأنما قرأه) ..... أي أثبت أجره في صحيفة عمله إثباتاً مثل إثباته حين قرأه من الليل".

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب القصد في العمل، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۲۴۷: ۳/۲۸۹، رشيديه)

(وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ: ۱/۲۵۶، قديمی)

منٹ پر شروع کرے، تو کیا صحیح ہوئی؟ کم سے کم کتنا توقف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی دیر میں شعاعِ شمس صاف نہیں ہوتی، بلکہ وقت مکروہ رہتا ہے۔ بیس منٹ میں بالکل وقت مکروہ خارج ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۳۰ھ۔

جنتری سے اوقات مقرر کرنا

سوال[۱۰۲۰۲]: ۱.....حاجی اور نمازی کچھ اس قدر نیک ہیں کہ ان کی باتیں سمجھ سے بالاتر ہیں، ان کے آئے دن کے مسائل سے مساجد ویران ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ کسی بھی وقت کی جماعت کی نماز میں لوگوں کی رعایت ضروری ہے۔ یا جو ٹائم مقرر علی الاعلان کیا گیا ہے، کبھی معترض حاجی ونمازی کہتے ہیں کہ میں سنتیں پڑھ رہا تھا کہ امام نے جماعت کی تکبیر کیوں پڑھنے دی، کبھی کہتے ہیں کہ جماعت کی نماز بہت طویل ہونی چاہیے، اگر کبھی اتفاق سے پہلے آگئے، تو سارے اعتراض مفقود ورنہ اعتراض کی باری ہے۔

سوال یہ ہے کہ نماز جماعت میں کسی کا لحاظ پاس ہے، یا ٹائم مقررہ کا سنت کے مطابق؟

۲.....کیا نماز جماعت کو آدمیوں کی کھانسی یا آواز سن کر طویل کردیا جائے یا نہیں؟

۳.....فجر کی نماز کی جماعت کس وقت ہونی چاہیے؟ کیا پندرہ منٹ تک جماعت کھڑی رہے یا اتنی طویل ہونی چاہیے کہ اگر کسی کو غسل جنابت کی ضرورت ہو، تو وہ غسل کرکے سنتیں پڑھے اور اس کی پہلی رکعت نہ نکل سکے اور آفتاب طلوع ہونے سے کتنی دیر پہلے جماعت ختم ہوجانی چاہیے اور کتنی طویل؟

---

(۱) "وذكر في الأصل مالم ترتفع الشمس قدر رمح فهي في حكم الطلوع، واختار الفضيلي أن الإنسان مادام يقدر على النظر إلى قرص الشمس في الطلوع فلا تحل الصلاة، فإذا عجز عن النظر حلت وهو مناسب لتفسير التغير المصحح كما قدمناه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۴، رشيديه)

"(قوله: مع شروق) وما دامت العين لا تحار فيها فهي في حكم الشروق كما تقدم في الغروب أنه الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۹، ۱۸۰، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...اس پریشانی سے نجات کے لئے سلامتی اس میں ہے کہ سال بھر کی نمازوں کے اوقات وہاں کے حالات کے مناسب جنتریوں کو دیکھ کر نیز آس پاس کی مسجدوں کا حال معلوم کر کے متعین کر لئے جائیں اور ہر ماہ کا نقشہ اوقات مسجد میں لگا دیا جائے، تاکہ امام صاحب اس وقت پر جماعت شروع کرادیں اور آنے والے اس کی پابندی کریں۔

۲...لوگوں کا جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد پہنچ کر اس لئے کھانسنا کہ امام صاحب نماز طویل کردیں اور اس پر امام صاحب کا نماز کو طویل کرنا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۳...فجر کی جماعت آفتاب نکلنے سے اتنے پہلے ختم کردی جائے، کہ اگر سلام کے بعد معلوم ہو کہ نماز نہیں ہوئی مثلاً: امام صاحب نے بے خبری میں بلا غسل پڑھادی، پھر ان کو معلوم ہوا کہ غسل کی حاجت ہے، تو وہ جلدی جلدی غسل کر کے دوبارہ جماعت طلوع سے پہلے کرادیں، تب سورج نکلے (۲)۔ مثلاً: سورج سے ۱۵ منٹ

---

(۱) "وكره تحريماً إطالة ركوع أو قراءة لإدراك الجائي: أي: إن عرفه وإلا فلا بأس به، ولو أراد التقرب إلى الله تعالى لم يكره اتفاقاً لكنه نادر، وتسمى مسألة الرياء، فينبغي التحرز عنها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۴، ۴۹۵، سعيد)

"وأطال الركوع لإدراك الجائي لا تقرباً لله فهو مكروه، وفي الذخيرة والبدائع وغيرهما قال أبويوسف: سألت أبا حنيفة عن ذلك فقال: أخشى عليه أمراً عظيماً يعني الشرك". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۱، ۵۵۲، رشيديه)

"(قوله: إن عرفه) عليه حمل ماروي عن الإمام أخشى عليه أمراً عظيماً وهو الرياء الذي هو شرك العمل. قوله فلا بأس به يفيد أنه خلاف الأولى والضمير في به يرجع إلى الطول المأخوذ من الإطالة" (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل الشروع في الصلاة: ۱/۲۲۰، دار المعرفة بيروت)

(۲) "والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار والختم هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد.

(قوله ثم يعيده بطهارة) أي: يعيد الفجر أي: صلاته مع ترتيل القراءة المذكورة ويعيد الطهارة لو فسد بفسادها أو ظهر فسادها بعدمها ناسياً، والحاصل أن حد الإسفار أن يمكنه إعادة الطهارة =

پہلے ختم ہو جائے اور نماز فجر میں قرأت طویل مسنون ہے۔ سورہ حجرات سے سورۃ البروج تک۔ جب جماعت کا وقت متعین کر دیا جائے گا تو امید ہے کہ شکایت ختم ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

جنتریوں میں فرق ہو تو نماز کے لئے کس کا اعتبار کیا جائے؟

سوال[۱۰۲۰۳]: دوامی اسلامی جنتریوں اور قاسمی جنتری میں کم وبیش ۴/ منٹ کا فرق ہے، قاسمی جنتری ریڈیو ٹائم کے مطابق تیار کی گئی ہے، قاسمی جنتری کے اول صفحہ پر نوٹ درج ہے کہ اس جنتری کو استعمال کرنے والے اپنی گھڑیاں ریڈیو ٹائم سے ملا کر رکھیں۔ اب صورت یہ ہے کہ گھڑیاں سب مسجدوں کی ریڈیو ٹائم سے چلتی ہیں اور جنتری دوامی اسلامی استعمال کرتے ہیں۔ قاسمی جنتری میں طلوع دوامی جنتری سے چار منٹ قبل ہوتا ہے اور دوامی اسلامی جنتری میں چار منٹ بعد، بہت آدمی اس چار منٹ کے دوران نماز فجر ادا پڑھتے ہیں، ان کی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں کی اکثریت دوامی اسلامی جنتری کو ہی صحیح مانتی ہے، جب کہ دوامی اسلامی جنتری کے ضمیمہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ریڈیو ٹائم سے ملانے والے تفاوت کرلیا کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

چار منٹ کا فرق ایسا نہیں ہے کہ جس کا لحاظ رکھنے سے کچھ پریشانی لاحق ہو، اس کی رعایت سے ہی نماز

= ولو من حدث أكبر". (ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/ ۳۶۶، سعيد)

"يستحب تأخير الفجر، ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/ ۵۱، ۵۲، رشيديه)

"وقد قالوا في حد الإسفار أيضاً أن يبدأ في وقت يمكنه أن يصليها فيه على وجه السنة، ويبقى من الوقت بعد سلامه مالو ظهر أنه كان على غير طهارة يمكنه أن يتوضأ ويعيدها على وجه السنة قبل خروجه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۳۲، ۲۳۳، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۱۷۷، دار المعرفة بيروت)

ادا کی جائے، تاکہ دونوں جنتریوں کے موافق نماز صحیح ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۶/ ۱۴۰۶ھ۔

فجر کی سنتوں کا وقتِ اداو قضا

سوال[۱۰۲۰۴]: فجر کی سنتوں کا وقت فرض کے اول ہے یا بعد، سنتیں پہلے پڑھے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھنی چاہیے (۲)، اگر وقت نہیں ملا تو طلوعِ شمس سے پہلے نہیں پڑھی جائیں

---

(۱) "عن الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: حفظت من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك، فإن الصدق طمانينة وإن الكذب ريبة". (جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب: ۲/۷۸، سعيد)

"والمعنى اترك ماتشك فيه من الأقوال والأعمال أنه منهي عنه أو لا أو سنة أو بدعة، واعدل إلى مالا تشك فيه منهما، والمقصود أن يبني المكلف أمره على اليقين البحت، والتحقيق الصرف، ويكون على بصيرة في دينه". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۷۷۳: ۶/۱۹، رشيديه)

"يندب الخروج من الخلاف لا سيما للإمام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف: ۱/۱۴۷، سعيد)

"أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لايصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين في وقتهما بالإجماع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تعبده عليه الصلاة والسلام قبل البعثة: ۱/۳۵۹، سعيد)

(۲) "وسن مؤكداً أربع قبل الظهر ..... وركعتان قبل الصبح". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲، ۱۳، سعيد)

"(سن سنة مؤكدة) منها (ركعتان قبل) صلاة (الفجر)". (مراقي الفلاح شرح نورالإيضاح، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۸۷، قديمي)

"(اعلم أن السنة قبل الفجر) أي: صلاة الفجر (ركعتان) وابتدأ بها؛ لأنها أقوى السنة المؤكدة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، ص: ۳۸۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

گی، بلکہ سورج کے بلند ہونے پر پڑھیں (١)، مگر قضا لازم نہیں، بلکہ غیر مؤکدہ ہے (٢)۔ اگر جماعت شروع ہوگئی تو جماعت کے ساتھ صف میں کھڑے ہوکر سنت فجر نہ پڑھیں، بلکہ دور وضوخانہ، حجرہ وغیرہ میں پڑھ لیں، بشرطیکہ جماعت بالکلیہ فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ ایک رکعت یا تشہد میں شریک ہونے کی توقع ہو (٣)۔

(١) "إذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها ..... ولا يقضيها إلا بطريق التبعية.

(قوله وإذا خاف الخ) علم منه ما إذا غلب على ظنه بالأولى نهر، وإذا تركت لخوف فوت الجماعة، فالأولى أن تترك لخوف خروج الوقت ..... (قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية الخ) أي: لايقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعا لقضائه لو قبل الزوال؛ وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع، لكراهة النفل بعد الصبح. وأما بعد طلوع الشمس فكذلک عندهما، وقال محمد: أحب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر. قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله أحب إلي دليل على أنه لولم يفعل لا لوم عليه. وقالا: لايقضي، وإن قضى فلا بأس به". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة: ٢/٥٦، ٥٧، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة: ٢/١٣١، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة: ١/٣٠٠، دارالمعرفة بيروت)

(٢) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٣) "ثم السنة المؤكدة التي يكره خلافها في سنة الفجر وكذا في سائر السنن هو أن لا يأتي بها مخالطا للصف بعد شروع القوم في الفريضة، ولا خلف الصف من غير حائل، وأن يأتي بها إما في بيته وهو الأفضل، أو عند باب المسجد إن أمكنه ذلک بأن كان ثمه موضع يليق للصلاة، وإن لم يمكنه ذلک ففي المسجد الخارج إن كانو يصلون في الداخل أو في الداخل إن كانوا يصلون في الخارج، إن كان هناک مسجدان صيفي وشتوي، وإن كان المسجد واحد فخلف اسطوانة ونحو ذلک كالعمود والشجرة وما أشبهها في كونها حائلاً، والإتيان بها خلف الصف من غير حائل مكروه، ومخالطا للصف كما يفعله كثير من الجهال أشد كراهة لما فيه من مخالفة الجماعة، هذا الحكم المذكور إذا كان إتيانه بها بعد الشروع ..... بخلاف سنة الفجر فإنه يجوز أداؤها إذا علم أنه يدركه في التشهد عندهما. وعند محمد إذا علم أنه يدرک الركعة الثانية، كذا قيل بناء على الاختلاف في الجمعة" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع، ص: ٣٩٦، ٣٩٧، سهيل اكيڈمی لاهور) .... =

یہ طریقہ حنفیہ نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ احادیث میں جماعت میں شریک ہونے کی بھی اہمیت وارد ہوئی ہے اور فجر کی سنتوں کی بھی تاکید شدید ہے اور جماعت شروع ہوجانے پر کوئی دوسری نماز پڑھنے پر نکیر بھی ہے اور نماز فجر کے بعد کسی اور نماز کی ممانعت بھی ہے اور سورج کچھ بلند ہونے پر فجر کی سنتوں کی قضا بھی ثابت ہے۔ اس طریق کو اختیار کرنے سے ان جملہ احادیث پر عمل ہوجاتا ہے اور کوئی حدیث ترک نہیں ہوتی۔ حنفیہ کو اللہ پاک نے یہ خاص کمال عطا فرمایا ہے۔ شکر اللہ سعیہم و کثر سوادہم۔

"عن أبي ابن كعب رضي الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوماً الصبح فلما سلم قال: أشاهد فلان؟ قالوا: لا قال: شاهد فلان؟ قالوا: لا، قال: إن هاتين الصلاتين أثقل الصلوات على المنافقين، ولو تعلمون ما فيهما لأتيتموهما ولو حبواً على الركب، وإن الصف الأول على مثل صف الملائكة ولو علمتم ما فضيلته لابتدرتموه، وإن صلاة الرجل مع الرجل أزكى من صلاته وحده، وصلاته مع الرجلين أزكى من صلاته مع الرجل، وما كثر فهو أحب إلى الله، رواه أبوداود والنسائي اه".

= "(وإلا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب، وقيل التشهد (لا) يتركها، بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا وإلا تركها؛ لأن ترك المكروه مقدم.

(قوله وقيل التشهد) أي إذا رجا إدراك الإمام في التشهد لا يتركها بل يصليها ... (قوله عند باب المسجد) أي خارج المسجد كما صرح به القهستاني، وقال في العناية: لأنه لو صلاها في المسجد كان متنفلاً فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهو مكروه. فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد، وأشد كراهة أن يصليها مخالطا للصف والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل (قوله: وإلا تركها) قال في الفتح: وعلى هذا أي: على كراهة صلاتها في المسجد ينبغي أن لايصلي فيه إذا لم يكن عند باب مكان؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة"

(ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: [illegible]، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: [illegible]، مصطفى البابي الحلبي مصر)

مشكاة شريف: ١/٩٦(١).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لاتدعوهما أي (الركعتين قبل الفجر) وإن طردتكم الخيل" اه. أبوداود شريف: ١/١٧٩(٢).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبه رواه مسلم اه". مشكاة شريف: ١/٩٦(٣).

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس، ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس. متفق عليه" اه. مشكاة، ص: ٩٤(٤).

"وقصة قضاء السنة صبيحة ليلة التعريس معروفة مشهورة في كتب الحديث. عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلاة الغداة مع ابن عمر رضي الله تعالى عنهما وابن عباس رضي الله تعالى عنه، والإمام يصلي فأما ابن عمر فدخل في الصف، وأما ابن عباس فصلى ركعتين، ثم دخل مع الإمام فلما سلم الإمام قعد ابن عمر مكانه حتى طلعت الشمس، فقام فركع ركعتين ..... عن ابن عمر أنه جاء والإمام يصلي الصبح، ولم يكن صلى ركعتين قبل صلاة الصبح فصلاهما في حجرة حفصة رضي الله تعالى عنها ثم أنه صلى مع الإمام اه. طحاوى شريف، ص: ٢٥٦، مطبوعه(٥).

---

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة، الفصل الثاني: ١/٩٦، قديمى)

(٢) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما: ١/١٨٧، رحمانيه)

(٣) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة، الفصل الثاني: ١/٩٦، قديمى)

(٤) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب أوقات النهي، الفصل الأول، ص: ٩٤، قديمى)

(٥) (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب أداء سنة الفجر بعد إقامة الصلاة: ١/٢٥٧، ٢٥٨، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من لم يصل ركعتي الفجر فليصليهما بعد ماتطلع الشمس" رواه الترمذي وإسناده صحيح اهـ". آثار السنن(١)، والروايات مبسوطة في هذا الباب في آثار السنن وشرح معاني الآثار وإعلاء السنن وغيره من كتب الأحناف.

☆......☆......☆......☆......☆

(١) (آثار السنن، كتاب الصلاة، باب كراهة قضاء ركعتي الفجر قبل طلوع الشمس، ص: ٢٣٥، امدادیہ ملتان)

الفصل الثاني في الأوقات المكروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

نمازِ فجر ختم ہونے سے پہلے سورج کا طلوع ہونا

سوال[۱۰۲۰۵]: انتہائے وقت فجر ۵:۳۸ منٹ تھا، تو ابر کی وجہ سے سورتیں لمبی ہو کر ۵:۴۳ کو ختم ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نمازِ فجر ختم ہونے سے پہلے اگر سورج نکل آیا، تو اس نماز کو لوٹانا ضروری ہے۔ وہ نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۷ھ۔

نمازِ فجر میں طلوع تک تاخیر کرنا

سوال[۱۰۲۰۶]: ایک مسجد کا امام جو مسجد ہی کے حجرہ میں رہتے ہوئے، فجر کی نماز اس قدر تاخیر

(۱) "وكره صلاة مطلقاً ...... مع شروق واستواء وغروب إلا عصر يومه ...... بخلاف الفجر.

(قوله بخلاف الفجر) أي: فإنه لايؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل فوجبت كاملة فتبطل بطروّ الطلوع الذي هو وقت فساد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۳، سعيد)

"والفجر كل وقته وقت كامل؛ لأن الشمس لا تعبد قبل طلوعها فوجب كاملاً، فإذا اعترض الفساد بالطلوع، تفسد؛ لأنه لم يؤدها كما وجب". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تعجيل الصلاة، الفصل الأول، رقم الحديث: ۶۰۱: ۲/۲۸۶، رشيديه)

"ووقت الفجر كله كامل فوجبت كاملة فتبطل بطروّ الطلوع الذي هو وقت فساد لعدم الملائمة بينهما". (البحرالرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۸۰، دار المعرفة بيروت)

سے پڑھتے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد ہی ایک یا دو منٹ کے بعد طلوعِ شمس ہوجاتا ہے، اکثر ایسا کرتے ہیں۔ امام کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کا یہ طریقہ خلافِ سنت ہے۔ اس کی اصلاح کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۲/۲/۹۲ھ۔

فجر کی سنت کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال[۱۰۲۰۷]: میرا عقیدہ ہے کہ صبح کی سفیدی ہونے کے بعد جب سے ایک روزہ دار کے لئے کھانا بند ہوجاتا ہے، صرف دو رکعت سنت ہی ادا کرنی ہے، اس کے علاوہ کوئی نوافل اشراق تک پڑھنی جائز نہیں ہیں۔ کیا صبح کی سنت گھر ادا کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوتے وقت تحیۃ المسجد دو رکعت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(والمستحب) للرجل (الابتداء) في الفجر (بإسفار والختم به) هو المختار بحيث يرتل أربعين آية ثم يعيده بطهارة لو فسد، وقيل يؤخر جداً، (قوله: ثم يعيده بطهارة) أي: يعيد الفجر أي: صلاته مع ترتيل القراءة المذكورة، ويعيد الطهارة لو فسد بفسادها أو ظهر فسادها بعدمها ناسياً. والحاصل: أن حد الإسفار أن يمكنه إعادة الطهارة ولو من حدث أكبر (قوله: وقيل يؤخر جداً) قال في البحر: وهو ظاهر إطلاق الكتاب أي: الكنز، لكن لا يؤخرها بحيث يقع الشک في طلوع الشمس". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، سعيد)

"يستحب تأخير الفجر، ولا يؤخرها بحيث يقع الشک في طلوع الشمس، بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الأول، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات: ۱/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۳۲، ۲۳۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۷، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کے وقت میں جب کہ سنت گھر پر ادا کرلی، تو مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد نہ پڑھیں(۱)، جو فرض پڑھیں گے، اسی سے تحیۃ المسجد بھی ادا ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

فجر کے وقت سنتِ فجر کے علاوہ نفل پڑھنا

سوال[۱۰۲۰۸]: ہم صبح فجر کی سنت گھر میں پڑھ کر چلتے ہیں، اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے

---

(۱) "وکره نفل قصداً ولو تحية مسجد بعد صلاة فجر، وصلاة عصر وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره، لا فرض وواجب لعينه بعد طلوع فجر، سوى سنته لشغل الوقت به تقديراً، حتى لو نوى تطوعاً كان سنة الفجر بلا تعين.

(قوله ولو تحية مسجد) أشار به إلى أنه لا فرق بين ماله سبب أو لا كما في البحر (قوله حتى لو نوى الخ) تفريع على ما ذكره من التعليل أي: وإذا كان المقصود كون الوقت مشغولاً بالفرض تقديراً وسنته تابعة له فإذا تطوع انصرف تطوعه إلى سنته لئلا يكون آتيا بالمنهي عنه فتأمل". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۵، ۳۷۴، سعيد)

"قوله: (وبعد طلوع الفجر بأكثر من سنة الفجر) أي: ومنع عن التنفل بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر بأكثر من سنته قصداً لما رواه أحمد وأبو داود "لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين" وفي رواية الطبراني: "إذا طلع الفجر فلا تصلوا إلا ركعتين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۸، ۲۳۹، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس الوقت، ص: ۲۳۸، ۲۳۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأداء الفرض أو غيره، وكذا دخوله بنية فرض أو اقتداء ينوب عنها بلا نية.

(قوله: ينوب عنها بلا نية) قال في الحلية: لو اشتغل داخل المسجد بالفريضة غير ناوٍ للتحية قامت تلك الفريضة مقام تحية المسجد لحصول تعظيم المسجد". (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد: ۲/۱۸، سعيد)

"وقد قالوا: إن كل صلاة صلاها عند دخوله فرضاً أو سنة فإنها تقوم مقام التحية بلا نية كما في البدائع وغيره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۲۳، رشيديه) =

ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جماعت کھڑی ہونے میں پانچ منٹ باقی ہیں۔ ایسی صورت میں دو رکعت آداب مسجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقت فجر میں اس کی اجازت نہیں (۱)، اگر چہ جماعت میں کچھ دیر ہو۔ کذا في الشامي. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۱ھ۔

عصر کے بعد باتیں کرنا

سوال [۱۰۲۰۹]: نمازِ عصر کے بعد سے نمازِ مغرب تک باتیں جائز ہیں یا نہیں؟

۱- تلاوت قرآن، ۲- درس قرآن، ۳- دینی بحث ومباحثہ۔ اور آخر میں یہ بھی معلوم کرا دیں کہ اس وقت میں کسی قسم کی عبادت ممنوع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب باتیں اس وقت بھی درست ہیں، البتہ وقتِ غروب جب کہ نماز مکروہ ہوتی ہے، ذکر تسبیح وغیرہ میں مشغول ہونا، تلاوت میں مشغول رہنے سے افضل ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر، فصل في تحية المسجد، ص: ۳۹۴، قديمي)

(۱) "قوله: (وبعد طلوع الفجر، بأكثر من سنة الفجر) أي: ومنع عن التنفل بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر بأكثر من سنته قصداً لما رواه أحمد وأبو داود "لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين"، وفي رواية الطبراني "إذا طلع الفجر فلا تصلوا إلا ركعتين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۸، ۴۳۹، رشيديه)

"وكره نفل قصداً ولو تحية المسجد ..... بعد طلوع فجر سوى سنته.

(قوله ولو تحية المسجد) أشار به إلى أنه لا فرق بين ماله سبب أو لا كما في البحر".

(ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة: ۱/۲۳۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وفي البغية: الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الأوقات التي تكره فيها الصلاة =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۷، رشيديه)

"الصلاة فيها على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أفضل من قراءة القرآن وكأنه لأنها من أركان الصلاة، فالأولىٰ ترك ما كان ركنا لها".

(قوله: الصلاة فيها) أي: في الأوقات الثلاثة، وكالصلاة الدعاء والتسبيح كما هو في البحر ......

(قوله: فالأولىٰ) أي: فالأفضل ليوافق كلام البغية، فإن مفاده إنه لا كراهة أصلاً؛ لأن ترك الفاضل لا كراهة فيه". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۸۱، دارالمعرفة بيروت)

باب الأذان

الفصل الأول في إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

اذان کا جواب اور اذان ونماز میں فصل

سوال[۱۰۲۱۰]: اذان کے وقت اذان کا جواب دینا کیا ہے؟ فرض ہے یا سنت ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اذان وجماعت میں کتنا فصل ہونا چاہیے؟ امید ہے کہ حدیث کی روشنی میں سلف وخلف کے واقعات کے ساتھ مفصل جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

محمد ایوب سورتی غفرلہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کا جواب مستحب ہے(۱)، مغرب کی اذان وجماعت میں کچھ زیادہ فصل کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب مايقول إذا سمع المنادي: ۸٦/۱، قديمى)

"(ويجيب) وجوباً، وقال الحلواني: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان بأن يقول) بلسانه (كمقالته إلا في الحيعلتين) فيحوقل (وفي: الصلاة خير من النوم) فيقول: صدقت وبررت". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۹٦/۱، ۳۹۷، سعيد)

"يجب على السامعين عند الأذان الإجابة، وهي أن يقول مثل ماقال المؤذن إلا في قوله: حي على الصلاة حي على الفلاح، فإنه يقول مكان حي على الصلاة لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم ومكان قوله على الفلاح ماشاء الله كان ومالم يشأ لم يكن، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما: ۵۷/۱، رشيديه)

دوسرے اوقات اذان و جماعت میں نصف گھنٹہ کا فصل مناسب ہے(۱)۔ جمعہ کی اذان اول اور اذان ثانی میں بھی فصل مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: لبلال "يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانك وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدر مايفرغ الأكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته ولا تقوموا حتى تروني". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الترسل في الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

"(ويجلس بينهما) بقدر مايحضر الملازمون مراعيا لوقت الندب (إلا في المغرب) فيسكت قائما قدر ثلاث آيات قصار، ويكره الوصل إجماعاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۹، ۳۹۰، سعيد)

"ومنها: الفصل فيما سوى المغرب بين الأذان والإقامة؛ لأن الإعلام المطلوب من كل واحد منهما لايحصل إلا بالفصل، والفصل فيما سوى المغرب بالصلاة، أو بالجلوس مسنون، والوصل مكروه، وأصله ماروي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال لبلال: "إذا أذنت ..... ولأن الأذان لاستحضار الغائبين، فلا بد من الإمهال ليحضروا". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان: ۱/۳۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويفصل بين الأذان والإقامة مقدار ركعتين، أو أربع يقرأ في كل ركعة نحوا من عشر آيات كذا في الزاهدي، والوصل بين الأذان والإقامة مكروه بالاتفاق كذا في معراج الدراية ..... وأما إذا كان في المغرب فالمستحب أن يفصل بينهما بسكتة يسكت قائماً مقدار مايتمكن من قراء ة ثلاث آيات قصار، هكذا في النهاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان: ۱/۵۶، ۵۷، رشيديه)

الفصل الثاني في الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعا کا بیان)

اذان کے بعد وسیلہ کی دعا

سوال[۱۰۲۱۱]: لفظ وسیلہ سے کیا مراد ہے؟

تفسیر ابن کثیر ودیگر تفاسیر میں ہے کہ وسیلہ ایک منزل ہے، جنت میں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور اس منزل کے حصول کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن اذان ختم کردے تو اور دعا پڑھنے کے بعد میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''الوسیلہ'' ایک بہت بڑا بلند درجہ ہے، جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ

---

(۱) "والوسيلة هي التي يتوصل بها إلى تحصيل المقصود، والوسيلة أيضاً علَم على أعلى منزلة في الجنة، وهي منزلة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وداره في الجنة، وهي أقرب أمكنة الجنة إلى العرش. وقد ثبت في صحيح البخاري ... عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قال حين يسمع النداء: "اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته"، إلا حلت له الشفاعة يوم القيامة". (تفسير ابن كثير، المائدة: ۳۵: ۲/۷۴، دار الفيحاء)

"والوسيلة درجة في الجنة، وهي التي جاء الحديث الصحيح بها في قوله عليه السلام: "فمن سأل لي الوسيلة حلت له شفاعتي". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، المائدة: ۳۵: ۶/۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وفسر بعضهم الوسيلة بمنزلة في الجنة ... بناء على ما رواه مسلم وغيره، إنها منزلة في الجنة جعلها الله تعالى لعبد من عباده وأرجوا أن أكون أنا، فاسئلوا لي الوسيلة". (روح المعاني، المائدة: ۳۵: ۶/۱۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نے متعین فرمایا ہے، جس کے متعلق اذان کے بعد دعا کی ترغیب حدیث میں آئی ہے، یہ حدیث مشکوۃ شریف (۱) اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۱۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول، ثم صلوا عليّ، فإنه من صلىّ عليّ صلاة، صلّى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة لاينبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجوا أكون هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة". رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الأول: ۱/۶۵، قديمى)

(۲) "عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من قال حين يسمع النداء: "اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محمودا الذي وعدته" حلت له شفاعتي يوم القيامة". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا﴾: ۱/۶۸۶، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل...: ۱/۱۶۶، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ۱/۸۸، رحمانيه)

(وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الدعاء عند الأذان: ۱/۱۱۰، قديمى)

وابن ماجة، كتاب الصلاة، باب مايقال إذا أذن المؤذن: ۱/۵۳، قديمى)

الفصل الثالث فيما يكره في الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

بحالتِ نشہ اذان ونماز کا حکم

سوال[۱۰۲۱۲]: ۱.....ایک مسلمان جوشراب پینے کا عادی ہے، مگراتنی نہیں پیتا ہے کہ مدہوش ہوجائے، اپنے ہوش وحواس میں رہتا ہے، یہ ہے کہ کوئی شخص بات چیت کرے، تو تمیز نہیں کرسکتا کہ یہ شراب پئے ہے۔ نماز کا جب وقت ہوتا ہے تو باقاعدہ وضو کر کے نماز ادا کرتا ہے اور اکثر مسجد میں اذان بھی دے دیا کرتا ہے۔ تو براہ کرم تحریر فرمایئے کہ ایسے شراب پئے ہوئے شخص کو ایک مسلمان نماز پڑھنے سے اس کو ایسی حالت میں روک سکتا ہے یا نہیں؟ اور اذان دینے پر منع کرسکتا ہے یا نہیں؟

۲.....ایسے شخص کو نماز شراب پئے ہوئے ادا کرنا چاہیے یا نہیں اور شراب پی کر نماز ادا کرنے پر گنہگار ہوا یا نہیں؟

۳.....ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اول شراب پی کر گنہگار ہوا، دوسرے شراب پئے ہوئے نماز پڑھی تو دوسرا گناہ اس نے کیا۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ شراب پینے پر گنہگار ضرور ہوا، مگر نماز ادا کرنے پر نماز کا اجر وثواب ضرور پائے گا، ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....شراب پینا حرام ہے(۱)، لیکن اگر اس سے نشہ نہ ہو، ہوش وحواس درست رہیں، تو اس حالت میں

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: سئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن البتع وهو شراب العسل، وكان أهل اليمن يشربونه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل شراب أسكر =

ایسے شخص کو نماز پڑھنے سے نہیں روکنا چاہیے(۱)، جب کہ وہ باقاعدہ وضو کر کے نماز ادا کرتا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں کرتا جو کہ احترام مسجد اور احترام نماز کے خلاف ہو۔

۲ ..... ایسے شخص کو اس حالت میں بھی نماز ضرور پڑھنی چاہیے(۲)، لیکن شراب کو ترک کرنا بھی لازم اور فرض ہے، جب تک شراب کا کوئی قطرہ پیٹ میں رہے گا، اللہ تعالیٰ کے دربار میں نماز قبول نہیں ہوگی۔

۳ ..... شراب پینے سے گنہگار ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے(۳)، اس لئے اس کا چھوڑنا بھی سب

= فهو حرام". (صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب الخمر من العسل وهو البتع: ۸۳۷/۲، قديمي)

"اقتضت هذه الآية تحريم الخمر من وجهين: أحدهما قوله: (رجس) لأن الرجس اسم في الشرع لما يلزم اجتنابه؛ ويقع اسم الرجس على الشيء المستقذر النجس، وهذا أيضاً يلزم اجتنابه، فأوجب وصفه إياها بأنها رجس لزوم اجتنابها، والوجه الآخر: قوله تعالىٰ: ﴿فاجتنبوه﴾ وذلك أمر والأمر يقتضي الإيجاب، فانتظمت الآية تحريم الخمر من هذين الوجهين". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة، باب تحريم الخمر: ۶۴۸/۲، قديمي)

"(وحرم قليلها وكثيرها) بالإجماع (لعينها) أي: لذاتها وفي قوله تعالىٰ: ﴿إنما الخمر والميسر﴾ الآية عشر دلائل على حرمتها مبسوطة في المجتبى وغيره". (الدر المختار، كتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، ۴۴۹، سعيد)

(۱) "﴿حتى تعلموا ماتقولون﴾ يدل على أن السكران الذي منع من الصلاة هو الذي قد بلغ به السكر إلى حال لايدري مايقول، وأن السكران الذي يدري مايقول لم يتناول النهي عن فعل الصلاة". (أحكام القرآن للجصاص، النساء، باب الجنب يمر في المسجد: ۲۸۷/۲، قديمي)

"﴿حتى تعلموا ماتقولون﴾ فإن كان بحيث لايعلم مايقول تجنب ..... وإن كان بحيث يعلم مايقول فأتى بالصلة فحكمه حكم الصاحي". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۴۳: ۱۴۴/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿حتى تعلموا ما تقولون﴾ ..... والمعنى لا تصلوا في حالة السكر، حتى تعلموا قبل الشروع ماتقولون قبلها إن بذلك يظهر أنكم ستعلمون ماستقرء ونه فيها". (تفسير روح المعاني، النساء: ۳۸/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) راجع الحاشية المقدمة انفاً

(۳) "قال أبوهريرة رضي الله تعالىٰ عنه: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: لا يزني الزاني حين يزني=

کے نزدیک ضروری ہے۔ نشہ نہ ہونے کی حالت میں ہوش وحواس صحیح رہتے ہوئے نماز پڑھنے سے فریضۂ نماز ادا ہوجائے گا اور اس نماز سے وہ گنہگار نہیں ہوگا(۱)، لیکن اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور خدا تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔

پیشہ ور پھرائی کو مؤذن بنانا

سوال[۱۰۲۱۳]: پیشہ ور پھرائی کی اذان جب کہ وہ ڈھولک اور سارنگی کے ساتھ مانگتا ہوا اور ساتھ

= وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن". (صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب قول الله تعالى: ﴿إنما الخمر ...﴾ الخ: ۲/۸۳۶، قديمي)

"أقول: الحديث: نص في حرمة الخمر، وحرمة بيعها، وحرمتها منصوصة في القرآن، ومصرح بكونها نجسة، وهذا القدر مما اتفق عليه المسلمون". (إعلاء السنن، كتاب الأشربة، باب حرمة الخمر: ۱۸/۲۲، إدارة القرآن كراچي)

"وأما بيان أحكام هذه الأشربة: أما الخمر فيتعلق بها أحكام: منها: أنه يحرم شرب قليلها وكثيرها إلا عند الضرورة؛ لأنها محرمة العين، فيستوي في الحرمة قليلها وكثيرها ... ومنها: أنه يكفر مستحلها؛ لأن حرمتها ثبت بدليل مقطوع به". (بدائع الصنائع، كتاب الأشربة: ۶/۴۲۱-۴۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۸۱

(۲) "لا يلزم من صحة العمل قبوله ووجوده لقوله تعالى: ﴿إنما يتقبل الله من المتقين﴾". (مرقاة المفاتيح، حديث النية المسمى بطليعة كتب الحديث: ۱/۱۰۰، رشيديه)

"وقال العلامة العيني رحمه الله تعالى في شرح البخاري: الإخلاص في الطاعة ترك الرياء ومعدنه القلب، وهذه النية لتحصيل الثواب لا لصحة العمل؛ لأن الصحة تتعلق بالشرائط والأركان والنية التي هي شرط لصحة الصلاة مثلاً أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۵، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب أن النية ليست واجبة في الوضوء: ۱/۱۰۸، إدارة القرآن كراچي)

غیر اللہ کے نام کا کھانا پینا بھی بلا تکلف کھاتا پیتا ہو، نرمی اور گرمی کے ساتھ منع کرنے کے باوجود بھی اپنے اس کام سے باز نہ آتا ہو، کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس شخص کو مؤذن نہ بنایا جائے اس کی اذان مکروہ ہے۔ ڈھولک، سارنگی وغیرہ لے کر مستقلاً مانگنے کا پیشہ کرنے والے اور غیر اللہ کے نام کی نذر وغیرہ کھانے والے بھی اس میں شامل ہیں، یعنی ان کی اذان مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ويكره أذان جنب وإقامته إقامة محدث لا أذانه وأذان امرأة وخنثى وفاسق ولو عالماً، لكنه أولى بإمامة وأذان من جاهل تقي.

(قوله: من جاهل تقي) أي: حيث لم يوجد عالم تقي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه: ۱/۳۹۲، سعيد)

"وأما الفاسق فلأن قوله لا يوثق به، ولا يقبل في الأمور الدينية، ولا يلزم أحداً فلم يوجد الإعلام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

"وصرح بكراهة أذان الفاسق ولا يعاد، فالإعادة فيه ليقع على وجه السنة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الفصل الرابع في إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

غروب سے پہلے اذان کا حکم

سوال[۱۰۲۱۴]: امام صاحب کی گھڑی میں دومنٹ باقی تھے مغرب کی اذان میں، مگر قاری صاحب نے اذان پڑھوادی، جب کہ امام صاحب نے منع کیا تھا، مگر وہ نہیں مانے۔ جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہونچے، تب سائرن ہوا(۱)، اس پر امام صاحب نے کہا دومنٹ رک جاؤ، قاری صاحب اس سے پہلے بھی امام صاحب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھا چکے تھے اور پہلے امام صاحب کو ہٹایا ہے، ان قاری کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی اذان جائز نہیں، اگر اذان وقت سے پہلے ہوگئی، تو اس اذان کا اعادہ لازم ہے(۲) اور نماز مغرب غروب سے پہلے جائز نہیں، اس طرح پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی (۳)۔

---

(۱) "سائرن: ایک آلہ جس سے بلند آواز پیدا ہوتی ہے۔ بھونپو"۔ (فیروز اللغات ص: ۸۱۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وأما بيان وقت الأذان والإقامة، فوقتهما ماهو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لايجزئه، ويعيده في الصلوات كلها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان وقت الأذان والإقامة: ۱/۲۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"قوله: (ولا يؤذن قبل وقت، ويعاد فيه) أي: في الوقت إذا أذن قبله؛ لأن يراد للإعلام بالوقت فلا يجوز قبله بلاخلاف في غير الفجر" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۷، رشيديه)

"ولا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها ويعاد في الوقت؛ لأن الأذان للإعلام وقبل الوقت تجهيل.

(قوله ولا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها) ويكره ويعاد، وبه قال أبويوسف والشافعي رحمه الله تعالى إلا في الفجر على ما في الكتاب". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "قوله: (والمغرب منه إلى غروب الشمس) أي: وقت المغرب من غروب الشمس إلى غروب =

ضد کی وجہ سے مخالفت کرکے امامت سے الگ کرادینا بہت بیجا اور غلط حرکت ہے(۱)۔ لازم ہے کہ آپس میں صلح وصفائی کرکے ہر ایک اپنی غلطی کی دوسرے سے معافی مانگے اور غلط طریقہ چھوڑ کر صحیح طریقہ اختیار کرے، جو شخص تمام نمازیوں میں صحیح العقیدہ، صحیح العمل، صحیح الاخلاق، مسائل نماز وطہارت سے واقف، صحیح پڑھنے والا ہو، اس کو امام تجویز کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

= الشفق لرواية مسلم "وقت صلاة المغرب مالم يسقط نور الشفق". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۴۲۶، رشيديه)

"وأول وقت المغرب إذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم يغب الشفق". (الهداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت: ۱/ ۸۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ومنها: الوقت؛ لأن الوقت كما هو سبب لوجوب الصلاة فهو شرط لأدائها، قال الله تعالى: (إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً) أي: فرض مؤقتا؛ حتى لايجوز أداء الفرض قبل وقته، إلا صلاة العصر يوم عرفة على ما يذكر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الأركان: ۱/ ۵۵۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"والشرط الخامس من الشروط الستة هو الوقت. قدمه على النية مع زيادة اهتمامها لكونها شرطاً لكل صلاة كالاستقبال ... ثم إن دخول الوقت شرط لصحة أداء الصلاة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الخامس، الوقت، ص: ۲۲۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة في وقف بلا جنحة وعدم أهلية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة، أو عدم أهلية: ۴/ ۳۸۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۸۰، رشيديه)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة ..... ثم الأورع أي: الأكثر اتقاء للشبهات، والتقوى اتقاء المحرمات". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

"وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة، فإن تساووا فأقرؤهم، فإن تساووا فأورعهم". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۱۲۱، ۱۲۲، شركت علميه ملتان)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل الإمامة، الأولى بالإمامة، ص: ۲۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل الخامس في الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

قضا نماز کے لئے اذان واقامت

سوال[۱۰۲۱۵]: میں قضا نماز کبھی گھر پر پڑھتا ہوں، کبھی مسجد میں، مسجد میں قضا نماز اکثر نماز با جماعت کے بعد ادا کرتا ہوں، اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مجھے گھر پر قضا نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کہنا ہے یا نہیں اور مسجد میں کیا اذان واقامت بھی کہنی ہے یا نہیں؟ اور اگر اذان واقامت کہنی ضروری ہے، تو آہستہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضا نماز اس طرح پڑھنی چاہیے کہ کسی کو علم نہ ہو کہ یہ قضا نماز پڑھ رہے ہیں(۱)، اس لئے مسجد میں فجر نماز کے بعد اور عصر نماز کے بعد نہ پڑھیں، جب مسجد میں قضا نماز پڑھتے ہیں تو وہاں اذان واقامت ہوتی ہی ہے اور مکان پر جب پڑھتے ہیں تو وہاں مسجد کی اذان کافی سمجھی جاتی ہے۔ اگر اذان واقامت کی نوبت آئے، تو آہستہ آہستہ کہیں تاکہ دوسروں کو اشتباہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "ويسن ذلك (أي الأذان) ...... ولا فيما يقضي من الفوائت في مسجد ...... لأن فيه تشويشاً وتغليطاً، ويكره قضاؤها فيه؛ لأن التأخير معصية فلا يظهرها، بزازية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "وهذا إنما يظهر أن لو كان الأذان لجماعة، أما إذا كان منفرداً ويؤذن بقدر مايسمع نفسه فلا يلزم فيه تشويش وتغليط". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۸۷، دار المعرفة بيروت)

"...... وأما إذا لم يكن كذلك فلا يؤذن له في المسجد لخوف التشويش، وأحب أن يؤذن لنفسه بحيث لايسمعه من سواه". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

الفصل السادس في الأذان في اٰذان المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ

سوال[۱۰۲۱۶]: بچہ کے پیدا ہونے پر بعض لوگ کچھ فاصلہ سے بچہ کے کان میں اذان وتکبیر کہتے ہیں، اس لئے کہ بچہ کے قریب ہونے سے نفرت کرتے ہیں تو کیا یہ مسنون طریقہ سے اذان ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچہ جب پیدا ہونے کے بعد اس کو پاک صاف کر کے اس کے کان کے قریب اذان واقامت کہی جائے، اس سے نفرت نہ کی جائے، کان میں اس زور سے آواز نہ دی جائے، کہ بچہ پریشان ہو جائے اور آواز کو برداشت نہ کر سکے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قلت: قد جاء في مسند أبي يعلى الموصلي عن الحسين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من ولد له ولد، فأذن في أذنه اليمنىٰ وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان، كذا في الجامع الصغير للسيوطي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة: ۷/۷۵، رشيديه)

"وقال الرافعي رحمه الله تعالىٰ: قال السندي رحمه الله تعالىٰ: فيرفع المولود عند ولادة على يديه مستقبل القبلة، ويؤذن في أذنه اليمنىٰ، ويقيم في اليسرىٰ". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵، سعيد)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي، باب الأذان في اذان المولود: ۱/۲۷۸، سعيد)

باب الإقامة والتثويب

الفصل الأول في الإقامة

(اقامت کا بیان)

منفرد کے لئے اقامت کا حکم

سوال[۱۰۲۱۷] : اگر اکیلے فرض نماز ادا کرے، تو اقامت کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اکیلے فرض نماز پڑھتے وقت بھی نیت سے پہلے اقامت مستحب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ہر نماز میں مؤذن سے تکبیر کی اجازت لی جائے؟

سوال[۱۰۲۱۸] : اگر مؤذن کسی شخص سے صرف ایک مرتبہ یہ کہہ دے کہ جب بھی آپ مسجد میں تشریف لائیں، آپ میرے بغیر کچھ کہے تکبیر کہہ دیا کریں، تو کیا اس شخص کا ایک مرتبہ کی اجازت کے بعد پھر دوبارہ اجازت نہ لینا اور تکبیر کہہ دینا جائز اور درست ہوگا یا ہر مرتبہ اور ہر نماز میں مؤذن سے تکبیر کی اجازت لی جائے؟

---

(۱) "وذكر الشيخ أن الضابط عندنا: أن كل فرض أداء كان أو قضاء يؤذن له ويقام، سواء أدى منفرداً أو بجماعة إلا الظهر يوم الجمعة في المصر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۵، رشيديه)

"(قوله: في بيته) أي: فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما قهستاني. وفي التفاريق: وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريباً وإلا فلا. وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۴۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک دفعہ کی اجازت بھی کافی ہے، جب کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "وإن أذن رجل وأقام آخر بإذنه لابأس به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۷، رشيديه)

"وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غير كراهة، وإن كان حاضراً، ويلحقه الوحشة بإقامة غيره، وإن رضي به لايكره عندنا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الأول في الأذان: ۱/۵۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الأول في الأذان: ۱/۵۰، رشيديه)

الفصل الثاني في التثویب

(تثویب کا بیان)

نمازِ فجر کے لئے قرآن کریم کی تلاوت یا نظم وغیرہ سے جگانے کا حکم

سوال[۱۰۲۱۹]: ہمارے قصبہ کی مسجد میں روزانہ فجر کی اذان کے بعد ایک یا دو رکوع پڑھتے ہیں، اس کے بعد نظم پڑھتے ہیں، جماعت ہونے سے دس پندرہ منٹ پہلے رک جاتے ہیں، اس نیت سے کہ لوگوں کو فجر کی نماز جماعت سے مل جائے، کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پڑھنا غالباً ریڈیو اور اسپیکر پر ہوتا ہوگا، ایسے وقت پر کچھ لوگ سو رہے ہوں گے، کچھ ضروریات میں مشغول ہوں گے، قرآن پاک کی طرف توجہ دینے سے قاصر ہوں گے، اس لئے اس کو ترک کیا جائے (۱)، ویسے ہی نماز کے واسطے بلانے کے لئے شریعت نے اذان تجویز کی ہے، ریڈیو اسپیکر پر قرآن پاک اور نظم پڑھنا تجویز

---

(۱) "قال العلائي: "[فروع] یجب الاستماع للقرآن مطلقاً؛ لأن العبرة لعموم اللفظ.

قال العلامة الشامي رحمه الله تعالیٰ: وفي الفتح عن الخلاصة: رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرأ القرآن فلا یمکنه استماع القرآن فالإثم علی القارئ، وعلی هذا: لو قرأ علی السطح والناس نیام یأثم اهـ لأنه یکون سبب لإعراضهم علی استماعه، أو لأنه یؤذیهم بإیقاظهم تأمل ...... یجب علی القارئ احترامه بأن لایقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فیها کان هو المضیع لحرمته".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، قبیل باب الإمامة: ۱/۵۴۶، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع في الصلاة والتسبیح وقرأة القرآن ... الخ: ۵/۳۱۸، رشیدیه)

(وکذا في مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة: ۴/۳۳۰، امجد اکیڈمی لاهور)

نہیں کیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوات، وليس ينادي بها أحد تكلموا يوماً في ذلك،فقال بعضهم: اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود، قال: فقال عمر رضي الله تعالى عنه: أولا تبعثون رجلاً ينادي بالصلاة؟ فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: يا بلال! قم فناد بالصلاة". (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في بدء الأذان: ۱/۴۸، سعيد)

"لما روي عن علي رضي الله تعالى عنه رأى مؤذناً يثوب في العشاء فقال: "أخرجوا هذا المبتدع من المسجد". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب صفة الصلاة

الفصل الأول في شروط الصلاة

(شروطِ صلاۃ کا بیان)

کیا نیت کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے؟

سوال[۱۰۲۲۰]: جوکام نماز سے پہلے جائز تھے، نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد جائز ہے کیا؟ امام نے تکبیرِ تحریمہ کرلی اس کے بعد مقتدی کا نیت کرنا یعنی زبان سے نیت کے الفاظ کا دہرانا کیسا ہے؟ ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ مقتدی اللہ اکبر کہہ کر جماعت میں شامل ہوجائے، ان کا یہ کلام درست ہے کیا؟

نیت کی کیا تعریف ہے؟ جس کام کے کرنے کا ارادہ دل سے ہو، اُسے نیت کہتے ہیں یا دل کی بات کو زبان سے دہرایا جاتا ہے، اس کو نیت کہتے ہیں۔ کسی مقصد کے تحت جو کلمات زبان سے نکلتے ہیں، اس کو اقرار کہتے ہیں کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قطعاً نہیں (۱)۔ "نية عزم القلب على الفعل" کسی بھی کام کے لئے دل کی آمادگی کا نام نیت ہے۔

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسليم". (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء: ۲۰/۱، رحمانيه لاهور)

"(وتحريمها التكبير) قال المظهر: سمي الدخول في الصلاة تحريماً: لأنه يحرم الأكل والشرب، وغيرهما على المصلي. فلا يجوز الدخول في الصلاة إلا بالتكبير". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء، رقم الحديث: ۳۱۲: ۳۴۲/۲، رشيديه) .... =

اور شرعی اصطلاح میں اطاعت وقرب خداوندی کے لئے کسی کام کے کرنے کا نام، اس کو نیت کہتے ہیں، زبان سے اقرار ضروری نہیں اور زبان سے کہنا بھی ممنوع نہیں (۱)۔

"واصطلاحاً قصد الطاعة، والتقرب إلى الله تعالى في إيجاد فعل"

(شرح الحموي على الأشباه، ص: ٢٩)(٢)۔

بہت سی باتیں مقصد واضح کرنے کی نظر سے مثال کے طور پر بھی پیش کی جاتی ہیں، اس کو فقہ کی اصطلاح میں اقرار نہیں کہا جاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عربی میں نیت نماز

سوال [۱۰۲۲۱]: کوئی آدمی مثلاً: فجر کی نماز میں نیت عربی میں یوں کرے کہ:

"نويت أن أصلي لله تعالى ركعتي صلاة الفجر فرض الله تعالى متوجها إلى جهة الكعبة الشريفة الله أكبر"۔

= "والتحريم جعل الشيء محرماً، سميت بها لتحريم الأشياء المباحة قبل الشروع".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٤٢/١، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٠٦/١، رشيديه)

(١) "والنية هي الإرادة والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلي أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلك لاجتماع عزيمته". (الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط التي تتقدمها: ٩٦/١، شركت علميه ملتان)

"(وهو) أي: عمل القلب (أي يعلم) عند الإرادة (بداهةً) بلا تأمل (أيّ صلاة يصلي والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ٤١٥/١، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية: ٦٥/١، رشيديه)

(٢) (شرح الحموي على الأشباه، الفن الأول، قول في القواعد الكلية، الأولى: لا ثواب إلا بالنية: ٦٣/١، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، ص: ٢١٥، قديمي)

اس طریقہ سے نیت کرکے نماز پڑھنا، نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ کیا یہ الفاظ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت نام ہے ارادۂ قلبی کا، جو چیز کرنے کے لئے دل میں سوچ لی جاوے، وہی نیت ہے، یہی چیز دل میں سوچی گئی ہے، اس کو زبان سے استحباباً کیا تو اس سے نماز میں خرابی نہیں آئی، بغیر زبان سے کہے صرف دل کی سوچی ہوئی نیت پر کفایت کرے تب بھی کافی اور درست ہے۔ طریقۂ مذکورہ پر زبان سے کہنا قرآن واحادیث سے ثابت نہیں۔

"النية هي إرادة لا العلم والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، وهو أن يعلم بداهة أيّ صلاة يصلي، والتلفظ بها مستحب هو المختار. وقيل: سنة" (درمختار مع هامش الشامي: ۱/۲۷۸)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

سنت میں نیت کا طریقہ

سوال[۱۰۲۲۲]: سنتوں کی نیت کیسے کرنا چاہیے؟ تحریر فرمائیے گا۔ یہاں کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں: ''سنت اللہ رسول اور کچھ کہتے ہیں طریقہ رسول کا''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنتوں کی نیت اس طرح کرے کہ مثلاً: مغرب کی دو رکعت سنت، اللہ کے واسطے پڑھتا ہوں، سنت رسول اللہ کے طریقہ کو کہتے ہیں، زبان سے کہنا ضروری نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۴، ۴۱۵، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۲/۹۶، شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۸۲، رشيديه)

(۲) "والنية هي الإرادة والشرط أن يعلم بقلبه أيّ صلاة يصلي. أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلك =

نفل نماز میں حتمی نیت کرنا

سوال[۱۰۲۲۳] : ایک شخص عرصہ سے نفل نماز کی نیت اس طرح باندھتا ہے:

''نیت کی میں نے دو رکعت نماز نفل کی، نفل اپنے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، وقت فلاں''۔

کیا یہ طریقہ شرک میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مطلب یہ ہے کہ نفل اللہ نے لازم قرار نہیں دی، اس لئے اس کے پڑھنے پر کوئی پکڑ نہیں، بلکہ یہ میرا اپنا حق ہے، اگر پڑھوں گا تو مجھے ثواب ملے گا، نہیں پڑھوں گا تو ثواب سے محروم نہیں رہوں گا، اس لئے یہ شرک نہیں اور ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۵/۱۰/۸۶ھ۔

لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۲۴] : تہبند کے نیچے لنگوٹ باندھ کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ پاک ہے، تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= لاجتماع عزيمته". (الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۱/۹۶، شركت علميه ملتان)

"(وهو) أي: عمل القلب (أن يعلم) عند الإرادة (بداهة) بلا تأمل (أي صلاة يصلي والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۵، سعيد)

"والحق: أنهم إنما ذكروا العلم بالقلب لإفادة أن النية إنما هي عمل القلب، وأنه لايعتبر باللسان لا أنه شرط زائد على أصل النية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۸۲، رشيديه)

(۱) "(هي ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث وثوبه) وكذا مايتحرك بحركته أو يعد حاملاً له ...... الخ. =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

جس کپڑے میں بدن نظر آئے اس میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال[۱۰۲۲۵]: ترالین کپڑا جس میں بعض میں تمام بدن نظر آتا ہے، بعض میں نہیں آتا۔ اس کا پہننا مردوں اور عورتوں کے لئے کیسا ہے؟ اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ عورتوں کے لباس میں اوڑھنی ہو یا ساڑھی یا کرتا سب کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کپڑے میں اعضاء نظر آتے ہیں اور ستر عورت نہیں ہوتا تو اس کا پہننا مرد اور عورت ہر دو کے لئے ناجائز ہے(۱)۔ الا یہ کہ اس سے اوپر یا اس کے نیچے ساتر عورت کپڑا ہو، اگر اس میں اعضاء نظر نہ آئیں، بلکہ وہ ساتر عورت ہو، یعنی گاڑھی قسم کا ہو، تو دونوں کے لئے درست ہے، اس کو پہن کر نماز بھی درست ہے(۲)۔

= (قوله: وثوبه) أراد ما لابس البدن، فدخل القلنسوة، والخف، والنعل عن الحموي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۲، سعيد)

"وأما طهارة ثوبه فلقوله تعالى: ﴿وثيابك فطهر﴾ فإن الأظهر أن المراد ثيابك الملبوسة وأن معناها طهرها من النجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۶، رشيديه)

"تطهير النجاسة من بدن المصلي، وثوبه، والمكان الذي يصلي عليه واجب هكذا في الزاهدي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۱۸۹، دار المعرفة بيروت)

(۱) "وحد الستر أن لا ير ماتحته، حتى لو ستر بثوب رقيق يصف ماتحته لايجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(۲) "فإن الإسلام ... لم يقصره على نوع دون نوع، ولم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئة خاصة من =

اگر اس میں ریشم غالب ہو، تو مردوں کے لئے منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۸۸ھ۔

مستورات کے لئے ٹخنہ ستر ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۲۲۶]: عورتوں کے ٹخنے بسا اوقات نماز میں کھل جاتے ہیں، لہٰذا اعادہ نماز کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ٹخنہ ایک عضو ہے یا کسی عضو کا جزو ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الكعب تبع للساق اهـ" سكب الأنهر: ۱/۸۱(۲).

= اللباس، ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعة من المبادي". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۸۷/۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"لا بأس بلبس الثياب الجميلة إذا كان لاينكر عليه فيه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۱/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الله عزوجل أحل لأناث أمتي الحرير والذهب، وحرمه على ذكورها". (سنن النسائي، كتاب الزينة، باب لبس تحريم الذهب: ۲۹۳/۲، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: سمعت عمر رضي الله تعالى عنه يذكر أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه في الآخرة". (جامع الترمذي، أبواب الاستئذان والأدب، باب ماجاء في كراهية الحرير والديباج: ۱۰۹/۲، سعيد)

"قوله: (حرم للرجل لا للمرأة لبس الحرير إلا قدر أربع أصابع) يعني يحرم على الرجل لا على المرأة لبس الحرير ... وإنما حرم لبس الحرير على الرجال دون النساء لما روى أبوموسى الأشعري ... الخ". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۷/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۱/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المنتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط =

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ٹخنے مستقل عضو نہیں، بلکہ تابع ساق ہیں۔

ان کے کھل جانے سے نماز کا اعادہ لازم نہیں (۱)، کیونکہ یہ ربع ساق نہیں، گو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

قبلہ سے معمولی انحراف کی صورت میں نماز کا حکم

سوال[۱۰۲۲۷]: محلّہ میں صرف ایک مسجد ہے اور جمعہ کی نماز میں نیز عیدین کی نماز میں بعد پُر ہونے مسجد کے دیگر مصلیان سڑک پر نماز بوجہ مجبوری ادا کرتے ہیں اور سڑک پر نماز پڑھنے کی شکل میں کسی کا رخ قبلہ کی طرف نہیں ہو پاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قبلہ تھوڑا سا ٹیڑھا ہے اور سڑک بالکل سیدھی ہے اور کوئی شکل بھی نہیں ہے، اگر صفیں قبلہ کی شکل میں لے جائیں، تو تمام راستہ بند ہو جاتا ہے اور موٹر وغیرہ سب رک جاتی ہیں، اس سے بھی ٹریفک والے اعتراض کرتے ہیں، تو اس شکل سے ان مجبوریوں کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان میں مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے، معمولی انحراف ہو تو بھی ادا ہو جاتی ہے،

= الصلاة: ۱/۱۲۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(۱) "قوله: (وكشف ربع ساقها يمنع ... الخ) لأن قليل الانكشاف عفو عندنا للضرورة، فإن ثياب الفقراء لاتخلو عن قليل خرق كالنجاسة القليلة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۷۲، رشيديه)

"واعلم أن انكشاف ما دون الربع عفو إذا كان في عضو واحد". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۱۲۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

اگر شمال یا جنوب کی طرف رخ ہو جائے گا تو نماز نہیں ہوگی (۱)۔ اب آپ خود اندازہ کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں؟

سوال [۱۰۲۲۸]: ایک غیر مسلم نے ہم سے سوال کیا کہ مسلمان سوائے خدا کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتا، تو پھر مسلمان کعبہ کے رخ کیوں سجدہ کرتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کعبہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کا جواب کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سجدہ خدائے وحدہ لاشریک لہ کو ہی کیا جاتا ہے، کعبہ کو ہرگز نہیں کیا جاتا، جو شخص کعبہ کو سجدہ کرے، اسلام اس کو مشرک قرار دیتا ہے (۲)، سجدہ کرتے وقت رخ کسی جانب ضرور ہوگا، اس کے لئے سمت کعبہ کو تجویز

---

(۱) "فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافاً لاتزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ماقال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة ..... ولا بأس بالانحراف انحرافاً لا تزول به المقابلة بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة ..... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة أو لهوائها". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۸، ۴۳۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۹۵، ۴۹۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(قوله: حتى لو سجد للكعبة نفسها كفر) تفريع على كون الاستقبال شرطاً، يعني لما كان المسجود له هو الله تعالى، والتوجه إلى الكعبة مأموراً به كما تقدم كان السجود لنفس الكعبة كفراً. قال الرافعي: (قوله كان السجود لنفس الكعبة كفراً) أي: إذا نوى العبادة كما ذكروه في الردة. وقال السندي: لجعله شريكاً لله تعالى في العبادة، ولم يأذن بالعبادة لسواه اهـ". (الدرالمختار مع تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۱۹۷، دار المعرفة بيروت)

کردیا گیا(۱)۔ اس کی خصوصیت معلوم کرنا چاہیں، تو ’’قبلہ نما‘‘ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

قبلہ کا مشتبہ ہونا

سوال[۱۰۲۲۹]: نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ غلط رخ پر نماز پڑھی گئی ہے، تو کیا نماز ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی قبلہ کا رخ بتانے والا نہیں تھا اور مسجد کے ذریعہ بھی معلوم نہیں ہوسکا اور تحری کرکے نماز پڑھی، تو ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ (البقرة: ۱۴۴)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "البيت قبلة لأهل المسجد والمسجد قبلة لأهل الحرم، والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها ومغاربها من أمتي". (تفسير ابن كثير، التوبة: ۱/۲۳۱، دار السلام رياض)

"لا خلاف بين العلماء أن الكعبة قبلة في كل أفق، وأجمعوا على أن من شاهدها وعاينها فرض عليه استقبالها، وأنه إن ترك استقبالها وهو معاين لها وعالم بجهتها فلا صلاة له". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التوبة: ۲/۲۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "فإن اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد، فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلى لا يعيدها". (الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۱/۹۴، شركت علميه ملتان)

"ويتحرى عاجز عن معرفة القبلة، فإن ظهر خطؤه لم يعد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۳۳، سعيد)

"وأطلق في الاشتباه فشمل ما إذا كان بمكة أو بالمدينة بأن كان محبوساً، ولم يكن بحضرته من يسئله فصلى بالتحري ثم تبين أنه خطأ، روي عن محمد أنه لا إعادة عليه، وكان الرازي يقول: تلزمه الإعادة والأول أحسن كذا في الظهيرية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۰۰، رشيديه)

الفصل الثاني في أركان الصلاة

(ارکانِ نماز کا بیان)

فرض ونفل نماز میں قیام کا حکم

سوال[۱۰۲۲۰]: نماز کے فرائض میں قیام بھی ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ قیام سے کیا مراد ہے؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ تین بار" سبحان اللہ" کہنے کی مقدار قیام فرض ہے، اس سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ نماز بیٹھ کر جائز ہی نہیں، کیونکہ ایک فرض قیام کی کمی رہ جاتی ہے اور کسی فرض کے رہنے پر نماز نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فرض نماز میں قیام فرض ہے(۱)، بلا عذر ترک قیام سے نماز فرض ادا نہیں ہوگی (۲)، نفل میں قیام فرض

(۱) "من فرائضها التي لاتصح بدونها ... ومنها القيام في فرض لقادر عليه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۴۲، ۴۴۵، سعيد)

"وهو فرض في الصلاة للقادرعليه في الفرض". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في شروط الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة: ۱/۶۹، رشيديه)

(۲) "وأما الفرض فلا يصح قاعداً مع القدرة على القيام". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۰، رشيديه)

"ولا يجوز أن يصليها قاعداً مع القدرة على القيام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

"(من فرائضها التي لا تصح بدونها ... الخ). (قوله: التي لاتصح بدونها صفة كاشفة إذ لا شيء من الفروض ما تصح الصلاة بدونه بلا عذر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۴۲، رشيديه) =

نہیں وہ بیٹھ کر بھی درست ہے، البتہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے نصف اجر ملتا ہے۔ کذا في البحر الرائق (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۲/ ۹۶ھ۔

چارپائی پر نماز

سوال [۱۰۲۳۱]: ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے جنگل میں رات کو عشاء کی نماز چارپائی پر پڑھی، اندھیرے اور گھاس کی زیادتی کی وجہ سے چارپائی پر پڑھی۔ اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چارپائی پاک ہے یا اس پر پاک کپڑا بوریہ وغیرہ ہے اور سجدہ صحیح طریقہ سے ہو جائے تو اس پر نماز ہو جائے گی (۱)، اندھیرے اور گھاس کی وجہ سے اس کی نوبت آجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۲/ ۱۴۰۰ھ۔

= "قوله: (ويتنفل قاعداً مع قدرته على القيام ابتداء وبناء) بيان أيضاً لما خلف فيه النفل والفرائض والواجبات وهو جوازه بالقعود مع القدرة على القيام، وقد حكي فيه إجماع العلماء ... وروى البخاري عن عمران بن الحصين مرفوعاً "من صلى قائماً فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم" وقد ذكر الجمهور كما نقله النووي رحمه الله تعالى: أنه محمول على صلاة النفل قاعداً مع القدرة على القيام، وأما إذا صلاها مع عجزه فلا ينقص ثوابه عن ثوابه قائماً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۳۶، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة النفل جالساً الخ، ص ۴۰۲، ۴۰۳، قديمي)

(۱) "(قوله: وأن يجد حجم الأرض) تفسيره: أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فصح على طنفسة، وحصير، وحنطة، وشعير، وسرير، وعجلة إن كانت على الأرض. لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/ ۵۰۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: الشروع في =

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سجدہ کی کیفیت

سوال[۱۰۲۳۲]: ایک شخص ہے، جو کہ بیٹھ کر مستحب نماز ادا کرتا ہے، آیا وہ سجدہ کس طرح کرے، رانوں کو پیروں سے جدا کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی حالت میں سجدہ کرتا ہے، اسی طرح بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں سجدہ کرے، رانوں کو پنڈلیوں سے اوپر اٹھائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

نماز کے دوران سجدے میں دعا کرنا

سوال[۱۰۲۳۳]: حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں دعا مانگا کرتے تھے، اس سے کیا مراد ہے؟ آیا نماز ختم کر کے سجدہ میں جا کر کے دعا مانگتے یا پھر نماز کے دوران میں سجدہ

= الصلاة: ۱/۲۲۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۸، رشيديه)

(۱) "عن ميمونة رضي الله تعالى عنها: "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا سجد جافى بين يديه حتى لو أن بهمة أرادت أن تمر تحت يديه مرت". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب صفة السجود: ۱/۱۳۷، مكتبه إمداديه)

"ويظهر عضديه في غير زحمة، ويباعد بطنه عن فخذيه ليظهر كل عضو بنفسه". (الدر المختار، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۵۰۳، سعيد)

"(قوله: ليظهر كل عضو بنفسه) فلا تعتمد الأعضاء على بعضها: ولأنه أشبه بالتواضع، وأبلغ في تمكين الجبهة والأنف من الأرض، وأبعد من هيئات الكسالى، فإن المنبسط يشبه الكلب، ويشعر حاله بالتهاون بالصلاة، وقلة الاعتناء بها". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل: الشروع في الصلاة: ۱/۲۲۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، رشيديه)

دوران میں دعا مانگا کرتے تھے؟ کسی نے مجھے بتایا ہے کہ نماز کے دوران سجدے میں جب جاتے تھے، تو گھٹنوں سجدے میں گرے ہوئے گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کی تشریح مجھے چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نفل نماز بہت طویل پڑھتے تھے، قیام بھی بہت طویل ہوتا تھا، بعض دفعہ سوا پارہ ایک رکعت میں پڑھتے تھے(۱)، اتنے طویل قیام کے ساتھ رکوع بھی طویل ہوتا تھا اور سجدہ بھی اسی کے موافق ہوتا تھا اور تسبیحات کے علاوہ کچھ دعائیں بھی ہیں(۲)، یہ نماز کے ساتھ انتہائی انس اور ذوق کی بات ہے کہ اتنی دیر تک اپنے مولیٰ جل

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: صليت مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات ليلة فافتتح البقرة فقلت: يركع عند المائة ثم مضى فقلت: يصلي بها في ركعة، فمضى فقلت يركع بها، ثم افتتح النساء فقرأها، ثم افتتح ال عمران فقرأها، يقرأ مترسلاً، إذا مر باية فيها تسبيح سبّح، وإذا مرّ بسؤال سأل، وإذا مر بتعوّذ عوّذ، ثم ركع فجعل يقول: "سبحان ربي العظيم" فكان ركوعه نحواً من قيامه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، ثم قام طويلاً قريباً مما ركع، ثم سجد فقال: "سبحان ربي الأعلى" فكان سجوده قريباً من قيامه قال: وفي حديث جرير من الزيادة فقال: سمع الله لمن حمده". (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القرأة في صلاة الليل: ۱/۲۶۴، قديمي)

"عن المغيرة رضي الله تعالى عنه يقول: إن كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليقوم أو ليصلي حتى ترم قدماه أو ساقاه فيقال له فيقول: "أفلا أكون عبداً شكوراً". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب قيام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حتى ترم قدماه: ۱/۱۵۲، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التحريض على قيام الليل، الفصل الأول، ص: ۱۰۸، قديمي)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يكثر أن يقول في ركوعه وسجوده، "سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلي" يتأول القرآن". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التسبيح والدعاء في السجود: ۱/۱۱۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقول في سجوده: "اللهم اغفرلي ذنبي كله دقه وجله، وأوله وآخره، وعلانيته وسره". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود: ۱/۱۹۱، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في الركوع والسجود: ۱/۱۳۵، رحمانيه لاهور)

شانہ کے سامنے سر رکھے ہوئے اور دعائیں مانگ رہے ہیں، یہ صورت نہیں تھی کہ نماز سے فارغ ہوکر کے مستقل سجدہ کرکے اس میں دعا مانگتے تھے، جیسا کہ بعض آدمی کرتے ہیں، البتہ کسی خاص نعمت کے شکریہ میں سجدہ بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۶/۸۵ھ۔

محمد جمیل الرحمن، نائب مفتی۔

مرد وعورت کی نماز میں فرق

سوال[۱۰۲۳۴]: ہمارے یہاں مردوں اور عورتوں کے نماز پڑھنے کا طریقہ مختلف ہے، ایسا کیوں ہے؟ کیا کسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں کو اور طریقہ سے نماز ادا کرنی چاہیے، یہ طریقہ ہے، میرا مطلب سجدہ میں جانے کا طریقہ پاؤں خاص طرح سے رکھنے کا طریقہ ہے، جب کہ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سجدہ میں یوں نہ بیٹھو جس طرح کتا بیٹھتا ہے، بہر حال کچھ اس طرح کے الفاظ ہیں، مگر عورتوں کو جس طرح جو نہ سکھایا جاتا ہے، اس سے کچھ ویسی صورت پیدا ہوتی ہے۔ عورتوں کو اس طرح سجدہ وغیرہ پردہ داری کے خیال سے علماء نے سکھایا ہے، تو کیا حدیث اور قرآن کے علاوہ خود ایسے طریقے رائج کیے جاسکتے ہیں؟ مجھے اس سلسلہ میں واضح جواب چاہیے۔

---

(۱) "وسجدة الشكر مستحبة به يفتى، لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.

(قوله وسجدة الشكر) ..... وهي لمن تجددت عنده نعمة ظاهرة، أو رزقه الله تعالى مالاً أو ولداً أو اندفعت عنه نقمة، ونحو ذلك يستحب له أن يسجد لله تعالى شكراً مستقبل القبلة يحمد الله تعالى فيها ويسبحه، ثم يكبر فيرفع رأسه كما في سجدة التلاوة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۹، ۱۲۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/۳۲۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ومما يتصل بذلك مسائل سجدة الشكر: ۱/۱۳۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

عورتوں کے لئے اس طرح سجدہ کرنے کا حکم خود حدیث شریف میں ہے، علماء نے حدیث کی مخالفت کر کے یا حدیث سے بے نیاز ہو کر کے کسی مصلحت کی بناء پر یہ حکم اپنی طرف سے نہیں دیا ہے۔

"والمرأة تنخفض وتلزق بطنها بفخذيها، روي عن يزيد بن أبي حبيب: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مرّ على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض، فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل". زيلعي: ۱/۱۸(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۶/۸۵ھ۔

محمد جمیل الرحمن، نائب مفتی۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن يزيد بن أبي حبيب، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مرّ على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى للأرض؛ فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل". (كتاب المراسيل للإمام أبي داود السجستاني، كتاب الصلاة، باب جامع الصلاة، رقم الحديث: ۸۹، ص: ۱۹۱، دار الصميعي المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى ۱۴۲۲هـ)

"عن يزيد بن أبي حبيب، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض. فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل". (سنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب مايستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود: ۲/۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۶۱، رشيديه)

(وكذا في تلخيص الحبير، باب صفة الصلاة: ۱/۳۹۴، مكتبه نزار مصطفى البابي الحلبي مصر)

الفصل الثالث في سنن الصلاة

(نماز کی سنتوں کا بیان)

دوقدموں کے درمیان کتنا فصل ہو؟

سوال[۱۰۲۳۵]: اگر کسی کی عادت ہوگئی، ایک بالشت سے زیادہ فاصلہ رکھ کر نماز میں کھڑے ہونے کی اور اس سے اس کو خشوع اور خضوع زیادہ ہوتا ہے، تو ایسا کرنا کسی حنفی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت کا فصل کر کے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ترک مستحب سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے، نہ مکروہ ہوتی ہے(۱)، البتہ مستحب کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ کذا في الطحطاوي (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۴ھ۔

---

(۱) "ويسن تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع؛ لأنه أقرب إلى الخشوع". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲، قديمي)

"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة: ۱/۷۳، رشيديه)

(۲) "والأولىٰ ما عليه الأصوليون من عدم الفرق بين المستحب والمندوب، وتركه لا يوجب إساءة ولا عتاباً لكن فعله أفضل". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في ادابها، ص: ۲۷۶، قديمي)

"ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة، إذ لابدلها من دليل خاص اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب لايلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لابدلها من دليل خاص: ۲/۱۷۷، سعيد) .... =

نماز میں ٹخنوں کو ملانے کا حکم

سوال[۱۰۲۳۶]: نماز میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملانا چاہیے یا نہیں؟ کیا حدیث یا فقہ میں اس کی ممانعت ہے یا اس کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں تصریح کی ہے کہ دونوں قدم کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھے(۱)، اس سے معلوم ہوا کہ ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں ملایا جائے گا۔ علاوہ ازیں ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر نماز پڑھنا بہت دشوار ہے اور قعدہ تو اس حالت میں ممکن بھی نہیں، البتہ ایک نمازی دوسرے نمازی کے ساتھ صف میں کھڑا ہو کر اپنا ٹخنہ دوسرے کے ساتھ سیدھ میں رکھے، آگے پیچھے نہ رکھے، تاکہ صف سیدھی رہے، یہی حکم حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۲)۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱/۳۵۵، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "ويسن تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع؛ لأنه أقرب إلى الخشوع". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲، قديمي)

"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها: ۱/۷۳، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أقيموا صفوفكم فإني أراكم من وراء ظهري، وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف: ۱/۱۰۰، قديمي)

"عن أبي القاسم الجدلي قال: سمعت النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه يقول: أقبل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على الناس بوجهه فقال: "أقيموا صفوفكم ثلاثاً. والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم" قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۶، رحمانيه لاهور)

"قال: أي: نعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه: فرأيت الرجل: "أي: من الصحابة المصلين =

یہ نہیں کہ ایک نمازی ٹخنہ کو دوسرے نمازی کے ٹخنہ سے ملالے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۵ھ۔

امام تکبیرِ تحریمہ کب کہے؟

سوال[۱۰۲۳۷]: امام صاحب کس وقت تکبیرِ تحریمہ یعنی نیت باندھے، کتاب وسنت کے مطابق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ قول بھی ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کردے اور سب مقتدی بھی اس کی اقتداء میں شروع کردیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر شروع کرے، امام بھی مقتدی بھی، اس میں بھی کوئی تشدد اختیار نہ کیا جائے، دونوں قول درمختار اور شامی میں مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

= بالجماعة بعد صدور ذلك القول من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "يلزق": أي يلصق منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه، ولعل المراد بالإلزاق المحاذاة، فإن إلزاق الركبة بالركبة، الكعب بالكعب في الصلاة مشكل، وأما إلزاق المنكب بالمنكب فمحمول على الحقيقة".

(بذل المجهود شرح أبي داود، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/ ۳۶۰، إمداديه ملتان)

(وإعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب سنية تسوية الصف ورصها: ۴/ ۳۱۹، إدارة القرآن كراچی)

"(ويصف) أي: يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك. قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۸، سعيد)

(۱) "(وشروع الإمام) في الصلاة (مذ قيل قد قامت الصلاة) ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً وهو قول الثاني والثالث، وهو أعدل المذاهب (قوله وشروع الإمام) وكذا القوم؛ لأن الأفضل عند أبي حنيفة مقارنتهم له كما سيأتي. (قوله: لابأس به إجماعاً) أي: لأن الخلاف في الأفضلية فنفي البأس أي: الشدة ثابت في كلا القولين وإن كان الفعل أولى في أحدهما". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ۴۷۹، سعيد) .... =

امام کے پیچھے ثناء پڑھنا

سوال[۱۰۲۳۸]: اگر آہستہ نمازوں میں یا فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی مقتدی نماز میں شامل ہوجائے، کیا وہ اس وقت ثناء پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

سوال[۱۰۲۳۹]: ۱......سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین پیش امام ومقتدی دونوں کو کہنا چاہیے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر دوسری سورت شروع کرنی چاہیے یا بغیر بسم اللہ کے پڑھنا چاہیے؟ پیش امام صاحب سورہ فاتحہ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر دوسری سورت شروع کرتے ہیں ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

۲......قد قامت الصلوة پر نیت باندھنا چاہیے، مگر ہمارے پیش امام تکبیر کے کافی دیر بعد نیت باندھتے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل من آدابها، ص: ۲۷۶، قديمي)

(۱) "وقرأ سبحانك اللهم تاركاً وجل ثناؤك إلا في الجنازة متقصراً عليه ..... إلا إذا شرع الإمام في القراءة سواء كان مسبوقاً أو مدركاً، سواء كان إمامه يجهر بالقراءة أولاً، فإنه لايأتي به لما في النهر عن الصغرى: أدرك الإمام في القيام يثني مالم يبدأ بالقراءة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر والشاذ: ۱/۴۸۸، سعيد)

"أطلقه فأفاد أنه يأتي به كل مصل، إماماً كان أو منفرداً لكن قالوا: المسبوق لا يأتي به إذا كان الإمام يجهر بالقراءة للاستماع، وصححه في الذخيرة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۵۴۰، رشيديه)

"ثم اعلم أن الثناء يأتي به كل مصل فالمقتدى يأتي به مالم يشرع الإمام في القراءة مطلقاً سواء كان مسبوقاً، أو مدركاً في حالة الجهر أو السر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۵۲، قديمي)

ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس نماز میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے، اس میں الحمد کے بعد آمین کہہ کر بسم اللہ پڑھ کر سورت شروع کی جائے اور جس نماز میں آواز سے قرأت کی جاتی ہے، سورت سے پہلے پڑھنا مسنون نہیں (۱)، مقتدی الحمدللہ پڑھتا ہے، نہ سورت۔

۲......اقامت ختم ہونے پر بھی نماز شروع کرنا درست ہے، قد قامت الصلوة پر بھی اجازت ہے،

---

(۱) اس جواب میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے جواب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق دیا ہے، جب کہ فتویٰ شیخین کے مذہب پر ہے کہ امام کے لئے سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان "بسم اللہ" پڑھنا مستحب ہے، مسنون نہیں۔ نماز جہری ہو یا سری، دونوں میں یہی مسئلہ ہے۔

"ثم اعلم أنه لا فرق في الإتيان بالبسملة بين الصلاة الجهرية، والسرية، وفي حاشية المؤلف على الدرر: واتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة، بل هو حسن سواء كانت الصلاة سرية او جهرية، وينافيه ما في القهستاني أنه لا يسمي بين الفاتحة والسورة في قولهما، وفي رواية: عن محمد قال في المضمرات: والفتوى على قولهما، وعن محمد أنها تسن في السرية دون الجهرية لئلا يلزم الإخفاء بين جهرين، وهو شنيع واختاره في العناية، والمحيط، وقال في شرح الضياء: لفظ الفتوىٰ اكد من المختار، وما في الحاشية تبع فيه الكمال وتلميذه ابن أمير حاج حيث رجحا أن الخلاف في السنية. فلا خلاف أنه لو سمي لكان حسناً لشبهة الخلاف في كونها آية من كل سورة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۰، ۲۶۱، قديمي)

"وفيه أيضاً ...... قوله: (ولا تكره اتفاقاً) ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمي بين الفاتحة والسورة المقروءة سراً أو جهراً كان حسناً عند أبي حنيفة، ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي شبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة، بحر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب قرأة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۱/۴۹۰، سعيد)

(وكذا في معارف السنن، كتاب الصلاه، حديث أن الجهر بالبسملة بدعة والبسملة بين السورة والفاتحة: ۲/۳۷۲، ۳۷۳، سعيد)

تکبیر ختم ہونے کے بعد بلا وجہ تاخیر مناسب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نماز شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۰۲۴۰]: وضو بنا کر جب نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر نیت باندھے یا بغیر بسم اللہ پڑھے نیت باندھ لے، یعنی نیت باندھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر بسم اللہ کے نیت باندھنے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں، اس موقع پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں، اس کو ضروری سمجھنا غلط اور ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

رفع یدین کتنی جگہ ہے؟ نیز مرد وعورت کی نماز میں فرق

سوال [۱۰۲۴۱]: ایک جماعت اہل حدیث ہے، جن کی نمازوں میں فرق ہے، وہ جماعت ایک

---

(۱) "(وشروع الإمام) في الصلاة (مذ قيل: قد قامت الصلاة) ولو أخر حتى أتمها لا بأس به إجماعا، قوله (لا بأس به إجماعاً) أي: لأن الخلاف في الأفضلية فنفي البأس أي: الشدة ثابت في كلا القولين، وإن كان الفعل أولى في أحدهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، اداب الصلاة: ۱/۴۷۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاه، فصل من ادابها، ص: ۲۷۸، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۱، رشيدية)

(۲) "قال ابن منير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها ... الخ". (فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين: ۲/۴۳۰، قديمی)

"قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۶: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

رکعت میں تین مرتبہ رفع الیدین کرتی ہے اور وہ جماعت عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق نہیں بتلاتی، مرد بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر سینے پر باندھتے ہیں اور عورتیں بھی مردوں کی طرح سجدہ کرتی ہیں، صحیح حدیثوں کا حوالہ دے کر بتلائے کہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور وتر میں بھی ان کے یہاں فرق ہے، وہ رکعت وتر پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد رکوع میں چلے جاتے ہیں، پھر رکوع سے اٹھنے کے بعد تسبیح پڑھ کر سیدھے کھڑے ہو کر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھتے ہیں، پھر سجدہ میں جاتے ہیں، غرض کہ ہماری نماز سے بالکل مختلف ہے۔ آپ لکھیں کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں اور زور سے نماز میں آمین کہتے ہیں، یہ کون سے دور کی حدیثوں میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداء میں رفع یدین ایک رکعت میں کئی مرتبہ کیا جاتا تھا(۱)، اس کے بعد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین باقی رہ گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس طرح ثابت ہے(۲)،

---

(۱) "عن سالم بن عبدالله، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضاً، وقال "سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد" وكان لا يفعل ذلك في السجود". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع اليدين في التكبيرة الأولى مع الافتتاح سواءً: ۱۰۲/۱، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام، والركوع، وفي الرفع من الركوع: ۱۶۸/۱، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الأول، ص: ۷۵، قديمي)

(۲) "عن علقمة قال: قال لنا ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فصلى ولم يرفع يديه إلا مرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث، ص: ۷۷، قديمي)

(وجامع الترمذي، وقال: حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، حديث حسن، أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع: ۵۹/۱، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع: ۱۱۸/۱، رحمانيه)

پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین فرماتے تھے(۱)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کیا جاوے۔ ان کے پاس بھی روایات موجود ہیں(۲)۔ اور یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ اس پر کچھ لڑائی کی جائے اور جو کچھ اختلاف ہے، افضل وغیر افضل کا ہے، جیسا کہ ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن میں تصریح کی ہے(۳)۔ مستقل رسائل بھی لکھے ہیں۔ البحر الرائق: ۱/۳۲۲، میں ہے:

---

(۱) "عن البراء رضي الله تعالیٰ عنه: "أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه إلى قريب من أذنيه ثم لا يعود". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع: ۱/۱۱۸، رحمانيه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما، أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك وقال "سمع الله لمن حمده، ربنالك الحمد" وكان لايفعل ذلك في السجود". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الأول، ص: ۷۵، قديمي)

"عن نافع: أن ابن عمر (رضي الله تعالیٰ عنهما) كان إذا دخل في الصلاة كبر ورفع يديه، وإذا ركع رفع يديه، وإذا قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، وإذا قام من الركعتين رفع يديه، ورفع ذلك ابن عمر إلى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين: ۱/۱۰۲، قديمي)

"عن مالك بن الحويرث (رضي الله تعالیٰ عنه) أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه، وإذا ركع رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه، وإذارفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده" فعل مثل ذلك". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام: ۱/۱۶۸، قديمي)

(۳) "وأما ماليس بفرض فهم يخيرون في أن يفعلوا ما شأوا منه، وإنما الخلاف بين الفقهاء فيه في الأفضل منه". (أحكام القرآن للجصاص تحت آية: ﴿يا أيها الذين امنوا كتب عليكم الصيام﴾ البقرة: ۱۸۳، باب كيفية شهود الشهر: ۱/۲۸۲، قديمي)

"فلا يرفع يديه عند الركوع، ولا عند الرفع منه، ولا في تكبيرات الجنائز؛ لحديث أبي داود عن البراء رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يرفع يديه حين افتتح الصلوة، ثم لم يرفعهما حتى انصرف"(۱).

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی دونوں طرح کے عمل کی روایات ثابت ہیں (۲)۔

وفي فتح القدير: "واعلم أن الآثار عن الصحابة والطرق عنه صلى الله تعالى عليه وسلم كثيرة جداً، والكلام فيها واسع من جهة الطحاوى وغيره، والقدر المتحقق بعد ذلك كله ثبوت رواية كل من الأمرين عنه عليه الصلاة والسلام الرفع عند الركوع كما رواه الأئمة الستة في كتبهم عن ابن عمر، وعدمه كما رواه أبوداود وغيره عن ابن مسعود وغيره الخ. البحرالرائق: ۱/۳۲۳(۳).

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان لايرفع يده إلا عند افتتاح الصلاة ثم لا يعود بشيء من ذلك"(٤).

مجمع الزوائد میں روایت موجود ہے کہ دو عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: بعض اعضاء کو بعض اعضاء سے ملا کر چپکا کر سجدہ کیا کریں (۵)، یعنی مردوں کی طرح کشادگی کے

---

(۱) (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۱۳، وأيضاً ص: ۵۱۴، رقم الحاشية ۱، ۲

(۳) (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۳، رشيديه)

(۴) (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب ترك رفع اليدين في غير الافتتاح: ۳/۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۵) لم أجده في مجمع الزوائد ولكن في سنن الكبرىٰ للبيهقي:

"عن يزيد بن أبي حبيب (رضي الله تعالىٰ عنه): أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل". (سنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، باب مايستحب للمرأة من ترك التجا في الخ: ۲/۳۱۵، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

ساتھ سجدہ نہ کریں، بلکہ سجدہ کی حالت میں اپنے ذراعین (کہنیوں) کو زمین سے لگائیں اور عضدین (بازوؤں) کو سینے سے اور شکم (پیٹ) کو زانو پر رکھا کریں، ان کا قعود بھی تورک (۱) کے ساتھ ہوتا ہے، رفع یدین بھی مردوں کی طرح نہیں کریں گی، کسی روایت میں ایسا بھی ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر بعد میں ایک رکعت مستقل پڑھی، مگر عامۃً تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھنے کا معمول تھا (۲)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعت تراویح کا اہتمام فرمایا اور دیگر صحابہ کا بھی یہی معمول تھا (۳)۔

= (وكذا في تلخيص الحبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) "تورک: سرین پر بیٹھنا"۔ (القاموس الوحيد، ص: ۱۸۴۱، إدارة اسلاميات)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن رجلاً سأل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن صلاة الليل فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى" وعن نافع أن عبدالله ابن عمر رضي الله تعالى عنهما كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يأمر ببعض حاجته". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب الوتر، باب ماجاء في الوتر: ۱/۱۳۵، قديمي)

"عن عبدالعزيز بن جريج قال: سألت عائشة رضي الله تعالى عنها: بأي شيء كان يوتر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ قالت: كان يقرأ في الأولى بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الثانية: "بقل يا أيها الكافرون" وفي الثالثة "بقل هو الله أحد، والمعوذتين". (جامع الترمذي، أبواب صلاة الوتر، باب ماجاء مايقرأ في الوتر: ۱/۱۰۶، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الوتر، ص: ۸۲، قديمي)

(۳) "عن عبدالرحمن بن عبدالقاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل ويصلي بصلاته الرهط، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: والله! إني لأراني لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد. لكان أمثل، فجمعهم على أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه". (الموطأ للإمام مالك، كتاب الصلاة في رمضان، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۹۸، مير محمد كتب خانه)

"كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه رمضان بثلاث وعشرين ركعةً".
(الموطأ للإمام مالك، كتاب الصلاة في رمضان، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۹۷، مير محمد كتب خانه) =

آمین زور سے بھی ثابت ہے، آہستہ بھی، یہ کہنا غلط ہے کہ آہستہ سے ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۴۰۰ھ۔

قومہ میں تحمید اور تسبیح کا حکم

سوال [۱۰۲۴۲]: ۱..... نماز میں قعدہ اخیرہ میں درود شریف کے بعد دعاء ماثورہ پڑھنا ضروری ہے؟

۲..... رکوع سے کھڑے ہونے پر "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" اور "ربنالك الحمد" دونوں کا پڑھنا ضروری ہے؟ اس کے متعلق علماء کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سنت ہے (۲)۔

= "إن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه جمع الناس في رمضان على أبي بن كعب وعلى تميم الداري، الخ". (عمدة القاري، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱۱/۱۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن وائل بن حجر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، قال: "امين" وأخفى بها صوته". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۵/۴۱۳، رقم الحديث: ۱۸۳۷۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إذا أمّن الإمام فأمّنوا، فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه" قال ابن شهاب: وكان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "امين". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين: ۱/۱۰۸، قديمي)

(وكذا في اثار السنن، باب ترك الجهر بالتأمين، ص: ۱۲۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "(ودعا بما يشبه ألفاظ القرآن والسنة) أي: دعا لنفسه ولغيره من المؤمنين، وهذا أحسن من قول بعضهم ودعا لنفسه؛ لأن من السنة أن لايخص نفسه بالدعاء وهو سنة لما روينا، ولقوله تعالى: ﴿فإذا فرغت فانصب﴾". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويتشهد وصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ودعا بما يشبه ألفاظ القرآن؛ والأدعية المأثورة". (الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۱۱۲، ۱۱۳، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها: ۲/۸۹، رشيديه)

۲.....منفرد تو دونوں کو پڑھے، مقتدی صرف "ربنا لك الحمد" پڑھے، امام صرف "سمع الله لمن حمده" پڑھے، یہ طریقہ سنت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مصلی پر کھڑے ہو کر زمین پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال[۱۰۲۴۳]: امام صاحب نے نماز فرض پڑھانے کے بعد اس مصلے پر آگے بڑھ کر نماز سنت ادا کی، تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ پیر مصلے پر (یعنی) اونچے پر اور سجدہ زمین (یعنی) نیچے پر نہیں کرنا چاہیے، ازروئے شریعت ان مسئلوں سے آگاہ کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لوگوں کا یہ اعتراض بے محل اور لغو ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعاً، ويكتفي به الإمام، ويكتفي بالتحميد المؤتم، ويجمع بينهما لو منفرداً على المعتمد يسمع رافعاً، ويحمد مستوياً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة: ۱/۴۹۶، ۴۹۷، سعيد)

"فإن كان إماماً يقول سمع الله لمن حمده بالإجماع، وإن كان مقتدياً يأتي بالتحميد، ولا يأتي بالتسميع بلا خلاف، وإن كان منفرداً الأصح أنه يأتي بهما كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها: ۱/۷۴، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۷۹، قديمي)

(۲) مصلی اور زمین کے درمیان نصف ذراع سے کم کا فاصلہ ہے، اس وجہ سے اس طریقے سے سجدہ کرنا درست ہے۔

• "ولو كان موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز سجوده، وإن أكثر لا، إلا لزحمة كما مر، والمراد لبنة بخارى، وهي ربع ذراع، عرض ستة أصابع، فمقدار ارتفاعهما نصف ذراع ثنتا عشر إصبعاً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۵۰۳، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فرائض الصلاة، الخامس السجدة، ص: ۲۸۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۸، رشيديه)

تشہد کے بعد کی دعا

سوال[۱۰۲۴۴]: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشہد میں کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟ اور بعد نماز کون سی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "اللهم أنت السلام ومنك السلام وإليك يرجع السلام حينا ربنا بالسلام وأدخلنا دار السلام تباركت ربنا وتعاليت يا ذ الجلال والإكرام" دعا مانگی ہے؟ مشکوۃ شریف میں اتنی بھی کوئی دعا نہیں مل رہی ہے، بلکہ مختصر، شک اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ یہ دعا ایک دیوبندی فارغ التحصیل طالب علم نے اپنے کتابچہ میں درج فرمایا ہے، ملاحظہ ہو، کتابچہ شائع کردہ محمود شریف پونچھی کشمیری درسال ۱۹۴۹ء جواب کے لئے لفافہ ارسال ہے۔ برائے مہربانی جواب سے مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالتِ تشہد میں سلام سے پہلے "اللهم إني ظلمت نفسي الخ" اور "اللهم إني أعوذبك من عذاب جهنم الخ" وغیرہ منقول ہیں۔ مشکوۃ شریف میں باب الدعاء فی التشہد ملاحظہ کریں (۱)، نیز باب الذکر بعد الصلاۃ میں منقول ہے:

"اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذ الجلال والإكرام" اور دعائیں بھی منقول ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (مشكاة المصابيح، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، ص: ۸۷، قديمی)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايقول بعد التشهد: ۱/۱۴۹، رحمانيه لاهور)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب التعوّذ من عذاب القبر وعذاب جهنم: ۱/۲۱۸، قديمی)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، الفصل الأول، ص: ۸۸، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/۲۱۸، قديمی)

(وسن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايقول الرجل إذا سلم: ۱/۲۲۲، رحمانيه لاهور)

الفصل الرابع في آداب الصلاة

(نماز کے آداب کا بیان)

جوتے پہن کر نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۴۵]: جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے، تو لوگ کس امام کی پیروی کرتے ہیں؟ جو جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوتے پہن کر نماز پڑھنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام سے بھی منقول ہے(۱)۔ اب ہماری مساجد کی وہ حالت نہیں جو اس زمانہ میں تھی، اب فقہاء نے لکھا ہے، کہ جوتہ پہن کر مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ کذا في عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: بينما رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي بأصحابه إذ خلع نعليه، فوضعها عن يساره، فلما رأى القوم ذلك، ألقو أنعالهم، فلما قضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلاته قال: "ماحملكم على إلقائكم نعالكم"؟ قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا الخ". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل: ۱/۱۰۳، مكتبة إمداديه ملتان)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي حافيا ومتنعلا". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل: ۱/۱۰۳، مكتبة إمداديه ملتان)

"عن النعمان بن سلام عن ابن أبي أوس، قال: كان جدي، أوس، أحياناً يصلي، فيشير إليّ وهو في الصلاة، فأعطيته نعليه، ويقول: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي في نعليه". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب الصلاة في النعال، ص: ۷۲، قديمي)

(۲) "ودخول المسجد متنعلا مكروه كذا في السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، =

نماز میں کیا خیال رکھنا چاہیے؟

سوال[۱۰۲۴۶]: ۱......نماز میں اگر کسی چیز کا خیال آوے، مثلاً: شہر دکان مکان کا اور وہیں جم جاوے اور نماز پڑھتا رہے، کچھ بھول بھی نہ ہو، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

۲......ایک شخص ایک کونے میں نماز پڑھ رہا ہے، مگر وعظ ونصیحت بھی ہو رہا تھا، وہ بھی سن رہا ہے اور نماز ادا کر رہا ہے، تو اس سے نماز میں کچھ فرق تو نہیں آتا؟

۳......اگر کوئی حاجی کعبہ شریف کا اور رخ اقدس کا نماز میں دل میں خیال رکھے، تو اس کی بھی نماز میں کچھ فرق تو نہیں آتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......اگر فرائض وواجبات صحیح ادا کردے، تو فریضۂ نماز ادا ہو جائے گا(۱)، مگر اللہ پاک کی خوشنودی کا

= الباب الخامس في آداب المسجد ...... الخ: ۱/۳۲۱، رشيديه)

قلت: لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة، وأما المسجد النبوي فقد كان مفروشا بالحصا في زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بخلافه في زماننا، ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۱، رشيديه)

(۱) "(قوله ويخل بخشوعها) ...... ومحل الخشوع القلب، وهو فرض عند أهل الله تعالىٰ، وورد في الحديث أن الإنسان ليس له من صلاته إلا بقدر ما استحضر فيها، فتارة يكون له عشرها أو أقل أو أكثر". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب: في تكرار الجماعه والاقتداء بالمخالف: ۱/۵۷۹، سعيد)

"نظر المصلي إلى موضع سجوده قائماً، وإلى ظاهر قدميه راكعاً، وإلى أرنبة أنفه ساجداً، وإلى حجره جالساً، وإلى منكبيه مسلماً، تحصيلاً للخشوع في الصلاة ملاحظاً قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه، فإنه يراك". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، آداب الصلاة عند الحنفية: ۲/۹۱۳، رشيديه) ...... =

ذریعہ اور گناہوں سے حفاظت کا ذریعہ نماز اس وقت بنے گی، جب دل بھی اللہ کے سامنے حاضر رہے اور اس کی عظمت سے بھرا ہوگا، اس لئے پوری کوشش کی جاوے کہ دل میں کوئی دوسرا خیال جمنے نہ پائے (۱)۔

۳..... عین نماز کی حالت میں یہ دھیان جمائے کہ اللہ پاک کو میں دیکھ رہا ہوں اور اللہ پاک مجھے دیکھ رہے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۱۴، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله تجاوز عن أمتي ماوسوست به صدرها مالم تحمل به أو تتكلم" متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، ص: ۱۸، قديمي)

"وفي شرح مقدمة الكيداني للعلامة القهستاني: يجب حضور القلب عند التحريمة. فلو أشغل قلبه بتفكر مسئلة مثلاً في أثناء الأركان، فلا تستحب الإعادة، وقال البقالي: لم ينقص أجره، إلا إذا قصر، وقيل: يلزم في كل ركن، ولا يؤخذ بالسهو؛ لأنه معفو عنه، لكنه لم يستحق ثواباً كما في المنية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع: ۱/۴۱۷، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل، فقال: ما الإيمان؟ قال: "الإيمان أن تؤمن بالله وملئكته وبلقائه ورسله وتؤمن بالبعث ..... قال: ما الإحسان؟ قال: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك الخ". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن الإيمان الخ: ۱/۱۲، قديمي)

"وفي رواية: "فإن لم تره" أي: بأن غفلت عن تلك المشاهدة المحصلة لغاية الكمال فلا تغفل عما يجعل لك أصل الكمال؛ فإن ما لايدرك كله لايترك جُلُّه، بل استمر على إحسان العبادة مهما أمكن فإنه يراك أي: دائماً فاستحضر ذلك لتستحي منه حتى لا تغفل عن مراقبته، ولا تقصر في إحسان طاعته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، رقم الحديث: ۲: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان: ۱/۲۷، قديمي)

باب الذکر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول في الذكر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

نماز کے بعد جہراً ذکر کرنا

سوال[۱۰۲۴۷]: نماز ختم ہونے پر زور زور سے ذکر کرنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ پیچھے لوگ چھوٹی ہوئی نماز ادا کر رہے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے پرہیز کرنا چاہیے، تاکہ ان کی نماز میں خلل نہ آئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کے بعد وظیفہ پڑھنا

سوال[۱۰۲۴۸]: کیا ظہر، مغرب اور عشاء کے فرض کے بعد دو تین منٹ بیٹھ کر کچھ خصوصی وظائف پورے کر سکتے ہیں؟ یا فرض کے بالکل فوراً بعد سنت پڑھ کر اس کے بعد وہ وظائف پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح گنجائش ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ سنن کے بعد پڑھے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذى المصلين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد) ....=

فجر اور عصر کے بعد کتنی دیر ذکر میں مشغول رہنے سے مخصوص ثواب ملتا ہے؟

سوال[۱۰۲۴۹]: حدیث شریف میں نمازِ صبح ونمازِ عصر کے بعدذ رادیر ذکر کرنے کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، تو اس تھوڑی دیر سے نماز فجر وعصر کے بعد پورا وقت مراد ہے یا اس سے کم؟ اگر کم مراد ہے، تو کم از کم کتنی دیر ذکر کرنے سے فضیلت مل سکتی ہے؟

= (وكذا في سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، ص: ١٣، من مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ: ٣/٤٦٩، إدارة القرآن كراچي)

(٢) "عن وراد مولى المغيرة بن شعبة قال: كتب مغيرة بن شعبة إلى معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم قال: لا إله إلا الله وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، أللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذالجد منک الجد".

"...... عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار مايقول: "اللهم! أنت السلام ومنک السلام تباركت ياذاالجلال والإكرام". (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ١/٢١٨، قديمي)

"ويكره تأخير السنة إلا بقدر "أللهم أنت السلام" الخ. قال الحلواني: لابأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال، قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية، ارتفع الخلاف قلت: وفي حفظي حمله على القليلة".

(قوله: ارتفع الخلاف)؛ لأنه إذا كانت الزيادة مكروهة تنزيهاً، كانت خلاف الأولىٰ الذي هو معنى: لابأس ...... لا بأس بالفصل بالأوراد: أي: القليلة التي بقدر أللهم أنت السلام الخ". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ١/٥٣٠، سعيد)

"وقال الحلواني: لابأس بالفصل بالأوراد، قال الكمال: هذا القول لا يعارض القولين قبله؛ لأن المشهور في "لا بأس" كونه خلاف الأولىٰ، فالأولىٰ أن لايقرأ قبل السنة ولو فعل لا بأس به، ولا تسقط السنة لكن ينقص الثواب، ففي الفصل بالأوراد أولى". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل الشروع في الصلاة: ١/٢٣٣، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، وأما بيان صفة الصلاة، ص: ٣٤١، ٣٤٢، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فجر کے بعد اشراق تک اور عصر کے بعد غروب تک ذکر میں مشغول رہنے کی بڑی فضیلت ہے(۱)، اگر یہ سارا وقت نہ مل سکے، تو کم سے کم تسبیحات فاطمہ کی مقدار پر ہی قناعت کرے، یعنی سبحان اللہ ۳۳، الحمدللہ ۳۳، اللہ اکبر ۳۴، لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، الملک ولہ الحمد وھو علی کل شيء قدیر (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی الفجر في جماعة، ثم قعد یذکر الله حتی تطلع الشمس، ثم صلی رکعتین، کانت له کأجر حجة وعمرة". قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "تامة تامة تامة". (جامع الترمذي، أبواب السفر، باب ماذکر مما یستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح حتی تطلع الشمس: ۱/۱۳۰، سعید)

"عن أبي أمامة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی صلاة الغداة في جماعة، ثم جلس یذکر الله حتی تطلع الشمس، ثم قام، فصلی رکعتین، انقلب بأجر حجة وعمرة" رواه الطبراني وإسناده جید". (مجمع الزوائد للهیثمي، کتاب الأذکار، باب مایقول بعد صلاة الصبح والمغرب: ۱۰/۱۰۴، دارالفکر بیروت)

(۲) "ویسبحون الله تعالیٰ ثلاثاً وثلاثین، ویحمدونه کذلک ثلاثاً وثلاثین، ویکبرونه کذلک ثلاثاً وثلاثین، ثم یقولون تمام المائة: لا إله إلا الله وحده لاشریک له، له الملک، وله الحمد، وهو علی کل شيء قدیر لقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سبح الله في دبر کل صلاة ثلاثاً وثلاثین، وحمد الله تعالیٰ ثلاثاً وثلاثین، وکبر الله ثلاثاً وثلاثین فتلک تسعة وتسعون. وقال: تمام المائة لا إله إلا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد، وهو علی کل شيء قدیر غفرت خطایاه وإن کانت مثل زبد البحر". (مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة، فصل في صفة الأذکار، ص: ۳۱۵، ۳۱۶، قدیمی)

"ویستحب أن یستغفر ثلاثاً، ویقرأ آیة الکرسي والمعوذات، ویسبح ویحمد ویکبر ثلاثاً وثلاثین، ویهلل تمام المائة، ویدعو ویختم بسبحان ربک". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۵۳۰، سعید)

(وکذا في حجة الله البالغة، أذکار الصلاة وهیئاتها المندوب إلیها، أذکار ما بعد الصلاة: ۲/۲۳، قدیمی)

چلتے پھرتے ذکر کرنا

سوال[۱۰۲۵۰]: اٹھتے بیٹھے اور لیٹتے تو میرے نزدیک عبادت درست ہے، کیا چلتے پھرتے بھی تسبیح تحمید وغیرہ یا درود شریف ادا کی جاسکتی ہے؟ اور کیا درود شریف بھی بغیر زبان ہلائے چلتے پھرتے پڑھ سکتا ہے؟ یا زبان ہلا کر پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہاں! زبان سے چلتے پھرتے بھی ذکر اللہ کیا جاسکتا ہے، حدیث پاک میں ہے: "لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله" الحديث(۱)۔ یہ جملہ اوقات واحوال کو شامل ہے، ہاں! جس جگہ جس حال میں منع ہے، اس سے اجتناب چاہیے، جیسے بیت الخلاء میں پہونچ کر زبان ہلا کر پڑھنے سے زبان بھی عبادت میں مشغول رہے گی، صرف دل سے پڑھنے سے دل تو مشغولِ عبادت رہے گا، زبان مشغولِ عبادت نہیں رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عبدالله بن بسر رضي الله تعالى عنه: أن رجلاً قال: يارسول الله! إن شرائع الإسلام قد كثرت عليّ فأخبرني بشيء أتشبث به قال: لا يزال لسانك رطباً من ذكر الله، قال الإمام الترمذي: هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء في فضل الذكر: ۲/۱۷۵، سعيد)

"عن المهاجر بن قنفذ رضي الله تعالىٰ عنه: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يبول فسلم عليه فلم يرد عليه حتى توضأ ثم اعتذر إليه فقال: إني كرهت أن أذكر الله تعالىٰ ذكره إلا على طهر أو قال على طهارة". (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الرجل يرد السلام وهو يبول: ۱/۴، مكتبه رحمانيه)

"يكره الذكر والكلام في حال قضاء الحاجة، سواء كان في الصحراء أو في البنيان، وسواء في ذلك جميع الأذكار والكلام، إلا كلام الضرورة حتى قال بعض أصحابنا: إذا عطس لايحمد الله تعالى ولا يشمت عاطساً، ولا يرد السلام، ولا يجيب المؤذن، ويكون المسلم مقصراً لايستحق جواباً. والكلام بهذا كله مكروه كراهة تنزيه، ولا يحرم، فإن عطس فحمد الله تعالى بقلبه، ولم يتحرك لسانه فلا بأس".

(كتاب الأذكار للإمام النووي، باب النهي عن الذكر والكلام على الخلاء، ص: ۳۷، مكتبه دار البيان)

الفصل الثاني في الدعاء بعد الصلاة

(نماز کے بعد دعا کا بیان)

نماز کے بعد دعا کا طریقہ

سوال [۱۰۲۵۱]: کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد جماعتی رنگ میں بالجہر یا آہستہ دعا مانگا کرتے تھے؟ یا سب مقتدی اپنی اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے انفرادی طور پر مانگا کرتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی پابندی نہیں تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه، قال: ماصلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلاةً مكتوبةً إلا أقبل بوجهه علينا، فقال: "أللهم! إني أعوذبك من كل عمل يخزيني، وأعوذبك من كل صاحب يؤذيني، وأعوذبك من كل أمل يلهيني، وأعوذبك من كل فقر ينسيني. وأعوذبك من كل غنى يطغيني". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب مايقول: في دبر صلاة الصبح، ص: ۱۰۷، رقم الحديث: ۱۲۰، مكتبة الشيخ)

"عن أبي امامة رضي الله تعالى عنه، قال: قيل لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلاة المكتوبات" قال الترمذي رحمه الله تعالى: هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۷، سعيد)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: أللهم إلهي وإليه إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام. أسئلك أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني فإني مبتلى، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقاً على الله أن لايرد =

نماز کے بعد دعا اور اس پر آمین بالجہر کہنا

سوال[۱۰۲۵۲]: ایک امام صاحب نے نماز کے بعد دعا کرانا شروع کی، تمام مقتدیوں میں ایک مقتدی نے بآواز بلند "اللهم آمين" کہا اور آخر دعا میں بآواز بلند "برحمتك يا أرحم الراحمين" کہا، اس پر ایک عالم دین نے کہا کہ یہ بدعت بمبئی والوں کی طرح سے کس نے کی؟ اس طرح پر بمبئی کے اکثر لوگ کرتے ہیں، یہ بدعت ہے۔

جہر سے کہنے والے کو اس سے بڑا دکھ ہوا، کیونکہ وہ دعا کرنے والے کی دعا پر احیاناً جہر سے آمین کہہ دینے کو سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتا رہا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھتے ہوئے دعائے جبرئیل پر زور سے آمین ثابت ہے(۱)۔

آپ سے درخواست ہے کہ از روئے شرع تحریر فرمائیں کہ یہ بدعت ہے یا سنت؟ اور اس واقعہ میں شرعاً راستہ پر کون ہے؟

= يديه خائبتين". (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب مايقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۳۸، ص: ۱۲۱، مكتبة الشيخ)

"إذا انصرف من صلاته، استغفر الله تعالىٰ؛ وقال: أللهم أنت السلام ..... ثم يدعون لأنفسهم وللمؤمنين بالأدعية المأثورة، لقول أبي أمامة ..... رافعي أيديهم حذاء الصدر ..... ثم يختمون بقوله تعالىٰ: ﴿سبحان ربک رب العزة عما يصفون﴾ ..... ثم يمسحون بها أي: بأيديهم وجوههم في آخره".

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي، ص: ۳۱۵، قديمی)

(۱) "عن كعب بن عجرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: احضروا المنبر، فحضرنا، فلما ارتقى درجة، قال: امين، فلما ارتقى الدرجة الثانية، قال: امين، فلما ارتقى الدرجة الثالثة، قال: امين، فلما نزل قلنا يا رسول الله! لقد سمعنا منک اليوم شيئاً ما كنا نسمعه، قال: إن جبرئيل عرض لي، فقال: بعد من أدرک رمضان فلم يغفر له، وقلت، امين، فلما رقيت الثانية، قال: بعد من ذكرت عنده، فلم يصل عليک، قلت: امين، فلما رقيت الثالثة، قال: بعد من أدرک أبويه الكبر عنده أو أحدهما، فلم يدخلاه الجنة، قلت: امين". (المستدرک على الصحيحين للحاكم، كتاب البر والصلة: ۱۷۰/۴، رقم الحديث: ۷۲۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

احیاناً ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں، ثابت بھی ہے(۱)، لیکن التزام کرنا اور جو شخص نہ کرے، اس پر ملامت کرنا ممنوع ہے، عامۃً ابتداء اسی طرح ہوتی ہے، پھر اس پر مداومت اور التزام ہوکر ایک گروہ کے لئے شعار کی صورت بن جاتی ہے(۲)، غالباً امام صاحب کا مقصود بھی یہی ہوگا، اسی وجہ سے انہوں نے بمبئی سے تشبیہ دی ہوگی، تاہم اب اگر امام صاحب محبت اور نرمی سے تفہیم کردیں، تو امید ہے کہ یہ تفہیم اس دکھ کی دوا بن جائے گی اور دکھ والے کو شفا ہوجائے گی۔ خدا کرے دونوں کے دل صاف ہوجائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۳ھ۔

---

(۱) "عن أبي أمامة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قیل لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أي الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الآخر، ودبر الصلوات المکتوبات، وقال الترمذي: هذا حدیث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة: ۱۸۷/۲، سعید)

"قال: سمعت أم سلمة رضي الله تعالیٰ عنها تقول: کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذا صلی الصبح قال: اللهم إني أسئلک علماً نافعاً وعملاً متقبلاً". (عمل الیوم واللیلة لابن سني، باب مایقول دبر صلوة الصبح، رقم الحدیث: ۱۱۰، ص: ۱۰۰، مکتبة الشیخ)

"إذا انصرف من صلاته، استغفر الله تعالیٰ! وقال: اللهم أنت السلام ...... ثم یدعون لأنفسهم وللمؤمنین بالأدعیة المأثورة، لقول أبي أمامة ...... رافعي أیدیهم حذاء الصدر ...... ثم یختمون بقوله تعالیٰ: ﴿سبحان ربک رب العزة عما یصفون﴾ ...... ثم یمسحون بها أي: بأیدیهم وجوههم في آخره". (مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة، فصل فیما یفعله المقتدي، ص: ۳۱۵، ۳۱۸، قدیمی)

(۲) "الإصرار علی المندوب تبلغه إلی حد الکراهة". (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"قال الطیبي: وفیه أن من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أمر علی بدعة منکرة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رقم: ۹۴۶: ۳۱/۳، رشیدیه)

(وکذا في فتح الباري، کتاب الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن الیمین: ۴۳۰/۲، قدیمی)

نماز کے ختم پر "اللهم أنت السلام" کی دعا کہاں تک ہے؟

سوال [۱۰۲۵۳]: نماز کی چھوٹی کتابوں میں بعد فرائض پڑھنے کے جو دعا ہے:

"اللهم أنت السلام، ومنك السلام، وإليك يرجع السلام، حيّنا ربنا بالسلام، وأدخلنا دار السلام تباركت ربنا وتعاليت يا ذالجلال والإكرام".

اس کو نمازی سنت ہی سمجھ کر پڑھتے ہیں، مگر ایک عالم صاحب نے بتایا کہ سنت صرف اتنی دعا ہے:

"اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام".

ان کی بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو الفاظ حدیث شریف میں نہیں، ان کو اس طرح پڑھنا جس سے لوگ یہ سمجھیں، کہ یہ بھی حدیث شریف کے الفاظ ہیں، مغالطہ کا موجب ہے، اس لئے اس سے پرہیز چاہیے(۱)۔ عالم صاحب نے جو بتایا وہ صحیح ہے(۲)۔ جہاں مغالطہ نہ ہو، وہاں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲۹ھ۔

---

(۱) "عن حفص بن عاصم رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع". (صحيح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع: ۱/۹، قديمي)

"وهذا زجر عن التحديث بشيء لم يعلم صدقه، بل على الرجل أن يبحث في كل ماسمع خصوصاً في أحاديث النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، ولذا ورد هذا الحديث في باب الاعتصام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۵۲: ۱/۳۹۲، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: إذا سلم لم يقعد إلا مقدار مايقول "اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذالجلال والإكرام". (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/۲۱۸، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايقول الرجل إذا سلم: ۱/۲۲۲، رحمانيه لاهور)

سنتوں سے پہلے مسنون دعاؤں کا پڑھنا

سوال[۱۰۲۵۴]: فرائض کے بعد سنتوں کے قبل وہ دعائیں جو حصن حصین وغیرہ میں منقول ہیں، مانگنا کیسا ہے؟ افضل ہے یا مکروہ؟ جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں طویل دعائیں مانگنا مکروہ لکھا ہے، جب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"والأولى أن يأتي بهذه الأذكار قبل الرواتب"(۱).

امید ہے کہ تفصیل سے مشرف فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں دونوں قول ہیں۔

"كذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۴۵٦"(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) (حجة الله البالغة، أذكار الصلاة وهيئاتها المندوب إليها، أذكار ما بعد الصلاة: ۲/۲۳، قديمي)

(۲) "ويكره تأخير السنة إلا بقدر "اللهم أنت السلام" الخ، قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية، ارتفع الخلاف قلت: وفي حفظي حمله على القليلة.

(قوله: ارتفع الخلاف)؛ لأن إذا كانت الزيادة مكروهة تنزيهياً، كانت خلاف الأولىٰ الذي هو معنى لابأس. (قوله: وفي حفظي الخ) توفيق آخر بين القولين المذكورين، وذلک بأن المراد في قول الحلواني لابأس بالفصل بالأوراد أي: القليل التي بمقدار "اللهم أنت السلام الخ" لما علمت من أنه ليس المراد خصوص ذلک". (ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۳۰، سعيد)

"وقال الحلواني: "لا بأس" بالفصل بالأوراد، قال الكمال هذا القول لا يعارض القولين قبله؛ لأن المشهور في: "لابأس" كونه خلاف الأولى. فالأولىٰ أن لا يقرأ قبل السنة ولو فعل لابأس به، ولا تسقط السنة لكن ينقص الثواب. ففي الفصل بالأوراد أولى". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل: الشروع في الصلاة: ۱/۲۳۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، وأما بيان صفة الصلاة، ص: ۳۴۱، ۳۴۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

مشترک دعا میں کتنا وقت صَرف ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۲۵۵]: ۱...... اشتراکی دعا کتنی دیر تک مانگنی چاہیے؟ اگر آدھ گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ مشترکہ دعا میں وقت لگایا جائے، جب کہ آج کی دنیا میں مختلف لوگوں کی مختلف مصروفیات ہیں، تو کیا شرعی اعتبار سے درست ہے؟

۲...... مسجد میں مشترکہ دعا کے وقت الحاح وزاری کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شخص کا حال یکساں نہیں، کسی کو دعا میں وقت خرچ کرنا عین سعادت معلوم ہوتا ہے اور واقعۃً ہے بھی بہت بڑی سعادت (۱)، کسی کو یہ وقت بار معلوم ہوتا ہے یا حوائج وضروریات کی وجہ سے گنجائش نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص بالکل شریک نہ ہو، یا جلد ہی ختم کر کے چلا آئے، وہ اپنی مصالح کو خود جانتا ہے، اس لئے کسی پر اصرار نہ کیا جائے، ترغیب دینے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

سنت ونفل کے بعد کس قدر طویل دعا مسنون ہے؟

سوال[۱۰۲۵۶]: سنت ونفل کے بعد طویل دعا مشروع ومسنون ہے یا نہیں؟

محمد انس تکی تال نینی تال

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان﴾ (البقرة: ۱۸۶)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (المؤمن: ۲۰)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، قال: "الدعاء مخ العبادة". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء في فضل الدعاء: ۲/۱۷۵، سعيد)

"والمعنى: أن العبادة لا تقوم إلا بالدعاء كما أن الإنسان لايقوم إلا بالمخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۲۳: ۵/۱۲۰، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الله يقول: أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا دعاني". (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الذكر والدعاء: ۲/۳۴۳، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت ونفل کے بعد ہر شخص اپنے شرح صدر کے موافق جس قدر چاہے، دعا کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دعا سراً ہو یا جہراً؟

سوال[۱۰۲۵۷]: قرآن پاک میں آیا ہے:﴿وادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾(۲) اس سے کیا مراد ہے؟ دعا کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آدابِ دعا میں سے یہ ہے کہ اس طرح دعا کریں کہ سر اور جہر کے درمیان ہو، نہ تو بالکل دل میں ہو، نہ اتنے زور سے کہ دوسروں کے لئے مخل بنے۔

"ومن الآداب في الدعاء: أن يدعو بخشوع، وتذلل وخفض صوت أي: بأن يكون بين المخافتة والجهر كما في الأذكار عن الأحياء ليكون

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: اللهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام أسئلك أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني، فإني مبتلى، وتنالني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسكن، إلا كان حقاً على الله أن لا يرد يديه خائبتين". (عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالىٰ، باب مايقول في دبر صلاة الصبح، ص: ۱۲۱، مكتبة الشيخ)

"(ودعا) ...... لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين.

(قوله: لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً فإنه لايجوز الدعاء لهم بالمغفرة كما يأتي ...... وكذا ينبغي أن يزيد ولجميع المؤمنين والمؤمنات كما فعل في المنية؛ لأن السنة التعميم، لقوله تعالىٰ: ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة: ۱/ ۵۲۱، سعيد)

(۲) (الأعراف: ۵۵)

أقرب إلى الإجابة" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:

۱۷۳)(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۸۸ھ۔

دعائے ثانی

سوال[۱۰۲۵۸]: دعائے ثانی شرعاً جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی فعل کا عدم وقوع جس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو، ایسا فعل کرنا جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟ عدم

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۷، قديمي)

"عن سعيد بن مالك رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "خير الذكر الخفي، وخير الرزق مايكفي". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه: ۱/ ۱۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال بعض أهل العلم: إنما كان إخفاء الدعاء أفضل؛ لأنه لا يشوبه رياء". (أحكام القرآن للجصاص، الأعراف، مطلب: في ستر العورة في الصلاة: ۳/ ۵۳، قديمي)

"(ادعوا ربكم تضرعاً) أي: ذوي تضرع أو متضرعين، فنصبه على الحال من الفاعل بتقدير أو تأويل، وجوز نصبه على المصدرية، وكذا الكلام فيما بعده وهو من الضراعة وهي الذل والاستكانة يقال ضرع فلان لفلان إذا ذل له واستكان، وقال الزجاج: التضرع: التملق وهو قريب بما قالوا: أي ادعوه تذللاً ... وجاء من حديث أبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه: أنه صلى الله تعالى عليه وسلم قال لقوم يجهرون: ... أيها الناس اربعوا على أنفسكم إنكم لا تدعون أصم ولا غائباً، إنكم تدعون سميعاً بصيراً وهو معكم وهو أقرب إلى أحدكم من عنق راحلته" والمعنى ارفقوا بأنفسكم واقصروا من الصياح في الدعاء ومن هنا قال جمع: بكراهة رفع الصوت به ... وترى كثيرا من أهل زمانك يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصاً في الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتد وتستك المسامع وتستد، ولا يدرون أنهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعاء وكون ذلك في المسجد". (تفسير روح المعاني، الأعراف، مبحث في تفسير قوله تعالى: ﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾: ۸/ ۱۳۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقوع سے شرعاً عدمِ جواز لازم آیا یا کہ نہیں؟ اور عدمِ وقوع اور عدمِ صدور زمانۂ نبوی حجت شرعیہ ہے یا کہ نہیں؟ اور حجت ادلۂ شرعیہ کتنے اور کون کون سے ہیں؟ کون سی چیز ائمہ اربعہ اور اجلۂ علماء کا عمل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعا ہر وقت جائز ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے دعا ثانیہ ثابت نہیں ہے، اس کو سنت کہنا غلط ہے (۱)، جو فی نفسہ مباح ہو، اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا، جس سے اس چیز کا واجب یا مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے، درست نہیں (۲)، جس چیز کا داعیہ شرعیہ زمانہ خیر القرون میں موجود ہو اور

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو رد: ۱/۳۷۱، قديمي)

"بأنها (أي: البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

"ورحم الله طائفة من المبتدعة في بعض أقطار الهند حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قراء تهم "اللهم أنت السلام ومنك السلام الخ" ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرة ثانية، والمقتدون يؤمنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام، حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروري واجب ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لايصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله! إن هذا أمر محدث في الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكيفيته سنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/۱۶۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۶: ۳/۲۶، رشيديه)

(وكذا في السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، سباحة الفكر، الباب الأول: ۳/۴۹۰، إدارة القرآن كراچی)

پھر بھی وہ چیز موجود نہ ہو، تو یہ اس کی عدم مشروعیت کی دلیل ہے۔ ادلہ شرعیہ چار ہیں:

۱-کتاب اللہ ۲-سنت (جس میں آثار صحابہ بھی شامل ہیں)

۳-اجماع ۴-قیاس مجتہد (۱)۔

اصول فقہ کی کتابوں میں سب سے پہلے ان چار اصول (یعنی ادلۂ شرعیہ) کا تذکرہ اور ان کا حجت ہونا بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۲/۱۶ھ۔

دعائے ثانیہ کا حکم

سوال [۱۰۲۵۹]: انفرادی عبادت سے اجتماعی عبادت افضل واعلیٰ ہے یا کہ نہیں؟ اکثر لوگ عام طور سے ہر جگہ جماعت سے نماز پڑھ لینے کے بعد دعا مانگتے ہیں، اس طرح کہ امام دعا پڑھتے جاتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے جاتے ہیں، جس کو عرف میں دعائے ثانی کہا جاتا ہے، یہ دعائے ثانی ہیئت مذکورہ میں مانگنا شریعت میں کس درجہ کا گناہ ہے؟ اور دعائے ثانی مانگنے والا گنہگار ہے یا کہ نہیں اور اس سے رک جانے والے یا روک دینے والے کے متعلق کیا اجر وثواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجتماعی عبادت انفرادی عبادت سے ہرگز افضل نہیں، بلکہ جس جگہ اجتماع کی ترغیب ہے وہاں افضل ہے۔ مثلاً: عیدین اور نصف شعبان کی شب بیداری اور اس میں عبادات نوافل وتلاوت وغیرہ کی ترغیب آتی ہے اور فقہاء نے اس کو مستحب کہا ہے (۲)، لیکن راتوں میں تہجد وغیرہ میں اجتماعی عبادت کو مکروہ قرار دیا ہے، چنانچہ

---

(۱) "أصول الفقه أربعة: كتاب الله تعالىٰ، وسنة رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإجماع الأمة، والقياس". (أصول الشاشي، ص: ۵، قديمي)

(وكذا في نور الأنوار، بحث الكتاب والسنة وإجماع الأمة، ص: ۱۱، رحمانيه لاهور)

(وكذا في كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، أصول الشرع ثلاثة، ص: ۲۲، قديمي)

(۲) "وعن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أحيىٰ ليلة الفطر وليلة الأضحى، لم يمت قلبه يوم يموت القلوب" رواه الطبراني في الكبير والأوسط، =

شرنبلالی،ص:۲۱۸میں فرماتے ہیں:

"وندب إحياء ليلتي العيدين، وليالي عشر ذي الحجة، وليلة النصف من شعبان، ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وغيره" طحطاوي، ص: ٣٢٦، فصل في بيان النوافل(١).

اوراس کی علت بھی بیان کی ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔"لأنه لم يفعل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولا أصحابه" الخ (٢).

اس طرح نفل نماز کو تنہا پڑھنا چاہیے،اجتماعی طور پر نفل نماز جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ كذا في الطحطاوى(٣).

= ومجمع الزوائد". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، استحباب إحياء ليلتي العيدين: ۷/۳۵، إدارة القرآن كراچى)

"ومن المندوبات ركعتا السفر ..... وإحياء ليلة العيدين، والنصف من شعبان، والعشر الأخير من رمضان والأول من ذي الحجة، ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره". (الدرالمختار، باب الوتر والنوافل، مطلب في إحياء ليلة العيدين: ۲/۲۵، سعيد)

"(و) ندب (إحياء ليلتي العيدين): الفطر والأضحى لحديث: "من أحيا ليلة العيد، أحيا الله قلبه يوم تموت القلوب" ويستحب الإكثار من الاستغفار بالأسحار". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۰، قديمى)

(١) (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۰، قديمى)

"ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج (رمضان) أي: يكره ذلک على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي: ۲/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

(٢) (مراقي الفلاح، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۰۲، قديمى)

(٣) "والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة، فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان وعن شمس الأئمة: أن هذا فيما كان على سبيل التداعي. قوله: (أن هذا) أي: كراهة الجماعة في النفل، أو ما في حكمه كالوتر إذا كان على سبيل التداعي، أي: طريق يدعو الناس للاجتماع عليهم". (حاشية =

دعائے ثانی کا یہ طریقہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے اور صدیوں تک رائج نہیں ہوا، تو اس کو اب کیوں اختیار کیا جاتا ہے، کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس دعا سے بے نیاز تھے؟! کیا معاذ اللہ سستی پیدا کرنے والے تھے اور آج کے لوگ زیادہ مستعد اور شوقین ہیں اور پھر جو شخص اس دعائے ثانیہ میں شرکت نہ کرے، اس کو بنظر غیظ دیکھا جاتا ہے، اگر کوئی شئی فی نفسہ مندوب و مستحب ہو اور پھر اس پر اصرار کیا جانے لگے، تو وہ مکروہ ہو جاتی ہے۔

"الإصرار علی الندب یبلغه إلی حد الکراهة، سباحة الفکر"(۱)

جو چیز واجب اور مکروہ کے درمیان دائر ہو، اس کو تو ادا کر لیا جائے اور جو چیز سنت و مکروہ کے درمیان دائر ہو اس کو ترک کر دیا جائے۔

"وما دار بین کونه واجباً وکونه مکروهاً یؤتیٰ به احتیاطاً، بخلاف ما دار بین کونه سنة أو مکروهاً فإنه یترك اهـ" کبیری، ص: ۴۰۲۔

"إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحاً علی فعل البدعة اهـ" شامی، ص: ۴۳۱(۲)۔

= الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب الوتر وأحکامه، ص: ۳۸۲، قدیمی)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في کراهة الاقتداء في النفل علی سبیل التداعي: ۲/۴۸، ۴۹، سعید)

(وکذا في الحلبي الکبیر، فصل تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) (مجموعة رسائل اللکنوي رحمه الله تعالیٰ، سباحة الفکر في الجهر بالذکر، الباب الأول في حکم الجهر بالذکر: ۳/۳۴، إدارة القرآن کراچی)

"من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب في الدعاء في التشهد، رقم: ۹۴۲: ۳/۳۱، رشیدیه)

(وکذا في السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب إذا تردد الحکم بین سنة =

اس دعائے ثانی پر علماء نے رسائل بھی تحریر کیے ہیں، جب اس دعا کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ملتا ہے تو اس کو نہ واجب کہا جا سکتا ہے نہ مستحب، بلکہ اس کو مکروہ کہا جائے گا، پھر اس پر اصرار اس کو شدید تر بنادے گا۔ آپ خود غور کرلیں کہ اختیار کرنے اور اس کو روکنے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۵ھ۔

نماز کے بعد دعائے ثانیہ وثالثہ وفاتحہ مروجہ

سوال[۱۰۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہمارے یہاں شافعی مسلک لوگ رہتے ہیں اور وہ ہر فرض نماز کے بعد تین تین دعائیں مانگتے ہیں اور اس کو نماز ہی شمار کرتے ہیں، گویا کہ جب تک وہ تین دعائیں ختم نہ ہو جائیں، نماز ہی پوری نہیں ہوتی، ان لوگوں نے دعاؤں کو فرض کا درجہ دے رکھا ہے۔

۱...... دعا امام سلام پھیر کر کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی باآواز بلند "اللهم أنت السلام" پڑھتا ہے، امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے تسبیح پڑھتا ہے، پھر دعائیں پڑھتا ہے اور تمام مقتدی آمین کہتے ہیں اور ایک دعا (فاتحہ وغیرہ) اور وہ یہاں مروج ہے، اس کے بعد نمازی اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے عرض یہ ہے کہ کیا کسی حدیث میں تین تین دعائیں مانگنی ثابت ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل لکھیں اور حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔ نیز ان دعاؤں کے پڑھنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

۲...... ہمارے یہاں فاتحہ پڑھنے کا طریقہ یہ رائج ہے، ہر ہر محفل میں کوئی کھانے کی چیز سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور پھر وہ چیز لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہے اور فاتحہ پڑھنے والوں میں اکثر قاضی یا امام ہوتے ہیں، باآواز بلند الفاتحہ کہتے ہیں، اس کے بعد اور لوگ سورہ فاتحہ ﴿قل أعوذ برب الناس﴾، ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾، ﴿قل هو الله أحد﴾ پڑھتے ہیں، اس کے بعد فاتحہ پڑھنے والا یہ پڑھتا ہے:

"ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليماً".

= وبدعة كان ترك السنة أولى: ۱/۶۴۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۳۵، رشيديه)

اس کے بعد "ألا إن أولياء الله لاخوف عليهم ولاهم يحزنون" اس کے بعد "إن الله وملئكته يصلون على النبي يأيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً" اس کے بعد "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

یہ سب چیزیں فاتحہ پڑھنے والا ہاتھ اٹھا کر پڑھتا ہے اور جس قدر لوگ شامل ہوتے ہیں وہ سب کے سب بھی ہاتھ اٹھائے آمین آمین کہتے رہتے ہیں، ایک صاحب اس طرح فاتحہ پڑھنے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ براہ کرم از روئے شریعت اس طرح فاتحہ پڑھنا درست ہے کہ نہیں؟ جواب حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں اور ان آیات کے معنی اور مطلب اور شانِ نزول بھی تحریر فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ حدیث شریف سے ثابت نہیں اور اس کی اتنی پابندی کرنا (جیسا کہ سوالوں میں درج ہے) زبردست غلطی ہے، جو چیز شریعت نے نماز نہیں بنائی، اس کو نماز سمجھنا یا اس کے ساتھ نماز جیسا معاملہ کرنا اعتقادی وعملی غلطی ہے، جو لوگ اس کے پابند ہیں، وہ غلطی پر ہیں (۱)، اپنی طرف سے ثواب چاہے قرآن، نماز، تسبیح پڑھ کر ہو یا غریبوں کو صدقہ دے کر ہو یا روزہ رکھ کر ہو، غرض کوئی بھی نیک کام ہو، درست اور مفید ہے، اس سے میت کو نفع پہونچتا ہے (۲)۔

---

(۱) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳۱/۳، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۳/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التعليق الصبيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۵۴۹/۱، رشيديه)

(۲) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره ..... الخ. قال في الرد تحته: سواء كانت صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، شركت علميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

لیکن سوال میں جو طریقہ درج ہے، یہ حدیث شریف سے ثابت نہیں، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، نہ محدثین وفقہاء سے ثابت ہے، اس کو ختم کر کے سنت کے موافق طریقہ اختیار کیا جائے، جس چیز پر شرعاً ثواب ثابت نہ ہو، چاہے اصل عمل ہو یا عمل کا طریقہ ہو یا عمل کی قید ہو، وہ بدعت ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:"من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد" متفق عليه(۱)، مشكاة: ۱/۲۷)(۲).

جو آیات (خاص) آپ نے لکھیں ہیں، ان کو فاتحہ یا ایصالِ ثواب کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں، ان کا ترجمہ، شانِ نزول، مطلب، تفسیر بیان القرآن میں دیکھ لیں، یہاں فاتحہ کے لئے ان کا کوئی ربط یا ثبوت ہوتا تو یہاں لکھ دیا جاتا، اگر کوئی ان آیات سے فاتحہ مروجہ کا استدلال کرتا ہے، تو وہ استدلال کا طریقہ معلوم ہونا چاہیے، تاکہ اس کا جواب دیا جا سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۶ھ۔

صبر کی دعا بہتر ہے یا عافیت کی؟

سوال[۱۰۲۶۱]: جو اذیت یا مصیبت ہو کسی کی موت کے علاوہ، اس پر تو صبر کے سوا چارہ ہی نہیں، اس پر تو صبر مانگے یا اس سے نجات وعافیت مانگے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اذیت ومصیبت سے عافیت ہی مانگے (۳)، اگر ابتلا ہو جائے تو اس کے دفعیہ کی دعا کرے اور دفعیہ

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۲۷، قديمي)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لم يكن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدع هؤلاء الكلمات حين يمسي وحين يصبح: "اللهم إني أسألك العافية في الدنيا والآخرة، اللهم إني أسألك العفو والعافية في ديني ودنياي وأهلي ومالي ...... الخ". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب مايقول إذا أصبح: ۲/۳۵۰، رحمانيه لاهور)

تک بھی صبر مانگے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

نمازِ فجر وعصر کے بعد مسجد میں تقریر ونعت میلاد کا حکم

سوال [۱۰۲۶۲]: جماعت ہونے کے بعد بالخصوص صبح اور عصر کی نماز کے بعد داخل مسجد میں تقریر یا کتابی تعلیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے صحن میں مولود اور قصیدہ وغیرہ آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی تقریر وتعلیم کتاب درست ومفید ہے، صحیح قصیدہ بھی پڑھا جائے، جس میں حمد ونعت ہو، وہ بھی درست ہے، مولود مروجہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه، أن رجلاً جاء إلی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: "یارسول الله! أي الدعاء أفضل؟ قال: سل ربک العافیة والمعافاة في الدنیا والآخرة" ثم أتاه في الیوم الثاني، فقال: یا رسول الله! أي الدعاء أفضل؟ فقال له مثل ذلک، ثم أتاه في الیوم الثالث، فقال له مثل ذلک، قال: فإذا أعطیت العافیة والمعافاة في الدنیا والآخرة فقد أفلحت". (مشکاة المصابیح، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، الفصل الثاني: ۱/۲۱۹، قدیمی)

(۱) "أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان في بعض أیام التي لقي فیها العدوّ ینتظر حتی إذا مالت الشمس قام فیهم فقال: یأیها الناس؟ لا تتمنّوا لقاء العدو واسئلو الله العافیة فإذا لقیتموهم فاصبروا ... الخ". (صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کراهة تمني لقاء العدو والأمر بالصبر عند اللقاء: ۲/۸۴، قدیمی)

(وصحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر، کان النبي صلی الله تعالی علیه وسلم إذا لم یقاتل أول النهار أخر القتال إلی أن تزول الشمس: ۱/۴۱۶، قدیمی)

(۲) "الموالد والأذکار التي تفعل عندنا أکثرها مشتمل علی خیر کصدقة وذکر وصلاة وسلام علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ومدحه، وعلی شرّ بل شرور لولم یکن منها إلا رؤیة النساء للرجال =

دعا میں کہنیاں سینہ سے لگ جائیں تو......؟

سوال[۱۰۲۶۳]: ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کہنیاں سینے سے لگ جائیں، نیز بیٹھنا بھی قعدۂ نماز کی طرح نہ ہو، تو کیا اس میں کوئی گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں، گناہ نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مختلف دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا

سوال[۱۰۲۶۴]: دعا مانگنے کے تین طریقے ہیں، ہاتھ پھیلا کر، بغیر ہاتھ پھیلائے، صرف زبان سے یا صرف دل سے تینوں طریقوں کے مواقع اور اوقات وقواعد سے مطلع فرمائیں۔

= الأجانب، وبعضها ليس فيها شر لكنها قليل نادر، ولا شك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، فمن علم وقوع شيء من الشرّ فيما يفعله من ذلك فهو عاص اثم". (الفتاویٰ الحديثية، مطلب الإجماع للموالد والأذكار وصلاة التراويح مطلوب مالم يترتب عليه شرّ وإلا فيمنع منه، ص: ۲۰۲، قديمى)

"فصل في المولد: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وإظهار الشعائر مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع ومحرّمات جمّة ...... الخ". (المدخل، فصل في المولد: ۲/۳، مصطفىٰ البابى الحلبي مصر)

"وأقبح منه النذر بقراءة المولد في المناير، ومع اشتماله على الغناء واللعب ...... الخ".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿الذين يذكرون الله قيماً وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون في خلق السموات والأرض ربنا ماخلقت هذا باطلا سبحٰنك فقنا عذاب النار﴾ (ال عمران: ۱۹۱)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازوں کے بعد عموماً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا منقول ہے(۱)، اوقاتِ مختلفہ میں صبح وشام رات مثلاً: مسجد میں داخل ہوتے وقت، نکلتے وقت، جانور خرید کر، کھانا کھا کر، لیٹتے وقت، بغیر ہاتھ اٹھائے منقول ہے(۲)۔ دل میں ہر وقت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ویستحب للإمام بعد سلامه أن يتحول ..... ثم يدعون لأنفسهم، وللمسلمين رافعي أيديهم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۶-۳۱۷، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۶۳، رشيديه)

(۲) "ودل الحديث على أنه إذا لم يرفع يديه في الدعاء لم يمسح بهما، وهو قيد حسن؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يدعو كثيراً كما هو في الصلاة والطواف وغيرهما من الدعوات المأثورة دبر الصلوات، وعند النوم، وبعد الأكل، وأمثال ذلك، ولم يرفع يديه، ولم يمسح بهما وجهه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۸، قديمى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، الفصل الثالث: ۵/۲۷، رشيديه)

JAMIA FAROOQIA KARACHI

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

باب الإمامة

الفصل الأول في أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	دیو بندیوں کے پیچھے بریلوی کی نماز کیوں نہیں؟	۳۶
۲	دیو بندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا	۳۶
۳	امام کا جلدی جلدی نماز پڑھانا	۳۸
۴	قرعہ اندازی سے امام مقرر کرنا اور قرعہ کی شرعی حیثیت	۳۸
۵	سنت پڑھے بغیر فرض پڑھانے والے کی امامت	۴۲
۶	امام کا قومہ اور جلسہ کو لمبا کرنا	۴۳
۷	جس سے مقتدی ناخوش ہوں اس کی امامت کا حکم	۴۳
۸	امام کے مصلے پر کسی کا نماز پڑھنا	۴۴

الفصل الثاني في إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت)

۹	امانت میں خیانت کرنے والے کی امامت	۴۶
۱۰	یکمشت سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت	۴۷
۱۱	تارک فرض کو امام بنانا	۴۸
۱۲	جھوٹے شخص کو امام مقرر کرنا	۴۸
۱۳	نسبندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا	۴۹
۱۴	مستورات کو بے پردہ بیعت کرنے والے کی امامت	۴۹
۱۵	قوالی سننے والے کی امامت	۵۱
۱۶	لڑکی کو نامحرم سے تعلیم دلانے والے کی امامت	۵۳
۱۷	گدھے کے بولنے کو اذان کہنے والے کی امامت	۵۵
۱۸	تاڑی فروخت کرنے والے کی امامت	۵۶
۱۹	ساحر اور عامل کی امامت	۵۸

الفصل الثالث في إمامة المبتدع

(بدعتی کی امامت کا بیان)

۲۰	مبتدع کی امامت	۵۹
۲۱	رضاخانی کے پیچھے نماز	۶۰
۲۲	رضاخانی امام کے پیچھے نماز پڑھنا	۶۱

الفصل الرابع في إمامة المعذور

(معذور کی امامت کا بیان)

۲۳	لنگڑے کی امامت	۶۳

۲۴ کانے کی امامت ۶۴

الفصل الخامس في عزل الإمام وتحقيره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

۲۵ امام کے ساتھ گالی گلوچ اور اس پر تہمت لگانے کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھنا ۶۵
۲۶ بدتمیز مقتدی کی نماز کا حکم ۶۶

الفصل السادس في النيابة عن الإمام

(نیابت امام کا بیان)

۲۷ امام کا اپنی عدم موجودگی میں متولی کو امامت سپرد کرنا ۶۸

الفصل السابع في إمامة اللحان

(غلط خواں کی امامت)

۲۸ غلط خواں امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۷۰
۲۹ "مستقیم" کو "مستخیم" پڑھنے والے کی امامت ۷۲

باب الجماعة

الفصل الأول في اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

۳۰ نماز باجماعت کی فضیلت ۷۴
۳۱ نماز کے وقت کو ٹال دینا ۷۵
۳۲ جماعت فرض کے وقت سنت پڑھنا ۷۵
۳۳ بصورت مجبوری خارج مسجد نماز پڑھنا ۷۶

الفصل الثاني في ترك الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

۳۴ بلا عذر جماعت ترک کرکے علیحدہ نماز پڑھنا ۷۷
۳۵ عذر کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا ۷۸
۳۶ مسجد میں جماعت ہونے سے پہلے اپنی نماز پڑھ کر نکلنا ۷۸
۳۷ مجبوری کی صورت میں عشاء کی نماز گھر پر پڑھنا ۷۹

الفصل الثالث في الجماعة الثانية

(جماعتِ ثانیہ کا بیان)

۳۸ جماعت ثانیہ ۸۱
۳۹ تبلیغی جماعت والوں کا جماعت ثانیہ کروانا ۸۲
۴۰ کیا بلا وجہ جماعت ثانیہ درست ہے؟ ۸۳

الفصل الرابع في جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

۴۱ عورتوں کا نماز کے لئے مسجد جانا ۸۴
۴۲ عورتوں کا مردوں کی جماعت میں شریک ہونا ۸۶
۴۳ عورتوں کے لئے حرم شریف میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گھر میں؟ ۸۷
۴۴ عورت کا اپنے شوہر کی اقتداء میں نماز پڑھنا ۸۹

باب تسوية الصفوف وترتيبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

۴۵ مسجد کے در میں امام کا کھڑا ہونا ۹۰

۴۶	امام کا وسطِ محراب میں کھڑا ہونا	۹۱
۴۷	امام کے قریب اہل علم وفہم کا کھڑا ہونا	۹۲
۴۸	امام مقتدیوں سے کتنی اونچائی پر کھڑا ہو سکتا ہے؟	۹۳
۴۹	امام کا نماز کے لئے کچھ اونچا کھڑا ہونا	۹۴
۵۰	امام کے پیچھے کیسا آدمی کھڑا ہو؟	۹۵
۵۱	صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا	۹۶
۵۲	ایک نمازی کو صف اول سے پیچھے کھینچنے کی صورت میں خالی جگہ کا پُر کرنا	۹۷
۵۳	جگہ کی تنگی کی وجہ سے صف میں کھڑے نمازیوں کو حرکت دے کر جگہ بنانے کا حکم	۹۸
۵۴	ایک نابالغ بچہ کس صف میں کھڑا ہو	۹۹

فصل في الفصل بين الإمام والمقتدى والاتصال بين الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

۵۵	امام اور مقتدی کے درمیان پردے کے حائل ہونے کی صورت میں اقتداء کا حکم	۱۰۰
۵۶	امام کے پیچھے ملائکہ کے لئے صف چھوڑنا	۱۰۰

باب المسبوق واللاحق والمدرک

(مسبوق، لاحق اور مدرک کا بیان)

۵۷	مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا	۱۰۲
۵۸	سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا	۱۰۲
۵۹	مسبوق لاحق کی نماز	۱۰۳
۶۰	مدرک کا پانچ رکعت پڑھنا	۱۰۴
۶۱	مقتدی کا بغیر تسبیح پڑھے رکوع میں شرکت سے رکعت کا حکم	۱۰۴

۶۲	تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں چلے جانے سے رکعت کا حکم	۱۰۵
۶۳	رکوع میں کتنی مرتبہ تسبیح پڑھنے سے مدرک رکوع شمار ہوگا؟	۱۰۶

باب الحدث في الصلاة

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

۶۴	نماز میں امام کو حدث لاحق ہونا	۱۰۸
۶۵	امام پر غشی کی صورت میں بناو استخلاف کا حکم	۱۰۹

باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها

الفصل الأول فيما يفسد الصلاة

(مفسدات نماز کا بیان)

۶۶	امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد مقتدی کا نماز میں شامل ہونا	۱۱۱
۶۷	دوسری رکعت پڑھ کر قیام کرنے کے بعد پھر قعدہ کی طرف آنے کا حکم	۱۱۲
۶۸	احتلام کی حالت میں دو روز تک نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدیوں کو خبر کرنا	۱۱۳
۶۹	بھول کر بلا وضو نماز پڑھانا	۱۱۵
۷۰	محاذاۃ کی ایک صورت کا حکم	۱۱۶
۷۱	نماز شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وضو نہیں تھا، تو کیا حکم ہے؟	۱۱۷
۷۲	سر کا اتارچڑھاؤ علامت ریح ہے یا نہیں؟	۱۱۸
۷۳	اگر بتی کا دھواں ناک میں جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	۱۲۰
۷۴	عمل کثیر کی تعریف	۱۲۱
۷۵	کیا دونوں ہاتھ سے کپڑا ٹھیک کرنا عمل کثیر ہے؟	۱۲۳
۷۶	نماز میں ڈاڑھی کو ہاتھ سے ہلاتے رہنا	۱۲۴

۷۷	بچہ کا حالت نماز میں ماں کا دودھ پینا	۱۲۵
۷۸	امام کا چوتھی رکعت میں قعدہ بھول جانا	۱۲۶
۷۹	سجدہ میں دونوں پیر کی سب انگلیاں اٹھ جانا	۱۲۶
۸۰	ٹیپ ریکارڈ پر امام کی اقتداء کرنا	۱۲۷
۸۱	نماز کی حالت میں کوئی پکارے تو کیا کیا جائے؟	۱۲۸
۸۲	نماز میں لنگی کھل جائے تو کیا کرے؟	۱۲۹
۸۳	قنوت نازلہ کے اخیر میں مقتدی کا ''بے شک'' کہنا	۱۳۰

الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

۸۴	نماز میں کھنکارنا	۱۳۱
۸۵	نماز میں ڈکار لینا	۱۳۱
۸۶	نماز میں کھانسنا	۱۳۲
۸۷	کہنی کھلی رکھ کر نماز پڑھنا	۱۳۳
۸۸	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۱۳۴
۸۹	الٹا کرتا پہن کر نماز پڑھنا	۱۳۴
۹۰	رکوع میں جاتے وقت پائجامہ اوپر کرنا	۱۳۵
۹۱	خانہ کعبہ کی تصویر والے مصلّی پر نماز پڑھنا	۱۳۶
۹۲	قبریں سامنے ہونے کی صورت میں نماز پنجگانہ وعیدین کا حکم	۱۳۷
۹۳	تیز گرمی میں مسجد کی چھت پر نماز	۱۳۸
۹۴	نماز میں ادھر ادھر دیکھنا	۱۳۹
۹۵	تکثیر جماعت کی خاطر تسبیح میں اضافہ کرنا	۱۴۰
۹۶	خروجِ ریح کا تقاضا ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا	۱۴۰
۹۷	غیر موقوفہ مسجد میں نماز کا حکم	۱۴۱

۹۸ نماز میں کپڑا کتنا نیچے ہو؟ ۱۴۲

باب السترة

(سترہ کا بیان)

۹۹ سترہ کا زمین سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ ۱۴۳
۱۰۰ سترہ کی مقدار ۱۴۴
۱۰۱ نمازی کے سامنے سے گزرنا ۱۴۵
۱۰۲ مسجد صغیر وکبیر کی حداور نمازی کے سامنے سے گزرنا ۱۴۶

باب القراءة

(قراءت کا بیان)

الفصل الأول في كيفية الجهر والسر بالقراءة

(جہری اور سری قراءت کے احکام کا بیان)

۱۰۳ نماز میں قرأت کتنے زور سے کی جائے؟ ۱۴۸
۱۰۴ دل ہی دل میں قرأت کرنا ۱۴۹
۱۰۵ سری نماز میں قرأت کی آواز چار آدمی تک پہنچنا ۱۵۰
۱۰۶ السلام کا ''الف لام'' اور اللہ اکبر کی ''را'' کو صاف ظاہر نہ کرنا ۱۵۰
۱۰۷ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ۵۱
۱۰۸ جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ۱۵۳

الفصل الثاني في القراءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قراءت کرنے کا بیان)

۱۰۹ فاتحہ خلف الامام کا حکم ۱۵۶
۱۱۰ اہل حدیث کا چیلنج قرأت فاتحہ کے متعلق ۱۶۱

۱۱۱	نماز میں ''پاس انفاس'' کا حکم	۱۶۲

الفصل الثالث في القراءة المسنونة في الصلاة

(نماز میں قراءت کی مسنون مقدار کا بیان)

۱۱۲	امام کا مسنون قرأت کے علاوہ پڑھنے سے نماز کا حکم	۱۶۳
۱۱۳	فجر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں؟	۱۶۴

الفصل الرابع في تكرار السورة والآية وتعددها وترتيبها

(رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعدد اور ترتیب کا بیان)

۱۱۴	خلاف ترتیب پڑھنا	۱۶۶
۱۱۵	نماز میں خلاف ترتیب پڑھنا	۱۶۶
۱۱۶	نماز میں قرأت معکوس	۱۶۷
۱۱۷	مغرب کی نماز میں سورہ کافرون وسورہ لہب پڑھنا	۱۶۷
۱۱۸	سورہ فتح کے ختم ہونے سے پہلے رکوع کرنا	۱۶۸
۱۱۹	چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا	۱۶۹
۱۲۰	درمیان سے ایک آیت کا چھوٹ جانا	۱۶۹
۱۲۱	دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا	۱۷۰

باب في مسائل زلة القارئ

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

۱۲۲	نماز میں ''وسیق الذین کفروا'' کے بعد ''فتحت أبوابها'' پڑھنا	۱۷۲
۱۲۳	آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم	۱۷۳
۱۲۴	ایک آیت کے چھوٹ جانے سے نماز کا حکم	۱۷۳
۱۲۵	''واو'' چھوٹ جانے کی صورت میں نماز کا حکم	۱۷۴

۱۲۶ زیر، زبر، پیش کی غلطیاں کرنا ۱۷۷
۱۲۷ آیات پر وصل اور بغیر آیات کے فصل کرنا ۱۷۸
۱۲۸ چند آیات موقوفہ پر وقف ووصل کا حکم ۱۷۹
۱۲۹ "غیر المغضوب علیہم" کے بجائے "ضیر المغضوب" پڑھنا ۱۸۰
۱۳۰ نماز میں "واللہ خیر الرازقین" کی جگہ "خیر الظالمین" پڑھنا ۱۸۱

باب الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

۱۳۱ بلا جماعت فرض پڑھنے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا ۱۸۳
۱۳۲ کچھ تراویح باقی ہونے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا ۱۸۴
۱۳۳ وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہونے والے کے لئے قنوت کا حکم ۱۸۵

باب السنن والنوافل

الفصل الأول في السنن المؤكدة

(سنن مؤکدہ کا بیان)

۱۳۴ جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا ۱۸۷
۱۳۵ فریضہ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا ۱۸۹
۱۳۶ جمعہ کے بعد کتنی رکعت ہیں؟ ۱۸۹

الفصل الثاني في النوافل

(نوافل کا بیان)

۱۳۷ جمعہ کی سنتوں کے بعد فرض سے پہلے نوافل پڑھنا ۱۹۱
۱۳۸ مغرب کی اذان کے بعد نفل نماز پڑھنا ۱۹۱

۱۳۹	اشراق کی دو رکعات میں ''عبادات متعددہ'' کی نیت کرنا	۱۹۳
۱۴۰	اشراق اور تہجد کی رکعات کی تعداد	۱۹۳
۱۴۱	اشراق پڑھنے سے حج وعمرہ کا ثواب کب ملتا ہے؟	۱۹۵
۱۴۲	اوابین کی رکعات کی تعداد	۱۹۶
۱۴۳	صلوۃ الحاجت میں استغفار کی نیت کرنا	۱۹۷
۱۴۴	فجر کی سنت پڑھ کر جماعت سے پہلے لیٹنا	۱۹۷

الفصل الثالث في التهجد

(تہجد کی نماز کا بیان)

۱۴۵	رات کے اندھیرے میں نفل نماز پڑھنا	۱۹۹

الفصل الرابع في صلاة النفل بالجماعة

(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

۱۴۶	حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جماعت کے ساتھ تہجد پڑھنا اور حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس کو بدعت کہنا	☆ ۲۰۰
۱۴۷	تہجد کی جماعت کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ	۲۰۱
۱۴۸	اوابین وتہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنا	۲۰۱
۱۴۹	تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنا	۲۰۲
۱۵۰	نوافل کی نماز با جماعت پڑھنا	۲۰۳

باب صلاة التراويح

(تراویح کی نماز کا بیان)

الفصل الأول في ختم القرآن في التراويح

(تراویح میں قرآن ختم کرنے کا بیان)

۱۵۱	معوذتین کو وتر میں پڑھنے سے قرآن پاک تراویح میں ختم ہوگا یا نہیں؟	۲۰۷

الفصل الثاني في الترويحة وتسبيحة

(ترویحہ اور اس کی تسبیح کا بیان)

۱۵۲	ترویحہ سے متعلق ایک موضوع دعا	۲۰۸
۱۵۳	تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا	۲۱۰
۱۵۴	ہر ترویحہ کے بعد دعا	۲۱۱

باب قضاء الفوائت

(قضا نمازوں کا بیان)

۱۵۵	اگر نماز قضا ہوگئی تو قضاء واجب ہے یا کفارہ؟	۲۱۳
۱۵۶	کیا قضائے عمری میں وقت کی رعایت ضروری ہے؟	۲۱۴
۱۵۷	اشراق اور تہجد میں قضائے عمری کی نیت کرنا	۲۱۵

فصل في فدية الفوائت

(قضاء نمازوں کے فدیہ کا بیان)

۱۵۸	مرض الوفات میں حواس باقی نہ رہنے سے فدیہ کا حکم	۲۱۷
۱۵۹	ایک دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ	۲۱۷

باب سجود السهو

(سجدہ سہو کا بیان)

۱۶۰	کیا سجدہ سہو کے لئے دو سجدوں کا ہونا ضروری ہے؟	۲۱۹
۱۶۱	سورۂ فاتحہ میں ایک دو لفظ چھوٹنے سے سجدہ سہو کا حکم	۲۲۰
۱۶۲	صرف ایک رکعت میں سورۃ پڑھنے کا حکم	۲۲۱

۱۶۳ قرأت میں کوئی لفظ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کا حکم ۲۲۱

۱۶۴ تیسری چوتھی رکعت میں صرف بسم اللہ پڑھنا ۲۲۲

۱۶۵ بھول کر رکوع میں جانا اور پھر کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا اور رکوع کرنا ۲۲۲

۱۶۶ دعائے قنوت کا بھول جانا ۲۲۳

۱۶۷ قعدہ اولیٰ ترک ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ ۲۲۴

۱۶۸ مقتدی کا قعدۂ اولیٰ سہواً ترک کرنا ۲۲۴

۱۶۹ دو رکعت والی نماز میں بجائے قعود کے قیام کرنا ۲۲۵

۱۷۰ سجدہ سہو واجب نہ ہونے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا ۲۲۶

۱۷۱ غلطی سے سجدہ سہو کرنے کی صورت میں نماز کا حکم ۲۲۷

۱۷۲ سجدۂ سہو بھول سے رہ گیا ۲۲۸

۱۷۳ بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کرنا ۲۲۸

۱۷۴ سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا ۲۳۰

۱۷۵ نماز میں غلطی پر متنبہ کرنا ۲۳۰

باب سجود التلاوة

(سجدہ تلاوت کے احکام کا بیان)

۱۷۶ نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ بھول جانے کا حکم ۲۳۱

۱۷۷ ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنا ۲۳۲

۱۷۸ آیت سجدہ پڑھ کر کیا ناواقف کو بتانا چاہیے؟ ۲۳۴

۱۷۹ سجدہ تلاوت کے لئے رکوع میں نیت کرنا ۲۳۴

باب صلاة المريض

(مریض کی نماز کا بیان)

۱۸۰ اشارہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ ۲۳۶

۱۸۱	ایضاً	۲۳۷
۱۸۲	قیام پر قدرت نہ رکھنے والے حافظ قرآن کا بیٹھ کر تراویح اور [illegible]	۲۳۷
۱۸۳	برسات میں جب زمین خشک نہ ملے تو نماز کس طرح پڑھے؟	۲۳۸

باب صلاة المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

۱۸۴	[illegible]	۲۳۹

باب صلاة الجمعة

الفصل الأول في خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

۱۸۵	منبر پر آکر سلام کرنا اور ’’إن الله وملائكته‘‘ پڑھنا	۲۴۰
۱۸۶	خطبہ میں ’’قال الله تعالى فأعوذ بالله‘‘ پڑھنا	۲۴۱

الفصل الثاني في احتياط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

۱۸۷	احتیاط الظہر	۲۴۲
۱۸۸	نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا	۲۴۲

باب صلاة العيدين

الفصل الأول في وجوب صلاة العيد على النساء

(عورتوں کے لئے نماز عید کا بیان)

۱۸۹	کیا عورتوں پر نماز عید واجب ہے؟	۲۴۵

الفصل الثاني في صلاة العيد في المسجد وغيره

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

۱۹۰	عید کی نماز مسجد میں ہو یا میدان میں؟	۲۴۸
۱۹۱	عیدگاہ چھوڑ کر میدان میں نماز عید	۲۴۹
۱۹۲	اندیشۂ فساد کے وقت نماز عید محلوں کی مساجد میں	۲۵۰

الفصل الثالث في تكبيرات التشريق

(تکبیرات تشریق کا بیان)

۱۹۳	نماز عید کے لئے جاتے ہوئے اور واپسی پر تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم	۲۵۳

باب صلاة الاستسقاء

(نماز استسقاء کا بیان)

۱۹۴	صلوۃ استسقاء تین روز سے زائد نہیں	۲۵۴
۱۹۵	کیا صلاۃ استسقاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ آسمان پر بادل نہ ہو	۲۵۵
۱۹۶	صلوۃ استسقاء کے لئے اگربتی وغیرہ ساتھ لے جانا	۲۵۵
۱۹۷	نماز استسقاء کے بعد ترنم سے دعا کرنا	۲۵۶
۱۹۸	نماز استسقاء کو جاتے ہوئے ناجائز امور سے نہ روکنا	۲۵۷
۱۹۹	نماز استسقاء کے بعد کھانا کھلانا	۲۵۸

باب الجنائز

الفصل الأول في تكفين الميت

(میت کے کفن کا بیان)

۲۰۰	کفن کا کپڑا کس رنگ کا ہونا چاہیے؟	۲۵۹

الفصل الثاني في الصلاة على الميت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

۲۰۱	خودکشی کرنے والے اور نشہ کی حالت میں مرنے والے کی نماز جنازہ	۲۶۱
۲۰۲	نماز جنازہ کے بعد دعا	۲۶۲
۲۰۳	مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا	۲۶۲

الفصل الثالث فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

۲۰۴	عورت کی میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ	۲۶۴

الفصل الرابع في البناء على القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

۲۰۵	روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟	۲۶۵

الفصل الخامس في إلقاء الرياحين وغيرها

(قبروں پر پھول، چادر وغیرہ ڈالنا)

۲۰۶	مزار کی اگربتی کی قسم	۲۶۷

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

۲۰۷	ایصالِ ثواب کا طریقہ	۲۶۸
۲۰۸	ایصالِ ثواب کے لئے مجلس منعقد کرنا	۲۶۹
۲۰۹	دفن کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کے ایک مخصوص صورت کا حکم	۲۶۹

٢١٠	ایصالِ ثواب کا طریقہ	٢٧٢
٢١١	ماں کے انتقال کے بعد ان کو خوش کرنے کی صورت	٢٧٤
٢١٢	کلمہ طیبہ کتنی مرتبہ پڑھنے سے مردوں کی مغفرت ہوتی ہے؟	٢٧٥
٢١٣	فرائض وواجبات کا ثواب بخشنا	٢٧٦
٢١٤	ہر قسم کی نیکیوں کا ثواب بخشنا	٢٧٧
٢١٥	کیا پرانے کپڑے اور نئے کپڑے کے صدقہ میں فرق ہے؟	٢٧٧

فصل في أطعمة الاسبوع والأربعين وغيره

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا حکم)

٢١٦	سوئم وچہلم وغیرہ کا حکم	٢٧٩

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

٢١٧	شہادت کی ایک صورت اور قاتل کی مدد	٢٨٣
٢١٨	کیا گاڑی کے حادثہ میں مرنے والا شہید ہے؟	٢٨٤
٢١٩	شہیدانِ وطن کون ہیں؟	٢٨٥
٢٢٠	شہید وطن کون ہے؟	٢٨٥

كتاب الزكاة

(زکوۃ کا بیان)

٢٢١	منکر زکوۃ وتارک زکوۃ کا حکم	٢٨٨
٢٢٢	زکوۃ کو تاوان اور حج کو تجارت سمجھنا	٢٩١

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

۲۲۳ وجوب زکوۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی؟ ۲۹۲
۲۲۴ زکوۃ انگریزی سال سے ادا کرے یا قمری سے؟ ۲۹۲
۲۲۵ مشتبہ مال کی زکوۃ کا حکم ۲۹۳
۲۲۶ زکوۃ کی فرضیت سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا ۲۹۴
۲۲۷ یاقوت وغیرہ پتھر پر زکوۃ ۲۹۵
۲۲۸ بیوی کے زیور کی زکوۃ کس پر ہے؟ ۲۹۶

باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونا، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ کا بیان)

۲۲۹ جہیز کے زیور پر زکوۃ ۲۹۸
۲۳۰ جہیز کی گھریلو چیزوں پر زکوۃ ۲۹۹
۲۳۱ دو دینار سرخ کا وزن ۳۰۱

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

۲۳۲ ضرورت سے زائد اشیاء پر زکوۃ کا حکم ۳۰۲
۲۳۳ کمپنی کے حصص پر زکوۃ ۳۰۳
۲۳۴ ایک لاری کی آمدنی سے تین لاریاں خریدنے پر زکوۃ کا حکم ۳۰۴

٢٣٥	کرایہ پر لگے ٹرک کی زکوۃ کا حکم	٣٠٤
٢٣٦	شیئر زکی زکوۃ	٣٠٦
٢٣٧	مال تجارت کی زکوۃ	٣٠٧

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

٢٣٨	زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم	٣٠٨

فصل في أراضي الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

٢٣٩	اراضی ہندوستان میں عشر کا حکم	٣١٠

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

٢٤٠	زکوۃ ادا کرنے کے لئے نائب بنانا	٣١٢
٢٤١	بذریعۂ غیر مسلم زکوۃ ادا کرنا	٣١٣
٢٤٢	تملیک کا حکم اور طریقہ	٣١٤
٢٤٣	حیلہ تملیک، متعین رقم غریب کو دینا	٣١٥
٢٤٤	گزشتہ سالوں کی زکوۃ کا حکم	٣١٨
٢٤٥	قرض پر زکوۃ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ	٣١٩
٢٤٦	توبہ سے واجب شدہ زکوۃ ساقط نہیں ہوتی	٣٢٠

باب مصارف الزكاة

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

٢٤٧	زکوۃ کا مستحق کون ہے؟	٣٢٢

۲۴۸	زکوۃ فطرہ کی رقم غیر مصرف میں خرچ کرڈالنا	۳۲۴
۲۴۹	غنی کا زکوۃ استعمال کرنا	۳۲۵
۲۵۰	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۳۲۶
۲۵۱	زکوۃ کا روپیہ مقدمہ میں لگانا	۳۲۷
۲۵۲	سود اور زکوۃ کے پیسے سے نل لگوانا	۳۲۸
۲۵۳	زکوۃ کا لحاف طلبہ کو دے کر واپس لینا	۳۲۹
۲۵۴	بھائی کو زکوۃ دینا	۳۳۰
۲۵۵	وکیل کا اپنی ماں کو زکوۃ دینا	۳۳۱
۲۵۶	جس بچہ کی ماں سید ہو اس کو زکوۃ دینا	۳۳۲
۲۵۷	علمائے ربانی کی تکفیر کرنے والے کو زکوۃ دینا	۳۳۳
۲۵۸	بریلوی مکتب فکر کے مدارس میں زکوۃ دینا؟	۳۳۴
۲۵۹	شیعہ کو زکوۃ وفطرہ دینا	۳۳۵

فصل في صرف الزكاة في المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

۲۶۰	زکوۃ وعشر وغیرہ مدرسہ میں دینا	۳۳۷
۲۶۱	فصل سے نکالا ہوا عشر مسجد میں لگانا	۳۳۹

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

۲۶۲	صاع کی مقدار	۳۴۱
۲۶۳	صاع وغیرہ کے اوزان	۳۴۲
۲۶۴	نصف صاع کی مقدار موجودہ وزن سے	۳۴۵

۲۶۵ صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کریں؟ ... ۳۴۷
۲۶۶ صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عید کے روز قیمت بڑھ گئی، تو کیا کرے؟ ... ۳۴۷
۲۶۷ صدقۂ فطر عید کی صبح ادا کرنا اولیٰ ہے یا رمضان میں؟ ... ۳۴۸
۲۶۸ ضرورت سے زائد زمین کی ملکیت پر قربانی اور صدقۃ الفطر کا حکم ... ۳۴۹
۲۶۹ صدقۂ فطر سے کتابیں خرید کر کسی جماعت کو دینا ... ۳۵۰

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

۲۷۰ صدقہ جاریہ ... ۳۵۲

كتاب الصوم

۲۷۱ بقرعید کی نماز عید تک کچھ نہ کھانے پینے کا نام روزہ رکھنا ... ۳۵۳
۲۷۲ طویل دن میں روزہ کس طرح رکھے؟ ... ۳۵۵

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

۲۷۳ اختلاف مطالع ... ۳۵۶
۲۷۴ رؤیت ہلال میں اہل توقیت کا قول ... ۳۵۷
۲۷۵ ستاروں کی رفتار سے ثبوت حکم ... ۳۵۸
۲۷۶ ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند کی جستجو کرنا ... ۳۵۹
۲۷۷ ریڈیو کے اعلان کی حیثیت ... ۳۶۱
۲۷۸ ریڈیو کی خبر کا حکم ... ۳۶۳

٢٧٩ خبرِ عادل اور اصول ہیئت میں تعارض ہو تو ٣٦٤

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

٢٨٠ ہچکی، ڈکار آنا ٣٦٦
٢٨١ بحالتِ روزہ ڈکار میں کھانے کا ذائقہ محسوس ہونا ٣٦٦
٢٨٢ کیا حلق کی وجہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟ ٣٦٧

باب قضاء الصوم وکفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

٢٨٣ اگر کمزوری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کیا کرے؟ ٣٦٩
٢٨٤ نذر و قضا روزوں میں سے کس کو پہلے رکھے؟ ٣٧٠
٢٨٥ کفارۂ صوم میں بیماری کی وجہ سے اگر تسلسل نہ رہ سکے تو کیا حکم ہے؟ ٣٧١
٢٨٦ کفارۂ صوم میں ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلانا ٣٧٢
٢٨٧ متعدد روزوں کے ٹوٹ جانے سے کفارہ ایک ہوگا یا زیادہ؟ ٣٧٣
٢٨٨ فدیہ کس کے مال سے ادا کرے؟ ٣٧٤
٢٨٩ اگر قضا ہی ممکن ہو تو فدیہ کا حکم ٣٧٤
٢٩٠ مریض، میت کے روزوں کا فدیہ ٣٧٥
٢٩١ رمضان کے متعدد روزوں کی قضاء کا طریقہ ٣٧٥

فصل في التسحر والإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

٢٩٢ افطار کے بعد اذان دینا ٣٧٦
٢٩٣ افطار غروب پر کیا جائے یا اذان پر؟ ٣٧٧

۲۹۴	ایضاً	۳۷۸
۲۹۵	غروب سے پہلے چاند دیکھ کر روزہ توڑنا	۳۷۹
۲۹۶	ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑنا	۳۷۹
۲۹۷	افطاری کے بعد قے	۳۸۰
۲۹۸	رمضان میں غروب کی تحقیق اور بعد جماعت کرنی ہو، اکابر کے معمولات	۳۸۱

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

۲۹۹	عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے؟	۳۸۳
۳۰۰	کیا اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے؟	۳۸۳
۳۰۱	اعتکاف میں استثناء کرنے کا حکم	۳۸۵
۳۰۲	پورے رمضان کا اعتکاف کرنا	۳۸۵
۳۰۳	اعتکاف میں بیڑی پینا	۳۸۸
۳۰۴	معتکف کا بلا عذر شرعی وطبعی حدود مسجد سے نکلنا	۳۸۹
۳۰۵	ایضاً	۳۹۰
۳۰۶	معتکف کا تبلیغی اجتماع میں شرکت کرنا	۳۹۱
۳۰۷	معتکف کا جامع مسجد میں جمعہ کے لئے جانا	۳۹۲
۳۰۸	معتکف کا خارج مسجد سے ہوکر اذان کے لئے جانا	۳۹۳

کتاب الحج

باب فرضیة الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

۳۰۹	کیا استطاعت کے بعد اکیلا ہونا عذر ہے؟	۳۹۴

۳۱۰	نفلی حج کا ارادہ کر کے چوٹ لگنے کی وجہ سے معذور ہو جانا	۳۹۴
۳۱۱	غبن کے روپے سے حج اور کاروبار کرنا	۳۹۵
۳۱۲	حج مقبول ومبرور میں فرق	۳۹۷
۳۱۳	حج اکبر کی تشریح	۳۹۸
۳۱۴	کیا مکہ مکرمہ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟	۴۰۰
۳۱۵	قرض لے کر حج کرنا	۴۰۱
۳۱۶	کیا حج کے لئے والد سے اجازت لینی چاہیے؟	۴۰۴
۳۱۷	سعودیہ میں رہ کر حج کرنے والے اور باہر سے آنے والے میں سے کس کو ثواب زیادہ ملے گا؟	۴۰۵

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

۳۱۸	نامحرم کو سفر حج میں ساتھ لے جانا	۴۰۷
۳۱۹	رضاعی بیٹی کے شوہر کے ساتھ سفر حج	۴۰۹
۳۲۰	بہن اور بہنوئی کے ساتھ سفر حج	۴۱۰

باب في واجبات الحج وسننه

(واجبات وسنن حج کا بیان)

۳۲۱	ایک محرم کا دوسرے محرم کا سر مونڈنا	۴۱۱
۳۲۲	اپنے بال خود کاٹنا	۴۱۱
۳۲۳	سلی ہوئی تھیلی احرام میں رکھنا	۴۱۲
۳۲۴	عورت کا رات کو کنکریاں مارنا	۴۱۲
۳۲۵	حج اور عمرہ میں زبان سے نیت کرنا	۴۱۳

۳۲۶	رکن یمانی کو دور سے اشارہ کرنا	۴۱۵
۳۲۷	استلام حجر اسود دور سے کرنے کا طریقہ	۴۱۶

باب في أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

۳۲۸	طواف زیارت کر کے منیٰ آنا	۴۱۸
۳۲۹	عورتیں اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھیں یا حرم میں؟	۴۱۹
۳۳۰	عورتیں فجر کی نماز کہاں پڑھیں اور رمی جمرہ عقبہ کس وقت کریں؟	۴۱۹
۳۳۱	حالت حیض میں طواف زیارت کرنا	۴۲۰
۳۳۲	حالت احرام میں حیض آجائے	۴۲۲
۳۳۳	حالت احرام میں بضرورت حیض روکنے والی دوا کا استعمال	۴۲۳

باب المواقيت

(میقات کا بیان)

۳۳۴	کیا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے تنعیم سے احرام باندھا تھا؟	۴۲۵

باب الحج عن الغير

(حجِ بدل کا بیان)

۳۳۵	حج بدل کی تعریف	۴۲۶
۳۳۶	حج بدل، حج کی کون سی قسم ہے؟	۴۲۶
۳۳۷	حج بدل کی شرائط	۴۲۷
۳۳۸	حج بدل کی تفصیلی کیفیت	۴۲۹
۳۳۹	کسی کے لئے حج کرنے کا حکم	۴۳۱
۳۴۰	حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو	۴۳۲

۳۴۱	کیا حج بدل کے لئے پہلے سے سفر ضروری ہے؟	۴۳۵
۳۴۲	حج بدل میں کون سا حج کرے؟	۴۳۶
۳۴۳	حج بدل میں تمتع کرنے کا حکم	۴۳۸
۳۴۴	حج بدل والے کے لئے تمتع سے بچاؤ کا طریقہ	۴۳۹
۳۴۵	حج بدل کے بعد اگر استطاعت ہو جائے تو فریضہ ساقط نہیں ہوتا	۴۴۰
۳۴۶	عورت کا حج بدل کرانا	۴۴۱
۳۴۷	حج بدل میں عورتیں طواف کب کریں؟	۴۴۲
۳۴۸	حکومت کی طرف سے ملنے والا نقصان کا معاوضہ آمر کا ہے یا مامور کا؟	۴۴۳

باب الجنایات

(دوران حج جنایات کا بیان)

۳۴۹	ترتیب واجب کے خلاف کرنے سے وجوب دم کا حکم	۴۴۴
۳۵۰	قارن عمرہ کے بعد احرام کھول دے تو کیا حکم ہے؟	۴۴۵
۳۵۱	وقوف مزدلفہ رہ جائے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟	۴۴۵
۳۵۲	عمرہ کا احرام کھولنے میں چند بال کٹوائے تو دم لازم ہے یا نہیں؟	۴۴۷
۳۵۳	طواف وداع کا چھوٹ جانا	۴۴۸

باب المتفرقات

۳۵۴	حج کے لئے روپیہ دیا، اس میں سے کچھ بچ گیا، اس کو کیا کرے؟	۴۵۰
۳۵۵	حاجیوں کا سامان لانا اور لے جانا	۴۵۰
۳۵۶	حرم میں خرچ کرنے کے لئے دیئے گئے پیسوں کو کمپنی میں خرچ کرنا	۴۵۱
۳۵۷	کیا مدینہ منورہ میں بھی عمرہ ہوتا ہے؟	۴۵۲
۳۵۸	حج سے آنے والوں کے ساتھ معانقہ اور دست بوسی	۴۵۲
۳۵۹	حج میں کیا تمنا کی جائے؟	۴۵۳

۳۶۰	حج کی درخواست میں اپنے آپ کو دوسرے صوبہ کا بتلانا	۴۵۴
۳۶۱	حج کی درخواست منظور کرانے کے لئے سو روپیہ دینا	۴۵۵
۳۶۲	قصبہ کے بجائے ضلع کے نام سے درخواست حج جمع کرانا	۴۵۶

کتاب النکاح

(نکاح کا بیان)

۳۶۳	نکاح پڑھانے کا طریقہ	۴۵۷
۳۶۴	خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھنا	۴۵۸
۳۶۵	کم بولنے والے کا نکاح	۴۵۸
۳۶۶	ایضاً	۴۵۹
۳۶۷	والدین کا نکاح پڑھانا	۴۶۰
۳۶۸	نکاح کی اجازت نہ دے کر رخصت ہوجانا، پھر وہاں سے فرار ہوجانا	۴۶۰
۳۶۹	نکاح میں کھانے کپڑے وغیرہ کا تذکرہ	۴۶۳
۳۷۰	مہر ہاتھ کے نیچے چھپا کر ایجاب وقبول کرنا	۴۶۴
۳۷۱	لونڈیوں اور باندیوں کے احکام	۴۶۵

باب مایتعلق بالرسوم عند الزواج

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

۳۷۲	دلہا کو پالکی میں لے جانا	۴۶۷
۳۷۳	دولہا کو پھولوں کا ہار پہنانا	۴۶۷
۳۷۴	نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا	۴۶۸
۳۷۵	نکاح کے وقت نماز پڑھوانا	۴۶۸
۳۷۶	نکاح کے وقت کون سی نماز پڑھی جاتی ہے؟	۴۶۹

باب المحرمات

الفصل الأول في المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کا بیان)

۳۷۷ ایک ہی ذات سے تبدیلی جنس کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کے نکاح کا حکم ۴۷۱

۳۷۸ تایازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرنا ۴۷۲

۳۷۹ بھتیجے سے نواسی کا نکاح ۴۷۲

۳۸۰ سوتیلی ساس سے نکاح کرنے کا حکم ۴۷۲

الفصل الثاني في المحرمات من الرضاع

(حرمت رضاعت کا بیان)

۳۸۱ ڈھائی سال عمر ہوجانے پر حرمت رضاعت کا حکم ۴۷۴

الفصل الثالث في نكاح منكوحة الغير

(منکوحۂ غیر سے نکاح کا بیان)

۳۸۲ منکوحۂ غیر سے نکاح کے بعد شوہر اول کے مرنے کی صورت میں نکاح کا حکم ۴۷۶

۳۸۳ بغیر طلاق نکاح ثانی کرنے کا حکم ۴۷۷

الفصل الرابع في المحرمات بالجمع

(محرمات کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

۳۸۴ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟ ۴۸۰

الفصل الخامس في المحرمات بالشرك

(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

۳۸۵ مسلمان کا عیسائی عورت سے نکاح ۴۸۲

باب ولایة النکاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

۳۸۶ نکاح کے لئے چچا کی اجازت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ ۴۸۳

۳۸۷ ولایت نکاح چچا کو اور حق پرورش ماں کو حاصل ہے ۴۸۴

فصل في التوكيل بالنكاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

۳۸۸ بذریعۂ وکیل یا بذریعہ خط کے نکاح کا حکم ۴۸۵

۳۸۹ لڑکی کا لڑکے کو وکیل نکاح بنانا ۴۸۵

فصل في الجهاز

(جہیز کا بیان)

۳۹۰ جہیز کس کی ملک ہے؟ ۴۸۷

باب في العروس والوليمة

(بارات اور ولیمہ کا بیان)

۳۹۱ ولیمہ کا وقت کب سے کب تک ہے؟ ۴۸۹

كتاب الطلاق

باب الطلاق بألفاظ الكناية

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

۳۹۲ ''ہمیں تمہاری لڑکی سے اب کچھ مطلب نہیں ہے'' سے طلاق کا حکم ۴۹۰

باب الفسخ والتفریق

(فسخ اور تفریقِ نکاح کا بیان)

۳۹۳ سسرال کے حالات خلافِ واقع سن کر فسخِ نکاح کا مطالبہ کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۹۲

فصل في زوجة المجنون والعنين

(دیوانے اور نامرد کی بیوی کا بیان)

۳۹۴ زوجۂ عنین کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۹۵

باب الخلع

(خلع کا بیان)

۳۹۵ طلاق بالمال دینے کی صورت میں بیوی کو دیئے ہوئے زیور وغیرہ واپس لینا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۹۸

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

۳۹۶ عدت ختم ہونے کے وقت چند بے اصل باتوں کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۰
۳۹۷ دو عدتوں کا تداخل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۱

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

۳۹۸ میکہ چلی جانے والی عورت کا نفقہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۶
۳۹۹ میکہ میں رہ کر جھوٹی تحریر کے ذریعہ نفقہ طلب کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۶
۴۰۰ بلا اجازت شوہر کے گھر سے بھاگنے والی عورت کے نفقہ کا حکم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰۹

۴۰۱ عورت ناشزہ کب شمار ہوگی؟ ۵۱۰
۴۰۲ ناشزہ عورت کا نفقہ ۵۱۱
۴۰۳ نشوز میں میاں بیوی کا بیان مختلف ہونے کا حکم ۵۱۲
۴۰۴ طلاق دینے کے لئے نشوز کو ثابت کرنا ۵۱۳

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

۴۰۵ نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کا حکم ۵۱۴
۴۰۶ ارتکاب معصیت سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ۵۱۵

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

۴۰۷ شیر خوار بچہ کو چھوڑنے والی ماں کا حکم ۵۱۷

كتاب الأيمان والنذور

باب الأيمان

(قسم کھانے کا بیان)

۴۰۸ کیا لفظ ''قسم کھاتا ہوں'' سے یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟ ۵۱۸
۴۰۹ کلام پاک کی قسم ۵۱۹
۴۱۰ قرآن شریف کی جھوٹی قسم کھانا ۵۲۰
۴۱۱ قرآن اٹھا کر جھوٹی قسم کھانا ۵۲۱
۴۱۲ قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا ۵۲۱

۴۱۳	قرآن، کلام اللہ اور بچوں کی قسم کھانا	۵۲۳
۴۱۴	نماز پڑھنے کی قسم کھانا	۵۲۴
۴۱۵	روزہ رکھنے اور صدقہ دینے کی قسم	۵۲۵
۴۱۶	پاکستان جانے کی قسم کھانا	۵۲۵
۴۱۷	کپڑے کو جلانے کی قسم کھانا	۵۲۶
۴۱۸	بیوی کی پاک دامنی کی قسم کھانا	۵۲۷
۴۱۹	حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا	۵۲۸
۴۲۰	کیا حلال کو حرام سے تشبیہ دینا قسم ہے؟	۵۳۰
۴۲۱	ایضاً	۵۳۱
۴۲۲	''اگر فلاں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤں تو خنزیر کھاؤں'' کہنے کا حکم	۵۳۱
۴۲۳	''اگر فلاں کام کروں تو خنزیر کھاؤں'' کیا یہ قسم ہے؟	۵۳۲
۴۲۴	کلما کی وجہ سے موجودہ بیوی حرام نہیں ہوئی	۵۳۲
۴۲۵	''بہن کے یہاں گیا تو اپنی ماں سے سات مرتبہ زنا کیا'' کہنے کا حکم	۵۳۴
۴۲۶	''اگر فلاں کام کروں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' کہنے کا حکم	۵۳۵

فصل في كفارة اليمين

(قسم کے کفارہ کا بیان)

۴۲۷	قسم اور قسم کا کفارہ	۵۳۷
۴۲۸	قسم کا کفارہ	۵۳۸
۴۲۹	ضرورت کی بناء پر قسم کو توڑنے کا حکم	۵۳۹

باب النذور

(نذر کا بیان)

۴۳۰	مسجد کا مینارہ بنوانے کی نذر ماننا	۵۴۱

۴۳۱	تبلیغی چلہ میں جانے کی نذر ماننا	۵۴۱
۴۳۲	قرآن خوانی کرانے کی نذر ماننا	۵۴۱
۴۳۳	بکرا خدا کے نام پر نذر کرنا	۵۴۲
۴۳۴	''اگر فلاں کام ہوجائے تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے'' کا حکم	۵۴۳
۴۳۵	بکری صدقہ کرنے کی نذر سے کیا قیمت ادا کرنا کافی ہے؟	۵۴۴
۴۳۶	بکری کے بچہ کی نذر مان کر اس کی قیمت دینا	۵۴۵
۴۳۷	نذر کی ہوئی بکری کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں لگانا	۵۴۶
۴۳۸	غریبوں پر خرچ کرنے کی نذر ماننا	۵۴۷
۴۳۹	نذر کا کھانا مالدار کے بچوں کو کھلانا	۵۴۷
۴۴۰	نذر ماننے والے کے لئے نذر کا گوشت کھانا	۵۴۸

کتاب الحدود

باب حدّ الزنا

(حدِ زنا کا بیان)

۴۴۱	زنا کا ثبوت اور اس کی سزا	۵۵۰
۴۴۲	زنا کا ثبوت اور تہمت لگانے والے کی سزا	۵۵۲
۴۴۳	زنا کی سزا	۵۵۳
۴۴۴	زانیہ لڑکی لڑکے سے قطع تعلقات کا حکم	۵۵۴
۴۴۵	زوجہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا	۵۵۶
۴۴۶	بیوی اجنبی کے ساتھ زنا میں ملوث ہو تو دونوں کو ہلاک کرنا	۵۵۷
۴۴۷	زانی کا زنا کی حد کو طلب کرنا اور اگر حد نہ لگائی گئی تو خودکشی کرنا	۵۵۷

۴۴۸ زانی بالجبر کو زہر سے مارنا ۵۵۹

باب حدّ القذف

(حدِّ قذف کا بیان)

۴۴۹ زنا کی تہمت کی سزا ۵۶۰
۴۵۰ تہمتِ زنا لگانے والے سے ترکِ تعلق ۵۶۱
۴۵۱ چوری کا الزام ۵۶۲

باب التعزير

(تعزیر کا بیان)

۴۵۲ دھوکے سے خنزیر و کتے کا گوشت لوگوں کو کھلانا ۵۶۵
۴۵۳ شادی میں گولہ داغنے کی سزا ۵۶۶
۴۵۴ غلطی سے دوسرے کی بندوق سے کسی کو مارنا ۵۶۶

فصل في التعزير بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

۴۵۵ زنا پر مالی جرمانہ ۵۶۸
۴۵۶ مالی جرمانہ ۵۷۰

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

۴۵۷ فاسق کی شہادت کے سلسلہ میں دو فتووں میں رفع تضاد ۵۷۳
۴۵۸ گواہ سے قسم لینا ۵۷۵

۴۵۹ دنیوی عداوت کی تشریح ۵۷۶

کتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

۴۶۰ دوسرے کا کبوتر اپنے گھر میں آجائے تو کیا کریں؟ ۵۷۸
۴۶۱ سفر میں سامان بدل جائے، تو کیا کرنا چاہیے؟ ۵۷۹

☆......☆......☆......☆......☆

باب الإمامة

الفصل الأول في أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

دیوبندیوں کے پیچھے بریلوی کی نماز کیوں نہیں؟

سوال[۱۰۲۶۵]: جب چاروں امام حق ہیں تو دیوبندی کے پیچھے بریلوی کی نماز کیوں نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اختلاف ایسا نہیں، جیسا شافعیہ حنفیہ کا اختلاف ہوتا ہے، بلکہ بریلوی لوگ حضرات علمائے دیوبند کو بلکہ اپنے سوا تمام ہی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "جو ان کو کافر نہ سمجھے وہ خود کافر ہے"۔ پھر وہ کسی کے پیچھے کیوں نماز پڑھیں گے، اسی وجہ سے وہ علمائے حرمین کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے، اگر کوئی شخص پڑھ لیتا ہے، تو اس کی جماعت اس سے مطالبہ اور بائیکاٹ کرتی ہے، اس سال مولانا حبیب الرحمن حشمتی (بریلوی) نے مدینہ طیبہ میں اپنی جماعت الگ کی اور امام مسجد نبوی کو مسلمان قرار نہیں دیا، جس کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور ان کو بغیر حج کے ہندوستان واپس بھیج دیا گیا، یہاں پہنچ کر انہوں نے بڑے پوسٹر شائع کئے اور حکومت سعودیہ کے خلاف احتجاج کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۶۶]: ہمارے گاؤں موضع ... ضلع ... میں اسلام میں چلنے والے ہر طرح کے لوگ ہیں اور یہاں کی مسجد میں شروع سے اہل سنت والجماعت کے امام رہے ہیں ... ضرورتاً ... استعفیٰ دینا چاہتے

لفظاً متعلق ہیں کہ اہل دیوبند (تبلیغی جماعت) والے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کا امام ہوگا، اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اگر آپ لوگ امام بنیں گے تو ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، کیونکہ ہماری نماز تم لوگوں کے پیچھے نہیں ہوتی، ایسی صورت میں امام کس کو بنایا جائے؟ اور یہ بھی لکھیں کہ ان کی نماز ہمارے پیچھے کیوں نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کچھ غلط باتیں علمائے دیوبند کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کیا گیا اور ان کی عبارتوں کا ایسا غلط اور کفریہ مطلب بیان کیا گیا، جس سے عوام میں ان کے خلاف غیظ وغضب کے جذبات پیدا ہوں اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخالف اور دشمن سمجھیں اور ان سے پوری نفرت کریں، یہ سب انگریز نے اپنی حکومت کے وقت کرایا تھا تاکہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور علمائے دیوبند کا ساتھ نہ دے سکیں اور جہاد میں زیادہ مسلمان مجاہد نہ بنیں، کیونکہ علمائے دیوبند نے ۱۸۵۷ء میں انگریز سے جہاد کیا اور بہت سے حضرات شہید ہوئے، بہت سے گرفتار ہوئے اور بھی مختلف قسم کی سزائیں ان کو دی گئیں۔

اس اسکیم کے تحت بریلی کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے ایک رسالہ تصنیف کیا، جس میں ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کیا، علمائے دیوبند کی جن عبارتوں کا کفریہ مطلب بیان کر کے عوام کو بھڑکایا گیا تھا، ان عبارتوں کا صحیح مطلب علمائے دیوبند نے بیان کر کے کفریہ مطلب سے اپنی پوری برأت کردی اور چھاپ کر شائع کردیا (۱)، مگر اعلیٰ حضرت اور ان کے متبعین برابر وہی غلط کفریہ مطلب بتا بتا کر گمراہ کرتے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، ان کا ایسا سمجھنا اور کہنا غلط ہے، علمائے دیوبند کا مسلک بالکل قرآن کریم وحدیث شریف، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہے (۲)، ان کی امامت درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) راجع للتفصيل: (المهند على المفند، یعنی عقائد علماء اہل سنت دیوبند، مصنفہ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ العزیز، المیزان)

(۲) "نحن ومشايخنا مقلدون في الأصول والفروع لإمام المسلمين أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه أماتنا الله عليه وحشرنا في زمرته". (المهند على المفند، السؤال الثامن والتاسع والعاشر، ص: ۳۴، ۳۵، الميزان)

(۳) "(والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة. (ثم الأحسن تلاوة) وتجويداً (للقراءة ثم الأورع) أي: الأكثر اتقاء للشبهات. (ثم الأسن) أي: الأقدم =

امام کا جلدی جلدی نماز پڑھانا

سوال[۱۰۲۶۷]: امام کے لئے اتنی جلدی نماز پڑھنا کہ مقتدی رکوع وسجود میں تین تین مرتبہ بھی تسبیح نہ پڑھ سکتے ہوں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اتنی جلدی نہ کیا کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۲۰ھ۔

قرعہ اندازی سے امام مقرر کرنا اور قرعہ کی شرعی حیثیت

سوال[۱۰۲۶۸]: ۱...... قرعہ شرعی کی عندالشرع کیا تعریف ہے؟ کیا حقیقت واہمیت ہے؟ قرعہ کے منکر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

= إسلاماً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲/۶۰۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۱۲۱، ۱۲۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "وأقله ثلاثاً فلو تركه أو نقصه كره تنزيهاً.

(قوله كره تنزيهاً) أي: بناء على أن الأمر بالتسبيح للاستحباب ..... والحاصل: أن في تثليث التسبيح في الركوع والسجود ثلاثة أقوال عندنا، أرجحها من حيث الدليل الوجوب تخريجاً على القواعد المذهبية، فينبغي اعتماده كما اعتمده ابن الهمام .... وأما من حيث الرواية فالأرجح السنية؛ لأنها المصرح بها في مشاهير الكتب، وصرحوا بأنه يكره أن ينقص عن الثلاث". (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۴۹۴، سعيد)

"..... بل هو في الركوع والسجود سنة مؤكدة، فلو تركه أو نقص عن التثليث كره، وهذا هو المصرح في المتون وعامة الشروح والفتاوى، وقال بعضهم: أنه واجب فلو تركه أو نقص عنه سهواً وجب سجود السهو نقله القهستاني بصيغة التضعيف". (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، باب صفة الصلاة: ۲/۱۸۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۱، رشيديه)

۲.....قرعہ سے نامزد امام (زید) اور قرعہ سے نامزد اس کے نائب امام (عمر) میں کس کو اپنا نائب بنانے کا اختیار شرعاً حاصل ہے؟

۳.....عمر (نائب امام قرعی) کی موجودگی میں زید (امام قرعی) اگر اپنا نائب، بلا منظوری واجازت وعلم عمر، بکر کو اپنا خلیفہ بنادے، تو کیا عمر کی موجودگی میں بکر کی امامت شرعاً صحیح درست ہے؟

۴.....زید امام قرعی کے انتقال پر عمر (نائب امام قرعی) اس کی جگہ کا حق دار ومستحق ہے یا بکر؟ جس کو زید نے خود امام بنایا۔

۵.....عمر کی موجودگی میں بکر یہ کہہ کر امامت کررہا ہے، کہ قرعہ کوئی چیز نہیں، وہ تو عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک آڑتھی، بکر کا قرعہ کا فیصلہ نہ ماننا اور امامت کرنا شرعاً درست وصحیح ہے؟

۶.....عمر نے علم میں آنے کے بعد بکر کا قرعہ سے انکار گناہ اور عمر کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ ہے، عمر نے قصبہ کی مسجد (موسومہ بڑی مسجد) میں چند سال سے نماز عیدین ادا کرنا شروع کی ہے، جس میں وہ تقریباً چالیس (بتفارق) بوجہ عدم موجودگی، امام پنجگانہ وجمعہ ہے، عمر تقریباً بیس سال امام عیدگاہ بھی رہا ہے، کسی وجہ سے زید کو امامت عیدگاہ کا خیال ہوا، بعد سعی وجد وجہد بذریعہ قرعہ وہ امام عیدگاہ ہوگیا، عمر نے بخیال فتنہ وجدال وقتال زید کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور خاموش رہا اور بحیثیت نائب امام عیدگاہ میں نماز ادا کرتا رہا، عمر کا مسجد میں نماز ادا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....قرعہ شرعی حجت مثبتہ وملزمہ نہیں، محض تسکین وتطییب خاطر کے لئے ہے، بعض امور میں کسی مبہم تشخیص یا کسی کی شق کی تعیین کے لئے ہے، جب کہ ہر جانب مشروع ہو(۱)۔

---

(۱) "(قوله: لتطييب القلوب) قال في الجوهرة: والقرعة ليست بواجبة، وإنما هي لتطييب الأنفس وسكون القلب ولنفي تهمة الميل، حتى أن القاضي لوعين لكل واحد نصيباً من غير قراع جاز؛ لأنه في معنى القضاء فيملك الإلزام". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب القسمة: ۱۳۶/۴، دارالمعرفة بيروت)

"وأما طريقه نفي الظنون وتطييب النفوس كإقراع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بين نسائه، وكإقراع القاسم على السهام بعد تعديلها، فهي مستحسنة غيرمنسوخة، وغير واجبة والله أعلم". =

۲ .... مرجحات شرعیہ کو پہلے سامنے رکھا جائے کہ اصل معیار وہ ہے، تساوی کی صورت میں قرعہ بھی فی الجملہ مرجح ہوسکتا ہے(۱)۔

۳ .... اگر عمر کو نائب امام تسلیم کرلیا گیا ہے، خواہ قرعہ سے ہی سہی اور اس میں اوصاف اہلیت موجود ہیں، تو اسی کو نائب رکھا جائے، نائب بنانے کا اختیار امام کو دیا جائے کہ وہ زیادہ واقف ہے۔

۴ .... اگر امام کی موجودگی میں عمر نیابت کرتا تھا گو کہ زید نے اس کو تجویز کیا ہو، مگر مسجد کے ذمہ دار نیابت اس کے سپرد کر چکے تھے، تو اب اسی عمر کو امام رکھا جائے، اگر زید کی موجودگی میں بکر کے سپرد نیابت کردی گئی تھی، تو بکر کو رکھا جائے (۲)، اہلیت بہرحال ضروری ہے (۳)۔

= (أحكام القرآن للتهانوي، تحقيق القرعة وأحكامها، آل عمران: ۲/۲۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القسمة، مطلب: لكل من الشركاء السكنى في بعض الدار بقدر حصته: ۶/۲۶۲، سعيد)

(۱) "فإن استووا يقرع بين المستويين، أو الخيار إلى القوم". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، سعيد)

"وفي الخلاصة: "وإن اجتمعت هذه الخصال في رجلين فإنه يقرع بينهما". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۲) "الباني للمسجد أولى من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عين القوم أصلح ممن عينه الباني". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب باع عقاراً ثم ادعى أنه وقف: ۴/۴۳۰، سعيد)

"رجل بنى مسجداً وجعله لله فهو أحق بمرمته، وعمارته، وبسط البواري، والحصير، والقناديل والأذان، والإقامة، والإمامة فيه إن كان أهلاً لذلك، وإن لم يكن فالرأي إليه ... وإن تنازع الباني في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، فإن كان من اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني فاختيار أهل المحلة أولى وإن كانا سواء فاختيار الباني أولى". (الحلبي الكبير، أحكام المساجد، مسائل متفرقه، ص: ۶۱۵، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف، الموضع الثالث في الناظر المولى من القاضي ينصبه القاضي في مواضع: ۵/۳۸۹، رشيديه)

(۳) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوةً للقراءة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم =

۵.....قرعہ کا حال اوپر بیان ہو چکا، نیابت امام کا حکم بھی آ گیا، امامت کے لئے خود آگے بڑھنا جب کہ دوسرا احق موجود ہو، ناپسند ہے اس سے پرہیز چاہیے۔

۶.....امام بننے کی خواہش اور اس کی فکر اور اس کے لئے تدابیر اختیار کرنا، سعی کرنا، جب کہ دوسرا اہل بھی موجود ہو، بہت مذموم ہے(۱)۔ امام میں اہلیت ہونے کے باوجود اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا، عیدگاہ کی جماعت ترک کر کے مسجد میں جماعت کرنا غلط طریقہ ہے(۲)۔ جب ایک جگہ امام موجود ہو تو دوسرے کا بلا اجازت امام مصلی پر پہنچ کر نماز پڑھانا شروع کرنا نہایت قبیح ہے، حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے(۳)۔

= الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً، ثم الأشرف نسباً، ثم الأنظف ثوباً، فإن استووا يقرع".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، ۵۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، ۶۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۱) "وعن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله! ألا تستعملني؟ قال: فضرب بيده على منكبي، ثم قال: "يا أبا ذر! إنك ضعيف، وإنها أمانة، وإنها يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها، وأدى الذي عليه فيها". (صحيح مسلم، كتاب الإمامة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة: ۲/۱۲۱، قديمي)

"قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: قال النووي رحمه الله تعالى هذا الحديث أصل عظيم في اجتناب الولاية، لا سيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائفها، والخزي والندامة في حق من لم يكن أهلاً لها، أو كان أهلاً ولم يعدل، فيخزيه الله يوم القيامة، ويفضحه، ويندم على مافرط". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، رقم الحديث: ۳۶۸۲: ۷/۲۳۹، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول، ص: ۳۲۱، قديمي)

(۲) "ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره ... وإن هو أحق لا، والكراهة عليهم". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس: أما الكلام في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۳، ۶۰۴، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "عن أبي مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يؤم القوم =

عمر اور زید ہر دو کو اپنے منصب کی رعایت رکھتے ہوئے اس اختلاف کو ختم کر دینا چاہیے، نہ قتال وجدال کریں، نہ جماعت علیحدہ کریں، اگر دونوں کسی قابل اعتماد کو ثالث کرکے اختلاف کو ختم کر دیں، تو لائق تحسین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۲ھ۔

سنت پڑھے بغیر فرض پڑھانے والے کی امامت

سوال [۱۰۲۲۹]: ظہر سے پہلے چار سنت ہیں، ان کے ادا کئے بغیر امامت کرنا کیسا ہے؟ کسی طرح کی کراہت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل سنت تو یہی ہے کہ پہلے سنن ادا کرے، پھر نمازِ ظہر پڑھائے (۱)، اگر اتفاقیہ ایسا ہو جائے کہ بغیر سنت پڑھے نمازِ ظہر پڑھائے، تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی (۲)، ابن ماجہ کی روایت سے ایسا ہی

= أقرأهم ..... ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه". (صحيح مسلم، كتاب المسجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة: ۲۳۶/۲، قديمي)

"فلا يتقدم رجل على ذي السلطنة، لاسيما في الأعياد، والجمعات، ولا على إمام الحي، ورب البيت إلا بالأذن". (مرقاة المفاتيح، باب الإمامة، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۱۱۷: ۱۷۵/۳، رشيديه)

"واعلم أن صاحب البيت، ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، إلا أن يكون معه سلطان، أو قاض فيقدم عليه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، سعيد)

(۱) "(وسن) مؤكداً (أربع قبل الظهر)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۲/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۸۳/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱۱۲/۱، رشيديه)

(۲) "لحديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۵۸/۲، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب من فاتته الأربع =

معلوم ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

امام کا قومہ اور جلسہ کو لمبا کرنا

سوال[۱۰۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قومہ اور جلسہ میں اتنی دیر ٹھہرتے تھے کہ گمان ہوتا تھا کہ آپ بھول گئے، کیا آج کل امام بھی سنت کی پیروی میں ایسا کر سکتے ہیں؟ بشرطیکہ مقتدیوں کو گراں نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تاکید ہے کہ نماز ہلکی پڑھائی جائے، کیونکہ نماز میں بیمار، ضعیف، حاجت مند (جس کو جلدی فارغ ہو کر جانا ہے) ہوتے ہیں، البتہ تنہا پڑھے، تو جس قدر چاہے، طویل پڑھے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۳/ ۸۷ھ۔

جس سے مقتدی ناخوش ہوں اس کی امامت کا حکم

سوال[۱۰۲۷۱]: ایک امام صاحب سات سال سے امامت کر رہے ہیں موضع قاسم پور میں اور لوگ ان کی امامت سے سخت ناراض ہیں اور بڑے پریشان ہیں اور امام سے جھگڑا بھی ہو گیا ہے کئی مرتبہ، مگر یہ

= قبل الظهر، ص: ۸۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/ ۱۳۲، رشيديه)

(۱) (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، ص: ۸۰، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم، والضعيف، والكبير. وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ماشاء". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء: ۱/ ۹۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة: ۱/ ۱۸۸، قديمي)

امامت کئے جارہے ہیں، وجہ امامت کی یہ ہے کہ انہوں نے دو چار آدمیوں کو اپنے ساتھ لگا رکھا ہے۔ سب نمازی ناراض ہیں، ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟ مکروہ ہے یا کہ حرام؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام میں کوئی ایسی وجہ موجود ہے جس سے اس کی امامت ناجائز ہوتی ہو، تو امام کو خود اپنی اصلاح لازم ہے اور جب تک وہ وجہ موجود ہے وہ امامت نہ کرے۔ خود ہی علیحدہ ہو جائے (۱)۔ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں جس کے پیچھے شرعی وجہ کی بناء پر مقتدی نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ اگر امام میں کوئی ایسی وجہ موجود نہیں، بلکہ وہ صالح اور امامت کا اہل ہے، تو جو مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں، وہ مجرم ہیں۔ ان کو اپنی ضد سے باز آجانا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۸۶ھ۔

امام کے مصلے پر کسی کا نماز پڑھنا

سوال [۱۰۲۷۲]: کبھی جب کوئی دوسرا شخص امامت کرتا ہے، فرض پڑھ کر مصلی چھوڑ دیتا ہے، تو

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ثلاثة: رجل أم قوماً وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، ورجل سمع حي على الفلاح ثم لم يجب ... . وقد كره قوم من أهل العلم أن يؤم الرجل قوماً وهم له كارهون، فإذا كان الإمام غير ظالم فإنما الإثم على من كرهه". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء من أم قوماً وهم له كارهون: ۱/۸۲، ۸۳، سعيد)

"ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داود "لايقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون" وإن هو أحق لا والكراهة عليهم". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

امام کے مصلے پر سنت وغیرہ پڑھنے میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے بعد جب امام نے مصلے چھوڑ دیا اور کوئی دوسرا شخص وہاں سنت پڑھنا چاہے، تو اجازت ہے، اگر امام کو ناگوار نہ گزرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الثاني في إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت)

امانت میں خیانت کرنے والے کی امامت

سوال [۱۰۲۷۳]: ایک صاحب راشن کی دکان میں سرکاری ریٹ کے علاوہ بلیک کرتے ہیں، مثلاً: چینی بلیک سے چار روپیہ چھتر پیسہ فروخت کرتے ہیں، تو امانت میں خیانت کرنا کیسا ہے؟ ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امانت میں خیانت کرنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے، بلکہ نفاق کی علامت ہے(۱)، جس شخص کا یہ حال ہو اس کو امام بنانا مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". تابعه شعبة عن الأعمش". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث، زاد مسلم: "وإن صام وصلى وزعم أنه مسلم". ثم اتفقا: "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب الدليل على الزيادة والنقصان: ۲/۲۹۹، رحمانيه)

(۲) "(ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى)

(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة ... وفي المعراج قال أصحابنا: =

یکمشت سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۷۴]: اگر کوئی امام مشت سے کم مقدار میں ڈاڑھی رکھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا تنہا پڑھی جائے؟ جو صورت بہتر ہو تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو امام ڈاڑھی ایک مشت نہیں رکھتا، پہلے ہی کتا کر کم کرا دیتا ہے، اس کو امام نہ بنایا جائے، اس کو امام بنانا مکروہ ہے(۱)، اس کے پیچھے نماز بکراہت ادا ہوگی، اگر دوسرا لائق امام نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے ہی پڑھ لی جائے، جماعت ترک نہ کریں(۲)۔ صالح وتبع سنت امام کا تلاش کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۱۹ھ۔

= لاينبغي أن يقتدي بالفاسق إلا في الجمعة؛ لأنه في غيرها يجد إماماً غيره اهـ قال في الفتح: وعليه فيكره في الجمعة إذا تعددت إقامتها في المصر أي: على قول محمد المفتى به". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

"(وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا) ... وفي الفتاوى: لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

"ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً. فلا يعظم بتقديمه للإمامة قوله: (فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة) تبع فيه الزيلعي، ومفاده كون الكراهة في الفاسق تحريمية" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(۱) "(ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى)

(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر ...". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل الأولى بالإمامة، ص: ۵۱۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً، وإن =

تارکِ فرض کو امام بنانا

سوال[۱۰۲۷۵]: ایک شخص فرض نماز کا تارک ہے، تو اس کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو تراویح کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ جو فرض نماز ترک کرنے کا عادی ہے، اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جھوٹے شخص کو امام مقرر کرنا

سوال[۱۰۲۷۶]: ہم نے ایک فارغ التحصیل مولوی امام کو اپنی مسجد میں امام رکھا، اس نے اپنے آپ کو یتیم ظاہر کیا تھا اور ہم نے اس کی زکوۃ فطرہ وغیرہ سے کافی مدد کی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قوم کا تو فقیر ہے اور سب بیانات غلط ظاہر ہوئے، اب ایسے شخص کو امام رکھا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نے اپنے آپ کو یتیم ظاہر کیا، یتیم تو نابالغ ہوتا ہے، نابالغ کو امام مقرر کرنا جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی (۲)، بالغ ہونے پر یتیم نہیں رہتا، اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا پھر اس کا جھوٹ اور

= عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/ ۳۶۲، رحمانيه)

"قوله: (وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق الخ) ... فالحاصل أنه يكره لهؤلاء التقدم، ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيه، فإن امكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

"وتجوز إمامة الأعرابي، والأعمى، والعبد، وولد الزنا، والفاسق إلا أنها تكره هكذا في المتون". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۸۵، رشيديه)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیشت سے کم داڑھی رکھنے والے کی امامت"، رقم الحاشية: ۱

(۲) "ولا يصح اقتداء رجل بامرأة، وخنثى، وصبي مطلقاً، ولو في جناز". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، =

قریب ظاہر ہوگیا تو اس کو امام بنانا مکروہ ہے، جب تک وہ توبہ نہ کرے(۱)۔ امامت کی تنخواہ تو رضامندی پر ہے، اگر مقررہ تنخواہ دینے پر رضامندی نہیں ہے، تو امام کو خود بھی حق ہے کہ چھوڑ دے اور جتنی تنخواہ طلب کرتا ہے اگر مقتدی نہیں دے سکتے، تو امام کو انکار بھی کر سکتے ہیں تا کہ وہ اپنا دوسرا انتظام کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۸ھ۔

نسبندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۷۷]: زید اپنی بستی کی مسجد کا امام ہے، چند سال قبل زید دہلی جامع مسجد کے امام کے حسب فتویٰ خصی ہو گئے، زید کے پیچھے لوگ طوعاً و کرہاً اقتدا کرتے ہیں، آیا زید کی امامت شرعاً درست اور صحیح ہے یا نہیں؟ لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن امام صاحب کے فتوے کے متعلق آپ نے لکھا ہے، خود ان کے پیچھے اس فتوے کی وجہ سے لوگوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی تھی اور ان کو مصلیٰ سے ہٹا دیا تھا، لیکن اب وہ اپنے فتوے سابق کے خلاف تقریر کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مستورات کو بے پردہ بیعت کرنے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۷۸]: سائل کا بیان ہے کہ ایک عالم صاحب نے کسی پیر صاحب سے خلافت حاصل

= باب الإمامة: ۱/۵۷۷،۵۷۶، سعید)

"قوله: (وفسد اقتداء رجل بامرأة أو صبي) أما الأول فلما قدمناه من الحديث، ونقل في المجتبى الإجماع عليه، وأما إمامة الصبي فلأن صلاته نفل لعدم التكليف، فلا يجوز بناء الفرض عليه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۸، قديمي)

(۱) "(ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى)

"ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربوا ونحو ذلك".

(ردالمحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

کرکے عورتوں کا حلقہ باندھ کر بٹھا کر نصیحت کرتے ہیں اور بے پردگی سے مرید بھی کرتے ہیں اور عورتیں ان کی قدم بوسی بھی کرتی ہیں، اس وجہ سے مسجد کے امام صاحب اور متولی اور اکثر اہل قریہ اس پر ناراض ہیں۔ یہ عالم صاحب امام ومتولی کی اجازت کے بغیر کسی دن جمعہ کی نماز پڑھا دیں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ کوئی غیر آدمی امام کے علاوہ نماز پڑھانے کا حکم کریں، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نامحرم عورتوں کو بے پردہ سامنے بٹھانا اور حلقہ بنا کر یا بغیر حلقہ ہی ان کو اس طرح مرید کرنا اور عورتوں کا ان کی قدم بوسی کرنا خلاف سنت اور شرعاً ممنوع ہے(۱)، اس کو بالکل بند کیا جائے۔ جب کسی مسجد میں امام مقرر ہیں وہ امامت کا اہل ہے، تو کسی عالم صاحب کو بغیر امام کی اجازت کے خود آگے بڑھ کر جمعہ یا کوئی نماز پڑھانے کا حق نہیں۔ حدیث پاک میں اس سے منع فرمایا گیا ہے(۲)۔ اور کسی آدمی کو حق نہیں کہ بلا اجازت امام کسی دوسرے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ (النور: ۳۰)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

"وأما النوع السادس وهن الأجنبيات الحرائر، فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى الوجه والكفين". (بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان، النوع السادس: ۶/۴۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يجوز النظر إلى المرأة، لما فيه من خوف الفتنة، ولهذا قال عليه الصلاة والسلام: المرأة عورة مستورة". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس: ۷/۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم ... ولا يؤم الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه". (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

"واعلم أن صاحب البيت وكذا إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، أي: وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، رشيديه)

شخص عالم یا غیر عالم کو امامت کے لئے کہے، مگر نماز اس صورت میں بھی ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

قوالی سننے والے کی امامت

سوال [۱۰۲۷۹]: زید ایک حافظ ہے اور مسجد میں امامت کا کام بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت بتلاتے ہیں، یعنی علمائے دیوبند کے پیرو ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور دوسرے کو بھی نصیحت کرتے ہیں، مگر ان کی ایک یہ عادت ہے کہ وہ عرس کلیر شریف میں جا کر قوالیاں سنتے ہیں، ان سے کہا گیا کہ آپ لوگوں کے لئے مروجہ قوالی کو سننا حرام کہتے ہیں اور خود جا کر سنتے ہیں، تو جواب میں کہا کہ واقعی شرع شریف نے تو منع کیا ہے اور میں اس گناہ کا مجرم ہوں، مگر طبیعت نہیں مانتی، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ اس طرف سے میرا دل پھیر دیں، اس پر عمرو نے کہا کہ آپ آئندہ کے لئے توبہ کریں، امام صاحب نے توبہ کی، مگر وہ اگلے سال خفیہ طریقہ سے عرس میں جا کر پھر قوالیاں سنیں، ایسی حالت میں مقتدی کیا کریں؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ ایک بدعتی یہ کہتا ہے کہ یہ کام ناجائز نہیں ہے، علمائے بریلی قوالی کو جائز فرماتے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے۔

باجہ بجانے کی مذمت میں کون سی حدیث وارد ہوئی ہے، عربی میں مع ترجمہ اردو صفحہ کتاب تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، إلا أن يكون معه سلطان أو قاضي، فيقدم عليه لعموم ولايتهما.

(قوله: مطلقاً) أي: وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه، وفي التاتارخانية: جماعة أضياف في دار يريد أن يتقدم أحدهم ينبغي أن يتقدم المالك، فإن قدم واحدا منهم لعلمه وكبره فهو أفضل، وإذا تقدم أحدهم جاز، لأن الظاهر أن المالك يأذن لضيفه إكراماً له". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۹، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ سنت والجماعت سے وابستہ اہلِ حق صوفیہ محققین قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ سب کے نزدیک یہ قوالی سننا اور ایسی محفلوں میں شریک ہونا ناجائز ہے (۱)، علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر طرطوسی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تفصیلاً اس کو نقل کیا ہے (۲)، علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) اور علامہ شامی نے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے (۴)، اگر امام بھی توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہوگی (۵)۔

---

(۱) "وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قضيب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلاة والسلام: "استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر"". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل فيما يتعلق بالمناهي ۶/۳۵۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۴۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "فأما ما ابتدعته الصوفية في الإدمان على سماع المغاني بالآلات المطربة من الشبابات، والطار، والمعازف، والأوتار فحرام ... قال الطبري: فقد أجمع علماء الأمصار على كراهية الغناء والمنع منه" (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، لقمان: [illegible]، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "... لايحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يحضر معهم، ولا يعينهم على باطلهم، هذا مذهب مالك والشافعي وأبي حنيفة وأحمد وغيرهم من أئمة المسلمين" (كتاب حيوة الحيوان، تحت لفظ العين المهملة "العجل": [illegible]، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) "وإن كان سماع غناء فهو حرام بإجماع العلماء" (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(۵) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى"

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً ... على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

"إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إن الله يغفر لكل مذنب إلا لصاحب عرطبة أو كوبة الخ"(۱).

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گنہگار کی مغفرت فرمائیں گے، مگر بجہ والی کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔

"يكون في أمتي قوم يستحلون الخز والحرير والخمر والمعازف" الحديث.

میری امت میں ایسی لوگ پیدا ہوجائیں گے جو زنا کو، ریشم کو، شراب کو اور بجہ کو حلال قرار دیں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لڑکی کو نامحرم سے تعلیم دلانے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۸۰]: زید کی سولہ سالہ لڑکی قمر النساء کو معین پرائیویٹ طور پر پڑھاتا تھا، معین روزانہ شام کو قمر النساء اور اس کے دو چھوٹے بھائی اور بہن کو پڑھانے آتا تھا، معین نے زید کی سخت نگرانی دیکھ کر زید سے کہا کہ آپ مجھ پر شبہ نہ کریں، میں تو آپ کی ہی لڑکی سے شادی کروں گا، مجھے روپیہ وغیرہ کا لالچ نہیں ہے۔ نوبت بایں جارسید کہ معین نے ایک روز قمر النساء سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی، دو ماہ بعد جب معلوم ہوگیا، تو معین سے شادی کے لئے کہا گیا، معین نے جواب دیا، چندروز بعد شادی کروں گا، چندروز بعد معین نہیں آیا اور اس نے دوسری جگہ مالدار گھرانے میں شادی کرلی، تین ماہ بعد قمر النساء کے والدین نے کافی روپیہ خرچ کرکے قمر النساء کا

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ۱۰۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير، باب: العين مع الراء: ۱۸۹/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في غريب الحديث لابن الجوزي: ۸۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفائق في غريب الحديث والأثر: ۴۱۲/۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه: ۸۳۷/۲، قديمی)

(وسنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الخز: ۲۰۴/۲، رحمانيه لاهور)

حمل گروادیا تاکہ وہ بدنام نہ ہو اور اس کی شادی ہو سکے۔ زید ایک عام شخص ہے، اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز زید اور اس کی بیوی اور قمرالنساء اور محسن کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اس کا تدارک کیسے ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت نے پردہ لازم قرار دیا ہے (۱)، اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ اور خراب ماحول سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے، اس میں بہت سے مصالح ہیں اور اس میں بہت سے منافع ہیں، احکام شریعت پر عمل نہ کرنے میں عزت و آبرو تک برباد ہے اور آخرت کی بھی تباہی ہے، جو ناگوار صورت پیش آچکی ہے، وہ نہایت مذموم اور معصیت ہے۔ زید، اس کی بیوی، اس لڑکی کا استاذ سب کے سب حیثیت گناہ گار ہیں، سب توبہ کریں اور اپنی حرکت پر ندامت و استغفار لازم ہے، خدا کے سامنے روئیں اور پوری عاجزی کے ساتھ معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے پختہ عہد کریں کہ ایسی غلطی نہیں کریں گے (۲)۔ لڑکی کی اس قسم کی تعلیم ختم کریں، کسی نامحرم پر اعتماد

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الأحزاب: ۵۹)

"عن الحسن قال: كن إماء بالمدينة يقال لهن: كذا وكذا يخرجن، فيتعرض لهن السفهاء فيؤذونهن، وكانت المرأة الحرة تخرج فيحسبون أنها أمة فيتعرضون لها، فيؤذونها، فأمر الله المؤمنات أن ﴿يدنين عليهن من جلابيبهن، ذلك أدنى أن يعرفن﴾ أنهن حرائر فلا يؤذين". اهـ. (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۸۵، قديمي)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". (جامع الترمذي، أبواب الرضاع، باب ماجاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها: ۱/۲۲۲، سعيد)

"لايجوز النظر إلى المرأة، لما فيه من خوف الفتنة، ولهذا قال عليه الصلاة والسلام: "المرأة عورة مستورة". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس: ۷/۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا عسى ربكم أن يكفر عنكم سيئاتكم﴾ (التحريم: ۸)

"قال النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً ... وركنها الأعظم الندم". (روح المعاني، التحريم: ۸) =

کرکے اس کو تنہائی اور تعلق کا موقع نہ دیں، شیطان کسی وقت بھی شرارت پر آمادہ کرسکتا ہے۔ اگر زید واقعی توبۂ نصوح کرے اور یہ اندازہ ہوجائے کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا، تو پھر زید کی امامت میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۱۹ھ۔

گدھے کے بولنے کو اذان کہنے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۸۱]: عین اذان کے وقت مؤذن اذان دے رہا تھا، مسجد کے قریب ہی گدھا چیخنے لگا، تو امام صاحب نے فرمایا: "واذان ہوگئی، اذان کی کیا ضرورت" لوگوں کے اعتراض کرنے پر بتایا کہ میں نے مذاق کیا تھا، امام صاحب نے دانستہ عدالت میں جھوٹی شہادت دی، جس امام میں یہ صفات پائی جائیں اس کے لئے شریعت کیا حکم صادر کرتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس امام کے یہ حالات ہوں، وہ امامت سے الگ کئے جانے کا مستحق ہے، جب تک پکی توبہ نہ

= ۱۵۸/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۶/۲، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإني لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدى﴾ (طه: ۸۲)

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لاذنب له". (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ۳۱۳، قديمي)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب حديث الإفك: ۵۹۶/۲، قديمي)

"(إن العبد إذا اعترف) أي: أقر بكونه مذنباً وعرف ذنبه (ثم تاب) أتى بأركان التوبة من الندم والخلع والعزم والتدارك (تاب الله عليه) أي: قبل توبته لقوله تعالى: ﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده﴾ قال الطيبي: وحقيقته أن الله يرجع عليه برحمته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبة، رقم الحديث: ۲۳۳۰، ۱۹۲/۵، رشيديه)

کرے(۱)، گدھے کی آواز پر یہ کہنا کہ ''لواذان ہوگئی''، نہایت خطرناک ہے، یہ اذان کی سخت توہین ہے، اس سے ایمان کا برقرار رہنا دشوار ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

تاڑی فروخت کرنے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۸۲]: ۱..... زید حافظ قاری ہیں، بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، عقد ثانی نہیں کیا ہے، چال چلن مشکوک ہونے کی شہرت ہے، ڈاڑھی صرف دوانگل رکھتے ہیں، جس کی ہمیشہ تراش خراش کرتے رہتے ہیں، کھجور کا باغ ان کی ملکیت میں ہے، جس سے تاڑی (۳) نکالی جاتی ہے، تاڑی والوں کو یہ باغ فروخت کرتے رہتے ہیں، زید کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

۲..... بکر حافظ ہیں، معمر ہیں، شرعی ڈاڑھی ہے، صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، مسائل سے بخوبی واقف

---

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى.

(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزني، وآكل الربا، ونحو ذلك". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/ ٥٥٩، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة سنة مؤكدة: ١/ ١٠٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/ ١٢٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢) "ويكفر بالاستهزاء بالأذان، لا بالمؤذن". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٥/ ٢٠٢، رشيديه)

"وفي شرح الفقه الأكبر لملا علي القارئ رحمه الله تعالى: "والاستهزاء بحكم من أحكام الشرع كفر". (قبيل فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ١٧٢، قديمي)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالأذكار: ٥/ ٥٠٠، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۶۱، فیروز سنز لاہور)

ہیں، بیوی بچے موجود ہیں، چال چلن مشکوک نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ زید کی امامت اولیٰ ہے یا بکر کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان دونوں صورتوں میں بکر امامت کے لئے مستحق و اولیٰ ہے(۱)، ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے ڈاڑھی کٹانا درست نہیں(۲)، تاڑی والوں کو کھجور فروخت کرنا مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "(والأعلم أحق بالإمامة) أي: أولى بها ولم يبين المعلوم ... (ثم الأورع) أي: الأكثر إجتناباً للشبهات". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۷، ۶۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۰۲، رشيديه)

(۲) "(لا) يكره (دهن شارب و) لا (كحل) إذا لم يقصد الزينة أو تطويل اللحية إذا كانت بقدر مسنون وهو القبضة ... وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود ومجوس الأعاجم". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ولايفسده: ۲/۴۱۷، ۴۱۸، سعيد)

"والقص سنة فيها وهو أن يقبض الرجل لحيته فإن زاد منها على قبضته قطعه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في الختان والخصاء الخ: ۵/۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ۸/۲۸۵، رشيديه)

(۳) "ثم السبب ... إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون التصريح به باللسان". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۲/۴۵۲، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"(ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً) أي: من ذمي، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴/۲۱۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)=

ساحر اور عامل کی امامت

سوال [۱۰۲۸۳]: عمل کرنے والا یا کرانے والا نماز پڑھائے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ساحر کو امام بنانا درست نہیں (۱)، عامل قرآن وحدیث کی امامت درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۹۴ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= "وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق". (الدرالمختار). "(قوله: فاسق) من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، والعل المراد به من يرتكب الكبائر، كشارب الخمر والزاني وآكل الربوا، ونحو ذلك". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

"قوله: (وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا) بيان للشيئين الصحة والكراهة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "وأما ما كان من الآيات القرانية والأسماء والصفات الربانية والدعوات المأثورة النبوية، فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذاً أو رقية أو نشرة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۵۵۳: ۸/۳۲۱، رشيديه)

"جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل ونحوه: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في شرح معاني الآثار، كتاب الإجارات، باب الاستيجار على تعليم القرآن: ۲/۲۹۷، سعيد)

الفصل الثالث في إمامة المبتدع

(بدعتی کی امامت کا بیان)

مبتدع کی امامت

سوال[۱۰۲۸۴]: زید بدعتی گاؤں میں رہتا ہے، اس موضع میں بدعتی رہتے ہیں، مگر بکر بدعتی نہیں ہے اور امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی سمجھتا ہے، اب زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید بدعتی نہیں ہے، تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے اور اگر زید بھی بدعتی ہے اور دوسری مسجد نہیں، تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو گوارہ کرے، جماعت ترک نہ کرے(۱)۔ اور آہستہ آہستہ نرمی وہمدردی سے ہر مسئلہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی ترغیب دیتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع ايمة الجور: ۳۶۲/۱، رحمانيه)

"(ويكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا) هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة.....صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة.

(قوله: نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفها أولى من الانفراد، لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، ۵۶۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

رضاخانی کے پیچھے نماز

سوال[۱۰۲۸۵]: ہندوستان میں جوفرقہ اپنے آپ کواہل سنت والجماعت کہتا ہےاوراحمد رضاخان بریلوی کواپنا مقتدامانتا ہے،اس فرقہ سے متعلق یااس فرقہ کا عقیدہ رکھنے والاشخص اگرکسی مسجد کاامام ہو،تواس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز صحیح ہے یانہیں؟ یاتنہا پڑھنا بہتر ہے؟ جوبھی لکھیں،کتاب وسنت کی روشنی میں مع دلائل لکھئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر بدعتی کا حال یکساں نہیں،بعض بدعتی بہت غالی ہیں،جوکفروشرک میں مبتلا ہیں،ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں(۱)،لاعلمی کی وجہ سےاگرکسی کے پیچھے نماز پڑھ لی،تواس کااعادہ لازم نہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۹/۱۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "(ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى ...... ومبتدع) أي: صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة ...... وإن أنكر بعض ماعلم من الدين ضرورةً كفربها كقوله إن الله تعالىٰ جسم كالأجسام فلا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

"وقيده في المحيط والخلاصة والمجتبى وغيرها بأن لاتكون بدعته تكفره، فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۱، رشيديه)

"ويكره تقديم المبتدع أيضاً لأنه فاسق من حيث الاعتقاد ..... أما لوكان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلاً كالغلاة من الروافض الذين يدعون الألوهية لعلي رضي الله تعالىٰ عنه، أو أن النبوة كانت له فغلط جبريل، ونحو ذلك مما هو كفر". (الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، الأولىٰ بالإمامة، ص: ۵۱۴، ۵۱۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "رجل أم قوماً شهراً ثم قال: كنت مجوسياً فإنه يجبر على الإسلام ولا يقبل قوله، وصلاة القوم جائزة، ويضرب ضرباً شديداً، وكذا لو قال: صليت بكم المدة على غير وضوء وهو ماجن لاتقبل قوله، وإن لم يكن كذلك، واحتمل أنه قال على وجه التورع والاحتياط أعادوا صلوتهم، وكذا لوقال: في ثوبي قذر". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: ۱/۱۴۵، ۱۴۶، رشيديه)

رضاخانی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۸۶]: فرقہ رضاخانی جنہوں نے طرح طرح کی بدعات دین میں ایجاد کیں، اکابر علماءِ حق اوران کے متبعین کی تکفیر اور تفسیق کو اپنا شیوہ بنایا اور مسلمانوں میں افتراق اور انتشار ان کا خاص مقصد ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو عالم میں تصرف کرنے والا اور ہر ایک کی فریاد سننے والا اور مدد کرنے والا سمجھتے ہیں، اسی لئے یاغوث المدداں کا خاص نعرہ ہے، اس فرقہ کے بانی نے رسول کی شہادت کا انکار کر کے قرآن کی نص صریح کا انکار کیا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں روافض سے بڑھ کر گستاخی کا ارتکاب کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بالاتفاق صحابی رسول ہیں، اس جماعت کے بانی نے ان کو کافر اور خوک(۱) سے بدتر قرار دیا ہے۔ ان حالات میں سوال یہ ہے کہ کیا رضاخانی اور اس کا بانی اسلام میں داخل ہے یا عقائد مذکورہ کی بناء پر اسلام سے خارج ہیں؟ اور کیا ایسے لوگوں کے پیچھے اہل حق کو نماز پڑھنا درست ہے؟ رضاخانی یہ کہتے ہیں کہ علمائے دیوبند اوران کے متبعین مرتد ہیں، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں اور علمائے دیوبند اوران کے ماننے والوں کی نماز ہمارے پیچھے ہوجاتی ہے اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ دیتے ہیں، ان کے اس قول کی حقیقت کیا ہے اور کیا واقعہ یہی ہے کہ رضاخانی جیسا کہتے ہیں؟ وضاحت اور تفصیل سے جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امور مذکورہ سوال بعض کفر ہیں، بعض شرک، بعض حرام اور سخت معصیت ہیں، ان کے تحقق وثبوت کے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: ١/٨٥، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لايصح: ١/٨٨، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٩١، ٥٩٢، سعيد)

(۱) ''خوک: سور، خنزیر''۔ (فیروز اللغات، ص: ٦٣٧، فیروز سنز لاہور)

بعد امامت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا(۱)۔ دارالعلوم کے جس فتوی کا حوالہ دیا جاتا ہے، کیا ان امور کو لکھ کر استفتاء کیا گیا ہے؟ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے، اس کو بطور سند پیش کرنا تلبیس ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(ویکره إمامة عبد ... ومبتدع) أي. صاحب بدعة، وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة ... وإن أنكر بعض ماعلم من الدين ضرورة كفر بها، كقوله إن الله تعالىٰ جسم كالأجسام، وإنكاره صحبة الصديق فلا يصح الاقتداء به أصلاً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۱، ۵۶۲، سعيد)

"(وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع) ... وفي الفتاوى: لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة، لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع ... وقيده في المحيط والخلاصة والمجتبى وغيرها: بأن لاتكون بدعته تكفره، فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۱۰، ۶۱۱، رشيديه)

"وقال البدر العيني: يجوز الاقتداء بالمخالف، وكل بروفاجرمالم يكن مبتدعاً بدعة يكفر بها، ومالم يتحقق من إمامه مفسداً لصلاته في اعتقاده اهـ وإذا لم يجد غير المخالف فلا كراهة في الاقتداء به، والاقتداء به أولى من الانفراد على أن الكراهة لا تنافي الثواب. أفاده العلامة نوح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۳، قديمى)

الفصل الرابع في إمامة المعذور

(معذورکی امامت کا بیان)

لنگڑے کی امامت

سوال[۱۰۲۸۷]: ایک شخص لنگڑا ہے اور وہ باوجود لنگڑا ہونے کے حافظ وقاری بھی ہے، بہت اچھا قرآن پڑھتا ہے، تو جب وہ نماز پڑھاتا ہے، تو عوام الناس اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ لنگڑے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، لہٰذا ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا لنگڑے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی؟ اور اگر کراہت ہے، تو تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اور عوام الناس کا یہ اعتراض کرنا بجا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، تو یہ لوگ اس معاملہ میں کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لنگڑے کو امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے، تحریمی نہیں، اس کے پیچھے نماز ادا ہو جائے گی، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، وہ ناواقف ہیں۔

"كذا تكره خلف مفلوج، وأبرص شاع برصه، وكذا أعرج يقوم ببعض قدمه، فالاقتداء بغيره أولى تاتر خانية. وكذا أجزم. برجندي. (شامي: ۱/۳۷۸)(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۲، سعيد)

"ولو كان بقدم الإمام عوج فقام على بعضها يجوز، وغيره أولى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من =

کانے کی امامت

سوال[۱۰۲۸۸]: اگر کانا آدمی نماز پڑھائے، تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيديه)

(۱) دونوں آنکھوں سے اندھا شخص اگر شرائط امامت کے ساتھ متصف ہو، تو اس کو امام بنانا بنسبت دوسروں کے افضل ہے، لہٰذا جس شخص کی صرف ایک آنکھ کی بینائی نہ ہو، لیکن شرائط امامت کے ساتھ متصف ہو، تو وہ بطریقِ اولیٰ امامت کا حق دار ہے۔

"(ويكره إمامة عبد ... وأعمى)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: قيد كراهة إمامة الأعمى في المحيط وغيره بأن لايكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولى اهـ". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵٦۰، سعيد)

"وذكر في المحيط: لابأس بأن يؤم الأعمى والبصير أولى، وفي الأنفع ذكر الإمام المعروف بخواهر زاده في مبسوطه: إنما يكره تقديم الأعمى إذا كان غيره أفضل منه، وقد ثبت أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم استخلف ابن أم مكتوم يؤم الناس وهو أعمى، رواه أبوداود". (الحلبي الكبير، فصل الإمامة، الأولى بالإمامة ص: ۵۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

"قال رحمه الله تعالى: "(والأعمى) لأنه لا تتوقى النجاسة، ولا يهتدي إلى القبلة بنفسه، ولا يقدر على استيعاب الوضوء غالباً، وفي البدائع: إذا كان لايوازيه غيره في الفضيلة في مسجده فهو أولى". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۴۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/٦۱۰، رشيديه)

الفصل الخامس في عزل الإمام وتحقيره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

امام کے ساتھ گالی گلوچ اور اس پر تہمت لگانے کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۸۹]: کوئی مقتدی اپنے امام کے ساتھ گالی گلوچ کر کے اغلام(۱) کی تہمت لگائے اور پھر اس کے پیچھے نماز پڑھے، تو کیا اس کی نماز ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گالی گلوچ تو سب کے ہی ساتھ منع ہے(۲)، پھر امام کا احترام تو اور زیادہ ضروری ہے اور بلا ثبوت شرعی اتنی بڑی بات کہنا بہت بڑا جرم ہے، سخت گناہ ہے(۳)، معافی مانگنا واجب ہے، تاہم جس امام پر اتنی بڑی تہمت لگائی اور اس سے معافی نہیں مانگی اور نماز اس کے پیچھے پڑھی، فرض اس کا بھی ادا ہوگیا، نماز

---

(۱) ''اغلام: لڑکوں کے ساتھ بدفعلی، لواطت، خلاف وضع فطری''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى من السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر": ۵۸/۱، قديمى)

(۳) "ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۷/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء والأبرار والصلحاء الخ: ۳۴۵/۵، قديمى)

صحیح ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

بدتمیز مقتدی کی نماز کا حکم

سوال [۱۰۲۹۰]: جو امام مسجد سے بدتمیزی سے پیش آئے، خواہ حاجی ہو یا نمازی، وہ کیسا ہے؟ آیا اس کی نماز بھی ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کا احترام واجب ہے، اس سے بدتمیزی سے پیش آنا بڑی غلطی ہے (۲) کہ جس کی اقتداء میں سب

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۶۶، رحمانيه)

"وهذا يدل على جواز الصلاة خلف الفاسق، وكذا المبتدع، إذا لم يكن مايقوله كفراً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۱۲۵: ۳/۱۸۱، رشيديه)

"وأما بيان من يصلح للإمامة في الجملة، فهو كل عاقل مسلم، حتى تجوز إمامة العبد والأعرابي والأعمى، وولد الزناء والفاسق وهذا قول عامة العلماء". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/۶۲۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إني جاعلك للناس إماماً﴾ (البقرة: ۱۲۴)

"وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول، ومن ألزم الله تعالى الاقتداء بهم. ثم الإمامة في الصلاة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۹۷، ۹۸، قديمي)

سے افضل عبادت ادا کرنا ہے، اس کا احترام کرنا انتہائی ضروری ہے، تاہم نماز اس کی بھی ہو جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة عليكم على خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر".
(سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۲، رحمانيه)
(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۱۱۲۵: ۳/۱۸۱، رشيديه)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يصلح للإمامة: ۱/۲۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل السادس في النيابة عن الإمام

(نیابت امام کا بیان)

امام کا اپنی عدم موجودگی میں متولی کو امامت سپرد کرنا

سوال [۱۰۲۹۱]: امام مسجد متولی صاحب کو فرائض امامت سپرد کر گیا، متولی صاحب حافظ نہیں ہیں، مگر ایک بزرگ شخصیت ہیں، صوم وصلوۃ کے بہت پابند ہیں، نیز نماز اور امامت کے مسائل ضروریہ سے بخوبی واقف ہیں، ایک دینی ادارہ کو بھی اپنی کوشش سے چلا رہے ہیں، یتامی اور غرباء کی بھی ہر قسم کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ مقتدیوں میں ایک صاحب ہیں، جو صرف حافظ قرآن ہیں، موصوف ایک حد تک ان اوصاف کے مالک ہیں، جو صرف حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ہے، متولی صاحب ازراہ کسر نفسی امام کی عدم موجودگی میں ان کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، لیکن کبھی تو وہ کسل اور سستی کی وجہ سے اس درجہ تاخیر کر دیتے ہیں کہ دیگر مقتدیوں پر پریشانی ہوتی ہے اور کبھی صاف انکار بھی کر دیتے ہیں۔

ایک شخص محلہ میں ہے، جو ہمیشہ بتاتا رہتا ہے کہ امامت کے زیادہ مستحق متولی صاحب نہیں، بلکہ وہ حافظ صاحب ہیں جس کی وجہ سے مسجد میں خلفشار رہتا ہے، کئی مرتبہ اس نے بیہودہ پوسٹر بھی شائع کر دیئے، اب یہ معلوم کرنا ہے کہ جب کہ امام اپنی عدم موجودگی میں متولی صاحب کو منصب امامت سپرد کر گیا اور حافظ صاحب کا حال یہ ہے تو اس صورت میں امامت کا مستحق کون ہے؟ نیز اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ متولی میں امامت کی اہلیت پوری موجود ہے اور امام نے امامت متولی کے سپرد کی ہے، تو متولی صاحب امامت کے حق دار ہیں، بلا وجہ ان کو بدنام اور ذلیل کرنا سخت مذموم اور قابل نفرت ہے (۱)، جو لوگ ان کو

---

(۱) "(إني جاعلك للناس إماماً) ... وإذا ثبت أن اسم الإمام يتناول ما ذكرناه، فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول، ومن ألزم الله تعالى =

ذلیل کرتے ہیں، ان کو توبہ کرنا اور معافی مانگنا ضروری ہے(۱)، متولی صاحب اگر کسی شخص کو کسی وقت امامت کے لئے آگے بڑھادیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة ونحوها". (أحكام القرآن للجصاص: ١/٩٧، ٩٨، قديمي)

(١) "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر ..... واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور". (روح المعاني: ١٥٩/٢٨، التحريم: ٨، مبحث في قول ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"واتفقت الأمة على أن التوبة فرض على المؤمنين، لقوله تعالى: ﴿وتوبوا إلى الله جميعاً أيه المؤمنون﴾ (النور: ٣١)". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ١٧: ٥/٢٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) "رجل بنى مسجداً وجعله لله فهو أحق بمرمته وعمارته وبسط البواري ... وإن تنازع الباني في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، فإن كان من اختاره أهل المحلة أولىٰ من الذي اختاره الباني فاختيار أهل المحلة أولىٰ؛ لأن ضرره ونفعه عائد إليهم، وإن كانا سواء فاختيار الباني أولى". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ٦١٥، سهيل اكيڈمى لاهور)

"والباني أحق بالإمامة والأذان ... وفي المجرد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن الباني أولى بجميع مصالح المسجد، ونصب الإمام والمؤذن إذا تأهل للإمامة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٤١٨، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣/٢٩٧، رشيديه)

الفصل السابع في إمامة اللحان

(غلط خواں کی امامت)

غلط خواں امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۵۲]: آج کل مساجد کے پیش امام حضرات قرآن شریف نماز کی حالت میں غلط پڑھتے ہیں، مثلاً: کہیں الف زیادہ کردیتے ہیں یا کہیں سے حذف کردیتے ہیں اور کبھی دوسرے حروف کی دوسرے حرف کی جگہ پڑھ دیتے ہیں قریب المخرج ہونے کی وجہ سے، حتیٰ کہ سورہ فاتحہ میں ﴿غیر المغضوب علیھم ولا الضالین﴾ کے (ض) کو ادا کرنے میں ایسا تکلف برتتے ہیں کہ وہ (د) کی آواز معلوم ہوتی ہے، جو نہ دال ہی میں شمار ہو سکتا ہے، نہ ضاد میں۔

ان تمام صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟ صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسی غلطی کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے یا تنہا نماز؟ جو بھی صورت اختیار کی جائے مع دلائل از قرآن وسنت کی جائے، یا کتاب وسنت سے مستنبط اصول کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علم کی کمی اور غلبۂ جہل کی وجہ سے فقہاء نے بہت سے مسائل میں تسہیل فرمائی ہے، ان میں زلۃ القاری بھی ہے۔ اعراب وحروف کی ادائیگی میں تغیر ہونے کی وجہ سے معنی درست کرنے کی بہت کوشش کی اور دور دور کی تاویل کر کے نماز کو فساد سے بچایا ہے۔

پس اگر کسی غلطی کی وجہ سے معنی بگڑ جائیں اور درست نہ ہو سکیں، تو فسادِ نماز کا حکم ہوگا(۱)، اگر صحیح

---

(۱) "قال: إن كان عمد تبديل الحروف يصير كلاماً آخر من كلام الناس فلا ينبغي أن يقرأ، فإن قرأ في الصلاة تفسد صلاته. وهذا بناء على مختار المتقدمين وهو المختار، فينبغي أن ينظر إلى تغير المعنى بسبب ذلك الحروف فإن كان فاحشاً تفسد، وإن صح معناه ولم يبعد كثيراً من المعنى المراد لاتفسد". =

پڑھنے والا موجود ہو، تو ایسی صورت میں غلط پڑھنے والے کو امام ہرگز نہ بنایا جائے، ورنہ معنی بگڑ کر نماز فاسد ہوجائے گی، صحیح پڑھنے والے لائق امامت کو امام بنایا جائے (۱) اور سب نمازی مل کر اس کی فکر کریں، بہت بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے کہ نماز جیسی عبادت کے واسطے بھی غلط پڑھنے والا امام ہو، جو صحیح ترجمانی بھی نہ کر سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۲ھ۔

= (الحلبي الكبير، مفسدات الصلاة، زلة القاري، ص: ۴۸۳، سهيل اكيدمي لاهور)

"إن ذكر حرفاً مكان حرف ولم يغير المعنى بأن قرأ إن المسلمون إن الظالمون، وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته وإن غير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحروف من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لايمكن الفصل بين الحروف إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال أكثرهم: لاتفسد صلاته هكذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۱/ ۷۹، رشيديه)

"إن قرأ حرفاً مكان حرف آخر ولم يغير المعنى وهو في القرآن كمسلمين مكان مسلمون لاتفسد عند الكل وإن تغير المعنى وليس مثله في القرآن فسد عند الكل ولا عبرة لقرب المخرج". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري: ۴/ ۴۴، رشيديه)

(۱) "عن إسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضي الله تعالى عنه يقول: قال لنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، وأقدمهم قراءة، فإن كانت قراء تهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرة، فإن كانوا في هجرتهم سواء فليؤمهم أكبرهم سناً، ولا تؤمن الرجل في أهله ولا في سلطانه، ولا تجلس على تكرمته في بيته إلا أن يأذن لك أو بإذنه". (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/ ۲۳۶، قديمى)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة، ثم الأورع الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/ ۳۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"مستقیم" کو "مستخیم" پڑھنے والے کی امامت

سوال[۱۰۲۹۳]: ا…… ایک امام صاحب "مستقیم" کی جگہ "مستخیم" پڑھتے ہیں، تو نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

۲…… وہ کہتے ہیں کہ "ق" اور "خ" میں کوئی فرق نہیں۔

۳…… اور بچوں کو بھی "مستخیم" ہی پڑھاتے ہیں، تو ان کو امام بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا…… امام کا "مستقیم" کی جگہ قصداً "مستخیم" پڑھنا غلط اور ناجائز ہے(۱)۔

۲…… "ق" اور "خ" دو جداگانہ حروف ہیں، دونوں کا مخرج الگ الگ ہے(۲)، صفات میں بھی

---

(۱) "(قوله: أو بدله بآخر) هذا إما أن يكون عجزاً كالألثغ وقدمنا حكمه في باب الإمامة، وإما أن يكون خطأً، وحينئذ فإذا لم يغير المعنى، فإن كان مثله في القرآن نحو: إن المسلمون لا يفسد …… وإن غير فسدت عندهما، وعند أبي يوسف إن لم يكن مثله في القرآن، فلو قرأ أصحاب الشعير بالشين المعجمة فسدت اتفاقاً وتمامه في الفتح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مسائل زلة القاري: ۱/۶۳۳، سعيد)

"قال: إن كان عند تبديل الحروف يصير كلاماً آخر من كلام الناس فلا ينبغي أن يقرأ، فإن قرأ في الصلاة تفسد صلاته …… وهذا بناء على مختار المتقدمين وهو المختار. فينبغي أن ينظر إلى تغير المعنى بسبب ذلك الحروف فإن كان فاحشاً تفسد، وإن صح معناه ولم يبعد كثيراً من المعنى المراد لاتفسد". (الحلبي الكبير، مفسدات الصلاة، زلة القارئ، ۴۸۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ: ۱/۷۹، رشيديه)

(۲) "المخرج الرابع -أدنى الحلق إلى الفم- وهو للغين والخاء …… المخرج الخامس. أقصى اللسان ممايلي الحلق وما فوقه من الحنك، وهوللقاف". (النشر في القراء ات العشر للجزري، مخارج الحروف: ۱/۱۹۹، دارالباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

تیسرا مخرج ادنیٰ حلق اس سے (غ، خ) نکلتے ہیں۔ چوتھا مخرج اقصیٰ لسان اور اوپر کا تالو اس سے (ق) نکلتا ہے۔

(فوائد مکیہ، دوسری فصل مخارج کے بیان میں، ص:۱۰، اسلامی کتب خانہ)

(وكذا في جمال القران، ص: ۷، رحمانيه لاهور)

نمایاں فرق ہے، مثلاً ''ق'' میں مجہورہ ہے اور ''خ'' میں مہموسہ ہے، ''ق'' میں قلقلہ ہے، ''خ'' میں نہیں، ''ق'' میں شدیدہ ہے، ''خ'' میں رخوہ ہے(۱)۔

۳..... یہ ان کو غلط پڑھاتے ہیں، جو شخص ''ق'' کو صحیح ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے بالقصد اس کو ''خ'' پڑھتا ہے، اس کو امام نہ بنایا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وأما صفات الحروف فمنها: المجهورة، وضدها المهموسة، والهمس من صفات الضعف كما أن الجهر من صفات القوة، والمهموسة عشرة يجمعها قولك: سكت فحثه شخص الخ ... ومنها: الحروف الرخوة، وضدها الشديدة والمتوسطة، فالشديدة وهي ثمانية: أجد قط بكت. والشدة امتناع الصوت أن يجري في الحروف وهو من صفات القوة، والمتوسطة بين الشدة والرخاوة خمسة: يجمعها قولك: لن عمر ... (وحروف القلقلة) ويقال: القلقلة خمسة: يجمعها قولك: قطب جد ... وأصل هذه الحروف "القاف" لأنه لايقدر أن يؤتى به ساكناً إلا مع صوت زائد لشدة استعلائه". (النشر في القراءات العشر للجزري، صفات الحروف، حروف القلقة: ۱/۲۰۲، ۲۰۳، دار الباز مكة)

جہر کے معنی شدت اور زور سے پڑھنے کے ہیں، اس کی ضد ہمس ہے یعنی نرمی کے ساتھ پڑھنا اور اس کے دس حروف ہیں، (فحثه شخص سكت) ہے۔ ان حروف کے ماسوا سب مجہورہ ہیں۔

شدیدہ کے آٹھ حروف ہیں، جن کا مجموعہ (اجد قط بکت) ہے۔ ان کے سکون کے وقت آواز رک جاتی ہے۔ پانچ حروف متوسطہ ہیں جن کا مجموعہ (لن عمر) ہے۔ ان میں بالکل آواز بند نہیں ہوتی، باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسطہ کے سب رخوہ ہیں ... قلقلہ کے پانچ حروف ہیں، جن کا مجموعہ (قطب جد) ہے، مگر ق میں قلقلہ واجب باقی چار حروف میں جائز ہے۔ (فوائد مکیہ، تیسری فصل صفات کے بیان میں، ص: ۱۴، ۱۵، اسلامی کتب خانہ لاہور)

(وجمال القرآن، صفات حروف، ص: ۱۱-۱۲، رحمانیه لاهور)

(۲) راجع الحاشية المقدمة انفاً

باب الجماعة

الفصل الأول في اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

نماز باجماعت کی فضیلت

سوال[۱۰۲۹۴]: باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جماعت سے نماز پڑھنے کی بڑی ترغیب اور فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے(۱)، جماعت میں شریک نہ ہونا منافق کی نشانی تھی، ارشاد فرمایا کہ معذورین بچوں وغیرہ کا خیال نہ ہوتا تو ان کے مکان میں آگ لگا دیتا جو جماعت میں نہیں آتے، حدیث پاک میں یہ مضمون ہے(۲)، آج بھی ترغیب پر ہی کفایت کی جائے،

(۱) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة" (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة: ۱/۸۹، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاةً يصليها وحده". (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها: ۱/۲۳۱، قديمى)

(وسنن النسائي، كتاب الإمامة، فضل الجماعة: ۱۳۴/۲، قديمى)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال "والذي نفسي بيده، لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب، ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها، ثم آمر رجلاً فيؤم الناس، ثم =

کسی کے مکان میں آگ نہ لگائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

نماز کے وقت کو ٹال دینا

سوال [۱۰۲۹۵]: نماز کے وقت کو بغیر عذر شرعی کے ٹال دینا طلباء کے لئے کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جماعتِ فرض کے وقت سنت پڑھنا

سوال [۱۰۲۹۶]: اگر کوئی شخص اگلی صف میں سنت یا نفل پڑھ رہا ہو اور فرضوں کی جماعت کھڑی ہوجاوے، تو کیا سنت یا نفل پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی؟ جیسا کہ مشہور ہے۔

= أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده! لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقاً سميناً، أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة: ۱/۸۹، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها: ۱/۲۳۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء فيمن يسمع النداء فلا يجيب: ۱/۵۲، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من سمع المنادي، فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالو: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۸۸، إمداديه ملتان)

"والجماعة سنة مؤكدة للرجال. قال الزاهدي: أرادو بالتأكيد الوجوب، وقيل: واجبة، وعليه العامة قال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز توفاسد نہیں ہوئی، لیکن اس کو چاہئے کہ تخفیف کرکے یعنی تنہا اپنی سنت ونفل کو پوری کرکے جماعت میں شریک ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۹ھ۔

بصورت مجبوری خارج مسجد نماز پڑھنا

سوال [۱۰۲۹۱]: جب کہ مسجد سابق توڑ دی گئی اور اس میں فرش وغیرہ پر اتنی جگہ نہیں کہ نماز باجماعت ادا ہوجائے تو کسی دوسری جگہ یا مکان میں نماز باجماعت پڑھنے میں کیا مسجد کا ثواب ہوگا؟ شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد سے متعلق صحن وغیرہ میں بھی جگہ نہیں، تو پھر مجبوری کی حالت میں بجائے مسجد کے جس جگہ بھی جماعت کی جائے، ان شاء اللہ مسجد کا ثواب ملے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(وكذا سنة الظهر) سنة (الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام) يتمها أربعاً (على) القول (الرابع)؛ لأنها صلاة واحدة، وليس القطع للإكمال بل للإبطال، خلافاً لما رجحه الكمال". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۵۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۲۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن جابر بن عبدالله (رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً أينما أدرك رجل من أمتي الصلاة صلى". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الرخصة في ذلك: ۱/۱۲۰، قديمي)

"حدثنا جابر بن عبدالله (رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحد من الأنبياء ... وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا أيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل الخ". (صحيح البخاري، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجد: ۱/۶۲، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام: ۱/۷۲، سعيد)

الفصل الثاني في ترك الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

بلاعذر جماعت ترک کرکے علیحدہ نماز پڑھنا

سوال[۱۰۲۹۸]: جماعت ہونے میں پانچ سات ہی منٹ باقی رہ جاتے ہیں کہ زید بلاعذر جماعت ترک کرکے علیحدہ نماز پڑھ کر چلا جاتا ہے اور کہتا ہے، جماعت کا وقت بہت تاخیر سے رکھا گیا ہے، جب کہ وہ کبھی آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ بعد بھی نماز پڑھتا ہے، کیا یہ اطاعت خدائے برحق ہے یا ہوائے نفس سرکش ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وقت مکروہ داخل ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے یہ مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب دوسری صورت (یعنی آدھ پون گھنٹہ جماعت کے بعد نماز پڑھنے) پر مبنی ہے۔ جب کہ پہلی صورت میں زید کا، جماعت نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا اور بلاعذر جماعت ترک کرکے اکیلے نماز پڑھنا بہت ہی مذموم طریقہ ہے۔

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع المنادي، فلم يمنعه من اتباعه عذر" قالوا وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/ ۸۸، إمداديه)

"الجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه العامة فتسن أو تجب، ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة، على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

"الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها من غير عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (الحلبي الكبير، فصل في الإمامة وفيها مباحث، الأول، ص: ۵۰۹، سهيل اكيدمى، لاهور)

عذر کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا

سوال [۱۰۲۹۹]: کیا ساٹھ سال کی عمر کے بعد آدمی نمازیں گھر ادا کرسکتا ہے؟ ملاحظہ ہو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، درنہج البلاغہ کتاب شیعہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مسجد جانے سے معذور ہو، اپنے گھر پر نماز پڑھ لے، عمر ساٹھ سال سے کم ہو یا زائد ہو، اس کا مدار تو عذر پر ہے، عمر پر نہیں (۱)، نہج البلاغہ تو جھوٹ اور بہتان کا پلندہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے رافضیوں نے بے شمار غلط باتیں منسوب کر رکھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۱۴۰۰ھ۔

مسجد میں جماعت ہونے سے پہلے اپنی نماز پڑھ کر نکلنا

سوال [۱۰۳۰۰]: ایک فتوی دینے والے شخص اذان ہونے کے بعد مسجد میں جماعت ہونے سے پہلے منفرداً نماز پڑھ کر نکل جاتے ہیں، یعنی وہ عالم ہونے کے باوجود امام پر حسد کی بنا پر بغیر جماعت کے نماز پڑھتے ہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام میں شرعی خرابی نہیں، بلکہ ذاتی عداوت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تو یہ بہت مذموم طریقہ ہے، اس سے باز آنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الجماعة سنة مؤكدة للرجال ... وقيل: واجبة وعليه العامة، على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج ... فلا تجب على مريض، ومقعد، وزمن، ومقطوع يد ورجل من خلاف، ومفلوج، وشيخ كبير عاجز، وأعمى". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۲، ۸۳، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع =

مجبوری کی صورت میں عشاء کی نماز گھر پر پڑھنا

سوال [۱۰۳۰۱]: ایک شخص پابند صوم وصلوۃ ہے، محض ماہ رمضان المبارک میں اپنے گھر پر نماز تراویح کے اہتمام کے ساتھ بعض مجبوریوں کے تحت نماز عشاء جماعت کے ساتھ گھر پر ہی ادا کرلیتا ہے، کیونکہ عام طور پر مسجد سے گھر واپس آنے میں دیکھا گیا کہ نمازی مسجد میں رہ جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا ایسے شخص پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر پر نماز پڑھنے والوں کے لئے ان کے گھروں میں آگ لگانے کو فرمایا ہے، وعید عائد ہوتی ہے اور فرض عشاء گھر پر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وعید تو ایسے لوگوں کے حق میں ہے، جو لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے جماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے(۱)، صورت مسئولہ میں اگر کوئی مجبوری ایسی ہے جس کی وجہ سے شریعت نے ترک جماعت کی اجازت دی

= المنادي، فلم يمنعه من اتباعه عذر" قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض لم تقبل منه الصلاة التي صلى". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۸۸، إمداديه)

"الجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة، وعليه العامة فتسن أو تجب وثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة، على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

"الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها من غير عذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (الحلبي الكبير، فصل في الإمامة وفيها مباحث، الأول، ص: ۵۰۹، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس. ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۹۱، رحمانيه لاهور)

"(إلى قوم لا يشهدون الصلاة) أي: صلاة الجماعة من غير عذر. (فأحرق عليهم بيوتهم بالنار) فهذا وعيد على ترك الصلاة بالجماعة من غير عذر". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/۳۰۱، قاسميه ملتان) .... =

ہے تو یہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، بغیر مجبوری کے جماعت مسجد کو ترک کردینا بڑی محرومی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها: ۱/ ۲۳۲، قديمي)

(۱) "عن يزيد بن الأصم قال: سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لقد هممت أن آمر فتيتي فيجمعوا لي حزماً من حطب، ثم آتي قوماً يصلون في بيوتهم ليست بهم علة، فأحرقها عليهم". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة: ۱/ ۹۱، ۹۲، رحمانيه لاهور)

"(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أراد وبالتأكيد الوجوب.

(قوله: قال الزاهدي الخ) ... وقال في شرح المنية: الأحكام تدل على الوجوب، من أن تاركها بلا عذر يعزر، وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/ ۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۲۰۳، رشيديه)

الفصل الثالث في الجماعة الثانية

(جماعت ثانیہ کا بیان)

جماعت ثانیہ

سوال [۱۰۳۰۲]: یہاں کے ایک عالم نے مندرجۂ ذیل فتویٰ دیا ہے:

مسجد میں ایک دفعہ جماعت مع اذان واقامت ہو چکی ہو تو پھر اس میں دوسری جماعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر یہ مسجد محلّہ کی ہو، جس میں امام ومؤذن اور نمازی معیّن ہیں تو جماعتِ ثانی محراب سے ہٹ کر بغیر دوسری اذان کے بالاتفاق وبالاجماع جائز ہے، دوسری اذان کے ساتھ اس مسجد میں جماعتِ ثانی مکروہِ تحریمی ہے، اگر یہ مسجد ایسی ہے، جس میں نہ امام مقرر ہے، نہ مؤذن، نہ نمازی تو اس میں دوسری اذان کے ساتھ جماعت بلا کراہت درست ہے (عالمگیری شامی) (۱)۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ جماعتِ ثانی مسجد کے اندر بالاتفاق وبالاجماع جائز ہے یا نہیں؟ یا مسجد کے باہر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں امام، مؤذن، نمازی معیّن ہوں تو وہاں بعض حضرات نے جماعتِ ثانیہ کو بلا کراہت درست لکھا ہے، جب کہ ہیئتِ اولیٰ پر نہ ہو (۲)، یعنی بلا اذان وبلا اقامت کے، اور اس پر اجماع بھی ہے، پھر

---

(۱) "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٥٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ١/٨٣، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلاة، تاسعاً: تكرار الجماعة في المسجد: ٢/١٠٨٢، رشيديه)

(٢) "عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره، وهو =

بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر محراب چھوڑ کر دوسری جگہ جماعت کی جائے، تو وہ بھی ہیئت اولیٰ پر نہ ہوگی (۱)۔

(علامہ شامی نے درمختار ص: ۱/۳۶۷،۳۵۰) میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے پوری بحث کی ہے اور اخیر میں لکھا ہے:

"ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان، ويؤيد ما في الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية اهـ" شامي نعمانيه: ۱/۳۷۱(۲)۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ بہر صورت مکروہ ہے، خواہ ہیئت اولیٰ پر ہو یا نہ ہو، یہی ظاہر الروایہ ہے، البتہ اگر ہیئت اولیٰ پر ہو، تو کراہت شدیدہ ہے، ورنہ خفیف ہے، اس مسئلہ پر علماء نے مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۶ھ۔

تبلیغی جماعت والوں کا جماعت ثانیہ کروانا

سوال [۱۰۳۰۲]: مسجد کے کسی بھی حصہ میں جماعت ثانی کو علماء کرام (خصوصاً تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مکروہ لکھا ہے، لیکن اکثر اہل علم نیز تبلیغی جماعت والوں کو مسجد کے صحن وغیرہ میں جماعت ثانی کا اتباع

= الصحيح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصلاة، الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، نوع فيما يكره ومالا يكره: ۴/۵۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۳۹۵، سعيد)

(۱) "وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، نوع فيما يكره ومالا يكره: ۴/۵۶، رشيديه)

(وكزا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۵۵۳، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۳، سعيد)

"ومفاد هذه النقول كراهة التكرار مطلقاً أي: ولو بدون أذان وإقامة .... ويؤيده قول في الظهيرية: وظاهر الرواية أنهم يصلون وحداناً" (منحة الخالق على هامش بحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۵، رشيديه)

کرتے دیکھا ہے، اگر جماعت ثانی ہو رہی ہو تو اس میں ایسا شخص جس نے ابھی تک جماعت سے نماز نہیں پڑھی ہو، وہ شرکت کرے یا علیحدہ نماز پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو جگہ نماز کے لئے متعین ہو، خواہ مسقف ہو یا غیر مسقف اور وہاں پنجگانہ اذان وجماعت کا مستقل معمول ہو، وہاں ایک جماعت حسب معمول ہو جانے کے بعد، جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے، اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔ القطوف الدانیہ (۱) میں دلائل مذکورہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۳ھ۔

کیا بلاوجہ جماعت ثانیہ درست ہے؟

سوال [۱۰۳۰۴]: جماعت اول میں شرکت نہ کرنا، بلاوجہ ثانی جماعت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلاوجہ امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور اس کے مقابلہ پر اپنی جماعت جداگانہ کرنا مکروہ ہے (۲) اور تفریق بین المسلمین ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (القطوف الدانية في تحقيق الجماعة الثانية للشيخ رشيد احمد الجنجوهي، دار الاشاعة)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان جماعت ثانيه

(۳) قال الله تعالى: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا﴾ (ال عمران: ۱۰۳)

"قوله تعالى: ﴿واطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ أمر الله تعالى في هذه الآية بطاعته وطاعة رسوله، ونهى بها عن الاختلاف والتنازع، وأخبر أن الاختلاف والتنازع يؤدي إلى الفشل، وهو ضعف القلب من فزع يلحقه". (أحكام القرآن للجصاص، الأنفال، باب قسمة الخمس: ۱۰۰/۳، قديمي)

"عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم يأخذ الشاة القاصية والناصية. فإياكم والشعاب، وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد". (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث: ۲۲۱۵۲: ۳۰۷/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الرابع في جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

عورتوں کا نماز کے لئے مسجد جانا

سوال [۱۰۲۰۱]: ایک صاحب حنفی المسلک ہیں لیکن غیر مقلدین کے دلائل سے متاثر ہو کر اپنی عورتوں کو ان کی مسجد میں نماز کے لئے بھیجتے ہیں، بندہ نے کچھ چیزیں پیش کی تھیں، جواب دیا لیکن شرح صدر نہ ہوا، اس لئے مختصر لفظوں میں ان کے دلائل نقل کرتا ہوں:

۱- مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ میں آنے کا حکم دیا ہے(۱)، پھر حنفی مقلد کی یا اپنے امام کی بات سے کیوں منحرف ہو جاتے ہیں؟

۲- جس چیز کی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اس سے روکنے اور منع کرنے کا حق کس کو ہو سکتا ہے؟

۳- خود ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے اس سے روکنے اور منع کرنے کا حق کس کو ہو سکتا ہے، میں اس کو منع نہیں کروں گا، پھر حنفی کس بنا پر منع کرتے ہیں؟

۴- خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو۔

۵- عورتیں تعلیم میں اور عقل میں ناقص ہیں، لہٰذا جمعہ اور عیدین میں جانے کا حکم دینا چاہیے تاکہ از تعلیم سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔

---

(۱) "أبو حنيفة عن عبد الكريم، عن أم عطية رضي الله تعالى عنها قالت: كان يرخص للنساء ... وفي رواية قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن نخرج يوم النحر ويوم الفطر ...". (مسند الإمام الأعظم، كتاب الصلاة، صلاة العيدين، ص: ۹۵، نور محمد كتب خانه كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي رضي الله تعالى عنها: أنها جاءت إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقالت يارسول الله! إني أحب الصلاة معك، فقال: "قد علمت أنك تحبين الصلاة معي، وصلوتك في بيتك خير من صلوتك في حجرتك، وصلوتك في حجرتك خير من صلوتك في دارك، وصلوتك في دارك خير من صلوتك في مسجد قومك، وصلوتك في مسجد قومك خير من صلوتك في مسجدي"، قالت: فأمرت فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، وكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل. رواه أحمد وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما" (الترغيب والترهيب)(۱)، وفي مجمع الزوائد(۲) بعد عزوه إلى أحمد ما لفظه: رجاله رجال الصحيح، غير عبدالله بن سويد الأنصاري ووثقه ابن حبان اه وفي فتح الباري بعد عزوه إلى أحمد والطبراني وإسناد أحمد حسن اه(۳).

۲- عن أم سلمة رضي الله تعالى عنه: قالت قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: صلوة المرأة في بيتها خير من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خير من صلوتها في دارها، وصلوتها في دارها خير من صلوتها في مسجد قومها. رواه الطبراني في الأوسط بإسناد جيد (الترغيب والترهيب)(٤).

۳- عن عائشة رضي الله تعالى عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأى

---

(۱) (الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، ترغيب النساء في الصلاة في بيوتهن ... الخ: ۱/ ۱۹۱، رقم الحديث: ۵۱۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الصلاة، الباب: ۸۲، رقم الحديث: ۲۱۰۶: ۲/ ۱۵۴، دارالفكر بيروت)

(۳) (فتح الباري لابن حجر، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم: ۲/ ۳۴۵، قديمی)

(٤) (الترغيب والترهيب، كتاب الصلاة، ترغيب النساء في الصلاة في بيوتهن ... الخ: ۱/ ۱۹۱، رقم الحديث: ۵۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. رواه مسلم (۱).

٤- عن أبي عمرو الشيباني، أنه رأى عبدالله رضي الله تعالى عنه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: اخرجن إلى بيوتكن خير لكن. رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون. (مجمع الزوائد)(۲).

احادیث بالا سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منشاء معلوم ہوگیا، خاص کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بات بالکل واضح فرمادی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منشاء پر عمل کیا، جو امر تعبدی اور صاف ہو، اس کے تبدیل کا کسی کو اختیار نہیں، جو امر عارضی کسی مصلحت کے لئے ہو، وہ عارض کے رفع ہوجانے پر اور مصلحت کے فوت ہوجانے سے یا بمقابلہ مصلحت کسی مفسدہ کے تحقق یا مظنہ سے تبدیل بھی ہوسکتا ہے، خاص کر جب کہ اس کا ماخذ بھی موجود ہے۔ کیا "المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان" (۳) "النساء حبائل الشيطان" وغیرہ ماخذ بھی صاف صاف موجود نہیں ہے؟!! اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اپنی عورتوں کو منع کرنا بھی ثابت ہے، یہ منع کرنا درحقیقت منشاء نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین موافق ہے، اس کو مخالفت پر محمول کرنا علم روایت اور فن روایت سے بے بصری ہے، تعلیم کا انتظام مستقلاً مکان پر بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۶ھ۔

عورتوں کا مردوں کی جماعت میں شریک ہونا

سوال[۱۰۳۰۶]: کچھ برقعہ پوش مستورات بھی جماعت میں ایک خاص جگہ مردوں سے دور رہ کر شامل ہوتی ہیں، درمیان فاصلہ کم سے کم بارہ صفوں کا ہوتا ہے، جمعہ کی نماز میں درمیان فاصلہ کا نمازیوں سے پر ہو نا ممکن ہے، مگر روز مرہ کی نمازوں میں صفوں کا اتصال خارج از امکان ہے، لہذا عورتوں کا شامل نماز ہونا، اس

---

(۱) (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد ... الخ: ۱/۱۸۳، قديمي)

(۲) (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الصلاة، الباب: ۸۲، رقم الحديث: ۲۱۱۹: ۲/۱۵۴، دارالفكر بيروت)

(۳) (سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب: ۱۸، ۲/۲۳۰، رقم الحديث: ۱۱۷۳، دارالكتب العلمية بيروت)

صورت میں عملاً ممکن ہے کہ وہ امام اور مرد مقتدیوں سے اتنے زیادہ فاصلہ پر الگ تھلگ کھڑی ہوں، کیا اس غیر معمولی خلا کی موجودگی میں عورتوں کی جماعت صحیح ہو سکتی ہے اور امام کے پیچھے صورت مسئولہ میں ان کی اقتداء درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مستورات کو برقعہ پوشی کے باوجود جماعت میں شرکت کے لئے مسجد میں آنے سے روکنا چاہیے اور اتنا خلا بھی مانع اقتداء ہے۔

"ولا يحضرن الجماعات لقوله تعالى ﴿وقرن في بيوتكن﴾ وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: صلوتها في قعر بيتها أفضل من صلوتها في صحن دارها، وصلوتها في صحن دارها أفضل من صلوتها في مسجدها، وبيوتهن خير لهن؛ ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن. أطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية. قال المصنف في الكافي والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد اه". البحر الرائق: ١/٦٢٨، مطبوعه زكريا(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱۱/۹۱ھ۔

عورتوں کے لئے حرم شریف میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گھر میں؟

سوال[۱۰۳۰۷]: ایک مولانا صاحب نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ عورتوں کے لئے مسجد میں پانچوں وقت جماعت کے لئے جانا جائز نہیں ہے کہ مسجد نبوی اور مسجد حرام میں بھی عورت کے لئے مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ میں ان دونوں مسجدوں میں بھی جانے کی اجازت نہیں ہے، ان کے لئے نماز تو گھر پر پڑھنا افضل ہے، ہاں! طواف کے لئے اور زیارت قبر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے حرم شریف میں اور مسجد نبوی میں احتیاط کے ساتھ جانے

(١) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٦٢٧، ٦٢٨، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ٣٠٤، قديمي)

(ومجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل قبل باب الحدث في الصلاة: ١/١٦٢، مكتبه غفاريه كوئٹه)

کی اجازت ہے اوران مولانا صاحب نے ابوداؤدشریف کی احادیث پیش کی ہے۔

۱ – "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لاتمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن"(۱).

۲ – "قال عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "ائذنوا للنساء إلى المساجد بالليل، فقال ابن له، والله لا نأذن لهن، فيتخذنه دغلاً، والله نأذن لهن"(۲).

۳ – "إن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل"(۳).

٤ – "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: صلوة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلوتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها(٤). ابوداود: ۱/٨٤.

مولانا صاحب نے فرمایا کہ "لمنعهن المسجد" میں مسجد نبوی مراد ہے اور دوسری حدیث میں مساجد کا لفظ جو تمام عام کی مساجد جس میں مسجد حرام بھی داخل ہے، شامل ہے، اب حضرات والا سے دریافت طلب ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ مفصل اور مدلل تحریر فرمائیں،

---

(۱) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، رقم الحديث: ٥٦٧: ۱/۲۳۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، رقم الحديث: ٥٦٨: ۱/۲۳۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، رقم الحديث: ٥٦٩: ۱/۲۳۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(٤) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، رقم الحديث: ٥٧٠: ۱/۲۳۵، دارإحياء التراث العربي بيروت)

کیونکہ دنیا کی عورتیں حرمین میں جاتی ہیں اور مردوں کے لئے وبال جان بن جاتی ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مولانا صاحب نے وعظ میں صحیح فرمایا، مسئلہ بالکل صحیح ہے، فقہاء نے بھی اور شراح حدیث نے اس کی تصریح کی ہے کہ حرمین شریفین میں مضاعفتِ اجر مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۸۲ھ۔

عورت کا اپنے شوہر کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۳۰۱]: زید امام ہے، جب اس کی بیوی اس کے اقتداء میں نماز پڑھتی ہے تو وہ کہاں کھڑی ہو؟ اور وہ زید کی نابالغ لڑکی زید کے دائیں طرف کھڑی ہو سکتی ہے یا زید کی کوئی بالغ محرم اس کے دائیں طرف کھڑی ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی، نابالغ لڑکی، بالغ لڑکی سب ہی پیچھے کھڑی ہوں، کوئی برابر میں نہ کھڑی ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "ويكره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة، وعيد، ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۵۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال: المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت، إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج، لا تجوز صلاتها بالجماعة، وإن كان قدمها خلف قدم الزوج، إلا أنها طويلة، تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج، جازت صلاتهما؛ لأن العبرة للقدم" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۶۲۲، إدارة القرآن كراچی)

باب تسوية الصفوف وترتيبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

مسجد کے در میں امام کا کھڑا ہونا

سوال[۱۰۳۰۹]: امام مسجد کے دو دروں (۱) کے درمیانی دروازہ میں اندر کھڑے ہوئے اور مقتدی باہر رہے، ایسی شکل میں نماز میں کوئی خرابی تو نہیں ہوئی، اگر امام صاحب کے لئے دوازہ سے باہر کھڑا ہونا ضروری ہے، تو اس کی کیا مقدار ہے ایک صاحب نے ''فتاوی رشیدیہ'' کے حوالہ سے بتایا کہ اگر وہ دروازہ ڈیڑھ گز یا اس سے زیادہ چوڑا ہے، تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاوی رشیدیہ مطبوعہ کراچی، ص:۲۸۱، میں یہ عبارت ہے: ''باہر کے دروں کا بھی محراب کا ہی حکم ہے، اس میں بھی امام کو قیام مکروہ ہے'' (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

---

(۱) ''در: دروازہ، پھاٹک، چوکٹ، دہلیز''۔ (فیروز اللغات، ص:۶۵۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، کن امور سے نماز میں کراہت آتی ہے اور کن سے نہیں، ص:۳۴۲، سعید)

''ويكره قيام الإمام بجملته في المحراب لاقيامه خارجه وسجوده فيه ..... والكراهة لاشتباه الحال على القوم، وإذا ضاق المكان فلا كراهة: قوله(لاشتباه الحال على القوم) ..... وذهب الأكثر إلى أن العلة التشبه بأهل الكتاب، لأنهم يخصون إمامهم بمكان وحده والتشبه بهم مكروه''.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۶۱، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مكروهات الصلاة: ۱/۶۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۵، رشيديه)

امام کا وسطِ محراب میں کھڑا ہونا

سوال[۱۰۳۱۰]: فإذا صلى الإمام في المحراب يتخلل الصف الأول بالمنبر والأعمدة وغيرها، أما إذا نزل من المحراب فلا يتخلل بشي، فيضطر إلى التحول بيمنة ويسرة لئلا يفوت السترة، فإن تحول يفوت التوسط فالأفضل للإمام أن يقف في المحراب أم لا في الحالة المذكورة؟ أجيبوا له جواباً شافياً كافياً على مذهب الإمام الشافعي رحمه الله تعالى مع الأدلة المعتمدة عندهم. قد اختلفت الآراء نحو هذا الأقطار، فالمطلوب من حضرتكم أن شرحوا في الجواب كافياً شافياً لا نقض ولا سقم بعده لوجه الله الكريم المنان مع رعاية إخوة الإسلام.

ترجمہ: ''امام جب محراب میں نماز پڑھاتا ہے، تو ممبر، ستون وغیرہ کی وجہ سے پہلی صف میں خلل آتا ہے، اگر وہ محراب سے باہر کھڑا ہوجائے، تو کسی چیز کی وجہ سے خلل نہیں آتا، پس دائیں اور بائیں طرف منتقل ہونے کی طرف مجبور ہوجاتا ہے اور اگر وہ دائیں یا بائیں جانب منتقل ہوجائے، تو امام کا قیام صف کے درمیان میں نہیں رہتا، لہٰذا مذکورہ حالت میں امام کے لئے محراب کے اندر کھڑا ہونا افضل ہے یا محراب سے باہر؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ان کے معتمد دلائل کے ساتھ ایسا جواب عنایت فرمادیں جو شافی اور کافی ہو۔ ان علاقوں میں اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں۔ لہٰذا آپ حضرات سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو کہ احسان کرنے والے ہیں) کی رضا کے لئے اور مسلمان بھائیوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ جواب میں ایسی تشریح فرمادیں، جو کافی اور شافی ہو اور اس کے بعد کسی قسم کے اعتراض اور کمزوری باقی نہ رہے''۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ينبغي للإمام أن يقف عند المحراب حيث يكون من عن يمينه ومن عن يساره سواء، وإن تخلل شيء من المنبر والأعمدة في الصف الأول لا يلتفت إليه ولا يتأخر لأحد عن مكانه، فإن هذا التخلل لا يخل في الاصطفاف ولا يمنع عن الاقتداء لا يوجب الإساءة وهو المأخوذ به عند الشافعية كذا في إعانة الطالبين. فقط والله تعالى اعلم.

املاہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترجمہ: ''امام کو محراب کے پاس ایسی جگہ کھڑا ہونا چاہیے جہاں سے اس کے دائیں اور بائیں جانب کا فاصلہ برابر ہو، اگر پہلی صف میں ممبر اور ستونوں کی وجہ سے خلل آجائے، تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے اور امام کسی بھی وجہ سے اپنی جگہ سے پیچھے نہ ہو، اس لئے کہ ممبر اور ستونوں کے صفوف کے درمیان میں آنے سے صفیں بنانے میں کوئی خلل نہیں پڑتا اور نہ ہی یہ اقتداء سے مانع ہے۔ اور نہ ہی اس سے کراہت لازم آتی ہے اور یہی شوافع حضرات کے ہاں معمول بہ ہے، اعانۃ الطالبین میں اسی طرح مذکور ہے'' (۱)۔

امام کے قریب اہلِ علم وفہم کا کھڑا ہونا

سوال [۱۰۳۱۱]: امام کے پیچھے علم دار بینا کھڑا ہونا چاہیے یا نابینا جاہل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سب مقتدی امام کے پیچھے ہی کھڑے ہوتے ہیں، البتہ امام کے قریب تو ایسے لوگ کھڑے ہوں، جو علم رکھتے ہوں، تاکہ اگر لقمہ دینے یا کسی اور اصلاح نماز کی ضرورت پیش آئے، تو سہولت رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المسجد، وهي قد عينت لمقام الإمام، وفي التاتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة: ۱/ ۶۴۶، سعيد)

"وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته، فقد أساء لمخالفة السنة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/ ۸۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب: ۱/ ۵۶۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۳۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي مسعود الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

امام مقتدیوں سے کتنی اونچائی پر کھڑا ہوسکتا ہے؟

سوال [۱۰۳۱۲]: مسجد کے اندرون حصہ کے علاوہ باہر برآمدہ ہے، اس کے بعد صحن ہے، برآمدہ سے صحن تھوڑا نشیب میں ہے، چھ، سات انچ نیچے فرش مسجد ہے، برآمدہ میں کھڑے ہوکر امام امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ برآمدہ میں محراب نہیں ہے، صرف لوہے کے دو کھمبے ہیں، اس کے بیچ میں امام کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ در(۱) کے درمیان امامت درست ہے یا نہیں؟ امام کتنے اونچے پر رہ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی اونچائی امامت یا صحت نماز سے مانع نہیں (۲) محراب میں امام کھڑا ہوکر نماز پڑھائے تو فقہاء نے

= يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول: "استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم، ليلني منكم أولو الأحلام والنهى، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف: ۱۸۱/۲، قديمی)

"(والنهى) بضم النون جمع نهية، وهو العقل الناهي عن القبائح أي: ليدن مني البالغون العقلاء شرفهم، ومزيد تفطنهم وتيقظهم وضبطهم لصلاته، وإن حدث به عارض يخلفوه في الإمامة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۰۸۸: ۱۵۴/۳، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف وكراهة التأخر، رقم الحديث: ۶۷۵: ۳۶۳/۱، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في مقام الإمام والمأموم: ۸۹/۱، رشيديه)

(۱) "در: دروازہ، پھاٹک، چوکھٹ، دہلیز" ۔ (فیروز اللغات ص: ۶۵۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وانفراد الإمام على الدكان للنهي، وقدر الارتفاع بذراع، ولا بأس بمادونه، وقيل مايقع به الامتياز وهو الأوجه ذكره الكمال وغيره". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة: ۶۴۶/۱، سعيد)

"قوله: (وانفراد الإمام على الدكان وعكسه) وقيده الطحاوي بقدر القامة ونفي الكراهة فيما دونه، وقال قاضي خان في شرح الجامع الصغير: إنه مقدر بذراع اعتباراً بالسترة وعليه الاعتماد، وفي غاية البيان وهو الصحيح، وفي فتح القدير وهو المختار". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴۶/۲، ۴۷، رشيديه) .... =

مکروہ لکھا ہے(۱)۔ دوکھنبوں کے درمیان پڑھائے یا در میں پڑھائے، تو بعض حضرات نے اس سے بھی منع کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۱۴۰۱ھ۔

امام کا نماز کے لئے کچھ اونچا کھڑا ہونا

سوال[۱۰۳۱۴]: ایک امام صاحب ایک فٹ اونچے جگہ پر کھڑے رہتے ہیں اور تمام مقتدی نیچے

= "ويكره قيام الإمام على مكان بقدر ذراع على المعتمد، وروى عن أبي يوسف قامة الرجل الوسط، واختاره شمس الأئمة الحلواني.

قوله: (بقدر ذراع) اعتباراً بالسترة وقيل مايقع به الامتياز كذا في الشرح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۲۱، قديمی)

(۱) "ويكره قيام الإمام بجملته في المحراب لا قيامه خارجه وسجوده فيه، سمي محراباً؛ لأنه يحارب النفس، والشيطان بالقيام إليه، والكراهة لاشتباه الحال على القوم، وإذا ضاق المكان فلا كراهة.

قوله: (لاشتباه الحال على القوم) ... وذهب الأكثر إلى أن العلة التشبه بأهل الكتاب لأنهم يخصون إمامهم بمكان وحده والتشبه بهم مكروه". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في المكروهات، ص: ۳۲۱، قديمی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالحميد بن محمود قال: صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس، فصلينا بين الساريتين فلما صلينا، قال أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقد كره قوم من أهل العلم أن يصف بين السواري ..... وقد رخص قوم من أهل العلم في ذلك". (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهية الصف بين السواري: ۱/۵۳، سعيد)

"أكره أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلى سارية؛ لأنه خلاف عمل الأمة، قال عليه الصلاة والسلام "توسطوا الإمام وسدوا الخلل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، سعيد)

کھڑے رہتے ہیں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ذراع سے کم اونچا ہو یا کوئی مجبوری ہو تو درست ہے، ورنہ مکروہ ہے، اعلیٰ بات یہ ہے کہ امام ومقتدی سب ایک سطح پر برابر کھڑے ہوں۔ فقط (۱)۔

امام کے پیچھے کیسا آدمی کھڑا ہو؟

سوال [۱۰۳۱۴]: امام صاحب سے بار بار کہا گیا ہے کہ آپ کے پیچھے پہلی صف میں ایسا شخص کھڑا ہو جو شخص امامت کے قابل ہو، وقت آنے پر بآسانی امامت کر سکے، امام صاحب کا کہنا ہے کہ میرے پیچھے والی صف میں ان پڑھ جاہل کوئی بھی کھڑا ہو سکتا ہے، ثانی امام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور میرا وضو کسی بھی صورت میں ٹوٹتا نہیں۔ شرعی حکم سے مطلع کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں موجود ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم وعقل والے میرے قریب نماز میں (صف اول میں) کھڑے ہوا کریں (۲)، بھول چوک سب کے ساتھ لگی ہوئی

---

(۱) "وانفراد الإمام على الدكان للنهي، وقدر الارتفاع بذراع، ولا بأس بمادونه، وقيل مايقع به الامتياز وهو الأوجه ذكره الكمال وغيره.

(قوله: للنهي) وهو ما أخرجه الحاكم "أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى أن يقوم الإمام فوق ويبقى الناس خلفه" وعللوه بأنه تشبه بأهل الكتاب، فإنهم يتخذون لإمامهم دكاناً .... (قوله وقيل الخ) هو ظاهر الرواية كما في البدائع. قال في البحر: والحاصل أن التصحيح قد اختلف، والأولىٰ العمل بظاهر الرواية وإطلاق الحديث اهـ وكذا رجحه في الحلية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة: ۱/۶۴۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۶، ۴۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في المكروهات، ص: ۳۶۱، قديمي)

(۲) "عن أبي مسعود الأنصاري، قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :يمسح مناكبنا في الصلاة، ويقول: "استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم، ليليني منكم أولو الأحلام والنهى، ثم الذين =

ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی سہو ہوا، جس پر سجدۂ سہو کیا گیا(۱)، یہ ہر ایک کو پیش آ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴۰۰/۲/۱۷ھ۔

صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا

سوال[۱۰۳۱۵]: نماز میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ پہلی صف میں ایک آدمی کی جگہ خالی تھی اور دوسری صف میں کھڑا ہو گیا، جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ میں دوسری صف میں اس لئے کھڑا رہا کہ اس دوسری صف میں صرف ایک آدمی تھا اور ایک آدمی کو صف میں کھڑا نہیں ہونا چاہیے، اس وجہ سے میں ان کے ساتھ دوسری صف میں کھڑا ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی صف میں جگہ خالی ہے ایک آدمی کی اور دوسری صف میں ایک آدمی کھڑا ہے، تو ایسے صورت میں بعد میں آنے والا کیا کرے؟ کیا دوسری صف میں کھڑے ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غلطی پہلی شخص کی ہے کہ صف اول میں جگہ باقی رہتے ہوئے بھی صف ثانی میں کھڑا ہوا(۲)، پھر دوسرا

= يلونهم، ثم الذين يلونهم". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۸۱، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف وكراهة التأخر: ۱/۱۰۷، رحمانيه لاهور)

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الظهر خمساً فقيل له: أزيد في الصلاة أم نسيت؟ فسجد سجدتين بعد ماسلم قال أبوعيسى: هذا حديث حسن صحيح".

(جامع الترمذي، أبواب السهو، باب ماجاء في سجدتي السهو بعد السلام والكلام: ۱/۹۰، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا صلى خمساً: ۱/۱۶۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو والسجود له: ۱/۲۱۱، قديمي)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، لم يقل عيسى: بأيدي إخوانكم ولا تذروا فرجات الشيطان، ومن وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله". (سنن أبي داود، كتاب =

شخص جب اس کے برابر اس نیت سے کھڑا ہوگیا کہ اس کے تنہا کھڑے رہنے سے جو کراہت ہے وہ ختم ہوجائے، تو اس کی یہ نیت غلط نہیں، تاہم یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ اس میں نزاع کیا جائے، نماز سب کی ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

ایک نمازی کو صف اول سے پیچھے کھینچنے کی صورت میں خالی جگہ کا پُر کرنا

سوال [۱۰۳۱۶]: زید جب مسجد میں پہونچا تو نماز جماعت شروع ہوچکی تھی، مسجد کی پہلی صف پوری ہوچکی تھی، اس پر زید نے پہلی صف میں سے ایک نمازی کو جو امام کے دائیں طرف تھا، پیچھے کو کردیا، اب جو جگہ پہلی صف میں خالی ہوگئی اس کو کس طرح پُر کیا جائے؟ کیا اس طرح خالی رکھا جائے یا اور کوئی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کے آس پاس دائیں بائیں جو لوگ موجود ہیں وہ ذرا ذرا ہٹ کر دونوں طرف سے اس جگہ کو پُر کرلیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۷، رحمانيه لاهور)

"ولو صلى على رفوف المسجد، إن وجد في صحنه مكاناً كره، كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة." (قوله: كقيامه في صف الخ) هل الكراهة فيه تنزيهية أو تحريمية ويرشد إلى الثاني، قوله عليه الصلاة والسلام: "ومن قطعه قطعه الله". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول: ۱/۵۷۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف، الفصل الثالث، ص: ۹۸، قديمي)

"وينبغي للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا، ويسدوا الخلل، ويسووا بين مناكبهم في =

جگہ کی تنگی کی وجہ سے صف میں کھڑے نمازیوں کو حرکت دے کر جگہ بنانے کا حکم

سوال [۱۰۳۱۷]: امام صاحب نے نیت باندھ کر قرأت شروع کردی، ایک شخص آیا اس نے کسی مقتدی کے پیچھے کچھ جگہ دیکھی، اس نے اپنی نیت باندھنے سے پہلے قریب چھ آدمیوں کو حرکت دی، یعنی ان کو ہلایا، کیونکہ بیچ میں ایک شخص کے برابر میں کچھ جگہ خالی تھی محض اس شخص کی ناواقفیت یا کوتاہی سے آنے والے شخص نے جگہ خالی دیکھ کر چھ یا پانچ نمازیوں کو حرکت دی، اس کے بعد خود نیت باندھی، ان چھ آدمیوں میں سے ایک شخص نے یہ کہا، کہ آپ کو ایسا نہیں کرنا تھا، کیونکہ میری نماز کا تمام خشوع وخضوع جاتا رہا ہے، اب میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آنے والے شخص نے صحیح فرمایا؟ جواب تحریر فرماویں کہ نماز میں اس طرح نیت باندھنے کے بعد حرکت دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تھوڑی جگہ تھی، جس میں کھڑے ہونے کی گنجائش نہیں تھی، تو پانچ چھ آدمیوں کو حرکت نہیں دینی چاہیے تھی، جس سے ان سب کی نماز کے خشوع میں فرق آیا اور ان کو تنگی بھی ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

= الصفوف". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

(۱) "ولو كان الصف منتظماً ينتظر فجيء آخر" وقال الطحاوي رحمه الله تعالى: "لو جاء واحد والصف ملآن يجذب واحداً منه ليكون معه صفاً آخر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۷، قديمي)

"وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "ومتى استوى جانباه يقوم عن يمين الإمام إن أمكنه، وإن وجد في الصف فرجة سدها وإلا انتظر حتى يجيء آخر فيقام خلفه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب: ۱/۵۶۸، سعيد)

"وكذا يكره كل ما يشغل باله عن أفعالها ويخل بخشوعها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، =

ایک نابالغ بچہ کس صف میں کھڑا ہو

سوال[۱۰۳۱۸]: جماعت کی نماز کے موقع پر چھوٹے بچوں کا کیا حکم ہے؟ ان کو جماعت میں کہاں کھڑا کیا جائے، اگر صرف ایک ہی بچہ ہے اور باقی تمام مقتدی بڑے ہیں اور بچہ تقریباً بارہ یا تیرہ سال کا ہے، اگر اس بچہ کو مقتدیوں کے بائیں جانب ملا کر کھڑا کر دیا جائے، تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ بائیں جانب کھڑا کرنے کے بعد مسبوق لوگ آ کر اس لڑکے کی بائیں جانب کھڑے ہو جائیں، کیا اس صورت میں ان کی نماز درست ہوگی یا فاسد ہو جائے گی؟ کیا تنہا بچہ جو کہ بارہ تیرہ سال کا ہے، پیچھے کھڑا کیا جائے، جب کہ پیچھے نہ کوئی دوسرا بچہ ہے اور نہ کوئی بڑا نمازی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب بچے کئی ہوں، تو ان کی صف مردوں کی صف سے پیچھے مستقل بنادی جائے، اگر بچہ ایک ہی ہو تو اس کو مردوں کی صف ہی میں کھڑا کر لیا جائے، چاہے اس کے بائیں جانب ہو، چاہے کسی اور جگہ ہو، تنہا صف کے پیچھے کھڑا نہ کیا جائے (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= باب مايفسد الصلاة: ۱/۳۷۸، سعيد)

(۱) "ويصف أي: يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال، ثم الصبيان، ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل في الصف اهـ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۸، ۵۷۱، سعيد)

"إن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال اهـ". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۸، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۱۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۶، مكتبه غفاريه كوئته)

فصل في الفصل بين الإمام والمقتدى والاتصال بين الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

امام اور مقتدی کے درمیان پردے کے حائل ہونے کی صورت میں اقتداء کا حکم

سوال [۱۰۳۱۹]: موسم سرما میں مسجد میں دروازوں پر کپڑے یا ٹاٹ کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں، اگر سب دروازوں پر پردے پڑے ہوں اور مقتدی پردے کے بھی باہر کھڑے ہوں، تو ان کی نماز ہوجاتی ہے کہ نہیں؟ جب کہ امام صاحب کی قرأت اور تکبیر کی آواز آرہی ہو، نیز یہ کہ اگر آواز نہ آتی ہو، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر امام کی قرأت اور انتقالات کا مقتدیوں کو صحیح علم ہوتا ہے تو نماز درست ہوجاتی ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۲/ ۱۴۰۰ھ۔

امام کے پیچھے ملائکہ کے لئے صف چھوڑنا

سوال [۱۰۳۲۰]: کیا امام کے پیچھے ایک صف کا چھوڑنا فرشتوں کے لئے ضروری ہے، اگر ہے تو

---

(۱) "والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية، ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح، ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت في الأصح. قنية

(قوله بسماع) أي من الإمام أو المكبر تتارخانية. (قوله أو رؤية) ينبغي أن تكون الرؤية كالسماع، لا فرق بين أن يرى انتقالات الإمام أو أحد المتقدمين" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ۱/ ۸۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فرع: ۱/ ۲۵۳، رشيديه)

اس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے پیچھے فرشتوں کے لئے صف چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، حدیث وفقہ کی کتابوں میں صف چھوڑنے کے لئے کہیں نہیں لکھا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) بلکہ کتب حدیث میں اتصال صفوف کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے۔

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "رصوا صفوفكم، وقاربوا بينها، وحاذوا بالأعناق فوالذي نفسي بيده ،إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الخذف". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۱۰۸، رحمانيه لاهور)

"(وقاربوا بينها) أي: بين الصفوف، بحيث لايسع بين صفين صف آخر. فيصير تقارب أشباحكم سبباً لتعاضد أرواحكم، ولا يقدر الشيطان أن يمر بين أيديكم، والظاهر أن محله حيث لاعذر كحر. أو برد شديد". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف، الفصل الثاني: ۳/۱۵۷، رشيديه)

"وقاربوا بينها أي: بين الصفوف أي: لا تفصلوا بين الصفوف فصلاً كثيراً، وقد صرح الحنفية بشرطية اتحاد المكان لجواز الصلاة ..... حتى أنه كان بينهما طريق عام يمرفيه الناس، أو نهر عظيم لا يصح الاقتداء، وأصله ماروى عن عمر رضي الله تعالى عنه موقوفاً ومرفوعاً أنه قال: من كان بينه وبين الإمام نهر. أو طريق، أو صف من النساء فلا صلاة له". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۱/۳۶۱، إمداديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف، الفصل الثاني، ص: ۹۸، قديمي)

باب المسبوق واللاحق والمدرک

(مسبوق، لاحق اور مدرک کا بیان)

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا

سوال [۱۰۳۲۱]: مسبوق اپنے امام کے سجدۂ سہو میں سلام پھیر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سلام پھیر دیا تو کیا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، یا عمداً و سہواً کا فرق ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسبوق کو اگر مسبوق ہونا یاد تھا اور اس نے عمداً یہ سمجھتے ہوئے کہ جس طرح سجدۂ سہو میں میرے ذمہ امام کی اقتدا لازم ہے، اسی طرح سلام سہو میں بھی لازم ہے، امام کے ساتھ سہو کے لئے سلام پھیر دیا، تو اس کی نماز خراب ہوگئی۔ اگر مسبوق ہونا یاد نہیں تھا، تو نماز خراب نہیں ہوئی، سجدۂ سہو بھی اس کی وجہ سے لازم نہیں (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا

سوال [۱۰۳۲۲]: ایک آدمی سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ تشہد میں شریک ہوگیا، تو اس کی یہ اقتدا امام کے ساتھ درست ہے یا نہیں، یا دوبارہ نماز شروع ہوگی؟

---

(۱) "(قوله: والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام، بل يسجد معه ويتشهد، فإذا سلم الإمام، قام إلى القضاء، فإن سلم، فإن كان عامداً، فسدت، وإلا لا، ولا سجود عليه إن سلم سهواً قبل الإمام أو معه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۱۷۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه السهو: ۱/ ۴۲۰، ۴۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اقتداء صحیح ہے، سلام امام کے بعد دوبارہ شروع کردینے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۵ھ۔

مسبوق لاحق کی نماز

سوال[۱۰۳۲۳]: اگر مقیم آدمی مسافر امام کی اقتداء کرے، دریں حالیکہ اس کی تین رکعت چھوٹ گئیں ہوں، تو اب مقتدی مقیم بقیہ تین رکعت کو کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں فقہاء کی عبارات سے مختلف صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بعض حضرات نے اسی شخص کو مسبوق مانا ہے، بعض مسبوق لاحق کہتے ہیں۔ بعضوں نے صرف لاحق مانا ہے۔ درمختار (۲) طحطاوی (۳) میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده.

(قوله: سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده) بيان للإطلاق، وشمل أيضاً ما إذا سجد الإمام واحدة، ثم اقتدى به قال في البحر: فإنه يتابعه في الأخرى ولا يقضي قضاء الأولى كما لا يقضيها لو اقتدى بعدما سجدهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۳، سعيد)

"ولو أدرك الإمام بعد ما سلم للسهو، فهذا لايخلو من ثلاثة أوجه: أما إن أدركه قبل السجود، أو في حال السجود، أو بعد ما فرغ من السجود، صح اقتداء به، وليس عليه السهو بعد فراغه من صلاة نفسه الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما بيان من يجب عليه السهو: ۱/ ۴۲۱، ۴۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمي)

(۲) "واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر كغفلة، وزحمة، وسبق حدث، وصلاة خوف، ومقيم أتم بمسافر. (قوله: ومقيم أتم بمسافر) أي: فهو لاحق بالنظر للأخيرتين. وقديكون مسبوقاً أيضاً كما إذا فاته أول صلاة إمامه المسافر". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۹۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/ ۲۵۴، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "واللاحق هو من دخل معه وفاته كلها أو بعضها، بأن عرض له نوم أو غفله، أو زحمة أو سبق حدث، =

مدرک کا پانچ رکعت پڑھنا

سوال[۱۰۳۲۴]: مدرک جس نے امام کے ساتھ از اول تا آخر نماز کی اقتداء کی ہو، قعدہ اخیرہ میں یہ خیال ہوا کہ تیری ابھی ایک یا دو رکعت باقی ہے، اس لئے سلام پھیرنے کے بعد بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو گیا، ایک رکعت پوری کرلی، پھر خیال ہوا کہ تیری چار رکعت پوری ہوگئی، تو نے اتباع امام کے خلاف یہ رکعت پڑھی ہے، پھر سجدۂ سہو کیا، آیا اس شخص کی نماز ہوئی یا نہیں؟ جب کہ سلام پھیرنے میں امام کا متبع نہیں رہا، کیا اس کو نماز لوٹانی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز ہوگئی، سلام میں اتباع امام نہ کر سکنے اور اس میں ایک رکعت زیادہ پڑھنے کی مکافات سجدہ سہو سے ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۴ھ۔

مقتدی کا بغیر تسبیح پڑھے رکوع میں شرکت سے رکعت کا حکم

سوال[۱۰۳۲۵]: ایک آدمی جماعت میں اس وقت شریک ہوا کہ امام رکوع میں تھا، رکوع میں امام

= أو كان مقيما خلف مسافر، وحكمه كمؤتم حقيقة فلا يأتي فيما يقضي بقراءة ولا سهو ..... الخ".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه من واجب وغيره، ص: ۳۰۹، قديمي)

(۱) "رجل صلى الظهر خمسا وقعد في الرابعة قدر التشهد إن تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة إنها الخامسة عاد إلى القعدة وسلم كذا في المحيط ويسجد للسهو". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود: ۱۲۹/۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو: ۶۳/۲، المكتبة الغفارية)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو: ۵۲۵/۱، قديمي)

کے ساتھ شرکت تو ہوئی، مگر بہت کم، یہاں تک کہ رکوع کی تسبیح ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھی کہ امام نے سر اٹھا لیا، تو رکعت مل گئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقتدی کو یہ رکعت مل گئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۵ھ۔

تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں چلے جانے سے رکعت کا حکم

سوال[۱۰۳۲۶]: کوئی شخص آیا اس حالت میں کہ امام رکوع میں ہے، اب اس شخص نے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً رکوع میں چلا گیا، ہاتھ ناف پر نہیں باندھا تو کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قیام جو فرض ہے، اس کی ادائیگی نہیں ہوئی، نیز پہلی رکعت یا اور کسی رکعت کا سجدۂ ثانیہ سہواً ترک ہو گیا، تو نماز ہی نہیں ہوئی یا سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہا، پھر رکوع میں گیا، تو اس کی شرکت معتبر ہوگی، اگرچہ ہاتھ نہ باندھے ہوں، قیام ہو گیا، وہ ہاتھ باندھنے پر موقوف نہیں (۲)، سجدۂ ثانیہ سہواً ترک ہو جانے سے سجدۂ سہو کافی نہیں، سجدہ

---

(۱) "والحاصل: أنه إذا وصل إلى حد الركوع قبل أن يخرج الإمام من حد الركوع، فقد أدرك معه الركعة، وإلا فلا". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب إدراك الفريضة، ص: ۴۵۵، قديمي)

"ذكر الحلابي في صلاته: أدرك الإمام في الركوع فكبر قائماً ثم شرع في الانحطاط، وشرع الإمام في الرفع، الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائماً، وإن قل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۳۶، رشيديه)

(۲) "أدرك الإمام في الركوع فكبر قائماً ثم شرع في الانحطاط وشرع الإمام في الرفع، الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائماً وإن قل، هكذا في معراج الدراية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۲۰، رشيديه) ...

بھی کرے(۱)، پھر مؤخر ہوجانے کی وجہ سے سجدۂ سہو بھی کرے، ایسا نہیں کیا تو نماز نہیں ہوگی، ہر رکن کا یہی حال ہے کہ اس کے ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۲ھ۔

رکوع میں کتنی مرتبہ تسبیح پڑھنے سے مدرکِ رکوع شمار ہوگا؟

سوال[۱۰۳۲۷]: کوئی شخص اگر امام کو رکوع کی حالت میں پائے، تو کتنی مرتبہ "سبحان ربي العظیم" پڑھنے سے اس رکعت کا مدرک شمار کیا جائے گا؟ کیا ایک مرتبہ پڑھا، پھر امام کھڑا ہوگیا، تو اس رکعت کا

= "إذا أدرك الإمام في الركوع وهو يعلم أنه لو اشتغل بالثناء لايفوته الركعة يثني؛ لأنه أمكنه الجمع بين الأمرين، وإن كان يعلم أنه يفوته قال بعضهم: يثني؛ لأن الركوع إلى خلف وهو القضاء والثناء يفوت أصلاً، وقال بعضهم: لا يثني؛ لأنه وإن كان فسنة الجماعة فيها تفوته وفضيلة الجماعة أكثر من فضيلة الثناء". (حاشية الشلبي على هامش التبيين، باب إدراك الفريضة: ۱/۴۵۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب إدراك الفريضة، ص: ۴۵۵، قديمي)

(۱) "(سجدة السهو واجبة، أنه لايجب إلا بترك الواجب) ...... ولا بترك الفرائض؛ لأن تركها لا ينجبر بسجود السهو، بل هو مفسد، إن لم يتدارك فيعاد". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيدمي لاهور)

"(قوله: بترك واجب) قيد به؛ لأنه لايجب بترك السنة كالثناء والتعوذ والتسمية، وإن كان المتروك فرضاً فسدت الصلاة اهـ". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱/۳۱۰، دارالمعرفة بيروت)

"وأما الفرض فيفوت بفواته الأصل لا الوصف فلا ينجبر بغيره". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۰، قديمي)

(۲) "فلو ترك سجدة من ركعة فتذكرها في آخر صلاة سجدها، وسجد للسهو لترك الترتيب فيه، وليس عليه إعادة ماقبلها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۲، سعيد)

مدرک ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھی مدرک رکوع ہے، ایک دفعہ بھی نہ کہا صرف رکوع میں اس سے پہلے پہونچ گیا ہو کہ امام رکوع سے سر اٹھائے، تب بھی وہ مدرک رکوع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والحاصل: أنه إذا وصل إلى حد الركوع قبل أن يخرج الإمام من حد الركوع، فقد أدرك معه الركعة، وإلا فلا". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب إدراك الفريضة، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ذكر الجلابي في صلاته: أدرك الإمام في الركوع فكبر قائماً ثم شرع في الانحطاط وشرع الإمام في الرفع، الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائماً، وإن قل هكذا في معراج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة: ۱/۱۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۳۶، رشيديه)

باب الحدث في الصلاة

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

نماز میں امام کو حدث لاحق ہونا

سوال [۱۰۳۲۸]: اگر امام کا حالت رکوع میں وضوٹوٹ جائے، تو کیا کرے؟ اور اسی طرح سجدہ اور قعدہ اخیرہ میں ٹوٹ جائے، تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کو چاہیے کہ اپنے قریب سے کسی مقتدی کو جو کہ نماز پوری کراسکے، اپنی جگہ آگے بڑھا دے، وہ بحیثیت خلیفہ اس رکوع یا سجدہ یا قعدہ کو ادا کرے اور بقیہ نماز ختم تک پہونچا دے۔ امام وضو کرے اور آکر اتنی دیر میں جتنی نماز خلیفہ نے پڑھ لی ہو پہلے اس کو پڑھے اور اس میں قرأت نہ کرے، پھر خلیفہ کی نماز میں شریک ہوجائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "من سبقه حدث في الصلاة توضأ وبنى والاستيناف أفضل، وإن كان إماماً جر آخر إلى مكانه فإذا توضأ عاد وأتم في مكانه حتماً، إن كان لم يفرغ وإلا فهو مخير بين العود وبين الإتمام حيث توضأ كالمنفرد.

(فإذا توضأ) الإمام (عاد وأتم في مكانه حتماً إن كان إمامه) أي: الذي استخلفه فإنه إمام له، وللقوم (لم يفرغ) عن الصلاة، وكذا المقتدي إذا سبقه حدث حتى لو صلى في مكان آخر لم يصح اقتداءه فسدت صلاته؛ لأن الاقتداء واجب عليه، وقد بنى في موضع لايصح اقتداءه فيه، ولا يجوز انفراده؛ لأن الانفراد في موضع الاقتداء مفسد، وفي شرح الطحطاوي يشتغل أولاً بقضاء ما سبقه الإمام بغير قراءة؛ لأنه لاحق، ثم يقضي آخر صلاته". (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب =

امام پر غشی کی صورت میں بناو استخلاف کا حکم

سوال [۱۰۳۲۹]: امام کو غشی آگئی، لوگ چند منٹ متردد تھے کہ کون خلیفہ بنے اور بقدر تین بار سبحان اللہ کہنے کے توقف کرکے پھر ایک شخص خلیفہ ہوگیا، تو کیا اس زمانہ تردد کی تاخیر سبب وجوب سجدۂ سہو ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو کیوں؟ اور جب امام کو ہوش آیا تو وہ وضو کرکے دوسرے امام یعنی خلیفہ کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟

اسی طرح وہ امام جس کو حدث ہوگیا ہو، تو کتنی دور وضو کے لئے جاسکتا ہے اور کیسے جائے؟ پیچھے پاؤں جاوے گا کہ انحراف صدر عن القبلہ نہ ہو یا منحرف ہوکر اور صورتِ ثانیہ میں بناء کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا انحراف صدر عن القبلہ مفسدات صلوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں امام کو بناء کرنا درست نہیں، لہٰذا استخلاف بھی درست نہیں۔

"اعلم أن لجواز البناء ثلاثة عشر شرطاً: كون الحدث سماوياً من بدنه، غير موجب لغسل، ولا نادر وجود اه". درمختار.

"قال العلامة الشامي: ولما كان الاستخلاف مشروطاً بكون الحدث غير مانع للبناء ذكر الشارح شروط البناء لأنه في الحقيقة بناء من الخليفة على ما صلاه الإمام ..... قوله: ولا نادر وجود خرج نحو القهقهة والإغماء اه" ردالمحتار، ص: ۴۰۳، باب الاستخلاف(۱).

= الحدث في الصلاة: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ومن سبقه الحدث في الصلاة انصرف، فإن كان إماماً استخلف وتوضأ وبنى ..... والمنفرد إن شاء أتم في منزله وإن شاء عاد إلى مكانه والمقتدي يعود إلى مكانه إلا أن يكون إمامه قد فرغ أو لايكون بينهما حائل". (الهدايه، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۱۲۸، ۱۲۹، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة، صلاة الجماعة، حكم من سبقه الحدث: ۱/۹۴، قديمي)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف: ۱/۵۹۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف: ۱/۲۵۵، دار المعرفة بيروت)=

لہذا اس نماز کو ازسر نو پڑھنا ہوگا(۱)، جس صورت میں بناء درست ہے، اس کے لئے جہاں پانی ہو، وہاں تک جائے گا اور انحراف از قبلہ اس کے حق میں مفسد یا مانع عن البناء نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۶۴۳، ۶۴۴، رشيديه)

(۱) "ويتعين الاستئناف إن لم يكن تشهد لجنون، أو حدث عمداً، أو خروجه من مسجد بظن حدث، أو احتلام بنوم، أو تفكر، أو نظر، أو مس بشهوة، أو إغماء، أو قهقهة لندرتها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف: ۱/۶۰۳، ۶۰۶، سعيد)

"قوله: (وإن خرج من المسجد بظن الحدث، أو جن، أو احتلم، أو أغمي عليه استقبل) وإنما فسادها بما ذكر من الجنون، والإغماء، والاحتلام فلأنه يندر وجود هذه العوارض فلم تكن في معنى ما ورد به النص من القيء والرعاف". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۶۵۱، ۶۵۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۱۲۹، شركت علميه ملتان)

(۲) "قوله: (ومن سبقه الحدث توضأ وبنى) والقياس فسادها؛ لأن الحدث ينافيها والمشي والانحراف يفسدانها فأشبه العمد، ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: "من قاء أو رعف أو أمذى فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلاته ما لم يتكلم" ولا نزاع في صحته مرسلاً، وهو حجة عندنا وعند أكثر أهل العلم، ومذهبنا ثابت عن جماعة من الصحابة وكفى بهم قدوة فوجب ترك القياس به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۶۴۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۱۲۸، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۳۶۸، ۳۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها

الفصل الأول فیما یفسد الصلاة

(مفسداتِ نماز کا بیان)

امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد مقتدی کا نماز میں شامل ہونا

سوال [۱۰۳۳۰]: جس جگہ نماز میں بہت زیادہ آدمی ہوں، وہاں کوئی شخص آکر نماز میں ملا، امام رکوع سے اٹھ گیا، اس شخص کو معلوم نہیں ہوا، تو آیا اس شخص کو نماز ملی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق ہوجائے کہ امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد کوئی شخص شامل نماز ہوا، تو اس کو وہ رکعت نہیں ملی، اگر اس نے بعد میں نہیں پڑھی، تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ولو اقتدى بإمام راكع فوقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرك) المؤتم (الركعة)؛ لأن المشاركة في جزء من الركن شرط ولم توجد فيكون مسبوقاً، فيأتي بها بعد فراغ الإمام". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/ ۶۰، سعيد)

"ومن أدرك إمامه راكعاً فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه من الركوع أو لم يقف، بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه قبل ركوع المؤتم لم يدرك الركعة، كما ورد عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه فكان الشرط لإدراك الركعة إما مشاركة الإمام في جزء من القيام، أو جزء مماله حكم القيام، وهو الركوع.

قوله: (كما ورد عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه) ولفظه: إذا أدركت الإمام راكعاً فركعت =

دوسری رکعت پڑھ کر قیام کرنے کے بعد پھر قعدہ کی طرف آنے کا حکم

سوال[۱۰۳۳۱]: چار رکعت والی نماز میں اگر امام صاحب قعدہ اولیٰ نہ کر کے بالکل کھڑا ہو جائے اور پھر قعود کی طرف لوٹ آئے اور بعد میں سجدہ سہو بھی ادا کرے، تو کیا نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر صحیح ہو جائے تو کتب فقہ کی یہ تصریح کہ "فسدت صلوته على الصحيح كما في حاشية نور الإيضاح"(۱) كنز الدقائق(۲) وغیرہ اور بعض کتابوں کے اندر "بطلت صلوته كما في القدوري"(۳) اس کی کیا صورت ہے اور کیا جواب ہے؟ اور اگر صحیح نہ ہو، تو بعض کتب فقہ کے اندر بلا کراہت نماز جائز ہے، کہنے کی کیا وجہ ہے؟ كما في فتاوى رحيمية.

الجواب حامداً ومصلياً:

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعدما استتم قائماً، اختلف التصحيح في فساد صلاته، وأرجحهما عدم الفساد؛ لأن غاية ما في الرجوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة، وهو وإن كان لايحل لكنه بالصحة لايخل؛ لأن زيادة مادون ركعة لا يفسد. وقد يقال: إنه نقص للإكمال، فإنه إكمال؛ لأنه لم يفعله إلا لأحكام الصلاة.

وقال صاحب البحر: والحق عدم الفساد اهـ. قوله: أرجحهما عدم الفساد قد بالغ في المنتقى في رد القول بالفساد وجعله غلطاً؛ لأنه تأخير لارفض اهـ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۸۰، مطبوعه مصریہ، باب سجدة السهو(۴).

= قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت الركعة. وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتك الركعة اهـ والكاف في كما ورد بمعنى لام التعليل". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ص: ۴۵۵، ۴۵۶، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ۲/۱۳۵، رشيديه)

(۱) (نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، رقم الحاشية: ۱۱، ص: ۱۰۹، قديمي)

(۲) (كنز الدقائق، باب سجود السهو، رقم الحاشية: للعــ، ص: ۳۸، قديمي)

(۳) (مختصر القدوري، بين السطور، باب سجود السهو، ص: ۲۹، قديمي)

(۴) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۷، قديمي)=

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ عدمِ فساد کا قول راجح ہے، حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

احتلام کی حالت میں دوروز تک نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدیوں کو خبر کرنا

سوال [۱۰۳۳۲]: امام کو رات میں احتلام ہوگیا اور خبر نہ ہوئی، دودن تک اسی حالت میں نماز پڑھاتا رہا، بعدہ اطلاع ہوئی، تو اب دودن کی نماز کا اعادہ کرے یا نہیں؟ اور مقتدیوں کو اعادہ کی اطلاع دے یا نہیں؟ کیونکہ اطلاع کرنے میں امام پر سے اعتبار اٹھ جانے کا اندیشہ ہے، ویسے تو امام محتاط آدمی ہے، اسی طرح کسی نے ناپاک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھی اور بعد میں اطلاع ہوئی تو پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو یقین ہے کہ دوروز پہلے احتلام ہوا تھا (مثلاً: اسی طرح کہ جس کپڑے میں اس کا اثر ہے، وہ دو روز سے سوتے وقت استعمال نہیں کیا) تو دوروز کی نمازوں کا اعادہ لازم ہوگا (۱)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ سب

= "(سها عن القعود الأول من الفرض ثم تذكره عاد إليه مالم يستقم قائماً وإلا) أي: وإن استقام قائماً (لا) يعود لاشتغاله بفرض القيام (ويسجد للسهو) لترك الواجب (فلو عاد إلى القعود) بعد ذلك (تفسد صلاته) لرفض الفرض لما ليس بفرض، وصححه الزيلعي (وقيل: لا) تفسد لكنه يكون مسيئاً، ويسجد لتأخير الواجب (وهو الأشبه) كما حققه الكمال، وهو الحق. بحر.

(قوله كما حققه الكمال) أي: بما حاصله: أن ذلك وإن كان لايحل لكنه بالصحة لايخل، لما عرف في البحر أيضاً ... الخ". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۳، ۸۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۵۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ولو توضأ من بئر وصلى أياماً، ثم وجد فيها فأرة فإن علم وقت وقوعها، أعاد الصلاة من ذلك الوقت؛ لأنه تبين أنه توضأ بماء نجس". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/۴۲۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا علم وقت الوقوع حكم بالتنجيس من وقته وإلا فمن يوم وليلة الخ". (ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، فصل: ۱/۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

مقتدیوں کو اس کی خبر کردے، ورنہ سب کی نماز کا وبال اس پر رہے گا(۱)، اگر اس کو یقین نہیں کہ احتلام کب ہوا تھا، تو جس وقت اس کا اثر دیکھا تو اس سے پہلے جب سو رہا تھا، کہا جائے گا کہ اس وقت احتلام ہوا تھا، اس کے بعد سے جو نماز پڑھی اس کا اعادہ لازم ہے(۲)۔ مقتدیوں سے ہرگز حجاب وشرم اس معاملہ میں نہ کرے، اگر ان کے نزدیک عزت قائم رہی اور خدا کے نزدیک مستحق غضب ہوا، تو وہ عزت کس کام کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

= "(قوله: وقالا: من وقت العلم) وهو القياس؛ لأن اليقين وهو تيقن الطهارة فيما مضى لا يزول بالشك وهو النجاسة ... وقياساً على النجاسة إذا رآها في ثوبه، وعلى المرأة إذا رأت الدم في كرسفها ولا تدري متى نزل، فإنه يقتصر على وقت الرؤية". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطهارة: ۱/۹۱، دار المعرفة بيروت)

(۱) "وإذا ظهر حدث إمامه بطلت، فيلزم إعادتها كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث، أو جنب، أو فاقد شرط بالقدر الممكن بلسانه، أو بكتابه، أو رسول على الأصح، لو معينين وإلا لايلزمه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۴۲، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، باب الإمامة، ص: ۲۹۳، قديمي)

(۲) "أعاد من آخر احتلام ... وبعض النسخ: من آخر نوم، وهو المراد بالاحتلام؛ لأن النوم سببه" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مطلب: فرق بين الروث والخثي والبعر والخراء: ۱/۲۱۹، سعيد)

"وروى ابن رستم في "نوادره" عن أبي حنيفة: أنه إن كان دما لايعيد، وإن كان منيا يعيد من آخر ما احتلم ... فأما مني غيره فلا يصيب ثوبه، فالظاهر أنه منيه، فيعتبر وجوده من وقت وجود سبب خروجه، حتى أن الثوب لو كان مما يلبسه هو وغيره، يستوي فيه حكم الدم والمني، ومشايخنا قالوا في البول: يعتبر من آخر ما بال، وفي الدم من آخر ما رعف، وفي المني من آخر ما احتلم أو جامع". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في المقدار الذي يصير به المحل نجساً: ۱/۲۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

بھول کر بلاوضو نماز پڑھانا

سوال[۱۰۳۳۳]: ایک روز میں گھر سے عصر کی نماز پڑھ کر تھوڑی دور بازار گیا اور مغرب تک وہیں رہ گیا، جب مغرب کی اذان ہوئی میں مسجد میں گیا، وہاں نماز پڑھانے والا کوئی نہ تھا، میں نے ہی کچھ روز تک وہاں نماز پڑھائی، اس لئے لوگوں نے مجھ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی۔ ایک دن مجھ کو وضو کا خیال نہیں تھا، جب تکبیر ہو چکی اور میں نے نیت باندلی، تو خیال پڑا، مگر میں نے نماز پڑھا دی، مگر سلام پھیرنے کے بعد بہت دیر بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اب کیا کروں، اس حالت میں اب کیا کروں؟ میرے پیچھے چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اور وہ کئی جگہ کے تھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بھول سے بے وضو نماز شروع کردی تھی، پھر یاد آ گیا تو اس وقت نمازیوں کو خبر کرنا لازم تھا کہ مجھے وضو نہیں، وضو کرلوں، تب پڑھاؤں گا، یاد آنے پر بلاوضو نماز پڑھانا سخت گناہ ہے، خدا کے سامنے توبہ واستغفار لازم ہے(۱)۔ نیز سب مقتدیوں کو اعلان کر کے خبر کردیں کہ فلاں روز فلاں وقت کی نماز نہیں ہوئی، اس کو سب دوبارہ پڑھ لیں، جو مقتدی اعلان کے وقت موجود نہ ہوں، تو ان کو دوسرے وقت اطلاع کرنا واجب ہے، ورنہ ان کی نماز خراب ہونے کا وبال سر پر رہے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۴ھ۔

---

(۱) "وكذا إذا صلى بغير طهارة، أو صلى مع الثوب النجس، ولو صلى بغير وضوء متعمدا يكفر. قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالى: وبه نأخذ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بالصلاة والصوم والزكاة: ۲۶۸/۲، رشيديه)

"وبصلاته لغير القبلة متعمداً، أو في ثوب نجس، أو بغير وضوء عمداً والمأخوذ به الكفر في الأخير فقط، وقيل: لا في الكل". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۶/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، التاسع فيما يقال في القرآن والأذكار والصلاة: ۳۴۱/۶، رشيديه)

(۲) "ولو أم قوماً محدث، أو جنب ثم علم بعد التفرق يجب الإخبار بقدر الممكن بلسانه، أو كتاب، أو رسول على الأصح، وفي خزانة الأكمل: لأنه سكت عن خطأ معفو عنه، وعن الوبري: يخبرهم وإن كان =

محاذاۃ کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۳۴۴]: ۱......اگر مرد اپنے گھر میں جماعت کرائے اور اس کے پیچھے ماں، بہن، بیٹی اقتداء کریں اور جب وہ سجدہ میں جائیں، تو ان میں کسی ایک کا سر مرد کے پاؤں سے لگ جائے، تو کیا دونوں میں سے کسی کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

۲......اگر اسی طرح گھر کی جماعت میں بیوی بھی شریک ہو اور سجدہ کے وقت بیوی کا سر مرد کے پاؤں سے (بقدر ایک رکن) لگ جائے، تو کیا کسی کی نماز فاسد ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ یہ محاذاۃ مفسدہ کی صورت نہیں۔

"لو اقتدیت به متأخرة عنه بقدمها صحت صلاتهما، وإن لزم منه محاذاة بعض أعضائها لقدمه، أو غيره في حالة الركوع، أو السجود؛ لأن المانع ليس محاذاة أي عضو منها لأي عضو منه، ولا محاذاة قدمه لأي عضو منها، بل المانع محاذاة قدمها فقط لأي عضو منه اهـ". رد المحتار: ۱/۴۲۳(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۲/۸۶ھ۔

= مختلفاً فيه، ونظيره إذا رأى غيره يتوضأ من ماء نجس، أو على ثوبه نجاسة اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۱، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۷، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۱، سعيد)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۳، سعيد)

"المرأة إذا صلت في بيتها مع زوجها إن كانت قدماها خلف قدم الزوج، إلا أنها طويلة يقع رأسها في السجود قبل رأس الإمام جازت صلاتهما؛ لأن العبرة للقدم اهـ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۲۵۲، قديمي)

جواب صحیح ہے: محاذاۃ کے مفسد ہونے میں اجنبیہ مشتہاۃ غیر محرمہ کی بھی شرط ہے۔ پس نمبرا میں کوئی اجنبیہ، غیر محرمہ نہیں ہے، اس لئے اس میں محاذاۃ صریحہ بھی مفسد نہیں ہوگی (۱)۔

بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۶ھ۔

نماز شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وضو نہیں تھا، تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۳۳۵]: ایک آدمی اپنے آپ کو باوضو سمجھ کر یعنی اس یقین سے کہ میرا وضو ابھی تک نہیں ٹوٹا، کچھ نفلیں یا فرائض پڑھ لے اور بعد میں یاد آجائے کہ اس کا وضو نماز سے پہلی ہی ٹوٹ چکا تھا، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اس طرح نماز کے دوران یاد آجائے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دورانِ نماز یاد آجائے، تو فوراً نماز ختم کردے (۲) اور جب یاد آجائے، ایسی نوافل کی قضا لازم

---

(۱) یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے، لیکن کتب فقہیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے محاذات کے مسئلے میں محرمہ اور غیر محرمہ کا کوئی فرق نہیں۔

"(قوله: ولو أمة) وخنثى وسواء كانت زوجة أو محرماً أو أجنبية: لأن الفساد في المحاذاة من حيث ترك فرض المقام؛ لأن مقامهن التأخير". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۲۴۷، دار المعرفة بيروت)

"والمرأة تتناول الأجنبية، والمحرمة، والحليلة، والصغيرة المشتهاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم: ۱/۸۹، رشيديه)

محاذات میں پنڈلی اور ٹخنوں کا اعتبار ہوتا ہے اس میں محرمہ اور غیر محرمہ کا کوئی فرق نہیں۔ (فتاویٰ حقانیہ، باب مفسدات الصلاۃ: ۳/۲۲۱، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

(۲) "هي (أي: شروط الصلاة) ستة: طهارة بدنه من حدث بنوعيه، وقدمه؛ لأنه أغلظ، وخبث مانع كذلك". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، شرائط الصلاة، ص: ۱۳، سهيل اكيدمی لاهور)

نہیں (۱) اور فرض کو دوبارہ پڑھنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مسہ کا اتار چڑھاؤ علامت ریح ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۳۳۲]: ۱- ہوا یہ ہے کہ نمازی حالت اثنائے صلوٰۃ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسہ اوپر کو چڑھا (اور اس صورت میں) مبرز (۲) کا انفتاح لازم ہے، چڑھاؤ اتار میں مبرز میں تری بھی محسوس ہوتی ہے نہیں کہا جاسکتا کہ ریح خارج ہوئی۔ بسا اوقات مبرز گرم ہوتے ہی جیسے کہ تھوڑے فوراً گرم ہوجاتے ہیں، کیا اس کو خروج ریح قرار دیا جائے یا محض کا بخار ریاح متولد ہوکر اثنائے صلوٰۃ میں کیا علامت ہے اس میں تری ہوتی ہے یا نہیں؟

۲- معذور کے مسئلہ میں جو فقہاء کے یہاں تین درجے قائم فرماتے ہیں ابتدائے عذر، بقائے عذر، انتہائے عذر، بقائے عذر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فی وقت ایک مرتبہ اس کا ظہور کافی ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا فی وقت سے فی وقت کی نماز مراد ہے یا مطلق وقت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- اگر اجابت کے بعد مسوں کو خشک کیا جاتا ہے کہ پانی باقی نہ رہے، پھر وہ چڑھ جائیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، ورنہ ان کے ساتھ پانی اندر چلے جانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا (۳)، ان کے [illegible] سے روزہ فاسد نہیں

---

(۱) "وإذا افتتح التطوع على غير وضوء، أو في ثوب نجس لم يكن داخلاً في صلاته، فإذا لم يصح شروعه لا يلزمه القضاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۳، رشيدية)

"ولزم نفل شرع فيه بتكبيرة الإحرام أو بقيام الثالثة شروعاً صحيحاً قصداً"

(قوله: شروعاً صحيحاً) محترزه ما سيأتي من قول الشارح: أو أمي، أو امرأة، أو محدث". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۸۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العاشر في التطوع: ۱/۴۶۲، قديمي)

(۲) "مبرز: پاخانہ نکلنے کی جگہ، مقعد"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۵۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "ولو أدخل إصبعه في إسته، أو المرأة في فرجها لا يفسد، وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء، أو ـ

ہوتا، خود بخود چڑھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ہاتھ یا کپڑے کے ذریعہ چڑھانے سے اگر نجاست ہاتھ یا کپڑے کو لگ جائے تو طہارت منتقض ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔ اترنے سے اگر نجاست کپڑے پر لگ جائے تو طہارت منتقض ہو جائے گی، ورنہ نہیں (۱)۔ اسی طرح جاڑا میں ہر زمین پر پیر کے تلوے میں گرمی محسوس ہونا خروج ریح کی قطعی دلیل نہیں، بلکہ کان کی اور ناک سے صوت یا بو کو خروج ریح کی دلیل قرار دیا گیا ہے (۲)۔

۲۔ مراد یہ ہے کہ مثلاً ظہر کا وقت چار گھنٹے ہے تو اتنے وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا ظہور ہو جائے۔

= الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن هكذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد: ۱/ ۲۰۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد: ۲/ ۳۹۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصوم، ص: ۶۷۲، قديمي)

(۱) "باسوري خرج دبره، إن أدخله بيده انتقض وضوءه، وإن دخل بنفسه لا.

(قوله: بيده) أو بخرقة، بحر. (قوله: انتقض) لأنه يلتزق بيده شيء من النجاسة، بحر. أي: فيتحقق خروجها (قوله: لا) أي: لا ينتقض لعدم تحقق الخروج". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في أبحاث الغسل: ۱/ ۱۵۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطهارة: ۱/ ۸۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۳۱، رشيديه)

(۲) "عن عباد بن تميم عن عمه رضي الله تعالى عنه أنه شكى إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الذي يخيل إليه أنه يجد الشيء في الصلاة فقال: "لا ينفتل أو لا ينصرف حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً". (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن: ۱/ ۲۵، قديمي)

"(فقال: لا ينفتل) أي: لا ينصرف عن الصلاة على احتمال نقض الوضوء. (حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً) أي: حتى يعلم وجودهما بالعلم اليقيني ولا يشترط السماع والشم بالإجماع، فإن الأصم لا يسمع صوته والأخشم الذي راحت حاسة شمه لا يشم أصلاً". (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب إذا شك في الحدث: ۱/ ۱۰۶، قاسميه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب ما يوجب الوضوء، الفصل الأول، رقم الحديث: ۳۰۶: ۲/ ۳۰، رشيديه)

بقائے عذر کے لئے اتنا کافی ہے(۱)، اگر ابتداءً عذر کا تحقق ہوجائے، تو پھر ایک وقت کی نماز کے لئے ایک ہی وضو کافی ہے، اس سے مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۹/ ۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۹/ ۸۵ھ۔

اگربتی کا دھواں ناک میں جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۰۳۳۷]: اگر کوئی شخص کستوری (مشک) جلاکر نماز پڑھے، تو نماز میں کوئی نقصان ہوگا یا نہیں؟ جیسے رمضان المبارک میں کوئی قصداً کستوری جلائے، تو اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، کیونکہ دھواں منہ اور ناک میں چڑھ کر پیٹ اور دماغ میں پہنچتا ہے۔

---

(۱) "(وصاحب عذر من به سلس) بول لا يمكنه إمساكه (أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح، أو استحاضة) أو بعينه رمد، أو غمش، أو غرب. وكذا كل مايخرج بوجع، ولو من أذن، وثدي، وسرة (إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة) بأن لايجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ، ويصلي فيه خالياً عن الحدث (ولو حكماً)، لأن الانقطاع ملحق بالعدم (وهذا شرط) العذر (في حق الابتداء، وفي) حق (البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت)". (الدرالمختار، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۳۰۵/۲، سعيد)

"والمعذور من لايمضي عليه وقت صلاة إلا والذي ابتلي به يوجد فيه". (ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب الحيض، فصل: ۸۵/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ومما يتصل بذلك أحكام المعذور: ۴۰/۱، رشيديه)

(۲) "وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً فدخل الواجب بالأولى، فإذا خرج الوقت بطل أي: ظهر حدثه السابق". (الدرالمختار، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور: ۳۰۵/۱، ۳۰۶، سعيد)

"المستحاضة ومن به سلسل بول، أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح، أو رعاف دائم، أو جرح لايرقأ يتوضؤون لوقت كل صلاة، ويصلون به في الوقت ماشاء وا من فرض ونفل، ويبطل بخروجه فقط".

(ملتقى الأبحر متن مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب الحيض، فصل: ۸۴/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۹، قديمی)

اب سوال یہ ہے کہ اگربتی جلا کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگر قصداً دھواں اندر پہونچائے گا، جیسے سگریٹ میں پہنچایا جاتا ہے، تب نماز فاسد ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عمل کثیر کی تعریف

سوال [۱۰۳۳۸]: کیا نماز کے کسی رکن میں تین مرتبہ کھجلانا نماز کے لئے مفسد ہے؟ آج کل ایک عالم اپنے وعظوں میں اکثر بیان کرتے رہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نماز نہیں ہوتی ہے اور حوالہ فتاویٰ عالمگیری کا دیتے ہیں، غالباً اس کو عمل کثیر جان کر مذکورہ فتوی دیا جاتا ہے، حالانکہ عمل کثیر کے متعلق کئی قول ہیں، تین قول فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس لئے حکم لگانے میں احتیاط ضروری ہے۔ نماز کی جس قدر تاکید ہے، اس قدر شریعت نے رخصتیں بھی دی ہیں، سو ضرورت کے تحت جسم کھجلانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ جب کہ

---

(۱) "وقال البقالي: الصحيح أن كل مايفسد به الصوم تفسد به الصلاة اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۳۲، سعيد)

"(قوله: أنه لو أدخل حلقه الدخان) أي: بأي صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه، وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه، وبين جوهر دخان، وصل إلى جوفه بفعله". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد: ۲/۳۹۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۳۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب في بيان مالايفسد الصوم، ص: ۳۶۰، قديمي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ۱/۴۵۰، دارالمعرفة بيروت)

عرب کے موسم پانی کی کمی اور موٹے کپڑوں کے عام استعمال سے اس کی ضرورتیں عہد رسالت کے اندر لوگوں کو پیش آتی رہی ہوں گی، بے ضرورت جسم یا کپڑے سے کھیلنا تو ضرور مفسد نماز اور عمل کثیر ہونا چاہیے، مگر ضرورت کے تحت اگر ہاتھ بغیر کسی التفات قلبی کے تین مرتبہ لگ گیا، تو کیا عمل کثیر کا ہونا یقینی ہوگا اور ایسا کرنے والے کو نماز دوہرانا ضروری ہے؟ حدیث وفقہ کے سلسلہ میں مفسدات نماز میں اس کا تذکرہ نقل ہوتا، فی رکن کا ماخذ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمل کثیر مفسد صلوۃ ہے، اس کی تفسیر میں پانچ قول ہیں، کبیری شرح منیۃ المصلی، ص: ۴۱۸، میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ الدرالمختار، ص: ۴۱۹، میں پانچ اقوال نقل کیے ہیں: "فیہ أقوال خمسۃ، أصحہا مالا یشک بسببہ الناظر من بعید في فاعلہ أنہ لیس فیہا" (۲) اھ۔ بدائع (۳)، زیلعی (۴)، محیط (۵)، قاضی

(۱) "وکل عمل لایشک بسببہ الناظر إلی المصلي أنہ في الصلاۃ، بل یظن ظناً غالباً أنہ لیس في الصلاۃ، فہو عمل کثیر، وماکان دون ذلک بأن یشتبہ علی الناظر ویتردد في کونہ في الصلاۃ أم لا، فہو قلیل وقال بعضہم کل عمل یعمل بالیدین عرفا وعادۃ فہو کثیر، ولو قدر أنہ عملہ بید واحدۃ، وما کان یعمل في العادۃ بید واحدۃ، فہو قلیل وقیل یفوض إلی رأی المصلي إن استکثرہ فکثیر وإلا فلا". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یفسد الصلاۃ، ص: ۴۴۱، ۴۴۲، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) "ویفسدہا کل عمل کثیر لیس من أعمالہا ولا لإصلاحہا، وفیہ خمسۃ أقوال، أصحہا مالا یشک بسببہ الناظر من بعید في فاعلہ أنہ لیس فیہا، وإن شک أنہ فیہا أم لا فقلیل. القول الثاني: أن مایعمل عادۃ بالیدین کثیر، وإن عمل بواحدۃ کالتعمم وشد السراویل، وما عمل بواحدۃ قلیل. الثالث: الحرکات الثلاث المتوالیۃ کثیر، وإلا فقلیل. الرابع: مایکون مقصوداً للفاعل بأن یفرد لہ مجلساً علی حدۃ. الخامس: التفویض إلی رأی المصلي، فإن استکثرہ فکثیر، وإلا فقلیل". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا: ۱/ ۶۲۴، ۶۲۵، سعید)

(۳) "وقال بعضہم: کل عمل لو نظر الناظر إلیہ من بعید لایشک أنہ في غیر الصلاۃ فہو کثیر، وکل عمل لو نظر إلیہ ناظر، ربما یشتبہ علیہ أنہ في الصلاۃ فہو قلیل، وہو الأصح" (بدائع الصنائع، فصل في بیان حکم الاستخلاف: ۲/ ۲۴۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۴) (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا: ۱/ ۴۱۲، ۴۱۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۵) (المحیط البرہاني، کتاب الصلاۃ، النوع الثاني في بیان الأفعال المفسدۃ: ۲/ ۱۵۲، المکتبۃ الغفاریۃ)

خان(۱)، خلاصہ(۲) سے اسی قول کی ترجیح، تحسین تقویب نقل کی ہے۔ایک رکن میں تین دفعہ مستقلاً ہاتھ اٹھا کر کھجلانے کو کبیری میں مفسد صلوۃ لکھا ہے(۳)، اس صریح جزئیہ کی وجہ سے غالباً ان عالم صاحب نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہوگا، اس جزئیہ کی بنیاد بھی عمل کثیر ہے، جس کی تشریح میں پانچ قول ہیں، راجح قول اوپر مذکور ہوا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۷ھ۔

کیا دونوں ہاتھ سے کپڑا ٹھیک کرنا عملِ کثیر ہے؟

سوال[۱۰۳۳۹]: اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کی حالت میں دونوں ہاتھ سے کپڑا اٹھائے، تو نماز کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس طرح دونوں ہاتھوں سے اٹھائے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، تو نماز درست نہیں ہوگی۔یہ عمل کثیر ہے۔عمل قلیل سے نماز درست ہو جاتی ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیرية، کتاب الصلاة، فصل فیما یفسد الصلاة: ۱/۱۳۰، رشیدیه)

(۲) (خلاصة الفتاوی، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فیما یفسد الصلاة وفیما لایفسد، جنس آخر في الأفعال مایفسد ومالا یفسد: ۱۳۰/۲، رشیدیه)

(۳) "ولو حک المصلي جسده مرة أومرتین متوالیتین لا تفسد صلاته ولو فعل ذلک مراراً متوالیات أي: في رکن واحد تفسد صلاته؛ لأنه کثیر، هذا إذا رفع یده في کل مرة، أما إذا لم یرفع یده في کل مرة فلا تفسد". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فیما یفسد الصلاة، ص: ۴۴۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۶۴۰، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیرية، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة ومایکره فیها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة: ۱۰۴/۲، رشیدیه)

(۴) "وأشار بالأکل والشرب إلی أن کل عمل کثیر فهو مفسد، واتفقوا علی أن الکثیر مفسد، والقلیل لا؛ لإمکان الاحتراز عن الکثیر دون القلیل ... ثم اختلفوا فیما یعین الکثرة والقلة علی أقوال: أحدها =

نماز میں ڈاڑھی کو ہاتھ سے ہلاتے رہنا

سوال[۱۰۳۴۰]: اگر کوئی امام نماز کے دوران لگاتار ڈاڑھی کو آگے پیچھے ہاتھ سے ہلاتے رہے، ٹائم دیکھنے کے لئے اور بعض اوقات نماز کے دوران ایسا محسوس ہو کہ یہ نماز کی حالت میں نہیں اور اکثر دونوں ہاتھ سے کپڑے درست کرتا ہو، تو ایسے امام کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور خشوع وخضوع کے خلاف ہیں، ایک رکن میں اگر تین بار ہاتھ اٹھا کر ڈاڑھی کو آگے پیچھے کیا، تو بعض فقہاء نے اس کو عمل کثیر قرار دیا ہے، جو کہ مفسدِ صلوۃ ہے(۱)، اسی طرح کوئی ایسا کام کرنا کہ دیکھنے والے

= مااختاره العامة كما في الخلاصة والخانية: أن كل عمل لايشك الناظر أنه ليس في الصلاة فهو كثير، وكل عمل يشتبه على الناظر أن عامله في الصلاة فهو قليل. قال في البدائع: وهذا أصح وتابعه الشارح ولولوالجي، وقال في المحيط: إنه الأحسن وقال الصدر الشهيد: إنه الصواب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۱۹، ۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۱، ۱۰۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۴، سعيد)

(۱) "ويفسدها كل عمل كثير ليس من أعمالها ولا لإصلاحها، وفيه أقوال خمسة (قوله: وفيه أقوال خمسة) ...... الثالث الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا فقليل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۴، ۶۲۵، سعيد)

"وإن حك ثلاثاً في ركن واحد تفسد صلاته، هذا إذا رفع يده في كل مرة، أما إذا لم يرفع في كل مرةً فلا تفسد: لأنه حك واحد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۶۵، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱/۱۰۱، ۱۰۲، رشيديه)

سمجھیں کہ یہ نماز میں نہیں، یہ بھی عمل کثیر ہے(۱)۔امام صاحب کو چاہیے کہ پوری احتیاط رکھیں اور سنت کے مطابق نماز پڑھایا کریں، ورنہ امکان ہے کہ مقتدی ان کو الگ کردیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

بچہ کا حالتِ نماز میں ماں کا دودھ پینا

سوال[۱۰۳۴۱]: حالت نماز میں اگر بچہ دودھ پی لے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچہ نے خود بخود آکر دودھ پی لیا، تو نماز فاسد نہیں ہوگی(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند،۱۶/۱۱/۸۶ھ۔

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) اس مسئلے میں تفصیل ہے وہ یہ کہ بچہ کا دودھ پینے سے اگر دودھ نکل گیا تو نماز فاسد ہوگئی اور اگر نہیں نکلا تو فاسد نہیں ہوگی۔

"وأما إذا ارتضع من ثديها وهي كارهة، ففي الظهيرية والخلاصة والخانية: إن مص ثلاثاً فسدت وإن لم ينزل اللبن، فإن كان مصة أو مصتين فإن نزل لبن فسدت وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۱، رشيديه)

"أو مص ثديها ثلاثاً أو مرة ونزل لبنها أو مسها بشهوة أو قبلها بدونها فسدت.

(قوله: أو مص ثديها ثلاثاً الخ) هذا التفصيل مذكور في الخانية والخلاصة، وهو مبني على تفسير الكثير بما اشتمل على الثلاث المتواليات وليس الاعتماد عليه، وفي المحيط: إن خرج اللبن فسدت؛ لأنه يكون إرضاعاً وإلا فلا، ولم يقيده بعدد وصححه في المعراج، حليه وبحر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۸، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱/۱۳۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، جنس آخر في الأفعال مايفسد ومالا يفسد: ۱/۱۲۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۱، رشيديه)

نماز میں بچہ نے آکر دودھ پی لیا، تو نماز جاتی رہی، البتہ اگر دودھ نہیں نکلا تو نماز نہیں گئی۔(بهشتی زیور، کتاب الصلاۃ، باب، نماز توڑ دینے والی چیزوں کا بیان: ۲/۲۳، مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاهور)

امام کا چوتھی رکعت میں قعدہ بھول جانا

سوال[۱۰۳۴۲]: ایک روز نمازِ عصر ہورہی تھی، پوری چار رکعت ہوگئیں، امام صاحب پانچویں رکعت کے واسطے کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے لقمہ بھی دیا، مگر اس کو یاد تھا کہ رکعتیں تین ہوئی ہیں اور پانچویں رکعت پوری کرکے اور سجدہ سہو کرکے سلام پھیر دیا، نماز ہوئی یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچ رکعت پڑھ لیں تو نماز نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/ ۸۷ھ۔

سجدہ میں دونوں پیر کی سب انگلیاں اٹھ جانا

سوال[۱۰۳۴۳]: سجدہ میں جاکر اگر دونوں پاؤں اٹھ جائیں، تو یہ کیا ہے؟ (لیکن مقدار میں تین تسبیح کا نہیں) اگر تین تسبیح کی مقدار ہو، تو کیسا ہے؟

---

(۱) "(وإن سها عن القعود الأخير عاد مالم يسجد لعدم استحكام خروجه من الفرض لإصلاح صلاته، وبه وردت السنة وسجد للسهو لتأخيره فرض القعود، فإن لم يعد حتى سجد للزائدة على الفرض صار فرضه نفلاً برفع رأسه من السجود عندهما، وهو المختار للفتوى. قوله: صار فرضه نفلاً) عندهما ولم يبطل أصلاً؛ لأن عدم الوصف لايستلزم عدم الموصوف، وقال محمد: تبطل أصلاً، ووصفاً؛ لأن التحريمة عقدت للفرض قصداً أو لأصل الصلاة ضمناً. فإذا بطل الفرض بطل ما في ضمنه، والحاصل: أنه إذا رفع رأسه من السجود بطلت صلاته أصلاً، ووصفاً عند محمد، وهو غير المفتى به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۷، ۴۶۸، قديمي)

"رجل صلى الظهر ونحوها خمساً بأن قيد الخامسة بالسجدة ولم يقعد على رأس الرابعة بطلت فرضيته أي: فرضية صلاته لتركه الفرض على وجه لايمكن تداركه لزيادة ركعة تامة بالسجود للخامسة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، السادس من الفرائض القعدة الأخيرة، ص: ۲۹۰، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱/۱۲۹، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تین تسبیح کے مقدار تک دونوں پیر بالکل زمین سے اٹھے رہے، پھر دونوں پیر یا ایک پیر کی انگلی رکھ لی، تو نماز درست ہو جائے گی، اگر تین تسبیح کی مقدار پیر بالکل اٹھے رہے، تو نماز درست نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

ٹیپ ریکارڈ پر امام کی اقتداء کرنا

سوال [۱۰۳۴۴]: فرض نماز کو پیش امام قرأت لاؤڈ اسپیکر میں پڑھتے ہیں، اگر قرأت کو ٹیپ کرلیا جائے اور پھر امام کا ٹیپ کیا ہوا ریکارڈ لگایا جائے، تو کیا نماز جماعت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ادا نہیں ہوگی، ٹیپ ریکارڈ کو الگ کر دیا جائے، امام صاحب خود اپنی زبان سے قرأت ادا کریں، تب نماز ادا ہوگی۔ ٹیپ ریکارڈ پر نماز میں کفایت وقناعت کرنا غلط ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "ومنها السجود بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط (قوله: وقدميه) .... وأفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۴۷، سعيد)

"ومن شرط جواز السجود أن لا يرفع قدميه فيه، فإن رفعهما في حال سجوده، لا تجزيه السجدة". (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۲۳، امداديه)

"وفي مختصر الكرخي: سجد ورفع أصابع رجليه عن الأرض، لا تجوز". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الخامس من الفرائض، السجدة، ص: ۲۸۵، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) نماز میں قرأت فرض ہے، ٹیپ ریکارڈ سے سن کی قرأت سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوتا، بلکہ خود امام پر قرأت کرنا لازم ہے۔

"ومنها: القراءة لقادر عليها.

(قوله: ومنها القراءة) أي: قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، =

نماز کی حالت میں کوئی پکارے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۳۴۵]: گھر کے اندر نماز پڑھنے والے کو کوئی باہر سے پکارے، تو پکارنے والے کو نمازی کسی طرح آگاہ کر سکتا ہے یا نہیں کہ میں نماز میں ہوں؟ اس وجہ سے باہر نہیں آسکتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا قرأت کی آیت کے ذریعہ سے ہوسکے تو اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= مبحث القراءة: ۱/ ۳۴۶، سعيد)

"ومنها: القراءة عند عامة العلماء، لوجود حد الركن وعلامته، وهما ما بينا وقال الله تعالى: ﴿فاقرء وا ما تيسر من القران﴾ والمراد منه في حال الصلاة، والكلام في القراءة في الأصل يقع في ثلاث مواضع: أحدها: في بيان فرضية أصل القراءة .... أما الأول: فالقراءة فرض في الصلاة عند عامة العلماء". (بدائع الصنائع، فصل في بيان أركان الصلاة: ۱/ ۲۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية. كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل في فرائض الصلاة: ۱/ ۶۸، رشيديه)

(۱) "عن عبدالله بن نجي قال: قال لي علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه: كانت لي ساعة من السحر أدخل على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فإن كان في صلاة سبح، فكان ذلك إذنه لي.

قال أبوجعفر: فوقفنا بذلك على أن رواته بالمعنى الأول. وأن مكان التنحنح المذكور فيه التسبيح في الحديث الثاني، وكان ذلك هو أولى عندنا؛ لأن الآثار التي روتها العامة من أهل العلم فيما ينوب الرجل في الصلاة مما يستعملونه فيه هو التسبيح". (شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيما كان ينوب في الصلاة من التسبيح، رقم الحديث: ۱۷۵۳: ۵/ ۴۰۷، مؤسسة الرسالة)

"وعن سهل بن سعد، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من نابه شيء في صلاته فليسبح، فإنما التصفيق للنساء"، وفي رواية قال: "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء" متفق عليه.

(شيء) أي: أمر بأن يدعوه أحد أو يستأذنه. (في صلاته) وفي نسخة في الصلاة أي: ولم يعلم=

نماز میں لنگی کھل جائے تو کیا کرے؟

سوال[۱۰۳۴۶]: نماز کی حالت میں لنگی کھل گئی اور ایک ہاتھ سے باندھنا دشوار ہے، تو کیا دونوں ہاتھ سے باندھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا پھر سے تکبیر تحریمہ باندھنا پڑے گا؟ نیز اگر نماز کی حالت میں ازار بند ٹوٹ گیا، فوراً بیٹھ جائے اور بیٹھ کر ادا کر لینے سے نماز ہو جائے گی یا اپنے پائجامہ کے ازار بند کو باندھ کر پھر سے نماز شروع کرے؟ یہ صورت فرض نماز کی تحریر کی گئی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہاتھ سے سنبھال کر نماز پوری کر سکتا ہے، تو کر لے ورنہ دونوں ہاتھ سے درست کر کے از سرِ نو پڑھے(۱)، نفل میں اتنی گنجائش ہے کہ بیٹھ کر نماز پوری کرے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۷/۹۶ھ۔

= أنه في الصلاة. (فليسبح) أي: فليقل سبحان الله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب مالايجوز من العمل في الصلاة ومايباح منه، رقم الحديث: ۹۸۸، الفصل الأول: ۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في سبل السلام شرح بلوغ المرام، باب شروط الصلاة، ماذا يصنع من نابه أمر وهو في الصلاة، رقم الحديث: ۲۰۹: ۱۳۲/۱، دارالحديث)

(۱) "العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا كذا في محيط السرخسي، واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: الأول: أن ما يقام باليدين عادة كثير، وإن فعله بيد واحدة كالتعمم، ولبس القميص، وشد السراويل، والرمي عن القوس. وما يقام بيد واحدة قليل، وإن فعله بيدين كنزع القميص، وحل السراويل، ولبس القلنسوة، ونزعها، ونزع اللجام، هكذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة: ۱۰۲/۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۲۵/۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان حكم للاستخلاف: ۱۶۲/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويتنفل مع قدرته على القيام قاعداً لا مضطجعاً إلا بعذر ابتداءً وكذا بناءً بعد الشروع بلا كراهة في الأصح كعكسه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۳۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۱۱۰/۲، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في صلاة النفل جالساً الخ، ص: ۴۰۲، ۴۰۳، قديمى)

قنوت نازلہ کے اخیر میں مقتدی کا ''بے شک'' کہنا

سوال [۱۰۳۴۷]: نماز میں امام نے قنوت نازلہ پڑھی، مقتدی ہر دعا پر آمین کہتا رہا، لیکن "تبارکت وتعالیت یا ذي الجلال والإکرام" پر مقتدی نے ''بے شک'' کہا، ایسی صورت میں مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خداوند تعالیٰ کی صفات کی تصدیق سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)، تاہم مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے (۲)۔ اس نماز کا اعادہ کرلے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلو أعجبته قراءة الإمام فجعل یبکي، ویقول بلیٰ أو نعم أوآري لاتفسد، سراجیة، لدلالته علی الخشوع". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة: ۱/۶۱۹، ۶۲۰، سعید)

(وکذا في فتاوی السراجیة، کتاب الصلاة، باب یفسد الصلاة، ص: ۱۲، المطبع العالي اللکنو)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ص: ۳۲۵، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (الأعراف: ۲۰۴)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إنما جعل الإمام لیؤتم به، فإذا کبر فکبروا، وإذا قرأ فأنصتوا". (سنن النسائي، باب وإذا قرئ القرآن فأنصتوا: ۱/۱۴۶، قدیمی)

"فیجب السکوت عند القراءة مطلقاً اهـ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فروع في القراءة خارج الصلاة: ۱/۵۴۵، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۶۰۰، سعید)

(۳) "فالحاصل: أن من ترک واجباً من واجباتها، أو ارتکب مکروهاً تحریمیاً لزمه وجوباً أن یعید إن في الوقت، فإن خرج أثم، ولا یجب جبر النقصان، فلو فعل فهو أفضل". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۴، سعید)

"کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تعاد، أي: وجوباً في الوقت، وأما بعده فندباً". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۰، قدیمی)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۲، رشیدیه)

الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

نماز میں کھنکارنا

سوال[۱۰۳۴۸]: امام کے لئے نماز میں بغیر ضرورت کے بار بار گلا صاف کرنے کے لئے کھنکارنا جائز ہے یا مکروہ؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز کراہت یا بلا کراہت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا ضرورت کھنکارنا مکروہ ہے، اگر اس میں الفاظ بھی پیدا ہوجائیں، تو مفسدِ صلوٰۃ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

نماز میں ڈکار لینا

سوال[۱۰۳۴۹]: نماز میں ڈکار لینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(قوله والتنحنح) وهو أن يقول: اح بالفتح والضم بحر (قوله بحرفين) وبغير حروف مكروه. ولا يفسدها اتفاقاً بحر (قوله بلا عذر) العذر وصف يطرأ على المكلف يناسب التسهيل عليه. (قوله: بأن نشأ من طبعه) بأن لايكون بتكلفه (قوله فلا فساد) أي: ولا كراهة شلبي عن الغاية". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۶۲، دارالمعرفة بيروت)

"(يفسدها التكلم) ... والتنحنح بحرفين بلا عذر، أما به بأن نشأ من طبعه فلا، أو بلاغرض صحيح فلو لتحسين صوته، أو ليهتدى إمامه، أو للإعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۱۸، ۶۱۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۷، ۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۱۴۰۱ھ۔

نماز میں کھانسنا

سوال[۱۰۳۵۰]: ۱...ایک شخص کہتا ہے کہ جب امام مصلیٰ پر نماز کی نیت باندھنے کے بعد کھانس پڑے تو اس نے اپنے اوپر کفر کیا، وہ منافق بھی ہوگیا، نماز بھی فاسد ہوگئی اور اس امام کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں۔

۲...میں نفیس احمد مجھے امامت کراتے ہوئے تقریباً چودہ سال ہوگئے ہیں اور میں نے جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، ضلع سہارنپور میں تعلیم پائی ہے، میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ وقت ضرورت کھانس سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...کھانسی غیر اختیاری چیز ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نماز پڑھانے کی حالت میں کھانسی آئی ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے (۲)۔ کھانسی آنے پر امام کو کافر یا منافق کہنا بہت سخت بات ہے (۳)۔ وہ شخص فوراً توبہ کرے۔

---

(۱) "أما ما لایمکن الامتناع عنه فلا یفسد عند الکل کالمریض إذا لم یملک نفسه من الأنین والتأوه؛ لأنه حینئذ کالعطاس "والجشاء" إذا حصل بهما حروف". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۲/۷، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة: ۱/۶۱۹، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة: ۱/۲۴۴، دار المعرفة بیروت)

(۲) "ویذکر عن عبدالله بن السائب: قرأ النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المؤمنون في الصبح حتی إذا جاء ذکر موسی وهارون، أو ذکر عیسی، أخذته سعلة فرکع" (صحیح البخاري، کتاب الأذان، باب الجمع بین السورتین في رکعة، والقراءة بالخواتیم، وبسورة قبل سورة، وبأول سورة: ۱/۱۰۶، قدیمی)

(۳) "عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یرمي رجل رجلاً =

۲...... نمبرا میں اس کا جواب آ گیا خود بھی ضرورت پڑھانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۶ھ۔

کہنی کھلی رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۱۰۳۵۱]: ہاف گنجی اور نیم آستین اور ہاف قمیص جس کے پہننے سے کہنی کھلی رہے۔ایسا لباس پہن کر نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے، تو مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے اطراف میں یہ لباس صلحاء کا لباس نہیں، محض ہاف گنجی یا نیم آستین قمیص پہن کر نماز پڑھنا خلافِ احترامِ نماز ہے(۱)۔ اول میں کراہت قوی ہے، ثانی میں خفیف۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۹۶ھ۔

= بالفسوق، ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/۸۹۳، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم ياكافر: ۱/۵۷، قديمى)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيما رجل قال لأخيه كافر، فقد باء بها أحدهما". (أحدهما) ... أما القائل إن اعتقد كفر المسلم بذنب صدر منه أوالآخر إن صدق القائل، كذا ذكره بعض الشراح من علمائنا، وقال الطيبي: لأنه إذا قال القائل لصاحبه: ياكافر مثلاً فإن صدق رجع إليه كلمة الكفر الصادر منه مقتضاها، وإن كذب واعتقد بطلان دين الإسلام رجعت إليه هذه الكلمة". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان، رقم الحديث: ۴۸۱۵: ۹/۵۵، رشيديه)

(۱) "ولو صلى رافعاً كميه إلى المرفقين كره". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة: ۲/۱۳۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في كراهية التحريمية والتنزيهية: ۱/۶۴۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۲، رشيديه)

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۰۳۵۲]: کہنی کھول کر نماز پڑھ سکتی ہے؟ یہاں ایک صاحب اس کو صحیح کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آستین چڑھا کر کہنی کھلی رہے، نماز پڑھنا مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۷ھ۔

اُلٹا کرتا پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۱۰۳۵۳]: الٹا کرتہ پہن کر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جیسے الٹی ٹوپی، الٹا کرتہ اور الٹا پائجامہ پہن کر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور الٹے مصلیٰ پر یا الٹی صف پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز تو ادا ہو جائے گی، مگر الٹا پہن کر پڑھنا مکروہ ہے، بدتمیزی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، لا أكف شعراً ولا ثوباً". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب لايكف ثوبه في الصلاة: ۱/۱۱۳، قديمي)

"قوله: (وكره كف ثوبه) ويدخل أيضاً في كف الثوب تشمير كميه كما في فتح القدير، وظاهره الإطلاق، وفي الخلاصة ومنية المصلي: قيد الكراهة بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۲، رشيديه)

"ويكره أيضاً أن يرفع كمه أي: يشمره إلى المرفقين وهذا إذا شمره خارج الصلاة وشرع في الصلاة وهو كذلك، أما لو شمره في الصلاة تفسد؛ لأنه عمل كثير" (الحلبي الكبير، كراهية الصلاة، ص: ۳۴۷، سهيل اكيدمي لاهور)

"ولو صلى رافعاً كميه إلى المرفقين، كره". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۲) "وكره صلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة أي: خدمة (قوله: وصلاته في ثياب بذلة) =

رکوع میں جاتے وقت پائجامہ اوپر کرنا

سوال [۱۰۳۵۴]: ایک حافظ قرآن عالم دین مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں، دیکھا گیا کہ ان کا پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا ہے، البتہ بوقت رکوع ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا ہے، بر بنائے احتیاط امام صاحب موصوف ٹخنے والا حصہ قدرے اوپر کر لیتے ہیں، کیونکہ ٹخنے چھپ جانے پر احادیث مقدسہ میں سخت وعید وارد ہوئی ہیں، نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کورے کپڑے کا کرتہ پائجامہ دھلنے کے بعد چھوٹا ہونے کے خیال سے اکثر بڑھا کر سلوائے جاتے ہیں۔ بہر کیف مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں بوقت ضرورت ٹخنے والا حصہ تھوڑا سا اوپر کر لیا جائے، تو آیا اس سے نماز فاسد اور باطل ہو جاتی ہے؟

ایک صاحب پابند صوم وصلوۃ نے اس مذکورہ فعل سے فتنہ کی صورت پیدا کر کے باجماعت نماز ترک کر کے اکیلے پڑھنا شروع کردی ہے، دوسرے نمازیوں نے شخص مذکور کے فعل ترک جماعت سے کوئی اثر نہیں لیا ہے، لیکن اس طرح نمازیوں کو شک میں ڈالنا بھی اچھا نہیں ہے۔ اب جواب طلب امور یہ ہیں:

۱...... امام صاحب کا مندرجہ بالا فعل ایسا ہے کہ اس سے نماز فاسد اور باطل ہو جاتی ہے۔

۲...... نیز شخص مذکور کا اعتراض اور باجماعت نماز ترک کر کے اپنی علیحدہ نماز صحیح ہے یا غلط؟

۳...... شخص مذکور بظاہر فتنہ کا دروازہ کھول کر جو قتال سے بدتر فعل ہے، اس کے مرتکب ہوئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ امام صاحب پائجامہ اوپر باندھتے ہیں تاکہ ٹخنے نہ ڈھکنے پائیں تو اس سے نماز میں

= قال في البحر: وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته، ولايذهب به إلى الأكابر، والظاهر أن الكراهة تنزيهية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في كراهة التحريمية والتنزيهية: ۱/۶۴۰، ۶۴۱، سعيد)

"وتكره الصلاة في ثياب البذلة... ثوب لا يصان من الدنس ممتهن، وقيل: مالا يذهب به إلى الكبراء، ورأى عمر رضي الله تعالى عنه رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا فقال عمر رضي الله تعالى عنه: الله أحق أن تتزين له". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۹، قديمي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۷۰، دارالمعرفة بيروت)

کراہت نہیں۔ حرکت خفیہ سے اگر پائجامہ اوپر کرلیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی(۱)۔

۲...جب کہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے تو جماعت ترک کرکے الگ نماز پڑھنا غلط طریقہ ہے(۲)۔

۳...ایک غلطی انہوں نے کی اور دوسری غلطی اور لوگ کریں کہ ان کے اسی فعل کو قتل سے زیادہ بدتر بتلائیں، دونوں غلط ہیں، ان کو اپنے فعل کی اصلاح لازم ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنی زبان بند رکھنا ضروری ہے۔ ایسے الفاظ ہرگز نہ کہیں کہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۵ھ۔

خانہ کعبہ کی تصویر والے مصلّی پر نماز پڑھنا

سوال[۱۰۳۵۵]: اگر خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس کی تصویر وہاں سے لی گئی، یہاں مسجد کے امام اور مقتدیوں کے مصلّوں پر خانہ کعبہ کی اور روضۂ اقدس کی تصویر بنائی گئی ہے ان صفوں اور مصلّوں پر امام اور مقتدی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "ومنها: العمل الكثير الذي ليس من أعمال الصلاة في الصلاة من غير ضرورة، فأما القليل فغير مفسد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في حكم الاستخلاف: ۲/۱۴۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويفسدها كل عمل كثير ليس من أعمالها ولا لإصلاحها، وفيه أقوال خمسة: أصحها مالا يشك بسببه الناظر من بعيد في فاعله أنه فيها، وإن شك أنه فيها أم لا فقليل.

القول الثاني أن يعمل عادة باليدين كثير، وإن عمل بواحدة كالتعمم، وشد السراويل، وما عمل بواحدة قليل، وإن عمل بهما كحل السراويل، ولبس القلنسوة، ونزعها إلا إذا تكرر ثلاثاً الخ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۴، ۶۲۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل فيما يفسد الصلاة، ص: ۴۴۱، سهيل اكيدمى لاهور)

(۲) "والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب، وقيل واجبة، وعليه العامة قال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته، ويأثم الجيران بالسكوت عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۰۹، سهيل اكيدمى لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصلّٰی پر آج کل خانہ کعبہ اور روضۂ اقدس یا کسی بھی مسجد کی تصویر ہوتی ہے، وہ در حقیقت نہ فوٹو ہے، نہ اصل تصویر ہے، بلکہ ایک صنعت کاری ہے، جو کہ خوشنمائی اور اپنے کارخانہ کی شہرت کے لئے بنائی جاتی ہے، اس پر نماز پڑھنے سے بسا اوقات نمازی کا دھیان تصویر میں لگ جاتا ہے، جو کہ مخل خشوع ہے، نیز بیت اللہ اور روضۂ اقدس کا تصور بھی کبھی آجاتا ہے اور یہ خیال بھی پیدا ہوجاتا ہے کہ میں بیت اللہ اور روضۂ اقدس پر نماز پڑھ رہا ہوں، ان عوارض کی وجہ سے اس پر نماز پڑھنے سے احتیاط کر لی جائے، تو اچھا ہے(۱)، تاہم اس پر ادا کی ہوئی نماز نہ فاسد ہوتی ہے نہ واجب الاعادہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

قبریں سامنے ہونے کی صورت میں نماز پنجگانہ وعیدین کا حکم

سوال[۱۰۳۵۶]: ایک قبرستان ہے، اس کے پورب(۲) جانب ایک پتلا راستہ ہے، جس پر بمشکل بیل گاڑی آ اور جا سکتی ہے، اب اس سڑک سے متصل صلوٰۃ پنجگانہ یا عیدین کی نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ واضح ہو کہ راستہ اس قدر تنگ ہے کہ حالت قیام اور خشوع میں قبریں نظر آتی ہیں، نیز قبرستان کا کچھ حصہ راستہ میں بھی پڑتا ہے، جس میں پرانی قبریں ہیں، ایسی صورت میں کیا یہ پتلی سڑک حد فاصل بن سکتی ہے؟ اور

---

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي.

(قوله: لأنه يلهي المصلي) أي: فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه، وقد صرح في البدائع في مستحبات الصلاة: ينبغي الخشوع فيها، ويكون منتهى بصره إلى سجوده الخ وكذا صرح في الأشباه: أن الخشوع في الصلاة مستحب، والظاهر من هذا أن الكراهة منها تنزيهية، فافهم".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲۵/۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، فصل، كره استقبال القبلة بالفرج: ۴۲۰/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۷، فیروز سنز لاہور)

بلا کسی آڑ کے نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں؟ اگر پردہ ضروری ہے تو کتنا ہونا چاہیے؟ اور کہاں تک ہونا چاہیے؟ ساتھ ہی ساتھ قبرستان کی دوسری سمت کافی اور وافی جگہ موجود ہے۔ جہاں نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔ اس جگہ بلا کراہت نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر راستہ میں کچھ حصہ قبرستان کا بھی آگیا، جس میں پرانی قبریں ہیں، جن کے اب نشانات بھی ظاہر نہیں اور وہ راستہ تنگ ہونے کے باوجود ایسا ہے کہ اس میں کوئی بیل گاڑی آ اور جاسکتی ہے، تو اس سڑک کے متصل نماز پنجگانہ وعیدین ادا کرنا اس طرح کہ نمازی اور قبرستان کے درمیان سڑک حائل رہے، درست ہے(۱)۔ حالت خشوع یہ ہے کہ نظر سجدہ گاہ پر رہے، پھر راستہ میں دوسری جانب کی قبریں کس طرح نظر آئیں گی، جب تک قصداً نظر سجدہ گاہ سے ہٹا کر قبور کی طرف نہ دیکھے اور یہ خلاف خشوع ہے۔ اگر کسی دوسری سمت میں ایسی جگہ ہو کہ وہاں قبریں نہ ہوں، نہ نظر آئیں تو وہاں نماز پڑھنا زیادہ اطمینان وسکون سے ہوگا۔ اور کوئی تشویش نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۴ھ۔

تیز گرمی میں مسجد کی چھت پر نماز

سوال[۱۰۳۵۷]: باندہ میں ایک پرانی مسجد کی از سر نو تعمیر کی گئی ہے، مگر نیچے کے حصہ میں ہوا کا گزر کم ہوتا ہے، اس لئے مسجد کی چھت پر جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لئے کچھ شرائط ہیں؟

---

(۱) "لاتکرہ الصلاۃ في جھة قبر إلا إذا کان بین یدیه بحیث لو صلی صلاۃ الخاشعین، وقع بصرہ علیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا: ۱/۶۵۴، سعید)

"ولھا آداب: نظرہ إلی موضع سجودہ حال قیامه، وإلی ظھر قدمیه حال رکوعه .... لتحصیل الخشوع". (الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب آداب الصلاۃ: ۱/۴۷۷، ۴۷۸، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع في صفة الصلاۃ، الفصل الثالث في سنن الصلاۃ وآدابھا وکیفیتھا: ۱/۷۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر چڑھنا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے(۱)، الا یہ کہ مسجد دومنزلہ ہو اور دونوں جگہ نماز کا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

نماز میں ادھر ادھر دیکھنا

سوال[۱۰۳۵۸]: اگر کوئی نماز میں دوسری طرف نگاہ کرے اس طرح کہ گردن نہ ہلایا ہو، یعنی سر نہ پھیرا ہو تو کیا اس کی نماز جاتی رہی یا باقی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں! خلافِ استحباب ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد، ويلزمه كراهة الصلاة أيضاً فوقه، فليتأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد، ولم يجد موضعاً يصلي فيه، فلا بأس به". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۲۹، إدارة القرآن كراچي)

"ولو صلى على رفوف المسجد إن وجد في صحنه مكاناً كره، كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(۲) "وكره الالتفات بوجهه كله أو بعضه للنهي، وببصره يكره تنزيهاً. (قوله: وببصره يكره تنزيهاً) أي: من غير تحويل الوجه أصلاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى: ۱/۶۴۳، سعيد) ....=

تکثیر جماعت کی خاطر تسبیح میں اضافہ کرنا

سوال[۱۰۳۵۹]: نماز میں امام رکوع وسجود کی تسبیحوں کو مقتدیوں کی زیادہ تعداد کی شرکت کی غرض سے سات سات بار پڑھتے ہیں، تو اس سے امام ومقتدیوں کی نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں یا کسی اور قسم کا نقص پیدا ہوجائے گا اور کبھی سات بار سے زائد امام بھولے سے تسبیحات پڑھ لے، تو کیا فساد لازم آئے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مقتدی امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے، اگر ان کو گرانی ہو، تو رکوع وسجدہ کی تسبیح کی ادنیٰ مقدار (تین دفعہ پر) کفایت کی جائے، اس مقصد سے کہ زیادہ آدمی شریک ہوجائیں، سات دفعہ رکوع اور سجدہ کی تسبیح نہ پڑھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خروجِ ریح کا تقاضا ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۳۶۰]: وہ شخص جس کو بعد وضو کرنے کے خروجِ ریح کا شبہ ہو یا تقاضا ہو، مگر قصداً ریح

= "وقد صرحوا بأن التفات البصر يمنة ويسرة من غير تحويل الوجه أصلاً غير مكروه مطلقا، والأولى تركه لغير حاجة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۳۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۷۱، دار المعرفة بيروت)

(۱) "قوله: (وسبح فيه ثلاثاً) أي: في ركوعه بأن يقول: سبحان ربي العظيم ثلاثاً لحديث ابن ماجة: "إذا ركع أحدكم فليقل سبحان ربي العظيم ثلاثاً" وذلك أدناه .... ولا ينبغي للإمام أن يطيل على وجه يمل القوم؛ لأنه سبب للتنفير وأنه مكروه، ولهذا قال الإسبيجابي: ولو كان إماماً يقولها ثلاثاً على قول بعضهم: وقال بعضهم: يقولها أربعاً حتى يتمكن المقتدي من الثلاث، ولو أطال الركوع لإدراك الجائي لا تقرباً لله تعالى فهو مكروه .... الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۴۹۴، ۴۹۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة: ۲/۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

خارج نہ کی، پھر ریح جسم کے اندر سرایت کرگئی، جس سے دماغ پر بھاری پن ظاہر ہوگیا، بعدہ یہ خیال کرکے کہ اب تقاضا نہیں رہا، نماز پڑھنی یا پڑھانی شروع کردی، پھر درمیان نماز خروجِ ریح کا تقاضا ہوا، تو اب نماز مکمل کرے یا سلام پھیردے؟ وضو کے بعد جو صورت اختیار کی گئی، اس سے نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تقاضا ریح ختم ہوگیا، خواہ کسی وجہ سے ہوا ہو، اس کو نماز پڑھنا اور پڑھانا بلا کراہت درست ہوگیا، پھر درمیان نماز اگر تقاضہ شدید ہو کہ تدافع کی صورت پیدا ہوجائے تو نماز کو قطع کردے، اخراجِ ریح اور تجدید وضو کے بعد پھر پڑھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۶ھ۔

غیر موقوفہ مسجد میں نماز کا حکم

سوال[۱۰۳۶۱]: اگر مسجد کی جگہ وقف نہ ہو تو اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وصلاته مع مدافعة الأخبثين أو أحدهما أو الريح للنهي". (الدرالمختار). "(وصلاته مع مدافعة الأخبثين ..... الخ) أي: البول والغائط قال في الخزائن، سواء كان بعد شروعه أو قبله، فإن شغله قطعها ..... وإن أتمها أثم لما رواه أبوداود "لايحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يصلي وهو حاقن حتى يتخفف" ..... وما ذكره من الإثم صرح به في شرح المنية وقال: لأدائها مع الكراهة التحريمية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: مطلب في الخشوع: ۱/۶۴۱، سعيد)

"ويكره التمطي وتغميض عينيه وأن يدخل في الصلاة وهو يدافع الأخبثين وإن شغله قطعها وكذا الريح وإن مضى عليها أجزأه وقد أساء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ۱/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک زمین کی رضامندی ہوتو وہاں نماز بلاکراہت درست ہوجائے گی، ورنہ مکروہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۶ھ۔

نماز میں کپڑا کتنا نیچے ہو؟

سوال [۱۰۳۶۲]: اگر کپڑا چھوٹا ہے نماز کے لئے تو وہ پاؤں کے نیچے ہونا چاہیے، یعنی جس پر نمازی نماز پڑھتا ہو، تو وہ اتنا بڑا کپڑا نہیں کہ پاؤں سے سرتک آجائے، اگر پاؤں نیچے کرتے ہیں، تو سر کپڑے کے نیچے ہوجاتا ہے، آپ فرمادیں کہ کپڑا نیچے ہو یا پاؤں تک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ کپڑا سردی یا گرمی سے حفاظت کے لئے ہے، تو جس عضو کو زیادہ حفاظت کی ضرورت ہو، تو اس کے نیچے کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "تکره في أرض الغير لو مزروعةً أو مكروبة إلا إذا كانت بينهما صداقةً، أو رأى صاحبها لايكره، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۸۳، دارالمعرفة بيروت)

باب السترة

(سترہ کا بیان)

سترہ کا زمین سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۳۶۳]: آج کل عموماً مساجد ومکانات میں بلا چوکھٹ کے دروازہ کے پلے لگائے جاتے ہیں اور وہ پلے زمین سے متصل نہیں ہوتے، بلکہ زمین سے بقدر ایک انگشت یا کم وبیش اوپر رہتے ہیں اور وہ پلے بند کر کے لوگ مصلی کے آگے سے گزر جاتے ہیں اور اس کو سترہ سمجھتے ہیں۔ اور شرح وقایہ میں یہ عبارت ہے کہ "ويغرز أمامه في الصحراء سترة بقدر ذراع وغلظ إصبع": ۱/۱۹۵(۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ کا زمین سے متصل ہونا شرط ہے، تو اب یہ مساجد ومکانات کے پلے سترہ ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"فحاصل المذاهب على الصحيح: أن الموضع الذي يكره المرور فيه هو أمام المصلي في مسجد صغير، وموضع سجوده في مسجد كبير، أو في الصحراء، أو أسفل من الدكان أمام المصلي لو كان يصلي عليها بشرط محاذاة أعضاء المار أعضاءه، قال في النهاية: إنما شرط هذا فإنه لو صلى على الدكان والدكان مثل قامة الرجل وهو سترة فلا يأثم المار، وكذا السطح، والسرير، وكل مرتفع" البحر: ۲/۱۷(۲).

"(قوله: بشرط محاذاة أعضاء المار أعضاءه) أي: أعضاء المصلي

(۱) (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها غرز السترة أماماً في الصحراء: ۱/۱۹۵، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۹، ۳۰، رشيديه)

كلها كما قال بعضهم، أو أكثرها كما قال آخرون كما في الكرماني، وفيه إشعار بأنه لو حاذى أقلها، أو نصفها لم يكره. وفي الزاد: أنه يكره إذا حاذى نصفه الأسفل النصف الأعلى من المصلي كما إذا كان المار على فرس اهـ" منحة الخالق (۱).

عبارت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں مرور مکروہ نہیں، کیونکہ نصف اعضاء گزرنے والے کے نصف اعضاء مصلی کے محاذی نہیں ہوتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۲۶/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

سترہ کی مقدار

سوال[۱۰۳۶۴]: اگر پلوں کو بذریعہ چٹخنی (۲) بند کر دیا جائے، تو اب ان پلوں کا زمین سے متصل ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟ اور یہ پلے شرعاً سترہ ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"اختلفوا في مقدار غلظها، ففي الهداية: وينبغي أن تكون في غلظ الأصبع؛ لأن ما دونه لا يبدو للناظر، وكأن مستنده مارواه الحاكم مرفوعاً: "استتروا في صلاتكم ولو بسهم" ويشكل عليه ما رواه الحاكم مرفوعاً عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: "يجزئ من السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة"، ولهذا جعل بيان الغلظ في البدائع قولاً ضعيفاً، وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره، أنه المذهب اهـ". بحر: ۲/ ۱۷ (۳).

---

(۱) (منحة الخالق على بحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/ ۳۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۶۳۵، سعيد)

(۲) "چٹخنی: دروازے کو بند کرنے کی چیز"۔ (فیروز اللغات ص: ۵۴۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/ ۳۱، رشيديه) =

اس سے معلوم ہوا کہ ایک انگشت کے برابر موٹا ہونا لازم نہیں، بلکہ یہ قول ضعیف ہے اور اس قول کی جو علت ہے، "لأن ما دونه لا يبدو للناظر" وہ بھی صورت مسئولہ میں معدوم ہے اور اصل مذہب بظاہر یہ ہے کہ عرض کا اعتبار نہیں، لہٰذا ان اشیاء کے مفید سترہ ہونے میں کوئی تامل وتردد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۷ھ۔

نمازی کے سامنے سے گزرنا

سوال[۱۰۳۶۵]: نمازی کے سامنے سے کتنا قریب ہو تب نہیں گزر سکتے؟ آیا نمازی کے منتہائے نظر سے نہیں گزر سکتے ہیں یا جہاں پہ نمازی نماز پڑھ رہا ہے، وہاں سے عام آدمی کی نظر کی جہاں انتہا ہے، وہاں تک نہیں گزر سکتے یا اس میں کچھ گز وغیرہ کا حساب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد صغیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے سامنے سے بالکل نہ گزرے، خواہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اگر مسجد کبیر میں یا میدان میں ہے، تو سجدہ گاہ پر نظر رکھتے ہوئے جتنی دور کا آدمی کو نظر آتا ہو، اتنی دور سے نہ گزرے(۱)۔ جس کی مقدار تین صف کے قریب ہے، یعنی چار پانچ گز، اگر کہیں گزرگاہ پر مثلاً: اسٹیشن کے پلیٹ

= "وإنما قدر أدناه بذراع طولاً دون اعتبار العرض". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يستحب ويكره فيها: ۲/۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۶۹، دار المعرفة بيروت)

(۱) "إنما يكره المرور بين يديه عند عدم الحائل إذا كان في موضع سجوده ... الأصح: أنه إن كان بحال لو صلى صلاة الخاشعين بأن يكون بصره حال قيامه إلى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لايكره ... ثم هذا إذا كان يصلي في الصحراء، أما إن صلى في المسجد، ولم يكن حائل، فإن كان المسجد صغيراً كره المرور مطلقاً، وإن كان كبيراً فقيل: كالصغير لا يمر بينه، وبين حائط القبلة. وقيل: كالصحراء يمر فيهما وراء موضع سجوده ... الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، كراهية =

فارم پر ہے تو سجدہ کی حد میں نہ گزرے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۹۶ھ۔

مسجد صغیر وکبیر کی حد اور نمازی کے سامنے سے گزرنا

سوال[۱۰۳۶۶]: مسجد صغیر اور کبیر کی کیا مقدار ہے؟ کیا تعریف ہے؟ نیز یہ بھی بتایئے کہ مسجد کبیر میں مصلی کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کبیر کی تحدید میں دو قول ہیں:

۱- چالیس ذراع طویل، چالیس ذراع عریض ہو۔

۲- یہ کہ ساٹھ ذراع طویل، ساٹھ ذراع عریض ہو(۲)۔

= الصلاة، فروع في الخلاصة، ص: ۳۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وذكر قاضي خان في شرحه: أن المسجد إذا كان كبيراً فحكمه حكم الصحراء، وفي الذخيرة من الفصل التاسع: إن كان صغيراً يكره في أيّ موضع يمر، وإليه أشار محمد في الأصل الخ". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱۰۴/۱، رشيديه)

(۱) "الثالث في الموضع الذي يكره المرور فيه وفيه اختلاف، واختار المصنف أنه موضع سجوده، وصححه في الكافي؛ لأن هذا القدر من المكان حقه وفي تحريم ماوراءه تضييق على المارة، وهو يفيد أن المراد بموضع سجوده موضع صلاته، وهو من قدمه إلى موضع سجوده كما صرح به الشارح". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲۲/۱، رشيديه)

"وتكلموا في الموضع الذي يكره المرور فيه، والأصح أنه موضع صلاته من قدمه إلى موضع سجوده كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع في ما يفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱۰۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، فروع في الخلاصة، ص: ۳۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "(قوله ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في =

مسجد کبیر میں مصلی کے اتنے سامنے سے گزرنے کی اجازت ہے کہ وہ صلوۃ خاشعین پڑھ رہا ہو یعنی اس کی نظر سجدہ گاہ پر رہے اور گزرنے والے کو دیکھ نہ پائے اور یہ دو تین صف کی مقدار ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الجواهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر، والصغير بعكسه أفاد القهستاني، وأفاد أن المختار الأول". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما لايفسد الصلاة، ص: ۳۴۲، قديمى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۲۶۸، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "وذكر التمرتاشي: أن الأصح أنه إن كان بحال لوصلى صلاة خاشع لايقع بصره على المار، فلايكره المرور". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/ ۲۶، رشيديه)

"(قوله: وإنما يأثم إذا مر في موضع سجوده) ..... ومنهم (من قدره) بمقدار صفين أو ثلاثة ... وفي النهاية: الأصح أنه إن كان بحال لوصلى صلاة خاشعين نحو: أن يكون بصره في قيامه في موضع سجوده، وفي موضع قدميه في ركوعه، وإلى أرنبة أنفه في سجوده في حجره في قعوده، وإلى منكبه في سلامه لايقع بصره على المار لايكره". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/ ۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب السترة، الفصل الأول: ۲/ ۴۸۴، رشيديه)

باب القراءة

(قراءت کا بیان)

الفصل الأول في كيفية الجهر والسر بالقراءة

(جہری اور سری قراءت کے احکام کا بیان)

نماز میں قرأت کتنے زور سے کی جائے؟

سوال[۱۰۲۶۷]: بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جماعت میں مقتدیوں کو یا منفرد کے لئے نماز پڑھنے والے کو ایسی نماز پڑھنی چاہیے جو کہ خود ہی سنائی دے کہ کیا پڑھا ہے، یہ درست ہے یا کہ نہیں؟ سوچ کر جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فرض قرأت کو نماز میں اتنے زور سے پڑھنا کہ اپنی آواز خود ہی سنے، بہت سے فقہاء کے نزدیک لازم ہے اور یہی احتیاط ہے(۱)۔ امام کی رکوع سجدے کی تسبیح کی آواز اگر کسی قریبی مقتدی نے بھی سن لی تو اس سے اس

---

(۱) "اعلم أنهم اختلفوا في حد وجود القراءة على ثلاثة أقوال: فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلى أذنه، وبه قال الشافعي ... واختار شيخ الإسلام وقاضي خان وصاحب المحيط والحلواني قول الهندواني ... وأن ما قاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۳۴، سعيد)

"وأكثر المشايخ على أن الصحيح أن الجهر أن يسمع غيره، والمخافتة أن يسمع نفسه، وهو قول الهندواني". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه)

کی نماز میں خلل نہیں آیا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: جمیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۹ھ۔

دل ہی دل میں قرأت کرنا

سوال[۱۰۳۶۸]: ایک صاحب نماز کے جواز کار ہیں، سب دل ہی دل میں پڑھتے ہیں، ہونٹوں کو بالکل حرکت نہیں دیتے، کیا ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحب امام بن کر یا منفرد ہوکر اس طرح پڑھتے ہیں تو ان کی نماز نہیں ہوئی، کیونکہ فریضۂ قرأت ادا نہیں ہوا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۶/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة: ۳۲۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن عبدالله بن أبي قتادة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم الكتاب وسورتين، وفي الركعتين الأخريين بأم الكتاب، ويسمعنا الآية، ويطول في الركعة الأولىٰ مالا يطيل في الركعة الثانية، وهكذا في العصر وهكذا في الصبح". (صحيح البخاري، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب: ۱۰۷/۱، قديمي)

"الإمام إذا قرأ في صلاة المخافة بحيث سمع رجل أو رجلان لايكون جهراً، والجهر أن يسمع الكل". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في القراءة: ۹۵/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول: ۵۸۸/۱، رشيديه)

(۲) "وأما حد القراءة، فنقول: تصحيح الحروف أمر لا بد منه، فإن صحح الحروف بلسانه، ولم يسمع نفسه لا يجوز، وبه أخذ عامة المشايخ، هكذا في المحيط ..... وهو الصحيح هكذا في النقاية".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة: ۶۹/۱، رشيديه) ..... =

سری نماز میں قرأت کی آواز چار آدمی تک پہنچنا

سوال[۱۰۳۶۹]: سری نماز (فرض یا سنت) میں تکبیر، تسبیح یا قرأت اس طرح پڑھے کہ بعد والے چار آدمی تک آواز پہونچ جاتی ہے، یہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آواز منہ سے نکل کر تین چار آدمی تک پہونچ جائے تو یہ جہر ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۱۴۰۰ھ۔

السلام کا "الف لام" اور اللہ اکبر کی "را" کو صاف ظاہر نہ کرنا

سوال[۱۰۳۷۰]: امام کے لئے نماز کی تکبیرات میں اللہ اکبر اس طرح کہنا کہ "ر" قطعاً ظاہر نہ ہو اور سلام اس طرح ادا کرنا کہ السلام کے بجائے پوری طرح سلام علیکم بغیر الف لام کے ظاہر ہو، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شخص خاص کر امام قصداً تو السلام ہی کہتا ہے، لیکن بعض دفعہ "الف لام" ظاہر نہیں ہوتا، سننے والے سمجھتے ہیں کہ سلام کہا ہے، اسی طرح قصداً تو اللہ اکبر ہی کہا جاتا ہے، لیکن کبھی اکبر کی "را" اتنی مخفی ہوجاتی ہے کہ لوگ سن نہیں پاتے، نماز اس طرح بھی ہوجاتی ہے، تاہم دونوں چیزوں کو پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

= "ولو قرأ بقلبه، ولم يحرك لسانه، فإنه لايجوز". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۸۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۸۸، ۵۸۹، رشيديه)

(۱) "وأدنى الجهر إسماع غيره ممن ليس بقربه كأهل الصف الأول، وأعلاه لاحد له". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/ ۵۳۴، ۵۳۵، سعيد)

"الإمام إذا قرأ في صلاة المخافة بحيث سمع رجل أو رجلان لايكون جهراً والجهر أن يسمع الكل". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في القراءة: ۱/ ۹۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول: ۱/ ۵۸۸، رشيديه)

نماز میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال

سوال[۱۰۳۷۱]: مسئلہ یہ ہے کہ ہماری مسجد میں ایک لاؤڈاسپیکر لگایا گیا ہے، اس سے اذان دینے میں تو ساری جماعت متفق ہے، کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ اعلان ہوتا ہے اور شرع کا بھی یہی مقصود ہے، اختلاف اس میں ہے کہ اس سے پانچ وقت نماز بھی پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ سری نماز میں لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد میں زیادہ سے زیادہ دو یا تین صفیں ہوتی ہیں، جس میں امام کی آواز بآسانی سب تک پہنچ جاتی ہے، اس صورت میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال بالکل اسراف ہے اور جہری نماز میں امام کی قرأت کی آواز دور سے دور تک جاتی ہے اور مسجد سے باہر ہر مشغول اور غیر مشغول آدمی کے کانوں تک قرآن کی تلاوت کی آواز پہنچتی ہے اور قرآن کا سننا واجب ہے، اس لئے اس میں حرج ہے، جمعہ کے دن بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے۔ مگر مسجد کے اوپر نیچے آدمی ہوتے ہیں اور مسجد کھچا کھچ بھری رہتی ہے، اس سے امام کی قرأت کی آواز ان تک نہیں پہنچ پاتی، اس لئے بہت لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن اس ضرورت سے نماز میں لاؤڈاسپیکر کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے آپ سوال کے ہر پہلو پر از روئے شرع روشنی ڈالیں۔

نیز غالباً آج سے تراویح شروع ہوگی، اس میں بھی قرآن پڑھا جائے گا یا نہیں؟ کیا تراویح میں لاؤڈاسپیکر کے استعمال کی کوئی وجہ جواز ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز کو جہاں تک ہوسکے، اصلی اور سادہ طریقہ سے ادا کیا جائے، سری یا جہری نماز میں مقتدیوں تک اگر آواز نہ پہنچتی ہو، تو مکبرین کا انتظام کیا جاوے، امام کی آواز کا سب تک پہنچنا ضروری نہیں (۱)، مقتدی امام سے

---

(۱) "وفي الخلاصة: الإمام إذا قرأ في صلاة المخافة بحيث سمع رجل أو رجلان لايكون جهراً، والجهر أن يسمع الكل.

قوله: (والجهر أن يسمع الكل) قال في النهر: هذا مشكل ... أقول ... وعلى هذا فالمراد بقول الخلاصة "بحيث سمع رجل أو رجلان" ممن بقربه وبقولها: "الجهر أن يسمع الكل" أي: من ليس بقربه، وليس المراد كل فرد؛ لأنه قد يكون متعذراً أو متعسراً". (البحر الرائق مع حاشية منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۸، رشيديه) ....=

قریب ہو یا دور ہو، سب ہی کو اجر ملے گا، خواہ آواز سنی ہو یا نہ سنی، جمعہ کی نماز ہو یا تراویح یا پنجگانہ نماز ہو، سب کا یہی حکم ہے۔ بایں ہمہ اگر لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھائی جائے گی، تو اس کو بھی ناجائز نہیں کیا جائے گا(۱)، یہ ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی آواز ایسے لوگوں تک بھی بعض اوقات پہنچتی ہے جو لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں اور قرآن سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس آواز کا احترام نہیں کرتے (۲) بعض دفعہ کسی قریبی مسجد تک پہنچتی

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القرأة: ۱/۵۳۴، ۵۳۵، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في القرأة: ۱/۹۵، رشيديه)

(۱) حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جدید تحقیقات کے نتیجے میں یہ ظاہر ہوا ہے کہ "آلہ مکبر الصوت" سے سنی ہوئی آواز متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے، جس وجہ سے فساد نماز کی اصل بنیاد ہی منہدم ہوگئی"۔ (آلات جدیدہ مقدمہ طبع ثالثہ ص: ۳۲، ادارۃ المعارف کراچی)

(وكذا في ضميمة إمداد الفتاوى، بابت مسئله مكبر الصوت: ۱/۲۰۷، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في كفايت المفتى، نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال: ۳/۱۶۹، دارالاشاعت)

(۲) "يجب على القارئ احترامه بأن لايقرأ في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب الإمامة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۴۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء ورفع الصوت عند قراءة القرآن: ۵/۳۱۶، رشيديه)

"وفي المحيط: يكره رفع الصوت لقراة القرآن عند المشتغلين بالأعمال". (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية: ۴/۳۳۰، رشيديه)

"اجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصل أو قارئ، كما هو مقرر في كتب الفقه". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، القول في أحكام القرآن، رقم المادة: ۲۹: ۴/۲۱، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۲/۱۲۱، رشيديه)

(وكذا في أوجز المسالك، جامع الصلاة، رفع الصوت بالمسجد ولو بالذكر: ۲/۲۴۷، إمداديه ملتان)

ہے، جہاں جماعت ہورہی ہو اور وہاں کے امام کی آواز سے متصادم ہوتی ہے، اس لئے اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

سوال [۱۰۴۷۲]: جمعہ وعیدین کے خطبہ اور نماز کی آواز مقتدیوں کو پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو دلیل جواز کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازوں میں آلہ مکبر الصوت کا ترک اولیٰ اور افضل ہے، اگر کسی جگہ کثرت جماعت کی وجہ سے تکبیرات انتقالیہ کی ضرورت درپیش ہو اور آواز تکبیرات دور تک پہنچانا مقصد ہو تو مکبرین کا انتظام کرلینا چاہیے، لیکن اگر کسی نے مکبر الصوت کی آواز پر نقل وحرکت کی اور سجدہ ورکوع کیا اور کسی جگہ اس پر لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہوں، یا کہیں شرکت کا موقع ایسی جگہ ہوا جہاں مکبر الصوت پر نماز پڑھی جاتی ہے، تو نماز کو فاسد نہیں کہا جاسکتا ہے، عدم فساد صلوٰۃ حسب ذیل بحث سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

فساد صلوٰۃ وعدم فساد کا دارومدار مکبر الصوت سے نکلی ہوئی آواز کے عین آوازِ امام یا غیر ہونے پر موقوف ہے، پس ماہرین سائنس سے رابطہ ورائے طلب کرنے پر معلوم ہوا کہ بعض تو مکبر الصوت کی آوز کو عین آوازِ امام اور بعض غیر کہتے ہیں، اگر عین آوازِ امام مان لیا جائے، تو نماز کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شبہ اور شک نہیں رہتا ہے، لیکن غیر ماننے میں دلائل پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

چونکہ یہ آلہ عہد نبوی میں نہیں تھا اور نہ صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں تھا، لہٰذا اس کی صریح جزئیات مسئلہ کتب فقہ میں نہیں ملتیں، لہٰذا اصول وقواعد، نیز فقہ کی دوسری جزئیات پر قیاس کیا گیا ہے، چنانچہ ''کبیری شرح منیہ'' میں ہے کہ اگر مصلی سے سلام کا جواب اپنے سر سے اشارۃً دیا یا کسی نے کوئی چیز طلب کی بس سر سے اشارہ کردیا، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ایک مصلی نماز پڑھ رہا تھا اور دوسرا آیا اور اس کو کہا

کر آگے بڑھ جاتا کہ امام بنادے اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھے، تو اگر مصلی آگے بڑھ گیا یا صف میں جگہ خالی تھی اور جب دوسرا مصلی آیا تو قریب کے صف میں کھڑے ہوئے مصلی نے جگہ دے دی، بس اس صورت میں امتثالِ امرِ غیر نہ ہونے پر مصلی ثانی کی نماز فاسد نہ ہوگی، جس کی شرح علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”شرح منیہ“ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کی ہے کہ یہ امتثالِ امرِ غیر نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی ہے، نیز شرح منیہ کبیری میں بھی امتثالِ امرِ غیر ہونے پر تصریح کی ہے۔

"لو رد المصلي السلام بيده أو برأسه أو طلب منه شيء فأومى برأسه أو عينيه أو حاجبه أي: قال نعم! أو لا فإن صلوته لا تفسد بذلك، شرح منية كبيري، ص: ٤٢١، منية، ص: ٤٤٥، مطبوعه سهيل اكيدمي.

"وقد يفرق بأنها ليس فيها امتثال أمر" بشرح منيه، ص: ٤٢١ (١).

"المصرح به أن الإجابة بالرأس لا بأس به، ص: ١٤٠، رسالة تنبيه ذوي الأفهام .... (٢).

"لأنه امتثال أمر غير الله تعالى، قلنا: بل امتثال أمر الله تعالى على لسان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الذي لا ينطق عن الهوى .... أقول: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً، حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/٢٤٧ (٣).

علامہ شامی نے بھی اس جگہ مصنف کا قول ”منیہ“ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لو جذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلوته" (٤).

---

(١) (الحلبي الكبير، مفسدات الصلاة، ص: ٤٤٥، ٤٤٦، سهيل اكيدمي لاهور)

(٢) (رسائل ابن عابدين، تنبيه ذوي الأفهام على أحكام التبليغ خلف الإمام، ص: ١٤٠، مكتبه عثمانيه كوئته)

(٣) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٢٤٦، ٢٤٧، دار المعرفة بيروت)

(٤) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول: ١/٥٧١، سعيد)

"وصحح في شرح المنية عدم الفساد مطلقاً؛ لأنه لم يتعارف جواباً"

(شامی: ۱/ ۶۲۰، کراچی)(۱)۔

البحرالرائق میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے: "الأصح لاتفسد صلوته"

(البحرالرائق: ۱/ ۳۷٤، ۲/ ۸)(۲)۔

مذکورالصدر جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امتثال امر غیر کی نیت ہو، تو مفسد صلوۃ ہے، ورنہ نہیں۔ پس مکبر الصوت کی آواز کو غیر آواز امام قرار دیں، تب بھی اس میں امتثال امر غیر یعنی جس کی اقتداء کرتا ہے، اس کے علاوہ کی تابعداری نماز میں لازم نہیں آتی، کیونکہ مکبر الصوت لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نقل وحرکت کرکے رکوع سجدہ کرنا کسی غیر کی فرماں برداری علاوہ امام کے غیر کا امتثال امر نہیں ہے، بلکہ امام کی آواز کا انتظار تھا، جب لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کے سجدہ اور رکوع میں جانے کی اطلاع ہوئی، رکوع سجدہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی ہے، جو لوگ امام کو دیکھ کر یا ایسے مقتدیوں کو دیکھ کر رکوع سجدہ وغیرہ انتقالات کرتے ہیں جو کہ امام کو دیکھ کر کرتے ہیں، ان کی نماز کے فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ مکبر الصوت پر ان کا مدار نہیں، جب یہ معلوم ہوا کہ مکبر الصوت پر پڑھی ہوئی نماز فاسد نہیں ہے، جس میں امتثال حکم غیر کا شبہ تھا، تو خطبہ جمعہ اور عیدین غیرہ اذان میں تو فساد کا شائبہ بھی نہیں ہے، بلکہ خطبہ میں ایک پہلو وعظ ونصیحت بھی ہے، جس میں مکبر الصوت کی امداد سے آواز دور تک پہنچانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لہذا خطبہ اور اذان میں بلا کراہت کے مکبر الصوت کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب المواضع التي لايجب فيها ردالسلام: ۱/ ٦۱۸، سعيد)

(۲) (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ٤۱۷، رشيديه)

الفصل الثاني في القراءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قراءت کرنے کا بیان)

فاتحہ خلف الامام کا حکم

سوال[۱۰۴۷۳]: کیا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھنا چاہیے، حالانکہ ابوداود شریف: ۱/۱۲۶، پر ہے: ''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، ایک مرتبہ ہم فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ رہے تھے کہ آپ پر قرآن پڑھنا مشکل ہوگیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو، کیونکہ جو شخص اس کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی''(۱)۔ یہ فجر کی نماز ہے، امام جہر سے قرأت کرتا ہے، اس وقت بھی سورہ فاتحہ کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضروری قرار دیتے ہیں، جزأ القرأت، ص:۴، پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث متواتر آئی ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی''۔ غیب الغمام، ص:۱۴۷(۲)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام جہری

---

(۱) "وعن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه، قال: كنا خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في صلاة الفجر، فقرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. فثقلت عليه القراءة. فلما فرغ قال: "لعلكم تقرءون خلف إمامكم؟" فقلنا: نعم! هذا يا رسول الله! قال: "لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب، فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها". (سنن أبي داود، باب من ترك القراءة في صلاته: ۱/۱۱۹، دار الحديث ملتان)

(۲) "حدثنا محمود، قال حدثنا البخاري، أنبأنا سفيان، قال حدثنا الزهري، عن محمود بن الربيع، عن عبادة بن الصامت، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب". (جزء القراءة للبخاري رحمه الله تعالى، مترجم، خير الكلام في القراءة خلف الإمام، ص:۲۳، مكتبه إمداديه ملتان)

اورسری دونوں طرح کی نمازوں میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے"۔ یہ ان کا آنکھوں دیکھا بیان ہے، کیونکہ انہوں نے دوسو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا تھا۔ رہی وہ حدیث جس کا ترجمہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اس کے امام کی قرأت اس کی قرأت ہے(۱)، اس حدیث کی بابت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القرأت میں کہتے ہیں کہ ثابت نہیں (۲)۔

دوسرے محدثین قریب قریب ایسا ہی حکم لگاتے ہیں۔ ہدایہ کی تخریج (۳)، حافظ زیلعی، ابن حجر عسقلانی (۴) نے بھی اس کی تصحیح نہیں کی، نیز اس حدیث "من كان له إمام" الحديث کا ایک راوی موسیٰ

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة". (موطأ الإمام مالك، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، ص: ۹۴، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) "فقال: إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة. فقيل له هذا خبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز، وأهل العراق، وغيرهم لإرساله وانقطاعه، رواه ابن شداد عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

قال البخاري رحمه الله تعالىٰ: وروى الحسن بن صالح، عن جابر، عن أبي الزبير، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولا يدرى أسمع جابر من أبي الزبير". (جزء القراءة مترجم، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم، وأدنى ما يجزأ من القراءة، ص: ۴۶، ۴۷، مكتبه إمداديه ملتان)

(۳) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة" قلت: روي من حديث جابر بن عبدالله. ومن حديث ابن عمر، ومن حديث الخدري، ومن حديث أبي هريرة، ومن حديث ابن عباس.

فحديث جابر أخرجه ابن ماجة في سننه عن جابر الجعفي، عن أبي الزبير، عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ... وجابر الجعفي مجروح ... ولا يوجد من رواية أحد من الإثبات، انتهى". (نصب الراية لأحاديث الهداية، فصل في القراءة، الحديث السابع والخمسون: ۲/ ۹-۱۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) "واستدل من أسقطها عن المأموم مطلقاً كالحنفية بحديث "من صلى خلف إمام فقراءة الإمام له قراءة" لكنه حديث ضعيف عند الحفاظ، وقد استوعب طرقه، وعلله الدارقطني وغيره". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها الخ: ۲/ ۳۰۸، قديمي)

بن ابی عائشہ ہے اور وہ پانچویں طبقہ کا ہے اور وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں، جن کا انتقال ۸۰ھ میں ہوا۔

خلاصہ میں لکھا ہے: ''پانچویں طبقہ والوں کی ملاقات ان سے ہرگز نہیں ہے، جو ۸۰ھ میں وفات پائے۔ اس لئے یہ روایت منقطع ہے، جو کسی بھی حال میں صحیح حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال میں نقل کردہ ابوداؤد کی روایت اگر متواتر ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی صحیح میں لینا کیوں پسند نہیں فرمایا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد فراغت دریافت فرمانا خود قرینہ قویہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ معمول نہیں تھا، نیز جس نے پڑھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے پڑھنے کا حکم سن کر نہیں پڑھا، جو چیز حکم سے پڑھی جاتی تھی، اس کے متعلق کبھی استفسار نہیں فرمایا، مثلاً: تشہد، تسبیح، رکوع، سجود، ثناء کے متعلق کبھی نہیں فرمایا کہ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، نیز اگر پڑھنے کا عام معمول تھا، تو سب کہہ دیتے، جی ہاں! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سب پڑھتے ہیں۔

امام الصحیحین موطا امام مالک، ص:۲۹(۱) میں ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انصرف من صلوة جهر فيها بالقرأة فقال: هل قرأ معي منكم أنفا؟ فقال رجل: أنا يا رسول الله! قال: فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إني أقول مالي أنازع القران فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيما جهر فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بالقرأة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اهـ".

(۱) (موطأ الإمام مالك، كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر فيه، ص: ۲۸، قديمي)

یہ روایت ابوداود(۱)، ترمذی(۲)، نسائی(۳)، ابن ماجہ(۴)، احمد(۵) نے بھی بیان کی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اگر کبھی کوئی امام کے پیچھے قرأت کرلیتا تھا تو اس ارشاد کے بعد وہ ختم کردیا۔ حنفیہ کی دلیل اولیٰ آیت قرآنی ہے: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا﴾(۶) نیز حدیث "إذا قرأ فأنصتوا"(۷) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح، ص: ۱۷۴، میں اس کو صحیح کہا ہے۔

امام عطاء ابن ابی رباح کا ارشاد، جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اس کے معارض ہیں، جو اوپر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح بحوالہ مؤطا وابوداود وترمذی ونسائی وابن ماجہ واحمد نقل کیا گیا ہے، جس میں صاف صاف موجود ہے۔ "فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اهـ".

رہی وہ روایت کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی(۸)، تو یہ امام ومنفرد کے حق میں ہے، مقتدی کے حق میں نہیں، کیونکہ اس روایت کو تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی میں تو اتنا ہی ہے "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" کسی میں اس کے بعد "فصاعداً" بھی ہے، کسی میں "فما زاد" ہے، کسی میں "فمافوقها" ہے، کسی میں "وآية او آيتين" ہے، کسی میں "وشيء من القرآن" ہے، کسی میں "وما سواها" کسی

(۱) (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب: ۱/۱۲۷، ۱۲۸، رحمانيه)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الصلوات، باب ماجاء في ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر بالقراءة: ۱/۷۱، سعيد)

(۳) (سنن النسائي، كتاب الصلاة، كتاب الافتتاح، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر به: ۱/۱۴۶، قديمي)

(۴) (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا، ص: ۶۱، قديمي)

(۵) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: ۲/۳۰۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۶) (الأعراف: ۲۰۴)

(۷) (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

(۸) "عن عبادة الصامت رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر: ۱/۱۰۴، قديمي)

میں "وسورة معها" ہے اور یہ حال امام منفرد کا ہے، مقتدی کا نہیں، اگر سب کے لئے یہ حکم ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو، تو پھر "فصاعداً" اور "فما زاد" کس لئے فرمایا؟! یہ تو سب فاتحہ کے علاوہ ہے، کس چیز کے پڑھنے سے روکا ہے، حنفیہ کے دلائل بہت ہیں:

۳- "عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه، قال: علمنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا قمتم في الصلوة فليؤمكم أحدكم، وإذا قرء الإمام فأنصتوا رواه أحمد ومسلم، وهو حديث صحيح"(۱).

۴- "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرء فأنصتوا، رواه الخمسة إلا الترمذي وهذا حديث صحيح"(۲).

۵- "عن جابر رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من كان له إمام فقرأة الإمام له قراءة". رواه الحافظ أحمد بن منيع في مسنده، محمد بن الحسن في الموطأ والطحاوي وإسناده صحيح"(۳).

۶- "عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلى الظهر، فجعل رجل يقرأ خلفه سبح اسم ربك الأعلى فلما انصرف قال أيكم قرأ؟ أو أيكم القارئ؟ قال رجل: أنا،

---

(۱) (مسند الإمام احمد بن حنبل، حديث أبي موسى الاشعري رضي الله تعالى عنه: ۴/۵۱۴، دار إحياء التراث العربي ببروت)

(وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمى)

(۲) (سنن أبي داود، باب الإمام يصلي من قعود: ۱/۸۹، مكتبه دار الحديث، ملتان)

(وسنن النسائي، باب وإذا قرأ القرآن فأنصتوا: ۱/۱۴۶، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا، ص: ۶۱، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۳) (الموطأ للإمام محمد، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام، ص: ۹۴، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في شرح معاني الآثار للطحاوي، باب القراءة خلف الإمام، ص: ۱۶۹، سعيد)

فقال محمد: ظننت أن بعضكم خالجنيها" رواه مسلم(۱).

۷- "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، قال إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قرأة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ، قال: وكان عبدالله لا يقرأ خلف الإمام" رواه مالك رحمه الله تعالى في الموطأ وإسناده صحيح"(۲).

۸- "عن وهب ابن كيسان أنه سمع جابر ابن عبدالله يقول: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام" رواه مالك وإسناده صحيح(۳). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

اہلِ حدیث کا چیلنج قرأت فاتحہ کے متعلق

سوال[۱۰۳۷۴]: اہلِ حدیث نے ایک رسالہ جس کا نام ہے "فصل الخطاب في القرأة فاتحة الكتاب" اس میں ان لوگوں نے دس حدیثیں درج کی ہیں، درج کرنے کے بعد ان لوگوں نے یہ بھی چیلنج دیا ہے کہ "ہم تمام علماء احناف ہند، خراسان، سندھ، پنجاب، عربستان، چین، جاپان، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا، یورپ وغیرہ کو بذریعہ چیلنج واشتہار ہذا کے دعوت دیتے ہیں کہ ان رسائل مندرجہ ذیل کو کسی آیت یا حدیث مرفوع متصل سے اور وہ حدیث جس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کریں، نص صریح ہو، صحاح ستہ سے ثابت فرمادیں، تو یہ ان کو ہر آیت وحدیث کے بدلہ میں پچیس روپے انعام دیں گے"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اہلِ حدیث حضرات کا چیلنج کوئی نیا چیلنج نہیں اور انعام کا وعدہ کوئی نیا وعدہ نہیں اور کتنی کمزور بات ہے کہ حق کی راہ میں خدمت کرنے کا صلہ ان کے نزدیک پچیس روپے انعام ہے!!! اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم حق قبول کرلیں گے تو بات وزنی ہوتی، مسائل مسئولہ کے متعلق رسالے لکھے گئے، مناظرے کئے گئے، ہر چیز کی دلیل پیش

---

(۱) (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب نهي المأموم عن جهره بالقراءة خلف إمامه: ۱/۱۷۲، قديمي)

(۲) (موطأ الإمام مالك، كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر فيه، ص: ۶۸، قديمي)

(۳) (موطأ الإمام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في أم القرآن، ص: ۶۲، قديمي)

کردی گئی، مگر یہ لوگ ان مسائل کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا ان پر کبھی کلام ہی نہیں ہوا، آج کے پیدا شدہ مسائل ہیں، کارڈ میں اتنی تفصیل نہیں آسکتی، جو آپ نے دریافت کی ہے، تاہم جو کارڈ میں آسکتا ہے عرض ہے۔ صحیح مسلم ص: ۱۷۴ پر ہے: "إذا قرأ فأنصتوا" امام مسلم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز میں "پاس انفاس" کا حکم

سوال [۱۰۳۷۵]: میں نے ہر سانس میں سے لا إله إلا الله کے نکلنے کی عادت ڈال لی ہے، اگر میں جماعت سے نماز ادا کررہا ہوں اور امام کی قرأت سنتے وقت یہ کلمہ نماز ادا کرتے وقت، ہر سانس سے نکلے تو میری نماز صحیح طور پر ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کی حالت میں اس سے پرہیز چاہیے، قرأت امام کی طرف متوجہ رہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإذا قرأ فأنصتوا فقال: هو عندي صحيح فقال: لم لم تضعه هاهنا؟ قال: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعت هاهنا ما أجمعوا عليه". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

قال الله تعالى: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (الأعراف: ۲۰۴)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا". (سنن أبي داود، باب الإمام من قعود: ۱/۸۹، مكتبه دار الحديث ملتان)

(وسنن النسائي، باب وإذا قرئ القرآن فأنصتوا: ۱/۱۴۶، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ (الأعراف: ۲۰۴)

"عن جابر قال: صلى ابن مسعود فسمع ناساً يقرؤون مع الإمام، فلما انصرف قال: أما آن لكم أن تفهموا، أما آن لكم أن تعقلوا ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا ...﴾ كما أمركم الله". (تفسير ابن كثير، الأعراف: ۲۰۴: ۲/۳۷۲، دار السلام)

"قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا ..... الخ". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

الفصل الثالث في القراءة المسنونة في الصلاة

(نماز میں قراءت کی مسنون مقدار کا بیان)

امام کا مسنون قرأت کے علاوہ پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال[۱۰۳۷۶]: قرآن پاک پڑھنے میں اکثر لکھا ہوا دیکھا، پارہ چھبیس، سورہ حجرات سے والطارق تک فجر میں اور والسماء والطارق سے سورہ زلزال تک عشاء میں پڑھنا چاہیے، لیکن آج کل امام دیکھے گئے کہ پچاس فیصد سورہ بقرہ سے، تیس فیصد سورہ یوسف سے اور بیس فیصد باقی قرآن سے پڑھتے ہیں۔ اب ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورہ حجرات سے اخیر تک کی ترتیب کی رعایت رکھنا اعلیٰ ثواب کی بات ہے، جو امام اس کی رعایت رکھتا ہے، وہ ثواب کا مستحق ہے(۱)، جو رعایت نہیں کرتا، نماز اس کی بھی فاسد نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ويسن في الحضر) لإمام ومنفرد، ذكره الحلبي، والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات إلى اخر البروج (في الفجر والظهر و) منها إلى آخر -لم يكن- (أو ساطه في العصر والعشاء الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۰، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲۶۲، ۲۶۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۳، ۵۹۴، رشيديه)

(۲) "وقال ابن عابدين: (قوله: واختار في البدائع عدم التقدير) ... والظاهر: أن المراد عدم التقدير بمقدار، بل تارة يقتصر على أدنى ما ورد كأقصر سورة من طوال المفصل في الفجر، أو أقصر سورة من قصاره عند ضيق وقت، أو نحوه من الأعذار؛ "لأنه عليه الصلاة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبي خشية أن يشق على أمه" وتارة يقرأ أكثر ما ورد إذا لم يمل القوم". (ردالمحتار، كتاب =

فجر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں؟

سوال[١٠٣٧٧]: امام صاحب نماز فجر پڑھا رہے ہیں، وقت مکروہ ہونے میں دیر ہے، قرأت میں سورۂ نباء، بروج یا اسی کی مقدار میں دوسری سورۃ قرأت فرماتے ہیں، تسبیحات پانچ بار ادا کرتے ہیں، لیکن کچھ مقتدی کہتے ہیں کہ نماز میں دیر ہوجاتی ہے، کھڑے کھڑے پیر درد کرنے لگتے ہیں، آپ اپنی نماز پڑھیں، جب دیر تک کھڑے رہو، حالانکہ مقتدی تندرست ہیں، کوئی کمزور نہیں ہے، محض نفس کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں، جب کہ کچھ مقتدی کہتے ہیں دیر نہیں ہوتی۔

اب یہ تحریر فرمایئے کہ مقتدی کی رعایت کرکے نماز مختصر پڑھائی جاوے یا نماز میں خشوع وخضوع لایا جاوے، کیونکہ شریعت نے مقتدی کی رعایت کرنا بھی ضرورت بتایا ہے اور نماز میں خشوع خضوع لانے کے لئے تسبیحات، قیام، قعود کو لمبا کرنے کا حکم آیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عام مقتدیوں کی رعایت کے تحت ہی فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز فجر میں طوال مفصل کا پڑھنا مستحب ہے۔ پس سورہ نبأ اور سورہ بروج کا پڑھنا خلاف رعایت اور خلاف مستحب نہیں، خاص کر جب کہ مقتدی تندرست اور قوی ہوں۔ (کذا في الطحطاوي)(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ١/ ٥٤١، سعيد)

"وهذا كله ليس بتقدير لازم، بل يختلف باختلاف الوقت والزمان، وحال الإمام والقوم".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة: ١/ ٤١٠، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ٢٦٤، قديمي)

(١) "ويسن أن تكون السورة المضمومة للفاتحة من طوال المفصل ..... وهذا في صلاة الفجر والظهر.

(قوله: وهذا في صلاة الفجر الخ) واختلف الآثار في قدر ما يقرأ في كل صلاة، وفي الجامع الصغير: أنه يقرأ في الفجر في الركعتين جميعاً أربعين أو خمسين أو ستين آية سوى الفاتحة، وروى الحسن: مابين ستين إلى مائة، فالمائة أكثر ما يقرأ فيهما، والأربعون أقل فيوزع الأربعين مثلاً على الركعتين بأن يقرأ في الأولى خمساً وعشرين مثلاً، وفي الثانية مابقي إلى تمام الأربعين فيعمل بالجميع بقدر الإمكان". (حاشية =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننه، ص: ۲۶۳، قديمي)

"(و) يسن (في الحضر) لإمام ومنفرد، ذكره الحلبي، والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات إلى آخر البروج (في الفجر والظهر)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القرأة: ۱/۵۴۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۳، ۵۹۴، رشيديه)

الفصل الرابع في تكرار السورة والآية وتعددها وترتيبها

(رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعدد اور ترتیب کا بیان)

خلافِ ترتیب پڑھنا

سوال [۱۰۳۷۸]: امام نے نماز میں خلاف ترتیب قرأت کی اور سلام پھیرنے تک اس کو یاد نہیں تھا، بعد سلام مقتدیوں نے بتلایا، تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بھولے سے خلافِ ترتیب سورۃ نماز میں پڑھی گئی، تو اس سے سجدہ لازم نہیں، نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۲ھ۔

نماز میں خلافِ ترتیب پڑھنا

سوال [۱۰۳۷۹]: قرآن کریم نماز میں ترتیب کے خلاف اگر دھوکے سے پڑھ لیا، تو کیا سجدہ سہو واجب ہے؟ مثلاً: پہلی رکعت میں "الم تر کیف" اور دوسری رکعت میں "ویل لکل" پڑھ لیا، تو ترتیب فوت

(۱) "ويجب (سجدتان بتشهد وتسليم لترك واجب)

قوله: (لترك واجب) أي: من واجبات الصلاة الأصلية، فخرج واجب ترتيب الصلاة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۶۰، قديمي)

"لو قرأ سورة ثم قرأ في الثانية سورة قبلها ساهياً لايجب عليه السجود؛ لأن مراعاة ترتيب السور من واجبات نظم القرآن، لا من واجبات الصلاة فتركها لا يوجب سجود السهو". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب سجود السهو: ۳۲۳/۱، رشيديه)

ہوگئی، کیا ترتیب واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترتیب تلاوت واجب ہے، مگر واجبات نماز سے نہیں کہ اس کے سہواً ترک سے سجدہ سہو واجب ہو، بلکہ واجبات تلاوت سے ہے، سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، طحطاوی میں یہ مسئلہ ایسا ہی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۵/۱۴۰۱ھ۔

نماز میں قرأت معکوس

سوال[۱۰۳۸۰]: اگر نماز میں قرأت میں سہواً قرآن کو الٹا پڑھ لیا جائے، تو کیا حکم ہے؟ مثلاً: پہلی رکعت میں سورہ فلق، دوسری میں سورہ اخلاص؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدہ سہو لازم نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مغرب کی نماز میں سورہ کافرون وسورہ لہب پڑھنا

سوال[۱۰۳۸۱]: امام نے مغرب کی نماز میں ﴿قل یا أیها الکافرون﴾ الخ کو پڑھا اور دوسری میں

---

(۱) "ویجب (سجدتان بتشهد وتسلیم لترک واجب)

قوله: (لترک واجب) أي: من واجبات الصلاة الأصلیة فخرج واجب ترتیب الصلاة". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۰، قدیمی)

"لو قرأ سورة ثم قرأ في الثانیة سورة قبلها ساهیاً لایجب علیه السجود؛ لأن مراعاة ترتیب السور من واجبات نظم القرآن لا من واجبات الصلاة، فترکها لا یوجب سجود السهو". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۳۲۳، رشیدیه)

(۲) تقدم تخریجه تحت العنوان السابق

﴿تبت یدا﴾ الخ تو کیا نماز میں کچھ خرابی ہوگی یا نہیں؟ یا سجدہ سہو کرنا پڑے گا؟ عمداً یا سہواً دونوں صورتیں ذکر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض نماز میں عمداً یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے، سجدہ سہو واجب نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۳/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۳/۱۹ھ۔

سورہ فتح کے ختم ہونے سے پہلے رکوع کرنا

سوال [۱۰۳۸۲]: قرآن کریم کے چھبیسویں پارہ حٰم کے سورہ فتح کے آخری رکوع میں امام یا منفرد ﴿لقد صدق اللہ﴾ سے ﴿فضلا من اللہ ورضوانا﴾ تک پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری رکعت میں ﴿سیماھم فی وجوھھم﴾ سے ختم سورہ تک پڑھے، تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی نماز ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۵/۲۷ھ۔

---

(۱) "(ویکرہ الفصل بسورة قصیرة). (قوله: ویکرہ الفصل بسورة قصیرہ) أما بسورة طویلة بحیث ویلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلا یکرہ". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل في القراءة، قبیل باب الإمامة: ۱/۵۴۶، سعید)

"(و) یکرہ (فصله بسورة بین السورتین قرأهما في رکعتین) لما فیه من شبهة التفضیل والهجر وقال بعضهم: لایکرہ إذا کانت السورة طویلة الخ". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في مکروهات الصلاة، ص: ۳۵۲، قدیمی)

(وکذا في الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، تتمات فیما یکرہ من القرآن، ص: ۴۹۴، سهیل اکیدمی لاهور)

(۲) "وضم أقصر سورة کالکوثر أو ماقام مقامها، وهو ثلاث آیات قصار، نحو ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستکبر﴾ وکذا لو کانت الآیة أو الآیتان تعدل قصاراً ذکرہ الحلبي. ....=

چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا

سوال[۱۰۳۸۳]: اگر حالت نماز میں سورۂ کوثر چھوڑ دی جائے، پہلے اور بعد کی سورت پڑھ لی جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ادا ہو جائے گی، مگر فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

درمیان سے ایک آیت کا چھوٹ جانا

سوال[۱۰۳۸۴]: زید نے مغرب کی نماز میں سورہ ہمزہ کی دوسری آیت میں بجائے "ممددة" کے "أخذه"

= (قوله: تعدل ثلاثاً قصاراً) أي: ثم نظر الخ وهي ثلاثون حرفاً، فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات .... (قوله: ذكره الحلبي) أي: في شرحه الكبير على المنيه، وعبارته: وإن قرأ ثلاث آيات قصاراً أو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاث آيات قصار خرج عن حد الكراهة المذكورة يعني كراهة التحريم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۸، سعيد)

"وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أومايقوم مقامها من ثلاث آيات قصار، أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة. كذا في النهر الفائق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۲، رشيديه)

(۱) "ويكره الفصل بسورة قصيرة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، قبيل باب الإمامة: ۱/۵۴۶، سعيد)

"وهذا إذا كان بين السورتين سورتان أو أكثر، فإن كان بينهما سورة واحدة يكره إلا من ضرورة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيما يكره من القرآن ومالايكره، ص: ۴۹۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۷۸، رشيديه)

پڑھا اور تیسری رکعت چھوڑ کر چوتھی آیت پڑھی، تو اس سے تین آیتوں کا وجوب ترک ہوگیا یا نہیں؟ نماز لوٹانی ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں نماز ہوجائے گی، تین آیتوں کا مسلسل ہونا ضروری نہیں، مجموعہ تین آیات سے بھی نماز درست ہوجاتی ہے(۱) قرات ایسی نہ ہونی چاہیے جس سے نماز میں خرابی لازم آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۱۴۰۰ھ۔

دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا

سوال[۱۰۳۸۵]: اگر پہلی رکعت سے دوسری رکعت میں قرأت طویل ہوجائے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے ایسا طویل کردینا کہ طول فاحش ہوجائے مکروہ ہے(۲)۔ جہاں ثابت

---

(۱) "(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ماقام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار، نحو ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستكبر﴾ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثاً قصاراً.

(قوله: تعدل ثلاثاً قصاراً) أي مثل -ثم نظر- الخ وهي ثلاثون حرفاً، فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۸، سعيد)

"(ثم يضم) إلى الفاتحة (سورة أو ثلث آيات) قصار قدر أقصر سورة، وتقدم أن ذلك واجب كالفاتحة (فإن قرأ) مع الفاتحة (آية) قصيرة (أو آيتين) قصيرتين (لم يخرج عن حد الكراهة) أي: كراهة التحريم لإخلاله بالواجب (وإن قرأ ثلث آيات قصار) أو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلث آيات قصار خرج عن حد الكراهة المذكورة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، ص: ۳۰۹، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في تقريرات الرافعي المسمى بالتحرير المختار لردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها: ۱/۴۵۷، سعيد)

(۲) "وإطالة الثانية على الأولى يكره تنزيهاً إجماعاً إن بثلاث آيات، وإن بأقل لايكره؛ لأنه عليه الصلاة =

ہے وہاں مکروہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= والسلام صلی بالمعوذتين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، ۵۴۴، سعيد)

"ويكره تطويل الركعة الثانية على الركعة الأولى بثلاث آيات فأكثر.

(قوله: بثلاث آيات) إنما قيد بهما؛ لأنه لا كراهة فيما دونها لما ورد أنه صلى الله تعالى عليه وسلم صلى الفجر بالمعوذتين والثانية أطول من الأولى بآية، وكراهة الإطالة بالثلاث فأكثر في غير ما وردت به السنة تنزيهية". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات الصلاة، ص: ۳۵۱، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۷، رشيديه)

(۱) "عن نعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: كان يقرأ في العيدين ويوم الجمعة بسبح اسم ربك الأعلى وهل أتاك حديث الغاشية. قال: وربما اجتمعا في يوم واحد فقرأ بهما". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب مايقرأ في الجمعة: ۱/۱۶۷، رحمانيه لاهور)

"وقد يجاب بأن هذه الكراهة في غير ما وردت به السنة، وأما ما ورد عنه عليه الصلاة والسلام في شيء من الصلوات فلا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۷، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۳، سعيد)

باب في مسائل زلة القارئ

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

نماز میں ''وسیق الذین کفروا'' کے بعد ''فتحت أبوابها'' پڑھنا

سوال[۱۰۳۸۲]: جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ﴿وسیق الذین کفروا إلی جهنم زمرا حتی إذا جاء وها﴾(۱) اب اس سے آگے یہ گڑبڑ یعنی غلطی ہوتی ہے، پڑھنا چاہیے تھا ﴿فتحت أبوابها وقال لهم خزنتها ألم يأتكم رسل منكم﴾(۲) اور پڑھ گئے، جنت والی آیت، یعنی آگے یہ پڑھا ﴿وفتحت أبوابها وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم فادخلوها خلدين﴾(۳) آگے جو آیت سورہ ختم تک باقی تھی، وہ بالکل ٹھیک پڑھی، جو اتنی آیت ہے، اگر صرف یہی آیتیں پڑھی جائیں، جو غلطی کے بعد پڑھی گئیں، تو نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ یعنی نماز لوٹانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح پڑھنے سے معنی بگڑ گئے نماز فاسد ہوگئی، اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری تھا، اب اس کی جگہ اپنی اپنی ظہر کی نماز پڑھ لیں (۴)، جتنی قرأت پڑھی گئی ہے، وہ سب فرض کے درجہ میں آگئی، اس میں غلطی کرنا فرض

---

(۱) (الزمر: ۷۱)

(۲) (الزمر: ۷۱)

(۳) (الزمر: ۷۳)

(۴) "والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير المعنى تغيراً يكون اعتقاده كفراً يفسد في جميع ذلك، سواء كان في القرآن أولا ... فالأولى الأخذ فيه بقول المتقدمين لانضباط قواعدهم وكون قولهم أحوط".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في مسائل زلة القارئ: ۱/۶۳۱، سعيد)

ہی میں غلطی کرتا ہے، تین آیات سے پہلے ہو یا بعد میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۴/۲۲ھ۔

آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم

سوال[۱۰۳۸۷]: سورہ حشر کا آخری رکوع ﴿لا یستوی﴾ سے شروع کیا اور ﴿وھو العزیز الحکیم﴾ تک پڑھا، لیکن لفظ ﴿متصدعاً﴾ بھول گئے، بعد ختم نماز ایک مولوی صاحب نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھائی جائے، امام صاحب نے کہا کہ نماز ہوگئی، اس لئے کہ چھوٹی یا بڑی تین آیت کے مطابق پڑھ چکا ہوں، لیکن چندلوگوں نے نہیں مانا، امام صاحب کا انکار اور چندلوگوں کا بزور جماعت دوبارہ پڑھوانا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشبہ نماز درست ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

ایک آیت کے چھوٹ جانے سے نماز کا حکم

سوال[۱۰۳۸۸]: ایک امام نے جمعہ کی فرض نماز میں ﴿عم یتسالون﴾ کے رکوع سے یعنی ﴿إن

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ومنها ذكر كلمة مكان كلمة: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، تكميل: زلة القارئ من أهم مسائل، ص: ۳۴۰، قديمي)

(۱) "وإن لم يكن (الحذف) على وجه الإيجاز والترخيم، فإن كان لايغير المعنى، لا تفسد صلاته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ومنها حذف حرف: ۱/۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة: ۱/۴۸۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة خطأً: ۱/۱۵۱، رشيديه)

﴿لستم عليهم بمسيطر﴾ سے قرأت شروع کی اور سورت ختم کر کے رکعت پوری کی، مگر سہواً اور درمیان قرأت ﴿لا يملكون منه﴾ چھوٹ گیا، ایسی صورت میں کوئی خرابی پیدا ہوئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس "لا يملكون منه" کے چھوٹ جانے سے معنی ایسے نہیں بگڑے کہ نماز فاسد ہو جائے (۱)، بلکہ تاویل ممکن ہے جو کہ نماز کو فساد سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

"واو" چھوٹ جانے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال[۱۰۳۸۹]: یہاں پر ایک شخص کا کہنا ہے کہ ﴿لله ما في السموت وما في الأرض وإن تبدوا ما في أنفسكم﴾ (۲) میں "و" چھوٹ گیا ہے، اس کے بارے میں کیا نقص آتا ہے، معلوم کریں، اس بات پر حاجی عبدالرحمن صاحب نے بہت بڑا فتنہ کھڑا کر دیا ہے اور اس وجہ سے وہ امام کو مردود، شیطان اور وہابڑہ کہتے ہیں اور نماز بھی جماعت سے نہیں پڑھتے ہیں، اس کے لئے کیا حکم آتا ہے؟ تاکہ جماعت کو بھی معلوم ہو جائے کہ صحیح کون ہے؟ وہ بدعتی ہیں، حتیٰ کہ مکہ سے اونٹ پر بیٹھ کر دونوں میاں بیوی فوٹو کھینچ کرلائے ہیں اور دعائے ثانی اور کونڈے وغیرہ پر زور دیتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیت ﴿وإن تبدوا ما في أنفسكم﴾ کے شروع میں واؤ ہے، اگر وہ نماز میں پڑھتے ہوئے بھول

---

(۱) "لو ذكر آية مكان آية، إن وقف وقفاً تاماً، ثم ابتدأ بآية أخرى أو ببعض آية لا تفسد . أما إذا لم يقف ووصل، إن لم يغير المعنى نحو أن يقرأ: ﴿إن الذين آمنوا وعملو الصالحات، فلهم جزاء الحسنى﴾ مكان قوله: ﴿كانت لهم جنات الفردوس نزلاً﴾ لا تفسد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ومنها ذكر آية مكان آية: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة خطأ: ۱/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القارئ: ۱/۱۱۷، رشيديه)

(۲) (البقرة: ۲۸۴)

سے چھوٹ گیا، تو نماز فاسد نہیں ہوئی، نہ سجدہ سہو واجب ہوا(١)۔ اس پر امام صاحب کو مردود اور شیطان وغیرہ کہنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے(٢)۔ جس نے ایسا کہا ہے اس کے ذمہ امام صاحب سے معافی مانگنا واجب ہے، ورنہ قیامت کو مؤاخذہ ہوگا۔

بلا مجبوری محض شوقیہ فوٹو اتروانا جائز نہیں، معصیت ہے(٣)۔ کونڈے کرنا رجب کی مخصوص تاریخ میں

(١) "وإن لم يكن (الحذف) على وجه الإيجاز والترخيم فإن كان لايغير المعنى لاتفسد صلاته نحو أن يقرأ: ولقد جاء هم رسلنا بالبينات بترك التاء من جاء ت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ: ١/٧٩، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في القراء ة خطأً: ١/١٥١، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في حذف حرف عن كلمة: ١/٢٨٢، إدارة القرآن كراچی)

(٢) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيراً منهم﴾ (الحجرات: ١١)

"وقال القرطبي: "السخرية الاستحقار، والاستهانة، والتنبيه على العيوب، والنقائص بوجه يضحك منه. وقد تكون بالمحاكاة بالفعل والقول، أو الإشارة، أو الإيماء، أو الضحك على كلام المسخور منه ... وجوز أن يكون المعنى: لايحتقر بعض بعضاً عسى أن يصير المحتقر. (بصيغة المجهول) عزيزاً ويصير المحتقر ذليلا فينتقم منه". (روح المعاني: ٢٦/١٥٢، الحجرات: ١١، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ٥/٢٠٧، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ٢/٢٧٠، رشيديه)

(٣) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: أشد الناس عذاباً عندالله المصورون".

"عن عبدالرحمن بن القاسم، عن أبيه أنه سمع عائشة رضي الله تعالى عنها تقول: دخل علي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقد سترت سهوة لي بقرام فيه تماثيل، فلما رآه هتكه، وتلون وجهه =

روافض کا طریقہ ہے، جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں کرتے ہیں اور نام دیتے ہیں حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی فاتحہ کا، اس رسم کو ترک کرنا ضروری ہے، مروجہ دعائے ثانی کا التزام بھی ثابت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۹۲ھ۔

= وقال: يا عائشة! أشد الناس عذاباً عندالله يوم القيامة الذين يضاهئون بخلق الله تعالى، قالت عائشة: قطعناه فجعلنا منه وسادة أو وسادتين". (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۲/ ۲۰۲، قديمي)

"وظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: سواء صنعه لما يمتهن، أو لغيره فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/ ۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/ ۳۸، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو رد: ۱/ ۳۷۱، قديمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من علم أو عمل اوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويماً وصراطاً مستقيماً فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

"ورحم الله طائفة من المبتدعة في بعض أقطار الهند، حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قراء تهم "اللهم انت السلام ومنك السلام الخ، ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل يدعو الإمام عقب الفاتحة جهراً بدعاء مرة ثانية، والمقتدون يؤمنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام، حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروري واجب ... ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لايصنع بمثل صنيعهم، وأيم الله إن هذا أمر محدث في الدين". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكيفية سنية الدعاء والذكر بعد الصلاة: ۳/ ۱۶۷، إدارة القرآن كراچي)

زیر، زبر، پیش کی غلطیاں کرنا

سوال[۱۰۳۹۰]: یہاں جامع مسجد کے امام صاحب اکثر زبر کی جگہ پیش اور پیش کی جگہ زبر اور زبر کی جگہ زیر پڑھتے رہتے ہیں، مثلاً: سورہ حشر میں ﴿لو أنزلنا هذا القرآن علی جبل لرأیته﴾ میں ''ت'' کے زبر کی جگہ پیش پڑھتے ہیں، جیسا کہ سورۂ زلزال میں ﴿أشتاتاً لیروا أعمالهم﴾ میں "أعمالهم" کے اندر لام کے زبر کی جگہ پیش پڑھتے ہیں، سورہ مزمل میں ﴿یوم ترجف الأرض﴾ کے اندر جیم کے پیش کی جگہ زبر پڑھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو نمازیں اس صریح غلطی کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، ان کا کیا حکم ہوگا؟ اگر نمازیں فاسد یا باطل ہوگئیں تو ان کو قضاء پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کس انداز سے قضاء پڑھی جائیں، علاوہ ازیں چونکہ یہ زبر زیر پیش کی غلطیاں بچپن میں پکی ہوچکی ہیں، اس لئے ان کی زبان سے ہوتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ خطبہ میں یہ غلطیاں ہوتی ہیں، نیز ایسا شخص امامت کا مستحق ہوا یا نہیں؟ براہِ کرم مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان چاروں غلطیوں کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ نہیں (۱)، ان کی توجیہ ہوسکتی ہے، نماز کو فساد سے بچانے کے لئے دور کی تاویل وتوجیہ ہی کی جاتی ہے، لیکن ان غلطیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحب ایسی ہی غلطیاں کرتے ہوں گے جن کی توجیہ نہ ہوسکے، اس لئے ان کو چاہیے کہ کم از کم دو چار سورتیں صحیح کرکے کسی واقف کو سنادیں، پھر نماز میں وہی سورتیں پڑھا کریں (۲)۔ اور خطبہ بھی بہت مختصر صحیح یاد کرلیں یا پھر جو شخص صحیح پڑھتا

(۱) "إذا لحن في الإعراب لحناً لا یغیر المعنی بأن قرأ: لا ترفعوا أصواتكم" برفع التاء، لا تفسد صلاته بالإجماع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاریٔ، ومنها اللحن في الإعراب: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأً الخ: ۱/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل العاشر في اللحن في الإعراب: ۱/۴۹۳، ۴۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب علی كل مسلم) ويكره نقص شيء من الواجب". =

ہواوراس میں دوسری صفات امامت کی موجود ہوں، اس کو امام بنالیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

آیات پر وصل اور بغیر آیات کے فصل کرنا

سوال [۱۰۳۹۱]: کیا امام کے لئے جائز ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں وصل اور فصل اپنے اختیار سے کرے، یعنی جہاں آیات ہیں، وہاں نہ ٹھہرے اور جہاں آیات نہیں وہاں ٹھہرے؟ اور یہ بات ان کی عادت میں داخل ہو اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو وہ کہہ دیں کہ قرآن پڑھنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، کیا یہ جائز ہے؟ اور اس طرح کہنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے موقع سانس ٹوٹ جانے کی وجہ سے اگر فصل کردے تو معذوری ہے، قصداً ایسا نہیں کرنا

= (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة: ۱/۵۳۸، سعيد)

"اعلم أن حفظ قدر ماتجوز الصلاة به من القرآن فرض عين على المسلمين، لقوله تعالىٰ: ﴿فاقرؤا ماتيسر من القرآن﴾ وحفظ جميع القرآن فرض كفاية، وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجبة على كل مسلم". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۹۲، رشيديه)

(۱) "عن اسماعيل بن رجاء قال: سمعت أوس بن ضمعج يقول: سمعت أبا مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، وأقدمهم قراءة، فإن كانت قراء تهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة فليؤمهم أكبرهم سنا، ولا تؤمن الرجل في أهله ولا في سلطانه، ولا تجلس على تكرمته في بيته إلا أن يأذن أو بإذنه". (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمي)

"والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة، ثم الأورع الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة: ۱/۲۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

چند آیات موقوفہ پر وقف ووصل کا حکم

سوال [۱۰۳۹۲]: سورۂ جمعہ میں ﴿وذروا البیع﴾ کو ساکن پڑھنا چاہیے یا اس پر زبر پڑھنی چاہیے؟ اسی طرح سورہ والسماء والطارق میں "لقادر" پڑھنا چاہیے یا "لقادرٌ یوم"؟ نیز والعادیات میں "لکنود" پڑھنا چاہیے یا "لکنودٌ" وغیرہ دونوں طرح پڑھنے سے کچھ فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورہ جمعہ میں آیت کرنا اور "البیع"، یعنی عین کو ساکن پڑھنا بہتر ہے، سورہ والطارق میں بھی "لقادر"، یعنی "را" کو ساکن کرنا بہتر ہے، اسی طرح سورہ والعادیات میں "لکنود" کی دال کو ساکن کرنا بہتر ہے، ان جگہوں میں اگر ساکن نہ کیا جائے بلکہ بغیر آیت کے ملا کر پڑھ دیا، تب بھی معنی نہیں بگڑے گا، نماز درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ في غير موضع الابتداء، إن لم يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً نحو أن يقرأ: إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات، ووقف ثم ابتدأ بقوله أولئك هم خير البرية لا تفسد بالإجماع بين علمائنا ... وكذا إن وصل في غير موضع الوصل كما لو لم يقف عند قوله أصحاب النار بل وصل بقوله الذين يحملون العرش لا تفسد لكنه قبيح". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل الثامن في الوصل والابتداء: ۱/۳۷۷، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القارئ: ۴/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، نوع آخر في زلة القارئ، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۳۵۷، ۳۵۸، قديمی)

(۲) "إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتدأ في غير موضع الابتداء، إن لم يتغير به المعنى تغيراً فاحشاً نحو أن يقرأ: إن الذين آمنو وعملوا الصالحات، ووقف ثم ابتدأ بقوله أولئك هم خير البرية لا تفسد =

”غیر المغضوب علیهم“ کے بجائے ”ضیر المغضوب“ پڑھنا

سوال[۱۰۲۹۳]: سورۂ فاتحہ میں اگر ”غیر المغضوب“ کے بجائے امام غلطی سے ”ضیر المغضوب“ پڑھ جائے، بجائے (غ) کے (ض) پڑھے اور یہ امام صاحب عادی ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں ”غ“ کو ”ض“ پڑھتے ہیں، تو کیا نماز ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ دوسری جگہوں میں ”غ“ کو ”غ“ ہی پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصداً ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس سے نماز فاسد ہوجائے گی (۱)، لیکن امید ہے کہ سننے والے اس کو ”ض“ سمجھتے ہوں گے، وہ تو اس کو ”غ“ ہی پڑھتے ہوں گے، ورنہ قرآن پاک میں ”غ“ موجود ہوتے اس کو قصداً ”ض“ پڑھنے کی جرأت کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۸۷ھ۔

= بالإجماع بین علمائنا هكذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۱/۸۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن في الوقف والوصل والابتداء: ۱/۳۷۷، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري: ۴/۴۷، رشيديه)

(۱) "فإن لم يكن مثله في القرآن والمعنى بعيد متغير تغيراً فاحشاً يفسد أيضاً، كهذا الغبار مكان هذا الغراب، وكذا إذا لم يكن مثله في القرآن ولا معنى له كالسرائل باللام مكان السرائر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري: ۱/۶۳۱، سعيد)

"ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ... وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن، ولا تتقاربان في المعنى تفسد الصلاة بلا خلاف، إذا لم تكن تلك الكلمة تسبيحاً، ولا تحميداً، ولا ذكراً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ۱/۸۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، تكميل: زلة القاري من أهم مسائل، ص: ۳۴۰، قديمي)

نماز میں "واللہ خیر الرازقین" کی جگہ "خیر الظالمین" پڑھنا

سوال[۱۰۳۹۴]: نماز عشاء کی قرأت میں امام نے "واللہ خیر الرازقین" کی جگہ "واللہ خیر الظالمین" پڑھا، میں نے کہا کفریہ معنی ہوگئے، نماز دہرائی جائے، ممبران میں ایک صاحب بغیر داڑھی والے نے کہا کہ نماز ہوگئی، ان صاحب کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز امامت کے لئے انہوں نے کہنے سننے سے کچھ داڑھی رکھ لی ہے، کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے اور نماز عشاء جو دہرائی نہیں گئی، اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے اپنی نماز دہرائی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ پڑھ دینے سے اگر معنی بگڑ جائے، تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری (۱)، قاضی خان (۲)، طحطاوی (۳)، شامی (۴) البحر الرائق سب میں اس کی

---

(۱) "ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ... وإن كان في القرآن ولكن لا تتقاربان في المعنى نحو: أن قرأ وعداً علينا إنا كنا غافلين مكان فاعلين، ونحوه مما لو اعتقده يكفر تفسد عند عامة مشايخنا، وهو الصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالى هكذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ: ۱/۸۰، رشيديه)

(۲) "وإن أخطأ بذكر كلمة مكان كلمة ... وإن كانت الكلمة الثانية في القرآن فهو على وجهين: أما إن كانت موافقة للأولى في المعنى أو مخالفة ..... وإن كانت مخالفة كما لو قرأ وعدا علينا إنا كنا غافلين مكان فاعلين، أو قرأ الشيطان على العرش استوى، أوما أشبه ذلك، أو ختم آية الرحمة بآية العذاب، أو على العكس قال عامة المشايخ: تفسد صلاته وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمه الله تعالىٰ". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأً: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۳) "المسألة الثالثة وضع حرف موضع حرف آخر، فإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن، ولم يتغير به المعنى المراد لا تفسد ... وإن خرجت به عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى لا تفسد عندهما خلافاً لأبي يوسف ..... وإن لم تخرج به عن لفظ القرآن، وتغير به المعنى فالخلاف بالعكس كما لو قرأ، وأنتم حامدون مكان سامدون". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، تكميل: زلة القارئ من أم المسائل، ص: ۳۴۰، قديمي)

(۴) "(قوله كما بدل الخ) هذا على أربعة أوجه: لأن الكلمة التي أتى بها، إما أن تغير المعنى أولا، وعلى =

تصریح موجود ہے۔ خداوند تعالیٰ کو ظالم یا خیر الظالمین کہنا اور اعتقاد کرنا بالکل اسلامی عقائد کے خلاف ہے(۱)، غلطی سے اس طرح پڑھ دینے کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا، مگر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا (۲)۔

آپ نے نماز کا اعادہ کرلیا، اچھا کیا، دوسرے نمازیوں کو تحقیق ہوجائے کہ نماز نہیں ہوئی تھی، اس نماز کا اعادہ کرلیں، اس کے بعد جو نماز پڑھی گئیں، اس کا اعادہ لازم نہیں۔

ڈاڑھی کی مقدار ایک قبضہ (ایک مٹھی) قرار دی گئی ہے (۳)، ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا کسی کے نزدیک بھی مباح نہیں، درمختار، فتح القدیر وغیرہ میں ایسے شخص کے لئے بہت سخت الفاظ لکھے ہیں (۴)۔

= كل فإما أن تكون في القرآن أولا، فإن غيرت أفسدت لكن اتفاقاً في نحو فلعنة الله على الموحدين، وعلى الصحيح في مثال الشارح لوجوده في القرآن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب مسائل زلة القارئ: ۱/۶۳۳، ۶۳۴، سعيد)

(۱) "من نسب الله تعالى إلى الجور، فقد كفر" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر أنواع: ومنها مايتعلق بذات الله تعالى وصفاته: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب السير، فصل في مسائل المرتدين، نوع آخر فيما يضاف إلى الله تعالى: ۵/۵۵۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يضاف إلى الله تعالى: ۵/۴۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) تقدم تخريجه في ابتداء هذه المسئلة

(۳) "وأخذ أطراف اللحية، والسنة فيها القبضة.

(قوله: والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه. كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام قال: وبه نأخذ. محيط السرخسي". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۲۰۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في كتاب الآثار، كتاب الحظر والإباحة، باب حف الشعر من الوجه، ص: ۲۰۳، مكتبه إمداديه ملتان)

(۴) "وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ=

ڈاڑھی ایک مشت شرعی حکم تصور کرتے ہوئے رکھنا موجب اجر وثواب ہے اور اس لئے رکھنا کہ امامت کا سرٹیفکیٹ مل جائے اور مصلیٰ پر آنے سے کوئی نہیں روکے گا، یہ تو گویا مصلیٰ کی فیس ہے، اللہ پاک قلوب اور نیات کو دیکھتے ہیں، نیت کے صحیح کر لینے کا وقت ہر وقت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كما فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد، مطلب في الأخذ من اللحية: ۲/۴۱۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، رقم الحديث: ۳۷۹: ۲/۸۴، رشيديه)

باب الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

بلا جماعت فرض پڑھنے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا

سوال[۱۰۳۹۵]: ۱..... اگر کسی نے فرض جماعت سے نہیں پڑھی، وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

کچھ تراویح باقی ہونے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا

سوال[۱۰۳۹۶]: ۲..... اور اگر فرض جماعت سے پڑھی، مگر تراویح کی چند رکعت چھوٹ گئی، تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲..... جب مسجد میں جماعت عشاء ختم ہوچکی اور کوئی شخص بعد میں پہونچا، تو اس کو چاہیے کہ اول عشاء کے فرض ادا کرے، پھر سنت، پھر تراویح میں شریک ہو، پھر وتر کی جماعت میں شرکت کرے، اس کے بعد بقیہ تراویح پڑھے۔

"الذي يظهر أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح اهـ" شامي: ١/٤٧٦(١).

"صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئاً

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۸، سعيد)

من التراويح، أو لم يدرك شيئاً منها، أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح اه" عالمگیری: ۱/۱۱۷(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہونے والے کے لئے قنوت کا حکم

سوال[۱۰۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، وتر کی نماز باجماعت ہورہی تھی، ایک آدمی آیا اور آخری رکعت میں جب کہ امام نے رکوع کردیا تھا، شامل ہوگیا۔ اب وہ آدمی اپنی نماز کیسے پوری کرے؟ یعنی اس کو آخری رکعت میں قنوت پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

ہم سے کہا گیا ہے کہ اس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس نے آخری رکعت پالی، قنوت پڑھنے کے متعلق بھی اختلاف ہے، بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، جو لوگ قنوت کو واجب مانتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اس صورت میں پڑھنے کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ وہ مسبوق ہے، لیکن فتویٰ اسلامیہ امینیہ میں پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ نہ پڑھنے کی صورت میں کیا دلیل ہے اور پڑھنے کی صورت میں کہاں سے استدلال کرتے ہیں اور دونوں میں مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قنوت وتر کی تیسری رکعت میں پڑھنا واجب ہے(۲)۔ رمضان المبارک میں جب کہ امام تیسری

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۷، رشيديه)

"إن فاتته مع الإمام ترويحة أو ترويحتان أو أكثر، هل يقضيها قبل الوتر، أو يوتر ثم يقضيها؟ ذكره في الذخيرة فقال: اختلف مشايخ زماننا قال بعضهم: يوتر مع الإمام ثم يقضي مافاته من التراويح، وقال بعضهم: يصلي التراويح المتروكة ثم يوتر". (الحلبي الكبير، ومن السنن المؤكدة التراويح، ص: ۴۰۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۳، رشيديه)

(۲) "قوله: (وقنوت الوتر) أي: وقراءة القنوت في الوتر واجبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب =

رکعت میں قنوت پڑھ کر رکوع میں گیا، اس وقت کوئی مسبوق آکر رکوع میں شامل ہوگیا، تو اس کو تیسری رکعت مل گئی، اب سلام امام کے بعد یہ شخص دو رکعت پڑھے گا، قنوت نہیں پڑھے گا، کیونکہ قنوت نہ پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے نہ دوسری میں، بلکہ وہ تیسری میں پڑھی جاتی ہے، جو اس کو امام کے ساتھ مل گئی۔

"ولو أدرك الإمام في ركوع الثالثة من الوتر كان مدركاً للقنوت حكماً (فلا يأتي به فيما سبق) كما لو قنت المسبوق معه في الثالثة أجمعوا أنه لا يقنت مرة أخرى فيما يقضيه؛ لأنه غير مشروع اه" (مراقي الفلاح)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۲/۱۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= صفة الصلاة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۶۸، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۹۹، ۲۰۰، رشيديه)

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۸۵، ۳۸۶، قديمي)

"وأما المسبوق فيقنت مع إمامه فقط، ويصير مدركاً بإدراك ركوع الثالثة.

(قوله: فيقنت مع إمامه فقط) ولا يأتي به ثانياً؛ لأنه مأمور بأن يقنت مع الإمام فصار ذلك موضعاً له، فلو أتى بالثاني كان ذلك تكراراً للقنوت اهـ (قوله: ويصير مدركاً الخ) فلا يأتي به فيما يقضي؛ لأنه يقضي أول صلاته في الأقوال فلو أداه فيهما أي: الركعتين لكان مؤدياً له في غير موضعه".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۸۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۴، رشيديه)

باب السنن والنوافل

الفصل الأول في السنن المؤكدة

(سنن مؤکدہ کا بیان)

جماعتِ فجر کے وقت سنت پڑھنا

سوال[۱۰۲۹۸]: صبح کی سنتوں کے پڑھنے میں بہت اختلاف ہے، بعض یوں کہتے ہیں:

الف......جس جگہ جماعت ہورہی ہے، اس جگہ قطعاً نہ پڑھو، بلکہ آڑ میں جہاں امام نماز پڑھا رہا ہے تو دوسرے حلقہ میں وہ سنت پڑھے۔

ب......بعض یوں کہتے ہیں کہ جہاں امام دکھائی نہ دیتا ہو، اس جگہ سنت صبح پڑھنی چاہیے۔

ج......بعض یوں کہتے ہیں کہ امام کی آواز جہاں نہ آوے، اس جگہ سنت صبح پڑھے۔

د......نیز ایک مسجد میں خارج مسجد جو دو تین صف ہیں، اگر باہر فرش پر نماز صبح ادا کریں اور خارج مسجد جو کئی صفوں کے بعد مسجد کے فرش سے ہے اور خارج مسجد بھی کئی صف جگہ ہے اس پر سنت ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

ہ......دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز باہر فرش پر ہوتی ہے یا اندر ہی ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح کی سنتوں کے لئے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مکان پر ہی پڑھ کر جائے، اگر اس کا موقع نہیں ملا اور مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ جماعت شروع ہوچکی ہے اور اس کو امید ہے کہ سنتیں پڑھ کر بھی جماعت میں شریک ہوسکے گا، تو مسجد سے علیحدہ وضوخانہ، سہ دری، حجرہ وغیرہ میں پڑھ لے، اندرون مسجد جماعت ہورہی ہو تو باہر صحن میں ایک طرف کو پڑھ لے، صحن میں جماعت ہورہی ہو اور اندر جانے کا دوسرا راستہ ہو کہ نمازیوں کے سامنے کو نہ گزرے تو

اندر جا کر پڑھ لے(۱)، اگر ایسی جگہ نہ ہو یا اتنا وقت نہ ہو کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوسکے تو جماعت میں شریک ہوجائے، صفوف سے متصل سنتیں نہ پڑھے کہ یہ مکروہ ہے(۲)، پھر طلوعِ آفتاب کے کچھ بعد پڑھے(۳)، یہ

(۱) "وعن عبدالله بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله تعالى عنها، عن صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تطوعه فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعاً وكان إذا طلع الفجر صلى ركعتين، ثم يخرج فيصلي بالناس صلاة الفجر". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة: ١/١٧٦، رحمانيه لاهور)

"والحاصل: أن السنة في سنة الفجر أن يأتي بها في بيته، وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه، وإلا صلاها في الشتوي أو الصيفي إن كان للمسجد موضعان، وإلا فخلف الصفوف عند سارية، لكن فيما إذا كان للمسجد موضعان والإمام في أحدهما". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش: ٢/٥٧، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع، ص: ٣٩٦، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) "وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراك ركعة ..... لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة.

(قوله: عند باب المسجد) فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد، وأشدها كراهة أن يصليها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل اهـ (قوله وإلا تركها) وعلى هذا أي: على كراهة صلاتها في المسجد ينبغي أن لايصلي فيه إذا لم يكن عند بابه مكان؛ لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة .... وأشد مايكون كراهة أن يصليها مخالطاً للصف كما يفعله كثير من الجهلة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل للإساءة دون الكراهة أو أفحش: ٢/٥٦، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع، ص: ٣٩٦، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة: ١/٤٧٥، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٣) "وقال محمد: تقضى إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في قضاء السنن: ٢/٢٧٤، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال محمد: أحب إلي أن أقضيها إذا فاتت وحدها بعد طلوع الشمس قبل الزوال". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع، ص: ٣٩٧، سهيل اكيڈمی لاهور)

طریقہ غلط ہے کہ جماعت ہوتی رہی اور اسی جگہ دوسری تیسری صف میں آکر سنتیں پڑھتے رہیں۔ یہ قید نہیں کہ اتنی دور پڑھے کہ امام کی آواز سنائی نہ دے یا امام یا کوئی مقتدی نظر نہ آئے۔ دارالعلوم دیوبند میں گرمی، سردی، برسات عموماً امام اندر ہی کھڑا ہوتا ہے، الا نادراً کہ گرمی میں بجلی موجود نہ ہو یا سردی میں ظہر کے وقت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۵ھ۔

فریضۂ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا

سوال[۱۰۳۹۹]: فریضۂ ظہر سے پہلے چار سنتیں ہیں، کیا دو بھی پڑھی جاسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فریضۂ ظہر سے پہلے دو نہیں، بلکہ چار سنت مؤکدہ ہیں۔

"لحديث عائشة رضي الله تعالى عنها أنها قالت: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي قبل الظهر أربعاً، وبعده ركعتين، وبعد المغرب ثنتين، وبعد العشاء ركعتين، وقبل الفجر ركعتين" رواه مسلم وأبوداود. (تبيين الحقائق: ١-٢/١٧١)(١). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کے بعد کتنی رکعت ہیں؟

سوال[۱۰۴۰۰]: جمعہ کے دن بعد جمعہ ۶/ رکعت مسنون ہیں یا چار رکعت؟ بعض محقق عالم صرف

---

(١) (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جواز النافلة قائماً وقاعداً وفعل بعض الركعة قائماً بعضها قاعداً: ١/٢٥٢، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة: ١/١٨٢، رحمانيه لاهور)

"(وسن) مؤكداً (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة) وأربع (بعدها بتسلمية)".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/١٢، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ١/٤٢٨، دارالكتب العلمية بيروت)

چار رکعت پڑھتے ہیں، مفتی بہ قول سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

احادیث قولیہ وفعلیہ سے بکثرت جمعہ کے بعد چار رکعت کا ثبوت ہے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک بھی یہی نقل کیا گیا ہے، لیکن بعض روایات میں دو کا ذکر ہے، اس لئے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر بعض اکابر دونوں روایتوں پر عمل کرنے کے لئے چھ رکعت کو فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسی قول پر عمل کرنے میں زیادہ اجر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۶ھ۔

---

(۱) "وأما السنة قبل الجمعة وبعدها فقد ذكر في الأصل: وأربع قبل الجمعة، وأربع بعدها وكذا ذكر الكرخي. وذكر الطحاوي عن أبي يوسف أنه قال: يصلي بعدها ستاً، وقيل: هو مذهب علي رضي الله تعالىٰ عنه. وما ذكرنا أنه كان يصلي أربعاً مذهب ابن مسعود . أما الأربع قبل الجمعة؛ فلما روي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتطوع قبل الجمعة بأربع ركعات؛ ولأن الجمعة نظير الظهر ثم التطوع قبل الظهر أربع ركعات، كذا قبلها، وأما بعد الجمعة: فوجه قول أبي يوسف أن فيما قلنا جمعاً بين قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وبين فعله؛ فإنه روي: أنه أمر بالأربع بعد الجمعة، وروي أنه صلى ركعتين بعد الجمعة؛ فجمعنا بين قوله وفعله. قال أبويوسف: ينبغي أن يصلي أربعاً، ثم ركعتين، . . ونحن لا نمنع من يصلي بعد ها كم شاء، غير أنا نقول: السنة بعدها أربع ركعات لاغير لما روينا". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة المسنونة: ۲/۲٦٦، دارالكتب العلمية بيروت)

"والدليل على استنان الأربع قبل الجمعة مارواه مسلم مرفوعاً "من كان مصلياً قبل الجمعة فليصل أربعاً" مع ما رواه ابن ماجة عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يركع من قبل الجمعة أربعا لا يفصل في شيء منهن. وعلى استنان الأربع بعدها ما في صحيح مسلم عن أبي هريرة مرفوعاً: "إذا صلى أحدكم الجمعه فليصل بعدها أربعاً" وفي رواية: "إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً" وذكر في البدائع: أنه ظاهر الرواية، وعن أبي يوسف أنه ينبغي أن يصلي أربعاً ثم ركعتين. وذكر محمد في كتاب الاعتكاف: أن المعتكف يمكث في المسجد الجامع مقدار مايصلي أربعاً أو ستاً ..... وفي منية المصلي: والأفضل عندنا أن يصلي أربعا ثم ركعتين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۷، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في النوافل، ص: ۳۸۸، ۳۸۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

الفصل الثاني في النوافل

(نوافل کا بیان)

جمعہ کی سنتوں کے بعد فرض سے پہلے نوافل پڑھنا

سوال[۱۰۴۰۱]: ظہر یا جمعہ کی چار سنت مؤکدہ پڑھ کر فرائض سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مناسب نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مغرب کی اذان کے بعد نفل نماز پڑھنا

سوال[۱۰۴۰۲]: مغرب کی اذان ہوگئی ہے، لوگ نفل پڑھتے ہیں، میں جناب امام ابوحنیفہ کا قائل ہوں، کیا فرض کی نماز سے پہلے میں بھی دو نفل وضو کر کے پڑھ لوں؟ اگر پڑھ لوں تو اس نماز میں فرض پہلے کیوں دیے گئے؟ اور مغرب کا تقریباً کتنا وقت ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(وكره نفل)...... (بعد صلاة فجر)...... و(عصر) ...... (وقبل) صلاة

---

(۱) "(إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام).

(قوله: فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد، بحر. قال محشيه الرملي: فلا صلاة جائزة، وتقدم في شرح قوله: ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة الخ، أن صلاة النفل صحيحة مكروهة حتى يجب قضاؤه إذ قطعه الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۸، سعيد)

"(قوله: فلا صلاة) سواء كانت قضاء فائتة، أو صلاة جنازة، أو سجدة تلاوة أو منذورة أو نفلاً إلا إذا تذكر فائتة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۷۰، ۲۷۱، رشيديه)

(مغرب) لكراهة تأخيره إلا يسيراً. اهـ" درمختار مختصر: ۱/۲۵(۱).

"(قوله: إلا يسيراً) أفاد أنه مادون صلاة ركعتين بقدر جلسة، وقدمنا أن الزائد عليه مكروه تنزيهاً مالم تشتبك النجوم، وأفاد في الفتح وأقره في الحلية والبحر: أن صلاة ركعتين إذا تجوز فيها لا تزيد على اليسير فيباح فعلهما، وقد أطال في تحقيق ذلك في الفتح في باب الوتر والنوافل" (ردالمحتار نعمانيه: ۱/۲۵۲)(۲).

"قوله قبل صلوة مغرب، عليه أكثر أهل العلم، منهم أصحابنا ومالك، وأحد الوجهين عن الشافعي، لما ثبت في الصحيحين وغيرهما مما يفيد أنه صلى الله تعالى عليه وسلم كان يواظب على صلاة المغرب بأصحابه عقب الغروب، ولقول ابن عمر رضي الله تعالى عنهما "ما رأيت أحداً على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصليهما". رواه أبوداود وسكت عنه والمنذري في مختصره وإسناده حسن. وروى محمد عن أبي حنيفة عن حماد أنه سأل إبراهيم النخعي عن الصلوة قبل المغرب قال: فنهى عنها، وقال: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وأبابكر وعمر لم يكونوا يصلونها. وقال القاضي أبوبكر بن العربي: اختلف الصحابة في ذلك ولم يفعله أحد بعدهم، فهذا يعارض ماروي من فعل الصحابة ومن أمره صلى الله تعالى عليه وسلم بصلاتهما؛ لأنه إذا اتفق الناس على ترك العمل بالحديث المرفوع لايجوز العمل به؛ لأنه دليل ضعفه على ما عرف في موضعه اهـ" (ردالمحتار: ۱/۲۵۲)(۳).

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۷۰، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت: ۱/۳۶۹، سعيد)

عبارات منقولہ بالا میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور بعد کے اکابر ائمہ مجتہدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا عمل ومسلک بیان ہوگیا۔ آپ کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ خود اس سے پرہیز کریں دوسروں کو اس عمل سے نہ روکیں، کسی سے بحث نہ کریں، اگر آپ کبھی پڑھ لیں گے تب بھی گنہگار نہیں ہوں گے، مغرب کا وقت یہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

اشراق کی دو رکعات میں ''عبادات متعددہ'' کی نیت کرنا

سوال[۱۰۴۰۳]: حدیث پاک میں اشراق کی دو رکعت پر حج وعمرہ جیسا ثواب اور تمام اعضاء کی طرف سے دو رکعت پر صدقہ ہوجاتا ہے اور دو رکعت کے پڑھنے پر دن بھر کی ضرورتوں کی کفالت، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ان تمام فضائل کو حاصل کرنے کے لئے الگ الگ دو رکعت پڑھنی پڑے گی یا صرف دو رکعت کافی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اشراق میں نیت کرلیں، تو یہی دو رکعت ان سب مقاصد کے لئے ان شاء اللہ کافی ہوں گی (۱)۔ لكل امرىءٍ ما نوى. فقط والله تعالىٰ اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۵ھ۔

اشراق اور تہجد کی رکعات کی تعداد

سوال[۱۰۴۰۴]: چاشت کی کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟ زیادہ سے زیادہ کتنی اور کم سے کم کتنی؟ نیز تہجد کی کتنی رکعت ہیں؟ تحریر فرماویں۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۹، رشيديه)

(۱) "ثم إنه إن جمع بين عبادات والوسائل في النية صح كما لو اغتسل لجنابة وعيد وجمعة اجتمعت، ونال ثواب الكل ..... وكذا يصح لو نوى نافلتين، أو أكثر كما لو نوى تحية مسجد، وسنة وضوء، وضحى، وكسوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۶، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اشراق کی چار یا آٹھ رکعات ہیں (۱)، تہجد میں کثرت سے آٹھ کا ذکر ہے، کم زیادہ میں بھی مضائقہ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۵ھ۔

(۱) "عن ام هانئ بنت أبي طالب رضي الله تعالى عنهما تقول: ذهبت إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة بنته تستره قالت: فسلمت عليه فقال: من هذه؟ فقلت: أنا أم هانيء بنت أبي طالب فقال: مرحباً بام هانئ فلما فرغ من غسله، قام فصلى ثمان ركعات ملتحفا في ثوب واحد فلما انصرف ... قالت أم هانئ: وذاك ضحى". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد ملتحفاً به: ۱/ ۵۲، قديمي)

"عن معاذة، أنها سألت عائشة رضي الله تعالى عنها كم كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي صلاة الضحى؟ قالت: أربع ركعات ويزيد ماشاء". (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى الخ: ۱/ ۲۴۹، قديمي)

"(وندب أربع فصاعداً في الضحى) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار، وفي المنية: أقلها ركعتان وأكثرها اثنى عشر، وأوسطها ثمان، وهو أفضلها كما في الذخائر الأشرفية". (الدرالمختار، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحى: ۲/ ۲۲، ۲۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۳۹۵، ۳۹۶، قديمي)

(۲) "ومن المندوبات ركعتا السفر ... وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان.

(قوله: وأقلها على ما في الجوهرة ثمان) قيد بقوله على ما في الجوهرة: لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولو ركعتين، والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات ... وهذا بناء على أن أقل تهجده صلى الله تعالى عليه وسلم كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثماني ركعات اخذاً مما في مبسوط السرخسي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ۲/ ۲۴، ۲۵، سعيد)

"(وندب صلاة الليل) خصوصاً آخره كما ذكرناه، وأقل ما ينبغي أن يتنفل بالليل ثمان ركعات كذا في الجوهرة. ..."

اشراق پڑھنے سے حج وعمرہ کا ثواب کب ملتا ہے؟

سوال[١٠٤٠٥]: نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے کم از کم کتنی دیر بعد میں شروع ہوجاتا ہے؟ نیز حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص نماز فجر کے بعد اسی جگہ پر بیٹھا رہے اور طلوع آفتاب کے بعد اشراق پڑھے، تو اس کو ایک حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے، تو جو شخص نہ بیٹھے اور ٹہل کر وظیفہ پڑھتا رہے یا سیر وتفریح کو چلا جائے، پھر آکر اشراق پڑھ لے، تو بھی حدیث کے مطابق اسے ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بعد فجر ٹہلتے اور ذکر کرتے رہنے کے بعد اشراق پڑھنے سے بھی بہت ثواب ملتا ہے، مگر باجماعت نماز پڑھ کر اسی جگہ سے اسی ہیئت پر بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہ کر آفتاب کچھ بلند ہو کر اشراق پڑھنے کی جو فضیلت ہے، وہ اپنی قیود سے حاصل ہوگی (١)۔ طلوع شمس سے تقریباً پندرہ منٹ گزرنے پر شعاع شمس صاف ہوجاتی ہے کہ

= قوله: (وأقل ماينبغي أن يتنفل بالليل ثمان ركعات) الذي في الحاوي القدسي أن أقله ركعتان

وأكثره ثمان لما روى أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصلي خمس ركعات منها الوتر ثلاث، وروى

سبع، وروى تسع، وروي إحدى عشرة، وثلاثة عشر ركعة، والوتر من الجميع". (حاشية الطحطاوي على

مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ٣٩٦، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ومن المندوبات صلاة

الضحى: ١/١١٢، رشيديه)

(١) "عن معاذ بن انس رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من قعد في

مصلاه حين ينصرف من صلاة الصبح حتى يسبح ركعتي الضحى لايقول إلا خيرا غفرله خطاياه، وإن

كانت أكثر من زبد البحر". (رواه أبوداود، باب صلاة الضحى: ٢/٢١، رقم الحديث: ١٢٨٧، دار

إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من

صلى الفجر في جماعة، ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة

وعمرة، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: تامة تامة تامة". (رواه الترمذي، باب ماذكر بما

يستحب من الجلوس: ١/١٣١، دار الكتب العلمية بيروت)

=

اس پر نظر نہ ٹھہر سکے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اوابین کی رکعات کی تعداد

سوال [۱۰۴۰۶]: اوابین کی چار رکعت ہیں یا اس سے زیادہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مغرب کے بعد ۶/ نوافل ہیں، ۲/ بھی وارد ہیں، ترمذی شریف میں روایت موجود ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۵ھ۔

= "عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن الله عزوجل يقول: ابن آدم لا تعجزن من أربع ركعات من أول النهار أكفك آخره. وفي بذل المجهود تحت (لا تعجزن من أربع ركعات) قيل المراد صلاة الإشراق". (بذل المجهود، باب صلاة الضحى: ۲/ ۲۷۳، إمداديه)

(۱) "وقت صلاة الإشراق وقت طلوع الشمس وفي العرف عن السيوطي، وعلي المتقي: أن صلاة الضحى غير صلاة الإشراق، قال القاري في شرح الشمائل: والتحقيق أن أول وقت الضحى إذا خرج وقت الكراهة وآخره قبيل الزوال وأن ما وقع في أوائله يسمى صلاة الإشراق أيضا، وما وقع آخره يسمى صلاة الزوال أيضاً وما بينهما، يختص بصلاة الضحى اهـ". (أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى: ۲/ ۸۷، إمداديه ملتان)

"أي: أوقات المكروهة أولها (عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع) وتبيض قدر رمح أو رمحين". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في أوقات المكروهة، ص: ۱۸۶، قديمي)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب صلاة الضحى: ۲/ ۱۰۴، إدارة تاليفات اشرفيه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن بعبادة ثنتي عشرة سنة". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب: ۱/ ۹۸، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: "صليت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ركعتين بعد المغرب في بيته". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد المغرب والقراءة =

صلوۃ الحاجت میں استغفار کی نیت کرنا

سوال[۱۰۴۰۷]: کیا صلوۃ حاجت میں بھی نوافل کی طرح حاجت کے ساتھ استغفار وغیرہ کی نیت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

فجر کی سنت پڑھ کر جماعت سے پہلے لیٹنا

سوال[۱۰۴۰۸]: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے، بوجہ کمزوری لیٹ جاتا ہوں، مسجد میں اعتکاف کی نیت سے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو، کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں، خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے(۲)۔

= فيهما: ۱/۹۸، سعيد)

"(و) ندب (ست) ركعات (بعد المغرب لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين" وتلا قوله تعالىٰ: إنه كان للأوابين غفوراً". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في بيان النوافل، ص: ۳۹۰، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۸۹، رشيديه)

(۱) "ثم إنه إن جمع بين عبادات الوسائل في النية صح كما لو اغتسل لجنابة، وعيد وجمعة اجتمعت، ونال ثواب الكل ..... وكذا يصح لو نوى نافلتين، أو أكثر كما لو نوى تحية مسجد، وسنة وضوء، وضحى، وكسوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۶، قديمى)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب الضجعة على الشق الأيمن بعد =

مگر اس طرح ہو کہ نیند نہ آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ركعتي الفجر: ١/١٥٥، قديمي)

"وحملوا الأمر الوارد بذلك في حديث أبي هريرة عند أبي داؤد وغيره على الاستحباب وفائدة ذلك الراحة والنشاط لصلاة الصبح". (فتح الباري، كتاب التهجد، باب من تحدث بعد الركعتين ولم يضطجع: ٣/٥٥، ٥٦، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر: ١/٩٢، سعيد)

الفصل الثالث في التهجد

(تہجد کی نماز کا بیان)

رات کے اندھیرے میں نفل نماز پڑھنا

سوال[۱۰۴۰۹]: کیا نفل نماز اندھیرے میں پڑھنی درست ہے؟ مثلاً تہجد کی نماز مسجد میں یا گھر میں اندھیرے میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رات کو دیکھا کہ بستر خالی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما نہیں ہیں تو تلاش کرتی ہوئی گئیں، اندھیرے میں مسجد میں آپ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ حدیث ابوداؤد شریف کتب صحاح میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: فقدت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليلة من الفراش فالتمسته فوقعت يدي على بطن قدمه وهو في المسجد وهما منصوبتان وهو يقول: "اللهم إني أعوذ برضاک من سخطک، وبمعا فاتک من عقوبتک، وأعوذبک منک لا أحصي ثناء عليک أنت كما أثنيت على نفسک". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود: ۱/۱۹۲، قديمی)

(وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في الركوع والسجود: ۱/۱۳۶، رحمانيه)

(وجامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء في عقد التسبيح باليد، باب منه: ۲/۱۸۷، سعيد)

الفصل الرابع في صلاة النفل بالجماعة

(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جماعت کے ساتھ تہجد پڑھنا اور حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس کو بدعت کہنا

سوال[۱۰۴۱۰]: ا......شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ، رمضان شریف میں تہجد کو جم غفیر کے ساتھ باجماعت ادا کرتے تھے۔ (اکابر کا رمضان)(۱)۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ تہجد کی جماعت کو بدعت کہہ کر سخت الفاظ سے اس کی تردید کرتے تھے۔ شاندار ماضی (۲)۔ مکتوبات ربانی (۳)۔

---

(۱) ''ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تہجد کے لئے تشریف لے جاتے جو لوگ تہجد کی شرکت کے لئے دور دور سے آتے وہ سب حضرت نوره اللہ مرقدہ کے پہنچنے سے پہلے، ورنہ پہلی رکعت میں ضرور شریک ہوجاتے، تہجد میں دو قرآن کا معمول تھا۔ ایک حضرت نوراللہ مرقدہ پڑھتے دوسرا مولانا محمد جلیل صاحب۔ حضرت تہجد کے لئے تشریف لے جاتے وقت بہت اہتمام کرتے کہ آہٹ نہ ہو اور کسی کی آنکھ نہ کھلے، مگر لوگ فرط شوق میں جاگ ہی جاتے''۔ (اکابر کا رمضان، معمولات حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص:۵۴، مکتبۃ الشیخ)

(۲) (علمائے ہند کا شاندار ماضی، حصہ اول، ص:۸۵، ۸۶، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ، چند بدعتوں کی اصلاح قابل توجہ علمائے دور حاضر، ناشر الجمعیت پبلیکشنز سرگودھا)

(۳) ''بدانکہ ادائے نوافل بجماعت در بعضی روایات فقہیہ مطلقاً مکروہ است، و در بعضے دیگر کراہت مشروط بتداعی و تجمع است، پس اگر بے تداعی کہ دو کس در ناحیہ مسجد نفل را بجماعت گزارند روا باشد بے کراہت، و در سہ کس اختلاف مشائخ است، و در چہار کس باتفاق مکروہ است، در بعضی روایات و در بعضی دیگر اصح آنست کہ مکروہ است ..... و مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایاتست، چہ حرام را مباح دانستن منجر بکفر ست، و مکروہ را حسن پنداشتن یک مرتبہ ازان پایان است، شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمود''۔ (مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی، دفتر اول، حصہ پنجم، ص:۷۳، ۷۴، باہتمام محترم لالہ اسرار محمد خان صاحب، گارڈن کراچی)

تہجد کی جماعت کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

سوال[۱۰۴۱۱]: ۲..... علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں رمضان شریف میں بھی صلوٰۃ تہجد کو بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ فرمایا ہے(۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنی حدیث، فقہ میں گہری بصیرت کی بناء پر اگر تفرد اختیار فرمایا ہے تو اس کی وجہ سے ہمیں ان پر اعتراض کا حق نہیں، لیکن ان کے تفرد کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب نہیں بدلے گا، سلف میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں کہ کسی دلیل سے انہوں نے کسی عمل کی گنجائش سمجھی۔

۲..... یہی مذہب ہے(۲) اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اوپر تحریر کردیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۰ھ۔

اوابین وتہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنا

سوال[۱۰۴۱۲]: نوافل کو با جماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان شریف میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نوافل کی جماعت علیٰ سبیل التداعی مکروہ ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کا ذکر تو ہے، کسی اور نفل (بعد مغرب یا اخیر شب) کو کراہت سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۵ھ۔

---

(۱) ''جماعت نوافل کی، سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں، مکروہ تحریمہ ہے۔ فقہ میں لکھا ہے، اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے، پس جماعت صلوٰۃ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہیں''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، باب امامت اور جماعت کا بیان، نوافل کی جماعت کا مسئلہ، ص: ۲۷، سعید)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''اوابین وتہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنا''

(۳) ''والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة، فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن =

تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا

سوال[۱۰۴۱۳]: شریعت میں نمازِ تہجد کی اصل نوعیت کس پر ہے رمضان یا غیر رمضان میں؟ علی الاعلان یا بغیر اعلان تہجد کی جاوے؟ بہرحال سنت طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تہجد کی نماز سنت ہے، ادائیگی اس کی بہ نیت نفل کی جاوے(۱)، نفل نماز، رمضان غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، علی الاعلان ہو یا بغیر اعلان کے(۲)، البتہ فقہاء نے اس کی تصریح

= شمس الأئمة: هذا فيما كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد أو اثنان بواحد لايكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۸۶، قديمي)

"ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعةٍ خارج رمضان أي: يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر.

(قوله: على سبيل التداعي) هو أن يدعو بعضهم بعضاً كما في المغرب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي: ۴۸/۲، ۴۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۰۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "ومن المندوبات ركعتا السفر، والقدوم منه، وصلاة الليل". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲۴/۲، سعيد)

"ومنها: قيام الليل، والأخبار فيه أكثر من أن تحصى". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۲/۲، رشيديه)

(۲) "ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي: يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدى أربعة بواحد كما في الدرر.

(قوله: على سبيل التداعي) هو أن يدعو بعضهم بعضاً كما في المغرب". (الدرالمختار مع =

گئی ہے، کہ رمضان میں اگر بغیر تراویح کے دو تین آدمی مل کر تہجد باجماعت پڑھیں تو اجازت ہے، ورنہ جماعت مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نوافل کی نماز باجماعت پڑھنا

سوال[۱۰۴۱۴]: صلوۃ کسوف تراویح اور استسقاء کے علاوہ دیگر نوافل کو بتداعی باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، بتداعی سے مراد چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ میں مذکور ہے(۲)، یہ حکم رمضان اور غیر رمضان دونوں کے لئے ہے یا فقط غیر رمضان کے لئے؟ خصوصاً رمضان شریف میں تہجد واوابین کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اس تقدیر پر بدون اذان واقامت کے تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت مکروہ ہوگی یا نہیں؟

= ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي: ۴۸/۲، ۴۹، سعيد)

"الجماعة في النفل في غير التراويح ومكروهة فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة: أن هذا فيما كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد أو اثنان بواحد لايكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً". (مراقي الفلاح، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۸۶، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۴۰۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيذمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۴۰۲/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة التراويح، نوع آخر في المتفرقات: ۶۷۰/۱، إدارة القرآن كراچى)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (قوله: على سبيل التداعى) بأن يقتدى أربعة فأكثر بواحد".

(ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۵۲/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲۴۰/۱، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کی جماعت بدستور مکروہ ہے(۱)، مسجد میں جماعت ثانی کو علی سبیل التداعی مکروہ لکھا ہے، اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اذان واقامت کے ساتھ ہو(۲)، چنانچہ بعض کتب فقہ میں علی ہیئۃ الاولی کا لفظ ہے(۳)، اس پر بعض حضرات نے تفریع کی ہے کہ بلااذان واقامت کے اور محراب سے الگ ہوکر زاویۂ مسجد میں دوتین آدمی جماعت کرلیں تو اجازت ہے، تاکہ فضیلت جماعت سے محروم نہ ہوجائیں(۴)، فرض نماز کے لئے

---

(۱) "ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي: يكره ذلک على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي: ۲/۴۸، ۴۹، سعيد)

"واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ما تقدم". (الحلبي الكبير، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۲، رشيديه)

(۲) "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق، أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلاة، تاسعاً، تكرار الجماعة في المسجد: ۲/۱۱۹۲، رشيديه)

(۳) "وعن أبي يوسف: إذا لم تكن على الهيئة الأولى لاتكره وإلا تكره وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۳۹۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۵، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، نوع فيما يكره وما لايكره: ۴/۵۶، رشيديه)

(۴) "أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان وإقامة في ناحية المسجد لايكره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۴، رشيديه)

"وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية. وفي التتارخانية عن الولوالجية: وبه =

جماعت بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے، بعض کے نزدیک واجب ہے بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے(۱)۔ اور اہل اصول کے نزدیک بلا جماعت ادائے ناقص ہے(۲)۔ نوافل میں اصل اخفاء وانفراد ہے، رمضان المبارک میں تراویح کے لئے (۳) مطلقاً اور بقیہ نوافل کے لئے بغیر تداعی (۴) کے جماعت کی گنجائش دی گئی

= تأخذ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۱) "قال الله تعالى: ﴿واركعوا مع الراكعين﴾ أي: وكونوا مع المؤمنين في أحسن أعمالهم، ومن أخص ذلك وأكمله الصلاة. وقد استدل كثير من العلماء بهذه الآية على وجوب الجماعة". (تفسير ابن كثير، البقرة: ۴۳: ۱/۱۲۴، دارالسلام رياض)

"وأما المسألة الأولى: فإن العلماء اختلفوا فيها: فذهب الجمهور إلى أنها سنة، أو فرض على الكفاية، وذهب الظاهرية إلى أن صلاة الجماعة فرض متعين على كل مكلف". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، الفصل الأول في معرفة حكم صلاة الجماعة، المسألة الأولى في حكم صلاة الجماعة: ۲/۳۷۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"(الجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب". (الدرالمختار).

"(قوله: قال الزاهدي) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الاتي، وبيان أن المراد بهما واحد الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

(۲) "والمحض ما يؤديه الإنسان بوصفه على ما شرع مثل الصلاة بالجماعة فأما فعل الفرد فأداء فيه قصور".

(كشف الأسرار على أصول البزدوي، باب يلقب ببيان صفة حكم الأمر: ۱/۳۲۶، ۳۲۷، قديمى)

"ثم الأداء نوعان أداء وقاصر: فالكامل مثل أداء الصلاة في وقتها بالجماعة". (أصول الشاشي، فصل الواجب بحكم الأمر، ص: ۴۱، قديمى)

(وكذا في نور الأنوار، مبحث الأمر، بحث كون الأداء كاملا وقاصرا، ص: ۳۶، سعيد)

(۳) "(والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۰، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في صلاة الوتر، ص: ۲۱۳، قديمى)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۲۰۲

ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ گنجائش کو گنجائش ہی کی حد تک رکھا جاتا ہے، اس کے اصل کو درجہ تک پہنچانے کی کوشش نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب صلاۃ التراویح

(تراویح کی نماز کا بیان)

الفصل الأول في ختم القرآن في التراويح

(تراویح میں قرآن ختم کرنے کا بیان)

معوذتین کو وتر میں پڑھنے سے قرآن پاک تراویح میں ختم ہوگا یا نہیں؟

سوال[۱۰۴۱۵]: تراویح کی بیس رکعت کو سہواً اٹھارہ خیال کرتے ہوئے ختم قرآن میں اگر معوذتین چھوٹ جائے، تو ان کا نماز وتر اول دو رکعت میں ادا کرنا اور تیسری رکعت کے لئے "پارہ الم" کا کچھ شروع بنیت مزید کلام اللہ ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرآن کریم تو پورا ہوجائے گا، مگر تراویح میں پورا نہ ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه، ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلاة الجائزة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱/۱۱۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، نوع آخر بيان القراءة في التراويح: ۱/۶۶۰، إدارة القرآن كراچي)

الفصل الثاني في الترويحة وتسبيحها

(ترویحہ اوراس کی تسبیح کا بیان)

ترویحہ سے متعلق ایک موضوع دعا

سوال[۱۰۴۱۶]: بعض ثقہ اور مشہور اشتہاروں میں تراویح کے ترویحہ کی مسنون دعا کے عنوان سے منتخب از احادیث صحیحہ یہ دعا لکھی ہے:

"سبحان الملك القدوس، سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحي الذي لاينام ولا يموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملئكة والروح، لا إله إلا أنت أستغفرك، وأسئلك الجنة، وأعوذبك من النار، أللهم أجرني من النار يامجير يامجير يامجير!"

اور بعض اشتہاروں میں بڑی لمبی قدرے لایعنی دعا درج ہے، خلفائے اربعہ کے نام اوران کے القاب کلمات جن سے دعا دعا نہیں رہتی، لکھتے ہیں۔ ترویحہ میں بعض جگہ تو سب مل کر پڑھتے ہیں اور بعض جگہ موذن کے ذمہ ہے کہ وہ تنہا یا دو چار آدمیوں کو شریک کرکے بڑے زور کی آواز سے یہ لمبی دعا پڑھے، وہ عبارت یہ ہے:

"تراویح میں پڑھنے کی تسبیحات: تراویح سے پہلے پکار کر موذن کے ذمہ ہے کہ یوں پکارے" الصلوۃ سنت التراويح رحمكم الله"۔ پھر لکھا ہے کہ پہلے دوگانہ ترویحہ کے بعد اس دعا کو ایک بار پڑھیں: "فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمة وعافية وسلامة، لا إله إلا الله والله أكبر، ولله الحمد، خواجه عالم صلوة"۔ کے بعد پہلی ترویحہ کے یہ تسبیح تین بار پڑھیں، کلمہ شہادت پڑھیں، دعا مانگنے کے بعد یوں کہیں: "العبد محمد مصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم لا إله إلا الله والله أكبر، خواجه عالم صلوة"۔

۲- دوسری ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھیں:

"اللهم صل على محمد، وعلى جميع الأنبياء والمرسلين والملائكة المقربين، وعلى كل منا برحمتك يا أرحم الراحمين".

دعا مانگنے کے بعد یہ دعا ایک بار پڑھیں:

"خليفة رسول الله، خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق والتحقيق، أمير المؤمنين حضرت أبوبكر الصديق رضي الله تعالى عنه، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم".

غرض اس طرح سب خلفاء کے نام تسبیحات کے نام سے مروج ہیں، تراویح کے ختم ہونے کے بعد استغفار غیر ثابت لفظوں میں پڑھنے کو بتایا ہے، پھر خاتمہ پر ان اشتہاروں میں سب پڑھنے کے بعد مثل سابق ایک بار یہ پڑھنے کو بتایا:

"أسد الله الغالب، مظهر العجائب والغرائب، إمام المشارق والمغارب، علي ابن أبي طالب لا إله الله والله أكبر" وغیرہ۔

شرعاً اس کے بارے میں جواب مرحمت فرمائیں کہ اس کا پڑھنا کیسا ہے؟ اور کیا یہ ثابت ہے؟

محمد عمر، امام مسجد لال گھنٹہ مدراس، ۶۰۰۰۲۱

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ خاموش بیٹھے یا تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے یا تسبیح واستغفار پڑھے، مکہ مکرمہ کے حضرات کا معمول تھا کہ وہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کرتے اور دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے حضرات ہر چار تراویح کے بعد جداگانہ چار چار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے (۱)۔

---

(۱) "ويجلس ندباً بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى.

(قوله: وصلاة فرادى) ... وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعاً اهـ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٢/٢٠٢، سعيد)

"وقد قالوا: إنهم مخيرون في حالة الجلوس، إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرؤا القرآن، وإن =

کلمات ذیل شامی میں منقول ہیں:

"قال القهستاني: فيقال: ثلاث مرات "سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحي الذي لا يموت، سبوح قدوس رب الملئكة والروح، لا إله إلا الله نستغفر الله، نسألك الجنة ونعوذبك من النار" كما في منهج العباد اهـ"

شامي: ۱/٤٧٤(۱).

جوطریقہ ہرتراویح کے بعد مسنونہ کلمات اوراجتماعی دعا کا سوال میں تحریر ہے، وہ کتب شرعیہ متندہ میں نہیں ہے، بلکہ خصوصی مقامات پر کچھ لوگوں نے غالباً روافض وغیرہ کی تردید ومخالفت کے لئے ایجاد کیا ہے اور اس کو ماثور ومنقول کی حیثیت دے دی، اس کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا

سوال[۱۰۴۱۷]: تراویح نماز میں چار رکعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= شاؤا صلوا أربع ركعات فرادى، وإن شاؤا قعدوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۴۴۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۹۶، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح =

ہر ترویحہ کے بعد دعا

سوال[۱۰۴۱۸]: ہمارے یہاں بیس رکعت کی تراویح نماز میں پانچ دفعہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر مناجات ہوتی ہے، یعنی چار رکعت نماز کے بعد ایک دفعہ دعا ہوتی ہے، اس کے بعد پھر ہاتھ اٹھا کر دعا ہوتی ہے، مگر ساری یوپی میں صرف بیس رکعت پر دعا ہوتی ہے، اگر ہمارے وہاں بیس رکعت کے بعد دعا کے لئے کہا جاتا ہے تو لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اگر ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ چار پر ضروری سمجھ کر دعا مانگنا بدعت ہے، کیونکہ یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے تو وہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ بیس رکعت پر بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے، وہ بھی بدعت ہونی چاہیے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر چار پر بدعت ہے، تو فرض کے بعد بدعت ہونی چاہیے، کیونکہ یہ بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے، مگر ساری دنیا پر یہ دعا ہوتی ہے، اگر چہ ضروری نہیں سمجھتے ہیں، مگر ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ضروری نہیں سمجھتے تو کبھی بھی ترک دعا ہونی چاہیے، مگر کبھی ایسا نہیں کرتے ہیں تو تراویح کی بیس رکعت نماز میں پانچ دفعہ دعا مانگنا بدعت کیوں ہوگی؟ یہ بدعتی کے قول ہے، لہٰذا مع دلائل عقلی ونقلی سے تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت کتب حدیث وفقہ سے نہیں ہے، چہ جائیکہ اس پر اصرار اور اس کا التزام(۱)؟! اور بیس رکعت تراویح چونکہ پوری ایک نماز ہے، جو دس سلام اور پانچ ترویحوں

= البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱: ۳۷۱، قديمي)

"من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱: ۳۶۹، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱: ۳۷۱، قديمي)

"من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط، فهو مردود عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱: ۳۶۹، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

"من أصر على أمر وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، =

سے ادا کی جاتی ہے، اس لئے اس کے اختتام پر دعا کے ثبوت کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کا ثبوت کافی ہے۔

باقی رہا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ فرض نمازوں کے بعد بھی دعا کا ثبوت نہیں ہے، یہ قول جہالت اور کتب حدیث وفقہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے، فرض نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً موجود ہے۔

"عن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً وقال: اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام" رواه مسلم، مشكوة، ص: ۸۸ (۱).

"ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين بالأدعية المأثورة الجامعة، لقول أبي أمامة رضي الله تعالى عنه: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوة المكتوبة، ولقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: إني لأحبك أوصيك يا معاذ! لا تدع دبر كل صلوة أن تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك" (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي، ص: ۱۷۳، ۲۵۷، مطبوعه مصر (۲)). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= فكيف من أصر على بدعة أو منكر" (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/ ۲۶۳، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته: ۱/ ۲۱۸، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث ثوبان رضي الله تعالى عنه: ۵/ ۵۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۰، ۳۱۲، قديمي)

باب قضاء الفوائت

(قضاءنمازوں کا بیان)

اگرنماز قضاء ہوگئی تو قضاواجب ہے یا کفارہ؟

سوال [۱۰۴۱۹]: تکلیف کی وجہ سے ظہر وعصر کی نماز اور رمضان شریف کے چھ روزے قضا ہو گئے، شرعاً ان دونوں کی قضا کا کیا کفارہ ہونا چاہیے؟

سائل: عبداللہ انصاری

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ واجب نہیں، صرف قضا ضروری ہے۔

"من فاتته صلوة قضاها إذا ذكرها، هدايه: ١/١٣٤(١)، مطبوعه رشيديه دهلي.

"ومن كان مريضاً في رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه أفطر وقضى" هدايه: ١/٢٠١، مطبوعه كتب خانه رشيديه دهلي(٢).

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱۱/۵۱ھ۔

---

(١) (الهداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ١٥٢/٢، شركت علميه ملتان)

"(ومن فاتته الصلاة) يعني عن غفلة أو نوم أو نسيان (قضاها إذا ذكرها) وكذا إذا تركها عمداً". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ١/٩٢، قديمي)

"كل صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضاؤها سواء ترك عمداً أو سهواً أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائت كثيرة أو قليلة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢١، رشيديه)

(٢) (الهداية، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة: ١/٢٢١، شركت علميه) =

اگر نماز فوت ہوگئی تو قضا ہے کفارہ نہیں۔

عبداللطیف، ۲۸/ ذیقعدہ ۵۱ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ۔

کیا قضائے عمری میں وقت کی رعایت ضروری ہے؟

سوال [۱۰۴۲۰]: نماز قضائے عمری میں اوقات کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رعایت ضروری نہیں، ایک وقت میں بھی ایک دن ایک رات کی جس قدر ہو سکے، قضا پڑھ لینا درست ہے(۱)، مگر قضا نمازیں اس طرح پڑھی جائیں کہ دوسرے کو علم نہ ہو کہ یہ قضا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

= "المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة وامتداده فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الأفطار: ۱/ ۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصوم: ۱/ ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

(۱) "وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلاثة المنهية".

(قوله: وقت للقضاء) أي: لصحته فيها وإن كان القضاء على الفور إلا لعذر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۲۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۱/ ۳۰۲، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وينبغي أن لايطلع غيره على قضائه؛ لأن التاخير معصية فلا يظهرها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۷، سعيد)

"ينبغي أن يقضيها في بيته ولا يقضيها في المسجد". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۵، رشيديه)

اشراق اور تہجد میں قضائے عمری کی نیت کرنا

سوال[۱۰۴۲۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ تہجد کے وقت تہجد کی نماز کے بجائے قضائے عمری پڑھیں تو قضائے عمری کے ساتھ تہجد کی نماز کا بھی ثواب ملے گا، اسی طرح اشراق کی نماز کے بجائے قضائے عمری پڑھیں تو قضائے عمری کے ساتھ اشراق کی نماز کا بھی ثواب ملے گا اور اسی طرح شب برات، شب قدر میں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضا شدہ فرض نمازوں کا پڑھنا تہجد اشراق وغیرہ سے زیادہ قابل اہتمام ہے، امید ہے کہ ایسا کرنے سے تہجد واشراق کا بھی ثواب ملے گا (۱)، شب برأت میں عبادت کا ثواب دوبالا ہوگا (۲)۔ فقط

(۱) "الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ص: ۴۴۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا، حتى يطلع الفجر". (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، ماجاء في قيام شهر رمضان، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، ص: ۹۹، قديمي)

"ويستحب إحياء ليلة النصف من شعبان؛ لأنها تكفر ذنوب السنة. . .

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: سمعت رسول الله يقول: "يسح الله الخير في أربع ليال سحاً" فذكر منها ليلة النصف من شعبان، ولأنها ليلة الإجابة لما روي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: "خمس ليال لا يرد فيهن الدعاء: ليلة الجمعة، وأول ليلة من رجب، وليلة النصف من شعبان، وليلة العيد . . . الخ". (إمداد الفتاح، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي، ص: ۴۴۳، دار إحياء التراث العربي بيروت) . . .

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "ومن المندوبات ركعتا السفر ... وإحياء ليلتي العيدين والنصف من شعبان.

(قوله: والنصف من شعبان) عطف على ليلتي بتقدير مضاف أي: وإحياء ليلة النصف من شعبان لفضيلتها". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱/۲۸۷، دار المعرفة بيروت)

فصل في فدية الفوائت

(قضا نمازوں کے فدیہ کا بیان)

مرض الوفات میں حواس باقی نہ رہنے سے فدیہ کا حکم

سوال[۱۰۴۲۲]: مرض الموت میں ہوش وحواس نہ رکھنے کی وجہ سے جو نمازیں ادا نہ ہوسکیں، ان کا فدیہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر چھ نمازوں کے بقدر ہوش وحواس نہ رہے تو ان کا فدیہ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ

سوال[۱۰۴۲۳]: دن رات میں کتنی نمازوں کا فدیہ دیا جائے گا؟ اور کس حساب سے؟

---

(۱) "عن نافع قال: أغمي على عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما يوما وليلة، فأفاق، فلم يقض ما فاته واستقبل" كذا في نصب الراية". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب المغمى عليه: ۷/ ۱۹۱، إدارة القرآن كراچي)

"قال العلامة الحصكفي: (ومن جن أو أغمي عليه) ولو بفزع من سبع أو آدمي (يوماً وليلة، قضى الخمس، وإن زاد وقت صلاة) سادسة (لا) للحرج ولو أفاق في المدة". (الدرالمختار، باب صلاة المريض: ۲/ ۱۰۲، سعيد)

"(قوله: وعليه صلوات فائتة) أي: بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها، وإلا فلا يلزمه وإن قلت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۷۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فدیہ واجب ہو تو دن رات کی چھ نمازوں کا فدیہ دیا جائے گا (وتر مستقل نماز ہے)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر)

(قوله: وكذا حكم الوتر)؛ لأنه فرض عملي عنده خلافاً لهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ٢/٧٢، ٧٣، سعيد)

"إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة، وأوصى بأن يعطى كفارة صلاته، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر، وللوتر نصف صاع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ٢/١٦٠، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢٥، رشيديه)

باب سجود السهو

(سجدہ سہو کا بیان)

کیا سجدہ سہو کے لئے دوسجدوں کا ہونا ضروری ہے؟

سوال[۱۰۴۲۴]: امام صاحب سے غلطی ہوئی، سجدہ سہو واجب ہوگیا، مثلاً: چار رکعت والی نماز میں امام صاحب نے غلطی سے دو رکعت پر ایک طرف سلام پھیر دیا، تو مقتدیوں نے لقمہ دیا اور پھر امام صاحب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے، قعدہ اخیرہ میں سجدہ سہو کر کے دوسجدوں میں سے ایک سجدہ کر کے التحیات اور درود شریف پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ مقتدیوں نے کہا کہ امام صاحب! سجدہ سہو میں دوسجدے ہوتے ہیں، آپ نے صرف ایک سجدہ کیا، جواب میں امام صاحب نے سجدہ تلاوت کا عذر پیش کیا، کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہیے، ترک واجب کی وجہ سے جب سجدہ سہو واجب ہو تو اس میں دوسجدے ہیں، ایک سجدہ کافی نہیں۔

"يجب بعد السلام سجدتان بتشهد وتسليم بترك واجب الخ" في سنن أبي داود.

"أنه عليه السلام قال: لكل سهو سجدتان بعد السلام" البحر الرائق: ۹۲/۲(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاه العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۶۲/۲، ۱۶۳، رشيديه)

"إذا سها المصلي بزيادة أو نقصان سجد للسهو سجدتين بعد التسليمتين". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲۱۹/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

سورۂ فاتحہ میں ایک دولفظ چھوٹنے سے سجدہ سہو کا حکم

سوال[۱۰۴۲۵]: امام سے نمازِ فرض پہلی یا دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ میں ایک لفظ چھوٹ گیا، تو سجدۂ سہو کرلیا، نماز ہوگئی یا نہیں؟ شروع کی تین آیت صحیح پڑھ لی، "إياك" چھوٹ گیا یا "صراط المستقيم" ایک چھوٹ گیا، لقمہ دینے سے نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ یا سورۂ فاتحہ نماز کی پہلی دو رکعت میں فرض ہے یا واجب ہے؟ سجدۂ سہو سے یا لقمہ دینے سے اور امام کا لقمہ لینے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر سورۂ فاتحہ میں پہلی یا دوسری رکعت میں امام سے ایک دو لفظ چھوٹ گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے اس کو پڑھ دیا یا لقمہ نہیں دیا، امام نے سجدہ سہو کرلیا، تو نماز ہوگئی (۱)۔ پہلی اور دوسری رکعت فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۱۴۰۱ھ۔

= (وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۷۷، ۸۰، سعيد)

(۱) "ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد.

(قوله: فالأشبه الفساد) وفي الفيض: وقيل لا تفسد وبه يفتى. وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الاستخلاف: ۱/۵۹۹، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ۴۶۵، ۴۶۶، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر في المتفرقات: ۱/۷۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "(وهي) على ما ذكره أربعة عشر (قراءة فاتحة الكتاب) فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۴۸، قديمي)

صرف ایک رکعت میں سورۃ پڑھنے کا حکم

سوال[۱۰۴۲۶]: مغرب کی دوسنتوں کے اندر میں نے پہلے رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی اور ضم سورہ بھول کر رکوع کرلیا، لیکن دوسری رکعت میں الحمد للہ، سورہ فاتحہ اور ضم سورہ دونوں تلاوت کی اور اس کے بعد سجدہ سہو کر کے نماز ختم کیا۔ اب بتلایئے میری نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قرأت میں کوئی لفظ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۱۰۴۲۷]: امام فرض نماز پڑھ رہا ہے، کوئی لفظ چھوٹ گیا، مقتدی نے لقمہ دیا، امام صحیح پڑھنے لگا، کوئی لفظ چھوٹا نہیں، ایسی حالت میں امام کو سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى: منها قراءة الفاتحة والسورة في صلاة ذات ركعتين، وفي الأوليين من ذوات الأربع والثلاث، حتى لو تركها أو أحدها، فإن كان عامداً كان مسيئاً، وإن كان ساهياً يلزمه سجود السهو". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان الواجبات الأصلية في الصلاة: ۲۸۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو لم يقرأ شيئاً مع الفاتحة أو قرأ آية قصيرة لزمه السجود". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱۶۶/۱، رشيديه)

"ولو قرأ الفاتحة وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو، وكذا لو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو: ۱۲۶/۱، رشيديه)

(۲) "ولا يجب السهو إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تكراره، أو تغير واجب بأن يجهر =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۳ھ۔

تیسری چوتھی رکعت میں صرف بسم اللہ پڑھنا

سوال [۱۰۴۲۸]: اگر فرض نماز میں تیسری یا چوتھی رکعت میں صرف بسم اللہ یا پوری تسمیہ پڑھ لی، پھر یاد آیا کہ رکوع کرنا ہے اور بغیر کوئی سورت پڑھے رکوع کیا، تو سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فرض تیسری یا چوتھی رکعت میں ختم سورہ فاتحہ پر رکوع سے پہلے، اگر بسم اللہ پڑھ لی ہے، تو اس سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بھول کر رکوع میں جانا اور پھر کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا اور رکوع کرنا

سوال [۱۰۴۲۹]: جب کہ امام رمضان میں وتر پڑھا رہا ہے اور تیسری رکعت میں دعائے قنوت بھول گیا اور رکوع کے اندر چلا گیا، یعنی خوب جھک گیا اور بہت مقتدیوں نے اللہ اکبر کا لقمہ دیا اور اب امام لقمہ

= فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، ص: ۴۵۵، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمى)

(۱) "ولا يجب السهو إلا بترك واجب، أو تأخيره، أو تأخير ركن، أو تكراره، أو تغير واجب بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في سجود السهو: ۱/۱۲۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ۴۵۵، سهيل اكيدمى لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۶۱، قديمى)

سے کر سیدھا کھڑا ہوگیا اور تکبیر کہی اور دعائے قنوت پڑھی اور پھر رکوع میں چلا گیا، وہ وتر ہو گئے ہیں یا نہیں؟ شرعاً جواب دیجئے اور کتاب کا حوالہ دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے قنوت بھول کر جب امام رکوع میں چلا گیا تھا، تو اس کو لوٹنا نہیں چاہیے تھا، تاہم جب دوبارہ لوٹا اور دعائے قنوت پڑھی، پھر دوبارہ رکوع کی ضرورت نہیں تھی، اگر رکوع دوبارہ کرلیا تب بھی نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ سجدہ سہو کرلیا ہو، اگر سجدہ سہو نہیں کیا، تو اعادہ واجب ہے۔

"لو تذكر القنوت في الركوع، فإنه لا يعود ولا يقنت فيه لفوات محله، ولو عاد وقنت لم يرتفض ركوعه؛ لأن القنوت لا يقع فرضاً فلا يرتفض به الفرض، ويسجد للسهو على كل حال اهـ" طحطاوي، ص: ۲۵۰ (۱). فقط والله تعالى اعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دعائے قنوت کا بھول جانا

سوال [۱۰۴۳۰]: کیا وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جانے پر رکوع میں یاد آجائے، تو پڑھ کر سجدہ سہو کر سکتے ہیں یا بغیر دعائے قنوت پڑھے ہی سجدہ سہو کرلینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں بغیر دعائے قنوت پڑھے ہی سجدہ سہو کرکے نماز پوری کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۹/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۱، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۹، ۱۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۷۵، رشيديه)

(۲) "لو تذكر القنوت في الركوع، فإنه لايعود، ولا يقنت فيه لفوات محله ويسجد للسهو على كل =

قعدہ اولیٰ ترک ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۴۳۱]: عشاء کی نماز میں امام نے قعدہ اولیٰ سہواً نہیں کیا اور اکثر مقتدیوں نے تشہد بیٹھ کر پڑھی، جب امام رکوع میں گیا، تو پیچھے رکوع میں بھی گئے، بہرحال بعد میں امام نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر دی، تو اس صورت میں امام کی نماز ہوگی یا نہیں؟ امام کہتا ہے کہ میرا اس پر یقین ہے کہ قعدۂ اولیٰ سہواً فوت ہوگیا ہے اور اس لئے میں نے سجدہ سہو کیا ہے اور نماز پوری پڑھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کی نماز ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۵ھ۔

مقتدی کا قعدۂ اولیٰ سہواً ترک کرنا

سوال[۱۰۴۳۲]: جماعت میں قعدۂ اولیٰ کے وقت ایک آدمی سہواً سجدہ سے کھڑا ہوگیا، جب تک

= حال، لترک الواجب أو تاخیره". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۲۱، قديمي)

"ومنها القنوت فإذا تركه يجب عليه سجود السهو. وتركه يتحقق برفع رأسه من الركوع".

(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۴۷۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۱، سهيل اكيدمي لاهور)

(۱) "عن عبدالله بن بحينة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: إن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قام من اثنتين من الظهر ولم يجلس بينهما، فلما قضى صلاته، سجد سجدتين، ثم سلم بعد ذلك". (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب ماجاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة: ۱/ ۱۶۳، قديمي)

"(سها عن القعود الأول من الفرض. ثم تذكره، عاد إليه) وتشهد، ولا سهو عليه في الأصح (مالم يستقم قائماً) في ظاهر المذهب وهو الأصح (وإلا) أي: وإن استقام قائماً (لا، وسجد للسهو).

(قوله: في ظاهر المذهب ..... الخ) مقابله في الهداية: إن كان إلى القعود أقرب، عاد ولا سهو عليه في الأصح، ولو إلى القيام أقرب فلا، وعليه السهو، وهو مروي عن أبي يوسف رحمه الله تعالى، واختاره مشايخ بخارى وأصحاب المتون". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۳، ۸۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۱۸۷، رشيديه)

امام نے قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھی، یہ شخص کھڑا رہا، پھر امام کے کھڑے ہونے پر رکوع بھی امام کے ساتھ کیا، گویا قعدہ اولیٰ نہیں کیا، تو اس مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی نماز درست ہوگی۔ قعدۂ اولیٰ ترک ہوا، مقتدی کے سہوا ترک واجب سے سجدہ سہو لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۵ھ۔

دو رکعت والی نماز میں بجائے قعود کے قیام کرنا

سوال [۱۰۴۳۳]: نماز تراویح یا کوئی نماز جو دو رکعت والی ہو، اس میں اگر کوئی بجائے قعود کے کھڑا ہو جائے، پھر اس کو لوٹایا جائے، یا وہ خود لوٹ جائے، تراویح یا دیگر دو رکعت والی نماز میں یہ صورت پائی گئی ہو، اس صورت میں سہو لازم ہے یا نہیں؟ اور اگر لازم ہے اور نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دو رکعت والی نماز میں دو رکعت پوری ہونے پر قعدہ نہیں کیا، بلکہ بھول کر کھڑا ہو گیا، پھر از خود یاد آ گیا یا کسی مقتدی کے لقمہ دینے سے یاد آیا اور بیٹھ گیا تو سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے، ورنہ اس نماز کو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔

"ولو سهى عن القعود الأخير عاد مالم يقيدها بسجدة، وسجد للسهو لتأخير القعود اهـ" درمختار۔

"قوله عن القعود الأخير أراد به القعود المفروض، أو ما كان آخر

---

(۱) "وإنما لم يلزم المأموم سهو نفسه؛ لأنه لو سجد وحده كان مخالفاً لإمامه، إن سجد قبل الإمام، وإن أخره إلى ما بعد سلام الإمام يخرج من الصلاة بسلام الإمام؛ لأنه سلام عمد ممن لا سهو عليه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/ ۸۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب سجود السهو: ۱/ ۳۱۲، دارالمعرفة بيروت)

الصلاة. فيشمل نحو الفجر أفاده في البحر اهـ" شامي: ۱/۱۰۱۵(۱).

"ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد، والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً اهـ" در مختار: ۳۰۶(۲).

ردالمحتار، ص: ۳۰۶.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۸۹ھ۔

سجدہ سہو واجب نہ ہونے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا

سوال[۱۰۴۳۴]: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، قرأت میں بھول گیا، لقمہ دینے پر صحیح کرلیا، مگر آخر میں سجدہ سہو بھی کیا، جب کہ سجدہ سہو واجب ہی نہیں تھا، ایسی شکل میں یہ ایک فعل زائد ہوا، تو نماز درست ہوئی یا اعادہ کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز درست ہوگئی۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۸۵، سعيد)

"وإن لم يقعد على رأس الرابعة حتى قام إلى الخامس إن تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة عاد إلى القعدة هكذا في المحيط، وفي الخلاصة: ويتشهد ويسلم ويسجد للسهو كذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود: ۱/۱۲۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۸۱، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۶، سعيد)

"وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله، ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة بتركه سهواً، أو إعادتها بتركه عمدا وسقوط الفرض ناقصاً إن لم يسجد ولم يعد". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۴۹، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

"ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد وفي الفيض: وقيل لا تفسد وبه يفتى، وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه أبوالليث: في زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب".

الدرالمختار مع هامش الشامي، ص: ۴۰۲(۱) قبيل الاستخلاف. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۲ھ۔

غلطی سے سجدہ سہو کرنے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال[۱۰۴۳۵]: نماز میں ایسی غلطی ہوئی جس سے سجدۂ واجب نہیں ہوتا، اگر لاعلمی میں سہو سمجھ کر سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز نہیں ہوئی، نماز لوٹائی جائے، اس لئے اعادہ کیا گیا، اگر موصوف کے کہنے کے مطابق نماز نہیں ہوئی اور یہ بات کچھ روز کے بعد معلوم ہوئی، تو پھر کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی، اب کسی مکافات کی ضرورت نہیں۔

"ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه فبان أن لا سهو، فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد اهـ". درمختار. وفي الفيض: وقيل: لا تفسد وبه يفتى، وفي البحر عن الظهيرية: قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب اهـ" شامي: ۱/۴۰۲(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۹، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو نوع آخر في المتفرقات: ۱/۷۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۹۹، سعيد) .... =

سجدۂ سہو بھول سے رہ گیا

سوال[۱۰۴۳۶]: اگر سجدہ سہو بھولے سے رہ جائے تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا تو نماز کو لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ ضروری ہے، تو تمام نمازوں میں یا خاص ظہر وعشاء کی نمازوں میں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر سجدہ بھولے سے رہ جائے اور کوئی کام نماز کے خلاف نہ کیا، پھر یاد آئے، تو سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے، ورنہ دوبارہ پڑھے۔ خواہ کوئی سی نماز ہو، سجدہ سہو کے لئے اس مسئلہ میں ظہر وعشاء کی تخصیص نہیں، فجر، عصر، مغرب کا بھی یہی حکم ہے۔ کتب فقہ، درمختار وغیرہ میں تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کرنا

سوال[۱۰۴۳۷]: اگر امام کسی فرض نماز میں آخری قعدہ میں بغیر کسی طرف سلام پھیرے ہوئے دعا

= (وكذا في الحلبي الكبير، فصل في سجود السهو، ص: ۴۶۵، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو نوع آخر في المتفرقات: ۱/۷۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "سلام من عليه سجود سهو يخرجه من الصلاة خروجاً موقوفاً إن سجد عاد إليها وإلا لا ..... ولو نسي السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك مادام في المسجد.

(قوله: إن سجد عاد الخ) أفاد أن معنى التوقف أنه يخرجه منها من كل وجه على احتمال أن يعود إلى حرمتها بالسجود بعد خروجه منها، ولهم فيه تفسير آخر وهو أنه قبل السجود يتوقف على ظهور عاقبته، إن سجد تبين أنه لم يخرجه، وإن لم يسجد تبين أنه أخرجه من وقت وجوده".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۹-۹۱، سعيد)

"وإن سلم بنية القطع من وجب عليه السهو فهو في الصلاة، إن سجد للسهو وإلا لا عندهما وهو الأصح وعند محمد وزفر رحمه الله تعالى هو فيها وإن لم يسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل، سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود: ۱/۱۲۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۹۰، ۱۹۲، رشيديه)

مانگنا شروع کردے اور دعا کے ختم پر مصلی سے اٹھ جائے، مقتدیوں نے جب امام سے پوچھا کہ آپ نے بغیر کسی طرف سلام پھیرے دعا کیسے مانگی، کیا نماز ہوئی؟ امام صاحب نے جواب دیا نماز ہوگئی۔ امام صاحب ایک عالم ہیں، اس لئے براہِ کرم واضح حوالہ کے ساتھ جواب ارسال کریں، کیا واقعۃً نماز بغیر سلام پھیرے ہوئے ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز کے ختم پر سلام واجب ہے، جیسا کہ کتب فقہ درمختار، بحر وغیرہ میں مذکور ہے(۱)، ترکِ واجب اگر سہوا ہوا ہو سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا، یا واجب کو عمداً ترک کیا تو اعادۂ نماز واجب ہوتا ہے(۲)۔

تنبیہ: اگر ختم نماز پر سلام زبان سے تو کہا اور منہ نہیں پھیرا، تو نہ سجدۂ سہو واجب ہوا، نہ اعادۂ نماز واجب ہوا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولفظ السلام) مرتين، فالثاني واجب على الأصح، برهان، دون عليكم.

"(قوله: ولفظ السلام) فيه إشارة إلى أن لفظاً آخر لا يقوم مقامه ولو كان بمعناه حيث كان قادراً عليه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۳۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "ولها واجبات لا تفسد بتركها، وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا آثماً" (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۶، سعيد)

"فلا تفسد الصلاة بتركها عامداً أو ساهياً بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبراً للنقصان الحاصل بتركها سهواً، والإعادة في العمد والسهو إذا لم يسجد لتكون مؤداة على وجه لا نقص فيه، فإذا لم يعدها كانت مؤداة أداء مكروهاً كراهة تحريم، وهذا هو الحكم في كل واجب تركه عامداً أو ساهياً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ص: ۲۴۹، قديمي)

(۳) "وفي قوله لفظ السلام إشارة إلى أن الالتفات به يميناً ويساراً ليس بواجب وإنما هو سنة على ماسيأتي". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۳۳، مكتبه غفاريه كوئته) ..... =

سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا

سوال[۱۰۴۳۸]: ایک آدمی سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ تشہد میں شریک ہوگیا تو اس کی یہ اقتداء امام کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ یا دوبارہ نماز شروع ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اقتداء صحیح ہے، سلام امام کے بعد دوبارہ شروع کردینے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۵ھ۔

نماز میں غلطی پر متنبہ کرنا

سوال[۱۰۴۳۹]: نماز پڑھنے کی حالت میں اپنے برابر یا قریب کے کسی دوسرے نمازی کا سہو معلوم ہوجائے، جو خود اس کو معلوم نہ ہوا ہو، مثلاً: چار کے بجائے پانچ رکعتیں پڑھ لیں، تو اس کو آگاہ کردینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۶ھ۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۹۹، رشيديه)

(۱) "والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقاً سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده، ثم يقضي ما فاته.

(قوله: والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام، بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء ... (قوله: سواء كان السهو قبل الاقتداء أو بعده) بيان للإطلاق، وشمل أيضاً ما إذا سجد الإمام واحدة ثم اقتدى به. قال في البحر: فإنه يتابعه في الأخرى ولا يقضي قضاء الأولى كما لا يقضيها لو اقتدى به بعد ما سجدهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۲، ۸۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۷۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۱/۴۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

باب سجود التلاوة

(سجدہ تلاوت کے احکام کا بیان)

نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ بھول جانے کا حکم

سوال[۱۰۴۴۰]: امام نے فرض نماز کی جماعت میں بحالت قرأت سجدہ تلاوت والی آیت پڑھی اور سجدۂ تلاوت نہیں کیا اور نہ سجدۂ سہو کیا، تو اس صورت میں نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بالفرض ایسا اتفاق ہو جائے تو سجدہ کس طرح امام کو ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آیت سجدہ جب نماز میں پڑھی تو نماز ہی میں سجدہ تلاوت کرنا چاہیے(۱)، اگر بھول گیا تو نماز ختم کرنے سے پہلے پہلے یاد ہونے پر سجدہ کرے اور سجدہ سہو بھی کرے(۲)، ورنہ پھر اس سجدہ کی قضا کرنے کا وقت نہیں

(۱) "قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله تعالى: وصفتها الوجوب على الفور في الصلاة وعلى التراخي إن كانت غير صلاتية.

قال الشيخ السيد أحمد الطحطاوي رحمه الله تعالى: (تحت قوله على الفور) أي فور التلاوة وظاهره أنه لو أخر إلى ركعة ثانية أثم الخ". (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، باب سجود السهو، ص: ۴۷۹، قديمي)

"وأما ما وجب أداؤها في الصلاة فوقتها فور الصلاة، لمامر أن وجوبها في الصلاة على الفور، وهو أن لاتطول المدة بين التلاوة وبين سجدة، فأما إذا طالت فقد دخلت في حيز القضاء، وصار اثما بالتفويت عن الوقت". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سجدة التلاوة، فصل في بيان وقت أدائها: ۷۵۳/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲۱۱/۲، رشيديه)

(۲) "المصلي إذا نسي سجدة التلاوة في موضعها، ثم ذكرها في الركوع أو السجود أو في القعود، فإنه =

رہے گا، استغفار لازم ہوگا (۱)۔ اور ایسی نماز کا بھی اعادہ کیا جائے تا کہ نماز کامل ہو جائے، نقصان باقی نہ رہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۲/۱۸ھ۔

ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنا

سوال [۱۰۴۴۱]: اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمادیں:

الف...... کہ معلم طالب علم کو سجدہ کی آیت پڑھاتے ہیں، آیت کو خود بھی پڑھتا ہے اور طالب علم سے سنتا بھی ہے، تو کیا معلم و طالب علم ہر دو کو دو دو سجدے کرنا ہوں گے، ایک پڑھنے کا، دوسرا سننے کا، یا صرف ایک ایک۔

ب...... مدرسہ میں کسی طالب علم کو سجدہ کی آیت بار بار پڑھائی، پھر دوسری تعلیمات میں مشغولی ہوئی، پھر اس طالب علم کو وہ آیت یاد کرائی، اسی طرح متعدد وقفوں کے بعد متعدد اوقات میں آیت سجدہ کی تعلیم جاری

= یخرلها ساجداً، ثم یعود إلی ما کان ویعیده استحساناً، وإن لم یعد جازت صلاته". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۴، رشیدیه)

"وإذا أخر سجدة التلاوة عن موضعها أو السجدة الصلوتیة کان علیه السهو". (خلاصة الفتاوی، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة: ۱/۱۶۹، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا في منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(۱) "وفي البدائع: وإذا لم یسجد أثم فتلزمه التوبة.

"(قوله: وإذا لم یسجد أثم الخ) أفاد أنه لا یقضیها، قال في شرح المنیة: وکل سجدة وجبت في الصلاة ولم تؤدها فیها، سقطت، أي: لم یبق السجود لها مشروعاً لفوات محله". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۰، سعید)

"(قوله: أثم) لأنه لم یؤد الواجب ولم یمکن قضاؤها، وفیه یتقرر الإثم علی المکلف والمخرج له عنه التوبة کسائر الذنوب اهـ بحر". (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/۳۲۵، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا في الحلبي الکبیر، القراءة خارج الصلاة، ص: ۵۰۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

رہی، ایسی حالت میں کیا وقفوں کی تعداد کے برابر سجدے کرنے ہوں گے؟

ج…… مسلسل ایک ہی آیت، آیت سجدہ کی تعلیم یا تلاوت اگر بلا وقفہ کے ہو، تو کتنے وقت تک کے لئے ایک ہی سجدہ (یا بصورت تعلیم اگر دو ہوں) تو دو کا وجوب ثابت ہوگا، مثلاً: بعد فجر سے تا ظہر سلسلہ بلا وقفہ رہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف، ب، ج……: اگر ایک ہی مجلس میں بیٹھے یہ سب کیا، یعنی پڑھا، پڑھایا، سنا، سنایا ہے، تو ایک ایک آیت کے تکرار سے ایک ہی سجدہ تلاوت واجب ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "(ولو كررها في مجلسين تكررت، وفي مجلس) واحد (لا) تتكرر بل كفته واحدة …… والأصل أن مبناها على التداخل دفعا للحرج بشرط اتحاد المجلس". (الدرالمختار).

"(قوله: بل كفته واحدة) ولا يندب تكرارها بخلاف الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كما يأتي …… (قوله: دفعا للحرج)؛ لأن في إيجاب السجدة لكل تلاوة حرجاً خصوصاً للمعلمين والمتعلمين وهو منفي بالنص، بحر: (قوله: بشرط اتحاد الآية والمجلس) أي: بأن يكون المكرر اية واحدة في مجلس واحد، فلو تلا ايتين في مجلس واحد أو اية واحدة في مجلسين فلا تداخل ولم يشترط اتحاد السماع؛ لأنه إنما يكون باتحاد المسموع فيغني عنه اشتراط اتحاد الآية، وأشار إلى أنه متى اتحدت الاية والمجلس لا يتكرر الوجوب، وإن اجتمع التلاوة والسماع ولو من جماعة، ففي البدائع: لا يتكرر، ولو اجتمع سببا الوجوب وهما التلاوة والسماع، بأن تلاها ثم سمعها أو بالعكس أو تكرر احدهما اهـ وفي البزازية: سمعها من اخر ومن اخر أيضاً وقرأها كفته سجدة واحدة في الأصح لاتحاد الآية والمكان ونحوه في الخانية، فعلى هذا لو قرأها جماعة وسمعها بعض من بعض كفتهم واحدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۴، ۱۱۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالا يكره …… وفي سجدة التلاوة، ص: ۵۰۲، ۵۰۳، سهيل اكيذمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ص: ۴۹۴، قديمي)

آیت سجدہ پڑھ کر کیا ناواقف کو بتانا چاہیے؟

سوال[۱۰۴۴۲]: سجدوں کی آیت سننے والوں میں اکثر ناواقف بھی ہوتے ہیں، کیا ان کو بتانا ضروری ہے کہ تم نے سجدہ کی آیت سنی ہے، لہٰذا سجدہ کر لینا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناواقف کو تو بتانا ہی چاہیے(۱)، ورنہ آیت سجدہ آہستہ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

سجدہ تلاوت کے لئے رکوع میں نیت کرنا

سوال[۱۰۴۴۳]: امام نے نماز میں جو سورت پڑھی، اس میں سجدہ تھا اور امام نے سجدۂ تلاوت نہیں کیا، جب امام سے معلوم کیا کہ آپ نے سجدہ تلاوت نہیں کیا تو کہا میں نے رکوع میں نیت کر لی تھی اور مقتدیوں کو پہلے سے اطلاع ضروری نہیں، اس لئے کوئی اطلاع نہیں دی۔

اب دریافت طلب امر یہ کہ اگر امام صاحب نے رکوع میں نیت کر لی اور مقتدیوں نے نہیں کی، تو سجدۂ تلاوت امام اور مقتدیوں کی طرف سے ادا ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوا تو اب ادا کرنے کی کیا صورت ہے؟

مولانا محمود گل صاحب، ناظم شعبہ تنظیم وترقی دارالعلوم دیوبند

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لے تو اس کا سجدہ ہو جاتا ہے، جس مقتدی نے نیت نہ کی ہو، اس کو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن وقت نماز ختم ہو جانے سے وجوب اعادہ ساقط ہو جاتا ہے۔

---

(۱) "ولو تليت بالعربية تجب على كل من سمعها ولم يفهمها من العجم إذا أخبر بها إجماعاً، ولو تليت بالفارسية تلزم من سمعها ولم يفهمها إذا أخبر بها عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الحلبي الكبير تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالا يكره ... وفي سجدة التلاوة، ص: ۵۰۱، سهيل اكيدمي لاهور)

(کذا في الدر المختار مع رد المحتار)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۵/۱۰/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وتؤدى بركوع وسجود في الصلاة لها، وبركوع صلاة على الفور من قراءة آية إن نواه، وبسجودها كذلك وإن لم ينو بالإجماع، ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم، لم تجزه، ويسجد إذا سلم الإمام، ويعيد القعدة، ولو تركها، فسدت صلاته كذا في القنية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۲/۱۱۱، ۱۱۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، سجود التلاوة، نوع آخر: ۱/۸۹۷، إدارة القرآن كراچى)

باب صلاۃ المریض

(مریض کی نماز کا بیان)

اشارہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال [۱۰۴۴۴]: جس کا آپریشن کیا گیا ہو اور وہ بیڈ پر لیٹا ہو اور ڈاکٹر نے ہلنے سے منع کیا ہو تو ایسا شخص کس طرح نماز پڑھے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کے اشارے سے نماز پڑھ لے کہ بدن کا کوئی حصہ حرکت نہ کرے، صرف رکوع سجدہ کے لئے سر سے اشارہ کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: يصلي المريض قائماً، فإن نالته مشقة صلى جالساً، فإن نالته مشقة صلى بإيماء يؤمي برأسه، فإن نالته مشقة سبح". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب المريض: ۱۷۴/۷، إدارة القرآن كراچی)

"وإن لم يستطع القعود، استلقى على ظهره وجعل رجليه إلى القبلة، وأومأ بالركوع والسجود، لقوله عليه الصلاة والسلام: يصلي المريض قائماً، فإن لم يستطع فقاعداً، فإن لم يستطع فعلى قفاه يؤمي إيماءً، فإن لم يستطع فالله تعالى أحق بقبول العذر منه". (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۶۱/۱، مكتبه شركت علميه)

"وإن تعذر القعود أومأ بالركوع والسجود مستلقياً على ظهره، وجعل رجليه إلى القبلة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱۳۶/۱، رشيديه)

ایضاً

سوال[۱۰۴۴۵]: اگر مریض کوگلوکوز دیا جاتا ہو، تو اس میں وہ نماز کیسے پڑھ سکتا ہے؟ یا نماز قضاء کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں نماز پڑھے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قیام پر قدرت نہ رکھنے والے حافظِ قرآن کا بیٹھ کر تراویح اور تہجد پڑھنا

سوال[۱۰۴۴۶]: اگر کسی کو کچھ قرآن حفظ ہو، مگر اس قدر تراویح میں بحالت قیام پڑھنا گراں ہو، تو ایسا کمزور شخص بیٹھ کر تراویح اور تہجد پڑھے یا کھڑے ہو کر صرف الم ترکیف سے اور چھوٹی چھوٹی سورتوں سے تراویح اور تہجد ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک کھڑا ہو کر پڑھ سکے کھڑا ہو کر پڑھے، بقیہ طویل قرأت دو رکعت میں یا زیادہ میں بیٹھ کر پوری کر لے۔ تراویح اور تہجد دونوں میں ایسا ہی کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) یعنی سر کے اشارے سے نماز پڑھے، جیسا کہ گزشتہ فتویٰ "اشارہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ" میں مذکور ہے۔

(۲) "(وإن قدر على بعض القيام) ولو متكأ على عصا أو حائط (قام) لزوماً بقدر مايقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبر بالكل". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۹۷/۲، سعيد)

"قال الهندواني: إذا قدر على بعض القيام يقوم ذلك ولو قدر آية أو تكبيرة، ثم يقعد وإن لم يفعل ذلك خفت أن تفسد صلاته". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۹۸/۲، رشيديه)

"ولو كان قادراً على بعض القيام دون تمامه يؤمر بأن يقوم قدر ما يقدر، حتى إذا كان قادراً على أن يكبر قائماً ولا يقدر على القيام للقراءة، أو كان قادراً لبعض القراءة دون تمامها يؤمر بأن يكبر =

برسات میں جب زمین خشک نہ ملے تو نماز کس طرح پڑھے؟

سوال[۱۰۴۴۷]: ہمارے علاقہ میں زمین برسات کے موقع پر ڈوب جاتی ہے اور کاشت کار آدمی جب کام پر جاتا ہے تو صرف پانی ہی پانی ملتا ہے، ایسی صورت میں وہ نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب زمین خشک نہ ملے پانی ہی پانی ہو، سجدہ نہ کر سکے، تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، یعنی سجدہ کے لئے پانی کے کچھ قریب تک سر جھکا کر اشارہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۶/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= قائماً ويقرأ قدر ما يقدر عليه قائماً ثم يقعد إذا عجز. قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالى: هو المذهب الصحيح ولو ترک هذا خفت أن لا تجوز صلاته هكذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض: ۱/ ۱۳۶، رشيديه)

(۱) "والذي لا دابة له يصلي قائماً في الطين بالإيماء، كما في التجنيس والمزيد، إمداد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۵۹۳، رشيديه)

باب صلاۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

ہمیشہ مسافر رہنے والے کی نماز

سوال[۱۰۴۴۸]: بہت سے سرکاری ملازمین ایسے ہیں جنہیں روزانہ اپنے آفس جانے کے لئے پچاس میل طے کرنا پڑتا ہے، کیا یہ مسافر ہو جائے گا اور نماز قصر کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو گویا وہ تا مدت ملازمت مسافر ہی رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ اپنے مکان سے ملازمت کے دفتر جائے گا تو راستہ میں قصر کرے گا اور جب تک جائے ملازمت پر کم از کم پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ ہو، خواہ اسی روز واپسی کا ارادہ ہو یا ایک دو روز بعد جب بھی قصر کرے گا، اگر چہ اسی حالت میں ساری عمر گزر جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "(من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتاد، صلى الفرض الرباعي ركعتين حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۱-۱۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ۴۲۱، ۴۲۲، قديمى)

باب صلاة الجمعة

الفصل الأول في خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

منبر پرآکر سلام کرنا اور "إن الله وملئكته" پڑھنا

سوال[۱۰۴۴۹]: ایک شخص جب بھی کھڑا ہوتا ہے تو پہلے مجمع کے لوگوں کو سلام کرتا ہے۔ (السلام علیکم) پھر "نحمده ونصلي" کے بعد "إن الله وملئكته يصلون على النبي" پڑھتا ہے، تو یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ مع حوالہ جواب تحریر فرماکر فقہ کی عبارت لکھتے وقت اعراب صاف طور پر لگائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ التزام حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، اس لئے قابلِ ترک ہے(۱)، کتبِ فقہ کی عبارت نقل کرنے کے لئے جب اعراب لگانے کی ضرورت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقل کرنا بلا ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمى)

"ومنها: (أي من البدعة) التزام الكيفيات والهيئات المعينة، كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد الخ". (الاعتصام، باب في تعريف البدع، الخ، ص: ۲۵، دارالمعرفة بيروت)

"ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر، ولبس السواد، وترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۰، سعيد)

خطبہ میں "قال اللہ تعالیٰ فأعوذ باللہ" پڑھنا

سوال[۱۰۱۵۰]: زید تقریر کرتے وقت خطبۂ مسنونہ کے بعد یوں کہتا ہے:

"أما بعد! قال الله تعالى في القرآن الكريم: فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم. يأيها الذين امنوا الخ".

دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ "قال الله تعالى في القرآن الكريم" کے بعد "فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھنا بآواز بلند بلا قباحت شرعی درست وصحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح پڑھنا خلاف احتیاط ہے، وہ یہ کہ بظاہر "فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، قال الله تعالى" کا مقولہ بن جاتا ہے، حالانکہ یہ قال اللہ تعالیٰ کا مقولہ نہیں، اس لئے اس طرح نہیں پڑھنا چاہیے۔ كذا في ردالمحتار: ۱/۷۵۸(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "تنبيه: جرت العادة إذا قرأ الخطيب الآية أنه يقول: "قال الله تعالى بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم من عمل صالحاً ... الخ، وفيه إيهام أن أعوذ بالله من مقول الله تعالى". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، مطلب في قول الخطيب قال الله تعالى الخ: ۱/۵۸۲، سعيد)

الفصل الثاني في احتياط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

احتیاط الظہر

سوال[۱۰۴۵۱]: جس جگہ جمعہ جائز نہ ہو، تو امام صاحب کو بدرجۂ مجبوری جمعہ پڑھا کر نماز ظہر پڑھنا خود کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو امام کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

امام کے لئے یہ طریقہ جائز نہیں ہے(۱)، مقتدیوں سے صاف صاف کہہ دے کہ میں جمعہ نہیں پڑھاؤں گا، یہاں جمعہ جائز نہیں، اس سے فریضۂ ظہر ادا نہیں ہوتا، چاہے امام رکھو یا نہ رکھو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب درست ہے۔ سید مہدی حسن غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۸۹ھ۔

نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا

سوال[۱۰۴۵۲]: ایک حنفی المذہب امام ہے، جو ہمیشہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھتا ہے اور

---

(۱) "قال ابن عابدين رحمه الله تعالى . وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة؛ ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر" (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

"(قوله: شرط أدائها المصر) أي: شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لاتصح في قرية ولا مفازة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۱۲۸، مكتبه شركت علميه ملتان)

پڑھاتا ہے بنیت فرض، مگر اس بناء پر کہ حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوی سے صحت جمعہ کا انکار دیہات میں ظاہر ہے، تو اگر امام مذکور ظہر کی نماز احتیاط پڑھا کرتا ہے بہ نیت قضاء، تو اپنے مذہب کی بناء پر قضا پڑھنے میں گنہگار ہے یا مستحق ثواب؟ البتہ عوام کو قضاء پڑھنے پر رغبت نہیں دیتا ہے محض جھگڑے سے بچنے کے لئے، مگر سوال کرنے پر اپنا خیال ظاہر کر دیتا ہے اور امام مذکور ایسے قریہ میں جمعہ پڑھتا ہے جہاں عدم صحت جمعہ ظاہر ہے، مگر زمانہ قدیم سے جمعہ ہوتا ہے، بند کرنے پر فساد کا اندیشہ ہے، امام کیا کرے؟ امام کے جمعہ پڑھنے اور احتیاط الظہر پڑھنے سے نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس امام کو ایسی جگہ جمعہ پڑھانا اور پڑھنا درست نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھنے والوں کی نماز درست نہیں ہوئی (۱)، حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی احتیاط الظہر کو منع کرنے کے لئے مستقلاً چھپا ہوا ہے (۲)، امام کو چاہیے کہ جمعہ پڑھانے سے عذر کر دے، اگر زیادہ فتنہ ہو تو جمعہ کی نماز نفل کی نیت کر کے شریک ہو جائے اور پھر اپنی ظہر کی نماز ادا کرے (۳)، مگر خود جمعہ نہ پڑھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر، ولا تجوز في القرى. لقوله عليه الصلاة والسلام: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع" (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۳، ۵۰۵، قديمی)

(۲) (فتاوی رشیدیہ، باب الجمعۃ والعیدین، احتیاط الظہر کا مسئلہ، ص: ۱۳۷-۱۳۲، سعید)

(۳) "كل موضع وقع الشك في كونه مصراً ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعة بنية الظهر احتياطاً الخ" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۵/۲، ۱۴۶، سعيد)

"وإذا اشتبه على الإنسان ذلك، ينبغي أن يصلي أربعا بعد الجمعة ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره، وإن صحت كانت نفلاً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۳/۲، مصطفى البابي الحلبي مصر) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

=(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٥، رشيديه)

باب صلاة العيدين

الفصل الأول في وجوب صلاة العيد على النساء

(عورتوں کے لئے نمازِ عید کا بیان)

کیا عورتوں پر نمازِ عید واجب ہے؟

سوال[۱۰۴۵۳]: حدیث: "إذا فاته العيد يصلي ركعتين، وكذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى لقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "هذا عيدنا يا أهل الإسلام" وأمر أنس بن مالك مولاه ابن أبي عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه وصلى كصلوة أهل المصر وتكبيرهم، وقال عكرمة: أهل السواد يجتمعون في العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام، وقال عطاء: إذا فاته العيد صلى ركعتين". تفهيم البخاري، باب: ٦٦٢، پاره: ٤، كتاب العيدين، ص: ٩٧(١).

مندرجہ بالا حدیث پر کچھ سوالات ہیں، براہِ کرم تشفی بخش جوابات سے سرفراز فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

۱... کیا اس حدیث کی رو سے یہ ثابت نہیں ہوتا، نمازِ عید عورتوں پر بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح مردوں پر ہے۔

۲... خطبہ کے بغیر عورتیں گھر میں اکیلے دو رکعت مع چھ زائد تکبیروں کے نماز نماز پڑھ لیں، تو کیا حرج ہے؟

۳... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں ہے، یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت کیا؟

---

(١) (الصحيح للإمام البخاري، كتاب العيدين، باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين: ١٣٤/١، قديمي)

۴۔ کیا احادیث میں فقہ کا درجہ دیا گیا ہے؟ جب کہ متعدد احادیث اس باب میں ہیں کہ نماز عید عورتوں پر بھی واجب ہے، چاہے اکیلے ہی دو رکعت پڑھیں؟

۵۔ اکیلے ہی دو رکعت نماز گھر میں پڑھ لیں تو کیا حرج ہے؟ پردہ وغیرہ کا انتظام کرلیا جائے تو عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ براہ کرم مندرجہ بالا مسائل فقہ حنفی کی رو سے سمجھائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صرف اتنا ہے "هذا عيدنا يا أهل الإسلام" بقیہ کوئی لفظ بھی ارشاد نبوی نہیں، لہٰذا اس سے عورتوں پر نماز عید کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر حدیث شریف سے ثابت ہو تو کوئی حرج نہیں، مگر ثابت نہیں، غیر ثابت کو ثابت ماننا مستقل حرج ہے۔

۳۔ واجب نہ ہونے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں، بلکہ واجب ہونے کے لئے ضرورت ہے، پہلے وہ پیش کریں، تب جواب پوچھیں۔

۴۔ وہ متعدد احادیث کہاں ہیں؟ انہیں بیان کیجئے! کیا یہ حدیث ہے "إذا فاتته العيد يصلي ركعتين"؟! کیا یہ حدیث ہے "وكذلك النساء"؟! کیا یہ حدیث ہے "ومن كان في البيوت والقرى"؟! اور کس لفظ کا ترجمہ یہ ہے کہ عورت پر اکیلے ہی دو رکعت مع چھوٹے بڑے گھر والوں کے ساتھ بھی پڑھنا واجب ہے؟ "أمر أنس، قال عكرمة، قال عطاء" کی تصریح کے بعد تو ارشاد نبوی ہونے کا سوال ہی ختم ہوجاتا ہے، ورنہ اس کو اس طرح لکھا جاتا "أمر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم"۔ جو بات رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی، اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کا حق نہیں (۱)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثاً كثيراً أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من تعمد علي كذباً فليتبوأ مقعده من النار". (صحيح مسلم، مقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۱، قديمي)

۵　نمبر ۲ میں اس کا جواب آگیا ہے کہ کیا حرج ہے؟ سوال نمبر ۴ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہ آپ کے بیان کے موافق نظر انداز کردینے کے قابل ہے، اگر یہی نظریہ ہے، تو فقہ حنفی کی رو سے جواب طلب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ پہلے اپنا موقف واضح کیجئے کہ فقہ حنفی آپ کے نزدیک قابل تسلیم ہے یا براہ راست حدیث شریف ہر مسئلہ میں اپنے پاس رکھتے ہیں؟ اور جو مسئلہ آپ کو فقہ حنفی کا حدیث شریف کے خلاف نظر آتا ہے، اس کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں، پھر تو جواب آپ کے موقف کی رعایت رکھتے ہوئے دینا مفید ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۳/ ۹۴ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

الفصل الثاني في صلاة العيد في المسجد وغيره

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

عید کی نماز مسجد میں ہو یا میدان میں؟

سوال[۱۰۴۵۴]: زید بحیثیت متولی کا یہ قول ہے کہ تراویح اور عیدین کی نمازیں مسجد میں پڑھنے کی ضرورت نہیں، اللہ کی زمین بہت ہے، کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں، جب کہ شہر کے دوسرے محلوں کی مسجدوں میں عید کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور عیدگاہ وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو، ایسی صورت میں یہ شخص کہاں تک حق بجانب ہے؟ آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح کو مسجد ہی میں پڑھنا چاہیے، متولی کو اس سے منع کرنے کا حق نہیں(۱)، عیدین کی نماز کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے(۲)، اگر عیدگاہ نہ ہو اور باہر میدان میں نماز عید ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو، تو پھر نمازی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"وأعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنع من دخول المسجد خصوصاً بسبب أمر دنيوي، وهذا كله جهل عظيم، ولا يبعد أن يكون كبيرة، فقد قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ فلايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المساجد مابني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/ ۶۰، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۶۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلاة، ثم ينصرف". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/ ۱۳۱، قديمي) =

مسجدوں میں نماز عید ادا کریں گے(۱)، متولی کو اس سے منع نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۶ھ۔

الجواب کافٍ: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۶ھ۔

عیدگاہ چھوڑ کر میدان میں نماز عید

سوال[۱۰۴۵۵]: عیدگاہ یا مسجد میں نماز عید ہوتی چلی آرہی ہے، لیکن شریر لوگ ایک کھیل کے میدان میں جو مخصوص میدان ہے، رات میں اس میں لوگ پاخانہ پیشاب کرتے ہیں، اس جگہ عید کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نماز نہ ہوئی تو اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ واضح ہو کہ مسجد سے متصل ہی میدان واقع ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نماز عید کے لئے مستقلاً عیدگاہ موجود ہے تو بلا وجہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے میدان میں نماز عید ادا کرنا غلط طریقہ ہے(۲)، اگر وہاں جگہ ناپاک ہوگی تو وہاں نماز بھی درست نہیں ہوگی (۳)، اگر وہاں پڑھنے کی

= "ذلک (أي الخروج إلی الصحراء لصلاة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم علی ذلک مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلی المصلی: ۲/۵۷۲، قديمی)

"والخروج إلی الجبانة في صلاة العيد سنة الخ". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه: أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلی بهم النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم صلاة العيدين في المسجد". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر: ۱/۱۶۷، رحمانيه لاهور)

"إذا كان يوم مطر فلا يخرج إلی المصلی فيصلي في المسجد يجوز ذلک". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲/۲۱۲، قاسميه ملتان)

"وفيه الخروج إلی المصلی في العيد، وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلا عن ضرورة". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلی المصلی الخ: ۲/۵۷۲، قديمی)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "عید کی نماز مسجد میں ہو یا میدان میں"۔

(۳) "هي (أي: شروط الصلاة) ستة: طهارة بدنه من حدث وخبث ومكانه، أي: موضع قدميه أو =

کوئی صحیح جگہ موجود ہے تو اس کو پہلے اس طرح صاف کرادیا جائے کہ نماز کے صحیح ہونے میں کوئی تامل نہ رہے، مگر اس سے وہ جگہ عیدگاہ نہیں بن جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اندیشۂ فساد کے وقت نماز عید محلوں کی مساجد میں

سوال[۱۰۴۵۶]: شہر مرادآباد میں ۱۳/ اگست ۱۹۸۰ء کو نماز عید الفطر کے موقع پر عین عیدگاہ میں مقامی پولیس اور پی اے سی کے بے محل، بلاوجہ، بلاضرورت، خلاف قانون، خلاف انسانیت (مقامی انتظامیہ کی موجودگی میں) گولی چلانے سے بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کی بے گنتی اتلاف جان کا جو خونخوار، جانکاہ حادثہ گزرا ہے، اس پورے ملک کے مسلمانوں کے انصاف پسند اور قدرداں انسانیت غیر مسلم افراد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اکثر سچائی پسند اور حق گو افراد نے اس جارحانہ انسانیت سوز، درندانہ خون ریزی جو انتقام کے نام سے کی گئی ہے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

۱۳/ اگست کے بعد ہی مقامی پولیس اور انتظامیہ نے اکثریتی طبقہ سے تعلق رکھنے والے متعصب اور قوم پرست افراد کے تعاون سے ساڑھے ۳ ہفتہ مسلسل ظلم و استبداد، قتل و غارت گری، آتش زنی، لوٹ مار، خانہ بربادی اور تباہ حالی کے لئے خوب بازار گرم رکھا، اگرچہ اب کرفیو کا سلسلہ نرم صورت میں چل رہا

= إحداهما إن رفع للآخر وموضع سجوده اتفاقاً في الأصح". (الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

"(يجب) أي: يفرض (على المصلي) أي: من يريد أن يصلي قبل الشروع في الصلاة (أن يزيل النجاسة) المانعة (عن بدنه وثوبه والمكان الذي يصلي فيه) أي عليه أو المراد المكان الذي يقع فعل الصلاة فيه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط الثاني الطهارة، ص: ۱۷۷، سهيل اكيدمى لاهور)

"لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئاً ومنها طهارة الجسد والثوب والمكان الذي يصلي عليه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط للصلاة وأركانها، ص: ۲۰۷، ۲۰۸، قديمى)

ہے، شانتی (۱) وقیام امن کے لئے اپلیں کی جارہی ہیں، لیکن قوم پرست طبقہ کے تعصبانہ جذبات ہنوز گرما رہے ہیں، آج بھی مسلمانوں کو چین نصیب ہونا تو درکنار! آنے والے کسی گھنٹہ و منٹ کے لئے بے لحاظ حفاظت جان و مال، عزت و آبرو اپنے کو مامون نہیں سمجھ رہا ہے، عیدالاضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ میں نماز عید پڑھ کر واپس آکر مسلمانوں کو تین یوم قربانی کا مذہبی فریضہ ادا کرنا ہوتا ہے، گزشتہ چھ ماہ کے مسلسل ناخوشگوار دل آزار، آبروریزی، افسوس ناک حالات، واقعات اور تجربات کی بناء پر اس موقعہ کے لئے بھی مسلمان اپنے کو غیر محفوظ یقین کررہا ہے، حالات پر غور فرما کر استفتاء سے متعلق سوالات پر فتویٰ صادر فرمائیں۔

۱...... جو حالات اوپر مسطور ہیں، ان کے پیش نظر کیا مسلمانِ شہر اپنے اپنے محلوں کی مساجد میں نمازِ عیدالاضحیٰ پڑھ سکتے ہیں؟

۲...... یہ بھی اندیشہ ہے کہ حکومت انتظام، نگرانی وحفاظت کے نام سے محلوں کی مساجد پر بھی مسلح پولیس اور ملٹری وغیرہ لگادے، مسلمان حکومت کے اس عمل سے بھی خطرہ محسوس کرتے ہیں، تو کیا نمازِ عیدالاضحیٰ جو واجب ہے، ترک کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ان حالات میں محلوں کی مساجد میں نماز عید ادا کرلی جائے (۲)، یہی انسب ہے، اسی میں فتنوں سے تحفظ ہے، اللہ پاک حفاظت فرمائے۔

---

(۱) ''شانتی: امن، سکھ، آرام، تسلی، اطمینان، دل جمعی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه: ''أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلاة العيد في المسجد''. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد، إذا كان يوم مطر: ۱/۱۶۴، رحمانيه لاهور)

''إذا كان يوم مطر فلا يخرج إلى المصلى فيصلي في المسجد يجوز ذلك''. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲/۲۱۲، قاسميه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، باب ماجاء في صلاة العيد في المسجد إذا كان مطر، ص: ۹۳، قديمي)

۲......جان جانے کا خطرہ ہو، تو نماز عید ادانہ کی جائے، حفاظت جان اہم ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وشرط لافتراضها إقامة مصر ... وعدم حبس وعدم خوف.

(قوله: وعدم خوف) أي: من سلطان أو لص، منح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۳، ۱۵۴، سعيد)

"والمطر الشديد والاختفاء من السلطان الظالم مسقط. فلو قال المصنف: "وشرط وجوبها الإقامة والذكورة ... وعدم الحبس والخوف والمطر الشديد" لكان أشمل". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة. ۲/۲۶۴، رشيديه)

"والخامس: الأمن من ظالم فلا تجب على من اختفى من ظالم، ويلحق به المفلس الخائف من الحبس كما جاز له التيمم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۵، قديمي)

الفصل الثالث في تكبيرات التشريق

(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

نمازِ عید کے لئے جاتے ہوئے اور واپسی پر تکبیرِ تشریق پڑھنے کا حکم

سوال[۱۰۴۵۷]: نمازِ عیدین کے لئے آیا صرف عیدگاہ کو جاتے وقت تکبیر پڑھتا چلے یا واپسی میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واپسی میں بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) حضرت مفتی صاحب کے اس جواب اور باب العیدین: ۴۵۰/۸ پر مذکور جواب میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ آثارِ صحابہ اور فقہی عبارات سے تکبیراتِ تشریق پڑھنے کا استحباب صرف عیدگاہ جاتے ہوئے عیدگاہ تک ثابت ہے اور ایک قول کے مطابق عیدگاہ میں پڑھنا بھی مستحب ہے جب تک امام نماز شروع نہ کرے، اس کے علاوہ نماز سے فراغت کے بعد واپسی میں مستحب یا مسنون نہیں، البتہ نفسِ ذکر مشروع ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

لہٰذا آٹھویں جلد میں سائل نے چونکہ ''شرعی حکم'' پوچھا ہے (جو کہ عیدگاہ جاتے ہوئے مسنون ومستحب ہے نہ کہ واپسی میں) اس لئے مفتی صاحب نے جواب میں شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''عیدگاہ جاتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے اور واپسی میں نہیں پڑھی جاتی''۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واپسی پر پڑھنا جائز نہیں (اس لئے کہ مفتی صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ واپسی میں پڑھنا جائز نہیں، بلکہ فرمایا کہ واپسی میں نہیں پڑھی جاتی)۔

اور یہاں سائل نے شرعی حکم کی تصریح نہیں کی، بلکہ یہ پوچھا ہے کہ'' ...عیدگاہ جاتے وقت تکبیر پڑھتا چلے یا واپسی میں بھی؟'' اور ظاہر ہے کہ واپسی میں پڑھنا بھی ذکر مشروع ہونے کی وجہ سے جائز ہے (اگرچہ مستحب یا مسنون نہیں) اس لئے مفتی صاحب نے جواب میں اسی ''نفسِ جواز'' کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''واپسی میں بھی''۔

لہٰذا اس اعتبار سے دونوں جوابوں میں تعارض نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب صلاة الاستسقاء

(نماز استسقاء کا بیان)

صلوۃ استسقاء تین روز سے زائد نہیں

سوال[۱۰۴۵۸]: موسمی بارش عام طور پر ۱۷/ جون کو شروع ہوتا ہے، لیکن یہاں پر ایک ماہ سے زائد کا عرصہ ہوگیا ہے اور اب تک بارش کا نام ونشان نہیں ہے اور اس وجہ سے پہلی فصل میں محنتیں مشقتیں کی جاتی ہیں، یعنی کھیت میں بیج وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے، وہ ابھی تک نہیں ڈالے گئے، لہٰذا اسی بناء پر تمام افراد پریشان ہیں اور اس اثناء میں یہ سوالات (۱) پیش آئے ہیں، جن کے جوابات آپ سے مطلوب ہے۔

بارش طلب کرنے کے لئے نماز استسقاء باجماعت پانچ روز متواتر ادا کرتے ہیں، اس میں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس طرح عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نماز استسقاء تین دن سے زائد ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین روز سے زائد نماز استسقاء منقول وثابت نہیں۔

"ویخرجون ثلثة أيام متتابعات فقط؛ لأنه لم ينقل أكثر منها اهـ"

(مجمع الأنهر: ۱/ ۱٤۰)(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/ ۹۱ھ۔

---

(۱) **نوٹ:** اس سے مراد آخر باب تک کے تمام سوالات ہیں، اس لئے کہ یہ سوالات اسی مستفتی کے ہیں۔

(۲) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الاستسقاء: ۱/ ۲۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/ ۱۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء: ۱/ ۱۵۳، رشيديه)

کیا صلاۃ استسقاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ آسمان پر بادل نہ ہو

سوال[۱۰۴۵۹]: نماز استسقاء کی شرائط کیا کیا ہیں؟ آیا آسمان پر بادل کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ کیا بادل ہونے کی صورت میں نماز استسقاء ادا کریں؟ بادل ہو یا نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ لیکن یہاں جو مسئلہ پیش آیا ہے، وہ بادل نہیں کہرا(۱) آسمان پر چھایا ہوا تھا، اس صورت میں نماز ادا کرنے کو شہر سے باہر گئے، آیا اس طرح عمل درست ہوا یا نہیں؟ کیا بادل کا ہونا شرط ہے یا بادل ہو یا نہ ہو؟ اس صورت میں نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بادل ہونے نہ ہونے کو اس میں دخل نہیں، بلکہ حاجت پر مدار ہے۔

"وهو مسنون عند الحاجة إليه في موضع لايكون لأهله أودية، وأنهار، وابار يشربون منها، ويسقون مواشيهم، وزروعهم، أوكان لهم ذلك لكن لايكفيهم، فإن كان كافياً لايستسقون اهـ" طحطاوي، ص: ٤٥٠(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۹۱ھ۔

صلوۃ استسقاء کے لئے اگربتی وغیرہ ساتھ لے جانا

سوال[۱۰۴۶۰]: نماز استسقاء کو جاتے وقت راستے سے تمام افراد میں چند افراد باآواز بلند مناجات اور نعت اور اگربتیاں سلگا کر ساتھ لے گئے، بہرحال اس طرح سے عمل پیش آرہا ہے۔ کیا یہ عمل شریعت کے

(۱) "کہرا: وہ بخارات جو سردی کے موسم میں صبح اور شام کو دھندلی پیدا کر دیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الاستسقاء، ص: ۵۴۸، قديمي)

"وشرعاً: طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر، ولم يكن لهم أودية، وآبار، وأنهار يشربون منها، ويسقون مواشيهم، وزرعهم، أو كان ذلک إلا أنه لايكفي فإذا كان كافياً لايستسقى كما في المحيط". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/۱۸۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۱/۳۵۹، دارالمعرفة بيروت)

موافق ہے یا نہیں؟ صحیح عمل کون سا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا، نماز استسقاء کے لئے پرانے کپڑے پیوند لگے ہوئے پہن کر خشوع وخضوع کے ساتھ گناہوں پر ندامت اور شرمندگی سے نظریں نیچی کرکے جانا چاہیے۔

"ثم يخرجون في ثياب خلقه أو مرقعة خاشعين ناكسي رؤسهم اه"

سكب الأنهر: ۱/۱۴۰(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

نماز استسقاء کے بعد ترنم سے دعا کرنا

سوال[۱۰۴۶۱]: نماز استسقاء وخطبہ ایک ہی شخص نے پڑھایا ہے اور دوسرے شخص نے نماز وخطبہ ہو جانے کے بعد بیٹھ کر ترنم میں باواز بلند دعا کی، سامعین کو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی گا رہا ہے، بہر حال دعا میں جس طرح آہ وزاری وانکساری ہونی چاہیے، ویسا نہیں ہو رہا تھا، بہر حال اس طرح دعا مانگنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ صحیح صحیح عمل بتائیں کہ کس طرح کیا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کام بھی غلط ہوا، دعا میں عاجزی چاہیے(۲)، گانا نہیں چاہیے، جو امام نماز پڑھائے وہی

---

(۱) (الدر المنتقى في شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الاستسقاء: ۱/۱۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ويخرجون ثلاثة أيام متتابعات مشاة في ثياب غسيلة أو مرقعة متذللين متواضعين خاشعين لله ناكسين رؤسهم، ويقدمون الصدقة في كل يوم قبل خروجهم، ويجددون التوبة، ويستغفرون للمسلمين، ويستسقون بالضعفة، والشيوخ، والعجائز، والصبيان، ويبعدون الأطفال عن أمهاتهم الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/۱۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/۲۹۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ادعو ربكم تضرعاً وخفية إنه لايحب المعتدين﴾ (الأعراف: ۵۵) .... =

دعا کرائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۴/۹۱ھ۔

نمازِ استسقاء کو جاتے ہوئے ناجائز اُمور سے نہ روکنا

سوال [۱۰۴۲۲]: نماز استسقاء کو جاتے وقت جو بھی عمل ہو رہا تھا، اس میں ذی علم حضرات بھی موجود تھے، یعنی عالم، حافظ، مفتی بھی موجود تھے، ان حضرات نے ان میں کچھ بھی نہیں کہا، یعنی شرعی مسئلہ نہیں بتایا، تو ان کا خاموش رہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان عالم و مفتی ہی سے دریافت کریں، ہوسکتا ہے کہ وہ خود خشوع وخضوع میں غرق ہوں، سر جھکا ہوا آنکھیں نیچی ہوں، کسی چیز کی طرف التفات نہ ہو، یا عوام نے نہ مانا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۴/۹۱ھ۔

= "عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "خير الدعاء الخفي .... عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "دعوة في السر تعدل سبعين دعوة في العلانية". (إعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت في الوتر الخ: ۹۳/۶، إدارة القرآن كراچی)

"وأما الأدعية والأذكار فبالخفية أولى، قلت: ويجتهد في الدعاء والسنة أن يخفي صوته لقوله تعالى: ﴿ادعو ربكم تضرعاً وخفية﴾". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة: ۵۰۷/۲، سعيد)

(۱) "وإذا فرغ (الإمام) من الخطبة جعل ظهره إلى الناس ووجه إلى القبلة، ويشتغل بدعاء الاستسقاء، والناس قعود مستقبلون بوجوههم إلى القبلة في الخطبة والدعاء". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الاستسقاء: ۲۶۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"(ويقوم الإمام مستقبل القبلة) حالة دعائه (رافعاً يديه) لما روى عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يستسقي عند أحجار الزيت قريباً من الزوراء قائماً رافعاً يديه قبل وجهه لايجاوز بهما رأسه .... (والناس قعود مستقبلين القبلة يؤمنون على دعائه)". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء، ص: ۵۵۱، قديمی) =

نمازِ استسقاء کے بعد کھانا کھلانا

سوال[۱۰۴۶۳]: بارش کے ضمن میں یہ معاملہ پیش آیا کہ چند افراد سے چندہ وصول کر کے گاؤں کے تمام بچوں کو کھانا پکڑ کر کھلوایا اور اس کے بعد دن میں گیارہ بجے بڑے بوڑھوں کو کھلوایا، تو یہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غرباء کو صدقہ کر دینا مستحب ہے، وہ بھی جہاں تک ہو سکے، اخفاء کے ساتھ افضل ہے، اس میں اپنی شان وشوکت کا اظہار خدائے پاک کو ناپسند ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه أحداً﴾ (الكهف: ۱۱۰)

"عن عكرمة رضي الله تعالىٰ عنه عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يؤكل". (سنن أبي داود، كتاب الأطعمة، باب في طعام المتبارئين: ۱/۵۲۷، مكتبه دارالحديث)

"(أن يؤكل) ...... وإنما كره ذلك لما فيه من المباهاة والرياء، وقد دعي بعض العلماء فلم يجب، فقيل له: إن السلف كانوا يدعون فيجيبون قال: كان ذلك منهم للموافاة والمواساة، وهذا منكم للمكافاة والمباهاة". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني: ۶/۳۷۲، رشيديه)

باب الجنائز

الفصل الأول في تكفين الميت

(میت کے کفن کا بیان)

کفن کا کپڑا کس رنگ کا ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۴۶۴]: پارٹی کے شعار کی وجہ سے مردہ کو لال کپڑے میں رکھنا کیسا؟ لال جھنڈا کس کا شعار ہے؟ ''لال جھنڈے کی جے''(۱) کہنا کیسا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کفن کے لئے سفید کپڑا مستحب ومستحسن ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفن سفید ہی تھا اور آپ نے سفید کفن کی ترغیب وتاکید بھی فرمائی ہے۔

''وكفن صلى الله تعالى عليه وسلم في ثلاثة أثواب بيض سحولية اهـ'' مراقي الفلاح، ص: ٤٧٥.

''قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم وكفنوا فيها موتاكم اهـ'' طحطاوي، ص: ٤٧٥(٢).

---

(۱) ''جے: فتح، نصرت، جیت، ظفرمندی، ترقی، عروج، اقبال''۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۳۰، فیروز سنز لاہور)

(٢) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، ص: ٥٧٢، ٥٧٧، قديمي)

''ولا بأس في الكفن ببرود وكتان وفي النساء ... لجوازه بكله مايجوز لبسه حال الحياة، وأحبه البياض''. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٠٥، سعيد)

''وأما صفة الكفن، ''فالأفضل أن يكون التكفين بالثياب البيض''. (بدائع الصنائع، كتاب =

کسی پارٹی کی خاطر ہدایات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ترک کرنا بہت غلط طریقہ ہے، لال جھنڈا بھی کسی خاص پارٹی کا شعار ہے، اگر وہ پارٹی حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو اس میں شامل ہونا بھی خطرناک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الصلاة، صفة الكفن و كيفية التكوين: ۳۹/۲، رشيديه)

الفصل الثاني في الصلاة على الميت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

خودکشی کرنے والے اور نشہ کی حالت میں مرنے والے کی نمازِ جنازہ

سوال[۱۰۴۶۵]: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ ادا ہوگی یا نہیں؟ شراب یا اور کسی نشہ کی حالت میں مرنے والے کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس مسلمان نے خودکشی کرلی اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۱) اور جس مسلمان کا نشہ کی حالت میں انتقال ہوا، اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "من قتل نفسه ولو عمداً، يغسل ويصلى عليه، به يفتى، وإن كان أعظم وزراً من قاتل غيره". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۱، سعيد)

"ومن قتل نفسه عمداً يصلى عليه عند أبي حنيفة ومحمد رحمه الله تعالىٰ وهو الأصح كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الجهاد واجب مع كل أمير براً كان أو فاجراً ..... والصلاة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر".
(سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب الغز ومع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، إمداديه)

"وهي فرض على كل مسلم مات خلابغاة وقطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد) ....=

نمازِ جنازہ کے بعد دعا

سوال[۱۰۴۲۶]: دعاء بعد جنازہ کے بارے میں کیا لکھتے ہیں؟ لاہور سے الفلاح کے پروگرام میں بتایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ "إذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء" (أبوداود شريف: ۲/۴۵۶). والی روایت پیش کی، جب کہ ہم نے ہمیشہ اکابرین کا معمول یہ دیکھا کہ بعد جنازہ متصلاً کوئی دعا نہیں مانگی جاتی، براہ کرم اس حدیث کی تشریح بھی فرمائیں اور نوعیت مسئلہ بھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہ حنفی کی مستند کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں بصراحت مذکور ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہوکر وہاں دعا کے لئے نہ ٹھہریں، مرقات شرح مشکوۃ میں بھی ایسا ہی ہے، نماز جنازہ درحقیقت دعا ہی ہے، اس کے بعد مستقلاً دعا ثابت نہیں (۱)۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے، جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء کی تائیدات ہیں، جن کا نام ہے دلیل الخیرات (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۱۳ھ۔

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا

سوال[۱۰۴۲۷]: مسجد میں نمازِ جنازہ کے بارے شریعت مطہرہ اور علماء کا کیا فیصلہ ہے؟

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام في الجنائز، فصل الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمي)

(۱) "ولا يدعوا للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها: ۴/۱۷۰، رشيديه)

"ولا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة". (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنازة: ۴/۸۰، رشيديه)

(۲) (دليل الخيرات في ترك المنكرات، للمفتي محمد كفايت الله رحمه الله تعالىٰ، مكتبه تهانوى كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲، إمداديه)

"وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيدمى لاهور)

"وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة عليه: ۱۶۵/۱، رشيديه)

الفصل الثالث فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

عورت کی میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ

سوال[۱۰۴۶۸]: ہمارے یہاں دستور ہے کہ جب کسی عورت کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کے چاروں طرف پردہ رسمی کرلیا جاتا ہے (چادر وغیرہ کے ذریعہ) حالانکہ لوگ پھر بھی میت کو دیکھ لیتے ہیں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس پردہ مروجہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟ جب کہ میت کفن میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو چارپائی سے اٹھا کر لحد میں رکھتے وقت بعض مرتبہ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے یا بے احتیاطی کی بناء پر کفن کھل جاتا ہے یا میت کے جسم کی ہیئت ظاہر ہونے لگتی ہے، اس وجہ سے چادر چاروں طرف سے تان لی جاتی ہے تاکہ اجنبی کی نظر اس پر نہ پڑے، یہ مسئلہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۰، قديمي)

"ويسجى أي يغطى قبرها". (قوله: ويسجى قبرها) أي: بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد، كذا في شرح المنية والإمداد". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۶، سعيد)

"ويسجى قبور المرأة بثوب حتى يسوى اللبن؛ لأن مبنى حالهن على الاستتار". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۲۷۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الرابع في البناء على القبور

(قبر پکی کرنے اوراس پر قبہ بنانے کا بیان)

روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟

سوال[۱۰۴۲۹]: زید یہ کہتا ہے کہ علماء دیوبند قبروں پر مرقد اور گنبد بنانے کو منع کرتے ہیں، اگر منع ہے تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گنبد کیوں بنا ہوا ہے اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مثلاً: حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین، حضرت نظام الدین رحمہم اللہ وغیرہ کی قبروں پر بھی گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ شہنشاہانِ اسلام کے زمانے میں بنائے گئے ہیں، مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر تعمیر (روضۂ اقدس پر اور مزارات اولیاء پر گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے۔ اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلافِ حدیث شریف بنایا، اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا (البتہ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی) اتباع کے لئے حدیث شریف ہے نہ کہ عمل۔ اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قبور پر گنبد بنانے کے لئے نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے؟! جب کہ حدیث پاک میں ممانعت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری اولیاء کرام پر نہیں۔

"عن جابر رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن يجصص القبر، وأن يبنى عليه، أو يقعد عليه". الحديث.

مسلم(۱). وأصحاب السنن الخ(۲). جمع الفوائد: ۱/۲۰۶. طبع مکه مکرمه(۳).

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(۲) (سنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب في البناء علی القبر: ۲/۱۰۳، إمدادیه)

(وسنن النسائي، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر: ۱/۲۸۵، قدیمی)

(وسنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ماجاء في النهي عن البناء علی القبور، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۳) (جمع الفوائد، کتاب الجنائز، تشییع الجنازة وحملها ودفنها، رقم الحدیث: ۲۶۱۲: ۱/۳۶۵، إدارة القرآن کراچی)

الفصل الخامس في إلقاء الرياحين وغيرها

(قبروں پر پھول، چادروغیرہ ڈالنا)

مزار کی اگربتی کی بھسم

سوال [۱۰۴۷۰]: اکثر مزاروں میں اگربتی کی راکھ کو بھسم کہہ کر دیتے ہیں، کیا یہ دینے اور لینے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگربتی قبر پر جلانا منع ہے(۱)، اس کی راکھ کو تبرک سمجھنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في زيارة النساء: ۲/۱۰۵، إمداديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۷۴۰: ۱/۱۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي الأولى بدعة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/۳۵۱، رشيديه)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال[۱۰۴۷۰]: میں روزانہ اس طرح فاتحہ پڑھتا ہوں، کیا شریعت میں ایسا عمل جائز ہے، کیا میرے مرحوم کو اس کا فائدہ ہوگا؟ ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ قل هو الله أحد اور ایک مرتبہ درود ابراہیم پڑھ کر اس طرح کہتا ہوں، خداوند!! جو کچھ اس وقت پڑھا ہوں، اس کا ثواب جملہ پیغمبروں کو پہنچا کر، یا اللہ! ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا کر اور ان کے جملہ صحابہ کی، اُن کی آل واولاد کی، ان کی ازواج مطہرات کی، جملہ اولیاء اللہ کی ارواح کو پہنچا کر، یا اللہ! مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک جس قدر مرد وعورت وفات پاچکے ہیں، یا اللہ! ان تمام کی روح کو پہنچا کر، میرے ماں باپ اور میرے جملہ رشتہ دار جو وفات پاچکے ہیں، ان تمام کی روح کو اس فاتحہ کا ثواب پہنچا کر، یا اللہ! تمام لوگوں کے گناہوں کو معاف کردے، ان تمام مرحومین کو جنت میں جگہ عطا کردے، میں روزانہ اس طریقہ سے فاتحہ پڑھتا ہوں، شرعاً یہ طریقہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح بھی ایصالِ ثواب کرنے سے ثواب پہنچ جاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها، كذا في الهداية، بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، وهو مذهب أهل السنة والجماعة".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد) =

ایصالِ ثواب کے لئے مجلس منعقد کرنا

سوال[۱۰۴۷۲]: مرنے پر بغیر تعین امام لوگوں کو جمع کرکے جن میں غرباء کے ساتھ ائمہ، صاحب نصاب، علماء حضرات بھی ہوتے ہیں، ایصالِ ثواب کرایا جاتا ہے، پھر کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے، یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کھانا بظاہر ایصالِ ثواب کی اجرت بن جاتا ہے، جس سے ثواب نہیں ہوتا، نیز ثواب کے کھانے سے احتیاط کی حاجت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۸۷ھ۔

دفن کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کے ایک مخصوص صورت کا حکم

سوال[۱۰۴۷۳]: ماقولكم دام فضلكم في هذه المسئلة: التصدق بأرز وخبز وموز وملح وفلوس على الفقراء والمساكين قبل دفن الميت بنية إيصال الثواب عند وراء المسجد الذي

= "والأصل فيه أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أوغير ذلک عند أصحابنا للكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، شرائط الأركان والوقف: ۴۵۴/۲، رشيديه)

(۱) "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في الموسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراءة للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل: أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن يكره ...... وهذه الأفعال كلها السمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، قبيل الفصل السادس والعشرون في أحكام المسجد: ۸۱/۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۲۰۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

بمصلى، والحال أن عادة أهل هذه البلد كانوا يحملون هذه الأشياء إلى وراء المسجد المذكور قبل رفع الجنازة ثم يحملونها إلى المصلى، وهذا العمل كان يجري بين يدي سلف أو صالحين لأولياء المعتبرين لاسيما بين يدي أولياء وعلماء نرجو من المحققين المدققين من القرون هل يجوز هذا العمل والتصدق به أم لا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره إلى سواء كانت صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك، كذا في الدرالمختار مع ردالمحتار من المجلد الثاني، أول باب الحج عن الغير(١).

"ونقل الأدلة من الروايات إمام الزيلعي (٢) والمحقق الكمال ابن الهمام(٣) وغيرهما من الفقهاء والمحدثين، ولكن يجب الإخلاص وأما الطريقة المسئول عنها، فلم يثبت من السلف المجتهدين ولا يخلو من الرياء والسمعة وأيضا التزموا ذلك التزاما أشد من العبادات الواجبة، والمستحب يصير مكروهاً بالالتزام كما صرح به في سباحة الفكر (٤).

"وذكر ابن الحاج في المدخل في الجزء الثاني: "أن من البدع القبيحة مايحمل أمام الجنازة من الخبز والخرفان ويسمون ذلك عشاء القبر، فإذا وصلوا إليه، ذبحوا ذلك بعد الدفن وفرقوه مع الخبز وذكر مثله المناوي في شرح الأربعين في حديث "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد" مشكاة: ١/ ٢٧.

قال: "ويسمون ذلك بالكفارة فإنه بدعة مذمومة اهـ".

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٢/ ٥٩٥، سعيد)

(٢) (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٢/ ٢١٩-٢٢٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(٣) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ٣/ ١٣١، رشيديه)

(٤) (مجموعة الرسائل اللكنوي رحمه الله تعالى، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ٣٣: ٣/ ٩٠ ٤، إدارة القرآن كراچی)

قال ابن أمير الحاج: "ولو تصدق بذلك في البيت سرا لكان عملاً صالحاً لوسلم من البدعة، أعني أن يتخذ ذلك سنة أو عادة؛ لأنه لم يكن من فعل من مضى يعني السلف، والخير كله في اتباعهم اه"(۱)

علم من العبارة المنقولة أن يجب الاحتراز من الطريقة المسئول عنها.

حرره العبد محمود غفرله، دار العلوم ديوبند، ۲۸/ ۶/ ۸۷ھ(۲).

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۰۲، قديمي)

(۲)**ترجمۂ سوال**: ''آپ حضرات اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ: ''میت کو دفن کرنے سے پہلے ایصال ثواب کی نیت سے اس مسجد کے سامنے جہاں نماز جنازہ پڑھی جائے، چاول، روٹی، کیا، نمک اور پیسے وغیرہ فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس شہر والوں کی عادت یہ ہے کہ وہ ان اشیاء کو جنازہ اٹھانے سے پہلے مسجد کے سامنے اٹھا کر لے آتے ہیں، پھر انہیں اٹھا کر جنازہ گاہ لے آتے ہیں، کیا یہ عمل سلف صالحین واولیاء کے سامنے (ان کے زمانے میں) کیا جاتا تھا؟ خاص کر اولیاء علماء کے سامنے؟ ہم محققین علماء سے یہ درخواست کرتے ہیں (کہ وہ تحقیق کر کے بتائیں) کہ کیا یہ عمل اور ان چیزوں کا (اس طرح) صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ترجمۂ جواب: جو آدمی کسی بھی عبادت کو بجالائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا ثواب کسی دوسرے کو بخش دے، خواہ وہ (عبادت) نماز ہو یا روزہ ہو، یا صدقہ ہو یا قراءت قرآن ہو یا طواف ہو یا حج ہو یا عمرہ ہو یا اور کوئی (عبادت) ہو۔

اور فقہاء ومحدثین میں سے امام زیلعیؒ اور محقق کمال بن الہمامؒ وغیرہ نے (اس کے جواز پر) دلائل وروایات نقل کی ہیں، لیکن اس کے (جواز) کے لئے اخلاص کا ہونا ضروری ہے، باقی سوال میں جس طریقے کے متعلق پوچھا گیا ہے وہ تو سلف مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں اور وہ (طریقہ) ریاکاری اور شہرت (کی برائی) سے بھی خالی نہیں اور پھر اس میں عبادات واجبہ سے بھی زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ اہتمام سے تو ایک مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے (چہ جائیکہ وہ پہلے ہی سے بدعت وناجائز ہو) جیسا کہ (رسالہ) ''سباحۃ الفکر'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔

ابن الحاجؒ نے ''المدخل'' کی جزء ثانی میں ذکر کیا ہے کہ ''بری بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جنازہ کے آگے روٹی اور دنبے اٹھا کر لے جائے جائیں اور وہ اس کو ''قبر کی روٹی'' کہتے ہیں، جب وہ قبر کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو دفن کے بعد اس (دنبہ) کو ذبح کر دیتے ہیں اور روٹی کے ساتھ تقسیم کر دیتے ہیں، اسی طرح کی بات علامہ مناویؒ نے بھی ''اربعین'' کی شرح میں اس حدیث: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد'' (مشكاة: ۱/ ۲۷) کے تحت ذکر کی ہے۔ =

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال[۱۰۴۷۴]: زید کا انتقال ہوگیا اور اس کے اقارب اب محض حسبۃً للہ فقراء و مساکین، علماء وصلحاء ورؤساء کو بہترین کھانا پکا کر کھلاتے ہیں اور صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے اور تلاوتِ قرآن بھی ہوتی ہے اور کچھ رقم بھی تقسیم کی جاتی ہے، مگر تعین تاریخ مثلاً: چہارم و چہلم وغیرہ بدعات کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اور بسا اوقات چہارم و چہلم وغیرہ کا اہتمام بھی ہوتا ہے، اب ہر دونوں صورتوں کا حکم شرعی کیا ہے، شرط جواز کھانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ اور ایصالِ ثواب کا صحیح اور جائز طریقہ کیا ہے؟ مفصل و مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"وقال أيضاً: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد، وابن ماجة بإسناد صحيح: عن جرير بن عبدالله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت صنعهم الطعام من النياحة اهـ".

وفي البزازية: "ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء، والقراء للختم، أو لقرأة سورة الأنعام والإخلاص.

والحاصل: أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره، وفيها: من كتاب الاستحسان، وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً اهـ".

"وأطال في ذلك في المعراج وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة

= اور انہوں نے فرمایا کہ: "وہ اس کو "کفارہ" بھی کہتے ہیں، بے شک یہ بہت بری بدعت ہے۔ ابن امیر الحاج نے فرمایا کہ: "اگر اس چیز کو گھر میں چپکے سے صدقہ کر لیتے تو یہ ایک نیک عمل ہوتا، اگر اس بدعت سے محفوظ ہوتا، یعنی اسے سنت اور عادت بنائے جانے سے احتراز کیا جاتا، اس لئے کہ سلف میں سے یہ فعل کسی کا بھی نہیں رہا اور (یقیناً) بھلائی سب کی سب ان (اسلاف) ہی کی اتباع میں ہے"۔

نقل کردہ عبارت سے معلوم ہوا کہ سوال میں ذکر کئے گئے طریقہ سے احتراز کرنا واجب ہے"۔

والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى اه إلى قوله ولا سيما إذا كان في الورثة صغار، أو غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالباً من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع، والقناديل التي لاتوجد في الأفراح وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء، والمردان وأخذ الأجرة على الذكر وقرأة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم اه".

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقة أو غيرها، كذا في الهداية، بل في زكوة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء اه" إلى قوله ولهذا اختارت الشافعية في الدعاء: "اللهم أو صل مثل ثواب ما قرائته إلى فلان، وأما عندنا فالواصل إليه نفس الثواب. وفي البحر من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع. وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ماتيسر له، ثم يقول أللهم أوصل ثواب ماقرأناه إلى فلان أو إليهم اه" شامی، نعمانيه بتغير باب صلوة الجنازة، ص: ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲(۱).

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، سعيد)

"ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ..... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعياد". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون في الجنائز: ۱/ ۸۱، رشيديه)

"ولا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة أيام كذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

عبارت مذکورہ سے آپ کے سوال کا تفصیلی جواب معلوم ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ۷/ ۶۰ھ۔

ماں کے انتقال کے بعد ان کو خوش کرنے کی صورت

سوال [۱۰۴۷۵]: ہماری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، جب وہ حیات تھیں تو ہماری شادی کے بعد وہ ہم سے ناراض سی رہنے لگیں، اس کی وجہ ہماری بیوی تھی، شادی کے قبل ہماری ماں ہم سے کبھی ناراض نہ رہا کرتی تھیں اور ہم نے ہمیشہ ان کو خوش رکھنے کی کوشش کی، لیکن شادی کے بعد وہ ہم سے ناراض رہنے لگیں اور ہم ان کی ناراضگی کو ان کی حیات میں دور نہ کر سکے، یہ سب کچھ ہماری بیوی کی ناز یبا حرکت کی وجہ سے ہوا، لیکن ہم نے اس وقت اس پر کوئی دھیان نہ دیا، بلکہ ہماری بیوی سے تنگ آکر انہوں نے مجھے بیوی سے کنارہ کش ہو جانے کی تلقین بھی کی، لیکن ہماری بدنصیبی کہ ہم نے اپنی بیوی کو اس وقت اپنی ماں پر فوقیت دی اور بیوی کے خلاف ہم کچھ بھی کہنے کو تیار نہ ہوئے۔

لیکن اب میں بری طرح افسوس کر رہا ہوں اور پچھتا رہا ہوں، کیا ایسی صورت میں ہماری مغفرت کے لئے کوئی راستہ ہے کہ جس سے ہماری مغفرت بھی ہو جائے اور ہماری ماں کی روح ہم سے خوش اور مطمئن ہو جائے اور ہماری ماں ہماری لغزشوں کو بخش دے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ اپنی مرحومہ والدہ کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہنچایئے، جس طرح بھی موقع ملے، قرآن کریم کی تلاوت کر کے، نوافل پڑھ کر، صدقہ دے کر، روزہ رکھ کر، غرض ہر نیکی کا ثواب پہنچ جاتا ہے، ان کے لئے دعا مغفرت بھی ہمیشہ کرتے رہیں (۱)۔ ان شاء اللہ ان کی روح خوش ہو جائے گی اور اپنی نالائقی کی تلافی ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ۔

---

(۱) "عن أبي أسيد الساعدي قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة فقال: يا رسول الله! هل بقي من برّ أبوي شيء أبرهما به بعد موتهما؟ قال: نعم! الصلاة عليهما والاستغفار لهما وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما" =

کلمہ طیبہ کتنی مرتبہ پڑھنے سے مردوں کی مغفرت ہوتی ہے؟

سوال[۱۰۴۷۶]: کلمہ طیبہ کی کتنی مرتبہ پڑھنے سے مردوں کی مغفرت ہوتی ہے؟ ہزار عدد سے یہ زیادہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض کتابوں میں ستر ہزار کی تعداد لکھی ہے کہ اتنی مرتبہ کسی میت کو ثواب پہنچایا جائے تو اس کی مغفرت ہوجاتی ہے، بعض جگہ سوالا کھ ہے(۱)۔

= رواه أبوداود وابن ماجة". (مشكاة المصابيح، كتاب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۲۰، قديمي)

"أي: الدعاء، ومنه صلاة الجنازة، (والاستغفار) أي: طلب المغفرة لهما ... إلى آخر الحديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: ۹/۱۵۱، رشيديه)

(وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب في البر بالوالدين: ۲/۳۵۳، إمداديه)

(۱) "قال ابن عربي: أوصيک أن تحافظ على أن تشتري نفسک من الله بعتق رقبتک من النار، بأن تقول: لا إله إلا الله سبعين ألف مرة، فإن الله يعتق رقبتک، أو رقبة من تقولها عنه بها، ورد به خبر نبوي وأخبرني أبو العباس القسطلاني بمصر أن العارف أبا الربيع المالقي كان على مائدة، وقد ذكر هذا الذكر عليها صبي صغير من أهل الكشف، فلما مدّ يده للطعام بكى، فقيل: ماشأنک؟ قال: هذه جهنم أراها وأمي فيها، فقال المالقي في نفسه: اللهم إني قد جعلت هذه التهليلة عتق أمه من النار، فضحک الصبي وقال: الحمدلله الذي خرج أمي منها وما أدري سبب خروجها، قال المالقي: فظهرلي صحة الحديث، قال ابن عربي: وقد علمت أنا على ذلک ورأيت بركته". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۳۳، رقم الحديث: ۸۸۹۵، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

"روي أن من قالها سبعين ألف مرة كانت فداء ه من النار، وقد ذكر الشيخ أبومحمد اليافعي اليمني الشافعي رحمه الله تعالىٰ في كتاب الإرشاد والتطريز في فضل ذكر الله تعالىٰ وتلاوة كتابه العزيز، عن الشيخ الإمام الكبير أبي زيد القرطبي أنه قال: سمعت في بعض الأخبار أن من قال: لا إله إلا الله سبعين ألف مرة كانت فداء ه من النار، فعملت ذلک رجاء بركة الوعد إعمالا ادخرتها لنفسي، وعملت منها لأهلي وكان؛ إذ ذاک شاب يبيت معنا يقال: إنه يكاشف في بعض الأوقات بالجنة والنار، وكان في قلبي منه شيء ... فلما رأيت مابه، قلت في نفسي اليوم أجرب صدق هذا الشاب فألهمني الله =

فرائض وواجبات کا ثواب بخشنا

سوال[۱۰۴۷۷]: سنن ومستحبات کے علاوہ فرائض وواجبات کا ثواب بھی مُردوں کو پہونچایا جاسکتا ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو اس کا سبب ظاہری یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی نیکی کا ثواب اگر دوسرے کو بخشا تو بخشنے والے کو اس ثواب سے محرومی رہے گی، لہٰذا فرائض اور واجبات کے عظیم ثوابوں کو اپنے ہی لئے رکھے، بلکہ سنن ومستحبات کے ثوابوں کو بھی بس اتنے اندازہ سے بخشے، جیسے اپنے مال میں سے زکوۃ وصدقات دیا کرتے ہیں، کیونکہ بخش دیا ہو، تو اب اگر پلے نہیں پڑے گا تو اندازہ زکوۃ سے زیادہ بخش دینے والوں کو قیامت کے روز حسرت ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک قول یہ بھی ہے کہ فرائض اور واجبات کا ثواب بھی بخش سکتا ہے، مگر احتیاط یہی ہے کہ ان کا ثواب نہ بخشے(۱)، اپنی جس نیکی کا ثواب دوسرے کو بخش دیا اس بخشنے کا ثواب بھی کچھ کم نہیں، بعض اکابر نے تو اپنی تمام حسنات

= تعالیٰ أن أجعل سبعين ألف لا إله إلا الله لأمه، ولم يطلع على ذلك إلا الله تعالى، فقلت في نفسي: اللهم إن كان هذا الأثر حقا والذين رووه لنا صادقون، اللهم إن هذه السبعين ألفا فداء هذه المرأة، أم هذا الشاب من النار فما استتم هذا الخاطر في نفسي إلا أن قال الشاب: يا عمي! هذه أمي أخرجت من النار ببركة ماقلته لها، فحمدت الله تعالى على ذلك". (رسائل ابن عابدين، منة الجليل لبيان إسقاط ما على الذمة من كثير وقليل: ۱/۲۲۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لافرق بين الفرض والنفل، فإذا صلى فريضة، وجعل ثوابها لغيره فإنه يصح لكن لايعود الفرض في ذمته؛ لأن عدم الثواب لايستلزم عدم السقوط عن ذمته، ولم أره منقولاً".

وفي منحة الخالق على البحر الرائق: "(وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لا فرق الخ) لم يرتضه المقدسي في الرمز حيث قال: وأما جعل ثواب فرضه لغيره، فمحتاج إلى النقل اهـ قلت: رأيت في شرح تحفة الملوك قيده بالنافلة حيث قال: يصح أن يجعل الإنسان ثواب عبادته النافلة لغيره صوماً أو صلاة أو قراءة القرآن أو صدقة أو الأذكار أو غيرها من أنواع البر اهـ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۵۴۵، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

کا ثواب تمام اہل ایمان کو بخش دیا، تاکہ اللہ پاک کے دربار میں خالی ہاتھ حاضر ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

ہر قسم کی نیکیوں کا ثواب بخشنا

سوال[۱۰۴۷۸]: سلام مصافحہ نصیحت کی باتیں سڑک پر سے ایذاء کی چیز ہٹا دینا وغیرہ، بے شمار کام نیکی کے ہیں، بلکہ گناہ سے بچنا بھی نیکی ہے، تو کیا ہر قسم کی نیکی کا ثواب پہونچایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کا ثواب پہونچایا جاسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

کیا پرانے کپڑے اور نئے کپڑے کے صدقہ میں فرق ہے؟

سوال[۱۰۴۷۹]: میں پرانے کپڑے غریبوں کو دیتی ہوں تو کیا مجھ کو اس کا ثواب ملتا ہے؟ نئے کپڑے میں اور پرانے کپڑے میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانے کپڑے اور نئے کپڑے میں جیسا فرق ہے، ایسا ہی دونوں کے ثواب میں فرق ہے، تاہم

---

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره". (الدرالمختار). "(قول: بعبادة ما) أي: سواء كانت صلاة أوصوماً أوصدقة أوقراءة أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرة أوغير ذلك من زيارة قبور الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والشهداء والأولياء والصالحين وتكفين الموتى وجميع أنواع البر".

(ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

ضرورت مند کی ضرورت اس سے پوری ہوتی ہے، اس کا بھی ثواب ملے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال الله تعالى: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾ (ال عمران: ۹۲)

"لن تنالوا البر الذي هو في أعلى منازل القرب حتى تنفقوا مما تحبون على وجه المبالغة في الترغيب فيه؛ لأن الإنفاق مما يحب يدل على صدق نيته". (أحكام القرآن للجصاص، ال عمران: ۲/۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

فصل في أطعمة الاسبوع والأربعين وغيره
(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا حکم)

سوئم وچہلم وغیرہ کا حکم

سوال[۱۰۳۸۰]:"هل يجوز أن يطعم الطعام للفقراء والمساكين مع الأقرباء في اليوم الثالث والأربعين من الموت بختم القرآن أو سورة يس وغيرها بنية إيصال الثواب إليه، وهذا العمل أيضاً كان يجري بين يدي المتقين كما ذكر؟ أجيبوا بدلائل القاطعة!

الجواب حامداً ومصلياً:

قال في البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة ..... لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآء للختم أو لقرأة سورة الأنعام أو الإخلاص اهـ. ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور، لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد بن حنبل(۲) وابن ماجة(۳) بإسناد صحيح، عن جرير بن عبدالله رضي الله تعالى عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت، وصنعهم الطعام من النياحة إلى قوله وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالى، هذا كله من ردالمحتار، كتاب الجنائز(۱).

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمرو رضي الله تعالیٰ عنهما: ۲/۲۱۵، رقم: ۶۸۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (سنن ابن ماجة، أبواب الجنائز، باب ماجاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام: =

قال الشيخ العارف بالله المحدث الفقيه، قامع البدعات زين الدين محمد بن بير علي محي الدين البركري في الطريقة المحمدية: الفصل الثالث في أمور مبتدعة باطلة، ركب الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة، وهذه كثيرة، فلنذكر أعظمها، ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده بإعطاء دراهم معدودة لمن يتلوا القرآن لروحه أو يسبح له أو يهلل أو بأن يبيت عند قبره رجال أربعين ليلة أو أكثر أو أقل أو بأن يبنى على قبره بناء، وكل هذه بدع منكرات والوقف والوصية باطلان، والماخوذ منها حرام للاخذ وهو عاصي بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا اه".

وأما ما ذكره بعض من قال بالجواز من حديث امرأة ميت دعت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لما رجع من دفنه وفيه: "وجيء بالطعام" الخ.

فقد أجاب عنه العلامة ابن عابدين(۱) حيث قال بعد ذكره الحديث المذكور: أقول: فيه نظر فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف ما في حديث جرير المذكور آنفاً على أنه بحث في المنقول في مذهبنا، ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالاً بحديث جرير المذكور على الكراهية، ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالباً من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم وصلى الله تعالى خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين(۲).

= ۱/ ۱۱٦، قديمى)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲٤۱، سعيد)

(۲) **ترجمۂ سوال:** ''کیا سوئم اور چہلم کے موقع پر ختم قرآن یا سورۂ یٰس وغیرہ کے ختم پر ایصال ثواب کی نیت سے عزیز=

....

= واقارب کے ساتھ فقراء ومساکین کو کھانا کھلانا جائز ہے؟ کیا صلحائے امت کے سامنے (اوران کے دور میں) یہ عمل اس طرح ہوتا تھا، جیسا کہ ذکر کیا گیا؟ مضبوط دلائل کے ذریعہ اس کا جواب دیں''۔

ترجمۂ جواب: ''فتاوی بزازیہ'' میں لکھا ہے کہ'' پہلے دن، سوئم کے موقع پر اور ساتویں دن کھانا بنانا اور خاص ایام میں قبر پر کھانا لے جانا اور ختم قرآن پر دعوت کرنا اور ختم قرآن یا سورۃ ''انعام'' یا سورہ ''اخلاص'' کے ختم کے لئے صلحاء اور قاریوں کو جمع کرنا مکروہ ہے اور اہل میت کا بطور ضیافت کے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس (دعوت وضیافت) کا حکم شریعت کی طرف سے خوشی کے موقع پر ہے نہ کہ غمی کے موقع پر اور یہ بہت بری بدعت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن ماجہؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''ہم میت کے گھر جمع ہونے اور ان (اہل میت) کا کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔ اس کے بعد صاحب بزازیہ نے یہ بھی لکھا کہ یہ تمام افعال ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے ہیں، لہٰذا ان سے احتراز کیا جائے، اس لئے کہ ان لوگوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ عارف باللہ، محدث فقیہ، زین الدین محمد بن پیر علی محی الدین ابرکویؒ ''الطریقۃ المحمدیۃ'' میں رقمطراز ہیں:

تیسری فصل بدعت اور باطل امور کے بارے میں کہ لوگوں نے یہ گمان کرکے انہیں اختیار کیا ہے کہ یہ بڑی عبادت ہے اور یہ (بدعات) بہت ساری ہیں، ہم سردست ان میں سے بڑی بڑی کا ذکر کرتے ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی موت کے دن یا اس کے بعد (سوئم، چہلم وغیرہ کے موقع پر) جو شخص اس کی روح (کو ایصال ثواب کرنے) کے لئے قرآن پڑھے یا تسبیح وتہلیل (یا کسی بھی قسم کا ذکر یا ختم وغیرہ) کرے تو چند روپے دے کر اس کی ضیافت کی جائے، کھانا کھلایا جائے، یا اس بات کی وصیت کرے کہ اس کی قبر پر کچھ لوگ چالیس راتیں یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم کاٹیں، یا اس کی وصیت کرے کہ اس کی قبر پر کچھ بنایا جائے (یعنی اسے پختہ کیا جائے)۔ یہ سب بدعات اور بری چیزیں ہیں اور (ان چیزوں پر) وقف کرنا اور وصیت کرنا باطل ہے اور ان میں سے (کسی بھی چیز پر کچھ) لینا، لینے والے کے لئے حرام ہے اور وہ دینا (حاصل) کرنے کے لئے ذکر وتلاوت کرنے پر گناہ گار ہوگا۔

رہا اس کو جائز قرار دینے والے بعض لوگوں کا (اس کے جواز پر) استدلال، اس حدیث سے جس میں میت کی بیوی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت دی تھی، جب آپ علیہ السلام اس میت کے دفن سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے اور اس (حدیث) میں ہے کہ'' اور کھانا لایا گیا..... الخ''۔

سو اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن عابدینؒ نے یہ کہتے ہوئے اس کا جواب دیا ہے کہ: ''اس حدیث (سے استدلال کرنے) میں اشکال ہے اس لئے کہ یہ ایک جزئی واقعہ ہے اس کے لئے عمومی حکم (پر استدلال کرنا درست نہیں)، =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۷ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= باوجودیکہ اس میں کسی خاص سبب کا احتمال بھی ہے (یعنی عین ممکن ہے کہ وہ دعوت کسی اور سبب سے کی گئی ہو، اس لئے کہ اسی سبب سے اس دعوت کے کئے جانے کی تصریح تو اس روایت میں نہیں) برخلاف حدیث جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، جو ابھی گزری (کہ اس میں صراحت کے ساتھ مذکورہ افعال کی نفی اور مذمت عموم کے ساتھ آئی ہے)۔ حالانکہ ہمارے حنابلہ اور شافعیہ کی معتبر کتابوں میں تحقیق اسی حدیث جریرؓ سے (مذکورہ افعال کے) مکروہ ہونے پر ہے۔ اور اگر ان بہت سی (بدعات اور) برائیوں سے صرف نظر بھی کرلیا جائے جو ایسے موقعوں پر عموماً پائی جاتی ہیں، مثلاً شمعیں جلانا اور چراغ روشن کرنا، جو خوشی کے موقعوں پر کیا جاتا ہے اور طبل (وغیرہ) بجانا اور خوبصورت آوازوں میں گنگنانا اور عورتوں اور بے ریش بچوں کا جمع ہونا اور ذکر وتلاوت قرآن (وغیرہ) پر اجرت لینا اور اس کے علاوہ اور بہت سی برائیاں جن کا مشاہدہ اس زمانے میں کیا جا سکتا ہے، تو بھی ورثہ میں نابالغ بچے اور غائب ہوتے ہیں (ان کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں تصرف کرنا تو کسی طرح جائز نہیں)۔

اور جو کام اس طرح (کی برائیوں اور بدعات پر مشتمل) ہو، اس کے حرام ہونے اور اس کی وصیت کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین"۔

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

شہادت کی ایک صورت اور قاتل کی مدد

سوال [۱۰۴۸۱]: زید وعمر دو بھائی تھے، زید نابالغ اور عمر بالغ، عمر نے اپنے باپ خالد کا قرضہ مشترکہ زمین سے ادا کیا زمین کو فروخت کر کے، لیکن زید کی نابالغی کی وجہ سے دستخط نہیں ہوئے، اب چک بندی کے دوران بیع شدہ زمین عمر کے حصہ میں آئی اور زید کے حصہ میں نہیں آئی، اس لئے کہ دستخط نہیں ہے، عمر کا دعویٰ یہ ہوا کہ موجودہ زمین سے نصف مجھے دو، زید نے انکار کیا، جس کی وجہ سے معاملات کشیدہ ہوگئے، یہاں تک کہ عمر نے زید کے قتل کی ترکیب کی، پھر دونوں بھائیوں نے مل کر مصالحت چاہی، مگر عمر نے دوسرے روز زید کو دن میں مصالحت کے بہانہ سے بلا کر قتل کر دیا، جب زید کی عورت نے شور مچایا تو اس کو بھی ختم کر دیا، کیا اس صورت میں زید اور اس کی بیوی شہید ہوگئی کہ نہیں؟ اور عمر کی قید سے خلاصی کے لئے مدد کی جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید اور اس کی عورت دونوں شہید ہیں(۱)، اگر عمر نے اپنی حرکت پر نادم ہو کر سچی توبہ کر لی اور اس پر

---

(۱) "عن سعيد بن زيد: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد". (سنن أبي داود، باب في قتال اللصوص: ۲/۳۱۴، رحمانيه)

"إذا قتل الرجل في المعركة أو غيرها وهو يقاتل أهل الحرب، أو قتل مدافعاً عن نفسه أو ماله أو أهله أو واحد من المسلمين أو أهل الذمة فهو شهيد ... دل عليه قوله عليه الصلاة والسلام: "من قتل دون ماله فهو شهيد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، من يكون شهيداً ومن لايكون: ۲/۴۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۸، سعيد)

اعتماد ہو تو اس کی مدد کرنا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا گاڑی کے حادثہ میں مرنے والا شہید ہے؟

سوال[۱۰۴۸۲]: زید کی موت کا سبب موٹر، ٹرک، ریل گاڑی یا ٹریکٹر کا حادثہ بنا اور حادثہ کے فوراً بعد روح پرواز کر گئی، مرہم پٹی اور علاج معالجہ کی مہلت بھی نہ ملی، اب زید کی غسل وکفن وغیرہ کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو عام سنت کے موافق غسل دے کر کفن پہنایا جائے، وہ احکام آخرت کے اعتبار سے شہید ہے، دنیوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولا يأتل أولوا الفضل منكم والسعة أن يؤتوا أولي القربى والمساكين والمهاجرين في سبيل الله وليعفوا وليصفحوا ألا تحبون أن يغفر الله لكم والله غفور رحيم" الآية.

قوله تعالى: ﴿ألا تحبون أن يغفر الله لكم﴾ تمثيل وحجة، أي: كما تحبون عفو الله عن ذنوبكم فكذلك اغفروا لمن دونكم، وينظر إلى هذا المعنى قوله عليه السلام "من لا يرحم لا يرحم". (أحكام القرآن للقرطبي: ۱۲/۱۳۱، ۱۳۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال ....".

"فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب مانهي عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۹/۲۳۰، ۲۳۱، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث، بلا عذر شرعي: ۵/۳۵۴، ۳۵۵، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۲) "هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردى من موضع. =

شہیدانِ وطن کون ہیں؟

سوال [۱۰۴۸۳]: ۱..... شہیدانِ وطن سے کیا مراد ہے اوران پر آیت پاک ﴿لا تقولوا لمن یقتل﴾ الآية (۱) صادق آئے گی یا نہیں؟

شہیدِ وطن کون ہے؟

سوال [۱۰۴۸۴]: ۲..... اگر کوئی مسلمان جو جنگ آزادی میں مارا گیا ہو، اس پر شرعی شہید کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ اور وہ آیت مذکور کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہ لڑائی کفر واسلام کی نہیں تھی، بلکہ دیش اور ملک کو آزاد کرانے کی تھی، اس لئے اسے شرعی شہید نہیں کہا جاسکتا۔ اور آیت مذکورہ کا مصداق بھی وہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بکر کہتا ہے کہ اس کو شرعی شہید کہا جائے گا اور آیت مذکورہ کا وہ مصداق ہوسکتا ہے، اب فیصلہ حکم شرعی پر ٹھہرا ہے کہ کس کا کہنا صحیح ہے کس کا غلط؟

واقعہ یہ ہے کہ یہاں ایک طالب علم کا انتقال ہوا، جو اپنی زندگی میں سیاسی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے، ان کے متعلق کہا گیا کہ وہ اب شہیدانِ وطن سے مل گئے، یہ کہنا صحیح ہے یا توہین ہے؟ کہ مرنے کے بعد کافروں کے ساتھ ملایا جارہا ہے، اختلاف وانتشار کس طرح ختم ہو۔ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

= أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم، أو غرق، لا يكون شهيداً أي: في حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلاة الشهيد: ۲/ ۳۴۳، رشيديه)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، إمداديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۲۵۲، سعيد)

(۱) (البقرة: ۱۵۴)

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... جن لوگوں نے وطن کی حفاظت اور آزادی کے لئے جان دی، قتل ہوئے، ان کو عرفاً شہید وطن کہتے ہیں، اگر احکام اسلام کے پیش نظر وہ مظلوم ومقتول ہوئے تو ان پر آیت شریفہ صادق آئے گی اور ان کو شرعی شہید بھی کہا جائے گا(۱)۔

۲..... اگر وہ جنگ احکام اسلام کے تحت تھی کہ انگریز کا تسلط ختم کر کے اسلام کو بلند کیا جائے تو اس میں مقتول ہونے والے شرعی شہید ہیں (۲)، غیر شہیدوں کو شہیدوں کے ساتھ نہ ملایا جائے، جب وہ عالم صاحب شہید نہیں، تو کیوں کہا جائے کہ وہ شہیدانِ وطن سے مل گئے۔ اگر شہیدانِ وطن سے مراد غیر مسلم ہیں تو اس میں ان عالم صاحب کے متعلق بہت سخت حکم ہے (۳)۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهید". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس (رضي الله تعالیٰ عنهما)، رقم الحدیث: ۲۷۷۵: ۱/۵۰۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"هو (أي: الشهید) کل مکلف مسلم طاهر ..... (قتل ظلماً) بغیر حق (بجارحة)".

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلاة الشهید: ۲/۳۴۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیه)

(۲) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما تعدون الشهید فیکم؟" قالوا: یا رسول الله! من قتل في سبیل الله فهو شهید، قال: "إن شهداء أمتي إذا لقلیل" قالوا: فمن هم؟ یا رسول الله! قال: "من قتل في سبیل الله فهو شهید، ومن مات في سبیل الله فهو شهید، ومن مات في الطاعون فهو شهید، ومن مات في البطن فهو شهید". (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب بیان الشهداء، ص: ۸۵۲، دار السلام)

"قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قاتل لتکون کلمة الله أعلی فهو في سبیل الله". (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب من قاتل لتکون کلمة الله هي العلیا، ص: ۸۵۲، دار السلام)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الجهاد، الفصل الأول: ۲/۲۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه، أنه سمع النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لا یرمي رجل =

اگر مسلم مراد ہیں تو یہ غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۲/ ۸۹۳، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر: ۱/ ۵۷، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان، ص: ۴۱۱، قديمى)

کتاب الزکاۃ

(زکوۃ کا بیان)

منکر زکوۃ وتارک زکوۃ کا حکم

سوال[۱۰۴۸۵]: الف...... زید نماز تو پڑھتا ہے، لیکن زکوۃ کی فرضیت کا قائل نہیں ہے، بلکہ زکوۃ دینے کو حماقت تصور کرتا ہے۔ اور بکر فرضیت کو مانتا ہے، لیکن نصاب کے مطابق بیسواں، پچیسواں حصہ ادا نہیں کرتا، مسلمانوں کو ایسے افراد کے بارے میں کیا رائے رکھنی چاہیے؟

ب...... ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حدیث شریف میں حقوق مثلاً جنازہ کی شرکت، بیمار کی عیادت، کیا ایک مسلمان زید وبکر کو مسلمان سمجھ کر یہ حقوق ادا کرسکتا ہے؟

ج...... زید وبکر اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادی، دوسری رسمی تقریبات بہت طویل اور کروفر (۱) سے کرتے ہیں اور مسلمانوں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ شامل ہوکر ان کی کروفر کو بڑھائیں، ایسی صورت میں کیا ان کی امید رکھنا اور ایسی دعوتوں میں شریک ہونا ضروری اور واجب ہے؟

د...... زید اور بکر کے قریبی عزیز (عمرو) عالم دین ہونے کی حیثیت سے یاددہانی بھی کرتا رہتا ہے، مگر عمرو کی بات سنی ان سنی کردی جاتی ہے، اس لئے ناراضگی کے طور پر ان کی دعوتوں میں وہ کبھی بھی شامل نہیں ہوتے، تو کیا عمرو کو حق ہے کہ وہ ایسا کریں، یا عمرو گنہگار ہوتا ہے؟

ر...... زید وبکر کے دوسرے عزیز جو زکوۃ کے قائل ہیں، ان کا طرز عمل زید وبکر کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟

---

(۱) ''کروفر: شان وشوکت، دھوم دھام، ٹھاٹ باٹ، زور وتوانائی، تزک واحتشام''۔ (فیروز اللغات ص:۱۰۵۹، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف ..... اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر قرار دی گئی ہے، ان میں زکوۃ بھی ہے(۱)۔ اس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے(۲)، اس کا انکار نص قطعی کا انکار کرنا ہے، جس سے ایمان کا سلامت رہنا دشوار ہے(۳)، فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کو پورا نہ کرنا یہ معصیت کبیرہ ہے(۴)، جیسے نماز کا قائل ہوتے ہوئے بھی اس

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس، شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلاة، وإیتاء الزکاة، والحج، وصوم رمضان". (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ....: ۱/۵، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام ....: ۱/۳۲، قدیمی)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، الفصل الأول، ص: ۱۲، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوة واٰتوا الزکوة وارکعوا مع الراکعین﴾ (البقرہ: ۴۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوة واٰتوا الزکوة وما تقدموا لأنفسکم من خیر تجدوه عندالله إن الله بما تعملون بصیر﴾ (البقرة: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوة واٰتوا الزکوة وأقرضوا الله قرضا حسنا﴾ (المزمل: ۲۰)

(۳) "وأما صفتها فهي فریضة محکمة، یکفر جاحدها، ویقتل مانعها". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب الأول: ۱/۱۷۰، رشیدیه)

"وهي فریضة محکمة لایسع ترکها، ویکفر جاحدها". (مجمع الأنهر، کتاب الزکاة: ۱/۲۸۳، المکتبة الغفاریة)

"وأجمع المسلمون في جمیع الأعصار علی وجوب الزکاة، واتفق الصحابة رضي الله تعالیٰ عنهم علی قتال مانعیها، فمن أنکر فرضیتها کفر وارتد إن کان مسلماً ناشئا ببلاد الإسلام بین أهل العلم ....". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب الرابع، الفصل الأول، المبحث الاول، ثالثاً: فرضیة الزکاة: ۳/۱۷۹۲، رشیدیه)

(۴) "منها: عد منع الزکاة کبیرة، هو ما أجمعوا علیه". (الزواجر عن اقتراف الکبائر، کتاب الزکاة، الکبیرة السابعة والثامنة والعشرون بعد المائة، ترک الزکاة وتأخیرها ....: ۱/۲۸۷، دارالفکر بیروت)

"الکبیرة الخامسة: منع الزکاة ....". (الکبائر، ص: ۱۶، قدیمی)

کوادانہ کرنا سخت گناہ ہے، جتنی زکوۃ فرض ہے، اگر وقت پر ادانہیں کی گئی تو اس کوادا کیا جائے، ورنہ اس کا وبال دنیامیں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا (۱)۔

ب..... زید اپنے جہل کی وجہ سے زکوۃ کی فرضیت کا انکار کرتا ہے، تاہم وقت ضرورت اس کی عیادت بھی کی جائے اوراس کو نصیحت بھی کی جائے، زکوۃ کی اہمیت بتلائی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے۔

ج..... اگر دعوت میں شرکت سے کلمہ حق کہنے کا موقع ہے اوراصلاح کی توقع ہو تو شرکت کرلینا ٹھیک ہے۔

د..... اگر شرکت سے اصلاح کی توقع ہو، تو شرکت کرنا چاہیے، اگر عدم شرکت اور ناراضگی کے اظہار سے اصلاح کی توقع ہو، تو شریک نہ ہونا اور ناراضگی کا اظہار کرنا ٹھیک ہے۔

ر..... وہی جواوپر بیان ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله ... فذوقوا ما كنتم تكنزون﴾ (التوبة: ۳۴)

"عن خالد بن أسلم قال: "خرجنا مع عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال أعرابي: أخبرني عن قول الله تعالى: ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة﴾ قال ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: "من كنزها فلم يؤد زكاتها، فويل له إنما كان هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهرا للأموال". (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۱۸۸، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من آتاه الله مالا، فلم يؤد زكاته، مثل له ماله يوم القيامة شجاعا أقرع، له زبيبتان يطوقه يوم القيامة، ثم يأخذ بلهزمتيه يعني بشدقيه، ثم يقول: أنا مالك، أنا كنزك ... الخ". (سنن النسائي، كتاب الزكاة، باب مانع زكاة ماله: ۱/۳۴۳، قديمي)

"والذي نفسي بيده! ما من رجل يموت ويترك غنما أو إبلاً أو بقرا لم يؤد زكاتها إلا جاءته يوم القيامة أعظم ماتكون، وأسمنه حتى تطؤه بأظلافها، وتنطحه بقرونها حتى يقضى بين الناس، كلما نفدت أخراها عادت عليه أولاها". (جامع الترمذي، كتاب الزكاة، باب ماجاء عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في منع الزكاة من التشديد: ۱/۱۳۴، سعيد)

زکوۃ کوتاوان اور حج کو تجارت سمجھنا

سوال[۱۰۴۸۶]: زکوۃ کو ڈنڈ(۱)اور حج کو تجارت کے خیال سے کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ فریضہ اس طرح بھی ادا ہوجائے گا، مگر حق تعالیٰ کے دربار میں مقبول نہیں(۲)، نیز یہ قرب قیامت کی علامت ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱)"ڈنڈ: جرمانہ، محصول، ٹیکس، تاوان"۔ (فیروز اللغات ص:۶۴۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وقال العلامة العيني رحمه الله تعالى في شرح البخاري: "الإخلاص في الطاعة ترك الرياء، ومعدنه القلب، وهذه النية لتحصيل الثواب لا لصحة العمل؛ لأن الصحة تتعلق بالشرائط والأركان، والنية التي هي شرط لصحة الصلاة مثلاً: أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي ..... وقالوا: أيضاً إن من نوى الحج والتجارة لاثواب له". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۵/۶، سعيد)

"لايلزم من صحة العمل قبوله ووجود ثوابه لقوله تعالى: ﴿إنما يتقبل الله من المتقين﴾". (مرقاة المفاتيح، حديث النية المسمى بطليعة كتب الحديث: ۱۰۰/۱، رشيديه)

"قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى تحت حديث "إنما الأعمال بالنيات": قلت: ولا يخفى أن جميع ما صح عن غير عمر رضي الله تعالى عنه فهو إنما يدل على اعتبار النية في ثواب الأعمال وكمالها، لا على توقف صحتها عليها". (إعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب أن النية ليست واجبة في الوضوء: ۱۰۸/۱، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا اتخذ الفيء دولاً، والأمانة مغنماً، والزكاة مغرماً ..... فارتقبوا عند ذلك ريحاً حمراء، وزلزلة، وخسفاً، ومسخاً، وقذفاً وايات تتابع كنظام قطع سلكه فتتابع، رواه الترمذي". (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة: ۴۷۰/۲، قديمى)

(وجامع الترمذي، أبواب الفتن، باب ماجاء في أشراط الساعة: ۴۴/۲، سعيد)

(وكذا في تحفة الأشراف، رقم الحديث: ۱۲۸۹۵: ۳۵۶/۹، دارالغرب الإسلامي)

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

وجوبِ زکوۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی؟

سوال[۱۰۴۸۷]: سال ہجری عام عیسوی سے تقریباً دس روز کم ہے، زکوۃ واجب کس حساب سے واجب ہے؟ جس شخص کے پاس ۲۱/ اگست کو مال نصاب آیا، اس پر ۲۰/ اگست کو آئندہ سال زکوۃ واجب ہوگی یا دس اگست کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال قمری پورا ہونے پر زکوۃ لازم ہوگی، ۲۰/ اگست کو جو قمری تاریخ ہو، اس کے اعتبار سے جب قمری سال پورا ہو جائے، وہ حولانِ حول معتبر ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۳ھ۔

زکوۃ انگریزی سال سے ادا کرے یا قمری سے؟

سوال[۱۰۴۸۸]: میں اپنی زکوۃ انگریزی مہینوں کے حساب سے مارچ میں ادا کرتا آرہا ہوں، ادائیگی زیادہ تر رمضان المبارک میں ہوتی ہے، جو عموماً پیشگی ادا کی جاتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انگریزی

---

(۱) "العبرة في الزكاة للحول القمري كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱/۱۷۵، رشيديه)

"وحول الزكاة قمري لاشمسي بالاتفاق كباقي أحكام الإسلام من صوم وحج". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة: ۳/۱۸۰۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۲، رشيديه)

مہینوں سے قمری مہینہ کم ہوتا ہے اور زکوۃ کچھ ایام کی رہ جاتی ہے، میں ۱۹۶۷ء سے مارچ کا حساب کر رہا ہوں، اگر یہ صورت ناپسند ہو اور عندالشرع نامعتبر ہو، تو ایسی صورت بتائی جائے کہ کیسے قمری مہینہ رمضان میں حساب کو لایا جائے، جیسے ابھی مارچ ہے، رمضان المبارک میں حساب کو آگے کیا جائے تو ڈیڑھ سال کی مدت ہو جائے گی، تو ہم کیسے قمری مہینہ کو اپنائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انگریزی مہینوں کا حساب کرنے سے ۳۶/ برس میں ایک سال کا فرق ہو جائے گا، یعنی ایک سال کی زکوۃ ذمہ میں باقی رہ جائے گی، اس لئے قمری حساب سے سال کا اعتبار کر کے زکوۃ ادا کی جائے، جب کہ آپ ماہ مارچ میں حساب کرتے رہیں اور زکوۃ رمضان المبارک میں (کئی ماہ پیشتر) ادا کرتے ہیں، تو رمضان ہی سے حساب کریں، اگر کاروباری لائن سے مارچ میں پورا حساب کرنا ضروری ہو، تو اس کا اختیار ہے، لیکن زکوۃ کے لئے رمضان المبارک ہی سے حساب رکھیں، یعنی دیکھ لیں کہ کس قدر مال ہے اور اس پر کتنی زکوۃ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۳/۱۸ھ۔

مشتبہ مال کی زکوۃ کا حکم

سوال[۱۰۴۸۹]: مشتبہ مال پر زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا زکوۃ دینے سے مال حرام بھی پاک ہو جاتا ہے؟

---

(۱) "ومنها حولان الحول على المال، العبرة في الزكاة للحول القمري كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱/۱۷۵، رشيديه)

"شروط الزكاة ...... منها: مضي عام أو حولان حول قمري على ملك النصاب: لقوله عليه الصلاة والسلام "لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول" ولإجماع التابعين والفقهاء، وحول الزكاة قمري لا شمسي بالاتفاق كباقي أحكام الإسلام من صوم وحج". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة: ۳/۱۸۰۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مال مشتبہ ہو، اس کی حرمت پر دلیل نہ ہو(۱)، اس پر بھی زکوۃ لازم ہوگی (۲)، حرام مال پر جب کہ ملک ہی ثابت نہ ہو، تو اس پر زکوۃ بھی لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۹۵ھ۔

زکوۃ کی فرضیت سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا

سوال [۱۰۴۹۰]: ایک شخص کے پاس دس تولہ سونا ہے اور ہر رمضان کو زکوۃ ادا کرتا ہے، اب حیلہ یہ کرتا ہے کہ رمضان آنے سے پہلے دس تولہ سونا اپنی بی بی کو دیتا ہے، یعنی مالک بنا دیتا ہے یا اپنے کسی رشتہ دار کو مالک بنا دیتا ہے، پھر اسی طرح بی بی صاحبہ دوسرے رمضان آنے سے پہلے پہلے اس سونے کا مالک شوہر کو بنا دیتی ہے، اب اس صورت میں شوہر اور بی بی کے ذمہ سے زکوۃ ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر ساقط ہوگی، تو شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) "الیقین لایزول بالشک ... أن الأمر المتیقن ثبوته لا یرتفع إلا بدلیل قاطع، ولا یحکم بزواله بمجرد الشک" (شرح المجلة، المقالة الثانیة، المادة: ۴: ۱/۱۸، رشیدیه)

(وکذا في شرح الحموي، الفن الأول، النوع الأول: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في قواعد الفقه، قاعدة: ۴۲۱، ص: ۱۴۳، الصدف پبلشرز)

(۲) "(وسببه) أي: سبب افتراضها (ملک نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه علیه (تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد". (الدر المختار، کتاب الزکاة: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، سعید)

"والزکاة واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم، إذا ملک نصاباً ملکاً تاماً، وحال علیه الحول". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الزکاة: ۲/۲۱۴، قدیمی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، سعید)

(۳) "في القنیة: لو کان الخبیث نصاباً لایلزمه الزکاة؛ لأن الکل واجب التصدق علیه، فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه، ومثله في البزازیة". (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۹۱، سعید)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکاة، الفصل الثاني في المصرف: ۴/۸۶، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الزکاة، الفصل العاشر: ۲/۲۱۲، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض زکوۃ سے بچنے کے لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)، اگرچہ ایسا کرنے سے زکوۃ لازم نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

یاقوت وغیرہ پتھر پرزکوۃ

سوال[۱۰۴۹۱]: نیم قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوں، تو ان کی زکوۃ

(۱) "وإذا فعله حيلة لدفع الوجوب، كإن استبدل نصاب السائمة بآخر، أو أخرجه عن ملكه، ثم أدخله فيه، قال أبويوسف: لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب لا إبطال حق الغير، وفي المحيط: أنه الأصح. وقال محمد رحمه الله تعالى: "يكره، واختاره الشيخ حميد الدين الضرير؛ لأن فيه إضرارا بالفقراء وإبطال حقهم مآلا، وكذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها، وقيل الفتوى في الشفعة على قول أبي يوسف، وفي الزكاة على قول محمد، وهذا تفصيل حسن شرح درر البحار.

قلت: وعلى هذا التفصيل مشى المصنف في كتاب الشفعة وعزاه الشارح هناك إلى الجوهرة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة لغنم: ۲/ ۲۸۴، سعيد)

"وفي المعراج: ولو باع السوائم قبل تمام الحول بيوم فراراً عن الوجوب قال محمد: يكره، وقال أبويوسف: لايكره، وهو الأصح ولو احتال لإسقاط الواجب يكره بالإجماع، ولو فرمن الوجوب بخلالا تأثماً يكره بالإجماع، والله سبحانه وتعالى أعلم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، قبيل باب المصرف، ص: ۷۱۸، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/ ۳۸۴، رشيديه)

(۲) "ثم اعلم أنه لو وهب النصاب في خلال الحول ثم تم الحول عند الموهوب له ثم رجع الواهب بقضاء أوغيره فلا زكاة على واحد منها كما في الخانية". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/ ۳۸۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة: ۱/ ۲۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، قبيل باب المصرف، ص: ۷۱۸، قديمي)

کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہیے؟ اور کیا اس پر زکوۃ واجب ہوتی بھی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے پتھروں پر زکوۃ واجب نہیں (۱)، ان کے وزن کو محسوب کر کے سونے چاندی کے زیور کی زکوۃ ادا کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

بیوی کے زیور کی زکوۃ کس پر ہے؟

سوال [۱۰۶۹۲]: شوہر مالک نصاب نہیں، البتہ بیوی بوجہ زیور کے مالک نصاب ہے، جو عموماً ہمارے دیہاتوں کا دستور ہے، ایسی صورت میں اگر شوہر ادا نہ کرے، بلکہ محض بیوی ہی ادا کردے، تو کیا شوہر پر واجب باقی رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مالک نصاب ہوتا ہے، اس پر ہی زکوۃ واجب ہوتی ہے، جب عورت زیورات کی مالک ہے،

---

(۱) "(قوله كمعادن الأحجار) كالجص والنورة والجواهر، كاليواقيت والفيروزج والزمرد، فلا شيء فيها". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب الركاز: ۲/۳۱۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب الركاز: ۲/۴۱۰، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب الركاز: ۱/۴۵۲، رشيديه)

(۲) "واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أولا".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، سعيد)

"الزكاة واجبة في الذهب والفضة، مضروبة كانت أو غير مضروبة، نوى التجارة أولا، إذا بلغت الفضة مائتي درهم، والذهب عشرين مثقالاً". (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان مال الزكاة: ۲/۳۸۳، رشيديه)

"لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً، إلا أن تكون للتجارة والأصل: أن ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكي بنية التجارة". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۷۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱/۱۸۰، رشيديه)

تو صرف عورت ہی پر زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہے، شوہر کے ذمہ نہیں، شرح تنویر الأبصار میں ہے:

"وسببه أي: سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام" (ردالمحتار، نعمانیه: ۲/۴)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۵۹-۲۶۰، سعید)

"والزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم. إذا ملك نصاباً ملكاً تاماً، وحال عليه الحول". (الفتاوی التاتارخانية، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۴۱، قدیمی)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الزکاۃ: ۲/۳۵۳-۳۵۴، رشیدیه)

باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونا، چاندی اورنوٹ پرزکوۃ کا بیان)

جہیز کے زیور پرزکوۃ

سوال[۱۰۴۹۳]: زکوۃ اگر کسی عورت کو جہیز میں مختلف قسم کے سونے کے زیورات ملے ہوں اوروہ بھی بھی ان کو استعمال میں لاتی ہوں اورنصاب ساڑھے سات تولہ سونے سے زائد کے ہوں، تو کیا زکوۃ پورے سونے پرنکالنی ہوگی، یا ۲/۱ تولہ سونا چھوڑ کر باقی سونے پرہوگی اورکیا شادی کے پورے ایک سال بعد ہوگی اوریہ زکوۃ کی رقم بیوی ہی دے یا شوہر بھی ادا کرسکتا ہے؟ اگر روپیہ شوہر نہ دے اور بیوی کے پاس بھی رقم نہ ہو،تو کیا وہ اپنے زیورات میں سے فروخت کر کے ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کم ازکم ساڑھے سات تولہ سونا ہے،تو زکوۃ واجب ہے(۱) اورتمام سونے کی زکوۃ ادا کرے، خواہ کبھی استعمال کرے یا نہ کرے، زیوراگرعورت کی ملک ہے،تو خودعورت پرزکوۃ لازم ہے،خواہ زیوردے یا مقدار زکوۃ کی قیمت دے(۲)، اگراس کی اجازت سے شوہر دے دے گا، تب بھی ادا ہوجائے گی(۳)، زکوۃ میں

---

(۱) "نصاب الذهب عشرون مثقالاً ... والمثقال مائة شعيرة". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۵، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال: ۱/۲۳۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱/۱۷۸، رشيديه)

(۱) "(وسببه) أي سبب افتراضها (ملك نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه عليه (تام فارغ عن دين له المطالب من جهة العباد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۹-۲۶۰، سعيد)

"والزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم، إذا ملك نصاباً ملكاً تاماً، وحال عليه =

۴۰/ادینا لازم ہوتا ہے(۱)۔

"واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقاً مباح الاستعمال أولا" اهـ(۲)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۹۱ھ۔

جہیز کی گھریلو چیزوں پرزکوۃ

سوال[۱۰۴۹۴]: اگر عورت کو اس کے جہیز میں مختلف سامان زائد تعداد میں ملے ہوں جیسے

= الحول". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة: ۲/۱۴۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، رشيديه)

(۳) "ومن أدى زكوة مال غيره من مال نفسه بأمر من عليه الزكاة جاز، بخلاف ما إذا أدى بغير أمره، ثم أجازه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/۲۱۴، قديمي)

"ولو أدى زكاة غيره بغير أمره، فبلغه فأجاز لم يجز؛ لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛ لأنها ملكه ولم يصر نائباً عن غيره، فنفذت عليه، ولو تصدق عنه بأمره جاز". (البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقاً أو في عرض تجارة قيمته نصاب مقوماً بأحدهما ربع عشر". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷-۲۹۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: ۲/۳۸۹، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، ۲۹۸، سعيد)

"لا يعتبر في نصاب الذهب أيضاً صفه زائدة على كونه ذهباً، فتجب الزكاة في المضروب والتبر والمصوغ والحلي". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱/۱۷۸، رشيديه)

کپڑے ساڑیاں، بلاؤز، پردے اور تکیئین وغیرہ، ظروف چینی ومٹی کے سیٹ، ٹی سیٹ، رکابیاں وغیرہ، ظروف مرادآبادی (ٹب، بالٹی، جگ، توشہ دان، تھرمس، اگالدان، لگن، لوٹا وغیرہ)، برقی سامان، بیڈلیمپ، استری، ریڈیو، ریفریجریٹر وغیرہ) چاندی کا سامان، پاندان، صابن دان، عطر دان، سرمہ دانی وغیرہ اس کے علاوہ دیگر روزمرہ کی چیزیں زائد تعداد میں۔ غرضیکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کبھی کبھی استعمال میں آتی ہیں، کیونکہ کچھ سامان پہلے ہی سے گھر میں موجود ہے، تو یا مندرجہ بالا چیزوں میں کن چیزوں پر زکوۃ دینا واجب ہوگا اور اس کے ادا کرنے کے طریقے سے آگاہ فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان میں سے جو چیزیں چاندی یا سونے کی ہوں، ان کا حساب کرکے ان میں زکوۃ لازم ہے، باقی چیزوں میں نہیں ہوگی (۱)۔

تنبیہ: چاندی سونے کے ظروف پاندان وغیرہ کا استعمال تمام مردوں اور عورتوں سب کو ناجائز ہے۔

"فتجب الزكاة فيها (أي في الفضة) سواء كانت دراهم مضروبة أو نقرة، أو تبراً، أو حلياً مصوغاً، أو حلية سيف، أو منطقة، أو لجام، أو سرج، أو الكواكب في المصاحف، أو الأواني وغيرها"(۲)

---

(۱) "(ومنها فراغ المال) عن حاجته الأصلية، فليس في دور السكنى، وثياب البدن، وأثاث المنزل، ودواب الركوب، وعبيد الخدمة، وسلاح الاستعمال زكاة، وكذا طعام أهله، وما يتجمل به من الأواني، إذا لم يكن من الذهب والفضة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۲، رشيديه)

"(قوله: وفارغ عن حاجته الأصلية) وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى ... وليس في دور السكنى، وثياب البدن، وأثاث المنزل، ودواب الركوب، وعبيد الخدمة، وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بحاجته الأصلية، وليست بنامية أيضاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۱، رشيديه)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/۱۰۱، رشيديه)

"يجب في مائتي درهم وعشرين ديناراً ربع العشر ولو تبراً أو حلياً أو آنية". (البحر الرائق،

"يكره الأكل والشرب والادهان والتطييب في آنية الذهب والفضة للرجال والصبيان والنساء، كذا في السراجية" اه(١).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۹۱ھ۔

دو دینار سرخ کا وزن

سوال[۱۰۰۹۵]: دو دینار سرخ کتنے وزن کے ہوتے تھے، یہ ضروری بات آپ لکھ کر بھیج دیں دو دینار سرخ ۵۰۰ کے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آج کل ہمارے یہاں اطراف میں نوٹوں کا رواج ہے، نہ دینار سرخ کا، پہلے دینار سرخ ساڑھے تین ماشے کا تھا، ممکن ہے اس کے علاوہ بھی رہا ہو، تنکہ دو پیسہ کا ہوتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ٢/٣٩٣، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ١/١٧٨، رشيديه)

(١) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر: ٥/٣٣٤، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، باب الأكل والشرب: ٨/٣٣٥-٣٣١، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤١، سعيد)

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

ضرورت سے زائد اشیاء پر زکوۃ کا حکم

سوال [۱۰۲۹۱]: ایک شخص کے پاس نقد روپیہ نہیں ہے اور نہ زیورات ہیں کہ صاحبِ نصاب کہلائے، البتہ اس کے پاس کاشت کی زمین ہے، رہنے سے فاضل مکانات ہیں، کھانے پینے کے ظروف کے علاوہ ظروف ہیں، کھانے سے بچا ہوا غلہ کا ذخیرہ ہے، سودے سے بھرپور دکان ہے، ان چیزوں کی وجہ سے صاحبِ نصاب کہلائے گا یا نہیں؟ اس پر وجوبِ صدقہ وقربانی عائد ہوگی یا نہیں؟ ایک شخص کے پاس دو یا ایک ایکڑ زمین ہے جس کی مالیت اتنی ہے کہ اس سے وہ صاحبِ نصاب ہوجاتا ہے، بعد فریضۂ حج پر قادر جائیداد فروخت کرنے پر ہوجائے گا، اس کے پاس اس کے علاوہ جائیداد نہیں، اسی سے گزران کرتا ہے، سال بھر کھیت کی آمدنی کھاپی کر برابر کرلیتا ہے، ایسے شخص پر صدقۂ فطر، وجوبِ قربانی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فاضل مکان، فاضل ظروف، فاضل مویشی، فاضل آلات، فاضل غلہ اگر بقدرِ نصاب ہے تو اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے(۱)، جس زمین کی آمدنی پر اس کا گزران موقوف ہے اس کی وجہ سے حج فرض

(۱) "صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم، إذا كان مالكاً لمقدار النصاب، فاضلاً عن مسكنه وثيابه وأثاثه وفرسه وسلاحه وعبيده.

"ويتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة، ووجوب الأضحية والفطرة" (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۲۸۵، ۲۸۸، عثمانيه)

"وأما شرائط الوجوب: منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر ... والموسر في ظاهر الرواية: من له مائتا درهم، أو عشرين ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه، ومتاع مسكنه. =

نہیں، اگرچہ اس کی قیمت اخراجات حج کے لئے کافی ہو سکے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۷ھ۔

کمپنی کے حصص پر زکوۃ

سوال [۱۰۴۹۷]: مذکورہ بالا (مائننگ اور ٹریم ٹرانسپورٹ ریلوے کمپنیوں کے حصص) شیئر پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے، تو اصل اور نفع دونوں پر واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سال بھر پورا ہونے پر شرعاً زکوۃ واجب ہوتی ہے(۲)۔ اصل کے ساتھ نفع بھی ملا کر زکوۃ ادا

= ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لايستغنى عنها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: ۳۰۹/۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من ملك زاداً وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الثاني: ۲۲۲/۱، قديمي)

"وأما شرائط فريضته فنوعان: ومنها ملك الزاد والراحلة في حق النائي عن مكة وأما تفسير الزاد والراحلة فهو أن يملك من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً، راكباً لا ماشياً بنفقة وسط، لا إسراف فيها ولا تقتير، فاضلاً عن مسكنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم، وقضاء ديونه". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل شرائط فرضيته: ۲۹۳/۲-۲۹۷، رشيديه)

(۲) "ومنها حولان الحول على المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱۷۵/۱، رشيديه)

"شروط الزكاة .... منها مضي عام أو حولان حول قمري على ملك النصاب لقوله عليه الصلاة والسلام "لازكاة في مال حتى يحول عليه الحول". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة: ۱۸۰۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۳۵۲/۲، رشيديه)

کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۷/ ۱۴۰۰ھ۔

ایک لاری کی آمدنی سے تین لاریاں خریدنے پر زکوۃ کا حکم

سوال[۱۰۴۹۸]: زید کے پاس ایک موٹر لاری ہے، جو کرایہ پر چلتی ہے، اس لاری کی آمدنی سے اس نے سال بھر میں تین لاریاں خریدیں، آخر سال میں اس کے پاس اپنی ملکی سے کوئی نقد رقم باقی نہیں رہی، تو کیا ان تمام لاریوں پر سال کے اخیر میں زکوۃ واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ لاریاں کرایہ پر چلانے کے لئے ہیں، تجارت کے لئے نہیں، ان پر زکوۃ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ پر لگے ٹرک کی زکوۃ کا حکم

سوال[۱۰۴۹۹]: ۱- اگر کسی شخص کے پاس دو یا تین ٹرک ہوں اور وہ صرف اس ٹرک پر ہی کام

---

(۱) "ويضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب في حوله وحكمه أي حكم المستفاد أو الحول. وحكم المحول وجوب الزكاة أيضاً. فمن ملك مائتي درهم، وحال الحول، وقد حصلت في أثنائه أو وسطه مأة درهم يضمها إليه ويزكي عن الكل" (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة: ۱/۲۰۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الغنم: ۲/۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الغنم: ۲/۲۸۵، رشيديه)

(۲) "رجل اشترى جوالقاً بعشرة آلاف درهم ليؤجرها من الناس، فحال عليه الحول. لا زكاة عليه فيها. لأنه اشتراها للغلة لا للمبايعة، فلا تجب الزكاة ..... وكذلك الجواب في الإبل الحمالين، والحمر المكاريين لما قلنا" (الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۹، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس: ۱/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: ۲/۱۸۳، قديمي)

کرتا ہے، یعنی مثلاً مراد آباد سے دہلی یا کہیں اور مال ڈھونے (۱) پر ہی رہتا ہے تو آیا اس ٹرک کی آمدنی پر زکوۃ واجب ہوگی یا بذاتِ خود کل ٹرک کی قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی؟

۲- کیا کرایہ مکان اور ٹرک کا ایک ہی حساب ہوگا یا کچھ فرق ہوگا؟

۳- تجارت کے مال کا کیا حساب ہے؟ اور کس طرح سے حساب لگا کر زکوۃ نکالی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- وہ ٹرک فروخت کرنے کے لئے نہیں ہے، اس پر زکوۃ نہیں (۲)، اس کی آمدنی اگر بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر) حاجتِ اصلیہ سے زائد سال بھر رہے تو اس پر زکوۃ لازم ہوگی (۳)۔

---

(۱) "ڈھونا: بوجھ اٹھا کر لے جانا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا" (فیروز اللغات، ص: ۶۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "رجل اشترى جوالقاً بعشرة آلاف درهم ليؤاجرها من الناس، فحال عليه الحول، لا زكاة عليه فيها؛ لأنه اشتراها للغلة لا للمبايعة، فلا تجب الزكاة. وكذلك الجواب في الإبل الجمالين، والحمر المكاريين لما قلنا" (الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۲، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل السادس: ۱/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: ۲/۱۸۲، قديمي)

(۳) "والزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم، إذا ملك نصاباً ملكاً تاماً، وحال عليه الحول" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة: ۲/۲۴۲، قديمي)

"إذا آجر داره أو عبده بمائتي درهم لا تجب الزكاة ما لم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. فإن كانت الدار والعبد للتجارة، وقبض أربعين درهماً بعد الحول كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة بمنزلة عين مال التجارة في الصحيح من الرواية" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة: ۱/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱/۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳-۳۵۲، رشيديه)

۲۔ دونوں کا حال ایک ہی ہے، جو کہ نمبر ا میں مذکور ہوا۔

۳۔ سال بھر پورا ہونے پر کل مال اور نقد کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کیا جائے یعنی ڈھائی روپیہ کی مقدار سو روپیہ میں سے دی جائے (۱)، اگر کچھ قرض ہو تو اتنی مقدار کو قرض میں محسوب کر دی جائے، باقی کی زکوۃ دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۱۰/ ۹۹ھ۔

شیئرز کی زکوۃ

سوال [۱۰۵۰۰]: کچھ ایسے تجارتی ادارے ہیں، جو شیئر مین کہتے ہیں شیئر مین کو عام زبان میں ساجھا کہا جا سکتا ہے، اس ادارہ میں جو رقم لگائی جاتی ہے، اس پر منافع ملتا ہے، اس ساجھے داری کی حیثیت بدلتی رہتی ہے، مان لیجئے میرے پاس ایک سو روپیہ کے شیئر مین ہیں، ادارہ کی مقبولیت کی وجہ سے یہ شیئر مین ایک سو پچیس روپیہ میں بازار میں بیچے جا سکتے ہیں، تو کیا اس شیئر مین کی رقم پر بھی زکوۃ دی جائے گی؟ اگر ہاں، تو کس رقم پر جس پر میں نے خریدے یا جتنے جو بازار میں مل سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی تجارت کی ایک شکل ہے، جس وقت سے آپ حصہ دار ہوئے، سال گزرنے پر اس کی جو قیمت

---

(۱) "فقال: يجب في مائتي درهم وعشرين ديناراً ربع العشر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۲۹۹، سعيد)

"وفي كل اربعين درهماً درهم، وفي كل اربعة مثاقيل قيراطان. كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث: ۱/ ۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/ ۱۰۵، رشيديه)

(۲) "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية، كتاب الزكاة: ۱/ ۱۸۶، شركت علميه ملتان)

"فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱/ ۱۷۲-۱۷۳، رشيديه)

ہزار میں ہے، اس پر زکوۃ واجب ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مال تجارت کی زکوۃ

سوال [۱۰۵۰۱]: مال تجارت یعنی ایک دکان میں بیس ہزار روپے کا سامان ہے، مگر بعض بیع ہو چکا اور بعض موجود ہے، اب زکوۃ کس حساب سے دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا مال موجود ہے، اس کا چالیسواں حصہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، جتنا روپیہ ہے، اس کا چالیسواں حصہ دے دے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وذكر في كتاب الزكاة: أنه يقومها يوم حال الحول إن شاء بالدراهم وإن شاء بالدنانير". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/۱۰۱، رشيديه)

"وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء. وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۶، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في بيان مال الزكاة: ۳/۲۰۹، رشيديه)

(۲) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب: يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً" (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۷۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الخامس في زكاة المال: ۱/۲۳۳، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة: ۱/۴۳۹، امداديه)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم

سوال [۱۰۵۰۲]: مسلمان لوگ جو فصل میں چالیسواں حصہ نکالتے ہیں کیا اس رقم سے مسجد کی نالی پر آمد و ڈال سکتے ہیں؟ جب کہ نالی مسجد سے ملحقہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قانون زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں رہی (۱)، صدقہ نافلہ کے طور پر جو کچھ بھی خدا کی راہ میں دے دیا، باعث خیر و برکت ہے (۲)، اس کو ہر نیک کام میں خرچ کرنا شرعاً

---

(۱) عشر اس لئے واجب نہیں کہ خاتمہ زمینداری کے بعد جب سرکار نے لوگوں کو زمینیں دیں (خواہ بالعوض یا بلاعوض) تو وہ تقسیم سے قبل لے لیا، ... کوئی زمین عشری یا خراجی نہیں رہی، تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

(اسلام کا نظام اراضی، ص: ۱۷۵، ادارہ اشاعت)

(امداد الفتاوی، فصل في العشر والخراج: ۲/۶۰، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(تبویب فی فتاوی رشیدیہ، عشر و خراج کے احکام کا بیان، ص: ۴۳۷، ...)

(۲) "عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء" (رواه الترمذي)". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول: ۱/۱۶۸، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما نقصت صدقة من مال". قال صاحب المرقاة: "أي: ما نقصت صدقة مالاً أو بعض مال، أو شيئاً من مال بل تزيد أضعاف مايعطى منه، بأن ينجبر بالبركة الخفية، أو بالعطية الجليلة، أو بالمثوبة العلية". (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة: ۴/۳۹۲، رشيدية)

درست ہے۔ مسجد کا برآمدہ وغیرہ بھی اس سے بنانا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

— "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ... ثم يربيها لصاحبها، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل".

وفي مرقاة المفاتيح: "حتى تكون مثل الجبل" أي: الصدقة، أو ثوابها، أو تلك التمرة".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول: ۴/۳۹۰، رشيديه)

"والزكاة تزيد في البركة، وتطفئ الغضب بجلبها فيضاً من الرحمة، وتدفع عذاب الأخرة المترتب على الشح، وتعطف دعوة الملأ الأعلى المصلحين في الأرض على هذا العبد والله أعلم".

(حجة الله البالغة، باب أسرار الزكاة: ۱/۲۱۹، قديمي)

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناً بعد موته ... أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه، أو نهراً أجراه، أو صدقة اخرجها من ماله في صحته وحياته تلحقه من بعد موته". رواه ابن ماجة، والبيهقي في شعب الإيمان"

"وفي رواية: "سبع يجري للعبد أجرهن بعد موته، وهو في قبره: من علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً ... الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۴۷۵، رشيديه)

(وكذا في شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور، باب ماينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۲، دارالمعرفة بيروت)

(وابن ماجة، مقدمة، باب ثواب معلم الناس الخير، ص: ۲۱، ۲۲، قديمي)

فصل في أراضي الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

اراضی ہندوستان میں عشر کا حکم

سوال[۱۰۵۰۳]: چالیسواں، بیسواں کن کاشتکاروں اور کتنی پیداوار پر واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زمین داری ختم ہونے کے بعد اراضی ہندوستان موجودہ حکومت کی ملکیت میں آگئی، لہذا عشر واجب نہیں ہے(۱)، البتہ اگر خیر وبرکت کے لئے دے، تو موجب اجر ہے اور بلاؤں کے دور ہونے کا سبب ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے کہ:

"إن الصدقة لتطفئ غضب الرب، وتدفع ميتة السوء" (رواه الترمذي مشكاة: ١/١٦٨)(٢)۔

---

(۱) عشر اس لئے واجب نہیں کہ خاتمہ زمینداری کے بعد جب سرکار نے کاشتکاروں کو زمینیں دی ہیں (چاہے بالعوض یا بلاعوض) تو وہ تقسیم سے قبل حکومت ہند کی ملک ہو گئی تھیں، لہذا عشر نہ ہوگا۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں:

(نظام اراضی ص: ۹۷، ادارہ اشاعت)

(إمداد الفتاوى، فصل في العشر والخراج: ٢/٢٠، مكتبه دار العلوم كراچى)

(تاليفات اشرفيه مع فتاوى رشيديه، عشر وخراج كے احكام كا بيان، ص: ٤٧٣، اداره اسلاميات)

(٢) (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول: ١/١٦٨، قديمى)

"قال صاحب المرقاة في تشريح هذا الحديث: "ما نقصت صدقة من مال" أي: ما نقصت صدقة مالاً أو بعض مال، أو شيئاً من مال بل تزيد أضعاف مايعطى منه، بأن يجبر بالبركة الخفية، أو بالعطية الجلية، أو بالمثوبة العلية". (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول: ٤/٣٩٢، رشيديه)

=

اگر زمین بارانی ہے تو دسواں حصہ پیداوار کا احتیاطاً نکال دیا جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ... ثم يربيها لصاحبها، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول: ١/١٦٨، قديمي)

(١) قال الله تعالى: ﴿وآتوا حقه يوم حصاده﴾ (الأنعام: ١٤١)

"وأما السنة: فما روينا وهو قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما سقته السماء ففيه العشر، وما سقي بغرب، أو دالية ففيه نصف العشر". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، سبب الفرضية وشرائطها: ٢/١٧٤، رشيديه)

"وتجب (العشر) في مسقى سماء أي: مطر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر: ٢/٣٢٦، سعيد)

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

زکوۃ ادا کرنے کے لئے نائب بنانا

سوال[۱۰۵۰۴]: اگر والدین کو کہا کہ زکوۃ تم دے دینا، اب اگر والدین نہ دیں، تو اس کا گناہ لڑکے پر بھی آتا ہے یا صرف والدین پر آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والدین کے متعلق معلوم ہو کہ وہ زکوۃ ادا نہیں کریں گے، تو ان کو زکوۃ ادا کرنے کا ذمہ دار نہ بنائے، بلکہ کسی دوست کو بنادے اور والدین کو اطلاع کردے کہ فلاں شخص کو اتنا روپیہ دے دیں یا براہِ راست دوست کے پاس بھیج دے کہ وہ زکوۃ ادا کردے، اگر والدین کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ زکوۃ ادا کردیں گے تو ان کو کہہ دے کہ وہ زکوۃ ادا کردیں، پھر اگر وہ ادا نہیں کریں گے، تو وہی مجرم ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) سوال میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ زکوۃ کس پر واجب ہے، بہرحال اگر زکوۃ والد پر واجب ہو، تو زکوۃ ادا نہ کرنے کا گناہ صرف والد پر ہوگا اور اگر زکوۃ بیٹے پر واجب تھی اور اس نے زکوۃ کی رقم والد کو دی اور کہا کہ تم ادا کردینا اور اس نے ادا نہیں کی تو گناہ والد پر ہوگا اور ضمان بھی اسی پر لازم ہے اور اگر زکوۃ کی رقم ادا کئے بغیر اس کو وکیل بنایا تو پھر وہی حکم ہے، جو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، البتہ دونہ کرنے کی صورت میں زکوۃ ادا نہ ہونے کی وجہ سے بیٹا بھی گناہ گار ہوگا۔

وفي الفتاوى: إذا دفع رجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم يتصدق بها عن زكاة ماله، فخلط الدراهم قبل الدفع، ثم دفع، فهو ضامن". (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/ ۲۲۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: ۱/ ۱۹۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/ ۲۶۲، قديمي)

بذریعۂ غیر مسلم زکوٰۃ ادا کرنا

سوال[۱۰۵۰۵]: زکوٰۃ کی ادائیگی بذریعۂ غیر مسلم کے ذریعہ پہونچانے سے متعلق زید کہتا ہے کہ جس پہونچانے والے نے ذمہ لے لیا ہے کہ میں زکوٰۃ مستحق کو پہونچا دوں گا اور زکوٰۃ دینے والے نے زکوٰۃ دینے کی نیت سے رقم دے دی، تو دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، پہونچانے والا پہونچائے یا نہ پہونچائے، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ جب کہ بکر کہتا ہے کہ جس طرح زکوٰۃ ادا کرنا واجب وفرض ہے اسی طرح اس کی تحقیق اور مستحق کو برابر پہونچنے کی تحقیق بھی واجب وفرض ہے، اگر مستحق تک رقم نہیں پہونچی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ جس کے ذریعہ پہونچائی جائے وہ شخص عالم دین یا کوئی صاحب دین ہو، جس پر پورا بھروسہ ہو کہ صحیح مستحق تک پہونچائیں گے، تو پھر ان کے ذریعہ پہونچانا درست ہے۔ لیکن غیر مسلم کے ذریعہ زکوٰۃ مصیبت زدوں، آفت زدہ علاقے کے لوگوں کو پہونچانا بالکل پسند نہیں کرتا، کیونکہ ایک تو غیر مسلم ہے، کچھ پتہ نہیں کس نیت سے ان کا مشن امداد کرتا ہے اور اپنا نام کرتا ہے، مسلمانوں میں گمراہی پیدا کرتا ہے اور یہ وہ زکوٰۃ کو کیا جانیں۔ لہٰذا زکوٰۃ اپنے ہاتھ سے یا کسی ذریعہ سے جو صاحب دین ہونے کے علاوہ زکوٰۃ کے مسائل سے واقف ہو، خاموشی سے ادا کرنا بہتر ہوگا۔

نجم الحسن تھانوی، محلہ مفتی، سہارنپور

الجواب حامداً ومصلياً:

ادائے زکوٰۃ کے لئے قابلِ اعتماد غیر مسلم کو بھی وکیل بنا دینا درست ہے(۱)، مگر صرف وکیل کے حوالہ کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، جب تک وہ مصرف کو نہ پہونچا دے(۲)، ادائے فرض میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

(۱) "ولو دفع الوكيل بلانية، أو دفعها الذمي ليدفعها للفقراء جاز؛ لأن المعتبر نية الآمر، در". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۵، قديمي)

"(قوله: أو دفعها للذمي) خصه بالذكر وإن دخل في عموم الوكيل لدفع توهم أنه لايجوز توكيله فيها". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة: ۱/۳۹۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۷۰، سعيد) =

"وشرط صحة أدائها نية مقارنة لأدائها للفقير، أو وكيله" (مراقي الفلاح، ص: ۵۸۸)(۱).

"وكيل المزكي فيصح، ولو دفع الوكيل بلا نية، أو دفعها الذمي ليدفعها للفقر، جاز؛ لأن المعتبر نية الآمر" (كذا في الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه، ومراقي الفلاح والطحطاوي، ص: ۵۸۸).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۲/۲۸ھ۔

تملیک کا حکم اور طریقہ

سوال[۱۰۵۰۲]: تملیک کس کو کہتے ہیں اور اس کے لئے شرط کیا ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ تملیک کے بعد اگر جس کو تملیک کی گئی ہے، نہ دینے پر راضی ہو، تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تملیک کسی مال کا کسی شخص کو مالک وقابض دخیل اور حقیقۃً مالک بنادیا جانے (۲)، جس کی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اپنی ضرورت میں صرف کرے، تو دینے والے کو گراں نہ گزرے (۳) اور بہتر ہے کہ کسی غریب

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/ ۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الزكاة: ۱/ ۳۹۵، دار المعرفة بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۵، قديمي)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: حیلۂ تملیک، متعین رقم غریب کو دینا

(۳) "التمليك: هو جعل الرجل مالكاً". (قواعد الفقه، حرف التاء، ص: ۲۳۷، الصدف پبلشرز)

"الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء ... لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲، ۱۱۹۷: ۱/ ۶۵۴-۶۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

مسکین سے کہا جائے کہ تم کہیں سے قرض لے کر اس قدر روپیہ مدرسہ کے اندر چندہ میں دے دو، ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے، پھر اس کو لاکر دینے پر زکوۃ وصدقات کا مال اس کو دے کر اس کا قرض اس سے ادا کرا دیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات ''کمالات اشرفیہ''(۱) میں تملیک زکوۃ کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ ''کسی غریب آدمی سے کہے کہ مفت کا ثواب لینا چاہو، تو تم کسی سے روپے قرض لے کر فلاں نیک کام میں چندہ میں دے دو، ہم تمہارا قرض ادا کرا دیں گے، جب وہ قرض لے کر روپیہ چندہ میں دے دے، تو پھر تم اس کو اپنی زکوۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو، کہ اس سے قرض ادا کرو''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۲/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۲/ ۸۹ھ۔

حیلہ تملیک، متعین رقم غریب کو دینا

سوال[۱۰۵۰۸]: گزشتہ ۱۷/ ۱/ ۷۵ کو ہمارے ایم پی مرحوم نے معین الحق چودھری صاحب کو ہمارے یہاں بلوا کر ان سے دو پنکھے اور ایک گھڑی کی درخواست کرنے پر موصوف نے مذکورہ اشیاء کی تخمیناً ایک ہزار روپے لگائے اور وہ روپے زکوۃ کے روپے سے دینے کا وعدہ فرمایا، نیز یہ بھی فرمایا کہ زکوۃ کا روپیہ مسجد میں نہیں لگا سکتے، اس لئے کسی زکوۃ کھانے والے غریب کے نام پر ایک ہزار روپے ارسال کریں اور وہ روپیہ غریب کو دستیاب ہونے پر غریب کو ۲۵/ روپے دے کر اس سے ۹۷۵/ روپے لے کر مسجد میں لگائیں، چنانچہ اس مشورہ کے تحت ایک غریب آدمی کا نام ان کو دیا گیا، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مذکورہ روپیہ ارسال کرنے سے قبل موصوف کا انتقال ہو گیا، میں نے موصوف کی اہلیہ کے پاس خط لکھا کہ موصوف نے جو وعدہ کیا تھا، اس وعدے کے روپے ارسال فرمائیں، مگر ان کی اہلیہ نے مذکورہ زکوۃ کی رقم اس غریب کے نام پر ارسال کرنے کے بجائے میرے سکریٹری مسجد کے نام پر ارسال کیا اور موصوف نے یہ بھی لکھا کہ یہ زکوۃ کا روپیہ ہے، اس لئے جیسا مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ میں نے مرحوم کے مشورہ کے مطابق یہاں کے چند علماء سے مشورہ کر کے ان میں سے ۲۵/

(۱) (کمالات الاشرفیہ، ملفوظ نمبر ۴۶۸، ۴۶۹، ص: ۱۰۱، ۱۰۲، مکتبہ تھانوی کراچی)

روپیہ اس غریب دوست کو بقیہ روپیہ سے دو پنکھے اور متعلق ضروری سامان خرید لیا، فی الحال یہاں کے چند عمائدین مذکورہ روپیہ سے مسجد کے پنکھے بنانا جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

مذکورہ روپیہ جو ... کے نام آئے تھے بعد اس غریب کو ... سے بیاہ اور اس سے کہا کہ تمہارے ساتھ اس روپیہ کے بارے میں بات ہوئی تو ... [illegible] روپیہ ... کے نام پر آیا ہے، اب تم اس میں سے ۲۵ روپے لے لو اور بقیہ ۹۷۵ روپیہ اس کے والد کے مسجد میں دے دو، ۵۰۰۰ روپے پوسٹ آفس میں تھا اس کے صرف پانچ سو روپیہ اس سے ... کہ ان کو ۵۰۰ روپے ہیں اور پانچ سو روپے پوسٹ آفس میں ہے تو اس غریب نے وہ بھی لیتے ہوئے کہا کہ ... ۲۵ روپیہ میں رکھ کر بقیہ سب روپے مسجد کے حوالہ کر دیں، کیا یہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ سو روپیہ جو پوسٹ آفس میں ہے اس کی تو تملیک بھی نہیں ہوئی، ان پر اس غریب کی ملک ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا اس کو مسجد کے پنکھوں کے لئے استعمال کرنا بالکل ناجائز ہے(۱)، بقیہ پانچ سو روپے غریب دوست کے ... [illegible] ... ۲۵ روپے رکھ کر ۴۷۵ روپے مسجد میں دے دئیے ... تو یہ تملیک بھی برائے نام ہوئی (۲)، واقعی تملیک اس وقت ہوتی جب اس

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحة كما مر (لا) يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه)" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

"ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد ... وكل ما لا تمليك فيه" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع: ۱/۱۸۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيدية)

(۲) "أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ"

(قوله: ثم يأمره الخ) ... وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولاً، لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلاً عنه في ذلك، وفيه نظر لأن المعتبر نية الدافع.

وقال الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله وفيه نظر) بل الظاهر عدم الإجزاء بمجرد نية المزكي بعد الأمر؛ لأن المدفوع إليه لم يوجد منه التمليك، بل أخذ المال على أنه للآمر، فلم يوجد ركنها وهو =

غریب کو پورا اختیار رہتا اور وہ اپنی خوشی سے مسجد میں دیتا (۱)، اس لئے متوفی کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی (۲)، اب چندہ کر کے متوفی کی زکوٰۃ ان کی اہلیہ سے اجازت لے کر برمحل صرف کی جائے (۳)، تب مسجد میں ان پنکھوں

— التمليك والتملك" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

"يترتب على اشتراط تمليك الزكاة للفقراء ونحوهم أن المسامحة بالدين لا تجزئ عند الحنفية، وإنما يجب إعطاء الزكاة للفقير، ويمكن استيفاء الدين منه بعد ذلك ... ما لم يكن حيلة أي بأن شرط عليه أن يرده عليه من دينه" (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة: ۳/۱۹۸۰، رشيدية)

"والحيلة في هذا أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ مقتضى صحة تمليكه أن له ذلك" (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱/۴۶۲، رشيدية)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع: ۵/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۵/۴۶۲، رشيدية)

(۲) "هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه لله تعالى" (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۶-۲۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۲، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة: ۱/۴۱۰، رشيدية)

(۳) [illegible]

لما في التاتارخانية: سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً فقال له: "هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان"، فدفعها الوكيل إلى آخر هل يضمن؟ قال: نعم، وله التعيين" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/۲۲۲، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۳، رشيدية)

کا استعمال درست ہوگا اور زکوۃ کا فریضہ صحیح طور پر ادا ہوگا، اس قسم کے حیلوں سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

گزشتہ سالوں کی زکوۃ کا حکم

سوال [۱۰۵۰۹]: میرے پاس قریب بیس سال سے چالیس تولہ سونا اور اچھی کافی کئی سیر چاندی ہے، لہٰذا اتنا سونا و چاندی ہونے کی غرض سے اس کے اوپر جب سے ہی زکوۃ واجب ہے، لیکن سترہ سال سے یہ معلوم تھا کہ جو زیور استعمال کیا جائے، اس کی زکوۃ دی جاتی ہے، باقی کی نہیں، اب معلوم ہوا کہ زکوۃ سارے زیور کی دینی چاہیے، اس لئے تین سال سے سارے زیور کی زکوۃ دیتی ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان پچھلے سترہ سالوں کی زکوۃ اب ادا کریں یا جب سے فرض ہوئی ہے؟ میرے میاں ماشاء اللہ مالدار ہیں، وہ سترہ سال کی زکوۃ ادا کرسکتے ہیں، آپ جیسا حکم کریں ویسا ہی تعمیل کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی سونا خواہ زیور کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں اور زیور خواہ استعمال میں ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں زکوۃ لازم آتی ہے (۲)، جب سے ملکیت میں آکر سال بھر پورا ہوجائے، ہر سال زکوۃ دینا

---

(۱) ان حیلوں سے مراد وہ حیلے ہیں، جن میں فقیر کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہو کہ اس رقم کو واپس جمع کرے، ورنہ جس صورت میں فقیر اپنی مرضی اور رغبت کے ساتھ خرچ کرے، وہ تمام فقہائے کرام کے ہاں جائز اور درست ہے۔

"وكذلك من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد، أو القنطرة لايجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ۲/۴۷۳، رشيديه)

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۲) "واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أولا". =

ضروری ہے(۱)، چاہے زکوۃ کی فرضیت کا علم ہو یا نہ ہو، لہذا گزشتہ سال کی زکوۃ لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۸۹ھ۔

قرض پر زکوۃ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ

سوال[۱۰۵۱۰]: میں نے زید کو دو ہزار روپیہ دیا تھا تا کہ وہ میرے لئے زمین خرید کردیں، وہ زمین خرید کر نہیں دے سکے، اب بارہ سال کے بعد مذکورہ دو ہزار روپیہ زید مجھ کو واپس دے رہا ہے، دریافت

= (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال: ۲/۲۹۷، ۲۹۸، سعید)

"لا یعتبر في نصاب الذهب أیضاً صفة زائدة علی کونه ذهباً، فتجب الزکاة في المضروب والتبر والمصوغ والحلي". (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة: ۲/۱۰۵، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب الثالث: ۱/۱۷۸، رشیدیه)

(۱) "(وسببه) أي: سبب افتراضها (ملک نصاب حولي) نسبة للحول لحولانه علیه تام فارغ عن دین له المطالب من جهة العباد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۵۹-۲۶۰، سعید)

"والزکاة واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملک نصاباً ملکاً تاماً وحال علیه الحول". (الفتاوی التاتارخانية، کتاب الزکاة: ۲/۱۴۳، قدیمی)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، رشیدیه)

(۲) "أنه إذا کان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب، فلم یؤد زکاته سنتین یزکي السنة الأولیٰ، ولیس علیه للسنة الثانية شيء ... وکانت عشراً وحال علیها حولان یجب للسنة الأولیٰ شاتان وللثانية شاة، ولو کانت الإبل خمساً وعشرین یجب السنة الأولی بنت مخاض، وللسنة الثانية أربع شیاه".

(بدائع الصنائع، کتاب الزکاة: ۲/۸۶، رشیدیه)

"وسببه أي: افتراضها ملک نصاب حولي تام فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد سواء کان لله کزکاة". (الدرالمختار). "(قوله: کزکاة) فلو کان له نصاب حال علیه حولان ولم یزکه فیها لا زکاة علیه في الحول الثاني". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۵۹-۲۶۰، سعید)

(وکذا في إعلاء السنن، کتاب الزکاة، باب لازکوة في المال الضمار: ۹/۱۳، إدارة القرآن کراچی)

طلب یہ ہے کہ اس رقم پر کتنی زکوٰۃ اور ہر سال بعد کتنی واجب ہوتی ہے؟ زکوٰۃ کس طرح واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حسب قواعد شرعیہ اس دَین کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے(۱)، چالیسواں حصہ پہلے سال کا (۵۰ روپیہ) ادا کریں، پھر ۱۹۵۰ روپیہ کا چالیسواں حصہ ادا کریں، اسی طرح ہر سال کا واجب شدہ روپیہ محسوب کرکے بقیہ کا چالیسواں حصہ ادا کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

توبہ سے واجب شدہ زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی

سوال [۱۱۵۰۱]: توبہ کرنے سے کیا جتنے سال کی زکوٰۃ نہیں دی وہ معاف ہو جائے گی؟

---

(۱) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي، ومتوسط، وضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة، فكلما قبض أربعين درهماً يلزمه درهم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني عشر: ۲/۲۹۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۳، رشيدية)

(۲) "فلو كان له دين عند آخر يبلغ ثلاثمائة درهم مثلاً، ثم حال عليها ثلاثة أحوال، فقبض منها مائتين، وجب عليه أن يخرج زكاة السنة الأولى عنها خمسة دراهم، فيبقى منها مائة وخمسة وتسعون تحتوي على الأربعين أربع مرات، وذلك يساوي مائة وستين درهماً، فيخرج عنها أربعة دراهم، وهي زكاة السنة الثانية ... فيخرج زكاة السنة الثالثة أربع دراهم". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الزكاة، مبحث زكاة الدين: ۱/۵۷۲، دار الفكر بيروت)

"وذكر في المنتقى: رجل له ثلاثمائة درهم دين حال عليها ثلاثة أحوال فقبض مائتين، فعند أبي حنيفة يزكي للسنة الأولى خمسة، وللثانية والثالثة أربعة أربعة من مائة وستين". (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

ہو، اگر طاقت نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ سے واجب شدہ زکوۃ ساقط نہیں ہوتی، حسب استطاعت اس کا ادا کرنا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۵ھ۔

☆…☆…☆

---

(۱) "الثانية: في الأشياء التي يتاب منها وكيف التوبة منها. قال العلماء: الذنب الذي تكون منه التوبة لايخلو، إما أن يكون حقاً لله أو للآدميين، فإن كان حقاً لله كترك صلاة، فإن التوبة لاتصح منه حتى ينضم إلى الندم قضاء مافات منها، وهكذا إن كان ترك صوم أو تفريطاً في الزكاة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التحريم: ۸، ۱۸/۲۰۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لايكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين ولو حقاً لله تعالى كدين صلاة وزكاة، نعم إثم المطل وتأخير الصلاة ونحوها يسقط". (الدر المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۲/۶۲۲، سعيد)

"إن التوبة تكفر الذنوب بالاتفاق، ولا يلزم من ذلك سقوط الواجبات المترتبة على تلك الذنوب على أن التوبة من ذنب يترتب عليه واجب لاتتم إلا بفعل ذلك الواجب". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۹۲، رشيدية)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

زکوۃ کا مستحق کون ہے؟

سوال [۱۰۵۱۲]: فریضہ اداءِ زکوۃ سے تو سب ہی لوگ غافل ہیں، زید کی بہن ہندہ بیوہ ہوگئی، ہندہ کو زید اپنے گھر لے آیا، ہندہ کے ساتھ تین لڑکے ہیں، زید لکھ پتی آدمی ہے، تقریباً سو بیگھہ (۱) زمین ہے، جس میں باغ پرورش ہوگیا اور پیسوں کی تجارت ایسی بڑھی کہ یورپ تک ٹرک جاتے ہیں، مگر یہ شخص زکوۃ نہیں نکالتا اور جب کہا جاتا ہے تو یوں کہہ دیتے ہیں ''ہم تو اپنی بہن ہندہ کا خرچہ اٹھاتے ہیں اور دیتے ہیں''۔ یہ مصدقہ امر ہے کہ ہندہ کو کبھی بالحساب زکوۃ نہیں دی گئی اور ہندہ ایسی ہے کہ روپیہ دے کر کسی دوسرے شخص سے تجارت بھی کرالیتی ہے بھینس کی، کیا زید کا یہ کہنا درست ہے اور زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، جب کہ ہندہ کا زید پر باپ کی میراث میں شروع سے حصہ ہے اور ایسی صورت میں ہندہ زکوۃ کی مستحق بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مقدار ہندہ کو بہ نیت زکوۃ دی جائے اور وہ نہ تو خدمت کا معاوضہ ہو، نہ اس کے حق پدری کے معاوضہ میں ہو، نہ اس کے دباؤ میں ہو (کہ وہ میراث کا مطالبہ نہ کر بیٹھے) اور ہندہ مستحق زکوۃ بھی ہو کہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی، ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے روپے نوٹ وغیرہ کی مالک نہ ہو، تو اتنی مقدار زکوۃ ادا ہو جائے گی، باقی زکوۃ ذمہ میں باقی رہے گی (۲)، جو کھانا ہندہ ساتھ کھاتی ہے، اس کو زکوۃ میں محسوب کرنا درست

---

(۱) ''بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''الزكاة هي تمليك المال بغير عوض من فقير مسلم الخ''. (كنز الدقائق، كتاب الزكاة، ص: ۵۵، مكتبه حقانيه ملتان) =

نہیں، اگر وہ مالک نصاب ہو تو اس کو زکوۃ دینا درست نہیں، جو کچھ معاوضہ خدمت میں دیا جائے یا حصہ پدری کے ذیل میں دیا جائے، اس کو زکوۃ میں شمار نہیں کیا جا سکتا (۱)، میراث میں جب اس کا حصہ ہے تو وہ اس کی حق دار ہے، اس کے حق کو روکنا اور نہ دینا ظلم اور غصب ہے، اس کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں (۲)۔

قرآن پاک میں نماز اور زکوۃ کو ایک ہی طرز پر بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وأقيموا الصلوة وآتوا الزكوة﴾ (۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں سے قتال کیا، جنہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا (۴)۔ جس

= "هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۵۶-۲۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱/ ۱۷۰، رشيديه)

(۱) "(الزكاة هي تمليك مال مخصوص الخ) وأخرج بالتمليك الإباحة فلا تكفي فيها، فلو أطعم يتيما ناوياً به الزكاة لا تجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۴، قديمی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبر من أرض، أي: قدره، طوقه من سبع أرضين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۱/ ۳۳۴، دار الفكر بيروت)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". (متفق عليه). (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/ ۴۵۳، قديمی)

(۳) (النور: ۵۶)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: "لما توفي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واستخلف =

مال کی زکوۃ نہ دی جائے وہ مال قیامت کے روز گنجے سانپ کی شکل میں بنا کر صاحب مال پر مسلط کر دیا جائے گا، جو اس کو برابر ڈستا رہے گا اور کہے گا: "أنا مالك أنا كنزك" (مشكوة شريف، ص: ۱۵۵)(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/ ۱۴۰۸ھ۔

زکوۃ، فطرہ کی رقم غیر مصرف میں خرچ کر ڈالنا

سوال [۱۰۵۱۳]: روپے پیسے کے اندر تعیین ہوتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید نے زکوۃ اور فطرہ کا پیسہ غیر مصرف میں خرچ کر لیا ہے اور کہتا ہے کہ ہم بعد میں کہیں سے اتنا پیسہ جمع کر دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر زکوۃ وفطرہ دینے والوں نے اس کی اجازت دی ہو تو ایسا کرنا درست ہے، ورنہ جائز نہیں (۲)۔ اس

= أبو بكر بعده، وكفر من كفر من العرب، فقال أبو بكر: "والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لقاتلتهم على منعه".

فقال عمر بن الخطاب: فوالله ما هو إلا أن رأيت الله (عز وجل) قد شرح صدر أبي بكر للقتال، قال: فعرفت أنه الحق". (سنن أبي داود، كتاب الزكاة: ۱/ ۲۲۴، مكتبه امداديه ملتان)

(وصحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة: ۱/ ۱۸۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس...: ۱/ ۳۷، قديمي)

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، الفصل الأول: ۱/ ۱۵۵، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/ ۱۸۸، قديمي)

(۲) "وفي الفتاوى: إذا دفع رجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله، فخلط الدراهم قبل الدفع، ثم دفع، فهو ضامن ... والحاصل أن الخلط سبب الضمان؛ لأنه استهلاك، إلا في موضع جرت العادة والعرف ظاهراً بالإذن بالخلط". (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/ ۲۵۳، رشيديه)

"إذا دفع الرجلان إلى رجل كل واحد منهما دراهم ليتصدق بها عن زكاة ماله، فخلط الدراهم قبل الدفع، ثم دفع، فهو ضامن. وفي "الحجة": إلا إذا وجد الإذن، أو أجاز المالكان فحينئذ يجوز. وفي "السراجية": أو وجدت دلالة الإذن بالخلط. وفي "اليتيمة": كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/ ۲۰۱، قديمي)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث: ۱/ ۱۹۲، مكتبه فاروقيه پشاور)

صورت میں زکوۃ وفطرہ کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۹۵ھ۔

غنی کا زکوۃ استعمال کرنا

سوال [۱۱۰۵۱]: زکوۃ میں اگر کوئی چیز کسی مسکین کو دی گئی تو عبارات فقہاء اور حدیث بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہوتا ہے کہ غنی کے لئے استعمال جائز نہیں، تو کیا ایسی صورت میں مسکین پر یہ لازم ہوگا کہ وہ غنی دوست کو یہ بتلادے کہ یہ زکوۃ میں ملی ہوئی چیز ہے، آپ اس کو استعمال نہ کریں، اگر بتانا ضروری ہے تو کیا یہ زکوۃ دینے والے پر بھی ضروری ہوگا کہ وہ مسکین کو بتلادے کہ یہ مدزکوۃ سے ہے، تاکہ وہ غنی کو عاریۃً دینے میں احتیاط کرے، یا زکوۃ دہندہ نے مسکین کو نہیں بتلایا تھا، مگر اس کے سامنے کوئی غنی اس چیز کو استعمال کرنے لگا تو کیا اس پر لازم ہوگا کہ غنی کو بتلادے یا سکوت کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غنی کی زکوۃ ادا ہونے کے لئے تو یہ شرط نہیں کہ فقیر ومسکین کو علم ہو کہ یہ زکوۃ ہے۔

"ولا یشترط علم الفقیر أنها زکوة علی الأصح اهـ". (مراقي الفلاح، ص: ۳۹۵)(۱)۔

لیکن جب مسکین کو معلوم ہو کہ یہ زکوۃ ہے اور پھر کوئی غنی اس کو بطور اباحت استعمال کرنا چاہے، تو مسکین کو چاہیے کہ بتلادے کہ یہ زکوۃ ہے، جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) (مراقي الفلاح، کتاب الزکاة، ص: ۷۱۵، قدیمی)

"ومن أعطی مسکیناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً، ونوی الزکاة فإنها تجزیه، وهو الأصح. هکذا في البحر الرائق ناقلاً عن المبتغی والقنیة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب الأول: ۱/۱۷۱، رشیدیه)

"ولم یشترط المصنف رحمه الله تعالی علم الآخذ بما یأخذه أنه زکاة، للإشارة إلی أنه لیس بشرط". (البحر الرائق، کتاب الزکاة: ۲/۳۷۵، رشیدیه)

"ولا یشترط علم المدفوع إلیه بأنه زکاة". (النهر الفائق، کتاب الزکاة: ۱/۴۱۹، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالی عنها قالت: کان في بریرة ثلاث سنن: ... ودخل رسول الله صلی الله =

اگر غنی نے مسکین کو نہیں بتلایا اور اس کے سامنے اس مسکین کی چیز کو کوئی غنی استعمال کرنا چاہتا ہے، تو ان کو بتلا دینا چاہیے تاکہ وہ غلط استعمال سے بچ جائے، سکوت کرنے سے وہ غلط استعمال میں مبتلا ہو جائے گا، اگرچہ عدمِ علم کی بناء پر گنہگار نہ ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ وہ غنی، مسکین کی ملکیت میں ہوتے ہوئے اس کو بطورِ اباحت کے استعمال کرے، لیکن اگر وہ مسکین کسی غنی کو ہدیہ کردے اور وہ غنی اس کو قبول کر کے مالک ہو جائے، پھر اس کو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۸۹ھ۔

زکوۃ سے تنخواہ دینا

سوال[۱۰۵۱۵]: ایک صاحب نے ۱۳۵/ روپیہ کا زکوۃ دیا ہے، وہ غازی آباد کے ہیں، انہوں نے اس لئے بھجوایا ہے کہ چونکہ مولوی صاحب کے تنخواہ کو لوگ دیتے نہیں ہیں، لہٰذا اس سے کام چلاؤ، تو کیا اس روپے کو میں تنخواہ میں لے سکتا ہوں یا اس روپے کو لگا کر مکتب بنا دوں؟ جو بھی صورت ہے، بہت ہی جلد جواب مرحمت فرمادیں۔ فقط۔

= تعالى عليه وسلم والبرمة تفور بلحم، فقرب إليه خبزٌ وأدم من أدم البيت، فقال: "ألم أر برمة فيها لحم؟" قالوا: بلى، ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقة: ۱/۱۶۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۰۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۳۴۵، قديمي)

(۱) "قال الطيبي رحمه الله تعالى: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه، فله أن يهدي به إلى غيره، وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له الصدقة، الفصل الأول: ۴/۳۳۸، رشيديه)

"وحاصله: أنها إذا قبضها المتصدق زال عنها وصف الصدقة وحكمها، فيجوز للغني شراها للفقير وللهاشمي أكله منها". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة: ۹/۱۳۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة: ۳/۴۵۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے روپیہ کو براہِ راست (بغیر تملیک) تنخواہ یا تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)، اس روپیہ کا مصرف وہی ہے، جو نمبرا میں تحریر کیا گیا، یعنی مستحق زکوۃ بچوں کو بطور وظیفہ دے دیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۸۹ھ۔

زکوۃ کا روپیہ مقدمہ میں لگانا

سوال [۱۰۵۱۶]: زکوۃ کے روپیہ مسجد مدرسہ کے مقدمہ میں لگانا یا کسی غریب آدمی کے مقدمہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کا پیسہ غریب شخص کو دیا جائے، پھر وہ اپنی طرف سے مسجد یا مدرسہ کے مقدمہ میں یا کسی اور کام کے لئے دے دے، تو درست ہے، براہِ راست وہ پیسہ مسجد یا مدرسہ یا کسی غریب کے مقدمہ وغیرہ میں صَرف کرنا یا تعمیر میں لگانا، تنخواہ میں دینا درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلالا". (الدرالمختار). "أي: لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۳۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع: ۱/ ۱۹۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: ۲/ ۲۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك، كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ۲/ ۴۷۳، رشيديه)

"أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۴۲۴، رشيديه)

(۳) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن =

سوداورزکوۃ کے پیسے سے نل لگوانا

سوال [۱۰۵۰۱]: ایک شخص کو بینک سے سود ملتا ہے اور زکوۃ کا کچھ روپیہ بھی غریبوں کو دیتا ہے، اب وہ شخص چاہتا ہے کہ سود یا زکوۃ کے پیسے سے اپنے گاؤں میں عوام کے لئے کنواں نل لگوادیں یا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ایسے کنویں اور نل سے پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں (۱)، جتنا روپیہ اس کنواں نل بنانے میں خرچ کیا ہے، اتنی مقدار مستحقین کو دے

= میت، وقضاء دینه ... أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمر بفعل هذه الأشیاء". (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، سعید)

"ولا یجوز أن یبني بالزکاة المسجد، وکذا القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات وکري الأنهار وکل ما لا تملیک فیه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکاة، الباب السابع: ۱/۱۸۸، رشیدیة)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشیدیة)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۱/۴۶۲، رشیدیة)

(۱) قال الله تعالی: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین﴾ الخ (التوبة: ۶۰)

"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد، ولا إلی کفن میت، وقضاء دینه".

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی: "(قوله نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار، والحج، والجهاد، وکل ما لا تملیک فیه". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

"سئلت: فیمن یملک نصاباً من حرام هل تجب علیه فیه الزکاة.

الجواب: لا تجب علیه فیه الزکاة، بل یلزمه التصدق بجمیعه علی الفقراء لا بنیة الثواب إن لم یکن صاحب المال موجوداً". (الفتاوی الکاملیة، کتاب الزکاة، ص: ۱۵، مکتبة القدس)

"في القنیة: لو کان الخبیث نصاباً لا یلزمه الزکاة؛ لأن الکل واجب التصدق علیه، فلا یفید إیجاب التصدق ببعضه ومثله في البزازیة". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۹۱، سعید)

دے، اس کنواں اور نل سے پانی پینا اس وقت بھی جائز ہے، دوسروں کو بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ کا لحاف طلبہ کو دے کر واپس لینا

سوال[۱۰۵۱۸]: ایک مدرسہ کے لئے زکوۃ سے ایک رقم لی، مہتمم صاحب نے طلباء کے لئے لحاف، بستر وغیرہ بنائے۔ اب مدرسہ کا ... انتقال ہو گیا ہے، وہ لحاف وغیرہ جو طلباء کو مہتمم صاحب نے دیئے تھے، مدرسہ کے صدر مدرس صاحب نے طلباء سے واپس فرما لئے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ طلباء جو رہتے اس مدرسہ میں واپس نہ آئیں، جو طلباء آئندہ سال آئیں گے، وہ ان کے کام آئیں گے، واپس لئے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زکوۃ کے روپیہ سے لحاف تھے، جو اہل خیر حضرات نے مدرسہ کے لئے دیئے تھے۔ صدر مدرس نے ایسا کرایا کہ لحاف طلباء سے جاتے وقت واپس لے لئے، تو کیا صدر مدرس صاحب کو یہ حق ہے یا گنہگار ہے؟ واپس لینے کی اجازت ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ ادا ہونے کے لئے مالک بنادینا ضروری ہے، محض مستعار دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی(۱)، اگر کوئی مدرسہ کا ذمہ دار مال زکوۃ عاریۃً دے کر واپس لے لیتا ہے اور مالک نہیں بناتا تو ایسے ذمہ دار کو ہرگز زکوۃ نہ دی جائے، بلکہ خود طلباء کو یا جس کو مستحق سمجھیں لوگ زکوۃ دے دیا کریں۔ اب تک جس قدر لحاف وغیرہ اس طرح طلباء کو دے کر واپس لے لئے، ان کی ذمہ داری صدر مدرس صاحب پر ہے۔ مہتمم مدرسہ صاحب کو چاہیے کہ صدر مدرس صاحب کو اس طرز عمل سے ضرور روک دیں۔ مہتمم صاحب نے جو لحاف طلباء کو تملیکاً دے دیئے تھے طلباء ان کے مالک ہو گئے تھے اور زکوۃ ادا ہو گئی تھی، پھر صدر مدرس نے طلباء سے جبراً اگر لحاف واپس لے

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحۃ". (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

"ولا یجوز أن یبني بالزکاۃ المسجد ... وکل ما لا تملیک فیہ". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الزکاۃ، الباب السابع: ۱/۱۸۸، رشیدیہ)

(وکذا في البحر الرائق، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشیدیہ)

لئے، تو یہ طلباء پر زیادتی ہوئی، اس کی مکافات لازم ہے، وہ خاف ان کو واپس کریں (۱) اور ان سے معافی مانگیں، تب ان کا یہ گناہ معاف ہوگا اور ان کوڈاکو یا خائن کہنے کی اجازت نہ ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۸۸ھ۔

بھائی کو زکوۃ دینا

سوال [۱۰۵۱۹]: ایک شخص مالدار ہے اور اس کا ایک حقیقی بھائی غریب ہے دونوں ایک ساتھ نہیں رہتے جدا جدا رہتے ہیں، مالدار بھائی اپنے غریب بھائی کو زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایک ساتھ دو چار ہزار روپیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب بھائی کو زکوۃ دینا درست ہے، بلکہ غیروں کے مقابلہ میں بھائی کو دینا افضل ہے (۳)، کتب فقہ،

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمی)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (الحجرات: ۱۱)

"فمن فعل ما نهى الله عنه من السخرية، والهمز، والنبز فذلك فسوق، وذلك لايجوز". (الجامع لأحكام القرآن، الحجرات: ۱۱، الجزء ۱۶/ ۲۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو أولى؛ لما فيه من الصلة مع الصدقة، كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۵، رشيديه)

"والأفضل في الزكاة والفطر والنذور الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم =

بحر(۱) عالمگیری (۲)، شامی (۳) وغیرہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے، کسی مستحق زکوۃ کو اتنی مقدار زکوۃ دے دینا مکروہ ہے، جس سے وہ خود صاحب نصاب ہوجائے (۴)۔ مراقی الفلاح (۵) ودرمختار (۶) میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وکیل کا اپنی ماں کو زکوۃ دینا

سوال [۱۰۵۲۰]: ہندہ کے پاس بقدر نصاب زیور ہے، ہندہ کے پاس پیسے نہیں ہے، لیکن اپنے خاوند سے کہہ رکھا ہے کہ میرے زیور کی زکوۃ تم ادا کرو اور جہاں چاہو دے دینا، ہندہ کے خاوند نے منظور کرلیا،

= إلى الأعمام والعمات ..... كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع: ۱/۱۹۰، رشيديه)

"قال في النهر: والأولى صرفها إلى إخوته الفقراء، ثم أولادهم، ثم أعمامه الفقراء، ثم أخواله، ثم ذوي الأرحام، ثم جيرانه، ثم أهل سكنه، ثم أهل ربضه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، ص: ۷۲۲، قديمى)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۶، سعيد)

(۴) "وكره الإغناء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ۷۲۱، قديمى)

"وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۳، سعيد)

"كره أن يدفع إلى فقير ما يصير به غنياً وندب الإغناء عن سؤال الناس". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۳۵، رشيديه)

(۵) "وكره الإغناء". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ۷۲۱، قديمى)

(۶) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۳، سعيد)

ہندہ کے خاوند نے بھی اپنی بیوی ہندہ کے زیور کی زکوۃ لے کر روپے اپنی والدہ کو جو کہ زکوۃ کی مستحق ہے، اس کو دے دیئے، اب فرماویں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوگئی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۸۹ھ۔

جس بچہ کی ماں سید ہو، اس کو زکوۃ دینا

سوال [۱۰۵۲۱]: میرے ایک تایازاد بھائی تھے، ان کا انتقال ہوگیا، وہ خود سید نہیں تھے، لیکن بیوی جو انہوں نے چھوڑی، وہ سیدہ ہے، ان کے تین چار نابالغ بچے بھی ہیں، کیا شرعاً ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا شرعی حیلہ سے دی جاسکتی ہے؟ ان لوگوں کی حالت بہت قابلِ رحم ہے، نہ بچوں کو ٹھیک سے روٹی مل سکتی ہے، نہ کپڑا، فی زمانہ یہ ممکن نہیں کہ زکوۃ کے علاوہ بھی کسی کی مالی امداد کی جاسکے۔ امید ہے کہ اس امر پر خصوصی توجہ دے کر ان کے لئے کوئی راستہ سمجھائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان بچوں کو زکوۃ دینا درست ہے (۲)، نسب باپ سے چلتا ہے، ان بچوں کا باپ سید

---

(۱) "وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لالنفسه، إلا إذا قال ربها "ضعها حيث شئت"". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

"وفي "الجامع الأصغر" سئل أبو حفص عمن دفع زكاة ماله إلى رجل وامرأة أن يتصدقا بها، فأعطى ولد نفسه الكبير أو الصغير أو امرأته وهم محاويج، جاز". (المحيط البرهاني، كتاب الزكاة، الفصل التاسع: ۲/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۶۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسكين ...﴾ (التوبة: ۶۰)

"ويؤخذ من هذا أن من كانت أمها علوية مثلاً، وأبوها عجمي يكون العجمي كفؤاً لها، وإن كان=

نہیں تھا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

علمائے ربانی کی تکفیر کرنے والے کو زکوۃ دینا

سوال[۱۰۵۲۲]: زمانہ کے مسلمانوں کا ایک گروپ علمائے ربانی وحقانی کو کافر ومرتد قرار دیتا ہے اور اس مہینہ رمضان میں خصوصی طور سے زکوۃ، عطیات، فطرہ کی رقم کی وصولی کے لئے بھی تشریف لاتے ہیں، تو ایسے حضرات کو جو علمائے حق کو کافر ومرتد کہتے پھرتے ہیں، تو ایسے شخص کو زکوۃ عطیات فطرہ کی رقم دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہے اور وہ واقعۃً کافر نہ ہو، تو یہ کلمہ (کفر) اس

= لها شرف ما؛ لأن النسب للآباء، ولهذا جاز دفع الزكاة إليها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الكفاءة: ۲/۸۷، سعيد)

"(وقوله: وبني هاشم) اعلم أن عبد مناف وهو الأب الرابع للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم أعقب أربعة وهم: هاشم، والمطلب، ونوفل وعبد شمس، ثم هاشم أعقب أربعة، انقطع نسل الكل إلا عبد المطلب، فإنه أعقب اثني عشر، تصرف الزكاة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس وحارث وأولاد أبي طالب من علي وجعفر وعقيل، قهستاني". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۰، سعيد)

(۱) "أما أصل النسب فمخصوص بالآباء ... فإن العلماء ذكروا أن من خصاصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ينسب إليه أولاد بناته، فالخصوصية للطبقة العليا، فأولاد فاطمة الأربعة ... فينسبون إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وأولاد زينب وأم كلثوم ينسبون إلى فاطمة ولا إلى أبيها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لأنهم أولاد بنت بنته لا أولاد بنته، فيجرى فيهم الأمر على قاعدة الشرع الشريف في أن الولد يتبع أباه في النسب لا أمه". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، باب الوصية للأقارب .....: ۶/۶۸۵، سعيد)

"أن الحسب والنسب يختصان بالأب دون الأم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب السادس: ۶/۱۱۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوصايا: ۶/۴۴۶، رشيديه)

کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے(۱)، اس لئے جب تک غیر مشتبہ دلائل سے کسی کا کفر ثابت نہ ہوجائے، تو اس کو کافر کہنا نہایت خطرناک ہے، جس کی وجہ سے اس کہنے والے کا ایمان متذبذب ہوجاتا ہے(۲)، جن لوگوں نے علمائے حق کو کافر کہنا ہی اپنا شعار اور مشغلہ زندگی بنا رکھا ہے، ان کو اپنی زکوۃ دینا زکوۃ کو خطرے میں ڈالنا ہے، وہ اس زکوۃ سے وہی کام انجام دیں گے، جو ان کا مشغلہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بریلوی مکتب فکر کے مدارس میں زکوۃ دینا؟

سوال[۱۰۵۲۳]: بمبئی میں رواج ہورہا ہے کہ بریلوی حضرات اپنی رقم زکوۃ کو دیوبندی مدرسہ میں دینا ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں اور ہمارے سفراء کو زکوۃ کی رقم نہیں دیتے ہیں، تو کیا ان کے سفراء کو زکوۃ کی رقم دیں

---

(۱) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم ياكافر: ۵۷/۱، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم: ۴۱۱/۲، قديمى)

(۲) "وذلك أن المعاصي كما قالوا "بريد الكفر" ويخاف على المكثر منها أن يكون عاقبة شؤمها المصير إلى الكفر". (شرح النووي، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم ياكافر: ۵۷/۱، قديمى)

"وفي الخلاصة: من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر". (شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء، ص: ۱۷۳، قديمى)

"ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع: ۲۷۰/۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

وقال الله تعالى: ﴿قال رب بما أنعمت على فلن أكون ظهيراً للمجرمين﴾ (القصص: ۱۷)

"ولا يجوز صرفها ... لأهل البدع". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۵۲/۲، سعيد)

اورزکوۃ اداہوجائے گی یاہم بھی ان کے مدرسہ والوں کوزکوۃ کی رقم نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ متقی دیندارکودی جائے ،جیسا کہ کتب فقہ میں ہے(۱)، جوشخص جماعت یامدرسہ حق اوراہل حق کی مخالفت وتکفیرکرے،اس کے لئے کوشش میں مصروف رہے،اس کوزکوۃ نہ دی جائے،اس کوزکوۃ دینا مخالفتِ حق کی اعانت کرنا ہے۔

﴿تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

شیعہ کوزکوۃ وفطرہ دینا

سوال[۱۰۵۲۴]: روافض جوصحابہ کرام اوررسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوبرا کہنے والے اور عقائدخلاف شریعت ثابت ہوتے ہوں،ان کوزکوۃ اورفطرہ دینا جائز ہے یانہیں؟اگردے دیا،تواس کے بارہ میں کیاحکم ہے؟

---

(۱) "أن يطلب الأتقياء المعرضين عن الدنيا المتجردين لتجارة الآخرة، قال صلى الله تعالى عليه وسلم: لا تأكل إلا طعام تقي ولا يأكل طعامك إلا تقي" وهذا لأن التقي يستعين به على التقوى فتكون شريكاً له في طاعته بإعانتك إياه، وقال عليه السلام: "أطعموا طعامكم الأتقياء، وأولوا معروفكم المؤمنين" (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الزكاة، الفصل الثاني، الوظيفة الثامنة: ۱/۲۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وكره نقلها، إلا إلى قرابة، أو أحوج، أو أصلح، أو أورع، أو أنفع للمسلمين ..... وفي المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل" (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، ص: ۷۲۲، قديمى)

(۲) (المائدة: ۲)

قال الله تعالى: ﴿قال رب بما أنعمت علي فلن أكون ظهيراً للمجرمين﴾ (القصص: ۱۷)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے عقائد نصوص قطعیہ کے خلاف ہوں، اس کو زکوۃ وفطر دینا درست نہیں (۱)، اگر دے دیا ہو تو دوبارہ دیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "قوله (ولا يصح دفعها لكافر) قال في التنوير وشرحه: ولا تدفع لذمي، وجاز دفع غيرها، وغير العشر والخراج إليه. ولو واجباً كنذر وكفارة فطرة خلافاً للثاني وبه يفتى" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، ص: ٧٢٠، قديمى)

"ثم الذين لايجوز صرف الزكاة إليهم سبعة عشر نفراً: ومنها الكافر". (خزانة الفقه، كتاب الزكاة، من لا تصرف إليهم الزكاة، ص: ٧٣، مكتبه إسلاميه كوئته)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة: ٢/٢٥٨، سعيد)

(۲) "دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده، أو مكاتبه، أو حربي ولو مستأمناً أعادها". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٣٥٢، سعيد)

"قال في مشكلات خواهر زاده: قوله "ثم ظهر أنه غني أو هاشمي أو كافر" أي ذمي؛ لأن الإجماع منعقد أنه لو كان مستأمناً أو حربياً فإنه تجب الإعادة". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٤٣٣، رشيديه)

"وفي "التحفة": أجمعوا أنه لو ظهر أنه حربي، أو مستأمن لايجوز كذا في "غاية البيان". (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ١/٤٦٨، رشيديه)

"ومن ذلك قول الأئمة الأربعة وغيرهم: إنه لايجوز دفع الزكاة إلى الكافر". (كتاب الميزان، كتاب الزكاة، باب قسم الصدقات: ٢/٢٥٤، عالم الكتب بيروت)

فصل في صرف الزكاة في المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

زکوۃ وعشر وغیرہ مدرسہ میں دینا

سوال[۱۰۵۲۱]: ایک اسلامیہ اسکول ہے، جس کے اندر زکوۃ کے مد کی تمام رقوم وصول کی جاتی ہیں، مثلاً: چرم قربانی، عشر وغیرہ اور مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دوسری ضروریت بھی اسی سے پوری کی جاتی ہے اور اس کے لئے دوسرے ذرائع بھی ہیں، مثلاً: بورڈ کی امداد، مدرسہ کا چپ وغیرہ، اس مدرسہ کی نوعیت یہ ہے کہ اسلامی وغیر اسلامی تہوار کی چھٹیاں اور انگریزی حیثیت کی تعطیلات باقاعدہ ہوتی ہیں اور ہندو طلباء بھی اس کے اندر تعلیم پاتے ہیں، لہذا کون سی ترکیب ہے کہ چرم قربانی وغیرہ دینا اس کے اندر جائز ہوگا؟ اور ان کے لئے کوئی شرط ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کنز الدقائق میں ہے:

"الزكوة هي تمليك المال بغير عوض من فقير مسلم" الخ، ص:۵۵(۱)۔

درمختار شامی میں ہے:

"لايصرف إلى بناء نحو مسجد، كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار، والحج، والجهاد، وكل مالا تمليك فيه" (در مختار

(۱) (كتاب الزكاة، ص: ۵۵، مكتبه حقانيه ملتان)

"هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير الخ". (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۳۵۲/۲-۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الأول: ۱۷۰/۱، رشيديه)

مع الشامی: ۲/ ۳۴۴، طبع کراچی (۱)۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویھب منھا أي: من الأضحیة ماشاء للغني، والفقیر، والمسلم، والذمي" (عالمگیری: ۵/ ۳۰)(۲)۔

مجالس الابرار میں ہے:

"وإن اقتسموا اللحم وزناً، وتصدقوا بالجلد علی فقیر، أو وھبوا للغني یجوز" (ص: ۲۲۸)(۳)۔

ہدایہ میں ہے:

"ولو باع الجلد، واللحم بالدراھم أو بما لا ینتفع به إلا بعد استھلاکه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلی بدله" (ھدایه: ۴/ ۴۵۰، کتاب الأضحیة في ضمن قوله ویتصدق بجلدھا، طبع یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)(۴)۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زکوۃ وعشر کل مال مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی عمارت میں نہیں صرف کر سکتے، ہاں! طلبہ مسلمان عاقل بالغ نادار کو دے سکتے ہیں اور یہ لوگ چاہیں اپنے مصرف میں لائیں یا دوسرے

---

(۱) (کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲/ ۳۴۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب المصرف: ۲/ ۴۲۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکاۃ، الباب السابع: ۱/ ۱۸۸، رشیدیه)

(۲) (کتاب الأضحیة، قبیل الباب السادس: ۵/ ۳۰۰، رشیدیه)

(۳) (مجالس الابرار (اردو) مجلس: ۳۵ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا طریقہ ص: ۲۹۰، دارالاشاعت کراچی)

"ویھب مایشاء فقیراً أو غنیاً مسلماً أو ذمیاً ماشاء". (مجمع الرموز، کتاب الأضحیة: ۲/ ۳۹۳، سعید)

(۴) (الھدایة: ۴/ ۴۵۰، شرکت علمیه)

(وکذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/ ۳۲۸، سعید)

(وکذا في مجمع الأنھر، کتاب الأضحیة: ۴/ ۱۶۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

کار خیر میں صرف کریں اور چرم قربانی کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ جب تک قربانی کرنے والا چمڑے فروخت نہ کرے، ہر شخص کو ہبہ کرسکتا ہے، خواہ جس کی ملک کرے غریب ہو یا صاحب نصاب ہو یا ناظم مدرسہ ہو یا غیر ناظم اور اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کردیا، تو اس کی قیمت کا غرباء ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن جس کو چرم قربانی یا اس کی قیمت کا مالک بنایا جائے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے مصرف میں لائے یا مدرس کی تنخواہ میں صرف کرے یا تعمیر مدرسہ میں لگائے۔ پس اگر چرم قربانی کسی کو تملیکاً دے دی جائے یا اس کی قیمت غریب آدمی کو دی جائے اور یہ لوگ مدرس کی تنخواہ یا مدرسہ کے دوسرے کام میں صرف کریں تو درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۰ھ۔

فصل سے نکالا ہوا غلہ مسجد میں لگانا

سوال [۱۰۵۲۲]: ایک مسجد ہے، مدرسہ کے متعلق مسجد کے اکثر کام مدرسہ ہی کی جانب سے انجام دیئے جاتے ہیں، مسجد کا حساب مدرسہ سے علیحدہ ہے، مدرسہ کی مالی حالت کمزور ہے۔ مدرسہ علم دین کی مستحکم خدمت انجام دیتا ہے، بیرونی طلباء بھی کثیر تعداد میں تعلیم پاتے ہیں، اس صورت میں فصل کا غلہ جو کہ بمد چالیسواں نکالا جاتا ہے، مسجد میں لگانا گویا صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواز کی صورت میں بہتر کس کے لئے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ غلہ صدقہ واجبہ نہیں (۲) دینے والے مسجد کے لئے دیں، تو مسجد کے مصارف میں صرف کرنا بھی

(۱) "الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء ... لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲، ۱۱۹۷: ۶۵۴/۱، ۶۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) صدقہ واجبہ اس لئے نہیں ہے۔ خاتمہ زمینداری کے بعد جب سرکار نے لوگوں کو زمینیں دیں (چاہے بعوض یا بلاعوض) تو وہ تقسیم سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھیں، لہذا عشر نہ رہا۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں: =

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (اسلام کا نظام اراضی ص ۱۷۹، ادارۂ اشاعت)

(امداد الفتاوی، فصل في العشر والخراج: ۲/۲۰۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(تالیفات اشرفیہ مع فتاوی ثنیہ یعنی عشر وخراج کے احکام کا بیان ص ۳۶۶، ادارۂ تالیفات)

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصا: ۴/۴۴۵، سعيد)

"والواقف لو عين إنسانا للصرف، تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامنا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية" (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

صاع کی مقدار

سوال[۱۰۵۲۷]: صدقۃ الفطر ہر شخص پر کتنا واجب ہے؟ کتابوں میں جو نصف صاع لکھتے ہیں، اسی تولہ سیر کے حساب سے اس کا صحیح وزن کیا ہے؟ ''کریم اللغات'' ص:۱۲۹، پر درج، صاع وزن ہے دو سو چونتیس تولہ کا، اس لغت کے اعتبار سے نصف صاع ایک سیر ساڑھے سات چھٹانک ہوتے ہیں، بریں بنا ہم تو ڈیڑھ سیر کے حساب سے دیتے ہیں، فی الحال ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ صدقۃ الفطر ہر شخص پر پونے دو سیر یا اس سے کچھ زائد ہے، احتیاطاً دو سیر دینا بہتر ہے، اب دریافت کرنا ہے کہ صدقۃ الفطر کس حساب سے اور کتنا ادا کریں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاویٰ رشیدیہ، ص:۳۶۲ میں صدقۃ الفطر سہارنپور کی تول کے ڈیڑھ سیر پختہ گندم لکھا ہے(۱)، احتیاطاً دو سیر بتایا جاتا ہے(۲)۔ جو شخص پورا دو سیر دے دے، وہ مزید ثواب کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (فتاوی رشیدیه، کتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ''صاع اور مد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں''، ص: ۴۴۲، سعید)

(۲) "لما في مبسوط السرخسي: من أن الأخذ بالاحتياط في باب العبادات واجب". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطر بالمد الشامي: ۲/ ۳۶۶، سعيد)

"أن الأخذ بالاحتياط عند الاشتباه واجب". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب نواقض الوضوء: ۱/ ۱۲۴، رشيديه) =

صاع وغیرہ کے اوزان

سوال [۱۰۵۲۸]: صاع کے مسئلہ پر ایک فتوی۔

استفتاء: انگریزی دورِ حکومت میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں مختلف طرح کے وزن رائج تھے، کہیں ۶۴/ تولہ کا سیر تھا، کہیں ۸۰/ تولہ کا سیر اور تول میں بھی فرق تھا، اس زمانہ میں صدقۃ الفطر کی مقدار متعین کرنے میں بڑا اختلاف تھا، کوئی پونے دو سیر بتاتا تھا، کوئی دو سیر، کوئی دو سیر آدھ پاؤ اور کوئی سوا دو سیر اور بعض علماء نے ڈیڑھ سیر تک بیان کیا ہے، اس لئے ہر جگہ کے لوگ اپنے اپنے علماء کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے صدقۃ الفطر ادا کرتے آئے ہیں۔

اب سیر کا وزن متروک ہو چکا ہے اور اس کی جگہ تمام ہندوستان میں کلوگرام نے لے لی ہے اور اس کا رواج ہو گیا ہے، اس لئے بہتر ہو کہ علماء کرام ایک تحقیق پر متفق ہو کر وزن مقرر کریں، تاکہ صدقۂ فطر صحیح طریقہ سے ادا ہو سکے، نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ صدقۂ فطر کے لئے صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ اس مسئلہ پر تحقیق انیق فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: ڈاکٹر محمد عمر احاطہ منشی وارانسی

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاع ایک عربی پیمانہ ہے، جس سے غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے(۱) اور آج بھی عرب میں ناپ ہی کر غلہ فروخت کرتے ہیں اور صدقۂ فطر ادا کرنے کا دستور ہے، صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے حدیث میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں

= "وأبو حنيفة رحمه الله تعالى يقول: الأخذ بالاحتياط في العبادات أصل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱/ ۲۲۵، حبيبيه)

(۱) "الصاع كيل يسع فيه ثمانية أرطال". (شرح الوقاية، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۱/ ۳۰۰، إمداديه)

"لأن النص جاء بالصاع وهو اسم للمكيال". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/ ۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/ ۳۶۵، سعيد)

۱- گیہوں یا اس کا آٹا نصف صاع ۲- چھوہارا ۳- منقیٰ ۴- جو یا اس کا آٹا۔

ان تینوں چیزوں میں سے ایک صاع دینے کا حکم ہے(۱)، ان میں موجودہ گرانی کے زمانہ میں آسان اور افضل گیہوں نصف صاع ہے، صاع کی تحقیق میں علماء محققین کو ہر زمانہ میں اختلاف رہا ہے، حنفیہ کے نزدیک عراقی صاع معتبر ہے، جس پر تمام صحابہ کرام نے اتفاق کیا ہے (البحر الرائق)(۲)۔

اس مسئلہ پر غالباً سب سے پہلے ملا ''بیہقی لکھنوی'' اور ان کے فرزند ''ملا معین'' نے فارسی میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے، جس میں صاع کا جدید وزن مقرر کیا اور اس کے اتباع میں ''مولانا عبدالحی فرنگی محلی'' نے ''عمدة الرعایة حاشیہ شرح وقایہ'' میں اسی جدید وزن کو قبول کیا (۳)۔ اور اس پر مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اور دیگر علماء کانپور، بہار و حیدرآباد نے اعتماد کر کے ''دو سیر ایک پاؤ تو تولہ سات ماشہ'' بیان کیا ہے اور مولانا کرامت علی جونپوری نے ''مفتاح الجنة'' میں جونپوری سیر سے ''تین سیر بارہ تولہ نو ماشہ دو رتی دو جو'' اور مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ساڑھے تین سیر'' بیان کیا ہے (۴)۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، قال: كنا نخرج زكاة الفطر صاعاً من طعام، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من أقط، أو صاعاً من زبيب، متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۱/۱۶۰، قديمي)

"عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: كان الناس يخرجون صدقة الفطر على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم صاعاً من شعير، أو تمر، أو سلت، أو زبيب نصف صاع حنطة مكان صاع من تلك الأشياء". (سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب كم يؤدى في صدقة الفطر: ۱/۲۳۸، رحمانيه)

"عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: فرض زكوة الفطر من رمضان على الناس صاعاً من تمر، أو صاعاً من شعير الخ". (موطا الإمام مالك، كتاب الزكاة، باب مكيلة زكوة الفطر: ۱/۳۲۴، مير محمد كتب خانه كراچى)

"فهو الصاع الذي يكال به الشعير والتمر". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۲/۲۰۵، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۴۴۳، ۴۴۴، رشيديه)

(۳) (عمدة الرعاية حاشيه شرح الوقاية، كتاب الزكاة، باب صدقة النافلة، رقم الحاشية: ۳: ۱/۳۰۰، مكتبه إمداديه ملتان)

(۴) (كفايت المفتي، كتاب الزكاة: ۴/۳۱۱، دار الاشاعت)

یہ تمام تحقیقات اپنے اپنے شہروں کے اوزان کے اعتبار سے ہوئیں اور حساب لگانے کے بعد بھی فرق پڑتا ہے، ان تمام تحقیقات پر اعلیٰ حضرت بریلوی کی تحقیق ''تین سو اکیاون بھر'' کی ہے، جو ساڑھے چار سیر کے قریب ہے اور حساب لگانے سے یہی حساب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم کے چودہ قیراط اور قیراط کا وزن ۵ جو غیر نقش اور دم بریدہ ہو، اس لئے ایک درہم کے ۱۴×۵=۷۰ جو ہوئے (۱)۔ اس وزن کو تمام فقہاء نے تسلیم کیا ہے اور موجودہ گرام کے وزن سے ایک درہم برابر ۷۰ جو یا ۴ گرام ہے، اس لئے ۱۰۴۰ درہم ×۴=۴۱۶۰ گرام یا ۴ کلو ایک سو ساٹھ گرام کے اور نصف صاع دو کلو ۸۰ گرام کے برابر ہوا، جو سوا دو سیر کے برابر ہے، اس طرح فاضل بریلوی کا پرانا وزن اس لئے حساب سے بالکل مطابق ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، جس طرح زکوٰۃ کے نصاب میں ہندوستان کے تمام علماء نے فاضل بریلوی کے نصاب کو تسلیم کیا ہے، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا اس کا مذکورہ بالا حساب کے مطابق قریب قریب ۶۰۰ گرام چاندی اور ۸۰ گرام سے کچھ کم سونا کا جدید نصاب ہوتا ہے، خاکسار کو اس وزن کا حساب لگانے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور جو کو تول کر ہر طرح اطمینان کرلیا گیا ہے، اس وزن کے صحیح ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ۱۳۲۹ھ میں خاکسار کے والد ماجد مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب جب زیارت حرمین شریفین سے واپس تشریف لائے، تو اپنے ساتھ ذر نبوی کی بھی نقل بنوا کر لائے، جس کی سند اور اجازت حضرت شیخ الدلائل مولانا شاہ عبدالحق صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ سے والد صاحب کو حاصل ہوئی، یہ ذر ان کے پاس تھا، اس ذر سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ۶/ ذر کا ایک صاع کے برابر ہوتا ہے اور باقی ۳/ اماموں کے نزدیک درست کیا ہے، تحقیقات مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ نصف صاع کا جدید وزن دو کلو ۸۰/ گرام اور قدیم وزن سوا دو سیر ہے اور صدقۂ فطر صرف صاحب نصاب پر

---

(۱) ''ثم اعلم أن الدرهم الشرعي أربعة عشر قيراطاً ... فإذا كان الصاع ألفاً وأربعين درهماً شرعياً''.

''وقال الرافعي رحمه الله تعالى: ''(قوله: فإذا كان الصاع الخ) تقدم للمحشي أن قيراط الدرهم الشرعي خمس حبات ... فعلى هذا يكون حبات الشرعي سبعين''. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصاع والمد: ۳۶۵/۲، سعيد)

(وكذا في عمدة الرعاية شرح الوقاية، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۳۰۰/۱، رقم الحاشية: ۳، إمداديه)

واجب ہے، جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا نصاب رکھتا ہو(۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: عبدالسلام نعمانی المجددی (مفتی خطیب جامع مسجد عالمگیری بنارس)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عربی پیمانہ کو جب ہندی وزن میں منتقل کیا گیا، تو اس وقت سے اختلاف چلا آرہا ہے، یہ اختلاف صدقۃ الفطر کی مقدار اور سونے چاندی کے نصاب سب ہی میں ہے، اگر اوزان کو جَو سے وزن کیا جاتا ہے، مگر جَو بھی مختلف کھیتوں اور علاقوں کے سب یکساں نہیں ہوتے، ان میں بھی فرق ہوتا ہے، سرخ سے وزن کیا جائے، اس میں بھی فرق ہے، اس فرق اور اختلاف سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، احتیاط پر عمل کرنا دوسری بات ہے۔ اور سب کو ایک چیز پر مجبور و پابند کرنا الگ چیز ہے، قدرت کی طرف سے پیدا شدہ چیزوں میں جب اختلاف ہے اور ان کے اختلاف سے وزن متعین کرتے ہیں، تو اختلاف پیدا ہوتا ہے، تو اس اختلاف کو ختم کرکے اتحاد کی سعی بے محل ہے، اس اختلاف کی بناء پر باہم دست وگریباں ہونا غلط ہے، ہر ایک کو اپنے معتقد علیہ پر اعتقاد ہوتا ہے، خود ہر شخص حساب کرکے وزن متعین نہیں کرسکتا، ہم کو اپنے اکابر پر اعتماد ہے کہ انہوں نے جو حساب لگا کر وزن متعین کردیا وہ صحیح ہے۔ خواہ دوسروں کے حساب سے بھی موافق ہوجائے، جیسا کہ سونے چاندی کے نصاب میں ایک ہی وزن سب کے حساب میں یا دوسروں کے حساب سے مختلف ہوجائے، جیسا کہ صاع کے حساب میں ہوا۔ سیر، چھٹانک، تولہ، ماشہ کو کلوگرام میں منتقل کرنا کچھ دشوار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نصف صاع کی مقدار موجودہ وزن سے

سوال[۱۰۵۲۹]: صدقۂ فطر کے متعلق یہاں کے مقامی اخبار ''سیاست'' مورخہ یکم شوال ۱۴۰۰ھ

(۱) "تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته، وإن لم يحل عليه الحول عند الطلوع الفجر يوم الفطر، ولم يكن للتجارة، فارغ عن الدين، وحاجته الأصلية وحوائج عياله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۳، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/ ۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثامن: ۱/ ۱۹۱، رشيديه)

میں محمد رضی الدین معظم صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، انہوں نے صاع کا وزن اور اس کے حساب سے کس قدر فطرہ دینا چاہیے تحریر فرمایا ہے، صاع کا وزن ڈھائی (۲کلو۳۳۲ گرام) اور ساڑھے تین سیر (۳کلو۲۶۵ گرام) مقرر ہے، اس لحاظ سے نصف صاع کا وزن علی الترتیب سوا سیر یعنی (ایک کلو۱۶۶ گرام) یا ۱/۴ ۳ سیر یعنی (ایک کلو۶۳۲ گرام) ہے، یہ اختلاف دراصل اس وجہ سے ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ طیبہ میں کئی اقسام کے مقدار کے صاع رائج تھے، لہذا بعد کے علماء نے کم از کم اور زیادہ سے زیادہ صاع کو تسلیم کیا اور ان کی مقدار ڈھائی سیر یا پونے تین سیر بتلائی۔

اب اپنے سمجھ بوجھ کی بات ہے کہ قانون کی آڑ لے کر کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ دیں، یہاں پر جو اوقات سحر و افطار کے متعلق پرچے شائع ہوتے ہیں، اس میں صدقۂ فطر کے متعلق ڈیڑھ کلو ہے، کہیں دو کلو ۳۰ گرام ہے، عام لوگ جس میں بندہ ناچیز بھی شامل ہے، ان کے لئے مشکل کا سامنا ہے، لہذا براہ کرم مطلع فرمایئے کہ صدقۂ فطر کے لئے کم از کم کتنا گیہوں یا جو دینا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ کتنا دیا جائے۔ صدقۂ فطر ایک ہی غریب کو دے سکتے ہیں یا مختلف لوگوں کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گندم اور ایک صاع جو ہے(۱)، صاع بھی عرب میں مختلف تھے اور سیر بھی مختلف تھے، نیز جو، رتی، میں اختلاف تھا، ان سب کو دیکھتے ہوئے جو حساب لگایا گیا، تو اسّی کے سیر سے یعنی اسّی تولہ کا سیر مانا جائے، تو نصف صاع ڈیڑھ سیر کا ہوا، پھر احتیاط کے طور پر پونے دو سیر فطرہ تجویز کیا گیا، ایک صاع کا وزن اس سے دوگنا ہے، سیر بعض مقامات پر نوے کا، بعض جگہ سو کا، بعض جگہ زائد کا ہوتا ہے، انگریز کے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، قال: في آخر رمضان أخرجوا صدقة صومكم. فرض رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هذه الصدقة صاعاً من تمر أو شعير، أو نصف صاع من قمح". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۱/۱۶۰، قديمي)

"يجب نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه، أو زبيب، أو صاع تمر، أو شعير". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۳۶۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۴۴۱-۴۴۳، رشيديه)

دور میں سیر ۸۰ کا بنایا گیا۔

فتاویٰ رشیدیہ میں صاع کا وزن کا طریقہ مذکور ہے(۱)،اب موجودہ وقت میں کلورائج ہے،اس کے اعتبار سے نصف صاع کا وزن ایک کلو ۶۴۴ گرام ہے،اتنی مقدار دینے سے واجب ادا ہو جائے گا،کچھ زائد دے دیا جائے تو بہتر ہی بہتر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۹/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کریں؟

سوال[۱۰۵۳۰]: کنٹرول قیمت پر فطرہ جائز ہے یا نہیں؟ہمارے یہاں کنٹرول کا حال یہ ہے کہ سوائے خاص علاقے کے ہر جگہ کنٹرول قیمت سے اشیاء دستیاب نہیں،اب عام طور سے جواز یا عدم جواز کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس نرخ سے اپنے اہل وعیال کا غلہ خریدا جاتا ہے،اس نرخ سے فطرہ ادا کریں۔

"ويشم رائحة الاستدلال من قوله تعالى: ﴿من أوسط ما تطعمون أهليكم﴾"(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عید کے روز قیمت بڑھ گئی،تو کیا کرے؟

سوال[۱۰۵۳۱]: صدقہ فطر پہلے ادا کر دیا تھا،جب عید کا دن آیا تو قیمت بڑھ گئی،تو اب بڑھی ہوئی

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ،باب صدقۃ الفطر،"صاع اور مد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں،ص:۴۴۶،سعید)

(واحسن الفتاوى، بسط الباع لتحقيق الصاع: ۴/۳۸۵، سعيد)

(۲) (المائدہ: ۸۹)

"ويقوم في البلد الذي المال فيه". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۶، سعيد)

"ويقوم العرض بالمصر الذي هو فيه". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۰، رشيديه)

قیمت ادا کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قیمت میں جتنا اضافہ ہوا، وہ اور دے دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۹۴ھ۔

صدقہ فطر عید کی صبح ادا کرنا اولیٰ ہے یا رمضان میں؟

سوال[۱۰۵۳۲]: صدقہ فطر رمضان شریف میں ادا کرنا اولیٰ اور ستر گنا ثواب رکھتا ہے، یا عید کی صبح کو دینا اولیٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عید کی صبح کو صدقہ فطر ادا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غرباء کی حوائج پوری ہوسکیں، اگر عید کی تاریخ شروع ہونے سے پہلے رمضان ہی میں ادا کردیا جائے، تو اس مقصد میں زیادہ معین ہے(۲) اور رمضان کا خصوصی ثواب

---

(۱) "جاز دفع القيمة في زكاة، وعشر، وخراج، وفطرة، ونذر، وكفارة غير الإعتاق. وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۵، سعيد)

"وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يوم الوجوب في الزيادة والنقصان". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۸۶، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۱/۴۳۱، رشيديه)

(۲) "فإن أراد به الشرط فوجهه: أن وجوبها لإغناء الفقير في يوم الفطر، ويوم المقصود يحصل بالتعجيل بيوم أو يومين؛ لأن الظاهر أن المعجل يبقى إلى يوم الفطر فيحصل الإغناء يوم الفطر". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۲/۲۰۷، رشيديه)

"وكان عليه الصلاة والسلام يخطب قبل الفطر بيومين يأمر بإخراجها ذكره الشمني". (الدرالمختار).

"وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى بعد ثلاثة صفحات: والأولى الاستدلال بحديث البخاري وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم أو يومين، وهذا مما لايخفى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بل لا بد =

مستقل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۱۳۹۹ھ۔

ضرورت سے زائد زمین کی ملکیت پر قربانی اور صدقۃ الفطر کا حکم

سوال[۱۰۵۳۳]: میں نفس زمین کا مالک رہا ہوں ایک مرحلہ تک، یعنی ذات ارض میری مملوکہ رہی ہے، جس کی مقدار اتنی تھی کہ اس کی آمدنی اور پیداوار سے میں اکثر سالوں میں ایسی زندگی بسر کرتا ہوں، یعنی اس کی آمدنی سے نہ جمع کرنے کے لئے بچتا تھا اور نہ معاش واخراجات میں کمی آتی تھی کہ دوسروں سے قرض لیا جائے، یہ تو اکثر کی حالت تھی یعنی زمین بقدر ضرورت تھی، مگر بعض سالوں میں ایسا بھی ہوتا کہ پیداوار زیادہ ہونے کی وجہ سے سال بھر کے خرچ نکالنے کے بعد کچھ جمع بھی کیا جاسکتا تھا اور بعض سالوں میں پیداوار کم ہونے

= من كونه بإذن سابق. فإن الإسقاط قبل الوجوب مما لا يعقل، فلم يكونوا يقدمون عليه إلا بسمع".
(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۵۸-۳۶۷، سعيد)

"(قال) مالك، عن نافع، عن عبدالله بن عمر: أنه كان يبعث بزكاة الفطر إلى الذي يجمع عنده قبل الفطر بيومين أو ثلثة". (مؤطا الإمام مالك، كتاب الزكاة، وقت إرسال الزكاة الفطر، ص: ۳۲۷، مير محمد كتب خانه كراچي)

"ولأن المقصود منها الإغناء عن الطواف والطلب في هذا اليوم". (كشف المغطأ عن وجه المؤطا على هامش موطأ الإمام مالك، كتاب الزكاة، ص: ۳۲۷، رقم الحاشية: ۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۱) "عن سلمان الفارسي رضي الله تعالىٰ عنه، قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في آخر يوم من شعبان فقال: يا أيها الناس ..... من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه، ومن أدى فريضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث: ۱/۱۷۳، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب الصوم، الترغيب في صيام رمضان احتساباً.....: ۲/۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الصوم، الباب الأول، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۲۳۷۰۹: ۸/۲۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

کی وجہ سے سال بھر کے خرچ میں کمی بھی آجاتی تھی، لہٰذا دوسروں سے قرض بھی کچھ لینا پڑتا تھا۔ زمین کی مقدار تو یہ تھی، باقی میں نے اس زمین کی آمدنی سے کچھ بھی نہیں لیا ہے، دورانِ تعلیم میں بلکہ ہمیشہ مرحومہ کو زمین کی آمدنی تبرعاً دیتا رہا ہوں، الا یہ کہ ایک مرتبہ پچاس روپے آمدورفت وطن کا کرایہ اور جب مکان پر ٹھہرتا تھا، تو میرا کھانا پینا اپنے مکان پر ہوتا تھا اور مرحومہ کے اصرار پر تین عدد لوئیاں یعنی کمبل لئے ہیں۔ اب معلوم کرنا ہے کہ مجھ پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہوتا رہا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ یہ زمین آپ کی حوائج اصلیہ سے زائد ہے، کہ آپ نے اس کی پیداوار سے کچھ بھی نہیں لیا، بجز ۵۰ روپے اور تین کمبلوں کے، بلکہ تبرعاً ہمیشہ ہمشیرہ کو پیداوار دیتے رہے، تو آپ پر قربانی بھی واجب ہوئی اور صدقۃ الفطر بھی۔ "وھذا ظاھر لایخفی"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۷ھ۔

صدقۂ فطر سے کتابیں خرید کر کسی جماعت کو دینا

سوال[۱۰۵۳۴]: صدقۂ فطر کے پیسے سے کیا دینی کتب خریدنا جائز ہے؟ جو ایک جماعت کے لئے خریدی جائے کہ وہ ان کو پڑھ کر دین کی طرف راغب ہوں گے، وہ کتاب فقہ، احادیث یا نماز روزہ وغیرہ کے سلسلہ میں ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقۂ فطر کے روپیہ سے کتابیں خرید کر کسی جماعت کو استفادہ کے لئے دے دینے سے صدقۂ فطر ادا

(۱) "تجب علی حر مسلم ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدينه، وحوائج عياله، وإن لم ينم".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/ ۳۶۰، سعيد)

"تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب، أو قيمته، وإن لم يحل عليه الحول عند طلوع الفجر يوم الفطر، ولم يكن للتجارة فارغ عن الدين، وحاجته الأصلية وحوائج عياله، والمعتبر فيها الكفاية لا التقدير، وهي مسكنه، وأثاثه، وثيابه، وفرسه، وسلاحه، وعبيده للخدمة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثامن: ۱/ ۱۹۱، رشيديه)

نہیں ہوتا، بلکہ اس کے مستحق فقراء ومساکین ہیں (۱)، ان کو دے دیئے جائیں، اگر وہ اپنے مرضی سے بغیر کسی قسم کے دباؤ کے کتابیں خرید کر کسی جماعت کو دے دیں، تو جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "مصرف الزكاة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء ومسكين من لا شيء له". (الدرالمختار).

"قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر، وغير ذلک من الصدقات الواجبة كما في القهستاني". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲: ۳۳۹، سعيد)

"وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف". (البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲: ۴۴۶، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الزكاة، المبحث الخامس مصرفها أو من يأخذها: ۳: ۲۰۴۸، رشيديه)

(۲) "الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک: ۲: ۵۰۳، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱: ۶۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

صدقہ جاریہ

سوال[۱۰۵۳۵]: ہماری موضع کی مسجد کا دروازہ بوسیدہ ہوگیا ہے، جس کے بنوانے میں اندازاً چار سو روپے کا خرچ ہے، اگر اس دروازہ کو میں اپنے والد بزرگوار کے نام پر صدقہ جاریہ تعمیر کرادوں تو کیا میرے والد کے نام صدقۂ جاریہ ہوجائے گا؟ اگر ہوجائے تو بہتر ہے، ورنہ مجھے کوئی کام ایسا بتلایا جائے کہ جس کے کرنے سے مرحوم بزرگوار کے نام صدقۂ جاریہ ہوجائے، انتقال کے وقت انہوں نے مجھے کچھ کہا تو نہیں تھا، لیکن آپ ایسے کام کے لئے فتویٰ دیجئے، کہ جس کے کرنے سے مرحوم بزرگوار کے نام صدقہ جاریہ ہوجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

والد بزرگوار کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد کا دروازہ بنوادینا، ضرورت کی جگہ کنواں بنوادینا، دینی کتب خرید کر مدارس میں وقف کردینا وغیرہ، سب کچھ صدقہ جاریہ ہے(۱)۔ اللہ پاک ان کو ثواب پہنچا کر بلند درجے اور آپ کو اجرِ عظیم دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۹/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته: علماً علمه ونشره، وولداً صالحاً تركه، أو مصحفاً ورثه، أو مسجداً بناه أو بيتاً لابن السبيل بناه، أو نهراً أجراه، أو صدقةً أخرجها من ماله ..... رواه ابن ماجة والبيهقي". (مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۳۶، قديمي)

"وفي رواية: "سبع يجرى للعبد أجرهن بعد موته وهو في قبره، من علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الثالث: ۱/۵۱۴، رشيديه)

(وسنن ابن ماجة، مقدمة، باب ثواب معلم الناس الخير، ص: ۲۱، قديمي)

کتاب الصوم

بقرعید کی نماز عید تک کچھ نہ کھانے پینے کا نام روزہ رکھنا

سوال[۱۰۵۳۶]: عید الاضحیٰ میں عرف عام میں جو روزہ بولا جاتا ہے، اس کے متعلق زید کہتا ہے کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں، روزہ موزہ کیسا؟ روزہ تو پورے دن کا ہوتا ہے، بکر کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اور سنت رہی کہ بروز عید الفطر آپ نماز عید ادا کرنے سے پہلے کوئی میٹھی چیز تناول فرمالیا کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج روزہ نہیں اور بروز عید الاضحیٰ آپ صبح صادق سے لے کر جب تک نماز عید ادا نہ فرما لیتے کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے، جس کو عرف عام میں روزہ کہہ دیا جاتا تھا، لوگ یہ سنت اپنانے کی سعی کریں، اس لئے لوگوں میں دوران بیان ترغیب دے دینا چاہیے کہ کسی کو شوق ہو جائے۔

محمد ابراہیم معرفت نجم الحسن تھانوی محلہ مفتی سہارن پور

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ صحیح ہے(۱)، بعض شراح حدیث

---

(۱) "عن عبدالله بن بريدة، عن ابيه، قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لايخرج يوم الفطر، حتى يطعم، ولا يطعم يوم الأضحىٰ حتى يصلي. وفي الباب عن علي وأنس.

قال ابوعيسى: وقد استحب قوم من أهل العلم أن لايخرج يوم الفطر حتى يطعم شيئاً، ويستحب له أن يفطر على تمر ولا يطعم يوم الأضحى حتى يرجع". (جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب في الأكل يوم الفطر قبل الخروج: ۱/۱۲۰، سعيد)

"(وندب) أي: استحب لمصلي العيد (في) يوم (الفطر ثلاثة عشر شيئاً: أن يأكل بعد الفجر قبل ذهابه للمصلي شيئاً حلوا كالسكر ... لما روى البخاري عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل .... وأحكام عيد الأضحىٰ كالفطر لكنه في الأضحى =

نے بھی ۱۰؍ ذی الحجہ کو نماز عید تک نہ کھانے کا نام صوم رکھا ہے، جس کا اظہار قربانی سے ہوتا ہے، اس ناتمام صوم کو بھی یوم کامل کے صوم کے حکم میں قرار دیا ہے۔

"باب في صوم العشر أي: في عشر ذي الحجة. والمراد بعشر تسعة أيام كما في الباب: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصوم تسع ذي الحجة أي: من أول ذي الحجة إلى التاسع منها، فإن العاشر يوم العيد أو المراد عشرة؛ لأن في يوم العيد يكون الإمساك إلى الأضحية، فيكون في حكم صوم يوم الكامل (أنوار المحمود: ۲/ ۹۱)(۱).

"ثم ظاهر الحديث أن استحباب الإمساك لكل رجل يضحي أولا، وهذا الإمساك أسميه بالصوم؛ لأن الحديث يسمي صوم عشرة، والحال أن صوم العاشر مكروه فالصوم في اليوم العاشر هو الصوم إلى الصلوة اهـ" (العرف الشذي، باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج، ص: ۲۴۲)(۲).

اس کو روزہ کہنے نہ کہنے میں نزاع بیکار ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۲/ ۹۵ھ۔

= يؤخر الأكل عن الصلاة لأنه عليه السلام كان لا يطعم في يوم الأضحى حيث يرجع فيأكل منه أضحيته". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۸-۵۳۲، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل مايستحب يوم العيد: ۱/ ۶۲۴، رشيديه)

(۱) لم أجد هذا الكتاب

(۲) (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج: ۱/ ۱۱۹، سعيد)

"وعن حفصة قالت: أربع لم يكن يدعهن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: صيام عاشورا والعشر الخ.

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: أي صيام عشر ذي الحجة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب صيام التطوع: ۴/ ۵۹۵، رشيديه)

(وكذا في فقه السنة، الصيام، صوم عشر ذي الحجة: ۱/ ۴۵۰، دارالكتاب العربي)

طویل دن میں روزہ کس طرح رکھے؟

سوال[۱۰۵۳۷]: گرمیوں میں دن لمبا ہوتا ہے، کینیڈا جب کہ اس سے اوپر تو بیس بائیس گھنٹہ کا دن ہوتا ہے، تو ان لوگوں کے لئے روزہ کا کیا حکم ہوگا؟ پوری مدت امساک ہوگا یا اندازہ کر کے، جیسے کہ وہاں بعض عرب لوگ کہتے ہیں کہ قریب کے علاقہ میں جو مدت امساک ہے، اس وقت تک روزہ ہے، پھر کھول دیا جائے، یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سردیوں میں وہاں دن چھوٹا ہوتا ہوگا (دو چار گھنٹہ کا)، تو اس وقت بھی اتنے ہی وقت کا روزہ رکھتے ہیں یا قریب کے علاقہ کا حساب لگاتے ہیں، نیز پانچ نمازوں کا کیا حساب کرتے ہیں، جو معمول ہو اس کو لکھئے، انشاء اللہ تعالیٰ جواب مکمل آئے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۲/۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب رؤیۃ الہلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

اختلاف مطالع

سوال[۱۰۵۳۸]: حضرات احناف کا خاص طور پر ہمارے اکابر دیوبند کا اختلاف مطالع کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا معتبر ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک فتویٰ عزیز الفتاویٰ میں ہے کہ معتبر، راجح اور ظاہر الروایات، ومفتی بہ، عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے، عزیز الفتاویٰ: ۴۳/۳۹۔ اور الفرقان شمارہ نمبر ۵۷، میں ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع تمام مذاہب میں معتبر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر معتبر نہیں تو کیا بلاد مغرب کی رؤیت بطریق موجب اگر اہل مشرق کو پہونچ جائے خواہ کئی دن میں پہونچ جائے تو جو آج کل کے دور میں بالکل دشوار نہیں کہ ہوائی جہاز پر بیٹھے اور آکر شہادت دے تو کیا ان پر افطار اسی حساب سے واجب ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ کو ذرا خوب تفصیل سے ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشائخ، وعليه الفتوى. فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، وقال "الزيلعي": الأشبه أنه يعتبر، لكن قال "الكمال": الأخذ بظاهر الرواية أحوط. (در مختار مع هامش الشامي: ۲/۹۶-۹۷)(۱).

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۹۳-۳۹۴، سعيد) =

فقہاء نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، یوم الشک ۲۹/ تاریخ کو مطلع صاف نہ ہو اور بطریق موجب رویت ثابت ہو جائے تو قابل قبول ہے، یہی ظاہر مذہب ہے۔ ۲۸/ تاریخ کو رویت کا ثبوت پہونچے، تو وہ نا قابلِ التفات ہے (۱)۔ آپ کو جو خلجان ہو وہ لکھیں، تو جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

رؤیت ہلال میں اہلِ توقیت کا قول

سوال [۱۰۵۳۹]: زید کہتا ہے کہ عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے، اس لئے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رویت ہلال سے مہینوں کی ابتداء مانی جائے، چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہے:

"إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا، يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين" (بخاری شریف، کتاب الصوم: ۱/۲۵٦)(۲)۔

لیکن اب اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے کہ اس امت میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ جو ستاروں کی چال کے حساب سے خوب واقف ہیں، اس لئے اس زمانہ میں از روئے حساب جس دن پہلا رمضان ہو، اس دن روزہ رکھنا اور جس دن پہلی شوال اور دسویں ذی الحجہ ہو، اس دن عید کرنا لازم ہے، خواہ رویت ہلال ہو یا نہ ہو،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ۱/۱۹۸-۱۹۹، رشيديه)

(۱) "يوم الشك هو ما إذا لم ير علامة ليلة الثلاثين، والسماء متغيمة، أو شهد واحد فردت شهادته ... فأما إذا كانت السماء مصحية، ولم ير الهلال أحد، فليس بيوم الشك". (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴٦۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ۱/۲۰۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم: ۱/۴۴۴، دار المعرفة بيروت)

(۲) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا نكتب ولا نحسب: ۱/۲۵٦، قديمي)

اب اس زمانہ میں مہینوں کی ابتداء کو رویت ہلال پر جو لوگ موقوف مانتے ہیں، وہ دراصل رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام انشاء اور غایت وغرض سے بے خبر اور ناواقف ہیں، لہٰذا آپ مندرجہ ذیل سوالات کا جواب تحریر فرمائیں۔ زید کا قول مذکور آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اور صحیح نہیں ہے تو کیوں؟ مدلل ارشاد فرمائیں۔

ستاروں کی رفتار سے ثبوت حکم

سوال[۱۰۵۴۰]: ۲ .... بقول زید اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر ان کو کیوں نہیں تعلیم فرمایا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ کے عرب کوتاہ عقل تھے، تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادی مسائل سب ناقابل اعتماد ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ...... "ولاعبرة بقول المؤقتين، ولو عدولاً على المذهب" (الدرالمختار مع ماهش الشامي: ۹۳/۲).

أي: في وجوب الصوم على الناس بل في "المعراج" لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه، وفي "النهر": فلا يلزم بقول المؤقتين أنه أي: الهلال، يكون في السماء ليلة كذا، وإن كانوا عدولاً في الصحيح كما في "الإيضاح" الخ (شامي، نعمانيه: ۹۲/۳)(۱).

احکام وارکان اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے، جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا، جن کے سمجھنے کے لئے بڑے آلات وتکلیفات کی ضرورت پیش آئے، اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی وحی آتی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۸۷/۲، سعيد)

"ولا يجوز تقليد المنجم في حسابه لا في الصوم ولا في الإفطار". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني: ۳۷۰/۲، قديمي)

"وللإجماع على عدم الاعتداد بقول المنجمين، ولو اتفقوا على أنه يرى". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأول: ۲۶۲/۴، رشيديه)

علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے، علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے، مگر خود شوافع میں سے علامہ ابن حجر، ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین نے ''معراج'' سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہل توقیت کا قول معتبر نہیں (۱)۔

۲- اس کا جواب نمبرا میں آ گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۸۹ھ۔

ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند کی جستجو کرنا

سوال[۱۰۵۴۱]: برطانیہ میں امسال رمضان کے آغاز کے سلسلہ میں کافی اختلاف رہا، اسلامک کلچر سینٹر نے حجاز مقدس کی خبر کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیر ۲۹/ نومبر ۶۹ء کو پہلے روزے کا اعلان کیا، ایسٹ لندن مسجد (مرکز تبلیغ جماعت) نے جنوبی افریقہ کی خبر کے تحت منگل کے روز اور برطانیہ کے علماء کی جماعت نے متفقہ طور پر اس بات کا فیصلہ کیا کہ بیرونی ممالک کے خبروں کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے اور اگر برطانیہ میں چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس روز مکمل کر کے اور اسی طرح قابل وثوق برطانیہ ہی کی خبر نہ ملنے کی صورت میں رمضان کے بھی تیس روزے مکمل کئے جائیں اور اس طرح انہوں نے بدھ کے روز پہلا روزہ رکھا۔

برطانیہ کا موسم اس قابل نہیں کہ چاند آسانی سے دیکھا جا سکے، اس صورت میں کوئی اسلامی مہینہ علماء حضرات کی رائے کے تحت تیس روز سے کم نہیں ہوگا الا ماشاء اللہ، ایک جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ رصدگاہ کی اطلاعات کے مطابق ہلال افق میں موجود ہوتا ہے، لیکن بادلوں کی وجہ سے نظر نہیں آتا، اس وجہ سے اگر بادلوں سے اوپر پرواز کی جائے، تو چاند نظر آنے کے امکانات قوی تر ہیں، اس جماعت کا یہ خیال ہے کہ چند قابل ثقہ

---

(۱) "لاعبرة بقول المؤقتين ..... وبل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع ..... وللإمام السبكي الشافعي رحمه الله تعالى تأليف مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي ..... قلت: ماقاله السبكي: رده متأخروا أهل مذهبه: منهم ابن حجر والرملي في شرح المنهاج". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم: ۲/۳۸۷، سعيد)

حضرات کو لے کر غروبِ آفتاب کے فوراً بعد بذریعہ ہوائی جہاز بادلوں سے اوپر سفر کیا جائے اور چاند کو دیکھا جائے اور اس طرح مسلمانوں کے اس اختلاف کو دور کیا جائے، جس نے اس سال بہت شدت اختیار کر لی ہے اور جس کی وجہ سے باطل طاقتیں اسلام کے خلاف اپنی تحریکوں کو مضبوط کر رہی ہیں، احادیث میں رویتِ ہلال کے ضمن میں کسی اونچے مقام پر جانے کا مضمون وارد ہوا ہے، کیا اس پر قیاس کرتے ہوئے ہوائی جہاز کے اس سفر کے جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برطانیہ میں اگر بادل کی وجہ سے ۲۹/شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو آس پاس جہاں نظر آئے، وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز دیکھنے والوں کو طلب کر کے ان سے تحقیق کر لی جائے، اگر وہ معتبر اور ثقہ ہوں تو ان کے قول کو تسلیم کر کے ثبوتِ رمضان کا حکم کر دیا جائے (۱)، اگر مہینہ ۲۸/ یا ۳۱/ کا نہ بن جاتا ہو، تو دوسرے مقامات کی شہادت معتبر ہوگی (۲)۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ بادلوں سے بلندی پر جا کر دیکھنے کو شرعاً ضروری قرار نہیں دیا جائے گا، اس سے اقرب یہ ہے کہ چاند دیکھنے والے ہوائی جہاز سے آ کر گواہی دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة، إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً، ذكراً أو أنثى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ۱/۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم: ۱/۲۱۵، شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الفصل الأول: ۱/۱۹۷، رشيديه)

(۲) "لأن الشهر قد يكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعة وعشرين يوماً؛ لقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "الشهر هكذا وهكذا" وأشار إلى جميع أصابع يديه. ثم قال: الشهر هكذا وهكذا" ثلاثاً، وحبس إبهامه في المرة الثالثة، فثبت أن الشهر قد يكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعة وعشرين". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۲/۱۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) "عہدِ رسالت میں مانا کہ ہوائی جہاز نہ تھے، مگر مدینہ میں "سلع" پہاڑ سامنے کھڑا ہے، اس کے اوپر چڑھنا آسان بھی ہے، جس=

ریڈیو کے اعلان کی حیثیت

سوال[۱۰۵۴۲]: بعض شہروں میں مثلاً بمبئی، دہلی وغیرہ میں رؤیت ہلال کمیٹی قائم ہے، ان کی فیصلوں کی پیروی کتنے میل کے فاصلہ تک جائز ہے اور کن پر نہیں؟ جب کہ ان کے اعلانات اور فیصلے محض ریڈیو کے ذریعہ پہنچتے ہوں اور محض خبر پر اعتماد کرلینا کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے مرنے یا منتخب ہونے یا حادثہ کی خبر کیوں مانتے ہو؟ عینی گواہ شرعاً کیسا ہو اور کن خوبیوں کا حامل ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر رؤیت ہلال کمیٹی اہلِ علم اور دیانت حضرات پر مشتمل ہو اور باقاعدہ ثبوت رؤیت فراہم ہونے پر وہ ریڈیو سے اعلان کرے، تو وہ اعلان رؤیت ہے، شہادت نہیں (۱)، جس طرح توپ اور نقارہ کے ذریعہ اعلان معتبر ہے، اسی طرح یہ اعلان بھی معتبر ہے (۲) اور جہاں تک اس اعلان کو تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے

= پہاڑ بھی ساتھ لگا ہوا ہے، مکہ معظمہ تو سب طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے، صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اور جبل ابی قبیس بالکل شہر سے لگے ہوئے ہیں، لیکن عہدِ رسالت میں پھر خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر میں کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ نے اتنا اہتمام فرمایا ہو کہ لوگوں کو ان پہاڑوں کے کسی اونچے مقام پر چڑھ کر چاند دیکھنے کے لئے بھیجا ہو.....
عہدِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر کے اس تعامل کی بناء پر ہمارے نزدیک کسی طرح مستحسن اور پسندیدہ نہیں کہ ہوائی جہازوں میں اڑ کر چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ہوائی رؤیت ہلال، ص:۱۷۳، ۱۷۴، ادارۃ المعارف کراچی)

(۱) "والشهادة لغة: إخبار قاطع، وفي عرف أهل الشرع: إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء.

(قوله في مجلس الحكم بلفظ الشهادة يخرج الأخبار الصادقة غير الشهادات)". (فتح القدير، كتاب الشهادات: ۷/ ۳۳۹، عثمانيه كوئته)

"هي شرعاً: إخبار لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/ ۴۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الفصل الأول: ۳/ ۴۵۰، رشيديه)

(۲) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع، أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة =

اور ۳۱/ کا نہ ہو جائے، وہاں تک یہ اعلان معتبر ہوگا، بشرطیکہ ۲۹/ کی رؤیت کے متعلق ہو(۱) اور مطلع صاف نہ ہو اور اعلان کے الفاظ بھی ذمہ دارانہ ہوں، ثبوتِ ہلالِ عید کے لئے خبر محض کافی نہیں، بلکہ شہادت شرط ہے(۲)، لہذا اس کو دوسری چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اگر حکومت مسلمہ کی طرف سے ریڈیو پر اعلان ہو، تو اس کی حیثیت سرکاری اعلان کی ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= ظاهرة تفيد غلبة الظن . وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/ ۳۸۶، سعيد)

"تتمة: لم يذكروا عندنا العمل بالأمارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر، كضرب المدافع في زماننا، والظاهر وجوب العمل بها على من سمعها ..... فصرح ابن حجر في التحفة: أنه يثبت بالأمارة الظاهرة الدالة التي لاتختلف عادة كرؤية القناويل المعلقة بالمنائر". (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/ ۴۷۲، رشيديه)

(وكذا في آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ،ص: ۱۹۰، إدارة المعارف كراچی)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، (امداد المفتيين)، كتاب الصوم، رؤیت ہلال کی خبر ریڈیو پر کن شرائط کے ساتھ معتبر ہے: ۲/ ۴۰۲، دارالاشاعت)

(۱) "لأن الشهر قد يكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعة وعشرين يوماً؛ لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهر هكذا وهكذا" وأشار إلى جميع أصابع يديه، ثم قال: الشهر هكذا وهكذا" ثلاثاً، وحبس إبهامه في المرة الثالثة. فثبت أن الشهر قد يكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعة وعشرين". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/ ۵۷۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۲/ ۱۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/ ۴۲۱، رشيديه)

(۲) "وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/ ۳۸۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/ ۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ۱/ ۱۹۸، رشيديه)

ریڈیو کی خبر کا حکم

سوال [۱۰۵۲۳]: یہاں موضع بھاول پور ضلع جلگاؤں میں عید الفطر کا انتیسواں چاند نظر نہیں آیا اور نہ کوئی عینی شاہد ملا، صرف ریڈیو پر بمبئی سے اطلاع ملی کہ وہاں کی رؤیت ہلال کمیٹی نے عید کا اعلان کر دیا ہے، یہاں پر کچھ لوگوں نے اس پر اعتماد کر کے تیسواں روزہ نہیں رکھا اور عید منائی اور لوگوں کا روزہ بھی تڑوایا کہ آج کا روزہ حرام ہے اور کچھ لوگوں نے ۳۰ پورے روزے رکھے، تو اب ریڈیو کی خبر اور شہادت پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ ریڈیو کی خبر، خبر ہے یا شہادت اور ایسا کرنے والوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جن لوگوں نے روزہ تڑوایا، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہد کو مجلس شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، غائب کی شہادت اگرچہ وہ یہ کہے کہ "میں شہادت دیتا ہوں" شرعی شہادت نہیں" (۱)، اس لئے کہ ریڈیو کی خبر خبر ہی ہے، خبر اگر مستفیض ہو تو اس پر بھی حکم کرنا درست ہے (۲)۔ ایک دو ریڈیو کی خبر کافی نہیں، بلکہ ۲۹ کو اگر مطلع صاف ہو تو ایک دو کی شہادت بھی کافی نہیں۔

---

(۱) "(هي) شرعاً (إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشهادات: ۵/ ۴۶۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الفصل الأول: ۳/ ۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادات: ۷/ ۳۳۹، عثمانيه)

(۲) "لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب. مجتبى وغيره". (الدر المختار) "قال الرحمتي رحمه الله تعالى: معنى الاستفاضة: أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية، لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ۲/ ۳۹۰، سعيد)

"(قوله: لزم سائر الناس) في سائر أقطار الدنيا إذا ثبتت عندهم الرؤية بطريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه: لأنه حكاية". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، ص: ۵۴۱، قديمي)

"إنما تقبل شهادة رجلين على هلال شوال إذا أخبر أنهما رأياه في غير البلد، وإن كانت =

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ أشهد اه" درمختار.

"قوله مع العلة أي: غيم وغبار ودخان اه ... وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي بخبرهم اه" الدر المختار مع هامش الشامي: ٢/٩٣(١).

"نعم! لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب اه" درمختار.

"قال الرحمتي معنى الاستفاضة: أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة اه" شامي نعمانيه: ٢/٩٤(٢).

خبر عادل اور اصول ہیئت میں تعارض ہونا

سوال[١٠٥٤٤]: إذا تعارض المحاق بحسب علم الهندسية، وخبر العادل برؤية الهلال لأيهما الترجيح، وقد وقع الاختلاف في هذا الأمر بين علماء؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قال العلامة الحصكفي: "ولا عبرة بقول المؤقتين، ولو عدولاً على المذهب اه". (قوله: ولا عبرة بقول المؤقتين) أي: في وجوب الصوم على الناس، بل في "المعراج": لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن

= شهادتهما أنهما رأياه في البلد والبلد كثير الأهل، لايقبل فيها قول الواحد والاثنين، وإنما يقبل قول جماعة لايتصور اجتماعهم على الكذب". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الفصل الأول: ١/١٩٧، رشيديه)

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ٣/٣٨٦-٣٨٨، سعيد)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ٣/٣٩٠، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ٢/٤٧١، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيريه، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ١/١٩٨، رشيديه)

يعمل بحساب نفسه اھ" درمختار نعمانی: ٢/٩٢(١).

"ظهر من العبارة المنقولة أن علم الهندسة ليس بحجة في رؤية الهلال لوجوب الصوم، بل الحجة خبر العادل كما هو مصرح في كتب المذهب، وقيل: للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل الخ" (الدرالمختار)(٢). والله سبحانه وتعالى أعلم.

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٥/١/٩٦ھ(٣).

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ٣٨٧/٢، سعيد)

"لايجوز تقليد المنجم في حسابه لا في الصوم ولا في الإفطار". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني: ٢٧٠/٢، قديمي)

"وللإجماع على عدم الاعتداد بقول المنجمين، ولو اتفقوا على أنه يرى". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأول: ٢٤٢/٤، رشيديه)

(٢) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ٣٨٥/٢، سعيد)

"وقبل بعلة خبر عدل، ولو قناً، أو أنثى لرمضان، وحرين، أو حر وحرتين للفطر، وإلا فجمع عظيم". (البحرالرائق، كتاب الصوم: ٢٦٤/٢-٢٧٠، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ١٩٨/١، رشيديه)

(٣) **ترجمۂ سوال**: رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں ماہرینِ فلکیات کے اصولِ ہیئت اور خبرِ عادل میں تعارض ہو جائے تو کس کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے۔

ترجمۂ جواب: علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ راجح مذہب کے مطابق اہلِ توقیت کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ وہ عادل ہوں۔ یعنی روزوں کے واجب ہونے کے سلسلے میں (ان کا قول غیر معتبر ہے)، بلکہ "معراج" میں ہے کہ (اہلِ توقیت کے قول کے عدمِ اعتبار پر اجماع ہے اور (اس صورت میں) ستاروں کی چال جاننے والے کے لئے اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔

عبارتِ منقولہ سے ظاہر ہوا کہ رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں وجوبِ صوم کے لئے ماہرینِ فلکیات کا حساب حجت نہیں، بلکہ اس بارے میں خبرِ عادل حجت ہے، جیسا کہ کتبِ مذہب میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اگر آسمان پر بادل ہو یا فضا غبار آلود ہو تو ایسی صورت میں وجوبِ صوم کے لئے ایک عادل آدمی کی خبر بھی کافی ہے۔

باب مایفسد الصوم و مالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

کچی ڈکار آنا

سوال [۱۰۱۵۱]: عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ کچی ڈکار آنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ کیونکہ کچی ڈکار آنے سے منہ میں کچھ پانی آجاتا ہے جس طرح کہ قے آجاتی ہے جو کہ حلق تک آتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچی ڈکار سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۱۳۹۹ھ۔

بحالتِ روزہ ڈکار میں کھانے کا ذائقہ محسوس ہونا

سوال [۱۰۱۵۲]: زید روزہ رکھتا ہے لیکن اس کو ڈکار (ریاحی) آتی ہے، اگر روکتا ہے تو اس کا پیٹ پھول جاتا ہے، تکلیف ہونے لگتی ہے، لیکن اگر ڈکار لیتا ہے تو جو کچھ اس نے کھایا ہے اس کا ذائقہ اندر

---

(۱) "وإن ذرعه القيء ... فإن عاد بلا صنعه ولو ملء الفم مع تذكره للصوم لا يفسد، أي: عند محمد وهو الصحيح؛ لعدم وجود الصنع، ولعدم وجود صورة الفطر، وهو الابتلاع". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۴۱۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۴۷۹، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۱/۴۵۸، دار المعرفة بيروت)

سے پیدا ہوتا ہے، اس کا روزہ اگر وہ ڈکار لیتا ہے، ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ڈکار آنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگرچہ ذائقہ بھی اس کے ساتھ آجائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۹/ ۱۳۹۹ھ۔

کیا جلق کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟

سوال[۱۰۵۲۱]: عادتِ جلق مذہبی اعتبار سے غلط ہے یا نہیں؟ اس سے جسم اور صحت خراب ہوجاتی ہے، مگر روزہ کی حالت میں روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اور کیا اس کا کرنے والا کسی شخص کے برابر گنہگار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہبی اعتبار سے غلط ہے، ناجائز ہے، گناہ ہے(۲)۔ اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا(۳)، ایسا کرنے

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "ڈکار آنا"۔

(۲) قال الله تعالى: ﴿فمن ابتغى وراء ذلك فأولئك هم العادون﴾ (المؤمنون: ۷)

"وكذا اختلف في استمناء الرجل بيده، ويسمى الخضخضة وجلد عميرة، فجمهور الأئمة على تحريمه، وهو عندهم داخل في ما وراء ذلك ... ومن الناس من استدل على تحريمه بشيء آخر نحو ما ذكره المشايخ من قوله عليه الصلاة والسلام: "ناكح اليد ملعون" وعن سعيد بن جبير: عذب الله تعالى أمة كانوا يعبثون بمذاكيرهم، وعن عطاء: سمعت قوما يحشرون وأيديهم حبالى، وأظن أنهم الذين يستمنون بأيديهم والله تعالى أعلم ... ولا يخفى أن كل ما يدخل في العموم تفيد الآية حرمة فعله على أبلغ وجه" (روح المعاني، المؤمنون: ۱۸/ ۱۰، ۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعامة العلماء على تحريمه (الاستمناء) وقال بعض العلماء: إنه كالفاعل بنفسه، وهي معصية أحدثها الشيطان، وأجراها بين الناس حتى صارت قيلة" (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، المؤمنون: ۱۲/ ۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "(قوله: الاستمناء بالكف) أي: كونه لا يفسد، لكن هذا إذا لم ينزل، أما إذا أنزل فعليه القضاء كما سيصرح به، وهو المختار" (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف: ۲/ ۳۹۹، سعيد)

"قالوا: الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنى يجب عليه القضاء، وهو المختار، كذا في التجنيس =

والا زنا کی سزا کا مستحق نہیں، اس پر حدِ زنا جاری نہیں کی جائے گی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۱۲/ ۹۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= والولوالجية، وبه قال عامة المشايخ كذا في النهاية". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ٢/ ٤٧٥، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل: فساد الصوم: ٢/ ٢٤٢، رشيديه)

(١) "من الناس من يعتقد في كل وطء حرام أنه زنى، ولأن الشرع سمى الفعل فيما دون الفرج زنى، قال: "العينان تزنيان وزناهما النظر واليدان تزنيان وزناهما البطش الخ". والحد لايجب إلا بالجماع في الفرج ألا ترى أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استفسر ماعزاً حتى فسّر كالميل في المكحلة، والرشا في البئر؟ وقال له مع ذلك: لعلك قبلتها، لعلك مسستها حتى إذا ذكر الكاف، والنون قبل إقراره. والزنى لغة مأخوذ من الزّنى وهو الضيق، ولايكون ذلك إلا بالجماع في الفرج. فلهذا سألهم عن ماهية الزنى، وكيفيته". (المبسوط للسرخسي، كتاب الحدود: ٥/ ٣١، ٣٢، مكتبه حبيبيه كوئته)

(وكذا في الفقه الحنفي وأدلته، كتاب الحدود، حد الزنى، الأسئلة الموجهة إلى الشهود: ٢/ ٢٩١، إدارة القرآن كراچی)

باب قضاء الصوم وكفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

اگر بکریاں چرانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو کیا کرے؟

سوال[۱۰۵۴۸]: چونکہ بکریاں چرانا بہت مشکل کام ہے، ایک شخص کی عمر ۴۵/ سال ہے، اس کام میں دوڑ دھوپ زیادہ کرنی پڑتی ہے، کیا وہ بکریاں چرانے میں رمضان المبارک کے روزے فوت کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر روزہ برداشت نہیں کرسکتا، تو جن ایام میں برداشت کرسکے، ان ایام میں غیر رمضان قضاء رکھے، برداشت نہ کرسکنے کا مطلب یہ ہے کہ بھوک پیاس کی وجہ سے ہلاک ہونے یا بدحواس ہوجانے کا ظن غالب ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "**سئلت**: عن حصاد لم يقدر على حصاد زرعه مع الصوم، وإذا أخره يهلك هل يجوز له الإفطار حينئذ.

فالجواب: نعم! يجوز له ذلك حينئذ. فقد نقل المحقق ابن عابدين رحمه الله تعالى في حواشيه على الدر عن الخير الرملي مانصه: وعلى هذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم، ويهلك الزرع بالتأخير، لاشك في جواز الفطر والقضاء والله تعالى أعلم". (الفتاوى الكاملية، كتاب الصوم، ص: ١٤٧، ١٤٦، مكتبه القدس)

"وفي القهستاني عن الخزانة مانصه: إن الحر الخادم أو العبد أو الذاهب لسد النهر أو كريه إذا اشتد الحر وخاف الهلاك فله الإفطار، كحرة أو أمة ضعفت للطبع أو غسل الثوب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٤٢٢/٢، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ٢٥٢/٢، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٣٥٢/٢، عثمانيه)

جواب صحیح ہے لیکن جب مریض پر اتنی اس قدر بیہوشی ہے تو اپنا انتظام کرنا بھی ضروری ہے کہ ٹھنڈے وقتوں میں بقدر چار پانچ گھنٹوں محنت سے روزہ روزے پورے کر لیا کرے(۱)۔

بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۹ھ۔

نذر وقضاء روزوں میں کون سے پہلے رکھے؟

سوال[۱۰۵۲۵]: ایک شخص جس کے رمضان کے روزے کسی عذر کی وجہ سے قضاء ہوگئے، اس کے بعد اس شخص نے نذر کے روزے مانے، مسئلہ یہ ہے کہ وہ شخص اگر رمضان کے قضاء روزے رکھنے سے پہلے نذر کے روزے رکھنا چاہے تو نذر کے روزے رکھ سکتا ہے؟ یا رمضان کے روزوں کی قضاء کے بعد وہ نذر کے روزے رکھے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاء اور نذرِ مطلق روزوں کے لئے شریعت نے وقت متعین نہیں کیا(۲)، پس اگر نذر کے روزے پہلے رکھے، پھر قضاء کے روزے رکھے، تب بھی بری الذمہ ہوجائے گا۔

لقوله تعالى: ﴿فعدة من أيام أخر﴾(۳). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "لا يجوز أن يعمل عملاً يصل به إلى الضعف فيخبز نصف النهار ويستريح الباقي". (الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل فصل في العوارض: ۲/۴۲۰، سعيد)

"وفيها: سألت أبا حامد عن خباز يخبز في شهر رمضان، ويضعف في آخر النهار، هل يجوز له أن يعمل هذا العمل؟ فقال: لا يجوز ... ولكن يخبز نصف النهار ويستريح في النصف الباقي". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السابع: ۲/۴۹۲، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۳، رشيدية)

(۲) "وأما القسم الثاني وهو ما يشترط له تعيين النية وتبييتها، فهو قضاء رمضان ... والنذر المطلق؛ لأنها ليس لها وقت معين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، ص: ۶۴۵، قديمي)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم: ۲/۳۱۲، عثمانية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۰، سعيد)

(۳) (البقرة: ۱۸۵)

کفارہ صوم میں بیماری کی وجہ سے اگر تسلسل نہ ہو سکے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۰۵۵۰]: رمضان المبارک کے روزے رکھ کر عمداً توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے، اس کفارہ میں ایک تخفیف تو معلوم ہو چکی ہے، کہ ایک رمضان المبارک کے متعدد روزے رکھ کر توڑے ہوں یا متعدد رمضانوں کے رکھ کر توڑے ہوں، تو کفارہ میں تداخل ہو کر ایک کفارہ کافی ہوگا، بشرطیکہ سب روزوں کے توڑنے کے بعد کفارہ ادا کر دیا جائے، یہ معلوم کرنا ہے کہ کوئی دوسری تخفیف بھی اس باب میں ہے، مثلاً: تتابع صیام اگر کسی عذر کی وجہ سے باقی نہ رہ سکیں، مثلاً: تیس روزے رکھنے کے بعد بیماری کی وجہ سے ایک دو روزے چھوٹ گئے، پھر تیس روزے رکھ کر ساٹھ پورے کر دے، تو کفارہ ادا ہوگا یا از سر نو روزے رکھ کر ساٹھ پورے کرے گا، نیز کفارہ کے بعد قضاء صیام بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفارہ صوم میں بہ نسبت کفارہ ظہار کے ایک تخفیف اور بھی ہے، وہ یہ ہے کہ صیام شہرین متتابعین کے لئے کفارہ ظہار میں قبل المس کی قید بھی ہے اور کفارہ صوم میں یہ قید نہیں ہے (۱) تتابع بہر حال ضروری ہے صرف ایام حیض کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ایام نفاس کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، مرد کے لئے کوئی عذر معتبر نہیں، جس طرح بھی تتابع میں فرق آ جائے گا، استیناف لازم ہوگا۔

"ككفارة المظاهر أي: مثلها في الترتيب فيعتق أولا، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستين مسكينا، فلو أفطر ولو لعذر استأنف إلا لعذر الحيض" (شامي نعمانية: ۲/۱۰۹)(۲).

"وأما المفطر فينقطع التتابع في صوم كل كفارة اهـ" (شامي

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا﴾ (المجادلة: ۴)

"في التشبيه إشارة إلى أنه لايلزم كونها مثلها من كل وجه فإن المسيس في أثنائها يقطع التتابع في كفارة الظهار مطلقا عمداً أو نسياناً، ليلاً أو نهاراً للآية بخلاف كفارة الصوم والقتل؛ فإنه لا يقطعه فيها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، مطلب في الكفارة: ۲/۴۱۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة: ۲/۳۳۴، عثمانيه)

نعمانية: ۲/۸/۵۰)(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۶ھ۔

کفارۂ صوم میں ایک مسکین کو دو ماہ کھانا کھلانا

سوال [۱۰۵۵۱]: میرے ذمہ قصداً روزہ توڑنے کی وجہ سے دو ماہ کا کفارہ لازم ہے، اب مجھ میں غلام کے آزاد کرنے کی اور مسلسل دو ماہ روزہ رکھنے کی دشواری ہے، اگر میں ساٹھ مسکینوں کی جگہ ایک طالب علم یا غریب کو دو ماہ مسلسل کھلا دوں، دونوں وقت کا کھانا ایک طالب علم یا غریب کو مقرر کردوں، تو یہ میرا کفارہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک طالب علم کو مقرر کردیں کہ وہ روزانہ دونوں وقت آپ کے مکان پر آکر کھانا کھالیا کرے، جتنی مقدار وہ کھانے اور سیر ہوجایا کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح بھی کفارہ ادا ہوجائے گا۔

"ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزاه؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر، والشرط إذا أباح الطعام أن يشبعهم اهـ" (مراقي الفلاح ما يفسد به الصوم، ص ۳۵۲)(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في الكفارة: ۲/۴۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۸۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الفصل الخامس: ۱/۲۰۴، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الكفارة: ۳/۴۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة: ۴/۱۷۷، رشيديه)

(وكذا في عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب الظهار: ۲/۱۳۳، رقم الحاشية: ۶، إمداديه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب مايفسد به الصوم، ص: ۶۷۰، قديمي) =

جب ساٹھ دن پورے ہوجائیں گے کفارہ ادا ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

متعدد روزوں میں زنا کرنے سے کفارہ ایک ہوگا یا زیادہ؟

سوال[۱۰۵۵۲]: زید نے ہندہ کے ساتھ رمضان شریف میں روزہ رکھتے ہوئے زنا کیا اور وہ اس ماہ کے اندر پانچ یا چھ مرتبہ کیا اور زید نے زنا کرنے کے بعد فوراً غسل کیا اور یہ جب نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا تو مقتدیوں نے زید کو امام بنا دیا اور زید نے حیض کی حالت میں بھی زنا کیا ہے ایک یا دو مرتبہ اسی ماہ کے اندر، اب زید کو کتنے روزے رکھنے چاہییں، آیا متواتر روزہ رکھنا چاہیے یا جدا جدا یا صدقہ وغیرہ؟ ان مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یا پھر نماز کو لوٹانا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید وہندہ نے اپنے فعل شنیع سے جتنے روزے فاسد کیے ہیں، ان سب کی قضاء لازم ہے اور جب کہ روزہ توڑ کر کفارہ ادا کرنے سے پہلے پہلے دوسرا روزہ توڑ دیا تو کفارہ میں تداخل ہوجائے گا، یعنی قضاء تو ہر روزہ کی لازم ہوگی، مگر کفارہ ایک ہی کافی ہوگا، جو ساٹھ روزہ ہے۔

"لو تكرر فطره ولم يكفر للأول يكفيه واحدة، ولو في رمضانين عند محمد رحمه الله تعالىٰ وعليه الاعتماد" بزازيه ومجتبى وغيرهما. (درمختار: ۲/۱۱۰).

اس میں دوسرا قول بھی ہے وہ یہ کہ ہر روزہ کا کفارہ جداگانہ ادا کرنا ہوگا(۱)، زید وہندہ کا باہمی تعلق کا

= "ولو أطعم مسكيناً واحداً ستين يوماً كل يوم أكلتين مشبعتين جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب الظهار، الباب العاشر: ۱/۵۱۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب الظهار: ۲/۱۲۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "لو تكرر فطره ... واختار بعضهم للفتوى أن الفطر بغير الجماع تداخل وإلا لا". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في الكفارة: ۲/۴۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد: ۲/۴۸۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مايفسد الصوم مع كفارته: ۲/۲۵۹، رشيديه)

منقطع کرانا ضروری ہے۔ دونوں کی علیحدگی کرا دی جائے، جن لوگوں نے زید کے پیچھے نماز پڑھی ہے ادا ہوگئی، جب تک زید پکی توبہ نہ کرے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فدیہ کتنے مال سے دیا جائے؟

سوال[١٠٥٥٣]: فدیہ ترکہ مال کی کس مقدار سے دیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک تہائی ترکہ سے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اگر قلت مال سے فدیہ پورا نہ ہو سکے تو.....

سوال[١٠٥٥٤]: اگر مقدار سے ادا نہ ہو سکے تو پھر کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ورثاء کے ذمہ واجب نہیں، اگر بالغ ورثاء اپنا اپنا حصہ بطیب خاطر فدیہ میں دے دیں تو

---

(۱) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار) "قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: بل كراهة تقديمه كراهة تحريم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، قديمي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة: ۱/۱۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وإذا أوصى بملك يعتبر من الثلث". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، ص: ۶۸۲، قديمي)

تبرع ہوگا، نابالغ کا نہ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مرضِ وفات کے روزوں کا فدیہ

سوال [۱۰۵۵۵]: مرض الوفات کے روزہ کا فدیہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الوفات کے روزوں کا فدیہ واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رمضان کے متعدد روزوں کی قضاء کا طریقہ

سوال [۱۰۵۵۶]: زید نے قضائے عمری کے روزوں کی نیت اس طرح کی کہ "میرے جو روزہ قضاء ہوئے وہ رکھ رہا ہوں" اسی طرح نیت کرکے سب کے سب رکھ لیے، کیا یہ درست ہوئے یا نہیں؟ جب کہ مسئلہ شاید یوں ہے کہ نیت یوں کرے کہ پہلے سال کے رمضان کی قضاء، دوسرے تیسرے کی قضاء رکھ رہا ہوں علی الترتیب۔

---

(۱) "فلو زادت الفدية على الثلث لا يجب الزائد إلا بإجازة الوارث" (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۲۴، سعيد)

"ولا يجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۴۰، رشيديه)

(۲) "(فإن ماتوا فيه) أي: في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم الوصية بالفدية، لعدم إدراكهم عدة من أيام أخر" (الدرالمختار، كتاب الصوم: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السابع: ۲/۲۹۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعیین کرلیتا، تو بلا اختلاف یہ قضاء درست ہوجاتی ہے(۱)، اب بلا تعیین روزے پورے کرلئے، تب بھی ایک قول پر درست ہوگئے، بحوالہ خلاصہ مراقی الفلاح میں اس قول کو بھی صحیح لکھا ہے، دوبارہ قضاء رکھنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "وأما القسم الثاني: وهو ما يشترط له ... تعين النية وتبييتها فهو قضاء رمضان، وقضاء ما أفسده من نفل، وصوم الكفارات بأنواعها، والنذر المطلق". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، ص: ٦٤٥، قديمي)

"ولو وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد، الأولى أن ينوي أول يوم وجب عليّ قضاءه من هذا الرمضان". (فتح القدير، كتاب الصوم: ٢/٣١٦، عثمانيه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ٢/٣٨٠، سعيد)

(٢) "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أو آخره. وكذا الصوم من رمضانين على أحد تصحيحين مختلفين صحح الزيلعي: لزوم التعيين وصحح في الخلاصة: عدم لزوم التعيين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، ص: ٤٤٦، قديمي)

"ولو وجب عليه قضاء يومين من رمضان واحد، الأولى أن ينوي أول يوم وجب عليّ قضاءه من هذا الرمضان، وإن لم يعين الأول جاز. وكذا لو كانا من رمضانين على المختار، حتى لو نوى القضاء لا غير جاز". (فتح القدير، كتاب الصوم: ٢/٣١٦، عثمانيه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثاني: ١/٢٥٢، رشيديه)

فصل في التسحر والإفطار

(سحری اورافطار کا بیان)

افطار کے بعد اذان دینا

سوال[۱۰۵۵۷]: رمضان میں اذان مغرب افطار سے قبل دی جائے یا افطار کے بعد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افطار کرکے اذان دی جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۵ھ۔

افطار، غروب پر یا اذان پر؟

سوال[۱۰۵۵۸]: رمضان یا اس کے علاوہ روزوں میں افطار غروب آفتاب پر موقوف ہے یا اذان مغرب پر بعض لوگ باوجود غروب ہونے کے افطار نہیں کرتے اور اس کے لئے اذان کو شرط جانتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غروب متحقق ہوجانے پر افطار کا وقت ہوجاتا ہے، اذان پر موقوف نہیں(۲)، لیکن عموماً لوگ غروب کا

---

(۱) "عن سهل رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب الفصل الأول: ۱/۱۷۵، قديمي)

"ويستحب له ثلاثة أشياء: ... لقوله عليه السلام: "ثلاث من أخلاق المرسلين: تعجيل الإفطار وتأخير السحور ..."". (مراقي الفلاح، كتاب الصوم، قبيل فصل في العوارض، ص: ۶۸۳، قديمي)

"وتعجيل الإفطار أفضل فيستحب أن يفطر قبل الصلاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثالث: ۱/۲۰۰، رشيديه)

(۲) "وعن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أقبل الليل من =

اندازہ نہیں کرتے یا اذان غروب پر ہی ہوتی ہے، اس لئے اذان پر افطار کی عادی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۹۵ھ۔

ایضاً

سوال [۱۰۵۵۹]: کیا روزہ افطار کرنے کے لئے غروب آفتاب شرط ہے یا اذان؟ جب کہ پچاس فٹ اونچے بانس پر لال بتی کا انتظام کیا گیا ہے، جس کو دیکھ کر روزہ افطار کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

روزہ افطار کرنے کے لئے دن کا ختم ہونا اور رات کا شروع ہوجانا ضروری ہے اور یہ چیز آفتاب غروب ہونے سے ہوتی ہے(۱) ﴿ثم أتموا الصيام إلى الليل﴾(۲) اور اذان غروب آفتاب سے پہلے درست نہیں (۳)، بعض جگہ غروب سے کچھ وقت کے بعد ہوتی ہے، بعض مقامات پر سرخ بتی بھی غروب پر روشن کی جاتی ہے، لیکن اگر غروب محقق ہوجائے اور سرخ بتی روشن نہ ہو تو اس کی وجہ سے افطار کو مؤخر کرنے

= ههنا، وأدبر النهار من ههنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم، باب الفصل الأول: ١/ ١٧٥، قديمي)

"إذا وجدت الظلمة حسا من جهة المشرق، فقد ظهر وقت الفطر، أو صار مفطراً في الحكم: لأن الليل ليس ظرفاً لصوم". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ٢/ ٣٧١، سعيد)

"ولا يفطر مالم يغلب على ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن". (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ٢/ ٥١٢، رشيديه)

(١) تقدم تخريجه تحت عنوان: "افطار غروب پر کیا جائے یا اذان پر"۔

(٢) (البقرة: ١٨٧)

(٣) "وأما بيان وقت الأذان والإقامة، فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لايجزيه، ويعيده في الصلوات كلها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ١/ ٢٥١، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يؤذن قبل وقت ويعاد فيه". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/ ٤٥٤، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/ ٢٥٣، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۹/ ۱۳۹۹ھ۔

غروب سے پہلے چاند دیکھ کر روزہ توڑنا

سوال[۱۰۵۲۰]: تیسواں چاند اگر وقت افطار سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قبل نظر آجائے تو روزہ توڑ دینا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں نے یہ کہہ کر روزہ توڑ دیا ہے، ایسے لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند اگر غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل نظر آجائے، تب بھی غروب تک روزہ پورا کرنا لازم ہے، غروب سے پہلے روزہ توڑنا اور دوسروں کا روزہ تڑوانا حرام ہے۔

"ورؤيته بالنهار لليلة الآتية اهـ" بحط (الدرالمختار مع هامش الشامي: ۲/ ۱۹۵، نعمانية(۱) تحفة: ۲/ ۱۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا

سوال[۱۰۵۲۱]: جن لوگوں نے ۳۰ روزے پورے کئے ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثبوت رؤیت نہ ہونے کی بناء پر جنہوں نے یہ عمل کیا، صحیح کیا۔

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/ ۳۹۲، سعید)

"نعم، لو روي التاسع والعشرين بعد الزوال كان كرؤيته ليلة الثلاثين اتفاقاً". (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/ ۴۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني: ۲/ ۳۶۸، قديمي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم: ۱۹۸/۱، رشيديه)

"كما مر من الدرالمختار: "شرط لفطر" الخ(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

افطاری کے بعد کلی کرنا

سوال[۱۰۵۶۲]: کیا افطاری کے بعد نماز میں شرکت کے لئے کلی کرنا ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسی چیز کھائی ہے کہ اس کے اجزاء منہ میں باقی ہیں، تو کلی کرلی جائے، ورنہ اگر عین نماز کی حالت میں وہ اجزاء اندر چلے گئے، تو فساد نماز کا خطرہ ہے(۲)، اگر ایسی چیز نہیں کھائی، تو یہ خطرہ نہیں، تاہم کلی کرلینا اعلیٰ

(۱) "وشرط للفطر مع العلة، والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد ... وقبل بلاعلة جمع عظيم يقع العلم الشرعي بخبرهم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۶-۳۸۸، سعيد)

"(قوله لزم سائر الناس) في سائر أقطار الدنيا إذا ثبتت عندهم الروية بطريق موجب كان يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، ص: ۵۴۱، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني: ۱/۱۹۸، رشيديه)

(۲) "ويفسدها أكل ما بين أسنانه إن كان كثيراً، وهو قدر الحمصة، ولو بعمل قليل لإمكان الاحتراز عنه بخلاف القليل بعمل قليل؛ لأنه تبع لريقه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ص: ۳۲۴، قديمي)

"إذا كان بين أسنانه شيء من الطعام فابتلعه إن كان قليلاً دون الحمصة لم تفسد صلاته، إلا أنه يكره، وإن كان مقدار الحمصة فسدت. كذا في السراج الوهاج ناقلا عن الفتاوى ... ولو أكل شيئا من الحلاوة، وابتلع عينها فدخل في الصلاة، فوجد حلاوتها في فيه، فابتلعها لا تفسد صلاته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع: ۱/۱۰۳، رشيديه)

"وأكله وشربه مطلقاً إلا إذا كان بين أسنانه مأكول دون الحمصة كما في الصوم هو الصحيح =

بات ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۰/۹/۹۵ھ۔

رمضان میں غروب کی کتنی دیر بعد جماعت کھڑی ہو،اکابر کے معمولات

سوال[۱۰۵۶۳]: رمضان میں غروب کے بعد نماز جماعت میں کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی منٹ تاخیر کی گنجائش ہے، یعنی افطار کے لئے کتنے منٹ نکالے جائیں، یہاں برطانیہ میں افطار کے بعد نماز کے بارے میں اکثر جگہوں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، بعض کہتے ہیں: مختصر افطاری کر کے نماز کھڑی کردی جائے، بعض کہتے ہیں: حسبِ خواہش افطاری کرنی چاہیے، لہٰذا اس سلسلے میں اپنے اکابر خصوصاً حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت مدنی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے معمولات میں ہے: "رمضان میں روزانہ عموماً مدرسہ میں مہمانوں کے ساتھ افطار فرماتے ہیں اور اذان، اول وقت، ٹھیک وقت پر ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ افطار کر کے ہاتھ دھو کر کلی کر کے بطمانینت وسکون نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اذان اور جماعت کے درمیان اتنا وقت بخوبی ہوتا ہے کہ کوئی چاہے تو اطمینان سے وضو کرے اور تکبیر اولیٰ نہ جائے، اہل محلہ اپنے گھروں میں افطار کر کے بخوبی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے ہیں" ۔اھ (معمولات اشرفیہ، اکابر کا رمضان، ص:۳۰)(۲)۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے معمولات میں ہے: "۸-۱۰ منٹ اس افطار میں لگ جاتے ہیں۔اھ" (اکابر کا رمضان، ص:۴۲)(۳)۔

= قاله الباقاني". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۲۲، سعيد)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده. رواه الترمذي وابوداود". (مشكاة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الثاني: ۲/۳۶۲، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأطعمة، باب غسل اليد قبل الطعام: ۲/۱۷۲، رحمانيه)

(شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة وضوء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ)

(۲) (حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کے معمولات رمضان، ص:۳۴، مکتبۃ الشیخ)

(۳) (ص: ۴۹، مكتبة الشيخ)

حضرت سہارنپوری کے معمولات میں ہے: "تقریباً دس منٹ کا فصل ہوتا تھا تاکہ اپنے گھروں سے افطار کرکے آنے والے نماز میں شریک ہوسکیں"۔ (اکابر کا رمضان، ص:۹۲)(۱)۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحب کے معمولات میں ہے: "حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے دور میں مغرب کی اذان خود کہنے کا بہت معمول تھا۔ اس میں جہری الصوت اور نہایت طویل اذان کا معمول تھا، وہ (مولانا یحییٰ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وجہ سے اہتمام کرتا تھا کہ اطمینان سے لوگ اپنے اپنے گھروں سے فارغ ہوکر آجائیں، دور تک آواز پہونچتی رہے، میری اذان کے درمیان بہت اطمینان سے آدمی افطار سے فارغ ہوسکتا ہے۔ اور اذان کے بعد اپنے گھر سے چلے تو حضرت قطب عالم ربانی قدس سرہ کے یہاں تکبیر اولیٰ میں شریک ہوسکتا ہے۔ حضرت قطب عالم قدس سرہ کے یہاں نصف النہار سے گھڑیوں سے وقت ملانے کا بہت اہتمام تھا، والد صاحب فرماتے تھے کہ میں غروب سے ایک دو منٹ پہلے خانقاہ کی چھت پر چلا جایا کرتا تھا، خود روزہ کے دو چار سپے توڑ کر ان کو چبا کر ان سے افطار کرکے اذان شروع کردیتا تھا اور بہت ہی زور اور اطمینان سے اذان کہا کرتا تھا"۔ (اکابر کا رمضان، ص:۹۳)(۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۵ھ۔

☆…☆…☆…☆…☆

---

(۱) (ص:۸۱، مکتبۃ الشیخ)

(۲) (معمولات حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، ص:۳۰، مکتبۃ الشیخ)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

عشرہ اخیر کے اعتکاف کے لئے کیا صوم شرط ہے؟

سوال [١٠٥٦٤]: ایک شخص رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے مگر ایک دن بھول سے صبح ہوجانے پر سحری کھالی رات سمجھتے ہوئے، اب دن غروب ہونے پر افطار کرتا ہے تو واجب اعتکاف کے اندر خلل تو واقع نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اعتکاف کے لئے صوم شرط نہیں۔

"والصوم شرط لصحة الاعتكاف المنذور اهـ" (طحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٥٧٨)(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٩/٥/٩٥ھ۔

کیا اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے؟

سوال [١٠٥٦٥]: رمضان شریف میں ایک عشرہ کا تین روز کا اعتکاف فرض کفایہ مسجد میں کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ ایک شخص مسجد کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ مسجد میں کپڑے بھی خراب ہوسکتے ہیں، ہوا بھی

---

(١) (كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ٧٠١، قديمي)

"وشرط الصوم لصحة الأول (أي: المنذور) اتفاقاً" (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/٤٤٢، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/٥٢٢، رشيدية)

خارج ہوسکتی ہے، مسجد کے علاوہ بھی دوسری جگہ اعتکاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کے نیچے کا حصہ جس کو تحت الثری بولتے ہیں، اس میں اعتکاف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں لیٹنا، بیٹھنا جانوروں کا باندھنا کیسا ہے؟

ماسٹر مقصود علی امرولی بڑا گاؤں میرٹھ یوپی

الجواب حامداً ومصلياً:

رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض کفایہ نہیں، بلکہ سنت کفایہ ہے (۱) اور یہ مسجد ہی میں ہوتا ہے، خارج مسجد کسی مکان میں یا صحن مسجد سے الگ جہاں جوتے اتارتے ہیں، جو نماز کے لئے متعین نہیں ہے، وہاں درست نہیں (۲)، عورت البتہ اپنے مکان میں اعتکاف کرے گی (۳)، اگر مسجد میں اعتکاف کی حالت میں بدن ناپاک ہوجائے، کپڑے خراب ہوجائیں، تو مسجد سے باہر جاکر پاکی حاصل کرلے (۴)، اعتکاف کی

---

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي: سنة كفاية، كما في البرهان". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۰، قديمى)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ (البقرة: ۱۸۷)

"أنه لايصح الاعتكاف إلا في المساجد". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۲۸۰، رشيديه)

"والكون في المسجد والنية من مسلم ..... شرطان". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۰، قديمى)

(۳) "وللمرأة الاعتكاف في مسجد بيتها". (مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۶۹۹، قديمى)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۳، رشيديه)

(۴) "ولا يخرج منه إلا لحاجة شرعية، أو حاجة طبيعية، كالبول والغائط، وإزالة النجاسة، واغتسال من جنابة باحتلام". (مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۲، قديمى)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل السادس في الاعتكاف: ۱/۲۶۷، رشيديه) =

حالت میں وہاں کھانا، پینا، سونا سب درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۳/۹۵ھ۔

اعتکاف میں استثناء کرنے کا حکم

سوال[۱۰۵۲۶]: کیا معتکف اجتماعات میں شریک ہونے کو اور دینی خدمات میں شرکت کو، نیت کرتے وقت مستثنیٰ کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بذریعہ نذر اعتکاف کو اپنے اوپر لازم کرتے وقت اگر شرکت اجتماع کو مستثنیٰ کرلے، تو پھر شرکت کے لئے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

"ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلوة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك اه" (عالمگیری: ۱/۲۱۲)(۲)۔ واللہ أعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۹۵ھ۔

پورے رمضان کا اعتکاف کرنا

سوال[۱۰۵۲۷]: پورے رمضان میں اعتکاف کرنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے پورے رمضان شریف اعتکاف کرلیا ہو تو اس کا ثواب ہوگا یا نہیں؟ حدیث سے دس روز ثابت ہے اور جو چیز ثابت نہ ہو اس کو ثواب سمجھ کر

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۶، رشيديه)

(۱) "(قوله: وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه) يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۲، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۲، قديمی)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف: ۲/۳۱۲، قديمی)

کرنا کیسا ہے؟ مکمل جواب مع دلائل کے تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخیر دس روز کا اعتکاف ماہ رمضان میں سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱)، پورے ماہ کا اعتکاف بھی لیلۃ القدر کی تلاش میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، بیس روز کا بھی ثابت ہے، پس پورے رمضان کا اعتکاف کرنا بھی موجب ثواب ہوگا، بدعت نہیں ہوگا۔

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله، ثم اعتكف أزواجه من بعده" متفق عليه. مشكوة: ١/١٨٣ (٢).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان يعرض على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم القرآن كل عام مرة، فعرض عليه مرتين في العام الذي قبض، وكان يعتكف كل عام عشراً فاعتكف عشرين في العام الذي قبض" رواه البخاري. مشكوة: ١/١٨٣ (٣).

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله

---

(١) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي: سنة كفاية". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٢/٤٤٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ١/٢١١، رشيدية)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ٧٠٢، قديمي)

(٢) (كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ١/١٨٣، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الاعتكاف: ١/٣٧١، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الاعتكاف في العشر الأواخر: ١/٢٧١، قديمي)

(٣) (كتاب الصوم، باب الاعتكاف، الفصل الأول: ١/١٨٣، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الاعتكاف في العشر الأوسط: ١/٢٧٤، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الصوم، باب أين يكون الاعتكاف: ١/٣٤٥، رحمانية)

تعالى عليه وسلم اعتكف العشر الأول من رمضان، ثم اعتكف العشر الأوسط في قبة تركية، ثم أطلع رأسه فقال: إني اعتكفت العشر الأول ألتمس هذه الليلة، ثم اعتكفت العشر الأوسط ثم أتيت فقيل لي إنها في العشر الأواخر، فمن كان اعتكف معي، فليعتكف العشر الأواخر ... متفق عليه اهـ" (مشكوة شريف)(١)۔

ہاں! اس کو سنت مؤکدہ کہنا صحیح نہیں ہوگا، جیسے کوئی شخص تہجد کی نماز اتنی ہی رکعات پڑھے، جتنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ان کو سنت مؤکدہ علی الکفایہ تصور کرے، پھر اس سے زیادہ پڑھے حتی کہ ساری رات پڑھتا رہے، تو اس کو بدعت یا ناجائز نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کا یہ پڑھنا موجب اجر وثواب ہوگا۔ اور ایسا کرنا بکثرت صحابہ وائمہ سے ثابت ومنقول بھی ہے(٢)۔ اگر ایک ماہ کا اعتکاف قربت نہ ہوتا تو اس کی نذر بھی درست نہ ہوتی، حالانکہ فقہاء نے تصریح کی ہے، ایک ماہ رمضان المبارک کے اعتکاف کی نذر صحیح ہے، ایک ماہ کی نذر کرے یا کم وبیش کی۔

"فلو نذر اعتكاف شهر رمضان لزمه، وأجزأه صوم رمضان عن صوم

---

(١) (كتاب الصوم، باب ليلة القدر، الفصل الأول: ١/١٨١، ١٨٢، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصوم، باب التمسوا ليلة القدر: ١/٢٧٠، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الصوم، باب فضل ليلة القدر: ١/٣٧٠، قديمي)

(٢) "كان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، إذا هدأت العيون قام فيسمع له دوي كدوي النحل، حتى يصبح.

وإن سفيان الثوري رحمه الله تعالى شبع ليلة فقال: إن الحمار إذا زيد في علفه زيد من عمله، فقام تلك الليلة، حتى أصبح.

وكان طاوس رحمه الله تعالى إذا اضطجع على فراشه يتقلى عليه كما تتقلى الحبة على المقلاة، ثم يثب، ويصلي إلى الصباح.

وكان أبو حنيفة يحيي نصف الليل فمر لقوم فقالوا: إن هذا يحيي الليل كله. فقال: إني استحيي أن أوصف بما لا أفعل، فكان بعد ذلك يحيي الليل كله.

وقيل: حج مسروق فما بات ليلة إلا ساجداً. الخ". (إحياء علوم الدين، كتاب الأذكار والدعوات، فضيلة قيام الليل: ١/٤٥٢-٤٥٣، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الاعتکاف، وإن لم یعتکف قضی شهراً غیره بصوم مقصود اهـ" الدر المختار مع هامش الشامي نعمانیه: ۲/ ۱۳۰، ۱۳۱ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۱۱/ ۹۲ھ۔

اعتکاف میں بیڑی پینا

سوال [۱۰۵۲۸]: ۱...حالت اعتکاف میں مسجد کے اندر بیڑی پینا جائز ہے یا نہیں؟

۲...اگر جائز ہے، تو کراہت کے ساتھ جائز ہے یا بغیر کراہت کے؟

۳...اس سے پہلے مفتی صاحب فتویٰ دے چکے ہیں کہ قضاء حاجت کے وقت بیڑی وغیرہ پی کر منہ کو مسواک سے خوب صاف کر کے مسجد میں داخل ہو، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قضائے حاجت تو صرف زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ ہوسکتا ہے اور بیڑی پینے کی ضرورت دس مرتبہ ہوتی ہے، تو یہ دس مرتبہ کہاں استعمال کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...منع ہے (۲)۔

---

(۱) (کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۴۴۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۵۲۵، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصوم، باب الاعتکاف ۲/ ۲۷۹، رشیدیه)

(۲) "وعن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أکل من هذه الشجرة المنتنة، فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس". متفق علیه.

(قوله: المنتنة) أي: الثوم، یقاس علیه البصل والفجل وماله رائحة کریهة، کالکراث". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ۲/ ۴۱۲، رشیدیه)

"یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة لقوله علیه السلام: من أکل الثوم والبصل والکراث، فلا یقربن مسجدنا الخ". (الحلبي الکبیر، أحکام المساجد، ص: ۲۱۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وکره تحریما وأکل نحو ثوم ویمنع منه، وکذا کل مؤذ ولو بلسانه". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/ ۶۶۱، ۶۶۲، سعید)

۲.....مکروہ تحریمی ہے(۱)۔

۳.....مسجد میں ہرگز نہ پڑے(۲)، جب سب مرغوبات کو ترک کیا ہے، تو اس سے بھی صبر کرے، اعتکاف کا مقصد بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ صبر کی عادت پیدا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۹۲ھ۔

معتکف کا بلا عذر شرعی وطبعی حدودِ مسجد سے نکلنا

سوال[۱۰۵۱۹]: رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کرنے والا اگر بغیر عذر شرعی وطبعی مسجد کی حد سے کچھ دیر کے لئے باہر چلا جائے تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگا یا نہیں؟ کیا اس مسئلہ میں اس زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح قرار دیا ہے(۳)، مگر صاحب

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "ولا يتم مبنى هذا الاستحسان، فإن الضرورة التي يناط بها التخفيف هي الضرورة اللازمة أو الغالبة الوقوع، ومجرد عروض ماهو ملجئ ليس بذلك ..... ولو سلم أن القليل غير مفسد لم يلزم تقديره بما هو قليل بالنسبة إلى مقابله من بقية تمام يوم أو ليلة، بل بما يعد كثيراً في نظر العقلاء الذين فهموا معنى العكوف، وأن الخروج ينافيه". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۰۲، عثمانيه)

اوراسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں بھی اس کی تائید ملتی ہے:

"وقد أطال في تحقيق ذلك كما هو دأبه في التحقيق رحمه الله تعالى . وبه علم أنه لم يسلم كونه استحساناً حتى يكون مما رجح فيه القياس على الاستحسان كما أفاده الرحمتي، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۷، سعيد)

"ورجح المحقق في فتح القدير قوله؛ لأن الضرورة التي يناط بها التخفيف اللازمة أو الغالبة وليس هنا كذلك ..... بما قررناه. ظهر القول بفساده الخ". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۹-۵۳۰، رشيديه)

ہدایہ کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کا قول راجح ہے (۱)، اس لئے اس مسئلہ میں نزاع نہیں چاہیے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اورع ہے اور صاحبین کا قول اوسع ہے (۲)، صراحۃً فتویٰ کسی مذہب پر نہیں دیکھا، صرف قیاس واستحسان کے لفظ سے ترجیح معلوم ہوتی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال [۱۰۵۰۱]: اگر مذکورہ مسئلہ میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہے تو اس کے بعد بھی ایسے عالم کے لئے جو مفتی نہ ہو، یا گنجائش رکھتی ہے کہ وہ خود بھی صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرے اور دوسرے عوام کو بھی صاحبین کے قول پر عمل کو کہے اور امام صاحب کے قول کو چھوڑ دے، اس کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ جب کہ شرح عقود رسم المفتی ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص: ۲۷ پر تحریر فرمایا ہے:

"والمرجوح في مقابلة الصحيح كالعدم"

اس کے بعد لکھا ہے:

---

(۱) صاحب ہدایہ راجح قول کو آخر میں ذکر کرتے ہیں اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو بھی آخر میں ذکر کیا ہے، اس لئے وہی راجح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

"ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، لوجود المنافي وهو القياس. وقالا: لا يفسد حتى يكون أكثر من نصف يوم، وهو الاستحسان لأن في القليل ضرورة". (الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۲۹، رحمانية)

(۲) "فإن خرج من المسجد لغير عذر فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة، وإن كان ساعة. وعند أبي يوسف ومحمد لا يفسد حتى يخرج أكثر من نصف يوم. قال محمد رحمه الله تعالى: قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى أقيس، وقول أبي يوسف أوسع". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۲۸۲، رشيدية)

(وكذا في تحفة الفقهاء، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۳۷۴، موقع يعسوب)

(۳) اوپر حاشیہ نمبر ۱ کے تحت ملاحظہ ہو۔

"اعلم أن من يكتفي بأن يكون فتواه أو عمله موافقاً لقول أو وجه في المسئلة، ويعمل بما شاء من الأقوال والوجوه من غير نظر في الترجيح فقد جهل وخرق الإجماع"(۱)۔

براہ کرم حوالے سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اب اس کے جواب کی خاص ضرورت باقی نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

معتکف کا تبلیغی اجتماع میں شرکت کرنا

سوال[۱۰۵۷۱]: کیا معتکف تبلیغی اجتماعات میں تقریر وغیرہ کرنے کے لئے شریک ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس کی شرکت کے بغیر اجتماع کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جن حوائج طبعیہ شرعیہ کے لئے معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، اس میں شرکت اجتماع نہیں (۲)، اس لئے اس کا اعتکاف ختم ہو جائے گا (۳)، یہ اور بات ہے کہ اس کی وجہ سے اس سے باز پرس نہ ہو

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، مطلب: يجب اتباع الراجح ولا يجوز العمل ... ، ص: ۲۲، ۲۳، دار الكتاب كراچی)

(۲) "وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط ... أو شرعية كعيد وأذان لو مؤذناً، وباب المنارة خارج المسجد والجمعة". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۴، سعيد)

"ولا يخرج المعتكف من المسجد إلا لحاجة لازمة شرعية، كالجمعة أو لحاجة طبعية، كالبول والغائط". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل السادس: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۲، قديمي)

(۳) "فإن خرج ساعة بلا عذر معتبر فسد". (مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۳، قديمي)

اور اس کو گنہگار قرار نہ دیا جائے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۹۵ھ۔

معتکف کا جامع مسجد میں جمعہ کے لئے جانا

سوال [۱۰۵۷۲]: ایک مسجد میں تین آدمی اعتکاف میں بیٹھے ایک ساتھ، اب الوداع جمعہ آیا اور یہ اعتکاف کی مسجد جامع مسجد سے دوسرے محلہ میں تھی اور جامع مسجد کا محلہ دوسرا ہے اور یہ تینوں معتکف اس مسجد سے جامع مسجد گئے نماز جمعہ کے لئے، اس میں سے ایک آدمی جامع مسجد کا پیش امام ہے، اس نے جاتے ہی ایک آدمی سے عام آدمیوں کے سامنے پوچھا کہ گھڑی میں چابی دی گئی ہے یا نہیں؟ اور نماز عید کے بارے میں ٹائم معلوم کرنے کو عام آدمیوں کے سامنے کچھ باتیں کیں اور قریب بیس منٹ کچھ دین کی باتیں بھی بیان کیں، حالانکہ دین کی باتیں اور گھڑی میں چابی یہ سب پیش امام ہی ہر جمعہ کو دیتا رہا ہے، اب علماء دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ اور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع امت کا کیا حکم ہے اس مسئلہ میں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس صورت میں ان لوگوں کا اعتکاف فاسد نہیں ہوا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۲ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۹، رشيديه)

(۱) "وبما قررناه ظهر القول بفساده إذا خرج لانهدام المسجد ... أو خرج لجنازة، وإن تعينت عليه، أولنفير عام ... نعم الكل عذر مسقط للإثم". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۹، رشيديه)

"وإن خرج بعذر يغلب وقوعه وهو مامر لاغير لايفسد. وأما ما لايغلب كانجاء غريق وانهدام مسجد فمسقط للإثم لا للبطلان". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۷، سعيد)

"إلا أنه لا يأثم إذا كان الخروج بعذر". (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل السادس: ۱/۲٦۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۳، قديمى)

(۲) "ولو أقام في الجامع أكثر من ذلك لم يفسد اعتكافه؛ لأنه موضع الاعتكاف إلا أنه يكره". =

معتکف کا خارج مسجد سے ہوکر اذان کے لئے جانا

سوال[۱۰۵۷۳]: معتکف مسجد کے زینہ پر سے جوکہ مسجد سے خارج ہے، اذان کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۵۲۷/۲، رشيديه)

"ولو مكث أكثر لم يفسد؛ لأنه محل له، وكره تنزيهاً لمخالفة ما التزمه بلاضرورة". (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۶/۲، سعيد)

"ولا يخرج منه إلا لحاجة شرعية، ثم يعود، وإن أتم اعتكافه في الجامع صح، وكره". (مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۲، قديمي)

(۱) "وفي فتاوى قاضي خان والولوالجية: وصعود المئذنة إن كان بابها في المسجد لا يفسد الاعتكاف، وإن كان الباب خارج المسجد فكذلك في ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۵۲۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۴۴۵/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع: ۲۱۲/۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل السادس: ۲۶۹/۱، رشيديه)

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

کیا استطاعت کے بعد اکیلا ہونا عذر ہے؟

سوال [۱۰۵۷۴]: ۱..... کوئی شخص حج کے قابل ہے لیکن نہیں جاسکتا اکیلے ہونے کی وجہ سے، اگر وہ اس روپیہ کو مدرسہ اور غریب پر تقسیم کردے یا کسی مقروض آدمی کو دے تو ٹھیک ہے یا نہیں؟

نفلی حج کا ارادہ کرکے چوٹ لگنے کی وجہ سے معذور ہو جانا

سوال [۱۰۵۷۵]: ۲..... اسی طرح نفلی حج کے لئے ایک آدمی نے حج کا ارادہ کیا، اس کو چوٹ بہت لگ گئی، چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا، اگر وہ بھی اسی طرح تقسیم کردے تو ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جس کے ذمہ حج فرض ہے اور اکیلا ہونے کی وجہ سے نہیں جاسکتا، تو اس کو روپیہ بھی خرچ نہیں کرنا چاہیے(۱)، بلکہ ساتھی تلاش کرے، جب گھر سے نکلے گا تو امید ہے کہ اس کے ساتھی ایک نہیں کئی مل جائیں گے۔

---

(۱) رفیق نہ ملنا کوئی ایسا عذر نہیں کہ جس کی وجہ سے حج کو چھوڑ دیا جائے، البتہ ایک اچھے ساتھی کا ساتھ ہونا بہر حال بہتر ہے۔

"وينبغي ان يلتمس رفيقاً صالحاً عاقلاً ورعاً، سافر قبل ذلک، حسن الأخلاق، راغباً في الخير، كارهاً في الشر، معيناً له على الطاعة، رادعاً له عن المنكر والمعصية، وإن كان عالماً مع هذه الأوصاف فهو أولى" (إرشاد الساري الى مناسک الملا علي القاري، مقدمة، ص: ۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۱، رشيدية)

=

۲..... جو شخص نفلی حج کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کو چوٹ لگ گئی، جس کی وجہ سے سفر سے معذور ہو گیا، تو اس کو حق ہے کہ روپیہ غریبوں کو دے دے یا اپنی طرف سے کسی کو حج کے لئے بھیج دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۹۱ھ۔

غبن کے روپے سے حج اور کاروبار کرنا

سوال[۱۰۵۷۶]: زید دو سال قبل ملازم تھا، ملازمت خود ہی سے چھوڑ کر دو سال ہو گئے ہیں، زید کی ملازمت سات سال رہی۔

۱..... زید سے دورانِ ملازمت غبن (خرد برد) ہوا غبن میں زید اکیلا نہیں تھا، بلکہ کارخانہ کے اور لوگ بھی شریک تھے، دورانِ ملازمت زید نے غبن کا روپیہ جمع کر کے ایک دکان کھولی ہے، دکان تین سال تک زید کے دو بھائی چلا رہے تھے، اب زید خود بیٹھ کر کاروبار چلا رہا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے دکان اچھی چل رہی ہے، ہر سال زکوۃ بھی ادا کرتا ہے، اب کچھ روپیہ جمع ہو گیا ہے اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے، حج کو جا سکتا ہے یا نہیں؟ اب حرام کمائی سے دکان کھولی ہے، جو رقم جمع ہو رہی ہے، کھانے پینے، کپڑوں میں استعمال ہو رہی ہے۔

زید کا یہ خیال ہے کہ حرام روپیہ غبن کیا ہوا روپیہ سے جو دکان کھولی ہے، جتنا بھی روپیہ غبن کیا ہے، پورا

= (وكذا في غنية الناسک، باب ماينبغي لمريد الحج ... الخ، ص: ۲۰، إدارة القرآن كراچي)

(۱) حج فرض ادا کرنے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ صدقہ کرے یا حج نفل، لیکن فقہاء نے صدقہ کو ترجیح دی ہے اور خاص کر جہاں فقراء کو زیادہ ضرورت ہو۔

"قال الشيخ العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً، وإذا كان الفقير مضطراً ... أفضل من حجات وعمر وبناء ربط".

(ردالمحتار، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۲/ ۶۲۱، سعيد)

"قلت: قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لما يلزم الحاج غالباً من ارتكاب المحظورات، ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات، وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات، ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات، وبتعدى النفع تتضاعف الحسنات، ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب المناسک، باب المتفرقات: ۲/ ۵۷۲، إدارة القرآن كراچي)

کا پورا کسی صورت سے کارخانہ میں جمع کرادینا چاہتا ہوں، پوری کی پوری رقم یکمشت ادا نہیں کرسکتا، کاروبار پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ زید کا خیال ہے کہ اس چند دو سال تھوڑا تھوڑا روپیہ کارخانہ کو واپس کردینا چاہتا ہوں۔ زید کا خیال یہ بھی ہے کہ [illegible] کی رقم ابتدائی [illegible] کارخانہ وقفہ وار اندازہ میں رقم واپس کردے تو وہ اس کی ابتدائی رقم حلال ہوگی یا نہیں؟

۲ [illegible] پورا کا پورا واپس ہونے تک زید حج کو جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳ زید کارخانہ میں رقم جمع [illegible] دینی ادارے کو دے [illegible] یہ خاموش ہے، کون سا عمل بہتر ہے؟ (فتوی و تقوی دونوں پہلو سے)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حق العبد مقدم ہے، پہلے اس کو ادا کرنا چاہیے(۱)، جو کہ روپیہ قرض لے کر حج کرے تو یہ زیادہ اچھا ہے، اس لئے کہ حج تو اس پیسے سے کرے گا(۲)۔ جتنا روپیہ غبن کیا تھا اس کو واپس کرنا لازم ہے، اب اس کو اپنے اوپر بطور قرض تصور کر یا جائے اور [illegible] روپیہ جس سے لیا ہے اس کو واپس کردے(۳)۔ دینی اداروں میں دینا

---

(۱) "قوله: لتقدمه حق العبد: أي مقدم من الشرع لا تهاونا بحق الشرع، بل لحاجة العبد، وعدم حاجة الشرع. ألا ترى أنه إذا اجتمعت الحدود، وفيها حق العبد يبدأ بحق العبد لما قلنا، ولأنه ما من شيء إلا ولله تعالى فيه حق، فلو قدم حق الشرع عند الاجتماع بطل حقوق العباد. كذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد: ۲/۴۶۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۹/۲۴۴، عثمانيه)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۷۹، قديمي)

(۲) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله. كذا في فتاوى قاضي خان في المتفرقات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، مقدمة، ص: ۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الحج، فصل في المتفرقات: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(۳) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد) =

کافی نہیں، یکدم نہیں کرسکتا تو آہستہ آہستہ دے، مگر پورے روپیہ کی واپسی لازم ہے۔ کارخانہ والوں سے صاف صاف کہہ دے اور قسط وار ادا کرنے کا معاملہ کرلے، ورنہ شاید ادا کرنے کی نوبت نہ آئے، نفس رکاوٹ ڈال دے۔ تقویٰ تو یہ ہے کہ ہر قسم کی تنگی برداشت کرکے روپیہ واپس کردے، یہ نہ سوچے کہ سب روپیہ ایک دم واپس کرنے سے کاروبار پر اثر پڑے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۴/۹۱ھ۔

حج مقبول ومبرور میں فرق

سوال[۱۰۵۷۷]: حج مبرور اور حج مقبول میں کیا فرق ہے؟ حج مقبول ومبرور دونوں مترادف الفاظ ہیں یا متضاد؟ اگر متضاد تو دونوں میں کیا فرق ہے؟ اور حج نفل مبرور اور مقبول ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقبول ومبرور کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، مبرور وہ جس میں کوئی جنایت نہ کی ہو جس سے دم یا کفارہ لازم آئے (۲)، مقبول جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (۳)، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنایت سے

= "والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۹۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر: ۵/ ۳۴۹، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ○ ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه﴾ (الطلاق: ۲، ۳)

وقال الله تعالى: ﴿ولو أن أهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السماء والأرض﴾ (الأعراف: ۹۶)

(۲) "هو (أي الحج المبرور) مالاجناية فيه". (فيض الباري، باب فضل الحج المبرور: ۳/ ۲۲۴، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"والمبرور الذي لا يخالطه إثم". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"فعلى هذا يخرج الحج من أن يكون مبروراً بارتكاب الجناية عمداً مرة بعد أخرى، وإن كفر =

باوجود قبول ہوجائے تو مقبول ہے مبرور نہیں ہے کبھی جنایت سے پاک صاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا، مثلاً: ناجائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے مقبول نہیں (۱)، مبرور ومقبول کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۴ھ۔

حجِ اکبر کی تشریح

سوال[۱۰۵۷۸]: حجِ اکبر کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

= عنهما صاحبها ومن فعل شيئاً مما يحكم بتحريمه، فقد أخرجه عن أن يكون مبروراً". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲۳/۳، رشيديه)

(۳) "ثم القبول قسمان الثاني: كون الشيء يترتب عليه من وقوعه عند الله جل ذكره موقع الرضا، ويترتب عليه الثواب والدرجات". (معارف السنن شرح جامع الترمذي، أبواب الطهارة: ۲۹/۱، سعيد)

"والقبول المترتب عليه الثواب". (الدرالمختار، كتاب الحج: ۴۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في العرف الشذي على هامش الجامع الترمذي، أبواب الطهارة: ۳/۱، سعيد)

(۱) "لايلزم من صحة العمل قبوله ووجود ثوابه لقوله تعالى: ﴿إنما يتقبل الله من المتقين﴾". (مرقاة المفاتيح، حديث النية المسمى بطليعة كتب الحديث: ۱۰۰/۱، رشيديه)

"فإنه لايقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولاتنافي بين سقوطه. وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارک الحج". (الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۱/۲، رشيديه)

(۲) "المبرور: المقبول. وقال غيره: الذي لايخالطه شيء من الإثم، وقال الطيبي: الأقوال التي ذكرت في تفسيره متقاربة المعنى" (فتح الباري، باب فضل الحج المبرور: ۳۸۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

"والمبرور الذي لايخالطه إثم، وقيل المتقبل". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب المناسک، الفصل الأول: ۴۲۲/۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرہ کو حج اصغر کہتے ہیں اور حج جس میں طواف نحر، حلق، رمی داخل ہے، اس کو حج اکبر کہتے ہیں(۱) اور سورہ توبہ کے شروع میں بھی ہے ﴿یوم الحج الأکبر﴾ (۲) اس کی تفسیر میں ابن زبیر اور ابن عباس، عطاء طاؤس ومجاہد نے کہا کہ مراد عرفہ کا دن ہے، کیونکہ بڑے ارکان اس دن ادا ہوتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نے کہا کہ یوم نحر مراد ہے(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو حج فرمایا، چونکہ اس دن یوم جمعہ واقع ہوا تھا، اس لئے اس حج کو جو جمعہ کے دن ہو، حج اکبر سے تعبیر کرنے لگے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "الحج الأکبر في عرف الحدیث هو الحج. وأما الحج الأصغر فالعمرة" (العرف الشذي علی هامش الترمذي، کتاب الحج: ۱/۱۸۹، سعید)

(وکذا في أحکام القرآن للجصاص، براءة: ۳/۱۲۰، قدیمی)

(وکذا في تفسیر الطبري، براءة: ۱۰/۴۹-۵۳، دارالمعرفة بیروت)

(۲) (التوبة: ۳)

(۳) "عن معقل بن داود قال: سمعت ابن الزبیر یقول یوم عرفة هذا یوم الحج الأکبر.

عن عکرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: یوم الحج الأکبر یوم عرفة. عن غالب بن عبیدالله قال: سألت عطاء عن یوم الحج الأکبر فقال: یوم عرفة. عن ابن جریج قال: أخبرني طاؤس عن أبیه قال: قلنا ما الحج الأکبر؟ قال: یوم عرفة.

حدثنا عبدالوهاب عن مجاهد قال: یوم الحج الأکبر یوم عرفة.

عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: وقف رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم النحر عند الجمرات في حجة الوداع فقال: هذا یوم الحج الأکبر". (تفسیر الطبري، التوبة: ۱۰/۴۹-۵۳، دارالمعرفة بیروت)

"قال العلامة نوح في رسالته المصنفة في تحقیق الحج الأکبر: قیل: إنه الذي حج فیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وهو المشهور، وقیل: یوم عرفة جمعة أو غیرها، وإلیه ذهب ابن عباس، ابن عمرو ابن الزبیر رضي الله تعالیٰ عنهم أجمعین". (ردالمحتار، باب الهدي، مطلب في الحج الأکبر: ۲/۶۲۳، سعید)

(۴) "إذا وافق یوم عرفة یوم جمعة غفر لکل أهل عرفة، وهو أفضل یوم في الدنیا، وفیه حج رسول الله =

کیا مکہ مکرمہ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال [۱۰۵۵۹]: ایک شخص مکۃ المکرمہ میں جائے اور وہاں جا کر اپنی طرف سے عمرہ کرے یا اپنے والدین یا کسی اور کی طرف سے عمرہ کرے تو اس پر حج واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس شخص نے ثواب کی نیت سے عمرہ کیا تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟ اور اگر اس نے والدین وغیرہ کی طرف سے عمرہ کیا تو والدین وغیرہ پر حج واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ مکۃ المکرمہ کی زیارت کی غرض سے جائے تو اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر حج فرض نہیں تھا اور وہ عمرہ کی غرض سے مکۃ المکرمہ پہنچ گیا، جب کہ حج کا زمانہ بھی قریب ہے تو اس کے ذمہ حج فرض ہو گیا ہے، چاہے اپنی طرف سے عمرہ کے لئے گیا ہو یا اپنے والدین کی طرف سے(۱)، اگر حج کا زمانہ قریب نہیں تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا(۲)، جو شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا تو محض

= صلى الله تعالى عليه وسلم حجة الوداع، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: أشهد لقد أنزلت في يوم عيدين اثنين: يوم عرفة ويوم جمعة على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو واقف بعرفة، قال العلامة نوح في رسالته المصنفة في تحقيق الحج الأكبر: قيل: إنه الذي حج فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو المشهور". (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في فضل وقفة الجمعة: ۲/۶۲۱-۶۲۲، سعيد)

(وكذا في إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الحج، الفصل الأول: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "اعلم أن الفقير إذا وصل إلى مكة أو الميقات، فقد صرحوا بوجوب الحج عليه". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج: ۲/۴۶۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۶۲، رشيدية)

(۲) "اعلم أن الفقير إذا وصل إلى مكة أو الميقات، فقد صرحوا بوجوب الحج عليه. لكن هل يشترط حصوله في أشهر الحج أولا، فمتى وصل وجب عليه؟ ومثله أهل مكة لم أجد تصريحاً فيه. وإطلاقهم الفقير إذا وصل إلى الميقات، وجب عليه يدل على عدم اشتراط أشهر الحج. وكذلك عبارة الطحاوي ظاهرة في ذلك واشتراطهم إدراك الوقت ظاهر، وصريح في اشتراط الأشهر في حقه ... والحاصل =

اس میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے ذمہ قربانی واجب نہیں ہوئی (۱)۔ اگر کسی نے روپیہ دے کر عمرہ یا حج بدل کے لئے بھیجا ہے اور خود اس کے پاس روپیہ اپنا نہیں ہے، تو یہ عمرہ یا حج اس شخص کی طرف سے کرے، اس پر حج فرض نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۱۳۹۹ھ۔

قرض لے کر حج کرنا

سوال [۱۰۵۸۰]: ایک شخص قرض چکانے کے بارگراں سے دبا ہوا ہے، لیکن اس کے پاس جائیداد اس قدر ہے کہ اس کو چکانے کے بعد بھی اتنا پس انداز ہوتا ہے کہ اس سے مصارف حج پورے ہوتے ہیں اور اس کے اہل وعیال جن کا کہ وہ سرپرست ہے اس کی غیر موجودگی میں اچھے ڈھنگ سے گزر بسر اوقات کرسکیں، نیز واپسی حج کے بعد وہ فارغ البال بھی رہے، کیا ایسے شخص پر حج بیت اللہ فرض ہے؟ اس سلسلہ میں یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ اگر وہ اپنے بارگراں کو بعد واپسی چکائے تو کیا درست ہے؟ چونکہ موجودہ حالات

= أن من اشترط إدراك الوقت يشترط على قوله وصوله في الأشهر، وعلى قول من لايشترط إدراك الوقت يجب عليه وإن وصل في غير الأشهر". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۴۵، ۴۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: [illegible]، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳، سعيد)

(۱) "في أجناس الناطفي: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: الموسر الذي له مائتا درهم، أو عرض يساوي مائتي درهم سوى المسكن والخادم والثياب الذي يلبس، ومتاع البيت الذي يحتاج إليه. هذا إذا بقي له إلى أن يذبح الأضحية". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الثاني: ۴/۳۰۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۵/۲۹۲، رشيدية)

(۲) "أن الصرورة الفقير لايجب عليه الحج بدخول مكة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل، ص: ۶۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۲، سعيد)

میں بالفرض محال اگر وہ اپنی جزو جائیداد ہی کو فروخت کرے گا تو وہ کم داموں میں فروخت ہوگی اور اغلب یہ ہے کہ فوری طور پر کوئی خرید نے کو آمادہ ہی نہ ہو، مدبران پبلک برا تصور کریں گے کہ فلاں اپنی زمین فروخت کرکے حج کو جارہا ہے، موجودہ زمانے کی روشنی میں اگر وہ احتیاطاً وصیت کرے کہ میرے جائز ورثاء میری جائیداد میں سے ایسی قرضہ جات ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، تو بعد ہی میں ادا کرنے میں کیا قباحت ہے، یعنی اس کی اقتصادی حالت اس کے سرمایہ سے بہترین ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ قاعدہ کے اندر اس کا تخمینہ ہو، جس کا وہ کسی مجبوری لاحق سے اہل نہ ہو پاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ بعض قرضہ جات اس قسم کے ہیں، جو عدالت میں چل رہے ہیں، جن میں اس نے اعتراض کر رکھے ہیں کہ وہ مطالبات گورنمنٹ فوری طور سے سائل کے نام دیئے گئے ہیں، جو ہنوز طے نہیں پائے ہیں، غیر میعادی طور سے ہو بھی سکتا ہے، وہ ایک سال تک زیر معتدی رہے، اگر دست گردہ (۱) اور ادھار بھی ہو، جس سے روپیہ لیا ہو، وہ کہہ دے کہ ایک سال یا دو سال پیچھے چکا دینا، ایسی مشکل ہے بھی کیا برائی ہے؟ کہ غیر مشروط میعاد تک اس کی ادائیگی ملتوی رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک نے جب اتنی وسعت اور گنجائش دے رکھی ہے تو اس کو حج ہی کر لینا چاہیے تاخیر نہ کرے۔ اپنی دوسری حوائج کے لئے قرض لیتا ہی ہے اور لے ہی رہا ہے اور ادائیگی کے واسطے خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے (۲)،

---

(۱) ''دست گرداں: بغیر تحریر کے قرضہ، بغیر کسی لکھت کے ادھار، ہاتھ اُدھار''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وأما قوله عليه الصلاة والسلام: "فدين الله أحق" ولذا قلنا لا يستقرض ليحج إلا إذا قدر على الوفاء". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد: ۲/ ۴۶۲، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: أتى رجل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال .... قال: "فاقض دين الله، فهو أحق بالقضاء" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/ ۲۲۱، قديمي)

"إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج، ويقضي دينه من ماله".
(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الأول: ۱/ ۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، فصل في المقطعات: ۱/ ۳۱۳، رشيديه)

آپ حج میں تاخیر نہ کریں، جس سے روپیہ لیں، اس کو تحریر لکھ کر کام پختہ کردیں (۱) کہ اس کا روپیہ ضائع نہ ہو، موت وحیات کا معاملہ سب کے ساتھ ہے، کسی معتبر آدمی کو ادائے قرض کا ذمہ دار بنادے کہ اگر میں ادا نہ کرسکا، تو تم فلاں جائیداد کے ذریعہ سے ادا کردینا (۲)، یہ اعتراض کہ قرض لے کر حج کیا ہے، وزنی نہیں، جب آدمی اپنا اور اہل وعیال کا حق قرض لے کر پورا کرتا ہے اور پھر قرضہ ادا کردیتا ہے، تو خدائے پاک کا حق ادا کرنے میں کیا اعتراض ہے۔

"فرض مرة علی الفور علی مسلم، حر، مکلف، صحیح، بصیر، ذي زاد، وراحلة، فضلاً عن مالا بد ومنه المسکن ومرمته، ولو کبیراً یمکنه الاستغناء ببعضه، والحج بالفاضل، فإنه لایلزمه بیع الزائد، نعم! هو الأفضل. اهـ" (درمختار)

قوله ومنه المسکن أي: الذي یسکنه هو أو من یجب علیه مسکنه بخلاف الفاضل عنه من مسکن أو عبد أو متاع أو کتب شرعیة أو آلة کعربیة، أما نحو الطب والنجوم وأمثالها من الکتب الریاضیة، فتثبت بها الاستطاعة، وإن احتاج إلیها کما في "شرح اللباب عن التاتارخانیة". قوله لا یلزمه بیع الزوائد؛ لأنه لا یعتبر في الحاجة قدر ما لا بد منه، ولو کان عنده طعام سنة، ولو أکثر لزمه بیع الزائد إن کان فیه وفاء کما في "اللباب وشرحه" اهـ. (شامي نعمانیه: ۲/ ۱۴۳، ۱۴۴)(۳).

---

(۱) قال الله تعالی: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه﴾ الخ. (البقرة: ۲۸۲)

(۲) "وینبغي أن یقضي ما أمکنه من دیونه، ویؤکل من یقضي مالم یتمکن من قضائه". (إرشاد الساري إلی مناسک الملا علي القاري، ص: ۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وإن کفل بغیر إذن الغریم لا یخرج إلا بإذن الطالب وحده". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الأول: ۱/ ۲۲۱، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/ ۴۶۲، سعید)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/ ۴۶۵-۴۶۲، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/ ۵۴۷-۵۴۹، رشیدیه)

(وکذا في خلاصة الفتاوی، کتاب الحج، الفصل الأول: ۱/ ۲۷۱، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الأول: ۱/ ۲۱۷، رشیدیه)

کیا حج کے لئے والد سے اجازت لینی چاہیے؟

سوال [۱۰۵۸۱]: آج کل چند ماہ سے میں دمام سعودیہ رہ رہا ہوں، میں نے والد صاحب کو خط لکھا کہ آپ اس سال حج کو چلے جاویں، مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا میں مدد کروں گا، ابا نے جواب دیا کہ میں تین ہزار روپے کا مقروض ہوں، جب تک ادا نہ ہو جائے ناممکن ہے۔ میں نے فوراً لکھا کہ یہ قرض میں ادا کر دوں گا، اس کے علاوہ حج کے سلسلہ میں بھی ایک دو ہزار کی مدد کروں گا، ابا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، حالانکہ مجھ کو معلوم ہوا کہ ابا کو میرا خط ملا تھا۔ جب کہ میں اپنے ذمہ کا قرض ادا کرنے میں ہی پریشان ہوں اور بچوں کے اخراجات کی الگ پریشانی ہے، ۵،۶ بچے بچیاں ہیں، میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، صرف محنت ومشقت سے مزدوری کا سہارا ہے، اب یہ کوشش کر رہا ہوں کہ قرض ادا کر کے حج کو جاؤں، کیونکہ یہاں سے حج کرنے میں آسانی اور خرچ بھی کم ہے۔

اس لئے میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کی زیارت کر لوں، اب اگر ابا کو اجازت کے لئے خط لکھوں تو ہو سکتا ہے جواب بھی نہ دیں، ایسی حالت میں کیا حج کے لئے بھی والدین کی اجازت ضروری ہے، اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حالانکہ ہم دو بھائی ہیں اور ماشاء اللہ بڑے بھائی ہماری طرح سے خوشحال ہیں، کافی زر وجائیداد والے ہیں، میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، صرف محنت ومشقت سے مزدوری کا سہارا ہے، والد صاحب کے پاس بھی کافی جائیداد ہے اور سب کی مجھ کو کوئی فکر نہیں، اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کو ساری بات معلوم ہونی چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ حالات سے بظاہر آپ حج کر سکتے ہیں، بلکہ حج کرنا والد صاحب کی اجازت پر موقوف نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۵ھ۔

---

(۱) "وفي الخلاصة معزياً إلى العيون: إذا أراد الابن أن يخرج إلى الحج، وأبوه كاره لذلك، إن كان الأب مستغنياً عن خدمته، فلا بأس به، وإن كان محتاجاً يكره، وكذا الأم". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۰۴، رشيدية)

سعودیہ میں رہ کر حج کرنے والے اور باہر سے آنے والے میں سے کس کو ثواب زیادہ ملے گا؟

سوال[۱۰۵۸۲]: ایک شخص بسلسلہ روزگار سعودیہ میں مقیم ہے اور وہ کتنے حج کرسکتا ہے؟ اور آیا اس کا حج اس طرح مقبول حج ہوگا، جس طرح کہ ایک شخص پاکستان یا بھارت سے حج کے لئے سفر کرتا ہے اور مزید یہ کہ یہ شخص اگر مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مقیم ہے، کیا اس کا حج بھی اتنا ہی مقبولیت والا ہے، جتنا کسی دوسرے ملک سے سفر کرنے والے کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر سال بھی حج کرسکتا ہے، مدینہ طیبہ سے بھی ہر سال حج کرسکتا ہے، مقبولیت کے سلسلہ میں دو چیزیں ہیں: ایک مال زیادہ خرچ کرنا اور سفر بعید کی مشقت برداشت کرنا (۱)، یہ چیز تو ظاہر ہے کہ پاکستان اور بھارت والوں اور دوسرے ممالک بعیدہ والوں کے لئے زیادہ ہیں، دوسری چیز ہے رضائے باری تعالیٰ، اس کا مدار اخلاص پر ہے، جس میں اخلاص زیادہ ہوگا، وہ زیادہ خوشنودی کا ذریعہ ہوگا، اخلاص ایک قلبی کیفیت ہے، جس کا علم

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، ص: ۷۲۶، قديمي)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ۴۱۲، عثمانيه)

(۱) "قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى تحت هذه الآية: ﴿وأذن في الناس بالحج يأتوك رجالاً وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق﴾:

الخامسة: وذهب غيرهم إلى أن المشي أفضل لما فيه من المشقة على النفس". (الجامع لأحكام القرآن، الحج: ۲۸: ۱۲/ ۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وهو أفضل لحديث ... فقال: "يا آل محمد أهلوا بحجة وعمرة معاً، ولأنه أشق". (الدر المختار) "(قوله: ولأنه أشق) لكونه أدوم إحراماً وأسرع إلى العبادة، وفيه جمع بين النسكين". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب القران: ۲/ ۵۲۹- ۵۳۰، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/ ۶۲۲، رشيديه)

خدا کے پاس کو ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "الإخلاص في الطاعة ترك الرياء، ومعدنه القلب، وهذه النية لتحصيل الثواب لا لصحة العمل؛ لأن الصحة تتعلق بالشرائط والأركان" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۵، سعيد)

"ولا ينفع من الأعمال كلها إلا ما كان لوجه الله خالصاً" (بستان الواعظين ورياض السامعين، مجلس: ۲۶: ۱/۲۴۴، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت)

قال الله تعالى: ﴿قال إنما يتقبل الله من المتقين﴾ (المائدة: ۲۷)

"يجب أولاً على من أراد الحج إخلاصه لله تعالى، فإنه سبحانه لايقبل إلا الخالص لوجهه الكريم". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، مقدمة، ص: ۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"ورجح في "البزازية" أفضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعاً. قال: وبه أفتى أبو حنيفة حين حج وعرف المشقة" (الدر المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۲/۶۲۱، سعيد)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

نامحرم کو سفر حج میں ساتھ لے جانا

سوال [۱۰۵۱۳]: غیر محرم عورت کو ساتھ لے کر حج میں جانے میں کوئی گنجائش نکلتی ہے یا نہیں؟ بعض عورتیں بیوہ ہیں اور کوئی محرم بھی ان کے نہیں ہے، اگر نہ جائز ہے تو پھر ان کو حج ادا کرنے کی کیا سبیل ہے؟ نیز بعض علمائے دین کے واقعات اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے یا تو کسی غیر محرم کے ساتھ کسی غیر محرم عورت کو حج کے لئے بھیجا ہے، مثلاً: یہاں بھیسانی کا ایک واقعہ ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے ایک عورت کو کانپور کے کچھ حاجیوں کے ساتھ بھیجا اور علمائے دین کے وفد میں کچھ لوگوں کے ساتھ غیر محرم عورت تھی، مگر انہوں نے کسی قسم کی نکیر نہیں کی۔ اس طرح کی باتوں سے عام رجحان یہ پیدا ہوگیا ہے کہ حج میں غیر محرم کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس مسئلہ میں کہاں تک گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو بغیر محرم یا بغیر شوہر کے سفر کرنا منع ہے، خواہ مشتہات ہو خواہ غیر مشتہات ہو(۱)، بیوہ کے ساتھ

---

(۱) "من شرائط الأداء في خصوص حق النساء (المحرم الأمين) وهو كل رجل مأمون عاقل بالغ مناكحتها حرام عليه بالتأبيد، سواء كان بالقرابة أو الرضاعة والصهرية، والزوج للمرأة إذا كانت على مسافة السفر من مكة.

وقال المحشي رحمه الله تعالى: قوله: للمرأة عجوزاً كانت المرأة أو شابة أو صبية بلغت حد الشهوة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۶۱-۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴۶۴، سعيد) .... =

کوئی محرم نہ ہو تو وہ نکاح کرے(۱)۔

ایک واقعہ میرے علم میں بھی ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارادۂ حج فرمایا، ایک عالم زیارت وملاقات کے لئے آئے اور اپنی عزیزہ کو مکان پر پہنچا گئے، جس کی حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ٢/ ٥٥١-٥٥٣، رشيديه)

(۱) بیوی کے ساتھ اگر سفر حج کرنے کے لئے محرم نہ ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ اس اختلاف پر مبنی ہے کہ وجود محرم وزوج شرط وجوب ہے یا شرط ادا، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرط وجوب ہونے کو ترجیح دی ہے، پس امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر عورت کے ساتھ حج کرنے کے لئے محرم نہ ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے، جیسے کہ مرض اور خوف طریق کی صورت میں اس کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ (فتح القدير، كتاب الحج: ٢/ ٤٢٢، رشيديه)

علامہ کاسانی اور قاضی خان رحمہما اللہ تعالیٰ نے وجود محرم وزوج کے شرط وجوب ہونے کو ترجیح دی ہے اور انسان پر شرط کو حاصل کرنا واجب نہیں، بنا بریں یہ ہے کہ "إذا وجد الشرط وجد المشروط" جیسے کہ فقیر آدمی پر حج کے لئے کمانا واجب نہیں، اسی طرح جس عورت کا محرم یا زوج نہ ہو اس پر حج کے لئے نکاح کرنا واجب نہیں۔ (بدائع الصنائع، كتاب الحج: ٢/ ٣٠٠، رشيديه)

(فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج: ١/ ٢٨٣، رشيديه)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پوری بحث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ صاحب لباب رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجود محرم وزوج کو شرط ادا قرار دینے کے باوجود فرمایا کہ عورت کے ساتھ اگر سفر حج کے لئے محرم نہ ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب نہیں، کیونکہ نکاح کرنے کی صورت میں اس کا مقصد پھر بھی حاصل نہ ہوگا، کیونکہ شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اس کے ساتھ حج کے لئے نہ جائے۔ (رد المحتار، كتاب الحج: ٢/ ٤٦٤، ٤٦٥، سعيد)

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ قول وجوب تزوج راجح ہے اور قول عدم وجوب تزوج ارجح واوضح ہے (اس لئے کہ جن کے ہاں وجود محرم شرط ادا ہے، ان کے ہاں بھی ایک قول عدم وجوب تزوج کا ہے كما مر عن صاحب اللباب)، لہٰذا اس عورت کے ساتھ محرم نہ ہو تو اس پر حج کے لئے نکاح کرنا واجب نہیں۔

باقی حضرت مفتی صاحب کا جواب کہ بیوی کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو تو وہ نکاح کرے، بطور مشورہ اور تدبیر کے ہے جیسا کہ ... (حج کی ... ص: ۳۳، سعید) میں مذکور ہے، نہ کہ بطور ایجاب امر کے، كما تبين فيما تقدم۔

تعالیٰ کو خبر نہیں ہوئی، جب جملہ اہل وعیال گاڑی میں سوار ہوگئے اور ٹکٹوں کا حساب کیا گیا تو ایک ٹکٹ حساب سے زائد تھا، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان عالم صاحب کی خوش دامن بھی ساتھ ہیں، یہ ان کا ٹکٹ ہے، اس پر حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ناگواری کا اظہار فرمایا کہ انہوں نے مجھے خبر تک نہیں کی، میں نامحرم کو ہرگز ساتھ نہ لے جاتا، بلکہ واپس کر دیتا، اس پر بعض رفقاء نے عرض کیا، مسئلہ دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ ''نامحرم کو ساتھ لے جانا درست نہیں، لیکن جب وہ ساتھ ہوگئی تو اپنے بچوں کی طرح اس کی خبر گیری بھی ہمارے ذمہ لازم ہوگئی''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۹۵ھ۔

رضاعی بیٹی کے شوہر کے ساتھ سفرِ حج

سوال [۱۰۵۸۲]: اگر ایک عورت اپنی دودھ پلائی ہوئی عورت کے شوہر کے ساتھ جب کہ دوسرا آدمی سفر کرنے کو تیار نہیں ہے سفرِ حج میں جائے، اس حال میں کہ وہ دودھ پلائی ہوئی عورت بھی حج کرنے اس قافلہ میں جا رہی ہو تو کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک شوہر یا محرم ساتھ نہ ہو سفرِ حج کرنا مکروہ ہے، بچے کو دودھ پلانا سفر سے مانع نہیں۔ ایک عورت نے اگر کسی بچی کو دودھ پلایا ہو تو وہ رضاعی بیٹی ہوگئی اور اس کا شوہر داماد ہوگیا، اس سے نکاح درست نہیں، ایسے داماد کے ساتھ سفر کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۸۷ھ۔

---

(۱) "والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية" (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: [illegible]، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۱، رشيديه)

البتہ اس زمانے میں رضاعی سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ حج کے لئے نہ جانا بہتر ہے۔ =

بہن اور بہنوئی کے ساتھ سفرِ حج

سوال [۱۰۵۸۵]: حج کے سفر کے لئے بیوی مستورات کس کس رشتہ دار کے ساتھ سفرِ حج کرسکتی ہے؟ شوہر کی بہن (یعنی نند) اور اس کا شوہر، کیا اس کے ساتھ سفرِ حج کرسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو اپنے محرم (باپ، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ) اور اپنے شوہر کے ساتھ سفرِ حج میں جانا چاہیے، بغیر ان کے بہنوئی، نندوئی وغیرہ کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں، اگرچہ ان کے ساتھ بہن اور نند وغیرہ بھی ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= " مگر اس زمانہ میں سسرالی رشتہ اور دودھ کے رشتہ سے احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ فتنہ کا زمانہ ہے اس لئے ان لوگوں کے ساتھ حج نہ کیا جائے"۔ (معلم الحجاج، شرائط وجوب ادا، ص: ۹۰، مکتبہ تھانوی)

(وكذا في عمدة الفقه، كتاب الحج، شرائط وجوب ادا: ۴/ ۵۱، زوار اكيدمی)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: نامحرم کو سفرِ حج میں ساتھ لے جانا، رقم الحاشية: ۱

باب في واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

ایک محرم کا دوسرے محرم کا سرمونڈنا

سوال[۱۰۵۸۶]: حج میں سرمنڈانا ضروری ہے، اس وقت کوئی حاجی جو ابھی حلال نہیں ہوا ہے، کسی محرم کا سرمونڈے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

احرام سے حلال کرنے کے لئے ایک محرم دوسرے محرم کا سرمونڈے تو کوئی حرج نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۹۲ھ۔

اپنے بال خود کاٹنا

سوال[۱۰۵۸۷]: عورت اپنے بال اپنے ہی ہاتھ سے کاٹ لے یا حلال شدہ عورت سے بال کٹوائے؟

---

(۱) "(وإذا حلق) أي: المحرم (رأسه) أي رأس نفسه (أو رأس غيره) أي: ولو كان محرماً (عند جواز التحلل) أي: الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك (لم يلزمه شيء) الأولى لم يلزمهما شيء". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في الحلق والتقصير، ص: ۲۵۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولو حلق رأسه، أو رأس غيره من حلال أو محرم، جاز له الحلق لم يلزمهما شيء". (غنية الناسك في بغية المناسك، فصل في الحلق، ص: ۱۷۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۱۸۲، مكتبه تهانوى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح درست ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۳ھ۔

سلی ہوئی تھیلی احرام میں رکھنا

سوال[۱۰۵۸۸]: جب حاجی احرام باندھتے ہیں تو وہ چادر ہی ہوتی ہے، سلے ہوئے کپڑے پہننے کی ممانعت ہے، لیکن روپیہ کی حفاظت ایسی حالت میں مشکل ہے، اگر ان کو سلی ہوئی تھیلی میں رکھ لیا جائے، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس پر دم تو واجب نہیں ہوگا؟ نیز اگر دھاگوں کی بنی ہوئی تھیلی میں رکھ لے جو سلی ہوئی نہیں ہوتی یا پلاسٹک کی تھیلی میں رکھ لے اور اپنے پاس رکھے تو ایسی تھیلیوں کے اندر روپیہ رکھنا حالت احرام میں کیسا ہے؟ تینوں شکلوں کا حکم ارشاد فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محرم کو ان تینوں طریقوں پر رکھنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۳ھ۔

عورت کا رات کو کنکریاں مارنا

سوال[۱۰۵۸۹]: جمرہ میں کنکری مارنے کے لئے اگر عورتیں رات کو کنکری ماریں تو جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: ''ایک محرم کا دوسرے محرم کا سر مونڈنا''۔

(۲) "فيجوز ... وشدهميان في وسطه ومنطقة وسيف وسلاح وتختم "زيلعي" لعدم التغطيه واللبس". (الدر المختار). "(قوله: شدهميان) هو شيء يشبه تكة السراويل، يشد على الوسط وتوضع فيه الدراهم "شمني". وفي القاموس هو التكة والمنطقة وكيس للنفقة يشد في الوسط". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۴۹۰، ۴۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۷۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۳۹۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہجوم کی وجہ سے دن کو موقع نہ ملے تو رات کو ان کے لئے گنجائش ہے(۱)، ورنہ رات کو مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۳ھ۔

حج اور عمرہ میں زبان سے نیت کرنا

سوال[۱۰۵۹۰]: مدرسہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے حج اور عمرہ نام کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے، جس میں حج اور عمرہ کے ضروری احکامات کو بیان کیا گیا ہے، ہم نے اس کا بغور مطالعہ کر کے ایک مسئلہ کے بارے میں پیچیدگی پائی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے: کتاب مذکورہ بالا کے صفحہ ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸ میں حج اور عمرہ کا تفصیلی بیان شروع کیا گیا ہے، سب سے پہلے نیت کا بیان تحریر کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ عمرہ اور حج کے موقع پر دل سے نیت کرنے کے علاوہ الفاظ زباں سے ادا کئے جائیں گے، عمرہ اور حج کے علاوہ دوسری عبادات

---

(۱) "قلت: وهو شامل لخوف الزحمة عند الرمي، فمقتضاه أنه لو دفع ليلاً ليرمي قبل دفع الناس وزحمتهم لا شيء عليه". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۲/۵۱۱، سعيد)

"وقته من الفجر إلى الفجر، ويسن من طلوع ذكاء لزوالها، ويباح لغروبها؟ ويكره للفجر". (الدرالمختار). "(قوله: ويكره للفجر) أي: من الغروب إلى الفجر، وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر فلا إساة برمي الضعفة قبل الشمس، ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة: ۲/۵۱۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۱۳، عثمانيه)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۶۱۱، رشيديه)

(۲) "فلو رمى ليلاً صح وكره". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۶۱۰، رشيديه)

"والحاصل: أنه لو أخر الرمي في غير اليوم الرابع يرمي في الليلة التي تلي ذلك اليوم الذي أخر رميه وكان أداءً؛ لأنها تابعة له، وكره لتركه السنة". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرات الثلاث: ۲/۵۲۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الخامس: ۱/۲۳۳، رشيديه)

مثلاً: نماز، روزہ، طواف وغیرہ میں نیت زبان سے ادا کرنا بدعت قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احرام باندھتے وقت نیت کے الفاظ زبان سے ادا کئے ہیں، اس لئے حج اور عمرہ میں نیت زبان سے ادا کرنا سنت کی اتباع ہے اور دیگر عبادات مثلاً: نماز، روزہ، طواف وغیرہ کی نیت کو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین سے زبان سے ادا کرنے کی صورت میں ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے مسلم، مشکوۃ کے درج ذیل حدیث کے ضمن میں لاکر صدیوں بعد کی ایجاد قرار دی گئی ہے۔ "کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بات صحیح ہے کہ نماز کی نیت کے لئے زبان سے الفاظ کا کہنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں (۱)، درحقیقت نیت نام ہے ارادۂ قلبی کا (۲)، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان پر خیالات اور وساوس کا

---

(۱) "علمني يا رسول الله! فقال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبر، ثم اقرء" الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الأول: ۱/۷۵، قديمي)

"إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين الخ".

قال ابن عابدين: "قوله: (لم ينقل الخ) في الفتح لم يثبت عنه صلى الله تعالى عليه وسلم من طريق صحيح ولا ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح أصلي كذا، ولا عن أحد من الصحابة والتابعين. زاد في الحلية: ولا عن الأئمة الأربعة. بل المنقول أنه صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلاة كبر" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد. بحث النية: ۱/۴۱۶، سعيد)

(وجامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب مايقول عند افتتاح الصلاة: ۱/۱۸۵، رقم الحديث: ۲۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "النية هي الإرادة ... والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الكلام في النية ۱/۳۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۵، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد. بحث النية: ۱/۴۱۵، سعيد)

ہجوم رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے ارادہ قلبی کو مستحکم و مستحضر نہیں کر سکتے، ان کے لئے الفاظ کا ادا کر دینا کافی قرار دیا گیا ہے(۱)، اگر کوئی شخص زبان سے الفاظ نہ کہے دل میں ارادہ کرے، تو بھی بلاشبہ اس کی نماز درست ہے(۲)، اس صورت میں الفاظ ادا کرنے کو بدعت، ضلالت قرار دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

رکنِ یمانی کو دُور سے اشارہ کرنا

سوال[۱۰۵۹۱]: رکن یمانی سے دور طواف کے وقت رکن یمانی کو کس کس طرح کیا جائے، کیا اشارہ یا مس کرتے وقت دور سے تکبیر پڑھی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جائے گا، نہ ہاتھوں کو چوما جائے گا، بلکہ رکن یمانی سے قریب ہونے کی حالت میں بھی اس کو نہیں چوما جائے گا۔

"واستلم الركن اليماني، وهو مندوب، لكن بلا تقبيل". در مختار مع

---

(۱) "والمعتبر فيها عمل القلب ... إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم أصابته فيكفيه اللسان، مجتبى". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۵، سعيد)

"(والمعتبر فيها عمل القلب) أي. لاعمل اللسان حتى لو أخطأ اللسان لايضر ... قوله: فيكفيه اللسان) وحينئذ صار أصلا". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۱۹۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة: ۱/۸۰، سعيد)

(۲) "والشرط أن يعلم بقلبه آي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به". (الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۹۵، رحمانيه لاهور)

"والمعتبر فيها عمل القلب ... فلا عبرة للذكر باللسان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۵، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: ۱/۶۸، قديمي)

هامش الشامي نعمانيه: ۲/ ۱۶۹. وقوله واستلم الركن اليماني أي: في كل شوط، والمراد بالاستلام هنا لمسه بكفيه أو بيمينه دون يساره بدون تقبيل وسجود عليه، ولانيابة عنه بالإشارة عند العجز عن لمسه للزحمة اه" (شامي نعمانيه: ۲/ ۱۶۹)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

استلامِ حجرِ اسود دُور سے کرنے کا طریقہ

سوال[۱۰۵۹۲]: حجر اسود کا استلام دور سے اشارۃً کس طرح کیا جائے؟ حنفی، شافعی اور دیگر ائمہ کا کیا فتویٰ ہے؟ جواب صحیح بحوالہ کتب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر حجرِ اسود کو چھونے کا موقع نہ ملے، بلکہ دور سے طواف کرنے کی نوبت آئے، تو جس وقت حجرِ اسود کے سامنے پہنچے، تو دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف ہوں، پھر اپنے ہاتھوں کو چوم لے یہ تصور کرے کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر چومے ہیں اور تکبیر، تحمید، تہلیل صلوۃ وسلام بھی اس وقت پڑھے۔

"وإن عجز عنهما أي: الاستلام والإمساس استقبله مشيراً إليه بباطن كفيه، كأنه واضعهما عليه، وكبر، وهلل، وحمد الله تعالى، وصلى الله على

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/ ۴۹۸، سعید)

"وأما اليماني فيستحب أن يستلمه ولا يقبله". (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۷۹، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب دخول مكة، فصل في مستحباته، ص: ۱۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۷۹، رشيديه)

النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثم یقبل کفیہ" درمختار مع ہامش الشامي نعمانیہ: ۲/۱۶۶(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الحج: ۲/۴۹۲، سعید)

"ویبدأ بالحجر الأسود ویستلمه، والاستلام أن یضع کفیه علی الحجر، ویقبله، ..... وإن لم یقدر علی الاستلام والتقبیل من غیر إیذاء أحد لا یستلمه، ولایقبله، بل یستقبله، ویشیر إلیه بباطن کفیه ..... وکبر، وهلل، وحمد الله، وصلی علی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الحج، الفصل الثالث: ۲/۴۳۷، قدیمی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۷۲، رشیدیه)

(وکذا في مراقي الفلاح، کتاب الحج، فصل في کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ۷۳۴، قدیمی)

باب في أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

طواف زیارت کر کے منیٰ آنا

سوال[۱۰۵۹۳]: ۱... طواف زیارت اگر بعد میں کرے اور منیٰ میں رُکا رہے تو یہ افضل ہے یا مکہ جا کر طواف زیارت کر کے منیٰ میں پھر آنے، بہتر طریقہ کون سا ہے؟

۲... کیا منیٰ میں ٹھہرنا ضروری ہے یعنی واپسی کے وقت جمرہ وغیرہ کو کنکریاں مار کر چلا جانے اور پھر نہ آئے یا پھر طواف زیارت کے بعد منیٰ آکر ٹھہرے، کون سا طریقہ بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱... افضل یہ ہے کہ دس تاریخ کو طواف زیارت کر کے منیٰ آجائے، اس کی بھی اجازت ہے کہ دس اور گیارہ کو منیٰ میں رہے، بارہ تاریخ کو مکہ معظمہ جا کر طواف کرے(۱)۔

۲...... نمبر ا میں جواب آگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) "وطواف الزيارة أول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه أي: الطواف في يوم النحر الأول أفضل، ويمتد وقته إلى آخر العمر، فإن أخره عنها أي: أيام النحر كره تحريماً، ووجب دم لترك الواجب، ثم أتى منى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج: ۲/۵۱۸، سعيد)

"وإذا فرغ من الرمي والذبح والحلق يوم النحر أي: أول أيامه فالأفضل أن يطوف للفرض في يومه ذلك، وهذا باتفاق العلماء وإلا ففي الثاني أو في الثالث ثم لا فضيلة بل الكراهة". (ارشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب طواف الزيارة، ص: ۲۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الحج، الفصل الثالث: ۳/۴۵۰، مكتبه غفاريه كوئته)

عورتیں اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھیں یا حرم میں؟

سوال[۱۰۵۹۴]: عورتیں نمازوں کے لئے حرم شریف میں جاویں یا اپنی قیام گاہ پر پڑھیں، افضل کیا ہے؟ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ صبح اور عشاء کی نماز حرم میں پڑھیں، کیونکہ اندھیرے کی وجہ سے پردہ بھی ہے اور حرم میں آنے جانے میں سہولت بھی ہے، اول وقت چلی جائیں اور آخر میں باہر آئیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو مکان پر نماز پڑھنا بہتر ہے ہر نماز کا یہی حکم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتیں فجر کی نماز کہاں پڑھیں اور رمی جمرہ عقبہ کس وقت کریں؟

سوال[۱۰۵۹۵]: عورتیں دسویں کی رمی کس وقت کریں؟ اور صبح کی نماز کہاں پڑھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتیں فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھیں اور جمرۃ العقبہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کریں، زوال کے بعد بھی گنجائش ہے، کوئی عذر ہو تو بعد نمازِ فجر قبل طلوعِ شمس بھی کرسکتی ہیں۔ کذا في ردالمحتار (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وقال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن كراچی)

"عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي: أنها جاءت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إني أحب الصلاة معك؟ قال: قد علمت إنك تحبين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير لك من صلاتك في حجرتك ..... من صلاتك في مسجدي، قال: فأمرت فبنى لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۶۵۵۰: ۷/۵۱۴، ۵۱۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الحج: ۴/۵۷۷، سعيد)

(۲) "وصلى الفجر بغلس لأجل الوقوف ثم وقف بمزدلفة، ووقته من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس=

حالتِ حیض میں طواف زیارت کرنا

سوال[۱۰۵۹۶]: زینب اپنے زوج کے ہمراہ ۱۹۷۳ء میں پاکستان سے حج کو گئی تھی، زینب جب عرفات سے منیٰ شریف کو آ گئی اور جمرۃ العقبیٰ کی رمی کی، تو فوراً اس کو حیض آ گیا (یہ حیض دس دن تک رہتا ہے) زینب اور اس کے زوج کی تاریخ روانگی ۱۳/ ذی الحجہ ہے، اب زینب کا طواف زیارت باقی ہے، جب زینب کو مکہ مکرمہ میں اتنا وقت نہیں ملا کہ پاک ہوجائے اور غسل کرکے طواف زیارت ادا کرے، تو زینب نے اپنی رائے اور اجتہاد کے متعلق غسل کرکے حرم شریف کو چلی گئی اور طواف زیارت کرکے دو رکعت نماز پڑھ کر دوسرا طواف شروع کیا کہ یہ طواف الوداع کرتی ہوں، دوسرے طواف الوداع سے فارغ ہوکر نماز پڑھ لی اور ۱۳ تاریخ کو جدہ روانہ ہوگئے، اب سوال یہ ہے کہ کیا زینب کا یہ طواف زیارت صحیح ہے یا بدنہ واجب ہے اور پاکستان میں زینب زوج پر حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زینب پر ایک بدنہ بحالت حیض طواف زیارت کرنے کی وجہ سے لازم ہوا اور ایک

= ولو ماراً كما في عرفة، لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة لا شيء عليه". (الدرالمختار). "(ثم وقف) هذا الوقوف واجب عندنا لاسنة، والبيتوتة بمزدلفة سنة مؤكدة إلى الفجر ... وهو شامل لخوف الزحمة عند الرمي، فمقتضاه أنه لو دفع ليلاً ليرمي قبل دفع الناس وزحمتهم لا شيء عليه، لكن لاشك أن الزحمة عند الرمي، وفي الطريق قبل الوصول إليه أمر محقق في زماننا، فيلزم منه سقوط واجب الوقوف بمزدلفة، فالأولى تقييد خوف الزحمة بالمرأة، وقال بعد صفحتين: (قوله ويكره للفجر) أي: من الغروب إلى الفجر، وكذا يكره قبل طلوع الشمس، بحر. وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس، ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/ ۵۱۱-۵۱۵، سعيد)

"ويبيت بمزدلفة فإذا طلع الفجر صلى بغلس ... ثم يعود إلى منى فيرمي الجمار الثلاث في يوم الثاني بعد الزوال ... ثم فعل في اليوم الثالث كذلك". (مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/ ۴۱۰، ۴۱۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۹۷-۶۱۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۴۹۳-۵۱۳، عثمانيه)

دم(۱)(بکری یا بھیڑ)طواف وداع اس حالت میں کرنے کی وجہ سے ہوا(۲)،احرام کے حلال ہونے کے لئے قدر متعین بالوں کا کاٹنا ضروری ہے(۳)،اگر اس میں ممنوعات احرام کا ارتکاب یہ سمجھتے ہوئے کیا کہ احرام ختم ہوگیا،تو ایک دم اس کی وجہ سے لازم ہوگا،پھر وہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح:العبد نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(منها ما يوجب دماً) ... الأول إذا جامع بعد الوقوف بعرفة قبل الحلق، والثاني إذ طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساء، فإن الواجب في هذين الموضعين البدنة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، باب الجنايات، ص: ۱۴۷، قديمي)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ص: ۳۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، باب الجنايات، الفصل الخامس: ۱/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۰-۵۵۱، سعيد)

(۲) "ولو طافه أي: الصدر جنباً فعليه شاة على ما في الهداية والكافي والمجمع. وصححه صاحب خزانة الأكمل وغيره". (إرشاد الساري إلى مناسك لملا علي القاري، فصل في الجناية في طواف الصدر، ص: ۳۸۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"الواجب دم على محرم بالغ ولو ناسياً ... أو طاف للقدوم أو للصدر جنباً أو حائضاً".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۴۳-۵۵۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۳/۳۴، رشيديه)

(۳) "ثم بعد الرمي ذبح إن شاء؛ لأنه مفرد ثم قصر بأن يأخذ من كل شعرة قدر الأنملة وجوباً، وتقصير الكل مندوب، والربع واجب". (الدرالمختار). "(بأن يأخذ الخ) قال في البحر: المراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رؤوس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة، كذا ذكره الزيلعي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۵۱۶، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الحج، الفصل الرابع في أعمال الحج: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في الحلق والتقصير، ص: ۲۵۳، دارالكتب)

(۴) "(وبترك أكثره بقي محرماً) أبداً في حق النساء (حتى يطوف) فكلما جامع لزمه دم إذا تعدد =

حالتِ احرام میں حیض آجانا

سوال[۱۰۵۹۷]: ۱.....محجبہ بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی سے حج کے لئے روانہ ہونے والی تھی تو اس وقت حائضہ تھی، حیض بند ہوگیا تھا، روانہ ہونے کے وقت غسل کرکے احرام باندھ کر ہوائی جہاز میں سوار ہوگئی اور جدہ پہنچنے کے بعد پھر حیض جاری ہوگیا تو محجبہ نے احرام اتار دیا اور دوسرے دن پھر موقوف ہوگیا تو غسل کرکے احرام باندھ لیا، کیا محجبہ نے یہ درست کیا؟

۲.....کیا یہاں پر احرام باندھ کر اتار دینے پر دم ضروری ہے؟

۳.....کیا دم اب بھی دے سکتی ہے؟ جب کہ محجبہ حج سے فارغ ہوکر وطن واپس آچکی ہے۔

۴.....درآں حالیکہ ایام عادت نہ گزرے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

۵.....اور اگر بعد ایام عادت گزرنے کے یہ واقعہ پیش آیا ہے تو اس حالت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....احرام ختم کردیا، غلطی کی۔

۲.....جی ہاں! دم ضروری ہے۔

۳.....اب بھی دم کا وجوب ذمہ میں باقی ہے، مکہ مکرمہ کسی کی معرفت روپیہ بھیج کر دم دلوا دے۔

۴، ۵.....تب بھی یہی حکم ہے، اگر حالتِ احرام میں حیض جاری ہوجائے تو احرام نہیں کھولنا چاہیے، بلکہ عرفات جاکر وقوف کرلے اور طواف کو مؤخر کردے، جب حیض ختم ہوجائے اس وقت آکر طواف کرلے، اس

= المجلس إلا أن يقصد الرفض فتح" (الدر المختار). "ويجب دم واحد لجميع ما ارتكب ولو كل المحظورات. وإنما يتعدد الجزاء بتعدد الجنايات إذا لم ينو الرفض. ثم نية الرفض إنما تعتبر ممن زعم أنه خرج منه بهذا القصد لجهله مسألة عدم الخروج" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/ ۵۵۳، سعيد)

"ولو نوى بالجماع الثاني رفض الفاسدة لايلزمه بالثاني شيء كذا في فتاوى قاضي خان، مع أن نية الرفض باطلة؛ لأنه لايخرج عنه إلا بالأعمال لكن لما كانت المحظورات مستنداً إلى قصد واحد كفاه دم واحد" (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۳/ ۲۷، رشيديه)

صورت میں کوئی دم لازم نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۱۴۰۱ھ۔

حالتِ احرام میں بضرورت حیض روکنے والی دوا کا استعمال

سوال[۱۰۵۹۸]: میری بیگم صاحبہ میری معیت میں حج کو جارہی ہے، اب اس دوران کی مسائل کا پوچھنا ضروری ہے۔ اگر بیگم صاحبہ کو ایام حج میں حیض آگیا تو شرعاً حج پورا کرنے کی کیا صورت ہے؟ اور اس کے ازالہ کی صورت ڈاکٹری طور پر یوں بھی ہے کہ ایک قسم کی دوا استعمال کی جاتی ہے، جس سے حیض رک جاتا ہے، یا کچھ دن پیچھے آتا ہے، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ جب کہ مقصد اونچا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وقوفِ عرفات بحالت حیض ہو تو بھی درست ہے، البتہ طوافِ زیارت حیض سے فراغت پر کیا جائے (۲)۔

---

(۱) "ما روي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: أنه قال لعائشة رضي الله تعالى عنها حين حاضت (افعلي ما يفعله الحاج غير أنك لا تطوفي بالبيت) ولأنه نسك غير متعلق بالبيت، فلا تشترط له الطهارة كرمي الجمار". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في ركن الحج: ۶۵/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مؤطا الإمام مالك، كتاب الحج، باب ماتفعل الحائض في الحج: ۱/۳۵۲، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإحرام: ۲/۲۹۰، مكتبه عباس أحمد الباز مكه)

(۲) "وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: خرجنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا نذكر إلا الحج فلما كنا بسرف طمثت، فدخل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأنا أبكي، فقال: لعلك نفست؟ قلت: نعم! قال: فإن ذلك شيء كتب الله على بنات آدم. فافعلي مايفعل الحاج، غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، باب دخول مكة والطواف، الفصل الأول: ۱/۲۲۷، قديمي)

"(ولو حاضت عند الإحرام أتت بغير الطواف) لقوله عليه السلام لعائشة حين حاضت بسرف "افعلي ما يفعل الحاج غير أن لاتطوفي بالبيت حتى تطهري". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب التمتع: ۲/۶۴۹، رشيديه)

(وصحيح البخاري، كتاب المناسك، باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف: ۱/۲۲۳، قديمي)

اس کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں (۱)، اگر حیض ایسے وقت پر آئے کہ اس کے ختم تک انتظار کرنے سے واپسی کا جہاز نہیں ملے گا، تو مجبوراً ایسی دوا استعمال کر لی جائے جس سے حیض تاخیر سے آئے (۲)، تاکہ اس سے پہلے ہی طواف زیارت سے فراغت ہو جائے، صفا مروہ کے درمیان سعی حالت حیض میں درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۹/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لاشيء على الحائض لتأخير الطواف أي: طواف الزيارة كما في الفتاوى السراجية وغيرها". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، فصل حائض طهرت في آخر أيام النحر، ص: ۳۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في غنية الناسک، باب الجنايات، الفصل السابع، ص: ۲۷۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/ ۵۵۵، سعيد)

(۲) حیض کو بند کرنے والی ادویات چونکہ صحت کے لئے بہت مضر ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے اس سے منع کیا ہے لہذا حتی الامکان اس سے احتراز کیا جائے، البتہ اگر بہت سخت ضرورت ہو، تو پھر استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

(وكذا في فتاوى رحيميه، كتاب الحج، متفرقات الحج: ۸/ ۱۳۶، دار الاشاعت)

(۳) "وإن سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء فسعيه صحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسک، الفصل الخامس في الطواف والسعي .... : ۱/ ۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، ركن السعي: ۲/ ۳۱۹، رشيديه)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

کیا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے تنعیم سے احرام باندھا تھا؟

سوال[۱۰۵۹۹]: عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر جب تنعیم سے عمرہ کے لئے گئے تھے، تو عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنعیم سے احرام باندھا ہے یا نہیں؟ مکہ میں علماء تقریر فرماتے ہیں عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنعیم سے احرام نہیں باندھا ہے، اس لئے حج کے بعد عمرہ اگر کیا جائے تو اس کے لئے تنعیم سے احرام ضروری نہیں ہے، بلکہ گھر سے احرام باندھ لے، جس کا گھر حرم ہی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ عبارت نقل کیوں نہ کی، جس سے جواز معلوم ہوتا ہے، کیا انہوں نے عمرہ کیا تھا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بلا احرام کے عمرہ کیا تھا، تو کیا ان حضرات کے نزدیک ایسا کرنا درست ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۳/۸ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۳/۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

حجِ بدل کی تعریف

سوال[۱۰۶۰۰]: حج بدل کس کو کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حج دوسرے کی طرف سے کیا جائے، وہ حج بدل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

حجِ بدل، حج کی کون سی قسم ہے؟

سوال[۱۰۶۰۱]: حجِ بدل، حج کی کون سی قسم ہے یعنی قران یا افراد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس پر حج فرض تھا اگر اس نے وصیت کی ہے تو حجِ بدل افراد کرنا چاہئے(۲)، اگر نہیں کی، از خود ثواب

(۱) "فمن عجز حج الفرض، فاحج غيره صح حجه، ويقع عنه أي: يقع عن الأمر أصل الحج".

(الدرالمنتقى شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۳، مصطفى محمد مصر)

(۲) "الثالث عشر: عدم المخالفة فلو أمره للحج أو العمرة فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع حجه عن =

پہنچانا مقصود ہے، تو قران افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

حجِ بدل کی شرائط

سوال[۱۰۲۰۲]: اہلیہ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، بے حد تکلیف ہے، بے حد چلنے پھرنے کی تکلیف ہے، معلم کہتے ہیں کہ ان کا حج مکہ معظمہ کے کسی آدمی سے کرا سکتے ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اور اس کے شرائط کیا ہیں، خبر دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے ذمہ حج فرض ہو اور اس نے وصیت کی ہو اور اس کے تہائی ترکہ میں حج کی گنجائش ہو تو اس کے وطن سے حج کرایا جائے، اتنی گنجائش نہ ہو تو جہاں سے گنجائش ہو وہاں سے کرا دیا جائے(۲)، جس نے اپنا حج

= الأمر، ويضمن النفقة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۰، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، شرائط تمتع، ص: ۲۲۴، مکتبہ تھانوی)

(وكذا في زبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۲۱۲، سعيد)

(۱) "(قوله: هو أفضل) أي: من التمتع وكذا من الإفراد بالأولى". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب القران وهو أفضل: ۲/۵۲۹، سعيد)

"القران أفضل من الإفراد والتمتع". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب القران، ص: ۲۸۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/۶۲۵، رشيديه)

(وكذا في معلم الحجاج، قران، ص: ۲۱۴، مکتبہ تھانوی)

(۲) "الرابع الأمر بالحج فلا يجوز حج غيره عنه بغير أمره إن أوصى به، وإن لم يوص به، فتبرع عنه الوارث جاز.

الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، أي: ثلث مال الميت، وإن لم يتسع يحج عنه من حيث يبلغ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۷۸-۴۸۳، دارالكتب العلمية بيروت) ....=

کرایا ہوا اس کے ذریعہ حج کرانا افضل ہے، جس نے اپنا حج نہ کیا ہوا اس سے کرالیا جائے تب بھی ادا ہوجائے گا (۱)۔ مرد کی طرف سے عورت اور بالعکس حج کرے، تب بھی ادا ہوجائے گا (۲)۔ حج کا پورا خرچ دیا جائے (۳)، حج کا معاوضہ نقدی یا کسی اور صورت میں دینا درست نہیں (۴)، جو سفر سے معذور ہوا اس کے ذمہ حج نہیں (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۲ھ۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط الحج عن الغير: ۲/۶۰۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۱) "فجاز حج الصرورة". (الدرالمختار) "والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجا عن الخلاف، ثم قال: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۲۳، رشيديه)

(وكذا في غنية الناسك، باب الحج عن الغير، ص: ۳۳۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الحج عن الغير: ۲/۵۶۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "جاز حج الصرورة والمرأة ولو أمة والعبد وغيره كالمراهق وغيرهم أولى لعدم الخلاف". (الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۳، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك لملا علي القاري، فصل في شرائط الإحجاج عن الغير، ص: ۶۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۳) "ومنها أن يكون حج المأمور بمال المحجوج عنه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۶۰۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۹، رشيديه)

(۴) "وذكر الإسبيجابي: أنه لايجوز الاستئجار على الحج ... ولا يحل له أن يأخذ الفضل لنفسه إلا إذا تبرع الورثة به وهم من أهل التبرع". (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۲۰-۱۲۱، رشيديه) =

حجِ بدل کی تفصیلی کیفیت

سوال[۱۰۶۰۳]: زید کے والد پر حج فرض تھا، مگر انہوں نے ادا نہیں کیا اور نہ انتقال کے وقت ورثاء کو حج بدل کی وصیت کی، بعد انتقال کے عرصۂ دراز کے بعد زید کو احساس ہوا اور تبرعاً عمر کو والد کی طرف سے مامور کر کے رمضان سے قبل جانے کی اجازت بھی دے دی، اب عمر کا ارادہ یہ ہے کہ رمضان سے پہلے مکہ معظمہ پہونچ جائے اور وہاں سے مدینہ منورہ جا کر رمضان شریف کا نصف اول یا دو عشرے مدینہ میں قیام کر کے اخیر عشرہ میں مکہ معظمہ واپس آکر حج تک وہیں قیام کرے اور ۷/ یا ۸/ ذی الحجہ کو مامور عنہ (زید کے والد) کی جانب سے حج بدل (افراد) کا احرام باندھ کر حج کرے، اس بارے میں درج ذیل امور قابلِ دریافت ہیں، اس صورت میں حج بدل کا احرام مامور عنہ (زید کے والد) کے میقات یلملم سے نہیں، بلکہ اہل مکہ کے میقات مسجد احرام سے باندھا گیا ہے تو یہ حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور مامور عنہ کا فریضہ ادا ہوگا یا نہیں؟ حج بدل میں مامور عنہ کے میقات سے ہی احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟

صورت مسئولہ میں قبل رمضان مکہ معظمہ حاضری کے لئے (مامور) عمر کو میقات (یلملم) سے عمرہ کا احرام مامور عنہ کی جانب ہی سے باندھنا ضروری ہے؟ یا خود اپنی طرف سے بھی باندھ سکتا ہے، براہ کرم تفصیلی جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجِ بدل کے لئے فقہاء نے بیس شرطیں لکھی ہیں، ایک شرط یہ بھی ہے کہ مامور میقات آمر سے حج بدل کا

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الاستئجار على الحج: ۲/ ۲۰۱، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۵) "(قوله: صحيح البدن) أي: سالم عن الآفات المانعة عن القيام بمالا بد منه في السفر، فلا يجب على مقعد ..... الخ". (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/ ۴۵۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/ ۳۸۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۵، ۵۴۶، رشيديه)

احرام باندھے۔ ایک شرط یہ بھی ہے کہ مامور تمتع نہ کرے، مگر یہ شرطیں اسی وقت ہیں جب کہ میت نے وصیت کی ہو، اگر وصیت نہ کی ہو تو اس میں بہت توسع ہے (۱)، زید کو چاہیے کہ مامور (عمر) کو اجازت دے دے کہ رمضان المبارک سے پہلے چلا جائے، میقات سے عمرہ کا اپنی طرف سے احرام باندھے، پھر مدینہ منورہ چلا جائے، رمضان ہی میں وہاں سے مکہ مکرمہ آتے وقت زید کے والد کی طرف سے عمرہ کرے، پھر وقت حج تک وہیں مقیم رہے، پھر ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام حرم شریف سے باندھ کر مناسک والد زید کی طرف سے ادا کرے، یہ صورت افراد کی ہوئی۔ تمتع کرنا چاہے تو بھی اس کی اجازت دے دے (۲)۔

"ولاجزاء النيابة في حجة الإسلام عشرون شرطاً" غنية الناسك، ص: ۱۷۲ (۳)۔

"الرابع عشر: أن يحرم من ميقات الآمر" ص: ۱۷۸- ۱۷۹ (۴)۔

"الخامس عشر: عدم المخالفة، فلو أمره بالحج فتمتع ولو عن الآمر، فهو

---

(۱) "شرائط جواز الإحجاج أي: مطلقاً والنية عن حجة الإسلام أي: خاصة وجملتها عشرون: العاشر: أن يحرم من الميقات أي: من ميقات الآمر ... الثالث عشر: عدم المخالفة فلو أمره للحج أو العمرة فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع حجه عن الآمر، ويضمن النفقة ... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض، وأما في الحج النفل فلا يشترط فيه شيء من هذه الشرائط غالباً، إلا العقل، والإسلام، والعقل، والتمييز، والنية". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۷۷-۴۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط التي عن الغير عشرون: ۲/ ۶۰۰-۶۰۱، سعيد)

(وكذا في زبدة المناسك مع عمدة المناسك، تمتع کے صحیح ہونے کے شرائط، ص: ۳۱۱-۳۱۳، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، شرائط تمتع، ص: ۲۲۳-۲۲۵، مکتبہ تھانوی)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: حج بدل میں کون سا حج کرے؟

(۳) (غنية الناسك، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (غنية الناسك، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ص: ۳۳۳، إدارة القرآن)

مخالف ضامن إجماعاً" ص: ۱۷۹ (۱).

"من مات بعد وجوب الحج ولم یوص به لم یلزم الوارث أن یحج عنه من ترکته" ص: ۱۷۳ (۲).

"وهذه الشرائط کلها في الحج الفرض، وأما في الحج النفل فلا یشترط شيء منها غالباً، إلا الإسلام، والعقل، والتمییز، والنیة اهـ" غنیة الناسك، ص: ۱۸۱ (۳).

پس صورتِ مسئولہ میں وصیت نہ ہونے کی وجہ سے حج نفل ہوگا اور ثواب پہنچادیا جائے۔ شرائط حج بدل کی پابندی لازم نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

کسی کے لئے حج کرنے کا حکم

سوال [۱۰۲۰۴]: ایک شخص بسلسلہ روزگار سعودیہ میں کافی عرصہ سے مقیم ہے، کیا وہ اپنے کسی مرحوم بزرگ کے لئے حج بدل کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کرکے ثواب پہنچا سکتا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) (غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل في شرائط النیابة في الحج الفرض، ص: ۳۳۳، إدارة القرآن)

(۲) (غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل في شرائط النیابة في الحج الفرض، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن)

(۳) (غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل في شرائط النیابة في الحج الفرض، ص: ۳۳۶، إدارة القرآن)

(۴) "الأصل: أن کل من أتی بعبادة ما له جعل ثوابها لغیره، وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة". (الدرالمختار). "(قوله: بعبادة ما) أي: سواء کانت صلاة أو صوماً ... أو طوافاً أو حجاً أو عمرة ..... أي: من الأحیاء والأموات". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۲/۵۹۵-۵۹۶، سعید) .... =

حجِ بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو

سوال[۱۰۶۰۵]: ۱… کیا کوئی صاحب مقدور حاجی جو قبل اپنا فریضۂ حج نہیں ادا کر چکا ہے، وہ اس طرح حج بدل میں کسی کی طرف سے جا سکتا ہے کہ گھر سے وہ اپنے محض عمرہ کرنے کے لئے جانا چاہتا ہے اور مکہ معظمہ پہنچ کر اپنا عمرہ ادا کر کے ایام حج میں مقام ''حل تنعیم مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' سے یا مقام ''جعرانہ'' سے حج بدل کا احرام باندھتا ہے، تو از روئے شرع گنجائش جواز نکل سکتی ہے؟ اور وہ محض دو مجبوریوں کی بناء پر اولاً تو حج بدل میں حج بدل والا رقم دینا چاہتا ہے وہ مکہ معظمہ وغیرہ کی گرانی وغیرہ کو لے کر کافی دینا نہیں چاہتا۔

۲… ثانیاً: سب سے زیادہ پریشان اور دشوار طلب مسئلہ حج بدل میں یہ آرہا ہے کہ حج بدل میں محض افراد حج ہی کا احرام باندھنا ضروری ہے اور نہ معلوم کتنا عرصہ افراد حج میں رہنا پڑتا ہے، جس درمیان میں احرام حج کے ارکان وشرائط غسل نہ کرنا، ناخن نہ ترشوانا، حجامت نہ بنوانا، کپڑا نہ بدلنا، جوئیں وغیرہ نہ مارنا، وغیرہ کی پابندی غیر معمولی دشواریوں پر قابو پانا، ہر ایک کا کام نہیں، ان وجوہ کی بناء پر صحیح مسئلہ کی نوعیت سے آگاہی وسرفرازی بخشی جائے۔

۳… کوئی حاجی اپنے مکان ومقام سے محض روضۂ انور کی زیارت کو جائے، مواجہ اطہر شریف پر صلوٰۃ وسلام کی ڈالیاں لگانے کے لئے گھر سے جاتا ہے اور ساتھ ہی مدینہ طیبہ سے رخصتی پر مقام ذوالحلیفہ پر ہی کسی کے حج بدل کا احرام باندھتا ہے اور حج بدل میں احرام افراد باندھ کر حرم محترم مکہ معظمہ آتا ہے اور حج بدل کے ارکان ادا کرتا ہے، تو شرعاً جائز اور گنجائش جواز نکلتی ہے یا نہیں؟ اور یہ سب محض نمبر دو استفتاء کی مجبوریوں اور دشواریوں پر قابو پانے کے لئے کہ طواف احرام میں زمانہ حج تک ہر شخص کا شرائط احرام کا لحاظ رکھنا یقیناً دقت طلب مرحلہ ومسئلہ ضرور آتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… اعلیٰ بات تو یہی ہے کہ حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجا جائے، جو اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو، لیکن

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، ۱۰۶، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۴۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

اگر ایسے شخص کو بھیج دیا جائے جس نے حج فرض نہ کیا ہو اور وہ آمر کی طرف سے حج بدل کرے تب بھی حج بدل ہوجائے گا۔ کذا في ردالمحتار (۱)۔

۲...... یہ حج بدل اگر نفل ہو تو اس کی گنجائش ہے، اگر فرض ہو تو اس کی اجازت نہیں (۲)، مامور کو حج کے لئے میقات آمر سے احرام باندھنا چاہیے (۳)، آفاقی کے لئے ''تنعیم وجعرانہ'' میقات نہیں (۴)، نیز حج بدل

(۱) ''ویقع الحج المفروض عن الآمر على الظاهر من المذهب لكنه يشترط أهلية المأمور لصحة الأفعال فجاز حج الصرورة''. (الدرالمختار). ''والصرورة يراد به الذي لم يحج عن نفسه أي: حجة الإسلام ..... وقال في الفتح أيضاً: والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجاً عن الخلاف. ثم قال: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲ /۶۰۳، سعيد)

''يجوز إحجاج الصرورة ويراد به الذي لم يحج عن نفسه حجة الإسلام قال في البدائع: إلا أن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه''. (غنية الناسك، باب الحج عن الغير، ص: ۳۳۰، إدارة القرآن كراتشي)

''والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه''. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳ /۱۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲ /۴۲۵، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) ''(قوله: وأوصلها (أي شرائط ..... الحج عن الغير) إلى عشرين شرطاً تقدم منها ستة، وذكر الشارح السابع بعد ذلك ..... الرابع عشر: عدم المخالفة فلو أمر بالإفراد فقرن أو تمتع ..... يضمن النفقة وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض، وأما النفل فلا يشترط فيه شيء منها، إلا الإسلام، والعقل، والتمييز، وكذا الاستئجار''. (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب: شروط الحج عن الغير عشرون: ۲ /۶۰۰-۶۰۱، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج عن الغير، ص: ۴۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲ /۱۵۱، سعيد)

(۳) ''العاشر: أن يحرم من الميقات أي: من ميقات الآمر''. (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۴۸۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲ /۶۰۰، سعيد)

میں تمتع کی اجازت نہیں۔ کذا في غنية الناسك (۱)۔

۳ محض ایصالِ ثواب کے لئے تو اس کی بھی گنجائش ہے (۲)، مگر حج فرض ادا کرنے کے لئے سفر کے سب اخراجات آمر کے ذمہ ہوتے ہیں (۳) اور صورتِ مسئولہ میں یہ نہیں۔ نیز اس میں تمتع ہوگا، اس کی

= (۴) "والناس في حق المواقيت أصناف ثلاثة: صنف منهم يسمون أهل الآفاق، وهم الذين منازلهم خارج المواقيت التي وقت لهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهي خمسة، كذا روي في الحديث أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقت لأهل المدينة: ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل اليمن يلملم، ولأهل العراق ذات عرق". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل، بيان مكان الإحرام: ۲/ ۳۷۰، رشيديه)

"فميقات أهل المدينة ذو الحليفة، ولأهل مصر والشام والمغرب من طريق تبوك الجحفة، ولأهل نجد اليمن ونجد الحجاز ونجد تهامة قرن، ولباقي أهل اليمن وتهامة يلملم ولأهل العراق وسائر أهل المشرق ذات العرق". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في مواقيت الصنف الأول، ص: ۸۸، ۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في مواقيت: ۲/ ۴۷۴-۴۷۵، سعيد)

(۱) "الرابع عشر: عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة". (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۶۰۰، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج عن الغير، ص: ۴۸۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر: ۱/ ۲۵۸، رشيديه)

(۲) "وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض، وأما النفل فلا يشترط فيه شيء منها إلا الإسلام، والعقل، والتمييز، وكذا الاستئجار". (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط الحج عن الغير: ۲/ ۶۰۱، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط جواز الحج عن الغير، ص: ۴۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۱۷۱، سعيد)

بھی اجازت نہیں (۱)، مامور کو چاہیے کہ زمانۂ حج کے قریب جائے، افراد کا احرام میقات سے باندھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا حج بدل کے لئے پہلے سے سفر ضروری ہے؟

سوال [۱۰۶۰۲]: حج بدل کے احرام کو حرم سے باندھنے میں مسافر اور مقیم کی تو قید نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حسب وصیت یہ حج فرض نہ ہو تو اس میں توسع ہے، مسافر مقیم کی بھی قید نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (۳) "السادس: أن یحج بمال المحجوج عنه". (إرشاد الساري إلی مناسک الملا علي القاري، باب شرائط جواز الإحجاج عن الغیر، ص: ۴۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر: ۱/۲۵۷، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۲/۶۰۰، سعید)

(۱) "الرابع عشر: عدم المخالفة. فلو أمره بالإفراد فقرن، أو تمتع ولو للمیت لم یقع عنه، ویضمن النفقة". (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۲/۶۰۰، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الرابع عشر: ۱/۲۵۸، رشیدیه)

(وکذا في إرشاد الساري إلی مناسک الملا علي القاري، فصل في جواز الإحجاج عن الغیر، ص: ۴۸۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وهذه الشرائط کلها في الحج الفرض. وأما النفل فلا یشترط فیه شيء منها إلا الإسلام، والعقل، والتمییز، وکذا الاستئجار". (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج من الغیر: ۲/۶۰۰-۶۰۱، سعید)

(وکذا في تقریرات الرافعي علی ردالمحتار، کتاب الحج عن الغیر: ۲/۱۷۱، سعید)

(وکذا في إرشاد الساري إلی مناسک الملا علي القاري، باب شرائط جواز الإحجاج عن الغیر، ص: ۴۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

حجِ بدل میں کون سا حج کرے؟

سوال[۱۰۶۰۷]: ۱... ایک شخص نے حج فرض ہونے کے باجود حج ادا نہیں کیا، نیز مرتے وقت اپنی جانب سے حجِ بدل کرانے کی ورثاء کو وصیت بھی نہیں کی، اب میت کا لڑکا کسی شخص کے ذریعہ اپنے والد کا حجِ بدل کراتا ہے اور حج کو جانے والا شخص اس میت کی جانب سے حجِ فرض ہی کی نیت سے احرام باندھتا ہے، بایں طور کہ فلاں ابن فلاں پر جو حج فرض تھا، اسی حج فرض کا میں احرام باندھ رہا ہوں اور اسی نیت سے تلبیہ پڑھتا ہوں تو میت کا حجِ فرض ادا ہوگا یا نہیں؟ اور میت اپنے فریضہ سے بری الذمہ ہوکر عنداللہ مطالبہ سے بری ہوجائے گا یا نہیں؟

۲... مذکورہ بالا صورت میں اس شخص کو باجازت آمر حج کی تین قسموں میں سے ہر ایک کی شرعاً اجازت ہے یا کسی خاص قسم کی؟

۳... اشہرِ حج شروع ہونے کے بعد یہ شخص مکہ معظمہ جاتا ہے، دو چار روز وہاں قیام کرکے پھر مدینہ طیبہ جاتا ہے، وہاں سے ایامِ حج سے پہلے پہلے مکہ معظمہ واپس آکر حج بدل کرتا ہے، لہذا اس صورت میں اس کو لازمی طور پر دو عمروں کا احرام باندھنا ہوگا (ایک یلملم دوسرا ذوالحلیفہ سے) چنانچہ اوپر والی صورت میں اس شخص کو دونوں عمروں کا احرام میت کی طرف سے ہی باندھنا لازم اور ضروری ہے یا پھر باجازت آمر دونوں عمروں کا اپنی جانب سے یا علی الاطلاق دونوں میں سے کسی ایک عمرہ کا احرام باندھنا بھی شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... میت نے حجِ بدل کی وصیت نہیں کی ورثاء اس کی طرف سے حجِ بدل کرادیں اور مامور حج فرض کی نیت میت کی طرف سے ادا کرے تو انشاء اللہ میت کے فریضہ کے لئے کافی ہوجائے گا(۱)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالی عنه، أن رجلاً سأل النبي صلی الله تعالی علیه وسلم فقال: هلك أبي ولم يحج. قال: "أرأيت لو كان علی أبيك دين فقضيته عنه أيتقبل منه؟" قال: نعم. قال: فاحجج عنه" (سنن الدارقطني، كتاب الحج: ۲/۲۶۰، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور)

"ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالی". (الفتاوی التاتارخانية، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۲۶، إدارة القرآن كراچی) =

۲..... احوط یہ ہے کہ ایسی صورت میں تمتع نہ کرے(۱)۔

۳..... بہتر یہ ہے کہ اشہر حج میں یلملم سے احرام نہ باندھے، جدہ سے مدینہ طیبہ چلا جائے پھر وہاں سے چل کر ذوالحلیفہ میں احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آجائے اور اسی احرام سے حج ادا کرے، درمیان میں حلال نہ ہو۔اس کا یہ احرام افراد کا ہوگا یا قران کا(۲)۔حجِ تمتع کرنے والے کے لئے اس کی اجازت ہے کہ عمرہ کسی اور کی طرف سے کرے اور حج اپنی طرف سے(۳)، اشہر حج میں متمتع کو ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے میں اختلاف ہے،اس سے بچنا ہی بہتر ہے(۴)، حجِ بدل کے ذریعہ سے جب فریضہ میت کو ساقط کرنا مقصود ہے تو

= (وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن الغير: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "حجِ بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ حجِ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے۔ (معلم الحجاج، ص: ۳۳۲، ادارۃ القرآن کراچی)

(تنبیہ) پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حجِ بدل میں تمتع نہ کیا جائے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (زبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۴۵۶، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۱۲، دار العلوم كراچي)

(وأيضاً راجع لتفصيل لهذه المسئلة فتاوى محموديه، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، حجِ بدل میں تمتع: ۱۰/۴۱۱-۴۱۴، اداره الفاروق كراچي)

(۲) "قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عني بهذا المال كيف شئت، إن شئت حجة، وإن شئت حجة وعمرة وإن شئت قراناً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج: ۱/۳۰۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوى رحيميه، كتاب الحج: ۸/۱۲۸-۱۲۹، دار الاشاعت)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۳۲۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الحج: ۴/۵۲۳، سعيد)

(۳) "ولا يشترط أن يكون النسكان عن شخص واحد لجواز أن يكون أحدهما عن نفسه والآخر عن غيره، حتى لو أمره شخص بالعمرة وآخر بالحج أي: وأذنا له في التمتع جاز". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب التمتع، قبيل فصل المتمتع على نوعين، ص: ۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۲۲۵، مكتبه تهانوى)

(۴) "پس بہتر یہی ہے کہ متمتع کو بعد عمرۂ تمتع کے حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرنا چاہئے"۔ "خلاصہ مطلب یہ ہوا باوجود اس =

اس میں تمتع نہ کیا جائے (۱)، حج سے پہلے نہ ایک عمرہ کرنے دو، بلکہ طول احرام سے بچاؤ کی صورت اوپر تحریر کردی گئی ہے، پھر بعد حج جس قدر دل چاہے اور جس جس کی طرف سے چاہے عمرہ کرے یا پھر قبل رمضان کے جہاز سے جائے اور رمضان المبارک میں جتنے دل چاہے عمرے کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حج بدل میں تمتع کرنے کا حکم

سوال[۱۰۶۰۸]: ماہ شوال میں جو جہاز حج کے لئے جانے والا ہے اس میں حاج عن الغیر کی مدت طویل ہوجاتی ہے، جس میں بے حد مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے ضرورت دفع حرج اور تیسیر سہولت کی بناء پر حاج عن الغیر کو حج تمتع صحیح ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج بدل میں تمتع کی اجازت نہیں (۲)، ایسے شخص کو اگر شوال ہی میں جانا ہو تو وہ میقات (یلملم) سے احرام نہ باندھے، بلکہ جدہ پہنچ کر مدینہ طیبہ چلا جائے، وہاں سے شروع ذی الحجہ میں حج کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ آجائے اور حسب قواعد شرعیہ مناسک ادا کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۸ھ۔

= اختلاف کے مدمیں رہ کر یہ تمتع ثانی عمرہ نہ کرے"۔ (زبدۃ المناسک تمتع کے ادا کرنے کا بیان، ص ۳۱۸،۳۱۶، سعید)

(۱) راجع الحاشیة المتقدمة آنفا

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان: حج بدل میں کون حاج کرے؟

(۳) "أن الآفاقي الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلى الميقات، وأحرم هل يصح عن الآمر؟ قيل: لا، وقيل: نعم. قلت: وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات، وأحرم. والجواب عن قوله لأن سفره حينئذ لم يكن للحج أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياما لبيع أو شراء مثلاً، ثم يدخل مكة لم يخرج عن أن يكون سفره للحج، كما لو قصد مكانا آخر في طريقه ثم النقلة عنه". (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۶، سعيد)

حجِ بدل والے کے لئے تمتع سے بچاؤ کا طریقہ

سوال[۱۰۲۰۹]: حج بدل کے لئے احرام میقات سے باندھنے کے بعد حج کی تکمیل تک رکھنا کیا ضروری ہے، جب کہ تقریباً چار ماہ احرام میں رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ رمضان سے پہلے جا رہا ہوں کیا عمرہ کر کے احرام اتار سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہِ مہربانی جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب رمضان سے قبل آپ جا رہے ہیں تو میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کر لیں (۱)، پھر رمضان المبارک میں جس قدر بھی ہو سکے عمرہ کرتے رہیں، رمضان المبارک کا ایک عمرہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے (۲)، پھر رمضان ختم ہونے پر کوئی عمرہ نہ کریں، اگر حج تک مکہ

---

(۱) "وشرعاً أن يفعل العمرة أو أكثر أشواطها في أشهر الحج". (الدرالمختار) "(تنبيه) ذكر في اللباب أن شرائط التمتع أحد عشر: الأول: أن يطوف للعمرة كله أو أكثره في أشهر الحج". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب التمتع: ۵۳۲/۲، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب التمتع، فصل في شرائطه، ص: ۲۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب السابع: ۲۳۸/۱، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لما رجع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من حجته، قال لأم سنان الأنصارية: ما منعك من الحج؟ قالت: أبو فلان ... قال: فإن عمرة في رمضان تقضي حجة أو حجة معي". (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب حج النساء: ۲۵۱/۱، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لما رجع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من حجته ... قال: فإن عمرة في رمضان تقضي حجة معي.

(وقوله تقضي حجة) يعني ثواب العمرة مثل ثواب الحج". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الحج، باب حج النساء: ۳۱۷/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن عمرة في رمضان تعدل حجة" متفق عليه. .... =

معظمہ ہی میں رہتا ہو، تو حج کے موقع پر جدہ آ کر حج کے لئے احرام باندھ لیں، اگر مدینہ طیبہ پہلے جانا چاہیں تو چلے جائیں، وہاں سے حج کے قریب چل کر ذوالحلیفہ میں احرام باندھ لیں یا مدینہ طیبہ ہی سے احرام حج باندھ لیں اور حج ادا کریں، اس صورت میں نہ احرام طویل ہوگا، نہ تمتع کی نوبت آئے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

حج بدل کے بعد اگر استطاعت ہو جائے تو فریضہ ساقط نہیں ہوتا

سوال [۱۰۶۱۰]: زید مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، وہ تین سال تک تعلیم پاتا رہا، ایک مرتبہ اس نے اپنا حج کیا اور اس کے والدین پر حج واجب ہے، زید نے دوسرے سال میں والد کی طرف سے اور تیسرے سال میں والدہ کی طرف سے حج بدل کیا تو اس کا یہ حج بدل صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو پھر اس کے جواز کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا حج تینوں دفعہ صحیح ہوگیا، پہلے حج سے اس کا فریضہ ادا ہوگیا (۲)، دوسرے تیسرے حج کا والدین کو ثواب پہنچ گیا (۳)، لیکن اگر والدین کے ذمہ حج فرض ہو جائے گا تو وہ ادا کرنا ہوگا، وہ اس کے حج سے ساقط نہیں

= (قوله تعدل حجة) أي. تعادل وتماثل في الثواب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الحج، الفصل الأول: ۵/ ۳۸۳، رشيديه)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: حج بدل میں تمتع کرنے کا حکم۔

(۲) "والفقير إذا حج ماشياً ثم أيسر لا حج عليه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/ ۴۳۷، إدارة القرآن كراچی)

"فإذا تحمل الحرج وقع موقع الحج كالفقير إذا حج والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلى مكة صار كأهل مكة فيلزمه الحج". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۱۷، رشيديه)

(۳) "والأصل فيه: أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً ..... أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة ... فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره، من الأموات =

ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۳ھ۔

عورت کا حج بدل کرانا

سوال[۱۰۶۱۱]: ایک نابینا تندرست عورت ہے، اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ حج بدل کرا سکتی ہے یا خود ہی حج فرض ادا کرے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو خود جانے کا شوق ہے اور محرم اس کو ساتھ لے جانے والا موجود ہے، تو خود جا کر بھی حج کر سکتی

= والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم ... وكذا لو حج". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، ۱۰۶، رشيديه)

"الأصل: أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره، وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة". (الدرالمختار). "(قوله: بعبادة) أي: سواء كانت صلاة أو صوما ... أو طوافاً أو حجاً أو عمرة.

(وقوله: لغيره) أي من الأحياء والأموات". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۹۵/۲، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۷۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "الأول وجوب الحج أي: بالمال فلو أحج فقير أو غيره ممن لم يجب عليه الحج عن الفرض لم يجز حج غيره عنه أي: عن فرضه وإن وجب بعد ذلك. لأن النية السابقة لا تجزئ عن وجوب العبادة اللاحقة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۰۰/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۱۰/۳، رشيديه)

ہے، نہ جانا چاہے تو حج بدل بھی کرا سکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۲/۱۲/۹۲ھ۔

حج بدل میں عورتیں طواف کب کریں؟

سوال[۱۰۶۱۲]: عورتیں اگر حج کو جاویں تو طواف ان کو رات ہی کرنا چاہیے یا جس وقت پہونچے اس وقت کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ وہ رات میں طواف کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حکومت کی طرف سے ملنے والا نقصان کا معاوضہ آمر کا ہے یا مأمور کا؟

سوال[۱۰۶۱۳]: زید اور اس کی بیوی حج کو گئے اور ساتھ میں زید، عبداللہ اور اس کی بیوی کو اپنے

---

(۱) "والمراد بالصحة صحة الجوارح فلا يجب أداء الحج على مقعد ..... والأعمى والمحبوس ..... وظاهر الرواية عنهما: أنه يجب عليهم الإحجاج فإن أحجو أجزأهم ..... ولو تكلف هؤلاء الحج بأنفسهم سقط عنهم ..... لأن سقوط الوجوب عنهم لدفع الحرج، فإذا تحملوا وقع عن حجة الإسلام كالفقير إذا حج". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۵، ۵۴۶، رشيديه)

"(قوله: صحيح البدن) أي: سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بدمنه في السفر، فلا يجب على مقعد ... وأعمى ... وظاهر الرواية عنهما: وجوب الإحجاج عليهم ... ولو تكلفوا الحج بأنفسهم سقط عنهم". (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۳۸۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "وللمرأة البعد ... وأن تطوف ليلاً؛ لأنه أسترلها وإن كانت عجوزة مستورة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في مستحباته (الطواف)، ص: ۱۷۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"والثالث: تستحب لها أن تطوف ليلاً؛ لأنه أسترلها". (المجموع شرح المذهب، كتاب =

باپ اورمرحوم بیوی کے لئے حج بدل کو لے گیا، دوران حج آگ کا حادثہ ہوا اوران کا کچھ نقصان ہوا، حج سے فارغ ہونے کے بعد سعودی حکومت نے اعلان کیا کہ جو حاجی آگ میں نقصان اٹھائے ہوئے ہیں، ان حاجیوں کو بطور امداد ہر حاجی کو ایک ہزارروپے دینے کا وعدہ ہوا، بڑی کوشش سے وہ امدادی رقم عبداللہ نے حاصل کی، اب زید کہتا ہے کہ یہ پوری رقم چار حاجیوں ہی اس کا حق ہے، جو حج بدل کو گئے، عبداللہ کہتا ہے کہ آپ ہم کو حج بدل کے لئے لے گئے اور ہم حج ادا کردیئے، اس رقم کو اور تمہارے حج بدل کو کوئی تعلق نہیں، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عبداللہ اوراس کی بیوی کا اس حادثہ میں وہ مال ضائع ہوا جو خود ان کی ملک تھا، تب تو اس کا معاوضہ قرار دے کر یہ روپیہ ایک ایک ہزار دونوں کو دے دیا جائے، اگر وہ مال ضائع ہوا جو زید نے ان کو دیا تھا، یا زید کے دیئے ہوئے روپیہ سے خریدا تھا تو وہ روپیہ زید کا ہے، عبداللہ اوراس کی بیوی کو مطالبہ نہیں کرنا چاہیے(۱)، انہوں نے حج بدل کردیا جس کا اجر بہت بڑا ہے، ایک ہزار روپیہ کی اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟! زید کو عبداللہ اوراس کی بیوی کا احسان مند ہونا چاہیے کہ انہوں نے حج بدل کیا اور سفر کی مشقت اٹھائی اگر وہ ان کو یہ روپیہ دے دے تو یہی مکارم اخلاق کا تقاضہ ہے اور حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ جان سب کی بچ گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الحج، باب الإحرام وما يحرم فيه: ۲/ ۳۲۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في معلم الحجاج، طواف کا بیان، ص: ۱۳۵، مکتبہ تھانوی)

(۱) "لما في شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۸۵: "الخراج بالضمان" يعني أن من يضمن شيئاً لو تلف ينتفع به في مقابلة الضمان.

وفيه المادة: ۸۷: "الغرم بالغنم يعني أن من ينال نفع شيء يتحمل ضرره" يعني إذا كانت النعمة بمقابلة الضرر، فالضرر يتحمل بمقابلة النعمة.

وفيه أيضاً، المادة: ۸۸: "النعمة بقدر النقمة والنقمة بقدر النعمة" (۱/ ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۴۷، رشيديه)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

ترتیبِ واجب کے خلاف کرنے سے وجوبِ دم کا حکم

سوال [۱۰۲۲۹]: تمتع میں عورت کو دس تاریخ میں رمی، ذبح، حلق اور طوافِ زیارت میں ترتیب قائم رکھنے میں دشواری ہو تو کیا دم دینا پڑے گا؟ اسی طرح عورتوں کے قافلے میں جو لوگ ہیں، عورتوں کی وجہ سے انہیں بھی ترتیب قائم رکھنے میں دشواری ہو تو کیا دم دینا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! ترتیبِ واجب کے خلاف کرنے سے دم دینا پڑے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو حلق المفرد أو غيره أي: من القارن والمتمتع قبل الرمي أو القارن أو المتمتع أي: أو حلقاً قبل الذبح أو ذبحا قبل الرمي فعليه دم". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في ترك الترتيب بين أفعال الحج، ص: ۳۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"(أو قدم نسكاً على آخر) فيجب في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي، ثم الذبح لغير المفرد، ثم الحلق، ثم الطواف". (الدر المختار). "لما كان قوله "أو قدم" الخ بياناً لوجوب الدم بعكس الترتيب فرع عليه أن الترتيب واجب. والحاصل: أن الطواف لايجب ترتيبه على شيء من الثلاثة، وإنما يجب ترتيب الثلاثة: الرمي، ثم الذبح، ثم الحلق لكن المفرد لاذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق فقط". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الجنايات: ۱/۴۳۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۳/۴۱، ۴۲، رشيديه)

قارن عمرہ کے بعد احرام کھول دے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۶۱۵]: ایک شخص نے پاکستان میں حج بدل کے لئے قران کی نیت کی، وہ حرم مکی شریف میں آیا اور اس نے عمرہ ادا کیا، چونکہ وہ معلم کے ساتھ ہے، اس لئے اسے معلم مدینہ منورہ بھیج دیتا ہے، آیا اس کو احرام کھول دینا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر وہ کھول دے تو آیا اس پر کیا دم دینا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قارن کو محض عمرہ کر کے احرام کھولنا درست نہیں، حج کے بعد میں احرام کھول سکتا ہے(۱)، اگر اس نے پہلے احرام کھول دیا تو اس کا قران باطل ہو گیا، اس کے ذمہ دم لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

وقوف مزدلفہ رہ جائے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال[۱۰۶۱۶]: احقر نے اس سال مع اپنی اہلیہ کے فریضۂ حج ادا کیا ہے، جس ڈرائیور نے عشاء کے وقت مزدلفہ پہنچایا اور کہا "صلوا، صلوا" ہم نے اور دوسرے حجاج نے نماز مغرب اور عشاء ادا کی، بعد نماز ڈرائیور نے رمی جمار کی کنکریاں جمع کرنے کا اشارہ کیا، لوگوں نے کنکریاں چن لیں، اب اس نے دوبارہ موٹر پر

---

(۱) "إذا دخل القارن مكة بدأ بأفعال العمرة ... ثم يقيم حراماً أي: محرماً؛ لأن أوان تحلله يوم النحر".

(إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في بيان أداء القران، ص: ۲۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"أنه ممنوع من التحلل عنها لكونه محرماً بالحج، فيتوقف تحلله على فراغه من أفعاله أيضاً".

(ردالمحتار، كتاب الحج، باب القران: ۲/۵۳۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/۶۲۹، رشيديه)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۲۱۵، مكتبه تهانوى)

(۲) پانچواں یہ کہ حج اور عمرہ کو فساد سے بچائے ..... اور اگر عمرہ کے اکثر یا کل شوط کرنے کے بعد وقوف عرفات سے پہلے جماع کیا تو عمرہ ہو گیا، فقط حج فاسد ہوگا اور قران باطل ہو گیا۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، ص: ۳۰۵، سعید)

(وكذا في معلم الحجاج، ص: ۲۱۷، مكتبه تهانوى)

بیٹھنے کا اشارہ کیا، تو مجھے شبہ ہوا کہ ڈرائیور اسی وقت منیٰ لے جانا چاہتا ہے، چونکہ ہم ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے سے قاصر تھے، پھر بھی ہم نے کسی طرح بعد نمازِ عشاء وقوفِ مزدلفہ کی بات کی، ڈرائیور نے "طیب" کہا اور کہا کہ ہم مزدلفہ کی سرحد پر رکیں گے، تاکہ صبح صادق ہونے کے بعد فجر کی نماز کے لئے آپ کو منیٰ پہنچادے، ساتھ ہی ایک پاس کے حاجی صاحب بھی تھے، انہوں نے بھی یہ کہا کہ ڈرائیور "طیب" کہتا ہے، کہ ہم لوگ راضی ہوگئے اور موٹر پر بیٹھ گئے، موٹر چلی اور تھوڑی دیر بعد ہی ایک کیمپ اور مسجد خیف کا مینارہ جو بجلی کی بتیوں سے جگمگا رہا تھا، دیکھ کر تھوڑی دیر رکی۔

ڈرائیور خلافِ عادت کہتا ہوا منیٰ کی طرف چلا گیا، اسی طرح میرا اور دوسرے ساتھیوں اور حاجیوں کا وقوفِ مزدلفہ ترک ہوگیا، اس وقت یہ معلوم تھا کہ وقوفِ مزدلفہ مستحب ہے، لیکن مکان آنے پر چند مسئلے سے واقف کار لوگوں سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے کہا کہ دم دینا چاہیے، کیونکہ وقوفِ مزدلفہ واجب ہے، بصورتِ مسئلہ میں ہم میاں بیوی دونوں پر دم واجب ہے، یا ایک پر؟ جیسا کہ معلم الحجاج ص:۱۸۲ پر ہے کہ "عورت اگر مجبوری کی وجہ سے مزدلفہ نہ ٹھہرے، تو اس پر دم واجب نہ ہوگا"، اگر دم واجب ہے تو اب کس طرح اور کہاں ادا کیا جائے؟ دم کا گوشت مساکین کے علاوہ خود یا دوسرے بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر رات مزدلفہ میں ہی گزاری جاتی ہے، اس کی ڈرائیوروں کو ہدایت ہے، اس کی نگرانی بھی کی جاتی ہے، محض بجلی کی روشنی وغیرہ نظر آنے کی وجہ سے سمجھ لینا بھی آسان نہیں کہ حدودِ مزدلفہ سے خارج رات گزاری ہے۔

تاہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دھوکہ ہوا اور صبح صادق کے بعد مزدلفہ میں بالکل وقوف نہیں ہو سکا، بلکہ پہلے مزدلفہ سے نکل کر منیٰ میں داخل ہو گئے اور رات ختم ہونے پر وہیں سے روانگی ہوئی، تو ایک ایک دم (قربانی) دونوں پر واجب ہوگی(۱)، اس کی صورت یہ ہے کہ جانے والے حجاج کی معرفت روپیہ بھیج دے کہ وہ دونوں کی طرف

---

(۱) "ولو ترک الوقوف بمزدلفة بلا عذر لزمه دم، وإن ترکه بعذر بأن کان علة أو ضعف، أو کانت امرأة تخاف الزحام، لا شيء علیه". (غنیة الناسک، باب الجنایات، المطلب السابع في ترک الواجب في الوقوف بمزدلفة، ص: ۲۶۹، إدارة القرآن کراچي)

سے قربانی کردے(۱)، اس قربانی کا گوشت غرباء کھائیں گے، مالدار نہیں کھا سکیں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹/۳/۹۲ھ۔

عمرہ کا احرام کھولنے میں چند بال کٹوائے تو دم لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۱۰۲۱۱]: میں اس سے قبل تقریباً ۶ ماہ قبل عمرہ کے لئے مکہ معظمہ گیا اور عمرہ کے بعد صرف چند بال سر کے کٹوائے تھے اور واپس آگیا۔ (ایک عمرہ کیا تھا) پھر دوبارہ چند ماہ پہلے گیا، تو دو عمرے کئے اور دونوں دفعہ صرف چند بال سر کے کٹوا دیئے تھے (اس دفعہ دو عمرے کئے تھے) اب تک صرف چھوٹی موٹی کتابیں حج وعمرہ پر مل سکیں تھی جس میں مسائل کھول کر بیان نہیں کئے ہوتے۔

الحمد للہ کہ اب قاری محمد سعید صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف کردہ کتاب مل گئی، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حج سنت نبوی کے مطابق ہو سکے، ان شاء اللہ۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ مجھے مطلع فرمائیں کہ فقہ حنفی کے مطابق مجھے پہلے عمروں پر کتنا دم دینا ہے، تاکہ میں ادا کرسکوں اور ساتھ ہی یہ بھی

= "ومن ترک الوقوف بمزدلفة فعليه دم كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، قبيل الباب التاسع: ۱/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۳، سعيد)

(۱) "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم". (فتح القدير، كتاب الحج، باب الهدي: ۳/۱۵۱، عثمانيه)

"والثامن: ذبحه في الحرم، فلو ذبح في غيره لا يجزئه عن الذبح". (غنية الناسك، باب الجنايات، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، ص: ۲۴۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب السادس عشر: ۱/۲۶۱، رشيديه)

(۲) "والحادي عشر: أن يتصدق بلحمه على فقير يجوز التصدق به عليه". (غنية الناسك، باب الجنايات، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ص: ۲۴۳، إدارة القرآن كراچي)

"وكل دم وجب جبراً لايجوز له الأكل منه ولو كان فقيراً ولا للأغنياء إلا إذا أعطاهم الفقراء تمليكا لا إباحة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الهدايا، ص: ۵۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب السادس عشر في الهدي: ۱/۲۶۲، رشيديه)

غرض ہے کہ یہ دم حج کے بعد قربانی کے ساتھ دے دوں یا کہ حج سے پہلے دینا واجب ہے؟ قربانی کے دن دینے میں سہولت رہے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ تینوں عمروں کے تین دم دے دیں (۱)، خواہ حج سے پہلے یا ایام نحر میں یا بعد میں، جب بھی سہولت ہو (۲)۔ اللہ حج مبرور نصیب فرمائے، ہر قسم کی جنایات سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

طوافِ وداع کا چھوٹ جانا

سوال [۱۰۶۱۸]: ہندہ نے حج تو کرلیا، لیکن طواف وداع نہیں کیا، وہ ہندوستان بغیر طواف وداع کے آگئی ہیں، کیا ایسی صورت میں دم لازم ہوتا ہے؟ اگر دم لازم ہوتو کیا جس مقام پر ہندہ رہتی ہے، وہیں ذبح کروایا جائے یا مکہ معظمہ میں اور اگر لازم دم یہاں ذبح کریں تو اس کے گوشت اور چمڑے کو پورا کا پورا خیرات کردیا جائے یا قربانی کی طرح تین حصے کئے جائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر طواف زیارت کے بعد ایک طواف بھی کرلیا ہے، چاہے نفل کی نیت سے کیا ہو، وہی طواف وداع

(۱) عمرہ میں حلق یا قصر جو ربع راس سے کم نہ ہو واجب ہے اور ترک واجب سے دم واجب ہوتا ہے۔ کما في رد المحتار:

"وجب دم لترک الواجب". (رد المحتار، کتاب الحج: ۲/۵۱۹، سعید)

"زاد في البحر ثامناً، وهو ترک الواجب". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب الجنايات، ص: ۳۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات: ۳/۳، رشيديه)

(۲) "ويجوز بقية الهدايا في أي وقت شاء ... لنا أن هذه دماء كفارات فلا تختص بيوم النحر؛ لأنها لما وجبت لجبر النقصان كان التعجيل بها أولى لارتفاع النقصان به من غير تأخير ... ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم". (فتح القدير، كتاب الحج، باب الهدي: ۳/۱۵۱، عثمانيه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسک، الباب السادس عشر: ۱/۲۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الحج، خامساً: مكان ذبح الهدي وزمانه: ۳/۲۰۲، قديمي)

ہوگیا، اگر ایک طواف نہیں کیا، تو ایک دم کی قیمت مکہ مکرمہ بھیج دے(۱)۔ وہیں قربانی کرکے غرباء کو صدقہ کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ومن ترک طواف الصدر أو أربعة أشواط منه فعليه شاة؛ لأنه ترک الواجب أو الأكثر منه". (فتح القدير، كتاب الحج، باب الجنايات: ۳/۵۱، عثمانيه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۳، سعيد)

(وكذا في غنية الناسک، باب الجنايات، المطلب الثاني، ص ۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "والثامن: ذبحه في الحرم، فلو ذبح في غيره لايجزئه ..... والحادي عشر: أن يتصدق بلحمه على فقير يجوز التصدق به عليه". (غنية الناسک، باب الجنايات، مطلب في شرائط جواز الدم، ص ۲۶۱-۲۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، باب الهدايا، ص ۵۱۸-۵۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب السادس عشر في الهدي: ۱/۲۶۱-۲۶۲، رشيديه)

باب المتفرقات

حج کے لئے روپیہ دیا، اس میں سے کچھ بچ گیا، اس کو کیا کرے؟

سوال [۱۰۶۱۹]: (الف) آقا نے اپنے ملازم (ب) کو اس کی پچاس سالہ خدمت کے عوض میں اس کو حج بیت اللہ کرانے کو نقل الاٰن کی مقررہ روپیہ دے کر بیت اللہ شریف بھیجا۔ (ب) نے اپنی کفایت شعاری سے کام لے کر کچھ روپیہ پس انداز کر لیا، تو اب (ب) اس پس انداز کئے ہوئے رقم کو (الف) کو واپس کرے یا اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ وہ پس انداز رقم (الف) کے سامنے پیش کردے کہ یہ بچ گئی ہے، پھر (الف) وہ رقم (ب) کو ہی دے دے خود نہ لے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۲/۹۱ھ۔

حاجیوں کا سامان لانا اور لے جانا

سوال [۱۰۶۲۰]: حج کے لئے جو رقم تبادلہ کر حکومت کرتی ہے وہ محدود ہے، اس لئے حاجی مدراسی لنگی، عطر، صندل وغیرہ لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان پر حکومت کی کوئی پابندی نہیں تا کہ اس سے تجارت کر کے اطمینان سے خرچ کر سکے یا وہاں سے وہ سامان جس پر حکومت سعودیہ کی کوئی پابندی نہیں، مثلاً: لونگ، چاول، دارچینی، ریگ ماہی اور دوسری جڑی بوٹیاں، یہاں پر سونے چاندی کا سوال نہیں۔

---

(۱) "وفي الينابيع. للحاج أن يشتري من الدراهم التي يحج بها دابة للركوب فاذا رجع إلى أهله رد جميع ما في يده مع بقية الدراهم إلا أن يجعله الورثة في حل منها فيكون له ذلك" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج: ۲/۵۷۰، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سامان کے یہاں سے لے جانے اور وہاں سے لانے پر کوئی قانونی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیر حاجی سب کے لئے جائز ہے، ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آئی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان صرف تجارت وغیرہ میں اٹکا رہتا ہے، اس لئے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو اور پیسہ کی کمی کو دور کر کے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت سے اجر وثواب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

حرم میں خرچ کرنے کے لئے دیئے گئے پیسوں کو بمبئی میں خرچ کرنا

سوال [۱۰۶۲۱]: زید حج کو جا رہا تھا، بکر نے اس کو دس روپیہ دیئے کہ ان کو حرم میں خرچ کر دینا، مگر زید نے بمبئی میں ایک غریب شخص کو دے دیئے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے غلطی کی کہ بمبئی میں روپیہ خرچ کر دیا، اس کو حرم شریف میں خرچ کرنا چاہیے تھا، اب وہ بکر کو خبر

---

(۱) "قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى، تحت هذه الآية: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾".

الثانية: إذا ثبت هذا ففي الآية دليل على جواز التجارة في الحج للحاج مع أداء العبادة، وأن القصد إلى ذلك لايكون شركا، ولا يخرج به المكلف عن رسم الإخلاص المفترض عليه. أما إن الحج دون تجارة أفضل. لعروّها عن شوائب الدنيا وتعلق القلب بغيرها". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۱۹۸: ۲/ ۲۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"تجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر كما ذكره الشارح في السير ... وخلط التجارة بهذ القسم كما في فتح لقدير مما لاينبغي". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۱، رشيديه)

(وكذا في غنية الناسک، باب ماينبغي لمريد الحج من آداب السفر، ص: ۳۲، إدارة القرآن كراچی)

کرے کہ وہ اس خرچ پر رضامند ہو تو بہتر ہے، ورنہ دس روپیہ بکر کو واپس کردے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۵ھ۔

کیا مدینہ منورہ میں بھی عمرہ ہوتا ہے؟

سوال[۱۰۶۲۲]: کیا مدینہ منورہ میں بھی عمرہ کیا جائے، جیسا کہ مکہ مکرمہ میں کیا جاتا ہے، زید کہتا ہے کہ مدینہ میں بھی کرنا چاہیے، آیا قول زید صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عمرہ میں دو کام کئے جاتے ہیں، ایک طواف بیت اللہ، دوسرا کام صفا مروہ کے درمیان سعی، یہ دونوں تو صرف مکہ مکرمہ میں ہوتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج سے آنے والوں کے ساتھ معانقہ اور دست بوسی

سوال[۱۰۶۲۳]: یہاں پر جب لوگ حج کرکے آتے ہیں تو مرد وعورت سب ہی لوگ ان کے گلے

---

(۱) "الوكيل إنما يملك التصرف من الموكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فليس له مخالفته كما في سائر أنواع الوكالة". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۷۱، رشيديه)

"الوكيل إذا خالف من حيث الجنس لاينفذ على الآمر وإن كان الثاني به أنفع من المأمور به".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثاني في الوكيل بالشراء: ۳/۵۷۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۵۲۱، سعيد)

(۲) "وهي إحرام وطواف وسعي وحلق أو تقصير فقط". (غنية الناسك، باب العمرة، ص: ۱۹۲، إدارة القرآن كراچی)

"وأما ركنها فالطواف، لقوله عزوجل: ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ ولإجماع الأمة ..... وأما واجباتها فشيئان: السعي بين الصفا والمروة والحلق أو التقصير" (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في العمرة: ۲/۴۷۹، ۴۸۰، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب العمرة، ص: ۵۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

ملتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کو اور کندھوں کو بوسہ دیتے ہیں، کیا یہ جائز و درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قصد سے کہ کوئی شخص مکہ مکرمہ سے آرہا ہے، اس کی تعظیم اور محبت کی خاطر ہاتھوں کو چومنا درست ہے، معانقہ کی بھی اجازت ہے (۱)، مگر عورت کو نامحرم کے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۲/۲۰ھ۔

حج میں کیا تمنا کی جائے؟

سوال [۱۰۶۲۴]: حج میں جانے والے کو کیا تمنا کرنا چاہیے؟ وہاں مرنے کی یا واپس آنے کی؟ اس میں جو احسن ہو تحریر فرمائیں۔

حافظ محمد صدر الدین ٹی اسٹال میر گنج سلطان پور یوپی

---

(۱) "وقد كان من سنة السلف رضي الله تعالىٰ عنهما أن يشيعو الغزاة، وأن يستقبلوا الحاج، ويقبلوا بين أعينهم، ويسألوهم الدعاء، ويبادرون ذلك قبل أن يتدنسوا بالآثام". (إحياء علوم الدين، كتاب أسرار الحج، الفصل الأول: ۱/۳۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا لقيت الحاج فسلم عليه، وصافحه، ومره أن يستغفر لك قبل أن يدخل بيته فإنه مغفور له رواه أحمد". (مشكاة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الثالث، ص: ۲۲۳، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ رحيميه، كتاب الحج، حج ج کرام کا استقبال: ۸/۳۱، دار الاشاعت)

(۲) "قلنا: الله ورسوله أرحم بنا من أنفسنا، يا رسول الله! ألا تصافحنا قال: لا أصافح النساء". (روح المعاني، تحت آية البقرة: ۱۲: ۲۸/۸۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ما حل نظره حل لمسه إذا أمن الشهوة على نفسه وعليها ...... إلا من أجنبية فلا يحل مس وجهها وكفها، وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس: ۸/۳۵۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تمنا کرنا چاہیے کہ اگر میری بہتری وہیں موت میں ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں موت نصیب فرمائے، اگر بہتری واپسی میں ہے تو اللہ تعالیٰ سب گناہ سے پاک وصاف کرکے عافیت کے ساتھ واپس لائے اور پوری اطاعت کی توفیق دے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۲/۸۶ھ۔

حج کی درخواست میں اپنے آپ کو دوسرے صوبہ کا بتلانا

سوال [۱۰۴۲۲]: ایک شخص حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہے، چونکہ یوپی میں حجاج کی کثرت کی وجہ سے اکثر درخواست منظور نہیں ہوتی، اس لئے اگر کوئی شخص حیلہ بنا کر اپنے کو کسی دوسرے صوبہ بنگال یا بہار کا باشندہ ظاہر کرکے درخواست منظور کرائے تو یہ فعل شرعاً جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ یہ فعل کذب میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسرے صوبہ میں کچھ مدت رہا ہو یا رہتا ہو تو اس کی طرف نسبت کرنا بھی بے اصل نہیں، محدثین کے یہاں بھی ایک مخصوص مدت تک ایک جگہ قیام کرنے سے اس کی طرف نسبت کرنا درست ہے (۲)، نیز اس

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يتمنين أحدكم الموت من ضر أصابه، فإن كان لا بد فاعلاً فليقل: "اللهم أحيني ما كانت الحيوة خيراً لي، وتوفني إذا كانت الوفاة خيراً لي". (صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب نهي تمني المريض الموت: ۲/۸۴۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة: ۲/۳۴۲، سعيد)

(وسنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في النهي عن التمني للموت: ۱/۱۹۱، سعيد)

(۲) "قال عبدالله بن المبارك وغيره: من أقام في بلدة أربع سنين نسب إليها". (تدريب الراوي في شرح تقريب النووي، النوع الخامس والستون: ۲/۳۹۴، ۳۹۵، دار طيبة)

"وقد روى الحاكم أبو عبدالله في تاريخ نيسابور، عن عبدالله بن المبارك رحمه الله تعالى أنه قال: من أقام في مدينة أربع سنين فهو من أهلها". (إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق، =

نسبت کرنے سے کسی کی حق تلفی بھی نہ ہوتی ہو تو گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج کی درخواست منظور کرانے کے لئے سو روپیہ دینا

سوال[۱۰۶۲۹]: کوئی شخص حج بیت اللہ کا متمنی ہے، اس سے کوئی سو روپیہ یا اس سے کم وبیش اس یقین کا معاوضہ طلب کرتا ہے کہ وہ اسی سال درخواست حج بیت اللہ منظور کرادے گا، تو ایسی صورت میں یہ معاوضہ دے کر حج کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر درخواست منظور کرانے میں ذمہ داروں کے پاس جانے، سفر کرنے وقت خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے اور یہ شخص سفر خرچ یا حق المحنت کے طور پر مبلغ سو روپے لے، تو اس طرح حج کرنا درست ہے(۲)، بغیر ان سے ملے اور بغیر خصوصی کوشش کے بسا اوقات درخواست پڑی رہتی ہے، نامنظور ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۴ھ۔

= النوع الخامس والستون، ص: ۲۴۹، دار الیمامة دمشق)

(وكذا في كتاب معرفة علوم الحديث، النوع الثاني والأربعين، ص: ۲۰۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: إن من قضاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قضى أن لا ضرر ولا ضرار" (السنن الكبرى، كتاب إحياء الموات: ۲/۲۵۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال في "التاتارخانية": "وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشر دنانير كذا، فذلك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الرابع: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب السمسار: ۵/۱۲۸، ۱۲۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

قصبہ کے بجائے ضلع کے نام سے درخواست حج جمع کرانا

سوال[۱۰۶۲۷]: ہمارے یہاں قصبہ شیرکوٹ کے نام سے حج کے لئے پاسپورٹ یا منظوری نہیں ہوتی اور کسی دوسرے شہر کے نام سے پاسپورٹ یا منظوری ہوجاتی ہے، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بجنور سے منظور ہوجاتی ہے، تو ضلع بجنور کا رہنے والا اپنے آپ کو بجنوری کہہ کر بھی درخواست دے سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(من كان من أهل قرية بلدة) بإضافة قرية إليها (فيجوز أن ينسب إلى القرية) فقط، (وإلى البلدة) فقط، (وإلى الناحية) التي فيها تلك البلدة فقط، زاد المصنف (رحمه الله تعالى) (وإلى الإقليم) فقط".

(تدريب الراوي في شرح تقريب النووي، النوع الخامس والستون: ۲/۴۱۳، دارطيبة)

"ومن كان من أهل قرية من قرى بلدة، فجائز أن ينتسب إلى القرية، وإلى البلدة أيضاً، وإلى الناحية التي منها تلك البلدة أيضاً". (معرفة أنواع علم الحديث، لابن الصلاح، النوع الخامس والستون، ص: ۵۰۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق صلى الله تعالى عليه وسلم، النوع الخامس والستون، ص: ۲۴۹، دار اليمامة دمشق)

کتاب النکاح

(نکاح کا بیان)

نکاح پڑھانے کا طریقہ

سوال[۱۰۲۲۸]: نکاح پڑھانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح نکاح پڑھایا کرتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرادیا جائے اسی سے نکاح ہوجاتا ہے، مگر اتنا ضروری ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں ہو(۱)، لڑکی بالغہ ہو تو اس سے اجازت لی جائے (۲)، نابالغہ ہو تو ولی کو خود اختیار ہے (۳)، مہر بھی

---

(۱) "وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهم وقبول من الآخر وضعاً للمضي کزوجت ... وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً فاهمین مسلمین". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح: ۳/۹-۲۳، سعید)

"الشرط الخاص للانعقاد، سماع اثنین بوصف خاص للإیجاب والقبول ... ورکنه الإیجاب والقبول حقیقة أو حکماً". (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۳۹، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب النکاح: ۳/۱۷۷، عثمانیه)

(۲) "قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لا تنکح البکر حتی تستأذن ... الخ" (مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قدیمي)

(وکذا في رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۹، رشیدیه)

(۳) "(وللولي إنکاح الصغیر والصغیرة) جبراً (ولو ثیباً، ولزم النکاح)". (الدر المختار، کتاب النکاح،=

متعین کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۵/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھنا

سوال [۱۰۶۲۹]: محفل عقد میں ہماری مسجد کے امام صاحب نے خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھا، تو ایک صاحب نے فرمایا کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سب بیٹھے ہیں، آپ کھڑے ہوکر پڑھ رہے ہیں تو عالی جناب فرمایئے کہ کیا کھڑے ہوکر خطبہ نکاح نہ پڑھا جائے اور بیٹھ کر پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں طرح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

کم بولنے والے کا نکاح

سوال [۱۰۶۳۰]: ایک شخص کم بولتا ہے نہ پاگل ہے نہ گونگا، سوال یہ ہے کہ اب اس کی شادی کرنی

= باب الولي: ۳/ ۶۵، ۶۶، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/ ۴۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/ ۳۱۷، شركت علميه ملتان)

(۱) "وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۱۰۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۳۰۹-۳۱۰، عثمانيه)

(۲) ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے، لیکن کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہوکر خطبات پڑھنے کی تھی۔ (خیر الفتاویٰ، متفرقات نکاح: ۴/ ۵۹۱، ملتان)

اصل خطبوں میں کھڑے ہوکر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے۔ عرب میں بھی اب یہی رواج ہوگیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب النکاح: ۸/ ۱۴۷، دارالاشاعت کراچی)

ہے تو نکاح میں اگر اس نے ایجاب وقبول نہیں کیا اور گردن کے اشارے سے ہاں کہہ دیا، تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زبان سے ہاں کہہ سکتا ہے، تو زبان سے کہنا ضروری ہے (۱)، جو شخص زبان سے نہ بول سکے، اس کا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

ایضاً

سوال [۱۰۶۳۱]: ایک شخص کم گو ہے، اشارے سے ہاں نہیں کا جواب دیتا ہے، شادی کے موقع پر اگر اس نے اشارے سے ہاں کہہ دیا، زبانی ایجاب وقبول نہ کیا، تو اس کا نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ بولنے پر قادر ہے، اپنی صوابدید کے مطابق بولتا اور بات بھی کرتا ہے، تو اس کے لئے ایجاب

---

(۱) "الإشارة إنما تعتبر إذا صارت معهودة، وذلک في الأخرس دون المعتقل، ولأن الضرورة في الأصل لازمة وفي العارض على شرف الزوال". (مجمع الأنهر، مسائل شتى: ۲/ ۷۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"(والإيماء بالرأس) من الناطق ليس بإقرار بمال وعتق وطلاق وبيع ونكاح". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الإقرار: ۵/ ۵۹۵، سعدی)

"قوله: (بخلاف معتقل اللسان) بفتح القاف، يقال: اعتقل لسانه بضم التاء إذا احتبس عن الكلام ولم يقدر عليه، مغرب أي: فلا يعتبر إيماء ه ولا كتابته". (الدر المختار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۳۴، سعيد)

(۲) "كما ينعقد النكاح بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس إذا كانت إشارته معلومة". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل ركن النكاح: ۲/ ۴۸۸، رشيديه)

"الإشارة إنما تعتبر إذا صارت معهودة، وذلک في الأخرس دون المعتقل". (مجمع الأنهر، مسائل شتى: ۲/ ۷۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۹/ ۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه)

نکاح کے بعد زبان سے ہی قبول کرنا ضروری ہے، اس کو مسئلہ سمجھا دیا جائے کہ بغیر زبان سے قبول کئے نکاح تام نہ ہوگا (۱)، اس لئے ایجاب کے بعد زبان سے کہہ دینا کہ میں نے قبول کیا، یا پھر دوسرے شخص کو قبول کے لئے وکیل بنادے، وہ اس کی طرف سے قبول کرے، تب بھی صحیح ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

والدین کا نکاح پڑھانا

سوال [۱۰۶۳۲]: والدین اپنے لڑکے اور لڑکی کا نکاح خود پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھا سکتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

نکاح کی اجازت نہ دے کر رخصت ہوجانا، پھر وہاں سے فرار ہوجانا

سوال [۱۰۶۳۳]: ا..... زید کی شادی سلمہ سے مورخہ ۶/ جون ۱۹۷۹ء کو ہوئی، دو ہفتہ بعد سلمہ میکے

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان "گونگے بولنے والے کا نکاح"۔

(۲) "یصح التوکیل بالنکاح وإن لم یحضره الشهود". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب السادس: ۱/۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب النکاح، الوکالة بالنکاح: ۳/۲۹، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل أما رکن النکاح: ۲/۲۸۷، رشیدیه)

(۳) نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے اور یہ کوئی بھی کراسکتا ہے، چاہے والد ہو یا کوئی اور، البتہ نیک وصالح آدمی سے ایجاب وقبول کرانا اور خطبۂ نکاح پڑھوانا سنت ہے۔

"یندب إعلانه، وتقدیم خطبة، وکونه في مسجد یوم الجمعة بعاقد رشید". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

"یستحب ... أن یکون قبله خطبة ... وأن یتولی عقده ولي رشید". (البحر الرائق، کتاب النکاح، قبیل قوله وینعقد ... الخ: ۳/۱۴۴، رشیدیه)

چلی گئی، ایک ماہ بعد آئی، ایک ہفتہ رہنے کے بعد میکے چلی گئی، بہت جستجو اور چھان بین کرنے کے بعد پتہ چلا کہ سلمہ کے ناجائز تعلقات چچازاد بھائی سے پرانے ہیں، جب لڑکی سے اس کی سہیلی نے سسرال میں نہ رہنے کا سبب معلوم کیا تو سلمہ نے ساری باتیں اپنی سہیلی کو بتادیں اور کہا کہ میری شادی جبراً کی گئی ہے، میں کسی طرح بھی سسرال نہیں رہوں گی، بلکہ فرار ہوکر چلی جاؤں گی اور کورٹ میرج کروں گی، جب سہیلی نے کہا کہ شادی سے پہلے کیوں ظاہر نہیں کیا؟ تو جواب دیا کہ میرے والد اور بھائی مجھ کو مار ڈالتے، پھر سہیلی نے کہا کہ تو نے نکاح کے وکیل و گواہی سے منع کیوں نہیں کیا، تو جواب دیا کہ والد صاحب کو سب معلوم تھا، اس وجہ سے وہ خود ہی وکیل بنے مجھ کو مجبور کیا، مگر میں نے پھر بھی زبان سے اقرار نہیں کیا، عورتوں نے میری طرف سے جواب دیا جو کہ منظوری جان لیا گیا۔ اُدھر سلمہ اپنے سسرال سے فرار ہوگئی ہے اور ۲۶ گھنٹے اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں رہی، جس کے دو نوجوان کنوارے لڑکے بھی ہیں، اس کے بعد اس نے سلمہ کو اس کے میکے بھیج دیا اور پھر بلا لیا، غرض کبھی میکے رہتی ہے کبھی رشتہ دار پھوپھا کے یہاں، مندرجہ بالا حالات میں کیا نکاح باقی رہا؟

۲... کیا وہ مہر لینے کی حق دار ہے؟

۳... کیا اپنے میکے میں رہتے ہوئے نان نفقہ کی حق دار ہے؟

۴... کیا لڑکی کا باپ وکیل بن سکتا تھا؟

۵... لڑکی کہتی ہے اگر کوئی اور وکیل ہوتا تو میں انکار کر دیتی۔

۶... کیا شوہر اور گھر والوں کو دھوکہ دے کر فرار ہوکر چلے جانے کے بعد نکاح قائم رہا؟

۷... اس کا دل اپنے شوہر سے قطعی نہیں رہا، اس کو ہمیشہ غلط نظروں سے دیکھتی رہی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱... جب کہ ایجاب وقبول کے بعد لڑکی نے اس کو نامنظور نہیں کیا اور حسب رواج رخصت ہوکر شوہر کے مکان کو چلی گئی، تو اس نکاح میں کوئی شبہ نہ کریں، یہ نکاح صحیح ہو چکا ہے(۱)، اگرچہ وہ اس سے خوش نہ ہو۔

---

(۱) "ومن شرائط الإيجاب والقبول... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما". (الدر المختار). "(قوله: ليتحقق رضاهما) أي: ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا؛ إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۴، ۲۱، سعيد) =

۲- وہ مہر لینے کی حق دار ہے(۱)۔

۳- بغیر شوہر کی اجازت کے جب تک میکے میں رہے گی شوہر کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے(۲)۔

۴- اگر کسی کو وکیل بنائے تو بن سکتا ہے(۳)۔

۵- لیکن انکار نہیں کیا، والد ہونے کی حمایت کر لی اور نکاح کے بعد اس کو نامنظور بھی نہیں کیا اور شوہر کے مکان پر رخصت ہونے سے بھی انکار نہیں کیا، ایسی صورت میں نکاح بالکل صحیح ہو گیا۔

۶- ان صورتوں کے بعد بھی نکاح برقرار ہے(۴)۔

= "(وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها) أقول أي بعقدها الدال على رضاها". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۵۷/۳، عثمانيه)

"وتثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل، كذا في البحر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس: ۲۹۹/۱، رشيديه)

(۱) "إن المهر واجب بنفس العقد". (رد المحتار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعيد)

"المهر في النكاح الصحيح يجب بالعقد؛ لأنه إحداث الملك، والمهر يجب بمقابلة إحداث الملك". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان ما يجب به المهر: ۵۷۹/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في تكرار المهر: ۳۹۲/۱، رشيديه)

(۲) "وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الأول: ۵۴۵/۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۴۲/۲، رحمانيه لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۰۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس: ۲۹۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الوكالة بالنكاح: ۲۹/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ۲۲۰/۳، رشيديه)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: إن -

ہے..... یہ خود اس کی غلطی ہے، نکاح صحیح ہو جانے کے بعد شوہر سے صحیح تعلق نہ رکھنا محرومی اور بدنصیبی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۱۴۰۰ھ۔

نکاح میں کھانے کپڑے وغیرہ کا تذکرہ

سوال [۱۰۲۳۴]: زید نے نکاح کے بعد خطبہ پڑھا اور بوقت نکاح کھانا، کپڑا، مکان و نفقہ کا تذکرہ نہیں کیا، بکر کا دعویٰ ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح ایجاب وقبول سے ہو جاتا ہے، جب کہ کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہو(۱)، خطبہ ایجاب وقبول

= امرأتي لاتمنع يد لامس، قال: غربها، قال: أخاف أن تتبعها نفسي، قال: فاستمتع بها". (سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار، رقم الحديث: ۲۰۴۹: ۱/۲۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب ماجاء في الخلع، رقم الحديث: ۳۴۶۹: ۱/۲۸۱، دارالمعرفة بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۳۳۱۲: ۱/۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"أن رجلاً أتى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن امرأتي لا تدفع يد لامس، فقال عليه السلام: "طلقها" فقال: إني أحبها وهي جميلة، فقال عليه السلام: استمتع بها..... لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعاً للمضي كزوجت.... وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً فاهمين مسلمين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۹-۲۳، سعيد)

"الشرط الخاص للانعقاد، سماع اثنين بوصف خاص للإيجاب والقبول.... وركنه الإيجاب والقبول حقيقة أو حكماً". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۰۲، عثمانيه)

سے پہلے سنت ہے(۱)، کتب فقہ، درمختار، بحر، فتح القدیر وغیرہ میں ایسا ہی مذکور ہے، کھانا، کپڑا، نان ونفقہ کا ذکر نکاح میں نہیں ہوتا، بکر کا یہ دعویٰ صحیح نہیں، اس سے دریافت کیا جائے کہ نکاح کے لئے نان ونفقہ کا ذکر کس کتاب میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہر ہاتھ کے نیچے چھپا کر ایجاب وقبول کرنا

سوال[۱۰۱۳۵]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک بارات بہت اچھے طریقے سے آئی، کھانا وغیرہ کے بعد با قاعدہ لکھائی پڑھائی ہوئی، خطبہ پڑھا گیا، سب حقوق کئے گئے، مگر امام صاحب نے رجسٹر میں ۵۰۰۰/ پانچ ہزار مہر کو اپنے ہاتھ کے نیچے دبا لیا اور بعد میں کہا کہ پانچ ہزار ہوتے ہوئے باندھے گئے ہیں، اس کو لڑکے والوں نے منظور نہیں کیا اور بات بڑھتی چلی گئی اور بارات کو خالی جانا پڑا، معلوم ہوا ہے کہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا ہے، پہلا نکاح درست تھا یا دوسرا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو صورت پیش آئی وہ یقیناً رنج وافسوس کی صورت ہے، اس کے باوجود اگر یہاں کا ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا(۲) اور دوسری جگہ پر شریعت کے مطابق لڑکی کی اجازت ورضامندی سے نکاح کر دیا گیا تو وہ

---

(۱) "يندب إعلانه وتقديم خطبته". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، البحث الخامس: ۹/۶۶۱۲، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعاً للمضي ... وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹-۲۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۷۷، عثمانيه)

درست ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۱۴۰۰ھ۔

لونڈیوں اور باندیوں کے احکام

سوال[۱۰۶۴۶]: شریعت اسلامیہ میں کنیز اور لونڈیوں کا کیا مرتبہ ہے؟

۱… کیا وہ زرخرید ہوتی تھیں اور ان سے نکاح بھی کیا جاتا تھا؟

۲… کیا ان کی اولاد اگر نکاح کے بغیر ہو تو بھی وراثت کی حق دار ہوتی ہے؟

۳… لونڈیوں کی تعداد کے اوپر کوئی پابندی تھی؟

۴… ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ سات سے زیادہ پوری زندگی میں نہ کی جائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… شرعی طور پر جہاد ہوتا تھا، اس میں گرفتار کرکے لائی جاتی تھیں، وہ تقسیم کردی جاتی تھیں، جس کی ملک میں جو دے دی جاتی اس کو اس سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی(۲)۔

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: لا تنكح البكر حتى تستأذن الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/۰ ۲۷، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۵۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۹/۳، رشيديه)

(۲) "وحرم تزوج الرجل أمته، أو مكاتبته، أو مدبرته، أو أم ولده، أو أمة يملك بعضها لم يكن ذلك نكاحاً". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب النكاح في بيان مايجوز الأنكحة ومالايجوز: ۶/۳، قديمي)

"(وحرم تزوج أخت معتدته) (وأمته وسيدته) أي: حرم عليه نكاح أمته، وحرم على العبد نكاح سيدته للإجماع على بطلانه". (تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۷۵/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۸۰/۳، رشيديه)

۲ ... وہ وراثت کی حق دار ہوتی تھی۔

۳ ... کوئی پابندی نہیں تھی۔

۴ ... یہ قید نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) "وأما الجمع من جهة ملك اليمين فإنه يجوز وإن كثرن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، في بيان مايجوز من الأنكحة ومالايجوز: ۳/ ۵، قديمي)

"لايحل للرجل أن يجمع بين أكثر من أربع نسوة كذا في المحيط السرخسي ... ويجوز للحر أن يتسرى على الإماء ماشاء من العدد وإن كثرن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم الرابع، المحرمات بالجمع: ۱/ ۲۷۷، رشيديه)

باب مایتعلق بالرسوم عند الزواج

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

دلہا کو پالکی میں لے جانا

سوال[۱۰۶۳۷]: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر عرف پالکی میں نوشہ(۱) کو بٹھا کر کاندھے پر رکھ کر لے جاتے ہیں، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پالکی پر سوار ہونا جس کو آدمی کاندھوں پر اٹھائیں درست ہے، مگر اس کو شادی کے موقع پر ضروری قرار دینا شرعی حکم نہیں، بلکہ رسم ہے جس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دولہا کو پھولوں کا ہار پہنانا

سوال[۱۰۶۳۸]: بیاہ شادیوں کے موقع پر دولہا کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے اور ایک شخص اس کو سنت بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا، کیا یہ درست ہے؟

---

(۱) "نوشاہ(نوشہ): دولہا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعه رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر: ۲/۳۴، إدارة القرآن كراچی)

"الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب في الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شادی وغیرہ کے موقع پر دولہا وغیرہ کو پھولوں کا ہار پہنانا قرآن پاک، حدیث شریف، آثارِ صحابہ، فقہ سے کہیں ثابت نہیں، جو شخص سنت بتاتا ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ غلط کہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان باندھتا ہے، اگر وہ دیدہ ودانستہ ایسا کہتا ہے تو تحتِ وعید کا مستحق ہے۔

"من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (الحديث)(۱)۔

اس رسم کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا

سوال[۱۰۲۳۹]: ۱- نکاح کے وقت مسلمان دولہے کو پانچوں کلمے اور ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل پڑھانا، جیسا کہ آج کل بعض علاقوں میں عام رواج ہے، کیسا ہے؟ کیا یہ نکاح کی سنت ہے یا مستحب چیزوں میں سے ہے؟ بعض جگہوں پر ان کلموں کے پڑھانے پر اصرار کیا جاتا ہے اور نکاح خواں اگر نہ پڑھوائے تو اس پر طعن کیا جاتا ہے اور اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ غیر ضروری چیز کے ساتھ ضروری جیسا معاملہ کرنے کی وجہ سے اس کو مکروہ کا حکم دیا جائے گا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے کلمہ پڑھوانا ثابت ہے؟

نکاح کے وقت نماز پڑھوانا

سوال[۱۰۲۴۰]: ۲- دولہا سسرال جاتے وقت اپنے گھر سے نکل کر پہلے مسجد میں جا

(۱) (صحیح مسلم، مقدمة الكتاب، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۸، دار السلام)

(وصحيح البخاري، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۲۳، دار السلام)

(وسنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۳، دار الجيل)

کر دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہے، پھر برات کے ساتھ سسرال کے لئے روانہ ہوتا ہے، خواہ سسرال اپنی ہی بستی میں ہو یا دوسری بستی میں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو لوگ کلمہ اور ضروری عقائد سے واقف نہیں، ان کو کلمہ اور ایمان مجمل ومفصل پڑھا دیا جائے تو ٹھیک ہے تاکہ ایک مرتبہ تو پڑھیں اور اس سے پہلے جو چیزیں کلمہ کے خلاف سرزد ہوئی ہوں، ان سے رجوع کرلیں (۱)۔ مگر جو کلمہ سے بھی واقف، ایمان مجمل ومفصل سے بھی واقف، بلکہ ان کے تقاضوں پر عامل ہیں، ان کو اس خاص موقع پر کلمہ اور ایمان مجمل ومفصل پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان چیزوں کو نکاح خواں سے زیادہ جانتا ہو، ہر شخص کے لئے اس پر اصرار کرنا تعدی ہے جو کہ قابلِ ترک ہے۔ اس میں یہ بھی مظنہ ہے کہ جس کو کلمہ پڑھایا جارہا ہے وہ یہ سمجھے کہ مجھے مسلمان ہی نہیں سمجھا گیا اور اس کے ترک کرنے پر ملامت کرنے کا حق ہی نہیں، ملامت کی وجہ سے تو حکم میں شدت پیدا ہو جائے گی۔

۲..... یہ کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں، جس شخص نے نماز پنجگانہ کا پابند ہو اس کو اس موقع پر نماز پڑھنے پر اصرار کرنا بالکل بے اصل اور غلط ہے، جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو، وہ اس وقت دو رکعت پڑھ بھی لے گا، تو اس سے گزشتہ متروکہ نماز کی قضا تو نہیں ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

نکاح کے وقت کون سی نماز پڑھی جاتی ہے؟

سوال [۱۰۶۴۱]: ہمارے شہر میں قبل نکاح نوشہ (۲) کو دو رکعت نماز پڑھاتے ہیں، یہ کون سی نماز ہے؟ نفل شکرانہ ہے یا کوئی اور؟

---

(۱) "لا شک في فرضية الفرائض الخمس، وعلم الإخلاص ..... وعلم الألفاظ المحرمة أو المكفرة ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان، لأنك تسمع كثيراً من العوام يتكلمون بما يكفر، وهم عنها غافلون، والاحتياط أن يجدد إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين، إذ الخطاء وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير". (رد المحتار، مقدمة: ۱/۴۲، سعيد)

(۲) "نوشاہ (نوشہ) دولہا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۰، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نماز ایسی نماز ہے نہ خدائے پاک نے فرض کی، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسنون قرار دی، یعنی بے اصل ہے(۱)۔ جاہل، بے نمازی دولہا کو نماز پڑھوا کر اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت دیتے ہیں، اسی طرح مجلس نکاح میں کلمہ پڑھوا کر مسلمان ہونا ثابت کرتے ہیں، اگر کوئی شخص پانچوں وقت نماز پڑھتا رہے اور بھی اسلام کی باتیں اختیار کرتا رہے تو مجلس نکاح میں اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/ ۲۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ...الخ: ۱/ ۳۷۱، قديمي)

(۲) "عن معاذ (رضي الله تعالى عنه) قال: قلت يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم! أخبرني بعمل يدخلني الجنة ويباعدني من النار. قال: سألت عن أمر عظيم. وإنه ليسير على من يسره الله تعالى عليه: تعبد الله ولا تشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت ...الخ" (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني: ۱/ ۱۴، قديمي)

"عن أنس بن مالك (رضي الله تعالى عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من صلى صلاتنا، واستقبل قبلتنا، وأكل ذبيحتنا، فذلك المسلم الذي له ذمة الله، وذمة رسول الله فلا تخفروا الله في ذمته". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة: ۱/ ۵۶، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الإيمان وشرائطه، باب صفة المسلم: ۲/ ۲۶۲، قديمي)

باب المحرمات

الفصل الأول في المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کا بیان)

ایک ہی ذات سے تبدیلی جنس کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کے نکاح کا حکم

سوال[۱۰۶۴۲]: ایک مخنث جو پہلے عورت تھی اور اس کے پاس ایک لڑکا بھی تھا، اب اس عورت نے مرد بن کر شادی کی، اس کے بعد بچے پیدا ہوئے، اس کے پاس ایک لڑکی بھی ہے، تو کیا عورت ہونے کے زمانہ میں جو لڑکا پیدا ہوا تھا، مخنث کو اس کی شادی اس لڑکی سے کرنی جائز ہوگی جو مرد ہونے کے بعد شادی کرنے سے پیدا ہوئی؟ مخنث اور اس کی جو بعد میں لڑکی پیدا ہوئی ہے، پہلے والے لڑکے اور بعد والی لڑکی کے درمیان بھائی ہونے کا کون سا علاقہ ہوگا، یعنی اخیافی یا اس کے علاوہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہی ذات سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوئے، اگرچہ ہر ایک کی پیدائش پر اس کی صفت جداگانہ تھی، پھر بھی ایک ذات سے مولود ہونے کی بناء پر ان کے تعلق ازدواج درست نہیں، جس طرح عینی بہن سے نکاح حرام ہے، اسی طرح علاتی اور اخیافی بہن سے بھی حرام ہے، ہر ایک کی تولید کے وقت جو مولود منہ کی صفت تھی، اس کے اعتبار سے رشتہ قائم کیا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم أمهٰتکم وبنٰتکم وأخوٰتکم﴾ (النساء: ۲۳)

"لا یحل للرجل أن یتزوج بأمه ولا جداته ولا بأخته". (الهدایة، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۲/۳۰۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان) =

تایازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال [۱۰۶۲۳]: ایک صاحب کہتے ہیں تایازاد بھائی کی لڑکی ہے، اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھتیجے سے نواسی کا نکاح

سوال [۱۰۶۲۴]: زید اپنی حقیقی نواسی کا نکاح اپنے حقیقی بھتیجے سے کرنا چاہتا ہے، شرعاً یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ نکاح درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوتیلی ساس سے نکاح کرنے کا حکم

سوال [۱۰۶۲۵]: زید اپنی سوتیلی ساس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ نہ پھوپھی اور نہ خالہ وغیرہ ہے، اور اگر نکاح ہوچکا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن دو عورتوں میں ایسا تعلق ہو کہ اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح جائز نہ ہو،

= (وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب المحرمات، الفصل الثالث: ۶/۳۳۰، رشيدية)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴)

"﴿ما وراء ذلكم﴾ إشارة إلى ما تقدم من المحرمات، أي: أحل لكم نكاح ما سواهن انفراداً وجمعاً". (تفسير روح المعاني، النساء: ۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۳/۴۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۴۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) تقدم تخريجه تحت "تایازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرنا"

دونوں طرف سے حرمت ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں، اگر ایک طرف سے جائز ہو دوسری طرف سے حرمت ہو، تو دونوں کو جمع کرنا درست ہے، سوتیلی ساس سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے، کیونکہ زید کی بیوی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو اس کا نکاح زید کی سوتیلی ساس سے درست نہیں، کیونکہ وہ موطوءۃ الاب ہے، اگر سوتیلی ساس کو مرد فرض کرلیا جائے تو زید کی بیوی سے اس کا نکاح درست ہے، کوئی رشتہ حرمت نہیں۔

"وحرم الجمع بين امرأتين أية فرضت ذكرا حرم النكاح اهـ" كنز.

بقوله: "أية فرضت" لأنه لو جاز نكاح إحداهما على تقدير مثل المرأة بنت زوجها أو امرأة ابنها فإنه يجوز الجمع بينهما عند الأئمة الأربعة، وقد جمع عبد الله بن جعفر بين زوجة علي وبنته ولم ينكر عليه أحد اهـ"

البحر الرائق: ٣/٩٨ (١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(١) (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣/١٧٢، ١٧٣، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ٣/٢٠٩، عثمانيه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع: ١/٢٧٧، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٣/٣٨، سعيد)

الفصل الثاني في المحرمات من الرضاع

(حرمت رضاعت کا بیان)

ڈھائی سال عمر ہوجانے پر حرمت رضاعت کا حکم

سوال [۱۰۶۳۲]: ۱… مسماۃ رحیما اور امام حسین آپس میں پھوپھی بھتیجا کا حقیقی رشتہ ہے اور رحیما کی عمر ۲۰/ سال کی تھی اور امام حسین ڈھائی سال ہوچکا تھا، امام حسین نے ڈھائی سال کی عمر میں اپنی حقیقی دادی کا دودھ پیا ہے اور پھوپھی بھتیجا کے درمیان بیس سال کا زمانہ ہوا، اب مسماۃ رحیما کی لڑکی سے امام حسین کا نکاح جائز ہے کہ نہیں؟ یہ رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں؟ اور اس میں بیس سال کا زمانہ گزرنے پر امام حسین نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے، اب رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

۲… رضاعت جس زمانہ میں دودھ شریک ہوکر دودھ پیتے ہیں، یہ دونوں بہن بھائی ہوئے اور اس سے پہلے یا ان کے بعد جو بچے ہوں گے، ان پر بھی یہ رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… اگر ڈھائی سال کی عمر ہوچکی تھی اس وقت دودھ پیا ہے، تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی (۱)، لہٰذا رحیما کی لڑکی امام حسین کی رضاعی بہن کی لڑکی (بھانجی) نہیں ہوئی، ان دونوں کا نکاح درست ہے۔

---

(۱) "هو مص من ثدي آدمية في وقت مخصوص. هو حولان ونصف عنده، وحولان فقط عندهما، وهو الأصح، وبه يفتى كما في تصحيح القدوري عن العون". (الدرالمختار، كتاب الرضاع: ۳/۲۰۹، سعيد)

"وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا رضاع بعد حولين". (الهداية، كتاب الرضاع: ۲/۳۵۰، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرضاع: ۱/۳۴۲، رشيديه)

۲..... جس بچہ نے مدت رضاعت میں جس عورت کا دودھ پیا ہے، اس بچہ کا اس عورت کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، خواہ اس بچے کے دودھ پینے سے پہلے پیدا ہوئی ہو، خواہ بعد میں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولاحل بين رضيعي امرأة لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن والأب". (الدرالمختار). "(قوله: وإن اختلف الزمن) كأن أرضعت الولد الثاني بعد الأول بعشرين سنة مثلاً وكان كل منهما في مدة الرضاع. وشمل أيضاً ما لو ولدت قبل إرضاعها للرضيعة أو بعده ولو بسنين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرضاع: ۳/۲۱۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الرضاع: ۲/۳۵۱، مكتبه شركت علميه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الرضاع: ۱/۳۷۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث في نكاح منكوحة الغير

(منکوحہ غیر سے نکاح کا بیان)

منکوحۂ غیر سے نکاح کے بعد شوہر اول کے مرنے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال [۱۰۱۱۲]: ایک مالدار شخص نے ایک غریب آدمی کی خوبصورت عورت کو پکڑ کر جبراً دوسری جگہ لے جا کر نکاح پڑھوا لیا اور اپنی زوجیت میں رکھا اور دو چار بچے بھی پیدا ہوئے، ۳۰/ سال کے بعد پہلا شوہر مر گیا، اب وہ دوسرے کے ساتھ نکاح پڑھوایا ہے وہی نکاح باقی رہے گا یا دوسرا نکاح پڑھانا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح کرنا زبردستی ہے، سخت گناہ اور بہت بڑا ظلم ہے، یہ نکاح ہرگز صحیح نہیں ہوا (۱)، تاہم اس جرم عظیم کے باوجود اس کا پہلا نکاح فسخ نہیں ہوا، اس عورت کا شوہر جب مرا ہے اس وقت سے اس عورت پر عدت وفات چار ماہ دس دن پورا کرنا ضروری ہے (۲)، اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے (۳)، پہلے نکاح پر کفایت نہ کی جائے، وہ نکاح نکاح شرعی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۴/۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۹ھ۔

---

(۱) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۲/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء: ۹/۶۶۴۴، رشيديه) =

بغیر طلاق نکاحِ ثانی کرنے کا حکم

سوال[۱۰۶۴۸]: ایک لڑکی کی شادی ہوئی، شادی کے چھ، سات مہینے کے بعد لڑکا کلکتہ شہر چلا گیا، لڑکی کا باپ کلکتہ میں رہتا ہے، لڑکی کے باپ نے دریافت کیا کہ تم کیوں چلے آئے؟ کہا کہ میرا گذارا مشکل ہے، میں نہیں جاؤں گا، تب لڑکی کے باپ نے اس کی دوسری شادی کردی، دوسرے شوہر سے بلا طلاق اور نکاح پڑھانے والے بستی کے امام صاحب ہیں، جب نکاح پڑھانے کے لئے گئے تو اس وقت امام نے لڑکی کے باپ سے کہا کہ دیکھو قیامت کا بوجھ تم پر ہے، میں نکاح پڑھاتا ہوں تو عند الشرع اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ اور امام نکاح خواں اور شریکِ نکاح، گواہ، وکیل وغیرہ کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ نکاح شرعاً درست نہیں(۱)، جو اس نکاح میں شریک ہوئے سب گنہگار ہیں، سب کو توبہ لازم

= (۲) قال الله تعالى: ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً﴾ (البقرة: ۲۳۴)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام ..... ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق، وفي الوفاة عقيب الوفاة الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر: ۱/ ۵۲۹-۵۳۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الطلاق، الفصل الثامن: ۲/ ۱۱۷، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"فإذا انقضت عدتها حلت للأزواج ولا جناح عليها فيما فعلت من ذلك". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۲۳۴: ۳/ ۱۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرائط أن لاتكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت) =

ہے(۱) اوران دونوں کوعلیحدہ کرنا ضروری ہے(۲)،لڑکی کواس کے شوہر کے پاس کلکتہ پہونچادیں یا شوہر سے طلاق حاصل کریں، جب وہ طلاق دے دے اور عدت گزر جائے جب دوسری جگہ نکاح کریں،اس سے پہلے نہیں(۳)، امام صاحب بھی سخت گنہ گار ہیں، ان کو ہرگز یہ نکاح پڑھانا جائز نہیں تھا، اگر وہ توبہ کرکے اپنے پڑھائے ہوئے نکاح سے دونوں کو جدا کرانے کی کوشش نہ کریں،توان کوامامت سے علیحدہ کردیا جائے(۴) اور

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء: ۹/۶۶۲۶، رشيديه)

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تاخيرها، سواء كانت صغيرةً أو كبيرةً". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، التحريم، تحت الآية: ﴿يايها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسي". (تنبيه الغافلين، باب آخر من التوبة، ص: ۶۰، مكتبه حقانيه)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما، الخ". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر: ۳/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقره: ۲۳۵)

"(والمحصنات من النساء) أي: ذوات الأزواج، لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها أو يطلقها، وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق". (التفسير المظهري: ۲/۶۴، حافظ كتب خانه)

(۴) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۹، ۵۶۳، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الإمامة، ص: ۵۴۳، نعمانيه) ....=

کسی دوسرے متبع سنت کو امام مقرر کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة الجماعة: ۱/۳۸۷، رشيديه)

(۱) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط ... ثم الأحسن تلاوة، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقاً، ثم الأحسن وجهاً ... الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، ۵۵۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱/۳۸۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس، الفصل الثاني: ۱/۸۳، رشيديه)

الفصل الرابع في المحرمات بالجمع

(محرمات کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

سوال [۱۰۲۴۹]: ایک صاحب جو کہ نیک صالح ہیں اور نمازی بھی ہیں، ان کی عمر اس وقت تقریباً پچاس سال کی ہے، دو سگی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھ رہے ہیں، ایک بیوی جس سے متعدد اولاد بھی ہوئی، لیکن اب ان بڑی والی بیوی سے ہمبستری نہیں کرتے ہیں، نہ اس کا پکا ہوا کھانا کھاتے ہیں، دوسری بیوی جس کی دو تین اولادیں بھی ہوئیں، اس سے ہمبستری کرتے ہیں، غرضیکہ عرصہ دراز سے اس فعل حرام میں منہمک ہیں تو کیا ایسے شخص کے گھر کھانا کھانا جائز ہے، جب کہ وہ یہ حرام کر رہے ہیں اور جو دوسری بیوی ہے، وہ بحمد اللہ نیک صالح نمازی بھی ہیں، ان کو دوسری بہن سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

لقوله تعالى: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم﴾ إلى قوله تعالى: ﴿وأن تجمعوا بين الأختين﴾(۱)۔

جو شخص ایسے حرام کام میں مبتلا ہو جس کو قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا ہو، اس کو نیک صالح کہنا غلط ہے، جب ان کے یہاں کھانا پینا ترک کر دینے سے ان کی اصلاح کی توقع ہو کہ وہ دوسری بیوی کو جو کہ شرعاً بیوی

---

(۱) (النساء: ۲۳)

"لا يجمع بين أختين بنكاح ولا بوطء بملك يمين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع: ۱/۲۷۷، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۸، سعيد)

نہیں ہے، چھوڑ دیں اور ترکِ تعلق کردیں تو یہ ترکِ تعلق کرنا حق بجانب ہے(۱)۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین﴾(۲)۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار﴾(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۹/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "وقوله عزوجل: ﴿فأعرض عن من تولی عن ذکرنا﴾ أي: أعرض عن الذي أعرض عن الحق واهجره". (تفسير ابن كثير، الجزء ۲۷، النجم: ۲۹، ۳/۴۳۳، رشيدية)

"قال المهلب: غرض البخاري في هذا الباب أن يبين صفة الهجران الجائز، وأنه يتنوع بقدر الجرم. فمن كان من أهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمة كما في قصة كعب وصاحبيه. وما كان من المغاضبة بين الأهل والإخوان فيجوز الهجر فيه بترك التسمية مثلاً أو بترك بسط الوجه مع عدم هجر السلام والكلام. وقال الطبري: قصة كعب بن مالك أصل في هجران أهل المعاصي". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۸/۷۵۹، رشيدية)

(۲) (الأنعام: ۶۸)

(۳) (هود: ۱۱۳)

الفصل الخامس في المحرمات بالشرک
(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

مسلمان کا عیسائی عورت سے نکاح

سوال[۱۰۶۵۰]: ۱...... ایک مسلمان مرد ایک عیسائی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، کیا اس سے نکاح جائز ہوگا؟

۲...... مسلمان مرد شریعت محمدی کا پابند ہے، مگر اس کی عیسائی بیوی اپنے عیسائی مذہب پر سختی سے پابند ہے، کیا ایسی حالت میں ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے نکاح میں سخت مفسدہ اور خطرہ ہے، مسلمان شوہر کا اپنے اسلام پر باقی رہنا مشکل ہے، اولاد بھی ماں کے اثر کو قبول کرے گی، خاندان کے دوسرے افراد بھی متاثر ہوں گے، اس لئے ایسا ارادہ ہرگز نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "ویجوز تزوج الکتابیات، والأولیٰ أن لایفعل ولا یأکل ذبیحتهم إلالضرورة". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۴۵، سعید)

"والأولیٰ أن لایتزوج کتابیةً ولا یأکل ذبائحهم إلا لضرورة ...... وفي المحیط: یکره تزوج الکتابیة الحربیة؛ لأن الإنسان لا یأمن أن یکون بینهما ولد، فینشأ علی طبائع أهل الحرب، ویتخلق بأخلاقهم، فلا یستطیع المسلم قلعه عن تلک العادة". (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۲، رشیدیه)

(وکذا في أحکام القرآن للجصاص، باب تزوج الکتابیات، المائدة: ۲/۴۵۹، ۴۶۰، قدیمی)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۲/۱۹۴، ۱۹۵، إمدادیه)

باب ولایۃ النکاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

نکاح کے لئے چچا کی اجازت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

سوال[۱۰۶۵۱]: ہندہ کے شوہر زید کا انتقال ہوگیا اور اس کی کئی لڑکیاں ہیں، جن میں ایک کے علاوہ سب شادی شدہ ہیں، ایک لڑکی ابھی نابالغہ اور غیر شادی شدہ ہے، جس کے نکاح کے متعلق زید نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی ہندہ سے اپنی دو شادی شدہ لڑکیوں کے سامنے اس بات کی زبانی وصیت کی کہ اس نابالغہ کا نکاح فلاں خالد کے لڑکے سے کردینا، واضح ہو کہ زید کا کوئی بھائی بھی نہیں ہے، ایک بھتیجا ہے، لیکن بھتیجا زندگی ہی میں اپنے تایا زید سے رنجش رکھتا تھا اور آج بھی اپنی تائی ہندہ سے رنجش رکھتا ہے اور یہ الفاظ کہتا ہے کہ مجھے تم لوگوں سے کوئی مطلب نہیں اور نہ ہی آپ لوگ مجھ سے مطلب رکھو، نہ میں نابالغہ کے نکاح کی اجازت دوں گا، ہندہ اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے شوہر کی وصیت کے مطابق خالد کے لڑکے ہی سے کرانا چاہتی ہے کہ میری ہی زندگی میں نابالغہ کا نکاح ہونا چاہیے، کیونکہ میں بیمار رہتی ہوں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں زید کے بھتیجے کی اجازت ضروری ہوگی یا جو زید کا حقیقی بچا ہے اس کی اجازت ضروری ہوگی یا زید کی بیوی کی اجازت وصیت کے مطابق کافی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھتیجا تو اپنی ناراضگی کی وجہ سے بے تعلق ہے اور اس نابالغہ کے ساتھ اس کو کوئی ہمدردی نہیں، اگر نابالغہ کے نکاح کی ضرورت اور مصلحت ہے تو موجودہ صورت میں مرحوم کا چچا اجازت دے دے تو نکاح درست ہوسکتا ہے(۱)، محض والدہ کی اجازت مرحوم کے وصیت کی بناء پر کافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۱۰ھ۔

---

(۱) اگرچہ اصل ترتیب تو یہی ہے کہ ولایت میں مرحوم کا بھتیجا، اس کے چچا پر مقدم ہے جیسا کہ شامی میں ہے: ... ... =

ولایتِ نکاح چچا کو اور حقِ پرورش ماں کو حاصل ہے

سوال [۱۰۶۵۲]: باپ کے انتقال کے بعد حقِ ولایت یتیم بچیوں و بچوں کا شرعاً ماں کو حاصل ہے یا تایا و چچا کو؟ نیز کس قسم کا حقِ ولایت ماں کو حاصل ہے اور کس قسم کا تایا و چچا کو حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے (۱) اور ان کے نکاح کی ولایت تایا و چچا کو حاصل ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۴۰۰ھ۔

= "والأصح أنه قول الكل، ثم ابن الأخ الشقيق، ثم لأب، ثم العم الشقيق، ثم لأب، ثم ابنه كذلك، ثم عم الأب كذلك، ثم ابنه". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۷۶/۳، سعيد)

لیکن ولی اقرب کے ہوتے ہوئے بھی اس کے متعنت ہونے یا عضل (نکاح سے روکنے) کی صورت میں اس کی ولایت ختم ہو کر ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

"أنها تنتقل إلى الأبعد بعضل الأقرب إجماعاً". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۸۲/۳، سعيد)

"وأجمعوا أن الأقرب إذا عضل ينتقل الولاية إلى الأبعد". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الثامن: ۱۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثامن: ۱۲۱/۴، رشيديه)

(۱) "والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقدر بسبع سنين ... والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. وفي نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالى: إذا بلغت حد الشهوة، فالأب أحق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر: ۵۴۲/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۲۸۷/۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۵۶۶/۳، سعيد)

(۲) "وأقرب الأولياء إلى المرأة الابن، ثم ابن الابن ... ثم العم لأب وأم، ثم العم لأب ... الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع: ۲۸۳/۱، رشيديه)

"الولي في النكاح لا المال العصبة بنفسه، وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة ... على ترتيب الإرث". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۷۶/۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۸/۲، إمداديه ملتان)

فصل في التوكيل بالنكاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

بذریعۂ وکیل یا بذریعہ خط کے نکاح کا حکم

سوال[۱۰۶۵۳]: لڑکا سعودی عرب میں ہے اور لڑکی انڈیا میں ہے، آپ بتائیں نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے کسی کو اپنا وکیل بنادیا اور اس نے سعودی عرب میں لڑکے سے ایجاب وقبول کرلیا تو صحیح ہوگیا، بلکہ اگر لڑکی خط کے ذریعہ لڑکے کو اپنا وکیل بنادے کہ آپ میرا نکاح اپنے سے کرلیں اور اس نے گواہوں کے سامنے یہ کہا کہ فلاں شخص کی فلانی لڑکی نے مجھے وکیل بنایا ہے، میں اسے اپنے نکاح میں قبول کرتا ہوں تو یہ بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لڑکی کا لڑکے کو وکیل نکاح بنانا

سوال[۱۰۶۵۴]: محمد ابوالکلام اور حشمت آرا، دونوں آپس میں چچازاد بھائی بہن ہیں اور ان کی

---

(۱) "ثم النكاح كما ينعقد بهذه الألفاظ بطريق الإصالة ينعقد بها بطريق النيابة بالوكالة والرسالة؛ لأن تصرف الوكيل كتصرف المؤكل". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان اللفظ الذي ينعقد النكاح به: ۲/ ۳۱۷، رشيديه)

"امرأة وكلت رجلاً ليزوجها من نفسه فذهب الوكيل وقال: لجماعة: اشهدوا أني قد تزوجت فلانة، لايجوز النكاح مالم يذكر اسمها واسم أبيها واسم جدها. في "المضمرات" وهو الصحيح وعليه الفتوى. فأما إذا كانوا يعرفونها فذكر الزوج اسمها لا غير جاز النكاح وإن كانت غائبة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الخامس: ۲/ ۵۰۴، قديمي)

خواہش ہے کہ آپس میں دونوں کی شادی ہو جائے اور دونوں بالغ بھی ہیں، تو گھر والوں کی طرف سے نکاح کے بارے میں رکاوٹ کی بناء پر ایک دن دونوں تنہائی میں اکٹھے ہوئے اور حشمت آراء نے ابوالکلام سے کہا کہ میں نے آپ کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا اور آپ کو میرے بارے میں کلیۃ اختیار ہے کہ آپ جس وقت چاہیں میرے بارے میں اقدام کر سکتے ہیں، آپ کو میں نے اپنی طرف سے ہر کام کا وکیل بنایا، مذکورہ باتوں کی بناء پر وکیل ابوالکلام نے چند دن کے بعد اپنے دو مسلمان بالغ ساتھیوں کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا، حشمت آراء کی طرف سے وکیل بن کر از خود اس سے نکاح کر لیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ حشمت آراء نے بالغ ہونے کی حالت میں اپنے چچا زاد بھائی کو نکاح کا اختیار دے کر وکیل بنایا اور اس وکالت پر اس کے چچا زاد بھائی ابوالکلام نے دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے اپنا عقد کر لیا، اس طرح کہ اس کی طرف سے وکیل تھا اور اپنی طرف سے اصیل تو شرعاً نکاح درست ہو گیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۴/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ثم النكاح كما ينعقد بهذه الألفاظ بطريق الإصالة ينعقد بها بطريق النيابة بالوكالة والرسالة؛ لأن تصرف الوكيل كتصرف الموكل". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، بيان اللفظ الذي ينعقد النكاح به: ۲/ ۴۸۷، رشيديه)

"امرأة وكلت رجلاً ليزوجها من نفسه فذهب الوكيل وقال لجماعة: أشهدوا أني قد تزوجت فلانة، لايجوز النكاح مالم يذكر اسمها واسم أبيها واسم جدها، في "المضمرات" وهو الصحيح وعليه الفتوى ... فأما إذا كانوا يعرفونها فذكر الزوج اسمها لا غير جاز النكاح وإن كانت غائبة". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب النكاح، الفصل الخامس: ۲/ ۵۰۲، قديمي)

فصل في الجهاز

(جہیز کا بیان)

جہیز کس کی ملک ہے؟

سوال[۱۰۶۵۵]: ۱ ...لڑکے کی طرف سے جو زیور زوجہ کے واسطے چڑھایا جاتا ہے، وہ کس کی ملکیت شرع میں متصور ہوگا؟

۲...جو سامان لڑکی کو باپ کی طرف سے دیا جاتا ہے، شادیوں میں وہ کس کا متصور ہوگا؟

۳...چونکہ علیحدگی جب بذریعہ طلاق ہوتی ہے، اس وقت ان مسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...اگر زیور چڑھاتے وقت کوئی تصریح کردی ہو کہ یہ لڑکی کی ملک ہے، یا لڑکے کی ملک ہے یا عاریت ہے، تو اس تصریح کا اعتبار ہوگا، اگر کوئی تصریح نہ کی ہو، تو اب رواج کا اعتبار ہوگا(۱)، جس خاندان میں یہ رواج ہو کہ وہ لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے، تو وہ لڑکی کی ملک ہوگا اور جس خاندان میں یہ رواج ہو کہ وہ لڑکے کی ملک ہوتا ہے، تو وہ لڑکے کی ملک ہوگا۔

---

(۱) "والمعتمد البناء على العرف". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: ۳/۱۵۷، سعيد)

والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

(رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۸، سعيد)

"واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلاً. فقالوا: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة الخ". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في تعريف العرف وبيان حجيته وشرط اعتباره، ص: ۱۴۶، دار الكتاب كراچي)

۲ اس کا حکم بھی تقریباً یہی ہے مگر عامۃً وہ سامان لڑکی کی ملک شمار ہوتا ہے اور یہی دستور ہے(۱)، البتہ جو چیز لڑکی کے لائق نہیں ہے، بلکہ لڑکے کے استعمال کی چیز ہے جیسے: مردانہ لباس یا سائیکل وغیرہ وہ عامۃً لڑکی کے نام سے لڑکے کو دینا مقصود ہوتا ہے۔

۳ نمبر ا و نمبر ۲ کے مطابق فیصلہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۲ھ۔

الجواب صحیح: جمیل الرحمن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "جهز بنته وزوجها ثم زعم أن الذي رفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها وقالت: هو ملكي، جهزتني به أو قال الزوج ذلك بعد موتها فالقول قولهما دون الأب. وقال في الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا فالقول قول الزوج، وإن كان مشتركاً فالقول قول الأب كذا في التبيين قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالى وهذا التفصيل هو المختار للفتوى كذا في النهر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل السادس عشر: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب المهر: ۳/۳۸۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب المهر: ۲/۵۸۲، ۵۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

باب في العروس والوليمة

(بارات اور ولیمہ کا بیان)

ولیمہ کا وقت کب سے کب تک ہے؟

سوال[۱۰۶۵۲]: ولیمہ کا وقت کب سے کب تک ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ولیمہ کا وقت شبِ زفاف کے بعد سے تین روز تک ہے۔ (كذا في الهداية)(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: "تزوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم صفية، وجعل عتقها صداقها، وجعل الوليمة ثلاثة أيام". (إعلاء السنن، كتاب النكاح، باب جواز الوليمة إلى أيام إن لم يكن فخراً: ۱۱/۱۳، إدارة القرآن كراچي)

"ووليمة العرس سنة، وفيها مثوبة عظيمة ... ولا بأس بأن يدعوا يومئذ ومن الغد وبعد الغد، ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/۳۴۳، رشيديه)

"ولا بأس بأن يدعو يومئذ، ومن الغد ومن بعد الغد، ثم انقطع العرس، والوليمة لاتنقطع بزمان قليل، ولا تنقطع بزمان طويل فقدر بثلاثة أيام". (الفتاوى الولوالجية، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل السادس: ۲/۳۴۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

كتاب الطلاق

باب الطلاق بألفاظ الكناية

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

''ہمیں تمہاری لڑکی سے اب کچھ مطلب نہیں ہے'' سے طلاق کا حکم

سوال[۱۰۶۵۷]: ایک آدمی ہے، جس کا نام عباس ہے، عباس نے اپنی بہن کی شادی دوسری جگہ کردی، حالانکہ اس کے بہنوئی نے طلاق نہیں دی ہے، مگر پھر بھی اس غیر مطلقہ کا نکاح دوسری جگہ کردیا، جس کی وجہ سے عباس کی بیوی شوہر سے ناراض ہوگئی، جب کہ اتنی حرام کاری کرتے ہوتو میں تمہارے یہاں نہیں رہوں گی، چنانچہ ناراضگی ہوگئی اور بیوی اپنے باپ کے پاس چلی گئی، پھر عباس نے چاہا کہ بیوی کو بلاؤں، مگر آنے کے لئے تیار نہیں، عباس نے اپنے خسر سے کہا اور مجمع عام میں یہ کہا کہ ''تم چاہے بھیجو یا نہ بھیجو، ہمیں تمہاری لڑکی سے اب کچھ مطلب نہیں ہے، تم اپنی لڑکی کو سرین میں گھسیڑ لو''۔ تو کیا طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور سال بھر ہوگئے، پھر بیوی کو بلایا نہیں، تو کیا اب عباس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور اس کی شادی دوسری جگہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عباس نے اگر الفاظ مذکورہ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی (۱)، وقت طلاق

---

(۱) ''وفي الفتاوى: لم يبق بيني وبينك عمل، ونوى الطلاق يقع كذا في العتابية''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس: ۱/۳۷۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب الكنايات: ۳/۸۰، دارالكتب العلمية بيروت) =

سے تین ماہواری گزرنے پر عدت بھی ختم ہوگئی اور دوسری جگہ نکاح کا بھی حق حاصل ہوگیا، بغیر طلاق کے(۱) جو دوسرے شخص سے نکاح کردیا گیا ہے، وہ نکاح نہیں حرام کاری اور سخت وبال کی جڑ ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، فصل في الكنايات والمدلولات: ۱/۴۶۷، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"فإذا انقضت عدتها (من الطلاق أو الوفاة) حلت للأزواج، ولا جناح عليها فيما فعلت من ذلك". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۲۳۴: ۳/۱۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۲، حافظ كتب خانه)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدرالمختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر: ۲/۳۴۸، مكتبه غفاريه كوئته)

باب الفسخ والتفریق

(فسخ اورتفریقِ نکاح کابیان)

سسرال کےحالات خلافِ واقع سن کرفسخِ نکاح کامطالبہ کرنا

سوال [۱۰۶۵۸]: گزارش ہے کہ میری بھانجی جوکہ نابالغ تھی اوراس وقت عمر ۱۷/سال ہے، اس کانکاح ایک پاکستانی سے چند پاکستانیوں نے یہاں آکرکیااورپھر یہ طے پایاکہ ایک آدھ ماہ کے بعدرخصتی ہواور وہ لوگ چلے گئے، اس کے بعد چند ماہ کے اندران کے چندخطوط رخصتی وآمد کے متعلق ضرورآئے، تاربھی آیا، ان حضرات کے بابت وہاں سے بذریعہ خطوط اورذاتی طور پربھی وہاں سے آنے والے لوگوں نے بتلایاجوکہ بالکل برعکس تھا، جیساکہ مذکورہ بالاحضرات نے یہاں لڑکی والوں کوبتاکرنکاح کرایا، لڑکااوران کے لواحقین چونکہ بڑے قریبی عزیزدار ہیں، اس لئے ان کی باتوں پربھروسہ کرناپڑاتھا، لڑکی کے والدین کی حیثیت ایسی ہے کہ بہ مشکل تن ڈھانپ لیتے ہیں اورپیٹ پال لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ پاکستان جاکران کے صحیح حالات معلوم ہونے پران لوگوں کوصدمہ ہوااورارادہ بھی متزلزل ہوگیا، جوکہ قدرتی بات ہے، نتیجہ یہ ہواکہ ان کے خطوط کے خاطرخواہ جواب نہیں دیئے گئے لڑکی جوکہ بالغ ہوگئی ہے، اس کے علم میں بھی یہ باتیں آئیں تواس کابھی ارادہ نکاح فسخ اور ختم کرنے کاہے، مگرشرعی حکم بھی معلوم کرناپڑرہاہے، لڑکے اوراس کے رشتہ داروں کے جانے کے بعد چندخطوط آئے، اس کے بعد سے اب تک کوئی خبران لوگوں کی نہیں ہے، ان حالات میں شرعی حکم کیاہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ کوشرعاً نہ خلع سمجھاجاسکتاہے نہ طلاق، نہ حسب پسند دوسری جگہ عقدکی اجازت ہوسکتی ہے(۱)، یہ بات نکاح کرنے کےوقت سوچنے کی تھی کہ دوردراز مقام پررہنے والوں کے ساتھ معاملہ کس طرح

---

(۱) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، =

ہوسکے گا اوران کے صحیح حالات جوکہ خودانہی کی زبانی معلوم ہوتے ،ان پر اعتماد کہاں تک مناسب ہے ،شروع شروع میں ان لوگوں نے خطوط بھیجے مگران کے خاطرخواہ جوابات نہیں دیئے گئے ،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خاموش ہوکر بیٹھ گئے ، پھران کے پاس خطوط بھی لکھے گئے ،تو وہ مطالبہ طلاق کے لکھے گئے ، جب ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ،تو آخران سے مطالبہ طلاق کیوں کیا جاتا ہے؟ کیا اس پروہ برافروختہ نہ ہوں گے اور وہ لڑکی والوں کے متعلق کیارائے قائم کریں گے؟

اور یہاں بیٹھے ہوئے ان کے متعلق جو حالات معلوم کئے ہیں ،کیا اعتماد ہے کہ وہ صحیح ہیں اور کیا ضرورت ہے کہ لڑکی کے ساتھ بھی ان کا معاملہ خراب رہے گا؟ لڑکی کوگھر میں بٹھا کرلڑانے کا انتظام تولڑکی والوں نے خودکیا ہے ،اس کا شریعت پرکوئی الزام نہیں ہے ،اب بہترصورت یہ ہے کہ جن لوگوں کے ذریعے سے لڑکے والوں کے حالات معلوم ہوئے ہیں ،ان کی معرفت گفتگو کی جائے ،اگروہ آمادہ ہوں تو لڑکی کو بھیجنے کا انتظام کیا جائے ،یعنی لڑکی اورلڑکی والے سب اس پر رضامند ہوں کہ لڑکا آئے اورلے جائے یا بلوائے ہمیں کوئی انکار نہیں ،ہم خوش ہیں اورگزشتہ تلخیوں کوختم کردیا جائے۔

پھر لڑکا اگرمعذرت کرے اور نہ بلائے تو اس سے کہا جائے کہ وہ طلاق دے دے اورلڑکی مہر معاف کردے(۱)،اگروہ طلاق دے تو لڑکی کا چھٹکارا ہوجائے گا،دوسری جگہ اس کے نکاح کی اجازت ہوجائے

= الباب الثالث: ۱/ ۲۸۰، رشیدیہ)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لاتكون منكوحة الغير: ۳/ ۲۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء: ۹/ ۶۶۳۲، رشيديه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة﴾ (النساء: ۱۲۹)

قوله تعالى: ﴿فتذروها كالمعلقة﴾ أي: لاهي مطلقة، ولا ذات زوج". (الجامع لأحكام القرآن، النساء: ۱۲۹: ۵/ ۲۷۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فامسكوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف﴾ (البقرة: ۲۳۱)

"وحكمه أن الوقع به وبالطلاق على مال طلاق بائن". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۳/ ۴۴۴، سعيد) =

گی (۱)، اگر پوری فہمائش اور کوشش کے باوجود نہ وہ بلائے اور نہ طلاق دے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے، اگر حاکم مسلم بااختیار نہ ہو، تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں مقدمہ پیش کیا جائے اور اس میں کم از کم ایک معتبر عالم بھی شریک ہو، وہ پوری تحقیق اور تفتیش کے بعد فیصلہ کر دے، فیصلہ کرتے وقت رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کا بغور مطالعہ کیا جاوے، اس میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے۔ سید مہدی حسن، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلها ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا جاز الطلاق". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۳/۴۴۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

"لايحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها أو يطلقها، وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق".

(التفسير المظهري: ۲/۲۴، حافظ كتب خانه)

فصل في زوجة المجنون والعنين

(دیوانے اورنامرد کی بیوی کا بیان)

زوجۂ عنین کاحکم

سوال[۱۰٦٥۹]: ایک لڑکی کی شادی ہوکرقریب ایک سال اپنے شوہر کے یہاں رہی اور پھراپنے والدین کے مکان پرآئی ہے،شوہر کے یہاں رہ کر ہرطرح محسوس کرتی ہے کہ شوہرعورت کے قابل نہیں ہے،جس کی وجہ سے شوہر کے پاس ایک سال رہنے سے ناراض ہےاوراپنے والد سے ذکر کیا،پنچایت لڑکے سے فیصلہ طلب کرتی ہے،مگرلڑکا طلاق نہیں دیتاہےاورکہتا ہے کہ لڑکی میراشادی کاپوراخرچ دےدےاورمہراداکردے،تومیں طلاق دےدوں گااورلڑکی والے بہت غریب ہیں،اب ایسی حالت میں لڑکی کیا کرے؟بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلامتی کاراستہ یہ ہے کہ لڑکی مہرمعاف کردے،شوہرنے جوکچھ زیوروغیرہ دیاہو،وہ واپس کردےاور شوہر کے نامرد ہونے کاکوئی ذکرنہ کرےاورشوہرسےاس کےعوض طلاق لےلے(۱)۔شوہرکوغصہ اس وجہ سے ہے کہ اس کونامرد کہہ دیاگیا ہے،جب اس کونامردنہیں کہاجائےگا،توممکن ہے کہ اس کاغصہ ختم ہوجائےاوروہ طلاق دےدے،اگراس میں کامیابی نہ ہو،تواس کی صورت یہ ہے کہ اگروقتِ نکاح زوجہ کواس کے نامرد ہونے کاعلم نہیں تھااورشادی کے بعدشوہرنے ایک دفعہ بھی جماع نہیں کیاہےاوربیوی نےایک دفعہ بھی یہ نہیں کہاکہ میں اس شوہرکےنامردہونےکےباوجوداس کےساتھ زندگی گزارلوں گی،توبیوی حاکم مسلم بااختیارکی عدالت

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"وحكمه أن الواقع به ولو بلا مال، وبالطلاق على مال طلاق بائن". (الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۴۴۴/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، الفصل السادس عشر في الخلع: ۴۵۳/۳، إدارة القرآن كراچی)

میں مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے جو کہ نامرد ہے، ایک دفعہ بھی مجھ سے جماع نہیں کرسکا ہے، میرا نکاح فسخ کردیا جائے، اس پر حاکم شوہر کو عدالت میں حاضر کرکے شوہر سے دریافت کرے، اگر مرد بیوی کے بیان کی تصدیق کردے تو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے، اگر ایک سال میں علاج کرکے وہ جماع کے قابل ہوگیا ہے اور اس نے جماع کرلیا، تو بیوی کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا اور سال بھر پورا ہونے پر بیوی دوبارہ درخواست دے اور عدالت شوہر سے دریافت کرے۔

اگر وہ کہے کہ میں علاج کے بعد بھی جماع پر قادر نہیں ہوا، تو بیوی کو عدالت اختیار دے دے کہ تم چاہو تو شوہر کے ساتھ رہو، اگر علیحدگی چاہو تو اس کا بھی اختیار ہے، اگر وہ علیحدگی چاہے تو پھر شوہر سے کہے کہ تم طلاق دے دو، اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم مسلم با اختیار خود تفریق کردے، یہ تفریق بھی طلاق کے حکم میں ہوگی، پھر عدت طلاق تین حیض گزار کر عقد ثانی کی اجازت ہوگی، اگر حاکم مسلم با اختیار نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو کم از کم تین معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت بھی یہ کام کرسکتی ہے(۱)۔ اس جماعت میں ایک

(۱) "إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي، وادعت أنه عنين، وطلبت الفرقة، فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقر أنه لم يصل، أجله سنة سواء كانت المرأة بكراً أم ثيباً، وإن أنكر وادعى الوصول إليها، فإن كانت المرأة ثيباً فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها كذا في "البدائع"، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل يؤجل سنة كذا في الكافي وإذا ثبت عدم الوصول إليها أجله القاضي سنة طلب الرجل التأجيل أو لم يطلب، ويشهد على التأجيل ويكتب لذلك تاريخاً كذا في فتاوى قاضي خان جاءت المرأة إلى القاضي بعد مضي الأجل، وادعت أنه لم يصل إليها، وادعى الزوج به الوصول، فإن كانت ثيباً في الأصل كان القول قوله مع اليمين، فإن حلف بطل حقها، وإن نكل خيرها القاضي إن اختارت الفرقة أمر القاضي أن يطلقها طلقة بائنة فإن أبى فرق بينهما والفرقة تطليقة بائنة كذا في الكافي. ولها المهر كاملاً وعليها العدة بالإجماع إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لايصل إلى النساء لايكون لها حق الخصومة، وإن لم تعلم وقت النكاح، وعلمت بعد ذلك كان لها حق الخصومة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر: ۱/ ۵۲۲-۵۲۴، رشيديه)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره: ۳/ ۴۹۶-۵۰۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب النكاح، الفصل الرابع: ۱/ ۳۲۹، ۳۲۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في حيلة ناجزه، زوجۂ عنین کا حکم، ص: ۴۳-۴۷، دار الاشاعت کراچی)

معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے، رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا مطالعہ بھی ضرور کرلیا جائے، اس میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۱۸ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۲۱ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

باب الخلع

(خلع کا بیان)

طلاق بالمال دینے کی صورت میں بیوی کو دیئے ہوئے زیور وغیرہ واپس لینا

سوال [۱۰۲۶۰]: ہندہ بالغہ کا نکاح ہندہ کی مرضی سے زید نابالغ کے ساتھ ہوا، ہندہ زید کے گھر آتی جاتی رہی، کچھ عرصہ کے بعد ہندہ نے زید سے جو کہ نابالغ تھا، تعلق توڑ لیا اور صاف انکار کردیا کہ میں زید کے گھر نہیں جانا چاہتی اور عمرو کے ساتھ رہنا شروع کردیا، زید نے کافی کوشش کی کہ اپنی بیوی ہندہ کو حاصل کرلے، لیکن ہندہ نے بھی انکار کردیا اور عمرو نے بھی اور عمرو نے یہ کہا کہ میں ہندہ کو نہیں دیتا، کچھ روپے لو، تو میں دے سکتا ہوں، چنانچہ کچھ روپے دے دیئے گئے، یعنی عمرو نے زید کو کچھ پیسے دے دیئے، کیونکہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کے لئے کافی روپے کا زیور بھی بنایا تھا اور ہندہ کو طلاق دے دی، اب آپ یہ فرمادیں کہ زید کو عمرو سے یہ پیسے لینے کیسے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی قیمت کا زیور ہندہ کو دیا ہے، اتنی قیمت یا وہ زیور واپس لینے کا حق ہے(۱)، خواہ ہندہ دے یا اس کی طرف سے عمرو، ہندہ کو ناجائز طریقہ پر عمرو کے ساتھ (رہنا) حرام ہے(۲)، شریعت کے مطابق نکاح کرکے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"نعم یکون أخذ الزیادة خلاف الأولیٰ". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الخلع: ۳/۴۴۲، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الطلاق، باب الخلع، الفصل الثاني: ۱/۴۹۵، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿لا تقربوا الزنی إنه کان فاحشة ومقتا وسآء سبیلاً﴾ (بني اسرائیل: ۳۲)

"والزنی من الکبائر، ولا خلاف فیه وفي قبحه لا سیما بحلیلة الجار". (الجامع لأحکام =

دونوں رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دیوبند، ۱/۴/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= القرآن، الإسراء: ۱۰/۲۵، ۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وجاء عنه صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "ما من ذنب بعد الشرك أعظم عندالله من نطفة وضعها رجل في رحم لا يحل له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثمائة: الزنا.... : ۲/۲۲۵، دارالفكر بيروت)

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

عدت ختم ہونے کے وقت چند بے اصل باتوں کا حکم

سوال [۱۰۶۶۱]: جس وقت عورت کی عدت ختم ہوتی ہے، عورتیں یہ کام کرنا ضرور سمجھتی ہیں:

۱۔ جس بام عدت ختم ہوتی ہے تو عورتیں جمع ہوتی ہیں۔

۲۔ جس عورت کی عدت ختم ہوتی ہے، اسی وقت اس عورت کو صدر دروازہ سے باہر کرنا ضروری سمجھتی ہیں۔

۳۔ اسی وقت چوڑی انگوٹھی وغیرہ پہنانا ضروری خیال کرتی ہیں، اگر اس عورت کے پاس خود چوڑی انگوٹھی نہیں ہوتی تو کسی عورت سے مانگ کر پہننا ضروری سمجھتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ اگر ہم نے یہ کام نہ کئے تو عورت عدت سے باہر نہیں ہوتی، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت کے دن جب پورے ہوگئے تو شرعاً عدت ختم ہوگئی، یعنی عدت کی وجہ سے جو پابندی عورت پر لازم تھی، اب وہ پابندی نہیں (۱)۔ اس کے واسطے ان چیزوں کا کرنا اور ان کو لازم سمجھنا شرعاً بے اصل ہے، قابل

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجا یتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً فإذا بلغن أجلهن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی أنفسهن﴾ (البقرة: ۲۳۴)

"قوله: ﴿فیما فعلن﴾ من التزین والتطیب". (حاشیة تفسیرات الأحمدیة، ص: ۱۴۹، حقانیه)

"فإذا انقضت عدتها، فلا جناح علیها أن تتزین وتتصنع وتتعرض للتزوج". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۶، سهیل اکیڈمی لاهور)

"علی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها إذا کانت بالغة مسلمة الحداد فی عدتها". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر: ۱/۵۳۳، رشیدیه)

ترک ہیں، کسی اپنے عزیز والدہ یا بہن وغیرہ کے یہاں اسی دن یا اس کے بعد چلی جائے۔ اس سے عملاً بھی عدت ختم ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

دوعدتوں کا تداخل

سوال [۱۰۶۶۲]: ایک عورت جو ابھی عدت وفات گزار رہی تھی اور ابھی تین ماہ تیرہ روز ہی گزرے تھے کہ ایک شخص نے اس سے نکاح جائز سمجھتے ہوئے نکاح کرلیا اور نکاح کے بعد وہ حاملہ ہوگئی، تو کیا یہ نکاح ثانی فاسد ہوگا یا باطل؟ یعنی عدت وفات کی مقدار سے حمل معتبر ہوگا یا کہ نہیں؟ اگر یہ نکاح فاسد قرار دیا جائے تو کیا تفریق یا متارکت کے بعد کا ہے؟ اس صورت میں خلجان یہ ہے کہ اگر شوہر اول کی وفات کے بعد زوجہ کے انقضائے عدت کے عدم اقرار کی صورت میں دو سال کے اندر اندر وہ حمل شوہر اول سے ثابت النسب ہوگا یا کہ نکاح فاسد کرنے والے سے؟ تو کیا اس صورت میں ولد کے شوہر اول سے ثابت النسب ماننے کی وجہ سے یہ عورت شوہر اول کی وفات کے وقت ہی سے حاملہ مانی جائے گی اور اس کی عدت وضع حمل ہوگی یا کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہ جائے گی؟ اور چار ماہ دس دن کے بعد نکاح فاسد کرنے والے شخص کی عدت گزرے گی؟ اور وہ اپنی عدت کے زمانہ میں اس عورت سے نکاح کر سکے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عدت وفات چار ماہ دس دن ہے۔

لقوله تعالى: ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا﴾(۱).

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/ ۵۳۰، ۵۳۱، سعيد)

(۱) (البقرة: ۲۳۴)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر: ۱/ ۵۲۹، ۵۳۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الطلاق، الفصل الثامن: ۲/ ۱۱۷، رشيديه)

اگر وجوب عدت کے وقت حمل ہو، تو عدت وضع حمل ہے۔

لقوله تعالى: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾(۱).

لیکن اگر حالت عدت میں حمل قرار پائے تو اس سے عدت میں تغیر نہیں ہوگا، بلکہ عدت سابقہ چار ماہ دس روز ہی رہے گی، یہی صحیح ہے۔

"كالحائل بالهمزة وهي من لم تكن حبلى، فإذا حبلت في العدة تنقضي بوضعه سواء كان من المطلق أو من زنا أو من نكاح فاسد" (شامی نعمانیه: ۲/۶۰۱).

"إلا معتدة الوفاة فلا تتغير بالحمل كما مر وصححه في "البدائع" اهـ. (در مختار مع هامش الشامي نعمانيه: ۲/۶۰۹).

"قوله: إلا معتدة الوفاة الخ، أفاد أن المراد بالحائل إذا كانت معتدة من طلاق أو فسخ بخلاف المعتدة من وفاة، فافهم، قال في "النهر وفي الخلاصة" وكل من حملت في عدتها فعدتها أن تضع حملها وفي المتوفى عنها زوجها إذا حملت بعد موت الزوج فعدتها بالشهور الخ". "وقد مر عن "البدائع" (شامی نعمانیه: ۲/۶۰۹)(۲).

خواہ یہ حمل زنا سے ہو یا وطی بالشبہ سے، خواہ نکاح فاسد سے ہو، حالت عدت میں نکاح جائز نہیں ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾(۳).

---

(۱) (الطلاق: ۴)

"وفي حق الحامل وضع حملها". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۵۱۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث: ۱/۵۲۸، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في وطء المعتدة بشبهة: ۳/۵۱۹، ۵۲۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۳۸-۲۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر: ۱/۵۳۲، رشيديه)

(۳) (البقرة: ۲۳۵)

زنا کی وجہ سے حد لازم ہوگی۔ لقوله تعالیٰ: ……﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾(۱).

شبہات کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ لقوله عليه السلام: "ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم" (رواه الترمذي: ۱/۱۷۱)(۲).

شبہ کی ایک قسم شبہۃ العقد بھی ہے(۳)، اگر حالت عدت میں نکاح کیا جائے اور حرمت کا علم نہ ہو تو یہ شبہۃ العقد اور نکاح فاسد ہوگا اور نکاح فاسد، فاسد بیع کی طرح ہے، ناجائز اور واجب فسخ ہونے کے باوجود بعد دخول وہی احکام مرتب ہوتے ہیں، جو نکاح صحیح پر ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے نکاح میں جو اولاد ہوگی، وہ ثابت النسب ہوگی اور اس سے متارکت پر عدت مستقلہ لازم ہوگی۔

"ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد" (عالمگیری: ۱/۳۳۰)(٤).

= "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۲/۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (النور: ۲)

"الوطئ الموجب للحد هو الزنا كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الرابع: ۲/۱۴۷، رشيديه)

"ويرجم محصن في قضاء حتى يموت …… وغير المحصن يجلد مأة". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۱۰-۱۳، سعيد)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الحدود، باب ماجاء في درء الحدود: ۱/۲۶۳، سعيد)

"الحدود تدرء بالشبهات". (قواعد الفقه، ص: ۷۶، الصدف پبلشرز)

(وكذا في المستدرك للحاكم، كتاب الحدود: ۵/۳۰۱، قديمى)

(۳) "لاحد أيضاً بشبهة العقد أي: عقد النكاح". (الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۲۳، سعيد)

"وفي مجمع الفتاوى: تزوج المطلقة ثلاثاً، وهما يعلمان بفساد النكاح، فولدت، في الحاوي: أنه لايجب الحد عنده". (منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب الحدود: ۵/۲۶، رشيديه)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيديه) =

"الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة، وثبوت النسب، ومثل له في البحر هناك: بالتزوج بلا شهود، وتزوج الأختين معاً أو الأخت في عدة الأخت، ونكاح المعتدة" (شامي نعمانيه، ص: ۶۰۷)(۱).

لہذا صورتِ مسئولہ میں متارکت واجب ہے، پھر وقتِ وفات سے چار ماہ دس روز گزرنے پر اگر عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو اس کو وضعِ حمل کا انتظار کرنا ہوگا۔

لقوله عليه السلام: "لايحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه زرع غيره" (رواه أبوداود: ۱/۲۹۳)(۲)۔

اگر اس سے نکاح کرنا چاہے جس کا حمل ہے، تو وضعِ حمل سے قبل ہی تجدیدِ نکاح کافی ہے(۳)،

= "وفاسد النكاح في ذلك أي: في ثبوت النسب كصحيحه، قهستاني". (الدر المختار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/۵۴۰، سعيد)

(وكذا في فتح المعين، كتاب النكاح، باب المهر: ۲/۶۲، سعيد)

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل: ۳/۵۱۶، سعيد)

"إذا وقع النكاح فاسداً ... وإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر مثلها ... وتجب العدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الطلاق، الفصل الثامن، الجنس الثاني: ۲/۱۱۸، رشيديه)

(۲) (سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب وطي السبايا: ۱/۳۰۱، رحمانيه)

"وفي الحاوي الزاهدي: إذا حبلت المعتدة، وولدت تنقضي به العدة سواء كان من المطلق أو من زنا". (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة: ۳/۵۱۱، سعيد)

(وكذا في السنن الكبرى، كتاب السير، باب المرأة تسبى مع زوجها: ۹/۲۰۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وفي مجمع النوازل: إذا تزوج امرأة قد زنى هو بها، وظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل، وله أن يطأها عند الكل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث: ۱/۲۸۰، رشيديه)

"لو نكح الزاني فالوطي جائز بالإجماع". (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۱/۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۳/۴۸-۴۹، سعيد) .... =

وفات شوہر کے بعد دو سال سے بعد ہونے والا بچہ میت کی طرف اس وقت منسوب ہوگا کہ دوسرے نکاح کی نوبت نہ آئی ہو(۱)۔ بحر، فتح، بدائع، خانیہ، ہندیہ، خلاصہ، مجمع، ملتقی الابحر، تبیین، شامی کے دیکھنے سے ایسا سمجھ میں آیا ہے۔

"ویمکن أن یکون عند غیري أحسن مما عندي. فقط.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وکذا في تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۲/۴۸۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) "أکثر مدة الحمل سنتان عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (السراجي، فصل في الحمل، ص: ۱۰۵، قدیمي)

(وکذا في الدر المختار، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/۵۴۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/۲۷۶، رشیدیه)

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

میکہ چلی جانے والی عورت کا نفقہ

سوال[۱۰۶۶۳]: میکہ میں رہنے کی مدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کی اجازت ورضا سے رہے تو نفقہ واجب ہے، ورنہ نہیں(۱)، اجازت سے رہنے کے باوجود اگر نہ دیا تو ساقط ہوجائے گا، الا یہ کہ قضائے قاضی یا باہمی مصالحت سے مقرر کرلیا گیا ہو(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۷ھ۔

میکہ میں رہ کر جھوٹی تحریر کے ذریعہ نفقہ طلب کرنا

سوال[۱۰۶۶۴]: ۱..... انصار میاں اور اس کی زوجہ زاہدہ کے درمیان زاہدہ کے نان ونفقہ اور دیگر

---

(۱) "ولا نفقة لناشزة خرجت من بيته، أي: الزوج بغير حق، وإذن من الشرع". (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱۷۹/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول الخ: ۵۴۵/۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۷۵/۳، ۵۷۶، سعيد)

(۲) "قال أصحابنا رحمه الله تعالىٰ: "إنها تجب على وجه لا يصير ديناً في ذمة الزوج، إلا بقضاء القاضي أو بتراضي الزوجين، فإن لم يوجد أحد هذين تسقط بمضي الزمان". (بدائع الصنائع، كتاب النفقة: ۴۳۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: لا تصير النفقة ديناً إلا بالقضاء أو الرضاء: ۵۹۴/۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب النفقة: ۳۱۶/۴، رشيديه)

وعدوں کے ادا نہ ہونے کے بابت تنازع ہوا، جس پر انصار نے اپنے سسر اور زوجہ کو منتخب کیا کہ فریقین اپنے تنازعات کو پنچایت مسلمین یا قریشی عدالت شرع شریف بھوپال کے ذریعہ اپنا دعوی دائر کر کے انصاف وتصفیہ اور مذہبی طریقہ کار اختیار کریں۔

جس پر مولوی احمد سعید خاں اور ان کی دختر نے بجائے پنچایت مسلمین یا عدالت شرع شریف کے سرونج کی غیر مسلم عدالت میں ایک فرضی تحریر کے حوالہ سے یہ دعوی دائر کیا ہے کہ انصار میاں نے زاہدہ کے بارے میں یہ تحریر کیا ہے کہ میں اپنی زوجہ کو اس کے میکہ ہی میں رکھوں گا اور زاہدہ کے خلافِ مرضی اسے کہیں نہیں لے جاؤں گا اور مبلغ پچاس روپے ماہوار نان ونفقہ کے دیتا رہوں گا اور اپنا نصف مکان بھی بنام زاہدہ تحریر میں لکھا ہے اور زیورات چڑھاوے کے زاہدہ کی ملک میں لکھا ہے، اب چونکہ انصار میاں نے آٹھ ماہ سے زاہدہ کو پچاس روپے نہیں دیئے، جو دلائے جائیں اور آئندہ ماہ بماہ دلانے کی کارروائی کردی جائے اور بروئے تحریر ومعاہدہ انصار میاں سے ہمارے مطالبات وصول کرائے جائیں۔

انصار میاں نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسی کوئی تحریر لکھی ہے۔ تاہم زوج وزوجہ کی باہمی رضامندی سے ایسا ہونے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، البتہ میں نے یہ تحریر ومعاہدہ توقطعی نہیں کیا ہے، اب میں زاہدہ کو اس کے میکہ میں نہیں رکھ سکتا اور اگر میری زوجہ میکہ میں رہ کر مجھ سے پچاس روپے ماہوار طلب کرتی ہے یا میرے خلاف کوئی بیان دیتی ہے تو یہ مجھ پر ظلم ہے، لہٰذا زاہدہ اور اس کے والد کے قول کے مطابق اگر انصار میاں نے تحریر معاہدہ لکھ بھی دی ہو تو کیا اس معاہدہ کے ناجائز زعم کی بناء پر زاہدہ انصار میاں کی مرضی وخوشی واجازت اور مذہب کے خلاف آزادانہ حیثیت سے اپنے میکہ میں رہ سکتی ہے؟

۲...... حالات مندرجہ بالا میں زاہدہ اپنے شوہر کی نافرمان ہو کر اور اسے ناراض رکھ کر بلا اداءِ حقوق شوہر کے اپنا نان ونفقہ مبلغ پچاس روپے ماہوار اپنے میکہ میں رہ کر، کیا شوہر سے وصول کرنے کی حق دار ہے؟

۳...... مولوی احمد سعید خاں اور زاہدہ کا قول وزعم ودعوی کے خلاف کیا، انصار میاں اپنے ذاتی مکان میں زاہدہ بیوی کو لاکر رکھنے کا مستحق نہیں ہے۔

۴...... ایسا ظاہری مسلمان جو شریعت اسلامی کے راستوں اور احکامات کو چھوڑ کر خود غرضی اور لالچ کی بناء پر اپنا انصاف فخریہ طور سے غیر مسلم عدالت سے چاہے، اسے جائز سمجھے اور خود کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور علماء

2

دینِ موجودہ کو وہابی، مودودی، غیر مقلد وغیرہ وغیرہ کہے اور خود کو ان سے اعلیٰ و برتر سمجھے اور اپنا انصاف ان سے چاہنا اپنی توہین جانے اور اپنے آپ کو مولوی کہلائے تو ایسے شخص کو کیا کہنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳- اگر انصار میاں نے برضا و رغبت زاہدہ کو میکہ میں رہنے کی اجازت دی ہو اور پچاس روپے ماہانہ دینے کا وعدہ کیا ہو تب بھی مذہب کے خلاف آزادانہ رہنے کی اجازت تو کسی طرح نہیں دی، نہ دینے کا حق ہے، اگر ایسی اجازت دے بھی دے تو وہ شرعاً معتبر نہیں اور ایسی اجازت دینے والا گنہگار ہے(۱)، تاہم انصار میاں کو حق حاصل ہے کہ اپنی اجازت واپس لے کر اپنی بیوی زاہدہ کو میکہ سے بلا کر اپنے مکان پر رکھے اور اس پر مجبور کرے، اگر زاہدہ اس پر عمل نہیں کرے گی تو وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی (۲)۔

(۱) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۳/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"ذكر الجزري في أسنى المناقب بسنده عن علي رضي الله تعالى عنه حديثاً طويلاً وقال في آخره علي رضي الله تعالى عنه: "فما أمرتكم من طاعة الله فحق عليكم طاعتي فيما أحببتم أو كرهتم وما أمرتكم بمعصية الله أنا وغيري فلا طاعة لأحد في معصية الله إنما الطاعة في المعروف". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۷/۲۴۵، رشيدية)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن امرأة من الأنصار زوجت ابنتها، فتمعط شعر رأسها، فجاءت إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فذكرت ذلك له فقالت: إن زوجها أمرني أن أصل في شعرها فقال: "لا، إنه قد لعن الموصلات". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا تطيع المرأة زوجها في معصية: ۲/۷۸۳، قديمي)

(۲) "ولا نفقة للناشزة خرجت من بيته، أي: الزوج بغير حق وإذن من الشرع". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۹۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول: ۱/۵۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۷۵، سعيد)

۴......ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے، جس کا حکم ظاہر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۷ھ۔

بلا اجازت شوہر کے گھر سے بھاگنے والی عورت کے نفقہ کا حکم

سوال[۱۰۲۶۵]: محمد سلیم کی شادی فریدہ بیگم کے ساتھ ہوئی، دونوں قنوج کے رہنے والے ہیں، محمد سلیم کے نطفہ سے اب تک سات بچے ہوئے، محمد سلیم برابر اپنے باپ کے ساتھ سلسلہ کاروبار کانپور جاتا رہا، ہفتہ عشرہ کے لئے قنوج بھی حقوق زوجیت کے لئے آتا رہا، پھر محمد سلیم کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ کے بعد فریدہ کے دیور کا بھی انتقال ہوگیا، اب فریدہ نے گھر کو خالی پاکر دیگر رشتہ داروں کے بہلانے سے گھر کا تمام سامان برتن وغیرہ لے کر بغیر شوہر کی اجازت ومشورہ کے کہیں بھاگ گئیں، بہت پتہ لگایا گیا، تین سال تک معلوم نہ ہوسکا، نہ وہ اپنی ماں کے پاس گئی، نہ اپنے بھائی کے پاس، جب کہ وہ مالدار ہیں، وہ روپوش ہوکر کانپور چلی آئی اور ایک ہوٹل پر ملازمت کرلی اور وہیں سے کانپور کی عدالت میں ۴۸۸/ روپے کے نان ونفقہ کا عدالت میں دعوی کردیا اور شوہر والوں کو بلالیا۔ اس کی اس حرکت سے اس کے والدین، بھائی سب ناراض ہیں اور کہا میرے یہاں آنے کی ضرورت نہیں، جہاں تین سال رہی ہو، وہیں جاؤ، تم نے شوہر کو کیوں ٹھکرایا۔ پنچوں نے فیصلہ کردیا کہ ایسی عورت گھر میں رکھنے کے قابل نہیں ہے، لہذا واقعات بالا کے تحت فریدہ کہیں بھی نان ونفقہ سلیم سے پاسکتی ہے؟ کیا اتنا برباد کرنے وپریشان وبدنام کرنے کے بعد محمد سلیم پھر رکھ سکتا ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام۔

سید فضل احمد رضوی

کیراف ایس ایم تقی وکیل سول کورٹ کانپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

فریدہ بیگم بلا اجازت شوہر کے مکان سے چلی جانے کے وقت سے مستحق نفقہ نہیں رہی، لہذا اس مدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں (۱)، شوہر کا جو مال لے گئی ہے، اس کا ضمان شوہر اس سے وصول کرنے کا حق

(۱) "ولا نفقة لناشزة خرجت من بيته أي: الزوج بغير حق وإذن من الشرع" (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۷۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الأول في نفقة الزوجة: ۱/۵۴۵، رشيديه) =

دار ہے(۱)، شوہر ان حالات میں رکھنا چاہے تو اس کو بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے، اس پر طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۹ھ۔

عورت ناشزہ کب شمار ہوگی؟

سوال[۱۰۲۶۶]: کیا معاشرہ کی وہ عورت جو شوہر کے ظلم وستم سے تنگ آچکی ہو، تاوقتیکہ شوہر کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملے، شوہر کے گھر آنے سے انکار کرتی رہی، تو بحکم ناشزہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن صورتوں میں شوہر نے خود ہی اسے میکہ پہنچایا ہو، ان صورتوں میں وہ ناشزہ نہیں، نفقہ کی مستحق ہے

= (وكذا في الدر المختار، باب النفقة: ۳/۵۷۵، ۵۷۶، سعيد)

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۹۶: ۱/۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: مادام قائماً، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". وقال عليه السلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرد عليه". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۲، سعيد)

(۲) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو لغة رفع القيد، لكن جعلوه في المرأة طلاقاً، وفي غيرها إطلاقاً ..... وشرعاً: رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص، هو ما اشتمل على الطلاق". (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۶، ۲۲۷، سعيد)

"أما تفسيره شرعاً: فهو رفع قيد النكاح حالاً أو مآلاً بلفظ مخصوص". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه وشرطه وحكمه الخ: ۱/۳۴۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۰۹، رشيديه)

اور جب وہ بلا اجازت شوہر چلی گئی، شوہر کے روکنے پر بھی نہیں رکی، تو وہ ناشزہ ہے(۱)، اگر شوہر معصیت پر مجبور کرتا ہو اور وہ اس کی وجہ سے چلی گئی تو ناشزہ نہیں (۲)، یہی حکم اس وقت ہے جب شوہر ناقابل برداشت ظلم کرتا اور اس کے حقوق کو تلف کرتا ہو کہ وہ نفقہ سے مجبور ہو کر جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۷ھ۔

ناشزہ عورت کا نفقہ

سوال[۱۰۶۶۷]: اس قصبہ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ سوائے فاحشہ کے ہر قسم کی مطلقہ کو مہر وخرچہ عدت دلوایا جاتا ہے اور میکہ میں بیٹھے رہنے کا خرچہ نہیں دلوایا جاتا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں محض رواج کی وجہ سے مہر وخرچہ عدت کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ میاں بیوی کے بیانات میں اختلافات اور باہمی جھگڑے کی وجہ سے نئے فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

---

(۱) "فتجب النفقة للزوجة على زوجها (ولو هي في بيت أبيها إذ لم يطالبها الزوج بالنقلة، به يفتى".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقه: ۳/۵۷۵، سعيد)

"ولا نفقة لناشزة خرجت من بيته أي: الزوج بغير حق، وإذن من الشرع". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۷۹، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، باب النفقة، الفصل الأول: ۴/۱۸۳، ۱۸۴، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۳/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"ذكر الجزري في أسنى المناقب بمسنده عن علي رضي الله تعالىٰ عنه حديثاً طويلاً وقال في آخره علي رضي الله تعالى عنه: "فما أمرتكم من طاعة الله فحق عليكم طاعتي فيما أحببتم أو كرهتم وما أمرتكم بمعصية الله أنا وغيرى فلا طاعة لأحد في معصية الله إنما الطاعة في المعروف.... وفي الجامع الصغير: من أمركم من الولاة بمعصية الله فلا تطيعوه". رواه أحمد. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء: ۷/۲۷۴، ۲۷۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر لازم ومؤکد ہوجاتا ہے(۱)، خرچ عدت شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے(۲)، ناشزہ کا نفقہ لازم نہیں ہوتا(۳)، یہ سب احکام شرعی ہیں، محض رواجی نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۹ھ۔

نشوز میں میاں بیوی کا بیان مختلف ہونے کا حکم

سوال[۱۰۲۲۸]: اگر شوہر اور عورت کے بیان میں اختلاف ہو یعنی شوہر کہے کہ میں نے اطمینان دلایا ہے، عورت کہے کہ مجھے کوئی اطمینان بخش بات نہیں ملا، تو کس کا قول معتبر ہوگا اور اگر قرائن سے معلوم ہوجائے کہ شوہر محض ناشزہ ثابت کرنے کے لئے اس قسم کا بیان دے رہا ہے تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اطمینان کے لئے شوہر سے تحریر لے لی جائے کہ اس کی پابندی نہ کرنے پر بیوی کو حق تطلیق

---

(۱) "فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۲۵۲، رشيديه)

(۲) "والمعتدة عن الطلاق يستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً، حاملاً كانت المرأة أو لم تكن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع، الفصل الثالث: ۱/۵۵۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۱/۵۹۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "ولا نفقة لناشزة خرجت من بيته أي: الزوج بغير حق، وإذن من الشرع". (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۱۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول: ۱/۵۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۷۵، سعيد)

حاصل ہوگا (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

طلاق دینے کے لئے نشوز کو ثابت کرنا

سوال [۱۰۶۶۹]: کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو طرح طرح سے عورت کو تنگ کرتے ہیں تا کہ وہ میرے یہاں رہنے سے انکار کردے اور میں اس کا ناشزہ ثابت کرکے در بارۂ ناشزہ شریعت کے حکم پر عمل کروں، ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے اور ایسے لوگوں کی عورتیں بھی بوجہ انکار ناشزہ ہی جائیں گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر کو اس کی کیا ضرورت ہے، کہ وہ عدم موافقت کے وقت بھی طلاق دے سکتا ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "قال لها: اختاري، أو أمرك بيدك، ينوي تفويض الطلاق ... فلها أن تطلق في مجلس علمها به مالم يؤقته ... ولا يبطل المؤقت بالإعراض بل بمضي الوقت علمت أولا". (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ۳/ ۳۱۵-۳۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، الفصل الأول: ۱/ ۳۹۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ۱/ ۴۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ، ومحله المنكوحة". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الطلاق: ۲/ ۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأما سببه فالحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق، وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/ ۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول: ۱/ ۳۵۳، رشيديه)

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کا حکم

سوال [۱۰۶۷۰]: مسماۃ پٹھانی کا نکاح نابالغی کے وقت باپ نے فتح محمد ولد شیرین سے پڑھادیا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی، باپ کے گھر میں کافی عرصہ سے بالغ ہوکر بھی رہی، باپ کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا، اس لڑکی سے حرام کاری سے وہ حرامی لڑکا جو کہ زنا سے پیدا ہوا لوگوں کی پرورش میں دیا گیا، مسماۃ پٹھانی کے والد نے بڑی کوشش اور محنت سے اپنی لڑکی کو اپنے خاوند فتح محمد کے گھر آباد کیا، بعد میں مسماۃ مذکورہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کی پیدائش کا رجسٹر چوکیدار میں اندراج ہے، لڑکا جو حرامی تھا اس کا نام قائد بخش ہے، اس کی پیدائش رجسٹر چوکیدار میں اندراج نہیں ہے، مسماۃ مذکورہ پٹھانی کا خاوند فتح محمد خوش ہوگیا ہے، کیا وہ حرامی لڑکا ورثہ کا مالک ہوسکتا ہے؟ جو شرعاً حکم ہو وہ صادر فرمائیں۔ لڑکے کی ناجائز پیدائش کے گواہ سب شہر کے باشندے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکی کی شادی ہوچکی اور اس کو چھ ماہ سے زائد کا عرصہ گزر گیا (۱)، پھر اس کے بچہ پیدا ہوا تو محض اس وجہ سے کہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی، اس کے بچے کو حرامی اور زنا کا بچہ کہنا جائز نہیں، جب تک زنا کے چار عینی گواہ شہادت نہ دیں (۲)، اسے حرامی کہنے والے سخت مجرم ہیں، ان کو ایسا کہنے سے اپنی زبان بند رکھنا ضروری ہے، وہ

---

(۱) "أكثر مدة الحمل سنتان، وأقلها ستة أشهر إجماعاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب: ۳/ ۵۴۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۴/ ۲۷۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۲/ ۴۳۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين أمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ (الحجرات: ۱۲)

سخت سزا کے مستحق ہیں (۱)، اگر وہ بچہ فتح محمد کا ہے تو فتح محمد کی زندگی میں کیا اس کا سوال نہیں اٹھا؟ شہر کے سب لوگ آج تقسیم میراث کے وقت اس کے بچہ کے ناجائز ہو۔نے کی گواہی دے رہے ہیں، فتح محمد کے سامنے انہوں نے کیوں گواہی نہیں دی؟ غرض اس بچہ کے ناجائز اور حرامی ہونے کے لئے بیان مذکورہ ہرگز شرعاً کافی نہیں، رجسٹر چوکیدار میں اندراج نہ ہونے سے بھی کسی بچہ کو شرعاً حرامی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۴/۹۱ھ۔

ارتکاب معصیت سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

سوال [۱۰۶۷۱]: زید ایک عورت پر عاشق ہوگیا اور عورت زید پر عاشق ہوگئی، نیز عورت شادی شدہ ہے اور اپنے شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی، عورت اپنے گھر سے بھاگ کر زید کے گھر چلی آئی، زید نے بغیر نکاح کے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کرنی شروع کردی، یہاں تک کہ اس عورت کو ایک لڑکا پیدا ہوگیا (ولد الزنا) اس کا شوہر بار بار بلانے کے لئے آیا، لیکن عورت اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کررہی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اگر عورت کو اس شوہر سے طلاق دلادی جائے اور عدت گزر جائے، تو پھر زید کا نکاح اس عورت کے ساتھ درست ہوگا یا نہیں؟ اگر درست ہوگا تو پھر اس ولد الزنا کو کیا کیا جائے گا؟ اگر زید کے گھر رہتا ہے، تو حرامی کی نسل بڑھتی چلی جائے گی، اس مسئلہ کا اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ حالت سخت معصیت کی حالت ہے، لہٰذا پہلے تو اس عورت کو اس شخص سے الگ کرایا جائے (۲)،

---

(۱) "ومن قذف مملوكاً أو كافراً بالزنا أو مسلماً بيا فاسق ...... يا حرام زاده عزر". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۷۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۳۷۳، ۳۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۴/۷۱، سعيد)

(۲) "بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثامن: ۱/۳۳۰، رشيديه) .... =

پھر شوہر طلاق دے دے، پھر عدت تین ماہواری گزر جائے، تب اس شخص سے نکاح کردیا جائے(۱)، جس کے پاس وہ اب ہے، جو بچہ اس شخص کے مکان پر پیدا ہو چکا ہے، جس سے شادی نہیں ہوئی، وہ بچہ اس شخص کا نہیں کہلائے گا، اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا، جو بچہ ارتکاب معصیت سے پیدا ہو وہ اس سے ثابت النسب نہیں ہوتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆……☆……☆……☆……☆

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر: ۳/۱۹۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(والمحصنات من النساء) أي: ذوات الأزواج، لايحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها أو يطلقها وتنقضي عدتها الوفاة أو الطلاق". (التفسير المظهري: ۲/۲۰، حافظ كتب خانه)

قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾. (البقرة: ۲۳۲)

"فإذا انقضت عدتهن (من الطلاق أو الوفاة) حلت للأزواج، ولا جناح عليها فيما فعلت من ذلك". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۳۴: ۳/۱۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "فيقام النكاح مقامه (أي: الدخول) في إثبات النسب، ولهذا قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر، وكذا ولو تزوج المشرقي بمغربية، فجاءت بولد يثبت النسب، وإن لم يوجد الدخول حقيقة لوجود سببه وهو النكاح". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ثبوت النسب: ۳/۲۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب: ۳/۲۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

شیرخوار بچہ کو چھوڑنے والی ماں کا حکم

سوال [۱۰۶۷۲]: اس ماں پر کیا سزا شرع شریف روا رکھتی ہے، جو شیرخوار بچے کو چھوڑ کر بھاگ جائے اور معصوم کی ترک پرورش کرے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ ماں ظالم اور گنہگار ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والوالدات يرضعن أولادهن﴾ (البقرة: ٢٣٣)

"الثانية: قوله تعالى: ﴿يرضعن﴾ خبر معناه الأمر على الوجوب لبعض الوالدات، وعلى جهة الندب لبعضهن على ما يأتي ... ولكن هو عليها في حال الزوجية". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ٢٣٣: ٢/١١٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أخرجه الشيخان وغيرهما: كلكم راع ومسؤول عن رعيته ... والمرأة راعية في بيت زوجها، ومسؤولة عن رعيتها. (تنبيه) ذكر هذا ظاهر كالذي قبله؛ لأنه أيضاً من أقبح الظلم وأفحشه" (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب النفقات: ٢/١٠٢، دار الفكر بيروت)

"الكبيرة الثمانون بعد المائتين: نشوز المرأة بنحو خروجها من منزلها بغير إذن زوجها ورضاه لغير ضرورة شرعية". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب النكاح: ٢/٧٢، دار الفكر بيروت)

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

(قسم کھانے کا بیان)

کیا لفظ ''قسم کھاتا ہوں'' سے یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۰۶۷۳]: ایک شخص کہہ رہا ہے کہ ''میں قسم کھا رہا ہوں کہ اگر میں کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں گا''، اگر وہ کھانا کھائے تو حانث ہوگا یا نہیں؟ اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا یا نہیں؟ واضح ہو کہ مذکورہ لفظ میں قسم کے علاوہ اللہ کے ذاتی وصفاتی نام میں سے کوئی لفظ اس نے نہیں کہا ہے، تو قسم ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"والیمین باللّٰہ أو باسم من أسمائہ" إلی قولہ "وأقسم وأشہد وأحلف وإن لم یقل باللّٰہ عملاً بالعرف" (الدر المنتقی)(۱)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں قسم ہوگئی ہے، جس کھانے سے متعلق یہ قسم کھائی ہے، اس کے کھانے سے حانث ہوکر کفارہ لازم ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدر المنتقی علی ہامش مجمع الأنہر، کتاب الأیمان: ۱/۵۴۳-۵۴۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في مجمع الأنہر، کتاب الأیمان: ۱/۵۴۴، ۵۴۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثاني، الفصل الأول: ۲/۵۴، رشیدیہ)

(۲) "من حرم شیأ، ثم فعلہ کفر" (البحر الرائق، کتاب الأیمان: ۴/۴۹۲، رشیدیہ)

کلام پاک کی قسم

سوال [۱۰۶۷۴]: ایک خاتون نے کلام پاک کی قسم کھا کر اپنے شوہر سے یہ کہا کہ: ''آج کے دن سے میں بھی صحبت نہیں کرنے دوں گی''، اس تاریخ سے آج تک دونوں آپس میں نہ ملے، جس کو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے، اب خاتون اپنے شوہر کو دعوت دیتی ہے، لیکن شوہر اس خاتون سے نفرت کرتا ہے، دو بچے بھی ہو چکے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خاتون اپنے شوہر سے ہم صحبت ہونا چاہتی ہے، تو صحبت کی اجازت دے دے، بلکہ رغبت دلا کر خود آمادہ کرلے، پھر صحبت کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے(۱)، آئندہ کے لیے دروازہ کھل جائے گا اور صحبت سے نہ گناہ ہوگا نہ کفارہ(۲)، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے یا ان کو پہننے کو کپڑے دے،

= ''ولو حلف لایأکل طعاماً ینصرف إلی کل مطعوم، حتی لو أکل الخل یحنث''. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الأیمان، الفصل الثاني عشر: ۱۵۰/۲، رشیدیه)

''(ومن حرم) أي: علی نفسه (شیئاً ثم فعله) بأکل أو نفقة (کفر) لیمینه''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۷۲۹/۳-۷۳۰، سعید)

(۱) ''من حرم شیئاً ثم فعله کفر لیمینه''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۷۲۹/۳، ۷۳۰، سعید)

''قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من حلف علی یمین فرأی غیرها خیراً منها، فلیأت الذي هو خیر ولیکفر عن یمینه''. (صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب ندب من حلف یمینا ..... الخ: ۴۸/۲، سعید)

(وکذا في سنن النسائي، کتاب الأیمان والنذور، باب الکفارة بعد الحنث: ۱۴۴/۲، قدیمی)

(۲) ''حلف لا یفعل کذا ترکه علی الأبد، فلو فعل المحلوف علیه مرة حنث وانحلت یمینه، فلو فعله مرةً أخری لایحنث''. (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأیمان، باب الیمین في الضرب والقتل وغیر ذلک: ۸۴۳/۳، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الأیمان، مسائل متفرقة: ۵۰۶/۲، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الأیمان، باب الیمن في الضرب والقتل: ۲۱۶/۴-۲۱۷، رشیدیه)

اگر اتنی وسعت نہ ہو، تو تین روزے مسلسل رکھے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

قرآن شریف کی جھوٹی قسم کھانا

سوال [۱۰۶۷۵]: اگر کوئی شخص قرآن شریف کی جھوٹی قسم کھائے، تو اس پر اس کلام کا حانث ہونا لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمداً جھوٹی قسم کھانا یمین غموس ہے، جو کہ کبیرہ گناہ ہے، شرک کے قریب ہے۔ کما فی الحدیث أیضاً (۲)۔

آئندہ کے متعلق قسم کھا کر اس کے خلاف کرنے سے آدمی حانث ہو جاتا ہے، جس سے کفارہ لازم آتا ہے (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾ (المائدة: ۸۹)

"وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين". (الدرالمختار). "....وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۲۵-۷۲۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/ ۲۶۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/ ۴۸۶، رشيديه)

(۲) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف على يمين مصبورة كاذباً، فليتبوأ بوجهه مقعده من النار". (سنن أبي داود، كتاب الأيمان، باب التغليظ في اليمين الفاجرة: ۲/ ۱۰۶، ۱۰۷، إمداديه ملتان)

"والطبراني وابن حبان في صحيحه واللفظ له: "من أكبر الكبائر الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، واليمين الغموس". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الأيمان: ۲/ ۳۰۱، دارالفكر بيروت)

"ومن الكبائر الإشراك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس واليمين الغموس". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان: ۱۱/ ۳۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "أما التي يكفر فهي اليمين على فعل المستقبل، وإذا حنث يجب الكفارة". (خلاصة الفتاوى، =

صورتِ مذکورہ میں کفارہ لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۳ھ۔

قرآن اٹھا کر جھوٹی قسم کھانا

سوال[۱۰۲۷۶]: ایک شخص سے حقیقت میں غلطی ہوئی اور وہ شخص اپنی غلطی کو محسوس کرتا ہے مگر عورت کے شور و شغب مچانے پر اس شخص نے قرآن مجید اٹھالیا، جس سے کہ عورت اطمینان کرلے تو اس کا کفارہ کیا ہونا چاہیے اور کیسے ادا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلط کام کرکے اس کا انکار کرنا اور اس پر قرآن شریف اٹھا کر قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اس کا وبال بہت سخت ہے(۱)، دنیا میں اس کا کوئی کفارہ نہیں، توبہ کرتا رہے، روتا رہے، حق تعالیٰ معاف فرمائے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا

سوال[۱۰۲۷۷]: کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کے لئے کلام اللہ شریف کی قسم کھائی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو ایسے موقعوں پر کیا کیا جائے، جب کہ ایسا کرنا یا کرانا از حد ضروری ہو؟

= كتاب الايمان، الفصل الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۰۹، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الأيمان: ۳/۹، رشيديه)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "قرآن اٹھا کر جھوٹی قسم کھانا"۔

(۲) "وأما التي لاتكفر فهي الحلف على إثبات شيء أو نفيه في الماضي متعمداً بالكذب، ولا يجب الكفارة، وإنما يجب التوبة". (خلاصة الفتاوی، كتاب الأيمان، الفصل الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

"قال عليه الصلاة والسلام: "اليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع أي: خالية، ولا تجب فيه الكفارة، إلا التوبة والاستغفار". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۲۹، رشيديه)

قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا جاتا ہے، اس کے مطابق اگر قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر مندرجہ ذیل الفاظ کہلائے جائیں تو کیسا ہے؟

''میں حلف لے کر وعدہ کرتا ہوں کہ فلاں کام آئندہ تادمِ حیات نہیں کروں گا''۔ مطلع فرمائیں شرعاً۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً قسم لینا ہی ناپسند ہے، تاہم اگر اس طرح قسم کھالی ہے، تو وہ شرعاً معتبر ہوگی (۱)، اگر آئندہ کے متعلق ہے، تو اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم آئے گا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرآن، کلام اللہ اور بچوں کی قسم کھانا

سوال [۱۰۶۷۸]: اللہ کی قسم، خدا رسول کی قسم، بچوں یا بچہ کی قسم۔ ان چاروں میں سے کون سی حلف کھلوائی جاسکتی ہے؟ کوئی شخص قرآن کو ہاتھ میں لے کر اور دوسرے ہاتھ کو بچے کے سر پر رکھ کر یوں قسم کھائے کہ ''قرآن شریف گواہ رہے، خدا کی قسم میں جو بھی کہوں گا یا جو بیان دے رہا ہوں، وہ سب سچ ہے'' کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

(۱) ''والیمین باللہ أو باسم اللہ من أسمائه'' إلی قوله ''وأقسم وأشهد وأحلف، وإن لم یقل باللہ عملاً بالعرف''. (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الأیمان: ۱/۵۴۳-۵۴۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأیمان: ۳/۷۱۶، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الثاني، الفصل الأول: ۲/۵۳، رشیدیه)

(۲) قال اللہ تعالی: ﴿لا یؤاخذکم اللہ باللغو في أیمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الأیمان فکفارته إطعام عشرة مساکین من أوسط ما تطعمون أهلیکم أو کسوتهم أو تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام ذلک کفارة أیمانکم إذا حلفتم﴾ (المائدة: ۸۹)

''أما التي یکفر فهي الیمین علی فعل المستقبل، وإذا حنث یجب الکفارة''. (خلاصة الفتاوی، کتاب الأیمان، الفصل الأول: ۲/۱۲۳، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الأیمان: ۳/۷۰۸، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الأیمان: ۳/۹، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بات بات پر قسم کھانا اور قسم لینا غلط طریقہ ہے(۱)، ضرورتِ شدیدہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے کسی نام اور کسی صفت کی بھی قسم کھائی اور لی جاسکتی ہے، اللہ، خدا، رحمن، رحیم، خالق، مالک وغیرہ۔ بچے یا بچوں کی قسم جائز نہیں، ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا بھی غلط ہے(۲)، قرآن کریم اگر ہاتھ میں لے کر بات کہی جاوے تو اس سے قسم نہیں ہوتی، ہاں! کلام اللہ کی قسم کھانے سے قسم ہوجائے گی (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۸ھ۔

---

(۱) "﴿ولا تجعلوا الله عرضة لأيمانكم﴾ الآية، وبهذه الآية ثبت أن الإكثار بالحلف مكروه". (التفسير المظهري، القلم: ۲۸۲/۱، حافظ كتب خانه)

"وذكر بعضهم أن كثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لما فيها من الجرأة على اسمه جل شأنه". (روح المعاني، القلم: ۲۷/۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"والأفضل في اليمين بالله تعالى تقليلها". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳۲۴/۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أدرك عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه وهو يسير في ركب يحلف بأبيه، فقال: "ألا! إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان، باب لاتحلفوا بآبائكم: ۹۸۳/۲، قديمي)

"والقسم بالله تعالى وباسم من أسمائه كالرحمن والرحيم، أو بصفة من صفاته تعالى، كعزة الله وجلاله وكبريائه وعظمته وقدرته، لايقسم لغير الله تعالى، كالنبي والقرآن والكعبة". (الدر المختار)

"(قوله: لايقسم بغير الله تعالى) أي: لا ينعقد القسم لغيره تعالى أي: غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية كما مر، بل يحرم كما في القهستاني، بل يخاف منه الكفر في نحو "وحياتي وحياتك"". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ۷۱۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴۷۳/۴-۴۸۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة=

نماز پڑھنے کی قسم کھانا

سوال[۱۰۶۷۹] : ایک شخص نے جذبہ کی حالت میں قرآن شریف اور بخاری شریف ہاتھ میں اٹھا کر اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا کہ "تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا اور ہمیشہ پڑھوں گا"۔ اس کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قسم کے بعد اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے(۱)، وہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر (پیٹ بھر کر) کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا پہنائے، اگر اس کی وسعت نہ ہو، تو تین روزے مسلسل رکھے، پھر اگر قسم کھائے اور خلاف کرے، تو پھر کفارہ دے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۱/۵/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۱/۵/۱۲ھ۔

= أيام﴾ (المائدة: ۸۹)

"فكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين". (الدرالمختار). "...... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۵-۷۲۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۶، رشيديه)

(۱) "ثم وقت وجوب الكفارة في اليمين المعقودة على المستقبل هو وقت وجود الحنث فلا يجب إلا بعد الحنث عند عامة العلماء". (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان، وقت وجوب الكفارة: ۳/۳۲، رشيديه)

"فيحنث إذا نقضها فتجب عليه الكفارة". (البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۷۶، رشيديه)

"من حرم شيئاً، ثم فعله كفر ليمينه". (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۹، ۷۳۰، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾ (المائدة: ۸۹)

"وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم ...... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۵-۷۲۷، سعيد) =

روزہ رکھنے اور صدقہ دینے کی قسم

سوال[۱۰۶۸۰]: ایک شخص نے کہا کہ ''اگر میں علم دین پڑھانے لگوں تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھوں گا اور دو روپے ماہواری تنخواہ میں سے صدقہ کیا کروں گا''۔ خدا نے اس کی یہ دعا قبول کی، چار پانچ سال علم دین پڑھایا، اس کے بعد کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں اور صدقہ بھی کبھی دیا اور کبھی نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر ماہ میں تین روزے اور دو روپیہ صدقہ اس کے ذمہ لازم ہے، اگر کچھ ماہ بغیر روزے اور صدقہ کے گزرے، تو قضا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۵/ ۸۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۸۱ھ۔

پاکستان جانے کی قسم کھانا

سوال[۱۰۶۸۱]: بکر اور اس کے دو دوستوں نے مسجد میں جا کر قسم لی کہ ہم تینوں پاکستان چلے جائیں گے، ان میں سے ایک ساتھی کا انتقال ہو چکا۔ پاکستان کوئی نہ جا سکا، اب یہ دونوں بھی پاکستان جانا نہیں چاہتے، لہذا قسم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا انتقال ہوگیا، اس کی قسم ٹوٹ گئی، اس کے ذمہ کفارہ کی وصیت کرنا لازم تھا، دو شخص موجود ہیں،

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/ ۲۶۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/ ۴۸۲، رشيديه)

(۱) "إذا نذر أن يصوم كل خميس، يأتي عليه، فأفطر خميساً واحداً، فعليه قضاؤه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس: ۱/ ۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الحادي عشر: ۲/ ۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصوم: ۲/ ۹۰، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

ابھی اس کی قسم نہیں ٹوٹی، جب وہاں جانے کا امکان ختم ہو جائے گا تب قسم ٹوٹے گی اور کفارہ لازم ہوگا (۱)۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلایا جائے یا ان کو کپڑا پہنا دیا جائے، اگر وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۲ھ۔

کپڑے کو جلانے کی قسم کھانا

سوال [۱۰۶۹۲]: میری بیوی نے اپنی مرضی سے ڈیڑھ میٹر کپڑا خریدا، اس نے چوری سے خرید کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا تھا، اب رمضان المبارک کو دو سال کے بعد میرے سامنے آیا تو میں نے کہا کہ میں نے

---

(۱) "فأما المطلق في الإثبات بأن قال مثلاً: والله لآكلن هذا الطعام، والله لأشربن هذا الشراب ولم يقل: "اليوم" وما أشبهه، فالبر فيه إنما يكون بتحصيل الأكل أو الشرب في العمر، ويفوت البر بهلاک الحالف أو المحلوف عليه، حتى أن في هذه المسئلة ... مات الحالف يقع الحنث وتلزمه الكفارة". (المحيط البرهاني، كتاب الأيمان والنذور، الفصل الثالث: ۴/۲۳۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"(قوله: لياتينه فلم يأته حتى مات حنث في آخر حياته)؛ لأن البر قبل ذلك موجود، ولا خصوصية للإتيان، بل كل فعل حلف أنه يفعله في المستقبل، وأطلقه، ولم يقيده بوقت لم يحنث، حتى يقع الإياس عن البر". (البحر الرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج: ۴/۵۲۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني: ۲/۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثالث: ۴/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾ (المائدة: ۸۹)

"وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين" (الدرالمختار) ... "وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۵-۷۲۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الايمان: ۲/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۶، رشيديه)

تو اس کپڑے کو انکار کر دیا تھا، تو پھر تو نے یہ کپڑا کیوں لیا، تو میری بیوی نے کہا کہ مجھے یہ لینا تھا، اس لئے میں نے چوری کی اور اب اسے رکھوں گی۔ پھر میں نے جوش میں آکر قسم خدا کی یہ کہہ دیا کہ "اس کپڑے میں آگ لگا دوں گا، پھونک دوں گا"۔ غرض یہ ہے کہ میں اس کپڑے کو جلا کر راکھ بنادوں یا کسی کو دے دوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کپڑے کو آگ لگانے کے لئے نہ تو آپ نے وقت متعین کیا نہ دن، نہ تاریخ، لہذا وہ عورت اس کپڑے کو استعمال کرے، جب پرانا ہو جائے تو اس کو جلا دیں، اس طرح قسم پوری ہو جائے گی(۱)، اگر اسی حالت میں جلا دیں گے تب بھی قسم پوری ہو جائے گی مگر نقصان ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۹/ ۹۵ھ۔

بیوی کی پاک دامنی کی قسم کھانا

سوال[۱۰۲۸۳]: کیا اپنی بیوی کی پاک دامنی کی قسم کھائی جا سکتی ہے؟ اگر قسم کھائی تو بیوی کے ماں باپ اور ولی میاں بیوی میں فراق ڈال دیں گے، لہذا جواب عنایت کریں کہ اپنی بیوی خلع منظور کرے یا اس کی پاک دامنی اور پاکیزہ ہونے کی قسم کھائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قسم اللہ کے نام اور اس کی صفات کی کھائی جاتی ہے، بیوی کی پاک دامنی کی قسم کھانا اور کھلانا غلط ہے، منع ہے(۲)۔

---

(۱) "فأما المطلق في الإثبات بأن قال مثلاً: "والله لآكلن هذا الطعام، والله لأشربن هذا الشراب"، ولم يقل "اليوم" وما أشبهه، فالبر منه إنما يكون بتحصيل الأكل والشرب في العمر". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثالث: ۶/ ۳۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الأيمان والنذور، الفصل الثالث: ۴/ ۳۴۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني: ۲/ ۱۸۱، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أدرك عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه وهو يسير في ركب يحلف بأبيه، فقال: "ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان، باب لاتحلفوا =

بیوی کے ماں باپ وغیرہ کو اپنی ضد سے باز آنا لازم ہے، ورنہ سخت وبال میں گرفتار ہوں گے(۱)، شوہر بہت سے بہت یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے اپنی بیوی پر کوئی شک وشبہ نہیں، جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ پاک دامن ہے، مگر قسم کے ساتھ نہیں کہنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۲ھ۔

حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا

سوال[۱۰۶۸۴]: ۱…… اگر کوئی کہے کہ میرے لئے مرغی پالنا اور کھانا حرام ہے، تو کیا وہ شخص مرغی

= بآبائکم: ۲/ ۹۸۳، قدیمی)

"والقسم بالله تعالى، وباسم من أسمائه كالرحمن والرحيم والحليم والعليم، أو بصفة من صفاته تعالىٰ كعزة الله وجلاله وكبريائه وعظمته وقدرته، لايقسم بغير الله تعالىٰ كالنبي والقرآن والكعبة". (الدرالمختار). "(قوله: لايقسم بغير الله تعالىٰ) أي: لاينعقد القسم بغيره تعالىٰ أي: غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية كما مر، بل يحرم كما في القهستاني، بل يخاف منه الكفر في: وحياتي وحياتک". (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۱۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/ ۴۷۳–۴۸۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/ ۲۶۷، ۲۶۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه … ماله في الآخرة من خلاق﴾ الآية (البقرة: ۱۰۲)

"(قوله تعالىٰ: ﴿فيتعلمون منهما مايفرقون به بين المرء وزوجه﴾ أي: فيتعلم الناس من هاروت وماروت من علم السحر … ليفرقون به بين الزوجين، مع ما بينهما من الخلطة والائتلاف، وهذا من صنيع الشياطين كما رواه مسلم في صحيحه … عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الشيطان ليضع عرشه على الماء ثم يبعث سراياه في الناس، فأقربهم عنده منزلة أعظمهم عنده فتنة … ويجيء أحدهم فيقول: ماتركته حتى فرقت بينه وبين أهله قال: فيقربه ويدنيه ويلتزمه ويقول: نعم أنت".

(تفسير ابن كثير، البقرة: ۱/ ۲۰۰، مكتبه دارالسلام)

پال سکتا ہے اور کھا سکتا ہے؟

۲..... اگر کوئی شخص اپنی سسرال کا یا اپنے پڑوس کے گھر کا کھانا پینا اپنے اوپر حرام کرلے اور پھر بعد میں کھانا چاہے، تو کیا حکم ہوگا؟

۳..... اگر کوئی اپنے لڑکے پر غصہ ہوکر کہے کہ تیری کمائی میرے لئے حرام ہے اور مرنے کے بعد تم میری قبر پر مٹی نہ ڈالنا، تو اگر وہ شخص اپنے بیٹے کی کمائی کھانا چاہے اور بیٹا اس کے کفن دفن میں شریک ہونا چاہے، تو کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر کوئی شخص حلال چیز اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے، تو اس کے حرام کرنے سے وہ حرام نہیں ہوگی (۱)، بدستور اس کا استعمال اس کے لئے جائز رہے گا، لیکن اس کے استعمال کرنے پر چونکہ حانث ہوگا، اس لئے اس پر کفارہ ضروری ہے۔

"ومن حرم شيئاً، ثم فعله كفر". شرح كنز، التنوير: ۲/۶۳(۲).

---

(۱) "ولا يحرم قول الرجل: هذا عليّ حرام شيئاً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التحريم: ۱: ۱۸/۱۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وللنسائي: أنه أتاه رجل فقال: جعلت امرأتي عليّ حراماً، قال: كذبت ليست عليك بحرام ثم تلا هذه الأية ﴿يا أيها النبى لم تحرم ما أحل الله لك﴾". (تفسير روح المعاني، التحريم: ۲۸/۱۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالى: ﴿يا أيها النبى لم تحرم ما أحل الله لك﴾ (التحريم: ۲)

"ومن حرم ملكه لم يحرم عليه؛ لأنه قلب المشروع، ولا قدرة له على ذلك". (شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب الأيمان: ۱/۳۴۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۲۹۲، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۹، ۷۳۰، سعيد)

"قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع: إذا حلف الرجل لا يأكل لحم دجاج، فأكل لحم الديك يحنث في يمينه، الأصل في جنس هذه المسائل: أن اليمين متى أضيف إلى اسم جنس يدخل =

۲. اس صورت کا بھی یہی حکم ہے۔

۳. بیٹے کی کمائی کھانا چونکہ فی نفسہ حلال ہے، اس لئے باپ کے حرام کرنے سے وہ حرام نہ ہوگی (۱)، مگر اس کمائی کے کھانے پر بوجہ حانث ہونے کے کفارہ دینا پڑے گا (۲)، البتہ اس کے کفن دفن میں بیٹا بہرصورت پوری طرح شریک ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۱ھ۔

کیا حلال کو حرام سے تشبیہ دینا قسم ہے؟

سوال [۱۰۶۸۵]: اگر کسی نے حلال غذا کو حرام سے تشبیہ دیا، یوں کہا کہ "یہ دال اگر میں کھاؤں تو میرے لئے خنزیر ہوگی" یہ قسم ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قسم نہیں ہوئی۔

= تحنث الیمین الذکر والأنثی من ذلک المحنس". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الخامس: ۲/۹۳، رشیدیه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الأيمان، الفصل الثاني عشر: ۴/۱۵۵، ۵۱۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الأيمان: ۴/۲۵۳، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۲۹

(۲) "ولو حلف لا يأكل من كسب فلان فأوصى له إنسان فأكل الحالف يحنث". (خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الفصل الثاني عشر: ۲/۱۵۴، رشيديه)

"من حرم شيئاً، ثم فعله كفر ليمينه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۹، ۷۳۰، سعيد)

(وكذا في فتاوى الولوالجية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني: ۲/۷۲، مكتبه فاروقيه پشاور)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الأيمان، الفصل الثاني عشر: ۴/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"قوله: إن فعله فعليه غضب الله أو سخطه أو لعنته أو هو زان أو شارب خمر أو سارق أو آكل ربوا ليس بيمين" (ملتقى الأبحر، ص: ٥٥٤)(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۱۰۲۸۶]: میری عمر تقریباً سات سال کی تھی، اس وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ میں مسور کی دال نہیں کھاؤں گا، تفصیل یہ ہے کہ بہن نے مسور کی دال پکا رکھی تھی، میں نے کہا کہ مسور کی دال میں کتے کا پلا، اس نے کہا کہ "تو کھاوے تو سور کھاوے" میں نے کہا کہ "میں کھاؤں تو سور کھاؤں"، وہ بہن پاکستان میں ہے اور میں پاکستان جارہا ہوں، اگر وہاں مسور کی دال سامنے آجائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ وہاں بے تکلف مسور کی دال کھا سکتے ہیں، اس وقت کی اس بات کی وجہ سے دال مسور آپ پر حرام نہیں ہوئی، نہ قسم ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۰/۲/۳۲ھ۔

"اگر فلاں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤں تو خنزیر کھاؤں" کہنے کا حکم

سوال[۱۰۲۸۷]: ایک مرد نے ایک عورت کے متعلق یہ طے کرلیا کہ "اگر میں اس کے ہاتھ کا پکا ہوا

(١) (ملتقى الأبحر، كتاب الأيمان: ٢٧٢/٢، ٢٧٣، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ٧٢١/٣، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني، الفصل الأول: ٥٥/٢، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ٤٨٣/٤، رشيديه)

(٢) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا حلال کو حرام سے تشبیہ دینا قسم ہے؟"

یا کچا کوئی کھانا وغیرہ کھاؤں، تو خنزیر کھاؤں"، اب اگر اس کے ہاتھ کا کھانا کھایا جائے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنا بہت بے عقلی اور جہالت ہے، مگر اس سے قسم نہیں ہوتی، لہٰذا اگر اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھالے گا، تو قسم کا کفارہ لازم نہیں آئے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

"اگر فلاں کام کروں تو خنزیر کھاؤں" کیا یہ قسم ہے؟

سوال [۱۰۶۸۸]: ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر میں فلاں کام کروں، تو خنزیر کا گوشت کھاؤں، کیا اس شخص پر قسم کا کفارہ آئے گا؟ یا صرف توبہ استغفار ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس پر کفارہ واجب نہیں (۲)، توبہ استغفار کرے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۹/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، ۹۲/۹/۱۲ھ۔

کلما کی وجہ سے موجودہ بیوی حرام نہیں ہوئی

سوال [۱۰۶۸۹]: ۱... کسی چیز کی بیع وشراء کے باعث زید وبکر کے مابین تنازع ہوا، زید کا کہنا ہے

---

(۱) "وإن فعله فعليه غضبه أو سخطه أو لعنة الله أو هو زان أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا لايكون قسماً لعدم التعارف". (الدر المختار). "(قوله وفي البحر: ما يباح للضرورة الخ) ... هو يستحل أو لحم الخنزير إن فعل كذا لايكون يميناً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۱، سعيد)

"التعليق بما تسقط حرمته بحال ما، كالميتة والخمر والخنزير لايكون يميناً" (البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني، الفصل الأول: ۲/۵۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني: ۴/۳۲۳، إدارة القرآن كراچى)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "اگر فلاں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤں تو خنزیر کھاؤں کہنے کا حکم"۔

کہ ہم نے مبیع کی قیمت ادا کردی اور بکر کہہ رہا ہے کہ تم نے قیمت ادانہیں کی ہے، اب زید مشتری اور بکر بائع دونوں اپنے معاملہ کوکسی عالم دین کے روبرو لے گئے اور موصوف عالم دین کو دونوں فریقوں نے حَکَم بنایا، جب حکم مدعی کے بیانات سے فارغ ہوئے اور بکر کے مدعی علیہ زید سے اس مذکورہ معاملہ کے متعلق پوچھا گیا، تو مدعی علیہ زید بھی بکر مدعی پر الٹا دعویٰ کرتا ہے، کہ بکر کی تحریر میرے پاس موجود ہے کہ آج سے ایک ماہ قبل ہم نے ان کے ہاتھ فلاں چیز فروخت کی تھی اور اب تک انہوں نے قیمت ادانہیں کی ہے، جس کا ثبوت میرے پاس بکر کی یہ تحریر ہے، اب فریقین میں سے کسی کے پاس گواہ موجود نہیں۔

عالم دین حَکَم زید سے کلما کی قسم لیتے ہیں، زید کلما کی قسم اس طرح کھاتا ہے کہ ''جب جب میں کسی عورت سے شادی کروں، ہم پر حرام ہے'' (مطلقہ ہے) کہ میں نے بکر سے بیع واپس نہیں لی ہے۔ اس پر مدعی بکر حَکَم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ زید کی شادی ۷۲ء میں ہو چکی ہے۔ زید نکاح ثانی کرے گا یا نہیں؟ عالم دین حَکَم صاحب نے فرمایا کہ اے زید! تمہاری قسم لغو ہوگئی، پھر ثانیاً قسم کلما کھاؤ، تو زید نے بحالت غصہ یہ کہا کہ مجھے بکر کو قیمت دینا پڑے لیکن اب قسم نہیں کھاؤں گا۔

۲......دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کی بیوی زید کے لئے حرام ہوگئی یا اگر زید جب شادی کرے گا، اس وقت اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، اس لئے زید کا دعویٰ سراسر غلط تھا کہ بکر کی تحریر میرے پاس موجود ہے۔

۳......کیا زید کی یہ قسم کلما واقعی لغو ہوگئی؟

۴......شریعت مطہرہ میں قسم کلما کا کیا حکم اور مقام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳، ۴......زید کے اس قسم کھانے کی وجہ سے موجودہ بیوی زید پر حرام نہیں ہوئی، البتہ آئندہ کسی عورت سے شادی کرے گا تو طلاق ہو جائے گی (۱)۔

---

(۱) "وإذا أضاف الطلاق إلى النكاح وقع عقيب النكاح". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب تعليق في الطلاق: ۴/۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث: ۱/۴۲۰، رشيديه) .... =

... المحلوف عليه ... مقصود بالفعل وخصوص الأسماء ضروري،

... (ملخصاً) (١)۔

یمین منعقد نہیں ہوئی۔

"اليمين ... [illegible] ... في ماضي أو حال اهـ" (در مختار

مع الشامی: ٣/ ٤٢٧) (٢)۔

[illegible]

"... الطلاق ... [illegible] ... مختصر وعليه الفتوى

... [illegible] ... اهـ" (در مختار: ٤/ ٤٢٧) (٣)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ... ۹۲ھ۔

”ان کے یہاں گیا تو اپنی ماں سے صحبت کرتا گیا“ کہنے کا حکم

سوال [۱۱۰۲۶] : ... ایک شخص نے کہا کہ اگر میں اپنی ... کے گھر گیا تو گویا کہ اپنی ماں فالدہ

---

(١) (وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق: ٢/ ٣٨٥، شركت علمية)

(٢) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب التعليق: ٣/ ٣٥٢، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق: ٢/ ٣٨٩، شركت علمية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق: ٤/ ٣٠-٣٢، رشيدية)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ٣/ ٧٠٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ٤/ ٤٦٢، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الأيمان: ٣/ ٥، رشيدية)

(٣) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الدعوى: ٥/ ٥٥٥، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الدعوى: ٧/ ٣٢٤، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الدعوى: ٣/ ٣٥٣-٣٥٥، مكتبه غفاريه كوئته)

"سے سات مرتبہ زنا کیا" اس کی بہن اور اس کے بھائی اس وجہ سے بہت مشتعل ہے، اپنے گھر سے نکلے اور ہندہ اس کی بیوی ہے، مگر وہ گھر ہندہ کے شوہر نے تیار کیا ہے، اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کہنے سے قسم نہیں ہوئی، کوئی کفارہ لازم نہیں (۱) مگر ایسی بے ہودہ بات کہنا جہالت وحماقت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"اگر فلاں کام کروں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" کہنے کا حکم

سوال [۱۰۲۹۱]: زید نے قسم کھائی کہ "اگر اب زندگی بھر میں بیڑی اور حقہ پیوں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" اور اسی طرح کی دوسری قسم کھائی کہ "اگر [illegible] کوئی بھی کام کروں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" (نعوذ باللہ) [illegible] قسم [illegible]۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا یہ قسمیں کھانا اور ان قسموں پر قائم رہنا [illegible] یا نہیں اور [illegible] کا کفارہ واجب ہے؟ تو کیا اور کس طرح اس کی ادائیگی کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی قسم کھانا انتہائی جہالت اور قساوت کی علامت ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی قسم کے خلاف کریں (۲)، یعنی

---

(۱) "وإن فعله فعليه غضبه أو سخطه أو لعنة الله أو هو زان [illegible] لا يكون قسماً لعدم التعارف".

(الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/[illegible]، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني، الفصل الأول: ۲/[illegible]، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الأيمان: ۲/۲۷۲، ۲۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۲، رشيديه)

(۲) مذکورہ الفاظ اگرچہ حقیقۃً قسم کے نہیں ہیں لیکن [illegible] قاعدہ ہے کہ حلال چیز کو حرام کرنا [illegible] قسم ہے اور [illegible] کہ انسان کا گوشت بالخصوص انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے گوشت کھانے کی [illegible] حرمت کی [illegible] ہے۔ واللہ اعلم۔

سویاں اور چائے کھا پی لے اور اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، اسی طرح زید سے کلام کریں اور اپنے نفس کو سزائے مذکورہ دے دے اور آئندہ کبھی ایسی جرأت نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "فكل ماحرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً، ومالافلا". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حروف القسم: ۳/۷۲۱، سعيد)

"والحاصل: أن كل شيء هو حرام حرمةً مؤبدةً، بحيث لاتسقط حرمته بحال من الأحوال، كالكفر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴/۳۲۳، إدارة القرآن، كراچى)

"قالوا: ليخرج مالو كان الميت نبياً، فإنه لايحل أكله للمضطر؛ لأن حرمته أعظم في نظر الشرع من مهجة المضطر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۲، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، إدارة القرآن كراچى)

فصل في كفارة اليمين

(قسم کے کفارہ کا بیان)

قسم اور قسم کا کفارہ

سوال[۱۰۶۹۲]: ایک مرتبہ میں اپنے عزیز حقیقی چھوٹے بھائی کے ساتھ کسی معاملہ میں تبادلہ خیال کررہی تھی، دورانِ گفتگو بحث تلخی تک پہونچ گئی، میں نے جوش وجذبہ میں یہ قسم کھائی کہ "آئندہ سے ان کی ہر چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیتی ہوں" کیا اس طرح قسم کھانا جائز ہے؟ اس کی معافی کے لئے کیا کرنا چاہیے؟ یا کوئی کفارہ دینا پڑے گا؟ اگر ایسا ہو، تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ یعنی کفارہ کس قسم سے دینا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی قسم ہوگئی، اب ان کی کوئی چیز استعمال کرلیں اور قسم کا کفارہ ادا کردیں(۱)، کفارہ یہ کہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائیں یا ان کو کپڑے کا جوڑا دیں، اتنی استطاعت نہ ہو، تو تین روزے مسلسل رکھیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۴ھ۔

---

(۱) "من حرم شيئاً ثم فعله كفر ليمينه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۹، ۷۳۰، سعيد)

"(ومن حرم ملكه لم يحرم) أي: حرم على نفسه شيئاً مما يملكه . وكذا لو قال: ملك فلان أو ماله علي حرام، يكون يميناً، فعن هذا عرفت أن قوله: ومن حرم ملكه ليس بقيد بل وقع اتفاقاً".

(شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب الأيمان: ۱/۳۲۸، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۹۲، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾ (المائدة: ۸۹) =

قسم کا کفارہ

سوال [۱۰۲۹۳]: میں خاتون مرحوم عبدالشکور کی بدنصیب بیوہ ہوں، تین چھوٹے بچے اور ایک جوان لڑکی شادی شدہ میرے ساتھ ہیں۔ مزدوری کرکے بمشکل تمام اپنے بچوں کا گزارہ کررہی ہوں، میری ایک لڑکی جوان ہے، جس کا نام انیسہ بانو ہے، قریب پانچ سال اس کی شادی کو ہوچکے ہیں، جس کی ہندون ٹی میں بدال شفیع کے ساتھ شادی ہوئی تھی، نہ جانے کس وجہ سے ایک سال سے میری لڑکی کو لینے نہیں آتے ہیں، اس مرتبہ تو میں اپنے رشتہ داروں سے خبر بھیج چکی ہوں کہ لڑکی کو آکر لے جائیں، ایک دفعہ اپنے بھائی کو بھیج کر کہلا دیا، ایک جوابی خط بھی بھیجا تھا، مگر اس کا بھی جواب نہیں دیا، شفیع صاحب لوگوں سے یہی کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ "میں انیسہ بانو کو لینے کبھی نہیں جاؤں گا"۔

علماء دین سے گزارش کرتی ہوں کہ میں ایک بیوہ، جوان لڑکی کو زیادہ نہیں رکھ سکتی ہوں، مجھے اجازت دی جائے کہ لڑکی کا عقد دوسری جگہ کرسکوں، کیونکہ لڑکی کے خاوند نے لڑکی کو نہ لے جانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صرف قسم کھانے کی وجہ سے وہ نہیں لے جاتا، دل میں گنجائش ہے، رکھنا چاہتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ آپ خود یا کوئی اور لڑکی کو اس کے مکان پر پہونچا دیں، اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لڑکی کو لے جائے، پھر قسم کا کفارہ ادا کردے (۱)۔

= "وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم ...... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۵، ۷۲۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۷۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۲، رشيديه)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها، فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه". (صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب ندب من حلف يميناً ... الخ: ۲/۴۸، سعيد)

"من حرم شيئاً، ثم فعله كفر". (البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۹۲، رشيديه) =

قسم کا کفارہ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلانا ہے یا ان کو کپڑا پہنانا ہے، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزہ رکھنا ہے (۱)، اگر شوہر کے دل میں اس کو رکھنے کی گنجائش ہی نہیں تو بہتر ہے کہ مہر کے عوض اس سے طلاق حاصل کر لی جائے، جب عدت گزر جائے، تب دوسری جگہ نکاح کیا جائے (۲)۔ اگر وہ طلاق پر بھی آمادہ نہ ہو تو پھر شرعی کمیٹی میں درخواست دے کر باقاعدہ تفریق کرالی جائے، شرعی کمیٹی میرٹھ وغیرہ متعدد مقامات پر قائم ہے، جب شرعی کمیٹی حسب ضابطہ تفریق کر دے، تو وہ بھی طلاق کے حکم میں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۹/ ۱۳۹۹ھ۔

ضرورت کی بناء پر قسم کو توڑنے کا حکم

سوال [۱۰۶۹۴]: زید نے جو کہ قصبہ میں ایک دیندار اور باعزت انسان ہے، جو کہ عرصہ تک قصبہ کا چیئرمین بھی رہا ہے، کسی مجبوری کی بناء پر قسم کھائی کہ آئندہ چیئرمین سیٹ کے لئے کھڑا نہیں ہوں گا، مگر بعد میں عوام نے مجبور کیا کہ تیرے ہوتے ہوئے قصبہ کا کوئی دوسرا انسان اس سیٹ پر آکر پبلک کی خدمت نہیں کرے گا، تو اس صورت میں شریعت مطہرہ زید کے لئے کیا حکم کرتی ہے، اپنی قسم پر قائم رہے یا عوام کی خواہش کے مطابق کام کرے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے، قسم توڑنے کا کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض عوام کی خواہش کا ہرگز اتباع نہ کیا جائے، البتہ اگر واقعۃً اس منصب پر آکر صحیح خدمت کی پختہ امید

= (وسنن النسائي، كتاب الأيمان والنذور، باب الكفارة بعد الحنث: ۲/ ۱۴۴، قديمي)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "قسم اور کفارۂ قسم"۔

(۲) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

"لايحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها أو يطلقها، وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق".

(التفسير المظهري: ۲/ ۲۴، حافظ كتب خانه)

(۳) (حیلہ ناجزہ، ص: ۳۴-۳۵، دارالاشاعت کراچی)

ہے اور ان کے نہ اٹھنے سے نااہل آکر حقوق ضائع کرے گا، جس سے مظلوم پریشان ہوں گے تو پھر اپنی قسم کے خلاف کرلیا جائے اور اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردیا جائے (۱)، کفارہ دس غریبوں کو دووقت شکم سیر کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا ہے، جس میں اتنی وسعت نہ ہو وہ تین روزے مسلسل رکھے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (المائدة: ۸۹)

"كفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم بما يستر عامة البدن ..... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۵-۷۲۷، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب النذور

(نذر کا بیان)

مسجد کا مینارہ بنوانے کی نذر ماننا

سوال[۱۰۶۹۵]: ایک شخص نے منت مانی کہ ”اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو مسجد کے مینارے بنوا دوں گا“۔ وہ کام ہوگیا، مگر اتفاقاً فساد کی وجہ سے وہ گاؤں برباد ہوگیا، مسجد ویران ہوگئی، اب وہ منت کس طرح پوری کرے یا دوسرے گاؤں کی مسجد بنوا دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مینارہ بنانے میں جتنا روپیہ خرچ ہوتا، اتنا روپیہ کسی مسجد کی تعمیر میں خرچ کردیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲ھ۔

تبلیغی چلہ میں جانے کی نذر ماننا

سوال[۱۰۶۹۶]: زید نے یہ منت مانی تھی کہ ”میرا فلاں کام ہوگیا تو تبلیغ میں ایک چلہ دوں گا“،

---

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترغیباً جواب دیا ہے، ورنہ شرعاً نذر منعقد ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور عبادتِ مقصودہ ہو اور مسجد یا مسجد کا مینارہ بنانا عبادتِ مقصودہ نہیں، لہٰذا یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی اور اس کا پورا کرنا واجب نہیں، جائز ہے۔

”ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة، فلا يصح النذر بعيادة المريض ...... وبناء الرباطات والمساجد، وغير ذلك، وإن كانت قرباً، إلا أنها غير مقصودة، فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه“. (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۷۳۵/۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النذور: ۲۲۸/۴، رشيديه)

(وكذافي مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۵۴۷/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس: ۲۰۸/۱، رشيديه)

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ زید کو کاشت کاری کا کام بہت ہے، اگر چلہ کے لئے کسی اور کو بھیج دے یا جتنا روپیہ چلہ میں لگے، زید کی منت پوری ہو جائے گی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغ میں چلہ دینے کی نذر منعقد ہونے سے قطع نظر کرتے ہوئے (۱) جو چلہ کے فوائد ہیں، وہ خود ہی جانے سے کامل طور پر حاصل ہوتے ہیں، کسی دوسرے کو بھیجنے یا روپیہ دینے سے وہ بات میسر نہیں ہوتی۔

تنبیہ: اگر تبلیغ کے چلہ میں جانے کی وجہ سے گھر کا انتظام نہ ہو سکے اور حقوق واجبہ میں کوتاہی ہو، جس کے سبب گھر والوں کو پریشانی ہو، تو چلہ میں جانا ضروری نہیں، بلکہ حقوق واجبہ کا ادا کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۰ھ۔

قرآن خوانی کرانے کی نذر ماننا

سوال [۱۰۶۹۷]: زید نے منت مانی کہ ”اگر ہمارا فلاں کام ہو جائے گا تو میں قرآن خوانی کراؤں گا“، کام ہو گیا، قرآن خوانی کروائے تو اب کس کو ثواب بخشوایا جائے یا صرف قرآن پڑھوا دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۸/۹۹ھ۔

---

(۱) صحتِ نذر کے لئے شرط ہے کہ منذور عبادت مقصودہ ہو، تبلیغ عبادت مقصودہ نہیں، اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے۔ (کما في أحسن الفتاوی: ۵/ ۴۹۱) یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب مشورہ اور ترغیب پر مبنی ہے۔

”ومن شروطه أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض ...... وبناء الرباطات والمساجد، وغير ذلك، وإن كانت قرباً، إلا أنها غير مقصودة، فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه“. (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۳۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النذر: ۴/ ۲۲۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس: ۱/ ۲۰۸، رشيديه)

(۲) ”فإن هذه عبادات مقصودة ومن جنسها واجب، وإنما قيد النذر به؛ لأنه لم يلزم الناذر ماليس من =

بکرا خدا کے نام پر نذر کرنا

سوال[۱۰۶۹۸]: ہم نے ایک بکری پالی تھی، ہم نے نذر مانی تھی کہ ''اگر بکرا دیا تو اللہ نام کا ہوگا'' تو اب اس بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت اسکول میں دیں یا مسجد میں لگائیں یا کاٹ کر تقسیم کر دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بکرے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مان لی، اس کو کسی غریب کو بطور صدقہ زندہ دینا بھی درست ہے، اس کو ذبح کر کے کچا گوشت یا پکا کر صدقہ کر دینا بھی درست ہے، کھال بھی کسی غریب کو دے دیں(۱)، قربانی کے موقع پر اس کی قربانی کر کے غرباء کو تقسیم کر سکتے ہیں، مگر اس کی وجہ سے واجب قربانی ادا نہ ہوگی، بلکہ صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں اس پر مستقل واجب ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۹۴ھ۔

= جنسه فرض كقراءة القرآن وصلاة الجنازة..... لم يلزمه شيء في هذه الوجوه؛ لأنها ليس لها أصل في الفروض المقصودة كما في كثير من الكتاب". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ١/٥٤٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ٢٩٢-٢٩٣، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النذر: ٤/٢٢٨، رشيديه)

(١) "نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز، فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ٣/٧٤١، سعيد)

"وأراد بقوله وفي: أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها لا بكل وصف التزمه؛ لما قدمناه أنه لو عين درهما أو فقيراً ...... فإن التعين ليس بلازم". (البحرالرائق، كتاب الأيمان: ٤/٤٩٧، ٤٩٨، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ١/٥٤٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) "ولو نذر أن يضحي شاة وذلك في أيام النحر وهو موسرٌ، فعليه أن يضحي بشاتين عندنا شاة بالنذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداءً". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٠، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب الأيمان: ٤/٥٠٠، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الأضحية: ٤/١٩٩، رشيديه)

''اگر فلاں کام ہو جائے تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے'' کا حکم

سوال[۱۰۶۹۹]: بہشتی زیور اختری:۳/۴۹''منت ماننے کے مسائل''میں مسئلہ نمبر۱۴: اگر کسی نے کہا کہ''میرا بھائی اچھا ہو جائے تو ایک بکری ذبح کروں گی''، تو منت صحیح ہوگئی (۱)۔ حالانکہ درمختار میں ہے:

"ولو قال: إن برئت من مرضي هذا فذبحت شاة، أو علي شاة أذبحها فبرئ لايلزمه؛ لأن الذبح ليس من نوع فيه فرض" (۲).

ان دونوں عبارتوں میں تخالف معلوم ہوتا ہے، براہِ کرم حل فرمائیں۔

محمد عبداللہ دہلوی، ۱۴۸، حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم!

السلام علیکم!

ہمارے عرف میں ایسی نذر تصدق کے لئے مانی جاتی ہے، چنانچہ اس بکری سے نہ خود کھاتے ہیں نہ اغنیاء کو کھلاتے ہیں، بلکہ سب کا سب تصدق کرتے ہیں، اس لئے جو قید درمختار میں لگائی گئی ہے، وہ یہاں موجود ہے:

"ولو قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة، أو علي شاة أذبحها فبرئ لايلزمه شيء؛ لأن الذبح ليس من جنسها فرض، بل واجب كالأضحية فلا يصح إلا إذا زاد، وأتصدق بلحمها فيلزمه؛ لأن الصدقة من جنسها فرض، هي كالزكوة" (درمختار مع ردالمحتار: ۳/۷۰)(۳). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۱ھ۔

(۱) (بہشتی زیور، حصہ سوم، مسئلہ نمبر۱۴، ص:۲۲۱، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۳۹، ۷۴۰، سعيد)

(۳) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۳۹، ۷۴۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۹۹، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الأيمان، الجنس الثالث في النذر: ۲/۱۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۱/۵۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بکری صدقہ کرنے کی نذر سے کیا قیمت ادا کرنا کافی ہے؟

سوال[۱۰۷۰۰]: زید کا لڑکا بیمار تھا، زید نے منت مانی کہ ''اگر لڑکا اچھا ہوگیا تو جو بکری میرے پاس ہے، اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مدرسہ کو دے دیں گے'' بعدہ اس نے بڑی بکری کا ارادہ کیا اور بچہ کی دادی نے اس طرح نیت کی کہ ''بچہ اچھا ہو جانے پر ایک بکری کا بچہ صدقہ کروں گی'' اور بچہ کی والدہ نے منت مانی کہ ''ایک بکری کا بچہ راہِ خدا میں صدقہ کروں گی'' آیا تینوں پر اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے یا پھر کس پر؟ صدقہ قیمت کا کیا جائے گا یا بکری کا۔ زید پر اول بکری کی قیمت لازم ہوگی یا دوسری بکری کی قیمت یا تیسری بکری؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید پر لازم ہے کہ اسی اول بکری کا صدقہ کردے، بچہ کی دادی اور والدہ پر ایک ایک بکری کا بچہ صدقہ کرنا لازم ہے۔

''لو قال: عليّ أن أطعم هذا المسكين شيئاً سماه ولم يعينه، فلا بد أن يعطيه الذي سماه اهـ''(۱)(بدائع: ۸۷/۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۷ھ۔

---

(۱) بدائع الصنائع کے حوالے سے مذکورہ عبارت متداولہ دونسخوں (طبع رشیدیہ وطبع دارالکتب العلمیہ بیروت) میں موجود نہیں، البتہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس کتاب (طبع ایچ ایم سعید ۱۳۸۲ھ) کا حوالہ دیا ہے، اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

(بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل وأما شرائط الركن ..... الخ: ۸۷/۵، سعيد)

''وقد قال عليه الصلاة والسلام: ''من نذر أن يطيع الله تعالىٰ، فليطعه''، قال عليه الصلاة والسلام: ''من نذر وسمى، فعليه وفائه بما سمى''. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما حكم النذر: ۹۰/۵، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿وليوفوا نذورهم﴾ (الحج: ۲۹)

''قوله تعالىٰ: ﴿وليوفوا نذورهم﴾ يدل على وجوب إخراج النذر إن كان دما أو هديا أو غيره، ويدل ذلك على أن النذر لايجوز أن يأكل منه وفاءً بالنذر ..... الخ''. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الحج: ۲۹: ۳۲/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

''﴿وليوفوا نذورهم﴾ ما ينذرونه من أعمال البر في حجهم، وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ =

بکری کے بچہ کی نذر مان کراس کی قیمت دینا

سوال[۱۰۷۰۱]: ایک شخص نے یہ منت کی ''جب اس بکری کا بچہ پیدا ہوگا تو پہلا بچہ میں مسجد کو دوں گا''، اب ایک بچہ پیدا ہوا اسے کیا کرے؟ اسے بیچ کراس کا دام خیرات کردینا کافی ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نام پر منت صحیح ہے یا نہیں؟

محمد ابوبکر چوبیس پرگنہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مسجد میں دینے کی نذر مان لی تھی، تو بکری کے اس بچہ کو بیچ کر پیسے قیمت مسجد میں دے دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

نذر کی ہوئی بکری کو فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۷۰۲]: کسی شخص نے منت مانی کہ ''میری بیماری اگر درست ہوجائے تو بکری مسجد میں دے دوں گا''۔ اب وہ شخص شفایاب ہوگئے، اب وہ بکری کو ذبح کرکے کھانا کھلانا چاہتا ہے مسجد کے مصلیوں کو، کیا اس کھانے میں امیر وغریب شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ یا دوسری صورت یہ ہے کہ اس بکری کو فروخت کرکے

= عنهما تخصيص ذلك بما ينذرونه من نحر البدن. وعن عكرمة هي مواجب الحج. وعن مجاهد ماوجب من الحج والهدي، ونذره الإنسان من شيء يكون في الحج فالنذر بمعنى الواجب مطلقاً مجازاً". (روح المعاني، الحج: ۲۹: ۱۷/۱۸۰، ۱۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويجوز دفع القيم في باب الزكاة والعشور والأخرجة والنذور والكفارات عندنا" (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن: ۱/۲۴۲، رشيديه)

"وإن تصدق بقيمتها أجزاه؛ لأن الواجب هنا التصدق بعينها، وهذا مثله فيما هو المقصود، ذخيرة". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

"ويجوز دفع القيمة في الزكاة عندنا وكذا في الكفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر. كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني: ۱/۱۸۰، رشيديه)

مسجد میں اس پیسے کو لگا سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بکری کو فروخت کرکے اس کے پیسے کو مسجد کی ضروریات میں لگادیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

غریبوں پر خرچ کرنے کی نذر ماننا

سوال [۱۰۷۰۳]: میری ایک فیکٹری ہے، جس میں اسٹیل کا سامان تیار ہوتا ہے اور برتن کے تیار کرنے میں بہت سے کترن کانٹ چھانٹ کے بعد نکلتے ہیں تو میں نے یوں کہا کہ "اسٹیل کے جتنے کترن ہوں گے، اس کے پیسے کو للہ غریبوں پر خرچ کروں گا"۔ اب بہت سے لوگ مساجد کی غرض سے چندہ کے لئے آتے ہیں، کیا میں اس پیسہ سے مسجد کے لئے دے سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے یہ کہا کہ "للہ غریبوں پر خرچ کروں گا"، تو اب مسکینوں حاجت مندوں کو دیں، مسجد کو نہ دیں، وہاں سے نفع اٹھانے والے امیر وغریب سب ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

نذر کا کھانا مالدار کے بچوں کو کھلانا

سوال [۱۰۷۰۴]: جو لوگ نذر مانتے ہیں، نیاز کرتے ہیں یا بغیر نذر کے ایسے ہی کچھ کھانا بچوں کو

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: "بکری کے بچہ کی نذر مان کر اس کی قیمت دینا"۔

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (التوبة: ۶۰)

"مصرف الزكاة والعشر وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر، والكفارة، والنذر، وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۳۳۹، سعيد)

"وكما لايجوز صرف الزكاة إلى الغني لايجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه كالعشور، والكفارات والنذور وصدقة الفطر. لعموم قوله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾".

(بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مصارف الزكاة: ۲/ ۱۵۷، رشيديه)

کھلاتے ہیں، اس میں کچھ بچے صاحبِ نصاب لوگوں کے بھی ہوتے ہیں، اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نذر کا کھانا غریبوں کا حق ہے، مالدار اور مالدار کے بچوں کے لئے نہیں (۱)، بغیر نذر کے ایسے ہی بطور خوشنودی وثواب کے کھلادے تو یہ سب کے لئے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۸۸ھ۔

نذر ماننے والے کے لئے نذر کا گوشت کھانا

سوال [۱۰۷۰۵]: اگر کوئی بیمار ہو، وہ صدقہ میں بکرا، بکری ذبح کرے تو اس کا گوشت خود کھانا یا ملنے والے کو دینا کیسا ہے؟ یا صرف فقراء کو تقسیم کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نذر مانی ہے، تو نہ خود کھانا درست ہے اور نہ مالدار کو دینا درست ہے، بلکہ مستحقین وفقراء کو دینا لازم

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين ...﴾ (التوبة: ۶۰)

"وكما لايجوز صرف الزكاة إلى الغني، لايجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه كالعشور، والكفارات، والنذور صدقة الفطر، لعموم قوله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مصارف الزكاة: ۲/۱۵۷، رشيديه)

"إن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئاً، ولا يطعم غيره من الأغنياء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، قبيل الباب السادس: ۵/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(۲) "فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، وكذلك يجوز النفل للغني". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، من توضع فيه الزكاة: ۲/۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/۴۷۶، دارالكتب العلمية بيروت)

ہے(۱)، اگر نذر نہ مانی ہے تو خود بھی کھانا درست ہے اور مالدار کو بھی کھلانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغرمين فى سبيل الله وابن السبيل﴾ (التوبة: ٦٠)

"مصرف الزكاة ..... وهو أيضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشيديه)

كتاب الحدود

باب حدّ الزنا

(حدِ زنا کا بیان)

زنا کا ثبوت اور اس کی سزا

سوال[۱۰۷۰۲]: ایک شخص روزے کی حالت میں رنڈی کے ساتھ زنا کاری کرتا ہے، اس کی تعزیر کیا ہوگی، کس طرح اس کا گناہ معاف ہوسکتا ہے؟ اس کام میں چھ آدمی شریک تھے، دو آدمی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے اس کام کو کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زنا کا ثبوت زانی کے اقرار سے ہوتا ہے، وہ بھی جب کہ چار مرتبہ اقرار کرے مجلس قاضی میں، چار ہی شاہد ہوں، جن کی شہادت کا قبول کرنا شرعاً لازم ہے، یعنی ثقہ اور عادل ہوں ایسے ثبوت کے بعد اگر مرد شادی شدہ ہوں تو اس کو سنگ ساری کی سزا دی جاتی ہے، ورنہ اس کے سو کوڑے مارے جاتے ہیں(۱)، لیکن یہ سزا

---

(۱) "ويثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد بلفظ الزنا، لا مجرد لفظ الوطء والجماع فيسألهم الإمام عنه ماهو أي "عن ذاته، وكيف هو، أين هو، ومتى زنى، وبمن زنى". ... وعدلوا سراً وعلناً حكم به، ويثبت أيضاً بإقراره صريحاً صاحياً، أربعاً في مجالسه الأربعة كلما أقرردّه وسأله كما مر، فإن بينه كما يحق حُدّ ... ويرجم محصن في فضاء حتى يموت ... وغير المحصن يجلد مائة إن حراً".

(الدرالمختار، كتاب الحدود: ۴/۷-۱۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود: ۵/۷-۱۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۵/۱۹۲-۲۱۵، عثمانيه) .... =

دارالاسلام میں مسلم امام یا بادشاہ ہی کی طرف سے دی جا سکتی ہے اور کسی کو یہ سزا دینے کا حق نہیں ہے(۱)، یہ سزا تو دنیا میں ہے، آخرت کا گناہ معاف ہونے کے لئے سچے دل سے توبہ واستغفار کرنے کی ضرورت ہے(۲)، قوم کا کسی مجرم سے جرمانہ (نقد روپیہ یا کھانا) طلب کرنا جائز نہیں ہے(۳)، اگر مجبور کرکے کھانا طلب کیا جائے تو اس کا کھانا درست نہیں ہوگا، بلکہ یہ ظلم ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

"لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه"(٤).

قوم کو لازم ہے کہ پردہ کا انتظام کرے، عورتوں کو نامحرموں سے ملنے کا موقع نہ دے اور دینی تعلیم کا

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود: ۱/۵۸۵-۵۸۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود" (ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۲/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۵/۲۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالى: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئك يتوب الله عليهم﴾ (النساء: ۱۷)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمى)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(۴) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحاً ... الخ: ۶/۱۶۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمى)

انتظام کرے، تا کہ حدودِ شرع سے واقفیت سب کو ہو جائے اور وعظ وتلقین کا انتظام کرے تا کہ اللہ کے خوف سے متعلقہ احادیث وآیات سامنے آتیں اور تازہ ہوتی رہیں، امید ہے کہ اس سے قوم اصلاح پذیر ہوکر دین اسلام کو زیادہ فروغ ہوگا اور احکامِ اسلام کی اشاعت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۶ھ۔

زنا کا ثبوت اور تہمت لگانے والے کی سزا

سوال[۱۰۷۰۷]: ہمارے ایک بزرگ کے پاس جمال الدین کی ہمشیرہ آئی اور اس بزرگ سے عرض کیا، مجھے تکلیف ہے، جھاڑ پھونک کے لئے کہا، وہ صاحب گاہ گاہ دم وغیرہ کیا کرتے ہیں، آج دس ماہ بعد جمال الدین نے ایک عجیب بہتان گڑھ لیا کہ بزرگ صاحب نے میری بہن کو پھونک وغیرہ مارنے کے بعد گالیاں دی تھیں (مراد زنا کاری) بہن سے بھی یہی بیان دلوائے ہیں، حالانکہ برادری کے ذمہ داروں نے تحقیق کی، بزرگ حلفاً کہتے ہیں کہ میں نے ایسی غلطی نہیں کی ہے اور میں ان باتوں سے اپنے رب سے پناہ مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، مگر جمال صاحب نے برسرِ عام کہہ دیا کہ بزرگ موصوف کا حلف معتبر نہیں اور شرعی لحاظ سے موصوف کو سنگسار کرنا برادری کا فرض ہے، اس کے بارے میں شرعی فیصلہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کا ثبوت امام المسلمین کے سامنے چار مرتبہ اقرار یا چار چشم دید عادل شاہدوں کی شہادت سے ہوتا ہے اور وہ مقام دارالاسلام ہو، تب زنا کی سزا رجم یا سو کوڑے کی سزا دی جاتی ہے(۱)، ورنہ جو شخص کسی کو زانی کہے وہ سخت مجرم قرار پاتا ہے اور امام المسلمین اس کو اسی کوڑوں کی سزا دیتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے ایسا شخص مردود الشہادۃ قرار پاتا ہے کہ کسی معاملہ میں کبھی اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ''سورہ نور'' میں ہے:

﴿والذين يرمون المحصنت ثم لم يأتو بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا﴾(۲). واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: ''زنا کا ثبوت اور تہمت لگانے والے کی سزا''۔

(۲) (النور: ۴)

زنا کی سزا

سوال[۱۰۷۰۸]: ایک شخص مسمّی زید نے مسماۃ سکینہ کے ساتھ زنا کیا، زید کی شادی ہوچکی ہے، اس کے دو بچے بھی ہیں، سکینہ کی شادی ہوچکی ہے، لیکن رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی اور حمل قرار پا گیا، پنچایت میں سوال کرنے پرلڑکی نے یہ اقرار کیا کہ یہ حمل زید کا ہے اور زید نے بھی اقرار کیا کہ جب لڑکی کہتی ہے تو میرا ہے، اب سوال یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حرکت کا معصیت کبیرہ ہونا ظاہر ہے(۱)، جس پر دونوں کو انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار لازم ہے(۲) اور دونوں کے درمیان گہرا پردہ ضروری ہے، تاکہ آئندہ کبھی ایک جگہ نہ ہوسکیں، اگر وہ دونوں اس

= "وشرعاً الرمي بالزنا، وهو من الكبائر بالإجماع ... ويحد الحر أو العبد قاذف المسلم الحر البالغ العفيف عن فعل الزنا بصريح الزنا، ومنه أنت أزنى من فلان، أو مني، أو زنأت في الجبل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/۴۳-۴۷، سعيد)

"إذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصريح الزنا وطالب المقذوف بالحد حده الحاكم ثمانين سوطاً إن كان حراً لقوله تعالىٰ: ﴿والذين يرمون المحصنات﴾ إلى أن قال "فاجلدوهم ثمانين جلدة الأية، والمراد الرمي بالزنا بالإجماع". (الهداية، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۲/۵۲۹، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنى إنه كان فاحشة ومقتا وسآء سبيلاً﴾ (بني إسرائيل: ۳۲)

"وجاء عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه قال: "ما من ذنب بعد الشرك أعظم عندالله من نطفة وضعها رجل في رحم لايحل له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثمائة: الزنا ......: ۲/۲۲۵، دارالفكر بيروت)

"والزنى من الكبائر، ولا خلاف فيه وفي قبحه لاسيما بحليلة الجار". (الجامع لأحكام القرآن، بني إسرائيل: ۱۰/۱۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءا أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (النساء: ۱۱۰) =

چیز کے عادی ہوں اور باز نہ آئیں، تو ان کی اصلاح کے لئے ترکِ تعلق کردیا جائے تاکہ آئندہ دونوں سچی توبہ کرلیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۴/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۰/۴/ ۸۷ھ۔

زانیہ لڑکی لڑکے سے قطع تعلقات کا حکم

سوال [۱۰۷۰۹]: ہمارے گاؤں کی ایک لڑکی جس کی عمر ۱۵ یا ۱۶ سال ہے، ابھی سماج کے موافق شادی نہیں ہوئی ہے، ادھر ایک بچہ پیدا ہوگیا ہے جس کی عمر ۴ ماہ ہوگئی ہے۔ گاؤں کے لوگوں نے جب اس سے سوال کیا تو جواب میں ایک شخص معین کا نام بتلایا اور وہ معین شخص انکار کررہا ہے، اب اس لڑکی کے ساتھ اور اس

= وقال الله تعالیٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوٓء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولٓئک يتوب الله عليهم﴾ (النساء: ۱۷)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "فإن هجرة أهل الأهوا والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۹، رشيديه)

"قال الإمام البخاري رحمه الله تعالى: "باب مايجوز من الهجران لمن عصى"، وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى فيه: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۲۰۹، قديمی)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث ... : ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم ديوبند)

کے بچے کے ساتھ سماج میں چلنا پھرنا کیسا ہے؟ اور وہ شخص معین جس کے زنا سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس کے ساتھ سماج میں چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بچہ بے قصور ہے، اس کو ترک تعلق کی سزا نہیں دی جا سکتی، البتہ اس کی ماں قصوروار ہے، اگر وہ سچے دل سے اپنی خطا کا اقرار کر کے توبہ کرے اور اپنے حالات درست کر لے تو حق تعالیٰ سے بھی توبہ قبول کرنے کی پوری توقع ہے (۱)۔ ایسی حالت میں اس کا جلد از جلد کسی مناسب جگہ اس کی مرضی سے نکاح کرا دیا جائے اور کوئی سزا اس کو نہ دی جائے، اگر وہ توبہ پر آمادہ نہ ہو اور ترک تعلقات سے اس کی اصلاح کی امید ہو تو اس سے ملنا بولنا ترک کر دیا جائے تا کہ وہ تنگ آ کر توبہ کرے۔

﴿فأعرض عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد إلا الحيوة الدنيا﴾ الآية (۳).

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنه هو التواب الرحيم﴾ (البقرة: ۳۷)

"وقوله تعالى: ﴿إنه هو التواب الرحيم﴾ أي: إنه يتوب على من تاب إليه وأناب". (تفسير ابن كثير، البقرة: ۳۷: ۱/۱۲۰، دار السلام)

(وكذا في تفسير روح المعاني، البقرة: ۳۷: ۱/۲۳۷، ۲۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) چونکہ حدود جاری کرنے کے لئے امام کا ہونا شرط ہے، لہذا جب تک امام موجود نہیں ہے، تب تک اس عورت پر حد زنا جاری نہیں کر سکتے۔

"فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۳/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۹/۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (النجم: ۲۹)

"وقوله تعالى: ﴿فأعرض عمن تولى عن ذكرنا﴾ أي: أعرض عن الذي أعرض عن الحق واهجره". (تفسير ابن كثير، النجم: ۲۹: ۴/۳۲۲، دار السلام)

"فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ: ۸/۷۵۹، رشيديه) =

2

جس شخص کا وہ نام لیتی ہے کہ اس سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ شخص انکار کرتا ہے تو اس شخص کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا، نہ اس کو سزا دی جا سکتی ہے نہ اس کو زانی کہنا درست ہے(۱)، البتہ اگر اس شخص کا اس عورت سے تعلق ہو تو وہ تعلق ختم کرا دیا جائے یا پھر اسی سے نکاح کرا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۹۹ھ۔

زوجہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا

سوال[۱۰۷۱۰]: اگر کسی مرد نے اپنی زوجہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور غصہ میں آکر زانی مرد و زوجہ کو قتل کر دیا، تو اس صورت میں دیت لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اسلام کا قانون نافذ ہو تو ایسی حالت میں دیت لازم نہ ہوگی۔

"ويكون التعزير بالقتل كمن وجد رجلاً مع امرأة (إلى قوله) ولو كان مع امرأته ويزني بها أو مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعاً"

(درمختار: ۱۷۹/۳)(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۹۳ھ۔

= (وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۲۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث لا خ: ۳۵۵/۵، ۳۵۶، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۱) کیونکہ ثبوت زنا کے لئے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہے، یا زانی شخص خود اقرار کرے تب بھی زنا ثابت ہو جاتا ہے اور یہاں دونوں میں کوئی ایک بھی موجود نہیں، لہٰذا مذکورہ شخص کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"ويثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد بلفظ الزنا ..... ويثبت أيضاً بإقراره صريحاً".

(الدرالمختار، كتاب الحدود: ۷/۴-۱۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود: ۷/۵-۱۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۱۹۶/۵-۲۱۵، عثمانيه)

= ....

(۲) (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۲/۴، ۶۳، سعيد)

بیوی اجنبی کے ساتھ زنا میں ملوث ہو، تو دونوں کو ہلاک کرنا

سوال[۱۰۷۱۱]: اس وقت اسلامی احکامات کا نفاذ تو ممکن ہی نہیں، اگر شوہر کو یہ معلوم ہو جائے کہ بیوی نے فلاں شخص کے ساتھ زنا کرلیا ہے تو دونوں کو گولی مار کر ہلاک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

طلاق دے کر تعلق زوجیت کو ختم کر دینا چاہیے، کذا في سنن أبي داود یہ اصل حکم ہے، لیکن اگر بغیر اس بیوی کے گزارہ دشوار ہو تو پھر اس کو رکھ بھی سکتا ہے(۱) جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے، درمختار میں بھی ایسا ہی ہے(۲)۔ قتل کرنا یا بذریعہ سحر ہلاک کرنے کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۶/۲۹ھ۔

زانی کا زنا کی حد کو طلب کرنا اور اگر حد نہ لگائی گئی تو خودکشی کرنا

سوال[۱۰۷۱۲]: زید نے چند لڑکوں اور چند لڑکیوں کے ساتھ زنا کیا، زید کہتا ہے کہ مجھ کو حد لگا دو،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب التعزير: ۵/۶۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱/۶۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن امرأتي لا تمنع يد لامس، قال: غربها، قال: أخاف أن تتبعها نفسي، قال: فاستمتع بها". (سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في تزويج الأبكار: ۱/۲۹۶، مكتبه رحمانيه)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن لي امرأة لا ترد يدلامس، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم طلقها، قال: إني أحبها، قال: فأمسكها إذاً، رواه أبوداود والنسائي". (مشكاة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثاني، ص: ۲۸۷، قديمي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۵۰، سعيد)

(۳) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۹/۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

تا کہ میرا گناہ معاف ہو جائے اور کہتا ہے کہ اگر مجھ کو حد نہیں لگائی گئی، تو میں زہر یا خودکشی سے مرجاؤں گا اور میں زہر یا خودکشی کرنا حد کے درجہ سمجھوں گا، کیا زہر کھانا یا خودکشی کر لینا حد کے درجہ میں درست ہے؟ اگر حد لگاتے ہیں تو کہاں لگاتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زنا کی حد شرعی کے لئے جو شرائط ہیں، وہ اس وقت یہاں موجود نہیں، اس لئے حد لگانے کا کسی کو حق نہیں (۱)، خودکشی کرنا بھی حرام ہے (۲)، زید پر لازم ہے کہ سچی توبہ کرے، نادم ہو خدا کے سامنے روئے اور زندگی بھر ان خبیث حرکتوں کے پاس نہ جائے (۳)، حق تعالیٰ کی مغفرت سے مایوس نہ ہو کہ وہ اس کے گناہوں سے بہت زیادہ ہے، حق تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

---

(۱) "أما شرائط جواز إقامتها فمنها مايعم الحدود كلها، ومنها مايخص البعض دون البعض، أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة، وهو يكون المقيم للحد هو الإمام، أو من ولاه الإمام، وهذا عندنا".

(بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۵/۵۲۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۶/۵۴۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (البقرة: ۱۹۵)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأبها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن شرب سما فقتل نفسه فهو يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً الخ". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه: ۱/۷۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الطب، باب من قتل نفسه بسم أو غيره: ۲/۲۴، سعيد)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوء أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (النساء: ۱۱۰)

"اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

﴿إني لغفار لمن تاب﴾(۱) الآیۃ اور﴿إن اللّٰہ لا یغفر أن یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء﴾(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زانی بالجبر کو زہر سے مارنا

سوال[۱۰۷۱۳]: زید دوسروں کی بہوبیٹیوں کی عزت زبردستی لوٹ رہا ہے، عورتوں کو بے موقع پکڑ لیتا ہے، زنا بالجبر کی کوشش کرتا ہے، لوگ پریشان ہیں، کیا ایسے شخص کو زہر دینا یا جان سے مارنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اس کمینہ حرکات کو روکنے کی اخلاقی وقانونی تدبیر کی جائیں(۳)، زہر دے کر نہ مارا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (طہ: ۸۲)

(۲) (النساء: ۴۸)

"عن عبداللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "التائب من الذنب کمن لاذنب لہ". (مشکاۃ المصابیح، باب الاستغفار والتوبۃ، الفصل الثالث، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۳) "رجل قبل حرۃ أجنبیۃ أو أمۃ، أو عانقہا، أو مسہا بشہوۃ یعزر. وکذا لو جامعہا فیما دون الفرج، فإنہ یعزر". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۹، رشیدیہ)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان علی ہامش الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الحدود، فصل فیما یوجب التعزیر ومالا یوجب: ۳/۴۷۹، رشیدیہ)

(۴) "والتعزیر الذي یجب حقاً للعبد بالقذف ونحوہ فإنہ لتوقفہ علی الدعویٰ لا یقیمہ إلا الحاکم". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیہ)

"وأما شرائط جواز إقامتہا فمنہا مایعم الحدود کلہا، ومنہا مایخص البعض دون البعض، وأما الذي یعم الحدود کلہا فہو الإمامۃ ...... ومن ولاہ الإمام، وہذا عندنا". (بدائع الصنائع، کتاب الحدود: ۵/۵۲۴، رشیدیہ)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الجنایات: ۶/۵۴۹، سعید)

باب حدّ القذف

(حدِ قذف کا بیان)

زنا کی تہمت کی سزا

سوال[۱۰۷۱۴]: ایک شخص نے ایک لڑکی پر عیب لگایا کہ اس نے زنا کرایا ہے، لیکن بعد تحقیق معلوم ہوا کہ وہ اس عیب سے بری ہے، تو ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلاثبوت شرعی اگر زنا کی تہمت لگائے، تو اس کی سزا شرعاً اسی کوڑے ہے(۱)، لیکن یہ سزا ہر کوئی نہیں دے سکتا، نہ ہر جگہ دی جاسکتی ہے، اسلامی بادشاہ کو اس کا اختیار ہے(۲)، اس لئے یہ شخص توبہ اور استغفار کرے،

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين يرمون المحصنٰت ثم لم يأتو بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً﴾ (النور: ۴)

"إذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصريح الزنا، وطالب المقذوف بالحد حده الحاكم ثمانين سوطاً، إن كان حراً لقوله تعالى: ﴿والذين يرمون المحصنات﴾ إلى أن قال "فاجلدوهم ثمانين جلدة" الأية، والمراد الرمي بالزنا بالإجماع". (الهداية، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵۲۹/۲، شركة علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۱۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴۳/۴، ۴۷، سعيد)

(۲) "أما شرائط جواز إقامتها فمنها مايعم الحدود كلها، ومنها مايخص البعض دون البعض، أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة، وهو يكون المقيم للحد هو الإمام، أو من ولاه الإمام، وهذا عندنا".

(بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۵۲۴/۵، رشيديه) .... =

جس پر تہمت لگائی ہے اس سے معافی مانگے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تہمتِ زنا لگانے والے سے ترکِ تعلق

سوال [۱۰۷۱۵]: زید نے بکر کی لڑکی پر ناجائز حمل کے گرائے جانے کا الزام لگایا، بکر نے افواہ سن کر قرب وجوار کے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ یہ الزام قطعی جھوٹ اور غلط ہے، جس پر پنچایت نے زید سے ثبوت پہنچانے کا مطالبہ کیا، زید نے پنچوں کے سامنے بیان دیا کہ پہلے سے کچھ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ہم گواہی دیں گے، لیکن جب میں نے برادری کے سامنے ظاہر کیا تو جو لوگ ثبوت میں تھے، وہ کہنے پر تیار نہیں ہیں، میں تنہا حلف دے سکتا ہوں کہ یہ بات سچ ہے اور دوسرا کوئی گواہ ہمارے پاس نہیں ہے، زید کے اس بیان پر پنچایت نے فیصلہ دیا کہ تنہا زید کا بیان یا حلف قابلِ اعتماد نہیں ہے، کیونکہ زید اور بکر میں خانگی رنجش چل رہی ہے اور زید بذاتِ خود صوم وصلوۃ کا پابند بھی نہیں ہے اور پنچایت نے بہتان تراشی کے جرم میں متفقہ طور پر زید کو ترکِ برادری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں شرعاً زید کو کاذب قرار دیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿فإن لم يأتوا بالشهداء فأولئك عندالله هم الكاذبون﴾ (۲).

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۶/۵۴۹، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (النساء: ۱۱)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمى)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (النور: ۱۳)

اگر شرعی حکومت ہوتو ایسے شخص کواسی کوڑے لگائے جائیں اورآئندہ کے لئے بھی کسی معاملہ میں اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی (۱)، اب جب کہ یہاں اس کی قدرت نہیں تو اس کو ترک تعلق کی سزادینا درست ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی حرکت پر نادم ہوکر سچی توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور اطمینان ہوجائے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا (۲)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

چوری کا الزام

سوال[۱۰۷۱۲]: ایک رات زبیدہ نے قریب آٹھ بجے رات کو اپنے گھر کے بغل والے گوہال (مویشیوں کے باندھنے کی جگہ) کچھ آواز سن کر اپنے بیٹے وبہو کو چراغ جلا کر دیکھنے کا حکم دیا، ان لوگوں کی گفتگو سن کر آس پاس کے لوگ کیفیت پوچھنے چلے آئے، زید بھی ان ہی لوگوں میں تھا اور پوچھ رہا تھا، مذکورہ بالا پڑوسیوں نے چاروں طرف دیکھا، مگر آدمی یا چور کا کوئی ثبوت نہیں پایا اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے، دن کے ایک بجے زبیدہ نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ رات میرے گھر میں زید گھسا تھا، بات آہستہ آہستہ زبیدہ کے گھر سے پھیلنے لگی، عین اسی وقت محمود کے گھر میں ایک لڑکے کا ختنہ ہوا تھا، جس میں محمود نے پوری جماعت کو مدعو کیا اور زید کو مدعو نہیں کیا، زبیدہ کو بھی خطبہ میں مدعو کیا، مگر نہیں معلوم کیوں زید کو الگ کر دیا، اس موضوع کو لے

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: "زنا کی تہمت کی سزا"، رقم الحاشیة: ۱

(۲) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر .... الخ: ۸/۷۵۹، رشيديه)

"قال الإمام البخاري رحمه الله تعالى: "باب مايجوز من الهجران لمن عصى"، وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى فيه: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب: ۱۰/۶۰۹، قديمى)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث .... : ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبه دارالعلوم كراچى)

کر زید چند آدمیوں کے ساتھ مولانا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے گیا۔

مولانا نے بتایا کہ جب زید ہی چور تھا تو اسی وقت رات کو زبیدہ اور اس کی بہو کو مل کر ان سب کے سامنے کہنا چاہیے تھا کہ ہم لوگ نے زید کو اپنے گھر میں گئے ہوئے دیکھا ہے۔ اور زید کا ہاتھ پکڑنا چاہیے تھا، اس لئے میرا فیصلہ ہے کہ زید بے گناہ ہے اور سزا کا حق دار نہیں ہے، چند لوگوں نے اس فیصلہ سے مطمئن نہ ہو کر مولانا نمبر ۲ سے مسئلہ دریافت کیا، مولانا نے بتایا کہ زید کو غسل کرکے باوضو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر مسجد کے اندر منبر پر بیٹھ کر قسم کھانی ہوگی، پھر اس مسئلہ پر بھی اختلاف ہوگیا، مولانا نمبر ۲ نے زبیدہ کی باتوں پر یقین کرکے زید پر زنا کا الزام سرزد کردیا، شرعی فیصلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا دلیل کسی پر زنا کا الزام لگانا حرام ہے، اسی طرح چوری کا بھی الزام حرام ہے(۱)، اگر کوئی دعوی کرے کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے اور اس پر گواہ شرعی پیش نہ کر سکے، تو پھر دوسرے شخص پر کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے، قسم لازم ہوگی، مگر قسم کے لئے نہ منبر شرط نہ قرآن شریف ہاتھ میں لینا شرط ہے، کسی مسلمان کو ذلیل کرنا جائز نہیں (۲)۔

ثبوت زنا کے لئے چار عینی شاہدوں کی گواہی چشم دید ضروری ہے، اگر یہ شہادت نہ ہو تو الزام لگانے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن يكسب خطيئة أو إثما ثم يرم به بريئاً فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبيناً﴾ (النساء: ۱۰۲)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه". رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الأمارة، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثاني، ص: ۳۲۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأضحية: ۷۴/۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في أن البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه: ۲۴۹/۱، سعيد)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه، وماله، وعرضه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة ... الخ، ص: ۴۲۲، قديمي)

والے کے لئے نہایت سخت سزا ہے، وہ اسی کوڑے ہے(۱)، مگر اس سزا کو دینے کا حق ہر ایک کو نہیں، اس کے لئے سخت شرائط ہیں (۲)، اس لئے کسی کے متعلق زنا کی تہمت لگانا بہت بُرا جرم ہے، انتہائی احتیاط لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۵/۳/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين يرمون المحصنت ثم لم ياتو باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة﴾ (النور: ۴)

"إذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصريح الزنى ... حده الحاكم ثمانين سوطاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(۲) "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (ردالمحتار، كتاب الجنايات: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۲/۳۶۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول: ۲/۱۴۳، رشيديه)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

دھوکے سے خنزیر و کتے کا گوشت لوگوں کو کھلانا

سوال[۱۰۷۱۷]: جو شخص خنزیر یا کتے کا گوشت لوگوں کو کثرت سے دھوکہ دے کر کھلا چکا ہو، تو معلوم ہونے کے بعد اس کی شریعت میں کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہ سخت تعزیر کا مستحق ہے، جس کی تعیین امام کی صوابدید پر ہے جس کو تعزیر کا حق ہے(۱)، عوام تو اتنا ہی کر سکتے ہیں، آئندہ اس پر اعتماد نہ کریں، اس سے میل جول نہ رکھیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱۰/۹۴ھ۔

---

(۱) "وأجمعت الأمة على وجوبه في كبيرة لا توجب الحد، ثم هو قد يكون بالحبس، وبالصفع وبتعريك الأذان ..... وليس فيه شيء مقدر، وإنما هو مفوض إلى رأى الإمام على تقتضي جناياتهم". (شرح العيني على كنز الدقائق، كتاب الحدود، أحكام التعزير: ۱/۲۹۷، إدارة القرآن كراچی)

"وأجمعت الأمة على وجوبه في كبيرة لا توجب الحد ..... وفي شرح الطحاوي: والأصل في وجوب التعزير: أن كل من ارتكب منكراً، أو اذى مسلماً بغير حق بقوله أو فعله وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۷۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل أما التعزير: ۵/۵۳۴، رشيديه)

(۲) "فإن هجرة أهل الأهوا والبدعة واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الاداب، باب ماينهى عنه من التهاجر ..... الخ: ۸/۷۵۹، رشيديه)

"قال الإمام البخاري رحمه الله تعالى: "باب مايجوز من الهجران لمن عصى"، وقال الحافظ=

شادی میں گولہ داغنے کی سزا

سوال [۱۰۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی منصرف کے لڑکے کی شادی تھی، بارات کے دن جب کہ منصرف گھر پر موجود نہیں تھے، تین چار میل کے فاصلہ پر ایک بازار گئے، ان کے بھانجے نے جو دوسرے گاؤں کا رہنے والا ہے، ایک گولہ داغ دیا، شام کے قریب بارات روانہ ہوئی اور راستہ میں ان کے ساتھ مسمی جمیل الدین نے منصرف سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے ساتھ گولے بھی ہیں اور مکان پر داغے جائیں گے، اس کی تحقیق کرلو، اگر ایسا ہے تو میں نہ جاؤں گا، چنانچہ منصرف نے اس شخص کا پتہ لگایا، تو اس کے پاس گولہ برآمد ہوا، جس کو انہوں نے چھین لیا اور پھر داغا نہیں گیا، اس سلسلہ میں گاؤں والوں نے اکیاون روپیہ جرمانہ کیا اور ان کے ساتھیوں پر پانچ جمعہ مسجد میں پانی بھرنے کی سزا کا حکم دے دیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صورت مسئولہ میں جب کہ منصرف کسی طرح اس کا معاون وحامی نہ تھا، اس پر یہ تعزیر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے، تو منصرف کو تعزیر کرنا، سزا دینا شرعاً درست ہی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۳۹۹ھ۔

غلطی سے دوسرے کی بندوق سے کسی کو مارنا

سوال [۱۰۱۹۷]: ایک شخص نے دوسرے سے بندوق شکار کے لئے مانگی اور کہا آپ بھی شکار کو چلیں۔ گاؤں سے باہر نکل کر بندوق والے نے بندوق زید کو دے دی، زید نے چڑیوں پر فائر کیا، پھر ایک آدمی کے لگ گیا، بندوق والے نے مصیبت میں پڑ کر چار سو روپے بطور رشوت دے کر اپنی جان بچائی، دونوں آدمی

= ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب: ١٠/ ٢٠٩، قديمي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث: ٥/ ٣٥٥، ٣٥٢، مكتبه دار العلوم كراچی)

صوم وصلوۃ کے پابند ہیں، کیا وہ روپیہ بندوق والے پر پڑنا چاہیے یا زید پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے بندوق چلائی ہے، وہ قصوروار ہے (۱)، لیکن اپنی بندوق دوسرے کو دینا بھی جرم ہے، لہذا دونوں ہی قصوروار ہوئے، آپس میں سمجھوتہ کرلیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۲/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب، أضيف الحكم إلى المباشر. قوله: إذا اجتمع المباشر والمتسبب الخ، حد المباشر أن يحصل التلف بفعله من غير أن يتخلل بين فعله، والتلف فعل مختار". (شرح الحموي على الأشباه، القاعدة التاسعة عشرة: ۱/۳۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"المباشر ضامن وإن لم يتعمد، والمتسبب لا إلا إذا كان متعدياً فلو حفر بئراً في ملكه فوقع فيها إنسان لم يضمنه، ولو في غير ملكه ضمنه. ذكره في الأشباه ... رمى سهماً إلى هدف في ملكه فتجاوزه، وأتلف شيئاً لغيره ضمن". (مجمع الضمانات، الباب الحادي عشر، الفصل الأول في المباشرة والتسبب بنفسه ويده، ص: ۳۶۳، ۲۹۷، ۳۰۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۱۷، رقم القاعدة: ۳۰۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) مذکورہ صورت میں بندوق چلانے والا قصوروار ہے، اس لئے کہ بندوق چلانے ... قتل ... خود ضامن ہوتا ہے، تاہم ممکن ہے کہ مفتی صاحب نے محض قانونی جہت سے بندوق دینے والے کو قصوروار ٹھہرایا ہو، شاید صاحب بندوق کے پاس لائسنس موجود ہے، لیکن قانوناً وہ بندوق دوسرا شخص استعمال نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل في التعزير بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

زنا پر مالی جرمانہ

سوال[۱۰۷۲۰]: چودہری پیر محمد اوران کے پارٹنر ملا چودھری اور حمید اور متولی مسجد عبد الستار کے بارے میں جو ایک روز نور محمد کے گھر مٹھائی دینے آئے، مٹھائی لینے پر دریافت کیا تو مذکورہ مٹھائی دہندگان نے جواب دیا یہ مٹھائی حرام ہے، ہم نے وہ مٹھائی واپس کردی، کیونکہ مسلمان حرام نہیں کھاتا ہے، اس پر پیر محمد چودھری نے ہم کو مجرم کہہ کر برادری سے الگ کردیا۔

تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک زانیہ سے لیا گیا زنا کا جرمانہ ایک سو پانچ روپیہ کی مٹھائی چودھریوں نے پوری برادری کے دوسو گھروں کو تقسیم کی، مٹھائی تقسیم کرنے سے پہلے چودھری موصوف سوا روپیہ نذرانہ لے کر حرام کا نوالہ کھالیا کرتے ہیں، چودھریوں کا عرصہ دراز سے یہی طریقہ کار ہے، زانی اور زانیہ سے روپیہ لے کر بقول خود چودھری موصوف حرام کی مٹھائی پوری قوم کو برادری کا تحفہ کہہ کر کھلاتے رہتے ہیں، جس سے برادری میں زنا کاری کا اضافہ اور بے شرمی و بے حیائی کا عروج ہوتا رہتا ہے۔

پس اس سال حقیقت کھل گئی کہ حرام نہ کھانے والے کو برادری سے علیحدہ کر کے چودھری پیر محمد نے برادری کی اکثریت کو حرام خوری پر مجبور کیا ہے، اس حال میں کہ چودھری موصوف فریب دے کر حرام خوری میں شریک کر کے پوری قوم کو بے شرمی اور بے حیائی کا مرتکب کیا اور ایمان ضعیف کیا، مذکورہ چودھری امام صاحب کی غیر موجودگی میں امامت بھی کرتے ہیں، ہم مسلمان ایسے چودھریوں کو کس طرح نوازیں جنہوں نے عرصہ سے خود حرام کھا کر پوری قوم کو جان بوجھ کر حرام کھلایا ہے، چودھریوں کا حرام کی مٹھائی نہ کھانے والے کو برادری سے بند کردینا (ترک کلام وسلام وشادی بیاہ ومعاملات وغیرہ) اوران کو طعن کرنا، ذلیل کرنا، غیبت کرنا، مروجۂ غیر شرعی طریقۂ کار سے باز نہ آنے کے لئے غلط پروپیگنڈہ کرنا اور ایسے فتنے جگا کر قوم میں پھوٹ ڈالنا شرعاً کیسا

ہے؟ ایسے لوگوں کو اپنا رہبر اور پیشوا بنانا، ان کی اتباع کرنا، ان کا احترام کرنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کاری حرام ہے(۱)، مگر اس جرم پر مالی جرمانہ کرنا درست نہیں، جرمانہ لے کر اس کی مٹھائی کھانا اور کھلانا جائز نہیں۔

"والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" اهـ. شامی (۲)۔

چودھریوں کو یہ مسئلہ بتادیا جائے کہ ان کو لازم ہے کہ اس طریق سے توبہ کریں (۳) ایسی چیزوں میں چودھریوں کی بات پر عمل کرنا جائز نہیں ہے (۴) اور ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ تمام برادری کو ضروری

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تقربوا الزنىٰ إنه كان فاحشة وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

وقال الله تعالى: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما ﴾ (النور: ۲)

"الكبيرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثمائة، الزنا، (أعاذنا الله منه ومن غيره بمنه وكرمه)". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود: ۲/۲۱۲، دارالفكر بيروت)

(۲) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشيديه)

(۳) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها، سواء كانت صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمی)

(وكذا في روح المعاني، سورة التحريم، تحت الآية: ﴿يأيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، داراحياء التراث العربي بيروت)

(۴) "عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۳/۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"ذكر الجزري في أسنى المناقب بسنده عن علي رضي الله تعالىٰ عنه: فما أمرتكم من طاعة الله فحق عليكم طاعتي فيما أحببتم أو كرهتم، وما أمرتكم بمعصية الله أنا أو غيري، فلا طاعة لأحد في =

ہے کہ اپنے چودھریوں کو ایسے خلاف شرع طریقوں سے روکیں، اگر وہ نہ رکیں تو دوسرے متبع شریعت لوگوں کو چودھری تجویز کرلیں (۱)۔ جس نے حرام مٹھائی کھانے سے انکار کردیا، اس نے ٹھیک کیا، اس کو برادری سے نکالنا اور سلام کلام شادی بیاہ معاملات نہ کرنا اور لعن طعن کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۸۵ھ۔

مالی جرمانہ

سوال [۱۰۷۲۱]: جب کہ حالات بگڑ چکے ہیں، جرائم مختلف ہیں، اس کے انسداد کے لئے جسمانی سزا (زدوکوب) کے بجائے مالی سزا (جرمانہ) کرسکتے ہیں یا نہیں؟ چونکہ مار پیٹ میں شدید اختلاف خطرات کا سامنا ہے، اس لئے مالی سزا (جرمانہ) کرکے معاشرہ کو سدھارنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ بھی علماء متاخرین میں مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ موجود ہے جواز کا اور امام ابو یوسف کا قول ہے مالی سزا کا۔ پھر جرمانہ سے متعلق چند علماء بر بناء قول جمہور ائمہ عدم جواز کے قائل ہیں، علماء حق کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز؟ اور کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علامہ ابن نجیم نے تعزیر کی تعریف وتنویع کے بعد لکھا ہے:

"ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال، وقد قيل: روي عن أبي

= معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثاني: ۷/۲۷۴، رشيديه)

(۱) "فيجوز تقليد الفاسق، وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرع، ولكن لاينبغي أن يقلد الفاسق". (بدائع الصنائع، كتاب اداب القاضي، فصل في من يصلح للقضاء: ۹/۹۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۳۸، رشيديه)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع الخ، ص: ۴۲۷، قديمي)

يوسف: أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز، كذا في الظهيرة".

وفي الخلاصة: "سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك، أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال ...... على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي".

وفي المجتبى: "لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها فإن أيس من توبته يصرفها إلى مايرى".

وفي شرح الآثار: "التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ الخ".

والحاصل: "أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" الخ.

(البحر الرائق: ٥/٦٨)(١).

منقولہ عبارات سے معلوم ہوا کہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) منسوخ ہے(۲) اور مذہب معتمد قابل عمل اس کا عدم جواز ہے(۳) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت ضعیف ہے، منسوخ پر عمل نہ کیا جا سکتا ہے نہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں ہے(۴)۔ منکر اور فاحشہ سے روکنے کے

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٦١، ٦٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٢/١٦٧، رشيديه)

(٢) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٣) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٤) "أي: أن الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه، أو يفتي غيره، أن يتبع القول الذي رجحه علماء مذهبه، فلا يجوز له العمل أو الإفتاء بالمرجوح". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب: يجب اتباع الراجح ولايجوز العمل ولا الإفتاء بالمرجوح بالإجماع، ص: ٤٠، دارالكتاب)

"وقال العلامة الشرنبلالي في رسالته "العقد الفريد في جواز التقليد": ..... ومذهب الحنفية:=

لئے ترک تعلق کی سزادی جاسکتی ہے (اگرمفید ہو)۔

لقوله تعالى: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ الآية(١).

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= المنع عن المرجوح حتى لنفسه، لكون المرجوح صار منسوخاً". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في الإفتاء والعمل على القول الضعيف، ص: ١٩٨، دارالكتاب)

"إذا كان في المسئلة قولان أو روايتان أو أكثر، وجب الأخذ بما رجحه أصحاب الترجيح".

(أصول الإفتاء، لمفتي محمد تقي العثماني، القاعدة الرابعة، ص: ٣٤، دارالإفتاء جامعة بنورية العالمية)

(١) (الأنعام: ٦٨)

"قال العلامة الملا علي القارئ رحمه الله تعالىٰ: قال الخطابي رحمه الله تعالىٰ: "رخص للسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك، ...... وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول: ٧٥٨/٨، ٧٥٩، رشيديه)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، الأنعام، باب النهي عن مجالسة الظالمين: ٣/٢، ٣٠، دارالكتب العلمية بيروت)

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

فاسق کی شہادت کے سلسلہ میں دوفتوؤں میں رفع تضاد

سوال[۱۰۷۲۲]: میں نے ایک فتویٰ بھیجا تھا، سوال یہ تھا کہ ایک شخص نمازی ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، دین کے تمام کام کرتا ہے، لیکن داڑھی منڈواتا ہے، ایسا آدمی شریعت کے اندر معتبر ہے یا نہیں؟ یعنی رمضان کے چاند کی یا عید کے چاند کی ایسے آدمی کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟ شریعت میں معتبر آدمی کس کو مراد لیتے ہیں؟

اس کا جواب مفتی احمد علی صاحب نے ۹/۲۷/۹۵ھ کونمبر ۱۲۶ پر یہ دیا ہے:

''اگر وہ ذی اقتدار اور لوگوں میں قابل اعتبار ہے، تو اس کی شہادت مان لی جائے گی''۔

اور سہارنپور سے اس کا جواب یہ آیا ہے:

''وہ آدمی فاسق ہے، اس کی شہادت قبول نہیں اور متبع شریعت کو ہی معتبر کہا جاتا ہے''۔

اس سے قبل دیوبند سے فتویٰ منگایا، اس میں لکھا یہ تھا کہ ایک شخص داڑھی منڈواتا ہے تو اس کی شہادت چاند کی اور نکاح کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ''چاند کی شہادت تو قبول نہیں، نکاح کی گواہی بھی رد کی جاسکتی ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ ذی اقتدار انسان کو تمام گناہ جائز ہے یا نہیں''؟

محمد ادریس مظاہری، معرفت مولانا محمد ایوب مظاہری، جام کھنڈی بیجاپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

گواہ اگر عادل ہو تو اس کی گواہی کا قبول کرنا اور اس کے موافق حکم کرنا واجب ہے(۱)، اگر عادل نہ ہو بلکہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے فاسق ہے تو اس کی گواہی کا قبول کرنا واجب نہیں(۲) لیکن اگر حاکم کو قرائن سے معلوم ہو کہ فلاں شخص باوجود فاسق ہونے کے یہ بات صحیح کہتا ہے، کیونکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے اور حاکم ایسے آدمی کی گواہی کو قبول کرے تو اس کو قبول کرنے کا بھی حق ہے(۳)۔ امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد تضاد مرتفع ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) "وأما بيان حكم الشهادة فحكمها وجوب القضاء على القاضي؛ لأن الشهادة عند استجماع شرائطها مظهر للحق، والقاضي مأمور بالقضاء بالحق قال الله تبارك وتعالى: ﴿يا داود إنا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق﴾، وثبوت ما يترتب عليها من الأحكام". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۵/۴۲۶، رشيديه)

"وحكمها: وجوب الحكم على القاضي بموجبها بعد التزكية بمعنى افتراضه فوراً إلا في ثلاث قدمناها، فلو امتنع بعد وجود شرائطها أثم لتركه الفرض، واستحق العزل لفسقه، وعزر لارتكابه مالايجوز شرعاً". (زيلعي). (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/۴۵۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً وأولٰئك هم الفٰسقون﴾ (النور: ۴)

"باب القبول وعدمه أي: من يجب على القاضي قبول شهادته ومن لايجب، لامن يصح قبولها أو لايصح ... لاتقبل شهادة الزوج والأجير والمغفل والمتهم والفاسق". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/۴۷۲-۴۷۷، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۷/۳۸۵، عثمانيه)

(۳) "قال في جامع الفتاوى: "وأما شهادة الفاسق، فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا اهـ فتأمل، وفي الفتاوى القاعدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ. درر أول كتاب القضاء، وظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتماده اهـ". (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/۱۰۲، رشيديه)

گواہ سے قسم لینا

سوال [۱۰۷۲۳]: ایک مسئلہ میں بہت تذبذب پیدا ہو گیا ہے، کتبِ فقہ کی عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گواہوں سے قسم نہیں لی جا سکتی، جیسا کہ

"فلو أمر قضاؤه بتحليف الشهود وجب على العلماء أن ينصحوه الخ" (ردالمحتار، كتاب القضاء: ٤/٣٥٨)(١).

"ولذا لو علم الشاهد أن القاضي يحلفه ويعمل بالمنسوخ، له امتناع عن أداء الشهادة؛ لأنه لا يلزمه" (ردالمحتار، كتاب الدعوى: ٤/٤٤٢)(٢).

وغیرہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے، اب خلجان یہ ہے کہ آج کل لوگ طلاق وغیرہ کے فتوی لے کر آتے ہیں اور اپنی حسبِ منشاء جواب لکھوانا چاہتے ہیں، ان سے گواہیاں طلب کی جاتی ہیں، گواہیاں آج کل جھوٹی دی جاتی ہیں، بلکہ قسمیں بھی بعض اوقات جھوٹی کھا لیتے ہیں، اگر بلا قسم لئے اور اطمینان کئے فتاوی صادر کئے جائیں، تو بڑے فتنے پیدا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"المضارع موضوع للإخبار في الحال، فإذا قال: أشهد فقد أخبر في الحال، وعليه قوله تعالى: ﴿قالوا نشهد إنك لرسول الله﴾ أي: نحن الآن شاهدون بذلك، وأيضاً فقد استعمل أشهد في القسم نحو: أشهد بالله لقد كان كذا أي: أقسم فتضمن لفظ أشهد معنى المشاهدة والقسم، والإخبار في الحال فكأن الشاهد قال: أقسم بالله لقد اطلعت على ذلك وأنا الآن أخبر به" (البحر الرائق، أول كتاب الشهادة: ٧/٩٤، مطبوعه زكريا ديوبند)(٣).

---

(١) (الدرالمختار، كتاب القضاء: ٥/٤٢٢، سعيد)

(٢) (الدرالمختار، كتاب الدعوى: ٥/٥٤٩، سعيد)

(٣) (البحر الرائق، كتاب الشهادة: ٧/٩٤، رشيديه)

"وركنها لفظ أشهد لا غير لتضمنه معنى مشاهدة وقسم وإخبار للحال، فكأنه يقول: أقسم بالله =

اگر شاہد کو یہ چیز مستحضر کرادی جائے کہ شہادت قسم کو متضمن ہے تو شاید کچھ مؤثر ہو اور آپ کے لئے مفید ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱/۱۰/ ۸۷ھ۔

جواب صحیح ہے:

اور جھوٹی شہادت و بیان پر جو وعیدیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں، ان کو مؤثر انداز میں بتلایا اور مستحضر کرادیا جائے، جب بھی بہت مؤثر ہوگا۔

بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/ ۸۷ھ۔

دنیوی عداوت کی تشریح

سوال[۱۰۷۲۴]: دنیوی دشمنی جس سے شریعت میں شہادت قبول نہیں ہوتی، وہ کس کو کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

"والعدو لاتقبل شهادته على عدوه إذا كانت دنيوية، وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي: ثم إنما تثبت العداوة بنحو قذف وجرح وقتل ولي لا بمخاصمة، نعم! هي تمنع الشهادة فيما وقعت فيه المخاصمة كشهادة وكيل فيما وكل فيه وصي وشريك اهـ".

"قال الشامي: قال ابن وهبان: وقد يتوهم بعض المتفقهة من الشهود أن من خاصم شخصاً في حق أو ادعى عليه يصير عدوه فيشهدون بينهما بالعداوة، وليس كذلك، وإنما تثبت بنحو الخ".

قلت: "لكن قد علمت أن مختار ابن وهبان أن العداوة لاتمنع قبول

= لقد اطلعت على ذلك، وأنا أخبر به". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۴۶۲/۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادات: ۳۴۸/۷، ۳۴۹، عثمانيه)

الشهادة إلا إذا فسق بها، فعلم أنها قد تكون مفسقة وقد لاتكون، فقوله وإنما تثبت الخ".

"يريد به العداوة المانعة وهي المفسقة، ولا يخفى أنه هذه تمنع القبول على العدو وعلى غيره اه" (ردالمحتار، كتاب القضاء والمسئلة مذكورة في كتاب الشهادة، أيضاً، ص: ۳۸۱)(۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء: ۵/ ۳۵۶، ۳۵۷، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/ ۴۸۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۳/ ۲۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۷/ ۱۴۳، ۱۴۴، رشيديه)

کتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

دوسرے کا کبوتر اپنے گھر میں آجائے تو کیا کریں؟

سوال[۱۰۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک کبوتر زید کے گھر میں باہر سے آکر رہ گیا اور مدت تک رہا، جس کو زید نے بھگایا، مگر وہ اڑ کر پھر اس کے بالاخانہ میں رہنے لگا، یہاں تک کہ زید بھگاتا رہا اور وہ اڑتا، پھر آجاتا، اب اس کے دو چار بچے ہو چکے ہیں اور کبوتروں کا سلسلہ بڑھنے لگا ہے، زید کی عدم موجودگی میں بچوں نے چند کبوتر ذبح کر کے کھالئے، غالباً یہ کبوتر محلّہ کے کسی ہندو کا ہے، تو اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ کبوتر جنگلی نہیں، بلکہ پلا ہوا ہے اور معلوم ہے کہ فلاں شخص کا ہے تو اس کو وہ واپس کر دیں، پھر اگر وہ مادہ ہے تو اس کے بچے بھی اسی کے مالک کے ہوں گے، جو بچے ذبح کر کے کھائے ہیں ان کی قیمت مالک کو دیں اور جو بچے موجود ہیں وہ بھی مالک کو دیں یا اس سے خرید لیں، اگر وہ نر ہے تو صرف وہی مالک کو واپس کریں اور اس کی وجہ سے جو بچے ہوئے، وہ اس کے نہیں، نہ قیمت ادا کرنے کی ضرورت ہے، نہ واپس کرنے کی۔ كذا في الدر المختار ورد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "(محضنة) أي: برج (حمام اختلط بها أهلي لغيره لاينبغي له أن يأخذه، وإن أخذه طلب صاحبه ليرده عليه)؛ لأنه كاللقطة (فإن فرخ عنده، فإن) كانت (الأم غريبة لايتعرض لفرخها)؛ لأنه ملك الغير =

سفر میں سامان بدل جائے، تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال [۱۰۷۲۶]: چار آدمی دہلی میں سفر کر رہے تھے، جب ہم نے سامان اتارا، تو ہماری اٹاچی (۱) بدل گئی، یہ تب معلوم ہوا کہ جب ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے، اب ہم اس کا کیا کریں؟ کیا اپنے سامان کے بدلہ میں رکھ لیں؟ جو اٹاچی رہ گئی؟ وہ ایک بے چارے غریب طالب علم کی تھی، جو بہت ہی غریب ہے، اس میں کچھ سامان زیادہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یقینی طور پر معلوم نہیں کہ آپ کی اٹاچی اس شخص نے لے لی جس کی اٹاچی آپ کے پاس آئی یا کسی اور نے لی اور یہ معلوم نہیں کہ آپ کی اٹاچی میں کیا سامان تھا، اب بہتر یہ ہے کہ کچھ مدت تک اس کو تلاش کیا جائے اور جب دل گواہی دینے لگا کہ اب اس کا پتہ نہیں چلے گا، تو پھر اس اٹاچی کو صدقہ کردیں اور اس میں جو سامان ہے، اس کو بھی صدقہ کردیں، اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے محفوظ رکھے (۲)۔ جس شخص کی اٹاچی

= (وإن الأم لصاحب المحضنة والغريب ذكر فالفرخ له)". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۹۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب اللقطة: ۲/۵۰۴، دار المعرفة بيروت)

(۱) "اٹاچی (کیس): ہاتھ میں پکڑنے کا چھوٹا سا صندوقچہ یا بکس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه، أو صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين .... ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبةً، وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۷۹، رشيديه)

"فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه .... فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، ۲۸۰، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۸/۳۳۳-۳۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

وہاں رہ گئی تھی، اگر وہ غریب مستحق صدقہ ہے، تو اس کو خود بھی رکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

(۱) "وإن كان فقيراً، فإن شاء تصدق بها على الفقراء، وإن شاء أنفقها على نفسه". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع باللقطة: ۸/۳۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"فينتفع الراجع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير". (ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۸، شركة علميه ملتان)

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

۱	وقف کس کو کہتے ہیں؟	۲۸
۲	وقف کی نیت سے خریدنے سے وہ ملکیت وقف نہیں ہوجاتی	۲۹
۳	محض نیت سے وقف نہیں ہوتا	۳۱
۴	لفظ "ہبہ" سے وقف کا حکم	۳۲
۵	اثاث البیت کا وقف	۳۳
۶	وقف کی وصیت کرنا	۳۴
۷	کسی مشترک غیر قابل تقسیم شی کا وقف کرنا	۳۵

www.besturdubooks.net

۸	جائیداد غیر منقولہ کی آمدنی کو وقف کرنا	۳۷
۹	وقف کر کے رجوع کرنا	۳۸
۱۰	باغ کو وقف کر کے اس کی زمین سے خود نفع اٹھانا	۳۹
۱۱	وقف زمین پر غاصبانہ قبضہ	۳۹
۱۲	وقف سے مالکانہ قبضہ ہٹانے کی کوشش کرنا	۴۰
۱۳	کیا موقوفہ زمین پھر مملوکہ بن سکتی ہے؟	۴۲
۱۴	زیادہ آمدنی کے واسطے وقف زمین پر کھیتی لگانا	۴۳
۱۵	مسجد کی فاضل آمدنی سے کتب قائم کرنا	۴۳
۱۶	مخنث کا خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ مسجد کے لئے مکان وقف کرنا	۴۶
۱۷	مساجد، مدارس اور قربانی وغیرہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کرنا	۴۷
۱۸	ایک تفصیلی وقف نامہ کا تجزیہ	۴۹
۱۹	وقف مؤبد و مؤقت	۵۱
۲۰	خانقاہ نام دینے سے مکان کے وقف کا حکم	۵۸
۲۱	دو شخصوں کا ایک دستاویز کے ذریعہ وقف کرنا	۶۰
۲۲	دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنا	۶۰
۲۳	جائیداد وقف تقسیم سے مملوک نہیں ہوتی	۶۳
۲۴	وقف علی الاولاد میں تقسیم کی صورتیں	۶۸
۲۵	حرام کمانے والوں کا وقف اور اس کی آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا	۷۱

باب في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

۲۶	عمومی مفاد کے لئے دی گئی زمین فروخت کرنا	۷۴
۲۷	وقف شدہ ویران کنواں دے کر اس کے عوض میں نیا کنواں بنوانا	۷۵

www.besturdubooks.net

۲۸	کنوئیں کا جنگلہ فروخت کر کے مسجد کا کواڑ بنوانا	۷۶
۲۹	مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے بدلنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟	۷۷

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

۳۰	متولی کس کو کہتے ہیں؟	۷۹
۳۱	مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟	۷۹
۳۲	حق تولیت کی تقسیم	۸۰
۳۳	مسجد کے لئے متولی تجویز کرنا	۸۱
۳۴	مؤذن اور امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟	۸۳
۳۵	تشریح	۸۴
۳۶	بانی مسجد امام کے تقرر کا زیادہ حق دار ہے	۸۸
۳۷	حساب کتاب نہ دینے والے متولی کا حکم	۸۹
۳۸	متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا	۹۰
۳۹	جو متولی وقف کی خدمت نہ کرے، اس کو معزول کرنے کا حکم	۹۱
۴۰	وقف کی آمدنی کو غیر وقف میں خرچ کرنا	۹۲
۴۱	آمدنی کے واسطے مزار اور قبرستان کے لئے صندوق لگانا	۹۳
۴۲	واقف نے تولیت کے لئے کسی کو متعین کر دیا تو اس کے خلاف کرنا	۹۵
۴۳	بلاوجہ متولی کو ہٹانا	۹۶

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

۴۴	مسجد کے بارے میں سرکاری کاغذات کا اعتبار کیا جائے یا محلے کے پرانے لوگوں کا؟	۹۸

www.besturdubooks.net

۴۵	بانی کی طرف مسجد کی نسبت کرنا	۹۹
۴۶	مسجدوں کو شہید کرتے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری	۱۰۱
۴۷	ایک مسجد کے متعلق اختلاف کہ وہ سنیوں کی ہے یا شیعوں کی	۱۰۲
۴۸	گیلری داخلِ مسجد ہے یا خارج مسجد؟	۱۰۳
۴۹	مکان، مسجد شرعی کب بنتا ہے؟	۱۰۴
۵۰	عارضی مسجد کا حکم	۱۰۶
۵۱	عارضی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد اور اس میں اعتکاف کا حکم	۱۰۷
۵۲	مسجد کے لئے دی ہوئی زمین پر مسجد بنانا	۱۰۸
۵۳	نماز کے لئے بنائے گئے چبوترے کو شرعی مسجد بنانا	۱۰۹
۵۴	مسجد کے نیچے دکانیں	۱۰۹
۵۵	نئی مسجد اور پرانی مسجد میں نماز	۱۱۱
۵۶	غیر موقوفہ زمین سے مسجد ہٹا کر وہاں بیٹھک بنانا	۱۱۲
۵۷	حکومت کی دی ہوئی زمین پر مسجد کی تعمیر کرنا	۱۱۴
۵۸	کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرکے مسجد تعمیر کرنا	۱۱۵
۵۹	غیر مسلم کا حرم میں داخلہ کیوں ممنوع ہے؟	۱۱۶

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

۶۰	دومنزلہ مسجد بنانا	۱۱۸
۶۱	مسجد کی تعمیر کنکریٹ کے ذریعہ کرنا	۱۱۸

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجدِ ضرار کا بیان)

۶۲	مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم	۱۱۹

www.besturdubooks.net

۶۳	ایک مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ بنانا کیا مسجد ضرار کے حکم میں ہوگا؟........	۱۲۱
۶۴	ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری بڑی مسجد بنانا........	۱۲۳

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

۶۵	مسجد کا منبر بنوانا........	۱۲۴
۶۶	کیا مسجد کا مسجد ہونا مینار پر موقوف ہے؟........	۱۲۵
۶۷	منارۂ مسجد کا شرعی حکم........	۱۲۵
۶۸	عمدہ مینار ہوتے ہوئے نئے مینار بنانا........	۱۲۶
۶۹	مسجد کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگنا........	۱۲۶
۷۰	کیا مینار دعا کرتے رہتے ہیں؟........	۱۲۷
۷۱	کسی مسجد کا گنبد روضۂ اقدس کے گنبد کی طرح بنانا........	۱۲۷
۷۲	پیشاب خانے اور بیت الخلاء کے اوپر مسجد کا گنبد بنانا........	۱۲۸

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

۷۳	پرانی مسجد کی بے کار چیزوں کا حکم........	۱۳۰
۷۴	پرانی مسجد کے بچے ہوئے سامان کا حکم........	۱۳۰
۷۵	مسجد کے پرانے ٹائیلوں کا حکم........	۱۳۱
۷۶	مسجد کی اراضی فروخت کر کے اس سے شیئرز خریدنا........	۱۳۳
۷۷	انقاضِ مسجد کا حکم........	۱۳۳
۷۸	فقیروں کی دی ہوئی مسجد کی بیع وغیرہ کرنا........	۱۳۴
۷۹	کیا بلا وقف مسجد کو دی گئی جائیداد فروخت ہو سکتی ہے؟........	۱۳۶

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

۸۰	پرانی مسجد کو گرا کرنئی مضبوط مسجد تعمیر کرنا	۱۳۸
۸۱	تعمیر جدید کے وقت اگر مسجد کا کچھ حصہ دیوار میں آجائے	۱۳۹
۸۲	مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت مسجد کا کچھ حصہ تعمیر میں شامل کرنا	۱۴۰

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

۸۳	مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع	۱۴۳
۸۴	چاروں طرف سے مسجد کی توسیع کرنا	۱۴۴
۸۵	امام باڑہ سے مسجد کی توسیع کا حکم	۱۴۵
۸۶	مسجد کے قریب کی جگہ کو مسجد کے لئے لینا	۱۴۶

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

۸۷	مسجد کے پرنالہ کو بند کرنے کا حکم	۱۴۸
۸۸	مسجد پر قبضہ کرنا	۱۵۰
۸۹	مسجد پر متولی کا دعویٰ ملکیت	۱۵۳
۹۰	مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنا	۱۵۴
۹۱	مسجد میں کنواں بنانا	۱۵۵
۹۲	مسجد کی جگہ میں دکان بنانا اور ایک دکان سے دوسری دکان میں اقتدا کرنا	۱۵۶
۹۳	مسجد میں مکان یا حجرہ بنانا مسجد کی دیوار پر کڑی یا گاٹر رکھنا	۱۵۸
۹۴	مسجد میں میت کو دفن کرنا	۱۵۹

www.besturdubooks.net

۹۵ مسجد کی زمین میں تعمیر کرلی تو وہ کس کی ہے؟ ۱۶۰
۹۶ مسجد میں مکان کا دروازہ کھولنا ۱۶۲
۹۷ مسجد کے کچھ حصے میں متولی کی قبر بنانا ۱۶۳
۹۸ مسجد تعمیر کرنے والوں میں اختلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ ۱۶۵

الفصل الثامن في انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

۹۹ ایک مسجد کی زائد اینٹیں خرید کر دوسری مسجد میں لگانا ۱۶۷
۱۰۰ ایک مسجد کا لوٹا، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر دوسری مسجد کے لئے لینا ۱۶۷
۱۰۱ مساجد کے لوٹے وغیرہ عیدگاہ میں لے جانا ۱۶۸
۱۰۲ مسجد کے قرآن کا حکم ۱۷۰
۱۰۳ مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں بطور ہدیہ دینا ۱۷۱

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

۱۰۴ مسجد میں تعلیم صبیان ۱۷۳
۱۰۵ مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا ۱۷۵
۱۰۶ مسجد سے متصل خالی جگہ پر مدرسہ قائم کرنا ۱۷۶
۱۰۷ پرانی مسجد کو مدرسہ بنالینا ۱۷۹
۱۰۸ مسجد کی زمین میں مدرسہ کی تعمیر کرنا ۱۸۰
۱۰۹ مسجد میں غیر دینی تعلیم دینا ۱۸۲

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کو کرایہ پر دینا)

۱۱۰ مسجد کی دکانوں کی چھت پر کرایہ کے لئے مکانات تعمیر کرنا ۱۸۳

www.besturdubooks.net

۱۱۱	مسجد کی دکان کرایہ پر ہے، کرایہ کا اضافہ نہ کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟	۱۸۴
۱۱۲	مسجد اور مدرسہ کی دکان ومکان کے کرایہ کا مصرف	۱۸۶
۱۱۳	زمینداره اوقاف ختم ہونے کی صورت میں اس کا معاوضہ مسجد میں خرچ کرنا	۱۸۷

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

۱۱۴	اوقاف مساجد کے مصارف	۱۸۸
۱۱۵	مسجد کا سامان ذاتی مصرف میں لانا	۱۸۹
۱۱۶	مسجد کا فرش یا روپیہ اپنے کام میں لانا	۱۹۰
۱۱۷	مسجد کے بیت الخلا کا استعمال کرنا	۱۹۱
۱۱۸	مسجد سے متعلق جگہ پر کھانا پکانا	۱۹۳
۱۱۹	پرانی مسجد کا سامان اپنی بلڈنگ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟	۱۹۳

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

۱۲۰	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا	۱۹۵
۱۲۱	ایک مسجد کے لئے چندہ کر کے دوسری میں خرچ کرنا	۱۹۶
۱۲۲	مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی رقم دینی مدرسہ میں خرچ کرنا	۱۹۸
۱۲۳	مسجد کے زائد چندہ کو مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنے کا حکم	۱۹۸

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

۱۲۴	چوری کا سیمنٹ مسجد میں استعمال کرنا	۲۰۰
۱۲۵	ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا	۲۰۱

www.besturdubooks.net

۱۲۶ بلیک سے خریدے ہوئے سیمنٹ کا مسجد میں استعمال کرنا ۲۰۳

۱۲۷ شراب کا روپیہ مسجد میں لگ جائے تو کیا کیا جائے؟ ۲۰۴

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صَرف کرنا)

۱۲۸ غیر مسلم کا مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا ۲۰۵

۱۲۹ غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگانا ۲۰۷

۱۳۰ شیعہ اور پھرائیوں اور غیر مسلم کا روپیہ مسجد میں لگانا ۲۰۸

۱۳۱ غیر مسلم کا مسجد کے لئے نذر ماننا اور پھر اس میں نماز پڑھنا ۲۰۹

۱۳۲ غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنا ۲۱۰

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

۱۳۳ مسجد کے لئے ایک مٹھی چاول ہر روز چندہ کرنا ۲۱۲

۱۳۴ چندہ بکس کی آمدنی مسجد کی تعمیر میں لگانا ۲۱۳

۱۳۵ بھیک کا پیسہ مسجد میں صَرف کرنا ۲۱۳

۱۳۶ چندہ دینے والے نے جس کام کے لئے روپیہ دیا ہے اس کو کسی دوسرے کام میں صَرف کرنا ۲۱۴

۱۳۷ مورتی، پوجا میں کام آنے والی اشیا کی کمائی سے چندہ لینا ۲۱۵

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملك الغير

(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

۱۳۸ بلا اجازت وارث زمین پر مسجد بنانا ۲۱۷

۱۳۹ جتنی زمین خریدی، اس سے زائد پر مکان بنالیا ۲۱۹

www.besturdubooks.net

باب آداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

۱۴۰ مسجد میں پرندوں کے گھونسلے کا حکم ۲۲۲
۱۴۱ مسجد کے دروازے پر لغویات کی مجلس کرنا ۲۲۲
۱۴۲ مسجد میں سیاسی واقتصادی باتیں کرنا ۲۲۳
۱۴۳ مصلّی کے قریب باتیں کرنا ۲۲۵
۱۴۴ عورتوں کا طاق بھرنے کے لئے مسجد میں جانا ۲۲۶
۱۴۵ تصویر دار اخبار مسجد میں پڑھنا ۲۲۷
۱۴۶ تعمیر کے وقت جوتے پہن کر مسجد میں جانا ۲۲۸
۱۴۷ گوبر سے دیوار لیپ کر وہاں نماز پڑھنا ۲۲۹
۱۴۸ مسجد میں لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا ۲۲۹

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

۱۴۹ مسجد کے حجرہ سے بحالتِ جنابت مسجد سے گزرنا ۲۳۱

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

۱۵۰ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا ۲۳۳
۱۵۱ مسجد کی تپائی میں بدبودار رنگ کا استعمال کرنا ۲۳۴

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع في زخرفة المساجد والكتابة عليها
(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

۱۵۲	مسجد کی زیبائش کے لئے روپیہ خرچ کرنا....................	۲۳۶
۱۵۳	تعمیر مسجد کی تاریخ کندہ کراکے مسجد میں لگانا....................	۲۳۶
۱۵۴	مسجد میں ناپاک کپڑوں کو دھونا....................	۲۳۷

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد
(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

۱۵۵	مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا....................	۲۳۸
۱۵۶	مسجد میں سیاسی جلسہ وغیرہ کرنا....................	۲۳۹

باب المتفرقات

۱۵۷	مسجد کے قریب جگہ کو راستہ بنانا....................	۲۴۱
۱۵۸	برے کی مشین بدل دی تو کیا اب بھی اول بر ما لگانے والوں کو ثواب ملے گا؟............	۲۴۱
۱۵۹	متعلقین مسجد کو انعام دینا....................	۲۴۳
۱۶۰	کیا اپنی مسجد کو راستہ کی مسجد پر فوقیت ہے....................	۲۴۴
۱۶۱	مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا اور ایک دوسرے کو سخت الفاظ بولنا....................	۲۴۵

باب المصلّٰی
(عیدگاہ کا بیان)

۱۶۲	عذر کی وجہ سے عیدگاہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا....................	۲۴۶
۱۶۳	عیدگاہ کے روپے سے ہسپتال بنانا....................	۲۴۷
۱۶۴	شاہراہ کی توسیع کے لئے عیدگاہ کی دیواریں توڑنا....................	۲۴۸
۱۶۵	واقف کے مرنے کے بعد تجدید وقف میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز عیدگاہ میں جانوروں کی	☆
	غلاظت کا حکم....................	۲۵۰

www.besturdubooks.net

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

۱۶۶	قبرستان میں مدرسہ بنانا	۲۵۲
۱۶۷	قبرستان کی زمین میں مدرسہ	۲۵۳
۱۶۸	قدیم قبرستان میں مدرسہ اور دکانیں بنانا	۲۵۵
۱۶۹	پرانے قبرستان میں دینی مدرسہ قائم کرنا	۲۵۶
۱۷۰	قبرستان میں دکانیں بنانا	۲۵۸
۱۷۱	پرانے قبرستان میں دکانیں بنوانا	۲۵۹
۱۷۲	قبرستان میں مکان بنا کر رہنا اور نماز پڑھنا	۲۶۰
۱۷۳	قبرستان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے وہاں کی لکڑی استعمال کرنا	۲۶۱
۱۷۴	قبرستان میں میت لے جانے کے لئے راستہ بنانا	۲۶۳
۱۷۵	پرانی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا	۲۶۴
۱۷۶	قبرستان کی لکڑی کا مصرف	۲۶۶
۱۷۷	غیر موقوفہ قبرستان میں موجود اخروٹ کے درختوں کا حکم	۲۶۷
۱۷۸	قبرستان میں کاشت کرنے اور حاصل ہونے والے غلہ کا مصرف	۲۶۸
۱۷۹	قبرستان کی زمین کا تبادلہ	۲۷۰
۱۸۰	کنواں کھودتے ہوئے کھوپڑی نکل آنے کا حکم	۲۷۰
۱۸۱	درگاہ سے متعلق زمین سے مجاور کا نفع اٹھانا	۲۷۱
۱۸۲	قبرستان میں قربانی کرنا	۲۷۳

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

۱۸۳	کیا مدارس بیت المال ہیں؟	۲۷۵

www.besturdubooks.net

۱۸۴ دینی مکاتب کی مخالفت کرنا ۲۷۶
۱۸۵ دینی مدرسہ میں سرکاری امداد کے اثرات ۲۷۷

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اوراس کو بدلنے کا بیان)

۱۸۶ مدرسہ کا سامان مسجد کی چھت میں استعمال کرنا ۲۸۰
۱۸۷ مدرسہ کی ملک میں بلا اجازت تصرف کا کفارہ ۲۸۱

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا فروخت کرنا اوراس میں تصرف کرنے کا بیان)

۱۸۸ دینی مدرسہ کو اسکول بنانا ۲۸۲
۱۸۹ غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول بنانے کا حکم ۲۸۴
۱۹۰ وقف زمین پر اسکول تعمیر کرنا ۲۸۵

الفصل الثالث في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

۱۹۱ چھٹی کے ایام کی تنخواہ کا قانون ۲۸۷
۱۹۲ کام کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں پرانے ملازم کو تنخواہ دینا ۲۸۹
۱۹۳ عربی مدرسہ کے مدرس کو پنشن دینا ۲۹۰
۱۹۴ رخصت اور تعطیل کلاں سے متعلق ۲۹۱
۱۹۵ وقف سے تنخواہ ۲۹۳

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سفراء اور چندہ کے احکام)

۱۹۶ مدرسہ کے نام پر چندہ کرنا اور مدرسہ میں نہ دینا ۲۹۵

www.besturdubooks.net

باب المتفرقات

۱۹۷ مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے والے طالب علم کے سامان کا حکم ۲۹۷
۱۹۸ شرارت پر بچوں کو کتنی سزا دی جائے؟ ۲۹۸
۱۹۹ طلباء کا بازاروں میں پھرنا ۲۹۹

کتاب الشرکة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

۲۰۰ والد کے تحریر کردہ حکم نامہ کے مطابق تجارت کرنا نیز معاہدہ کا حکم ۳۰۰
۲۰۱ دو بھائیوں کا دکان میں شرکت کر کے ایک کا دوسرے کے حصے پر قابض ہو جانا ۳۰۳
۲۰۲ پریس میں شرکت اور اس کی علیحدگی اور نفع کی تقسیم ۳۰۵
۲۰۳ باہمی معاہدہ کے مطابق مدات کی تقسیم نہ کرنا ۳۰۶
۲۰۴ بغیر پیسے دیئے کمپنی میں شرکت کرنا ۳۰۸
۲۰۵ مشترکہ روپیہ سے تجارت اور نفع سے حج کرنا ۳۰۹
۲۰۶ شرکاء کا ایک شریک کو پانچ سال کے لئے دکان ٹھیکہ پر دینا ۳۱۰
۲۰۷ بینک کی ایک اسکیم برائے پنشن کا حکم ۳۱۱
۲۰۸ مشترکہ زمین کی آمدنی سے تعمیر شدہ مکان کا حکم ۳۱۲
۲۰۹ سوسائٹی میں رقم جمع کرنے کا حکم ۳۱۳
۲۱۰ شرکت عنان کی ایک صورت کا حکم ۳۱۴
۲۱۱ مال مشترک میں سے ایک شریک کا قرض لینا ۳۱۵
۲۱۲ مشترکہ جائیداد سے حج کی ادائیگی کے لئے معاہدہ کرنا ۳۱۶
۲۱۳ مضاربت میں نقصان کس پر ہے؟ ۳۱۷

www.besturdubooks.net

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

۲۱۴ بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا ۳۲۰
۲۱۵ بینک کی ملازمت درست ہے یا نہیں؟ ۳۲۱
۲۱۶ ملازمت میں کون سی چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟ ۳۲۳
۲۱۷ ملازم کے سرکاری حقوق ۳۲۵
۲۱۸ کاروبار کی ترقی کے لئے ملازم کا حصہ ۳۲۵
۲۱۹ کیا سال بھر کی تنخواہ یکشت لینا درست ہے؟ ۳۲۷
۲۲۰ زراعت کی اجرت پیشگی لے لینا ۳۲۸
۲۲۱ غیر مسلم سے گھر کا کام کم قیمت پر کرانا ۳۲۹
۲۲۲ غیر مسلم معالج سے پیٹ کا آپریشن کرانا ۳۳۰
۲۲۳ سرکاری اسکول میں ملازمت کرنا ۳۳۱
۲۲۴ بیوی یا بیٹی کی تنخواہ سے انتفاع کا حکم ۳۳۲
۲۲۵ مشترک مکان کی مرمت کے خرچہ کو کرایہ میں محسوب کرنا ۳۳۳
۲۲۶ زمین کو اجارہ پر دینا ۳۳۴
۲۲۷ اس شرط پر دکان کرایہ پر دینا کہ جب چاہیں خالی کرالیں ۳۳۵
۲۲۸ حکومت کا کسی شخص کو کرایہ کے مکان کا کرایہ دار بنانا ۳۳۷
۲۲۹ ملازم کی غیر حاضری پر تنخواہ وضع کرنا ۳۳۷
۲۳۰ لگان پر زمین دینا ۳۳۸
۲۳۱ کیا فوج کی ملازمت درست ہے؟ ۳۳۹

www.besturdubooks.net

۲۳۲	حق زعامت کا معاوضہ اگر طے نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۴۰
۲۳۳	ملازم کے لئے پنشن کا حکم	۳۴۲
۲۳۴	کرایہ داری کو منتقل کرنا	۳۴۳
۲۳۵	کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کو توسیع وتعمیر کا حق نہیں	۳۴۴
۲۳۶	بس میں سامان کا کرایہ	۳۴۶
۲۳۷	مکان کو جزء تنخواہ تجویز کرنا	۳۴۷
۲۳۸	کرایہ کے مکان کا ایندھن کس کا ہے؟	۳۴۸
۲۳۹	قصاب کا پیشہ	۳۴۹
۲۴۰	انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس لکھنے کی ملازمت	۳۵۰
۲۴۱	ڈاکٹری اور مدرسی کی کمائی کا حکم	۳۵۱
۲۴۲	ملازمت سے الگ ہونے کے بعد استحقاق تنخواہ نہیں	۳۵۱

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

۲۴۳	پگڑی	۳۵۳
۲۴۴	پگڑی میں مالک کا حصہ	۳۵۳
۲۴۵	اگر مالک مکان نہ لینا چاہے تو کس کو یہ رقم لوٹائے	۳۵۴
۲۴۶	کرایہ دار کا پگڑی دے کر شرائط طے کرنا	۳۵۶
۲۴۷	زمین کرایہ پر لے کر دوسرے کو اس سے زائد کرایہ پر دینا	۳۵۷
۲۴۸	پیداوار میں سے مخصوص مقدار کی شرط پر زمین کاشت کے لئے دینا	۳۵۸
۲۴۹	وکیل کا خرید میں نفع لینا	۳۵۹
۲۵۰	کھجور کا رس نکالنے کی اجرت	۳۶۰
۲۵۱	ڈرائیور کا کسی کی رعایت کرنا	۳۶۱

www.besturdubooks.net

۲۵۲ رکشہ کا کرایہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا حکم ہے؟ ۳۶۳
۲۵۳ مکان کرایہ پر دیتے ہوئے شرط فاسد لگانا ۳۶۴
۲۵۴ شکمی کرایہ دار ۳۶۵
۲۵۵ قرض لے کر مکان کرایہ پر دینا ۳۶۶
۲۵۶ قبرستان کے تاڑ غیر مسلم کو سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا حکم ۳۶۷
۲۵۷ خادمہ کی اجرت میں کھانا کپڑا مقرر کرنا ۳۶۹
۲۵۸ بکری، گائے وغیرہ کے گابھن کرانے کی اجرت ۳۷۱
۲۵۹ آب پاشی کی اجرت پیداوار سے دینا ۳۷۱
۲۶۰ مزدور کی مزدوری آئندہ کام پر آنے کی شرط پر دینا ۳۷۲
۲۶۱ کھجور کے درخت سے شیرہ نکالنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر معاملہ کرنا ۳۷۴
۲۶۲ شریک تجارت کا اجرت کا رہنا ۳۷۴
۲۶۳ مزدور کے ذریعہ جنگلات کی لکڑیاں کٹوا کر لانا ۳۷۵
۲۶۴ کرایہ پر لی ہوئی دکان آگے کرایہ پر دینا ۳۷۶
۲۶۵ مچھلی نکلوانے کی اجرت میں مچھلی ہی تجویز کرنا ۳۷۹
۲۶۶ مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا ۳۸۰

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

۲۶۷ بائع اور مشتری، دونوں کی طرف سے دلالی کرنا ۳۸۱
۲۶۸ ریٹ اور کمیشن میں ایک رقم کی تفصیل اور استحقاق ۳۸۲
۲۶۹ آڑھت دار کی کٹوتی ۳۸۴
۲۷۰ حق المحنت کی ایک صورت کا حکم ۳۸۵
۲۷۱ دلال کے ذریعے کپڑا بیچنا ۳۸۶

www.besturdubooks.net

۲۷۲ نیلام کی ایک صورت کا حکم ۳۸۷

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

۲۷۳ کرایہ دار کا مکان کو خالی نہ کرنا ۳۹۰

باب الاستئجار على الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصال ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۴ ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور معاوضہ بصورت دعوت ۳۹۱

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

۲۷۵ امامت کی تنخواہ ۳۹۳
۲۷۶ امامت کی تنخواہ اور تراویح میں سنانے کی چند صورتوں کا حکم ۳۹۴

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختم تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۷ شبینہ پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم ۳۹۷
۲۷۸ تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اور اس کو فروخت کرنا ۳۹۸

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۹ تقریر کرانے پر اجرت ۴۰۰

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ
(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

۲۸۰ وعظ وتعویذ پر معاوضہ لینا ۴۰۱
۲۸۱ تعویذ پر اجرت ۴۰۲

باب الاستئجار على المعاصي
(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

۲۸۲ جاندار کی تصاویر کو فریم کرنے کی اجرت ۴۰۳
۲۸۳ سینما کی آمدنی ۴۰۴
۲۸۴ چنگی کی ملازمت کا حکم ۴۰۵
۲۸۵ اپنی زمین فرم کو کرایہ پر دینا ۴۰۸
۲۸۶ فاحشہ کو زمین کرایہ پر دینا ۴۰۹
۲۸۷ کیا نائی کی مزدوری حرام ہے؟ ۴۱۰
۲۸۸ نائی کی اجرت ۴۱۱

كتاب المزارعة
(مزارعت کا بیان)

۲۸۹ مزارعت یا مساقات کا معاملہ ۴۱۳
۲۹۰ مقدار غلہ طے کرکے زمین کاشت کے لئے دینا ۴۱۴

كتاب الغصب
(غصب کا بیان)

۲۹۱ دوسرے کی زمین کو غصب کرنا ۴۱۶

www.besturdubooks.net

۲۹۲ حکومت سے دوسرے کے نام سے زمین الاٹ کرائی، اس کا مالک کون؟ ۴۱۷
۲۹۳ دوسرے کی زمین میں پودے لگانا ۴۱۹
۲۹۴ دوسرے کی زمین اپنے نام کرالینا اور وعدہ خلافی کرنا ۴۲۰
۲۹۵ دوسرے کی زمین پر قبضہ کرکے اپنی زمین ظاہر کرنا ۴۲۳

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیع صحیح کا بیان)

۲۹۶ نابالغ بچوں کا خرید وفروخت کرنا ۴۲۶
۲۹۷ نابالغ سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا ۴۲۷
۲۹۸ بچھوے کی بیع ۴۲۷
۲۹۹ لومڑی مینڈک وغیرہ کی بیع ۴۲۸
۳۰۰ زمین کی بیع ہونے کے بعد رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حکم ۴۳۰
۳۰۱ کسی چیز کو قسطوں پر خریدنے کا حکم ۴۳۱
۳۰۲ مبیع کی قیمت بڑھا کر قسطوں پر بیچنا ۴۳۲
۳۰۳ گورنمنٹ سے نیلام پر زمین خریدنا ۴۳۳
۳۰۴ قیمت میں پیسے کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی دینے کا مطالبہ کرنا ۴۳۵
۳۰۵ تالاب کے پانی کی بیع ۴۳۵
۳۰۶ تالاب سے مچھلی پکڑ کر فروخت کرنا ۴۳۶
۳۰۷ درخت کی بیع اور اس سے اگنے والی شاخوں کا حکم ۴۳۷
۳۰۸ سود سے بچنے کے لئے اصل قیمت سے زائد پر بیچنا ۴۳۹
۳۰۹ بیع پختہ ہو جانے کے بعد بائع کا شرط لگانا ۴۴۰

www.besturdubooks.net

۳۱۰	نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا	۴۴۱
۳۱۱	مردار کی کھال پر نمک لگا کر بیچنا	۴۴۲
۳۱۲	گیلی کھال کی خرید و فروخت	۴۴۳
۳۱۳	مچھلی تالاب سے نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا	۴۴۳
۳۱۴	بادلی ملاح کے ہاتھ مچھلی فروخت کرنا	۴۴۴
۳۱۵	اگربتی مزار پر جلانے کے لئے خریدنا	۴۴۶
۳۱۶	گنے یا آلو کا کھڑا کھیت فروخت کرنا	۴۴۶
۳۱۷	تانبے پیتل وغیرہ کی ادھار بیع کرنا	۴۴۷
۳۱۸	قانونی تحفظ کے لئے زمین کا دوسرے کے نام کاغذی اندراج کرانا	۴۴۸
۳۱۹	دوسرے کے نام زمین وجائیداد خریدنا	۴۴۹
۳۲۰	لفافہ کے ساتھ چینی تول کر دینا	۴۵۱
۳۲۱	دو سال بعد خیار عیب کا حکم	۴۵۱
۳۲۲	غبارے بیچنا	۴۵۲
۳۲۳	کسب کی تفصیل	۴۵۳

باب البيع الباطل والفاسد والمكروه

الفصل الأول في البيع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

۳۲۴	خنزیر وغیرہ کی تجارت مسلم کے حق میں	۴۵۵
۳۲۵	غیر کی زمین کو فروخت کرنا	۴۵۵
۳۲۶	ریلوے سے چوری کی ہوئی اشیاء کا فروخت کرنا	۵۵۷
۳۲۷	ایک کھیت کا دو الگ آدمیوں سے خریدنا	۵۵۸
۳۲۸	حرہ کو باندی بنالینا	۵۵۹

www.besturdubooks.net

۳۲۹ پنے کی بیع وشراء ۴۶۰

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

۳۳۰ پھل کی بیع یا ٹھیکہ ۴۶۱
۳۳۱ باغ کو دو مرتبہ بیچنا ۴۶۳
۳۳۲ ایک چیز کو دو مرتبہ بیچنا ۴۶۵
۳۳۳ ظیفہ پنشن کی بیع ۴۶۷
۳۳۴ بیع فاسد کو صحیح کرنے کی صورت ۴۶۸
۳۳۵ آب پاشی، پانی کی بیع کی ایک صورت ۴۶۹
۳۳۶ جزوی حصہ دار کا پوری زمین کا بیع نامہ نہ لینا ۴۷۰
۳۳۷ بیع نامہ لکھوانا کیسا ہے؟ ۴۷۳
۳۳۸ خریدار کو انعام دینے کی نیت سے کوپن دینا ۴۷۴
۳۳۹ ذبح کرنے سے پہلے جانور کا گوشت فروخت کرنا ۴۷۵
۳۴۰ ورثاء میں سے ایک کا شادی کے لالچ میں مشترکہ زمین دینا ۴۷۶

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

۳۴۱ ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع دیئے بغیر کچھ خریدنا ۴۷۸
۳۴۲ گورنمنٹ سے راشن لے کر نفع کے ساتھ فروخت کرنا ۴۷۹
۳۴۳ کنٹرول کے نرخ سے کمی زیادتی پر بیع کرنا ۴۸۰
۳۴۴ کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا ۴۸۱
۳۴۵ جاسوسی فلمی کتابوں کی تجارت ۴۸۳
۳۴۶ دودھ میں پانی ملا کر بیچنا ۴۸۴

www.besturdubooks.net

۳۴۷ دودھ میں پانی ملاکر فروخت کرنا ۴۸۴
۳۴۸ دودھ میں پانی ملاکر چائے بنانا اور بیچنا ۴۸۶
۳۴۹ حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال تجارت منتقل کرنا ۴۸۶
۳۵۰ اسمگلنگ شدہ کپڑا فروخت کرنا ۴۸۸
۳۵۱ بینڈ باجوں میں استعمال ہونے والے چمڑے کی بیع ۴۸۸
۳۵۲ کسی چیز کو کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم ۴۸۹
۳۵۳ ۱۰۰ روپے کی چیز ۱۲۵ روپے میں فروخت کر کے ۲۵ روپے اپنے پاس رکھنا ۴۹۰
۳۵۴ تجارت میں نفع کتنا لینا چاہیے؟ ۴۹۱
۳۵۵ ہرے بھرے درخت کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرنا ۴۹۲
۳۵۶ آتش بازی کی تجارت کرنا ۴۹۳

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

۳۵۷ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ۴۹۴
۳۵۸ کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا ۴۹۵
۳۵۹ ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا ۴۹۷
۳۶۰ ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا ۴۹۹

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

۳۶۱ بیعانہ کی واپسی ۵۰۱
۳۶۲ بیع نامہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کرنا ۵۰۲

www.besturdubooks.net

باب المتفرقات

۳۶۳ زمین کی بیع کے بعد پیمائش میں کمی نکلنا ۵۰۴

۳۶۴ خرید کردہ تجوری میں سے کچھ روپیہ ملا، وہ کس کی ملک ہے؟ ۵۰۵

باب بيع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

۳۶۵ کتاب کی حق طباعت کا حکم ۵۰۷

باب مايتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

۳۶۶ شیئر (حصہ) خریدنا ۵۱۰

۳۶۷ کمپنی کے حصص خریدنا ۵۱۱

۳۶۸ نیلام میں آپس میں قیمت ایک میعاد پر طے کرلینا ۵۱۲

فصل في بيع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

۳۶۹ رقم پہلے دے کر سامان آہستہ آہستہ خریدنا ۵۱۵

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

۳۷۰ بیع فضولی کی ایک صورت کا حکم ۵۱۷

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

۳۷۱ مبیع کی واپسی پر قیمت کم کرنا ۵۱۹

www.besturdubooks.net

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

۳۷۲ کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا ۵۲۱
۳۷۳ پوسٹ کارڈ وغیرہ زیادہ قیمت لے کر بیچنا ۵۲۲
۳۷۴ کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا ۵۲۳
۳۷۵ ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا درست ہے؟ ۵۲۴

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

۳۷۶ کسان کا ساہوکار سے رقم لے کر کپاس پیشگی فروخت کرنا ۵۲۶
۳۷۷ پیشگی دھان خریدنے کے بعد مقررہ وقت پر دھان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ ۵۲۷
۳۷۸ قرض دے کر پیشگی مکی خریدنا ۵۲۸

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

۳۷۹ تجارت میں ذخیرہ اندوزی کرنا ۵۳۱
۳۸۰ ذخیرہ اندوزی ۵۳۲

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

۳۸۱ کمی زیادتی کے ساتھ سونے چاندی اور نوٹ کی بیع ۵۳۳

www.besturdubooks.net

۳۸۲ نوٹ کی ادھار بیع ۵۳۶
۳۸۳ ایک نوٹ کی بیع دو نوٹ کے بدلے ۵۳۷
۳۸۴ دس تولہ چاندی دے کر زیور خریدنا ۵۳۸
۳۸۵ روپیہ دے کر سونا خریدنا ۵۳۹
۳۸۶ ادھار سونا وچاندی کی خرید وفروخت ۵۳۹

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

۳۸۷ بیع بالوفاء کا حکم ۵۴۱
۳۸۸ کیا بیع الوفاء حقیقۃً رہن ہے؟ ۵۴۳
۳۸۹ بیع الوفاء ۵۴۵
۳۹۰ بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم ۵۴۶
۳۹۱ واپسی کی شرط پر بیع کرنا ۵۴۶

باب الربوا

(سود کا بیان)

۳۹۲ سودی قرض کی آمدنی کا حکم ۵۵۲
۳۹۳ سودی قرض سے بنائے ہوئے کپڑے استعمال کرنا ۵۵۳
۳۹۴ سوسائٹی میں پیسہ جمع کرنا ۵۵۴
۳۹۵ حلال کمائی سے حاصل شدہ زمین میں سودی رقم سے دکان بنوانا ۵۵۵
۳۹۶ شبہ ربا سے احتراز ۵۵۶

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

۳۹۷ سود کا روپیہ آگیا، اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟ ۵۵۸

www.besturdubooks.net

۳۹۸ مجبوری کی حالت میں سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنا ۵۶۰

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

۳۹۹ زندگی کا بیمہ ۵۶۴
۴۰۰ بیمہ کے ذریعہ ملنے والی رقم کی وصیت ۵۶۴

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

وقف کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۲۷]: ۱......شرعاً فقہ کی رو سے وقف کی کیا تعریف ہے؟

۲......کیا مقابر ومدارس وقف کی تعریف میں شامل ہیں، جب کہ نذر مقابر منذور علی اللہ نہیں ہیں، بلکہ منذور لغیر اللہ جو حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔ نذر مدارس، نہ منذور علی اللہ ہیں نہ منذور لغیر اللہ، بلکہ مدارس اپنے تعلیمی مفاد کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... الوقف هو لغة: الحبس، وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده. وعندهما هو: حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ولو غنيًّا، فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوىٰ اهـ. درمختار مع هامش الشامي نعمانيه، ص: ۳۰۷، ۳۰۸(۱).

۲......اگر کوئی شخص اپنی زمین اس لئے وقف کرتا ہے کہ مردے دفن کئے جائیں، یا وہاں مدرسہ بنا کر

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

دینی تعلیم دی جائے، تو یہ وقف شرعاً صحیح ومعتبر ہوگا(۱)۔ بغیر نذر کے بھی وقف صحیح ہے، نذر پر موقوف نہیں، لہٰذا یہاں یہ بحث بے محل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

وقف کی نیت سے خریدنے سے وہ ملکیت وقف نہیں ہوجاتی

سوال[۱۰۷۲۸]: دو آدمیوں نے مل کر ایک زمین وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے کنواں کھودنے کی غرض سے خریدی تھی اور کنواں کھودنے کے بعد پانی نکلا، مگر خراب ہونے کی وجہ سے پینے کے استعمال میں نہیں آسکا، دوسری چیزوں کے استعمال میں آتا ہے اور مدت طویل تک یہ کنواں پڑا رہا، کسی نے استعمال میں نہیں لیا۔

ان دونوں میں ایک نے وطن میں آکر اس کنویں کو بھر دیا اور کرایہ پر دینے کے واسطے اپنا ذاتی مکان اس کنویں پر بنالیا اور اس جگہ پر دو روم نیچے کے حصہ میں اور دو روم اوپر کے حصہ میں بنائے اور اس مکان کو اپنے نام سے موسوم کیا کہ فلاں منزل۔ دوسرا آدمی جو سفر میں تھا، اس کو مذکورہ حقیقت سے خبر کی گئی کہ جو زمین آپ دونوں نے مل کر وقف کی نیت سے عوام کے فائدہ کے لئے خریدی تھی اور کنواں بنایا تھا، اس جگہ پر آپ کے ساتھی نے تعمیر کرائی ہے۔ اور اپنا نام لکھوایا ہے، تو اس سفری نے گاؤں کی جماعت پر جواب دیا کہ ہم دونوں نے مل کر اس زمین کو عوام کے فائدہ کے لئے وقف کے لئے خریدی تھی۔

میرے ساتھی نے مجھ سے میرے حصہ کی زمین طلب کی تھی، مگر میں نے صاف انکار کر دیا تھا کہ میں نے جو نیتِ وقف کی ہے اس پر میں اٹل ہوں، یعنی میں اپنے ارادہ کو بدل نہیں سکتا، جس نے مکان تعمیر کرایا ہے وہ

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: "إذا جعل أرضه مقبرة للمسلمين جاز، وليس له أن يرجع فيها بعد تمامها أن يقبر فيها إنسان واحد أو أكثر من ذلك ...... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أنه أجاز وقف المقبرة والطريق". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۱۴۲/۷، ۱۴۴، حقانيه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۳۶۹/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۴/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

فی الحال وطن میں ہے، اس کو یہ خط سنایا گیا تو کہتا ہے کہ مجھ کو اپنے حصہ کی زمین وقف نہیں کرنی اور کہتا ہے کہ میری اور اس کی بات ہوگئی ہے، حالانکہ خط سے اس سفری کی ناراضگی معلوم ہوتی ہے، تو کیا جب دو آدمی وقف کی نیت سے زمین خریدیں اور کنواں بھی بنوائیں، مگر استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرانا اپنے دوسرے سفری کی اجازت کے بغیر کہ اس کا بھی حصہ زمین میں ہے، پہلے وقف کی نیت کرے اور بعد میں بدل دے تو اس طریقہ سے تعمیر کرنے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ حق اور ناحق کیا ہے؟ اور جھگڑے کے دفع کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض وقف کی نیت سے خریدنے سے تو زمین وقف نہیں ہوتی (۱)، ایک شریک یا دونوں شریک نیت تبدیل کرکے ذاتی مکان بنوالیں تو شرعاً گنجائش ہے (۲)، لیکن اگر خرید کر وقف کردی اور کنواں بنوا کر زبانی کہہ دیا ہو یا تحریر لکھ دی ہو کہ زمین ہم نے وقف کردی ہے تو پھر اس کو ذاتی ملک تجویز کرنا اور ذاتی مکان بنانا درست نہیں، اس مکان کو بھی وقف ہی قرار دیا جائے گا (۳)۔ یا وہ زمین وقف رہے اور مکان ذاتی ملک رہے اور اس

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ.....". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، سعيد)

"وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً ...... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) "والملك يزول عن الموقوف بأربعة: بإفراز مسجد، وبقضاء القاضي، أو بالموت إذا علق، أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لاتنقطع =

www.besturdubooks.net

زمین کا کرایہ مناسب تجویز کردیا جائے اور کرایہ مصارف وقف میں خرچ کیا جائے (۱)۔ جب اصل شریک خریدار زندہ ہے، اگرچہ سفر میں دور ہے اس کی رائے معتبر ہوگی، اگر اس کو موجودہ مکان بنانے والے کا یہ تصرف پسند نہیں ہے اور وہ اس کو وقف کرنا چاہتا ہے تو وہ اس شریک کو بھی باخبر کردے اور کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنادے کہ وہ اس تصرف کرنے والے سے معاملہ اس طرح طے کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۲ھ۔

محض نیت سے وقف نہیں ہوتا

سوال [۱۰۷۲۹]: ایک زمین میں نے دوسو روپے میں خریدی اور دل میں یہ طے کرلیا کہ آدھی زمین شہریوں کی ایک مسجد میں وقف کردوں گا، جو مقام زمین سے کم وبیش بائیس میل کے فاصلہ پر ہے اور نصف زمین مقامی تین مساجد میں وقف کردوں گا، برابر کے طور پر ابھی وقف نامہ میں نے تحریر نہیں کیا ہے، اب سوچتا ہوں کہ نصف زمین کو مقامی تین مساجد میں برابر حصہ زمین کا دینا کسی مصرف کا نظر نہیں آتا کہ اتنے حصہ زمین کو ہر مسجد والے کسی کام میں نہیں لاسکتے اور تینوں مسجدوں میں بالکل کم رقبہ کی زمین منفعت بخش نہیں ہوسکتی، تو کیا دل میں طے کردہ بات تبدیل نہیں کی جاسکتی اور کیا کسی دوسرے نیک کام میں وقف نہیں کی جاسکتی؟

= ...... فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولايعار ولايرهن". (الدر المختار). "(قوله: فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة وعندهما بمجرد القول". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۳/۴-۳۵۱، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۵۶۹/۲-۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، ۲۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها ...... كان للقيم ان يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۲۴۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض دل میں سوچا تھا کہ زمین فلاں فلاں جگہ اس نیت سے وقف کردوں گا، پھر غور کرنے سے مصلحت اس کے خلاف معلوم ہوئی تو پہلے سوچے ہوئے کو بدلنے کی بھی اجازت ہے(۱)، جہاں زیادہ وقف کرنا مناسب ہو، وہاں زیادہ وقف کرسکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۴ھ۔

لفظ "ہبہ" سے وقف کا حکم

سوال[۱۰۷۳۰]: بلفظ "ہبہ" سے وقف صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

البحرالرائق: ۱۹۰/۵، میں وہ الفاظ جمع کیے ہیں، جن سے وقف صحیح ہوجاتا ہے، وہ ستائیس الفاظ ہیں، ان میں لفظ ہبہ نہیں (۳)۔ ہبہ میں اپنی ملک کو ختم کرنا اور موہوب لہ کی ملک میں شئ موہوب کو داخل کرنا ہوتا

---

(۱) "وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين، ونحوه من الألفاظ.....". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، سعيد)

"وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً ..... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۷/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) چونکہ ابھی تک یہ زمین اصل مالک ہی کی ملکیت ہے، اس لئے اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔

"لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۳) "وأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه، وهي ستة وعشرون لفظاً: الأول: أرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين..... السابع والعشرون: ذكر قاضي خان من كتاب الوصايا: رجل قال ثلث مالي وقف ..... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۷/۵-۳۱۹، رشيديه)

"قوله: (وركنه الألفاظ الخاصة) وهي ستة وعشرون لفظاً على مابسطه في البحر، ومنها ما في =

www.besturdubooks.net

ہے(۱)، وقف میں یہ بات نہیں ہوتی۔ پس لفظ ہبہ سے وقف صحیح نہیں ہوگا(۲)۔ لیکن اگر اس لفظ سے وقف کرنا رائج ہو جائے تو پھر عرف ورواج کی وجہ سے ایسا وقف بھی صحیح ومعتبر ہو جائے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

اثاث البیت کا وقف

سوال[۱۰۷۳۱]: زید، عمرو، خالد، بکر چار بھائی تھے، ان کی تجارت میں بٹوارہ ہوا، جس میں ان

= الفتح حيث قال: فرع يثبت الوقف بالضرورة وصورته أن يوصي بغلة ......الخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة: ۳۴۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "الهبة شرعاً تمليك العين مجاناً ...... وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم".

(الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۸۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الهبة: ۲۸۳/۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة ...... الخ: ۳۷۴/۴، رشيديه)

(۲) "هو -الوقف- حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده ...... وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۳۷/۴-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، ۵۶۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "قلت: وتدل عبارة البزازية والخانية ومسألة القبقاب على اعتبار العرف الحادث ......

والعرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۸/۵، سعيد)

"الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي، وفي المبسوط الثابت بالعرف كالثابت بالنص". (مجموعه رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۱۱۵/۲، مكتبه عثمانيه كوئٹه)

"ولو قال: أرضي هذه للسبيل، فإن كان في بلدة تعارفوا مثل هذا وقفاً، صارت الأرض وقفاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۳۵۹/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

لوگوں کو مال منقولہ اور غیر منقولہ ہاتھ آیا، زید اور عمرو کا کام کچھ دنوں میں ہوتا رہا، آخر کار زید نے اپنی تمام چیزوں کو وقف کردیا، حتیٰ کہ اثاث البیت کو بھی وقف کردیا، مگر تفصیل کے ساتھ، لیکن ایک چیز کا نام نہیں لیا، کچھ دنوں کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، زندگی کے آخری ایام بھائیوں میں گزرے، مگر وقف کی کنجی اس کے متولی کے پاس رہی، کیا اس صورت میں اثاث البیت کا وقف صحیح شمار کیا جائے گا یا وراثت بن کر ورثہ پر تقسیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اثاث البیت کا (جس کے وقف کرنے کا تعامل ہے) بھی وقف ہو جاتا ہے، وہ ترکہ ہو کر ورثہ پر تقسیم نہیں ہوگا۔

"ولو وقف العقار ببقرة وأكرته صح، كمشاع قضى بجوازه ومنقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم، ودراهم، ودنانير، وقدر، وجنازة، وثيابها، ومصحف وكتب الخ" (درمختار: ۳/۳۷۵(۱)).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی وصیت کرنا

سوال[۱۰۷۳۲]: اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ مرنے کے بعد کسی جائیداد غیر منقولہ کو وقف سمجھا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳/۳۶۱، ۳۶۲، سعید)

"(وصح وقف العقار ببقره وأكرته ...... ومنقول فيه تعامل) أي: وصح وقف المنقول مقصوداً إذا تعامل الناس وقفه". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۴-۳۳۷، رشیدیہ)

"أن ماجرى العرف بين الناس بالوقف فيه المنقولات يجوز باعتبار العرف، وذلك كثياب الجنازة، وما يحتاج إليه من القدور والأواني في غسل الميت، والمصاحف، والكراع، والسلاح للجهاد ...... لقوله عليه السلام: "ما رآه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۷/۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوقف، فصل فيما يرجع إلى الموقوف: ۸/۳۹۸-۴۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

جائے، یہ وقف صحیح ہوگا؟

عبدالرزاق صاحب جامعہ اسلامیہ عربیہ موتیا پارک بھوپال

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ وقف بھی صحیح ہے، مگر بحکم وصیت ہے، یعنی ایک ثلث ترکہ میں نافذ ہوگا۔

"أو يعلقه بموته بأن يقول: إذا مت وقفت داري على كذا، ثم مات صح ولزم إن خرج من الثلث اهـ" مجمع الأنهر: ۱/۷٤۰(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

کسی مشترک غیر قابل تقسیم شی کا وقف کرنا

سوال[۱۰۷۳۳]: کیا یہ جائز ہے کہ کسی جائیداد غیر منقولہ کے کچھ حصہ کی علی سبیل الشاع آمدنی کو وقف کیا جائے اور وہ جائیداد غیر متعین ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مشاع قابل قسمت ہو، اس کا وقف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے، متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے، یہی مختار ہے۔

ویسے بھی مسائل وقف میں عموماً امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے(۲) اور جس مسئلہ میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۰، ۵۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"(أو بالموت إذا علق به) أي: بموته كإذا مت فقد وقفت داري على كذا، فالصحيح أنه كوصية تلزم من الثلث بالموت لاقبله". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۴، ۳۳۵، سعيد)

"ولو علق الوقف بموته بأن قال: إذا مت فقد وقفت داري على كذا، ثم مات صح، ولزم إذا خرج من الثلث". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "المختار في زماننا: قولهما في المزارعة، والمعاملة، والوقف لمكان الضرورة والبلوى". (شرح =

www.besturdubooks.net

وقف کا نفع ہو، اس میں عموماً فتویٰ کے لئے اس صورت کو اختیار کیا جاتا ہے، جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں مذکور ہے(۱)۔

"الشيوع فيما لا يحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلاخلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز، وإن كان مشاعاً كذا في الظهيرية، وقف المشاع المحتملة للقسمة لايجوز عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وبه أخذ مشايخ بخارى وعليه الفتوىٰ، كذا في السراجية. والمتأخرون أفتوا بقول أبي يوسف أنه يجوز، وهو المختار، كذا في خزانة المفتيين كذا في الهندية"(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۶ھ۔

= عقود رسم المفتي، ص: ۱۸۲، دارالكتاب كراچی)

"هو الوقف حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده ...... وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من احب، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷، ۳۳۸، سعيد)

"ووسع أبويوسف في القضاء والوقف، والفتوىٰ على قوله فيما يتعلق بهما". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الرابعة: ۱/۲۴۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "الثامن: ما إذا كان أحدهما أنفع للوقف، لما صرحوا به في الحاوي القدسي وغيره: من أنه يفتى بما هو انفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه". (شرح عقود رسم المفتي، مطلب في قواعد الترجيح، ص: ۱۵۸، دارالكتاب كراچی)

"يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه، وكذا يفتى بكل ماهو أنفع للوقف) فيما اختلف فيه العلماء، حتى نقضوا عند الزيادة الفاحشة نظراً للوقف، وصيانة لحق الله تعالىٰ". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۲۱، سعيد)

"ويجب الإفتاء والقضاء بكل ما هو أنفع للوقف". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۰۸، حقانيه پشاور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۴/۵، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۵، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

جائیداد غیر منقولہ کی آمدنی کو وقف کرنا

سوال[۱۰۷۳۴]: کیا وقف اس طور سے کیا جانا جائز ہے کہ جائیداد غیر منقولہ کو وقف نہ کر کے صرف اس کی آمدنی کو وقف کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کا حاصل یہ ہے کہ اصل شئ محبوس اور برقرار رکھتے ہوئے کہ اس میں بیع وغیرہ کا تصرف نہ ہو سکے، اس کی آمدنی ومنفعت کو فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے۔

"هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة" درمختار: ۳۵۷/۳(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

= "وصح عند أبي يوسف وقف المشاع) وقت القبض محتملاً للقسمة، وإليه ذهب هلال، ومشايخ بلخ، وصنيع المصنف يرجحه على عادته في تقديم الأقوى، والمختار للفتوى،وهو اختيار صدر الشريعة ذكره الباقاني، ولم يصح عند محمد ...... فما شاع ...... ولم يحتمل القسمة أصلاً كحمام صح وقفه اتفاقاً". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۷۵/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"اعلم أن الشيوع فيما لايحتمل القسمة لا يمنع صحة الوقف بلاخلاف، ألا ترى أنه لو وقف نصف الحمام يجوز وإن كان مشاعاً، وأما الشيوع فيما يحتمل القسمة هل يمنع صحة الوقف؟ ففيه خلاف، على قول محمد يمنع ...... وعلى قول أبي يوسف لايمنع". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷۷۵/۵، قديمى)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۳۴/۴، ۳۳۸، سعيد)

"وهو في الشرع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: حبس العين على ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة ...... وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم ولايباع، ولا يوهب، ولا يورث". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

وقف کر کے رجوع کرنا

سوال[۱۰۷۳۵]: ایک شخص نے اپنا مکان ایک دینی ادارہ کے لئے زبانی طور پر وقف کیا، مگر کوئی تحریری کارروائی عدالت میں اب تک نہیں ہوئی، صورت مذکورہ میں زبانی وقف کو واپس لے لینا واقف کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کے لئے شرعاً تحریر ضروری نہیں، زبانی بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے، اگر اس شخص نے مکان اپنی ملک سے نکال کر دینی ادارہ کو دے دیا، اپنا قبضہ اٹھا کر متولی کے حوالہ کر دیا، تو شرعاً یہ وقف صحیح معتبر لازم ہو گیا، اب اس سے رجوع کرنے اور مکان کو اپنی ملک میں واپس لینے کا حق نہیں رہا، وہ مکان مملوک نہیں ہو سکتا۔

"وشرطه: شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف، وأن يكون قربة في ذاته منجزاً، والملك يزول عن الموقوف بأربعة: بإفراز مسجد، وبقضاء القاضي أو بقوله: وقفتها في حياتي وبعد وفاتي، ولا يتم الوقف حتى يقبض، لم يقل للمتولي ...... لأن تسليم كل شيء بما يليق به ففي المسجد بالإفراز، وفي غيره بنصب المتولي وبتسليمه إياه. فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولايعار ولا يرهن اهـ" درمختار(۱)۔

"اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول، قوله: فإذا تم ولزم، لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد: لايتم إلا بالقبض والإفراز والتأبيد لفظاً، وعند أبي يوسف بالتأبيد فقط

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰-۳۴۸، سعيد)

"(وإذا صح الوقف) أي: إذا لزم الوقف على حسب الاختلاف في سبب اللزوم (فلا يملك) أي: لا يكون الوقف ملوكاً لأحد (ولا يملك) أي: لايقبل التمليك لغيره بوجه من الوجوه". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

ولو معنی کما علم مما مر. قوله لایملك أي: لایکون مملوکاً لصاحبه ولا یملك أي: لایقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه لا یعار ولا یرهن لاقتضائهما الملك" اهـ شامي نعمانیة: ۳۹۷/۳(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۳۰ھ۔

باغ کو وقف کرکے اس کی زمین سے خود نفع اٹھانا

سوال[۱۰۷۳۶]: ایک شخص نے اپنا قلمی باغ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ کو ہبہ کردیا ہے اور اس کا متولی خود ہے، اس میں اس کو اپنا مردہ دفن کرنا یا اس کی ڈالی کھانا یا اس کی لکڑی کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس باغ کو دوسرے باغ میں شامل کرکے فروخت کرکے خود قیمت علیحدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس زمین اور باغ کو اپنی ملک سے خارج کردیا اور مسجد یا مدرسہ کے لئے شرعی قاعدے کے موافق وقف کردیا، تو اب اس زمین میں اپنے مردے کو دفن کرنا یا باغ کی لکڑی اپنے کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اگرچہ وہ خود ہی متولی ہو(۲)۔ فقط۔

وقف زمین پر غاصبانہ قبضہ

سوال[۱۰۷۳۷]: مدرسین میں سے ایک کے والد اور بڑے بھائی نے جو اس وقت انتقال کرچکے ہیں، کچھ زمین مدرسہ کے نام وقف کررکھی تھی، بیس سال سے اس زمین کی آمدنی مدرسہ میں آتی رہی، اب اس

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"ویزول ملکه بمجرد القول عند أبي یوسف، وعند محمد: لا مالم یسلمه إلی ولي، وبقول أبي یوسف یفتی للعرف". (الدرالمنتقی في شرح الملتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۷۰/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول في تعریفه ورکنه ...... الخ: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان: "وقف کرکے رجوع کرنا"۔

www.besturdubooks.net

مدرس نے جس کے والد نے زمین مدرسہ میں دی تھی، مدرسہ سے علیحدہ کرنے کی بناء پر اس زمین کی آمدنی اور زمین بھی غصب کرلی ہے، آیا ان کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاشبہ یہ غصب ہے اور سخت گناہ ہے(۱)، اس زمین کو واگذار کرنے کی پوری کوشش کی جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

وقف سے مالکانہ قبضہ ہٹانے کی کوشش کرنا

سوال [۱۰۷۳۸]: ۱.....یہاں قصبہ کاندھلہ میں اب سے تقریباً ۲۶/ سال قبل ایک بڑے رئیس نے اپنی صحرائی جائیداد یہاں کے مقامی مدرسہ نصرت الاسلام کے لئے پانچ بزرگوں کی تولیت میں مجھے سوروپے کے اسٹام پر وقف کردی تھی، جو متولی مقرر کئے گئے تھے ان میں دو کا انتقال ہو چکا ہے، ایک جوان معاملات سے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لايأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوّقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ ...... وقال عليه الصلاة والسلام: "لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۶، ۱۷۹، سعيد)

(۲) "قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف أي: قيم الوقف فهو غاصب ويخرج من يده".

(المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون......: ۷/۱۱۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لو أنكر المتولي الوقف، وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۴۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

زیادہ واقفیت رکھتے تھے، پاکستان چلے گئے اور ایک سرپرست انتہائی ضعیف ہوگئے، ایک متولی جو اُن کے منتظم تھے، انہوں نے حکام کو کچھ رشوتیں دے کر ایک جعلی وصیت نامہ کی بناء پر اپنے بیٹے اور داماد کے حق میں داخل خارج کا حکم حاصل کرلیا، وقف نامہ منسلک ہے، عرض یہ ہے کہ اس موقوفہ باغ کا پھل علم ہونے کے بعد کہ یہ باغ وقف ہے اور متولی موجودہ اس کو بحیثیت متولی فروخت نہیں کررہا ہے، بلکہ مالک کی حیثیت سے فروخت کررہا ہے اور اس کا قبضہ غاصبانہ اس پر ہے، تو اس کا پھل کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

ایک عالم صاحب اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتلاتے ہیں اور ایک صاحب جس کے سامنے وقف ہوا اور ان کو اس کا پورا پورا علم ہے، وہ اس کا پھل خرید کر کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے جائز ہے۔

۲......قانونی اعتبار سے اگر اہلِ قصبہ کوشش کریں تو وقف مذکورہ متولی کے ناجائز قبضہ سے نکل سکتا ہے، تو کیا اہلِ قصبہ کو اس میں کوشش کرنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو عالم اس کے پھل کھانے کو ناجائز بتلاتے ہیں، وہ مطلقاً ناجائز بتلاتے ہیں اور مالِ مغصوب کا حکم بھی یہی ہے(۱) اور جو عالم جائز بتلاتے ہیں وہ اپنے لئے جائز بتلاتے ہیں، غالباً مطلقاً جائز وہ بھی نہیں بتلاتے، تو ان کو خصوصیت حاصل ہوگی، جس سے نفسِ مسئلہ پر اثر نہیں پڑے گا، خصوصیت کیا ہے، جب تک وہ

---

(۱) "رجل اشترى بالدراهم المغصوبة طعاماً ...... إن أضاف الشراء إلى الدراهم المغصوبة ونقد الثمن منها يكره له أن يأكل ويؤكل غيره ...... رجل دخل على سلطان فقدم إليه شيء من المأكولات قالوا ...... إن هذا الرجل إن كان يعلم أنه غصب بعينه، فإنه لايحل له أن يأكل من ذلك". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، مايكره أكله ومالايكره: ۳/۴۰۰، رشيديه)

"وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه مادام قائماً لقوله عليه السلام "على اليد ما أخذت حتى ترد، وقال عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعبا ولاجاداً، فإن أخذه فليرده عليه". (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وبخلاف منافع الغصب استوفاها أو عطلها فإنها لاتضمن عندنا ...... إلا في ثلاث: أن يكون المغصوب وقفاً للسكنى أو للاستغلال أو مال يتيم......". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۶، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

سامنے نہ آئے تو اس کے متعلق کیا تحریر کیا جائے، ناجائز ہونا خود ہی واضح ہے۔

۲...... ضرور کرنی چاہیے، استخلاص وقف عن الغاصب لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۹۱ھ۔

کیا موقوفہ زمین پھر مملوکہ بن سکتی ہے؟

سوال[۱۰۷۳۹]: حاجی عبدالواحد چار بھائی تھے، دو بڑے بھائی رحمت اللہ وعبدالحفیظ کا انتقال ہوگیا اور والد کا انتقال ۸/ جنوری ۱۹۲۷ء کو ہوا۔ محلہ کے قریب عام قبرستان سے ملحق ایک پرانی اراضی تھی، اس میں اول والدہ کے بعد والد کو دفن کیا گیا، چاروں بھائیوں نے مشورہ کرکے زمین کو اس پرانی اراضی کی قیمت مبلغ دوسو روپے ادا کرکے خرید لیا، اس خیال سے کہ کچھ حصہ میں مدفون ہیں، اس کو ذاتی قبرستان بنالیا جائے، چنانچہ بڑے بھائی عبدالحفیظ کے نام سے ۱۹۲۸ء میں نقشہ پاس کرا کر بموجب نقشہ مسجد تعمیر ہوئی اور اس سے ملحق مسجد کی دو کوٹھری تعمیر ہوئی اور ذاتی قبرستان ومسجد کے احاطہ کی ایک ہی باؤنڈری بنادی گئی، مسجد میں باقاعدہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ذاتی قبرستان میں سائل کے والدین کے علاوہ بھائی اور خاندان کے دیگر لوگ مدفون ہیں، مسجد وذاتی قبرستان دونوں الگ الگ ہیں، باؤنڈری صرف ایک ہے، ذاتی قبرستان ومسجد کی زمین کی قیمت زمیندار کو دوسو روپے ادا کردی گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ مسجد وغیرہ تعمیر ہونے کے قبل اس وقت جو عام قبرستان کے نگراں تکیہ دار تھے

---

(۱) "أنكر متولي الوقف، وادّعى أنه ملكه يصير غاصباً له، ويخرج من يده، لصيرورته خائنا بالإنكار".

(تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف، فصل في أحكام النظار: ۱/ ۲۳۰، حقانيه پشاور)

"قال الخصاف في وقفه: إذا أنكر والي الوقف، أي: قيم الوقف الوقف فهو غاصب، ويخرج من يده، فإن نقص منها بعد الحجر فهو ضامن". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوي والخصومات: ۷/ ۱۱۲، حقانيه كوئٹه)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى الرجل وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۲/ ۴۴۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

نادرشاہ، جواہرشاہ ان سے بھی مسجد وذاتی قبرستان بنانے کو کہا گیا، توانہوں نے اس کی تعمیر کی اطلاع پاکر خوشی کا اظہار کیا، اس کے بعد مسجد وغیرہ تعمیر کی گئی، عرصہ ہوا نادرشاہ جواہرشاہ کا انتقال بھی ہوگیا، اب ان کے وارثان نذر علی وثابت علی وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ مسجد ومسجد کا حجرہ اوراس کی باؤنڈری مع ذاتی قبرستان کے سب ہماری ملکیت ہے، چونکہ اراضی کے نمبران کا غذات پٹواری میں ہمارے نام سے درج ہیں، ہراس کے سپردار بحیثیت موروثی مالک ہیں، مسجد وغیرہ سب غصب کی زمین پر ہے، معاملہ کورٹ میں ہے، اب آپس میں طے ہوا کہ ازروئے شرع جو حکم ہواس پر عمل کریں۔

جواب طلب یہ امر ہے کہ مسجد ومسجد کی کوٹھری احاطہ وملحقہ ذاتی قبرستان سب غصب کی زمین پر زمیندار کو زمین کی قیمت جوادا کی گئی، وہ بیع صحیح وکافی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مملوکہ زمین مالک سے خریدی اور بیع تام ہوکر اس پر مسجد بنائی اور کچھ زمین کو ذاتی قبرستان (غیر موقوفہ) بنایا، تو بلاشبہ وہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اس میں جو نماز جمعہ وغیرہ ہوتی رہی ہے سب درست ہے(۱)، جو محافظ نگراں وہاں رہتا تھا اس کی خوشی وعدم خوشی کو اس میں کوئی دخل نہیں (۲)، بیش از بیش وہ معاوضۂ حفاظت کا

---

(۱) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل بقوله: جعلته مسجداً عند الثاني، وشرط محمد والإمام الصلاة فيه". (الدرالمختار). "حتى إذا بنى مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"وإذا بنى مسجداً لايصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد لا يباع، ولا يوهب، ولايرهن، ولا يورث، أو فتح الباب، وأذن فيه، وأقيم وأذن للناس بالدخول فيه عامة فيصير مسجداً، إذا صلى بجماعة فيه ...... وفي رواية عن أبي حنيفة: إذا صلى واحد فيه بإذنه يصير مسجداً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۴۰/۵، قديمي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۷/۵، رشيديه)

(۲) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الأملاك: ۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، =

www.besturdubooks.net

حق دار تھا، اگر اس سے کوئی معاملہ کیا گیا تھا، ورنہ اس کے ذمہ حفاظت لازم نہیں تھی نہ وہ مستحق معاوضہ تھا(۱)، اب اس کے ورثاء کا کوئی دعویٰ قابل سماعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زیادہ آمدنی کے واسطے وقف زمین پر کھیتی لگانا

سوال[۱۰۷۴۰]: ۱......زید نے ایک اراضی ایک مسجد کے مصارف کے لئے وقف کی، ان مصارف کی تفصیل اس طرح کی کہ اس کی آمدنی امام کی تنخواہ، فرش، جھاڑو، مرمت مسجد وغیرہ پر صَرف کی جائے، کچھ عرصہ بعد اس پر دیسی آم کا باغ لگا دیا گیا، چونکہ وقت کافی گزر گیا ہے اور درخت پُرانے ہوگئے ہیں، جس پر فصل بہت کم آتی ہے، جس کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، تو کیا ان درختوں کو کاٹ کر اس پر کاشت کے لئے مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی فاضل آمدنی سے مکتب قائم کرنا

سوال[۱۰۷۴۱]: ۲......شیئرز خرید کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شیئرز کی خریداری کے بعد مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوجائے گا، تو کیا اس رقم سے ایک مکتب جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تاکہ مسجد کی حفاظت ہوتی رہے، اگر مکتب جاری نہ کیا گیا تو فاضل رقم کے مصارف کیا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......واقف نے اراضی وقف کی تھی، متولی خیر خواہ نے اس پر آم لگا دیئے، تاکہ آمدنی زیادہ ہوجائے،

= مطلب في تعریف المال والملک: ۵۰۲/۴، سعید)

(۱) "وأما رکنها فالإیجاب والقبول بالألفاظ الموضوعة في عقد الإجارة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول في تفسیر الإجارة ...... الخ: ۴۰۹/۴، رشیدیه)

"ولا یستحق المشترک الأجر حتی یعمل کالقصار ونحوه". (الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۶۴/۶، سعید)

"تنعقد الإجارة بالإیجاب والقبول کالبیع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثاني، الفصل الأول في مسائل رکن الإجارة: ۴۹۸/۱، رقم المادة: ۴۳۳، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

اب پھل کم آنے کی وجہ سے آمدنی کم ہوگئی اور درختوں کو کٹوا کر کھیتی کے لئے اراضی کو خالی کرانے میں زیادہ آمدنی کا ظن غالب ہے تو اصحاب الرائے سے مشورہ لے کر اس کی اجازت ہے(۱)۔ درختوں کی قیمت مسجد کے ہی ان مصارف میں صَرف کی جائے، جن کے لئے اراضی وقف کی گئی تھی (۲)، قیمت زیادہ وصول ہو تو کوئی دوسرا جائز ذریعہ آمدنی بھی خریدا جاسکتا ہے(۳)۔

۲......ایسی آمدنی سے مستقل مکتب جاری کرنے کی اجازت نہیں (۴)، البتہ اگر بغیر مکتب کے مسجد کی

---

(۱) "وإنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"وإذا أراد القيم أن يبني فيها قرية ليكثر أهلها، وحفاظها، ويحرث فيها الغلة لحاجته إلى ذلك، كان له أن يفعل ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

"وإن أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها بالإجارة لايكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع، ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۱/۵، رشيديه)

(۲) "في الحاوي: غرس في المساجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها، وإن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۱/۵، ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴۳۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات ...... الخ: ۴۷۷/۲، رشيديه)

(۳) "المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۶/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(۴) "وإن اختلف أحدهما بأن بني رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً =

www.besturdubooks.net

نگرانی وحفاظت نہ ہوسکے، تو امام ومؤذن ہی ایسے رکھے جائیں، جو تعلیمی خدمات بھی انجام دیں اور ان کے وظیفہ ومشاہرہ میں اضافہ کردیا جائے (۱)۔ آمدنی پھر بھی زیادہ رہے کہ مسجد کو اس کی نہ اب ضرورت ہے نہ آئندہ متوقع ہے، نہ آمدنی کی حفاظت ہوسکتی ہے تو پھر دوسری ضرورت مند مسجد میں بمشورہ صَرف کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مخنث کا خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ مسجد کے لئے مکان وقف کرنا

سوال [۱۰۷۴۲]: ۱..... زید کا پیشہ ناچ گانا ہے، بعد میں مخنث بھی ہوگیا، اسی آمدنی کا اس کا ایک

= لایجوز له ذلک". (الدرالمختار). "أي الصرف المذکور". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف: ۲۶۱/۶، رشیدیه)

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

"والذي یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أو لا، ثم ماهو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة، کالإمام لمسجد". (البحرالرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمنتقی في شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر إلیه". (الدرالمختار). "وفي شرح الملتقی: لأقرب مجانس لها". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعید)

"ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء بماله لا من مال الوقف فإنه حرام. وضمن متولیه لو فعل، إلا إذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدرالمختار).

"(قوله: إلا إذا خیف) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد وهو مستغن عن العمارة، وإلا فیضمنها". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۶۵۸/۱، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۹۶/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

www.besturdubooks.net

مکان ہے جو مسجد میں وقف کرنا چاہتا ہے، از روئے شریعت یہ مکان مسجد میں وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا دوسرا شخص خرید کر مسجد میں وقف کرسکتا ہے؟

۳..... مسجد کی آمدنی سے خرید کر وقف ہوسکتا ہے؟

الجواب باسمه تعالیٰ حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک طیب ہے، وہ طیب ہی کو قبول کرتا ہے، حرام مال اس کی بارگاہ میں قبول نہیں، نہ خریدنے کی صورت میں نہ وقف کی صورت میں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۵ھ۔

مساجد، مدارس اور قربانی وغیرہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کرنا

سوال[۱۰۷۴۳]: واقف نے جائیداد وقف کر کے وقف نامہ میں منشاء وقف اس طرح سے رکھا کہ میری جائیداد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راہِ خدا میں وقف ہے اور کسی قرضہ وڈگری میں فروخت اور نیلام نہ ہوسکے

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها، كما يربي أحدكم فلوه، حتی تكون مثل الجبل". (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب: ۱۸۹/۱، قديمي)

"قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم فتناول من الكعبة حجرا، فوثب من يده حتی رجع إلی موضعه، فقال: يا معشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لايدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۲۰۵/۱، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

"(قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالیٰ طيب لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لايقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلا ومايكره فيها: ۲۷۸/۱، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

گی اور اس کی آمدنی سے امورِ خیر جاری رہیں گے اور واقف کی اور اس کے بزرگوں کی روح کو ثواب ملتا رہے گا، تفصیل امورِ خیر:

۱- امدادِ ذوی القربیٰ غیر مستطیع میں، پچاس روپے سالانہ۔

۲- بموقع عید الضحیٰ قربانی برائے حضورِ اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وواقف وزوجہ واقف ووالد واقف ووالدۂ واقف، پچاس روپے سالانہ۔

۳- ضروریاتِ مساجد میں صف، لکڑی وغیرہ میں، پچاس روپے سالانہ۔

۴- برخورداری فلاں جس کو واقف نے مثل اولاد کے پرورش کیا ہے، سینتالیس روپے۔

۵- ہمشیرہ گان کی تجہیز وتکفین امداد لاوارث میں، پانچ روپے سالانہ۔

۶- جن مدارس میں ضرورت ہو، پندرہ روپے سالانہ۔

۷- مدرسہ فلاں میں، پچاس روپے سالانہ۔

۸- بشرطِ گنجائش ہر ۵ سال بعد واقف کے لئے ایک حج بدل۔

۹- برخورداری کی برادرزادی کو۔

مندرجہ بالا مدات میں وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امورِ مذکورہ سب باعثِ اجر وثواب ہیں، ان میں خرچ کے لئے وقف کرنا شرعاً معتبر ہے(۱)، اگر کسی وقت ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہے، ختم ہوجائے تو اس فرد کا حصہ دیگر مدات ومصارفِ خیر میں صَرف

---

(۱) "(وشرطه شرط سائر التبرعات) كحرية وتكليف وأن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله أن يكون قربة في ذاته) أي: بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، والمراد بأن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربة حملاً على أنه قصد القربة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ...... الخ: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۸ھ۔

ایک تفصیلی وقف نامہ کا تجزیہ

سوال[۱۰۷۴۴]: زید نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ ایک دینی مدرسہ کے نام وقف کیا اور وقف نامہ میں تحریر فرمایا:

''میری عمر زائد از ستر سال ہے، عمر طبعی کو یہ پہونچ چکی ہے، حیات مستعار ناپائیدار کا کچھ اعتبار نہیں، مشیت ایزدی سے میری اولاد میری ہی زندگی میں فوت ہوگئی، میرا کوئی وارث باقی نہیں ہے، بحالت صحت نفس و درستی حواس خمسہ، برضاء و رغبت اپنی دلی خواہش کے ماتحت، بلا بہکائے سکھائے غیرے، بخوشی خاطر، اپنی مملوکہ مقبوضہ کو وقف الی اللہ میں منحصر کرتا ہوں اور اپنے قبضہ مالکانہ سے نکال کر قبضہ حق خداوند تعالیٰ مالک دو جہاں میں دے کر بعد ازاں اپنے قبضہ متولیانہ لے لیا۔

چونکہ میری بسر اوقات آمدنی اسی جائیداد پر ہے، اس لئے میں منافع سے اپنی گزر کے لئے حسب ضرورت خرچ کرتا رہوں گا اور مبلغ پانچ روپیہ سالانہ مدرسہ کو ادا کرتا رہوں گا اور یہ کہ بعد وفات میرے مدرسہ کا مہتمم وکار پرداز بجائے میرے بحیثیت متولی ومہتمم اپنے تحت وتصرف میں لے کر اس کی کل آمدنی تعظیم دینیات ہر شعبہ، نیز ضروریات طالب علمانہ، مدرسہ میں مناسب طور پر صرف کرا کر اس کا ثواب میرے اور میری اولاد متوفی اور میرے

---

(۱) "رجل وقف أرضاً علی أولاده وجعل آخره للفقراء، فمات بعضهم قال هلال رحمه الله تعالیٰ: يصرف الوقف إلی الباقي، فإن ماتوا يصرف إلی الفقراء، ولو وقف علی أولاده وسماهم ...... وجعل آخره للفقراء فمات واحد منهم، يصرف نصيب هذا الواحد إلی الفقراء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السابع في الوقف علی الأولاد: ۵/۵۲۳، قديمی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۷/۱۵۰، ۱۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

بزرگان کی روح کو پہونچاتے رہیں۔ الحاصل ان تمام شرائط مذکورہ بالا کے ماتحت جائیداد موقوفہ اور اس کی آمدنی تمام وکمال بکارِ خیر ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور وہ کسی صورت سے بجائے دیگر منتقل نہیں ہو سکے گی اور یہ کہ میری جائیداد موقوفہ مذکورہ بالا پر میرے کسی عزیز واقرباء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اس واسطے یہ وقف نامہ بغرض خوشنودی خدا اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھ دیا تا کہ سند رہے''۔

نوٹ: وقف نامہ ۴/ مارچ ۵۹ء کو تحریر ہوا اور یہ ۴/ مارچ ۵۹ کو رجسٹری ہوا، ۱۴/ جون ۶۷ء کو انتقال ہوا، انتقال کے وقت ان کے نواسہ اور نواسیاں باقی تھیں، جو باقی جائیداد پر قابض ہیں، اس درمیان مدت میں آٹھ سال ساڑھے چار ماہ میں متولی واقف نے تین مرتبہ مبلغ ۶۹ روپیہ مدرسہ میں بمد وقف جمع کیے، جس کی رسید سلسلہ وار واقف کو دی گئی اور سالانہ حساب میں اسی طرح طبع کیا گیا، جو متولی واقف کے پاس پہونچا، وقف نامہ کی تحریر کے وقت واقف موقوفہ جائیداد کے علاوہ اور چند جائیداد کے مالک تھے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ:

۱...... مندرجہ بالا وقف کو جس کا نفاذ ہو چکا، کسی کو کالعدم کرنے کا حق پہونچتا ہے؟

۲...... اگر متولی واقف سے بجائے پانچ روپیہ سالانہ کے علی الحساب رقومات جمع کی ہوں، جو مقررہ مقدار سے کچھ زائد ہوں، تو کیا اس سے وقف نامہ پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

۳...... کیا مہتمم مدرسہ کو جس کو واقف نے اپنی حیات کے بعد متولی وقف بنایا ہے حق حاصل ہے کہ وقف سے دست بردار ہو جائے، یا ان کے کسی رشتہ دار کو کوئی چیز اس سے لیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ وقف شرعاً معتبر ہے، کسی کو اس کے کالعدم کرنے کا حق نہیں (۱)۔

---

(۱) "وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ...... فيلزم فلا يجوز له إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۳۹/۴، سعيد)

"إذا تم ولزم لايملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن".

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله لايملك) لايكون مملوكاً لصاحبه ولا =

www.besturdubooks.net

۲......کچھ اثر نہیں پڑتا(۱)۔

۳......متولی کو جب کہ واقف نے اپنے بعد کے لئے نامزد کردیا ہے، تو اس کی تولیت معتبر ہے(۲)، اب اس کو دستبردار ہونے کا حق نہیں، الا یہ کہ مدرسہ کے اہتمام سے ہی دست بردار ہوجائے تو پھر جو بھی مدرسہ کا مہتمم ہوگا، وہ اس وقف کا بھی متولی ہوگا(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف مؤبد و مؤقت

سوال[۱۰۷۴۵]: عریضہ ہذا کے ساتھ جناب والا کا جواب نمبر ۲۱۱ الف منسلک ہے، احقر کو آنجناب کے جواب میں تأمل ہے، کیونکہ وقف کی شرائط میں سے تأبید ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ومنها التأبيد وهو شرط مع قول الكل": ۳۱٦/۲(٤).

= بملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه؛ لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) متولی وقف نے مقررہ مقدار سے جتنی رقم زائد دی ہے، وہ اپنی خوشی سے دی ہے، اس سے وقف نامہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۲) "ولو جعل الواقف ولاية الوقف إلى رجل، كانت الولاية له كما شرط الواقف". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۴۰/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵۰۳/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۹/۲، رشيديه)

(۳) "وإذا أراد أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته لايجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۸۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۱۲/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في ولاية الوقف: ۵۰٦/۵، قديمي)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ...... الخ: ۳۵٦/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

شامی میں ہے:

"أما التأبيد معنى فشرط اتفاقاً على الصحيح، وقد نص عليه فحققوا المشايخ. قلت: ومقتضاه أن المقيد باطل اتفاقاً": ٣/٥٦٤(١).

اور دستاویز کے نمبر ۲و۳ تابید کے خلاف ہیں اور آنجناب نے نمبرا کے پیش نظر دوام سمجھ کر جواب دیا ہے، حالانکہ نمبر ۲و۳ سے تأبید باطل ہوجاتی ہے، پس دستاویز دوام سے مراد دوام بدوام المدرسہ ہے، جوتابید کے خلاف اور باطل وغیر معتبر ہے اور اس سلسلہ میں فتاویٰ قاضی خان کا یہ جزئیہ بھی بطور نظر کے ملاحظہ ہو:

"ولو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً، فإذا مضى شهر فالوقف باطل كان الوقف باطلاً في الحال"(٢): ٤/٢٧٠.

اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دستاویز مذکور جیسی صورت کو عدم تأبید سمجھا ہے، جس کی تشریح امدادالفتاویٰ میں مذکور ہے، جس کا سوال وجواب بالاختصار درج ذیل ہے:

سوال: اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی، جب تک کہ یہ عمارت قائم رہے، تب تک ہائی اسکول مذکور مالک ہوگا، بصورت قائم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثان ہبہ کنندگان کو پہونچے گی۔

الجواب: في الدرالمختار: وإذا وقته بشهر أو سنة بطل اتفاقاً در. وفي "ردالمحتار": هذا إذا شرط رجوعه بعد الوقت ...... أما إذا شرط رجوعه إليه بعد مضي الوقت فقد أبطل التأبيد، فيبطل الوقف. وبعد أسطر هكذا، لو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة شهراً فإذا مضى شهر فالوقف باطل ...... باطل مطلقاً كما علمت آنفاً"(: ٣/٣٦٦، ٣٦٧)(٣).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے۔

(١) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب التأبيد معنى شرط اتفاقاً: ٣٤٩/٤، سعيد)

(٢) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ٣٠٤/٣، رشيديه)

(٣) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٥١/٤، سعيد)

www.besturdubooks.net

"والتوقيت بانقطاع السكول كالتوقيت بالشهر والسنة لاشتراك العلة، وهي إبطال التأبيد وهو ظاهر: ۲/۶۲۱"(۱)۔

ان تحریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دستاویز کے نمبر ا میں دوام سے مراد دوام بدوام المدرسہ ہے، نہ کہ مطلق دوام، امید ہے کہ احقر کے تردد و خلجان کو دور فرما کر اسے ممنون فرمائیں گے۔

الجواب از دیوبند:

ہر وہ چیز جو مدرسہ کے لئے دی جائے یا حاصل کی جائے، ان سب کو وقف نہیں تصور کرنا چاہیے، صورت مسئلہ میں معطی (حاجی عبدالحمید صاحب) کی تحریر دستاویز تملیک نامہ میں لفظ ''وقف'' موجود نہیں، دارالعلوم کے مذکورہ فتویٰ میں بھی لفظ ''وقف'' موجود نہیں، پھر فقہاء کی عبارات متعلقہ وقف کو اس فتوے کے معارض قرار دینا بے محل اور بنیادی طور پر غلط ہے، چونکہ بعض اہل علم اور اہل قلم حضرات کو دارالعلوم کے اس فتوے پر خلجان اور شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ وقف کی شرط تابید کے خلاف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے، ورنہ وقف ہی بالاتفاق باطل ہوگا، اس لئے ضمنی طور پر اس کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ہے۔

عامۂ کتب فقہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے اور بعض کتب میں اس پر اتفاق بھی نقل کیا گیا ہے(۲)، لیکن ذرا وسعت و امعان نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ذکر تابید میں ہی اختلاف نہیں، بلکہ نفس تابید میں اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقف مؤقت کو بھی جائز اور صحیح فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز

---

(۱) (إمداد الفتاوى، كتاب الوقف: ۲/۶۲۱، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "ومنها التأبيد وهو شرط على قول الكل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۶، رشيديه)

"وأما التأبيد معنى فشرط اتفاقاً على الصحيح، وقد نص عليه، فحققوا المشايخ، وقلت: ومقتضاه أن المقيد باطل". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم اهـ"(١).

پھر طرفین کی دلیل لکھنے کے بعد لکھا ہے:

"ولأبي يوسف رحمه الله تعالیٰ: أن المقصود هو التقرب إلى الله تعالىٰ وهو موفر عليه؛ لأن التقرب تارة يكون في الصرف إلى جهة تنقطع، ومرة بالصرف إلى جهة تتأبد فيصح في الوجهين اهـ"(٢).

اس کے بعد شرط تأبید کے اجماعی ہونے کو "قیل" سے بصیغۂ تمریض نقل کیا ہے۔

"وقيل: إن التأبيد شرط بالإجماع" اهـ(٣).

موقوف علیہ اگر جہت مؤبدہ نہ ہو، بلکہ منقطعہ ہو تو وقف صحیح ہو جانے کے بعد اس کے متعلق بعد انقطاع موقوف علیہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ آمدنی وقف کو فقراء پر صرف کیا جائے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ وقف ملکِ واقف یا ورثائے واقف کی طرف عود کرے گا، اگر واقف یہ شرط کرلے کہ موقوف علیہ زندہ رہتے ہوئے بھی اگر حاجت مند نہ رہے، تو وقف واقف کی جانب سے لوٹ آئے گا تو یہ شرط بھی معتبر ہے۔

"إنه يتوسع في أمر الواقف فلا يشترط التأبيد، واشتراط العود إلى الورثة عند زوال حاجة الموقوف عليه لا يفوت العقد عنده اهـ"(٤).

پس خود موقوف علیہ کے ختم ہونے پر عود کی شرط بھی جائز ہے۔

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ: إذا وقف على رجل بعينه جاز،

---

(١) (الهداية، كتاب الوقف: ٢٣٩/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وقال أبو يوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز، وصار بعدها للفقراء، ولو لم يسمهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ٣٣٠/٥، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الكلام على اشتراط التابيد: ٣٤٨/٤، سعيد)

(٢) (الهداية، كتاب الوقف: ٢٣٩/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٣) (الهداية، كتاب الوقف: ٢٣٩/٢، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٤) (فتح القدير، كتاب الوقف: ٢١٤/٦، مصطفى البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

وإذا مات الموقوف عليه رجع الوقف إلى ورثة الواقف، قال: وعليه الفتوىٰ، وإذا عرف عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ جواز عوده إلى الورثة، فقد يقول في وقف عشرين سنة بالجواز؛ لأنه لافرق أصلاً، ومنها ما ذكر في البرا مكة قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء، قال في الأجناس: فحصل عنه روايتان اهـ".

یہ سب بحث مع قول امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، فتح القدیر: ۵/ ۴۸، میں موجود ہے(۱)۔

"والحاصل: أن عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في التأبيد روايتين: في رواية: لا بدمنه، وذكره ليس بشرط، وفي رواية: ليس بشرط، ويفرع على روايتين: ما لو وقف على إنسان بعينه وعليه وعلى أولاده أو على قرابته، وهم يحصون، أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه، فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف، وعليه الفتوىٰ كما في الفتح وغيره، وعلى الثاني يصرف إلى الفقراء وإن لم يسمهم وهذا الصحيح عنده اهـ" (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۷۳)(۲).

فتاویٰ قاضی خان سے آپ نے عبارت نقل کی ہے، اس کے قریب ہی یہ بھی موجود ہے:

"رجل وقف داره يوماً أو شهراً أو وقتاً معلوماً، ولم يزد على ذلك جاز الوقف، ويكون الوقف مؤبداً اهـ" (فتاویٰ قاضي خان بر حاشیہ عالمگیری مصری: ۳/ ۳۰۴)(۳).

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے، احوط ہے، اسہل ہے، انفع ہے، مفتیٰ بہ ہے۔

"ولا يتم حتى يقبض ويجعل آخره لجهة لاتنقطع، هذا بيان شرائط

---

۱) (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۱۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

۲) (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

۳) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في مسائل الشرط في الوقف: ۳/ ۳۰۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الخاصة على قول محمد رحمه الله تعالىٰ ؛ لأنه كالصدقة، وجعله أبويوسف كالإعتاق، واختلف الترجيح، والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر. وفي الدرر وصدر الشريعة: وبه يفتي وأقره المصنف اهـ"(۱) (درمختار والمسئلة مذكورة مبسوطة في ردالمحتار: ۳/۳٦٦(۲٥)، والبحر الرائق(۳)، وشرح المبسوط للسرخسي: ۱۲/٤۱(٤)، ودر منتقى شرح ملتقى: ۱/۷٤۲(٥).

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۸-۳۵۱، سعيد)

(۲) "ذكر في البزازية: أن عن أبي يوسف في التأبيد روايتين الأولىٰ: أنه غير شرط حتى لو قال: وقفت على أولادي ولم يزد جاز الوقف، وإذا انقرضوا عاد إلى ملكه لو حياً وإلا فإلى ملك الوارث، والثانية: أنه شرط لكن ذكره غير شرط حتى تصرف الغلة بعد الأولاد إلى الفقراء، ومقتضاه أنه على الرواية الأولىٰ يصح كل من الوقف والتقييد، وعلى الثانية يصح الوقف ويبطل التقييد". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۹، سعيد)

(۳) "وأما الثالث: وهو أن يجعل آخره لجهة لاتنقطع فهو قولهما، وقال أبويوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء، ولو لم يسمهم ...... وقيل: التأبيد شرط بالإجماع، إلا أن عند أبي يوسف لا يشترط التأبيد ...... والحاصل: أن عن أبي يوسف في التأبيد روايتين: في رواية: لابد منه وذكره ليس بشرط وصححه، وفي رواية: ليس بشرط ...... الخ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۰-۳۳۱، رشيديه)

(۴) "ومما توسع فيه أبويوسف – رحمه الله تعالىٰ – أنه لايشترط التأبيد فيها، حتى لو وقفها على جهة يتوهم انقطاعها يصح عنده، وإن لم يجعل آخرها للمساكين، ومحمد رحمه الله تعالىٰ يشترط التأبيد فيها فقال: إذا كانت الجهة بحيث يتوهم انقطاها لاتصح الصدقة إذا لم يجعل آخرها للمساكين ...... الخ". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۲/۴۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۵) "(واعلم أنه شرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد عندهما، وعند أبي يوسف: يصح بدونه وإذا انقطع صرف إلى الفقراء) وهذا بيان لشرائطه الخاصة فجعلاه كصدقة، وجعله أبويوسف كالإعتاق، واختلف الترجيح والإفتاء، والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل كما في المنح عن البحر، وبه يفتى كما في الدرر، وصدر الشريعة، وفي فتح القدير أنه أوجه عند المحققين". (الدرالمنتقى على هامش مجمع =

www.besturdubooks.net

نیز شرح سیر کبیر: ۲۷۷/۲، میں ہے:

"وعند أبي یوسف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ یجوز مؤقتاً ومؤبداً اھ"(۱)۔

پس اگر دستاویز تملیک نامہ مذکور کو وقف نامہ ہی قرار دیا جائے، تب بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر یہ درست ہے اور دستاویز کی دفعہ الف کے تحت دوام سے مراد مقید بدوام المدرسہ ہی لیا جائے، تب بھی یہ قید ان کے نزدیک معتبر ہے اور جب تک مدرسہ بدر الاسلام موجود ہے، اس کی واپسی کا حق نہیں کوئی چیز دے دینے کے بعد مطلق دی ہو یا مقیداً اس کا واپس لینا قبیح وشنیع بھی ہے، وعدہ خلافی کی مذمت بھی کچھ کم نہیں۔

تنبیہ: تحریر دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ معطی کا مقصود واپس لینا نہیں تھا، اس نے لکھا ہے "اگر خدانخواستہ مدرسہ بدر الاسلام نہ رہے تو الخ" بلکہ یہ شق محض احتمال کے طور پر لکھا ہے تا کہ اس زمین پر غیر مستحقین کا غلط قبضہ نہ ہو جائے۔

تنبیہ ۲: اگر اصل واقعہ موجودہ سوال سے مختلف ہو، تو جواب بھی دوسرا ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

العبد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= الأنهر، كتاب الوقف: ۵۷۵/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (شرح كتاب السير الكبير، باب الوصية بالمال في سبيل الله، والحبس في الحياة والصحة: ۲۷۵/۵، عباس أحمد الباز)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱۰/۱، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: آية المنافق ثلاثة: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، إذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

خانقاہ نام دینے سے مکان کے وقف کا حکم

سوال[۱۰۷۴۶]: اب سے تقریباً ۵۰ سال قبل (عہد ریاست) میں سرکار سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے ایک دو منزلہ عمارت سکونتی غرض کے لئے پیر ضیاء الدین صاحب کو عاریۃً دی تھی، جس کے وقف کرنے یا خانقاہ قرار دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، پیر صاحب کی سکونت کی بناء پر یہ مکان خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا، اب سے تقریباً ۴۰/سال پہلے پیر ضیاء الدین صاحب اپنے وطن مالوف اناؤ چلے گئے اور جانے کے ایک سال بعد وہیں وفات ہوگئی۔

ان کی حیات میں یہاں سے غیاب میں اور ان کی وفات کے بعد کوئی سجادہ نشین مقرر نہ ہوا، مکان خالی ہوگیا، منجانب صرف خاص اس مکان کے نچلے حصہ میں کرایہ دار رہتے ہیں، جو صرف خاص کو کرایہ ادا کرتے رہے اور اب بھی ادا کررہے ہیں اس مکان کا بالائی حصہ عرصۂ دراز تک خالی پڑا رہنے کے بعد اس حصہ میں ایک پناہ گزیں پیر گوالیار کو مع ان کے اہل وعیال کے رہائش کی اجازت دے دی گئی۔ پھر یہ پیر صاحب بھی حالات پر سکون ہونے پر گوالیار منتقل ہوگئے، اب بھی کبھی ان کے صاحبزادے مع اہل وعیال کے تشریف لے آتے ہیں۔

تالاب کا کنارہ ہے اور خوش منظر جگہ ہے، یہاں رہتے ہیں اور جب دل چاہتا ہے چلے جاتے ہیں، بہرحال صورت یہ ہے کہ موجودہ دور حکومت میں حکومت نے آسائش کے لئے بڑے بڑے پیمانہ پر ہسپتال کھول دیئے ہیں، یہ مقام مدھیہ پردیش کی راجدھانی (۱) ہے، زنانہ ہسپتال اونچے پیمانہ پر یہاں موجود ہیں، جس میں زچہ خانہ کا انتظام ہے اور چونکہ یہاں گاندھی میڈیکل کالج بھی قائم ہے اس لئے تعداد کثیرہ طلبہ کو ٹریننگ دی جاتی ہے اور عورتوں کے ساتھ مرد ڈاکٹر بھی تنہا کبھی طلبہ کے ساتھ زچہ عورتوں کو زچگی کراتے ہیں، مسلمانوں کو حد درجہ شاق ہے کہ مسلم خواتین کی اس مجبوری میں سخت پردہ دری ہوتی ہے، بلکہ غیر مسلم شرفاء کے لئے بھی یہ بے شرمی انتہائی تکلیف دہ ہے، مسلم خواتین اور شریف عورتوں کو اس بے حیائی اور ناقابل برداشت پردہ دری سے بچانے کے لئے بیت المال کمیٹی بھوپال ایک زچہ خانہ قائم کرنا چاہتی ہے، جو اس آزار سے پاک ہو اور اس غرض کے لئے اس کی درخواست پر نواب ساجدہ سلطان بیگم صاحبہ نے وہ مکان دے دینا منظور فرمالیا ہے، جو پیر صاحب کو رہائش کے لئے دیا تھا اور پیر صاحب کو نوٹس دینا چاہتی ہے کہ مکان خالی کردیں۔

---

(۱) "راج دھانی: پایۂ تخت، دارالحکومت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۰۳۵، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

اب سوال یہ ہے کہ بحالت مندرجہ جس کو مالکہ نے اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا اور جس کے بنیادی حصہ زیریں میں ان کے کرایہ دار ہیں، جو پیر ضیاء الدین صاحب مرحوم کے زیر استعمال رہنے کی وجہ سے خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا، جس میں پیر صاحب کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد کوئی سجادہ نشین مقرر نہ ہوا، کیا مسلم زچہ خانہ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور شرعاً اس میں کوئی مانع تو نہیں؟

نوٹ: بھوپال کی اصطلاح میں صرفِ خاص سے مراد وہ جائیدادیں اور تمام آمد صَرف ہے، جو یہاں کے اسلامی فرمارواؤں کی ذات سے متعلق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے کہ اس مکان کو نہ وقف کیا گیا، نہ پیر صاحب کی ملکیت قرار دیا گیا، بلکہ اصلی مالک کی ملکیت اس پر قائم ہے تو مالک کو اس میں تصرف کا پورا حق حاصل ہے(۱)، مسلم زچہ خانہ بنانا بھی درست ہے، پیر صاحب کو اس میں عاریۃً قیام کی وجہ سے اگر وہ خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا اور لوگ اس کو خانقاہ کہنے لگے تو مالک کا حقِ تصرف ختم نہیں ہوا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۷/۹۱ھ۔

---

(۱) "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

"الملک في اصطلاح الفقهاء: اتصال شرعي بين الإنسان وبين شيء يكون مطلقاً لتصرفه فيه". (التعريفات لسيد الشريف الجرجاني، ص: ۱۵۹، حقانيه ملتان)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه ...... ثم قال العارية مؤداة ...... الخ".

(قوله العاريه مؤداة) أي: وجب رد عينها". (بذل المجهود في حل أبي داود، كتاب البيوع: ۳۰۳/۵، مكتبه إمداديه ملتان)

"العارية جائزة ...... وهي تمليک المنافع بغير عوض ...... وللمعير أن يرجع متى شاء، لقوله عليه السلام: المنحة مردودة، والعارية مؤداة". (الهداية، كتاب العارية: ۲۷۸/۳، ۲۷۹، مكتبه شركة علميه ملتان) =

www.besturdubooks.net

دوشخصوں کا ایک دستاویز کے ذریعہ وقف کرنا

سوال[۱۰۷۴۷]: ا......زیداورزوجۂ زید زینب نے اپنی اپنی جائیداد کو اپنی اوراپنی اولاد کے واسطے وقف علی الاولاد کیا، دونوں نے ایک ہی دستاویز کے ذریعہ سے وقف کیا، فتویٰ یہ ہے کہ اشتراک وقف کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید کی دوسری زوجگان سے جو اولاد ہے، وہی زینب کی موقوفہ جائیداد سے مستفیض ہونے کی حق دار ہے، بلکہ زینب کی جائیداد اس کی بطنی اولاد پر وقف ہوئی اور زید کی کل اولاد پر وقف ہوئی، گورنمنٹ نے اوقاف کو ختم کردیا اوراس کا معاوضہ وغیرہ دینا تجویز کردیا، زید کی اولاد نے جو دوسری زوجگان سے ہے کوشش کرکے کاغذات میں لفظ متولی اڑادیا اورنہ اس کا اندراج کرایا، چنانچہ اسی بناء پر معاوضہ انفرادی طریقہ سے سب کے نام بنایا گیا اورسب لوگوں نے اس کو وصول کرلیا، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ دوسری ترکیب زینب نے یہ کی کہ بعد انتقال شوہران کی متروکہ جائیداد پر اپنا تنہا نام کراکر کل کو وقف کردیا، شرعاً بحق شوہر اس کو پہونچا تھا اوراس کو وہ وقف کرنے کے مجاز تھے، ۴/۳ زینب کی اولاد کا تھا۔

دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنا

سوال[۱۰۷۴۸]: ۲......اس کے چندروز بعد ایک دوسرے وقف نامہ کے ذریعہ سے بکر جو زینب کا پسر ہے اوراس وقت کل جائیداد کا متولی تھا، زینب نے دو جائیدادیں بکر کے نام خریدی تھیں، زید کا یہ بیان کہ وہ اس کے روپے سے کردی گئی ہیں، ناقابل سماعت ہے۔ شروع ہی سے زیداورزینب کا جمع خرچ یکجائی چلا آرہا تھا۔ اس وقت درختان موقوفہ اوراس کی لکڑی فروخت کردی گئی ہے۔ چند صاحبان مل کر اولادِ زید کی ہمنوائی کررہے ہیں۔ کیا اس کا یہ قول شرعاً جائز ہے؟ عندالشرع جو صورت ہو، ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... جائیداد موقوفہ ہمیشہ کے لئے وقف ہوتی ہے(۱)، دوفرد اگر اپنی اپنی جائیداد کو ایک کاغذ میں

= "وأما صفة الحكم فهو أن الملك الثابت للمستعير ملك غير لازم؛ لأنه ملك لا يقابله عوض، فلا يكون لازماً كالملك الثابت بالهبة، فكان للمعير أن يرجع في العارية سواء أطلق في العارية أو وقت لها وقتاً". (بدائع الصنائع، كتاب العارية، فصل في صفة الحكم: ۳۷۷/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "(إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن) .... =

وقف نامہ مشترکہ لکھ کر وقف کردیں اور ہر ایک اپنی جائیداد کی آمدنی کا مصرف الگ الگ تجویز کردے، تو بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے اور ہر ایک کا تجویز کردہ مصرف حسب تصریح واقف مستحق ہوتا ہے(۱)، کاغذ کے مشترک ہونے کی وجہ سے تصریح کردہ مصرف میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا، لہٰذا زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زید کی موقوفہ جائیداد سے منتفع ہوگا اور زوجہ زید نے جو مصرف تجویز کیا ہے، وہ زوجۂ زید کی موقوفہ جائیداد سے منتفع ہوگا(۲)، اس زوجۂ زید نے جب اپنی اولاد پر وقف کیا تو اس کی مستحق صرف وہ اولاد ہوگی جو زوجہ زید سے پیدا ہوئی ہے، زید کی کسی دوسری بیوی سے پیدا شدہ اولاد اس کی مستحق نہیں ہوگی، البتہ زید کی جائیداد سے کل اولاد مستحق ہوگی خواہ کسی بیوی سے ہو(۳)، جائیداد موقوفہ کو ذاتی ملک قرار دینا ہرگز جائز نہیں، دھوکہ اور فریب

= (قوله: لايملك) أي: لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"(إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه)؛ لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لايباع، ولايورث، ولايوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق جواز الوقف وشرائط صحته: ۱۲/۷، حقانيه پشاور)

(۱) "لو أن رجلين كانت بينهما أرض وقف كل واحد منهما نصيبه على قوم معلومين فهذا جائز".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۳۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف وشرائط صحته: ۱۴/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷۷۴/۵، قديمي)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۶/۱، حقانيه)

(۳) "رجل قال: أرضي هذه موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى، وإذا جاز هذا الوقف، فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لاغير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، =

www.besturdubooks.net

کرنے سے وہ ملک میں نہیں آئے گی (۱)۔

۲......"وقف" اپنی جائیداد کو کیا جاسکتا ہے، اس کا حق ہے، دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنے کا حق نہیں۔ پس زید نے اپنی زوجہ زینب کی جائیداد کو وقف کیا ہے تو یہ غلط ہوا، صرف اپنا حصہ جو بحیثیت شوہر اس کو پہونچتا ہے اتنا ہی وقف کرسکتا ہے۔ بقیہ زینب کے پسر کا ہے اس کو وقف کرنے کا زید ہرگز حق دار نہیں، یہ وقف شرعاً معتبر نہیں (۲)، زید نے اگر روپیہ زینب کو دے دیا تھا، پھر باجازت زینب اس روپے سے جائیداد خریدی تو وہ ملک زینب ہے ملک زید نہیں، اگر روپیہ زینب کو نہیں دیا، بلکہ اس کی جائیداد خرید کر زینب کو دے دی یعنی ہبہ کردی خواہ زبانی خواہ تحریری، تب بھی وہ زینب کی ملک ہوگئی۔ اگر نہ روپیہ زینب کی ملک کیا، نہ جائیداد ملک کی، بلکہ کسی قانونی مصلحت سے محض بیع نامہ میں زینب کا نام درج کرادیا تو اس سے وہ جائیداد زینب کی ملک نہیں ہوئی، بلکہ زید ہی کی ملک ہے (۳) اور زید کو ایسی

= كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه و أولاده: ۲/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، الخامس في الوقف على الأولاد: ۳/۲۷۲، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۰

(۲) "الخامس من شرائطه: الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً، لأنه إنما ملكه بعد أن وقفها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

"(قوله: وشرطه شرط سائر التبرعات) أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الملك ملكاً باتاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة: ۴/۳۴۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وبيع التلجئة ...... وهو أن يظهرا عقداً وهما لايريدانه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة بل كالهزل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۵/۲۷۳، سعيد)

"التلجئة: هي العقد الذي ينشئه لضرورة أمر فيصير كالمدفوع إليه، وأنه على ثلاثة اقسام: أحدها: أن تكون في نفس المبيع وهو أن يقول: لرجل إني اظهر اني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، ويشهد على ذلك، ثم يبيع في الظاهر، فالبيع باطل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروة: ۳/۲۰۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب الصرف: ۳/۱۴۳، دارالمعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

پوری جائیداد کے وقف کرنے کا بھی حق حاصل ہے(۱)۔ اور پسرِ زینب کا زید پر اعتراض غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جائیداد وقف تقسیم سے مملوک نہیں ہوتی

سوال[۱۰۷۴۹]: ا......ایک جائیداد عبدالحق صاحب کی تھی، ان کے تین بیٹے تھے، ان کے دو مکان خام مع سائبان خشبوش بنا ہوا تھا، کوئی تقسیم وغیرہ نہیں تھی، لیکن بوجہ نالش ڈگروں کی وجہ سے ایک مکان اور جملہ ۳/۱ جائیداد ان سے بچانے کی وجہ سے مشورہ کر کے منجھلے (۲) بھائی کی بیوی کے نام بابت مہر ۱۹۱۱ء بیع نامہ میں لکھ دیا تھا، اس کے بعد برابر رہتے رہے، اس کے بعد دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا اور منجھلے حینِ حیات رہے۔

بڑے بھائی کی اولاد سے منجھلے بھائی جن کا نام عبدالغنی تھا، بقیہ حصہ بیع نامہ ۱۹۳۳ء میں کرالیا، چند دنوں کے بعد عبدالغنی کی زوجہ کا انتقال ہو گیا اور وہ مکانی جائیداد بھی عبدالغنی کے نام آگئی، عبدالغنی کے ایک لڑکا اصغر علی نام کا تھا، اس کی بیوی مرگئی، عبدالغنی نے دوسری شادی کردی، چند دنوں کے بعد عبدالغنی اصغر علی سے ناخوش ہو گئے، اصغر علی کی پہلی بیوی سے دو لڑکے انتظار علی، صابر علی تھے، عبدالغنی نے اصغر علی سے ناراض ہو کر اس بیع نامہ کی رو سے جو ۱۹۱۱ء میں قرض دینِ مہر میں قرض والوں سے بچانے کی وجہ سے کیا تھا، انتظار علی و صابر علی کے نام وقف علی الاولاد کر دیا، بیع نامہ ۱۹۴۲ء میں کیا، انتظار علی فوج میں دہرہ دون میں ملازم تھا، وہاں سے لاہور کو تبادلہ ہو گیا اور ہندوستان پاکستان بن گیا۔ انتظار علی متولی تھے، وہیں پاکستانی ہو گئے، ۱۹۴۹ء تک برابر پاکستان رہے، صابر علی یہاں رہا، اس نے ۱۹۴۵ء میں صد گڑھ کی سکونت چھوڑ کر گڑھی کی سکونت اختیار کرلی اور مکان موقوفہ کا کل ملبہ اتار کر گڑھی لے گئے اور خالی جگہ چھوڑ گئے، جیسے اور جگہ پڑی ہے، اسی جگہ کے خالی ہونے

---

(۱) "لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الملك: ۳۲/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "منجھلا: بیچ کا، درمیان کا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۴، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

سے جمیل احمد کی بے پردگی ہوتی تھی، جمیل احمد نے اس جگہ پر مکان بنالیا ہے جو شریک ہے، کیا بغیر تقسیم کرائے ہوئے وقف نامہ جائز ہے؟

۲......صابر علی گڑھی ہی میں رہا اور اس نے اس مکان کا ملبہ اتار کر گڑھی میں جمع کیا، تو اس حالت میں وقف رہ گیا؟

۳......صابر علی نے اس خالی جگہ کو دوسری جگہ کے باشندے کو فروخت کردی، وہ شخص اور اس کی بیوی بدمعاش تھی، جمیل احمد نے اس کی چنائی روک دی اور اپنی عمارت بنادی، ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ بدچلن تھے۔

۴...... جب کہ جگہ خالی پڑی ہے اور وہ جگہ بھی خالی تھی، تو اپنی ہی جگہ تبادلہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۵......انتظار علی نے تقسیم کا مقدمہ بھی دائر کررکھا ہے اور موقوفہ کو تقسیم سے علیحدہ کرلیا، جب کہ مکان عبدالحق صاحب کا بھی نہیں، تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۶......وقف نامہ میں مکان کا کرایہ تین روپیہ سالانہ درج ہے۔ اگر خالی جگہ تبادلہ میں نہیں دی جاسکتی، تو وہ تین روپیہ سالانہ کا کرایہ جمیل احمد پر لاگو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۷......۱۹۴۵ء کے زمینداره ختم ہونے کے بعد قابض اصل مالک ہوگئے یا نہیں؟ ۳۰ سال کے بعد بھی مالک نہیں ہوسکتا، جب کہ تمام جھگڑوں اور خرچ کرکے میں نے اس تمام جگہ کو روکا ہے، ورنہ سب ختم ہوجاتی۔

۸......مقدمات عدالت سے تب ہی طے ہوسکتے ہیں، جب کہ تقسیم اور وقف دونوں مقدمات الگ ہوجائیں گے۔

۹......کیا جمیل احمد کے ذاتی بنائے ہوئے مکان بھی تقسیم ہوسکتے ہیں، جب کہ تینوں بھائیوں کے انتقال کے بعد بنایا ہے۔ اور خالی جگہ میں جمیل احمد کے والد مرحوم نے بنایا تھا، اس کی جگہ کچھ مکان بنالیا ہے۔

۱۰......انتظار علی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۹ء تک پاکستان رہا، کیا اس کے حقوق باقی رہ گئے، جب کہ اور جائیداد میں جو باپ نے چھوڑی تھی، کوئی حصہ نہیں ملا۔

۱۱......ایک درخواست اس سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں آئی تھی، ۳۰ مارچ ۱۹۷۹ کو کریم بخش سرپنچ نے بھیجی تھی، وہ صرف اس امر کی کہ اراضی مقدمہ کے بدلے دوسری اراضی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ

www.besturdubooks.net

ارضیات مشترک ہیں، جس کا کوئی جواب نہیں ملا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مکان وزمین مشترک ہو تو کسی بھی حصہ دار کو اپنا حصہ وقف کر دینا درست ہے، تقسیم کرنا پہلے سے لازم نہیں (۱)، جس طرح کہ حصہ مشترکہ کی بیع درست ہے۔

۲......اس کی وجہ سے وقف ختم نہیں ہوتا (۲)، ناجائز تصرف ناجائز ہے۔

---

(۱) "ذكر الخصاف في وقفه تفريعاً على قول أبي يوسف: أرض بين رجلين وقف أحدهما حصته منها وهو النصف، فله أن يقاسم شريكه فيفرز حصة الوقف لأن ولاية الوقف إليه ...... رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم شريكه فله ذلك، ويقسم كل أرض وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۱۳/۷، ۱۴، حقانيه)

"لو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المشاع: ۳۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۷۷۴/۵، قديمي)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". (الدرالمختار). "(قوله لايملك) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع، ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"(وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه) لقوله عليه السلام: تصدق بأصلها لايباع، ولايورث، ولايوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"سئل في رجل وقف أماكن على بنته وزوجته ...... والحال أنها باعت من تلك الأماكن أماكن في حال حياته، ولم يكن لها مسوغ شرعي في ذلك، فهل هذا البيع باطل؟ وترجع الأماكن لأربابها حكم شرط الواقف ......؟"

(أجاب): الوقف بعد صدوره من أهله صحيحاً لازماً لايقبل التملك والتمليك، ولايصح بيعه بدون مسوغ شرعي، ويجب رده لجهة وقفه حيث لامانع". (الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۳۸۲/۲، المكتبة العربية كوئته)

www.besturdubooks.net

۳......وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں (۱)۔

۴......وقف کو بدلنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر واقف نے ہی اجازت دی ہو یا وقف سے انتفاع ناممکن ہوجائے، تو اس کی عوض میں دوسری جگہ لے کر وقف کردی جائے (۲)۔

۵......مطالبۂ تقسیم کا حصہ دار کو حق ہے، اگر تقسیم کے بعد حصے دار منتفع ہوسکتے ہیں تو تقسیم کردینا بہتر ہے (۳)۔

۶......جس شخص کے پاس کرایہ پر ہو، اس کے ذمہ کرایہ لازم ہوگا (۴)۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۵

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشتري به أرضاً أخرى إذا شاء ...... وإن لم يذكرها ثم لايستبد لها". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً. والثاني: أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً، أولا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح، والثالث: أن لايشترطه ولكن فيه نفع". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۳۸۴/۴، سعيد)

"إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضاً أخرى، إذا شاء فتكون وقفاً مكانها، فالواقف والشرط جائزان عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ...... وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع: ۳۹۹/۲، رشيديه)

"قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه، ويشتري بثمنه غيره". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۳) "وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه، إلا أن يكون مشاعاً عند أبي يوسف، فيطلب الشريك القسمة، فيصح مقاسمته". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"رجلان بينهما أرض ودور، وقف أحدهما نصيبه من الأرضين والدور، ثم أراد الواقف أن يقاسم، فله ذلك، ويقسم كل أرض، وكل دار على حدة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۱۴/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني فيما يتعلق بجواز الوقف: ۴۷۷/۵، قديمي)

(۴) "متولي الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجر ...... عامة المتاخرين أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار =

www.besturdubooks.net

۷...... کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کر لینے سے شرعاً ملکیت ثابت نہیں ہوتی (۱)، قانون کا مسئلہ اس کے خلاف ہو، تو وہ علیحدہ بات ہے۔

۸...... یہ تو عدالت سے متعلق ہے۔

۹...... جمیل احمد نے اگر بناتے وقت دوسرے شرکاء سے کوئی معاملہ طے کر لیا تھا، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا (۲)، ورنہ عمارت جمیل احمد کی ہوگی اور زمین مشترکہ تقسیم کرتے وقت اس تعمیر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔

۱۰...... شرعی وارث اگر کچھ مدت تک اپنے حصہ کا مطالبہ نہ کرے تو اس کا حصہ ختم نہیں ہوجاتا، دوسری جائیداد میں سے اگر اس کو حصہ نہ دیا جائے تو اس کی وجہ سے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا (۳)۔

= معدة للاستغلال أو لم تكن ...... وكذا قالوا: فيمن سكن دار الوقف بغير أمر القيم كان عليه أجر المثل بالغاً مابلغ". (الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۲/۵۱، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۱) "اعلم أن اسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة، وخلافة كإرث، وإصالة وهو الاستيلاء". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۳، سعيد)

"اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة ...... والحكم الأصلي الثابت بالغصب وجوب رد العين على المالك بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "على اليد ما أخذت حتى ترده". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۴۲، حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، الفن الثالث، القول في الملك: ۳/۱۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجرة السمرة: ۱/۳۰۳، قديمي)

(۳) "لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۴/۳۱، سعيد)

"الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ، والقة القوىٰ: ۱/۵۰۵، سعيد)=

www.besturdubooks.net

۱۱...... مجھے پہلی تحریر کا حال معلوم نہیں، میں کئی ماہ تک باہر رہا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

وقف علی الاولاد میں تقسیم کی صورتیں

سوال[۱۰۷۵۰]: حاجی کلیم مرحوم نے اپنی جائیداد کا ایک وقف نامہ علی الاولاد تحریر کیا ہے، اس میں واقف کی اولاد ہی کو حق پہونچتا ہے یا واقف مرحوم کے اپنے چچازاد بھائیوں کو بھی حق پہونچتا ہے۔

الف- وقف نامہ حاضر ہے، ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیں کہ یہ وقف علی الاولاد رہے گا یا وراثت میں رہے گا؟ اور کس کس کو کتنا حق پہونچتا ہے، تقسیم کرکے نقشہ بتلادیجئے، بوقتِ انتقال واقف مرحوم نے حسب ذیل ورثاء چھوڑے:

زوجہ	لڑکیاں	لڑکے	چچازاد بھائی	نواسہ
۱	۶	×	۲	۱

ان کی والدہ مسماۃ بانو کا انتقال واقف کی حیات میں ہوگیا تھا۔ فقط۔

نوٹ: وقف نامہ بڑے چھ صفحات کے سوال کے ساتھ ہے۔

الجواب(☆):

اس وقف نامہ منسلکہ کا نام اگرچہ وقف نامہ علی الاولاد رکھا گیا ہے، مگر یہ نام اپنے حقیقی معنوں میں نہیں اس لئے کہ واقف نے اپنی ذات کو اپنی تیسری بیوی کے ساتھ آئی ہوئی ربیبہ نور جہاں کو اور اپنی چوتھی بیوی کو اور مسجد گل شہید کو بھی اولاد منافع وقف کا مصرف قرار دیا ہے، جو کہ واقف کی اولاد نہیں۔ حق غیر کی تصریح واقف نے کردی ہے وہ بھی مستحق ہے اور اس کے استحقاق کے لئے جو شرط لگائی ہے، وہ معتبر ہے، مثلاً: دفعہ نمبر ۲ میں واقف

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۲/۳۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإقرار: ۲/۵۴، حقانيه)

(☆) جواب کا دارومدار وقف نامہ پر ہے اور وقف نامہ کہیں سے دستیاب نہ ہوسکا اور جواب میں مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقف نامہ کا تجزیہ فرمایا ہے۔

www.besturdubooks.net

نے مع اولاد واہل وعیال مکان موقوفہ میں حق سکونت رکھا ہے۔

اور دفعہ نمبر ۳ میں اپنے بعد اپنی بیوی کو متولی بنا کر اس کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ مع اپنی اولاد کے سکونت اختیار کرے، اس کی رو سے مسماۃ چھوٹی کا لڑکا عبدالغنی بھی سکونت کا حق دار ہوگا، جو کہ واقف کی اولاد اور نسل نہیں ہیں۔

اور دفعہ نمبر ۴ میں چھوٹی کو عقد ثانی کرنے کی صورت میں تولیت سے اور جائیداد موقوفہ کے انتفاع سے محروم کردیا گیا، مذکورہ بالا تجزیہ سے واضح ہوا کہ اس وقف کو کلیۃً اولاد پر منحصر کرنا تصریحات واقف کے خلاف ہیں (۱)۔

دفعہ نمبر ۴ میں اپنے بعد ہونے والے متولی کو ہدایت کی ہیں کہ وہ اپنی رقم میرے وارثانِ شرعی میں بحصۂ شرعی تقسیم کردے (بشمول نور جہاں)۔ اس کی رو سے صورت مسئولہ میں چچازاد بھائی بھی منافع وقف سے بقدر حصہ وراثت مستحق ہوں گے، کیونکہ وہ بھی وارث شرعی ہیں، اگر واقف کا مقصود ان کو محروم کرنا ہوتا تو صراحۃً ان کو مستثنیٰ کردیا ہوتا کہ وارث شرعی کے ہونے کے باوجود ان کو نہ دیا جائے، جس طرح کے وارث اور اولاد نہ ہونے کے باوجود نور جہاں کو دینا مقصود تھا، اس کو صراحۃً ذکر کیا یا ایسا لفظ ذکر کرتا جس سے چچازاد بھائی خود خارج ہوجائے، مثلاً: اس طرح کہتا کہ اتنی رقم میری اولاد کو دی جائے، بشمول نور جہاں اس طرح نہ کہتا کہ میرے وارثان شرعی میں بحصۂ شرعی تقسیم کردیا جائے، خاص کر جب کہ یہ ہدایت اپنی بیوی کو کررہا ہے اور اس کے سامنے اولاد میں صرف لڑکیاں ہیں، جن کو حصہ برابر ملتا ہے، لڑکا کوئی موجود نہیں، ان کی حصص سے فرق ہوتا ہے اور لفظ بحصۂ شرعی صاف صادق آتا ہے۔

دفعہ نمبر ۵ میں بھی وارثانِ شرعی کو بحصۂ شرعی تقسیم کرنے کی تاکید ہے، اس میں بھی چچازاد بھائیوں کا استثناء نہیں ہے، شریعت نے جس کو وارث قرار دیا ہے، بغیر کسی قوی صریح دلیل کے اس کو اس کے لفظ کے مصداق

(۱) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حكم لا دليل عليه ...... لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف ...... الخ: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به في المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۲۰۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

سے بحق نیت واقف خارج نہیں کہا جاسکتا ہے، جیسے غیر وارث کو مثل وارث قرار نہیں دیا جاسکتا، جب تک قوی صریح دلیل موجود نہ ہو(۱)۔ اور وقف علی الاولاد کی تعبیر ایسی قوی صریح دلیل نہیں۔

دفعہ نمبر۴ میں سلسلہ بسلسلہ تولیت کے میراث کو بیان کر کے پھر تاکید کی ہے کہ میری نسل کے وارثان شرعی میں تقسیم کرنا ضروری ہوگا، یہ دفعہ ضرور موہم ہے کہ شاید اس سے چچازاد بھائیوں کو محروم کرنا مقصود ہے، مگر اس میں دو احتمال ہیں:

۱-وارثان شرعی میری نسل سے ہوں ان کو دیا جائے، اس احتمال پر چچازاد بھائی مستحق قرار نہیں پاتے، کیونکہ وہ اگر چہ شرعی وارث ہیں، مگر واقف کی نسل سے نہیں۔

۲-دوسرا احتمال یہ ہے کہ میری نسل (بنات) کے جو شرعی وارث ہوں ان کو دیا جائے، یعنی میری نسل (بنات) کے مرجانے پر آئندہ جو اس کے وارث ہوں گے، ان کو دیا جائے، اس کی رو سے ہوسکتا ہے کہ چچازاد بھائی بھی مستحق ہوسکیں، جب کہ ان بنات کے نرینہ اولاد نہ ہو اور یہ احتمال اقرب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ واقف نے اس طرح نہیں کہا کہ میری نسل سے جو وارثانِ شرعی ہوں ان کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو پہلا احتمال متعین ہوکر چچازاد بھائیوں کو خارج کیا جاسکتا تھا، لیکن واقف نے تو اس طرح کہا ہے کہ میری نسل کے وارثانِ شرعی کے درمیان تقسیم کرنا لازم ہوگا، تو یہاں براہِ راست اپنے ورثاء نسلی یا غیر نسلی کو بتانا مقصود ہی نہیں، بلکہ اپنے ورثاء کے ورثاء کو بتانا مقصود ہے، (قطع نظر اس سے کہ واقف کے ورثاء براہِ راست اس وقت موجود رہیں یا نہ رہیں ان کا حصہ تو کچھ حصہ شرعی لکھ دیا ہے، وہ پہلے سے متعین ہے، اس وجہ سے نور جہاں کی اولاد کو کچھ نہ دینے کی اس دفعہ میں تصریح کردی ہے، تین چچازاد بھائیوں کے ورثاء بھی مستحق نہ ہوں گے، اس حیثیت سے پہلے فتویٰ میں ان کو بھی بعد میں مستحق قرار دیا گیا تھا، وہ صحیح نہیں، وہ لغزشِ قلم تھی۔

اس موہم اور محتمل المعنیین عبارت کی بناء پر دفعہ نمبر۳ اور دفعہ نمبر۵ کی عبارت کو مخصوص ومقید نہیں کیا

---

(۱) "الإرث جبري لایسقط بالإسقاط". (تکملة ردالمحتار، کتاب الدعویٰ، مطلب واقعة الفتویٰ: ۱/۵۰۵، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإقرار، مطلب: الإرث جبري لایسقط بالإسقاط: ۲/۵۴، حقانیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

www.besturdubooks.net

جائے گا، نسلی وریثہ کے ساتھ جب کہ اس سے نصوص قرآن وحدیث کا مصداق بھی بدلتا ہو، دفعہ نمبر ۲۸ میں وقف علی الاولاد ہونے کی تصریح ہے، جس کو مقصود اپنی اولاد کی نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ پرورش پرداخت بتلایا گیا ہے، اس کے متعلق بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ انحصار اپنے اصل معنی میں نہیں جیسا کہ واقف کی خود تصریح موجود ہے، علاوہ ازیں انتقال واقف کو عرصۂ دراز گزر چکا ہے اور اس کے قائم مقام متولی ہے، اب تک برابر چچازاد بھائیوں کو حصہ دیا ہے، جس امر میں کوئی بات واضح نہ ہو، اس کے متعلق فقہاء نے معمولِ سابق کو معتبر مانا ہے(۱)۔

وقف نامہ کی عبارت مذکورہ کا مطلب متولی نے بھی یہی سمجھا اور مستحقین وقف نے بھی یہی سمجھا کہ چچازاد بھائی مستحق ہیں، اسی بناء پر ان کو دیا جاتا رہا، جیسا کہ سائل نے زبانی بیان کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

حرام کمانے والوں کا وقف اور اس کی آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۵۱]: میرٹھ میں نادر علی کی فیکٹری باجہ بنانے کی ہے اور ان لوگوں کے سنیما بھی ہے، نیز ان نادر علی کی طرف سے ایک وقف ہے، جس کے ماتحت کافی جائیداد اور مکانات ہیں اور یہ وقف مدارس اسلامیہ کی امداد اور ان کے قائم کردہ مکاتب کے معلمین کی تنخواہ ادا کرتا ہے، وقف بہر کیف ان ہی لوگوں کا کیا ہوا ہے، اب جن معلمین کو نادر علی وقف سے تنخواہ ملتی ہے، وہ مساجد میں امام بھی ہیں، لہٰذا ان لوگوں کو نادر علی وقف سے تنخواہ لیتے ہوئے امامت کرنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہو تو کیوں؟ جب کہ وقف کرنے والے وہی لوگ ہیں اور اگر درست نہیں تو کیوں؟ جب کہ وقف کا پورا حساب آمد وصَرف علیحدہ ہے اور سینٹرل سنی وقف بورڈ سے متعلق ہے اور کارخانہ سے بظاہر براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۱) "سئل شیخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه، وقدر ما یصرف إلی مستحقیه، قال: ینظر إلی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان أن قوّامها کیف یعملون فیه، وإلی من یصرفون، وکم یعطون فیبنی علی ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثاني في الشهادة: ۴۳۹/۲، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الوقف: ۵۶۸/۵، قدیمي)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴۱۲/۴، سعید)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجہ بنانا اور فروخت کرنا اور سینما کا کام کرنا منع ہے(۱)، باجہ بنا کر اس کی بیع سے قیمت حاصل کرنا مکروہ ہے(۲)، مسلمان جب اپنی آخرت درست کرنے کے لئے ثواب کی نیت سے کوئی کام کرتا ہے تو اس میں خراب روپیہ خرچ کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے، متعدد لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے لئے اور مدرسہ ومسجد میں دینے کے لئے حلال روپیہ جمع کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ حرام روپیہ ایسے دینی کاموں میں ثواب کے لئے خرچ نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے وہ رشوت وغیرہ کا روپیہ وہاں خرچ نہیں کرتے، اس لئے جب تک تحقیق سے ثابت نہ ہو جائے، کہ یہ وقف حرام روپیہ سے کیا گیا ہے، اس کی آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا، نہ امام ومعلم کی تنخواہ کو حرام کہا جائے گا، نہ اس تنخواہ کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز کو ناجائز کہا جائے گا، حرام روپیہ سے کوئی چیز خریدنے کے لئے فقہاء نے تفصیل سے لکھا ہے، جو شامی، کتاب البیع اور کتاب الغصب میں موجود ہے(۴)۔ اور حرام مال کو بہ نیت ثواب

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدۃ: ۲)

"ولا تجوز الإجارۃ علی شيء من الغناء، والنوح، والمزامیر، والطبل، وشيء من اللھو. وعلی ھذا الحداء وقرأۃ الشعر وغیرہ، ولا أجر في ذلک". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الإجارۃ، الباب الخامس عشر في بیان مایجوز من الإجارۃ ومالایجوز، مطلب: الإجارۃ علی المعاصي: ۴/۴۴۹، رشیدیہ)

"(لاتصح الإجارۃ لعسب التیس) وھو نزوہ علی الإناث (و) لا (لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاھي)". (الدرالمختار، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ: ۶/۵۵، سعید)

"قلت: وأفاد کلامھم أن ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریماً، وإلا فتنزیھاً، نھر". (الدرالمختار). "قال ابن عابدین: "(قولہ: لأنہ إعانۃ علی المعصیۃ)؛ لأنہ یقاتل بعینہ ...... ونظیرہ کراھۃ بیع المعازف؛ لأن المعصیۃ تقام بعینھا". (ردالمحتار، کتاب الجھاد، باب البغاۃ، مطلب: في کراھیۃ بیع ماتقوم المعصیۃ بعینہ: ۴/۲۶۸، سعید)

(۲) راجع الحاشیۃ المتقدمۃ آنفاً

(۴) "(قولہ: اکتسب حراماً الخ) توضیح المسألۃ ما في التاتارخانیۃ حیث قال: رجل اکتسب مالاً من حرام، ثم اشتری، فھذا علی خمسۃ أوجہ: إما إن دفع تلک الدراھم إلی البائع أولاً ثم اشتری منہ بھا، أو اشتری قبل الدفع بھا ودفعھا، أو اشتری قبل الدفع بھا ودفع غیرھا، أو اشتری مطلقاً ودفع تلک الدراھم، أو اشتری بدراھم آخر ودفع تلک الدراھم. قال أبو نصر: یطیب لہ ولا یجب علیہ أن یتصدق =

www.besturdubooks.net

صدقہ کرنے کی ممانعت کتاب الحج میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث. لكن هذا خلاف ظاهر الرواية، فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفاً فاشترى بها جارية، وباعها بألفين، تصدق بالربح. وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، في الثلاث الأخيرة يطيب. وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس. وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها، وهو المختار، ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعاً للحرج لكثرة الحرام". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً ثم اشترى فهو على خمسة أوجه: ۲۳۵/۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۱۸۹/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۱۳۰/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب في استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

عمومی مفاد کے لئے دی گئی زمین فروخت کرنا

سوال[۱۰۷۵۲]: طویل مدت سے ہمارے گاؤں والوں کو ایک ہندو زمین دار نے ایک ٹکڑے زمین قبرستان کے لئے اور قبرستان کے پرچہ(۱) کے شمال ایک ٹکڑے زمین بگاڑ کے لئے (بگاڑ بمعنی مردہ جانور دفن کرنے کی جگہ) استوار کرنے کا حکم دیا تھا، مذکورہ قبرستان کی زمین تقریباً چار پانچ بیگھہ (۲) ہوگا، قبرستان کے ایک کنارے پر ایک ٹکڑا زمین تقریباً ایک کٹھہ (۳) ہوگا، اس ٹکڑے میں کبھی کسی میت کو دفن نہیں کیا گیا اور اس ٹکڑے زمین کو اس کے برابر والے مکان والوں نے اس ایک کٹھہ زمین کو میدان کی طرح اپنے استعمال میں لانا شروع کر دیا، نیز جانوروں کو باندھنے میں فائدہ عوام کی وجہ سے گاؤں والے اس ٹکڑے کا ایک کٹھہ زمین برابر والے مکان والوں کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیچ کر اس روپیہ سے کوئی کارِ خیر مثلاً: مدرسہ، مکتب یا اسکول وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے اس شخص نے دے دی ہے اور اب اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، تو سب کے مشورہ سے اس زمین کو ایسے کام میں لانا درست ہے، جس میں عمومی نفع

---

(۱) ”پرچہ: خط، چٹھی، ٹکڑا“۔ (فیروز اللغات، ص:۳۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے“۔ (فیروز اللغات، ص:۱۷۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”کٹھا: پانچ سیر غلے کا پیمانہ، ایک درخت، زمین کا ایک پیمانہ، جو بیگھے کا بیسواں حصہ ہوتا ہے“۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۵۱، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

ہو، مثلاً: وہاں مکتب یا مدرسہ بنا دیا جائے، جس میں سب دینی تعلیم حاصل کریں(۱)، جہاں تک ہوسکے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

وقف شدہ ویران کنواں دے کر اس کے عوض میں نیا کنواں بنوانا

سوال[۱۰۷۵۳]: ۱...... تقریباً پندرہ سال قبل زید نے ایک کنواں بنوا کر رفاہِ عام کے لئے وقف کردیا، لیکن تقریباً پانچ چھ سال سے کوئی بھی اس کنوئیں کو استعمال میں نہیں لاتا، مطلب یہ ہے کہ ویران پڑا ہوا ہے اور مذکورہ کنواں بکر کے دو مکانوں کے درمیان میں پڑتا ہے، تو بکر نے زید سے مطالبہ کیا کہ کنواں مجھے دے دو اور آپ لوگوں سے گاؤں میں جہاں زیادہ استعمال ہوسکے اور عوام فائدہ اٹھاسکے، وہاں کنواں بنا کر وقف کردو اور نیا کنواں بنانے میں جتنا خرچ ہوگا وہ میں دوں گا۔

۲...... اب کیا زید شرعی اعتبار سے ویران کنواں بکر کو دے کر دیا بنا سکتا ہے یا نہیں؟

۳...... اور بکر وقف کا ویران شدہ کنواں کا بدل دے کر اپنا ذاتی مکان اس جگہ بنا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر اس کی اصلاح کرکے اس کو کارآمد نہیں بنایا جاسکتا اور اس کا جو نفع تھا وہ حاصل نہیں ہوتا اور زید

---

(۱) "وأما المقبرة الدائرة إذا بنی فيها مسجد ليصلی فيه، فلم أر فيه بأسا؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۴/ ۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب إنما يحل للمتولي الإذن ...... الخ: ۴/ ۳۵۴، سعيد)

(۲) "إذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن". (الدرالمختار). (قوله لايملك) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع، ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

اتنی رقم بکر کو دے کر جس سے کارآمد کنواں بنا کر وقف کر دیا جائے اور اس سے سب فائدہ اٹھائیں، تو شرعاً یہ صورت درست ہے(۱)۔

۲......اس تبادلے کے بعد بکر اس جگہ اپنا ذاتی مکان بنا سکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کنوئیں کا جنگلہ فروخت کر کے مسجد کا کواڑ بنوانا

سوال[۱۰۷۵۴]: حضرت مفتی صاحب!

سلام مسنون

احقر کے محلہ کی مسجد میں تعمیر لگی ہوئی ہے، محلہ بہت غریب ہے، اس وقت باہر کے دروازہ کے لئے

---

(۱) "والثاني: أن لايشترطه ...... لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيء أصلاً، أو لايفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح ...... ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها ...... ويجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لايكون هناك ريع للوقف، يعمر به، وأن لايكون البيع بغبن فاحش". "والثالث أن لايشترطه، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف: ۳۸۴/۴، ۳۸۶، سعيد)

"الوقف إذا صار بحيث لاينتفع المساكين به فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره".

(البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط: ۴۰۱/۲، رشيديه)

(۲) "وأما حكمه: ...... فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع: ۳/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کواڑوں کا مسئلہ ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد ہذا میں ایک لوہے کا جنگلہ ہے جو کہ کنوئیں پر ڈھکا رہتا ہے، لیکن اب کنواں بند ہوجانے کی وجہ سے بیکار پڑا ہے، اگر اسے فروخت کرکے کواڑ بنوالئے جائیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں قباحت نہیں، اجازت ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے بدلنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

سوال[۱۰۷۵۵]: زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی، تعمیر شروع

---

(۱) اگر جنگلہ وقف کا ہے تو اس کا بیچنا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ قابل انتفاع نہ رہے۔

"الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۸/۵، رشيديه)

"ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها، والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لايكون هناك ريع للوقف، يعمر به، وأن لايكون المبيع بغبن فاحش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۴۰۱/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۴/۴-۳۸۶، سعيد)

اور اگر مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا ہے تو بوقتِ ضرورت ومصلحت بیچنا جائز ہے، اگر چہ وہ قابل انتفاع ہو۔

"أما إذا اشتره المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۷۷/۴، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً جاز ...... فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى أو باع اختلفوا فيه ...... قال بعضهم: يجوز هذا البيع وهو الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۴۶۲/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ہوئی، مگر زید کے اعزہ واقارب نے زید کو مشورہ دیا کہ یہ زمین مت دو، مناسب نہیں ہے، یہ مشورہ زید کو اچھا معلوم ہوا اور تعمیر کرنے والوں سے کہا کہ میری یہ زمین خالی کرادو، اس کے عوض دوسری جگہ لے لو، لیکن تعمیر کرنے والوں کا کہنا ہے کہ زید اس کی قیمت وصول کرلے، مگر یہ مذکورہ بالا زمین زید کے ایسے موقع پر واقع ہے کہ تعمیر کرنے والے حضرات اس کو صحیح قیمت نہیں دے سکتے، ایسی صورت میں زید مذکورہ بالا زمین کا عوض دے کر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے سکتا ہے تو اس میں تصرفات زید کی کوئی تخصیص ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دے دی اور اپنا مالکانہ قبضہ ہٹالیا اور مسجد کی تعمیر شروع بھی ہوگئی، سو اب زید اس کو واپس نہیں لے سکتا(۱)، البتہ حق تولیت میں زید سب پر مقدم ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز ولايكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

"قال من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "قال أبويوسف: الواقف أحق بتوليته، ثم وارثه، ثم عشائره". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۵۰۲/۵، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۷/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۴۲/۷، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

باب ولایة الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کس کو کہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۵۶]: شرعی متولی کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص وقف کی نگرانی اور انتظام کرے، وہ متولی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۷۵۷]: پونہ کی چند مسجدوں میں ووٹنگ کے ذریعہ متولی چنے جارہے ہیں، اس کے لئے کیا مسئلہ ہے؟ متولی حضرات مسجد کے کیسے ہونے چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے، جو امانت دار ہو، سمجھ دار ہو، مسجد کے انتظام کی صلاحیت رکھتا ہو، مسجد اور نماز سے محبت کا تعلق رکھتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۵ھ۔

---

(۱) "المتولي: من تولی أمر الوقف، وقام بتدبيرها". (قواعد الفقه، الرسالة الرابعة التعريفات الفقهية، ص: ۴۶۳، میر محمد کتب خانه)

(۲) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن ولاية النظر مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

حق تولیت کی تقسیم

سوال[۱۰۷۵۸]: ۱-مسماۃ نبولی نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی، جس کا متولی اپنے لڑکے محمود الحسن کو بنایا، وقف نامہ میں آئندہ تولیت کے لئے حسبِ ذیل شرائط مقرر کیں، جب کہ مسماۃ کے لڑکے محمود الحسن کو مقرر کیا۔

۲-محمود الحسن کے بعد اگر اولادِ ذکور نہ ہو تو وہ اپنی ہر دو بیویوں میں سے جس بیوی کو چاہیں، محمود الحسن متولیہ قرار دیں وہ متولیہ ہوگی۔

۳-محمود الحسن کے عدم تعین کی صورت میں اس کی دونوں بیویوں میں سے عمر کے اعتبار سے جو بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی۔

۴-محمود الحسن کے سلسلہ ذکور میں سے جو لڑکا خواندہ ہوگا، وہ متولی ہوگا۔

۵-متولیان مابعد کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے بجائے اپنے سلسلہ ذکور و اناث میں سے کسی کو بذریعہ تحریر رجسٹر شدہ متولی مقرر کردیں۔

قابلِ استفسار امر یہ ہے کہ مذکورہ شرائط تولیت کی روشنی میں وہ زوجہ جس سے محمود الحسن نے وقف نامہ کی تحریر کے بیس سال بعد عقد کیا اور جو تیسری زوجہ کی حیثیت رکھتی ہے اور محمود الحسن کے انتقال کے وقت وہ جملہ زوجگان میں عمر کے اعتبار سے بھی کم ہے، تو کیا یہ زوجہ یا اس کی اولاد مذکورہ شرائط وقف کے تحت متولی ہو سکتی ہے؟ جب کہ محمود الحسن کی زوجۂ دوم جو محمود الحسن کی وفات پر متولیہ مقرر ہوئی تھی، حسبِ شرائط وقف نامہ تولیت کو اپنی لڑکی کے نام منتقل کر چکی تھی اور اب دفعہ نمبر ۵ تحریر رجسٹری کے ذریعہ مرحومہ کی متولیہ کی لڑکے نے تولیت باضابطہ اپنی لڑکی کے نام منتقل کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ سوم اور اس کی اولاد اناث کو شرائط تولیت کے پیشِ نظر حق تولیت حاصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب =

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۲/۱۳ھ۔

مسجد کے لئے متولی تجویز کرنا

سوال[۱۰۷۵۹]: مستری یامین ریلوے اسٹیشن مسجد کے متولی ہیں، یہ مسجد وقف بورڈ میں نہیں ہے اور نہ ہی مستری یامین وقف بورڈ کی طرف سے متولی ہیں، مستری یامین ۱۹۵۵ء سے یعنی ۲۵/ سال سے اس کے متولی ہیں، اس مسجد میں مستقل امام نہیں رہتا، صرف جمعہ ہوتا ہے، ہر جمعہ کو تقریباً بارہ تیرہ روپیہ چندے کے آتے ہیں اور دو کوٹھریوں کا کرایہ ۱۹/ روپیہ ماہوار آتا ہے، مستری یامین سے اگر کسی نے حساب کو کہا تو حساب نہیں دیتے، جمعہ کے چندہ کو گھر لے جا کر رکھ دیتے ہیں، کوئی رجسٹر وغیرہ بھی نہیں ہے، اپنی ذاتی معاملہ اور ذاتی روزگار بنا رکھا ہے، کچھ دنوں سے دو ایک صاحبان کی یہ رائے ہے کہ اس میں مستقل امام رکھا جائے اور جمعہ کا چندہ جو کچھ بھی آتا ہے، اس کا حساب لگا کر باقی اپنے پاس سے امام کی تنخواہ پوری کر دی جائے، لیکن مستری صاحب چندہ کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ چندہ سے کوئی مطلب نہیں، امام کی ماہواری تنخواہ کہیں سے پوری کی جائے۔

پھر کچھ صاحبان کی یہ رائے ہے کہ جب مستقل امام بھی نہیں رکھنا چاہتے اور چندہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے اور کوئی حساب وغیرہ کا رجسٹر بھی نہیں ہے تو اس چندہ کو اعلانیہ بند کرا دیا جائے۔

اب آپ براہِ کرم اس کی پشت پر مفصل تحریر کریں کہ چندہ اعلانیہ بند کرا دیا جائے یا نہیں؟ اور مسجد میں مستقل امام رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ صرف آپ کے جواب پر منحصر ہے، یہ فیصلہ شدہ بات ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کا فریضہ ہے کہ وہ مسجد کی آمدنی کا حساب اور مسجد کا نظم اذان اور جماعت کا اہتمام رکھیں، محض

= الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

چندہ وصول کرنے کے لئے متولی نہیں ہوتا(۱)، اگر فہمائش کے باوجود متولی صاحب امام کا انتظام نہ کریں تو وہاں کے مقامی لوگ کسی مناسب آدمی کو امامت کے لئے تجویز کردیں(۲) اور اعلان کردیں کہ امام صاحب کو تجویز کردیا گیا ہے، چندہ سے ان کی تنخواہ پوری کی جائے گی، لہٰذا چندہ دینے والے حضرات امام صاحب کو چندہ دیا کریں اور امام صاحب باقاعدہ رجسٹر بنا کے چندہ کا حساب رکھیں، اسی طرح کرایہ کی آمدنی کا انتظام کردیا جائے اور چند آدمی مل کر وقف بورڈ میں درخواست دے کر متولی اور وقف کمیٹی کا تقرر کرالیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وظيفة الناظر عند التفويض العام له حفظ الوقف وعمارته وإيجاره وزرعه والمخاصمة فيه وتحصيل الغلة من أجرة أو زرع أو ثمر وقسمتها بين المستحقين، وحفظ الأصول والغلات على الاحتياط ...... الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل العاشر ناظر الواقف: ۷۲۸۸/۱۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبونصر: لأهل المحلة وليس الباني أحق منهم بذلك، وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبها من غيره كالعمارة، قال أبوالليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً، ويريدون الأصلح، فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴۳۰/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "ويرجع إلى القاضي في النصب (نصب المتولي) وكذافي فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۴۲۶/۲، رشيديه)

"ثم إذا مات المشروط له بعد موت الواقف ولم يوص لأحد فولاية النصف للقاضي".

(الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۲۳/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵۰۵/۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

مؤذن اور امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟

سوال[۱۰۷۶۰]: ہدایہ اولین کے اندر کتاب الوقف کے اندر لکھا ہوا ہے کہ:

"ولنا أن المتولي إنما يستفيد الولاية من جهته بشرطه، فيستحيل أن لايكون له الولاية، وغيره يستفيد الولاية منه، ولأنه أقرب الناس إلى هذا الوقف، فيكون أولىٰ لولايته، كمن اتخذ مسجداً يكون أولىٰ بعمارته ونصب المؤذن فيه. فيكون أولىٰ بعمارته الخ. أما العمارة فلا خلاف فيه أنه أولىٰ به وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبو نصر: هو لأهل المحلة، وليس الباني أحق منهم، وقال أبوبكر الإسكاف الباني أحق بنصبهما قال أبوالليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً والقوم يريدون الأصلح" ۱۲ ف(۱).

ترجمہ: "اور ہمارے لئے دلیل یہ ہے کہ متولی سوائے اس کے نہیں کہ فائدہ اٹھائے گا ولایت کا اس واقف کی طرف سے یا اپنی طرف سے اس واقف کی شرط کے ساتھ، پس محال ہوگا یہ کہ نہ ہو اس کے لئے ولایت اور اس کے علاوہ غیر آدمی فائدہ اٹھائے ولایت کا اس سے (یہ بات محال ہے) اور اس لئے وہ زیادہ قریب ہے لوگوں سے اس وقف کی طرف، پس ہو جائے گا وہ بہتر اس وقف کی ہوئی چیز کی ولایت کے لئے، جیسا کہ کسی نے بنادیا ہے ایک مسجد تو ہوتا ہے وہ بانی بہتر اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور مؤذن رکھنے میں اس میں، بہر حال عمارت بنانا پس نہیں ہے کوئی خلاف اس میں کہ بے شک وہ بانی بہتر ہے اس مسجد کی عمارت بنانے میں اور بہر حال امام اور مؤذن کو رکھنا۔ پس کہا ابونصر نے کہ وہ کام (صرف) اہل محلّہ کے لئے ہے، (یعنی ذی علم مصلیوں کے لئے ہے) اور نہیں ہے بانی زیادہ حق دار ان محلّہ والوں سے (یعنی ان ذی علم مصلیوں سے)۔ اور کہا ابوبکر الاسکاف نے کہ بانی زیادہ حق دار ہے ان دونوں کے رکھنے کا۔ کہا ابواللیث نے اور

(۱) (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۳/۲، شركة علمية ملتان)

www.besturdubooks.net

اسی کو ہم لوگ پکڑتے ہیں (یعنی ابوبکر الاسکاف کے قول کو ہم لوگ لیتے ہیں اور اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں) مگر یہ کہ ارادہ کرے بانی امام رکھنے کا اور مؤذن رکھنے کا اور قوم بھی ارادہ کریں زیادہ صالح کا"۔

تشریح

یہاں پر ان عربی عبارتوں کو سمجھنے کے لئے عربی سمجھنے والوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہے، پھر بھی میں کچھ تفصیل سے بیان کر رہا ہوں، وہ یہ کہ:

واقف وہ شخص ہے جو اپنی ذاتی شرائط کے ساتھ یا بغیر شرائط کے کوئی چیز یا کوئی جائیداد یا کوئی آمدنی اللہ کے نام پر وقف کر دے یا وقف کرتا رہے اس کو واقف کہتے ہیں، لیکن جب تک کہ وہ واقف وقف نہیں کرے گا، تب تک وہ چیز یا وہ جائیداد یا وہ آمدنی وقف نہیں ہوگی، جیسا کہ کوئی کسی جائیداد کی آمدنی کو کسی مسجد میں وقف کرتا رہتا ہے، تو اس سے ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ اس جائیداد کی آمدنی کو ہمیشہ کے لئے وقف کرتے رہنا پڑے گا یا ہمیشہ کے لئے وقف ہو گیا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ واقف جس وقت چاہے گا اسی وقت اس جائیداد کی آمدنی کو عطا کرنے سے بند کر سکتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جیسا کہ کسی نے ایک جائیداد کو یا اس کی آمدنی کو بیس سال یا تیس سال کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے چاہا، وقف کر کے گیا اور اس کا ایک متولی بھی بنا کر گیا اور یہ شرط کر کے گیا ہے کہ اس آمدنی کا اتنا حصہ غریبوں کو تقسیم کرنا اور اتنا حصہ فلاں مسجد میں دینا یا کسی مسجد میں دینا اور اتنا حصہ ایسا ایسا کرنا اور اتنے سالوں کے بعد سب کو دینا بند کر دینا، تو اس متولی کو ان شرائط کے مطابق کرنا ضروری ہوگا اور ایسا کرنا صحیح ہوگا، لیکن بانی المسجد وہ شخص ہے جو کہ صرف بنا دیا ہے ایک مسجد اللہ کے لئے، لیکن وقف نہیں کیا ہے اور مصلی لوگ اس میں پانچوں وقت نماز اور جمعہ کی نماز پڑھنے لگ گئے ہیں اور وہ بانی ان لوگوں کو روکا نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر مصلی نے صرف ایک مرتبہ پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز اس میں پڑھ لیا ہو، تو ہوگئی ہے وہ مسجد اللہ کے لئے، چاہے وہ بانی وقف کرے چاہے نہ کرے۔

پس شرعاً اس میں اس بانی کا کوئی اور حق نہیں رہا ہے کہ وہ بانی اس مسجد کو وقف نہ کرنے کی وجہ سے پھر واپس لے سکتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا ہے یعنی نمازیوں کو نماز پڑھنے سے بھی روک نہیں سکتا ہے اور مسجد کو توڑ کر اس

www.besturdubooks.net

زمین کو بھی واپس نہیں لے سکتا ہے، اگر چہ اس زمین کو وقف بھی نہ کیا ہو، تو بھی وہ بانی اس زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، یعنی واقف اپنی شرائط کے ساتھ زمین کو واپس لے سکتا ہے، لیکن بانی المسجد کسی شرائط کے ساتھ بھی مسجد کو توڑ کر زمین کو واپس نہیں لے سکتا ہے، اس لئے یہاں پر بانی المسجد اور واقف کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اور اسی وجہ سے وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی واقف کے قول کے مطابق ہوگا۔

لیکن بانی المسجد پر وقف کرنا ہی ضروری ہے نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور بانی المسجد کی شرائط پر عمل کرنا بھی ضروری نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کا متولی وہی شخص ہونے کا لائق ہے جو مکانی علماء اور متدین ذی علم مصلیوں کی رائے سے لائق سمجھا جائے اور منظور ہو، وہی شخص مسجد کا متولی بننے کے زیادہ حق دار اور زیادہ صحیح ہوگا اور اگر کسی مسجد کا متولی پہلے سے بنا ہوا ہو اور وہ آدمی نیک ہو اور شرعی احکام کے مطابق چلنے والا اور عمل کرنے والا آدمی ہو اور نظام مسجد کو احکام شرعی کے مطابق چلانے والا ہو کہ جس سے متدین ذی علم مصلی لوگ اس کے کاموں سے خوش اور راضی ہیں، تو ایسی صورت میں وہی متولی قائم رہنے کے لئے حق دار ہوگا اور قاضی یا حاکم اس کو ہی متولی قائم رکھے گا اور اگر ایسا نہ ہو یعنی پہلے سے جو متولی ہے وہ اگر مسجد کی امانت میں خیانت کرنے لگے اور مسجد کی آمدنی خود کھانے لگے اور نظامِ مسجد کو احکام شرعی کے مطابق نہ چلانے لگے، جس سے عام مصلیوں کو تکلیفیں اور متدین ذی علم مصلی لوگ سخت ناحق سمجھنے لگیں جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت ناخوش ہیں تو ایسی صورت میں ان مصلیوں کی رائے سے جو آدمی اچھا اور لائق ہوگا وہی شخص متولی بننے کے لئے زیادہ حق دار ہوگا اور اس کو قاضی یا حاکم متولی بنادے گا۔

ان تمام بیانات سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد کے متولی کا ہر کام متدین ذی علم مصلیوں کے پسندیدہ ہونا ضروری ہے، یہاں یعنی اس مذکورہ عربی عبارتوں کے اندر جو "الا" لفظ آیا ہے، وہ "الا" ایک ایسا لفظ ہے جس کو لفظ مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی الا کے پہلے جو جملہ ہوتا ہے، اس کو مستثنیٰ منہ کہا جاتا ہے اور اس الا کے بعد جو جملہ ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے، یعنی اس الا کے بعد والے جملہ کا مطلب اس پہلے والے جملے کے برعکس ہوتا ہے، خلاف ہوتا ہے، یعنی الٹا ہوتا ہے، چاہے وہ بعد والے جملہ کا مطلب صاف ہو، چاہے صاف نہ ہو اور چاہے وہ بعد والا جملہ لمبا ہو چاہے مختصر ہو۔

www.besturdubooks.net

اس لئے یہاں پر جو جملہ فقیہ ابواللیث نے کہا ہے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کہا ابواللیث نے اور اسی کو ہم لوگ پکڑتے ہیں، یعنی ابوبکر الاسکاف کے قول کو ہم لوگ لیتے ہیں اور اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں، یعنی یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بانی المسجد زیادہ حق دار ہے، امام ومؤذن کو رکھنے کا، مگر رکھنے کا تو اس وقت ذی علم مصلیوں کا ارادہ زیادہ صحیح ہوگا اور اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر نہ کئے ہوں تو معلوم ہوا کہ بانی کا ارادہ ذی علم مصلی لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ہوگیا ہے، اس وجہ سے ذی علم مصلی لوگوں نے کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے، اس لئے بانی کا ارادہ صحیح رہے گا اور اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر کریں گے تو بانی کا ارادہ صحیح نہیں رہے گا، یعنی بانی کا ارادہ باطل ہو جائے گا۔

معلوم ہوا کہ ذی علم مصلیوں کی رائے ماننا ضروری ہے ان تمام مذکورہ عربی عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ واقف کا بنایا ہوا متولی زیادہ بہتر ہے، وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی بننے کے لئے اور بانی المسجد کا بنایا ہوا مؤذن زیادہ بہتر ہے مؤذن کے لئے، اگر ذی علم مصلی لوگ کوئی ارادہ ظاہر نہ کریں۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا بانی المسجد بہتر ہے عمارت بنانے میں اور مؤذن رکھنے میں، ذی علم مصلیوں کی مرضی کے مطابق، ویسا ہی واقف کا بنایا ہوا متولی وقف کی ہوئی چیزوں کا متولی بننے کے لئے بہتر ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ مؤذن رکھنے کے لئے متولی ہرگز بہتر نہیں ہے، بلکہ ذی علم مصلیوں کی رائے سے جو آدمی اچھا ثابت ہوگا، وہی مؤذن بننے کے لئے بہتر ہوگا۔

ان تمام باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ جب بانی کا ہی کوئی حق نہیں ہے، امام بنانے کا اور مؤذن بنانے کا، ذی علم مصلیوں کی مرضی کے خلاف تو متولی کا حق کہاں سے آئے گا؟ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ امام ومؤذن کو رکھنے یا ہٹانے کے بارے میں ذی علم مصلیوں کی مرضی کے خلاف بانی یا متولی کا کوئی پاور نہیں ہے، یعنی جب کسی امام یا مؤذن کو رکھنے کا یا ہٹانے کا ہو، تو ذی علم مصلیوں کی رائے لینا یا رائے ماننا ضروری ہوگا؟

۱...... کیا میرا یہ ترجمہ کرنا صحیح ہوا؟ اگر کہیں بھول ہوئی ہو، تو اصلاح کر دینا۔

۲...... کیا میری یہ تشریح صحیح ہوئی؟ اگر کہیں بھول ہوئی ہو، تو اصلاح کر دینا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے ترجمہ وتشریح میں چند اُمور پر برائے غور نمبر لگا کر کچھ عرض کرتا ہوں:

www.besturdubooks.net

۱-قول (یا اپنی طرف سے) یہ کس لفظ سے مستفاد ہے، یعنی "مــن جهتــه" کی ضمیر میں اس کا احتمال کہاں سے پیدا کیا گیا، اصل عبارت میں تو یہ موجود نہیں ہے۔

۲-قول (قوم بھی ارادہ کریں زیادہ صالح کا) اس لفظ "بھی" سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی اور قوم دونوں نے زیادہ صالح کو ہی تجویز کیا ہے۔ پھر اختلاف کیوں رہا کہ کسی ایک کے رکھے ہوئے کو ترجیح دی جائے۔

۳-اس کا املا "جیم" سے ہے "ز" سے نہیں ہے۔

۴-اپنی ذاتی ملک کی آمدنی سے مسجد میں دیتے رہنا شرعی طور پر وقف نہیں، پس اس جگہ لفظ "وقف" کا استعمال صحیح نہیں۔

۵-مگر جو زمین مسجد کے لئے وقف کردہ ہے، اس کو واپس نہیں لے سکتا (۱)۔

۶-بغیر وقف کئے ہی وہ وقف ہوگئی۔

۷-ابواللیث (فقیہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکر الاسکاف کا قول ہمارے لئے قابلِ اعتماد ہے، یعنی امام ومؤذن مقرر کرنے کے لئے بانی زیادہ حق دار ہے، اہلِ محلہ زیادہ حق دار نہیں، مگر اس صورت میں کہ بانی نے جس امام ومؤذن کو مقرر کیا، اس کے مقابلہ میں قوم (اہلِ محلہ) نے زیادہ صالح کو مقرر کیا تو اس صورت میں اہلِ محلہ کے مقرر کئے ہوئے کو ترجیح ہوگی (۲)۔

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلّم جاز ولايكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۲، رشيديه)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وأما نصب الإمام والمؤذن فقال أبونصر: لأهل المحلة، وليس الباني للمسجد أحق منهم بذلك، وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن يريد إماماً ومؤذناً ويريدون الأصلح، فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴۳۰/۴، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

۸-اگر بانی صالح مؤذن مقرر کرے تو وہ دوسروں کی رائے کا پابند نہیں (۱)۔

۹-اس کو حق ہے کہ بغیر اہل محلہ کے مشورہ کے کسی صالح اور اہل شخص کو امام یا مؤذن تجویز کردے (۲)۔

۱۰-صالح کو امام بنانے اور غیر صالح کو برطرف بھی کرنے کا اس کو حق ہے، اہل محلہ کو اعتراض کا حق اس وقت حاصل ہوگا، کہ وہ نااہل اور غیر صالح کو امام بنادے اور صالح اہل کو امام نہ بنادے (۳)۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ چند اہلِ فہم متدین حضرات کی کمیٹی بنالی جائے، اس کے مشورہ سے کام کیا جائے، تاکہ فتنہ برپا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بانی مسجد امام کے تقرر کا زیادہ حق دار ہے

سوال[۱۰۷۱۱]: کیا درمختار، شامی یہ کتاب حنفیہ مذہب کی کتاب ہے، اس کتاب کے تیسرے حصے کتاب الوقف میں لکھا ہے:

"الباني للمسجد أولیٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عيّن القوم أصلح ممن عيّنه الباني؛ لأن منفعة ذلك ترجع إليهم"(٤).

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ٢٣٢/٦، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(١) "وإن تنازعوا في نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، إن كان ما اختاره أهل المحلة أولى من الذي اختاره الباني، فما اختاره أهل المحلة أولى، وإن كانا سواء فمنصوب الباني أولى". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ١١٠/٢، ١١١، إدارة القرآن كراچی)

(٢) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٣) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٤) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ٤٣٠/٤، سعيد)

"الباني أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار، إلا إذا عيّن القوم أصلح مما عيّنه".

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٢/٢٠٣، مكتبه غفاريه كوئته)

"وأما نصب المؤذن والإمام فقال أبونصر: لأهل المحلة، وليس الباني للمسجد أحق منهم بذلك، وقال أبوبكر الإسكاف: الباني أحق بنصبهما من غيره كالعمارة، قال أبو الليث: وبه نأخذ إلا أن =

www.besturdubooks.net

اس کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! یہ حنفی مذہب کی کتاب ہے، مطلب یہ ہے جس نے مسجد بنائی وہی مؤذن اور امام اس مسجد میں تجویز کرے تو یہ زیادہ مناسب ہے، البتہ اگر وہاں نماز پڑھنے والے کسی ایسے شخص کو تجویز کریں، جس میں زیادہ اہلیت وصلاحیت ہو تو پھر اسی کو ترجیح ہوگی، اس لئے کہ زیادہ صالح اور اہل کی تجویز کرنے کی مصلحت ومنفعت نمازیوں کو ہی حاصل ہوگی، یہ کہ اذان صحیح وقت پر ہوگی اور جماعت میں سنتوں اور مستحبات کا بھی اہتمام ہوگا، جس سے نماز کا درجہ بلند ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۹۱ھ۔

حساب کتاب نہ دینے والے متولی کا حکم

سوال[۱۰۷۶۲]: بکر کو باتفاق نمازیوں کے ایک مسجد کا متولی بنادیا گیا، جب عمر کے علم میں آیا تو اس نے آکر نمازیوں کو خوب ڈانٹا اور دھمکایا اور کہا کہ اس کا متولی پہلے بھی میں تھا اور اب بھی میں ہی ہوں، عمر چونکہ دنیادار، مالدار اور باا‌ثر ہے، لوگ خاموش ہوگئے اور عمر متولی بن بیٹھا، عمر نے جس مسجد کا متولی اپنے کو بنایا ہے، اس کی آمدنی کے ذرائع ہیں، کچھ اوقاف ہیں، کچھ دکانیں ہیں، لوگ شادی بیاہ میں بھی روپیہ دیتے ہیں، چندہ بھی ہوتا ہے، لیکن عمر کوئی حساب نہیں دیتا، اگر حساب مانگا جاتا ہے تو لڑنے لگتا ہے، پولیس کی دھونس دیتا ہے اور کہتا ہے کہ متولی ہوں، جو چاہوں جہاں چاہوں اختیار کلی رکھتا ہوں کسی کو بولنے یا پوچھنے کا مجھ سے کوئی حق نہیں، عمر کا یہ عمل ہے اور وہ اپنے اس عمل پر بے حد مصر ہے، اصلاح ناممکن ہے، اگر عام مسلمان ان باتوں کی وجہ سے اس کو تولیت سے علیحدہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ متولی ان حالات میں نماز پڑھانا چاہے تو نماز اس کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟

= يريد إماماً ومؤذناً يريدون الأصلح فلهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۹/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ انتظام اور حساب صحیح رکھتا ہے، خیانت ثابت نہیں تو الگ کرنے کی ضرورت نہیں (۱)، کہ اس میں فتنہ ہے، اس لئے کہ جب سب نے بالاتفاق بکر کو متولی بنایا، تو پھر اپنے اثر وقوت سے عمرز بردستی متولی بن گیا اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور پولیس کی دھونس دیتا ہے، جس سے سب خائف ہیں، تو اس کو الگ کیسے کریں گے، اگر وقف کی آمدنی کی جانچ، وقف بورڈ سے کرانے کا انتظام کر دیا جائے تو یہ صورت قابلِ اطمینان ہوگی (۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۹۱ھ۔

متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۶۳]: ا..... گوالپاڑہ میں ایک خراسانی پیر صاحب سید ابوالقاسم تھے، تقریباً صد

(۱) "وقد مناه أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بينة".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين، حتى يثبتوا عليه خيانة".

(الدر المنتقي شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۳/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فإن طعن في الوالي طاعن لم يخرجه القاضي إلا بخيانة ظاهرة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في الولاية: ۴۲۵/۲، رشيديه)

(۲) "ويكره تقليد الفاسق، ويعزل به إلا لفتنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۴۸/۱، ۵۴۹، سعيد)

"(إلا لفتنة) أي: إلا إذا خيف حصول فتنة من عزله بسبب فسقه فلا يسعى في عزله؛ لأن ضرر الفتنة فوق ضرر خلعه". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۹/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲۳۹/۱، دار المعرفة بيروت)

(۳) "قد علمت أن مشروعية المحاسبات للنظار، إنما هي ليعرف القاضي الخائن من الأمين، لا لأخذ شيء من النظار للقاضي وأتباعه. والواقع بالقاهرة في زماننا الثاني، وقد شاهدنا فيها من الفساد للأوقاف كثيراً بحيث يقدم كلفة المحاسبة على العمارة والمستحقين. وكل ذلك من علامات الساعة المصدقة لقوله عليه السلام ...... إذا وسد الأمر لغير أهله فانتظروا الساعة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۸/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

سال قبل رہتے تھے، اسی دوران موصوف کا ایک صاحبزادہ انتقال فرما کر مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون ہوا، بعد صاحبزادہ کے موصوف علیہ الرحمۃ بھی چند سال بعد رحلت فرما گئے، جن کو سپرد خاک کئے ہوئے آج تقریباً پچھتر سال ہورہے ہیں اور موصوف کو بھی اسی عام قبرستان میں دفن کیا گیا، باپ بیٹے کی قبر میں صرف ایک پون ہاتھ کا تفاوت ہے۔

آج سے تقریباً بائیس تیئس سال قبل مذکور موصوف کا ایک پوتا محی الدین (عرف بابو) دوسری جگہ سے آکر خادم مقرر ہوئے اور آج تک قبرستان اور مزار شریف مذکور کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں، مسلمانانِ گوالپاڑہ اس خادم کی خدمت سے ناراض ہوئے، کیونکہ اس قبرستان کے سامنے لگائے ہوئے بکس میں جو رقم مزار شریف (قبرستان کے لئے) نذر و نیاز وخیرات کے طور پر آئی ہے، ان تمام روپوں کو خادم مذکور محی الدین صاحب اپنے ونیز اپنے اہل وعیال کے مصرف میں صَرف کرتے ہیں، قبرستان کی تولیت وحفاظت کا کام اچھی طرح پر انجام نہیں دیتے اور قبرستان کی قطعی حفاظت نہیں کرتے، قبرستان کے اندر بیل گائے اور کثرت سے خنزیر جیسے ناپاک جانور ہمہ وقت پیشاب پاخانے کیا کرتے ہیں، لیکن اس خادم صاحب کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہوتی۔

اب مذکورہ قبرستان اور پیر صاحب کے مزار کی تولیت لے کر مسلمانانِ گوالپاڑہ کی انجمن خادم الاسلام اور خادم محی الدین صاحب کے درمیان نزاع چل رہا ہے، اس لئے بروئے شریعت مذکورہ بالا مسلم قبرستان کے سامنے سرکاری راستہ کے کنارے لگائے ہوئے بکس میں رقم عوام الناس مسلم وغیر مسلم جو دیتے ہیں، موصوف کے پردہ کرنے کے بعد ان رقموں کا حق دار انجمن گوالپاڑہ خادم الاسلام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا کہ حق دار موصوف کا پوتا ہی ہے؟ آیا ایسی رقموں کا کیا حکم ہے؟

جو متولی وقف کی خدمت نہ کرے، اس کو معزول کرنے کا حکم

سوال[۱۰۷۶۴]: ۲...... خادم مذکور محی الدین صاحب کو مزار شریف اور قبرستان کی خدمت کو صحیح طریقہ سے سرانجام نہ دینے اور اپنی خوشی سے بکس مذکور کی آمدنی کو اپنے کام میں خرچ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت حل وعقد معزول کرسکتی ہے یا نہیں؟

www.besturdubooks.net

وقف کی آمدنی کوغیر وقف میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۷۶۵]: ۳......مسلمانانِ گوالپاڑہ کی انجمن خادم الاسلام بکس کی آمدنی کے پیسہ کو قبرستان اور مزار شریف کی حفاظت اور دیگر بہتر کاموں میں صرف کرنے کی حق دار ہوسکتی ہے یا نہیں؟ الغرض ان رقموں کو کن کن جگہ پر خرچ کیا جائے؟

آمدنی کے واسطے مزار اور قبرستان کے لئے صندوق لگانا

سوال[۱۰۷۶۶]: ۴......قبرستان اور مزار شریف کے لئے جو روپے گرتے ہیں، ان روپوں کو جمع کرنے کے لئے بکس لگانے کا حق دار انجمن خادم الاسلام ہوسکتا ہے یا مرحوم موصوف کا ناتی (۱)؟

۵......قرآن مجید سورۂ النساء کے آٹھویں رکوع میں ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ سببِ نزول میں جو کلیہ عثمان بن ابی طلحہ حجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت میں وارد ہوا ہے، اس کلیہ کے حکم پر بکس مذکور کی چابی کا حکم قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... پیسہ دینے والوں کا مقصد اگر صرف مزار کے خادم کی امداد واعانت ہے تو انجمن کو اس پر قبضہ کرنے اور دوسرے کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں (۲)، اگر عام قبرستان کی حفاظت کی خاطر دیتے ہیں تنہا مزار کے خادم کے لئے نہیں دیتے، تو پھر جو لوگ سب قبرستان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، ان کو حق ہے کہ وہ پیسہ لے کر حسبِ صوابدید قبرستان کی ضروریات میں صرف کریں (۳)۔ عوام کے سامنے اس مسئلہ کو پیش

---

(۱) "ناتی: نواسہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولايجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۲۴۴، إدارة القرآن كراچى)

"الواقف لو عين إنساناً للمصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۳) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب =

www.besturdubooks.net

کرکے ان کا نظریہ معلوم کرلیا جائے کہ وہ کس مقصد کے لئے دیتے ہیں، اگر کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہوسکے تو دو صندوق قائم کردیئے جائیں، ایک مزار کے قریب جو صرف خادم مزار کے لئے ہو، دوسرا عام قبرستان کے لئے، دونوں پر امتیازی نشان لگادیا جائے، یا لکھ دیا جائے۔

۲...... جب کہ خادم مذکور نے عام قبرستان کی خدمت وحفاظت کی ذمہ داری سے صاف انکار کردیا تو وہ خود ہی معزول ہوگیا(۱)، البتہ مزار کی خدمت کا وہ مقررہ ذمہ دار ہے، وہ مزار اس کے بڑوں کا ہے، عوام کو یہ تو حق نہیں کہ اس کے بڑوں کے مزار کی خدمت سے معزول کردیں (۲)، البتہ اگر وہ خدمت نہیں کرتا تو یہ حق ہے کہ جو

= الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه)

(۱) متولی وقف اگر وقف کی ذمہ داریاں پوری نہ کرنے تو وہ مستحق عزل ہوگا کہ قاضی اس کو معزول کرکے کسی ذمہ دار شخصیت کو متولی بنائے، البتہ وہ خود بخود معزول نہیں ہوگا۔

"وينزع وجوباً لو الواقف غير مأمون او عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه".
(الدرالمختار). "وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي ...... قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن ...... وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به ...... وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل كالقاضي على الصحيح المفتي به". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۸، مكتبه عربية كويته)

(۲) "ومادام أحد يصلح للتولية من أقارب، لايجعل المتولي من الأجانب". (الدرالمختار). "(قوله: ومادام أحد) ولايجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف، وأهل بيته من يصلح لذلك".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب لايجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السادس في الولاية في الوقف: ۷/۴۲، حقانيه پشاور)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

معاوضۂ خدمت دیتے تھے، وہ دینا بند کردیں (۱)۔

۳......جس مقصد کے لئے یہ رقمیں دی جاتی ہیں، اسی مقصد میں خرچ کریں، بشرطیکہ وہ مقصد خلافِ شرع نہ ہو (۲)، اگر قبرستان کے علاوہ کسی دوسرے کارِ خیر میں صَرف کرنا چاہیں تو عامۃ الناس سے بذریعہ اعلان اجازت حاصل کرلیں جب خرچ کریں (۳)۔

۴......مزار کے لئے خادم کو حق ہے، قبرستان کے لئے اس کو حق ہے جو اس کی حفاظت ونگرانی کرے۔

۵......حکم اوپر مذکور ہے، قیاس کی ضرورت نہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "القيم لا يأخذ ما يأخذ إلا بطريق الأجر فلا يستوجب الأجر بلا عمل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۰/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(۲) "شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۳/۴، سعيد)

"الواقف لو عيّن إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

"وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد، وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۸۷۷/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "(وأن يتعدى الحكم الشرعي الثابت بالنص بعينه إلى فرع هو نظيره ولا نص فيه) هذا الشرط وإن =

www.besturdubooks.net

واقف نے تولیت کے لئے کسی کو متعین کردیا تو اس کے خلاف کرنا

سوال[۱۰۷۶۷]: ۱...... ایک مسلمان نے اپنی جائیداد وقف علی اللہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ تاحیات میں خود اس کا متولی ہوں گا اور بعد میری وفات کے زید متولی ہوں گے اور بعد وفات زید یا میری زندگی میں زید فوت ہو جائے، تو بعد میرے تولیت ایک کمیٹی کو پہونچے گی، جس کے تین مقتدر حضرات جو مذہب اسلام رکھتے ہوں اور ضلع مظفر نگر میں رہتے ہوں، ممبر ہوں گے، کیا واقف کو مندرجہ بالا واضح اور صاف ہدایت کی موجودگی میں ضلع مظفر نگر کے مسلمان باشندہ کے علاوہ کسی دیگر ضلع کے باشندہ کو بھی جو مظفر نگر ضلع میں سکونت پذیر نہ ہوں، وقف کمیٹی کا رُکن خلاف مرضی وخلاف منشاء واقف بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... کیا ضلع غیر کے کسی فرد کو ممبر یا رکن بنا کر مسلمان مظفر نگر کی حق تلفی ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... جب تک واقف کی بیان کردہ شرط کی رعایت ہو سکے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۱).

لہٰذا ضلع مظفر نگر ہی کے تین مقتدر ومتدین حضرات کو تولیت کا ذمہ دار بنایا جائے، تین کے علاوہ اگر کمیٹی کے لئے زائد افراد کی ضرورت پیش آئے، تو حسب مصالح غیر ضلع سے بھی لئے جا سکتے ہیں (۲)۔

= كان واحداً تسمية لكنه يتضمن شروطا أربعة ...... الرابع عدم وجود النص في الفرع". (نور الأنوار، بحث القياس، ص: ۲۴۱، رحمانيه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه)

(۲) "نعم لو ثبت بالوجه الشرعي عدم كفاية المشروط له النظر للقيام بأمور الوقف، يضم القاضي له شريكاً في النظر للقيام بالمصالح على سبيل الاشتراك". (الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۲۹، مكتبه عربية كوئته)=

www.besturdubooks.net

۲......منیجر کی حیثیت سے تو ضلع غیر کے آدمی بلا مجبوری کے نہیں لئے جاسکتے کہ یہ منشاء وتصریح واقف کے خلاف ہے۔

بلا وجہ متولی کو ہٹانا

سوال[۱۰۷۶۸]: ۱......یہاں پر مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے اور یہاں ایک مسجد ہے، قبل ایک حاجی صاحب نے مسجد بنوائی اور کچھ جائیداد وغیرہ وقف نہیں کیا، بعد میں چند لوگوں نے ہندو مہاراجہ سے کہا اس نے پندرہ ایکڑ زمین قبرستان، اسکول، مسجد میں دی، اس جگہ میں حاجی صاحب نے مسجد بنوائی اور اراکین کمیٹی کام کرتے چلے آئے اور مکمل جائیداد وغیرہ سب انجمن اسلامیہ کے نام رجسٹرڈ ہیں، یہ انجمن بھی رجسٹرڈ ہے، بعد میں ووٹ کے ذریعہ نئے صدر منتخب ہوئے، صدر کا تقرر تقریباً ۱۹۶۲ء سے ہوئے آج تک چلا آتا ہے، ۱۹۶۲ء کے قبل ان لوگوں نے انجمن کو کچھ ترقی نہیں دی اور اس وقت ماہواری بارہ سو روپے وصول ہوتا ہے، بعد میں چند مخالف نکلے اور مخالفت کرتے رہے، انجمن اسلامیہ رجسٹرڈ ہے، وہ وقف بورڈ کے ہاتھ دے سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اگر وقف بورڈ انجمن پر زبردستی کرے، کیا یہ ٹھیک ہے؟ قبل جو ماہواری مکان کا کرایہ ایک سو ساٹھ روپے وصول ہوا کرتا تھا، مسجد کی زمین تھی، صدر صاحب نے بندو مارواڑی بنگالی وغیرہ سے کہا کہ ہم مکان بنوائیں گے، تم کو مکان لینا ہے، لوگوں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا کہ تم کو مکان دیں گے، لوگوں کی کل رقم اٹھارہ ہزار لی اور مکان کی تعمیر ہوگئی، فی الحال جس کرایہ ماہواری بارہ سو روپے ہے، کیا اس حالت پر مخالف کہتے ہیں کہ وقف بورڈ کو دینا اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......انجمن اسلامیہ اگر رجسٹرڈ ہے اور وہ صحیح انتظامات کرتی ہے، وقف کی آمدنی کو ضائع نہیں کرتی، نہ

= "فإن قلت: ما حكم تولية القاضي الناظر حسبة مع وجود الناظر المشروط له؟ قلت: صحيحة إذا شك الناظر أو ارتاب القاضي في أمانته لقول خصاف كما نقلناه عنه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الوقف، الفصل العاشر، ناظر الواقف: ۷۶۸۲/۱۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

حسابات میں خرابی ہے، تو وقف بورڈ کو اس سے زبردستی لینے کا کوئی حق نہیں، نہ قانوناً نہ شرعاً، اس سے تحفظ کی قانونی تدبیر اختیار کی جائے(۱)۔

۲......اس کا حکم نمبر ا کی طرح ہے، وقف بورڈ کو نہ دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وقد مناه أنه لايعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته، ولا يخرجه إلا بخيانة ظاهرة بنية، وأن له إدخال غيره معه إذا طعن في أمانته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"وليس للقاضي عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين، حتى يثبتوا عليه خيانة".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب يأثم بتولية الخائن: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۲۵، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

www.besturdubooks.net

باب أحکام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجد کے بارے میں سرکاری کاغذات کا اعتبار کیا جائے یا محلے کے پرانے لوگوں کا؟

سوال[۱۰۷۶۹]: ہمارے محلے میں آج سے اکیاون سال پہلے ایک جماعت کی زمین لکھی گئی ہے، اس زمین پر بنیاد ڈال کر زمین کا احاطہ کرلیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس زمین پر اور کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آتی ہے، مذکورہ زمین چندہ کر کے قیمتاً خریدی گئی ہے، یہ پرانے دفتر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ زمین ہمارے فلاں فلاں لوگوں کی چار محلے والوں کی ہے، تین محلہ والے تو اس زمین سے تقریباً پاؤ میل دور رہتے ہیں، اب مذکورہ زمین کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد بنانے کے لئے یہ زمین خریدی گئی ہے اور مسجد کی افتادہ زمین کے نام یہ مشہور ہے مذکورہ زمین سے جامع مسجد تقریباً دوسو گز دور ہے۔

فی الحال ہم لوگوں نے اس کی تحقیق کی (ہماری عمریں ۴۵ سے ۵۰ سال کی ہے) اور اس سے واقف ہونا چاہا کہ حقیقت کیا ہے؟ تو اس کی تحقیق کے لئے چاروں محلے کے عمر رسیدہ لوگوں کو جن کی عمریں ۷۰ سے ۸۰ سال کی ہے، بلا کر پوچھا، یہ لوگ حاجی اور پنج وقتہ نمازی اور شرع کے پابند ہیں، ان لوگوں نے صحیح بات یہ بتلائی کہ زمین مسجد بنانے کے لئے رکھی گئی، لیکن اب ایک آدمی نے افریقہ سے چندہ کر کے بھیجا تھا، وہ رقم ہضم نہ ہو جائے، اس لئے اس کی زمین خریدی گئی، تا کہ اس پر کچھ جماعت کا مکان بنالیا جاوے، جو جماعت کے برتن وغیرہ رکھنے کے لئے کام آسکے، اس حساب سے مذکورہ زمین خریدی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف بنیاد ڈال کر احاطہ کرلیا گیا تھا۔

اب جس شخص نے افریقہ میں چندہ کیا تھا وہ آدمی اپنے وطن میں (یہاں آیا تھا اور لوگوں کے ساتھ جھگڑا ہونے کے سبب کام ملتوی ہو گیا ہے، یہ حقیقت ان اسی سال کے بزرگوں کی بات سے معلوم ہوتی ہے، ہم لوگوں

www.besturdubooks.net

نے پہلے کے جماعت کے دفتروں میں دیکھا تو ایک دفتر میں لکھا کہ ”یہ زمین فلاں لوگوں نے جماعت کی زمین خریدی اس کا روپیہ تین سوایک دیا“ اور دوسرے دفتر میں ایسا لکھا ہے کہ ”فلاں لوگوں کی مسجد کی زمین خریدی، اس کا روپیہ تین سوایک نقد دیا“، دونوں دفتروں میں ایسا الگ لکھا ہوا ہے۔ پھر مذکورہ چار بزرگوں سے گفتگو کی کہ دفتروں میں تو ایسا لکھا ہوا ہے، تو ان چاروں نے بلا دفتر دیکھے ہوئے کہا کہ جو لبے دفتر اصل نقد ادھار کا ہے اس میں جو لکھا وہ صحیح ہے اور اس کے دفتر میں جو لکھا ہے، وہ غلط ہے، اب یہاں کے ۸۰/ سال کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بات صحیح ہے، لہٰذا شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تو ظاہر ہے کہ ابھی وہاں مسجد نہیں بنائی گئی ہے، اس زمین کے متعلق کاغذ میں دونوں قسم کی باتیں ہیں، جو بیان پرانے زندہ لوگ دیتے ہیں کہ وہ اس وقت میٹنگ میں بھی حاضر ہوتے تھے، ان کے بیان پر اعتماد کرنا شرعاً درست ہے کیونکہ بیان حجت شرعی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۸۷ھ۔

بانی کی طرف مسجد کی نسبت کرنا

سوال[۱۰۷۷۰]: ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اس مسجد پر یہ کھدوایا (کہ مسجد وحید یہ بیادگار ڈاکٹر عبدالوحید) بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں، بعض کہتے ہیں کہ درست ہے۔ تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۱) ”لایقضی بمجرد الصکوک والکواغد لخروجها عن الحجج الشرعیة، والحجة: البینة، أو الإقرار، أو النکول، وصرحوا بقبول الشهادة بالتسامع علی أصل الوقف“. (الفتاویٰ المهدیة، کتاب الوقف: ۵۳۶/۲، المکتبة العربیة کوئٹه)

”وتقبل فیه الشهادة بدون الدعویٰ ...... والشهادة علی الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لإثبات أصله، وإن صرحوا به بالسماع في المختار ...... حفظاً للأوقاف القدیمة عن الاستهلاک“. (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۰۹-۴۱۱، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مسجد بنادی گئی اور مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رکھا گیا، تو اس میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے(۱)۔ محض عبارت مذکورہ کندہ ہونے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، بانی کی طرف مسجد کی نسبت میں کوئی اشکال نہیں، حدیث شریف میں مسجد بنی فلاں کہنے کی اجازت ہے(۲)۔ مسجد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسجد بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں، اس کا مقصد یا تو بانی کی یادگار ہے یا محلہ میں واقع ہے، یا قریب ہے۔ غرض یہ اضافت المملوک الی المالک نہیں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "أنه إذا بني مسجداً وإذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة فإنه يصير مسجداً". (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۲۰، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۶، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سابق بين الخيل التي اضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق ... الخ". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۵۹، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الإمامة، باب المسابقة بين الخيل وتضميرها: ۲/۱۳۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الجهاد: ۲/۲۰۶، قديمی)

(۳) "المساجد وإن كانت لله ملكاً وتشريفاً، فإنها قد تنسب إلى غيره تعريفاً، فيقال مسجد بني فلان، وفي صحيح الحديث أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سابق بين الخيل التي اضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وتكون هذه الإضافة بحكم المحلية كأنها في قبلتهم، وقد تكون بتحبيسهم، ولا خلاف بين الأمة في تحبيس المساجد والقناطر والمقابر وإن اختلفوا في تحبيس غير ذلک". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۹/۱۸، الجن: ۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"هذا باب في بيان إضافة مسجد من المساجد إلى قبيلة أو إلى أحد مثل بانيه أو الملازم للصلاة=

www.besturdubooks.net

مسجدوں کو شہید کرتے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال[۱۰۷۷۱]: دہلی کی تین مسجدیں جس ڈھٹائی کے ساتھ دہلی کارپوریشن کی طرف سے شہید کردی گئی اور ہندوستان کے کسی بھی مقام پر کسی وقت بھی غنڈوں یا سیونسی پارٹیوں کی طرف سے اس طرح شہید کرنے کا خطرہ لگا ہوا ہے، ایسی صورت میں ہندوستان یا دہلی دارالامن قرار پاتا ہے یا دارالحرب؟ شہید کی ہوئی مسجدوں کے متعلق اب مسلمانانِ دہلی ہندوستان ودنیا کو کم ازکم اور زیادہ سے زیادہ کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کا شہید کرنا خلافِ قانون ہے(۱)، قانونی چارہ جوئی کی جائے، اگر کوئی حرکت کسی شہر یا ملک میں خلافِ قانون سرزد ہو اور اس پر حق حاصل ہوتے ہوئے بھی قانونی چارہ جوئی نہ کی جائے تو اس سے اس شہر یا ملک کا حکم نہیں بدلے گا، بلکہ اس کو اپنی کمزوری اور کوتاہی قرار دیا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

= فيه، هل يجوز أن يقال ذلك؟ نعم! يجوز ذلك والدليل عليه حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما ...... والجواب عن تمسكه بالآية أن الإضافة فيها حقيقة وإضافتها إلى غيره إضافة تمييز وتعريف". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۲۳۳/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان: ۶۷۸/۱، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: خراب المساجد قد يكون حقيقياً كتخريب بخت نصر، والنصارى بيت المقدس على ما ذكر أنهم غزوا بني إسرائيل فقتلوا ...... وقذفوا في بيت المقدس العذرة وخربوه ...... ويكون مجازاً كمنع المشركين المسلمين حين صدوا عن المسجد الحرام ......؛ ولذلك قلنا: لايجوز نقض المسجد، ولا بيعه، ولا تعطيله". (الجامع لأحكام القرآن: ۵۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وقال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: وظاهر الآية العموم في كل مانع، وفي كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه ...... (وسعىٰ في خرابها) أي: هدمها، وتعطيلها". (روح المعاني: ۳۶۳/۱، ۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "عن طارق بن شهاب قال: قال أبو سعيد: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من رأى =

www.besturdubooks.net

ایک مسجد کے متعلق اختلاف کہ وہ سنیوں کی ہے یا شیعوں کی

سوال[۱۰۷۷۲]: ایک مسجد جواَب سے تقریباً ڈیڑھ سوسال قبل مختلف اقوام کے افراد نے بنوائی تھی، جس میں حضرات سادات اہلِ سنت والجماعت بھی شریک تھے، زمین کے متعلق زیادہ قرینہ یہ ہے کہ حضرات سادات کی ہی تھی، جو مذہباً اہلِ سنت والجماعت تھے، مسجد جب سے عالم وجود میں آئی اس وقت سے تاوقت تحریر استفتاء ہذا اہلِ سنت والجماعت کے عمل دخل میں چلی آرہی ہے۔ شیعہ صاحبان میں سے ایک آدھ آدمی نماز پڑھتے رہتے ہیں، تقریباً ۵۰، ۶۰/ سال قبل یہ مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی، اس مرتبہ مسجد مذکور کی تعمیر ایک ہندو عورت جو کہ شیعہ ہوگئی تھی، اس نے کچھ رقم دی تھی اور کچھ رقم ایک سنی صاحب نے دی، باقی اہل محلہ کے تمام افراد نے مل کر دی، مسجد تعمیر ہوئی، تب سے آج تک اہلِ سنت الجماعت کی نگرانی میں رہی۔ تمام اخراجات امام مؤذن دیگر ضروریات کے کفیل اہلِ سنت والجماعت ہیں۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے شیعہ صاحبان نے خفیہ طور سے مسجد مذکور کو شیعہ وقف بورڈ لکھنؤ میں وقف کردیا، جس کا علم اہلِ سنت والجماعت کو بالکل نہیں، اس مسجد کے برابر میں شیعہ صاحبان کا امام باڑہ ہے، اسی نسبت پر دونوں کو ایک جگہ بتلا کر وقف کردیا، پھر مسلم سنی وقف بورڈ کی جانب سے امام مسجد کے نام نوٹس آیا کہ آپ اس مسجد کو وقف کرادو، چنانچہ جب ہم لوگوں نے قدم اٹھایا تو شیعہ صاحبان نے شیعہ وقف بورڈ کا وقف نامہ پیش کرکے ہمارا وقف بند کرادیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ مسجد ہمارے بڑوں نے بنائی ہے، لہٰذا یہ مسجد ہماری ہے، معاملہ عدالت میں پہنچ گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً اس مسجد کا حق دار کون ہیں؟

نوٹ: ۱۹۶۷ء کے بندوبست میں مسجد مذکور کے رقبہ میں مسجد وقبرستان لکھا ہوا ہے، امام باڑہ کا کوئی نام نہیں۔

= منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع بقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۲۸۶/۷، دار المعرفة بيروت)

(وسنن ابن ماجة، باب ماجاء في صلاة العيدين: ۹۳۱/۲، دار الجيل)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر: ۳۱۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں تحریر کردہ حالات کے پیشِ نظر وہ مسجد اہلِ سنت والجماعت کی مسجد ہے، مسجد کے لئے زمین وقف ہونے کے بعد اگر کسی دفعہ تعمیر میں غیر مسلم بھی چندہ دے دے تو اس کو دعویٰ ملکیت کا حق نہیں ہوجاتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

گیلری داخلِ مسجد ہے یا خارجِ مسجد؟

سوال[۱۰۷۷۳]: ایک دومنزلہ مسجد ہے، جس کے اوپر کی منزل کی گیلری باہر کو نکلی ہوئی ہے اور اس کے نیچے عام راستہ ہے، جس طرح عموماً کوٹھیوں اور بلڈنگوں کی گیلری باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے، زید نے کہا کہ گیلری مسجد کے باہر کے حصہ میں ہے، یعنی خارج من المسجد ہے، لہٰذا وہاں کھڑے ہوکر جماعت میں شامل ہونے سے جماعت کے برابر ثواب نہیں ملے گا، بکر نے کہا وہ گیلری مسجد ہی میں شمار ہے، لہٰذا وہاں کھڑے ہونے سے جماعت خانہ کی نماز کے برابر ہی ثواب ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو گیلری راستہ کے اوپر بنائی گئی ہے، وہ خارج عن المسجد ہے(۲)، جب تک جماعت خانہ (مسجد) میں

---

(۱) "فإذا تم ولزم لایملک، ولا یملک، ولا یعار، ولا یرهن". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۲، سعید)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العباد عنه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ -﴿وأن المساجد لله﴾- مع العلم بأن كل شيء له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق كل من سواه". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۳۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

www.besturdubooks.net

جگہ ہو، گیلری میں کھڑے ہونے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، مسجد پُر ہوگئی ہو تو گیلری میں مجبوراً کھڑے ہونے سے ثواب میں کمی نہیں آئے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مکان، مسجد شرعی کب بنتا ہے؟

سوال[۱۰۷۷۴]: ہمارے ایک قریہ میں ایک گھر کو مسجد کا نام رکھ کر نماز ادا کی جاتی تھی، اب اس گھر کے پینتیس گز فاصلہ پر زید نے اپنی خالی جگہ مسجد کے لئے دے دی اور مسجد بنادی گئی، اس میں نماز ادا کی جارہی ہے، اب زید اپنی خالی جگہ نئی مسجد کے لئے جو دے چکا ہے، اس کے عوض پہلے (جس کا نام مسجد رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے، اب بیکار ہے) کو اپنے بودوباش کے لئے رکھ لینا چاہتا ہے، اس گھر کو توڑ کر مکان تعمیر کرانا چاہتا ہے، آیا یہ صورت از روئے شرع جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس گھر کو وقف کردیا اور اپنا مالکانہ قبضہ اٹھا کر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دے دیا تھا کہ اس میں اذان وجماعت ہوتی تھی اور جب جس کا دل چاہے وہاں آکر نماز پڑھ لیتا تھا، کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور اس شخص کا رہنا سہنا اس میں نہیں تھا، نہ وہاں اس کا سامان رکھا ہوا تھا، تو وہ مکان شرعی مسجد ہے (۲)، اب اس کو

---

(۱) "الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد، ولم يجد موضعاً، يصلي فيه فلابأس به". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۶۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، باب مايكره للمصلي: ۱/۳۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

"ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن بالصلاة فيه، وإذا =

www.besturdubooks.net

واپس لینے کا حق نہیں رہا(۱)، اگر اس طرح اس کو مسجد قرار نہیں دیا گیا تھا، بلکہ دوسری کوئی جگہ نماز کے لئے نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر جب تک کوئی جگہ میسر آئے، نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، نہ اس کو وقف کیا تھا نہ ہمیشہ کے لئے مسجد قرار دیا تھا، نہ اپنا مالکانہ قبضہ اٹھایا تھا تو وہ مسجد شرعی نہیں (۲)، اب دوسری جگہ مل جانے کے بعد اس کو حق ہے کہ اس میں رہنا سہنا شروع کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۷ھ۔

= صلى فيه واحد زال ملكه، أما الإفراز فإنه لايخلص لله تعالىٰ إلا به، وأما الصلاة فيه؛ فلأنه لا بد من التسليم عند أبي حنيفة". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٢١٦/٥، رشيديه)

"وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يفرز بلسانه ...... وفتح الباب، وأذن فيه وأقيم، وأذن للناس بالدخول فيه عامة، فيصير مسجداً إذا صلى بجماعة فيه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ٥٧٠/٥، قديمي)

(١) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز ولايكون له أن يرجع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٢٩١/٣، رشيديه)

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ٢٢٥/٢، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ٢٣٢/٦، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٢) "رجل له ساحة لا بناء فيه. أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٢٩٠/٢، ٢٩١، رشيديه)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة، فهذا على ثلاثة أوجه: ...... وأما إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ٥٧٠/٥، ٥٧١، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ١٢٩/٧، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

عارضی مسجد کا حکم

سوال[۱۰۷۷۵]: آج سے تقریباً ۷۰/سال قبل میرے گاؤں کے دو پیر مرشد روشن ضمیر کے دو گواہوں میں کسی مسئلہ پر جامع مسجد میں کشیدگی ہوگئی، جس کی بناء پر ایک گروہ عارضی طور پر تصادم سے بچنے کی غرض سے ایک بڑے مکان پر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ بعد ازیں پھر دونوں گروہوں میں اتفاق واتحاد ہوجاتا ہے اور پھر ایک ہی ساتھ جامع مسجد میں نمازیں ادا کرتے ہیں، مگر آج ماہ نومبر ۱۹۷۱ء کو چند حضرات اس قطعہ اراضی کو مسجد قرار دے کر اس شخص کو جو یقیناً اس کا اصل حق دار ہے، گھر خالی کرنے کو کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں اس شخص کو اس قطعہ اراضی کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ بیوی بچوں والا شخص جو ستر سال سے مقیم ہے، بے گھر ہوجاتا ہے، اب حضور والا سے التماس ہے کہ ایسی صورت میں اس شخص کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قطعہ اراضی کے لئے کیا فتویٰ ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مکان کو وقف نہیں کیا گیا اور مالک نے اپنا قبضہ مالکانہ نہیں اٹھایا، بلکہ عارضی طور پر وہاں کچھ روز تک نماز پڑھی تو اس سے شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہوا، بلکہ مالک کی ملک ہے، اس سے زبردستی خالی کرانے کا حق نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۹۱ھ۔

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيه. أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... إن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۰، ۲۹۱، رشيديه)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة ...... إن وقّت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة، ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً لو مات تورث عنه". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/۱۲۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۷۰، ۸۷۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

عارضی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد اور اس میں اعتکاف کا حکم

سوال[۱۰۷۷۶]: جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں ساٹھ سال سے ایک مسجد تھی، جس میں علاوہ پنجگانہ نماز جمعہ وتراویح کی پابندی کے ساتھ اعتکاف بھی رمضان میں ہوتا تھا، مسجد کی توسیع کے خاطر اسے شہید کردیا گیا اور دوسرے مکان میں مسجد کا بعض اثاثہ مثلاً: فرش، منبر وغیرہ کو منتقل کیا گیا اور وہاں اسی پابندی کے ساتھ مقررہ امام ومؤذن کے ساتھ پنجگانہ نماز وجمعہ ہونے لگا، رمضان میں معتکفین نے اعتکاف کرنا چاہا تو ایک مولوی صاحب نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ مسجد نہیں ہے، اس میں اعتکاف نہیں ہوگا، اعتکاف کے لئے مسجد ہونا شرط ہے، وہ لوگ اعتکاف سے رک گئے اور اعتکاف نہیں ہوا۔

کیا مذکور مولوی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اعتکاف نہ کرنے کی وجہ سے جملہ گاؤں والے گنہگار نہیں ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد شرعی وہ ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو، عارضی طور پر اگر کسی جگہ اذان وجماعت کی جائے، مثلاً: اصل مسجد کی تجدید وتعمیر کی خاطر، تو وہ جگہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)، اعتکاف شرعی مسجد میں ہوتا ہے(۲)، عورت البتہ اپنے مکان پر کسی ایک مخصوص جگہ میں جہاں وہ نماز پڑھتی ہو،

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيه. أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة ...... إن امرهم بالصلاة شهراً أو سنة، ثم مات يكون ميراثاً عنه؛ لأنه لا بد من التابيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۰/۲، ۲۹۱، رشيديه)

"رجل له أرض ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بالجماعة، فهذا على ثلاثة أوجه: ...... وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لاتصير الساحة مسجداً، لو مات تورث عنه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۰/۵، ۵۷۱، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۲۹/۷، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما شروطه (الاعتكاف) ...... ومنها مسجد الجماعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۱/۱، رشيديه)

"وهذه العبادة أي: الاعتكاف لا تؤدى إلا في مسجد". (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف: ۲۷۳/۲، رشيديه) ......

www.besturdubooks.net

اعتکاف کرسکتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے لئے دی ہوئی زمین پر مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۷۲]: ۱...... برگی نگر جہاں مسلمان تقریباً ایک سو ہیں اور وہ جگہ ایسی ہے کہ سرکار کے حکم کے مطابق وہاں آدمی نہیں رہے گا، کیونکہ وہ اس جگہ میں ایک پتھر کا (ڈیم) باندھ پانی روکنے کے لئے تیار کررہے ہیں، پانچ سال میں ختم ہوجائے گا، وہاں اکثر سرکاری آدمی ہی رہتے ہیں، جن کی تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، مزدور طبقہ سے لے کر افسر تک سب کی مجموعی تعداد ۱۰۰/ ہے، وہاں مسجد نہیں ہے، بلکہ ایک ہال میں نماز ادا کی جاتی ہے، ایسے وقت میں اگر حکومت کے لوگ مسجد بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم بناسکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... مسلمان افسر کے ماتحت سیمنٹ اور مسجد بنانے کے سارے لوازمات ہیں، کیا ان کو تصرف کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اصحاب رائے اور اہل تدبر وہاں مسجد بنانا مفید سمجھتے ہیں تو بنالیں۔ اللہ پاک اس کے آباد رہنے کا انتظام فرمائے۔

۲...... اگر سرکار کی طرف سے اس کام کے لئے سیمنٹ وغیرہ خرچ کرنے کی اجازت ہے، تو درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۲۲۱/۱، رشيديه)

(۱) "(قوله: والمرأة تعتكف في مسجد بيتها) يريد به الموضع المعد للصلاة؛ لأنه أسترلها".

(البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۵۲۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۴۹۴/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۲۱۱/۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

نماز کے لئے بنائے گئے چبوترے کو شرعی مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

ایک اراضی جس کا رقبہ تقریباً ۱۲/بیگھہ کا ہے، اس اراضی کے ایک حصہ میں مالکانہ قبضہ رہتے ہوئے اپنے مردے دفن کرتے چلے آرہے ہیں اور کافی معتد بہ حصہ اراضی مذکورہ کا نمبراس نمبر مزروعہ اراضی میں مدت سے ایک مسجد بشکل چبوترہ بنی ہوئی ہے، مالکان نے پکھا اجازت دی جس میں مسلمان نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ جگہ وقف قبرستان نہیں ہے اور اس میں چبوترہ نماز کے لئے موجود ہے اور مالکان کی اجازت ہے تو اس کو مسجد کی شکل دے کر تعمیر کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے دکانیں

سوال[۱۰۷۷۹]: ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس کے نیچے دکانیں اور اوپر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

= ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۶/ ۱۶۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني الفوائد: ۲/ ۲۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/ ۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/ ۳، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

اس کا کیا مطلب ہوگا کہ تحت الثریٰ سے فوق الثریا تک مسجد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب حق اللہ رہے، حق العبد اس سے منقطع ہوجائے، کوئی دعویٰ ملک نہ کر سکے(۱)، مسجد کے آس پاس گرداگرد دکانیں بنوادی جائیں(۲)، ایسا نہیں چاہیے کہ نیچے کی سب منزل دکانیں ہوں اور صرف اوپر کی منزل مسجد ہو، اوپر نماز ہوتی رہے اور نیچے مسلم وغیر مسلم، پاک ناپاک، حلال وحرام تجارت وغیرہ کرتے رہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العباد عنه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ -﴿وأن المساجد لله﴾- مع العلم بأن كل شيء له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق كل من سواه". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتها فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(۳) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز، ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً، وجعل باب المسجد إلى طريق، وعزله عن ملكه لايكون مسجداً، وله بيعه، ويورث عنه". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد)

"ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق، وعزله أو اتخذ وسط داره مسجداً، وأذن للناس بالدخول فله بيعه، ويورث عنه)؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد =

www.besturdubooks.net

نئی مسجد اور پرانی مسجد میں نماز

سوال[۱۰۷۸۰]: ضلع ۲۴ پرگنہ کے ایک مسجد میں تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی ایک چھوٹی سی جامع مسجد تھی اور اس میں صرف ۲۰، ۲۲ کے قریب نمازی نماز پڑھتے ہیں، اس کے بعد آج سے تقریباً ایک سو سال قبل ایک زمیندار آدمی نے چاہا کہ یہ مسجد چھوٹی سی ہے، مصلیان کا گزارا نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے مسجد کے نام پر ایک سو بیگھہ دھان زمین اور بالا خانہ وقف کردیا جو بہت بڑا شاندار پانچ گز والا ہے، بجلی اور پنکھے بھی لگوادیئے ہیں اور اب اس میں ساٹھ پینسٹھ مصلی نماز پڑھتے ہیں، جب وہ مسجد بنائی گئی اس وقت کوئی جھگڑا وغیرہ بھی نہیں ہوا اور سب نے مل جل کر مسجد بنائی اور سب کے سب مل کر آج تک نماز پڑھ رہے ہیں۔

ابھی دو ایک آدمی بتلا رہے ہیں کہ پہلے والی چھوٹی مسجد کا گھر نہیں ہے اور اس مسجد سے یہ نئی مسجد جو کہ تقریباً ۲۵، ۳۰ ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، مگر وجہ یہ ہے کہ اس چھوٹی سی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، اس لئے بڑی مسجد اس کے ساتھ (ملاوٹ) ایک ساتھ نہیں لگا سکتے، البتہ وہ جگہ بیکار پڑی ہوئی ہے، تو اب چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ چھوٹی مسجد کے تینوں طرف قبرستان ہے، ویسے آج تک سب لوگ اس نئی مسجد میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، لہٰذا اس چھوٹی مسجد کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا، میں نے یہ کہا ہے کہ جب مسجد کے اردگرد قبرستان ہے، تب وہ چھوٹی سی جگہ ۲۲، ۲۵ آدمیوں کے نماز پڑھنے کا وہ قبرستان میں لگادینے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طریقہ پر مسجد بنادی گئی ہے اور وہاں اذان جماعت شروع ہوجائے، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو(۱)، جب نئی مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی اذان

= متعلقاً به ...... وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون علوه وسفله مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "قال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً، ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوىٰ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"ولو خرب ماحوله، واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه =

www.besturdubooks.net

وجماعت سب درست ہے(۱)۔ پرانی مسجد کا کوئی نشان اب موجود نہیں، لیکن اگر دلیل سے ثابت ہو جائے کہ یہاں سے یہاں تک مسجد تھی، تو اب اس کو قبرستان کے کام میں لانے کی اجازت نہیں، بلکہ اس جگہ کو گھیر کر محفوظ کر دیا جائے، تاکہ وہاں مردے دفن نہ ہوں (۲)۔ اور اذان نماز سے اس پرانی چھوٹی مسجد کو بھی آباد کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۹/۲۵ھ۔

غیر موقوفہ زمین سے مسجد ہٹا کر وہاں بیٹھک بنانا

سوال[۱۰۷۸۱]: ایک قطعہ زمین پر تقریباً نصف صدی سے ایک مسجد قائم ہے، لیکن جس جگہ مسجد قائم ہے، وہ جگہ وقف شدہ نہیں ہے، باوجود اس کے مسجد عام ہے، یعنی جماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، اذن عام ہے وغیرہ، اب محلہ والوں کا خیال ہوا ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹالی جائے، دوسری جگہ بنالی جائے اور اس خالی شدہ مسجد کی جگہ کو اپنے تصرف میں لائے مثلاً: بیٹھک یا بیل کے رہنے کی جگہ بنادے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد وہاں سے ہٹانا اور خالی شدہ جگہ کا اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فتاویٰ دارالعلوم میں تائید

= يفتى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"وقال أبو يوسف: يبقى مسجداً أبداً". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۶/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"أنه إذا بنى مسجداً، وأذن للناس فيه، فيصلي فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۰/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۶۰۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

مسجد پر مطلق زور دیتے ہیں، خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ، لیکن سہارنپور سے فتویٰ آیا ہے کہ غیر موقوفہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد کو ہٹانا درست ہے اور اس جگہ کو ہر قسم کے تصرف میں لانا بھی درست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کی اجازت اور رضامندی سے وہاں مسجد قائم کی گئی اور اذان اور جماعت پنجگانہ وجمعہ واذان عام سب کچھ نصف صدی سے ہو رہا ہے، تو وہ شرعی مسجد ہے، اس کو وہاں سے ہٹانا اور اس جگہ بیٹھک یا بیل کے رہنے کا گھر بنانا جائز نہیں، مسجد کے لئے تحریری وقف نامہ ضروری نہیں، نہ زبان سے اس کو یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ مسجد ہے، بلکہ مذکورہ بالا صورت حال کافی ہے۔

لیکن اگر بغیر مالک کی اجازت ورضامندی کے زبردستی بطور غصب اس زمین پر قبضہ کر لیا گیا اور مسجد بنا لی گئی اور مالک اس کو واگزار کرانے سے عاجز ومجبور رہا تو شرعاً وہ مسجد نہیں ہوئی، اس کو وہاں سے ہٹانا لازم ہے، غالباً سہارنپور کا فتویٰ اس صورت کے لئے ہوگا۔

"لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح (إلى قولها) وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعلا مسجداً، كذا في ردالمحتار نعمانيه: ۳۵۹/۱(۱).

"ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل أي: بالصلوة فيه. ففي شرح الملتقى: أنه يصير مسجداً بلا خلاف حتى أنه إذا بنى مسجد أو أذن للناس بالصلوة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً اهـ"(۲).

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۱/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۶۷/۲، ۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۶/۴، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

"فإذا تم ولزم لایملك أي: لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملك أي: لایقبل التملیك لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه، ولایعاز، ولا یرهن لاقتضائهما الملك الخ"(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱۱/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱۱/۱۹ھ۔

حکومت کی دی ہوئی زمین پر مسجد کی تعمیر کرنا

سوال[۱۰۷۸۲]: اسلامیہ اسکول ایک ہندو کی زمین پر واقع ہے، جو موجود ہے اور موجودہ حکومت کے قانون کے تحت گاؤں سماج یعنی پنچایت کے تحت ہے اور زمینداری کے زمانہ میں اسی ہندو کی تھی اور اس کے نیچے ایک تالاب ہے، ناظم مدرسہ نے اس زمین کو سرپنچ (۲) پردھان (۳) وممبران پنچایت سے مدرسہ کے نام پنچایتی قانون کے اعتبار سے مدرسہ کے نام کرالیا ہے، جس کا مقدمہ ہندو مدرسہ سے باقاعدہ لڑ رہے ہیں۔

جواب طلب یہ ہے کہ مدرسہ مقدمہ جیت گیا تو اس کے اوپر مسجد بنوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ تمام زمینوں کی مالک حکومت ہے اور حکومت کے کارکنان نے یہ زمین مدرسہ کے نام پر لکھ دی،

= (وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۳۳/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۲۱۶/۵، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "سرپنچ: پنچایت کا سربراہ، پنچوں کا سردار، صدر، میر مجلس"۔ (فیروز اللغات، ص:۸۳۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پردھان: صدر، گاؤں کا مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص:۳۰۶، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

تو یہ زمین مدرسہ کی ملک ہوگئی، مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر اس میں مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے(۱)۔

نظیرہ في الهداية: "وإذا غلب الترك على الروم فسبوهم وأخذو أموالهم ملكوها" هدايه: ۲/۵٤٨(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۹ھ۔

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرکے مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۷۸۳]: گاؤں والوں نے ایک زمین پر ناحق قبضہ کرلیا اور مقدمہ لڑا کر مقدمہ جیت لیا اور اس پر مسجد بنالی، جب کہ ایک مسجد پرانی موجود ہے اور وہ بھی نمازیوں سے پُر نہیں ہوتی، کیا یہ مسجد شرعی مسجد ہوگی اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی اور جس نے مقدمہ لڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرنا اور غلط مقدمہ لڑا کر اس کو حاصل کرلینا اور اس پر مسجد تعمیر کرلینا شرعاً درست نہیں(۳)، یہ کوئی دین کا کام نہیں ہے، یہ تو ظلم ہے(۴)۔ جب کہ ایک مسجد پرانی وہاں موجود ہے، وہی

---

(۱) "لو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر، لأنه من المصالح". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الهداية، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۵۸۰/۲، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۱۶۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲۳۳/۲، رشيديه)

(۳) "ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه أو صالح على مال، دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۱/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالكه وقت الوقف ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم =

www.besturdubooks.net

نمازیوں سے پُرنہیں ہوتی تو دوسری مسجد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟! تاہم اگر مسجد بنالی گئی تو اس کی جتنی قیمت ہے، وہ مالک کو دی جائے یا اس کے عوض زمین دی جائے (۱)، وہ مالک خوشی سے اپنی اس زمین کو مسجد کے لئے دے دے تو ٹھیک ہے اور شرعاً درست ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۲۶ھ۔

غیر مسلم کا حرم میں داخلہ کیوں ممنوع ہے؟

سوال[۱۰۷۸۴]: مکہ میں غیر مسلموں کو داخل کیوں نہیں ہونے دیتے؟ جب کہ ہمارے

= يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۲/۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم، لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۹/۱۹۶، رشيديه)

(۱) "ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها ...... وقال: ومن غصب ساحة فبنى عليها زال ملك المالك عنها، ولزم الغاصب قيمتها". (الهداية، كتاب الغصب، فصل فيما يتغير بفعل الغاصب: ۳/۳۷۶-۳۷۸، رحمانيه)

"ويجب رد عين المغصوب أو مثله، إن هلك وهو مثلي، وإن انقطع المثل فقيمته يوم الخصومة". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۲، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب: ۵/۱۱۹، رشيديه)

(۲) "لو أجاز المالك وقف فضولي جاز". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۱، سعيد)

"ولو وقف ضيعة غيره على جهات فبلغ الغير فأجازه جاز بشرط الحكم والتسليم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ہندوستان میں مسلمان اور ہندو مل کر رہتے ہیں اور تمام ہندو لوگ مسلمان پیروں کے زیارت پر جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہی دربار میں وہی جا سکتا ہے جس کے پاس شاہی پروانہ ہو، دوسرا شخص نہیں جا سکتا، شاہی پروانہ ہے ایمان، جس کی علامت ہے "لا إلـه إلا الله محـمـد رسول الله" (۱) ہندو بھی اپنے مخصوص اور متبرک مقامات پر دوسروں کو آنے کی اجازت نہیں دیتے، بعض تیرتھ (۲) ایسے ہیں کہ وہاں کوئی غیر ہندو غسل (اشنان) نہیں کر سکتا، نہ عام مساجد کے یہ حال ہیں، نہ عام مندروں کے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۱۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبة: ۲۸)

"عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "بني الإسلام علی خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله......". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب أركان الإسلام، ص: ۱۹، دار السلام)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم، ص: ۵، دار السلام)

(۲) "تیرتھ: نہانے کی جگہ، مقدس مقام یا مندر جہاں لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۰۲، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اوراس کی تعمیر کا بیان)

دومنزلہ مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۸۵]: دومنزلہ مسجد کا بنوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

مسجد کی تعمیر کنکریٹ کے ذریعہ کرنا

سوال[۱۰۷۸۶]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں کنکریٹ ڈال کر مضبوط بنانا بدعت ہے، بعض کہتے ہیں کہ بدعت نہیں مسجد نبوی میں کنکریٹ موجود ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جی ہاں! مسجد نبوی میں بھی کنکر موجود تھی اوراب بھی کچھ حصہ میں ہے، مسجد حرام (مکہ معظمہ) میں بھی جگہ جگہ کنکر موجود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "لأنه مسجد إلى عنان السماء". (الدرالمختار). "وكذا إلى تحت الثرى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"صرح في الإسعاف: بأنه إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً". (الدرالمنتقى في شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳/۴۲۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجدِ ضرار کا بیان)

مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم

سوال[۱۰۷۸۶]: تقریباً سو سال ہوئے ہیں کہ ایک جامع مسجد میں تعلیم وتدریس جاری ہے اور اس تعلیم وتدریس کے لئے جو عالم کو رکھا جاتا ہے، وہی عالم پنجگانہ نماز وعیدین کی نماز اور جنازہ کی نماز پڑھانے اور جمعہ کی نماز پڑھانے کا ذمہ دار رہتا ہے، اس گاؤں میں دو عالم ہیں، وہ دو عالم بھی جب کبھی تعلیم وتدریس دیتے رہے، ان دونوں پر بھی بالا مذکورہ موقوف تھا، لیکن چند سال سے ان دونوں عالم کو تعلیم وتدریس کے لئے نہیں رکھا گیا اور دوسرے عالم کو رکھا گیا۔

اب گاؤں کے دونوں عالم نے جھگڑنا شروع کیا، تب گاؤں کے عالم کہنے لگے کہ موجودہ عالم کے پیچھے دونوں کی نماز صحیح اور درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ ہم دونوں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور پڑھے ہوئے کے ساتھ کم عمر کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی، اس بات کے فیصلہ کے لئے ایک نامی گرامی عالم کو بلایا گیا، اس نامی گرامی عالم نے موجودہ عالم کو باطل قرار نہیں دیا اور کہا اس موجودہ عالم کے پیچھے بڑے چھوٹے مولوی ہوں یا عالم، سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن اس فیصلہ کے لئے جامع مسجد میں لوگ جمع ہوئے اور چند لوگ فساد کے خوف کی وجہ سے کچھ ہتھیار مسجد کے آس پاس مکان میں رکھے تھے، فیصلہ کے بعد گاؤں کے دو عالم نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کر دی، تب گاؤں کے دونوں عالم سے پوچھا گیا آپ دونوں عالم نے کیوں دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کر دی؟ تو انہوں نے کہا، کہ دونوں عالم کو مارنے کے لئے مسجد کے آس پاس مکان میں ہتھیار جمع کیا، لہٰذا یہ مسجد ضرار ہوگئی اور مسجد ضرار میں نماز پڑھنی درست نہیں۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ مسجد حقیقت میں مسجدِ ضرار ہوگئی؟ اور ان دونوں عالموں نے دوسری جگہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مسجد نیک نیت سے بنائی گئی اور مدت تک اس میں سب متفق ہوکر نماز صحیح طور پر ادا کرتے رہے اور اب کسی وجہ سے اختلاف ونزاع کی نوبت آگئی تو اب اس قدیم مسجد کو مسجدِ ضرار نہیں کہا جائے گا(۱) اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، اختلاف ونزاع ختم کرکے اس میں نماز ادا کیا کریں، عالم باعمل کو امام بنانا اولیٰ بات ہے(۲)۔ اگر کسی وجہ سے کسی غیر عالم کو امام بنایا جائے اور طہارت ونماز کے مسائل سے واقف اور صحیح طریقہ پر نماز پڑھائے، تو اس کے پیچھے بھی عالم کی نماز ہوجائے گی(۳) اگر اس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿لمسجد أسس علی التقوی من أول یوم أحق أن تقوم فیه﴾ (التوبة: ۱۰۸)

"عن عثمان بن عفان رضي الله تعالیٰ عنه یقول ...... إني سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: من بنی مسجداً، قال: بکیر حسبت أنه قال یبتغي به وجه الله بنی الله له بیتا في الجنة".

(صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب من بنی مسجداً: ۱/۶۴، قدیمی)

"إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلاة فیه جماعة، فإنه یصیر مسجداً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۴/۳۵۶، سعید)

(۲) "والأحق بالإمامة الأعلم بأحکام الصلاة فقط صحة وفساداً، بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة".

(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۰۸، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بیان من هو أحق بالإمامة: ۱/۶۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

(۴) "ویشترط لصحتها سبعة أشیاء المصر ...... أو فناء والسلطان ...... ووقت الظهر ...... والخطبة فیها ...... وکونها قبلها ...... والجماعة ...... والإذن العام". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: =

www.besturdubooks.net

ایک مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ بنانا کیا مسجد ضرار کے حکم میں ہوگا؟

سوال[۱۰۷۸۸]: مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں دو مدرس رکھے تھے، جو کہ اسی مدرسہ کے شاگرد بھی ہیں، بہت عرصہ تک وہ مدرس رہے، لیکن صحیح کام نہ کیا، جس وقت میں نے کام شروع کیا دو ڈھائی سو طلباء کو اکیلا تعلیم دیتا رہا، ہر سال دو چار حافظ ہو کر تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے، اس کے بعد ان لوگوں کو رکھا گیا تو تعداد طلباء سورہ گئی، امتحان کے لئے یا علماء کو بلایا تو نتیجہ ان طلباء کا ناقص رہا، مجبوراً میں نے ان میں سے دو مدرسوں کو علیحدہ کر دیا، اس کے بعد ان مدرسوں نے مخالفت شروع کی اور چند بچے لے کر مسجد میں بیٹھ گئے، مدرسہ قدیم کو نقصان پہنچا رہے ہیں تو آپ لکھیں یہ مدرسہ ضرار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن مجید میں مسجد ضرار کا تذکرہ ہے، جس کو ختم کر دیا گیا تھا(۱)، اسی موقعہ پر تفسیر مظہری مدارک

= ۲/۱۳۷-۱۵۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸۳، رشيديه)

(۱) "قال أهل التفسير: إن بني عمرو بن عوف اتخذوا مسجداً قباء، وبعثوا للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يأتيهم، فأتاهم، فصلى فيه. فحسدوا إخوانهم بنو غنم بن عوف وقالوا: نبني مسجداً ونبعث إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيصلي لنا كما صلي في مسجد إخواننا ...... فأتوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يتجهز إلى تبوک فقالوا: يا رسول الله! قد بنينا مسجداً لذي الحاجة والعلة ...... ونحب أن تصلي فيه، وتدعوا بالبركة، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إني على سفر وحال شغل فلو قدمنا لأتيناكم وصلينا لكم فيه، فلما انصرف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من تبوک أتوه ...... فدعا بقميصه ليلبسه ويأتيهم، فنزل عليه القرآن بخبر مسجد الضرار، فدعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مالک بن الدخشم ومعن بن عدي وعامر بن السكن ووحشياً قاتل حمزة فقال: انطلقوا إلى هذا المسجد الظالم أهله فاهدموه وأحرقوه، فخرجوا مسرعين ...... فأحرقوا المسجد وهدموه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، التوبة: ۱۰۷ : ۴/۱۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۱۱/۱۷، ۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

www.besturdubooks.net

واکلیل وغیرہ میں لکھا ہے کہ جو مسجد باقاعدہ مسجد بنادی جائے یعنی اس کو وقف کرکے نماز، اذان، جماعت اس میں شروع کردی جائے تو وہ شرعاً مسجد ہو جائے گی، بنانے والے کی نیت اگر خراب ہو اور دوسری مسجد کو نقصان پہونچانے کی نیت سے مخالفت کی بناء پر بنائی ہو، تب بھی اس کو مسجد ضرار قرار دے کر مسمار نہیں کیا جائے گا (۱)، تو بنانے والا اپنی نیت کا پھل آپ ہی کھائے گا اچھا ہو یا برا (۲)۔ مگر نماز اس مسجد میں بھی درست ہوگی، اس لئے اگر ایک مدرسہ کی مخالفت میں کوئی مدرسہ قائم کرے گا اور دینی تعلیم دے گا تو اس کو مدرسہ ضرار قرار دے کر ختم کرنے کا حکم نہیں۔ بلاوجہ مخالفت کرنے والا اپنی خراب نیت کا نتیجہ خود بھگتے گا، دیکھنے والے خود دیکھ کر سمجھ کر جہاں

= (وكذا في تفسير ابن كثير: ۵۱۱/۲، مكتبه دار السلام)

(۱) تفسیر مظہری مدارک میں مسجد ضرار کے بحث میں ایسی کوئی عبارت نہیں مل سکی۔ البتہ ایسے موقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عام طور پر اس بات کے مفہوم مخالف سے استدلال فرماتے ہیں:

"كل مسجد بني مباهاة أو رياء او سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك، التوبة: ۱۰۷: ۲۵۱/۱، قديمي)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۳۱۰/۲، دار الكتاب العربي)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور "اکلیل" نامی کتاب تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔ البتہ فقہی کتب میں ایسی عبارتیں موجود ہیں:

"حتى أنه إذا بنى مسجداً وإذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً".

(الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۰/۵، قديمي)

"إن جعل أرضا له مسجداً لعامة المسلمين وبناها، وإذن للناس بالصلاة فيها، وأبا نها من ملكه فأذن فيه المؤذن، وصلى الناس جماعة صلاة واحدة أو أكثر لم يكن له أن يرجع فيه، وإن مات لم يكن ميراثاً؛ لأنه حرزها عن ملكه، وجعلها خالصة لله". (المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۳۰/۶، حبيبيه كوئته)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لا مرئ مانوى" الحديث. (مشكاة المصابيح، قبيل كتاب الإيمان: ۱۱/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۱، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قوله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنما الأعمال بالنية، ص: ۸۵۳، دار السلام رياض)

www.besturdubooks.net

واقعی دینی تعلیم صحیح طریق پر ہوتی ہے، اس کی اعانت کریں۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری بڑی مسجد بنانا

سوال[۱۰۷۸۹]: ایک محلہ میں مسجد موجود ہے، نمازی بھی بہت تھوڑے سے ہیں، مگر اہل محلہ نے دوسری بڑی مسجد بنانے کا ارادہ کرلیا ہے، جس کی بنیاد بھی ڈال دی ہے، اب دنیا بھر میں چندہ کرتے پھریں گے۔ کیا یہ طریقہ مناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ خلاف عقل ہے، جب وہاں کے نمازیوں کے لئے وہ مسجد کافی ہے اور اس کو بھی پوری طرح آباد نہیں کرپاتے تو دوسری مسجد کے لئے چندہ کرتے پھرنا غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے(۱)۔ فقط۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن عبداللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من سأل الناس ولہ ما یغنیہ، جاء یوم القیامۃ ومسألتہ في وجہہ خموش أو خدوش أو کدوح". (مشکاۃ المصابیح، باب من لاتحل لہ المسألۃ: ۱/۳۵۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

"عن سمرۃ بن جندب رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان المسألۃ کدّ یکدبہا الرجل وجہہ، إلا أن یسأل الرجل سلطاناً أو في أمر لابد منہ". (جامع الترمذي، باب ماجاء في النہي عن المسألۃ: ۱/۱۴۷، سعید)

(وکذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۵، ۵۶، رقم الحدیث: ۲۲۲۶، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

مسجد کا منبر بنوانا

سوال[۱۰۷۹۰]: کیا ہر مسجد کا منبر بنوانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضروری نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۸۶ھ۔

---

(۱) اگر منبر کے بغیر بھی خطیب صاحب کی آواز سنائی دیتی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں کہ خطیب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، تو منبر بنوانا ضروری نہیں ہے، اگر بنالیا گیا تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، اس لئے کہ منبر بنوانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة". (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۱۷۸/۲، إمداديه ملتان)

"عن أبي حازم بن دينار أن رجالاً أتوا سهل بن سعد الساعدي، وقد امتروا في المنبر مما عوده فسألوا عن ذلك، فقال: والله إني لأعرف مما هو، ولقد رأيته أول يوم وضع، وأول يوم جلس عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... فلما فرغ أقبل علينا، فقال: أيها الناس إنما صنعت هذا لتأتموا بي ولتعلموا صلاتي". (سنن أبي داود، كتاب الجمعة، باب اتخاذ المنبر: ۱۶۲/۱، ۱۶۳، رحمانيه)

"عن أبي بكر البلخي رحمه الله تعالىٰ: أنه سئل عن الوقف على المسجد يجوز لهم أن يبنوا منارة من غلة المسجد قال: إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلو ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کیا مسجد کا مسجد ہونا مینار پر موقوف ہے؟

سوال[۱۰۷۹۱]: ۱......عیدگاہ گدوال کی تعمیر کے وقت ایک اپیل جاری کی گئی ہے، جس میں یہ الفاظ درج ہیں: "عیدگاہ کے اونچے میناروں کا کام باقی رہ گیا ہے، آپ دل کھول کر چندہ دیجئے تاکہ یہ اونچے مینار آسمان سے آنے والی بلاؤں کو آبادی میں جانے سے روک سکیں"۔ اس پر چند لوگ معترض ہیں، آپ سے یہ درخواست ہے کہ مسجدوں یا عیدگاہوں کے لئے مینار کا ہونا کیا ضروری ہے؟ کیا وہ بغیر مینار کے مسجد نہیں کہلائے گی؟

منارۂ مسجد کا شرعی حکم

سوال[۱۰۷۹۲]: ۲......مسجد کے میناروں کے متعلق شرعی مسئلہ کیا ہے؟ کیا مسجد کے مینار دعا کرتے ہیں؟ براہ کرم توضیح فرما کر ممنون فرمائیں۔

۳......اپیل میں جو الفاظ درج ہیں، کیا وہ صحیح ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مسجد کا شرعی مسجد ہونا منارہ پر موقوف نہیں، بغیر منارہ کے بھی مسجد ہے، البتہ منارہ کی وجہ سے دور سے علم ہو جاتا ہے اور مسافر کو مسجد تک پہونچنے میں آسانی ہوتی ہے، نیز مسجد کی شان نمایاں ہو جاتی ہے(۱)۔

۲......حدیث شریف میں منارہ بنانے کی تاکید نہیں، جس جگہ بھی اللہ کا نام لیا جائے اور اس کی عبادت کی جائے وہ جگہ پرنور ہو جاتی ہے اور خدائے پاک کی وہاں رحمت نازل ہوتی ہے، غضب سے عموماً حفاظت رہتی ہے۔

۳......اپیل کے الفاظ میں اس کو حدیث کی طرف منسوب نہیں کیا گیا، ممکن ہے کہ اس کا مطلب وہ ہو

---

(۱) "وأما بناء منارة المسجد من غلة الوقف إن كان بناؤها مصلحة للمسجد بأن يكون أسمع للقوم فلا بأس به، وإن لم يكن مصلحة لايجوز بأن يسمع كل أهل المسجد الأذان بغير منارته، كذا في التمرتاشي".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشيديه)

"أيجوز أن يبني من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلى أبي بكر البلخي: إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به، وإن كان بحال يسمع الجيران الأذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلوا ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۰/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۷/۷، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

جوکہ اوپر تحریر کیا گیا، اگر وضاحت کردی جاتی تو بہتر تھا۔ پھر اعتراض نہ ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۴۰۰ھ۔

عمدہ مینار ہوتے ہوئے نئے مینار بنانا

سوال [۱۰۷۹۳]: ہماری جامع مسجد کے مینار بہت عمدہ بنے ہوئے ہیں، اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ اور مینار بنائے جائیں، جس پر چار ہزار روپیہ خرچ ہوگا اور چندہ کیا جائے گا، اہل محلہ کو یہ بات گراں معلوم ہورہی ہے، جب مینار موجود ہیں تو دوسرے مینار بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ مینار اچھے اور عمدہ بنے ہوئے ہیں، تو نیا مینار علیحدہ بنیاد اٹھا کر کے بنانا اور اس پر کثیر رقم خرچ کرنا بیکار ہے، اس طرح روپیہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اس میں کوئی ثواب نہیں، بلکہ بلاوجہ روپیہ خرچ کرنا وبال ہے (۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگنا

سوال [۱۰۷۹۴]: مسجد کے اذان گاہ کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگا گیا ہے، چند قسموں کے رنگوں سے رنگنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نے کہا ہے کہ اسی طرح رنگنا یہ تو مندر ہوگیا ہے۔ صحیح صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "سئل أبوبكر عن بناء المنارة من غلة المسجد قال: إن كان البناء مصلحة للمسجد ...... أن يكون أسمع للقوم يجوز، وإن لم يكن في البناء مصلحة للمسجد ...... أن يكون المسجد في موضع يسمع جميع أهله الأذان من غير المنارة لايجوز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۷/۷، حقانيه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۳۶۸/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۲/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی آمدنی سے خوشنمائی اور زینت کے لئے رنگ کرنے کی اجازت نہیں، استحکام اور پختگی کے لئے جو رنگ مناسب ہو، اس کی اجازت ہے، جب کہ اس میں خلاف شرع کوئی چیز نہ ہو۔ (كذا في ردالمحتار)(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مینار دعا کرتے رہتے ہیں؟

سوال[۱۰۷۹۵]: کیا کوئی ایسی حدیث موجود ہے کہ "مسجد کے دو مینار گویا دو ہاتھ ہیں، جو آبادی والوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں؟"

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے ایسی حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۴۰۰ھ۔

کسی مسجد کا گنبد روضۂ اقدس کے گنبد کی طرح بنانا

سوال[۱۰۷۹۶]: مسجد میں روضۂ اقدس کے ڈیزائین کا گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله، لا من مال الواقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل ...... إلا إذا كان لإحكام البناء". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ولا بأس بأن ينقش المسجد بالجص والساج وماء الذهب ...... وهذا إذا فعل من مال نفسه، أما المتولي فيفعل من مال الوقف ما يرجع إلى إحكام البناء، دون مايرجع إلى النقش، حتى لو فعل يضمن". (فتح القدير، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۸، رشيديه)

"أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۶۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی شکل کا گنبد اگر تلبیس وفریب کے لئے بنائے کہ اس مسجد کو لوگ مسجد نبوی سمجھیں اور اس کے ساتھ وہی عقیدت رکھیں تو ناجائز ہے(۱)، جیسا کہ بعض اہل باطل نے یہی حرکت کی، اپنی مسجد کا نام مسجد نبوی رکھا، اپنے قبرستان کا نام جنت البقیع رکھا اور اپنے لئے منصب نبوت تجویز کیا، اگر تلبیس مقصود نہیں، تبرک کے طور پر یا تشویق کے لئے ہے کہ اس کو دیکھ کر زیارت روضہ اقدس کا شوق پیدا ہو، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

پیشاب خانے اور بیت الخلاء کے اوپر مسجد کا گنبد بنانا

سوال[۱۰۷۹۷]: ہماری مسجد میں ایک گنبد بنانا ہے، جہاں یہ گنبد بنانا ہے، اس کے بالکل نیچے کے حصہ میں پیشاب خانہ بیت الخلاء ہے، ہمارے لئے اس پر گنبد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کی جس جگہ کو نماز کے لئے تجویز کر دیا گیا ہے، وہ اوپر نیچے سب مسجد ہے، اس کے نیچے کے حصہ

---

(۱) "وهذه المشاهد الباطلة إنما وضعت مضاهاة لبيوت الله وتعظيما لما لم يعظمه الله وعكوفاً على أشياء لاتنفع ولا تضر، وصداً للخلق عن سبيل الله، وهي عبادة وحده لاشريک له بما شرعه على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واتخاذها عيداً ...... ويلتحق بهذا الضرب، ولكنه ليس منه مواضع تدعى لها خصائص لا تثبت مثل: كثير من القبور التي يقال: إنها قبر نبي أو قبر صالح، أو مقام نبي أو صالح، ونحو ذلک، وقد يكون ذلک صدقاً، وقد يكون كذباً، وأكثر المشاهد على وجه الأرض من هذا الضرب، فإن القبور الصحيحة، والمقامات الصحيحة قليلة جداً". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۴۳۱، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

صورت چیزے را حکم آں چیز دادن، واین وہم اکثر راہ بت پرستان زدہ، وآنہا را در ضلالت آفگندہ،...... ودر شیعہ این وہم خیلے غلبہ کردہ قبور حضرت امامین وحضرت امیر وحضرت زہرا را تصویر کنند، وبگمان آنکہ این قبور حقیقۃ قبور مجمع النور آن بزرگواران است تعظیم وافر نمایند، بلکہ نوبت بسجدات رسانند، وفاتحہ خوانند وسلام ودرود رسانند، وعکس رانہاے منقش وحرین گرفتہ گرداگرد استادہ شوند ورنگ مجاوران وادشرک دہند"۔ (تحفۂ اثنا عشریۃ، باب یازدہم درخواص مذہب شیعہ: ۳۵۱/۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

www.besturdubooks.net

میں پیشاب خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز نہیں (۱)، مسجد کی چھت پر ضرورت ہو، تو گنبد بنا سکتے ہیں، اگر اس کے نیچے پیشاب خانہ ہو، تو وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وكره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء". (الدرالمختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وكذا إلى تحت الثرىٰ ...... بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحاً، نعم! سيأتي متنا في كتاب الوقف أنه لو جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قال الرافعي: (قوله لم أره صريحاً نعم سيأتي متنا) الظاهر عدم الجواز، وما يأتي متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع في بیع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

پرانی مسجد کی بے کار چیزوں کا حکم

سوال[۱۰۷۹۸]: اگر قدیم مسجد کی بیکار چیزیں جیسے: ٹین یا لکڑی وغیرہ بغیر اجازت مصلیان کوئی فروخت کر کے اس پیسہ میں جدید مرمت کرالے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر شخص کو اس قسم کے تصرف کا حق نہیں، متولی کو نمازیوں کے مشورہ سے مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہے۔ اور جب تک وہ چیزیں مسجد کے لئے کارآمد ہیں، ان کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۶ھ۔

پرانی مسجد کے بچے ہوئے سامان کا حکم

سوال[۱۰۷۹۹]: کیا پرانی مسجد کا سامان یعنی اینٹ پتھر اور لکڑ کوئی بھی چیز نئی تعمیر ہونے والی مسجد کے کام نہ آتی ہو، اس وقت پرانی مسجد کا سامان فروخت کر کے اس مبلغ کو نئی مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟ اور پرانی مسجد کا سامان خریدنے والا وہ سامان اپنے مکان کی تعمیر میں لگا سکتا ہے؟

---

(۱) "صرف الحاکم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عینه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه لیحتاج، إلا إذا خاف ضیاعه فیبیعه، ویمسک ثمنه لیحتاج". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: فعلی هذا یباع النقض في موضعین: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاکه".

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ سامان نئی مسجد میں کارآمد نہیں، تو اس کو فروخت کرکے قیمت سے مسجد کے لئے دوسرا سامان خرید لیا جائے (۱) اور اس سامان کو خریدنے والا اپنے کام میں لاسکتا ہے، تعمیر وغیرہ میں جہاں ضرورت ہو استعمال کرے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

مسجد کے پرانے ٹائیلوں کا حکم

سوال [۱۰۸۰۰]: مسجد میں پہلے ٹائیل لگے ہوئے تھے، لیکن جب وہ بوسیدہ اور کمزور ہوگئے، تو ان کو اکھاڑ کر پکا فرش بنایا گیا اور ٹائیل اکھاڑ لئے گئے اور بیکار پڑے ہیں، تو کیا ان کو فروخت کرنا جائز ہے؟ چونکہ پھر ان پر جوتے بھی پڑیں گے، گندگی بھی ہوگی، جب کہ ان پر عرصہ دراز تک لوگوں نے نماز پڑھی ہے، لہٰذا فروخت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو کس مد میں دیں؟

---

(۱) "قال رحمه الله تعالىٰ: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۳/۱، إمداديه كوئته)

(وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف: ۳۶۳/۲، مكتبه عربيه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۲) "وحكمه: ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی دوسری مسجد کے فرش کے لئے خرید کر استعمال کرلیا جائے (۱)، یہ بھی درست ہے کہ کوئی آدمی خرید کر دیوار میں لگالے (۲)، مسجد سے جدا ہونے کے بعد اس کا وہ حکم وادب نہیں رہا جو کہ مسجد میں تھا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: في فصل الحصير أنه لايعود إلى ملك صاحبه بخراب المسجد، بل يحول إلى آخر، أو يبيعه قيم المسجد للمسجد". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۲/۷، حقانيه پشاور)

"وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما فيصرف ...... إلى أقرب مسجد". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵۵۴/۵، قديمى)

(۲) "قال رحمه الله تعالىٰ: ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة؛ لأن البدل يقوم مقام المبدل، فيصرف مصرف البدل". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱۲۳/۱، إمداديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۳۶۴/۲، مكتبه عربيه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(۳) "سئل الفقيه أبوبكر: عن حشيش المسجد يخرج عن المسجد أيام الربيع، قال: إن لم يكن له قيمة فلابأس بطرحه خارج المسجد، ولا بأس برفعه، والانتفاع به ...... وفي فتاوىٰ سمرقند: حشيش المسجد إذا كان له قيمة فلأهل المسجد أن يبيعوا". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۳/۷، حقانيه پشاور)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۷/۵، قديمى)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

مسجد کی اراضی فروخت کرکے اس سے شیئرز خریدنا

سوال[۱۰۸۰۱]: کیا مسجد کی اراضی کو فروخت کرکے اس رقم سے شیئرز خرید کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی اجازت نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

انقاضِ مسجد کا حکم

سوال[۱۰۸۰۲]: مسجد سابق کو از سرِ نو بنانے پر جو اس کا سامان چونا، مٹی، اینٹ، روڑہ وغیرہ بچ رہے ہیں اور مسجد میں کسی جگہ اس کے لگانے کی ضرورت نہیں رہی، اس کو فروخت کیا جائے، یا کسی اور جگہ گلی کوچوں یا عام راستوں وغیرہ میں صَرف کرسکتے ہیں، اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اینٹ روڑا جدید تعمیر مثلاً: مینارہ وغیرہ میں بھی کام آسکے تو اس کو اسی کام میں لگا دیا جائے، ورنہ فروخت کردیا جائے اور قیمت مسجد کی ضروریات میں صَرف کی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لايملک، ولايملک، ولايعار، ولا يرهن". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله لايملک) أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملک أي: لايقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه، ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "صرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسک ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين —

www.besturdubooks.net

فقیروں کی دی ہوئی مسجد کی بیع وغیرہ کرنا

سوال[۱۰۸۰۳]: قصبہ شالی مسجد گڑھی والی کی پشت پر ایک افتادہ زمین تھی، جو کہ تکیہ کے نام سے موسوم تھی اور فقیر اس پر قابض ومتصرف تھے، فقیروں نے وہ زمین ایک شخص کو کاشت کرنے کے لئے دے دی، شخص مذکور نے کچھ خرچ کر کے اس میں کاشت درج کرالی، فقیروں کو جب علم ہوا کہ زمین ان کے قبضہ سے نکل گئی تو انہوں نے وہ زمین برابر کی مسجد کو دے دی اور احتیاطی طور پر بیع نامہ چار سو کے قریب میں لکھ دیا گیا، مگر لیا کچھ نہیں، اس کے دو سال بعد جس شخص نے اپنی کاشت درج کرائی تھی، ان کے احباب میں کچھ وہ اشخاص تھے جو مسجد کے انتظامی امور میں دلچسپی رکھتے تھے، ان اشخاص نے کاشت درج کرنے والے پر زور ڈالا کہ تم کاشت سے استعفاء دے دو تو اس شخص نے اس شرط پر کہ جو میرا خرچ ہوا ہے، وہ مجھے واپس کر دیا جائے، استعفیٰ دے دیا۔

چار سو روپیہ شخص مذکور کو دے دیئے گئے اور مسجد کی کاشت درج ہو گئی، مسجد کے کچھ ہی فاصلہ پر ایک ڈگری کالج انگلش ہندی کا ہے، جس نے بہت سی زمینیں الاٹ کرالیں اور اندیشہ تھا کہ مسجد کی زمین پر بھی قابض ہو جائے، کیونکہ اس کے متصل ہی کالج کی زمین ہے، اس لئے متولی اور سب نمازیوں کا مشورہ ہوا کہ مسجد میں اتنی گنجائش ہے کہ ساری زمین پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے اور اس میں سے چوتھائی حصہ فروخت کر کے اس رقم سے اس مسجد کی پشت پر کواٹر بنائے جائیں جس سے مسجد کی مستقل آمدنی ہو، بالاتفاق یہ مشورہ طے پایا اور قصبہ کے جو عالم مفتی تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کی اور غالباً فتویٰ بھی مختلف جگہ سے حاصل کئے گئے، بیع نامہ ہو گیا کواٹر بھی بن گئے۔

سال دو سال بعد اس کا تعلق سینٹرل بورڈ سے کرایا گیا، انہوں نے حسابات دیکھ کر اس کو تسلیم کیا، اس کے بعد مقامی اشخاص میں اختلاف شروع ہوا، جن متولی صاحبان نے باصرار یہ زمین بعض اشخاص کے ہاتھ فروخت کی تھی، ان کے مخالف ہو گئے اور سنی سینٹرل بورڈ کے کارکنان کے آگے یہ بیانات دیئے کہ یہ زمین موقوفہ تھی۔ اس کی بیع درست نہیں ہوئی، تو برائے کرم چند امور سے مطلع فرمائیں:

۱......کیا یہ بیع نامے جائز ہیں یا ناجائز؟

= رحمه الله تعالىٰ: فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه"

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

۲......موجودہ صورت میں کیا یہ زمین وقف ہے؟

۳......اگر بیع نامہ جائز ہے، تو جو مشتری لینے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا، بار بار یہی کہتا تھا کہ سو دوسو روپے حسبۃً للہ مسجد کے لئے دے سکتا ہوں، مگر اس کو مجبور کر کے یہ زمین لی گئی، تو اس کی رقم مسجد ادا کرے گی یا سابق متولی جنہوں نے بیع نامہ کرایا؟

۴...... بقیہ زمین موجود ہے، اس پر بھی مسجد اپنا قبضہ نہیں کر سکتی، یا تو کرایہ پر کوئی کرایہ دار قابض ہوگا یا دوبارہ اس کو فروخت کرنی ہوگی۔

۵......کیا یہ بیع صحیح ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس زمین پر فقیر قابض تھے، اگر اس کا وقف یا کسی اور کی ملک ہونا ثابت نہیں تھا اور انہوں نے وہ فروخت کر کے مسجد کو دے دی اور قیمت نہیں لی تو وہ زمین مسجد کی ملک ہوگئی، متولیان صاحبان نے اگر اس کو خرید کر باقاعدہ وقف نہیں کیا تو وہ وقف نہیں ہوئی (۱)۔

۱......اس صورت میں یہ بیع نامے جائز ہوئے (۲)۔

۲......وقف نہیں (۳)۔

۳......بیع جائز ہے (۴)، قیمت کی واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا (۵)۔

---

(۱) "اعلم أن عدم جواز بيعه إلا إذا تعذر الانتفاع به، إنما هو فيما إذا ورد عليه وقف الواقف، أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً اختلافاً، والمختار أنه لايكون وقفاً". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

"المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو دار أو مستغلاً آخر جاز ...... فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى ...... قال بعضهم: يجوز هذا البيع؛ لأن المشتري لم يذكر شيئاً من شرائط الوقف فلا يكون ما اشترى من جملة أوقاف المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۶، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲، ۳، ۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية

۴......اس کا بھی وہی حکم ہے، مسجد کے ذمہ دار دیندار، سمجھدار، خیر خواہ اگر اس کو فروخت کرنا مصالح مسجد کے موافق سمجھتے ہیں، تو فروخت کر سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ وہاں بھی مسجد کے لئے مکانات یا دوکانات بنادیں، تاکہ مسجد کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۹ھ۔

کیا بلا وقف مسجد کو دی گئی جائیداد فروخت ہو سکتی ہے؟

سوال[۱۰۸۰۴]: ۱- تاحیات میں مقر اپنے مکان کا مالک وقابض رہوں گا اور کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے حاصل ہوں گے۔

۲- بعد وفات مجھ مقر کے مکان کے مالک وقابض مسجد اندرون کوٹلہ معرفت متولی محمد اقبال ہوں گے اور مسجد کو کل حق ہر قسم انتقال وغیرہ کے وصول ہوں گے۔

۳- بعد وفات مقر اگر کوئی شخص اس وصیت نامہ کے خلاف قانون وپنچایت وعدالت کارروائی کرے گا، تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اور اس کی کل کارروائی کالعدم ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مکان وقف ہوگا یا نہیں؟ اور اس کو مسجد فروخت کر سکتی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ متولی کا کوئی شرعی وارث نہیں ہے، اس کی بیوی کی چار لڑکیاں جو دوسرے شوہر سے تھیں،

= الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع: ۴/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۸/۵، رشيديه)

(۱) "وقد روي عن محمد رحمه الله تعالىٰ: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أخرى، هي أكثر ريعاً كان له أن يبيعها، ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۵/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۸۴/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

ان کا کوئی حق اس مکان میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ وقف نہیں(۱)،حسب صوابدید اس کو فروخت کرانا بھی درست ہے۔جیسا کہ عبارت نمبر۲ میں انتقال کی اجازت مذکور ہے،بہتر یہ ہے کہ اگر فروخت کریں تو اس کی قیمت سے کوئی جائیداد مسجد کے لئے بنالیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۴/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وعندهما: هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب ...... وعليه الفتوى". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قدر لفظ "حكم" ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف، ولا انتقل إلى ملك غيره، بل صار على حكم الله تعالىٰ الذي لاملك فيه لأحد سواه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۳۸/۴، ۳۳۹، سعيد)

"إذا جعل أرضا له مسجداً، وشرط من ذلك لنفسه شيئاً، لايصح بالإجماع......". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۱۳۱/۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۲۱۳/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو گرا کرنئی مضبوط مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۰۵]: شہر کی جامع مسجد قدیم زمانہ کی ہے اور چھوٹی ہے، اب اس کو از سرِ نو بنانے کا ارادہ ہے تا کہ مسجد بڑی ہو جائے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کو گرا نہیں سکتے، صرف آس پاس سے بڑھا سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس کو شہید کر کے از سرِ نو بنایا جائے، اس پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پوری مسجد کی قدیم عمارت جب کہ وہ پختہ اور مضبوط ہو، شہید نہ کریں، بلکہ موقع کے مناسب آگے پیچھے دائیں بائیں سے حسبِ صوابدید اس میں اضافہ کرلیں، لیکن اگر مسجد قدیم کے بانی اور اب جدید بناء کرنے والے سب ایک ہی محلّہ کے لوگ ہیں، تو ان کو حق ہے کہ تمام مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرلیں۔

"مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه (ثانيا) أحكم (من البناء الأول) ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له (كذا في) المضمرات. (وفي النوازل) إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، كذا في التتارخانية. وتأويله: إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهلها فلهم أن يهدموا ويجددوا بناءه"

(شامي كراچي: ٤/٣٥٧، كتاب الوقف)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"سئل أبو القاسم عمن أراد أن يهدم مسجداً ويبنيه أحكم من بنائه الأول؟ قال: ليس له ذلك، =

www.besturdubooks.net

تعمیر جدید کے وقت اگر مسجد کا کچھ حصہ دیوار میں آجائے

سوال[۱۰۸۰۶]: ایک مسجد کو منہدم کرکے جدید تعمیر کرنی ہے، منہدم کرنے پر قبلہ صحیح کرنے کی صورت میں مسجد کی قدیم جنوبی دیوار کا کچھ حصہ سابق فرش پر آجاتا ہے اور قدیم دیوار کا اکثر حصہ فاضل ہوجاتا ہے، اب اسی فاضل دیوار کو مسجد کی دوسری ضرورت کے لئے استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب جو جگہ ایک دفعہ نماز پڑھنے کے لئے بنادی گئی ہے اس کو خارج مسجد قرار دے کر کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کرلینا درست نہیں۔ کذا في الدر المختار(۱)۔

البتہ دیوار کے اندر آیا ہوا کچھ حصہ مسجد ہی سے متعلق کسی کام میں آجائے، تو مضائقہ نہیں، مثلاً: اس میں مسجد کی الماری بنادی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۹۱ھ۔

= وفي النوازل: إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، وتأويل هذه المسئلة: إذا لم يكن هذا الرجل من أهل هذه المحلة. فقد ذكر في الواقعات عن أبي حنيفة: لأهل المسجد أن يهدموا المسجد، ويجددوا بناء ه ...... وفي السراجية: مسجد مبني معمور ليس للمتولي أن يهدمه ثانياً، ويتكلف في تزيينه". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ۲/۴۵۷، رشيديه)

(۱) "يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة". (الدر المختار).

"(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء يصلون فيه أولا وهو الفتوىٰ، حاوي القدسي، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد قدس ...... لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من=

www.besturdubooks.net

مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت مسجد کا کچھ حصہ تعمیر میں شامل کرنا

سوال[۱۰۸۰۷]: ہمارے قصبہ کی بازاروالی مسجد کی پرانی تعمیر ہے، کافی شکستہ ہوچکی ہے، خوف ہے کہ خدانخواستہ کسی بھی وقت ناگہانی حادثہ کا شکار ہوجائے اور بہت ممکن ہے کہ یہ جگہ نام کو بھی عبادت گاہ نہ رہ سکے۔ أعاذنا اللہ منہ.

دومنزلہ مسجد ہے، اوپر کی عمارت جماعت پنج وقتہ کے لئے مخصوص ہے اور اس کے نیچے تقریباً ۱۹/فٹ کی جگہ میں ۵ دکانیں قائم ہیں، بالائی مسجد کی قبلہ رخ دیوار کا بنیادوں سے تعلق نہیں، ۱۹/فٹ کے طول میں کڑیوں اور چھت پر یعنی دکانوں کی چھت پر مسجد کی تعمیر ہے جو بالائی مسجد کے لیول میں ہے، لیکن یہ نچلہ طبقہ حدود مسجد کے باوجود کبھی کسی وقت نماز کے لئے استعمال نہیں ہوتا، بلکہ عموماً اہل قصبہ رمضان المبارک میں وہاں پر چولہا گرم کرتے ہیں۔

الغرض یہ کہنا کہ تعمیر مسجد مختصر ہے، صرف ایک صورت ہوسکتی ہے کہ آدھے حصہ میں مسجد رہے اور ۱۹ فٹ کا نصف دکانوں کے لئے چھوڑ دیا جائے، بہر حال تعمیر ضروری ہے، مذکورہ صورتوں میں جو صورت جواز کی ہوسکتی ہو، ارشاد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ حصہ متعلقات مسجد سے لے کر اصل حصہ میں شامل کرکے کم از کم تلافی کی گنجائش ہو تو نکالی جائے، عیدگاہ جامع مسجد اور مذکورہ مسجد کا متولی ایک ہی ہے، اول الذکر دو عبادت گاہوں کی کوئی آمدنی نہیں، نہ دکان نہ مکان، اس صورت میں ایک مسجد کے نام سے چندہ فراہم کرکے ان دو عبادت گاہوں پر صَرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہر ایک کے لئے علیحدہ تعین ضروری ہے۔ اس کی کیا صورت ہوگی شرح فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے وقف کرکے عام اجازت اس میں نماز کی دے دی جائے اور اس پر کسی کا قبضہ مالکانہ نہ رہے، اس کو مسجد کہتے ہیں(۱)، اس کا حکم یہ ہے کہ تحتانی وفوقانی سب حصہ مسجد ہوتا ہے، اس میں کوئی دوسرا

= المصالح". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۲/۴۲۱، رشیدیہ)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۹۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) "أن المسلم إذا اتخذ داره للمسلمین مسجداً وسلم المسجد إلی المتولي وأذن للناس بالدخول =

www.besturdubooks.net

تصرف جائز نہیں (۱)، اگر واقف نے اول دکانیں بنائیں اور ان کی چھت پر مسجد بنادی اور وہ دکانیں بھی مسجد ہی کے لئے ہوں، تو اس میں بھی گنجائش ہے (۲)۔

جو جگہ فوقانی مسجد کے نیچے خالی ہو، اس جگہ کو نماز وغیرہ ہی کے لئے استعمال کرنا چاہیے، اس میں چولہا جلانا اور دنیا کے دوسرے کام کرنا درست نہیں (۳)۔ وقتی ضرورت پر گرمی سردی برسات کے لحاظ سے وہاں

= والصلاة فيه، فصلى فيه قوم بجماعة، يصير مسجداً باتفاق بين أصحابنا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس والعشرون في الأوقاف: ۳۷۲/۶، رشيديه)

"أما إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: في أحكام المسجد: ۳۵۶/۴، سعيد)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إذا جعل أرضه مسجداً وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۱/۳، رشيديه)

(۱) "وكره تحريماً (الوطء فوقه، والبول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء ......". (الدرالمختار). وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وكذا إلى تحت الثرىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۶/۱، سعيد)

"إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱۲۷/۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(۲) "ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى الطريق ...... لايكون مسجداً". (الدرالمختار). "(قوله: أو جعل فوقه بيتا) ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أو لا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفاً على المسجد، وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الوقف: ۱۳۵/۲، مير محمد كتب خانه)

(۳) "أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه، ولم =

www.besturdubooks.net

جماعت بھی کی جائے اور سنن ونوافل کے لئے بھی اس جگہ کو استعمال کیا جائے، اب اگر مسجد مذکورہ شکستہ حالت میں ہے، گرنے کا قوی اندیشہ ہے اور دوبارہ یک منزلہ ہی تعمیر کرنا ہے تو جتنا تحتانی حصہ پہلے سے خالی تھا، اس حصہ پر کوئی دکان تعمیر نہ کی جائے اور مسجد کے نیچے کے جس حصہ میں دکان ہے اس کا نصف یا جتنا مسجد کے لئے مناسب ہو، اس کو داخل مسجد کرلیا جائے (۱)، بقیہ نصف میں حسب مصلحت مسجد کے لئے دکانیں بنادی جائے (۲)۔

اگر دو منزلہ بنانا ہو، تو جتنا حصہ نیچے کا مسجد کے لئے خالی تھا، اس کو برقرار رکھتے ہوئے بقیہ حصہ متعلقہ پر دکانیں تعمیر کر کے بالائی حصہ پر مسجد بنالی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= تبن لأعمال الدنيا، ولو لم يكن فيه توهم تلويث وإهانة ...... تنزيه المسجد من القذر واجب". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، ۶۱۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

"أن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۶۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۵۴/۴، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "سئل الفقيه أبو جعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فارادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۲۹/۷، حقانيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۸۵۱/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۶/۲، رشيديه)

(۲) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها ...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۱/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۴۲/۷، حقانيه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۴۱

www.besturdubooks.net

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع

سوال[۱۰۸۰۸]: موضع اچھ بل محلّہ ملک پورہ سوپور کشمیر میں ایک مسجد ہے، جو نمازیوں کے لئے ناکافی وتنگ ہے، اہل محلّہ اس مسجد کو شہید کر کے ازسرِ نو بنانا چاہتے ہیں، مگر مغرب ومشرق کی جانب میں قبرستان ہے اور بطرف شمال مسجد کے ساتھ ایک زیارت ہے۔ جس میں ایک ولی مدفون ہیں، بطرف جنوب سیڑھی کے ساتھ ایک میت مدفون ہے، یہ میت تقریباً بیس سال سے مدفون ہے، اس کے علاوہ اس کی طرف جگہ کافی ہے، اگر مسجد شریف کو جنوب کی جانب بڑھا دیا جائے گا تو یہ قبر مسجد کے نیچے آئے گی، نیز دوسرے محلے والے اپنے دور ہونے کا عذر بھی کرتے ہیں، اب دونوں محلّہ داران اس مسجد کو شہید کر کے دوسری جگہ لے کر ازسرِ نو بنانا چاہتے ہیں، کیا از روئے شرع شریف یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی بناء پر دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے اس مسجد کو شہید کرنا اور اس کی قیمت سے دوسری جگہ خریدنا ہرگز ہرگز جائز نہیں (۱)، اگر اس مسجد میں جگہ کم ہے، نمازی اس میں نہیں سما سکتے اور

---

(۱) "يبقى مسجداً (عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى (قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، وأكثر المشايخ عليه، مجتبى، وهو الأوجه، فتح". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

"لو صار أحد المسجدين قديماً، وتداعى إلى الخراب، فأرادوا أهل السكة بيع القديم مصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۴۵۸/۱، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

آس پاس جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس میں توسیع ہی نہیں کی جاسکتی، تو دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے مستقلاً انتظام کیا جائے (۱)۔ اس مسجد کو فروخت نہ کیا جائے اس کی کسی طرح اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چاروں طرف سے مسجد کی توسیع کرنا

سوال[۱۰۸۰۹]: مسجد کے چاروں طرف لوگوں نے قبرستان بنالیا ہے، اب مسجد تنگ ہوگئی ہے اور اس کو چاروں طرف بڑھانا ہے تو مسجد کو چاروں طرف سے بڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موجودہ مسجد میں اگر تنگی ہو، تو آس پاس چاروں طرف سے حسبِ مصالح توسیع کرنا درست ہے، اگر زمین مسجد کی نہ ہو، تو خریدی جاسکتی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

= "وفي الحاوي: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجداً آخر، قال: يبيعون الأول وينتفعوا ...... بثمنه في الذي يبنونه، قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد. وعلى قول أبي يوسف: لايجوز بيع المسجد بحال". (الفتاویٰ التاتارخانیه، كتاب الوقف، مسائل الوقف المسجد: ۸۴/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "قال علماؤنا: لايجوز أن يبنى مسجد إلى جنب مسجد، ويجب هدمه، والمنع منه بنائه لئلا ينصرف أهل المسجد الأول فيبقى شاغراً إلا أن تكون المحلة كبيرة فلا يكفي أهلها مسجد واحد فيبنى حينئذ". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۹۳/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التفسير المنير، التوبة: ۲۸/۱۱، دارالفكر بيروت)

(وكذا في الكشاف، التوبة: ۳۱۰/۲، دارالكتاب العربي)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً". (الدرالمختار). =

www.besturdubooks.net

امام باڑہ سے مسجد کی توسیع کا حکم

سوال[۱۰۸۱۰]: محلہ تیراپور شہر گورکھپور میں ایک مسجد کے متصل جانب مشرق ایک امام باڑہ تھا، محلہ کے چھبیس گھر امام باڑہ کے منتظمین تھے، مسجد کی کمی کو دیکھتے ہوئے منتظمین امام باڑہ نے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ امام باڑہ مسجد کو دے دیا جائے اور اپنے اس فیصلے کے بعد منتظمین امام باڑہ نے مسجد کے منتظمین سے کہا کہ ہم لوگوں نے امام باڑہ مسجد کو دے دیا ہے، اب آپ لوگ جلد مسجد کی توسیع کردیں، تاکہ جو تکلیف مصلیوں کو درپیش ہے، وہ رفع ہوجائے۔ چنانچہ منتظمین امام باڑہ کے فیصلہ اوران کی اجازت کی بناء پر منتظمین مسجد نے توسیع مسجد کا کام شروع کرادیا اور درو دیواریں بھی مکمل ہوگئیں۔

اب کچھ لوگوں نے یہ اعتراض اٹھادیا ہے کہ امام باڑہ کی زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ امام باڑہ عام مسلمانوں کا ہے اور عام مسلمانوں نے اجازت نہیں دی، عام مسلمانوں سے معترضین کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ امام باڑہ کے جو چھبیس گھر منتظمین کے ہیں، ان کے کسی گھر میں دس افراد، کسی گھر میں آٹھ افراد، اس طرح ہر گھر میں کچھ نہ کچھ افراد ہیں ان سب کی اجازت ضروری ہے، حالانکہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ چھبیس منتظمین گھر کے ہر گھر میں سے کوئی فرد بھی کمیٹی میں شریک ہوگیا اور بالاتفاق کمیٹی نے جو فیصلہ پاس کردیا تو اس فیصلہ کا ہر شخص پابند ہوتا تھا، کسی گھر کے بقیہ کسی فرد کو انحراف کا حق نہیں ہوتا تھا، آیا اس توسیع شدہ زمین پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں امام باڑہ کو توسیع مسجد کے لئے منتظمین کا متفقہ طور پر دے دینا مصرف کا صحیح تجویز کرنا ہے۔

- "وفي الفتح: "لو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يؤخذ ويدخل فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۵/۳۷۹، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة وزادوا في المسجد الحرام ...... ولو كان بجنب المسجد أرض وقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا شيئاً في المسجد من الأرض جاز ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

وہاں نماز درست ہے، معترضین کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ اپنا اعتراض واپس لے لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۶/۲/۸ھ۔

مسجد کے قریب کی جگہ کو مسجد کے لئے لینا

سوال [۱۰۸۱۱]: ۱......زید اور عمر مسجد کے منتظم ہیں، پس پشت مسجد کے ایک اراضی دیگر شخص کی ملکیت ہے، زید اور عمر اپنے اثر اور دباؤ سے اس پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مالک کسی طرح بھی اس اراضی کو مسجد کو دینے کے لئے تیار نہیں، تو ایسی حالت میں قبضہ جائز و درست ہے۔

۲......کیا اراضی مذکورہ بالا پر غاصبانہ قبضہ کرنے پر زید وعمر کو کچھ ثواب ملے گا؟

۳......کیا اراضی مذکورہ کو غاصبانہ قبضہ کے بعد مسجد کے کسی بھی کام میں لانا جائز و درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مسجد کی تنگی اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہو، تو مالک سے مناسب قیمت پر خرید لی جائے (۲)، اثر اور دباؤ سے زبردستی قبضہ کرنا غصب اور حرام ہے (۳)۔

---

(۱) "وعن محمد رحمه الله تعالیٰ، عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ: إذا جعل أرضه وقفاً علی المسجد وسلم جاز، ولا يكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

"فلو جعل وسط داره مسجداً، وأذن للناس في الدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ۲/۴۵۴، رشيديه)

"لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: في تعريف المال والملک: ۴/۵۰۲، سعيد)

(۲) "وتؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقيمة كرهاً". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: (قوله: بالقيمة كرهاً) لما روي عن الصحابة رضي الله تعالیٰ عنه: لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۹، سعيد)

"وكذا إذا ضاق المسجد علی الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالیٰ عنه لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۸، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

۲......مظلوم ہونے کی وجہ سے وہ صبر کرے گا، تو بہت بڑا اجروثواب ملے گا(۱)، اگر راضی ہوکر مسجد میں دے دے گا تب بھی مستحق اجر ہوگا(۲)۔

۳......غصب کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مسجد کے کسی کام میں لانا جائز نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵۹۵/۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع في الكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۶، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"الغصب: شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلاخفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، رشيديه)

(۱) "عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محقاً ...... الخ". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق: ۳۱۳/۲، إمداديه)

(وكذا في رياض الصالحين، باب حسن الخلق، ص: ۳۷۰، دار السلام)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأخلاق، الجزء الثالث: ۲۵۶/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبيد الله الخولاني، أنه سمع عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه يقول: ...... إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: من بنى مسجداً قال بكير: حسبت أنه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجداً: ۶۴/۱، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۶۸/۱، قديمي)

(۳) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، وصح وقف ماشراه فاسداً ...... وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعله مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۰/۴، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۱/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۴/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

مسجد کے پرنالہ کو بند کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۱۲]: ا...... مسجد شاہی مرادآباد کے شمالی جانب چھت کا کچھ حصہ مسجد کی وسطی چھت سے نیچا ہے، اس حصہ کا پرنالہ شمالی جانب مدرسہ امدادیہ میں جاری تھا، اب مدرسہ امدادیہ والوں نے یہ پرنالہ بند کردیا ہے اور اس پرنالہ کے پانی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے چھت کے اس حصہ پر برساتی پانی رک کر مسجد کی دیوار کو نقصان پہنچا رہا ہے اور دیوار کے گرنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔

۲...... نیز مدرسہ امدادیہ والوں نے مسجد کی شمالی جانب کی دیوار پر اپنے کمرہ کا لینٹر لگایا اور اس کے اوپر چند فٹ مزید چنائی بھی کردی، لہٰذا مدرسہ امدادیہ والوں کے لئے یہ دونوں فعل شرعاً کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ اب اس دورِ پرفتن میں مسجد کے حق کو حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی نہ کرنا کیا منتظمین مسجد کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا...... اگر یہ پرنالہ زمانہ قدیم سے ہے، اب نیا نہیں بنایا گیا تو اس کو بدستور جاری رکھا جائے، مفتی بہ قول کے موافق اس کو روکنے اور بند کرنے کا حق نہیں۔

"لو كان مسيل سطوحه إلى دار رجل، وله فيها ميزاب قديم، فليس له منعه وهذا استحسان جرت به العادة، أما أصحابنا فقد أخذوا بالقياس وقالوا: ليس له ذلك إلا أن يقيم البينة أن له حق المسيل، والفتوى على ماذكره أبو الليث، وفي البزازية وبه نأخذ اه" وهو موافق للقاعدة الآتية أن القديم يترك على قدمه تأمل اه" شامي: ۲۸۵/۵(۱).

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب إحياء الموات، فصل الشرب: ۴۴۳/۶، سعيد) ....

۲.....مسجد کی دیوار پر گاڈر، لینٹر، کڑی وغیرہ رکھ کر مسجد سے متعلق کوئی تعمیر بھی کرنا درست نہیں، چہ جائیکہ مدرسہ کے لئے تعمیر کی جائے، اس کا وہاں سے ہٹانا ضروری ہے۔

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع. ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه، ولو على جدار المسجد" (درمختار).

"مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، ونقل في البحر قبله: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد، وإن كان من أوقافه" اهـ شامي: ۳/۳۷۱(۱).

متولی وجماعت منتظمہ کے ذمہ استخلاص ضروری ہے، بغیر مقدمہ کے ہو جائے تو بہتر ہے۔ مقدمہ میں دردسر ہے، خرچ زیادہ، وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے، حدود شرع کی رعایت نہیں ہوتی ہے، کبھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کبھی رشوت دینے کی نوبت آتی ہے، قلوب میں شحناء وبغض کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، دوسروں کو عیب جوئی اور غیبت کا موقع ملتا ہے، منتظمین اوقاف کی طرف سے عوام کو بے اعتمادی ہوتی ہے، کہ یہ لوگ اوقاف کا روپیہ مقدمہ بازی میں خرچ کرتے ہیں، علماء کی طرف سے بدظنی پیدا ہوتی ہے کہ یہ لوگ ارباب علم وصلاح ہونے کے باوجود معمولی باتوں کو بھی باہم مصالحت کر کے نہیں نمٹا سکتے اور قرآن وحدیث کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ خدا ورسول کے دشمنوں کے پاس اپنے مذہبی معاملات کا مقدمہ لے جاتے ہیں اور غیرت ایمانی کے بھی خلاف ہے کہ اہل علم ہو کر فیصلوں کے لئے ایسوں ویسوں کے پاس جائیں، بہتر یہ ہے کہ کسی ذی علم کو دونوں فریق ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں (۲)۔ واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۸۷ھ۔

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشرب، الثاني في سبيل الماء: ۶/۱۱۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشرب، الباب الثاني في بيع الشرب: ۵/۳۹۴، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۹، ۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۲، ۸۴۳، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾ (الحجرات: ۱۰) .... =

www.besturdubooks.net

مسجد پر قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۳]: ۱-ایک مسجد ودیشہ میں "بیجا منڈل" کے نام سے مشہور ہے، جس میں زمانہ دراز سے عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے، عید کے زمانہ میں مہاراجہ کی طرف سے بذریعہ حکام عطر، پان، مسلمانوں کو عید کی خوشی میں پیش کیا جاتا تھا۔

۲-جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو دشمن ملک اور دشمن اسلام ہندومہاسبھا وغیرہ پارٹیوں نے ستیہ گرہ شروع کردی کہ مسجد بیجا منڈل مسجد نہیں ہے، بلکہ بیج مندر ہے، ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک عیدین کی نماز مسجد بیجا منڈل میں ہوتی رہی، کبھی دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ کبھی کرفیو کے ذریعہ ۸/۱۰/ برس سے پرمٹ سسٹم جاری کردیا تھا کہ پرمٹ کے ذریعہ حکومت نماز عیدین پڑھواتی رہی۔

۳-امسال ۱۹۶۵ء میں کمشنر صاحب مدھیہ پردیش نے بتاریخ ۶۵/۱/۱۶ء کو یہ حکم زبانی دیا کہ اس سال نماز عیدین کی اجازت مسجد بیجا منڈل میں نہ دی جائے گی، یہ مسجد آثار قدیمہ میں آگئی ہے، یہ نہ ہندوؤں کو پوجا کے لئے دی جائے گی نہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے لئے دی جائے گی اور کہا کہ حکومت مدھیہ پردیش مسلمانان ودیشہ کے لئے دس ہزار روپیہ دینے کے لئے تیار ہے کہ تم اپنی عیدگاہ دوسری جگہ بنالو۔

۴-اور یہ مسجد بیجا منڈل محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۴۷ میں کر لی تھی، حکومت نے بھی قانون میں اس کو مسجد مانا ہے۔

۵-ہم مسلمانان نے دس ہزار روپیہ لینے سے انکار کردیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ ہم مسجد فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جب تک حکومت مدھیہ پردیش ہمارا حق یعنی مسجد بیجا منڈل میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے گی تو اس وقت تک ہم عیدین کی نماز نہیں پڑھیں گے، جو حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارا حق زبردستی چھین لیا ہے۔

= "قال أبوشريح: يارسول الله! إن قومي إذا اختلفوا في شيء فأتوني فحكمت بينهم، فرضي عني الفريقان، فقال عليه السلام ما أحسن هذا ...... وذكر الشيخ عبدالقادر في الطبقات: أن الإمام أحمد الدامغاني تلميذ الطحاوي والكرخي لما تولى القضاء بواسط كان يقول: للخصمين أنظر بينكما؟ فإن قالا: نعم! نظر وتارة يقول: أحكم بينكما". (البحر الرائق، كتاب التحكيم: ۷/ ۴۲، ۴۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

۶- ہم مسلمانوں کا خیال ہے کہ ہم حکومت پر عدالت میں دعویٰ کر دیں کہ حکومت مدھیہ پردیش نے ہمارے ساتھ بے انصافی کی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

۷- مسجد مذکور اسلامی قواعد کے ساتھ تعمیر ہے، جو احکامِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔

۸- ایک زمانہ میں جب کہ اس کے قرب وجوار میں مسلم آبادی تھی، پانچوں وقت نماز ہوتی تھی، جب آبادی کم ہوئی تو صرف جمعہ قائم رہا۔

۹- جب دور تک آبادی ختم ہوگئی تو مسلمانانِ ودیشہ نے صرف عیدین کے لئے مخصوص کرلیا، تو آج تک عیدین کی نماز ہوتی رہی۔

۱۰- یہ مسجد شہر سے باہر ہے، عالی شان عمارت ہے، عیدین کی نماز آسانی سے پڑھی جاتی ہے۔

۱۱- مسلمانوں کی آبادی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مسجد کی دیواروں سے متصل قبریں بنی ہوئی ہیں، جو آج بھی ظاہر ہیں۔

۱۲- اکثر وبیشتر علماء دین نے بھی کبھی اس مسجد میں وعظ اور نصیحت فرما کر مسلمانوں کو مستفیض فرمایا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ شرعی مسجد ہے اور حکومت کو بھی اس کا مسجد ہونا تسلیم ہے اور اس میں نماز باجماعت ہوتی چلی آئی ہے۔ حتیٰ کہ مخالفوں کی مخالفت کے باوجود کرفیو دفعہ ۱۴۴ پرمٹ سسٹم کی صورتوں میں اس کو مسجد ہی تسلیم کرتے ہوئے اس میں عیدین ادا کی گئی ہے، تو اب نہ اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ ہوسکتا ہے، نہ دعویٰ ملک قابلِ سماعت ہے(۱)، نہ اس میں نماز پڑھنے سے روکا جاسکتا ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے،

---

(۱) "(من اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه)؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه؛ لأن الوقف اجتمع فيه معنيان، الحبس والصدقة". (العناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق. قال الله تعالىٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ مع العلم بأن كل شيء له، فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه". (الفتح =

www.besturdubooks.net

اس میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، وہ عید بھی پڑھ سکتے ہیں، جمعہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پنجگانہ نماز بھی پڑھ سکتے ہیں، وہاں نماز پڑھنے سے روکنا سراسر ظلم ہے(۱) اور خدائے پاک کے دیئے ہوئے حق کو غصب کرنا ہے(۲)۔

وہاں کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ آئینی طریق پر اس کو ہمیشہ کے لئے مسجد برقرار رکھیں اور اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے دیں(۳)، اس کے لئے قانونی طور پر پوری جدوجہد کریں، عدالت میں دعویٰ کرنا مفید ہو، تو وکیلوں سے مشورہ کرکے عدالت میں دعویٰ کریں۔ اگر کوئی صورت بچاؤ کی نہ ہو، تو انتہائی بے بسی اور مظلومیت کی حالت میں وہ معاوضہ لے کر، جو دینا تجویز کیا گیا ہے، کسی دوسری مناسب جگہ مسجد بنائی جائے، اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مسلمانوں نے مسجد کو فروخت کردیا، بلکہ یہ معاوضہ ہوگا زبردستی قبضہ کرنے کا۔

"لو استولی علی الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن یدفع قیمتها کان للمتولي أخذ القیمة، أو الصلح علی شيء، ثم یشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخری فیجعله علی شرائط الأولیٰ؛ لأنه

= القدیر، کتاب الوقف: ۲۳۴/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مسٰجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی في خرابها﴾ (البقرة: ۱۱۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالیٰ: وسعی في خرابها، أي: هدمها وتعطیلها". (روح المعاني: ۳۶۴/۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"وهو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لا یعود میراثاً". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(۲) "الاغتصاب أخذ مال الغیر بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، کتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"قال رحمه الله تعالیٰ: "هو أي: الغصب إزالة الید المحقة بإثبات الید المبطلة في مال متقوم محترم". (البحر الرائق، کتب الغصب: ۱۹۲/۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الغصب، الباب الأول: ۱۱۹/۵، رشیدیه)

(۳) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استیلاء شخص علی شيء من المسجد کان الواجب رفع یده عنه، وإعادته مسجداً کما کان". (الفتاویٰ المهدیة، کتاب الوقف: ۴۷۲/۲، عربیه کوئٹه)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف: ۲۳۰/۱، حقانیه پشاور)

www.besturdubooks.net

حینئذ صار بمنزلة المستهلك فیجوز أخذ القیمة اهـ" (بحر: ۵/۲۴۲)(۱).

اس سلسلہ میں نماز عید کا ترک کرنا بے سود اور غلط ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہاں کے مسلمان دوسروں کی نظر میں اتنے محبوب و معظم نہیں کہ ان کے ناراض ہو کر نماز عید ترک کر دینے سے مخالف بے چین اور مضطرب ہو کر اپنے ارادوں سے باز آجائیں گے اور ان کی مسجد کو برقرار رکھیں گے اور وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۷/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

مسجد پر متولی کا دعویٰ ملکیت

سوال[۱۰۸۱۴]: ایک جامع مسجد ہے، اس کے متولیان کہتے ہیں کہ اس مسجد میں کسی مسلمان کو دخل دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی جانی مالی امداد کر سکتا، کیونکہ یہ تو ہماری ملکیت اور جاگیر ہے اور یہ بات اس بناء پر پیدا ہوئی کہ مسجد کی عمارت بے حد بوسیدہ ہو چکی ہے، تقریباً چھ سال سے سفیدی وغیرہ بھی نہیں ہوئی، مسلمانوں کی ایک جماعت جم غفیر نے چندہ کر دیا، مسجد ہذا کو درست کرانے کے لئے، اس پر ان تینوں متولیان نے یہ جواب دیا کہ اس مسجد میں کسی کو کوئی حق نہیں، یہ مسجد ہماری ہے، ہم نے اس مسجد میں چندہ سے کوئی کام کبھی نہیں کرایا ہے، یہ ہماری ملکیت اور جاگیر ہے، اس مسئلہ کے پیش نظر مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسجد کے ملا ونشی وغیرہ بھی متولیان سابق کی طرح جواب دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے، کسی اور کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی۔ ﴿أن المساجد للہ﴾ پس متولیان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے(۲)۔ جب کہ وہاں نماز وجماعت ہوتی ہے، تو وہاں سب کو نماز پڑھنے کا حق ہے اور سب کی نماز وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۵، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أن المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحداً﴾ (الجن: ۱۸) .... ▬

www.besturdubooks.net

مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنا

سوال[۱۰۸۱۵]: زید کا مکان مسجد کے متصل ہے، مسجد کے کچھ حصہ پر اس نے زبردستی کرکے مکان تعمیر کرلیا ہے اور کچھ حصہ غیر تعمیر شدہ ہے، جو کہ اس کے گھر کا نکال ہے، اگر دباؤ ڈال کر اس زمین کو جس پر تعمیر نہیں ہوئی، گھیر لیا جائے یا مناسب قیمت لے لی جائے، تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین کا جتنا حصہ اس نے اپنے مکان میں شامل کرلیا اس کو اس سے خالی کرایا جائے (۱)، اگر وہ خالی نہ کرے اور اس کے عوض اتنی ہی زمین مسجد کو دینے پر آمادہ ہوجائے تو مجبوراً اسی کو قبول کرلیا جائے (۲)،

= "إذا خرب وليس له مع يعمر به ...... هل يعود إلى ملك الواقف ...... قال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه، ولا يبيعه، ولا يورث عنه، لايحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

"وقد صرح علماؤنا قاطبة بأن يد الناظر على الوقف بالأمانة لايد عدوان". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۱۵، ميمنية مصر)

(۱) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه، وإعادته مسجداً كما كان". (الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۲، عربيه كوئٹه)

"أنكر متولي الوقف وادعى أنه ملكه يصير غاصباً له يخرج من يده". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، حقانيه پشاور)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى الرجل، وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب، يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في الغصب: ۲/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوي والخصومات: ۷/۱۱۴، حقانيه كوئٹه)

(۲) "لو استولى على الوقف غاصب، وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن يدفع قيمتها كان للمتولي أخذ القيمة أو الصلح على شيء، ثم يشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخرى فيجعله على =

www.besturdubooks.net

کوشش یہی کی جائے مسجد کی اصل زمین ہی مسجد کو مل جائے (۱)۔ مسجد کے لئے اس کے متصل زمین خریدنا مسجد کی مصلحت کے لئے ہر صورت میں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں کنواں بنانا

سوال [۱۰۸۱۲]: مسجد میں کنواں بنانا کیسا ہے؟ جب کہ پہلے کبھی نہ تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف ہے، اس میں کنواں نہ بنایا جائے (۳)، ہاں! اگر ضرورت ہو اور کچھ

= شرائط الأولی". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۵/۵، رشیدیه)

"لایجوز استبدل العامر إلا في الأربع". (الدر المختار).

"وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله: إلا في أربع) ...... الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أي: وأراد دفع القیمة فللمتولي أخذها یشتري بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۲/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "فأما حکمه أي: الغصب ...... وجوب رد العین علی المالک بقوله علیه السلام: علی الید ما أخذت حتی ترد، وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لایحل لأحد أن یأخذ متاع أخیه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فلیرد علیه". (المبسوط للسرخسي، کتاب الغصب: ۵۳/۶، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"ولو غصبها من الواقف أو من والیها فعلیه أن یردها إلی الواقف، فإن أبی، وثبت غصبه عند القاضي حبسه حتی رد". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الغصب: ۱۹۸/۸، رشیدیه)

(۲) "الفاضل عن وقف المسجد یشتری به مستغلاً للمسجد حانوتاً أو داراً". (خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف: ۴۲۳/۴، رشیدیه)

"إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۴۶/۵، رشیدیه)

(۳) "ولا یتخذ في المسجد بئر الماء، وما کان قدیماً کبئر زمزم یترک". (المحیط البرهاني، کتاب =

www.besturdubooks.net

زمین مسجد سے متعلق زائد ہو، وہاں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی جگہ میں دکان بنانا اور ایک دکان سے دوسری دکان میں اقتدا کرنا

سوال[۱۰۸۱۷]: ۱...... زید دنیاوی نفع کی خاطر مسجد کے سامنے کے احاطہ میں دکانیں باندھنا چاہتا ہے، جگہ کی قلت کے سبب اس کے بائیں جانب نماز پڑھے، کہتا ہے اس جگہ کے مصلیوں اور امام کے درمیان ایک حجرہ واقع ہے، اس کی دیواروں میں کوئی دریچہ وغیرہ نہیں، اس جانب کے مصلیوں کو امام کے پیچھے مصلیان نظر نہیں آتے ہیں، اس صورت میں یہاں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

۲...... دیگر اس مسجد میں جگہ کی قلت کی وجہ سے عیدین میں مصلیوں کو جگہ کافی نہیں ہوتی، مسجد کی آمدنی کے بنسبت اخراجات کم ہیں، ایسی صورت میں مسجد کے روبرو جگہ لب سڑک ہے، کیا اس جگہ میں دکانیں بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر وہ جگہ نماز کے لئے وقف ہے، تو وہاں دکان بنانا درست نہیں (۱)، اگر نماز کے لئے وقف

= الاستحسان والكراهية، الفصل الخامس في المسجد والقبلة ...... الخ: ۶/۲۹، مكتبه غفاريه كوئته)

"ولا يتخذ في المسجد بئر ماء؛ لأنه يخل حرمة المسجد، فإنه يدخله الجنب والحائض، وإن حفر فهو ضامن بما حفر، إلا أن ما كان قديماً فيترك كبئر زمزم في المسجد الحرام". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(۱) "ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"لو أن قيم المسجد أراد أن يبني حوانيت في حريم المسجد وفنائه، قال الفقيه أبو الليث: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۳، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

نہیں، لیکن مسجد کی ملک ہے اور مسجد میں جگہ کی قلت ہے کہ وقت ضرورت وہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور مسجد کی آمدنی کافی ہے، خرچ زیادہ نہیں تب بھی اس جگہ دکان نہ بنائی جائے (۱)۔ اگر مسجد میں جگہ کافی ہے، تو وہاں مسجد کے لئے دکان بنالی جائے، تاکہ اس کا کرایہ مسجد میں آئے اور ضروریات پوری ہوں (۲)۔

امام اور مقتدیوں کے درمیان اگر فصل ہو اس طرح کہ ایک گاڑی درمیان میں گزر سکے یا کچھ مقتدی سلسلۂ صفوف سے اس طرح منقطع ہو جائیں اور یہ فصل خارج مسجد ہو، تو اقتداء درست نہیں ہوگی اور ایسے مقتدیوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۳)۔ اگر صرف دیوار حائل ہو اور امام کے انتقالات کی اطلاع ان مقتدیوں کو صحیح طور پر ہو جاتی ہو، تو ان کی نماز درست ہو جائے گی (۴)۔

= (وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتها فيؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۲، حقانيه پشاور)

(۳) "ويمنع من الاقتداء طريقة تجري فيه عجلة، أو نهر تجري فيه السفن، أو خلاء في الصحراء يسع صفين". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع: ۱/۸۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۴، ۶۳۵، رشيديه)

(۴) "والحائل لايمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ولما في البرهان: من أنه لو كان بينهما حائط كبير لايمكن الوصول منه إلى الإمام، ولكن لايشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته، لايمنع صحة =

www.besturdubooks.net

۲......جواب نمبرا سے اس کا جواب واضح ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۶/۱/۲۶ھ۔

الجواب کاف: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۶/۱/۲۷ھ۔

مسجد میں مکان یا حجرہ بنانا مسجد کی دیوار پر کڑی یا گاڈر رکھنا

سوال[۱۰۸۱۸]: صحن جامع مسجد جہاں ایک عرصہ سے نماز ہوتی چلی آرہی ہے، جس پر باقاعدہ صفوں کے نشان بنے ہوئے ہیں، کیا اس صحن کے کسی حصہ میں حجرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا دکانیں بنائی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مقام نماز کے لئے وقف کردیا جائے اور اس پر اذان وجماعت ہونے لگے، یعنی وہ شرعی مسجد بن جائے، اس کو کسی دوسرے کام میں مستقلاً لانا جائز نہیں، لہٰذا نہ وہاں حجرہ بنایا جاسکتا ہے نہ دکان۔

"شرط الواقف كنص الشارع"(۱).

مسجد کی دیوار پر کسی حجرہ یا مکان کی کڑی یا گاڈر رکھنا بھی جائز نہیں، اگرچہ وہ دکان یا حجرہ مسجد ہی کے لئے ہو۔ كذا في البحر(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیو بند، ۸۸/۱۰/۲۱ھ۔

= الاقتداء في الصحيح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، ۵۸۷، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة: ۱/۳۵۰، ۳۵۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء: ۱/۸۸، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

مسجد میں میت کو دفن کرنا

سوال[۱۰۸۱۹]: حضرت الاستاذ مفتی صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

بعد سلام مسنون، چند مسائل کا جواب دریافت طلب ہے۔ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الف...... وقف کردہ جگہ میں مسجد ہے، اب اصل مسجد کے احاطہ میں اگر تمام اہل بستی متفق ہو کر کسی شخص کی قبر (روضہ) بنانا چاہتے ہیں، بلکہ ایسا ہوا بھی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

ب...... مسجد میں پہلے چھت بنی ہوئی تھی، بلکہ لکڑی وٹین کا چھپر تھا، تو اب جب کہ مسجد کی چھت بنائی نہیں تو ان اسباب مسجد کو (لکڑی وٹین) وغیرہ کو فروخت کیا جارہا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کو جو مسجد سے مس کئے ہوئے تھے، اپنی عمارت وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

الف...... جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہے، وہاں میت کو دفن نہ کیا جائے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔

ب...... جب مسجد کی چھت بنائی گئی اور ٹین وغیرہ پہلا سامان مسجد میں کار آمد نہیں رہا، تو اس کو فروخت کرکے قیمت مسجد میں لگا دی جائے (۲) اور خریدنے والے کو اپنے مکان وغیرہ میں اس سامان کو لگانے اور

= "قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران من وضع جلوع على جدار المسجد فإنه لايحل، ولو دفع الأجرة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة الواقفين واجبة: ۴۴۵/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، ويمسک ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في =

www.besturdubooks.net

استعمال کرنے کا حق حاصل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۶ھ۔

مسجد کی زمین میں تعمیر کرلی تو وہ کس کی ہے؟

سوال[۱۰۸۲۰]: ایک مسجد کی کچھ مملوکہ ومقبوضہ زمین جو سالہا سال سے بیکار پڑی تھی، اس کا کچھ حصہ لوگوں کے پاس کرایہ پر تھا، کرایہ کی مقدار بہت تھوڑی تھی، کچھ لوگوں نے اس پر عمارتیں بنالیں اور کرایہ دینا بھی بند کردیا۔ اس طرح زمین پر قبضہ کرکے مالک بن جانا چاہتے تھے، مسجد کی کمیٹی نے یہ دیکھ کر زمین فروخت کردینے کا اعلان کردیا اور کہا یا تو زمین کی قیمت ادا کردو یا اپنے مکان کی قیمت لے لو، بعض کرایہ داروں نے یہ بات مان لی اور زمین کی قیمت دس ہزار روپے گراؤنڈ کے حساب سے دینے پر راضی ہوگئے، زمین کو فروخت کردینے میں مسجد کا فائدہ ہے، اس سے مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوجائے گا اور اس آمدنی سے دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے، ورنہ لوگ زمین پر ناجائز قبضہ کریں گے، جس سے مسجد کو سخت نقصان ہوگا اور

= الوقف إذا خرب: ۳۷۷/۴، سعید)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "وحكمه ثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۴۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

زمین مسجد سے نکل جائے گی۔

ایسی صورت میں اس زمین کا فروخت کردینا اور اس کی قیمت لے لینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو چکی ہے، اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں (۱)، الا یہ کہ اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر اس کا وقف ہونا ہی ختم ہو جاتا ہو، تو ایسی صورت میں مجبوراً اس کی قیمت وصول کر کے مسجد کے لئے دوسری جائیداد خریدی جائے (۲)۔ اب موجودہ صورت میں تین شکلیں ہیں:

اول یہ کہ وہ لوگ وہاں سے اپنی عمارت ہٹا کر مسجد کی زمین خالی کردیں (۳)۔

---

(۱) "إذا تم ولزم لایملک، ولا یملک، ولایعار، ولایرهن". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: لایملک) لایکون مملوکاً لصاحبه، ولا یملک أي: لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"إذا صح الوقف لم یجز بیعه، ولا تملیکه ...... أما امتناع التملیک فلما بینا من قوله علیه الصلاة والسلام: تصدق بأصلها لایباع، ولا یورث، ولا یوهب". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لایجوز استبدال العامر إلا في الأربع". (الدر المختار).

"(قوله: إلا في أربع) ...... الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أي: وأراد دفع القیمة، فللمتولي أخذها یشتري بها بدلاً". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

"لو استولی علی الوقف غاصب وعجز المتولي عن استرداده، وأراد الغاصب أن یدفع قیمتها کان للمتولي أخذ القیمة أو الصلح علی شيء، ثم یشتري بالمأخوذ من الغاصب أرضاً أخری فیجعله وقفاً علی شرائط الأولیٰ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۰۵/۵، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "وأما البناء في أرض الوقف فإن کان الباني المتولي علیه ...... وإن لم یکن متولیاً فإن کان بإذن المتولي لیرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنی لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم یضر، وإن أضر فهو المضیع لما له فلیتربص إلی خلاصه". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۱۰۱/۲، ۱۰۲، إدارة القرآن کراچی)

www.besturdubooks.net

دوسری صورت یہ ہے کہ تغیر شدہ مکان کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ادا کردیا جائے اور وہ مکانات مسجد کی ملک ہوجائیں (۱)۔

اگر ان دونوں شکلوں میں سے کسی پر عمل نہ ہوسکے، تو انتہائی مجبوری میں تیسری شکل یہ ہے کہ مسجد کو اس زمین کی قیمت دے دی جائے اور اس قیمت سے مسجد کے لئے جائیداد خریدی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۹ھ۔

مسجد میں مکان کا دروازہ کھولنا

سوال [۱۰۸۲۱]: ہمارے یہاں قصبہ کھتولی میں ایک زمین دو فریقوں نے شرکت میں خریدی تھی اور شرکت میں ہی اس کی نیو بھروائی تھی، عرصہ تک یہ زمین اسی طرح نیو بھری پڑی رہی، ایک فریق نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا اور دوسرے نے اپنے حصہ میں مکان بنالیا، لیکن جو دیوار شرکت میں کرائی اس پر اپنی مکمل دیوار بنالی ہے اور اس پر مسجد کا کوئی حق باقی نہیں رکھا ہے اور مسجد کے اندر اپنا ایک دروازہ بھی کھول لیا ہے، اس کے لئے آپ بتائیے کہ اس کا یہ دروازہ مسجد میں کھول سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کی کوئی اور صورت ہے؟

= "فإن كان الباني غير المتولي فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن لنفسه أو أطلق رفعه إن لم يضر بأرض الوقف، فإن أضر فالحكم ما تقدم أي: فهو المضيع لما له". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۲۱۳/۱، إمداديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۸/۵، رشيديه)

(۱) "حانوت موقوف على الفقراء وله قيم بنى رجل في هذا الحانوت بناء بغير إذن القيم، ليس له أن يرجع على القيم بعد ذلك، ينظر إن كان أمكنه رفع ما بنى من غير أن يضر بالبناء القديم فله رفعه، وإن لم يكن رفعه من غير أن يضر بالبناء القديم فليس له رفعه، ولكن يتربص إلى ان يتخلص ماله ...... إن لم يرض هو يتملك القيم البناء للوقف بالقيمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

"مستأجر حانوت الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لايرجع عليه ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يتملكه القيم بأقل القيمتين منزوعا وغير منزوع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۳/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف: ۴۶/۷، حقانيه پشاور)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۹۱

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کی دیوار مستقلاً مسجد کی ہونی چاہیے، وہ شرکت نہ رکھی جائے (۱)، اس شریک کے حصہ کی قیمت دے کر مسجد کے لئے خریدی جائے، اگر وہ بلا قیمت نہ دے، مسجد میں دروازہ اس کے مکان کا نہیں ہونا چاہیے، اس کو بند کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے کچھ حصے میں متولی کی قبر بنانا

سوال[۱۰۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ: قدیم مسجد جو کہ تقریباً دوسو سال سے بھی زائد کی ہے، جس کا نقشہ حسب ذیل ہے، مسجد مذکور کے صحن کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے، حسب ذیل احاطہ چہار سہ دیواری جنوب چبوترہ سوسال سے زائد ہوئے، ایک بزرگ عام مسلمانوں کی رائے سے مسجد مذکور

---

(۱) "لو بنى فوقه بيتا للإمام لايضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع ...... فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو كان على جدار المسجد". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ : (قوله ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً، ونقل في البحر: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد، وإن كان من أوقافه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

"فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره ،فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولايجوز أخذ الأجرة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۵/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۶۰/۵، رشيديه)

"دار لمدرس المسجد مملوكة أو مستأجرة متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد، ويجعل من بيته باباً إلى المسجد ......؟ فقالوا: ليس له ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۳۲۰/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کے امام ومتولی ہوگئے، انہوں نے اپنے اہتمام میں مسجد کو سہ دری کے بجائے پنج دری کیا، امام اول موصوف کا انتقال ہونے کے بعد بزرگ موصوف کے مزار کے قریب احاطہ سہ دیواری میں دفن ہیں۔

ان کے بعدان کے بڑے لڑکے امام دوم بدستور سابق امام متولی ہوئے، انہوں نے صحنِ مسجد کی توسیع کر کے احاطہ سہ دیواری قبور کو وسط صحن میں شامل کیا، بعد انتقال امام دوم بھی امام اول اور بزرگ کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، اس کے بعدان کے بھائی امام سوم بدستور سابق متولی ہوئے، ان کی حیات میں ان کے بھتیجے امام دوم کے بڑے لڑکے بھی اسی احاطۂ قبر میں دفن ہوئے، امام سوم بھی بعد انتقال بھتیجے اور امام دوم کی قبر کے درمیان دفن ہوئے، ان کے بعدان کے دوسرے بھتیجے امام دوم کے لڑکے امام چہارم بدستور امام سابق متولی ہوئے، انہوں نے بھی مسجد کی توسیع جات کی، بعد انتقال امام چہارم بھی اسی احاطہ قبر میں امام اول کی پائنتی میں دفن ہیں، جس میں کچھ جز قبر مسجد کی زمین کا شامل ہوئے جب کہ حسب ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے، ان کے بعد امام سوم کے لڑکے امام پنجم بدستور سابق امام متولی مقرر ہوئے، جو کہ موجود ہیں۔

اب صرف مسجد ہذا کی تنظیم کمیٹی بھی مقرر ہوگئی ہے، جس کے لئے یہ شرائط مسجد ہذا کی بھی تعمیری کام کے لئے امام کی رائے مشورہ وغیرہ دریافت کرنا ضروری ہے۔ منتظم کمیٹی مسجد ہذا کے کچھ ممبران نے بغیر اطلاع امام احاطہ نیو سہ دیواری کو منہدم کر کے ہر جانب سے تنگ کر کے اور احاطہ کی کچھ جگہ جہاں قبریں معین ہیں، سب میں مسجد کر لی ہے، ایسی صورت میں بغیر اجازتِ امام جس کے آباؤ واجداد اسی احاطہ میں دفن ہیں اور منتظم کمیٹی بھی صرف مسجد ہی کے امور میں حق رکھتی ہے، تو احاطۂ قبور سے زمین کا کچھ حصہ مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ امام وخاندان امام اور دیگر بہت سے لوگ (مسلمان) نہیں چاہتے، جواب باصواب سے مطلع فرمائیں تاکہ عوام الناس کسی قسم کے شک میں نہ رہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مسجد سے متعلق کسی بھی تعمیر کام کے لئے امام مسجد کا مشورہ ورائے ضروری قرار دے دیا گیا ہے اور یہ چیز طے شدہ شرط کے درجہ میں ہے، تو پھر تصرف مذکور کرنا خلاف شرط ہوا جو زمین مسجد میں داخل کی گئی ہے، اگر وہ مالک کی اجازت سے داخل کی گئی ہے، تو اس کو داخل کرنا صحیح ہوگیا(۱)۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

اور اگر وہ زمین وقف تھی، مسجد کے لئے تب بھی داخل کرنا درست ہوا(۱)، قبریں اگر اتنی پرانی ہیں کہ میت مٹی بن چکی ہوگی تو ان کا باقی رکھنا ضروری نہیں، ان کو ہموار کر کے وہاں مسجد کا فرش بنانا اور نماز پڑھنا بھی درست ہے، ایسی حالت میں قبر کا حکم باقی نہیں رہتا، بلکہ بدل جاتا ہے(۲)۔ اور اس تصرف سے میت کی توہین نہیں ہوتی، آئندہ ایسا تصرف کرنے کے لئے جائز شروط کی پابندی کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۱ھ۔

مسجد تعمیر کرنے والوں میں اختلاف ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۸۲۳]: ہمارے گاؤں میں بڑی مشکل سے مسجد تعمیر کرنے پر اتفاق ہوا اور تعمیر کی ابتداء

= ألا لا تظلموا ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب: ۲۵۵/۲، قديمي)

"لايجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

"لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بآخر قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۱) "سئل الفقيه أبوجعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد، فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف؟ قال: يجوز". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵۷۱/۵، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۲۹/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(۲) "ولو بلي الميت، وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، سعيد)

"جاز زرعه أي: القبر، والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱۶۷/۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ہوگئی، اس کا کام لینٹر پر بنے گا، کوئی کہتا ہے کہ لینٹر میں ڈالواؤں گا، کوئی کہتا ہے کہ میں فرش ڈلواؤں گا، یہ زمیندار لوگ متعدد ہیں، اگر ہم ان سے یہ سامان نہیں لیتے تو بدنامی کا خطرہ ہے اور کام بند ہو جائے گا، جس سے مسلمان بہت پریشان ہیں کہ آخر کیا کیا جائے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اسی میں امن ہے، تو بہتر یہ ہے کہ جو شخص تعمیر کا انتظام کر رہا ہے، وہ زمیندار اس کو روپیہ دے دیں اور وہ شخص اس روپیہ سے لینٹر اور فرش تعمیر کر دے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۷/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "رجل بنى مسجداً لله تعالىٰ، فهو أحق الناس بمرمته، وعمارته، وبسط البواري، والحصير، والقناديل، والأذان، والإقامة، والإمامة إن كان أهلاً لذلك، فإن لم يكن فالرأي في ذلك إليه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل كره غلق المسجد: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثامن في انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

ایک مسجد کی زائد اینٹیں خرید کر دوسری مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۲۴]: مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں قریب کی ایک مسجد میں اینٹیں زائد تھیں، وہاں سے خرید کر لگادی گئیں، یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک مسجد کا لوٹا، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر دوسری مسجد کے لئے لینا

سوال[۱۰۸۲۵]: کسی مسجد سے دوسری مسجد کے لئے لوٹے صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر لئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف، إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج أي: إلى الاحتياج؛ لأنه لا بد من العمارة ...... وإن تعذر إعادة عينه بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۷/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اشیاء کو واپسی کے وعدہ پر بھی نہ لیا جائے (۱)، ہاں! اگر وہاں ضرورت سے زائد ہو، تو خرید لیا جائے (۲)، فروخت کرنے پر اعتراض ہو، تو نہ خریدا جائے دوسری جگہ سے انتظام کرلیا جائے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

مساجد کے لوٹے وغیرہ عیدگاہ میں لے جانا

سوال [۱۰۸۲۶]: زمانہ قدیم سے نظام حیدرآباد کے ذمہ سے یہاں معمول یہ ہے کہ عیدین کے موقع پر متولیان عیدگاہ و منتظمین ان مساجد سے جہاں عیدگاہ نہیں ہوتی ہے، وہاں کے متولیان کی اجازت سے جائے نماز اور وضو کے برتن وغیرہ مصلیان کے لئے لے جاتے ہیں اور بعد نماز عید وہاں پہونچا دیتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ عمل از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ معمول قدیم کو لیتے ہوئے تعامل ثابت کرتے ہیں اور جواز کا قول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ دور آصفیہ میں محکمہ اوقاف کے عملے اور تھے اور حکومت وقف کی اجازت سے ایسا کیا گیا اور مساجد کے ہر قسم کے انتظامات وہی لوگ کرتے تھے، تو جب کہ وہ عملہ عرصے سے چلا آرہا ہے تو تعامل سے ثابت ہے، جس مسئلہ میں نص موجود نہیں اس میں تعامل

(۱) "إذا تم ولزم لايملک، ولايملک، ولايعار، ولا يرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلک له إن كان حيا ولورثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلک، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد" (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۱۳۲/۷، حقانيه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: ۵۴۳/۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

حجت ہے، مگر اس وقت غور طلب بات یہ ہے کہ فی زمانہ اگر چہ محکمہ اوقاف ہے اور مساجد کو کچھ اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔

مگر کلیۃً دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ مساجد کی بہتری ضرورتوں کو عوام پورا کرتے ہیں، اس میں سے مساجد کی صفیں اور دیگر سامان ہے۔

نیز واقفین کے شرائط ہوسکتے ہیں، اس طرح عیدگاہ کے لئے بسہولت دوسرے طریقے پر انتظام ممکن ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے اگر کوئی وقف اس تصریح کے ساتھ کیا ہو کہ عیدگاہ میں بھی اس کی آمدنی سے خرید کردہ سامان صف اور ظروف وضو وغیرہ لے جائیں، تب تو لے جانا درست ہے۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱)۔

لیکن آج جب کہ صف اور ظروف وضو کا نظم عوام کے چندہ سے ہے، تو اس کو وقف سابق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، جو چیز جس مسجد کے لئے دی جائے اس کو اسی مسجد میں استعمال کیا جائے، عیدگاہ میں نہ لے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثاني ......". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله عند الإمام والثاني): فلا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

"وقال أبویوسف: هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لایعود میراثاً ولا یجوز نقله، ونقل ماله إلی مسجد آخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشیدیه) ....

www.besturdubooks.net

مسجد کے قرآن کا حکم

سوال[۱۰۸۲۷]: ایک شخص حافظ ہے، جس قرآن پاک میں اس نے حفظ کیا ہے، اب وہ قرآن پاک قطعاً شہید ہو چکا ہے، بالکل ہی نا قابلِ انتفاع ہے اور اس چھاپہ کا قرآن پاک اس وقت دستیاب بھی نہیں ہے، دہلی، دیوبند، علی گڑھ تمام جگہ تلاش کیا، لیکن ناکامی رہی اور دیگر قسم کے مطبوعہ میں یاد نہیں ہوتا، کیونکہ ذہن میں وہ مطبوعہ رہتا ہے، جس میں کہ قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ اب اتفاق سے ایک مسجد میں اس جیسا مطبوعہ مل گیا ہے، وہ بھی شہید، مگر قدرے غنیمت ہے اور ایک قرآن ایسا مل گیا ہے کہ جتنے پارے اس حافظ کے قرآن پاک میں شہید ہوگئے ہیں اتنے پارے قابلِ انتفاع ہیں، تو کیا اس کے پارے اس میں ملا کر اپنا ایک قرآن پاک صحیح کرلے یا پھر جو قدرے غنیمت ہے، اس کو لے کر انتفاع جائز ہے؟

وقف کا پتہ نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں جتنے بھی قرآن پاک ہیں، سب وقف ہوتے ہیں تو کیا اس طرح گنجائش ہے؟ اس سے استفادہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ تحقیق ہے کہ جو قرآن کریم مسجد میں رکھا گیا ہے، وہ وقف ہے، تب تو نہ اس کو لینا درست ہے نہ اس کے پارہ نکال کر اپنا قرآن شریف مکمل کرنا درست ہے، البتہ وہیں مسجد میں بیٹھ کر پڑھنا درست ہے(۱)۔

= "الواقف لو عين انساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۸۱/۵، رشيديه)

(۱) "ووقف مصحفاً على أهل المسجد للقراءة إن يحصون جاز، وإن على المسجد جاز ويقرأ فيه". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أنه لو وقف المصحف على المسجد أي: بلا تعيين أهله قيل: يقرأ فيه أي: يختص بأهله المترددين إليه، وقيل: لايختص به أي: يجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مر عن القنية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل الكتب: ۳۶۶/۴، سعيد)

"وفي الخلاصة: وقف مصحفاً على أهل المسجد لقراءة القرآن إن كان يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز، ويقرأ في ذلك الموضع. وذكر في موضع آخر لايكون مقصوراً على هذا المسجد ...... وفي القنية: سبّل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة، ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من =

www.besturdubooks.net

"إذا تم ولزم لایملك ولا یملك الخ" درمختار (۱)۔

بعض مسجدوں میں قاعدوں اور پاروں اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق جو کہ قابلِ انتفاع نہیں رہتے، اس لئے لاکر رکھ دیتے ہیں کہ بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور اہلِ مسجد ان کو باقاعدہ دفن کردیں گے۔ ایسی حالت میں جو شخص جو پارے اپنے لئے قابلِ استفادہ ہوں، لے لے یہ درست ہے، وہ وقف نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں بطور ہدیہ دینا

سوال [۱۰۸۲۸]: ۱......ایک مسجد میں قرآن پاک زیادہ ہیں، تو دوسری مسجد میں ہدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

۲......اسی طرح ایک مسجد کی چیز بوقتِ ضرورت بطور ہدیہ یا استعمال دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جن لوگوں نے وہ قرآن شریف اس مسجد میں دیئے ہیں، ان کی اجازت سے صورت مسئولہ میں

= غير أهل تلك المحلة للقرأة، يوافق الأول، لا ما ذكر في موضع آخر. هذا ما ظهرلي بعد الفحص عن المسألة". (النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۷، ۳۱۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الثالث: ۴/۴۱۸، رشيديه)

(۱) "إذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولا يرهن". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ یہ قاعدے اور پارے بے حرمتی سے بچانے کے لئے مسجد میں رکھے جاتے ہیں، مسجد کے واسطے وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے اور وقف کے زمرے میں نہیں آتے ہیں۔

"وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى، وصرف منفعتها على من أحب ...... وعليه الفتوى". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

www.besturdubooks.net

دوسری مسجد میں دینا درست ہے(۱)۔

۲......اگر وہ چیز اس مسجد کے پیسہ سے مسجد کے لئے خریدی گئی ہے، تو دوسری مسجد میں دینا درست نہیں، نہ بطور ہدیہ کے نہ استعمال کے لئے (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

وفيه أيضاً: "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (كتاب الوقف: ۴/۴۵۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً ...... وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وقد علم منه أن لايجوز لمتولي الشيخونة بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

مسجد میں تعلیمِ صبیان

سوال[۱۰۸۲۹]: ۱...... مسجد کے اندر لڑکوں کو قرآن اور دینیات پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد پنجم وششم ص: ۲۹۸، فتویٰ نمبر ۱۲۸۹، ۸۷۹ جس کی بعینہٖ نقل منسلک ہے، صاف ہے کہ اگر مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب ہے تو حرام ہے، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

چونکہ صورت مسئولہ میں مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب نہیں ہے، بلکہ یقین اور تجربہ ومشاہدہ عینی ہے، لہٰذا تفصیلی سوال قائم کرکے مفتی صاحب شہر جے پور راجستھان مقامی سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو ممدوح نے ضرورت کی حد تک مسجد میں پڑھانے کی اجازت فرمائی، نیز اس کے علاوہ دیگر معترضین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ حرام کا ہے، اس دارالعلوم دیوبند کی مسجد چھتہ والی میں تو مدرسہ تھا، وہاں حرام کیوں نہ ہوا، چنانچہ مسجد چھتہ والی کے متعلق جو نوٹ آئینہ دارالعلوم دیوبند میں درج ہے۔

کیا مفتی جے پور کے فتوے پر عمل کیا جائے؟

۲...... معترض کا جو اعتراض ہے، تو کیا مسجد چھتہ والی دیوبند کی نوعیت یہ ہے یا جداگانہ؟ جب کہ اس میں صحت اور انار کے درخت کے نیچے لکھا ہے، یہ موقعہ اندرون مسجد تھا یا بیرون مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دینی تعلیم دینے کی اجازت ہے، جب کہ مسجد کا احترام برقرار رہے(۱)، شور شغب نہ ہو، بچے

---

(۱) "الحاصل: أن المساجد بنيت لأعمال الأخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ...... لهذا مما كان فيه نوع عبادة وليس فيه إهانة ولا تلويث لايكره، وإلا يكره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور) .... —

www.besturdubooks.net

ایسے چھوٹے نہ ہوں جو مسجد کو ناپاک کردیں، ان کو مار پیٹ ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے (۱)۔

تعلیم کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے، اگر ان امور کی رعایت نہ ہوسکتی ہو، تو تعلیم کا انتظام مسجد سے علیحدہ کیا جائے، مسجد کو مستقلاً مدرسہ بنانے کی اجازت نہیں (۲)۔ چھتہ والی مسجد دیوبند میں ایک استاد نے ایک شاگرد کو انار کے درخت (پیڑ) کے نیچے پڑھانے کی ابتداء کی تھی، اس میں مسجد کا احترام پورا محفوظ رہا۔ عالمگیری (۳)، بزازیہ (۴)، شرح اشباہ (۵) میں مسجد سے متعلق جزئیات تفصیل سے مذکور ہیں، ان میں تعلیم کا مسئلہ بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۸/۹۶ھ۔

= "لايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد، لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وقراءة القرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "يجب أن تصان (المساجد) عن إدخال الرائحة الكريهة ...... وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ...... عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/۵۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وحكم لا دليل عليه ...... شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، إمداديه)

(۳) "ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره، إلا أن يقع لهما الضرورة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، =

www.besturdubooks.net

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۱۰۸۳۰]: مسجد میں بچوں کو پڑھانا اس طرح پر کہ بچوں کے لئے کوئی دوسری جگہ ہو پڑھنے کے لئے اور وہ بچے وہاں پر مستقلاً پڑھتے بھی ہوں، اس کے باوجود محض اس جگہ کو کرایہ پر اٹھانے کے لئے بچوں کی تعلیم کا انتظام مسجد میں کیا جائے، پھر اس کے بعد جب کرایہ دار چلے جائیں تو پھر بچوں کو اسی جگہ بھیج دیا جائے اور عذر یہ کیا جائے کہ انجمن مقروض ہے، اس لئے ایسا کیا جارہا ہے اور یہ تعلیم بچوں کی مع اجرت کے ہے اور بچوں سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے، تو اس حالت میں بچوں کو مسجد میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز کس شکل میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری جگہ نہ ہو، تو مسجد میں بھی تنخواہ دار مدرس کو تعلیمِ دین دینا درست ہے(۱)، جب کہ بچے ہوشیار

= کتاب الکراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۴) "وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في المسجد: ۶/ ۳۵۷، رشيديه)

نوٹ: بزازیہ کے تمام نسخوں میں یہ عبارت اسی طرح ملی، جب کہ یہ عبارت دیگر کتب فقہ کی عبارتوں کے معارض ہے۔ جیسا کہ ہندیہ اور اشباہ کی عبارت سے فرق واضح ہے۔

(۵) "معلم الصبيان القرآن كالكاتب إن بأجر لايجوز وحسبة لا بأس به". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۵۶، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "لايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، واعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وقراءة قرآن". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۴/ ۶۳، إدارة القرآن كراچى)

"الحاصل: أن المساجد بنيت لأعمال الأخرة مما ليس فيه توهم إهانتها، وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ...... لهذا مما كان فيه نوع عبادة، وليس فيه إهانة، ولا تلويث لايكره، وإلا يكره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۱، سهيل اكيڈمى لاهور)

"لو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ہوں، پاکی ناپاکی کی تمیز رکھتے ہوں، مسجد کا احترام کرتے ہوں(۱)، دوسری جگہ مناسب موجود ہو، تو پھر دوسری جگہ ہی تعلیم مناسب ہے(۲)۔ضرورت کی بناء پر دوسری جگہ کو کرائے پر دے دیا ہو تب بھی مسجد میں تعلیم کی اجازت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متصل خالی جگہ پر مدرسہ قائم کرنا

سوال[۱۰۸۳۱]: ۱-شاہانِ شرقیہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد جونپور کے حدودِ مسجد کے تعین کے بعد پکے فرش سے اس کا تعین کر کے اس سے ملحق نمازیوں کے وضو کے لئے دہ در دہ حوض بنایا گیا تھا، جس پر علماء ومشائخ عمل درآمد کرتے چلے آرہے ہیں۔

۲-حدودِ مسجد کے علاوہ حوض میں مشرقی دروازے تک مع شمال وجنوب کچی زمین افتادہ ہے، اس افتادہ کچی زمین میں کنواں، پودا نشانِ قبر ہے، کنواں سے وقتِ ضرورت پر بیل کے ذریعہ پانی حوض میں بھی بھرا جاتا

---

(۱) "ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم وإلا فیکره". (الأشباه والنظائر، القول في احکام المسجد: ۵۴۰/۲، إدارة القرآن کراچی)

"ویجب أن تصان (المساجد) عن إدخال الرائحة الکریهة ...... وإدخال المجانین والصبیان لغیر الصلاة ...... عن معاذ بن جبل رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في أحکام المساجد، ص: ۲۱۰، ۲۱۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب في أحکام المسجد: ۶۵۶/۱، سعید)

(۲) "لایجوز تعلیم الصبیان القرآن في المسجد للمروي "جنبوا مجانینکم وصبیانکم مساجدکم". (الأشباه والنظائر، القول في أحکام المسجد: ۵۶/۴، إدارة القرآن کراچی)

"لو علم الصبیان القرآن في المسجد لایجوز، ویأثم. وکذا التادیب فیه أي: لایجوز التادیب فیه إذا کان بأجر، وینبغي أن یجوز بغیر اجر. وأما الصبیان فقد قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۴۱۹/۵، رشیدیه)

(وکذا في سنن ابن ماجة، باب مایکره في المسجد، ص: ۵۵، میر محمد کتب خانه)

www.besturdubooks.net

تھا، لیکن مولانا ظفر صاحب نے پودا اور نشانِ قبر خفیہ برابر کروادیا، اسی افتادہ زمین پر لوگ اور خود مولانا موصوف بھی جوتا پہن کر چلتے اور اتارتے ہیں اور اسی زمین پر نماز جنازہ ہوتی چلی آرہی ہے اور خود مولانا موصوف بھی پڑھایا کرتے ہیں۔

۳-یہ محقق نہیں کہ حوض، کنواں، پودا خود بانی نے بنوائے ہیں، یا بعد میں بنائے گئے ہیں، پھر وہی عرصہ دراز سے موجود ہیں۔

۴-یہ مسجد ۱۴۷۰ء میں مکمل ہوئی، سلطنت مشرقیہ کے زوال کے بعد ایک مدت تک یہ مسجد ویران رہتی رہی، نماز، اذان کے علاوہ تعزیہ داری وغیرہ رسومات اور مختلف جرائم کی آماجگاہ تھی، اس لئے ۱۸۳۰ء میں مسجد کے تحفظ آباد کاری و تبلیغ اور علم دین کی اشاعت کی غرض سے حضرت مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کرامت علی کی اعانت سے مدرسہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی ادارہ اور اس کے کچھ سالوں کے بعد حافظ صدیق صاحب نے مدرسہ دینیہ کی بنیاد ڈالی، جو حدودِ مسجد سے باہر افتادہ کچی زمین میں جانب اتر رکھی دالانوں اور کوٹھریوں میں قائم رہ کر علم کی شمع روشن کئے چلا آرہا ہے اور انہی دالانوں اور کوٹھریوں میں اساتذہ طلباء کی رہائش رہتی چلی آرہی ہے، طلباء واساتذہ کی بود و باش کے ساتھ مطبخ اور پانی کی ٹنکی بھی اسی کچی زمین پر ایک عرصہ دراز سے چلی آرہی ہے۔

۵-باوجود اس کے مسجد کا صحن جو حدودِ مسجد کا تعین کرتا ہے، بہت وسیع ہے اور آج تک جمعۃ الوداع عیدین یا نماز جمعہ میں کبھی کبھی نمازیوں سے نہیں بھرا اور نہ کسی قسم کی نمازیوں کو تکلیف ہوئی، حضرت مولانا کا کہنا ہے کہ حدودِ مسجد صرف اس کا فرش ہی نہیں ہے، بلکہ یہ افتادہ کچی زمین بھی ہے، اس لئے میں اس مسجد میں طے شدہ حدودِ مسجد کے باہر مدرسہ کو قائم نہ رہنے دوں گا۔

۶-حضرت مولانا، مسجد مذکورہ بالا میں مذہبی و تبلیغی اجتماعات کو بھی روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی اس مسجد میں نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس سے مسلمانوں میں نا اتفاقی اور تصادم کی صورت پیدا ہوگی۔

۷-مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں از روئے شرع شریف آپ فیصلہ فرمائیں کہ طے شدہ حدودِ مسجد جس پر ایک عرصہ دراز سے عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے اور علماء و مشائخ کا اجتماع ہو چکا ہے، کیا حضرت مولانا ظفر صاحب شرعی طور پر مذہبی اجتماعات اور دینی مدرسہ کے قیام پر پابندی لگا سکتے ہیں؟

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے آس پاس عموماً اور بڑی مسجد کے پاس خصوصاً فرش مسجد سے متصل شمالاً وجنوباً شرقاً اور گاہے غرباً خالی جگہ باقی رکھنے کا عام معمول تھا، تاکہ وقت ضرورت وہاں دینی مکاتب ومدارس قائم کیے جاسکیں، تاکہ تعلیم کا سلسلہ چلے، نیز خانقاہ وحجرات بنائے جاسکیں، تاکہ ذاکرین کے ذریعہ ذکر وشغل کا سلسلہ چلے۔ پس ایسی جگہ تعلیم گاہ بنانا اور دینی اجتماعات کرنا مواعظ کی مجالس کرنا، بلاشبہ شرعاً درست ہے(۱)۔ یہ سب جگہ متصل مسجد ہونے کی وجہ سے فناء مسجد بھی ہوگی، اس حیثیت سے کہ اس کا احترام مسجد کی طرح لازم نہیں ہوگا، یہاں کھانا پینا، سونا، بلاغسل آنا مکروہ نہیں ہوگا(۲)۔

قبر جب اتنی پرانی ہوجائے کہ میت باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، قبر کی طرح اس کا احترام لازم نہیں رہتا، وہاں نماز پڑھنا کھیتی کرنا، باغ لگانا، مکان بنانا سب درست ہوجاتا ہے۔

"ولو بلي الميت صار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء

---

(۱) مسجد کے آس پاس خالی جگہ میں دینی مکاتب ومدارس اور خانقاہ وحجرات بنانا غرض واقف کے موافق ہے، اس لئے بنانا جائز ہے۔

"أن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۵۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غيره ...... فحل دخوله لجنب وحائض، كفناء مسجد، ورباط، ومدرسة، ومساجد، وحياض، وأسواق". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۴/۶۵۷، سعيد)

"وفناء المسجد له حكم المسجد حتى لو اقتدى بالإمام منه يصح اقتداؤه، وإن لم تتصل الصفوف، ولا المسجد ما لآن، وينبغي أن يختص بهذا الحكم دون حرمة مرور الجنب ونحوه".

(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۲۷۷، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

علیہ" کذا في التبیین وعالمگیری(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۴۰۱ھ۔

پرانی مسجد کو مدرسہ بنالینا

سوال[۱۰۸۳۲]: ہمارے موضع کی مسجد گاؤں کے کنارے پر واقع ہے، وہ شکستہ ہوگئی ہے، اس لئے اب اہلِ رائے کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قدیم مسجد میں مدرسہ چلایا جائے اور جدید مسجد گاؤں کے وسط میں بنائی جائے اور مدرسہ مسجد کے انتظام میں ہی چلے تو قدیم مسجد کو مدرسہ بنانا کیسا ہے؟ اس کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بن جائے، وہاں نماز جماعت سے ہونے لگے، پھر وہاں سے نماز جماعت کو موقوف کر کے اس جگہ کو مدرسہ یا کسی اور کام کے لئے متعین ومخصوص کر دینا جائز نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۲)۔

گاؤں کی مصلحت کی خاطر ضرورت کے وقت دوسری جگہ بھی مسجد بنالینا درست ہے، لہٰذا اگر آبادی کے

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

"لو بلي المیت وصار تراباً جاز دفن غیره في قبره، وزرعه، والبناء علیه". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۲، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۲۸، سعید)

(۲) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

www.besturdubooks.net

وسط میں وہاں سب لوگ بسہولت آسکتے ہوں تو مسجد بنالینے میں کوئی مضائقہ نہیں (۱)۔ لیکن قدیم مسجد کو نہ شہید کیا جائے نہ اس کے سامان کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے، نہ وہاں مدرسہ قائم کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ کی تعمیر کرنا

سوال [۱۰۸۳۳]: یہاں ایک عجیب رسم ہے کہ شادی بیاہ میں لوگ مسجد میں تو روپیہ دیتے ہیں، مگر مدرسہ کا نام لو تو زیادہ سے زیادہ ۲ روپیہ، تو اس وقت ہمارے پاس مسجد کا روپیہ ۳۰۰/ موجود ہے اور مسجد میں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حضرت والا سے دریافت کروں کہ مسجد ہی کے صحن کے کنارے

---

(۱) "قال علماؤنا: لايجوز أن يبنى مسجد إلى جنب مسجد، ويجب هدمه، والمنع من بنائه لئلا ينصرف أهل المسجد الأول فيبقى شاغراً، إلا أن تكون المحلة كبيرة، فلا يكفي أهلها مسجد واحد فيبنى حينئذٍ".

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۹۳/۸، التوبة: ۱۰۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن عطاء: لما فتح الله تعالىٰ الأمصار على يد عمر رضي الله تعالىٰ عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في المدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۳۱۰/۲، التوبة: ۱۰۷، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۱/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير معالم التنزيل البغوي: ۳۲۸/۲، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "إذا خرب، وليس له ما يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر، أو لخراب القرية ...... وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لايعود ميراثاً، ولايجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيديه)

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولايجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوىٰ، وأكثر المشايخ عليه وهو الأوجه، فتح".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

www.besturdubooks.net

تھوڑی سی زمین ہے، وہ بھی مسجد ہی کے چہار دیواری کے اندر ہے، مگر صحن سے خارج ہے، مثلاً: نقشہ یہ ہے:

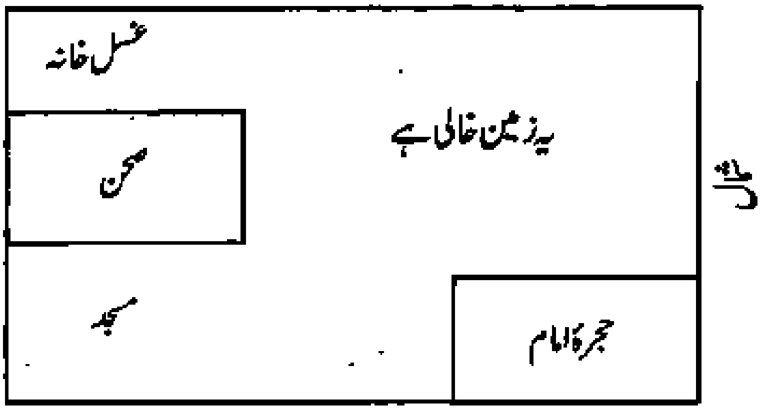

تو کیا میں اس خالی زمین کے لئے اینٹ منگوا کر مسجد کے روپے سے ایک مکتب کی شکل میں قائم کردوں؟ جس سے بچے سکون سے تعلیم حاصل کرسکیں، لہٰذا اگر کوئی گنجائش نکلتی ہو، تو بہت ہی جلد جواب مرحمت فرمادیں۔

یا دوسری صورت یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کا روپیہ ہے، ان سے مشورہ کرلوں کہ تم اپنے روپے مدرسہ کی نیت سے دے دو، تاکہ مکتب بن جائے، بچے بارش سے اور دھوپ سے بچ جائیں، جو بھی صورت جواز کی ہو، مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ روپیہ مسجد کی مصالح کے لئے دیا گیا ہے، تو روپیہ دینے والے اور نمازیوں سے مشورہ کرکے اس خالی جگہ میں درسگاہ بنوادیں، جو کہ مسجد کی ملک ہوگی اور پھر اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کرایہ مسجد کو ادا کرتا رہے(۱)، جس سے مسجد کا بھی فائدہ ہو اور بچوں کو تعلیم کی بھی سہولت ہوجائے، بچوں پر مختصر فیس

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور) .... =

www.besturdubooks.net

مقرر کردیں، جو بچے مستحق زکوۃ ہوں ان کو مدزکوۃ سے وظیفہ دے دیا کریں، تا کہ وہ فیس ادا کریں اور اس فیس سے اپنی ضروریات اور مدرسہ کی ضروریات کرایہ مکان وغیرہ پوری کرلیا کریں، اول اول دشواری ہوگی، پھر حق تعالیٰ نصرت فرمائیں گے اور باہر کے بچوں کو مدرسہ میں رکھ سکیں گے اور ان کے لئے دوسری ضروریات کا انتظام کرسکیں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۱/۵/۸۹ھ۔

مسجد میں غیر دینی تعلیم دینا

سوال[۱۰۸۲۴]: مسجد میں اردو، ہندی، انگریزی اخبار یا سرکاری اسکولوں کے کورس کی کتابیں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر دینی تعلیم دینے کا بھی وہاں حق نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۴/۲، رشيديه)

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد ...... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذكر الله تعالىٰ، والصلاة، وقراءة قرآن أو كما قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱۳۸/۱، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي ...... وتعليم علم، وتعلمه، وقراءة قرآن". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۶۳/۴، إدارة القرآن كراچي)

"أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات، والأذكار، وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۷۸/۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کوکرایہ پردینا)

مسجد کی دکانوں کی چھت پر کرایہ کے لئے مکانات تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۳۵]: جامع مسجد ہردوئی کی طرف سے گیارہ دکانیں تعمیر ہوئی ہیں، انجمن اسلامیہ ضلع ہردوئی ان دکانوں کی چھت کوکرایہ پر لے کر مکانات رہائش تیار کرانے کا قصد رکھتی ہے، اس کی آمدنی انجمن مذکور کی جنرل فنڈ میں رہے گی، جومختلف شعبہ جات مدرسہ فرقانیہ، جامع مسجد، امداد بیوگان ومسافران وتجہیز وتکفین لاوارث مسلمان وغیرہ وغیرہ میں صَرف ہوگی، اس انجمن کو یہ چھت کرایہ پر دی جاسکتی ہے، تاکہ اس کی آمدنی سے کارہائے مذکورۃ الصدر انجام دیئے جاسکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جامع مسجد کو اس سے نقصان کا خطرہ نہ ہو، تو دکانوں کی چھت کوکرایہ پر دیا جاسکتا ہے(۱)، پھر انجمن وہاں رہائشی مکانات تعمیر کرائے، چھتیں مسجد کی ہوں گی اوران پر مکانات انجمن کے ہوں گے اور جب بھی حسب

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء".

(فتاویٰ قاضي خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۷/۴۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

قاعدہ جامع مسجد کی طرف سے مطالبہ ہو، تو مکانات وہاں سے ہٹا کر یا ملبہ کی قیمت پر فروخت کر کے مطالبہ پورا کرنا لازم ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی دکان کرایہ پر ہے، کرایہ کا اضافہ نہ کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۸۳۶]: ۱......ایک دکان زیر مسجد بغرض مصارف مسجد ۱۹۵۳ء میں مسجد کے ساتھ ہی ساتھ تعمیر کردی گئی، وہ دکان ایک مسلمان کو چالیس روپے ماہواری کرایہ پر دی گئی ہے، اس سال کی تعمیرات پر اور اس سال کے بعد بھی سال رواں ۶۶ء کی تعمیرات پر بھارت کا قانون کنٹرول لاگو نہیں ہے، یعنی کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے اور اگر اضافہ پر کرایہ دار راضی نہ ہو، تو بے دخل ہوسکتا ہے، مگر ابھی تک کمیٹی انتظامیہ مسجد نے کوئی کارروائی اضافہ کرایہ یا بے دخلی کی نہیں کی، صرف زبانی کرایہ دار سے بار بار اضافہ کے لئے کہا گیا، انہوں نے ہر مرتبہ صاف انکار کردیا۔

اب اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ترمیم قانون میں پیش ہونے والی ہے، جس سے کنٹرول کا قانون ۵۳ء کی بنی ہوئی عمارات پر لاگو ہوگا، اگر قانوناً اضافہ کرایہ یا بے دخلی عمل میں آسکتی ہو اور انتظامیہ کمیٹی نے کوئی باضابطہ کارروائی نہیں کی تو آیا شرعاً ممبرانِ کمیٹی قابلِ مواخذہ ہیں، یا اگر قانون مانع اضافہ کرایہ و بے دخلی

---

(۱) "مستاجر الوقف بنى فيه بغير إذن القيم لا يرجع عليه، ويرفع بناءه إن لم يضر بالوقف، وإلا يتملكه القيم بأقل القيمتين منزوعاً وغير منزوع". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۳، رشيديه)

"حانوت وقف بنى فيه ساكنه بلا إذن موليه إن لم يضر رفعه رفعه، وإن ضر فهو المضيع لماله ...... ولو اصطلحوا أن يجعلوا ذلك للوقف بثمن لايجاوز أقل القيمتين منزوعاً ومبنيا فيه صح". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ثم هذا إذا كان البناء بغير إذن المتولي، فلو بإذنه فهو للوقف، ويرجع الباني على المتولي بما أنفق". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۲۵، سعيد)

"لو أحدث المستاجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة، فالأجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء، وإن شاء أبقى ذلك وأعطى قيمة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في أنواع المأجور وأحكامه، الفصل الأول: ۱/۲۹۰، رقم المادة: ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

منظور ہوگئی تو ممبران اس سے قابلِ بریت ہیں یا نہیں؟ قبل کے بارے میں ممبران کی بریت اور مواخذہ کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟

۲.....ایک مسلمان کو مسجد کی دکان پر باوجود اصرار انتظامیہ کمیٹی دربارہ اضافہ کرنے کرایہ یا تخلیہ وناکار کرایہ دریں امور شرعی حق دکان مسجد پر قبضہ رکھنے کا ہے اور کنٹرول کے قانون کی پناہ لینے اور اس سے مستفید ہونے کا حق شرعاً ہے یا شرعاً کرایہ دار کو لازم ہے کہ دکان کے کرایہ میں اضافہ کرے، حسب مرضی انتظامیہ کمیٹی ورنہ خالی کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جب کہ دکان کی حیثیت ایسی ہے کہ اس کو کرایہ دار زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہیں، جس میں یقیناً مسجد اور وقف کا نفع ہے اور قانوناً کوئی رکاوٹ بھی نہیں اور موجودہ کرایہ پر دینے اور موجودہ کرایہ دار سے خالی کرانے میں کوئی مضرت ومفسدہ بھی نہیں، تو اس سے خالی نہ کرانا اور زیادہ کرایہ پر نہ دینا یقیناً حق تلفی ہے، ذمہ داران ممبران ومتولی سے مواخذہ ہوگا، اگر آئندہ کوئی ایسا قانون بن گیا کہ کرایہ میں نہ اضافہ کرایا جائے، نہ خالی کرایا جائے تو مسجد کا یہ مستقل نقصان اور خسارہ ہوگا، جو کہ ذمہ داران کی سستی اور بے توجہی کی وجہ سے ہوگا اور اس کی مکافات دشوار ہوجائے گی، ضابطہ میں ان سے خسارہ کا معاوضہ وصول کرنے کا مسجد کو حق نہیں، البتہ وہ مواخذہ دار ضرور ہیں(۱)۔

۲.....شرعاً ایسے کرایہ دار کو قبضہ رکھنا اور کرایہ مناسب دکان میں اضافہ نہ کرنا شرعاً درست نہیں، اگر وہ

---

(۱) "وحاصل كلامهم في الزيادة أن الساكن ...... إن كان مستأجراً صحيحة فإن كانت تعنتا فهي غير مقبولة أصلاً، وإن كانت لزيادة أجر المثل عند الكل عرض المتولي الزيادة على المستاجر فإن قبلها فهو الأحق، وإلا آجرها من الثاني ...... فإن كان المتولي ساكناً مع قدرته على الرفع لاغرامة عليه ...... وينبغي أن يكون خيانة من الناظر، وكذا إجارته بالأقل عالماً بذلك ...... إذا قصر المتولي في شيء من مصالح الوقف هل يضمن؟ إن كان في عين ضمنها، وإن كان فيما في الذمة لايضمن". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۵-۴۰۱، رشيديه)

"والموقوف إذا آجرها المتولي بدون أجر المثل لزم المستاجر لا المتولي ...... ولو كان القيم ساكناً مع قدرته على الرفع للقاضي لاغرامة عليه، وإنما هي على المستأجر، وإذا ظفر الناظر بمال الساكن فله أخذ النقصان منه ...... الخ". (الدر المختار، ....

www.besturdubooks.net

حسب مرضی انتظامیہ کمیٹی کرایہ میں اضافہ نہیں کرتا، تو اس سے دکان خالی کرانا لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳/۵/۸۶ھ۔

مسجد اور مدرسہ کی دکان ومکان کے کرایہ کا مصرف

سوال[۱۰۸۳۷]: ہمارے یہاں مسجد اور مدرسہ کی دکانات اور مکانات ہیں، ان کی آمدنی کس طرح خرچ کریں؟ کیا مدرسہ کی آمدنی مسجد میں اور مسجد کی مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دکان یا مکان مسجد کی ملک ہو، اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات لائٹ اور خارج مسجد کی تنخواہ میں دینا اور خرچ کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو دکان یا مکان مدرسہ کی ملک ہو، اس کا روپیہ دوسری جگہ خرچ نہ کیا جائے، مدرسہ کا روپیہ مسجد میں نہ خرچ کریں، اسی طرح مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ نہ کریں(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

= "(قوله لاغرامة عليه) وعليه الحرمة ولا يعذر ...... قال في شرح الملتقى: فيأثم كلهم بنفس السكوت فما بالک بالمعولي والجابي والكاتب إذا تركوها ولا سيما لأجل الرشوة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۶۰۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة ...... ثم السراج، والبساط كذلک إلى آخر المصالح". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۶، ۳۶۷، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۸۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين او رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً =

www.besturdubooks.net

زمینداره اوقاف ختم ہونے کی صورت میں اس کا معاوضہ مسجد میں خرچ کرنا

سوال [۱۰۸۳۸]: خاتمۂ زمینداره کی طرح اوقاف کا زمینداره بھی ختم ہوگیا تھا، حکومت معمولی معاوضہ اتوتی کے نام سے دے رہی ہے اور کچھ پونڈو (۱) کے نام سے جو چالیس سال میں روپیہ ملے گا، پوچھنا یہ ہے کہ آئندہ معمولی روپیہ ملے گا، اس کا سود لے لئے یا منافع بامنافع وہ ہر سال دیتی ہے، یہ سود مسجد کے ہر کام میں لگا سکتے ہیں، کل ملا کر بھی زمین کی نصف قیمت پوری نہیں ہوسکتی اور کیا صورت ہو نہ معلوم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب معاوضہ زمین شمار ہوکر مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= لايجوز له ذلک". (الدرالمختار).

"(قوله: لايجوز له ذلک) أي: الصرف المذکور". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۶۰/۴، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدرر الحکام شرح غرر الحکام، کتاب الوقف: ۱۳۶/۲، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۱) "پونڈو: بیس شلنگ کا انگریزی سکہ، انگریزی وزن یا پاٹ جو سولہ اونس یا آدھ کلو کے برابر ہوتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "یجب علی القیم البداءة من ارتفاع الوقف أي: غلاته التي تحصل منه، وهو من إطلاقات العموم ...... بعمارته ...... ثم یبدؤ بعد عمارته بما أقرب لعمارته کإمام مسجد، ومدرس مدرسة ...... ثم السراج والبساط". (الدر المنتقی شرح الملتقی، کتاب الوقف: ۵۸۵/۲-۵۸۷، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۶۶/۴، ۳۶۷، سعید)

www.besturdubooks.net

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

اوقافِ مساجد کے مصارف

سوال[۱۰۸۳۹]: اوقافِ مساجد کے مصارف کیا کیا ہیں؟ کیا وقف واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے؟ منذور علی اللہ کی دو صورتیں ہیں: ایک مشروط اور ایک غیر مشروط، مثلاً: واقف نے دس روپے نقد جائے نماز کی خرید کو دیئے، ایسا وقف جائے نماز خرید کر ہی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دس روپے غیر مشروط مسجد کو دیئے، اس وقف کو کارکنانِ مسجد متعلقات مسجد میں کہیں بھی خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز کیا ایسے نقد کو امام کی تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ اجرت ادائیگی فرض میں شامل ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی نے مصالح مسجد کے لئے وقف کیا ہے، تو امام، خطیب، قیم، روشنی، چٹائی وغیرہ یہ اس کے مصارف ہیں۔

"لو وقف على المصالح للإمام والخطيب والقيم وشراء الدهن والحصير اهـ" الأشباه والنظائر مع الحموي، ص: ۲۷۱، "وقف"(۱).

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۰، إدارة القرآن كراچي)

"ويدخل في وقف المصالح: قيم، إمام، خطيب والمؤذن يعبر الشعائر التي تقدم ...... بعد العمارة هي إمام وخطيب ومدرس ووقاد وفراش ومؤذن وناظر، وثمن زيت وقناديل ...... الخ". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله في وقف المصالح) أي: فيما لو وقف على مصالح المسجد". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملک واقف میں رہتا ہے، مگر اس کی منفعت کا تصدق لازم ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ملک واقف سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہوجاتا ہے اور اس کی منفعت کو صرف کیا جاتا ہے(۱)۔ جو نقد معطی نے یہ کہہ کر دیا کہ یہ فلاں چیز مسجد کے لئے خریدی جائے، تو اس کے خلاف کرنے کا حق نہیں(۲)۔ جو نقد بلا تعیین کے مصالح مسجد کے لئے دیتا ہے، اس کو تنخواہ امامت وقیم وغیرہ میں بھی صرف کرنا درست ہے۔ جیسا کہ عبارت اشباہ سے مستفید ہوتا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۵ھ۔

مسجد کا سامان ذاتی مصرف میں لانا

سوال[۱۰۸۴۰]: جب آدمی مکان تعمیر کرار ہا تھا اول سے آخر تک مسجد کے حوض کے اندر سے پانی استعمال کیا، مسجد کا سامان بھی استعمال کیا، مثلاً: ڈیگ فادرا، لکڑے وغیرہ، تو کیا اس طریقہ سے ہر آدمی مسجد کے سامان کو استعمال کرسکتا ہے؟ شریعت میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) "الوقف هو لغة: الحبس وشرعاً: حبس العين على حكم ملك الواقف، والتصدق بالمنفعة عنده. وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ، وصرف منفعتها على من أحب". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۷-۳۳۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيديه)

"رجل قال جعلت حجرتي هذه لدهن سراج المسجد ولم يزد على ذلك، قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولي، وعليه الفتوىٰ، وليس للمتولي أن يصرف الغلة إلى غير الدهن". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۸۸

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کے سامان کو اس طرح استعمال کرنا درست نہیں، ناحق ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کا فرش یا روپیہ اپنے کام میں لانا

سوال[۱۰۸۴۱]: مسجد کی کوئی چیز مثلاً: فرش، دری بچھائی جائے یا روپیہ بلا کسی عذر امام صاحب خود اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں کہ نہیں؟ یا بستی کا کوئی آدمی کسی شادی وغیرہ میں کرایہ پر لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ طالب علم مسجد کا تیل اپنے کام میں بلا کسی عذر کے استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد کا فرش، دری وغیرہ امام یا کسی اور کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا حق نہیں (۲)، نہ کرایہ پر دینا درست ہے (۳)، مسجد کا روپیہ بھی کسی اور کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں (۴)، مسجد کے لئے تیل جس شخص نے دیا

---

(۱) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(۲) "ليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلى بيته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "فإذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولا يرهن". (الدرالمختار).

"أي لايكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملك) أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه".

(ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

ہے، اگر امام یا کوئی طالب علم اپنے کام میں لانا چاہے، تو دینے والے کی اجازت سے لاسکتا ہے، بلا اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۸ھ۔

مسجد کے بیت الخلا کا استعمال کرنا

سوال [۱۰۸۴۲]: ۱......عمر کی مسجد کے قرب وجوار میں شیعہ رافضی لوگوں کی دکانیں ہیں، پیشاب

= (وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) "لو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه في حاجته، ثم رد بدله في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حاجته، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الباب الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل في المتفرقات: ۷/۱۴۲، حقانيه پشاور)

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام، ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشيديه)

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد فليس له ذلك، إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف، لو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبين قدره يصرف إليه إن كان فقيراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴/۴۲۶، رشيديه)

www.besturdubooks.net

پائخانہ کے لئے مسجد میں آتے ہیں اور حوض مسجد میں وضو بھی کرتے ہیں، نماز مسجد ہذا میں پڑھتے ہیں، ان کے مسجد میں آنے سے کوئی حرج تو نہیں ہے، ان کو مسجد میں آنے سے روکنا چاہیے یا نہیں؟

۲......مسجد کے بیت الخلا میں رفع حاجت کے لئے بہت سے غیر نمازی لوگ بھی آتے ہیں، مصلیان مسجد کا کہنا ہے کہ بیت الخلا کو تالا لگادو، اگر تالا لگایا جاتا ہے تو نمازی اور غیر نمازی دونوں کو تکلیف ہوتی ہے، جب کہ مسجد کا کوئی نقصان یا تکلیف نہیں ہے، اس کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......مسجد اِصالۃً نماز کے لئے ہے(۱)، نماز کی خاطر طہارت وضو وغیرہ کی بھی وہاں اجازت ہے(۲)، لیکن نماز نہ پڑھنا اور مسجد کے بیت الخلاء حوض کو استعمال کرنا بڑی بے غیرتی کی بات ہے، ان کو اس سے روک دیا جائے اگر قدرت ہو۔

۲......مسجد کے بیت الخلا پر تالا لگادیا جائے اور صرف اوقات نماز میں کھول دیا جائے، تا کہ جولوگ نماز

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال: أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم مه مه، فقال: رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لا تزرموه دعوه فتركوه، حتی بال، ثم أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لاتصلح شيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله، والصلاة، وقرأه القرآن". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمی)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وتعلمه".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول ...... الخ: ۱/۱۳۳، دار السلام بيروت)

(۲) "ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء ...... والوضوء إلا فيما أعد لذلك". (الدر المختار، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۶۶۰، سعيد)

"ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد، إلا أن يكون فيه موضع اتخذ للوضوء، ولا يصلی فيه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کے لئے مسجد میں آئیں، وہ اپنی ضرورت پوری کرسکیں، مسجد پر سب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متعلق جگہ پر کھانا پکانا

سوال[۱۰۸۴۳]: مسجد کا حصہ جہاں شرعی احکامات لاگو ہوتے، جہاں ناپاکی کی حالت میں نہیں جاسکتے ہیں، وہاں دیگ میں کھانا پکایا جاتا ہے اور وہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ یہ ایک رسم بنتی جارہی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کی ہے تو اس کو اس طرح اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۵ھ۔

پرانی مسجد کا سامان اپنی بلڈنگ میں لگاسکتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۱۰۸۴۴]: پرانی مسجد کا پورا سامان دینی مدرسہ کی بلڈنگ کی تعمیر میں لگاسکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ کی تعمیر میں لگاسکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد سے خرید کر لگاسکتے ہیں(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه =

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ليحتاج إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب: ۳۷۷/۴، سعيد)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه، وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۲/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج ...... وإن تعذر إعادة عينه، بيع، وصرف ثمنه إلى العمارة". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۷/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۵]: ہندوستان کی تمام مساجد کے وقف کا روپیہ گورنمنٹ لے جاتی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس روپیہ کو قومی کاموں مثلاً: کالج کھولنا، ہسپتال کھولنے میں خرچ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد تقی میرٹھی بنگلہ نمبر ا، فیض محمد سوسائٹی احمد آباد

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز کو جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کو وہیں صَرف کرنا ضروری ہے، "شرط الواقف کنص الشارع" کتب فقہ میں صراحۃً موجود ہے، واقف کی منشاء کے خلاف صَرف کرنا درست نہیں (۱)۔ البتہ اگر کسی مسجد میں روپیہ زیادہ ہو، جس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور وہاں ضرورت نہ ہو، تو ارباب حل وعقد کے مشورہ سے دوسری مسجد میں اس کو صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ دوسرے قومی کاموں میں اسکول وغیرہ میں

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنما قالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لو لا أن قومك حديث عهد بجاهلية أو قال بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله ...... الخ". (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها: ۱/۴۲۹، قديمي) ــ

www.besturdubooks.net

صرف کرنا جائز نہیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۲۹ھ۔

ایک مسجد کے لئے چندہ کرکے دوسری میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۶]: سائل کا بیان ہے کہ یہاں محلہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اندرونی حصہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، صحن میں گرمی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اگر چہ اب شامیانہ کا انتظام ہوگیا ہے، قبل اس کے محلے کے چند حضرات نے مل کر کچھ روپیہ جمع کیا کہ باہر سائبان بنوالیا جائے، لیکن متولی صاحب جو کہ چندہ جمع کرتے وقت باہر ملازمت پر تھے، وہ ریٹائرڈ ہوکر واپس آگئے، وہ سائبان بنوانے کی اجازت نہیں دیتے، اینٹ، ریت اور بجری وغیرہ سامان بھی آگیا اور کچھ نقد بھی موجود ہے، مسجد چونکہ نامکمل ہے، مینار اور گنبد بھی نہیں ہے، متولی صاحب مینار اور گنبد وغیرہ بنانے کی تو اجازت دیتے ہیں، لیکن سائبان کے لئے یہ عذر کرتے ہیں کہ صحن چھوٹا ہوجائے گا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اس موجودہ سامان کو اسی مسجد میں دوسرے حصوں میں لگایا جائے یا دوسری مسجد کو

= "ولا بأس بنقشه خلا محرابه ...... بماله لا من مال الوقف ...... إلا إذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به". (الدر المختار).

"(قوله: إلا إذا خيف الخ) أي: بأن اجتمعت عنده أموال المسجد، وهو مستغن عن العمارة، وإلا فيضمنها". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ومثله حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما، والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه إذا اتحد الواقف والجهة".

(الدرر الحكام في شرح غرر الحكام، كتاب الوقف: ۲/۱۳۵، ۱۳۶، مير محمد كتب خانه كراچى)

"إذا اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما، جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشيء واحد". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۹۵.

www.besturdubooks.net

دے دیا جائے، جیسا کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اینٹیں اور سب کچھ دوسری مسجد کو دے دیا جائے اور نقد کنوئیں کی مرمت کرا کر نل لگوایا جائے، یا مع نقد کے دوسری مسجد کو دے دیا جائے، جیسا حکم شرع ہو، اس سے مطلع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سائبان بنانے کی مصلحت نہیں ہے تو جن لوگوں نے سائبان بنانے کے لئے چندہ دیا ہے، ان کی اجازت ومرضی سے اس روپیہ کو کنوئیں کی مرمت، نل وغیرہ میں صَرف کردیا جائے یا دوسری مسجد میں دے دیا جائے، اسی طرح اینٹ بالو(۱) وغیرہ سامان کا حکم ہے کہ ان کی اجازت کے موافق صَرف کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "بالو: ریت، ریگ"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں"۔ (امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۵۷۲، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في تحفة العلماء: ۱/۳۱۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۵۱، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۰۰، سعيد)

www.besturdubooks.net

مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی رقم دینی مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۴۷]: مسجد کی تعمیر کے لئے جو رقم وصول کی جاتی ہے، اس میں بچی ہوئی رقم دینی مدارس کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا جماعت کی آمدنی کے لئے کوئی بلڈنگ تعمیر کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ضرورت نہیں ہے، نہ اب نہ آئندہ، تو جن لوگوں نے رقم دی ہے، ان کی اجازت کے موافق دینی مدرسہ میں دے دیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۱ھ۔

مسجد کے زائد چندہ کو مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنے کا حکم

سوال[۱۰۸۴۸]: مسجد ہذا میں ایک کنواں ہے، جس پر الیکٹرک (بجلی) کا پمپ نصب ہے، نل کا پانی کافی نہ ہو تو کنوئیں پر بجلی کے پمپ سے پانی بھر لیا جاتا ہے، آج کل پانی اور بجلی کی شدید قلت ہو گئی ہے، الیکٹرک کے صرفہ پر تحدید کر دی گئی ہے، مسجد کے حوض میں الیکٹرک پمپ سے پانی بھرنے پر اس کو ہر ایک شخص (مسلم وغیر مسلم) بھر کر لے جانے لگا، مسجد کے اصحاب رائے کی رائے ہوئی کہ مسجد کے کنوئیں پر اور ایک ہاتھ کا پمپ لگا دیا جائے، تاکہ جس کو ضرورت ہو، وہ لے جاسکے، اس کے لئے مسلم احباب میں چندہ کیا گیا اور ہاتھ کا پمپ لگا دیا گیا، پمپ لگانے کے بعد کچھ چندہ کے پیسے بچ گئے، ان پیسوں کے صَرف میں اختلاف ہو رہا ہے، اس مسجد میں ایک مدرسہ شعبہ حفظ کا قائم کیا گیا، اس مدرسہ کی تنخواہ چندہ سے دی جاتی رہی، لیکن ماہِ صیام کی تنخواہ مدرس صاحب کی باقی ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ مدرس صاحب کو یہ دی جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ بجلی برابر نہیں آرہی ہے، اس لئے خارج از مسجد قندیل لگا کر اس میں گیس جلایا جائے، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ وہ چندہ کے پیسے محفوظ رکھے جائیں، جب پمپ خراب ہو جائے تب اس کو استعمال کیا جائے، سب آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلان کر دیا جائے کہ اتنے پیسے بچ گئے ہیں، آپ لوگوں کی اجازت ہو تو مدرس کی تنخواہ میں دے دیں،

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشیة: ۲

www.besturdubooks.net

اگر رائے ہو، تو قندیل کا انتظام کر دیا جائے، جس کی وہ لوگ اجازت دیں، وہاں خرچ کر دیں، یا خود سوچ لیں کہ کہاں زیادہ ضرورت ہے، پھر اعلان کر دیں کہ بچے ہوئے پیسے فلاں ضرورت میں خرچ کرنے کی تجویز ہے، کسی صاحب کو اعتراض وانکار تو نہیں، پھر کوئی اعتراض نہ ہو، تو خرچ کر دیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ وقف نہیں، معطیین کا مملوک ہے، اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہوں درست ہے، ورنہ درست نہیں"۔ (امداد الفتاویٰ، احکام المسجد: ۲/۵۷۲، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في تحفة العلماء: ۱/۳۱۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

"وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (الأشباه والنظائر، كتاب الغصب، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۳۴۳، إدارة القرآن كراچي)

"سئل أبو نصر عن رجل جمع مالاً على أن ينفقه في بناء المسجد فربما يقع في يده من تلك الدراهم، فأنفقها في حوائجه، ثم يرد بدلها في نفقة المسجد من ماله أيسع له ذلك؟ قال: لا يسعه أن يستعمل من ذلك في حاجة نفسه، فإن استعمل في حاجة نفسه فإن عرف مالكه رد عليه، وسأله تجديد الإذن فيه، وإن لم يعرف استأذن الحاكم فيما استعمل وضمن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۵۸۱، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۲۰۰، سعيد)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

چوری کا سیمنٹ مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۲۹]: ۱...... کالاگڑھ بجنور میں سیمنٹ قیمت سے نہیں ملتا ہے، اگر ملتا ہے تو بلیک سے ملتا ہے، اگر اس کا پتہ گورنمنٹ کو ہو جائے تو ٹھیکیدار اور لینے والے کی گرفت ہو جائے اور اگر باہر سے منگوائیں، تب بھی مشکل ہے کہ سرکار یہی سمجھے گی بلیک کا ہے تو اس صورت میں پبلک سے خرید کر جو ٹھیکیدار لوگ اس حکومت کے سیمنٹ میں سے کچھ سیمنٹ مسجد میں دینا چاہیں تو وہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۲...... مندرجہ بالا صورت میں جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو آیا اس صورت میں وہ سیمنٹ جو کہ گودام وغیرہ میں جھڑ جاتا ہے، ظاہر ہے وہ حکومت کا ہوتا ہے، مگر حکومت اس پر توجہ نہیں کرتی تو کیا وہ مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر اس کو استعمال کرتے دیکھ لے تو پکڑ ہو سکتی ہے؟

۳...... جب کہ سیمنٹ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے، تو جو حکومت کے ملازم ہیں، ان کے پاس بچا ہوا سیمنٹ جسے وہ پھینک دیتے ہیں یا اسے خراب کر دیتے ہیں، اس کو مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ مسجد کا فرش بنا ضروری ہے، کیونکہ چٹائیوں میں دیمک لگ جاتی ہے، مٹی بہت خراب ہے، پیر بھی گندے ہو جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چوری کا سیمنٹ خرید کر مسجد کے فرش میں استعمال نہ کریں (۱)۔

---

(۱) "اما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله، اهـ شرنبلالي". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: في بيان السنة والمستحب: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۲۷۸، دار المعرفة)

www.besturdubooks.net

۲......ایسا سیمنٹ بھی وہاں استعمال نہ کریں(۱)۔

۳......اگر اس کے استعمال پر گرفت نہیں تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں(۲)، روڑی کوٹ کر بھی اس سے فرش بنا سکتے ہیں، پہلے یہی طریقہ تھا، اب بھی بہت سے مقامات پر یہی طریقہ ہے، اس کے ذریعہ سے جو تعمیر کی جاتی ہے، وہ بھی مضبوط ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۰]: یہاں شہر کا قاضی صاحب چندہ وصول کر کے جامع مسجد تعمیر کرا رہے ہیں، ان کی قضیات میں اگر کوئی مقدمہ آتا ہے، شرعی مقدمہ یا غیر شرعی، قاضی صاحب اس شرط پر مقدمہ لیتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے کوئی بھی مقدمہ جیت گیا تو مسجد کی تعمیر میں اتنا روپیہ دینا ہوگا، پھر آگے رشوت وغیرہ دے دلا کر مقدمہ کا فیصلہ کرا دیتے ہیں اور فریق سے روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

یہاں کچھ لوگ کہتے ہیں پیسہ لینا رشوت میں شمار ہوا، اس لئے مسجد میں نہیں لگانا چاہیے، کوئی کہتا ہے کہ جائز ہے لگانا چاہیے، اس لئے شریعت کی رو سے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) وہ سیمنٹ اگر حکومت نے ان ملازمین کو دیا ہے تو وہ ان کی ملک ہے، اگر وہ لوگ مسجد میں استعمال کرنے کی اجازت دیں تو اس سیمنٹ کو مسجد میں استعمال کرنا درست ہے۔

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان".

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاضی صاحب کا یہ شرط لگانا غلط اور ناجائز ہے(۱)، پھر رشوت لے کر کسی کے حق میں مقدمہ فیصلہ کرنا سخت وبال کا باعث ہے، یہ جہنم کا راستہ ہے(۲)، ایسا روپیہ تعمیرِ مسجد میں ہرگز صرف نہ کیا جائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنو لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه" رواه البیهقي في شعب الإیمان". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"قال عروة بن الزبیر قالت عائشة رضي الله تعالیٰ عنها دخل عليّ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فذکرت له، فقال لها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اشتري واعتقي ...... ثم قال: أما بعد! ما بال أناس یشترطون شروطاً لیس في کتاب الله، من اشترط شرطاً لیس في کتاب الله فهو باطل، وإن اشترط مائة شرط، شرط الله أحق وأوثق". (صحیح البخاري، کتاب البیوع: ۲۸۹/۱، قدیمی)

"لو کان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً لایجوز؛ لأنه في معنی القمار نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلک علي کذا، وإن سبقتک فلي علیک کذا فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق: ۳۵۰/۸، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الراشي والمرتشي في الحکم". (جامع الترمذي، أبواب الأحکام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحکم: ۲۴۸/۱، سعید)

"وقوله لا یرتشي: المراد الرشوة في الحکم وهو حرام، قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الراشي والمرتشي في النار" ولما قیل لابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: الرشوة في الحکم سحت، قال: ذلک الکفر، إنما السحت أن ترشو من تحتاج إلیه أمام حاجتک". (المبسوط للسرخسي، کتاب أدب القاضي: ۵۹/۸، مکتبه حبیبیه کوئٹه)

"الثاني: إذا دفع الرشوة إلی القاضي لیقضي له حرم من الجانبین، سواء کان القضاء بحق أو بغیر حق". (البحر الرائق، کتاب القضاء: ۴۴۱/۶، رشیدیه)

(۳) "(قوله بماله الحلال) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثاً أو مالاً سببه الخبیث =

www.besturdubooks.net

بلیک سے خریدے ہوئے سیمنٹ کا مسجد میں استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۵۱]: زید ایک مسجد کی تعمیر کرانا چاہتا ہے، سیمنٹ کی بوریاں بلیک اس کو بکفایت مل رہی ہیں، یعنی ٹھیکہ دار کو حکومت کی طرف سے حسب ضرورت کافی مقدار میں سیمنٹ ملتا ہے اور اس کو تاکید ہے کہ چار ایک کے حسب سے بالو اور سیمنٹ کی آمیزش کی جائے، مگر ٹھیکہ دار مثلاً: ایک بوری سیمنٹ اور ساٹھ بوری بالو ملاتا ہے، اس طرح سیمنٹ بہت بچالیتا ہے اور سستے نرخ سے بیچ لیتا ہے، وہ سیمنٹ خرید کر مسجد وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیکہ دار مالک نہیں، حکومت کی طرف سے وکیل واجیر ہے، فروخت کرنے کے لئے وہ فریب وخیانت کرکے سیمنٹ بچاتا ہے، وہ مالک نہیں ہوجاتا (۱)۔ ایسا سیمنٹ مسجد میں نہ

= والطیب فیکرہ؛ لأن اللہ تعالیٰ طیب لا یقبل إلا الطیب، فیکرہ تلویث بیتہ بمالا یقبلہ". (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا: ۱/۶۵۸، سعید)

"قال ھشام: لما أجمعوا أمرھم في ھدمھا (الکعبۃ) وبنائھا قام أبو وھب بن عمر بن عمران بن مخزوم، فتناول من الکعبۃ حجراً، فوثب من یدہ حتی رجع إلی موضعہ، فقال: یامعشر قریش! لا تدخلوا في بنائھا من کسبکم إلا طیباً، لا یدخل فیھا مھر بغي، ولا بیع ربا ولا مظلمۃ أحد من الناس". (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في حاشیۃ الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا: ۱/۲۸۷، دار المعرفۃ بیروت)

(۱) "وأما شرائط المعقود علیہ، فأن یکون موجوداً متقوماً مملوکاً في نفسہ، وأن یکون ملک البائع فیمایبیعہ لنفسہ". (البحر الرائق، کتاب البیع: ۵/۴۳۳، رشیدیہ)

"وشرط المعقود علیہ ستۃ: کونہ موجوداً مالاً متقوماً ...... وکون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ". (ردالمحتار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۵، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب البیع: ۴/۳۴۰، رشیدیہ)

www.besturdubooks.net

لگایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شراب کا روپیہ مسجد میں لگ جائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۰۸۵۲]: کسی مسجد میں اگر شراب کا روپیہ کچھ غلطی سے لگ گیا، اس کو کیسے پاک کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا صورت پیش آئی، اگر فرش لگوالیا گیا ہے، اس کو بدلوادیا جائے یا اس پر سیمنٹ کرادیا جائے، تاکہ ایسے پیسے کی اینٹوں پر نہ کھڑے ہوں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: "ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا"۔

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن الله طيب لا يقبل إلا الطيب". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمي)

"(ويماله الحلال) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۲۸۷، سعيد)

"قال هشام لما أجمعوا أمرهم في هدمها وبنائها ...... فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يامعشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لايدخل فيها مهر بغي ولا بيع ربا، ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنا)

غیر مسلم کا مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا

سوال[۱۰۸۵۳]: ایک دیہات میں مسلمانوں کے پچاس مکان ہیں، لیکن سب غریب اور تنگ دست ہیں، بفضل خدا ایک مسجد بھی یہاں پر ہے، مسجد کے صحن میں جگہ خالی ہے، مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں ہے اور نہ کوئی جگہ ہے کہ وہاں یہ تعلیم حاصل کرسکیں اور قرآن مجید کی تعلیم سیکھیں، اس دیہات میں ایک ہندو پارسی رہتا ہے، وہ مسلمان سے جمعہ کے روز کہتا ہے کہ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں اس مسجد والی جگہ کو اپنے پورے خرچ سے تعمیر کردیتا ہوں، خواہ اس کے بنانے میں مجھے دو ہزار روپیہ بھی خرچ آئیں، تو میں آسانی سے خرچ کرسکتا ہوں، تاکہ تمہارے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہوسکے اور تمہاری اولاد خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کو حاصل کرسکیں۔

چند لوگ اس بات پر راضی ہوئے اور چند لوگوں نے انکار کیا، اب اس پارسی نے چند لوگوں کی رضامندی پر کچھ اینٹیں اور لکڑیاں خریدیں اور اس سامان کو اس نے مسلمانوں کے حوالہ کیا، وہ سامانِ تعمیر مسلمان کے نزدیک موجود ہے، تو شریعت اس پارسی کے روپیہ سے تعمیر کی اجازت کے لئے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کا کمرہ بنوانے کے لئے اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جب کہ مسلمانوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تعمیر کرسکے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر تعلیم کا نظم نہ رہا تو دہریت پھیلنے کا خطرہ ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہنود کی تعلیم سے گمراہ ہوجائیں گے، وہ سامان جو اس پارسی نے مسلمانوں کے حوالے کیا ہے، اس کو کیا کرنا چاہیے؟ دو ہزار روپیہ دینے کا اس نے وعدہ کیا ہے، تو کیا دو ہزار روپے اور سامان تعمیر میں لگایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پارسی وہ سامان اور روپیہ کسی مسلمان کو دے دے اور مالک بنادے، پھر وہ مسلمان اس سے تعلیم کا

کمرہ اور مسجد کے منار بنادے(۱)، مسجد کے صحن میں جو جگہ خالی ہے یعنی وہ جگہ نماز کے لئے نہیں ہے، اگر وہ مسجد کی ملک ہے، تو اس جگہ کا کرایہ مسجد کے لئے تجویز کردیا جائے، اس طرح کہ جگہ مسجد کی رہے اور اس پر کمرہ مدرسہ کا رہے(۲)، اگر وہ مسجد کی ملک نہیں تو کرایہ تجویز کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوگئی اور شرعاً تبدل ملک سے تبدل عین بھی ہوجاتا ہے، گویا کہ بعد التملیک یہ روپیہ مسلمان کا ہی ہے۔ البتہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الاحکام میں لکھا ہے کہ ہندو کے ہاں بھی مسجد بنانا قربت اور ثواب کا کام ہے، لہٰذا یہ پارسی ہندو براہِ راست بھی مسجد بنواسکتا ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

"عن أم عطية الأنصارية رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقال هل عندكم شيء؟ فقالت: لا إلا شيء بعثت به إلينا نُسَيبة من الشاة التي بعثت لها من الصدقة، فقال: إنها قد بلغت محلها (قد بلغت محلها) أي: لما تصرفت فيها بالهدية لصحة ملكها لها انتقلت من الصدقة دخلت محل الهدية". (فتح الباري، كتاب الزكاة، باب إذا تحولت الصدقة: ۳/۳۵۴، ۳۵۵، قديمي)

"(وما أدى المكاتب من الصدقات إلى مولاه ثم عجز فهو طيب للمولى لتبدل الملك) وتبدل الملك بمنزلة تبدل العين في الشريعة". (فتح القدير، كتاب المكاتب: ۲۱۷/۹، رشيديه)

"ولا يجوز أن يبنى المسجد بالزكاة ...... والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱۲۰/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه أنفع للفقراء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳۰۰/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في =

www.besturdubooks.net

غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۴]: ہمارے پاس کچھ رقم مشاعرہ فنڈ میں سے باقی ہے، اس میں اہلِ ہنود کی رقم بھی شامل ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رقم دینے والوں کی اجازت سے مسجد میں بھی لگائی جاسکتی ہے(۱)، لیکن اہلِ ہنود صاحبان کی رقم بہتر یہ ہے کہ ان کو واپس کردی جائے، ازخود مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کی اجازت نہ لی جائے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۹ھ۔

= الأوقات: ۲/۴۱۴، رشیدیہ)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القیم في الأوقاف: ۴۲/۷، حقانیه پشاور)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمي)

"لا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي علی الأشباه، کتاب الغصب: ۴۴۳/۲، إدارة القرآن کراچي)

"لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الکلیة الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه کراچي)

(۲) "لیس للکافر أن یقدم علی مرمة المسجد، وإنما لم یجز له ذلک؛ لأن المسجد موضع العبادة فیجب أن یکون معظماً، والکافر یهینه ولا یعظمه ...... وأیضاً إقدامه علی حرمة المسجد یجري مجری الإنعام علی المسلمین، ولا یجوز أن یصیر الکافر صاحب المنة علی المسلمین". (التفسیر الکبیر للإمام الفخر الرازي: ۶/۱۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالیٰ: ﴿لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء، بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فإنه منهم﴾ الآیة "فنهي في هذه الآیات عن موالات الکفار، وإکرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي=

www.besturdubooks.net

شیعہ اور پھرائیوں اور غیر مسلم کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۵]: سائل کا بیان ہے کہ مسجد کی تعمیر میں شیعہ حضرات کا اوران پھرائیوں کا جن کے گھر آدمی مانگنے والے ایک دو ہوں اور محنت مزدوری کرنے والے زیادہ ہوں، پیسہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اہلِ ہنود کا روپیہ بھی مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر لکھے گئے لوگوں کے گھروں کے پیسے مسجد کی لکڑیوں میں جو پانی گرم کرنے کے لئے فراہم کی جاتی ہیں اور رمضان المبارک میں جو ختم قرآن کے نام سے وصول کئے جاتے ہیں، جن سے مؤذن اور امام مسجد کی خدمت کی جاتی ہے، لئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بھی مسلم یا غیر مسلم شیعہ یا سنی روپیہ مسجد کی تعمیر یا دیگر ضروریات سوختہ وختم قرآن شریف وتنخواہ امام یا مؤذن کے لئے بخوشی دے اور اس کو ثواب سمجھتا ہو، اس کا روپیہ لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ حلال روپیہ دے(۲)، یا

= عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العز و علو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۱۳۶/۳، قديمى)

(۱) "وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

"شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد قدس".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۲) "(وبماله الحلال) أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱۱۱/۱، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲۸۷/۱، دار المعرفة بيروت) .... =

www.besturdubooks.net

غالب روپیہ اس کا حلال ہو، اس میں سے دے (۱) اور اندیشہ نہ ہو کہ یہ بعد میں احسان جتائے گا یا ملکیت کا دعویٰ کرے گا یا یہ کہے گا کہ ہم نے تمہاری مسجد میں چندہ دیا تھا تم ہمارے مندر یا امام باڑہ میں چندہ دو (۲)۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے نذر ماننا اور پھر اس میں نماز پڑھنا

سوال [۱۰۸۵۶]: ایک بزرگ کے مزار پر جہاں سالانہ عرس ہوتا ہے، ایک بزرگ عبدالرحیم شاہ صاحب (مدفون در بنارس) نے ایک مسجد بنائی تھی جو شہید ہوگئی، ایک ہندو تیلی نے منت مانی کہ اگر مراد پوری

= "قال هشام: لما أجمعو أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها قام أبو وهب بن عمر بن عمران بن مخزوم فتناول من الكعبة حجراً، فوثب من يده حتى رجع إلى موضعه، فقال: يامعشر قريش! لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا ولا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۱/۲۰۵، ۲۰۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "غالب مال المهدي إن حلالاً: لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتعين أنه حرام، وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: ۱/۳۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ليس للكافر أن يقدم على مرمة المسجد، وإنما لم يجز له ذلك؛ لأن المسجد موضع العبادة فيجب أن يكون معظماً، والكافر يهينه ولا يعظمه ...... وأيضاً إقدامه على حرمة المسجد يجري مجرى الإنعام على المسلمين، ولا يجوز أن يصير الكافر صاحب المنة على المسلمين". (التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي: ۱۶/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنو لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالاً﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

"وقال الله تعالىٰ: ﴿لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء، بعضهم أولياء بعض ومن يتولّهم منكم فإنه منهم﴾ الآية "فنهي في هذه الآيات عن موالات الكفار، وإكرامهم، وأمر بإهانتهم، وإذلالهم، ونهي عن الاستعانة بهم في أمور المسلمين لما فيه من العزو علو اليد". (أحكام القرآن للجصاص، البراءة: ۳/۱۲۶، قديمي)

www.besturdubooks.net

ہوگی تو مسجد بنواؤں گا اور کنواں کھدواؤں گا، مراد پوری ہوگئی اس نے یہ دونوں کام کردیے، اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس نے ثواب کی نیت سے خدا کو راضی کرنے کے لئے وہ مسجد بنوائی ہے تو وہاں نماز درست ہے اور اس کنوئیں کا پانی استعمال کرنا بھی درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنا

سوال[۱۰۸۵۷]: سائل کا بیان ہے کہ چھترپور مدھیہ پردیش میں ایک مشہور تاریخی مقام کھجورا ہے، جہاں پر کہ ہندو دھرم کی تہذیب وتمدن کی کچھ نادر ونایاب یادگاریں محفوظ ہیں، ان کو دیکھنے کے لئے تمام دنیا کے تمام ممالک سے بکثرت سیاح روزانہ آتے ہیں، جن میں مسلم وغیر مسلم سب ہی لوگ آتے ہیں، اس تاریخی مقام میں مسجد نہیں ہے، والی ریاست چھرپور کا ارادہ یہ کہ ڈاکٹر شاکر حسین صاحب مرحوم کی یادگاہ کے طور پر کھجور کے مقام پر ایک مسجد تعمیر کرادیں۔

اب فرمائیں کہ کیا غیر مسلم کے روپیہ سے مسجد بنانا اور اس کو نماز کے لئے استعمال کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو والی ریاست کی خواہش کی تکمیل کے لئے کیا جائز صورت ہوسکتی ہے؟

---

(۱) "وشرطه شرط سائر التبرعات ...... أن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أن هذا شرط في وقف المسلم فقط، بخلاف الذمي لما في البحر وغيره: أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد قدس". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۴۱/۴، سعيد)

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه: ۳۵۳/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ والیٔ ریاست کسی قابل اعتماد کو روپیہ دے دے، وہ اپنے انتظام سے مسجد بنوادے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) مسلمان کو مالک بنادینے سے ملک تبدیل ہوجائے گی اور شرعاً تبدل ملک سے تبدل عین بھی ہوجاتا ہے، گویا کہ بعد التملیک مسجد میں لگنے والا روپیہ مسلمان کا ہی روپیہ ہے۔

"(وما أدی المکاتب من الصدقات وعجز طاب لسیده)؛ لأن الملک یتبدل، وتبدل الملک کتبدل العین، فصار کعین اخری، وإلیه أشار النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بقوله في حق بریدة: هي لها صدقة ولنا هدیة". (البحر الرائق، کتاب المکاتب: ۱۱۲/۸، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب المکاتب: ۲۱۷/۹، رشیدیه)

"لا یجوز أن یبنی المسجد بالزکاة؛ لأن التملیک شرط فیها ...... والحیلة في هذه الأشیاء: أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأمره أن یفعل هذه الأشیاء". (تبیین الحقائق، باب المصرف: ۱۲۰/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

البتہ اگر والیٔ ریاست ہندو ہے اور مسجد کو کارِ خیر سمجھتا ہے تو حیلہ کی ضرورت نہیں ہے، براہِ راست مسجد بناسکتا ہے۔

"وأما الإسلام فلیس بشرط، فصح وقف الذمي بشرط کونه قربة عندنا وعندهم".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۱۶/۵، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

مسجد کے لئے ایک مٹھی چاول ہر روز چندہ کرنا

سوال[۱۰۸۵۸]: مسجد کے چندہ کے لئے محلہ کے گھر میں ایک برتن رکھا ہوا ہے، تاکہ ہر روز ایک مٹھی چاول اس میں ڈال دیا کریں، ایک ماہ میں تقریباً ۵۶ مٹھی چاول ہر گھر سے آتا ہے، اس کو فروخت کرکے مسجد کا کام بخوبی چلتا رہتا ہے، یہاں پر لوگ مسجد کے چندہ کے عادی نہیں ہیں اور بھی مسجدوں میں یہی صورت ہے، تو یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ لوگ خوشی سے اس کا چندہ دیتے ہیں، تو اس سے مسجد کا کام چلانا درست ہے، یہ طریقہ بہت اچھا ہے، اللہ برکت دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب —ولا يقبل الله إلا الطيب— فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ١٦٧، قديمي)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ٢٥٥، قديمي)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل =

www.besturdubooks.net

چندہ بکس کی آمدنی مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال[۱۰۸۵۹]: جماعت کی آمدنی کے لئے ایک ڈبہ بنا کر اس ڈبہ کو مؤذن یا اور کوئی شخص دکانوں اور مکانوں میں لے جا کر جو رقم وصول ہوتی ہے، جس میں ہم قوم اور غیر قوم دونوں طبقہ کے آدمی پیسہ ڈالتے ہیں، تو اس مبلغ کو مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لگا سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۲/۲۹ھ۔

بھیک کا پیسہ مسجد میں صَرف کرنا

سوال[۱۰۸۶۰]: ہمارے ایک قریب کے گاؤں میں ایک مؤذن بانگی نے اپنے قرب جوار میں مد زکوۃ فطرہ، چرم قربانی، چالیسواں، دسواں کا پیسہ اور غلہ وغیرہ بھیک مانگ کر چندہ کرکے جمع کیا حج کرنے کے لئے، جملہ رقم سات سو اکٹھا ہوئی تھی، تو اس گاؤں میں جس مسجد میں بانگی تھے، اس مسجد کی تعمیر کے لئے گاؤں والے اس میں چندہ اکٹھا کر رہے تھے تو بانگی نے جذبہ میں آکر سب روپیہ مسجد کی تعمیر میں دے دیا، تو بتایئے اس روپے کو مسجد میں لگانا درست ہے؟ یہ بھی ہے کہ مسجد غریب بھی نہیں ہے، اس لئے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے روپیہ کو ایسی مسجد میں لگانا درست نہیں۔

= الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(۱) جب ہر شخص بطیب خاطر اس میں پیسہ ڈالتا ہے تو اس پیسہ کو مسجد میں لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

"لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف يشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو اس طرح بھیک مانگنے کی اجازت نہیں تھی (۱)، لیکن جو روپیہ اس کی ملک ہو چکا اور اس نے مسجد میں دے دیا وہ مسجد کے لئے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چندہ دینے والے نے جس کام کے لئے روپیہ دیا ہے اس کو کسی دوسرے کام میں صرف کرنا

سوال [۱۰۸۶۱]: زید نے مسجد کی سفیدی کرانے کے لئے روپے دیئے، یا کسی اور کام کا نام خاص کر دیا کہ ان روپے کو اس کام میں خرچ کرنا، پیسے دینے والے کے بتائے ہوئے کام میں ہی خرچ کرنا چاہیے یا مسجد کے دوسرے اخراجات مثلاً: تیل، لوٹے، فرش، رسی، بالٹی یا تعمیر مسجد یا خرچ بجلی میں خرچ کیے جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب معطی نے مصرف کی تعیین کر دی تو کسی دوسرے کام میں روپے خرچ نہ کریں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لاتحل له المسألة ومن تحل له، الفصل الثاني: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۵۵، ۵۶، رقم الحديث: ۴۲۲۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وجامع الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة: ۱/۱۴۱، سعيد)

(۲) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف يشاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) "الواقف لو عين إنساناً للصرف تعين حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحرالرائق، كتاب =

www.besturdubooks.net

مورتی، پوجا میں کام آنے والی اشیا کی کمائی سے چندہ لینا

سوال[۱۰۸۶۲]: ہمارے محلہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور(۱) سندور(۲) ورگینی(۳) مودہص(۴) زسوہا(۵)۔ ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے پوجا کے کام بھی آتی ہے اور خود وہ چیزیں نجس اور حرام نہیں، جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے، ان کا مسجد میں دینا درست ہے، اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۶)۔

= الوقف: ۵/ ۳۸۱، رشیدیہ)

"شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، كتاب الوقف: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "کافور: کپور، ایک نہایت خوشبودار تلخ ذائقے کا سفید مادہ جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے اور کھلا رہنے سے اڑ جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "سندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں، اس کے کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) لم أجد

(۴) لم أجد

(۵) لم أجد

(۶) "ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيها". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۹۱، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/ ۳۷۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کرکے دیں، تو مسجد میں لیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۹/۱۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملك الغير

(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

بلا اجازت وارث زمین پر مسجد بنانا

سوال[۱۰۸۶۳]: محمد حسین مرحوم، امیر حسین مرحوم، وزیر حسین مرحوم تینوں حقیقی بھائی تھے، اس میں سے محمد حسین مرحوم کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ ہی اہلیہ زندہ ہیں، امیر حسین مرحوم کے دولڑکیاں جمیلہ اور جلیلہ اور ایک حقیقی پوتہ محمود جو کہ اس وقت پاکستان میں موجود ہے، وزیر حسین مرحوم کے دو پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن ہیں جو کہ بھوپال میں ہیں۔

الف......دریافت طلب یہ ہے کہ محمد حسین اور امیر حسین مرحوم کی افتادہ زمین اور مکان جو موجود ہے، اس کے وارث صحیح پاکستان میں رہتے ہیں، امیر حسین مرحوم کی لڑکیاں جلیلہ وجمیلہ اور پوتا محمود ہوں گے یا محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے بھائی وزیر حسین مرحوم کے پوتے نفیس الحسن اور حبیب الحسن جو کہ ہندوستان میں موجود ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ:

ب......محمد حسین مرحوم نے مرنے سے قبل اپنی بھائی کی اہلیہ مرحومہ سے وصیت کردی تھی کہ میری جائیداد سے وزیر حسن مرحوم کے بیٹے یا پوتے کو کچھ نہ دیا جائے اور اسی طرح محمد حسین مرحوم کی بھابھی اہلیہ امیر حسن مرحوم نے بھی وصیت کردی تھی کہ وزیر حسن کے بیٹے یا پوتوں یعنی نفیس الحسن اور حبیب الحسن کو کچھ نہ دیا جائے۔

ج......محمد حسین مرحوم اور امیر حسین مرحوم کے مکان ونزد اس کے صحن کی زمین پر کچھ پڑوس کے لوگوں نے چندہ سے مسجد بنانا شروع کردی ہے اور کسی بھی وارث سے اجازت نہیں لی ہے، لہٰذا ایسی زمین پر مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اس میں چندہ دینا اور نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

د......مسجد بنوانے والے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم کسی نہ کسی وقت وارثان سے یہ زمین خرید لیں گے یا ان

www.besturdubooks.net

سے اجازت لے لیں گے، کیا ان کا یہ کہنا اور خیال از روئے شرع کچھ وقعت رکھتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف......امیر حسین کا ترکہ افتادہ زمین وغیرہ تین حصے قرار دے کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ جمیلہ کو ملے گا، ایک حصہ جلیلہ کو ملے گا، ایک حصہ محمود کو ملے گا (۱)، محمد حسین مرحوم کا انتقال اگر ایسے وقت ہوا کہ امیر حسین، وزیر حسین اور اس کا لڑکا پہلے انتقال کر چکے تھے، تو محمد حسین کا ترکہ (افتادہ زمین وغیرہ) تین حصے بنا کر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک حصہ محمود کو ملے گا، ایک حصہ نفیس الحسن کو ملے گا، ایک حصہ حبیب الحسن کو ملے گا (۲)، کسی دوسرے ملک میں جا کر رہنے سے حصہ وارث ختم نہیں ہوگا۔

ب......شرعاً یہ وصیت معتبر نہیں، شریعت نے جو حق جس وارث کا مقرر کر دیا ہے، وہ ایسی وصیت سے ختم نہیں ہوگا (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ماترک﴾ (النساء: ۱۱)

"وللبنت النصف وللأكثر الثلثان". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۲، سعيد)

(۲) "وعصبه أي: من يأخذ الكل والأحق الابن، ثم ابنه.

(قوله من يأخذ الكل) أي: إذا انفرد وما أبقته أصحاب الفروض". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشيديه)

"يحوز العصبة بنفسه، وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته إلى الميت أنثى ما أبقت الفرائض، وعند الانفراد يحوز جميع المال، ويقدم الأقرب فالأقرب كالابن، ثم ابنه". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۴، سعيد)

(۳) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكاة المصابيح، كتاب الوصايا، الفصل الثالث، ص: ۲۶۶، قديمي)

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإقرار، مطلب الإرث جبري لايسقط بالإسقاط: ۲/۵۴، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

ج...... جب تک زمین کے مالک اجازت نہ دیں، وہاں مسجد بنانا جائز نہیں، اس میں چندہ نہ دیا جائے، وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اولاً مالکان سے اجازت حاصل کی جائے یا ان سے زمین خریدی جائے تب مسجد بنائی جائے (۱)۔

د...... یہ تجویز غلط ہے، قابلِ عمل نہیں، پہلے اجازت لیں ورنہ شرعاً غاصب شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۶ھ۔

جتنی زمین خریدی، اس سے زائد پر مکان بنالیا

سوال [۱۰۸۶۴]: ۱...... یسین نے مسجد کی زمین مکان بنانے کے لئے کرایہ پر لی اور حرکت یہ کی کہ جتنی زمین لی تھی، اس سے زیادہ زمین پر مکان بنالیا، یہ حرکت یسین کی جائز تھی یا نہیں؟

۲...... یسین یہ مکان انجمن اسلامیہ والوں کو بیچ کر پاکستان چلا گیا، انجمن اسلامیہ انٹر کالج والے یہ کہہ

---

(۱) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ...... حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح، ولو أجاز المالك وقف فضولي جاز، وصح وقف ماشراه فاسداً ...... وينقض وقف استحق بملك أو شفعة وإن جعله مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"ومن الشروط الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها، ودفع ثمنها إليه، أو صالح على مال دفعه إليه لاتكون وقفاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۱، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(۲) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب وهو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع في الكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الغصب: شرعاً: استيلاء على حق الغير بلا حق، وقال أيضاً: هو أخذ مال متقوم محترم بلا إذن مالكه بلاخفية". (القاموس الفقهي، ص: ۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، رشيديه)

www.besturdubooks.net

رہے ہیں کہ جو اس مکان کے باہر (مسجد کی) زمین ہے، وہ بھی ہماری ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں معلوم کرنی ہیں۔

الف......مکان کے اندر جو زائد زمین ہے، انجمن اسلامیہ والوں کو اس زائد زمین کو مسجد کو دے دینا چاہیے یا نہیں؟

ب......مکان کے باہر والی مسجد کی زمین پر انجمن اسلامیہ والے قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں، ان کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

۳......انجمن اسلامیہ والے ایسی حرکتیں کرنے کے سبب فاسق قرار پائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ناجائز تھی (۱)۔

۲......اگر واقعہ اسی طرح ہے تو:

الف......وہ زائد زمین مسجد کو دے دیں یا اس کا بھی کرایہ تجویز کرلیں، جیسے کہ یسین نے مسجد سے کرایہ پر لی ہے۔

ب......اس پر قبضہ کا کوئی حق نہیں، یہ غصب ہوگا، جو کبیرہ گناہ ہے (۲) اور اس کا واگزر کرانا ضروری ہوگا (۳)۔

---

(۱) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين.

وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لايأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۳۲/۲، ۳۳، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۴۵۳/۱، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "إذا ثبت بالوجه الشرعي استيلاء شخص على شيء من المسجد كان الواجب رفع يده عنه، =

www.besturdubooks.net

۳...... مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے بلاشبہ فاسق اور گنہگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وإعادته مسجدا كما كان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۲، مكتبه عربيه كوئٹه)

"رجل وقف أرضاً أو داراً، ودفعها إلى رجل، وولاه القيام بذلك، فجحد المدفوع إليه فهو غاصب يحرم الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الواقف: ۲/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۳۰، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

باب اٰداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

مسجد میں پرندوں کے گھونسلے کا حکم

سوال[۱۰۸۶۵]: پرندوں کا گھونسلہ مسجد یا مکان میں ہو تو اس کو نکال کر پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں پرندوں کا گھونسلہ ہو اور وہ بیٹ کر کے مسجد کو خراب کرتے ہوں تو گھونسلہ وہاں سے باہر پھینک دینا درست ہے(۱)، مکان سے بھی پھینکنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے دروازے پر لغویات کی مجلس کرنا

سوال[۱۰۸۶۶]: حدودِ مسجد کے دروازہ پر نماز کے وقت یا غیر وقت نماز میں چند حضرات جمع ہوتے ہیں، جن میں اہل دین کی سمجھ رکھنے والے اور کچھ کم سمجھ رکھنے والے دونوں قسم کے افراد ہوتے ہیں اور

---

(۱) "إذا كان في المسجد عش الخطاف، ويقذر المسجد لابأس بأن يرمى بما فيه؛ لأن فيه تنقية المسجد".

(المحيط البرهاني، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في المسجد: ۲/۴۸، ۴۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولو كان في المسجد عش خطاف أو خفاش يقذر المسجد لابأس برميه بما فيه من الفراخ".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اٰداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الملتقط في الفتاوىٰ الحنفية، كتاب الأداب، :ص ۲۶۷، مكتبه حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

وہاں بیٹھ کر لایعنی باتیں کرتے رہتے ہیں، کبھی فلمی کہانی وہاں بیٹھ کر ہوتی ہے اور کبھی کوئی گانا بھی گا لیتا ہے اور کبھی باتوں میں گالی بھی ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں اور دوسری بھی ناجائز باتیں اور غیبت وغیرہ بھی ہو جاتی ہے۔

تو کیا ایسے حضرات کو حدودِ مسجد کے دروازہ پر بیٹھنے سے روکا جائے یا نہیں؟ ان کو روکنے کا کس کو حق ہے؟ متولی صاحب یا مسجد کے اہلِ جماعت، اگر متولی صاحب یا اہلِ جماعت میں سے کسی نے ان کو بیٹھنے سے منع کیا، اس کے باوجود وہ نہ مانے اور دروازہ پر بیٹھنا جاری رکھیں تو اس کا کیا گناہ ہوگا؟ اور کوئی دوسرا شخص کچھ دیر کے لئے ان کے ساتھ ایسے ہی تفریحاً بیٹھ جائے، تو کیا وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مجالس کرنا خاص کر حدودِ مسجد میں شرعاً قبیح ومذموم ہے(۱)، ان لوگوں کو متولی اور دوسرے باثر لوگ فہمائش کریں کہ شرعاً یہ غیبت کرنا گالی دینا وغیرہ جائز نہیں، گناہ ہے(۲)، ایسی چیزوں سے باز آنا اور توبہ کرنا

---

(۱) "وعن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم فلا تجالسوهم، فليس لله فيه حاجة". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع: ۱/۷۱، قديمي)

"الجلوس في المسجد لتكلم أحاديث الدنيا يحرم بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لذلك ...... ولا يجوز الكلام المنكر كالقصص وحكايات الدنيا الكاذبة". (مجموع رسائل اللكنوي، رساله نفع المفتي والمسائل: ۳/۱۸۱، مكتبه إمداديه ملتان)

"والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله". (الدر المختار).

"(قوله: بأن يجلس لأجله) فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا ...... وفي المدارك -ومن الناس من يشتري لهو الحديث- المراد بالحديث الحديث المنكر كما جاء "الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش" فقد أفاد أن المنع خالص المنكر عن القول". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سباب =

www.besturdubooks.net

ضروری ہے، سب کو اپنے اپنے جائز کام میں مشغول رہنا چاہیے، وقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کی جائے (۱)، لغویات میں اس کو ضائع کرنا بڑی دولت کو برباد کرنا ہے، ایسے آدمیوں سے لڑائی نہ کی جائے، کہ اس کے نتائج نہایت خراب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۱۵ھ۔

مسجد میں سیاسی واقتصادی باتیں کرنا

سوال[۱۰۸٦۷]: مسجد میں دینی باتوں کے علاوہ سماجی، سیاسی، اقتصادی باتیں کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ کا گھر ہے جو کہ اس کی عبادت کے لئے ہے، اس میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا اس

= المسلم فسوق، وقتاله كفر.

وعن أبي سعيد وجابر رضي الله تعالىٰ عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الغيبة أشد من الزنا". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة: ۲/۴۱۱، ۴۱۵، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب: ۲/۸۹۳، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب: ۲/۳۲٦، رحمانيه)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تاخيرها سواء كانت المعصية صغيرة كانت أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۵، قديمي)

(وكذا في رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمي)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس الصحة والفراغ". (سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب الصحة والفراغ نعمتان ...... الخ: ۳/۲۸۷، رقم الحديث: ۲۳۰۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب الصحة والفراغ، ص: ۱۱۱۳، رقم الحديث: ٦۴۱۲، دار السلام رياض)

www.besturdubooks.net

کے ادب واحترام کے خلاف ہے، اس سے نیکیاں اسی طرح برباد ہو جاتی ہیں، جس طرح آگ سے لکڑی جل جاتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

مصلیٰ کے قریب باتیں کرنا

سوال[۱۰۸۲۸]: امام کے لئے جماعت کے فوراً بعد مسجد میں ہی مصلیٰ کے قریب لوگوں سے روزانہ عادتاً باتیں کرنا اور وہ بھی اس طرح زور سے کہ لوگوں کی نماز میں خلل آئے، جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زور سے باتیں کرنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل آئے، منع ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لايباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۴/۶۰، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۴/۱۸۱، إمداديه)

(۲) "عن السائب بن يزيد قال: كنت قائماً في المسجد فحصبني رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب فقال: اذهب فائتني بهذين فجئته بهما فقال: من أنتما؟ أو من أين انتما؟ قالا: من أهل الطائف قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم".

(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت في المسجد: ۱/۶۷، قديمي)

"(قوله: ورفع صوت بذكر الخ) ...... وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أوقارئ الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

www.besturdubooks.net

عورتوں کا طاق بھرنے کے لئے مسجد میں جانا

سوال[۱۰۸۶۹]: عورتوں کو مسجد کے اندر چراغ جلانے اور خوشیوں میں گلگلے لاکر طاق بھرنے یا اور دیگر کاموں کو پورا کرنے کے لئے مسجد کے اندر جانا اور نمازیوں کو وہ گلگلے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد نماز، ذکر وغیرہ عبادت کے لئے ہے(۱)، عورتوں کو چراغ جلانے اور خوشی میں گلگلوں سے طاق بھرنے کے لئے وہاں جانے سے روک دیا جائے (۲)، جو کچھ صدقہ دینا ہو، غرباء کے پاس بھیج دیں، چراغ کے

= "وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد: يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة ...... ونشدان الضالة، والسرور فيها لغير ضرورة، ورفع الصوت". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال: أصحاب رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم مه مه، فقال: رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لا تزرموه دعوه، فتركوه، حتى بال، ثم أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم دعاه فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول والقذر، وإنما هي لذكر الله، والصلاة، وقراءة القرآن. أو كما قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات: ۱/۵۲، قديمي)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف، وذكر شرعي، وتعليم علم، وتعلمه، وقراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۲) "عن عمرة بن عبدالرحمن أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل". (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد: ۱/۱۸۳، قديمي)

"ويكره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتي به لفساد الزمان". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۲۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

لئے تیل وغیرہ دینا ہو، تو وہ بھی کسی کی معرفت بھیج دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تصویر دار اخبار مسجد میں پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۰]: مسجد میں اخبار لے جانا جس میں تصویریں ہوں، و نیز مسجد میں اخبار پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تصویریں جاندار کی رکھنا اپنے مکان میں بھی منع ہے، چہ جائیکہ مسجد میں، اس لئے مسجد میں نہ لے جائیں(۱)، اخبار میں عامۃً سچی جھوٹی، جائز ناجائز سب قسم کی باتیں ہوتی ہیں، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اس کو مسجد میں نہ پڑھا جائے، کوئی خاص ضروری وقتی چیز ہو تو اتفاقاً مسجد میں بھی گنجائش ہے، ورنہ اخبار کی جگہ مسجد کو تجویز نہ کیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۵/۱۳ھ۔

---

(۱) "عن أبي طلحة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة.

قال الإمام النووي رحمه الله تعالیٰ: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره، فصنعة حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالیٰ، وسواء ما كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس ...... وقال الزهري: النهي في الصورة على العموم، وكذلك استعمال ما هي فيه، ودخول البيت الذي هي فيه سواء كانت رقما في ثوب أو غير رقم، وسواء كانت في ثوب أو حائط ...... الخ". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۱۹۹/۲، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۱۱۰/۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۴۷/۱، سعيد)

(۲) "والكلام المباح، وفي فتح القدير: أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. وقال الحموي: نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم=

www.besturdubooks.net

تعمیر کے وقت جوتے پہن کر مسجد میں جانا

سوال[۱۰۸۷۱]: مساجد کی تعمیر کے وقت کام کرنے اور کرانے والے جوتے پہنے ہوئے اندر بھی جاتے ہیں مسجد کے اور چھت کے ڈالتے وقت جوتے لے کر مسجد کی چھت پر بھی جاتے ہیں، مسجد کے اندر جانے کی صورت میں کبھی ان اینٹوں اور لکڑیوں پر جوتے لے کر جاتے ہیں، جن اشیاء کو تکمیل مسجد پر مسجد کے اندر سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے اور کبھی جوتے اندر جانے کی صورت میں یہ بن واسطہ مسجد کی چھت پر جوتے لگتے ہیں، اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے، چھت پر جوتے لے جانے کی صورت میں اگرچہ بعض اوقات مسجد کی چھت پر بھی جوتے بالواسطہ مسجد کی چھت پر پڑتے ہیں، نیز کام کرانے اور کرنے والے کبھی مجبور ہوتے ہیں، جوتا پہنے پر جیسے شدید گرمی اور شدید سردی کے وقت اور جب خاردار تاریں چھت پر بچھا دی جائیں اور کبھی کام کرنے اور کرانے والے جوتا پہنے پر مجبور نہیں ہوتے ہیں، مذکورہ بالا جملہ صورتوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جوتا اگر پاک ہو، اس میں نجاست نہ لگی ہو اور مسجد میں تعمیر ہو رہی ہو، سامان تعمیر پڑا ہو، گارہ وغیرہ ہو، یا سردی گرمی کی وجہ سے تعمیری کام کے لئے جانے کے وقت جوتا پہنے کی ضرورت ہو یا چھت پر ہو، اگر یہ بات نہ ہو، تو مسجد میں نماز کے لئے جب جائے اس وقت جوتا پہن کر جانا مسجد کے کسی حصہ میں ہو مکروہ ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۲۸ھ۔

= في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة".

(شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ۶۰/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۶۲/۱، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ۱۸۱/۴، إمداديه)

(۱) "وينبغي لمن أراد أن يدخل المسجد أن يتعاهد النعل والخف عن النجاسة، ثم يدخل فيه احترازاً عن تلويث النجاسة. وقد قيل: دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۶۱/۲، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

گوبر سے دیوار لیپ کر وہاں نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۷۲]: خام مسجدوں کی دیواریں میں مٹی میں گوبر ملا کر اور سڑا کر چھوانا کیسا ہے؟ جب کہ گوبر نجاست غلیظہ ہے اور ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر گوبر قلیل ہو اور مٹی زیادہ ہو اور گوبر کا اثر ظاہر نہ ہو، تو وہاں نماز درست ہے، فقہاء نے گنجائش لکھی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا

سوال[۱۰۸۷۳]: اگر کسی شخص کو بلغم کھانسی کا عارضہ ہو اور اس کو سردی سے تکلیف ہوتی ہو تو اس کو مسجد میں تھوکنے کے لئے لوٹا رکھنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی شخص معذور ہو اور کھانسی کی وجہ سے باہر آ کر سردی میں تھوکنا مشکل ہو، تو اس کے لئے مسجد میں

= "وينبغي لداخله تعاهد نعله وخفه". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۱) "ويكره أن يطين المسجد بطين قد بل بماء نجس بخلاف السرقين إذا جعل فيه الطين؛ لأن في ذلك ضرورة وهو تحصيل غرض لايحصل إلا به". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى السراجية في آخر قاضي خان، باب الكراهية والاستحسان، باب المسجد، ص: ۶۹، المطبع العالي الواقع في اللكنو)

www.besturdubooks.net

لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: البزاق في المسجد خطیئة وکفارتها دفنها". (صحیح البخاري، کتاب الصلاۃ، باب کفارۃ البزاق في المسجد: ۵۹/۱، قدیمی)

"قال الإمام النووي رحمه اللہ تعالیٰ: اعلم أن البزاق في المسجد خطیئة مطلقاً سواء احتاج إلی البزاق أو لم یحتج، بل یبزق في ثوبه. فإن بزق في المسجد فقد ارتکب الخطیئة، وعلیه أن یکفر هذه الخطیئة بدفن البزاق ...... والمراد دفنها في تراب المسجد ورمله وحصاته، إن کان فیه تراب ورمل وحصاة، وإلا فیخرجها". (شرح صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النهي عن البصاق في المسجد: ۵۹/۱، قدیمی)

(وکذا في عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري، کتاب الصلاۃ: ۲۲۲/۴، ۲۲۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

البتہ لوٹے کی صفائی کا خیال رکھا جائے، تا کہ اس کی بدبو سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو، ورنہ لوٹا رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

مسجد کے حجرہ سے بحالتِ جنابت مسجد سے گزرنا

سوال[۱۰۸۷۴]: مسجد کے متصل ایک حجرۂ امام بھی ہے، امام صاحب وہاں آرام کرتے ہیں، لیکن چند لوگوں کے کہنے پر امام صاحب نے اپنے اہل وعیال کو اپنے ہمراہ لاکر اس حجرہ میں رکھتے ہیں اور مباشرت ضرور ہوتی ہوگی، کیونکہ جوان آدمی ہیں، حجرہ سے مسجد کے اندر راستہ ہے اور ناپاک حالت میں مسجد سے نکل کر تالاب میں جاتے ہیں، دوسرا اور کوئی راستہ نہیں، کیا یہ روا ہے؟ جو کہ داخل مسجد میں اہل وعیال کو لے کر رہے اور ناپاک حالت میں باہر اسی راستہ سے نکلے، ایسی حرکت ہوئی تو صدر صاحب نے بلا کر کہا، کیا یہ ٹھیک نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ٹھیک کرتے ہیں۔

اب ایسا امام جو جماعت میں پھوٹ ڈالتا اور فساد پھیلاتا ہو، ایسا شخص امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں آئیں اور اہلیہ کو مسجد کے حجرہ میں رکھ کر اس سے مباشرت کرے، جب کہ حجرہ کا راستہ مسجد ہی میں ہے، دوسرا راستہ نہیں، شرعاً جائز نہیں (۱) اور جس امام کو امامت

---

(۱) "(ويحرم بالحدث الأكبر دخول مسجد ولو للعبور إلا لضرورة) حيث لا يمكنه غيره، ولو احتلم فيه، إن خرج مسرعاً تيمم ندباً، وإن مكث لخوف فوجوباً". (الدرالمختار). "وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أقول: والظاهر أن هذا في الخروج، أما في الدخول فيجب". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب مسح الخفين: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، سعيد)

"وحرم على الجنب دخول المسجد ولو للعبور إلا لضرورة، كأن يكون باب بيته إلى المسجد-

www.besturdubooks.net

سے الگ کردیا گیا ہو، اس کا مسجد کے حجرہ میں رہنا بھی درست نہیں، بلکہ ظلم اور غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ...... وينبغي أن يقيد بكونه لا يمكنه تحويل بابه إلى غير المسجد، وليس قادرا على السكنى في غيره، كما لا يخفى وإلا لم تتحق الضرورة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۹/۱، رشيديه)

"ويحرم الوطء فيه وفوقه كالتخلي". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۵۸/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض: ۳۸/۱، رشيديه)

(۱) "اعلم بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين أمنو لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيبه نفس منه...... الخ". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۶، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۶/۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۳۱۵/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا

سوال[۱۰۸۷۵]: اگر کسی علاقہ میں پہلے سے ہی مسجدوں میں مٹی کا تیل جلتا آرہا ہو اور یک بیک اس کا اٹھانا بھی مشکل ہو، تو مٹی کا تیل جلانا اس مجبوری کے بعد کیسا ہے؟ اور مٹی کے تیل سے نماز میں کوئی خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ اگر مٹی کا تیل جلانے میں گناہ ہوتا ہے تو اس بستی میں کس پر گناہ ہوگا؟ اور اگر امام مٹی کا تیل جلانے سے نالاں ہو، لیکن بستی والوں کو سمجھانے کے باوجود وہ لوگ نہ مانتے ہوں تو اس امام کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر کسی علاقہ میں اس بات کو اٹھانے پر جھگڑا ہونے کا خطرہ ہو، تو اس بات کو جانتے ہوئے بھی اٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بدبودار تیل، مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ تحریمی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، اگر

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ٦٨، قديمي)

"قال الإمام العيني رحمه الله تعالیٰ: قلت علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين، ولا يختص بمسجد عليه الصلاة والسلام، بل الكل سواء ...... ويلحق بما نص عليه كل ماله رائحة كريهة من المأكولات وغيرها". (عمدة القاري، كتاب الأذان، باب ماجاء في الثوم النيء والبصل: ٦/٢١٠، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأشار المصنف إلى أنه لايجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به، فلذا ذكر العلامة قاسم في بعض فتاويه: أن قولهم إن الدهن المتنجس يجوز الاستصباح به مقيد بغير المساجد، فإنه لايجوز الاستصباح به في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها:=

www.besturdubooks.net

روشنی کا کوئی اور انتظام نہ ہو سکے، تو مٹی کا تیل ایسی طرح جلایا جائے کہ مسجد کے اندر نہ ہو، بلکہ باہر ہو اور روشنی مسجد میں آتی رہے، اگر صحیح مسئلہ بتاتا ہے اور لوگ نہیں مانتے، بلکہ ضد کرتے ہیں، تو لوگوں کی پکڑ ہوگی (۱)، اگر ایک آدمی یا چند آدمی مٹی کے علاوہ سرسوں وغیرہ کے تیل کا انتظام کرلیں یا موم بتی کا انتظام کرلیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ نزاع نہیں ہوگا۔ عامۂ نزاع اس وقت ہوتا ہے جب کوئی فریق یہ سمجھتا ہے کہ ہماری مخالفت مقصود ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

مسجد کی تپائی میں بدبودار رنگ کا استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۷۶]: مسجد کی تپائی ورنگائی کے لئے ان رنگوں کا استعمال، جس میں اسپرٹ، مٹی کا تیل استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ اس کی تپائی بغیر ان اشیاء کے ملائے ہوئے ناممکن ہے، مگر چونکہ تزئین مقصود ہے، اس لئے ان اشیاء کی ملاوٹ کی جاتی ہے، اس حکم کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں پیاز کھا کر جانے کو منع فرمایا ہے، تاکہ ملائکہ کو اذیت نہ ہو، کیا اس سے ملائکہ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

= ۶۱/۲، رشیدیہ)

"ويجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: من أكل الثوم والبصل والكراث، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فذكر إنما أنت مذكر لست عليهم بمصيطر إلا من تولى وكفر فيعذبه الله العذاب الأكبر﴾. (الغاشية: ۲۴)

"إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة فقال صاحبه: ليس كما أفتوا، أو قال: لا يعمل بهذا كان عليه التعزير وفي "اليتيمة" سئل والدي عن قائل يقول: "لا أقول بفتوى الأيمة ولا أعمل بفتواهم" ما حاله؟ قال: يلزمه التوبة والاستغفار". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل في العلم والعلماء: ۳۴۶/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء: ۲۷۲/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدبودار چیز کا مسجد میں لانا مکروہ ہے۔ ایسے رنگ سے بھی اجتناب چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۸/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشیة: ۱

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع في زخرفة المساجد والكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

مسجد کی زیبائش کے لئے روپیہ خرچ کرنا

سوال[۱۰۸۷۷]: وقف مسجد کے روپے سے رنگ برنگ کے ٹائل اور مارول وغیرہ سے مسجد کو روشن کرنا درست ہے یا نہیں؟ بلاضرورت کسی تعمیر کو توڑ کر دوسری تعمیر کردی ہے، تاکہ جاذب نظر اور دل کش ہوجائے، یہ علامات قیامت میں سے تو نہیں ہے؟ اور مسجد کی ضرورت میں کیا چیزیں داخل ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وقف کا پیسہ زیبائش کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ استحکام کے لئے خرچ کیا جائے۔

"كذا في كتب الفقه من ردالمحتار(۱)، والبحر الرائق، وغيرهما(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعمیر مسجد کی تاریخ کندہ کرا کے مسجد میں لگانا

سوال[۱۰۸۷۸]: مسجد میں بھی پتھر کھدوا کر لگادیتے ہیں، سنہ ہجری بھی لکھ دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص، وماء ذهب بماله لا من مال الواقف، وضمن متوليه لو فعل النقش والبياض ...... إلا إذا كان لإحكام البناء". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(۲) "أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش، فلو فعل ضمن حينئذ لما فيه من تضييع المال". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر: ۱/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۴۲۰، دارالكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وغیرہ کی تعمیر کی تاریخ پتھر میں کندہ کرا کے لگوا دینے میں مضائقہ نہیں، مگر ایسی جگہ نہ ہو کہ نماز کی حالت میں اس پر نظر جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں ناپاک کپڑوں کو دھونا

سوال[۱۰۸۷۹]: دوبارہ پھر یہی حرکت کی اور کپڑے بھی مسجد میں دھوئے اور وہیں سکھائے، کیا مسجد ایسے کام کے لئے ہے، ایسی حالت میں دل نے کراہت کی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرش مسجد پر ناپاک کپڑوں کا دھونا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره، لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة، وفي حظر المجتبى: يكره في المحراب دون السقف والمؤخر".
(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

"ولا يكره نقش المسجد ...... وقيل: يكره ...... ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب، أما نقشه فهو مكروه، لأنه يلهي المصلي". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۲/۶۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة الوتر: ۱/۳۶۹، رشيديه)

(۲) "و إدخال نجاسة فيه". (الدرالمختار). "(قوله وإدخال النجاسة فيه) عبارة الأشباه: وإدخال النجاسة فيه يخاف منه التلويث ...... وفي الفتاوىٰ الهندية: لايدخل المسجد من على بدنه نجاسة".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وأشار إلى أنه لايجوز إدخال النجاسة المسجد وهو مصرح به". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا

سوال[۱۰۸۸۰]: ۱...... کیا یہ مسجد یں سیاسی جلسوں کے لئے ہیں، جھوٹا پروپیگنڈا کرکے غلط باتیں بیان کرکے، فریب وچالاکی سے چندہ جمع کرنا جائز ہے؟ کیا یہ مسجد یں دینی وعظ کے لئے نہیں ہیں؟

۲...... جو شخص مسجد میں وعظ وذکر سے روکے، وہ کیسا ہے؟ اور جو سیاسی جلسوں کی اجازت دے اور کرائے وہ کیسا ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مسجد یں، نماز، تلاوت، ذکر، دینی وعظ وتبلیغ کے لئے ہیں(۱)، سیاسی جلسوں کے لئے کوئی اور میدان تجویز کیا جائے، کیونکہ آج کل عامۃً سیاسی جلسے حدود شرع میں نہیں ہوتے، جس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا ہے، شور وشغب بھی بہت اور حدود سے تجاوز ہوتا ہے(۲)۔

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: بینما نحن مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذ جاء أعرابي فقام یبول في المسجد ...... فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا القذر والبول، إنما هي لذکر الله تعالیٰ، والصلاة، وقراءة قرآن أو کما قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب تطهیر النجاسات: ۱/۵۲، قدیمی)

"لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة أو اعتکاف وذکر شرعي ...... وتعلیم علم وتعلمه وقراءة قرآن". (شرح الحموي علی الأشباه، القول في أحکام المسجد: ۴/۶۳، إدارة القرآن کراچی)

"أن الأصل ألا یعمل في المسجد غیر الصلوات والأذکار وقراءة القرآن". (الجامع لأحکام القرآن: ۱۲/۱۷۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "والکلام المباح، وفي فتح القدیر: أنه یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب. وقال الحموي: =

www.besturdubooks.net

۲.....اگر وعظ وذکر سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آتا ہو اور وعظ بھی صحیح ہو، تو اس کو روکنا ظلم ہے، بلکہ بڑا ظلم ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الآية (١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں سیاسی جلسہ وغیرہ کرنا

سوال[۱۰۸۸۱]: شہر جلگاؤں میں ایک جامع مسجد ہے، اس کی ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے صدر محمد موسیٰ مالی اعتبار سے ذی حیثیت ہیں، مگر کردار کے لحاظ سے شرابی ہیں، زانی ہیں، شراب کا باقاعدہ پرمٹ حکومت سے حاصل کر رکھا ہے اور ہر ماہ سینکڑوں روپیہ کی شراب آتی ہے، اب چیئرمین بھی منتخب کر لئے گئے جامع مسجد میں، آپ کا استقبال کیا گیا مسجد کے اندر آپ کی شان میں قصائد بھی پڑھے گئے، واہ واہ کے نعرے اور تالیاں بھی

= نقلاً عن شرح الجامع الصغير: الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالاتفاق؛ لأن المساجد ما بنيت لأمور الدنيا، وفي خزانة الفقه مايدل على أن الكلام المباح من حديث الدنيا حرام، فإنه قال: ولا يتكلم في المساجد بكلام الدنيا فمن تكلم في المساجد بكلام الدنيا أحبط الله عنه عمل أربعين سنة". (شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ٦٠/٤، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ٦٦٢/١، سعيد)

(وكذا في مجموع رسائل اللكنوي، رسالة نفع المفتي والسائل، ومنها مايتعلق بالمسجد: ١٨١/٤، إمداديه)

(١) (البقرة: ١١٤)

"لا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد مابني إلا لها من صلاة، أو اعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة القرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ٢٠/٢، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القول في أحكام المسجد: ٦٠/٤، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

بجائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ سیاسی جلسہ مسجد میں کرنا کیسا ہے؟ اور موصوف کا استقبال مسجد کے اندر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدر کمیٹی مسجد متقی آدمی ہونا چاہیے(۱)، مسجد کو اس قسم کی محفلوں سے پاک صاف رکھا جائے، تالیاں بجانا اور اس قسم کا شور وشغب احترام مسجد کے خلاف ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۵/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۵/۲۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "مما تصان عنه المساجد وتنزه عنه الروائح الكريهة، والأقوال السيئة ...... وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال ...... والأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القران؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لأعرابي بال في المسجد، إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر؛ إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۱۶۸/۱۲، ۱۶۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في اداب المسجد: ۳۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في رسائل اللكنوي، رساله نفع المفتي والسائل، منها مايتعلق المسجد: ۱۸۱/۴، إمداديه)

www.besturdubooks.net

باب المتفرقات

مسجد کے قریب جگہ کو راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۸۲]: ایک مسجد کے اردگرد جگہ ہے، اتر کی جانب جو جگہ ہے اس میں ایک شخص نے آنے جانے کا راستہ نکال لیا جو راستہ نکالا گیا اس راستے سے گائے بیل سب کچھ نکل کر آتا جاتا ہے اور اس راستہ کی اجازت سب محلہ والوں نے نہیں دی، چند شخصوں نے دے دیا تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس جگہ کے وقف مسجد ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور عام ضرورت کی وجہ سے وہاں راستہ بنالیا ہے، تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

برمے کی مشین بدل دی تو کیا اب بھی اول برما لگانے والوں کو ثواب ملے گا؟

سوال[۱۰۸۸۳]: ہمارے یہاں مسجد میں کنویں کے اندر پانی نکالنے کا برما جس کو ہینڈ پمپ بھی کہتے ہیں لگا ہوا ہے، یہ چونکہ دس گیارہ سال سے لگا ہوا تھا، اس لئے بوجہ پرانا ہونے کے اکثر خراب رہتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی اور اس کی مرمت بھی ہمیشہ ہوتی رہتی تھی، اس برمے سے اہل محلہ اور

---

(۱) "(للإمام الذي ولاه الخليفة أن يقطع)". (الدر المختار). "(قوله: أن يقطع) أي: يعين له قطعة ...... قوله: (لأن للإمام ولاية ذلك) ...... فإذا رأى مصلحة لهم كان له أن يفعله ...... الا ترىٰ أنه رأى أن يدخل بعض الطريق في المسجد، أو عكسه وكان في ذلک مصلحة بالمسلمين كان له أن يفعل ذلک".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۶/۷۴۵، ۷۴۶، سعيد)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۲۱: ۱/۵۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۴/۳۵۹، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

بازار کے لوگ فیض یاب ہوتے تھے، اس برے کی مکمل مرمت کرانے میں خرچ کافی آرہا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے بغیر اطلاع منتظمہ کمیٹی مسجد مذکورہ برے کی مشین بدل کر دوسری مشین لگادی، لیکن پہلے برے کا کچھ سامان (ہینڈ پمپ) اس نئے برے میں بھی بطریق سابق لگا رہا۔

اب قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ پہلے برے لگوانے والے کو ثواب اب بھی ملے گا یا ختم ہوگیا؟ جب کہ اس کا کچھ مذکورہ سامان اس نئے برے میں بھی موجود ہے۔

اگر برے میں سے مذکورہ سامان (ہینڈ پمپ) نکال دیئے جائیں تو بھی اس کو بدستور ثواب ملتا رہے گا یا ختم ہوجائے گا؟ جب کہ یہ سابقون اولون میں ہے، بعد میں لوگوں نے اس کی سنت میں عمل کیا ہے اور یہ صرف الداعی علی الخیر ہی نہیں بلکہ خود فاعل بھی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک پہلا کچھ بھی سامان موجود ہے، اس کو ثواب پہونچتا رہے گا، اگر سب سامان بدل دیا گیا تب بھی برے کو فٹ کرنے کے لئے جو راستہ پانی تک پہلے شخص کا بنوایا ہوا ہے، وہ باقی ہے، اس کا ثواب پہونچتا ہی رہے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۷/۹۶ھ۔

---

(۱) "أربعة تجري عليهم أجورهم بعد الموت: من مات مرابطاً في سبيل الله، ومن علم علماً أجري له عمله ما عمل به، ومن تصدق بصدقة فأجرها يجري له ما وجدت، ورجل ترك ولداً صالحاً فهو يدعو له. وقال العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ: تحت قوله: فأجرها يجري له ماوجدت أي: فيجري له أجره مدة بقاء العين المتصدق بها". (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۹۲۵/۲، ۹۲۶، رقم الحديث: ۹۳۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية ...... الخ". (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب الوقف: ۲۵۹/۱، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجداً: ۶۲/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

متعلقین مسجد کو انعام دینا

سوال[۱۰۸۸۴]: زید ایک مسجد میں قرآن کا ترجمہ بیان کرتا ہے اور مقررہ امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھاتا ہے، اہل مسجد رمضان المبارک میں جب کہ قاری اور سامع کو بعد ختم قرآن انعام دیتے ہیں، اس موقع پر زید کو بھی کچھ رقم دیتے ہیں، تو زید کا اس رقم کو لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ رقم بطور چندہ کے لوگ اپنے پاس سے جمع کر کے دیں تو کیسا ہے؟ یا انعام کے نام سے جمع کریں اور اگر مسجد کے فنڈ میں سے دیں جس مسجد میں دکان کی آمد اور بیاہ برات موقع پر ہونے والی آمد جمع ہو، تو اس میں سے زید کو دینا اور اس کو لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متعلقین مسجد جو کہ سال بھر خدمت کرتے ہیں ان کو تنخواہ کے علاوہ رمضان المبارک میں اہل مسجد زیادہ دیتے ہیں، اس میں مضائقہ نہیں درست ہے، چاہے وقف مسجد کی آمدنی سے دیں یا چندہ کر کے(۱)، جب کہ چندہ کرنے میں جبر نہ ہو(۲)، تقریبات کے موقع پر جو کچھ آمدنی ہوتی ہے، اس آمدنی سے بھی دینا درست ہے۔

---

(۱) "والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي: من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم السراج والبساط، كذلك إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۷/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رحمه الله تعالىٰ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس". (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب من غصب لوحاً ...... الخ: ۱۶۶/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين اخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

محض قرآن کریم سنانے کی اجرت دینا درست نہیں، انعام کے نام سے دی جائے یا کسی اور نام سے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا اپنی مسجد کو راستہ کی مسجد پر فوقیت ہے

سوال[۱۰۸۸۵]: اگر کوئی شخص کسی کام کی وجہ سے کہیں جائے اور اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر واپس ہوتا ہے (گھر کے پاس مسجد ہی کا وہ مقامی نمازی بھی ہے) راستے میں اذان ہوگئی اور اس شخص کے پاس اتنا وقت ہے اور اسے یقین ہے کہ اگر وہ اپنی مقامی مسجد میں پہنچ جائے تو اس کو جماعت مع تکبیر اولیٰ کے مل جائے گی، تو کون سی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے؟ اس مسجد میں جہاں پر کہ راستہ میں اذان ہوئی یا اس میں جس کا وہ مقامی نمازی ہے، اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اپنی مسجد میں پہنچ کر تکبیر اولیٰ سے جماعت مل جائے گی، تو محض راستے میں کسی مسجد کی اذان سن کر اپنی مسجد چھوڑنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۹۲/۳/۲۲ھ۔

---

(۱) "الأصل: أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام: "اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به ...... والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة، وإنما تنازعوا في الاستئجار على التعليم". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٥٥/٦، ٥٦، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ١٣٨/٢، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ٥٣٣/٣، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٢) "مسجد المحلة أفضل من الجامع إلا إذا كان إمامه عالماً، قوله: مسجد المحلة أفضل الخ، قيل: لعل الأفضلية بالنسبة إلى أهل المحلة دون غيرهم لئلا يؤدي إلى تعطيل مسجد المحلة". (شرح =

www.besturdubooks.net

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا اور ایک دوسرے کو سخت الفاظ بولنا

سوال[۱۰۸۸۶]: ایک درخت مسجد میں کھڑا ہے، اس کو قلعی (۱) پھیرنے والے نے پوت دیا تھا، یعنی قلعی پھیر دی تھی، ایک شخص نے کہا: بھائی! تو نے یہ قلعی اس پر کیوں پھیر دی؟ ایک شخص وہاں موجود تھا، اس نے کہا کہ کیوں کیا بات ہوگئی؟ نہ کرنے والے نے کہا، یہ طریقہ یہودیوں اور نصرانیوں کا ہے، تو اس شخص نے کہا کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو اسلام سے خارج ہوگئے، اب بتایئے منع کرنے والا ٹھیک رہا، یا جس نے یہ کہا کہ تم اسلام سے خارج ہوگئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا بلاضرورت ہوا، ایک دوسرے کو یہودی یا نصرانی یا اسلام سے خارج نہ کہیں، توبہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= الحموي على الأشباه الفن الثاني من الأشباه والنظائر في الفوائد: ۱/ ۲۳۰، إدارة القرآن کراچی)

"واختلفوا هل الأفضل مسجد حية أم جماعة المسجد الجامع، وإن استوى المسجدان فأقدمها أفضل فإن استويا فأقربهما". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۶۰۲، رشيديه)

(۱) "قلعی: رانگ، رانگا، سفیدی، مکانوں کی دیواروں پر پھیرنے کا چونا"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۱۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لم يتب فأولئك هم الظلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

"قال الحسن ومجاهد: كان الرجل يعير بعد إسلامه بكفره يا يهودي يا نصراني، فنزلت ...... بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان" أي: بئس أن يسمى الرجل كافراً أو زانياً بعد إسلامه وتوبته". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۹/ ۲۱۰، ۲۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال النووي: اتفق العلماء على تحريم تلقيب الإنسان بما يكره ...... وعن ابن مسعود (في تفسير "ولا تنابزوا بالألقاب" هو أن يقال: لليهودي أو النصراني أو المجوسي إذا أسلم "يا يهودي يا نصراني يا مجوسي". (روح المعاني: ۲۶/ ۱۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من قذف مسلماً بيا فاسق وهو ليس بفاسق، أو يا ابن فاسق يا كافر يا يهودي يا نصراني ...... عزر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، فصل في التعزير: ۲/ ۱۶۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

باب المصلیٰ

(عیدگاہ کا بیان)

عذر کی وجہ سے عیدگاہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۱۰۸۸۷]: ہماری عیدگاہ اور قصبہ کے درمیان ایک ندی پڑتی ہے، جس کی بناء پر عیدگاہ جاتے ہوئے بہت سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ بہت سے لوگ بغیر نماز کے رہ جاتے ہیں، اس صورت میں تمام اہل قصبہ نے رائے کرلی ہے کہ عیدگاہ کو کسی اور جگہ منتقل کیا جائے تو سابقہ عیدگاہ کا کیا ہوگا اور اس کو کس کام میں لایا جائے؟ آپ کا جواب بھی شریعت کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عیدگاہ وقف ہے اور ندی حائل ہونے کی وجہ سے وہاں جاکر نماز پڑھنا دشوار ہے اور ندی کا پل بھی نہیں بنایا جاسکتا، تو اس جگہ باغ لگا دیا جائے اور دوسری جگہ عیدگاہ بنا کر باغ کی آمدنی اس میں صَرف کی جائے، تاکہ اصل وقف بھی باقی رہے اور اس کی آمدنی بھی عیدگاہ پر صَرف ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إنما يحل للمتولي الإذن فيما يزيد الوقف به خيراً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها لايكون له ذلك، لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

عیدگاہ کے روپے سے ہسپتال بنانا

سوال[۱۰۸۸۸]: ۱...... مظفر نگر میں عیدگاہ کی دکانوں سے کافی آمد ہے، عیدگاہ نمازیوں کے لئے ناکافی ہے، کافی مقدار میں نمازی سڑک پر ہوتے ہیں، رخ بھی بالکل قبلہ سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، اتنی رقم ہے کہ عیدگاہ کو دو منزل بناسکتے ہیں بایں صورت عیدگاہ کی رقم سے ہسپتال جاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... قبرستان میں دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بنالی گئی تو بقاء کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو رقم بطور چندہ عیدگاہ کے واسطے جمع کی گئی ہے، یا وقف عیدگاہ سے حاصل ہوئی ہے، اس کو ہسپتال میں صَرف کرنا یا اس سے ہسپتال جاری کرنا درست نہیں ہے(۱)، منشاء معطی اور منشاء واقف کے خلاف ہے، جس کا حق متولی کو نہیں متولی امین ہوتا ہے(۲)، اس کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

(۱) "اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر إليه، وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۳۶۰/۴، سعيد)

"وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مسجداً ومدرسة، وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة". (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، کتاب الوقف: ۲۶۱/۶، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها......: ۱۵۰/۷، رشيديه)

(۲) "ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه". (الفتاویٰ العالمكيرية، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۰۸/۲، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

"شرط الوقف كنص الشارع" كذا في ردالمحتار(۱)۔

۲......جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہے اور وہاں مردے دفن ہوتے ہیں، وہاں دکانیں بنانے کی اجازت نہیں (۲)، ضرورتِ دفن کی خاطر دکانوں کو وہاں سے ختم کیا جاسکتا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۶/۵/۱۱ھ۔

شاہراہ کی توسیع کے لئے عیدگاہ کی دیواریں توڑنا

سوال[۱۰۸۸۹]: قصبہ سوپور کشمیر میں ایک سیکڑوں سالہ قدیم عیدگاہ ہے، جو طول وعرض کے اعتبار

= (وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف: ۲/۴۹۰، المكتبة العربية كويته)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "سئل القاضي الإمام شمس الإسلام محمود الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زراعتها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۵، رشيديه)

"مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها أثر المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبونصر رحمه الله تعالىٰ: لايباح". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(۳) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة ...... ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً ...... إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان لا بأس به، وبعد ما بنى لو احتاج إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود الى الرباطات والمقابر: ۵/۵۸۹، قديمي)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

www.besturdubooks.net

سے کافی وسیع ہے اور چہار طرف سے چھ فٹ بلند پختہ دیوار سے حصر بھی کی گئی ہے، لیکن آبادی کی کثرت کے باعث عیدین کی نماز کے لئے یہ جگہ تنگ ہے، جس کے باعث اب دو سال سے نئی عیدگاہ منتخب کی گئی ہے اور دو سال سے شہر سے باہر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی جاتی ہے، ساتھ ہی اس عیدگاہ قدیم میں ایک تالاب بھی تعمیر کیا گیا تھا، چونکہ یہ عیدگاہ شہر کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گاہے گاہے پنجگانہ نمازیں بھی انفرادی طور پر لوگ ادا کرتے رہتے ہیں، اب چونکہ چند افراد یہ چاہتے ہیں کہ اس عیدگاہ قدیم کی چہار دیواری کو مسمار کرکے دکانیں تعمیر کی جائیں اور بیچ میں عیدگاہ سے لمبی عوامی شاہراہ بھی تعمیر کی جائے۔

یاد رہے کہ ان دکانوں کو سودی کاروبار اور ناجائز کاروبار کے لئے بھی کرایہ پر دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدیم عیدگاہ کی پختہ دیواروں کو مسمار کرکے دکانیں تعمیر کرنا اور عیدگاہ کے بیچ سے جنرل روڈ یعنی عوامی شاہراہ نکالنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو عیدگاہ نماز کے لئے وقف کی گئی ہو، اس میں اس تصرف کی اجازت نہیں۔

"لأن شرط الواقف کنص الشارع"(۱).

البتہ پنجگانہ نماز وجمعہ اس میں ادا کرلیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "شرط الواقف کنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف کنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، کتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(۲) "أما مصلی العید لایکون مسجداً مطلقاً، وإنما یعطی له حکم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن کان منفصلاً عن الصفوف". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۶، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۴۱۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۴۵، إدارة القرآن کراچي)

www.besturdubooks.net

واقف کے مرنے کے بعد تحدید وقف میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز عیدگاہ میں جانوروں کی غلاظت کا حکم

سوال[۱۰۸۹۰]: ۱...... ہمارے یہاں ایک عیدگاہ ہے، جس میں لوگ قدیم زمانے سے نماز عید ادا کرتے چلے آرہے ہیں، بعد میں چل کر اختلاف ہوگیا اس زمین کے بارے میں کہ زمین ایک بیگھہ تھی یا نصف بیگھہ تھی، واقف کی وفات ہوگئی، اس کی اولاد واقرباء کہتے ہیں کہ زمین نصف بیگھہ تھی، لیکن گاؤں کے عام آدمی زمین کا حد طول وعرض دکھاتے ہیں، جس میں تقریباً ایک بیگھہ یا اس سے کچھ زائد ہوجاتا ہے، اب واقف کی اولاد نے زمین آدھا بیگھہ چھوڑ کر بقیہ حصہ بیچ دیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کن کے قول کا اعتبار ہوگا، جب کہ وارث آدھا بیگھہ کے زائد کا اقرار کرتا ہے اور عوام لوگ ایک بیگھہ کے قائل ہیں، کیا اس زمین میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ واقف کے ہم عمر آدمی بھی موجود ہیں، لیکن کثیر تعداد کے لوگ ایک بیگھہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۲...... نیز اس عیدگاہ میں لوگ بھینس بیل وغیرہ چراتے ہیں، جو کہ پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہیں، لہذا اس کی پاکی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ وقف نامہ موجود نہیں اور اس زمین میں کچھ علامات بطور حد بندی کے نہیں لگائی گئی ہیں اور نہ کوئی اس بات کا گواہ ہے کہ واقف نے یہاں سے وہاں تک ہم کو بتا کر وقف کی ہے، تو ایسی حالت میں واقف کے ورثاء جتنا حصہ عیدگاہ کے لئے وقف بتائیں اس کو ہی وقف تسلیم کیا جائے گا(۱)، نماز عید میں اگر مجمع

---

(۱) "وإن شهدوا على الواقف بإقراره ولم يعرفوا ماله من الأرض أو من الدار أخذه القاضي بأن يسمي ماله من ذلك فما سمي من شيء فالقول قوله فيه، ويحكم عليه بوقفية ذلك، وإن كان الواقف قدمات فوارثه يقوم مقامه في ذلك فما أقربه من ذلك لزمه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الشهادة عليه: ۴۳۵/۲، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، نوع في المسائل التي تعود إلى الشهادة في الوقف: ۱۲۵/۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

زیادہ ہے اور ورثاء واقف کی تجویز کردہ زمین سے باہر بھی ان کی اجازت سے لوگ کھڑے ہوکر نماز ادا کرلیں تو نماز ادا ہوجائے گی(۱)۔

۲...... جانور بیل وغیرہ اگر وہاں غلاظت کرتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ جگہ کے تحفظ کے لئے عیدگاہ کے اردگرد سب طرف دیوار قائم کردی جائے یا تار لگادیا جائے، یا خندق نما گڑھا کھود دیا جائے، تاکہ جانور وہاں تک نہیں پہنچ سکیں(۲) اور جس جگہ کو جانور گندہ کر چکے ہیں، وہاں کی زمین جب خشک ہوجائے اور نجاست کا اثر نہ رہے تو نماز کے لئے وہ زمین پاک سمجھی جائے گی(۳)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف: ٥/٥٦٧، ٥٦٨، قديمي)

(١) "وفيها أي: "مختارات النوازل" تكره في أرض الغير لو مزروعة أو مكروبة، إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لايكره فلا بأس ...... نقل سيدي عبدالغني عن الأحكام لوالده الشيخ إسماعيل: أن النزول في أرض الغير إن لها حائط أو حائل يمنع منه، وإلا فلا، والمعتبر فيه العرف قال: يعني عرف الناس بالرضا وعدمه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ١/٣٨١، سعيد)

"رجل بنى مسجداً على سور المدينة لاينبغي أن يصلي فيه؛ لأنه حق العامة ...... ولو فعله بإذن الإمام ينبغي أن يجوز فيها لاضرر فيه". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٥، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٢) "وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عند الاندارس والنبش ولا بأس به". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦١١، قديمي)

(٣) "قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وتطهر أرض بيبسها أي: جفافها ولو بريح وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣١١، سعيد)

"وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح، طهرت وجازت الصلاة عليها: لقوله عليه السلام "أيما أرض جفت فقد زكت". (مراقي الفلاح، باب الأنجاس، ص: ١٦٣، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الثامن في تطهير النجاسات: ١/٣٠٩، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

قبرستان میں مدرسہ بنانا

سوال[۱۰۸۹۱]: ہم نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے، جس کے اندر قرآن، نماز، دینی مسائل کی تعلیمات وغیرہ دی جاتی ہیں، اس جگہ میں پہلے آٹھ دس قبریں بھی تھیں، قبریں مسمار ہونے پر لوگ رہنے لگے، اس کے بعد اس جگہ میں تعزیوں کا امام باڑہ بنالیا، جس میں ابھی ایک قبر کا نشان باقی ہے، ہم نے اس میں دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کرلیا ہے، کچھ دیواریں بھی بنالی ہیں، اس کے قبل تکیہ دار بھی مویشی بکری وغیرہ رکھتا تھا، آپ فرمائیں کہ اس جگہ پر دینی مدرسہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟ جو جگہ تکیہ کے نام سے کبھی مشہور تھی، آج امام باڑہ کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ قبروں کے لئے تھی اور مدت دراز سے وہاں کسی کو دفن نہیں کیا گیا، پرانی قبریں ختم ہوجانے پر لوگ وہاں رہنے لگے، پھر وہاں امام باڑہ تعزیوں کے لئے بنالیا گیا، کیونکہ وہ جگہ لاوارث اور وقف ہے، یعنی اس کا کوئی مالک ہی نہیں جو چاہتا ہے لیتا ہے، قبضہ کرلیتا ہے، ایسی جگہ اگر دینی تعلیم کے لئے مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے(۱)، مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ فساد برپا ہو، بلکہ حسن تدبیر سے کام

---

(۱) "لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم فيها مسجداً، لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني من الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، فمعناهما واحد". (عمدة القاری شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية: ۱۷۴/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخادمات: —

www.besturdubooks.net

لیا جائے (۱)، ایسی جگہ دینی کام کے لئے ہونا درست ہے، بجائے اس سے کہ وہاں اپنا کوئی ذاتی مکان بنائے یا غلط کام کے لئے اس کو استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی نائب، دار العلوم دیو بند، ۸۹/۵/۱۱ھ۔

قبرستان کی زمین میں مدرسہ

سوال[۱۰۸۹۲]: قدیم قبرستان جہاں قبروں کے نشانات چند جگہ پر موجود ہیں اور ایک حصہ میں تدفین بھی جاری ہے، لیکن اہل ہنود اس قبرستان میں شراب وغیرہ کی دکانیں و دیگر قسم کی شی کے ذریعہ قابض ہوتے چلے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جگہ بھی محفوظ ہو جائے گی اور قبضہ بھی ہٹ جائے گا، مدرسہ کی تعمیر کروائی جائے، جس میں بچے بچیاں دینی ماحول سے آشنا ہوتے رہیں، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ نیچے دکانیں اور اوپر مدرسہ تاکہ مدرسہ اپنے ہی پیروں پر کھڑا ہو جائے، ان مسلمانوں کی تمنا کے بارے میں شرعی حکم مطلوب ہے۔ نیز یہ قبرستان حدود میونسپلٹی میں واقع ہے اور جہاں تدفین جاری ہے، اس جگہ کے متعلق بھی کوئی شرعی حکم ہے کہ مدرسہ قائم ہو سکے؟ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ قبرستان حدود میونسپلٹی میں ہے تو اس میں دفن کرنا قانوناً بھی ممنوع ہوگا اور جو قبریں وہاں ہیں،

= ۲/۴۶۹، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۵/۰ ۵۹، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ادفع بالتي هي أحسن......﴾ (حم: ۳۴)

"قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالىٰ: نقلاً عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أي: ادفع بحلمك جهل من يجهل عليك". (الجامع لأحكام القرآن: ۲۳۲/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، ص: ۹۹، دار الفكر دمشق)

www.besturdubooks.net

وہ اتنی پرانی ہیں کہ ان میں اب میت باقی نہیں مٹی بن چکی ہے، ایسی حالت میں وہاں دینی مدرسہ باہمی مشورہ سے قائم کرلینا درست ہے(۱) اور مدرسہ کے مصارف کے لئے اگر نیچے دکانیں بنادی جائیں اور اوپر مدرسہ رہے تو بھی درست ہے(۲)، نہ یہ زمین کسی کی ملک ہوگی نہ دکانیں اور مدرسہ کسی کی ملک نہ ہوگا، بلکہ مسلمانوں کے نفع کے لئے وقف کی یہ صورت ہوگی(۳)۔ جس حصہ زمین میں تدفین کی اجازت ہے، اس میں حسب ضرورت تدفین کا سلسلہ

---

(۱) "فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المسجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۲۶۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"جاز زرعه أي: القبر والبناء عليه إذا بلي، وصار الميت تراباً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيديه)

(۲) "ولو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۱/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز كمسجد القدس". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: صرح في الإسعاف قال: وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۴/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "إذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولايرهن". (الدرالمختار). "لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

جاری رکھا جائے اور قبضۂ اغیار سے تحفظ کے لئے اس کا احاطہ بنا دیا جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

قدیم قبرستان میں مدرسہ اور دکانیں بنانا

سوال[۱۰۸۹۳]: بیچ گاؤں میں ایک قبرستان ہے،اس کا استعمال ڈیڑھ سوسال پہلے ہوتا تھا، ڈیڑھ سوسال کے بعد سے اب تک اس میں مُردوں کو دفنانا چھوڑ دیا،اب اس جگہ میں سور اور مرے ہوئے جانور اور زنا کاری اور لوگوں کا بیت الخلا جانا یہ تمام افعال بدہورہے ہیں،اس لئے وقف بورڈ ضلع کمیٹی مذکورہ قبرستان کی جگہ میں عربی دینی مدرسہ بنانا چاہتی ہے اور اس مدرسہ کے بعد جو جگہ رہے گی،اس میں دکانیں بنا کر کرائے پر دینا چاہتی ہے،تاکہ مدرسہ کے مدرسین کو اس کرائے سے تنخواہ وغیرہ دے سکیں،اس مذکورہ قبرستان کی غیر آباد ہونے کی وجہ سے مدرسہ و دکانوں کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ قبرستان ڈیڑھ سوسال سے غیر آباد ہے، وہاں مُردے دفن نہیں ہوتے اور اس کا استعمال غلط ہورہا ہے،تو باہمی مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ بنالینا شرعاً درست ہے(۱)۔جو جگہ زائد بچ جائے وہاں دکانیں بنا کر ان کو مدرسہ کے لئے وقف کردیا جائے تاکہ مدرسہ کے اخراجات سہولت سے پورے ہوسکیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "أما المقبرة الدائرة إذا بني فيها مسجداً ليصلي فيه فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۲۵۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴۶۹/۲، رشيديه)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها...... كان للقيم أن يبني =

پرانے قبرستان میں دینی مدرسہ قائم کرنا

سوال[۱۰۸۹۴]: قصبہ پلکوہ میں ایک قبرستان ہے، جو بالکل آبادی میں واقع ہے، ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۴ء تک اس قبرستان میں مقامی میونسپل بورڈ کی مزاحمت کرنے کی بناء پر مردوں کا دفن ہونا بند ہوگیا تھا، اس وقت تک کا چیئرمین ان قبرستان کے وسط میں سڑک نکال کر قبرستان سے متصل مل میونسپل بورڈ کے خرچ سے لے جانا چاہتا تھا، مسلمانوں نے اس سڑک کو بذریعہ عدالت روکا جو کہ سڑک مذکور آج تک نہیں بن سکی، بعد میں میونسپل بورڈ میں دوسرا چیئرمین منتخب ہوا، اس نے اس قبرستان میں دوبارہ دفن کرنے کی اجازت دے دی، آج تک اس قبرستان میں مُردے دفن ہو رہے ہیں۔

چند غیر مسلموں نے اس قبرستان پر راستے کے نام سے عدالت غازی آباد میں دعویٰ دائر کر رکھا ہے، چونکہ یہ قبرستان مسلمانوں کے خریدے ہوئے نہیں ہے، اس وقت قصبہ کے زمیندار ایس-ایم جیکشن نے جو انگریز تھا، اس سرزمین میں مسلمانوں کو مردے دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی، مگر کسی سرکاری کاغذات میں قبرستان اندراج نہیں ہوا۔

اب خدشہ یہ ہے کہ کہیں یہ تمام قبرستان مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور غیر مسلم ان قبرستانوں پر قابض نہ ہو جائیں، حالانکہ مقامی مسلمان جو غریب مزدور ہیں، بہت روک تھام کر رہے ہیں اور مسلمانوں نے دوڑ دھوپ کر کے کاغذات پٹوریان میں ۱۹۶۴ء میں اس جگہ پر قبرستان ہونا درج کرایا ہے، اب کہا جاتا ہے کہ قبرستان آبادی میں آنے کی بناء پر حکومت اس قبرستان میں قانوناً مردے دفن ہونے نہیں دے گی۔

۱......کیا اس قبرستان میں عربی کا مدرسہ قائم ہو سکتا ہے، جس میں قرآن شریف، حفظ، ناظرہ، تفسیر، علم فقہ ونحو وصرف وغیرہ کے لئے تعلیم گاہ کا اہتمام ہو، کیونکہ پوری تحصیل غازی آباد میں عربی کا مدرسہ نہیں ہے۔

۲......کیا اس قبرستان کی چہار دیواری میں اور مدرسہ عربی کی تعمیر میں قیمت چرم قربانی، فطرہ، صدقات،

= فيها بيوتاً ويؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

زکوۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟

۳......اس قبرستان میں مدرسہ عربی قائم ہونے کے بعد قیمت چرم قربانی سے دوسرا قبرستان خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ مقامی مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہے۔

۴......علاوہ ازیں اگر دینی مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا اور مقامی مسلمانوں کی غربت اور کمزوری کی بناء پر اس قبرستان کا کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر قبرستان موقوفہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو اور کوئی صورت تحفظ کی نہ ہو، تو ایسی صورت میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا درست ہے، جس میں قرآن کریم، ناظرہ، حفظ، فقہ، حدیث، تفسیر کی تعلیم دی جائے (۱)، مگر اس کا خیال رہے کہ قبور پر تعمیر نہ ہو، نہ ان پر چلت پھرت ہو، بلکہ وہ محفوظ رہیں (۲)، ہاں! جو قبوراتنی پرانی ہوگئی ہوں کہ ان میں میت مٹی بن چکی ہو، ان کا حکم بدل کر عام زمین کا حکم ہوگا، وہاں تعمیر وغیرہ کی

---

(۱) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأسا وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۲۶۵/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۴۶۹/۲، رشيديه)

(۲) "وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على القبر أو يجلس عليه أو ينام عليه". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۶۵/۱، رشيديه)

"ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن: ۱۷۱/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۴۱/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اجازت ہے(۱)۔

۲...... چرمِ قربانی اگر مہتمم اور متولی کو تملیکاً دے دیں وہ اپنی طرف سے فروخت کر کے قیمت تعمیر میں لگائے تو درست ہے(۲)، قیمت چرم صدقہ فطر اور زکوۃ کے مستحق غریب کو دینا ضروری ہے، پھر وہ مالک وقابض ہو کر بغیر کسی دباؤ کے تعمیر کے لئے دے دے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہوگا(۳)۔

۳......اس کا جواب نمبر۲ کے مطابق ہے، جواوپر تحریر کیا گیا ہے۔

۴...... مدرسہ دینی قائم کیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ نمبر۱ میں مذکور ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۲/۹۶ھ۔

قبرستان میں دکانیں بنانا

سوال[۱۰۸۹۵]: بابوگڑھ چھاؤنی کا قبرستان ہے، اس میں کتے پھرتے رہتے ہیں، اس میں دکانیں بنانا کیسا ہے؟ چمار لوگ گندے پھرتے رہتے ہیں اور ناپاکی ڈال دیتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد والقنطرة لايجوز. فإن أراد الحيلة، فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك".

(الفتاویٰ العالمكيريه، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات الخ، ص: ۴۷۳، رشيديه)

"ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لايصرف إلى بناء نحو مسجد...... وقدمنا أن الحيلة: أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ والظاهر نعم".

(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، ۳۴۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة: ۱/۳۲۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ قبرستان وقف ہے، تو واقف نے مردے دفن کرنے کے لئے وقف کیا ہے، دکانیں بنا کر آمدنی حاصل کرنے کے لئے وقف نہیں کیا، اس لئے اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کی چہار دیواری بنادی جائے اور ایک دروازہ آنے جانے کے لئے بنا دیا جائے تاکہ اس میں غلط کام نہ کئے جاسکیں، کسی نگراں کو وہاں رکھ دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

پرانے قبرستان میں دکانیں بنوانا

سوال [۱۰۸۹۶]: اراضی ملحقہ گورستان ایسی واقع ہے کہ جس میں غالباً کبھی قبر وغیرہ نہیں ملی اور وہ قطعی اور عام راستہ پر واقعہ ہے، اگر اس اراضی میں دکانیں بنوا کر کرایہ پر دے دی جائیں تو کوئی شرعی نقص واقع نہیں ہوگا، اس سے قبل اسی ذیل دکانیں بنی ہوئی بھی ہیں۔ اس کی آمدنی بھی گورستان کے صرفہ میں اسی طرح آئیں گی، جیسا کہ پہلی دکانوں کی آرہی تھی۔

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين ...... الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتا لوضع اللبن وأداة القبر، واجلس فيها من يحفظ المتاع ...... قالوا: إن كان في المقبرة سعة لايحتاج إلى ذلك المكان لابأس به". (فتاویٰ قاضي خان، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات: ۲/۴۶۷، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان میں وسعت کافی ہے اور یہ قطعہ ملحقہ مصالح قبرستان کے لئے وقف ہے اور اس میں دکانیں بنوانے سے تدفین میں کوئی تنگی نہیں ہوگی، تو دکانیں بنوانا درست ہے، پھر ان دکانوں کی آمدنی قبرستان ہی کی مصالح میں صرف کی جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

قبرستان میں مکان بنا کر رہنا اور نماز پڑھنا

سوال[۱۰۸۹۷]: زید احاطۂ قبرستان میں گھر بنا کر مستقل طور پر رات دن وہیں پر رہنا چاہتا ہے، تو قبرستان کے احاطہ میں مکان بنا کر مستقل طور پر رہنا جائز ہے یا نہیں؟ گھر میں مستقل رہنے پر فرض نماز یا سنت نوافل وغیرہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ جہاں پر گھر بنانے کا خیال ہے، وہاں قبر نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان کی حفاظت مقصود ہو، تو سب کے مشورہ سے وہاں معمولی مکان بنا کر آدمی کو رکھا جاسکتا ہے(۲)

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها...... كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(۲) "أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها، ثم إن واحداً من أهل القرية بنى فيها بيتاً لوضع اللبن وآلات القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۶۷، ۴۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۳، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

اور وہ مکان قبرستان ہی کا رہے گا(۱)، اس مکان میں نماز پڑھنا درست ہوگا، جب کہ وہاں قبریں موجود نہیں(۲)، قبر سامنے ہوتو نماز پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ کبیری میں ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

قبرستان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے وہاں کی لکڑی استعمال کرنا

سوال[۱۰۸۹۸]: قبرستان کی حفاظت کرنے والے شخص کا قبرستان کی زمین سے سبزی وغیرہ بوکر

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) "وأما البناء في أرض الوقف، فإن كان الباني المتولي عليه، فإن كان بمال الوقف فهو وقف، وإن كان من ماله للوقف أو أطلق فهو وقف، وإن كان لنفسه فهو له، وإن لم يكن متولياً فإن كان بإذن المتولي ليرجع به فهو وقف، وإلا فإن بنى للوقف فهو وقف، وإن بنى لنفسه أو أطلق له رفعه لو لم يضر، وإن أضر فهو المضيع لماله فليتربص إلى خلاصه". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۱۰۱، ۱۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ المهدية، كتاب الوقف: ۲/۶۶۲، المكتبة العربية كوئته)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۲۱۳، إمداديه ملتان)

(۲) "فإن كان فيها (المقبرة) موضع أعد للصلاة ليس فيه قبر ولا نجاسة لا بأس به". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي أن يفعل في صلاته ومالايكره: ۱/۵۱۳، قديمي)

"وذكر في الفتاوىٰ إذا غسل موضعاً في الحمام ليس فيه تمثال وصلى فيه لابأس به، وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۲/۵۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

(۳) "(و) تكره الصلاة ...... (في المقبرة) لما مر من الحديث". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، ص: ۳۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

"ومنها أي من المكروهات ...... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة وحمام ...... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره: ۱/۶۵۴، سعيد)

www.besturdubooks.net

آمدنی اپنے صَرف میں لانا کیسا ہے؟ جب کہ اس کی تنخواہ مقرر نہیں ہے اور یہی طے پایا تھا کہ قبرستان کے درختوں کی پرورش کرو اور کچھ سبزی وغیرہ بو کر اپنی گزر اوقات کر لیا کرو، نیز قبرستان کے درختوں کی لکڑی قبر میں میت کے اوپر رکھنا کیسا ہے؟ اور وہ لکڑی حجرہ یا مسجد کے باہر غسل خانہ وغیرہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبرستان کی حفاظت کرنے والے کا اس طرح سبزی وغیرہ سے منتفع ہونا درست ہے(۱)، قبرستان کے درختوں کی لکڑی حسبِ ضرورت قبروں میں استعمال کرنا درست ہے، مسجد یا مسجد کے حجرہ وغسل خانہ میں بلا قیمت لگانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۸/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن يجعل ماله حيث شاء".
(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم! إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. فقيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما هي وقف عليه". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار: ۵/۵۹۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۲/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۷/۱۴۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

قبرستان میں میت لے جانے کے لئے راستہ بنانا

سوال[۱۰۸۹۹]: ۱......قبرستان کی زمین جہاں مکرر سہ کرر قبر ہو چکی ہیں، اس وقت اگر چہ اکثر قبر بظاہر صورت نظر نہیں آتیں، البتہ جا بجا خلا نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے خصوصاً بارش کے زمانہ میں میت لے جانے والے کو سخت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، ان باتوں کے مدنظر زید کا خیال ہے کہ احتیاطی صورت اختیار کرتے ہوئے قبرستان کے درمیان خام راستہ بنادیا جائے، تاکہ میت کے لے جانے میں سہولت ہو جائے۔

۲......قبرستان کی زمین کا وہ حصہ جس کے متعلق شہادت سے علم ہو کہ یہاں کافی عرصہ قبل میت دفن کی جا چکی ہے، اب وہ حصہ ندی قریب ہونے کے باعث اور بارش وغیرہ کی وجہ سے نہایت خستہ صورت اختیار کر گیا، حتی کہ قد آدم کے برابر خلا پیدا ہو گیا، ایسی شکل میں قبر کا کسی طرح کا نشان کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟ چنانچہ مذکورہ حصہ کو درست اور ہموار کر کے اس زمین میں کاشت کرنا اور اس کی آمدنی کو قبرستان کے مصارف میں لانا کیسا ہے؟

۳......قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ مدتوں سے ٹیلہ کے مانند اونچا ہے، زمین کی قلت کے باعث اس جگہ میت دفن ہوتی رہی ہے، زید کا خیال ہے کہ مذکور ٹیلہ کی مٹی لے کر نشیب والی زمین ہموار کردی جائے، تاکہ زمین کی وسعت ہو اور سہولت حاصل ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر قبرستان کے اندر میت کو لے جانے کا کوئی راستہ نہیں، سب طرف قبریں ہیں، یا غار ہیں، تو جہاں ظن غالب ہو کہ اس جگہ زمین کے نیچے قبر میں میت باقی نہیں رہی، بلکہ مٹی بن چکی ہے، تو وہاں کو خام راستہ بنادیا جائے، تاکہ میت کو لے جانے اور دفن کرنے میں سہولت ہو سکے، پھر جب وہاں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہاں دفن کرنا شروع کردیں اور دوسری جانب راستہ بنادیں (۱)۔

---

(۱) "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن: ۱/۱۶۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

۲......اگر اس جگہ اب میت دفن کرنا دشوار ہوگیا وہاں قبر نہیں بن سکتی، وہاں کاشت کرکے قبرستان کے کام میں اس کی آمدنی کو خرچ کرنا درست ہے، جب میت مٹی بن جائے تو قبر کے احکام بدل جاتے ہیں۔ (كذا في درمختار)(۱)۔

یہ اجازت اس وقت ہے کہ قبرستان پر کسی کے غاصبانہ قبضہ کا ظن غالب ہو، ورنہ نہیں۔

۳......اگر وہاں قبروں میں میت موجود نہیں، تو وہاں کی مٹی لے کر قبروں کی سہولت کے لئے زمین ہموار کرنا درست ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۶ھ۔

پرانی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

سوال[۱۰۹۰۰]: میں نے ایک حدیث بیان کی، لوگوں نے انکار کیا، پھر میں نے علیحدگی اختیار کی ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد" متفق عليه. (مشكاة: ۶۹/۱)(۳).

میرا کیا حکم ہے؟ اس مسجد میں اگر نماز ادا کروں، تو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ کچھ پرانے بوڑھوں سے شہادت ملی ہے کہ پہلے یہ مسجد چھوٹی تھی، پھر کشادہ کرلی گئی، اس وقت مسجد کے ساتھ دو تین قبریں پرانی تھیں، جن کا نشان مٹ گیا تھا، ان کو بھی ہموار کرکے مسجد میں شامل کیا گیا۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول: ۶۹/۱، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب بلا ترجمة ۶۲/۱، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ......: ۲۰۱/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کو سجدہ نہ کیا جائے، ان کو معبود نہ بنایا جائے (۱)، اگر قبر پرانی ہو اور اس کی جگہ ہموار کر کے داخل مسجد کر لیا جائے اور قبر کا نشان باقی نہ رہے، تو وہ اس حکم میں داخل نہیں، بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ قبرستان پرانا ہو گیا، میت باقی نہیں رہی اور وہاں دفن کا سلسلہ بند ہو گیا، تو اس جگہ کو مسجد بنالینا شرعاً درست ہے (۲)، کیونکہ قبرستان بھی عام اہل اسلام کے لئے ہے اور مسجد بھی عام اہل اسلام کے لئے ہے۔

نیز درمختار میں ہے:

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا". زيلعي درمختار مع هامش الشامي نعمانيه: ۱/۶۰۲.

"ويجوز دفن غيره عليه، كما في الزيلعي أيضاً له" شامي نعمانيه: ۱/۶۰۲(۳).

---

(۱) "سبب لعنهم إما؛ لأنهم كانوا يسجدون لقبور انبيائهم تعظيماً لهم، وذلك هو الشرك الجلي، وإما؛ لأنهم كانوا يتخذون الصلاة لله تعالىٰ في مدافن الأنبياء والسجود على مقابرهم والتوجه إلى قبورهم حالة الصلاة، نظراً منهم بذلك إلى عبادة الله والمبالغة في تعظيم الأنبياء، وذلك هو الشرك الخفي، لتضمنه مايرجع إلى تعظيم مخلوق فيما لم يؤذن له، فنهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمته عن ذلك إما لمشابهة ذلك الفعل سنة اليهود، أو لتضمنه الشرك الخفي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول: ۲/۳۸۹، رقم الحديث: ۷۱۲، رشيديه)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لاتجوز تمليكها لأحد فمعناهما على هذا واحد". (عمدة القارئ شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۲۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

آپ اپنے عمل پر نظر ثانی کرلیں۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۴۰۰ھ۔

قبرستان کی لکڑی کا مصرف

سوال[۱۰۹۰۱]: قبرستان کی لکڑی فروخت کرکے مدرسہ یا مسجد میں عمارت کے کام میں لگانا، یہ جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان کی لکڑی بیچ کر، اس کا روپیہ قبرستان کی حفاظت چہار دیواری وغیرہ میں خرچ کیا جائے (۱)، اگر وہاں صَرف کرنے کی جگہ نہ ہو، نہ آئندہ ضرورت کا گمان غالب ہو اور وہ روپیہ محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہ ہو، بلکہ ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو، تو باہم مشورہ کرکے مدرسہ دینیہ یا مسجد کی مصرف میں صَرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) "إن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيديه)

"غرس في المسجد أشجار تثمر إن غرس للسبيل فلكل مسلم الأكل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۲۲/۴، سعيد)

"سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة هل يجوز صرفها في عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تكن وقفاً على وجه آخر. قيل له: فإن تداعت حوائط المقبرة إلى الخراب انصرف إليها أو إلى المسجد؟ قال: إلى ما وقف عليه إن عرف". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۱۴۹/۷، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۵۹۴/۵، قديمى)

(۲) "وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير ذلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس والجنس واحد". (فقه =

www.besturdubooks.net

غیر موقوفہ قبرستان میں موجود اخروٹ کے درختوں کا حکم

سوال[۱۰۹۰۲]: آج سے پہلے ہمارے بزرگوں نے چند درخت اخروٹ نصب کئے ہیں، اس سے پہلے یہ قبرستان نہیں تھا، وہ قبرستان گاؤں کے دوسری طرف واقع ہے، لیکن بہت دور بھی ہے، پھر گاؤں والوں نے نزدیک ہی ایک خشک جگہ کو اپنا قبرستان مقرر کیا، لیکن اس میں کچھ درخت اخروٹ موجود تھے، یہ درخت گاؤں کے کچھ اشخاص نے ظلم اور جبر سے حاصل کرنا چاہے اور اس پر اوقاف بنانا بھی چاہتے ہیں اور یہ حاصل شدہ رقم وہ ٹٹی، پل، کنواں اور کچھ حصہ مسجد پر بھی صَرف کرنا چاہتے ہیں، یہ درخت ہائے اخروٹ صرف گیارہ اشخاص کے ہیں، یہ ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ ہمارے بزرگوں کے نصب کردہ ہیں اور آج تک ہم ہی ان کی بھنڈال کرتے آئے ہیں۔

پٹواری ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں اور اس کا انتخاب بھی ہمارے پاس ہے، روینیو ریکارڈ کے مطابق یہ ہمارے ہیں، محکمہ ہائی چلکر کے مطابق یہ ہمارے ہیں، غرض کاغذات ہمارے حق میں ہیں، ہمارا مذہب اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے، یہ اوقاف ہم پر حلال ہیں یا نہیں؟ یا نصب کرنے والوں پر یا کسی پر نہیں۔ اگر کاغذات کی بھی ضرورت ہو، تو وہ بعد میں طلب کرنا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ درخت اپنی مملوکہ زمین میں لگائے تھے اور پھر اس زمین کو قبرستان کے لئے وقف نہیں کیا، اپنی ہی ملک میں رکھا تو وہ ان کے ہی ہیں (۱)، کسی کو ان پر قبضہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

= السنة، كتاب الواقف، فاضل ريع الوقف: ۳/۵۲۹، دار الكتاب العربي)

"وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

"أما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد...... فلم أر به بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية......: ۴/۲۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "في فتاوى أبي الليث: مقبرة فيها أشجار فهذه المسئلة على وجهين: أحدهما: أن تكون الأشجار =

www.besturdubooks.net

قبرستان میں کاشت کرنے اور حاصل ہونے والے غلہ کا مصرف

سوال[۱۰۹۰۳]: ایک قبرستان بہت ہی وسیع ہے، اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو عرصہ دراز سے یوں ہی پڑا ہے، فی الحال اس پر کوئی قبر نہیں ہے اور نہ بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس حصہ میں مُردے دفنائے گئے ہیں یا نہیں، اس سال زبردست سیلاب آکر قبرستان کو کر بھر اونچا کیچڑ کردیا، جس کو ہماری اصطلاح میں پانک پڑنا کہتے ہیں، قبر کا نام ونشان مٹ گیا، ایک شخص نے اس حصہ پر جس پر اپنی دیدہ دانستہ قبر نہیں بلا جوتے ہوئے دھان کی تخم ریزی کردی، ہاں اگر غلطی سے دو چار قبروں میں بھی بیج پڑ گئے ہوں تو نہیں کہا جاسکتا، دھان(۲) ماشاء اللہ بہت اچھا ہے اور اس میں فصل ربیع بھی بلا جوتے کھودے لگادی ہے۔

تو اب قابل سوال مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس زمین کی حاصل شدہ پیداوار کو کس

= نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة، وأنه على وجهين أيضاً: إن كانت الأرض مملوكة لها مالك فالأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار ماشاء؛ لأن موضع الأشجار من الأرض لم يصر مقبرة؛ لأنه مشغول بملك صاحب الشجر، وإن كانت الأرض مواتا لا مالك لها واتخذها أهل القرية فالأشجار بأصلها على حالها القديم". (المحيط البرهاني: كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون في المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقابر: ۱۴۷/۷، حقانيه پشاور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، المسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة: ۴۷۳/۲، ۴۷۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث والعشرون: ۵۹۲/۵، قديمي)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ألا! لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

"ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص:۶۹۸، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

مصرف میں صَرف کیا جائے، کسی مدرسہ میں دے دیا جائے یا از خود طلبہ پر خرچ کر دیا جائے، تو کیا درست نہیں ہے؟ نیز قبرستان کب قابلِ کاشت ہو سکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے وقف ہو، اس میں کاشت کرنا جائز نہیں (۱)، خواہ بالفعل اس میں قبریں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع" كذا في ردالمحتار (۲).

اب جو دھان اس میں پیدا ہوا ہو بہتر یہ ہے کہ اس کو یا طلباء پر صدقہ کر دیا جائے یا بیواؤں یتیموں کو دے دیا جائے، خواہ مدرسہ کے مہتمم کو دے دیں کہ وہ نادار طلبہ کے کپڑے کھانے پر صَرف کر دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۱۱ھ۔

---

(۱) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ۲/۴۷۱، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۵، حقانيه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۴۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص: ۴/۴۹۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذا اجتمع من غلة الأرض في يد القيم فظهر له وجه من وجوه البر، والوقف محتاج إلى الإصلاح والعمارة ...... فإنه ينظر أنه إن لم يكن في تأخير إصلاح الأرض وحرمته إلى الغلة الثانية ضرر بين يخاف خراب الوقف، فإنه يصرف الغلة إلى ذلك البر ...... وإن كان في تأخير المرمة ضرر بين، فإنه يصرف الغلة إلى المرمة، فإن فضل شيء يصرف إلى ذلك البر، والمراد من البر هنا وجه فيه تصدق بالغلة على نوع من الفقراء نحو فك أسارى المسلمين، أو إعانة الغازي المنقطع ...... الخ". (البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۸، ۳۴۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال[۱۰۹۰۴]: ایک نمبر باغ کا تھا، جس میں ہمارے قدیم قبرستان چلے آرہے ہیں، جس کے ہم مالک ہیں، ان نمبروں میں پرانی قبروں کے نام نشان نہیں کچھ عرصہ سے باغ کٹوا کر اس نمبر کو کاشت کاری کے لئے لیا گیا اور اب بھی عرصہ سے ہمارے زیرِ کاشت ہے، جہاں پر ہماری تازہ قبریں ہیں، صرف وہ جگہ چھوڑ رکھی ہے اب ہم اس نمبر کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں (جس میں اب قبریں ہیں وہ جگہ اب بھی باقی رہے گی) ایسی صورت میں ہم اس جگہ کا تبادلہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ وقف نہیں بلکہ آپ کی ملک ہے، تو شرعاً آپ کے لئے اس کا طریقۂ مذکورہ پر تبادلہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

کنواں کھودتے ہوئے کھوپڑی نکل آنے کا حکم

سوال[۱۰۹۰۵]: ہم لوگ کنواں کھودرہے تھے کہ اس میں ایک کھوپڑی مردہ کی نکلی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قبرستان تھا، بعض کہتے ہیں کہ کبھی بھی قبرستان نہیں تھا، اس زمین پر دس سال قبل کھیتی ہوا کرتی تھی۔

= "وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لاينقطع". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون: ۵۹۶/۵، قديمي)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد أحكام الأملاك: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ جگہ وقف نہیں بلکہ مملوک ہے، تو یہاں کنواں کھودنا، کھیتی کرنا، باغ لگانا سب کچھ درست ہے(۱)، اتنی مدت طویلہ گزرنے کے بعد جب میت قبر میں مٹی بن جائے تو قبر کا حکم باقی نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۴/۲ھ۔

درگاہ سے متعلق زمین سے مجاور کا نفع اٹھانا

سوال[۱۰۹۰۶]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائیکواد نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے وہ اس زمین کی کاشت کرکے اس کی پیداوار کھائے اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے اور گاؤں کے لوگ سب درگاہ پر پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں، مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو برا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو یہ زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے، اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درگاہ کی حفاظت کرے، پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھا دیا کرے کہ اس چڑھاوے سے نہ تم کو فائدہ ہے، نہ صاحبِ مزار کو فائدہ ہے(۳)۔ اگر دو رکعت نماز پڑھ کر یا کچھ قرآن کریم پڑھ کر ان کو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۵۰۲/۴، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه، والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۴۲/۲، رشيديه)

(۳) "قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: أنكر الخطابي ومن تبعه وضع الجريد اليابس، وكذلك

ثواب پہنچادو، تو تم کو بھی نفع ہے اوران کو بھی نفع ہے(۱) اوراس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق جو زمین ہے، اس کی پیداوار کھانا اس کے لئے جائز ہوگا(۳)، مگر جو چیز

= مایفعله أكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء". (عمدة القارى، كتاب الوضوء: ۱۲۱/۳، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

"إن إلقاء الرياحين ليس بشيء". (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۳۸۹/۲، خضر راه بک ڈپو دیوبند)

"وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء تقرباً إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب في النذر الذي يقع للأموات: ۴۳۹/۲، سعيد)

(۱) "الأصل أن كل من أتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه". (الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(۲) "أن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرهما حال حياتهما فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، وتصوم لهما مع صيامك". (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴۲/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة فإذا أنا بنور مشرق فيها فقلت: لا إله إلا الله! نرى أن الله قد غفر لأهل المقبرة، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار، هذه هدية المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، قلت ماهو؟ قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة: فأسبغ الوضوء، وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب و﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و﴿قل هو الله احد﴾ وقال: اللهم إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي، ص: ۲۹۸، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وأما الناظر، فإن كان المشروط له من الواقف فهو كأحد المستحقين". (البحرالرائق، كتاب =

www.besturdubooks.net

مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان میں قربانی کرنا

سوال[۱۰۹۰۷]: رام نگر نینی تال کے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ قبرستان میں قربانی کرنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمانوں نے کوئی توجہ نہیں دی، بورڈ دوسری جگہ دینے کو تیار ہے، لیکن پھر بھی اکثر مسلمانوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ اگر قربانی دوسری جگہ ہوگی تو فساد ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیے؟ اور مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان مردے دفن کرنے کے لئے ہے، وہاں قربانی نہ کی جائے (۲)۔ جب کہ بورڈ قربانی کے لئے

= الوقف: ۳۵۰/۵، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۳۶۸/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۳/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"اعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام ...... قال في البحر: ولا يجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد: ۴۷۱/۱، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۵۲۱/۲، رشيدية)

(۲) "وسئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأزوجندي عن المقبرة في القرى إذا اندرست، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم، ولا غيره هل يجوز زرعها، واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر ...... : ۴۷۱/۲، رشيديه)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب =

www.besturdubooks.net

جگہ دینے کو تیار ہے، تو جگہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کردیا جائے اور اس میں ہی قربانی کی جائے، بورڈ کی تجویز قانونی تجویز ہوگی، اس میں فساد کا اندیشہ کیوں ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= مراعاة الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في المسائل التي تعود إلى الرباطات والمقابر: ۷/۱۴۵، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

کیا مدارس بیت المال ہیں؟

سوال[۱۰۹۰۸]: اس زمانے میں کیا مدرسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کی طرح سے بیت المال ہیں، کیا اس میں بھوکے غریبوں کا بھی حق ہے؟ کیا غلہ وغیرہ بطور قرض یا خیرات دیا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال سے امداد کی جاتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پورے طور پر تو یہ بیت المال نہیں، اس لئے کہ بیت المال کی طرف سے عاشر، ساعی، مصدق مقرر ہوتے جو کہ قانون شرع کے مطابق اموال ظاہرہ کی زکوۃ وغیرہ وصول کر کے دے دیتے تھے، ارباب اموال کے ذمہ ان کو ادا کرنا ضروری تھا، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ اپنے اموال کی زکوۃ از خود ادا کریں اور بیت المال کو نہ دیں تو ان کا یہ ادا کرنا معتبر نہیں تھا(۱)، ان مدارس کا ایسا حال نہیں اس لئے کہ جو روپیہ مدارس کے لئے دیا جاتا ہے، وہ

(۱) "حاصله: أن مال الزكاة نوعان: ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر، وباطن وهو الذهب والفضة وأموال التجارة في مواضعها، أما الظاهر فللإمام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الأخذ للآية ﴿خذ من أموالهم صدقة﴾". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۲/۴۰۳، رشيديه)

"وكذا الجواب في صدقة السوائم في ثلاثة فصول وفي الفصل الرابع وهو ما إذا قال: أديت بنفسي إلى الفقراء في المصر لايصدق وقال الشافعي: يصدق ...... ولنا أن حق الأخذ للسلطان فلا يملك إبطاله بخلاف الأموال الباطنة". (الهداية، كتاب الزكاة، فصل فيمن يمر على العاشر: ۱۹۷/۲، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

www.besturdubooks.net

عام ضرورت مندوں اور بھوکوں کو نہیں دیا جاسکتا، نہ قرض دیا جاسکتا ہے، بلکہ مدارس سے متعلق جو مصارف ہیں حسب قواعد شرع ان ہی مصارف میں صَرف کیا جائے گا(۱)، اس لحاظ سے ان مدارس میں کچھ شان بیت المال کی بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۲ھ۔

دینی مکاتب کی مخالفت کرنا

سوال[۱۰۹۰۹]: اس زمانہ میں یہ چھوٹے چھوٹے مکاتب ایک ایسا سرمایہ دین کا نظر آتے ہیں کہ جن میں بچوں کو مذہبی باتوں سے روشناس کرایا جاتا ہے، مگر بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ خود مسلمان اس کو چلنے نہیں دیتے اور آپسی اختلاف کے باعث ان کا قلع قمع کردیتے ہیں، یہاں شاہ جہاں پور میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد قائم کی گئی، کچھ لوگوں کی مساعی سے یہ کام چلتا رہا، مگر چند لوگ ایسے ہیں جن کی فتنہ پردازی سے اس کی بنیاد بھی تزلزل میں ہوگئی اور اس سلسلہ کے ختم پر ہی آمادہ ہوگئے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے لوگوں کے سلسلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگر کوئی وعید حدیث میں منقول ہو، تو تحریر فرمائیں۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل فيمن له المطالبة بأداء الواجب: ۴۴۸/۲، دار الكتب العلمية)

(۱) "ليس للقيم أن يأخذ ما فضل عن وجه عمارة المسجد دينا ليصرفها إلى الفقراء، وإن احتاجوا إليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۴۱۵/۲، رشيديه)

مدرسہ کا روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ مہتمم امین ہے۔

"أما حكمها: فوجوب الحفظ على المودوع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند الطلب، والوديعة لاتودع، ولاتعار، ولاتواجر، ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها ضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة والأمانة: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي: من غلة عمارته شرط الواقف أولا، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة، كالإمام لمسجد والمدرس للمدرسة ...... ثم السراج والبساط إلى آخر المصالح". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۷/۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپس کا جو اختلاف ونزاع نفسانیت (جاہ پسندی وغیرہ) کی بناء پر ہو تو وہ سخت مذموم وقبیح ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے اور اس قسم کی نزاعات سے دینی مکتب ومدرسہ بھی تباہ ہوتا ہو تو اس کا وبال بہت سخت ہے۔

﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا﴾ الآية (آل عمران: ۱۰۳)(۱).

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث. مسند أحمد: ۲/۲۴۵(۲).

"ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخوانا" وفي رواية ولا تنافسوا" متفق عليه مشكاة شريف، ص: ۴۴۷(۳).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۷ھ۔

دینی مدرسہ میں سرکاری امداد کے اثرات

سوال[۱۰۹۱۰]: قصبہ مگھر میں مدارس مذہبی تعلیم ۱۹۱۴ء سے جاری ہے، جس کو ڈسٹرکٹ بورڈ

(۱) (آل عمران: ۱۰۳)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۱۳، رقم الحديث: ۸۲۹۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنو اجتنبوا كثيرا من الظن﴾ الآية: ۲/۸۹۶، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن: ۲/۳۳۱، رحمانيه لاهور)

(۳) (مشكاة المصابيح، باب ماينهى عن التهاجر، والتقاطع واتباع العورات: ۲/۴۲۷، قديمي)

وأيضاً راجع رقم الحاشية: ۲

www.besturdubooks.net

سے امداد ماہواری ملتی ہے، جس میں روزانہ پہلی پہر میں ڈیڑھ گھنٹہ قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے اور مابقیہ ایام (دو شنبہ پنج شنبہ) کوکلمہ دعاء قنوت، آیت الکرسی، دعاء جنازہ، باقی اوقات میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔

دوسرا مدرسہ عربیہ ہے، جو شاہی جامع مسجد میں چل رہا ہے، اس کا مدرسہ عربیہ نام ہی ہے، اس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی سبھی کی تعلیم ہوتی ہے، مگر مدرسہ کسی قسم کی امداد بورڈ سے نہیں لیتا اور نہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہے، (اصحاب خیر) کی امداد سے چلتا ہے۔

تیسرا مدرسہ مؤید الاسلام ہے، غالباً کسی سے کوئی امداد نہیں پاتا۔

ایسی صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ مکتب جو ۱۹۱۴ء سے جاری ہے، اسے دینی مدرسہ کہا جاسکتا ہے یا یہ کہ بورڈ سے امداد لینے کی وجہ سے دنیاوی مدرسہ کہا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکتب میں پہلے صرف قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم ہوا کرتی تھی، وہ خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر وہاں سے فارغ بچے عربی فارسی پڑھنے کے لئے مدرسہ میں جایا کرتے تھے، وہاں حساب بھی کچھ بقدرِ ضرورت سکھا دیا جاتا تھا، وہ بھی خالص دینی مدرسہ ہوتا تھا، پھر بورڈ سے امداد کا لالچ دیا گیا، مسلمانوں نے غربت سادہ پن سے امداد لینا شروع کردی، جس پر نگرانی اور امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا، پھر امداد دینے والوں نے آہستہ آہستہ اپنا کورس پڑھانے کے لئے کہا، امداد بند ہونے کے ڈر سے اس کی پابندی کی گئی، اب جیسے جیسے ان کا کورس آتا گیا، دینی تعلیم میں کمی ہوتی گئی، یہاں تک کہ دینی تعلیم برائے نام معمولی رہ گئی اور یہ قید بھی لگائی گئی کہ ان کا کورس پڑھانے کے لئے ان کا ہی سند یافتہ ہونا چاہیے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تربیت اور عملی حالت بھی کمزور ہوگئی۔

دینی تعلیم کا مقصد بہت کم رہ گیا، اس کی جگہ کورس نے لے لی، ایسی حالت میں اس کو دینی مکتب یا دینی مدرسہ کہنا یا تو اس کی ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے، یا محض برائے نام دینی تعلیم کا کوئی حصہ باقی رہ جانے کے اعتبار سے ہے۔ حقیقی اور اصلی معنی کے اعتبار سے نہیں اور جس مدرسہ میں اصلی تعلیم تو دین ہی کی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دین ہی کی خدمت اور اعانت کے لئے ہے، وہ حقیقۃً دینی مدرسہ ہے، اس معیار پر آپ

www.besturdubooks.net

دیکھ لیں کہ مکتب کی کیا حالت ہے اور امداد اور اس کے اثرات کورس وغیرہ سے کس قدر متاثر ہے اور وہ اثرات کس رفتار سے پیدا ہو رہے ہیں، پھر دینی عربی مدارس کے مقابلہ میں اس کو کیسے دینی مکتب کہا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۵/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۱/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

مدرسہ کا سامان مسجد کی چھت میں استعمال کرنا

سوال[۱۰۹۱۱]: یہاں پر مدرسہ کی چھت بالکل مسجد کے برابر تھی، اس کی برابری یعنی چھت ملانے کے لئے مسجد کی چھت اکھاڑی گئی، اس پر یعنی مسجد پر مدرسہ کی کچھ لکڑی استعمال ہوئی ہے اور آٹھ دس چادر ٹین استعمال ہوا ہے، جو لگ چکا ہے، مسجد کا اپنا کوئی پیسہ موجود نہیں ہے جو مدرسہ کو ادا کرے اور مدرسہ کی رقم میں زکوۃ وغیرہ بلکہ بعض غیر مسلموں کا بھی چندہ ہے، اب کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کام غلط ہوا(۱)، جن لوگوں نے مدرسہ میں وہ ٹین وغیرہ دیا تھا، وہ بخوشی مسجد کے لئے اجازت دے دیں تو اب مزید کسی تغیر کی ضرورت نہیں (۲)، لیکن مدرسہ کی تعمیر کا کوئی بوجھ لکڑی وغیرہ مسجد پر ہرگز نہ

---

(۱) "أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجداً وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لايبدل شرط الواقف ...... وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونة بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۶۲/۵، رشيديه)

"وإن اختلف أحدهما بان بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك". (الدر المختار). "أي الصرف المذكور". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۹۶/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱/۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲۴۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

www.besturdubooks.net

ہونا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مدرسہ کی ملک میں بلا اجازت تصرف کا کفارہ

سوال[۱۰۹۱۲]: ایک شخص زمانہ طالب علمی میں زائد خوراکیں لاتارہا، مطبخ کے کوئلے بھی لاتارہا، اب اس گناہ پر نادم ہوکر اب اس کا کفارہ دینا چاہتا ہے، کیا صورت کرے؟ اور اگر دارالعلوم میں کچھ بھیجے تو کس مد میں خرچ کردے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کل رقم کا تخمینہ کرکے واجب التملیک (صدقۃ الفطر قیمت چرم قربانی زکوۃ نذر وغیرہ کے) مد میں مدرسہ دارالعلوم کو بھیجتا رہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) "ويجب رد عين المغصوب أو مثله إن هلك وهو مثلي ...... وتجب القيمة في القيمي يوم غصبه". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لا عبا أو جادا وإن أخذه فليرده عليه".

(ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۲، ۱۸۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، ۲۰۰، رشيدية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶/۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

دینی مدرسہ کو اسکول بنانا

سوال[۱۰۹۱۳]: ۱......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا اور انہوں نے اس مدرسہ کا نام تجویز کر کے مدرسہ تعلیم الدین رکھا اور سنگ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیگر اکابر علماء حق کی موجودگی میں رکھا، مدرسہ کی بنیاد محض دینی ومذہبی تعلیم وترتیب کے پیش نظر رکھی گئی تھی اور اب تک جتنی عمارتیں مدرسہ کی تعمیر ہوئی ہیں، سب تعلیم الدین ہی کے نام پر بنی ہوئی ہیں اور ذریعہ آمدنی چرم قربانی زکوۃ فطرہ کے پیسہ ہیں۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ آہستہ آہستہ دینی تعلیم کو مختصر کر دیا گیا اور دنیوی تعلیم کو ترقی دے دی گئی، اس وقت کل اساتذہ دس ہیں، جن میں تین دینی تعلیم کے لئے ہیں اور سات دنیوی تعلیم کے لئے ہیں، مدرسہ کو اب جونیئر ہائی اسکول کر دیا گیا ہے اور مدرسہ کا نام بدل کر جونیئر ہائی اسکول تعلیم الدین رکھ دیا گیا اور ذریعہ آمدنی وہی پہلے والی یعنی چرم قربانی مذکوۃ فطرہ ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ چرم قربانی کے پیسہ سے اس مدرسہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲......دو برس سے اس کا خزانچی ایک جاہل آدمی ہے، جو بغیر حیلۂ شرعی تمام رقم خرچ کرتا ہے، آیا اس طرح زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی خرچ کریں تو ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جو عمارت دینی تعلیم کے لئے بنائی گئی اور وقف کی گئی ہے، اس کو دنیوی تعلیم کے لئے استعمال کرنا شرعاً درست نہیں۔

www.besturdubooks.net

"لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۱)۔

اس کا نام بدلنا بھی درست نہیں۔ زکوۃ، فطرہ، قیمت چرم قربانی کا مصرف غرباء وفقراء ہیں(۲)، کسی مالدار کو دینا یا تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں براہ راست خرچ کرنا جائز نہیں(۳)۔

۲...... اس طرح کسی کی زکوۃ ادا نہیں ہوتی، نہ فطرہ ادا ہوتا ہے، جس نے خرچ کیا ہے اس کے ذمہ ضمان لازم ہے، زکوۃ دینے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کی زکوۃ ذمہ میں باقی رہتی ہے اور جو کچھ ایسی جگہ دیتے

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۶۹/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۹/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين......﴾ (التوبة: ۶۰)

"مصرف الزكاة والعشر (هو فقير من له أدنى شيء ومسكين من لا شيء له". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۳۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۴۱۹/۲، رشيديه)

(۳) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد". (الدر المختار). "قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعيد)

"ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة: ۱۰۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

ہیں وہ ادا نہیں ہوتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۶/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول بنانے کا حکم

سوال[۱۰۹۱۴]: متصل مسجد ایک بلڈنگ تعمیر ہے، ۱۸/مئی ۱۸۸۴ء میں جو سرکاری تقسیم ہوئی تھی، اس کے اندر یہ بلڈنگ امام باڑہ مرقع ہے، جب سے لے کر آج تک امام باڑہ کی حیثیت سے ہوتا چلا آرہا ہے، ۱۸۸۴ء سے لے کر آج تک شیعہ فرقہ اس کا زمیندار ہے، اب ہم فریقین اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس امام باڑہ پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسلامیہ اسکول قائم کرلیا جائے اور ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ بغیر زمیندار صاحبان کی اجازت کے اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو حل فرما دیجئے گا، اس کے حل ہونے سے آپس کا تنازع ختم ہوجائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غاصبانہ قبضہ میں بڑے مفاسد ہیں، شرعاً بھی اس میں قباحت ہے اور قانوناً بھی جرم ہے (۲)، سر

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا يأخذ أحد شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض: ۳۳/۲، قديمي)

"اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۶، ۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۶/۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۳۱۵/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

پھوٹنے کا بھی اندیشہ ہے، مقدمہ بازی کا بھی سخت خطرہ ہے، زمیندار سے مل کر سمجھوتہ کرلینا بہتر ہے(۱)۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۱۳۹۹ھ۔

وقف زمین پر اسکول تعمیر کرنا

سوال[۱۰۹۱۵]: اسلامیہ اسکول کو گاؤں کے تمام قوموں نے چک بندی کے زمانہ میں کچھ زمین دی ہے تقریباً بیس بیگھہ کی اور وہ مدرسہ کے لئے ہے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس کا مالک مدرسہ ہو یا قوم؟ اور کیا اس زمین کو مدرسہ اسلامیہ کے معاملہ کے علاوہ اور کہیں استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس پر انگریزی مدرسہ بنایا جاسکتا ہے؟ اور کیا قوم کو اور ناظم وممبران کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اس زمین کو جہاں چاہے، استعمال کریں؟ مدلل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولو قال: وهبت داري للمسجد أو أعطيتها له صح، ويكون تمليكاً(۲) ولايملك، ولا يعار، ولا يرهن": ۳/۵۶۷.

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف: ۲/۴۶۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

شامی میں ہے:

"قوله لا يملك أي: لايكون مملوكاً لصاحبه، ولايملك أي: لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحاله تمليك الخارج عن ملكه": ۵٦٧/۳(۱).

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زمین مذکورہ مدرسہ کی ملک ہے، مدرسہ کے مفاد کے علاوہ نہیں استعمال کی جاسکتی، قوم وناظم وممبران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمین کو جہاں چاہیں استعمال کریں اور اس پر انگریزی مدرسہ نہیں بنایا جاسکتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۱/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۱۰٦/۲، إدارة القرآن كراچي)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲٦۹/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

چھٹی کے ایام کی تنخواہ کا قانون

سوال[۱۰۹۱۶]: کوئی دینی ادارہ یا کوئی دینی محکمہ اپنے ملازم کو اپنے دستور اور قانون سے اطلاع کئے بغیر کسی قانون کے زد میں لے کر نقصان پہونچادے، مثلاً: بڑی تعطیل کی تنخواہ ضبط کردینا، آیا یہ شرعی قانون ہے یا دنیوی؟ اگر دنیوی ہے تو اس کا دینی اداروں میں نفاذ کہاں تک صحیح ہے؟ اور اگر شرعی ہے تو اس کی اصل کیا ہے؟ محقق اور مفصل تحریر فرمادیں کہ دینی اداروں میں دنیوی قانون کا ٹھونسنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی خدمت تعلیم تدریس تبلیغ میں اصل یہ ہے کہ کوئی معاوضہ کسی سے نہ لینا چاہیے، بلکہ کہہ دینا چاہیے کہ ﴿لا أسئلكم عليه أجراً إن أجري إلا على الله﴾(۱) لیکن اگر کسی کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اجرت لینے کی فقہائے متاخرین نے اجازت دی ہے، باقاعدہ معاملہ کرلیا جائے کہ اتنے گھنٹے اور دن کام کرے گا اور اس کا معاوضہ اتنا یا ماہانہ یا سالانہ لے گا(۲)۔ پھر اس معاملہ کا تقاضہ اصالۃً یہ ہے کہ جب کام نہ کرے اس کا

---

(۱) (هود: ۵۱)

(۲) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القران والفقه والإمارة والأذان، ويجبر المستأجر على دفع ماقبل ...... ثم اعلم أنهم حيث أفتوا بجواز الاستئجار على التعليم ووجوب المسمى خصوه بما إذا ضرب له مدة لتصح الإجارة، ولو لم تضرب له مدة ولا تسمية أو جبوا أجر المثل كما هو الحكم في الإجارات الفاسدة". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱/۱۵۸، ۱۶۱، عثمانيه كوئٹه)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: جواز أخذ الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه) ......

www.besturdubooks.net

معاوضہ نہ لے، خواہ جمعہ کی چھٹی ہو خواہ عید بقرعید وغیرہ کی خواہ تعطیل کلاں ہو(۱)۔

لیکن شریعت نے طرفین کو اختیار دیا ہے کہ اپنے معاملہ میں جس قدر ایام کی چھٹی بلا تنخواہ اور جس قدر مع تنخواہ چاہیں، رضامندی سے طے کرلیں، کسی خاص بات پر مجبور نہیں کیا، اگر کسی جگہ اس طرح معاملہ کرلیا گیا ہے کہ بڑی تعطیل کی بلا اطلاع دو ایک یوم غیر حاضری پر پورے ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی تو یہ بھی درست ہے(۲)۔ اور یہ درحقیقت ایام تعطیل کی تنخواہ ضبط کرنا نہیں ہے بلکہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ دینا ہے، کیونکہ تنخواہ کام کی ہوتی ہے، جب کام نہیں کیا تو پھر تنخواہ کا کیا سوال ہے؟ صاحب معاملہ تبرع کرتا ہے اور اس کے لئے شرط لگا دیتا ہے، شرط کے فوت ہونے پر وہ تبرع نہیں کرتا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے(۳)۔ یہ دنیوی قانون کو دینی

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۲، سعيد)

(۱) "قال الإمام الفضلي: والمتأخرون على جوازه، والحيلة أن يستأجر المعلم مدة معلومة، ثم يأمر بتعليم ولده". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن: ۳۷/۵، ۳۸، رشيديه)

"إن كان الواقف قدر للمدرس لكل يوم مبلغاً فلم يدرس يوم الجمعة أو الثلاثاء، لايحل له أن يأخذ، ويصرف أجر هذين اليومين إلى مصارف المدرسة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۷۲/۴، سعيد)

"والأجير الخاص من يعمل لواحد ...... ويستحق الأجر بتسليم نفسه مدته". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۴۷/۳، ۵۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، ضمان الأجير: ۱۴۲/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "المعروف عرفاً، كالمشروط شرعاً". (شرح المجلة: ۳۷/۱، المادة: ۴۳، حنفيه كوئٹه)

"وهل يأخذ أيام البطالة كعيد ورمضان؟ لم أره وينبغي إلحاقه ببطالة القاضي واختلفوا فيه، والأصح أنه يأخذ ...... فينبغي أن يكون كذلك المدرس فينبغي أن يعطى ليوم البطالة المتعارفة بقرينة ما ذكره من البناء على العرف فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل له الأخذ". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة: ۳۷۲/۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة: ۲۷۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إذ لا جبر في التبرع". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۱۵۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۲۰۲/۶، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

اداروں میں ٹھونسا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کام کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں پرانے ملازم کو تنخواہ دینا

سوال[۱۰۹۱۷]: زید عرصہ ۳۵/ سال سے مدرسہ میں ملازم ہے، وہ ہر سال سال میں دو ماہ چندہ بھی لاتے رہے، اب بہت کمزور ہو گئے ہیں، کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اب جو مدرس چندہ لاتے ہیں، ان کی اس ماہ کی ڈیوٹی کی بھی تنخواہ دی جاتی ہے، تو قدیم مدرس کو ۲۰/ سال کی ڈیوٹی کی تنخواہ دینا کیسا ہے؟ جب کہ وہ بیمار ہے اور ذریعہ معاش سے بالکل مجبور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیونکہ پہلے سے ان کے متعلق اس کام کی ڈیوٹی کی تنخواہ کا کوئی معاہدہ اور تذکرہ نہیں تھا، اب گزشتہ ۲۰/ سال کی اس طرح تنخواہ دینے کا حق نہیں (۱)، آئندہ اگر کچھ طے کردے تو اس کے موافق عمل درست ہوگا، اگر وہ منتظم کا کام کر سکتے ہیں اور اس میں ان کو سہولت ہے تو منتظم بنا کر رکھنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۷ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: ومن اشترى شيئاً مما ينقل ويحول: ۶/۴۸۳، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹)

"ذكر الخصاف: أنه لو أصاب القيم خرس أو عمي أو جنون أو فالج أو نحوه من الآفات فإن أمكنه الكلام والأمر والنهي والأخذ والإعطاء فله أخذ الأجر، وإلا فلا. قال الطرسوسي: ومقتضاه أن المدرس ونحوه، إذا أصابه عذر من مرض أو حج بحيث لايمكنه المباشرة لايستحق المعلوم؛ لأنه أدار الحكم في المعلوم على نفس المباشرة فإن وجدت استحق المعلوم وإلا فلا وهذا هو الفقه".

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب إذا قبض المعلوم ...... الخ: ۴/۴۱۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۵۱۸، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱) .... =

www.besturdubooks.net

عربی مدرسہ کے مدرس کو پنشن دینا

سوال[۱۰۹۱۸]: مدارس عربیہ میں چندہ کے روپیہ سے پنشن دینی جائز ہے یانہیں؟ حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ کے سامنے ایک مرتبہ یہ تجویز پیش ہوئی تھی، تو حضرت نے شرعی اشکال یہ پیش فرمایا تھا کہ جو پنشن دی جائے گی یہ کس چیز کا معاوضہ ہوگا؟ اس لئے غور کی ضرورت ہے۔

منجانب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والے دینی تعلیم کے لئے چندہ دیتے ہیں، اس کو طلبہ کی ضرورت طعام لباس وغیرہ اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں صَرف کرنا درست ہے، وہ لوگ یہی سمجھ کر چندہ دیتے ہیں کہ ان مواقع میں صَرف کیا جاتا ہے، نہ پنشن کا ان کے ذہن میں تصور ہے نہ اس لئے دیتے ہیں، لہٰذا بغیر ان کی اجازت کے اس روپیہ سے پنشن دینا جائز نہیں (۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفتاء کیا گیا تھا، وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

"سوال ۲/۵۰۹/۱۲۰۲: اگر کسی دیرینہ ملازم وقت کو علیحدہ کر کے اس کی حسنِ خدمات کی وجہ سے اس کو پنشن دینا چاہیں، تو شرعاً متولیان وقف میں اس کو پنشن دے

= "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المسلمون عند شروطهم" ذكره البخاري تعليقاً". (صحيح البخاري، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱/۳۰۳، قديمي)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۴، المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

(۱) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

"الوكيل إنما يستفيد التصرف في المؤكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۸۴، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مال وقف سے پنشن دینا بدون شرط واقف کے درست نہیں"(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ دارالعلوم وعزیز الفتاویٰ: ۵-۶/۲۴۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: جمیل الرحمٰن، دارالعلوم دیوبند۔

رخصت اور تعطیل کلاں سے متعلق

سوال[۱۰۹۱۹]: ۱......ایک شخص شروع محرم سے ایک ادارہ پر کام کر رہا ہے، جس کا قانون یہ ہے کہ مدت ملازمت سے یعنی ماہ میعاد سے قبل کسی رخصت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے، چنانچہ تین ماہ کے بعد حسب استحقاق انہوں نے رخصت لی۔ اتفاقیہ اور بیماری کی وجہ سے اب مدرسہ کی مالی مجبوریوں کی وجہ سے حسب تجویز ناظم ادارہ اخیر میں دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مدت ملازمت کے اندر وہ شخص کل استحقاق کو استعمال کرنے کا مجاز ہے یا ان تمام حقوق کو سال یا تمام مدت تعلیم پر تقسیم کرنے کے بعد اسی لحاظ سے استحقاق کو استعمال کر سکتا ہے۔

۲......جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہوتی ہے، کیا وہ رخصت اتفاقیہ شمار ہوں گی؟ فقط۔

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع أي: في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وحكم لا دليل عليه ...... شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي: في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراجي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حسب قانون ادارہ تین ماہ ملازمت پوری ہونے پر اتفاقیہ اور بیماری کی رخصت حاصل کرنے کا حق ہے اور سال پورا ہونے پر جس قدر کا حق ہوگا اس کو حاصل کرسکتا ہے، لیکن سال پورا ہونے سے پہلے ملازمت کا تعلق ختم ہو جائے تو جس قدر رخصتیں بلا وضع تنخواہ حاصل کر چکا ہے، اب اہلِ ادارہ ان کی تنخواہ وضع کریں گے اور جس قدر رخصتیں باقی ہیں ان کے عوض تنخواہ کا استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ وہ باقی رخصتیں سوخت ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر سال پورا ہوگیا اور ایک دن کی رخصت بھی نہیں لی تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پندرہ دن رخصت اتفاقیہ کا حق تھا، جو میں نے وصول نہیں کیا، لہٰذا اتنے یوم کی مزید تنخواہ دی جائے (۱)۔

۲......جو تعطیل بین الرخصتین واقع ہو، وہ بھی رخصت میں شمار ہوگی، پنجشنبہ اور ہفتہ کی رخصت لی تو جمعہ کا دن بھی رخصت میں محسوب ہوگا، تعطیل میں نہیں، اس طرح اگر تعطیل کلاں سے قبل اگر رخصت لی، پھر ختم تعطیل پر حاضری کے بجائے رخصت لے لی تو یہ تعطیل کلاں بھی رخصت میں شمار ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) مدارس میں مدرسین کی تنخواہوں اور رخصت کے متعلق مدرسہ ہی کا قانون معتبر ہوتا ہے، لہٰذا مدرس کی تنخواہ اور رخصت میں ہر مدرسہ کا قانون واجب العمل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا ایها الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

"قال النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "المسلمون عند شروطهم". (ذكره البخاري تعليقا).

(صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب أجر السمسرة: ۱/۳۰۳، قديمي)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۴، رقم المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

(۲) "المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۷، رقم المادة: ۴۳، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۲۷۸، إدارة القرآن كراچی)

www.besturdubooks.net

وقف سے تنخواہ

سوال[۱۰۹۲۰]: ۱......اوقاف کے متعلقین کو اوقاف کی آمدنی سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دی جاسکتی ہے تو کس قدر؟

۲......اگر اوقاف کا کوئی متعلق (مدرسہ کا مدرس اور مسجد کا امام) فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جائے تو غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر واقف نے مدرسہ کے مدرس اور مسجد کے امام کے لئے تنخواہ دینے کو وقف نامہ میں درج کیا ہے اور تنخواہ کی کوئی تعیین نہیں کی، تو حاجت اور عرف کے مطابق تنخواہ دی جائے گی (۱)، اسی طرح اگر واقف نے متولی اور مہتمم کو تنخواہ دینے کا اختیار دیا ہے تو وہ بھی حاجت اور عرف کے مطابق دے گا (۲)۔ جو شخص یا ملازم حج کے لئے جائے تو ایام سفر کی تنخواہ کے متعلق اگر واقف کی کوئی تصریح نہیں، تو دوسرے اوقاف اور مدارس سے تعامل معلوم کرلیا جائے، اس کے موافق عمل کیا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۱۳۰/۳، سعيد)

(۱) "ويبدأ من غلته بعمارته، ثم ماهو أقرب لعمارته، كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم". (الدر المختار).

"(قوله: بقدر كفايتهم) أي: لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم، والظاهر أن قول الحاوي هذا إذا لم يكن معيناً ...... كما فهمه في شرح الملتقى: وقال إن فرض المسألة فيما إذا كان الوقف على جملة المستحقين بلا تعيين قدر لكل، فلوبه فلا ينبغي جعل الحكم كذلك، بل يصرف إلى كل منهم القدر الذي عينه الواقف". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۳۶۷/۴، ۳۶۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۸۸/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۵۶/۵، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "وتعامل الناس ملحق بالإجماع". (نور الأنوار، تقسيم أصول الشرع، ص: ۶، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "العادة محكمة، وأصلها قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن". (شرح عقود رسم المفتي، تعريف العرف وبيان حجته، ص: ۱۷۵-۱۷۶، دارالكتاب كراچی)

العرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار

(رسائل ابن عابدين، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۱۱۴/۲، عثمانيه)

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

مدرسہ کے نام پر چندہ کرنا اور مدرسہ میں نہ دینا

سوال[۱۰۹۲۱]: ایک مدرس نے جن کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا ہے، اس مدرسہ کے نام پر چندہ وصول کرتے پھرتے ہیں، عید الفطر کے موقع پر کرنال کی عیدگاہ میں اعلان کیا کہ مدرسہ عربیہ محمدیہ دریابُرد ہوگیا ہے، اس کی امداد کرو تو ان لوگوں نے مدرسہ کے نام پر کافی روپیہ ان مدرس کو دیا، وہ اس روپیہ کو کھا گئے، عید کے موقع پر جو لوگ مدرسہ کی امداد کرتے تھے، ان کو بہکا کر جبراً صدقۂ فطر، زکوۃ وغیرہ مدرسہ میں اس روپیہ کو جانے نہیں دیا، جس نے مدرسہ کو کافی نقصان پہونچایا، بلکہ شخص فقیر کو مدرسہ کی ضد پر یہ روپیہ وغیرہ دلایا۔

آیا جن حضرات نے یہ روپیہ دیا ان کی اس فریضہ سے ادائیگی ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے یہ دلوایا ان کو گناہ ہوا یا ثواب؟ ایک فقیر کو کتنی شرعی مقدار دینے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حرکت شرعاً معصیت ہے، جھوٹ ہے، دھوکہ ہے(۱)، اگر زکوۃ وفطرہ کو صحیح مصرف میں صَرف نہیں کیا

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... إياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، إن الفجور يهدي إلى النار، وما يزال الرجل يكذب، ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... من غشنا فليس منا". (فيض القدير: ۱۱/۵۹۲۳، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(وكذا في سنن أبي داود، باب النهي عن الغش: ۱/۱۳۳، إمداديه ملتان)

www.besturdubooks.net

توان مدرسین پرضمان واجب ہے(۱)، ان کے اس جھوٹ کو لوگوں پر ظاہر کردیا جائے کہ ان مدرس نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے چندہ وصول کیا اور مدرسہ محمدیہ کو نہیں دیا تو شرعاً اس کی اجازت ہے تاکہ آئندہ وہ احتیاط رکھیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة: ۲/۲۸۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(۲) "وإذا كان الرجل يصوم ويصلي ويضر الناس بيده ولسانه، فذكره بما فيه ليس بغيبة حتى لو أخبر السلطان بذلك ليزجره لا إثم عليه". (الدرالمختار). "أي: ليحذره الناس ولا يغتروا بصومه وصلاته، واخرج الطبراني والبيهقي والترمذي: أترعوون في الغيبة عن ذكر الفاجر اذكروه بما فيه يحذره الناس". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۰۸، سعيد)

"وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لا يتوصل إليه إلا بها". (تفسير روح المعاني: ۲۶/۱۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثالث والعشرون في الغيبة: ۵/۳۶۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

باب المتفرقات

مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے والے طالب علم کے سامان کا حکم

سوال[۱۰۹۲۲]: کوئی طالب علم کسی وجہ سے مدرسہ کو چھوڑ کر دوسرے مدرسہ میں چلا جائے اور اپنا سامان وغیرہ پہلے مدرسہ میں چھوڑ گیا ہو، تو اس سامان کو مدرسہ کے مہتمم مدرسہ ضبط کر لیتے ہیں اور اس کے وارث بن جاتے ہیں۔

آیا مدرسہ والوں کی یہ حرکت شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سامان ضبط کرنے میں مدرسہ والے حق بجانب ہیں یا ظالم؟ یہ سامان ان کے لئے حلال ہے یا حرام؟ جب کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "دستورِ زندگی" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی کے تین پیسے رکھ لے تو اس کے عوض میں سات سو نمازیں دی جائیں گی، تو اس لحاظ سے مدرسہ والے اللہ تعالیٰ کے یہاں ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو اس سامان کو ضبط کرنے کا کوئی حق نہیں، ایسا کرنا غصب اور ظلم ہے(۱)، اگر اس چلے جانے والے کے ذمہ مدرسہ کا کوئی مطالبہ صحیح ہو، تو اس کے وصول کرنے کا حق ہے(۲)، حضرت تھانوی نے جو تحریر فرمایا

---

(۱) "اعلم أن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب، ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۵۲/۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۶/۶، ۱۷۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، رشيديه)

(۲) "والمشهور من مذهب الحنفية أنه يجوز له الأخذ إن كان ما ظفر به من جنس حقه، ولا يجوز إن كان من غير جنسه، غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا في هذه المسألة بمذهب الشافعي". (تكملة فتح الملهم، كتاب القضاء: ۵۷۸/۲، دار العلوم كراچي) ....=

www.besturdubooks.net

ہے، وہ صحیح ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

شرارت پر بچوں کو کتنی سزا دی جائے؟

سوال [۱۰۹۲۳]: طلباء کو ان کی شرارت پر یا سبق یاد نہ کرنے پر ہاتھ سے، قمچی (۴) سے پٹائی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو کتنی قمچی تک؟ جواب سے براہ کرم مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قسمِ شرارت اور مزاج کے ساتھ قوتِ برداشت کی رعایت لازم ہے، چھوٹے بچے کو تین چپت سے زیادہ نہ ماریں، وہ بھی سر اور چہرے پر نہیں اور قمچی سے سزا نہ دیں، بڑوں کو زیادہ کی سزا بھی دے سکتے ہیں، جب کہ کم سزا مفید نہ ہو اور زیادہ کے مفید ہونے کی توقع ہو اور زیادہ سزا اقل حد تک نہ پہونچے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

= "للدائن أن يأخذ بيده إذا ظفر بجنس حقه بغير رضا المديون". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱۵۰/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر: ۸۵/۴، دار المعرفة بيروت)

(۳) "أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فروع في النية: ۴۳۹/۱، سعيد)

"جاء في بعض الكتب: أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة". "قوله: "وجاء في بعض الكتب"، أقول: لعل المراد بها الكتب السماوية، لاكتب العلماء إلا أن يكون ذلك حديثا نقله العلماء في كتبهم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية: ۱۳۹/۱، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "قمچی: کوڑا، چابک، ہنٹر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۱، فیروز سنز لاہور)

(۵) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إذا ضرب أحدكم =

www.besturdubooks.net

طلباء کا بازاروں میں پھرنا

سوال[۱۰۹۲۴]: طلباء مدارس عربیہ کو بلاوجہ بازاروں میں پھرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے ضرورت سب کے لئے برا ہے اور عربی طلباء کے لئے زیادہ برا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= فليتق الوجه". رواه أبوداود. (مشكاة المصابيح، باب التعزير، الفصل الثاني: ۲/۲۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"والضرب في هذه الأية هو ضرب الأدب غير المبرح، وهو الذي لايكسر عظما، ولايشين جارحة، كاللكزة ونحوها، فإن المقصود منه الصلاح لاغير ...... وكذلك القول في ضرب المؤدب غلامه لتعليم القرآن والأدب". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۳۴: ۳/۲۳، ۱۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وقال جمهور أصحابنا: لا يبلغ تعزير كل إنسان أدنىٰ الحدود كالشرب ...... وفي شرح السنة: مذهب أكثر الفقهاء: أن التعزير أدب يقصر عن مبلغ أقل الحدود". (مرقاة المفاتيح، كتاب الحدود، باب التعزير، الفصل الثاني: ۷/۲۲۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۱/۶۸، قديمي)

"قال الإمام النووي في شرحه على مسلم: لأنها محل الغش والخداع، والربا، والأيمان الكاذبة، وإخلاف الوعد، والإعراض عن ذكر الله، وغير ذلک مما في معناه......". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب المساجد: ۱/۲۳۶، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضعها: ۲/۴۰۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

والد کے تحریر کردہ حکم نامہ کے مطابق تجارت کرنا نیز معاہدہ کا حکم

سوال[۱۰۹۲۵] : ا......سائل کا بیان ہے کہ زید، عمر، بکر تین بھائی تھے، ان تینوں کے کاروبار مشترک تھے، ۱۹۵۰ء کے درمیان تنخواہ کی کمی وزیادتی اور دیگر شرائط کے سلسلہ میں ایک معاہدہ ہوا، پھر ۱۹۵۲ء میں ایک بھائی، یعنی زید کا انتقال ہوا، بقیہ دو بھائیوں کے درمیان مختلف امور میں اختلاف تنازع ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں ان کے والد صاحب نے دونوں بھائیوں کو اور مرحوم زید کے وارثوں کو جمع کر کے ایک حکم نامہ حصص کی تقسیم اور تنخواہ کی کمی وزیادتی کے اور کاروبار کے سلسلہ میں لکھوادیا، جو کہ کئی دفعات پر مشتمل تھا۔

اس کے دفعہ نمبر ۴، ۵ میں ہے کہ موجودہ کاروبار، تم تینوں مل کر تین سال تک نبھانا اور اس تین سال کے اندر جو بھی نئے کاروبار ہوں گے، وہ تینوں کے مشترکہ ہوں گے اور دفعہ نمبر ۶ میں لکھا ہے کہ اس حکم نامہ سے ۱۹۵۰ء والا معاہدہ منسوخ قرار دینا، پھر آخر میں سب نے دستخط کئے اور منظور بھی کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اب پھر کچھ عرصہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، شدید اختلاف کی وجہ سے عمر نے چھوٹے بھائی بکر کو اور زید کے ورثاء کو مطلع کردیا کہ اختلاف کی وجہ سے کاروبار بڑھانا مناسب نہیں ہے، اس لئے میں لکھتا ہوں کہ والد صاحب مرحوم نے جو حکم نامہ میں جس کاروبار کو سنبھالنے کا حکم دیا تھا، اس کو ویسے ہی تین سال تک نبھاؤں گا اور آج کے بعد سے جو بھی نیا کاروبار کروں گا، وہ میرا ذاتی ہوگا، اس میں کوئی شریک نہیں ہوگا۔

پھر عمر نے اپنی ذاتی رقم سے کچھ نئے کاروبار شروع کئے، اختلاف شدید بڑھ جانے کی بناء پر ایک ثالث کے سامنے معاملہ پیش ہوا، اب تو ثالث نے بھائیوں کے درمیان معاہدات اور ان کے والد صاحب کے حکم نامہ

www.besturdubooks.net

کی بنیاد پر فیصلہ دیا کہ عمر کے نئے کاروبار تینوں بھائیوں کے مشترک ہیں، مطلع فرمادیں کہ ثالث نے جس بناء پر عمر کے ذاتی کاروبار کو مشترکہ کاروبار قرار دیا، کیا یہ بنیاد صحیح ہے؟

۲......معاہدہ کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ والد صاحب کے حکم نامہ کی شرعاً کیا حقیقت ہے اور کیا اتنا بڑا کاروبار والد صاحب کے حکم پر ہی منحصر رہے گا اور اسی پر عمل ضروری ہوگا؟ اس کے بغیر کاروبار درست نہ ہوگا؟ جب کہ بھائیوں کے درمیان حالات خراب ہوچکے تھے، شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......والد صاحب کے انتقال کے بعد جب عمر نے اپنا کاروبار اپنے ذاتی روپیہ سے شروع کیا، جس میں مشترکہ روپیہ نہیں لگایا اور بکر کو نیز زید مرحوم کے ورثہ کو مطلع کردیا کہ یہ کاروبار تنہا میرا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں، اپنے ذاتی روپیہ سے اس کو شروع کرتا ہوں اور انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا، تو وہ تنہا کاروبار عمر کا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں (۱)۔ ثالث کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ مشترکہ اختلاف معاہدے کا فیصلہ کردے، ذاتی، انفرادی کاروبار میں نہ شرکت، نہ اختلاف ہے، ثالث کا اس کے متعلق کوئی حکم لگانا، اس کے حدود واختیار سے خارج ہے، ہاں! اگر شرکاء خود ہی اس پر راضی ہوجائیں، تو دوسری بات ہے۔ "وهذا ظاهر لا يخفى" (۲)۔

۲......معاہدہ کرنا اور اس کے اندر مدت متعین کرنا شرعاً درست ہے (۳)۔ مدت ختم ہونے پر وہ معاہدہ

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۲/۲۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "روى غير واحد: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج بمن معه إلى الحديبية حتى إذا كان بذي الحليفة قلد الهدي وأشعره، وأحرم بالعمرة ...... وانتهى الأمر إلى الصلح، وكتابة كتاب في ذلك، فدعا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عليا كرم الله وجهه فقال: ...... اكتب هذا ما صالح عليه محمد =

www.besturdubooks.net

خود بخود ختم ہو جائے گا، اگر ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہو، تو مدت متعینہ سے پہلے بھی شرکاء باہم اپنے معاہدہ کو ختم کر سکتے ہیں، والد صاحب نے جو حکم نامہ لکھا ہے، اس کا احترام کرنا اولاد کے لئے عین سعادت ہے (۴)، ان کا حکم نامہ اولاد کی خیر خواہی پر مبنی ہے، بلاوجہ اس کو ختم نہ کیا جائے، لیکن اگر اس کی پابندی میں مضرت ہو تو اس سے بچنے کیلئے اور آپس کے شدید تنازع کو ختم کرنے کے لئے پابندی نہ کرنے پر بھی امید ہے کہ گرفت نہ ہوگی، کیونکہ والد صاحب مرحوم اگر زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے حکم پر عمل کرنے سے اولاد کو مضرت ہے، جس کا تحمل دشوار ہے اور یہ حکم شدید نزاع کا باعث بنا ہوا ہے، تو وہ خود ہی اپنا حکم واپس لے لیتے۔

پس یہ محض صورتاً حکم کی خلاف ورزی ہے، حقیقۃً خلاف ورزی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم ربیع الاول/۱۴۰۹ھ

= رسول الله سهيل بن عمرو...... اكتب هذا ما صالح عليه محمد بن عبدالله سهيل بن عمرو صلحاً على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس، ويكف بعضهم عن بعض على أنه من أتى محمداً من قريش بغير إذن وليه، رده عليهم الخ". (روح المعاني، الفتح: ۲۶/۱۱۶، ۱۱۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب كيف يكتب هذا ما صالح فلان بن فلان الخ: ۱/۳۷۱، ۳۷۲، قديمي)

(وكذا في البداية والنهاية، السنة السادسة للهجرة، غزوة الحديبية: ۲/۵۵۲-۵۵۷، المكتبة الحقانية)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ (الإسراء: ۲۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: أي: تواضع لهما وتذلل ...... ﴿من الرحمة﴾ أي: من فرط رحمتك عليهما". (روح المعاني، الإسراء: ۱۵/۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً أتاه فقال: إن لي امرأةً وإن أمي تأمرني بطلاقها، فقال له أبو الدرداء: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فحافظ على الباب أو ضيع". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني: ۲/۴۱۹، قديمي)

"يجب التطليق متابعة للوالد، ورضاءً له، فقد ورد عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (نفع المفتي والسائل، مايتعلق بإطاعة الوالدين، ص: ۴۱۲، دار ابن حزم)

www.besturdubooks.net

دو بھائیوں کا دکان میں شرکت کر کے ایک کا دوسرے کے حصے پر قابض ہو جانا

سوال[۱۰۹۲۶]: عمر اور بکر دو سگے بھائی ہیں، عمر بڑا اور بکر چھوٹا ہے، کچھ عرصہ پہلے عمر اور بکر میں زبانی یہ طے پایا کہ شرکت میں ایک دکان کھولی جائے، دریں اثناء عمر کی وساطت سے عمر کے برادر طریقت سے ایک دکان ملی، جو کہ مذکورہ برادر طریقت زید نے یہ کہہ کر آٹھ ہزار روپے پگڑی پر دی کہ یہ صرف عمر کی وجہ سے دے رہا ہوں، دکان کی رسید وغیرہ بدلوانے میں دو ہزار روپے خرچ ہوئے۔

زید نے عمر اور بکر سے صرف دو ہزار روپے نقد لیا، جو کہ بکر نے اپنی جیب خاص سے ادا کیا، زید نے باقی چھ ہزار روپے بیرون ملک لینا چاہا، عمر نے اپنے کسی دوست سے چھ ہزار روپے اپنی شخصی ضمانت پر زید کی خواہش کے مطابق دلوایا اور بعد ازاں عمر نے ایک ہزار روپیہ اپنی جیب خاص سے ادا کرایا، اب زید کے صرف ایک ہزار باقی تھے، دوکان چلانے کے لئے بھی روپیہ درکار تھا، عمر نے اپنے ایک اور برادر طریقت شعیب سے ایک ہزار روپیہ اپنی ضمانت پر لے کر دکان میں لگا دیا، مذکورہ شعیب برادر طریقت ہونے کے علاوہ عمر اور بکر کی والدہ کے مکان میں کرایہ دار بھی ہے، جنہوں نے دو یا تین سال کے بعد یہ روپیہ مذکورہ لیا، اپنے کرایہ میں منہا کرایا اور مکان کی آمدنی میں سے یہ روپیہ عمر اور بکر کی والدہ کو ادا کر دیا گیا، ایک ہزار روپیہ زید کا رہ گیا تھا، وہ زید نے دہلی آکر دکان کی آمدنی سے وصول کر لیا جو کہ بخوشی دکان کی آمدنی سے ہی دیا گیا۔

دو ہزار روپیہ جو کہ رسید کے بدلوانے پر صَرف ہوا، وہ بھی دکان کی آمدنی سے دیا گیا، مذکورہ بالا چھ ہزار روپے تین سال کی مدت میں مذکورہ دوست کو آہستہ آہستہ دکان کی ہی آمدنی سے دیا گیا، اب دکان کسی کی قرض دار نہیں رہی۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ دکان کی رسید بدلوانے کے دوران بکر نے دونوں دکانوں کو اپنے ہی نام رکھا، جب کہ عمر نے ایک دکان اپنے اور دوسری بکر کے نام رکھنے کی ہدایت کی تھی، مگر بکر نے ایسا نہیں کیا، جب باز پرس کی گئی تو یہ کہہ دیا گیا کہ بزرگوں کا حکم ایسا ہی ہے، عمر نے بات کو خراب نہ کرنے اور دنیا کی جگ ہنسائی سے بچنے کی خاطر کام کو اس امید پر جاری رکھا کہ کبھی تو بکر کو خیال ہوگا اور ہماری شرکت جاری رہے گی، اسی طرح سات سال بیت گئے۔

بکر نے بعد ازاں ایسا رویہ اختیار کر لیا جس کی وجہ سے عمر کو دکان جوں کی توں چھوڑنی پڑی، اس سات

www.besturdubooks.net

سال کے دوران تمام تر آمدنی بکر کے پاس رہی اور بکر اپنی مرضی سے کچھ بھی کرتا رہا اور عمر کے پاس کوئی پیسہ اس سلسلہ میں نہیں آیا جو ایک ہزار روپیہ وہ مکان کی آمدنی سے کچھ وصول کر لیا تھا، دکان میں مرمت اور ضروریات ضرور عمر کے مشورہ سے ہوتی رہی، دکان مذکور کا کاروبار آٹھ سال تک دونوں مل کر چلاتے رہے اور پھر علیحدہ ہو جانے کے بعد بکر نے وہی دکان وغیرہ ۴۵ ہزار روپے میں ایک دکان کی آمدنی سے خرید کرلیں اور اب اس جائیداد کی قیمت قریب ایک لاکھ روپے ہوگئی۔

از روئے شرع فرمائیں کہ عمر کی شرکت شرعی یا قانونی اس میں ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ دوئم کہ اب چونکہ جائیداد اسی مکان کی شرکت شدہ آمدنی سے نہیں ہے، کیا اس میں آدھا حصہ عمر کا ہوسکتا ہے، اگر عمر بالکل منحرف ہو جائے تو ایسے شخص کا شرع کی رو سے کیا مقام ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرکت میں تو دکان شروع ہی کی گئی ہے، اس میں کیا شبہ ہے، جب تک معاملہ شرکت کو ختم نہیں کیا گیا، برابر شرکت باقی رہی اور حسب قرارداد عمر بھی آمدنی کا مستحق رہا(۱)۔ شرکت کا معاملہ کر کے کام شروع کرنے کے بعد (جب آمدنی زیادہ ہو جائے) شرکت سے منحرف ہو جانا اور حسب قرارداد آمدنی سے حصہ نہ دینا سخت گناہ اور غصب ہے(۲)۔ جس کا وبال بھی سخت ہے، پھر بھائی کے ساتھ یہ روش تو اور بھی خطرناک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاده به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

"وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(۲) "(اعلم) بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ...... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿يا أيها الذين =

www.besturdubooks.net

پریس میں شرکت اور اس کی علیحدگی اور نفع کی تقسیم

سوال[۱۰۹۲۷]: دو آدمیوں نے مشترک ہو کر ایک پریس کھولا، چھ ماہ تک پریس چلتا رہا اور دونوں نصف نصف منافع لیتے رہے، اس کے بعد پریس مبلغ آٹھ ہزار روپے میں فروخت کر دیا گیا، فریق اول چھ ہزار روپے لے رہا ہے اور فریق ثانی کو مبلغ دو ہزار روپیہ دے رہا ہے اور کہتا ہے کہ تو دو ہزار منافع لے چکا ہے۔ حالانکہ فریق اول بھی دو ہزار منافع لے چکا ہے، تو اس صورت میں فریق ثانی دو ہزار کا حق دار ہوتا ہے یا چار ہزار کا، یہاں ایک عالم صاحب سے پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، جب دونوں فریق نفع نقصان میں برابر کے شریک تھے، تو پریس فروخت ہونے کے بعد بھی نصف نصف رقم کے مالک ہیں، از روئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب روپیہ بھی دونوں کا تھا اور نفع نقصان میں شرکت بھی نصفا نصف کی تھی، تو جو نفع برابر لیا گیا وہ درست ہوا(۱) اور پریس فروخت ہونے پر بھی نفع ہو تو برابر ہوگا، البتہ اگر شرکت کرتے وقت اصلی روپیہ دونوں کا

= آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) ...... وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ۶، الجزء ۱۱/۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة ...... وصفته أنه حرام محرم على الغاصب ذلك". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۵/۱۱۹، رشيديه)

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على رؤس أموالهما جاز ......ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بينهما على سواء أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط والوضيعة أبداً على قدر رؤس أموالهما، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني =

www.besturdubooks.net

برابر نہ تھا، بلکہ اس میں فرق تھا، تو پریس فروخت ہونے پر اصلی روپیہ دونوں کا جتنا جتنا تھا، وہ دونوں کو دے دیا جائے گا، پھر جس قدر نفع ہوا، دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، مثلاً: اگر شرکت کرتے وقت ایک کا روپیہ ایک ہزار تھا اور دوسرے کا دو ہزار تھا، مجموعی تین ہزار سے کام شروع کیا تھا، تو اب پریس آٹھ ہزار میں فروخت ہوا، تو اس کی قیمت سے ایک ہزار تو ایک ہزار والے کا ہوگا اور دو ہزار، دو ہزار والے کا ہوگا، باقی پانچ ہزار دونوں کا نصفا نصف ہوگا، اگر شرکت کرتے وقت روپیہ دونوں کا برابر تھا، تو اب پریس کی قیمت بھی دونوں کو برابر ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۴/۹۱ھ۔

باہمی معاہدہ کے مطابق مدات کی تقسیم نہ کرنا

سوال [۱۰۹۲۸]: زید، بکر نے شرکت میں وثیقہ نویسی کا کام شروع کیا، جس میں حسب ذیل قسم کا کام اور آمدنی کی مدات ہیں:

۱- تعمیرات کے فارم ونقشے داخل کرنے کا کام۔

۲- عام قسم کی درخواستیں لکھنے کا کام۔

= في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"(قوله: ومع التفاضل في المال دون الربح) أي: بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح، وقوله: وعكسه أي: بأن يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۹۱، ۲۹۲، رشيديه)

(۱) "وحكمها في شركة الملك صيرورة المجتمع من النصيبين مشتركاً بينهما، وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

"وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاده به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

۳- بیع ناموں کی نقول وغیرہ کا کام۔
۴- پروجیکشن کی تعمیر کے نقشے داخل کرنے کا کام۔
۵- بیورخودفارم بھرنے کا کام۔
۶- اقرارنامے لکھنے کا کام۔

یہ چھ طرح کے کام تھے، جو زید، بکر چھ سال سے کرتے رہے ہیں اور دن بھر کی آمدنی زید کے پاس جمع ہوتی رہتی ہے، جو روز کی روز آپس میں تقسیم ہوجایا کرتی ہیں، ابتدائی تین سال تک تو اوپر لکھی ہوئی چھ مدوں میں زید نے بکر کو پہلے دن سے مقرر کیا ہوا حصہ دیا اور خود بھی لیا، مگر آخری تین سالوں میں بکر ایک دو تین کو چھوڑ کر باقی چار و پانچ و چھ مدوں کی آمدنی ایک ایک کرکے بغیر وجہ بتلائے ہوئے اپنے حق میں کرلی، زید کی کارروائی کیسی ہے؟ اس طرح زید کے پاس جو رقم پہونچے گی، وہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باہمی معاہدوں کے خلاف کرنا اور مذکورہ مدات کی رقوم کو تقسیم نہ کرنا درست نہیں (۱)، زید کے لئے ان تینوں مدوں کی رقوم تنہا خود رکھ لینا جائز نہیں، اپنے حصہ سے زائد رقم اس کے لئے بھی ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث" ...... إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمي)

"قوله: الخلف في الوعد حرام، قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، رقم المادة: ۲۲، إدارة القرآن كراچی)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۶۱۵/۸، رقم الحديث: ۴۸۸۱، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها =

www.besturdubooks.net

بغیر پیسے دیئے کمپنی میں شرکت کرنا

سوال[۱۰۹۲۹]: ایک شخص دودھ کی کمپنی میں سوا گیارہ روپے دے کر شریک ہوتا ہے اور جب تک اس کی شرکت ہے، اس روپے پر اس کو سو روپے دیا جاتا ہے، اگر یہی شریک اپنے دودھ کو اس کمپنی کو بیچتا ہے تو کمپنی سال پورا ہونے پر جتنی رقم کا دودھ اس نے کمپنی کو فروخت کیا، اس کے حساب سے نفع کے نام پر کچھ پیسے دیئے جاتے ہیں کمپنی کی طرف سے، حالانکہ شریک نے اپنے دودھ کی قیمت پہلے ہی سے کمپنی سے وصول کر لی تھی، لیکن یہ شخص کمپنی کا شریک ہے اور دودھ دیتا ہے اس کے بالمقابل دوسرا شخص شریکِ کمپنی تو ہے، لیکن دودھ نہیں دیتا، تو کمپنی کچھ نہیں دیتی، تو یہ نفع کے نام کی رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفع کے نام پر یہ رقم بغیر پیسے کی شرکت کے لینا درست نہیں (۱)، پیسے دے کر شرکت کی ہو، تو حسب قرارداد حصہ اور نفع لینا درست ہے (۲)، اگر کمپنی کا کام کرنے کی وجہ سے یہ پیسہ بطور انعام ملے، وہ درست

= الخ: ۲/۳۰۱، رشیدیہ)

"(وكل) من شركاء الملك (أجنبي) في الامتناع عن تصرف مضر (في مال صاحبه) لعدم تضمنها الوكالة". (الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۸۰، رشيديه)

(۱) "والشركة لغةً: خلط النصيبين بحيث لا يتميز أحدهما ...... وفي فتح القدير: وركنها في شركة العين اختلاطهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها وأحكامها وما يتعلق بها: ۲/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/۲۹۸، ۲۹۹، سعيد)

(۲) "فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤوس أموالها...... واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح".

(ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتراط الربح متفاوتاً صحيح، بخلاف اشتراط الخسران: ۴/۳۰۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)=

www.besturdubooks.net

ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۳ھ۔

مشترکہ روپیہ سے تجارت اور نفع سے حج کرنا

سوال[۱۰۹۳۰]: چند احباب کا ارادہ ہے کہ گیارہ آدمی فی نفر دوسو روپے ڈال کر مشترکہ تجارت کریں اور جو کچھ نفع ملے، اس کے ذریعہ دوسال کے بعد گیارہ آدمی مل کر حج کے لئے جائیں، کیا یہ معاملہ صحیح ہے؟ اور اس طرح حج کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح اور اس نیت سے تجارت تو درست ہے(۲)، مگر حج کی شرط نہ لگائی جائے، ہر ایک کا نفع اس کو

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۸۳/۵، رشيديه)

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) "يعني أن علة الفساد ما ذكر من قطع الشركة، وليست العلة اشتراط شرط فاسد فيها؛ لأن الشركة لا تفسد بالشروط الفاسدة". (ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا: ۳۱۶/۴، سعيد)

"وفيه أيضاً إبراهيم عن محمد رحمه الله تعالىٰ، رجل قال لرجل: اشتر جارية فلان بيني وبينك على أن أبيعها أبا، قال: الشرط فاسد والشركة جائز، قال: وكذلك كل شرط فاسد في الشركة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، مطلب: الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة: ۳۰۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۶/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

دے دیا جائے، اس کا جو دل چاہے کرے، حج پر مجبور نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۷/۸۷ھ۔

شرکاء کا ایک شریک کو پانچ سال کے لئے دکان ٹھیکہ پر دینا

سوال [۱۰۹۳۱]: موٹر کے سامان کی ایک دکان ہے، جس میں پچاس ہزار کا سامان ہے، اس میں چند آدمی شریک ہیں، شرکاء نے باہم مل کر ایک شریک کو دے دی کہ پانچ سال تک دکان چلا سکتے ہو، ہر سال پندرہ ہزار ہمیں دینے ہوں گے، دکان لینے والا شریک اگر چاہے تو دو سال کے بعد واپس کر سکتا ہے، پانچ سال کی مدت ختم ہونے پر دکان مع سامان واپس لے لی جائے گی، جو شرکاء کی مشترک ہو جائے گی، تو کیا یہ معاملہ قمار میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت ناجائز ہے تو جواز کے پہلو سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت غلط ہے، ناجائز ہے (۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جو شخص کام کرتا ہے، اس کا حصہ منافع میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا اضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

(۲) "وشرط جواز هذه الشركات ...... وأن يكون الربح جزءً شائعاً في الجملة لا معيناً، فإن عينا عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۳۰۱/۲، ۳۰۲، رشيديه)

"(وشرطها) أي: شركة العقد ...... (وعدم ما يقطعها كشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما)؛ لأنه قد لا يربح غير المسمى". (الدر المختار، كتاب الشركة: ۳۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۷۷/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

فیصد کے اعتبار سے کچھ زیادہ تجویز کردیا جائے، بقیہ منافع سب شرکاء باہم حصہ رسد تقسیم کرلیں (۱)، پندرہ ہزار سالانہ متعین نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ سال بھر میں کس قدر نفع ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۱۳۹۵ھ۔

بینک کی ایک اسکیم برائے پنشن کا حکم

سوال [۱۰۹۳۲]: ہمارے اسٹیٹ بینک نے ایک اسکیم نکالی ہے، کہ ماہانہ سو روپے دس سال تک بینک میں جمع کرانے پر دس سال بعد بطور پنشن ماہانہ ایک سو انہتر روپے پچاس پیسے ملا کریں گے اور آپ کی اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں رہے گا، بینک اس رقم کو تجارت وغیرہ میں خرچ کرتا ہے، کیا ایسی اسکیم میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ بطور شرکت جمع کیا جائے، تب بھی دس سال بعد بطور پنشن ۱۶۹/۵۰ ماہانہ ہمیشہ کے لئے مقرر کردینا غلط ہے، جب کہ اصل رقم اور اس کا منافع جوں کا توں باقی رہے گا، ایسی شرکت شرعاً درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "إذا عرف هذا فنقول: إذا شرطا الربح على قدر المالين متساوياً أو متفاضلاً فلا شک أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليها أو على أحدهما". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۸۳/۵، رشيديه)

"قوله: (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ...... ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا، والوضعية على قدر المالين" ولم يفصل؛ ولأن الربح كما يستحق بالمال، يستحق بالعمل، كما في المضاربة". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۱/۵، ۲۹۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۳۱۲/۴، سعيد)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۳۱۰

(۳) "وشرط جواز هذه الشركات ...... وأن يكون الربح جزأ شائعاً في الجملة، لا معيناً، فإن عينا عشرة =

www.besturdubooks.net

مشترکہ زمین کی آمدنی سے تعمیر شدہ مکان کا حکم

سوال[۱۰۹۳۳]: دوفریق نے مل کرایک قطعہ زمین خریدی، جو ہر حیثیت سے مشترک چلتی رہی، یعنی اس میں جو کچھ پیداوار ہوتی، نصف نصف تقسیم ہوجاتی رہی، کچھ دن کے بعد فریق اول نے مشترک زمین کے ایک جزو پر بلا اجازت فریق ثانی کے ایک مکان تعمیر کرلیا اور اس میں اپنے ذاتی پاورلوم لگا کر آمدنی شروع کردی اور تعمیر مکان کا کل خرچہ لکھ کر فریق ثانی کو دیا کہ نصف دو، چنانچہ کچھ دن کے بعد فریق ثانی نے فریق اول کو نصف خرچہ دے دیا اور گاہے گاہے فریق اول سے کہتے رہے کہ جب آپ نے نصف خرچہ لے لیا، تو ہمارے فائدہ کا خیال رکھے، مگر فریق اول برابر حیلہ سے کام لیتے رہے، مگر ایک دن ان کو جبراً بلایا گیا کہ مکان کا کوئی حل نکالیں، اس پر برجستہ فریق اول نے کہا کہ مکان میں تمہارا کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ تمہارا روپیہ تعمیر میں نہیں لگا ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ:

۱......مکان میں فریق ثانی کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

۲......اگر نہیں ہے تو فریق ثانی نے جو روپیہ دیا تھا، اس کو فریق اول نے اپنے کاروبار میں لگا کر جو کمائی کی، وہ کس کا حق ہے، فریق اول کا یا ثانی کا؟

۳......اس معاملہ میں فریق اول نے فریق ثانی کو دھوکہ میں رکھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تعمیر میں خرچ شدہ رقم کا نصف حصہ فریق اول نے فریق ثانی سے وصول کرلیا، تو جس طرح زمین میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اسی طرح مکان میں بھی دونوں شریک ہوں گے(۱)، اب انکار کا حق نہیں،

= أو مائة، أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة كذا في البدائع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/ ۳۰۱، ۳۰۲، رشيديه)

"(وتفسد إن شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح)؛ لأنه شرط يوجب انقطاع حق الشركة، فمساه لايخرج إلا القدر المسمى لأحدهما". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۹۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشركة: ۴/ ۳۰۵، سعيد)

(۱) "وحكم شركة العقد صيرورة المعقود عليه، وما يستفاد به مشتركاً بينهما، كذا في محيط السرخسي". =

www.besturdubooks.net

دھوکہ دینا سخت گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

سوسائٹی میں رقم جمع کرنے کا حکم

سوال[۱۰۹۳۴]: افریقہ میں کچھ بہی خواہ حضرات نے ایک تعلیمی ویلز سوسائٹی قائم کی ہے، اس کا اہم کام یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ماہانہ کچھ رقم وصول کر کے سوسائٹی فنڈ میں اس کے نام سے جمع کر لیتے ہیں اور آڑے وقت میں یہ رقم جمع کرنے والے کو دے دیتے ہیں، سوسائٹی کے قانون کے رو سے اگر رقم جمع کرنے والا مرجائے، تو جمع شدہ رقم سے اس کی اولاد کو تعلیم دلائی جاتی ہے اور اگر وہ کسی وقت اپنی کل رقم واپس لینا چاہے، تو ایک مقررہ مدت کے بعد اس کی رقم واپس کی جاتی ہے۔

اصل رقم سے کچھ زائد رقم بھی اسے دیتے ہیں، سوسائٹی مختلف کاروبار کر کے جمع شدہ رقم میں اضافہ کرتی

= (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ، الفصل الأول الخ: ۲/۳۰۲، رشيديه)

"وحكمها...... وفي شركة العقد صيرورة المعقود عليه، أو ما يستفاد به مشتركاً بينهما".

(البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الشركة: ۳/۲۹۴، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "يا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس؟!" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... من غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

ہے، شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور رقم سوسائٹی فنڈ میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سوسائٹی ان رقوم سے تجارت کرتی ہے اور اس کا نفع شرکاء کو ان کے رقوم کے موافق دیتی ہے تو وہاں رقوم کا جمع کرنا اور نفع لینا درست ہے(۱)، بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو اور کوئی دوسری چیز بھی اس میں خلاف شرع نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۶/۳/۹۰ھ۔

شرکت عنان کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۳۵]: چند آدمی مل کر اگر کوئی تجارت کریں، شرکت عنان کے طور پر اور یہ بھی باہم رضامندی سے طے کرلیں، کہ ہر شریک کے ذاتی اخراجات، مثلاً: کھانا، کپڑا، علاج وغیرہ، اس مشترکہ تجارت کے نفع سے پورے کئے جائیں گے، چاہے کسی کے ذاتی اخراجات زیادہ ہوں یا کم ہوں اور ذاتی اخراجات کے بعد جو نفع بچے گا، وہ حسب حصص مقررہ شرکاء پر تقسیم ہوگا، تو کیا یہ صورت شرکت کی جائز ہے یا کرنا جائز ہے؟

---

(۱) "لو كان المال منهما في شركة العنان، والعمل على أحدهما إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثاني في شركت العنان، الفصل الثاني الخ: ۲/۳۲۰، رشيديه)

"إذا شرط الشريكان تقسيم الربح بينهما على نسبة رأس المال صح الشرط، سواء تساويا في رأس المال أو تفاضلا، ويقسم الربح بينهما على نسبة رأس مالهما كما شرطا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل السادس في شركة العنان، المبحث الأول: ۲/۷۲۸، رقم المادة: ۱۳۷۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، مطلب: في توقيت الشركة روايتان: ۴/۳۱۲، سعيد)

(۲) "ومنها الخلو عن الشرط الفاسد وهو أنواع ...... وأن يكون المشروط محظوراً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۶، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط ہے، اس میں جہالت ہے، جو مفضی الی النزاع ہوگی، اس لئے درست نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۶ھ۔

مال مشترک میں سے ایک شریک کا قرض لینا

سوال [۱۰۹۳۶]: ایک تجارت میں چھ شراکت دار ہیں، ہر شریک کی رقم اس شرکت میں شامل ہے اور کام کرنے والے صرف دو شریک ہیں، نفع اور خسارے کی شرائط اس طرح طے تھے، چالیس فی صد کام کرنے والے شریک کو اور بیس فیصد کل رقم پر، پھر کام کرنے والے ایک شریک نے شدید ضرورتوں کے تحت اپنے طور پر دکان سے قرضہ لیا، رمضان المبارک میں حساب کرنے کے بعد معلوم ہوا، کام کرنے والے اسی شریک کے اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے وہ شریک دکان کا مقروض ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تجارت قدیمی شرائط پر چلے گی یا کوئی جدید تبدیلی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شرائط پہلے طے کرچکے ہیں، ان میں ترمیم کی ضرورت نہیں، قرض کا معاملہ صاف کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "وشرط جواز هذه الشركات كون المعقود عليه عقد الشركة قابلاً للوكالة، كذا في المحيط. وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولاً تفسد الشركة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة الخ: ۲/۳۰۱، ۳۰۲، رشيديه)

"يشترط أن يعلم كيف يقسم الربح بين الشركاء، فإذا بقي مبهماً ومجهولاً كان الشركة فاسدةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب السادس في شركة العقد، الفصل الثاني في الشروط العامة لشركة العقد: ۲/۱۳، رقم المادة: ۱۳۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل بيان شرائط جواز الشركة: ۵/۷۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

مشترکہ جائیداد سے حج کی ادائیگی کے لئے معاہدہ کرنا

سوال[۱۰۹۳۷]: چند بھائیوں کے پاس ان کے والد مرحوم کی مشترکہ جائیداد ہے، ان سب بھائیوں نے باہمی آپسی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک مرتبہ حج فرض ادا کرے، اتنی رقم کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل تھا کہ سب ایک ساتھ حج کریں، یہ معاہدہ ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، اس وقت جہاز کا تھرڈ کلاس کا کرایہ ساڑھے پانچ سو روپیہ تھا اور ہر حاجی کو ایک ہزار روپیہ لے جانے کی اجازت تھی، ۱۹۶۴ء میں ایک بھائی نے حج بھی ادا کیا، جس میں سولہ یا سترہ سو کی رقم خرچ ہوئی، بقیہ بھائیوں کا حج ادا کرنا باقی ہے۔

اب ۱۹۶۷ء میں بحری جہاز کا کرایہ پونے نو سو روپے اور حجاز مقدس ساتھ لے جانے کی رقم پندرہ سو روپیہ ہوگئی ہے، روپے کی قیمت میں تخفیف کے باعث اب حاجی تقریباً دو ہزار ساڑھے چار سو روپے کی رقم خرچ کرتے ہیں۔ اب اس اضافہ کی شکل میں پہلے کی بہ نسبت نوسو یا ہزار روپیہ کا فرق ہو جائے گا، بقیہ بھائیوں کا کہنا ہے مجھ سے اور مطالبہ ہے کہ ہم آج کے حساب سے اپنے حج کی پوری رقم ڈھائی ہزار روپیہ اس مشترک جائیداد کی آمدنی سے وصول کر کے حج ادا کریں گے اور حج کیے ہوئے بھائی کا کہنا ہے کہ میرے سفر حج میں پندرہ یا سولہ سو روپے خرچ ہوئے تھے، اتنی ہی رقم تم لے لو، بقیہ اپنے آپ خرچ کرو، آں جناب حکم شرعی سے تحریر کریں کہ حق پر کون ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ کی قیمت کا کم ہونا اندرون ملک کچھ زیادہ اثر انداز نہیں، حج وغیرہ کے سلسلہ میں ضرور اثر انداز ہے، جو معاہدہ ہوا تھا، وہ اگر چہ صراحۃً رقم کی تعین کے ساتھ نہیں ہوا تھا، مگر سرکاری طور پر معین ہونے کی وجہ سے گویا کہ رقم متعین ہی نہیں تھی، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اس معاہدہ میں رقم مقصود اصلی نہیں، ورنہ معاہدہ کی یہ شکل بھی ممکن تھی کہ ہر شریک ایک ایک سال کے وقفہ سے اپنی اپنی رقم مشترک آمدنی سے لے لے، پھر جس مصرف میں چاہے، خرچ کرے، بلکہ مقصود یہ تھا کہ ہر شریک بہ سہولت حج ادا کر سکے اور ۶۳ء میں جتنی رقم میں حج ادا ہو جاتا تھا، اب اتنی رقم میں حج ادا نہیں ہو سکتا، یہ بھی مسلم ہے، لہٰذا اس مقصود کے پیش نظر موجودہ وقت میں جتنی رقم کافی ہو،

www.besturdubooks.net

اتنی رقم لینے کا حق ہوگا (۱)۔ اس مسئلہ کا صریح جزئیہ نہیں ملا، لیکن شامی کا رسالہ "تنبیہ الرقود فی أحکام النقود" بہت سی جزئیات پر مشتمل ہے، اس سے کچھ ایسا ہی مستفاد ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۶ھ۔

مضاربت میں نقصان کس پر ہے؟

سوال [۱۰۹۳۸]: ہم دو شخصوں نے شرکت میں کام شروع کیا، ایک نے پیسے لگائے، دوسرے نے اس مال کو فروخت کیا اور چار ماہ بعد معلوم ہوا کہ اصل رقم میں ۵۰۰/ روپیہ کی رہ گئی تھی، مال فروخت کرنے والے نے ۵۰۰/ روپیہ اپنے گھر میں بھی خرچ کئے، آپس میں طے تھا کہ نفع آدھا آدھا ہوگا اور کچھ پیسہ ادھار میں اٹک گیا اور کچھ سامان خراب ہوگیا، مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ:

۱...... اصل رقم کا پورا کرنا ایک کے ذمہ ہے یا دونوں کے؟

۲...... جو خرچہ آمدنی میں سے دوسرے "ساجھی" (۳) نے کیا ہے، اس نفع کا کیا ہوگا؟ دوسرے کو سارا

---

(۱) جب بھائیوں نے آپس میں معاہدہ کرلیا کہ مشترک جائیداد کی آمدنی سے ہر بھائی یکے بعد دیگرے ایک ایک مرتبہ حج ادا کرے گا، تو اب اس معاہدے کی پاسداری لازم اور ضروری ہے۔ لہٰذا ہر بھائی کو اتنی رقم دی جائے گی، جس سے اس کا حج ادا ہو سکے، خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (الإسراء: ۳۴)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ ما عهدتم الله تعالىٰ عليه من التزام تكاليفه، وما عاهدتم عليه غيركم من العباد، ويدخل في ذلك العقود......". (تفسير روح المعاني، الإسراء: ۳۴: ۱۵/۷۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿وأوفوا بالعهد﴾ أي: الذي تعاهدون عليه الناس، والعقود التي تعاملونهم بها، فإن العهد والعقد كل منهما يسأل صاحبه عنه". (تفسير ابن كثير، الإسراء: ۳۴: ۳/۵۶، مكتبه دار السلام)

(۲) رسائل ابن عابدين، الرسالة: تنبيه الرقود على مسائل النقود، الجزء الثاني، ص: ۵۸-۶۷، مكتبه عثمانيه كوئٹه)

(۳) "ساجھی: حصہ دار، شریک، پتی دار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۶، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

ادا کرنا ہوگا یا آدھا؟

۳...... جو ادھار میں دب گیا، اس کا کیا مسئلہ ہے؟

۴...... جو سامان دوسرے ساجھی کے گھر پڑا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... یہ مضاربت ہے(۱)، اگر اصل رقم جس سے تجارت کرنا طے پایا تھا، اس میں سے پانچ سو روپیہ کم رہے، مثلاً: تین ہزار دینے کے لئے کہا تھا، مگر ڈھائی ہزار دیئے اور اب معاملہ ختم کر دیا گیا، تو ان پانچ سو کا دینا لازم نہیں (۲)، اگر سوال کا مطلب کچھ اور ہے تو اس کو واضح کر کے لکھئے۔

۲...... جو خرچہ دوسرے نے اپنے گھر کیا ہے، وہ اس کے ذمہ ہے (۳)، اس کو حق نہیں تھا، پس اگر نفع ایک ہزار یا اس سے زائد ہوا، تو یہ خرچ شدہ پانچ سو روپیہ اس حصہ والے کا قرار دیا جائے گا، یعنی اس نے اپنا حصہ

(۱) "أما تفسيرها: شرعاً فهي عبارة عن عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۳۷۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۳/۳۶۲، دارلمعرفة بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۵، سعيد)

(۲) ڈھائی ہزار سے زائد جو پانچ سو روپے ہیں، اس میں مضاربت ثابت ہی نہیں، لہٰذا وہ پیسے ان کے ذمہ دینا لازم نہیں۔

"(ومنها) أن يكون المال مسلماً إلى المضارب لا يد لرب المال فيه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۴/۲۸۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب المضاربة: ۷/۴۴۹، رشيديه)

(۳) "ومتى خلط مال المضاربة بمال نفسه أو بمال غيره يضمن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الحادي عشر في دفع المالين مضاربة على الترادف وخلط أحدهما بالآخر الخ: ۴/۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب المضاربة: ۵/۶۴۹، ۶۵۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي كتاب المضاربة: ۳/۳۶۴، دارالمعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

نفع میں سے وصول کرلیا اور روپیہ والے کا حصہ باقی رہ گیا، وہ اس کو دے دیا جاوے، اگر نفع کچھ نہیں ہوا تو خرچ شدہ روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے، وہ مالک روپیہ کو ادا کردے(۱)۔

۳..... جو روپیہ ادھار میں رہ گیا، اس کو وصول کرنا مال فروخت کرنے والے کے ذمہ ہے(۲)، وہ وصول کرکے مالک کو دے، کوشش کے باوجود اگر وصول نہ ہوسکے، تو تاوان اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

۴..... جو سامان باقی ہے، اس کو فروخت کردے، اگر مالک لینا چاہے، تو مالک کو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولو كانت صحيحة فلم يربح المضارب لا شيء له". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها: ۲۸۸/۴، رشيدیه)

(وكذا في ردالمحتار، کتاب المضاربة: ۶۴۶/۵، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب المضاربة: ۴۴۹/۷، رشیدیه)

(۲) "(افترقا وفي المال ديون وربح يجبر المضارب على اقتضاء الديون)". (الدرالمختار). "(قوله: على اقتضاء الديون) أي: طلبها من أربابها، (قوله: إذ حينئذٍ) عبارة البحر؛ لأنه كالأجير، والربح كالأجرة وطالب الدين من تمام تكملة العمل فيجبر عليه". (ردالمحتار، کتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۶۵۶/۵، سعید)

(وكذا في الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب المضاربة، الباب الثامن عشر في عزل المضارب وامتناعه عن التقاضي: ۳۲۹/۴، ۳۳۰، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۴۵۶/۷، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۳۹]: گزارش خدمت یہ ہے کہ ازروئے شرع بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کرایہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اطلاعاً عرض ہے کہ بینک دوقسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جس میں اکثر حصہ سودی لین دین کا ہوتا ہے اور کچھ دوسرے کاروبار بھی ہوتے ہیں مگر کم۔ دوسرے وہ بینک جس میں اکثر کاروباری معاملات چلتے ہیں اور کچھ سودی لین دین بھی ہوتا ہے۔

براہِ کرم کرایہ کے سلسلہ میں دونوں قسم کے بینکوں کا حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمارت کرایہ پر دینا درست ہے، مستاجر جس کام میں بھی استعمال کرے وہ اس کا فعل ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز کام کے لئے کرایہ پر دینا مکروہ وممنوع ہے(۱)، کام مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ پس دوسرے قسم کے بینک کے لئے بالاتفاق درست ہے اور پہلی قسم

---

(۱) "(وجاز إجارة بيت ...... ليتخذ بيت نار او كنسية أو بيعة أو يباع فيه الخمر) وقالا: لا ينبغي ذلك؛ لأنه إعانة على المعصية وبه قالت الثلاثة". (الدر المختار). "(قوله: وجاز إجارة بيت) هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على المنفعة، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيها، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

"إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الفتاوىٰ =

www.besturdubooks.net

کے بینک کے لئے عمارت کرایہ پر دینے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنجائش ہے، وھو الأوسع.

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ وممنوع ہے۔"وھو الأورع (۱).

حلال یا غالب حلال مخلوط روپیہ کرایہ پر لینا درست ہے۔ حرام یا غالب حرام مخلوط روپیہ لینا درست نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک کی ملازمت درست ہے یا نہیں؟

سوال[۱۰۹۴۰]: گزارش ہے آج کے دور میں نوکری ملنا محال ہوگیا ہے، خاص طور سے مسلمانوں کو نوکری ملنے پر بہت دقت پیش ہورہی ہے، ویسے تو مسلمانوں کو نوکری ملتی ہی نہیں ہے، میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہوں، دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی سیکھی ہے، آپ مجھے اس مسئلہ سے آگاہ کیجئے کہ کوئی مسلمان بینک بیمہ کی نوکری کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلمان کو اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ سب کو روزی دینے والا اللہ پاک ہے (۳) اور حلال

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۲۴، رشيديه)

(۱) یہ حکم نفس اجارہ کا ہے، باقی اجرت میں ملنے والی رقم اگر سودی ہو، جیسا کہ عموماً بینکوں میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کسی بھی بینک کو مکان یا دکان کرایہ پر دینا ناجائز ہے: "ومن هنا ظهر أن التوظف في البنوك الربوية لايجوز ...... فتلك حرام لوجهين...... والثاني: أخذ الأجرة من المال الحرام، فإن معظم دخل البنوك حرام مستجلب بالربا.......". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب لعن آكل الربو ومؤكله: ۱/۶۱۹، مكتبه دارالعلوم كراچي)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن كان الغالب هو الحرام، فينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا......: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳/۴۰۰، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها﴾ (هود: ۶) .... =

www.besturdubooks.net

روزی کا طلب کرنا اللہ پاک نے فرض قرار دیا ہے(۱)، لامحالہ حلال روزی دنیا میں موجود ہے، تبھی تو اس کا طلب کرنا فرض فرمایا، یہ نہیں ہوسکتا کہ حلال روزی تو وہ معدوم فرمادیں ناپید کردیں اور اس کا طلب کرنا فرض لازم کردیں۔

"لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها"(۲).

دشواری جو کچھ پیش آتی ہے وہ عموماً اس لئے پیش آتی ہے کہ جو انسان خوراک، پوشاک رہن سہن کے اعتبار سے اپنے لئے اونچا معیار تجویز کرلیتا ہے اور اس معیار کی ملازمت ملنے میں دشواری ہوتی ہے، اگر معیار ہلکا کرلے، سادہ لباس، سادہ کھانا، سادہ رہائش پر قناعت کرلے تو یہ دشواری پیش نہ آئے (۳)۔ اولاد کی شادی بیاہ میں بھی آج کی اسی معیار کی بلندی کی وجہ سے دشواری پیش آتی ہے، سود لینے والے پر سود دینے والے پر سود کا کاغذ لکھنے والے پر سود کی گواہی دینے والوں پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے (۴)، اگر ان سب سے بچ کر

= وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین﴾ (الذریٰت: ۵۸) .

"عن أنس رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: ...... قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: إن اللہ هو المسعر القابض الباسط الرازق". (سنن الترمذي، کتاب البیوع، باب ماجاء في التسعیر: ۳۲۲/۲، دارالکتب)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنو کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم﴾ (البقرة: ۱۷۲)

"عن عبداللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب، الفصل الثالث: ۵۱۷/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في فیض القدیر: ۳۷۶۹/۷، رقم الحدیث: ۵۲۷۱، مصطفیٰ الباز الریاض)

(۲) (البقرة: ۲۸۶)

(۳) "عن ابن عمر رضي اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: الاقتصاد في النفقة نصف المعیشة ...... الخ". (مشکاة المصابیح، باب الحذر والتاني في الأمور، الفصل الثالث: ۲۲۷/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"الاقتصاد نصف العیش". (الاقتصاد) أي: التوسط في النفقة بین التبذیر والتقتیر". (فیض القدیر: ۲۵۵/۵، رقم الحدیث: ۳۰۷، مصطفیٰ الباز الریاض)

(۴) "عن أنس رضي اللہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها ومحمولة إلیه وساقیها وبائعها وآکل ثمنها والمشتري لها والمشتری له". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثاني، ص: ۲۴۲، قدیمي)=

www.besturdubooks.net

ملازمت ملے تو ان کو اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

ملازمت میں کون سی چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟

سوال[۱۰۹۲۱]: میں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، جماعت میں بتلایا جاتا ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کا طریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت جس ڈھنگ سے کرنے کو بتلاتی ہے، اس کو علماء حضرات سے معلوم کر کے پھر اس کام کو کرو، تاکہ وہ دین اور ثواب دلوانے والا بن سکے۔

۱...... لہٰذا میں ملازمت کرتا ہوں، مجھے صاف صاف اس بات سے آگاہ کریں، کہ ملازمت میں کون کون سا حکم ٹوٹے گا، تو قیامت کے دن خون کے آنسو رونے پڑیں گے، تاکہ جان کر ان ٹوٹنے والے حکم کی نگہداشت کی جاسکے، مفتی صاحب اس بات سے آگاہ کریں کہ ملازمت کے یہ کام خداوندی ہیں، جن کی رعایت کرنے سے ملازمت دین رضاء الٰہی اور جنت دلوانے والی بنے گی۔ لہٰذا گزارش ہے کہ دونوں طرح کے احکام سے کھول کھول کر مجھے آگاہ فرمادیں، احکام ادا کرنے سے جنت کی طرف جانا پڑے گا۔

۲...... کوئی بھی چیز خریدنے اور فروخت کرنے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، کہ اس معاملہ میں کیا کیا احکام شریعت خرید اور فروخت کے بارے میں بتلاتی ہے، جن پر عمل کر کے دین بتلایا جاسکے اور کن کن طریقہ پر اگر کوئی چیز فروخت کی گئی یا خریدی گئی اور خدا کا حکم ٹوٹتا گیا، تو پھر قیامت کے روز سوائے افسوس کرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا مجھے آپ خریدنے اور فروخت کرنے کے دونوں طرح کے احکام سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... ملازمت سے پہلے نیت صحیح ہو، کہ حلال روزی کے ذریعہ اپنی اور اپنے متعلقین کی حوائج ضروریہ کو پورا کرنا ہے، تاکہ چوری، غصب، بھیک وغیرہ سے اللہ پاک محفوظ رکھے(۱) اور دین کی خدمت اور مخلوق کی

= (وسنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهي عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه: ۲/۲۴۲، قديمي)

(۱) اس لئے کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں۔

"(قوله: وشرعاً: باعتبار الحرمة الخ) يعني أن لها في الشرع تعريفين: تعريفاً باعتبار كونها =

اعانت مقصود ہو، خود شغل ملازمت ناجائز نہ ہو(۱)، عین ملازمت کی حالت میں ناجائز امور کا ارتکاب نہ ہو، مثلاً: جھوٹ، دھوکہ، خیانت وغیرہ(۲)، ملازمت کی وجہ سے کوئی حکم شرعی نہ ٹوٹے، مثلاً: اس کی مشغولیت سے نماز نہ

= محرمة، وتعريفاً باعتبار ترتب حكم شرعي عليها". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۸۲/۴، سعيد)

"(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والعزم)". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۱۷۹/۲، سعيد)

"(ولا) يحل أن (يسأل) شيئاً من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة، كالصحيح المكتسب". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۱) "(لا تصح الإجارة لعسب التيس) ...... (و) لا (لأجل المعاصي، مثل الغناء والنوح والملاهي)". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"قال رحمه الله تعالى: (ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي) لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه". (البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۵/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، مطلب: الإجارة على المعاصي: ۴۴۹/۴، رشيديه)

(۲) کیونکہ جھوٹ، دھوکہ اور خیانت حرام ہیں۔

قال الله تعالى: ﴿لعنة الله على الكاذبين﴾ (آل عمران: ۶۱)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: آية المنافق ثلاث، ...... "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱۷/۱، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ...... "من غشنا فليس منا". ...... (فيض القدير، شرح الجامع الصغير: ۵۹۲۳/۱۱، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمي)

www.besturdubooks.net

چھوٹے وغیرہ وغیرہ(۱)، اگر ملاقات کرکے زبانی دریافت کرلیں، تو جس جس کے متعلق تردد ہو، اس کی پوری تفصیل سامنے آئے گی۔

۲......یہ بھی طویل بحث ہے، اس کے مسائل عام فہم الفاظ میں بہشتی زیور میں ہیں (۲)، ان کی رعایت کی جائے۔ ان کے علاوہ کوئی مسئلہ پیش آجائے، تو دریافت کرلیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۵ھ۔

ملازم کے سرکاری حقوق

سوال[۱۰۹۴۲]: ۱......زید جوتے کی تھوک فروش دکان میں عرصہ ۲۵ سال تک ملازمت خریداری حساب نویسی نہایت باضابطگی اور دیانت داری سے انجام دیتا رہا اور اب صحت کی خرابی کی بناء سبکدوشی حاصل کی اور اپنی متعینہ مابین تنخواہ ماہ بماہ لیتا رہا، سرکار ملازمین کے لئے خواہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ دکانوں کے کچھ حقوق علاوہ مشاہرہ کے قانوناً دکان مالکان پر عائد کئے ہیں، ان حقوق میں سے ایک حبہ بھی زید کو فرم مذکورہ نے نہیں دیا۔ دریافت طلب مسئلہ ہے کہ آیا شرعاً عنداللہ فرم مذکور پر اس سرکاری ملازمت کی ادائیگی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

کاروبار کی ترقی کے لئے ملازم کا حصہ

سوال[۱۰۹۴۳]: ۲......اسی دوران فرم مذکورہ کے مالکان نے اپنے بچوں کے نام سے ایک نیا فرم دے کر دکان پر پی-وی-سی (ربڑ کی قسم) کے جوتوں کا تھوک فروش کاروبار شروع کیا، اس کے شرکاء الگ، سرمایہ الگ، جگہ کاروبار الگ اور سابقہ فرم کے کاروبار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ سال بسال بڑھتا ہی رہا،

---

(۱) "وما كان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل في اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

"وهذا كالتنبيه، بل كالتصريح على المنع من الجائز، لئلا يكون سبباً في فعل ما لايجوز".

(أعلام الموقعين، فصل في سد الذرائع، منع ما يؤدي إلى الحرام: ۳/۱۷۱، دار الجيل بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۰، سعيد)

(۲) اس بارے میں بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۳۶-۳۸۴، پر مفصل بحث موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۳۶-۳۸۴، دارالاشاعت)

www.besturdubooks.net

نئی فرم کا کاروبار بھی نہایت تیزی سے دیگر دکانوں پر چلتا رہا، اس کے ملازم کارکرد اور محرر (حساب لکھنے والا) بھی علیحدہ رکھے گئے، تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا، نئے فرم کا کاروبار پرانی دکان پر بجائے پی-وی-سی جوتوں کے چمڑے کے جوتوں کا تھوک فروش بیوپار شروع کردیا، نئی فرم کے ملازم بھی برطرف کردیئے گئے اور پرانی دکان کے ہی ملازمین سے نئے فرم کا کام لیا جانے لگا۔

زید کے ذمہ جو کام تحریر (حساب نویسی) کا پرانی دکان کا تھا، وہی نئی فرم کا بھی لیا جانے لگا اور تنخواہ وہی پرانی ملتی رہی، کام دوگنا ہوگیا اور بڑھتا ہی رہا، اس دوران سات سال میں نئی فرم میں بھی لاکھوں روپیوں کا منافع ہوا، کیونکہ کھاتہ انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس میں دکھائے جاتے ہیں، اس وجہ سے کھاتوں میں ملازموں کے فرضی نام لکھ کر اس کا روپیہ مالکان خود اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور دونوں فرم (پرانی ونئی) کا کام برابر بڑھتا ہی جارہا ہے اور جو ملازم (یعنی پرانی فرم کے ملازم) نئی فرم کا کام کرتے ہیں انہیں ایک پیسہ نہیں دیا جاتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً مالکان فرم نے زید کی اجرت یا کام کے معاوضہ سے حق تلفی کی یا نہیں اور کیا شرعاً سات سال کا معاوضہ فرم پر زید کا واجب ہوتا ہے یا نہیں اور فرم مذکورہ کی طرف سے عدم ادائیگی معاوضہ کی شکل میں زید قیامت کے دن شرعاً مذہباً اپنا یہ حق فرم مذکورہ سے لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......عنداللہ تو جو معاملہ مالک وملازم کے درمیان طے ہوا، اس کی ہی ذمہ داری ہے(۱)، سرکاری قانون جو کچھ ہو، اس کی ذمہ داری صرف قانونی ذمہ داری ہے(۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولاً﴾ (الإسراء: ۳۴)

"قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: المسلمون عند شروطهم". (صحیح البخاري، باب أجرة السمسرة، ص: ۳۶۳، دار السلام)

"یعتبر ویراعی کل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۲۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة واجبة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۷۲، سعید)

"أمر السلطان إنما ینفذ إذا وافق الشرع". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدین رحمه الله =

www.besturdubooks.net

۲......اگر کام زیادہ ہوجائے تو ملازم معاملہ کرلے کہ آئندہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ ہوجائے تب میں کام کروں گا، ورنہ میرا استعفاء ہے(۱)، دکان میں ترقی کی وجہ سے ملازم کی تنخواہ میں اتنا اضافہ کردینا بحیثیت معاملہ واجب نہیں، البتہ بطور شکرانہ اور حق خدمات کے صلہ میں اخلاقاً اضافہ کردینا چاہیے، کیونکہ اس ترقی میں ملازم کی محنت ودیانت کو زیادہ دخل ہے، لہٰذا وہ بھی مستحق اضافہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا سال بھر کی تنخواہ یکمشت لینا درست ہے؟

سوال[۱۰۹۴۴]: ایک شخص جو جامع مسجد کا امام ہے، ماہانہ تنخواہ نہیں لیتا، روپے سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک شب قدر میں ایک مشت دوسو پچیس سالانہ اس خدمت کا عوض نذرانہ کے نام پر وصول کرتا

= تعالیٰ: أي: يجب ولا تجوز مخالفته ...... وان طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعید)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، میر محمد کتب خانه)

(۱) "وأما شرائط الصحة فمنها: رضا المتعاقدين ...... ومنها: أن يكون المعقود عليه، وهو المنفعة معلوماً، ومنها: بيان المدة ...... ومنها: بيان العمل ...... وكذا بيان المعمول فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول: ۴۱۱/۴، رشيديه)

"يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۳/۱، رقم المادة: ۴۷۳، حنفيه كوئٹه)

"ويشترط في صحة الإجارة رضى العاقدين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۲۵۴/۱، المادة: ۴۴۸، حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزآء الإحسان إلا الإحسان﴾ (الرحمن: ۶۰)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ۹)

"عن قتادة رضي الله تعالىٰ عنه: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال عملوا خيراً مجوزوا خيراً". (تفسير الطبري، الرحمن: ۶۰: ۸۹/۲۷، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

ہے، اگر لوگ اس کی منشاء سے کچھ کم دینا چاہیں تو نہیں لیتا، اب جب اضافہ کر کے دیتے ہیں اس وقت ان کو قبول کر لیتا ہے، لیکن مشہور کرتا ہے کہ وہ بلا معاوضہ خدمت انجام دیتا ہے، اس شخص کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس طرح ماہانہ تنخواہ کا معاملہ درست ہے، اس طرح سال بھر میں یک مشت مقدار معین پر بھی معاملہ درست ہے(۱)، خواہ اس کا نام نذرانہ ہی رکھا جائے، اس سے امامت میں نقصان نہیں آتا، لیکن یہ سمجھنا اور مشہور کرنا غلط ہے کہ یہ خدمتِ امامت بلا معاوضہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۱ھ۔

زراعت کی اجرت پیشگی لے لینا

سوال[۱۰۹۴۵]: اس طرح زمین کسی کو کرایہ پر دینا کہ چار سو روپیہ دے دو اور اس سال تم زمین

(۱) "كما يجوز إيجار عقار على أن تكون أجرته في كل شهر كذا يصح أيضاً إيجاره لسنة بكذا من دون بيان أجرة كل شهر". (شرح المجلة، كتاب الإجارة، الباب الرابع: ۱/۲۷۳، رقم المادة: ۴۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"يصح العقد على مدة معلومة أي: مدة كانت قصرت المدة كاليوم أو طالت كالسنين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليه عقد الإجارة: ۴/۴۱۵، رشيديه)

"للمالك أن يؤجر ماله وملكه لغيره مدة معلومة قصيرة كانت كيوم أو طويلة كسنين".

(شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۵۷۴، رقم المادة: ۴۸۴، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے اور دھوکہ حرام ہے۔

"عن ابن عمر وأبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من غشنا فليس منا". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص، باب مالايضمن من الجنايات، الفصل الأول، :ص ۳۰۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۹۲۳، رقم الحديث: ۸۸۷۹، مصطفىٰ الباز رياض)

www.besturdubooks.net

میں ہل وغیرہ چلا کے جو کچھ پیدا کرو، وہ تمہارا ہے، سو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کرایہ پر دینا کہ سب پیداوار تمہاری ہوگی اور مجھے اتنا روپیہ پیشگی کرایہ دے دو، درست ہے(۱)۔ پھر جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے، اس کے ختم ہونے پر زمین واپس کردی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم سے گھر کا کام کم قیمت پر کرانا

سوال[۱۰۹۴۶]: غیر مسلم عورت یا مرد سے جب کہ کوئی مسلم عورت یا مرد کم قیمت پر پانی بھرنے اور گھر کے برتن وغیرہ دھونے کے لئے نہیں ملتے تو ان سے کام لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "(والأراضي للزراعة أن يبين مايزرع فيها أو قال: على أن يزرع ماشاء) أي: يجوز استيجار الأرض للزراعة إن بين مايزرع فيها أو قال على أن يزرع فيها ماشاء؛ لأن منفعة الأرض مختلفة باختلاف مايزرع فيها". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۷، رشيديه)

"اعلم أن الأجر لايلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به، بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدرالمختار). "(قوله: أو شرطه) فله المطالبة بها، وحبس المستأجر عليها، وحبس العين المؤجرة عنه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۱۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "(فإن مضت المدة قلعهما وسلمهما فارغة أي: إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تسليمها إلى صاحبها غير مشغولة ببنائه وغرسه". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۶/۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل الثامن: ۹/۱۳۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون فيه خلافاً: ۸/۱۹، ۲۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۷ھ۔

غیر مسلم معالج سے پیٹ کا آپریشن کرانا

سوال[۱۰۹۴۷]: ایک عورت ان کو تقریباً پانچ چھ برس سے پیٹ کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے کمزوری کی شکایت رہتی ہے اور ٹی بی کا اثر وقتاً فوقتاً ہوتا ہے، علاج بھی جاری ہے، اس کے باوجود کوئی فائدہ نہیں ہے، ڈاکٹر کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس عورت کے پیٹ کا آپریشن نہیں کیا جائے گا، تو عورت کا بچنا مشکل ہے۔ ڈاکٹر مسلم تو نہیں ہے، لیکن اخلاق کے اعتبار سے اور ان کے خیالات بھی اچھے ہیں، لہٰذا اس بارے میں آپ خلاصہ لکھئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غیر مسلم سے بھی علاج کے لئے آپریشن کرانا جائز ہے، مسلمان معالج مل جائے، تو وہ مقدم ہے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، ۲/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإسلامه ليس بشرط أصلاً، فتجوز الإجارة والاستئجار من المسلم، والذمي، والحربي، والمستأمن؛ لأن هذا من عقود المعاوضات فيملكه المسلم والكافر جميعاً كالبياعات". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في شرائط الركن: ۶/۵۲۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ۴/۴۱۰، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۸/۱۱۶، حبيبيه كوئٹه)

(۲) "أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ۲/۴۲۳، سعيد)

"فيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة؛ لما أنه علل =

www.besturdubooks.net

سرکاری اسکول میں ملازمت کرنا

سوال[۱۰۹۴۸]: سرکاری اسکولوں میں بحیثیت استاذ کا کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز تنخواہ حلال ہے یا مشتبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں غلط عقائد، غلط اخلاق، غلط اعمال کی تعلیم نہیں دی جاتی (۱)، بلکہ کوئی غلط بات آجاتی ہو، تو اس کی تردید کردی جاتی ہے، تو وہاں ملازمت کرنا، اجرت وتنخواہ لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= قبول قوله باحتمال أن يكون غرضه إفساد العبادة، لا بأن استعماله في الطب لايجوز". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۴۹۳/۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲۸/۲، إمداديه)

(۱) اس لئے کہ غلط عقائد، غلط اخلاق اور غلط اعمال کی تعلیم دینا ناجائز اور معصیت ہے:

"قال رحمه الله تعالىٰ: لايجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق هو على الأجير شيئاً؛ إذ المبادلة لاتكون إلا باستحقاق كل واحد منهما على الآخر، ولو استحق عليه للمعصية لكان ذلك مضافاً إلى الشارع ...... والله تعالىٰ عن ذلك علوا كبيراً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۸/۶، ۱۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"(المعصية لاتستحق بالعقد)؛ لأن عقد الإجارة يستحق به تسليم المعقود عليه شرعاً، ولا يجوز أن يستحق على المرء شيء يكون به عاصيا شرعاً كيلا تصير المعصية مضافة إلى الشرع". (الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۱/۸، رشيديه)

"لاتجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو ...... ولا أجر في ذلك وهذه كله عند أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمه الله تعالىٰ ...... لو استأجر لتعليم الغناء ...... لا يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: مطلب في الاستئجار على المعاصي: ۴۴۷/۴، رشيديه)

(۲) "قيد بأفعال الطاعة؛ لأنه لو استأجره ليعلم ولده الكتابة أو النحو، أو الطب، أو التعبير يجوز =

www.besturdubooks.net

بیوی یا بیٹی کی تنخواہ سے انتفاع کا حکم

سوال[۱۰۹۴۹]: اگر کسی مرد کی بیوی یا بیٹی سرکاری ملازم ہے اور وہ مرد اس کی تنخواہ سے انتفاع کرتا ہے، تو ایسے مرد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بیٹی یا بیوی کی اجازت سے اس رقم سے نفع اٹھانا درست ہے(۱)، ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= بالاتفاق وفي الكبرى: تعليم الفرائض والوصايا والحساب بأجر يجوز، وفي الذخيرة: لو استأجره ليعلم ولده الشعر والأدب إذا بيّن له مدة جاز، ويستحق المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۳/۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارات، جنس آخر في تعليم القرآن: ۱۱۳/۳، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر: ۴۴۲/۴، رشيديه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۶۱/۱، رقم المادة: ۹۶، حنفيه كوئٹه)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "......الصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (مشكاة المصابيح، باب الإمامة، الفصل الثاني: ۱۰۰/۱، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

مشترک مکان کی مرمت کے خرچہ کو کرایہ میں محسوب کرنا

سوال[۱۰۹۵۰]: مشترکہ مکان کا کوئی وارث خطرۂ انہدام سے بچنے کے لئے اگر کسی شخص سے یہ معاملہ کرے کہ مکان کی مرمت کرادو، مکان کرایہ پر رہنے کے لئے دے دیا جاوے گا اور خرچ کردہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے گی، اگر دیگر ورثاء نہ خود مرمت کرائیں نہ اس معاملہ پر راضی ہوں اور خود وہ دوسرے مکان میں مقیم ہوں، کیا اس قسم کا معاملہ کسی ایک وارث کے لئے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان قابل قیمت نہیں تھا، یا بقیہ شرکاء کسی طرح تقسیم کے لئے راضی نہیں تھے اور بذریعہ حکومت جب تک تقسیم کیا جاتا، اس کے منہدم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو چکا تھا، تو یہ معاملہ کر لینا درست ہے(۱) اور معاملہ مذکورہ کر لینے کے بعد بھی بقیہ شرکاء کا حق اسی طرح باقی رہے گا، جس طرح پہلے تھا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان من يصلح للإمامة: ۱/۳۸۶، رشيديه)

(۱) "لو أعطى أحد داره لآخر على أن يرمها ويسكنها بلا أجرة، ثم رمها، وسكنها ذلك الآخر كانت من قبيل العارية، ونفقة الترميم على الذي أنفق، وليس لصاحب الدار أن يأخذ أجرة عن مدة سكناه".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة: ۱/۲۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"انفقت مع زوجها على أن يعمر، ويسكن فعمر، وصار يساوي ألف درهم، وماتت المرأة فطالبته بقية ورثتها بأجرة السكنى، وطالبهم هو بما أنفق، فالجواب: أنه يسقط مما أنفق قدر أجرة السكنى، والباقي يطالب به". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة: ۱/۱۲۲، إمداديه كوئٹه)

"ويحكى عن أبي طاهر الدباس رحمه الله تعالى: أنه يقول إذا أجر أحد الشريكين نصيبه من أجنبي يصح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۸/۱۲۶، حبيبيه)

(۲) "الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوى، مطلب: واقعة الفتوى: ۱/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإقرار: ۲/۵۳، ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

زمین کو اجارہ پر دینا

سوال[۱۰۹۵۱]: ۱......ایک شخص نے اپنی تین بیگھہ خام اراضی اپنی ضرورت کے لئے ایک شخص کو مبلغ ایک ہزار روپے میں رکھی ہے اور اس زمین تین بیگھہ پر پچاس روپے سالانہ کٹتے ہیں جو کہ بیس سال میں ایک ہزار روپے ختم ہو جائے گا، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایک شخص نے ضرورت مند سے آٹھ سو روپے میں چھ بیگھہ خام اراضی گروی رکھی ہے، جس کے سو روپے سالانہ کٹتے ہیں، یہ زمین سو بیگھہ سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے، یہ بھی طریقہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ سود ہے یا نہیں؟ شراب کی کمائی کا پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ، پھر دوبارہ تحریر کیجئے گا؟ ایک مرتبہ آپ نے حرام فرمایا ہے اور وہ پیسہ مسجد میں نہیں لگا سکتے ہیں، وہ تین بیگھہ اراضی ایک سو پچاس روپے میں سالانہ لگان پر اٹھ سکتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تین بیگھہ یا چھ بیگھہ زمین کا جو لگان سالانہ عام طور پر ہوتا ہے، اتنی ہی مقدار سالانہ پیشگی دیئے ہوئے روپے سے کٹے تو یہ اجارہ کا معاملہ ہو کر درست ہوگا، اس کو قرض نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ایک ہزار روپے پیشگی لگان دے دیا گیا ہے جس میں سے سالانہ اتنی مقدار کٹتی رہتی ہے(۱)، اگر اس میں سے سالانہ مقدار روپے دینے، دباؤ کی وجہ سے کم تجویز کی جائے تو یہ ناجائز ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے(۲)۔ شراب کی کمائی کا

(۱) "يجوز للمؤجر أن يأخذ من المستأجر مقدار مقطوعاً من المال يعتبر كأجرة مقدمة لسنين، وهذا بالإضافة إلى الأجرة السنوية أو الشهرية، وتجري على هذا المبلغ المأخوذ أحكام الأجرة بأسرها".

(بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة: ۱/۱۱۳، دار العلوم كراجي)

"الأجرة لاتخلو إما أن تكون معجلة أو مؤجلة أو منجمة أو مسكوتاً عنها، فإن كانت معجلة فإن له أن يتملكها وله أن يطالب بها". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/۹، رشيديه)

"تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً ملكها الأجر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) اگر سالانہ کرایہ میں پیشگی رقم کی وجہ سے کمی کی گئی ہو، تو یہ "كل قرض جر نفعا فهو ربا" کے زمرے میں آئے گا اور سود کے حکم میں ہوگا۔

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (إعلاء =

www.besturdubooks.net

پیسہ، رشوت کا پیسہ، سود کا پیسہ حرام ہے، مسجد میں لگانا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۶ھ۔

اس شرط پر دکان کرایہ پر دینا کہ جب چاہیں خالی کرالیں

سوال[۱۰۹۵۲]: ہماری برادری میں مندرجہ ذیل مقدمہ درپیش ہے، جس میں مدعی مدعاعلیہ کی یہ رائے ہے: شمس الدین نے اپنی دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور شرط کرلی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنا پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کرلیا، اس کے بعد ضرورت ہونے پر محمد یاسین نے انکار کردیا، شمس الدین نے محمد یاسین سے دکان کا مطالبہ کیا، تو یاسین نے انکار کردیا اور ٹلا دیا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کردی کہ از سر نو تعمیر ہونے پر اسی سے ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوادینا، چنانچہ دکان خالی ہوگئی اور تعمیر کے بعد محمد یاسین کو وہ نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دلوادی گئی اور شرط پوری ہوگئی اور ایک دفعہ اس دباؤ کے لئے

= السنن، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۴۹۷/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"كل قرض جر نفعاً فهو رباً". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل في القرض: ۱۶۲/۵، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة: ۵۷۵/۱، دار العلوم كراچی)

(وكذا في فيض القدير: ۴۲۸۷/۹، رقم الحديث: ۶۳۳۶، مصطفىٰ الباز رياض)

(۱) "قال هشام: لما أجمعوا أمرهم في هدمها (الكعبة) وبنائها، قام أبو وهب بن عمر بن عائذ فتناول حجراً من الكعبة، فوثب من يده، حتى رجع إلى موضعه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يا معشر قريش: لا تدخلوا في بنائها من كسبكم إلا طيباً، لا يدخل فيها مهر بغي، ولا بيع ربا، لا مظلمة أحد من الناس". (السيرة النبوية لابن هشام: ۲۰۵/۲، ۲۰۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ طيب لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكام على هامش كتاب الدرر الحكام، كتاب الصلاة، قبيل باب الوتر والنوافل: ۱۱۱/۱، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

لکھوایا گیا ہے کہ دکان مل جاوے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شمس الدین نے دکان محمد یاسین کو کرایہ پر دی اور یہ شرط کرلی کہ جس وقت مجھے خود کی ضرورت ہوگی، دکان خالی کرنی پڑے گی، اس شرط کو محمد یاسین نے منظور کرلی، اس کے بعد شمس الدین نے محمد یاسین سے مطالبہ کیا تو محمد یاسین نے انکار کردیا اور ٹلایا، کچھ دیر بعد اس شرط پر خالی کی کہ از سر نو تعمیر پر ایک دکان مجھے دینا یا اور کوئی دکان دلوا دینا، چنانچہ دکان تعمیر ہوگئی، تعمیر کے بعد محمد یاسین کو دکان نہیں دی گئی، بلکہ دوسری دکان دلوادی گئی اور شرط پوری ہوگئی، رقعہ بھی لکھوالیا گیا کہ دکان مل گئی۔

قانونِ شرع کے مطابق محمد یاسین سے دکان خالی کرنے کا شمس الدین کو حق ہے، اگر چہ کرایہ پر اپنے وقت خالی کرنے کی شرط نہ کی ہو(۱)، از سر نو تعمیر کے لئے جب محمد یاسین نے دکان خالی کردی تو اس کو رقعہ لکھوانے کا کوئی حق نہیں تھا، تو اب محمد یاسین اس دکان میں کام کرے، جو کرایہ پر لی ہے یا اور جگہ کام کرے، شمس الدین کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ یہ تعمیر شدہ دکان کو یاسین کو دے، اس جعلی رقعہ کے ذریعہ روپیہ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "ولو انقضت الإجارة وأراد الأجر قبض ماله لزم المستاجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث: ۱/۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"يلزم المستاجر رفع يده عن الماجور عند انقضاء الإجارة بمضي المدة إذا كان المعقود عليه المدة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۶۹۳، رقم المادة: ۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

حکومت کا کسی شخص کو کرایہ کے مکان کا کرایہ دار بنانا

سوال[۱۰۹۵۳]: ہمارے شہر میں یہ قانون نافذ ہے کہ کسی کرایہ دار نے فلاں سال اور تاریخ سے پہلے کسی کو اپنے کرایہ کی دکان دے کر ماتحت کرایہ دار بنا رکھا ہے اور ماتحت کرایہ دار سے غیر واجب کرایہ وصول کرتا ہے، یہ ماتحت کرایہ دار عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے، تو عدالت ثبوت مہیا کرنے کے بعد مالک مکان کو آرڈر دیتی ہے کہ اس ماتحت کرایہ دار کو اہل کرایہ دار بنالیا جائے، سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان حکومت کے اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کر کے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے، تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

ملازم کی غیر حاضری پر تنخواہ وضع کرنا

سوال[۱۰۹۵۴]: کسی شخص نے ایک نوکر کو ایک سال کے لئے رکھا نوکری پر، پھر دو ماہ یا چار ماہ کے بعد چلا گیا اور پھر آ گیا، مالک نے نوکر کے دو روپیہ یومیہ کاٹ لئے، جب نوکر کو ایک سال کی تنخواہ دی تو ایک یا ڈیڑھ روپے بیٹھتا ہے، تو یہ پیسہ کاٹنا درست ہے یا نہیں؟

= "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(۱) "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۲/۲، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

سال بھر کی تنخواہ کو ایام پر تقسیم کر کے ایام غیر حاضری کی تنخواہ وضع کر لینا درست ہے، جیسے: مکان سال بھر کے لئے کرایہ پر لیا تو اس کرایہ کو ایام پر تقسیم کرنا درست ہے، یا مراحل پر کرایہ کو تقسیم کرنا درست ہے۔

درمختار، کتاب الاجارہ میں ہے:

"وللمؤجر طلب الأجر كل يوم وللدابة كل مرحلة، قال الشامي: ٥/٩(١).

"المراد كل ماتقع الإجارة فيه على المنفعة أو على قطع المسافة أو على العمل إذا اجرها سنة بكذا صح. وإن لم يسم أجر كل شهر وتقسم سوية أي: على الشهور وفائدته تظهر في الفسخ أثناء المدة" شامي: ٥/٣٢، نعمانيه(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

لگان پر زمین دینا

سوال[۱۰۹۵۵]: زید اپنی چار بیگھہ زمین بعوض ایک ہزار روپیہ دو سال کاشت کے لئے دو شرطوں پر دیتا ہے: اول یہ کہ دو سو روپیہ سال لگان دوں گا (کرایہ ہوگا)۔ دوسرے یہ کہ دو سال کے بعد خالی ہونے پر واپس لے لے گا اور باقی رقم یعنی سولہ سو روپے واپس کر دوں گا دو سال کا لگان کاٹ کر، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(١) (الدر المختار، كتاب الإجارة: ٦/١٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ٨/١٠، ١١، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ٦/٨٣، عباس احمد الباز)

(٢) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥١، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٣/٥٣٠، ٥٣١، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٨/٣١، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/١١٣، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین کا لگان دوسوروپے ہی ہے تو پیشگی لگان لے کر زمین کرایہ پر لینا درست ہے(۱)، لیکن معاملہ صرف دوسال کے لئے نہ کیا جائے، بلکہ پانچ سال کے لئے معاملہ کرلیا جاوے، پھر دوسال گزرنے پر فریقین چاہیں تو بقیہ مدت کے اجارہ کو فسخ کردیں اور سولہ سوروپے واپس کردیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱/۱۷ھ۔

کیا فوج کی ملازمت درست ہے؟

سوال[۱۰۹۵۶]: اپنے ملک میں ہندوستان میں فوج میں مسلمانوں کو ملازمت کرنا کیسا ہے؟ نیز جو مسلمان شخص فوج میں بھرتی ہے اور جب کہ اپنے ملک ہندوستان کا کسی بھی مسلم یا غیر مسلم سے مقابلہ ہوجائے اور جنگ شروع ہوجائے اور یہ مسلم فوجی شخص اپنے ملک ہندوستان کی طرف سے جنگ میں ختم ہوجائے، تو اس

---

(۱) "يجوز للمؤجر أن يأخذ من المستاجر مقدار مقطوعاً من المال يعتبر كأجرة مقدمة لسنين، وهذا بالإضافة إلى الأجرة السنوية أو الشهرية، وتجري على هذا المبلغ الماخوذ أحكام الأجرة بأسرها".

(بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة: ۱۱۴/۱، دار العلوم كراچی)

"تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستاجر الأجرة نقداً ملكها الأجر". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۱/۱، رقم المادة: ۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"اعلم أن الأجرة لايلزم بالعقد ...... بل بتعجيله أو شرطه في الإجارة المنجزة". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۱۰/۶، سعيد)

(۲) "فلو انفسخت الإجارة قبل أمدها المتفق عليه بسبب من الأسباب وجب على المالک أن يرد على المستأجر مبلغاً يقع مقابل المدة الباقية من الإجارة". (بحوث في قضايا فقهيه معاصرة: ۱۱۴/۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

"أجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۴۵/۶، سعيد)

"وإن كان استاجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر". (المبسوط للسرخسي، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۳۶/۱۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

مسلم مرحوم فوجی کو درجۂ شہادت کا مستحق سمجھا جائے گا یا نہیں؟ نیز اس کو شہید کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظالموں سے ملک کی حفاظت کے لئے فوج میں ملازمت کرنا درست ہے، اگر کسی ظالم نے چڑھائی کی اور یہ دفاع کرتا ہوا قتل ہوگیا، تو انشاء اللہ قتیل شہید ہوگا۔

"من قتل دون ماله، من قتل دون دمه، من قتل دون عرضه"(۱)۔

ان سب کو شہید فرمایا گیا ہے، غلط کام کے لئے ملازمت کرنا اور لڑنا جائز نہیں، اس پر شہادت کی امید رکھنا بھی غلط ہے، شہادت تو کیا ملتی، بعض صورتوں میں ایمان کا سلامت رہنا بھی دشوار ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مختار عام کا معاوضہ اگر طے نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۹۵۷]: ایک خاتون مسماۃ عامرہ نے ایک شخص زید کو اپنی جائیداد کے حصول تحفظ مقدمات اور معاملات کو طے کرانے کے لئے بغیر کسی معاوضہ خدمت طے کئے ہوئے اپنا مختار عام بنایا اور زید نے اس امید پر کہ موصوفہ معاوضہ تو ضرور دے گی، حالانکہ موصوفہ مسماۃ عامرہ مجھ زید کو ادا کریں گی ہی، مختار عام بننا منظور کرلیا۔ جب کہ زید دوسری جگہوں پر پانچ سو روپیہ ماہوار پر اسی قسم کی خدمت انجام دے رہا تھا، زید نے

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد". (مشكاة المصابيح، كتاب الديات، باب مالايضمن من الجنايات: ۳۰۶/۲، قديمي)

(وسنن الترمذي، كتاب الديات، باب ماجاء من قتل دون ماله ...... الخ: ۲۶۱/۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الحدود، باب من قتل دون ماله: ۱۸۵/۲، قديمي)

(۲) "عن جبير بن مطعم، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل على عصبية، وليس منا من مات على عصبية". (سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في العصبية: ۳۵۱/۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في فيض القدير: ۵۲۳/۱، رقم الحديث: ۷۶۸۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المفاخرة والعصبة: ۴۱۸/۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

موصوفہ عامرہ کی جائیداد کو لوگوں کے غاصبانہ قبضہ سے واگذار کرایا، ثالثی اور مقدمات میں پیروی کی اور واگذاری جائیداد کے بعد موصوفہ عامرہ کی مرضی سے اس واگذار شدہ جائیداد کو چالیس ہزار روپے میں فروخت کرا کر موصوفہ کو قیمت دلوادی اور موصوفہ سے اپنا معاوضہ خدمت وفروختگی جائیداد وغیرہ کا مطالبہ کیا، تو موصوفہ کہتی ہے کہ آپ سے کوئی معاوضہ طے نہیں ہوا ہے، اس لئے آپ کسی معاوضہ کے حق دار نہیں ہیں، کیا زید معاوضہ معروف پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید یہ کام معاوضہ پر کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے یہ کام معاوضہ پر لیتے ہیں، تو خاتون مذکورہ کے ذمہ بھی اس کا معاوضہ (اجر مثل) لازم ہوگا (۱)، جیسے: کوئی وکیل پیشۂ وکالت کرتا ہے اور محنتانہ لیتا ہے، اگر اس کے پاس کوئی شخص پیروی کے لئے مقدمہ لے جائے اور معاوضہ طے نہ کرے، تب بھی وکیل معاوضہ کا مستحق ہے۔ جیسے: ایک شخص درزی کے پاس جا کر کپڑا سلوائے اور درزی معاوضہ پر ہی کپڑا لیتا ہے تو وہ معاوضہ کا مستحق ہوگا، اگر زید یہ کام معاوضہ پر نہیں کرتا اور تعلق رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر اس سے مسماۃ نے یہ کام لیا ہے، تو وہ مستحق معاوضہ نہیں (۲)۔ جیسے: کسی شخص کے پاس کپڑا سینے کی مشین ہو اور وہ اپنے کپڑے اس سے سیتا ہو، اجرت پر لوگوں کے کپڑے نہ سیتا ہو، کسی رشتہ دار نے اس کے پاس کپڑا بھیج کر سلوالیا تو وہ مستحق معاوضہ نہیں، تاہم جب زید کی نیت

---

(۱) "وتفسد بعدم التسمية أصلاً أو بتسمية خمر أو خنزير فإن فسدت بالأخيرين وجب أجر المثل".

(الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۸/۶، سعيد)

"الفساد قد يكون لجهالة قدر العمل ..... قد يكون لجهالة البدل أو المبدل فالفاسد يجب فيه أجر المثل لايزاد على المسمى". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۰/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "سئلت عن أحد الشريكين في دار إذا أعمر الدار المشتركة بماله من غير إذن شريكه ولا إذن القاضي فهل يكون متطوعاً فلا رجوع له على الشريک؟ فالجواب: نعم! يكون متطوعاً فلا رجوع له".

(الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۳، حقانيه)

"لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، قاعده: ۲۵۱، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الشركة: ۱۰۰/۲، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

پہلے سے معاوضہ لینے کی تھی تو اس کو معاملہ صاف کرکے کہہ دینا چاہئے تھا، اب اگر مسماۃ اس کے احسان کے عوض خود بھی اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، تو یہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۹۹ھ۔

ملازم کے لئے پنشن کا حکم

سوال[۱۰۹۵۸]: ۱..... پنشن ریٹائر ہونے کے بعد گورنمنٹ سے ملتی ہے، وہ ملازم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس کا کھانا کیسا ہے؟

۲..... جو پنشن دینی اداروں میں ملازموں کو دی جاتی ہے، تو کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ پنشن درست ہے، اس کا کھانا بھی درست ہے(۲)۔

۲..... یہ پنشن بھی درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ الرحمن: ۶۰)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿إن اللہ یأمر بالعدل والإحسان﴾ (النحل: ۹۰)

"عن قتادۃ رضي اللہ تعالیٰ عنہ: "﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ قال: عملوا خیراً مجوزوا خیراً". (تفسیر الطبري، الرحمن: ۶۰: ۲۷/۹۰، ۷، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) پنشن حکومت کی طرف سے ہدیہ اور انعام ہے اس کا لینا اور کھانا درست ہے۔

"هي لغۃ: التفضل علی الغیر ولو غیر مال، وشرعاً: تملیک العین مجانا أي: بلاعوض ...... وسببها: إرادۃ الخیر للواهب ...... وهي مندوبۃ وقبولها سنۃ، قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: تهادوا تحابوا". (الدر المختار، کتاب الهبۃ: ۵/۶۸۷، سعید)

"الهبۃ عقد مشروع لقولہ علیہ السلام تهادوا تحابوا، وعلی ذلک انعقد الإجماع". (الهدایۃ، کتاب الهبۃ: ۳/۲۸۳، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الهبۃ: ۷/۴۸۳، رشیدیہ)

(۳) راجع رقم الحاشیۃ: ۱

www.besturdubooks.net

کرایہ داری کو منتقل کرنا

سوال[۱۰۹۵۹]: جامع مسجد کھتولی کی ایک دوکان کا کرایہ دار عرصہ دراز سے چلا آتا تھا، آٹھ سال قبل اپنے بھائی محمد اسلم اور ایک دیگر شخص محمد الیاس کو کاروبار مشترکہ کرنے کی غرض سے مکان مذکور دے دیا تھا اور کرایہ دار نے بعد تک جاری رکھا، لیکن کرایہ محمد اسلم، محمد الیاس کی کاروباری مشترکہ ہونے کی وجہ سے مشترکہ کاروبار سے ادا کیا جاتا رہا، اب سے تقریباً ایک سال قبل زید نے اس مسجد کی دکان جس کا وہ کرایہ لیتا تھا، مجلس منتظمہ کا ممبر بننے کے لئے بمقتضائے قانون دکان مذکورہ کی کرایہ داری سے استعفاء دے کر دکان مذکور کی کرایہ داری مجلس منتظمہ کے علم میں لائے بغیر اپنے بھائی محمد اسلم کے نام کردی اور کرایہ کی رسید اپنے بھائی کے نام کرادی۔

جس وقت یہ رسید محمد اسلم کے نام کی گئی، اس وقت دونوں فریق کی طرف سے دکان مذکور میں مشترکہ کاروبار تھا، محمد الیاس کے علم میں جب یہ واقعہ آیا تو اس نے اعتراض کیا اور کرایہ داری میں شرکت کا مطالبہ کیا اور دکان مذکور کی کرایہ داری کی رسید میں اپنا نام شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس دکان مذکور میں محمد الیاس ومحمد اسلم کا گزشتہ چند ماہ نقصان ہوگیا، جس کی بناء پر محمد اسلم اپنے شریک محمد الیاس کو کاروبار سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، محمد اسلم کا کہنا ہے کہ میں دکان کا کرایہ دار جائز طور پر ہوں اور کاروبار محمد اسلم ومحمد الیاس کے مشترکہ سرمایہ سے جاری تھا اور طے پایا تھا کہ دونوں فریق دکان کاروبار میں نفع ونقصان کا برابری کا ذمہ دار ہوں گے۔

لہٰذا دریافت طلب یہ ہے:

۱...... کہ زید کا کرایہ داری دکان مذکور سے بالا طور پر مستعفی ہونے کے بعد کرایہ داری لے کر فریق محمد اسلم کا نام کرانا درست ہے کہ نہیں؟

۲...... یہ کہ محمد الیاس کا یہ مطالبہ کہ محمد زید کے مستعفی ہونے پر محمد اسلم کے ہمراہ دکان کا کرایہ داری میں شرکت کا مستحق ہوں، جب کہ برابر گزشتہ آٹھ برس سے کاروبار میں بھی برابر کا ذمہ دار رہا ہوں، درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ محمد زید نے وہ دکان محمد اسلم ومحمد الیاس دونوں کو مشترکہ کاروبار کے لئے کرایہ پر دی اور

www.besturdubooks.net

دونوں سے معاملہ کیا، تو دونوں ہی کرایہ دار ہوں گے(۱)، اگرچہ ضابطہ اور تحریر میں اولاً صرف زید کرایہ دار تھا اور پھر کرایہ داری سے دست بردار ہوگیا، ایسی حالت میں اس کے ذمہ لازم تھا کہ مجلس منتظمہ کو مطلع کردیتا کہ اب میں کرایہ دار نہیں، میں نے کرایہ دار اب اِن دونوں کو تجویز کردیا ہے، مجلس اِن دونوں سے کرایہ وصول کرے اور دونوں مجلس کو کرایہ ادا کریں، مگر معاملہ صاف صاف طے کرنے کے باوجود اس نے کرایہ داری میں صرف محمد اسلم کا نام لکھوایا، حالانکہ دکان اور کاروبار میں محمد اسلم ومحمد الیاس دونوں شریک ہیں، یہ طریقہ نادرست ہوا(۲)۔

۲.....معاملہ کی رو سے اس کا یہ مطالبہ درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۷ھ۔

کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کو توسیع وتعمیر کا حق نہیں

سوال[۱۰۹۶۰]: ایک شخص غلام محمد کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، انہوں نے اس میں دو گیرج بنوا کر ۹۰۰۰/ روپیہ ایڈوانس لے کر ہدایت کو ۱۱۰-۱ ماہوار دیا، اس طرح کرنے پر میونسپل بورڈ کا ٹیکس بڑھ گیا اور مالک مکان نے مکان خالی کرانے کے لئے عدالت کا سہارا لیا اور جھگڑا بڑھ گیا، غلام محمد کے بہنوئی نے مالک

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وللمستاجر أن يؤاجر البيت المستاجر من غيره". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستاجر: ۱۲۵/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۲۹/۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۳۸۳/۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۷۰/۱، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش: ۳۵۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۲۴۵/۱، قديمي)

(۳) راجع رقم الحاشيه: ۱

www.besturdubooks.net

مکان سے ۱۲۰۰/ روپیہ دے کر فیصلہ کرلیا اور رسید اپنے نام لکھالی اور خود بھی اپنی بیوی بچوں کو لے کر اس مکان میں آکر رہنے لگا۔ اب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے:

۱...... چونکہ مکان میں غلام محمد اور اس کی بہن دونوں حصہ دار ہوگئے، اس لئے کرائے کی آمدنی کس طرح تقسیم کی جائے؟

۲...... کرایہ گیراج جو ۲۰۰/ روپیہ ماہوار ملتا ہے، وہ صرف بہنوئی کا ہے یا غلام محمد بھی اس میں شریک ہوسکتا ہے۔

۳...... بہنوئی نے جو رقم ۱۲۰۰/ روپیہ دی، اس کا فی الحال کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حکم شرعی یہ ہے کہ جتنی مدت کے لئے مکان کرایہ پر لیا گیا ہے، مدت پوری ہونے پر مالک مکان خالی کرانا چاہے تو خالی کردیا جائے، مالک کی اجازت ورضامندی کے بغیر کرایہ دار کا اس پر قبضہ رکھنا اور خالی نہ کرنا جائز نہیں، نیز اس کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنانا اور دوسروں کو کرایہ پر دینے کا حق نہیں (۱)، غلام محمد نے اگر مالک کی اجازت کے بغیر دو گیرج بنواکر ڈسپوزٹ لے کر ان کو کرایہ پر دے دیا، تو اس نے یہ غلط طریقہ اختیار کیا، اس کے بعد بھی اگر مالک خالی کرانا چاہے تو اس کو حق ہے، خالی کرالے (۲)۔

---

(۱) "يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة، ليس للمستاجر استعمال المأجور بعد انقضاء مدة الإجارة إلا بإذن صاحبه فلو استعمله بدون إذنه كان متعديا". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الثالث: ۳۱۶/۱، رقم المادة: ۵۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء: والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۱۹/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۹۲/۶، دار الكتب العملية بيروت)

(۲) "أجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۴۵/۶، سعيد)

"وإذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه =

www.besturdubooks.net

اور دو گیرجوں کا جو کچھ سامان اینٹ وغیرہ خواہ اس کی قیمت غلام محمد کو دے دے (تعمیر شدہ کی نہیں صرف ملبہ کی)، خواہ غلام محمد اس تعمیر کا اپنا ملبہ خود لے لے(۱)۔ جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا خود بھی کرایہ دار ہے، دوسرے کو اس سے انتفاع کا حق نہیں، اگر غلام محمد نے بہنوں یا بہنوئی کو اس مکان میں رہنے کے لئے جگہ دے دی تو وہ رہ سکتے ہیں، دو گیرج جو کرایہ پر دیئے ہیں، ان کا دینا اور ان کا بنانا مالک مکان کے اجازت کے بغیر درست نہیں، پھر مالک جو معاملہ ان کے متعلق غلام محمد سے یا اس کے بہنوں یا بہنوئی سے کرلے، تو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ۔

بس میں سامان کا کرایہ

سوال[۱۰۹۶۱]: ایک سفر میں پنچایت والے ڈرائیور صاحب اپنی بس میں بٹھا کرلائے، مگر وہ سامان وغیرہ کو بغیر ٹکٹ مفت لانا چاہتے تھے تو احقر نے درمیان میں اس مسئلہ کی طرف توجہ دلایا تو مان لئے اور ٹکٹ کاٹا گیا، مگر اس میں چار صندوق اور پلنگ کا ٹکٹ بھول سے رہ گیا، تو اب ان چار صندوق اور پلنگ کا کرایہ جو

= تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۱۹/۸، رشيديه)

"يلزم المستأجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ...... لو انقضت الإجارة، وأراد الأجر قبض ماله لزم المستأجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۱۶/۱-۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۱، ۵۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "لو أحدث المستأجر بناء في العقار المأجور أو غرس شجرة فالأجر مخير عند انقضاء مدة الإجارة، إن شاء قلع البناء والشجرة، وإن شاء أبقي ذلك، وأعطى قيمته كثيرة كانت أو قليلة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۹۰/۱، رقم المادة: ۵۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن مضت المدة قلعهما وسلمهما فارغة أي: إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس ...... إلا ان يغرم له المؤجر قيمة البناء والغرس مقلوعاً". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۹۷/۶، ۹۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۲۲/۳، ۵۲۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

بھی ہورہ گیا ہے، اب اس کو مجھے ڈرائیور صاحب جو مجھے لارہے تھے، دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا دینا بھی ضروری ہے، جس کا سامان ہے، اس کے ذمہ ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکان کو جزء تنخواہ تجویز کرنا

سوال [۱۰۹۶۲]: رہنے کے مکان کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اگر کسی شخص سے یہ طے ہو کہ تم کو ہم تنخواہ کے ساتھ مکان دیں گے، تو اس مکان میں ضروری چیزیں مثلاً: پاخانہ، حمام یا کنواں ہونا چاہیے یا نہیں؟ نیز بلانے والے مکان تو جس میں کنواں ہودے رہے ہیں، لیکن اس میں پردہ کی دیواریں ٹھیک نہیں، تو کیا جس میں موٹی موٹی ضروریات کے سلسلے میں تکلیف ہو، تو کیا ذمہ داروں کا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مدار بلانے کی اور جس کو بلایا گیا ہے، اس کی ہر دو حیثیت پر ہے، سب کے لئے یکساں حکم نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) "قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أنزلوا الناس منازلهم".

(أنزلوا الناس منازلهم) أي: احفظوا حرمة كل أحد على قدره وعاملوه بمايلائم حاله في دين =

www.besturdubooks.net

کرایہ کے مکان کا ایندھن کس کا ہے؟

سوال[۱۰۹۶۳]: بموجب حکم سرکاری کرایہ داران دکانات کو دکانوں کے تختے جو کٹوانا پڑے، ایندھن ان کا مالکان کی ملک ہے، احقر کی دکان کے مالک لکھنؤ میں رہتے ہیں، کارندہ یہاں رہتا ہے، جو کرایہ وغیرہ وصول کرتا ہے، ایندھن کا مطالبہ مالک کی طرف سے تو ہے نہیں، اگر کارندہ کو دیا جائے تو غالباً اس کے کارآمد ہوگا، تاہم اپنی برأت کے لئے کارندہ ہی سے معاملہ کیا جائے، تو تین صورتیں ہیں:

۱-ایندھن کارندہ کو دے دیا جائے۔

۲-کارندہ سے اس کو خرید لیا جائے، بازاری نرخ سے۔

۳-کارندہ ویسے ہی ہمیں کارآمد کرنے کی اجازت دے دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کارندہ کو اگر اصل مالک کی طرف سے تینوں باتوں کا اختیار ہے، تو تینوں درست ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وعلم وشرف، فلا تسووا بين الخادم والمخدوم والرئيس والمرؤوس، فإنه يورث عداوة وحقداً في النفوس ...... وقد عد العسكري هذا الحديث من الأمثال والحكم. وقال: هذا مما أدب به المصطفىٰ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمته من إيفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء، والأولياء، وإكرام ذي الشيبة، وإجلال الكبير وما أشبه". (فيض القدير: ۵/۲۳۲۲، رقم الحديث: ۲۷۳۵، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

"وقد ذكر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تنزل الناس منازلهم". (مقدمة صحيح مسلم: ۱/۴، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۴/۳۴۳، رقم الحديث: ۴۸۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "الوكيل يتصرف بتفويض الموكل، فيملك قدر ما فوض إليه". (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة: ۵/۲۴، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

قصاب کا پیشہ

سوال[۱۰۹۶۴] : ۱…… ایک مسلمان قصاب کا پیشہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی جس جگہ گائے کی اجازت ہے، وہاں گائے کا گوشت بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

۲…… شرعی اعتبار سے اگر کوئی مسلمان متواتر چالیس دن گائے کا گوشت کھائے، تو کیا دل سیاہ ہو جاتا ہے؟

۳…… حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱…… اپنی عزت کی محافظت بھی لازم ہے، اگرچہ قصاب کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے، مگر قانون کی خلاف ورزی کرنا خطرہ مول لینا ہے(۱)۔

۲…… یہ بے اصل اور غلط ہے(۲)۔

۳…… حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند۔

= "الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۴/۲۹۷، رشيديه)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ جواب ہندوستان سے متعلق ہے، جہاں پر قانوناً اس کی اجازت نہیں، البتہ جن جگہوں پر قانوناً اس کی ممانعت نہیں اور نہ ہی اپنی عزت کی محافظت کا کوئی مسئلہ ہو، ایسی جگہوں پر یہ پیشہ اختیار کرنا بالکل جائز ہے۔

(۲) "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۴۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بلحم فرفع إليه الذراع، وكانت تعجبه، فنهس منها". رواه الترمذي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب الأطعمة، الفصل الثاني: ۲/۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"حدثنا محمد بن بشار قال نا أبوداود بهذا الإسناد قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعجبه الذراع". (سنن أبي داود، كتاب الأطعمة، باب في أكل اللحم: ۲/۱۷۴، رحمانيه)

www.besturdubooks.net

انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس لکھنے کی ملازمت

سوال[۱۰۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں؟

کھاتے کا کام جس میں سیل ٹیکس انکم ٹیکس لکھا جاتا ہے اور گورنمنٹ کو دکھانے کے لئے الٹا سیدھا، بلکہ برائے نام انکم اور سیل دکھا کر خانہ پری کی جاتی ہے۔

۱......سوال یہ ہے کہ یہ کام کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

۲......یہ کھاتے کا کام کر کے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳......گورنمنٹ کو دھوکہ دے کر انکم ٹیکس بچانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳......کھاتے میں کچھ کام صحیح ہو، کچھ کام غلط ہو، اس وجہ سے پورے کام کو اور اس کی اجرت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ جائز کام کی اجرت جائز اور ناجائز کام کی اجرت ناجائز، گورنمنٹ کو دھوکہ دینے کے لئے غلط اندارج کر لینا تو آسان، لیکن یہ درحقیقت قانونی چوری ہے، پکڑی بھی جاسکتی ہے اور پکڑی جانے پر بطور جرمانہ مالی سزا بھی ہوسکتی ہے، مالک کا اعتماد بھی ختم ہوسکتا ہے، مال اور عزت کو خطرے میں ڈالنا کوئی دانش مندی نہیں، عزت کا تحفظ لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لايطيق". (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، باب ماجاء في النهي عن سب الرياح: ۵۱/۲، سعيد)

"الواجب على كل من رأى منكراً أن ينكره إذا لم يخف على نفسه عقوبة ...... لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض منَ البلاء مالا يطيق". (شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۵۱/۱۰، مكتبة الرشد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم﴾، ص: ۵۷۹، دار السلام)

www.besturdubooks.net

ڈاکٹری اور مدرسی کی کمائی کا حکم

سوال[۱۰۹۶۶]: زید اور عمر دونوں ایک ایسی بستی میں رہتے ہیں، جہاں کہ کچھ دن قبل سود کا نام نہیں تھا، لیکن اب سود کا لین دین عام ہوگیا ہے، زید مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں کہ جس مدرسہ کی آمدنی ان ہی لوگوں سے اور ان کے سودی کاروبار سے ہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور ذریعہ آمدنی مدرسہ کی نہیں ہے اور عمر پوسٹ آفس میں نوکری کے ساتھ حکمت وڈاکٹری بھی کرتا ہے، مگر دونوں دوسرے گاؤں کے رہنے والے ہیں، اب ان دونوں میں سے کس کی آمدنی حلال ہے اور کس کی حرام؟ کس کو اس گاؤں میں رہنا جائز ہے اور کس کو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص حکیم یا ڈاکٹر ہے اور وہ اپنی دوا کی قیمت سے اپنا گزارہ کرتا ہے، اس کے متعلق کھوج کرید کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی آمدنی کو بلا وجہ شرعی حرام کہنے کا حق نہیں۔ جو شخص مدرسہ سے تنخواہ لیتا ہے اور مدرسہ میں ہر قسم کا چندہ آتا ہے، کچھ جائز ہوتا ہے اور کچھ ناجائز تو اس کی پوری تنخواہ کو بھی ناجائز کہنے کا حق نہیں، البتہ معین طور پر جس کے پاس بھی ناجائز آمدنی آئے، خواہ سودی ہو، کسی اور طرح کی ہو، اس کو ناجائز ہی کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۹ھ۔

ملازمت سے الگ ہونے کے بعد استحقاقِ تنخواہ نہیں

سوال[۱۰۹۶۷]: مسجد میں ۱۹۶۹ء جنوری میں ایک امام مقرر ہوئے، ان کی تنخواہ ماہواری مبلغ آٹھ سو روپے ہے۔ ایک ماہ اس انجمن سے تنخواہ لی، دوسرے مہینہ میں امام صاحب نے ایک پارٹی تیار کی اور انجمن اسلامیہ کے خلاف سازش کرنا شروع کیا کہ کل جائیداد وقف بورڈ کے ہاتھ دے دیا جائے، پارٹی زور پکڑنے لگی،

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام":

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة: ۳/۴۰۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

پھر بھی صدر صاحب نے بلا کر دریافت کیا کہ آپ تنخواہ کیوں نہیں لیتے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تنخواہ مل جاتی ہے اور ہمیں ضرورت نہیں بعد میں انجمن اسلامیہ کو قبل ایک ماہ درخواست دیا کہ ہماری تنخواہ دو۔ بعد میں صدر صاحب سے ایک ماہ کے بعد تنخواہ نہیں لی اور کہا نہیں۔

دریافت کرنے پر پتہ لگا کہ لوگوں سے پاتے ہیں، انجمن اسلامیہ کی جانب سے ایک اطلاع دی گئی کہ آج سے تم کو امامت سے ہٹا دیا گیا، پھر بھی امام صاحب اپنی پارٹی کے لوگوں کے سہارے اب تک ہیں۔ اور ایک ماہ قبل انجمن اسلامیہ کو درخواست دی ہے کہ ہماری تنخواہ دو، اس حالت میں کیا انجمن اسلامیہ ان کو دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب سے انجمن اسلامیہ نے ان کو ملازمت امامت سے الگ کر دیا اور اطلاع دے دی، وہ تنخواہ پانے کے حق دار نہیں رہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۱/۱۱/۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والثاني وهو الأجير الخاص، وهو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/۵۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون ...... الخ: ۴/۵۰۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

پگڑی

سوال[۱۰۹۶۸]: ۱...... بمبئی میں عام طور سے لوگ دوسروں کی بلڈنگوں میں کرایہ پر رہتے ہیں، جن کو مالک مکان بھی قانوناً نکال نہیں سکتا ہے، اسے صرف کرایہ وصول کرنے کا حق ہے اور بوقت ضرورت کرایہ دار اپنے ان مکانوں کو جو اُن کی ملکیت نہیں، آپس میں بڑی بڑی رقم پر خرید وفروخت کرتے ہیں، یہاں اس رقم کو "پگڑی" کہتے ہیں، اس معاملہ میں اصل مالک کو دخل نہیں ہوتا، حالانکہ اس طرح کا معاملہ قانوناً بھی جرم ہے، مگر اس کے باوجود اس کا عام رواج ہے اور سب جانتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے لئے مستقل دلال ہوتے ہیں، جو درمیان میں پڑ کر معاملہ طے کراتے ہیں، چونکہ بمبئی میں مکانات کی سخت قلت ہے، اگر ایسا نہ ہو، تو یہاں کسی کو مکان نہیں مل سکتا۔

موجودہ حالات میں پگڑی کی رقم بھاری مقدار میں پہونچ گئی ہے، اگر کسی وجہ سے کسی کو مکان تبدیل کرنا ہے تو اس صورت حال کے بغیر چارہ نہیں ہے، اب اسے عموم بلویٰ کہا جائے یا عرف عام؟ بہر حال یہاں اس کے بغیر مفر نہیں ہے، شرعاً کرایہ داروں کا یہ صفقہ بیع وشراء صحیح ہے یا نہیں؟

پگڑی میں مالک کا حصہ

سوال[۱۰۹۶۹]: ۲...... اس طرح معاملہ ہو جانے کے بعد بائع ومشتری دونوں مالک مکان کے پاس جاتے ہیں اور طے شدہ رقم کا ایک حصہ مثلاً: چوتھائی اسے دیتے ہیں، اس کے بعد وہ مکان کے کرایہ کا بل (رسید) نئے کرایہ دار کے نام کر دیتا ہے، تا کہ اس کی طرف سے اور قانون کی طرف سے نئے کرایہ دار کو حق رہائش حاصل ہو جائے، مالک مکان کرایہ تو وصول کرتا ہی ہے، اس کے علاوہ اس صورت میں مزید رقم وصول کرتا

www.besturdubooks.net

ہے، عام طور سے یہ رقم پرانے کرایہ دار نئے کرایہ دار یا مشتری سے یوں وصول کرتا ہے کہ اگر پندرہ ہزار میں معاملہ طے ہوا ہے، تو اس سے مالک مکان کے حصہ کا مزید پانچ ہزار روپے وصول کر کے اسے دیتا ہے، مالک مکان کو یہ رقم لینی جائز ہے یا نہیں؟

اگر مالک مکان نہ لینا چاہے تو کس کو یہ رقم لوٹائے

سوال [۱۰۹۷۰]: ۳...... بسا اوقات ایک بلڈنگ کے کئی مشترک مالک ہوتے ہیں، جن میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی ہوسکتے ہیں، اگر ایک مالک یہ رقم نہ لینا چاہے اور دوسرے مالک لینا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں اختلاف ہوتا ہے اور معاملہ خراب ہوتا ہے، ایسی صورت میں نہ لینے والا مالک اگر یہ رقم لے تو اسے خود استعمال کرسکتا ہے یا مکان کی مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہونے کی صورت میں اسے اپنے طور سے واپس کرنا چاہے تو کس کو دے؟ پرانے کرایہ دار کو یا نئے کرایہ دار کو یا پھر غربا و مساکین میں تقسیم کردے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... کرایہ دار کو اس کا تو حق ہے کہ جس کرایہ پر اس نے مکان لیا ہے، اسی کرایہ پر دوسرے کو وہ مکان دے دے، لیکن جتنا کرایہ اس نے مالک مکان کو دیا ہے، اس سے زیادہ کرایہ کسی سے وصول کرنے کا حق نہیں، البتہ اگر مکان میں الماری وغیرہ لگا کر اس کو شاندار بنادے، تو جس قدر اس نے خرچ کیا ہے، اس کو وصول کرنے کا حق ہے(۱)۔

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها ..... ولو اجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا اجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۲۹/۲، سعيد)

"وإذا استاجر داراً وقبضها، ثم اجرها فإنه يجوز إن اجرها بمثل ما استاجرها أو أقل، وإن اجرها بأكثر مما استاجرها فهي جائزة أيضاً..... لو زاد في الدار زيادة كما لو وتدفيها وتداً أو حفر فيها بئراً أو طينا أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائطها طابت له الزيادة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

www.besturdubooks.net

۲......اصل مالک مکان کو حق ہے کہ جس کرایہ پر چاہے، مکان دے اور دوسرے کرایہ دار کو دینا چاہے تو اس سے بھی جو معاملہ چاہے، طے کرلے(۱)، نیز اس کو حق ہے کہ جس قدر چاہے، پیشگی طے کرلے(۲)، لیکن ایک کرایہ دار کو حق نہیں کہ وہ اس کرایہ سے زیادہ کسی کرایہ دار سے وصول کرے، جو خود ادا کرتا ہے(۳)۔

۳......یہ رقم لے کر اس کو واپس کردے، جس سے لی ہے(۱)۔

= الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستاجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۸/۱۳۱، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول في بيان بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۴/۱۳۲، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

"لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۵، رقم المادة: ۴۷۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط تعجيل يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستاجر تسليمها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۲۱، حنفيه كوئٹه)

"اعلم أن الأجرة لا يلزم بالعقد ...... بل بتعجيله او شرطه في الإجارة المنجزة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۱۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الإجارة: ۸/۹، رشيديه)

(۳) "لو اجر باكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين إذا اجرها بخلاف الجنس أو اصلح فيها شيئاً". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/۲۹، سعيد)

"فإن اجره باكثر مما استأجره به من جنس ذلك ولم يزد في الدار شيء ...... لا تطيب له الزيادة عند علمائنا رحمه الله تعالىٰ". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستاجر: ۹/۱۲۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۸/۱۳۱، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

کرایہ دار کا پگڑی دے کر شرائط طے کرنا

سوال[۱۰۹۷۱]: دکان کرایہ پر دینے سے پہلے مالک دکان کو کچھ الگ اس وجہ سے دیئے جائیں کہ اس دوکان کا محل وقوع اچھا ہے، جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، اس کے بعد صاحب دکان کو یہ اختیار نہیں رہے گا کہ جب چاہے وہ اپنی دکان واپس لے لے، بلکہ کرایہ لینے کا اختیار ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ پھر دوسرے کو بھی اس طریقہ سے الگ رقم لے کر کرایہ پر دے دے۔ اور اگر کرایہ پر لینے والے کا جی چاہے، تو صاحب دکان کو اس کی دکان واپس کردے، واپس کرنے سے پہلے تک صاحب دکان کو کرایہ ملتا رہے گا، چاہے وہ دکان دوسرے یا تیسرے کے پاس اسلوب مذکورہ سے منتقل ہو جائے، تفصیلی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً غلط ہے کہ مالک بے اختیار ہو جائے اور کرایہ دار کے تصرفات ہی ہمیشہ نافذ ہوتے رہیں، پگڑی دینا اور یہ شرط کرلینا کہ کرایہ دار خالی نہیں کرائے گا، بلکہ جس کو دل چاہے گا، اس کو کرایہ پر دے دے گا اور جو کرایہ چاہے گا وہ اس سے وصول کرے گا، مقتضائے عقد کے خلاف ہے، جو کہ مفسد ملک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

"الا لا تظلموا، الا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين اخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۱) "تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما افسد البيع يفسدها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۶/۶، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بشرط) ...... قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: كل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹۲/۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

زمین کرایہ پر لے کر دوسرے کو اس سے زائد کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۷۲]: درگاہ مسجد کمپاؤنڈ میں سے کچھ مکانات ہیں، جو وقف ہیں، مکانات معمولی قسم کے ہیں، ان مکانات میں سے ایک مکان کرایہ دار نے اپنے مکان کی مرمت و درستگی پر کچھ صرفہ کیا، مثلاً: چار سو یا پانچ سو روپیہ حال ہی میں اس نے اپنا یہ مکان دوسرے آدمی کو جو اس مکان کو لینے کے لئے مجبور تھا، تین ہزار پانچ سو کی رقم لے کر دے دیا، اس کو پگڑی کا معاملہ سمجھئے، یہ وقف کے کارکن کی مرضی کے خلاف ہوا، اب سوال یہ ہے کہ یہ مکان جماعت اور کارکنوں کو واپس کرنا چاہیے تھا اور جو رقم مرمت وغیرہ پر صَرف ہوئی، وہ ذمہ داران سے لینا چاہیے تھا۔

پانچ سو یا چھ سو روپیہ کی رقم کرایہ دار کو ملتی ہے، اب جو معاملہ کیا گیا، اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کی رقم طے ہوئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو صرفہ سے زائد ملی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟

۱- مکان وقف کی ملکیت ہے۔

۲- معاملہ کرنے والا کرایہ دار ہے۔

۳- جو جماعت وقف کا انتظام کرتی ہے، اس کی اجازت کے بغیر معاملہ ہوا ہے۔

۴- جو معاملہ کیا گیا ہے، اس میں جبر کا بھی ایک پہلو ہے، وہ یہ کہ جس شخص نے یہ مکان لیا ہے، وہ اپنے ہوٹل کے لئے اس کا لینا ضروری جانتا تھا، اس مجبوری میں اس نے یہ رقم زائد دی ہے، ورنہ اس رقم کا ملنا ممکن نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی مکان کی مرمت میں صَرف کی ہے، اتنی رقم لینا درست ہے، اس سے زائد کو صدقہ کردے۔

"وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة، وغيرها ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين، إذا آجر بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً اهـ" درمختار.

"قوله: إذا صلح فيها شيئاً بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملا لأمره على

www.besturdubooks.net

الصلاح" كما في المبسوط" اھ(۱). شامی: ۱۸/۵، نعمانیہ۔

جماعت منتظمہ وقف کی اجازت کے بغیر ہی کرایہ پر دینا درست ہے(۲)، مگر وقف کی جائیداد کو اجارۂ طویلہ پر دینے کی کتب فقہ میں اجازت نہیں دی گئی، کیونکہ اس میں اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۷ھ۔

پیداوار میں سے مخصوص مقدار کی شرط پر زمین کاشت کے لئے دینا

سوال[۱۰۹۷۳]: ہمارے یہاں زمین مول دی جاتی ہے، یعنی کاشت کار سے اقرار نامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرار نامہ میں ذیل میں درج کی گئی صورتیں ہوتی ہیں۔

''نقد روپیہ لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، فصل سے پہلے ہی یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی، اس میں معینہ مقدار مثلاً: دس من غلہ زمین دار کو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب ہو، دونوں صورتوں میں مقررہ مقدار

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۲۹/۶، سعيد)

"وله أن يسكنها من أحب، فإن آجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل، إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور: ۱۱۳/۸، حبيبه كوئٹه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، باب إجارة المستأجر: ۱۲۵/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "(ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين) في الضياع". (الدرالمختار). "(قوله: في الأوقاف) وكذا أرض اليتيم، وافتى به صاحب البحر، وأكثر كلامهم على أنه المختار المفتي به لوجود العلة فيهما، وهي صونهما عن دعوى الملكية بطول المدة بل هذا أولى". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۲/۶، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: ولم تزد في الأوقاف على ثلاث سنين يعني لايزاد على هذه المدة خوفاً من دعوى المستاجر أنها ملكه إذا تطاولت المدة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۶/۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۸۹/۶، ۸۰، دارالكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

زمیندار کو دینا ہے"۔

کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں ہے، ہاں! اگر اس طرح معاملہ کرلیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے، کاشت کرو، ہم کو اس کی معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دے دو، تو جائز ہے، خواہ غلہ کہیں سے لاؤ، یہ قید نہ ہو، کہ اسی زمین کی پیداوار سے غلہ دیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، ۲۷/۱۱/۹۰ھ۔

وکیل کا خرید میں نفع لینا

سوال[۱۰۹۷۴]: میری والدہ کی بیوہ پڑوسن نے کراچی سے روپیہ روانہ کیے، یہاں سے جڑاؤ زیور خرید کر روانہ کرنے میں مختلف جگہ سے ایک ایک چیز خرید کر اس پر اپنا نفع رکھ کر ان کو روانہ کیے ہوں تو کیا یہ نفع لینا جائز ہے؟ وہ عورت تو بیوہ ہے، لیکن ان کا لڑکا اچھا ملازم ہے، سسرال والے بھی مدد کرتے ہیں، میرا روپیہ، وقت خرچ ہوا، محنت کرکے، محنت کا نفع لیا جاسکتا ہے، میری کوئی دکان نہیں ہے، دکان سے سامان خرید کر اس پر اپنا نفع رکھتی ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے اس بیوہ کے بھیجے ہوئے روپیہ سے اس کے لئے سامان خریدا، اس پر آپ کو نفع لینا جائز

---

(۱) "(وسئلت) فیمن استاجر أرضا بیضاء للزراعة بکذا وکذا قفیزاً من الغلة، هل یجوز ذلک؟ "فالجواب" نعم! یجوز إذا کانت الأجرة مشار إلیها، أو موصوفة في ذمته، ولا تکون من الغلة التي تخرج من زرع الأرض المستاجرة، کذا في فتاویٰ قاری الهدایة". (الفتاویٰ الکاملیة، کتاب الإجارة، ص: ۱۹۱، حقانیه پشاور)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفیز الطحان الخ: ۴/۴۴۴، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، ۵۷، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۱، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

نہیں(۱)، البتہ بازار جانے، دکان سے خریدنے میں، جو آپ کا وقت خرچ ہوا، حق الحمت کی حیثیت سے آپ ان سے مطالبہ کرسکتی ہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

کھجور کا رس نکالنے کی اجرت

سوال[۱۰۹۷۵]: ۱...... کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ جب کہ معلوم ہے کہ رس نشہ لانے کی حالت میں فروخت ہوگا۔

۲...... بعض لوگوں نے کھجور کے درختوں کو رس نکالنے کے لئے دے دیا اس شرط پر کہ اس کے بدلہ ایک گھڑی دے دینا، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... منع ہے(۳)۔

(۱) اس لئے کہ یہ اصل بیوہ کی ملکیت ہے اور غیر کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا جائز نہیں۔

"لا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۳/۲، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمى)

(۲) "تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۲۶۲/۱، رقم المادة: ۴۶۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأجير الخاص من يتقبل العمل من واحد، وإنما يعرف استحقاق الأجر بالعمل على العبارة الأولىٰ بإيقاع العقد على العمل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير الخاص والمشترك، الفصل الأول: ۵۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۹/۲، سعيد)

(۳) "(والظئر بأجر معين لتعامل الناس بخلاف بقية الحيوانات لعدم التعارف) (قوله: لتعامل الناس) علة =

www.besturdubooks.net

۲......منع ہے(۱)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۵ھ۔

ڈرائیور کا کسی کی رعایت کرنا

سوال[۱۰۹۷۶]: ۱......احقر ایک موضع پر بسلسلہ تعلیم قرآن پاک بلایا گیا ہے، بلانے والے صاحب میں ایک صاحب بس کے ڈرائیور ہیں، حیدرآباد سے احقر مع اہل وعیال وسامان کے آرہا تھا، تو اتفاق سے ان کی بس میں سوار ہونا پڑا، انہوں نے کہا کہ آپ سامان وغیرہ کا ٹکٹ مت کٹوائیں، اس لئے کہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے میرے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں، تو احقر نے یہ مسئلہ بتایا کہ گو

= للجواز، وهذا استحسان؛ لأنها ترد على استهلاك العين وهو اللبن ...... وفي التاتارخانية: استأجر بقرة يشرب اللبن، أو كرماً، أو شجراً ليأكل ثمره، أو أرضاً ليرعى غنمه الفصيل فهو فاسد كله". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۳، سعيد)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل في ركن الإجارة: ۵/۵۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"لاتجوز إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلك لو استأجر بقرة أو شاة ليكون اللبن والولد له". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴/۴۴۲، رشيديه)

(۱) "(ويفسد الإجارة الشرط) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعيد)

"(وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة) والقياس أن لايصح؛ لأنه ترد على استهلاك العين وهو اللبن، كاستئجار البقرة أو الشاه يشرب لبنها أو البستان ليأكل ثمره". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

آپ سرکاری ڈرائیور ہوں گے، آپ کی ذات کی حد تک یہ ہوسکتا ہے کہ گورنمنٹ کچھ چارجز معاف کردے، لیکن جب آپ کا کوئی عزیز یا پہچانتی آدمی سفر کرے تو غالباً شرعی حکم یہی ہے کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ بلاٹکٹ سفر کرائیں، تو انہوں نے مان لیا اور ٹکٹ وغیرہ کٹوائے گئے، مناسب ہوا یا نہیں؟ رہبری چاہتے ہیں۔

۲......اب بعض منتظمین مدرسہ کو یہ شکایت ہے اور یوں کہتے ہیں کہ جب وہ خود بلاٹکٹ سامان وغیرہ لانے کو تیار تھے، تو آپ کو کیا ضرورت تھی ٹکٹ کٹوانے کی، وہ خود ذمہ دار تھے، بیچارے ڈرائیور صاحب صرف یہ خیال کررہے ہیں کہ چونکہ میں سرکاری ڈرائیور ہوں، اس لئے مجھے جب کسی نوع سے کسی کی اعانت وغیرہ کرنی ہو تو مجھے حق ہونا چاہیے، کیا ان کے خیال کے لحاظ سے جب یہ چاہیں اپنے عزیز اہل وعیال، اپنے بچوں کے استاد وغیرہ کو بلاٹکٹ سفر کرانے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

۳...... لاعلمی سے یا کسی دنیاوی قانون پر قیاس کرکے کوئی شخص غلط کام کرتا ہو، تو جس کو مسئلہ معلوم ہو، غلط کام سے روکنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر مجاز ہوں تو اب جو شخص سفر کررہا ہو، تو خاموشی پر بے عملی کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

۴......زید جس کے ڈرائیور یا اور کوئی ملازم ہیں، ان کا وطن بس ڈپو سے تیس بتیس میل یا اس سے کم وبیش پر ہے، جب ان کو وطن آنا ہوتا ہے، تو دوسری بس میں بلاٹکٹ کے آجاتے ہیں، ان کا اس طرح کا سفر شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا(۱)۔

۲...... لاعلمی سے یا علم کے باوجود جو شخص ناحق رعایت کرتا ہو، اس کو مسئلہ بتایا بھی جائے اور ناحق رعایت حاصل کرنے سے بھی احتیاط کی جائے (۲)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأمر بالمعروف وانه عن المنكر﴾ (لقمان: ۱۷)

"عن طارق بن شهاب قال: قال أبوسعيد: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: من رأی منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الأيمان". (سنن النسائي، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان: ۲۸۶/۷، دارالمعرفة بيروت)

(وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في تغيير المنكر: ۳/۱۰۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

www.besturdubooks.net

۳......آپ پر کوئی بار نہیں۔

۴......ان دوسرے ڈرائیور کو اگر مالک کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے، تو درست ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/۸۷ھ۔

رکشہ کا کرایہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۰۹۷۷]: ایک دفعہ سفر میں رکشہ والے سے کرایہ کے سلسلے میں معاملہ نہ ہوا، بلکہ یہ مقامی صاحب سے معمول کے مطابق کرایہ کیا ہے پوچھ کر دیا گیا، رکشہ والے نے لینے سے انکار کیا، بلکہ دُگنا دینے کو کہا، مگر احقر نے مقامی صاحب کی بات کو صحیح سمجھ کر صرف ایک گنا کرایہ ہی دیا، مگر درمیان میں ایک صاحب نے کہا کہ جو صاحب رکشہ کا کرایہ بتلاتے ہیں ان کے پاس جاؤ، اگر وہ بھی مناسب سمجھیں، تو اس کو مزید کرایہ دو، تو وہ صاحب بات کو سمجھے نہیں، بلکہ وہ ایک گنا اور دے دیئے، رکشہ والا ان سے لے کر خاموش بیٹھ گیا، احقر کو معلوم ہوا تو رکشہ والے سے باز پرس کی زائد پیسے اس سے لے لئے، تو کیا مزید کرایہ جو واپس لے لیا گیا، پھر دے دینا چاہیے یا جو مناسب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اصولی غلطی آپ نے کی کہ رکشہ والے سے پہلے پیسہ طے نہیں کئے، بلکہ کرایہ مجہول رکھا، جس سے نزاع پیدا ہوا، شریعت کا حکم ہے کہ کرایہ صاف کرلیا جائے، مجہول نہ رکھا جائے (۱)، اگر وہاں کا کرایہ مشہور ومعروف یا میونسپلٹی کی طرف سے مقرر شدہ ہے، جو اس نے وصول کرلیا ہے، تو اب واپس لینے کا حق نہیں رہا تھا۔

---

(۱) "وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدر المختار).

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أما الأول: فكقوله بكذا دراهم، أو دنانير، وينصرف إلى غالب نقد البلد". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۵، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل الأول: ۸۳/۲، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۷۷/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

جس قدر اس سے واپس لیا ہے، وہ اس کو دوبارہ دے دیا جائے (۱)، اگر کرایہ وہ ہے جو آپ نے تجویز کیا ہے، تو جتنی مقدار پہلے دے چکے تھے بس وہی اس کا حق ہے، جتنی مقدار مقرر اس نے وصول کی اور آپ نے اس سے واپس لے لی، وہ اس کا حق نہیں (۲)، لیکن اپنے نفس کی اصلاح کے لئے وہ مقدار بھی اس کو دوبارہ دے دیں، تاکہ آئندہ ہمیشہ معاملہ صاف کر کے رکشہ میں سوار ہوا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکان کرایہ پر دیتے ہوئے شرط فاسد لگانا

سوال [۱۰۹۷۸]: زید نے اپنا مکان اور نقد روپیہ قرض عمر کو اس شرط پر دیا کہ تم اس روپیہ کو اپنی تجارت میں لگاؤ اور مکان کو بطور گودام استعمال کرو، لیکن شرط یہ ہے کہ تم کو ہمہ وقت بقدر قوت ازمفروضہ ضمانت کے طور پر مال گودام میں رہنے دینا ہوگا، ہم تم سے صرف گوداموں کا کرایہ وصول کریں گے، روپیہ کا معاوضہ کچھ بھی نہیں لیں گے، بعد میں تم ہمارا روپیہ طلب کرنے پر صرف ہمارا روپیہ ادا کرنا، کرایہ گودام کے علاوہ ہم اور کوئی معاوضہ لینے کے حق دار نہیں ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا اس میں بھی سود اور عدم جواز کا حکم عائد ہوتا ہے۔

---

(۱) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، إمداديه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين أمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النسا: ۲۹)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۶۸/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کرائے پر دینا مستقل معاملہ ہے اور روپیہ قرض دینا مستقل ہے، جو روپیہ قرض دیا ہے اس کے لئے بطور ضمانت یہ شرط لگائی جائے کہ بقدر قرض مال گودام میں موجود رہنا چاہیے، جیسے کہ رہن کو بطور ضمانت رکھا جاتا ہے کہ اپنا قرض وصول کرنے میں کچھ سہولت رہے، اس صورت میں شرعاً سود نہیں (۱)، اگر مکان کرایہ پر دینے کے لئے اس طرح قرض اور گودام میں مال رکھنے کو شرط قرار دیا جائے تو اجارہ فاسد ہوگا۔

"وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها اهـ" الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه: ۵/۲۹(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۵/۷/۸۵ھ۔

شکمی کرایہ دار

سوال [۱۰۹۷۹]: ہمارے یہاں ایک صاحب متقی ہیں جو کہ تبلیغی جماعت کے رکن بھی ہیں، جامع مسجد کی ایک دکان کئی سال سے کرائے پر لئے ہیں، بذاتِ خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ شکمی کرائے دار رکھتے ہیں، دکان کا کرایہ مسجد کی کمیٹی کو صرف آٹھ روپے ماہوار دیتے ہیں اور شکمی کرائے دار سے یہ پندرہ

---

(۱) "الرهن هو لغة حبس الشيء وشرعاً: حبس شيء مالي بحق يمكن استيفاؤه منه كلا أو بعضاً كالدين". (الدر المختار، كتاب الرهن: ۶/۴۷۸، ۴۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۲۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۴/۲۶۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، سعيد)

"(وتفسد الإجارة بشرط) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۹۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

روپے وصول کرتے ہیں، اس طرح سات روپے وہ ہر ماہ نفع کماتے ہیں، کیا یہ نفع جائز ہے؟ اور یہ نفع سود کہلائے گا؟ کیا کسی اور ڈھنگ سے شکمی کرایہ دار سے نفع حاصل کرنے کے مستحق ہیں؟ کیا یہ شکمی کرایہ دار مسجد کی کمیٹی سے قانونی طریقہ سے دکان اپنے نام الاٹ کراسکتا ہے اور اپنا کرایہ کمیٹی کو دینا شروع کردے، اس طرح شکمی کرائے دار اصل کرائے دار کے درمیان جو پندرہ روپے ماہوار کرایہ دینے کا معاہدہ ہوا ہے، ایسی صورت میں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلطی پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں، اگرچہ یہ سود بھی نہیں، اگر دکان پر کچھ خرچ مثلاً: اس میں الماری، کیواڑ وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت بڑھایا تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے (۱)، کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کر کے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرلے اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کردے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قرض لے کر مکان کرایہ پر دینا

سوال[۱۰۹۸۰]: ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تو مجھے پانچ ہزار روپیہ دے دے، جب

---

(۱) "وله السكنى بنفسه، وإسكان غيره بإجارة وغيرها ...... ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناة، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۲۹/۶، سعيد)

"وله أن يسكنها من أحب ...... فإن آجرها بأكثر مما استأجرها تصدق بالفضل، إلا أن يكون أصلح منها بناء أو زاد فيها شيئاً فحينئذ يطيب له الفضل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، باب إجارة الدور والبيوت: ۱۳۱/۸، حبيبيه كوئته)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الإجارات، الفن الثاني: ۳۸۸/۲، ۳۸۹، إدارة القرآن كراچي)

www.besturdubooks.net

تک تیرا روپیہ ادا نہ کردوں، اس وقت تک تجھ سے مکان کا کرایہ نہیں لوں گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانچ ہزار روپیہ اس شرط پر قرض لینا کہ واپسی تک دکان یا مکان کے کرایہ نہ لے گا، یہ سود ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۲۵ھ۔

قبرستان کے تاڑ غیر مسلم کو سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا حکم

سوال[۱۰۹۸۱]: ہمارے قریہ میں مسلمانوں کی ایک انجمن ہے، جس کے زیر نگرانی قبرستان کی دیکھ بھال بھی ہے، قبرستان میں چند پھل دار اور چند غیر پھل دار درخت بھی ہیں، جن سے ایک خاصی رقم حاصل ہوتی ہے، منجملہ تمام درختوں کے کچھ درخت تاڑ (۲) کے بھی ہیں، ذمہ داران انجمن مذکورہ تاڑ کے درختوں کو پاسی (اہل ہنود کی ایک قوم) کے ہاتھ نیلام کردیتے ہیں، پاسی ان تاڑ کے درختوں سے تاڑی (۳) کشید کرتے ہیں جو بعدِ آفتاب سے دن بھر فروخت ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگ قبرستان میں اور باہر بھی لیتے رہتے ہیں، جو رقم سالانہ ٹھیکہ پر حاصل ہوتی ہے، ارکانِ انجمن اس رقم کو قبرستان کے تعمیری کاموں میں صَرف کردیتے ہیں، مندرجہ بالا

(۱) "قال علیہ الصلاۃ والسلام: "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا". (فیض القدیر: ۹/۴۷۸۲، رقم الحدیث: ۶۳۳۶، مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا". (الأشباہ والنظائر، الفن الثاني، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو ...... وفي الأشباہ: "کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا".

(الدر المختار، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

"کل قرض جر منفعۃ فھو وجہ من وجوہ الربا". (تکملۃ فتح الملھم، کتاب المساقات والمزارعۃ: /۵۷۵، دار العلوم کراچی)

(۲) "تاڑ: کھجور کی قسم کا ایک لمبا درخت، جس سے ایک نشہ آور مشروب تاڑی نکالتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۶۰، فیروز سنز لاہور)

(۳) "تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۶۰، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

استفتاء میں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱......تاڑ کے درختوں کو پاسیوں کو ٹھیکہ پر دینا جب کہ معلوم ہے کہ یہ لوگ محض تاڑی کشید کرنے کے لئے ہی لیتے ہیں، کیا یہ ٹھیکہ کا عمل عند الشرع حرام ہے یا نہیں؟

۲......جو رقم اس ٹھیکہ سے حاصل ہوئی، اس کو تعمیر نیز حفاظتی کاموں میں یا ایصالِ ثواب کے لئے صَرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......یہ ٹھیکہ کا معاملہ شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ ٹھیکہ یعنی اجارہ نام ہے تملیک منافع بالعوض کا اور یہاں منافع نہیں، بلکہ وہ لوگ تحصیل عین کرتے ہیں(۱) اور یہ بیع بھی نہیں، اس لئے کہ مبیع صورت مسئولہ میں نہ متعین ہے، نہ (اس کی) مقدار (معلوم) ہے(۲)۔

۲......یہ رقم مواقع مذکورہ میں خرچ نہ کی جائے(۳)۔

---

(۱) "الحقيقة الإجارة تمليك المنافع بعوض دون تمليك الأعيان، فإن تمليك الأعيان بعوض هو البيع لاغير". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۰۵/۹، رشيديه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة، فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر؛ لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵۱۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"استاجر بقرة لشرب اللبن أو كرما أو شجرا لياكل ثمره ...... فهو فاسد كله". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر: ۴۴۲/۴، رشيديه)

(۲) "وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۲۹/۴، سعيد)

"ومنها: أن يكون المبيع معلوماً والثمن معلوماً علماً يمنع من المنازعة، فبيع المجهول جهالة تفضي إليها غير صحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۴۳/۵، رشيديه)

(۳) "امرأة نائحة، أو صاحبة طبل أو زمر اكتسبت مالاً ردته على أربابه إن علموا، وإلا يتصدق به". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

www.besturdubooks.net

۳...... مسکر (نشہ آور) ہو، تو بیچنا بھی ناجائز اور پینا بھی۔ "لقوله عليه السلام كل مسكر حرام(۱) وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنّ الذي حرم شربها حرم بيعها"(۲).

خواہ قبرستان میں ہو یا کسی اور جگہ، قبرستان تو ویسے بھی عبرت کی جگہ ہے، ناؤنوش کی جگہ نہیں، وہاں مباح چیزوں کی بھی بیع وشراء وغیرہ سے بچنا چاہیے، اس کو بازار نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۱ھ۔

خادمہ کی اجرت میں کھانا کپڑا مقرر کرنا

سوال[۱۰۹۸۲]: ہمارے یہاں ایک ماما کھانا پکاتی ہے، اس سے طے ہے کہ دونوں وقت کا کھانا

= "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۹/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(۱) (مشكاة المصابيح، باب بيان الخمر ووعيد شاربها، الفصل الثالث: ۲۶۸/۲، رقم الحديث: ۳۶۵۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الأشربة، باب تحريم كل شراب أسكر، ص: ۷۶۰، رقم الحديث: ۵۷۰۱، دارالسلام رياض)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الأشربة، باب كل مسكر حرام، ص: ۴۹۰، رقم الحديث: ۳۳۸۶، دارالسلام رياض)

(۲) (صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الخمر: ۲۲/۲، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: إن الله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب البيوع الفاسدة، باب حرمة بيع الخمر: ۱۰۳/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"بيع الخمر والميتة ...... باطل". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۱۳۳/۱، رشيديه)

"لم يجز بيع الميتة والدم والخنزير والخمر والحر". (البحر الرائق، باب بيع الفاسد: ۱۱۲/۶، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اور ناشتہ اور عید و بقر عید میں ایک ایک جوڑا کپڑا دیں گے، یہ نہیں طے کیا کہ کھانا اور ناشتہ میں کیا دیں گے، گھر کے اندر حسب حیثیت حلوہ، مٹھائیاں وغیرہ بنتی ہیں، ان میں سے بھی ان کو قدرے کھانے کے لئے دیا جاتا ہے، اگر زیادہ دیں تو صدقہ بغرض ثواب اپنے مردوں کو دے سکتے ہیں اور مردوں کو ثواب پہنچ جائے گا؟ یا زکوۃ بقدر صدقہ جو زائد ماما کو دیں، ادا ہو جائے گی، بشرطِ نیت ادائے زکوۃ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانے کپڑے مقررہ کے علاوہ بطور انعام جو کچھ مثلاً: عید بقر عید کے موقع پر دیا جائے، اس کو صدقہ وزکوۃ میں محسوب کیا جاسکتا ہے(۱)۔

تنبیہ: صرف کھانے کپڑے پر ملازمت کا معاملہ درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۲ھ۔

---

(۱) "نوى الزكاة بما يدفع لصبيان اقربائه او لمن يأتيه بالبشارة أو يأتي بالباكورة أجزاه ...... وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

"دفع الزكاة إلى صبيان أقاربه أو إلى مبشر او مهدي الباكورة جاز". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف؛ ۱/۴۳۲، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وصح استئجار الظئر بأجرة معلومة وبطعامها وكسوتها قال رحمه الله تعالىٰ: قوله (بطعامها وكسوتها) هذا عند أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه. وقالا: لا يجوز وهو قول الشافعي، وهو القياس؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرها بهما للطبخ والخبز". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۲۲، ۱۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويجوز بطعامها وكسوتها استحساناً عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وقالا: لايجوز؛ لأن الأجرة مجهولة فصار كما إذا استأجرها للخبز والطبخ". (الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۷، رحمانيه ملتان)

"ولو استأجر عبداً بأجر معلوم كل شهر بطعامه لم يجز؛ لأن طعامه مجهول". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۸، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

www.besturdubooks.net

بکری، گائے وغیرہ کے گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۱۰۹۸۳]: بھینسا یا بکرے سے بھینس یا بکری گابھن کرانا اجرت دے کر حرام ہے، لیکن اگر کوئی چنے دانہ گھاس وغیرہ سے بھینسا یا بکرے وغیرہ کو کھلانے کو دے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت پریشانی یہ ہے کہ عام طریقہ سے گاؤں میں گاؤں والے یعنی پورے گاؤں کی طرف سے جیسا کہ پہلے طریقہ تھا کہ بھینسا چھوڑ رکھا ہے اور وہ پورے گاؤں میں گھاس وغیرہ کھاتا پھر رہا ہے اور تمام ہی گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ تو ختم ہوئی، اب بکرے رکھنے والوں کو یہ پریشانی کہ بکری کو گابھن کہاں کرائیں، بغیر دس پانچ روپے دیئے کام نہیں چلتا، تو اس صورت میں چنے وغیرہ لے سکتے ہیں یا کوئی اور صورت اس کے جواز کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکرے سے کام لیتا ہے، تو اس کی اچھی طرح دعوت کردیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۱ھ۔

آب پاشی کی اجرت پیداوار سے دینا

سوال[۱۰۹۸۴]: ایک شخص کی مشین ہے، وہ مشین کا مالک دوسروں کی زمین میں کھیتوں میں پانی دیتا ہے اور اس کا معاوضہ چوتھائی حصہ لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۸/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه: أن رجلا من كلاب سأل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه فقال: يا رسول الله إنا نطرق الفحل فنكرم، فرخص له في الكرامة". (سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية عسب الفحل: ۲۹۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة العيني في شرح هذا الحديث: "وفيه جواز قبول الكرامة على عسب الفحل، وإن حرم بيعه وإجارته. وقال الرافعي: ويجوز أن يعطي صاحب الأنثى صاحب الفحل شيئاً على سبيل الهدية". (عمدة القاري، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۱۵۰/۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الإجارة، باب عسب الفحل: ۵۸۰/۴، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشین کے ذریعہ کھیت میں پانی دینے کا معاملہ اس طرح کرنا کہ اس کے عوض پیداوار کا اتنا حصہ لیا جائے گا، درست نہیں، یہ اجارہ فاسدہ ہیں، اس میں اجرت مجہول ہے، یہ معلوم نہیں کہ کتنا غلہ پیدا ہوگا۔

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة" (درمختار: ۲۹/۵) الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه(۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مزدور کی مزدوری آئندہ کام پر آنے کی شرط پر دینا

سوال[۱۰۹۸۵]: کچھ تاجر لوگ غرباء کو مزدوری پر اس شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ موسم میں میرے یہاں ایک روپے مزدوری پر آنا ہوگا، حالانکہ موسم کی آمدنی، مزدوری دو روپے یومیہ ہے، تو یہ پیسہ اس طرح دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ غلہ وصول کرنے کی شرط پر پیسے دیتے ہیں کہ مثلاً: من کے پانچ روپے کے حساب سے پانچ من غلہ موسم میں دینا ہوگا، حالانکہ غلہ کے دام اس وقت ۲۰، ۲۵/ روپیہ من تک ہوتا ہے، اس قسم کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۶/۶، سعيد)

"يفسد الإجارة الشرط" قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "نقلاً عن "المحيط" كل جهالة تفسد البيع تفسد الإجارة؛ لأن الجهالة المتمكنة في البدل أو المبدل، تفضي إلى المنازعة، وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يفضي إلى المنازعة فيفسد الإجارة". (البحر الرائق، كتاب الإجاة، باب الإجارة الفاسدة: ۲۹/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹۲/۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

مزدوری کا یہ طریقہ غلط ہے(۱)، غلہ لینے کا یہ طریقہ شرائط سلم صاف ہوجانے کے بعد اگرچہ بیع درست ہوجائے گی(۲)، مگر غریب مستحق رحم ہے(۳)، اتنا تفاوت نرخ میں کرنا بڑی بے مروتی ہے، ڈرنا چاہیے کہ اگر

(۱) چونکہ پیشگی تنخواہ کی وجہ سے ماہانہ کرایہ میں کمی کی گئی ہے، تو یہ "كل قرض جر نفعاً فهو ربا" کے زمرے میں ہوکر سود کے مشابہ ہوگیا۔

"قال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، رقم الحديث: ۶۳۳۲، مصطفیٰ الباز رياض)

"القرض بالشرط حرام، وفي الأشباه: "كل قرض جرّ نفعاً فهو رباً". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: /۵۷۵، دار العلوم كراچی)

(۲) "لا يصح السلم عند أبي حنيفة إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا حنطة أو شعير، ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسة، وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردي، ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلا بمكيل معروف أو كذا وزنا، وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال ...... وتسمية المكان الذي يوفيه فيه". (الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۳/۹۶، إمداديه ملتان)

(۲) "وشرط بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيال وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء، وقبض رأس المال قبل الافتراق". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، سعيد)

(وكذا في كنز الدقائق، باب السلم، ص: ۲۵۵، رشيديه)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراحمون يرحمهم الرحمٰن، ارحموا أهل الأرض يرحمكم من في السماء". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في المرحمة: ۲/۳۳۳، رحمانيه لاهور)

"ومن اشترى شيئاً، وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيه فإني لا أحب". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع =

www.besturdubooks.net

اپنے اوپر خدانخواستہ ایسا وقت آجائے تو کیا گزرے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کھجور کے درخت سے شیرہ نکالنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر معاملہ کرنا

سوال[۱۰۹۸۶]: کھجور کے درخت کا ہمارے یہاں اس طریقے پر معاملہ کرتے ہیں کہ اس سے رس نکالتے ہیں، پھر آپس میں روزانہ کے رس کو تقسیم کرتے ہیں، یا ایسے کہ ایک روز تو نکالنے والا خود لیتا ہے اور ایک روز مالک کو رس دیتا ہے، اس طریقے پر معاملہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۵/۱۰/۲۱ھ۔

شریکِ تجارت کا اجرت کار بننا

سوال[۱۰۹۸۷]: چار آدمیوں نے مل کر ایک دکان رکھ لی، ان میں ایک دو آدمی اس دکان میں کام کرتے ہیں اور تنخواہ لیتے ہیں، ان لوگوں کو تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

= في التولية والمرابحة: ۱۲۱/۲، رشيديه)

(وسنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الناس: ۱۴/۲، سعيد)

(۱) اس لئے کہ اجرت مجہول ہے۔

"وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

(الدر المختار، كتاب الإجارة: ۵/۶، سعيد)

"وأما شرط جوازها فثلاثة أشياء: أجر معلوم، وعين معلوم، وبدل معلوم". (البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۳/۸، رشيديه)

"ومنها أن تكون الأجرة معلومة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الأول في تفسير الإجارة وركنها: ۴۱۱/۴، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ شریک ہیں تو کار شرکت کی اجرت لینا درست نہیں، یہ اجارہ فاسدہ ہو جائے گا(۱)، البتہ کام کرنے کی وجہ سے اگر نفع میں کچھ زیادہ حصہ ان کے لئے سب شرکاء مل کر تجویز کرلیں، تو درست ہے۔

"وتصح شركة العنان مع التفاضل في المال دون الربح، وعكسه، وهذا مقيد بأن يشترطا الأكثر للعامل منهما، أو لأكثرهما عملاً" شامی کراچی: ٤/٣١٢.

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مزدور کے ذریعہ جنگلات کی لکڑیاں کٹوا کرلانا

سوال[۱۰۹۸۸]: سرکاری جنگلات سے مزدور کی مزدوری دے کر لکڑی کٹوا کرلایا ہوں اور یہ لکڑی کسی کو فروخت کر رہا ہوں، یہ لکڑی کا کاروبار کس حد تک شرعی لحاظ سے درست ہے؟ اور اس کاروبار میں میں نے کسی قسم کی رشوت نہ لی ہے نہ دی ہے، یہ کاروبار کس حد تک صحیح ہے، اسلامی اصول کے تحت؟

---

(۱) "لا أجر للشريک في العمل المشترک". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب يرجح القياس: ٣٢٦/٤، سعيد)

"لا أجر للشريک بعمله في المشترک كما في الكنز وغيره تحت قوله: ولو استأجر لحمل طعام بينهما فلا أجر له". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ١١١/٢، إمداديه كوئٹه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ٥٤١/٣، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثامن عشر في الإجارة التي تجري بين الشريكين: ٤٥٧/٤، رشيديه)

(٢) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الشركة: ٣١٢/٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ٢٩١/٥، ٢٩٢، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشركة: ٥٥٣/٢، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ مزدور سے اس طرح معاملہ کریں کہ ایک دن میں مثلاً: آٹھ گھنٹے تم سے یہ کام لینا ہے اور آٹھ گھنٹے کام کی مزدوری مثلاً: چار روپے دوں گا اور مزدور اس کو منظور کرلے تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے اور وہ لکڑی آپ کی ملک ہوگی، آپ جس طرح چاہیں فروخت کریں (۱) اگر وہاں سے لکڑی کاٹنا خلاف قانون اور جرم ہو، تو اس سے پوری احتیاط کی جاوے، مال وعزت کا خطرہ مول لینا دانشمندی کے بھی خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ پرلی ہوئی دکان آگے کرایہ پر دینا

سوال [۱۰۹۸۹]: زید کے پاس ایک دکان کرایہ پر تھی، اس نے بیس سال قبل حامد کو اپنا ماتحت کرایہ

---

(۱) "(استأجره ليصيد له أو يحتطب له فإن) وقت لذلك (وقتا جاز) ذلك". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶۲/۶، سعيد)

"رجل استأجر أجيراً ليحتطب له إلى الليل بدرهم جاز ...... ويكون الحطب للمستأجر". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۲۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۵۱/۴، رشيديه).

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾ (البقرة: ۱۹۵)

اگر حکومت کا حکم حکم شرعی کے مخالف نہ ہو اور نہ اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ ہو، تو حکومت کے حکم کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔

"أمر السلطان ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا.

(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته وفي "ط" عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن المتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة: ۳۳۳/۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

www.besturdubooks.net

دار بنایا اور مالک دکان کو جو کرایہ پر دیا تھا، اس سے کچھ زائد حامد سے بطور کرایہ وصول کرتا تھا، کافی عرصہ کے بعد اس نے حامد سے دوکان خالی کرنے کے لئے کہا، چونکہ حامد کا کاروبار اس دکان میں چل رہا تھا، اس لئے اس نے دکان خالی کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کی، چنانچہ زید نے یہ معاملہ اپنی قومی جماعت میں ڈالا، جماعت نے مندرجہ ذیل فیصلہ کیا، حامد اس دکان پر مزید چار سال رہ سکتا ہے، مگر پہلے دو سال ماہانہ ۵۰/ روپے کرایہ کے بجائے ۷۵/ روپے اور مزید دو سال ۱۲۵/ روپے حامد زید کو بطور کرایہ دیتے رہے، اس کے بعد دکان خالی کر کے زید کے حوالہ کرے۔

اب چار سال ہو گئے ہیں، مگر حامد اپنا کاروبار بند کر کے دکان زید کے حوالہ کرنے سے اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے، یہ دکان اس کی معاش کا ذریعہ ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱...... جماعت کا فیصلہ کیا شرعاً جائز ہے؟

۲...... کیا حامد پر اس فیصلے کی پابندی ضروری ہے؟

۳...... کیا جماعت حامد سے مقررہ کرایہ سے زیادہ زید کو دلا سکتی ہے؟

۴...... اس طرح زائد لی ہوئی کرایہ کی رقم کا شرعی کیا حکم ہے؟

۵...... حامد جماعت اور زید کا واسطہ بیچ سے الگ کر کے مالک مکان سے معاملہ کا تصفیہ کرائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جتنے کرایہ پر مالک سے دکان لی ہو، اتنے ہی کرایہ پر دوسرے شخص کو کرایہ پر دینے کا حق ہے، اس سے زائد کرایہ لینا درست نہیں (۱)، لہٰذا زید نے جو اپنے ماتحت کرایہ دار حامد سے زائد رقم لی ہے،

---

(۱) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة ...... ولو آجرها بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً: ۲۹/۶، سعيد)

"قال محمد رحمه الله تعالى: وللمستاجر أن يؤاجر البيت المستاجر من غيره ...... فإن آجره بأكثر مما استاجره به من جنس ذلك، ولم يزد في الدار شيء ...... لا تطيب له الزيادة عند علمائنا رحمه الله تعالى". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، الفصل السابع في إجارة المستاجر: ۱۲۵/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه) =

www.besturdubooks.net

وہ بے جا ہی، اس کی واپسی ضروری ہے، نیز جس طرح مالک کو یہ حق ہے کہ زید سے دکان خالی کرائے، اسی طرح زید کو بھی یہ حق ہے کہ حامد سے دکان خالی کرالے (۲)، دکان کا معاملہ ایک سال سے زیادہ کرایہ کا نہ کیا جائے، اگر سال بھر گزرنے پر فریقین رضامند ہوں، تو اسی سابق کرایہ پر یا کم وبیش جدید کرایہ پر معاملہ کرنا درست ہے، اگر مالک رضامند نہ ہو، تو کرایہ دار کے ذمہ دکان کو خالی کردینا لازم ہے (۳)۔

یہ ہے شرعی مسئلہ جو کتب فقہ: درمختار (۴)، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (۵) میں مذکور ہے، حامد اگر زید سے کرایہ کا معاملہ ختم کردے اور اطلاع کردے کہ میں آج سے آپ کا کرایہ دار نہیں رہا اور دکان زید کے حوالہ

= "وإذا استأجر داراً وقبضها ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها، أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها ...... إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولىٰ، فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(۱) "الحاصل: إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

"لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(۲) "آجر داره كل شهر بكذا، فلكل الفسخ عند تمام الشهر". (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۴۵، سعيد)

"إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء، والغرس، وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/۱۹، رشيديه)

"يلزم المستاجر رفع يده عن المأجور عند انقضاء الإجارة ...... لو انقضت الإجارة وأراد الأجر قبض ماله لزم المستاجر تسليمه إياه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۳۱۶، ۳۱۷، رقم المادة: ۵۹۱، ۵۹۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) تاکہ معاملہ اجارہ بحسن خوبی بغیر کسی لڑائی کے اختتام پذیر ہو۔

(۴) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۶/۲۹، سعيد)

(۵) (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الإجارة: ۲/۱۱۹، إمداديه)

www.besturdubooks.net

کردے، پھر اصل مالک سے معاملہ کرے، اس کی اجازت ہے، اصل مالک زید سے معاملہ ختم کر کے حامد کو کرایہ پر دے سکتا ہے(۱)۔

۲......ایک شخص کا کرایہ کا معاملہ حکومت ختم کر کے دوسرے شخص کو کرایہ کا حق دے دے، تو اس شخص کو کرایہ دار بنانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۹ھ۔

مچھلی نکلوانے کی اجرت میں مچھلی ہی تجویز کرنا

سوال[۱۰۹۹۰]: ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، وہ اپنی اجرت نکلوائی نصف مچھلی ہی سے لیتا ہے، یہ اجرت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو پھر اجرت کس طرح ادا کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاح جو مچھلی نکالتا ہے، اس کی اجرت میں وہ مچھلی ہی تجویز کرنا نصف یا کم وبیش درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "وإن اجر داره کل شهر بکذا فلکل الفسخ عند تمام الشهر". (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۴۵/۶، سعید)

"کل يتصرف في ملکه کيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱۳۲/۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، رشيديه)

(وکذا في تبيين الحقائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۲/۶، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يکون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو استاجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه، اوما أشبه ذلک، فذلک فاسد".

(الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه: ۴۴۴/۴، رشيديه)

(وکذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمکيرية، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۳۲/۲، رشيديه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۹/۳، دارالکتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا

سوال[۱۰۹۹۱]: اہلِ ہنود کے مندر و گرجا وغیرہ میں معماری کا کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ باطل کے عبادت خانہ جیسے گرجا گھر یا بت کدہ میں تعمیری مزدوری کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "مندر کی تعمیر یا مرمت اجرت پر جائز ہے، مگر کراہت سے خالی نہیں" ۔(احسن الفتاویٰ، کتاب الإجارة: ۳۰۹/۷، سعید)

قال الحصكفي رحمه الله تعالى: "جاز تعمير كنيسة".

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وجاز تعمير كنيسة) قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة، ويعمرها لابأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

"قال في المنح: ولو أن مسلماً آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لابأس به؛ لأنه لامعصية في عين العمل". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۱۹۶/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب الإجارة الفاسدة: ۳۲۲/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع اور مشتری، دونوں کی طرف سے دلالی کرنا

سوال[۱۰۹۹۲]: ہمارے ایک دوست کے والد صاحب ہیں، ان کا دھندہ دلالی کا ہے، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو گھر چاہیے یا زمین، تو بیچنے والا یہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ زمین، یہ گھر کا گاہک لادو، تو تم کو سو روپے یا ایک اتنے روپے پر دوں گا۔ اور جس کو ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی گھر ہو، تو ڈھونڈو، میں سو روپے پر ایک یا دو سو روپے دوں گا، اس میں گھر ڈھونڈنے میں، دکھانے میں، معاملہ کروانے میں اور اگر سودا ہو جائے تو کورٹ وغیرہ کے رجسٹری کاموں میں کافی وقت لگتا ہے اور محنت اور وقت بھی خراب ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں جو آمدنی ہوئی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اس آمدنی کو ذاتی کام میں کھانے پینے میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس روپے کا کیا کیا جاوے؟ کیونکہ روپیہ ایسا ہی رکھا ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ آمدنی درست ہے(۱)، اس کو اپنے کام میں لانا صحیح ہے، ایسی آمدنی پر حسبِ قواعدِ شرع حج بھی فرض

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه......". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

....

www.besturdubooks.net

ہوسکتا ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

ریٹ اور کمیشن میں ایک رقم کی تفصیل اور استحقاق

سوال[۱۰۹۹۳]: ہم لوگوں کا کام کمیشن ایجنسی کا ہے، کارخانہ کا مالک بی، این الیاس کمپنی ہے، ایجنسی کا مطلب ہے کہ جو کمپنی کا ریٹ ہوگا، وہ ریٹ کمپنی کے بیوپاریوں کو دے کر مال لانا ہوتا ہے، اس مال کے اوپر ہم لوگوں کو دس روپیہ فی ٹن علاوہ ریٹ کے کمیشن ملتا ہے، کاروبار ہڈی کا ہے، پورے ہندوستان سے ریکوں میں مال کلکتہ آتا ہے، اب تک تو کمپنی دام طے کرتی تھی، اسی ریٹ میں ہم لوگوں کو مال لا کر دینا ہوتا تھا، اگر کمپنی نے مال میں زیادہ کٹوتی کرلی یا بیوپاریوں کو ریٹ کے علاوہ دوسرے مل کے کمیشن میں کچھ ریٹ سے زیادہ دینا پڑا، تو کمپنی کچھ نہ دیتی تھی، ہمیں اپنے کمیشن سے دینا پڑتا تھا، گویا اپنے کمیشن سے دینا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔

چونکہ ہندوستان میں اب ہڈی کے کافی کارخانہ ہوگئے ہیں، اس لئے اس میں کمیشن بہت زیادہ ہوگیا ہے، کمپنی ایک دام مجھے کہتی ہے، کہ اس دام میں مال لاؤ، تو اس وقت تک دوسری کمپنی کا ریٹ زیادہ ہوگیا اور جب ہم نے کمپنی کو اطلاع کی کہ ریٹ زیادہ ہوگیا ہے اور کمپنی نے ریٹ بڑھائے تو اس اطلاع کرنے کے وقفہ میں مال نکل گیا، جس سے دوسرے کارخانہ والے مال زیادہ اٹھانے لگے، تو اس سال کمپنی نے یہ طریقہ اختیار کیا،

= (وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۲۷۳/۷، سعيد)

(۱) "(فرض) ...... (مرة) ...... (على مسلم) ...... (صحيح البدن، (بصير) ...... (ذي زاد) يصح به بدنه، فالمعتاد اللحم ونحوه، إذا قدر على خبز وجبن لا يعد قادراً (وراحلة) ...... (و) فضلاً عن (نفقة عياله ...... (إلى) حين (عوده) وقيل: بعده بيوم وقيل بشهر.......". (الدر المختار، كتاب الحج: ۴۵۵/۲-۴۶۳، سعيد)

"(وأما شرائط وجوبه) فمنها الإسلام ...... (ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة ...... وتفسير ملك الزاد والراحلة، أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ماسوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة......". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۲۱۶/۱، ۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۴/۲-۵۵۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اس نے کہا کہ ہم آپ کے ایمان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بیوپاریوں کو دوسرے کارخانے کے مقابلہ میں آپ جو ریٹ دیں، ہم سے لے لیں، اس لئے کہ ریٹ کے سلسلہ میں مجھے اطلاع کرنے میں اور پھر بیوپاریوں تک اطلاع ہونے کے وقفہ میں مال نکل جاتا ہے، اس لئے کمپنی نے ایسا راستہ اختیار کیا، اس ریٹ کے علاوہ ہمارا جو کمیشن مقرر ہے، وہ ملے گا۔

کمپنی کے سامنے ہم نے یہ عذر پیش کیا کہ جو آپ کٹوتی کرتے ہیں، وہ زیادہ ہوتی ہے اور ہمیں اپنے کمیشن سے دینا ہوتا ہے، لہٰذا اب کٹوتی کا الاونس (۱) دیں، اس لئے کہ دوسرے کارخانہ والے کٹوتی کرتے ہیں، تو کمپنی سے یہ بات طے پائی کہ آپ کٹوتی کے ریٹ میں اندازاً کچھ اضافہ کر کے لے لیا کریں، اس لئے کہ ریٹ میں دیتے وقت کمپنی کو لکھ کر دینا ہوتا ہے اور مال بعد میں ریگن سے کارخانہ میں آتا ہے۔

لہٰذا جب ریگن پہنچتا ہے، تو مجھے کسی ریگن میں کٹوتی کا نہیں دینا پڑتا ہے، کسی ریگن میں کم، کسی میں زیادہ دینا پڑتا ہے، کمپنی نے تو مجھے اندازاً فی بولی ریٹ میں زیادہ کٹوتی کا زیادہ رکھ لینے کو اجازت دے دی ہے، اس لئے کمپنی نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اندازاً لکھ دیا کرو، سال تمام پر ہم کچھ نہ دیں گے، اس صورت میں سال تمام پر اگر ہم نے بیوپاروں کو زیادہ دے دیا تو کمپنی سے اور مزید مجھے کچھ نہ ملے گا اور اگر اس رقم سے بھی کٹوتی والی رقم سے جو ریٹ میں کمپنی کو زیادہ لکھ کر دیتے ہیں، بیوپاریوں کو دینے کے بعد سال تمام پر کچھ رقم بچ جائے، تو یہ رقم اپنے منافع میں لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس رقم کا حق دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ رقم کمپنی کے علم میں ہے اور اس نے آپ کو رکھنے کی اجازت دے دی ہے، تو آپ کے لئے اس کا رکھنا درست ہے، ورنہ یہ رقم کمپنی کی ہے، اس کو دی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۶ھ۔

---

(۱) "الاونس: بھتا، زائد خرچ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، ص: ۲۵۵، قدیمی)

www.besturdubooks.net

آڑھت دار کی کٹوتی

سوال[۱۰۹۹۴]: مبارک پور کے آڑھت کے یہاں کوئی باہر کے خریدار آتے ہیں، تو ان کی موجودگی میں بنکروں سے ساڑھیاں خریدتے ہیں، آڑھت داروں اور خریداروں کے درمیان ایک مقررہ کمیشن طے رہتا ہے، آڑھت دار جب قیمت پر ساڑھیاں خریدتا ہے، خریدار اسی حساب سے ساڑھیوں کی قیمت آڑھت داروں کو مع کمیشن کے دیتا ہے، مگر خریداروں سے قیمت پانے کے بعد بنکروں کو جب وہ قیمت دیتا ہے، تو پوری قیمت نہیں دیتا ہے، بلکہ دو روپیہ سے لے کر پانچ دس روپے تک کم کر دیتا ہے، جس کو کٹوتی کہتا ہے، بنکروں (ساڑھیاں بیچنے والوں) کا کہنا ہے کہ اس طرح سے جو رقم کاٹی جاتی ہے، وہ بالکل حرام و ناجائز ہے، مگر آڑھت دار کہتا ہے کہ یہ کٹوتی حرام نہیں، کیونکہ ہمارے یہاں جو شخص بھی ساڑھی فروخت کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ہم کٹوتی کاٹتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا خریداروں سے اصل قیمت پانے کے بعد آڑھت داروں کا کٹوتی کاٹنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بنکر اپنا مال آڑھت دار کے یہاں لاتے ہیں، کہ تم ہمارا مال فروخت کر دو، خریدار آکر آڑھت سے خریدتے ہیں، آڑھت داران سے قیمت لے کر بنکروں کو دیتا ہے اور کچھ اپنی دلالی لیتا ہے، اس دلال کا معاملہ بنکروں اور آڑھت داریوں کی رضامندی پر موقوف ہے، جو مقدار طے کرلیں، اس مقدار کا لینا درست ہے(۱)،

---

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه.......". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶۳/۶، سعيد)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في القواعد الكلية بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

شامی میں اجرت سمسار کو تعامل وتعارف کی بناء پر درست لکھا ہے (۱)، بلکہ اگر یہ اجرت نہیں دینا چاہتے، تو اپنا مال براہ راست خریداروں کے ہاتھ فروخت کردیں، مگر ظاہر ہے کہ اس میں ان کو دشواری ہے، اس دشواری سے بچنے کے لئے وہ آڑھت دار کے پاس مال لاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۹ھ۔

حق المحنت کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۰۹۹۵]: زید نے کسی فنڈ میں سے اپنے نام مال منگوایا، مگر کسی مالی مجبوری کی بناء پر وہ اس مال کو چھڑانے سے قاصر ہے، مال کو واپس نہیں لیا جاسکتا، چونکہ یہ تجارتی اور اخلاقی ضابطہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا، اس لئے ایک دوسرے شخص سے مال کو چھڑانے کے لئے کہا، شخصِ مذکور نے مال چھڑانے کے لئے آڑت (آڑھت) (۲) لینے کی شرط لگادی، مثلاً: پانچ روپیہ سینکڑہ آڑھت یا کمیشن اگر دینا منظور ہو، تو یہ آڑھتی یا کمیشن ایجنٹ اپنی نقدی سے مال مذکور کو چھڑالے گا۔

اس صورت میں یہ آڑھت یا کمیشن لینا کیسا ہے؟ اور عمومی طور پر یہ آڑت یا کمیشن کا کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال منگوانے والا اگر کسی مجبوری سے مال نہ چھڑا سکے اور کسی دوسرے شخص کو کہہ دے، وہ چھڑالے اور اس چھڑانے اور لاکر حفاظت سے رکھنے کا معاوضہ مقرر کرلیا جائے، تو درست ہے (۳)، خواہ اس کو آڑھت کہا

= (وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۲۰۸/۱۶، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۴۷/۶، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۲۷۳/۷، سعيد)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱

(۲) "آڑھت: ہنر، فن، صفائی، سلیقہ، ڈھب، موسیقی، ڈراما، شاعری، مصوری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) "الوكالة بأجر: تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يبعث عماله لقبض الصدقات، ويجعل لهم عمولة، ولهذا قال له أبناء عمه: "لو بعثتنا على هذه الصدقات، =

www.besturdubooks.net

جائے یا کمیشن، مگر یہ حقیقت میں حق المحنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۰ھ۔

دلال کے ذریعے کپڑا بیچنا

سوال[۱۰۹۹۲]: زید نے عمر سے کپڑے کا بیس میٹر کا تھان اس شرط پر لیا، کہ میں اس میں جتنا فروخت کروں گا، اس کے دام میں تم کو تمہاری خرید سے ایک آنہ فی روپیہ منافع لگا کر تم کو ادا کروں گا اور باقی جو اس تھان میں سے کپڑا بچے گا، واپس کروں گا۔ عمر نے یہ بات منظور کرلی، اب زید نے اس کپڑے کو لے کر اس میں سے پانچ میٹر فروخت کردیا اور وہ کپڑا عمر کا چار روپیہ فی میٹر خرید تھا، تو اس طرح زید، عمر کو پانچ میٹر کے مع منافع کے ۲۵-۲۱ روپے دیئے اور باقی جو کپڑا بچا تھا، وہ دے دیا۔

اب زید عمر کی یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور زید نے وہ کپڑا بکر کو چار روپیہ آٹھ آنہ فی میٹر کے حساب سے فروخت کیا، تو یہ زید و بکر کی بیع بھی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر یہ شکل صحیح نہیں ہے، تو صحت کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ بیع کا نہیں، عمر بائع نہیں، زید مشتری نہیں، بلکہ یہ اجارہ ہے، گویا عمر نے زید کو کہا کہ میرا یہ کپڑا فروخت کردو، زید کپڑا لے کر جاتا ہے اور گاہک تلاش کرکے کپڑا فروخت کرتا ہے، اس کام کی اجرت یہ قرار پائی کہ عمر نے جس قیمت پر خریدا تھا، اس پر ایک آنہ فی روپیہ زائد تو زید لاکر عمر کو دے گا اور اس کے علاوہ جتنی بھی زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا، وہ زیادتی بطور اجرت زید کی سمجھی جائے گی(۱)۔

= فتؤدي اليک ما يؤدي الناس، ونصيب مايصيبه الناس". أي: العمولة؛ ولأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها، بخلاف الشهادة، فإنها فرض يجب الشاهد أداؤها".

(الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع الوكالة: ۵/۴۰۵۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الوكالة، ص: ۱۳۲، حقانيه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۴/۳۹۷، رشيديه)

(۱) "الأجير على قسمين: القسم الأول: الأجير الخاص، وهو الذي استوجر على أن يعمل للمستاجر=

www.besturdubooks.net

اصولاً یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اجرت متعین نہیں، مجہول ہے، جو کہ مفسد اجارہ ہے(۱)، مگر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ردالمحتار" میں لکھا ہے کہ مجہول ہونے کے باوجود تعامل الناس کی بناء پر اس کی اجازت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۱۴۰۰ھ۔

نیلام کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۰۹۹۷]: میری لکڑی کی آڑہت کی دکان ہے، جس پر باہر سے لانے والوں کا مال نیلام

= فقط، كالخادم مشاهرة، والقسم الثاني: الأجير المشترك، وهو الذي لم يعقد بشرط عدم العمل لغير المستأجر كالحمال والدلال والخياط......". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الثاني في الإجارة، الباب الأول في الضوابط العمومية، رقم المادة: ۴۲۲: ۱/۲۳۶، ۲۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۶۴-۶۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸/۴۷-۵۲، رشيديه)

(۱) "(تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة، أو مدة ......". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۶، ۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۷/۵۳۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۴/۴۳۹، رشيديه)

(۲) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاك حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه ......". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوى، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

کرتا ہوں اور جس کا مال نیلام کرتا ہوں، اس سے آرٹ، یعنی کمیشن کاٹتا ہوں اور فوراً پیمنٹ کردیتا ہوں اور جس سے مال فروخت کرتا ہوں، اس سے آرٹ، یعنی کمیشن لیتا ہوں اور دونوں جانب سے برابر کمیشن لیتا ہوں اور اگر اندر میعاد مال لینے والا رقم واپس کرتا ہے، تو اس سے کمیشن نہیں لیتا اور اپنی جانب سے جو کمیشن مال والے سے لیا ہے، اس میں سے ایک پیسہ فی روپیہ واپس کردیتا ہوں، یعنی خریدار کو اتنا دیتا ہوں، یہ سب طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیلام کرنے والے کو کمیشن (اجرت نیلام) لینا درست ہے، مال والے سے بھی خریدار سے بھی (۱) لیکن سود سے بچنا لازم ہے، لہٰذا اگر کوئی میعاد مقررہ پر رقم نہ دے، تو اس سے سود نہ لیا جاوے (۲)، اندر میعاد رقم ادا کرنے

(۱) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۷/۲۷۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تاكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً واتقوا الله لعلكم تفلحون واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ (آل عمران: ۱۳۱، ۱۳۲)

"قوله: (لا بأخذ مال في مذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز ...... وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف ...... والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۱، دار المعرفة، بيروت)

www.besturdubooks.net

کے بعد ایک پیسہ واپس کرنا یہ قیمت میں کم کرنا ہے، جس کا مالک کو اختیار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کا مکان کو خالی نہ کرنا

سوال[۱۰۹۹۸]: زید نے اپنی دکان پر رشید احمد کو مقرر کیا کہ میری دکان کسی کو کرایہ پر دے دو، طے پایا کہ جب بھی مجھے ضرورت ہوگی، آپ کو خالی کرا کر ہم کو دینی ہوگی، اب مالک کو ضرورت ہے، مگر کرایہ دار خالی نہیں کرتا، اب میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو بیع وشراء کا اختیار ہے(۱)، دکان خالی کرانے کے لئے جو تدبیر مقدمہ وغیرہ کی مناسب ومؤثر ہو، اختیار کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "إذا مضت مدة الإجارة قلع البناء والغرس وسلم الأرض إلى المؤجر فارغة؛ لأنه يجب عليه تفريغها وتسليمها إلى صاحبها فارغة، وذلک بقلعها في الحال؛ لأنه ليس له غاية تعلم بخلاف ما إذا كانت للزراعة ...... والقياس أن يقلع في الأمور كلها؛ لأن الأرض ملكه فلا تؤجر بغير إذنه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً: ۸/ ۱۹، رشيديه)

"وإذا انقضت المدة لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة ...... لأنه ليس لهما نهاية معلومة حتى يتركا إليها ،وفي تركها على الدوام ضررا لصاحب الأرض". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/ ۵۲۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يكون خلافاً: ۶/ ۳۰، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب الاستئجار علی الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور معاوضہ بصورتِ دعوت

سوال[۱۰۹۹۹]: مولوی ولایت صاحب مدرسہ کے معلم ہیں، مدرسہ سے ان کو ۴۰/روپیہ اور کھانا ماہانہ وظیفہ ملتا ہے، بستی میں عثمان کے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے مدرسہ کے طلباء سے قرآن خوانی کرائی اور تمام طلباء کو مدرسین کو میت کے کھانے میں مدعو کیا، مولوی ولایت صاحب نے کھانے سے انکار کیا، تو عثمان صاحب نے کہا کہ یہی دانہ کچی صورت میں مدرسہ ہی میں بھیجو تو آپ کھالیں گے اور اسی کو میں گھر پکا کر کھلاتا ہوں تو انکار کرتے ہیں، حالانکہ میرا مقصد مدرسہ کی امداد کرنا ہے، بہرحال از روئے شرع واضح فرمادیں، مولوی صاحب کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دینی مدرسہ کی امداد کرنا خواہ نقد اور غلہ دے کر ہو، یا کھانا کھلا کر ہو سب طرح درست ہے(۱)، مولوی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أنفق زوجين من شيء من الأشياء في سبيل الله دعي من أبواب الجنة، وللجنة أبواب ...... ومن كان من أهل الصدقة دعي من باب الصدقة". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۷، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا مناً ولا أذى لهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾ (البقرة: ۲۶۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ما تصدق =

www.besturdubooks.net

صاحب اگر غریب مستحق ہوں تو ان کو دینا بھی ثواب ہے، مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ قرآن خوانی طلبہ سے کرا کے جب ان کی دعوت کی جائے، تو یہ معاوضہ کی صورت میں کی ہے، اس طرح ثواب نہیں ہوتا، ایسی دعوت قبول کرنے سے مولوی صاحب کو اور طلبہ کو سب کو ہی بچنا چاہیے۔ اگر مولوی صاحب نے اس وجہ سے انکار کیا تو ٹھیک کیا، تو عثمان ان پر ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آئندہ اس طریقہ سے پرہیز کرنا چاہیے، بغیر اس کے جب دل چاہے، دعوت کردے، اس میں مضائقہ نہیں، مولوی صاحب کو بھی چاہیے کہ نرمی سے عثمان کو اصل بات سمجھادیں، تا کہ اس کی طبیعت میں رنج باقی نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۱/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أحد بصدقة من طيب، ولا يقبل الله إلا طيباً إلا أخذها الرحمن بيمينه، وإن كانت تمرة تربو في كف الرحمن حتى تكون أعظم من الجبل، كما يربي أحدكم فلوه أو فصيله". (سنن الترمذي، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة: ۱/۱۴۴، سعيد)

(۱) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت لا للقارئ، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان.

فالحاصل: أن ماشاع في زماننا من قرأة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقرأة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟! ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا اليه راجعون". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"لأن شرط الثواب الإخلاص لله تعالىٰ في العمل، والقارئ بالأجرة إنما يقرأ لأجل الدنيا لا لوجه الله تعالىٰ، بدليل أنه لو علم أن المستأجر لايدفع له شيئاً لا يقرأ له حرفاً واحداً، خصوصاً من جعل ذلك حرفته، ولذا قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن قارئ القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، ميمنية مصر)

(وكذا في البزازية، باب صلاة الجنائز، نوع آخر: ۴/۸۱، رشيديه)

(وكذا في رسالة ابن عابدين، رساله شفاء العليل وبل الغليل: ۱/۱۶۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

امامت کی تنخواہ

سوال[۱۱۰۰۰]: مساجد کے ائمہ کا کسی معین تنخواہ کے لئے اصرار کرنا اوران کی مانگ کے مطابق تنخواہ نہ دی جائے، تو امامت کا قبول نہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ امامت بلاتنخواہ کی جائے اور مقتدی امام کی ضروریات کا تکفل کریں، مگر نہ امام کو اتنا تحمل ہے، نہ وسعت اور نہ مقتدیوں کو اتنا پاس ولحاظ ہے، ان حالات کی بناء پر متاخرین فقہاء نے امامت کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے، ورنہ مساجد معطل ہوجائیں گی اور جماعت کا اہتمام نہ ہوسکے گا(۱)، لہٰذا طرفین معاملہ

---

(۱) "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز أي: بجواز الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ واستحسنوا ذلك، وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، وافتقاد من المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط مروة، يعينونهم على معاشهم ومعادهم ...... وأما اليوم فذهب ذلك كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم ...... فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن، فأفتوا بجواز ذلك، ورأوه حسناً وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۳/۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۵/۸، رشيديه)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱۵۸/۱، عثمانيه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

صاف صاف طے کرلیں اور اس کی پابندی کریں، جو تنخواہ طرفین کی رضامندی سے طے ہوجائے (کم یا زیادہ) اس کو پابندی سے ادا کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۷ھ۔

امامت کی تنخواہ اور تراویح میں سنانے کی چند صورتوں کا حکم

سوال[۱۱۰۰۱]: ......(۲):

الجواب حامداً ومصلیاً:

"۱" تا "۵" اصل یہ ہے کہ امامت بلا تنخواہ کی جائے (۳) اور کوئی معاوضہ نہ لیا جائے، مگر فقہاء نے دیکھا کہ پہلے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے، جن سے نفقات واجبہ پورے ہوجاتے تھے اور یہ علماء، قراء، حفاظ دل نہاد ہوکر یکسوئی کے ساتھ امامت، تدریس، تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے، تنخواہ لینے دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

پھر بیت المال کا حال بدل گیا، ان کے وظائف بند ہوگئے، پھر اب اگر یہ حضرات نفقات واجبہ ادا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود﴾ (المائدة: ۱)

"ویجبر المستأجر علی دفع ماقبل، فیجب المسمی بعقد، وأجر المثل إذا لم تذکر مدة". (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

"ویجبر علی دفع ماسمی". (مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) اصل کتاب میں یہ جواب اسی طرح بلا سوال مذکور ہے۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰقوم لا أسئلکم علیه أجراً إن أجری إلا علی الذی فطرنی﴾ (هود: ۵۱)

"عن بریدة رضی اللہ تعالیٰ عنها قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: من قرأ القرآن یتأکل به الناس، جاء یوم القیامة، ووجهه عظم، ولیس علیه لحم". (مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، ص: ۱۹۳، قدیمی)

"الأصل: أن کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا لقوله علیه السلام: اقرؤا القران ولا تأکلوا به". (ردالمحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

www.besturdubooks.net

کرنے کی سعی میں لگ جائیں تو امامت، تعلیم، تدریس کا کام معطل ہوتا ہے، جس سے دین کے ضیاع کا قوی مظنہ ہے۔ اگر اس سعی میں نہ لگیں اوران کو خدمات مذکورہ بالا پر مجبور کیا جائے، تو نفقات واجبہ کے ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اس لئے تحفظِ دین کی خاطر مجبوراً متاخرین فقہاء نے اجازت دی ہے کہ یہ حضرات اپنے اوقات کو خدمات مذکورہ کے لئے طے کرکے یا بغیر طے کئے معاوضہ لینے دینے کی اجازت ہے(۱)۔ جو شخص نماز پنجگانہ کا امام ہے، اگر وہ تراویح میں سنائے اور رمضان المبارک میں جس طرح ہر ایک کی روزی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوجاتا ہے، امام کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جائے، تو اس میں مضائقہ نہیں کہ مؤذن اور دیگر خانگی اور مسجد کے ملازمین کو بھی کچھ زیادہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن محض تراویح سنانے کی وجہ سے روپیہ لینا اور دینا اس حد میں نہیں آتا کہ اس کی اجازت دی جائے(۲)۔

جس جگہ یہ دستور ہو کہ امام اور اہل مسجد سب کے ذہن میں ہو کہ تخمیناً اتنا ملے گا اور اتنا دینا ہوگا، وہاں

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمه الله تعالىٰ استحسنوا على تعليم القرآن اليوم، لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"ويفتى اليوم بالجواز على الإمامة، وتعليم القرآن، والفقه ...... وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك وقالوا: بنى المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ، ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال، والفتاد من المتعلمين ...... وأما اليوم فذهب ذلك كله، وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة، واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقلما يعلمون الحسبة، ولا يتفرغون له أيضاً ...... فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القران، فأفتوا بجواز ذلك، وراوه حسناً، وقالوا: الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان". (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۳۳/۳، ۵۳۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الإجارة الفاسدة: ۱۲۴/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۱۳۸/۲، ميمنيه مصر)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۳۹۴

www.besturdubooks.net

اگرچہ زبانی طے نہ کیا جائے، تب بھی وہ طے کرنے ہی کے حکم میں ہے(۱) چاہے آپ اس کا نام ہدیہ رکھ دیں، مگر ہے وہ معاوضہ۔ اس کی کھلی نشانی یہ ہے کہ نہ ملنے پر یا تخمینہ سے کم ملنے پر امام صاحب ناک منہ چڑھاتے ہیں اور کبھی طعن تشنیع بھی کرتے ہیں، پھر بھی بعض مقتدیوں کو امام صاحب پر ترس آتا ہے، بعض کو غصہ آتا ہے اور آئندہ کے لئے امام صاحب بھی سنانے سے عذر کر دیتے ہیں، کبھی اشارہ ہی اشارہ میں مقصد بتا بھی دیتے ہیں اور کبھی کوئی لطیف وجہ بیان کر کے دوسری جگہ تجویز کر لیتے ہیں۔

اگر امام صاحب نے کچھ زیادہ مانگ لیا تھا یا کم دینے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا تھا تو مقتدی یا تو ان کے تخمینہ کے مطابق دیں گے یا پھر دوسرے امام کا انتظام کریں گے، ان حالات میں اس کو ہدیہ کہنا محض لفظی چکر ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، اگر کسی جگہ اس لینے دینے کا طریقہ اور دستور بالکل نہ ہو اور امام صاحب حسبۃً للہ سنائیں اور ان کا ذہن بالکل خالی ہو اور نہ ملنے پر ان کو خیال تک نہ آئے اور نہ ملنے پر آئندہ کوئی عذر نہ کریں، تو پھر جو کچھ پیش کیا جائے، وہ ہدیہ بن سکتا ہے اور اس کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ دوسروں کو اس سے استدلال کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لأن المعروف كالمشروط، والقران بالأجرة لايستحق الثواب، والأخذ والمعطي اٰثمان".

(ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۷، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

شبینہ پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم

سوال[۱۱۰۰۲]: یہاں بارہ گھنٹے میں قرآن ختم کیا جاتا ہے، حفاظ شرطیہ اجرت لیتے ہیں، ان کی مانگ کے مطابق دیا جائے تو وہ قرآن خوانی کریں گے ورنہ نہیں، ساری رات لاؤڈ اسپیکر میں قرآن خوانی کرتے ہیں، سامعین عدد میں کم ہوتے ہیں، قرآن کی آیات مجلس کے باہر کے لوگوں کے کانوں میں ایسے وقت میں پہنچتی ہیں، جب کہ لوگ طرح طرح کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں، کیا یہ حرکات قرآن کی آیت ﴿وأنصتوا﴾ کے خلاف نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ اجرت لینا دینا حرام ہے، اس طرح پڑھنے والے ثواب کے مستحق نہیں، بلکہ گنہگار ہیں۔ كذا في ردالمحتار(۱)، وشروح الهدايه(۲). ان حالات میں اتنا بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا احترام

---

(۱) "ولايصح الاستجار على القراءة، وإهدائها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك، وقد قال العلماء: إن القارئ إذا قرء لأجل المال فلا ثواب له فأي شيء يهديه إلى الميت، وإنما يصل إلى الميت العمل الصالح، والاستجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في علم جواز الاستجار على التلاوة والتهليل......: ۵۷/۶، سعيد)

"وقد صرح أئمتنا وغيرهم بأن القارئ للدنيا لا ثواب له، والآخذ والمعطي آثمان". (رسائل ابن عابدين، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل: ۱۶۷/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، رسائل الإجارة الفاسدة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۱۳۷/۲، المكتبة الحقانيه پشاور)

(۲) "قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ، =

www.besturdubooks.net

قرآن پاک کے خلاف ہے کہ سننے والے حق سماعت ادا نہیں کر سکتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۲۳ھ۔

تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اور اس کو فروخت کرنا

سوال [۱۱۰۰۳]: ایک حافظ قرآن نے ختم القرآن کے دن ایسا کیا کہ جو ہار پھولوں کا مقتدیوں کی طرف سے ملا تھا، انہوں نے وہیں نیلام کر دیا، اس کا نیلام تین سو بہتر روپیہ میں ہوا، وہ پیسہ انہوں نے آدھا روپیہ مسجد کی تعمیر میں فنڈ کو دے دیا اور آدھا روپیہ مدرسہ کی تعمیری فنڈ میں دے دیا، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں ہی نیلام کیا تو برا کیا، مسجد میں بیع شرا کی اجازت نہیں (۲)، اگر خارج مسجد میں نیلام کیا تو

= وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٦/٥٧، سعيد)

(١) "وفي الفتح عن الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرء القرآن، فلا يمكنه استماع القرآن، فالإثم على القارئ، وعلى هذا لوقرء على السطح والناس نيام يأثم اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، فروع في القراءة خارج الصلاة: ١/٥٤٦، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ١/٢٩٨، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة ومالايكره، ص: ٤٩٧، سهيل اكيڈمي لاهور)

(٢) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة، وعن الشراء والبيع في المسجد". (سنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد: ١/١١٧، قديمي)

"وكره إحضار بيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً للنهي". (الدرالمختار، باب الاعتكاف: ٢/٤٤٩، سعيد)

"وقيد بالمعتكف؛ لأن غيره يكره له البيع مطلقاً، لنهيه عليه السلام عن البيع والشراء في المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ١/٥٣٠، رشيديه) ....=

www.besturdubooks.net

درست ہے، یہ حکم تو نفسِ نیلام کا ہے۔ قرآن پاک تراویح میں سنانے کا معاوضہ خواہ بصورت نقد ہو یا کوئی اور چیز ہو، نیز پہلے سے طے کرلی ہو یا بغیر طے کئے صرف ذہن میں ہو، درست نہیں ہے، خاص کر جب کہ حافظ صاحب کو دینے کا رواج بھی ہو(۱)، حافظ صاحب نے اس کو اپنے پاس نہیں رکھا، بلکہ مدرسہ و مسجد میں دے دیا، اچھا کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ملتقى الأبحر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۳۷۹، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، ص: ۱۹۳، قديمي)

"الأصل: أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه السلام: اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به ...... ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهله فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره". (ردالمحتار، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۲، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجموعه رسائل ابن عابدين، الرسالة الرابعة: ۱/۱۶۷-۱۶۹، عثمانيه كوئته)

www.besturdubooks.net

الفصل الرابع في الاستئجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

تقریر کرانے پر اجرت

سوال[۱۱۰۰۴]: تقریر کے لئے جو روپے پیش کئے جاتے ہیں، ان کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستقلاً ملازمت اور ماہانہ تنخواہ لینا درست ہے، ایک تقریر پر درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان ...... وزاد بعضهم: الأذان، والإقامة والوعظ، ویجبر المستأجر علی دفع ماقبل، فیجب المسمی بعقد، وأجر المثل إذا لم تذکر مدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۵، ۵۶، سعید)

"الاستئجار علی الطاعات کتعلیم القرآن، والفقه، والتدریس، والوعظ لایجوز، والمتأخرون علی جوازه ...... وفتوی علماء نا: أن الإجارة إن صحت یجب المسمی، وإن لم تصح یجب أجر المثل ...... والحیلة: أن یستأجر المعلم مدة معلومة ثم یأمره بتعلیم ولده". (الفتاوی البزازیة، کتاب الإجارة، نوع في تعلیم القرآن: ۵/۳۷، ۳۸، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

www.besturdubooks.net

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

وعظ وتعویذ پر معاوضہ لینا

سوال[۱۱۰۰۵]: تعویذ دے کر یا وعظ کہہ کر روپیہ لینا دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ کہنے کی اگر نوکری کرے اور تنخواہ مقرر ہو جائے، تو تنخواہ لینا درست ہے(۱)، تعویذ اگر جانتا ہے اور اس میں کوئی بات خلافِ شرع نہیں لکھتا، تو اس کی اجرت میں روپیہ لینا بھی درست ہے(۲)، یہ دونوں مسئلے

---

(۱) "(و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان". (الدرالمختار). "(قوله: ويفتى اليوم الخ) ...... وزاد بعضهم، الأذان والإقامة والوعظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة: ۵۵/۶، سعيد)

"قال الإمام الفضلي: والمتاخرون على جوازه، والحيلة: أن يستأجر المعلم مدة معلومةً، ثم يأمره بتعليم ولده". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن والحرف: ۳۷/۵، ۳۸، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، مطلب: استاجره ليؤم الناس، كتاب الإجارة: ۱۱۳/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة: شفاء العليل: ۱۶۱/۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) "عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: "أعرضوا عليّ رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك" رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول، ص: ۳۸۸، قديمي)

"ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

"وأما حديث رهط الذين رقوا لديغاً بالفاتحة، وأخذوا جعلاً، فسألوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، =

www.besturdubooks.net

ردالمحتار کی پانچویں جلد میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

تعویذ پر اجرت

سوال [۱۱۰۰۶]: تعویذ پر اجرت لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ علاج ہے، جاننے والے کو اس پر پیسے لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فقال: أحق ما أخذتم عليه أجراً، كتاب الله، فمعناه "إذا رقيتم به" كما نقله العيني في شرح البخاري عن بعض أصحابنا، وقال: إن الرقية بالقرآن ليست بقربة، أي: لأن المقصود بها، الاستشفاء، دون الثواب". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: في حكم الاستئجار على التلاوة: ۱۳۸/۲، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، الفصل الرابع: ۴۵۰/۴، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۱۱۲/۳، امجد اکیڈمی لاهور)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، أن رهطا من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انطلقوا في سفرة سافروها، فنزلوا بحي من أحياء العرب فقال بعضهم: إن سيدنا لدغ، فهل عندكم شيء ينفع صاحبنا؟ فقال رجل من القوم نعم! والله لأرقي ولكن استضفناكم فأبيتم أن تضيفونا، ما أنا براق حتى تجعلوا لي جعلاً، فجعلوا له جعلا قطعة من الشاة، فأتاه فقرأ عليه أم الكتاب ويتفل حتى برئ ...... فغدوا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أين علمتم أنها رقية، أحسنتم اقتسموا، واضربوا لي معكم بسهم في الحديث دليل على أن يجوز الأجرة على الرقى والطب". (بذل المجهود، باب كيف الرقى: ۱۱/۵، معهد الخليل كراچی)

"جاز الاستئجار على الرقية ولو كانت بالقرآن؛ لأنها لم تفعل قربة لله تعالىٰ بل للتداوي، فهي كصنعة الطب وغيرها من الصنائع". (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة: ۱۵۷/۱، عثمانيه كوئٹه)

"جوزوا الرقية بالأجرة، ولو بالقرآن كماذكره الطحطاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۷/۶، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب الاستئجار علی المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

جاندار کی تصاویر کو فریم کرنے کی اجرت

سوال[۱۱۰۰۷]: زید ایک دکان فریم بنانے کی کرنا چاہتا ہے، شیشہ کا فریم ہوگا، اس میں بہت سے لوگ سندیں، سرٹیفکیٹ، عمارت کی تصویر، بیل بوٹے، باغات جھاڑیاں وغیرہ فریم کرائیں گے، لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ جب زید یہ کام شروع کرے گا، تو بہت سے مسلم اور غیر مسلم جاندار چیزوں کی تصویریں لائیں گے اور اسے فریم کرنے کے لئے کہیں گے، اب سوال یہ ہے کہ زید اسے فریم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا تو حرام اور کبیرہ گناہ ہے(۱)، اس کو اجرت پر فریم کرنا اس حکم میں نہیں، بلکہ اس میں تخفیف ہے، اس میں ایک حرام چیز کا فی الجملہ استحکام واعزاز بھی ہے، اس لئے مکروہ ہے، اس کی اجرت میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۵/۱۱ھ۔

---

(۱) "وظاهر كلام النووي في شرح المسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۶۴۷/۱، سعيد)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنه متوعد عليه". (شرح النووي على صحيح مسلم، باب تحريم صورة الحيوان: ۱۹۹/۲، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة: ۱۱۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲) .... —

www.besturdubooks.net

سینما کی آمدنی

سوال[۱۱۰۰۸]: زید کا ایک منی فلم (یعنی چھوٹا سینما) ہے، وہ اس کو ایک رات دوسو روپے کرایہ پر دیتا ہے، لوگ اس کو منع کرتے ہیں کہ تو اس حرام کام سے باز آجا، منہ سے تو برا کہتا ہے، لیکن عمل کے اندر سینما چالو رکھتا ہے، بکر نے زید کو کہا کہ تم حرام خوری کیوں کرتے ہو، ایک تو سینما دیکھنا گناہ، تم دکھاتے ہو اور آمدنی سے اپنا پیٹ بھی بھرتے ہو۔

اچھا تم ایک کام کرو، مجھے پانچ سو روپیہ ہر مہینہ دو یا اپنی خوشی سے جو بھی دو، لیکن ہر مہینہ دو یا ایک ساتھ دس ہزار روپے دے دو تو میں تم کو ایک ترکیب بتلا دوں، زید نے کہا کہ پھر پوچھنے کی کیا بات ہے، میں راضی ہوں، تم ترکیب بتلاؤ، تو بکر نے کہا کہ دیکھو! تم سینما چلاتے ہو، یہ ہوا حرام اور اس کی آمدنی بھی حرام سے ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بکر کا اس ترکیب سے ہر مہینہ پانچ سو روپے لینا یا وہ خوشی سے جو دے اس کو بتا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بتایا تو کیا بکر گنہگار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبدل ملک سے اگر تبدل عین کا حکم ہو جائے، تو اس سے سینما کی آمدنی کیسے درست ہو جائے گی؟ اور

= "يأمر تعالى عباده المؤمنين على فعل الخيرات ...... وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير، المائدة: ۲/ ۱۰، دار السلام رياض)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: قوله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ فيعم النهي كل ماهو من مقوله الظلم والمعاصي". (روح المعاني: ۶/ ۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من استأجر حمالاً يحمل له الخمر، فله الأجر في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعند أبي يوسف ومحمد لا أجر له ...... وذكر في الجامع الصغير: يطيب له الأجر في قول أبي حنيفة، وعندهما يكره، لهما: أن هذه إجارة على المعصية ...... لكونه إعانة على المعصية، وقد قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارات: ۴/ ۴، رشيديه)

"وفي نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالى: استأجر رجلاً ليصور له صوراً أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط فإني أكره ذلك وأجعل له الأجرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب في الإجارة على المعاصي: ۴/ ۴۵۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

یہ کاروبار کیسے جائز ہو جائے گا(۱)؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۹۶ھ۔

چنگی کی ملازمت کا حکم

سوال[۱۱۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ زید اکل حلال کے ذریعہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، موصوف میونسپلٹی میں ملازم ہے اور زید کے ذمہ ملازم ہونے کی حیثیت سے دو کام سپرد ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں ہے:

۱......میونسپل بورڈ کی چنگی کے ذریعہ وصول کیا گیا محصول کی نگرانی کرنا اور شہر میں باہر سے مال لانے والوں کو محصول ادا کرنے پر مجبور کرنا، ایسے مال مالکوں سے جو مال بغیر محصول ادا کئے ہوئے شہر میں آجاتے ہیں، گرفت کرکے ان سے اصل محصول سے پانچ گنا یا بیس گنا تک تاوان وصول کرنا۔

---

(۱) سینما خواہ کسی کی بھی ملک ہو، اس کو کرایہ پر دینا اور اس کو ذریعہ آمدنی بنانا حرام ہے، اس لئے کہ گانا اور تصویر حرام اور معصیت بعینہ ہے اور اجارہ علی المعاصی ناجائز ہے اور سینما نام ہی ان دو چیزوں کا ہے۔

"قال رحمه الله تعالى: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه؛ لأن المبادلة لاتكون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر، وقبضه لايحل، ويجب عليه رده على صاحبه ...... وفي المضمرات: الغناء حرام في جميع الأديان". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۵، ۳۶، رشيديه)

"لاتجوز الإجارة على شيء من الغناء، والنوح، والمزامير، والطبل، وشيء من اللهو؛ لأنه معصية، والإجارة على المعاصي باطل". (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۴، حبيبيه كوئٹه)

"لو استأجر رجلاً ينحت له أصناماً، أو يزخرف له بيتاً بتماثيل، والأصباغ من رب البيت فلا أجر، وكذا لو استأجر نائحة أو مغنية فلا أجر لها؛ لأن فعلها معصية". (المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع آخر في الاستئجار على المعاصي: ۹/۱۸۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۸، ۱۱۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۱۰۰، رشيديه)

www.besturdubooks.net

۲......شہر کی حدود کے اندر تمام مکانات دکانات وغیرہ پر خواہ وہ کرایہ پر ہوں یا اپنے نجی استعمال میں ہوں، اوسطاً سالانہ آمدنی کرایہ کا دس فیصدی ٹیکس وصول کرنا، ادا نہ کرنے کی صورت میں مکان یا دکان کی قرقی کرانا، آیا یہ نوکری شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ارقام فرمائیں۔

۳......ملازمین قانونی خلاف ورزی کرتے ہوئے پکڑے جائیں، جیسے مال مالکوں سے چنگی کی شرع کے مطابق پورا محصول وصول نہ کر کے اپنے فائدے کے لئے واجب محصول سے کم رقم لیکر مال مالکوں کو بغیر رسید دیئے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں، اس کا علم ہونے پر قانونی کارروائی کئے جانے پر ملازمین معطل یا ملازمت سے برطرف یا ان پر کوئی جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے، اس لئے اگر ان کی کچھ خامیوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جب کہ اکثریت ملازمین کی مسلم ہے، تو عند اللہ مواخذہ دار تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر حکومت کی طرف سے شہر میں آنے والے تاجروں کے مال کی حفاظت کا انتظام ہے کہ وہ اس انتظام کی بدولت اپنے پورے سامان تجارت کو لے کر عافیت کے ساتھ شہر میں پہنچ جاتے ہیں اور یہاں کاروبار کرتے ہیں، مال فروخت کر کے روپیہ لے کر عافیت کے ساتھ پہونچ جاتے ہیں، ان کا راستہ میں نہ مال ضائع ہوتا ہے نہ روپیہ تو اس حالت میں چنگی حسب ضابطہ وصول کرنا درست ہے(۱)، اس کی ملازمت، نگرانی بھی درست ہے، لیکن خلاف ورزی کرنے والوں سے مال جرمانہ وصول کرنے کی اجازت نہیں، مال جرمانہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔

---

(۱) "وقال أبوجعفر البلخي: مايضر به السلطان على الرعية مصلحة لهم يصير دينا واجباً وحقا مستحقاً كالخراج، وقال مشايخنا: وكل مايضر به الإمام عليهم لمصلحة لهم، فالجواب هكذا حتى أجرة الحراسين لحفظ الطريق واللصوص ونصب الدروب، وأبواب السكك ...... لايجوز الامتناع عنه وليس بظلم". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۳۳۶/۲، ۳۳۷، سعيد)

"وإنما ينصب ليأمن التجار من اللصوص، ويحميهم منهم، فيستفاد منه أنه لا بد أن يكون قادراً على الحماية؛ لأن الجباية بالحماية". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۴۰۲/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط ولاية الأخذ: ۱۳۷/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

"في الدر المختار: "كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. قال الشامي: ناقلاً عن البحر والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" شامي كراچي، ص: ٦٢(١).

شہر میں اگر مکان دکانوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دار مقرر ہیں، جن کی وجہ سے چوری وڈاکہ سے حفاظت رہتی ہے، تو اس حفاظت کے معاوضہ کے طور پر کچھ وصول کرنا یہ بھی درست ہے، اس کی ملازمت بھی درست ہے، لیکن حفاظت کا انتظام نہیں، راستہ میں یا شہر میں چوری بھی ہوتی ہے، ڈاکہ بھی پڑتا ہے اور جو نقصان ہوا، اس کا معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا۔

بلکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ راستہ میں کچھ مال ڈاکوؤں نے چھین لیا، کچھ معمولی باقی بچا اس کو لے کر شہر میں آئے تو چنگی والوں نے وصول کرلیا، پھر شہر میں آکر وہاں ٹیکس ادا کرنا پڑا، اگر ٹیکس ادا کرنے کو کچھ پاس نہیں تھا، تو مکان کی قرقی (۲) کی نوبت آئی یا اس سواری کی قرقی کرلی گئی جس پر مال لائے تھے، تو یہ غریب خالی ہاتھ خسارے ہی خسارے میں رہا، آئندہ کو مال لانے سے روک دیا گیا، بیوی بچے پریشان رہے، ان کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں رہا، یہ خود جیل میں مصیبت بھرتا رہا، ایسی ملازمت اعانت جرم ہے، جو شرعاً درست نہیں (۳)۔

۲...... جو صورت ظلم کی ہو، اس سے درگزر کیا جائے (۴)، جو محصول شرعاً واجب الادا ہو، اس سے

---

(١) (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في تعزير أخذ المال: ۶۱/۴، ۶۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۱/۲، دار المعرفة بيروت)

(۲) "قرقی: ضبطی، روک، ممانعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۵۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه، قال سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: لايدخل الجنة صاحب مكس يعني العشار". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۲۶/۵، رقم الحديث: ۱۶۸۷۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وما ورد في ذم العاشر محمول على من يأخذ أموال الناس ظلماً كما يفعله الظلمة اليوم".

(تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۸۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العاشر: ۴۰۳/۲، رشيديه)

(۴) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

www.besturdubooks.net

درگزر کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۹ھ۔

اپنی زمین فرم کو کرایہ پر دینا

سوال[۱۱۰۱۰]: کسی فرم کو جائیداد کرایہ پر دینا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس جگہ (Hire Purchase) کا کاروبار کرے گی، جائز ہے؟ اور اگر ایسی جائیداد ترکہ میں اس حال میں ہے کہ پہلے ہی سے "ہائر پرچیز" کا اس میں کاروبار ہو رہا ہو، تب کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ "وهو الأوسع". اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ "وهو الأورع"

"وجاز إجارة بيت ليتخذ بيت نار، أو كنسية، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، وقالا: لاينبغي ذلك" اهـ درمختار وبسط النقول الشامي". (الدر المختار مع هامش الشامي نعمانيه، كتاب الحظر والإباحة: ٥/٢٥١)(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

---

(۱) یہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی، خیانت اور اعانت علی الاثم کے زمرے میں آتا ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : اية المنافق ثلاثة ...... إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ١٧، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ١/١٠، قديمي)

قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ٢)

(٢) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٢، سعيد)

"إذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما". (الفتاوىٰ =

www.besturdubooks.net

فاحشہ کو زمین کرایہ پر دینا

سوال[۱۱۰۱۱]: ایک حاجی صاحب نے اپنی زمین ایک عورت جو فاحشہ ہے، کو فعلِ بد کے لئے کرایہ پر دے دی ہے، اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فعلِ بد کے لئے زمین دینا تو جائز نہیں(۱)، اگر رہنے کے لئے زمین دی ہے اور وہ اس پر فعلِ بد ہی کرے گی، تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس پر ناجائز ہونے کا حکم نہیں ہے(۲)، البتہ فعلِ بد سے کمایا ہوا روپیہ کرایہ میں لینا درست نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۲/۸۷ھ۔

= العالمكيرية، كتاب الإجارة، نوع في الاستئجار على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

"لو استأجر الذمي من المسلم بيتاً يبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولا بأس للمسلم أن يؤاجر داره من ذمي يسكنها، وإن يشرب فيها الخمر، أو عبد فيها الصليب، أو أدخل فيها الخنازير، فذلك لايلحق المسلم كمن باع غلاماً ممن يقصد به الفاحشة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۳۲۴، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الإجارات، نوع آخر في الاستئجار على المعاصي: ۹/۱۰۹، غفاريه كوئته)

(۱) "لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصي". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجاره على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

(۲) قال المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالىٰ:

"كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزياً للهيثمي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لايجوز قصداً ويجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا أصالةً وقصداً". (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف كراچي)

"قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً كالشرب في البيع، والبناء في الوقف". =

www.besturdubooks.net

کیا نائی کی مزدوری حرام ہے؟

سوال[۱۱۰۱۲]: نائی کی روزی حرام بتائی جاتی ہے، کیوں بتائی جاتی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، اگر نائی کی روزی حرام ہے تو اس سے چندہ لے کر مدارس دینیہ ومساجد میں کیوں لگایا جاتا ہے؟ بے نمازی کی روزی بھی حرام ہے اور بے نمازی مسجد اور مدرسہ میں چندہ کی رقم دیتا ہے، لینے والے شخص کو خوب معلوم ہے کہ یہ بے نمازی ہے، پھر اس سے پیسہ کیوں لیا جاتا ہے، نیز مدارس میں نمازی بے نمازی سب کا پیسہ جاتا ہے، ان یتیم بچوں کو حرام غذا کھلا کر تعلیم حاصل کراتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ نمازی آدمی اور دین دار آدمی کو حلال وطیب روزی کھلانی چاہیے۔

ایک طرف علماء تو کہتے ہیں کہ حلال روزی کمانی اور کھانی چاہیے، پھر وہ علماء چندہ کر کے حرام روزی طلبہ کو کیوں کھلاتے ہیں؟ مسجد میں بے نمازی سے جبراً پیسہ لے کر لگاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو نائی سر مونڈھتا ہے، مونچھیں صحیح طریقہ پر بناتا ہے، ناخن تراشتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے، تو اس کی کمائی حرام نہیں (۱)، آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ نائی کی روزی مطلق حرام ہے، جو شخص شریعت کے مطابق

= (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۳۶۱/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۴/۵، رشيديه)

(۳) "إن علم أنه مغصوب عينه، لايحل أن يأكل؛ لأنه علم بالحرمة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة: ۴۰۰/۳، رشيديه)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه، قال احتجم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۳۰۴/۱، قديمي)

"واختلف العلماء بعد ذلك في هذه المسألة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج =

www.besturdubooks.net

تجارت، زراعت، وقت مزدوری سے روزی کماتا ہے، وہ حرام نہیں، اگرچہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس روزی کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ جبراً پیسہ لینا نہ نمازی سے درست ہے، نہ بے نمازی سے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

نائی کی اجرت

سوال [۱۱۰۱۳]: ایک مقرر صاحب نے ایک تقریر میں یہ فرمایا کہ بال بری کی اجرت حرام ہے، جب سے احقر نے یہ سنا ہے، بے حد پریشان ہے، احقر کا یہی پیشہ ہے، لہٰذا اپنی کمائی خیر خیرات کرتا اور زکوۃ دیتا ہے، مسجد اور مدرسہ میں حتی الامکان اپنا روپیہ صرف کرتا ہے اور نیز کھانا، پینا، پہننا سب اسی کمائی سے ہی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بال بر اگر شریعت کے مطابق سر مونڈتا، لبیں بناتا، بغلیں مونڈتا، ناخن تراشتا ہے تو اس کی اجرت حرام

= الحجام: ۵۷۸/۴، قدیمی)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ...... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۶۰/۱۲، ۱۶۱، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۵۴۴/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب جارية فباعها: ۱۶۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔شاید لفظ حجام سے شبہ ہوا ہوگا کہ اس کی اجرت کو حدیث میں خبیث فرمایا گیا ہے(۲)، وہاں حجام سے باربر مراد نہیں، بلکہ پچھنا لگانے والا مراد ہے، عربی میں باربر کو حجام نہیں کہتے، بلکہ حلاق کہتے ہیں اور حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں، البتہ داڑھی مونڈنا باربر کے لئے بھی ناجائز ہے(۳)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه، قال احتجم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واعطى الحجام أجره ولو علم كراهية لم يعطه". (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۱/۳۰۲، قديمي)

"واختلف العلماء بعد ذلك في هذه المسالة فذهب الجمهور إلى أنه حلال واحتجوا بهذا الحديث، وقالوا: هو كسب فيه دناءة وليس بمحرم". (فتح الباري، كتاب الإجارة، باب خراج الحجام: ۴/۵۷۸، قديمي)

"فأما استئجار الحجام لغير الحجامة، كالفصد وحلق الرأس وتقصيره والختان وقطع شيء من الجسد للحاجة إليه فجائز ...... ولأن هذه الأمور تدعو الحاجة إليها ولا تحريم فيها، فجازت الإجارة فيها وأخذ الأجرة عليها كسائر المنافع المباحة". (إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب كسب الحجام: ۱۲/۱۶۰، ۱۶۱، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغي خبيث، وكسب الحجام خبيث". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم ثمن الكلب، ص: ۶۸۵، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۱/۵۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في ثمن الكلب: ۲/۲۹۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصي". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الاستيجار على المعاصي: ۶/۵۵، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۲/۲۳۳، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، مطلب الإجاره على المعاصي: ۴/۴۴۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مزارعت یا مساقات کا معاملہ

سوال[۱۱۰۱۴]: فصل آنے سے پہلے پانچ سال کے لئے فصل ستر ہزار میں خریدی، اس کے ساتھ ساتھ مالک سے کہا گیا: ہم اس کے اندر کچھ پیڑ مختصر لگائیں گے، اس میں آپ کا ساجھا(۱) رہے گا اور زمین اور پانی آپ کا کھاد اور اوپر کا خرچ تمام ہمارا ہوگا، شریعت کی روشنی میں جواب درکار ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

باغ میں پھل موجود نہیں، زمین میں فصل موجود نہیں، پھر پانچ سال کے لئے اس کو خریدنا معدوم کو خریدنا ہے، یہ بیع شرعاً درست نہیں(۲)، ہاں! زمین میں چاہے باغ کی زمین ہو یا خالی ہو، کھیتی کرنے کے لئے اور پیڑ لگانے کے لئے اجارہ کا معاملہ کر لینا درست ہے(۳) اور مزارعت، یعنی پیداوار کی شرکت اور مساقات یعنی

---

(۱) "ساجھا: کسی کام میں حصہ داری یا شراکت"۔ (فیروز اللغات، ص:۸۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ومنها في المبيع وهو أن يكون موجوداً، فلا ينعقد بيع المعدوم". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۲/۳، رشيديه)

"وكونه مقدور التسليم، فلا ينعقد بيع المعدوم". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(۳) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة وإلا فهي فاسدة للجهالة". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

درختوں کے پھل میں شرکت کا معاملہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدارِ غلہ طے کر کے زمین کاشت کے لئے دینا

سوال[۱۱۰۱۵]: ہمارے یہاں زمین قول کو دی جاتی ہے، یعنی کاشت کار سے اقرارنامہ لکھوا کر اپنی زمین پر اس کو کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، اقرارنامہ کے ذیل میں درج کی گئی کئی صورتیں ہوتی ہیں:

۱......نقد روپیہ لے کر زمین پر کاشت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

۲......فصل سے پہلے ہی یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ جو بھی فصل ہوگی، اس میں معینہ مقدار مثلاً: دس من غلہ

= "قوله: (والأراضي للزراعة أن يبين ما يزرع فيها أو قال عليّ أن أزرع فيها ما أشاء) أي: صح ذلک للإجماع العملي عليه". (البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً فیها: ۵۱۸/۷، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز، الفصل الأول: ۴۴۰/۴، رشیدیه)

(۱) "(هي) لغة: مفاعلة من الزرع، وشرعاً (عقد علی الزرع ببعض الخارج) ...... (ولا تصح عند الإمام)؛ لأنها کقفیز الطحان (وعندهما تصح وبه یفتی) للحاجة". (الدرالمختار، کتاب المزارعة: ۲۷۴/۶، ۲۷۵، سعید)

"(أما شرعیتها) فهي فاسدة عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعندهما جائزة، والفتویٰ علی قولهما لحاجة الناس". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب المزارعة، الباب الأول في شرعیتها وتفسیرها ورکنها وشرائط جوازها وحکمها وصفتها: ۲۳۵/۵، رشیدیه)

"وشرعاً: معاقدة (دفع الشجر) والکروم ...... (إلی من یصلحه بجزء) معلوم من ثمره، وهي کالمزارعة حکماً وخلافاً". (الدرالمختار، کتاب المساقاة: ۲۸۵/۶، ۲۸۶، سعید)

"المعاملة في الأشجار والکرم بجزء من الثمرة فاسدة عند أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ وعندهما جائزة إذا ذکر مدة معلومة وسمی جزأ مشاعاً، والفتویٰ علی أنه تجوز وإن لم یبین المدة، کذا في السراجیة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب المعاملة، الباب الثاني في المتفرقات: ۲۷۸/۵، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

زمین دار کو دیا جائے گا، چاہے پیداوار اچھی ہو یا خراب ہو، دونوں صورتوں میں معینہ مقدار، فول دار، زمین دار کو دیتا ہے۔ کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ اگر نہیں، تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ صورت جائز ہے (۱)۔

۲...... یہ صورت جائز نہیں (۲)، ہاں! اگر اس طرح معاملہ کیا جائے کہ یہ زمین تم کو دی جاتی ہے، اس میں جو دل چاہے کاشت کرو، ہم کو اس کے معاوضہ میں دس من فلاں غلہ دے دو، تو جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

---

(۱) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال عليّ أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة وإلا فهي فاسدة للجهالة، وتنقلب صحيحة بزرعها ويجب المسمى". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۵۱۸/۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۱۶/۴، رشيديه)

(۲) "يعني لو شرطا لأحدهما قفزاناً معلومة تفسد؛ لأنه يؤدي إلى قطع الشركة في المسمى كما تقدم".

(البحر الرائق، كتاب المزارعة: ۲۹۳/۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب المزارعة: ۲۷۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها وتفسيرها وركنها الخ: ۲۳۵/۵، رشيديه)

(۳) "يشترط أن تكون الأجرة معلومة، سواء كانت من المثليات أو من القيمات أو كانت منفعة أخرى؛ لأن جهالتها تفضي أيضاً إلى المنازعة فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ۲۵۴/۱، رقم المادة: ۴۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجاره، الباب الأول في تفسير الإجارة، وركنها، وألفاظها، وشرائطها، وبيان أنواعها الخ: ۴۱۲/۴، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الإجارة: ۵/۶، سعيد)

www.besturdubooks.net

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

دوسرے کی زمین کو غصب کرنا

سوال[۱۱۰۱۶]: زید، عمر، بکر تین آدمی ہیں، بکر نے کچھ زمین عمر کی اور کچھ زید کی زبردستی اپنے قبضے میں رکھی تھی، پٹواری نے بکر کی کچھ زمین زید کے نام درج کردی، جس سے قانونی طور پر بکر کی زمین کا مالک زید ہوگیا، زید کی جس زمین پر بکر کا زبردستی قبضہ تھا وہ اور تھی اور بکر کی جو زمین زید کے نام دے دی گئی، وہ اور ہے، مگر قیمت میں دونوں برابر ہیں۔

بکر کی زمین جو قانونی طور پر زید کے نام دے دی گئی، اس میں کچھ پیڑ ہیں، جس کی وجہ سے بکر کی زمین کی قیمت کچھ زیادہ بن گئی، عمر نے بکر سے تنگ آکر اپنی زمین عطیہ کے طور پر زید کو دے دی، زید نے عمر والی اور بکر والی دونوں زمین بذریعہ مقدمہ حاصل کرلی، زید کچھ زمین مذکورہ بالا بکر کے قبضہ میں ہے، اب زید آخرت کے مواخذہ کے ڈر سے بکر کی زمین واپس کرنا چاہتا ہے، مگر بکر کہتا ہے کہ عمر والی عطیہ زمین بھی جس پر غیر شرعی قبضہ بکر کا تھا، وہ بھی واپس کرو، اس صورت میں بکر والی زمین زید کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کی زمین کو غصب کرنا گناہِ کبیرہ اور سخت جرم ہے(۱)، غاصب سے اپنا حق وصول کرنا شرعاً

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول: ۱/۵۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)=

www.besturdubooks.net

درست ہے، خواہ قیمت کی صورت میں ہو، جس جس کی زمین ناحق قبضہ میں ہے، اس کو واپس کرنا ضروری ہے یا پھر رضامندی سے اس کی قیمت دے دی جائے (۱)، اگر حق دار کو اس کا حق دیا جائے تو اس کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص کا بھی حق واپس کرو، یعنی اپنا حق قبول کرنے کے لئے یہ شرط نہ لگائے، ہاں! نصیحت وعہد کے طور پر کلمہ خیر کہہ دے ترغیب دے دے تو درست ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۲/۲۹ھ۔

حکومت سے دوسرے کے نام سے زمین الاٹ کرائی، اس کا مالک کون؟

سوال[۱۱۰۱۷]: آج سے تقریباً ۱۵/ سال پہلے راجستھان سرکار نے ایسے کسانوں کو جن کے پاس کاشت کی زمین نہیں تھی، بلا قیمت زمین الاٹ کرنے کی اسکیم چلائی تھی، زید اس وقت اپنے گاؤں میں سرپنچ تھا۔ زید کے پاس کاشت کے لئے پہلے سے کافی زمین تھی، اس لئے اس اسکیم کے تحت زمین حاصل نہیں کرسکتا تھا، زید نے زمین حاصل کرنے کی غرض سے اپنے نام کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی عمر کے نام سے درخواست دے کر جس کے پاس زمین کاشت پہلے سے نہیں تھی اور عمر اس اسکیم میں قانوناً زمین لے سکتا تھا، عمر کے نام ۱۵/ بیگھہ زمین الاٹ کروالی اور اس میں کاشت کرتا رہا۔

زید نے اس بات کو اپنے بھائی عمر کو نہیں بتلایا کہ میرے پاس ۱۵/ بیگھہ زمین تمہارے نام سے ہے؛ پچھلے سال عمر کو اس بات کا علم ہوا کہ زید کے پاس ۱۵/ بیگھہ کا الاٹ ہے، وہ اس کے نام میں ہے، عمر نے زید سے درخواست کی کہ اس زمین میں مجھے کاشت کرنے دو، کیونکہ حکومت نے میرے نام سے الاٹمنٹ دیا ہے، زید زمین پر اپنی ملک بتاتا ہے اور چھوڑنا نہیں چاہتا ہے، یہ زمین آج بھی سرکاری کاغذوں میں عمر کے نام ہے۔

۱......زید کا عمر کے نام پر اس طرح زمین حاصل کرنا کیسا ہے؟

= (وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۱) "حكمه ...... رد العين قائمة والغرم هالكة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب الغصب: ۲/۲۶۲، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

۲......زمین کا شریعت کی رو سے مالک کون ہے؟

۳......اگر زمین کا مالک عمر ہے تو اتنے سالوں سے زید اس کو کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۴......اگر زید زمین کا مالک ہے، تو عمر کو زید کے نام زمین ٹرانسفر کرنے کے لئے کوئی شرط لگانے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ طریقہ غلط ہے (۱)۔

۲......جو عمر کے نام سے الاٹ ہوئی ہے، عمر ہی مالک ہے (۲)۔

۳......وہ غلط طریقہ پر کاشت کرتا رہا اور آمدنی لیتا رہا (۳)۔

۴......زید کو چاہئے کہ وہ زمین عمر کے حوالہ کردے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۹ھ۔

---

(۱) اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ دینا ناجائز ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه : أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : قال: من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش الخ: ۱/۲۴۵، قديمي)

(۲) "وحكمها: ثبوت الملك للموهوب له غير لازم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعيد)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان".

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۳، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۴) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان =

www.besturdubooks.net

دوسرے کی زمین میں پودے لگانا

سوال[۱۱۰۱۸]: زید کی زمین پر بکر نے ''کوکا''(۱) کے پودے لگانے کا خیال ظاہر کیا، زید کو منظور نہیں تھا، اس لئے انکار کرتا رہا، مگر بکر برابر اصرار کرتا رہا اور زید کی مرضی کے بغیر کوکا کے پودے لگا دیئے، ہم وطن اور تعلقات کی وجہ سے زید خاموش ہوگیا، بکر کی مالی حالت کمزور تھی، اس خیال سے کہ اگر میں مدد نہیں کرتا تو میری زمین خراب ہوجائے گی، بکر کو گھاس مارنے کے لئے زہر اور کھاد وغیرہ اور مزدوروں کی مزدوری دیتا رہا، دوسال کے بعد پودوں نے پھل دینا شروع کیا، جن سے بکر مستفیض ہوتا رہا، دس سال کے قریب ہورہا ہے، بکر کا یہاں پر انتقال ہوگیا ہے۔

اب حل طلب بات یہ ہے کہ بکر نے جو پودے زید کی زمین پر لگائے ہیں کیا بکر کی ملکیت مانی جائے گی؟ یہاں بکر کا کوئی وارث نہیں ہے، سب ہندوستان (میں ہیں)، جو دارالحرب ہے اور یہاں اسلامی مملکت ہے، زید خود پودوں کی نگہداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو نگرانی میں دینا چاہتا ہے، کوکا کے پودے ناریل کے درختوں کے نیچے لگائے جاتے ہیں، کیونکہ ان کو سایہ کی ضرورت ہوتی ہے، کوکا کے پودے کی عمر کم وبیش تیس سے چالیس سال کی ہوتی ہے، اب تک دس سال گزر چکے ہیں، زمین اور ناریل زید کے ہیں۔

(از پاکستان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

''ومن بنیٰ أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد، وللمالك أن يضمن له قيمة بناء، أو شجر؛ أمر بقلعه إن نقصت الأرض به اهـ''

تنوير الأبصار.

= ضامناً''. (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۱، رقم المادة: ۹۲، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''وعلی الغاصب رد العين المغصوبة ..... لقوله عليه السلام: ''على اليد ما أخذت حتى ترد''.

(الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۲۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) ''کوکا: سرخ کنول''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۲۰، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

"قوله: (إن نقضت الأرض به) أي: نقصانا فاحشاً بحيث يفسدها، أما لو نقصها قليلاً فيأخذ أرضه، ويقلع الأشجار، سنائحانی عن المقدسي اھ" (الدرالمختار مع هامش الشامي نعمانيه، كتاب الغصب: ۱۲٤/٥)(۱)۔

اگر ان پودوں کو اکھاڑنے اور کاٹنے سے زمین میں نقصان زیادہ ہو، تو ان پودوں کی قیمت جن کے کاٹ ڈالنے کا حکم ہے، پودا لگانے والے کے ورثاء کو دے دی جائے، پھر وہ پودے مالک زمین کے ہو جائیں گے، اس مرحوم کے ترکہ کی وراثت بھی تو کسی ہندوستان میں رہنے والے وارث کو ملی ہوگی، اسی طرح یہ قیمت بھی دے دی جائے، اختلاف دارین حق مسلم میں مانع عن الارث نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۴۰۶ھ۔

دوسرے کی زمین اپنے نام کرالینا اور وعدہ خلافی کرنا

سوال [۱۱۰۱۹]: ۱.....ایک صاحب ہیں، جن کا نام تھا رسول احمد، ان کے چار لڑکے تھے، اصغر حسین، سکندر حسین، روشن حسین اور امجد حسین۔ رسول احمد کی جملہ جائیداد ان چاروں بھائیوں میں تقسیم ہوئی اور اب تک چلی آرہی ہے۔ نیز اب بھی جملہ وارثین قابض ہیں، لیکن ۴۷ء کے بعد سکندر حسین کے صاحبزادوں

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، قبيل مطلب زرع في أرض الغير يعتبر عرف القرية: ۱۹۴/۶، ۱۹۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الغصب: ۲۱۲/۸-۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۳۲۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "الرابع: اختلاف الدارين فيما بين الكفار عندنا، خلافاً للشافعي حقيقة أو حكماً، كمستامن وذمي، وكحربيين من دارين مختلفين، كتركي وهندي لانقطاع العصمة بخلاف المسلمين". (الدرالمختار).

"(قوله بخلاف المسلمين) محترز قوله فيما بين الكفار أي: اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۷۶۸/۶، سعيد)

"ولكن هذا الحكم في أصل الكفر لا في حق المسلمين، حتى إن المسلم إذا مات في دارالإسلام، وله ابن مسلم في دارالهند أو الترک يرث". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴۹۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

نے دس گنا لگان (۱) ادا کر کے ایک مشترک زمین کو کسی طرح پوشیدہ طور پر اپنے نام کرالیا، جب ظاہر ہوا تو ان کے شراکت داروں نے لوگوں کو جمع کیا، لوگوں نے کافی لعنت کی اور معاملہ طے ہوا کہ ہم ان کے نام بیع نامہ کرادیں گے۔

چنانچہ بیع نامہ کروایا، لیکن داخل خارج (۲) نہیں کروایا، برابر ٹال مٹول کرتے رہے، بالآخر بقیہ لوگوں نے داخل خارج کا مقدمہ دائر کر دیا، تب انہوں نے چند لوگوں کے سامنے وعدہ کیا کہ یہ لوگ مقدمہ لوٹا لیں اور پیروی نہ کریں، ہم ان کو ہر طرح سے دیں گے، لیکن ان کی منشا نہیں تھی اور میعاد بھی اپیل کی خارج ہوگئی۔

اب یہ لوگ بھی جنہوں نے اپنے نام کرالیا تھا، ان کا کہنا ہے کہ تمہارے والد امجد حسین نے کہا تھا کہ تم دس گنے ادا کرو، ہمیں زمین کی ضرورت نہیں، بہرکیف دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت کا شریعت کی رو سے ان صاحبان پر کیا عائد ہوگا؟

۲......رسول احمد کے چاروں لڑکوں میں سے ایک لڑکا روشن تھا، ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام کلو تھا، ان کی شادی ہوگئی، لیکن کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی بیوی، کلو ابن روشن کی زمین آگئی، کلو کی بیوی نے چند دن بعد دوسری جگہ نکاح کرلیا اور زمین برابر ان کے نام چلی گئی، کچھ دنوں بعد حاجی صاحب نے کچھ روپیہ دے کر زمین اپنے نام کرالی۔

لہٰذا اس طرح کرنا ان کو مناسب ہے یا نہیں؟ اور جب کلو ابن روشن کا انتقال ہوگیا، تو ان کے وارث بقیہ تین لڑکے جو رسول احمد کے ہیں، یعنی امجد حسین، اصغر حسین، سکندر حسین۔ لہٰذا ان تینوں کو ان کا حق ملنا چاہیے یا نہیں؟ یا صرف سکندر حسین کو ملنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......حکومت نے زمین دارہ ختم کر کے جب تمام زمینوں کو اپنی ملک قرار دے لیا، تو زمین سب سرکاری

(۱) ''لگان: زمین کا خراج، باج، کر، سرکاری محصول، زر آمدن جو زمین سے حاصل ہو''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''داخل خارج: سرکاری رجسٹر میں جائیداد کے پہلے مالک کا نام خارج کر کے نئے مالک کے نام کا اندراج''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۴۱، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

ہوگئی، زمیندار مالک نہیں ہے(۱)، پھر حسین نے دس گنا داخل کر کے جو زمین اپنے نام کرالی، حسب قانون وہ اس کی ہوگئی، البتہ اگر خفیہ طور طریقہ پر دوسرے کی مقبوضہ زمین کو اپنے نام کرایا، تو یہ غلط اور گناہ ہوا(۲)۔ وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنا بھی شرعاً مذموم ہے(۳)۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلا الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً، طوقه إياه يوم القيامة من سبع أرضين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا يأخذ أحدٌ شبراً من الأرض بغير حقه إلا طوقه الله إلى سبع أرضين يوم القيامة". (صحيح مسلم، كتاب المساقات، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: ۲/۳۲، ۳۳، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمى)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمى)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: آية المنافق ثلاثة، إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمى)

www.besturdubooks.net

جب بیع نامہ کردیا، پھر داخل خارج نہ کرانا بھی غلط حرکت ہے، حدیث پاک میں دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے سے منع فرمایا گیا اور اس پر سخت دھمکی دی گئی ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا ضروری ہے(۱)۔

۲......دھوکہ دینے اور وعدہ خلافی کرنے، حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مقدمہ میں جو خرچہ ہوا، اس کی ذمہ داری دھوکہ دینے والے پر ہے(۲)۔

قانون کی رو سے اگر زمین روشن کی بیوی کے نام ہوگئی اور اس کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے، تو جس کا دل چاہے خریدے اس پر کوئی پابندی نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دوسرے کی زمین پر قبضہ کرکے اپنی زمین ظاہر کرنا

سوال[۱۱۰۲۰]: زید کے مکان کے متصل کچھ زمین مثلاً: بیس مربع فٹ کسی ایسے مسلمان کی بیکار

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "ثم حاصل ماذكره من ضمان الساعي أنه لو سعى بحق لا يضمن ولو بلاحق فإن كان سلطان يغرم بمثل هذه السعاية البتة يضمن، وإن كان قد يغرم وقد لايغرم لايضمن والفتوىٰ على قول محمد من ضمان الساعي بغير حق مطلقاً ويعزر". (ردالمحتار، كتاب السرقة، مطلب في ضمان الساعي: ۸۹/۴، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الغصب، فصل: ۲۱۳/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الغصب، فصل غيب: ۱۱۵/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

www.besturdubooks.net

کھنڈر، کھنڈریے کی صورت میں ہے اور وہ کسٹوڈین(۱) کے قبضہ میں جا چکی ہے، اس زمین کا مالک کوئی مسلمان تھا، وہ پاکستان میں کہیں رہتا ہے اور اس کے یہاں موجود اعزاء، اقرباء یا وارث کون ہیں، اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور کسی کو مل بھی نہیں سکتی، کیونکہ کسٹوڈین نے ایک سندھی کو زمین دے دی ہے، لیکن زید کے ذاتی مکان کے نقشہ میں اتفاقاً یا جس طرح بھی ایسی پیمائش لکھی ہے، کہ وہ مذکورہ بالا زمین اس کے ذاتی مکان کے نقشہ میں پوری طرح ضم ہوجاتی ہے اور مکان سے ملی ہوئی ہے، اس لئے زید نے اس زمین کو اپنی ذاتی مکان کی زمین بتلا کرائے، ڈی، ایم میں اپنا دعویٰ کردیا اور پڑوس کے سندھی نے اپنا دعویٰ کردیا کہ مجھے کسٹوڈین سے میری پاکستان کی زمین کے معاوضہ میں دی ہے۔ فیصلہ زید کے حق میں ہوا، مذکورہ بالا صورت میں شرعاً عنداللہ زید کو زمین لینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسٹوڈین کے قبضہ کرنے اور سندھی کو معاوضہ میں دینے کی وجہ سے وہ زمین اس جانے والے کی ملک سے خارج ہوگئی (۲) اور سندھی کی ملک ہوگئی (۳)، اب زید کا غلط بیانی کرکے اس کو اپنی زمین ظاہر کرنا اور

---

(۱) "کسٹوڈین(Custodian): محافظ نگران، رکھوالا"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۱۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۱۶۰/۴، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلا الكفار: ۱۲۳/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴۴۲/۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) جب کسٹوڈین نے قبضہ کے بعد سندھی کو یہ زمین دوسری زمین کے معاوضے میں دے دی، تو گویا کہ انہوں نے یہ زمین دوسرے زمین کے بدلے بیچ دی اور بیع مکمل ہونے کے بعد مبیع پر مشتری اور ثمن پر بائع کی ملک ثابت ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ زمین پر سندھی کی ملک ثابت ہوگئی ہے۔

"وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

www.besturdubooks.net

بذریعہ مقدمہ غلط ثبوت پیش کر کے اپنے مکان میں شامل کرنا جائز نہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی باتیں خوب بنا کر اپنا دعویٰ ثابت کر دیتا ہے، پس اگر کسی کی غلط بیانی کے بعد اس کے حق میں فیصلہ کردوں، جو کہ درحقیقت اس کا حق نہیں ہے تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس کو ہرگز نہیں لینا چاہئے۔ مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۲۷ (۱) میں یہ حدیث موجود ہے، اس لئے دوسرے کا مکان لینے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے، لیکن اگر زید نے خود جھوٹ نہیں لکھوایا، بلکہ سرکاری نقشہ میں اندراج ہو کر وہ زید کو مل گئی، تو وہ ملک زید ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضي له على نحو ما أسمع فيه، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذنه، فإنما أقطع له قطعة من النار". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب الأقضية والشهادات: ۲/۳۲۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، ص: ۷۵۹، دار السلام)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأحكام، باب قضية الحاكم لاتحل حراماً ولا تحرم حلالاً، ص: ۳۳۱، دار السلام)

(۲) مذکورہ صورت میں یہ زمین حکومت کی طرف سے زید کو ہبہ ہوگی اور ہبہ میں قبضہ کے بعد موہوب بہ پر موہوب لہ کی ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، رقم المادة: ۸۶۱: ۱/۴۷۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايجوز الهبة إلا مقبوضاً، والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية، كتاب الهبة: ۲/۲۸۱، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

كتاب البيوع

باب البيع الصحيح

(بیع صحیح کا بیان)

نابالغ بچوں کا خرید وفروخت کرنا

سوال[۱۱۰۲۱]: دیہاتوں میں جودکانیں ہیں، ان پر سب ہی قسم کے چھوٹے بڑے بچے لین دین کرتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ بیع کے لئے بالغ ہونا ضروری ہے یانہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ بچے اگر اپنے ولی کی اجازت سے خرید وفروخت کرتے ہیں، تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "ومن البيع الموقوف، بيع الصبي المحجور الذي يعقل البيع والشراء، يتوقف بيعه وشراؤه على إجازة والده، أو وصيه أوجده، او القاضي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف وبيع أحد الشريكين: ۱۵۴/۳، رشيديه)

"وليس من شرائط العاقد البلوغ، فانعقد بيع الصبي وشراؤه موقوفاً على إجازة وليه".

(البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الموقوف: ۱۷۶/۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

نابالغ سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا

سوال[۱۱۰۲۲]: نابالغ بچہ سے خرید وفروخت کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جونابالغ بچہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہواور اس کے ولی کی طرف سے اجازت ہو، اس سے خرید وفروخت درست ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

کچھوے کی بیع

سوال[۱۱۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کچھوا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگرنا جائز ہے اور پھر بھی کسی نے فروخت کردیا، تو اس کا ثمن (قیمت) کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھوا غیر ماکول اللحم ہے(۲)، مگر خنزیر کی طرح کلیۃً محرم انتفاع نہیں، پس اگر اس میں کوئی منفعت

---

(۱) "ومن البيع الموقوف، بيع الصبي المحجور الذي يعقل البيع والشراء، يتوقف بيعه وشراؤه على إجازة والده، أووصيه، أوجده، أوالقاضي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف وبيع أحد الشريكين: ۱۵۴/۳، رشيديه)

"وليس من شرائط العاقد البلوغ، فانعقد بيع الصبي، وشراؤه موقوفاً على إجازة وليه".

(البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الموقوف: ۱۷۶/۲، رشيديه)

(۲) "وكذلك ماليس له دم سائل مثل الحية والوزغ وسام أبرص وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفار والجراد والقنافذ والضب واليربوع وابن عرس ونحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي رحمه الله تعالیٰ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني فيما يؤكل من الحيوان ومالا يؤكل: ۲۸۹/۵، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

ہے تو اس کی بیع جائز ہے، جیسے کلب، فہد وغیرہ کی بیع جائز ہے اور ثمن کا استعمال کرنا درست ہے۔

قال الشامي: ٤/١١١، نعمانيه:

بعد نقل العبارات "ونقل السائحاني عن الهندية: ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار. قال الحصكفي: والحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع، مجتبىٰ واعتمده المصنف"(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۱/۱۳ھ۔

لومڑی مینڈک وغیرہ کی بیع

سوال [۱۱۰۲۴]: لومڑی مینڈک اور کھٹل، بال وغیرہ کا خرید وفروخت کرنا اور اس آمدنی سے اپنا گذران کرنا، شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لومڑی کی کھال دباغت دے کر کام میں لائی جاتی ہے، اس کی تجارت جائز ہے (۲)، مینڈک کی کوئی

= "لا يؤكل ذوناب ومخلب من السبع ...... والضبع والضب والزنبور والسلحفاة والحشرات".

(كنز الدقائق، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل، ص: ٤١٩، حقانيه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الذبائح: ٦/٣٠٤، سعيد)

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٥/٦٩، سعيد)

"وفي النوازل: ويجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية، وإن كان لاينتفع بها لايجوز، والصحيح: أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به، كذا في التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ٣/١١٤، رشيديه)

(وكذ في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/٧١، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ٦/١٢٧، ١٢٨، رشيديه)

(٢) "وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مذبوحاً أو مدبوغاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به =

www.besturdubooks.net

چیز جائز طور پر استعمال کی جاتی ہو، تو اس کی تجارت بھی درست ہے(۱)، یہی حال کھٹمل کا ہے(۲)، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ مردار (مرے ہوئے) جانور کی بیع جائز نہیں، بلکہ یہ بیع باطل ہے(۳)، جانوروں کے بال بھی کام میں آتے ہیں، ان کی تجارت بھی درست ہے(۴)، البتہ انسان کے بال بیچنا اور خریدنا بالکل جائز نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہے(۵)، خنزیر نجس العین ہے(۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۹ھ۔

= شرعاً، فكان مالاً". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع: ۵۵۴/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه ...... (وبعده يباع وينتفع به) ...... ولحوم السباع، وشحومها، وجلودها بعد الزكاة، كجلود الميتة بعد الدبغ، فيجوز بيعها". (البحر الرائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشيديه)

"و بيع جلود الميتات باطل، إذا لم تكن مذبوحة أو مدبوغة". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۱۳۳/۲، رشيديه)

(۱) "الحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۳/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها للأدوية، وما جاز الانتفاع بجلده أو عظمه أي: من حيوانات البحر أو غيرها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۸/۵، سعيد)

"والصحيح: أنه يجوز بيع كل شيء ينتفع به ...... ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۱۱۴/۳، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۳، شركت علميه ملتان)

"ولايجوز بيع الحر والخمر والخنزير والميتة، كذا في التهذيب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع المحرمات: ۱۱۶/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۵/۵، سعيد) .... =

زمین کی بیع ہونے کے بعد رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حکم

سوال[۱۱۰۲۵]: عبدالحمید خاں نے محمد عاشق سے ایک زمین کا ساڑھے چار سو روپیہ میں سودا کیا، وہ زمین اس کی اہلیہ کی تھی، بحیثیت شوہر یہ معاملہ کیا، محمد عاشق خاں کو مسجد میں نمازیوں کے سامنے روپیہ ادا کئے ہیں اور زمین پر قبضہ کرلیا اور باقاعدہ رجسٹری کے لئے اس کو عبدالحمید خاں کہتا رہا، مگر اس نے کہا کہ کردیں گے، ہم تمہارے سے واپس نہیں لیتے، کئی سال کے بعد اس نے زمین دوسرے کے ہاتھ فروخت کرڈالی اور چک بندی کے دوران کچھ پر قبضہ کرلیا اور مشتری کو جواب دیتا ہے کہ تم نے بہت عرصہ اس سے فائدہ اٹھایا ہے، لہٰذا اس بائع کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس نے نہ روپیہ واپس کیا اور زمین بھی چھین لی، آپ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب زمین کا معاملہ بیع کا مکمل ہوگیا اور قیمت بھی ادا کردی گئی اور مشتری نے زمین پر قبضہ بھی کرلیا تو محض رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ میں کوئی کمی نہیں رہی (۱)، پھر بائع کو زمین واپس چھیننے کا کوئی حق نہیں

= (۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "(وشعر الإنسان والانتفاع به) أي: لم يجز بيعه والانتفاع به؛ لأن الآدمي مكرم غير متبذل، فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً متبذلاً". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشيديه)

"ولايجوز بيع شعور الإنسان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل الخامس الخ: ۱۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۸/۵، سعيد)

(۶) "(وشعر الخنزير) ...... لكونه نجس العين كأصله". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۲/۶، رشيديه)

"بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز به: ۴۱/۱، شركت علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۵/۵، سعيد)

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت) .... =

www.besturdubooks.net

رہا، بائع اپنی اس حرکت کی وجہ سے غاصب اور ظالم ہے(۱)، اس کے ذمہ لازم ہے کہ زمین مشتری کے حوالہ کردے(۲) یا اگر وہ رضامند ہو، تو اس کی قیمت دے دے، ورنہ اس کا وبال دنیا میں بھی بھگتے گا اور آخرت میں بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کسی چیز کو قسطوں پر خریدنے کا حکم

سوال[۱۱۰۲۶]: کچھ دکاندار سائیکل، سلائی مشین، انجن وغیرہ قسطوں پر فروخت کرتے ہیں اور

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

(۱) "(اعلم) بأن الاغتصاب أخذ مال الغير بما هو عدوان من الأسباب ..... ثم هو فعل محرم؛ لأنه عدوان وظلم، وقد تأكدت حرمته في الشرع بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (النساء: ۲۹) ..... وقال عليه السلام: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه". (المبسوط للسرخسي، كتاب الغصب: ٦ (جزء: ۱۱)، ص: ۵۲، ۵۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنه: إزالة اليد المحقة، وإثبات اليد المبطلة ..... وصفته: أنه حرام محرم على الغاصب ذلك". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/٦-۱۷۹، سعيد)

(۲) "(وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير، ورد العين قائمة والغرم هالكة .....)". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۹/٦، ۱۸۰، سعيد)

"وحكمه: وجوب رد المغصوب إن كان قائماً، ومثله إن كان هالكاً، أو قيمته". (البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۲/۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

اس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ اکثر سو روپیہ کی قسط ہوتی ہے اور دو سال تک دس روپیہ ماہانہ حساب سے وصول کرتے ہیں، تو اس طریقہ سے وہ ایک سال میں ایک سو بیس روپے ہو جاتے ہیں، نقد اگر خریدا جائے، تو ایک سو روپے میں اور قسط وار ایک سو بیس روپے دینا پڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں عموماً فرق ہوتا ہی ہے، اس میں مضائقہ نہیں (۱)، مگر ایسا نہ ہو کہ کسی قسط کے وقت پر ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی چیز، سائیکل، مشین وغیرہ کی واپسی ہو جائے اور ادا شدہ رقم بھی ضبط ہو جائے کہ یہ ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

مبیع کی قیمت بڑھا کر قسطوں پر بیچنا

سوال [۱۱۰۲۷]: کاشت کرنے والوں کے لئے ٹریکٹر بے انتہا ضرورت کی چیز بن گیا ہے اور یہ

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، الا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في بيعتين في بيعة: ۲۳۳/۱، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(۲) "قوله: (لا بأخذ مال في مذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة: لايجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه ...... إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي ...... وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۱/۲، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

چیز بازاروں میں نہیں ملتی ہے، بلکہ عالمی بنک سے ٹریکٹر ملتا ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ عالمی بنک خریدار کی سہولت کے لئے ٹریکٹر کی رقم کے کئی ہفتہ متعین کر دیتی ہے، جس میں خریدار کو متعینہ ہفتہ میں لون کے ساتھ رقم دینی پڑتی ہے، تو اس سوال میں قابل طلب دو چیزیں ہیں:

۱......عالمی بنک سے ٹریکٹر مذکورہ شکل کے ساتھ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

۲......لون سود ہے یا سود کی کوئی قسم ہے یا سود نہیں ہے، جو حقیقت ہو بیان فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خرید سکتے ہیں (۱)۔

۲......نقد کے اعتبار سے ادھار کی قیمت عامۃً کچھ زیادہ ہوتی ہے، اس طرح قیمت تجویز کر لی جائے کہ اتنی قسطوں میں پوری قیمت ادا کی جائے گی اور ہر قسط کی رقم اتنی ہوگی، جو کہ نقد سے کچھ زیادہ ہے، اس زیادتی کا نام لون ہے، یہ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے سود نہیں، عالمی بنک جو نام چاہے تجویز کرے، احکام شرعی اس کے تابع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۹ھ۔

گورنمنٹ سے نیلام پر زمین خریدنا

سوال [۱۱۰۲۸]: بکر کے دادا زید نے عمرو کو (جو کہ مسلم کا دادا ہوتا ہے) مستعار زمین برائے رہائش دے دی تھی، اور یہ طے ہوگیا تھا کہ بوقتِ ضرورت واپس لے لی جائے گی، لہٰذا عمرو کی اولاد اس رقبہ میں

---

(۱) "وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بعشرين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منها". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۳/۷۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۵/۱۴۲، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

www.besturdubooks.net

۱۹۴۷ء تک زندہ رہی، پھر ہنگامی حالات سے اثر انداز ہو کر پاکستان ہجرت کر گئے، لہٰذا عمرو کی اولاد میں سے صرف ایک آدمی، یعنی مسمیٰ مسلم یہاں پر رہ گیا، جو کہ اس رقبہ میں سے اپنے حصہ پر قابض ہے، گورنمنٹ نے مسلم کے حصہ کے علاوہ باقی حصہ کو متروکہ قرار دے دیا، میر، یعنی زید کا پوتا مع پورے گھرانے کے یہیں پر موجود ہے، اگر چہ رقبہ مستعار تھا، مگر گورنمنٹ نے موقع پر خالی پا کر کسٹوڈینٹ میں داخل کر دیا اور پھر اس کو ۱۹۴۷ء میں نیلام کیا، بوقتِ نیلامی فریقین حاضر تھے، یعنی مسلم و بکر نے خوب حوصلہ کے ساتھ بولی لگائی، مگر بکر نے مسلم سے زیادہ پیسے چڑھا کر اس رقبہ کو خرید لیا۔

اب مسلم یہ کہتا ہے اب تمہارے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں، چونکہ میرے باپ دادا اس رقبہ میں رہتے چلے آئے ہیں، بکر کہتا ہے کہ تمہارے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں، یہ رقبہ میرا موروثی ہے، لہٰذا میں حق پر ہوں، مسلم چونکہ پہلے سے کچھ رقبہ پر قابض تھا، اس نے قبضہ کو بدستور رکھتے ہوئے مقدمہ دائر کر دیا، لیکن بکر نے عدالت میں کاغذی کارروائی کے اعتبار سے اس کا دخل اور قبضہ بھی سرکار سے وصول کر لیا، مگر مسلم پھر بھی یہی کہتا ہے کہ بکر کا اس رقبہ پر قبضہ کرنا اور خریدنا مطلقاً جائز نہیں، آپ شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب گورنمنٹ نے اس پر استیلاء کر کے مالکانہ قبضہ کر لیا، پھر اس کو نیلام کر دیا تو جس نے اس کو خریدا وہ مالک ہوگا، پہلی ملک اور قبضہ کا اب اعتبار نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۶۰، سعيد)

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴/۱۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۲/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

قیمت میں پیسے کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی دینے کا مطالبہ کرنا

سوال[۱۱۰۲۹]: ایک شخص نے آم یا کوئی دوسرا باغ بیچتے وقت باغ کی بہار لینے والے سے یہ کہا کہ میں مثلاً: دو ہزار روپے لوں گا اور ۵/من آم لوں گا، تو کیا ایسی بھی کوئی صورت ہے کہ جس میں جنس لینا درست ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۵/من آم کی صفات ایسی طرح بیان کردی گئیں کہ کوئی خلجان نہیں رہا ہے اور یہ شرط نہ کی گئی کہ اس باغ کے یا فلاں درخت کے ہوں گے، بلکہ خریدنے والے کو اختیار ہے کہ وہ بازار سے خرید کر دے دے تو یہ معاملہ اس طرح درست ہے، یہ ۵/من آم مستثنیٰ نہیں، بلکہ جزو ثمن ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۴۱۵ھ۔

تالاب کے پانی کی بیع

سوال[۱۱۰۳۰]: یہاں تقریباً ہر ایک کے پاس تالاب ہوتے ہیں اور ان تالابوں کے قرب وجوار میں زمین بھی ہوتی ہے، ان زمینوں میں کھیتی باڑی کرنے کے لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، زمین والا تالاب کا پانی پورا جو کہ تالاب میں موجود ہے، تالاب والے سے خرید لیتے ہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیع مجہول تو نہیں ہے؟

---

(۱) "صورة قفيز الطحان: أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها، أو ثلثه، أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد، والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز: أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد، لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب في الذمة والأجر، كما يجوز أن يكون مشار إليه، يجوز أن يكون ديناً في الذمة ثم إذا جاز، يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإجارة، الفصل الثالث في قفيز الطحان الخ: ۴/۴۴۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵/۵۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گڑھا کھود کر تالاب بنایا گیا اور پانی کو اس میں محفوظ رکھا گیا، اس کی حفاظت اور نگرانی کی گئی، تو جس قدر پانی تالاب میں سامنے موجود ہے، اس کی بیع درست ہے(۱)، اگر چہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو، مشار الیہ جب سامنے ہو، تو اس کی مقدار معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، جب کہ اس کی کل کی بیع بصفقۃ واحدۃ کی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

تالاب سے مچھلی پکڑ کر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۱]: زید نے ایک تالاب گورنمنٹ سے دس سال کے لئے خرید ااور اس میں سے مچھلی

---

(۱) "وأما بيع ماء جمعه الإنسان في حوضه، ذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده في شرح كتاب الشرب: أن الحوض إذا كان مجصصا أو كان الحوض من نحاس أو صفرة جاز البيع على كل حال، وكأنه جعل صاحب الحوض محرزاً لماء بجعله في حوضه، ولكن يشترط أن ينقطع الجري، حتى لايختلط المبيع بغير المبيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل السابع في بيع الماء والمجمد: ۱۲۱/۳، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، بيع الماء والكلاء: ۱۶۷/۱۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: صاحب البئر لا يملك الماء: ۶۷/۵، سعيد)

(۲) "قال: والأعواض المشار إليها لايحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف، وجهالة الوصف فيه لاتفضي إلى المنازعة". (الهداية، كتاب البيوع: ۲۰/۳، مكتبه شركت علميه)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (والأعواض المشار إليها لايحتاج إلى معرفة مقدارها) الأعواض المشار إليها ثمناً كانت أو مثمنا لايحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف المنافي للجهالة المفضية إلى المنازعة المانعة من التسليم والتسلم الذين أوجبهما عقد البيع، فإن جهالة الوصف لاتفضي إلى المنازعة، لوجود ماهو أقوى منه في التعريف". (شرح العناية على هامش فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۵۹/۶، ۲۶۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۵۹/۶، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

www.besturdubooks.net

پکڑ کر بازار میں فروخت کرتے ہیں، تو کیا یہ شرعاً درست ہے؟ یعنی خاص مچھلی پکڑنے کے لئے تالاب خریدا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مچھلی خود پیدا ہو، اس کو فروخت کرنا بغیر اس کو پکڑے ہوئے شرعاً درست نہیں (۱) اور اس مقصد کے لئے تالاب کرایہ پر لینا بھی درست نہیں، لیکن اگر مچھلی کا بیج اس میں ڈال کر پرورش کی جائے، تو اس پر پابندی عائد کر دینا کہ کوئی اور شخص نہ پکڑنے پائے، درست ہے، اسی طرح اگر تالاب کرایہ پر لیا اور اس میں بیج ڈالا، مچھلی کی تربیت اور پرورش کی، پھر پکڑ کر فروخت کیا تو اس کا پکڑنا اور فروخت کرنا سب درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

درخت کی بیع اور اس سے اگنے والی شاخوں کا حکم

سوال [۱۱۰۳۲]: زندہ درخت بغیر زمین کے زید نے بکر کو فروخت کیا، بکر عرصۂ دراز سے اس پر قابض ہے، اس درخت سے لکڑیاں وغیرہ زید ہی لیتا رہا ہے۔ مذکورہ صورت میں دریافت کرنا ہے کہ زندہ درخت کا بغیر زمین کے بیچنا اور اس کو بائع کی زمین پر اس طرح عرصہ تک رکھ کر لکڑیاں حاصل کرنا کہ نئی نئی شاخ اور اصل درخت کا بڑھنا جو عند البیع مجہول تھا، اس کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(والسمک قبل الصید) أي: لم یجز بیعه لکونه باع مالایملکه، فیکون باطلاً" (البحرالرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۱۱۹/۶، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۶۰/۵، سعید)

(وکذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۱۷۰/۲، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "والحاصل کما في الفتح: أنه إذا دخل السمک في حظیرة، فإما أن یعدها لذلک أو لا ففي الأول یملکه، ولیس لأحد أخذه، ثم إن أمکن اخذه بلا حیلة جاز بیعه ...... وفي الثاني لایملکه فلا یجوز لعدم الملک إلا أن یسد الحظیرة إذا دخل فحینئذ یملکه ...... وإن لم یعدها لذلک، لکنه أخذه، وأرسله فیها ملکه". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۶۱/۵، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب البیع، البیع الفاسد: ۱۱۹/۶، رشیدیه)

(وکذا في الدرر والغرر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۱۷۰/۲، میر محمد کتب خانه کراچی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

درخت اگر کاٹنے کے لئے فروخت کیا گیا اور مشتری کا مقصود بھی کاٹنا ہی ہے، تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ اپنا درخت کاٹ کر بائع کی زمین کو خالی کردے(۱)، اگر برقرار رہنے کے لئے بیع ہوئی ہے یا کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا ہے کہ یہ بیع قطع کے لئے ہے یا برقرار رکھنے کے لئے، تو ان دونوں صورتوں میں درخت کا جو حصہ زمین کے اندر ہے، وہ بھی ملک مشتری ہوگا اور اس کی جڑ سے متصل زمین کا حصہ بھی ملک مشتری ہوگا، اگر درخت کا بالائی حصہ کاٹ لیا، لیکن جڑ سے نہیں کاٹا اور پھر اُگ آیا تو وہ نیا اُگا ہوا حصہ مشتری کی ملک ہوگا۔

"اشتری شجرة للقلع، يؤمر بقلعها بعروقها، وليس له حفر الأرض إلى انتهاء العروق، بل يقلعها على العادة، إلا أن شرط البائع القطع على وجه الأرض، فإن قطعها أو قلعها فنبت مكانها أخرى، فالنابت للبائع، إلا إذا قطع من أعلاها فهو للمشتري"(سراج).

"ولو اشترىٰ نخلة ولم يبين أنها للقلع أو للقرار، قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يملك أرضها، وأدخل محمد ماتحتها، وهو المختار، وإن اشتراها للقطع لا تدخل الأرض اتفاقاً، وإن للقرار تدخل اتفاقاً اهـ" ردالمحتار نعمانيه: ۳۸/۴(۲).

---

(۱) "واعلم بأن شراء الشجر لايخلو من ثلاثة أوجه، إما أن يشتريها للقلع بدون الأرض، وفي هذا الوجه يؤمر المشتري بقلعها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع من غير ذكره صريحاً ومالايدخل، الفصل الثاني فيما يدخل في بيع الأراضي والكروم: ۳۵/۳، رشيديه)

"اشترىٰ شجرة للقلع يؤمر بقلعها بعروقها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً ومالايدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۵۵۴/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، فصل يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار: ۴۹۱/۵، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً ومالا يدخل، مطلب: في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۵۵۴/۴، ۵۵۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، فصل يدخل البناء والمفاتيح في بيع الدار: ۴۹۱/۵، ۴۹۲، رشيديه) =

www.besturdubooks.net

صورتِ مسئولہ میں جب درخت زندہ فروخت کیا گیا اور یہ شرط نہیں کی گئی، کہ اس کو کاٹ لیا جائے، نہ مشتری نے کہا کہ میں کاٹنے کے لئے خرید تا ہوں، تو اس پر جس قدر اور جو شاخیں پیدا ہوں، تو وہ سب مشتری کی ملک ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

سود سے بچنے کے لئے اصل قیمت سے زائد پر بیچنا

سوال[۱۱۰۳۲]: ہمارے یہاں بازار کا عرف یہ ہے کہ ہر آڑھت دار(۲) کے بارے میں مزدور، کاریگر اور بائع بھی یہ جانتا ہے کہ قیمت اس کو نقد نہیں ملے گی، نیز ہر آڑھت دار کا طریق جدا جدا ہے، کوئی پندرہ بیس دن کے بعد قیمت بصورت نقد چکا دیتا ہے، کوئی کچھ نقد دیتا ہے اور کچھ کے بدلے سوت دیتا ہے، کوئی کل کا سوت دیتا ہے، یہ تمام تفصیلات قریب قریب فی الجملہ تمام کاریگروں کو ہر آڑھت دار کے بارے میں معلوم رہتی ہیں، مزدور چاہے طوعاً چاہے کرہاً مگر معاملہ اسی طریقہ سے رکھتے ہیں اور لین دین جاری رہتا ہے، لیکن جو لوگ نقد کے بجائے سوت دیتے ہیں، وہ کچھ اپنے من گھڑت اصول کے مطابق سوت کو اصل بازار سے دو تین روپیہ بڑھا کر دیتے ہیں، یعنی اگر بازار میں سوت کا بھاؤ ۵۵ روپیہ ہے، تو وہ ۵۶ یا ۵۷ میں دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رقم جو سوت پر بڑھا کر لی گئی ہے، وہ کیسی ہے، جب کہ کاریگر جانتے ہیں کہ اس آڑھت دار کے یہاں اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا۔

بطور وضاحت مکرر عرض ہے کہ بازار میں یہ طرزِ معاملے کا جز بن گیا ہے اور لوگ اسی طرح طوعاً و کرہاً معاملہ کرتے ہیں، مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ معروف و مروج طریق پر سوت پر ایک دو روپیہ زائد لینے والی رقم کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ حلال ہے، مکروہ ہے، حرام ہے؟

دوسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ دو آدمیوں نے اسی طرح کی آڑھت کا شرکت میں کاروبار شروع

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع الخ: ۳/۳۵، ۳۶، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) ''آڑھت: دکان یا کوٹھی، جہاں سوداگروں کا مال کمیشن لے کر بیچا جاتا ہے۔ دلالی، دستوری، ایجنسی، کمیشن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

کیا، کچھ دنوں کے بعد ایک نے خلاف مروت سمجھ کر اس طریق عمل کی مخالفت شروع کی، مگر دوسرا اپنے طریقے پر بدستور کاربند رہا، پہلا اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ یکا یک شرکت سے جدا ہو جائے، اس لئے کہ ایسا بغیر نقصان عظیم کے ممکن نہیں، آخر اسی طرح کاروبار چلتا رہا، لیکن کچھ دنوں کے بعد جدائیگی تک نوبت پہنچی، تقسیم کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جتنی رقم خلاف مروت طریق پر لی گئی تھی، قریب قریب اتنی ہی ڈوب بھی گئی، گویا قدرتی نظام نے ٹوٹل برابر کر دیا، لیکن کھاتہ اعلان کرتا رہا کہ ڈھائی ہزار سوت پر فائدہ ہوا، چنانچہ اسی حساب سے وہ رقم ہر ایک کو ملی، اب یہ بتائیے کہ یہ رقم فی نفسہ کیسی ہے اور شخص اول کے اعذار کو سامنے رکھ کر اس کے حق میں کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل قیمت ''نقد'' لازم، مگر بجائے اس نقد کے سوت دیتا ہے اور سوت بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ دیتا ہے، تو اس کا معاملہ اس فرق کے ساتھ طے کر لینا بھی درست ہے، ناجائز نہیں (۱)۔ بصورت شرکت اس قسم کی رقم ملے تو وہ بھی ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۱ھ۔

جواب صحیح ہے اور توضیح یہ ہے کہ کپڑے کی نقد قیمت طے و متعین ہو کر بائع کو بھی معلوم ہو چکی ہو۔

العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند

بیع پختہ ہو جانے کے بعد بائع کا شرط لگانا

سوال [۱۱۰۳۴]: عمر نے زید کو بغیر کسی شرط کے زمین فروخت کی، مگر روپیہ لینے کے بعد عمر زمین نہ دے کر اس میں شرط لگا رہا ہے، عمر کا ایسا شرط لگانا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) کیونکہ صورت مسئولہ میں بائع اپنی چیز کے بدلے میں بطور ثمن نقدی کے بجائے سوت (اگرچہ بازاری نرخ سے کچھ فرق کے ساتھ ہو) لینے پر راضی ہے اور سوت میں ثمن بننے کی صلاحیت بھی ہے، لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے:

''إذا باع عبدا بثوب موصوف في الذمة إلى أجل جاز ويكون بيعاً في حق العبد''. (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۶۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب البيوع: ۳/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع: ۶/۲۴۲، رشيديه)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا ایجاب وقبول پختہ ہوجانے کے بعد کوئی شرط لگانا درست نہیں، اب کوئی حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

سوال[۱۱۰۳۵]: بہت سے لوگ غلہ خرید کر جس بھاؤ کا ہوتا ہے، اس بھاؤ کا لوگوں کو دے دیتے ہیں اور فصل کے آنے پر جس بھاؤ کا ہوتا ہے، اس سے لے لیتے ہیں، تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گاؤں والوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا، اس وقت کے بھاؤ کے موافق درست ہے(۲)، ان سے

---

(۱) بیع پختہ ہوجانے کے بعد مبیع پر مشتری کا ملک ثابت ہوگیا، اب بائع کو اس میں کسی قسم کے تصرف یا شرط لگانے کا اختیار نہیں ہے۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ومن اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها، فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة، حتى يبين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية: ۱۶۱/۳، رشيديه)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۴/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر: ۲۵۲/۵، إمداديه)

www.besturdubooks.net

قیمت لے لی جائے، پھر جب فصل آئے، تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق جس طرح ہر شخص کو خریدنا درست ہے، اس کو بھی خریدنا درست ہے، جس نے ان کے ہاتھ فروخت کیا تھا، لیکن غلہ ان کے ہاتھ فروخت کرنا، اس طرح کہ مثلاً: دوسو روپے کا غلہ فروخت کیا، پھر فصل آنے پر اس غلہ کے عوض اس سے زیادہ وزن لینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

مردار کی کھال پر نمک لگا کر بیچنا

سوال[۱۱۰۳۶]: مردہ مویشی کی کھال پر صرف نمک مل دینے سے بیچنا، خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردہ مویشی کی کھال پر نمک لگانے سے اگر وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے، تو اس کا خریدنا اور بیچنا درست ہے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلا بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء". (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمي)

(وجامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۲/۴، حقانيه)

(۲) "(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه ...... (وبعده يباع وينتفع به) وقيد بالميتة؛ لأن جلد المزكاة يجوز بيعه قبل الدباغة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۳/۶، رشيديه)

"وبيع جلود الميتات باطل، إذا لم تكن مذبوحة أو مدبوغة". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في البيع الفاسد: ۱۳۳/۲، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

گیلی کھال کی خرید وفروخت

سوال[۱۱۰۳۷]: مردار جانور یعنی شیر چیتا وغیرہ کی گیلی کھال خرید کر پھر اس کو نمک وغیرہ لگا کر خشک کر کے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار جانوروں کی تازہ کھال (بغیر دباغت دیئے) خریدنا جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے، ہاں! اس کھال کو نمک وغیرہ لگا کر ایسا بنالیا جائے کہ وہ گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جائے تو اس کو فروخت کرنا اور خریدنا سب درست ہے، سوائے خنزیر کے(۱)۔

مچھلی تالاب سے نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۸]: اگر مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کر دی جائے تو کوئی شرعی قباحت ورکاوٹ تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود مچھلی نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کر دینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

= "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل، وبعده أي: بعد الدبغ يباع".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۳، سعيد)

(۱) "(وجلد ميتة قبل الدبغ) لو بالعرض ولو بالثمن فباطل. ولم يفصله ههنا اعتماداً على ماسبق قاله الواني فليحفظ (وبعده) أي: الدبغ (يباع) إلا جلد إنسان وخنزير". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۳، سعيد)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ) أي: لم يجز بيعه؛ لأنه غير منتفع به ...... (وبعده يباع وينتفع به)".

(البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۲/۱۳۳، رشيديه)

(وكذا في الدرر والغرر، كتاب البيوع، البيع الفاسد: ۲/۱۷۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) جب اس نے مچھلیاں پکڑ لیں، تو وہ اس کا مالک ہو گیا، پھر جس کو چاہے، جس طرح چاہے، بیچ سکتا ہے۔ =

www.besturdubooks.net

بادلی ملاح کے ہاتھ مچھلی فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۳۹]: ملاح سے ایک مشت قیمت طے کر کے روپیہ کچھ پیشگی اور کچھ بعد میں لیا جائے اور مچھلی نکلوا کر وزن کر کے دے دی جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ محنت مجرا ہوتی رہے، کیا یہ صورت ممکن ہے کہ مسلم بادلی ملاح کے ہاتھ کر دی جائے اور ملاح جس طرح چاہے، مچھلی نکالے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملاح سے ایک مشت قیمت طے کر کے کچھ پیشگی روپیہ بطور بیع نامہ لینا بھی درست ہے(۱)، پھر بقیہ

= "(قوله: وفسد بيع سمك لم يصد لو بالعرض الخ) ظاهره أن الفاسد بيع السمك، وأنه يملك بالقبض". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۶۰، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۳/۱۱۳، رشيديه)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "قوله: نهي عن بيع العربان ...... وروى عن ابن عمر وجماعة من التابعين إجازته، ويرد العربان على كل حال، قال ابن عبدالبر: ولا يصح ماروي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من إجازته، فإن صح احتمل أنه يحسب على البائع من الثمن، إن تم البيع، وهذا جائز عند الجميع". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الحرمان: ۱۴/۱۷۳، إدارة القرآن كراچي)

"قوله: نهي عن بيع العربان ...... وأما العربان الذي لم ينهه عنه فهو: أن يبتاع منه ثوباً، أو غيره بالخيار، فيدفع إليه بعض الثمن مختوماً عليه، إن كان مما لايعرف بعينه على أنه إن رضي كان من الثمن، وإن كره يرجع إليه ذلك، لأنه ليس فيه خطر يمنع صحته". (كشف المغطا عن وجه الموطأ على موطأ =

www.besturdubooks.net

روپیہ مچھلی نکلوا کر دینے پر وصول کرلیا جائے۔

وہ قطعہ زمین جس میں باولی ہے، ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا بھی درست ہے، پھر ملاح کو اختیار ہے، وہ مالک ہے، جب چاہے، جس طرح چاہے، اس میں تصرف کرے (۱)، اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

جواب صحیح ہے اور یہ جو رواج ہے کہ مسلم باولی ملاح کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، پھر ملاح حسب منشاء مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرتا ہے، یہ درست نہیں، اس لئے کہ اس میں زمین تو فروخت نہیں ہوئی، صرف مچھلیاں فروخت ہوئی ہیں اور مچھلیوں کا اس طرح فروخت کرنا درست نہیں، یہ بیع مالم یقبض ہوجاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۸ھ۔

= الإمام مالک، کتاب البیوع، ص: ۵۶۸، قدیمی)

(۱) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لایمنع أحد من التصرف في ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في ردالمحتار، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعید)

(۲) "(و) فسد (بیع السمک لم یصد)". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۶۰، سعید)

"(و) لایجوز بیع (سمک لم یصد)؛ لأنه بیع مالا یملکه، کما في أکثر الکتب". (مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/۵۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الرابع في بیع الحیوانات: ۳/۱۱۳، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

اگربتی مزار پر جلانے کے لئے خریدنا

سوال[۱۱۰۴۰]: ایک شخص اگربتی، لوبان، خوشبو کی تجارت کرتا ہے، لوگ اس سے خرید کر دیوی، دیوتا(۱) کے پاس جلاتے ہیں اور جاہل مسلمان مزارات پر جلاتے ہیں، ایسی حالت میں یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی اور لوبان کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، جو لوگ اس کو خرید کر غلط طرح استعمال کریں گے، وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گنے یا آلو کا کھڑا کھیت فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۴۱]: کسی چیز کا اس شرط پر خریدنا یا بیچنا، جیسے: گنے کا کھڑا کھیت یا آلو کا کھڑا کھیت، جس کو ''ٹیکا'' کہا جاتا ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریدار کو اس چیز کا پورا علم ہے اور کوئی شرط اس میں خلاف شرع نہیں(۳)، تو اس طرح بیچنا اور خریدنا

---

(۱) ''دیوتا: بھگوان کا اوتار، معصوم، بھلائی کرنے والا، ناگ، سانپ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "لایکره بیع الجاریة المغنیة، والکبش النطوح، والدیک المقاتل، والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکراً، وإنما المنکر في استعماله المحظور". (تبیین الحقائق، کتاب السیر، باب البغاة: ۴/۱۹۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولا بأس بأن یؤاجر المسلم داراً من الذمي یسکنها، فإن شرب فیها الخمر، أو عبد فیها الصلیب، أو دخل فیها الخنازیر لم یلحق المسلم إثم في شيء من ذلک؛ لأنه لم یؤاجرها لذلک، والمعصیة في فعل المستاجر". (المبسوط للسرخسي، کتاب البیوع، باب الإجارة الفاسدة: ۱۶/۴۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب السیر، باب البغاة: ۵/۲۳۰، رشیدیه)

(۳) "وأما شرائط الصحة فعامة وخاصه، فالعامة: لکل بیع ماهو شرط الانعقاد ...... ومنها: الخلو عن

www.besturdubooks.net

درست ہے(۱)، اپنی خریدی ہوئی چیز لے کر اپنا قبضہ کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۹۱ھ۔

تانبے پیتل وغیرہ کی ادھار بیع کرنا

سوال[۱۱۰۴۲]: تانبہ، پیتل، لوہے کا کاروبار ادھار خرید کر فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

= الشرط الفاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وحكمه وأنواعه: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۶/۵، رشيديه)

(۱) "وفي فتاوىٰ أبي الليث: أرض بين رجلين فيها زرع لهما باع أحدهما نصف الزرع الذي هو نصيبه من غير شريكه بدون الأرض فإن كان الزرع مدركاً يجوز، وإن كان غير مدرك لايجوز إلا برضا صاحبه باع مطلقاً، أو بشرط القطع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكرم والأوراق الخ: ۱۰۸/۳، رشيديه)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده يجوز". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب البيوع: ۲۵۱/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيوع، فصل يدخل البنا والمفاتيح في بيع الدار: ۵۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

(۲) "ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلوماً، لإطلاق قوله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع﴾ وما بثمن مؤجل بيع". (فتح القدير، كتاب البيوع: ۲۴۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵۶۶/۵، رشيديه)

www.besturdubooks.net

قانونی تحفظ کے لئے زمین کا دوسرے کے نام کاغذی اندراج کرانا

سوال[۱۱۰۴۳]: مسلک واستفتاء مولانا تھانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے امداد الفتاویٰ کی مدد سے تیار کیا گیا تھا، جس میں مختلف عنوان سے متعدد فتاویٰ زمین دار وکاشت کار کے درج ہیں، جس کے دیکھنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ زمیندار زمین کا مالک اور اسی کی ملکیت ہے اور کاشت کار زمین کرایہ پر لے کر کاشت کرتا ہے، اگر کسی وجہ سے کاشت کار سے زمین زمیندار واپس لینا خالی کرانا چاہے، کاشت کار اپنا قبضہ نہ چھوڑے، خالی نہ کرے، تو اس نے زمین غصب کرلیا، یعنی خلاف مرضی زمین دار کے زمین کاشت کار اپنے قبضہ میں رکھے گا، تو اس کی آمدنی پیداوار فصل کاشت کار کے لئے حرام اور ناجائز ہے۔

چونکہ موجودہ زمانہ میں حکومت نے زمینداری ختم کر کے خود زمیندار بھی ہوگئی ہے، پہلے زمین دار پبلک تھی، اب خود حکومت ہے، اس فرق سے تو مسئلہ کی نوعیت نہیں بدلی، یہ بالکل صحیح ہے، کہ زید نے اپنی زائد زمین قانونی تحفظ کے لئے اپنے خاص لوگوں کے نام کاغذی اندراج کرادیا تھا اور زمین پر اپنا قبضہ وتصرف رکھا اور اس کی آمدنی پیداوار میں فصل خود تصرف کرتا رہا۔

بس یہی اشکال ہے کہ حکومت زمیندار ہے، اس کی مرضی کے خلاف زید اپنی زائد زمین سے مذکورہ تدبیر سے اپنا تصرف ونفع حاصل کررہا ہے، زید کے لئے آمدنی مذکور حرام ناجائز ہے یا حلال؟ زید نے جن لوگوں کے نام زمین پر کاغذی اندراج کرایا ہے، ان میں سے اگر کوئی پھوٹ جاوے، اپنے نام فرضی اندراج کی رپورٹ حکومت کے سیلنگ دفتر میں کردے، تو حکومت فوراً ہی زمین مذکورہ ضبط کرلے گی۔ یہ پہلے استفتاء میں واضح کیا جاچکا ہے کہ زید کی زمین داری ختم ہوجانے سے اس کے شرائط بھی زمین دار سے ختم ہوگئے، لہٰذا جو حکم شرعاً ثابت ہو، تحریر فرمایا جائے۔

محمد ماجد علی، بی بی پور وایا سورج پور، اعظم گڑھ یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جو زمین جس کو دے کر اس کو فروخت کرنے کا حق بھی دے دیا، ظاہر ہے کہ اس کو مالک بنا دیا، ورنہ ملکِ غیر کا فروخت کرنا تو بے محل ہے(۱)، مالک کی زمین پر اگر قانونی استیلاء ہونے والا ہو اور وہ دفع

(۱) "أما شرائط الانعقاد فأنواع ...... وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه =

www.besturdubooks.net

استیلاء کی تدبیر اختیار کرے، جس سے اپنی ملک کا تحفظ مطلوب ہو، تو یہ ممنوع نہیں (۱)، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ موروثی کاشت ناجائز ہونے کے متعلق ہیں، جن کی بناء پر رفع استیلاء کے مالک ہیں (۲)۔

وبين الدفع والرفع بون ظاهر.

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

دوسرے کے نام زمین وجائیداد خریدنا

سوال [۱۱۰۴۴]: میرا بھانجہ محمد اکرام ڈھائی سال کا تھا کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور میری بہن لے کر میرے یہاں یعنی میکے چلے آئی، اس کی پرورش وپرداخت میرے گھر پر ہوئی، سارے اخراجات وغیرہ میرے ہی ذمہ رہے، شروع میں میرے بھانجے کے عادات واخلاق ہی گر چکے تھے، لیکن میں ان کے حق میں دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھانجے کو راہِ راست پر لگادے، اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی، چنانچہ میرا بھانجہ جب تقریباً ۲۰ سال کا ہوا، تو ۴۸ء کو حج بیت اللہ کو گیا اور جانے سے پہلے سارا اثاثہ ان کے

= لنفسه فلا ينعقد بيع الكلاء، ولو في أرض مملوكة له ولا بيع ماليس مملوكاً له، وإن ملكه بعده".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، ۳، رشيديه)

"وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(۱) "﴿فقال إني سقيم﴾ (الصافات: ۸۹) وقال الضحاك: معنى "سقيم" سأسقم سقم الموت؛ لأن من كتب عليه الموت يسقم في الغالب ثم يموت، وهذا تورية وتعريض، كما قال للملك لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحكام القرآن للقرطبي، الجزء الخامس عشر: ۸/۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: الكذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

(۲) (امداد الفتاوىٰ، كتاب الزراعة: ۳/۵۲۰-۵۳۱، مكتبه دار العلوم كراچی)

www.besturdubooks.net

سپرد کردیا اور کچھ روپیہ نقدی اور موجودہ کاروبار بھی ان کے سپرد کردیئے۔

حج بیت اللہ کے واپسی کے بعد غلہ کی تجارت کی، پھر اس کو بند کیا اور ساری رقم اپنے آبائی پیشہ بنکاری میں لگادی، اس کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے میرے بھانجے کو بڑی ترقی دی، ۱۶/سال تک کاروبار میں لگا رہا، ان کے خاندان کی پرورش اور اخراجات میرے ذمہ تھی، خرچ واخراجات سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، میرے اور میرے بھانجے کے درمیان کسی طرح کا کوئی حصہ وغیرہ طے نہیں تھا، نہ زبانی، نہ ہی تحریری، بلکہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ میری ہی جائیداد ہے۔

لیکن ۵۷ء میں میرے بھانجے نے بعض کاروبار رجسٹرڈ کرایا اور اپنی ممانی کو نصف شریک بنایا، دورانِ کاروبار میرے بھانجے نے کچھ زمین اور جائیدادیں خریدیں، وہ سب اپنے نام اور اپنی بیوی کے نام خریدی گئیں، سب سے اخیر کی جائیداد میں مجھ کو شریک بنایا، باقی جائیداد جو خریدی گئی، اس میں میرا نام تک نہیں، اسی درمیان میں، میں نے اپنی بہن اور ان کے خاندان کی کثرت کی وجہ سے ازراہِ شفقت ومحبت ایک علیحدہ مکان بھی ان کے نام لکھ دیا، جس پر اب بھی وہ لوگ قابض ہیں اور اس میں رہ رہے ہیں۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ جائیداد میں میرے بھانجہ محمد اکرام کا کوئی حصہ ہوتا ہے کہ نہیں، براہِ کرم جواب شریعت کے مطابق عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ آپ نے بھانجے کو اپنا کاروبار سپرد کیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا، یہ سب میرا ہے، تو وہ سب کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والا روپیہ اور اس سے خریدی ہوئی جائیداد، خواہ کسی کے نام سے خریدی گئی ہو، وہ سب آپ کی ملک ہے(۱)، نہ بھانجہ کی ملک ہے، نہ اس کی بیوی کی ہے، البتہ جو مکان آپ نے جس کے لئے

(۱) "(وأما صفتها) فإنها من العقود الجائزة الغير اللازمة ...... ومنه أنه أمين فيما في يده كالمودع".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الأول الخ: ۳/۵۶۷، رشيديه)

"المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذي قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته، هو في حكم الوديعة بيد الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۷۸۲، رقم المادة: ۱۴۶۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۷/۲۳۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

لکھ دیا اور قبضہ کرا دیا وہ اس کا ہو گیا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

لفافہ کے ساتھ چینی تول کر دینا

سوال[۱۱۰۴۵]: دکان دار چینی لفافہ میں تول کر دیتا ہے، جب کہ لفافہ کی قیمت بھی ہے اور اس کا کچھ وزن بھی ہے، اسی وزن کی چینی گاہک کو کم ملتی ہے، کیا یہ لینا دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لینے والا اور دینے والا راضی ہو، تو درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۱/۹/۹۷ھ۔

دو سال بعد خیارِ عیب کا حکم

سوال[۱۱۰۴۶]: میں نے مہاجن (۳) سے ایک مشین خریدی، خریدتے وقت اس کی یہ شرط تھی

---

(۱) "(هي) ...... وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلاعوض ...... (و) شرائط صحتها (في الموهوب أن يكون مقبوضاً......) ...... (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوئ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) "وأما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوئ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

"فالأولىٰ ما ذكره حافظ الدين في الكنز من قوله هو مبادلة المال بالمال بالتراضي". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) مہاجن: سوداگر، بیوپاری، ساہوکار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۵، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

کہ اگر سال بھر تک یہ مشین خراب ہوگی تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں، اس کے کچھ ماہ بعد چلنا بند کردیا، ہم نے اس کی اطلاع کی، وہ آکر ٹھیک کر کے اپنی سمجھ سے چلا گیا، مگر پھر بھی نہ چل سکی، اسی طرح دو سال تک بگڑتی رہی، پھر میں دو سال بعد مشین کو لاکر کانپور مہاجن کو واپس کرنے لے گیا، جب واپس کرنے کو کہا، تو اس نے کہا: کہ ہم ٹھیک کردیں گے، میں نے کہا کہ ہم اس کو لینا نہیں چاہتے، اس کو وہ واپس نہیں لیتا، براہِ کرم تحریر فرمائیں کہ اس کا کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ چار پانچ ماہ بعد خراب ہو جانے پر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا، نہ قیمت کا کوئی حصہ اور خسارہ واپس لیا، اب دو سال کے بعد وصول کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۱/۹۳ھ۔

غبارے بیچنا

سوال[۱۱۰۴۷]: زید غبارے بیچتا ہے، چونکہ غبارہ ایک ایسا کھیل ہے، جو بے فائدہ نظر آتا ہے، تو کیا غبارہ کا بیچنا اسراف اور بے جا شرنہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں مضائقہ نہیں، بچوں کے حق میں اتنی وسعت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔

---

(۱) "الأصل: أن المشتري متى تصرف في المشترى بعد العلم بالعيب تصرف الملاک بطل حقه في الرد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن في خيار العيب، الفصل الثالث فيما يمنع الرد بالعيب ومالا يمنع الخ: ۷۵/۳، رشيديه)

"وأشار المؤلف رحمه الله تعالىٰ باللبس وأخويه لغير حاجة إلى أن كل تصرف يدل على الرضا بالعيب بعد العلم به يمنع الرد والأرش". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب خيار العيب: ۱۰۶/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب خيار العيب، مطلب: فيما لو أكل بعض الطعام: ۲۲/۵، سعيد)

(۲) "عن أبي يوسف يجوز بيع اللعبة، وأن يلعب بها الصبيان". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب =

www.besturdubooks.net

کسب کی تفصیل

سوال[۱۱۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ انسان اپنے کو زندہ رکھنے کے لئے کن کن پیشوں سے مخصوص نسبت رکھ سکتا ہے، ضروری پیشوں کو بالترتیب ان کے درجہ ومرتبہ کے مطابق وضاحت سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حقوق واجبہ ادا کرنے کے لئے حلال روزی حاصل کرنا لازم ہے(۱)، جس جس پیشہ کی شریعت نے اجازت دی ہے، حدود شرع کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو اختیار کرنا درست ہے۔ کسب کے طرق کے متعلق فتاویٰ عالمگیری: ۳۴۹/۲(۲) میں ہے:

"وأفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم

= البيوع، باب المتفرقات: ۲۲۶/۵، سعيد)

"أرسل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم غداة عاشوراء إلى قرى الأنصار، من أصبح مفطراً فليتم بقية يومه، ومن أصبح صائماً فليصم، قالت: كنا نصومه بعد ونصوم صبياننا، ونجعل لهم اللعبة من العهن، فإذا بكى أحدهم على الطعام أعطيناه ذاك". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صوم الصبيان: ۲۶۳/۱، قديمي)

"لعب" جمع "لعبة" أرادت ما كانت تلعب به، وفيه إباحة لعب الجواري بهن". (هامش مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) "ويجب الكسب من الحلال بقدر كفاية نفسه وعياله وقضاء دينه لقوله تعالى: ﴿أنفقوا من طيبات ما كسبتم﴾". (فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳۳/۳، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۵/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۸/۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الرابع عشر في الكسب: ۹۶/۶، رشيديه)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳۳/۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

الصناعة. كذا في الاختيار شرح المختار، والتجارة أفضل من الزراعة عند البعض، والأكثر على أن الزراعة أفضل، كذا في الوجيز للكردري".

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول في البیع الباطل

(بیع باطل کا بیان)

خنزیر وغیرہ کی تجارت مسلم کے حق میں

سوال[۱۱۰۴۹]: افریقہ وغیرہ میں تجارت عام طور پر مسلمان کرتے ہیں، اس میں گوشت بند ڈبوں میں بھی بیچتے ہیں اور اس کو خریدنے والے سب غیر مسلم ہوتے ہیں، وہ گوشت عام طور پر ذبیحہ کا نہیں ہوتا، بلکہ بعض مرتبہ خنزیر کا بھی ہوتا ہے، تو کیا مسلم تاجر کے لئے اس قسم کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کے گوشت کی خرید وفروخت مسلم کے لئے جائز نہیں، یہ بیع باطل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۹/۱۵ھ۔

غیر کی زمین کو فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۰]: تیس سال قبل حامد نے خالد کو ایک قطعہ زمین قبولیت لے کر مالک بنادیا، خالد

(۱) "المنقول: البیع بالمیتة والدم باطل". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۳، شركة علميه ملتان)

"ولايجوز بيع الحر والخمر والخنزير والميتة، كذا في التهذيب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لايجوز، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد، وفي بيع المحرمات: ۱۱۶/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۵/۵، سعيد)

www.besturdubooks.net

چندون تک دخل لے کر اپنے نابالغ لڑکے رحیم کو چھوڑ کر مرگیا، لیکن رحیم مجبوری کی وجہ سے دوسری جگہ چلا گیا، مذکورہ حامد نے بارہ سال بعد دوبارہ اسی زمین پر دخل لے کر اپنے نام کرالیا اور بارہ سال بعد قاسم کے ہاتھ فروخت کردیا، ایسی صورت میں قاسم کے لئے ازروئے شریعت مذکورہ زمین پر قبضہ کرنا، نفع اٹھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور رحیم کی ملکیت زائل ہوگئی کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حامد نے وہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کردی تھی، تو خالد اس کا مالک ہوگیا تھا(۱)، پھر خالد کے انتقال کے بعد وہ زمین بطور ترکہ ورثہ کی ہوگی (۲)، اگر اس کا وارث صرف ایک لڑکا ہے، تو وہی وارث اور مالک ہے، اس کے کسی دوسری جگہ چلے جانے سے اس کی ملک ختم نہیں ہوئی، پھر حامد کا بغیر کسی وجہ شرعی کے اس زمین کو اپنے نام کرالینا غصب اور ظلم ہے(۳)، اس سے وہ مالک نہیں ہوا، پھر قاسم کے ہاتھ اس کو فروخت کردینا بھی صحیح

---

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

"وأما أحكامه: فالأصلي له الملك في البدلين لكل منهما في بدل". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

(۲) "ويبدأ من تركة الميت بتجهيزه، ثم بدينه، ثم وصيته، ثم يقسم بين ورثته". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالتركة: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۳۶۴/۴-۳۶۹، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "وشرعاً: (إزالة يد محقة) ولو حكماً ...... (بإثبات يد مبطلة) ...... (في مال) ...... (متقوم) ...... وحكمه: الإثم لمن علم أنه مال الغير......". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۶-۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تعريف الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، ۱۹۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

نہیں ہوا(۱)، اس لئے قاسم کو اس زمین سے نفع اٹھانا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

ریلوے سے چوری کی ہوئی اشیاء کا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۵۱]: ایک شخص نے ریلوے ویگن توڑ کر چوری کیا اور اس مال کو دوسرے شخص نے اس سے خرید کر اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا، اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا، کہ ایک شخص ریلوے سے چوری کرتا تھا اور دوسرا اس سے خرید کر فروخت کرتا تھا، جب خریدنے والے کے پاس کچھ پیسے ہوگئے تو اس نے چوری کا مال خریدنا ترک کر دیا اور ایک ٹرک (گاڑی) خرید کر اس کو کرایہ پر لگا دیا ہے۔

اب میری تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ریلوے کی چوری جائز ہے یا جس نے خرید کر اپنی تجارت کی وہ جائز ہے؟ پھر اس تجارت کو ترک کر کے ٹرک خرید کر کرایہ پر لگا رکھا ہے، تو کیا اس ٹرک کی آمدنی جو بھاڑے کی صورت میں آتی ہے، جائز ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو کیا اس تجارت کے جواز کی کوئی صورت از روئے شرع ہے؟ ریلوے چوری کا مال خریدنے والا شخص چاہتا ہے کہ ہمارا مال پاک ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری ریلوے کی بھی ناجائز ہے، ایسے مال کو بھی چوری کر کے تجارت کرنا ناجائز ہے، ایسی ناجائز

(۱) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۳، إدارة القرآن كراچي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه، ولا ولايته". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان.

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

www.besturdubooks.net

تجارت کرکے مال جمع کرنا اور اس سے ٹرک خریدنا بھی ناجائز ہے(۱)، اب یہ صورت ہے کہ جس قدر مال چوری کا خریدا ہے، اس کی قیمت مالک کو پہنچائے، اگر وہ معلوم نہ ہو تو اتنا مال غریبوں کو بلانیت ثواب صدقہ کردے(۲)، ٹرک کی آمدنی جائز ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۹ھ۔

ایک کھیت کا دو الگ آدمیوں سے خریدنا

سوال[۱۱۰۵۲]: ایک سرکاری کھیت بنجر کو ایک خاندان نے پٹواری سے خرید لیا، دوسرے خاندان

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايزني الزاني وهو مؤمن، ولا يسرق السارق وهو مؤمن ...... متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"تنبيه: عد السرقة هو ما اتفقوا عليه وهو صريح هذه الأحاديث، والظاهر أنه لا فرق في كونها كبيرة بين الموجبة للقطع وعدم الموجبة له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود، الكبيرة التاسعة والستون بعد الثلاثمائة، السرقة: ۲/۲۳۷، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۲) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى لهم، ويردونها على أربابهم إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا، فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

"ثم إن في كتب فقهائنا الحنفية: من دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً، يرجو به الثواب يكفر". (معارف السنن، أبواب الصلاة، باب ماجاء لاتقبل صلاة بغير طهور: ۱/۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في العرف الشذى على جامع الترمذي: ۱/۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

والوں نے بوجہ دشمنی کے پردھان(۱) کے نائب سے خرید لیا، کیونکہ اصل پردھان حج کو گئے تھے، جب اصل پردھان واپس آگئے، تو انہوں نے بیع خاندان کو درست مانا اور کہا کہ کھیت انہی کا ہے، جنہوں نے پہلے پٹواری سے خرید لیا، اب اس میں جھگڑا ہے، پہلا کہتا ہے میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ میرا ہے، اس کے اندر کیا فتویٰ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ کھیت ملکِ سرکار تھا اور پٹواری کو بغیر اجازتِ پردھان اس کے فروخت کرنے کا سرکار کی طرف سے اختیار تھا، تو جس نے پٹواری سے خریدا ہے، اس کا ہوگیا(۲)، پھر جس نے پردھان کے نائب سے خریدا ہے، اس کا خریدنا صحیح نہیں ہوا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۱ھ۔

حرہ کو باندی بنالینا

سوال[۱۱۰۵۳]: زید اپنا نکاح سعیدہ بیگم سے کرنا چاہتا ہے، پھر سعیدہ کی حقیقی بہن شریفہ بالغہ کو یا اس کے والدین کو کچھ رقم نقد دے کر باندی جیسی بنالے کہ باندی کی حیثیت سے بغیر نکاح کے شریفہ سے ہمبستری حلال ہوتی ہے، زید سعیدہ اور اس کی بہن شریفہ سے نکاح یک دم ازدواجی وہمبستری کرنا جائز سمجھتا ہے، زید کا عمل جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "پردھان: گاؤں کا مکھیا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) "الوكيل بالبيع يجوز بيعه بالقليل والكثير والعرض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقالا: يجوز بيعه بنقصان لا يتغابن الناس فيه، ولا يجوز إلا بالدراهم والدنانير، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۵۸۸/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب الوكالة بالبيع والشراء، فصل لايعقد وكيل البيع والشراء: ۵۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۲۸۳/۷، ۲۸۴، رشيديه)

(۳) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا شریفہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً حرام اور زنا ہے۔ اس کو فوراً الگ کرنا ضروری ہے، شریفہ حرہ ہے، حرہ کی بیع باطل ہے، کچھ روپیہ دینے سے وہ شرعی باندی نہیں بنی، باندی کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

"بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة والحر" (درمختار مع الشامي نعمانیه، باب البیع الفاسد: ۴/۱۰۰)(۱). واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

پتے کی بیع وشراء

سوال[۱۱۰۵۴]: ریچھ کا پتا جو جگر کے اوپر ایک تھیلی ہوتی ہے، اس پر زرد رنگ کا تلخ پانی ہوتا ہے اور عموماً ہر جانور کے اندر ہوتی ہے۔ اس کو خشک خرید کر کے بیچنا اور گیلا خرید کر گیلا ہی فروخت کر دینا درست ہے یا نہیں؟ یہ دوا کے کام آتا ہے اور باہر جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریچھ کا پتا بھی نجس اور مردار ہے (۲)، اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے، گیلا ہو یا خشک ہو، سب کا ایک حکم ہے۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۱۰ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعید)
(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۶/۱۱۲، رشیدیه)
(وکذا في درر الحکام في غرر الأحکام، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۲/۱۶۸، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) "وعن الزهري رضي الله تعالیٰ عنه: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "کل ذي ناب من السباع حرام". فلو ناب من سباع الوحش مثل الأسد والذئب ...... والدبّ". (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، باب أکل ذي ناب من السباع......: ۴/۱۵۲، رشیدیه)
(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الثاني في بیان مایؤکل من الحیوان ومالایؤکل: ۵/۲۸۹، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیع فاسد کا بیان)

پھل کی بیع یا ٹھیکہ

سوال[۱۱۰۵۵]: ۱......انجمن اسلامیہ کے متعلق وسیع قبرستان میں امرود کا باغ جدید نصب کردیا گیا ہے اور کچھ قدیم آم، بیل وغیرہ کے بھی درخت ہیں، عرصہ سے امرود کی دو فصلیں اور آم وباغ کی ایک فصل مع گھاس اراضی قبرستان کے ایک ساتھ بذریعہ نیلام فروخت کی جاتی ہیں، نگرانی، تحفظ، آب پاشی کی بھی کرلی جاتی ہے، مشتری ایک سال تک باغ پر قابض رہتے ہیں اور تدریجاً قیمت ادا کرتے ہیں، اس فصل کی بیع شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲......اگر درست نہ ہو، تو کیا ایک سال کے لئے اراضی قبرستان کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ باستثناء محاصلِ گورکنی دیگر جملہ پیداوار اراضی قبرستان سے بائع نفع اٹھائے اور جو اراضی ابھی قبرستان سے خالی ہیں، اگر بائع چاہے، اس پر مناسب کاشت کرائے اور ٹھیکہ کی معینہ مدت پورے ہونے کے بعد اراضی سے اپنا قبضہ اٹھائے۔

۳......ایک صورت یہ ہے کہ انجمن ملازم رکھ کر فصل کا تحفظ کرائے، جو صورت مشروع "أقرب إلى النفع في حق الوقف" ہے، اس کو شرح فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱-پہلی صورت درست نہیں(۱)۔

---

(۱) "بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقاً ...... ولو باع كل الثمار، وقد ظهر البعض دون البعض فظاهر المذهب أنه لايصح، وكان شمس الأئمة الحلواني والفضلي يفتيان بالجواز في الثمار، والباذنجان والبطيخ، وغير ذلك، ويجعلان الموجود أصلاً في العقد والمعدوم تبعاً لتعامل الناس، والأصح أنه =

www.besturdubooks.net

۲-دوسری صورت تاویل کر کے درست ہو سکتی ہے(۱)۔

۳-تیسری صورت بے غبار ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= لایجوز کذا في المبسوط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثاني في بیع الثمار وأنزال الکروم والأوراق والمبطخة ......: ۳/۱۰۶، رشیدیه)

"قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور، قبل بدو الصلاح......". (ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فیما یدخل في البیع تبعاً وما لایدخل، مطلب: في بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۵، سعید)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب البیوع: ۴/۳۲۶، رشیدیه)

(۱) مذکورہ صورت کی تاویل یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے والا مذکورہ زمین کو معینہ مدت کے لئے اجارہ (کرایہ) پر لے اور درختوں کو معاملۃً لے، یعنی قبرستان کے منتظمین سے اس شرط پر درختوں کو لے کر میں اس کی نگہداشت کروں گا، پھر اس سے جو پھل حاصل ہو، اس کو مثلاً سو حصوں میں تقسیم کریں گے، جن میں سے ننانوے حصے میرے ہوں گے اور ایک حصہ قبرستان کا ہوگا، اس طرح ننانوے حصوں میں معاملہ صحیح ہو جائے گا اور زمین پر جو چاہے، کاشت کرے۔

"ثم المزارع إذا لم یدرک فأراد جواز الإجارة في الأرض، فالحیلة في ذلک: أن یدفع الزرع إلیه معاملة، إن کان الزرع لرب الأرض علی أن یعمل المدفوع إلیه في ذلک بنفسه وأجرائه وأعوانه علی أن ما رزق الله تعالیٰ من الغلة فهو بینهما علی مائة سهم من ذلک للدافع، وتسعة وتسع سهماً للمدفوع إلیه ...... وکذلک الحیلة في الشجر والکرم، یرفع الشجر أو الکرم معاملةً، کذا في المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز، الفصل الرابع: ۴/۴۴۶، ۴۴۷، رشیدیه)

(وکذا في الفتاویٰ التاتارخانیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارات، فصل في الإجارة الطویلة: ۲/۳۰۳، ۳۰۴، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجارة ومایکون خلافاً فیها: ۶/۲۹، ۳۰، سعید)

(۲) "(والثاني) وهو الأجیر (الخاص) ویسمی أجیر وحد (وهو من یعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه في المدة، وإن لم یعمل کمن استؤجر شهراً للخدمة أو) شهراً (لرعي =

www.besturdubooks.net

باغ کو دومرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۲]: زید نے ایک درخت بکر سے خرید، طے شدہ رقم بھی بکر کو دے دی، بوجہ تنگ دستی زید اسے جلدی نہ کٹوا سکا، چند دنوں بعد عمر نے بکر کو کچھ الٹی سیدھی پڑھا کر قیمت بڑھا کر مذکورہ درخت کو دوبارہ خرید کر اسے لکھوالیا اور درخت کٹوانا شروع کردیا، زید کو اطلاع ملی تو اس نے عمر کو روکا اور کہا کہ یہ درخت میں خرید چکا ہوں، تم کو کٹوانے کا حق نہیں ہے، مگر چونکہ عمر صاحب اثر شخص ہیں، زید کی فریاد کو ٹھکرادیا اور درخت کٹوالے گئے، بلکہ زید کا روپیہ ابھی تک بکر کے ذمہ باقی ہے، بتلایئے کہ ایسے شخص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جو کہ ناحق و ناجائز کاموں سے پرہیز نہ کریں، کیا ایسے آدمیوں کے یہاں کھانا یا ان کی امامت درست ہے، جو کہ حق و ناحق کا پرہیز نہ کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بکر سے زید نے درخت خرید لیا اور طے شدہ رقم (قیمت) بھی دے دی، تو پھر بکر کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بکر نے جس کے ہاتھ فروخت کیا، وہ بیع زید کی رضامندی واجازت پر موقوف ہے(۲)، اب بہتر یہ ہے کہ زید اجازت دے دے اور بکر سے قیمت لے لے، بکر نے دو جگہ سے قیمت

= الغنم) المسمى بأجر مسمى". (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثامن والعشرون في بيان حكم الأجير والمشترك، الفصل الأول: ۵۰۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۵۲/۸، رشيديه).

(۱) جب پہلی بیع مکمل ہوگئی، تو باغ پر زید کی ملک ثابت ہوگئی اب بکر کو زید کی ملک میں تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(۲) "إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

www.besturdubooks.net

وصول کی ہے، یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے، اگر وہ زید کو قیمت نہیں دے گا، تو خائن وغاصب ہوگا (۱)، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا (۲)۔

دوسرے خریدار نے اگر یہ معلوم ہونے پر خریدا ہے کہ زید اس کو خرید کر قیمت دے چکا ہے تو وہ بھی گنہ گار ہے، اگر اس کو خریدنا ہی تھا تو زید سے خریدتا اور اسی کو قیمت دیتا، اس کے ذمہ بھی توبہ کرنا اور زید سے معافی مانگنا اور زید کو قیمت پوری دینا ضروری ہے (۳)۔ مسئلہ سمجھا دیا ہے تاکہ معاملہ کو اب صحیح کرلیں، جس کی صورت اوپر درج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۵ھ۔

= البیوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف الخ: ۱۵۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: في بيع المكره والموقوف: ۵۰۳/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۵/۶، رشيديه)

(۱) "أما تفسيره شرعاً: فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك إن كان في يده أو يقصر يده إن لم يكن في يده، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۱۹۶/۸، ۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۱۷۷/۶، ۱۷۸، رشيديه)

(۲) "وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۱۰/۱، رشيديه)

"(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۸۵/۱، رشيديه)

(۳) "لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۹۷: ۶۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴۴۳/۲، إدارة القرآن كراچی)

www.besturdubooks.net

ایک چیز کو دو مرتبہ بیچنا

سوال[۱۱۰۵۷]: حضرت مفتی صاحب!

عرض ہے کہ عمر نے بکر سے ایک زمین ومکان پچھتر ہزار روپے میں خرید لیا اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے ایک مدت متعینہ طے کردی کہ اس مدت میں کامل رقم تم کو ادا کردیں گے اور اس وقت تحریری خریدی دستاویز سرکاری طور پر بھی رجسٹرڈ کرلیا جائے گا اور فی الحال خرید وفروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد ۵۰۰۰/ پانچ ہزار روپے عمر نے بکر کو دے دیئے اور دس روز کے بعد مزید دس ہزار کی رقم مکان کی قیمت کے ماتحت عمر نے بکر کو دی۔

گویا کل پندرہ ہزار کی رقم مکان کے ضمن میں عمر نے بکر کو دیئے، اس کی اطلاع زید کو ہوئی، تو بکر کے پاس گیا اور عمر کی مقرر شدہ رقم سے مزید رقم مذکورہ زمین ومکان کی قیمت میں بکر کو دینے کو کہا اور عمر کو قوم کی چند بااثر افراد کے ذریعہ بکر کو زید کے ہاتھ مذکورہ مکان (جو کہ پہلے عمر کو فروخت کردیا ہے) پھر سے فروخت کرنے پر مجبور کرایا، لہٰذا بکر نے عمر کی بیع کے چند روز بعد زید کو پچاس ہزار کی رقم کا خرید دستاویز کرا کر رجسٹر کرادیا، بکر نے اس دوسری بیع کی عمر کو نہ طلاع دی، نہ پندرہ ہزار کی رقم جو مذکورہ زمین ومکان کی قیمت کے تحت اس کو عمر نے دی تھی وہ واپس کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عمر کو زمین ومکان فروخت کرنے کے بعد زید کو چند روز بعد وہ زمین ومکان فروخت کرنے کا بکر کے لئے شرعاً حق ہے یا نہیں؟ اور یہ بیع ثانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہوجاتی ہے(۱)، تحریری بیع نامہ قانونی رعایت کے پیش نظر ہوتا ہے، جب

---

(۱) "أما شرائط الانعقاد ...... ومنها في العقد، وهو موافقة القبول للإيجاب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

"وهو معنى ما في فتح القدير، من أن ركنه الإيجاب والقبول، ...... قوله (البيع يلزم بإيجاب وقبول) أي: حكم البيع يلزم بهما". (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۳۲-۴۳۹، رشيديه)

www.besturdubooks.net

بیع ہوگئی اور قیمت کا بھی ایک حصہ دے دیا گیا، تو پھر بائع کو اس کے فروخت کرنے کا حق نہیں رہا(۱)، بیع ثانی غلط ہوئی، مشتری ثانی کو لازم ہے کہ اس بیع کو واپس کردے، پندرہ ہزار کی رقم بیع اول کی قیمت کا جزء ہے، اس کو بلاوجہ رکھنے کا کوئی حق نہیں (۲)، اگر اول مرتبہ محض وعدہ بیع تھا کہ جملہ قیمت وصول ہونے پر بیع کردی جائے تو اس سے بیع نہیں ہوئی، مگر وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے(۳) اور پندرہ ہزار روپے کی واپسی لازم ہے، اس کو نہ دینا غصب ہوگا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۱ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۱) جب پہلی بیع مکمل ہوگئی تو زمین ومکان پر عمر کی ملک ثابت ہوگئی، اب بکر کو عمر کی ملک میں تصرف کی اجازت نہیں۔

"وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه : أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن، كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱/۱۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : آية المنافق ثلاثة، إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۴) "أما تفسيره شرعاً: فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب وشرطه وحكمه الخ: ۵/۱۱۹، رشيديه) =

www.besturdubooks.net

وظیفہ پنشن کی بیع

سوال[۱۱۰۵۸]: احقر وظیفہ خورد رس ہے، اصل وظیفہ ساڑھے پانچ روپیہ اور ساڑھے چھ روپیہ اور گرانی الاؤنس جملہ اکسٹھ روپیہ، پچاس روپے ماہانہ وظیفہ حکومت ہند سے ہے اور تھوڑی سی جائیداد اور صرف کاشت کی زمین ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملنے والے وظیفہ کا تھوڑا حصہ سرکار میں فروخت کر کے حج کرلوں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ایسا حج جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فروختگی ناجائز ہے(۱)، ناجائز مال سے حج کرنے سے حج مقبول نہیں ہوتا، اگرچہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے(۲)، لیکن اگر سرکار ہی وظیفہ دیتی ہے اور سرکار ہی خریدے، تو یہ محض صورۃً بیع ہے، حقیقۃً بیع نہیں، بلکہ جو وظیفہ وہ ماہانہ دیتی ہے، اس کے عوض اپنے تخمینہ سے برضامندی وظیفہ خوار کو یکمشت دے دیتی ہے، اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۵ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۱۹۶، ۱۹۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۱) ''پنشن ایک قسم کا انعام ہے، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو، وہ اس کا مالک نہیں بنتا، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا، اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے''۔ (أحسن الفتاویٰ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد والباطل، عنوان: پنشن بیچنا جائز نہیں: ۶/۵۲۱، ۵۲۲، سعید)

(۲) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام كما روي في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: من حج بمال الحرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

www.besturdubooks.net

بیع فاسد کو صحیح کرنے کی صورت

سوال[۱۱۰۵۹]: زید نے بکر سے سو کروے(۱) رس خرید ا،فی کروہ اکیاون من کا ہوتا ہے، خریدتے وقت زید نے بکر سے یہ شرط طے کی کہ اگر آپ نے رس سو کروں سے کم دیا،تو میں فی کروہ پچیس روپیہ لوں گا،سو کروں سے جتنے بھی کم ہوں گے،خواہ ایک کروہ کم ہو،پچیس کے حساب سے وصول کروں گا،بکر نے شرط زید کی منظور کرلی،لیکن بکر نے ۹۰ کروے رس دیا،شرط سو کروں کی تھی،دس کروے کم آئے،شرط کے مطابق فی کروہ کمی پر ۲۵/ روپیہ کے حساب سے ڈھائی سو ہوئے،زید کو بکر سے یہ قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع تحریر فرمادیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت کرنا منع ہے،اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے(۲)،زید کو چاہیے کہ یہ ڈھائی سو روپیہ بکر سے نہ لے،تاکہ شرط فاسد ختم ہوکر بیع صحیح ہوجائے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)"کروہ:مٹی کا ٹونٹی والا برتن،لوٹا"۔(فیروز اللغات،ص:۱۰۶۳،فیروز سنز لاہور)

(۲) "(و) لا (بیع بشرط) عطف علی إلی النیروز یعني: الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو) فیه نفع (لمبیع) ......". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع والتي لاتفسده: ۳/۱۳۴، رشیدیه)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۶/۱۴۰، رشیدیه)

(۳) "اعلم ان البیع بأجل مجهول لایجوز إجماعاً ...... فإن أبطل المشتري الأجل المجهول المتقارب قبل محله، وقبل فسخ العقد بالفساد وانقلب البیع جائزاً عندنا". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: في بیع الشرب: ۵/۸۲، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۶۱، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البیع الخ: ۳/۱۴۲، رشیدیه)

www.besturdubooks.net

آب پاشی، پانی کی بیع کی ایک صورت

سوال[۱۱۰۶۰]: محکمہ آب رسانی پانی کی قیمت وصول کرتا ہے، مگر پانی کی مقدار کچھ متعین نہیں، اس کا کوئی میٹر وغیرہ نہیں، بلکہ فی پلاٹ سالانہ معاوضہ پانی کا متعین رہے، محکمہ کی طرف سے شرط یہ ہے کہ ایک پلاٹ کا پانی دوسرے پلاٹ میں بالعوض یا بلاعوض نہ دیا جائے، اس صورت میں محکمہ کی اس شرط کی پابندی شرعاً لازم ہے، یا کہ دوسروں کو پانی دینے کی گنجائش ہے، اگر گنجائش رہے تو اپنی ٹنکی وغیرہ میں پانی کے اخراج سے قبل اس پانی کی بیع درست ہے یا نہیں؟ جو سرکاری لائن سے گھر کی لائن میں آرہا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبل القبض بیع کا ناجائز ہونا، کتب فقہ میں مصرح ہے(۱)، لیکن اگر اس کو اجارہ قرار دیا جائے اور ثمن کو اجرت کہا جائے، تو مطلب یہ ہوگا کہ فلاں پلاٹ میں مشین کے ذریعہ پانی پہنچانے کی اجرت یہ ہے، مستاجر کو اس کا حق ہے کہ دوسرے کو منفعت حاصل کرنے کا حق دے دے، بالعوض ہو یا بلاعوض، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے(۲)۔ لیکن خلاف قانون کرنا جس سے عزت یا مال کا خطرہ لاحق ہو، قرین دانش مندی نہیں (۳)۔

---

(۱) "من حکم المبیع إذا کان منقولاً أن لایجوز بیعه قبل القبض". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الفصل الثالث في معرفة المبیع والثمن والتصرف فیما قبل القبض: ۱۳/۳، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب المرابحة والتولیة: ۱۹۴/۶، رشیدیه)

(۲) "وشرعاً: (تملیک نفع) مقصودة من العین (بعوض) ......". (الدرالمختار، کتاب الإجارة: ۴/۶، سعید)

"أما تفسیرها شرعاً فهي عقد علی المنافع بعوض، کذا في الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الأول في تفسیر الإجارة ورکنها الخ: ۴۰۹/۴، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الإجارة: ۵۰۶/۷، رشیدیه)

(۳) "أمر السلطان إنما ینفذ) أي: یتبع ولا تجوز مخالفته ...... فلو أمر بصوم یوم وجب". (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعید)

(وکذا في الحموي علی الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الکلیه، ص: ۱۰۸، میر محمد کتب خانه کراچي)

www.besturdubooks.net

"وفیما لا یختلف مافیہ بطل تقییدہ بہ، کما لو شرط سکنی واحد لہ أن یسکن غیرہ اھ" الدرمختار مع ھامش ردالمحتار، کتاب الإجارۃ: ۲۲/۵، الشامی، نعمانیہ(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جزوی حصہ دار کا پوری زمین کا بیع نامہ نہ لینا

سوال[۱۱۰۶۱]: سرائے مسافراں محلّہ کے ایک گوشہ میں چاہ(۲) پختہ واقع ہے اور کچھ چاہ پختہ کے متعلق زمین ہے، وہ چاہ پختہ بھر دیا گیا ہے، اب اس جگہ میں اچھا خاصا مکان تعمیر ہو سکتا ہے، اس چاہ پختہ کے جنوب میں راستہ عام ہے، اس کے بعد گھسیٹو صاحب کا مکان ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس جگہ کی قیمت مسجد یا مدرسہ اچھے مصرف میں دے کر اپنا مکان یا اپنی کوئی عمارت بنالیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ایک پنچایت عام ہوئی اور اس میں یہ تحقیقات کی گئیں کہ یہ جگہ کس کی اور کون اس کا مالک ہے، ثابت ہوا کہ یہ بھٹیاروں(۳) کی ہے اور ان بھٹیاروں نے یہ جگہ روبرو پنچایت کے مسجد کو دے دی، جو مسجد اسی محلّہ مسافران میں واقع ہے، اب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گھسیٹو سے قیمت لے کر یہ جگہ دے دی جائے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کا مکان تعمیر کر دیا جائے، تاکہ مسجد کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک آمدنی بن

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الإجارۃ، باب مایکون من الإجارۃ ومایکون خلافاً فیھا: ۳۵/۶، سعید)

"وإذا تکاری بیتاً، ولم یسم ما یعمل فیہ فسکنہ، وأسکن معہ فیہ غیرہ، فانھدم من سکنی وغیرہ، لم یضمن، ھکذا فی المبسوط". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الإجارۃ، الباب الثانی والعشرون فی بیان التصرفات التی یمنع المستاجر عنھا الخ: ۴۷۱/۴، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الإجارۃ، باب مایجوز من الإجارۃ ومایکون خلافاً فیھا: ۵۱۷/۷، رشیدیہ)

(۲) "چاہ: کنواں"۔(فیروز اللغات، ص:۵۴۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) "بھٹیارا: روٹی پکانے والا، وہ شخص جو سرائے چلاتا اور مسافروں کی خدمت کرتا ہے"۔(فیروز اللغات، ص:۲۴۵، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

جائے اور کنواں بنانے اور یہ جگہ رفاہ عام کے لئے چھوڑنے والے کو ہمیشہ ایصال ثواب ہوتا رہے۔

اس پنچایت سے قریب ایک سال ان بھٹیاروں میں سے صرف ایک شخص نے گھسیٹو سے معاہدہ بیع کرلیا تھا اور کاغذ پر انگوٹھا لگا کر ایک سو روپیہ بطور بیع نامہ لے لیا تھا، جو اس پنچایت میں سے تھا، اس نے وہ روپیہ واپس کردیا اور کہا، میں بیع نہیں کرتا، میں نے بھی اپنا حصہ مسجد کو دے دیا، تو یہ بیع تھی یا نہیں؟ اس کو ایسا معاہدہ کرنے کا حق تھا، اس متنازعہ مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی مشترکہ زمین کے متعلق جزوی حصہ دار کو پوری زمین کی بیع کرنے یا اس کے لئے بیع نامہ کرلینے کی اجازت نہیں، جب تک سب حصہ دار اس پر رضامند نہ ہوں (۱)، اب جب کہ بیع نامہ واپس کردیا، تو بات ہی ختم ہوگئی، دوسرے حصہ داروں کی طرح بیعانہ لے کر واپس کرنے والے نے بھی اپنا حصہ مسجد کو دے دیا اب تو وہ جگہ مسجد کی ہوگئی (۲)،

---

(۱)"ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان أنواع الشركة وأركانها وشرائطها الخ: ۲/ ۳۰۱، رشيديه)

"كل واحد من الشركاء في شركة الملك اجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الآخر، ولا يجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر، الفصل الثاني في كيفية التصرف في الأعيان المشتركة: ۱/ ۲۰۱، رقم المادة: ۱۰۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/ ۲۸۰، رشيديه)

(۲) "وعن محمد رحمه الله تعالىٰ، عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، إذا جعل أرضه وقفاً على المسجد وسلم جاز، ولايكون له أن يرجع". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/ ۲۹۱، رشيديه)

"وفي "جامع يزيد الطبري" سمعت محمد بن الحسن يذكر عن أبي حنيفة، لو جعل ارضاً وقفاً على المسجد جاز". (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۷/ ۱۳۶، حقانيه پشاور) ....

اب اس کوفروخت نہ کیا جائے (۱)، اس پر مکان تعمیر کردیا جائے، پھراس مکان کوخواہ گھسیٹو صاحب کو ہی کرایہ پر دے دیا جائے (۲)۔

اگر مکان تعمیر کرنے کے لئے سرمایہ موجود نہ ہو اور فراہم بھی نہ ہوسکتا ہو، تو زمین ہی گھسیٹو صاحب کو کرایہ پر دے دی جائے، وہ مکان تعمیر کرلیں، اس صورت میں وہ زمین کا کرایہ مسجد کو دے دیا کرے، تعمیران کی رہے گی اور زمین مسجد کی رہے گی، جس وقت منتظمین اس زمین کو خالی کرنا چاہیں گے، تو گھسیٹو صاحب کو لازم ہوگا کہ وہ خالی کردیں، خواہ اس طرح کہ اس وقت تعمیر کے ملبہ کی قیمت مسجد کی طرف سے ان کو دے دی جائے، نہ کہ تعمیر کی، پھر وہ مکان بھی مسجد کا ہوجائے گا، خواہ تعمیر وہاں سے ہٹا کر اس کا سامان وہ خود ہی لے جائیں اور صرف زمین خالی مسجد کے حوالہ کردیں (۳)۔ باہمی مشورہ کرکے جو صورت مسجد کے لئے مفید ہو، وہ اختیار کرلی جائے،

= "......قال الفقيه أبو جعفر: تصير الحجرة وقفاً على المسجد إذا سلمها إلى المتولي، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الألفاظ التي يتم بها الوقف ومالايتم بها: ۲/ ۳۵۹، رشيديه)

(۱) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركت علميه)

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم، ولا يباع، ولا يوهب، ولا يورث، كذا في الهداية. وفي العيون واليتيمة أن الفتوىٰ على قولهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وسببه وحكمه وشرائطه الخ: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

(۲) "...... وهذه المسئلة دليل على أن المسجد المحتاج إلى النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه" (تقريرات رافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف: ۴/ ۸۰، سعيد)

"القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل ويباع عند الحاجة، جاز إن كان له ولاية الشراء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۲/ ۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۴۳، قديمي)

(۳) "قلت: قال في المحيط وغيره: لو استأجر أرضاً موقوفة، وبنى فيها حانوتاً وسكنها، فأراد غيره أن يزيد في الغلة ويخرجه من الحانوت، ينظر إن كانت أجرته مشاهرةً، إذا جاء راس الشهر كان للقيم فسخ =

www.besturdubooks.net

کسی قانون داں سے بھی مشورہ کرلیا جائے، تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۴ھ۔

بیع نامہ لکھوانا کیسا ہے؟

سوال[۱۱۰۶۲]: کھیت، زمین، مکانات اور نسبی ملکیت پر جو بیع نامہ لکھواتے ہیں، یہ کیسے ہیں، جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ اس میں حد متعین بھی کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا حاصل یہ ہے کہ اپنی مملوکہ شی بعوض قیمت اپنی ملک سے نکال کر ہمیشہ کے لئے دوسروں کو دے دی جائے، خواہ زمین ہو یا مکان، دکان وغیرہ کچھ ہو، پھر اس ملک کی بناء پر کوئی حقِ امتناع باقی نہ رکھا جائے، پھر نہ اس میں واپسی کی شرط کی جائے، نہ کوئی حد مقرر کی جائے (۱)، اس کے علاوہ جو صورت ہو، اس کو صاف صاف

= الإجارة؛ لأن الإجارة إذا كانت مشاهرة تنعقد في رأس كل شهر، ثم ينظر إن كان رفع البناء لايضر بالوقف، فله رفعه؛ لأنه ملكه، وإن كان يضر به فليس له رفعه؛ لأنه وإن كان ملكه، فليس له أن يضر بالوقف، ثم إن رضي المستاجر أن يتملكه القيم للوقف بالقيمة مبنياً أو منزوعاً أيهما كان أخف يتملكه القيم، وإن لم يرض لايتملك؛ لأن التملك بغير رضاه لايجوز، فيبقى إلى أن يخلص ملكه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۸/۵، ۳۹۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۱۳/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل السابع في تصرف القيم في الأوقاف: ۵۲/۷، حقانيه پشاور)

(۱) "أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي ...... ومنها: أن لايكون مؤقتاً، فإن أقته لم يصح ...... ومنها الخلو عن الشرط الفاسد ...... وأما شرائط اللزوم، فخلوه عن الخيارات الأربعة المشهورة وغيرها ...... وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه الخ: ۲/۳، ۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴-۵۰۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۰/۵-۴۳۸، رشيديه)

www.besturdubooks.net

لکھ کراس کا حکم دریافت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۳/۲۳ھ۔

خریدار کو انعام دینے کی نیت سے کوپن دینا

سوال[۱۱۰۶۳]: زید ایک تاجر ہے، اپنی تجارت بڑھانے کے لئے چند کوپن پر انعام رکھتا ہے، مثلاً: صابن خریدا تو ساتھ میں ایک کوپن دیتا ہے، جس پر نمبر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر پچاس نمبرات یا ایک سو چالیس تک کے نمبرات کے کوپن آپ کے پاس جمع ہوگئے، تو آپ کو ایک سائیکل یا ریڈیو انعام میں ملے گا۔ کیا یہ انعام لینا جائز ہے اور ان نمبرات کو جمع کرنے کی سعی جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خریدار کو انعام دینا اور اس کو انعام لینا اگرچہ درست ہے(۱)، لیکن ایسے اعلانات شائع ہونے پر بسا اوقات اصل شی کی خریداری مقصود نہیں رہتی، بلکہ نمبرات کے جمع کرنے کی فکر ہوجاتی ہے، تو گویا کہ نمبرات ہی کو خریدنا ہوتا ہے اور خریداری کی یہ صورت شرعاً غلط ہے، ناجائز ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۲/۱۹ھ۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۵۲۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية والميراث: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(۲) نمبرات چونکہ فی نفسہ مال متقوم نہیں ہے اور بیع میں ضروری ہے کہ مبیع مال متقوم ہو، لہٰذا نمبرات کی بیع درست نہیں۔ کما في الهندية:

"ومنها في البدلين وهو قيام المالية حتى لا ينعقد متى عدمت المالية ...... ومنها في المبيع ...... وأن يكون مالاً متقوماً شرعاً......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳،۲/۳، رشيديه)

"وأما شرائط المعقود عليه، فأن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

ذبح کرنے سے پہلے جانور کا گوشت فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۶۴]: زندہ جانور کی کھال، گوشت، ران وغیرہ ذبح کرنے سے پہلے فروخت کردیتے ہیں اور ایک دکاندار خرید کر گوشت وغیرہ بیچتا ہے، گاہک دکاندار سے لے کر استعمال میں لاتے ہیں، یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فروخت کرنا بیع فاسد ہے(۱)، بیچنے والے خریدنے والے کے ذمہ ایسی بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، اگر فسخ نہیں کیا تو دونوں گنہگار ہوں گے(۲) اور جس شخص نے اس سے اس گوشت کو خریدا ہے، اس کے حق میں اس خریدنے سے فساد نہیں آئے گا، بیع درست ہوجائے گی(۳)، خواہ اس کو اصل بیع کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۰ھ۔

= "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

(۱) "(قوله: وفسد الخ) شروع في البيع الفاسد بعد الفراغ من الباطل، وحكمه ...... (قوله وصوف على ظهر غنم) للنهي عنه، ولأنه قبل الجز ليس بمال متقوم في نفسه؛ لأنه بمنزلة وصف الحيوان لقيامه به كسائر أطرافه ...... (قوله: وكذا كل ما اتصاله خلقي)". (ردالمحتار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۰/۵-۶۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الفصل التاسع في بيوع الأشياء المتصلة بغيرها وفي البيوع التي فيها استثناء: ۱۲۹/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۱۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "آخره على الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسيأتي أنه معصية يجب رفعها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۲/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "بخلاف البيع الفاسد فإنه لايطيب له لفساد عقده ويطيب للمشتري منه لصحة عقده". =

www.besturdubooks.net

ورثاء میں سے ایک کا شادی کے لالچ میں مشترکہ زمین دینا

سوال[۱۱۰۶۵]: ہندہ کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا، ہم سات بہن بھائی بے سہارا چھوڑے، بہن سب سے بڑی تھیں، جو شادی شدہ تھیں، ہم تینوں کنوارے تھے، والد صاحب کے انتقال کے وقت خویدکم کی عمر آٹھ برس تقریباً تھی، بڑے بھائی کی عمر تقریباً ۱۳، ۱۴برس کی تھی اور چھوٹے کی عمر تقریباً ۴، ۵ برس کی تھی، جس وقت میری عمر تقریباً ۱۴، ۱۵برس کی ہوئی، تو ایک قریب شریک نے کہا کہ تیری شادی اپنی دختر دے کر بے سٹے کرادوں گا، بشرطیکہ تو اپنی زمین میرے نام کرادو، ہم نے اپنی نادانی سے بخوشی قبول کرلیا، ان صاحب نے ۴بیگھہ زمین ہم سے مفت لے لی اور اپنی لڑکی بٹے میں دے کر میری شادی کرادی۔ اس کے بعد ایک صاحب دیندار نے ان سے کہا کہ تمہارے لئے یہ زمین اور اس کی فصل کھانا اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی، جب تک کہ تم ان لڑکوں کو تھوڑی بہت قیمت ادا نہ کردو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کو دیا کریں گے، ان کو نہیں دیتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کہ انہوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا، صرف لڑکی بٹے میں دے کر ہماری زمین اپنے لئے حلال کرلی، یہ زمین اور اس کی فصل اس کے لئے حلال وجائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین سب بھائی بہنوں کی مشترک تھی، اس کے دینے کا کسی ایک دو کو حق نہیں تھا اور لڑکی کی شادی کی وجہ سے زمین طلب کرنے کا حق نہیں تھا، یہ رشوت ہے(۱)، جو کہ ناجائز ہے(۲)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ

= (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۵۶/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الحادي عشر في أحكام البيع الغير الجائز: ۱۴۷/۳، رشيديه)

(۱) "أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة. (قوله: عند التسليم) أي: بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئاً، وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا؛ لأنه رشوة".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۱۵۶/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۳۲۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر: ۳۲۵/۳، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

زمین واپس کردے، پھر کوئی بھائی بہن اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو اس سے خرید لینا درست ہے(۱)، جب کہ وہ بالغ ہو، جس وقت خریداری کا معاملہ کرے، اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (۲) قال الله تعالیٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿سماعون للكذب أكّلون للسحت﴾ (المائدة: ۴۲)

"قال أبوبكر: اتفق جميع المتأولين بهذه الآية على أن قبول الرشا محرم، واتفقوا على أنه من السحت". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۴۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳: ۴/۲۰۹۳، مصطفیٰ الباز مكة)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "باع عيناً من رجل بأصفهان بكذا من الدنانير فلم ينقد الثمن حتى وجد المشتري ببخارى يجب عليه الثمن بعيار أصفهان، فيعتبر مكان العقد ...... وكما يعتبر مكان العقد يعتبر زمنه أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: يعتبر الثمن في مكان العقد وزمنه: ۴/۵۳۶، سعيد)

"وتعتبر قيمة الأصل يوم العقد......". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب السادس عشر الخ، مطلب: الزيادة في الثمن والمثمن: ۳/۱۷۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۱۵، ۱۶، دار المعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع دیئے بغیر کچھ خریدنا

سوال[۱۱۰۲۶]: چونکہ مال خریدنے پر حکومت ٹیکس لیتی ہے، زید اس ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع کئے بغیر مال خریدتا بیچتا ہے، کیا اس طرح مال لاکر بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مالک کو اپنی ملک بیچنا اور جہاں سے دل چاہے، خریدکرنا سب درست ہے(۱)، مگر قانون کے خلاف کرکے عزت کو خطرہ میں ڈالنا خلاف دانشمندی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۱۷ھ۔

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

(۲) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الأمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب، وقد منا أن السلطان لو حكم بين الخصمين ينفذ في الأصح وبه يفتي". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد) .... =

www.besturdubooks.net

گورنمنٹ سے راشن لے کر نفع کے ساتھ فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۶۷]: میں گورنمنٹ راشن دکان سے اناج خرید کر فروخت کرتا ہوں، جس پر مجھے پچاس فیصد سے لے کر ۷۰ فیصد تک منافع حاصل ہوتا ہے، یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کی اپنی دکان ہے، آپ مالک ہیں، تو آپ کو اپنے مال پر نفع لینے کا اختیار ہے(۱)، مگر اتنا زائد نفع نہ لیں، جو خلاف مروت ہو، اگر آپ حکومت یا سوسائٹی کی طرف سے اناج فروخت کرتے ہیں اور اس پر آپ کو کمیشن ملتا ہے، تو وہ کمیشن آپ کے لئے درست ہے(۲)، مگر جو نرخ تجویز کر دیا گیا، اسی نرخ پر فروخت کریں،

= (وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول، القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع احد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة: ۱۶/۲۰۸، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۴۷، سعيد)

www.besturdubooks.net

زیادہ پرنہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین۔

کنٹرول کے نرخ سے کمی زیادتی پربیع کرنا

سوال[۱۱۰۶۸]: ساجھہ(۲) کے غلہ پرکنٹرول کی دکان ہے،اس کے یہاں غلہ آیااورحکومت کی جانب سے تاریخ متعین ہوگئی کہ فلاں تاریخ تک غلہ تقسیم ہوگا،کچھ افرادتاریخ موقت پر نہ پہنچے،اب متعین تاریخ کے بعدکیا صاحب دکان کو یہ جائز ہے کہ وہ حکومت کے متعین کردہ ریٹ پراضافہ کرکے دوسروں کے ہاتھ فروخت کردے،یاان افرادکاانتظارکرے،جس کے حق میں غلہ آیاتھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلہ کنٹرول کی دکانیں دوطرح کی ہوتی ہیں:

۱-دکان دارجوخودغلہ گورنمنٹ سے نہیں خریدتاہے،بلکہ غلہ گورنمنٹ کاہی دیتاہے،دکان دارکوبکری کے فیصلے کے حساب سے کمیشن ملتاہے،اگرایسی صورت ہےتودکان دارکاحکومت کے متعین کردہ ریٹ پراضافہ کرکے فروخت کرنا،کسی دوسرے کے ہاتھ درست نہیں(۳)۔

---

(۱) "المؤكل إذا شرط على الوكيل شرطا مفيدا من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته، أكده بالنفي أو لم يؤكده......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۵۸۹/۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً ومالايكون: ۴/۳، رشيديه)

(۲) "ساجھا:کسی کام میں حصہ داری یاشراکت"۔(فیروزاللغات،ص:۷۰۶،فیروزسنزلاہور)

(۳) "المؤكل إذا شرط على الوكيل شرطا مفيدا من كل وجه بأن كان ينفعه من كل وجه فإنه يجب على الوكيل مراعاته أكده بالنفي أو لم يؤكده......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، الباب الثالث في الوكالة بالبيع: ۵۸۹/۳، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

۲- دکان دار جو غلہ دکان میں لاتا ہے، اس کی قیمت اپنے پاس سے حکومت میں جمع کر کے خود غلہ خرید لیتا ہے اور پھر حکومت کے مقرر کردہ نرخ پر بیچتا ہے۔ اس صورت میں دکان دار چونکہ خود غلہ خرید لیتا ہے اور خرید لینے کی وجہ سے غلہ کا مالک ہوگیا ہے اور محض قانونِ وقت کی پابندی کی وجہ سے حکومت کے مقررہ کردہ نرخ پر فروخت کرتا ہے، مگر مالک ومشتری ہے عندالشرع اس لئے حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زائد پر یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں شرعاً فروخت کرسکتا ہے(۱)، باقی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے بے آبرو ہونے کا بھی خطرہ ہو تو ایسا نہ کرنا ہوگا، اس سے پورا پرہیز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۵/۹۳ھ۔

کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا

سوال[۱۱۰۶۹]: زید ایک تاجر آدمی ہے، اس کے پاس غلہ کی دکان ہے، نیز آج کل غلہ کنٹرول سے بک رہا ہے، لیکن ہر ایک فرد کو نہیں ملتا اور زید اگر کوئی دوسری جگہ سے غلہ خرید کر منگاتا ہے تو گرفتاری کا خطرہ ہے، چونکہ گورنمنٹ کا یہ اعلان ہے کہ بیس کلو سے زائد کوئی نہیں لاسکتا، اس صورت میں اگر وہ غلہ کنٹرول دکان سے لینے کے لئے تیار ہے اور وہ واقعی سستا بھی ہے، جو بازار میں عام ریٹ پر فروخت کرسکتا ہے، آیا شریعت کی رو سے اس کا خریدنا اور اس کا بیچنا کیسا ہے؟ جب کہ حکومت نے عمر کو گورنمنٹ کا غلہ فروخت کرنے کا امین بنایا ہے

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوكالة، فصل فيما يكون به وكيلاً ومالايكون: ۳/۴، رشيديه)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۴۴۸/۵، سعيد)

(۲) سيأتي تخريجه تحت عنوان: "کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا"۔

www.besturdubooks.net

اورآج کل یہ خیانت عام ہے۔

نیز مٹی کا تیل بھی سرکاری دکانوں میں نہیں ملتا اور وہ زائد قیمت لے کر دکانداروں کو فروخت کرتے ہیں، بظاہر یہ چوری کا مال ہوا اور جان بوجھ کر چوری کا مال خریدنا کیسا ہے، نیز اس میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ زید، عمر سے غلہ لے کر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید غلہ کنٹرول دکان سے خرید کر عام ریٹ پر فروخت کرے، تو شرعاً جائز ہے، ہاں! اگر مقدار معین سے زائد کسی کو دینے کی اجازت نہ ہو، تو پھر زائد دینا قانونی جرم ہے(۱)، درحقیقت عمر اس غلہ کا مالک نہیں، مالک حکومت ہے، عمر فروخت کرنے کا امین ہے، اس کے لئے قانون کے خلاف کرنا جرم ہے(۲)، پھر اگر وہ قیمت حکومت ہی کو دیتا ہے، تو زید کا خریدا ہوا وہ غلہ چوری کا مال نہیں، اس لئے زید اس کا مالک ہوجائے گا(۳)، یہی حال تیل وغیرہ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول. القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "وحكمه: ثبوت الملك للمشتري في المبيع، وللبائع في الثمن، إذا كان باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۲۷۲/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وحكمه: ثبوت الملك أي: في البدلين، لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۰۶/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

جاسوسی فلمی کتابوں کی تجارت

سوال[۱۱۰۷۰]: زید کی تجارت رومانی جاسوسی فلمی کتب ناول تلنگی (۱) کی ہے اوپر اچھی بری تصویر رہتی ہیں، تجارت بالکل غیر مسلم بستی میں ہے، تقریباً ۹۹ فی صد غیر مسلم ان کتابوں کی خریداری کرتے ہیں، اس پر اچھی کمیشن ملتی ہے، دس سال سے یہ تجارت کر رہے ہیں، ابھی تک زید کی زندگی اور زید کے خاندان کی زندگی غیر اسلامی چل رہی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تبلیغی جماعت میں جڑ کر کام کر رہے ہیں، اس تجارت سے جملہ تین خاندان کا گزر اچھی طرح ہوتا ہے، پہلے تین بھائی مل کر یہ تجارت کرتے تھے، اب دو بھائی مستقل دینی کام میں لگ گئے ہیں اور ایک بھائی ہی یہ تجارت کرتا ہے اور اب بھی تینوں بھائی کا گزر اس بھائی کی تجارت سے ہوتا ہے۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا یہ تجارت زید کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا جاری رکھا جائے یا تجارت کی لائن بدل دی جائے، جب کہ تجارت کی لائن بدلنے میں وقت ہے اور آمدنی بھی بہت کم ہوجائے گی اور نہ بدلی جائے، تو کیا تقویٰ اور شریعت کے خلاف اور دینی کام کرتے ہوئے اس تجارت پر گزارہ کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

حاجی عبدالوہاب صاحب، سابق تحصیل دار پنور ضلع گنٹور (اے پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کو بدلنے میں وقت تو ضرور ہوگی اور اس کو برداشت کرنا چاہیے، دیگر جائز کتب کا بھی میل شروع کردیں، آہستہ آہستہ ناجائز کتب کم کرتے رہیں، جائز کتب کی تجارت کو ترقی دیتے رہیں، یہاں تک کہ موجودہ صورت بالکل بدل جائے یا کوئی اور تجارت شروع کردیں، جب اس پر قابو ہوجائے تو موجودہ کو ترک کردیں (۲)، حق تعالیٰ مدد فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۱۶ھ۔

---

(۱) "تلنگی: تلنگانہ کا باشندہ، تلنگانہ کی زبان"۔ (فیروز اللغات، ص:۴۰۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا أولئک لھم عذاب مھین﴾ (لقمٰن: ۶) .... –

www.besturdubooks.net

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا

سوال[۱۱۰۷۱]: ایک شخص دودھ بیچتا ہے اور کہتا ہے، میں نے پانی ملا رکھا ہے، لیکن مقدار نہیں بتلاتا، کیا ایسا فعل جائز ہے، جب کہ ہندو دکان دار پانی ملا کر ہی بیچتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ پانی ملانا ظاہر کر دیتا ہے، تو وہ دھوکہ نہیں دیتا ہے، خریدنے والے کو اختیار ہے، خریدے یا نہ خریدے، لیکن بغیر پانی ملائے، فروخت کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، جس سے پانی ملانے والے محروم ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۷/۱۸ھ۔

دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۷۲]: میں ایک دکان دار ہوں اور دودھ کے بیچنے کا کام کرتا ہوں اور اس دودھ میں

= "واستدل بعضهم بالآية على القول بأن لهو الحديث الكتب التي اشتراها النضر بن الحارث على حرمة مطالعة كتب تواريخ الفرس القديمة، وسماع ما فيها، وقراء ته، وفيه بحث، ولا يخفى أن فيها من الكذب ما فيها، فالاشتغال بها بغير غرض ديني خوض في الباطل". (روح المعاني، لقمٰن: ۹: ۷۹/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۲/۶، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال "ياصاحب الطعام، ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۲۴۵/۱، قديمي)

"من علم بسلعته عيبا لم يجز بيعها حتى يبينه للمشتري، فإن لم يبينه فهو آثم عاص، نص عليه أحمد". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيع العيب، باب خيار العيب: ۵۸/۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، باب خيار العيب: ۵/۵، سعيد)

www.besturdubooks.net

پانی ملا کر بیچتا ہوں، جب کہ اگر مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ اس میں پانی ملائے ہو یا نہیں تو میں اس سے فوراً کہہ دیتا ہوں کہ یہاں میں پانی ملا کر بیچتا ہوں، مگر میں کسی کو مقدار نہیں بتاتا ہوں، تو آپ یہ بتایئے کہ دودھ میں پانی ملانا جائز ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آدمی دودھ خریدتے ہیں، وہ دودھ کی قیمت دیتے ہیں اور دودھ کہہ کر خریدتے ہیں، اگرچہ آپ سے یہ دریافت نہ کریں کہ آپ پانی ملاتے ہیں یا نہیں، مگر معاملہ دودھ ہی کا کرتے ہیں، اس لئے آپ اس میں پانی نہ ملائیں (۱)، اگر ملانا ہو تو خریداروں پر ظاہر کردیں کہ اس میں اتنا پانی ہے، پھر جس کا دل چاہے، خریدے، نہ دل چاہے نہ خریدے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال "ياصاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله! فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس" ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "من علم بسلعته عيباً لم يجز بيعها حتى يبينه للمشتري، فإن لم يبينه فهو اثم عاص، نص عليه أحمد". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب البيع المعيب، باب خيار العيب: ۱۴/۵۸، إدارة القرآن كراچي)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعا فيه عيب، إلا بينه له". (سنن ابن ماجة، كتاب البيوع، باب من باع عيباً فليبينه، ص: ۱۶۲، قديمي)

www.besturdubooks.net

دودھ میں پانی ملا کر چائے بنانا اور بیچنا

سوال[۱۱۰۷۳]: دودھ میں پانی ملا کر گرم کرتے ہیں اور اس کے بعد اس دودھ کی چائے بنا کر دیتے ہیں، تو کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ خالص دودھ خریدیں اور اس میں پانی ملائیں، یہ عمل ایسا ہوگا کہ اگر دوسرا شخص یہ کرے تو آپ کو ناپسند ہے، خود اس عمل کو کریں گے تو وہ کیوں ناپسند نہیں؟ بہر حال اگر پانی اس لئے ملاتے ہیں تا کہ گرم کرنے سے پانی پانی جل جائے اور دودھ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور اس سے چائے بنا کر دیں، تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۹/۱/۹ھ۔

حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال تجارت منتقل کرنا

سوال[۱۱۰۷۴]: ایسی تجارت کے تعلق سے کہ گورنمنٹ ضلع بندی کرتی ہے اور اپنی جگہ سے دوسری جگہ کو مال، یعنی غلہ وغیرہ لے جانے کو جرم قرار دیتی ہے، اس کے باوجود تاجر لوگ غیر قانونی حرکت کر کے نگراں کاروں کو رشوت دے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ میں غلہ وغیرہ منتقل کر کے تجارت کرتے ہیں، تو ایسی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جائز ہونے کی کیا صورت ہے، کیا ایسا تاجر عند اللہ مجرم قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور جو ایسی تجارت سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کارِ خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں سے زکوۃ صدقۂ فطر قربانی وغیرہ کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) چونکہ مذکورہ صورت میں دھوکہ نہیں، اس لئے مذکورہ طریقے سے چائے بنا کے بیچنا درست ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال من حمل علينا السلاح فليس منا، ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش الخ: ۱/۲۴۵، قديمي)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جو مال موافق شرع خرید کر مالک ہو جائے، اس کو اس کے ہر جگہ فروخت کرنے کا پورا حق حاصل ہے(۱)، اس فروخت کرنے سے جو روپیہ ملے، وہ اس کا مالک ہو جائے گا(۲)، حسب ضابطہ اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی، قربانی بھی واجب ہوگی، ایسے مال کو کار خیر میں صَرف کرنا بھی درست ہوگا، مگر اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قانونی خلاف ورزی کر کے اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہرگز دانش مندی نہیں (۳) اور رشوت دینا تو قانونی جرم ہے اور شرعی جرم بھی ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا اضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "وحكمه: ثبوت الملك، أي: في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على تبيين الحقائق، كتاب البيوع: ۴/۲۷۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) اگر حکومت کا قانون شرعی حکم کے مخالف نہیں اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہ ہو، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... فلو أمر بصوم يوم وجب".

(ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۴) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي". =

www.besturdubooks.net

اسمگلنگ شدہ کپڑا فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۷۵]: کوئی شخص نیپال سے "پارچہ" لاکر ہندوستان میں اس کپڑے کے نفع کے ساتھ خرید وفروخت کرے، باوجود اس کے کہ حکومت کی چوری ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فعل خلافِ قانون اور موجبِ سزا ہونے کی وجہ سے قابلِ پرہیز ہے(۱)، کیونکہ اس میں عزت کا بھی خطرہ ہے، مال کا بھی خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا خلافِ دانش مندی ہے، اگرچہ اس خرید وفروخت کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام نہ ہو(۲)۔ فقط۔

بینڈ باجوں میں استعمال ہونے والے چمڑے کی بیع

سوال[۱۱۰۷۶]: زید بینڈ باجوں میں لگنے والے چمڑے (کھال) مختلف سائز کے ان کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے، شرعی اعتبار سے یہ روزگار اور اس سے ہونے والی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ چمڑے صرف اسی کام میں آتے ہیں، تو یہ کاروبار مکروہ ہے(۳)، اگرچہ حاصل شدہ قیمت اس کی

= (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم: ۱/۲۴۸، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (تلخيص الحبير لابن حجر، كتاب القضاء، باب أدب القضاء، رقم الحديث: ۲۰۹۳: ۴/۲۰۹۳، مصطفىٰ الباز مكة)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا"، رقم الحاشية: ۳

(۲) راجع العنوان السابق، رقم الحاشية: ۱

(۳) "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ...... فكله مكروه تحريماً، بشرط أن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح به =

www.besturdubooks.net

وجہ سے ناجائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۵ھ۔

کسی چیز کو کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم

سوال[۱۱۰۷۷]: غریب لوگوں کی پریشانی دور کرنے کے لئے گورنمنٹ نے نظام بنایا ہے، کہ نان پاسکٹ پر پندرہ فیصد نفع لو، اس سے زائد لینا جرم ہے، مگر تاجر حضرات کو ٹھیکہ بھی اسی شرط کے ساتھ دیا گیا ہے کہ ان کا زیادہ قیمت لینا جائز ہے۔ شرط یا عدم شرط سے کوئی فرق ہوگا؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی مملوکت شی کم، زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کا اختیار ہوتا ہے (۲)، لیکن حکومت کے

= باللسان". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان، أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبه دار العلوم ديوبند)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً، أي: من ذمي، فلو من مسلم كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۱۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(۱) "في الأشربة للإمام السرخسي، بيع العصير ممن يتخذ خمراً لايكره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعندهما: يكره ويجوز البيع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۲۱۰/۳، رشيديه)

"وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه، بل بعد تغيره، وقيل يكره لإعانته على المعصية". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۰/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۲۱۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا"، رقم الحاشية: ۱، ۲

www.besturdubooks.net

قانون کے خلاف کرنا عزت اور مال وجان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ یہ حکومت کی چوری ہے، جس پر سزا ہوسکتی ہے، خلاف قانون کر کے جان، عزت، مال کو خطرہ میں ڈالنا قرین دانش مندی نہیں ہے، لہٰذا اس سے پورا پرہیز کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۳/۷۹ھ۔

۱۰۰ روپے کی چیز ۱۲۵ روپے میں فروخت کر کے ۲۵ روپے اپنے پاس رکھنا

سوال [۱۱۰۷۸]: ایک آدمی نے ایک شخص سے کہا کہ ہم تمہارا مال ایک کو غل، سورو پیہ میں فروخت کردیں گے اور پھر اس نے اس مال کو ایک سو پچیس روپیہ میں فروخت کیا اور جس نے سورو پیہ میں مال فروخت کرنے کو کہا تھا، اس کو سورو پیہ دے دیے اور ۲۵/ روپیہ خود رکھ لئے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیے (۲)، یوں کہہ دے کہ مجھے سورو پیہ میں دے دو، پھر خرید کر جس قیمت میں چاہے، فروخت کردے (۳)، یا صاحب مال کہہ دے کہ یہ مال جتنے میں چاہے فروخت کرو، مجھے سو روپے

---

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر مال منتقل کرنا"۔

(۲) اس میں دھوکہ ہے، اس لئے ایسا کرنا درست نہیں۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مر على صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت أصابعه بللا فقال: يا صاحب الطعام! ماهذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس، ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ...... ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۴۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) کیونکہ خریدنے کی صورت میں وہ اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جس قیمت پر چاہے آگے فروخت کرے: =

www.besturdubooks.net

دے دو، یا یہ کہے میں تمہارا یہ مال ایک سو پچیس روپیہ میں فروخت کروں گا، پچیس روپے مجھے دے دینا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۱۴۰۱ھ۔

تجارت میں نفع کتنا لینا چاہیے؟

سوال[۱۱۰۷۹]: میں دکانداری کا کام کرتا ہوں اور نفع لے کر سودا فروخت کرتا ہوں، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تم من مانی نفع لیتے ہو زیادہ نفع لینا حرام ہے تو مجھے ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا چاہیے؟ یا بغیر نفع چیز کو فروخت کر دینا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تجارت کی ہی جاتی ہے نفع کے لئے، نفع لینا جائز ہے(۲)، لیکن نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا

= "لأن الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک والمتقوم: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۱) "قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه، أن في كل عشرة دنانير كذا، فذاک حرام عليهم، وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوّزوه لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب: في أجرة الدلال: ۶۳/۶، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الجارة، باب أجر السمسرة: ۲۰۸/۱۶، ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في احسن الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، دلالی کی اجرت جائز ہے: ۲۷۳/۷، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۱۰۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۱۳۳/۵، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية: ۴۲۲/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

www.besturdubooks.net

خلافِ مروت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

ہرے بھرے درخت کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۰۸۰]: آج کل لوگ ہرے بھرے درختوں کی جو جاندار ہیں، کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرتے ہیں اور اس سے آئے دن مستفید ہو رہے ہیں، اس طرح کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو درخت پھل دے رہے ہوں یا ان کے سایہ سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہو، ان کو کٹوانا مناسب نہیں (۲)،

---

(۱) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

(۲) "عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من قتل صغيراً أو كبيراً، أو أحرق نخلاً، أو قطع شجرة مثمرة، أو ذبح شاة لإهابها لم يرجع كفافاً".

(مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۱۸۶۳: ۳۷۱/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن يحيى بن سعيد أن أبابكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه بعث جيوشاً إلى الشام ...... وإني موصيك بعشر، لا تقتلن امرأة، ولا صبيا ولا كبيراً هرما ولا تقطعن شجراً مثمراً ...... إلى آخر الحديث.

(وكذا في مؤطا الإمام مالك، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ص: ۳۶۵، ۳۶۶، مير محمد كتب خانه كراچي) ....

www.besturdubooks.net

تاہم ان کو کٹوا کر تجارت کرنے سے جو آمدنی ہوگی، اس کو حرام نہیں کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۳/۱۱/۱۷ھ۔

آتش بازی کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۰۸۱]: ہم آتش بازی کا کاروبار کرتے ہیں، جس کو مسلم غیر مسلم سب ہی خرید کر استعمال کرتے ہیں، یہ کاروبار اور اس کی آمدنی جائز ہے یا نا جائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۴۰۱/۲/۱۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الجهاد: ۴/۱۴۹، سعيد)

(۱) لکڑی چونکہ مال متقوم ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس کی خرید وفروخت درست ہے اور اس سے حاصل شدہ کمائی حلال ہے۔

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) خرج غير المرغوب كتراب، وميتة، ودم، (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"نهى عن معاونة غيرنا على معاصي الله تعالىٰ". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۲/۳۸۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق

سوال[۱۱۰۸۲]: نقد خریداری کے وقت ایک قیمت اور ادھار کے وقت دوسری قیمت، ایسا کرسکتے ہیں؟ کیا یہ ربوا میں شامل نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ ربوا نہیں ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے(۱)، البتہ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اتنا اضافہ کرنا کہ غریب خریدار پر بار زیادہ پڑ جائے، خلاف مروت ہے کہ وہ اپنی غربت کی وجہ سے مستحق احسان ومواسات ہے(۲)، نیز مجلس عقد بیع میں ہی یہ طے ہوجائے کہ یہ ادھار خرید رہا ہے، فلاں قیمت دے گا، یہ بھی ضروری

---

(۱) "لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة، احترازاً عن شبهة الخيانة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وجامع الترمذي، باب النهي عن بيعتين: ۲۳۳/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع المضطر الحديث ...... هو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أوغيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لايبايع على هذا الوجه وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له =

www.besturdubooks.net

ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۷ھ۔

کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۳]: زید نے گڑ چالیس روپے ۳۶/من خریدا، دو ماہ بعد گڑ کا بھاؤ چھتیس روپے فی من ہو گیا، ایک شخص عمر نے زید سے بطور قرض سو روپے مانگے، زید نے اس کو سو روپے نقد تو نہ دیئے، بلکہ وہی گڑ جو چالیس کے بھاؤ خرید تھا، ۴۰/ کے بھاؤ سے ہی دے دیا، جب کہ اب بھاؤ موجودہ چھتیس روپے ہے، کیا زید نے یہ ٹھیک کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپے من دیا، یعنی فروخت کر دیا اور عمر نے اس کو لے لیا، یعنی خرید لیا، تو شرعاً یہ بیع درست ہو گئی (۲)، عمر کے ذمہ چالیس روپیہ من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہو گی (۳)، اگرچہ اس گڑ کی قیمت چھتیس روپے من بازار میں

= إلی المیسرة، حتی یکون له في ذلک بلاغ". (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب النهي عن بیع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في بذل المجهود، کتاب البیوع، باب في بیع المضطر: ۲۵۲/۵، امدادیه)

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۴۹۴

(۲) "أما تعریفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، کذا في الکافي". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول في تعریف البیع الخ: ۲/۳، رشیدیه)

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فیه بمثله) ...... (علی وجه) مفید (مخصوص) أي: بإیجاب أو تعاط". (الدر المختار، کتاب البیوع: ۵۰۲/۴، ۵۰۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۰/۵، رشیدیه)

(۳) "ومن باع سلعة بثمن قیل للمشتري ادفع الثمن أولاً، ومن باع سلعة بسلعة أو ثمنا بثمن قیل لهما سلما معا، کذا في الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الرابع في حبس المبیع الخ، الفصل الثاني الخ: ۱۶/۳، رشیدیه) .... =

www.besturdubooks.net

ہے اور زید نے چالیس روپے من خرید اتھا۔

نقد ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہی ہے اور یہ شرعاً درست ہے(۱)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں، تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی زیادہ قیمت لینا، جس سے اس کو خسارہ ہو، یہ بات خلاف مروت ہے(۲)، لیکن مجلس عقد میں بھی یہ طے ہوجائے

= "والتابع وجوب تسليم المبيع والثمن". (ردالمحتار، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۶/۴، سعيد)

"القبض ليس بشرط في البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشتري أن يسلم الثمن أولاً، لم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، رقم المادة: ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة الحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

کہ یہ معاملہ ادھار ہے، اگر یہ بات طے نہیں ہوئی، بلکہ بات گول مول رہی کہ نقد ہے، تو یہ قیمت ہے، ادھار ہے، تو یہ قیمت ہے تو اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۳/۵/۸۹ھ۔

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۱۱۰۸۴]: ایک شخص چھالی اور چاول جمع کرکے رکھتا ہے اور جب لوگ مصیبت یا تنگ دستی میں پڑتے ہیں، تو اس کے پاس جاکر چھالی یا چاول ادھار لیتے ہیں، وہ دو تین گنا بازار کے نرخ سے اضافہ سے بیچتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کے دو فریق ہیں: اول فریق جواز کا قائل ہے، فریق ثانی اس کو سود کہتا ہے اور استدلال میں پیش کرتا ہے: "کل قرض جر نفعاً فهو أحد وجه من وجوه الربو".

اور شامی میں ہے: "المعلوم کالمعروف".

اب آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ ربا النسیہ میں شامل ہے یا نہیں؟

"المعلوم کالمعروف" کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح ادھار بیچنا شرعاً سود نہیں، بلکہ اس طرح بیع درست ہے، البتہ مروت کے خلاف ہے، زمانہ گرانی میں غرباء کے ساتھ احسان ومروت کی ضرورت ہے، یہ بھی مکارم الاخلاق کے لائق ہے(۲)۔

---

(۱) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن شرطين في بيع، وهذا هو تفسير الشرطين في البيع ...... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه، فهو جائز؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب البيوع الفاسد: ۱۳/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلک في الشراء منه ...... وقال =

www.besturdubooks.net

درمختار، باب المرابحۃ والتولیۃ میں ہے:

"اشتراه بألف نسيئة، وباع بربح مائة بلا بيان، خير المشتري، فإن تلف الجميع أو تعيب فعلم بالأجل لزمه كل الثمن حالاً".

اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قوله: خير المشتري أي: بين رده وأخذه بألف ومائة حالة؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع. ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة، فصار كأنه اشترى شيئين بالألف، وباع أحدهما بها على وجه المرابحة، ولهذا خيانة فيما إذا كان مبيعا حقيقة، وإذا كان أحد الشيئين يشبه المبيع يكون هذا شبهه الخيانة"(فتح).

"(قوله: لزم كل الثمن حالاً)؛ لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة، إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالا في المرابحة".

ردالمحتار على الدرالمختار: ٤/١٥٨، نعمانيه(١).

= الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ٢٠٥/١٤، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ٢٥٢/٥، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ٨٦/٦، ٨٧، رشيديه)

(١) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ١٤٢/٥، سعيد)

"أي: إن أتلفه المشتري حالاً، ثم علم بالأجل لزمه بكل الثمن حالاً؛ لأن الأجل لا يقابله شيء من الثمن، كذا في الهداية، وأورد عليه، أنه تناقض؛ لأنه قال عند قيام المبيع إن الثمن يزداد بالأجل وعند هلاكه، قال: إنه لا يقابله شيء، وجوابه: أن الأجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم =

www.besturdubooks.net

یہ مسئلہ اسی طرح کتب فتاویٰ وفقہاء میں مذکور ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ(۱)، امداد الفتاویٰ(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند(۳) میں بھی اسی طرح کی تصریح ہے، شرح کنز(۴)، فتح القدیر(۵)، عینی شرح ہدایہ(۶) میں بھی اسی طرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۹ھ۔

ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۸۵]: ہمارے یہاں کے مالداروں نے غریبوں کو ستانے کے لئے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ جب گرانی میں فاقہ کشی کا وقت آتا ہے اور کوئی غریب کسی مالدار سے چاول وغیرہ قرض مانگتا ہے تو وہ نہیں دیتا ہے اور ان بیچاروں کے پاس اتنے روپے موجود نہیں ہوتے ہیں کہ جن سے فی الحال اس چیز کو خرید سکیں تو وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دیکھو! فی الحال، مثلاً: ایک کوئنٹل گیہوں کی قیمت چالیس روپے ہے، تو یہ تم کو وہی ایک کوئنٹل گیہوں دیں گے، مگر قیمت بجائے عام بھاؤ چالیس روپے کے ساٹھ روپے لیں گے اور اس روپے کی ادائیگی کے لئے تم کو دو ماہ کی مہلت بھی دیں گے، چنانچہ دونوں کے درمیان اس طرح بیع ہوجاتی ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے غریبوں کو ستانا کیسا ہے؟ اور پھر یہ بیع صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

= يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله إذا ذكر الأجل بمقابلة زيادة الثمن قصداً، فاعتبر مالاً في المرابحة". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۱۹۱/۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، شركت علميه ملتان)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب خرید وفروخت کے مسائل، ادھار چیز کو زیادہ قیمت پر دینا، ص: ۴۹۳، ۴۹۴، سعید)

(۲) (إمداد الفتاویٰ، كتاب البيوع، درزیوں کی مشین قسطوں پر خریدنا: ۲۲/۳، دار العلوم کراچی)

(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کتاب البیوع، ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ کرنے کا حکم: ۱۰/۱۱، دار الإشاعت)

(۴) (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۱۹۱/۶، رشيديه)

(۵) (فتح القدير، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۴۶۸/۶، رشيديه)

(۶) (البناية على الهداية للعيني، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۳۶۲/۱۰، حقانيه ملتان)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلياً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا شرعاً ناجائز نہیں، تجارت میں یہ فرق شرعاً ورواجاً درست ہے(۱)، لیکن جو غریب فاقہ کشی سے عاجز آکر ادھار غلہ لیتا ہے تاکہ اپنے بھوکے بچوں کو کھلا سکے، وہ بہت زیادہ قابل رحم ہے، مالدار کی مالداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غریب فاقہ کش کی امداد کرے(۲)، اگر اتنا حوصلہ نہیں تو عام نرخ کے اعتبار سے فروخت کردے، یہ بھی نہیں کرسکتا تو معمولی نفع لے لے، زیادہ نفع لینا مروت وہمدردی کے خلاف ہے۔ گو بیع پر ناجائز ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "لأن للأجل شبها بالمبيع، الا ترى، أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة: ۷۶/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل في نفسه ليس بمال، فلا يقابله شيء حقيقة إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويزاد في الثمن لأجله، إذا ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لا تفسده: ۱۳۶/۳، رشيديه)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب النهي عن بيعتين: ۲۳۳/۱، سعيد)

(۲) "قد نهى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع المضطر. الحديث ...... وهو أن يضطر الرجل إلى طعام وشراب أو غيرها، ولا يبيعه البائع إلا بأكثر من ثمنها بكثير، وكذلك في الشراء منه ...... وقال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه جائز في الحكم ولا يفسخ، إلا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الثاني: ۸۶/۶، ۸۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کی واپسی

سوال[۱۱۰۸۶]: واضح ہو کہ انجمن کا مدرسہ کا باغ اور کچھ زمین جس میں پتاور، یعنی بوس پیدا ہوتا ہے، چونکہ کچھ حصہ باغ میں شامل ہے اور طریقہ پہلے سے یہ ہے کہ اکٹھا باغ اور پتاور والی زمین کو نیلام کیا جاتا ہے، ورنہ ہوتا یہ ہے کہ فصل باغ اور پتاور انجمن کی نیلام ہوئی اور ۴/۱ حصہ کل نیلام فوراً کیا جاتا ہے اور باقی روپیہ تقریباً ۱۵/ یوم میں لیا جاتا ہے، وہ اس لئے ۴/۱ حصہ لگایا جاتا ہے، اگر کوئی شخص بغیر نیلام فصل باغ یا پتاور کا نیلام چھوڑ دے تو ۴/۱ حصہ روپیہ کا جمع ہونے سے دوبارہ نیلام ہونے پر جو رقم ملے گی، نیلام سے کم ہوگی، اس جمع کئے ہوئے روپیہ سے لے کر باقی واپس کردیا جائے گا۔

ابھی تک کوئی موقع ایسا نہیں ہے، جو روپیہ کی ادائیگی میں رکاوٹ ہوگئی ہو، لیکن اس مرتبہ ایسا ہوا کہ نیلام باغ و پتاور اور مبلغ ۱۹/ سو روپیہ کی ہوئی اور مبلغ ۱۰۰/ روپیہ فوراً دیا، باقی ۴/۱ حصہ شام کو دینے کا وعدہ کیا، لیکن اس شخص نے ۱۵/ یوم تک یہ روپیہ نہیں دیا اور میں نے تحریر سے بھی اس شخص کو مطلع کیا کہ اگر ایک ماہ تک آپ کل روپیہ جمع نہیں کرتے ہیں، تو باغ و پتاور دوبارہ نیلام کر کے جو رقم کل ہوگی، وہ تم سے وصول کی جائے گی، لہٰذا بعد میعاد دوبارہ نیلام کردیا، چونکہ مبلغ پونے سترہ سو کی نیلام ہوئی، اس صورت میں مبلغ سو روپیہ جو ہمارے پاس ہے، وہ روپیہ واپس کردیا جائے یا لے لیا جائے، جیسا کہ حکم شرعی ہو، مفصل تحریر کردیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پیشگی جمع شدہ رقم ۱۰۰/ روپیہ واپس کردی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۸۸ھ۔

(۱) "عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

www.besturdubooks.net

بیع نامہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کرنا

سوال[۱۱۰۸۷]: میں اپنا ایک مکان بیع کرنا چاہتا تھا، اس کے کئی خریدار تھے، بالآخر ایک صاحب نے معاملہ بیع مجھ سے پچیس ہزار پانچ سو روپے میں طے کیا اور مبلغ چار ہزار پانچ سو روپے بطور زر بیعانہ ادا کیا اور بقیہ زر ثمن فراہم کرنے کے لئے چھ ماہ موقع مانگا، میں نے اس شرط پر چھ ماہ کا موقع دے دیا کہ اگر وہ بیعانہ نہیں کرائیں گے تو چار ہزار پانچ سو روپے زر بیعانہ ضبط ہو جائے گا اور خریدار اس روپیہ کے واپس پانے کا مستحق نہ ہوگا، خریدار بخوشی اس پر رضامند ہو گئے اور معاہدہ مکمل ہو گیا۔

اب وہ بیعانہ لکھانے سے بالکل منکر ہیں اور اپنا روپیہ واپس مانگتے ہیں اور ان سے معاملہ طے ہونے کی وجہ سے اور خریدار بھی ہٹ گئے، ان حالات میں اگر روپیہ واپس نہ کریں، تو کیا شرعاً گرفت ہوگی اور ہم گنہگار ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روپیہ کی واپسی واجب ہے، جو معاہدہ پہلے کرلیا گیا تھا کہ بیعانہ نہ کرانے کی صورت میں یہ رقم

= وسلم نهى عن بيع العربان، قال مالك: وذلك فيما نرى، والله تعالىٰ أعلم، يشتري الرجل العبد أو الوليدة، أو يتكارى الدابة، ثم يقول: للذي اشترى منه أو تكارى منه، أعطيك ديناراً أو درهماً أو أكثر من ذلك أو أقل على أني أخذت السلعة أو ركبت ماتكاريت منك، فالذي أعطيتك من ثمن السلعة أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة، فما أعطيتك لك، باطل بغير شيء".

(إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع العربان: ۱۶۲/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

"ونهى عن بيع العربان، أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، بيوع فيها معنى الميسر: ۲۸۸/۲، قديمي)

"بيع العربان وصورته: أن يشتري الرجل شيئاً فيدفع إلى المبتاع من ثمن ذلك المبيع شيئاً على أنه إن نفذ البيع بينهما كان ذلك المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترك المشتري بذلك الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلى منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مال بغير عوض". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، الباب الرابع في بيوع الشروط والثنيا: ۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن ابن ماجة، أبواب التجارات، باب بيع العربان، ص: ۱۵۸، قديمي)

www.besturdubooks.net

ضبط ہو جائے گی، یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے، اس کی پابندی لازم نہیں، اس کو توڑنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "بیعانہ کی واپسی"۔

www.besturdubooks.net

باب المتفرقات

زمین کی بیع کے بعد پیمائش میں کمی نکلنا

سوال[۱۱۰۸۸]: حمید نے ایک اراضی ۲۹۰۰روپیہ بیگھہ کی شرح سے خریدی اور اسی وقت قیمت بھی ادا کردی، لیکن زید نے کہا کہ ابھی ہم اس پیسہ سے کچھ کمالیں اور چند دنوں کے بعد یہ اراضی آپ کے نام بیع نامہ لکھ دیں گے، حمید نے بھی اس بات کو تسلیم کرلیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جس اراضی کے لئے زید کو پیسہ دیا گیا ہے، وہ کم ہے، اس پر حمید نے زید سے کہا کہ اراضی کم ہے، آپ کی جتنی اراضی ہے، اس کا پیسہ لیں یا نشان دہی کراکے پوری اراضی دیں، تو زید نے کہا ہم بے وقوف نہیں کہ نشان دہی کراکے دیں یا پیسہ کم لیں، اگر آپ کو گراں ہو تو پیسہ لے لیجئے۔ اس پر حمید نے کہا کہ پیسہ ہی دے دیجئے، لیکن زید نے اس وقت کوئی رقم نہیں دی اور نہ ہی وعدہ کیا کہ ہم فلاں تاریخ تک رقم دیں گے، اب ایسی صورت میں بیع باقی رہی یا ٹوٹ گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع میں تو کوئی شرط نہیں لگائی گئی، جو کچھ بات چیت ہوئی، بیع مکمل ہوجانے کے بعد ہوئی، اس کا بیع پر کوئی اثر نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولا بيع بشرط) شروع في الفساد للواقع في العقد بسبب الشرط، لنهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع وشرط، لكن ليس كل شرط يفسد البيع، نهر. وأشار بقوله بشرط إلى أنه لا بد من كونه مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع بشرط فاسد: ۸۴/۵، سعيد)

"وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل يلتحق عند =

www.besturdubooks.net

خرید کردہ تجوری میں سے کچھ روپیہ ملا، وہ کس کی ملک ہے؟

سوال[۱۱۰۸۹]: زید وعمرو دو بھائیوں کی ملکیت میں ایک لوہے کی تجوری (۱) تھی، جس کو دونوں بھائیوں نے متفقہ طور پر خالد کے ہاتھ تجوری خالی کرنے کے بعد فروخت کردی، خالد نے تجوری کو زید وعمرو کے پاس رکھوا دیا، کہ کوئی ٹھیلہ وغیرہ لے آؤں، تو اس کو لادلے جاؤں گا، کئی دن گزر گئے، اس درمیان میں کسی شخص نے خالد کو بتایا کہ اس تجوری میں جو قفل لگا ہوا تھا، جس کو دونوں بھائیوں نے تجوری بیچنے کے وقت علیحدہ کرلیا تھا، اس قفل کی بھی بائع سے مانگ کرتا کہ تجوری مکمل ہو جائے۔

خالد جس دن تجوری اٹھانے آئے تو اس نے بائع سے قفل بھی مانگا، جس پر زید نے انکار کردیا، دونوں طرف سے اصرار اور انکار کئی دفعہ ہوا، چنانچہ آخر میں خالد نے کہا، قفل دے دو، اگر تجوری کھولنے کے بعد کچھ نکلے گا، تو میں آپ کو دے دوں گا، مگر اس پر بھی زید نے انکار کیا اور اعتمادی لہجہ سے کہا کہ اگر اس میں اکنی تو کیا ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا، تو میں نے آپ کو سب کچھ دے دیا، خالد کو قفل نہ ملا، وہ تجوری لے کر اپنے گھر آگیا اور چونکہ تجوری کا پین جس سے تجوری کا دروازہ کھلتا بند ہوتا ہے، وہ بیع کے بعد تجوری کو پلٹنے اور چڑھانے میں ٹوٹ گیا تھا، لہٰذا خالد نے گھر لے جا کر کسی اوزار سے اس کو کھولا، تجوری کھولنے پر کچھ رقم اس کے کسی خانہ میں خالد کو ملی، جس کی صحیح تعداد مجھ کو معلوم نہیں۔ اب مشتری خالد اس کو اپنی ملک بتاتا ہے اور زید کا بھائی عمرو کہتا ہے کہ وہ میرا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تجوری فروخت کرنے کے بعد اور زید کے اس جملہ کے بعد کہ ''جو کچھ نکلے وہ تمہارا ہے''، تو وہ نکلی ہوئی رقم کس کی مانی جاوے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع تجوری کی ہوئی ہے اور جو چیز اس کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہو کہ جدا نہ کی جاتی ہو، جیسے: بعض قفل ہو،

= أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح كما في جامع الفصولين في الفصل التاسع والثلاثين".

(البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۴۲/۶، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل التاسع والثلاثون في المتفرقات: ۳۲۲/۲، المطبعة الأزهرية)

(۱) ''تجوری: لوہے کی الماری، جس میں زرومال اور قیمتی چیزیں حفاظت کے لئے رکھی جاتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص:۳۷۱، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

نیز اس کی چابی کہ بغیر چابی کے قفل بے کار ہے، بائع کو اس رقم کا علم ہی نہیں تھا، جو اس کے کسی خانہ میں رکھی ہوئی تھی، بلکہ وہ اس کو اپنے نزدیک خالی کر چکا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب اس میں کچھ نہیں، اسی لئے اس نے بطور ترقی کہا کہ "اگر ایک لاکھ روپیہ بھی نکلے گا تو میں نے سب کچھ آپ کو دے دیا"، ظاہر ہے کہ تجوری کی بیع میں تجوری کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ دینے کے لئے وہ ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اس نے علی سبیل الفرض کہا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں روپیہ موجود نہیں (۱)، البتہ بائع کے اس قول کو ہبہ قرار دیا جا سکتا ہے، اگر وہ ہبہ کی نیت رکھتا ہو، اس لئے ہبہ ہو کر مشتری کی ملک ہو جائے گی (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۴/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) لہٰذا مذکورہ رقم بائع کی ہوگی:

"والأصل: أن ماكان في الدار من البناء، أو ماكان متصلاً بالبناء يدخل في بيع الدار من غير ذكر بطريق التبعية، ومالايكون متصلاً بالبناء لايدخل في بيع الدار من غير ذكر ...... ولا يدخل القفل في بيع الحانوت والدور والبيوت وإن كان الباب مقفلاً، ذكر الحقوق والمرافق أو لم يذكر، ويدخل مفتاح الغلق استحساناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الخامس فيما يدخل تحت البيع من غير ذكره صريحاً الخ: ۳/۳۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، فصل: ۵/۴۸۹، ۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيع، فصل فيما يدخل تحت البيع تبعاً وما لايدخل: ۴/۵۴۷، ۵۴۸، سعيد)

(۲) "وأما أصل الحكم: فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض؛ لأن الهبة تمليك العين من غير عوض، فكان حكمها ملك الموهوب من غير عوض". (بدائع الصنائع، كتاب الهبة: ۸/۱۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلاعوض ...... (وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم)". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

باب بیع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

کتاب کی حقِ طباعت کا حکم

سوال[۱۱۰۹۰]: ۱......عمرو زید سے کہتا ہے کہ کتاب متنازع فیہ کا حق طباعت مجھ کو دیا جائے، اس لئے کہ یہ کتاب میری وجہ سے چھپی ہے، اگر میں رقم نہ لگاتا تو کتاب طبع نہ ہوتی، زید اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ معاملہ صرف پہلی طباعت کے لئے کیا تھا، آئندہ کے لئے وعدہ نہیں تھا، یہ ذہن میں رہے کہ آئندہ کے لئے عدمِ وعدہ کا ہونا عمرو کو مسلم ہے، لہٰذا میں آئندہ کے لئے آپ کو اپنی طباعت نہیں دے سکتا، آپ فیصلہ فرمائیں، کہ ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

۲......زید نے اشتہاری سلسلہ میں جو رقم خرچ کی ہے، اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ زید اور عمرو دونوں ہیں، یا صرف ایک ہے؟ اس طرح فساد میں جو کتابیں تلف ہوگئی، ان کا نقصان کس کے ذمہ ہوگا، دونوں کو ہوگا یا ایک کا ہوگا؟ نیز اب جو کچھ بھی کتابیں موجود ہیں، اس کے منافع میں زید کا نصف نفع کا اختیار ہے یا نہیں؟

۳......جلد سازی کی اجرت ابھی باقی ہے اور جلد ساز بکر اپنی اجرت کا زید سے مطالبہ کر رہا ہے، اب ایسی صورت میں جب کہ جلد ساز کی تحویل میں ہوتے ہوئے کتابیں فساد میں تلف ہوگئی، تو جلد ساز ازروئے شریعت اجرت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صرف زید سے یا عمرو بھی اجرت دینے کا ذمہ دار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اصل مسودہ کی قیمت جو بھی چاہے، تجویز کردے، کیونکہ وہ اس کی ملک ہے اور خریدار سے جس قیمت پر معاملہ بنے، خرید لے(۱)، لیکن کتاب طبع ہو کر جب بازار میں آگئی، تو جو شخص بھی اس کا نسخہ خریدے، وہ

---

(۱) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل -

www.besturdubooks.net

خرید کر اس کو طبع کرسکتا ہے، اصل مصنف کو یا کسی اور کو منع کرنے کا حق نہیں (۱)۔ حق طبع مال متقوم نہیں۔

۲......اشتہار کا صرفہ اصل مال کے ساتھ منضم ہوگا، جو کتابیں تلف ہوگئیں، ان کا نقصان نفع پر پڑے گا، نقصان منہا کرنے کے بعد جو کتابیں باقی رہیں، ان کا نفع حسب قرارداد نصف، نصف دونوں کا ہوگا (۲)۔

= المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حق تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے، کوئی اور چھپوا نہیں سکتا ہے۔

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من عمر أرضا ليست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الكتاب السادس في إحياء الموات، رقم الحديث: ۱۳۰: ۱/۳۴۷، دار الفكر بيروت)

"وذلك لما روى أبوداود عن أسمر بن مضرس رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتيت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فبايعته فقال: من سبق إلى ما لم يسبقه مسلم فهو له". وإن كان العلامة المناوي رحمه الله تعالىٰ رجع أن هذا الحديث وارد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشيء منها فهي له، ولا شك أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب".

ولما ثبت أن حق الابتكار حق تقره الشريعة الإسلامية بفضل أسبقيته إلى ابتكار ذلك الشيء ...... ونظراً إلى هذه النواحي أفتى جمع من العلماء المعاصرين، بجواز بيع هذا الحق". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة: ۱/۱۲۱-۱۲۳، دار العلوم كراچي)

"والمؤلف قد بذل جهداً كبيراً في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادي، وهو الفائدة المادية التي يستفيد من علمه، أو الجانب المعنوي، وهو نسبة العمل إليه". (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثاني، النظريات الفقهية، المبحث الرابع، أحكام الحق، حق التأليف والنشر والتوزيع: ۴/۲۸۶۱، رشيديه)

(۲) "وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال؛ لأن الربح تابع، وصرف الهلاك =

www.besturdubooks.net

2

۳......جلد ساز اپنی اجرت کا مستحق اس وقت ہوتا جب کہ کتابیں جلد کر کے واپس کر دیتا، لہٰذا جو کتب تجلید کے بعد ضائع ہو گئیں، واپس نہیں کی گئیں، ان کی جلد سازی کی اجرت واجب نہیں، اس کو مطالبہ کا حق نہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= إلى ماهو التبع أولى كما يصرف الهلاك إلى العفو في الزكاة ...... فإن فضل شيء كان بينهما؛ لأنه ربح". (الهداية، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۲۶۶/۳، ۲۶۷، شركت علميه ملتان)

"وما هلك صرف الربح أولا فإن زاد علي الربح لم يضمه المضارب؛ لأنه أمين ...... وما فضل قسم، ومانقص لم يضمنه المضارب". (شرح الوقاية، كتاب المضاربة، باب المضارب الذي يضارب: ۲۶۵/۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب: ۶۵۶/۵، سعيد)

(۱) "بخلاف ما إذا وقعت الإجارة على العمل كالخياطة والقصارة؛ لأن العمل في البعض غير منتفع، فلا يستوجب الأجر بمقابلته حتى يفرغ من العمل فيستحق الكل ...... ويشترط فيه التسليم إلى المستأجر ...... وفي الخياطة ونحوها لا يكون مسلماً إليه إلا إذا سلمه إلى صاحبه حقيقة". (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۸۸/۶، رشيديه)

"الإجارة التي تنعقد على العمل يبقى له أثر في العين فإنه لايجب عليه إيفاء الأجر، إلا بعد إيفاء العمل كله ...... إلا أنه لو هلك المتاع قبل تسليم الخياط أو الصباغ إياه إلى صاحبه ولو بعد الفراغ من العمل سقط الأجر، كما أنه لو هلك المبيع قبل تسليم البائع إياه إلى المشتري سقط الثمن، فكان ابتداء تحقق استيجاب الأجر في استئجار نحو القصار والخياط بالفراغ من العمل وإن كان بقاءه، وتقرره بتسليم المتاع إلى صاحبه". (فتح القدير، كتاب الإجارات، باب الأجر متى يستحق: ۷۵/۹-۷۷، رشيديه)

(وكذا في النتف، كتاب الإجارة، معلومية الوقف والعمل، ص: ۳۳۸، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئر (حصہ) خریدنا

سوال[۱۱۰۹]: ہم ایک فیکٹری میں تیرہ سو کا شیئر ڈال کر اس کا نفع حساب سے جو بھی آوے، لے سکتے ہیں یا نہیں؟ فیکٹری میں ہم نقصان کے بھی حق دار ہیں، فیکٹری میں نقصان صرف آگ لگ جانے یا حادثہ سے ہی آسکتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس فیکٹری میں جائز تجارت ہوتی ہے اور سودی کاروبار نہیں ہوتا، تو تیرہ سو کا حصہ خرید کر نفع اور نقصان میں شریک ہونا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۷ھ۔

---

(۱) "وشرعيتها بالكتاب والسنة والمعقول؛ أما الكتاب فقوله تعالى: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾ (النساء: ۱۲) وهو خاص بشركة العين، وأما السنة: فما في سنن أبي داود عن السائب، أنه قال للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: كنت شريكي في الجاهلية ...... (وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه) وهو التفاضل في المال والتساوي في الربح ...... ولنا قوله عليه السلام: "الربح على ما شرطا والوضيعة على قدر المالين". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۷۹-۲۹۲، رشيديه)

"ولو شرطا العمل عليهما جميعاً صحت الشركة، وإن قل رأس مال أحدهما وكثر رأس مال الآخر، واشترطا الربح بينهما على السواء، أو على التفاضل، فإن الربح بينهما على الشرط، والوضعية أبدا على قدر رؤوس أموالها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، =

www.besturdubooks.net

کمپنی کے حصص خریدنا

سوال[۱۱۰۹۲]: مائننگ کمپنیوں، ٹریم ٹرانسپورٹ، ریلوے کمپنیوں کے حصص (شیئر) خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تحقیق کرنے کی خاص ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہمارے نوے فیصدی مسلمان اس میں مبتلا ہیں اور ایسی کمپنیوں کے شیئر خرید وفروخت کرتے ہیں، لیکن کفایت المفتی: ۱۲۲/۸، پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ قدس اللہ سرہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کمپنیوں کے شیئر خریدنا جائز نہیں (۱)، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے فتاویٰ امدادیہ: ۱۵۵/۳، میں کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے شیئر یعنی حصص خریدنے کو درست تحریر فرمایا ہے (۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال خریدنے اور اس کو بیچنے یا مال تیار کرنے کے لئے جو کمپنیاں ہیں، اس کے حصص خریدنا درست ہے (۳)، معاملہ صاف ہوجانا چاہیے، بعض کمپنیاں ایسی ہیں کہ وہ مال نہیں خریدتی ہیں، نہ تیار کرتی ہیں، بلکہ

= الفصل الثاني في شرط الربح والوضعية وهلاك المال: ۳۲۰/۲، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، جزء: ۱۱: ۱۲۲/۶-۱۷۲، مكتبه غفاريه كوئثه)

(۱) (کفایت المفتی، کتاب الشرکۃ والمضاربۃ، تیسرا باب، کمپنی کے حصص کی خرید وفروخت: ۱۱۸/۸-۱۲۰، دار الاشاعت)

(۲) (امداد الفتاویٰ، کتاب الشرکت، فصل رابع، سوال نمبر ۵۲۳: ۵۰۵/۳، دار العلوم کراچی)

(۳) "أما شركة العنان: فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات بر أو طعام أو يشتركان في عموم التجارات، ولا يذكران الكفالة خاصة، كذا في فتح القدير ...... حتى تجوز هذه الشركة بين كل من كان من أهل التجارة كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان: ۳۱۹/۲، رشيديه)

"سمى هذا النوع مثل الشركة عناناً؛ لأنه يقع على حسب ما يعن لهما في كل التجارات أو في بعضها دون بعض، وعند تساوي المالين أو تفاضلهما ...... فأما العنان فجائز بإجماع فقهاء الأمصار، ولتعامل الناس ذلك في كل عصر من غير نكير ......". (بدائع الصنائع، كتاب الشركة: ۷۵/۵، ۷۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشركة: ۲۹۰/۵، ۲۹۱، رشيديه)

www.besturdubooks.net

روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، ان کے حصوں کو خریدنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

نیلام میں آپس میں قیمت ایک میعاد پر طے کر لینا

سوال [۱۱۰۹۳]: ۱...... الف...... چند ساتھی جو نیلام کا کاروبار کرتے ہیں، وہ آپس میں یہ طے کر لیتے ہیں کہ اس مال کو جو کہ مثلاً: دس ہزار روپے کی مالیت کا ہے، جمع سات ہزار روپے میں خرید لیں، اس طرح کہ کوئی شخص جمع یا سات ہزار روپے سے زائد کی بولی نہیں بولے گا، اس طرح مالک سمجھ کر یہ مال اتنی ہی مالیت کا ہے، بولی ختم کر دیتا ہے۔

ب...... بعدہ، سب شریک آپس میں بولی بولتے ہیں اور انہی میں سے ایک آدمی اس مال کو زائد رقم میں خرید لیتا ہے، اس طرح پہلی بولی سے خریدے ہوئے مال میں جو منافع ہوتا ہے، وہ سب آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ شق "الف" میں سے طے کر لینا اور شق "ب" میں اس زائد منافع کا لینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

۲...... چند آدمی جو نیلام کا مال خرید لیتے ہیں، اصلی مالک کے کارندوں سے مل جاتے ہیں اور مال کو کم بولی پر خرید لیتے ہیں، مالک اپنے کارندوں پر اعتماد کرتا ہے کہ جب کارندے مال خریدنے والے پارٹی سے ثبوت لے کر مال کو اس کی قیمت میں کم میں فروخت کر دیتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح کا کاروبار

---

(۱) جو کمپنیاں روپیہ قرض پر چلاتی ہیں، وہ قرض پر سود لیتی ہیں اور قرض پر سود لینا حرام ہے، لہٰذا ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنا بھی درست نہیں۔

"(قوله: كل قرض جر نفعاً حرام) أي: إذا كان مشروطاً كما علم مما نقله عن البحر، وعن الخلاصة، وفي الذخيرة: وإن لم يكن النفع مشروطاً في القرض، فعلى قول الكرخي لابأس به".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في القرض، مطلب كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

"كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم كراچي)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

www.besturdubooks.net

ازروئے شرع صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... جمع یاسات ہزار سے بولی زائد نہ بولنا اورزائد پر نہ خریدنا تو درست ہے، لیکن دھوکہ دینے کی نیت سے یہ سازش کرنا درست نہیں (۱)، خریدنے کے بعد طریقۂ مذکورہ پر بولی بولنا یازائد قیمت پر کسی ایک کا خریدلینا، جب کہ وہ خریدنے والا اور دیگر شرکاء سب ہی اس میں شریک تھے، درست نہیں، کہ اس صورت میں خود ہی بائع ہے، خود ہی مشتری (۲)، البتہ جس کوخریدنا ہے، وہ اپنا حصہ برقرار رکھنے کے بعد بقیہ شرکاء کے حصوں کوخریدے، جس قیمت پر معاملات ہوجاوے، اوپر کا شریک آزادانہ اپنا حصہ فروخت کردے، تو درست ہے (۳)۔

(۱) "عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ملعون من ضار مؤمناً أو مكرّ به". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المنبر، فنادى بصوت رفيع، فقال: يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه! لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم" الحديث. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثاني، ص: ۴۲۹، قديمي)

(وكذا في فيض القدير: ۱۱/۵۵۲۵، رقم الحديث: ۸۲۰۶، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(۲) "أما شرائط الانعقاد فأنواع، منها في العاقد ...... وأن يكون متعدداً فلا يصلح الواحد عاقداً من الجانبين، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه وحكمه وأنواعه: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۳) "باع نصف البناء مع نصف الأرض جاز سواء باعه من أجنبي أو من شريكه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب: في بيع أحد الشريكين: ۳/۱۵۶، رشيديه)

"يجوز بيع أحدهما نصيبه من شريكه في جميع الصور". (البحر الرائق، كتاب الشركة: ۵/۲۸۰، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

۲...... یہ دھوکہ اور رشوت سب ناجائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۴/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب مهم في بيع الحصة الشائعة من البناء أو الغراس: ۴/ ۳۰۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقاً من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون﴾ (البقرة: ۱۸۸)

"عن عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار". (مجمع الزوائد، كتاب الأحكام، باب في الرشوة: ۴/ ۱۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(وسنن أبي داود، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة: ۲/ ۱۴۸، إمداديه)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/ ۳۷۶، رقم الحديث: ۲۱۸۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ملعون من ضار مؤمناً أو مكربه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهي عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ص: ۴۲۸، قديمي)

www.besturdubooks.net

فصل في بيع الاستجرار

(بیع استجرار کا بیان)

رقم پہلے دے کر سامان آہستہ آہستہ خریدنا

سوال[۱۱۰۹۴]: ایک شخص نے ایک شخص کو ۵۰۰ روپے دیئے اس شرط پر کہ وہ اسے ایک روپے فی کلو کے حساب سے دودھ دیتا رہے گا، جب تک کہ رقم ادا نہ ہو جائے، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور بیع سلم کے اندر یہ شکل آتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کی شرائط تو اس میں موجود نہیں (۱)، فقہاء نے اس صورت کو مکروہ لکھا ہے (۲)، جو رقم پیشگی دی

---

(۱) "(وأما شرائطه فنوعان) ...... (فأحدها) بيان الجنس أنه دراهم أو دنانير ...... (والثاني) بيان النوع ...... (والثالث) بيان الصفة أنه جيد أو ردي أو وسط ...... (والرابع) بيان قدر رأس المال ...... (والخامس) كون الدراهم والدنانير منتقدة ...... (وأما الشروط التي في المسلم فيه) (فأحدها) بيان جنس المسلم فيه ...... (والثاني) بيان نوعه ...... (والثالث) بيان الصفة ...... (والرابع) أن تكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع ...... (والخامس) أن يكون المسلم فيه مؤجلاً بأجل معلوم حتى أن سلم الحال لايجوز ...... عن محمد رحمه الله تعالىٰ: أنه قدر أدناه بشهر، وعليه الفتوىٰ كذا في المحيط ......". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الأول الخ: ۱۷۸/۳-۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۱۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۷۱، رشيديه)

(۲) "قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريت منك مائة من من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان البيع مجهولاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: البيع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد) ....

www.besturdubooks.net

گئی ہے، وہ قرض ہے، رفتہ رفتہ اس کے اجزا کے عوض دودھ کی بیع ہوتی رہتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوى الولوالجية، كتاب البيوع، الفصل الثاني في الشروط التي تفسد البيع، والشروط التي لاتفسد البيع إلى آخره: ۱۷۴/۳، فاروقيه پشاور)

لیکن مذکورہ صورت میں بیع لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہوجائے، وہ جائز ہوتی ہے، اگرچہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اس لئے مذکورہ صورت بھی درست ہے۔

"والذي يظهر لي أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهي: وإن كانت قرضاً في الاصطلاح الفقهي ...... ولكنها قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق، لكونه شرطاً متعارفاً ...... فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع، والشرط كلما كان متعارفاً، فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما في شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطي والاستجرار، الاستجراز بمبلغ مقدم، ص: ۲۷، دارالعلوم كراچی)

"ولابيع بشرطٍ لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو لمبيع من أهل الاستحقاق، ولم يجرِ العرف به، ولم يرد الشرع بجواز. أما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد كشرط أن يقطعه البائع ويخيطه قباء مثال لما لايقتضيه العقد وفيه نفع للمشتري او يستخدمه مثال لما فيه نفع للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر الخ: ۱۳۳/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

بیع فضولی کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۰۹۵]: مسماۃ محفوظ النساء نے اپنا مکان اپنے پوتے اور پوتی کو حصہ مساوی ۱۹۳۵ء میں ہبہ کردیا، ہبہ نامہ رجسٹری شدہ موجود ہے، لیکن ۱۹۵۱ء میں پوتا پاکستان چلا گیا، جس کی وجہ سے نصف حصہ کسٹوڈین کو ملا، کسٹوڈین نے نصف حصہ کے مالک ہونے کا حکم ۱۹۵۴ء میں نافذ کردیا، لیکن ۱۹۵۹ء میں کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا، دلی میں اپیل کیا، حاکم نے نیلام منسوخ کردیا اور ناجائز قرار دیا، کسٹوڈین میرٹھ نے نصف حصہ مکان ۱۹۶۱ء میں پوتی کے نام بیع کردیا، رجسٹری کرائی گئی، بیع نامہ موجود ہے، ایسی صورت میں خریدار مکان منشی اعجاز حسین اس مکان کا مالک رہے گا یا شرعاً بے حق ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت کسٹوڈین نے کل مکان نیلام کردیا، اس وقت اگر منشی اعجاز حسین نے اس نیلام کو خریدا تھا، پھر اپیل کرنے پر نیلام منسوخ کردیا گیا، کیونکہ پورے مکان کو نیلام کرنا غلط تھا(۱)، ملک غیر کو بغیر اجازت مالک بیع

---

(۱) اس لئے کہ بعض مکان، ملکِ غیر تھا اور غیر کے ملک میں تصرف کرنا درست نہیں۔

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

www.besturdubooks.net

کرنے سے بیع فضولی ہوکر اجازت مالک پر یہ بیع موقوف رہتی ہے(۱)، تو اب منشی اعجاز حسین اس مکان کا نیلام خریدنے سے مالک نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في أحكام البيع الموقوف الخ: ۱۵۲/۳، رشيديه)

"ومن باع ملك غيره فللمالك أن يفسخه، ويجيزه إن بقي العاقدان، والمعقود عليه وله وبه لو عرضاً) يعني: أنه صحيح موقوف على الإجازة بالشرائط الأربعة". (البحر الرائق، كتاب البيع، فصل في البيع الفضولي: ۲۴۵/۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في الفضولي: ۱۰۷/۵، سعيد)

(۲) "أما شرائط الانعقاد ...... ومنها في المبيع ...... وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه فلا ينعقد بيع ولو في أرض مملوكة ولا بيع ما ليس مملوكاً له". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

"وأما شرائط المعقود عليه ...... وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۳/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

مبیع کی واپسی پر قیمت کم کرنا

سوال[۱۱۰۹۶]: اگر کسی نے کوئی چیز زید کو فروخت کردی، اگر زید ایک مہینہ یا پندرہ روز کے بعد اسے واپس کرے، اگر فروخت کنندہ اس کو واپس لیتے ہوئے اس سے کچھ پیسے بوجہ واپس لینے کے لے تو کیا پیسہ اس طرح لینا ٹھیک ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واپسی میں تو ایسا کرنا درست نہیں(۱)، البتہ مستقلاً بیع کا معاملہ کرلیا جاوے، تو قیمت میں کمی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قوله: (وتصح بمثل الثمن) حتى لو كان الثمن عشرة دنانير، فدفع إليه دراهم، ثم تقايلا، وقد رخصت الدنانير رجع بالدنانير لا بما دفع ...... (قوله: وبالسكوت عنه) المراد أن الواجب هو الثمن الأول سواء سماه أولا، قال في الفتح: والأصل في لزوم الثمن، أن الإقالة فسخ في حق المتعاقدين، وحقيقة الفسخ ليس إلا رفع الأول، كأن لم يكن فيثبت الحال الأول، وثبوته برجوع عين الثمن إلى مالكه كأن لم يدخل في الوجود غيره، وهذا يستلزم تعين الأول، ونفي غيره من الزيادة والنقص وخلاف الجنس". (ردالمحتار، كتاب الإقالة، مطلب: تحرير مهم في إقالة الوكيل بالبيع: ۱۲۵/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني عشر في الإقالة: ۱۵٦/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإقالة: ۱۷۳/٦، رشيديه)

(۲) "وفي الفتاوىٰ العتابية: ولو قبض الثمن ثم اشتراه بأقل جاز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل العاشر في بيع شيئين أحدهما لايجوز البيع فيه وشراء =

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۵/۳/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ما باع بأقل مما باع: ۱۳۲/۳، رشیدیہ)

"والوضيعة: بيع بمثل الثمن الأول مع نقصان معلوم، والكل جائز، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيعة: ۱۶۰/۳، رشيديه)

"والرابع: الوضيعة بأنقص من الأول، ولم يذكرهما لظهورهما، وهما جائزان لاستجماع شرائط الجواز والحاجة ماسة إلى هذا النوع من البيع......". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۱۷۷/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۱۳۲/۵، سعيد)

www.besturdubooks.net

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۹۷]: تجارت میں بھاؤ کر کے دھندا کرنا، مثلاً: کپڑا ۱۱ گز ۲۰ روپیہ کا ملا ہے، گاہک کو ۳۵ روپیہ بتایا، بعد میں بھاؤ کم کر کے ۲۵ روپے میں دے دیا، اس میں جو پانچ روپیہ کا منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا جس قیمت میں خریدا ہے، ضروری نہیں کہ اس قیمت پر فروخت کیا جائے، بلکہ اس پر نفع لینا درست ہے(۱)، جس کپڑے کی قیمت پچیس روپے ہے، بیوپاری کو یہ نہ کہا جائے کہ میں نے تیس روپے میں خریدا ہے، کہ یہ جھوٹ ہوا، جو کرنا جائز ہے(۲)، بلکہ یہ کہا جائے کہ میں ۳۵ روپے میں فروخت کروں گا، پھر وہ

---

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۱۳۲/۵، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۱۰۶/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۴۵، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "اية المنافق ثلاث" ...... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱۷/۱، قديمي)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

www.besturdubooks.net

قیمت کم کردے تو یہ طرفین کی رضامندی پر ہے(۱)، جتنے پر بھی معاملہ ہوجائے گا، بیع درست ہوگی، نفع بھی درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

پوسٹ کارڈ وغیرہ زیادہ قیمت لے کر بیچنا

سوال[۱۱۰۹۸]: پوسٹ کارڈ یا لفافہ کے ٹکٹ ایک تاجر ڈاک خانہ سے خرید کر اپنی دکان پر رکھتا ہے اور ضرورت مندوں کو ہر لفافہ کارڈ پر پانچ پیسہ نفع چڑھا کر لیتا ہے، آیا وہ نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس علت سے، وجہ اور علت ہی کے مقصد سے سوال مقصود ہے، کیونکہ ہم تو اس کو علی حالہ جائز ہی سمجھتے تھے، مگر بعض سے نقل عدم جواز کا کیا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی نے ٹکٹ یا کارڈ یا لفافہ خرید لیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا(۲)، اس کو نفع کے ساتھ فروخت کرنے

= ...... وإياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

(۱) "أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) ...... (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط". (الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي)". (البحر الرائق، كتاب البيوع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع المشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۳، رشيديه)

"وأما أحكامه: فالأصلي له الملك في البدلين لكل منهما في بدل". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۶، سعيد)

www.besturdubooks.net

کا حق ہے(۱)، مگر یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ قانون کی خلاف ورزی تو نہیں، کبھی معلوم ہو جانے پر جرمانہ یا قید کی ذلت برداشت کرنی پڑے، اپنے آپ کو ذلت کے کام میں ملوث کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۲/۶ھ۔

کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۱۱۰۹۹]: بیو پاروں سے دھندا، مثلاً: ۳۰ روپیہ کا کپڑا اگر کسی بیوپاری کو بیچنے کے لئے ۳۵ روپیہ میں دیا، اس نے جھوٹ سچ بول کر، غلط ڈھنگ سے بیچ کر ۳۵ روپیہ دے دیئے، اس میں جو ۵ روپے منافع ہوا، وہ حلال ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوپاری کو یہ کہہ کر دیا جائے کہ یہ کپڑا میں نے ۳۵ روپے میں خریدا ہے، تم اس کو ۳۵ ہی میں

---

(۱) "وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب، لهم ذلك: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) اگر حکومت نے پابندی لگائی ہے اور اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ بھی نہیں، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته، عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية طاعة واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في قواعد الفقه، الفن الأول: القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

www.besturdubooks.net

فروخت کرنا، تو یہ جھوٹ ہے، منع ہے، کیونکہ خریدا ہوا ۳۰ کا ہے(۱)، اگر یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ کپڑا جس قیمت میں چاہے، فروخت کرو، مجھے ۳۵ روپے دے دینا، پھر اس نے چاہے ۳۵ میں فروخت کیا یا زائد میں، تو یہ شرعاً درست ہے، نفع بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا درست ہے؟

سوال[۱۱۱۰۰]: بیوپار میں ایک روپیہ پر زیادہ سے زیادہ کتنے منافع لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں اس کے متعلق کوئی پابندی نہیں، مگر اتنا نفع لینا، جو عرفاً زیادہ شمار ہوتا ہو اور خاص کر غریب حاجت مند سے خلاف مروت اور مکروہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "اٰية المنافق ثلاث" ...... ثم اتفقا: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"وعن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ...... وإياكم والكذب، وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، ومايزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عندالله كذاباً". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، الفصل الأول: ۲/۴۱۲، قديمي)

(۲) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة: ۵/۱۳۲، ۱۳۳، سعيد)

"المرابحة بيع ما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب المرابحة الخ: ۳/۱۰۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، ص: ۲۴۵، رشيديه)

(۳) "ومن اشترى شيئاً، وأغلى في ثمنه، فباعه مرابحة على ذلك جاز، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب =

www.besturdubooks.net

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= البیوع، الباب الرابع عشر في المرابحة والتولیة: ۱۶۱/۳، رشیدیه)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالیٰ عنه قال: سیأتي علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما في یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾". (إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب النهي عن بیع المضطر: ۲۰۳/۱۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في بذل المجهود، کتاب البیوع، باب في بیع المضطر: ۲۵۲/۵، إمدادیه)

www.besturdubooks.net

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

کسان کا ساہوکار سے رقم لے کر کپاس پیشگی فروخت کرنا

سوال [۱۱۱۰۱]: "الف" نامی کسان ہے، "ب" نامی ساہوکار (۱) ہے، بارش میں کسان اپنی کھیتی میں ہر قسم کا بیج بوتا ہے، جب پودے پک جاتے ہیں تو اس کے دیگر کام پولائی، مزائی وغیرہ کے پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے، کسان کے پاس پیسہ نہیں رہتا، لہٰذا وہ ساہوکار کے پاس جاتا ہے اور پیسہ طلب کرتا ہے، ساہوکار پیسہ دینا چاہتا ہے، مگر اس شرط پر کہ کپاس کا بھاؤ ۴۰ یا ۴۵ روپے من پر (۴۰ کلو کا من) اور جوار ۱۰/ یا ۱۲/ روپے من اس حساب سے دوں گا، جتنے من کا پیسہ درکار ہو، لے لو، کسان قبول کر کے ضرورت کے مطابق روپیہ لے لیتا ہے، اس کے بعد فصل پر وعدہ کے مطابق دیتا ہے اسی بھاؤ سے، جس وقت کسان پیسہ لے رہا ہے، اس وقت ہر چیز کا بھاؤ دوگنا ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے کم نرخ قبول کر کے لے رہا ہے، اس کو مہاراشٹر میں 'جلپ' کہتے ہیں، یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ معاملہ بیع سلم کا ہو گیا، اگر ہر جنس کی قسم، وزن، نرخ، وصولیابی کی جگہ اور وقت اسی طرح متعین کرلیں، کہ اختلاف اور نزاع پیدا نہ ہو، تو درست ہے (۲)، جو روپیہ پیشگی لیا گیا ہے، وہ اس جنس کی قیمت ہے، قرض نہیں، لیکن

---

(۱) "ساہوکار: مہاجن، بینکر، صراف، سود پر روپیہ چلانے والا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۱۵، فیروز سنز لاہور)

(۲) "(وشرطه) أي: شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة، (بيان جنس) كبر أو تمر، (و) بيان (نوع) كمسقي أو بعلي، (وصفة) كجيد أو ردي، (وقدر) ككذا كيلاً، لا ينقبض ولا ينبسط (وأجل، وأقله) في السلم (شهر) به يفتى". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۵/۲۱۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۳/۱۷۹، ۱۸۰، رشيديه) =

www.besturdubooks.net

غریب ضرورت مند مستحق رحم ہوتا ہے، اس سے نرخ میں اتنی کمی کرنا، مروت کے خلاف ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

پیشگی دھان خریدنے کے بعد مقررہ وقت پر دھان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۰۲]: زید نے عمر کو کچھ روپیہ دیا، اس شرط پر کہ وہ زید کو فصل خریف کے موقع پر فی روپیہ چار کلو کے حساب سے دھان دے گا، اتفاق سے عمر کے پاس اتنا دھان نہیں ہوا کہ وہ زید کو دے سکے، اب زید نے عمر سے کہا، میرا وہ روپیہ جو پہلے دے چکا ہوں اور آج کے حساب سے جو قیمت پہنچتی ہے، ان سب کا آئندہ فصل کے موقع پر دھان لوں گا، تو کیا متعاقدین کی مذکورہ صورت کے ساتھ بیع وشراء کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح اب معاملہ جائز نہیں، روپیہ دیتے وقت جو معاملہ کیا تھا، اس کی پابندی لازم ہے یا جس قدر روپیہ دیا جاتا تھا، معاملہ فسخ کر کے وہ روپیہ واپس کر دیا جائے، كذا في الدر المختار، باب بيع السلم(۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱/۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۱/۶ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب السلم: ۲۶۶/۶-۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۹۶/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يباع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بماله، ولكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب في البيع المضطر: ۲۵۲/۵، مكتبه إمداديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر: ۲۰۵/۱۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(ولا) يجوز لرب السلم (شراء شيء من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة) في عقد السلم =

www.besturdubooks.net

قرض دے کر پیشگی مکئی خریدنا

سوال[۱۱۱۰۲]: ۱...... ہمارے ملک میں یہ پیشہ اور رواج ہے، مثلاً: ماہ اپریل کو ایک سو روپیہ قرض دار کو دے دیا اور اسے ملاپ کر کے، یعنی زبانی اقرار کر لیا کہ ماہ نومبر یا دسمبر کو مکئی لوں گا، وہ کہتا ہے کہ سو روپیہ میں دس من دوں گا، یہ طریقہ چلتا ہے، قرض دار جس وقت سو روپیہ لیتا ہے، اس وقت مکئی کا نرخ ڈیڑھ روپیہ فی سیر ہوتا ہے اور جس وقت مکئی قرض پر دیتا ہے، تو اس وقت عام نرخ دو سیر فی روپیہ ہوتا ہے اور لینے والا اپنا کیا ہوا دس روپیہ من لیتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... ایک شخص قرض پر روپیہ لیتا ہے، قرض دار کو دینے والا روپیہ دیتا ہے، اس بیع میں فائدہ سمجھ کر کہ بھائی تم کو روپیہ دوں گا۔ عام نرخ سے فی سیر دو روپیہ کم لوں گا، مثلاً: دس روپیہ فی سیر عام نرخ ہے، لیکن میں تجھے فی سیر آٹھ روپیہ یا سات روپیہ فی سیر دوں گا، یہ سود ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... سو روپیہ دینا اور طے کر لینا کہ اتنے روز بعد فلاں مہینہ میں اس روپیہ کی مکئی فلاں نرخ سے لوں گا اور فلاں جگہ لوں گا اور سب باتیں اس طرح کر لی جائیں کہ پھر نزاع نہ ہو، تو شرعاً یہ معاملہ درست ہے(۱)،

= الصحيح، فلو كان فاسداً جاز الاستبدال كسائر الديون، (قبل قبضه) بحكم الإقالة، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي: إلا سلمك حال قيام العقد أو رأس مالك حال انفساخه، فامتنع الاستبدال". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب السلم: ۲۱۹/۵، سعيد)

"فإن تقايلا السلم، لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً: يعني قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" أي: إلا سلمك حال قيام العقد أو رأس مالك حال انفساخه". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب السلم: ۵۱۷/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب البيوع، باب السلم: ۹۹/۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب السلم: ۱۳۵/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "(وأما شروط التي في المسلم فيه) (فأحدها) بيان جنس المسلم فيه حنطة أو شعيرة ...... (والرابع أن يكون معلوم القدر بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع كذا في البدائع ...... (والخامس) أن يكون المسلم فيه مؤجلاً بأجل معلوم ...... (والتاسع) بيان مكان الإيفاء فيما له حمل ومؤنة كالبر ونحوه......". =

www.besturdubooks.net

اگرچہ عام نرخ جو کچھ بھی ہوں۔لیکن اگر سو روپیہ قرض دے دیا، پھر کسی وقت اس سے مل کر کسی کا معاملہ کیا، تو یہ صحیح نہیں(۱)۔

۲......جب روپیہ قرض دیا ہے، تو اس وقت یہ طے کرنا کہ اس کے عوض فلاں چیز لوں گا، غلط اور منع ہے، البتہ جب قرض واپس کرنے کا وقت آئے اور بجائے روپیہ واپس کرنے کے کوئی اور چیز اس کے عوض دینا چاہے تو اس وقت دونوں رضامندی سے معاملہ کرلیں اور نرخ طے کرلیں (۲)، لیکن اس کا خیال کرلیں کہ نرخ طے کرنے میں قرض کی وجہ سے نرخ پر فرق نہ کیا جائے، بلکہ جو عام نرخ ہو، وہی طے کرلیا جائے، ورنہ سود ہو جائیں گے(۳)۔سود کو اللہ ورسول نے حرام قرار دیا ہے۔

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الثامن عشر في السلم: ۱۷۹/۳، ۱۸۰، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار، کتاب البیوع، باب السلم: ۲۱۳/۵، ۲۱۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب السلم: ۲۶۶/۶، ۲۶۷، رشیدیه)

(۱) "الدیون تقضی بأمثالها". (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبکي من الاعتماد علی قول الحساب مردود: ۳۸۹/۲، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب المداینات، ص: ۲۵۶، قدیمی)

"(هو عقد مخصوص یرد علی دفع مثلي) خرج القیمي الآخر (لیرد مثله)". (الدر المختار، کتاب البیوع، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعید)

(۲) "والثاني: بیع العین بالدین نحو بیع السلع بالأثمان المطلقة، وبیعها بالفلوس الرائجة والمکیل والموزون والمعدود المتقارب دیناً". (تبیین الحقائق، کتاب البیوع، باب السلم: ۴۹۹/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب البیوع: ۲۴۷/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في العنایة شرح الهدایة هامش فتح القدیر، کتاب البیوع: ۲۴۷/۶، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۳) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: کل قرض جر منفعة فهو ربا". (فیض القدیر: ۴۴۸۷/۹، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن علي أمیر المؤمنین رضي الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "کل قرض جر منفعة فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشیخ: حدیث حسن لغیره". (إعلاء السنن، کتاب الحوالة، =

www.besturdubooks.net

﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآية(١).

"لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال هم سواء" (رواه مسلم مشكوة، ص: ٢٤٤)(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۴/۵۱۲، ۵۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جر نفعاً حرام: ۱۶۶/۵، سعيد)

(۱) (البقرة: ۲۷۵)

(۲) (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۷/۲، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، باب الربوا: ۲۴۴/۱، قديمی)

(وجامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في آكل الربوا: ۲۲۹/۱، سعيد)

www.besturdubooks.net

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

تجارت میں ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال[۱۱۱۰۴]: تجارت میں ذخیرہ اندوزی کیسی ہے؟ ذخیرہ اندوزی کب تک جائز یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذخیرہ اندوزی سے اگر یہ مراد ہے کہ اپنی بستی کا غلہ خرید کر اپنے پاس محفوظ کرلیا جائے اور باوجود ضرورت کے فروخت نہ کیا جائے کہ جب زیادہ گراں ہوجائے گا، تب فروخت کرے گا تو یہ صورت شرعاً ناجائز اور موجب لعنت ہے(۱)۔

"المحتكر ملعون" الحديث(۲).

اگر کچھ اور مراد ہے، تو اس کو صاف لکھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) "يعني يكره الاحتكار في بلد يضر بأهلها، لقوله عليه الصلاة والسلام: "الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" ولأنه تعلق به حق العامة، وفي الامتناع عن البيع إبطال حقهم، وتضييق الأمر عليهم فيكره".

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۰/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۲۰۰/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ص: ۱۵۶، قديمي)

"وعن معمر بن عبدالله بن فضلة رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه =

www.besturdubooks.net

ذخیرہ اندوزی

سوال[۱۱۱۰۵]: میں اگر فصل آنے پر ہزار پانچ سو روپے کا غلہ خریدلوں اور اس کو انتظار میں گھر میں بھرا ہوا رہنے دوں کہ بے فصل مہنگا فروخت کروں گا تو غلہ گراں فروخت ہوگا، تو اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی مہنگائی کا انتظار کرنا، جس سے مخلوق کو پریشانی لاحق ہو، جائز نہیں، حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وسلم يقول: لا يحتكر إلا خاطئ". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في الاحتكار: ۱/۲۳۹، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في النهي عن الحكرة: ۲/۱۳۲، إمداديه)

(۱) "وكره احتكار قوت البشر كتبن وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقت في بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون" فإن لم يضر، لم يكره". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

"لقوله عليه السلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۴/۲۱۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

کمی زیادتی کے ساتھ سونے چاندی اور نوٹ کی بیع

سوال[۱۱۰۷۲]: کاغذ کے روپے کی بیع، کاغذ کے روپے کی عوض میں یا گلٹ کے روپے کے عوض میں، کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خلیل الرحمٰن مدرسہ مرادیہ کھالاپار مظفر نگر، ۱۳/۷/۸۷ھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کی بیع چاندی کے عوض ہو، تو برابر اور تقابل شرط ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱) اور غالب چاندی، چاندی کے حکم میں ہے اور غالب سونا سونے کے حکم میں ہے(۲) اور جب جنسیں بدل جائیں تو برابری

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربی، الآخذ والمعطي فيه سواء". (مشكاة المصابيح، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قديمي)

"الدراهم والدنانير لا تتعينان في عقود المعاوضات عندنا، ولايجوز بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، إلا مثلاً بمثل، تبراً كان أو مصوغاً أو مضروباً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلی المعقود عليه، الفصل الأول في بيع الذهب والفضة: ۲۱۸/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۱/۶، ۳۲۲، رشيديه)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشة فإن كان الغالب هو الفضة فهي كالدراهم الخالصة، وإن غلب الغش فليس كالفضة ...... وحكم الذهب المغشوشة كالفضة المغشوشة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض: ۱۷۹/۱، رشيديه) ....

www.besturdubooks.net

شرط نہیں، چاندی اگر مغلوب ہو اور غش غالب ہو، تو وہ غش کے حکم میں ہے، یہی حال سونے کا ہے(۱)، روپیہ میں آج کل چاندی بالکل نہیں ہے اور اگر ہے، تو بہت مغلوب اور کالعدم ہے، یہی حال ریزگاری کا ہے۔

"وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، حتى لا يصح بيع الخالصة بها، ولا بيع بعضها ببعض إلا مساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بها إلا وزناً، وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها من جنسها متفاضلاً الخ" كنز(۲).

"أي: وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة، أو الذهب الذي في الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف في البعض بوجود الفضة، أو الذهب من الجانبين، ويشترط في الغش أيضاً؛ لأنه لايتميز إلا بضرر، وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لا بد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذي في المغشوش، حتى يكون قدره بمثله، والزائد بالغش على بيع

= "(وغالب الفضة والذهب، فضة وذهب، وما غلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض".
(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ٢/٠٠، ٣، سعيد)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الأثمان المطلقة: ٢/١٠٣، رشيديه)

(١) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(٢) (كنز الدقائق، كتاب الصرف، ص: ٢٦٣، حقانيه ملتان)

"(وما غلب فضته وذهبه فضة وذهب) حكماً (فلا يصح بيع الخالص به، ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً و) كذا (لا يصح الاستقراض بها إلا وزناً) كما مر في بابه (والغالب) عليه (الغش منهما في حكم عروض) اعتباراً للغالب (فصح بيعه بالخالص، إن كان الخالص أكثر) من المغشوش، ليكون قدره بمثله والزائد بالغش كما مر (وبجنسه متفاضلاً وزنا وعدداً)". (الدرالمختار، كتاب الصرف: ٥/٢٦٥، ٢٦٦، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصرف: ٣/١٢٠، دارالمعرفة بيروت)

www.besturdubooks.net

الزیتون بالزیت" بحر: ۲۰۰/۶، کتاب الصرف(۱)۔

نوٹ اصالۃً مال نہیں، بلکہ اس مال کا حوالہ ہے، جو اس میں درج ہے، نوٹ کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ اپنی اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں "تملیك الدین عمن لیس علیه الدین" لازم آتا ہے، جس کو فقہاء نے ممنوع لکھا ہے، لیکن جس زمانہ میں یہاں نوٹ کی ابتداء ہوئی، اس وقت روپیہ چاندی کا چالو تھا اور پورا ایک تولہ ہوتا تھا، اس چاندی کے روپیہ کا یہ نوٹ حوالہ تھا، تو نوٹ کی بیع وشراء درحقیقت اس کاغذ کی بیع وشراء نہیں تھی، بلکہ اس کاغذ میں لکھے ہوئے چاندی کے روپے کی بیع وشراء تھی، جس میں کمی زیادتی جائز نہیں تھی (۲)۔

مگر پھر روپیہ میں تغیر ہوگیا، اس میں چاندی کی تعداد بھی کم ہوگئی، دوسری دھات ملائی گئی اور وزن بھی کم ہوگیا، تو پورا ایک تولہ نہیں رہا، پھر یہاں تک ہوا کہ روپیہ سے چاندی ختم ہی ہوگئی، یہی حال ریزگاری کا ہے اور چھوٹ نوٹ سے حوالہ اور ذمہ داری کی عبارت بھی ختم کردی گئی اور نوٹ کا چلن اتنا ہوا کہ اس کے مقابلہ میں روپیہ بہت قلیل کالمعدوم ہوگیا اور نوٹ کا اب یہ حال ہے کہ بالکل اسی طرح چلتا ہے جس طرح روپیہ، کسی شخص کا نوٹ لینے اور دینے سے بازاری معاملات میں انکار کی گنجائش نہیں۔

بینک اور ڈاک خانہ سے آدمی جب اپنا روپیہ وصول کرتا ہے، تو وہاں سے نوٹ ہی ملتا ہے۔ اور بڑی بڑی جائیدادوں کے جو بیع نامہ ہوتے ہیں، ان میں نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے، بڑے بڑے عہدہ داروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں، انہیں بھی نوٹ ہی لیا اور دیا جاتا ہے اور اتنی تعداد کے روپیہ بائع ومشتری کے پاس ہوتے ہی نہیں، بلکہ ڈاک خانہ اور بینک میں بھی نہیں، اس چلن کے اعتبار سے یہ نوٹ ہی بمنزلہ سکہ کے ہوگیا اور سکہ چاندی کا نہیں ہے، جیسے فلوسِ نافقہ کہ وہ چاندی کے نہیں ہوتے ہیں، تو جس طرح کہ ایک روپیہ کی ریزگاری کا کمی زیادتی کے ساتھ لینا دینا درست ہے، اسی طرح ایک روپیہ کے نوٹ کی ریزگاری کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۱۴۰۷ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصرف: ۳۳۴/۶، رشیدیہ)

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۵۳۳

(۳) واضح رہے گزشتہ زمانوں میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی =

نوٹ کی ادھار بیع

سوال[۱۱۰۷]: زید نے عمر کو ایک روپیہ کا نوٹ توڑواتی کے لئے دیا اور عمر نے فی الفور چھتر پیسے واپس کئے اور پچیس ادھار لے لئے، تو کیا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ اس اصل کے اعتبار سے مال نہیں، بلکہ مال کا حوالہ ہے، لیکن آج کل روپیہ کمیاب ہے، اس وجہ سے یہ نوٹ ہی روپیہ کی درجہ میں ہے، اس سے لین دین سب روپیہ کی طرح ہے، حتیٰ کہ روپیہ میں اس کو مختلف وجوہ سے ترجیح ہے، اس لئے اس میں بیع الکالی بالکالی نہیں(۱)، روپیہ چاندی نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف

=درست تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے، اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلک في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، ينفتح باب الربا". (الهداية، كتاب الصرف: ۱۱۰/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: أنه لايجوز أيضاً ...... والذي يظهر لهذا لعبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دار العلوم كراچى)

(۱) اس لئے کہ بیع الکالی بالکالی کا معنی ہے، بیع الدین بالدین، جب کہ مذکورہ صورت میں بیع الدین بالدین نہیں، کیونکہ زید نے عمر کو ایک روپیہ دیا ہے اور عمر نے قبضہ کر لیا ہے، لہٰذا بیع الکالی بالکالی نہیں ہوا۔

"لو باع الفلوس بالفلوس، ثم افترقا قبل التقابض بطل البيع، ولو قبض أحدهما ولم يقبض الآخر أو تقابضا ثم استحق ما في يدي أحدهما بعد الافتراق فالعقد صحيح على حاله، كذا في الحاوي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

"في المحيط: لو باع الفلوس بالفلوس أو بالدراهم أو الدنانير، فنقد أحدهما دون الآخر جاز". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۲۱۹/۲، ۲۲۰، رشيديه) .... =

www.besturdubooks.net

کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ پس ادھار کی زیادتی سب درست ہوگی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۲ھ۔

ایک نوٹ کی بیع دو نوٹ کے بدلے

سوال[۱۱۱۰۸]: ایک نوٹ دے کر دو نوٹ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ آج کل اپنے رواج کے اعتبار سے مستقل مال کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ اموالِ ربویہ میں سے نہیں، جس میں مثلاً بمثل لازم ہو، تفاضل کی گنجائش ہے، جیسا کہ بیع فلوس میں بعض ائمہ نے بیان فرمایا ہے (۲)، مگر اس کا انتظام کرلیں، کہ خلافِ قانون ہوکر جرم نہ بن جائے اور پھر سزا بھگتنی پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصرف، الفصل الثاني في بيع الدين بالدين وبالعين: ۸/۳۰۰، رشيديه)

(۱) نوٹ کا حکم فلوس نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے۔

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه يفتح باب الربا". (الهداية، كتاب الصرف: ۳/۱۱۰، شركت علميه ملتان)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل، كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لايجوز أيضاً ...... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولى بالأخذ في زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها في كل شيء، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بعينها لانفتح باب الربا بمصراعيه لكل من هب ودب، فينبغي أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دار العلوم كراچي)

(۲) راجع العنوان السابق

www.besturdubooks.net

دس تولہ چاندی دے کر زیور خریدنا

سوال[۱۱۱۰۹]: ایک آدمی دس تولہ چاندی لاکر کہتا ہے کہ اس کا زیور چاہیے، زیور سنار کے پاس تیار ہے اور وہ سنار ٹانکا کاٹ کر برابر بدل دیتا ہے یا دونوں کی قیمت لگا کر بدل دیتا ہے، اس میں کون سی بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی ہی کی زیور کے بدلہ میں ہو تو برابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی درست نہیں(۱)، لیکن اگر ایک جانب میں چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو، مثلاً: کچھ پیسے یا کوئی اور سکہ چونی اٹھنی وغیرہ کا ہو، تو دوسری جانب میں زیادتی درست ہے(۲)، مثلاً: ایک طرف دس تولہ چاندی اور آٹھ آنہ پیسے ہوں اور دوسری طرف بارہ تولہ چاندی ہو، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۵/۲۵ھ۔

---

(۱) "ولا يجوز بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة إلا مثلاً بمثل تبراً كان أو مصوغاً أو مضروباً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه: ۲۱۸/۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۲۵۷/۵، ۲۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۱/۶، رشيديه)

(۲) "وكذا إذا باع سيفاً محلى بالفضة مفردة أو منطقة مفضضة أو لجاما أو سرجاً أو سكيناً مفضضة أو جارية على عنقها طوق فضة بفضة مفردة، والفضة أكثر، حتى جاز البيع كان بحصة الفضة صرفاً، ويراعى فيه شرائط الصرف، وبحصة الزيادة التي هي من خلاف جنسها بيعاً مطلقاً فلا يشترط له ما يشترط للصرف، فإن وجد التقابض وهو القبض من الجانبين قبل التفرق بالأبدان تم الصرف والبيع جميعاً". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، باب بيع السيف المحلي بالفضة ونحوها: ۳۵۵/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصرف: ۳۲۲/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثاني: ۲۲۱/۳، رشيديه)

www.besturdubooks.net

روپیہ دے کر سونا خریدنا

سوال[۱۱۱۱۰]: ۱......ایک شخص کو سونا چاندی تیار کرانا تھا، اس نے کہا، پانچ تولہ سونا تیار کرانا ہے، تم کو سونا اپنے پاس سے لگانا ہے، بھاؤ طے کرلو، ہم نے بھاؤ طے کرلیا، اس نے پانچ سو روپیہ ہم کو بنانے میں دیا، اس طرح بھاؤ طے کرنا اور بنا کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

ادھار سونا و چاندی کی خرید وفروخت

سوال[۱۱۱۱۱]: ۲......ایک آدمی کو ۴۰/تولہ چاندی اور ۲/تولہ سونے کا زیور بنا کر دیا، حساب کرنے پر ہمارے ایک ہزار کے نوٹ گاہک کے ذمہ باقی رہے، اس نے کہا میں یہ روپیہ دو ماہ بعد دوں گا، تو یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳......ایک آدمی ۲۰/تولہ چاندی اور چار تولہ سونا زیور بنوانے کے لئے لایا، ہم نے زیور تیار کیا، اس زیور بنانے میں ہماری دو تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا زیادہ پڑا، اس کی قیمت لگانے پر گاہک کی طرف ہمارے پانچ سو روپے کے نوٹ باقی رہے، یہ ادھار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس پانچ سو روپیہ کو زیور بنانے کی اجرت قرار دے دیا جائے، تب بھی درست ہے(۱)، آج کل روپے (نوٹ) یا سکہ رائج الوقت سے چاندی سونا اگر خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں، جس میں برابری اور تقابل فی المجلس (ہاتھ در ہاتھ) ہونا ضروری ہو(۲)۔

---

(۱) "وما صلح أن يكون ثمناً في البيع، كالنقود، والمكيل، والموزون صلح أن يكون اجرة في الإجارة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسير الإجارة الخ: ۴/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۷/۵۰۶، رشيديه)

(۲) رائج الوقت سکہ اور نوٹ چونکہ سونے، چاندی کے جنس سے نہیں ہے، اس لئے اگر سکے یا نوٹ کے بدلے سونا، چاندی خریدا جائے تو اس میں برابر اور ہاتھ در ہاتھ لینا ضروری نہیں۔

"عن عبادة بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ‒

www.besturdubooks.net

۳......جائز ہے(۱)۔

۴......جائز ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد".

(صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۴۵۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۶/۲۱۲، ۲۱۳، رشيديه)

(۱) ادھار بیع صرف میں ناجائز ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں چونکہ بیع صرف نہیں ہے، اس لئے ادھار جائز ہے۔ (كما مر في الحاشية المتقدمة)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

www.besturdubooks.net

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع بالوفاء کا حکم

سوال[۱۱۱۱۲]: زید اپنا ذاتی مکان اپنے بھانجے بکر کو بیچنا چاہتا ہے، فی الوقت رقم فراہم نہ ہونے کے باعث بکر اپنا ایک مکان عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے کسی کو دے کر رقم لینا چاہتا ہے، تا کہ ماموں کو مکان کی رقم دے سکے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ رقم بھی حاصل ہو جائے اور مکان بھی مستقل طور پر نہ جا سکے اور مکان دینے اور لینے والا بھی گنہگار نہ ہوئے، بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ حالات زمانہ کے پیش نظر علماء نے بیع بالوفاء کی اجازت دی ہے، آپ مطلع فرمائیں کہ بیع بالوفاء سے کیا مراد ہے اور اس کی صوت کیا ہے؟ اور کیا بیع بالوفاء میں مکان وغیرہ مدت متعینہ کے ختم پر بائع کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ کوئی بھی اپنے فائدے کے بغیر کوئی مکان وغیرہ لینے کو تیار نہیں، اگر رہن رکھا جائے تو مرتہن دھوکہ سے شی مرہونہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے، جس کو سود بتایا جاتا ہے، اس لئے آپ مطلع فرمادیں کہ ایسی صورت بھی ہے کہ مکان مستقل طور پر نہ جائے اور اس سے حصول رقم کی جائز شکل نکل آئے، بکر مکان فروخت کرنا نہیں چاہتا ہے، اجراء کار کے لئے کسی کو دے کر رقم سے استعارہ چاہتا ہے اور بعد فراہمی رقم متعلقہ شخص کو رقم دے کر پھر اپنے قبضہ میں لے لے، از روئے شرع وضاحت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بیع بالوفاء کا نام اگرچہ بیع ہے، مگر وہ درحقیقت رہن ہی ہے(۱)، مرتہن کو شی مرہون سے انتفاع ناجائز

(۱) "وفي حاشية الفصولين: "هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا بيع –

www.besturdubooks.net

ہے(۱)، بیع بالوفاء کوسود کا حیلہ نہ بنایا جائے، مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل ایک رسالہ "الفلک المشحون" تحریر فرمایا ہے، جس میں انتفاع بالرہون کی صورتیں لکھی ہیں (۲)، ضرورت پر بیع قطعی کردی جائے، پھر جب اللہ تعالیٰ پیسہ دیں، تو دوبارہ خرید لیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند ۲۱/۹/۸۸ھ۔

= باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاوىٰ، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، قال رضي الله تعالىٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۲۳۴/۱، إسلامي كتب خانه كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۳۶۰/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخدا ما وسكنى ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه دون الانتفاع". (البحرالرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (مجموعة رسائل اللكنوي، الفُلك المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون، الخاتمة في فروع مختلفة متعلقة بانتفاع المرتهن بإذن الراهن وبغير إذنه: ۴۱۴/۳، ۴۱۵، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة، جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب البيوع، مطلب: في بيع الوفاء، ص: ۸۳، حقانيه پشاور)

www.besturdubooks.net

کیا بیع الوفاء حقیقۃً رہن ہے؟

سوال[۱۱۱۱۳]: ۱...... زید نے اپنی کسی ضرورت کی بناء پر اپنی کاشت کی اراضی عمر کو اس شرط پر بیع کردی کہ تین سال کی مدت معینہ کے اندر اندر جس وقت بھی میرے پاس رقم ہو جاوے اور میں لینا چاہوں، تو عمر کو یہ اراضی اسی ثمن مذکور میں واپس دینا ہوگی اور ثمن میں کمی بیشی نہ ہوگی، اگر مدت معینہ میں زید کے پاس روپیہ فراہم نہ ہوسکا اور مدت ختم ہوگئی، تو پھر یہ اراضی عمر ہی کے لئے مستقل بیع سمجھی جائے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عرف میں اس کو آڑی بیع کہتے ہیں، آیا یہ صورت مسئولہ خیار شرط میں داخل ہے، جو عندالصاحبین جائز ہے یا اس سے خارج ہے، حوالہ کے ساتھ بیان فرمادیں۔

۲...... دوسری صورت اسی آڑی بیع کی اور ہے، وہ یہ ہے کہ زید نے جو بیع نامہ کیا ہے، اس میں تین سال واپس نہ لینے کی شرط ہوتی ہے کہ تین سال تک بائع بیع کو واپس نہیں لے سکتا، تین سال کے بعد اگر چاہے، اس ثمن سابق میں بیع کو لوٹا سکتا ہے، اس کی بھی میعاد ہوتی ہے، مثلاً: تین سال کے بعد دو سال تک واپس لینے کی میعاد ہوتی ہے اور دو سال پر مشتری سے نہیں لے سکتا اور یہ بیع مستقل مشتری کی ملکیت ہو جاوے گی۔

۳...... اگر دونوں صورتیں ہی ناجائز قرار دی جائیں، تو پھر کوئی تیسری شکل تحریر فرمائیں جو شرعاً جائز ہو اور ایک غریب ضرورت مند اپنے کام میں لاسکے اور زمین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بیع بالوفاء ہے، ردالمحتار میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے، قول المختار یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے، مگر حکماً رہن ہے، لہٰذا اس سے انتفاع درست نہیں ہے(۱)۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعت منک على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد: ۴۰۵/۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الصرف: ۱۴۴/۳، دارالمعرفة بيروت) =.

www.besturdubooks.net

"کل قرض جر نفعاً حرام اھ" درمختار (۱)۔

۲......اس کا حکم بھی وہی ہے، جو نمبر ۱ میں بیان ہوا ہے (۲)۔

۳......رہن یا بیع کا معاملہ ختم کر کے اجارہ کا معاملہ کرلیا جاوے، مثلاً: ایک ہزار روپیہ کی ضرورت ہے، تو اپنی زمین متعین تین سال کے لئے اجارہ پر دے دی جاوے اور ایک ہزار روپیہ پیشگی کرایہ وصول کرلیا جائے، تین سال تک کاشت کر کے آمدنی کرے، پھر واپس کردے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب: بيع الوفاء: ۲۰۸/۳، ۲۰۹، رشيديه)

(۱) "كل قرض جر نفعاً حرام". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"وقال عليه الصلاة والسلام: "كل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فيض القدير، رقم الحديث: ۶۳۳۶: ۴۴۸۷/۹، مكتبه مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه، مرفوعاً: "كل قرض جر منفعة فهو ربا، وكل شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۴۹۹/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم كراچي)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب المداينات، الفن الثاني، ص: ۲۵۷، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۴۳

(۳) "(و) تصح إجارة (أرض للزراعة مع بيان مايزرع فيها، أو قال: على أن أزرع فيها ما أشاء) كي لا تقع المنازعة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها: ۲۹/۶، سعيد)

"وليس للمؤجر إخراجه، حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل اجرة شهرين فأكثر لكونه كالمسمىٰ، زيلعي، (إلا ان يسمي الكل) أي: جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۵۰/۶، ۵۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، الفصل الأول فيما يفسد العقد فيه: ۴۴۰/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة الخ: ۵۱۸/۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

بیع الوفاء

سوال[۱۱۱۱۴]: اپنی مملوکہ زمین اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ چند سال کی مدت میں جب روپیہ واپس کردیے جائیں گے، تو زمین واپس لی جائے گی، اس کو عرف میں کٹ تبادلہ کہتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ متذکرہ بالا صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واپسی کی شرط پر فروخت کرنا بیع فاسد ہے جائز نہیں ہے، اس کو بیع بالوفاء کہتے ہیں، جو کہ رہن کے حکم میں ہے(۱)۔ ایسی زمین سے مشتری کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے(۲)(كذا في ردالمحتار)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۱/۱۷ھ۔

---

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منک على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه وحكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

"القول: وفي جواهر الفتاوىٰ، في الباب الأول: بيع بالوفاء أن يقول: بعت منک على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، قال رضي الله تعالىٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا". (حاشية جامع الفصولين، الفصل الثاني عشر: ۲۳۴/۱، إسلامي كتب خانه كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة: ۳۶۰/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارة وإعارة؛ لأن الرهن يقتضي الحبس إلى أن يستوفي دينه، دون الانتفاع". (البحرالرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

www.besturdubooks.net

بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۱۱۵]: ایک مسلمان اپنی جائیداد یا مکان کسی دوسرے مسلم کو فروخت کر دیتا ہے کہ اتنے عرصہ بعد رقم ادا کر کے مذکورہ جائیداد واپس خرید لوں گا اور اگر تاریخ معینہ تک نہ خرید سکا، تو اس کے بعد حق خریداری ختم اور جائیداد تمہاری، خریدار مذکورہ فروخت کرنے والوں کو اس کا مقررہ کرایہ وصول کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ تو رہن میں اور اس میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرعاً بیع قطعی نہیں ہے، بلکہ بیع بالوفا ہے، جو کہ رہن کے حکم میں ہے، اس صورت میں کرایہ وصول کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۸ھ۔

واپسی کی شرط پر بیع کرنا

سوال[۱۱۱۱۶]: میں نے اپنی ایک شدید اور فوری ضرورت کے لئے اپنے ایک مخلص دوست مسمی زید سے ۷۰۰۰/ ہزار روپیہ قرض لیا اور اس رقم کے عوض دس مربعہ زمین زید مذکور کے ہاتھ فروخت کردی، بیع کے وقت مسجد میں امام مسجد کے روبرو زید نے میرے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ جب تمہارے پاس رقم مہیا ہو جائے گی تو میں زمین تم کو واپس کر دوں گا، گویا دس مربعہ زمین کی بیع سات ہزار روپے کے عوض اسی شرط اور معاہدے پر زید مذکور کے ہاتھ فروخت کردی۔

یہ تمام سترہ مربعہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہی اور اس پر مختلف اوقات میں فصل کی کاشت کرتا رہا اور کبھی کبھی زید مذکورہ کو فصلانہ بھی دیا، اگرچہ کاشت کی بٹائی یا ٹھیکہ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

اب تقریباً سات سال کے بعد جب زید نے مجھ سے سترہ مربعہ زمین کا قبضہ مانگا، تو میں نے کہا کہ

(۱) راجع العنوان السابق، رقم الحاشیۃ: ۱

www.besturdubooks.net

آپ کا زمین کی واپسی کا معاہدہ ہے اور میں زمین واپس لینا چاہتا ہوں، تو زید نے کہا کہ اب تم زمین کا قبضہ دے دو، میں معاہدے سے منحرف نہیں ہوں، معاہدے کی بات قبضہ دینے کے بعد کرنا، میں نے جواباً کہا، کہ شریعت کو فیصل مان لو، فتویٰ منگوالو، جو شریعت کا حکم ہو، ہم دونوں اس کی پابندی کریں گے، لیکن زید نے شریعت کا حکم ماننے اور فتویٰ منگوانے سے گریز کیا اور قبضہ لینے پر اصرار کیا، چنانچہ میں نے قبضہ دے دیا اور کہا کہ میں قبضہ دیتا ہوں، لیکن میرا مطالبہ باقی ہے۔

قبضہ دینے کے چند روز بعد میں نے پھر زید کو مسجد میں بلا کر معاہدہ یاد دلایا تو زید نے کہا کہ میں معاہدہ پر قائم ہوں، زمین کی قیمت اب دس ہزار روپیہ مربعہ ہے، میں ''دو ہزار'' چھوڑتا ہوں، آٹھ ہزار روپیہ فی مربعہ قیمت دے کر اپنی زمین واپس لے لو، تو میں نے کہا کہ معاہدی واپسی کا ہوا ہے اور واپسی کا مفہوم سب سمجھتے ہیں کہ وہ پہلی قیمت پر واپسی ہوتی ہے، نہ کہ نئی بیع۔ زید نے اس کو تسلیم نہیں کیا، میں نے پھر اس سے کہا کہ شریعت کا فتویٰ منگوالو، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے فتویٰ منگوانے کی کیا ضرورت ہے؟

۱......سوال یہ ہے کہ ''سترہ'' مربعہ زمین کی بیع جو کہ واپسی کی شرط پر ہوئی تھی، یہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟

۲......زید اس معاہدہ کو تسلیم کرتا ہے کہ واپسی کی شرط تسلیم کی گئی تھی، اگر چہ یہ بات اس وقت صاف نہیں کہی گئی تھی، کہ واپسی قیمت پر ہوگی، لیکن عرفاً اور شرعاً واپسی کی طلب پہلی ہی رقم پر واپسی ہے یا نئی بیع؟

۳......کیا اس معاہدے کے ہوتے ہوئے زید قیمت اول پر زمین واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کے لئے بحالتِ موجودہ وہ زمین رکھنا حلال ہے؟

۴......گزشتہ سات سال میں جو میں اس زمین پر کاشت کرتا رہا، کیا زید مذکور کو اس کی بٹائی دینا میرے ذمہ واجب الادا ہے؟ جب کہ بٹائی کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، بلا معاہدہ زمین میرے قبضہ میں تھی۔

۵......اگر کیا شریعت کے حکم اور فتویٰ سے گریز کرنے پر ایمان میں خلل تو نہیں آتا؟

۶......نیز یہ بھی تحریر فرمائیں اگر زید مذکور اس فتویٰ کو دیکھنے کے بعد متنازعہ زمین واپس نہ کرے تو؟

الف......کیا اس کے لئے یہ زمین اپنے تصرف میں رکھنا حلال ہوگا؟

ب......کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی؟

ج......کیا یہ ملکیت طیب اور پاکیزہ ہوگی؟

www.besturdubooks.net

۷......تحریر فرمائیں کہ زید کا یہ کہنا کہاں صحیح ہے، کہ واپسی کی شرط کا مطلب نئی بیع ہے، پہلی قیمت پر واپسی نہیں ہے؟

۸......یہ زید وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا ہے یا نہیں؟ اور وعدہ خلافی کا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......بیع میں یہ ہوتا ہے کہ مبیع ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں چلی جاتی ہے (۱) اور بائع کو اس میں تصرف کا حق نہیں رہتا (۲)، یہاں آپ بیع کے بعد بھی خود ہی کاشت کرتے رہے اور مشتری سے بٹائی یا ٹھیکہ کی بات نہیں کی گئی۔ پس اگر آپ نے یہ شرط کر لی تھی کہ زمین میرے ہی قبضہ میں رہے گی، اس میں تصرف کروں گا، تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی (۳)۔ اس کا فسخ کرنا اصل قیمت پر لازم ہوگا (۴)۔

---

(۱) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

(۲) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

"وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يحل مال امرىء مسلم إلا بطيب نفس منه" وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سباب المسلم فسق، وقتاله كفر، وحرمة ماله كحرمة نفسه ...... (فثبت) أن الفعل عدوان محرم في المال كما في النفس". (كتاب المبسوط، كتاب الغصب، الجزء الحادي عشر: ۵۳/۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الأول في تفسير الغصب الخ: ۱۱۹/۵، رشيديه)

(۳) "(و) لا (بيع بشرط) عطف على إلى النيروز، يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما أو) فيه نفع (لمبيع) ......". (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۴/۵، ۸۵، سعيد)

"وإن كان الشرط لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورة، وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة، أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقاً على الغير فالعقد فاسد كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي =

www.besturdubooks.net

نیز بیع میں واپسی کی شرط کرنے سے بھی بیع فاسد ہوجاتی ہے(۱)، اگر بیع تو بلا شرط واپسی کے کی گئی، مگر بعد میں ایک معاہدہ علیحدہ سے واپسی کا کرلیا گیا، تو بیع صحیح ہوگئی (۲)، مگر آپ کو کاشت کرنے اور پیداوار کھانے کا حق نہیں تھا، یہ آپ نے غلط کام کیا ہے(۳)۔ یہ سب خرابی حکم شرعی کی پابندی نہ کرنے سے پیدا ہوئی۔

۲...... بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوگئی، جس کا فسخ کرنا واجب ہے(۴)، نہ یہ بیع جدید

= تفسد البيع والتي لاتفسده: ۱۳۴/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۴۰/۶، رشيديه)

(۴) "اخره عن الصحيح لكونه عقداً مخالفاً للدين كما أوضحه في الفتح، وسياتي انه معصية يجب رفعها". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۲/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "ولو اشترى شيئاً ليبيعه من البائع، فالبيع فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، مطلب في الشروط المفسدة: ۱۳۴/۳، رشيديه)

"وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوىٰ: هو أن يقول: بعت منک على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا البيع باطل وهو رهن". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء: ۲۷۶/۵، سعيد)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الرهن ومطالبه، بيع الوفاء منزل منزلة الرهن الخ: ۲۵۳/۲، ۲۵۴، إمداديه)

(۲) "هذا وفي الخيرية فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال. ونص في الحاوي الزاهدي: أن الفتوىٰ في ذلک أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أو في مثل ثمنه فإنه يفسخ معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل لو بغبن يسير اهـ وبه أفتى في الحامدية أيضاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب بيع الوفاء: ۲۷۷/۵، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، فصل في الشروط المفسدة: ۱۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن عشر في بيع الوفاء الخ: ۲۳۴/۱-۲۳۷، اسلامی کتب خانه کراچی)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۴۸

(۴) راجع رقم الحاشية: ۴

www.besturdubooks.net

ہے، نہ اقالہ (واپسی) ہے۔

۳...... جو روپیہ آپ نے لیا، آپ زید کو دے دیں اور زید زمین آپ کو دے دے، یہ فسخ بیع ہے (۱)۔

۴...... زمین فروخت کرنے کے بعد سات سال تک آپ اس میں کاشت کرتے اور کھاتے رہے، یہ آپ نے ناجائز کام کیا، ناجائز کھایا، روپیہ بھی آپ نے کھایا اور زمین بھی اپنے قبضہ میں رکھی (۲)۔

۵...... جو شخص فتویٰ دریافت کرنا ہی نہیں چاہتا، اس کے متعلق ایسی بات جس سے ایمان میں خلل آئے، ہرگز نہیں چاہیے وہ آپ کے متعلق دریافت کرے گا کہ آپ سات برس تک حرام آمدنی کھاتے رہے اور فتویٰ نہیں پوچھا، تو سخت مشکل پیش آئے گی۔

۶...... الف، ب، ج تحریر کردہ جوابات میں ان کا جواب آگیا۔

۷...... بیع ہی واجب الفسخ ہے، تو اب واپسی کی تشریح بے محل ہے۔

۸...... واپسی کی شرط کے ساتھ بیع کر کے دونوں گنہگار ہوئے (۳)۔ واپسی کی تشریح جو کچھ زید کرتا ہے، اسی کے لئے وہ اب بھی اس پر قائم ہے، وعدہ کرتے وقت یہ نیت رکھنا کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا، کبیرہ گناہ ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الفسخ شرعاً: رفع عقد علی وصف کان قبله بلا زیادة ونقصان". (التعریفات الفقهیة، ص: ۴۱۲، میر محمد کتب خانه کراچی)

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۵۴۸

(۳) راجع رقم الحاشیة: ۴، ص: ۵۴۹

(۴) "وعده أن یأتیه، فلم یأته، لا یأثم، قال بعض الفضلا: فإن قیل: ما وجه التوفیق بین هذین القولین، فإن الحرام یأثم بفعله، وقد صرح فی القنیة بنفی الإثم، قلت: یحمل الأول علی ما إذا وعد وفی نیته الخلف فیحرم؛ لأنه من صفات المنافقین: والثانی علی ما إذا نوی الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۲۳۷/۳، إدارة القرآن کراچی)

"عن زید بن أرقم رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نیته أن یفی له، فلم یف، ولم یجیء للمیعاد، فلا إثم علیه قال الأشراف: هذا دلیل علی أن النیة الصالحة یثاب الرجل علیها، وإن لم یقترن معها المنوی وتختلف عنها اهـ ومفهومه أن من وعد =

www.besturdubooks.net

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواءٌ وفى به أولم يف، فإنه من أخلاق المنافقين، ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفي ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۴۸۸۱: ۸/ ۶۱۵، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۳/ ۸۹۱، رقم الحديث: ۷۴۹۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

www.besturdubooks.net

باب الربوا

(سود کا بیان)

سودی قرض کی آمدنی کا حکم

سوال[۱۱۱۱۷]: ایک شخص نے کچھ روپیہ زیور رکھ کر سود پر لے کر تجارت میں لگایا، اس کے ادائیگی کے بعد اس شخص نے دل سے توبہ کرلی، کہ آئندہ نہ سود دوں گا نہ لوں گا، کیا اس کے بعد کسی متقی کو اس کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیور رہن رکھ کر روپیہ قرض لینا اور اس پر سود دینا گناہ ہے(۱)، لیکن اس قرض والے روپیہ سے جو تجارت کی گئی ہے، تو اس کی آمدنی ناجائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) "قال علیه الصلاة والسلام: "کل قرض جر منفعة، فهو ربا". (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۶۳۳۶: ۹/۴۴۸۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"کل قرض جر نفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

(وکذا في تکملة فتح الملهم، کتاب المساقات والمزارعة: ۱/۵۷۵، دارالعلوم کراچی)

(۲) "ثم في کل موضع لایجوز القرض، لایجوز الانتفاع به، لکن یجوز بیعه، کذا في الفصول العمادیة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض الخ: ۳/۲۰۱، رشیدیه)

سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے =

www.besturdubooks.net

سودی قرض سے بنائے ہوئے کپڑے استعمال کرنا

سوال[۱۱۱۱۸]: احقر کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم دو بھائی اور ایک بہن ہیں اور احقر چھوٹا ہے، جائیداد موروثہ پر بھائی صاحب ہی کی نگرانی ہے اور ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی، احقر مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم حیدرآباد میں ملازم ہے۔ گو بھائی صاحب زراعت پیشہ ہیں، لیکن حال ہی میں انہوں نے احقر کے کپڑے بنائے ہیں، ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سودی قرض لے کر کپڑے بنائے ہیں، احقر کا مقصد تھا کہ اپنا حق جائیداد، یعنی آمدنی سے اپنا حصہ حاصل کروں، لیکن انہوں نے بغیر حساب آمدنی بتلائے کپڑے بنوا دیئے اور نقد ۷۵/ روپے دیئے، پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ سودی قرض لا کر دیئے ہیں، اب احقر کو اشکال ہو رہا ہے کہ ان کپڑوں اور روپیوں کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے(۱)، لیکن جو روپیہ نقد آپ کو قرض لے کر دیا ہے، وہ سود نہیں ہے، اگر

= بعد مقترض کو حاصل ہونے والے نفع میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط، لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً، وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد، فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى، مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التي استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، لا تكون أمانة غير مضمونة، وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح في "الدر" عن "الخلاصة" القرض بالشرط حرام والشرط لغو، وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۵۳۳/۱۴، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۶۹/۵، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث: ۲۴۶/۱، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أربعة حق =

www.besturdubooks.net

طرح قرض لے کر جو کپڑا اپنا کر دیا ہے، وہ بھی سود نہیں ہے، آپ کے لئے جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۱۷ھ۔

سوسائٹی میں پیسہ جمع کرنا

سوال[۱۱۱۱۹]: دیوبند اور سہارنپور میں جو سوسائٹی قائم ہے، جس میں مسلمان پیسہ جمع کرتے ہیں، کیا اس میں پیسہ جمع کرنا جائز ہے؟ جب کہ وہ پیسہ کے مطابق ماہانہ خرچ بھی وصول کرتے ہیں، اس طرح کہ اگر کوئی شخص رکھ کر پیسہ لیتا ہے تو "فیصد" پر ایک روپیہ بھی اس کو دینا پڑا، تو کیا یہ ایک روپیہ لینا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حفاظت کے لئے پیسہ وغیرہ جمع کرنا جائز ہے(۲)، حساب اور حفاظتی انتظام کے لئے کاپی وغیرہ میں

= علی اللہ أن لا یدخلھم الجنة، ولا یذیقھم نعیمھا: مُد من الخمر وآکل الربوا، وآکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیہ". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۳۷، دارالفکر بیروت)

"عن جابر رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: ھم سواء" رواہ مسلم. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، ص: ۲۴۴، قدیمی)

(۱) "(فیصح استقراض الدراھم والدنانیر، وکذا) کل (مایکال، أو یوزن، أو یعد متقارباً فصح استقراض، جوز وبیض)، وکاغذ عدداً". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۲، سعید)

"ویجوز القرض في الفلوس؛ لأنھا من العددیات المتقاربة کالجوز والبیض". (بدائع الصنائع، کتاب القرض: ۶/۵۱۸، رشیدیہ)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع: ۳/۲۰۱، رشیدیہ)

(۲) "أما تفسیرھا شرعاً: فالإیداع ھو تسلیط الغیر علی حفظ مالہ، والودیعة مایترک عند الأمین، کذا في الکنز...... وأما حکمھا: فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورة المال أمانة في یدہ، ووجوب أدائہ =

www.besturdubooks.net

اوراس کی قیمت وصول کرتے ہیں، یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حلال کمائی سے حاصل شدہ زمین میں سودی رقم سے دکان بنوانا

سوال[۱۱۱۲۰]: زید نے اپنی حلال کمائی کی جگہ میں سودی رقم سے کرائے کی دکانیں تعمیر کیں اور اس کی آمدنی سے زندگی گزارتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ سودی رقم ادا کرنے کی صورت میں اس کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو جائز کرنے کی کیا صورت ہے، کوئی دلیل پیش کریں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قدر سودلیا ہے، اتنی مقدار ان لوگوں کو واپس کردے، جن سے سودلیا ہے، یا واپسی دشوار ہو، یا ان لوگوں کا علم نہ ہوتو اتنی مقدار غرباء پر صدقہ کردے(۲)، پچھلے سال جس حلال کمائی کی زمین میں سودی روپیہ سے

= عند طلب مالكه، كذا في الشمني". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"قوله: (الإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله) يعني صريحاً، أو دلالة ...... وحكمها: كون المال أمانة عنده مع وجوب الحفظ عليه، والأداء عند الطلب، واستحباب قبولها". (البحر الرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۴/۷، ۴۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإيداع: ۶۶۲/۵-۶۶۴، سعيد)

(۱) "وما أنفق المودع على الوديعة بأمر القاضي فهو دين على صاحبها يرجع به عليه، إذا حضر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب العاشر في المتفرقات: ۳۶۰/۴، رشيديه)

"(قوله: ولو أنفق الخ) ولو لم ينفق عليها المودع بالفتح حتى هلكت يضمن، لكن نفقتها على المودع بالكسر". (ردالمحتار، كتاب الإيداع: ۶۷۵/۵، سعيد)

"وفي آخر كتاب الغصب من شرح الطحاوي رحمه الله تعالیٰ: المودع إذا شرط الأجر للمودع على حفظ الوديعة، صح". (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الوديعة، الفصل السادس في المتفرقات: ۲۸۹/۴، رشيديه)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر =

www.besturdubooks.net

تغیر کی ہے، وہ سب اور اس کی آمدنی اس کے حق میں درست ہوجائے گی، خلط کو فقہاء نے استہلاک لکھا ہے، جو کہ موجب ملک ہے، یعنی غیر کا روپیہ جو کہ ناجائز تھا، اس کو اپنے جائز روپیہ میں مخلوط کر لینے سے اس ناجائز پیسے پر ملکیت حاصل ہوجائے گی (۱)، البتہ اتنی مقدار کو واپس کرنا یا تصدق لازم ہوگا (۲)۔ شامی، کتاب الحج میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے (۳)، نیز جلد رابع (۴)، کتاب البیوع اور جلد خامس (۵) میں بھی مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۶/۸۹ھ۔

شبہ ربا سے احتراز

سوال[۱۱۱۲۱]: زید نے ایک غیر مسلم کو دس ہزار روپے بطور پیشگی دودھ کے دیئے اور پیشگی دینے

= الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"قال علماء نا: إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من رباء، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكاة، :ص ۱۵، مكتبه القدس)

(۱) "لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلط، صار ملكاً له حتى، وجبت عليه الزكاة، وورث عنه على قول أبي حنيفة؛ لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك". (البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۹، رشيديه)

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله، مَلَكه، فتجب الزكاة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل العاشر في بيان مايمنع وجوب الزكاة: ۲/۲۱۸، قديمي)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۵۵

(۳) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب: فيمن حج بمال الحرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(۴) (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب: فيمن عليه ديون ومظالم جهل أربابها: ۴/۲۸۳، سعيد)

(۵) (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

www.besturdubooks.net

سے قبل یہ طے کیا، غیر مسلم نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو چالیس کلو دودھ روزانہ دیا کروں گا، دودھ کا نرخ ۵۰/۱ کے حساب سے دینا طے کیا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر میں دودھ نہ دوں تو زید مذکور کو جو نفع دودھ بیچ کر ہوا کرے گا، اتنی رقوم میں ادا کرتا رہوں گا۔

اب خالد چالیس کلو دودھ ۱۸/کلومیٹر دور لے جا کر ایک شہر میں فروخت کرتا ہے، اس کو دس روپے روزانہ بچتے ہیں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ غیر مسلموں میں دودھ کو لے جاتا ہے اور بیچ کر دس روپے زید کو لاکر دیتا ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر مسلم دودھ ۴۰/کلو کے بجائے ۲۰/کلو دودھ دیتا ہے، زید ۲۰/کلو دودھ بیچ کر ۵/روپے کماتا ہے اور پانچ وہ غیر مسلم جو ۲۰/کلو دودھ نہیں دیتا، اس کے نفع کے دیتا ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، بعض کہتے ہیں کہ نہیں، یہ بیوپار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، شبہ ربوا ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه: أن آخر ما نزلت اٰية الربوا، وأن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا، فدعوا الربوا والریبة" رواه ابن ماجة، والدارمي". (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قدیمي)

"وعن عمر بن الخطاب رضي الله تعالیٰ عنه ...... فدعوا الربا والریبة ...... (مشکاة المصابیح)

قوله: (فدعوا) أي: أیها الناس (الربا والریبة) أي: شبهة الربا أو الشک في شيء مما اشتملت علیه هذه الاٰیات أو الأحادیث، فإن الشک في شيء من ذلک ربما یؤدي إلی الکفر". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الربا: ۶/۵۷، ۵۸، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، رقم الحاشیة: ۴: ۱/۲۴۶، قدیمي)

www.besturdubooks.net

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

سود کا روپیہ آگیا، اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۲۲]: ۱..... سود کا پیسہ گھر کے پاخانہ یا عام پاخانہ یا مسجد کے پاخانہ میں استعمال کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۲..... سود کا پیسہ غریب کافر کو دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۳..... سود کا پیسہ غریب کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دے، تو صحیح ہے کہ نہیں؟

۴..... سود کے پیسے سے راستہ بنائے یا غریب کا گھر بنائے یا راستہ میں لائٹ لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

۵..... غریب کافر یا غریب مسلمان کو سود کے پیسہ سے کپڑا لے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۶..... سود کا پیسہ کرکٹ یا فٹ بال اور کسی کھیل میں دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

۷..... سود کا پیسہ اسکول کے باغ کے واسطے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

۸..... سود کے پیسہ سے کنواں بنانے یا عام شی بنانے یا چکی بنانے کے لئے دے دے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... سود لینا دینا سب حرام ہے(۱)، اول تو جس سے لیا ہے، اسی کو واپس کر دیا جائے، اگر کسی طرح بینک

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرة: ۲۷۸)

"﴿واخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم، كما حرم علينا". (مدارك التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۲۰۲، ال عمران: ۱۳۰، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : آكل الربوا وموكله =

www.besturdubooks.net

وغیرہ سے سودی پیسہ آگیا ہے، تو اس کو بغیر نیت ثواب غریبوں کو دے دے، مسجد یا پاخانہ وغیرہ میں نہ لگائے (۱)۔

۲...... مسلم غریب کو دے دے (۲)۔

۳...... بغیر نیت ثواب دے (۳)۔

۴...... غریب کو دے دے، پھر وہ چاہے، اس کو مکان بنانے میں خرچ کرے یا لائٹ وغیرہ لگانے میں یا راستہ بنانے میں۔

۵...... اس کو پیسہ ہی دے دے، وہ اپنی مرضی سے جو چاہے، کپڑا وغیرہ خریدے اور مسلم غریب کو دے۔

۶...... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں خرچ نہ کرے۔

۷...... وہاں خرچ نہ کرے۔

۸...... مسلم غریب کو دے، خود کسی اور کام میں نہ خرچ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۸۹ھ۔

= وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء، رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا: ۱/۲۴۴، قديمي)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"قال علماء نا: إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الزكاة، :ص ۱۵، مكتبة القدس)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً، يرجوا به الثواب يكفر". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: في التصدق من المال الحرام: ۲/۲۹۲، سعيد)

"قال في الدر المختار: أن التصدق بالمال الحرام ثم رجاء الثواب منه حرام وكفر". (العرف الشذي على جامع الترمذي: ۱/۳، سعيد)

(وكذا في معارف السنن، أبواب الطهارة، مسئلة فاقد الطهورين: ۱/۳۳، سعيد)

www.besturdubooks.net

مجبوری کی حالت میں سودی قرض لے کر مکان تعمیر کرنا

سوال[۱۱۱۲۳]: ا......احمد آباد، بڑودہ وغیرہ کے حالیہ فسادات میں شرپسندوں نے اس حد پر تباہی مچائی، جس جگہ مسلم اقلیت میں اکادکا آباد تھے اور جس جگہ جتھہ(۱) کی صورت میں محلہ کی آبادی مسلم ہوں، وہاں شرپسند آتے ڈرتے ہیں یا آتے نہیں، بہر حال اس نقصان کے پیش نظر یہ صورت قائم ہوتی ہے کہ وہ اکادکا بسنے والے مسلمان مسلم جتھوں اور محلوں میں آکر آباد ہوجائیں، یہاں پر ایک صاحب کے پاس بہت بڑی زمین ہے، جس پر تیس پینتیس مکانات تعمیر ہوکر اتنے ہی خاندان آباد ہوسکتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک اجتماعی جتھا تیار ہوسکتا ہے۔

مگر آج کل شہروں میں ۱۵، ۲۰، ۲۵ روپے فٹ زمین ملتی ہے اور مسلم لوگ اتنی قیمت پر خریدنے سے معذور ہیں کہ مذکورہ بالا قیمت سے آٹھ دس ہزار روپیہ خرچ کرکے مکان تعمیر کرسکیں، اس کی ایک شکل عام طور پر لوگ اختیار کرتے ہیں، وہ یہ کہ رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے حکومت قرض (لون) سودی قرض کی شکل میں دیتی ہے، جس کو تعمیر مکان کے بعد کئی سالوں میں بالاقساط ادا کرنا ہوتا ہے، یعنی اگر چار چار ہزار جمع کریں، تو حکومت چھ ہزار اپنے پاس سے قرض دے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات ہاؤسنگ کمیٹی قائم کرکے اس کو باقاعدہ رجسٹر کراکے رہائش کے سلسلہ میں حکومت سے سود پر قرض لے سکتے ہیں یا نہیں؟ حکومت سے قرض لئے بغیر مذکورہ بالا زمین پر یہ لوگ آباد نہیں ہوسکتے، اس کے لئے واحد صورت یہی ہے، تو کیا ایسی شکل میں یہ قرض لیا جاسکتا ہے اور شرعاً گنجائش ہے کہ نہیں؟ ہاؤسنگ کمیٹی قائم کرکے مکان آٹھ دس ہزار میں تعمیر ہوجاتا ہے، ورنہ چالیس پچاس ہزار سے کم میں اس دور میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲......"الضرورات تبیح المحذورات" کے پیش نظر اضطرار اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر سودی قرض لینے کی تو بالاتفاق گنجائش ہے، مگر اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اضطرار اور ضرورت شدیدہ کے لئے کیا معیار ہوگا؟

---

(۱)"جتھا: گروہ، دھڑا، ٹولی، جماعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۸۳، فیروز سنز لاہور)

www.besturdubooks.net

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... سودی قرض سودی معاملہ کا حرام ہونا منصوص ہے(۱)، مضطر کے لئے حرام شی کی حرمت مرتفع ہوجاتی ہے، جان بچانے کے لئے حرام شی کا کھانا ضروری ہوجاتا ہے، جب کہ اس کے سوا چارہ کار نہ رہے، مگر اتنی ہی مقدار کی اجازت ہوتی ہے، جس کے ذریعہ جان بچ سکے، اس سے زیادہ کی نہیں (۲)۔

تجربہ اور مشاہدہ سے جب یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ ایسے مسلمانوں کے تحفظ کی بظاہر اسباب یہی صورت ہے کہ ان کے لئے مکانات ایسی محفوظ جگہ بنادیئے جائیں اور مکانات کی شکل وصورت مذکورہ کے علاوہ کوئی نہیں، تو بدرجہ مجبوری معذوری ہے(۳)، لیکن ایسا کرنے سے بات درجہ معذوری تک نہیں رہتی، بلکہ بڑھتی اور پھیلتی ہے اور پھر بغیر مجبوری کے بھی ایسے معاملات کرلئے جاتے ہیں اور ذہنوں میں بس ایک پہلو رہ جاتا ہے کہ مسلمان پسماندہ رہ جائے گا اور دوسروں کی نظر میں حقیر رہ جائے گا اور اس سے ذہن فارغ ہوجاتے ہیں کہ وہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرہ: ۲۷۸)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم، كما حرم علينا". (مدارك التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۲۰۲، ال عمران: ۱۳۰، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء" رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربا، ص: ۲۴۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۲۱۱/۶، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قديمي)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

www.besturdubooks.net

زمرۂ صلحاء مقبولین میں پسماندہ رہ جائے گا اور اللہ ورسول کی نظروں میں حقیر رہے گا، عزت وذلت کا معیار ان کے نزدیک نظرِ اغیار ہے، نہ کہ نظرِ حبیب پروردگار اور ﴿أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا﴾ الآية(۱) کو فراموش کردیتے ہیں اور سورۂ منافقون کا واقعہ ﴿لئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾ الآية(۲) کی طرف کا ہے التفات نہیں ہوتا۔

پھر معاملہ مذکورہ کی حرمت وقباحت ہر اذہان سے ختم ہوجاتی ہے، حرام چیز کی قباحت کا قلوب سے نکل جانا اتنا بڑا نقصان ہے کہ جس کی مکافات دشوار ہے۔

﴿كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ الآية(۳).

---

(۱) (النساء: ۱۳۹)

"﴿أيبتغون﴾ أي: المنافقون ﴿عندهم﴾ أي: القوة والمنعة وأصلها الشدة، ...... ﴿فإن العزة لله جميعا﴾ أي: أنها مختصة به تعالىٰ يعطيها من يشاء وقد كتبها سبحانه لأوليائه فقال عز شأنه: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾". (روح المعاني، النساء: ۱۳۹: ۱۷۲/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، النساء: ۱۳۹: ۷۵۳/۱، ۷۵۴، دار السلام رياض)

(۲) (المنافقون: ۸)

"﴿أيبتغون﴾ أي: المنافقون ﴿عندهم﴾ أي: القوة والمنعة وأصلها الشدة، ...... ﴿فإن العزة لله جميعا﴾ أي: أنها مختصة به تعالىٰ يعطيها من يشاء، وقد كتبها سبحانه لأوليائه، فقال عز شأنه: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾". (روح المعاني، النساء: ۱۳۹: ۱۷۲/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، النساء: ۱۳۹: ۷۵۳/۱، ۷۵۴، دار السلام رياض)

(۳) (المطففين: ۱۴)

"وقوله عز وجل: ﴿بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ بيان لما أدى بهم إلى التفوه بتلك العظيمة أي: ليس في اٰياتنا ما يصحح أن يقال في شأنها مثل تلك المقالة الباطلة، بل ركب قلوبهم وغلب عليها ما استمروا على اكتسابه من الكفر والمعاصي، حتى صار كالصدا في المرأة فحال ذلك بينهم وبين معرفة الحق، فلذلك قالوا ما قالوا". (روح المعاني، المطففين: ۱۴: ۷۲/۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴۸۵/۴، المطففين: ۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

www.besturdubooks.net

علاوہ ازیں ایسا بھی سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ قرض کی مقررہ قسطیں کسی غفلت یا حادثہ کی وجہ سے وقت پر ادا نہیں کی گئیں، تو بنی ہوئی سب عمارت ہی ضبط کرلی گئی، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

www.besturdubooks.net

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

زندگی کا بیمہ

سوال[۱۱۱۲۴]: زندگی کے بیمہ کے سلسلہ میں ۱۱/ دسمبر اور ۱۴/ دسمبر ۶۵ء کو "قومی آواز" میں یہ نکلا تھا کہ ملک بھر کے مولانا مولوی صاحبان کے غور وفکر کے بعد یہ مان لیا کہ زندگی کا بیمہ جائز ہے اور مسلمانوں کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، کیا اس سلسلہ میں آپ اپنی رائے دے سکتے ہیں؟ جس سے کہ میں دوسروں کو کچھ بتا سکوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر "قومی آواز" میں ایسا شائع ہوا ہے، تو وہ غلط ہے، آپ لکھنؤ مدرسہ ندوۃ العلماء سے وہ تجویز منگا کر دیکھیں، جس میں ان علماء کے نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کو بالکل ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اور ان کے بھی نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اجازت کے لئے جو شرطیں لکھی ہیں، ان کو بھی دیکھیں تو اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی، تجویز چھپی ہوئی ہے، بلا قیمت مل جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۶ھ۔

بیمہ کے ذریعہ ملنے والی رقم کی وصیت

سوال[۱۱۱۲۵]: فروری کے "الفرقان" لکھنؤ میں خصوصی حالات اور شرائط کے ساتھ بیمہ زندگی کے اباحت کی تائید کی، براہِ کرم تحریر فرمایئے کہ مروج ذیل شرائط کے تحت زندگی کا بیمہ کروانا چاہیے یا نہیں؟ میری تنخواہ کافی ہے، مگر کچھ نہیں بچتا، میری ملازمت اس پر ہے کہ پنشن نہیں ملے گی، بلکہ کچھ فنڈ ملے گا، میں چاہتا ہوں، کچھ رقم پس پشت رہے، تاکہ ملازمت کے خاتمہ پر وہ رقم میرے کام آئے، میں بیمہ کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا

www.besturdubooks.net

چاہتا، مثلاً: سود ملے یا میرے انتقال کے وقت پر بیمہ کو مقرر کردہ رقم جو اصل اقساط کو ادا کردہ رقم سے زائد ہوتی ہے، اس لئے میں وصیت بھی اپنے پس ماندگان کو کر جاؤں گا کہ اقساط کی صورت میں جو رقم میری ہے، وہی لیں اور زائد رقم خیرات کر دے۔

میرا مقصود بیمہ سے نفع حاصل کرنا نہیں، بلکہ صرف کچھ رقم پس انداز کرنا ہے، جو میں خود اپنے ہاتھوں نہیں کرسکتا، تو میں بیمہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر چہ آپ کا مقصود سود حاصل کرنا اور اس سے نفع اٹھانا نہیں ہے، محض اپنے بعد کچھ پس انداز کرنا ہے اور بشکل سود حاصل ہونے والی رقم کے صرفہ کرنے کی وصیت کا ارادہ ہے، لیکن آپ کی جمع کردہ رقم کو پس سودی تجارت میں صَرف کرے گی، یہ اس کی اعانت ہے، اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے(۱)، نیز وصیت کا پورا کرنا ورثہ کے اختیار میں ہے اور وہ ایک ثلث ترکہ میں وصیت کے نافذ کرنے کے شرعاً ذمہ دار ہیں، اس سے زیادہ نہیں (۲) اور جب رقم ملے گی، اس میں سودی رقم کی مقدار ایک ثلث سے کم ہوگی یا زیادہ، اس کا حال معلوم نہیں ہے، اس لئے یہ اطمینان نہیں کیا جاسکتا، سودی رقم پوری کی پوری صدقہ ہی کردی جائے گی۔ غرض بیمہ میں سود حاصل کرنے یا سود کی اعانت کرنے یا سود سے فائدہ اٹھانے اور قمار سے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"قال ابن کثیر تحت هذه الآية: يأمر تعالیٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترک المنکرات وهو التقوی، وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم".

(تفسير ابن کثير: ۲/۱۰، دار السلام رياض)

(وکذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

(۲) "وتنفذ وصاياه من ثلث ماله، وفي الفرائض للخسامي: ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الکفن والدين إلا أن يجيز الورثة أکثر من الثلث". (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۶، رشيديه)

"(ثم) تقدم (وصيته) ...... (من ثلث مايبقی)". (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، ۷۶۱، سعيد)

"ثم تنفذ وصاياه من ثلث مايبقی بعد الکفن والدين إلا أن تجيز الورثة أکثر من الثلث". (الفتاویٰ العالمکيرية، کتاب الفرائض، الباب الأول في تعريفها وفيما يتعلق بالترکة: ۶/۴۴۷، رشيديه)

www.besturdubooks.net

نجات نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

---

(۱) بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، لہٰذا بیمہ بھی ممنوع ہے۔

"ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال أخيه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"الربا: هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي، شرط لأحد المتعاقدين في المعاوضة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۶۸/۵، سعيد)

بیمہ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (دھوکہ) ہے، سود تو ظاہر ہے اور دھوکہ اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے، تو ادا شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اشیاء کا بیمہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے، وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی...... الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا﴾

وقال الله تعالیٰ: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾

وفي الحديث: لعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: آكل الربا ومؤكله وشاهده وكاتبه" (رواه البخاري)".

(کفایت المفتی، کتاب الربا، دوسرا باب: بیمہ کرانا: ۸۲/۸، دارالاشاعت کراچی)

www.besturdubooks.net

JAMIA FAROOQIA KARACHI

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	باب القرض	
	(قرض کا بیان)	
۱	قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا	۳۲
۲	قرض کی واپسی کے لئے اقساط مقرر کرنا	۳۴
۳	حج کے لئے پراویڈنٹ فنڈ سے قرضہ لینا	۳۵
۴	ادائے قرض کے لئے میعاد مقرر کرنا	۳۶
۵	قرض کو بیوی کے رخصت نہ کرنے کی وجہ سے روکنا	۳۷
۶	قرض خواہ کا مقروض کو رسوا کرنا	۳۹
	باب القمار	
	(جوئے کا بیان)	
۷	بلا تعین قیمت قسطوں پر سامان بیچنا	۴۱

۸	جانبین سے شرط لگانے کا حکم	۴۲

کتاب الدعویٰ والتحکیم

باب الدعویٰ

(دعویٰ کا بیان)

۹	خرچہ مقدمہ کس کے ذمہ ہے؟	۴۳
۱۰	قاضی کو ایک فریق پر اختیار حاصل نہ ہونا	۴۵
۱۱	کیا مقدمہ کے خلاف اپیل کے لئے تین ماہ کی تحدید ہے؟	۴۶
۱۲	دار القضاء کا قیام، ایک قاضی کے ہوتے ہوئے دوسرے کا تقرر کرنا	۴۷
۱۳	ثبوت دین کے لئے مدعیٰ علیہ سے حلف لینا	۵۲

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

۱۴	تحکیم کا طریقہ	۵۴

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

۱۵	چھوٹی بچی کو زمین ہبہ کر کے اس کا قبضہ نہ دینا	۵۷
۱۶	مشترک مکان کو تقسیم کے بغیر ہبہ کرنا	۵۹
۱۷	اپنی جائیداد نواسے کے نام کرنا	۶۰
۱۸	وارثوں کو ہبہ کرنا	۶۲

۱۹	زندگی میں اولاد کو جائیداد ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم	۶۴
۲۰	مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ	۶۷
۲۱	ہبہ میں واپسی کی شرط	۶۸
۲۲	عمریٰ	۷۱

كتاب الضمان والوديعة

باب في الضمان

(ضمان کا بیان)

۲۳	ہوٹل کے برتن اپنے کمرہ سے گم ہونے پر ضمان کا حکم	۷۴
۲۴	بیمار لڑکی کی شادی کی، مرگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟	۷۵
۲۵	چمڑے کے وزن کے دوران کان اور دم وغیرہ کو تولنے کا حکم	۷۵
۲۶	نابالغ نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے تاوان کا حکم	۷۶
۲۷	سامان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر بے احتیاطی کرنا	۷۷
۲۸	دھوبی نے کپڑا گم کردیا	۷۸

باب في الوديعة

(امانت کا بیان)

۲۹	بچوں کی امانت خود ان پر صرف کرنا	۸۰
۳۰	بالغ ہونے پر بچوں کی امانت، ان کی شادی میں خرچ کرنا	۸۰
۳۱	لاوارث غیر مسلم کی امانت کا حکم	۸۱
۳۲	شیٔ مستعار کا عوض ادا کر چکنے کے بعد وہ ملی تو کیا حکم ہے؟	۸۳
۳۳	عیدگاہ کا روپیہ کاروبار میں لگانا	۸۴

کتاب الرھن

(رہن کا بیان)

۳۴ صاف لفظوں میں امانت کہنا اور معاملہ گروی کا کرنا ۸۶
۳۵ زمین رہن رکھ کر معاوضہ وصول کرنا ۸۹
۳۶ شئی مرہون سے نفع اٹھانا ۹۰
۳۷ رہن پر نفع ۹۱
۳۸ ناریل رہن رکھ کر اس کی آمدنی کھانا ۹۲
۳۹ فک رہن کی تاریخ مقرر کرنا اور اس میں توسیع کرنا ۹۳

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

۴۰ بندوق سے کئے ہوئے شکار کا حکم ۹۵
۴۱ مچھلی گڑھے میں ڈالی جائے، تو اس کا مالک کون ہے؟ ۹۷
۴۲ مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب خریدنا ۹۸
۴۳ کانٹے میں مچھلی پکڑنا ۹۹
۴۴ معلَّم کتے کا شکار کھانا ۱۰۰

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لايصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

۴۵ بے وضو انڈرویئر پہن کر ذبح کرنا ۱۰۲

۴۶	نشہ باز قصاب کا ذبیحہ	۱۰۲
۴۷	دیوبندیوں کو خارج از اسلام کہنے والے کا ذبیحہ وقربانی	۱۰۳
۴۸	مجہول الاسلام کا ذبیحہ	۱۰۴
۴۹	اہلِ کتاب کا ذبیحہ	۱۰۵
۵۰	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	۱۰۵
۵۱	ذبیحہ یہود	۱۱۱

الفصل الثاني في سنن الذبح وادابه ومكروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

۵۲	بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا	۱۱۲
۵۳	ذبح فوق العقدہ کا حکم	۱۱۲
۵۴	گائے کو ذبح کرنے سے پہلے کھال چیرنا	۱۱۴
۵۵	کیا ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے؟	۱۱۶

الفصل الثالث في مايصح ذبحه ومالايصح

(ذبح صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

۵۶	دیوار کے نیچے دب کر مرنے والی بکری کا ذبح کرنا	۱۱۷

الفصل الرابع في مايصح أكله من اللحوم ومالا يصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

۵۷	چوری شدہ بھیڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا	۱۱۸
۵۸	بذریعہ انجکشن پیدا ہونے والے جانور کو کھانے کا حکم	۱۲۰
۵۹	امریکن گائے کا حکم	۱۲۱

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب

(قربانی کے وجوب وعدمِ وجوب کا بیان)

۶۰ قرآن وحدیث سے قربانی کا ثبوت ۱۲۲
۶۱ کتنے نوٹ پر قربانی واجب ہے؟ ۱۲۶
۶۲ ملازم کی تنخواہ پر قربانی کا وجوب ۱۲۶
۶۳ قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہو اور مقدار نصاب کم ہو، تو کیا کیا جائے؟ ۱۲۷
۶۴ دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا ۱۳۰
۶۵ کسی کے کہنے سے اپنا جانور اس کی طرف سے مفت قربان کرنا ۱۳۱
۶۶ کیا حرام مال ملک میں ہو تب بھی قربانی واجب ہوگی؟ ۱۳۲

باب فيما يجوز من الأضحية ومالايجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز اور ناجائز جانور کا بیان)

۶۷ بکری، ہرن کے جوڑ سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی کرنا ۱۳۳
۶۸ دیوانہ جانور کی قربانی ۱۳۴
۶۹ کیا انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے؟ ۱۳۵

باب مايكون عيبا في الأضحية ومالايكون

(قربانی میں عیب کا بیان)

۷۰ جس بکرے کے دانت گھس گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم ۱۳۷

باب الشركة في الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

۷۱	ایک گائے کی قربانی میں ساتواں حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھنا	۱۳۸

باب في قسمة اللحم ومصرفه وبيعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

۷۲	قربانی کا گوشت ہندو کو دینا	۱۴۰

باب في مصرف جلد الأضحية

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

۷۳	چرمِ قربانی کی قیمت کنواں بنوانے میں استعمال کرنا	۱۴۱

باب المتفرقات

۷۴	جس چھری سے قربانی کی جائے، کیا اس میں تین سوراخ کا ہونا ضروری ہے؟	۱۴۳
۷۵	خطرۂ جان کے وقت قربانی نہ کرنا	۱۴۳
۷۶	خنزیر کے بال سے برش بنانے والے کارخانہ میں ملازم کی تنخواہ سے قربانی کا حکم	۱۴۴
۷۷	قربانی کے جانور سے اتاری ہوئی اون کا حکم	۱۴۵

كتاب العقيقة

(عقیقہ کا بیان)

۷۸	عقیقہ کا دن	۱۴۶

۷۹	شادی میں عقیقہ کرنا	۱۴۷
۸۰	عقیقے میں گائے بھینس کو ذبح کرنا	۱۴۸
۸۱	عقیقہ میں لڑکے کا ایک حصہ رکھنا	۱۴۹
۸۲	کیا ماں باپ عقیقہ کا کھانا کھا سکتے ہیں؟	۱۵۰
۸۳	ایضاً	۱۵۱

کتاب الحظر والإباحة

باب الأكل والشرب

الفصل الأول في الأكل مع الكفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

۸۴	غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا	۱۵۴

الفصل الثاني في سنن الأكل وآدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

۸۵	انڈا توڑتے ہوئے کیا پڑھے؟	۱۵۶
۸۶	کچی پیاز کھانے میں ملا کر کھانا	۱۵۶
۸۷	عقیقہ کا کھانا چماروں کے ہاتھوں سے کھلوانا	۱۵۷
۸۸	کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے	۱۵۹
۸۹	ننگے سر کھانا اور کھانا کھانے کی حالت میں سلام کرنا	۱۶۰
۹۰	بازار جانا اور دکان پر بضرورت بیٹھنا، چلتے پھرتے کھانے کا حکم	۱۶۳

باب الضيافات والهدايا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

۹۱ دعوت میں کھانا اجازت سے شروع کیا جائے ۱۶۴
۹۲ کام سیکھنے کے لئے دوست احباب کے اصرار پر مٹھائی کھلانا ۱۶۴
۹۳ گانے، باجہ والی تقریب سے کھانا گھر پر منگوا کر کھانا ۱۶۵
۹۴ باجہ والی شادی میں کھانا کھانا ۱۶۶
۹۵ جہاں عزت کا خطرہ ہو وہاں کھانے کے لئے جانا ۱۶۷
۹۶ قرض کی ادائیگی نہ کرنے والے کی دعوت میں شرکت کا حکم ۱۶۸
۹۷ دوسرے کی افطاری قبول کرنے سے پرہیز کرنا ۱۷۰
۹۸ دعوت عامہ میں طعام کی تقسیم وتفریق ۱۷۱
۹۹ سودخور عالم کی دعوت کرے اور یہ کہہ دے کہ ''یہ کھانا حرام کا ہے'' تو کیا حکم ہے؟ ۱۷۲

الفصل الثاني في الهدايا

(ہدیہ دینے کا بیان)

۱۰۰ طلبہ کا ہدیہ استاد کے لئے ۱۷۴
۱۰۱ حرام کمائی سے دیئے گئے ہدایا وغیرہ کا حکم ۱۷۴

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

۱۰۲ فونٹن پین کی روشنائی ۱۷۹

۱۰۳	کوکا کولا اور شراب ملی ہوئی دوا کا حکم	۱۸۰
۱۰۴	پوست کا ڈوڈا پینا	۱۸۰
۱۰۵	کھجور اور تاڑ کا عرق پینے کا حکم	۱۸۱

الفصل الثاني في الطيب

(خوشبو کا بیان)

۱۰۶	سینٹ کا استعمال	۱۸۲

الفصل الثالث في المأكولات وغيرها

(کھانے کی اشیاء وغیرہ کا بیان)

۱۰۷	کتے کا جھوٹا گھی استعمال کرنا	۱۸۳
۱۰۸	اسکول میں بچوں کے لئے جو دودھ ملتا ہے، اس کا پینا	۱۸۴
۱۰۹	بریڈ روٹی کا استعمال	۱۸۴
۱۱۰	ڈبے کا گوشت	۱۸۵
۱۱۱	ڈبوں میں بند گوشت کا حکم	۱۸۵

باب الانتفاع بالحيوانات

الفصل الأول في الطيور

(پرندوں کا بیان)

۱۱۲	طوطا حلال ہے؟	۱۸۷

الفصل الثاني في المواشي

(مویشیوں کا بیان)

۱۱۳	خرگوش کی حلت	۱۸۸

۱۱۴	شیر کی زخمی کی ہوئی بکری کو ذبح کر کے کھانا	۱۸۸
۱۱۵	امریکن گائے کا استعمال	۱۸۹
۱۱۶	ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑنا	۱۹۰

الفصل الثالث في الحيوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اوران کے اجزاء کا بیان)

۱۱۷	خنزیر کا گوشت کھانے والے کا حکم	۱۹۱
۱۱۸	صابن میں مردار جانور کی چربی	۱۹۴
۱۱۹	خنزیر کی چربی صابن میں ملانا	۱۹۵

باب التداوي والمعالجة

الفصل الأول في مايتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانع حمل کا بیان)

۱۲۰	نسبندی کا آپریشن	۱۹۷
۱۲۱	فیملی پلاننگ یا نسل کشی	۱۹۸
۱۲۲	خاندانی منصوبہ بندی	۲۰۳
۱۲۳	محکمۂ نسبندی میں ملازمت	۲۰۴
۱۲۴	آپریشن سے جنس تبدیل کرنے کا حکم	۲۰۶
۱۲۵	حاملہ کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا	۲۰۸

الفصل الثاني في التداوي بالمحرم وغيره

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

۱۲۶	''بولِ فیل'' برائے علاج	۲۰۹

۱۲۷	خراطین وخاکستہ دوائی کا استعمال	۲۱۰
۱۲۸	ڈاکٹری دوائی میں شراب کی آمیزش	۲۱۱
۱۲۹	خنزیر کی چربی والا تیل دوا کے طور پر استعمال کرنا	۲۱۱

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اور اس کے مصرف کا بیان)

۱۳۰	مشتبہ مال سے بچنا	۲۱۳
۱۳۱	مشتبہ مال سے بنے مکان میں رہائش	۲۱۴
۱۳۲	چوری کا مال خریدنا	۲۱۴
۱۳۳	جو کپڑا درزی بچالے اس کا حکم	۲۱۵
۱۳۴	شراب کی کمائی کا مصرف	۲۱۶
۱۳۵	آتش بازی کا سامان رکھنے والے کے لئے بکس بنانے کی کمائی کا حکم	۲۱۸

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

۱۳۶	رشوت اور شراب کی رقم کا حکم	۲۲۰
۱۳۷	سیمنٹ کی تجارت اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا	۲۲۱
۱۳۸	سرکاری ہسپتال سے رشوت دے کر دوائیاں لینا	۲۲۳
۱۳۹	محصول کم کرنے کے لئے رشوت کا مشورہ دینا	۲۲۴
۱۴۰	کیا داخلہ فیس رشوت میں داخل ہے؟	۲۲۵
۱۴۱	رشوت دے کر حاصل کی گئی ملازمت کا حکم	۲۲۶

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول في الكذب والنميمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

۱۴۲	کسی پر جھوٹا الزام لگانا	۲۲۷
۱۴۳	مسجد میں فاسق کی تعریف کرنا	۲۲۸
۱۴۴	بیع میں دھوکہ دینا	۲۲۹
۱۴۵	بڑے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر فروخت کرنا	۲۳۰
۱۴۶	چنگی کو بچالینا	۲۳۱
۱۴۷	اچھے علاج کے حصول کے لئے حیلہ کرنا	۲۳۲
۱۴۸	ٹیکس سے بچنے کے لئے دو حساب رکھنا	۲۳۳

الفصل الثاني في الغيبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

۱۴۹	غیبت کی چند صورتوں کا حکم	۲۳۵
۱۵۰	جب کوئی عالم خلاف سنت میں مبتلا ہو، تو کیا کیا جائے؟	۲۳۷
۱۵۱	کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کے عیب کو ظاہر کرنا	۲۳۸

الفصل الثالث في نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

۱۵۲	زمین دوسرے کو دینے کا وعدہ کرکے انکار کرنا	۲۳۹

الفصل الرابع في ترك الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

۱۵۳	جو شخص غلط فتویٰ دے اس سے تعلق رکھنا	۲۴۱

۱۵۴	غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کرنا	۲۴۲
۱۵۵	چھوٹی بڑی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کرنا	۲۴۳
۱۵۶	مسلمان کا بائیکاٹ کرنا	۲۴۴
۱۵۷	کبائر میں مبتلا رشتہ داروں کے ساتھ تعلق	۲۴۴
۱۵۸	اہلِ محلہ کا کسی مسلمان کی تجہیز وتکفین سے بائیکاٹ کرنا	۲۴۵

الفصل الخامس في إيذاء المسلم

(مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)

۱۵۹	اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا	۲۴۷
۱۶۰	کسی مستند عالم کو برا کہنا	۲۴۸
۱۶۱	مسلمان یتیموں کو پریشان کرنا	۲۴۸
۱۶۲	اپنی نالی سے دوسرے کو اذیت دینا	۲۴۹
	مدرسہ کے مدرس کو نوکر کہنا	۲۵۰

باب المعاصي والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

۱۶۳	کسی کا راستہ اور پانی بند کرنا	۲۵۱
۱۶۴	گالی کے بدلے گالی	۲۵۱
۱۶۵	نکاح کی عملی صورت سمجھانے پر ایک استاذ کا دوسرے کو گالی دینا	۲۵۲
۱۶۶	فتنہ وفساد پیدا کرنے والے کا حکم	۲۵۳
۱۶۷	زنا حق العبد ہے یا حق اللہ؟	۲۵۳
۱۶۸	گالی دینے والے کی نماز روزہ کا حکم	۲۵۴
۱۶۹	شراب وجوا	۲۵۵
۱۷۰	خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم	۲۵۶

۱۷۱	خدااوررسول کے حکم کے خلاف حکم کرنے کاکسی کوحق نہیں	۲۵۷
۱۷۲	خدااوررسول کے خلاف کہنے کاکسی کوحق نہیں	۲۵۷
۱۷۳	زبردستی زنا	۲۵۸
۱۷۴	قوم میں تفرقہ ڈلوانا	۲۵۹
۱۷۵	ایک امیر کے حالات	۲۶۰
۱۷۶	زنابالجبر کومنع نہ کرنے کی صورت میں کون لوگ گنہ گار ہیں؟	۲۶۲
۱۷۷	ظالم سے انتقام	۲۶۳
۱۷۸	گالی کی معافی اورازخودقوم کاسرداربننا	۲۶۴
۱۷۹	سخت گناہوں کی وجہ سے کافرکہنا	۲۶۵
۱۸۰	کسی بزرگ سے سوءظن	۲۶۶
۱۸۱	خنزیرکھالیاتوکیاحکم ہے؟	۲۶۷
۱۸۲	یتیموں کے مال میں بے جاتصرف کرنے والے کی سزا	۲۶۸
۱۸۳	یتیموں کامال غصب کرنے والے کاحکم	۲۶۸
۱۸۴	یتیموں کامال مسجداورمدرسہ میں دینا	۲۶۹
۱۸۵	یتیموں کامال ناحق کھانا	۲۷۰
۱۸۶	زناکے معاف کرانے کاطریقہ	۲۷۰
۱۸۷	توبہ کی تعریف	۲۷۱
۱۸۸	حرمت کے حکم سے پہلے صحابہ مکلف نہیں تھے	۲۷۲
۱۸۹	اپنے فعل کی تہمت خداپرلگانا	۲۷۳
۱۹۰	مسلمانوں کوسورکاگوشت دھوکہ سے بیچنا	۲۷۳

باب أحكام الزوجين

(میاں بیوی کے حقوق کابیان)

۱۹۱	شوہرکی اجازت کے بغیرماں کے گھرجانا	۲۷۵

۱۹۲	شوہر کو بھیا کہنا	۲۷۶
۱۹۳	خواب کی وجہ سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدظن ہونا	۲۷۷
۱۹۴	بیوی کا شوہر کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی اجرت کا مطالبہ کرنا	۲۷۸
۱۹۵	گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت کرنا	۲۷۹
۱۹۶	عورت کی بدتمیزی وبدکلامی پر شوہر کے مارنے کا حکم	۲۸۱
۱۹۷	بیوی کے زیور کی زکوۃ کس کے ذمہ ہے؟	۲۸۳
۱۹۸	بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ کرنا	۲۸۴
۱۹۹	بیوی کے لئے الگ مکان	۲۸۵
۲۰۰	بیوی کے ساتھ زیادتی کی مکافات	۲۸۶
۲۰۱	عورت کا شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنا	۲۸۷

فصل في الجماع و متعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

۲۰۲	وطی میں بیوی کا حق شوہر پر	۲۸۹
۲۰۳	ہمبستری کے وقت کی دعا	۲۹۰
۲۰۴	یہ دعا کرنا کہ ''یا اللہ! صالح اولاد دے یا اس سے محروم رکھ''	۲۹۱
۲۰۵	بیوی سے ہمبستری کا طریقہ	۲۹۱
۲۰۶	بیوی کو برہنہ کر کے اس کا پستان منہ میں لے کر سونا	۲۹۲
۲۰۷	حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے کس حصہ کو دیکھنا درست ہے؟	۲۹۲
۲۰۸	حالتِ حیض میں بیوی کے عضو مخصوص کو دیکھنا اور چھونا	۲۹۴
۲۰۹	کیا لونڈیوں کے ساتھ صحبت بلا نکاح درست ہے؟	۲۹۵

باب حقوق الوالدين وغيرها

(والدین کے حقوق کا بیان)

۲۱۰	والدین کے حقوق	۲۹۷

۲۱۱	کیا والدین کا درجہ استاذ اور پیر سے زیادہ ہے؟	۳۰۰
۲۱۲	والد کی نافرمانی	۳۰۱
۲۱۳	صاحب حق کی طرف حق پہنچانے کی صورت نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟	۳۰۱
۲۱۴	والد کی غلط رائے قابل عمل نہیں	۳۰۲
۲۱۵	باپ کو دھکا اور گالیاں دینا	۳۰۴
۲۱۶	بیٹے کو بیٹا نہ ماننے والے باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟	۳۰۶
۲۱۷	والد کے گناہ پر ان کی اصلاح کا طریقہ	۳۰۷
۲۱۸	والد پر خرچ کی ہوئی رقم کو ترکہ میں محسوب کرنا	۳۰۸
۲۱۹	جیسا خود کھائے ویسا باپ کو کھلائے	۳۰۹
۲۲۰	بچپن کی چوری کا گناہ کس پر ہے؟	۳۱۰
۲۲۱	بچپن کے بد نیک کام کا عذاب وثواب	۳۱۰
۲۲۲	بچہ کوئی چیز بازار سے خرید لایا اس میں سے ماں باپ وغیرہ کو کھانا	۳۱۱
۲۲۳	نابالغ بچوں سے تربیت کے لئے خدمت لینا	۳۱۲
۲۲۴	چوری حق اللہ ہے یا حق العبد؟	۳۱۳
۲۲۵	استاذ کا شاگرد کو معاف نہ کرنا	۳۱۳
۲۲۶	اپنے افلاس کی وجہ سے زمین ایک بیٹے کے نام کرنا	۳۱۴
۲۲۷	حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہی	۳۱۶
۲۲۸	حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا	۳۱۷
۲۲۹	حقہ پینا اور قرض لے کر دوسروں کی خدمت کرنا	۳۱۸
۲۳۰	یتیموں کی مدد کرنا	۳۱۹
۲۳۱	کیا یتیم کو اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے؟	۳۲۰
۲۳۲	ایک لڑکی کو دینا دوسری کو نہ دینا	۳۲۰
۲۳۳	چور ڈاکو پڑوسی پر احسان کرنا	۳۲۲

باب السلام والقيام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اوراس کے جواب کا بیان)

۲۳۴	مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت سلام	۳۲۳
۲۳۵	استنجا خشک کرتے ہوئے سلام وکلام	۳۲۴
۲۳۶	نامحرم کوسلام کرنا	۳۲۶
۲۳۷	چھینک پر الحمد للہ رب العالمین کہنا	۳۲۶

الفصل الثاني في المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

۲۳۸	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا........	۳۲۸

الفصل الثالث في القيام والتقبيل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

۲۳۹	پیر کی قدم بوسی کرنا	۳۳۰
۲۴۰	جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا........	۳۳۱

باب الترضي والترحم

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

۲۴۱	حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ علیہما الصلوۃ والسلام کہنا	۳۳۲
۲۴۲	غیر مسلم کا درود شریف پڑھنا........	۳۳۳

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

۲۴۳ نامحرم عورتوں کی جگہ پر جانا ۳۳۴

۲۴۴ پرانی وضع کا برقعہ ۳۳۵

۲۴۵ فیشنی مروجہ برقعہ ۳۳۵

۲۴۶ دو بھائیوں کا ایک مکان میں رہنا ۳۳۶

فصل في مايتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

۲۴۷ مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے عورتوں کا مردوں کے لئے ۳۳۸

۲۴۸ ریڈیو پر عورت کی اناؤنسری ۳۳۹

الفصل الثاني فيمن يجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

۲۴۹ دیور سے پردہ ۳۴۱

۲۵۰ پھوپھی زاد خالہ زاد وغیرہ سے پردہ ۳۴۳

۲۵۱ خالہ زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ سے پردہ ۳۴۴

۲۵۲ سوتیلی والدہ کے ساتھ سفر کرنا ۳۴۵

الفصل الثالث في الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی، میل جول اور مس کا بیان)

۲۵۳ چوڑیاں پہنانے کا پیشہ ۳۴۷

الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

۲۵۴ برہنہ ورزش کرنا ... ۳۴۹

۲۵۵ دورانِ کاشت یا مچھلی کا شکار کرتے وقت اگر ستر کھل جائے، تو کیا کرے؟ ... ۳۵۰

باب اللباس

الفصل الأول في القميص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

۲۵۶ لباس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ... ۳۵۱

۲۵۷ کیا نصف ساق تک کرتا پہننا ثابت ہے؟ ... ۳۵۳

الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۲۵۸ پرانے غیر ملکی کپڑوں کے استعمال کا حکم ... ۳۵۵

۲۵۹ کیا ٹائی عیسائیوں کا شعار ہے؟ ... ۳۵۶

الفصل الثالث في العمامة والقلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

۲۶۰ ٹوپی کس طرح ہو؟ ... ۳۵۸

۲۶۱ رام پوری کیپ کا استعمال ... ۳۵۹

۲۶۲ لمبی ٹوپی کا ثبوت ... ۳۵۹

الفصل الرابع في لباس النساء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

۲۶۳ جارجٹ کا استعمال ... ۳۶۲

۲۶۴	عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا	۳۶۲
۲۶۵	ساڑھی کا استعمال	۳۶۳
۲۶۶	ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا	۳۶۴
۲۶۷	عورت مرد کے لئے چھینٹ کا کپڑا استعمال کرنا	۳۶۵
۲۶۸	عورت کے لئے سیاہ لباس	۳۶۶

الفصل الخامس في الثياب المحرمة وغيرها

(ناجائز لباس کا بیان)

۲۶۹	ریشم ملی ہوئی ٹرالین کا استعمال کرنا	۳۶۷
۲۷۰	مرد کے لئے کس رنگ کا کپڑا منع ہے؟	۳۶۷

الفصل السادس في أشياء الزينة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

۲۷۱	پھولوں کے ہار اور گجرے کا استعمال	۳۶۹

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول في الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

۲۷۲	انگوٹھی یا گھڑی کس ہاتھ میں پہنے	۳۷۱

الفصل الثاني فيما يتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

۲۷۳	گھڑی کی چین	۳۷۲
۲۷۴	سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا	۳۷۳

الفصل الثالث في الحلية للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

۲۷۵	شادی کے موقعہ پر مخصوص ہار پہننا	۳۷۵
۲۷۶	شادی میں دولہن کو پوت کا ہار پہنانا	۳۷۷
۲۷۷	عورتوں کا بالوں میں کلپ لگانا	۳۷۷
۲۷۸	لڑکیوں کے ناک کان چھیدنا	۳۷۸

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

۲۷۹	محمد ہرمُز نام رکھنا	۳۷۹
۲۸۰	غلامِ اولیاء نام رکھنا	۳۸۰
۲۸۱	تارہ نام تبدیل کرنا	۳۸۰
۲۸۲	قصابوں کا اپنے آپ کو قریش کہنا	۳۸۱
۲۸۳	اپنے سے زیادہ عمر والے کو چچا ماموں وغیرہ کہنا	۳۸۲

باب خصال الفطرة

الفصل الأول في اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

۲۸۴	داڑھی کٹانے اور منڈانے میں فرق	۳۸۳
۲۸۵	حلقوم کے بالوں کا حکم	۳۸۴
۲۸۶	مونچھیں مونڈنا	۳۸۵
۲۸۷	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا ناف تک تھی؟ ..	۳۸۶

۲۸۸	موئے زیرِ ناف بالوں کوصاف کرنا اور ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھانا، اس میں کیا حکم ہے؟	۳۸۷
۲۸۹	ذبیحہ حلال، جھٹکا حرام کیوں ہے؟	۳۸۷
۲۹۰	حقیقی بہن اور خالہ زاد پھوپھی زاد بہن میں کیا فرق ہے؟	۳۸۸

الفصل الثاني في الشعر

(بالوں کا بیان)

۲۹۱	صرف آگے کے بال کٹانا	۳۹۱
۲۹۲	مانگ کہاں نکالے	۳۹۱
۲۹۳	ختنہ کے لئے ڈاکٹر کا مسلم ہونا شرط نہیں	۳۹۲
۲۹۴	منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا	۳۹۲
۲۹۵	بال صفا صابن کا استعمال	۳۹۳

الفصل الثالث في تقليم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

۲۹۶	مغرب کے بعد ناخن کاٹنے کا حکم	۳۹۵

الفصل الرابع في الختان

(ختنہ کا بیان)

۲۹۷	عورتوں کا ختنہ	۳۹۶
۲۹۸	لڑکی کا ختنہ	۳۹۶
۲۹۹	نومسلم کا ختنہ	۳۹۷

باب الصورة والملاهي

الفصل الأول في الصورة

(تصویر کا بیان)

۳۰۰	دینی کلینڈر میں آیات لکھنا اور فوٹو لگانا	۳۹۹

۳۰۱	چہرہ کی تصویر کا حکم	۴۰۰
۳۰۲	یادگار کے لئے کسی کا فوٹو مکان میں لگانا	۴۰۲
۳۰۳	مکان میں خانہ کعبہ کی تصویر لگانا	۴۰۲
۳۰۴	مدینہ کا فوٹو اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا	۴۰۳
۳۰۵	غیر مسلم کی دکان ظاہر کرنے کے لئے تصویر لگانا	۴۰۴
۳۰۶	تجارت کے لئے کپڑے پر فوٹو بنانا	۴۰۵
۳۰۷	پلاسٹک کی گڑیاں اور تصویریں بیچنا	۴۰۶
۳۰۸	قانونی مجبوری کی بناء پر تصویر کھنچوانا	۴۰۸
۳۰۹	تصاویر کا فروخت کرنا	۴۰۹
۳۱۰	تصاویر کی تجارت کرنا	۴۱۰
۳۱۱	تصویر پر پھول چڑھانا	۴۱۱
۳۱۲	برتنوں پر جاندار کی تصویر بنانے کی اجرت	۴۱۱
۳۱۳	تجارتی کتابوں پر فوٹو کا حکم	۴۱۲
۳۱۴	تصویر والے اخبارات ورسائل کا بیچنا	۴۱۳

الفصل الثاني في الملهي والتلفزيون

(سینما اور ٹی وی کا بیان)

۳۱۵	کیا اخلاقی فلمیں اچھا شہری بناتی ہیں؟	۴۱۵
۳۱۶	نعت کو ساز پر سننا	۴۱۶

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

۳۱۷	تاش کا حکم	۴۱۷
۳۱۸	شطرنج کی ممانعت پر دلیل	۴۱۸

باب الموالات مع الکفار والفسقة

(کفاراور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

۳۱۹	غیر مسلم بیمار کی خدمت اوراس کے لئے دعائے صحت	۴۲۰
۳۲۰	مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا حکم	۴۲۰
۳۲۱	غیر مسلم کے مکان پر قیام اوراپنی حاملہ بیوی سے ہمبستری کرنا	۴۲۱
۳۲۲	بھنگی کو کپڑا دینا	۴۲۳

الفصل الأول في الشركة في أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

۳۲۳	کفار کے جنازہ ومذہبی جلوس میں شرکت کرنا	۴۲۴
۳۲۴	وندے ماترم اورترانہ	۴۲۵
۳۲۵	وندے ماترم	۴۲۷
۳۲۶	چمار چودس میں سامان خریدنے جانا	۴۲۷

الفصل الثالث في إعانة الكفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

۳۲۷	رام لیلا میں شرکت اور چندہ	۴۲۹
۳۲۸	مندر کے لئے چندہ دینا	۴۳۰

باب مایتعلق بالجنّات

(جنّات کا بیان)

۳۲۹	مؤکل اور جن کو تابع کرنا	۴۳۱

۳۳۰	کسی پر آئے ہوئے جن اور پری کے ذریعہ علاج کرانا	۴۳۲
۳۳۱	کیا جنات کو سردی کا عذاب ہوگا؟	۴۳۴

باب مایتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول في السحر

(سحر کا بیان)

۳۳۲	سحر کا حکم	۴۳۵
۳۳۳	کیا سحر ابھی باقی ہے؟	۴۳۵

الفصل الثاني في العوذة

(تعویذ کا بیان)

۳۳۴	تعویذ دے کر یا پانی دم کر کے اجرت لینا	۴۳۸
۳۳۵	اسمائے کفار سے تعویذات میں مدد لینا	۴۳۹

الفصل الثالث في العمليات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

۳۳۶	عامل بننے کا طریقہ	۴۴۱
۳۳۷	نقوش میں یا جرئیل لکھنا	۴۴۳
۳۳۸	شئ مسروق کے لئے عمل کرنا	۴۴۴
۳۳۹	ستاروں کی چال برائے علاج	۴۴۵
۳۴۰	سانپ وغیرہ کے کاٹنے پر زہر کا اثر اتارنے کا عمل	۴۴۵
۳۴۱	سانپ کے کاٹے کا منتر	۴۴۶
۳۴۲	نیم کے گرد چکر لگا کر سانپ کے کاٹے کا علاج	۴۴۷

۳۴۳	عمل حاضرات اور اس سے علاج کا حکم	۴۴۷
۳۴۴	ہمزاد تابع کرنا دستِ غیب اور کیمیا وغیرہ	۴۵۰
۳۴۵	پنڈت سے چور کا پتہ معلوم کرنا	۴۵۲
۳۴۶	دستِ غیب	۴۵۳
۳۴۷	ہمزاد تابع کرنا، دست غیب اور کیمیا	۴۵۳

باب الأشتات

۳۴۸	قومیت کی وجہ سے افضل وغیر افضل ہونا	۴۵۵
۳۴۹	ایک نیکی کا ثواب کتنا ہے؟	۴۵۷
۳۵۰	کیا چودہویں صدی پر دنیا ختم ہوجائے گی؟	۴۵۷
۳۵۱	کسی عضو کے چوتھائی کا حکم	۴۵۹
۳۵۲	اس امت میں مسخ کیوں نہیں؟	۴۵۹
۳۵۳	کچھ دھوپ، کچھ سایہ میں بیٹھنا	۴۶۰
۳۵۴	درخت کے ملے جلے سایہ میں بیٹھنا	۴۶۰
۳۵۵	کیا جس دن عید ہو، اس دن محرم ہے؟	۴۶۱
۳۵۶	ایک گھنٹہ کا انصاف کتنی سال کی عبادت سے بہتر ہے؟	۴۶۲
۳۵۷	دانۂ گندم کی تشبیہ	۴۶۳
۳۵۸	دانت والے بچہ کی پیدائش	۴۶۳
۳۵۹	جنون کی قسمیں اور اس کے تصرفات	۴۶۴
۳۶۰	نجد	۴۶۶
۳۶۱	بادل اور رعد کس کا نام ہے؟	۴۶۶
۳۶۲	مجنوں کس قبیلہ سے تھا، کیا لیلیٰ مجنوں کی شادی ہوگی؟	۴۶۷
۳۶۳	ایک رفاہی سوسائٹی کی شرائط	۴۶۸

۳۶۴	رات میں جھاڑو دینا، منہ سے چراغ گل کرنا، دوسرے کا کنگھا استعمال کرنا	۴۷۱
۳۶۵	آبِ زمزم گرم کر کے پینا	۴۷۲
۳۶۶	کیا احکامِ شرع میں امیر وغریب کا فرق ہے؟	۴۷۳
۳۶۷	مغرب کی اذان کے وقت پانی پینا	۴۷۴
۳۶۸	حرام روزی یا حرام لقمہ کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی	۴۷۴
۳۶۹	چیتل کی کھال کا مصلیٰ	۴۷۶

کتاب الفرائض

الفصل الأول في التركة وتصرف الميت فيها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

۳۷۰	زندگی میں میراث تقسیم کرنا	۴۷۷
۳۷۱	زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنے کا حکم	۴۷۸
۳۷۲	زندگی میں جائیداد تقسیم کرتے وقت بیٹی کو محروم کرنا	۴۷۸
۳۷۳	بعض اولاد کو کم اور بعض اولاد کو زیادہ دینے کا حکم	۴۷۹
۳۷۴	ماں کا مرض وفات میں بیٹی کو چوڑیاں دینا	۴۸۴
۳۷۵	مالِ یتیم میں تجارت کرنا	۴۸۶
۳۷۶	یتیم بچوں کی رقم محفوظ رہے یا ان پر خرچ ہو؟	۴۸۷
۳۷۷	بیوہ کا تمام ترکۂ زوج پر قبضہ کرنے کا حکم	۴۸۸
۳۷۸	خدمت گار لڑکی کو اپنی پوری جائیداد دے کر دوسروں کو محروم کرنا	۴۹۱

الفصل الثاني في مايتعلق بدين الميت وأمانته

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

۳۷۹	قرض کی ادائیگی اور تقسیمِ میراث کی ایک صورت کا حکم	۴۹۳

۳۸۰	امین کی وفات کے بعد اس کے ورثہ سے امانت کا مطالبہ کرنا	۴۹۵

الفصل الثالث في وصية الميت وإقراره

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

۳۸۱	وصیت کی اقسام	۴۹۷
۳۸۲	وارث کے حق میں وصیت کا حکم	۴۹۸
۳۸۳	تحریراً کسی کو وصی بنانے کا حکم	۴۹۸
۳۸۴	وصیت کے بعد رجوع کرنا	۵۰۰
۳۸۵	وصی کا ضرورت سے زائد خرچ کرنا	۵۰۰
۳۸۶	کیا وصی، نابالغ وارث کو مدرسہ میں داخل کردے یا اس کے مال سے کفالت کرے؟	۵۰۱
۳۸۷	داماد کا وصی بننے سے انکار کرنا	۵۰۲
۳۸۸	وصیت کی ایک صورت کا حکم	۵۰۴
۳۸۹	غیر کے مال میں وصیت کا حکم	۵۰۸
۳۹۰	بینک میں جمع شدہ روپیہ کا بیوی کے نام وصیت کرنا	۵۱۱
۳۹۱	کیا وصی مالِ یتیم کو استعمال کرسکتا ہے؟	۵۱۲
۳۹۲	کیا مورث کے وعدہ کی تکمیل ورثہ کے ذمہ ضروری ہے؟	۵۱۲

الفصل الرابع في ذوي الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

۳۹۳	تقسیم جائیداد وترکہ کی ایک صورت کا حکم	۵۱۵
۳۹۴	ماں اور بیوی میں تقسیم میراث	۵۱۹
۳۹۵	تین بہنوں اور ایک بیوی میں تقسیمِ میراث	۵۲۰
۳۹۶	تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیمِ میراث	۵۲۲
۳۹۷	اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا حصہ	۵۲۳

۳۹۸	بیوی کا حصہ	۵۲۳
۳۹۹	تین بھائیوں، ایک بہن اور بیوی کے درمیان تقسیم میراث	۵۲۶
۴۰۰	مناسخہ کی ایک صورت کا حکم	۵۲۹
۴۰۱	میراث میں لڑکیوں کا حصہ	۵۳۲
۴۰۲	تقسیم ترکہ و قرض کی ایک صورت کا حکم	۵۳۳
۴۰۳	تقسیم ترکہ کی ایک صورت کا حکم	۵۳۶
۴۰۴	دو بیویوں کی اولاد کے درمیان تقسیم میراث	۵۳۸
۴۰۵	بیوی کے بیٹے کو مالک بنانے کا وعدہ کیا پھر اس کی اپنی اولاد ہوگئی تو کیا حکم ہے؟	۵۳۹

الفصل الخامس في استحقاق الارث وعدمه

(استحقاق اور عدم استحقاق وراثت کا بیان)

۴۰۶	مکان مشترک اور سب مستقل ہونے کی صورت میں تقسیم میراث کا حکم	۵۴۲
۴۰۷	والد کے انتقال کے بعد مکان والدہ کے نام ہونے کی صورت میں تقسیم میراث کا حکم	۵۴۵
۴۰۸	فساد میں مرنے والے کے خون کا ملنے والا معاوضہ کس کا حق ہے؟	۵۴۷
۴۰۹	ماں کے ساتھ رہنے کی صورت میں بیٹے کا مستحق میراث ہونا	۵۴۸
۴۱۰	وارث کا پتہ معلوم نہ ہو تو اس کے حصہ کا کیا کیا جائے؟	۵۴۹
۴۱۱	مشترک زمین میں تقسیم کے بعد آم وغیرہ کے درخت کا مالک کون ہے؟	۵۵۰
۴۱۲	بھائیوں کی کمائی میں بہنوں کے حصے کا حکم	۵۵۱
۴۱۳	کسی کا متبنیٰ بننے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوتا	۵۵۲
۴۱۴	مشترکہ جائیداد کی ایک صورت کا حکم	۵۵۳

الفصل السادس في موانع الارث

(موانع ارث کا بیان)

۴۱۵	اہل اسلام کے حق میں اختلاف دارین مانع ارث نہیں	۵۵۷

الفصل السابع في التصرف في التركة

(ترکہ میں تصرف کا بیان)

۴۱۶	بیٹے کا والدہ کے حصے پر قبضہ کرنا	۵۵۸
۴۱۷	تقسیم میراث سے پہلے مشترک جائیداد میں سے کسی کو کچھ دینے کا حکم	۵۵۹

الفصل الثامن في إرث المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

۴۱۸	میراث میں کسی کی چیز ناحق آجائے تو اس کا حکم	۵۶۲

باب المتفرقات

۴۱۹	بروقت ادائیگی نہ کی جانے کی صورت میں شی مرہونہ پر ملکیت کا حکم اور کم قیمت اشیاء کی تقسیم	☆
☆	کا طریقہ کار	۵۶۵
۴۲۰	رہائش مشترک ہونے کی صورت میں ایک بھائی کی کمائی میں دوسرے بھائی کا آدھا حصہ	☆
☆	طلب کرنا	۵۶۷
۴۲۱	کلالہ	۵۶۹

☆......☆......☆......☆......☆

باب القرض

(قرض کا بیان)

قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا

سوال[۱۱۱۲۶]: جلال پور فیض آباد میں اکثر وعموماً مالی حیثیت سے پسماندہ بنکر (پارچہ باف)(۱) لوگ بستے ہیں، مال فروخت کرنے میں ان کو دشواری یہ ہوتی ہے کہ یہاں کوئی ایسی آڑھت (۲) نہیں، کہ جس کے ہاتھ نقد مال فروخت کرسکیں، اس لئے وہ مجبوراً کسی آڑھت پر ادھار مال فروخت کرتے ہیں۔

دوسری پریشانی یہ ہوتی ہے کہ انہیں نقد دام اگر نہیں ملتے، تو مال کی قیمت از سکہ رائج الوقت ملنا چاہیے، مگر مال کی جگہ سوت (۳) دیتے ہیں، بلکہ سوت ہی لینے پر مجبور کرتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ حسب مرضی ایک گٹھر دو گٹھر بازار کی قیمت سے بڑھا کر دیتے ہیں۔

چوتھی یہ کہ معاملہ کے وقت مدت کا تعین نہیں ہوتا، خریدار کو اختیار ہوتا ہے اور اختیار اس کا خود وضعی ہوتا ہے، آڑھت والوں کا کہنا ہے کہ آمدنی کی کمی کی وجہ سے اپنے دو روپے سوت بڑھا کر دیتے ہیں، ٹال مٹول سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کاریگروں ہی کے روپیہ سے پھیر پھار (۴) کرکے گویا کمائی کرتا ہے، کاریگر بھی مذکورہ حالات کے پیش نظر ایک دو آنہ عام طور سے تیز دیتا ہے، لیکن یہ تیز دستا دینا تو معاملہ کے وقت ہی کی بات ہے، دونوں کے اعذار میں سے کس کا عذر کہاں تک قابل قبول ہے؟ نیز مذکورہ صورت کے پیش نظر آڑھت والوں کی کمائی

---

(۱) ''پارچہ باف: کپڑا بننے والا، جولاہا''۔ (فیروز اللغات، ص:۲۷۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''آڑھت: دکان یا کوٹھی جہاں سوداگروں کا مال کمیشن لے کر بیچا جاتا ہے، دلالی دستوری ایجنسی، کمیشن''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) ''سوت: تاگا، دھاگا''۔ (فیروز اللغات، ص:۷۶۳، فیروز سنز لاہور)

(۴) ''پھیر پھار: ہیرا پھیری، الٹ پلٹ، پیچ، جال، فریب''۔ (فیروز اللغات، ص:۳۴۳، فیروز سنز لاہور)

مشتبہ تو نہیں؟ اور ایسی صورت میں کیا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کا دَین واجب الادا ہو اور ادا کرنے کے لئے پاس موجود ہو، پھر ٹال مٹول کرنا اور نہ دینا ظلم ہے(۱)، نیز نقد کے بجائے سوت لینے پر مجبور کرنا بھی ظلم ہے۔

"لي الواجد ظلم يحل عرضه" (الحديث) "أو كما قال عليه الصلوة والسلام"(۲)۔

اس کے باوجود جب صاحب حق مجبور ہو کر ہی سہی، اپنا حق بصورت سوت لینا منظور کر لیتا ہے اور لے لیتا ہے، تو مدیون بری ہو جاتا ہے اور اس کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۳)۔ حق تلفی یا ٹال مٹول کا مواخذہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم، وإذا أتبع أحدكم على ملي فليتبع". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في مطل الغني ظلم: ۱/۲۴۴، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصدقات، باب الحوالة، ص: ۱۷۳، قديمی)

(وسنن النسائي، كتاب البيوع، باب الحوالة: ۲/۲۳۳، قديمی)

(۲) (فتح الباري، كتاب الاستقراض، باب: لصاحب الحق مقال: ۵/۷۹، قديمی)

"ويذكر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لي الواجد يحل عرضه وعقوبته" قال سفيان: عرضه يقول: مطلتني، وعقوبته: الحبس". (صحيح البخاري، كتاب الاستقراض، باب لصاحب الحق مقال: ۱/۳۲۳، قديمی)

(وسنن النسائي، كتاب البيوع، مطل الغني: ۲/۲۳۲، ۲۳۳، قديمی)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الصدقات، باب الحبس في الدين والملازمة، ص: ۱۷۵، قديمی)

(۳) "وجد دنانير مديونه وله عليه درهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنية .... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي، عن جده الأشقر، عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۵۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر: ۴/۸۶، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب السرقة: ۷/۵۴۵۱، رشيديه)

ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۹/۸۹ھ۔

قرض کی واپسی کے لئے اقساط مقرر کرنا

سوال[۱۱۱۲۷]: ۱ ... زید بکر کو ۳۰/ہزار روپے میں اپنا مکان قسط پر فروخت کرتا ہے اور ہر ہفتہ دو ہزار روپے ادا کرتا ہے، بعدہ ہر سال ایک ایک ہزار روپیہ ادا کرنے کا متعین کرتا ہے، تو یہ طریقہ شرعی درست ہے؟

۲ ... میں یہ مخصوص شرط عائد کرنی ہوتی ہے کہ زید کی مماتی (۲) کے بعد زید کا کفن دفن اور قرضہ وغیرہ ان قسطوں میں سے ادا کر کے بقایا رقم میرے ورثاء یعنی زید کے وارث داروں کو از روئے شریعت تقسیم کردی جائے اور زید کے ورثاء لوگ پاکستان میں رہتے ہیں اور وہاں پیسے حصہ دار کو پہونچانے کا یہاں کی گورنمنٹ کا قانون نہیں ہے، تو یہ انتظام جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کی مجموعی قیمت طرفین کی رضامندی سے مقرر ہوگئی اور اس کی ادائیگی کے لئے قسطیں طرفین نے منظور کر لی اور ان قسطوں میں کچھ تفاوت بھی رکھا کہ پہلی قسط اتنے روپے کی ہوگی، دوسری اتنے کی، تو شرعاً یہ طریقہ درست ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں (۳)۔ یہ شرط عائد کرنا بھی درست ہے کہ انتقال بائع کے بعد بقیہ قسطوں میں تجہیز وتکفین کر کے ورثاء پر تقسیم کردیں (۴)، پھر جو ورثاء دیگر ممالک میں ہیں، ان سے دریافت کرلیا

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۳۳

(۲) ''مماتی: موت، مرگ، مرنا، مرن''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۸، فیروز سنز لاہور)

(۳) ''وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقد على واحد منهما''. (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة: ۱/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۱۳/۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) ''إما إن كان شرطاً يقتضيه العقد ومعناه أن يجب بالعقد من غير شرط فإنه لايوجب فساد العقد''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لاتفسده: ۳/۱۳۳، رشيديه) =

جائے کہ آپ کے روپے کو کیا کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۷ھ۔

حج کے لئے پراویڈنٹ فنڈ سے قرضہ لینا

سوال[۱۱۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں سیدی ومولائی حضرت مفتی صاحب مدظلہ مسئلہ ذیل میں:

زید کسی فرم کا ملازم ہے، وہ عازم تبلیغ اور عازم حج بیت اللہ ہو کر ایک سال کے لئے حجاز مقدس کا سفر کرنا چاہتا ہے، زادِ سفر کے لئے اسے اپنے پرویڈنٹ فنڈ سے قرض لینا ہوگا، پرویڈنٹ فنڈ یا دیگر فنڈ سے قرض لینے کی شرط یہ ہے کہ وہ قرض یا تو مکان بنانے کے لئے یا لڑکی یا بہن کی شادی وغیرہ ہی کے نام پر مل سکتا ہے، اس کے بعد اس کی تنخواہ سے بینک کے سود کے ساتھ ہر ماہ رقم وضع ہوتی رہے گی، اب مسئلہ یہ ہے کہ:

الف...... پرویڈنٹ والے قرض سے زید کے مذکورہ بالا ہر دو مقاصد کی تکمیل میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے؟

ب...... کیا شرط کے مطابق شادی یا مکان کا جھوٹا بہانہ بنا کر پرویڈنٹ فنڈ سے لیا ہوا قرضہ کا مذکورہ بالا مقاصد پر خرچ کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟

فی الحال دوسرے سے قرض لے کر زید نے ٹکٹ بنالیا ہے اور پرویڈنٹ فنڈ والی رقم ہی سے اس قرضہ کی ادائیگی کا خواہاں ہے، براہِ کرم مذکورہ بالا احوال کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر اپنی مدلل رائے عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اس سال بھر کی جدوجہد کے ذریعہ جنت میں مکان بنانا چاہتا ہے، جس کی ضرورت کا اس کو یہاں کے مکان کی ضرورت سے زیادہ احساس ہے، اس مقصد کے لئے اس کو روپیہ لینے کی زیادہ ضرورت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ۔

= (وكذا في الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۴۰، رشيديه)

(۱) لہٰذا مذکورہ ضرورت کے لئے پرویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے کی جائز تدبیر اختیار کرسکتا ہے:

"﴿فقال إني سقيم﴾ (الصافات: ۸۹) وقال الضحاك: معنى "سقيم" سأسقم سقم الموت: =

ادائے قرض کے لئے میعاد مقرر کرنا

سوال[۱۱۱۲۹]: اس مسئلہ میں وضاحت فرمادیجئے کہ قرضہ کی میعاد مقرر کرنا وصول یابی کی ناجائز ہے؟ کیا قرضہ کا اور ادھار شی کا وصول کرنا دونوں برابر ہیں؟ مجہول وغیرہ ہوتو کیا جائز ہے؟ جیسے کہ ہفتہ عشرہ میں دے دوں گا، ذرا اس کو تفصیل سے بیان کردیجئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قرضہ کی میعاد وصول یابی کے لئے مقرر کرنے سے وہ میعاد لازم نہیں ہوتی ہے(۱)، بلکہ اس سے پہلے بھی مطالبہ کرنے کا حق رہتا ہے، شرعاً قرضہ تو یہ ہے کہ مثلاً: دس روپیہ لے اور وعدہ کیا کہ پندرہ روز میں واپس کردوں گا(۲)، اگر کوئی چیز خریدی اور شرط یہ کرلی کہ اس کی قیمت پندرہ روز میں دے گا، تو میعاد سے پہلے قیمت

= لأن من كتب عليه الموت يسقم في الغالب ثم يموت، وهذا تورية وتعريض، كما قال للملك لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحكام القرآن للجصاص، الجزء الخامس عشر: ۲۲/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۷/۶، سعيد)

(۱) "والسابع (القرض) فلا يلزم تأجيله". (الدرالمختار). "قوله: (فلا يلزم تأجيله) أي: أنه يصح تأجيله مع كونه غير لازم، فللمقرض الرجوع عنه، لكن قال في الهداية: فإن تأحيله لا يصح؛ لأنه إعارة وصلة في الابتداء، حتى يصح بلفظة الإعارة". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في التصرف في المبيع والثمن قبل القبض والزيادة، مطلب في تأجيل الدين: ۱۵۸/۵، سعيد)

"قوله (وتأجيل كل دين إلا القرض) أي: صح؛ لأن الدين حقه فله أن يؤخره ..... وإنما لا يؤجل القرض لكونه إعارة وصلة في الابتداء، حتى يصح بلفظ الإعارة ..... فعلى اعتبار الابتداء لا يلزم التأجيل فيه كما في الإعارة إذ لا جبر في التبرع ..... ومرادهم من الصحة اللزوم، ومن عدم صحته في القرض عدم اللزوم". (البحرالرائق، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية: ۲۰۲/۶، رشيديه)

"وفي التجريد: لو أقرض مؤجلاً أو شرط التأجيل بعد القرض فالأجل باطل والمال حال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض والاستصناع: ۲۰۳/۳، رشيديه)

(۲) "(هو) لغة: ما تعطيه لتتقاضاه، وشرعاً: ما تعطيه من مثلي لتتقاضاه". (الدرالمختار، كتاب البيوع،=

دینے پر مجبور کرنے کا اختیار نہیں (۱)، یہ قیمت شرعاً دین ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۷/۸۵ھ۔

قرض کو بیوی کے رخصت نہ کرنے کی وجہ سے روکنا

سوال [۱۱۱۳۰]: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، بہت دن تک زید کے متعلقین اور ہندہ کے متعلقین کے درمیان تعلقات استوار رہے، پھر بعض وجوہ سے دونوں کے متعلقین کے درمیان کچھ شکر رنجی (۳) ہوگئی، اس اثناء میں یہ بات معلوم ہوئی کہ اب اگر ہندہ اپنے میکے میں گئی، تو میکے والے اس کو پھر رخصت نہ کریں گے، اس بات کے معلوم ہونے کے بعد بار بار ہندہ کے میکے والے آتے رہے، مگر زید کے متعلقین ہندہ کو رخصت کرنے پر تیار نہ ہوئے، بالآخر ہندہ کے میکے والوں کی طرف سے ایک آدمی نمائندہ بن کر آئے اور انہوں نے کہا

= فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعید)

(وکذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ۱۰۴/۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في قواعد الفقه، القاف، ص: ۴۲۷، الصدف پبلشرز)

(۱) "(ولزم تأجيل كل دين) إن قبل المديون". (الدرالمختار). "(قوله: ولزم تأجيل كل دين) الدين ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاک". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في التصرف في المبيع والثمن قبل القبض والزيادة: ۱۵۷/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية: ۲۰۲/۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب التولية: ۴۴۵/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "الدين: بالفتح عبارة عن مال حكمي في الذمة ببيع أو استهلاک وغيرهما كذا في الأشباه". (قواعد الفقه، الدال، ص: ۲۹۶، الصدف پبلشرز)

"الدين: ما وجب في الذمة بعقد أو استهلاک". (ردالمحتار، كتاب البيوع، فصل في التصرف في المبيع والثمن الخ، مطلب: في تأجيل الدين: ۱۵۷/۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، فصل في التصرف في المبيع الخ: ۱۰۳/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۳) "شکر رنجی: معمولی سی رنجش"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۹۳، فیروز سنز لاہور)

کہ میں اس کے رخصت کرانے کی ذمہ داری لیتا ہوں، آپ لوگ اس کو جانے دیجئے، زید کی طرف کے نمائندے نے کہا، کہ آپ ضمانت دیں تو میں رخصت کرادوں اور وہ ضمانت یہ ہے کہ آپ کا (نمائندہ ہندہ کا) سلسلۂ کاروبار میں ــــ (نمائندہ زید) کے ذمہ باقی ہے، اس کو ضمانت میں دیجئے یعنی آپ اور جاکر پھر رخصت نہ کرائیں گے، تو میں آپ کو روپیہ نہ دوں گا، انہوں نے اس ضمانت کو منظور کرلیا اور رخصت کرواکر لے گئے، مگر وہی ہوا، جس کا خدشہ تھا کہ پھر رخصت نہ کرائے اور اب طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، دریافت یہ ہے کہ جو روپیہ انہوں نے ضمانت دینا منظور کیا تھا، اس کا روک لینا یعنی اس کو نہ دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر تو یہ ضمانت ہے، لیکن یہ حقیقۃ ابراء عن الدین ہے، جس کو معلق بالشرط کیا گیا ہے، ابراء کو معلق بالشرط کرنا صحیح نہیں۔

"كما لا يصح تعليق الإبراء عن الدين بشرط محض كقوله لمديونه إذا جاء غداً أو إن مت بفتح التاء، فأنت بريء من الدين، أو إن مت من مرضي هذا، أو إن مت من مرضي هذا فأنت في حل من مهره، فهو باطل؛ لأنه مخاطرة وتعليق اهـ" درمختار (۱)۔

لہٰذا یہ بطور دین پہلے سے واجب الاداء ہے، رخصت نہ کرانے کی وجہ سے اس کو روکنا جائز

(۱) (الدر المختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/ ۷۰۷، سعيد)

"قوله: (والإبراء عن الدين) قال العيني: بأن قال: أبرأتك عن ديني على أن تخدمني شهراً أو إن قدم فلان اهـ، وقال بعضهم: صورة فساد الإبراء عن الدين بالشرط الفاسد، بأن قال لمديونه: أبرأت ذمتك عن ديني بشرط أن لي الخيار في رد الإبراء في أي وقت شئت، وصورة تعليقه بالشرط: بأن قال لمديونه أو كفيله إذا أديت كذا أو متى أديت أو إن أديت إلي خمسمائة، فأنت بريء عن الباقي فهو باطل ولا يبرأ، وإن أدى إليه خمسمائة سواء، ذكر لفظ الصلح أو لم يذكره؛ لأنه صرح بالتعليق فيبطل به" (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۴/ ۵۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، فصل: ۷/ ۵۰۳، ۵۰۴، رشيديه)

نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۸۵ھ۔

قرض خواہ کا مقروض کو رسوا کرنا

سوال[۱۱۱۳۱]: زید نے اپنے لڑکے کی شادی میں بکر سے کچھ قرضہ اور غلہ وغیرہ قرض لیا، شادی کے بعد زید کسی مجبوری کی وجہ سے قرضۂ غلہ ادا نہ کر سکا، بکر نے ادھر ادھر رسوا کرنا شروع کردیا، برادری اور غیر برادری ہر جگہ پر رسوا کرنا شروع کردیا، یہاں تک کہ تقریب اور شادی میں بھی بدنام کیا اور بے ایمان اور خدا جانے کیا کیا کہا، زید بہت شرمندہ ہوا اور پریشان ہوا کہ اب وہ قرضہ اور غلہ وغیرہ کچھ نہیں دیتا اور کہتا ہے ہماری عزت گئی اور رسوائی ہوئی اور بے ایمان ہیں تو کچھ نہیں دیں گے، عزت بھی کوئی چیز ہے، ہماری بدنامی و بے عزتی ہوئی، عزت گئی اور قرضہ گیا۔ اس میں حضرت کا کیا حکم ہے؟ کیا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ کے یہاں ضرور معاملہ ہوگا، بکر کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق تھا اور ہے(۲)۔ زید کے ذمہ لازم ہے، قرض ادا کرے، یا معاف کرائے، ورنہ سخت پکڑ ہوگی اور دنیا میں بھی اس کے ترکہ سے وصول کرنے کا حق ہوگا(۳)، بکر نے اگر اپنا قرض وصول کرنے میں حدودِ شرع سے تجاوز کیا ہے یعنی ذلیل کیا ہے، تو اس کا ذمہ

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "إن الديون تقضى بأمثالها على معنى أن المقبوض مضمون على القابض؛ لأن قبضه بنفسه على وجه التملك، ولرب الدين على المديون مثله، فالتقى الدينان قصاصاً". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، مطلب الديون تقضى بأمثالها: ۸۴۸/۳، سعيد)

"إن الواجب في باب القرض رد مثل المقبوض". (بدائع الصنائع، كتاب القرض: ۵۱۸/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل: ۶۲۳/۴، رشيديه)

(۳) "إن علم الوارث دين مورثه، والدين غصب، أو غيره فعليه أن يقضيه من التركة، وإن لم يقض فهو مؤاخذ به في الآخرة". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن مات عليه ديون: ۲۸۳/۴، سعيد) =

دار وہ خود ہوگا(۱)، مگر اس کی وجہ سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٧٢٠/٦، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب اللقطة: ٥٠٠/٢، دار المعرفة بيروت)

(١) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "المنبر، فنادى بصوت رفيع، فقال: "يا معشر من أسلم بلسانه، ولم يفض الإيمان إلى قلبه! لا تؤذوا المسلمين، ولا تعيروهم، ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من يتبع عورة أخيه المسلم يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه، ولو في جوف رحله" رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر: ٢٢٤/٢، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لما عرج بي ربي مررت بقوم لهم أظفار من نحاس يخمشون وجوههم وصدورهم. فقلت: من هؤلاء ياجبريل؟ قال: هؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس، ويقعون في أعراضهم". رواه أبوداود. (مشكاة المصابيح، كتاب الاداب، باب ماينهى عنه من التهاجر: ٢٢٤/٢، دار الكتب العلمية بيروت)

باب القمار

(جوئے کا بیان)

بلاتعین قیمت قسطوں پر سامان بیچنا

سوال[۱۱۱۳۲]: ہم نے اقساط پر گھڑیوں کی دکان کھولی ہے، جس میں سو افراد طے کئے ہیں اور ہر فرد روزمرہ دو روپیہ داخل کرے اور اس گھڑی کی قیمت ایک سو اسی روپے ہے، خواہ وہ اقساط سے خریدے یا ایک وقت قیمت دے کر خریدے اور ہم نے اس کی مدت تین ماہ مقرر کر رکھی ہے، جس میں ہم روز ضرور اس سے دو روپیہ وصول کرتے ہیں اور پندرہویں دن کے بعد قرع اندازی کرتے ہیں اور جس کا بھی نام نکلے گا، اس کو وہ گھڑی دی جاتی ہے اور اس شخص کے پیسے پھر نہیں لئے جاتے، اسی طرح پورے، تین ماہ کے عرصہ میں پانچ مرتبہ قرع اندازی کی جاتی ہے، پہلے قرع میں جو گھڑی ملے گی، وہ تیس روپے میں اور اخیر میں جو گھڑی نکلے گی، وہ ڈیڑھ سو روپے میں پڑتی ہے اور چھٹی مرتبہ جو قرع ہوگا، اس میں باقی افراد کو ایک سو اسی میں دی جاتی ہے، اس کے بارے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت ایک قسم کا قمار (جوا) ہے(۱) اور گھڑی کی قیمت مجہول ہے، نہیں معلوم کس کی گھڑی کی قیمت

---

(۱) "لأن القمار من القمر الذي يزداد تارة، وينقص أخرى، وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

"ثم عرفوه بأنه تعليق الملك على الخطر، والمال من الجانبين". (التعريفات الفقهية، حرف القاف، ص: ۴۳۴، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۹۰: ۲/۴۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

کتنی ہوگی، اس لئے شرعاً یہ معاملہ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۴/۱۳ھ۔

جانبین سے شرط لگانے کا حکم

سوال[۱۱۱۳۳]: ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم سے فرمایا کہ اگر میری بات سچی نکلی تو تم مجھے پیٹ بھر کر مٹھائی کھلانا اور تمہاری بات سچی نکلی تو میں پیٹ بھر کر مٹھائی کھلاؤں گا، اس طرح یہ شرط دونوں کے درمیان لگی، اتفاق سے ایک کی بات صحیح نکلی، تو کیا دوسرے طالب علم پر پیٹ بھر مٹھائی کھلانا ضروری ہے؟

نوٹ: جس طالب علم کی بات صحیح نکلی ہے، اس طالب علم کو پکا یقین تھا کہ میری بات صحیح نکلے گی، کیونکہ وہ ایک مرتبہ دیکھ چکا تھا تو ایسی صورت میں ان صاحب پر مٹھائی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط کا معاملہ شرعاً درست نہیں اور اس صورت میں مٹھائی کھلانا واجب نہیں۔ کما في ردالمحتار (۲). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشتري؛ لأن بيع المجهول فاسد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۷، رقم المادہ: ۲۰۰، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۲، رقم المادة: ۲۳۸، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۲۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب البيع: ۴۵۶/۵، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيوع: ۲۸۰/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(حرم لو شرط فيها من الجانبين؛ لأنه يصير قماراً) بأن يقول: إن سبق فرسك فلك عليّ كذا، وإن سبق فرسي فلي عليك كذا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۳۲۴/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

کتاب الدعویٰ والتحکیم

باب الدعویٰ

(دعویٰ کا بیان)

خرچۂ مقدمہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال[۱۱۱۳۴]: ایک مقدمہ ۱۹/ مارچ ۱۹۵۰ء کو جوڈیشل افسر اعظم گڑھ کے اجلاس میں شروع ہوا، ۱۶/ جولائی ۱۹۵۳ء کو ختم ہوا، زید رشتہ میں بکر کا بھتیجہ ہے، زید نے ابتدائی مقدمہ دو تین بار علی الحساب خرچ دیا، مگر آئندہ روئیداد مقدمہ سے اندازہ ہزیمت تصور کر کے اخراجات کا جب زید سے مطالبہ کیا تو زید خاموش رہا اور کسی طرح کی دل چسپی نہیں لی، بکر مجبور ہوا اور مکمل پیروی واخراجات کرتا رہا، بالآخر ۱۶/ جولائی ۱۹۵۳ء کو مقدمہ نامکمل فیصل بکر کو اس فیصلہ سے تسلی نہیں ہوئی۔

۱۱/ اگست ۱۹۵۳ء میں بکر نے بحیثیت مدعی دعویٰ نمبر ۱۱۴۰، ۵۳ء بعدالت منصفی محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ میں داخل کیا اور زید کو بھی مشورہ دیا کہ مقدمہ میں کافی نقص ہے، لہٰذا تم ساتھ دو، تاکہ اس کو لڑ کر صاف کرلیا جائے، مگر زید نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ خرچہ دیا، بکر نے پوری جانفشانی سے ہرجہ خرچہ کر کے مقدمہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، بفضلہٖ تعالیٰ مقدمہ بھی فیصل ہوگیا۔

فریقِ مخالف نے بخلافِ فیصلہ اپیل بعدالت جج اعظم گڑھ داخل کر دیا۔ جس کی پیروی بکر نے تنہا ہرجہ خرچہ کے ساتھ کی، اپیل بھی مورخہ ۳۰/ اپریل ۱۹۵۸ء کو بحق بکر فیصلہ ہوئی، اب آج زید جائیداد بقدر حصہ طلب کر رہا ہے، بکر کا مقدمات میں خرچ بتیس سو اکاون روپے نو آنہ ہو چکا ہے، علاوہ بریں ہرجہ اتنے دنوں کا کس حد تک تعین کیا جائے، نیز جائیداد و مالیت ۵۱ء سے آج ۸۷ء تک چار گنا بڑھ گئی ہے، زید کا مطالبہ کس حد

سے متعین ہوا؟

واضح ہو یہ کاغذات کے اندراجات ومقدمات کے تکملہ میں ابتداء سے لے کر انتہا تک زید یا زید کے باپ کا وجود نہیں، اس لئے فیصلہ مقدمات میں ان کے حقوق کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت اس مسئلہ میں مندرجہ بالا وجوہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ جائیداد بکر کی خود بذریعہ بیع وغیرہ حاصل کردہ نہیں، بلکہ بطور میراث والد سے ملی ہے اور والد بکر کے انتقال کے وقت بکر کے بھائی (زید کے بھائی) بھی زندہ تھے، تو یہ دونوں بھائی (بکر اور والد زید) اس جائیداد میں برابر کے شریک ہیں (۱)، اگر کوئی مقدمہ نہ ہوا اور اس میں چچا بھتیجے نے کوئی معاملہ طے کیا کہ مقدمہ لڑ کر جائیداد حاصل کی جائے، اس میں جو کچھ خرچ ہوگا، وہ ہر شریک پر بقدر حصہ آئے گا۔ تب وہ خرچہ دونوں پر بقدر حصہ لازم ہوگا (۲)۔ اگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ابتداء میں تو دونوں نے خرچ کیا اور بھتیجے کو اندازہ ہوگیا کہ کامیابی

---

(۱) "وهم كل من ليس له سهم مقدر ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض ،وإذا انفرد أخذ جميع المال كذا في الاختيار شرح المختار ... وهم أربعة أصناف: جزء الميت، وأصله، وجزء أبيه، وجزء جده ... وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لا باعتبار أصولهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ٦/ ٤٥١، رشيديه)

(وكذا في حاشية السراجي للعلامة كيرانوي رحمه الله تعالىٰ ، باب العصبات، ص: ٣٨، مكتبه البشرى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ٩/ ٣٨١، رشيديه)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (الاسراء: ٣٤)

"﴿أوفوا بالعهد﴾ ما عاهدتم الله تعالىٰ عليه من التزام تكاليفه، وما عاهدتم عليه غيركم من العباد، ويدخل في ذلك العقود ... وقد جاء عن علي كرم الله وجهه أنه عد من الكبائر نكث الصفقة، أي: الغدر بالمعاهد، بل صرح شيخ الإسلام العلائي: بأنه جاء في الحديث عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه سماه كبيرة". (روح المعاني: ١٥/ ٧١، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿أوفوا بالعهد﴾ أي: الذي تعاهدون عليه الناس، والعقود التي تعاملونهم بها، فإن العهد والعقد كل منهما يسأل صاحبه عنه". (تفسير ابن كثير، الإسراء: ٣٤: ٣/ ٥٦، مكتبه دارالسلام)

نہیں ہوگی، اس لئے مایوس ہوکر خرچ نہیں دیا، مگر چچا نے اپنے پاس سے خرچ کیا، تو ضابطہ میں چچا کو وہ زائد خرچہ بھتیجہ سے وصول کرنے کا حق نہیں۔

لیکن جب بھتیجہ کو جائیداد بھی مل رہی ہے اور وہ بذریعہ مقدمہ روپیہ خرچ کر کے حاصل کی گئی ہے، تو اس کو خود خیال چاہیے کہ اگر چچا مقدمہ نہ لڑتے تو سب جائیداد ہاتھ سے نکل جاتی، اگر وہ صرف اپنے حصہ کے بقدر جائیداد کے لئے مقدمہ کرتے تو ان کا حصہ ان کو مل جاتا اور بھتیجہ کا حصہ نہ ملتا، اس لئے اس کو چاہیے کہ اپنے حصے کے بعد خرچ شدہ روپیہ میں شریک ہوکر، یعنی اتنا روپیہ چچا کو دے دے اور چچا بھتیجہ کے حصہ کی جائیداد بھتیجہ کو دے دیں (۱)۔

اگرچہ یہ جائیداد میراث میں نہیں ملی، بلکہ بکر نے خود حاصل کی ہے، اس میں زید کا کچھ روپیہ خرچ نہیں ہوا، لیکن مقدمہ میں زید نے بطور چچا کی امداد کے روپیہ دیا ہے، پھر بعد میں نہیں دیا، تو ضابطہ میں اب چچا سے جائیداد کا حصہ مانگنے کا حق نہیں، لیکن بکر کو خود چاہیے کہ زید کے احسان واعانت کے عوض یا تو اس کو خرچ شدہ روپیہ دے دے یا کچھ جائیداد دے دے، یہ بات محض اخلاق کے طور پر ہے، قانون ضابطہ کے ماتحت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۷ھ۔

قاضی کو ایک فریق پر اختیار حاصل نہ ہونا

سوال [۱۱۱۳۵]: کسی ایسے قضیہ میں کہ جس کے دو فریق ہونے کی وجہ سے ایک پر قاضی عدالت

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (الرحمن: ۲۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿وأحسن كما أحسن الله اليک﴾ (القصص: ۷۷)

"﴿وأحسن﴾ إلى عباد الله عزوجل: ﴿كما أحسن الله إليک﴾ أي: مثل إحسانه تعالیٰ إليک فيما أنعم به عليک، والتشبيه في مطلق الإحسان أو لأجل إحسانه سبحانه إليک على أن الكاف للتعليل". (تفسير روح المعاني، القصص: ۷۷: ۱۱۳/۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، القصص: ۷۷: ۵۲۹/۳، دار السلام رياض)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

کو اپنے فیصلۂ منفذہ کے لئے اختیار نفاذ حاصل ہو اور دوسرے فریق پر اختیار نفاذ حاصل نہ ہو، قاضی عدالت قضیہ مندرجہ بالا میں فیصلہ صادر فرمانے کے مجاز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاضی اگر شرعی قاضی ہے، تو ایک فریق پر حکم نافذ ہونے کی قدرت ہونا اور دوسرے فریق پر قدرت نہ ہونا یہ کیسے ہوگا، اس کو واضح کریں یا قاضی شرعی قاضی نہیں، جس کے پاس قوت منفذہ ہو، بلکہ ایک فریق نے اس کو قاضی بنایا ہے، دوسرے نے نہیں بنایا تو وہ شرعی قاضی کہاں ہوا، اس کو حَکَم کی صورت دی جا سکتی ہے، وہ بھی جب کہ فریقین متفق ہوں، ورنہ اس کی حیثیت حَکَم کی بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مقدمہ کے خلاف اپیل کے لئے تین ماہ کی تحدید ہے؟

سوال [۱۱۱۳۶]: حضور مجھ پر دارالقضاء میں مقدمہ کیا گیا تھا، میں مقدمہ میں مدعا علیہ کی حیثیت سے تھا، قاضی شریعت صاحب نے مقدمہ کا فیصلہ بھی کر دیا، فیصلہ کئے ہوئے قریب ایک سال کی مدت ہو رہی ہے، میں نے اس فیصلہ کو شریعت کے جاننے والوں کو دکھلایا، لہٰذا اس میں شرعی خامیاں موجود ہیں۔

---

(۱) "وأما في الاصطلاح: فهو تولية الخصمين حاكماً، يحكم بينهما". (البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۷/۴۱، رشيديه)

"من حيث أن حكم هذا الحَكَم: إنما ينفذ في حق الخصمين، ومن رضي بحكمه، ولا يتعدى إلى من لم يرض بحكمه، بخلاف القاضي المولى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الرابع والعشرون في التحكيم: ۳/۳۹۷، رشيديه)

"فإن القاضي يقضي فيما لايقضي المحكم، لاقتصار حكمه على من رضي بحكمه، وعموم ولاية القاضي". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۳/۲۰۶، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم، كتاب القضاء، الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم: ۲/۱۱۹۳، رقم المادة: ۱۸۴۲، دار الكتب العلمية بيروت)

اب میں امیر شریعت مدظلہ کے یہاں اپیل کرنا چاہتا ہوں، اسی دوران ایک مولوی نے مجھے کہا کہ امیر شریعت کے یہاں اپیل تین ماہ کے اندر کیا جاسکتا ہے، لیکن تمہارا فیصلہ کئے ہوئے ایک سال کی مدت گزر رہی ہے، اس لئے اب تمہاری اپیل بالکل نہیں لی جائے گی۔

حضور میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا اپیل کرنے کی مدت صرف تین ہی مہینہ کے اندر ہے؟ کیا اب ہماری اپیل پر سماعت دوبارہ امیر شریعت مدظلہ کے آفس میں نہ ہوگی؟ اگر ہوگی، تو صاف لکھیں کہ اپیل شرعاً کرسکتے ہیں یا اگر شریعت نے منع کیا ہے، صرف تین ماہ کا ہی وقت دیا ہے، تو لکھیں:

۱......قرآن میں کہاں ہے، کہ صرف تین ماہ کے اندر ہی اپیل کی جائے گی؟

۲......اس کے متعلق حدیث ہو تو بیان کریں کہ حضور سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف تین ماہ ہی اپیل کا وقت دیا ہے؟

۳......ائمہ اربعہ نے کہاں لکھا ہے کہ صرف تین ماہ کے اندر ہی اپیل کی جائے گی؟

۴......یا پھر کہاں اجماع کیا گیا ہے کہ تین ماہ کے اندر ہی اپیل کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپیل امیر شریعت مدظلہ کے یہاں ہی کرنا ہے، تو آپ مقدمہ اور فیصلہ کے کاغذات وہاں داخل کردیں، اگر وہاں سے یہ جواب ملے کہ اپیل صرف تین ماہ کے اندر میں ممکن ہے، بعد میں نہیں تب اپنے مذکورہ سوالات ان سے ہی کریں اور جوابات مع دلائل لے کر قلب کو منور کریں، یہ طریقہ کہ مقدمہ کسی صاحب سے فیصل کرایا، اپیل کا ارادہ امیر شریعت مدظلہ کے یہاں کیا، یہ بات کس مولوی نے بتائی کہ وہاں اپیل تین ماہ کے بعد نہیں؟ اس کے دلائل کے لئے یہاں خط تحریر فرمادیا، یہ ہرگز مناسب نہیں، اس سے سکون میسر ہونا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۰/۲۷ھ۔

دارالقضاء کا قیام، ایک قاضی کے ہوتے ہوئے دوسرے کا تقرر کرنا

سوال[۱۱۱۳۷]: خداتعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله

والرسول ﷺ(۱) میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ ہر قسم کے خصومات کا فیصلہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق کرائیں، مگر بعض مخصوص مسائل مثلاً: خیار بلوغ، حرمت مصاہرت وغیرہ ایسے ہیں، جن کا فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق قاضی شریعت سے کرنا شرط ہے، اس لئے ان مخصوص خصومات کا فیصلہ قاضی کے علاوہ کوئی دوسرا کرے گا تو وہ فیصلہ شرعاً معتبر اور نافذ نہ ہوگا۔

ہم مانتے ہیں کہ قاضی سے مراد مسلم جج ہے، لیکن ہندوستان میں حکومت کی قائم کردہ عدالتوں میں اولاً مسلم جج خال خال ہی ہوتا ہے، یا کم از کم ہر دیار ہر زمانہ میں مسلمان عموماً نہیں ملتے، اس لحاظ سے پبلک طور پر قاضی اور دارالقضاء قائم کرنا نہ صرف یہ کہ ایک دینی خدمت ہے، بلکہ بسا اوقات ضروری بھی ہے، اس بنیاد پر سوال یہ ہے کہ دارالقضاء کا قیام اور قاضی کا تقرر کیسے عمل میں آئے گا، شرعاً کیا طریقہ ہوگا؟

مغلیہ دور میں مغل بادشاہوں کی طرف سے ہر قسم کے فصل خصومات کے لئے قاضی شریعت مقرر ہوتے تھے، ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد محکمہ قضاء توڑ دیا گیا، پھر بھی مسلم جج عدالتوں میں ہوا کرتے تھے، آہستہ آہستہ عدالتوں میں مسلم جج کم ہوتے گئے، بالآخر آج سے پچاس سال قبل اس وقت کے چوٹی کے علماء کرام نے بالخصوص ان مقدمات کے فیصلہ کے لئے جن کا فیصلہ شرعاً معتبر ہونے کے لئے قضاء قاضی شرط ہے، قیام دارالقضاء کی ضرورت شدت سے محسوس کی، مگر حالات کی مجبوری کے تحت پورے ہندوستان میں قاضی شریعت اور محکمۂ قضاء قائم نہ کر سکے۔

تاہم اولاً صوبہ بہار میں محکمۂ قضاء قائم کرنا تجویز پایا، اس کے لئے اس وقت اصحاب الرائے ملت اور علماء کرام نے متفقہ طور پر امارت شرعیہ بہار کی بنیاد رکھی، ضروری صفات کے ساتھ متصف ایک شخص کو اپنا امیر شریعت منتخب کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، جس پر امیر شریعت کو ادارہ امارت شرعیہ کا سربراہ تسلیم کیا، پھر منتخب امیر شریعت نے اولاً امارت شرعیہ کے مختلف شعبوں میں ایک شعبہ دارالقضاء اور اس کے سربراہ کو قاضی شریعت نامزد کیا، تو کیا قاضی کے تقرر میں پہلے رائے عامہ میں سے کسی ایک کو امیر یا والی منتخب کرنا شرعاً ضروری تھا؟ پھر والی یا امیر شخصی طور پر کسی کو قاضی مقرر کرے گا؟

آج سے ۱۵، ۲۰ سال قبل موجودہ امیر شریعت رابع نے دارالقضاء کی توسیع فرمائی، چنانچہ اس وقت

(۱) (النساء: ۵۹)

ماشاء اللہ بہار کے مختلف اضلاع میں ۱۵/ دار القضاء موجود ہیں، موجودہ امیرِ شریعت نے ذیلی دار القضاء کے لئے حسبِ ذیل چند باتیں ضروری قرار دیں:

۱- ہونے والے قاضی کے لئے ٹریننگ۔

۲- قیام دار القضاء کے موقع پر اطراف وجوار کے متعدد علماء ومعززین کا اجتماع۔

۳- اسی اجتماع میں سند قضاء دے کر قاضی کا اعلان کرنا۔

۴- تمام ذیلی دار القضاء کے لئے مرکزی دار القضاء کے تحت رہنا، تاکہ بوقتِ ضرورت فریقین میں سے کوئی بھی مرافعہ کر سکے۔

۵- ہر ایک قاضی کے لئے حدود دار القضاء مقرر کرنا، تاکہ کسی امیر کا کوئی مدعی، مدعا علیہ دوسرے امیر کے پاس مدعی بن کر دعویٰ پیش نہ کر سکے۔

۶- ان تمام پابندیوں اور سند قضا دینے کے باوجود اکثر وبیشتر قاضی کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مقدمات اور خصومات کی ضروری کارروائی مکمل کر کے اپنی رپورٹ کے ساتھ مرکزی دار القضاء کو بھیج دے، اس کا فیصلہ صرف مرکز کرے گا۔

ان تمام پابندیوں کے ساتھ اسی کٹیہار میں ایک دار القضاء امارت شرعیہ بہار دس سال سے قائم ہے، تو کیا کسی بھی قیام دار القضاء کے لئے علاوہ امیر یا والی ہونے کی یہ مذکورہ پابندی بھی شرعی لازم ہیں؟ کٹیہار بہار ایک ضلع ہے، یہاں سے بنگال کی سرحد ۲۰، ۲۵ میل پر واقع ہے، اسی کٹیہار میں ایک مدرسہ ۴۰ سال سے دار العلوم لطیفی ہے۔ اب تک مدرسہ میں دوسرے مدارس کی طرح صرف تعلیم اور افتاء کا کام ہوتا آیا ہے، باوجود ۸، ۱۰ سال سے یہاں دار القضاء امارت شرعیہ بہار کی جملہ پابندیوں کے ساتھ قائم ہے۔

دار العلوم لطیفی کے ناظم صاحب نے دار القضاء امارت شرعیہ کے مقابل دوسرا دار القضاء محکمۂ شرعیہ کے نام سے قائم کیا ہے اور ایک مدرس کو محکمہ شرعیہ کا ذمہ دار قاضی نامزد کیا ہے، قاضی انہیں مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں، جن میں قضاء قاضی شرط ہے، ناظم صاحب نے ان کے لئے حدود اختیار کچھ مقرر نہیں کیا، اس لئے یہ بہار بنگال دونوں کے مقدمات لیتے ہیں، ناظم صاحب مدرسہ کے ناظم ہیں اور رائے عامہ کے ذریعہ منتخب امیر ہے نہ والی۔ اندریں صورت:

۱..... منتخب امیر یا والی کے بجائے کسی ناظم مدرسہ کا قائم کردہ محکمہ شرعیہ شرعاً جائز ہے؟

۲..... منتخب امیر یا والی کے قائم کردہ دار القضاء کے مقابل میں دوسرا محکمہ شرعاً جائز ہوا یا نہیں؟

۳..... ایسے قاضی محکمہ شرعیہ کا نکاح فسخ کردہ لڑکی نے دوسرے سے نکاح کرلیا، تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

۴..... کسی ایک مقام میں بیک وقت دو دار القضاء شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۵..... اگر محکمہ شرعیہ بنگال کے لئے قائم کیا جائے، اس کا دفتر کٹیہار بہار میں قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۶..... نیز بہار کے مقدمہ محکمہ شرعیہ کے قائم کردہ برائے بنگال میں لے جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ فقط واللہ اعلم۔

عبدالرزاق غفرلہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

قاضی کے لئے سلطان کی طرف سے منتخب ہونا ضروری ہے(۱)، سلطان کا منشور اس کے لئے ہدایت نامہ ہوگا اور اس وجہ سے اس کو قوۃ منفذہ حاصل ہوگی، تاکہ وہ قاضی کے فیصلہ سے انحراف نہ کرسکے، انحراف کرنے پر مستحق تعزیر قرار دیا جائے، یہ صورت اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے یہاں نہ اب موجود ہے، نہ پچاس یا ساٹھ سال پہلے تھی، زعمائے ملت نے انگریز کے شر اقتدار سے نکلنے کے لئے امارات شرعیہ قائم کی تھی کہ اہل اسلام اپنے مقدمات انگریز کی عدالت میں نہ لے جائیں اور فسخ نکاح کے مقدمات امارات شرعیہ میں لائیں اور شرعی فیصلہ حاصل کریں۔

---

(۱) "ولایملک نصب القضاۃ، وعزلهم إلا السلطان، أو من أذن له السلطان؛ إذ هو صاحب الولایة العظمی فلا یستفاد القضاء والعزل إلا منه، والله أعلم". (الفتاوی الخیریة علی هامش تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب أدب القاضي ومطالبه: ۲/۱۷، إمدادیه)

(وکذا في شرح الحموي علی الأشباه والنظائر، کتاب القضاء والشهادات والدعاوي: ۲/۲۳۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في جامع الفصولین، الفصل الأول في القضاء الخ: ۱/۱۸، اسلامی کتب خانه کراچی)

توقع تھی کہ اس ادارہ کو آئندہ چل کر استحکام ہوگا اور صوبے وار ایسے ادارے قائم کر کے ان کا ایک مرکز بنالیا جائے گا اور انگریز کا کلیۃً مقاطعہ کر دیا جائے گا، جس سے اس کا اقتدار ختم ہوکر مرکز کو اقتدار ہو جائے گا، پھر وہ مرکز قوۃ قاہرہ حاصل کرلے گا اور مستقلاً اسلامی حکومت کی صورت پیدا ہو جائے گی، تو یہ ایک ابتدائی تشکیل تھی، اس کو فی الجملہ ترقی تو ضرور ہوئی، مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی، مجبوراً ایسے مسائل میں کہ جن میں قضاء قاضی ضروری ہے، مالکیہ کا مسلک اختیار کرنا پڑا(۱)، تاکہ معاصی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو حتی الوسع روکا جائے، کیونکہ معاصی اپنے حد سے تجاوز ہوکر الحاد اور ارتداد تک پہنچ رہے تھے، مالکیہ کے یہاں شرعی قاضی نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین (پنچایت یا شرعی کمیٹی) فسخ نکاح وغیرہ میں قاضی کا کام دے سکتی ہے(۲)۔

کہیں کہیں ایسی ہی پنچایت ہیں، کسی ایک کو قاضی تجویز کرلیا جاتا ہے، جب کہ مقدمہ کی پوری کارروائی میں شرعی کمیٹی میں جملہ ارکان کا حاضر ہونا دشوار ہو، ایسے قاضی کے لئے نہ کسی مرکز کی حاجت ہے، نہ تمام مسلمین کا اتفاق ضروری ہے، بلکہ ارکان کمیٹی کا قاضی تجویز کرلینا کافی ہے(۳)، جو لوگ اپنا مقدمہ فیصلہ کروانا چاہیں، ان کو اختیار ہے، اس قاضی کے لئے کچھ حدود کی تعیین بھی لازم نہیں، جہاں کے آدمی بھی اپنا مقدمہ لے کر آئیں، شرعی قانون کے تحت اس کو فیصلہ کرنے کا حق ہے۔

ایک شہر میں اگر ایسا قاضی موجود ہے اور اس کے فیصلے شرعی طور پر قابل اطمینان ہیں تو محض مقابلہ کے

---

(۱) "(قوله: خلافاً لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين .... لكنه اعترض على الناظم بأنه لا للحنفي إلى ذلك، أي: لأن ذلك خلاف مذهبنا، فحذفه أولى، وقال في الدر المنتقى: ليس بأولى، لقول القهستاني: لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن".
(ردالمحتار، كتاب المفقود، مطلب: في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود: ۴/۲۹۵، سعيد)
(وكذا في حيلة ناجزه، عنوان: ضرورت شدیدہ میں امام مالک کے مذہب پر فتوی، ص: ۲۰، دارالاشاعت)
(۲) (حيلة ناجزة، عنوان: حكم زوجة متعنت، ص: ۷۳، ۷۴، دارالاشاعت)
(۳) "وأما في بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، فصل في استيمان الكافر: ۴/۱۷۵، سعيد)
(وكذا في جامع الفصولين، مسائل القضاء: ۱/۱۴، اسلامی کتب خانه)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۲۱، رشيديه)

لئے دوسرا دارالقضاء قائم کرنا نہیں چاہئے، کہ اس سے خلفشار بڑھتا ہے اور نزاعات رفع ہونے کے بجائے ترقی کرتے ہیں کہ ایک قاضی کے فیصلے سے ناخوشی ہوئی، تو دوسرے قاضی کے پاس اپیل کردیا، جب فیصلہ شرعی قانون کے موافق ہوا تو اس کو ماننا لازم ہے (۱)، اگر تفریق کی گئی ہے تو وہ بھی شرعاً معتبر ہوگی اور حسبِ قواعد شرع نکاح ثانی کا اختیار ہوگا، امید ہے کہ تحریر بالا میں جملہ امور کا جواب واضح ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۱۳۹۹ھ۔

ثبوت دین کے لئے مدعیٰ علیہ سے حلف لینا

سوال [۱۱۱۳۸]: ایک تاجر کے پینتالیس روپے دوسرے تاجر کے سرمایہ میں جس سے کہ اس کا لین دین تھا، خرد برد ہوگیا۔ دوئم اس کا روپے کی تعین کے بارے میں تاجروں سے ہی اٹھوانا یا قسم لینا چاہتا ہے، تاجروں کا اس کے علاوہ بھی کچھ روپیہ تاجر دوئم کے ذمہ ہے، مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ایسی صورت میں تاجروں کو اس جھگڑے والے روپے کے لئے قسم کھانا یا نامہ تحریر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تاجر دوئم مدعی ہے اور تاجروں سے روپیہ وصول کرنا چاہتا ہے اور تاجر اُن سے کہتے ہیں کہ روپیہ ضائع ہوگیا، تاجر دوئم اس کا یقین نہیں کرتا، بلکہ حلف لینا چاہتا ہے اور تاجر اپنے قول میں صادق ہے، اس کو قسم کھانا خواہ زبانی ہو، خواہ تحریری ہو، شرعاً درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "فإن حكم لزمهما، ولا يبطل حكمه بعزلهما، لصدوره عن ولاية شرعية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۴۲۹/۵، سعيد)

"ولكن ليس لأحدهما أن يرجع عن الحكم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولاية عليهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۱۸۴۷: ۱۹۸/۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۴۵/۷، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: لكن البينة على المدعي واليمين على من أنكر" هذا الحديث الشريف قاعدة شريفة من قواعد أحكام الشرع، ففيه أنه لايقبل قول الإنسان فيما يدعيه بمجرد دعواه، بل يحتاج إلى بينة، أو تصديق المدعى عليه، فإن طلب يمين المدعى عليه فله ذلك". =

حررہ العبد محمود غفر لہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (مرقاة المفاتيح، كتاب القضاء والإمارة: ۳۲۶/۷، رشيديه)

"قال عليه السلام: "ذبوا عن أعراضكم بأموالكم" وذكر الصدر الشهيد أن الاحتراز عن اليمين الصادقة واجب، ومراده ثابت بدليل جواز الحلف صادقاً". (البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۳۲۱/۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الدعوى: ۵۵۸/۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الدعوى: ۳۰۲/۳، دار المعرفة بيروت)

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

تحکیم کا طریقہ

سوال[۱۱۱۳۹]: ہمارے یہاں قصبہ میں ایک عالم ہیں، جو کہ سیاست سے بھی شغل رکھتے ہیں، ان کو ہم نے اپنے اور پڑوسی کے درمیان ایک نزاع میں کچھ لوگوں کے اصرار سے فیصلہ کرنے کی درخواست اس طرح کی تھی، جو بعینہٖ نقل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اپنے جناب رعایت اللہ صاحب کے معاملات مقدمات وغیرہ میں آپ کو بحیثیت قاضی شرعی مقرر کرتا ہوں، آپ جو شرعی طور سے فیصلہ ہم لوگوں کے دعوے جات پر کریں گے، ہمیں منظور ہوگا، جس وقت آپ حکم دیں گے، ہم اپنے دعوے آپ کے سامنے علیحدہ علیحدہ پیش کردیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس پر عالم صاحب نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تحریر سے ایک عالم دین کی توہین ہوتی ہے، اگر آپ اس طرح کی تحریر دیں تو میں یہ فیصلہ کروں گا، میرے اور جناب رعایت اللہ صاحب کے درمیان جو اختلاف ہے اور جس پر مقدمات چل رہے ہیں، اس پر فیصلہ کرنے کے لئے میں عالم صاحب کو حَکَم مقرر کرتا ہوں، مجھے ان کا فیصلہ منظور ہوگا اور فریق ثانی سوائے ان عالم صاحب کے کسی دوسرے عالم سے فیصلہ کرانے کو تیار نہیں ہے اور ان مقدمات سے قبل اور اب بھی کچھ ایسی باتیں ہیں کہ جس کی وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ فریق ثانی کے طرف دار ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میری تحریر میں کوئی شرعی نقص ہے؟ جو عالم لفظ شرعی فیصلہ بڑھا دینے سے فیصلہ کرنے سے گریز کرے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا میں اس کا مجاز ہوں کہ اب بدرجہ مجبوری اپنا شرعی حق حاصل کرنے کے لئے عدالت مجاز سے چارہ جوئی کروں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عالم صاحب کو جب فیصلہ نزاع کے لئے تجویز کیا جاتا ہے، تو اس اعتماد پر تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ شرعی فیصلہ کریں گے، خواہ لفظ شرعی درخواست میں ہو یا نہ ہو، اس سوءظن سے احتراز کیا جائے کہ وہ شرعی فیصلہ نہیں کریں گے، اس خیال کو بھی نکال دیا جائے کہ وہ فریق ثانی کے طرف دار ہونے کی وجہ سے غیر شرعی فیصلہ کردیں گے(۱)، ان عالم صاحب سے ہی توہین کا پہلو دریافت کرلیتے تو بہتر ہوتا۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ لفظ شرعی فیصلہ میں توہین نہیں، بلکہ ان کو قاضی مقرر کرنے سے ان کا ذہن اس طرف گیا ہوگا کہ قاضی مقرر کرنا سلطان وقت کا کام ہے(۲)، آپ نے ان کو قاضی مقرر کیا، تو آپ بمنزلہ سلطان کے ہوگئے اور وہ آپ کے ماتحت ہوگئے اور حَکَم مقرر کرنا فریقین کا کام ہے کہ خود ماتحت ومحکوم ہوکر حَکَم کے حُکم کو

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضاً﴾ (الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "إياكم والظن فإن بعض الظن أكذب الحديث" إلی آخر الحديث. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن الخ: ۳۱۶/۲، سعيد)

(وجامع الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في ظن السوء: ۱۹/۲، سعيد)

(۲) "ولا يملك نصب القضاة وعزلهم إلا السلطان أو من أذن له السلطان؛ إذ هو صاحب الولاية العظمی، فلا يستفاد والقضاء والعزل، إلا منه، والله أعلم". (الفتاویٰ الخيرية علی هامش تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب أدب القاضي ومطالبه: ۱۷/۲، إمداديه)

(وكذا في شرح الحموي علی الأشباه والنظائر، كتاب القضاء والشهادات والدعاوي: ۲۳۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الأول في القضاء الخ: ۱۸/۱، إسلامي كتب خانه كراچی)

اپنے اوپر نافذ کرتے ہیں(۱)۔

اگر ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر درخواست کرنے سے وہ فیصلہ کردیں تو آپ کو انکار نہیں کرنا چاہیے(۲)، لیکن اگر خدانخواستہ فریقین میں سے کسی ایک کو ان پر اعتماد نہ ہو، کہ وہ شرعی فیصلہ کریں گے، تو پھر مجبوراً اپنا حق واجب دوسری طرح بھی حاصل کرسکتے ہیں(۳)، شرعی فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا بڑی بدقسمتی اور محرومی ہے، جس کا انجام دنیا وآخرت میں مہلک بھی ہوسکتا ہے(۴)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وأما في الاصطلاح: فهو تولية الخصمين حاكماً يحكم بينهما، وركنه لفظ الدال عليه مع قبول الآخر". (الدرالمختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۵/۴۲۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۳/۲۰۷، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "ولكن ليس لأحدهما أن يرجع عن الحكم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولاية عليهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۱۸۴۷، ص: ۱۱۹۸، مكتبه حنفيه كوئته)

"فإن حكم لزمهما، ولا يبطل حكمه بعزلهما، لصدوره عن ولاية شرعية". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۵/۴۲۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب القضاء، باب التحكيم: ۷/۴۵، رشيديه)

(۳) "قال: أتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجل يتقاضاه، فاغلظ له فهم به أصحابه فقال: دعوه فإن لصاحب الحق مقالاً". (صحيح البخاري، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب لصاحب الحق مقالاً: ۱/۳۲۲، قديمي)

"ويذكر عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لي الواجد يحل عرضه وعقوبته". (صحيح البخاري، كتاب في الاستقراض وأداء الديون الخ: ۱/۳۲۲، قديمي)

"والفتوى: اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لاسيما في ديارنا لمداومتهم العقوق" (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۹/۲۵۵، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر: ۴/۸۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۷/۵۱۵۲، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن أعرض عن ذكري فإنه له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيمة أعمىٰ﴾ (طه: ۱۲۴)

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

چھوٹی بچی کو زمین ہبہ کر کے اس کا قبضہ نہ دینا

سوال[۱۱۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ مسماۃ روفن نے اپنی زمین اپنی سگی بہن کی لڑکی صمیدہ کو بیع نامہ رجسٹری کرایا بطور ہبہ، جس وقت صمیدہ پانچ سال کی تھی، روفن لاولد ہے، اب صمیدہ بالغ ہے، تقریباً ۲۵/ سال کی ہے، اس نے اپنی خالہ سے مطالبہ کیا کہ اب مجھے زمین پر قبضہ دو، روفن نے کہا ابھی نہیں دوں گی، جب میرا انتقال ہوجائے گا، پھر تم اس زمین کی مالک ہوگی، میں نے اسی نیت سے تم کو زمین دی تھی، اس پر صمیدہ نے وکیل سے مشورہ کر کے دوسرے شخص ''مطلوب'' کے ہاتھ اس زمین کو بیع کردیا اور اسی زمین کو صمیدہ کے باپ ''شفاعت'' نے صمیدہ کی اس حرکت سے ناراض ہوکر اپنی بیوی کے نام بیع کروادیا بحیثیت ولی ہونے کے، کہ صمیدہ نے نابالغی میں اس زمین کو کہاں سے روپیہ لاکر خریدا، لہٰذا یہ زمین میری ہوئی، اس لئے بتایا جائے کہ اب یہ زمین کس کی ہوئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع اور ہبہ دونوں الگ الگ ہیں(۱)، روفن نے اگر بطور ہبہ یہ زمین صمیدہ کے نام کی ہے اور قبضہ

---

(۱) "وشرعاً: (مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله) ...... (على وجه) مفيد (مخصوص) أي: بإيجاب أو تعاط، فخرج التبرع من الجانبين والهبة بشرط العوض". (الدرالمختار، كتاب البيوع: ۵/۵۰۲، ۵۰۳، سعيد)

"أما تعريفه: فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيوع وركنه وشرطه الخ: ۳/۲، رشيديه)

"وشرعاً: (تمليك العين مجاناً) أي: بلاعوض......". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"أما تفسيرها شرعاً: فهي تمليك عين بلا عوض، كذا في الكنز". (الفتاویٰ العالمكيرية، =

نہیں دیا، تو ہبہ تام نہیں ہوا(۱)، روفن کی ملک باقی ہے، صمیدہ کا اس کو مطلوب کے ہاتھ فروخت کرنا غلط ہے (۲)، اسی طرح صمیدہ کے والد کا اس پر دعویٰ ملکیت بھی غلط ہے ہبہ کر کے، یعنی بلا قیمت دے کر اس کا نام قانونی طور پر بیع رکھنا شرعاً بے سود ہے (۳) اور ظاہر یہی ہے کہ پانچ سال کی بچی سے بیع کا معاملہ نہیں کیا جاتا، اس کو ہبہ ہی کیا جاتا ہے، جو کہ قبضہ نہ دینے کی وجہ سے معتبر نہیں (۴)، ورنہ بیع کی صورت میں مطالبۂ قبضہ کے جواب میں کہنا کہ میرے انتقال کے بعد قبضہ دیا جائے گا، پھر تم اس زمین کی مالک ہوگی، لغو اور مہمل بات ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(۱) "وشرائطا صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعيد)

"ومنها أن يكون الموهوب مقبوضا حتى لايثبت الملك للموهوب له قبل القبض". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول في تفسير الهبة وركنها الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بآخر مجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۷

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "(و) لا (بيع بشرط) ...... يعني الأصل الجامع في فساد العقد بسبب شرط (لا يقتضيه العقد ولا يلائمه وفيه نفع لأحدهما......)". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۴، ۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لاتفسده: ۳/۱۳۴، رشيديه)

مشترک مکان کو تقسیم کے بغیر ہبہ کرنا

سوال [۱۱۱۴۱]: ایک قطعہ کھانا میں ہے، ۷/۲ سہام عبدالوہاب اور ۷/۵ سہام حاجی عبدالرزاق کا حق وحصہ ہے اوران لوگوں کے مابین مکان کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور تاحیات ان لوگوں کے مکان مشترک رہ گئے، علاوہ ازیں ایک قطعہ مکان مملوکہ ومقبوضہ حاجی عبدالرزاق وحاجی صاحب کے تین لڑکے عبدالرب، عبدالحفیظ، عبدالمجید باحیات ہیں، ایک لڑکا عبدالعزیز حاجی صاحب کی حیات میں انتقال کرگیا، عبدالعزیز کے دولڑکے ممتاز احمد وشبیر احمد ہیں، حاجی عبدالرزاق وعبدالوہاب کے ورثاء میں تقسیم مکان کے بارے میں نزاع پڑگئی۔

شبیر احمد ایک ہبہ نامہ کے ذریعہ ہردومکانات میں سے ۴/۱ حصہ پر استحقاق ظاہر کررہا ہے، ہبہ نامہ مذکور کے اندر مکان مشترک نہیں کیا گیا، بلکہ مسلم مکان کا مالک حاجی عبدالرزاق کودکھلایا گیا ہے اور جزوموہوبہ کو علیحدہ ہی کیا گیا ہے اور نہ حاجی صاحب نے ہی اپنی زندگی میں کوئی جزالگ کرکے کسی کودیا ہے۔

صورت مسئولہ میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ مشترک مکان میں سے بلاتقسیم کئے ہوئے ہبہ کرنا شرعاً درست ہے یانہیں؟ اور کیا ورثاء شرعی ہی ضروری ہے کہ مذکورہ ہبہ نامہ کی روسے شبیر احمد کومکانات میں سے ۴/۱ حصہ کرکے دے دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی کوٹھڑی جوتقسیم ہوکر قابلِ انتفاع نہ رہے، اس کے جز کو بلاتقسیم بھی ہبہ کرنا درست ہے، بڑا مکان جوتقسیم ہونے کے بعد قابل انتفاع باقی رہتا ہے، اس جز کو بلاتقسیم کے ہبہ کرنا درست نہیں، غیر کی ملک کو ہبہ کرنا بھی بے محل ہے(۱)۔

---

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي علی الأشباه، کتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في القواعد الکلیة، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، میر محمد کتب خانه)

"(وتصح هبة مشاع لايحتمل القسمة) أي: ليس من شأنه أن يقسم بمعنى لايبقى منتفعاً به بعد القسمة أصلاً كعبد ودابة، ولا يبقى منتفعاً به بعد القسمة من جنس الانتفاع الذي كان قبل القسمة كالبيت الصغير والحمام ...... لا تصح هبة (ما) أي: مشاع (يحتملها) أي: القسمة على وجه ينتفع بعد القسمة كما قبلها كالأرض، والثوب، والدار، ونحو ذلك". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الهبة: ۳٤۲/۲)(۱).

جب کہ واہب نے موہوب لہ کا فیصلہ جز موہوب پرنہیں کرایا اور تقسیم کرکے اپنی ملک سے ممتاز نہیں کیا تو یہ ہبہ قابل عمل نہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، صدر مفتی دار العلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲ھ۔

اپنی جائیداد نواسے کے نام کرنا

سوال[۱۱۱۴۲]: زید کے نانا بکر نے زید کو بچپن میں گود لے لیا تھا اور اپنی اولاد کی طرح پرورش کی، اس لئے بکر کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے تمام جائیداد کا مالک زید کو ہی بنائیں، اس طرح وہ اپنی زندگی ہی میں اپنی جائیداد زید کے نام ہبہ کر چکے تھے، لیکن بکر اپنی بعض غفلت کی بناء پر اس کو قانونی کارروائی میں نہ لاسکے اور انتقال فرما گئے، اس لئے قانونی طور پر ان کی صحرائی جائیداد ان کی بیوہ کے نام منتقل ہوگئی، اب بیوہ نے اس صحرائی جائیداد کا نصف زید کے نام بیع بذریعہ رجسٹری کردیا ہے، باقی نصف جائیداد کا بھی وہ زید کو ہی مالک بنانا چاہتی ہے، بکر کی بیوہ کی پانچ لڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک اپنے والد کے انتقال کے بعد انتقال کرگئی اور ایک لڑکا جو اپنے والد کے انتقال سے پہلے ہی انتقال کر چکا ہے، کیا مجھ کو اپنے نواسے زید کے لئے

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الهبة: ۴۹۴/۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز من الهبة الخ: ۳۷۶/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۴۸۶/۷، ۴۸۷، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

شرعی گنجائش ہے کہ میں اس کو منتقل کردوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قانونی حیثیت سے وہ زمین ملکیت سرکار تھی اور آپ کے شوہر کو صرف حق کاشت حاصل تھا اور انتقال شوہر کے بعد وہ بیوہ ہی کو قانوناً ملنی چاہیے اور اس کا نصف حصہ آپ نے زید کے نام بیع رجسٹری کردیا، تو وہ بیع صحیح ہوگئی، بقیہ کو بھی آپ نواسہ (زید) کو ہی دینا چاہیں، تو آپ کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)، یہ اسی صورت میں ہے کہ زید کے نانا نے ہبہ کے بعد اس پر زید کا قبضہ دخل نہیں کرایا، بلکہ اپنا ہی قبضہ رکھا ہے(۲)، اگر زید کا قبضہ کرادیا تھا، اپنا قبضہ ہٹالیا تھا اور ہبہ مرض الموت سے پہلے کیا تھا، وہ زمین جب ہی زید کی ہوگئی تھی (۳)، بشرطیکہ زید کے نانا اس زمین کے مالک ہوں، صرف حق کاشت ان کو حاصل نہ ہو (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) اس صورت میں جب حکومت نے یہ زمین قانونی طور پر بکر کی بیوی کے نام منتقل کردی، تو بکر کی بیوی اس کی مالک ہوگئی، اب اس کو اس زمین میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۷، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۲) "يملك الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك، لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مكتبه حنفيه كوئته)

"ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة، ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز والهبة الخ: ۴/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۴) "وشرائط صحتها في الواهب، العقل والبلوغ والملك". (ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد) =

وارثوں کو ہبہ کرنا

سوال[۱۱۱۴۳]: زید نے اپنی زندگی میں جائیداد، دولڑکیوں اور تین لڑکوں کے درمیان اس طور پر تقسیم کی کہ سب سے عمدہ زمین دولڑکیوں کو دو ڈھائی بیگھہ دی اور یہ کہا کہ تم کو کم تو ضرور دی، مگر سب سے عمدہ زمین دی اور تین لڑکوں میں بقیہ زمین تقسیم کردی، تینوں کو علیحدہ علیحدہ گیارہ، گیارہ بیگھہ زمین دی، زید نے لڑکوں سے کہہ دیا کہ اس سے زائد نہیں ملے گا، بقیہ زمین اپنے خرچ کے لئے رکھ لی، اخیر عمر میں لڑکوں کے حوالہ کی، باضابطہ قانونی رجسٹری نہیں کرایا، زبانی ہبہ انہوں نے کردیا، اس ہبہ کو شریعت مانتی ہے کہ نہیں؟ اب بہن وغیرہ زید کی موت کے بعد بھائیوں سے حصہ طلب کرتی ہیں، اب ان لوگوں کا حصہ کیسا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

والد اپنی صحت تندرستی کی حالت میں اپنی اولاد لڑکے اور لڑکی کو جو چیز دے دے، یعنی ہبہ کردے اور اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرادے، وہ چیز اس کی ملک ہوجاتی ہے(۱)، چاہے زبانی ہبہ کیا ہو یا تحریر بھی لکھ دی ہو، وہ چیز ترکہ نہیں بنے گی اور دوسروں کو تقسیم کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، کسی کو کم دے یا زیادہ دے، البتہ کسی وارث کو محروم کرنے یا نقصان پہنچانے کی اگر والد نے نیت کی ہو، تو اس سے والد کو گناہ ہوگا، اس لئے والد کو چاہیے کہ سب

= "يلزم أن يكون الموهوب مال الواهب، فلو وهب واحد مال غيره بلا إذنه، لا تصح الهبة أي: لا تنعقد، لاستحالة تمليك ماليس بمملوك للواهب". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۸۵۷: ۱/۴۷۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الهبة: ۳/۴۹۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك، لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"(وتتم) الهبة (بالقبض) الكامل". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ۴/۳۷۴، رشيديه)

اولاد کو برابر دے(۱)۔ لڑکے اور لڑکی ہر دو کا حصہ برابر رکھے، ایسا نہ کرے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوہرا حصہ دے، یہ حکم میراث کا ہے۔

"وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده يسوي بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز، وأثم" (درمختار: ٤/٥١٣)(٢).

اگر مرض الموت میں رہے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت بحق وارث درست نہیں۔

"وكونه غير وارث وقت الموت" (درمختار مع هامش الشامي نعمانيه: ٥/٣١٦)(٣).

---

(١) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض ..... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواءً يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة ما يعطي للابن وعليه الفتوى. هكذا في فتاوىٰ قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية. رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۴/۳۹۱، رشيديه)

"وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوىٰ، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم فيها". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الهبة: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده، والهبة للصغير: ۳/۲۷۹، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۴۹، سعيد)

"عن عمرو بن خارجة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خطب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم =

پس اگر والد نے تندرستی کی حالت میں مرض الموت سے پہلے دولڑکیوں اور تین لڑکوں کو زمین طریقۂ مذکورہ پر دی ہے اور ہر ایک کا قبضہ اس کے حصہ پر کرایا ہے، تو وہ ہبہ صحیح معتبر ہوگیا (۱)۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، جس کو کم ملا ہے، اس کو مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر والد کا مقصود لڑکیوں کو نقصان پہونچانا تھا، تو اس سے گناہ ہوا (۲)، اگر زبانی ہبہ تو کیا، مگر بطریق معروف قبضہ نہیں کرایا، تو وہ ہبہ تام نہ ہوا (۳)، اس میں وراثت جاری ہوگی۔

اور وراثت میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا، مثلاً: اگر ورثاء صرف یہی دولڑکی اور تین لڑکے ہوں، بیوی اور والدین کا پہلے انتقال ہو چکا ہے، تو مرحوم کا ترکہ جس میں وہ زمین بھی داخل ہے، جس پر ہبہ کے بعد قبضہ کرایا، مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، آٹھ حصے بنا کر دو، دو حصے تینوں لڑکیوں کو ملیں گے، ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

زندگی میں اولاد کو جائیداد ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۱۴۴]: زید نے دو نکاح کئے، پہلی بیوی سے دولڑکے اور چار لڑکیاں اور دوسری بیوی

= فقال: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ولا وصية لوارث" الحديث. (سنن النسائي، كتاب الهبة، باب إبطال الوصية للوارث: ۲/۱۳۱، قديمي)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، رقم المادة: ۸۷۹: ۱/۳۸۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۳

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۶۳

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۳

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

"قال رحمه الله تعالى: (وعصبهما الابن وله مثل حظهما) معناه إذا اختلط البنون والبنات عصب البنات، فيكون للابن مثل حظهما". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۵، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۹، سعيد)

سے ایک لڑکا ہے، زید کے دو مکان ہیں، ایک نیا ایک پرانا ہے۔ زید نے پرانے مکان کا تمام سامان اپنی پہلی بیوی کی اولاد میں تقسیم کر دیا تھا اور مکان پر خود قابض رہے تھے اور مکان میں خود تصرف کرتے رہے، پہلی بیوی کے دو لڑکوں کو کچھ حصہ رہنے کے لئے دیا، اس کا کرایہ بھی ان سے وصول کرتے رہے، کچھ حصہ جو دوسرے کرایہ داروں کو دیا تھا، اس کا کرایہ بھی خود ہی وصول کرتے رہے۔

پھر پرانے حصہ کا کچھ دوسری بیوی کے لڑکے کو اس کی شادی کے دو تین سال بعد ہبہ کر دیا اور ہبہ کئے ہوئے حصہ پر بھی قبضہ دے دیا، وہ دوسری بیوی سے پیدا شدہ زید کا لڑکا زید کے دیئے ہوئے پرانے مکان کے حصے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا اور کچھ اس میں کا حصہ کرایہ پر دے دیا، کرایہ خود لڑکا وصول کرتا ہے، زید نے کرایہ داروں سے کہہ بھی دیا کہ اس حصہ کا مالک یہ دوسری بیوی والا لڑکا ہے، اس کو کرایہ دیا کرو، البتہ باقی حصے پر خود تا زندگی قابض اور متصرف رہا۔

دوسرے نئے مکان کو زید نے حج سے واپسی کے بعد دوسری بیوی کے نام سرکاری طور پر باقاعدہ رجسٹری بھی کرا دیا اور بیوی کی اجازت سے کچھ حصہ کرایہ پر اٹھا دیا، وہ کرایہ بیوی کے پاس آتا رہا۔

زید کے انتقال سے چند ماہ قبل اس کی دوسری بیوی مرگئی، اس کے مرنے کے بعد زید نے یہ تحریر دوسری بیوی کے لڑکے سے لکھوائی اور پڑھنے کے بعد دستخط کر دیئے، تحریر میں لکھا ہے کہ میں اپنا حق شوہری اپنی دوسری بیوی کی اولاد کو دیتا ہوں، زید کے انتقال کے کئی سال بعد مکان کی تقسیم کا مسئلہ اٹھا، اب زید کی پہلی بیوی کے لڑکے نے ایک سادہ کاغذ پر لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کی ہے اور کہنے پر کہ دوسری بیوی کے جب کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور نہ زید حج کے لئے گیا تھا، اس وقت کی یہ تحریر ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ (میں اپنا پرانا مکان پہلی بیوی کی اولاد کو دیتا ہوں اور دوسرا مکان دوسری بیوی کو دیتا ہوں اور جو گرہستی از سر نو باقی ہے، یہ آئندہ بٹے گی، اس کی مالک دوسری بیوی ہوگی)۔

پس پہلی بیوی کی اولاد کا کوئی حق نہیں رہے گا، زید کی اس تحریر کا کوئی علم اس کی زندگی میں دوسری بیوی کے لڑکے کو نہیں تھا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں، زید کی طرف منسوب یہ قدیم تحریر معتبر ہے یا نہیں؟ اور اس کے مطابق یہ ہبہ صحیح ہوا یا نہیں؟

۲...... زید کے مکان جدید قدیم میں سے کس کا ہبہ صحیح مانا جائے گا؟ اور کون سے مکان کو جائیداد متروکہ مان کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا؟

۳......زید کے انتقال پر یہ ورثاء ہیں، پہلی بیوی کے دولڑکے اور چار لڑکیاں، دوسری بیوی کا ایک لڑکا ہے، ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قدیم تحریر کے تسلیم کرنے میں تامل ہے، وہ یہ کہ جن پرانے مکان کے متعلق پہلی بیوی کے لڑکوں کو دینا تحریر ہے، زید کا عمل اس سے انکار کرتا ہے، کیونکہ زندگی بھر اس مکان پر خود قابض ومتصرف رہا اور کرایہ وصول کرتا رہا حتیٰ کہ اپنے لڑکوں کو جو حصہ دینے کے لئے دیا، ان سے بھی کرایہ وصول کیا جیسا کہ دوسرے کرایہ داروں سے، اگر واقعۃً یہ تحریر زید کی ہو اور اس نے ہبہ کر بھی دیا ہو، تب بھی موہوب لہ کا قبضہ وتصرف نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ تام نہیں ہوا (۱)، پس یہ مکان زید کا ترکہ ہے۔

۲......جن مکان کے ہبہ کے بعد قبضہ بھی کرادیا اور اپنا قبضہ ہٹالیا، وہ ہبہ صحیح ہے (۲)۔

۳......زید کا کل ترکہ جس میں مکان، دکان، جائیداد، گھر کا سامان اور نقد سب شامل ہیں، بعد ادائے دین مہر وغیرہ ۸۰/ حصے بنا کر ۱۰ حصے مذکورہ بیوہ کو ملیں گے (۳)، سات سات حصے چاروں لڑکیوں کو ملیں گے، چودہ چودہ حصے پہلی بیوی کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور چودہ حصے دوسری بیوی کے لڑکے کو ملیں گے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني فيما يجوز والهبة الخ: ۴/۳۷۷، رشيديه)

"وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الهبة: ۳/۲۸۱، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) "(وللزوجة الربع) أي: للزوجة نصف ما للزوج فيكون لها الربع حيث لاولد، ومع الولد، أو ولد الابن وإن سفل الثمن" (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض: ۶/۴۵۰، رشيديه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الانثيين﴾ (النساء: ۱۱) ...... =

مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ

سوال[١١١٢٥]: زید کا انتقال ہوا، زید کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے، دوسری بیوی ہندہ جس سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، ہندہ کے بڑے لڑکے نے خفیہ طور پر ایک کھیت اپنے چھوٹے بھائی کے نام مرتے وقت ہبہ کرالیا، تاکہ پہلی بیوی کا لڑکا محروم رہ جائے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس کھیت میں پہلی بیوی کا لڑکا وارث ہے یا نہیں؟ یہ لڑکا بھی زید کا ہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں جو ہبہ کیا جائے، وہ وصیت کے حکم میں ہے، جو شخص شرعی وراثت کا مستحق ہو، اس کے حق میں وصیت معتبر نہیں، جب تک دیگر ورثاء اجازت نہ دیں(١)، لہٰذا یہ وصیت معتبر نہیں، سب ترکہ کی طرح اس کھیت میں بھی سب لڑکے چاہے کسی بیوی سے ہوں برابر کے شریک ہیں، باپ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اگر کسی لڑکے کو کچھ جائیداد جداگانہ دینا چاہے، تو دے سکتا ہے، بشرطیکہ دوسرے ورثاء کو نقصان پہونچانا مقصود نہ ہو، ورنہ گنہگار ہوگا، ایسی حالت میں سب کو برابر دے، حتیٰ کہ لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر دے(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٩/٢/٨٧ھ۔

= "وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ٦/٤٤٧، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ٧/٤٨٠، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة لاتصح تلك الهبة أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الفصل الثاني في هبة المريض، رقم المادة: ٨٧٩: ١/٤٨٣، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"(ولا لوارثه وقاتله مباشرة) ..... (إلا بإجازة ورثته) لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥٥، ٦٥٦، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ٦/٩٠، رشيديه)

(٢) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض ..... عن أبي حنيفة =

ہبہ میں واپسی کی شرط

سوال[۱۱۱۴۶]: ذیل میں ایک مسئلہ درج کیا جاتا ہے، اس کا شرعی طور پر جواب دیا جائے، تو باعثِ شکر ہوگا۔

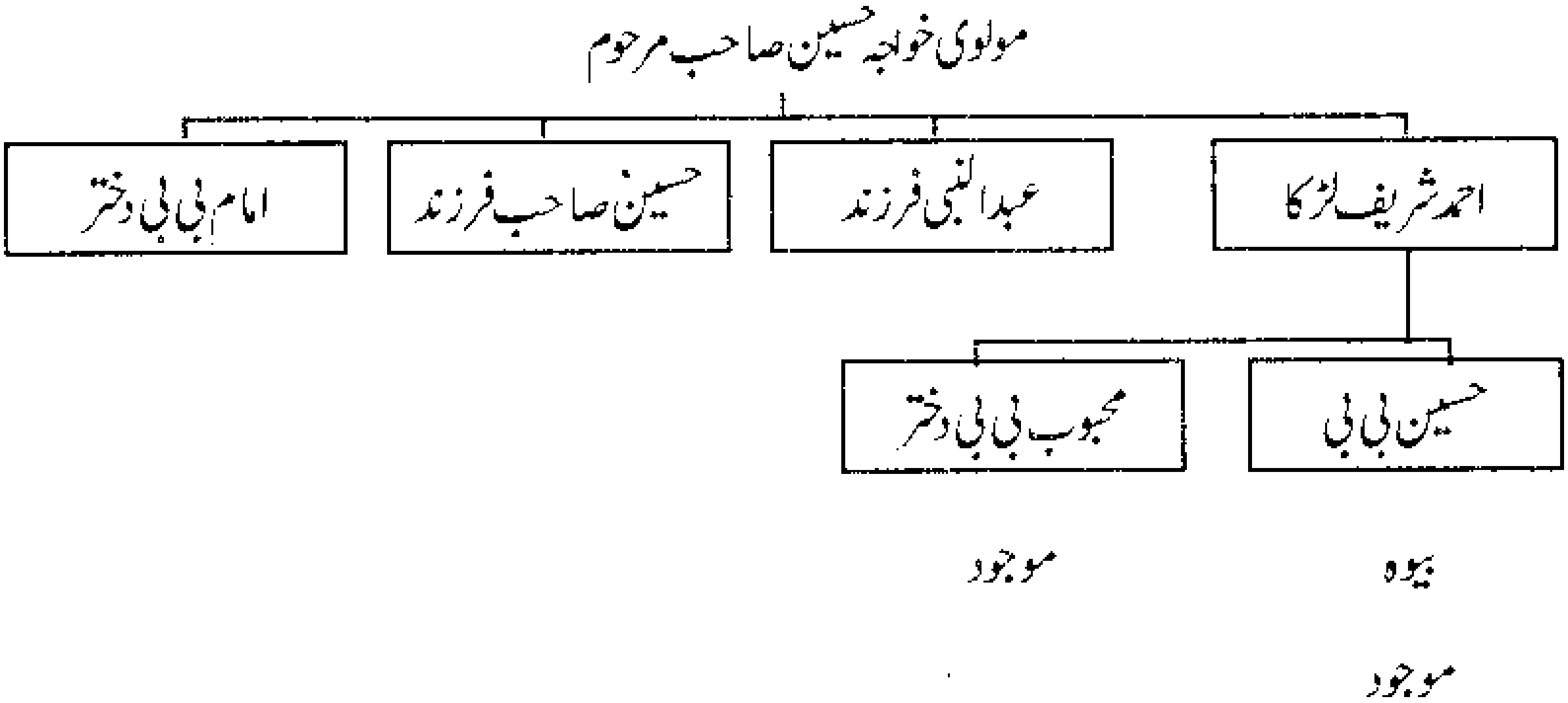

اس مسئلہ کے واقعات یہ ہیں کہ مولوی خواجہ حسین نے اپنے لڑکے احمد شریف کے انتقال کے بعد اپنی بیوی کے نام تیس ایکڑ زمین کردی، اس شرط پر کہ بہو تاحیات اس سے منتفع ہو اور بعد وفات اراضی واپس کردے، اب خواجہ حسین کا انتقال ہوگیا، تو بہو ہبہ شدہ زمین اپنی لڑکی محبوب بی بی کے نام منتقل کرنا چاہتی ہے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟ خواجہ حسین کی پوتی محبوب بی بی وارث ہے یا نہیں؟ خواجہ حسین کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

= رحمه الله تعالىٰ : لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ : أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة ما يعطي للابن، وعليه الفتوىٰ. هكذا في فتاوىٰ قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۳۹۱/۴، رشيديه)

"وفي الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوىٰ". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۶۹۶/۵، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده والهبة للصغير: ۲۷۹/۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولوی خواجہ حسین صاحب نے بیس ایکڑ زمین جو اپنی بہو (بڑے لڑکے احمد شریف مرحوم کی زوجہ) کے نام ہبہ کرکے اس کا پورا قبضہ کرادیا ہے، یہ ہبہ شرعاً صحیح ہوگیا بیوہ اس کی مالک ہوگئی (۱)، یہ شرط کہ بعد وفات زمین واپس کردی جائے، شرعاً معتبر نہیں (۲)، ابھی تو بیوہ حیات ہے اور وہ خود مالک ہے، اس سے واپس لینے کا حق نہیں (۳)، وہ جس کو چاہے، دے سکتی ہے، کسی کو روکنے کا اختیار نہیں (۴)، بیوہ کی وفات کے بعد بھی کسی کو

(۱) "یملک الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملک، لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، کتاب الهبة، الباب الثالث في أحکام الهبة: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لایجوز الهبة، إلا مقبوضاً، والمراد نفي الملک؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهدایة، کتاب الهبة: ۳/۲۸۱، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "قال أصحابنا جمیعاً: إذا وهب وشرط فیها شرطاً فاسداً فالهبة جائزة، والشرط باطل". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الثامن الخ: ۴/۳۹۶، رشیدیه)

"وحکمها: أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد علی أن یعتقه تصح، ویبطل الشرط".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الهبة: ۵/۶۸۸، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب البیع، باب المتفرقات: ۶/۳۱۲، رشیدیه)

(۳) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني. ص: ۲۵۵، قدیمی)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في القواعد الکلیة الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، میر محمد کتب خانه)

(۴) "وکل یتصرف في ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحیطان والجیران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لایمنع أحد من التصرف في ملکه أبداً، إلا إذا أضر بغیره ضرراً فاحشاً". (شرح المجلة =

واپس لینے کا اختیار نہیں۔

"جاز العمری للمعمر له، ولورثته بعده لبطلان الشرط" (درمختار)

العمری هي أن يجعل وراثه عمره، فإذا مات ترد عليه اهـ" شامي: ٥/٧٠٢(١)۔

البتہ خواجہ حسین صاحب کے ترکہ سے ان کی پوتی محبوب بی بی کو میراث نہیں ملے گی (۲)، اگر خواجہ حسین کے والدین اور بیوی پہلے وفات پا چکے ہیں، تو ان کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا، کہ پانچ حصے بنا کر دو، دو حصے دونوں لڑکوں کو (عبدالنبی وحسین احمد) کو ملیں گے اور ایک حصہ ان کی لڑکی (امام بی بی) کو ملے گا (۳)، اگر

= لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ١/٦٥٧، رقم المادة: ١١٩٧، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ٥/٤٤٨، سعيد)

(١) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ٥/٧٠٢، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ٣/٤٠٨، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول الخ: ٤/٣٧٥، رشيديه)

(٢) قال رحمه الله تعالى: (ويحجب بالابن أي: ولد الابن يحجب بالابن، ذكورهم وإناثهم فيه سواء؛ لأن الابن أقرب، وهم عصبة فلا يرثون معه بالعصوبة، وكذا بالفرض؛ لأن بنات الابن يدلين به فلا يرثن مع الابن". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ٩/٣٧٥، رشيديه)

"ولبنت الابن السدس سهمان، ولو كان مع بنت الابن ابن عصبها، سقطت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب: ٦/٤٥٢، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ٦/٧٨٣، سعيد)

(٣) قال الله تعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ١١)

"وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ٦/٤٤٨، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ٧/٤٨٠، دارالكتب العلمية بيروت)

ان کے ذمہ کوئی قرضہ ہو، تو اس کی ادائیگی مقدم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۷ھ۔

عمریٰ

سوال[۱۱۱۴۷]: ہندہ کے بطن سے زید کے تین بچے (دولڑکے ایک لڑکی پیدا ہوئی) اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا، تو زید نے دوسری شادی کی، اس سے چار لڑکے ہوئے، زید نے دوسری بیوی کو کچھ زمین دی اور کہا کہ جب تک تم زندہ رہوگی، اس زمین سے کھاؤ گی اور بعد میں یہ زمین میری اولاد کی ہوجائے گی، اس کے بعد زید کا انتقال ہوا، پھر دوسری بیوی کا انتقال ہوا، تو اس زمین کی مستحق زید کی دونوں بیویوں کی اولاد ہوگی یا صرف دوسری بیوی کی اولاد؟ اول بیوی کی اولاد کو کوئی زمین نہیں دی جائے گی یا کوئی تیسرا اس زمین کا مستحق ہوگا؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین پر دوسری بیوی کا قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ اٹھالیا، تو وہ زمین اس دوسری بیوی کی ہوگئی (۲)،

---

(۱) "قال رحمه الله تعالیٰ: (يبدأ من تركة الميت بتجهيزه) ...... (ثم بدينه) لقوله تعالیٰ: ﴿من بعد وصية توصون بها أو دين﴾ (النساء: ۱۲) ...... ولأن الدين واجب ابتداء والوصية تبرع، والبداءة بالواجب أولى". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، ۳۶۶، رشيديه)

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير ......) ...... (بتجهيزه) ...... (ثم) تقدم (ديونه التي لها مطالب من جهة العباد)". (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، ۷۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول الخ: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "يملك الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك، لا لصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة: ۱/۴۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة، الباب الأول، رقم المادة: ۸۳۷: ۱/۴۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعيد) .... =

اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی، اگر اس کے وارث صرف چار لڑکے ہیں، تو وہ چاروں اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے(۱)، پہلی بیوی ہندہ کے بطن سے جو تین بچے ہیں، ان کو اس میں حصہ نہیں ملے گا(۲)۔

"وأعمرتك هذا الشيء؛ لأن العمرى تمليك للحال فتثبت الهبة، ويبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع، وكذلك لو شرط الرجوع صريحاً يبطل شرطه أيضاً، كما لو قال: وهبتك هذا العبد حياتك وحياته، أو أعمرتك داري هذه حياتك أو أعطيتها حياتك، أو وهبت هذا العبد حياتك فإذا مت فهولي،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۱) "والعصبة أربعة أصناف: عصبة بنفسه، وهو جزء الميت، وأصله، وجزء أبيه، وجزء جده الأقرب". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشيديه)

"فالنسبية ثلاثة أنواع: عصبة بنفسه، وهو كل ذكر لايدخل في نسبته إلى الميت أنثى. وهم أربعة أصناف: جزء الميت، وأصله، وجزء أبيه، وجزء جده، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/۴۵۱، رشيديه)

"إذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم .... لكل واحد سهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، باب العصبات. ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۲، رشيديه)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، كتاب الفرائض، باب العصبات: ۲/۵۶۳، مكتبه حقانيه كوئته)

(۲) ان بچوں میں چونکہ استحقاقِ ارث کے اسباب ثلاثہ نہیں پائے جاتے، اس وجہ سے محروم ہیں۔

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، كتاب الفرائض: ۲/۵۵۵، حقانيه پشاور)

أو إذا مت فهو لورثتي، هذا تمليك صحيح وشرط باطل" بحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۲۸۵، مطبوعه ايچ ايم سعيد كمپنی(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۴، رشيديه)

"(جاز العمرى) للمعمر له، ولورثته بعده، لبطلان الشرط". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۷۰۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ۳/۴۰۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۵، رشيديه)

كتاب الضمان والوديعة

باب في الضمان

(ضمان کا بیان)

ہوٹل کے برتن اپنے کمرہ سے گم ہونے پر ضمان کا حکم

سوال[۱۱۱۴۸]: ہمارے ہوٹل سے ایک صاحب چائے لے گئے اور چائے کا دور چلنے کے بعد پیالیاں اور پرچیں کمرہ کے باہر رکھ دیئے، جسے کوئی شخص اٹھا لے گیا، کیا اس طرح غیر ذمہ دار جگہ پر رکھنے سے چائے پینے والوں پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں؟ براہِ کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر چائے اپنے کمرہ پر ہوٹل سے کہیں الگ منگا کر پی اور پھر اپنے کمرہ کے باہر پیالیاں رکھ دیں، جو کہ غائب ہوگئیں تو ان صاحب پر ضمان لازم ہوگا، اگر ہوٹل میں ہی پی ہے اور ایسی جگہ رکھ دیں کہ ہوٹل کے ملازم اٹھا لے اور اطلاع کر دے، پھر غائب ہوگئیں، تو ان پر ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۶/۹۵ھ۔

---

(۱) مذکورہ صورت بظاہر عاریت کی ہے اور عاریت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود بخود ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں، البتہ اگر عاریۃً لینے والا اس کو ضائع کر دے، تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔

"(وتصح بأعرتك)؛ لأنه صريح (وأطعمتك أرضي) ...... (ومنحتك) ...... (و) داري لك (عمري) ...... (ولا تضمن بالهلاك من غير تعد)". (الدرالمختار). "(قوله (بالهلاك) هذا إذا كانت مطلقة، فلو مقيدة كأن يعيره يوماً فلو لم يردها بعد مضيه، ضمن إذا هلكت، كما في شرح المجمع، وهو المختار، كما في العمادية". (ردالمحتار، كتاب العارية: ۵/۶۷۸، ۶۷۹ سعيد) .... =

بیمار لڑکی کی شادی کی، مرگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟

سوال[۱۱۱۴۹]: ۱.....زید نے اپنی لڑکی کا مورخہ ۱۸/ دسمبر ۱۹۷۷ء کو عمر کے ساتھ نکاح پڑھادیا تھا، جو صرف تین مہینے ۱۸/ دن زندہ رہ کر یکم اپریل ۱۹۷۸ء کو ٹی بی دواخانہ میں انتقال کرگئی۔

۲.....زید کو یہ معلوم تھا کہ اس کی لڑکی ٹی بی کی مریضہ ہے، تیسرے درجہ میں بیمار ہے، یہ سب جانتے ہوئے شادی کرادی، اس بچی کے موت کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲..... جب کہ اس لڑکی کو کسی نے قتل نہیں کیا، تو اس کی موت کا کوئی ذمہ دار نہیں، علاج کی کوشش کے باوجود نہیں بچی، تو کسی کا کیا قصور۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۹ھ۔

چمڑے کے وزن کے دوران کان اور دم وغیرہ کو تولنے کا حکم

سوال[۱۱۱۵۰]: ایک شخص نے ۶۰/ روپے فی من کے حساب سے چمڑا خریدا، دستور یہ ہے کہ چمڑے میں کان اور دم اور گوشت جو کہ چمڑہ میں رہ جاتا ہے، وہ صاف کرکے جب تولا جاتا ہے، لیکن فروخت کرنے والے نے بغیر صاف کئے ہی تول شروع کردیا، خریدنے والے نے کہا بھی، کہ صاف کرا کر تولو، تو یہ جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں، دو کلو فی من اوپر تول دیں گے، حالانکہ ایک چمڑا میں سے آلائش اور دم کان وغیرہ سب چار کلو کے قریب نکلتے ہیں۔

اس اعتبار سے ایک من پر تقریباً ۱۲/ کلو آلائش ہوئے، کیونکہ ایک من میں تین چمڑے چڑھتے ہیں، حالانکہ وہ بیچنے والا صرف دو کلو زائد تولتا ہے، خریدنے والے اس کاروبار سے ناواقف تھا، سوال یہ ہے کہ اس خسارہ کی ذمہ داری خریدنے والے پر آتی ہے یا فروخت کرنے والے پر؟

= "رجل استعار قلادة ذهب فقلدها صبيا فسرقت، فإن كان الصبي يضبط حفظ ماعليه لايضمن وإلا يضمن، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب العارية، الباب الخامس في تضييع العارية الخ: ۳۶۸/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب العارية: ۴۷۸/۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نقصان بیچنے اور تولنے والے سے وصول کیا جائے کہ اس نے نقصان پہنچایا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۸/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۸/ ۸۶ھ۔

نابالغ نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے تاوان کا حکم

سوال[۱۱۱۵۱]: زید کے پاس ایک گھوڑی تھی، جس پر سوار ہو کر نماز جمعہ پڑھانے جارہا تھا، ایک روز وہ گھوڑی بکر کے دروازے پر چلی گئی، بکر موجود نہیں تھا، اس کا نابالغ لڑکا کھیل رہا تھا، اس نے ایک ڈھیلا مار دیا، جو اس کی آنکھ پر جالگا اور آنکھ پھوٹ گئی، زید کہتا ہے کہ ہم کو تاوان دے، بکر کہتا ہے کہ طفلِ صغیر نے مار دیا ہے، تاوان کیوں دوں، میرا کوئی اشارہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی موجود تھا، پھر کس طرح ہم پر تاوان عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نابالغ لڑکے نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی ہے تو بھی اس کا ضمان لازم ہوگا، ضمان کی مقدار گھوڑی کی چوتھائی قیمت ہے۔

"الصبي المحجور مواخذ بأفعاله فيضمن ما أتلفه من المال للحال" (درمختار مع هامش الشامي، كتاب الحجر، وضمن في فق عين ...... حمار و بغل وفرس ربع القيمة: ۵/ ۹۲(۲) (درمختار مع

(۱) "إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر، قوله: "إذا اجتمع المباشر والمتسبب الخ، حد المباشر أن يحصل التلف بفعله من غير أن يتخلل بين فعله، والتلف فعل مختار". (شرح الحموي على الأشباه، القاعدة التاسعة عشر: ۱/ ۴۰۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الإجارة، مسائل شتى: ۶/ ۸۸، سعيد)

(وكذا في القواعد الفقهية، ص: ۱۱۷، رقم القاعدة: ۳۰۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/ ۱۴۶، سعيد) .... =

الشامي: ۵/۳۹۱)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۰ھ۔

سامان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر بے احتیاطی کرنا

سوال[۱۱۱۵۲]: فریق نمبر۱ کا ایک جگہ سامان رکھا ہوا ہے، فریق نمبر۲ نے اس سے آکر دریافت کیا کہ تمہارا سامان کہاں رکھا ہے، میں بھی وہیں آکر اپنا سامان رکھ دوں، فریق نمبر۱ نے بتایا، فریق نمبر۲ نے اپنا سامان بھی وہیں رکھ دیا اور فریق نمبر۱ کو اپنا سامان دکھلا دیا، پھر اس سے اجازت چاہی کہ میں کھانا کھانے جارہا ہوں، تم اپنے سامان کے ساتھ میرے سامان کی بھی حفاظت کرنا، کہیں چھوڑ کر مت جانا، فریق نمبر۱ نے اجازت دے دی کہ جاؤ! ہم سامان دیکھیں گے، اس کے بعد فریق نمبر۲ چلا گیا، آکر دیکھا کہ فریقن نمبر۱ سامان سے کچھ فاصلہ پر بیٹھا ہوا ہے، کہ جہاں سے سامان نظر نہیں آتا تھا، پھر سامان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فریق نمبر۲ کا سامان غائب ہے اور فریق نمبر۱ کا سامان موجود ہے، اس صورت میں کیا حکم شرعی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اپنے سامان کی طرح فریق نمبر۱ نے باوجود وعدہ کرنے اور ذمہ داری لینے کے حفاظت نہیں کی

(وكذا في درر الحكام في شرح غرر الأحكام، كتاب الحجر: ۲/۲۷۴، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر: ۸/۱۴۳، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الديات، باب جناية البهيمة: ۶/۶۱۰، سعيد)

"في عين بدنة الجزار، والحمار، والفرس ربع القيمة". (البحر الرائق، كتاب الديات، باب جناية البهيمة: ۹/۱۳۹، رشيديه)

"وضمن (في عين بقر جزار وجزروه) أي: إبله (والحمار، والبغل، والفرس ربع القيمة)". (درر الحكام في شرح غرر الأحكام، كتاب الديات، باب جناية البهيمة: ۲/۱۱۴، مير محمد كتب خانه كراچی)

اورسامان ضائع ہوگیا، توضمان لازم ہوگا (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دھوبی نے کپڑا گم کردیا

سوال [۱۱۱۵۳]: دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا، اس نے گم کردیا اس پرتاوان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہوگیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے اختیار تھا، مثلاً: ایک دم پانی زیادہ آگیا اور کوشش کے باوجود وہ حفاظت نہ کرسکا، تو اس پر ضمان نہیں (۲)۔فقط واللہ

(۱) "ولو قال المودع: وضعت الوديعة بين يدي، فقمت، ونسيتها، فضاعت ضمن، وبه يفتى".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الرابع فيما يكون تضييعا للوديعة: ۳۴۲/۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، فصل فيما يضمن المودع: ۳/۷۷۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الفصل الثاني فيما يكون إضاعة: ۲۰/٦، رشيديه)

(۲) "ولا يضمن ما هلك في يده، وإن شرط عليه الضمان، وبه يفتى، كما في عامة المعتبرات، وبه جزم أصحاب المتون، فكان هو المذهب ..... وأفتى المتأخرون بالصلح على نصف القيمة ..... ويضمن ما هلك بعمله كتخريق الثوب من دقه.

(قوله: ولا يضمن) اعلم أن الهلاك إما بفعل الأجير أو لا، والأول إما بالتعدي أو لا، والثاني إما أن يمكن الاحتراز عنه أو لا، ففي الأول بقسميه يضمن اتفاقاً، وفي ثاني الثاني لا يضمن اتفاقاً، وفي أوله لايضمن عند الإمام مطلقاً، ويضمن عندهما مطلقاً". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶۵/٦، سعيد)

"والمتاع في يده غيره مضمون بالهلاك سواء هلك بسبب يمكن التحرز عنه كالسرقة أو بمالايمكن كالحريق الغالب، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وهو القياس، وقالا: يضمن إلا إذا هلك بأمر لا يمكن التحرز عنه ..... وبقولهما يفتى اليوم لتغير أحوال الناس، وبه تحصل صيانة أموالهم". =

تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۱۳۷-۱۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"المأجور أمانة في يد المستأجر ...... لايلزم الضمان إذا تلف المأجور في يد المستأجر مالم يكن بتقصيره أو تعديه أو مخالفته لمأذونيته". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الإجارة، الفصل الثاني في ضمان الأجير: ۲/۷۰۳، رقم المادة: ۶۰۰، ۶۰۱، رشيديه)

(وكذا في الهدايه، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۳/۳۱۰، ۳۱۱، رحمانيه لاهور)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ، كتاب الإجارة، الجنس الثاني في القصار: ۳/۱۳۶، امجد اكيڈمی لاهور)

باب في الوديعة

(امانت کا بیان)

بچوں کی امانت خود ان پر صرف کرنا

سوال[۱۱۱۵۴]: نابالغ بچوں وبچیوں کا جو مال ہے، اس میں تایا وچچا شرعاً تصرف کر سکتے ہیں بحیثیت ولی؟ نیز نابالغ بچوں وبچیوں کی جو امانت دادا یا تایا وچچا کے پاس ہو اور بعد از بلوغ مطالبہ پر وہ یہ کہیں کہ وہ امانت ہم نے تم ہی لوگوں پر خرچ کر دی ہے، تو اس جواب سے یہ لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے، یا پھر امانت واجب الاداء ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ان بچوں کی ضروریات، کھانا، کپڑے وغیرہ پر ان کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جوان کی امانت ہے، اس کو بھی خرچ کیا جاسکتا ہے اور اس پر کوئی پکڑ نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۷/ ۶/ ۱۴۰۰ھ۔

بالغ ہونے پر بچوں کی امانت، ان کی شادی میں خرچ کرنا

سوال[۱۱۱۵۵]: یتیم پوتے و پوتیوں یا بھتیجے و بھتیجیوں کی شادی کرانا بھی دادا یا تایا وچچا کے ذمہ

---

(۱) "وإن كان للصغير عقار، أو أردية، أو ثياب، واحتيج إلى ذلك للنفقة، كان للأب أن يبيع ذلك كله، وينفق عليه كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الأولاد: ۱/ ۵۶۲، رشيديه)

"وقيد بالفقير؛ لأن الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/ ۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/ ۶۱۲، سعيد)

ہے، بعد از بلوغ دادایا تایا وچچا نے اپنی یتیم پوتیوں وبھتیجوں کی شادی میں انہیں یتیم بچوں کا مال خرچ کیا ہے، بعد میں مطالبہ پر اس خرچ کا حوالہ دے دیا، جب کہ اس خرچ کے وقت ان یتیم بچوں کی اجازت بھی نہیں لی تھی، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بالغ ہونے پر ان کا مال بغیر ان کی اجازت شادی وغیرہ میں دادا خرچ کرے نہ تایا وچچا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

لاوارث غیر مسلم کی امانت کا حکم

سوال [۱۱۱۵۶]: زید کے پاس ایک غیر مسلم کی امانت رکھی تھی، غیر مسلم مرگیا، کوئی وارث بھی

---

(۱) یتیم بچہ جب عاقل بالغ ہوجائے، تو شرعاً اُن کا مال ان کو واپس کیا جائے گا، اب اس کے مال میں کسی کو بھی کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔

قال الله تعالى: ﴿وابتلوا اليتمى حتى إذا بلغوا النكاح فإن انستم منهم رشداً فادفعوا إليهم أموالهم﴾ (النساء: ٦)

"﴿فإن انستم﴾ أي: أحسستم ..... ﴿منهم رشداً﴾ أي: اهتداءا إلى ضبط الأموال، وحسن التصرف فيها، قيل: صلاحاً في دينهم، وحفظاً لأموالهم ..... ﴿فادفعوا إليهم أموالهم﴾ أي: من غير تأخير عن حد البلوغ كما تدل عليه الفاء". (روح المعاني، النساء: ٦: ٤/٢٠٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير، النساء: ٦: ١/٦٠٠-٦٠٢، دار السلام رياض)

"عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ١/٢٥٥، قديمي)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ٢/٤٤٤، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في القواعد الكلية، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ٩٦، مير محمد كتب خانه)

نہیں، اب اس امانت کا مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب امانت رکھنے والا مرگیا، کوئی وارث بھی نہیں، تو اس امانت کی رقم کو غریبوں پر صدقہ کردیا جائے (۱)، دینی مدرسہ کے طالب علم بھی اس کا مصرف ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "للمودع صرف وديعة مات ربها ولا وارث لنفسه أو غيره من المصارف". (الدرالمختار). "إذا كان عنده وديعة فمات المودع بلا وارث، له أن يصرف الوديعة إلى نفسه في زماننا هذا؛ لأنه لو أعطاها لبيت المال لضاع؛ لأنهم لايصرفون مصارفه، فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه، وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى المصرف". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب هل يجب العشر على المزارعين الخ: ۳۳۶/۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثاني في المصرف: ۸۸/۴، ۸۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب العشر: ۴۲۲/۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "قلت: ورأيته في جامع الفتاوىٰ ونصه في المبسوط: لايجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج، لقوله عليه السلام: "يجوز دفع الزكاة لطالب العلم، وإن كان له نفقه أربعين سنة" قلت: وهو كذلك، والأوجه تقييده بالفقير". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۴۰/۲، سعيد)

"قوله: (ومنقطع الغزاة) وهو المراد بقوله تعالى: ﴿وفي سبيل الله﴾ .... وقيل: طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية، وفسره في البدائع بجميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالىٰ وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً". (البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۴۲۲/۲، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۴۶۱/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف: ۳۲۸/۱-۳۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

شیٔ مستعار کا عوض ادا کر چکنے کے بعد وہ ملی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۱۵۷]: شیٔ مستعار اگر باوجود پوری حفاظت کے غائب ہوگئی، غائب ہوجانے کی وجہ سے غائب شدہ چیز کا عوض دے دیا گیا، لیکن عوض دینے کے بعد اصل چیز دستیاب ہوگئی، اب اصل چیز کو دے کر عوض واپس لینا چاہے، کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہی ہے کہ عوض لے کر وہ چیز واپس دے دی جائے (۱)، اگر اس پر سمجھوتہ نہ ہو سکے، تو عوض کے مقابلہ میں شیٔ مستعار پر مستعیر کی ملک ہوجائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۹۴ھ۔

---

(۱) عاریت کا حکم امانت کا ہوتا ہے اور امانت میں وہ چیز جو امانت رکھی گئی ہے، اس کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

"وحکمها کونها أمانة". (البحر الرائق، کتاب العارية: ۷/۴۷۶، رشیدیه)

"والعارية أمانة إن هلكت من غير تعد لم يضمنها". (الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب العارية، الباب الثاني: ۴/۳۶۳، رشیدیه)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾ (النساء: ۵۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أد الأمانة إلی من ائتمنك، ولا تخن من خانك". (سنن أبي داود، کتاب البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه: ۲/۱۴۲، إمدادیه ملتان)

(وکذا في فیض القدیر، رقم الحدیث: ۳۰۸: ۱/۴۲۶، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز مکه)

(۲) اس صورت میں گویا کہ معیر نے مستعیر کو وہ چیز بیچ دی، لہٰذا معیر بائع اور مستعیر مشتری ہوگا اور بیع میں مبیع پر مشتری کی ملک ثابت ہوجاتی ہے۔

"وأما حکمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا کان البيع باتاً".

(حاشية الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بیروت)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیرية، کتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعید)

عیدگاہ کا روپیہ کاروبار میں لگانا

سوال[۱۱۱۵۸]: زاہد علی نے چار ہزار روپیہ عیدگاہ کے لئے چندہ کیا تھا، ابھی یہ روپیہ ان کے پاس تھا کہ انہوں نے اس کو کاروبار میں لگا دیا، عیدگاہ کا کچھ کام شروع ہوا تھا، کچھ بند ہوا کچھ ہوا، اب لوگوں نے ان کو کہا کہ تم حساب دو، مگر انہوں نے حساب نہیں دیا، ایسی صورت میں اب شرعاً کیا حکم ہے؟ کہ ان کا بائیکاٹ کرنا کیسا ہے، اگر ان کے پاس فوری طور پر روپیہ نہ ہو، تو کیا کچھ حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عیدگاہ کے لئے جو روپیہ بطور چندہ جمع کر کے ایک شخص کے حوالہ کیا گیا تھا، وہ روپیہ امانت تھا اور وہ شخص امین تھا(۱)، اس کو وہ روپیہ کاروبار میں لگانا جائز نہیں تھا، یہ خیانت ہے اور ایسا کرنے سے وہ شخص خائن ہوا، اس کے ذمہ روپیہ اور اس کا حساب دینا ضروری ہے(۲)، اگر ترک تعلقات (حقہ، پانی بند) کرنے سے وصول کر سکتا ہو، تو اس کی اجازت ہے(۳)، لیکن اگر وہ غریب ہے، یکدم سب روپیہ نہیں دے سکتا، تو حسب

(۱) "أما تفسيرها شرعاً، فالإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله، والوديعة ما يترك عند الأمين، كذا في الكنز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع والوديعة وركنها وشرائطها وحكمها: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"(هو) لغة: من الودع، أي: الترك، وشرعاً: (تسليط الغير على حفظ ماله صريحاً أو دلالة) .... (والوديعة: ما يترك عند الأمين)". (الدرالمختار، كتاب الإيداع: ۶۶۲/۵، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۴/۷، رشيديه)

(۲) "وأما حكمها: فوجوب الحفظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه، كذا في الشمني". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول في تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

"(وهي أمانة) هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب". (الدرالمختار، كتاب الإيداع: ۶۶۳/۵، ۶۶۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوديعة: ۴۶۵/۷، رشيديه)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

مصالح اس کو کچھ مہلت دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال".

قوله: (فوق ثلاث ليال) أي: بأيامها ...... ولايجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۹: ۲۳۰، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/ ۲۰۹، ۶۱۰، قديمى)

(وكذا في عمدة القارى، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد والتدابر الخ: ۲۲/ ۱۳۷، مطبعة منيرية بيروت)

کتاب الرہن

(رہن کا بیان)

صاف لفظوں میں امانت کہنا اور معاملہ گروی کا کرنا

سوال[۱۱۱۵۹]: ایک شخص مسمیٰ حسن بھائی فاضل بھائی نے اپنی حیات میں چند مکانات مسمیٰ عبدالرسول محمد عمر کے پاس رکھے اور لکھا کہ یہ مکانات تمہارے پاس امانت رکھتا ہوں اور عبدالرسول کا قرضہ حسن بھائی کے ذمہ تھا، اول حسن بھائی کے ذمہ تھا، اول حسن بھائی نے انتقال کیا، اس وقت ان کے حقیقی بھائی یٰسین بھائی کا لڑکا عمر بھائی اور بیوی عظیم بو چھوڑے۔ بعد میں عظیم بو نے انتقال کیا، انہوں نے ایک ابن ابی العم عمر بھائی مذکور الصدر اور دو علاتی بہن کی لڑکیاں بنت الاخت لاب عابدہ، زاہدہ چھوڑ دیں۔ بعد میں عابدہ نے انتقال کیا، اس نے ایک لڑکا غلام نبی اور دو لڑکیاں مسماۃ سلطان بو اور مریم چھوڑے۔ بعد میں زاہدہ نے انتقال کیا، اس نے بھی ایک لڑکا محمد صدیق اور دو لڑکیاں مریم اور غفور بو چھوڑے۔ بعد میں سلطان بو بنت عابدہ نے انتقال کیا، ایک بھائی غلام نبی اور بہن مریم چھوڑے۔

بعد میں غلام نبی نے انتقال کیا، بہن مریم چھوڑے۔ مریم نے انتقال کیا، دو لڑکے غلام رسول اور افضل بھائی چھوڑے۔ بعد میں غلام رسول نے انتقال کیا، ایک بیوی سلطان بو اور دو لڑکے علی میاں اور نبی میاں چھوڑے۔ مریم کے دوسرے لڑکے افضل بھائی نے انتقال کیا۔ بیوی عائشہ اور چار لڑکے حسن اور عبدالقادر، عبدالرحمٰن، فاضل اور ایک لڑکی مریم چھوڑے۔

زاہدہ جو میت ثانی عظیم بو کی بنت الاخت تھی نے انتقال کیا، ایک لڑکا محمد صدیق اور دو لڑکیاں مریم اور غفور بو چھوڑے۔ مریم نے انتقال کیا، ایک لڑکی حلیم بو اور دو لڑکے فاضل بھائی اور رحیم بھائی چھوڑے۔ بعد میں فاضل بھائی نے انتقال کیا، بیوی وزیر بو اور لڑکا غلام حسین اور عبدالرحمٰن چھوڑے۔ محمد صدیق نے انتقال کیا، اس

وقت ایک لڑکی زینت بی اور بہن غفور بو تھے۔ بعد میں غفور بو گزری، دو لڑکے محمد عمر اور چاند بھائی اور تین لڑکیاں آمنہ، بی سلام، بی مریم چھوڑیں۔ بی مریم گزری شوہر عبدالنبی دو بھائی محمد عمر اور چاند بھائی اور دو بہنیں آمنہ، بی سلام چھوڑے۔ عبدالنبی شوہر بی مریم نے انتقال کیا، دو بھتیجے اور دو بھتیجی اور دو نواسی چھوڑے۔ بی سلام گزری، لڑکا رسول میاں اور لڑکی مریم چھوڑے، عمر بھائی اور یاسین بھائی جو میت اول کا ابن الاخ ہے اور میت ثانی عظیم بو زوجہ میت اول کا ابن ابی العم ہے، جس نے عظیم بو جو میت ثانی ہے، ان کی بھانجیاں عابدہ اور زاہدہ اور ان کی اولاد عابدہ کی اولاد سلطان بو، مریم، غلام نبی اور زاہدہ کی اولاد مریم اور محمد صدیق کے بعد انتقال کیا۔

سوائے زاہدہ کی لڑکی غفور بو کے وہ حیات تھی، عمر بھائی نے انتقال کیا، اس وقت ان کی دو لڑکیاں آمنہ اور خدیجہ اور ایک ابن الاخ عثمان عرف نور محمد حیات تھے۔ اول آمنہ نے انتقال کیا، اس نے شوہر محمد طاہر اور علاتی بہن خدیجہ چھوڑے۔ بعد میں خدیجہ گزری اس نے تین لڑکے عبداللہ اور عبدالقادر اور محمد جو دیوانہ ہے، چھوڑے۔ بعد میں خدیجہ کے لڑکے عبدالقادر نے انتقال کیا، بیوی، ایک حقیقی بھائی عبداللہ بعد اخیافی محمد چھوڑے۔

اس کے بعد عمر بھائی کا ابن الاخ عثمان عرف نور محمد نے انتقال کیا، اس نے عورت قمر النساء، ماں حفیظہ اور چار لڑکے جن میں تین نابالغ ہیں اور چار لڑکیاں جن میں دو نابالغ ہیں، چھوڑے۔

اس میں وضاحت طلب امور یہ ہے کہ یہ مکانات حسن بھائی مرحوم کے جو عبدالرسول اور بعد میں ان کی اولاد کے قبضہ میں امانت ہیں، یا رہن گروی اور قانون سرکاری جو ایک مدت بعد مالک یا ورثاء مالک کو رہن والی چیز واپس نہیں ملتی یا رہن رکھنے والا واپس نہیں کرتا، یہ شرعاً کیسا ہے؟ ان مکانات کی آمدنی اور مرمت کا کیا حکم ہے؟

۲..... ورثاء عبدالرسول کو یہ مکانات ہبہ یا فروخت کرنے کا حق ہے؟

۳..... ورثاء عبدالرسول مرحوم کو مکانات کی تخمیناً قیمت ورثاء حسن بھائی کو دینی چاہیے یا مکانات واپس کرنے چاہئیں، کیونکہ ورثاء حسن بھائی میں نابالغ اور دیوانہ بھی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... صاف صاف لفظوں میں تو امانت کہا ہے، لیکن قرضہ ذمہ میں ہونا رہن کا قرینہ ہے، اس کے باوجود واپس نہ دینے کا اختیار نہیں۔ قرضہ کل ادائیگی اور مکانات کی واپسی لازم ہے، قانونی آڑ لے کر گروی

مکانات کی واپسی سے مدت متعینہ گزر جانے پر آدمی سبکدوش نہیں ہوجاتا (۱)۔

۲..... آمدنی بھی مالک کی ہے، مرمت بھی مالک کے ذمہ ہے (۲)، جس کے پاس کپڑا گروی رکھا ہے، نہ اس کو انتفاع کا حق ہے نہ آمدنی کا (۳)، نہ اس کے ذمہ مرمت لازم ہے (۴)۔

۳..... ان کو حق نہیں، اس لئے کہ وہ مالک نہیں (۵)۔

---

(۱) "ویؤمر المرتهن باحضار دینه، والراهن باداء دینه أولاً". (البحر الرائق، کتاب الرهن: ۸/۴۳۷، رشیدیه)

"وإذا طلب دینه، أمر بإحضار الرهن، فإذا أحضره أمر الراهن بتسلیم کل دینه أولاً، ثم أمر المرتهن بتسلیم الرهن". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۴/۲۷۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في الهدایة، کتاب الرهن: ۴/۵۱۵، شرکت علمیه ملتان)

(۲) "والأصل فیه: ان مایحتاج إلیه لمصلحة الرهن بنفسه وتبقیته فعلی الراهن، سواء کان في الرهن فضل أو لم یکن، لأن العین باقیة علی ملکه، وکذا منافعه مملوکة له، فیکون إصلاحه وتبقیته علیه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الرهن، الباب الرابع: ۵/۴۵۳، رشیدیه)

"(ونفقة الرهن والخراج) والعشر (علی الراهن) والأصل فیه: أن کل مایحتاج إلیه لمصلحة الرهن بنفسه وتبقیته فعلی الراهن؛ لأنه ملکه". (الدر المختار، کتاب الرهن: ۶/۴۸۷، سعید)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الرهن: ۴/۲۳۸، ۲۳۹، دار المعرفة بیروت)

(۳) "لایحل له أن ینتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه یستوفي دینه کاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا، وهذا أمر عظیم". (الدر المختار، کتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعید)

(وکذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، رقم المادة: ۷۵۰: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا في الفتاوی الکاملیة، کتاب الرهن، ص: ۲۴۴، حقانیه پشاور)

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۲

(۵) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان. (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

"ولا یجوز التصرف في مال غیره بغیر إذنه". (شرح الحموي علی الأشباه، کتاب الغصب: ۲/۲۴۴، إدارة القرآن کراچی)

.....

۴...... اپنے مورث کا دیا ہوا قرضہ وصول کرلینا چاہیے اور مکانات واپس کردیں۔ اس مسئلہ میں نابالغ، دیوانہ اور عقل مند بالغ سب کا یہی حکم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱۱/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

زمین رہن رکھ کر معاوضہ وصول کرنا

سوال[۱۱۱۶۰]: ۱...... روپیہ قرض دے کر زمین میں رہن رکھ کر استفادہ کرنا اور لگان گورنمنٹ کو خود ادا کرتے رہنا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر پھر اس قرض خواہ کو زمین کھیتی کرنے کے لئے ۵، ۱۰ من کے بدلہ لکھ دیتے ہیں، خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، یہ کیسا ہے؟

۳۔ بعض لوگ رہن رکھ کر استفادہ حاصل کرنے کی وجہ سے کچھ عدد سالانہ اس روپیہ سے کاٹ دیتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ صورت جائز نہیں (۲)۔

= (وكذا في القواعد الكلية، الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۱) "لا يبطل الرهن بموت الراهن، ولا بموت المرتهن، ولا بموتهما، ويبقى الرهن رهنا عند الورثة".

(الدر المختار، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن الخ: ۶/۵۲۰، سعيد)

"أما حكمه فملك العين المرهونة في حق الحبس، حتى يكون أحق بإمساكه إلى وقت إيفاء الدين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرهن، الفصل الأول: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الرهن، ص: ۲۴۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۶۷، رشيديه)

(۲) "وعن عبدالله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند: أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (ردالمحتار، كتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعيد) .... =

۲...... یہ پانچ دس من غلہ اگر صحیح حساب سے محسوب کرلیں، تو درست ہے، ورنہ نہیں، یعنی غلہ وصول کرتے وقت جو نرخ ہو، اسی نرخ سے قیمت لگا کر یہ سمجھیں کہ گویا کہ ہم نے اپنے قرض میں سے اتنا وصول کرلیا ہے(۱)۔

۳...... ایسی زمین کا جو سالانہ کرایہ بغیر کسی دباؤ کے ہوتا ہے، اگر اتنی مقدار وصول کردہ روپیہ سے کاٹ دیں، تو جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۸۹ھ۔

شئ مرہون سے نفع اٹھانا

سوال[۱۱۱۲۱]: اگر تیس روپے میں گھڑی رہن رکھی، تو اس گھڑی کو استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

= "وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن، ولا إجارته، ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۴/۲۷۳، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۳۸، رشيديه)

(۱) "وجد دنانير مديونه وله عليه درهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنسا في الثمنية، قال الحموي ..... إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۵۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر: ۴/۸۶، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب السرقة: ۷/۵۴۵۱، رشيديه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها، أو قال: علي أن أزرع فيها ما أشاء، كي لا تقع المنازعة". (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۶/۲۹، سعيد)

"قوله: (والأراضي للزراعة أن بين ما يزرع فيها، أو قال: علي أن أزرع فيها ما أشاء) أي: صح ذلك للإجماع العملي عليه". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۷/۵۱۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ۳/۵۳۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

جب کہ آئندہ واپسی کی امید نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تیس روپے دے کر جو گھڑی رہن رکھی ہے، اس کو استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)، مالک سے معاملہ کرلیا جائے، جب وہ تیس روپیہ کے عوض یا جس نرخ پر فروخت کردے، تب خریدار کو استعمال کرنا درست ہوگا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

رہن پر نفع

سوال [۱۱۱۶۲]: اگر کسی نے کوئی چیز سو روپے کی زید کو دے کر زید سے پچاس روپے اس شرط پر

---

(۱) "أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن إذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار، كتاب الرهن: ۴۸۲/۶، سعيد)

"وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الرهن: ۴۳۸/۸، رشيديه)

(۲) جب انہوں نے وہ گھڑی تیس روپے کے عوض خرید لی، تو اس پر اُن کی ملکیت ثابت ہوئی، لہٰذا اب وہ جس طرح چاہے، استعمال کرسکتا ہے۔

"وحكمه: ثبوت الملك للمشتري في المبيع، وللبائع في الثمن، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الشلبي على التبيين، كتاب البيوع: ۲۷۶/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وحكمه ثبوت الملك أي: في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۰۶/۴، سعيد)

"وكل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۴/۱، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۶۵۷/۱، رقم المادة: ۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

لئے ہیں کہ اگر ایک سال کے اندر اندر پچاس روپے نہ لوٹائے، تو وہ سو روپے کی چیز زید کے لئے ہو جائے گی یا ایسا کہیں کہ ایک سال کے لئے گروی رکھا، تو اب سال ختم ہو جاتا ہے، لیکن روپیہ واپس نہیں کیا، تو کیا کرنا پڑے گا اور صاحب مقروض کو اتنی ہمت نہیں، جس سے وہ پچاس روپیہ ادا کر کے اپنی چیز لے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح تو یہ معاملہ درست نہیں ہوا، اب جب کہ قرض واپس کرنے کا وقت آیا اور اس کے پاس روپیہ دینے کو نہیں ہے، تو اب معاملہ کرلے کہ ہماری فلاں چیز جو آپ کے پاس ہے، اس کی قیمت یہ ہے، آپ کا قرض اتنا ہے، وہ چیز آپ خرید لیں تاکہ آپ کا قرض ادا ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۴۰۰ھ۔

ناریل رہن رکھ کر اس کی آمدنی کھانا

سوال [۱۱۱۶۳]: زید نے ناریل کا درخت گروی رکھ کر پانچ سال کی مدت پر پانچ سو روپیہ لیا، مدت گزرنے کے بعد پانچ سو روپیہ دیا، اب درمیانی سال کی آمدنی، یعنی ناریل کی آمد بلا قیمت بکر کھاتا رہا، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناریل گروی رکھ کر اس کی آمدنی کھانا جائز نہیں، یہ سود کے حکم میں ہے۔

وفي الأشباه: "كل قرض جر نفعا، حرام" درمختار مع هامشه،

---

(۱) "وجد دنانير مديونه وله عليه دراهم، له أن يأخذه لا تحادهما جنساً في الثمنية، قال الحموي ...... إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۱۵۱/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحجر: ۸۶/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب السرقة: ۵۴۵۱/۷، رشيديه)

ص: ۱۹٤، مطبوعه مکتبه رشیدیه پاکستان(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فکِ رہن کی تاریخ مقرر کرنا اور اس میں توسیع کرنا

سوال[۱۱۱۶۴]: زید نے اپنا ایک مکان بکر کے پاس رہن باقبضہ مبلغ تین سوروپیہ پر دوسال کے لئے رکھ دیا اور فسخ رہن کی تاریخ مقرر کرکے دستاویز پر تحریر کردیا، اگر متعینہ وقت پر نہ دے سکا، تو یہ رہن نامہ بیع نامہ متصور ہوگا، جب مدت رہن ختم ہونے لگی تو زید نے مزید تین سوروپیہ بکر سے لے کر فسخ رہن کی تاریخ میں اضافہ کرلیا اور جب مزید توسیع قریب الختم ہونے کو آئی، تو پھر مبلغ دوسوروپیہ بکر سے لے کر پھر دستاویز تحریر کردی کہ اگر میں ۱۹٦۴ء تک زمین فسخ نہ کراسکوں، تو یہی رہن بیع نامہ ہوگا۔

چنانچہ ٦٤ء شروع ہوگیا اور اب ۷۰ء شروع ہوگیا ہے، اب چاہتا ہے کہ مکان بکر سے واپس لے لے، تو شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور یہ مکان بکر کی ملکیت میں آیا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر رہن کی تاریخ معینہ گزر جانے پر بیع نامہ تصور کرنے کی تصریح شرعاً صحیح نہیں، شرعاً بیع نہیں (۲)،

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۱٦٦/۵، سعید)

"كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة: ۵۷۵/۱، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ٤۹۹/۱٤، إدارة القرآن كراچی)

"وعن عبدالله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند؛ أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (ردالمحتار، كتاب الرهن: ٤۸۲/٦، سعید)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۲۷۳/٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ٤۳۸/۸، رشيديه)

(۲) بیع کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماضی یا حال کے صیغے کے ساتھ ہو اور بیع حتمی ہو، یہ نہیں کہ اگر یوں ہے تو بیع ہے، ورنہ نہیں۔=

زید قرض واپس کرکے بکر سے مکان بصورت فکِ رہن واپس لے سکتا ہے، بکر نے اس مدتِ رہن میں مکان سے نفع حاصل کیا، تو وہ ناجائز ہوا، سود ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "قال أصحابنا رحمه الله تعالیٰ: كل لفظين ينبئان عن التمليک والتملک على صيغة الماضي أو الحال ينعقد بهما البيع، كذا في المحيط: ..... وأما تمحض للاستقبال كالمقرون بالسين وسوف أو الأمر فلا ينعقد به، إلا إذا دل الأمر على المعنى المذكور". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الثاني في ما يرجع إلى انعقاد البيع الخ: ۴/۳، رشيديه)

"لانعقاده بكل لفظين ينبئان عن معنى التمليک والمتلک ما ضيين أو حالين كما في الخانية ..... وإنما قيده به في الهداية لإخراج المستقبل فقط أمراً أو مضارعاً مبدو بالسين أو سوف كما في الخانية، مالم يؤد معناهما". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۴۲، ۴۴۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۱۰، ۵۱۱، سعيد)

(۱) "وعن عبدالله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند: أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (ردالمحتار، كتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعيد)

"وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الرهن: ۴/۲۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۳۸، رشيديه)

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

بندوق سے کئے ہوئے شکار کا حکم

سوال[۱۱۱۲۵]: ایک شخص نے مرغ کا شکار کیا اور شکار کیا بندوق سے اور بغیر تکبیر کے مرغ پر بندوق چلائی اور مرغ ایک فائر سے مرگیا، بندوق سے گولی لگنے کے بعد کچھ دیر کے لئے مرغا گم ہوگیا، تلاش کرنے کے بعد مرغا مرا ہوا ملا، اس مرے ہوئے مرغے کو ذبح کیا اور کچھ لوگوں نے کھایا، ذبح کے وقت مرغ میں سے قدرے کچھ گرم گرم خون بھی نکلا ہے، بغیر تکبیر کے بندوق چلانا اور مرغ کا مرا ہوا ملنا، پھر ذبح کرنا، کیا یہ مرغا حرام ہے؟

کیا بندوق تیر کے حکم میں ہے یا بندوق اور تیر آپس میں شرعی اعتبار سے مغائر ہیں؟ قرآن میں تیر سے شکار کیا ہوا اگر مرا مل جائے، تو حلال ہے، کیا یہ صحیح ہے اور کیا بندوق کا بھی یہی حکم ہے؟ جب کہ بندوق سے ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

جن لوگوں نے یہ مرغا کھایا ہے، حلال کھایا یا حرام؟ اور "حرمت علیکم المیتة" کے حکم میں یہ مرغا ہے یا نہیں؟ اگر یہ حرام ہے، تو پھر جن لوگوں نے کھایا، اس کا کفارہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بندوق میں جو گولی ہوتی ہے، یا چھرے ہوتے ہیں، وہ چاقو یا تیر کی طرح دھار دار نہیں ہوتے، وہ تیر کے حکم میں نہیں، اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق چلائی اور اس سے جانور مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، تو وہ جانور

حلال نہیں (۱)، اگر اس کو زندہ پایا اور شرعی طریقہ پر ذبح کرلیا، تو وہ حلال ہوگا (۲)، اگر وہ مر چکا تھا، پھر ملا، تو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا (۳)۔

اس صورت میں اس کے غائب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ذبح کرنے سے پہلے اگر اس کی موت وحیات مشکوک ہو اور ذبح کرنے پر اس میں کوئی حرکت نہ ہو، جیسے زندہ جانور کو ذبح کرتے وقت حرکت ہوتی ہے اور نہ اس طرح اس میں سے خون نکلے، تو وہ حلال نہیں، محض خون نکلنا علامت حیات نہیں، مگر خون اگر اس طرح جوش کے ساتھ نکلے، جس طرح زندہ سے نکلتا ہے، تو وہ علامت حیات ہے۔

---

(۱) "... (أو قتله معراض بعرضه) وهو سهم لا ريش له ... (أو بندقة ثقيلة ذات حدة) حرم لقتلها بالثقل لا بالحد". (الدرالمختار). "(قوله: أو بندقة) ... قال قاضي خان: لا يحل صيد البندقة، والحجر، والمعراض، والعصا، وما أشبه ذلك، وإن جرح؛ لأنه لا يخرق". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/ ۴۷۱، سعيد)

"ولا يؤكل ما أصابته البندقة فمات بها، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد، الباب الرابع في بيان شرائط الصيد: ۵/ ۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذبائح: ۳/ ۳۶۰، رشيديه)

(۲) "وإن أدرك المرسل الصيد حيا، وجب عليه أن يزكيه. وإن ترك تذكيته حتى مات حرم أكله. وكذا البازي والسهم؛ لأنه ترك زكاة الاختيار مع القدرة عليها ... وكذا المتردية والنطيحة والموقوذة والذي بقر الذئب بطنه وفيه حياة خفية أو بينة يحل إذا زكاه وعليه الفتوى، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد، الباب الخامس فيما لايقبل الزكاة من الحيوان وفيما يقبل: ۵/ ۴۲۷، ۴۲۸، رشيديه)

"ويخالف جميع ذلك ما في الزيلعي حيث قال ما حاصله: إذا أدركه حيا ولم يزكه حرم، إن تمكن من ذبحه ... ثم قال: فلا يحل إلا بالزكاة سواء كانت خفية أو بينة بجرح المعلم أو غيره من السباع. وعليه الفتوى لقوله تعالى: ﴿إلا ما ذكيتم﴾ فيتناول كل حي مطلقا، وكذا قوله عليه السلام: "فإن أدركته حيا فاذبحه. مطلق. والحديث صحيح، رواه البخاري ومسلم وأحمد". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/ ۴۷۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصيد: ۸/ ۴۱۲، رشيديه)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

قال في البزازية: "وفي شرح الطحطاوي خروج الدم لايدل عليه الحياة، إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الإمام، وهو ظاهر الرواية اهـ" شامي: ١٩٦/٥ (١). قلت: وفي الصيد بالبندقة مذكورة فيها في: ٣٠٤/٥ (٢).

اس تفصیل پر آپ اپنے مرغے کا مسئلہ منطبق کرلیں، اگر دیدہ ودانستہ حرام جانور کا گوشت کھائے، تو توبہ لازم ہے (۳)۔ کوئی مالی کفارہ لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مچھلی گڑھے میں ڈالی جائے، تو اس کا مالک کون ہے؟

سوال [۱۱۱۲۶]: وارث علی نے اپنے روپیہ سے گرام سماج کے گڑھے میں سبھا پتی (۴) پردھان یا صدر مجلس کی رائے سے اور ان کے بار بار اصرار اور کہنے پر چھ ہزار مچھلی، چار روپیہ فی ہزار کی در (۵) سے سبھا پتی ہی کے ذریعہ خرید کر جلایا (۶) تھا، پتی نے یہ بھی کہا تھا کہ ٹھیک لگان (۷) پر گرام سماج کے سرکاری کاغذات میں

(۱) (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

"وإن ذبح شاة أو بقرة فخرج منها دم، ولم تتحرك، وخروجه مثل ما يخرج من الحي أكلت عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وبه نأخذ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۲۸۶/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، باب في الزكاة: ۳۶۷/۳، رشيديه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۹۶

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾ (التحريم: ۸)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"التوبة واجبة من كل ذنب". (رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قديمي)

(۴) "سبھا پتی: میر محفل، میر مجلس، صدر جلسہ، سرپنچ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۰، فیروز سنز لاہور)

(۵) "در: شرح، نرخ، بھاؤ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۵، فیروز سنز لاہور)

(۶) "جلانا: زندہ کرنا، جان ڈالنا، تازگی بخشنا، موت سے بچانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۵، فیروز سنز لاہور)

(۷) "لگان: معاملہ، زمین کا خراج، باج، کر، سرکاری محصول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۱، فیروز سنز لاہور)

اس گڑھے کی مچھلی وراثت علی کے نام درج کردیا جائے، مچھلی جلانے کے لئے اور پہلے ہی سے وراثت علی اس گڑھے کی جل کھمبی اور پانی کے روک تھام کا بندوبست کرلیا تھا اور مچھلی چھوڑنے کے بعد بھی اس گڑھے کی جل کھمبی نکالنا اور دیکھ ریکھ برابر کرتا چلا آیا۔

کچھ دنوں کے بعد سبھاپتی رائے (۱) علی سے ناراض ہوگئے اور گڑھے کا ٹھیکہ پٹہ یا گان گرام سماج کے کاغذات میں وراثت علی کے نام درج کرنے سے انکار کردیا، تب بھی گڑھے کی مچھلی کے دیکھ ریکھ وراثت علی کرتا رہا، ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ سبھاریت نے دوسال کی ڈالی ہوئی مچھلیوں کو گاؤں والوں کو ابھار کر اور خود کھڑے ہوکر تمام مچھلیوں کو پکڑوالیا اور ڈھائی روپیہ فی کلو کے حساب سے فروخت کرکے تمام روپے گرام سماج میں جمع کرالیا، یہ روپیہ گرام سماج میں خرچ کرنا جائز ہے یا کہ وراثت علی کو پانے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ مچھلی وراثت علی نے خرید کر گڑھے میں ڈالی اور اس کی حفاظت کی، وہ اس کی ہی ملک ہے، دوسرے کی ملک نہیں، اس کی قیمت کا حق دار بھی وراثت علی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۹ھ۔

مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب خریدنا

سوال [۱۱۱۶۷]: ۱...... بستی یا گاؤں کے تالاب کو مچھلیوں کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

۲...... تالاب خریدنے کے بعد مچھلیاں کس طرح پکڑیں؟

---

(۱) "رائے: راجا، شہزادہ، سردار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۴۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۴/۳، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مچھلیوں کے لئے تالاب کی خریداری کا جو بعض جگہ رواج ہے، وہ درست نہیں ہے۔

۲......مچھلیاں پکڑنا ہر شخص کو درست ہے(۱)، خواہ تالاب ٹھیکہ پر لیا ہو یا نہ لیا ہو، ہاں! اگر کسی نے اپنے ذاتی تالاب میں مچھلیاں لاکر ڈالی ہوں، اس طرح پر کہ جب دل چاہے ان کو پکڑ لے، کوئی دشواری پیش نہ آئے، جیسے اپنے مکان میں گڑھا کھود کر اس میں پانی بھر کر اس میں مچھلیاں ڈال دی جائیں، تو ایسی مچھلیوں کو بغیر مالک کی اجازت کے پکڑنا درست نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۶ھ۔

کانٹے میں مچھلی پکڑنا

سوال[۱۱۱۶۸]: بعض جگہ لوگ اپنی ذاتی تالاب میں سے شوق سے مچھلی پکڑتے ہیں اور جب

---

(۱) دریا، تالاب یا نہر سے مچھلیاں پکڑنا ہر کسی کے لئے درست ہے۔ اس لئے کہ یہ مباح الاصل ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعاً لكم وللسيارة﴾ (المائدة: ۹۶)

"أي: مايصاد في الماء، بحراً كان أو نهراً أو غيراً، أو هو مايكون توالده ومثواه في الماء ماكولاً كان أو غيره، كما في البدائع" (روح المعاني: ۳۰/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"حفر حفيرة فوقع فيها صيد فإن كان اتخذها للصيد ملكه، وليس لأحد أخذه، وإن لم يتخذها له فهو لمن أخذه". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۲۰/۲، رشيديه)

(۲) "والحاصل كما في الفتح: أنه إذا دخل السمك في حظيرة، فإما أن يعدها لذلك أولا، ففي الأول يملك، وليس لأحد أخذه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۱/۵، سعيد)

"بيع السمك في البحر أو البئر لايجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمك، فإما أن يكون أعدها لذلك أولا، فإن كان أعدها لذلك فما دخلها ملكه، وليس لأحد أن يأخذه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات: ۱۱۳/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳۷۴/۶، ۳۷۵، رشيديه)

بڑی مچھلی کانٹے میں لگ جاتی ہے تو اس کو فوراً پانی سے اوپر اٹھانا مشکل ہے، اس لئے جب وہ مچھلی بھاگتی ہے، تو ڈور کو ڈھیل دینا پڑتا ہے، بعدہ اس کو آہستہ آہستہ کھینچنا پڑتا ہے، اس طرح کافی دیر تک ہوتا رہتا ہے، جب وہ مچھلی تھک جاتی ہے، تو اس کو پانی سے اٹھانا پڑتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، وہ لوگ یہ علت بیان کرتے ہیں کہ اس کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے تحریر فرمائیں، کہ کیا اس طرح مچھلی پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بڑی مچھلی کانٹے میں پھنستی ہے تو فوراً اس کو ڈور سے کھینچنا دشوار ہے، اس لئے ڈھیل دیتے ہیں، جب وہ تھک جاتی ہے، اس کو کھینچ لیتے ہیں، شرعاً اس میں مضائقہ نہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ خشکی کے جانور کو بھگاتے ہیں، جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک جاتا ہے اور گر جاتا ہے، تو اس کو پکڑ لیتے ہیں، ہاں! بلا وجہ تکلیف دینا غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۲/۹۸ھ۔

معلَّم کتے کا شکار کھانا

سوال[۱۱۱۶۹]: معلوم ہوا کہ معلَّم کتا (جو شکار پر چھوڑے جانے کے باوجود مالک کے واپس بلانے پر لوٹ آئے اور شکار کو نہ کھائے، بلکہ مالک کو لا کر دے) ایسا سُدھا ہوا کتا اگر شکار پکڑ کر لادے، مثلاً: خرگوش اور اس کتے کو "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر چھوڑا گیا ہو اور کتے کے پکڑنے سے خرگوش زخمی ہو جائے اور خون بہنے لگے، اللہ دے صاحب کہتے ہیں، اگر وہ خرگوش زندہ ہے، تو مالک کو ذبح کرنا چاہیے اور اگر مر گیا ہے، تب بھی

(۱) "وكره كل تعذيب بلا فائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، سعيد)

"وكل طريق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي، ومأمور بالاجتناب عنه". (تكملة فتح الملهم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل، وتحديد الشفرة: ۵۴۰/۳، مكتبه دار العلوم ديوبند)

"ويكره تعليم البازي بالطير الحي لتعذيبه". (الدر المختار، كتاب الصيد: ۴۷۴/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۸/۵، رشيديه)

وہ حلال ہے۔اس کا کھانا جائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ دے صاحب کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ اور قرآن کی کون سی آیت سے یہ ثابت ہے،اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ دے صاحب نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا،وہ صحیح ہے۔ سورہ مائدۃ میں ہے:

﴿يسئلونك ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبت وما علمتم من الجوارح ...... فكلوا مما أمسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه﴾ (الاية: ٤: ٦/١٠٨)(١).

اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہے،احکام القرآن نیز کتب فقہ، شامی وغیرہ میں بصراحت یہ مذکور ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (المائدۃ: ۴)

(۲) "عن عدي بن حاتم رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله! إنا نرسل كلاباً لنا معلّمة، قال: كل ما أمسكن عليك، قلت: يا رسول الله! وإن قتلن؟ قال: "وإن قتلن". (جامع الترمذي، أبواب الصيد، باب ماجاء مايؤكل من صيد الكلب ومالا يؤكل: ١/٢٧١، سعيد)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۴: ۲/۴۴۲-۴۵۲، قديمی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۳-۴۶۵، سعيد)

(وكذا في كتاب الآثار، باب صيد الكلب، ص: ١٨١، إدارة القرآن كراچی)

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لايصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

بے وضو انڈرویئر پہن کر ذبح کرنا

سوال[۱۱۱۷۰]: ایک شخص بلاوضو ہے، انڈرویئر(۱) پہنے ہوئے ہے، ایک بکری کو ذبح کرتا ہے، جب کہ وضو کے لئے پانی، پہننے کے لئے پاجامہ موجود ہے، ذبح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مسلمان جب "بسم الله الله أكبر" پڑھ کر بکری کو ذبح کرے، تو اس کا ذبیحہ مذکورہ سوالی حالت کے ساتھ بھی حلال ہے، حرام نہیں (۲)۔ فقط۔

نشہ باز قصاب کا ذبیحہ

سوال[۱۱۱۷۱]: جاہل قصاب نشہ باز اگر مویشی ذبح کرے اور خریدار انجان گوشت خرید لے، تو

---

(۱) "انڈرویئر: زیرجامہ، پتلون وغیرہ کے نیچے پہننے کا کپڑا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فكلوا مما ذكر اسم الله عليه إن كنتم بآيٰته مؤمنين ○ ومالكم ألا تأكلوا مما ذكر اسم الله عليه وقد فصّل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه، وإن كثيراً ليضلون بأهوائهم بغير علم، إن ربک هو أعلم بالمعتدين﴾ (الأنعام: ۱۱۹، ۱۲۰)

"وتحل ذبيحة مسلم". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الذبائح: ۴/۸۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۶/۴۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، كتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعيد)

ذبیحہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نشہ بازی گناہ ہے(۱)، تاہم اگر ہوش وحواس درست رہتے ہوئے شریعت کے مطابق ذبح کیا ہوتو وہ جانور حلال ہے، اس کا گوشت لینا اور کھانا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۱۱/۷ھ۔

دیوبندیوں کو خارج از اسلام کہنے والے کا ذبیحہ وقربانی

سوال[۱۱۱۷۲]: ایک بریلوی عقائد کا آدمی، جو کہ دیوبندیوں کو خارج از اسلام سمجھتا ہے، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے کہ ناجائز؟ اور اس کو قربانی کے حصوں میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند کو جو شخص خارج از اسلام سمجھتا ہے، نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا جائے، نہ اس کو قربانی کے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین امنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

"کل مسکر حرام". (صحیح البخاري، کتاب الأدب: ۹۰۴/۲، قدیمی)

"قال علیه السلام: "کل مسکر خمر، وکل مسکر حرام". (مشکاة المصابیح، باب بیان الخمر ووعید شاربها: ۳۱۷/۲، قدیمی)

"الشراب مایسکر، والمحرم منها أربعة: الخمر ...... والطلاء ......والسکر ...... ونقیع الذبیب". (البحر الرائق، کتاب الأشربة: ۴۴۸/۸، رشیدیه)

(۲) "فإن ذبح کل مسلم وکل کتابي حلال، رجلاً کان أو أنثی ...... براً کان أو فاجراً". (النتف في الفتاویٰ، کتاب الذبائح، ص: ۱۴۷، سعید)

"وتحل ذبیحة مسلم وکتابي، ذمي أو حربي ولو أمراة أو صبیاً أو مجنوناً یعقلان". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۱۵۳/۴، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۳۰۶/۸، رشیدیه)

حصوں میں شریک کیا جائے، ورنہ خوداس کی قربانی تو خراب ومردار ہوہی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۶/۱۰/۹۵ھ۔

مجہول الاسلام کا ذبیحہ

سوال [۱۱۱۷۳] : اگر کسی مسلمان شخص کی بکری کوئی آدمی ذبح کرتا ہو، وہ مسلمان اس کو دیکھ لے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ ذبح کرنے والا مسلمان تھا یا نہیں یا کہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور وہ ذبح کرتے ہی بھاگ گیا تھا، آیا اس آدمی کا ذبیحہ اس کے لئے کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دل گواہی دے، کہ وہ مسلمان تھا اور شریعت کے مطابق ذبح کیا ہے تو کھانا درست ہے (۲) (غیر مسلم عام طور سے ذبح نہیں کرتے ہیں)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۶/۷/۸۵ھ۔

---

(۱) "﴿وأما شرائط الذكاة فأنواع﴾ ...... (ومنها) أن يكون مسلماً أو كتابياً، فلا تؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه الخ: ۲۸۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۲، ۲۹۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الذبائح: ۳۰۲/۸، ۳۰۷، رشيديه)

(۲) "اليقين لا يزول بالشك". (القواعد الفقهية، الرسالة الثالثة، ص: ۱۴۳، رقم القاعدة : ۴۲۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

"قوله: اليقين لايزول بالشك، قيل: لا شك مع اليقين فكيف يرتفع مالاوجود له، ويمكن أن يقال، الأصل المتيقن لايزيله شك طارئ عليه ... فالأول مثل أن يجد شاة مذبوحة في بلد فيها مسلمون ومجوس فلا تحل، حتى يعلم أنها زكاة مسلم؛ لأنها أصلها حرام، وشككنا في الزكاة المبيحة، فلوكان الغالب فيها المسلمون، جاز الأكل عملاً بالغالب المفيد للطهورية". (الأشباه والنظائر: ۱۹۴/۱، إدارة القرآن كراچی)

اہلِ کتاب کا ذبیحہ

سوال[۱۱۱۷۴]: امریکہ میں حلال گوشت نہیں ملتا، بلکہ مشین کے ذریعہ کاٹا جاتا ہے اور تیار کیا جاتا ہے، میرا گزارہ پھل وغیرہ پر ہے، کافی احتیاط کرتا ہوں بلکہ بھوکا رہ جاتا ہے، امریکہ میں یہودی کافی تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ سُور بھی نہیں کھاتے، ان کے نزدیک ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے مطابق کچھ پڑھ کر مشین کے اندر دے دیتے ہیں اور وہ مشین جانور کو ذبح کر دیتی ہے، اس حالت میں یہ ذبیحہ کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی مجبوری کی حالت میں آپ کے لئے وہاں گنجائش ہے کہ اہل کتاب (یہودی یا نصرانی) کا ذبیحہ استعمال کرلیں (۱)، بشرطیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور یہ ثابت ہو کہ مشین کو حرکت دینے سے ذبح کی رگیں دھار دار آلہ سے کٹ جاتی ہے، تب جان نکلتی ہے، نیز مشین کو حرکت دیتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال[۱۱۱۷۵]: اہل کتاب کے ذبیحہ کا کھانا مسلمان کے لئے مغرب ممالک میں جائز ہے، بعض اس کو ناجائز سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ اپنے ادیان صحیحہ پر نہیں ہیں، لیکن یہ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، رقم المادة: ۲۱: ۱/۵۵، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۸۷، إدارة القرآن كراچى)

(۲) اس بارے میں فتاویٰ محمودیہ جلد ۱۷، کتاب الذبائح، عنوان: مشین اور یہودی کا ذبیحہ، کے تحت مفصل بحث کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ محمودیہ، باب الذبائح، عنوان: مشین اور یہودی کا ذبیحہ: ۱۷/۲۳۲، ۲۳۳، ادارہ الفاروق کراچی)

زمانہ میں بھی ادیان صحیح پر نہیں تھے اور اس وقت اس کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ بعض اس لئے ناجائز کہتے ہیں کہ ان کے ذبح کرنے کا طریقہ وہ نہیں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، لیکن قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ بعض اس لئے ناجائز سمجھتے ہیں کہ آج کل یہ لوگ اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ اس سے خون نہیں بہنے دیتے، اس لئے یہ مخنوقہ یا موقوذہ ہے، نہ کہ ذبیحہ۔

یورپ اور امریکہ میں بے شمار مسلمان ایسے ہیں، جو گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، ناجائز سمجھ کر یا احتیاط کے طور پر، لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے، جو ان علماء کے فتوؤں پر عمل کر کے کھاتے ہیں، جو اُسے حلال سمجھتے ہیں اور اس کو رخصت کا درجہ دیتے ہیں، بعض وہ ہے، جو یہود کا ذبح کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں، اس لئے کہ وہ اب تک اپنے پرانے طریقے پر ذبح کررہے ہیں، لیکن ان کا گوشت ویسے بھی مہنگا ہوتا ہے اور کبھی تو ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ جب وہ جان لیتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے، تو اسے اور مہنگا دیتے ہیں۔

یہ خلاصہ ہے اس استفتاء کا جو جنیوا وسوئزرلینڈ کے اسلامک سینٹر سے شائع ہونے والے رسالے ''اسلون'' میں عربی میں چھپا ہے، جلد نمبر ۸، عدد ۹، ۱۰، جلد وعدد ۱ تا ۳، اس کے جواب میں کئی حضرات نے تفصیلات لکھی ہیں، ان کا ملخص، درج ذیل ہے:

۱- الأستاذ الشيخ عبدالله القليل مفتي الأردن:

انہوں نے جائز قرار دیا ہے، دلائل یہ ہیں:

اہلِ کتاب سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو ادیان صحیح پر تھے، اس لئے کہ نزول آیت ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم﴾(۱) کے وقت کوئی بھی اہلِ کتاب میں سے اپنے دین صحیح پر نہیں تھا، تو پھر یہ آیت کیوں نازل ہوئی اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ وہ جو دینِ صحیح پر ہوں تو وہ تو مسلمان ہو جائیں گے، اس لئے کہ اس کا دینِ صحیح تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اسی آیت میں ﴿والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب﴾(۲) ہے اور اس کے متعلق علماء کا متفقہ فتویٰ ہے، کہ ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

---

(۱) (المائدة: ۵)

(۲) (المائدة: ۳)

اب اس طرح چونکہ آیت میں طعام مطلق ہے، اس لئے خاص قسم کے ذبح کی قید لگانی بھی درست نہیں، اس لئے جو بھی ان کا طعام ہے، وہ جائز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں ان کے ذبح کا طریقہ بدل جائے گا، اگر خاص ذبح مراد ہوتا، تو اس کی تصریح ہوتی (خلاصہ اسلون سوم صفر ۱۳۸۴ھ، جولائی ص:۹۶۲ تا ۸۹۶۷)۔

۲- الشيخ أبي بكر محمو غمو قاضي القضاة نائجريا:

جائز قرار دیتے ہیں۔ دلائل:

۱- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے چند چیزیں حرام قرار دیں۔

﴿حرمت عليكم الميتة ...... فإن الله غفور رحيم﴾(۱)، ﴿اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم﴾(۲)

پہلی آیت کی رو سے چند اقسام کا گوشت ہم پر حرام کیا گیا، اس کی حرمت کو نظر انداز کرنا بلاضرورت جائز نہیں ہے۔

دوسری آیت میں ہمارے لئے طیبات کو حلال قرار دیا گیا ہے اور اس پر ﴿وطعام الذين أوتو الكتاب﴾(۳) حکم کو عطف کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا طعام یوں تو طیبات میں سے نہیں، لیکن آسانی پیدا کرنے کے لئے اسے ہمارے لئے حلال قرار دیا گیا، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ توہمات کی وجہ سے ہم اس کی تحقیق وتفتیش کریں اور اللہ کی دی ہوئی آسانی میں اپنے لئے مشکلات پیدا کریں۔

۲- یہ قرآن کے معجزات میں سے ہے کہ اس نے مسلمانوں کے آئندہ مشکلات کو سامنے رکھا ہے، اس وجہ سے جہاں کفار سے ہمیں متنبہ کیا ہے، وہاں ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات اور ان کے طعام کو ہمارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے، مسلمان مجبور ہوں گے، اس

---

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) (المائدة: ۵)

(۳) (المائدة: ۵)

لئے طعام کو دونوں جانب سے حلال قرار دیا گیا ہے۔

﴿وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم﴾(۱) لیکن عورتوں کا سفر کرنا ضروری نہیں تھا، اس لئے اس کے نکاح کو کافر شوہر کے ساتھ ناجائز قرار دیا ہے۔

آخر میں وہ کہتے ہیں:

"وعلى الجملة فقد ظهر منها تقدم أن طعام أهل الكتاب أحل للمسلين للضرورة التي منهم في عدم تناوله، توسيعاً ورحمةً بهم من الله الكريم؛ لأنه من الطيبات، ولأنه يوافق الشركاة الشرعية في الإسلام حجة الخ".

۳- الأستاذ الشيخ محمد جواد العقيلي رئيس المجلس العلمي وعميد كلية الشرعية بجامعة القرويين:

ان کی ابتداء یہ ہے کہ:

"أكل المسلم كان في ديار الغرب أو غيرها ذبائح أهل الكتاب الموجودين الآن يهوداً كانوا أو نصارى، هو حلال طيب".

دلائل:

﴿وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم﴾.

"روى ابن جرير وابن المنذر وابن أبي الحاكم والنحاس والبيهقي في سننه عن ابن عباس في قوله: ﴿وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم﴾ أي: ...... وأكل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من الشاة المسمومة التي احلاتها اليهودية.

آخر میں وہ لکھتے ہیں:

"نعم! ما أكلوه على غير وجه الزكوة كالخنق ..... فإنه لايحل للمسلمين أكله إذهو ميتة المسلمين".

اور بھی کئی علماء سے دریافت کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا، میں آپ کے فتویٰ کی نقل بھی عربی

(۱) (المائدة: ۵)

میں ان کوان شاء اللہ اور اگر آپ نے اس کا جواب عربی میں ہی دے دیا، تو اس کی نقل، بلکہ اس کی فوٹو کاپی ان کو بھیج دوں گا، جو اُن مسلمانوں کی رہنمائی کردے گا، جو امام ابوحنیفہ کے پیرو ہیں، یہاں ان ممالک میں جانور ذبح کرتے ہیں، عیسائی اگر بجلی کی مشینوں سے بھی گردن کاٹ لیتے ہیں، کبھی سر پر ٹوکا مار کر قتل کردیتے ہیں، ہر صورت میں خون بہانے کو وہ شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

(سئل): في ذبيحة الذمي الكتابي هل تحل مطلقاً أم لا؟

(الجواب): تحل ذبيحة الكتابي؛ لأن من شرطها كون الذابح صاحب ملة التوحيد حقيقة كالمسلم، أو دعوى كالكتابي، ولأنه مؤمن بكتاب من كتب الله تعالى، وتحل مناكحته، فصار كالمسلم في ذلك، ولا فرق في الكتابي بين أن يكون ذميا يهوديا أو نصرانيا، حربيا أو عربيا أو تغلبيا، لإطلاق قوله تعالى: ﴿وطعام الذين أوتو الكتاب حل لكم﴾ والمراد بطعامهم مذكاهم.

قال البخاري رحمه الله تعالى في صحيحه:

"قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: طعامهم ذبائحهم"(١).

ولأن مطلق الطعام غير المزكى يحل أيّ كافر كان بالإجماع، فوجب تخصيصه بالمزكي، وهذا إذا لم يسمع من الكتاب أنه سمى غير الله تعالى كالمسيح، والعزير. وأما لو سمع فلا تحل ذبيحته؛ لقوله تعالى: ﴿وما أهل لغير الله به﴾.

وهو كالمسلم في ذلك. وهل يشترط في اليهودي أن يكون إسرائيليا، وفي النصراني أن لايعتقد أن المسيح إله؟ مقتضى إطلاق الهداية وغيرها عدم الاشتراط، وبه أفتى الجد في الإسرائيلي، وشرط في المستصفى لحل مناكحتهم عدم اعتقاد النصراني ذلك، وكذلك في المبسوط، فإنه قال: ويجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إن اعتقدوا أن المسيح إله، وأن عزيراً إله، ولا يتزوجوا نساء هم.

لكن في مبسوط شمس الأيمة:

"وتحل ذبيحة النصراني مطلقاً سواء قالت ثالث ثلاثة أولا، ومقتضى

---

(١) (كتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها من أهل الحرب وغيرهم: ٨٢٨/٢، قديمي)

الدلائل وإطلاق الآية الجواز كما ذكره التمرتاشي في فتاواه، والأولى أن لايأكل ذبيحتهم ولا يتزوج منهم إلا لضرورة كما حققه الكمال ابن الهمام. والله ولي الإنعام، والحمد لله على دين الإسلام، والصلاة والسلام على محمد سيد الأنام اهـ". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۲۳۸)(۱).

وأیضاً صراحت بحل ذبیحۂ اہل الکتاب فقیہ الحنفیۃ أبوبکر ابن مسعود الکاسانی فی بدائع الصنائع: ۵/۴۳(۲).

"ومن اللازم أن يذبح بحيث تقطع عروق الذبح، وهو المرئ، والحلقوم،

---

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۱، ۲۳۲، حقانیہ پشاور)

"(ومنها) أن يكون مسلماً أو كتابياً ..... وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب ويستوي فيه أهل الحرب منهم وغيرهم، وكذا يستوي فيه نصارى بني تغلب وغيرهم؛ لأنهم على دين نصارى العرب ..... ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه، ولم يسمع منه شيء أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالىٰ وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمى الله تعالىٰ تحسيناً للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالىٰ لكنه عنى بالله عزوجل المسيح عليه السلام، قالوا: تؤكل إلا إذا نص، فقال: بسم الله الذي، هو ثالث ثلاثة فلا يحل، فأما إذا سمع منه أنه سمى المسيح عليه السلام وحده أو سمى الله سبحانه وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۵/۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۷، سعيد)

(۲) "وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب لقوله تعالىٰ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم﴾ والمراد منه ذبائحهم؛ إذ لو لم يكن المراد ذلك لم يكن للتخصيص بأهل الكتاب معنى؛ لأن غير الذبائح من أطعمة الكفرة مأكول ..... وكذا يستوي فيه نصارى بني تغلب وغيرهم؛ لأنهم على دين النصارى، إلا أنهم نصارى العرب فيتناولهم عموم الآية الشريفة ..... ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالىٰ وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمى الله تبارك وتعالىٰ، وجرد التسمية تحسيناً للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالىٰ، لكنه عنى بالله عزوجل المسيح عليه السلام، قالوا: تؤكل لأنه أظهر تسمية هي تسمية المسلمين، إلا إذا نص فقال: بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا يحل". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، ذبائح النصارى: ۶/۱۲۴، ۱۲۵، رشيديه)

والودجان. وأما إذا مات الحيوان قبل قطع العروق فلا سبيل إلى حله".

فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

حررہ العبد محمود عفا اللّٰہ عنہ، الافتاء بدار العلوم دیوبند.

ذبیحہ یہود

سوال[۱۱۱۷۲]: لندن میں انگریزی دکانوں پر بغیر ذبح کئے ہوئے گوشت بکتا ہے، میں نے سنا ہے کہ امریکہ اور خصوصاً شکاگو اور نیویارک میں یہودی اپنے طریقہ پر جانور کو ذبح کرتے ہیں اور اسی قسم کے گوشت کو "کوثر میٹ" کہتے ہیں، کیا یہ "کوثر میٹ" مسلمان کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میرا تعلق اہلِ سنت والجماعت سے ہے۔ براہِ کرم میرے لئے حکم صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر صورت یہ ہے کہ آپ خود مرغ وغیرہ ذبح کرکے پکوالیا کریں، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو اور تحقیق ہوجائے، یہودی ذبح کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام نہیں لیتے، تو ان کا ذبیحہ بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۴ھ۔

---

(۱) "قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم﴾ قال الزهري: لا بأس بذبيحة نصارىٰ العرب، وإن سمعته سمى لغير الله، فلا تأكل، وإن لم تسمعه، فقد أحله الله، وعلم كفرهم ...... وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه : طعامهم ذبائحهم". (صحيح البخاري، باب ذبائح أهل الكتاب: ۸۲۸/۲، قديمى)

"ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء، أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالىٰ وحده ...... إلا إذا نص فقال: بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا يحل. فأما إذا سمع منه أنه سمى المسيح عليه السلام وحده، أو سمى الله سبحانه وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۲۸۵/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۱۴۹/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الذبائح: ۲۹۷/۶، سعيد)

الفصل الثاني في سنن الذبح وآدابه ومكروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا

سوال[۱۱۱۷۷]: ایک عالم ہیں کہ وہ داہنے ہاتھ میں چھری پکڑ کر ذبح نہیں کر سکتے، بایاں ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں، کیا ایسا ذبیحہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

داہنے ہاتھ سے ذبح کرنا واجب نہیں، صرف بہتر ہے(۱)، لہذا بائیں ہاتھ سے ذبح کیا ہوا بھی حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۴/۳/۲۹ھ۔

ذبح فوق العقدہ کا حکم

سوال[۱۱۱۷۸]: بکر نے ایک مرغ کو ذبح کیا اور اس کا حلقوم منہ کی جانب نہ رہا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ مرغ حلال ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے؟ اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور حلقوم کے

---

(۱) "وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يحبّ التيمّن ما استطاع في شأنه كله، في طهوره وترجله وتنعله". (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التيمن في دخول المسجد وغيره: ۶۱/۱، قديمى)

"لأن عرف الشرع البداءة باليمين". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱۱۲/۱، سعيد)

(وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين: ۱۳۲/۱، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، الفصل الأول، ص: ۴۶، قديمى)

آگے کو کٹ جانے، پیچھے کو کٹ جانے کی کیا وجہ ہیں کہ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، نیز ذبح کے شرائط وواجبات بھی تحریر فرمادیں اور مسئلہ کو مدلل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلقوم، مری اور ودجان اگر کٹ جائیں اور ذابح اہل دین ہو اور عمداً بسم اللہ ترک نہ کریں، تو شرعاً ذبیحہ درست ہوتا ہے(۱)، اگر حلقوم نہ کٹے تو درست نہیں (۲)، اگر ذبیحہ فوق العقدہ یا تحت العقدہ ہو اور مذکورہ رگیں کٹ جائیں، تو ذبح میں کوئی اشکال نہیں (۳) بعض فقہاء کی رائے ہے کہ کٹ جاتی ہیں بعض کی رائے ہے کہ نہیں کٹتیں۔ زیلعی کے حاشیہ میں غایۃ التحقیق شرح ہدایہ سے اس کے متعلق بحث منقول ہے (۴)۔

---

(۱) "ذكاة (الاختيار ذبح بين الحلق واللبة) ..... (وعروقه الحلقوم) كله ..... (والمرئ) هو مجرى الطعام والشراب (والودجان) مجرى الدم ..... (وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً .....) ..... (وتارك تسمية عمداً) ..... (فإن تركها ناسيا حل)". (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۲/۲۹۴-۲۹۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۴/۱۵۰-۱۵۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۸/۳۰۶-۳۰۸، رشيديه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "فأما في البقر أسفل الحلق وأعلاه ..... والمقصود تسييل الدم، والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه، فالمقصود يحصل بالقطع في أي موضع كان منه، فلهذا حل، وهو معنى قوله عليه الصلاة والسلام: "الذكاة ما بين اللبة واللحيين". (المبسوط للسرخسي، كتاب الذبائح: ۶/۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وفي فوائد الرستغفني: لو ذبح وبقيت عقدة الحلقوم بما يلي الصدر تؤكل. وكذا إذا بقيت العقدة بما يلي الرأس، والقول بالحرمة قول العوام، وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد، ألا يرى إلى قوله في الجامع الصغير، لابأس بالذبح في الحلق كله، أسفله وأعلاه وأوسطه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول في مسائله: ۶/۳۰۶، رشيديه)

(۴) "قال الإتقاني رحمه الله تعالى: بعد حكاية قول الرستغفني، ويجوز أكلها سواء بقيت العقدة مما يلي الرأس أو مما يلي الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج مانصه: وهذا صحيح؛ لأنه لا اعتبار لكون العقدة فوق أو من تحت، ألا ترى إلى قوله محمد بن الحسن في الجامع الصغير، لابأس بالذبح في الحلق كله أسفل الحلق أو أوسطه أو أعلاه، فإذا ذبح في الأعلى لا بد أن تبقى العقدة من =

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف نقل کرکے فیصلہ ارباب بصیرت کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ اگروہ کہیں کہ کٹ جاتی ہیں، تو ذبیحہ درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

گائے کوذبح کرنے سے پہلے کھال چیرنا

سوال[۱۱۱۷۹]: اگر ذبح کرتے وقت گائے کے پہلے حلق میں سے چمڑے کو چیر دیا، پھر اندر سے

= تحت، ولم يلتفت إلى العقدة لا في كلام الله ولا في كلام رسوله، بل الزكاة بين اللبة واللحيين بالحديث، وقد حصلت لا سيما على مذهب أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه ، فإنه يكتفي بالثلاث من الأربع، أي: ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، فبالطريق الأولىٰ أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم. وبلغنا أن واحد ممن يتسمى فقيها في زعم العوام، وقد كان مشتهراً بينهم أمر برمي الذبيح إلى الكلاب حيث بقيت العقدة إلى الصدر، لا إلى ما يلي الرأس، فياليت شعري! ممن أخذ هذا أمن كتاب الله ولا أثر له فيه؟ أو من حديث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يسمع له فيه نبأ؟ أو من إجماع الأمة ولم يقل به أحد من الصحابة والتابعين؟ أو من إمامه الذي هو أبوحنيفة ولم ينقل عنه ذلك أصلاً؟ بل المنقول عنه وعن أصحابه ما ذكرناه أو ارتكب الرجل هواه، فضل وأضل، قال الله: ﴿ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله﴾ واستحى عن الرجوع عن الباطل إلى الحق ..... وهو صريح في مخالفة ما ذهب إليه الشارح الزيلعي رحمه الله تعالىٰ". (حاشية الشلبي على هامش تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الذبائح: ۶/۴۵۶، عباس أحمد الباز)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الصيد والذبائح: ۳/۱۱۷، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الفصل الأول في مسائله: ۶/۳۰۶، رشيديه)

(۱) "أقول: والتحرير للمقام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعاً للرستغفني، وإلا فالحق خلافه، إذا لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاغتنم هذ المقال ودع عنك الجدال". (ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۶/۲۹۵، سعيد)

ذبح کیا تو یہ ذبیحہ کیسا ہے؟ چونکہ ہمارے ملک ہندوستان میں گائے ممنوع ہے، اس وجہ سے ایسا نہ کیا جائے، تو چھڑا دیکھ کر اور پکڑ کر مقدمہ چل سکتا ہے اور اگر چیر دیا تو پھر زیادہ خطرہ نہیں ہے، نیز اس طریقے سے گائے کو قربانی کے واسطے ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیا وہ قربانی قبول ہوگی یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذبیحہ درست ہے، مگر یہ فعل مکروہ ہے، اس طریقہ میں جانور کو قدر ضرورت سے زیادہ اپنی غرض سے تکلیف دی جاتی ہے(۱)، جس جانور کے ذبح پر پابندی اور قانونی خطرہ ہے، اس خطرہ کو رکھنا دانش مندی نہیں، قربانی حلال ہو ہی جائے گی۔

شعائر وہ احکام ہیں، جن کو علی الاعلان اظہار شوکت کے طور پر کیا جائے، نہ مقدمہ کے ڈر سے چھپ کر غلط طریقہ پر(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وکره کل تعذیب بلا فائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد". (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۶/۲۹۶، سعید)

"ویکره أن یجر ما یرید ذبحه، وأن یسلخ قبل أن یبرد، ویؤکل في جمیع ذلک؛ لأن الکراهة لمعنی زائد، وهو زیادة الألم فلا یوجب الحرمة". (البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۸/۳۱۱، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۵/۲۸۸، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والبدن جعلناها لکم من شعائر الله لکم فیها خیر﴾ (الحج: ۳۶)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ومن یعظم شعائر الله فإنها من تقوی القلوب﴾ (الحج: ۳۲)

اس بارے میں تفصیلی بحث امداد الاحکام میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں: (إمداد الأحکام، کتاب الصید والذبائح والأضحیة، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۴/۱۹۱-۱۹۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وکذا في کفایت المفتي، کتاب الأضحیة والذبح: ۸/۱۸۸، دارالاشاعت کراچی)

(وکذا في مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد ألف ثانی، مکتوبة: هشتادویکم، ذبح بقرة در هندوستان از أعظم شعار اسلام است، حصه دوم، دفتر اول: ۱/۷۵، ۷۶، گارڈن ایست کراچی)

کیا ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے؟

سوال[۱۱۱۸۰]: ہم ایک جانور کو ذبح کرتے ہیں، پھر اس کو کھاتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ اس کو کھاؤ، تمہارے لئے جائز ہے، لیکن یہ ایک جانور کو تکلیف دینا کیوں ہے؟ ہمیں امید ہے کہ اطمینان بخش جواب سے نوازیں گے۔

سعید احمد بھٹ ماجری گارڈن سہارنپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانور کو ہل میں جوتتے ہیں، اس کی ناک میں سوراخ کرتے ہیں، اس سے بھی اس کو تکلیف ہوتی ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بچہ پیدا ہونے سے بھی تو عورت کو تکلیف ہوتی ہے، اس کے اسباب سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور بھی ہزار قسم کی چیزیں زندگی میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے تکلیف ہوتی ہے، ان سب کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔ ایک ذبح کر دینے سے ہی کیوں جذبۂ رحم جوش میں آتا ہے، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیز چھری سے جانور کو ذبح کرنے سے تکلیف بہت کم ہوتی ہے، جھٹکہ کرنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الثالث في مايصح ذبحه ومالايصح

(ذبح صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

دیوار کے نیچے دب کر مرنے والی بکری کا ذبح کرنا

سوال[۱۱۱۸۱]: اگر بکری پر دیوار گر گئی، بدن دب گیا، صرف پیر نظر آرہے ہیں، اگر اینٹ وغیرہ اٹھائی جائے تو بکری کے مرجانے کا اندیشہ ہے، اگر پیر پر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا، تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ بکری ابھی زندہ ہے، تو بسم اللہ پڑھ کر بھالا (۱) مار کر اس کو ذبح کیا جا سکتا ہے، اگر اس کی موت کنویں میں ڈوب کر یا دیوار کے نیچے دب کر واقع ہو، تو اس کے پیر پر مارنے سے وہ حلال نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "بھالا: برچھا، نیزہ"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۴۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "المتردية، والمنخنقة، والموقوذة، والشاة المريضة، والنطيحة، ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر: إن فيها حياة مستقرة، حلت بالذبح بالإجماع، وإن لم تكن الحياة فيها مستقرة، تحل بالذبح، سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وهو الصحيح، وعليه الفتوىٰ، كذا في محيط السرخسي. وأما خروج الدم بعد الذبح فيما لايحل إلا بالذبح، فهل هو من شرائط الحل فلا رواية فيه عن أصحابنا، وذكر في بعض الفتاوىٰ أنه لا بد من أحد الشيئين، إما التحرك وإما خروج الدم، فإن لم يوجد، لا تحل، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۲۸۶/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۱۵۸/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، الزكاة الاضطرارية: ۱۷۳/۴، ۱۷۴، رشيديه)

الفصل الرابع في مايصح أكله من اللحوم ومالا يصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

چوری شدہ بھیڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا

سوال[۱۱۱۸۲]: ایک شخص نے ایک بھیڑ چوری کیا اور گھر لایا، جس شخص نے چوری کی، اس نے اس بھیڑ کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت شخص مذکور نے ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' پڑھا، اس پڑھنے سے شخص مذکور کافر ہوجائے گا یا گنہ گار، اگر اس نے تکبیر نہیں پڑھی، تو مذبوحہ حلال ہے یا مردار؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چوری کی بھیڑ کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوا(۱)، لیکن ادائے ضمان سے پہلے یا اذن مالک سے پہلے اس کا کھانا ملک غیر ہونے کی وجہ سے جائز نہیں (۲)۔ چوری حرام ہے،

---

(۱) ''(قوله: لكفره بتسميته على الحرام القطعي) المعتمد أنه لايكفر بذلك، إلا إذا استحل، ولايلزم من تسميته على الحرام اعتقاد الحل''. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصيد: ۲۳۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

''سئل أيضاً عمن غصب طعاماً فقال عند أكله ''بسم الله'' لايكفر، ولو ذكر عند شرب الخمر؟ قال: إن كان على وجه الاستخفاف يكفر، وكذا عند الزنا''. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالأذكار: ۳۳۹/۵، قديمى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، مقدمة، ص: ۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) ''عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه''. رواه البيهقي في شعب الإيمان''. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمى)

''ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه''. (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: =

اس کی وجہ سے سارق مرتکب کبیرہ ہوا(۱) فعل معصیت پر بسم اللہ پڑھنا جرم ہے، کفر نہیں، حرام قطعی بعینہ کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے(۲)۔

"وتارةً يكون الإتيان بها (أي: بالتسمية) حراماً كما عند الزنا، ووطي الحائض، وشرب الخمر، وأكل المغصوب، أو مسروق قبل الاستحلال، أو أداء الضمان، والصحيح أنه إن استحل ذلك عند فعل المعصية كفر، وإلا لا، وتلزمه التوبة إلا إذا كان على وجه الاستخفاف. فيكفر أيضاً. ومما فرع على القول الضعيف في آخر كتاب الصيد من الدر المختار: أن السارق لو ذبح شاة المسروقة، ووجدها صاحبها لا تؤكل، لكفر السارق بتسميته على المحرم القطعي بلا تملك، ولا إذن شرعي. واعلم أن المستحل لا يكفر إلا إذا كان المحرم حراماً لعينه، وثبتت حرمته

= ۲/۴۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الكلية الملحقة بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۲، مير محمد كتب خانه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يزني الزاني وهو مؤمن ولا يسرق السارق وهو مؤمن .... متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"تنبيه: عد السرقة هو ما اتفقوا عليه وهو صريح هذه الأحاديث، والظاهر أنه لا فرق في كونها كبيرة بين الموجبة للقطع وعدم الموجبة له". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود، الكبيرة التاسعة والستون بعد الثلاثمائة، السرقة: ۲/۲۳۷، دار الفكر بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۲) "والأصل: أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره، كمال الغير لا يكفر، وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً كفر، وإلا فلا". (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۲، ۸۳، المطبع اليوسفي لكنو)

"من اعتقد الحرام حلالاً، أو على القلب يكفر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، موجبات الكفر الخ: ۲/۲۷۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيديه)

بدليل قطعي، وإلا فلا، صرح به في الدرر عن الفتاوى في آخر كتاب الحظر، فينبغي أن تؤكل هذه الشاة، ويؤيده قولهم تصح التضحية بشاة الغصب، لكنه لايحل له التناول، والانتفاع على المفتى به، وإن ملكها قبل أداء الضمان، أو رضا مالكها بأدائه، أو إبرائه، أو تضمين القاضي؛ لأن الحل قضية أخرى غير الملك"(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۳/۸/۹۱ھ۔

بذریعہ انجکشن پیدا ہونے والے جانور کو کھانے کا حکم

سوال[۱۱۱۸۴]: نسل کی تبدیلی جانوروں کی بغیر نر و مادہ کی صحبت کے اس طریقہ سے کی جائے کہ نر کا مادۂ تولید اگر انسان نکال کر مادہ کی بچہ دانی میں ڈال دے، اس ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ پھر اس بچہ کا کیا حکم ہے؟ لبن ولحم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، مگر جب کہ نر مادہ دونوں حلال ہیں، تو ان کے مادہ منویہ سے پیدا شدہ بچہ حلال ہوگا اور دونوں کا لبن ولحم بھی حلال ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) "وفي الخانية وغيرها: لبن المأكول حلال". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ٦/٤٦٢، سعيد)

"واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج، الإباحة ..... إنما تثبت الحرمة بعارض نص مطلق أو خبر مروي، فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأشربة: ٢/٥٦٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة. قال الله تعالى: ﴿هو الذى خلق لكم ما في الأرض جميعا﴾ وقال تعالى: ﴿كلوا مما في الأرض حلالا طيبا﴾ وإنما تثبت الحرمة بعارض نص =

امریکن گائے کا حکم

سوال[۱۱۱۸۴]: خچر حرام ہے یا حلال؟ اس کے حرام ہونے کی علت کیا ہے، امریکن گائے کے لئے مشہور ہے کہ وہ گائے اور خنزیر کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانوروں میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، یعنی اگر ماں حلال ہو، تو بچہ بھی حلال ہے، اگر ماں حرام ہو، تو بچہ بھی حرام ہے(۱)۔ اگر گدھی کے ساتھ گھوڑا وطی کرے، اس سے خچر پیدا ہو، تو وہ ماں کے تابع ہوکر حرام ہوگا(۲)، اگر گائے کے ساتھ گدھا وطی کرے، اس سے خچر پیدا ہو، تو وہ ماں کے تابع ہوکر حلال ہوگا(۳)، اب امید ہے کہ امریکن گائے کا سوال اور اس پر اشکال بھی حل ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= مطلق، أو خبر مروي فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة فهي على الإباحة". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأشربة: ۴/۲۲۱، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

"فإن متولداً من الوحشي والإنسي، فالعبرة للأم، فإن كانت أهلية تجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۵/۲۹۷، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۴، رشيديه)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

کتاب الأضحیة

باب من یجب علیه الأضحیة ومن لایجب

(قربانی کے وجوب وعدمِ وجوب کا بیان)

قرآن وحدیث سے قربانی کا ثبوت

سوال[۱۱۱۸۵]: قربانی کا مسئلہ آج کل عام دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے، کچھ لوگ سرے سے اس کا انکار کررہے ہیں، تو کچھ لوگ اسے قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، اس سلسلہ میں خاصا تفریط سے کام لیا جارہا ہے، عوام اس مسئلہ کی صحیح شرعی حیثیت سے آگاہ نہیں، جہاں تک میرا خیال ہے، قرآن مجید میں قطعیت کے ساتھ یہ حکم ہی نہیں آیا، نہ حج کے دنوں میں مکہ شریف کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ان تمام مسلمانوں کے لئے قربانی کرنا لازم ہے، سورہ الحج ملاحظہ ہو: ﴿ذلك ومن یعظم شعائر الله﴾(۱) ...... "قربانی دلوں کی پرہیزگاری میں داخل ہے، ان (چارپایوں میں) ایک قربت خاص تک تم لوگوں کے لئے فائدے ہیں، تم خانہ کعبہ کے پاس جاکر ان کو حلال کرو، ہم نے قربانی قرار دی ہے، تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی چوپائے دے رکھے ہیں، قربانی کرنے کے وقت خدا کا نام لیں"۔ قرآن مجید کے اس مطلب کو اگر سامنے رکھا جائے، تو قربانی ان لوگوں پر ہے جو چوپائے پال رکھے ہیں، قرآن کریم کی آیات بتاتی ہیں کہ قربانی خانہ کعبہ کے پاس جاکر کرو، اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص حج کرے اس پر قربانی واجب ہے، غیر حاجیوں پر قربانی واجب نہیں، قرآن میں قربانی کا ذکر حج کے ساتھ آیا ہے۔

ا...... اب بتایئے کہ کیا قربانی ان لوگوں پر بھی واجب ہے جو مویشی پالتے ہیں۔

---

(۱) (الحج: ۳۲)

۲..... خانہ کعبہ میں قربانی جائز ہے دوسری جگہ میں نہیں؟

۳..... اگر قربانی کا روپیہ قومی فلاح وبہبودی اور غریب پروری پر صرف کریں تو کیا خلاف دانش مندی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسائل کے واسطے ماخذ قرآن کریم ہے، یہ تو اصل سرچشمہ ہے اور حدیث سے بھی مسائل ثابت ہوتے ہیں (۱)، قرآن کریم میں حکم ہے کہ جو حکم تم کو رسول دیں، اس کو عمل کے لئے قبول کرو اور جس چیز سے منع کریں، اس سے باز رہو (۲)، نیز قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے جس رسول کو بھیجا، اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے (۳)۔

نیز ارشاد ہے، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اس نے اللہ کی اطاعت کی (۴)، اس واسطے حدیث شریف سے قطع نظر کر لینا اور یہ مطالبہ کرنا کہ ہر چیز قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ہی ثابت کی جائے، یہ مطالبہ غلط ہے اور نہایت خطرناک ہے (۵)، نمازوں کی رکعات فجر کی دو، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین،

---

(۱) "اعلم أن أصول الشرع ثلثة ..... الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة بدل من ثلاثة أو بيان له، والمراد من الكتاب بعض الكتاب، وهو مقدار خمس مائة اٰية؛ لأنه أصل الشرع والباقي قصص ونحوها". (نور الأنوار، ص: ۱۰، ۱۱، مكتبه رحمانيه)

"وبعد فإن أصول الفقه أربعة: كتاب الله تعالىٰ، وسنة رسوله، وإجماع الأمة، والقياس".

(أصول الشاشي، ص: ۵، مكتبه الحرم)

(وكذا في كشف الأسرار شرح أصول البزدوي: ۱/۳۳، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما اٰتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر: ۷)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾ (النساء: ۶۴)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (النساء: ۸۰)

(۵) "عن عبيدالله بن أبي رافع، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر مما أمرت به، أو نهيت عنه فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه".

(سنن ابن ماجة، باب: اتباع سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳، قديمى)

"(ألا): في تكرير كلمة التنبيه توبيخ وتقريع نشأ من غضب عظيم على من ترك السنة والعمل بالحديث استغناء بالكتاب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني: ۱/۴۰۱، رشيديه) =

عشاء کی چار کو قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ بلکہ پانچ وقت کی نماز کو بھی کیا قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کیا اس کے سات شوط کو قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

قرآن کریم کا مطلب وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمجھا اور اس پر عمل کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو سمجھایا اور اس پر عمل کرایا، سورہ کوثر میں مذکور ہے:

﴿فصل لربك﴾ الخ الآية(۱).

حضرت حسن اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"صلوة يوم النحر ونحر البدن"(۲)، یعنی اس جگہ صلوۃ سے صلوۃ عید الاضحیٰ اور نحر سے قربانی مراد ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"خرج علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الأضحى إلى البقيع، فبدأ فصلى ركعتين، ثم أقبل علينا بوجهه، وقال: إن أول نسكنا في يومنا هذا أن نبدأ بالصلوة، ثم نرجع فننحر"(۳) الخ.

= (وجامع الترمذي، كتاب العلم، باب: ما نهي عنه أن يقال عند حديث النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، رقم: ۲۶۶۳: ۳/۲۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الكوثر: ۲)

(۲) (أحكام القرآن، الكوثر: ۵/۱۱۳، إدارة القرآن كراچی)

"﴿فصل لربك وانحر﴾..... قال ابن عباس وعطاء ومجاهد وعكرمة والحسن: يعني بذلك نحر البدن ونحوها". (تفسير ابن كثير، الكوثر: ۴/۵۵۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تفسير الماوردي، الكوثر: ۴/۵۳۱، التراث الإسلامي

(۳) (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب استقبال الإمام الناس الخ: ۱/۱۳۳، قديمی)

(وكذا في شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، ص: ۳۲۹، سعيد)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث البراء بن عازب (رضي الله تعالىٰ عنه): ۴/۳۹۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

یعنی: ''حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الاضحیٰ میں بقیع کی طرف تشریف لائے، پس دو رکعت نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے اس دن میں ہمارا پہلا نسک یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر لوٹیں اور قربانی کریں''۔

یہ واقعہ حج کا نہیں ہے، بلکہ مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے، بقیع مدینہ طیبہ کے قبرستان کا نام ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امام ترمذی نے روایت کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام کیا اور قربانی فرمایا کرتے تھے (۱)، پس یہ کہنا کہ بغیر حج کے قربانی کا ثبوت نہیں، غلط ہے (۲)۔

۱..... قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب ہے، چاہے مویشی پال رکھا ہو یا نہیں (۳)۔

۲..... یہ حکم ہر جگہ کے لئے مسلمانوں کے لئے ہے، مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص نہیں (۴)۔

۳..... اس سے قربانی کا واجب ادا نہیں ہوگا، اگرچہ غریبوں کی امداد ہو جائے گی (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: أقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحي، هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، كتاب الأضاحي، باب: ۱/۲۷۷، سعيد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب في الأضحية: ۳/۵۲۲، رشيديه)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (رضي الله تعالىٰ عنهما)، رقم الحديث: ۴۹۳۵: ۲/۱۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "(فتجب) التضحية أي: إراقة الدم ..... (على حر مسلم مقيم) ..... (موسر) يسار الفطرة" (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۲-۳۱۵، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (تجب على حر مسلم مقيم.....) ..... دليل الوجوب قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا) رواه أحمد وابن ماجة ..... وباليسار: لأنها لا تجب إلا على القادر وهو الغني دون الفقير". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۱۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول الخ: ۵/۲۹۲، رشيديه)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱۲

(۵) "وهي في الشرع اسم لحيوان مخصوص بسنّ مخصوص يذبح بنية القربة في يوم مخصوص عند =

کتنے نوٹ پر قربانی واجب ہے؟

سوال[۱۱۱۸۶]: ۱.....آج کل ہندی نوٹوں کے اعتبار سے کتنے نوٹوں کی ملکیت پر قربانی کا وجوب ہوگا؟

ملازم کی تنخواہ پر قربانی کا وجوب

سوال[۱۱۱۸۷]: ۲.....بعض ملازمین جن کی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں، قربانی کے ایام تنخواہ کی وصول یابی پر صاحبِ نصاب ہوجاتے ہیں، لیکن آخر ماہ تک ان کے پاس کچھ نہیں بچتا، اگر یہ لوگ قربانی کردیں، تو آخر ماہ تنگی اور قرض کی صورت پیش آئے گی، سونے چاندی کے قسم کے بھی صاحب نصاب کرنے والی چیزیں ان کے پاس نہیں ہے، ایسے حضرات کے لئے قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی مقدار میں ہوں، تو ان کو صاحبِ نصاب کہا جائے گا اور قربانی لازم ہوگی، بشرطیکہ یہ نصاب حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اس نصاب پر سال بھی گزرنا لازم نہیں(۱)۔

= وجود شرائطها وسببها، كذا في التبيين. (وأما ركنها) فذبح مايجوز ذبحه في الأضحية، بنية الأضحية في أيامها؛ لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء، والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل، فكان ركنا، كذا في النهاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول الخ: ۲۹۱/۵، رشيديه)

"وعند الفقهاء كما في النهاية: اسم لحيوان مخصوص، وهي الشاة فصاعداً من هذا الأنواع الأربعة، والجذع من الضأن تذبح بنية القربة في يوم مخصوص" ..... وفي الأضحية اجتمع المعنيان، فإنه يتصرف بإراقة الدم". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۷/۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۱/۶، ۳۱۲، سعيد)

(۱) "أما شرائط الوجوب: منها اليسار وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون مايتعلق به وجوب الزكاة ..... والموسر في ظاهر الرواية: من له مأتادرهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه، ومتاع مسكنه. ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، =

۲......اگر گزارہ اس تنخواہ پر ہے اور قربانی کرنے سے مہینہ ختم ہونے تک گزارہ دشوار ہو جائے گا، تو قربانی لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہو اور مقدار نصاب کم ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۱۸۸]: غیر مقلد کے ایک اخبار میں یوں لکھا ہوا پایا کہ حنفی مذہب میں قربانی اس پر واجب ہے جو نصابِ زکوۃ کا مالک ہو، فرق اتنا ہے کہ زکوۃ سال بھر تک صاحبِ نصاب ہونے پر ہے، قربانی کے واسطے نہیں، اگر کوئی شخص ساٹھ ستر روپیوں کا مالک ہے، صاحبِ نصاب ہونے کے باعث اس پر قربانی واجب ہے، لیکن کسی سے اتنے داموں پر قربانی کا جانور ملنا محال ہے، قربانی کرے، تو کل سرمایہ ہاتھ سے جاتا ہے، نہ کرے تو ترکِ واجب کے گناہ کا مرتکب، اس لئے حدیث میں ہے "من وجد سعة" الحديث اس پر عمل کرنا بہتر نہیں کہ جو قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، مہربانی کرکے مسئلہ کی اہمیت سے مطلع فرمائیں اور ان کے اس حدیث کے پیش کرنے کا کیا جواب ہے؟

= كتاب الأضحية، الباب الأول: ۵/۲۹۲، رشيديه)

"(تجب) ...... (على كل) حر (مسلم) ولو صغيراً مجنونا ...... (ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) كدينه وحوائج عياله (وإن لم ينم) كما مر (وبه) أي: بهذا النصاب (تحرم الصدقة) كما مر، وتجب الأضحية". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/۳۵۸-۳۶۰، رشيديه)

"(قوله وشرائطها) أي: شرائط وجوبها ...... قوله واليسار، ولا العقل، والبلوغ؛ لما فيها من خلاف كما يأتي، والمعتبر وجود هذه الشرائط آخر الوقت، وإن لم تكن في أوله كما سيأتي".

(ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۲، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني، نصاب الأضحية: ۴/۳۰۹، امجد اكيڈمی لاهور)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، اگر حاجت اصلیہ سے زائد کسی کے پاس قربانی کے ایام میں ہو، تو اس پر قربانی واجب ہے(۱)، ۵۰، ۶۰، ۷۰روپیہ میں کبرا (قربانی کے قابل بجنس نر) آتا ہے، جس میں سات آدمی شریک ہوکر قربانی کرلیتے ہیں، نصاب کی قیمت تو اس سے بہت زیادہ ہے، اتنے میں ہی سات آدمی اپنا واجب ادا کرلیتے ہیں(۲)۔ اور کسی کا سرمایہ ختم نہیں ہوتا ہے، یہی "من وجد سعة" الحدیث(۳) کا مصداق ہے، ورنہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس حج کی گنجائش نہیں

(۱) "أما شرائط الوجوب: منها اليسار وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون مايتعلق به وجوب الزكاة .... والموسر في ظاهر الرواية: من له مائتادرهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه، ومتاع مسكنه، ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني، نصاب الأضحية: ۳۰۹/۴، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۳۵۸/۲-۳۶۰، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة". (مشكاة المصابيح، باب في الأضحية، الفصل الأول: ۱۲۷/۱، قديمي)

"وأما وجه ذلك من طريق النظر، فإنا قد رأيناهم قد أجمعوا أن البقرة لاتجزئ في الأضحية عن الأكثر من سبعة، وهي من البدن باتفاقهم، فالنظر على ذلك أن تكون الناقة مثلها، لا تجزئ عن أكثر من سبعة اهـ". (شرح معاني الآثار، باب البدنة عن كم تجزئ في الضحايا والهدايا: ۳۳۱/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب: ۳۰۱/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، باب أن البدنة على سبعة: ۲۰۶/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من وجد سعة فلم يضح، فلا يقربن مصلانا". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۸۰۷۴: ۶۱۷/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ص: ۲۲۶، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۸، رشيديه)

ہوتی، زکوۃ، فطرہ، قربانی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لئے کہ نفس کا بخل روکتا ہے۔

لہٰذا شریعت نے "من وجد سعة" الحدیث(۱) کی حد مقرر کردی ہے اور وہ وہی ہے جس کو احناف نے اختیار کیا ہے، محض گوشت خوری کی نیت سے قربانی کے جانور میں اگر کوئی شریک ہوگا تو اس سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی خراب ہوجاوے گی (۲)۔ اگر ثواب کی نیت سے شریک ہو اور قیمت بعد میں دے دے تو مضائقہ نہیں ہے، مگر قیمت دینے کی صورت مسئولہ درست نہیں ہے۔

قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت سے بھی شرکت درست ہے (۳)، عقیقہ کے دن کی تعیین مستحب ہے، لازم نہیں (۴)، اگر ایام قربانی میں وہ دن آئے، تب بھی گنجائش ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۶ھ۔

---

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) "وإن كان شريك الستة نصرانياً ومريد اللحم لم تجز عن واحد منهم". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن الخ: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(۳) "ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم ..... وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد ..... وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد، ولد له من قبل، كذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في نوادر الضحايا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن الخ: ۵/۳۰۴، رشيديه)

"ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدي المتعة ..... وبعضهم دم العقيقة لولادة ولد، ولد له في عامه ذلك جاز عن الكل في ظاهر الرواية". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۶/۳۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) "عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته، =

دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا

سوال[۱۱۱۸۹]: مشترک کاروبار اور مشترک آمدنی اور مشترک اخراجات کی بناء پر قربانی اور زکوۃ واجبہ کی ادائیگی کی یہ شکل ہوتی ہے، حساب جانچ کر مشترک زکوۃ ادا کردیتا ہے، قربانی کی شکل یہ ہوتی ہے، خاندان میں کوئی ایک فرد قربانی کے حصوں کا حساب لگا کر مشترک طور پر قربانی کے لئے بیل بکرے وغیرہ خرید لیتا ہے، جن کے خریدنے میں اہلِ حصص کی رضامندی ہوتی ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحب حصہ سفر میں ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے مکان پر اعزاء قربانی کردیتے ہیں، تو یہ قربانی درست ہوتی ہے یا نہیں؟

بہشتی زیور، حصہ سوم کی اس عبارت کا مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص یہاں پر موجود نہیں ہے اور کسی دوسرے شخص نے بغیر اس کے امر کے قربانی کردی، تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اس کے امر کے تجویز کردیا، توان حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوئی (۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب سب کی اجازت اور رضامندی سے ایسا ہوتا ہے تو زکوۃ اور قربانی سب درست ہے (۲)، بہشتی

= يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه". قال الإمام الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ عق عنه إحدى وعشرين". (جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة: ۱/۲۷۸، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(۵) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۱۲۹

(۱) (بہشتی زیور، حصہ سوم، قربانی کا بیان، ص: ۲۳۴، ۲۳۵، دارالاشاعت)

(۲) "ولو ضحى ببدنة عن نفسه وعرسه وأولاده ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية: إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وإن كانوا كباراً، إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحماً، فصار الكل لحماً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه: ۵/۳۰۲، رشيديه)

زیور کی عبارت منقولہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کی طرف سے بغیر اس کے امر کے قربانی کر دیتا ہے، تو اس کے ذمہ سے واجب ادا نہیں ہوگا اور اگر کسی قربانی میں حصہ اس کی طرف سے دیتا ہے کہ گوشت دے کر پیسے وصول کر دے گا تو یہ درحقیقت اس کی طرف سے قربانی نہیں ہوئی، بلکہ اس کے ساتھ گوشت کی بیع ہوئی، جس سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی خراب ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

کسی کے کہنے سے اپنا جانور اس کی طرف سے مفت قربان کرنا

سوال [۱۱۱۹۰]: ایک شخص پردیس میں ہے اور صاحب نصاب ہے، اپنے رشتہ دار کے یہاں خط لکھ دیتا ہے کہ آپ کے یہاں جو بکرا ہے، اس کو میری طرف سے قربانی کر دیں اور رشتہ دار بلاعوض شخص مذکور کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے، اب یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟ وجہ جواز تو ازن ہے جو کہ فرائض و واجبات قربانی کے لئے کافی ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ جب رشتہ دار بلاعوض کے دے رہے ہیں، تو ہبہ ہو گیا اور بکرا تو منقولات میں سے ہے اور شی منقولات میں قبضہ شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آمر نے مامور کو وکیل بنا دیا، اقتضاءً وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۵۲۴/۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا ومالايجوز: ۳۵۰/۳، رشيديه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "يعني: أن المؤكل صار قابضاً بقبض الوكيل، بدليل أن هلاكه في يد الوكيل كهلاكه في يد المؤكل". (فتح القدير، كتاب الوكالة، باب الوكالة في البيع والشراء: ۱۲۳/۸، رشيديه) ....=

کیا حرام مال ملک میں ہو تب بھی قربانی واجب ہوگی؟

سوال[۱۱۱۹۱]: اگر کسی کی ملک میں ایام نحر میں اتنا مال آجائے کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے، اگرچہ حرام ہی طریقہ سے ہو تو کیا قربانی اس پر واجب ہوگی؟ کیا وظائف مالیہ میں حرام حلال دونوں کا یکساں حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے طریقہ پر مال آیا ہے کہ ملک ہی ثابت نہیں ہوتی، جیسے سرقہ، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی (۱)، اگر ایسے طریقہ پر آیا ہے کہ ملک ثابت ہوتی ہے، جیسے بیوع فاسدہ، تو قربانی واجب ہو جائے گی۔

"لأن البيع الفاسد يفيد الملك وإن كان يجب فسخه اهـ"(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

= "لأن المؤكل صار قابضاً بقبض وكيله، فكان هلاكه في يد الوكيل كهلاكه في يد المؤكل".
(المبسوط للسرخسي، كتاب الوكالة، باب الوكالة في الدم والصلح (الجزء: ۱۹): ۱۲۸/۱۰، حبيبيه كوئٹه)

"وقال محمد: على المؤكل؛ لأن قبض الوكيل كقبضه، فوقع القبض أولاً للمؤكل".
(ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۱۳/۶، سعيد)

(۱) "وفي القنية: لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه". اهـ. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲۹۱/۲، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الثاني في المصرف: ۸۶/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، مايمنع وجوب الزكاة: ۲۹۸/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأيضاً حكم الفاسد، أنه يفيد الملك بالقبض". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۹/۵، سعيد)

"وحكم الفاسد: الايفيده بمجرده، بل بالقبض". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۱۳/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الحادي عشر في أحكام البيع الغير الجائز: ۱۴۶/۳، ۱۴۷، رشيديه)

باب فیما یجوز من الأضحیة ومالایجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز اور ناجائز جانور کا بیان)

بکری، ہرن کے جوڑ سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی کرنا

سوال[۱۱۱۹۲]: بکری جو کہ ہرن سے جوڑ کھا کر بچہ دے، اس بچہ کی قربانی کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اور وہ بکری کے حکم میں ہوگا یا ہرن کے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانوروں کے متعلق ایک ضابطہ ''الأشباہ والنظائر'' میں لکھا ہے: ''الولد یتبع الأم'' یعنی بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، جو حکم ماں کا وہی بچہ کا (۱)، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس بچہ کی ماں بکری ہے اور باپ ہرن، اس کی قربانی درست ہوگی۔

مگر ایک دوسرا قاعدہ بھی لکھتے ہیں:

''إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام''(۲). یعنی: ''جب حرام

---

(۱) في شرح الحموي ''وعبارة الهداية في الأضحية والمولود بين الأهلي والوحشي يتبع الأم؛ لأن الأصل في التبعية الأم''. (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، الفن الأول في القواعد الكلية: ۱/۳۰۳، إدارة القرآن كراچی)

''والمتولد بين الأهلي والوحشي يتبع الأم''. (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۵/۲۹۷، رشيديه)

(۲) (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، الفن الأول، ص: ۱۲۱، دارالفكر بيروت)

''وقال عليه السلام: ''ما اجتمع الحلال والحرام إلا وقد غلب الحرام على الحلال''.

(المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۲۸۲، مكتبه حبيبيه كوئٹه) .... =

وحلال مخلوط ہوجائیں، تو حرام کا اثر غالب رہے گا"۔

بکری کی قربانی درست، ہرن کی نادرست، ان کے اختلاط کے نتیجہ میں قربانی نادرست ہونی چاہیے۔ قول اول راجح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۹۹ھ۔

دیوانہ جانور کی قربانی

سوال[۱۱۱۹۳]: کیا دیوانہ جانور کی قربانی جائز ہے، دیوانہ کے معنی بالکل پاگل کے ہیں، یا کچھ اور بھی معنی آتے ہیں؟ ہمارے یہاں دیوانہ کے معنی بالکل (پاگل) کے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیوانہ و پاگل قربانی سے مانع نہیں، جب کہ وہ پاگل جانور چرتا ہو، اگر نہ چرتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں۔

"ویضحی بالجماء والخصي والثولاء أي: المجنونة إذا لم يمنعها من السوم والرعي، وإن منعها لاتجوز التضحية بها" (درمختار، شامي نعمانيه: ۵/۲۰۵)(۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۹۴ھ۔

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۱/۱۴۶، سعيد)

(۱) "ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشائخ: يجوز". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۵/۲۹۷، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعيد)

"وتجوز الثولاء، وهي المجنونة، إلا إذا كان ذلك يمنع الرعي والاعتلاف فلا تجوز".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۲۳، رشيديه)

کیا انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے؟

سوال[۱۱۱۹۴]: بعض آدمی کہتے ہیں کہ انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ مسائل کی کتابیں بھی تحریر کردیں، تاکہ ان سے معلومات حاصل کیا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انڈے کی قربانی سے واجب ادا نہیں ہوتا اور نہ اس کی قربانی واجب ہوتی ہے(۱)، البتہ اونٹ، بکری، مرغی، انڈا ان چاروں میں جو فرق ہے، بعض اعمال صالحہ کے متعلق اس فرق کو بتلایا گیا ہے، کہ فلاں عمل کا ثواب اونٹ کی قربانی کے برابر ہے اور فلاں کا بکری کی قربانی کے برابر، فلاں کا مرغی کی قربانی کے برابر، فلاں کا انڈے کی قربانی کے برابر(۲) اور جس طرح کے لفظ قربانی اردو میں بولا جاتا ہے کہ کچھ قربانی دینی چاہیے، چندہ ہی پیسے کی ہوں، اس سے سمجھ لیجئے۔

---

(۱) "﴿أما جنسه﴾ فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة: الغنم أو الإبل أو البقر، ويدخل في كل جنس نوعه ......". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۲۹۷/۵، رشيديه)

"(و) صح (الثني) فصاعداً من الثلاثة". (الدرالمختار). "(قوله: من الثلاثة) أي: الآتية، وهي الإبل والبقر بنوعيه، والشاة بنوعيه ...... (قوله: والجاموس) نوع من البقر، وكذا المعز نوع من الغنم بدليل ضمها في الزكاة، بدائع". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۴/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "عن ابن شهاب قال: أخبرني أبوعبدالله الأغر، أنه سمع أبا هريره رضي الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا كان يوم الجمعة كان على كل باب من أبواب المسجد ملئكة يكتبون الأول فالأول ...... ومثل المهجر كمثل الذي يهدي بدنة ثم كالذي يهدي بقرةً ثم كالذي يهدي الكبش، ثم كالذي يهدي الدجاجة، ثم كالذي يهدي البيضة". (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، فصل تكتب الملائكة على أبواب المساجد الخ: ۲۸۲/۱، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا كان يوم الجمعة ...... فالمهجر إلى الصلاة كالمهدي بدنة، ثم الذي يليه كالمهدي بقرة، ثم الذي يليه كالمهدي كبشاً، حتى ذكر الدجاج والبيضة". (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التكبير إلى الجمعة: ۲۰۶/۱، قديمى) =

مسائل کی کتابیں بے شمار ہیں، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الفتاویٰ، ان دونوں میں بے شمار مسائل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، باب التنظيف والتكبير، ص: ۱۲۲، قديمي)

باب مایکون عیبا في الأضحیة ومالایکون

(قربانی میں عیب کا بیان)

جس بکرے کے دانت گھس گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم

سوال[۱۱۱۹۵]: ایک بکرا قربانی کے لئے خریدا گیا، لیکن اس کے دانت چرنے کی وجہ سے گھس کر بہت چھوٹے چھوٹے رہ گئے ہیں اور مسوڑوں کے برابر ہوگئے ہیں، منہ کھولنے پر سارے دانت اچھی طرح نظر آتے ہیں، ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں، کیا اس بکرے کا شمار ہتماء(۱) میں ہوگا، جب کہ ہتماء میں دانتوں کا جڑ سے اکھڑنا مراد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ان دانتوں سے چرتا اور اپنی روزی حاصل کرتا ہے، تو اس کا حکم ایسے بکرے کی طرح نہیں ہوگا، جس کے دانت اکھڑ گئے ہوں اور چرنے سے معذور ہوگیا ہو، لہٰذا اس کی قربانی میں کوئی شبہ نہ کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ’’ہتما: اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دانت نہ ہوں‘‘۔

"الهتماء: هي التي لا أسنان لها من الإبل والبقر والشاة". (مجموعة قواعد الفقه، الرسالة الرابعة، التعريفات الفقهية: ص ۵۵۱، مير محمد كتب خانه كراچي)

(۲) "وأما الهتماء: وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف، جازت وإلا فلا كذا في البدائع" وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۸/۵، رشيديه)

"ولايجوز بالهتماء التي لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف، وإن كانت تعتلف جاز، وهو الصحيح". (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۲۳/۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية: ۳۲۰/۴، رشيديه)

باب الشركة في الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

ایک گائے کی قربانی میں ساتواں حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھنا

سوال[۱۱۱۹۲]: اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گائے قربان کرے اور اسی گائے میں اور چھ آدمیوں کے نام شامل کردے، تو اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخی تو نہیں ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی درست ہے(۱)، اس میں گستاخی نہیں، بلکہ توقع ہے کہ حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے سب قربانی قبول ہوجائے گی، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام امت کی طرف سے قربانی کی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن الحكم عن حنش قال: رأيت علياً رضي الله تعالىٰ عنه، يضحي بكبشين، فقلت له: ماهذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو صاني أن نضحي عنه، فأنا أضحي عنه". (سنن أبي داود، باب الأضحية عن الميت: ۲/۳۷، مكتبه رحمانيه لاهور)

"من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق، والأكل. والأجر للميت والملك للذابح". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت: ۱۷/۲۶۸، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي، اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (سنن =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ابن ماجة، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۲۲۵، قدیمی)

(وكذا في شرح معاني الآثار للطحاوي رحمه الله تعالیٰ، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة عن كم تجزئ أن يضحى بها: ۲/۲۳۲، سعید)

"وقد صح أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من أمته". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعید)

باب في قسمة اللحم ومصرفه وبيعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

قربانی کا گوشت ہندو کو دینا

سوال[۱۱۱۹۷]: قربانی کا گوشت ہندو کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں، وہ گوشت ہندو کو دینا جائز ہے(۱)، بشرطیکہ کسی معاوضہ میں نہ ہو(۲)، لیکن بہتر یہ ہے کہ دین دار آدمی کو دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ويهب منها ماشاء للغني والفقير والمسلم والذمي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشيديه)

"وللمضحي أن يهب كل ذلك، أو يتصدق، أو يهديه لغني، أو فقير مسلم، أو كافر". (إعلاء السنن، باب بيع جلد الأضحية: ۱۷/۲۵۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۶، سعيد)

(۲) "ولا يعطي أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۸، سعيد)

"(قوله: لأنه كبيع) أي: من الجزار بأجرة؛ ولقوله عليه السلام لعلي رضي الله تعالىٰ عنه، تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعط الجزار شيئاً منها ...... والمعنى: أنه لا أضحية له كاملة". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۶، دار المعرفة بيروت)

"ولا يعطي الجازر بأجرته منها شيئاً ..... ولأن ما يدفعه إلى الجزار أجرة عوض عن عمله وجزارته، ولا تجوز المعاوضة بشيء منها". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب التصدق بلحوم الأضاحي وغيرها: ۱۷/۲۶۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ۶/۴۸۷، دار الكتب العلمية بيروت)

باب في مصرف جلد الأضحية

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

چرمِ قربانی کی قیمت کنواں بنوانے میں استعمال کرنا

سوال[۱۱۱۹۸]: کیا چرمِ قربانی کی قیمت کسی پبلک کنویں کی تعمیر میں صَرف کیا جاسکتا ہے؟ مسلمانوں کے محلہ میں کنواں ہے، جو کہ گر چکا ہے، محلہ کے مسلمان غریب ونادار ہیں، جو چندہ کرکے نہیں بنواسکتے، پانی کی سخت قلت ہے، اس کنویں کا پانی مسجد میں بھی استعمال ہوتا تھا، ایک صاحب قربانی کے چمڑوں کی قیمت سے کنواں منہدم کرکے بنوانا چاہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کرنے والا چمڑا اگر فروخت کردے تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے(۱)، جس غریب کو وہ قیمت دی جائے، اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد کنواں بنانے کے لئے دے دے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے(۲)،

---

(۱) "فإن بيع اللحم أو الجلد أي: بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمنه". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۲۸/۶، سعيد)

"فإن بدل اللحم أو الجلد، يتصدق به". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمنتقى في شرح الملتقى، كتاب الأضحية: ۱۷۴/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "فإن أراد الحيلة، فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباط والمقابر: ۴۷۳/۲، رشيديه)

"وإنما يصرف إلى الفقراء لاغير، ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط =

بدون غریب کو مالک بنائے، براہِ راست کنواں بنوانے میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= جاز، ویکون ذلک حسناً". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳۴۵، سعید)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۴۱

باب المتفرقات

جس چھری سے قربانی کی جائے، کیا اس میں تین سوراخ کا ہونا ضروری ہے؟

سوال[۱۱۱۹۹]: جس چھری میں تین سوراخ نہیں ہیں، اس سے قربانی جائز نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات کہ جس چھری میں تین سوراخ نہ ہوں، اس سے قربانی نہیں ہوتی، شرعاً بے اصل ہے، غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

خطرۂ جان کے وقت قربانی نہ کرنا

سوال[۱۱۲۰۰]: آپ خوب واقف ہیں کہ ہندوقوم کو مسلمانوں کے ذبیحہ کے معاملہ میں سخت نفرت اور دشمنی ہے اور یہ بہت بڑا اختلافی مسئلہ ہے۔ پس ایسے حالات میں جب کہ شہر کی فضا حد درجہ مکدر و پرآشوب ہے، قربانی (جانور ذبح کرنے) کے بجائے اپنی حیثیت کے مطابق جانور یا نقد یا حصہ کی قیمت بقدر نقد رقم مساکین، غرباء، مدارس وغیرہ میں دی جاسکتی ہے یا کسی اور قومی فلاح وبہبود کی مد میں صرف کی جاسکتی ہے یا مقامی طور پر تباہ حال مظلوم مستحق مسلمانوں کو دی جاسکتی ہے، جیسا کہ یہاں کے حالات کا تقاضا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قربانی کرنے میں جان کی قربانی دینی پڑے، بغیر اس کے قربانی نہ کی جاسکے، تو قربانی ترک کرکے ایام قربانی کے بعد ہر شخص مقدار واجب کی قیمت مستحقین غرباء کو صدقہ کردے، خواہ تباہ حال مسلمان ہوں یا دیگر

اقرباء، فقراء طلبہ مستحق ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

خنزیر کے بال سے برش بنانے والے کارخانہ میں ملازم کی تنخواہ سے قربانی کا حکم

سوال [۱۱۲۰۱]: ایک شخص کا ایک لڑکا ہے، جو ایک کارخانہ میں کام کرتا ہے اور اس کارخانہ میں خنزیر کے بالوں کے برش تیار ہوتے ہیں اور اس کو معلوم بھی ہے کہ یہ بال خنزیر کے ہیں اور وہ خود اس کے بالوں کا برش تیار کرتا ہے، اس کے بعد اس نے اپنے گھر کو روپیہ بھیجے، کہ ان روپیوں کا قربانی میں حصہ کریں اور جس جانور میں یہ روپیہ ڈالے، ایسی چھ شریک قربانی میں اور بھی ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ اس شخص کی کمائی کیسی ہے اور جس نے جانور خریدا، ان پیسوں کو اور پیسوں میں ملالیا، اس صورت میں اس شخص کی قربانی ہوئی اور جو چھ شریک تھے ان کی بھی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر کسی کی بھی نہیں ہوئی، تو بتائیں اس قربانی کے جانور کا اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر کے تمام اعضاء نجس العین ہیں، ان کی بیع جائز نہیں (۲)، لیکن کارخانہ میں ملازمت کرنے سے

(۱) "المشقة تجلب التيسير" والأصل فيها قوله تعالىٰ: ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ وقوله تعالىٰ: ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ ...... قال العلماء: يتخرج على هذه القاعدة جميع رخص الشرع وتخفيفاته، واعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة ...... الثاني: المرض؛ ورخصه كثيرة: التيمم عند الخوف على نفسه، أو على عضوه، أو من زيادة المرض، أو بطئه، والقعود في صلاة الفرض ......، والتخلف عن الجماعة مع حصول الفضيلة ......، وإباحة محظورات الإحرام مع الفدية، والتداوي بالنجاسات وبالخمر مع أحد القولين ...... وإباحة النظر للطبيب حتى العورة والسوأتين". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة الرابعة، ص: ۸۴، دارالفكر بيروت)

"ولو تركت التضحية ومضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذر وفقير، وبقيمتها غني، شراها أولا".

(الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس الخ: ۵/۳۰۲، رشيديه)

(۲) "بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين، إذالهاء في قوله تعالىٰ: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه". =

جو روپیہ حاصل ہوا اور بذریعہ ڈاک روپیہ بھیجا اور موصول شدہ روپیہ سے جو قربانی کے جانور میں حصہ لیا، اس کی وجہ سے اس کی قربانی ناجائز نہیں ہوئی اور نہ دوسرے شریکوں کی قربانی ناجائز ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

قربانی کے جانور سے اتاری ہوئی اون کا حکم

سوال[۱۱۲۰۲]: قربانی کے جانور کی اون جو کہ سال کے دوران مونڈلی جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ درست ہے، جو دل چاہے کریں، ایام نحر میں مونڈی ہو، تو صدقہ کردیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به: ۱/۱۴، شركت علمية ملتان)

"وشعر الخنزير، ينتفع به للخرز، أي: لايجوز بيع شعره، ويجوز الانتفاع به للخرز؛ لأنه نجس العين (كنز الدقائق) قوله: (وشعر الخنزير) أي: لم يجز بيعه إهانة له، لكونه نجس العين كأصله". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۲، رشيديه)

"وشعر الخنزير لنجاسة عينه، أي: عين الخنزير بجميع أجزائه، فيبطل بيعه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۱، سعيد)

(۱) "(وكره جز صوفها قبل الذبح) لينتفع به، فإن جزه تصدق به، ولا يركبها، ولا يحمل عليها شيئاً، ولا يؤجرها، فإن فعل تصدق بالأجرة. حاوي الفتاوى؛ لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۹، سعيد)

"إذا أخذ شيئاً من الصوف من طرف من أطراف الأضحية للعلامة في أيام النحر لايجوز له أن يطرح ذلك الصوف، ولا أن يهب لأحد، بل يتصدق بذلك الصوف على الفقراء، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۳۰۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۴/۱۶۶، ۱۶۷، دارالمعرفة بيروت)

كتاب العقيقة

(عقیقہ کا بیان)

عقیقہ کا دن

سوال[۱۱۲۰۳]: عقیقہ بچہ کی پیدائش کے کتنے روز کے بعد سنت ہے؟ اگر خام گوشت تقسیم کردیا جائے، تو عقیقہ ہو جائے گا یا اس کا کھانا پکا کر کھلانا چاہیے اور کون لوگ کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ بچہ کے پیدائش کے ساتویں روز کرنا چاہیے۔

"يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه، ويتصدق عند الأئمة الثلثة بزنة شعره فضةً، أو ذهباً. ثم يعق عند الحلق" شامي نعمانيه: ۵/۲۱۳(۱).

اگر ساتویں روز نہ کر سکے، تو چودھویں روز، ورنہ اکیسویں روز (۲)، علیٰ ہذا القیاس پیدائش سے ایک

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۳۶، سعيد)

(۲) "عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق راسه. قال الإمام الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيأ عق عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة: ۱/۲۷۸، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مكتبه ميمنيه مصر)

روز پہلے، پھر ساتویں ماہ میں، پھر ساتویں سال میں غرضیکہ عدد کی رعایت بہتر ہے۔ کذا في مالا بدمنه(۱).
اور جو بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، تو وہ خود اپنا عقیقہ کرے۔

"ویسن أن یعق عن نفسه من بلغ ولم یعق عنه" فتاوی حامدیة: ٤/٢٣٣(٢).

خام گوشت تقسیم کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے اور پکا کر کھلانے سے بھی۔

"سواء فرق لحماً نیئا وطبخه بحموضة الخ". شامي نعمانیه(۳).

کھانے میں امیر غریب سب شریک ہو سکتے ہیں۔

"ویأکل، ویطعم، ویتصدق" فتاویٰ حامدیة(٤).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۵/۱۱/۱۴۰۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۱۴۰۱ھ۔

شادی میں عقیقہ کرنا

سوال[۱۱۲۰۴]: سائل کا بیان ہے کہ یہاں لڑکیوں کی شادی ہے اور ہیں ان کی شادیوں میں

---

(۱) "بعد ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست ویکم وہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، الغرض رعایت عدد ہفت بہتر است"۔ (مالابد منہ فارسی، رسالہ احکام عقیقہ، ص: ۱۴۰، قدیمی)

(۲) (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، إمدادیه)

"عن الحسن البصري: إذا لم یعق عنک، فعق عن نفسک وإن کنت رجلاً". (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة في العقیقة: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في فتح الباري، کتاب العقیقة، باب إماتة الأذی عن الصبي في العقیقة: ۹/۵۹۴، دار المعرفة بیروت)

(۳) (ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۶/۳۳۶، سعید)

(وکذا في تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، إمدادیه کوئٹه)

(۴) "ویأکل أهلها من لحمها ویتصدقون منها". (موطأ الإمام مالک، کتاب العقیقة، ص: ۴۹۴، ۴۹۵، قدیمی)

(وکذا في أوجز المسالک، کتاب العقیقة: ۴/۲۱۲، ۲۱۳، إمدادیه ملتان)

بچوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ایک جانور لے کر اس شادی میں شامل کروں اور اپنے عزیزوں اور بارات والوں کو سب ہی کھلا دوں گا، اگر ایسا جائز ہو، تو مطلع فرمائیں۔ میں عقیقہ کے لئے بھینس یا اس کی نسل کا جانور لینا چاہتا ہوں اور عقیقہ میں وہ ایک لڑکی شامل ہے، جس کی بارات آرہی ہے اور تین لڑکے، تین اس طریقے سے کہ ایک جانور میں تین لڑکوں اور ایک لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بوضاحت جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ ایک بھینس یا اس نسل کا جانور جس کی قربانی درست ہو، ذبح کریں اور تین لڑکوں اور لڑکی کے عقیقہ کی نیت اس میں کرلیں اور شادی میں جو مہمان آئیں، ان کو بھی اس کا گوشت کھلادیں، تو شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۲ھ۔

عقیقے میں گائے، بھینس کو ذبح کرنا

سوال[۱۱۲۰۵]: ایامِ قربانی کے علاوہ بچوں کے عقیقہ میں بھینس وغیرہ، نیز صرف ایک بچے کے عقیقہ میں پورے بڑے جانور سے عقیقہ درست ہوجائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "قد علم أن الشرط قصد القربة من الكل، ..... وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أو لا، كالأضحية وإحصار ... وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد من قبل ..... ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز لها؛ لأنها تقام شكراً لله تعالىٰ على نعمة النكاح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

"وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ..... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۵ھ۔

عقیقہ میں لڑکے کا ایک حصہ رکھنا

سوال[۱۱۲۰۶]: زید اپنے بچوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، جن میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، تو کیا ان بچوں کے لئے ایک بھینس کافی ہوسکتی ہے؟ یا ہر ایک لڑکے کی جانب سے دو، دو حصہ لگانا ضروری ہے اور پھر اس کے عقیقہ نہیں ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک روایت میں لڑکے کی طرف سے ایک بکرے کے عقیقہ کو کافی قرار دیا ہے (۲)، اگرچہ لڑکوں کی

---

(۱) "من ولد له غلام، فليعق عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم، دليل على جواز العقيقة ببقرة كاملة أو ببدنة كذلك". (فتح الباري، باب العقيقة: ۹/۵۹۳، دارالمعرفة بيروت)

"عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يعق عن بنيه بالجزور". (تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل السادس عشر، ص: ۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"وفي قوله: "من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم" دليل على جواز العقيقة ببقرة كاملة أو ببدنة كذلك". (إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه عق عن الحسن بن علي بشاة". (جامع الترمذي، باب الأذان في أذن المولود: ۱/۲۷۸، سعيد)

"قوله عق عن الحسن بن علي بشاة، شیخ عبدالحق در ترجمہ مشکاۃ گفتہ: ازیں حدیث معلوم شد کہ عقیقہ بیک گوسفند ہم می باشد...... وصاحب سفر السعادت گفتہ کہ حدیث شاۃ واحدۃ صحیح است، ولیکن حدیث "عن الغلام شاتان" اقوی واصح است، زیرا کہ جماعت از صحابہ آں را روایت کردہ اند"۔ (العرف الشذي على جامع الترمذي، باب الأذان في المولود: ۱/۲۷۸، سعيد)

"عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: عق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن=

طرف سے ایک ایک حصہ ہوں اور ایک لڑکی کی طرف سے ہو اور ایک بھینس اس مقصد کے لئے ذبح کردی جائے، تب بھی اس کا عقیقہ ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۶/۹۷ھ۔

کیا ماں باپ عقیقہ کا کھانا کھا سکتے ہیں؟

سوال [۱۱۲۰۷]: عقیقہ کے کھانے کو ماں باپ کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کے کھانے میں ماں باپ سب شریک ہو سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الحسن بشاة الخ". (مشكاة المصابيح، باب العقيقة، ص: ۳۶۲، قديمي)

(۱) "ولو ذبح بدنة أو بقرة من سبعة أولاد، أو اشترک فيها جماعة، جاز، سواء أرادوا كلهم العقيقة، أو أراد بعضهم العقيقة، وبعضهم اللحم". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۹، إدارة القرآن كراچی)

"ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب، أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً ...... وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدي الإحصار ...... وكذلک إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ۵/۳۰۴، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۶، سعيد)

(۲) "فائدة: في حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها الذي أودعناه في المتن دلالة على استحباب أن لايكسر للعقيقة عظم، وأنه يستحب الأكل منها، والإطعام، والتصدق كما في الأضحية، فما اشتهر على ألسنة العوام أن أصول المولود لايأكلون منها، لا أصل له". (إعلاء السنن، كتاب العقيقة، باب أفضلية ذبح شاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۸، إدارة القرآن كراچی)

"ويأكل أهلها من لحمها ويتصدقون منها". (موطأ الإمام مالک، كتاب العقيقة، ص: ۴۹۴، ۴۹۵، قديمي) .... =

ایضاً

سوال[۱۱۲۰۸]: عقیقہ کے گوشت میں سے بچے کے والدین اور تمام اصول وفروع کھاسکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو مخالفت کس درجہ کی ہے اور اگر کھاسکتے ہیں تو کیا کسی کراہت کے ساتھ بلا کراہت کے اور رسالہ عقیقہ مصنفہ حضرت مولانا نظام الدین میں صفحہ ۱۷ پر لکھا ہوا ہے:

''اور یہ جو مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، بیٹا بیٹی، پوتی پوتا، نہ کھاویں، سو مسلمانوں کی رسم ہے۔''ما رأه المؤمنون حسناً فهو عندالله حسن''(۱)۔ بلکہ خاتم المحدثین نے حدیث''کل غلام مرتهن بعقيقته''(۲) سے نکالا کہ اس حدیث میں ''رهن'' کا لفظ گروی کے معنی میں ہے، فدیہ دینے پر دلالت کرتی ہے، اس واسطے ماں باپ وغیرہ تو اس کی طرف سے فدیہ دینے والے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کا کھانا مکروہ ہے، چنانچہ اس سب مسلمان کی عادت جاری ہے کہ ماں باپ اس گوشت کو نہیں کھاتے اور فقہاء کے فہم کے بموجب اس حدیث میں اس معنی کی طرف لطیف اشارہ ہے''۔

چنانچہ یہ تقریر ''تحفة المشتاق فی بیان النكاح والصداق'' میں موجود ہے، جس رسالہ کا حوالہ دیا ہے، اس میں یہ مضمون ص: ۱۴، بتغیر معناہ موجود ہے، لہٰذا ان تصریحات کی بناء پر کراہت ہوگی یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو ان عبارات کا کیا مطلب ہے؟ اور دیگر فقہاء کرام کی عبارت بھی تحریر فرمائیں اور یہ عبارت اگر حدیث وفقہ کی رو سے صحیح نہ ہو، تو بالتفصیل اس پر رد کریں کیونکہ محدثین کا قاعدہ ہے، کہ جرح مبہم بالخصوص مواقع نزاع میں غیر مسموع ہوتی ہے، اس لئے جس طرح اس میں تفصیل سے کراہت کو ثابت کیا ہے، اسی

= ''قال الموفق: وسبيلها في الأكل والهدية والصدقة سبيل الأضحية، ولكن يأكل أهل البيت والجيران''. (أوجز المسالک، كتاب العقيقة: ۲۱۲/۴، ۲۱۳، إمداديه ملتان)

(۱) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۳۵۸۹: ۲۲۶/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث سمرة بن جندب رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۱۹۶۷۲: ۲۴۷/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

طرح رد کریں یا کہ تائید فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے ائمہ ثلاثہ سے اس مسئلہ کے متعلق کوئی صراحت منقول نہیں ہے، عموماً کتب فقہ اس سے خالی ہیں، حدیث شریف میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، جس بنیاد پر مکروہ کہا گیا ہے اس کی حیثیت دلیل شرعی کی نہیں، بلکہ محض نکتہ اور لطیفہ کی ہے، اس سے زائد نہیں۔ ثبوت کراہت کے لئے شرعی دلیل درکار ہے اور ادلہ شرعیہ چار ہیں (۱)۔

رہا مسلمانوں کی عادت کا حال، سو وہ دونوں قسم کی ہے، کسی ایک چیز پر اجماع یا توارث نہیں ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قریب حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"ویأکل أهلها من لحمها ویتصدقون منها اهـ" موطأ مالك، ص: ۱۸۶، العمل في العقیقة (۲).

اوجز میں ہے: "قال الموفق: وسبیلها في الأكل والهدیة والصدقة سبیل الأضحیة اهـ" أوجز المسالك: ۸/۲۲۱ (۳).

جب عقیقہ اس باب میں بمنزلہ اضحیہ کے ہے، حالانکہ اضحیہ واجب ہے، اس کا تقاضا تھا کہ پوری اضحیہ کو صدقہ کرنا واجب ہوتا، جس طرح کہ نذر واجب کا حال ہوتا ہے (۴)۔ لیکن صاحب اضحیہ کو خود کھانا شرعاً درست

---

(۱) "وبعد فإن أصول الفقه أربعة، كتاب الله تعالى، وسنة رسوله، وإجماع الأمة، والقیاس". (أصول الشاشي، ص: ۲، مكتبه الحرم)

(وكذا في نور الأنوار، ص: ۱۰، ۱۱، مكتبه رحمانيه)

(وكذا في كشف الأسرار شرح أصول البزدوي: ۱/۳۳-۳۵، قديمى)

(۲) (موطأ الإمام مالک، کتاب العقيقة، ص: ۲۹۴، ۲۹۵، قديمى)

"وأنه يستحب الأكل منها والإطعام والتصدق كما في الأضحية. فما اشتهر على ألسنة العوام أن أصول المولود لا يأكلون منها، لا أصل له". (إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح شاة في العقيقة: ۱۷/۱۱۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (أوجز المسالک، کتاب العقيقة: ۲/۲۱۲، ۲۱۳، إمداديه ملتان)

(۴) "والنذر لله عزوجل، وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه ... إذ مصرف =

ہے(۱)، تو پھر عقیقہ تو واجب ہی نہیں، اس کے کھانے میں بظاہر کوئی اشکال نہیں کا تقاضا یہ تھا کہ عقیقہ واجب ہوتا مگر وہ واجب نہیں تو پھر گروی قرار دے کر کھانے کی ممانعت محض درجۂ لطائف میں ہے، درجۂ مسائل میں نہیں۔

عقیقہ ساتویں روز کیا جاتا ہے، ترمذی کی روایت میں اکیسویں روز تک کا بھی ثبوت ملتا ہے(۲)۔ پھر سوال میں یہ دریافت کرنا کہ عقیقہ کا گوشت ہی سے بچہ کے والدین اور تمام اصول وفروع کھا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ بہت غور طلب ہے، غالباً اصول کے ساتھ فروع کو طرداً ذکر کر دیا گیا، ورنہ سات روز کے بچہ کے فروع کہاں سے پیدا ہو جائیں گے!!! یا ممکن ہے کہ سوال اس صورت میں ہو، جب کہ بچہ صاحب اولاد ہو کر خود اپنا عقیقہ اپنے بچے کے ساتھ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= المنذر الفقراء، وقد وجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب في النذر: ۲/ ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۳۳۹، سعيد)

(۱) "ويأكل من لحم أضحيته، ويطعم من شاء من غني وفقير". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۴/ ۱۷۳، مكتبه غفاريه كوئته)

"ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره .... ولو تصدق بالكل، جاز، ولو حبس الكل لنفسه، جاز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۵/ ۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۲۸، سعيد)

(۲) "عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه. قال الإمام الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهيأ يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهيأ عق عنه يوم إحدى وعشرين". (جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة: ۱/ ۲۷۸، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/ ۱۱۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/ ۲۳۳، مكتبه ميمنيه مصر)

کتاب الحظر والإباحة

باب الأکل والشرب

الفصل الأول في الأکل مع الکفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

غیرمسلم کے ساتھ کھانا پینا

سوال[۱۱۲۰۹]: ۱...... میرے کمرے میں تین اشخاص ہیں، جس میں میں اکیلا مسلم ہوں اور دونوں ساتھی غیرمسلم ہیں، جس میں سے ایک ہریجن چمار (سیوڈل کاسٹ) ہے، دوسرا بیک وارڈ ہے، میری طبیعت ان کے ساتھ کھانا کھانے وغیرہ کی بالکل نہیں کرتی اور میں اپنا سب کچھ الگ کرتا ہوں، مگر پھر بھی وہ میرے برتن وغیرہ استعمال کرتے رہتے ہیں، اس بارے میں کیا کروں، کیا مسئلہ ہے، الگ رہنے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔

۲...... اگر میں کہیں کام وغیرہ سے ڈاک پتھر وغیرہ جاتا ہوں یا کوئی دعوت دیتا ہے اور S.C کا آدمی ہے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ بس اس کشمکش میں بہت رہتا ہوں اس لئے آپ سے یہ مشورہ اور مسئلہ معلوم کررہا ہوں اگر غیرمسلم مہمان آجائے تو کیا کیا جائے؟

۳...... کھانا بنانے والا اگر غیرمسلم ہو، تو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۳...... کوئی شخص اپنی ذات اور پیشہ کے اعتبار سے چمار ہو یا کچھ اور، جب وہ نجاست میں سے

ملوث نہیں، بدن اور کپڑے صاف ہیں، ہاتھ دھو کر کھانا پکاتا ہے یا کھاتا ہے اور اس کھانے میں کوئی حرام چیز نہیں ہے، تو اس کو نجس نہیں کہا جائے گا(۱)۔ وہ اگر برتن استعمال کرتا ہے پھر آپ دھو لیتے ہیں، یا وہی دھو کر دے دیتا ہے تو وہ برتن بھی قابلِ استعمال ہے، مجبوراً کبھی موقع ہو جائے تو کھانا بھی ساتھ کھا سکتے ہیں، بس اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کوئی نجس و حرام چیز کھانے پینے کی نوبت نہ آئے۔ علیحدہ رہنے کے لئے آپ کی طبیعت خود ہی فکرمند ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والأظهر أن يكون المراد الذبائح خاصة؛ لأن سائر طعامهم من الخبز والزيت، وسائر الأدهان لايختلف حكمها بمن يتولاه، ولا شبهة في ذلک على أحد، سواء كان المتولي لصنعه واتخاذه مجوسياً أو كتابياً، ولا خلاف فيه بين المسلمين". (أحكام القرآن للجصاص، المائدة، مطلب في أكله عليه الصلاة والسلام من الشاة التي أهدتها إليه اليهودية : ۲/ ۴۵۲، قديمي)

"ونجاسة الشرک في اعتقاده لا في ظاهره". (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۳/ ۱۲۵، مكتبه شركت علمية ملتان)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء: ۵/ ۳۷۲، سعيد)

الفصل الثاني في سنن الأكل وآدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

انڈا توڑتے ہوئے کیا پڑھے؟

سوال[۱۱۲۱۰]: انڈا کھانے کے وقت پھوڑتے ہوئے دعا یا کچھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسم اللہ پڑھ کر کھالیا جائے (۱)، اس کا کھانا جائز ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کچی پیاز کھانے میں ملا کر کھانا

سوال[۱۱۲۱۱]: ہمارے یہاں پیاز چٹنی میں ملا کر کھایا کرتے ہیں، کیا اس طرح سے کچی پیاز چٹنی میں ملا کر کھانا درست ہے یا پکا کر ہی کھانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کھانا بھی حرام نہیں (۲)، لیکن یہ کہ اس سے صفائی ضروری ہے، مسجد میں اسی حالت میں جانا

---

(۱) "سنة الأكل البسملة أوله والحمد له آخره". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهية في الأكل: ۵/۳۳۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۴/۱۷۰، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذا أتي بطعام، أكل منه وبعث بفضلة إليّ، وإنه بعث إليّ يوماً بفضلة لم يأكل منها؛ لأن فيها ثوماً فسألته أحرام هو؟ قال: "لا، ولكني أكرهه من أجل ريحه". (صحيح مسلم، كتاب الأطعمة، باب إباحة أكل =

کہ پیاز وغیرہ کی بدبو ساتھ ہو منع ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۵ھ۔

عقیقہ کا کھانا چماروں کے ہاتھوں سے کھلوانا

سوال[۱۱۲۱۲]: ا...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں ایک مسلمان نے عقیقے میں

= الثوم، ص: ۹۱۲، دارالسلام)

"فأفاد هذا الحديث أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يجتنب الثوم من أجل كراهته الطبيعية، ومن أجل أنه عليه الصلاة والسلام كان يكره أن يناجي ربه، أو يخاطب ملائكته وفي فمه رائحة ثوم أو بصل". (تكلمة فتح الملهم، كتاب الأطعمة، باب إباحة أكل الثوم: ۶۳/۴، مكتبه دار العلوم ديوبند)

"اختلف العلماء في أكل البصل والثوم وماله رائحة كريهة من سائر البقول. فذهب جمهور العلماء إلى إباحة ذلك للأحاديث الثابتة في ذلك، وذهبت طائفة من أهل الظاهر –القائلين بوجوب الصلاة في الجماعة فرضاً– إلى المنع، وقالوا: ما منع من إتيان الفرض والقيام به فحرام عمله والتشاغل به، واحتجوا بأن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سماها خبيثة، والله عزوجل قد وصف بنيه عليه الصلاة والسلام بأنه يحرم الخبائث. ومن الحجة للجمهور ماثبت عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتى ببدر فيه خضروات من البقول فوجد لها ريحها ...... قال: "كل فإني أناجي من لا تناجي". (أحكام القرآن للقرطبي: ۳۹۴/۱، ۳۹۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الأنس". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

"(قوله: وأكل نحو ثوم) أي: البصل ونحوه مماله رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۶۶۱/۱، سعيد)

"ويجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام "من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

کھانا پکوایا اور وہ کھانا مسلمانوں کو چماروں کے ہاتھوں سے کھلوایا، اس کا پتہ بعد میں چلا یعنی یہ بعد میں معلوم ہوا کہ چماروں کے ہاتھوں سے کھانا کھلوایا گیا ہے۔

۲..... ایک چمار نے اپنے یہاں کھانا تیار کیا ہے اور اسے چند مسلمانوں نے کھایا، اس میں سے کچھ نے شراب بھی پی، تو اس بارے میں ایمان کے مسئلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ہمارے اطراف میں عام طور پر چمار پاکیزہ خیال نہیں رکھتے، بلکہ ناپاکی میں ملوث رہتے ہیں(۱)، ان سے مسلمانوں کو دعوت میں کھانا کھلانے کا کام نہ لیا جانا چاہیے، اس سے طبائع سلیمہ میں کراہت معلوم ہوتی ہے، تاہم اگر ان کے ہاتھ پاک صاف کرا کے پوری احتیاط سے یہ کام لیا گیا ہے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کھانا ناپاک ہوگیا اور کھانے والوں نے ناپاک کھانا کھایا ہے، آئندہ ایسا نہ کیا جائے (۲)۔

۲..... چمار کے گھر کا پکا ہوا کھانا اگر گوشت تھا، تو اس کی اجازت نہیں (۳) اور کچھ اور تھا تب بھی

---

(۱) "الجمهور على أن المعنى إنما المشركون ذو نجس: لأن النجس بفتحتين عين النجاسة، ولأنهم لا يتطهرون، ولا يغتسلون، ولا يجتنبون النجاسات، فهي ملابسة لهم". (التفسيرات الأحمدية، التوبة، ص: ۴۵۵، حقانيه)

(وكذا في روح المعاني، التوبة: ۱/۳۷۵، رشيديه)

(وكذا في تفسير المدارك، التوبة: ۱/۴۹۲، قديمي)

(۲) "ونجاسة المشرك في اعتقاده لا في ظاهره". (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۳/۱۳۵، مكتبه شركت علميه)

"وأما كون المشرك يدخله للقضاء وهو نجس فلا يمنع؛ لأن نجاسته نجاسة الاعتقاد على معنى التشبيه". (البحر الرائق، كتاب القضاء، فصل في التقليد: ۶/۴۶۷، رشيديه)

"وأما نجاسة المشرك ففي الاعتقاد على معنى التشبيه". (ردالمحتار، كتاب أدب القاضي، مطلب في العمل بالسجلات: ۵/۳۷۲، سعيد)

(۳) "لا بأس بطعام المجوس إلا ذبيحتهم وفي الأكل معهم". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل الثالث: ۴/۳۴۶، رشيديه) .... =

ناپاکی کا گمان غالب ہے، شراب تو بہر حال نجس اور حرام ہے، حرام اور نجس چیز کھانے سے سخت گناہ ہوتا ہے(۱) اور ایمان بہت کمزور ہوجاتا ہے، تاہم اس کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہا جائے گا (۲)، ہاں! توبہ واستغفار اور آئندہ کو پورا پرہیز لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۱ھ۔

کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے

سوال [۱۱۲۱۳]: وضو سے بچا ہوا پانی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو کھڑے ہو کر پینا چاہیے، کیا یہ مستحب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آبِ زمزم ہوجاتا ہے، کیا یہ خیال صحیح ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلياً وبالله التوفيق:

وضو کا بچا ہوا پانی آبِ زمزم تو نہیں بن جاتا، البتہ جس طرح زمزم شریف کو کھڑے ہو کر پیتے ہیں اور

= "لا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم والشحم والمرق". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الجهاد، مالايؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۴۳۵، حقانيه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۵/۳۴۷، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليها، وساقيها، وبائعها، واٰكل ثمنها، والمشتري لها، والمشترىٰ لها". رواه الترمذي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۱/۵۱۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وأبوداود، كتاب الأشربة، باب العصير للخمر: ۲/۱۶۲، مكتبة رحمانيه)

(۲) "الكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر". (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۳، سعيد)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۱، ۷۲، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحطاوية للميداني، ص: ۱۰۶، زمزم)

اس کو بھی کھڑے ہوکر پی لیں تو مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۳۸۹/۲/۱۷ھ۔

ننگے سر کھانا اور کھانا کھانے کی حالت میں سلام کرنا

سوال[۱۱۲۱۴]: کیا ٹوپی اوڑھ کر کھانا کھانے کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے، نیز کھانے کے وقت سلام کرنا یا جواب دینا کیسا ہے؟ کیا اس کی بھی ممانعت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس، وهو المختار" كذا في الخلاصة: ٥/٣٣٧. (فتاویٰ عالمگیری: ٢/١٠٥)(٢).

---

(١) "ومن الآداب أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه قائماً أو قاعداً ...... ويكره الشرب قائما إلا هذا أي: شرب فضل الوضوء وشرب ماء زمزم". (الحلبي الكبير، مطلب نهي عن الشرب قائما، ص: ٢٢، سهيل اكيڈمی لاهور)

"وأن يشرب بعده من فضل وضوءه -كماء زمزم- مستقبل القبلة قائماً أو قاعداً. أفاد أنه مخير في هذين الموضعين، وأنه لا كراهة فيهما في الشرب قائماً بخلاف غيرهما، وأن المندوب هنا هو الشرب من فضل الوضوء لا بقيد كونه قائماً". (ردالمحتار، اداب الوضوء: ١/١٢٩، سعيد)

"ومن الأدب أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه مستقبل القبلة إن شاء قائماً وإن شاء قاعداً، وذكر الإمام خواهر زاده رحمه الله تعالى: أنه يشرب ذلك الماء قائماً وقال: لا يشرب الماء قائماً إلا في موضعين أحدهما هذا والثاني عند زمزم". (الفتاوى التاتارخانية، نوع منه في بيان سنن الوضوء وآدابه: ١/٨٣، ٨٤، قديمی)

(٢) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في كراهية في الأكل: ٥/٣٣٧، رشيديه)

"لا بأس بالأكل متكئا أو مكشوف الرأس، هو المختار". (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ٤/٣٥٩، رشيديه)

"ولا بأس بالأكل متكئا أو مكشوف الرأس في المختار". (ردالمحتار، كتاب الحظر =

اس سے معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے وقت ٹوپی لازم نہیں، بغیر اس کے مضائقہ نہیں، لیکن اگر کسی جگہ کفار یا فساق کا شعار ہو کہ وہ ننگے سر کھاتے ہوں تو تشبہ سے بچنا لازم ہے(۱)۔

"مر على قوم يأكلون إن كان محتاجاً، وعرف أنهم يدعونه سلم، وإلا فلا، كذا في الوجيز للكردري" (مراجعت عالمگیری تا: ۵/۳۲۵)(۲).

--- والإباحة: ۶/۳۴۰، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا بعد ماجاء هم البينات﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

وقال الله تعالى: ﴿ولاتتبع أهواء الذين لايعلمون﴾ (الجاثية: ۱۸)

"وأهواء هم هي ما يهوونه، وما عليه المشركون من هديهم الظاهر". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۴۷، نزار مصطفى الباز مكه)

"عن قيس بن أبي حازم قال: دخل أبوبكر رضي الله تعالى عنه على امرأة من أحمس يقال لها: زينب بنت المهاجر، فرأها لا تكلم، فقال: ما لها لاتكلم؟ قالوا: حجت مصمتة، قال لها: تكلمي، فإن هذا لا يحل هذا من عمل الجاهلية". (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب أيام الجاهلية، ص ۶۴۳، دارالسلام)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"من شبه نفسه بالكفار مثلاً: في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء والأبرار "فهو منهم" أي: في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۸/۱۵۵، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في السلام: ۵/۳۲۵، رشيديه)

في الدر:

"ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا — وتعلم منه أنه ليس يمنع

وفي الرد:

وفي حظر المجتبى — يكره السلام على العاجز عن الجواب

حقيقة كالمشغول بالأكل — ولو سلم لا يستحق الجواب

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۱۷، سعيد)

"إذا مر بقوم يأكلون إن كان محتاجاً، ويعرف أنهم يدعونه يسلم وإلا فلا". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، نوع منه في السلام: ۴/۳۳۳، رشيديه)

جب کوئی شخص کھانا کھارہا ہو، تو جانے والا اس کوسلام نہ کرے الا یہ کہ بھوکا ہو، کھانے کا خواہش مند ہو اور اندازہ ہو کہ وہ اسے کھانے کے لئے بلالیں، ایسے شخص کے سلام کا جواب لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٥/ ٨٩ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ٦/١/ ٨٩ھ۔

بازار جانا اور دکان پر بضرورت بیٹھنا، چلتے پھرتے کھانے کا حکم

سوال[١١٢١٥]: بازار میں جانا، اپنے مسلمان دوست کی دکان پر بیٹھ کر وقت گزارنا کیا ناجائز ہے؟ اور کیا شارع عام پر فالتو کھانے پینے کے بارے میں بھی تحریر فرمائیں، کیا حکم ہے، علماء، حفاظ کے لئے بھی کوئی حکم اس بارے میں ہو، تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کوئی عالم اہلِ فتویٰ اس لئے جائے کہ کسی کی دکان پر بیٹھ کر دکان دار اور خریدار کے معاملات دیکھے اور غور کرے کہ یہ معاملات حد شرعی کے اندر ہیں، یا خارج اور معاملات میں عرف کیا ہے، تاکہ شرعی احکام میں بصیرت ہو، تو شرعاً درست ہے(١)۔ محض وقت گزاری اور تفریح کے لئے نہیں بیٹھنا چاہیے، بازاروں کو مقاعد الشیاطین فرمایا گیا ہے(٢)۔

---

(١) "ومن لم يكن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ٢/٤٧، سعيد)

"فلا بد للمفتي والقاضي، بل والمجتهد من معرفة أحوال الناس وقد قالوا: "ومن جهل بأهل زمانه فهو جاهل ..... وفي البحر عن مناقب الإمام محمد الكردري: كان محمد يذهب إلى الصباغين ويسأل عن معاملتهم، وما يديرونها فيما بينهم ...... (فقد) ظهر لك أن جمود المفتي أو القاضي على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة، والجهل بأحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة، وظلم خلق كثيرين". (شرح عقود رسم المفتي، ص: ٩٨ مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في قضاء العدو على عدوه: ٣٨/٨، دارالمعرفة بيروت)

(٢) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جگہوں میں مبغوض ترین جگہیں بازار ہیں، لہٰذا بازاروں میں جانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تاہم =

اہلِ علم اور فتویٰ کے لئے زیادہ غیر موزوں ہے، کوئی شخص اگر اپنی دکان پر ایسے طریقہ پر کھانا کھاتا ہے کہ سڑک کی طرف رخ ہو اور عام لوگوں کی نظر نہ پڑے، اس کے ساتھ کبھی کوئی مہمان بھی آجائے اور کھانے میں شریک ہو جائے، تو مضائقہ نہیں، شارعِ عام پر بیٹھ کر یا چلتے پھرتے کھانا خلافِ مروت ہے، اس سے پورا اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/ ۹۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= ایسا کوئی حوالہ نہیں ملا، جس میں بازاروں کو مقاعد الشیاطین کہا گیا ہو، البتہ (فتح الباری، کتاب الصلوۃ، باب فضل الجماعۃ: ۲/۱۷۲، قدیمی) میں بازار کو موضع الشیاطین کہنا مذکور ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: أحب البلاد إلی الله تعالیٰ مساجدها وأبغض البلاد إلی الله أسواقها". (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد: ۱/۲۳۵، قديمي)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: أحب البلاد إلی الله مساجدها وأبغض البلاد إلی الله أسواقها، رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ۶۸، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب المساجد وموضع الصلاة: ۲/۴۰۰، رشيديه)

(۱) "وكره الأكل والشرب في الطريق والأكل قائماً وماشياً". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الشرب قائماً: ۱/۱۳۰، قديمي)

"عن أنس أن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: نهی أن يشرب الرجل قائماً فقيل: الأكل؟ فقال: ذاك أشد، هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الأشربة، باب ماجاء في النهي عن الشرب: ۲/۱۰، قديمي)

"الأكل علی الطريق مكروه". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهية في الأكل الخ: ۵/۳۳۷، رشيديه)

باب الضیافات والهدایا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

دعوت میں کھانا اجازت سے شروع کیا جائے

سوال[۱۱۲۱٦]: چند آدمی کھانا کھانے بیٹھے تو سب کے ساتھ شروع اور سب کا ایک ساتھ اٹھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا جس کے سامنے آئے، وہ بلا انتظار وغیرہ کھائے اور بعد کھانے کے بلا انتظار اٹھ کر چلا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی نے مدعو کیا ہے، تو اس کی اجازت سے شروع کرنا چاہیے، ورنہ انتظام میں خلل پڑتا ہے اور اس کو پریشانی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

کام سیکھنے کے لئے دوست احباب کے اصرار پر مٹھائی کھلانا

سوال[۱۱۲۱۷]: زید درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہے، ماسٹر کہتا ہے کہ مٹھائی کھلاؤ، کام سیکھنے کے لئے کچھ مٹھائی یا خورد و نوش عند الشرع کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا دوست احباب بعض مرتبہ کہتے ہیں کہ مٹھائی کھلاؤ،

---

(۱) "من آداب الضيف أن يطيع المضيف، فإذا خالف فقد ترك الأدب". (تحفة الأحوذي، أبواب الصوم عن رسول الله، باب ماجاء فيمن نزل بقوم فلا يصوم: ۳/ ۵۸۱، قديمي)

(وكذا في الأذكار للنووي، كتاب الأذكار، الأكل والشرب، باب استحباب قول صاحب الطعام لضيفانه عند تقديم الطعام كلوا، أو ما في معنام، ص: ۲۳۲، دار ابن كثير)

اب وہ بے چارہ قرض کرکے کھلاتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس ماسٹر کو کام سیکھانے کے لئے استاد بنایا جاتا ہے، اس کو خوش کرنے کے لئے مٹھائی کھلانا کچھ اور ہدیہ دینا شرعاً درست ہے، کوئی حرج نہیں، جن دوستوں سے بے تکلفی کا تعلق ہوتا ہے، اگر وہ اصرار بھی کریں تو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ خوشی سے ان کو کھلا دینا چاہیے، البتہ کھانے والے کو چاہیے کہ یہ حدیث ذہن میں رکھے اور اس پر عمل کرے۔

"لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسه"(١).

یعنی بغیر خوش دلی کے کسی مسلمان کا مال کھانا حلال نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

گانے، باجہ والی تقریب سے کھانا گھر پر منگوا کر کھانا

سوال[۱۱۲۱۸]: اگر مسلمان کے یہاں شادی لڑکا یا لڑکی کی اور اس کے یہاں شادی میں باجہ وغیرہ ہو یا لاؤڈ اسپیکر بج رہا ہو وغیرہ اور وہ دعوت کھانے کی کرے، تو کیا اس کے یہاں سے کھانا منگا کر اپنے گھر میں کھانا درست ہے یا نہیں؟

---

(١) (مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثاني: ١/٢٥٥، قدیمی)

"﴿یاأیها الذین اٰمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ قد انتظم هذا العموم النهي عن أکل مال الغیر بالباطل، وأکل نفسه بالباطل، وذلک لأن قوله تعالیٰ: ﴿أموالکم﴾ یقع علی مال الغیر بالباطل وأکل نفسه بالباطل، وذلک الغیر قد قیل: فیه وجهان: أحدهما: ما قال السدي: وهو أن یأکل بالربا، والقمار، والنجس، والظلم. وقال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما والحسن: أن یأکله بغیر عوض ..... اللهم إلا أن یکون المراد الأکل عنده بغیر إذنه". (أحکام القرآن للجصاص، باب التجارات وخیار البیع: ٢/٢٢٤، قدیمی)

(وکذا في السنن الکبریٰ للبیهقي، باب شعب الإیمان، رقم الحدیث: ٥٤٩٢: ٤/٣٨٧، دار الکتب العملیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں ایسا کرنے سے ناجائز مجلس میں شرکت سے تو حفاظت ہوجائے گی، مگر مقتدی کو اپنے مکان پر بھی نہیں منگانا چاہیے، اس میں اصلاح کی توقع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۸ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۳/۹ھ۔

باجہ والی شادی میں کھانا کھانا

سوال[۱۱۲۱۹]: جس شادی میں باجہ بجتا ہے، وہاں جا کر دعوت کھانا کیسا ہے؟ اگر کھانے سے پہلے باجہ بند کردیا جائے، تو کیسا ہے؟ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شادی میں پہلے سے علم ہو کہ اس میں لہو ولعب باجہ وغیرہ ہے، تو اس شادی میں شرکت کرنا دعوت کھانا جائز نہیں، اگر پہلے سے علم نہ ہو اور وہاں پہونچ کر معلوم ہو اور کھانے کے وقت باجہ وغیرہ نہ ہو، تو عوام کے

---

(۱) "عن سفينة: أن رجلاً ضاف علي بن أبي طالب، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة: لو دعونا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعته، فقلت: يا رسول الله! ما ردك؟ قال: "إنه ليس لي أو لنبيّ أن يدخل بيتاً مزوقاً" رواه أحمد وابن ماجة". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۳۲۲۱: ۲/ ۱۵۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "وفيه تصريح بأنه لايجاب دعوة فيما منكر".

(مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الوليمة: ۶/ ۳۴۷، رشيديه)

"هذا إذا لم يكن مقتدى فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذلك شين الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين". (الهداية، كتاب الكراهية: ۴/ ۴۵۵، شركت علميه ملتان)

"ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعبا أو غناء ..... وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم فإنه يخرج ولا يقعد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/ ۳۴۲، رشيديه)

لئے گنجائش ہے، مقتدا کو بالکل شرکت نہیں کرنی چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جہاں عزت کا خطرہ ہو وہاں کھانے کے لئے جانا

سوال [۱۱۲۲۰]: ایک موقع پر برادری کے لوگ اکھٹے ہوئے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھا گیا اور ایک شخص جو چودھری تھا، اس نے کہا، محفل سے ''چورڈھور'' نکل جائے، بلکہ بعض آدمی کو تو کھانا چھین کر نکال دیا، ''چورڈھور'' اسے کہتے ہیں جو ایک پارٹی سے نکل کر دوسری پارٹی میں چلا جائے، پھر اس شخص سے سو، پچیس روپیہ لے کر پارٹی میں لیتے ہیں، لہٰذا ایسی محفل میں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص کو عزت کا خطرہ ہو، وہ نہ جائے، جو اس کھانے کا مستحق نہ ہو، وہ نہ جائے (۲)، ایک دو آدمی کی وجہ سے سب سے کھانے کو منع نہیں کیا جائے گا، اس طرح ذلیل کرنا اور ہاتھ سے کھانا لے کر اس کو نکال دینا

---

(۱) "من دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعبا أو غناء فلا بأس أن يقعد، ويأكل فإن قدر على المنع، يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر، وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان، ولم يقدر على منعهم فإنه يخرج ولا يقعد، ولو كان ذلك على المائدة لاينبغي أن يقعد، وإن لم يكن مقتدا به، وهذا كله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لأنه لايلزم حق الدعوة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۷، ۳۴۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۴/۱۷۵، ۱۷۶، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "ومن الأعذار المستقطة للوجوب، أوالندب أن يكون في الطعام شبهة، أو يخص بها الأغنياء، أو هناك من يتأذى بحضوره، أو لا تليق به مجالسته، أو يدعى لدفع شره......". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب الولية: ۶/۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، باب الأمر بإجابة الداعي الخ: ۱/۴۶۲، قديمى)

(وكذا في فتح الباري، كتاب النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدعوة: ۹/۳۰۱، قديمى)

نہایت غلط اور کمینہ حرکت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۷ھ۔

قرض کی ادائیگی نہ کرنے والے کی دعوت میں شرکت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۱]: ایک شخص نے ایک شخص کا روپیہ مار رکھا تھا، بہت تقاضا کیا، لیکن نہیں دیا، جب روپیہ والے نے یہ سمجھا کہ یہ زبردست آدمی ہے اور روپیہ نہیں دیتا، تو اس کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ بھائی آمد نہیں ہوتا ہے تو اللہ کے واسطے معاف کرالے، لیکن یہ کہنا بھی ایک مجبوری سے تھا، روپیہ بھی اس شخص کی شادی میں دیا تھا۔ روپیہ والے نے مجبوراً ان لفظوں میں معاف کردیا، کیونکہ روپیہ وصول ہونے سے ناامید تھا اور ایک دوسرے کا روپیہ بھی ہضم کر رکھا ہے بے ایمانی سے۔ اور وہ شخص اپنے لڑکے کا عقیقہ کرتا ہے، اس لئے ایسے شخص کے یہاں عقیقہ کی دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس پر اپنا روپیہ مجبوری میں وصول نہ ہونے کی وجہ سے معاف کردیا، اس لئے ایسے شخص کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کے یہاں جن شخصوں کا روپیہ اس پر چاہتا ہے ان شخصوں کا اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو روپیہ ناامید ہوکر معاف کردیا، وہ معاف ہوگیا (۲)، اب اس کا تذکرہ کرنا یا اس کی وجہ سے دل میں

---

(۱) "وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام: دمه وماله وعرضه". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، باب الشفقة والرحمة الخ: ۲/۴۲۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم المسلم وخذله الخ: ۲/۳۱۷، سعيد)

(وجامع الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم: ۲/۱۴، سعيد)

(۲) "وإما خاصة بدين خاص كابرأته من دين كذا، أو عام كأبرأته من مالي عليه، فيبرأ عن كل دين" (ردالمحتار، كتاب الإقرار، فصل في مسائل شتى: ۵/۶۲۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلح: ۳/۴۳۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الإقرار، فصل في مسائل شتى: ۴/۳۴۷، دار المعرفة بيروت)

خلش رکھنا اپنے عمل کو ناقص کرنا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تذکرہ اور خلش کا وبال معاف کرنے کے اجر سے بڑھ جائے اور ترازو میں ادھر کا پلہ جھک جائے، جس کا روپیہ اس نے دبا رکھا ہے، اگر اس روپیہ کی وجہ سے وہ دعوت کرتا ہے، تو اس میں وہ شخص شرکت نہ کرے کہ یہ سود کے حکم میں ہے (۱)، لیکن حقیقت کے موقع پر عامۃً یہ خیال میں ہوتا ہے، جس کے ذمہ دوسروں کا قرض ہو، اس کو چاہیے کہ پہلے تنگی اور ترشی برداشت کرکے جلد از جلد قرض ادا کرنے کی فکر کرے (۲)، عقیقہ اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

دوسروں کا روپیہ ذمہ میں باقی رہتے ہوئے بے پروائی برت کر عقیقہ میں روپیہ خرچ کرنا اور شاندار طریقہ پر دعوت کرنا عقل ودانش کے بھی خلاف ہے اور شرعاً بھی مذموم وقبیح ہے (۳)۔ حقوق العباد کا معاملہ سخت ہے، اس کے باوجود وہ شخص اگر حلال آمدنی سے کھانا کھلائے، تو وہ کھانا حرام ونجس نہیں ہوگا (۴)۔ اگر اس نے

---

(۱) "كل قرض جر منفعة فهو ربا". (فيض القدير: ٩/٤٨٢٣، نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ٥/١٦٦، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ٣١٢، دار الفكر بيروت)

(۲) "عن محمد بن عبدالله بن جحش رضي الله تعالى عنه قال: كنا جلوساً بفناء المسجد حيث يوضع الجنائز ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جالس بين ظهرينا، فرفع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بصره قبل السماء، فنظر، ثم طأطأ بصره، ووضع يده على جبهته، قال: "سبحان الله! سبحان الله! ماذا نزل من التشديد؟" قال: فسكتنا يومنا وليلتنا، فلم نر إلا خيراً حتى أصبحنا، قال محمد: فسألت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ما التشديد الذي نزل؟ قال: "في الدين، والذي نفس محمد بيده لو أن رجلاً قتل في سبيل الله، ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش، وعليه دين ما دخل الجنة حتى يقضي دينه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث: ١/٥٤١، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن عبدالله بن عمرو بن العاص (رضي الله تعالى عنه)، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين" (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين، رقم الحديث: ٤٨٨٣، ص: ٨٤٥، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ١/٥٣٨، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۴) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس". (الفتاوى العالمكيرية، =

دوسروں کا روپیہ دینے کا بھی انتظام وارادہ کرلیا ہو اور اخلاص سے کھلائے تو اس میں قباحت بھی نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۱/۲/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیو بند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

دوسرے کی افطاری قبول کرنے سے پرہیز کرنا

سوال [۱۱۲۲۲]: کوئی شخص رمضان المبارک میں اپنے گھر سے افطاری لے کرآتا ہے اور مسجد میں رکھتا ہے اور وہ شخص کسی دوسرے کی افطاری لینے سے انکار کرتا ہے، تو اس شخص کی افطاری دوسرے روزہ دار کو کھالینی چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص دوسرے کی لائی ہوئی افطاری سے بلا وجہ شرعی نفرت کرتا ہے، وہ برا کرتا ہے، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے(۱)۔ اگر دوسرے لوگوں نے اس کی لائی ہوئی افطاری کو قبول نہ کیا، تو مستقل نفرت سب کے دل میں

= كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية: ۳۶۰/۶، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالا يكره وما يتعلق بالضيافة: ۴۰۰/۳، رشيديه)

(۱) بلا وجہ شرعی کسی کی افطاری کو قبول نہ کرنا، حدیث "حق المسلم على المسلم خمس : ...... وإجابة الدعوة" الخ کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

البتہ اگر کسی کے مال کے بارے میں حرام ہونے کا یقین یا غالب ظن ہو، تو اس کی افطاری قبول نہیں کرنی چاہیے، لیکن اس صورت میں بھی دوسرے مسلمان بھائیوں سے الگ ہو کر نہ بیٹھے، بلکہ ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر اپنا کھانا کھائے، تاکہ اتفاق واتحاد برقرار رہے۔

"وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام ...... وإجابة الدعوة وتشميت العاطس". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض، وثواب المريض، الفصل الأول: ۱۳۳/۱، قديمي) ...... =

بیٹھ جائے گی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنی افطاری پیش کرے، تو اس کو قبول کرنے میں عذر نہ کیا جائے، امید ہے کہ وہ خود بھی نرم ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیو بند، ۴/۶/۹۱ھ۔

دعوت عامہ میں طعام کی تقسیم وتفریق

سوال [۱۱۲۲۳]: ایک رسم عرصۂ دراز سے قائم ہے جس رسم کو "بوجھ" کے نام سے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی شادی وغیرہ کی تقریب میں دعوت طعام میں یا کوئی شیرنی وغیرہ کی تقسیم کے وقت باہر سے آنے والوں کو پانچ حصہ یا دو حصہ دیئے جاتے ہیں اور دعوت طعام میں باہر سے آنے والے مہمانوں کے پہلے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں اور کھانا بھی سب سے پہلے ہی پیش کیا جاتا ہے اور اگر اس رسم کی ادائیگی میں کوئی لغزش ہو جائے تو پنچائتی نظام شروع ہو جاتا ہے اور جھگڑے فساد برپا ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا کچھ اہل علم حضرات نے اس رقم کے خلاف قدم اٹھایا کہ یہ رسم آپس میں محبت کے بجائے نفرت پیدا کرتی ہے اور یہ رسم خلافِ شریعت ہے۔ اہلِ علم حضرات کا یہ کہنا ہے کہ دسترخوان پر سب کو برابر سمجھا جائے اور سب کو برابر حصے تقسیم کئے جائیں تو یہ لوگ جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ رسم عربوں کے یہاں ہے اور یہ رسم اسلامی اصول کے مطابق ہے، لہٰذا آپ قرآن اور سیرت محمدیہ کی روشنی میں جواب سے مطلع کریں۔

= (وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام: ۲/۲۱۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ادفع بالتى هى أحسن السيئة﴾ (المؤمنون: ۹۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتى هى أحسن فإذا الذى بينك وبينه عداوة كأنه ولى حميم﴾ (فصلت: ۳۴)

"قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أمره الله تعالىٰ في هذه الآية بالصبر عند الغضب، والحلم عند الجهل، والعفو عند الإساءة، فإذا فعل الناس ذلك عصمهم الله من الشيطان، وخضع لهم عدوهم".

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فصلت: ۳۴: ۱۵/۲۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام دعوت میں ایک دسترخوان پر یہ تفریق مناسب طریقہ نہیں، دسترخوان اگر جداگانہ ہو، مثلاً: ایک کمرہ میں مخصوص لوگوں کو بلا کر علیحدہ مخصوص کھانا دلا دیا جائے اور عام دسترخوان پر دوسری قسم کا کھانا ہو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ثابت ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ۔

الجواب صحیح: مفتی نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۷ھ۔

سودخور عالم کی دعوت کرے اور یہ کہہ دے کہ ’’یہ کھانا حرام کا ہے‘‘ تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۲۲۴]: کوئی سودخور اگر کسی عالم کی دعوت کرے اور اس عالم کے سامنے یہ کہے یہ حرام مال ہے اس سے تمہاری دعوت کر رہا ہوں، تم کھانا چاہو، تو کھاؤ، عالم نے کہا یہ تم پر حرام ہے، ہم پر حلال ہے، اگر اس کے حلال کا فتویٰ عالم جاری کرے، تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام کے متعلق حلال ہونے کا فتویٰ دینا سخت گناہ ہے(۲)۔ کسی عالم ربانی سے ہرگز اس کی توقع نہیں

---

(۱) ”وقد دعا ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما في دعوته الأغنياء والفقراء، فجاءت قريش والمساكين معهم، فقال ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما : ههنا اجلسوا لا تفسدوا عليهم ثيابهم، فإنا سنطعمكم مما يأكلون“. (عمدة القاري، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: ۲۲۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله: ۲۸۹/۷، مكتبة الرشد)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبت ما أحل الله لكم ولا تعتدوا﴾ (المائدة: ۸۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿قاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولايحرمون ما حرم الله ورسوله﴾ (التوبة: ۲۹)

”من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير لايكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً كفر، وإلا فلا“. (ردالمحتار، باب المرتد: ۲۲۳/۴، سعيد)

کی جاسکتی، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ایک غیر عالم ایک چیز کو حرام سمجھتا ہے، لیکن ماہر عالم جانتا ہے کہ یہ حرام نہیں، اس لئے کہ وہ اس کی لِم اور کنہ سے واقف ہے، غیر عالم کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۶ھ۔

جواب درست ہے۔ سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۰/۲/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الثاني في الهدايا

(ہدیہ دینے کا بیان)

طلبہ کا ہدیہ استاد کے لئے

سوال[۱۱۲۲۵]: طلباء بستی سے کھانا کھاتے ہیں، لیکن ان کے استعمال سے زائد کھانا ہے، انہوں نے اپنے استاد کے گھر دے دیا۔ کھانا استاذ کو کھالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کھانا طلباء نے اپنے استاذ کو ہدیہ دیا ہے، اس کا کھانا استاذ صاحب کے لئے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

حرام کمائی سے دیئے گئے ہدایا وغیرہ کا حکم

سوال[۱۱۲۲۶]: خالد جو بفضلہ تعالیٰ عالم دین ہے اور خدمت دین (تدریس) کے سلسلہ میں ایک ایسے شہر میں رہتا ہے، جہاں کی مسلم اکثریت تجارت پیشہ ہے، ان میں اکثریت سودی کاروبار میں ملوث ہے، حتیٰ کہ بعض ایسے بھی سنے گئے کہ انہوں نے قرض ہی سے تجارت کی ابتداء کی اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ابتداء

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الرابع في الهدية: ۶/۳۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۴۰۰، رشيديه)

تو حلال پیسوں سے کی، لیکن سرمایہ میں کمی کے وقت سودی قرض لیتے ہیں اور بہت ہی کم صحیح طریقہ سے تجارت کررہے ہیں، ان جیسے (مذکورہ) اشخاص کے چندہ سے جمع کردہ رقم سے خالد کی تنخواہ دی جاتی ہے، کیا خالد کے لئے یہ بغیر کراہت درست ہے (جب کہ مقامی دوعالم بھی اس عظیم شہر میں نہیں)۔

اور ایسے مذکورہ حضرات کی جانب سے کھانے وغیرہ کی چیزوں کو ہدیہ قبول کرنا اور ان کی دعوتوں میں خالد کو جانا، کیا مباح ہے؟ عدم اباحت کی صورت میں ان ہدایا کے لینے کا انکار کردیا جائے یا لے کر انہیں غریب مسلمانوں یا کافر کو دے دیا جائے؟ نیز ضیافت کے سلسلہ میں کیا انکار ہی کردیا جائے؟ (اگر چہ مذکورہ صورت یہاں کے عوام کے لئے ناپسند فطرتاً ہوگی) ان ہی میں سے بعض حضرات، یعنی اس وقت سونے وغیرہ کے تاجر اور عظیم ترین مالدار ہیں۔

اس سے پہلے یہاں کے باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کی ابتدائی دولت (سونا) ان کے اور ان کے متعلقین کے حیدرآباد (نظام حیدرآباد) سے لوٹ مار کے ذریعہ حاصل ہوئی اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کچھ بذریعہ شیاطین حاصل کی گئی، لیکن فی الحال ان کے والد وغیرہ کے انتقال کے بعد اب وہ سونے کی تجارت بظاہر جائز طریقہ سے کررہے ہیں، البتہ بینک کے سود (لون) سے نہیں بچتے ہوں گے، کیونکہ وہ گاہے (رمضان وغیرہ میں) نماز پڑھتے ہیں اور اپنی رقم بینک میں ضرور جمع کراتے ہوں گے، جس پر بینک سود دیتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ کہ وہ صاحب ہر رمضان میں مساجد کے مصلیوں کی دعوت کرتے ہیں، کیا اس دعوت میں شریک ہوسکتے ہیں؟ خالد مذکور کو بھی رمضان میں دعوت سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے قرآن پاک پڑھنے کے لئے بلایا گیا، جب رمضان وغیرہ کے سلسلہ کے حفاظ وعلماء کو بلایا گیا اور افطار ونماز مغرب کے بعد دیگر مصلیان کے ساتھ ان کو بھی طعام کے لئے مدعو کیا گیا تھا، خالد مذکور نے دوسری مشغولی ظاہر کر کے کھانے سے انکار کیا، اس پر انہوں نے ایسے کچھ روپیہ اصراراً دیئے، جس کی خالد کو قطعی توقع نہ تھی، لیکن قرآن پڑھنے کے بعد دیئے جیسا کہ ذکر کیا گیا، کیا خالد کے لئے وہ رقم درست ہے اور اگر نہیں تو اس کا مصرف بتایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ بطریق سود حاصل کیا گیا ہو، اس کا استعمال کرنا خالد وغیرہ کسی کو بھی درست نہیں، بلکہ جس سے

وہ سود لیا گیا ہے، اس کو واپس کیا جائے یا بلانیت ثواب غرباء کو صدقہ کردیا جائے (۱)، اگر کسی نے کچھ روپیہ سود پر قرض لیا، تو وہ اس کی وجہ سے گنہگار رہا (۲)، لیکن اس پیسہ سے جو تجارت کی ہے، وہ درست ہے (۳) اور جو کچھ اس کی آمدنی ہو، شرعی قواعد میں رہ کر وہ بھی درست ہے (۴)۔ ایسی آمدنی سے خالد کو ہدیہ دیا جائے یا کسی اور کو،

---

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"ويردونه على أربابه إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقو الله وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرة: ۲۷۸)

"﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم كما حرم علينا ﴿وأخذهم أموال الناس بالباطل﴾ بالرشوة، وسائر الوجوه المحرمة". (مدارك التنزيل وحقائق التأويل: ۱/۲۰۲، ال عمران: ۱۳۰، قديمى)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لعن الله اٰكل الربوا ومؤكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهى عن النوح". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قديمى)

(۳) "(قوله اكتسب حراماً) توضيح المسئلة ما في التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أوا شترى بدراهم اٰخر ودفع تلك الدراهم، قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لايطيب، والثلاث الأخيرة يطيب، وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوىٰ الاٰن على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً الخ: ۵/۲۳۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۳/۱۳۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۱۸۹، سعيد)

(۴) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

وہ سب درست ہے(۱)۔

جس نے جائز روپیہ سے تجارت شروع کی، پھر کچھ سود قرض بھی لیا، تو وہ سودی قرض کی وجہ سے گنہگار ہوا(۲)، مگر اس کی وجہ سے نہ وہ تجارت ناجائز ہوگی نہ اس کی آمدنی ناجائز ہوگی(۳)۔ جس نے اپنی جائز تجارت میں بطریقۂ سود آیا ہوا روپیہ، یعنی سرکاری بینک میں داخل کردہ روپیہ پر جو سود ملا تھا، اس کو بھی اپنی تجارت میں شامل کرلیا، اس نے برا کیا(۴)۔ تاہم اس کی وجہ سے وہ سب تجارت اور اس کی آمدنی ناجائز نہیں ہوگی(۵)، البتہ جتنی مقدار سود کی اس میں شامل کرلی ہے، اتنی مقدار یا تو ٹیکس میں سرکار کو دے دے یا پھر بلانیت ثواب غرباء پر صدقہ کردیں(۶)۔

محض قرآن کی تلاوت پر کھانے یا نقد کی شکل میں ہدیہ دینا اور لینا درست نہیں، یہ صورت اجرت ہے، اس سے خالد کو بھی پرہیز کرنا چاہیے اور ہدیہ دینے والے کو بھی پرہیز کرنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو بھی۔ علامہ شامی نے ردالمحتار اور شفاء العلیل میں طویل بحث کی ہے اور متعدد کتب کی عبارات نقل کی ہیں(۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱)"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر الخ: ۵/۳۴۲، رشيديه)

"وفي البزازية: "غالب مال المهدي إن كان حلالاً، لا بأس بقبول هديته، وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام". (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۲/۵۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، الفن الأول في القواعد الكلية، رقم القاعدة: ۷۵۵: ۱/۳۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۷۶

(۳) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۱۷۶

(۴) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۷۶

(۵) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۱۷۶

(۶) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۱۷۶

(۷) "فظهر لک بهذا عدم الصحة ما في الجوهرة من قوله: واختلفوا في الاستئجار على قرأة القرآن =

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= مدةً معلومةً، قال بعضهم: لايجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار اهـ" والصواب أن يقال: "على تعليم القرآن" فإن الخلاف فيه كما علمت، لا في القرأة المجردة ..... قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب، لا للميت ولا للقارئ، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والأخذ والمعطي اثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل الخ: ۶/۵۶، سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل: ۱/۱۷۶، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: في حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۸، مكتبه ميمنية، مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۵۳۳، مكتبه غفاريه كوئته)

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

فونٹن پین کی روشنائی

سوال[۱۱۲۲۷]: آج کل فونٹین پین کے اندر جو سیاہی استعمال کی جاتی ہے، سنا جاتا ہے کہ اس میں اسپرٹ ملتی ہے اور یہ شراب ہی کی ایک قسم ہے، تو اس سے آیات قرآنی اور احادیث کا لکھنا اور اسی طرح اس فونٹین پین کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جواز یا عدم جواز کی صورت میں اس سے احتراز کی کیا صورت ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اسپرٹ کے متعلق معلوم ہوا کہ شراب کے علاوہ دیگر اشیاء سے بھی لوگ بناتے ہیں، رات دن مختلف طرق سے استعمال کرتے ہیں، اس لئے یقینی طور پر اس کو نجس کہہ کر فونٹن پین کی سیاہی کو ناجائز کہنا اور اس سے آیات احادیث لکھنے کو ممنوع قرار دینا دشوار ہے، احتیاط برتنا أقرب إلی الورع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Al Cohals) التي عمت بها البلوىٰ اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولا يحرم استعماله مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنفية رحمه الله تعالىٰ، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر، إنما =

کوکا کولا اور شراب ملی ہوئی دوا کا حکم

سوال[۱۱۲۲۸]: آج کل کوکا کولا بوتل پی جارہی ہے، اس میں ۵/ فیصد شراب کا جزء ہوتا ہے، ایسے ہی کچھ دواؤں میں جزء ہوتا ہے، دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب خواہ دوا میں خواہ غذا میں یا کوکا کولا وغیرہ میں سب ہی جگہ ناجائز ہے(۱)، مجھے اس کی تحقیق نہیں کہ کس کس چیز میں شراب ملائی جاتی ہے، مجبوری کے احکام جداگانہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۶/۴/۱۵ھ۔

پوست کا ڈوڈا پینا

سوال[۱۱۲۲۹]: پوستہ کی ڈھونڈی جس میں افیون نکلتی ہے، اس کو تھوڑی مقدار میں بھگو کر کوٹ چھان کر والد صاحب عرصہ سے پیتے ہیں، جس سے نشہ تو بالکل نہیں ہوتا، البتہ بدن میں وہ ایک توانائی محسوس کرتے ہیں، ایک اہلِ حدیث عالم نے فرمایا کہ یہ بھی حرام ہے، تو حنفی مسلک میں اس کا پینا کیسا ہے؟

= تتخذ من الحبوب أو القشور أو البتَول وغیره ..... وحینئذ هناک فسحة في الأخذ بقول أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ عند عموم البلوی". (تکملة فتح الملهم، کتاب الأشربة، باب تحریم الخمر: ۶۰۸/۳، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في احسن الفتاویٰ، کتاب الأشربه، بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل: ۸/۴۸۴، سعید)

(وکذا في نظام الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، انگریزی دواؤں کے استعمال کا حکم جن میں شراب، اسپرٹ، افیون وغیرہ کا استعمال ہو: ۱/۳۵۲، رحمانیه)

(۱) "(وحرم قلیلها وکثیرها) بالإجماع ..... (وحرم الانتفاع بها) ولو لسقي دواب، أو لطین، أو نظر للتلهي، أو في دواء، أو دهن، أو طعام، أو غیر ذلک". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأشربة: ۴۴۸/۶، ۴۴۹، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الأشربة: ۸/۴۰۰، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدرالمختار، کتاب الأشربة: ۲۲۱/۴، دارالمعرفة بیروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں شگاف دے کر افیون نکالی جاتی ہے اور وہ بالکل بغیر افیون کے رہ جاتی ہے، تو اس طرح اس کے پینے میں مضائقہ نہیں، لیکن اگر اس میں افیون موجود رہتی ہے، اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، جو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کو نشہ نہیں ہوتا، مگر اس کی وجہ سے ان کو اجازت نہیں دی جاتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی، سعید نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۷ھ۔

کھجور اور تاڑ کا عرق پینے کا حکم

سوال[۱۱۲۳۰]: کھجور یا تاڑ اگر غروب آفتاب کے بعد اور صبح صادق سے پہلے کورے برتن میں اتار کر استعمال کرے، تو حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں نشہ پیدا نہیں تو اس کا استعمال حلال ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "(قوله: إن البنج مباح) قيل: هذا عندهما. وعند محمد: ما أسكر كثيره قليله حرام، وعليه الفتوىٰ". (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۲/۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲۰۲/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الأشربة: ۴۰۲/۸، رشيديه)

(۲) "وبه علم أن المراد الأشربة المائعة، وأن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر، وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴۲/۴، سعيد)

"ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة: ۶۰۸/۳، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۰۲/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثاني في الطيب

(خوشبو کا بیان)

سینٹ کا استعمال

سوال[۱۱۲۲۱]: جس طریقہ سے عطر کا استعمال کرنا سنت ہے، تو ایسے ہی بجائے عطر کے سینٹ کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور سینٹ کے استعمال کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سینٹ میں اگر کوئی نجس چیز نہیں تو یہ بھی عطر کے حکم میں ہے۔ مطلقاً خوشبو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغوب ومحبوب تھی (۱)، سینٹ اس زمانہ میں نہیں تھا، اس لئے اس کو سنت نہیں کہا جائے گا۔ سنت تو مخصوص طور پر اس خوشبو کو کہا جائے گا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يرد الطيب". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في تعطر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۱۴، قديمي)

"كان لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سكة يطتيب منها". (سنن الترمذي، باب ماجاء في تعطر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۱۴، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب اللباس، باب من لم يرد الطيب، ص: ۱۰۴، دارالسلام)

(۲) "السنة ...... اصطلاحاً، الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة. وهي المؤكدة، إن كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تركها أحياناً، وأما التي لم يواظب عليها فهي المندوبة". (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها: ۱/۱۰۳، سعيد)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير: ۱/۲۰، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

الفصل الثالث في المأكولات وغيرها

(کھانے کی اشیاء وغیرہ کا بیان)

کتے کا جھوٹا گھی استعمال کرنا

سوال[۱۱۲۳۲]: اگر جمے ہوئے گھی کے برتن کے اوپر سے کتا کچھ گھی کھا جائے اور گھی کئی کلو کے مقدار ہو، تو اوپر سے جھوٹا گھی اٹھا کر مابقیہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عوام میں یہ مسئلہ بھی مشہور ہے کہ کتے کا سانس ڈھائی گز تک زمین میں جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اسی طرح باقی گھی پاک ہے، عوام کے خیالات کا شرعی دلائل پر مبنی ہونا ضروری نہیں، بہت سی باتیں بے اصل مشہور ہوجاتی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

---

(۱) "أن فأرة وقعت في سمن، فماتت، فسئل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "ألقوها وماحولها وكلوه" رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد، باب مايحل أكله: ۲/۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"الفأرة لو ماتت في السمن إن كان جامداً قور ماحوله ورمي به، والباقي طاهر يؤكل ...... وحد الجامد أنه إذا أخذ من ذلك الموضع لايستوي من ساعته، وإن كان يستوي فهو مائع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الأول: ۱/۴۵، رشيديه)

"وتقور نحو سمن جامد بأن لايستوي من ساعته ...... لأن السمن الجامد لم يتنجس كله، بل ما ألقي منه فقط". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۴، سعيد)

"ألا ترى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حكم بطهارة ما جاور السمن الذي جاور الفأرة، وحكم بنجاسة ما جاورا الفأرة". (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، في الفأرة تموت في السمن: ۱/۲۲۵، رشيديه)

اسکول میں بچوں کے لئے جو دودھ ملتا ہے، اس کا پینا

سوال[۱۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں:

خشک دودھ جو امریکہ سے عطیہ کے طور پر ہندوستان کے بچوں کے لئے بھیجا گیا ہے، وہ ہر ریاست میں تقسیم ہو رہا ہے اور ہر ڈبہ کے اوپر سور کا نام اور اس کا فوٹو ہے، تو کیا وہ دودھ مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

عبدالستار آدم بھائی

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں کہ کیا ہے؟ اگر سور کا فوٹو ہونے سے یہ مطلب ہے کہ وہ سور کا دودھ ہے، تو وہ بالکل حرام اور نجس ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بریڈ روٹی کا استعمال

سوال[۱۱۲۳۴]: میں تقریباً چار سال سے اس ملک میں رہ رہا ہوں، بعض آدمی کہتے ہیں کہ بریڈ روٹی کا استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ خنزیر کی چربی وغیرہ پڑتی ہے اور غیر مذہب کے لوگ بتاتے ہیں تو یہ مسلمان کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک اس میں ناپاک اور حرام چیز ملانے کی تحقیق نہ ہو، اس کا استعمال درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: لنجاسة عينه) أي: عين الخنزير أي: بجميع أجزائه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في التداوي بلبن البنت للرمد قولان: ۵/۷۱، سعيد)

"(كره لبن الأتان)؛ لأن اللبن يتولد من اللحم فصار مثله". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۳۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۴/۱۷۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "اليقين لا يزول بالشك، اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه ...... =

ڈبے کا گوشت

سوال[۱۱۲۳۵]: ابوظبی میں گوشت اور مرغی یورپی ملکوں سے آتے ہیں، جس کے حلال وحرام میں شک کیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس قسم کا گوشت ومرغا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے گوشت اور مرغ جس کے حلال ہونے میں شک ہے، پرہیز کریں۔

"دع ما يريبك إلى مالا يريبك"(۱) الحديث.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

ڈبوں میں بند گوشت کا حکم

سوال[۱۱۲۳۶]: سعودی عرب میں کھانے پینے کی زیادہ تر اشیاء باہر ملک سے آتی ہیں، جس میں مثلاً: گوشت، مچھلی، مرغا وغیرہ، لہٰذا ہم گوشت اور مرغا وغیرہ سے مطمئن نہیں کہ نہ معلوم یہ حلال کیا ہوا ہوتا ہے یا اسی طرح کاٹ کر پیکنگ کر دیتے ہیں، یہ بتلایئے کہ یہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

= عنى أن الأمر لامتيقن ثبوته لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولايحكم بزواله بمجرد الشک، كذلک المتيقن عدم ثبوته لايحكم بثبوته بمجرد الشک؛ لأن الشک أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدماً". (شرح المجلة للأتاسي، المادة: ۴: ۱/۱۸، رشيديه)

"ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين". (قواعد الفقه، ص: ۱۱۴، الصدف)

(وكذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۱/۵۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الأشربة، باب الحث على ترک الشبهات، ص: ۷۷۲، دارالسلام)

(وجامع الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب: حديث أعقلها وتوكل: ۳/۲۹۰، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ مطمئن نہیں، تو آپ نہ کھائیں (۱)، کون آپ کو مجبور کرتا ہے، جو لوگ مطمئن ہیں کہ یہ شرعی ذبیحہ ہے، وہ کھاتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام ......". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۱/۵۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: حفظت من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك" رواه أحمد والترمذي والنسائي". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۱/۵۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) لیکن یہ بات واضح رہے کہ آج کل سعودی عرب میں باہر سے آنے والا گوشت عموماً مشینی ذبیحہ ہوتا ہے، جس کا کھانا جائز نہیں، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ گوشت سے پرہیز کیا جائے۔

"ان مايستورد من اللحوم من البلاد غير المسلمة لايجوز أكلها، وإن كانت توجد عليها التصريح بأنها مذبوحة على الطريقة الإسلامية، فإنه ثبت أن هذه الشهادات لايوثق بها، والأصل في أمر اللحوم المنع". (بحوث في قضايا فقهيه، أحكام الذبائح: ۲/۹۳، دارالعلوم)

باب الانتفاع بالحيوانات

الفصل الأول في الطيور

(پرندوں کا بیان)

طوطا حلال ہے؟

سوال[۱۱۲۳۷]: حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھانوی طوطے کو حلال کہتے ہیں تو اس سے وہی لال چونچ والا طوطا مراد ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب حامداً ومصلياً:

بس طوطا مراد ہے، جو ان اطراف میں ہوتا ہے، جس کو پال بھی لیتے ہیں اور آواز کی نقل اتارنے کی اس میں صلاحیت ہے(۱) اور یہ روٹی پھل عام طور سے کھاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "لاتحسن مثل الكلام الصادر من جنس الإنس إلا في النادر كما في الببغاء". (شرح الرضي على الكافية، أسماء الأصوات: ۳/۲۰۲، قديمي)

(۲) "مالا مخلب له من الطير والمستأنس منه كالدجاج، والبط، والمتوحش كالحمام، والفاختة، والعصافير، والقبج، والكوكي، والغراب الذي يأكل الحب، والندع، ونحوها حلال بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان ومالايؤكل: ۵/۲۸۹، رشيديه)

"مالا مخلب له من الطير فالمستأنس منه كالدجاج، والبط، والمتوحش كالحمام، والفاختة والعصافير، والقبج، والكوكي، والغراب الذي يأكل الحب، والزرع، والعتق ونحوها حلال بالإجماع". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، باب أكل ذي ناب من السباع: ۴/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصيد، الفصل الأول في بيان مايؤكل من الحيوانات: ۶/۱/۴۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

الفصل الثاني في المواشي

(مویشیوں کا بیان)

خرگوش کی حلت

سوال[۱۱۲۳۸]: خرگوش کھانا کیسا ہے؟ یہ جولوگ کہتے ہیں کہ بلی جیسے پیر والا خرگوش کھانا جائز نہیں، اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ کیا دونوں طرح کے خرگوش کھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں قسم کا خرگوش حلال ہے، پیر اگر دو قسم کے ہوں، لیکن غذا سب کی ایک ہی ہو، اسی پر مدار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

شیر کی زخمی کی ہوئی بکری کو ذبح کر کے کھانا

سوال[۱۱۲۳۹]: شیر کی زخمی کی ہوئی بھیڑ بکری ذبح کرنے کے بعد کھانی جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ

---

(۱) "وحل غراب الزرع الذي يأكل الحب والأرنب". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الذبائح: ۶/۳۰۷، ۳۰۸، سعيد)

"عن هشام بن زيد قال: سمعت أنس رضي الله تعالىٰ عنه يقول: انفجنا أرنبا بمر الظهران فسعى أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خلفها، فأدركتها، فأخذتها، فأتيت بها أبا طلحة، فذبحها بمروة فبعث معي بفخذها أو بوركها إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فأكله، فقلت: أكله؟ قال: قبله". (جامع الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في أكل الأرنب: ۲/۱، سعيد)

"في الحديثين دليل على حل الأرنب من غير كراهة". (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب حل الأرنب: ۱۷/۱۹۳، ۱۹۴، إدارة القرآن كراچي)

شرح انواع میں لکھا ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر اگر زخمی شدہ جانور ذبح کردیا تو وہ کھانا جائز نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیر کی زخمی کی ہوئی زندہ بھیڑ بکری کو ذبح کرکے کھانا شرعاً جائز ہے(۱)۔ چالیس دن کے متعلق شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۳/۱/۱۳ھ۔

امریکن گائے کا استعمال

سوال[۱۱۲۴۰]: امریکن گائے ہے کیا؟ اس کے دودھ پینے میں خرابی ہے یا نہیں؟ اگر امریکہ گائے کو ہندوستانی گائے سے گابھن کرالیتے ہیں یا برعکس تو کیا ایسی صورت میں خرابی ہوگی یا نہیں؟ واضح فرمائیں تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے، اگر بیل ہو امریکی تو کیا اس کو کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی ہل وغیرہ چلاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ یہ گائے صورت وغذا وغیرہ کے اعتبار سے گائے ہے، تو اس کا دودھ پینا اور اس کا گوشت کھانا اور اس سے نسل حاصل کرنا اور ہل وغیرہ کے کام میں لانا سب درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۲/۲۹ھ۔

---

(۱) "لو بقر الذئب بطنها وهي حية تذكى لبقاء محل الذبح، فيحل لو ذبحت". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح، الثاني في التسمية: ۳۰۸/۶، رشيديه)

"والتي فقر الذئب بطنها فزكاة هذه الأشياء تحلل، وإن كانت حياتها خفيفة، وعليه الفتوىٰ لقوله تعالىٰ: ﴿إلا ما ذكيتم﴾ من غير فصل". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعيد)

"ومنها قيام أصل الحياة في المستأنس وقت الذبح قلت أو كثرت في قول أبي حنيفة ...... المتردية والمنخنقة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر إن كان فيها حياة مستقرة حلت بالذبح بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الذبائح: ۲۸۶/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الإبل اثنين ومن البقر اثنين﴾ (الانعام: ۱۴۴) .... =

ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑنا

سوال[۱۱۲۴۱]: جانوروں کی نسل تبدیل کرانا کیسا ہے؟ مثلاً: ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑا کھلانا(۱)، ان کے دودھ اور گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکری اور ہرن ملا کر نسل حاصل کرنا بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه: نحر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن نسائه في حجة بقرة". (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الاشتراک في الهدي وأجزاء البدنة: ۱/۴۲۵، قدیمی)

"فإن كان متولدا من الوحشي والإنسي فالعبرة بالأمر، فإن كانت أهلية يجوز، وإلا فلا حتى إن البقرة الأهلية إذا نزا عليها ثور وحشي فولدت ولداً فإنه يجوز أن يضحى به، وإن كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم يجز؛ لأن الأصل في الولد الأم؛ لأنه ينفصل عن الأم". (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، محل إقامة الواجب: ۴/۲۰۵، رشيديه)

حیوانات میں نسب مادہ سے چلتا ہے، جب یہ گائے (امریکن یا جرمنی) اور گایوں کی طرح کھاتی پیتی ہے اور گائے کی طرح بولتی ہے تو یہ شرعاً گائے ہی شمار ہوگی، خواہ خنزیر سے جفتی کرائی گئی ہو، یا بذریعہ انجکشن یا کسی اور طرح حاملہ کرائی گئی ہو اور حاملہ کرانے کا یہ طریقہ غیر شرعی یا مذموم وغیرہ ہو، اس سے اس کے گائے ہونے میں کوئی شبہ نہ کیا جائے گا، گائے کا ہی حکم رہے گا اور اس کا گوشت کھانا، دودھ پینا اور اس کی قربانی کرنا، بالناسب درست رہے گا۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ: ۱/۳۵۴، ۳۵۵، رحمانیہ)

(۱) "جوڑا لگانا: نر اور مادہ کو ملانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشائخ: يجوز". (حاشية الشلبي على هامش تبيين الحقائق، كتاب التضحية: ۶/۴۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال في البدائع: "فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية، فولدت ولداً يضحى به دون العكس؛ لأنه ينفصل عن الأم، وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، محل إقامة الواجب: ۴/۲۰۵، رشيديه)

الفصل الثالث في الحيوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اوران کے اجزاء کا بیان)

خنزیر کا گوشت کھانے والے کا حکم

سوال[۱۱۲۴۲]: اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے، کہ زید نے ایک چمار کے گھر جا کر خنزیر کا گوشت مانگا، چمار نے دینے سے انکار کیا تو زید نے کہا: مجھے دو، ہم تو کئی مرتبہ یہ گوشت کھا چکے ہیں۔ بہر حال چمار نے دیا اور زید نے کھایا، جب چند لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایسا ہوا ہے تو اس کی تفتیش کی گئی، پنچایت مقرر ہوئی، ایک مولوی صاحب نے شرط لگادی کہ اگر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو گیا تو مبلغ ایک ہزار روپے جرمانہ کیا جائے گا، ورنہ جو کہتا ہے، اس سے مبلغ ایک صدروپیہ لیا جائے گا، اس بناء پر مولوی صاحب موصوف نے طرفین سے سہ خط بنوائے، چنانچہ دو تین گواہوں نے زید کے گوشت کھانے کی شہادت دی، علاوہ اس کے جس چمار نے کھلایا تھا، اس نے بھی گواہی دی کہ ہم نے خود دیا ہے اور میرے سامنے مانگ کر زید نے استعمال کیا۔

اس کے بعد زید نے بھی خود اپنے کھانے کا اقرار کیا حالانکہ کوئی جبر نہ تھا اور یہ عذر شرعی ثبوت لینے پر مولوی صاحب نے اس سے روپے نہیں دلوائے، بلکہ معاملہ کو نظر انداز کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ بازی لگانا یا شرائط باندھنا طرفین سے از روئے شرع کیسا ہے؟ اور زید پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جب کہ زید نے خنزیر کا گوشت بغیر کسی شرعی مجبوری کے استعمال کیا تو تحقیق کے لئے عمرو نے تگ و دو کیا اور جب کہ عینی شہادت اور گواہوں سے ثبوت مل گئے، تو عمرو نے کہا کہ یہ سراسر ناجائز کرنے والوں کا ساتھ دینا ہے، اس پر مولوی صاحب نے عمرو کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ عمرو اسلام سے خارج ہے، بلکہ زید پاک ہے اور عمرو کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے، عمرو نے مکرر پوچھا کہ مولوی صاحب صاحب تحقیق کرنے پر ہم اسلام سے خارج ہو گئے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! اسلام سے خارج ہو سکتا ہے، مولوی صاحب کا یہ فتویٰ دینا شرعاً کہاں

تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس طرح دونوں طرف سے مالی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں (۱)، کسی مجرم پر مالی جرمانہ ہی درست نہیں (۲)، خنزیر کا گوشت قطعاً حرام ہے، اس کا کھانا سخت معصیت اور گناہ کبیرہ ہے (۳)، اس سے توبہ کرنا اور نادم ہونا فرض ہے، مگر اس کا کوئی مالی کفارہ واجب نہیں۔

۲..... خنزیر کا گوشت کھانے والا سخت گنہگار ہے، مولوی صاحب کے ذمہ یہی لازم تھا کہ اس کو توبہ کی تلقین کرتے اور خود اس کے ذمہ بھی توبہ کرنا فرض ہے، معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں اور کسی کے معاف کرنے سے یہ گناہ معاف بھی نہیں ہوتا، گناہ کرنے والا خود ہی اللہ پاک سے معاف کرائے (۴)۔

---

(۱) "(حرم لو شرط من الجانبين؛ لأنه يصير قمارا) بأن يقول: إن سبق فرسک فلک عليّ كذا، وإن سبق فرسي فلي عليک كذا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۳۲۴/۵، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۶/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "كان (أي: التعزير المالي) في ابتداء الإسلام، ثم نسخ". (الدرالمختار). "والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

"ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال .... وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحرالرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشيديه)

(۳) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحرالرائق، كتاب الطهارة: ۱۹۱/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾ (التحريم: ۸)

"فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لايتعلق بحق ادم فلها شروط: أحدها أن يقلع عن =

عمرو کو جب معلوم ہو گیا تھا کہ زید نے ایسا کیا ہے، تو اس کو تگ ودو کی ضرورت نہیں تھی، اس کو چاہیے تھا کہ تنہائی میں زید کو خیر خواہانہ طور پر نصیحت کرتا اور سمجھا دیتا کہ یہ حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے، آئندہ ایسا نہ کریں، اس سے اس کی تفتیش کر کے گواہ مہیا کئے یہ برا کیا کسی کی عیب جوئی اور پردہ دری شرعاً بہت معیوب ومذموم ہے، تاہم اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا، اس کو اسلام سے خارج قرار دینا جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف اور غلط ہے۔

"ولا نكفر مسلماً بذنب من الذنوب، وإن كانت كبيرة إذا لم يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان، ونسمية مؤمناً حقيقةً يجوز أن يكون مؤمناً فاسقاً غير كافر الخ" شرح فقه أكبر، ص: ٨٦(١).

زید نے جب کھانے کا خود اقرار کر لیا تو تفتیش کی اور گواہوں کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

= المعصية، والثاني: أن يندم على فعلها، والثالث: أن يعزم أن لايعود إليها أبداً". (رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ٢٤، ٢٥، قديمي)

"أركان التوبة ثلاثة: الندامة على المعاصي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في الاستقبال ..... ثم هذا إن كانت التوبة فيما بينه وبين الله كشرب الخمر". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ١٥٨، قديمي)

(١) (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ٧١، قديمي)

"والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر ..... نعم إذا كان بطريق الاستحلال والاستخفاف، كان كفراً لكونه علامة للتكذيب". (شرح العقائد النسفية، ص: ٨٣، سعيد)

"أهل الكبائر من أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في النار لايخلدون إذا ماتوا وهم موحدون ولا نكفر أحداً من أهل القبلة بذنب مالم يستحله". (شرح العقيدة الطحاوية، العصاة من أهل الكبائر لايخلدون، ص: ٢٩١، ستاريه)

صابن میں مردار جانور کی چربی

سوال[۱۱۲۴۳]: صابن میں مردار جانور کی چربی پڑتی ہے، ہمارے یہاں ایک مشین ہے، جس میں کپڑے کو رکھ دیا جاتا ہے، اس میں کٹ پھٹ کر گوشت ہڈی چربی سب الگ الگ ہوجاتی ہے اور یہ چربی صابن میں پڑتی ہے اور اس صابن سے غسل اور کپڑے دھوئے جاتے ہیں، یہ کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟ صابن کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات محل تامل ہے، کہ صابن بنانے سے چربی کی ماہیت منقلب ہوجاتی ہے یا نہیں، بعض علماء فرماتے ہیں ماہیت بالکل بدل جاتی ہے، جس طرح گدھا نمک کی کان میں گرجائے اور ماہیت بدل کر نمک بن جائے، یا غلیظ کو جلا دیا جائے، جس سے وہ راکھ بن جائے، یہی حال چربی کا ہے، جس سے صابن بنالیا جائے، وہ حضرات ایسے صابن سے دھوئے ہوئے بدن اور کپڑے کو پاک فرماتے ہیں اور اس صابن کو استعمال کرنے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

دوسرے بعض اہل علم اکابر فرماتے ہیں کہ صابن بن جانے کے بعد چربی چربی ہی رہتی ہے، اس کی ماہیت منقلب نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے خواص اس میں موجود رہتے ہیں، ان حضرات کے نزدیک جس کپڑے میں ایسے صابن کے اجزاء باقی رہیں گے، وہ پاک نہیں ہوگا(۱)۔ والقول الأول أوسع، والثاني أورع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثم هذه المسألة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوى، واختاره أكثر المشائخ، خلافاً لأبي يوسف، كما في شرح المنية والفتح وغيرهما، وعبارة المجتبى: جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير، والتغيير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى ...... وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو كلب في قدر الصابون فصار صابوناً، يكون طاهراً لتبدل الحقيقة".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۱۶، سعيد)

"وعلى قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس، وفي المجتبى: جعل =

خنزیر کی چربی صابن میں ملانا

سوال[۱۱۲۴۴]: ایک مسلم صاحب صابن کے بیوپاری ہیں، یہ خبر ملی ہے کہ تیل کی قیمتیں بڑھ جانے کی بناء پر گورنمنٹ نے مغربی ممالک سے درآمد ہونے والی چربی کا کوٹا صابن بنانے والی کمپنیوں کو دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جس میں ہر قسم کے جانوروں (جس میں سور خنزیر بھی شامل ہے) کی چربی ہوتی ہے، کمپنیاں اس درآمد شدہ چربی کو صابن میں ملاتی ہیں۔ ایک دین دار مسلم ڈاکٹر ہے، اس سے معلوم ہوا ہے کہ چربی کو کیمیائی ردعمل سے نمکیات میں تبدیل کر کے صابن میں ملایا جاتا ہے۔

تفصیل بالا کی روشنی میں براہِ کرم اس مسئلہ کا جواب تحریر فرمادیں کہ خوشبودار نہانے اور کپڑے دھونے کے صابن جو ان کمپنیوں میں تیار کیا جاتا ہے، ان کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی چربی نجس ہے اور خنزیر نجس العین ہے(۱)، جب تک قلب ماہیت ہو کر حقیقت اور خواص کی تبدیلی نہ ہو جائے، استعمال جائز نہیں (۲)، بلاتحقیق محض شبہ کی بناء پر صابن کو نجس کہنے کا بھی حق

= الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير، والتغيير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوىٰ".

(البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۹۴، ۳۹۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول: ۱/۴۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۹۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) اور اگر قلب ماہیت ہو کر حقیقت اور خواص تبدیل ہو جائیں، تو پاک ہو جائے گا۔

"(قوله: لانقلاب العين) علة للكل ..... وهو المختار؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟! فإن الملح غير العظم واللحم فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح، ونظيره في الشرع النطفة نجسة، وتصير علقة، وهي نجسة، =

نہیں (١)، اگر نجس کپڑے یا بدن پر استعمال کرکے دھوڈالا اور پاک کرلیا تو نماز درست ہوجائے گی، بدن اور کپڑے کو پاک کہا جائے گا (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= وتصير مضغة فتطهر. والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس، ويصير خلا فيطهر. فعرفنا أن استحالة العين تتبع زوال الوصف المرتب عليها". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣٢٣، سعيد)

"ومنها الاستحالة، تخلل الخمر في خابية جديدة طهرت بالاتفاق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة: ١/٤٤، رشيديه)

"والسابع انقلاب العين فإن كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة، وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحاً تؤكل". (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ١/٣٩٤، رشيديه)

(١) "اليقين لا يزول بالشک، اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه. عنى أن الأمر لامتيقن ثبوته لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولايحكم بزواله بمجرد الشک. كذلک المتيقن عدم ثبوته لايحكم بثبوته بمجرد الشک؛ لأن الشک أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدماً". (شرح المجلة للأتاسي، المادة: ٤: ١/١٨، رشيديه)

"ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين". (قواعد الفقه، ص: ١١٤، الصدف)

(وكذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ١/١٨٣، إدارة القرآن كراچی)

(٢) "ويطهر محل غيرها أي: غير مرئية بغلبة ظن غاسل لو مكلفاً، وإلا فمستعمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الأنجاس: ١/٣٣١، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، باب الأنجاس: ١/٤١٢، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في النجاسة: ١/٤٧، رشيديه)

باب التداوي والمعالجة

الفصل الأول في مايتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانع حمل کا بیان)

نسبندی کا آپریشن

سوال[۱۱۲۴۵]: میری عورت حالت حمل میں تقریباً آٹھ ماہ تک بیمار رہتی ہے اور پیٹ میں درد رہتا ہے، کھاتی پیتی ہے، وہ سب قے ہوجاتی ہے تو میں آپریشن کرواسکتا ہوں یا نہیں؟ اور میرے چار بچے ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حالت حمل میں عامۃً تکلیف زیادہ اور اکثر قے ہوا کرتی ہے، قرآن پاک میں ہے: ﴿حملته أمه كرها ووضعته كرها﴾(۱) بچہ پیدا ہونے کے وقت زیادہ تکلیف رہتی ہے، اس سے بچنے کے لئے آپریشن کی اجازت ہوجائے تو آئندہ پیدائش کا سلسلہ ختم ہوجائے۔

کچھ روز تک ایسا ہوگا کہ نہ حمل ہوگا اور نہ پیدائش، پھر کچھ مدت کے بعد نکاح کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ دنیا انسانوں سے خالی ہوجائے گی، قے اور پیٹ کے درد کے لئے حکیموں کے پاس دوائیں ہیں، ان سے علاج کرایا جائے، نسبندی آپریشن ہرگز نہ کرایا جائے، کہ نسبندی آپریشن احکام شریعت کے خلاف ہے(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الأحقاف: ۱۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ (بني إسرائيل: ۳۱)

"تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل =

فیملی پلاننگ یا نسل کشی

سوال[۱۱۲۴۶]: ہماری نظروں سے ایک اشتہار گزرا بنام اسلامی رہنماؤں کے، جو ہو بہو جناب اقدس کی خدمت میں پیش جاتا ہے، اس کی عبارت دیکھ کر طبیعت تلملائی، برائے مہربانی اس کا جواب لکھ کر ہماری حیرانی دور کرنے کا موقع عنایت فرمائیں۔

اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی کل آبادی ایک لاکھ اٹھائیس ہزار ہے اور غیر مسلم آبادی پنجاب میں تقریباً پونے دو کروڑ پر مشتمل ہے، فتوے میں مسلم آبادی کا لحاظ کریں۔

مالیر کوٹلہ کے مفتی کا فتویٰ: فیملی پلاننگ کا مطلب نسل کشی نہیں، بلکہ اتنی اولاد پیدا کرنا ہے، جس کی پرورش ہم آسانی سے کرسکیں، تا کہ ہماری قوم طاقت ور بنے، فیملی پلاننگ پروگرام اپنا کر ملک کو درپیش بڑے بڑے مسئلوں کو آسانی سے حل کیا جاسکے گا اور قوم کو زیادہ سہولتیں بھی مل جائیں گی، ہمارے اس پروگرام کے ساتھ پوری ہمدردی ہے، ایسا کرکے ہم کسی پر احسان نہیں کرتے، بلکہ خود اپنی قوم کا اور اپنا فائدہ کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

افزائش، پیدائش کی کوشش کا حدیث شریف میں حکم ہے:

"عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم" (رواه أبوداود، والنسائي، مشكوة شريف، ص ٢٦٧)(١).

= الثاني: ٢/٢٦٧، قديمي)

"قال عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وليس لنا شيء فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ٢/٧٥٩، قديمي)

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ٢/٢٦٧، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء: ٢/٣١٩، رقم الحديث: ٢٠٥٠، دار إحياء التراث العربي بيروت) =

بغیر نکاح کے زندگی بسر کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے:

"عن سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه قال: ردّ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا" متفق عليه مشكاة، ص: ٢٦٧ (١).

حسب حیثیت و مصلحت چار نکاح تک کی اجازت دی گئی:

﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث وربع﴾ الآية (٢).

ایک صحابی نے قطع نسل کی اجازت چاہی تھی، تو اجازت نہیں دی گئی:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قلت يارسول الله! إني رجل شاب، وأنا أخاف على نفسي العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء، كأنه يستاذنه في الاختصاء، قال: فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا أباهريرة جف القلم بما أنت لاق، فاختص على ذلك أو ذر" (رواه البخاري). مشكوة شريف، ص: ٢٠ (٣).

= (وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ٦/٦٥، رقم الحديث: ٣٢٢٧، دارالمعرفة بيروت)

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ٢/٢٦٧، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل، ص: ٩٠٨، رقم الحديث: ٥٠٧٣، دارالسلام رياض)

(وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه، :ص ٥٨٧، رقم الحديث: ٣٤٠٣، دارالسلام)

(٢) (النساء: ٣)

(٣) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الأول: ١/٢٠، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل، ص: ٩٠٨، رقم الحديث: ٥٠٧٦، دارالسلام)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل: ٦/٢٠، رقم الحديث: ٣٢١٥، دارالمعرفة بيروت)

"ليس هذا إذنا في الاختصاء، بل توبيخ ولوم على الاستيذان في قطع عضو بلا فائدة اهـ" مرقاة: ١/١٥٩(١).

عزل (صحبت کرکے منی باہر گرانے کو) "وأد خفي" فرمایا گیا ہے، جس کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے۔

"ثم سئلوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي، وهي وإذا المؤودة سئلت" (رواه مسلم مشكوة، ص: ٢٧٦(٢).

"عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الوائدة والمؤودة في النار" (رواه أبوداود والترمذي مشكاة شريف، ص: ٢٣)(٣).

ان دلائل کی روشنی میں یہ فیملی پلاننگ قطعاً شارع علیہ السلام کے منشاء کے خلاف ہے، تعلیمات اسلام میں ہرگز اس کا جواز نہیں ہے، جس نظریہ کے ماتحت یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے، یعنی اناج کی کمی وہ نہایت خطرناک ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ رزاق مطلق اپنی ذات کو تجویز کرلیا ہے کہ ہم ہی روزی رساں ہیں، تمام ملک کی روزی ہم ہی پیدا کرتے ہیں، ہم ہی سب کو دیتے ہیں، اگر اولاد زیادہ ہوگئی، تو کہاں سے کھلائیں گے، یہ تخیل بالکل قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف ہے، اللہ پاک نے خود وعدہ فرمایا ہے۔

﴿وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها﴾(٤).

---

(١) (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الأول: ١/٢٧٩، رشيديه)

(٢) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب المباشرة، الفصل الأول: ٢/٢٧٦، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة، ص: ٦١٢، رقم الحديث: ٣٥٦٥، دارالسلام)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب الغيلة: ٢/١٠٧، رقم الحديث: ٣٣٢٦، دار المعرفة بيروت)

(٣) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الثاني: ١/٢٣، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين: ٤/٣٠٢، رقم الحديث: ٤٧١٧، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند المكيين، حديث سلمة بن يزيد الجعفي: ٤/٥٢٥، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٤) (هود: ٦)

کہ سب کی روزی کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، زمانۂ جاہلیت میں روزی کے خاطر اولاد کو ختم کردیتے تھے، اس کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باب الکبائر میں حدیث ہے:

"قال ثم أي؟ قال: "أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك" اهـ مشكوة شريف، ص: ١٦ (١).

فقر لاحق ہوجانے کے اندیشہ سے یا فقر لاحق ہوجانے کی بناء پر اس اقدام کی قرآن پاک میں سخت ممانعت آئی ہے:

﴿ولا تقتلوا أولادكم من إملاق نحن نرزقكم وإياهم﴾ الآية (٢).

﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ الآية (٣).

جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، تب ہی اس کی روزی متعین ہوجاتی ہے، اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی اور جتنی روزی خدا کی طرف سے متعین کردی گئی ہے، وہ ضرور پہونچ کر رہے گی، اس سے پہلے آدمی مر نہیں سکتا، روزی خود تلاش کرتی پھرتی ہے، آدمی اگر اس سے بچ کر بھاگنا چاہے، تو بھاگ نہیں سکتا، جس طرح موت سے آدمی بچ کر بھاگ نہیں سکتا:

"عن ابن مسعود قال: حدثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "وهو الصادق المصدوق أن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوماً نطفة، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغة، ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات،

---

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ١٦/١، قديمى)

(وصحيح البخاري، كتاب الديات، باب في قوله تعالى: ﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا﴾، ص: ١١٨٢، رقم الحديث: ٦٨٦١، دارالسلام)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب، ص: ٥٣، رقم الحديث: ١٤٢، دارالسلام)

(٢) (الأنعام: ١٥١)

(٣) (بني إسرائيل: ٣١)

فيكتب عمله وأجله ورزقه الخ" متفق عليه مشكاة شريف: ۱/۲۰(۱).

"أن نفساً لن تموت حتى تستكمل رزقها" مشكوة شريف: ۴۵۲/۲(۲).

"عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الرزق يطلب العبد كما يطلب أجله" رواه أبونعيم في الحلية مشكوة: ۴۵۴/۲(۳).

"ولا يحملنكم استبطاء الرزق أن تطلبوه بمعاصي الله، فإنه لايدرك ما عندالله إلا بطاعته" (رواه في شرح السنة، مشكوة شريف: ۴۵۲/۲)(۴).

جو کچھ خدا پاک کی طرف سے تجویز فرمادیا گیا ہے، اس کے خلاف سب امت مل کر بھی کسی کو ایک دانہ کا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی:

"واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا

---

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱/۲۰، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، ص: ۵۳، رقم الحديث: ۳۲۰۸، دارالسلام)

(وصحيح مسلم، كتاب التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿ولقد سبقت كلمتنا﴾، ص: ۱۲۸۴، رقم الحديث: ۷۴۵۴، دارالسلام)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني: ۴۵۲/۲، قديمي)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۳/۴، دارالفكر)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثالث: ۴۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۵/۴، دارالفكر)

(وكذا في المقاصد الحسنة، حرف الهمزة، ص: ۱۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني: ۴۵۲/۲، قديمي)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۳/۴، دارالفكر)

(وكذا في مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الزهد، ماذكر عن نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم في الزهد: ۹۹/۱۹، المجلس العلمي)

بشيء قد كتب الله لك" (مشكوة شريف، ص: ٤٥٢)(١).

اناج کی کمی کا اصل علاج یہ نہیں ہے کہ پیدائش پر بندش لگادی جائے، بلکہ علاج یہ ہے کہ جن اسباب ومعاصی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہورہا ہے، ان کو دفع کیا جائے، اسباب تو روزافزوں ہوتہذیب میں داخل ہوجائیں، جزوزندگی بن جائیں، اذہان وقلوب سے ان کی قباحت وشناعت ختم کردی جائے اوران اسباب پر مرتب ہونے والے نتائج کو بند کرنے کے لئے تدابیر خودساختہ خدااوررسول کے حکم کے خلاف اختیار کی جائیں، اس کا نتیجہ تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے، جب کہ معاصی پر عذاب آخرت سے پہلے ہی پہلے اس دنیا میں مصائب وبلا کا ترتب ہوتا ہے، ان کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وقت ضرورت ان کی تفصیل لکھی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

خاندانی منصوبہ بندی

سوال[۱۱۲۴۷]: ما الحكم في تقدير الذي قدر من جانب النكاح لا تكاثر الأولاد، وقدر في ثلاثة أم في أقل منه، هل يجوز لنا هكذا التقدير؟

الجواب حامداً ومصلياً:

الاكتفاء في الأولاد بهذا العدد وحصرها فيه ليس له دليل في الشرع، بل الدليل على خلافه عن معقل بن يسار رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: تزوجوا لودود الولود؛ فإني مكاثر بكم الأمم" (رواه أبوداود والنسائي، مشكوة، ص: ٢٦٧)(٢).

---

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني: ٢/٤٥٣، قديمى)

(وسنن الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقاق والورع: ٣/٣٨٨، رقم الحديث: ٢٥١٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ١/٢٩٣، رقم الحديث: ٢٦٦٤، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(٢) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ٢/٢٦٧، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، رقم الحديث: ٢٠٥٠: ٢/٣١٩، دار إحياء التراث العربي بيروت) .... =

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى اللّٰه ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص اللّٰه ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً﴾ الآية(۱). واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم.

حرره العبد محمود عفي عنه، دارالعلوم ديوبند، ۲۹/۶/۸۷ھ(۲).

محکمۂ نسبندی میں ملازمت

سوال[۱۱۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں محکمۂ نسبندی میں ملازم ہوں، اس محکمہ میں صاحبِ اولاد کو زائد تولد کے سلسلہ کو ختم کرانے کے لئے آپریشن کے کام پر ملازمت کرتا ہوں۔ لہٰذا کیا یہ کام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تنخواہ لینا کیسا ہے؟ جو تنخواہ مل چکی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مجبوراً یہ کام کرنا پڑے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ محکمہ اس بنیاد اور نظریہ پر قائم کیا گیا ہے کہ آدمی زیادہ ہوگئے، غلہ کم پیدا ہوتا ہے، سب کو راشن پورا نہیں ملتا، جو آدمی پیدا ہو چکے ان کو دنیا سے ختم کرانے میں مفاسد بہت ہیں، جن کو برداشت کرنا دشوار ہے، لہٰذا ایسی صورت اختیار کی جائے کہ آدمی کم پیدا ہوں، تاکہ راشن سب کو ملے یہ نظریہ تعلیماتِ اسلام کے بالکل خلاف ہے، زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنی اولاد کو قتل کردیا کرتے تھے، کہ اگر یہ زندہ رہیں، تو اس کو راشن کہاں سے دیں

= (وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۶/۶۵، رقم الحديث: ۳۲۲۷، دارالمعرفة بيروت)

(۱) (الأحزاب: ۳۶)

(۲) **ترجمۂ سوال:** ''کیا حکم ہے اس اندازے اور عدد کا جو خاندانی منصوبہ بندی والوں کی طرف سے مقرر ہے کہ زیادہ اولاد پیدا نہ کرو اور تین یا اس سے کم (اولاد) پیدا کرنے کو اپناؤ، کیا اس طرح (اولاد کے عدد کو) مقرر کرنا ہمارے لئے جائز ہے؟

جواب: اولاد کے پیدا ہونے میں تین یا اس سے کم کے عدد کو مقرر کر لینا اور اسی پر اکتفاء کر لینے کے بارے میں شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس (نظریے) کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ ''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد ہے کہ ''تم ایسی عورت سے نکاح کرو، جو خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا''۔ اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً﴾.

گے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ راشن دینے والے ہم ہیں، خدا تک اس معاملہ میں ان کی نظر کم جاتی تھی، ان کے اس نظریہ کو رد کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔

﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ الآية (۱).

﴿ولا تقتلوا أولادكم من إملاق نحن نرزقكم وإياهم﴾ الآية (۲).

یعنی فقر کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور تمہاری اولاد کو ہم روزی دیں گے، اس نظریہ کی بناء پر یہ تدابیر اختیار کرنا خدائے پاک کی ذات اور اس کے وعدوں پر اعتماد کو ختم کرنا ہے، اس لئے ہرگز جائز نہیں، علاوہ ازیں ایک دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکثیرِ اولاد کی ترغیب دی ہے (۳)۔ اور یہ منصوبہ بالکل اس کی ضد ہے، اس منصوبہ بندی میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر تین بچے پیدا ہونے پر آپریشن کردیا گیا اور پھر عورت کا انتقال ہوگیا، مرد نے اس کے بعد دوسری شادی کی، تو وہ دوسری عورت اولاد سے قطعاً محروم رہے گی۔

لہٰذا اس مقصد کے لئے آپریشن کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی ملازمت بھی جائز نہیں، اس کی تنخواہ بھی جائز نہیں (۴)۔ اس کے علاوہ دوسرا ذریعہ معاش اختیار کیا جائے اور دوسرا جائز ذریعہ معاش حاصل ہونے تک

---

(۱) (بني إسرائيل: ۳۱)

(۲) (الأنعام: ۱۵۱)

(۳) "عن معقل بن يسار رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ۲/۲۶۷، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء: ۲/۲۱۹، رقم الحديث: ۲۰۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۶/۶۵، رقم الحديث: ۳۲۲۷، دار المعرفة بيروت)

(۴) "قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نغزوا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وليس لنا شيء. فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك. الخ". (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، قديمي)

"قال الحافظ العسقلاني رحمه الله تعالى: والحجة فيه أنهم اتفقوا على منع الجب والخصاء. =

بحالت مجبوری پوری ناگواری کے ساتھ اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، انتہائی جدوجہد کے ساتھ تلاش کرکے دوسری صورت ملنے پر اس کو ترک کردیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۸/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی۔

آپریشن سے جنس تبدیل کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۴۹]: سیکس تبدیل کرنا (اپنی ہیئت مخلوق تبدیل کرنا، مرد سے عورت بننا اور عورت سے مرد بننا) شریعت مطہرہ کی رو سے سیکس تبدیل کرنے کے لئے آپریشن کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اس حرکت شنیع سے تغیر خلق لازم نہیں آئے گی، جواز وعدم جواز کا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا مفصل ومدلل جواب دیں۔

نوٹ: اس واقعہ کا وقوع ہو چکا ہے، اس لئے آپ کو زحمت دی جارہی ہے، کہ اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

اٹلی کی کہانی منیجر کی زبانی: "ملانی (اٹلی) کے ایک شراب خانہ کے منیجر کو اس لئے نوکری سے الگ کردیا گیا، کیونکہ اس کے بارے میں پتہ چل گیا ہے کہ یہ دراصل وہی لڑکی ہے، جو اس بار میں بار میٹر کا کام کرچکی ہے، جب کہ اس کا کہنا ہے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اس نے بتایا کہ چھ سال سے پہلے سیکس تبدیل کرنے کے لئے جو آپریشن کردیا تھا، وہ کامیاب رہا اور اب وہ نہ صرف یہ کہ مرد دکھائی دیتی ہے، بلکہ مردوں کی طرح محسوس بھی کرتی ہے، اب وہ ایک شادی شدہ مرد ہے، جس کے دو بچے ہیں، منیجر نے یہ تسلیم کیا کہ چند سال پہلے وہ ایک عورت تھی اور اس کے ایک بیٹا بھی تھا، لیکن اب وہ ایک مرد ہے اور ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہا ہے"۔

= فيلحق بذلك ما في معناه من التداوي بالقطع أصلاً". (فتح الباري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ۹/ ۹۷، دار المعرفة بيروت)

"كل ما يؤدي إلى مالايجوز، لايجوز". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/ ۳۶۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مرد زنانہ ہیئت اختیار کرے یا زنانہ لباس پہنے اس پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے، اسی طرح جو عورت مردانہ ہیئت اختیار کرے یا مردانہ لباس پہنے اس پر بھی حدیث پاک میں لعنت آئی ہے(۱)۔ یہاں تک کہ جو عورت مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو، اس پر بھی لعنت آئی ہے:

"لعن الله الفروج على السروج"(۲) كذا في فتح القدير.

نیز "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء".

اور "لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال"(۳).

پھر مستقلاً صفت ذکورۃ کو انوثت میں تبدیل کرنا اور بالعکس کہاں درست ہوگا کہ اس میں ہر مرد کی تخلیق

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء: ۸۷۴/۲، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قديمي)

(وكذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۴۹۹۴/۱۰، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۲۵۲/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق: ۳۵۹/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۱۱۵/۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل: وأما شرائط الركن فأنواع: ۲۲۵/۳، رشيديه)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء: ۸۷۴/۲، قديمي)

(وكذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۴۹۹۴/۱۰، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكة)

کی مخصوص غایت ہی فوت ہوجاتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۹/۲/۱۶ھ۔

حاملہ کا پیٹ چاک کرکے بچہ نکالنا

سوال[۱۱۲۵۰]: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے تو بچہ کو عورت کا پیٹ چاک کرکے نکالنا جائز ہے، اس شبہ پر کہ بچہ پیٹ میں زندہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حاملہ مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو، تو پیٹ چاک کرکے بچہ نکال لیا جائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولأضلنهم ولأمنينهم ولآمرنهم فليبتكن اٰذان الأنعام، ولاٰمرنهم فليغيرن خلق الله﴾ (النساء: ۱۱۹)

"قوله تعالىٰ: ﴿خلق الله﴾ عن نهجه صورة او صفة، ويندرج فيه ...... وخصاء العبد والوشم والوشر واللواطة والسحاق ونحو ذلك ...... وتغيير فطرة الله تعالىٰ التي هي الاسلام، واستعمال الجوارح والقوىٰ فيما لايعود على النفس كما لاء، ولا يوجب لها من الله سبحانه زلفى". (روح المعاني، النساء: ۱۱۹: ۵/۱۹۴، ۱۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۱۹: ۵/۲۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "امرأة حامل ماتت، وعلم أن ما في بطنها حي فإنه يشق بطنها من الشق الأيسر، وكذلك إذا كان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها، كذا في المحيط. وحكي أنه فعل ذلك بإذن أبي حنيفة فعاش الولد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون: ۵/۳۶۰، رشيديه)

"امرأة ماتت والولد يضطرب في بطنها، قال محمد: يشق بطنها ويخرج الولد، لايسع إلا ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب غسل الميت: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۳۹۸، إمداديه)

الفصل الثاني في التداوي بالمحرم وغيره

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

"بولِ فیل" برائے علاج

سوال[۱۱۲۵۱]: ایک حکیم صاحب مسلمان ہیں، نماز کے پابند ہیں، لیکن ڈاڑھی نہیں رکھتے ہیں، ایک عورت کا علاج پانچ مہینہ سے کررہے ہیں، عورت کو سترہ سال سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے، بہت علاج کرالیا ہے، ان حکیم صاحب کی دوائی سے حیض میں تھوڑا فائدہ ہے، اب پانچ ماہ علاج کے بعد حکیم صاحب نے اس مرتبہ جو دوائی دی، اس میں بولِ فیل "ہاتھی نر کا پیشاب" ہمبستری کے وقت پینے کے لئے دیا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مریضوں کو جو استسقاء کے مرض میں مبتلا تھے، اونٹ کا دودھ اور پیشاب بتلایا تھا اور ٹھیک ہوگئے تھے تو میں یہ سوچتے ہوئے بولِ فیل دومرتبہ استعمال کرچکا ہوں، لیکن طبیعت میں کچھ پریشانی ہے، براہِ کرم آپ بتلائیں کہ مرض کی صورت میں اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کتنی مقدار میں اور اگرنا جائز اور حرام ہے تو جو استعمال کیا جاچکا ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محض اولاد کا نہ ہونا، ایسی بیماری نہیں، جس کے لئے بولِ فیل پینے کی اجازت دی جاسکے، جو کچھ اب تک ہوچکا، اس سے توبہ واستغفار کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان، وعليه الفتوى". (الدر المختار مع رد المحتار، باب المياه، مطلب في التداوي بالمحرم: ۱/۲۱۰، سعيد)

"(للتداوي) أي: من مرض أو هزال مؤد إليه لا لنفع ظاهر كالتقوي على الجماع كما قدمناه،=

خراطین وخاکستہ دوائی کا استعمال

سوال[۱۱۲۵۲]: امعاءالارض یعنی خراطین ونیز خاکستہ یعنی عروسک کا داخلی استعمال کیسا ہے، نیز خارجی استعمال کے بعد نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانا درست نہیں، جس جانور میں خون نہ ہو، اس کے خارجی استعمال کے بعد بغیر دھوئے بھی نماز درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

= ولا للسمن كما في العناية". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۱۹۵، دارالمعرفة بيروت)

"فالحاصل: أن التداوي بالمحرم يجوز مع مراعاة الشرائط، والقيود لدفع المضرة لا لجب المنفعة، وحصول الولد إنما هو جلب المنفعة فحسب، فإنه لايجوز له شرب بول الفيل". (من المخرّج).

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا وقع الذباب في إناء أحدكم فليغمسه كله، ثم ليطرحه؛ فإن في إحدي جناحيه شفاء وفي الآخر داء". رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد والذبائح، باب مايحل أكله: ۲/۸۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا وقع الذباب في الطعام فامقلوه". رواه أبوداود. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد، باب مايحل أكله: ۲/۸۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"وجه الاستدلال به أن الطعام قد يكون حاراً فيموت بالغمس فيه، فلو كان يفسده لما أمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بغمسه ليكون شفاء لنا إذا أكلناه، وإذا ثبت الحكم في الذباب ثبت في غيره مما هو بمعناه كالبق والذنابير والعقرب ...... إما بدلالة النص وإما بالإجماع ...... كل مالايفسد الماء لايفسد غير الماء وهو الأصح، كذا في المحيط والتحفة". (البحرالرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۲۰، ۱۲۴، رشيديه)

"ويجوز رفع الحدث بما ذكر وإن مات فيه أي: الماء ولو قليلاً غير دموي كزنبور وعقرب وبق". (الدرالمختار). "(قوله: غير دموي) المراد مالا دم له سائل لما في القهستاني: أن المعتبر عدم =

ڈاکٹری دوائی میں شراب کی آمیزش

سوال[۱۱۲۵۳]: ایک مسلمان ڈاکٹر سے سنا ہے کہ انگریزی جتنی بھی پینے کی دوا ہے، سب میں شراب کی آمیزش ضرور ہے، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو ڈاکٹری علاج اور انگریزی دوا کا استعمال شریعت پاک کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرعی ثبوت سے تحقیق ہو جائے کہ حلال دوا میں شراب ہے تو اس کا پینا درست نہیں، بلا تحقیق حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، ۹۲/۳/۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۳/۷ھ۔

خنزیر کی چربی والا تیل دوا کے طور پر استعمال کرنا

سوال[۱۱۲۵۴]: ایک تیل تیار کرنا ہے، جو کہ بہت سی بیماریوں میں کام آئے گا، جس میں پندرہ قسم کی یونانی دوائیاں شامل ہیں، جس میں ہر ایک کلو سرسوں کے تیل میں ڈھائی گرام خنزیر کی چربی ملانا ہے، کیا شرعی حکم سے چربی ملائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بغیر ملائے تیل میں کمزوری باقی رہتی ہے۔

= السيلان لا عدم أصله حتى لو وجد حيوان له دم جامد لاينجس ..... فكل ما لايفسد الماء لايفسد غير الماء". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه: ۱/۱۸۳، ۱۸۵، سعيد)

(۱) "اليقين لا يزول بالشك، اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه ..... على أن الأمر لامتيقن ثبوته لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولايحكم بزواله بمجرد الشك، كذلك المتيقن عدم ثبوته لايحكم بثبوته بمجرد الشك؛ لأن الشك أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدماً".

(شرح المجلة للأتاسي، المادة: ۴: ۱/۱۸، رشيديه)

"ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين". (قواعد الفقه، ص: ۱۱۴، الصدف)

(وكذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین ہے(۱)، اس کی چربی کا استعمال کرنا بھی حرام ہے(۲)، ایسا تیل بھی نجس ہوگا، اگر کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ تجربہ کار دیندار طبیب کی تشخیص کے مطابق اس کی دوا اور کوئی نہ ہو، بلکہ اس میں شفاء منحصر ہو، تو ایسی مجبوری کی حالت میں استعمال کی گنجائش ہوگی (۳)، مگر ناپاکی کا حکم پھر بھی باقی رہے گا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۱۴۰۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين، إذ الهاء في قوله تعالى: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه". (الهداية، كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، ومالا يجوز به: ۴۱/۱، شركت علمية ملتان)

"وشعر الخنزير لنجاسة عينه أي: عين الخنزير بجميع أجزائه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۱/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۳۲/۶، رشيديه)

(۲) "وأما الخنزير، فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱۹۱/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في التداوي بلبن البنت: ۷۲/۵، سعيد)

(۳) "وجوّزه في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات: ۳۵۵/۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوي والمعالجات: ۱۱۴/۶، مكتبه غفاريه كوئته)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱، ۲

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اوراس کے مصرف کا بیان)

مشتبہ مال سے بچنا

سوال[۱۱۲۵۵]: عاجز کو اپنی خوراک کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں بہت تشویش ہے، میرا کھانا پینا ایک ایسے شخص کے پاس ہے، جس کا مال حرام اور مشتبہ ہے، ایک ایسے شخص کے پاس خوراکی دے کر کھانا میرے لئے شرعاً جائز اور حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگراس کا مال بالکل حرام ہے، یا غالب مال حرام ہے، تو اس کا کھانا آپ کے لئے جائز نہیں، اپنا انتظام کہیں اور کریں، اگراس کا غالب یعنی اکثر وبیشتر مال حلال ہے اور کم مقدار میں حرام بھی ہے اور وہ سب مخلوط ہے تو آپ کے لئے اس کے کھانے کی گنجائش ہے(۱)، اگر محض مشتبہ ہے تو پھر پریشان ہوکر تشویش میں نہ پڑیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۱۳/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً، أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل كذا في الينابيع، ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة، إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال ...... فالمعتبر الغالب، وكذا أكل طعامهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيديه) .... =

مشتبہ مال سے بنے مکان میں رہائش

سوال[۱۱۲۵۶]: کیا مشتبہ مال سے بنے مکان میں بالغ بچوں کے لئے رہنا جائز ہے اور اس طرح کے گھر میں کوئی چیز استعمال میں لانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس مال کا حرام ہونا معلوم ہو اس سے کھانا درست نہیں، نہ اس کو بحیثیت میراث لیا جائے، مالک اور اس کے ورثاء کا علم نہ ہو، تو اس کو صدقہ کر دیا جائے (۱)، اگر مال مخلوط ہو اور حلال غالب ہو، تو اس کا لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوری کا مال خریدنا

سوال[۱۱۲۵۷]: مسروقہ شی مثلاً: جانور کپڑا جوتہ وغیرہ کو دانستہ یا غیر دانستہ خریدنا اور اس کو

= (وكذا في فتح باب العناية لملا علي القاري، كتاب الكراهية: ٣٦/٣، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل السابع عشر في الهدايا: ١١٠/٦، حقانيه)

(١) "ولو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٣٨٥/٦، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ٣٦٩/٨، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ٣٢١/٦، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "إذا كان غالب مال المهدي حلالاً، فلا بأس بقبول هديته، أو أكل ماله مالم يتبين أنه حرام، وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر: ٣٠٩/١، إدارة القرآن)

"ولا يجيب دعوة الفاسق المعلن، ليعلم أنك غير راض بفسقه، وكذا دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم يخبر أنه حلال، وبالعكس يجيب مالم يتبين عنه أنه حرام، كذا في التمرتاشي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ٣٤٣/٥، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ٥٢٩/٢، دار إحياء التراث العربي بيروت)

استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معلوم ہونے پر کہ یہ چوری کی چیز ہے اس کا خریدنا درست نہیں، اس سے اس کی ملک ثابت نہیں ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

جو کپڑا درزی بچالے اس کا حکم

سوال[۱۱۲۵۸]: مسئلہ یہ ہے کہ ایک درزی میرا دوست ہے، اس کا لڑکا بھی میرے پاس پڑھتا ہے، وہ درزی یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو ایک جواہر کٹ دوں گا، میرے پاس دس سال کا ایک کپڑا کسی کی شیروانی میں کا بچا ہوا ہے، درزی مسلمان ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، مگر چونکہ درزی کپڑا جو بچاتے ہیں، وہ چوری کا ہی بچاتے ہیں، مجھے یہی شبہ ہے کہ وہ شاید چوری کا ہے۔درزی سے یہ معلوم کیا تو یہ بتایا کہ بہت دنوں کی بات ہے، معلوم نہیں کہ کس کا کپڑا تھا، اس سے کہہ کر رکھا تھا یا چوری سے بچایا تھا۔

اب مسئلہ کے بارے میں فرمادیں کہ اس درزی سے میں وہ جواہر کٹ انعام میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟ اس کو پہن کر نماز پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو میں وہ جواہر کٹ اس درزی سے لڑکے کی پڑھائی میں انعام کے طور پر لے سکتا ہوں یا نہیں؟

---

(۱) "(قوله: الحرمة تتعدد) نقل الحموي عن سيدي عبد الوهاب الشعراني: أنه قال في كتاب المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً، يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه اخر، ثم يأخذ من ذلك الأخر اخر فهو حرام". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد: ۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، الحظر والإباحة، ص: ۳۴۴، دارالفكر بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ عام طور پر درزیوں کی عادت معروف ومشہور ہے کہ وہ کپڑا چوری کر کے رکھ لیتے ہیں اور خود آپ کے درزی صاحب کو بھی یہ یاد نہیں کہ چوری سے رکھا ہے یا اجازت سے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا اپنا خریدا ہوا نہیں ہے اور آپ کا ظن غالب ہے کہ یہ چوری کا ہے، تو اس کو آپ نہ لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، ۱/۹/۸۸ھ۔

شراب کی کمائی کا مصرف

سوال [۱۱۲۵۹]: شراب کے پیسہ میں الجھن یہ ہے کہ بعض علماء شراب کی آمدنی کو حرام کہہ کر لین دین سے منع کرتے ہیں، مگر مدرسہ میں چندہ لیتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی ہیں اور شراب کے کاروبار کرنے والے کے یہاں کھڑے ہوتے ہیں اور ان ہی پیسے کو یہ کہہ کر بھی لیتے ہیں کہ اس پیسے سے حدیث وتفسیر منگوا کر مدرسہ میں لڑکوں کو دے دیں گے، وہ پڑھیں گے تو ثواب ہوگا اور ان ہی کے یہاں کھاتے پیتے ہیں۔

نیز ہندوستان دارالحرب ہے وغیرہ اور سمجھاتے ہیں کہ ہر طرح یہ پیسہ حرام ہے، یہ کسی طرح مسلمان کے لئے جائز نہیں، اس پر ایسے پیسے والے مطعون کرتے ہیں کہ فلاں فلاں حضرات اس کو لیتے ہیں، میرے یہاں قیام بھی کرتے ہیں، اب آپ فرمایئے کہ آیا اس کو مدرسہ کے کسی مد میں استعمال کیا جائے یا نہیں؟ کوئی حیلہ شرعی بھی ہے۔

---

(۱) "(قوله: الحرمة تتعدد) نقل الحموي عن سيدي عبدالوهاب الشعراني: أنه قال في كتاب المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد: ۵/۹۸، سعيد)

"جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم (قوله: وهو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، الحظر والإباحة، ص: ۳۴۴، دارالفكر بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

شراب بیچنے اور خریدنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے(۱)، اس کی بیع مسلم کے حق میں بیع باطل ہے، اس سے قیمت پر ملک ثابت نہیں ہوتی (۲)۔ یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کے پاس روپیہ خالص حرام کا ہے، وہ روپیہ لینا اور کھانا ہرگز جائز نہیں (۳)، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ شخص قرض وغیرہ کے ذریعہ سے حلال

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشتري لها، والمشترى له". رواه الترمذي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۱/۱۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه". (أبو داود، كتاب الأشربة، باب العصير للخمر، رقم الحديث: ۳۶۷۴: ۲/۱۶۲، مكتبه رحمانيه)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الأشربة، باب لعنت الخمر علىٰ عشرة أوجه، رقم الحديث: ۳۳۸۰، ص: ۲۴۲، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه، ص: ۴۸۹، دار السلام)

(۲) "لم يجز بيع الميتة، والدم، والخنزير، والخمر، والحر، وأم الولد، والمدبر، والمكاتب لعدم ركن البيع، وهو مبادلة المال بالمال وبيع هذه الأشياء باطل". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴/۳۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إياه إذا قبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۹، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۹۴، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "(قوله: الحرمة تتعدد) نقل الحموي عن سيدي عبدالوهاب الشعراني أنه قال في كتابه المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبي فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد: ۵/۹۸، سعيد)

"الحرمة تنتقل مع العلم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في =

روپیہ دے رہا ہے اور کھلا رہا ہے، ایسا روپیہ واجب التصدق ہے یا اس کا مالک کا واپس کرنا ضروری ہے، اگر مالک اور اس کے ورثاء کا علم نہ ہو، تو غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے (۱)۔

غریب محتاج طلباء بھی اس کے مستحق ہیں، لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں اس کو خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے (۲)، اگر کسی کا عمل خلافِ شرع ہو، تو حسنِ ظن کی بناء پر اس کی تاویل کی جائے گی، یا اس کو رد کر دیا جائے گا، اس کی وجہ سے مسئلہ شرعیہ نہیں بدلا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۹ھ۔

آتش بازی کا سامان رکھنے والے کے لئے بکس بنانے کی کمائی کا حکم

سوال [۱۱۲۶۰]: انعام الحق اور ان کے بڑے بھائی ایک کارڈ بکس کے کارخانہ کے مالک ہیں،

= البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

"الحرمة تتعدى في الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، الحظر والإباحة، ص: ۳۴۴، دار الفكر)

(۱) "(وهو حرام مطلقاً على الورثة) أي: سواء علموا أربابه أولا، فإن علموا أربابه ردوه عليهم، وإلا تصدقوا به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۶، سعيد)

"ويردونه على أربابه إن عرفوهم وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۱۹۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) اس لئے کہ مالِ حرام کے تصدق میں بھی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، اس مسئلہ کی مفصل وضاحت و دلائل ملاحظہ فرمائیں: (امداد المفتیین، کتاب الزکوۃ، ص: ۳۸۳، دارالاشاعت)

(۳) چونکہ کسی شخص کا عمل کوئی حجت شرعیہ نہیں، لہٰذا مسئلہ شرعیہ میں اس کی وجہ سے تبدیلی بھی نہیں ہوسکتی۔

"اعلم أن أصول الشرع ثلثة ..... والأصل الرابع هو القياس". (نور الأنوار، ص: ۴، ۵، سعيد)

(وكذا في نسمات الأسحار، ص: ۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في أصول الشاشي، ص: ۱۲، المكتبة الغفورية العاصمية)

انعام الحق دین دار ہے، مگر وہ بڑے بھائی کے تابع اور مرعوب ہے۔ اس کارخانہ میں قلیل مقدار میں آتش بازی کا سامان رکھنے کے بکس بھی بنائے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ آیا ان کا پیشہ حرام ہے یا مشتبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ کی آمدنی حرام نہیں، بلکہ حلال ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/ ۹۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "لايكره بيع الجارية المغنية والكبش النطوح والديك المقاتل والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۸، سعيد)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة ..... لأنه إعانة على المعصية ..... وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والحمامة الطيارة، والعصير، والخشب الذي يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۳/ ۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۵/ ۲۴۰، رشيديه)

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

رشوت اور شراب کی رقم کا حکم

سوال[۱۱۲۶۱]: رشوت دے کر روپیہ کمایا ہو یا شراب فروخت کرکے روپیہ کمایا جائے، کیا دونوں برابر ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر رشوت دے کر، مثلاً: پرمٹ حاصل کیا اور پھر حلال مال کی جائز طریقہ پر تجارت کی، تو وہ روپیہ حرام نہیں، البتہ رشوت دینے کا گناہ ہوگا(۱)، مجبوری کی حالت میں اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینا بھی گناہ نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۸۸ھ۔

---

(۱) "والإسلام يحرم الرشوة في أيّ صورة كانت، وبأي اسم سميت، فتسميتها باسم الهدية لايخرجها عن دائرة الحرام إلى الحلال". (الحلال والحرام، ص: ۲۷۱، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

"أخذ الأمير الهدية سحت، وقبول القاضي الرشوة كفر". (كنز العمال، كتاب الإمارة والقضاء، الباب الثاني في القضاء، الفصل الثالث في الهدية والرشوة، رقم الحديث: ۱۵۰۶۹: ۱۱۲/۲، مكتبه التراث الإسلامي بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة: ۳۶۲/۵، سعيد)

(۲) "ومن كان له حق مضيع لم يجد طريقة للوصول إليه إلا بالرشوة، أو وقع عليه ظلم، فلم يستطع دفعه عنه إلا بالرشوة..... فإن سلك سبيل الرشوة من أجل ذلک، فالإثم على الآخذ المرتشي، وليس عليه =

سیمنٹ کی تجارت اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا

سوال[۱۱۲۶۲]: زمانہ موجودہ میں سیمنٹ کی خریداری وفروخت کی عام اجازت نہیں ہے، بلکہ صرف ان لوگوں کو سیمنٹ فروخت کرنے کی اجازت ہے، جن کے پاس لائسنس اور کوٹہ ہو اور انہیں حکومت معین مقدار میں سیمنٹ دیتی ہے اور اس کے خریدار اور قیمت بھی خود حکومت متعین کرتی ہے، چنانچہ اگر دکاندار متعین خریداروں کے علاوہ کچھ سیمنٹ دوسروں کو دینا چاہے، یا مقررہ قیمت میں اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا چاہے، تو قانوناً اس کی اجازت نہیں اور اگر تمام سیمنٹ مقررہ قیمت پر فروخت کردے تو بجائے نفع کے اسے نقصان ہوگا، اس خسارہ سے بچنے کے لئے دکان دار اپنے یا کسی دوسرے شخص کے نام کچھ سیمنٹ کی پرمٹ (اجازت) حاصل کرلیتے ہیں اور اسے حکومت سے چوری، بازاری نرخ کے مطابق فروخت کرتے ہیں اور چونکہ پرمٹ حاصل کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے کہ عام لوگوں کو رشوت دیئے بغیر پرمٹ نہیں ملتی، لہٰذا اس پریشانی سے بچنے کے لئے لوگ چوری والے سیمنٹ خرید لیتے ہیں۔

۱......اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کو اس قسم کے قوانین کے نفاذ اور دکانداروں کے اختیاروں کو سلب کرنے کا حق حاصل ہے؟

۲......اور اگر حکومت ایسے جبری قوانین نافذ کرے، تو مسلمانوں پر اس کی پابندی کس حد تک لازم ہے؟ اور قانون کی رعایت نہ کرنے کی صورت میں کیا شرعاً مواخذہ کے مستحق نہ ہوں گے؟

۳......اور اگر پابندی لازم ہے تو کیا دکان دار کو اپنے نام کی پرمٹ لے کر اسے عام نرخ کے مطابق فروخت کرنا درست ہے؟

= إثم الراشي في هذه الحالة مادام قد جرب كل الوسائل الأخرى، فلم تأت بجدوي". (الحلال والحرام في الإسلام، في العلاقات الاجتماعية، الرشوة لرفع الظلم، ص: ۲۷۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۲۴۸/۷، رشيديه)

(وكذا في أحكام القرآن، البقرة: ۱۸۸ : ۳۳۳/۲، دارالكتب العربي بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب القضاء، باب الرشوة، تحقيق معنى الرشوة لغةً وشرعاً: ۶۱/۱۵، إدارة القرآن كراچي)

۴...... اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا پڑے، تو کیا یہ رشوت دینا جائز ہے؟ اور اگر بغیر رشوت دیئے اجازت نہ ملے، تو حکومت کی چوری سے سیمنٹ لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... یہ حکومت نے کہاں اعلان کیا ہے کہ وہ دینِ اسلام کی پابندی کرے گی اور اس کے مطابق قانون بنائے گی، اگر ایسا ہوتا تو آپ کو دریافت کرنے کا بلکہ اس کو ٹو کنے کا بھی حق ہوتا۔

۲...... جو شخص بھی کسی حکومت میں رہتا ہے، وہ اس کے قوانین کی پابندی کرتا ہے، ورنہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے، جب تک حکم خدا کی بغاوت نہ ہو، قانون حکومت تسلیم کرنا چاہیے (۱)۔

۳...... ایسا کرنے سے قانونی بچاؤ ہو جائے گا، یا اس پر بھی پکڑ ہوگی، حفاظت عزت لازم ہے، عزت کو خطرے میں ڈالنا دانش مندی نہیں (۲)۔

۴...... چوری بہر حال چوری ہے، اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اگر مجبوراً رشوت دینے کی نوبت آئے، تو امید ہے کہ پکڑ نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۳/۲، ۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب أخبار الآحاد، رقم الحديث: ۷۲۵۷، ص: ۱۲۴۹، دار السلام)

(وكذا في ردالمحتار، باب العيدين، مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية: ۱۷۲/۲، سعيد)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لاينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه، قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق". (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ماجاء في النهي عن سب الرياح: ۵۱/۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين امنوا عليكم انفسكم﴾، ص: ۵۷۹، دار السلام)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۵۱/۱۰، مكتبة الرشد)

(۳) رشوت دینے والے پر پکڑ نہیں ہوگی، البتہ لینا پھر بھی حرام ہوگا۔ .... =

سرکاری ہسپتال سے رشوت دے کر دوائیاں لینا

سوال[۱۱۲۶۳]: سرکاری اسپتال میں مفت دوائیں ملتی ہے، لیکن رشوت نہ دی جائے تو ٹال دیتے ہیں اور غریب آدمی باہر کا علاج نہیں کرسکتا، تو رشوت دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور مالدار بھی ایسی دوائیں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق وصول کرنے کے لئے مجبوراً رشوت دی جائے، تو گناہ نہیں (۱)، ہسپتال اگر غرباء کے لئے مخصوص نہ ہو تو مالدار بھی اس سے دوائیں لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "لو اضطر إلى دفع رشوة لإحياء حقه جاز له الدفع، وحرم على القابض". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۲، سعيد)

"من الرشوة المحرمة على الأخذ دون الدافع ما يأخذه الشاعر، وفي وصايا الخانية قالوا: بذل المال لاستخلاص حق له على اخر رشوة". (البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب القضاء: ۳/۱۷۸، دار المعرفة بيروت)

(۱) "الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الأخذ فقط". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشيديه)

(وكذا في الحلال والحرام في الإسلام، ص: ۲۷۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) جب ہسپتال غرباء کے لئے مخصوص نہیں، تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نفلی صدقات کے پیسوں سے علاج کرایا جاتا ہے اور نفلی صدقات کا لینا غنی کے لئے بھی جائز ہے۔

"فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، وكذلك يجوز النفل للغني". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، من توضع الزكاة فيه: ۲/۲۷۵، إدارة القرآن كراچی)

"وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي ...... لاتحل صدقة لغني خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۷، رشيديه) =

محصول کم کرنے کے لئے رشوت کا مشورہ دینا

سوال[۱۱۲۶۴]: احقر بحیثیت منشی چند کارخانوں میں حسابات کا کام کرتا ہے، حساب کی جانچ کے لئے سرکاری انسپکٹر مقرر ہوتا ہے، چنانچہ جہاں احقر کام کرتا ہے، وہاں پر انسپکٹر آیا اور اس سے بیس ہزار کا بقایا نکال دیا، جانچ کے دوران انسپکٹر نے کہا کہ تم بہت سے کارخانوں میں کام کرتے ہو، کہیں سے ہمیں رشوت نہیں دلائی، میں نے یہ ذکر مالک سے کر دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ رشوت لینے کے بعد کچھ رقم تخفیف کر دے (حالانکہ تخفیف کا من انسپکٹر کو نہیں ہے) اس پر مالک رشوت دینے کے لئے تیار ہو گئے، رشوت دے دی گئی اور رقم میں کافی تخفیف ہوگئی، اس گناہ میں احقر بھی ملوث رہا۔

رشوت پا کر انسپکٹر صاحب خاص طور سے احقر پر مہربان ہوئے اور اکثر کارخانوں میں احقر کی تعریف کرنے لگے، کوئی جگہ نکلی تو مجھے پہلے بتلا دیتے کہ اُن سے بات کرلو، سوال یہ ہے کہ ان کی معرفت جو کام ملے، اس سے ہونے والی آمدنی میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

رشوت لینا، دینا، دلانا سب حرام ہے(۱)، صدق دل سے توبہ کرلیں، انسپکٹر صاحب نے ابھی پتہ

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۹۸/۵، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المتصدق عليه: ۲۰۵۶/۳، رشيديه)

(۱) "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي، رواه أبوداود وابن ماجة". (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة، الفصل الأول: ۱۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من شفع لأحد شفاعة فاهدى له هدية عليها، فقبلها فقد اتي باباً عظيماً من أبواب الربا" رواه أبو داود. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة: ۱۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"الرشوة منها ماهو حرام من الجانبين، وذلك في موضعين: أحدهما: إذا تقلد القضاء بالرشوة حرم على المعطي والأخذ. الثاني: إذا دفع الرشوة إلى القاضي ليقضي له حرم من الجانبين سواء كان القضاء بحق أو بغير حق". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب القضاء: ۱۷۷/۳، دار المعرفة، بيروت)

بتانے کا معاوضہ آپ سے نہیں لیا ہے، لیکن اس نے یہ ضرور دیکھ لیا کہ آپ اس کو رشوت دلا سکتے ہیں اور اس کے بتانے کے موافق جہاں چاہیں گے، آپ اس کو رشوت دلائیں گے، تو گویا اس نے آپ کو اپنا دلال تجویز کرلیا ہے، پتہ بتانے کا معاوضہ اگر وہ آپ سے لیتا تو بہت قلیل ہوتا اور کارخانے سے وقتاً فوقتاً آپ کے ذریعہ سے بہت کثیر معاوضہ کی توقع قائم ہوگی، اس لئے انسپکٹر صاحب کی اس پتہ بتانے کی مہربانی کا پس منظر دیکھ لیں۔

ایک دفعہ ثالث بن کر رشوت دلانے پر سخت ندامت بھی ہوگئی، آئندہ سخت ندامت بھی نہیں ہوگی اور تیسری دفعہ ندامت بھی نہ ہوگی، حتیٰ کہ اس کی ندامت وقباحت بھی نہیں رہے گی، اگر چہ جہاں بھی آپ کام کریں گے، آپ کام کی اجرت لیں گے اور وہ جائز ہوگی، مگر یہ دلالی اور ثالثی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۸۹ھ۔

کیا داخلہ فیس رشوت میں داخل ہے؟

سوال [۱۱۲۶۵]: میں اپنے لڑکے کو جس کی عمر ۳/ سال ہے، اسکول میں داخل کرنا چاہتا ہوں، لیکن کوئی اسکول ایسا نہیں ملتا جہاں بغیر رقم کے داخل ہو، کم از کم ایک ہزار روپیہ دیئے بغیر داخلہ نہیں ہوتا، کیا یہ میرا دینا رشوت شمار ہوگا؟ اگر رشوت دینے میں شمار ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ بچہ کے اخراجات کے لئے ہیں، مثلاً: کمرے کا کرایہ، پانی اور روشنی کا معاوضہ کھانے اور ناشتے کی قیمت کپڑوں کے مصارف خدمت گار کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ، تو یہ رشوت نہیں، یہ مصارف آپ کے ذمہ ہوں گے اور اگر یہ روپیہ فیس اور حفاظت ونگرانی کے ذیل میں ہے، تب بھی یہ رشوت نہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ یہ رقم کھانے، ناشتے یا حفاظت وغیرہ کا عوض ہے، جب کہ رشوت کا معنی اس وقت متحقق ہوگا کہ کوئی کام ذمہ پر واجب تھا اس کے کرنے پر معاوضہ لیا جائے یا جس کام کو چھوڑنا اس کے ذمہ لازم ہے، اس کے کرنے پر معاوضہ لیا جائے۔

"(لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الراشي والمرتشي) أي: معطي الرشوۃ، وآخذھا، وھي الوصلۃ إلی الحاجۃ بالمصانعۃ ...... قیل: الرشوۃ ما یعطي لإبطال حق، أو لإحقاق باطل". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإمارۃ والقضاء، باب رزق الولاۃ وھدایا ھم: ۷/ ۳۲۲، رشیدیہ) .... =

رشوت دے کر حاصل کی گئی ملازمت کا حکم

سوال[۱۱۲۶۶]: علیم الدین نے بہت رشوت دے کر سرکاری ملازمت حاصل کی، اب اس ملازمت سے جو روپیہ کمایا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ملازمت کا کام جائز ہے، تو اس ملازمت کی آمدنی، تنخواہ بھی جائز ہے(۱)، ابتداءً اگر ملازمت حاصل کرنے کے لئے رشوت دی، تو اس کی وجہ سے ملازمت کی آمدنی، جو کہ درحقیقت خدمت ومحنت کا معاوضہ ہے، ناجائز نہیں، رشوت کا گناہ اس آمدنی تک نہیں پہنچتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= "الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم، وغيره ليحكم له، أو يحمله على ما يريد".

(ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة: ۵/۳۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۴۰، رشيديه)

(۱) بشرطیکہ ملازم میں ملازمت کے شرائط اور وہ صلاحیتیں پائی جاتی ہوں، جس سے وہ ملازمت کا مستحق بھی ہو۔

"ومن كان له حق مضيع لم يجد طريقة للوصول إليه إلا بالرشوة، أو أوقع عليه ظلم، فلم يستطع دفعه عنه إلا بالرشوة ...... فإن سلك سبيل الرشوة من أجل ذلك، فالإثم على الآخذ المرتشي، وليس عليه إثم الراشي في هذه الحالة ...... الخ". (الحلال والحرام في الإسلام في العلاقات الاجتماعية، الرشوة لدفع الظلم، ص: ۲۷۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۷/۲۴۸، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب القضاء، باب الرشوة ...... الخ: ۱۵/۶۱، إدارة القرآن كراچی)

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول في الكذب والنميمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

کسی پر جھوٹا الزام لگانا

سوال[۱۱۲۶۷]: ایک قاضی جو سرکاری مدرس بھی ہیں، چند آدمیوں کی موجودگی میں چند مشہور ذمہ دار حضرات پر اپنا تبادلہ کرانے کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگا کر قوم میں نفاق پیدا کرتا ہے، لیکن بوقتِ صفائی ان ہی آدمیوں کی موجودگی میں، جن سے اس نے یہ بات کہی تھی، حلف کی رو سے انکار کر دیتا ہے اور دوسری طرف وہ چار پانچ مسلمان بھی حلف اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ قاضی نے الگ الگ اوقات میں اور الگ الگ نشستوں میں بات ایسے کہی ہے، ایسی صورت میں شرعی نقطۂ نظر سے کس کی بات بھروسہ کے قابل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی غلط خبر یا غلط گمان کی وجہ سے بلا تحقیق الزام لگانا فتنہ کا باعث ہوتا ہے(۱)، اس لئے اس کی صفائی

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا أن تصيبوا قوماً بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم ندمين﴾ (الحجرات: ٦)

"مقتضى الأية إيجاب التثبت في خبر الفاسق، والنهي عن الإقدام على قبوله، والعمل به إلا بعد التبين، والعلم بصحة مخبره". (أحكام القرآن للجصاص، الحجرات: ۳/۵۳۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن الزبير رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: دبّ إليكم داء الأمم قبلكم الحسد والبغضاء هي الحالقة، لا أقول: تحلق الشعر، ولكن تحلق الدين". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۵۰۳۹: ۳/۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

اور تحقیق لازم ہے، جس کے متعلق غلط بات کہی ہو، اس کی صفائی کرلی جائے کہ فلاں وجہ سے اس کی نوبت آئی ہے، اب معلوم ہوا کہ وہ بات غلط تھی، اس لئے معذرت خواہ ہوں، جھوٹ بولنا اور جھوٹا حلف اٹھانا اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کو شرک کے قریب ذکر کیا گیا ہے(۱)، اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۰/۹۱ھ۔

مسجد میں فاسق کی تعریف کرنا

سوال[۱۱۲۶۸]: جو شخص عقائد فاسدہ رکھتا ہو، سلف صالحین کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتا ہو، فاسق ہے، ایسے شخص کی شان میں مسجد میں تعریفیں وعظ کے درمیان بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹی تعریف کرنا ہر ایک کی ناجائز ہے، فاسق کے فسق کی تعریف کرنے سے عرش اعظم لرزتا ہے، اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں:

"إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ، واهتزله العرش" (مشكوة: ۲/۴۱۴)(۲).

جو کام مسجد کے باہر منع ہے، مسجد میں اس کی قباحت اور شناعت اور شدید ہوجاتی ہے، جس شخص کو ناجائز کے منع کرنے کی قدرت ہو، اس کو منع کرنا لازم ہے(۳)۔ اچھی صحیح بات کی تعریف کرنا درست ہے، اگر چہ وہ

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الكبائر: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس، ص: ١١٥٢، دارالسلام)

(وسنن النسائي، كتاب المحاربة، باب ذكر الكبائر، ص: ٥٦٠، دارالسلام)

(وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب من سورة النساء، رقم الحديث: ٣٠٢١: ٨٨/٤، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغيبة، الفصل الثالث: ٤١٤/٢، قديمى)

(۳) "قال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من =

فاسق ہی کیوں نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ دار العلوم دیوبند۔

بیع میں دھوکہ دینا

سوال[۱۱۲۶۹]: نائلون میں بیل چنٹ دار ہے، وہ ہمیں ۹/ میٹر پر ملتی ہے اور ہم اس کو کھینچ کر گیارہ میٹر بڑھا دیتے ہیں اور ہم اس کو ناپ کر فروخت کرتے ہیں اور اگر گاہک کہتا ہے کہ یہ کھینچی ہوئی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ کھینچ رکھی ہے، گاہک کی مرضی ہے کہ لے یا نہ لے، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ بتلا دیتے ہیں کہ ہاں یہ کھینچ رکھی ہے اور دھوکہ نہیں دیتے، تو خریدار کی مرضی ہے، دل چاہے، خریدے، نہ دل چاہے نہ خریدے(۲)، دھوکہ دیں تو ناجائز اور گناہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۹۱ھ۔

= رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ص: ۴۲، دار السلام)

"والصواب: أن الواجب على كل من رأى منكراً أن ينكره إذا لم يخف على نفسه عقوبة لا قبل له بها". (شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۱۰/۵۱، مكتبة الرشد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۵۷۸، دار السلام)

(۱) "ظاهر الحديث مطلق في التحذير عن مدح الفاسق، وقيل: هذا إذا مدح على وجه عام، ولو مدح بوجه خاص كالسخاوة والتواضع فجائز". (التعليق الصبيح، كتاب الأداب، باب حنظ اللسان: ۵/۱۹۲، رشيديه)

(وكذا في شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث: ۴۸۸۶: ۴/۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، ۴۳۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۲، دار المعرفة بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مر على صبرة من =

بڑے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر فروخت کرنا

سوال[۱۱۲۷۰]: ۱......ایک شخص یا دو چار لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ بکرے کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بڑے، یعنی بیل بھینس وغیرہ کا قیمہ بکرے کا کہہ کر فروخت کرتے ہیں اور ایسا کرنے کے باوجود وہ لوگ مال زکوۃ یا قربانی یا حج وغیرہ کرتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

۲......دو چار لوگ وہ قیمہ تیار کر کے اپنی دکان پر رکھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس کو بکرے کا کہہ کر فروخت کریں گے، مندرجہ بالا لوگوں کو واضح کرانے کے باوجود بھی کہ آپ ایسا کرتے ہیں، تو ایسا ہوتا ہے، ان لوگوں کے بارے میں تحریر فرمایئے کہ ان کا حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ ادا ہوگا یا نہیں؟ اور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا حرام ہے(۱)، اس روپے سے زکوۃ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں، تو

= طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "يا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله!، فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس"، ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ..... ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(وكذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهيب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۲/۳۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث"، وزاد مسلم: "وإن صام، وصلى، وزعم أنه مسلم" ثم اتفقا: "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق، الفصل الأول: ۱/۱۷، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مر على صبرة من طعام ... ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع: ۱/۲۴۵، قديمي) ....=

فریضہ ادا ہو جاتا ہے، جھوٹ اور دھوکہ دینے سے توبہ لازم ہے(۱)۔

۲.....اگر وہ خود دھوکہ نہیں دیتے، تو ان سے خرید کر دھوکہ دینے والوں کی ذمہ داری ان پر نہیں؛ اگر چہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دھوکہ دیں گے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۲/۴/۹۲ھ۔

چنگی کو بچالینا

سوال[۱۱۲۷۱]: اپنے شہر کی چنگی سے مال بلا محصول لے آنا یہ کیسا ہے؟ گویا یہ چنگی کی چوری ہے جب کہ مال اسی طرح بحفاظت آسکتا ہے، یہ ٹیکس کی چوری کرنا کیسا ہے؟

= "عن أبي هريرة (رضي الله تعالىٰ عنه)، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ..... ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۱/۷۰، قديمي)

(۱) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (روح المعاني، التحريم: ۸: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ: فينبغي للعاقل أن يتوب إلى الله في كل وقت، ولا يكون مصراً على الذنب، فإن الراجع من ذنبه لايكون مصراً، وإن عاد في اليوم سبعين مرةً ..... وروى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: والله! إني لأتوب إلى الله تعالىٰ في اليوم مائة مرة".

(تنبيه الغافلين، باب التوبة، ص: ۵۳، حقانيه پشاور)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲ قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرةٌ وزر أخرى﴾ (فاطر: ۱۸)

"قوله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة﴾ أي: لا تحمل نفس اثمة ﴿وزر أخرى﴾ أي: إثم نفس أخرى بل تحمل كل نفس وزرها". (روح المعاني، فاطر: ۱۸: ۱۸۴/۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فاطر: ۱۸: ۲۱۸/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں مال کی حفاظت کی فکر ہے، وہاں عزت کی حفاظت کا بھی خیال ضروری ہے، قانونی چوری بھی کچھ کم جرم نہیں (۱)، اگر ظلماً کوئی ٹیکس لیا جائے اور اس کو ادا کر کے عزت محفوظ رہ سکے، تو یہ بھی غنیمت ہے، ٹیکس سے بچنے کی صورت میں عزت کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

اچھے علاج کے حصول کے لئے حیلہ کرنا

سوال [۱۱۲۷۲]: ہمارے دفتر میں طبی سہولیات اس قسم کی دی جاتی ہیں کہ چند نامزد ڈاکٹروں کے بغیر کسی اور ڈاکٹر کا علاج نہیں کرواسکتے ہیں اور صرف چند مخصوص دوائیاں دی جاتی ہیں جو کہ ہم پر سراسر ظلم ہے، مگر جب کبھی ہم یا ہمارے گھر کے افراد بیمار پڑتے ہیں، تو کسی بڑے ڈاکٹر کو ۲۰/ روپیہ فیس دے کر علاج کروانا پڑتا ہے اور وہ بہت سے اقسام کی دوائیاں تجویز کرتے ہیں، تو ان نامزد ڈاکٹروں کو دس روپیہ دے کر رسیدات جو کہ اپنی دکان سے دیتے ہیں، ان سے ہی تصدیق کرا کے دفتر میں داخل کرنے پڑتے ہیں، وہ ایسی دوائیاں ان رسیدوں پر لکھ دیتے ہیں جس کا پیسہ ہمیں دفتر سے ملتا ہے، چاہے وہ دوائی ہم نے کھائی ہو یا نہیں۔ ہم یہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں خرچ کیا ہوا پیسہ اس طریقہ سے واپس ملتا ہے۔

---

(۱) اگر حکومت کا حکم، حکمِ شرعی کے مخالف نہ ہو اور نہ اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ ہو، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته ...... عن الحموي أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أيمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الفقهيه، الفن الأول، القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

دوسری بات یہ کہ بڑے ڈاکٹر جس کا ہم علاج کرتے ہیں، وہ رسید اور بل پر دستخط کرنے کو اپنی شان کے خلاف تصور کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، یہ جو مذکورہ بالا طبی سہولیات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمیں اپنی ذات اور خاندان کے لئے ملتا ہے، جس میں خاندان کے لئے صرف سال بھر کے لئے سو روپیہ ملتا ہے، جب کہ اپنی ذات کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے، خاندان بڑا بھی ہوتا ہے کہ سال بھر میں سو روپیہ سے زائد رقم خرچ ہوتی ہے، پھر ہم کو مجبوراً وہ بھی خود اپنے نام پر ہی نکالنی پڑتی ہے۔

اب اگر ایسا نہیں کریں گے تو اپنا گزارہ کرنا آج کل کے مہنگائی کے وقت میں ناگزیر ہو جائے گا، جب کہ ہمارا کافی پیسہ دوائیوں پر صرف ہوتا ہے، شریعت کے لحاظ سے یہ طریقہ درست ہے تو ٹھیک، اگر نہیں تو اس کا کیا حل ہو سکتا ہے اور نہیں تو دوائیوں پر صرف کیا ہوا پیسہ کیسے واپس ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر قانونی طور پر آپ کا حق ہے اور ظلماً وہ حق دبایا جاتا ہے اور اس کے وصول کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں، تو آپ کو اپنا حق وصول کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۴۰۰ھ۔

ٹیکس سے بچنے کے لئے دو حساب رکھنا

سوال[۱۱۲۷۳]: ہماری دکان کے دو حساب رہتے ہیں، ایک صحیح، ایک غلط، پہلا اپنے پاس رکھا جاتا ہے اور دوسرا سرکار کو دیا جاتا ہے، تو کیا جائز ہے؟ کہ جب یہ سب غیر شرعی ٹیکسوں سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے، جو سرکار کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، عام طور پر دکان دار اس طرح حساب رکھتے ہیں، اس میں کچھ گناہ تو نہیں؟

(۱) "الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الأخذ فقط". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: في الكلام على الرشوة الخ: ۵/۳۶۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب لحادى عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹ حرام ہے(۱)، ظلم سے تحفظ کے لئے جائز تدبیر کرنا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: أکبر الکبائر الإشراک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور، أو قال: وشهادة الزور". (صحیح البخاري، کتاب الدیات، باب قول الله، ومن أحیاها: ۲/۱۰۱۵، قدیمی)

"عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: ذکر رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم الکبائر، أو سئل عن الکبائر، فقال: الشرک بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقال: ألا أنبئکم بأکبر الکبائر، قال: قول الزور، أو وقال: شهادة الزور، قال شعبة وأکبر ظني أنه شهادة الزور". (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الکبائر وأکبرها: ۱/۶۴، قدیمی)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قدیمی)

(۲) "الحیل جمع حیلة: وهي ما یتوصل به إلی مقصود بطریق خفي، وهي عند العلماء علی أقسام بحسب الحامل علیها ...... وإن توصل بها بطریق مباح إلی سلامة من وقوع في مکروه فهي مستحبة أو مباحة". (فتح الباري، کتاب الحیل: ۱۲/۴۰۴، قدیمی)

"قال العلامة الحصکفي رحمه الله تعالیٰ: الکذب مباح لإحیاء حقه، ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعریض؛ لأن عین الکذب حرام". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

"﴿فقال إني سقیم﴾ (الصافات: ۸۹) وقال الضحاک: معنی "سقیم" سأسقم سقم الموت؛ لأن من کتب علیه الموت یسقم في الغالب ثم یموت، وهذا توریة وتعریض؛ کما قال للملک لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحکام القرآن للجصاص، الجزء الخامس عشر: ۸/۶۲، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في روح المعاني، الأنبیاء: ۶۳: ۱۷/۶۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

الفصل الثاني في الغيبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

غیبت کی چند صورتوں کا حکم

سوال[۱۱۲۷۴]: غیبت کی چند صورتیں یہ ہیں: مظلوم اپنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے، لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے اس قسم کی باتیں کہنا کہ مثلاً: فلاں مرد کے پیغامِ نکاح کو منظور نہ کرنا، کیونکہ شرابی ہے یا جواری ہے۔ فلاں تاجر سے سودا مت خریدنا، کیونکہ فریبی ہے کم تولتا ہے۔ یا فلاں کو قرض مت دینا، کیونکہ نادہندہ ہے۔ یا فلاں طبیب سے علاج مت کرانا، کیونکہ نیم حکیم ہے، سند یافتہ نہیں ہے۔ یا فلاں کاریگر سے کام مت کرانا کیونکہ اناڑی ہے۔ فلاں پیر سے مرید مت ہونا کیونکہ بدعتی ہے۔ احقر سمجھتا ہے کہ یہ سب صورتیں جائز بلکہ دوسروں کو نقصان سے بچانے والی ہیں۔

الف...... خیال میرا درست ہے یا نہیں؟

ب...... کھلم کھلا گناہ کرنے والے اور بدعتی کے گناہ اور بدعت کو بلاضرورت بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج...... اس کے کھلے گناہ یا بدعت کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کا ذکر کرنا منع ہے یا نہیں؟

د...... گناہ بدعت اور عیوب کے علاوہ اس کے دیگر اذکار میں اس کی آبرو کا لحاظ نہ کرنا، مثلاً: بجائے اس کے کہ وہ گھڑی سازی کرتے ہیں، یوں کہنا کہ گھڑی ساز ہے اور آئے تھے کے بجائے ''آیا تھا'' کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کا خیال صحیح ہے، مگر قدرِ ضرورت سے تجاوز نہ کیا جائے، اگر کہیں بغیر بیان عیب نقصان ومضرت سے تحفظ ہوسکے مثلاً: اتنی بات کافی ہوجائے کہ فلاں پیغامِ نکاح کو منظور کرنا اچھا نہیں، تو پھر اس کے شرابی جواری وغیرہ ہونے کی صراحت بھی نہ کی جائے، ضرورت پیش آئے تو کم سے کم بیان پر کفایت کی جائے، یہی

حال دیگر اُمور کا ہے (۱)۔

ب...... بدعتوں اور گناہوں کی قباحت ومذمت تو صاف صاف بیان کی جائے، مگر جہاں ضرورت ہو، بلاضرورت بجائے اس کے سنتوں اور اطاعتوں کے فضائل ومناقب بیان کئے جائے، جہاں تک ہوسکے گنہ گار اور بدعات کے مرتکب کا نام نہ لیا جائے (۲)۔

ج...... اس کی وجہ سے جن عیوب میں دوسروں کے مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو، اُن عیوب کی مذمت کی جائے، مگر یہ کہہ کر نہیں کہ فلاں شخص میں یہ عیوب ہیں (۳)۔

د...... محض آبروریزی کے لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے (۴)۔

''آپ کی نصیحت سرآنکھوں پر، جی خوش ہوا، ایسے آدمی کم ہیں جو اس طرح خیر خواہی سے نصیحت کریں، ضوابط کام کی سہولت کے لئے ہی بنائے جاتے ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ بعض سوال کا جواب بہت مختصراً ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں چلتا ہے، بعض کا جواب تفصیل طلب ہوتا ہے، جس میں دیر لگتی ہے، اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے دفتر اہتمام سے مراجعت فرمائیں'' (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

(۱-۴) "اعلم أن المرخص في ذكر مساوي الغير هو غرض صحيح في الفرح لا يمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذلك إثم الغيبة ...... **الأول**: التظلم ... **الثاني**: الاستعانة على تغيير المنكر ورد العاصي إلى منهج الصلاح ... إنما إباحة هذا بالقصد الصحيح، فإن لم يكن ذلك هو المقصود كان حراماً ..... الرابع: تحذير المسلم من الشر، فإذا رأيت فقيها يتردد إلى مبتدع، أو فاسق، وخفت أن تتعدى إليه بدعته وفسقه، فلك أن تكشف له بدعته، وفسقه مهما كان لك الخوف عليه من سراية البدعة، والفسق لا غيره، وذلك موضع الغرور إذ قد يكون الحسد هو الباعث ...... فإن علم أنه يترك التزويج بمجرد قوله: لا تصلح لك فهو الواجب، وفيه الكفاية، وإن علم أنه لاينزجر إلا بالتصريح بعينه، فله أن يصرح به". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۵/۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في إحياء العلوم، كتاب آفات اللسان: ۳/۱۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) جواب کے اس حصے کا تعلق بظاہر مستفتی کے کسی ایسے شکوے سے معلوم ہوتا ہے جو مذکورہ سوال میں مذکور نہیں ممکن ہے کہ کسی الگ رقعہ پر لکھا ہو یا زبانی عرض کیا گیا ہو۔ (از مرتب)۔

جب کوئی عالم خلاف سنت میں مبتلا ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال[۱۱۲۷۵]: اگر کوئی شخص دیکھنے میں بہت ہی نیک ہو، ان کے اخلاق اچھے ہوں، ان کی علمی صلاحیت بھی اچھی ہو، اچھے عالم میں شمار ہوتے ہوں، مگر ان کا فعل سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہو، ایسے شخص کو تنبیہاً سنت کی طرف توجہ دلانا درست ہے یا نہیں؟ خلافِ سنت پر ان کو ٹوکنا بتانا کہ یہ خلافِ اسلام کام ہے، جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ ان کو اچھی طرح ان باتوں کا علم ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

ایسے شخص کے بارے میں کسی دوسرے کے سامنے یہ کہنا کہ فلاں شخص کو ہم نے سنت کے خلاف کام کرتے دیکھا، ایسا ان کو نہ کرنا چاہیے کیونکہ عوام الناس پر برا اثر پڑے گا کہ جب ایسے مولوی حضرات کا یہ فعل ہے، تو ہم جاہلوں کا کیا ہوگا؟ یہ گفتگو کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اس کے بارے میں دو آدمی کے ساتھ حجت ہوگئی ہے، ایک آدمی کا کہنا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں، دوسرے کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص حدیث نبوی، سنت کے خلاف کام کرتا ہے، تو اس کے بارے میں کہنا درست ہے، شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص سے خلافِ سنت کام ہوتے ہوں اور وہ عالم صالح ہو، اس سے خلافِ سنت کاموں کے متعلق دریافت کرلیا جائے کہ فلاں کام سنت کے موافق ہے یا خلاف ہے، انشاء اللہ اپنے علم اور اصلاح کی وجہ سے جلد ہی خلافِ سنت چیز ترک کردیں گے، لیکن اپنی مجالس کا مشغلہ نہ بنایا جائے کہ فلاں شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا يغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن ياكل لحم أخيه ميتا فكرهتموه﴾ (الحجرات: ۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أتدرون ما الغيبة قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: ذكرك أخاك بما يكره، قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه فقد بهته". (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الغيبة: ۲/۳۲۲، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم، ص: ۴۱۵، قديمي)

کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کے عیب کو ظاہر کرنا

سوال[۱۱۲۷۶]: ایک پرچہ جس کا عنوان تھا ''ہر مسلمان کو رات دن اس طرح رہنا چاہیے'' اور جس کو منجانب حضرت حکیم الامت تھانوی شائع کیا گیا تھا، اس میں ص: ۳۰ پر یہ لکھا ہے کہ ''کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس کو چھپا ڈالو، البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور تم کو معلوم ہو جائے تو اس شخص سے کہہ دو''۔ اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو ضرر رساں کے ضرر سے دوسرے شخص کو مطلع کر دیا جائے، تاکہ وہ اس کے ضرر سے محفوظ رہے(۱) اور محض ذلیل کرنے کے لئے کسی کے عیب کو کھولنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) ''اعلم أن المرخص في ذكر مساوي الغير هو غرض صحيح في الفرح لايمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذلك إثم الغيبة، وهي ستة أمور: ..... الرابع: تحذير المسلم من الشر''. (التعليق الصبيح، كتاب الاداب، باب حفظ اللسان والغيبة: ۵/ ۱۷۹، ۱۸۰، رشيديه)

(وكذا في إحياء العلوم، كتاب افات اللسان، بيان الأعذار المرخصة للغيبة: ۳/ ۱۸۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثالث في نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

زمین دوسرے کو دینے کا وعدہ کرکے انکار کرنا

سوال[۱۱۲۷۷]: ایک سرکاری زمین پر دو آدمی جھونپڑیوں میں رہتے تھے، سرکار نے یہ جگہ لے کر دوسری جگہ دی، جس پر پیسہ بھی لیا، ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے لینے سے انکار کر دیا، کہ مجھ سے پیسہ نہیں دیا جائے گا۔ تو دوسرے نے کہا، میں لے لیتا ہوں تجھے کوئی اعتراض نہ ہو تو اور میں ہی پیسہ ادا کروں گا۔ دوسرے نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں، تو لے لے۔ اس پر دوسرے شخص نے پھر کہا کہ چونکہ زمین تیری بھی ہوگی، اس لئے کہیں ایسا نہ ہو، بعد میں اپنی بات سے پھر جائے، اس نے کہا نہیں، ایسا نہ ہوگا، یہ ایمانداری ہے، اس پر اس شخص نے اس کے نام سے لکھوا کر زمین لے لی اور خود اسی کے پاس چھوڑ دی، جس پر ایک طرف اس کی جھونپڑی ہے، دوسری طرف مالک کے بھانجے کی جھونپڑی ہے۔

اب جب یہ پلاٹ فروخت ہونے لگا، تو اس شخص کے دل میں بے ایمانی آگئی اور وہ اپنے اقرار سے پھر گیا اور اس پلاٹ کو دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں کیا اپنے حق کے لئے اس سے لڑا جائے یا اس کے عوض آخرت میں نیکی ملنے کا خیال رہے؟

عبدالکریم بہشتی مردہگان تھانہ بھون مظفرنگر

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس نے پہلے اقرار کرلیا تھا کہ ''یہ ایمان داری ہے میں نہیں لوں گا'' اور روپیہ کا بھی ذمہ دار ہونے سے انکار کرکے دوسرے آدمی سے کہہ دیا تھا کہ تو ہی خرید لے اور یہ معاملہ طے ہونے کے بعد اس کے نام سے وہ پلاٹ خریدا گیا، تو وہ یقیناً اسی شخص کا ہے، جس نے قیمت کی ذمہ داری لی ہے(۱)، پھر اس نے احسان کیا کہ جس کے نام سے خریدا ہے، اسے رہنے دیا، پھر اب اس کا لالچ میں آکر اپنے اقرار سے انکار کرنا اور اس

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية =

پلاٹ کو اپنا کہنا، وعدہ خلافی اور گناہ ہے(۱)۔

مالک کو حق ہے کہ جس تدبیر سے ممکن ہو اس کا قبضہ کرے (۲)، لیکن اگر وہ تبرع اور احسان کرکے درگزر کرے اور اس کا قبضہ نہ ہٹائے، بلکہ اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اسی کو دیدے، تو یہ مکارم اخلاق کے عین مطابق ہے اور ایسا کرنے پر حدیث پاک میں بڑی بشارت آئی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۶ھ۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۳/۱/۸۶ھ۔

= الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۳/۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

(۱) "عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة النفاق: ۱/۱۰، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات النفاق، ص: ۱۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۲) "غصب أرضاً وزرعها ونبت فلصاحبها أن يأخذ الأرض، ويأمر الغاصب بقلع الزرع تفريغاً لملكه".
(البحر الرائق، كتاب الغصب: ۸/۲۰۲، رشيديه)

"ولو غصب ساجة وبنى فيها لا ينقطع حق المالك، وكان له أن يأخذها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الغصب، الباب الثاني في أحكام المغصوب إذا تغير بعمل الغاصب أو غيره: ۵/۱۲۴، ۱۲۵، رشيديه)

"(وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير ورد العين قائمة والغرم هالكة ....". (الدر المختار، كتاب الغصب: ۶/۱۷۹، سعيد)

(۳) "عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محقاً، وببيت في وسط الجنة لمن ترك الكذب، وإن كان مازحاً، وببيت في أعلى الجنة لمن حسن خُلقه". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في حسن الخُلق: ۲/۳۱۳، إمداديه)

(وكذا في رياض الصالحين، باب حسن الخلق، ص: ۲۷۰، دار السلام)

(وكذا في كنز العمال، كتاب الأخلاق، قسم الأقوال، الجزء الثالث: ۳/۲۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الرابع في ترک الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

جو شخص غلط فتویٰ دے اس سے تعلق رکھنا

سوال[۱۱۲۷۸]: احقر ۸۰ء میں دارالافتاء کا طالب علم تھا، اس زمانے میں سب حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی ہندوستان میں ربوا کے متعلق گنجائش بتلاتے تھے اور بینک وغیرہ کی شکلیں جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو، جائز بتلاتے تھے، اس سلسلے میں ایک مفصل فتویٰ حضرت مفتی صاحب نے لکھا تھا، ۸۰ء کے رجسٹر میں درج ہے۔

اسی زمانے میں ایک استفتاء ربوا کے متعلق بھی آیا تھا، میں نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق جواب لکھا تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کاٹ دیا تھا، اس بناء پر جو لوگ مسئلہ پوچھتے تھے، میں مفتی صاحب والی بات نقل کر دیا کرتا تھا، کہ گنجائش بتلاتے ہیں، اس بناء پر بعض لوگ اس قسم کا معاملہ کر چکے تھے، کاروباری موقع پر جب ضرورت ہوتی تو بعض روپیہ لے لیتے تھے، کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے قطع تعلق کیوں نہیں کر لیتے ہیں تو میں نے ان سے اکابر کے فتویٰ مختلف ہونے کے بارے میں کہا اور کہا کہ جب یہ عمل بعض اکابر کے فتویٰ کی بناء پر ہے تو ان کی تفسیق نہ کی جائے گی، ایسی صورت میں شدت بھی نہ برتوں گا کہ ان سے قطع تعلق کروں، اس پر انہوں نے کہا کہ یہ مولویانہ تاویل ہے، تو ایسی صورت میں قطع تعلق کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصد اصلاح ہے، اگر تعلق وملاطفت سے اصلاح متوقع ہے تو ترکِ تعلق نہ کیا جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترکِ تعلق سے طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ شر وفساد ہوتا ہے، کبھی ترکِ تعلق مفید ہوتا

ہے اس لئے معاملہ سہل ہے (۱)۔ مگر صرف تعلق پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح بھی لازم ہے، ورنہ یہ تعلق مداہنت بن کر رہ جائے گا، جو لوگ اصل حال بتا کر اپنے معتقد سے دیانت داری سے فتویٰ لیتے ہیں وہ تو انشاء اللہ نفع میں رہیں گے۔

جو اہلِ علم ایک فتویٰ کو دلائل کی روشنی میں صحیح نہیں سمجھتے، اس کو اس فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں، اس لئے کہ وہ خود اہلِ علم ہے اور جب کوئی اس سے پوچھے کہ یہ فتویٰ صحیح ہے تو کہہ دے کہ صحیح نہیں، دوسروں کے لئے اختلافی مسائل میں تشدد کا پہلو اختیار کرنا بھی مناسب نہیں، اپنے لئے احوط کو اختیار کرنا ورع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کرنا

سوال [۱۱۲۷۹]: گاؤں کی ایک برادرانہ پنچایت میں جھگڑے کے اندیشہ سے منصرف حاضر نہیں ہوا، تو گاؤں نے اس کی غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کردیا۔ کیا اس کا یہ اخراج شریعت کی رو سے درست ہے؟ منصرف کسی خطا اور جرم کی بناء پر مطلوب بھی نہ تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا جرم کے برادری سے خارج کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص لمن لم يكن لهجره سبب مشروع. فتبين هنا السبب المشروع للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمی)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب الأدب، باب مايجوز من الهجران: ۹/۲۷۲، مكتبة الرشد)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرحم شجنة من الرحمن، فقال: من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته". (رواه البخاري، كتاب الأدب، باب من=

چھوٹی بڑی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کرنا

سوال[۱۱۲۸۰]: آپس میں چھوٹی باتوں کو پکڑ کر برادری سے بائیکاٹ کردیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی باتیں تو زیادہ گرفت کے قابل نہیں ہوتی (۱)، لیکن کسی بات کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ شریعت کی نظر میں بڑی ہے یا چھوٹی ہے؟ ہر ایک کے بس میں نہیں، اس کو ماہرین اور حدود شرع سے واقف حضرات ہی سمجھتے ہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۲/۱۸ھ۔

= وصل وصله الله، ص: ۱۰۴۸، دار السلام)

"(قوله: وصلة الرحم واجبة) نقل القرطبي في تفسيره: اتفاق الأمة على وجوب صلتها وحرمة قطعها". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۱۱، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، رقم الحديث: ۴۹۲۰: ۳/۲۰۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تناجشوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخوانا". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن التحاسد: ۲/۸۹۶، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن: ۲/۳۱۶، قديمى)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن: ۲/۳۳۱، رحمانيه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ (النحل: ۴۳)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "قتلوه، قتلهم الله ألا سألوا إذا لم يعلموا، فإنما شفاء العي السؤال......". (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجروح يتيمم: ۱/۴۰، رحمانيه)

مسلمان کا بائیکاٹ کرنا

سوال[۱۱۲۸۱]: مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے سے بغیر کسی عذر شرعی کے بائیکاٹ کردینا کیسا ہے؟ اور بائیکاٹ کرنے والوں پر کفارہ آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں میں آپس میں اتفاق اور میل ملاپ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، بلاوجہ شرعی بائیکاٹ کرنا تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، اس سے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کبائر میں مبتلا رشتہ داروں کے ساتھ تعلق

سوال[۱۱۲۸۲]: اعزاء واقرباء میں جولوگ علی الاعلان کبائر میں مبتلا ہوں، توان لوگوں سے ترک تعلق ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ اعزہ غیر محرم ہوں، تو کیا حکم ہے؟ کیونکہ وہ تو غیر کے حکم میں ہیں اور اگر ساتھ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث، فمن هجر فوق ثلاث، فمات دخل النار". رواه أحمد وأبوداود. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رقم الحديث: ۵۰۳۵: ۲/۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تناجشوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه التهاجر، رقم الحديث: ۵۰۲۸: ۲/۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"والمعنى أنتم مستوون في كونكم عبيدالله، وملتكم واحدة، والتحاسد، والتباغض، والتقاطع منافية لحالكم، فالواجب أن تعاملوا معاملة الإخوة، والمعاشرة في المودة، والمعاونة على البر، والنصيحة بكل حسنة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عن التهاجر: ۹/۲۳۳، رشيديه)

ساتھ وہی مبتلاء کبائر ہوں، اہلِ دین کا مذاق اڑاتے ہوں، یا بے وقوف وذلیل سمجھتے ہوں، یا وہ خود اہلِ دین سے اجتناب رکھتے ہوں، محض دین دار ہونے کی وجہ سے تو اہلِ دین کو کیا کرنا چاہیے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حسنِ اخلاق ومروت سے متاثر ہوکر کبائر کو ترک کردیں، یا ان کو فہمائش کا موقع ہے، جس سے نفع کی امید ہو تو ان سے تعلق باقی رکھ کر اصلاح کی کوشش کی جائے، اگر ترکِ تعلق سے اصلاح کی توقع ہو یا تعلق کی وجہ سے خود مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، تو تعلق ترک کردیا جائے، دعا بہر حال کرتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۲۰ھ۔

اہلِ محلّہ کا کسی مسلمان کی تجہیز وتکفین سے بائیکاٹ کرنا

سوال[۱۱۲۸۳]: مسمی زید کے باپ کا چند معمولی باتوں پر بائیکاٹ کردیا تھا، جب باپ کا انتقال ہوگیا، تو جماعت نے فیصلہ سنا دیا کہ جو شخص جنازہ میں شریک ہوگا اسے مناسب سزا دی جائے گی، مردہ نہلانے کا تختہ اور چارپائی، سب منع کردی گئی، حتی کہ امام مسجد کو نماز پڑھانے سے روکا گیا، درزی کو کفن سینے سے منع کرایا گیا، مسلمان دکان دار کو کفن بیچنے سے منع کردیا گیا، مجبوراً گھر کے کواڑ پر تختہ بنا کر نہلایا اور دوسرے گاؤں کے لوگوں نے جنازہ پڑھا اور اٹھایا۔ سوال یہ ہے کہ اس جماعت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کی یہ کارروائی سخت ترین ظلم اور ناانصافی ہے، میت ہوجانے پر پرائے دشمن بھی آکر ہمدردی کرتے ہیں اور اس وقت بغض وعداوت کا اثر نہیں لیتے (۲)، امام، درزی، پارچہ فروش وغیرہ کسی کے ذمہ اس

---

(۱) "وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد، وصلة مايفسد عليه دينه، أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته، وبعده "ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۹/ ۲۳۰، رشيديه)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لايحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/ ۸۸۷، قديمي) .... =

ظالمانہ جماعت کے حکم کا ماننا لازم نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں (۱)، جماعت اپنی خیر چاہتی ہے تو اپنے فیصلہ پر نادم ہوکر توبہ کرے اور معافی مانگے، ورنہ خدائے قہار کی پکڑ کی منتظر رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= "قوله: "ولا يحل لمسلم" فيه التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام، وهذا فيمن لم يجن على الدين جناية" (عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد الخ: ۱۳۷/۲۲، مكتبه منيرية، بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع الخ، ص: ۴۲۷، قديمى)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب ماينهى عنه من التهاجر الخ: ۷۵۸/۸، رشيدية)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ... قال: "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمى)

"فقام عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه، فلقيه بين الناس فقال: تذكر يوم قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله" ... (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰: ۵۹/۶، ۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۶۳۸۲/۱۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (التحريم: ۸)

"قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ: فينبغي للعاقل أن يتوب إلى الله في كل وقت، ولا يكون مصراً على الذنب ... وروي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: والله إني لأتوب إلى الله تعالى في اليوم مائة مرة". (تنبية الغافلين، باب التوبة، ص: ۵۳، حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور ... سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (روح المعاني، ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الخامس في إيذاء المسلم

(مسلمان کواذیت پہنچانے کا بیان)

اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا

سوال[۱۱۲۸۴]: اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے کو بڑا سمجھنا تکبر ہے جو کہ حرام ہے(۱)، جس کو اپنا امام یا امیر بنالیا ہے، جائز کاموں میں اس کی مخالفت کرنا نہیں چاہیے(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۶/۲۳ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تصعّر خدک للناس ولا تمش في الأرض مرحا إن الله لايحب كل مختال فخور﴾ (لقمان: ۱۸)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: "﴿ولا تصعّر خدک للناس﴾ أي: لا تمله عنهم، ولا تولهم صفحة وجهک كما يفعله المتكبرون ...... ﴿مرحاً﴾ أي: فرحا وبطرا ...... ﴿إن الله لايحب كل مختال فخور﴾ ...... والمختال من الخيلاء، وهو التبختر في المشي كبراً، قال الراغب: التكبر عن تخيل فضيلة تراء ت للإنسان من نفسه". (روح المعاني، لقمان: ۱۸: ۲۱/۰ ۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا يدخل النار أحد في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان، ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة خردل من كبرياء". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه: ۶۵/۱، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ (النساء: ۵۹)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من أطاعني فقد أطاع الله، ومن يعصني فقد عصى الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني". =

کسی مستند عالم کو برا کہنا

سوال[۱۱۲۸۵]: کسی مستند عالم پر لعن طعن کرنا اور اس سے بغض رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک بغض کی وجہ مدلل سامنے نہ ہو، تو اس کے متعلق کیا کہا جائے، اگر بغض کی شرعی وجہ موجود نہیں تو بغض رکھنا حرام ہے، اگر شرعی وجہ موجود ہو، تو بغض رکھنا واجب ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۳/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۳/۲۲ھ۔

مسلمان یتیموں کو پریشان کرنا

سوال[۱۱۲۸۶]: مسلمان یتیموں کو طرح طرح سے پریشان کرنے والے مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

= (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء الخ: ۱۲۴/۲، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به: ۴۱۵/۱، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوآدون من حاد الله ورسوله﴾ (المجادلة: ۲۲)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لأبي ذر: "يا أبا ذر! أي عرى الإيمان أوثق؟" قال: الله ورسوله أعلم، قال: "الموالاة في الله، والحب في الله، والبغض في الله" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله ومن الله، الفصل الثاني: ۴۱۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وحقيقة التباغض أن يقع بين اثنين، وقد يطلق إذا كان من أحدهما، والمذموم منه ما كان في غير الله تعالىٰ، فإنه واجب فيه، ويثاب فاعله لتعظيم حق الله تعالىٰ". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد والتدابر: ۵۹۲/۱، قديمي)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد والتدابر: ۲۱۴/۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا وبال دنیا میں بھی پڑے گا اور آخرت میں بھی سخت سزا ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

اپنی نالی سے دوسرے کو اذیت دینا

سوال[۱۱۲۸۷]: زید کے مکان میں سے عمرو کی ایک نالی قریب یک صد سال سے گزر کر آتی تھی اور اس نالی سے زید کو اس وقت تکلیف ہے، یہ نالی اس وقت دوسری طرف کو بھی پھیرائی جاسکتی ہے، جس سے زید کی موجودہ تکلیف دور ہو جائے گی اور عمرو کا کوئی نقصان نہ ہوگا، تو آیا عمرو کو قضاءً مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی نالی کو دوسری طرف کو نکال لے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ نالی مجبوراً اس طرف رکھی گئی تھی اور اب وہ مجبوری نہیں رہی اور اس نالی سے زید کو تکلیف اور اذیت ہے، تو اب وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کردی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم نارا وسيصلون سعيرا﴾ (النساء: ۱۰)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات ...... وأكل مال اليتيم ......" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الكبائر: ۱/ ۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"روي: أنها نزلت في رجل من غطفان، يقال له: مرثد بن زيد ولي مال ابن أخيه، وهو يتيم صغير، فأكله فأنزل الله فيه هذه الآية ...... حدثنا النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن ليلة أسري به، قال: "رأيت قوماً لهم مشافر كمشافر الإبل، وقد وكل بهم من يأخذ بمشافرهم، ثم يجعل في أفواههم صخراً من نار يخرج من أسافلهم فقلت: يا جبرئيل من هؤلاء؟ قال: هم الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلماً". فدل الكتاب والسنة على أن أكل مال اليتيم من الكبائر". (أحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۰: ۳/ ۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/ ۲۰۰، سعيد) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۴/۲/۸۶ھ۔

مدرسہ کے مدرس کو نوکر کہنا

سوال[۱۱۲۸۸]: کیا کسی دینی مکتب ومدرسہ کے مدرس کو مزدور یا نوکر یا ملازم کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر کوئی کہتا ہے تو وہ کیسا ہے؟ اور کیا یہ مثال دے سکتے ہیں؟ ''مزدور خوش کن کند کار بیش'' وہ مثال دینے والا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی معلم ومدرس کا منصب بہت باعزت اور اعلیٰ منصب ہے، ایسے شخص کو مزدور یا نوکر کہنا اس کی توہین وتحقیر ہے(۱)، معلم ومدرس کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے منصب کے لحاظ سے باوقار اور مستغنی ہوکر رہے کہ اس کا مقصد خدمت دین ہے، نہ کہ تحصیل زر اور نوکری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

= "ترک الإیذاء واجب". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج: ۴۹۴/۲، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲۶۲/۲، عباس أحمد الباز مکة)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان﴾ (الحجرات: ۱۱)

"قال الإمام القرطبي: أن کل مایکرهه الإنسان إذا نودي به فلا یجوز لأجل الأذیة". (الجامع لأحکام القرآن، الحجرات: ۱۱: ۸/۱۱۲، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"قال النووي: اتفق العلماء علی تحریم تلقیب الإنسان بما یکره". (تفسیر روح المعاني: ۱۵۴/۲۶، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، ومنها مایتعلق بالعلم والعلماء: ۲۷۰/۲، رشیدیه)

باب المعاصي والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

کسی کا راستہ اور پانی بند کرنا

سوال[۱۱۲۸۹]: جو شخص پانی بند کردے اور راستے بند کریں تو اس بارے میں کیا حکم؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی مستحق کا پانی اور راستہ بند کردینا ظلم ہے، جس کا وبال سخت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

گالی کے بدلے گالی

سوال[۱۱۲۹۰]: برائی کا بدلہ برائی ہے، تو گالی کے بدلہ گالی جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الظلم ظلمات يوم القيامة". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"للمضطر أخذه قهراً وقتاله، فإن قتل رب الماء فهدر". (الدرالمختار). "الأولىٰ أن يقاتله بغير سلاح؛ لأنه ارتكب معصية (حيث منع الماء) فكان كالتعزير". (ردالمحتار، باب التيمم: ۱/۲۳۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لفظ پر حد لازم نہیں ہوتی ہو، بدلے میں ایسے لفظ کی گنجائش ہے، لیکن معاف کردینا اعلیٰ مقام ہے(۱)۔

﴿وأن تعفوا أقرب للتقوى﴾(۲).

بدی را بدی سهل باشد جزاء اگر مردی احسن الی من اساء

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

نکاح کی عملی صورت سمجھانے پر ایک استاذ کا دوسرے کو گالی دینا

سوال[۱۱۲۹۱]: ایک لڑکے نے (استاد سے) سوال کیا نکاح کے متعلق، آپ ہم لوگوں کو سمجھا دیجئے، تب استاذ نے اس کو سمجھا دیا، لڑکے نے کہا کہ ہم سمجھے نہیں، آدمی جس طرح نکاح کرتا ہے، اس طرح ہم کو سمجھا دیجئے، تب استاذ صاحب نے مثال کے طور پر ایک لڑکے کو دولہا اور دوسرے کو دلہن بنایا، ایک لڑکے کو وکیل اور دو گواہ بنا کر جس طرح آدمی شادی کرتا ہے، اسی طرح لڑکوں کو سمجھا رہا تھا، تب دوسرا ایک استاذ اس کی یہ حرکت دیکھ کر کے نکالا گالی گلوچ بھی دیا، یعنی اس طرح جو اس نے اس طرح شادی کر کے مسئلہ بتایا ہے، کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ دوسرے آدمی نے جو اس کو گالی دی اس کو گالی دینا جائز ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾ (البقرة: ۴۰)

"قال ابن أبي نجيح: إنه محمول على المقابلة في الجراح، وإذا قال: أخزاه الله، أو لعنه الله أن يقول مثله، ولا يقابل القذف بقذف، ولا الكذب بكذب". (أحكام القرآن للقرطبي، الشورى: ۲۸/۱۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ولو قال: يا ولد الزنا!، أو قال: يا ابن الزنا! وأمه محصنة، حد؛ لأنه قذفها بالزنا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف: ۱۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود: ۲۲/۷، سعيد)

(۲) (البقرة: ۲۳۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

استاذ کو اس کا تجزیہ کرا کر سمجھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ جواب میں کہہ دینا چاہیے کہ بڑے ہو کر جب نکاح کا وقت آئے گا یہ سب سمجھ لوگے، گالی دینا منع ہے۔

"سباب المسلم فسوق" (الحديث)(۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۶/۸۵ھ۔

فتنہ وفساد پیدا کرنے والے کا حکم

سوال[۱۱۲۹۲]: جو مسلمان حق وانصاف کا دامن چھوڑ دے، فتنہ وفساد پیدا کرے، دیکھنے میں پرہیزگار وشرعی نظر آوے، وہ کیسا شخص ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد پیدا کرنے اور حق وانصاف کے خلاف کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

زنا حق العبد ہے یا حق اللہ؟

سوال[۱۱۲۹۳]: ایک عالم زنا کو حق العبد بتاتے ہیں، دوسرے نہیں بتاتے، کس کا قول درست ہے؟

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۱، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سباب المسلم فسوق ......: ۵۸/۱، قديمى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان، والغيبة، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قديمى)

(۲) "عن أوس بن شرحبيل، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: 'من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم: ۲۳۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الأحكام، من ادعى ماليس له وخاصم فيه، ص: ۱۶۷، قديمى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتح المبین (۱) میں لکھا ہے جس عورت کا شوہر موجود ہو، اس سے زنا کرنا حق العبد بھی ہے، حق اللہ ہونا تو ظاہر ہے، لہٰذا دونوں عالموں کا قول صحیح ہے، ایسا شخص حق اللہ اور حق العبد ہر دو کا ضائع کرنے والا ہے (۲)۔

گالی دینے والے کی نماز روزہ کا حکم

سوال [۱۱۲۹۴]: زید صوم وصلوۃ کا پابند ہے، لیکن گالی ہر وقت منہ سے جاری رہتی ہے، کیا اس قبیح خصلت والے کی نماز روزہ میں قباحت آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خصلت قبیحہ کے باوجود نماز روزہ جو کچھ بھی شرعی طریقہ پر ادا کیا جائے، وہ ادا ہو جائے گا (۳)،

---

(۱) لم أجده هذا الكتاب

(۲) "قال عبدالله: قال رجل: يا رسول الله! أي الذنب أكبر عندالله؟ ...... ثم أي؟ قال: أن تزاني حليلة جارك ......".

"قال النووي: ومعنى تزاني أي: تزني بها برضاها، وذلك يتضمن الزنا، وإفسادها على زوجها، واستمالة قلبها إلى الزاني، وذلك أفحش". (صحيح مسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده: ۱/۶۳، قديمى)

"ومسلم: (حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة أمهاتهم، مامن رجل من القاعدين يخلف رجلا من المجاهدين في أهله فيخونه فيهم إلا وقف له يوم القيامة فيأخذ من حسناته ماشاء حتى يرضى، ثم التفت إلينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: فماظنكم؟". ورواه أبوداود إلا أنه قال فيه: (إلا نصب له يوم القيامة، فقيل هذا خلفك في أهلك فخذ من حسناته ما شئت)". ..... وعلم من ذلك أيضا أن الزنا له مراتب: فهو بأجنبية لا زوج لها عظيم، وأعظم منه بأجنبية لها زوج، وأعظم منه بمحرم......". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثمائة: الزنا أعاذنا الله منه ومن غيره بمنه وكرمه: ۲/۲۲۴، ۲۲۶، دارالفكر)

(۳) "اتفق جمهور العلماء على أن الصائم لا يفطره السب، والشتم، والغيبة، وإن مأموراً أن ينزه صيامه عن اللفظ القبيح". (شرح ابن بطال، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم: ۴/۲۴، مكتبة الرشد) =

اس خصلت کی قباحت حدیث شریف میں ہے:

"سباب المسلم فسوق" (متفق عليه مشكوة: ٢/ ٤١١)(١).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۴/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

شراب وجوا

سوال[۱۱۲۹۵]: ہمارے محلّہ کے چندلوگوں نے ایک کمیٹی بنائی کہ شراب وجوا و دیگر خرافات سے سب کو روکیں گے، مگر کمیٹی کے بعض ممبران حضرات خود ان قبیح برائیوں میں مبتلا ہیں، امام محلّہ اس کمیٹی کے صدر ہیں، اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اہلِ محلّہ نے اس مقصد کے لئے یہ ممبران مقرر کئے ہیں کہ بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی جائے تو شراب پینا بھی تو خرابیٔ حالات سے ہے، اس کی بھی انشاء اللہ اصلاح کی جائے گی اور شراب وجوا سے ان حضرات کو بھی روکا جائے گا۔

جب یہ ممبر دوسروں کو ناجائز باتوں سے روکیں گے تو کیا ان کو خود احساس نہیں ہوگا؟ یا ان کے سامنے

= "الأداء تسليم عين الثابت بالأمر ...... والمراد بالثابت، بالأمر ما علم ثبوته بالأمر".

(ردالمحتار، باب قضاء الفوائت: ٢/ ٦٣، سعيد)

"الأداء المحض إن كان مستجمعاً لجميع الأوصاف المشروعة فأداء كامل". (نسمات الأسحار شرح شرح المنار، مبحث: الأداء أنواع، ص: ٣٨، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ٢/ ١٣٨، رشيديه)

(١) (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والشتم: ٢/ ٤١١، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله: ١/ ١٢، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سباب المسلم فسوق: ١/ ٥٨، قديمي)

خود ان کا معاملہ پیش نہیں کیا جائے گا کہ ان کی بھی اصلاح ضروری ہے، اس مقصد کے پیش نظر اگر امام صاحب کو صدر تجویز کردیا گیا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ خیر کی امید ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

خدااوررسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم

سوال[۱۱۲۹۶]: جوکوئی شریعت کے خلاف کوئی حکم کرے اور خدااوررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرے، وہ شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نافرمان ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾ (ال عمران: ۱۰۴)

وقال الله تعالیٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

"عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه، أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "والذي نفسي بيده لتأمرون بالمعروف، ولتنهون عن المنكر، أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، ثم لتدعنه ولايستجاب لكم" رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني: ۲/۲۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً﴾ (الأحزاب: ۳۶)

"فيه الدلالة على أن أوامر الله تعالیٰ وأوامر رسوله على الوجوب ...... "ومن يعص الله ورسوله" في نسق ذكر الأوامر يدل على ذلك أيضاً، وأن تارك الأمر عاصٍ لله تعالیٰ ولرسوله". (أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب: ۳/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

خدااوررسول کے حکم کے خلاف حکم کرنے کا کسی کو حق نہیں

سوال[۱۱۲۹۷]: کسی شخص کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے سے دین میں کچھ کہے اور حکم لگائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حکمِ شرعی کے خلاف اپنی رائے سے دین میں حکم لگانے کا کسی کو حق نہیں اور اس کا ایسا حکم بالکل قابلِ قبول نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خدااوررسول کے خلاف کہنے کا کسی کو حق نہیں

سوال[۱۱۲۹۸]: کسی بھی شخص کو خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کسی بات کا حکم کرنے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہرگز حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى" قيل: ومن أبى؟ قال: "من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى" رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "خدااوررسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم"۔

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً﴾ (الأحزاب: ۳۶)

"فيه الدلالة على أن أوامر الله تعالىٰ وأوامر رسوله على الوجوب ..... "ومن يعص الله ورسوله" في نسق ذكر الأوامر يدل على ذلك أيضاً، وأن تارك الأمر عاصٍ لله تعالىٰ ولرسوله". (أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب: ۳/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت) .... =

زبردستی زنا

سوال[۱۱۲۹۹]: تقریباً ایک سال ماہ جولائی میں میرے شوہر کے ایک دور کے رشتہ دار بھائی میرے گھر اچانک رات کے وقت آئے کہ میری بس چھوٹ گئی، لہٰذا میں ایک رات یہاں بسر کرنا چاہتا ہوں، اس رات میرے شوہر باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے، اسی رات میرے شوہر کے رشتہ دار نے میرے ساتھ جبراً زنا کیا، میری مزاحمت کے باوجود انہوں نے چاقو دکھا کر مجھ پر حملہ کر دیا، اس کے بعد مجھ کو مسلسل دھمکیاں بھی دیتا رہا کہ میں یہ کسی پر ظاہر نہ کروں اور اکثر میرے شوہر کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آتا رہا۔

ابھی حال میں ۱۹/ جون کو وہ میرے شوہر کی عدم موجودگی میں آیا اور میرے ہاتھ پکڑ لئے، دن کا وقت تھا، اتفاق سے میرے شوہر دفتر سے جلد آ گئے، انہوں نے یہ سب دیکھ لیا اور مجھ سے پوچھ تاچھ کی، مجھے یہ سب کچھ بتانا پڑا، میں نے گڑگڑا کر معافی مانگی انہوں نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ ''میں نے معاف کیا، میرے اللہ نے معاف کیا''، مگر ان کے دل میں خلش باقی ہے اور مجھ سے کٹے کٹے رہتے ہیں، میرا بھی دل ملامت کرتا ہے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف ہوا ہے اور میں اس کو سارے سال ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں کہتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ جبر و تشدد کیا گیا، لیکن جب اس کے بعد بار بار یہ نوبت آئی تو اس میں جبر و تشدد نہیں ہوا اور شوہر کو اطلاع بھی نہیں کی گئی، علاوہ ازیں جب کہ وہ نامحرم ہے تو شوہر کی عدم موجودگی میں اس کا مکان میں داخل کرنا اور شب باشی کی اجازت دینا بھی غلط ہے اور موجب فتنہ ہے۔

اب تازہ غسل کر کے دو رکعت نماز توبہ پڑھ کر استغفار میں دیر تک مشغول رہیں، اس تصور کے تحت جیسے کسی نجس کپڑے کو دھونے کے لئے پانی کی دھار ڈالی جائے، صابن لگا کر اس کو ملا جائے، آہستہ آہستہ اس کی نجاست دور ہوتی ہے اور میل چھوٹتا ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سچی دلی ندامت کے ساتھ استغفار کی برکت

= ''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى'' قيل: ومن أبى؟ قال: ''من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى'' رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس کا پکا عہد کیا جائے کہ اگر مجھے آگ میں بھی ڈال دیا جائے، تب بھی اس کام کی نوبت نہیں آئے گی، آگ میں گرنا پسند ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ معاف فرمائے (۱)۔ شوہر نے معاف کردیا، یہ حوصلہ کا کام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

قوم میں تفرقہ ڈلوانا

سوال [۱۱۳۰۰]: قوم میں تفرقہ ڈلوانا، جھوٹ ڈلوانا اور نئی شرع قائم کرنا اور نو ایجاد باتیں اور جھوٹ بہتان واتہام لگانا کیسا ہے؟ اور ایسا کام کرنے والا شخص کون ہوسکتا ہے؟ جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسانی اغراض (مال واقتدار کی خاطر) پھوٹ ڈلوانا کبیرہ گناہ ہے (۲)، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مقابلے میں نئی شریعت ایجاد کرنا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغاوت کرنا ہے (۳)، جھوٹ (۴)، بہتان (۵) حرام ہے۔ مسلمان کو ایسے کاموں کے پاس بھی نہیں جانا

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فأولئك يتوب الله عليهم وكان الله عليما حكيماً﴾ (النساء: ۱۷)

"وفي الشريعة: هي الندم على المعصية مع عزم أن لا يعود إليها إذا قدر عليها ..... قد نصوا على أن أركان التوبة ثلاثة: الندامة على الماضي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في الاستقبال ..... فتوبته أن يندم على تفريطه أولاً، ثم يعزم على أن لايعود أبداً". (شرح الفقه الأكبر، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، التحريم: ۲۸/ ۲۹۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا﴾ (ال عمران: ۱۰۳)

"هو أمر بالاجتماع، ونهي عن الفرقة، وأكده بقوله: ولا تفرقوا معناه التفرق عن دين الله الذي أمروا جميعاً بلزومه والاجتماع عليه". (أحكام القرآن للجصاص، ال عمران: ۲/ ۳۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۴/ ۱۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". متفق عليه. =

چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

ایک امیر کے حالات

سوال[۱۱۳۰۱]: ایک شخص دینی جماعت کا امیر ہو کر مندرجہ ذیل امور کا مرتکب ہے:

۱- حکام کو رشوت پہنچانے میں اپنے لڑکے کے ذریعہ سے معاون ہے اور رشوت کی رقم کو اپنے پاس رکھا اور سب کچھ ان کے علم وایماء سے ہوا۔

= (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وصحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ص: ۷۶۲، دارلسلام)

(وسنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب تعظيم رسول الله، ص: ۲، دار السلام)

(۴) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والكذب وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار ....." . متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۲/۴۱۲، قديمي)

"والكذب الحرام". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲/۵۵۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، الحظر والإباحة: ۶/۴۲۷، سعيد)

(۵) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم قال: "ذكرك أخاك بما يكره". قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهته". (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ص: ۱۱۳۲، دار السلام)

"إن قلت ما لم يكن في أخيك فهو بهتان لا غيبة، والبهتان كذب عظيم". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۵/۱۷۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، الحظر والإباحة: ۶/۴۱۰، سعيد)

۲-ایک شخص کی رقم ان کی وجہ سے ان کے لڑکے کو دی گئی، مگر عدالت نے کسی قانونی نکتہ کی وجہ سے ان کو بری کردیا اور لڑکے پر رقم کی ڈگری ہوگئی، اب اس کا پروانہ گرفتاری جاری ہے، تو اس نے عدالت سے دیوالیہ ہوکر وہ رقم بچالی، لڑکا اور وہ ساتھ رہتے ہیں اور اس رقم سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہنوز وہ رقم ان کے ذمہ ہے اور دینے کی کوئی نیت نہیں ہے۔

۳-راشن کارڈ میں جعلی یونٹ بڑھوائے ہیں، جس کی وجہ سے حکومت سے دھوکہ دے کر غلط طریقہ سے غلہ حاصل کیا گیا۔

۴-جماعت کے احباب میں اگر اختلاف ہو، تو بجائے اس کو رفع کرانے کے اس کو خوب ہوا دیتے ہیں اور وہ گروہ بناتے ہیں، جن سے وہ ذاتی مالی نفع حاصل کرتے ہیں ان کی عزت کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی تذلیل تحقیر کرتے ہیں اور عام مجمعوں میں ذلیل کرتے ہیں۔

۵-غیبت بھی کرتے ہیں اور بعض مرتبہ جھوٹ بولنا بھی ان سے ثابت ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے نوبت فساد تک پہنچ جاتی ہے، جو لوگ فساد کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔

۶-مدرسوں اور خانقاہوں کی عام تقریروں میں مذمت کرتے اور کہتے ہیں کہ مولویں اور جھولی والوں میں کیا فرق ہے، مسئلہ تملیک کا بار ہا استہزا اڑاتے دیکھا گیا ہے، ایک عالم دین کو جب اپنی خواہشات کا ساتھ دیتے نہ دیکھا تو ان کو بھی غلط کار قرار دیا اور اس کا خوب پروپیگنڈہ کیا، خانقاہوں اور مدارس دینیہ کے خلاف ان کی تقریریں اور صوفیاء کے طریقہ ذکر کے استخفاف کے بڑے بڑے علماء شاہد ہیں اور ابھی تک اس عمل فسق پر توبہ کا کوئی اعلان نہیں ہے۔

۷-اور جماعتی بھائی کاروبار کرنا چاہتے تھے، ایک ان میں سے کہتے تھے کہ میں اتنے ہزار روپیہ لگادوں گا اور اس پر کچھ فیصدی نفع لوں گا، نقصان کا ہرگز ذمہ دار نہیں، جناب امیر صاحب نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کوئی حرج نہیں، جب کہ آپ علم دین سے بالکل نابلد ہیں، ویسے دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے بی اے ہیں، کیا اس قسم کی امیر کی اطاعت جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسے امیر کو بدل کر کسی ایسے امیر کو جو کہ عالم ہو، حرام وحلال سے واقف ہو، اس کو منتخب کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دینی جماعت کے ان امیر صاحب کے متعلق جو سوال میں درج ہیں، ان میں کوئی امر بھی ایسا نہیں جس کا جواب اور حکم کسی کو معلوم نہیں، تھوڑے علم والا، بلکہ بے علم سادہ لوح بھی ان کی قباحت کو جانتا ہے، معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں (۱)۔

۱- کیا اس جماعت کا کوئی دستورِ اساسی ہے جس میں امیر کی شرائط مذکور ہیں کہ جس میں یہ شرائط موجود ہوں گی، وہ امیر ہو سکے گا؟ اور کیا امارت کے لئے انتخاب عام ہوتا ہے یا کچھ خصوصی اہل الرائے حضرات چن لیتے ہیں؟

۲- مدت کا تعین ہے، مثلاً: تین سال یا پانچ سال، نیز امیر کو معزول کرنے کے لئے دستور میں کیا شرائط ہیں؟

۳- معزول کرنے کا حق کس کو دیا گیا ہے، مجلس مشاورت کو یا عوام کو؟ الحاصل دستورِ اساسی میں دفعات مذکورہ بالا کا جواب دیکھ کر مسئلہ بہت سہولت سے حل ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۸۹ھ۔

زنا بالجبر کو منع نہ کرنے کی صورت میں کون لوگ گنہ گار ہیں؟

سوال [۱۱۳۰۲]: عبدالمتین اپنے سالے کی بیوی کو بھگا کر اپنے گھر لے گیا، مگر ان کے خسر یا سالے وغیرہ کوئی اعتراض نہیں کرتے، برابر اس کی خاطر تواضع داماد جیسی ہی کیا کرتے ہیں۔ عبدالمتین کے خسر کے گھر والے بھی کھاتے پیتے ہیں، لہٰذا اس زنا بالجبر کے کتنے لوگ گنہ گار ہیں؟ صاف تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف". متفق علیه. (مشکاة المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۲/۳، ۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وصحیح البخاري، کتاب أخبار الآحاد، رقم الحدیث: ۷۲۵۷، ص: ۱۲۴۹، دار السلام)

(وکذا في ردالمحتار، باب العیدین، مطلب تجب طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة: ۱۷۲/۲، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کرنے کا گنہ گار تو زانی ہی ہے، اگر اس کی کسی نے اس میں مدد کی ہے، تو مدد کا گنہ گار وہ بھی ہے(۱)، جو شخص اس کے فعل سے ناخوش ہے، خوش ہونے کا گنہ گار وہ بھی ہے(۲)، جو شخص اس سے روک سکتا ہے، مگر روکتا نہیں ہے، تو نہ روکنے کا گنہ گار وہ بھی ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۹۴ھ۔

ظالم سے انتقام

سوال[۱۱۲۰۳]: بستی میں ایک صاحب گاؤں کے امیر اور سردار ہیں، عوام اس کے ظلم سے از حد

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أعان على خصومة بظلم، أو يعين على ظلم لم يزل في سخط الله حتى ينزع". (سنن ابن ماجة، كتاب الأحكام، من ادعى ماليس له وخاصم فيه، ص: ۱۶۷، قديمى)

"من أعان على معصية الله تعالىٰ فهو شريك في إثمها بقدر سعيه وعمله". (شرح ابن بطال، كتاب البيوع، باب آكل الربا وشاهده وكاتبه: ۲۱۷/۶، مكتبة الرشد)

(۲) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "إنه يستعمل عليكم أمراء، فتعرفون، وتنكرون فمن كره، فقد برئ، ومن أنكر فقد سلم، ولكن من رضي، وتابع". (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمى)

"وفيه دليل على أن من عجز عن إزالة المنكر لا يأثم بمجرد السكوت، بل إنما يأثم بالرضا به". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمى)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۲۶/۱۳، قديمى)

(۳) "يجب إنكار المنكر، لكن شرطه أن لا يلحق المنكر بلاء لاقبل له به من قتل ونحوه". (فتح الباري، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۲۶/۱۳، قديمى)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۵۰/۱۰، مكتبة الرشد)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمى)

پریشان ہیں، کیونکہ ظلم حد سے بڑھ چکا ہے، شرابی بھی ہے، بلاوجہ ماردھاڑ کرنا، کچھ لوگوں کے گھر لٹوانے اور آگ لگوانے کی سازش کرتا ہے، ایسی حالت میں ایسے ظالم سے بچنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، ایک خون بھی کرچکا ہے، جو غالباً کسی دوسرے پروگرام میں تھے کہ اچانک گولی داغ دی اور ایک لڑکی مرگئی، زنا کاری میں مبتلا ہیں، اگر ان کے ساتھ کوئی جانی کارروائی کی جائے، تو کیا خداوند کریم کے یہاں گرفت ہوگی؟ فقط۔

محمد اشفاق مدرسہ تھورا باندہ

الجواب حامداً ومصلياً:

ظالم سخت گنہگار ہے اور مستحق سزا ہے، ہر مظلوم کو انتقام کا حق ہے(۱)، مگر قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں اس سے پوری احتیاط کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

گالی کی معافی اور از خود قوم کا سردار بننا

سوال[۱۱۳۰۴]: کوئی شخص قوم کو بیٹی کی گالی دے اور قوم سے معافی مانگ لے، تو اس کو معاف کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور قوم کا سردار بننا کیسا ہے؟

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "الظلم ظلمات يوم القيامة" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته". ... متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۴۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه أخذ سناً، فجاء صاحبه يتقاضاه فقالوا له، فقال: "إن لصاحب الحق مقالاً". (صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها، باب من أهدي له هدية، ص: ۴۲۲، دار السلام)

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالی دینا غلط طریقہ ہے(۱)، اگر کسی نے غصہ میں آکر گالی دے دی، پھر نادم ہوکر معافی مانگتا ہے، تو معاف کردینا چاہیے(۲)۔

ازخود قوم کا سردار بننے کی خواہش وکوشش کرنا غلط ہے(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۹۵ھ۔

سخت گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا

سوال[۱۱۲۰۵]: جو شخص شراب پیتا ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی شان میں گستاخانہ لفظ استعمال کرتا ہے اور دین کی معلومات سے ناآشنا ہے اور دینی باتوں کو ٹھٹھا اور کھیل سمجھتا ہے، نمازی

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر". متفق علیه. (مشکاة المصابیح، کتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم: ۱۹۰/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وصحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله، ص: ۱۱، دارالسلام)

(وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم سباب المسلم فسوق، ۴۸، دارالسلام)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن تعفوا أقرب للتقوی﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من اعتذر إلی أخیه فلم یعذره، أو لم یقبل عذره کان علیه مثل خطیئة صاحب مکس". (مشکاة المصابیح، کتاب الأداب، باب ماینهی عنه من التهاجر، الفصل الثالث: ۲۲۵/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ابتغی القضاء، وسأل فیه شفعاء، وکل إلی نفسه. ومن أکره علیه أنزل الله علیه ملکا یسدده". (مشکاة المصابیح، کتاب الإمارة، باب العمل في القضاء، الفصل الثاني: ۱۴/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

"إن النفس مائلة إلی حب الریاسة، وطلب الترفع علی الناس، فمن منعها سلم من هذه الآفات. ومن اتبع هواها، وسأل القضاء هلک، فلا سبیل إلی الشروع فیه إلا بالإکراه". (التعلیق الصبیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب العمل في القضاء: ۲۷۸/۴، رشیدیه)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأحکام، باب ذکر القضاء، ص: ۳۳۰، دارالسلام)

آدمی کو بے ایمان خیال کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ پریشان حال رکھتے ہیں، گھریلو اختلافات اور روپیہ کی لالچ کی وجہ سے اپنی بیوی کو ایک سال سے نہیں بلاتا ہے اور باپ کو چاقو دکھلا کر قتل کی دھمکی دیتا ہے، اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص بھی سخت گنہگار ہے اور سوئے خاتمہ کا قوی اندیشہ ہے، اللہ پاک رحم فرماوے کافر اس کو بھی نہ کہا جائے گا کہ کفر کا حکم آخری حکم ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کسی بزرگ سے سوءِ ظن

سوال[۱۱۳۰۶]: اگر کسی بزرگ سے عقیدہ نہ ہو بلکہ سوءِ ظن ہو، تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوچے کہ میں بھی اللہ سے رحمت اور مغفرت کا طالب ہوں، بغیر اس کے بیڑا پار نہیں ہوسکتا۔ ان بزرگ پر رحمت ہوجائے تو کون روک سکتا ہے، وہ نجات پا جائیں گے، لیکن ان کے ساتھ سوءِ ظن کا جرم مجھ پر باقی رہے گا، جب تک وہ معاف نہیں کریں گے، میری بخشش نہیں ہوگی، اس لئے اس سوءِ ظن کو ختم کردینا چاہیے، اگر یہ سوءِ ظن بے محل اور خلافِ واقعہ ہے تو بہت بڑا وبال ہے، سوءِ ظن میں عامۃً زبان پر قابو نہیں رہتا اور ان کے فیض سے محرومی تو یقینی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۳ھ۔

---

(۱) "والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان، ولا تدخله الكفر". (شرح العقائد النسفية، مبحث الكبيرة، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، الكبيرة لاتخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ۷۱، ۷۲، قديمي)

(وكذا في شرح العقيدة الطحاوية للميداني، مبحث الكبيرة، ص: ۱۰۶، زمزم)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنو اجتنبوا كثيراً من الظن وإن بعض الظن إثم﴾ (الحجرات: ۱۲) =

خنزیر کھالیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[١١٣٠٧]: محترم مولانا صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ موانہ کے قریب ایک گاؤں ہے، ایک شخص نے خنزیر کھالیا ہے، نہ معلوم کہ اس نے یہ جان بوجھ کر کھایا ہے یا بھول سے کھایا ہے، اس آدمی کے بارے میں مذہب اسلام کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محترمی زید مجدہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خنزیر نجس العین اور بالکل حرام ہے، جس نے کھایا، حرام کھایا(١)، اگر جان کر کھایا تو بہت سخت گناہ کیا، توبہ واستغفار لازم ہے، مگر اسلام سے خارج نہ ہوا(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٢٠/١/٩١ھ۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: ﴿يا أيها الذين امنو اجتنبوا كثيراً من الظن......﴾ الخ، رقم الحديث: ٦٠٦٦، ص: ١٠٥٩، دارالسلام)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن، رقم الحديث: ٤٩١٧: ٣٦٥/٤، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ١٧٣)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قل لا أجد فيما أوحي إليّ محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس﴾ (الأنعام: ١٤٥)

"وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ١/١٩١، رشيديه)

"(ولحم الخنزير وسائر أجزائه) هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين بالضرورة لا خلاف فيها". (الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ١٥٤، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله لايغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (النساء: ٤٨) =

یتیموں کے مال میں بے جا تصرف کرنے والے کی سزا

سوال[۱۱۳۰۸]: یتیموں کا مال کھانے والے پر یتیموں کو اجاڑنے والے پر اوران یتیموں کو اپنا حق حاصل کرنے میں دقتیں پیدا کرنے والے پر خدا اوراس کے پیارے نبی کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یتیموں کو لاوطن کر دیا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان کو خدا کے قہر سے ڈرنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

یتیموں کا مال غصب کرنے والے کا حکم

سوال[۱۱۳۰۹]: جولوگ یتیموں کا مال غصب کرنے والے کی مدد کریں، یا خوداس آڑ میں کچھ حاصل کرنا چاہیں، یا ناجائز دباؤ ان یتیموں پر ڈال کر ان کی ملکیت مسجد یا مدرسہ میں یا خود لینا چاہیں، تو وہ کیسا مسلمان ہے؟

= "مع الاتفاق على أن مرتكب الكبيرة لا يخرج من الإيمان، بل هو في مشيئة الله إن شاء عذبه، وإن شاء عفا عنه". (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز، مبحث الكبيرة، ص: ۳۲۳، قديمي)

"الكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان لبقاء التصديق الذي هو حقيقة الإيمان". (شرح العقائد النسفية، مبحث الكبيرة، :ص ۱۰۸، ۱۰۹، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيرا﴾ (النساء: ۱۰)

"قوله تعالىٰ: ﴿إنما يأكلون في بطونهم ناراً﴾ روي عن السُدي: "أن لهب النار يخرج من فمه ومسامعه، وأنفه، وعينيه يوم القيامة، يعرفه كل من رآه أنه أكل مال اليتيم"، وقيل: إنه كالمثل لأنهم يصيرون به إلى جهنم فتمتلي بالنار أجوافهم". (أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۱۵: ۲/ ۹۳، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے والے سب گنہگار ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

یتیموں کا مال مسجد اور مدرسہ میں دینا

سوال [۱۱۲۱۰]: مسجد ومدرسہ کے نام پر یتیموں کی ملکیت مسجد ومدرسہ میں لینے کے لئے طرح طرح کی سازش کرنا اور اس میں عیب جوئی کرنا اور غیر انسانی حرکت کرنا کیسا فعل ہے؟ جو لوگ اس حرکت میں شامل ہوں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا وجہ شرعی نہ مسجد میں لینے کا حق ہے، نہ مدرسہ میں (۲)۔ ظالم کی مدد کرنا ظلم بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمى ظلماً إنما يأكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾ (النساء: ۱۰)

"قوله تعالى: ﴿إنما يأكلون في بطونهم ناراً﴾ روي عن السدي: "أن لهب النار يخرج من فمه ومسامعه، وأنفه، وعينيه يوم القيامة، يعرفه كل من رآه أنه أكل مال اليتيم"، وقيل: إنه كالمثل لأنهم يصيرون به إلى جهنم فتمتلئ بالنار أجوافهم". (أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۱۰، ۲/ ۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب التعزير بأخذ المال: ۴/ ۶۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/ ۶۸، رشيديه)

(وكذا في النهرالفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/ ۱۶۵، رشيديه)

(۳) "عن أوس بن شرحبيل رضي الله تعالى عنه، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظالم ليقويه، وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكاة المصابيح، كتاب =

یتیموں کا مال ناحق کھانا

سوال[۱۱۳۱۱]: یتیموں کا مال خرد برد کرنے والے کے بارے میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے والے ظالم اور سخت گنہگار ہیں، دوسروں کا مال ناحق کھانے والے اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

زنا کے معاف کرانے کا طریقہ

سوال[۱۱۳۱۲]: ''کلو'' نے ''ملو'' کی بیوی سے زنا کیا، ''ملو'' کو کچھ خبر نہیں، مگر ''کلو'' اس کو خبر کرنا چاہتا ہے اور اس سے معافی کا طالب بھی ہے، اب عورت بھی توبہ کرتی ہے، تو اب ''کلو'' کس طرح ''ملو'' سے معاف کرائے یا کس طرح ''ملو'' کا حق ادا کرے؟

= الأداب، باب الظلم، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۵۱۳۵: ۲/ ۲۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث: ۷۶۷۵: ۶/ ۱۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلماً إنما يأكلون في بطونهم نارا وسيصلون سعيرا﴾ (النساء: ۱۰)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات ..... وأكل مال اليتيم ... " متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الكبائر: ۱/ ۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"روي: أنها نزلت في رجل من غطفان، يقال له: مرثد بن زيد ولي مال ابن أخيه وهو يتيم صغير، فأكله فأنزل الله فيه هذه الأية ..... حدثنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن ليلة أسري به، قال: "رأيت قوماً لهم مشافر كمشافر الإبل. وقد وكل بهم من يأخذ بمشافرهم، ثم يجعل في أفواههم صخراً من نار يخرج من أسافلهم فقلت: يا جبرئيل من هؤلاء؟ قال: هم الذين يأكلون أموال اليتامى ظلماً" فدل الكتاب والسنة على أن أكل مال اليتيم من الكبائر". (أحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۰: ۳/ ۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معافی مانگ لے کہ میں نے جو تمہارے حقوق لئے یا ضائع کئے خواہ تم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، اللہ کے واسطے معاف کردو، شوہر معاف کردے، بس انشاء اللہ کافی ہے(۱)۔ اللہ پاک سے مستقل معافی مانگے اور سچے دل سے نادم ہوکر پختہ توبہ کرے اور آئندہ اس سے بالکل تعلق نہ رکھے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۳ھ۔

توبہ کی تعریف

سوال[۱۱۳۱۳]: گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور نماز روزہ چھوڑ دینا گناہ کبیرہ ہے، پھر قضاء کے کیا معنیٰ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کے ذمہ سرکاری محصول یا کسی اور کا روپیہ واجب الاداہو، جس کی ادائیگی کی تاریخ متعین ہو اور وہ وقت پرادانہ کرے، جو کہ جرم ہے، جس کی پاداش میں مقدمہ قائم ہو اور وہ معافی مانگ لے کہ میں نے وقت پرادا نہیں کیا، معافی چاہتا ہوں، تو حاصل صرف اتنا ہے کہ وقت پر ادا نہ کرنے کو یعنی دیر ہوجانے کو معاف کردیا

---

(۱) "ظاهره أن لاتكفي البراءة العامة، لكن ينبغي أن يستثني منه ما إذا كان يترتب على البيان إيذاء لا يطاق". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، الحظر والإباحة: ۲۰۵/۴، دارالمعرفة بيروت)

"رجل قال لآخر حللني من كل حق هو لك ففعل فأبرأه، إن كان صاحب الحق عالماً به برئ حكماً بالإجماع، وأما ديانة، فعند محمد رحمه الله تعالىٰ: لايبرأ، وعند أبي يوسف: يبرأ، وعليه الفتوىٰ". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القارئ، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۹، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار، الحظر والإباحة: ۴۱۱/۶، سعيد)

(۲) "قد نصوا على أن أركان التوبة ثلاثة: الندامة على الماضيٰ، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في الاستقبال". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القارئ، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمى)

(وكذا في حاشية النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب نقصان الإيمان بالمعاصي: ۵۵/۱، قديمى)

(وكذا في روح المعاني، التحريم: ۲۹۰/۲۸، رشيديه)

جائے، مگر اس کی وجہ سے نفس روپیہ معاف نہیں ہو جاتا، وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا۔

اسی طرح نماز کا معاملہ سمجھئے کہ توبہ سے تاخیر ادا معاف ہوگی، یہ کبیرہ گناہ ہے، نفس نماز ساقط نہیں ہوگی، یا یوں اس طرح سمجھئے کہ بغیر قضا نماز پڑھے تو یہ ادا ہی نہیں ہوئی، توبہ اسی وقت ہوگی، جب تاخیر پر ندامت ہو اور قضا نماز پڑھ لے، تو یہ صرف الفاظ کا نام نہیں، کہ یا اللہ میری توبہ ہے۔

"سئل عن علي عن التوبة، فقال: "يجمعها ستة أشياء: على الماضي من الذنوب الندامة، وللفرائض الإعادة، ورد المظالم، واستحلال الخصوم، وأن تعزم على أن لا تعود، وأن ترى نفسك في طاعة الله تعالى اهـ".

(بیضاوی: ۵/۳۵۷، مطبوعہ دار الفکر)(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۳/۹۲ھ۔

حرمت کے حکم سے پہلے صحابہ مکلّف نہیں تھے

سوال[۱۱۲۱۴]: کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم مسلمان بنے تو سارا مال چھوڑا تھا، اسی طرح جب ہم نے توبہ کی تو کیا ہم مال چھوڑیں گے، چاہے کسی ناجائز طریقہ سے ہی کیوں نہ آیا ہو، کیا یہ صحیح ہے، اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام لانے اور حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ مکلف نہیں تھے، آج جو مسلمان ہیں، وہ مکلف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (تفسیر أنوار التنزيل المعروف بالبيضاوي، التحريم: ۸: ۳/۳۷۳، كتب خانه رحيميه ديوبند)

"فقال الأعرابي ما التوبة؟ قال علي كرم الله وجهه: يجمعها ستة أشياء: على الماضي من الذنوب الندامة، وللفرائض الإعادة، ورد المظالم، واستحلال ...". (روح المعاني، التحريم: ۸: ۲۸/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في تفسير الكشاف، التحريم: ۴/۵۷۴، قديمي)

اپنے فعل کی تہمت خدا پر لگانا

سوال[۱۱۳۱۵]: ظلم وستم لوٹ مار تو انسان کرے، تہمت خدا پر لگائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے ظلم اور گناہ کو خدا کی طرف منسوب کر کے جان نہیں بچے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

مسلمانوں کو سور کا گوشت دھوکہ سے بیچنا

سوال[۱۱۳۱۶]: یہاں پر ایک واقعہ نہایت دردناک رونما ہوا، واقعہ یوں ہوا کہ ایک محلہ دہیا سرائے ہے، جس کی آبادی مکمل مسلم ہے، وہاں پر دیگر محلہ کے مسلم قصائی نے سور کا گوشت عرصہ تک فروخت کیا، اچانک ۳۱/ جولائی کو یہ راز فاش ہوگیا اور اس کو پولیس کے حوالہ کر دیا گیا، اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ شریعت محمدی کی رو سے اس کی سزا کے بارے میں تحریر کریں اور جن لوگوں نے دھوکہ سے وہ گوشت کھایا، ان کے بارے میں کیا طریقہ کفارہ ہے؟ تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن مسلمانوں نے جھوٹ بول کر سور کے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر مسلمانوں میں فروخت کیا اور بات واقعۃً صحیح ثابت ہے تو یہ شخص خدا کا بھی مجرم ہے اور مسلمانوں کا بھی مجرم ہے، اگر شرعی حکومت ہوتو اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو بھی ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو، جن لوگوں نے بے خبری میں ایسے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿من عمل صالحا فلنفسه، ومن أساء فعليها﴾ (حم السجدة: ۴۶)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: ﴿فلنفسه﴾ فلنفسه يعمله، أو فلنفسه نفعه لالغيره، ﴿ومن أساء فعليها﴾ ضره لا على الغير". (روح المعاني، حم السجدة: ۴۶: ۲۴/۱۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۴/۱۰۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

گوشت کو کھایا، وہ استغفار کریں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۸/۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ... من غش فليس مني". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا، ص: ۵۸، دار السلام)

"(سقاسما حتى مات ... وإن دفعه له في شربة فشربه ومات) منه (فكالأول)؛ لأنه شرب منه باختياره إلا أن الدفع خدعة فلا يلزم إلا التعزير والاستغفار". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۲، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنه من البيوع: ۱/۵۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

باب أحکام الزوجین

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

شوہر کی اجازت کے بغیر ماں کے گھر جانا

سوال[۱۱۳۱۷]: میرالڑکا عبدالجبار ایک ماہ سے باہر گیا ہوا ہے، اس کی زوجہ بغیر میری اجازت کے اپنی والدہ کے گھر چلی گئی ہے، جب کہ میں نے کہا کہ شوہر سے اجازت لے لو پھر جانا، مگر وہ باز نہیں آئی اور اس کی ماں ہی لے گئی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں جانا چاہیے تھا(۱)، لڑکی نے بھی غلطی کی اور والدہ نے بھی غلطی کی، شوہر کے مکان پر واپس آکر معافی مانگنا لازم ہے، جب تک واپس نہیں آئے گی، نان ونفقہ شوہر سے پانے کی حق دار نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "ولها السفر والخروج من بيت زوجها ... لزيارة أبويها". (الدرالمختار). "(قوله: أو لزيارة أبويها) سيأتي في باب النفقات عن الاختيار تقييده بما إذا لم يقدرا على إتيانها. وفي الفتح: أنه الحق".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۱۴۵، ۱۴۶، سعيد)

"عن أبي يوسف في النوادر: تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها، فإن كانا يقدران على إتيانها لاتذهب وهو حسن". (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب المهر: ۴/ ۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب المهر: ۲/ ۶۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "لا نفقة لأحد عشر ... خارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب النفقة، مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۳/ ۵۷۵، ۵۷۶، سعيد) =

شوہر کو بھیا کہنا

سوال[۱۱۳۱۸]: ایک محترمہ ہیں، جن کو بات بات میں "بھیا" کہنے کی عادت ہے، مثلاً: آؤ بھیا! جاؤ بھیا! لاؤ بھیا! نہ بھیا وغیرہ وغیرہ، اسی طرح وہ اپنے شوہر سے بھی مخاطب ہوتی ہیں، میں نے ان کو کئی بار ٹوکا، مگر ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ بے خیالی میں ان کی زبان سے نکل جاتا ہے، وہ دل سے نہیں کہتی ہیں، اس صورت میں ان کے نکاح پر کوئی اثر تو نہیں پڑا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ شوہر کو بھیا کہے(۱)، اس کی احتیاط چاہیے، مگر اس کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوا، نہ وہ اپنے شوہر پر حرام ہوئی (۲)، زبان پر جو لفظ بطورِ تکیۂ کلام چڑھ جاتا ہے، وہ اگر غلط ہو، تو

= "لا تجب النفقة للناشزة خرجت من بيته أي: بيت الزوج بلا حق حتى تعود إلى منزله: لأن فوات الاحتباس منها، وإذا عادت جاء الاحتباس فتجب النفقة". (درر الحكام في شرح غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۴، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۴۴، رشيديه)

(۱) "ويكره أن يدعو بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم، كيا سيدي ونحوه: لمزيد حقهما على الولد والزوجة". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۱۸، سعيد)

"(قوله ويكره أن يدعوه) بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم كيا سيدي، أو يامالك أمري، ونحوه. وذلك لمزيد حقهما على الولد والزوجة. وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "لو كنت امرأ أحداً أن يسجد لأحد لأمرت الزوجة أن يسجد لزوجها". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۴/۲۰۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون: ۵/۳۶۲، رشيديه)

(۲) بھیا کہنے سے شوہر واقعۃً بھائی نہ بنے گا، اگرچہ اس طرح کہنا درست نہیں۔

"وظهارها منه لغو فلا حرمة عليها، ولا كفارة، به يفتى". (الدرالمختار مع ردالمحتار، الظهار: ۳/۴۷۶، سعيد)

"(وظهارها منه لغو) بأن تقول: أنت علي كظهر أمي، أو أنا عليك كظهر أمك، بحر. وإنما كان لغوا: لأنه ليس إليها، والمراد بكونه لغوا أنه لايكون يميناً ولا ظهاراً". (حاشية الطحطاوي على =

اس کی اصلاح چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۴۰۱ھ۔

خواب کی وجہ سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدظن ہونا

سوال[۱۱۳۱۹]: میں نے چھ سات دن ہوئے دن کے دو بجے ایک خواب دیکھا کہ زید کی بیوی کسی دوسرے شخص سے زنا کرا کر باہر نکلی اور زانی شخص بھی باہر نکلا، عورت اپنی شلوار درست کر رہی ہے اور شلوار پر منی کا نشان بھی دیکھا، زید کو غصہ آیا اور اس شخص سے دریافت کرنا چاہا، مگر عورت زید کے سامنے آڑے آ گئی اور وہ مرد بھاگ نکلا، اس مرد کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔

اس روز سے شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے بدظن ہیں، اس لئے کہ شبہ کافی ہو گیا، زید اور اس کی بیوی کے درمیان بول چال بند ہے، زید کی بیوی برقع اوڑھ کر بلا اجازتِ شوہر محلّہ میں اپنی سہیلیوں کے پاس بھی جاتی ہے، آنجناب اس خواب کی تعبیر عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس خواب کی بناء پر زید کی بیوی کو زانیہ کہنا حرام ہے(۲)، اگر وہ شخص سامنے آجائے جس کو یہ حرکت

= الدر المختار، باب الظهار: ۳/۴۶۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار: ۴/۱۵۹، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لايلقي لها بالاً، يرفع الله بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالاً، يهوي بها في جهنم" رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۲/۱۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد ليقول الكلمة لا يقولها إلا ليضحك به الناس، يهوي بها أبعد ما بين السماء والأرض، وإنه ليزل عن لسانه أشد مما يزل عن قدمه". رواه البيهقي. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۲/۱۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ۲/۹۵۹، قديمي)

(۲) "الزنا وطء مكلف، ناطق، طائع في قبل مشتهاة، خال عن ملكه وشبهته في دار السلام، أو تمكينه من =

کرتے دیکھا اور اس کو خوب اچھی طرح پہچان لیا جائے کہ ہاں یہ وہی ہے، تو اس کو بھی زانی کہنا جائز نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے۔ زید اور اس کی بیوی کے درمیان اگر بول چال بند ہے اور لڑائی اور نااتفاقی ہے، تب بھی اس قسم کا شبہ پختہ کرنے کا حق نہیں۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان تھا اور شیطان مختلف آدمیوں کی صورت بنا سکتا ہے اور عورت سے ایسی حرکت بھی کرالیتا ہے اور شوہر کے دل میں بھی بدگمانی پیدا کر کے زوجین میں تفرقہ ڈال دیتا ہے، بیوی کے دل میں بھی نفرت ڈال دیتا ہے، اس لئے نہ اپنے دل میں بدگمانی کریں، شوہر بیوی کے درمیان نااتفاقی کی وجہ دریافت ہو سکے تو صلح کرادیں (۱)۔ اگر واقعہ صحیح بھی ہو تب بھی بغیر ثبوت شرعی کے کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۲ھ۔

بیوی کا شوہر کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی اجرت کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۰۱۲۱]: ایک برادری میں جس کا آبائی پیشہ پارچہ بافی ہے علی العموم عورتیں آبائی پیشہ کا کام شوہروں سے زیادہ کرتی ہیں اور جملہ خانگی امور کی دیکھ ریکھ پوری ذمہ داری سے کرتی ہیں، اس پر معاشرہ کی عام

= ذلك أو تمكينها" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحدود: ۴/۴-۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(۱) "عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصدقة والصلاة؟ قال: قلنا: بلى، قال: إصلاح ذات البين، وفساد ذات البين هي الحالقة". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رقم: ۵۰۳۸: ۳/۲۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب في إصلاح ذات البين، رقم: ۴۹۱۹: ۴/۳۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقاق والورع، باب، رقم الحديث: ۲۵۰۹: ۴/۳۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

حالت یہ ہے کہ خانگی امور میں رہ کر عورت نے شوہر کے آبائی پیشہ کا کام کیا، تو اس کو گالیاں دیتا ہے، طعن وتشنیع کرتا، مارتا پیٹتا ہے، اگر عورت کی طرف سے کچھ بد دلی کا اظہار ہوا، تو شوہر کبھی فوراً طلاق دے دیتا ہے اور کبھی سخت سست کہہ کر میکہ پہنچا دیتا ہے اور کبھی عورت خود چلی جاتی ہے، موجودہ معاشرہ کی وجہ سے چار ہزار کی بنکر آبادی میں ہر مہینہ طلاق کی دو چار وارداتیں ہوتی رہتی ہیں، اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے:

تفریق سے پہلے عورت نے شوہر کے گھر رہ کر جو اس نے آبائی پیشہ کا کام کیا ہے، بعد تفریق عورت کو اس کا معاوضہ طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز شوہر کے ذمہ اس کا دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ سب خرابیاں علم وتقویٰ کی قلت یا فقدان کی وجہ سے ہیں، سوال کا جواب حسب ذیل ہے:

یہ سب صلہ اور ہمدردی ہے، اس کا کوئی معاوضہ اب نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ دینا واجب ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت کرنا

سوال[۱۱۳۲۱]: میرے بھائی بیمار تھے، میں نے مَنت مانی اور قسم کھائی، اگر یہ اچھے ہو گئے تو فلم چھوڑ دوں گی۔ وہ اچھے ہو گئے، اب مجھے فلم دیکھے چار سال ہو گئے ہیں، لیکن اب میرے شوہر چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ فلم دیکھوں، جب میں نے منت کی بات بتلائی تو کہتے ہیں کہ یہ گناہ مجھ پر ہوگا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس منت اور قسم کو میں کسی اور کی طرف پھیر دوں، ایسی صورت میں مجھ پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اب قسم یا منت کو بدلنے اور رخ پھیر دینے کا حق نہیں رہا، فلم دیکھنا خدائے پاک سے بدعہدی کرنا، جس

---

(۱) "ولا رجوع له على المعير؛ لأنه متبرع". (ردالمحتار، كتاب العارية: ۶۷۸/۵، سعيد)

"لارجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۲۵۱، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب العارية: ۴۷۸/۷، رشيديه)

کا نتیجہ دنیا وآخرت میں نہایت خراب اور ناقابلِ برداشت ہے(۱)، شوہر کا یہ کہنا کہ گناہ مجھ پر ہوگا، آپ کے حق میں بے سود ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ گناہ اور وبال آپ کے سر سے اتر کر شوہر پر چلا جائے اور آپ بری ہوجائیں (۲)۔ اگر بالفرض ایسا ہو بھی، تو کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ آپ تو چھوٹ جائیں اور شوہر گرفتار ہوکر وہاں کے قید خانہ میں بند کردیئے جائیں، کیا تعلق ومحبت کا تقاضہ یہی ہے۔ ایسی باتوں میں شوہر کی اطاعت جائز نہیں (۳)، شوہر کو خود بھی ایسی بات کہنے سے اور اس پر اصرار کرنے سے پورا پرہیز لازم ہے (۴)، ان کو گناہ کی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل به عن سبيل الله﴾ (لقمان: ۶)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: ﴿لهو الحديث﴾ على ما روي عن الحسن: كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى، وذكره من السمر، والأضاحيك، والخرافات، والغناء، ونحوها ... الخ". (روح المعاني، لقمان: ۲۱/۶۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى "ذكر شيخ الإسلام: أن كل ذلك مكروه عند علمائنا، واحتج بقوله تعالى: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الآية، جاء في التفسير: أن المراد الغناء سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء" (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ (فاطر: ۱۸)

"قوله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة﴾ أي: لا تحمل نفس آثمة ﴿وزر أخرى﴾ أي: إثم نفس أخرى بل تحمل كل نفس وزرها". (روح المعاني، الفاطر: ۲۲/۱۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فاطر: ۱۸: ۱۴/۲۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "عن علي رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۲/۱۲۵، قديمي)

(وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱، ۲۰۲۰۲، ۲۰۵۹، ۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۱۲/۶۳۸۱، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

(۴) معاصی اور گناہ کے کاموں میں تعاون سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، چہ جائیکہ اس کا امر جائز ہو۔

قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲) =

سزا کا تصور بھی نہیں، جو ایسی بات کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ علم دے، سمجھ دے کہ اپنی زندگی سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق بنائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

عورت کی بدتمیزی وبدکلامی پر شوہر کے مارنے کا حکم

سوال [۱۱۳۲۲]: ۱.....ایک عورت ہے جو کہ شوہر کی مرضی کے بغیر اپنے میکہ چلی جاتی ہے، میکہ سے کوئی لینے آیا تو اس کے ساتھ ہوگئی، بعض اوقات محض مصالح کی بناء پر لینے والے کو اجازت دے دی شوہر نے، لیکن عورت نے بذات خود جانے کے بارے میں کوئی معلومات نہیں کی اور اس پر طرہ یہ کہ شوہر پر الزام لگایا کہ یہ میرے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ کرتا ہے، شوہر اور اس کے والدین نے سمجھایا، مگر اس نے قطعاً انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس شرط پر رہ سکتی ہوں کہ تم میرے پاس نہ لگو اور خرچہ برابر دیتے رہو۔

۲.....عورت سے شوہر نے مہر بھی معاف کرالیا، مگر اب وہ کہتی ہے کہ اگر اب میں مطالبہ پر آگئی تو تمہارا راستہ بند ہوجائے گا، اب وہ اپنے میکہ میں ہے اور آنے کے لئے تیار نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں شوہر پر عورت کا نان ونفقہ واجب ہے یا نہیں؟ عورت کی ایسی بدکلامی پر عورت کو ضرب کا حکم ہے یا نہیں؟

۳.....عورت مذکورہ نے مکرر یہ بھی کہا کہ تم اپنی ضروریات دوسری شادی سے پوری کرلو، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔

۴.....اکثر والدین کو برا بھلا کہتی رہتی ہے، تم جیسا میرے واسطہ کروگے تمہاری اولاد کے آگے آئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو شوہر سے جو شکایت ہو، اس کے دفعیہ کا اس کو مطالبہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اگر اس

= "قال ابن كثير تحت هذه الآية: "يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات، وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، دار السلام)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

کا دفعیہ ہو جائے اور اس کو نفقہ وغیرہ کی پریشانی نہ ہو، تو پھر بغیر شوہر کی اجازت کے میکہ جانے کا حق نہیں، اگر جائے گی، تو ناشزہ کہلائے گی اور جب تک شوہر کے مکان پر واپس نہ آجائے نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی (۱)۔ شوہر کا پورا احترام لازم ہے (۲)۔ شوہر کے والدین کے ساتھ عزت واحترام سے معاملہ کرنا چاہیے، بدکلامی سے پوری احتیاط کی جائے، یہ شرعاً واخلاقاً نہایت مذموم ہے۔

عورت اگر بلا وجہ حق زوج ادا کرنے سے انکار کرے، تو شوہر کو جبر کا بھی حق ہے (۳)، شوہر کو عورت کی

---

(۱) "وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر: ۱/۵۴۵، رشيديه)

"لا نفقة لأحد عشر: مرتدة، ومقبلة ابنه وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود". (الدرالمختار، باب النفقة: ۳/۵۷۶، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۴۳۸، شركت علميه ملتان)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لو كنت آمر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها" وعن طلق بن علي رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا الرجل دعا زوجته لحاجته، فلتأته، وإن كانت على التنور". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء ومالكل واحد من الحقوق الخ، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمي)

"(قوله) لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها) أي: لكثرة حقوقه عليها، وعجزها عن القيام بشكرها، وفي هذا غاية المبالغة لوجوب إطاعة المرأة في حق زوجها، فإن السجدة لا تحل لغير الله". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق: ۶/۳۹۹، رشيديه)

"ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة وعليها أن تطيعه في نفسها، وتحفظ في غيبته". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج: ۳/۶۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿واللّتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن﴾ النساء: ۳۴)

"﴿واللتي تخافون نشوزهن﴾ أي: ترفعهن عن مطاوعتكم وعصيانهن لكم ... ﴿فعظوهن﴾ أي: فانصحوهن ﴿واهجروهن في المضاجع﴾ أي: مواضع الاضطجاع والمراد: اتركوهن منفردات في مضاجعهن ﴿واضربوهن﴾ يعني: ضرباً غير مبرح ... وفي الكشف الترتيب مستفاد من =

طبعی کمزوری کو برداشت کرنا چاہیے، اس کے والدین بھی ہرگز بے جا زیادتی نہ کریں، اس کی کمزوری کی اصلاح مشفقانہ طور پر کریں کہ اسی میں انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہے۔ مارنے کا بھی حق ہے، مگر مارنا بعد میں ہے، سمجھانے کی پہلے ضرورت ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/ ۸۷ھ۔

بیوی کے زیور کی زکوۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۱۱۳۲۳]: شوہر کی طرف سے ملا ہوا زیور عورت کی ملکیت میں ہے یا شوہر کی؟ اگر عورت کی ملکیت میں ہے، اس زیور کی زکوۃ دینے کے واسطے شوہر کو مالک بنادے، تو آیا اس زیور کی زکوۃ بیوی پر ہے یا شوہر پر؟ مالک بننے کے باوجود شوہر نے زکوۃ نہ دی، تو گنہگار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کی طرف سے زیور دے کر بیوی کو مالک بنادیا گیا ہے، یا اس خاندان میں مالک بنادینے کا عام رواج ہے، تو وہ زیور بیوی کی ملک ہوگیا (۲)، اس کی زکوۃ بیوی کے ذمہ ہے، اور زکوۃ سے بچنے کے لئے حیلہ

= دخول الواو علی أجزائه مختلفة في الشدة والضعف مترتبة علی أمر مدرج، فإنما النص هو الدال علی الترتیب". (روح المعاني، النساء: ۳۴: ۵/۲۴، ۲۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في الجامع لأحکام القرآن، النساء: ۳۴: ۳/۱۲۲، ۱۲۳، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۳

(۲) "(سئل) في أم جهزت ابنتها بجهاز، ودفعته لها، ثم ماتت الأم، فادعی بقیة ورثتها علی البنت الجهاز أنه عاریة، وادعت هي أنه ملک، والأم ممن تدفع ذلک ملکاً لا عاریة. هل القول قولهما أم قول بقیة الورثة؟ (أجاب) المختار للفتوی أنه إن کان العرف مستمراً أن الأم تدفع ذلک الجهاز ملکاً لا عاریة لم یقبل قول بقیة الورثة أنه عاریة، والقول قول البنت في ذلک؛ لأن الظاهر شاهد لها، والحال هذه المنظور إلیه العرف. وقد صرح بذلک غیر واحد من علمائنا". (الفتاوی الخیریة علی هامش تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الدعوی: ۲/۸۱، رشیدیه)

"جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلک لیس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک في صحته ..... والحیلة أن یشهد عند التسلیم إلیها أنه إنما سلمه عاریة". (الدر المختار مع رد المحتار، =

کرے کہ سال ختم ہونے سے پہلے شوہر کو مالک بنادے اور پھر شوہر بیوی کو مالک بنادے، غرض دونوں اسی طرح زکوۃ سے بچنے کے لئے کرتے رہیں تو یہ مکروہ ہے(۱)۔ اگر بیوی کو مالک نہیں بنایا، بلکہ عاریت کہہ کر دیا گیا ہے، یا اس خاندان میں عاریت پر دینے کا دستور ہے تو وہ زیور بیوی کی ملک نہیں، بلکہ دینے والے کی ملک ہے، اس پر زکوۃ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ کرنا

سوال[۱۱۲۲۴]: اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میں تمہارے والدین کے ساتھ نہیں رہوں گی، بلکہ تم مجھے اپنے والدین کے گھر سے الگ رکھو، تو کیا شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو الگ گھر دے، اگر بیوی کسی ایک مکان کو منتخب کردے، کہ مجھے فلاں جگہ مکان بنا کر رکھو اور شوہر اس جگہ مکان دینے پر قادر ہے، تو شوہر کو اس متعینہ جگہ میں بھی مکان بنا کر دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں جو بھی احکام ہوں، اس پر روشنی ڈالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے لئے ایک کوٹھری مستقل ہونا ضروری ہے، جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو، باقی صحن، بیت الخلاء وغیرہ مشترک ہو کہ شوہر کے والدین بھی استعمال کریں اور بیوی بھی، تو ٹھیک ہے، ہر چیز کے الگ الگ مطالبہ کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲/۲۶، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "وسنها أن يهبه لطفله قبل التمام بيوم". (الدرالمختار). "(وهي من الحيل) أي: هذه المسألة من حيل إسقاط الزكاة بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلاً، ثم يرجع في هبة بعد تمام الحول".

(ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكاة، قبيل باب العاشر: ۱/۴۱۱، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الخامس الحيل، ص: ۴۲۸، دارالفكر بيروت)

(۲) "تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك ... امرأة أبت أن تسكن =

بیوی کے لئے الگ مکان

سوال[۱۱۳۲۵]: میری لڑکی کی شادی ۱۹۵۱ء میں ہوئی، جس لڑکے سے شادی ہوئی، وہ مالدار گھر اور شریف خاندان ہے، میری لڑکی کے تین بچے بھی ہیں، اس دوران میں اس لڑکے کا طوائف سے تعلق ہوگیا اور اس طوائف کے پاس دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے، غرض یہ کہ اس طوائف سے لڑکے کے ناجائز تعلقات چار پانچ سال رہے، اس دوران طوائف کے دو بچے بھی پیدا ہوئے، جب طوائف کو یہ معلوم ہوگیا کہ مال دار گھر کا لڑکا ہے تو چار پانچ برس کے ناجائز تعلقات کے بعد نکاح کرلیا اور نکاح کے بعد بھی وہ عورت بے پردہ رہتی ہے۔

لڑکے نے اپنی تفریح کی وجہ سے یہ نکاح کیا، ایسی حالت میں یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ جس مکان میں میری لڑکی قصبہ چھتاری میں رہتی تھی اسی مکان میں طوائف کو مع بچوں کے لے آیا، اس پر میری لڑکی نے کہا، میں اس مکان میں نہیں رہوں گی، اگر مجھے اس مکان میں رکھنا ہے تو اس طوائف کو علی گڑھ ہی میں رکھو، لڑکے کے والدین نے میری لڑکی کو مع بچوں کے میرے گھر بھیج دیا، اس معاملہ میں میری لڑکی کا طرزِ عمل صحیح ہے یا لڑکے کے والدین کا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے کرلیا، تو نکاح منعقد ہوگیا(۱)، نکاح کرکے جو کچھ خواہش پوری کی جاوے، وہ ہزارہا درجہ بہتر ہے، اس سے کہ بغیر نکاح کے خواہش پوری کی جاوے، البتہ جب کسی کے دو

= مع ضرتها، أو مع أحمائها كأمه وغيرها، فإن كان في الدار بيوت، وفرغ لها بيتاً، وجعل لبيتها غلقاً على حدة، ليس لها أن تطلب من الزوج بيتاً آخر". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع في النفقات، الفصل الثاني في السكنى: ۱/۵۵۶، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۹۹-۶۰۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۲۸، رشيديه)

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما، وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة علميه ملتان)

بیویاں ہوں تو دونوں میں برابری لازم ہے(۱)، اگر ایک بیوی کے پاس ایک مختصر سا کمرہ ہو، جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو اور مکان کی دیگر ضروریات صحن وغیرہ دوسری بیوی کے ساتھ مشترک ہوں، تو پھر یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں کہ مجھے علیحدہ مستقل مکان دیا جائے، یا میکہ بھیج دیا جائے، میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اگر شوہر ایک ہی کمرہ میں رہنے پر مجبور کرے، تو اس کو یہ حق ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

بیوی کے ساتھ زیادتی کی مکافات

سوال[۱۱۳۲۶]: ۱......سائل نے کچھ خانگی واقعات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ بعض مرتبہ غصے میں بے قابو ہوجاتا تھا اور جب مجھے غصہ آتا، تو میں اس کو مار بھی دیتا، چنانچہ ایک روز میں نے اپنے بچے کو مارا، اس پر میری اہلیہ بولی، میں نے اس کے بھی طمانچہ رسید کیا، جس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا، کیونکہ یہ حقوق العباد ہے، اس لئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ فرمادیں کہ میرے اس فعل کی تلافی کس طرح ممکن ہوسکتی ہے اور عذاب آخرت سے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

---

(۱) "(ويجب أن يعدل فيه) أي: في القسم بالتسوية في البيتوته (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة لا في المجامعة، بل يستحب". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۱/۳، ۲۰۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۷۹/۳-۳۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۲۶/۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها بقدر حالهما، كطعام وكسوة، وبيت منفرد من دارٍ له غلق، فإن كانت فيها بيوت وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح، لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها ...... وذكر الخصاف: أن لها أن تقول: لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار فافردلي داراً، قال صاحب الملتقط: هذه الرواية محمولة على المؤسرة الشريفة، وما ذكرنا قبله أن إفراد بيت في الدار كاف، إنما هو في المرأة الوسط اعتباراً بالسكنى المعروف".

(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۹۹/۳-۶۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۸/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني في السكنى: ۵۵۶/۱، رشيديه)

۲.....ایک واقعہ اور پیش آیا، کہ میری اہلیہ بہت زیادہ بیمار رہتی تھی، میں ان کے علاج کے لئے کوئی کمی باقی نہ چھوڑتا تھا، چنانچہ اس کی وجہ سے میں ہمیشہ مقروض رہتا تھا اور پریشان رہتا تھا، اس وجہ سے میں اپنی اہلیہ کو میکہ چھوڑ دیا کرتا تھا، دس دس ماہ تک چھوڑ دیتا تھا، جس سے یہ بات اس کو ناپسند تھی اور کہا کرتی تھی کہ تم جو مجھ کو میکہ کئی کئی ماہ تک چھوڑ دیتے ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ کروں گی، اب مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں نے زیادتی کی ہے، تو کیا حشر میرا ہوگا اور کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلیہ مرحومہ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے، اس کی تلافی اس طرح ہوسکتی ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کیجئے، نوافل پڑھ کر، تلاوت کر کے، صدقہ دے کر، ان کو ثواب پہنچایا کیجئے، ان کے بچوں کو اچھی تربیت کیجئے (۱)۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام چل جائے گا، خدائے پاک مرحوم کو آغوش رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ کو صبر وسکون دے، بچوں کی پرورش کو آسان فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۵ھ۔

عورت کا شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنا

سوال[۱۱۳۲۷]: زید اور بکر چند آدمیوں نے مل کر مدرسہ کا جلسہ کرانا چاہا، باجازت مہتمم مدرسہ، گاؤں میں عورتوں وغیرہ سے بلا اجازت ان کے شوہروں کے چندہ میں غلہ لیا گیا، جو کہ عورتوں نے بخوشی دیا تو

(۱) "عن أبي أسيد الساعدي قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة فقال: يا رسول الله! هل بقي من برّ أبوي شيء أبرهما به بعد موتهما؟ قال: نعم! الصلاة عليهما والاستغفار لهما وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما" رواه أبوداود وابن ماجة". (مشكاة المصابيح، كتاب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۲۰، قديمی)

"(وعن أبي أسيد الساعدى) ...... (شيء) أي: من البر، (أبرهما) بفتح الموحدة أي: أصلهما وأحسن إليهما (به) أي: بذلك الشيء من البر الباقي (بعد موتهما قال: نعم! الصلاة عليهما) أي: الدعاء، ومنه صلاة الجنازة، (والاستغفار) أي: طلب المغفرة لهما ...... إلى آخر الحديث". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: ۱۵۱/۹، رشيديه)

(وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب في البر بالوالدين: ۳۵۳/۲، إمداديه)

اس آمدنی سے جلسہ ہوا، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ عورت کو بغیر شوہر کے اجازت کے شوہر کے مال میں تصرف درست نہیں، لیکن جب شوہر اس تصرف پر رضامند ہیں تو یہ چندہ میں وصول کیا ہوا غلہ شرعاً سب درست ہے، اب اس پر اعتراض بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أنفقت المرأة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها أجرها بما أنفقت، ولزوجها أجره بما كسب، وللخازن مثل ذلك لاينقص بعضهم أجر بعض شيئاً.

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أنفقت المرأة من كسب زوجها من غير أمره فلها نصف أجره". (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب صدقة المرأة من مال الزوم، ص: ۱۷۲، قديمي)

"قال محي السنة: عامة العلماء على أنه لايجوز لها التصدق من مال الزوج بغير إذنه، وكذا الخادم، والحديث الدال على الجواز أخرج على عادة أهل الحجاز يطلقون الأمر للأهل والخادم في التصدق والإنفاق عند حضور السائل ...... (قوله من غيره أمره) أي: مع علمها برضى الزوج أو محمول على النوع الذي سومحت فيه من غير إذن". (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب صدقة المرأة من مال الزوج، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۹۴۷، ۱۹۴۸: ۴/۳۷۹، رشيديه)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: اعلم أنه لابد في العامل وهو الخازن والزوجة والمملوك من إذن المالك في ذلك، فإن لم يكن إذن أصلاً فلا أجر لأحد من هؤلاء الثلاثة، بل عليهم وزر بتصرفهم في مال غيرهم بغير إذنه، والإذن ضربان: الإذن الصريح في النفقة والصدقة، والثاني: الإذن المفهوم من إطراد العرف كإعطاء السائل وعلم بالعرف رضا الزوج والمالك به، فإذنه في ذلك حاصل وإن لم يتكلم". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب أجر الخازن الأمين والمرأة الخ: ۱/۳۲۹، قديمي)

فصل في الجماع ومتعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

وطی میں بیوی کا حق شوہر پر

سوال[۱۱۳۲۸]: ایک شخص نے مسئلہ بتاتے وقت یوں فرمایا کہ شادی کرنے کے بعد بیوی سے ہمبستری کرنا صرف ایک مرتبہ ضروری ہے، باقی پوری زندگی تبرع ہے، یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ ہمبستری کر لی تو عورت کو قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر کہ میرا شوہر ناکارہ ہے، مجھے نکاح ثانی کی اجازت دی جاوے، نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں، ویسے دیانۃً شوہر کو لازم ہے کہ ہمبستری کر کے عورت کو مطمئن رکھے، ایسا نہ ہو کہ اس کا میلان دوسرے کی طرف ہو جاوے۔ (هكذا في درمختار)(۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۲/۸۷ھ۔

---

(۱) "ويسقط حقها بمرة، ويجب ديانة أحيانا، ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها، ويؤمر المتعبد بصحبتها أحياناً، وقدره الطحاوي بيوم وليلة من كل أربع لحرة وسبع لأمة". (الدرالمختار). "قال في الفتح: واعلم أن ترك جماعها مطلقاً لا يحل له. صرح أصحابنا بأن جماعها أحياناً واجب ديانة، لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولىٰ ولم يقدروا فيه مدة ...... وفي البدائع: لها أن تطالبه بالوطء؛ لأن حله لها حقها كما أن حلها له حقه، وإذا طالبته يجب عليه، ويجبر عليه في الحكم مرة، والزيادة تجب ديانة لا في الحكم ...... يسقط حقها بمرة في القضاء أي: لأنه لو لم يصبها مرة يؤجله القاضي سنة، ثم يفسخ العقد، أما لو أصابها مرة واحدة لم يتعرض له؛ لأنه علم أنه غير عنين وقت العقد، بل يأمره بالزيادة =

ہمبستری کے وقت کی دعا

سوال[۱۱۳۲۹]: صحبت کرتے وقت جو دعا پڑھنا ہے، وہ کس وقت پڑھنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک دعا صحبت کرنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے(۱) اور ایک انزال ہونے پر(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

= أحياناً لوجوبها عليه ...... (قوله: ويؤمر المتعبد) في الفتح: فأما إذ لم يكن له إلا امرأة واحدة فتشاغل عنها بالعبادة أو السراري، اختار الطحاوي رواية الحسن عن أبي حنيفة أن لها يوماً وليلة من كل أربع ليال، وباقيها له". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۲۰۲/۳، ۲۰۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب القسم: ۸۸/۲، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ذكر يوماً ما يصيب الصبيان، فقال: لو أن أحدكم إذا جامع أهله، قال: "بسم الله اللهم جنبنا الشيطان، وجنب الشيطان ما رزقتنا" فكان بينهما ولد من ذلك، لم يضره الشيطان أبداً". (عمل اليوم والليلة لابن سني، باب مايقول إذا جامع أهله، ص: ۵۲۱، ۵۲۲، مكتبة الشيخ)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات: ۴۵۱/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في كتاب الأذكار للنووي، باب مايقوله عند الجماع، ص: ۳۵۷، دارالبيان)

(۲) انزال کے وقت کی دعا صرف دل میں پڑھنی چاہیے، دعا یہ ہے:

"أن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه كان إذا غشي أهله فأنزل، قال: "اللهم لا تجعل للشيطان فيما رزقتنا نصيباً". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب النكاح، باب مايؤمر به الرجل إذا دخل على أهله: ۳۳۵/۹، المجلس العلمي)

"قد روى ابن أبي شيبة عن ابن مسعود موقوفاً: أنه إذا أنزل قال: "اللهم لاتجعل للشيطان فيما رزقتني نصيباً". ولعله يقولها في قلبه، أو عند انفصاله لكراهة ذكر الله باللسان في حال الجماع بالإجماع". (مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات: ۲۶۵/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع: ۳۲۲/۱، قديمي)

یہ دعا کرنا کہ ”یا اللہ! صالح اولاد دے یا اس سے محروم رکھ“

سوال[۱۱۳۳۰]: اگر کوئی دعا کرتا ہے کہ ”یا اللہ! نیک اولاد دے یا اس سے محروم رکھ“، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دعا کی گنجائش ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۹۶/۹/۱۵ھ۔

بیوی سے ہمبستری کا طریقہ

سوال[۱۱۳۳۱]: میں گنگوہ کے مدرسہ میں تعلیم پا رہا تھا، اس وقت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ سے بیوی سے ہمبستری کا مسنون طریقہ معلوم کیا تھا، لیکن اب وہ تحریر گم ہوگئی، آپ تحریر فرمادیں تو نوازش ہوگی، کیونکہ احقر کی شادی ہونے والی ہے۔

حافظ عبدالسلیم مدرسہ تعلیم القرآن وجیاپوری ناتھ، ضلع نلکنڈہ آندھرا پردیش

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿هنا لک دعا زکریا ربه قال رب هب لي من لدنک ذریة طیبة﴾ (آل عمران: ۳۸)

”باب طلب الولد ...... أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ”إذا دخلت لیلاً فلا تدخل علی أهلک حتی تستحد المغیبة، وتمتشط الشعثة“ قال: قال رسول صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : ”فعلیک بالکیس الکیس“، أي: الولد“. (صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب طلب الولد: ۲/۷۸۹، قدیمی)

”دلت هذه الأیة علی طلب الولد وهي سنة المرسلین والصدیقین ...... وفي هذا رد علی بعض جهال المتصوفة حیث قال: الذي یطلب الولد، أحق، وما عرف أنه هو الغبي الأخرق، قال الله تعالی عن إبراهیم الخلیل ﴿واجعل لي لسان صدق﴾ وقال: ﴿والذین یقولون ربنا هب لنا من أزواجنا وذریتنا قرة أعین﴾ ...... فإذا ثبت هذا فالواجب علی الإنسان أن یتضرع إلی خالقه في هدایة ولده، وزوجه بالتوفیق لهما، والهدایة، والصلاح، والعفاف، والرعایة“. (أحکام القرآن للقرطبي، آل عمران: ۳۸: ۴/۵۲، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

”وعن ابن عباس رضي الله عنه: کان من دعاء داود النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”اللهم إني أعوذبک من مال أن یکون فتنه، ومن ولد یکون عليّ وبالاً ...... الخ“. (مجمع الزوائد منبع الفوائد، کتاب الأدعیة، باب دعاء داؤد علیه السلام، رقم الحدیث: ۱۷۴۲۹: ۱/۲۹۳، دارالفکر بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہشتی زیور، تحفۃ الزوجین میں مطالعہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

بیوی کو برہنہ کر کے اس کا پستان منہ میں لے کر سونا

سوال[۱۱۳۳۲]: ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ اس کو بالکل برہنہ کر کے روزانہ سوتا ہے اور بیوی کے دودھ نہ ہونے کے زمانہ میں اس کے پستان چوسنے کا عادی ہے، کیا اس کی اجازت ہے، حرام یا مکروہ ہے یا نہیں؟ دودھ نہ نکلنے پر چوس سکتا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو برہنہ کر کے اس کے ساتھ سونے اور دودھ نہ ہونے کے زمانہ میں اس کا پستان منہ میں لینے کی وجہ سے اس شخص کی امامت میں خرابی نہیں آتی، ان میں سے کوئی بات حرام یا مکروہ تحریمی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۴ھ۔

حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے کس حصہ کو دیکھنا درست ہے؟

سوال[۱۱۳۳۳]: صحبت کے وہ کون چار طریقے مشہور ہیں۔ نیز اس کی دعا کیا ہے؟ اگر کسی نے غیر حیض میں ناف اور گھٹنے کے بیچ دیکھا ہے، تو گنہگار ہوگا؟ اور حیض یا نفاس کے دنوں میں تو کیا گناہ ہوگا؟

---

(۱) "وهو تحقيق وجيه؛ لأنه يجوز له أن يلمس بجميع بدنه، حتى بذكره جميع بدنها، إلا ماتحت الإزار، فكذا هي لها أن تلمس بجميع بدنها، إلا ماتحت الإزار جميع بدنه". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب: لو أفتى مفت بشيء الخ: ۱/۲۹۳، سعيد)

"وله أن يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنها ما خلا ما بين السرة والركبة عند أبي حنيفة وأبي يوسف، هكذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ: ۱/۳۹، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۴۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعا یہ ہے:"بسم اللّٰه اللّٰهم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا" (عمل الیوم واللیلة)(۱)۔

نیز صحبت سے پہلے ﴿رب أعوذ بك من همزات الشياطين وأعوذبك رب أن يحضرون﴾ (المؤمنون: ۹۷) پڑھنا مستحسن ہے۔

صحبت کے چار طریقے مجھے معلوم نہیں (۲) بیوی کو غیر حیض میں برہنہ دیکھنے سے گناہ نہیں (۳)، البتہ

---

(۱) (عمل الیوم واللیلة لابن سني، باب مایقول إذا جامع أهله، ص: ۵۶۱، مکتبة الشیخ)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات: ۱/۲۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في کتاب الأذکار للنووي، باب مایقوله عند الجماع، ص: ۳۵۷، دارالبیان)

(۲) بعض حضرات نے کچھ طریقوں کا ذکر کیا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

"وأما أشکاله: فأحسنها أن یعلو الرجل المرأة رافعاً فخذیها بعد الملاعبة التامة، ودغدغة الثدي والحالب، ثم حک الفرج بالذکر، فإذا تغیرت هیئة عینیها، وعظم نفسها، وطلبت التزام الرجل، أولج الذکر، وصب المني، وذلک هو المحبل، فإذا فرغ من الجماع نام علی ظهره ساعة رافعاً رجلیه علی مثل الحائط لتستقر بقایا المني إلی مستقره. وأردأ أشکاله أن تعلو المرأة الرجل وهو مستلق. ویلیه أن یکونا فیه قائمین. ویلیه وهما علی جنبیهما. ویلیه أن یکونا قاعدین. والشکل الذي تستلذه المرأة عند المجامعة أن تستلقي علی ظهرها، ویلقي الرجل نفسه علیها، ویکون رأسها منکسا إلی أسفل کثیر التصویب، ویرفع أوراکها بالمخاد، فإذا أحس بالإنزال فلیدخل یده تحت أوراکها، ویشیلها شیلا عنیفاً، فإن الرجل والمرأة یجدان عند ذلک لذة عظیمة لا توصف". (إتحاف السادة المتقین، کتاب اٰداب النکاح، الباب الثالث: ۶/۱۷۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) برہنہ دیکھنا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ شرمگاہ کو نہ دیکھے۔

"وینظر الرجل ..... من عرسه ..... إلی فرجها بشهوة، وغیرها، والأولی ترکه". (الدرالمختار مع ردالمحتار، الحظر والإباحة: ۶/۳۶۶-۳۶۷، سعید)

"(وینظر الرجل إلی فرج أمته وزوجته) یعني: عن شهوة، وغیر شهوة ..... إلا أن الأولی أن لاینظر کل منهما إلی عورة صاحبه". (البحرالرائق، کتاب الکراهیة، فصل في النظر واللمس: ۸/۳۵۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثامن: ۵/۳۲۷، رشیدیه)

حیض ونفاس میں ناف اور گھٹنے کے درمیان سے احتیاط چاہیے(۱)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۹۶/۹/۱۵ھ۔

حالتِ حیض میں بیوی کے عضوِ مخصوص کو دیکھنا اور چھونا

سوال[۱۱۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ بیوی کے حائضہ ہونے کی حالت میں ماتحت السرۃ نیز اعضاءِ مخصوصہ کو دیکھنا، چھونا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں ہے:

"وهل النظر ومباشرتها له فيه تردد الخ".

شامی میں ہے:

"أي: بشهوة، وهكذا كالاستثناء من عموم حل ماعدا القربان، وأصل التردد لصاحب البحر حيث ذكر: أن بعضهم عبر بالاستمتاع، فيشمل النظر، وبعضهم بالمباشرة، فلا يشمله، ومال إلى الثاني، ومال أخوه في النهر إلى الأول، انتصر العلامة للأول، وأقول: فيه نظراً".

إلى أن قال بعد بحث ونقل العبارات:

"ولا يخفى أن الأول صريح في عدم حل النظر إلى ماتحت الإزار، والثاني قريب منه".

وقال بعد السطر:

"واستظهر في النهر الثاني، لكن فيما إذا كانت مباشرتها له بما بين

---

(۱) "(منع حل ... قربان ماتحت إزار) يعني مابين سرة، وركبة، ولو بلا شهوة. وحل ماعداه مطلقاً".
(الدر المختار مع رد المحتار، باب الحيض: ۲۹۲/۱، سعيد)
(وكذا في درر الحكام في شرح غرر الأحكام، باب دماء تختص بالنساء: ۴۲/۱، مير محمد كتب خانه كراچی)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۴۲/۱، رشيديه)

سرتها وركبتيه كما إذا وضعت يدها على فرجها كما اقتضاه كلام البحر، لا إذا كانت بما بين سرتها وركبتها كما إذا وضعت فرجها على يده" الخ.

ردالمحتار نعمانيه: ١/١٩٤، ١٩٥، باب الحيض (١).

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بیوی کے ماتحت السرہ کے اعضاءِ مخصوصہ کو حالتِ حیض میں دیکھنے اور چھونے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۱۶ھ۔

کیا لونڈیوں کے ساتھ صحبت بلا نکاح درست ہے؟

سوال [۱۰۰۳۵]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں لونڈیاں اور غلام فروخت ہوتے تھے، کیا ان لونڈیوں کو خرید کر بغیر عقد ان کے ساتھ صحبت کرنا جائز تھا یا نہیں؟ یہاں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ زرخرید لونڈی کے ساتھ بغیر عقد کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی صحبت کرنا جائز نہیں تھا، کتاب وحدیث سے حوالہ عنایت فرما کر جواب دیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعی لونڈی جو جہاد میں گرفتار کرکے لائی جائے، وہ جس کے حصہ میں آجائے اس سے صحبت کرنا جائز تھا، اس کے ساتھ عقدِ نکاح کی ضرورت نہیں تھی (۲)۔ ایسی باندی کو مالک بھی فروخت کرسکتا تھا، لیکن اگر کسی سے

---

(١) (ردالمحتار، باب الحيض: ١/٢٩٢، ٢٩٣، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ١/٣٤٤، ٣٤٥، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السادس: ١/٣٩. رشيديه)

(٢) "وحرم نكاح المولى أمته والعبد سيدته؛ لأن المملوكية تنا في المالكية". (الدرالمختار). "علة للمسألتين، قال في الفتح: لأن النكاح ما شرع إلا مثمرا ثمرات مشتركة في الملك بين المتناكحين".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب مهم في وطء السراري: ٣/٤٤، سعيد)

"لايجوز للرجل أن يتزوج بجاريته ...... لقوله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على =

عقد کردیا تو مالک کو اس سے صحبت کی اجازت نہیں تھی (۱)، یہ مسئلہ کتبِ حدیث وفقہ میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں بھی ہے:

﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنىٰ وثلث وربا ع فإن خفتم أن لا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم﴾ الآية (۲).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أزواجهم أو ماملكت أيمانهم﴾ الآية. ثم أباح الله عزوجل الوطء إلا بأحد أمرين، لأن كلمة أو تتناول أحد المذكورين فلا تجوز الاستباحة بهما جميعاً" (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، من شروط صحته أن لايكون أحد الزوجين ملك صاحبه: ۲/۵۵۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۱) "الصحيح وجوب الاستبراء على السيد إذا أراد أن يزوجها وكان يطؤها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق: ۳/۱۴۲، سعيد)

"عن رويفع بن ثابت الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قام فينا خطيبا قال: أما إني لا أقول لكم إلا ماسمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: يوم حنين قال: "لايحل لا مرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه ذرع غيره". (سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في وطء السبايا: ۱/۳۱۰، رحمانيه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق: ۳/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (النساء: ۳)

باب حقوق الوالدین وغیرها

(والدین کے حقوق کا بیان)

والدین کے حقوق

سوال[۱۱۳۳۶]: ۱......والدین کے حقوق کوئی اولاد پر بھی ہیں کہ نہیں؟

۲......اولاد کے یہ حقوق وجوبی ہیں یا صرف احسان کے درجہ میں ہیں؟

۳......بعض لوگ والدین پر تین حقوق بتاتے ہیں:

الف- پیدا کرنا، ب- پال پوس کر بڑا کرنا، ج- شادی کرنا۔

اس میں کسی قسم کے جزئیات کو نہیں معائنہ کیا، صرف یہ تینوں حقوق ہیں اور بغیر جزئیات کے تسلیم کئے یہ کافی ہوں گے؟

۴......اگر والدین اولاد کے حقوق ادا نہ کرے، تو ان سے باز پرس ہوگی یا نہیں؟

۵......اس صورت میں بھی اولاد کے حقوق لازم ہوں گے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳......والدین اپنی اولاد کی تربیت جسمانی تو طبعی محبت کی بناء پر کرتے ہی ہیں، اپنے اپنے طرز پر جانور بھی اپنے بچوں کو پالتے ہیں، مگر انسانی بچوں کا حق اس سے زیادہ ہے، جب بچہ پیدا ہو، اس کو نہلا کر داہنے کان میں اذان، بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے(۱)، جب بولنا سیکھے، تو کلمۂ شہادت اور آیاتِ

---

(۱) "قلت: قد جاء في مسند أبي يعلى الموصلي، عن الحسين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من ولد له ولد، فأذن في أذنه اليمنیٰ، وأقام في أذنه اليسریٰ، لم تضره أم الصبيان، كذا في الجامع الصغير للسيوطي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة: ۷/۵۷، رشيديه)

"وقال الرافعي رحمه الله تعالىٰ: "قال السندي رحمه الله تعالىٰ: فيرفع المولود عند ولادة علی =

تو حیداس کو سکھائیں، نماز سکھائیں(۱)، سات برس کا ہوجائے، تو نماز کی تاکید کرائیں(۲)، رہن سہن میں تمیز سکھائیں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت کی تلقین کریں(۳)۔ کھانے پینے کپڑے پہننے وغیرہ جملہ امور میں

= يديه مستقبل القبلة، ويؤذن في أذنه اليمنىٰ، ويقيم في اليسرىٰ". (تقريرات الرافعي على ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۵، سعيد)

(وكذا في العرف الشذي على جامع الترمذي، باب الأذان في أذن المولود: ۱/ ۲۷۸، سعيد)

(۱) "المقصود بالتربية الإيمانيه ربط الولد منذ تعقله بأصول الإيمان .... كل ماثبت عن طريق الخبر الصادق والحقائق الإيمانية، والأمور الغيبة كالإيمان بالله سبحانه، والإيمان بالملائكة، والإيمان بالكتب السماوية، والإيمان بالرسل جميعاً .... ونعني بأركان الإسلام كل العبادات البدنية، وهي الصلاة والصوم والزكاة، والحج من استطاع إليه سبيلاً، ونعني بمبادي الشريعة، كل ما يتصل بالمنهج الرباني، وتعاليم الإسلام من عقيدة، وعبادة، وأخلاق، وتشريع، وأنظمة، وأحكام". (تربية الأولاد في الإسلام، الفصل الأول، مسئولية الإيمانية: ۱/ ۱۵۷، ۱۵۸، دارالسلام)

"عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أدبوا أولادكم على خصال ثلاث: على حب نبيكم، وحب أهل بيته وعلى قرأة القرآن .... إلى اخر الحديث". (إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، رقم الحديث: ۱۰۱۰۱، باب فيمن يظل في ظل الله الخ: ۱۰/ ۳۸۶، مكتبة الرشد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: افتحوا على صبيانكم أول كلمة لا إله إلا الله، ولقنوهم عند الموت لا إله إلا الله .... إلى اخر الحديث". (كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الرابع في حقوق واداب متفرقة، رقم الحديث: ۴۵۳۲۴: ۱۶/ ۱۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع". (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة: ۱/ ۸۲، رحمانيه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، ص: ۵۸، قديمى)

(وكذا في كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الرابع في حقوق واداب متفرقة، رقم الحديث: ۴۵۳۱۲: ۱۶/ ۱۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يؤدب =

طریقہ سنت پر چلائیں۔

حسد، بخل، حرص، تکبر، دھوکہ، فریب، جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ اخلاق رذیلہ سے بچائیں(۱)۔ ایثار، سخاوت، تواضع، متانت، صبر وتحمل، توکل وغیرہ کا عادی بنائیں، علم دین پڑھائیں(۲)، اکل حلال کا انتظام کریں، غرض ہر شعبۂ زندگی کو درست کرنے کی فکر کریں، کوشش کریں حقوق کی بڑی تفصیل ہے۔ بعض حقوق بطور مثال لکھ دیئے ہیں، ان کو اختیار کرنے سے دیگر حقوق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

۴..... والدین اگر باوجود قدرت کے حقوق واجبہ کو ضائع کریں گے، توان سے باز پرس ہوگی(۳)۔

= الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع"..... حدثنا أيوب بن موسى، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن". (جامع الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في أدب الولد: ۲/۱۶، سعيد)

(وكذا في تربية الأولاد في الإسلام، الفصل الثاني في مسئولية التربية الخلقية: ۱/۱۸۱، دارالسلام)

"(مانحل)..... (والد ولده)..... أي: ما أعطاه عطية (أفضل من أدب حسن) أي: من تعليمه ذلك..... فأهم الآداب أدبه مع الله باطنا باداب الإيمان كالتعظيم، والحياء، والتوكل، وظاهراً لمحافظة الحدود، والحقوق، والتخلق بأخلاق الإسلام، واذابه مع المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في متابعة سننه في كل صغير وكبير وجليل وحقير، ثم أدبه في صحبة القرآن بالانقياد له على غاية التعظيم، ثم يتعلم علوم الدين ففيها جميع الآداب". (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۸۱۱۸: ۱۰/۵۴۶۹، ۵۴۷۰، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً وأيضاً رقم الحاشية: ۱، ص: ۲۹۸

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه قال: ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته ..... والرجل راع على أهل بيته، وهو مسئول عنهم، والمرأة راعية على بيت بعلها، وولده، وهي مسئولة عنهم إلى اخر الحديث". (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل الخ: ۲/۱۲۲، سعيد)

"(قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته) قال العلماء: الراعي هو الحافظ، المؤمن، الملتزم صلاح ما قام عليه، وما هو تحت نظره. ففيه أن كل من كان تحت نظره =

۵......اولاد پر بھی حقوق لازم ہیں، والدین اگر اپنا واجب ادا نہ کرے تو بھی اولاد سے حقوق ساقط نہیں ہوتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۱۴۰۰ھ۔

کیا والدین کا درجہ استاذ اور پیر سے زیادہ ہے؟

سوال[۱۱۳۳۷]: استاذ اور پیر کا درجہ والدین سے کم ہے یا زیادہ؟ بہشتی زیور میں والدین کا درجہ زیادہ لکھا ہے، بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جسمانی تربیت کی بناء پر والدین کا درجہ زیادہ ہے کہ وہی بنیاد ہے جمیع کمالات کی اور روحانی تربیت علم

= شيء فهو مطالب بالعدل فيه، والقيام بمعالجه في دينه، ودنياه، ومتعلقاته". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل الخ: ۱۲۲/۲، سعيد)

"(وهي مسئولة عنهم) عن حق زوجها وأولاده، وقال الطيبي: الضمير راجع إلى بيت زوجها وولده، وغلب العقلاء فيه على غيرهم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۲۴۱/۷، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "من أصبح مطيعا لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً، ومن أمسى عاصيا لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فوحداً، قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثلث، ص: ۴۲۱، قديمى)

(وكذا في كنز العمال، كتاب النكاح، قسم الأقوال، بر الأب والأم من الإكمال: ۱۹۹/۱۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"(ومن أمسى عاصيا لله تعالىٰ في والديه أصبح له بابان مفتوحان من النار، وإن كان واحداً فواحداً، قال رجل: وإن ظلماه) قال الطيبي: يراد بالظالم مايتعلق بالأمور الدنيوية، لا الأخروية، (قال: وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه) ثلاث مرات، للتأكيد والمبالغة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث: ۱۵۹/۹، رشيديه)

وعمل کے اعتبار سے استاد کرتے ہیں، اگر چہ وہ تربیت بلند ہے، لیکن والدین جسمانی تربیت کر کے استاد کے حوالہ نہ کریں، تو استاد کو تربیت کا موقع کہاں ملے گا؟! (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

والد کی نافرمانی

سوال [۱۱۳۳۸]: میرے والد صاحب مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں، انہوں نے کہلایا کہ گھر سے نکل جاؤ اور اپنے آپ انتظام کرلو، اس وقت میرے چار بچے ہیں، تنخواہ تین سو روپیہ ہے، میں نے الگ دکان لے لی ہے، اب کچھ مالی امداد کرتا رہتا ہوں، تو کیا میں نافرمان ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات کے ماتحت آپ ان کے نافرمان نہیں، اپنی استطاعت کے مطابق جانی، مالی خدمت کرتے رہیں اور دعا بھی ان کے لئے کرتے رہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۸ھ۔

صاحبِ حق کی طرف حق پہنچانے کی صورت نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۳۳۹]: میں ایک محلہ میں رہتا تھا، وہاں ایک دودھ والا آیا کرتا تھا، جو کہ گاؤں سے آتا تھا، وہ پورے محلہ کو دودھ دیا کرتا تھا اور یہ غیر مسلم تھا، میں نے جب وہ محلہ چھوڑا تو اس کے کچھ روپے میری طرف نکلتے تھے، اس لئے میں نے ایک محلّہ کے زمیندار آدمی کو کہہ دیا کہ آپ اس سے ہمارا حساب کر لینا اور جتنے روپے بتائے، مجھ سے لے لینا، جب وہ اس محلّہ میں آیا تو انہوں نے اس سے کہا، اس نے جواب دیا کہ ان کا اور ہمارا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وقضی ربک أن لا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا﴾ (بنی إسرائیل: ۲۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذ أخذنا میثاق بنی إسرائیل لا تعبدون إلا اللہ وبالوالدین إحسانا﴾ (البقرۃ: ۸۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیہ إحسانا﴾ (الأحقاف: ۱۵)

(۲) چونکہ والد نے خود ہی گھر سے نکالا ہے اور بیٹا استطاعت کے مطابق مالی امداد بھی کر رہا ہے، لہذا نافرمانی کا تحقق نہیں۔

حساب ہوگیا، ان پر ہمارا کوئی پیسہ نہیں ہے، لیکن جب اس سے کہا گیا کہ وہ کہہ گئے ہیں اور بتارہے تھے اور اس کے روپے تھے بھی، تو اس نے کہا حساب دیکھ کر بتاؤں گا۔

پھر کئی ہفتہ دودھ دینے ہی نہیں آیا، اس کے بعد آیا تو انہوں نے پھر اس سے کہا، تو وہ پھر دو تین ہفتہ دودھ دینے نہیں آیا، اس کے بعد پھر آیا تو پھر انہوں نے کہا، تو پھر آج تک واپس نہیں آیا اور اس کے گاؤں اور نام کا پتہ نہیں کیا ہے، تلاش بھی کرایا، مگر کسی محلّہ والے کو پتہ نہیں ہے، اب بتائیے، میں اس میں کیا کروں، اس پیسہ کو کس کو دوں؟ میں اس کا قرض دار ہوں، کل آخرت میں یہ مجھ سے مانگے گا اس لئے مجھے پریشانی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے نزدیک اس دودھ والے کے جتنے پیسے آپ کے ذمہ ہیں، وہ پیسے ان صاحب کو دے دیں۔ جن کے پاس وہ کبھی کبھی دودھ دینے آتا ہے، کہ جب بھی آئے، اس کو وہ دے دیں، اس میں جتنی مدت بھی انتظار کرنا پڑے، جب اس کی زندگی کی ہی توقع نہ رہے اور سمجھیں کہ مرگیا ہوگا، تو اتنے پیسے کسی غریب کو صدقہ کردیں (۱) کہ یا اللہ! اس کے وبال سے مجھے بچانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۹۲/۲/۶ھ۔

والد کی غلط رائے قابل عمل نہیں

سوال[۱۱۳۴۰]: میری عمر اس وقت گیارہ سال ہے، تین سال قبل میں چاند پور اپنے استاذ کے

---

(۱) "لو مات الرجل وكسب من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولىٰ لهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا، فإن علم عين الحرام لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الزكاة، ص: ۱۵، مكتبة القدس)

پاس آیا، میرے استاذ نے مجھ سے مندرجہ ذیل سوالات کئے، میرے پاس اس کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں تھا، انہوں نے مجھ سے سوال کیا:

الف-کلمہ یاد ہے یا نہیں؟ ب-نماز آتی ہے یا نہیں؟ ج-تم کس مذہب پر ہو؟

مجھے یہ باتیں معلوم نہیں تھیں، کیونکہ میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ میں ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہوں، باقی اور کچھ خبر نہیں تھی، نہ یہ معلوم تھا کہ زکوۃ کیا ہے؟ صدقہ کیا ہے؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون ہیں؟ چاند پور کے میرے استاذ نے مجھے نماز یاد کرائی اور سب سوالات کے جوابات بھی بتلائے، لیکن اب مجھے خدا کا شکر ہے کہ نماز چھوڑنا تو درکنار جماعت کے ترک ہونے پر بھی بہت دکھ ہوتا ہے، جس پر میرے والدین سخت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ملا بن گیا، بلکہ بگڑ گیا ہے، یہاں تک میرے استاذ سے سخت ناراض ہیں اور کہتے ہیں یہ تو ملا بن گیا۔

اب میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، جو پردہ میں رہے، والدین پردہ دار لڑکی کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی لڑکی سے شادی ہونی چاہیے کہ جو قضائے حاجت بھی جنگل جا کر کرے اور بے پردہ رہے، اب میں پریشان ہوں اور سوچتا ہوں کہ یہاں سے بھاگ جاؤں، لیکن استاذ اس سے منع کرتے ہیں، والدین اپنی ضد پر قائم ہیں اور میں اپنی ضد پر قائم ہوں۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

استاذ کا مشورہ بالکل شریعت کے مطابق ہے، وہی قابل عمل ہے، والد کی رائے غلط اور خلافِ شرع ہے، اس پر عمل جائز نہیں (۱)، آپ نہ کہیں بھاگیں، نہ والد کی رائے پر خلافِ شرع عمل کریں (۲)، نہ والد کی شان میں

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه، أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ...... قال: "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمي)

"فقام عمران بن حصين رضي الله تعالیٰ عنه، فلقيه بين الناس قال: تذكر يوم قال رسول الله =

گستاخی اور بے ادبی کریں، ان کی خدمت بھی اپنی وسعت کے موافق کیا کریں، اللہ پاک سے دعا بھی کرتے رہیں کہ وہ والد کو سیدھے راستے پر چلا دے، حق تعالیٰ آپ کی مدد اور حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۱ھ۔

باپ کو دھکا اور گالیاں دینا

سوال[۱۱۴۴۱]: زید مالدار آدمی ہے، اس کا باپ عمر ضعیف آدمی ہے، جو بہت متقی ہے، بیٹا باپ کی خدمت کر سکتا ہے، لیکن کرتا نہیں، باپ کے پاس کچھ کاشت کی زمین ہے، بیٹا باپ سے زمین خریدتا ہے، باپ نے یہ سوچ کر کے کہ میرے دو لڑکیاں ہیں، دونوں کو کچھ روپیہ دے دوں گا اور اپنے گزارے کے لئے کچھ رکھ لوں گا، باپ نے بیٹے کو زمین بیچ دی، قیمت دینے سے پہلے بیٹے نے کاغذات کراتے وقت دستخط کرا لیے اور کہا کچھ بعد میں دیتا ہوں، باپ نے بیٹے سے کہا، یہ روپیہ تھوڑی تھوڑی ہر ایک ماہ بعد پورا روپیہ دینا۔

باپ ایک ماہ بعد روپیہ لینے بیٹے کے یہاں جاتا ہے، بیٹا باپ کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور کہتا کہ حرام خور، میں تجھ کو روپیہ دے چکا ہوں، باپ کمزور ہونے کی وجہ سے واپس چلا آتا ہے اور روتا پھرتا ہے اور بیٹا اس زمین سے روپیہ کما کر حج کرتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی حج کراتا ہے، آیا اس کا حج اس روپے ممنوع سے مقبول ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فریضہ حج ادا ہو گیا(۱)، مگر بیٹے کی حرکات سخت گناہ اور ظلم ہے، جس کی وجہ سے مستحق عذاب ہے۔

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله" ... فقال عمران لكم: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا طاعة لأحد في معصية الله تبارك وتعالى". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱: ۲/۵۹، ۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۶/۲۶۸۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه، وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب =

قرآن کریم میں (ہے):

﴿ولا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً﴾ (۱) ﴿و اخفض لهما جناح الذل﴾ الآية (۲)۔

اس کو لازم ہے کہ والد سے معافی مانگے، ان کا حق ادا کرے، ان کی خدمت کرے، ان کو خوش کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= تارک الحج". (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/ ۴۵۶، سعید)

"ویجتهد في تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه یسقط الفرض معها وإن کانت مغصوبة" کذا في فتح القدیر". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحج، الباب الأول في تفسیر الحج الخ: ۱/ ۲۲۰، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الحج: ۱/ ۴۲۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۱) (الاسراء: ۲۳)

"قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالی: "والنهي عن ذلک یدل علی المنع في سائر أنواع الإیذاء". (روح المعاني، الإسراء: ۲۳: ۱۵/ ۵۵، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في تفسیر ابن کثیر، الإسراء: ۲۳: ۳/ ۴۳، سهیل اکیدمی لاهور)

(۲) (الاسراء: ۲۴)

(۳) قال الله تعالی: ﴿وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه وبالوالدین إحساناً﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)

وقال الله تعالی: ﴿ووصینا الإنسان بوالدیه حسناً﴾ (العنکبوت: ۸)

وقال الله تعالی: ﴿وصاحبهما في الدنیا معروفاً﴾ (لقمان: ۱۵)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالی عنه قال: قال رجل: یا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمک" قال: ثم من؟ قال: "أمک"، قال: ثم من؟ قال: "أمک"، قال: ثم من؟ قال: "أبوک"". (مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، ص: ۴۱۸، قدیمي)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالی عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "رضی الرب في رضی الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، ص: ۴۱۹، قدیمي)

بیٹے کو بیٹا نہ ماننے والے باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟

سوال[۱۱۳۴۲]: زید اپنے گھر پیدا ہوا، اس کے والد کی لاپرواہی سے اس کی والدہ اور اس کی حالت زیادہ نازک ہوگئی، تو اس کے ماموں اپنے گھر لے گئے اور اس کی والدہ کچھ دنوں کے بعد اللہ کو پیاری ہوگئیں، اس کے بعد اس کے والد نے کوئی خبر نہ لی، اس کے ماموں نے لکھایا، پڑھایا، شادی کی، لیکن اس کے والد نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

زید کے والد نے اپنی جائیداد بھتیجوں کے نام لکھ دی اور کہا میرا کوئی لڑکا نہیں ہے، زید نے اپنی کوشش سے کچھ حصہ پایا۔ اب وہ اپنے والد کے ساتھ نہیں رہتا ہے اور نہ اس کے ساتھ اس کے والد رہنا چاہتے ہیں، زید کیا کرے؟ زید اپنے گھر سے قریب سو میل کی دوری پر رہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اگر والد اپنے ساتھ رکھتا نہیں اور وہ سو میل کے فاصلہ پر رہتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کبھی کبھی اپنی حیثیت کے موافق ان کی خدمت کرتا رہے، والد کے اس کہنے سے کہ میرا کوئی لڑکا نہیں، پریشان نہ ہو، دعائیں کرتا رہے، کبھی کبھی موقع ملنے پر ملاقات بھی کرلیا کرے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ (الإسراء: ۲۴)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: أي: تواضع لهما وتذلل ...... ﴿من الرحمة﴾ أي: من فرط رحمتك عليهما". (روح المعاني، الإسراء: ۲۴: ۱۵/۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه قال: أوصاني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعشر كلمات، قال: "لاتشرك بالله شيئاً وإن قتلت أو حرقت، ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۲۱۵: ۶/۳۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً، ومن أمسى عاصيا =

والد کے گناہ پر ان کی اصلاح کا طریقہ

سوال[۱۱۳۴۳]: احقر کے والد محترم زراعت کا پیشہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بیاج(۱) پر روپیہ بھی دیتے ہیں، جب کہ بیاج لینا اور دینا سخت گناہ حرام ہے، تو میرے دل میں اس طرح سے بہت تشویش ہوتی ہے، دل میں آتا ہے کہ والد محترم سے اس کی برائی بیان کروں، لیکن والد کا مزاج اتنا سخت ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی میں تذکرہ کروں، تو مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے اور اب تک میرا خرچ بھی گھر سے ہی آتا رہا۔

لہٰذا دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان مجبوریوں کے باوجود میں گھر سے روپیہ منگا کر اپنی ضروریات میں صَرف کروں، تو عندالشرع کیسا ہے؟ جب کہ کسی دوسری جگہ سے خرچ کے لئے پیسہ آنے کی کوئی امید نہیں ہے، لہٰذا اگر قول کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر ایسی ہو سکتی ہو کہ جس کے ذریعہ میرے والد محترم کے دل میں اس امر قبیح کی برائی جم جائے، تو اس سے مطلع فرمائیں۔

محمد نسیم الحق مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ شریف

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بزرگ یا با اثر آدمی کے ذریعہ ان کو متنبہ کرا دیا جائے، یا کسی ایسی مجلس میں ان کو پہونچا دیا جائے، جہاں دینی مسائل کا تذکرہ رہتا ہو، یا تبلیغی جماعت میں کسی ترکیب سے ان کو بھیج دیا جائے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۹۵ھ۔

= لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فوحداً، قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الثلث، ص: ۴۲۱، قديمی)

(۱) "بیاج: سود، ربوا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ (التوبة: ۱۱۹)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحاً طيبة، ونافع الكير إما أن يحرق ثيابك، وإما أن تجد منه ريحاً خبيثة". (صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك، ص: ۹۸۴، دار السلام) .... =

والد پر خرچ کی ہوئی رقم کو ترکہ میں محسوب کرنا

سوال [۱۱۳۴۴]: ۱...... جب والدین مریض اور ضعیف ہو جائیں اور یہ ہر قسم کی خدمت کے محتاج ہو جائیں تو ان کے خرچہ وصرفہ کے ذمہ دار کون کون اولاد میں ہوں گے؟

۲...... ان حالات میں اگر ایک لڑکے نے اپنے والدین کی بھرپور خدمت کی اور علاج وخوراک، پوشاک وغیرہ میں کوئی کمی نہیں رکھی اور والد مرحوم کی دیوانگی اور پاگل پن کی حالت میں ہر قسم کے نقصانات کپڑوں کا پھاڑنا، لحاف اور گدوں میں آگ لگانا، چارپائیوں اور برتنوں کا توڑنا وغیرہ وغیرہ برداشت کرتا رہا اور والد مرحوم کے صاحبِ جائیداد ہونے کی وجہ سے مالی نقصانات کو اس امید پر برداشت کرتا رہا کہ یہ خسارے ان کی جائیداد سے بوقتِ تقسیم وصول ہو جائیں گے، کیا شرعاً اس کو حق ہے کہ بوقتِ تقسیم جائیداد واجبی اور ضروری خسارے تقسیم ترکہ سے قبل وصول کر لے؟

۳...... اگر اس ضرورت اور ذمہ داری کے پیشِ نظر کچھ لڑکوں نے والدین کے اخراجات کے لئے کچھ ماہانہ رقم مقرر بھی کر لی اور پھر یہ لوگ اس رقم وعدہ کی ہوئی کو ادا نہ کریں، تو اس شخص کو جس نے والدین کی خدمت کی اور ان دعویٰ کنندگان سے بوقتِ تقسیم جائیداد رقم ملنے کی توقع رکھی، یہ حق ہے کہ بوقتِ تقسیم جائیداد اس طے شدہ کو لے لے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... سب لڑکوں کے ذمہ حسبِ استطاعت واجب ہے(۱)۔

= هذا الحديث إرشاد إلى الرغبة في صحبة الصلحاء والعلماء ومجالستهم؛ فإنها تنفع في الدنيا والآخرة ... قيل: مصاحبة الأخيار تورث الخير، ومصاحبة الأشرار تورث الشر كالريح إذا هبت على الطيب عبقت طيباً، وإن مرت على النتن حملت نتنا ... والحاصل أن الصحبة تؤثر". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله: ۲۵۲/۵، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله: ۶۲۲/۸، رشيديه)

(۱) "لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى، والآخر يملك نصاباً فهي عليهما سوية".

(ردالمحتار، باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول: ۶۲۲/۳، سعيد) .... =

۲......محض توقع وامید پر ان مصارف کو تقسیم کرنے سے قبل بحیثیت دین وصول کرنے کا حق نہیں، جب تک اس کی تصریح نہ کی ہو، کہ میں بطور قرض یہ سب خسارہ برداشت کررہا ہوں (۱)۔

۳......جنہوں نے وعدہ کرکے ابھی رقم خرچ نہیں کی، اس کی ذمہ داری خود اُن پر ہے، جس نے خرچ کی وہ اپنا ذمہ پورا کرچکا ہے، اگر دوسرے بھائیوں سے یہ معاملہ نہیں کیا، ایک بھائی دوسرے بھائی کی وعدہ کی ہوئی رقم بھی دے دے، اس توقع پر کہ پھر وصول کرلے گا، تو محض توقع پر تقسیم جائیداد سے قبل طے شدہ رقم لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۸ھ۔

جیسا خود کھائے ویسا باپ کو کھلائے

سوال[۱۱۳۴۵]: سعید نے اپنے بیٹے عبدالصمد سے کہا کہ تم اپنے اور میرے خوراک وپوشاک میں برابری کا معاملہ رکھو، یعنی جو تم کھاؤ پیو وہ مجھے بھی کھلاؤ، پلاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا بلکہ خود تو اچھا کھایا، پیا، پہنا، اوڑھا اور مجھے خراب چیزیں استعمال کرائیں، تو یہ سب تیرا کرنا حرام ہوگا، اب عبدالصمد نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل نہ کیا، تو کیا اس کا مال بڑھانا، کھانا، پینا حرام ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیٹے کو خود چاہیے تھا کہ خدمت دل وجان سے کرتا اور اس کے لئے ہر چیز اپنے سے بہتر تیار کرتا،

= (وكذا في درر الحكام في غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۹، مير محمد كتب خانه كراچى)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "(عمر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة والنفقة دين عليها) لصحة أمرها (ولو عمر (لنفسه بلا إذنها فالعمارة له) ...... ولها بلا إذنها فالعمارة لها وهو متطوع) في البناء فلا رجوع له". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۶/۷۴۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۹/۳۵۷، ۳۵۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۷/۴۶۲، دارالكتب العلمية بيروت)

حدیث پاک میں ہے:"أنت ومالك لأبيك"(۱) یعنی تم اور تیرا مال تیرے باپ ہی کے لئے ہے، خود اچھا کھانا پینا اور باپ کو گھٹیا چیز دینا، حیا کے بھی خلاف ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرمایا، تو والدین کے ساتھ احسان کا حکم بھی فرمایا،﴿وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا﴾(۲) بیٹے کو ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اس قسم کا فتویٰ بیٹے پر نہ لگائے، بلکہ زبان کو محتاط رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

بچپن کی چوری کا گناہ کس پر ہے؟

سوال[۱۱۳۴۶]: ا.....بچپن کی چوری کا محاسبہ ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طریقے سے جتنے بھی گناہ بچپن میں کئے ہوں؟

بچپن کے بدنیک کام کا عذاب وثواب

سوال[۱۱۳۴۷]: ۲.....بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بدکام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے، تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا.....بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا(۳)۔

---

(۱) (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ص: ۳۲۸، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النفقات وحق المملوك: ۱/۲۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده: ۲/۱۴۲، رحمانيه)

(۲) (بني إسرائيل: ۲۳)

(۳) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يبلغ، وعن المعتوه حتى يعقل" رواه الترمذي وأبو داود. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲/۲۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وموضوعه: فعل المكلف) ..... المراد بالمكلف البالغ العاقل، ففعل غير المكلف ليس من=

۲.....بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں، ثواب کے وہ خود مستحق ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا(۱) گناہ کا مسئلہ نمبر ا میں آ گیا ہے، والدین تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، تو ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۴ھ۔

بچہ کوئی چیز بازار سے خرید لایا اس میں سے ماں باپ وغیرہ کو کھانا

سوال[۱۱۳۴۸]: باپ نے اپنے بچہ کو چار آنے دیئے، بچہ بازار سے کوئی چیز کھانے پینے کی لے آیا تو ماں باپ یا بھائی وغیرہ اس چیز میں سے کچھ لے کر کھالیں، تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نابالغ بچہ کو پیسہ دے دیئے اور وہ کوئی چیز بازار سے خرید کر لے آیا، تو ماں باپ، بھائی بہن کو اس سے محض اپنی خواہش سے لے کر کھانا نہیں چاہیے(۲)، البتہ اس کی تربیت کی نیت سے کہ اس کو عادت ہو جائے کہ

= موضوعه، وضمان المتلفات، ونفقة الزوجات، إنما المخاطب بها الولي لا الصبي، والمجنون". (ردالمحتار، مقدمة: ۱/۳۸، سعيد)

"(السرقة هي أخذ مكلف) ...... وأخرج الصبي، والمجنون؛ لأن القطع عقوبة، وهما ليسا من أهلها، لكنهما يضمنان المال". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۴/۸۳، سعيد)

(۱) "(قوله: ثواب الطفل للطفل) لقوله تعالى: وأن ليس للانسان إلا ما سعى، وهذا قول عامة مشايخنا، وقال بعضهم: ينتفع المرء بعلم ولده بعد موته ...... ويؤيده قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "إذا مات ابن ادم انقطع عمله إلا من ثلاث" ...... وتصح عبادته، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنها له، وللمعلم ثواب التعليم وكذا جميع حسناته". (ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۳۰، سعيد)

"وتصح عباداته، وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم وكذا جميع حسناته". (الأشباه والنظائر، الفن الثالث، الجمع والفرق، أحكام الصبيان: ۳/۳۱۱، ۳۱۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، الحظر والإباحة: ۴/۲۱۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) اس لئے کہ بچہ اس کا مالک ہے اور دوسرے شخص کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔

وہ تنہا نہ کھائے، بلکہ سب کو کھلایا بھی کرے۔ اس کو نصیحت کرنی چاہیے کہ وہ تقسیم کرکے خود بھی کھائے اور جتنی مقدار اس نے جس کو دی ہے، دوسرے وقت اسی انداز سے وہ بھی اس کو دے دیا اور کھلا دیا کریں، اس طرح نابالغ کے مال میں تصرف کا اشکال بھی باقی نہیں رہے گا اور اس کی تربیت بھی اچھی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲ھ۔

نابالغ بچوں سے تربیت کے لئے خدمت لینا

سوال [۱۱۴۴۹]: نابالغ بچوں سے اگر نل یا کنویں سے پانی منگایا جائے تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچوں سے خدمت نہ لی جائے، الا یہ کہ ان کا مربی ہو اور تعلیم وتربیت کے لئے ان سے کام لے، خواہ نل یا کنویں سے پانی منگانا ہو یا کوئی سودا منگانا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) لہٰذا جب وہ چیز (جو لی تھی) دوبارہ بطور ضمان دے دی تو تصرف فی مال الغیر بھی لازم نہیں اور مقصد تربیت کرنا تھا، وہ بھی حاصل ہو گیا۔

"وكذا الأب لا يملك هبة مال الصغير من غير شرط العوض بلا خلاف؛ لأن المتبرع بمال الصغير قربان ماله لا على وجه الأحسن". (بدائع الصنائع، كتاب الوكالة، مايرجع إلى الواهب: ۵/۱۹۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"والولاية في مال الصغير إلى الأب ثم وصيه، قوله: (إلى الأب) وفي جامع الفصولين: ليس للأب تحرير قنه بمال وغيره، ولا أن يهب ماله ولو بعوض، ولا إقراضه في الأصح" (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوكالة، فصل لا يعقد وكيل البيع والشراء: ۵/۴۲۸، ۵۲۹، سعيد)

(۲) "عن أم سليم رضي الله تعالى عنه، أنها قالت: يا رسول الله! أنس خادمك، ادع الله له، قال: "اللهم أكثر ماله وولده، وبارك له فيما أعطيته" (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قديمي) =

چوری حق اللہ ہے یا حق العبد؟

سوال[۱۱۳۵۰]: چوری حقوق اللہ یا حقوق العباد کے لئے سوال کیا تھا کہ چوری وغیرہ توبہ سے معاف ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، غالباً تین مرتبہ "وان زنی وان سرق" میں نے چوری کو حقوق العباد سمجھا تھا، کیونکہ بندہ کی چیز گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری حق اللہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے خلاف کرتا ہے، حق العبد بھی ہے کہ دوسرے کا مال لیتا ہے، اگر مال موجود ہو تو اس کو واپس کرنا لازم ہے، حق اللہ ہونے کی وجہ سے چوری کی سزا ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

استاذ کا شاگرد کو معاف نہ کرنا

سوال[۱۱۳۵۱]: زید نے اپنے استاذ کی توہین کی اور استاذ کو اس نے اس گستاخانہ الفاظ سے دلی

= "وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم دخل الخلاء فوضعت له وضوءاً، فلما خرج، قال: "من وضع هذا؟" فأخبر، فقال: "اللهم فقهه في الدين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۵۶۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عباس رضي الله تعالى عنهما، ص: ۱۰۹۰، دارالسلام)

(۱) "ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدرالمختار) "وحاصله: أن في السرقة أمرين: الحد، والمال، وإنما تشترط الدعوى للزوم المال، لا للزوم الحد، ولذا ثبت المال بها بعد التقادم؛ لأنه لا يبطل به، بخلاف الحد". (ردالمحتار، كتاب الحدود: ۴/۳۱، سعيد)

"ولا يرد حد السرقة؛ لأن الدعوى ليس بشرط للحد؛ لأنه خالص حق الله تعالى ...... ويضمن المال يعني في صورة شهادتهم بسرقة متقادمة؛ لأن الدعوى شرط في حقوق العباد". (البحرالرائق، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۵/۳۴، رشيديه) ...... =

تکلیف ہوئی، لیکن لڑکا اپنی غلطی وگستاخی پر نادم وشرمندہ ہے، مگر استاذ یہ کہتا ہے کہ میں اب معاف نہیں کرسکتا، مگر لڑکا بار بار اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہے، اب ایسے وقت میں استاذ کو کیا کرنا چاہیے؟ جب کہ استاذ پہلے بھی تین بار معاف کرچکا ہے اور اب چوتھی بار بھی معافی کی درخواست کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکارم اخلاق اور شاگرد پر شفقت کا تقاضہ یہی ہے کہ استاذ معاف کردے(۱)، لیکن اگر اس کے خصوصی حال کے ماتحت اس کی اصلاح کے لئے بطور سزا کچھ بے تعلقی مناسب ومفید ہو، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

اپنے افلاس کی وجہ سے زمین ایک بیٹے کے نام کرنا

سوال[۱۱۳۵۲]: زید کی دو اولاد ہیں، ۱- خالد، ۲- ہاشم۔ زید اب اپنی ضعیفی اور لاغری کی وجہ سے کسب پر قادر نہیں، کچھ مدت تک کھانے وغیرہ کا نظم خالد نے کیا، اس کے بعد اب ہاشم کر رہا ہے، مگر وہ سہولتیں

= (وكذا في الدرر الحكام في غرر الأحكام، كتاب الحدود: ۲/۶۷، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿الذين ينفقون في السراء والضراء والكظمين الغيظ والعافين عن الناس﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

"﴿والعافين عن الناس﴾ أي: المتجاوزين عن عقوبة من استحقوا مؤاخذته، إذا لم يكن في ذلک إخلال بالدين، وقيل: عن المملوكين إذا أساء وا والعموم أولىٰ". (روح المعاني، ال عمران: ۴/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في تفسير ابن كثير، ال عمران: ۱/۵۲۹، قديمى)

(۲) "رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر: ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد: ۲۲/۱۳۷، منيريه)

فراہم نہیں کررہا ہے، جو خالد کیا کرتا تھا، تاہم خالد کو اس کا احساس ہے، لیکن خالد کہتا ہے کہ والد صاحب کے پاس جو زمین ہے، وہ سب اگر میرے نام لکھ دیں تو میں ان کو اپنے گھر رکھوں گا اور جو کھائیں گے، کھلاؤں گا۔ اور ہر طرح کی سہولت فراہم کروں گا، تو کیا زید کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنی ضعف عمری کی پریشانی دور کرنے کے لئے تمام اراضی اپنے لڑکے خالد کے نام لکھ دے اور بقیہ ورثاء کو محروم کردے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شخص کا نفقہ خود اس کے ذمہ اس کے مال میں لازم ہے (سوائے بیوی کے) کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے (۱)۔ دوسرے کے ذمہ نفقہ جب واجب ہوتا ہے، جب اس کے پاس خود کچھ نہ ہو (۲)، والد کا نفقہ خود والد کے ذمہ ہے، اگر والد کے پاس کچھ نہ ہو، تو ان دونوں لڑکوں کے ذمہ ہے (۳)، خالد کا یہ کہنا کہ اگر والد زمین میرے نام لکھ دیں تو میں بہتر سہولت ان کے لئے پہونچاؤں، غلط اور بے محل ہے، اس سے ہاشم کو نقصان پہونچے گا اور کسی ایک بیٹے کو نقصان پہونچانے کے لئے دوسرے کو دے دینا ظلم اور ناجائز ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "تجب على موسر ...... النفقة لأصوله الفقراء". (الدرالمختار). "(قوله: الفقراء) قيد به لأنه لاتجب نفقة الموسر إلا الزوجة". (ردالمحتار، باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول: ۳/۲۲۱، ۲۲۳، سعيد)

"(قوله: الفقراء) شرط الفقر؛ لأنهم لو كانوا ذوي مال فإيجاب النفقة في مالهم أولىٰ من إيجابها في مال غيرهم بخلاف الزوجة". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الدرر الحكام في غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۹، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصاباً فهي عليهما سوية". (ردالمحتار، باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول: ۳/۲۲۳، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الدرر الحكام في غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۹، مير محمد كتب خانه كراچى)

(۴) "لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به =

حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہی

سوال[۱۱۳۵۳]: بلوغ کے بعد اگر حقوق العباد میں غلطی ہوئی ہو اور یاد نہ ہو، اگر یاد ہو مگر وہ معاملہ جس میں غلطی ہوئی ہو صحیح طریقہ پر یاد نہ ہو کہ کس سے ہوا تھا اور کس طرح ہوا تھا، مثلاً: کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی، یا کسی سے کوئی چیز خریدی تھی، مگر یہ یاد نہیں ہے کہ کیا چیز تھی اور کتنے کی خریدی تھی اور یہ یاد ہے خریدی ضرور تھی، یا وہ شخص جس سے یہ معاملہ ہوا تھا، مرگیا ہو، اسی طریقہ پر تکلیف پہنچانے کا معاملہ بھی ہو، تو ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر دعا کرلیا کریں کہ ''یا اللہ! جس جس کو مجھ سے تکلیف پہنچی اور جس کا کوئی حق میرے ذمہ رہ گیا، اس کا ثواب اس کو پہنچا دے''۔ اگر صاحبِ حق موجود ہو اور یاد بھی ہو، تو اس سے معافی تلافی کرکے صفائی کرلی جائے، یا کوئی مالی حق ہو، ادا کردے، صاحبِ حق معلوم نہ ہو، تو اتنی مقدار اس کی طرف سے خیرات کردی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۴ھ۔

= الإضرار وإن قصده فسوى بينهم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۶۹۶/۵، سعيد)

"لو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض في ذلك على البعض ..... أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، فإن كانا سواء يكره. وروى المعلى رحمه الله تعالىٰ عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده: ۲۷۹/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الهبة: ۳۹۹/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالىٰ على الخروج عن عهدة الأموال، وإرضاء الخصم في الحال، والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم ..... وفي القنية: رجل عليه ديون لأناس لا يعرفهم من غصوب، أو مظالم، أو جنايات يتصدق بقدرها على الفقراء". (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، مطلب يجب معرفة المكفرات لاجتنابها، ص: ۱۵۸، حقانيه) .... =

حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا

سوال[۱۱۳۵۴]: بکر کے ساتھ ظلم وستم لوٹ مار تو زید کرے، جب تک بکر معاف نہیں کرے گا، تو کیا خدا معاف کر دے گا؟ شریعت خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ کرنے والے یا کرانے والے کو ایک ہی گناہ ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قانون یہی ہے کہ حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۳، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أوشيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قديمي)

"(وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: ......) (فليتحلله) أي: فليطلب الظالم حل ما ذكر (منه) أي: من المظلوم: في النهاية يقال: تحللته واستحللته إذا سألته أن يجعلك في حل ...... وفي التعبير به تنبيه على أنه يجب عليه أن يتحلل منه، ولو ببذل الدينار والدرهم في بذل مظلمته". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۹/۳۱۲، ۳۱۳، رشيديه)

"قوله: (ناداه فقال: نعم إلا الدين) مستثنى مما تقرره، نعم وهو قوله: يكفر الله عني خطاياي، أي: نعم! يكفر الله خطاياك إلا الدين ...... أي: لكن الدين لكم يكفر؛ لأنه من حقوق الأدميين، فإذا أدّى، أو أرضى الخصم خرج عن العهدة". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار: ۶/۱۱۱، رشيديه)

"قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ: "أن لها ثلثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق ادمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، التحريم: ۸: ۲۸/۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حقہ پینا اور قرض لے کر دوسروں کی خدمت کرنا

سوال[۱۱۳۵۵]: زید مفلس ہو گیا، لیکن غیر مسلم فاسق سادھو(۱) اور دین دار کی خدمت قرضہ سے کرتا رہتا ہے، لیکن ادھار ادا کرنے کا نام نہیں لیتا اور حقہ نوشی کا اس قدر زور ہے کہ منہ سے بدبو نکلتی ہے، کسی کا نام لے کر جھوٹی تاویلات پیش کر کے بچاؤ کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شرعی ضمان کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض حقوق العباد میں سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک جنازہ لایا گیا، نماز کے لئے، دریافت فرمایا کہ: اس نے کوئی قرض چھوڑا ہے، عرض کیا گیا کہ جی ہاں! پھر دریافت فرمایا کہ ادا کرنے کے لئے بھی چھوڑا ہے، تو معلوم ہوا کہ نہیں چھوڑا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار فرما دیا تھا(۲)۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو پیسے (قلیل مقدار) کے عوض سات سو مقبول فرض نمازیں قیامت کو دلائی جائیں گی (۳)، بدبو سے ملائکہ اور انسانوں کو اذیت ہوتی ہے، جس کے منہ سے پیاز وغیرہ کی بدبو آتی

---

(۱) ''سادھو: جوگی، درویش، پارسا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''عن سلمة بن الأكوع رضي الله تعالىٰ عنه، قال: كنا جلوسا عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ أتي بجنازة ...... ثم أتي بالثالثة، فقال: ''هل عليه دين؟''، قالوا: ثلاثة دنانير، قال: ''هل ترک شيئاً؟'' قالوا: لا، قال: ''صلوا على صاحبكم'' ...... رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱/۵۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في حسن القضاء، رقم الحديث: ۳۳۴۳: ۳/۳۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على من عليه دين، رقم الحديث: ۱۹۵۹: ۳/۳۶۷، دار المعرفة بيروت)

(۳) ''جاء أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة''. (الدر المختار). ''لعل المراد بها الكتب السماوية، أو يكون ذلک حديثا نقله العلماء في كتبهم ...... (قوله: ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة) أي: من الفرائض لأن الجماعة فيها والذي في المواهب عن القشيري سبعمائة صلاة مقبولة، ولم يقيد =

ہے، اس کو بغیر منہ صاف کئے، مسجد میں آنے سے روک دیا جاتا تھا(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۱۱/ ۸۷ھ۔

یتیموں کی مدد کرنا

سوال[۱۱۳۵۶]: یتیموں کی مدد کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

= بالجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، فروع في النية: ۱/ ۴۳۹، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية، ص: ۴۶، دارالفكر بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، باب شروط الصلاة: ۱/ ۲۰۰، دارالفكر بيروت)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، نوع فيما يكره: ۴/ ۲۸، رشيديه)

مذکورہ بالا تمام کتب میں "جاء في بعض الكتب" کے عنوان سے اس بات کا ذکر ہے، کتاب کی تعیین نہیں کی گئی، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے یا تو کتب سماویہ مراد ہیں یا یہ علماء کرام میں سے کسی کا قول ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں اور نہ ہی ذخیرہ احادیث میں کوئی ایسی حدیث مل سکی، البتہ احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے کہ جو شخص کسی صاحبِ حق کا حق ادا کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے تو آخرت میں صاحبِ حق کو اس کا حق دوسرے شخص کی حسنات سے دلایا جائے گا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار أو درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب الظلم، ص: ۴۳۵، قديمي)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۶۸، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہت بڑے اجر وثواب کے مستحق ہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

کیا یتیم کو اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے؟

سوال [۱۱۳۵۷]: کیا ایسا بھی حکم ہے کہ یتیم اپنا حق حاصل کرنے کے لئے حق کی لڑائی نہ لڑے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے، اس کے لئے مناسب تدبیر اختیار کی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۶ھ۔

ایک لڑکی کو دینا دوسری کو نہ دینا

سوال [۱۱۳۵۸]: ۱...... ہمارے خسر صاحب کی دو لڑکیاں موجود ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں، ہمارے خسر صاحب اور خوشدامن دونوں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ عبدالستار صاحب پوری جائیداد پر قابض ہیں، پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، چھوٹی لڑکی میری نکاح میں ہے، اخیر میں خسر صاحب کی رائے سے خوشدامن نے اپنے نام کی پانچ بیگھہ زمین اپنی بڑی لڑکی کے نام سے لکھ دیا ہے، اس طرح سے اپنی چھوٹی لڑکی کو حق سے محروم کر دیا، تقریباً ۸/ ہزار روپیہ کا نقصان ہم سمجھتے ہیں، ایسی حالت میں شرعاً کیا حل ہے؟

۲...... چونکہ ہم پہلے فیصلہ میں تقریباً ۱۵/ ہزار کا نقصان اٹھا چکے ہیں، دوسرے فیصلہ میں بھی نقصان اٹھا

(۱) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: أنا وكافل اليتيم له، أو لغيره في الجنة كهاتين". (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في من ضم يتيماً: ۳/ ۳۶۰، رحمانيه)

"(كافل اليتيم) القائم بأموره من نفقة، وكسوة، وتاديب، وتربية، وغير ذلك". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب الإحسان إلى الأرملة: ۲/ ۴۱۱، قديمى)

(وصحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب فضل الإحسان إلى الأرملة: ۲/ ۴۱۱، قديمى)

(۲) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه أخذ سنا، فجاء صاحبه يتقاضاه، فقالوا له، فقال: "إن لصاحب الحق مقالاً". (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب من أهدي له هدية، ص: ۴۲۲، دار السلام)

چکے ہیں، ایسی حالت میں ان کی خوشی اورغمی میں اگر ہم شامل نہ ہوں، تو کیا حکم ہے؟ اتنا نقصان اٹھانے کے بعد بھی ہم کو ان کی خوشی میں شامل ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... خسر صاحب اور خوشدامن صاحبہ نے جو کچھ اپنی ایک لڑکی کو دے دیا اور دوسری لڑکی کو نہیں دیا اور اس سے مقصود اس کو کسی وجہ سے نقصان پہونچانا ہے، تو وہ گنہ گار ہیں (۱)، مگر اس پر دوسری لڑکی کو دعویٰ کرنے اور مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ حقِ وراثت انتقال مورث کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں (۲)۔

۲..... اگر شادی غمی میں شرکت نہ کی، تو کیا نقصان کا عوض مل جائے گا؟ یا جو کچھ تکلیف پہونچی وہ ختم ہو جائے گی؟ مناسب تو یہی ہے جہاں اتنا صبر کیا، شرکت بھی کرلیں، خاص کر کسی کی میت ہو، تو جنازہ کی نماز اور تدفین میں شرکت کرلیں اور تعزیت بھی کریں، اس میں بہت بڑا اجر ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ شعبان/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوى بينهم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۹۶، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده: ۳/ ۲۷۹، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الهبة: ۳/ ۳۹۹، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة، أوحكما كمفقود أو تقديراً كجنين فيه غرة". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/ ۷۵۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/ ۳۶۴، رشيديه)

(وكذا في هامش السراجي في كتاب الميراث، ص: ۴، مكتبة البشرى)

(۳) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إن أخاكم قدمات فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، رقم الحديث: ۱۹۴۵: ۳/ ۳۵۸، دارالمعرفة بيروت)

(وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، رقم الحديث: ۲۲۱۰، ص: ۳۸۴، دارالسلام)

چورڈاکو پڑوسی پر احسان کرنا

سوال[۱۱۳۵۹]: اگر پڑوسی چوریاڈاکو ہوں، توان پر احسان کرنا چاہیے یا نہیں؟ جب کہ وہ چور ڈاکو اکثر ایذاء پہونچاتے رہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان پر بھی احسان کرنا چاہیے، امید ہے کہ وہ اس احسان سے متاثر ہو کر نیک عمل اختیار کریں گے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الوصاة بالجار: ۸۸۹/۲، قديمي)

"واسم الجار يشتمل المسلم، والكافر، والعابد، والفاسق، والصديق، والعدو، والغريب، والبلدي، والنافع، والضار، والقريب، والأجنبي". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب الوصاة بالجار: ۵۴۱/۱۰، قديمي)

(وسنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب في حق الجوار: ۱۶/۲، قديمي)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب الأدب: ۱۰۸/۱۶، الطباعة المنيرية)

باب السلام والقيام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اوراس کے جواب کا بیان)

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت سلام

سوال[۱۱۳۶۰]: اندرونِ مسجد جب کہ نمازی سنت بھی پڑھ رہے ہوں، سلام کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ دروازہ پر سلام کرکے داخل ہونا اور سلام کرکے نکلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب اندرونِ مسجد نماز میں مشغول ہوں، تو سلام نہ کیا جائے (۱)۔ بیرونِ مسجد اگر دروازہ کے قریب لوگ فارغ ہوں، تو ان کو سلام کرلیا جائے، مسجد سے باہر نکل کر جب اپنے راستہ پر جائیں، تب بھی سلام کرلیا کریں، تو اچھا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "كما يكره على عاجز عن الرد حقيقة كآكل، أو شرعاً كمصلٍ، وقارئ، ولو سلم لا يستحق الجواب". (الدر المختار مع رد المحتار، الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۱۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهيه، الباب السابع في السلام: ۵/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، نوع في السلام: ۳/۴۲۴، رشيديه)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، واضربوا الهام، تورثوا =

استنجا خشک کرتے ہوئے سلام وکلام

سوال[۱۱۳۲۱]: استنجا خشک کرنے کے متعلق احقر کے خیالات ایسے تھے کہ اس میں اگر چہ خاص استنجا اور غسل کی طرح برہنگی نہیں ہوتی، مگر کامل ستر پوشی بھی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شرم آتی ہے، لوگوں کے سامنے استنجا خشک کرنے میں حیاداری چاہیے، کہ جہاں تک ہو سکے، لوگوں کی نظروں سے بچ کر استنجا خشک کیا جائے بالخصوص عورتوں کے سامنے تو ہرگز نہ کرے، وہ محرم ہوں یا نامحرم، لیکن باوجود اس احتیاط کے استنجا خشک کرنے میں بیت الخلاء کی طرح بالکل تنہائی بھی اکثر نہیں ہوتی، جس میں کسی وقت کسی کی بات کا جواب دینا بھی پڑتا ہے، جس کے جواز پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ظاہر ہے کہ استنجا سکھانے کی حالت پیشاب کرنے کی حالت نہیں ہے۔

پس اس حال میں سلام وکلام کرنا یا جواب سلام دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ سلام وکلام کی ممانعت حالت بول میں ہے، کیونکہ وہی ستر کے کھلنے کا وقت ہے اور بول سے فارغ ہو کر استنجا سکھانا جب کلام کے لئے مانع نہیں ہے، تو ذکر اللہ اور سلام کے لئے کس طرح مانع ہو جائے گا۔

اب احقر عرض کرتا ہے کہ کلام کی تعریف میں گفت وشنید دونوں آتے ہیں، بلکہ نوشت وخواند بھی گفت وشنید کے قائم مقام ہیں، پھر بھی نوشت وخواند کے متعلق احقر معلوم کرنا چاہتا ہے، کیونکہ استنجاء سکھانے میں کبھی اپنا تنہا مکان یا کمرہ ہوتا ہے، جس میں پڑھنے کی چیزیں موجود ہوتی ہیں، اس کے بارے میں استفتاء ارسال کیا تھا، سوال یہ تھا کہ استنجا خشک کرنے کی حالت میں کتاب، خط یا اشتہار وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب اگر قطرہ نہیں آ رہا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اس پر مزید عرض ہے کہ سوال میں پڑھنے سے مراد اردو محاورہ کے مطابق ہر طرح کا پڑھنا ہے، یعنی پڑھنے کی خبر دینی ہو یا دنیوی، داہنے ہاتھ میں لے کر بغیر ہاتھ لگائے ہی

= الجنان". (سنن الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في فضل إطعام الطعام: ۲/۷، قديمي)

"بين النبي عليه الصلاة والسلام فائدة السلام، وسبب مشروعيته فإن التحابب في الناس خصلة يرضاها الله تعالى، وإفشاء السلام آلة صالحة لإنشاء المحبة، وكذلك المصافحة، وتقبيل اليد، ونحو ذلك قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: يسلم الصغير على الكبير، والمار على القاعد، والقليل على الكثير". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب السلام: ۵/۱۰۰، ۱۰۱، رشيديه)

سراً یا جہراً زبان سے پڑھنا یا دل ہی میں پڑھنا، اب اس کے ساتھ ہاتھ لگانے کا سوال اور پیدا ہو گیا ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

حضرت والا نے جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بشرطیکہ مذکورہ پڑھ سکنے کا جواز کا تعلق وقت کے کون سے حصے سے ہے، کیونکہ قطرہ جب آتا ہے اور مسلسل ہو جو کہ مرض ہے، یا وقفے کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہو، جس کے عام حالات ہیں، تب بھی استنجاء سکھانے کا شغل جاری رہتا ہے اور سوال مذکورہ سب ختم ہو جاتے ہیں، اگر کہا جائے کہ جواز کا تعلق درمیانی وقفوں سے ہے، جس میں قطرہ کی آمد رکی ہوئی ہو، تو ان وقفوں کو کون دیکھتا ہے اور اگر دیکھے بھی تو ان میں گنجائش کب ہے؟ کہ کچھ پڑھ لکھ سکے، استنجا کی حالت میں کھانے کے بارے میں بھی آپ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرما دیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں پر دو حالتیں قابلِ لحاظ ہیں: ایک برہنگی، دوسری خروج بول، استنجاء خشک کرنے کے وقت عامۃً پہلی حالت نہیں ہوتی جو امور برہنگی کی وجہ سے ممنوع ہیں (۱)۔ وہ اس حالت میں ممنوع نہیں یہی محمل ہے، فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت منقولہ کا لکھنا پڑھنا، کھانا، پینا، کلام وسلام کرنا، جواب دینا، سب کا حکم اس سے معلوم ہو گیا۔ خروج بول کی حالت بھی سلام وکلام وغیرہ سے مانع ہے، اس میں وہ تفصیل ہے، جو احقر نے پہلے تحریر کی تھی، کبھی استنجا خشک کرنا محض رفع وہم اور تحصیلِ اطمینان کے لئے ہوتا ہے، کہ قطرہ تو نہیں آتا ہے، صرف مخرج میں کچھ نمی تری سی ہے، تو اس کو خشک کرنا مقصود ہے۔

ایسی حالت میں سلام وکلام وغیرہ کے ممانعت نہیں، کبھی قطرہ آتا ہے، خواہ مرض کی وجہ سے مسلسل آئے اور کچھ دیر بعد ختم ہو جائے یا وقفہ کے ساتھ آئے، اس کا احساس ہوتا ہے، ایسی حالت میں امور مذکورہ

---

(۱) برہنگی کی حالت میں سلام وکلام مکروہ ہے۔

"دع کافراً أیضاً ومکشوف عورة". (الدر المختار). "(ومکشوف عورة) ظاهره ولو الکشف لضرورة". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، مطلب المواضع التي یکره السلام: ۱/۶۱۷، سعید)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، نوع في السلام: ۲/۳۵۵، رشیدیه)

ممنوع ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

نامحرم کو سلام کرنا

سوال [۱۱۳۶۲]: اپنے خاندان کی نامحرم عورتوں یا مردوں میں سے ایک دوسرے کو سلام کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعاً کہلایا جا سکتا ہے، اگر فتنہ نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۹ھ۔

چھینک پر الحمد للہ رب العالمین کہنا

سوال [۱۱۳۶۳]: چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کے بجائے الحمد للہ رب العالمین کہتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) "وأما السلام على من يستنجي من البول بالحجر، أو المدر قاعداً أو قائماً –كما تعورف اليوم في بلادنا– فلم يثبت فيه من القدماء شيء، وكان الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي رحمه الله تعالىٰ يقول يرد السلام عند ذلك، وكان الشيخ محمد مظهر النانوتوي –مؤسس المعهد العربي "مظاهر علوم" بسهارنفور– يقول بترك الرد". (معارف السنن، باب في كراهية ردالسلام غير متوضي: ۱/۱۷، ۳، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، أحكام سلام وتعظيم أكابر: ۴/۹، دار العلوم)

(۲) "الرجل مع المرأة إذا التقيا سلم الرجل أولاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع في السلام: ۵/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان، الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم: ۳/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الحمدللہ کہنا ہی ثابت ہے(۱)، اس پر اپنی طرف سے اضافہ کرنا، اگرچہ دوسری جگہ موجود بھی ہو بدعت ہے، لہٰذا چھینک پر صرف الحمدللہ ہی کہا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۱۲/۲۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) واضح رہے کہ "الحمدلله رب العالمين" کہنا بھی ثابت ہے۔

"عن هلال بن يساف قال: كنا مع سالم بن عبيد، فعطس رجل من القوم، فقال: السلام عليكم، فقال له سالم: وعليك وعلى أمك، فكأن الرجل وجد في نفسه، فقال: أما إني لم أقل إلا ما قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إذ عطس رجل عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: السلام عليكم فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عليك وعلى أمك، إذا عطس أحدكم فليقل: الحمدلله رب العالمين، وليقل له من يرد عليه: يرحمك الله وليقل: يغفر الله لي ولكم". (جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ماجاء كيف تشميت العاطس: ۳/۵۰۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب العطاس والتثاؤب، الفصل الثاني: ۲/۱۷۸، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثاني في المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا

سوال[۱۱۳۶۴]: ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا جائز ہے یا حرام؟ کیا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا طریقہ مردود ہے، یا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والا مردود ہے، اس طریقہ کو یا اس طریقہ کو اپنانے والے کو مردود سمجھنے والا کیسا ہے؟ مصافحہ کا طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے(۱)، یہ کہنا کہ دو ہاتھوں سے ثابت نہیں، ایک ہی ہاتھ سے کرنا چاہیے، غلط ہے(۲)، گاہے گاہے ایک ہاتھ سے بھی منقول ہے(۳)، ان دونوں میں سے کسی ایک طریقہ کو حرام

---

(۱) "باب المصافحة" قال ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه: علمني النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم التشهد، وكفي بين كفيه". (صحيح البخاري، كتاب الاستيذان، باب المصافحة: ۹۲۶/۲، قديمي)

"والسنة أن تكون بكلتا يديه، وبغير حائل من ثوب أو غيره، وعند اللقاء بعد السلام، وأن يأخذ الإبهام، فإن فيه ينبت المحبة، كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۳۸۱/۲، ۳۸۲، سعيد)

(وكذا في تحفة الأحوذي شرح الترمذي: ۵۱۸/۷، مكتبه سلفيه مدينه منوره)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "اعلم أن السنة أن تكون المصافحة باليد الواحدة، أعني اليمنى من الجانبين". (تحفة الأحوذي، أبواب الاستئذان والأدب، باب ماجاء في المصافحة، فائدة في بيان أن السنة في المصافحة أن تكون باليد الواحدة، رقم الحديث: ۲۸۷۵: ۵۱۸/۷، ۵۱۹، مكتبه سلفيه مدينه منوره)

"وفي رواية أبي ذر عن الحموي والمستملي: الأخذ باليد، بالإفراد". (عمدة القاري، كتاب=

کہنا صحیح نہیں، البتہ جو طبقہ دین سے تعلق نہیں رکھتا، ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ پر اصرار کرتا ہے، اس کے ساتھ تشبہ سے بچنے کے لئے اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ترک کیا جائے، تو بہتر ہے "عمدۃ القاری" شرح بخاری شریف میں دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت موجود ہے (۱) اور الکوکب الدری میں بھی مذکور ہے، کہ ایک ہاتھ سے بھی منقول ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۱۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الاستئذان، باب الأخذ باليدين: ۲۲/۳۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الاستيذان: ۱۱/۲٦، قديمي)

(۱) "رأيت حماد بن زيد، وجاء ه ابن مبارك بمكة، فصافحه بكلتا يديه ..... قوله: "وكفي بين كفيه" وهو الأخذ باليدين". (عمدة القارئ، كتاب الاستيذان، باب الأخذ باليدين: ۲۲/۳۹۳، ۳۹۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قوله: الأخذ باليد اللام فيه للجنس فلا تثبت الوحدة، والحق فيه: أن مصافحة صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثابتة باليد وباليدين، إلا أن المصافحة بيد واحدة لما كانت شعار أهل الإفرنج وجب تركه لذلك". (الكوكب الدري، أبواب الاستئذان والأداب، باب المصافحة: ۲/۱۴۱، ۱۴۲، المكتبة اليحيويه، سهارنپور)

الفصل الثالث في القيام والتقبيل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

پیر کی قدم بوسی کرنا

سوال[۱۱۳۶۵]: پیر کی قدم بوسی کرنا کہ جس سے نقل سجدہ کی ہو اور اسی حالت میں زور زور سے چلانا کہ دوسرے آدمی کو خوف کے مارے لرزہ آجائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال: لا". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۴۰۱/۲، قديمى)

"أينحني له" من الانحناء، وهو إمالة الرأس، والظهر تواضعاً، وخدمةً قال: "لا" أي: فإنه في معنى الركوع وهو كالسجود من عبادة الله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۴۶۱/۸، رشيديه)

"تقبيل الأرض بين يدي العلماء، والعظماء فحرام، والفاعل، والراضي به اثمان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفر؟ إن على وجه العبادة، والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار اثما مرتكب للكبيرة". (ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في الاستبراء: ۳۸۳/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الكراهية، الباب الثامن والعشرون: ۳۶۹/۵، رشيديه)

جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا

سوال[۱۱۳۲۶]: پیر صاحب کو مرید کا جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا کیا یہ عمل جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزادے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جھک کر سلام کرنا منع ہے، پیروں پر سر رکھنا بھی منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه، أينحني له؟ قال: لا". (جامع الترمذي، كتاب الاستئذان، باب المصافحة: ۲/۱۰۲، قديمي)

"الانحناء إمالة الرأس والظهر، وهو المشهور. أن المراد هنا انحناء الظهر، كما قال محي السنة: إن انحناء الظهر مكروه، وإن كان يفعله كثير ممن ينسب إلى علم وصلاح. ونقل عن الشيخ أبي منصور أن تقبيل الأرض، وانحناء الظهر، وإمالة الرأس لايكون كفراً؟ بل إثما ومعصية وكبيرة؛ لأن المقصود التعظيم دون العبادة انتهى. وبعض المشايخ قد شدوا في المنع عن ذلك وقالوا: كاد الانحناء أن يكون كفراً". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۵/۱۱۹، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة: ۸/۴۶۲، رشيديه)

باب الترضي والترحم

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ علیہما الصلوۃ والسلام کہنا

سوال[۱۱۳۶۷]: بعض حضرات اس چیز کے قائل ہیں کہ امام حسن اور حسین علیہما الصلوۃ والسلام کہنا ضروری ہے، آیا یہ ان کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے تو اس کہنے پر کیا غلطی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علیہ الصلوۃ والسلام عامۂ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے کہنا رائج ہوگیا، بعض لوگ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معصوم مان کر ان کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، سو یہ عقیدہ اور عمل

(۱) "(قوله: ولا يصلى على غير الأنبياء)؛ لأن في الصلاة من التعظيم ماليس في غيرها من الدعوات، وهي زيادة الرحمة، والقرب من الله تعالىٰ، ولا يليق ذلك بمن يتصور منه خطايا والذنوب إلا تبعاً ...... والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة: أن ذلك شعار أهل البدع، ولأن ذلك مخصوص في لسان السلف بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام كما أن قولنا: عزوجل مخصوص بالله تعالىٰ، فلايقال: محمد عزوجل وإن كان عزيزاً جليلاً، ثم قال اللقاني: وقال القاضي عياض: الذي ذهب إليه المحققون، وأميل إليه ما قاله مالك وسفيان، واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين أنه يجب تخصيص النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسائر الأنبياء بالصلاة والتسليم، كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه ...... وأيضاً فهو أمر لم يكن معروفاً في الصدر الأول، وإنما أحدثه الرافضة في بعض الأئمة، والتشبه بأهل البدع منهي عنه، فتجب مخالفتهم". (ردالمحتار، مسائل شتى: ۷۵۳/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۳۶۱/۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة: ۳۱۵/۵، رشيديه)

غلط ہے،اس سے بچنا چاہیے(۱)۔فقط۔

غیر مسلم کا درود شریف پڑھنا

سوال[۱۱۳۶۸]: کیا غیر مسلم کو درود شریف پڑھنے سے دنیوی فائدہ ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امید ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،۱۵/۴/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "﴿نوف إليهم أعمالهم﴾ فيها وجهان: أحدهما: أن يصل الكافر رَحِما، أو يعطي سائلاً، أو يرحم مضطراً، أو نحو ذلک من أعمال البر، فيجعل الله له جزاء عمله في الدنيا بتوسعة الرزق، وقرة العين فيما خوّل، ودفع مكاره الدنيا، روي ذلک عن مجاهد والضحاک". (أحكام القرآن للجصاص، هود: ۲۱۱/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۱۳/۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۲۵/۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

نامحرم عورتوں کی جگہ پر جانا

سوال[۱۱۳۶۹]: اگر نامحرم عورت سے تنہائی میں بھی نہ ملے اور نہ اس کے چہرہ کی طرف نظر ڈالے ،تب ایسی جگہ جانا جائز ہے؟ جہاں نامحرم عورتیں ہوں، عام ہے کہ معمر ہوں یا غیر معمر؟ جو عورتیں بے پردہ رہتی ہیں،لیکن دین داروں سے پردہ کرتی ہیں اور ان کے سامنے سر وغیرہ ڈھک کر آتی ہیں، ان کے یہاں جانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح عورت کو نامحرم مرد سے پردہ کرنا لازم ہے،مرد کو بھی نامحرم عورت سے بچنے کی کوشش لازم ہے،لہٰذا ایسی جگہ ہرگز نہ جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ (التوبة: ۳۰)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم : "إياكم والدخول على النساء"، فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول: ۱/۵۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"الخلوة بالأجنبية مكروهة، وإن كانت معها أخرى كراهة تحريم". (ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

پرانی وضع کا برقعہ

سوال[۱۱۳۷۰]: جو برقعہ پرانے زمانہ کا ہے، اس میں بھی بے احتیاطی سے ستر کھل جاتا ہے، ایسے برقعہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پرانی وضع کے برقعہ میں اگر ستر ناتمام ہو اور اس کے مقابلہ میں چادر سے ستر تام حاصل ہوتا ہو، تو چادر ہی کو استعمال کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

فیشنی مروجہ برقعہ

سوال[۱۱۳۷۱]: آج کل فیشنی مروجہ برقعہ جو ریشمی ہوتا ہے اور بدن سے چمٹا کر سیا جاتا ہے، ایسے برقعہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) مقصد ستر کا چھپانا ہے، چاہے وہ برقعہ سے حاصل ہو جائے یا چادر سے، لہٰذا اگر کوئی برقعہ ایسا ہے، جس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو اس کو ترک کر دیا جائے۔

قال الله تعالى: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن﴾ (الأحزاب: ۵۹)

"روي عن عبدالله قال: "الجلباب الرداء" ...... وقال ابن عباس ومجاهد: "تغطي الحرة إذا خرجت جبينها ورأسها خلاف حال الإماء" ...... لما نزلت هذه الآية: ﴿يدنين عليهن من جلا بيبهن﴾ خرج نساء من الأنصار كأن على رؤوسهن الغربان من أكسية سود يلبسنها، قال أبوبكر: في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبيين وإظهار الستر، والعفاف عند الخروج". (أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب، باب حجاب النساء: ۴۸۶/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"(ستر عورته وجوبه عام) أي: في الصلاة وخارجها (ولو في الخلوة) أي: إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في ستر العورة: ۴۰۴/۱، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو اگر کسی ضرورت سے مکان سے باہر جانا ہی پڑے تو میلی کچیلی چادر اوڑھ کر اس طرح جائے کہ جسم پر بھی کسی کی نظر نہ پڑے اور لباس بھی جاذب نظر نہ ہو، فیشنی برقعہ جس کا سائل نے ذکر کیا ہے، خود مستقل جاذب نظر ہوتا ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جو عورت مہکتی ہوئی خوشبو لگا کر مکان سے نکلتی ہے، وہ ایسی ایسی ہے(۱)، یعنی لوگوں کو بدکاری کی دعوت دیتی ہے، یہی حال قریب قریب فیشنی برقعہ کا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب چاہیے، ایسا لباس استعمال کرنا، جس سے بدن کی پوری ہیئت ظاہر ہوتی ہو، ہرگز جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو بھائیوں کا ایک مکان میں رہنا

سوال[۱۱۳۷۲]: ایک ہی مکان میں دو مادرزاد بھائی رہتے ہیں، دونوں بھائی اور دونوں کی بیوی اسی مکان میں رہتی ہیں، ایسی صورت میں ایک بھائی کی بیوی پر دوسرے بھائی کی نظر اچانک پڑتی ہے، بات

---

(۱) "عن أبي موسیٰ رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "کل عین زانیة، وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس، فهي کذا وکذا" یعني: زانیة رواه الترمذي". (مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۱/۲۱۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وسنن النسائي، کتاب الزینة، مایکره للنساء من الطیب، ص: ۷۰۱، دارالسلام)

(وسنن أبي داود، کتاب الترجل، باب في المرأة تتطیب للخروج: ۴/۷۰۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) "إن کان علی المرأة ثیاب فلا بأس بأن یتأمل جسدها، وهذا إذا لم تکن ثیابها ملتزقة بها بحیث تصف ما تحتها، ولم یکن رقیقاً بحیث یصف ماتحته، فإن کان بخلاف ذلک فینبغي له أن یغض بصره. وفي التبیین قالوا: ولا بأس بالتأمل في جسدها، وعلیها ثیاب مالم یکن ثوب یبین حجمها، فلا ینظر إلیه حینئذ ..... مفاده: أن رؤیة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة، ولو کثیفاً لا تری البشرة منه".

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۶، سعید)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب الاستحسان، الفصل التاسع فیما یحل للرجل النظر إلیه: ۶/۲۸، مکتبه حقانیه کوئٹه)

چیت نہیں ہوتی، دوسرا بھائی جب باہر سے آکر مکان میں کھانے کے لئے داخل ہوتے ہیں، تو پہلے کی بیوی پر نظر پڑتی ہے، بے حیائی وغیرہ کی بات یا اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کی تنگی اور غربت کے باعث کبھی ایسی نوبت آجائے اور نظر فوراً ہٹالی جائے، تو امید ہے کہ پکڑ نہ ہوگی، لیکن ایسی جگہ جانے کے لئے پہلے شریعت نے استیذان تجویز کر رکھا ہے، اس کا لحاظ رکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتاً غير بيوتكم حتى تستأنسوا وتسلموا على أهلها﴾ (النور: ۲۷)

"المعنى حتى تطلبوا علم أهل البيت، والمراد حتى تعلموهم على أتم وجه، ويرشد إلى ذلك ما روي عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه: أنه قال: قلنا يا رسول الله! ما الاستئناس؟ فقال: "يتكلم الرجل بالتسبيحة والتكبيرة والتحميدة يتنحنح يؤذن أهل البيت" وما أخرجه ابن المنذر وجماعة عن مجاهد أنه قال: تستأنسوا تتنحنحوا تنخموا". (روح المعاني: ۱۸/ ۱۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۱۲/ ۱۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فصل في مايتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے عورتوں کا مردوں کے لئے

سوال[۱۱۲۷۳]: جوعورتیں مرد سے پردہ کرتی ہیں، ان کوغیر مرد کا ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ میں نعت، حمد بھر کر سننا جائز ہے یا نہیں؟ عورتیں گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ریڈیو پر تقریر آئے، جو ضروری امور پر مشتمل ہو، اس کا سننا عورتوں کو درست ہے(۱)۔ مردوں کی آواز عورتوں کے حق میں منع نہیں (۲)، عورتوں کا ٹیپ ریکارڈ مردوں کو نہیں سننا چاہیے(۳) اور گانا کسی کا کسی کو

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: خرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذات يوم أو ليلة، فإذا هو بأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة ...... فلما رأته المرأة، قالت: مرحباً وأهلاً، فقال لها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أين فلان؟ قالت: ذهب يستعذب لنا من الماء".

قال النووي رحمه الله تعالىٰ: فيه جواز سماع كلام الأجنبية ومراجعتها الكلام للحاجة".

(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك: ۲/۱۷۷، قديمی)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة: ۴/۳۳، دارالعلوم كراچی)

(وجامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في معشية الخ: ۲/۶۲، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) "فظهر الكف عورة على المذهب، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح". (الدرالمختار). "(قوله: على الراجح) عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه،..... قال عليه السلام: =

نہیں سننا چاہیے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

ریڈیو پر عورت کی اناؤنسری

سوال[۱۱۳۷۴]: ریڈیو پر عورت کا اناؤنسری کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو اپنی آواز بلاضرورت شرعیہ نامحرموں کو پہنچانا اگر چہ ریڈیو کے ذریعہ ہو، موجب فتنہ ہے(۲)،

= "التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء"، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ١/٤٠٦، سعيد)

"ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٢٧٧، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٤٥٨، رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾ (لقمان: ٦)

"قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالىٰ: ﴿لهو الحديث﴾ على ماروي عن الحسن: "كل ما شغلك عن عبادة الله تعالىٰ، وذكره من السمر، والأضاحيك، والخرافات، والغناء، ونحوها ..... الخ".

(روح المعاني، لقمان: ٦: ٢١/٦٧، دار إحيا التراث العربي بيروت)

"وفي السراج: "دلت المسألة أن الملاهي كلها حرام ..... قال ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات". (الدر المختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: واحتج بقوله تعالىٰ: ﴿ومن الناس من يشترى لهو الحديث﴾ الأية، جاء في التفسير: أن المراد الغناء ...... سماع غناء، فهو حرام باجماع العلماء". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٤٩، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ٨/٣٤٦، رشيديه)

(٢) "ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة". (المبسوط للسرخسي، كتاب=

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی آواز کو بھی عورت فرمایا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۷، مكتبه غفاريه كوئته)

"وأما أذان المرأة، فلأنها منهية عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قديمی)

(۱) "(مالك أنه سمع أهل العلم يقولون: ليس على النساء رفع الصوت بالتلبية لتسمع المرأة نفسها) ش. وهذا كما قال: أنه ليس على النساء رفع أصواتهن بالتلبية؛ لأن النساء ليس شأنهن الجهر؛ لأن صوت المرأة عورة فليس عليها من الجهر، إلا بقدر ما تسمع نفسها، وما زاد على ذلك من إسماع غيرها فليس من حكمها، والجهر في الصلاة كذلك". (كتاب المنتقى، كتاب الحج، رفع الصوت بالإهلال: ۲/۲۱۱، دار الكتب الإسلامي القاهرة)

"قال الباجي: لأن النساء ليس من شأنهن الجهر؛ لأن صوت المرأة عورة، فليس عليها من الجهر إلا بقدر ما تسمع نفسها، وما زاد على ذلك من إسماع غيرها فليس من حكمها". (أوجز المسالك إلى مؤطا الإمام مالك رحمه الله تعالى، كتاب الحج، رفع الصوت بالإهلال: ۳/۳۴۸، إمداديه ملتان)

(وكذا في كشف المغطا عن وجه المؤطا على هامش مؤطا الإمام مالك، رفع الصوت بالإهلال، ص: ۳۴۳، قديمی)

الفصل الثاني فيمن يجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

دیور سے پردہ

سوال[۱۱۳۷۵]: ۱...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورت کے لئے دیور موت ہے، اس کا علم مجھے نہیں کہ کس موقع پر ارشاد فرمایا ہے اور منشاء ارشاد کیا ہے، کیا عورت کو بیوہ ہو جانے کے بعد دیور سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ یا شوہر کی زندگی میں بھی دیور سے پردہ ضروری ہے؟

۲...... ایک ہی مکان میں والدین کے ساتھ کئی بھائی رہتے ہیں اور بعض مکان بھی بالکل چھوٹے ہوتے ہیں، بھاوج کے سوا بعض اوقات مکان میں کوئی اور عورت نہیں ہوتی، صرف شوہر اور اس کے بھائی مکان میں رہتے ہیں اور شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے دیوروں کو کھانا وغیرہ دینا پڑتا ہے اور گھر میں شوہر کی غیر موجودگی میں صرف دیور ہی ہوتے ہیں، ان تمام صورتوں میں پردہ ضروری ہوتا ہے، اگر پردہ ضروری قرار دیا جائے تو تمام دیور اپنا مکان چھوڑ کر کہاں جا کر رہیں؟

بعض اوقات شوہر باہر ہوتا ہے، دیور ہی گھر کی نگرانی کرتے ہیں، گر پردہ ہے تو گھر کی نگرانی شوہر کی عدم موجودگی میں مشکل ہو جائے گی، بعض اوقات بھاوج بیوہ ہو جاتی ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، مجبوراً دیوروں کے زیرِ پرورش ہو جاتی ہے اور بچوں کی پرورش اور نگرانی دیوروں کے ذریعہ ہوا کرتی ہے، کیا ان تمام صورتوں میں دیور کے سامنے عورت نکل سکتی ہے اور گھر کے اور افراد کی طرح ان سے بھی گفتگو کے ساتھ رہنا سہنا ہوسکتا ہے، شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۳...... اگر پردہ لازم ہو، تو پھر بھائیوں بھائیوں میں تعلق ویسے نہیں رہ سکتا، جیسے کہ بے پردگی میں اور مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے پاس آنے جانے میں ہوا کرتا ہے، بھائیوں کا تعلق بھی غیروں جیسا ہو جائے گا، جیسے کہ اور دوستوں سے تعلق ہوا کرتا ہے، تمام بھائی اور بھائی کی بیویاں سب مل جل کر بھی ایک جگہ

بیٹھ نہیں سکتے، حالانکہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، پردہ کی صورت میں ایک دوسرے سے کٹا ہوا ہو یا اس میں جو صورت ہو، مطلع فرمادیں، نیز اس کا خیال رکھیں، کہ آپس میں پردہ کی صورت میں تعاون ومعیت کے مواقع ختم ہوجائیں گے، ایک ہی خاندان کے افراد بجائے قریب ہونے کے دور ہوجائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... پردہ کی تاکید پر کسی نے سوال کیا تھا کہ کیا دیور سے بھی پردہ کیا جائے؟ اس پر ارشاد فرمایا تھا کہ دیور تو موت ہے(۱)، فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، اس سے پردہ شوہر کی زندگی میں بھی کیا جائے اور بعد میں بھی۔

۲..... بے تکلفی سے ہنسی مذاق نہ کیا جائے، چہرہ سامنے نہ کھولا جائے، تنہائی ایک کمرہ میں نہ ہو، وقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں، کھانا کسی بچے کے ہاتھ بھیج دیا کریں اس طریقہ سے پرورش ہوسکتی ہے، ایک مکان میں رہنا بھی ہوسکتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ فتنہ بھی نہیں ہوگا، ورنہ جب بے تکلفی کے تعلقات ہوتے ہیں، تو عموماً فتنہ ہوجاتا ہے(۲)۔

---

(۱) "أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت". (صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ص: ۹۶۲، دار السلام)

"قال النووي: والمراد بالحمو هنا أقارب الزوج غير ابائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع لتمكنهم من الوصول إليها، والخلوة بها من غير نكير عليهم بخلاف غيرهم، وعادة الناس المساهلة فيه، وتخلي الأخ بامرأة أخيه فهذا هو الموت". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲۷/۶، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول: ۵۷۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وتمنع الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة". (الدر المختار). "فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب، ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۶/۱، سعيد)

"وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين، وتمنع من كشف الوجه بين رجال لخوف الفتنة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۶/۱، سعيد)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۸/۶، سعيد)

۳...... جواب نمبر۲ میں جوصورت تحریر کی گئی ہے، ایسی صورت پرعمل کرنے سے بیگانگی ہوگی، خاندان میں یکجہتی رہے گی اور حکمِ شریعت پر عمل بھی رہے گا۔ اور مستورات آپس میں مل جل کر رہیں گی، ایک دوسرے کے خاندانوں سے پردہ رہے گا اور سب کے خاوند آپس میں ملے جلے رہیں گے اور ایک دوسرے کی بیوی سے علیحدہ رہے گا، اسی میں عزت ہے، اسی میں حفاظت ہے، ورنہ کہیں اکبر مرحوم کا قول صادق نہ آجائے۔

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا جس کو سمجھتے تھے کہ بیٹا ہے بھتیجا نکلا

اللہ پاک نفس وشیطان کے شر سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۹ھ۔

پھوپھی زاد خالہ زاد وغیرہ سے پردہ

سوال [۱۱۳۷۶]: پھوپھی ماموں کے دامادوں نیز شوہر کے بہنوئی کے سامنے عورت آسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح بیوی کی خالہ زاد بہن اور ماموں زاد پھوپھی زاد بہن ہے، کیا ان سب سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ اسی طرح دودھ شریکی خالہ کے شوہر کے سامنے بھی عورت آسکتی ہے یا نہیں؟ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورہ اعزہ میں سے بعض ایسے ہیں جو تعطیلات میں اپنے سسرال میں آکر رہتے ہیں اور ایک ہی گھر میں، وہ عورتیں بھی رہتی ہیں، جن کے متعلق مسئلہ پوچھا جارہا ہے، مثلاً: پھوپھی کے داماد اور بعض ایسے ہیں جن کے گھر میں جاکر کبھی کبھی مستقل طور پر ہفتہ، عشرہ، ماہ، پندرہ یوم رہنا ہوتا ہے، مثلاً: نندوئی کے گھر جاکر رہنا ہو، تو اب نندوئی سے پردہ کا سوال پیدا ہوتا ہے، جس طرح سامنے آنے کے لئے سوال کیا جارہا ہے، اس کی نوعیت تو وہ ہی ہوگی جو نماز کی ہوتی ہے، کہ سارا بدن ڈھکا رہے، سوائے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے پنجوں کے، دودھ شریک خالہ کے لڑکے اور ان کے دامادوں کے سامنے بھی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان سب سے پردہ لازم ہے، یہ سب نامحرم ہیں، جس سے کسی وقت بھی نکاح جائز ہے(۱)، اس سے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل لكم ماوراء ذلكم﴾ (النساء: ۲۴) .... =

پردہ کیا جائے۔مکان تنگ ہونے کی وجہ سے اگر دشواری ہو،تو بھی چہرہ نہ کھولے، بے تکلف ہنسی مذاق نہ کریں، ایک جگہ تنہائی نہ ہونے پائے، جولوگ اجنبی ہوں ان میں فتنہ کم ہوتا ہے،ان کی ہمت بھی نہیں ہوتی، جو نامحرم عزیز قریب ہوں،ان میں فتنہ زیادہ ہوتا ہے(۱)،ان سے بچنے کے لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے،اسی لئے حدیث شریف میں دیور کو موت فرمایا گیا ہے۔

"الحمو الموت" (مشکوۃ شریف: ۲/۲٦۸)(۲).

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۴/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱٦/۴/۸۹ھ۔

خالہ زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ سے پردہ

سوال[۱۱۳۷۷]: ہمارے یہاں اجتماع میں قرآن پاک کا ترجمہ سنایا جاتا ہے،ایک روز پردہ کا

= "ما عدا من ذكرن من المحارم، هن لك حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أما المرأة الحرة التي لانكاح بينه وبينها، ولا حرمة ممن يحل له نكاحها، فليس ينبغي أن ينظر إلى شيء منها". (المبسوط للإمام محمد، كتاب الاستحسان: ۳/٥٦، إدارة القرآن كراچی)

"(أسباب التحريم أنواع: قرابة ومصاهرة .....) وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات والأخوال". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "والمراد بالحمو هنا أقارب الزوج غير ابائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع لتمكنهم من الوصول إليها، والخلوة بها من غير نكير عليهم بخلاف غيرهم، وعادة الناس المساهلة فيه". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ٦/۲۴۸، رشيديه)

(وكذا في التعليق الصبيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۴/۱٥۰، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الأداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية: ۲/۲۱٦، قديمی)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول: ۲/۲٦۸، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لايخلون رجل بامرأة: ۲/۷۸۷، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الأداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية: ۲/۲۱٦، قديمی)

ذکر بھی سنایا گیا، پردہ کا ذکر سنتے ہی عورتیں پریشان ہوگئیں، کیونکہ قرآن کریم کا حکم اٹل ہے، اب یہ تمام عورتیں دریافت کرتی ہیں کہ ہم تمام منہ ڈھانک لیں یا صرف نگاہیں نیچی کرلیں؟ ہم لوگ سید ہیں، سب سے پردہ کرتی ہیں، لیکن ماموں کے بیٹے، چچا اور خالہ کے بیٹے سے پردہ نہیں کرتی ہیں اور سسرال میں دیور، جیٹھ، نندوئی سے پردہ نہیں رکھتیں اور کہتی ہیں کہ یہ سب تو گھر کے ہیں، اُن سے کیا پردہ صرف نگاہ کا پردہ کافی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، سب سے پردہ لازم ہے، اگر مکان تنگ ہو، تو اتنا پردہ کافی ہے کہ چہرہ نہ کھولا جائے، گھونگھٹ کرلیا جائے، بے تکلفی، ہنسی مذاق نہ کیا جائے، ایک جگہ تنہائی نہ ہونے پائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۹ھ۔

سوتیلی والدہ کے ساتھ سفر کرنا

سوال[۱۱۳۷۸]: میری سوتیلی والدہ ہے اور حقیقی والدہ نہیں ہے، کیا میرے ساتھ سوتیلی ماں

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إياكم والدخول على النساء"، فقال رجل: يا رسول الله! أرأيت الحمو؟ قال: "الحمو الموت" ...... سمعت الليث بن سعد يقول: الحمو أخ الزوج، وما أشبه من أقارب الزوج، ابن العم ونحوه". (صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية، ص: ۹۶۲، دارالسلام)

"(إياكم والدخول على النساء) أي: غير المحرمات على طريق التخلية، أو على وجه التكشف ...... قال النووي: والمراد بالحمو هنا أقارب الزوج غير آبائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع لتمكنهم من الوصول إليها، والخلوة بها من غير نكير عليهم بخلاف غيرهم، وعادة الناس المساهلة فيه، وتخلي الأخ بامرأة أخيه فهذا هو الموت". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲۷۸/۶، رشيديه)

"(أسباب التحريم أنواع: قرابة ومصاهرة ......) ...... وتحل بنات العمات والأعمام والخالات والأخوال". (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۸/۳، سعيد)

(سفر پر) جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوتیلی والدہ محرم ہے(۱)، اس کے ساتھ سفر کی اجازت ہے، وہ جاسکتی ہے، بشرطیکہ کسی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة ... حرم ... زوجة أصله وفرعه مطلقاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۹-۳۱، سعيد)

"يحمل قوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا ما نكح اٰباؤكم من النساء﴾ على الوطء، فاقتضى ذلك تحريم من وطئها أبوه من النساء عليه". (أحكام القرآن للجصاص، النساء، باب مايحرم من النساء: ۱۴۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۴/۳، رشيديه)

(۲) "(قوله: والصهرة الشابة) قال في القنية: ماتت عن زوج وأم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة، وإن كانت الصهرة شابة، فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة اهـ، وأصهار الرجل كل ذي رحم محرم من زوجته على اختيار محمد. والمسألة مفروضة هنا في أمها، والعلة تفيد أن الحكم كذلك في بنتها ونحوها كما لا يخفى". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۹/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۱۸۴/۴، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۹/۳، إدارة القرآن كراچى)

الفصل الثالث في الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی، میل جول اور مس کا بیان)

چوڑیاں پہنانے کا پیشہ

سوال[۱۱۳۷۹]: زید کے یہاں چوڑی پہنانے کا رواج ہے، عموماً عورتیں چوڑیاں پہنایا کرتی ہیں، زید چونکہ تنہا امور خانہ داری پورے نہیں کر سکتا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی اس پیشہ کے ذریعہ زید کا ہاتھ بٹائے کیا زید کی یہ خواہش ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ ویسے صورت مذکورہ میں جو عام طور پر ہندوستان کی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے، جو کہ اوروں کے لئے جائز بظاہر معلوم نہیں ہوتا ہے، یہ کیسا ہے اور اس سے حاصل شدہ رقم مرد کے لئے اور بچوں کے لئے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت اگر پردہ میں رہے اور کسی نامحرم کے سامنے نہ آئے اور عورتوں کو چوڑیاں پہنا کر روپیہ حاصل کرے تو شرعاً وہ روپیہ درست ہے(۱)، کسی ایک قوم کے ساتھ اس پیشہ کے خاص ہوجانے کی وجہ سے اس کو دوسروں کے لئے ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وجاز إجارة الماشطة لتزين العروس إن ذكر العمل والمدة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، مطلب يجب الأجر في استعمال السعد للاستغلال: ۶/۶۳، سعيد)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب التفسير، الأحزاب، باب قوله تعالى: ﴿لا تدخلوا بيوت النبي﴾: ۱۹/۱۷۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح الباري، كتاب التفسير: ۸/۶۷۸، قديمي)

(۲) "التحقيق عندي إباحة اتخاذه حرفة؛ لأنه نوع من الاكتساب، وكل أنواع الكسب في الإباحة سواء على المذهب الصحيح". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعيد) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب: ۴/۱۸۴، مكتبه غفاريه كوئته)

الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

برہنہ ورزش کرنا

سوال[۱۱۳۸۰]: زید پہلوانی کرتا ہے، لیکن ستر کھلی رہتی ہے، صرف قُبل و دبر پر لنگوٹ رہتی ہے، کسرت (۱) کے وقت تنہا بھی ہوتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تنہائی میں اس طرح ورزش منع نہیں، لوگوں کے سامنے اس طرح ستر کھول کر درست نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیو بند، ۲۱/۴/۸۶ھ۔

---

(۱) "کسرت: ورزش، ریاضت، مشق، مہارت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) واضح رہے کہ تنہائی میں بھی ستر کو چھپانا لازمی اور واجب ہے، بغیر ضرورت کے درست نہیں۔

"عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احفظ عورتک إلا من زوجتک، أو ما ملکت يمينک" فقلت: يا رسول الله! أرأيت إذا كان الرجل خالياً؟ قال: فالله أحق أن يستحي منه". (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲/۲۶۹، قديمي)

"فالله أحق أن يستحي منه" وهذا يدل على وجوب الستر في الخلوة إلا عند الضرورة". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۶/۲۸۵، رشيديه)

"(قوله: ووجوبه عام) أي: في الصلاة وخارجها (قوله: ولو في الخلوة) أي: إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً، وفي الخلوة على الصحيح ...... ثم إن الظاهر أن المراد بما يجب ستره في الخلوة خارج الصلاة وهو مابين السترة والركبة فقط". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، سعيد)

دورانِ کاشت یا مچھلی کا شکار کرتے وقت اگر ستر کھل جائے، تو کیا کرے؟

سوال[۱۱۳۸۱]: ستر عورت کے لئے جو حکم شریعت میں بتلایا گیا ہے اور جس موقع پر کپڑا یا ستر ترک کرنے کا حکم بتایا گیا ہے، اس کے علاوہ اوقات مثلاً: زمین میں بوتے وقت میں جب کہ پانی گھٹنہ کے اوپر ہو تو کپڑا اٹھانا پڑتا ہے یا مثلاً: راستہ میں کمر تک ہوتا ہے یا مثلاً: مچھلی پکڑتے وقت کہ اس صورت میں کپڑا ستر سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے، بغیر اس کے کام نہیں ہو پاتا، از روئے شریعت کیا کام کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی کمر تک ہو، تو بغیر لنگی اس میں داخل ہونے میں مضائقہ نہیں، راستہ چلتے ہوئے اور شکار کرتے ہوئے اور کھیتی کرتے ہوئے اس کا اہتمام کیا جائے کہ جس حصۂ بدن کا چھپانا ضروری ہے، وہ نہ کھلے بے خیالی میں گھٹنہ یا ران کھل جائے تو اس کو پھر ڈھانک لینا چاہیے، یہی احتیاط ہے، قصداً دوسروں کے سامنے نہ کھولیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۹۱/۶/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "الرابع ستر عورته، وهي للرجل ماتحت سرته إلى ماتحت ركبته ..... ولا يضر التصاقه وتشكله ولو حريراً أو طينا يبقى إلى تمام الصلاة أو ماء كدر". (الدر المختار). "(قوله: ماء كدر) أي: بحيث لا ترى منه العورة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴-۴۱۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۵۸، رشيديه)

باب اللباس

الفصل الأول في القميص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

لباس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

سوال[۱۱۳۸۲]: آج کل بعض ہمارے اسلامی بھائی لباس ایسا استعمال کرتے ہیں، جو کہنیوں سے اوپر ہوتا ہے اور سر پر بغیر ٹوپی یا کپڑے کے سر بازار چلتے پھرتے ہیں اور بعض ایسا لباس استعمال کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے صلحاء کے خلاف لباس ہے، کیا اس طرح کا لباس استعمال کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس کیسا تھا؟ اور آپ کے اصحاب کا لباس کس طرح تھا؟ بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو لباس فساق و یا کفار کا شعار ہو، اس کے استعمال کی اجازت نہیں (۱)، صلحاء کا لباس استعمال کرنا چاہیے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامۃً لنگی استعمال فرمایا کرتے تھے، وہاں پاجامہ کا رواج کم تھا، پاجامہ

(۱) "ومن هنا كره لبسها جماعة من السلف والخلف، لما روي أبو داود والحاكم في المستدرك عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من تشبه بقوم فهو منهم" وفي الترمذي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "ليس منا من تشبه بقوم غيرنا". (زاد المعاد، فصل في ملابسه، ص: ۵۳، ۵۴، دار الفكر بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۵۲۴۳/۱۱، رقم الحديث: ۸۵۹۳، نزار مصطفى الباز مكة)

خریدنا اور پسند فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے(۱)، کرتا پوری آستینوں کا ہوتا تھا(۲)، ٹوپی عامۃً سر پر چپکی اور گول ہوتی تھی اس کے علاوہ بھی منقول ہے(۳)، عمامہ کی بھی عادت شریفہ تھی(۴)، چادر کا استعمال بھی

(۱) "عن سويد بن قيس رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتانا النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فساومنا سراويل". (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب لبس السراويل، ص: ۲۵۲، قديمی)

"واشترى سراويل، والظاهر أنه إنما اشتراها ليلبسها، وقد روي في غير أنه لبس السراويل، وكانوا يلبسون السراويلات بإذنه". (زاد المعاد، فصل في ملابسه، ص ۵۴، دارالفكر بيروت)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في صفة إزار، رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۱/۲۱۶، إدارہ تاليفات اشرفيه)

(۲) "عن أسماء بنت يزيد رضي الله تعالیٰ عنه، قالت: "كان كم قميص رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم إلى الرصغ" رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۲/۱۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"كان يلبس القميص، وبل كان أحب الثياب إليه، وكانت كمه إلى الرسغ لايجاوز اليد". (زادالمعاد، فصل في ملابسه، ص: ۵۳، دارالفكر)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۱/۱۵۱، إدارہ تاليفات اشرفيه)

(۳) "عن أبي كبشة رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان كمام رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم بطحا". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمی)

"جمع كمة وهي القلنسوة المدورة، أي: كانت مبسوطة على رؤوسهم لازقة غير مرتفعة عنها، ... وكان يلبس القلانس اليمانية وهن البيض المضربة، ويلبس ذوات الاذان في الحرب، وكان ربما نزع قلنسوة فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۴۱، رشيديه)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۱/۲۰۳، اداره تاليفات اشرفيه)

(۴) "كانت له عمامة تسمى السحاب كساهاعليا، وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة". (زاد المعاد، فصل في ملابسه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: ۱/۱۳۵، مؤسسة الرسالة) .... =

کثرت سے فرماتے تھے(۱)، لباس مبارک عموماً سادہ ہوتا تھا، جو کچھ حق تعالیٰ نے عطا فرمادیا، قدر وشکر کے ساتھ بے تکلف استعمال فرمایا اور سرخ خالص اور ریشم کے لباس مرد کے لئے منع فرمایا ہے(۲)۔ مدارج نبوت، شرح شمائل، زاد المعاد میں تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا نصف ساق تک کرتا پہننا ثابت ہے؟

سوال[۱۱۳۸۳]: نصف ساق تک کرتا پہننا فضول خرچی ہے یا نہیں؟ حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حدیث پاک ہے(۳)، مدارج النبوۃ(۴)، زاد المعاد(۵)، شرح سفر السعادۃ(۶)، شرح شمائل

= (وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۴۷/۸، رشيديه)

(وكذا في شمائل كبرىٰ: ۲۰۶/۱، دار الاشاعت)

(۱) "عن أبي بردة رضي الله تعالىٰ عنه قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله تعالىٰ عنها كسآءً ملبداً، وإزاراً غليظاً، وقالت: في هذا نزع روح النبي الله صلى الله عليه وسلم". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب ماذكر من درع النبي، وعصاه وسيفه: ۴۳۸/۱، قديمي)

(وكذا في شمائل الترمذي، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص ۸، سعيد)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله: ۲۱۰/۱، ادارهٔ تاليفات اشرفيه)

(۲) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه في الآخرة".

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب لبس الحرير للرجال: ۸۶۷/۲، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب: ۱۹۲/۲، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول: ۱۴۴/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن حذيفة بن اليمان رضي الله تعالىٰ عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعض ساقي أو ساقه وقال: "هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت، فلا حق للإزار في الكعبين".

(شمائل الترمذي، باب ماجاء في إزار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۸، سعيد)

ترمذی شریف (۱) میں موجود ہے۔ اس کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، جو کہ حدیث شریف سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

ــ (۴) (مدارج النبوۃ، (مترجم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیرہن یا کرتے اور چادر مبارک کا دامن نصف پنڈلیوں تک تھا اور چادر ٹخنوں سے نیچے نہ رکھتے"۔ (کرتہ مبارک، تہبند شریف: ۱/۲۸۲، خزینہ علم وادب لاہور)

(۵) "وکان ذیل قمیصه وإزاره إلی أنصاف الساقین لم یتجاوز الکعبین". (زاد المعاد، فصل في تدبیره لأمر الملبس: ۴/۲۳۷، مؤسسة الرسالة بیروت)

(۶) (شرح سفر السعادة، فصل در پوشش حضرت نبوي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۳۳۴، مطبع نول کشور)

(۱) (جمع الوسائل شرح الشمائل، باب اللباس: ۱/۱۳۴، تالیفات اشرفیه)

الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

پرانے غیر ملکی کپڑوں کے استعمال کا حکم

سوال[۱۱۳۸۴]: موجودہ کوٹ، پتلون، سویٹر اور دیگر غیر ملکی اشیائے ملبوسات جس کے بارے میں لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ نجس ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں سے آنے میں یا فروخت کرنے کے وقت احتیاط نہیں کی جاتی، لہذا ان مندرجہ لباس کو پہن کر نماز پڑھنے اور پڑھانے میں کوئی گناہ تو نہیں؟ جب کہ بہت کثرت سے لوگ پہن کر بغیر پاک کئے استعمال کر رہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو کپڑا غیر مسلموں کا بنایا ہوا ہو، اس کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، جب تک اس میں نجس شئی کا علم نہ ہو جائے (۱)، البتہ پتلون اگر اس کا استعمال کیا ہوا ہو، تو اس کو بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کبیری، ص:۲۰۴(۲)۔ یہ تو طہارت سے متعلق ہے۔ فی نفسہ ایسا لباس استعمال کرنا مکروہ ہے، جو دوسروں کا شعار

---

(۱) "ومن شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة، أو لا فهو طاهر مالم يستيقن". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء: ۱/۱۵۱، سعيد)

"قال أبو حفص البخاري رحمه الله تعالى: من شک في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر مالم يستيقن". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، نوع اخر في مسائل الشک: ۱/۱۱۰، قديمي)

"شک في وجود النجس، فالأصل بقاء الطهارة" (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، اليقين لايزول بالشک، الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول: ۱/۱۸۸، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "قال بعض المشايخ تكره الصلاة في ثياب الفسقة؛ لأنهم لا يتقون الخمر، وقال صاحب الهداية في =

ہو(۱))اورنماز میں اس کا استعمال کرنا نماز کے لئے موجبِ کراہت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ٹائی عیسائیوں کا شعار ہے؟

سوال[۱۱۳۸۵]: سوٹ کے اوپر جو گلے میں ٹائی باندھی جاتی ہے، جس کا پٹہ گریبان تک لٹکا رہتا ہے، کیا وہ خاص کر کسی قوم کا شعار ہے، جواب سے مطلع فرمائیں۔

= التجنيس: الأصح أنها لا تكره؛ لأنه لم يكره من ثياب أهل الذمة إلا السراويل مع استحلالهم الخمر". (الحلبي الكبير، كتاب الطهارة، فروع شتى، ص: ۲۰۲، ۲۰۷، سهيل اكيڈمى لاهور)

"وقال بعض المشايخ: تكره الصلاة في ثياب الفسقة؛ لأنهم لا يتقون الخمر، وقال المصنف: الأصح أنه لا يكره؛ لأنه لم يكره من ثياب أهل الذمة إلا السراويل مع استحلالهم الخمر، فهذا أولى، انتهى" (فتح القدير، كتاب الطهارات، باب الأنجاس وتطهيرها: ۱/۱۸۶، مكتبه رشيديه)

(وكذا في التجنيس والمزيد لصاحب الهداية، كتاب الطهارات، باب في النجاسة وتطهيرها: ۱/۲۴۴، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دارالحديث ملتان)

"قال علي القاري: "أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، "فهو منهم" أي: في الإثم، أو الخير عند الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، رشيديه)

"المبدء الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة، لايجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۴/۸۸، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

(۲) "وتكره الصلاة في ثياب اليهودي". (مجموعة رسائل اللكنوي، الرسالة نفع المفتي والسائل، ذكر الثياب التي تكره الصلاة فيها: ۴/۱۱۳، إمداديه، مكة المكرمة)

(وكذا في السراجية الملحق بفتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصلاة، باب الصلاة النجاسة، ص: ۱۲، مطبع اللكنوى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عیسائیوں کا نشان ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنه) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داود، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دارالحدیث ملتان)

"قال علي القاري: "أي من شبه نفسه بالکفار مثلاً في اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، "فهو منهم" أي: في الإثم أو الخیر عند الله تعالیٰ". (مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشیدیه)

(ومشکاة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وکذا في فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، رقم الحدیث: ۸۵۹۳: ۵۷۲۳/۱۱، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز مکه)

الفصل الثالث في العمامة و القلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

ٹوپی کس طرح ہو؟

سوال[۱۱۳۸۶]: بازار میں مختلف قسم کی ٹوپی چالو ہے، اس میں سے کس قسم کی سنت ہے اور کس قسم کی ٹوپی کون کون نبی کے زمانے میں چالو ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے معلوم نہیں، آپ کے بازار میں کس کس قسم کی ٹوپی چالو ہے، حدیث پاک میں اتنا موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ٹوپی مبارک گول تھی (۱) اور سر مبارک سے ملی ہوتی تھی اور طویل ٹوپیاں بھی صحابۂ کرام سے منقول ہیں، یہاں تک کہ ٹوپی سے سترہ کا کام لینا بھی مروی ہے (۲) اور کتب فقہ میں سترہ کی مقدار ایک ذراع لکھی ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن أبي كبشة رضي الله تعالى عنه قال: كان كمام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطحاً" (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

"جمع كمة ... وهي القلنسوة المدورة، أي: كانت مبسوطة على رؤوسهم لازقة غير مرتفعة عنها ... وكان يلبس القلانس اليمانية، وهن البيض المضربة، ويلبس ذوات الآذان في الحرب، وكان ربما نزع قلنسوة فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في جمع الوسائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۰۰، ادارہ تاليفات اشرفيه)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) "المستحب أن يكون مقدارها ذراعاً فصاعداً، لحديث مسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها: سئل =

رام پوری کیپ کا استعمال

سوال[۱۱۳۸۷]: زید نے اصغر کو کہا کہ کسی بھی اصلی رامپوری کیپ کا پہننا سنت کے خلاف ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی ٹوپی پہننا ثابت نہیں ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو ٹوپی ثابت نہ ہو، وہ ناجائز ہے، ناجائز ہونے کا معیار الگ ہے(۱)، البتہ اس کو سنت کہنا صحیح نہ ہوگا اور اس کے استعمال سے سنت کا ثواب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

لمبی ٹوپی کا ثبوت

سوال[۱۱۳۸۸]: جناب مفتی صاحب! یہاں ہنگلی ضلع میں فرفرا ایک مقام ہے، پیری مریدی کا

= رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن سترة المصلي فقال: بقدر مؤخرة الرجل، وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقه كما أخرجه أبوداود". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۳۰، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۳۶، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل مايستحب الصلاة: ۲/۸۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "إن اللباس الذي يشتبه به الإنسان بأقوام كفرة، لايجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم، قال ابن نجيم في مفسدات الصلاة من البحر الرائق: "ثم اعلم أن التشبه بأهل الكتاب لايكره في كل شيء، فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون، إنما الحرام هو التشبه فيما كان مذموماً، وفيما يقصد به التشبه ..... فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لايكره عندهما". (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۴/۸۸، دارالعلوم كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، مطلب في التشبه بأهل الكتاب: ۱/۶۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۱۸، رشيديه)

یہاں زبردست خانقاہ ہے اور اس کا سلسلہ بھی طویل ہے، حضرت مولانا ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ جو ایک زمانے میں بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کی اولاد کا سلسلہ بھی جاری ہے، چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں بڑا اختلاف اکابر کی کتابوں سے رکھتے ہیں، ان میں ایک گول اور لمبی ٹوپی ہے، لمبی ٹوپی کے سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ جواز کے بارے میں کلام نہیں، صرف ثبوت کے بارے میں عرض ہے۔

دوسری بات بذل المجہود کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ والوں کی ٹوپیاں اس طرح لمبی ہوتی تھیں، حضرت مولانا خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں، عبارت یوں ہے:

"والبرانس جمع برنس الخ. هو قلنسوة طويلة الخ: وهذا الثوب شائع عند أهل العرب يلبسون ليس فيه كما سألت عنه الخ". بذل المجهود: ۲/۱۳۰.

یہاں حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ لمبی ٹوپی سے تفسیر فرماتے ہیں اور نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے اس کے متعلق سوال کیا، تو جواب میں اثبات کا پہلو نظر آیا۔ اب "کمام" کے صحیح معنی بالمشاہدہ آپ کی نظر میں کیا ہے؟

۲.....کیا اس حدیث سے لمبی ٹوپی کا ثبوت کافی ہوجاتا ہے یا اور کوئی حدیث ایسی ملتی ہے؟

۳.....اہل مدینہ سے متعلق اکثریت ان کی ٹوپی مشاہدہ میں آنجناب نے کیسا دیکھا؟ لمبی یا گول؟ لمبی تو کس شکل کی؟

۴.....استفسار محض معلومات کے لئے عرض ہے، کسی سے تعارض مقصد نہیں، تقی منصور صاحب بھی اس میں شریک ہے، سب بخیر ہیں، حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علی گڑھ کی طبیعت خراب ہے، دعا فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عن أبي كبشة قال: كان كمام أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطحا" رواه الترمذي. وقال هذا حديث منكر(۱). (كمام أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم) بكسر الكاف جمع كمة بالضم، كقباب وقبة، "وهي القلنسوة المدورة" سميت بها؛ لأنها تغطي الرأس" (بطحاً) بضم الموحدة فسكون المهملة، جمع بطحاء، أي: كانت

---

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمي)

مبسوطة على رؤوسهم، لازقة غير مرتفعة عنها"(۱).

کمام کی دوسری تفسیر آستین کے ہے۔

"قال الطيبي فيه: إن انتصاب القلنسوة من السنة بمعزل، كما يفعله الفسقة، قلت: والآن صار شعار المشايخ من اليمنة، إلى قوله: وهن البيض المضرية، ويلبس ذوات الاذان في الحرب، وكان ربما نزع قلنسوته، فجعلها سترة بين يديه(۲).

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے، جس کو نماز کے لئے سترہ بنایا جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/ ۲۰۹، رشيديه)

(۲) (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/ ۱۴۱، رقم الحديث: ۴۳۳۳، رشيديه)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: يلبس قلنسوةً ذات اذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى". (جمع الوسائل، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/ ۱۶۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن أبي كبشة الأنماري رضي الله تعالى عنه، قال: كانت كمام أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بطحا، وفي رواية: أكمه، وهما جمع كثيرة وقلة، والكمة: القلنسوة المدورة، يعني: أنها كانت منبطحة غير منتصبة، وفي شرحه: وفي المصباح، الكمة بالضم، القلنسوة المدورة أنها تغطي الرأس". (شرح مواهب اللدنية، النوع الثاني في لباسه وفراشه: ۶/ ۲۷۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فيض القدير، باب "كان" هي الشمائل الشريفة: ۹/ ۴۹۴۲، رقم الحديث: ۷۱۲۸، مصطفى الباز مكه)

الفصل الرابع في لباس النساء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

جارجٹ کا استعمال

سوال[۱۱۳۸۹]: کیا بچیوں کو اور عورتوں کو گھر کے اندر رہتے ہوئے جالی کے باریک جارجٹ کے دوپٹے اڑھانے جائز ہیں کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے ذمے ستر عورت فرض ہے، ان کو کسی ایسے کپڑے کا استعمال درست نہیں جس سے ستر عورت نہ ہو پائے (۱)، چھوٹی بچیوں میں اگر چہ یہ اشکال نہ ہو، مگر جب ایسے کپڑے استعمال کرنے کی بچپن میں عادت ہو جائے گی تو اس سے باز رہنا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے ان کو بھی استعمال نہ کرائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱ھ۔

عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا

سوال[۱۱۳۹۰]: ہلکے دوپٹے یا جالی کے دوپٹہ کا استعمال ایسی جگہوں میں جہاں نامحرم مرد نہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) یہ اس وقت ہے جب غیر محرموں کے سامنے جائے، لیکن اگر صرف محرم حضرات ہی کے سامنے جائے اور فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو، تو ایسے دوپٹے گھر کے اندر استعمال کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے خود ایک دوسرے سوال کے جواب میں اس طرح تحریر فرمایا ہے، دیکھیں: ''عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا''۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھ حصہ بدن کا ایسا ہے کہ اس کا مردوں اور عورتوں سب سے ہی چھپانا ضروری ہے(۱)، وہ اگر چھپا ہوا ہو، تو ایسے دوپٹوں کا استعمال درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۹ھ۔

ساڑھی کا استعمال

سوال[۱۱۳۹۱]: زید حافظ قرآن اور فاضل دیوبند ہے، اپنی بیوی کو اپنی نگاہوں سے محفوظ اور شرعی حدود میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ساڑھی پہنا تا ہے، کیا اس کے لئے اپنی بیوی کو ساڑھی پہنانا جائز ہے؟ نیز امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس کیا تھا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ ساڑھی کفار وفساق کا شعار ہے، وہاں صلحاء کو اس سے پورا پرہیز لازم ہے(۲)، جس جگہ ان کا

---

(۱) "وينظر الرجل ..... من محرمه ..... إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته ..... وتنظر المرأة المسلمة من المرأة كالرجل من الرجل". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۷/۶-۳۷۱، سعيد)

"نظر المرأة إلى المرأة كنظر الرجل إلى الرجل ..... وأما نظره إلى ذوات محارمه فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة والباطنة. وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن، والعضد، والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه ومالايحل: ۳۲۷/۵، ۳۲۸، رشيديه)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية، تحديد عورة المرأة والرجل: ۱۲/۳، ۱۳، سعيد)

(۲) "وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دارالحديث ملتان)

"قال علي القاري: "أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار،=

شعار نہیں، بلکہ سب لوگ استعمال کرتے ہیں، وہاں اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ امہات المؤمنین کے یہاں ساڑھی کا استعمال نہیں تھا، کرتہ، چادر، تہبند کا استعمال وہاں عام تھا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۵/۱۴۰۰ھ۔

ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۱۱۳۹۲]: کیا عورت ساڑھی پہنے ہوئے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ بدن کا نماز میں چھپانا فرض ہے، اگر وہ ساڑھی سے چھپا رہتا ہے تو اس سے نماز درست

= أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، "فهو منهم" أي: في الإثم أو الخير عند الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمى)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۱/۵، معهد الخليل)

(۱) "وعن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: أهديت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حلة سيراء، فبعث بها إليّ فلبستها، فعرفت الغضب في وجهه، فقال: إني لم أبعث بها إليک لتلبسها، إنما بعثت بها إليک لتشققها خمراً بين النساء". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۴، قديمى)

"(فقال: "إني لم أبعث بها إليک لتلبسها، إنما بعثت بها إليک لتشققها") ...... أي: لتقطعها (خمراً) ...... (بين النساء) ...... والمعنى "لتقطعها قطعة قطعة كل قطعة قدر خمار، وتقسمها بين النساء". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۳۲۲: ۲۰۱/۸، ۲۰۲، رشيديه)

"وأخرج ابن مردويه عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: رحم الله تعالىٰ نساء الأنصار لما نزلت ﴿يا أيها النبي قل لأزواجک وبناتک﴾ الآية، شققن مروطهن فاعتجرن بها فصلين خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (روح المعاني، الأحزاب: ۸۹/۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من إناء واحد، وكلانا جنب وكان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض ...... إلى آخر الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض: ۴۴/۱، قديمى)

ہوگی(۱) اور جس جگہ ساڑھی کا عام رواج ہے، فساق یا کفار کا یہ مخصوص شعار نہیں، وہاں اس کا پہننا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

عورت مرد کے لئے چھینٹ کا کپڑا استعمال کرنا

سوال[۱۱۳۹۳]: چھینٹ کا کپڑا مسلمان مرد کے لئے پہننا کیسا ہے؟ جیسا کہ آج کل مرد اور عورت سب برابر کا لباس پہنتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لباس عورتوں کے لئے مخصوص ہے، مردوں کو اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے، وهكذا بالعكس(۳)،

---

(۱) "والرابع ستر عورته ..... وهي للرجل ماتحت سرته إلى ماتحت ركبته ..... وللحرة ..... جميع بدنها ..... خلا الوجه والكفين". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، ۴۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۰، قديمی)

(۲) جہاں پر فساق یا کفار کا شعار ہو یا اتنی چست ہو کہ ستر نظر آتا ہو (جیسا کہ آج کل عمومی طور پر اسی طرح ہے) تو اجتناب کرنا لازم اور ضروری ہے۔

قال الله تعالى: ﴿ولا تتبع أهواء الذين لايعلمون﴾ (الجاثية: ۱۸)

"وأهوائهم" هي ما يهوونه، وما عليه المشركون من هديهم الظاهر". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۲۷، نزار مصطفىٰ الباز)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمی)

"من شبه نفسه بالكفار، مثلا: في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم" أي: في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۸/۱۵۵، رشيديه)

(۳) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "لعن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المتشبهين من =

جو عورت مرد کی ہیئت اختیار کرے اس پر لعنت آئی ہے، اسی طرح جو مرد عورت کی ہیئت اختیار کرے اس پر بھی لعنت آئی ہے (۱۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

عورت کے لئے سیاہ لباس

سوال [۱۱۳۹۴]: شادی شدہ عورت کے لئے چوڑیاں اور کالی پوت (۲) کا مالا (۳) ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑیاں اور کالی پوت کا مالا شادی شدہ عورت کے لئے ضروری نہیں، البتہ ایسی ہیئت نہ بنائے جس سے شوہر کو نفرت ہو اور دوسرے یہ سمجھیں کہ یہ شوہر کے انتقال کی وجہ سے سوگ میں ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء: ۲/۸۷۴، قديمي)

"وعنه (ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما) قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمي)

(وكذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۱۰/۴۹۹۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز مكه)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) "پوت (پوتھ): شیشے یا کانچ کے دانے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) "مالا: پھولوں، موتیوں یا سونے کا ہار، گجرا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۴۶، فیروز سنز لاہور)

الفصل الخامس في الثياب المحرمة وغيرها

(ناجائز لباس کا بیان)

ریشم ملی ہوئی ٹرالین کا استعمال کرنا

سوال[۱۱۳۹۵]: ایک کپڑا جس کو ٹرالین کہتے ہیں، مرد کے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں ریشم بھی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ریشم اس میں مغلوب ہو، تو مرد کے لئے درست ہے۔

"ويحل لبس ما سداه إبريسم والحمته غيره" كذا في ردالمحتار(۱).

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

العبد نظام الدین، ۲۹/۳/۹۲ھ۔

مرد کے لئے کس رنگ کا کپڑا منع ہے؟

سوال[۱۱۳۹٦]: مرد کو کس رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مرد کو خالص سرخ اور زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ ہے، باقی ہر رنگ کا درست ہے(۲)، اس کا لحاظ

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/٣٥٦، سعيد)

(وكذا في فتح، باب العناية لملا علي القاري، كتاب الكراهية: ۳/۱۱، سعيد)

(وكذا في الدررالحكام في شرح غررالأحكام، كتاب الكراهية والاستحسان: ۱/۳۱۲، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲) "وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال ...... ولا بأس بسائر الألوان". =

رہے کہ کسی غیر کا شعار اختیار نہ کرے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ٦/٣٥٨، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ٨/٣٤٩، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس: ٥/٣٣٢، رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تتبع أهواء الذين لايعلمون﴾ (الجاثية: ١٨)

"وأهوائهم" هي ما يهوونه، وما عليه المشركون من هديهم الظاهر". (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ٢٧، نزار مصطفىٰ الباز)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ٣٧٥، قديمي)

"من شبه نفسه بالكفار، مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار "فهو منهم" أي: في الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ٨/١٥٥، رشيديه)

الفصل السادس في أشياء الزينة
(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

پھولوں کے ہار اور گجرے کا استعمال

سوال[۱۱۳۹۷]: پھولوں کا ہار بنا کر اور پھولوں کا گجرا وغیرہ بنا کر ہاتھوں میں اور گلے میں پہننا شوقیہ یا گول بنا کر ڈال دیں۔ اور عورتوں کو پھولوں کا ہار بنا کر چوٹی وغیرہ میں ڈالنا کیسا ہے؟ معلوم یہ کرنا ہے پھولوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مردوں کے لئے نہ ہار کی اجازت ہے، نہ گجرے کی (۱)، البتہ خوشبو کے لئے ہاتھ میں لینے اور پاس رکھنے کی اجازت ہے، عورتیں زینت کے لئے سونے چاندی کے ہار اور دیگر زیورات استعمال کرسکتی ہیں، پھول کے ہار بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

تنبیہ: عورتیں مہکتی ہوئی خوشبو کے ساتھ گھر سے نکل کر نامحرموں کے قریب سے نہ گزریں (۲)۔

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول: ۲/۱۲۹، قديمى)

"المشتبهين بالنساء من الرجال في الزي، واللباس، والخضاب، والصوت، والصورة، والتكلم، وسائر الحركات، والسكنات". (التعليق الصبيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ۴/۵۳۲، رشيديه)

"وتشبه الرجال بالنساء في اللباس، والزينة التي تختص بالنساء، مثل: لبس المقانع، والقلائد والمخانق، والأسورة، والخلاخل، والقرط، ونحو ذلك مما ليس للرجال لبسه". (عمدة القارئ، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۲۲/۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "كل عين زانية، =

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس، فهي كذا وكذا" يعني: زانية". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۱/۲۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"وتعطرت المرأة ومرت بمجلس فقد هيجت شهوة الرجال، وحملتهم على النظر إليها، فإذن هي سبب لذلك، فتكون زانية". (التعليق الصبيح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۲/۵۳، رشيديه)

(وسنن النسائي، كتاب الزينة، مايكره للنساء من الطيب، ص: ۷۰۱، دارالسلام)

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول في الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

انگوٹھی یا گھڑی کس ہاتھ میں پہنے

سوال[۱۱۳۹۸]: انگوٹھی (انگشتری) اور رواج (گھڑی) سیدھی ہاتھ میں پہننا سنت ہے یا بائیں ہاتھ میں بھی پہن سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھڑی ہاتھ میں پہننے کو سنت کہنا غلط ہے، پھر داہنے بائیں کا سوال سنت کی حیثیت سے بے محل ہے، انگوٹھی (وزن محدود میں) جس ہاتھ میں چاہے، پہن سکتا ہے، کوئی قید نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۲۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا يتحلى الرجال بذهب وفضة مطلقاً، إلا بخاتم ...... ولا يزيده على مثقال". (الدرالمختار مع ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶، ۳۶۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

الفصل الثاني فيما يتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

گھڑی کی چین

سوال[۱۱۳۹۹]: زید نے گھڑی میں فیتے کی چین باندھ کر نماز پڑھی، اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ چین وہی ہے جو آج کل عام گھڑیوں میں استعمال ہوتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فیتہ گھڑی کی حفاظت کے لئے باندھا جاتا ہے، یہ کوئی حلیہ زیور نہیں، اسی طرح چین گھڑی کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہے یہ بھی زیور نہیں، مروجہ چین جو کہ نہ چاندی کی ہے، نہ سونے کی، گھڑی کی حفاظت کے لئے باندھے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ فیتہ باندھے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "قال الشامي: وفي الجوهرة: والتختم بالحديد، والصفراء، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال والنساء". چونکہ روایاتِ فقہیہ میں مفہومِ مخالف حجت ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ انگوٹھی کے علاوہ دیگر چیزوں میں لوہا استعمال کرنا جائز ہے اور اسٹیل کی حقیقت لوہا ہے، اس لئے اسٹیل کی چین گھڑی میں استعمال کرنا جائز ہے۔ (حاشیۂ نظام الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحۃ: ۱/۳۸۰، رحمانیہ)

چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

۱- اس کا باندھنا بذاتِ خود مقصود ہو، جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں۔

۲- بذاتِ خود مقصود نہ ہو، کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے۔

صورتِ اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ، متفرقات الحظر والإباحۃ: ۸/۲۱۳، سعید)

سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا

سوال[۱۱۴۰۰]: گھڑی کی زنجیریں بعض لوہے کی ہوتی ہیں اور بعض پیتل وغیرہ کی اور جس کو ہم اسٹیل کہتے ہیں، وہ بھی ایک قسم کا لوہا ہوتا ہے، تو ایسی زنجیر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طریقہ سے سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوہا یا رانگ اور پیتل وغیرہا کی انگوٹھی پر حدیث سے نکیر آئی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة، وحلية سيف منهما، ولا يتختم بغيرها، وذهب، وحديد، وصفر، ورصاص، وزجاج وغيرها" (درمختار)(۱).

"وقال الشامي: فرع: لا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه فضة، وألبس بفضة حتى لايرى" التاتارخانية (شامي: ۵/ ۲٤۰، نعمانيه)(۲).

"وفي الجوهرة: وأما الانية من غير الفضة والذهب، فلا بأس بالأكل والشرب فيها. والانتفاع بها كالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص، والخشب، والطين" (شامي: ۵/۲۱۸)(۳).

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۵۸-۳۶۰، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۴/۱۸۰، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۳/۲، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۵/۳۳۵، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الحادي عشر في استعمال الذهب: ۶/۸۶، حقانيه پشاور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۴، سعيد) .... =

"والخلاف في المفضض، أما المطلي فلا بأس به بالإجماع" (درمختار).

"والخلاف في المفضض أراد به ما فيه قطعة فضة، والأظهر عبارة العيني وغيره، وهي وهذا الاختلاف فيما يخلص: وأما التمويه الذي لايخلص فلابأس به بالإجماع؛ لأنه مستهلك فلا عبرة ببقائه لونا" (شامي: ۵/۲۱۹)(۱).

عبارات منقولہ سے معلوم ہوا کہ حلیہ اور غیر حلیہ میں فرق ہے۔ اول صرف فضہ کے محدود وزن میں مرد کے لئے درست ہے، اگر لوہے کی انگوٹھی یا چاندی کے پتر ے چڑھائے جائیں، جس سے لوہا مستور ہو جائے تو وہ بھی چاندی کے حکم میں ہو کر درست ہے، چاندی کا محض پانی اگر اس میں ہو، تو وہ درست نہیں، وہ پانی مستہلک ہے اور لوہے کے تابع ہے، غیر حلیہ میں اوانی جدیدہ کی اجازت ہے۔ اگر ان پر چاندی کا پانی ہو، تو ان کی بھی اجازت ہے، گھڑی کی زنجیر اگر بمقصد حلیہ استعمال کی جائے، تو اس پر حلیہ کا حکم ہوگا، ورنہ غیر حلیہ کا ہر دو کی تفصیل مع دلیل وعبارت نقل کر دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/۳/۸۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۵/۳۳۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۵/۳۳۵، رشيديه)

الفصل الثالث في الحلية للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

شادی کے موقعہ پر مخصوص ہار پہننا

سوال[۱۱۴۰۱]: الف...... ہمارے علاقہ میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جب لڑکی کا نکاح ہوجائے تو لڑکی اپنے گلے میں لچھہ ڈال لے (لچھہ ایک زیور ہے) جو ہار کی شکل میں ہوتا ہے، جس میں تسبیح کے دانوں کی طرح بالکل ہی باریک سیاہ دانے ہوتے ہیں، بعض عورتیں تو صرف ان ہی سیاہ دانوں سے پُر ہار (لچھہ) پہنتی ہیں اور بعض عورتیں سونے کا ہار بنالیتی ہیں، درمیان میں کہیں کہیں چند چنداں سیاہ دانوں کو رکھتی ہیں اور یہ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ اگر کوئی عورت شوہر کے ہوتے ہوئے لچھہ نہ پہنے تو برا جانتی ہیں۔

گویا یہ ہار عورت کے لئے اس بات کا نشان ہے کہ اس کا شوہر زندہ ہے اور عورت کے گلے میں ایسا ہار نہ ہونا علامت ہے اس بات کی کہ اس کا شوہر نہیں ہے، اس ہار (لچھہ) کو مذکورہ خیالات کے ساتھ پہننا اور اس کو ضروری سمجھنا از روئے شریعت کہاں تک درست ہے؟ جائز ہے یا کہ ناجائز؟

ب...... اگر کوئی عورت مذکورہ خیالات سے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے ایک زیور سمجھ کر پہنے، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج...... ہمارے علاقہ میں اکثر عورتیں ہر روز تقریباً اکثر کنگھی کرنے کے بعد میں پھول لگالیتی ہیں، یقیناً اس میں خوشبو بھی ہوتی ہے، جو نامحرم کو بھی متوجہ کرسکتی ہے۔ لہٰذا اس کا استعمال جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... ہار، زیور، زینت کے لئے درست ہے(۱)، یہ چیز کہ جس کے گلے میں ہار نہ ہو اس کے شوہر

---

(۱) "يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال والطوق الخ". (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله =

نہیں، یہ کوئی شرعی چیز نہیں، عورت کی زینت درحقیقت شوہر ہی کے لئے ہے(۱)، اگر ہار نہ ہو، دوسرا زیور یا سامانِ زینت ہو، کیا یہ علامت نہیں؟! تاہم اس تخیل کے تحت اس کو ممنوع نہیں کہا جائے گا اور نہ یہ غیر مسلموں کا شعار ہے۔

ب.....اوپر حکم معلوم ہوگیا۔

ج.....اگر وہ مکان سے باہر نامحرموں میں اس طرح جائیں تو اس کی اجازت نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= للنساء: ۲۹۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن﴾ (النور: ۳۱)

"وقد يجاب بأن الحل للنساء لأجل التزين للرجال، وترغيب الرجل فيها، وفي وطئها، وتحسينها في منظره". (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

"﴿إلا لبعولتهن﴾ أي: أزواجهن، فإنهم المقصودون بالزينة، والمأمورات نساء هم بهالهم، حتى أن لهم ضربهن على تركها". (روح المعاني، النور: ۳۱: ۱۴۲/۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن﴾ (النور: ۳۱)

"وأيضاً لو كان المراد من الزينة موقعها للزم أن يحل للأجانب النظر إلى ماظهر من مواقع الزين الظاهرة وهذا باطل؛ لأن كل بدن الحرة عورة". (روح المعاني: ۱۴۰/۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"الخامس: يحرم عليهن إبداء زينتهن إلا على الزوج والمحارم ..... السادس: يحرم عليهن إظهار صوت الحلي، وكل ما يكون سبباً لإظهار زينتهن الباطنة من التعطر عند الخروج". (أحكام القرآن لمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: ۴۳۷/۳، ۴۳۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، باب الخاتم: ۲۵۴/۸، ۲۵۵، رشيديه)

شادی میں دولہن کو پوت کا ہار پہنانا

سوال[۱۱۴۰۲]: عورتوں کو شادی کے بعد لچھہ (۲) پہنانا ضروری ہے، عوام میں مشہور ہے کہ کالی پوت (۱) جنت سے آئی ہے، جو بی بی فاطمہ کے گلے میں تھی، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو گلے میں لچھہ پہننا بھی درست ہے، یعنی گلے میں پوت کا ہار پہننا جائز ہے (۳)، یہ بات کہ جنت سے یہ ہار آیا ہے، بے اصل ہے اور غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کا بالوں میں کلپ لگانا

سوال[۱۱۴۰۳]: کلپ ایک زیور ہوتا ہے، جس کو عورتیں سر کے بالوں میں لگاتی ہیں، ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلپ بالوں میں لگانا عورتوں کو جائز ہے، بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو اور کفار یا فساق کا شعار نہ ہو کہ اصل جواز ہے۔ اور ممانعت وجہ مذکورہ پر ہے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''پوت: شیشے یا کانچ کے دانے، دانہ''۔ (فیروز اللغات، ص:۳۰۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''لچھا: سوت کی انٹی، ایک زیور، الجھی ہوئی ڈور، مسلسل اور پیچیدہ لپٹے ہوئے تار''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱۵۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) "يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال والطوق الخ".

(إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله للنساء: ۲۹۳/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشيديه)

(۴) "يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، =

لڑکیوں کے ناک کان چھیدنا

سوال[۱۱۴۰۴]: لڑکیوں کے کان اور ناک چھیدنا کیسا ہے؟ ونیز ناک اور کان میں جو سوراخ لگائے جاتے ہیں، اس میں کتنے سوراخ لگانا احسن ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ناک کان چھید کر لڑکیوں کو زیور پہنانا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= والخلخال، والطوق، والعقد، والتعاويذ، والقلائد وغيرها ..... وأما التاج، فقال الرافعي: قال أصحابنا: إن جرت عادة النساء بلبسه جاز وإلاحرم؛ لأنه شعار عظماء الروم ..... يباح للنساء من حلي الذهب، والفضة، والجواهر كل ماجرت عادتهن بلبسه كالسوار، والخلخال، والقرط، والخاتم، وما يلبسه على وجوههن، وفي أعناقهن، وأيديهن، وأرجلهن، واذا نهن وغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال: ۱۷/ ۲۸۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۲۲/ ۶۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح ابن بطال، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۹/ ۱۴۰، مكتبة الرشد)

(۱) "ولا بأس بثقب أذن البنت والطفل استحساناً ملتقط. قلت: هل يجوز الخزام في الأنف؟ لم أره". (الدرالمختار). "(لم أره) قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۲۰، سعيد)

"ولا بأس بثقب أذن الصغيرة؛ لأنه للزينة فصار كالختان". (فتح باب العناية بشرح النقاية، كتاب الكراهية: ۳/ ۳۲، سعيد)

(وكذا في الملتقط، كتاب الأداب، مطلب في كي البهائم وثقب أذن الطفل، ص: ۱۷۴، حقانيه)

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

محمد ہُرمُز نام رکھنا

سوال[۱۱۴۰۵]: ایک شخص نے اپنے لڑکے کا نام "محمد ہُرمُزعلی" رکھا، یہ نام رکھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ نام رکھنا ٹھیک نہیں ہے، ہرمز نام کس کا تھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہُرمُز شہزادۂ فارس کا نام تھا اور یہ نام ان لوگوں میں عام طور پر تجویز نہیں کیا جاتا تھا کہ جس کا دل چاہے اپنے بچے کا نام ہرمز رکھدے، بلکہ اس کا اتنا احترام تھا کہ اس نام کو شاہی نام تصور کیا جاتا تھا، اس کے معنی کچھ ایسے نہیں ملے، جو اسلام کے خلاف ہوں، اس لئے یہ نام بھی ناجائز نہیں، جیسے اور عجمی ناموں کے ساتھ لفظ محمد یا لفظ علی لگادیا جاتا ہے، جیسے محمد دانش علی اسی طرح اس کا بھی حال ہے، یہ ناجائز نہیں، البتہ پیغمبروں اور صحابہ کے نام پر نام رکھنا(۱) یا ایسا نام رکھنا جس میں عبدیت کے معنیٰ ہوں اور اس کو اسماءِ الٰہیہ کی طرف مضاف کیا گیا ہو، شرعاً پسندیدہ ہے، اس کی ترغیب احادیث میں آئی ہے(۲)، جیسے: محمد، احمد، ابراہیم، اسماعیل، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۶ھ۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سموا بأسماء الأنبياء، ولا تسموا بأسماء الملائكة".

قال المناوي رحمه الله تعالىٰ: فيكره التسمي بها كما ذكره القشيري، ويسن بأسماء الأنبياء". (فيض القدير: ۷/۳۵۵۳، رقم الحديث: ۴۷۱۷، نزار مصطفىٰ الباز)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، ص: ۶۹۷، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأسامي، الفصل الثالث: ۲/۱۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أحب الأسماء إلى الله عزوجل عبد الله وعبد الرحمن". =

غلامِ اولیاء نام رکھنا

سوال[۱۱۴۰۶]: بندہ کا نام ''غلامِ اولیاء'' ہے، یہ نام عہدِ طفلی میں والد صاحب نے رکھا تھا، جو آج بھی چل رہا ہے، تمام اسناد وغیرہ میں یہی نام درج ہے، اس طرف خدا کا شکر ہے، کچھ اللہ والوں کے ساتھ رہا، ان بزرگوں نے میرے نام پر از روئے ہمدردی کچھ اعتراض کیا، ان لوگوں کے مطابق میرا نام پسند نہیں ہے، میرے نام کی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں اور اگر آپ کی رائے میں نام بدلنا ضروری رہے تو دو نام بھی تجویز فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

غلام کا لفظ مشترک ہے، اس کے معنی عبد (بندہ) کے بھی ہیں اور اس کے معنی خادم بھی ہیں اور اس کے معنی نوعمر بھی ہیں(۱)، پہلے معنی کے اعتبار سے نام نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''اولیاء کا بندہ'' کہہ دیا گیا، حالانکہ سب کے سب صرف اللہ کے بندے ہیں، جن بزرگوں نے اعتراض کیا ہے، اس معنی کے اعتبار سے کیا، اگرچہ دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ خرابی نہیں، پس اگر دشواری نہ ہو، تو بدل دینا بہتر ہے اور کوئی ایسا نام رکھ دیا جائے، جس میں عبد کی اضافت اللہ کی طرف ہو(۲)۔ مثلاً: عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۸۴/۳/۱۷ھ۔

تارہ نام تبدیل کرنا

سوال[۱۱۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک لڑکی کا نام ''تارہ'' ہے، وہ لڑکی

= (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۳۲۸/۲، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأدب، باب مايستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم: ۲۰۶/۲، قديمي)

(۱) ''غلام: لڑکا، زرخرید، بندہ، انکسار کا کلمہ، نیازمند''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۷۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''أحب الأسماء إلى الله عزوجل عبدالله، وعبدالرحمن''. (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء: ۳۲۸/۲، إمداديه)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الأدب، باب مايستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم: ۲۰۶/۲، قديمي)

شادی شدہ ہے، اس کا شوہر نیک نامی حاصل کرنے کے لئے اس کا نام تبدیل کرنا چاہتا ہے، مسئلہ غور فرما کر تحریر فرمائیں، اس سے قبل بھی آپ کو ایک لفافہ ارسال کر چکا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

''تارہ'' نام بھی برا نہیں ہے، تاہم اگر شوہر اس سے عمدہ نام رکھنا چاہتا ہے اور بیوی بھی رضامند ہے تو اجازت ہے(۱)، عائشہ یا فاطمہ نام اچھا ہے، اس سے پہلے اس مضمون کا لفافہ آنا میرے علم میں نہیں، موجودہ لفافہ موصول ہوا، آج ہی جواب تحریر کر دیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۱/۳/۲۶ھ۔

قصابوں کا اپنے آپ کو قریش کہنا

سوال[۱۱۴۰۸]: ہندوستان کے قصاب اپنے کو قریش کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ قریش کی اہلیت کیا ہیں؟ کون کون لوگ قریش کہلانے کے مستحق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قریش نامی ایک شخص عرب میں گزرا ہے، جو اپنے اخلاق واعمال کے اعتبار سے اپنے دور میں بہت اونچا شمار ہوتا تھا، اس کی نسل سے جو لوگ عرب میں تھے، وہ قریش تھے(۲)، یہ صحیح ہے کہ اس کی نسل ونسبت کے

---

(۱) "معنى هذه الأحاديث تغيير الأسماء القبيح، أو المكروه إلى حسن. وقد ثبت أحاديث بتغييره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أسماء جماعة كثير من الصحابة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الأدب، باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن: ۲۰۸/۲، قديمى)

(وكذا في التعليق الصبيح، كتاب الأداب، باب الأسامي: ۱۵۲/۵، رشيديه)

(۲) "قال ابن هشام: النضر هو قريش فمن كان من ولده فهو قرشي ..... وقال: ويقال: فهر بن مالك هو قريش ..... هذان القولان قد حكاهما غير واحد من أئمة النسب ..... قال أبوعبيد وابن عبدالبر: والذي عليه الأكثرون أنه النضر بن كنانة لحديث الأسعد بن قيس، قلت: وهو الذي نص عليه هشام بن محمد بن السائب الكلبي، وأبوعبيده معمر بن المثنى، وهو جادة مذهب الشافعي ..... وقال بعضهم كان قصي يقال له: قريش ..... وقيل: سموا بقريش بن الحارث بن يخلد بن النضر بن كنانة، وكان دليل بني =

لوگ عرب سے باہر بھی گئے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بھی عرب سے باہر گیا، وہ قریش ہے، بلا تحقیق اپنا نسب بدل کر دوسرے کی طرف منسوب کر دینا جائز نہیں، سخت گناہ ہے(۱)۔

جو شخص واقعۃً قریشی ہو، خواہ اب کسی ملک میں رہتا ہو، وہ اپنے کو قریشی کہے یا لکھے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۷/۹۵ھ۔

اپنے سے زیادہ عمر والے کو چچا ماموں وغیرہ کہنا

سوال[۱۱۴۰۹]: کسی بھی زیادہ عمر کے آدمی کو چچا کہنا یا جو معمر شخص ننہال کے قصبہ یا گاؤں کا رہنے والا ہے اور اس سے کوئی رشتہ بھی نہ ہو، مگر دلداری یا احترام کے ناتے نانا ماموں کہنا حرام ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، یہاں احترام مقصود ہوتا ہے، نسبت حقیقی نہیں ہوتی، نہ دوسروں کو اس کا شبہ ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۶/۸۹ھ۔

= النضير، وصاحب ميرتهم، وكانت العرب تقول: قد جاء ت عير قريش ......". (البداية والنهاية، قريش نسباً واشتقاقاً: ۱/۵۹۷-۵۹۹، حقانيه)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ادعى إلى غير أبيه، وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ص: ۴۷، دار السلام)

(وصحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الطائف في شوال، ص: ۷۳۲، دار السلام)

(وسنن النسائي، كتاب الحدود، باب من ادعى إلى غير أبيه، ص: ۷۲۵، دار السلام)

(۲) "دخلنا على أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، فوجدناه يصلي العصر، فقلت: يا عم ما هذه الصلاة التي صليت؟ قال: العصر". (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر: ۱/۷۷، قديمي)

"(قوله: ياعم) بكسر الميم، وأصله ياعمي فحذفت الياء، وهذا من باب التوقير لأنس؛ لأنه ليس عمه على الحقية". (عمدة القاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر: ۵/۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم، الفصل الثالث: ۷/۵۹۳، رشيديه)

باب خصال الفطرة

الفصل الأول في اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

داڑھی کٹانے اور منڈانے میں فرق

سوال[۱۱۴۱۰]: ایک شخص کی داڑھی کٹی ہوئی ہے، دوسرے شخص کی بالکل منڈی ہوئی ہے، کیا دونوں ایک ہی درجہ کے ہیں یا کچھ فرق ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر دونوں ایک درجہ میں ہوں تو میں باقی داڑھی صاف کرادوں گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مشت تک پہونچنے سے پہلے داڑھی کٹانا جائز نہیں، منڈانا حرام ہے(۱)، احکام کی وقعت ومحبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی ناجائز چیز کو چھوڑ دے، جائز کو اختیار کرے، اس کا یہ کہنا کہ اگر دونوں ایک ہی درجہ میں

(۱) "قال الله تعالیٰ: ﴿لعنه الله وقال لأتخذن من عبادک نصيبا مفروضاً ولأضلنهم ولأمنينهم ولأمرنهم فليغيرن خلق الله﴾ وخص من التغيير قص ما زاد من اللحية". (تفسير روح المعاني، النساء: ۱۱۹: ۱۴۹/۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يارويفع لعل الحياة ستطول بک بعدي ...... وأخبر الناس أنه من عقد لحيته ...... فإن محمداً بريء منه". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، رقم الحديث: ۳۵۱: ۸۳/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما الأخذ منها وهي دون ذلک (القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، مطلب: الأخذ من اللحية: ۴۱۸/۲، سعيد)

ہوں، تو بقایا داڑھی صاف کرادوں گا، انتہائی جہالت کی بات ہے، اس کو ہرگز ایسا نہیں کہنا چاہیے، اس کی تو ایسی مثال ہوگی، جیسے کوئی شخص دو تولہ غلاظت کھائے اور دوسرا دو چھٹانک کھاوے اور پہلا شخص یہ کہے کہ اگر ہم دونوں ایک درجہ میں ہوں تو میں دو چھٹانک غلاظت کھالوں گا اس کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ شرعی احکام میں اس قسم کی ضد کرنا نہایت خطرناک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۷ھ۔

حلقوم کے بالوں کا حکم

سوال[۱۱۴۱۱]: حضرت مفتی سعد اللہ صاحب کی کتاب ''ہدایۃ النور'' فارسی میں ہے، اس کا ترجمہ مولانا عبد الغنی رسولوی بارہ بنکوی نے ''تنویر الشعور'' کے نام سے کیا ہے، اس کتاب کے باب اول، فصل دوم کے اندر جو ڈاڑھی کے مسائل میں ہے، مرقوم ہے کہ ذقن یعنی ٹھوڑی اور دونوں رخساروں کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اس ذیل میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ ذقن یعنی ٹھوڑی سے حلقوم تک کے اٹھے ہوئے حصے تک کے بال کیا قصر کئے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حلق کے جس حصے پر بھی جو بال ہو، ان کو صاف کرنا ڈاڑھی کا کاٹنا نہیں ہے، وہ ڈاڑھی میں داخل نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، چھتہ مسجد، دار العلوم دیوبند، ۶/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) ''اللحي: منبت اللحية من الإنسان وغيره ..... واللحيان: حائطا الفم، وهما العظمان اللذان فيهما الأسنان من داخل الفم من كل ذي لحي''. (لسان العرب: ۱۵/۲۴۳، دار صادر بيروت)

''(اللحي) العظم على الأسنان''. (المغرب في ترتيب المعرب: ۲/۲۴۴، إدارة دعوة الإسلام) =

مونچھیں مونڈنا

سوال[۱۱۴۱۲]: حدیث شریف میں قص کا لفظ (آیا ہے)، آج کل جو استرہ بلیڈ سے مونچھیں منڈائی جاتی ہیں، یہ بدعت ہے، بہت سے اہل علم کو بھی دیکھا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مونچھوں کے مونڈنے کے متعلق درمختار میں دوقول نقل کئے ہیں:

"حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة الخ" "مشى عليه في الملتقى وعبارة المجتبى بعد ما رمز للطحاوي: حلقه سنة، ونسبه إلى أبي حنيفة، وصاحبيه رحمه الله تعالى، والقصص منه حتى يوازي الحرف الأعلى من الشفة العليا سنة بالإجماع الخ". (شامی: ۵/۲۶۱)(۱).

= "اللحية" بالكسر شعر الخدين والذقن". (القاموس المحيط: ۴/۳۸۷، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

"وقال في الشامية في موضع آخر: "واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا: أنه القص، قال في البدائع: وهو الصحيح. وقال الطحاوي: القص حسن، والحلق أحسن، وهو قول علمائنا الثلاثة". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۰، سعيد)

حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

"امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بالاتفاق اعلم بمذہب أبي حنيفة ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ حلق شوارب مسنون ہے..... حلق کا استیصال کالحلق سے أبلغ في المعنى والميسر في العمل ہونا ظاہر ہے، اس لئے حلق پر إحفاء بمعنى الاستيصال بالقص كالحلق کو ترجیح دینا خلافِ معقول ہے"۔(احسن الفتاویٰ، كتاب الحظر والإباحة، نيل المآرب بحلق الشوارب: ۸/۷۵۱، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے حضرت مفتی احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "نيل المآرب بحلق الشوارب" ملاحظہ فرمائیں۔

ایک قول سنت کا بھی ہے، لہٰذا مونڈانے والے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲ھ۔

جواب صحیح ہے، استرہ سے مونڈنے یا بلیڈ سے حکم میں فرق نہ ہوگا۔ فقط۔

بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا ناف تک تھی؟

سوال[۱۱۴۱۳]: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈاڑھی کیا ناف تک تھی؟ اس کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے ڈاڑھی کٹانا درست نہیں، ایک مشت کے بعد دونوں قول ہیں، صحیح یہی ہے کہ جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو، اس کو کٹانا درست ہے(۱)، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے

---

(۱) "وتطويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة، وصرح في النهاية: بوجوب قطع ما زاد على القبضة بالضم، ومقتضاه الإثم بتركه إلا أن يحمل الوجوب على الثبوت، وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم". (الدرالمختار). "(قوله: وصرح في النهاية) حيث قال: وما وراء ذلك يجب قطعه هكذا عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "أنه كان يأخذ من اللحى من طولها وعرضها" أورده أبوعيسى يعني: الترمذي في جامعه ...... أن قول النهاية يجب بالحاء المهملة ولا بأس به ..... ولا بأس بأن يقبض على لحيته، فإذا زاد على قبضته شيء جزه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، مطلب الأخذ من اللحية: ۲/۴۱۸، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۱/۴۶۰، دارالمعرفة بيروت)

ثابت ہے۔ پس سنت تو ایک مشت ہی ہے، معمولی اضافہ ہو جائے تو اس میں بھی حرج نہیں، ناف تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈاڑھی احادیث سے ثابت نہیں، کتبِ تواریخ میں اتنا منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ اور پیٹ پر بال تھے اور ناف تک ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اون دھنی ہوئی ہو(۱)، ممکن ہے کہ اس کو کسی نے ڈاڑھی سمجھ لیا ہو۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ وہ ڈاڑھی کے بال نہیں تھے، بلکہ سینہ کے بال تھے، اگر وہ ڈاڑھی کے بال ہوتے تو ان کو دھنی ہوئی اون سے تشبیہ نہ دی جاتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۶/۲/۱۸ھ۔

موئے زیرِ ناف بالوں کو صاف کرنا اور ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھانا، اس میں کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۴۱۴] : ۱...... موئے زیرِ ناف کی صفائی کا حکم اسلام دیتا ہے اور داڑھی کے بال کو بڑھانے کا حکم دیتا ہے، اس کی کیا علت ہے اور کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ یہ اعتراض ایک غیر مسلم دہریہ کا ہے، جس کی نظر میں قرآن وحدیث کوئی چیز نہیں ہے، جسے مستدل بنا کر جواب دہی کی جائے، وہ سرے سے منکر ہے، لہٰذا عقل وہوش وخرد کی روشنی میں ایسا مفصل جواب دیا جائے، جس سے باطل کو خاموش کیا جا سکے اور ناطقہ کو بند کر دیا جائے، بالکل ٹھوس وہوش وخرد سے لگتا ہوا ہونا چاہیے۔

ذبیحہ حلال، جھٹکا حرام کیوں ہے؟

سوال[۱۱۴۱۵] : ۲...... غیر مسلم کا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ اہلِ اسلام جھٹکے(۲) کا گوشت نہیں کھاتے اور حرام سمجھتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اہلِ اسلام جانور کو ذبح کرتے ہیں اور جھٹکے کی صورت میں جانور کو کم تکلیف ہوتی ہے، بلکہ ایک ہی وار میں اس کو ختم ہو جانا پڑتا ہے اور ذبح کی صورت میں جانور اپنی جان تڑپ تڑپ

---

(۱) "عن أبي رجاء العطاردي قال: رأيت علي بن أبي طالب ربعة ...... كثير شعر الصدر والكتفين، كأنما اجتاب إهاب شاة". (تاريخ دمشق، حرف العين، علي بن أبي طالب: ۲۰/۲۴، دارالفكر بيروت)

(وكذا في البداية والنهاية، سنة خمس وثلاثين، خلافة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه: ۱۱۲۸/۲، مكتبه مصريه)

(۲) "جھٹکا: تلوار کے ایک ہی وار سے جانور کی گردن کاٹنا جو مسلمان کے نزدیک حرام ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۸، فیروز سنز لاہور)

کرکھودیتا ہے، اس صورت مذکورہ میں اور جھٹکے میں اگر تقابل کیا جائے، تو ذبح میں تکلیف ایذارسانی اور ظلم زیادہ ہوتا ہے، اس طرح سے کیوں ہے؟ اس کا جواب بھی عقل کی رہنمائی میں دندان شکن جواب دیا جائے، اس قسم کے اعتراض سے مقصود اسلام کا مذاق اڑانا ہوتا ہے، لہٰذا غور کر کے جواب دیا جائے۔

حقیقی بہن اور خالہ زاد پھوپھی زاد بہن میں کیا فرق ہے؟

سوال[۱۱۴۱۶]: ۳…… پھوپھی ماموں خالہ کی لڑکیوں سے شادی اسلام کی نگاہ میں درست ہوجاتی ہے، لیکن ایک غیر مسلم ہندو اس کو برا گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اپنی بہن کی مانند ہے، اسلام اس سے شادی درست قرار دیتا ہے اور جائز سمجھتا ہے اور اپنی بہن کی لڑکی سے کوئی مذہب شادی بیاہ کو درست نہیں سمجھتا، بلکہ برا سمجھتا ہے، لہٰذا اس اعتراض کا جواب بھی بجائے نقل عقل سے دیا جائے، تاکہ مخالف اور باطل کو اس کے اعتراض کا جواب کافی وشافی مل جائے اور مطمئن ہوجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱…… جو شخص بنیاد ہی کا منکر ہے، اس سے کسی فرعی مسئلہ میں بحث کرنا، قرین دانش مندی نہیں، بلکہ عقل وخرد کے تقاضے کے ہی خلاف ہے، ہاں! اگر وہ محض اس مسئلہ کی وجہ سے قرآن وحدیث کا منکر ہے اور اس کے سمجھ میں آنے پر قرآن وحدیث کو تسلیم کرنے کا اور ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے، تو پھر اس کا جواب اہم ہوجائے گا اور محض یہ فرعی نہیں رہے گا، بلکہ بنیاد کو تسلیم کرنے کے لئے اس کو بنیاد قرار دیا جائے گا، یعنی اس مسئلہ کی علت وحکمت تو بہت معمولی ہے اس سے کہیں زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ قرآن وحدیث اس کی نظر میں کوئی چیز نہیں۔

اگر اس مسئلہ کی حکمت اس کی سمجھ میں آ بھی گئی، تو یہ اس کے لئے ذریعہ نجات نہیں اور اس کی زبان اعتراض سے بند نہیں ہوگی، وہ دس اعتراضات اور بھی کرسکتا ہے، لیکن قرآن وحدیث پر ایمان لے آئے، تو ایسے ایسے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے اور ان کی حکمتوں کا سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا اور نجات کا دروازہ کھل جائے گا، ورنہ اعتراضات کے دریا میں غوطہ لگاتے لگاتے عمر ختم ہوجائے گی اور ساحل پر نہیں پہنچ سکے گا(۱)۔

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : بني الإسلام على خمس: ۱/۶، قديمي) ………………… =

۲......اس کا جواب بھی نمبر ا کی طرح ہے، جس جانور کو ’’بسم اللہ اللہ اکبر‘‘ پڑھ کر ذبح کیا جاتا ہے، اس کو تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پاک نام سن کر اس بات سے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے نام پر ذبح کیا جارہا ہے، اتنا مسرور ومست ہوجاتا ہے کہ ذبح کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، اس کے خلاف جس طرح سے بھی اس کو مارا جائے، اس میں بہت اذیت وتکلیف اس کو محسوس ہوتی ہے۔

۳......اصولی جواب تو وہی ہے جو نمبر ا میں لکھا گیا ہے، کتبِ فقہ میں ایسے نکاح کی اجازت موجود ہے(۱) اور کتبِ حدیث میں زمانہ خیر القرون میں ایسے نکاح کا ثبوت مذکور ہے، قرآن کریم سورہ احزاب میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنے کو حلال فرمایا گیا ہے۔

﴿یا أیها النبي إنا أحللنا لك﴾ اس میں ﴿وبنات عمك وبنات عماتك﴾ الخ(۲) بھی مذکور ہے اور امت کے لئے محرمات کو شمار کرا کے سورۂ نساء میں کلیہ بیان فرمادیا گیا ہے: ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ الأیة(۳)۔

غیر مسلم کے نزدیک جب نفس اسلام ہی باطل ہے، تو پھر ان مسائل میں اس کو بحث کرنا ہی بے کار وبے محل ہے، وہ اسلام کی عقلیت کو نہیں سمجھ پاتا تو اس کے فرعی مسائل کی عقلیت کو کیسے سمجھے گا، وہ عقل سے اس

= ”فالتحقيق: أن الإيمان هو تصديق النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه من عندالله إجمالاً، وأنه كاف في الخروج عن عهدة الإيمان“. (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ٨٦، قديمي)

(وكذا في شرح العقائد النسفية، ص: ١٢٠، قديمي)

(١) ”وتحل بنات العمات والأعمام والخالات والأخوال“. (ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٢٨/٣، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ٤٢٧/٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ٤٦٩/٢، دارالكتب العلمية بيروت)

(٢) (الأحزاب: ٥٠)

(٣) (النساء: ٢٤)

قدر بعید بلکہ محروم ہے، کہ بہن کے معنی ومقصود کو بھی نہیں سمجھتا، جو جو رعایت حقیقی بہن کے ساتھ ہے، کیا وہی چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد کے ساتھ بھی ہے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

الفصل الثاني في الشعر

(بالوں کا بیان)

صرف آگے کے بال کٹانا

سوال[۱۱۴۱۷]: عورتوں کے لئے صرف سامنے کے بال کٹانا کیسا ہے؟ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کے کچھ حصہ کے بال کٹانا اور کچھ حصہ کے باقی رکھنا منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

مانگ کہاں نکالے

سوال[۱۱۴۱۸]: عورتوں کے لئے سر میں مانگ نکالنا کیسا ہے اور کہاں مانگ نکالیں، یعنی سر کے بیچ میں یا کنارہ پر؟

---

(۱) خصوصاً عورت کے لئے تو سر کے بال کٹانا بالکل جائز نہیں، ایسی عورت جو سر کے بال کٹاتی ہے، ملعون ہوتی ہے۔

"وفيه: قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت، زاد في البزازية: وإن كان بإذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق". (الدر المختار). "قوله: (والمعنى المؤثر) أي: العلة المؤثرة في إثمها التشبه بالرجال، فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

"وإذا حلقت المرأة شعر رأسها فإن كان لوجع أصابها فلا بأس به، وإن حلقت تشبه الرجال فهو مكروه". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۲۰۳، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کے بیچ میں مانگ نکالنا اچھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

ختنہ کے لئے ڈاکٹر کا مسلم ہونا شرط نہیں

سوال[۱۱۴۱۹]: یہاں پر ختنہ سرکاری ہسپتال میں کیا جاتا ہے، ختنہ کرنے والے اکثر ہندو ڈاکٹر ہوتے ہیں، تو ان کے ختنہ کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کام کے لئے ڈاکٹر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم ختنہ کردے، تب بھی درست ہے، جیسے اور کوئی آپریشن یا علاج کردے یا غیر مسلم کسی محرم کا سر مونڈ دے، تو وہ حلال ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا

سوال[۱۱۴۲۰]: ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ منگل اور ہفتہ کے دن

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يسدل شعره وكان المشركون يفرقون رؤسهم ...... ثم فرق رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأسه". (شمائل ترمذي الملحق بالجامع الترمذي، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳، سعيد)

(وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب ماجاء في الفرق: ۲/۲۲۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ۲/۳۸۰، قديمى)

(۲) "فيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۳، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۲۸۰، إمداديه ملتان)

اصلاح (۱) نہ بنواؤ، کیونکہ اس دن اصلاح بنانے سے برص کی بیماری ہوتی ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے کسی حدیث کی کتاب میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

بال صفا صابن کا استعمال

سوال [۱۱۴۲۱]: بال صفا صابن کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) اصلاح بنوانا: حجامت بنوانا، خط بنوانا۔

منگل اور ہفتہ کے بارے میں تو حدیث نہیں ملی، البتہ فیض القدیر میں بدھ کے روز ناخن کاٹنے سے منع کرنے کے سلسلہ میں ایک اثر کا ذکر ہے:

"وفي بعض الآثار النهي عن قص الأظافر يوم الأربعاء، وأنه يورث البرص. قال في المطامع: وأخبر ثقة من أصحابنا عن ابن الحاج، وكان من العلماء المتقين أنه همّ بقص أظافره يوم الأربعاء فتذكر الحديث الوارد في كراهته فتركه، ثم رأى أنها سنة حاضرة فقصها فلحقه برص، فرأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في نومه فقال له: ألم تسمع نهي عن ذلک؟ فقال: يا رسول الله لم يصح عندي الحديث عنک. قال: يكفيک أن تسمع، ثم مسح بيده على بدنه فزال البرص جميعاً". (فيض القدير: ۱/۸۸، رقم الحديث: ۸، نزار مطفیٰ الباز)

لیکن واضح رہے کہ علامہ مناوی نے اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد اس بات کی صراحت کی ہے کہ بدھ کے دن سے یا کسی بھی دن سے بدشگونی کرتے ہوئے کسی کام سے اجتناب کیا جائے، یہ بات بالکل درست نہیں، لہٰذا منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا جائز اور درست ہے۔

"والحاصل أن توقي يوم الأربعاء على جهة الطيرة، وظن اعتقاد المنجمين حرام شديد التحريم؛ إذ الأيام كلها لا تضر ولا تنفع بذاتها". (فيض القدير: ۱/۸۸، رقم الحديث: ۸، نزار مصطفیٰ الباز)

(وكذا في كشف الخفاء، حرف الهمزة: ۱/۱۸، ۱۹، رقم الحديث: ۳، المكتبة العصرية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ویبتدئ من تحت السرة، ولو عالج بالنورة یجوز کذا في الغرائب". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۰۶، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء: ۵/۳۵۸، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحاوی علی الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۴/۲۰۳، دارالمعرفة بیروت)

ایسا صابن جس میں ناپاک اجزاء نہیں ہیں، استرہ ہی کے کام میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (نظام الفتاوی، کتاب الحظر والإباحة: ۱/۳۵۲، رحمانیه)

الفصل الثالث في تقليم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

مغرب کے بعد ناخن کاٹنے کا حکم

سوال[۱۱۴۲۲]: کیا مغرب بعد ناخن کاٹنا مکروہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے کسی فقہی کتاب میں دیکھنا یاد نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۷/۳/۱۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) مکروہ تو نہیں، البتہ عالمگیری میں ایک جزئیہ ہے جس سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے۔

"حكي أن هارون الرشيد سأل أبايوسف رحمه الله تعالىٰ عن قص الأظافير في الليل فقال: ينبغي، فقال: ما الدليل على ذلك، فقال: قول عليه الصلاة والسلام الخير لايؤخر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان: ۳۵۸/۵، رشيديه)

الفصل الرابع في الختان

(ختنہ کا بیان)

عورتوں کا ختنہ

سوال[۱۱۴۲۳]: زید کہتا ہے کہ اسلام سے قبل عورتوں کا ختنہ ہوا کرتا تھا، یہ رواج عام تھا یا کہیں کہیں؟ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کے ختنہ کا تذکرہ کتب حدیث، فقہ میں مذکور ہے۔ملاحظہ ہو: طحطاوي، ص: ۷۸ علی مراقي الفلاح، کتاب الطهارت، فصل مایوجب الاغتسال(۱)۔

صرف یہ بات نہیں کہ اسلام سے قبل رواج تھا، یہ بات کہ کہاں کہاں رواج تھا اور کب تک رہا، معلوم نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۵ھ۔

لڑکی کا ختنہ

سوال[۱۱۴۲۴]: لڑکی کا ختنہ کرانا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس جگہ سے کرانا چاہیے؟ شوہر اپنی بیوی کا ختنہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کا ختنہ کرانا سنت ہے؟ لڑکے اور

---

(۱) (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الطهارة، باب مایوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قدیمی)

(وکذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، مسائل شتی: ۷۵۱/۶، سعید)

(وکذا في فتح باب العنایة، کتاب الکراهیة: ۳۷/۳، سعید)

لڑکیاں جوان ہوجائیں، تو ان کا ختنہ کرانا چاہیے یا نہیں؟ پردہ ضروری ہے یا ختنہ کرانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موضع ختان سے لڑکی کا ختنہ ثابت ہے، عرب میں اس کا دستور تھا، لیکن جس طرح مردوں کے لئے سنت ہے، عورتوں کے لئے سنت نہیں، لہٰذا ان پر تاکید نہیں، کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا، قابلِ پردہ لڑکیوں کے ختنہ کے لئے پردہ کو نہیں توڑا جائے گا، ہاں شوہر ختنہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

"(قوله: إذا التقى الختانان) ذكرهما بناء على عادة العرب من ختن نساء هم، وهو من الرجال دون حزة الحشفة، ومن المرأة موضع قطع جلدة كعرف الديك فوق مدخل الذكر، وهو مخرج الولد والمني والحيض، وتحت مخرج البول. ويقال له أيضا: خفاض. قال في السراج: وهو سنة عندنا للرجال والنساء. وفي الفتح: أيجبر عليه أن تركه إلا إذا خاف الهلاك، وإن تركته هي لا" الخ طحطاوي، باب مايوجب الغسل، ص: ۷۸(۱).

لڑکے کا ختنہ جوان ہونے سے پہلے کردیا جائے، جوان ہونے پر پردہ لازم ہے، مرد کی بیوی اس کا ختنہ کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن غفرلہ، ۸۶/۴/۱۸ھ۔

نومسلم کا ختنہ

سوال[۱۱۴۲۵]: اگر کوئی غیر مسلم اسلام میں داخل ہووے اور یہ نومسلم عمر رسیدہ ہے، تو اس کی

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قديمي)

"ووقته غير معلوم. وقيل: سبع سنين كذا في الملتقى. وقيل: عشر. وقيل: أقصاه اثنا عشرة سنة. وقيل: العبرة بطاقته وهو الأشبه ..... وختان المرأة ليس سنة بل مكرمة". (في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۱/۶، سعيد)

(وكذا في فتح باب العناية شرح النقاية، كتاب الكراهية، أمور الفطرة: ۳۷/۳، سعيد)

سنت کرانا مسلمانوں پر فرض عین ہے یا کیا؟ اگر مسلمان اس کی سنت کروانے پر غافل رہیں اور کچھ خیال نہ کریں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض عین نہیں، البتہ اگر اس میں سنت (ختنہ) کرانے کی قوت ہو اور وہ برداشت کر سکے تو ختنہ کرا دینا بہتر ہے(۱)، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا(۲)، اگر وہ برداشت نہ کر سکے تو اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے مجبور نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والأصل: أن الختان سنة ... ووقته غير معلوم وقيل: سبع سنين كذا في الملتقى وقيل: عشر وقيل: أقصاه اثنتا عشرة سنة وقيل: العبرة بطاقته وهو الأشبه". (الدرالمختار). "(قوله: وهو الأشبه) أي: بالفقه، زيلعي وهذه من صيغ التصحيح". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۵۱، سعيد)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية، أمور الفطرة: ۳/ ۳۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب مايوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قديمی)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۹/ ۳۵۹، رشيديه)

(۲) "وقد اختتن إبراهيم عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة، أو مائة وعشرين، والأول أصح". (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/ ۷۵۲، سعيد)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اختتن ابراهيم النبي عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة بالقدوم". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿واتخذوا الله إبراهيم خليلا﴾: ۱/ ۴۷۳، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل: ۲/ ۲۶۵، قديمی)

باب الصورة والملاهي

الفصل الأول في الصورة

(تصویر کا بیان)

دینی کلینڈر میں آیات لکھنا اور فوٹو لگانا

سوال[۱۱۴۲۶]: بھوپال شہر میں کچھ سال سے دینی کیلنڈر بکتے ہیں اور مفت بھی ملتے ہیں، جو اکثر کعبہ شریف یا مدینہ شریف یا قرآن شریف کے ہوتے ہیں، اکثر میں قرآن شریف کی آیات بھی ہوتی ہیں، اول تو ان کیلنڈروں کا ادب واحترام سے رکھنا بھی مشکل ہے اور بھی غم کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمان لوگ کیلنڈر کو کانچ میں جڑوا کر فریم کرا کر گھر میں رکھتے ہیں، لیکن قیامت یہ ہے کہ فوٹو یا تصویر کو باقی رکھتے ہیں، لیکن آیات قرآن کو کانٹ چھانٹ کر پھینک دیتے ہیں، جو سڑکوں، گلیوں اور گندی جگہ پھنکے پھرتے ہیں۔

غرضیکہ آیاتِ قرآنی کی آنکھوں دیکھی بے حرمتی ہورہی ہے، بعض اخباروں اور رسالوں میں بھی آیات ہوتی ہیں، جو بعد کو ردی میں بک جاتی ہیں اور سودا سلف میں کاغذ کی پڑیاں بنتی ہیں، اس لئے آپ کو خط لکھا ہے کہ اس کا تدارک کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس کاغذ پر آیات واحادیث لکھی ہوں اس کا احترام لازم ہے، پڑیہ وغیرہ میں استعمال کرنا منع ہے(۱)،

---

(۱) "لايجوز لف شيء في كاغذ فقه ونحوه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۶/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس: ۳۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۱۹۴/۴، دارالمعرفة)

گندی جگہ ڈالنا بالکل جائز نہیں حرام ہے(۱)، جاندار کا فوٹو زینت کے لئے کمروں میں لٹکانا ناجائز ہے(۲)۔ جاندار کا فوٹو اور آیات دونوں ایک جگہ ہوں یہ بھی بے ادبی اور خلاف احترام ہے، آیات کو کھرچ کر ضائع کردینا اور فوٹو کو باقی رکھنا یہ قلب موضوع ہے، کہ جو چیز ضائع کرنے کی تھی اس کو باقی رکھا اور احترام کے ساتھ باقی رکھا اور جو چیز واجب الاحترام تھی اس کو ضائع کیا، انا للہ۔ کعبہ شریف اور مدینہ شریف کے نقشوں کا بھی احترام چاہیے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۷ھ۔

چہرہ کی تصویر کا حکم

سوال[۱۱۴۲۷]: زندہ انسان کا نصف حصہ اوپر کا فوٹو کھنچوانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ دلیل نقلی کے ساتھ تحریر فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حکم پوری تصویر کا ہے وہی اوپر کے نصف حصہ کا حکم ہے، بلکہ اگر صرف چہرے اور سر کا فوٹو ہو، تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔

"كل شيء له رأس فهو صورة (إتحاف السادة شرح إحياء العلوم

(۱) "وضع مصحفاً في قاذورة فإنه يكفر". (ردالمحتار، باب المرتد: ۴/۲۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلاة، ص: ۱۶۷، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۴۹۷، ۴/۱۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۴۸، رشيديه)

المغزلي) كان لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ترس فيه تمثال رأس كبش، فكره رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فأصبح يوماً وقد أذهبه الله عز وجل (تنقيح فهوم أهل الأثر لابن الجوزي، ص: ۲۰، كذا في إمداد المفتين مع عزيز الفتاوى: ۸۰۷/۲۴(۱).

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کا فوٹو جائز ہے، حج کے لئے یا پاسپورٹ میں مجبوراً اجازت ہے(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۲/ ۸۲ھ۔

---

(۱) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔

صرف چہرہ کی تصویر یا نصف بدن کی یعنی نصف اعلیٰ کی، وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔

لما في رواية الطحاوي عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. معاني الآثار: ۳۶۲/۱.

اور شرح احیاء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے: "كل شيء له رأس فهو صورة، إتحاف السادة". (إمداد المفتين، كتاب الحظر والإباحة، صرف چہرہ کی تصویر، ص: ۸۲۴، دارالاشاعت)

"المراد من الصور التي فيها الروح مما لم يقطع رأسه، أو لم يمتهن بالوطء". (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب: ۸۹: ۲۲/ ۱۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"(قوله: أو مقطوعة الرأس) أي: سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي ... لأنها لا تعبد بدون الرأس عادة ... وقيد بالرأس؛ لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين؛ لأنها تعبد بدونها، وكذا لا اعتبار بقطع اليدين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۶۴۸/۱، سعيد)

(۲) اگر یہ فعل کسی ضرورت شرعی کے لئے یا معاش کی شدید ضرورت کے لئے ہو، تو بوجہ اضطرار کے فوٹو کھنچوانا جائز ہے۔

"لما في شرح السير الكبير: وإن تحققت الحاجة إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا بأس باستعماله؛ لأن موضع الضرورة مستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة". (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۱، إدارة المعارف)

"اگر سفر ضروری ہو، تو تصویر کھنچوانی بھی مباح ہوگی، ورنہ نہیں"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والإباحۃ: ۲۴۶/۹، دارالاشاعت)

یادگار کے لئے کسی کا فوٹو مکان میں لگانا

سوال[۱۱۴۲۸]: اگر کسی کے گھر میں یا کسی دکان وغیرہ میں کسی کا فوٹو مثلاً: اپنا رشتہ دار کوئی بزرگ یا کوئی کلاس کا گروپ جس میں ساتھی شامل ہیں، ان کی یادگار کے لئے یا کسی پردیسی کا فوٹو (یادگار کے لئے) لگایا جائے، یعنی فریم میں چڑھا کر ٹانگ دیا جائے، اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی جاندار کا فوٹو لینا ہی جائز نہیں، پھر اس کو فریم میں کرنا، زیبائش کے لئے لگانا، معصیت کو بلند درجہ دینا ہے، فوٹو رشتہ دار کا ہو، یا کسی بزرگ کا یا دوستوں یا کسی کا بھی ہو، اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۶ھ۔

مکان میں خانہ کعبہ کی تصویر لگانا

سوال[۱۱۴۲۹]: کیا مکان میں کعبۃ اللہ اور روضہ شریف کی تصاویر کو فریم کر کے رونق وخوشنما طریقہ پر لگوانا تقویٰ کے خلاف ہے۔

---

(۱) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۲/۱۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: لما اشتكى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ذكر بعض نسائه كنيسة، يقال لها: مارية، وكانت أم سلمة وأم حبيبة رضي الله تعالىٰ عنهما أتتا أرض الحبشة، فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها فرفع رأسه، فقال: "أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً، ثم صوروا فيه تلك الصور، أولئك شرار خلق الله". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۵۰۸: ۲/۱۴۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"وبالجملة أن هذه التصاوير الملعونة جماع الإثم والفواحش، لو لم يكن فيها نص من الشارع عليه الصلاة والسلام لكانت المفاسد التي تنشأ منها كافية بلا ريب ونكران". (التعليق الصبيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۵/۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مقاماتِ مقدسہ متبرکہ کی تصاویر کو آلۂ زینت بنانا خلافِ ادب ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۹/۸۹ھ۔

مدینہ کا فوٹو اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا

سوال[۱۱۴۳۰]: ۱......ایک شخص نے مسجد میں چار فوٹو کیمرے کے کھینچے ہوئے لگائے ہیں، دو فوٹوں میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، دو فوٹو مدینہ منورہ کے ہیں، جس میں گنبد اور صحن دکھلایا گیا ہے اور صحن میں بارہ کبوتر دانہ کھاتے ہوئے دکھلائے گئے، ایسی تصویروں کا مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایسی تصویروں کی موجودگی میں نماز پنجگانہ درست ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کا فوٹو بنانا اور مکان وغیرہ میں لگانا درست نہیں (۲)، مسجد میں لگانا اور بھی قبیح ہے، اگر نمازیوں کے سامنے ہو، تو نماز بھی مکروہ ہوگی (۳)، جاندار کی تصویر نہ ہو، بلکہ دوسرے نقش ونگار ہوں جن کی وجہ سے

(۱) "تكره كتابة القرآن، وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم، والمحاريب، والجدران، وما يفرش".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ۱/۱۷۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس: ۵/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۱/۱۷۳، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله". (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ماوطئ من التصاوير، ص: ۱۰۴۳، دارالسلام)

"فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۴۸، رشيديه)

(۳) "(كره ...... لبس ثوب تماثيل) ذي روح، وأن يكون فوق رأسه، أو بين يديه، أو (بحذائه) يمنة، أو =

نمازیوں کا دھیان اس طرف لگتا ہو، تو ان کو بھی فقہاء نے خاص کر جدارِ قبلہ میں مکروہ لکھا ہے (۱)۔ فقط۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۶ھ۔

غیر مسلم کی دکان ظاہر کرنے کے لئے تصویر لگانا

سوال [۱۱۴۳۱]: پریس میں اردو، ہندی، انگلش چھپائی، کتابت، طباعت سب ہی قسم کی ہوتی ہے، برابر برابر دکان ہیں، ایک دکان میں قرآن دیوار پر چسپاں ہے اور دوسری دکان پر تصویر لگی ہوئی ہے، اس وجہ سے لگائی گئی ہیں کہ ہندو غیر مسلم گاہک نہیں آتے اور مسلم دکان سمجھ کر واپس ہوجاتے ہیں، اس معنی کر اگر تصویر دیوار پر لگی رہے، تو کیا حرج ہے؟ شریعت کی رو سے اگر کوئی صورت جواز کی ہو، تو تحریر کریں اگر نہ ہو تب بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر رکھنا اور لگانا منع ہے (۲) اور اس نیت سے لگانا کہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان کی

= يسرة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۴۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۴۹، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في كراهية الصلاة، ص: ۳۵۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش، ونحوها خصوصاً في جدار القبلة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل: كره استقبال القبلة بالفرج: ۱/۴۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۲/۱۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۲/۴۸، رشيديه)

دکان ہے بہت خطرناک ہے، گویا کہ اپنی دکان کو ایک غیر مسلم کی دکان ظاہر کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

تجارت کے لئے کپڑے پر فوٹو بنانا

سوال[۱۱۴۳۲]: بندہ پاورلوم کے کارخانہ میں کام کرتا ہے۔ ساڑھیوں کے کنارہ پر پھول پتی بھی بنانی پڑتی ہے، عرصہ سے لوگوں کی خواہش ہے کہ کنارہ پر مور بناؤ، میں ٹالتا رہا، مگر اب جب کہ روزگار خراب چل رہا ہے اور گاہکوں کا اصرار بڑھا تو میں نے مور کا ڈیزائن بنادیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا ڈیزائن تیار کرنا جس سے شکل دار چیز بن گئی، جائز ہے یا ناجائز؟ نہ بنانے سے مالک ناراض ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی جائے، خواہ کاغذ پر، خواہ کپڑے وغیرہ پر چاہے قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اور آلہ سے، یکدم بنائی جائے یا ایک عضو الگ الگ بنایا جائے، کپڑے کی بناوٹ میں یا کسی اور چیز کی بناوٹ میں، بہر صورت ناجائز اور گناہ ہے، اپنی مرضی سے ہو یا کسی کی فرمائش سے روپیہ کے لالچ میں یا ویسے ہی نفس کی خواہش سے، کسی طرح اجازت نہیں (۱)۔

جو کام ناجائز ہو وہ کسی دوسرے کی خواہش یا فرمائش یا اس کی ناخوشی کے ڈر سے جائز نہ ہوگا۔ سچے مسلمان کی آزمائش کا موقع یہی ہوتا ہے کہ ایک ناجائز کام کو دوسرے لوگ کرتے اور نفع کماتے ہیں اور یہ نفع کی پرواہ نہیں کرتا، بلکہ نقصان اٹھاتا اور دوسروں کی ناگواری برداشت کرتا ہے، مگر خدائے پاک کی نافرمانی نہیں کرتا،

---

(۱) "عن عبداللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "أشد الناس عذاباً عنداللہ المصورون" متفق علیہ. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۲/ ۱۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"فصنعته حرام بكل حال: لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/ ۶۴۷، سعيد)

(وكذا في شرح مسلم للنووي، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۲/ ۱۹۹، قديمي)

اگر مور کا سرنہ بنایا جائے تو اس کی شرعاً اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۸۵ھ۔

پلاسٹک کی گڑیاں اور تصویریں بیچنا

سوال[۱۱۴۳۳]: زید نماز اور زکوۃ کا پابند ہے، زید حج بیت اللہ میں تھا، اس کے بعض ذمہ داروں نے دکان پر کچھ تصویریں، ہولی کی پچکاریاں، چڑیاں، گڑیاں، پلاسٹک وغیرہ کی منگوالیں اور دوسرے سامان کے ساتھ اس کو بھی منگوالیا اور فروخت کرنے لگے، زید کہتا ہے کہ ان کو فروخت کرنے سے پرہیز لازم ہے، البتہ مہر بند سامان پر اس قدر شدت نہیں برتی جاسکتی، کہ وہ عموم بلوی میں شامل ہے، اب زید کو اپنا کاروبار کس طرح جاری رکھنا چاہیے؟ تاکہ وہ کھلی ہوئی قباحت سے بچے اور سبب معاش کا طریقہ حلال اور طیب ہو سکے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا یہ خیال بہت مبارک ہے(۲)، اس کو اپنے سابق طور پر رہنا ہی چاہیے، نامناسب چیزوں کی

---

(۱) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

صرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اعلیٰ کی، وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔

لما في رواية الطحاوي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه الصورة الرأس، فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. معاني الآثار: ۱/ ۳۶۶.

اور شرح احیاء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے: "كل شيء له رأس فهو صورة، إتحاف السادة". (إمداد المفتيين، كتاب الحظر والإباحة: صرف چہرہ کی تصویر، ص: ۸۲۴، دار الاشاعت)

"المراد من الصور التي فيها الروح مما لم يقطع رأسه أو لم يمتهن بالوطء". (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب: ۸۹: ۲۲/ ۱۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"(قوله: أو مقطوعة الرأس) أي: سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي .. لأنها لا تعبد بدون الرأس عادة .... وقيد بالرأس؛ لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين؛ لأنها تعبد بدونها، وكذا لا اعتبار بقطع اليدين". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/ ۶۴۸، سعيد)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه =

تجارت سے پرہیز کرے، خواہ وہ مکروہ کے درجہ میں ہوں یا حرام ہوں (۱)، مہر بند سامان پر کسی چیز کی تصویر ہو، تو اس تصویر کی خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی، وہ تو محض مارک ہے (۲)، بخلاف گڑیاں اور جاندار کی تصویر کے کھلونے، کہ وہ مقصود ہوتی ہے، فرق ظاہر ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۵ھ۔

= لـمـا يـمتهن، أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۸، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة الخ: ۱/۲۸۵، رشيديه)

(۱) "(و) بطل (بيع مال غير متقوم) أي: غير مباح الانتفاع به ابن كمال فليحفظ (كخمر وخنزير وميتة لم تمت حتف أنفها)". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعيد)

"الحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۸۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وهذا لأن محلية البيع بالمالية، والمالية بالانتفاع، والناس اعتادوا الانتفاع بالبعر، والسرقين من حيث الإلقاء في الأرض لكثرة الريع". (المحيط البرهاني، كتاب البيع، في بيع المحرمات: ۷/۳۰۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) لہذا اس کی بیع درست ہوگی۔

"الأمور بمقاصدها: يعني: أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر ...... ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف، والتقدير: حكم الأمور بمقاصد فاعلها: أي أن الأحكام الشرعية التي تترتب على أفعال المكلفين منوط بمقاصدهم من تلك الأفعال. فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذي فعله أمرا مباحاً، كان فعله مباحاً، وإن قصد أمرا محرما، كان فعله محرماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية: ۱/۱۷، ۱۸، رقم المادة: ۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۶۲، ۶۳، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، رقم القاعدة: ۲، ۱۴۲/۱: ۹۷، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وكذا بطل بيع مال غير متقوم كالخمر والخنزير، ويدخل فيه فرس، أو ثور من خزف لاستيناس =

قانونی مجبوری کی بناء پر تصویر کھنچوانا

سوال [۱۱۴۴۴]: آج کل جیسا کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی حکومت کے محکمہ میں جایئے، بغیر فوٹو کے کام نہیں چلتا، اسی طرح اگر ڈرائیوری وغیرہ سیکھے، اس میں بھی بغیر اس کے اجازت نہیں ملتی، تو کیا ایسی صورت میں ناچیز ٹیکسی ڈرائیوری یا آٹو رکشہ سیکھنا چاہتا ہے، اس میں فوٹو کے بغیر حکومت اجازت نہیں دیتی، تو کیا فوٹو نکلوا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا خواہ فوٹو کے ذریعہ سے ہو، یا قلم کے ذریعہ سے یا کپڑے کی بناوٹ میں ہو، سب ناجائز ہے (۱)، تصویر بنانے والوں کو بہت سخت عذاب ہوگا (۲)۔ آدمی اگر قانون کی وجہ سے مجبور ہو، تو وہ معذور

= الصبي؛ لأنه لا قيمة له، ولا يضمن متلفه". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲/۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۵/۲۲۶، سعيد)

(۱) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة الخ: ۱/۶۴۷، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حكم الصور الشمسية: ۴/۱۶۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها: ۲/۴۸-۵۰، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عند الله المصورون". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۲/۳۸۵، قديمی)

"(عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها) أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله". (الجامع الصغير، رقم الحديث: ۱۰۵۲: ۲/۱۰۲۰، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض) =

ہے، پس اگر آپ ڈرائیوری سیکھنے پر مجبور ہیں کہ بغیر اس کے گزارہ نہیں، تو فوٹو میں آپ بھی معذور ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

تصاویر کا فروخت کرنا

سوال [۱۱۴۳۵]: ایک شکل یہ بھی ہے کہ فریم کرنے والا اپنے پاس تصویریں رکھتا ہے، اس میں جاندار اور غیر جاندار سب ہی تصویریں ہوتی ہیں، گاہک اس میں اپنی پسند کی تصویر لے کر فریم کا آرڈر دے دیتا ہے، اس میں بھی دریافت طلب یہ ہے کہ جاندار چیز کی تصویر دکان میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی تصویر کو فروخت کرنے کے لئے دکان میں رکھنا اور اس کی تجارت کرنا بھی اس کو فریم کرنے سے زیادہ مکروہ ہے، اس سے پرہیز لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۴ھ۔

= (وكذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۴۰۴۰: ۱/۴۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال، فلا بأس باستعماله؛ لأن المواضع للضرورة مستثناة عن الحرمة، كما في تناول الميتة". (شرح كتاب السير الكبير، باب مايكره في دار الحرب الخ: ۲۱۸/۳، مكتبه عباس احمد الباز رياض)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة: ۱۶۴/۴، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى. وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها. اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين =

تصاویر کی تجارت کرنا

سوال[۱۱۴۳۲]: اکثر مسلم تاجر آتش بازی، تاش اور تصاویر جس میں فلمی فوٹو اور ہندو مذہب کے دیوتاؤں کی تصاویر ہوتی ہیں، فروخت کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تصاویر اور تاش وآتش بازی کی تجارت بھی منع ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= سنة وبدعة: ۱/۲۴۷، سعيد)

"عن عائشه رضي الله تعالیٰ عنها، أنه اشترت نمرقة فيها تصاوير، فلما رآها رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، قام على الباب فلم يدخل، فعرفت في وجهه الكراهية، قالت: فقلت: يا رسول الله! أتوب إلى الله ورسوله ماذا أذنبت؟ فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: ما بال هذه النمرقة؟ قلت اشتريتها لتعقد عليها وتوسدها، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم: أحيوا ماخلقتم"، وقال: إن البيت الذي فيه الصورة لا تدخله الملائكة، متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قديمی)

"لا يحل عمل شيء من هذه الصور، ولا يجوز بيعها ولا التجارة لها، والواجب أن يمنعوا من ذلك". (بلوغ القصد والمرام، ص: ۲۰، بحوالہ تصویر کے شرعی احکام، مؤلفہ: مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، تصاویر کی تجارت، ص:۸۹، إدارة المعارف کراچی)

"ما قامت المعصية بعينه يكره تحريماً، وإلا فتنزيهاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلا في المعصية فيتمحض بيعها، وإجارتها، وإن لم يصرح بها، ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذا العقد، والعاقدان كلاهما اثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلك أم لا". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۲/۴۴۸، دارالعلوم كراچی)

"ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتنزيهاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب =

تصویر پر پھول چڑھانا

سوال[۱۱۴۳۷]: تصویر پر پھول چڑھانا یا ہار پہنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا بھی ناجائز اور ایسی تصویر کی تجارت کرنا بھی ناجائز ہے اور پھول چڑھانا بھی منع ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

برتنوں پر جاندار کی تصویر بنانے کی اجرت

سوال[۱۱۴۳۸]: ہمارے مرادآباد میں برتنوں کا کام ہوتا ہے، بعض برتن مورتی کا بھی بنتا ہے اور

= الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/ ۳۷۱، رشيدية)

(۱) "عن طلحة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قديمي)

"فظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة ......: ۱/ ۶۴۷، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حكم الصور الشمسية: ۴/ ۱۶۳، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتنزيهاً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۳۹۱، سعيد)

"لا يحل عمل شيء من هذه الصور، ولا يجوز بيعها ولا التجارة". (بلوغ القصد والمرام، ص: ۲۰، بحواله: تصویر کے شرعی احکام، عنوان: تصویر کی تجارت ص: ۸۹، ادارۃ المعارف کراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/ ۳۷۱، رشيديه)

بعض برتنوں میں مورتی اور ذی روح جانور اونٹ مچھلی وغیرہ بناتے اور کھودتے ہیں، یہ مورتی اور جانور کا بنانا، کھودنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

برتنوں پر جاندار کی تصویر بھی بنائی جاتی ہے اور پھول بیل بوٹے بھی بنائے جاتے ہیں، پس یہ بھی کچھ کام جائز ہوا کچھ ناجائز، اس کی وجہ سے پورے کام کو ناجائز نہیں کہا جائے گا اور اصل مالیت تو مال کی ہے، بعض برتنوں کی تصویر تو اس پر محض زینت کے لئے بناتے ہیں، جائز کام کی اجرت جائز ہوتی ہے، ناجائز کام کی اجرت ناجائز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۹ھ۔

تجارتی کتابوں پر فوٹو کا حکم

سوال [۱۱۴۳۹]: مکان اور دکان کے اندر بہت سی کتابیں رکھی ہیں یا اور چیزیں جو کہ دکان پر فروخت کی جاتی ہیں، سامان وغیرہ اور گھر کے سامان جو کہ استعمال میں آتے ہیں، ان کتابوں سامانوں پر فوٹو اور مورت، شکل وصورت وغیرہ ہوتی ہے، جو کہ مجبوراً رکھنی پڑتی ہیں اور خرید وفروخت کرنی پڑتی ہے، کیا ایسی صورت

---

(۱) قال الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالى:

"بیع وشراء میں اگر تصاویر خود مقصود نہ ہوں، بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے: اکثر کپڑوں میں مورتی لگی ہوتی ہیں، یا برتنوں اور دوسری مصنوعاتِ جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے۔

"كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزيا للهيتمي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لايجوز قصداً ويجوز تبعاً، كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا إصالة وقصداً". (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف كراچي)

"قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً، كالشرب في البيع، والبناء في الوقف". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۴/ ۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۳۴، رشيديه)

میں رحمت کا فرشتہ داخل ہوگا یا نہیں؟ یا گناہ کا مستحق بنے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر ہو، تو اس پر کتاب وغیرہ رکھ کر اس کو پوشیدہ کردیا جائے، ورنہ رحمت کا فرشتہ نہیں آئے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، (صدر مفتی) دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۱۴۰۷ھ۔

تصویر والے اخبارات ورسائل کا بیچنا

سوال [۱۱۴۴۰]: اردو انگریزی ہندی اخبارات ورسائل جن میں ہر قسم کی فحش وغیر فحش تصاویر سینماؤں کے اشتہار بعض مخرب اخلاق مضامین، رومانی واقعات وغیرہ خلافِ شرع امور ہوا کرتے ہیں اور تقریباً کوئی اخبار ان خلافِ شرع امور سے خالی نہیں ہوتا، ایسے اخبار کی ایجنسی مسلمانوں کو لینا کیسا ہے؟ جب کہ اکثر مسلمان لڑکے یہاں یہ کاروبار کرتے ہیں۔

ایم اے رحمٰن مکان نمبر ۵۰۹/۱۰۳۴، حیدر گوڑہ، حیدرآباد (اے-پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخبارات ورسائل میں کارآمد ومفید مضامین بھی ہوتے ہیں، اس لئے سب کی خرید وفروخت کو ناجائز

---

(۱) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قديمى)

"لاتدخل الملائكة أي: ملائكة الرحمة والبركة ...... قال الخطابي: إنما لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب، أو صورة مما يحرم اقتناء ه من الكلاب، والصور. وأما ماليس بحرام مثل كلب الصيد، والزرع، والماشية، ومن الصور التي تمتهن في البساط، والوسادة، وغيرهما فلا يمنع دخول الملائكة بيته. وقيل: هو على عمومه، ورجحه القرطبي واختاره النووي. فقد قال النووي رحمه الله تعالىٰ: الأظهر أنه عام في كل كلب وصورة وإنهم يمتنعون من الجميع لإطلاق الأحاديث". (التعليق الصبيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۶/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة: ۱/ ۶۴۹، سعيد)

نہیں کہا جائے گا(۱)، جو مضامین لکھنے والے ہیں، خدائے پاک ان کو ہدایت دے کہ وہ مفید مضامین لکھا کریں اور دیکھنے والوں کو ہدایت دے کہ مخرب اخلاق مضامین سے پرہیز کریں اور برے اثرات قبول نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/ ۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالىٰ:

''بیع وشراء میں اگر تصاویر خود مقصود نہ ہوں، بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے: اکثر کپڑوں میں مورتی لگی ہوتی ہیں، یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے۔

''كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزيا للهيثمي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لايجوز قصداً ويجوز تبعاً، كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا إصالة وقصداً''. (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف كراچی)

''قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً، كالشرب في البيع، والبناء في الوقف''.

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۴/ ۳۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۳۴، رشيديه)

الفصل الثاني في الملهي والتلفزيون

(سینما اور ٹی وی کا بیان)

کیا اخلاقی فلمیں اچھا شہری بناتی ہیں؟

سوال[۱۱۴۴۱]: مدرسہ دارالعلوم میں جدید نصاب میں داخل کتاب میں لکھوایا گیا ہے، وعظ، اچھی تقریریں، اخبار اور اخلاقی فلم اچھا شہری بناتی ہیں، ایسا لکھنا صحیح ہے؟ اس علم کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز قرار دیا جائے تو مناسب ہے اور طلباء پڑھتے ہیں اور طلباء کی ذہنیت گندی ہوتی ہے، اگر اخلاقی فلمیں دیکھنا جائز قرار دیا جائے، تو فلمیں خانۂ خدا کو بدرجۂ اولیٰ جائز قرار دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شی میں دنیوی فوائد کا ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں، جیسے: شراب میں نفع ہونے کا قرآن پاک نے بھی اقرار کیا ہے، پھر بھی وہ حرام ہے، کوئی بے وقوف اگر قرآن پاک میں اس کا نفع پڑھ کر اس کا استعمال کرنے لگے، یہ خود اس کی غلطی ہے۔

﴿يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ الآية(۱).

جو شخص فلمیں یا ہر قسم کے جھوٹے سچے اخبار دیکھتے ہیں، وہ شریعت کی نظر میں اچھے نہیں، رسالہ اخبار بني (۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شائع شدہ ہے، اس کو دیکھئے، فلم پر بھی ان کا مستقل رسالہ ہے(۳)،

---

(۱) (البقرة: ۲۱۹)

(۲) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحه، رسالہ اخبار بني: ۱۲۰/۴، مکتبه دار العلوم)

(۳) (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحه، رساله تصحیح العلم في تقبیح الفلم: ۱۲۰/۴، مکتبه دار العلوم)

ہاں! بازار میں لوگوں کی اصلاح میں ایسا شخص ضرور ہی اچھا شہری ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک عیب ہنر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

نعت کو ساز پر سننا

سوال[۱۱۴۴۲]: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعت شریف مع ساز کے سننا کیسا ہے؟ جب کہ نعت کے الفاظ پر غور کرتا ہو قطع نظر کرتے ہوئے ساز کے بالکل دھیان ہی نہ دیتا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ساز کے ساتھ نعت شریف کو پڑھنا نہایت خطرناک ہے، فقہاء نے اس پر بہت سخت حکم لگایا ہے۔ سننے والا ایسی خطرناک چیز کو سن کر خود بھی خطرہ مول لیتا ہے، اگر چہ اس کا دھیان ساز کی طرف نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يكره رفع الصوت عند قراءة القران". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب فضائل القرآن، من كره رفع الصوت واللغط عند قراءة القرآن: ۱۵/۵۲۳، ۵۲۴، المجلس العلمي)

"عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كره رفع الصوت عند قراءة القران، والجنازة، والزحف، والذكر فما ظنك عند الغناء الذي يسمونه وجدا ومحبة، فإنه مكروه لا أصل له في الدين".

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهيه، فصل في المتفرقات: ۴/۲۱۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

تاش کا حکم

سوال[۱۱۴۴۳]: تاش کھیلنا جب کہ کوئی شرط وغیرہ نہ ہو، جب کہ تاش پر فوٹو وغیرہ بھی ہوتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ محض تفریح کے لئے ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

تاش کھیلنا بغیر مالی ہار جیت (جوا) کے بھی جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۷ھ۔

---

(۱) تاش کے پتوں پر جاندار کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اور اس میں انہماک سے دینی کاموں کا ضیاع لازم آتا ہے، لہٰذا بغیر جوا کے بھی اس سے اجتناب لازم ہے۔

"عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "أشد الناس عذاباً عندالله المصورون" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۲/۱۳۹، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير" متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول: ۲/۱۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"وبالجملة أن هذه التصاوير الملعونة جماع الإثم، والفواحش، لو لم يكن فيها نص من الشارع عليه الصلاة والسلام لكانت المفاسد التي تنشأ منها كافية بلا ريب ونكران". (التعليق الصبيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۵/۶، رشيديه)

شطرنج کی ممانعت پر دلیل

سوال[۱۱۴۴۴]: شطرنج کھیلنا مکروہ ہے یا حرام ہے؟ نیز اس کی ممانعت جن الفاظ کے ساتھ حدیث پاک میں آئی ہے، وہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

شطرنج میں اگر قمار وغیرہ نہ ہو، تو مکروہ ہے، کذا في البحر(۱)۔

شطرنج کے متعلق صراحۃً کوئی حدیث صحاح میں دیکھنا محفوظ نہیں، البتہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الزواجر(۲) میں بعض روایت نقل کی ہیں، ابوداؤد شریف میں نردشیر کی ممانعت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

"من لعب بالنرد شير فقد عصى الله ورسوله" (أبوداود، باب في النهي عن اللعب عن النرد: ۲/۶۷۵)(۳).

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۸۰، رشيديه)

"وكره تحريماً اللعب بالنرد وكذا الشطرنج ...... وهذا إذا لم يقامر، ولم يداوم، ولم يخل بواجب، وإلا فحرام بالإجماع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، الحظر والإباحة: ۶/۳۹۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو: ۵/۲، ۳، رشيديه)

(۲) "عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "إن لله تعالى في كل يوم ثلاثمائة وستين نظرة إلى خلقه ليس لصاحب الشاه فيها نصيب" وفسر صاحب الشاه بلاعب الشطرنج؛ لأنه يقول: شاه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، كتاب الشهادات، الكبيرة الخامسة والاربعون: ۲/۳۳۲، دارالفكر بيروت)

"وروي عنه صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "أشد الناس عذاباً يوم القيمة صاحب الشاه" يعني صاحب الشطرنج". (الزواجر، كتاب الشهادات، الكبيرة الخامسة: ۲/۳۳۲، دارالفكر بيروت)

"أن أباموسى الأشعرى رضي الله تعالى عنه قال: لا يلعب بالشطرنج إلا خاطئ. وعنه: أنه سئل عن لعب الشطرنج، فقال: هي من الباطل ولا يحب الله الباطل". (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۲/۱۴۱، دارالكتب العلمة بيروت)

(۳) (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في النهي عن اللعب بالنرد: ۲/۳۳۳، رحمانيه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير: ۲/۱۴۰، دارالكتب العلمية بيروت)

نردشیر کی تشریح شطرنج کے ساتھ کی گئی ہے۔ كذا في فتح القدير: ٦/٣٩(١).

اور کنز الدقائق کی شرح زیلعی: ۴/۲۲۳ میں حدیث شریف کے ہی الفاظ اس طرح بھی منقول ہیں:

"قال عليه الصلوة والسلام: "ملعون من يلعب بالنرد"(٢).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (فتح القدير، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته: ٦/٤٨٥، رشيديه)

(٢) (تبيين الحقائق، كتاب الشهادة، باب من تقبل شهادته ومن لاتقبل: ۴/۲۲۳، إمداديه)

باب الموالات مع الكفار والفسقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

غیر مسلم بیمار کی خدمت اور اس کے لئے دعائے صحت

سوال[۱۱۴۴۵]: غیر مسلم مریضوں کی خدمت نصرت اور تیمارداری کرنا کیسا ہے؟ بعد از نماز ان کے لئے دعاءِ صحت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا کرنا بلندی اخلاق ہے، جب کہ کوئی دنیوی لالچ نہ ہو، دعائے صحت بھی درست ہے کہ حق تعالیٰ ہدایت دے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا حکم

سوال[۱۱۴۴۶]: ایک شخص عبدالحیٔ تھا، اعمال شرکیہ میں مبتلا تھا، عقیدہ بھی شرک کا رکھتا تھا اور لوگوں کو بھی شرک میں مبتلا کرتا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر کہتا تھا، نذر ونیاز کرتا اور کراتا تھا غیر اللہ کی، اکابرین امت کو کافر کہتا تھا، اب وہ مرگیا، میں اس کو مشرک کہتا ہوں اور اس کے لئے دعائے

(۱) "(قوله: وجاز عيادته) أي: عيادة مسلم ذمياً نصرانياً أو يهودياً؛ لأنه نوع بر في حقهم، وما نهينا عن ذلك. وصح أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عاد يهود يا مرض بجواره". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۲، سعيد)

(وكذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهة: ۲۹/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۷۴/۸، رشيديه)

مغفرت وغیرہ کچھ نہیں کرتا ہوں، کیا میں اس کو شرعاً مشرک سمجھوں یا دعائے مغفرت وغیرہ کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بحالت شرک مرے، اس کے لئے دعائے مغفرت ناجائز ہے(۱)، مگر اس کا حکم لگانا کہ فلاں شخص مشرک مرا ہے یہ بھی آسان کام نہیں (۲)، بہر حال جس پر شرک کا حکم نہ لگایا جائے، دعاءِ مغفرت تو اس کے لئے بھی لازم نہیں، سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۸/ ۱۴۰۰ھ۔

غیر مسلم کے مکان پر قیام اور اپنی حاملہ بیوی سے ہمبستری کرنا

سوال[۱۱۴۴۷]: اس بارے میں کہ مجھے اکثر دیہات میں جانا پڑتا ہے، کبھی کبھی رات بھی وہیں

---

(۱) "قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً﴾ ﴿ولا تصل﴾ الآية ...... والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني: ۱۰/ ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال: وشرطها أي: شرط الصلاة عليه إسلام الميت، وطهارته، أما الإسلام فلقوله تعالیٰ: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً ولا تقم علی قبره﴾ ...... ولأنها شفاعة للميت إكراماً له وطلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة، ولا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/ ۵۷۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۱۴، رشيديه)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالیٰ عنه أنه سمع النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ماينهی عن السباب واللعن: ۲/ ۸۹۳، قديمي)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالیٰ: في تأويل هذا الحديث أوجه: أحدها: أنه محمول علی المستحل لذلك، وهذا يكفر". (شرح النووي علی صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر!: ۱/ ۵۷، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر: ۱/ ۵۷، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم: ۹/ ۵۵، رشيديه)

گزارنی پڑتی ہے اور اکثر قیام غیر مسلم لوگوں میں ہوتا ہے اور وہ لوگ ناجائز چیزیں مثلاً: شراب، سور کا گوشت استعمال کرتے ہیں، کیا ایسی جگہ پر کھانا درست ہے؟

اگر بیوی حاملہ ہو، تو صحبت درست ہے یا نہیں؟ اس سے قبل میں نے آپ سے ہی سوال کیا تھا تو آپ نے لکھا تھا شرعاً کوئی پابندی نہیں، لیکن طبی نقطۂ نظر سے قرب ولادت میں احتیاط کریں، لیکن یہاں لوگ ایسے ہیں وہ نہیں مانتے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں میری بحث ہندوستان کے بہت بڑے عالم سے ہوئی ہے میسور میں ۱۹۴۷ء سے قبل، مجھے ان عالم صاحب کا نام یاد نہیں آ رہا، ان عالم صاحب نے فرمایا تھا کہ اتنا گناہ ہے جتنا جھوٹ بولنے میں ہے، دوسرے ایک صاحب کہتے ہیں میں نے خود کسی حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک بھی دن کا شبہ ہو، تو صحبت جائز نہیں۔

کرم فرما کر چند حدیث کا حوالہ دے کر مطمئن فرمائیں، پہلے والے صاحب ''جماعت اسلامی'' سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرا دیوبندی تھا، مگر کچھ مانتے ہیں، لیکن پھر بھی اختلاف ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کا کھانا، ان کا برتن کچھ قابلِ اعتماد نہیں، اس سے پورا پرہیز کیا جائے۔ ہاں! اگر وہ برتن میں پاک چیز کھلائیں تو گنجائش ہے(۱)، جیسے کہ دکانوں پر ان کی بنائی ہوئی چیز (ہوٹل میں چائے وغیرہ) کی گنجائش ہے۔

بیوی سے صحبت کی اجازت تو قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ﴿نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم أنی شئتم﴾ الآیة (۲)۔

جس حالت میں اجازت نہیں، اس کی ممانعت بھی ثابت ہے، مثلاً: ﴿فاعتزلوا النساء في المحیض

(۱) "ویکره الأکل، والشرب في أواني المشرکین قبل الغسل، ومع هذا لو أکل، أو شرب فیها قبل الغسل جاز، ولایکون آکلاً ولا شارباً حراماً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع عشر: ۵/ ۳۴۷، رشیدیه)

(وکذا في النتف، کتاب الجهاد، باب مایؤکل من أطعمة الکفار، ص: ۴۳۵، سعید)

(وکذا في خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث: ۴/ ۳۴۶، رشیدیه)

(۲) (البقرة: ۲۲۳)

ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ الآية(۱).

حالتِ حمل میں ممانعت نہ قرآن میں مذکور نہ حدیث میں، جو حضرات اس کو گناہ اور جھوٹ کے برابر کہتے ہیں ان سے ہی دلیل دریافت کی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۱ھ۔

بھنگی کو کپڑا دینا

سوال[۱۱۴۴۸]: نمازی کے پرانے کپڑے بھنگی، بھنگن کو دینا کیسا ہے؟ بھنگی لوگ اکثر پرانے یا نئے کپڑے مانگتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب کی حاجت پورا کرنے کے لئے نمازی آدمی کو بھی اپنا کپڑا دینا درست ہے، چاہے غریب بھنگی، بھنگن ہو یا کوئی اور(۳)۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (البقرة: ۲۲۲)

(۲) "رجل تزوج حاملاً من زنا منه، فالنكاح صحيح عند الكل، ويحل وطؤها عند الكل". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعيد)

(۳) "وأما أهل الذمة فلايجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق وأما الحربي المستأمن ...... يجوز صرف التطوع إليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱/۴۲۶، إمداديه)

الفصل الأول في الشركة في أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

کفار کے جنازہ و مذہبی جلوس میں شرکت کرنا

سوال[۱۱۴۴۹]: ۱…… کفار کے جنازہ میں مسلمان کا شریک ہونا جائز ہے؟

۲…… کیا کفار کے ارتھی (۱) کو کندھا دینا جائز ہے؟

۳…… کفار کے مذہبی جلوس میں شریک ہونا مسلمانوں کو کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳…… ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) ''ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً ولا تقم علی قبره﴾ (التوبة: ۸۴)

''والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة …… والمراد لاتقف عند قبره للدفن أو للزيارة''. (روح المعاني: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب مايكره من الصلاة على المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمی)

''ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم''. (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۲/۵۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۳/۵۷۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الخنثیٰ، مسائل شتی: ۶/۷۵۴، سعيد)

وندے ماترم اور ترانہ

سوال[۱۱۴۵۰]: مسلم یونیورسٹی اور دینی مدارس وغیرہ میں کانگریس نے جو مسلم اور اسلام دشمن رویہ اختیار کیا ہے اس میں مسلمانوں نے فتویٰ کانگریس کے خلاف اور مسلم لیگ کے حق میں دیا، کیونکہ وہ ان تمام مسائل کے لئے جدوجہد کررہی ہے۔ وندے ماترم ایک ایسا ترانہ ہے جس کے متعلق پہلے بھی علمائے کرام کی طرف سے یہ فتویٰ صادر کیا جاچکا ہے کہ یہ ترانہ مسلمانوں کے عقائد کے برعکس شرک کی تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا پڑھنا اور اس پر راضی ہونا وغیرہ درست نہیں۔

مہاراشٹر اسمبلی میں کانگریس حکومت کے وزیر داخلہ نے فرمایا کہ وندے ماترم ہر ایک کے لئے لازم ہے اور کسی بھی فرقہ کو خواہ مسلمان ہو یا اور کوئی اس وجہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے، اس وجہ سے کہ یہ قومی ترانہ ہے، اگرچہ قومی ترانہ نہیں بلکہ جن گن من ہے، جو اس کی مخالفت کرے گا ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے، اس طرح ۱۸/ مارچ کے ''پرتاپ دعوت'' وغیرہ اخبار میں ہے ''اس دیش میں رہنا ہے تو وندے ماترم گانا ہوگا''، بمبئی یوتھ کانگریس کی مسلمانوں کو وارننگ اسمبلی کے اندر مسلمانوں کی موجودگی میں یہ ترانہ پڑھا گیا تو ہم علماء کرام سے اسی وجہ سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔

۱......وندے ماترم کا گانا یا اس پر راضی ہونا یا اس پارٹی کی حمایت کرنا یہ امر بھی جائز ہے یا نہیں؟

۲......ایسی پارٹی کو جو لازمی قرار دے رہی ہے اور نہ پڑھنے والے اور مخالفت کرنے والے کو ہدفِ ملامت بنا رہی ہے، ایسی پارٹی کے اندر رہنا یا اس کی مدد کرنا یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اگر مباح ہے تو کس دلیل شرعی سے اور اگر نہیں تو کیوں اور جو مسلمان اس پارٹی کے اندر ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

۳......کیا ہم کو لازم نہیں اسلامی اعتبار سے کہ ہم اس پارٹی کے خلاف مستقل محاذ بنائیں اور اپنی پارٹی بنائیں یا اس کو مدد دیں کہ جس کا کام خالص مسلمان کے اس طرح کے مسائل کے متعلق جدوجہد کرنا ہو، پہلی کی مثال کانگریس اور دوسری مثال لیگ ہے۔

۴......ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے جو وندے ماترم ترانہ کے مسلمانوں پر بھی لازم کرنے کی پرزور حمایت کرتے ہیں؟ جب کہ ایک فتویٰ میں دیکھا کہ گانے والا اور راضی ہونے والا دونوں کا ایک حکم ہے، عیسائیوں کے ترانہ کے متعلق سوال تھا، مثلاً: ابھی حال میں فخر الدین علی احمد مرکزی وزیر (خوراک) نے بیان

دیتے ہوئے کہا تھا کہ لازمی ہونا چاہیے اس طرح کہ اس کا احترام بھی لازمی ہونا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اول تو یہ ترجمہ اصل ترانہ کے انگریزی ترجمہ کا ترجمہ ہے، جب تک اصل الفاظ ترانہ کے سامنے نہ ہوں کوئی قطعی وحتمی بات نہیں کہی جاسکتی، پیش نظر ترجمہ کے الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترانہ محض سیاسی انداز کا نہیں ہے، بلکہ اس میں مذہبی رنگ غالب ہے اور غیر متوازن وغیر معتدل محبت وعقیدت کا حامل جو اسلامی عقائد کے نظریات سے میل نہیں کھاتا، بلکہ متصادم ہے اور اسلام جو مزاج بنانا چاہتا ہے اس کے خلاف ہے اور بعض جملے موہم شرک بھی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ان سے اجتناب وپرہیز لازم ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو اس سے قانوناً وعملاً مستثنیٰ کرائیں (۱)۔

۲......جو لوگ منع کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں وہ شرعاً خود مستحق ملامت ہیں، اس بارے میں ایسے لوگوں کا تعاون نہ کیا جائے۔

۳......وہ صورت اختیار کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہو اور ان کے عقائد کو مجروح ہونے سے بچائے۔

۴......ان کو شرعی مسئلہ بتلایا جائے، سمجھایا جائے اور اس کے بعد بھی نہ مانیں تو ایسے لوگ جو شرعی احکام وعقائد کی رعایت نہیں کرتے ہیں وہ شرعاً مستحقِ تعاون نہیں۔

---

(۱) بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان پر بتدریج فرقہ پرستی کا غلبہ ہوتا جارہا ہے، فرقہ پرست سیاسی جماعتیں برسرِاقتدار آرہی ہے اور انہوں نے بعض ریاستوں میں ایک ایسے ترانہ کو پڑھنے کا لزوم عائد کردیا ہے، جو شرکانہ تصور پر مبنی ہے، میری مراد ''وندے ماترم'' سے ہے، یہ سنسکرت زبان کا فقرہ ہے اور اس کے معنی یہ ہے کہ ''میں اپنے مادرِ وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں''۔ حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دائرہ میں ہو، تو اسلام اسے پسند کرتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان کے اندر ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کی جاسکتی اور بندگی صرف خدا ہی کے لئے ہے، اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (جدید فقہی مسائل، متفرقات امارت وقضاء، وندے ماترم: ۱/ ۳۱۵، زمزم)

(وکذا في کفایت المفتي، کتاب السیاسیات، مسلمان بچوں سے ہندوؤں کا گیت گانے پر احتجاج کیا جائے: ۹/ ۲۸۵، دار الاشاعت)

نوٹ: اخباری خبر پر کسی مسئلہ کی بنیاد مناسب نہیں اور نہ اس پر کوئی شرعی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۵ھ۔

وندے ماترم

سوال [۱۱۴۵۱]: دفتروں اور مدرسوں میں وندے ماترم پڑھنے پر اگر اصرار کیا جائے تو پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے معنی کیا ہیں، اگر یہ شعار کفار ہے، تو اس سے بچنا لازم ہے اور اس کے لئے درخواست دے کر قانونی طور پر استثناء کرالیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چمار چودس میں سامان خریدنے جانا

سوال [۱۱۴۵۲]: دیوبند میں چودس میلہ جو اہلِ ہنود صاحبان کا مذہبی میلہ ہے اور چاند کی ۱۲، ۱۳، ۱۴ تاریخ کو پوجا پاٹ کی رسم منائی جاتی ہے، جس میں اہلِ اسلام کا شرکت کرنا یقیناً گناہ ہوگا، مذکورہ بالا تواریخ کے بعد بھی چند روز بازار وغیرہ رہتا ہے، جس میں اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، بازار، دکانیں، پوجا پاٹ کے مندر سے دور خاصے فاصلہ پر لگتی ہے، اگر تواریخ مذکورہ بالا کے بعد اہلِ اسلام اس میلہ میں بانس کے سامان پٹی، سیروے، لاٹھی، لکڑی کے پائے، بکس، مسہریاں وغیرہ خریدنے کے لئے جائیں تو کیسا ہے؟ گناہ ہے یا نہیں؟ جانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چہ پوجا پاٹ کی تاریخیں صرف ۱۲، ۱۳، ۱۴ ہیں، مگر یہ سب میلہ اس نام پر ہوتا ہے اور اس میں شرکت

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: وندے ماترم اور ترانہ

کرنے والے اس ناجائز میلہ میں شرکت کرتے ہیں، ان تاریخوں کے گزر جانے کے بعد بھی بقیہ ایام کا میلہ اس اصل میلہ کا بقیہ ہے(۱)، اگر کوئی شخص میلہ کے مقصدِ اصل سے بالکل جدا ہو کر محض اچھا سامان خریدنے کے لئے جائے تو وہ گو مقصد میلہ کی شرکت کا مجرم نہ ہو، لیکن دوسرے لوگوں کے ظنون اس سے فاسد ہوں گے اور ظنون فاسدہ کو استدلال کا موقع ملے گا اور مظنہ تہمت سے بچنا بھی لازم ہے(۲)، خاص کر اہل علم حضرات کے لئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/۱/۸۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب الفاظ الكفر أنواع: ۲/۵۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون: ۳/۵۷۷، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

(۲) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا سلّم يمكث في مكانه يسيراً، قال ابن شهاب: فنرى والله أعلم لكي ينفذ من ينصرف من النساء ..... وفيه اجتناب مواضع التهم". (فتح الباري، كتاب الأذان، باب مكث الإمام في مصلاه بعد السلام: ۲/۴۲۸، قديمي)

"لاينبغي دخول مواضع التهم، ومن ملك نفسه خاف من مواضع التهم أكثر من خوفه من وجود الألم". (فيض القدير: ۵/۲۴۳۲، رقم الحديث: ۲۸۸۸، نزار مصطفى الباز رياض)

"اتقوا مواضع التهم) ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً لكنه بمعنى قول عمر من سلك مسالك الظن اتهم". (كشف الخفاء، باب حرف الهمزة، رقم الحديث: ۸۸، ص: ۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في إعانة الكفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

رام لیلا میں شرکت اور چندہ

سوال[۱۱۴۵۳]: ۱.....رام لیلا جو ایک ناٹک (۱) کی طرح کھیلا جاتا ہے، جو کفر وشرک سے بھرپور اور جس میں پوجا پاٹ کیا جاتا ہے، رام لکشمن (رام کی بیوی) اور ہنومان (۲) وغیرہ کے پارٹ ادا کئے جاتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی مسلمان لکشمن یا کرشن (۳) وغیرہ کا پارٹ ادا کرے، تو ایسے شخص کے لئے از روئے شریعت مطہرہ کیا حکم ہے، اس کا دیکھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

۲.....رام لیلا میں رام چند کی بیوی (سیتا) کے لئے زید نے ایک سونے کی نتھ (۴) بنوا کر دی اور بکر نے اسٹیج سازی کے لئے ٹیم بنوا کر پر و دیا، محمود نے سیتا کا لباس ساڑھی کے لئے روپیہ دیا، لہٰذا ایسے شخص کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....اس قسم کی چیزوں میں مسلمان کے لئے شرکت حرام ہے، اگر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرے گا تو ایمان سے ہی محروم ہو جائے گا (۵)۔

---

(۱) ''ناٹک: ناچنے والا، رقاص، تماشہ کرنے والا، بہروپیا، ایکٹر، کھیل، تمثیل، ڈرامہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''ہنومان: ہندوؤں کا ایک دیوتا، ہندوؤں کا ایک سردار، جس نے سیتا جی کی بازیابی میں رام چندر جی کی مدد کی تھی، بندر، بوزنہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) ''کرشن: شو کے اوتار، کنہیا جی، مجازاً سیاہ فام آدمی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۴) ''نتھ: ناک میں پہننے کا زیور، سہاگ، جانوروں کے ناک کی رسی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۱، فیروز سنز لاہور)

(۵) "وعن الإمام أبي حفص رحمه الله تعالىٰ: لو أن رجلاً عبد ربه خمسين سنة، ثم جاء يوم النيروز، فأهدى =

۲.....ناجائز ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مندر کے لئے چندہ دینا

سوال[۱۱۴۵۴]: میں نے مندر کے چندہ کے لئے کچھ روپیہ دیئے جن کی رسید ہم نے ان سے لی، پھر میں پچھتایا کہ میں نے غلطی کی تو اس کی بھی مذہب قرآن حدیث کی روشنی میں دلائل چاہتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بہانہ سے ان سے وہ روپیہ لے لیجئے اور پھر اس نیت سے دیجئے کہ آپ ان مانگنے والوں کو دے رہے ہیں، اب ان کا کام ہے کہ جہاں جی چاہے خرچ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ۔

= إلى بعض المشركين هديةً، يريد تعظيم ذلك اليوم، فقد كفر". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً، السادس في التشبيه: ۶/۳۳۴، رشيديه)

"ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم". (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۴/۵۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۳)

"قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، دارالسلام رياض)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

(۲) اس لئے کہ مندر میں چندہ دینا اعانت علی المعاصی کے زمرہ میں آتا ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے، جب کہ دوسری صورت میں سامنے والے شخص کو روپیہ دینا مقصود ہے نہ کہ مندر کے لئے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، دارالسلام رياض)

(وكذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالجنّات

(جنّات کا بیان)

مؤکل اور جن کو تابع کرنا

سوال[۱۱۴۵۵]: مؤکلین اور جنّات کا بذریعہ آیاتِ قرآنی تابع کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اگر ان کے ذریعہ کسی کارِ خیر کو انجام دیا جاوے، مثلاً: زید یا اس کے مکان میں آسیب کا اثر ہے، اس کو ان کی قوت خفیہ کے ذریعہ سے زائل کر دیا تو باعثِ اجر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤکلات اور جنّات کا تابع کرنا اگر آیاتِ قرآنی کو ناجائز طریق پر عمل کرنے سے ہو، تو ناجائز اور حرام ہے، اگر جائز طریق پر عمل کرنے سے ہو تب بھی اپنے منافع کی غرض سے ایک دوسری مخلوق کو پریشان کرنا اور تابع کرنا جائز نہیں، نیز اس میں بہت سے مفاسد ہیں: بعض دفعہ ناتجربہ کاری سے عمل الٹا پڑ جاتا ہے، بعض دفعہ ناواقفیت سے الفاظ صحیح نہیں پڑھے جاتے جس سے معنی بدل جاتے ہیں اور عذاب کا اندیشہ ہے، پرہیز اگر پورا پورا نہ ہو سکے تو بسا اوقات جنّات نقصان پہنچاتے ہیں، قتل کر ڈالتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ رہا آسیب کا اثر زائل کرنا تو وہ مؤکلات کے تابع کرنے پر موقوف نہیں، بلکہ اس کے دوسرے طریق بھی ہیں جو جائز اور بے خطرہ ہیں(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۵۱/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

---

(۱) "نعم! يشهد فعله عليه الصلاة والسلام على أن تسخير الجن كان غير مرضي عنده؛ لكمال الأدب في شأن سليمان عليه السلام فغيره أولى به، وهذا الذي قلنا من جوازه إذا كان الجن يحل استعباده وتسخيره من الكفرة، وأما المسلم فلا يحل استرقاقه، أو تقييده من غير وجه كما في الإنسان، كما لا =

کسی پر آئے ہوئے جن اور پری کے ذریعہ علاج کرانا

سوال[۱۱۴۵۶]: ہمارے علاقہ میں ایک نوجوان جو اخلاقی اعتبار سے بہت نیک ہے، زندگی میں سادگی ہے، برسرروزگار ہے۔اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اس پر کسی مرحوم بزرگ (ولی) کا سایہ ہے، بزرگ اس پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مختلف امراض، آسیبی اثر آپسی تنازعہ سے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔سینکڑوں لوگ شفایاب ہوئے،لوگ اپنے طور پر عطیہ دیتے ہیں،ان کی کوئی مانگ نہیں، علاج میں شرکیہ فعل نہیں ہے۔علاج تعویذ، گنڈا و پانی پر دم کرکے کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک ضعیف سال خاتون پر پریوں کا سایہ ہے، پریاں اس پر حاضر ہوتی ہیں اور نہایت فصیح اردو، مراٹھی میں گفتگو کرتی ہیں، جب کہ ضعیفہ اردو، مراٹھی بالکل نہیں جانتی،عمل میں شرکیہ فعل نہیں ہے،علاج کسی چیز پر دم کرکے اور گنڈا دھاگا دے کر کرتی ہے۔

۱... مندرجہ بالا واقعہ سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۲... اس طریقہ علاج سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۳... اس علاج پر یقین رکھنے اور جائز جاننے والے پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳... جنّات اور پریوں کا انسان مرد وعورت پر آنا اور اس قسم کی باتیں بتانا ممکن ہے(۱)،اردو،

= يخفى". (أحكام القرآن للتهانوي: ۴۴/۴، إدارة القرآن كراچى)

"فإذا تقرب صاحب العزائم والأقسام، وكتب الروحانيات السحرية، وأمثال ذلك إليهم بما يحبونه، فمن الكفر والشرك، صار ذلك كالرشوة والبرطيل لهم فيقضون بعض أغراضه كمن يعطي غيره مالاً ليقتل له من يريد قتله، أو يعينه على فاحشة، أو ينال معه فاحشة، ولهذا كثير من هذه الأمور يكتبون فيها كلام الله تعالىٰ بالنجاسة وقد يقلبون حروف ﴿قل هو الله أحد﴾ أو غيرها بنجاسة". (آكام المرجان، الباب الثامن والأربعون، ص: ۱۰۰، خير كثير)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات: ۲۴۱/۱۰، قديمى)

(راجع للتفصيل: معارف القرآن: ۲۶۵/۷، ادارة المعارف)

(۱) "ذكر أبو الحسن الأشعري في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن=

مراٹھی یا کسی اورزبان میں گفتگو کرنا بھی ممکن ہے(۱)، علاج کے لئے کسی دوا کا بتلانا اوراس سے شفاء کا حاصل ہونا بھی ممکن ہے، حدیث وقرآن کی دعائیں پڑھ کردم کرکے اورتعویذ گنڈا دے کر استعمال کرانے سے جنات کا دفع ہوجانا بھی ممکن ہے(۲) اورمریض کا شفا پاجانا بھی ممکن ہے، لیکن ایسی حالت کی بتائی ہوئی بات کو حجت شرعیہ قراردینا درست نہیں(۳)۔ مثلاً: اگروہ بتائے کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے تو اس کے بتانے سے اس

= المصروع ...... وقال القاضي عبدالجبار: إذا صح ما دللنا عليه من رقة أجسامهم، وأنها كالهواء لم يمتنع دخولهم في أبداننا كما يدخل الريح، والنفس، والمتردد الذي هو الروح في أبداننا من التخرق والتخلخل". (اكام المرجان، الباب الحادي والخمسون في بيان دخول الجن، ص: ۱۰۸، خير كثير)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب المرضى، باب فضل من يصرع من الريح: ۳۱۸/۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في زاد المعاد، الطب النبوي، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في علاج الصرع، ص: ۷۴۹، دارالفكر بيروت)

(۱) "قال عبدالله بن أحمد بن حنبل في فضائل الصحابة ...... وكان بها امرأة في جنبها شيطان يتكلم". (اكام المرجان، الباب الثامن والستون في بيان جواز سوال الجن، : ص ۱۳۸، خير كثير)

"والتكلم ببعض اللغات المخالفة للسان المعروف منه فذلک شيطان يتكلم على لسانه كما يتكلم على لسان المصروع". (شرح العقيدة الطحاوية، الملامية والفرق الصوفية، ص: ۵۱، قديمى)

(۲) "يجوز أن يكتب للمصاب وغيره من المرضى شيء من كتاب الله عزوجل ذكره بالمداد المباح ويغسل ويسقى". (اكام المرجان، فصل في حكم مايكتب للمرضى، ص: ۱۰۴، خير كثير)

(وكذا في مجموع فتاوىٰ ابن تيمية، أصول الفقه، فصل كتابة شيء من كتاب الله بالمراد: ۳۶/۱۹، مكتبة العبيكان)

(۳) "لاشک أن الله تعالىٰ أقدر الجن على قطع المسافة الطويلة في الزمن القصير بدليل قوله تعالىٰ: "قال عفريت من الجن أنا أتيک به قبل أن تقوم من مقامک" فإذا سأل سائل عن حادثة وقعت، أو شخص في بلد بعيد فمن الجائز أن يكون الجني عنده علم من تلک الحادثة، وحال ذلک الشخص فيخبر، ومن الجائز أن لايكون عنده علم فيذهب، ويكشف، ثم يعود فيخبر، ومع هذا فهو خبر واحد، ولا يفيد غير الظن، ولا يترتب عليه حكم غير الاستئناس". (اكام المرجان، الباب الثامن والستون، في بيان جواز سؤال الجن، : ص ۱۳۹، خير كثير)

شخص کو چور قرار دینا درست نہیں، جب کہ معالجہ صحیح طریقہ پر ہو، اس میں کوئی شرکیہ عمل یا کوئی غلط چیز نہ ہو جائز ہے اور اس کی وجہ سے کچھ ہدیہ دیا جائے اس کا لینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۹ھ۔

کیا جنات کو سردی کا عذاب ہوگا؟

سوال[۱۱۴۵۷]: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جنات کو آگ کا عذاب نہیں پہنچتا، لہٰذا ان کو سردی کا عذاب دیا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آگ کے عذاب سے بھی ان کو تکلیف ہوگی، اگرچہ وہ آگ سے بنے ہیں، جیسے: آدمی مٹی سے بنے ہیں، مگر مٹی کی اینٹ مارنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''تعویذ دے کر یا پانی دم کر کے اجرت لینا''۔

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولو شئنا لآتینا کل نفس هداها ولکن حق القول مني لأملئن جهنم من الجنة والناس أجمعین﴾ (السجدة: ۱۳)

وقال الله تعالیٰ: ﴿أما القسطون فکانوا لجهنم حطبا﴾ (الجن: ۱۵)

"أي: تقدر أمرهم وانتهی إلی أن یکونوا حطبا لجهنم تتلظی بهم وتزداد اشتعالا کما تتلظی النار بالحطب، ودل هذا علی أن الجن یعذبون بالنار". (في ظلال القرآن، الجن: ۵۶/۴، دار النشر)

باب مایتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول في السحر

(سحر کا بیان)

سحر کا حکم

سوال[۱۱۴۵۸]: کیا مسلمان کو جادو کرنا جائز ہے اور جو جادو کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحر کبیرہ گناہ ہے۔ کذا في شرح الفقه الأکبر(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۱/۲۶ھ۔

کیا سحر ابھی بھی باقی ہے؟

سوال[۱۱۴۵۹]: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے أصحاب سے مروی ہے کہ ساحر کافر ہے اور ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"السحر حرام بلا خوف ...... واعتقاد إباحته کفر" الخ(۲).

---

(۱) "والمراد بها (أي: الکبائر) نحو: القتل، والزنا...... والسحر......". (شرح الفقه الأکبر، ص: ۵۶، قدیمی)

"في الفتح: السحر حرام بلا خلاف بین أهل العلم". (ردالمحتار، مطلب: في الساحر والزندیق: ۴/۲۴۰، سعید)

(وکذا في إعلاء السنن، حکم السحر وحقیقة: ۱۲/۲۳۸، إدارة القرآن کراچی)

(۲) بعینہ یہ عبارت تو فتح القدیر میں نہ مل سکی، اس کے قریب یہ عبارت موجود ہے:

"وتعلیم السحر حرام بلاخلاف بین أهل العلم، واعتقاد إباحته کفر، وعن أصحابنا، ومالک، =

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا تھا، تمام اقوال کے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ سحر ابھی تک باقی ہے، ایک شخص کو اعتراض ہے کہ سحر کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے آئے تھے، مٹ گیا اگر کوئی کہے کہ سحر ابھی تک باقی ہے تو وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پر دھبہ لگا دیا، تو اس شخص سے سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر سحر باقی ہوتا تو امام اور فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ کیوں اس کے ناجائز وحرام ہونے کا فتویٰ دیتے، پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بت پرستی کو بھی مٹانے آئے تھے، مگر ابھی تک باقی ہے۔ راقم الحروف کا خیال صحیح ہے یا معترض کا خیال اصح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحر مٹانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو دنیا سے فنا کر دیا گیا، یہ واضح فرمانا مقصود ہے کہ سحر بدتر چیز ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔ یہی حال کفر کا ہے، کہ اس کے مٹانے کا مقصود بھی اس کی قباحت اور برائی کو واضح فرمانا ہے اور اس کے لئے جہاں تک ہو سکے، جدوجہد کرنا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے کفر دنیا سے ختم نہیں ہو گیا تھا۔

البتہ جزیرۂ عرب میں اسلام کا غلبہ اور تسلط ہو چکا تھا، کفار، مجوس وغیرہ سے خلفاء راشدین نے جہاد فرمایا، اگر یہ مقصود ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کفر دنیا سے ختم ہو جائے گا تو "الجهاد ماض في أمتي إلى يوم القيامة"(۱) کیوں فرماتے۔

= وأحمد يكفر الساحر بتعلمه وفعله". (فتح القدير، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۳۳۳، رشيديه)

(۱) واضح رہے کہ یہ حدیث بعینہ ان الفاظ سے ثابت نہیں، البتہ معنیً ثابت ہے۔

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ثلاث من أصل الإيمان الكف عمن قال: لا إله إلا الله، ولا نكفره بذنب، ولا نخرجه من الإسلام بعمل. والجهاد ماض منذ بعثني إلى أن يقاتل اخر أمتي الدجال ....". (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۴۵، رحمانيه)

"قال عليه الصلاة والسلام: "الجهاد ماض إلى يوم القيامة" قلت: أخرجه أبو داود في سننه، عن يزيد بن أبي نشبة عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ثلاث من أصل الإيمان .... والجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل اخر أمتي الدجال ....". (نصب الراية، كتاب السير: ۳/۳۸۵، حقانيه)

(وكذا في السنن الكبرى للبيهقي، كتاب السير، باب الغزو مع أئمة الجور: ۹/۲۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

نیز "لا هجرة بعد الفتح لكن جهاد ونية" (۱) کیوں فرماتے، نیز حدیث میں یہ بھی ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے تمام مؤمنین ختم ہو جائیں گے، شرارِ خلق (کفار) باقی رہ جائیں گے، ان پر ہی قیامت قائم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا هجرة بعد الفتح، ولكن جهاد ونية". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسير: ۱/۳۹۰، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب المبايعة بعد فتح مكة: ۲/۱۳۰، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب ذكر الاختلاف في انقطاع الهجرة، رقم الحديث: ۴۱۷۹، دار المعرفة بيروت)

(۲) "عن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا تقوم الساعة إلا على شرار الناس". (صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب قرب الساعة: ۲/۴۰۶، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب لاتقوم الساعة إلا على شرار الخلق: ۲/۴۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثاني في العوذة

(تعویذ کا بیان)

تعویذ دے کر یا پانی دم کرکے اجرت لینا

سوال[۱۱۴۶۰]: تعویذ یا تاگہ دم کرکے کسی ہندو یا مسلمان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا پانی پر دم کرکے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مرض والا بعد آرام کچھ انعام وغیرہ دے تو لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی پر دم کرکے یا تاگہ کا گنڈا بنا کر مسلم وغیر مسلم سب کو دینا درست ہے اور سب پر دم کرنا اور پھونک ڈالنا بھی درست ہے، تعویذ پر آیت لکھ کر مسلم وغیر مسلم سب کو دینا درست ہے، مگر اس طرح کہ ایک کاغذ یا کپڑا اس پر چڑھا دیا جائے، یا موم جامہ کردیا جائے تاکہ بے وضو یا ناپاک اس کو مس نہ کرے(۱) اور تعویذ گنڈا دینے یا دم کرنے پر اجرت لینا بھی درست ہے(۲)۔ بشرطیکہ جانتا ہو اور دھوکہ نہ دیتا ہو، بلا اجرت کے زیادہ برکت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "یحرم ..... مس مصحف ..... إلا بغلاف متجاف غیر مشرز". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الطهارة، یطلق الدعاء علی مایشمل الثناء: ۱/۱۷۳، سعید)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الطهارة، مایمنعه الحیض: ۱/۳۴۹، رشیدیه)

(وکذا في الحلبي الکبیر، فروع إن أجنبت المرأة، ص: ۵۹، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "عن أبي سعید الخدري رضي الله تعالیٰ عنه: أن رهطا من أصحاب النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انطلقوا في سفرة سافروها، فنزلوا بحي من العرب، فاستضافوهم فأبوا أن یضیفوهم قال: فلدغ سید =

اسمائے کفار سے تعویذات میں مدد لینا

سوال[۱۱۴۲۱]: الف..... بعض تعویذات نظر بد وغیرہ کے ایسے ہیں کہ جس میں بڑے بڑے کفار وشیاطین کے نام لکھے جاتے ہیں اوران سے تعویذات میں مدد لی جاتی ہے، توان کے نام سے تعویذات میں مدد لینا کیسا ہے؟

ب..... کس قسم کے تعویذات ازروئے شرع بنانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف..... ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کا شرک ہے(۱)۔

= ذلک الحي، فشفوا له بكل شيء لاينفعه شيء فقال بعضهم: لو اتيتم هؤلاء الرهط الذين نزلوا بكم لعل أن يكون عند بعضهم شيء ينفع صاحبكم، فقال بعضهم: إن سيدنا لدغ فهل عند أحد منكم؟ يعني: رقية، فقال رجل: من القوم إني لأرقي، ولكن استضفناكم فأبيتم أن تضيفو، ما أنا براقٍ حتى تجعلوا لي جعلا، فجعلوا له قطيعا من الشاء، فأتاه فقرأ عليه بأم الكتاب، وتفل حتى برء كأنما انشط من عقال، قال: فأوفاهم جعله الذي صالحوه عليه، فقالوا: اقتسموا، فقال الذي رقى: لا تفعلوا حتى نأتي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فنستأمره، فغدوا على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: من أين علمتم أنها رقية؟ أحسنتم واضربوا لي معكم بسهم". (سنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في كسب الأطباء: ۲/۱۳۰، رحمانيه)

"جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة: ٦/٥٥، سعيد)

"لا بأس بالاستئجار على الرقى والعلاجات كلها". (شرح معاني الآثار، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على تعليم القرآن: ۲/۲۹۷، سعيد)

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترىٰ في ذلک؟ فقال: "أعرضوا عليَّ رقاكم، لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرک". (صحيح مسلم، كتاب السلام باب لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرک، رقم الحديث: ۵۷۳۲، ص: ۹۷۵، دارالسلام رياض) =

ب...... اسمائے الٰہیہ آیاتِ قرآنیہ اَدعیہ ماثورہ سے تعویذ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "رقية فيها اسم صنم، أو شيطان، أو كلمة كفر، أو غيرها مالا يجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها" (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۳۱۸/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

الفصل الثالث في العمليات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

عامل بننے کا طریقہ

سوال[۱۱۴۶۲]: زید نے بکر سے تعویذات کے متعلق کہا کہ نقش بھرنے مجھے بھی بتادو، بکر نے کہا کہ سیکھ لو، مگر اس کے لئے شرط ہے (عامل ہونے کے لئے) زید! اللہ کے ایک ہزار نقش بھردو، اسی روز روزہ رکھو اور میدہ گوندکر نقشوں پر لپیٹ دو، جب تک یہ نقش بھرو، اس درمیان میں کسی سے کلام نہ کرو اور نہ اٹھو، فقط نماز کی اجازت ہے، جب نقش بھر چکو تو کچھ شرینی لے لو اور اپنے مکان سے چل دو، راستہ میں کسی سے مت بولو، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہ دو اور دریا پر جاکر اپنے پیر کا تصور کرو کہ میں پیر کے پاس کھڑا ہوں، یا میرے پیر میرے پاس ہیں اور وہاں جاکر سلام کرو اور بقدر جواب کے خاموش کھڑے رہو اور قرآن پاک پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ تمام مردوں کو ایصال ثواب کرو اور آنکھیں بند رکھو۔

اس کے بعد کہنا کہ یا خضر علیہ السلام یہ قرآن پاک اور نقش وشیرینی آپ کو پیش کرتا ہوں، آپ اس کو قبول فرمائیں اور تصور یہ رکھو کہ میرے پیر یہاں پر نہیں ہیں، بلکہ حضرت خضر علیہ السلام یہاں پر حاضر ہیں یہ کہ نقش وشیرنی دریا میں ڈال دو اور اپنے مکان کو واپس آجاؤ، دریا میں سے کچھ بھی آواز آئے، مڑ کر مت دیکھنا، تم اس کے عامل بن جاؤ گے اس کے بعد تعویذ کر سکتے ہو، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس نیت سے کرنا کہ ہم کو آمدنی ہوگی، تقویٰ میں کوئی خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عمل میں ایک چیز یہ قابل تأمل ہے کہ دریا کی طرف جاتے ہوئے کسی کے سلام کا جواب دینے کو بھی منع کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ شرعاً ضروری ہے الا یہ کہ ذکر وتلاوت وغیرہ میں آدمی مشغول ہو(۱)، دوسری چیز

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "خمس تجب للمسلم علی أخیه: رد السلام، =

یہ ہے کہ دریا پر پہنچ کر یہ تصور کرنا کہ پیر میرے پاس کھڑے ہیں یا میں پیر کے پاس کھڑا ہوں اور ان کو سلام کرنا یہ بھی خیالی تصور کو سلام ہے جو کہ شرعاً ثابت نہیں (۱)، یہ قیاس نہ کیا جائے کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی تو صلوۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، اس لئے کہ صلوۃ وسلام کو ملائکہ لے کر جاتے ہیں اور خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ احادیث میں موجود ہے (۲)۔ تصور کو سلام کرنے اور بقدر جواب خاموش رہنے کا ثبوت نہیں۔ تیسری چیز حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں یہ مجموعہ تحفہ پیش کرنا بے اصل ہے، ثواب تو زندہ مردہ

= وتشميت العاطس، وإجابة الدعوة، وعيادة المريض، واتباع الجنائز". (صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب حق المسلم للمسلم: ۲/۲۱۳، قديمي)

"اعلم أن ابتداء السلام سنة، ورده واجب". (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب السلام، الفصل الأول: ۵/۹۸، رشيديه)

"ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام ... يكره على عاجز عن الرد حقيقة كاكل، أو شرعاً كمصل، وقارئ، ولو سلم لا يستحق الجواب". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۱۵، سعيد)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قديمي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد". (صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة: ۲/۷۷، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور: ۱/۳۷۱، قديمي)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲/۲۸۷، رحمانيه)

(۲) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب التسليم على النبي، ص: ۱۷۹، دارالسلام)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الثالث: ۱/۱۹۰، ۱۹۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجعلوا بيوتكم قبوراً، ولا تجعلوا قبري عيداً، وصلوا عليّ فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم". (سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور: ۱/۲۹۴، رحمانيه)

سب کو پہنچایا جاسکتا ہے، لیکن نقش اور شیرینی ان کی خدمت میں پیش کرنا محض بے معنی ہے(۱)، نہ اس جگہ پر ان کا وجود دلیل شرعی سے ثابت ہے نہ حساً مشاہدہ ہے، لہٰذا یہ پیش کرنا بھی خیالی تصور ہی ہوا، جو شخص نقش تعویذ عمل جانتا ہے اور اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہیں ہے، تو اس کو اجرت لینا بھی درست ہے اور وہ آمدنی جائز ہے، تقویٰ کے بھی خلاف نہیں، جیسے حکیم اور ڈاکٹر معالجہ پر کچھ اجرت لیں درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۲/۵/۸۱ھ۔

نقوش میں یا جرئیل لکھنا

سوال[۱۱۴۶۳]: بعض نقوش کے ساتھ ''یا جرئیل'' وغیرہ لکھا جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منع لکھا ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۴۲

(۲) "جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة: ۶/۵۵، سعيد)

"لا بأس بالاستئجار على الرقى والعلاجات كلها". (شرح معاني الآثار، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على تعليم القرآن: ۲/۲۹۷، سعيد)

(۳) جن عملیات وتعویذات کے معنی خلافِ شرع ہوں، ان کا استعمال ناجائز ہے۔ آج کل بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں، مثلاً: (ایسے عملیات کرتے ہیں جن میں) کسی مخلوق کو نداء ہوتی ہے، خواہ پڑھنے میں یا لکھنے میں جیسے: یاجبریل یا میکائیل یہ سب شرعاً ممنوع اور باطل ہے۔ (عملیات اور تعویذات اور اس کے شرعی احکام، ص: ۱۳۴، مکتبہ خلیل)

شئ مسروق کے لئے عمل کرنا

سوال[۱۱۴۲۴]: کسی شخص کو چوری ہونے کی وجہ سے اگر کسی قسم کا عمل، جادو ہو یا قرآن پاک سے ہو، اپنی چیز کے ملنے کی کرے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیاتِ قرآنی پڑھ کر دعا کرنا یا دوسرے سے دعا کرانا، کہ یا اللہ! میری چیز مل جائے، درست ہے(۱)، حدیث شریف میں بھی دعا ثابت ہے(۲)، لیکن سحر درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۴/۱/۲۶ھ۔

---

(۱) "وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدري ما هو، ولعله يدخله سحراً، وكفراً، وغير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

"النوع الذي كان أهل الجاهلية يعالجون به، ويعتقدون فيه، وأما ما كان من الآيات القرآنية، والأسماء والصفات الربانية، والدعوات المأثوره النبوية، فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذاً، أو رقية، أو نشرة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۸/۳۷۳، رشيديه)

(وكذا في شرح صحيح مسلم للنووي، كتاب السلام، باب الطب الخ: ۲/۲۱۹، قديمی)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "ما من أحد يدعو بدعاء إلا أتاه الله ما سأل، أو كف عنه من السوء مثله مالم يدع بإثم أو قطيعة رحم". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة: ۲/۱۷۵، سعيد)

"عن ابن عمر (رضي الله تعالیٰ عنهما) عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في الضالة: أنه كان يقول: اللهم راد الضالة، وهادي الضلالة، تهدي من الضلالة، أردد علي ضالتي بقدرتک وسلطانک، فإنها من عطائک وفضلک". (المعجم الكبير، السادس، رقم الحديث: ۱۳۱۱۰: ۲/۱۹۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الأذكار، باب مايقول: إذا انفلتت دابته الخ، رقم الحديث: ۱۷۱۰۶: ۱۰/۱۸۹، دارالفكر بيروت)

(۳) "الكاهن: الساحر والمنجم إذا ادعى العلم بالحوادث الآتية، فهو مثل الكاهن ..... وما يعطي هؤلاء =

ستاروں کی چال برائے علاج

سوال[۱۱۴۲۵]: فی نفسہ نقش لکھنا درست ہے یانہیں؟ جب کہ یہ کہتے ہیں کہ نقوش کی چال ستاروں کی چال پر ہوتی ہے، اس میں ستاروں کو مؤثر ماننا پڑتا ہے اور نقش کے خانے متعین ہوتے ہیں کہ یہ مشتری کا خانہ ہے، یہ زہرہ کا، یہ مریخ کا، اگر درست ہیں تو بہشتی زیور میں بیس کا نقش اور پندرہ کا کیوں لکھا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نقش کا ایک مستقل حساب ہے، ستاروں کو مؤثر بالذات سمجھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

سانپ وغیرہ کے کاٹنے پر زہر کا اثر اتارنے کا عمل

سوال[۱۱۴۲۶]: اگر کسی سانپ یا کوئی اور زہریلا کیڑا کاٹے تو مسلمان ہندولوگوں کے پاس جا کر منتر پڑھوانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہماری اسلامی شریعت میں ایسا کوئی منتر یا دعا ہو، تو واضح کریں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اعمالِ قرآنی (۲)، شمس المعارف (۳) الدر المنظم (۴) میں سانپ اور دوسرے زہریلے جانوروں

= حرام بالإجماع، كما نقله البغوي والقاضي عياض وغيرهما". (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۴۹، قديمی)

"في الفتح: السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم". (ردالمحتار، مطلب: في الساحر والزنديق: ۴/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، حكم السحر وحقيقة: ۱۲/۶۳۸، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وبعضهم زعم أن لها تأثيراً يعرفه المنجم غير ذلک، كالسعادة، والنحوسة، وطول العمر، وقصره وسعة العيش، وضيقه إلى غير ذلک ...... وهو مما لاينبغي أن يعوّل على أن يلتفت إليه، فليس له دليل عقلي أو نقلي، بل الأدلة قائمة على بطلانه متكفلة بهدم أركانه". (روح المعاني، الصافات: ۲۳/۱۳۹، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۶۷۹۲: ۱/۳۸۸، مكتبه مصطفىٰ نزار الباز رياض)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الطب، باب السحر: ۱/۲۷۳، قديمی) ....=

کے کاٹنے سے جو زہر چڑھ جاتا ہے، اس کے اتارنے کی دعائیں منقول ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سانپ کے کاٹے کا منتر

سوال[۱۱۴۶۷]:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصر أبا حصن نارس، ایک پہ ایک پانی، ایک رہنداری، اترے اترے تیرے سر پر سنک ڈھالی، نہیں اترے گا، تجھے راجا گرڑ کی دہائی، گڈر میں بیٹھوں گرڑ سے پھاڑ پھاڑ کھائے، رگرو کی سکت میری بھگت، پھل منتری ایسوری جانے۔

یہ مذکورہ عمل سانپ اتارنے کا ہے، اس کے ذریعہ سے سانپ اتارنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا منتر پڑھنا جس میں شرک ہو، غیر اللہ کی دھائی ہو، یا اس کے معنی معلوم نہ ہوں، درست نہیں ہے۔ اور اس منتر میں غیر اللہ کی دھائی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۳/۲ھ۔

=(۲) (اعمالِ قرآنی، برائے درد وزہر نیش، ص:۱۷۸، دارالاشاعت)

(۳) (شمس المعارف، زہریلے جانوروں کا زہر دور کرنے کا عمل، ص:۸۳، کتب خانہ شانِ اسلام)

(۴) لم أجده

(۱) "عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالیٰ قال: كنا نرقي في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترىٰ في ذلک؟ فقال: "أعرضوا علي رقاكم لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرک". (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول: ۳۸۸/۲، قديمي)

"رقية فيها اسم صنم، أو شيطان، أو كلمة كفر، أو غيرها مالا يجوز شرعاً، ومنها مالم يعرف معناها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۳۱۸/۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۳/۶، سعيد)

نیم کے گرد چکر لگا کر سانپ کے کاٹے کا علاج

سوال[۱۱۴۶۸]: ہمارے پاس میں ایک درخت نیم کا ہے، کسی کو سانپ کاٹ لے تو اس نیم کے درخت کے پانی سے غسل کرا کر درخت کے اطراف میں تین مرتبہ پھرنا پڑتا ہے، ہنگی گنیسی تریملو کا نام لے کر اس درخت نیم کے اطراف میں پھرنا پڑتا ہے تو سانپ کا اثر جاتا رہتا ہے، تو کیا مسلمان کا اس طرح پر پھرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیم کا پتہ اور اس کا پانی زہر اتارنے کے لئے مفید ہے اس میں مضائقہ نہیں، لیکن نام مذکورہ لے کر تین دفعہ اس کے اطراف پھرنا یہ عمل ایسا ہے، جیسے غیر مسلم اپنے دیوی دیوتا کے ساتھ کرتے ہیں، اس لئے یہ نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۴/ ۸۹ھ۔

عمل حاضرات اور اس سے علاج کا حکم

سوال[۱۱۴۶۹]: ۱......حاضرات کیا چیز ہے؟ اور حاضرات کسے کہتے ہیں؟ اور حاضرات کی کتنی قسمیں ہیں؟

۲......حاضرات سے کیا فائدہ ونقصان ہے؟ کیا شریعت میں اس کی کچھ اصلیت ہے؟

۳......حاضرات کے ذریعہ علاج کرانا اور زندہ ومردہ روحوں سے بات چیت کرنا اور کرانا کیسا ہے؟

---

(۱) "وعنہ (ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما) قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم". (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

"قال علي القاري: "أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، "فهو منهم" أي: في الإثم أو الخير عند الله تعالیٰ". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشيديه)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۱/۵، معهد الخليل)

۴..... حاضرات کے ذریعہ لوگ بچوں کو دکھا کر تقریر کرواتے ہیں اور تعویذ لکھواتے ہیں، تو یہ کہاں تک صحیح ہے؟

۵..... حاضرات میں جو لوگ آتے ہیں وہ اپنے کو فرشتہ بتلاتے ہیں، تو کیا وہ صحیح کہتے ہیں یا جنات ہوتے ہیں، اپنے کو مغالطہ دیتے ہیں، جنات ہوتے ہوئے اپنے کو فرشتہ بتلاتے ہیں۔ فرشتوں کی طرح جنات کے بھی پَر ہوتے ہیں؟

۶..... حاضرات میں زیادہ تر چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں آٹھ سال سے بارہ سال تک دیکھتے ہیں اور آوازیں سنتے ہیں تو کیا وہ لڑکے اور لڑکیاں صحیح جواب دیتے ہیں؟

۷..... حاضرات کے ذریعہ شہدائے کرام و بزرگان دین اور علماء کرام کی روحیں آکر بات چیت کرتی اور تحریر کرتی ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟ ایسا ہوسکتا ہے؟ اور بھی بہت سے لوگوں کی روحیں آجاتی ہیں یا یہ جنات ہی لوگ ہوتے ہیں وہ دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو بزرگانِ دین اور علماء کرام وغیرہ بن کر بچوں کے سامنے آکر بات چیت کرنے اور تقریر کرنے لگتے ہیں اور تعویذ وغیرہ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر لکھواتے ہیں؟

۸..... کیا حاضرات کرنے والے اور کرانے والے گنہگار ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں؟

۹..... حاضرات کو چھوٹے بچے یعنی لڑکے اور لڑکیاں ہی کم عمر والے کیوں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں؟ اور بڑی عمر والے کیوں نہیں دیکھ اور سن پاتے ہیں؟ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پندرہ اور بیس سال تک کی عمر کی لڑکیاں دیکھ کر آوازیں سن لیتی ہیں؟

۱۰..... اسلام میں حاضرات کے سیکھنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ بعض لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اور بعض لوگ آیت کریمہ سے اور بعض لوگ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں سے حاضرات کرتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور اس سے حاضرات ہوتا بھی ہے؟

۱۱..... کیا حاضرات سے عقائد خراب ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں؟ حالانکہ حاضرات کے ذریعہ روحانی علاج اور جسمانی علاج بھی ہوجاتا ہے، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کو کافر جن یا آسیب وغیرہ ستاتے ہیں اور سحر وجسمانی بیماریوں کے مریضوں کو حاضرات کے ذریعہ فائدہ ہوا ہے، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مہربانی فرما کر شریعت مقدسہ کی رو سے دینے کی زحمت کریں، تاکہ اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روح کے لئے پانچ صفات ہیں: عاقلہ، غضبانیہ، شہوانیہ، خیالیہ، واہمہ۔ جس میں عاقلہ غالب ہو اور بقیہ صفات اتنی مغلوب اور مضمحل ہوں کہ ان کا ظہور ہی نہ ہوتا ہو، ایسی روح کو روح ملکی کہتے ہیں، جس میں غضبانیہ غالب ہو وہ حیوانیہ سبعیہ ہے، جس میں شہوانیہ غالب ہو وہ حیوانیہ بہیمیہ ہے، جس میں خیالیہ اور واہمیہ غالب ہو، وہ جنیہ ہے، جس میں پانچوں صفات اعتدال کے ساتھ ہوں وہ انسانیہ ہے، پھر اگر انسان عاقلہ کو حاکم بنا کر بقیہ چاروں کو تابع اور محکوم رکھیں تو اس کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، یہاں تک کہ ملائکہ سے بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام۔

اگر قوت غضبانیہ حاکم ہو جائے تو مزاج میں درندگی اور سبعیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے لوگوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے۔ ایسا آدمی ہر وقت دوسروں کو ستانے اور زیر اقتدار رکھنے کی ہر غلط سے غلط تدبیر اختیار کرتا ہے، کوئی مروت اس میں باقی نہیں رہتی، اگر شہوانیہ حاکم ہو جائے تو نفسانی خواہشات پوری کرنے میں اس کی زندگی خرچ ہوتی ہے، کوئی شرم وحیاء باقی نہیں رہتی۔ اگر خیالیہ اور واہمیہ حاکم ہو جائے تو جنات سے اس کو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اپنے قوت خیالیہ کے ذریعہ دوسروں میں تصرف کر لیتا ہے۔

حاضرات میں اکثر تو عامل کی قوت متخیلہ کا تصرف ہوتا ہے، کہ جیسے جیسے وہ بیان کرتا یا سوچتا جاتا ہے، بچے کو وہ چیز نظر آتی چلی جاتی ہے، کبھی اس کے تعلقات جنات وشیاطین سے ہوتے ہیں، وہ اس کے کہنے پر مختلف صورتوں میں سامنے آجاتے ہیں۔ حاضرات کوئی شرعی دلیل نہیں، لہٰذا اس کے ذریعہ نہ کسی کو چور وغیرہ مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، نہ کسی کو بری کیا جا سکتا ہے، اس میں خطرات بھی ہوتے ہیں، بسا اوقات جنات شیاطین عامل پر بھی اثر کر دیتے ہیں، اگر عامل محفوظ رہ بھی گیا، تو اس کی نسل در نسل سے انتقام لیتے ہیں۔

جنات کو حق تعالیٰ نے ایک قوت دی ہے کہ وہ مختلف صورتوں میں آسکتے ہیں، جانوروں کی صورتوں میں بھی آسکتے ہیں اور اپنا نام بھی جو چاہے بتا سکتے ہیں، بڑے بڑے ولی بزرگ کا نام بھی بتاتے ہیں، مریض پر بھی جنات تصرف کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو بیماری بھی لاحق ہوتی ہے اور صحت بھی ہو سکتی ہے، جو لوگ مر چکے ہیں ان کا بھی نام بتا دیتے ہیں کہ میں فلاں ہوں۔

نابالغ بچوں پر اور عورتوں پر واہمہ کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اس لئے حاضرات سے وہ زیادہ متاثر ہوتی ہیں،

قوت خیالیہ کو جس قدر آدمی جمع رکھے گا، اسی قدر اس کو جنات سے تلبس ہوجائے گا، اس کے لئے مستقل عملیات بھی ہیں، جن کے ذریعہ جنات تابع ہوجاتے ہیں، بعض عمل جائز ہیں، بعض ناجائز۔ عافیت اجتناب میں ہی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۹ھ۔

ہمزاد تابع کرنا دستِ غیب اور کیمیا وغیرہ

سوال[۱۱۴۷۰]: ۱......سورۂ لمزۃ کو چالیس روز تک فجر کی سنت اور فرض کے درمیان خاص تعداد تک ذکر کرنے کے بعد کچھ نقد وزر یکمشت مل جاتا ہے اور اس نقد کی کوئی حد نہیں ہے، تو یہ صورت بھی دست غیب کے افراد میں شامل ہو کر حرام ہوجاوے گی یا نہیں؟

۲......اگر کسی کو کیمیا کا صحیح نسخہ کسی بزرگ سے بحالتِ بیداری مشافہۃً یا بحالت خواب بہ ندائے ہاتف معلوم ہوجائے تو کیمیا بنا کر اس سے اپنی گزراوقات کرنا اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ کیمیا بنانا ناجائز ہے، کیونکہ اس کی دھن میں اضاعت مال اور اضاعت وقت ہوتا ہے، لیکن پھر بھی حاصل نہیں ہوتا۔

۳......دستِ غیب کے ذریعہ کسی سے ایسے قرض کا ادا کرنا جس کی ادائیگی کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو،

---

(۱) حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی عمل کی حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''انگوٹھی یا (ناخن) وغیرہ کے ذریعہ سے جو حاضرات کا عمل کیا جاتا ہے، یہ سب واہیات ہے، اس جگہ جن وغیرہ کچھ بھی حاضر نہیں ہوتے، بلکہ جو کچھ عامل کے خیال میں ہوتا ہے، عامل جو کچھ بھی اپنے پورے تخیل سے کام لیتا ہے، وہی اس میں نظر آنے لگتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس عمل کے لئے بچہ اور عورت کا ہونا شرط ہے، کیونکہ ان کے خیالات زیادہ پراگندہ نہیں ہوتے اور ان میں شک کا مادہ بھی کم ہے، اس لئے ان کی قوت متخیلہ (یعنی خیالات) جلدی متاثر ہوتے ہیں......اصل بات یہ ہے کہ عامل جب تصور جما کر بیٹھتا ہے کہ معمول کو ایسا نظر آئے گا تو اس عامل کی قوت خیالیہ سے معمول (جس پر عمل کیا جارہا ہے اس) کے خیال میں وہ تصورات متشکل و متمثل نظر آجاتے ہیں، سو یہ مسمریزم کا ایک شعبہ ہے، جس کی بنیاد محض خیال ہے، اس میں کوئی خارجی چیز موجود نہیں ہوتی......بہت سے تعویذ گنڈے والے حاضرات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کے قائل ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ حاضرات محض خیالات کا تصرف ہے''۔ (عملیات وتعویذات اور اس کے شرعی احکام، حاضرات کا عمل اور اس کی حقیقت، ص:۱۸۴، ۱۸۵، مکتبہ خلیل)

جائز ہے یا ناجائز؟

راقم: بشیر احمد موضع کھجور ہیڑی ضلع سہارنپور، بمعرفت مولوی محمد یوسف تھانوی

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اس میں بھی تفصیل ہے، یعنی دینے والے نے اگر خوشی اور اعتقاد سے دیا ہے، تو جائز ہے(۱)، ورنہ ناجائز، ظاہر یہ ہے کہ یہ صورت بھی دست غیب میں شامل ہے۔

۲.....کیمیا کے متعلق جو کچھ مشہور ہے وہ صحیح ہے، اضاعت مال بھی ہے اور اضاعتِ وقت بھی، اگر بڑی جانفشانی کے بعد کامیابی ہوگئی تو اس کا خرچ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اضاعت مال وغیرہ عوارض سے خالی ہو اور سونا خالص ہو، جیسا کہ بازار میں فروخت ہوتا ہے اور کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو(۲)۔

---

(۱) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۱/۵۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب جارية فباعها: ۶/۱۶۶، دارالكتب العلمية بيروت)

"لایجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(۲) "يحتمل أن المراد به الكاف الذي هو إشارة إلى الكيمياء، ولا شك في حرمتها لما فيها من ضياع المال، والاشتغال بمالا يفيد ..... هذا وقد ذكر العلامة ابن حجر في باب الأنجاس من التحفة: أنه اختلف في انقلاب الشيء عن حقيقة كالنحاس إلى الذهب، هل هو ثابت؟ فقيل: نعم! لانقلاب العصا ثعبانا حقيقة وإلا لبطل الإعجاز، وقيل: لا؛ لأن قلب الحقائق محال. والحق: الأول إلى أن قال: تنبيه، كثيراً ما يسأل عن علم الكيمياء وتعلمه، هل يحل أولا؟ ولم نر لأحد كلاماً في ذلك والذي يظهر أنه يبنى على هذا الخلاف، فعلى الأول من علم العلم الموصل لذلك القلب علما يقينا جاز له علمه وتعلمه إذ لا محذور فيه بوجه، وإن قلنا بالثاني أو لم يعلم الإنسان ذلك العلم اليقيني فيه بوجه، وكان ذلك وسيلة إلى الغش فالوجه الحرمة اهـ ملخصاً، وحاصله: أنه إذا قلنا بإثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلمه؛ لأنه ليس بغش؛ لأن النحاس ينقلب ذهباً أو فضة حقيقة، وإن قلنا: إنه غير ثابت لايجوز؛ لأنه غش كما لا يجوز لمن لايعلمه حقيقة لما فيه من إتلاف المال أو غش المسلمين". (ردالمحتار، مقدمة، مطلب في الكهانة: ۱/۴۵، ۴۶، سعيد) =

۳......ناجائز ہے، کیونکہ ناجائز طریقہ سے یہ مال حاصل ہوا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۱/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پنڈت سے چور کا پتہ معلوم کرنا

سوال[۱۱۴۷۱]: بکر کے گھر سے مال چوری ہوگیا ہے اور پتہ نہیں کہ کس نے کیا ہے، اب بکر پنڈت کے گھر جاتا ہے اور پوچھ کرآتا ہے اور چور پکڑتا ہے، سزا دیتا ہے، اب بکر کو پورا یقین ہوگیا کہ پنڈت نے صحیح کہا ہے، عوام کو بھی یقین ہوگیا ہے، کیا مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنڈت وغیرہ کسی سے غیب کی باتیں دریافت کرنا اور اس پر یقین رکھنا سخت گناہ ہے، مسلمانوں کو اس سے توبہ لازم ہے، ہرگز اس کے پاس نہ جائیں نہ اس سے باتیں دریافت کریں، اس سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۶ھ۔

= (وكذا في روح المعاني، القصص: ۷۸: ۲۰/۴۳۰، رشيديه)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۴۵۱

(۲) "عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من اتى عرافا فسأله عن شيء، لم تقبل له صلاة أربعين ليلة". (صحيح مسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان: ۲/۲۳۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من أتى كاهنا فصدقه بما يقول ..... فقد برئ بما أنزل على محمد". (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان: ۲/۱۸۹، رحمانيه) .... =

دستِ غیب

سوال[۱۱۴۷۲]: دستِ غیب کا کیا حکم ہے؟ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ جنات کے ذریعہ سے چوری ہے جو کہ حرام ہے(۱)۔

ہمزاد تابع کرنا، دست غیب اور کیمیا

سوال[۱۱۴۷۳]: کیا اپنا ہمزاد اور کسی دوسرے کا ہمزاد تابع کرنا جائز ہے؟ اسی طریقہ سے ان کے ذریعہ کسی کارِ خیر کو انجام دینا یا کوئی اسلامی خدمت کرنا یا ان سے ذاتی خدمت کرانا کیا حکم رکھتا ہے؟ دستِ غیب کے متعلق اگر یہ یقینی طور سے معلوم ہو جائے کہ یہ عطیہ ہم کو مؤکلات اپنی جیب خاص سے دیتے ہیں، غیر کا مال نہیں لاتے تو اس کا صرف کرنا اس وقت جائز ہوگا یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمزاد کیا ہے اور تابع کرنے کا طریق کیا ہے، جب تک طریقہ معلوم نہ ہو جواب نہیں دیا جاسکتا۔

"لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي"

فتاوی عالمگیری: ۷۷۸/۲(۲).

صورت مذکورہ میں اگر مؤکلات مجبوراً دیتے ہیں تو ناجائز ہے اور اگر خوشی سے معتقد ہو کر دیتے ہیں تو اس میں کچھ خرابی نہیں، لیکن ایسا عمل مفقود ہے، اگر معلوم ہو جائے کہ کسی غیر کا مال لا کر دیتے ہیں، تب بھی ناجائز

= "من أتی کاهنا أو عرافا، فصدقه بما یقول، فقد کفر بما أنزل علی محمد، أخرجه أصحاب السنن الأربعة، وصححه الحاکم عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه". (ردالمحتار، کتاب السیر، باب المرتد، مطلب في الکاهن والعراف: ۲۴۲/۴، سعید)

(۱) (امداد الفتاویٰ، مسائل شتی، تحقیق دست غیب: ۵۵۹/۴، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴، سعید)

ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۱/۱۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب الأشتات

قومیت کی وجہ سے افضل وغیر افضل ہونا

سوال[۱۱۴۷۴]: اسلام میں جو چھوٹی بڑی افضل وکمتر قوم کی بنائے مخاصمت پیدا کرے، وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

محلّہ کی مسجد میں مذکورہ بالا کشمکش موجود ہے، اگر کوئی نمازی دوسرے محلّہ کی مسجد میں اپنی مسجد کو چھوڑ کر جماعت کو جائے یا دوکان ومکان پر تنہا نماز پڑھ لے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قومیں سب اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، یہ تفریق وتقسیم دنیاوی مصالح وتعارف وغیرہ کے لئے ہے، اس سے دنیا ہی میں کچھ قومیں بڑی اور اونچی شمار ہوتی ہیں، کچھ کم درجہ کی، مگر محض قوم کی وجہ سے کسی کو حقیر وذلیل سمجھنا درست نہیں اور اخروی نجات کا مدار بھی قومیت پر نہیں، اللہ کے احکامات کو جو بھی زیادہ مانے، وہ اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہے(۱)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ نے

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الناس إنا خلقنكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عندالله أتقاكم إن الله عليم خبير﴾ (الحجرات: ۱۳)

"حدثنا من شهد خطب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمنى في وسط أيام التشريق وهو على بعير، فقال: يا أيها الناس ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأسود على أحمر، ولا لأحمر على أسود إلا بالتقوىٰ". (تفسير قرطبي، الحجرات: ۱۳: ۲۱۸/۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن درة بنت أبي لهب رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قام رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو على المنبر، فقال: يا رسول الله! أي الناس خير؟ قال: خير الناس أقرأهم وأتقاهم لله عزوجل وامرهم =

بہت اونچا کیا، ان کے اخلاق عالیہ سب سے بلند ہیں (۱)، ان کی اولاد اگر ان کے طریقہ پر چلے، تو وہ سب سے بلند اور مستحق اعزاز ہے۔

اصل اعزاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول حاصل ہوجائے اور اس کا قانون یہ ہے کہ اعتقادات حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور اخلاص جس کو جس قدر زیادہ حاصل ہو، وہ اسی قدر مقبول ہے، پھر اگر محض قومیت کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھیں، تو وہ خود جواب دہ ہوں گے، یہ جس قدر بھی صبر وتحمل کرے گا اس کے درجات بلند ہوں گے، بایں ہمہ اگر برداشت نہیں کرسکتا اور نزاع وکشمکش ہی ہوجانے کا اندیشہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے دوسری مسجد میں بھی تحصیل جماعت کے لئے جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

= بالمعروف وأنهاهم عن المنكر وأوصلهم للرحم". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث درة بنت أبي لهب رضي الله تعالى عنها، رقم الحديث: ۲۶۸۸۸: ۷/۵۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تسبوا أصحابي فلوأن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا مابلغ مد أحدهم ولا نصيفه". (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب تحت باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لو كنت متخذا خليلاً الخ: ۱/۵۱۸، قديمي)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه قال: "من كان مستنا، فليستن بمن قدمات، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة، أولئک أصحاب محمد صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، اختارهم الله لصحبة نبيه، ولإقامة دينه، فاعرفوا لهم، واتبعوهم على اثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثالث: ۱/۳۲، قديمي)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: أنتم أكثر صياما وأكثر صلاة وأكثر اجتهادا من أصحاب رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وهم كانوا خيرا منكم!! "قالوا: لِمَ يا أبا عبدالرحمن؟ قال: "هم كانوا أزهد في الدنيا وأرغب في الآخرة". (حياة الصحابة، الآثار في صفة الصحابة الكرام رضي الله تعالى عنهم: ۱/۴۲، هدية الراجحي للصرافة والتجار)

ایک نیکی کا ثواب کتنا ہے؟

سوال[۱۱۴۷۵]: ایک نیکی کا کتنا ثواب ملتا ہے اور نیکی کتنی لمبی چوڑی ہوتی ہے، یعنی کتنا ثواب ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک نیکی کا ثواب دس گنا تو قرآن کریم میں عام طور پر ہے(۱)، بعض دفعہ بعض نیکی کا ثواب دس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے، حق تعالیٰ چاہے بے حساب ثواب دے دے، بندے نہ اس کو گن سکتے ہیں نہ ناپ سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۴ھ۔

کیا چودھویں صدی پر دنیا ختم ہوجائے گی؟

سوال[۱۱۴۷۶]: ۱۳۹۱ھ جو چل رہی ہے اور چودھویں صدی پوری ہونے میں صرف ۹/ سال اور باقی ہیں، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی ارشاد ایسے بھی ہیں، کہ دنیا کی زندگی چودھویں صدی کے بعد کچھ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها﴾ (الأنعام: ١٦)

(٢) "عن أبي عثمان قال: بلغني عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: إن الله يجزي المؤمن بالحسنة ألف ألف حسنة، فأتيته فقلت: يا أباهريرة! بلغني أنک تقول: إن الله يجزی المؤمن بالحسنة ألف ألف حسنة؟ قال: نعم! وألفي ألف حسنة". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزهد، كلام أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه: ١٩/٢١٩، المجلس العلمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه، أنه قال: إن الله عزوجل يعطي عبده المؤمن بالحسنة الواحدة ألف ألف حسنة قال: فقضي أني انطلقت حاجاً أو معتمرا فلقيته فقلت: بلغني عنک حديث أنک تقول: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إن الله عزوجل يعطي عبده المؤمن الحسنة ألف ألف حسنة، قال أبوهريرة رضي الله تعالیٰ عنه: لا، بل سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: يقول إن الله عزوجل يعطيه ألفي ألف حسنة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه: ٣/٣٣٠، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، البقرة: ١/٧٥٧، رشيديه)

اور ہے یا نہیں؟

بعض غیر مسلم کہتے ہیں کلجگ (۱) کے بعد ستجگ (۲) ایک دور اور ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟ احادیث نبوی اور آسمانی صحیفہ کے استدلال پر جواب سے مطلع فرمائیں اگر چہ غیر مسلم حضرات کے کہنے پر یقین تو نہیں ہے، لیکن اتنی بات ہمیں درج کرنا ہی ضروری تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دنیا کے باقی رہنے یا ختم ہوجانے کے سلسلے میں چودھویں صدی کا تذکرہ کہیں کسی حدیث یا آیت میں نہیں دیکھا، قیامت کی جو نشانیاں بڑی بڑی احادیث میں مذکور ہیں، ان سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ چودھویں صدی پر دنیا ختم ہوجائے گی۔ حضرت مہدی علیہ السلام (۳)، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ونزول، مغرب سے طلوع شمس (۴) وغیرہ سب باقی ہیں۔ ۹/ سال میں یہ سب چیزیں پوری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۴/۹۱ھ۔

---

(۱) ''کل جگ: آخری زمانہ جس کے بعد قیامت آجائے گی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) ''ست جگ: ہندوؤں کے نزدیک دنیا کے چار قرنوں میں سے پہلا قرن جس میں سچائی ہی سچائی تھی، سچا زمانہ، دیوتاؤں کا زمانہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "لا تذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطئ اسمه اسمي". رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، الفصل الثاني: ۲/۲۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإذا رأيتموه فبايعوه ولوحبوا على الثلج، فإنه خليفة الله المهدي". (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب خروج المهدي، ص: ۵۹۵، دار السلام)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يخرج ناس من المشرق فيوطئون للمهدي". يعني: سلطانه". (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب خروج المهدي، ص: ۵۹۶، دار السلام)

(۴) "قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر ايات" فذكر الدخان، والدجال، والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عيسى ابن مريم عليه السلام......". (صحيح مسلم، كتاب الفتن، فصل في ظهور عشر آيات: ۲/۳۹۳، قديمي) .... =

کسی عضو کے چوتھائی کا حکم

سوال[۱۱۴۷۷]: گھٹنے کی چوتھائی کی پیائش کا حساب کیا ہے؟ آیا گھٹنے کے پورے ٹھیکرے سے لگے گا یا اوپر سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ کو گھٹنہ کہا جاتا ہے، اس کی چوتھائی مراد ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

اس امت میں مسخ کیوں نہیں؟

سوال[۱۱۴۷۸]: اگلی امتوں کی صورتیں ان کے اعمال بد کی وجہ سے بدل جاتی تھیں، لیکن موجودہ زمانے میں موجودہ لوگوں کی صورتیں اعمال بد کرنے پر بھی نہیں بدل رہی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کی خاطر اس امت کو مسخ عام سے محفوظ رکھا گیا ہے، مگر کچھ نہ کچھ اثر اس امت میں ہونے کی بھی حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۱ھ۔

= (ومشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب العلامات بين يدي الساعة، الفصل الأول: ٢/٢٩٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(١) "والركبتان: موصل مابين أسافل أطراف الفخذين، وأعالي الساقين وقيل: الركبة موصل الوظيف والذراع". (لسان العرب، المادة: ركب: ١/٤٣٣، دار صادر)

(وكذا في القاموس المحيط: ١/٦٧، دار الفكر بيروت)

(٢) قال الله تعالیٰ: ﴿وما أرسلناک إلا رحمة للعالمين﴾ (الأنبياء: ١٠٧)

"إن الرحمة في حق الكفار أمنهم ببعثه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الخسف، والمسخ، والقذف، والاستئصال". (روح المعاني، الأنبياء: ١٠٧: ١٧/١٣٨، رشيديه)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر، والحرير =

کچھ دھوپ، کچھ سایہ میں بیٹھنا

سوال[۱۱۴۷۹]: کچھ دھوپ اور کچھ سایہ میں بیٹھنے کی ممانعت، یہ ممانعت اندیشہ مضرت سے ہے، مضرت نہ ہو، تو مخالفت نہیں، اس پر مزید عرض ہے کہ مضرت سے کس قسم کی مضرت مراد ہے، جس کی کیفیت کے علم سے جواب کا نفع حاصل ہو سکے، بظاہر تو محسوس ہونے والی کوئی مضرت نظر نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طبی مضرت ہے، شراح حدیث نے ایسا ہی لکھا ہے، تفصیل مطلوب ہو، تو اطباء سے رجوع کریں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۲/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۲/۲۲ھ۔

درخت کے ملے جلے سایہ میں بیٹھنا

سوال[۱۱۴۸۰]: کچھ دھوپ اور کچھ سایہ میں بیٹھنے سے ممانعت جو حدیث شریف میں آئی

= ...... ويمسخ آخرين قردة، وخنازير إلى يوم القيامة". (صحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر: ۸۳۷/۲، قديمي)

(وكذا في تفسير البيضاوي: ۴۴/۳، رحيميه ديوبند)

(۱) "فليتحول إلى الظل ندباً وإرشاداً؛ لأن الجلوس بين الظل والشمس مضر بالبدن؛ إذ الإنسان إذا قعد ذلك المقعد فسد مزاجه لاختلاف حال البدن من المؤثرين المتضادين كما هو مبين في نظائره من كتب الطب ...... فإن قلت: هذا ينافيه خبر البيهقي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعداً في فناء الكعبة بعضه في الظل وبعضه في الشمس، قلت: محل النهي المداومة عليه، واتخاذه عادة بحيث يؤثر في البدن تأثيراً يتولد منه المحذور، أما وقوع ذلك مرة على سبيل الاتفاق فغير ضار". (فيض القدير، رقم الحديث: ۸۱۱: ۸۳۴/۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الجلوس والنوم والمشي، الفصل الثاني: ۴۹۰/۸، رشيديه)

(وكذا في عون المعبود، كتاب الأدب، باب في الجلوس بين الظل والشمس: ۱۴۱/۱۳، دارالفكر بيروت)

ہے(۱)، تو بعض مکانوں میں دھوپ اتنی کم آتی ہے کہ جاڑے کے موسم میں پورا بدن دھوپ میں نہیں آسکتا، نیز گرمی کے موسم میں درختوں کے سایہ میں دھوپ ملی جلی ہوتی ہے، تو بظاہر ضروری ہوا یہ مذکورہ مکانات کی دھوپ اور درختوں کے سایوں سے بچے، یہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ممانعت اندیشہ مضرت سے ہے، مضرت نہ ہو، تو ممانعت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند۔

کیا جس دن عید ہو، اس دن محرم ہے؟

سوال[۱۱۴۸۱]: لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جس دن عید ہوتی ہے، اسی دن محرم ہوتا ہے، کیا یہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا كان أحدكم في الفيء فقلص عنه الظل، فصار بعضه في الشمس وبعضه في الظل، فليقم". رواه أبو داود.

"في شرح السنة عنه، قال: "إذا كان أحدكم في الفيء فقلص عنه فليقم. فإنه مجلس الشيطان". هكذا رواه معمر موقوفاً. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الجلوس والنوم والمشي، الفصل الثاني: ۱۷۶/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الجلوس بين الظل والشمس: ۳۲۰/۲، رحمانيه)

(۲) "فليتحول إلى الظل ندباً وإرشاداً؛ لأن الجلوس بين الظل والشمس مضر بالبدن؛ إذ الإنسان إذا قعد ذلك المقعد فسد مزاجه لاختلاف حال البدن من المؤثرين المتضادين كما هو مبين في نظائره من كتب الطب ..... فإن قلت: هذا ينافيه خبر البيهقي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه. رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعداً في فناء الكعبة بعضه في الظل وبعضه في الشمس، قلت: محل النهي المداومة عليه، واتخاذه عادة بحيث يؤثر في البدن تأثيراً يتولد منه المحذور، أما وقوع ذلك مرة على سبيل الاتفاق فغير ضار". (فيض القدير، رقم الحديث: ۸۱۱: ۸۳۴/۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب الجلوس والنوم والمشي، الفصل الثاني: ۴۹۰/۸، رشيديه)

(وكذا في عون المعبود، كتاب الأدب، باب في الجلوس بين الظل والشمس: ۱۳/۱۲۴، دار الفكر بيروت)

ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات کہ جس دن عید ہو، اسی دن محرم ہو، شرعی دلیل سے ثابت نہیں، کچھ لوگوں کا تجربہ ہے، جو دائمی نہیں، اس کے خلاف بھی ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۵ھ۔

ایک گھنٹہ کا انصاف کتنی سال کی عبادت سے بہتر ہے؟

سوال [۱۱۴۸۲]: کیا ایک گھنٹہ کا انصاف کرنا سات سال کی عبادت سے بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک گھنٹہ کا انصاف کرنا، سات سال کی عبادت سے بہتر ہے، اس کا حوالہ مجھے یاد نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "والمنجمين ومن يستسقي بالأنواء وقد يعرف بطول التجارب أشياء من ذكورة الحمل وأنوثته إلى غير ذلك..... وقد تختلف التجربة وتنكسر العادة ويبقى العلم لله تعالى وحده". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، لقمان: ۳۴، ۱۴/۷۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال علي القاري في شرح الشفاء: الأولياء وإن كان قد ينكشف لهم بعض الأشياء، لكن علمهم لايكون يقينياً، وإلهامهم لايفيد إلا أمراً ظنيا، ومثل هذا عندي، بل هو دونه بمراحل علم النجومي ونحوه بواسطة أمارات عنده بنزول الغيث وذكورة الحمل وأنوثته أو نحو ذلك، ولا أرى كفر من يدعي مثل هذا العلم فإنه ظن عن أمر عادي". (روح المعاني، لقمان: ۳۴: ۲۱/۱۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال ابن العربي: وكذلك قول الطبيب: إذا كان الثدي الأيمن مسود الحلمة فهو ذكر، وإن كان في الثدي الأيسر فهو أنثى، وإن كانت المرأة تجد الجنب الأيمن أثقل فالولد أنثى، وادّعى ذلك عادة لا واجباً في الخلقة لم يكفر ولم يفسق". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الأنعام: ۵۹: ۷/۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) لم أجده

دانۂ گندم کی تشبیہ

سوال[۱۱۴۸۳]: عوام کے اندر مشہور ہے کہ گندم کی جو صورت و ہیئت ہے، وہ فرج عورت کے مشابہ ہے عذاب حوا علیہا السلام کی وجہ سے، جیسے: حیض آنا عورتوں کو عذاب حواء کی طرف اشارہ ہے، ناخن ہاتھ کے یہ جنت کی اشیاء میں سے ایک شئی ہے، کیا یہ باتیں درست ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بعض کتب میں بھی درج ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

دانت والے بچہ کی پیدائش

سوال[۱۱۴۸۴]: میرے بچی پیدا ہوئی ہے، مگر اس کے دانت ہیں، جس روز سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، ہر طرح کی مصیبت میں ہوں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نحس ہے، اس وجہ سے میں اس کا عقیقہ بھی نہیں کرسکا، اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی نحوست کی چیز نہیں، ایسا خیال ہرگز نہ کریں، عقیقہ کرنا مستحب ہے(۲)، اگر وسعت ہو تو عقیقہ کردیں، سلف میں بھی بعض دانت والے پیدا ہوئے ہیں، جیسے: ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) لم أجده

(۲) "نسب إلى أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا يقول بالعقيقة، والمرهم إليه عبارة محمد في موطئه، والحق أن مذهبنا استحبابها". (العرف الشذي، أبواب الأضاحي، باب العقيقة: ۲/۲۲۷، سعيد)

(وكذا في التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، كتاب الضحايا، باب العقيقة، ص: ۲۹۱، المصباح)

(وكذا في مشكل الآثار للطحاوي، باب بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في العقيقة: ۳/۸۱، مؤسسة الرسالة) ....=

جنون کی قسمیں اور اس کے تصرفات

سوال[۱۱۴۸۵]: ۱..... پاگل اور مجنون اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا کم فہم کا بھی وہی حکم ہے، جو پاگل ومجنون کا ہے یا اس کے متغائر؟

۳..... کسی انسان پر جن چیزوں کے پائے جانے کے بعد پاگل اور مجنون ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے، انہیں مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مجنون کی دوصورت ہیں، ایک مجنون جو اپنے مصالح ومضار میں بالکل تمیز نہ کرسکے اور جنون ہمہ وقت قائم رہے، اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔ دوسرا مجنون غیر مغلوب یعنی جس کو مصالح ومضار کی کچھ تمیز ہو، یا اس کا جنون کبھی رہتا ہو، کبھی زائل ہوجاتا ہو، اس کا حکم کم فہم جیسا ہے۔ جو جواب نمبر۲ میں مذکور ہے۔

"فلا یصح طلاق صبي، ومجنون مغلوب أي: لایفیق بحال. وأما الذي یجن ویفیق فحکمه کممیز" (نهایة).

"ولا إعتاقهما، ولا إقرارهما نظراً لهما" (الدر المختار مع هامش الشامي نعمانیه، ص: ۹۰(۱)).

= (۳) "سمعت أحمد بن حنبل یقول: ولد الضحاک بن مزاحم وله ثنیتان". (طبقات الحنابلة، الطبقة الأولی، سلیمان بن الأشعث: ۱/ ۱۶۰، السنة المحدية)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی ایک بچہ دانت والا پیدا ہوا تھا۔

"أن امرأة غاب عنها زوجها، ثم جاء وهي حامل، فرفعها إلی عمر، فأمر برجمها، فقال معاذ: إن یکن لک علیها سبیل، فلا سبیل لک علی ما في بطنها، فقال عمر رضي الله تعالیٰ عنهما: احبسوها حتی تضع، فوضعت غلاماً له ثنیتان، فلما رآه أبوه، قال: ابني، فبلغ ذلک عمر رضي الله تعالیٰ عنهما فقال: عجزت النساء أن یلدن مثل معاذ، لو لا معاذ هلک عمر". (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الحدود، باب من قال: إذا فجرت وهي حامل: ۱۴/ ۵۴۳، المجلس العلمی)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحجر: ۶/ ۱۴۴، سعید)

"(لایصح تصرف المجنون المغلوب بحال) یعني: لا یجوز تصرفه بحال، ولو أجازه الولي =

"واحترز به عن المجنون الذي يعقل البيع ويقصده، فإن تصرفاته كتصرفات الصبي العاقل على ما يجيء" (شامي نعماني، ص: ۹۰)(۱)۔

۲......کم فہم کا تصرف اگر نافع محض ہو تو نافذ ہوگا، اجازت ولی پر موقوف نہیں اور اگر ضار محض ہو تو نافذ نہ ہوگا، اگرچہ ولی اجازت دے دے اور جو تصرف دائر بین النفع والنقصان ہو، وہ اجازت ولی پر موقوف ہوگا۔

"وتصرف الصبي والمعتوه الذي يعقل البيع والشراء إن كان نافعاً محضاً كالإسلام صح بلا إذن، وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض لا، وإن أذن به وليهما، وما تردد من العقود بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الإذن حتى لو بلغ فأجازه نفذ" (الدر المختار مع الشامي: ۵/۱۰۸)(۲)۔

۳......انسان میں خداوند قدوس نے جو قوت ما قلہ ممیزہ ودیعت فرمائی ہے، جس سے وہ حسن وقبح، نفع وضرر میں تمیز کرتا ہے، انجام کار پر نظر رکھتا ہے، اس قوت میں خلل واقع ہو جانے کو جنون کہتے ہیں، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جنون کبھی تو پیدائشی ہوتا ہے، کبھی خلط اور مزاج میں بے اعتدالی پیدا ہو جانے سے ہو جاتا ہے اور کبھی شیطانی غلبہ یا دماغی صدمہ سے ہو جاتا ہے، جب وہ قوت ممیزہ اپنا کام نہ کر سکے اور اس کے آثار ظاہر نہ ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ جنون ظاہر ہو گیا، جنون کی ایک ہلکی اور کھلی علامت بلا وجہ ہنسنا اور رونا بھی ہے۔

"(قوله: والمجنون) قال في التلويح: الجنون اختلال القوة المميزة

= ...... وإن كان يجن تارة ويفيق أخرى فهو في حال إفاقته كالعاقل. والمعتوه كالصبي العاقل في تصرفاته". (البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر: ۸/۱۴۲، رشيديه)

(وكذا في درر الحكام في شرح غرر الأحكام، كتاب الحجر: ۲/۲۷۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب المأذون: ۶/۱۷۳، سعيد)

"(وتصرفهما إن نفع كالإسلام والاتهاب صح بدونه) أي: بدون الإذن (وإن ضر كالطلاق والعتاق لا وإن) وصلية (أذنا به وما نفع) تارة (وضر) أخرى (كالبيع والشراء صح به) أي: بالإذن".

(درر الحكام مع غرر الأحكام، كتاب المأذون: ۲/۲۸۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب المأذون: ۴/۹۷، دار المعرفة بيروت)

بين الأمور الحسنة والقبيحة المدركة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعطل أفعالها، إما لنقصان جبل عليه دماغه في أصل الخلقة، إما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة، وإما لاستيلاء الشيطان عليه، وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سبباً"(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نجد

سوال[۱۱۴۸۶]: نجد سے کیا مراد ہے؟ صوبہ نجد یا عراق کی بلند زمین؟ مدلل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

وہاں کے جغرافیہ والوں سے اس کی تحقیق کیجئے، یہ کوئی فقہی مسئلہ بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۱۴۰۰ھ۔

بادل اور رعد کس کا نام ہے؟

سوال[۱۱۴۸۷]: ۱..... بادل کیا چیز ہے؟ سمندر کی بھاپ ہے، کیا سمندر سے پانی پی کر برستا ہے یا آسمان سے پانی برستا ہے؟

۲..... رعد دوزخ کی آگ ہے یا حضرت علی کی تلوار جو بادل میں کڑکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... سمندر سے پانی پی کر بادل برستا ہے اور آسمان سے بھی بارش ہوتی ہے، اس بارش سے کھیتی وغیرہ

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران وحكمه: ۲۴۳/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع، باب خيار العيب: ۶۸/۶، رشيديه)

(وكذا في التلويح مع التوضيح، القسم الثاني من الكتاب في الحكم، فصل في الأمور المعترضة على الأهلية، منها الجنون: ۲/ ۴۰۷، نور محمد)

آتی ہے، مگر یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں، اس کی تحقیق سے کیا فائدہ۔

۲......رعد اس فرشتہ کا نام ہے، جو بادل پر مسلط ہے، بعض نے کہا اس فرشتہ کی آواز کا نام ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۴/۲۷ھ۔

مجنوں کس قبیلہ سے تھا، کیا لیلیٰ مجنوں کی شادی ہوگی؟

سوال[۱۱۴۸۸]: اقوال عام ہے کہ مجنوں لیلی کے عشق میں سرگرداں تھا، اس کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟ لوگ کہتے ہیں کہ بروزِ حشر ان کی شادی ہوگی، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بنو عذرہ سے تھا(۲)، بروزِ حشر لیلیٰ مجنوں کی شادی کے متعلق جو لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں، ان سے ہی دلیل پوچھیے، پھر ہم کو بھی مطلع کردیں تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۴/۸ھ۔

---

(۱) "واختلف العلماء في الرعد، ففي الترمذي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: سألت اليهود النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن الرعد ماهو؟ قال: ملك من الملائكة (مؤكل بالسحاب) معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شاء الله ... الخ ... وعلى هذا التفسير أكثر العلماء. فالرعد: اسم الصوت المسموع، وقاله علي رضي الله تعالى عنه وهو المعلوم في لغة العرب". (تفسير القرطبي: البقرة: ۱۹: ۱/۱۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وهي أن الرعد -كما ورد في الحديث وجرت به العادة- يسوق السحاب من مكان الأخر ..... وللناس في الرعد والبرق أقوال: والذي عوّل عليه أن الأول صوت زجر الملك المؤكل بالسحاب". (روح المعاني، البقرة: ۱۹: ۱/۱۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير المدارك، البقرة: ۱۹: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) کتب تاریخ وتراجم میں اکثر مؤرخین نے مجنوں کا قبیلہ "بنو عامر" بیان کیا ہے، نہ کہ بنو عذرہ۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات میں مذکور ہے۔ ....=

ایک رفاہی سوسائٹی کی شرائط

سوال[۱۱۴۸۹]: تمام مسلمین کی پریشانیاں دیکھتے ہوئے ہم نے ایک سوسائٹی قائم کی ہے، جس کا نام یوتھ مسلم ویلفیئر سوسائٹی ہے، جو کہ ہندوستان کے غریب طلباء، حاجت مند، اسلامی کام اور مسلمانوں کے فائدوں کے لئے قائم کی گئی ہے، سوسائٹی کے اس وقت تقریباً میرٹھ شہر میں ۱۰۰۰/ ممبران ہیں، سوسائٹی کا رجسٹریشن کرانے سے پہلے ہم آپ سے چند رائے کے منتظر ہیں، کیونکہ سوسائٹی پوری طرح سے اسلامی قوانین کے تحت چلائی جائے گی اور اس کے لئے ہم سب آپ کی ہدایات چاہتے ہیں، سوسائٹی کی چند مخصوص شرطیں ہم نے منعقد کی ہیں، جو اس طرح ہیں:

۱- سوسائٹی صرف عام مسلمین کی بھلائی کے بارے میں کام انجام دے گی۔

۲- سوسائٹی کا ممبر صرف ایک مسلم طالب علم ہی ہوسکتا ہے۔

۳- سوسائٹی کی ممبرشپ وہ شخص بھی پاسکتا ہے، جو اسلامی قانون کو تہ دل سے سرانجام دے سکے، چاہے وہ ان پڑھ انسان ہو۔

۴- سوسائٹی کا ممبر ہونے کے لئے کم سے کم ۱۸/ سال کی عمر پورا ہونا ضروری ہے۔

= "قيس المجنون: ومن به يقاس المجنون، هو قيس بن الملوح بن مزاحم، وقيل: قيس بن معاذ .... وهو مجنون ليلى بنت مهدي أم مالک العامرية، وهو من بني عامر بن صعصعة، وقيل: من بني كعب بن سعد". (تاريخ الإسلام للذهبي، الطبقة السابعة، ذكر أهل هذه الطبقة: ۴۵۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"قيس بن الملوح بن مزاحم العامري: شاعر غزل. من المتيمين من أهل نجد، لم يكن مجنونا وإنما لقب بذلک لهيامه في حب ليلى بنت سعد". (الأعلام للزركلي، حرف القاف، مجنون ليلى: ۲۰۸/۵، دار العلم للملايين بيروت)

"مجنون ليلى قيس بن الملوح بن مزاحم؛ اشتهر بعشق ليلى في الدنيا، وهو أحد بني كعب بن عامر بن صعصعة .... ". (شذرات الذهب، سنة سبعين ومائة: ۴۴۴/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"هو على ما يقوله من صحح نسبه وحديثه قيس، وقيل: مهدي، والصحيح أنه قيس بن الملوح بن مزاحم بن عدس بن ربيعة بن جعدة بن كعب بن ربيعة بن عامر بن صعصعة". (كتاب الأغاني، أخبار مجنون بني عامر بن صعصعة: ۳۲۹/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۵-سوسائٹی کی ممبر شپ لینے کے بعد کسی بھی حکومتی پالیسی کا استعمال اور دخل اندازی سوسائٹی میں نہیں کرے گا، چاہے وہ کسی بھی پارٹی کا ممبر کیوں نہ ہو۔

۶-سوسائٹی کے سارے کام اسلامی قانون کے تحت ہوں گے، جو ہر ایک ممبر کو ماننے ہوں گے۔

۷-سوسائٹی کے سکریٹریوں کی میٹنگ ماہ میں دو بار منعقد کی جائے گی۔

۸-ممبر کا کام نئے ممبر بنانا اور ایک مسلم کی پریشانی کو دور کرنا ہے۔

۹-سوسائٹی میں جماعت طلباء کا دوسرا مقام ہے، جو کہ مرکزی اداروں کے طلباء ہیں۔

۱۰-کوئی بھی ممبر سوسائٹی میں ہونے والی کمیوں اور سوسائٹی کی افضیلت کو بطور تحریر بیان سیدھا چیف کو پیش کر سکتا ہے، جس کو سوسائٹی عمل میں لانے کی پوری کوشش کرے گی۔

۱۱-ہر محلہ اور ہر گاؤں کا ایک جوائنٹ سکریٹری ہوگا، جس کے تحت سارے ممبران کام کریں گے۔

۱۲-ہر جوائنٹ سکریٹری کا فرض ہوگا کہ اپنے ممبروں کی پریشانیوں کو دور کرے اور ہر نئی تحقیق سوسائٹی کو دے۔

۱۳-ممبروں میں ہونے والے آپسی فساد کی رپورٹ دینا ہر ممبر کا فرض ہوگا، جس سے وہ جھگڑا اسلامی قانون کے مطابق سلجھایا جاسکے۔

۱۴-سوسائٹی کا ہر ممبر ایک روپیہ ماہوار چندہ جوائنٹ سکریٹری کو جمع کرائے گا۔

۱۵-ممبروں کے ذریعہ جمع تمام روپیہ شہر کے مختلف حصوں میں پڑھنے والے تمام غریب طلباء کی فیس میں اور شہر کے تمام غریب لوگوں میں جو حاجت مند ہوں گے، ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

۱۶-سوسائٹی کا پورا خرچ سوسائٹی کے چندہ سے پورا کیا جائے گا۔

۱۷-اگر سوسائٹی کا ممبر اپنے ذریعہ معاش کے لئے اپنا نجی کام کرنا چاہتا ہے تو سوسائٹی بطور قرض اس کے اس مقصد کے لئے روپیہ دے گی، جو اسے قسط وار چکانا پڑے گا۔

۱۸-تمام روپیہ شہر کچہری سے اسٹامپ کے ذریعہ معاہدہ کے مطابق ہی دیا جاسکتا ہے۔

۱۹-ماہوار روپیہ نہ دینے والے ممبر کو ممبر شپ سے الگ کر دیا جائے گا اور کوئی بھی سوسائٹی سے ہونے والے فائدہ سے محروم کر دیا جائے گا۔

۲۰-دوبارہ ممبر شپ بننے کے لئے اسے پچھلے ہر ماہ کا چندہ جمع کرنا پڑے گا۔

۲۱-کبھی بھی ضرورت کے وقت کسی بھی ممبر کو طلب کیا جا سکتا ہے۔جس پر اسے ضرور حاضر ہونا پڑے گا، حاضر نہ ہونے پر اسے سوسائٹی سے الگ سمجھا جائے گا، بشرطیکہ وہ شہر سے باہر نہ ہو۔

۲۲-سوسائٹی کے چیف تمام سکریٹریوں و جوائنٹ سکریٹری اور ممبروں کی میٹنگ ہر تیسرے ماہ کی آخری تاریخ میں ہوگی، جس میں ہر ممبر کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

۲۳-سوسائٹی کے ہر ممبر کو ایک شناختی کارڈ اور ایک بیج دیا جائے گا، جو اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا ہوگا، ضرورت پڑنے پر وہ طلب کیا جا سکتا ہے، جو اسے دکھانا ہوگا۔

۲۴-بیج یا سوسائٹی کی طاقت کا غلط استعمال کرنے والے کو سوسائٹی سے الگ کر دیا جائے گا اور چیف کے ذریعہ جو فیصلہ دیا جائے گا، وہ اسے ماننا پڑے گا۔

۲۵-آپس میں اتفاق و اتحاد اور محبت کے ساتھ سوسائٹی کو چلانا اور سوسائٹی کو زندہ رکھنا ہے، اس بات کا ہر ممبر کو خیال رکھنا پڑے گا۔

۲۶-سوسائٹی کی ایک کیبنٹ (۱) ہوگی، جو جوائنٹ سکریٹری کی شنوائی کرے گی۔اور سوسائٹی کا کوئی بھی کام بنا کیبنٹ کے پاس ہوئے رد سمجھا جائے گا۔

۲۷-کوئی بھی ممبر بنا مقصد بتائے سوسائٹی سے استعفا نہیں دے سکتا۔

۲۸-سوسائٹی پوری طرح دیوبند کے اسلامی قانون کے تحت چلے گی۔

۲۹-کسی بھی ممبر یا جوائنٹ سکریٹری و کیبنٹ سکریٹری کو بنا وجہ بتائے ہٹانے کا پورا حق سوسائٹی کے چیف کو ہوگا۔

ان ساری شرطوں میں کون شرط ٹھیک ہے، کون نہیں، اس بارے میں آپ سے گزارش ہے کہ آپ کو جو شرط صحیح معلوم ہو اور مقاصد کو پورا کرنے میں پورا کام کرتی ہو، یا جو شرط ہم نے صحیح نہ لکھی ہو، یا ہم کو نہیں پتہ، آپ اس بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ کی تحریر کردہ ۲۹ شرطیں جو کہ درحقیقت سوسائٹی کا کام چلانے کے لئے اصول کے درجہ میں مطالعہ

(۱) ''کیبنٹ: کابینہ''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۳۱، فیروز سنز لاہور)

کیں، ان میں نمبر ۲۰/ کے متعلق عرض ہے کہ پچھلے ہر ماہ کا چندہ جمع کرنا لازم قرار دیا گیا ہے، جو کہ نمبر ۲۰/ جرمانہ مالی کی ہے، اس لئے اس قید کو ختم کیا جائے (۱)۔ ۲۱/ میں صرف شہر سے باہر ہونے کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، حالانکہ عدم حاضری کا سبب بیماری وغیرہ بھی کوئی عذر ہوسکتا ہے، اس لئے بلا عذر کی قید لگادی جائے۔

نمبر ۲۴/ سزا کے ساتھ مطابق شرع کی قید لگادی جائے، نمبر ۲۹/ میں ممبر یا سیکرٹری کو ہٹانے کا پورا حق چیف کو دیا گیا ہے اور وہ بھی بناوجہ بتائے اس قدر وسیع اختیار نہیں دینا چاہیے، اگر قصور وار ہو تو اس پر اول فہمائش کی جائے پھر چیف مشورہ کرکے الگ کرے، اس لئے چند اہلِ مشورہ کو متعین کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ اخلاص سے، استقامت دے، خدمت اور کام کا رخ صحیح رکھے، ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

رات میں جھاڑو دینا، منہ سے چراغ گل کرنا، دوسرے کا کنگھا استعمال کرنا

سوال [۱۱۴۹۰]: اغلاط العوام، ص: ۱۸ پر ایک مسئلہ ہے، جس کا مضمون یہ ہے بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گل کرنے کو یا دوسرے کے کنگھا کرنے کو اگر چہ باجازت ہو، برا سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رات میں جھاڑو دی جائے تو درست ہے، لیکن احقر نے شیخ فریدالدین عطار کی جو کتاب ''پند نامہ'' ہے، اس کا مطالعہ کیا تو اس کے ص: ۴۳ پر یہ مصرع دیکھا:

شب مزن جاروب ہرگز خانہ در

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات میں جھاڑو نہ دینی چاہیے، چونکہ احقر کو ان دونوں کا علم نہیں ہے کہ منع کس حیثیت سے ہے اور اجازت کس حیثیت سے ہے، بایں وجہ ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا دفع تعارض کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''پند نامہ'' فقہ کی کتاب نہیں، نہ فقہی حیثیت سے اس میں ممانعت مذکور ہے، بلکہ بتانا یہ ہے کہ مکان

---

(۱) "لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي ...... والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۱۶۵/۳، رشیدیه)

صاف کرنے اور جھاڑو دینے کا وقت عرفاً دن ہے، رات نہیں، ہر کام اپنے وقت پر کرنا چاہیے، مگر یہ تعیین فقہی تعیین نہیں کہ اس کے خلاف کرنے سے آدمی گنہگار ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

آبِ زمزم گرم کر کے پینا

سوال[۱۱۴۹۱]: سردی کے موسم میں آبِ زمزم کو گرم کر کے پینا کیسا ہے؟ آیا آبِ زمزم شریف کو گرم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ماء زمزم لما شرب له"(۲).

---

(۱) بعض عوام عصر کے بعد جھاڑو دینے کو برا سمجھتے ہیں، یہ بھی محض بدشگونی ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ (اغلاط العوام، شگون (بدفالی) اور فال کی اغلاط ضمیمہ جدیدہ، ص:۴۸، زمزم)

سوال[٤٦٤]: پند نامہ میں جو شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مصرعہ تحریر فرمایا ہے:

ع- شب در آئینہ نظر کردن خطاست

یہ ممانعت شرعی ہے یا کسی مصلحت سے اور اگر مصلحت ہے تو کیا مصلحت ہے؟ اسی طرح رات کو جھاڑو دینا خواری کا باعث ہے اور دیواروں کا کپڑے سے صاف کرنا خواری لاتا ہے، یہ کس طرح ہے اور کس وجہ سے ہے اور ایک یہ بات مشہور ہے کہ رات کو چارپائی کی اودائن کھینچنا منحوس ہے، یہ کس طرح سے ہے؟

الجواب: ان امور کی شرع میں کچھ اصل نہیں، جو محض عوام میں مشہور ہیں، ان کی اصل ڈھونڈنے کی تو کوئی ضرورت نہیں، البتہ جو بزرگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے، تو از قبیل حکمت وطب ہے، ورنہ یہ کہا جاوے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن غالب تھا، اس لئے بعض روایات کو سن کر تنقید راوی کی نہ کی، اس کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا، پس وہ معذور ہیں اور قابل عمل نہیں۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحۃ، مسائل شتی، پند نامہ شیخ فرید الدین عطار میں جو رات کو آئینہ......:۴/۳۷۰، دار العلوم کراچی)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ماء زمزم لما شرب له، فإن شربته تستشفي به شفاك الله، وإن شربته مستعيذا عاذك الله، وإن شربته ليقطع ظمأك قطعه" قال: وكان ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه إذا شرب ماء زمزم قال: اللهم أسألك علما نافعاً، ورزقاً واسعاً، وشفاء من كل داء". (المستدرك للحاكم، أول كتاب المناسك: ۲/۳۴، قديمى) =

آب زمزم ٹھنڈا بھی نقصان نہیں دیتا، بلکہ جس مقصد کے لئے پیا جائے، اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا فرماتے ہیں، تاہم گرم کرنا بھی ممنوع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

کیا احکامِ شرع میں امیر وغریب کا فرق ہے؟

سوال[۱۱۴۹۲]: کیا اسلام میں امیر وغریب کا بھی کوئی فرق ہے؟ کہ اگر بڑا آدمی ہو تو چاہے جو کچھ کرے، اس کو معاف، مسئلہ چھوٹوں کے لئے ہے اور ان ہی کی پکڑ ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو احکام عام ہیں، ان میں امیر، غریب کا فرق نہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں، مثلاً: نماز(۱)، روزہ(۲) امیر وغریب سب پر فرض ہے، جو بھی ترک کرے گا، سخت گنہ گار ہوگا۔ شراب، زنا، جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ سب کے لئے حرام ہے، کسی کی خصوصیت نہیں، بعض احکام میں فرق ہے، مثلاً: زکوۃ(۳)، فطرہ(۴)، قربانی(۵)، حج(۶)، مالدار پر فرض وواجب ہے، غریب پر نہیں، زکوۃ غریب کو لینا جائز ہے، مالدار

= "جابر بن عبدالله رضي الله تعالیٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "ماء زمزم لما شرب له". (سنن ابن ماجة، أبواب المناسک، الشرب من زمزم، ص: ۲۱۹، ۲۲۰، قديمی)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا علي القاري، مبحث مهم في شرب زمزم، وحديث ماء زمزم لما شرب له، :ص ۳۲۸-۳۳۰، مصطفیٰ محمد)

(۱) "هي (الصلاة) فرض عين كل مكلف". (الدرالمختار). "المكلف هو المسلم، البالغ، العاقل، ولو أنثى أو عبداً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۲، سعيد)

(۲) "(هو إمساک عن المفطرات حقيقة أو حكماً في وقت مخصوص من شخص مخصوص) مسلم كائن في دارنا، أو عالم بالوجوب". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۷۱، سعيد)

(۳) "سبب افتراضها ملک نصاب حولي تام". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۸، سعيد)

(۴) "تجب موسعاً في العمر على كل مسلم ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية". (ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۳۶۰، سعيد)

(۵) "وشرائطها: الإسلام، والإقامة، واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر". (ردالمحتار، كتاب =

کو لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱/۲۷ھ۔

مغرب کی اذان کے وقت پانی پینا

سوال[۱۱۴۹۳]: ہماری مسجد کے امام صاحب کہتے ہیں کہ مغرب کی اذان کے وقت پانی وغیرہ نہ پینا چاہیے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ دوسرے لوگ بھی تائید کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس وقت پانی پینے کی ممانعت نہیں، اغلاط العوام (۲) میں بعض مسائل مشہور ہیں، یہ بھی ان میں سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۶ھ۔

حرام روزی یا حرام لقمہ کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی

سوال[۱۱۴۹۴]: حرام روزی کا لقمہ اگر پیٹ میں اتر جائے تو اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی

= الأضحية: ۲/۲۱۲، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (آل عمران: ۹۷)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين والمؤلفة قلوبهم والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل﴾ (التوبة: ۶۰)

"مصرف الزكاة والعشر ..... هو فقير ....." (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(۲) قال الشيخ التهانوي رحمه الله تعالى:

"مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا پینا برا ہے اور اس کی وجہ یہ تصنیف (گھڑی، بنائی) کی ہے کہ مرتے وقت یہی نظر آتا ہے اور شیطان پیشاب کا پیالہ پینے کے لئے لاتا ہے، سو اگر کھانے پینے کی عادت نہ ہوگی تو انکار کردے گا، شرع میں اس کی بھی کوئی اصل نہیں"۔ (اغلاط العوام، (مکمل) کھانے پینے کی اغلاط، ص: ۱۹۰، زمزم پبلشرز)

اور اس کی اولاد بھی حرام ہوگی، حرام روزی سے بنا ہوا بدن بھی دوزخ میں جائے گا۔ حوالہ حدیث سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام روزی کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی، اتنی بات صحیح ہے، مگر قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ عبادت مستحق انعام نہیں اور حق تعالیٰ اس سے راضی نہیں، یہ مطلب نہیں کہ فرض ادا نہیں ہوتا(۱)، یہ بات کہ اس کی اولاد بھی حرامی ہوگی، میرے علم میں نہیں، البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ جو گوشت حرام روزی سے بنے وہ جہنم کی آگ کا مستحق ہے(۲)، یہ حدیث شریف مشکوۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں تفصیل سے مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۷/ ۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: من اشترى ثوبا بعشرة دراهم، وفيه درهم حرام لم يقبل الله له صلاة مادام عليه، ثم أدخل إصبعيه في أذنيه وقال: صُمّتا إن لم يكن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سمعته يقوله، رواه أحمد". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ۱/ ۵۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"(لم يقبل الله له صلاة) أي: لا يثاب عليها، وإن كان مثابا بأهل الثواب، وأما أصل الصلاة فصحيحة بلا كلام، ذكره ابن ملك. وقال الطيبي رحمه الله تعالى: كان الظاهر أن يقال منه، لكن المعنى لم يكتب الله له صلاة مقبولة مع كونها مجزئة مسقطة للقضاء كالصلاة في الدار المغصوبة". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۶/ ۳۲، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لايدخل الجنة لحم نبت من السحت، وكل لحم نبت من السحت كانت النار أولى به" رواه أحمد والدارمي والبيهقي في شعب الإيمان". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۱/ ۵۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "(لايدخل الجنة) أي: دخولا أوليا مع الناجين، بل بعد عذاب بقدر أكله للحرام مالم يعف عنه، أولا يدخل منازلها العلية، أو المراد أن يدخلها أبداً إن اعتقد حل الحرام، وكان معلوماً من الدين بالضرورة، أو المراد به الزجر والتهديد والوعيد الشديد، ولذا لم يقيده بنوع من التقييد (كانت النار أولى به) =

چیتل کی کھال کا مصلیٰ

سوال[۱۱۴۹۵]: چیتل ایک جانور مثل گائے ہے۔اس کی کھال کی جانماز کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چیتل(۱) کی کھال پر بیٹھنا، کھانا کھانا، نماز پڑھنا سب درست ہے،(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أي: من الجنة لتطهره النار عن ذلک باحراقها إياه، وهذا على ظاهر الاستحقاق، أما إذا تاب، أو غفرله من غير توبة، وأرضى خصومه، أو نالته شفاعة شفيع فهو خارج من هذا الوعيد". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۲۳/۶، رشيديه)

(۱) "چیتل: ایک قسم کی نیل گاؤ"۔(فیروز اللغات،ص:۵۵۷،فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبراً لسرج". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۱/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۱۷۷/۴، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلک ومالا يكره: ۳۳۳/۶، رشيديه)

کتاب الفرائض

الفصل الأول في التركة وتصرف الميت فيها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

زندگی میں میراث تقسیم کرنا

سوال[۱۱۴۹۶]: زید اپنی زندگی میں اپنی میراث اپنی بیوی بچوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، مثلاً: سولہ آنے ہیں، اس کو ایک لڑکا ایک لڑکی ایک زوجہ میں کس طرح تقسیم کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ دو آنے بیوی کو دے دے(۱) اور سات آنے لڑکے کو، سات آنے لڑکی کو دے دے، جس طرح میراث میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہوتا ہے، اس طرح یہاں نہ کرے، بلکہ دونوں کو برابر دے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۹ھ۔

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتهم﴾ (النساء: ۱۲)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اعدلو بين أولادكم في العطية". (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، ص: ۴۱۸، دار السلام)

"وفي الخلاصة: "المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة". (البحر الرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۹۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشيديه)

4

زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنے کا حکم

سوال[۱۱۴۹۷]: زید کے پاس اس کے باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جوزمین ہے، اس کے تین حصے کررہے ہیں، ایک حصہ بڑے لڑکے بکر کودے رکھا ہے، جوعرصہ بیس سال ہوا الگ کھیتی کررہا ہے، ایک چھوٹے لڑکے عمرو کودے رکھا ہے اور اپنا حصہ چھوٹے لڑکے کے ساتھ شامل کرکے کاشت کررہا ہے، اب بڑا لڑکا اس بات پر بضد ہے کہ تمہارا جوتیسرا حصہ ہے اس کے نصف حصہ میں میں کاشت کروں گا یعنی جائیداد کے دو حصے کرکے دونوں بھائی کاشت کریں گے، باپ نے کہا جب تک میں زندہ ہوں، اپنے حصے پر قابض ہوں، بعد میرے مرنے کے دونوں تقسیم کریں، اس کا جواب جلد دیں اور فرمائیں کہ میری ناراضی میں میرا حصہ ان کو جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے لڑکے کوضد کرنے کا حق نہیں، آپ نے جو کچھ اپنی زندگی میں دےدیا وہ بھی آپ کا احسان ہے، بلاتکلف اپنا حصہ آپ چاہے جس لڑکے کے ساتھ رکھیں یا الگ رکھیں، کوئی اعتراض یا زبردستی نہیں کرسکتا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۹ھ۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کرتے وقت بیٹی کو محروم کرنا

سوال[۱۱۴۹۸]: ۳۷/بیگھہ زمین سسرال سے میرے حصے میں آئی اور ۱۹/بیگھہ میرے پاس موروثی ہے، موروثی زمین کا بیس گنا ادا کررہا ہوں اور ۲۵/سال سے برابر ادا کررہا ہوں، کل جگہ ۵۶/بیگھہ سے

---

(۱) "الملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۶۵۴/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

"لايمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۷، ۶۵۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

اپنے تینوں لڑکوں کو ۱۴،۱۴/۱۴ تقسیم کرکے دے دی ہے اور سب کے رہائشی مکانات الگ الگ بنوا دیئے ہیں، ایک لڑکی تھی، اس کی شادی کردی، وہ اپنے گھربار کی ہوگئی ہے، زمین سے کوئی حصہ نہیں دیا ہے اور میرے پاس ۱۴/ بیگھہ زمین ہر دوقسم کی زمینوں کو ملا کر باقی بچی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ۱۴/ بیگھہ زمین کو بیچ کر زیارت حج بیت اللہ کو جاؤں، تو کیا یہ حج میرے لئے جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج تو آپ کا ہو جائے گا، لیکن آپ نے لڑکی کو زمین نہیں دی، یہ اس کی حق تلفی ہوئی ہے، حالانکہ جتنی جتنی لڑکوں کو دی ہے، اتنی ہی لڑکی کو دینا چاہیے تھی، اپنی زندگی میں جب اولاد کو بطور عطیہ زمین وغیرہ دی جائے، تو سب کا حق برابر ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۵ھ۔

بعض اولاد کو کم اور بعض اولاد کو زیادہ دینے کا حکم

سوال[۱۱۴۹۹]: ا...... مجیب الرحمٰن کے دولڑکے ہیں، لشکرعلی، گوہر علی۔ لشکر علی کے چار لڑکے ہیں، امداد علی، سیارت علی، جہانگیر علی، منوری اور چار لڑکیاں، عزیزن، کلثوم، زینب اور مریم۔ اور گوہر علی کا صرف

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض ... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة مايعطي للابن، وعليه الفتوىٰ، هكذا في فتاوى قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس الخ: ۳۹۱/۴، رشيديه)

"وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوىٰ".

(الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۹۶/۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الهبة: ۳۹۹/۳، ۴۰۰، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده والهبة للصغير: ۲۷۹/۳، رشيديه)

ایک لڑکا سدھن علی ہے، ابھی سب لوگ زندہ ہی تھے کہ اچانک لشکر علی اور گوہر علی کا انتقال ہوگیا اور ساری چیزیں ابھی مجیب الرحمن کے قبضے میں تھی، زمین اور جائیداد کے مالک وہی تھے، تو اب لشکر علی اور گوہر علی کے لڑکے اور لڑکیوں کو دادا جان سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

۲..... مجیب الرحمن کے پوتوں میں سے ایک پوتے امداد علی بھی ہے جو کہ سب سے بڑے ہیں، جنہوں نے دادا سے چار بیگھہ زمین اپنے نام سے قبالہ(۱) کرالی ہیں، اب یہ معلوم نہیں کہ خوشی سے قبالہ کردیا یا بوڑھے سے زبردستی کرایا گیا، کیونکہ اب دونوں حضرات دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں اور بقیہ تمام زمین چاروں بھائیوں میں تقسیم ہوچکی ہے، تو اب تینوں بھائیوں اور چار بہنوں کا اس زمین میں جو اُن کے بڑے بھائی نے دادا سے قبالہ کرایا ہے، حصہ ہوگا یا نہیں؟ اور اگر ہوگا تو کتنا ہوگا؟

امداد علی کے لڑکے کہتے ہیں جب وہ چار بیگھہ زمین کا قبالہ ہمارے والد مرحوم کے نام سے ہے تو وہ زمین خاص طور سے ہماری ہوگئی اور چونکہ لشکر علی دادا صاحب (مجیب الرحمن) کی موجودگی میں انتقال کرچکے ہیں، اس لئے سارے پوتے پوتیاں محروم ہوجائیں گی اور جو زمین ہمارے والد صاحب نے اپنے دادا میاں سے قبالہ کرادیا ہے وہ ان کی زمین تھی، اب اس نے جس کے نام سے قبالہ کردیا، خاص طور سے وہ زمین اس کی ہوگئی۔ اور رقم تینوں بھائی اور چاروں بہنوں کی، اس میں کوئی حق نہیں جیسے کہ اگر دادا صاحب کسی سے اپنی زمین فروخت کردیتے تو وہ اسی کی ہوجاتی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ دادا صاحب کو بڑے پوتے سے زیادہ محبت تھی اس وجہ سے یہ چار بیگھہ زمین زیادہ دی ہے۔

اور ان تینوں بھائی بہنوں کا کہنا ہے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ تمہارے والد صاحب سب سے بڑے اور گھر کے مالک بھی تھے، انہوں نے دادا سے پھسلا کر قبالہ کرالیا، اس لئے ہم لوگوں کا بھی حصہ ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ جب دادا میاں کا انتقال ہورہا تھا، تب تمہارے والد صاحب نے ہم لوگوں کے لئے یہ بات نہیں کہی ہے (کہ) بھائی یہ چار بیگھہ زمین دادا صاحب نے الگ ہمارے نام سے قبالہ کردی ہے اور دادا صاحب کے مرنے کے کئی سال بعد تک ہم چاروں بھائی ساتھ ہی رہیں اور پھر اس کے بعد سب الگ الگ

(۱) "قبالہ: تمسک، بیع نامہ، کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، جائیداد، جاگیر یا مکان کا کاغذ یا سند"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۰۴، فیروز سنز لاہور)

ہوگئے تو اس وقت بھی ہم لوگوں سے یہ بات نہیں کہی، بلکہ دو چار بیگھہ زمین برابر برابر تقسیم کردی، لیکن (یہ تقسیم صرف) کاغذی طور پر ہے، کچھ قبالہ وغیرہ دیے، وہ اپنے وصال کے وقت کہہ گیا کہ اب یہ ۴۰ یا ۴۵ سال کے بعد تم کہتے رہو گے یہ چاروں بیگھہ زمین ہمارے باپ کے نام سے قبالہ ہیں، اس لئے ہم لوگوں کا ہے، اب یہ نہ ہوگا، کیونکہ تمہارے والد صاحب سے ہم لوگوں نے اس بات کا تذکرہ نہ کیا تھا اور فی الحال وہ زمین تینوں بھائیوں کے قبضہ میں ہے، لیکن سرکاری ٹیکس لگ رہا ہے، امداد علی کے لڑکے کو یا ان تینوں بھائیوں اور چاروں بہنوں کا بھی کچھ حصہ ہوگا؟ مدلل بیان کریں اور یہ بھی بیان فرمادیں کہ اگر مجیب الرحمٰن نے خوشی سے قبالہ کردیا ہے، تو کیا حکم ہے؟ اور اگر زبردستی کرایا گیا تو کیا حکم ہے؟

۳...... کسی شخص کے چار لڑکے ہیں اور ان کو کسی سے زیادہ محبت ہے اور کسی سے کم ہے اور اس طریقہ سے انہوں نے زمین وغیرہ، تقسیم کی کہ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم اور کسی کو کچھ نہیں، تو ایسا کرنا کسی باپ کو اپنے بیٹوں کے درمیان جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ بیٹے تو سب اسی کے ہیں۔

۴...... اگر کوئی لڑکا اپنے والد سے الگ ہوکر زمین وغیرہ کو طلب کررہا ہے تو اس کا طلب کرنا کیسا ہے؟ ان کے والد کو دینا ہوگا یا نہیں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی دادا اپنے پوتے سے اپنے لڑکے کے مرنے کے بعد کہے کہ "میں تم کو یہ زمین وغیرہ کچھ نہ دوں گا" کسی ناراضگی کی بناء پر، تو اس کے محروم کرنے کی وجہ سے پوتا محروم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مجیب الرحمٰن کے انتقال کے وقت کوئی لڑکا لڑکی موجود نہیں، صرف پوتے پوتیاں ہیں، تو یہ سب دادا کی میراث کے حق دار ہیں (۱)، دو برابر پوتے کو ایکہرا برابر پوتی کو ملے گا، سید حسن علی، لشکر علی کے لڑکوں کی طرح

---

(۱) "فالعصبة نوعان: نسبية وسببية، فالنسبية ثلاثة أنواع: عصبة بنفسه، وهو كل ذكر لايدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف: جزء الميت وأصله ... فأقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن وإن سفل ..... وعصبة بغيره وهي كل أنثى تصير عصبة بذكر يوازيها، وهي أربعة: البنت بالابن، وبنت الابن بابن الابن الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/ ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، باب العصبات: ۶/ ۷۷۳-۷۷۵، سعيد) =

برابر کے شریک ہیں (۱)۔

۲...اگر دادا نے اپنی تندرستی میں (مرض الوفات) سے پہلے ہوش وحواس قائم رہتے ہوئے چار بیگھہ زمین اپنے اس پوتے امداد علی کو ہبہ کر دی زبانی یا تحریری اور اپنا قبضہ اٹھا کر پوتے کا اس پر قبضہ کرا دیا تو وہ زمین اس پوتے کے ملک ہوگی (۲)، دادا کی میراث قرار دے کر دوسرے پوتے اس میں حصہ دار نہیں ہوں گے، اگر ہبہ کا ثبوت ہو تو اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، دوسرے پوتوں کا مطالبہ قابل تسلیم نہیں (۳)، اگر ہبہ نہیں کیا، نہ زبانی نہ تحریری (۴) یا ہبہ تو کیا ہے لیکن مرض الوفات میں ہوش وحواس بجا نہ رہنے کی حالت میں کیا ہے (۵)۔ یا ہبہ

= (وكذا في السراجي، باب العصبات، ص: ۲۰، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وإن كانوا إخوة رجالاً ونساء فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۷۶)

"إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون لابن مثل حظ الأنثيين". (تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/ ۴۸۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض: ۶/ ۴۴۸، رشيديه)

(۲) "ولا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة، ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني: ۴/ ۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۹۰، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الهبة: ۳/ ۲۸۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرة: ۱۸۸)

"لايجوز لأحد أن يأخذ أحد مال أحد بلاسبب شرعي أي: لايحل في كل الأحوال عمداً أو خطاء ... أن يأخذ أحد مال أحد بوجه لم يشرعه الله تعالى ولم يبحه: لأن حقوق العباد محترمة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/ ۲۶۴، رشيديه)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(۴) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۵) "إن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته، لا تجوز، إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت —

کر کے اس پر قبضہ نہیں کرایا (۱)، تو ان سب صورتوں میں وہ دادا کا ترکہ ہے، دیگر متروکہ جائیداد کی طرح اس کی تقسیم ہوگی۔

۳......اولاد ہونے میں سب برابر ہیں، لیکن محبت میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے، کسی کے اخلاق اعمال اچھے ہوتے ہیں، کسی کے نہیں ہوتے اور بھی اسباب تفاوت محبت کے ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے اگر کسی کو کچھ دے دے تو اس پر پکڑ نہیں، ہاں! کسی کو نقصان پہونچانے کا مقصد نہیں ہونا چاہیے، ورنہ گناہ ہوگا (۲)، اولاد

= الواهب؛ لأن هبته وإن كان هبة حقيقة، لكن لها حكم الوصية". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الهبة، الفصل الثاني: ۳/۴۰۳، حقانيه پشاور)

(۱) "لاتجوز هبة المريض ولا صدقته إلا مقبوضة فإذا قبضت، فجازت من الثلث، وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض: ۴/۴۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض: ۶/۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة: ۵/۷۰۰، سعيد)

"لايتم حكم الهبة إلا مقبوضة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني: ۴/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الهبة: ۳/۲۸۱، شركت علميه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية". (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، ص: ۴۱۸، دارالسلام)

"وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كانا سواء يكره. وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة مثل مايعطي للابن، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشيديه)

"لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده يسوي بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى". (الدرالمختار، =

ہونے میں برابری کی وجہ سے میراث میں تفاوت نہیں ہوگا، سب لڑکے برابر کے حق دار ہوں گے۔

۴.....کوئی لڑکا اپنے والد سے کچھ مانگے اور اپنی ضرورت ظاہر کریں تو شرعاً مضائقہ نہیں، اللہ پاک وسعت دے تو والد کی خدمت بھی کرے اور ان سے کچھ نہ مانگے، لیکن بطور میراث زندگی میں مانگنے کا حق نہیں (۱)۔ والد صاحب دیکھے کہ فلاں لڑکے کو حاجت زیادہ ہے، حسب وسعت اس کی ضرورت پورا کرنے میں والد کو بھی اجر ملے گا، والد کا یہ کہنا کہ میرے انتقال کے بعد میرے فلاں لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے اور میری جائیداد سے اس کو محروم کر دیا جائے، بے کار ہے، شرعاً کچھ بھی معتبر نہیں، میراث بہر حال ملے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ماں کا مرض وفات میں بیٹی کو چوڑیاں دینا

سوال[۱۱۵۰۰]: ایک عورت اپنی بیماری میں بے ہوش وحواس اپنی سونے کی چوڑیاں اپنی لڑکی کو

= كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الجنس الثالث: ۶/۲۳۷، رشيديه)

(۱) "وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أوحكماً، ووجود وارثه عند موته ...... والعلم بجهة إرثه".

(ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۸، سعيد)

"قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: وهل إرث الحي من الحي أم من الميت؟ المعتمد الثاني".

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أي قبيل الموت في اخر جزء من أجزاء حياته ......؛ لأن التركة في الاصطلاح ماتركه الميت من الأمول صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۸، ۷۵۹، سعيد)

"أما بيان الوقت الذي يجري فيه الإرث ...... قال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث". (البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

(۲) "الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوى: ۱/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

دے دیتی ہے، اپنے شوہر اور اپنے بڑے لڑکے کی موجودگی میں عورت کی اس بات پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، عورت کا اسی بیماری میں انتقال ہو جاتا ہے، عورت کے سونے کے بٹن والد کے پاس رکھے ہوئے ہیں، عورت کے انتقال کے بعد باپ سونے کے بٹن اپنی مرضی سے بیٹی کو دے کر یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ چوڑیاں جو ماں کی تمہارے پاس ہیں، اس میں یہ بٹن اور کچھ سونا اپنے پاس سے ڈلوا کر تم اپنی چوڑیاں بنوالو، باپ چوڑیاں، بٹن اور بیٹی کا کچھ سونا لے کر بیٹی کو نئی چوڑیاں بنوا کر دے دیتا ہے، اب ماں کے انتقال کو عرصہ ساڑھے پانچ سال ہوا تو وہی باپ لڑکی سے یہ کہتا ہے کہ چوڑیاں میرے حوالہ کی جائیں، باپ کا یہ سوال جائز ہے یا ناجائز؟ حکم شرع سے خبردار کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں نے بیماری کی حالت میں سونے کی چوڑیاں اپنی بیٹی کو دی ہیں، پھر ماں کا اس بیماری میں انتقال ہوگیا تو یہ بحکم وصیت ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تمام ورثاء بالغ ہیں اور وہ اس پر رضامند ہیں، تو بیٹی ان چوڑیوں کی مالک ہوگئی اور ان چوڑیوں میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)، ماں کے سونے کے بٹن جو والد کے پاس رکھے ہوئے تھے، وہ ترکہ میں داخل ہیں، ان میں جملہ ورثاء کا حصہ ہے (۲)، اگر تقسیم سے وہ بٹن والد کے

---

(۱) "حاصل هذه المادة: أن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته لاتجوز إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كانت هبة حقيقة، لكن لها حكمُ حكم الوصية من حيث تعلق حق الوارث بها، كما في البزازية". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الهبة، الفصل الثاني، المادة: ۸۷۹: ۳/۴۰۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع في هبة المريض وغيره: ۶/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب العاشر: ۴/۴۰۰، رشيديه)

(۲) "أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم". (شرح المجلة، لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، المادة: ۱۰۹۲: ۴/۳۱، رشيديه)

"لاشک أن أعيان الأموال يجري فيها الإرث". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الفرائض: ۲/۲۹۷، إدارة القرآن كراچي)

حصہ میں آئے یا دیگر ورثاء نے وہ والد کو دے دیئے تو وہ والد کی ملک ہوگئے، بشرطیکہ سب ورثاء بالغ ہوں (۱)، پھر والد نے جب وہ اپنی بیٹی کو دے دیئے تو وہ بیٹی کی ملک ہوگئے، اب والد کو بیٹی سے جبراً واپس لینے کا حق نہیں رہا، خاص کر جب کہ وہ بٹن اپنی اصلی حالت میں نہیں رہے، بلکہ ان کا سونا چوڑیوں میں شامل کرلیا گیا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ مہدی حسن غفرلہ، ۸۶/۳/۱۱ھ۔

مالِ یتیم میں تجارت کرنا

سوال [۱۱۵۰۱]: والد کے انتقال کے بعد والدہ دوسرا نکاح کرلیتی ہے تو اس صورت میں مال یتیم بچوں کو ملنا چاہیے یا ان بچوں کی والدہ کو؟ مالِ یتیم سے کوئی دوسرا پیشہ مثلاً: تجارت وغیرہ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مالِ یتیم کے منافع بچوں کو ملنا چاہیے یا تجارت کرنے والے کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مال بچوں کے والد کا تھا، انتقالِ والد کے بعد آٹھواں حصہ اس میں سے بچوں کی والدہ کا

(۱) "وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك، فلا تصح هبة صغير ورقيق".
(الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الهبة، المادة: ۸۵۹: ۳/۳۷۵، رشيديه)

(۲) منع الرجوع من المواهب سبعة فزيادة موصولة موت عوض
وخروجها عن ملك موهوب له زوجية قرب هلاك قد عرض

(ردالمحتار، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة: ۵/۶۹۹، سعيد)

"من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه ... شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الهبة، المادة: ۸۶۶: ۳/۳۸۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الخامس: ۴/۳۸۶، ۳۸۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع: ۳/۵۰۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

ہے(۱)، اس کو اختیار ہے، اپنا حصہ جو چاہے کرے، بعد جو حصہ بچوں کا ہے، نیز جو مال براہِ راست یتیموں کی ملک ہے، خواہ ان کو والد نے اپنی حیات میں دیا ہو یا کسی اور طرح ان کو ملا ہو، اس میں والدہ کو مالکانہ تصرف کا حق نہیں (۲)، اس کو محفوظ رکھا جائے، اس میں تجارت بھی نہ کی جائے، مبادا خسارہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

یتیم بچوں کی رقم محفوظ رہے یا ان پر خرچ ہو؟

سوال[۱۱۵۰۲]: یتیم بچوں کی کچھ رقم بچوں کے تایا کی طرف ہے، یتیم بچوں کی پرورش ان کا دادا کر رہا ہے، سرپرست دادا بچوں کے تایا سے وہ رقم لینا چاہتا ہے اور تایا صاحب انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بچے سمجھ دار ہو جائیں گے، اس وقت بچوں کو وہ رقم ادا کروں گا، بچوں کا سرپرست بچوں کی رقم میں سے جو اُن پر خرچ کر رہا ہے، اس میں سے کاٹ سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم﴾ (النساء: ۱۲)

"وللزوجة الربع عند عدمهما، والثمن مع أحدهما". (الفتاوی العالمكیریة، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الذین یأكلون أموال الیتمیٰ ظلماً إنما یأكلون فی بطونهم ناراً وسیصلون سعیراً﴾ (النساء: ۱۰)

"والولایة في مال الصغیر إلی الأب، ثم وصیه، ثم وصي وصیه، ثم إلی أبي الأب، ثم إلی وصیه، ثم إلی القاضي، ثم إلی من نصبه القاضي". (الدرالمختار، كتاب الوكالة، قبیل باب الوكالة بالخصومة والقبض: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، سعید)

"لایجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدرالمختار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبیع والشراء: ۷/۳۰۱، رشیدیه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ان کی ملک میں رقم ہے تو ان کے ضروری مصارف اس رقم سے پورے کئے جاسکتے ہیں، تایا کو انکار کا حق نہیں۔

"الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله"(١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

بیوہ کا تمام ترکۂ زوج پر قبضہ کرنے کا حکم

سوال[۱۱۵۰۳]: مرحوم مہندی اور متین نے ایک قطعہ اراضی والدہ کے ترکہ میں پائی تھی، مہندی کے انتقال پر ان کی بیوہ ان کے حصہ کی حق دار ہوئیں، خودکفیلی کے باعث انہوں نے اس کو مدرسہ میں وقف کردیا، مہندی کے انتقال کے بعد متین ہی دونوں حصوں پر قابض رہے، مفلسی کے باعث ضرورۃً مرحوم متین نے دونوں حصوں کو اپنے رشتہ کے بھائی نظر حمید صاحب کو مبلغ پانچ سو روپے میں اس شرط پر دے دی کہ جب روپیہ دیں گے تو زمین واپس لے لیں گے، تقریباً دس سال سے نظر حمید صاحب دونوں حصوں پر کاشت کرتے ہیں اور پیدا شدہ غلہ خود ہی لے لیتے ہیں۔

لیکن لگان تینوں کو ہی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کو وہ غریبی کی وجہ سے ادا نہیں کر پاتے تھے، جب متین نے زمین کو فروخت کرکے قرض اور لگان بقایا کی ادائیگی چاہی، تو نظر حمید نے یہ کہا کہ "میں نے اسے خرید لیا تھا" لیکن وہ بات ثبوت میں نہ آنے پر وہ اپنے پانچ سو روپیہ لے کر زمین چھوڑنے پر تیار ہوگئے، اب مدرسہ نے جس میں بیوہ کی زمین وقف تھی، اس میں متین کا حصہ مبلغ آٹھ سو روپیہ میں خرید لیا اور بقایا لگان کی ادائیگی جو مدرسہ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ رجسٹری کے موقع پر قیمت ادا کرنے کو کہا اور متین نے اس کو بخوشی منظور کرتے ہوئے بغیر

(١) "الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في الجوهرة النيرة، كتاب النفقات: ۲/۱۱۵، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقات: ۳/۶۱۲، سعيد)

کسی جبر واکراہ کے اپنا حصہ بدست ورکنگ کمیٹی ممبروں کے روبرو فروخت کردیا اور نظر حمید صاحب بھی بغیر کسی اعتراض کے اپنے پانچ سو روپے لینے پر تیار ہوگئے۔

لیکن بارش اور تعمیر مدرسہ کی وجہ سے رجسٹری کرنے میں پندرہ بیس یوم کی تاخیر ہوگئی اور متین صاحب اچانک انتقال کرگئے، اب مرحوم کے ورثہ میں تین لڑکے، ان کی بیوہ اور دو شادی شدہ لڑکیاں ہیں، ان میں سے دو لڑکے بالغ اور ایک نابالغ ہے، جس کی عمر تقریباً تیرہ چودہ سال ہوگی، موجود ہیں۔ یہ سبھی حضرات مرحوم کی فروخت کردہ اراضی کو مدرسہ کے بدست فروخت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں فقیہان کیا فرماتے ہیں، اگر یہ زمین قیمت کی ادائیگی میں مدرسہ کی ملکیت ہونے میں کوئی شرعی عذر نہ رکھتی ہو، تو قیمت کی ادائیگی کے بعد قانونی ضابطے میں لائی جائے اور قبضہ کیا جائے؟

الراقم ڈاکٹر حشمت علی صدر مدرسہ فیضان العلوم، سجاد گنج ضلع بارہ بنکی یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہندی کے ترکہ سے بیوہ حق شوہر کی مستحق تھی، کل ترکہ کی مستحق نہیں تھی (۱)، اپنے حصہ مملوکہ کو وقف کرنے کا بھی اس کو حق تھا (۲)، پھر متین نے اگر کل زمین پر قبضہ کیا تو یہ بھی غلط ہوا (۳)، اس کے حصہ کل زمین

(۱) سوال وجواب میں اس بات کا ذکر نہیں کہ مہندی کی اولاد ہے یا نہیں، بہرحال اولاد ہونے کی صورت میں بیوی ثمن اور نہ ہونے کی صورتمیں ربع کی حق دار ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (النساء: ۱۲)

"وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۳، رشيديه)

(۲) "الملك مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال ... الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

"ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء". (شرح المجلة، كتاب الشركة، الفصل الثامن: ۱/۶۴۳، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دار الكتب العلمية بيروت) .... =

کو بیع بالوفاء کردیا تو یہ بھی غلط ہوا(۱)، اس کی جو صورت اختیار کی گئی، وہ بھی غلط ہے اور اتنی مدت تک نظر حمید نے اس زمین کی پیداوار اپنے استعمال میں رکھی، یہ بھی غلط ہے(۲)، پھر متین نے اگر مدرسہ کے ہاتھ اس زمین کو فروخت کردیا یعنی ایجاب وقبول کرلیا، لیکن قانونی حیثیت سے اس کی تحریر مکمل نہیں ہوئی کہ متین کا انتقال ہوگیا تو اس کی وجہ سے وہ بیع فسخ نہیں ہوگی (۳)۔

اگر بیع کا ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا، صرف وعدہ اور ارادہ تھا کہ متین کا انتقال ہوگیا اور تو وہ زمین ورثہ کی ملک ہے، اگر بالغ ورثاء اس کی بیع کرنا چاہتے ہیں اور نابالغ کے حق میں بھی مناسب یہی ہے کہ بیع کردی جائے،

= (۳) "لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/ ۲۶۴، رشیدیه)

(وکذا في ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/ ۶۱، ۶۲، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۲/ ۱۶۷، رشیدیه)

(۱) "وفي حاشیة الفصولین: هو أن یقول بعت منک علی أن تبیعه مني متی جئت بالثمن، فهذا بیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، وهو الصحیح". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بیع الوفاء: ۵/ ۲۷۶، سعید)

(وکذا في حاشیة الفصولین، الفصل الثامن عشر: ۱/ ۲۳۴، اسلامی کتب خانه)

(وکذا في المحیط البرهاني، کتاب البیع، الفصل العشرون: ۸/ ۳۶۰، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "لایحل له أن ینتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه یستوفي دینه کاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الرهن: ۶/ ۴۸۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۴/ ۲۷۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب الرهن: ۸/ ۴۳۸، رشیدیه)

(۳) "قال البیع ینعقد بالإیجاب والقبول ... وإذا حصل الإیجاب والقبول لزم البیع، ولا خیار لواحد منهما". (الهدایة، کتاب البیوع: ۳/ ۱۸-۲۰، شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول: ۳/ ۲، ۳، رشیدیه)

(وکذا في البحرالرائق، کتاب البیوع: ۵/ ۴۲۹، رشیدیه)

تو بیع کرنا اور مدرسہ کو اس کا خریدنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خدمت گار لڑکی کو اپنی پوری جائیداد دے کر دوسروں کو محروم کرنا

سوال[۱۱۵۰۴]: خلیق میاں کی پہلی بیوی سے تین لڑکیاں تھیں، اس بیوی کے مرنے کے بعد دوسری عورت سے شادی کی، اس دوسری بیوی سے ایک لڑکی ہوئی، پھر تیسری شادی کی، لیکن اس سے ایک بھی اولاد نہیں ہے اور تیسری بیوی ابھی تک زندہ ہے، خلیق میاں اور اس کی بیوی کافی ضعیف ہو چکے ہیں اور چاروں لڑکیاں اپنے سسرال میں رہتی ہیں، خلیق میاں نے اپنی چاروں لڑکیوں کو اپنی خدمت کے لئے بلایا، تو تین لڑکیوں نے انکار کر دیا اور صرف ایک لڑکی خدمت کے لئے تیار ہوگئی، اب اگر خلیق میاں اپنی پوری جائیداد اس لڑکی کو دے دے، جو خدمت کے لئے تیار ہے، تو کیا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں کسی قسم کی شرعی خرابی تو نہیں ہے؟ نیز خلیق کے مرنے کے بعد ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکیاں سب ترکہ میں برابر کی شریک ہوں گی (۲)، جس نے خدمت کی ہے، اس کو سعادت حاصل ہوئی، جنہوں نے بلا مجبوری کے انکار کیا، وہ اس سعادت سے محروم ہیں (۳)، لیکن میراث سے محروم نہیں ہوں

---

(۱) "قال العلامة القرطبي رحمه الله تعالىٰ تحت "ويسئلونك عن اليتمىٰ قل إصلاح لهم خير": لما أذن الله جل وعز في مخالطة الأيتام مع قصد الاصطلاح بالنظر إليهم، وفيهم كان ذلك دليلاً على جواز التصرف في مال اليتيم ..... وكل ما فعله على وجه النظر فهو جائز، وما فعله على وجه المحاباة وسوء النظر فلا يجوز". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۲۲۰: ۳/۴۶، دار إحيا التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، البقره: ۲۲۰: ۱/۱۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما النساء: فالأولىٰ البنت، ولها النصف إذا انفردت، ولبنتين فصاعداً الثلثان، كذا في الاختيار شرح المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۴۸، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۸، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحساناً إما يبلغن عندك الكبر أحدهما =

گی (۱)، اگر اس رنج کی وجہ سے باپ نے ساری جائیداد اس خدمت گزار لڑکی کو دی اور بقیہ کو محروم کردیا تو باپ کو گناہ ہوگا (۲)، ایسا نہیں کرنا چاہیے، تقسیم ترکہ کا سوال مرنے کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۳/۲۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أو كلهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً﴾ (الإسراء: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفاً﴾ (لقمان: ۱۵)

"عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فأضع ذلك الباب أوا حفظه.

وعن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله! ما حق الوالدين على ولدهما؟ قال: "هما جنتك ونارك". (سنن ابن ماجة، كتاب الأداب، باب بر الوالدين: ۲/۲۶۰، قديمي)

"وعن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد". (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني: ۲/۴۱۹، قديمي)

(۱) "الإرث جبري لايسقط بالإسقاط". (تكملة ردالمحتار، كتاب الدعوىٰ: ۱/۵۰۵، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثماً فيما صنع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير: ۶/۲۳۷، رشيديه)

الفصل الثاني في مايتعلق بدين الميت وأمانته

(میت کے قرض اورامانت کا بیان)

قرض کی ادائیگی اور تقسیمِ میراث کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۰۵]: احقر کی ایک ہمشیرہ کا انتقال والد صاحب کی زندگی میں آپریشن کے ذریعہ ایک بچہ ریحانہ تولد ہوکر انتقال ہوا تھا، ان ہمشیرہ کی شادی میں والد صاحب نے ایک مکان جہیز میں دیا تھا، بچی ریحانہ کی پرورش والدہ ہی نے کی ہے اور اب بالغ ہوچکی ہے، جہیز میں دیئے ہوئے مکان کو والد صاحب نے اپنی زندگی میں ضرورتاً پندرہ سوروپوں میں فروخت کرکے اس رقم کو خرچ کرلئے تھے، بعدازاں والد نے ایک اور مکان فروخت کرکے ریحانہ کی رقم پندرہ سو کے بجائے پچیس سوروپے علیحدہ کرکے محفوظ کردیئے تھے، لیکن بعد میں ان روپیوں سے ایک انجن اور پمپ خرید کر زراعت کے لئے بورنگ پر نصب کرادیئے اور زبانی وتحریری یہ ہدایت کئے ہیں کہ پچیس سوروپے ریحانہ کی شادی کے وقت ادا کریں، علاوہ ازیں کچھ سرکاری رقم تقریباً پانچ صد روپے بضمن شادی وغیرہ ادا کرتے ہیں۔

اب ہم بھائیوں نے یہ طے کیا کہ ایک زمین جو آٹھ ایکڑ ہے، قرض کی ادائیگی کے لئے علیحدہ کردیں، یعنی لڑکی کی شادی کے وقت ڈھائی ہزار روپے اس کو دیں گے، اس کو چھوڑ کر باقی زمین کو سات حصوں میں منقسم سمجھا گیا، یعنی ہم پانچ بھائیوں کے پانچ حصے اور والدہ کا ایک حصہ اور باقی ایک حصہ میں دو بہنوں کا آدھا آدھا حصہ، لیکن عملاً اس پوری زمین کے ٹکڑے نہیں کئے گئے اور فی الحال زمین کو آمدنی کے لئے چھوڑ کر ان ہی کو اس کے انتظام ونگرانی کا ذمہ دار قرار دیا، لیکن والدہ چاہتی تھیں کہ آمدنی انہیں دی جائے اور خرچ سب مل کر تقسیم کرلیں، لیکن اس کو قبول نہیں کیا گیا، احقر کی رائے ہے کہ اس سالم زمین کو فروخت کرکے اس کی رقم سے حیدرآباد میں ایک مکان خریدلیں اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے اپنا خرچ پورا کریں۔

اب حضرات والا سے حسب ذیل امور میں رہبری چاہتا ہوں:

۱.....حضرت والد صاحب مرحوم کے قرض کی ادائیگی کے لئے صرف زمین کا فی الحال علیحدہ کر دینا کافی ہے یا اس کو فروخت کر کے فی الفور نقد رقم سے قرض ادا کر دینا ضروری ہے؟

۲.....ہماری اس طرح کی تقسیم شرع کے موافق ہے یا نہیں؟ یعنی اس طرح جائیداد کے سات حصے کر کے پانچ مرد لڑکوں کو، دو لڑکیوں کو ایک حصہ، والدہ کو ایک حصہ۔

۳.....زمین کی اس طرح کی تقسیم کہ ایک ہی جگہ رکھ کر ہر ایک کو اس کے حصہ کے موافق حق دار قرار دینا مناسب ہے یا نہیں؟

۴.....زمین کی آمدنی وخرچ کا ذمہ دار والدہ کو قرار دینا، جب کہ وہ اس سے متفق نہ ہو رہی ہوں۔

۵.....والدہ کو اس طرح کا مشورہ دینا کہ وہ مہر میں آئی ہوئی زمین کا جملہ حصہ فروخت کر کے اس کی نقد رقم سے شہر میں گھر خرید یں اور اس کے کرایہ سے اپنی ضروریات پوری کریں، مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....جس کا قرض ہے، اس سے معاملہ کر لیا جائے، وہ اگر رضامند ہو کہ زمین لے لے تو زمین دے دی جائے، اگر وہ نقد کا طالب ہو، تو زمین فروخت کر کے اس کی قیمت دے کر قرض ادا کر دیا جائے (۱)۔

۲.....آپ کی والدہ کا اس میں حصہ ۸/۱ ہے (۲)، جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اگر تمام بھائی بہن بخوشی والدہ کو زائد دینا چاہیں، تو اختیار ہے (۳)۔

---

(۱) حقوق واجبہ بالذمۃ کا اس کے مالک تک پہنچا دینا ضروری ہے۔

"الأصل: أن الحقوق إذا تعلقت بالذمة وجب استيفائها". (قواعد الفقه، أصول الكرخي، ص: ۳۲، الصدف پبلشرز)

"الأصل براءة الذمة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۸: ۱/۲۵، رشيديه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۵۸، الصدف پبلشرز)

(۲) "فللزوجات حالتان الربع بلا ولد، والثمن مع الولد". (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۷۰، سعيد)

قال الله تعالى: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن﴾ (النساء: ۱۲)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشيديه)

(۳) "والملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في =

۳.....سب رضامند ہوں تو زمین کو ایک جگہ رکھ کر سب کو حق دار قرار دینا بھی درست ہے، تقسیم کر کے الگ کرنا ضروری نہیں (۱)۔

۴..... جب انتظام ان کے قابو کا نہیں، تو ان پر کیوں بار ڈالا جائے۔

۵.....مشورۂ خیر دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر ان کو مجبور نہ کیا جائے، ان کا دل چاہے مشورہ قبول کریں نہ چاہے نہ قبول کریں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

امین کی وفات کے بعد اس کے ورثہ سے امانت کا مطالبہ کرنا

سوال[۱۱۵۰۶]: ایک شخص نے بڑی رقم ایک شخص کو امانت رکھنے کے لئے دی، امین صاحب کا اچانک انتقال ہوگیا، اس رقم کا علم دینے والے کو اور امین صاحب کو تھا، بعد میں امین صاحب کے لڑکے سے اس رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ رقم گھر میں یا باہر کہیں بھی معلوم نہیں ہو رہی ہے، معلوم کرنا ہے کہ ان کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کے لڑکے کا کیا فریضہ ہے وہ اس میں کیا کریں؟

= تعریف المال والملک ..... الخ: ۴/۵۰۲، سعید)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل الأول، المادة: ۱۱۹۲: ۴/۱۳۲، رشيديه)

"يلزم في الهبة رضا الواهب". (شرح المجلة، كتاب الهبة، الباب الثاني، المادة: ۸۶۰: ۱/۴۷۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "يقع كثيراً في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون فيها من حرث وزراعة وبيع ..... وكل ذلك على وجه الإطلاق والتفويض لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها". (الفتاویٰ الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۰، حقانيه پشاور)

(وكذا في تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الشركة: ۱/۹۴، إمداديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة: ۴/۳۰۷، سعيد)

(۲) "المشورة ليست للتقليد، بل للتنبه والاستحضار". (أحكام القرآن للتهانوي: ۲/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک رقم کو مرحوم کے ورثہ سے مطالبہ کا پورا حق ہے، وارثوں کو اگر معلوم ہے کہ رقم موجود ہے، فلاں جگہ ہے تو ان کے ذمہ اس کا دے دینا لازم ہے(۱)، اگر وہ اقرار نہ کریں، بلکہ یہ کہیں کہ مالک رقم جھوٹ بولتا ہے کہ اس نے ہمارے والد صاحب کے پاس کوئی رقم امانت رکھی اور مالک کے پاس گواہ موجود نہیں، تو وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، وہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہمارے والد کے پاس ہمارے علم کی حد تک کوئی انہوں نے امانت نہیں رکھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿من بعد وصية يوصي بها أو دين﴾ (النساء: ۱۱)

"ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "ولو أنه رجلاً قدم رجلاً إلى القاضي، وقال: إن أبا هذا قدمات، ولي عليه ألف درهم دين ...... إن لم تكن للمدعي بينة، وأراد استحلاف هذا الوارث، يستحلف على العلم عند علمائنا رحمه الله تعالى: "بالله ماتعلم أن لهذا على أبيك هذا المال الذي ادعى وهو ألف درهم ولا شيء منه"؟ فإن حلف انتهى الأمر، وإن نكل يستوفى الدين من نصيبه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون: ۳/۴۰۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الدعوى، باب دعوى النسب: ۵/۵۸۵، سعيد)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين في التركة: ۲/۳۸، اسلامی کتب خانه)

الفصل الثالث في وصية الميت وإقراره

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

وصیت کی اقسام

سوال[۱۱۵۰۷]: وصیت کتنی قسم کی ہوتی ہے؟ اور کون کون قابل تسلیم بروئے شرع محمدی سمجھی جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وصیت چار قسم کی ہوتی ہے: واجب، مستحب، مباح، مکروہ۔

"أي: هي وصية واجبة بالزكوة والكفارات وفدية الصيام والصلوة التي فرط فيها، ومباحة للغني، مكروهة لأهل فسوق، وإلا فمستحبة" اه (درمختار مع هامش الشامي: ۵/۴۱۵، نعمانيه)(۱).

وصیت کے لئے شرائط بھی ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وصیت وارث کے حق میں نہ ہو، اگر وارث کے حق میں وصیت کی تو وہ دیگر جملہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی، وہ نہ چاہیں تو نافذ نہیں ہوگی۔ (والبسط في ردالمحتار)(۲). فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا: ۶/۶۴۸، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ۴/۴۱۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۳، رشيديه)

(۲) "وأما شرائطها: ..... وكونه أجنبياً حتى أن الوصية للوارث لاتجوز إلا بإجازة الورثة". (البحرالرائق، كتاب الوصايا: ۶/۲۱۲، رشيديه) .... =

وارث کے حق میں وصیت کا حکم

سوال[۱۱۵۰۸]: کیا یہ بات ممکن ہے کہ متروکہ منقولہ جائیداد میں سے ایک وارث کو حصہ دیئے جانے کی وصیت کی جائے اور دیگر ورثاء کو اس میں حصہ نہ دیا جائے، بلکہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنے کی وصیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں،صورت مسئولہ میں وصیت بہن کی لڑکیوں کے حق میں ہے، جو کہ شرعاً وارث نہیں۔

"لاتجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجوزها الورثة" عالمگیری: ۳۲۳/٤(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۵/۳/۶ھ۔

تحریراً کسی کو وصی بنانے کا حکم

سوال[۱۱۵۰۹]: محمد یونس کا انتقال ہو گیا، جس نے ایک نابالغ لڑکا وارث چھوڑا اور مال میں ایک مکان اور ایک دکان اور کچھ نقد روپیہ چھوڑا اور ایک چچازاد بھائی۔ جب جنازہ تیار ہو کر نماز کے لئے لایا گیا، تو اس وقت ایک تحریر نمازیوں کو سنائی گئی، وہ یہ تھی کہ "میرے مرنے کے بعد میرے مال وغیرہ کے نگران اول مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ہوں گے اور ان کے ساتھ دو آدمی اور ہوں گے، جن کے نام یہ ہیں: حاجی محمد صدیق صاحب اور مستری عبدالرحمٰن صاحب"۔ لوگوں نے سن کر کہا کہ ٹھیک ہے، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نے چند

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۹۰/٦، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ۴۱۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥۵، ٦٥٦، سعيد)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۹۰/٦، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥۵، ٦٥٦، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ۴۱۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

آدمیوں کے دستخط کرائے اور اس کی تصدیق کرائی۔

یہ تحریر مرحوم کے سرہانے سے نکلی تھی، اس پر کسی آدمی کی شہادت وغیرہ نہیں تھی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ مرحوم نے کسی آدمی سے کہا ہو کہ مرنے کے بعد اس تحریر کو ان حضرات کے پاس پہنچا دے اور نہ اس کو لفافہ بذریعہ ڈاک بھیجا، لفافہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تحریر کافی عرصہ پہلے لکھی ہوئی ہے، زمانہ فراش کی نہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کا خیال بعد تحریر بدل گیا تھا اور نہ بذریعہ ڈاک بھیجا جا سکتا تھا، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ حضرات اس تحریر کی بناء پر مرحوم کے لڑکے اور مال کے متولی متصرف شرعاً بن سکتے ہیں یا نہیں؟ یا مرحوم کے چچازاد بھائی لڑکے اور مال کا ولی و متصرف ہیں، شرعاً ان دونوں میں سے کس کو حق حاصل ہے ولی ہونے کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد یونس مرحوم نے جب اپنی تحریر میں مولانا خلیل الرحمن کو اپنا وصی بنا دیا اور اپنے بچے اور ترکہ کی نگرانی ان کے سپرد کردی اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا، تو وہ شرعاً وصی و نگراں ہوگئے (۱)، اگرچہ تحریر اپنے انتقال سے کچھ دیر پہلے لکھی ہو اور اس کو بذریعہ ڈاک نہ بھیجا، خیال بدلنے کا قرینہ تحریر کیا جا رہا ہے، اسی طرح اس تحریر کو محفوظ رکھنا اور ضائع نہ کرنا اور اس پر خیال بدل جانے کو تحریر نہ کرنا، خیال باقی رہنے کا بھی قرینہ ہے (۲)، اگر خیال بدل جاتا تو اس تحریر کو باقی کیوں رکھتے، ضائع کر دیتے یا اس پر لکھوا دیتے کہ اب میرا خیال بدل گیا ہے، میں ان کو وصی نہیں بناتا۔ بہرحال اب ولایت مال چچازاد بھائی کو حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ في الجامع الصغير في رجل يوصي إلى رجل فقبله في حياته الموصي فالوصية لازمة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب التاسع: ۶/۱۳۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۴/۴۵۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصي وما يملكه: ۹/۳۰۷، رشيديه)

(۲) "الأصل بقآء ما كان على ما كان"

يعني: أن الذي ثبت على حال في الزمان الماضي ثبوتاً أو نفياً، يبقى على حاله ولا يتغير مالم يوجد دليل يغيره". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۵: ۱/۲۰، رشيديه) .... =

وصیت کے بعد رجوع کرنا

سوال[۱۱۵۱۰]: ایک مسلمان اپنے خاص رشتہ دار کو زبانی اور تحریری وصیت کر کے ایک جگہ یعنی مکان برائے رہائش دے دیتا ہے، حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیتا ہے، اس لئے عرض خدمت ہے کہ کیا وہ شخص اپنی زندگی میں مکان کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس کے بارے میں اسلامی شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وصیت کرنے کے بعد اگر وصیت سے رجوع کرے، تو وصیت ختم ہو جائے گی۔

"وله أي: للموصي الرجوع عنها" (درمختار مع هامش الشامي نعمانيه: ٥/٤٢١)(١).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۱/۸ھ۔

وصی کا ضرورت سے زائد خرچ کرنا

سوال[۱۱۵۱۱]: وصی حضرات نے ایک مکان کو منہدم کرا کے دوبارہ تعمیر کرادیا ہیں، حالانکہ وہ اس حالت میں تھا کہ صرف اس کا برآمدہ پٹوا دینا چاہیے تھا، اس میں اس کے دو ہزار روپے لگ گئے، کچھ مقروض ہوگیا، اس طرح کا تصرف کرنا نابالغ وارث کی وراثت میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اس کو ضروری سمجھتے تھے، تو ان کو حق تھا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الثالثة: ١/١٨٧، إدارة القرآن كراچی)

(١) (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا: ٦/٦٥٨، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ٤/٤٢٢، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ٦/٩٢، رشيديه)

(٢) "وكما ثبت له ولاية الحفظ ثبت له ولاية كل تصرف، هو من باب الحفظ كبيع المنقول، وبيع مايتسارع إليه الفساد". (البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصي ومايملكه: ٩/٣١٤، رشيديه) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

کیا وصی، نابالغ وارث کو مدرسہ میں داخل کردے یا اس کے مال سے کفالت کرے؟

سوال[۱۱۵۱۲]: ۱.....وصی نے نابالغ بچہ کو ایک مدرسہ میں داخل کردیا ہے، جہاں پر وہ زکوۃ، صدقہ وغیرہ کھا رہا ہے، اس کا مال ہوتے ہوئے اس کو ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس کا انتظام اس کے مال میں سے کرنا چاہیے؟

۲.....ایسے نابالغ بچے کا نقد روپیہ تو مکان وغیرہ کی تعمیر میں لگا دیا جائے اور اس کے کھانے کپڑے کے خرچ کی وجہ سے اس کو کسی یتیم خانہ میں داخل کردیا جائے، جہاں زکوۃ صدقہ وغیرہ سے ہی خرچ چلتا ہو، اس صورت میں شرعاً مکان تعمیر کرنا کرانا اور اس کے روپیہ سے اس کا خرچ اٹھانا ضروری ہے یا نہیں؟ مکان تعمیر کراکے اس کو یتیم خانہ میں داخل کرا دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....تعلیم کے لئے مدرسہ میں داخل کرا دینا تو بڑی خیر خواہی اور عین مصلحت ہے(۱)، لیکن اگر اس کی ملک میں اتنا مال ہے کہ وہ مصرف زکوۃ نہیں، تو اس پر زکوۃ صرف کرنا جائز نہیں (۲)، بلکہ اس کے مال سے اس کی

= (وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا، باب الوصي وهو الموصى إليه: ٦/٥٠٧، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه: ٦/١٣٧، رشيديه)

(١) "له أن ينفق في تعليم القرآن والأدب إن تأهل لذلك". (الدرالمختار). "(قوله له أن ينفق الخ) كذا في مختارات النوازل، وفي الخلاصة وغيرها: إن كان صالحاً لذلك جاز، وصار الوصي مأجوراً وإلا فعليه أن يتكلف في تعليم قدر ما يقرأ في صلاته". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصياء: ٦/٧٢٥، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الوصايا، فصل في شهادة الأوصيه: ٤/٣٤٨، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الوصايا، الفصل السادس: ٤/٤٤٠، امجد اكيڈمى لاهور)

(٢) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقت للفقرآء والمسٰكين ...... ﴾ (النور: ٦٠) .... =

کفالت کی جائے (۱)۔

۲...... امور مذکورہ بالا سے اس کا جواب ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

داماد کا وصی بننے سے انکار کرنا

سوال [۱۱۵۱۳]: زید نے اپنی زمین اپنا گھر سب اپنی لڑکی کو دے دیا اور زید نے اپنے داماد سے کہا: ''اگر تم اس زمین کو اور اس گھر کو نہ لوگے، تو میں روزِ قیامت تمہارا دامن گیر ہوں گا''۔ تو زید کے داماد نے غصہ میں کہا: ''اگر تم اس طرح کی گفتگو کروگے تو میں آپ کی زمین کا بالکل متلاشی نہ ہوں گا''۔ تو زید نے کہا: ''جو اچھا لگے کرنا''۔ اب زید کے بھائی عمرو نے زید کی لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیا اور زبردستی قابض ہوگیا، تو ایسی صورت میں کیا زید اپنے داماد کا روزِ قیامت دامن گیر ہوگا یا نہیں؟ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

۲...... زید مرگیا اور اس کے بھائی محمد ساجد نے ترکہ میں سے زید کی لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیا، تو ایسی صورت میں محمد ساجد کی شریعت اسلامیہ کی رو سے کچھ گرفت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جب کہ داماد نے وصی بننے سے انکار کردیا تو وہ اس سے بری الذمہ ہوگیا (۲)، اب زید اپنے داماد

= "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة، لايصرف ...... ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الزكاة، باب من توضع الزكاة فيه: ۲/۲۷۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، باب المصارف: ۱/۱۸۹، رشيديه)

(۱) "الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۶۱۲، سعيد)

(۲) "يشترط في الوصية القبول صريحاً أو دلالة ...... أو ردها فذلك باطل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه) .... =

کا دامن گیر روز قیامت نہیں ہوگا، البتہ زید کے بھائی نے ظلم کیا کہ مرحوم بھائی کی لڑکی کو کچھ نہیں دیا، حالانکہ وہ شرعی وارث ہے، قیامت میں بھی وہ اس ظلم کی سزا بھگتے گا اور دنیا میں بھی اس پر وبال پڑے گا(۱)، داماد اگر کچھ اپنی مظلوم بیوی کی مدد کر سکتا ہو تو کرے(۲)۔

۲...... بہت بڑی گرفت ہوگی، وہ ظالم اور غاصب ہے(۳)، زمین اگر مرحوم کی ملک ہو اور اس میں وراثت جاری ہوتی ہو تب یہ حکم ہے، جو نمبر ۲ میں تحریر کیا(۴) اگر زمین ملک مرحوم نہیں تھی، بلکہ محض کاشت کے

= "ولا بد في الوصية من القبول". (مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ۴/۴۲۰، ۴۲۱، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الفصل الأول: ۶/۴۳۳، رشيديه)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمي)

(وصحيح مسلم، كتاب البيوع، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: ۲/۳۲، سعيد)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً، فقال رجل: يا رسول الله! أنصره مظلوماً فكيف أنصره ظالماً؟ قال: تمنعه من الظلم، فذلك نصرك إياه". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ص: ۴۲۲، قديمي)

(۳) "الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبراً من أرض أي: قدره، طوقه من سبع أرضين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۱/۴۳۴، دار الفكر بيروت)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمي)

(۴) نمبر ۲ سے مراد جواب نمبر ا ہے۔

لئے تھی اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، تو اس کا یہ حکم نہیں بلکہ اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنی زمین جس کو چاہے، کاشت کے لئے دے دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وصیت کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۱۴]: وصیت کی کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس نوعیت سے کہ زید کے صرف ایک ہی لڑکی ہے، ہندہ۔ وارث حقیقی اور کوئی لڑکا نہیں، اس سلسلہ میں زید کو جو تحقیق ہے وہ یہ کہ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾(۲).

اگر لڑکا موجود نہ ہو، تو آدھا مال لڑکی کا بقیہ عصبہ کا، یہ لوگ جس کا حصہ قرآن مجید میں مقرر ہے، ان کو ذوی الفروض کہتے ہیں، ان کی مختلف شکلیں ہیں، منجملہ ان کے دوجز دریافت طلب ہیں۔

ایک یہ کہ اختلاف دارین نہ ہو، دوسرے آزادی غلامی کا اختلاف نہ ہو، اس وقت ان کو حصہ ملے گا، اس سے جو باقی ہے وہ عصبہ کا ہے، اس مقام پر اختلاف دارین سے کیا مراد ہے؟ آیا ہندوستان وپاکستان کے مثل تفاوت مکانات کا اختلاف یا مقامی اختلافات، مکانات، رہن سہن کی علیحدگی مراد ہے؟ دوسرے آزادی غلامی کا اختلاف نہ ہو، اس مقام پر انفرادی خاندانی اختلاف مراد ہے یا اجتماعی ملکی سیاسی مراد ہے؟ اس زمانہ کا حال جب کہ دوردورہ مرحلہ ہے، اب بموجب حضرات اہل حق کا کیا فیصلہ ہے؟ ان کا کیا فرمان حکم ہے؟

کسی خاص علت کی بناء پر نوعیت حکمت سے مندرجہ ذیل کیفیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کل جائیداد کا تہائی نواسوں کے نام بقیہ لڑکی کے نام وصیت نامہ لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ اپنا کسی قدر حصہ اس میں ہبہ

---

(۱) "الملک مامن شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال ......الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

"ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء". (شرح المجلة، كتاب الشركة، الفصل الثامن: ۶۴۳/۱، حنفيه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة: المادة: ۱۱۹۲: ۶۵۴/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (النساء: ۱۱)

کے شامل کیا جائے، اگر ہوسکتا ہے تو اس کی تفصیلی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔

مسائل مذکورہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے:

زید

لڑکی حقیقی وارث ہندہ ہندوستانی ایک ۱	دو حقیقی بھتیجے پاکستانی ۲	سوتیلا بھائی ہندوستانی ۱ علاتی	سوتیلی بہن ہندوستانی ۱ علاتی

زید کے یہ بھائی بہن مذکورہ زید کی ماں کے سوتیلے لڑکے لڑکیاں ہیں اور ایک کے پاس جو جائیداد ہے وہ زید کی حقیقی ماں کے ترکہ سے ملی ہے، ماں کے مال سے سوتیلے لڑکی لڑکے کا حق ثابت نہیں، اس حقیقت صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے زید کے حقیقی باپ کے لڑکے یعنی بھائی بہن مذکورہ زید کی وفات کے بعد اگر قائم رہیں تو زید کی جائیداد سے ان کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟ زید کا قوی غالب گمان ہے کہ اگر میں نے لڑکی کے نام قانونی وصیت نامہ نہ لکھ دیا یا ہبہ رجسٹری شدہ نہ کیا اس کے نام مرنے کے بعد، تو میرے بعد دوسرے عزیز جائیداد پر مکمل قبضہ کر کے لڑکی کے نواسوں کو محروم کر دیں گے، ایک عجیب خلفشار کا اندیشہ ہے، اس کے حفظِ ماتقدم کے سلسلہ میں اگر شرعی قانون اختیار نہیں کیا جاسکتا ہے، تو دوسری ایسی کون سی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، جو کہ بالکل ہی خلاف نہ ہو، شریعت میں تہائی وصیت کی گنجائش ہے، لیکن کس کے لئے ہے اور کس کے لئے نہیں، اس کے کیا مواقع محل ہیں اور کتنی مقدار ہبہ کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، نیز ہبہ اور وصیت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اختلاف دارین اہل اسلام کے حق میں مانع نہیں، بلکہ دوسرے غیر مسلموں کے حق میں مانع ہے(۱)،

---

(۱) "موانعه ... اختلاف الدارين حقيقة أو حكماً". (الدرالمختار). "اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين كما في عامة الشروح، حتى أن المسلم التاجر أو الأسير لو مات في دارالحرب ورث منه ورثته الذين في دار الإسلام، كما في سكب الأنهر". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۷، ۷۶۸، سعيد)

"وكذلك اختلاف الدارين سبب لحرمان الميراث ...... ولكن هذا في أهل الكفر لا في حق المسلمين، حتى أن المسلم إذا مات في دارالإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث". =

جو غلامی مانع ہے وہ یہاں متحقق نہیں، نہ کوئی غلام اس اعتبار سے پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں، لہٰذا نواسے صورتِ مسئولہ میں وارث نہیں (۱)، ان کے حق میں ایک تہائی کا وصیت نامہ لکھ دینا شرعاً درست اور معتبر ہے، تقسیم وراثت سے پہلے وصیت پوری کی جائے گی (۲)، زید کو جائیداد کسی بھی طرح سے ملی ہو، اس کے نصف کی حق دار اس کی لڑکی، بقیہ نصف کے تین حصے بنا کر دو، حصے سوتیلے (علاتی) بھائی کو ملیں گے، ایک حصہ سوتیلی (علاتی) بہن کو ملے گا، بھتیجوں کو کچھ نہیں ملے گا (۳)۔

= (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الشريفية شرح السراجية، فصل في الموانع، ص: ۱۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبة ولا يرث مع ذي سهم ولا عصبة سوى الزوجين ... وهم أولاد البنات وأولاد بنات الابن الخ". (الدر المختار، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام: ۶/۷۹۱، ۷۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۹۶، ۳۹۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب العاشر: ۶/۴۵۸، رشيديه)

(۲) "وأما شرائطها: ... وكونه أجنبياً حتى إن الوصية للوارث لاتجوز، إلا بإجازة الورثة ... أن يكون الموصى به مقدار الثلث لا زائداً عليه". (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۰۴، رشيديه)

"يبدأ من تركة الميت ... بتجهيزه ... ثم تقدم وصيته أي: على القسمة بين الورثة، من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹-۷۶۱، سعيد)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۳) نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۲، تصـ ۶

مسـ

بیٹی	بھائی (علاتی)	بہن (علاتی)	بھتیجے
نصف	عصبہ	عصبہ	محروم
۱/۳	۲	۱	

قال الله تعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (النساء: ۱۱) =

''ہبہ'' وارث کو بھی کیا جاسکتا ہے، غیر وارث کو بھی اور اس کے لئے اپنی صحت وتندرستی میں اپنا قبضہ ہٹا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضروری ہوتا ہے(۱)، وصیت انتقالِ موصی کے بعد نافذ ہوتی ہے(۲) اور وہ وارث کے حق میں نہیں ہوتی، الا یہ کہ سب ورثاء اس پر راضی ہوجائیں (۳) اور غیر وارث کے حق میں معتبر مانی جاتی ہے بغیر ورثاء کی رضامندی کے بھی، نیز وہ ایک تہائی ترکہ میں معتبر ہوتی ہے، اگر ورثہ رضامند ہوں تو اس سے زائد

= ''فيبدأ بذي الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية الخ''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

''العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه)

قال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

(۱) یہ واہب کی طرف سے تبرع ہے اور تبرع وارث وغیر وارث سب کے حق میں جائز ودرست ہے، اسی طرح تبرعات میں قبضہ بھی شرط ہے، ورنہ تبرع تام نہیں ہوگا۔

''وأما مايرجع إلى الواهب فهو: أن يكون ممن يملك التبرع؛ لأن الهبة تبرع''. (بدائع الصنائع، كتاب الهبة: ۵/۱۶۸، رشيديه)

''وتتم الهبة بالقبض الكامل''. (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

(۲) ''التركة تتعلق بها حقوق أربعة: ..... ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الكفن والدين''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۷، رشيديه)

(۳) ''لاتجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجوزها الورثة''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا: ۴/۴۱۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) ''ثم تصح الوصية لأجنبي من غير إجازة الورثة''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه) .... =

میں بھی معتبر ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

غیر کے مال میں وصیت کا حکم

سوال[۱۱۵۱۵]: ایک شخص نے اپنے ہی پیسے سے جائیداد اور زمین خریدی اور اس کی تعمیر میں اپنا ہی پیسہ لگایا، صرف بھائی صاحب کو تقریباً دس ہزار کے قریب ادھار دیا، کیونکہ ان کی دکان بلوے میں لٹ گئی تھی اور وہ کاروبار کرنے لگے، چونکہ ان کا بڑا لڑکا ایک پاکستان میں اچھی ملازمت پر ہے، لہٰذا اس نے اپنے والد کو پاکستان بلانے کے لئے لکھا، انہوں نے دوکان کو خرد برد کرنا شروع کردیا اور چونکہ میں ملازمت پر تھا، اس لئے اس کی دیکھ بھال نہ کرسکا، لہٰذا مجھ کو جب معلوم ہوا تو مجھ میں اور بھائی صاحب میں جھگڑا بھی ہوا، اس لئے غصہ کی حالت میں جو جائیداد میں نے بذات خود پیدا کی تھی اور میرے والد مرحوم کی وراثت میں ملی تھی، وہ بھی اپنی بیوی کے نام کردی اور بیع کی قیمت مبلغ پانچ ہزار روپے اپنے ملنے والے سے چند گھنٹوں کے لئے لی تھی اور بعد رجسٹری کے واپس کردی تھی، اب اس شخص کی زوجہ نے وفات سے قبل اپنے سب بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر سب اہل محلہ کے سامنے وصیت کی کہ

> ’’دیکھو! اپنے بہنوئی سے دغا مت کرنا، یہ جائیداد سب انہیں کی ہے، میرا اس میں کچھ نہیں ہے اس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، میری دلجوئی کے لئے میرے نام کردی تھی،

= ’’وتجوز بالثلث للأجنبي، وإن لم يجز الوارث ذلک‘‘. (الدرالمختار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۰، سعید)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۳، رشيديه)

(۱) ’’ولا تجوز بما زاد على الثلث، إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار‘‘. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۲، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰، ۶۵۱، سعيد)

کیونکہ میرے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے بیع میرے نام کردی ہے بلا قیمت، جو کچھ میرا حصہ تم کو ورثہ میں پہونچے گا وہ سب ان کے نام واپس کردینا''۔

زوجہ کے بھائیوں نے وعدہ کیا اپنی ہمشیرہ سے اور اہلِ محلہ بھی موجود تھے، وعدہ کیا کہ ''ہم اپنے بہنوئی سے دغا نہیں کریں گے''۔

اس واقعہ کو گیارہ سال ہوچکے ہیں اور وہ وعدہ کو پورا نہیں کررہے ہیں اور ٹال مٹول کررہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کی نیت خراب ہوگئی ہے اور وہ پورا نہیں کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کی بابت شرع متین میں کیا حکم ہے؟ اور ایسے لوگوں کو کچھ حصہ بھی پہونچتا ہے یا نہیں؟ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں جب وہ مرجائیں تو ہم لوگ زبردستی ان کی جائیداد پر قبضہ کرلیں، کیونکہ ان کے پاس اتنا اثاثہ نہیں کہ وہ عدالتی کارروائی کرسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی زوجہ نے جو وصیت بھائیوں کو کی ہے، وہ شرعاً واجب العمل نہیں(۱)، البتہ اگر جائیداد واقعۃً بیوی کو نہیں دی تھی، بلکہ مصلحۃً اس کے نام کردی تھی اور کہہ دیا تھا کہ ''دینا مقصود نہیں ہے'' تو بیوی اس کی مالک ہی نہیں ہوگی (۲)، وہ بیوی کا ترکہ نہیں ان کو اس کے لینے کا کوئی حق ہی نہیں، اگر واقعۃً بیوی کو دے دی تھی تو اس

(۱) ''وأما شرائطها: ...... وكونه أجنبياً حتى أن الوصية للوارث لاتجوز، إلا بإجازة الورثة ...... أن يكون الموصى به مقدار الثلث لا زائداً عليه''. (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۲، رشيديه)

"يبدأ من تركة الميت ...... بتجهيزه ...... ثم تقدم وصيته أي: على القسمة بين الورثة، من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹-۷۶۱، سعيد)

(وكذا في السراجي في الميراث،ص: ۳، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع أي: توافقا على أنهما يتكلمان بلفظ البيع عند الناس، ولا يريد انه، واتفقا على البناء أي: على أنهما لم يرفعا الهزل ولم يرجعا عنه، فالبيع منعقد لصدوره من أهله في محله، لكن يفسد البيع لعدم الرضا بحكمه، فصار كالبيع بشرط الخيار أبداً، لكنه لايملك بالقبض لعدم الرضا بالحكم؛ حتى لو أعتقه المشتري لاينفذ عتقه هكذا ذكروا، وينبغي أن يكون البيع باطلاً لوجود حكمه، وهو أنه لايملك بالقبض". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۰۷، سعيد) =

میں ضرور میراث جاری ہوگی، نصف کا شوہر حق دار ہوگا اور نصف دیگر ورثاء کو حصہ رسد ملے گی (۱)، اگر بیوی کو دے کر واپس لے لی اور بیوی اس پر رضامند ہوگئی، تب بھی وہ بیوی کا ترکہ نہیں (۲)، دوسرے کی چیز پر ناحق قبضہ کرنا غصب اور ظلم ہے، جس کا وبال سخت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۱/۲۵۹، مكتبه إمداديه كوئته)

(وكذا في ردالمحتار، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة: ۵/۲۷۳، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاوى، كتاب البيوع: ۳/۲۹، ۳۱، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۱) "أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، المادة: ۱۰۹۲: ۴/۳۱، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الفرائض: ۲/۲۹۷، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية السراجي، ص: ۲، قديمي)

(۳) "الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبراً من أرض أي: قدره، طوقه من سبع أرضين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۱/۴۳۴، دارالفكر بيروت)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبرا من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمي)

بینک میں جمع شدہ روپیہ کا بیوی کے نام وصیت کرنا

سوال[۱۱۵۱۲]: شوہر کا کچھ روپیہ بینک میں جمع ہے، شوہر نے یہ لکھا ہے کہ ''میرے انتقال کے بعد یہ روپیہ میری بیوی کو ملے'' کیا اس روپیہ میں ماں کا حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے اپنے نام پر جمع کر کے یہ کہہ دیا کہ ''میری بیوی کو ملے'' تو ہبہ نہیں (۱)، بلکہ شوہر کا ترکہ ہے (۲)، جس میں بیوی ایک چوتھائی کی حق دار ہے (۳) اور ایک تہائی کی ماں حق دار ہے (۴)، تقسیم ترکہ سے پہلے مہر کی ادائیگی لازم ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱/۱۲ھ۔

---

(۱) "لایتم حکم الهبة إلا مقبوضة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الثاني: ۴/۳۷۷، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الهبة: ۳/۲۸۱، مکتبه شرکت علمیه)

(۲) "لأن الترکة في الاصطلاح ماترکه المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال".

(ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیه)

(وکذا في دلیل الوارث علی هامش السراجي، ص: ۲، قدیمی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

"وللزوجة الربع عند عدمهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۳، رشیدیه)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث﴾ (النساء: ۱۱)

"الثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن ...... والثلث عند عدم هؤلاء".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۴۹، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۰، رشیدیه)

(۵) "یبداء من ترکة المیت بتجهیزه ...... ثم تقدم دیونه ...... ثم یقسم الباقي بین ورثته". (الدرالمختار =

کیا وصی مالِ یتیم کو استعمال کرسکتا ہے؟

سوال[۱۱۵۱۷]: جو شخص یتیم بچوں کی پرورش کررہا ہے، مالِ یتیم میں سے وہ سرپرست بھی اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے بوقتِ حاجت اس قلیل پر کفایت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ اس وعید میں آجائے۔

﴿إن الذين يأكلون أموال اليتمىٰ ظلماً إنما يأكلون فى بطونهم نارا وسيصلون سعيرا﴾ الآية النساء: ٤، ١٠ آیت (١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۳/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مورث کے وعدہ کی تکمیل ورثہ کے ذمہ ضروری ہے؟

سوال[۱۱۵۱۸]: زید فالج جیسے دیرینہ مرض میں مبتلا تھا، اپنی تنگ دامنی کی وجہ سے رہائش کا مکان

= مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ٦/٧٥٩-٧٦٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ٩/٣٦٥، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ٦/٤٤٧، رشيديه)

(١) (النساء: ١٠)

قال الله تعالىٰ: ﴿ومن كان فقيراً فليأكل بالمعروف﴾ (النساء: ٦)

"ففي صحيح مسلم عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها في قوله تعالىٰ: ﴿ومن كان فقيراً فليأكل بالمعروف﴾ قالت: نزلت في ولي اليتيم الذي يقوم عليه ويصلحه، إذا كان محتاجاً جاز أن يأكل منه ...... وقال بعضهم: المراد اليتيم إن كان غنياً ...... والأول قول الجمهور، وهو الصحيح". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ٣/٣٤، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فروخت کرڈالا، زید نے اپنے غیر حقیقی داماد خالد سے کہا کہ تم میری خدمت کرو، میں تمہاری ذاتی زمین پر ایک پختہ کمرہ کی تعمیر کرادوں گا، یہ بات کہنے تک محدود نہ تھی، بلکہ قسمیں کھا کر وثوق دلایا کہ جتنے روپے تعمیر کمرہ پر صَرف ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا، زید کے عزم مصمم کا اثبات اثاث تعمیر خرید نے سے بھی عیاں ہوتا ہے، مثلاً: پختہ اینٹیں لکڑی وغیرہ اور زیر تعمیر کمرہ کی بنیاد بھرانا، زید کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر مشتری اپنے مکان سے نکالے، تو میرے رہنے کی جگہ مہیا رہے گی، لیکن سیمنٹ کی کمیابی کی وجہ سے مجوزہ کمرہ کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی اور زید اسی اثناء میں انتقال کرگیا، اب اس کے بچے ہوئے روپے سے تعمیر کی تکمیل ہوگی کہ نہیں؟ ورثہ کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جو وعدہ وارادہ کیا تھا، ورثاء اس کی تکمیل کے ذمہ دار نہیں (۱)، جو روپیہ موجود ہے، وہ اس نے ہبہ نہیں کیا یہ سب زید کا ترکہ ہے (۲)، ورثاء حسب حصص شرعیہ تقسیم کرلیں، اگر زید نے وصیت کی ہوتی تو ایک

---

(۱) زید پر خود اس وعدہ وارادہ کی تکمیل ضروری نہیں تھی، تو اس کے ورثاء پر بھی لازم نہیں کہ اس کے بعد اس کی تکمیل کریں، البتہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی پورا کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو وہ گناہ گار ہے۔

"(سئل) فيما إذا وعد زيد عمراً أن يعطيه غلال من أرضه الفلانية ..... فاستعملها وامتنع من أن يعطيه من الغلة شيئاً، فهل يلزم زيداً شيء بمجرد الوعد المزبور؟ (الجواب) لايلزم الوفاء بوعده شرعاً، وإن وفى فبها ونعمت والله سبحانه الموفق". (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، إمداديه)

"قوله: الخلف في الوعد حرام، قال السبكي: "ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء"، وقال صاحب "العقد الفريد في التقليد": "إنما يوصف بما ذكر أي: بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف ..... وأما من عزم على الوفاء، ثم بدا له فلم يف بهذا لم يوجد منه صورة نفاق كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داود والترمذي مختصراً بلفظ "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف فلا إثم عليه". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچی)

"قال العلامة الملا على القارئ رحمه الله تعالىٰ: ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي فعليه الإثم". (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الوعد: ۸/۶۱۵، رشيديه)

(۲) "لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". =

ثلث ترکہ میں اس کا نفاذ ہوتا (۱)۔ اب کچھ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعید)

(وكذا في دليل الوارث على هامش السراجي في الميراث، ص: ۲، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(۱) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الكفن والدين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۷، رشيديه)

الفصل الرابع في ذوي الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

تقسیم جائیداد وترکہ کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسائل میں کہ زید مرحوم کا ایک کارخانہ ہے، اس کارخانہ کی عمارت پر تقریباً ۴۰/ سال قبل زید مرحوم کے ۳۵۰۰۰/ پینتیس ہزار روپے تعمیر میں خرچ ہوئے تھے، زید نے اپنی حین حیات میں مذکورہ بالا عمارت کو اپنی تجارت دوبارہ ایجاد کرنے کی غرض سے اپنے شہر کے ایک مالدار تاجر کے پاس رکھ کر بطور قرض دس ہزار روپے لے کر کاروبار چلایا تھا، چند سالوں کے بعد تجارت میں بھاری خسارہ ہو کر کاروبار ختم ہوگیا، کاروبار خسارہ میں ختم ہونے پر زید اپنی اس عمارت کو بالا مذکورہ روپے بھر کر رہن سے چھڑا نہ سکے، رہن والوں کا تقاضا زیادہ ہونے پر مجبور و بے بس ہو کر زید مرحوم نے اپنی بیوی خیر النساء سے ان کے زیورات تخمیناً پانچ ہزار روپیوں سے زیادہ رقم کے ان سے اس وعدہ پر لے کر کہ مذکورہ جائیداد کو رہن سے چھڑا کر اس پوری عمارت کو بیوی کے نام لکھ کر بذریعہ رجسٹری دستاویز منتقل کر دیں گے، بیوی سے یہ وعدہ پکا کر کے ان سے زیورات بطور قرض حاصل کر لئے اور ان کو فروخت کر کے پانچ ہزار روپے لے کر زید مذکورہ رہن والے کا جن کے پاس یہ جائیداد بطور رہن کے رہا۔ گفتگو کر کے یہ بات طے کر لی کہ رہن کی رقم دس ہزار میں سے اس وقت فوری طور پر پانچ ہزار روپے بھر دیں گے اور بقیہ رقم کارخانہ کے ماہانہ کرایہ کی آمد میں سے وہ جمع کرتے جاویں، اس طرح یہ معاملہ طے کر کے زید نے اپنی بیوی کے زیورات سے جو پانچ ہزار روپے یا کچھ زائد رقم دستیاب ہوئی، اس رقم کو رہن والے کو بھر دیا اور میعاد رہن ختم ہونے پر اس جائیدا کو بیوی کے نام لکھ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اس اثناء میں زید کا اچانک انتقال ہوگیا، زید مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تینوں نے متفقہ طور پر، لڑکی نے اپنی جانب سے اپنے شوہر کو گواہی کے لئے وکیل بنا کر ان تینوں نے اپنے والد مرحوم کے حسب وعدہ اس عمارت کو اپنی ماں کے نام لکھ کر دستاویز بنا کر رجسٹری کر کے جائیداد ماں کے قبضہ میں کلیۃً دے دی اور اس طرح

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوی خیر النساء کے نام منتقل ہوگئی، اس وقت زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں اور ان کے بڑے فرزند اور ایک بیٹی یعنی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور ایک بہن بھی زندہ تھے۔

اس جائیداد کے منتقل ہونے کے بعد چار پانچ سال تک زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، اس کو اس کا پورا علم تھا اور اس عرصہ میں کبھی انہوں نے اپنے پوتے پوتی یعنی زید مرحوم کی اولاد سے یا بہو سے اس کے متعلق ناراضامندی کا اظہار نہیں کیا، زید مرحوم کی والدہ اس واقعہ کے چار پانچ سال بعد تک زندہ رہ کر انتقال کر گئیں، ان کے بعد ان کے بڑے لڑکے اور بیٹی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن کی طرف سے بھی اس حق کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا، اس لئے کہ یہ سب اور خاندان کے اکثر افراد بخوبی آگاہ تھے، ان کو پوری طرح معلوم تھا کہ یہ جائیداد زیر رہن رہ چکا ہے اور زید مرحوم کی بیوی نے اپنے زیورات شوہر کو بطور قرض مذکورہ وعدہ پر دے کر چھڑائی تھی، ورنہ وہ جائیداد رہن سے نہ چھوٹتی اور اس میں ڈوب کر ختم ہو جاتی۔

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوہ بیوی کے نام بذریعہ دستاویز رجسٹری منتقل ہو کر تقریباً ۳۰/ سال کی طویل مدت گزر گئی اور تیس برس سے زید کی بیوی کے قبضہ میں کلیۃً چلا آرہا ہے، وہی اس کی آمدنی اور سیاہ وسفید کی مالکہ تھیں، اس عرصہ میں زید کی والدہ کلثوم بی زندہ رہیں اور کوئی مطالبہ نہیں کیا، آخر وہ راہی عدم ہوئیں، ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی جن کا ابھی ذکر کیا، چند سال زندہ رہے اور ان کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ نہیں، ان لوگوں کا بھی انتقال ہوگیا (تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا) زید مرحوم کی بیوی خیر النساء صاحبہ جن کے نام یہ جائیداد ہے، مستقل تیس سال سے انہیں کے قبضہ میں کلیۃً چلا آرہا تھا اور آمدنی وغیرہ کی وہی مالکہ رہی تھیں، چھ سات ماہ ہوئے، انتقال کر گئیں، اب آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر ذیل کے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں:

۱..... مذکورہ سب حالات کے پیش نظر بھی اگر زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن جنہوں نے زید مرحوم کے انتقال کے بعد اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے چھ سات سال بعد انتقال فرمایا، ان کی اولادیں وارثوں کی طرف سے مذکورہ بالا زید کی بیوی پر تیس سال قبل منتقل شدہ جائیدا میں زید مرحوم کی والدہ ماجدہ یعنی دادی کے حق کا مطالبہ اور دادی مرحومہ، ان کے بڑے بیٹے (والد) اور بیٹی (پھوپھی) کے حق کا مطالبہ کریں تو کیا قابل سماعت اور حق بجانب ہوگا؟

۲...... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی آمدنی کا مطالبہ تیس سال بعد اور صاحب جائیداد کے انتقال کے بعد ان کے وارثوں سے کریں تو یہ قابلِ قبول اور حق بجانب ہے؟

۳...... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی تیس سال کی آمدنی کے طالب ہوں (مطالبہ کریں) تو کیا یہ بھی قابلِ سماعت ہوگا؟ اگر ہو تو یہ کس کے ذمہ واجب الاداء ہے؟ اور شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید مرحوم تو اپنی حیات میں نہ بیوی کا قرض پانچ ہزار روپیہ ادا کر سکے، نہ جائیداد بعوض قرض اس کے نام منتقل کرنے کا وعدہ پورا کر سکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں بعد اداءِ دین مہر و دیگر قرض سب ورثہ کا حصہ تھا(۱)، والدہ کا بھی اور تمام اولاد کا بھی اور بیوی کا بھی۔ بیوی کے قرض کو بصورت زیور ونقد نہیں ادا کیا گیا بلکہ جائیداد کی صورت میں ادا کیا گیا تا کہ مرحوم کا وعدہ بھی پورا ہو جائے اور بیوی کو اپنا قرض بھی ہو جائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب ورثہ متفق ہو کر صورت اختیار کریں، یعنی زید کی والدہ کا بھی مشورہ ہوتا، مگر ایسا نہیں کیا گیا یہ کوتاہی ہوئی، تاہم جب زید کی اولاد نے اس کی تکمیل کی یعنی اپنے والد کا قرض ادا کر دیا اور زید کی والدہ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی جب کہ وہ بھی ۱/۶ کی بطور وراثت حق دار تھیں، بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مرحوم بیٹے کا قرض ادا کرنے کی جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ اس پر رضامند تھیں اور حکم بھی یہی ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے متوفی کا قرض ادا کیا جائے۔

پس صورت مسئولہ میں زید کی بیوی اس جائیداد کی مالک ہوئی، پھر اس کے انتقال پر اس کے ورثہ کا حق ہے، زید کے بھائی بہن کا اس میں حق نہیں، وہ زید کی بیوی کے وارث نہیں، البتہ اپنی والدہ کے وارث ہیں(۲)،

---

(۱) "يبدأ من تركة الميت بتجهيزه ...... ثم تقدم ديونه ...... ثم يقسم الباقي بين ورثته أي: الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹-۷۶۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه) .... =

مگر اس جائیداد میں والدہ کا جو کچھ حصہ تھا، وہ تو بعوض قرض زوجہ زید کے پاس چلا گیا، ہاں! اس کے علاوہ جو کچھ والدہ کا ترکہ ہو، اس میں سے ان کو حصہ ملے گا اور زید کی اولاد کو اپنی دادی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ زید کا انتقال والدہ کے سامنے ہو گیا تھا اور زید کے بھائی بہن موجود تھے(۱)۔

۲...... یہ مطالبہ درست نہیں (۲)۔

۳...... یہ بھی درست نہیں (۳)۔

تنبیہ: یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ زید مرحوم کی جائیداد کو بیوی کے نام بعوض قرض منتقل کرنے پر والدۂ زید کی رضامندی معلوم ہو، اگر وہ اس پر راضی نہیں تھیں (اس لئے کہ مقدار قرض پانچ ہزار کے مقابلہ میں جائیداد کی مالیت بہت زیادہ تھی) اور والدہ نے ناخوشی کا اظہار کر دیا تھا اور اجازت نہیں دی تھی، گو بعد میں دعویٰ اور مطالبہ نہ بھی کیا ہو، تو پھر والدہ کا حق ساقط نہیں ہوا (۴)۔ انتقال والدہ کے بعد اس میں زید کے بھائی بہن کا

= (وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ٧٦٢/٦، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ٤٩٥/٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(١) "وعصبة أي: من يأخذ الكل أي: إذا انفرد والأحق الابن، ثم ابنه". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ٣٨١/٩، رشيديه)

"الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالميراث جزء الميت أي: البنون، ثم بنوهم ... الخ". (السراجي في الميراث، باب العصبات، ص: ١٤، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ٤٥٢/٦، رشيديه)

(۲) چونکہ مذکورہ عمارت زید کی بیوہ کی ملک ہے، لہٰذا اس کی آمدنی کی بھی وہی مالک ہوگی، کسی کو بھی اس سے آمدنی کے مطالبہ کا حق نہیں۔

"لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٦٨/٥، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٦١/٤، ٦٢، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل التعزير: ١٦٧/٢، رشيديه)

(٣) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(٤) "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم=

بھی حصہ ہوگا، پھران کی خاموشی اور مطالبہ نہ کرنے سے ان کا حق بھی ختم نہیں ہوا(۱)، پھران کی اولاد کا بھی حق ختم نہیں ہوا، البتہ مدت طویلہ گزرجانے کی وجہ سے دعویٰ اور مطالبہ کا حق ضابطۃً اور قضاءً نہیں رہا(۲)، تاہم عنداللہ دیانۃً برأت نہیں ہوئی، اس لئے ان سے مفاہمت ومصالحت کرکے سبکدوشی کرلی جائے یا ان کو جائیداد میں سے حصہ دے کرراضی کیا جائے یا قیمت دی جائے یا معاف کرایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ماں اور بیوی میں تقسیم میراث

سوال[۱۱۵۲۰]: زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک ماں، ایک بیوی وارث چھوڑے اور کوئی نہیں

= "ألا لا تظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" أي بأمر أو رضا منه". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱۴۹/۶، رشيديه)

(وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحاً...... الخ: ۱۶۶/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع: ۲۵۵/۱، قديمى)

(۱) "لو قال وارث: تركت حقي، لا يبطل حقه؛ إذ الملك لايبطل بالترك". (الأشباه والنظائر، مايقبل الإسقاط: ۳۵۴/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في ردالمحتار، باب إقرار المريض، فصل في مسائل شتى: ۲۲۳/۵، ۲۲۵، سعيد)

(وكذا في جامع الفصولين، كتاب الفرائض، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين: ۴۰/۲، اسلامى كتب خانه)

(۲) "رجل تصرف زماناً في أرض ورجل آخر رأى الأرض والتصرف، ولم يدّع، ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده، فتترك على يد المتصرف؛ لأن الحال شاهد اهـ، والله سبحانه وتعالىٰ الهادي وعليه اعتمادي.

(أقول) والحاصل: من هذه النقول أن الدعوىٰ بعد مضي ثلاثين سنة أو بعد ثلاثة وثلاثين لاتسمع إذا كان الترك بلا عذر من الأعذار المارة؛ لأن تركها هذه المدّة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الدعوىٰ: ۳/۲، مكتبه إمداديه كوئٹه)

ہے، تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے ذمہ قرض مہر وغیرہ جو کچھ ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد چوتھائی ترکہ بیوی کو ملے گا(۱) اور تہائی ترکہ ماں کو ملے گا(۲)، بقیہ دادا پردادا وغیرہ کی اولاد میں کوئی عصبہ ہو، تو اس کو ملے گا(۳)، تمام ورثہ کی تفصیل لکھ کر معلوم کرلیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تین بہنوں اور ایک بیوی میں تقسیمِ میراث

سوال[۱۱۵۲۱]: ایک شخص سنی المذہب کچھ عرصہ ہوا کہ فوت ہوگئے، ان کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی متوفی کے والدین زندہ ہیں، صرف ان کی منکوحہ بیوہ ہے، جائیداد، مکان، دکان، چکی اور باغات پر مشتمل ہے، جو متوفی کی خود بنائی ہوئی ملکیت ہے اور کل جائیداد مع زیورات مکان کا وصیت نامہ متوفی نے اپنی منکوحہ بیوہ کے حق میں اپنی ہی زندگی میں رجسٹری کرایا تھا، جس کی رو سے بیوہ ساری جائیداد کی حق دار ہوتی ہے، لیکن متوفی

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

"وللزوجة الربع عند عدمهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيديه)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث﴾ (النساء: ۱۱)

"الثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن ...... والثلث عند عدم هؤلاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۴۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۰، رشيديه)

(۳) "فيبداء بذي الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

کی بہن جو یہاں کی باشندہ ہے، کا ایک لڑکا ہے جو اپنے کو ساری جائیداد کا وارث بتا تا تھا، ان حالات میں معاملہ متنازعہ ہو گیا ہے، اس صورت میں شرعی قانون کی رو سے کل جائیداد کی وراثت کن کے حق میں منتقل ہوتی ہے اور کس کس قدر، یہ بھی بتانے کی زحمت کریں کہ وہ وصیت نامہ جو متوفی نے اپنی زندگی میں اپنی منکوحہ بیوی کے حق میں بذریعہ رجسٹری کیا تھا، وہ بحال رہے گا یا ساقط ہو جائے گا۔

نوٹ: مرحوم کی زندگی ہی سے تین یتیم بچے پرورش پا رہے تھے، جن میں ایک بچی شادی کے قابل ہے، وہ تینوں بچے اب بھی بیوہ کے پاس پرورش پاتے ہیں، کیا شرعی جائیداد میں ان کا بھی کچھ حق ہے؟ متوفی کی تین حقیقی بہنیں ہیں، ایک یہاں اور دو پاکستان کی باشندہ ہو چکی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرحوم کے دادا، پردادا میں کوئی مرد موجود نہیں، تو مرحوم کا ترکہ بعد ادائے دینِ مہر وغیرہ، چار حصے بنا کر ایک حصہ بیوہ کو ملے گا اور ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کو ملے گا (۱)، جو بہنیں دوسرے ملک میں ہیں، ان سے ان کے حصہ کے متعلق معاملہ طے کر لیا جائے۔ جو بچے پرورش میں ہیں، وہ شرعی وارث نہیں (۲)۔ فقط

---

(۱) تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۴

میــــــت

بیوہ	بہن	بہن	بہن
۱	۱	۱	۱

واضح رہے کہ بہنوں کو ثلثان بطور ذوی الفروض ہونے کے ملا اور باقی ورثہ نہ ہونے کی وجہ سے علی سبیل الرد کے ملا۔

قال الله تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

"الخامسة: "الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض: ۶/۴۵۰، رشيديه)

"فيبداء بذوي الفروض، ثم بالعصبات النسبية، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذكور، ثم الرد على ذوي الفروض النسبية بقدر حقوقهم". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(۲) "يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". =

واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیمِ میراث

سوال[۱۱۵۲۲]: ایک مکان ہے جو ہندہ کے نام ہے، ہندہ کے تین لڑکے ہیں اور دولڑکیاں، ہندہ کا بڑا لڑکا ہندہ کے انتقال کے بعد کہتا ہے کہ آدھے مکان کا میں مالک ہوں، کیونکہ مکان کے سلسلہ میں آدھی رقم میں نے والدہ کو دی تھی اور صورت حال یہ ہے کہ مکان کا بیع نامہ ہندہ ہی کے نام ہے، اب اگر اس نے ہندہ کو آدھی رقم دی ہے تو وہ رقم ہبہ ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ کچھ علماء نے ہبہ ہی بتائی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں کہنے سے کیا وہ بڑا لڑکا آدھے مکان کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بڑے لڑکے نے رقم والدہ کو دے دی اور یہ نہیں کہا کہ یہ قرض ہے، میں واپس لوں گا تو وہ رقم ہبہ ہی شمار ہوگی (۱)، اب اس مکان میں سے اس رقم کی وجہ سے بڑا لڑکا کچھ بھی حق دار نہیں اور ہندہ کے وارث

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۱) "فصل في القرض (هو عقد مخصوص) أي: بلفظ القرض ونحوه (یرد علی دفع مال مثلي لآخر لیرد مثله)". (الدرالمختار). "(قوله: عقد مخصوص) الظاهر: أن المراد عقد بلفظ مخصوص؛ لأن العقد لفظ، ولذا قال أي: بلفظ القرض ونحوه أي: کالدین وکقوله: أعطني درهماً لأرد علیک مثله".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

"التملیک: هو جعل الرجل مالکاً، وهو علی أربعة أنحاء: ...... الثاني تملیک العین بلا عوض، وهي الهبة". (قواعد الفقه، ص: ۲۳۷، صدف پبلشرز)

"(هي) شرعاً (تملیک العین مجاناً) أي بلا عوض". (الدرالمختار، کتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعید)

صرف یہی تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ہندہ کے والدین اور شوہر کا انتقال پہلے ہو چکا ہے، تو ہندہ کا ترکہ جس میں یہ مکان بھی شامل ہے، دو دو حصے تینوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰/۶/۲۱ھ۔

اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا حصہ

سوال[۱۱۵۲۳]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، ہندہ زید کے یہاں متعدد بار آ گئی، مگر اولاد نہیں ہوئی اور انتقال کر گئی، زید نے ہندہ کے باپ (اپنے خسر کو ان کے مانگنے پر پورا مہر دے دیا) اور خسرِ زید (ہندہ کے باپ) نے کل روپیہ فوراً مسجد کو دے دیا اور اب پتہ چل رہا ہے کہ شوہر کا بھی حق ہوتا ہے، پس زید یہ سن کر اپنے حصے کا روپیہ واپس مانگ رہا ہے تو آیا شوہر کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو جو مہر کا روپیہ زید نے ہندہ کے باپ کو دیا تھا، اس نے کل مسجد پر دے دیا تھا تو زید کو روپیہ اب کون دے گا؟ آیا خسر (ہندہ کے باپ) دے گا یا مسجد سے زید کے حصے کی مقدار واپس کر لیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کے مہر سے نصف کا زید مستحق ہے(۲)، زید کے خسر کو لازم تھا کہ نصف زید کے پاس رہنے

---

(۱) نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۸

میـــــــــــــــــــــــــــــــت

بنت	بنت	ابن	ابن	ابن
۱	۱	۲	۲	۲

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (النساء: ۱۱)

"العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولکم نصف ماترک أزواجکم إن لم یکن لهن ولد﴾ (النساء: ۱۲) .... =

دیتا(۱)، اب جب کہ پورا روپیہ مسجد میں دے چکا ہے تو یہ بھی حق ہے کہ نصف واپس لے لے، وہ اس طرح کہ خسر اہل مسجد سے نصف واپس لے کر زید کو دے دے(۲)، اگر زید نہ لے، بلکہ وہ اپنی طرف سے محسوب کرلے تو وہ بھی مستحسن ہے، اجر ہوگا، ہندہ کا جو سامان جہیز وغیرہ تھا اس میں بھی زید نصف کا مستحق ہے، اگر اپنے خسر سے اس طرح معاملہ کرلے کہ جس قدر زید کا حصہ (نصف مہر) مسجد کو دے دیا ہے، اسی کے عوض بقیہ سامان میں سے زید کو دے دیا جائے، تب بھی درست ہے، یعنی نصف سامان تو حق وراثت زید کو مل جائے اور نصف مہر کے بقدر خسر اپنی میراث پدری سے زید کو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۱ھ۔

بیوی کا حصہ

سوال[۱۱۵۲۴]: محمد ایوب خان کے دولڑکے محمد یعقوب خان اور محبوب خان پہلی بیوی سے تھے، جن کا شادی کے بعد محمد ایوب خان نے جائیداد تقسیم کی اور الگ کردیا اور محمد ایوب خان نے دوسرا نکاح کیا، اسی بیوی سے ایک لڑکا محمد ریاض خان پیدا ہوا، جس کی ایوب خان نے شادی کردی اور اپنی کل جائیداد جواُن کے یعنی

= "فللزوج النصف عند عدم الولد وولد الولد". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشيديه)

(۱) "لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل التعزير: ۵/۱۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(۲) "أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ..... وينقض وقف استحق بملك أو شفعة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشيديه)

ایوب خان کے نام تھی، وہ محمد ریاض خان کے نام کردی، پھر ریاض خان کا انتقال پر ملال ہوا، اب ریاض خان کی بیوی کے سسرال والے یہ کہتے ہیں کہ قانوناً کل جائیداد کی مالک ہماری لڑکی یعنی مسمیٰ وکیلہ ہے اور یعقوب خان محبوب خان وایوب خان کہتے ہیں کہ ایسا نہیں، بلکہ اس جائیداد کے چار حصے ہونے ہیں اور تم صرف ایک حصہ کی مالک ہو اور مقدمات شروع ہوئے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شرعاً قرآن وحدیث کی رُو سے اس جائیداد کی مالک مرحوم ریاض کی بیوی مساۃ وکیلہ ہے یا نہیں؟ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ شرعاً ۴/ حصے ہوں گے اور وہ ایک حصہ کی مالک ہوگی کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو شوہر کے ترکہ مملوکہ سے میراث ملتی ہے، اگر شوہر نے اولاد نہ چھوڑی ہو تو بیوی کو ایک چوتھائی ترکہ ملتا ہے، اس سے زیادہ کی میراث اس کو نہیں ملتی، البتہ جو دَینِ مہر ہو، اس کو تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کرنا لازم ہوتا ہے(۱)۔

﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾(۲)

مجموعہ ترکہ پر بحیثیتِ وراثت شرعیہ اس کا دعویٰ کرنا اور قبضہ کا مطالبہ کرنا شرعاً صحیح نہیں، ہاں! اگر قانوناً جو زمین جس کی کاشت میں ہو، اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی کو بحیثیت کاشتکار ملتی ہو اور اصل مالک سرکار

---

(۱) "المسمیٰ دین في ذمته وقد تأكد بالموت فيقضى من تركته". (الهداية، باب المهر: ۳۳۷/۲، شرکت علمیہ ملتان)

"يبداء بتكفينه وتجهيزه ..... ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله ..... ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(۲) (النساء: ۱۱)

"وللزوجة الربع عند عدمهما". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۴۵۰/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۷۴/۹، رشيديه)

ہو، تو پھر قانون کا اعتبار ہوگا (۱)، اس میں شرعی میراث جاری نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ورثاء کی ملک ہی نہیں، جس میں میراث جاری ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۸۹ھ۔

تین بھائیوں، ایک بہن اور بیوی کے درمیان تقسیمِ میراث

سوال [۱۱۵۲۵]: مسمی محمد عیسیٰ صاحب انتقال کر گئے، حسب ذیل ورثاء چھوڑے تین حقیقی بھائی: محمد ادریس، محمد موسیٰ، محمد الیاس جو حیات ہیں، ایک بہن قبولہ، ایک بیوی زہرا خاتون، محمد عیسیٰ مرحوم نے اپنے سالے محمد ظہیر کی لڑکی انجم آرا کو بچپن سے پالا، اس کو اپنی لڑکی بنا کر رکھا، اب بعد انتقال مال وجائیداد کا حق دار کون ہوگا؟ کیا انجم آراء کو جائز ہے کہ وہ اپنی ولایت کو محمد عیسیٰ مرحوم کی طرف منسوب کرے؟ محمد عیسیٰ کے بھائیوں میں سے کوئی ایک بغیر اجازت دیگر ورثاء تمام جائیداد انجم آرا کے کرادے تو گنہگار رہوگا یا نہیں؟

کیا محمد عیسیٰ کے انتقال کے بعد بلا اجازت ان کے بھائیوں کے، ان کو مکان دے سکتا ہے اور وہ ان کے مال میں سے کھا سکتی ہے، ان فریقوں میں سے کوئی ایک بھی بغیر ان تمام فریقوں کی اجازت کسی قسم کا مال وجائیداد میں تصرف کر سکتا ہے، اگر تصرف کرے تو عند اللہ مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ انجم آرا کی شادی میں محمد عیسیٰ کے مال وجائیداد سے یہ جہیز وغیرہ سامان دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جہیز لینے والا جانتا ہے کہ عیسیٰ مرحوم کے مال سے شادی ہو رہی ہے تو وہ ماخوذ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز عیسیٰ مرحوم کی بیوی زہرا خاتون کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ آیا محمد عیسیٰ کے بھائیوں پر دیکھ بھال کرنا ضروری ہے یا خود زہرا کے بھائی جو کہ زندہ ہیں، پرورش کے کوئی ذمہ دار نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد عیسیٰ مرحوم کے انتقال کے بعد اس کے ذمہ جو کچھ قرض اور دین مہر وغیرہ ادا کیا جائے، پھر جو کچھ

---

(۱) "أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا" أي: يتبع ولا تجوز مخالفته". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في القواعد الفقه، الفن الأول، القواعد الكليه: ۱۰۸، مير محمد كتب خانه)

ترکہ بچے اس کے ایک تہائی سے اس کی وصیت پوری کی جائے (اگر وصیت کی ہو) پھر جو کچھ بچے اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے (۱):

مسئلہ ۲۸/۴

زوجہ	اخ	اخ	اخ	اخت
زہرہ	ادریس	موسیٰ	الیاس	قبولہ
۱/۷	۶	۶	۶	۳

(۳/۲۱)

یعنی ۲۸ حصہ بنا کر سات حصہ مرحوم کی بیوی زہرہ کو ملیں گے، چھ چھ حصے تینوں بھائیوں ادریس، موسیٰ، الیاس کو ملیں گے، تین حصے بہن قبولہ کو ملیں گے (۲)، مرحوم نے سالے کی لڑکی انجم آرا کو پالا ہے، اس کو بحیثیت وراثت کچھ نہیں ملے گا (۳)، ہاں! اگر اس کے لئے کچھ وصیت کی ہو تو ایک تہائی ترکہ میں اس کو

(۱) "تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبداء بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۷-۷۵۸، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النسا: ۱۱)

وقال الله تعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعيد)

(۳) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

پورا کیا جائے گا(۱)، اس کے علاوہ نہ تو وارث ہے نہ مرحوم کے ترکہ سے کچھ کھانے پینے کی اجازت ہے، وہ ترکہ بطور وراثت دوسروں کا ہوگیا، البتہ مرحوم کے ورثہ میں سے جو جو وارث چاہے اپنا حصہ اس لڑکی کو دے سکتا ہے(۲)، تمام ترکہ دینے کا حق نہیں، دوسرے کا حصہ نہیں دے سکتا(۳)، اگر دیں گے تو اس کا استعمال نہ انجم آرا کو جائز ہوگا نہ اس کے شوہر وغیرہ کو، مرحوم کی زوجہ زہرہ اگر غریب ہے، نادار ہے تو اس کے بھائی اس کی ہمدردی کریں(۴)، بعدعدت اس کا نکاح دوسری جگہ کرادیا جائے، تو بے فکری ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين". (السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۰، ۷۶۱، سعيد)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء". (شرح المجلة، كتاب الشركة، الفصل الثامن: ۱/۶۴۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال ..... الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) چونکہ ترکہ تمام ورثاء کے درمیان مشترک ہوتا ہے اور کسی کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کا حق نہیں، الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة، رقم المادة: ۹۶: ۱/۶۱، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الغصب، ص: ۲۷۶، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعيد)

(۴) "عن أبي موسىٰ رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أطعموا الجائع، وعودوا المريض وفكو العاني". (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض ..... الخ، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، قديمي)

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد، إذا اشتكى عضوا تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول: ۲/۴۲۲، قديمي)

مناسخہ کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۲۶]: ایک مکان ہے جو کہ موروثی ہے اور یہ مکان ہماری دادی مرحوم کی ذاتی ملکیت تھی، اس کے انتقال کے بعد ترکہ پہونچا ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کل یہی اولاد تھی (ہماری دادی جان کے)، لہٰذا بیٹا یعنی ہمارے والد مرحوم کے دو حصے ہوئے اور بیٹی کا ایک، لیکن ان دونوں بھائی بہنوں نے اپنی زندگی میں بٹوارہ نہیں کیا اور بغیر بٹوارہ عمل میں لائے، ہمارے والد ہماری پھوپھی انتقال کر گئیں، ہماری پھوپھی کی تین اولاد ہیں، یعنی ایک بیٹا اور دو بیٹی اور ہمارے والد کی اولادیں چار ہیں یعنی ہم تین بھائی اور ایک بہن۔

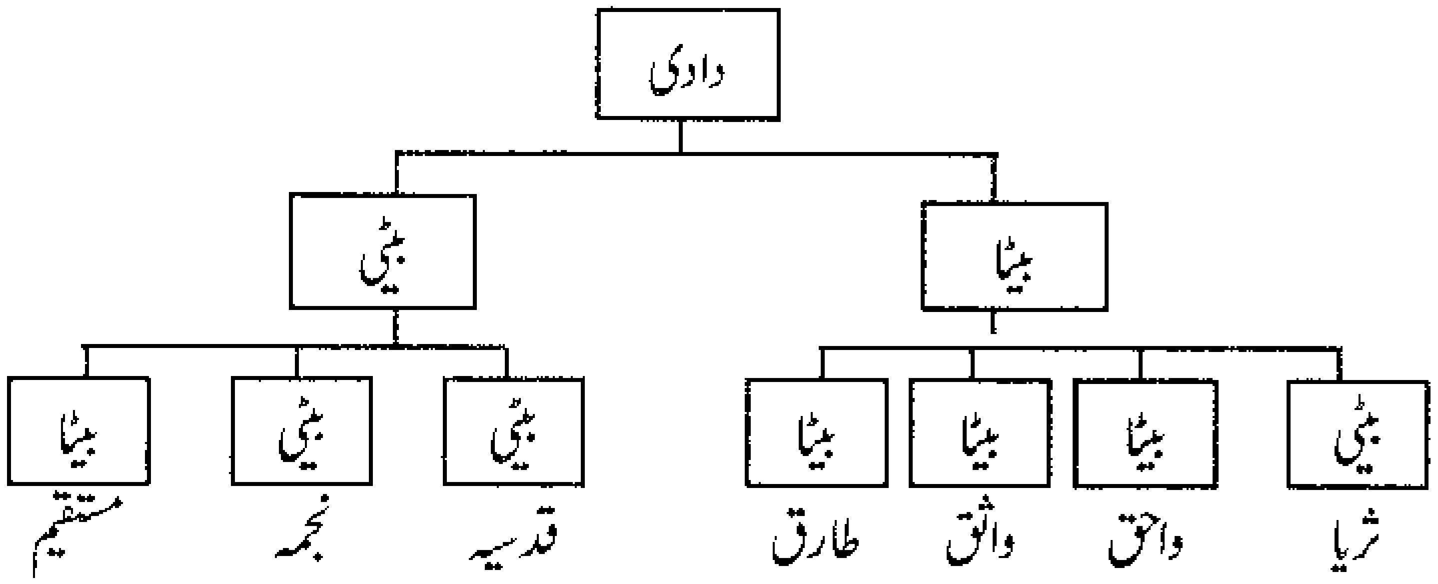

اب یہ بھی جان لیں کہ ہمارے دونوں بھائی بچپن ہی سے کمزور دماغ واقع ہوئے ہیں اور ان کی دماغی حالت صحیح نہیں کہی جا سکتی۔ چھوٹا بھائی واثق تو نیم پاگل ہے اور بڑے بھائی طارق پاگل تو نہیں کہہ سکتے، لیکن انہیں عقل وسمجھ کی حد سے زیادہ کمی ہے اور دماغ کمزور ہونے کی وجہ سے کچھ بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے، ثریا بہن اور ہم دماغی حیثیت سے بہتر ہیں۔ ہماری پھوپھی ہمیشہ سعودی عرب میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہیں اور ہم پر پورا بھروسہ کرتی ہیں، ہماری دونوں پھوپھی زاد بہن خودسر ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں، بزرگوں کا کہنا نہیں مانتی، البتہ چال چلن ان کا درست ہے، ان کا چھوٹا بھائی مستقیم بھی ہمارے بھائیوں کی طرح ہے۔

مذکورہ مکان کی بات چیت جب ہم نے اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے چند سال قبل کی تو وہ لوگ راضی نہیں ہوئے کہ ہم لوگوں کو ہمارے والد کا دو حصہ مکان میں ملے، اگر زبردستی کی جاتی اور قانونی کارروائی کی جاتی تو اندرونی معاملہ تو کوئی دیکھتا نہیں اور لوگ یہ کہتے کہ لڑکیوں کو بے سہارا کر ستا رہے ہیں، اس لئے ہم خاموش رہے، سال گزشتہ جب ہم نے تلاش معاش کے لئے امریکہ جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ والدہ اور بھائیوں کا

حصہ ان کے حوالہ کردیں تو ہم نے پھوپھی زاد بہنوئی سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا، لیکن بے فائدہ۔

وہ اس بات پر مصر ہیں کہ جتنا حصہ ہمارے قبضہ میں ہے، جو آدھے سے بھی بہت کم ہے، بس اتنا ہی لے کر اطمینان کرلیں اور بقیہ حصہ مکان کا ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیں، ہم نے سمجھایا، لیکن وہ نہیں مانیں، جب ہم نے قانونی کارروائی کی دھمکی دی تو رونے لگی اور کہا کہ تھوڑا سا لے لو، اس پر میرے دماغ میں یہ بات آگئی کہ جو تھوڑا سا یہ لوگ دینے کو راضی ہوئے ہیں اور زیادہ کے اصرار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ہرگز نہیں مانے گی اور نہ مانے گی تو پھر مقدمہ لڑنے کے سوائے کوئی چارہ نہ ہوگا، اس طرح وہ مکان بکتا نہیں کہ جس کے لئے گاہک تیار تھا، اس طرح میرے امریکہ جانے میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی، میرے نفس کو بڑی تسکین ہوئی کہ جو خاندان میں کسی سے نہ دبیں ان کو ہم نے دبالیا، ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو تھوڑی سی زیادہ زمین وہ دینے کو کہہ رہی تھیں، ہم لینے کو تیار ہوگئے، جس کے لینے کے بعد بھی پورے مکان میں ۲/۳ کے بجائے آدھے سے کم ہی حصہ ہم لوگوں کو ملا۔

ہماری والدہ مرحومہ کو اس کے متعلق خبر نہ تھی، ہم نے وثیقہ اس طرح لکھوایا کہ ہمارے والد نے اس مکان کا اپنا حصہ ہماری والدہ کو زبانی ہبہ کردیا تھا، جو حقیقت نہیں تھا، وثیقہ پر دستخط ان لوگوں کا اور میرا بحیثیت مختار عام کے ہوگیا، لیکن یہ اس وقت ہم نے نہ سوچا کہ ایسا کرکے ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں اور والدہ کی حق تلفی کررہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ چھوڑی ہوئی سب جائیداد ہم لوگوں نے انتظامی سہولت کے خیال سے والدہ مرحومہ کے نام کرادیا تھا۔

والدہ کو جب معلوم ہوا کہ ہم مکان فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ کہیں والدین کی حیات میں بٹوارہ ہوتا ہے، وہ چاہتی نہ تھیں کہ بٹوارہ ہو، پھر انہوں نے کہا کہ پہلے مکان نجمہ وغیرہ سے (ہماری پھوپھی زاد بہنوں سے بٹوار کرلو گے تب نا) ہم نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے جھنجھٹ کون مول لے، جتنا بھی دینے کو تیار ہوں ہم لے کر معاملہ ختم کرلیتے ہیں، ہم نے یہ نہیں کہا پھر معاملہ ختم کردیا ہے، والدہ نے کہا اپنا حصہ کوئی کیسے چھوڑ دے گا، پھر وہ خاموش ہوگئیں، اس واقعہ کے چار روز بعد ان کا انتقال ہوگیا، خانگی بٹوارہ نامہ جو ہمارے اور ہماری پھوپھی زاد بہنوں کے درمیان ہوا وہ سادہ کاغذ پر ہوا تھا، وہ کاغذ ہمارے پاس ہے، فریق دوئم کے پاس کوئی کاغذ نہیں ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ:

۱…… جو بٹوارہ ہم اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے کرچکے ہیں، اسی پر عمل کریں، اس پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی والدہ، اپنے بھائیوں، اپنی بہن کے حصوں کی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی بغیر

اجازت جب کہ ہم ان کے منتظم تھے، ہم نے ان کے حصے کی تھوڑی زمین اور مکان اپنی پھوپھی زاد بہنوں کے حوالہ کردیا ناجائز طریقہ سے۔

۲...... جو بٹوارہ ہم اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے کر چکے ہیں، اس کو کالعدم سمجھیں اور بٹوارہ نامہ پھاڑ کر پھینک دیں۔

جوصورت ہو، اُس سے آگاہی بخشیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بٹوارہ پھوپھی کی اولاد کے ساتھ آپ نے کیا، وہ بغیر دیگر ورثہ (بہن، بھائیوں، والدہ) کی اجازت سے کیا، آپ کو اس کا حق نہیں تھا، اگر سب نے منظور نہیں کیا تو وہ قابل عمل نہیں (۱)، دادی صاحبہ کے انتقال کے وقت اگر ان کے والدین اور شوہر موجود نہیں تھے، تو ان کا ترکہ تین حصے ہو کر ایک حصہ آپ کی پھوپھی صاحبہ کا تھا اور دو حصے آپ کے والد صاحب کے، پھر والد صاحب کے انتقال پر ان کا ترکہ آٹھ حصے ہو کر ایک حصہ آپ کی والدہ کا اور ایک حصہ آپ کی بہن کا اور دو دو حصے آپ تینوں بھائیوں کے ہوئے (۲)، پھوپھی کی اولاد کو ۳/۱ سے جس قدر زائد دیا اس کی قیمت لگا کر اب والدہ کے انتقال کے بعد اس کے سات حصے بنالیں، ایک حصہ اپنی طرف

(۱) "لایجوز التصرف في مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(وکذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیه)

(وکذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الغصب، ص: ۲۷۴، قدیمی)

(۲) نقشہ تقسیم

مسئلہ ۳

م

بیٹی	بیٹا
۱	۲

مسئلہ ۸

م

بیٹی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیوی
۱	۲	۲	۲	۱

سے بہن ثریا کودے دیں اور دو دو حصے دونوں بھائیوں واقف، طارق کودے دیں، اپنے دو حصے گویا کہ بٹوارہ کی صورت میں پھوپھی کی اولاد کودے ہی چکے ہیں، ان بہن بھائیوں کواس پر راضی کرلیں کہ انہوں نے اتنا اتنا اپنا حصہ فروخت کردیا، والدہ کا حصہ بھی سب آپ چاروں کو پہونچنا ہی تھا (جب کہ ان کے والدین نہیں تھے) اس طرح کرلینے سے آپ کو نہ عدالت میں جانا پڑے گا، نہ وعدہ خلافی ہوگی، نہ بہن بھائیوں کی حق تلفی ہوگی، نہ آخرت کا مؤاخذہ ذمہ میں رہے گا۔

بہن بھائیوں میں سے جو اپنا حصہ جو کہ پھوپھی کی اولاد کے پاس بٹوارہ میں چلا گیا، جس کے سات حصے بنانے کے لئے اوپر لکھا گیا ہے، بخوشی معاف کردے تو آپ اس کے حصہ کی قیمت دینے سے بَری ہوجائیں گے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۱ھ۔

میراث میں لڑکیوں کا حصہ

سوال [۱۱۵۲۷]: دیہات میں چونکہ لڑکیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں، اس لئے لڑکیاں جھگڑتی نہیں اور بعض لڑکیوں کو علم نہیں کہ ہمارا حصہ بھی جائیداد وغیرہ میں ہے یا نہیں، ایسی صورت میں اگر خبر نہ کی جاوے اور معاف کرالیا جاوے، تو معاف ہوگا یا نہیں؟ اور اگر خبر کردے کہ ان میں تیرا بھی حصہ ہے، لیکن تو معاف کردے تو معاف ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بے خبری میں گزر گئی کہ میرا حصہ بھی ہے یا نہیں، تو وہاں مواخذہ کرے گی یا نہیں؟

سائل: محمد یونس گوڑ گانوی متعلم جامعہ ہذا

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کا حق ذمہ سے بغیر اس کے ادا کئے یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ساقط نہیں ہوتا (۱)، اگر دنیا

(۳) "والدين الصحيح هو في التنوير وغيره" مالايسقط إلا بالأداء أو الإبراء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الكفالة، المادة: ۶۳۱: ۳/۲۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الكفالة، مطلب كفالة المال قسمان ...... الخ: ۵/۳۰۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الكفالة: ۲/۱۶۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "والدين الصحيح هو في التنوير وغيره: "مالا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء". (شرح المجلة لخالد =

میں نہ حق کوادا کیا نہ صاحب حق سے معاف کرایا تو قیامت میں مواخذہ ہوگا (۲)، اگر صاحب حق کو اس کے حق کی اطلاع کی گئی اور اس نے خوشی سے معاف کر دیا، تو پھر وہ حق معاف ہو جائے گا اور قیامت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۱/۱۱/۲۶ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تقسیم ترکہ وقرض کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۲۸]: ہمارے والد رحمہ اللہ تعالیٰ عمدون عرصہ چالیس سال ہوئے انتقال فرما گئے، ان کے چار بیٹے، حاجی قاسم، حاجی محمد، عبد الغفور، عبد الشکور ایک بھائی نمبر ۳ عبد الغفور والد صاحب کے زمانہ ہی میں اپنا علیحدہ کاروبار کرتے تھے، وہ مقروض ہو گئے، والد کے انتقال کے بعد ان کی خواہش ہوئی کہ اگر سب مل کر میرا قرض ادا کر دیں، تو میں اپنے حصہ سے دست بردار ہو جاؤں گا، چنانچہ سات ہزار روپے ان کے قرض میں سب نے مل کر ادا کر دیا، وہ تحریری طریقہ پر دست بردار ہو گئے، باقی تین بھائی قاسم، حاجی محمد، حاجی عبد الشکور نے مشترک کاروبار شروع کیا۔ ایک مکان حاجی قاسم وعبد الشکور کے نام خریدا گیا۔

اس سے متصل ایک بڑی زمین حاجی محمد کے نام پر خریدی گئی، اس قطعۂ زمین اور مکان کو ملا کر ایک بڑا

= الأتاسي، كتاب الكفالة، المادة: ۶۳۱ : ۳/۲۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الكفالة، مطلب في كفالة المال قسمان ...... الخ: ۳۰۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الكفالة: ۱۶۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمي)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين: ۴۵۳/۱، قديمي)

مکان کی منزلہ تعمیر کیا گیا، ایک چھوٹا مکان بنام حاجی محمد وحاجی قاسم ہے، اس کے علاوہ ایک دکان قاسم کی زوجہ کے نام پر خریدی گئی، اس شرط پر کہ زوجہ حاجی قاسم کے انتقال پر بنام حاجی عبدو، حاجی محمد عمرو، حاجی محمد (عبدو کا پوتا) ہوگی، حاجی محمد نے ایک مکان حاجی قاسم کے نام خریدا اور چھوگا لال والا مکان فروخت کرکے ساڑھے چھ ہزار روپے حاصل کئے، قاسم نے پوتوں کے نام وصیت نامہ تحریر کرکے قبضہ میں دے دیا، ایک مکان زوجہ کو حاجی محمد نے خرید کراز سرنو تعمیر کرایا۔

والد کے انتقال کے چار سال بعد ہی والدہ کا انتقال ہوا، جس کو چھتیس سال کا عرصہ ہوا، انتقال کے وقت ایک طلائی ہار سترہ تولے کے بارے میں ایک پوتے کے لئے وصیت کرگئیں اور اب پینتیس سال کے بعد ایک بھائی نے اس پوتے کے سپرد کردیا، حاجی محمد نے دو حج کئے اور بیوی کو کرائے اور اولاد کی شادیاں کیں، دوسرے بھائی نے بھی اولاد کی شادیاں کیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ حاجی محمد کہتے ہیں، کہ سب مکانات وغیرہ میری ذاتی کمائی ہیں اور اسی طرح ان کی زوجہ کہتی ہیں کہ یہ سب کچھ میرے شوہر کی کمائی کا حصہ ہے، بتیس ہزار روپے اس کاروبار پر قرض ہیں، حاجی محمد اس کی ادائیگی کے لئے متفکر ہیں، ہم سب کے مشترک کاروبار کی اس صورت میں شرع شریف کی رو سے کس طرح تقسیم عمل میں آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبدو کے انتقال کے بعد چار بیٹے برابر کے وارث تھے، پھر تین نے اور ان کی والدہ نے مل کر عبدالغفور کا قرض سات ہزار روپے ادا کیا، اس شرط پر کہ عبدالغفور ترکۂ پدری سے دستبردار ہوجائے گا، گویا کہ انہوں نے اپنا حصۂ میراث مبلغ سات ہزار روپیہ میں اپنے بھائیوں اور والدہ کے ہاتھ فروخت کردیا، لہٰذا اب عبدو کے ترکہ میں تین لڑکے اور بیوی شریک رہے(۱)۔

---

(۱) "التخارج وهو تفاعل، والمراد به ههنا أن يتصالح الورثة على إخراج بعضهم عن الميراث بشيء معلوم من التركة، وهو جائز عند التراضي، نقله محمد في كتاب الصلح: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ... فورثها عثمان رضي الله تعالىٰ عنه مع ثلث نسوة آخر، فصالحوا عن ربع ثمنها على ثلاثة وثمانين ألفاً، فقيل: هي دنانير، وقيل: دراهم". (الشريفيه شرح السراجية، فصل في التخارج، ص: ۴۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلح، فصل في التخارج: ۶۴۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الكفالة، المادة: ۱۵۴۱: ۵۹۳/۴، رشيديه)

پھر کاروبار مشترک رہنے کی وجہ سے آمدنی بھی سب کی برابر مشترک رہی، اس مشترک آمدنی سے جو مکان حاجی قاسم وحاجی عبدالشکور کے نام خریدا گیا اور جو زمین حاجی محمد کے نام خریدی گئی، وہ بھی سب مشترک ہے، پھر جو مکان کئی منزلہ وہاں تعمیر کیا گیا، وہ بھی مشترک ہے، چھوٹے مکان یک منزلہ جو کہ حاجی محمد وحاجی قاسم کے نام پر ہے، وہ بھی عبدو کے ترکہ سے ہے یا مشترک آمدنی سے ہے، وہ بھی مشترک ہے، جو دکان لب سڑک حاجی قاسم کی زوجہ کے نام خریدی گئی ہے، اس کا بھی یہی حال ہے، جو شرط اس میں لگائی ہے، وہ بھی لغو ہے، اسی طرح حاجی محمد کا خرید کردہ مکان جس کی وصیت حاجی قاسم نے پوتوں کے نام کی اور زوجہ حاجی محمد کا لکھنو والا خرید وتعمیر کردہ مکان یہ بھی مشترک ہے(۱)۔

والدہ کے انتقال کے بعد اگر ان کے والدین میں کوئی زندہ نہیں، تو ان کا ترکہ چاروں بیٹوں کو ملے گا، یعنی عبدالغفور بھی اس ترکہ مادری میں شریک ہوگا(۲) جو کہ پہلے ترکہ کو بھائیوں کے ہاتھ فروخت کر چکا تھا، والدہ نے جو طلائی ہار کی وصیت پوتے کے لئے کی ہے، اگر یہ والدہ کے ترکہ کے ایک تہائی کے اندر ہے، تو شرعاً یہ صحیح اور معتبر ہے، اگر ایک تہائی سے زائد ہے، تو یہ چار بیٹوں کی اجازت پر موقوف ہے(۳)، والدہ اپنے شوہر کے

---

(۱) "(سئل) في إخوة خمسة سعيهم وكسبهم واحد وعائلتهم واحدة، حصلوا بسعيهم وكسبهم أموالاً، فهل تكون الأموال المذكورة مشتركة بينهم أخماساً"؟

(الجواب) ما حصله الإخوة الخمسة بسعيهم وكسبهم يكون بينهم أخماساً". (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الشركة: ۱/۹۵، مكتبه إمداديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۰، مكتبه القدوس)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "ولا تجوز بما زاد على الثلث، إلا أن يجيزه الورثة بعد موته، وهم كبار". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰، ۶۵۱، سعيد)

ترکہ سے آٹھویں حصہ کی حق دار ہے(۱)۔

مشترک روپے سے جو حج کیے گئے، ایک بار یا دو بار اولاد کی جو شادیاں کی گئیں اور جو کچھ بھی ان میں خرچ ہوا، یہ سب اجازت ورضامندی سے جیسا کہ عامۃً مشترک کاروبار میں مشترک خاندان ہر کم وبیش میں صَرف ہوا ہی کرتا ہے، اب اس کا کوئی حساب نہیں، کاروبار میں مشترک ہوتے ہوئے حاجی محمد کا یہ کہنا کہ سب مکانات وغیرہ میری ذاتی کمائی ہے، اسی طرح ان کی زوجہ کا اس میں ہمنوائی کرنا غلط اور شرعاً غیر معتبر ہے(۲)، تیس ہزار روپے جو اس کاروبار پر قرض ہے، وہ بھی سب مشترک ہے، سب کو اس کاروبار سے وہ قرض ادا کرنا لازم ہے، کسی کو انکار کرنے کا حق نہیں (۳)۔ اب اگر علیحدگی چاہتے ہیں تو اولاً قرض ادا کردیں پھر جو کچھ بچے اس کو برابر تقسیم کرلیں، نقد بھی سامان بھی، زمین بھی، مکان بھی، دکان بھی۔

عبدالغفور کا تعلق نہ والد صاحب کے ترکہ سے رہا، نہ قرض سے، نہ وہ ترکہ لیں گے، نہ قرض میں شریک ہوں گے، والدہ کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کے حق دار ہیں (۴)۔ اور جو قرض ان کے حصہ میں آئے گا، وہ ان کے ذمہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۳/۱ھ۔

تقسیمِ ترکہ کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۲۹]: حسب ذیل صورت میں تقسیم ترکہ کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ زید کی خالہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (النساء: ۱۲)

(۲) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۳۵

(۳) "أن كل دين لزم أحدهما بتجارة أو مايشبهها لزم الأخر بمقتضى تضمنها الكفالة". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، الفصل الخامس، المادة: ۱۳۵۶: ۲۸۰/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الفصل الثالث: ۳۰۹/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الشركة: ۵۴۸/۲، ۵۴۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۳۵

مسماۃ ہندہ نے پاکستان میں انتقال کیا، جوکہ قانونی اعتبار سے پاکستانی بن گئی تھیں، ان کی کچھ امانت زید ان کے حقیقی بھانجے کے پاس ہے، یہاں ہندہ مذکورہ کے پوتے پوتیاں پاکستان میں ہیں اور ہندوستان میں صرف حقیقی وارث ایک لڑکی ہے اور بھانجہ "امین" وراثت از اراضی بصورت ملکیت ہے۔

ہندہ

لڑکی حقیقی وارث ہندوستانی	پوتے پاکستانی، پوتیاں پاکستانی حقیقی	حقیقی زید بھانجہ ہندوستانی ایک
۱	۳	۴

الجواب حامداً ومصلياً:

بھانجہ مستحق نہیں (۱)، ہندہ کا ترکہ مملوکہ بیس حصے بنا کر دس حصے لڑکی کو ملیں گے، دو حصے تینوں پوتوں کو ملیں گے، ایک ایک حصہ چاروں پوتیوں کو ملے گا (۲)، وارث کسی دوسرے ملک میں ہونے کی وجہ سے محروم نہیں

(۱) "هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبة، ولا يرث مع ذي سهم، ولا عصبة سوى الزوجين ...... وهم أولاد البنات ..... وأولاد الإخوة والأخوات لأم أو لأب". (الدر المختار، كتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام: ۶/۷۹۱-۷۹۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۹۶-۳۹۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب العاشر: ۶/۴۵۸، رشيديه)

(۲) نقشہ تقسیم ملاحظہ ہو:

مسئلہ / ۲، تصـ ۲۰

مسـ

بیٹی ۱	پوتے ۳	پوتیاں ۴	بھانجہ ۱
نصف	عصبہ	عصبہ	محروم
۱۰	۶	۴	

قال الله تعالىٰ: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (النساء: ۱۱)

"فيبدأ بذي الفرض، ثم بالعصبة النسبية، ثم بالعصبة السببية الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه) =

ہوتا(۳)، اگر زمین ہندہ کی ملکیت تھی (حکومت مالک نہیں) تو اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح :العبد نظام الدین۔

دو بیویوں کی اولاد کے درمیان تقسیم میراث

سوال[۱۱۵۳۰]: ہمارے والد صاحب کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور والد صاحب نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کیا، اس سے چار لڑکے ہیں، اب والد و والدہ دونوں کا انتقال ہوگیا، لہٰذا اب ہمارے آپس میں جائیداد کے متعلق جھگڑا ہے، بڑا بھائی کہتا ہے کہ سب جائیداد میں سے آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا تمہارا چار بھائیوں کا ہے، لہٰذا اب یہ مشورہ ہوا ہے کہ فتویٰ منگالیں، جس طرح علماء دین شرع کے مطابق جواب دیں گے، آیا یہ اس طرح صحیح ہے جس طرح ہمارا بھائی کہتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے بھائی کا یہ دعویٰ کرنا کہ آدھا میرا حصہ ہے، غلط ہے، پانچوں بھائی برابر کے حق دار ہیں (۱)، اگر

= (وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۴، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

"وكذلك اختلاف الدارين سبب لحرمان الميراث ...... ولكن هذا في أهل الكفر لا في حق المسلمين، حتى أن المسلم إذا مات في دار الإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث".

(البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۷، ۷۶۸، سعيد)

(وكذا في الشريفية شرح السراجية، فصل في الموانع، ص: ۱۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "أما العصبة بنفسه، فكل ذكر لاتدخل في نسبته إلى الميت أنثىٰ، وهم أربعة أصناف: جزء الميت ...... الخ". (السراجي في الميراث، باب العصبات، ص: ۱۴، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه) .... =

ایک بھائی ایک ماں سے ہے اور چار بھائی دوسری ماں سے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ بڑے بھائی کی والدہ کے ترکہ میں وہ بھائی جو دوسری والدہ سے ہیں، وہ اس میں حصہ دار نہیں ہوں گے، اسی طرح چاروں کی والدہ کا ترکہ ان چاروں کو ملے گا، بڑا بھائی جو کہ پہلی بیوی سے ہے وہ اس میں حصہ دار نہیں ہوگا (۲)۔ مگر والد کے ترکہ میں سب ہی برابر کے حصہ دار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

بیوی کے بیٹے کو مالک بنانے کا وعدہ کیا پھر اس کی اپنی اولاد ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۱۱۵۳۱]: زید نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا، اس عورت کے پہلے شوہر سے جو دو بچے تھے جو اپنے ساتھ لائی تھی اور زید کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے زید نے دس آدمیوں کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ میری ہر چیز کا مالک یہ لڑکا ہے اور بعد میرے بھی یہی ہوگا، جس کا نام مختار احمد ہے، بعد چھ سات سال کے اس عورت کے بطن سے دو تین بچے ہوئے، مگر ایک لڑکا بقید حیات ہے، جس کا نام محمد فاروق ہے، جب سن بلوغ ہوا تو زید نے یکے بعد دیگرے دونوں لڑکوں کی شادی کردی، چند سال بعد محمد فاروق اپنے بڑے بھائی مختار احمد سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر سے نکل جاؤ، چونکہ یہ مکان میرے باپ کا ہے، یہاں تمہارا کوئی حق نہیں ہے، کیا از روئے شرع مختار احمد کا حق واقعۃً نہیں ہے؟ اگر ہے تو کتنا؟ دوسری بات یہ ہے کہ زید اب بہت پریشان ہے کہ میں وعدہ کر چکا ہوں اور میں آج بھی اپنے وعدے پر قائم ودائم ہوں اور شریعت جو فیصلہ کرے گی، اسے مانوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اپنی دوسری بیوی کے ساتھ آئے ہوئے مختار احمد کو اپنی ہر چیز کا مالک بنایا اپنی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی، لیکن کوئی چیز اس کو اپنی ملک سے نکال کردے کر اس پر اس کا جداگانہ قبضہ نہیں کرایا، تاکہ ہبہ شرعاً کامل اور معتبر ہو جاتا، زید اب بھی زندہ اور اپنی ہر چیز پر قابض ہے، لہٰذا یہ ہبہ بے کار اور غیر معتبر ہے (۱)، جب

= (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، فصل في العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعيد)

(۲) مذکورہ دونوں صورتوں میں اسباب ارث میں سے کوئی سبب نہیں پایا جا رہا۔ لہٰذا ان کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعيد) .... =

تک زید زندہ ہے، مکان خود زید کا ہے، مختار احمد یا محمد فاروق کا اس پر دعویٰ ملکیت غلط ہے(۱)، زید کے انتقال پر وراثت اس کے لڑکے محمد فاروق کو پہونچے گی، مختار احمد زید کا بیٹا نہیں، اس کو وراثت نہیں پہونچے گی (۲)، زید نے جس وقت دس آدمیوں میں وعدہ کیا تھا، اس وقت زید کے اولاد نہیں تھی، بیوی کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا اور اسی کے حق میں وعدہ کیا تھا۔

لیکن اپنی اولاد پیدا ہو جانے کی وجہ سے اب اس وعدہ کو پورا کرنے میں اپنی اولاد کی حق تلفی ہے، اس مجبوری کی وجہ سے اگر وہ وعدہ پورا نہ کرے، تو گنہ گار نہیں ہوگا (۳)۔ اگر مختار احمد اور محمد فاروق میں کچھ مصالحت

= "لا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني: ۳۷۷/۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الهبة: ۲۸۱/۳، شركة علميه)

(۱) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۷۶۲/۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴۹۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له يكون جميع ماتحصل من الكسب لأبيه، وما اشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراؤه لأبيه بإذنه لايكون الاختصاص بدون وجه شرعي، بل خاص بالأب، فإن كان شراؤه لنفسه، ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه، يكون خاصاً به وبدل الثمن مضمون للأب". (الفتاوى الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۱، رشيديه)

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، وألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۳۲۵/۴، سعيد) =

کرادے تو بہتر ہے، ورنہ مختار احمد کے حق میں ایک تہائی کی وصیت کرنے کا زید کو حق حاصل ہے(۱)، جس کو زید کے بعد پورا کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الرابع: ۳۲۹/۲، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الدعوىٰ: ۱۷/۱، مكتبه إمداديه كوئته)

(۱) "تجوز بالثلث". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶۵۰/۶، سعيد)

"ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبارٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا: ۹۰/۶، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الوصايا: ۳۱۴/۹، رشيديه)

الفصل الخامس في استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدمِ استحقاق وراثت کا بیان)

مکانِ مشترک اور کسب مستقل ہونے کی صورت میں تقسیمِ میراث کا حکم

سوال[۱۱۵۳۲]: محمد رضاء عرف جمن صاحب نے بنارس میں ایک مکان خریدا اور یہیں رہنے لگے، محمد رضاء عرف جمن کے دولڑکے تھے، بڑے کا نام رحمت اللہ اور شمس الدین تھا، محمد رضا صاحب سلائی کا کام کرتے تھے اور محمد رحمت اللہ نے پہلے کمپونڈری سیکھی اور اس کے بعد حکیمی کرنے لگے تھے، محمد رضاء عرف جمن اور رحمت اللہ صاحب دونوں الگ الگ کام کرتے تھے اور روپیہ دونوں دیتے تھے، جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے، بعد میں محمد رضاء صاحب نے کام کرنا بند کر دیا، جس کی وجہ سے وہ گھر کے لئے اخراجات نہ دیتے تھے، صرف محمد رحمت اللہ ہی گھر کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے اور یہ سب لوگ مل کر آپس میں رہتے تھے، بعدہ رحمت اللہ نے بنارسی کپڑے کا کام شروع کر دیا اور یہاں سے چھوڑ کر بارہ بنکی چلے گئے اور وہیں سے تجارت کرتے تھے، زوجہ رحمت اللہ (دفاتن) کہا کرتی تھیں کہ محمد رحمت اللہ نے تین بیس روپیہ اپنے والد محمد رضا سے لیا تھا اور اس کپڑے کا کاروبار شروع کیا اور بعد اپنے والد کا روپیہ واپس کر دیا، جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ محمد رحمت اللہ صاحب بنارسی کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ بارہ بنکی میں رہتے تھے اور جب موقع ملتا تھا، بنارس بھی آتے تھے، یہاں بنارس میں رحمت اللہ کی اہلیہ دفاتن اور بچے اور ان کے والد محمد رضاء اور ان کے چھوٹے بھائی محمد شمس الدین ان کی یہاں سے مدد لیا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ رحمت اللہ صاحب جو کپڑا وغیرہ یہاں بنارس میں بننے کا آرڈر دیا کرتے تھے تو اس کو یہاں سے بارہ بنکی یا جہاں رحمت اللہ کہتے تھے پارسل کر دیا کرتے تھے اور کوئی کام جو رحمت اللہ کہتے تھے وہ یہاں کر دیا کرتے تھے، محمد رحمت اللہ نے اپنے روپیہ سے یہاں بنارس میں ایک مکان اپنے نام اور ایک بڑے لڑکے کے نام سے خریدا اور ایک مکان بارہ بنکی میں اپنے چھوٹے لڑکے کے نام سے خریدا، یہ سب مکان اپنے والد کی زندگی میں خریدے، اس

کے بعد رحمت اللہ کے والد محمد رضا کا انتقال ہوگیا، لیکن کاروبار حسبِ دستور چلتا رہا، محمد رحمت اللہ وہاں سے روپیہ بھیجتے رہے اور یہاں پر سب اکٹھا کھاتے پیتے رہے۔

کچھ سال بعد محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہیں اور اپنے دولڑکے محمد حسین، محمد قاسم اور ایک لڑکی بصیرت اور اپنی زوجہ دفاتن اور گہنہ جات اور کچھ روپیہ چھوڑا، اب چونکہ شمس الدین گھر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے وہ گھر کے سب کاروبار دیکھنے لگے اور یہاں سے بارہ بنکی چلے گئے تاکہ وہاں کا کاروبار دیکھیں، محمد شمس الدین نے رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے گہنہ جات وصول کرکے کچھ مکان اور جائیداد اپنے نام سے خریدی اور کچھ دنوں میں بارہ بنکی کا کاروبار ختم ہوگیا اور شمس الدین صاحب یہاں بنارس چلے آئے، یہاں آکر کچھ دنوں شمس الدین اور دونوں لڑکے اپنا الگ الگ کھانے پینے لگے، اب سوال یہ ہے کہ جائیداد کس کس کی مانی جائے گی؟ رحمت اللہ کی یا شمس الدین صاحب کی یا محمد رضاء عرف جمن کی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو مکان محمد رضاء عرف جمن نے بنارس میں خریدا وہ ان کا ترکہ ہے، ورثہ میں شرعی حصوں کے موافق تقسیم ہوگا(۱)، محمد رضا اور محمد رحمت اللہ کا بنارس میں کام الگ الگ تھا، کمائی ہر ایک کی مستقل تھی (مشترکہ نہیں تھی)، البتہ گھر کا خرچہ مشترک چلاتے تھے، اس کمائی کے دونوں جداگانہ مالک تھے(۲)، پھر محمد رضاء نے کام بندکرکے کمائی کا سلسلہ ختم کردیا، صرف محمد رحمت اللہ کماتے اور سب خرچ برداشت کرتے رہے، پھر محمد رحمت اللہ

(۱) "لا شک أن أعيان الأموال يجري فيها الإرث". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

"أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم". (شرح المجلة، لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، المادة: ۱۰۹۲: ۴/۳۱، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الفرائض: ۲/۴۹۷، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "سئل في ابن كبير ذي زوجة وعيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات، هل هي لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته؟ أجاب هي للابن تقسم بين ورثته على فرائض الله تعالىٰ، حيث كان له كسب مستقل بنفسه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۲/۱۷، مكتبه إمداديه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۲/۹۴، مكتبه إمداديه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۴/۳۲۵، سعيد)

نے بارہ بنکی میں کام شروع کیا اور بقول زوجہ محمد رحمت اللہ نے جو روپیہ والد سے قرض لیا تھا وہ واپس کر دیا، محمد رضاء کی آمدنی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، ان کے پاس روپیہ نہیں تھا ان کا خرچ ہی محمد رحمت اللہ کے روپیہ سے پورا ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں بارہ بنکی کے کام میں محمد رحمت اللہ ہی کا روپیہ لگایا، اس سے ترقی ہوئی اور اس سے بنارس کے اخراجات پورے ہوئے۔

محمد شمس الدین نے جو مدد کی، وہ روپیہ لگا کر نہیں، بلکہ آرڈر بھیجنے پر مال تیار کرانے میں مدد کی تو وہ محض معین کی حیثیت میں رہے، روپیہ نہیں لگایا، اس لئے بنارس و بارہ بنکی میں محمد رحمت اللہ نے جو تین مکان خریدے ہیں، وہ نہ محمد رضاء کے ہیں نہ محمد شمس الدین کے ہیں، بلکہ محمد رحمت اللہ کے ہیں، محمد رضاء کے انتقال پر ان کے بنارس والے مکان پر سب ورثہ کا حصہ ہوگا، محمد رحمت اللہ کے انتقال پر ان کے خریدے ہوئے تینوں مکانوں میں ان کے ورثاء ایک بیوی دولڑکے ایک لڑکی کا حصہ ہوگا (۱)، شمس الدین کا حصہ نہیں ہوگا (۲)، محمد شمس الدین نے جو محمد رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے روپیہ وغیرہ سے جو کچھ مکان وغیرہ اپنے نام خریدا ہے، یہ ان کو حق نہیں تھا، وہ اس کے مالک نہیں، ان کو لازم ہے کہ یہ سب محمد رحمت اللہ کی بیوی اور اولاد کو دے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۱۱/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۴۳

(۲) "الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالميراث جزء الميت أي: البنون، ثم بنوهم ...... ثم أصله أي: الأب ..... ثم جزء أبيه أي: الإخوة، ثم بنوهم". (السراجي، باب العصبات، ص: ۱۴، قديمی)

"وعصبه أي: من يأخذ الكل أي: إذا انفرد والأحق الابن، ثم ابنه ... ثم الأخ لأب وأم".

(البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۲، رشيديه)

(۳) "وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: مادام قائماً، لقوله عليه السلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". وقال عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده".

(الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركت علميه ملتان) .... =

والد کے انتقال کے بعد مکان والدہ کے نام ہونے کی صورت میں تقسیمِ میراث کا حکم

سوال[۱۱۵۳۳]: میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو والدہ صاحبہ نے دوسرا نکاح کیا دوسرے شوہر سے ایک لڑکی موجود ہے اور دو بہنیں بھائی ہم ہیں، اب دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہوگیا اور تحصیل میں والدہ صاحبہ کا نام چڑھ گیا، اب انہوں نے زمین اور گھر میرے نام سے بیع نامہ کر دیا ہے، میں اب دونوں چیزوں کا مالک ہوگیا، میں نے اس زمین سے دوسری زمین کا تبادلہ کیا تو میں نے اس کے نام بیع نامہ کیا اور اس کی زمین اپنی لڑکیوں کے نام بیع نامہ کیا، میں نے جائز کیا یا ناجائز؟ اب آپ کی خدمت میں چوتھا فتویٰ بھیج رہا ہوں، مگر میں اس سے پہلے فتوے کے جواب کا منتظر ہوں۔ اب اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جواب ضرور ملے گا، لیکن جب والدہ صاحبہ نے جو زمین اور گھر میرے نام کیا تھا تو اس میں جو کچھ خرچ ہوا تھا وہ میں نے ہی کیا، کسی دوسرے کا نہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ والدہ صاحبہ کا نام تحصیل میں کس حیثیت سے چڑھ گیا ہے؟ کیا والد صاحب مرحوم نے ان کے نام بیع نامہ بعوض مہر ہبہ نامہ کر کے اس کا قبضہ کرا دیا تھا، اس وجہ سے ان کا نام سرکاری کاغذات میں بیع نامہ درج کیا گیا یا حکومت کا قانون یہ ہے کہ جو زمین کسی شخص کے پاس حکومت کی طرف سے ہو، اس کے انتقال پر وہ زمین اس کی اہلیہ کو ملے گی؟(۱) پھر والدہ نے آپ کے نام بیع نامہ کر دیا، تو آپ اس بیع نامہ کی رو

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب: ۴/۷۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) اگر والد صاحب نے یہ مکان بطور مہر کے قبضہ کرا کر دیا ہے تو یہ والدہ کی ملک ہے، اس لئے کہ مہر بیوی کا حق ہے اور اگر حکومت نے دی ہے تو پھر بھی والدہ کی ملک ہے، اس لئے کہ جائز امور میں حکومت وقت کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا اس کا آگے فروخت کرنا درست ہے۔

"أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا" أي: يتبع ولا تجوز مخالفته". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲، إدارة القرآن كراچى)

سے مالک ہوگئے (۱)، آپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ جس کے نام چاہیں بیع کردیں یا تبادلہ کرلیں، اگر ایسی صورت نہیں ہے، بلکہ زمین اور گھر کے والد صاحب مالک تھے اور کسی غلطی سے والدہ کا نام چڑھ گیا، تو پھر وہ والد مرحوم کا ترکہ ہے (۲)۔

آپ بھی اس میں حق دار ہیں، تنہا آپ مالک نہیں، آٹھواں حصہ آپ کی والدہ کا ہے، بقیہ میں سے دوہرا آپ کا، اکہرا آپ کی بہنوں کا ہے، یعنی ۲۴ حصہ بنا کر تین حصے والدہ کے ہیں، سات بہن کے، ۱۴ آپ کے (۳) اگر والدہ نے اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیع کردیا تو آپ اس کے مالک ہوگئے (۴)، بہن نے بھی اگر آپ کو دے دیا تو اس کے بھی مالک ہوگئے اور مذکورہ تصرف بھی آپ کا درست ہوگیا (۵)، والدہ سے پیدا شدہ

---

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب البيوع، حكم البيع: ۴/۴۸۲، رشيديه)

(۲) "لأن التركة في الاصطلاح ماتركه الميت من الأمول صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية السراجي، ص: ۲، قديمي)

(۳) تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

۸، تصـ ۲۴

مسـ

بیوی	بیٹا	۷/۲۱	بیٹی
۱/۳	۱۴		۷

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱

(۵) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء". (شرح المجلة، كتاب الشركة، الفصل الثامن: ۱/۶۲۳، مكتبه حنفيه كوئته)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال... الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

دوسرے شوہر سے جولڑکی موجود ہے، اس صورت میں وہ حق دار نہیں (۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۱۳۹۹ھ۔

فساد میں مرنے والے کے خون کا ملنے والا معاوضہ کس کا حق ہے؟

سوال [۱۱۵۴۴]: ۳۱/مارچ ۷۵ء کو مالیگاؤں میں فساد ہوا، فساد میں پولیس کی گولی سے مرنے والوں میں ایک شخص امام الدین ولد نجم الدین بھی تھا، مذکورہ شخص کے پسماندگان میں ایک بیوی، ماں باپ اور دو بھائی، دو بہنیں ہیں، جن میں سے ایک بہن شادی شدہ ہے، جو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے، بقیہ تمام لوگ ایک ہی مکان میں مشترکہ خاندان کے طور پر زندگی گزارتے ہیں، مرنے والے فرد کے مکان میں کل نو افراد رہتے ہیں، جس وقت امام الدین کی موت واقع ہوئی تو اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی، حادثہ وفات کے تین ماہ بعد لڑکا تولد ہوا، اس حادثہ کے کچھ عرصے بعد حکومت کی طرف سے بطور امداد مبلغ ۵۵۰۰/سو روپے ملا، مرحوم کے بھائی بہنوں میں ایک بھائی اور ایک بہن شادی شدہ ہے اور ایک بھائی اور ایک بہن کی شادی کرنی ہے، لہٰذا اس رقم کا حق دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حکومت کی طرف سے کسی کو متعین کر کے وہ روپیہ نہیں دیا گیا، بلکہ معاوضہ خون دیا گیا ہے تو فساد میں پولیس کی گولیوں سے مرنے والے کے ورثہ کو شرعی وراثت کے طور پر تقسیم ہوگا، پس اگر اس کے ایک لڑکا اور بیوی ہے، اولاد کوئی اور نہیں تو آٹھواں حصہ بیوی کو ملے گا، بقیہ لڑکے کو ملے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۶ھ۔

= (وكذا في شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۷) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) سوال میں چونکہ ماں باپ کا بھی ذکر ہے، اس لئے تقسیم اس طرح ہوگی: .... =

ماں کے ساتھ رنجش کی صورت میں بیٹے کا مستحقِ میراث ہونا

سوال[۱۱۵۳۵]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ہندہ زید کی والدہ ہے، بہو اور ساس کی رنجش کی وجہ سے ہندہ اپنے لڑکے یعنی زید کو پورے مکان سے ہی بے دخل کرنا چاہتی ہے، جب کہ تقریباً بیس سال تک زید نے والدہ کی خدمت کی، گھر کے سب عزیزوں کا یہی مشورہ ہے کہ سب گھر کے لوگ ہمدردی اور محبت سے رہیں، دراصل ہندہ اپنے داماد کے کہنے پر اپنے لڑکے زید سے برگشتہ رہتی ہے، اس سلسلے میں احکام شرع کی روشنی میں دونوں کے حق میں فیصلہ صادر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھر کے عزیزوں اور بزرگوں کا مشورہ نہایت مناسب ہے، شریفانہ وہمدردانہ مشورہ ہے، شریعت کے بھی موافق ہے، اہل دانش کے رواج کے بھی موافق ہے، ماں کو لازم ہے کہ داماد یا کسی کے بھی اکسانے سے مشتعل نہ ہو، سب گھر کی بزرگ اور سرپرست ہو کر مربیانہ طریقہ سے شفقت وہمدردی کے ساتھ اس خدمت گزار وحق شناس بیٹے کے ساتھ رہے، بیٹا بہو اور ان کی اولاد سب خدمت کریں گے، راحت پہونچائیں گے، ان کو بھی راحت ہوگی۔ یکجہتی واتفاق کی برکات بھی حاصل ہوں گی، لڑکا والد کے ترکہ سے وراثت کا ضرور حق دار ہے(۱)،

= مسئلہ ۲۴

بیوی	ماں	باپ	بیٹا
۳	۴	۴	۱۳

یعنی کل جائیداد کے ۲۴ حصے بنا کر بیوی کو ۳، ماں باپ کو ۴، ۴ اور بقیہ ۱۳ حصے بیٹے کو ملیں گے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم﴾ (النساء: ۱۲)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد﴾ (النساء: ۱۱)

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعيد)

(۱) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". =

ماں فقط آٹھویں حصہ کی حق دار ہے(۱)، پورے مکان کی حق دار نہیں، لڑکے کو پورے مکان سے بے دخل نہیں کرسکتی، اپنے مہر کی بھی حق دار ہے(۲)۔ بہرحال جو طریقہ ماں اختیار کرنا چاہتی ہے، اس کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، اس کا بھی خیال کرے کہ بیس سال کی مدت تک بیٹے نے حق ادا کیا ہے، اب اس سے رنجش کرکے تعلق کو ناخوشگوار بنالینا کس قدر غلط اور نازیبا کام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

وارث کا پتہ معلوم نہ ہو، تو اس کے حصہ کا کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۵۳۶]: عمر کے پاس اس کے چچا کی صندوقچی ہے، چچا کے صاحبزادے کلکتہ میں اور صاحبزادی غیر ملک میں تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، شرعی حصہ چچا کی صاحبزادی کے پاس منی آرڈر کیا، وہ واپس آگیا، پھر خط لکھا کہ حصہ لے لیں یا معاف کردیں، تو کوئی جواب موصول نہیں ہوا، صاحبزادی کے شوہر وبچوں کا پتہ دریافت کیا، مگر ناکامی رہی، اس صندوقچی کی قیمت تخمیناً لگا کر عمر نے صدقہ کردیا، اب عمر مذکورہ صندوقچی کے متعلق کیا کرے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن کان لکم ولدٌ فلهن الثمن مما ترکتم﴾ (النساء: ۱۲)

"وللزوجة الربع عند عدمهما، والثمن مع أحدهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۴۷۳، رشیدیه)

(۲) "المسمی دین في ذمته وقد تأکد بالموت، فیقضی من ترکته". (الهدایة، باب المهر: ۲/۳۳۷، شرکت علمیه ملتان)

"والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحیحة، وموت أحد الزوجین".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی صندوقچی کی قیمت تخمیناً کراکے صدقہ کرنا قبل از وقت ہے، صندوقچی محفوظ رکھیں، جب ورثاء مالک کی زندگی سے مایوس ہوجائیں، تب صدقہ کردیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۲ھ۔

مشترک زمین میں تقسیم کے بعد امرود کے درخت کا مالک کون ہے؟

سوال[۱۱۵۳۷]: ایک مکان موروثی دو سگے بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوا، مثلاً: زید اور بکر کے درمیان اس تقسیم سے پہلے زید نے مکان مذکور میں ایک درخت امرود کا اپنے شوق سے لگایا، اس کی پرورش کی، وہ بڑا ہوکر پھل لایا، لیکن جب تقسیم ہوئی تو وہ درخت بکر کے حصہ میں چلا گیا، اب وہ درخت مع جڑ کے بکر کی زمین میں ہے اور درخت کی کچھ شاخیں دیوار اٹھنے کے باوجود زید کے حصہ میں لٹک رہی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شرعاً وہ درخت کس کا ہے؟ اس کا کون مالک ہے، جو حصہ بکر کی طرف لٹک رہا ہے، کیا اس کے پھل کا بکر مالک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باہمی مصالحت سے یا سرکاری تقسیم سے جب وہ امرود کا درخت دوسرے بھائی کے حصہ میں آگیا اور اس تقسیم پر دونوں رضامند ہوگئے تو اب وہ اس کا ہے، جس کے حصہ میں آگیا اور اس کی ان شاخوں سے بھی امرود

---

(۱) "غاب رب الوديعة ولا يدرى أهو حي أم ميت، يمسكها حتى يعلم موته، ولا يتصدق بها خلاف الوديعة". (ردالمحتار، كتاب الإيداع: ۶۷۶/۵، سعيد)

"رجل غاب وجعل داره في يد رجل ليعمرها، أو دفع ماله ليحفظه، وفقد الدافع، فله أن يحفظه، وليس له أن يعمر الدار إلا بإذن الحاكم؛ لأنه لعله مات، ولايكون الرجل وصياً اهـ أي: فالتصرف حينئذ للورثة لا له". (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب المفقود: ۵۰۸/۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب المفقود، الفصل الثالث في الخصومة في الميراث وفي ورثة المفقود: ۲۱۹/۵، إدارة القرآن كراچي)

توڑنا درست نہیں، جو لگانے والے کے مکان کی طرف ہیں، الا یہ کہ وہ بھی رضامند ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۷ھ۔

بھائیوں کی کمائی میں بہنوں کے حصے کا حکم

سوال[۱۱۵۳۸]: آپس کی نا اتفاقی سے بھائیوں میں بٹوارہ ہوا، جو مکانات والد صاحب کے پیدا کردہ اراضی ہم لوگوں کی پیدا کردہ مکانات وزمین کی کل مالیت تخمیناً ۲۴۰۰۰/ لگائی گئی ہے، آپ بتلائیں کہ ۲۴۰۰۰/ ہزار میں بہنوں کو حصہ ملے گا یا ۱۰۰۰۰/ ہزار کم کرکے ۱۴۰۰۰/ ہزار والدین کی وصیت کے بعد، اگر کوئی لڑکا والدین کی وصیت کو ٹھکراتا ہے، تو اس کے لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو چیز والدین کا ترکہ ہے، اس میں وہ میراث کی مستحق ہیں، اس میں ان کا حصہ ملے گا(۲)، موجودہ بھائیوں نے جو کچھ پیدا کیا ہے اور کمایا ہے، اس میں بہنوں کا حصہ نہیں ہے(۳) جو وصیت واجب العمل ہو اس کو پورا نہ کرنا حق تلفی اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۴/۸۷ھ۔

---

(۱) "قوم اقتسموا ضيعة فأصاب بعضهم بستان وكرم وبيوت، وكتبوا في القسمة بكل حق هو له أو لم يكتبوا، فله ما فيها من الشجر والبناء". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القسمة، فصل فيما يدخل في القسمة: ۱۵۱/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب القسمة، الباب الرابع: ۲۱۵/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ الوالوالجية، كتاب القسمة، الفصل الثاني: ۳۱۲/۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۷۶۲/۶، سعيد)

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴۹۵/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة، وخلافة كإرث، وإصالة وهو الاستيلاء".

(الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۳/۶، سعيد) .... =

کسی کا متبنیٰ بننے سے حقِ وراثت ساقط نہیں ہوتا

سوال[۱۱۵۳۹]: شیخ بندگی مرحوم کے دو فرزند محمد درویش علی مرحوم اور احمد علی مرحوم تھے، محمد درویش مرحوم کے چار فرزند بالترتیب، ۱-محمد عباس، ۲-محمد معین الدین، ۳-محمد بشیر الدین، ۴-محمد نذیر الدین ہوئے، لیکن احمد علی صاحب زمانہ دراز تک لاولد رہے اور آخر کار احمد علی صاحب نے اپنے سگے بھائی محمد درویش علی صاحب کے چھوٹے فرزند محمد نذیر الدین کو اپنا متبنیٰ بنالیا، محمد نذیر الدین کو متبنیٰ بنانے کے بعد احمد علی صاحب مرحوم کے دو لڑکے خواجہ معین الدین اور محمد جمال الدین پیدا ہوئے، لیکن احمد علی مرحوم نے اپنے متبنیٰ بیٹے کو بھی بذریعہ وصیت اپنی جائیداد میں سے حصہ دیا۔

احمد علی مرحوم کے انتقال کے تقریباً بیس سال بعد جب کہ خواجہ معین الدین اور محمد جمال الدین بالغ ہو چکے، احمد علی مرحوم کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی تقسیم برمفاد خوشی ہر دو صاحبزادگان (یعنی خواجہ معین الدین وجمال الدین) عمل میں آئی اور محمد نذیر الدین کو بھی حصہ دیا گیا، جس حصہ پر محمد نذیر الدین آج پچھلے بارہ سال سے قابض اور مستفید ہے اور جس کے بارے میں ہر دو صاحبزادگانِ احمد علی مرحوم مسمیان خواجہ معین الدین اور محمد جمال الدین نے کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، محمد درویش علی صاحب کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد مکسوبہ وموروثی، منقولہ وغیر منقولہ صرف تین بڑے بھائیوں یعنی محمد عباس ومعین الدین اور محمد بشیر الدین کے درمیان تقسیم کی گئی، جس پر محمد نذیر الدین نے اعتراض کیا اور گاؤں کے پنچوں کے ذریعہ انصاف کروانے کی کوشش کی، لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی اور ہر سہ حقیقی برادرگان نے محمد نذیر الدین کو حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس درمیان میں ہر سہ برادرگان کو قائل کرنے کی کوشش جاری رہی، لیکن افسوس ان بھائیوں نے ایک نہ سنی اور یہ کہہ کر کہ تم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا، محمد نذیر الدین کو محروم کر دیا۔

اب محمد نذیر الدین کی علماء سے یہ درخواست ہے کہ وہ اس بارے میں فتویٰ دیں کہ آیا چونکہ محمد نذیر الدین کو احمد علی صاحب نے اپنا متبنیٰ بنایا اور اپنی جائیداد میں سے حصہ دلوایا، اس لئے محمد نذیر الدین اپنے والد محمد

= "لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثالث، القول في الملك: ۳/۱۳۳، إدارة القرآن كراچي)

درویش علی مرحوم کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں حصہ لینے سے محروم کردیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد نذیرالدین کو اگر احمد علی صاحب مرحوم نے متبنیٰ بنالیا اور بذریعہ وصیت کچھ ان کو دے دیا تو اس کی وجہ سے وہ اپنے حقیقی والد محمد درویش علی کے ترکہ سے محروم نہیں ہوں گے(۱)، بلکہ اپنے تینوں بھائیوں محمد عباس، محمد معین الدین، محمد بشیر الدین کی طرح برابر کے وارث اور حصہ دار ہوں گے، بھائیوں کو لازم ہے کہ ان کو بھی پورا حصہ دیں، گاؤں کے پنچوں کو چاہیے کہ مستحق کو اس کا حصہ دلوائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔

مشترکہ جائیداد کی ایک صورت کا حکم

سوال[۱۱۵۴۰]: ۱...... والد کی معزولی سے پہلے زید نے پرانی گاڑی کی خرید وفروخت کی دلالی (کمیشن) اور ٹرانسپورٹ آفس کی ایجنسی سے کچھ روپیہ کمایا، زید اس رقم سے، پرانی گاڑی خرید کر مرمت کرکے فروخت کرنے کا دھندا بہت دنوں تک کرتا رہا، ایک کار کو جو فروخت نہیں ہوسکی ذاتی استعمال میں رکھا، مالی حالات خراب ہونے پر کار بے مرمت ہوگئی اور بند پڑی رہی، والد کے معزول ہوجانے پر زید نے مذکورہ گاڑی اور پرانے پارٹ پرزے کو ساڑھے انیس سو روپیہ میں فروخت کرکے اور بتیس سو روپیہ دوستوں اور ساڑھے بائیس سو روپیہ گورنمنٹ سے قرض لے کر ایک چھوٹا موٹا کارخانہ کا آغاز کیا جس سے ترقی ہوئی، صورت مسئولہ یہ ہے کہ ساڑھے انیس سو روپیہ کی حیثیت موروثی کہلائے گی یا غیر موروثی؟

۲...... زید، عمر، بکر، خالد، والد کی معزولی کے چار سال بعد اپنے بھائی رحمٰن، رحیم، کریم کی ضروریاتِ

---

(۱) "ویستحق الإرث برحم ونکاح وولاء". (الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

"ویستحق الإرث باحدی خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیه)

"الإرث جبري لایسقط بالإسقاط". (تکملة ردالمحتار، کتاب الدعویٰ: ۱/۵۰۵، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبه غفاریه کوئٹه)

زندگی اور تعلیم کے حصول کا بار برداشت کرتے رہے، زید، عمر، بکر، خالد نے والد کی معزولی کے چار سال بعد اپنی جدوجہد سے زمین خریدی، ایک مکان کی تعمیر کے ٹیکس میں تخفیف کی خاطر مذکورہ بالا زمین کی خریداری اور مکان کی تعمیر والد کے نام کردیا اور والد ہی کی زندگی میں بکر اللہ کو پیارا ہوگیا۔ دو مسئلے دریافت طلب ہیں:

الف…… بکر محنت وجدوجہد سے جائیداد کے حصول میں رہا، اس صورت میں ان کی اولاد محجوب کہلائے گی یا غیر محجوب؟

ب…… ٹیکس میں تخفیف کے تحت زید، عمر، بکر، خالد نے زمین ومکان کی تعمیر اپنے ناموں کے بجائے والد کے نام کیا، اب وہ مکان موروثی کہلائے گا یا غیر موروثی؟

۳…… والد نے اپنی کمائی سے ایک مکان والدہ کے نام سے بنوایا، والدین کی حیات میں زید، عمر، خالد نے ضروریات کے پیش نظر مکان کے مغربی حصہ میں برآمدہ کی نئی تعمیر کی، والدین کے وصال کے بعد جب یہ مکان ناکافی ہوا، تو زید، عمر، خالد نے اپنی کمائی سے اسی مکان پر بالائی مکان تعمیر کرایا اور اس پر قابض ودخیل ہیں، دریافت طلب یہ ہے کہ برآمدہ اور بالائی منزل کی تعمیر کی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید اور زید کے بھائیوں کے پاس جو کچھ روپیہ اور کاروبار تھا، وہ اصلاً والد کا تھا، والد نے ابتدا کی اوران سب نے ان کے ساتھ تعاون کرکے کاروبار کو بڑھایا، والد کمزور ہوتے گئے کام میں حصہ کم لیتے گئے، یہ لوگ بڑھتے گئے کاروبار ترقی کرتا گیا اور والد نے ان کے کسی تصرف کو نہیں روکا تو اس صورت میں وہ سب کاروبار روپیہ اور انیس سو روپیہ والد کا تھا، جس لڑکے نے جو کچھ خرچ کیا، وہ والد کا روپیہ خرچ کیا، والد نے اپنی زندگی میں کسی سے کوئی محاسبہ مطالبہ نہیں کیا(۱)، والد کے انتقال پر جو کچھ باقی رہا، وہ سب والد مرحوم کا ترکہ

(۱) "إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له يكون جميع ماتحصل من الكسب لأبيه، وما اشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراؤه لأبيه بإذنه، لايكون الاختصاص بدون وجه شرعي، بل خاص بالأب، فإن كان شراؤه لنفسه ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه يكون خاصاً به وبدل الثمن مضمون للأب".
(الفتاوى الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۱، رشيديه)

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، وألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في =

ہے(۱)، سب ورثاء اس میں حصہ دار ہیں، شرعی طریق پر میراث کے مستحق ہیں(۲)۔

۱..... والد کی زندگی میں فروخت کر کے ساڑھے انیس سو روپیہ میں دوستوں وغیرہ سے روپیہ لے کر جو کچھ ملا کر کام کرلیا، اب اس روپیہ کے مطالبہ کا کسی وارث کو حق نہیں (۳)۔

۲..... اصل روپیہ والد کا تھا، اسی میں جدوجہد کی اور لڑکوں نے کما کر جو کچھ والد کے نام پر خریدا وہ سب والد کا ہے(۴)۔

الف..... والد کے روپیہ کاروبار کے علاوہ بکر نے اگر کوئی اور ملازمت تجارت زراعت وغیرہ سے

= الشركة الفاسدة: ۴/۳۲۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة، الباب الرابع: ۲/۳۲۹، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۱/۱۷، مكتبه إمداديه كوئته)

(۱) "لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا في دليل الوارث على هامش السراجي في الميراث، ص: ۲، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(۲) "أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، المادة: ۱۰۹۲: ۴/۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشيديه)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الفرائض: ۲/۷۹۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "سئل: في ابن كبير ذي زوجة وعيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات، هل هي لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته؟ أجاب: هي للابن تقسم بين ورثته على فرائض الله تعالىٰ، حيث كان له كسب مستقل بنفسه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۲/۱۷، مكتبه إمداديه كوئته)

(وكذا في الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۲/۹۲، إمداديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا الخ: ۴/۳۲۵، سعيد)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۵۳

روپیہ حاصل کیا ہو، تو وہ بکر کا ترکہ ہوگا (۱)۔ اور اس کی اولاد حق دار ہوگی (۲)۔

ب...... یہ جائیداد بھی اگر اس روپیہ سے خریدی گئی جو والد کے کاروبار کا تھا، جس کو لڑکوں نے ترقی دی تھی تو یہ بھی لڑکوں کی ملکیت نہیں، بلکہ والد کی ملک ہے (۳)۔

۳...... والد نے اگر تعمیر کراکے اپنی اہلیہ کو وہ مکان دے دیا اور ان کا قبضہ کرادیا تو وہ اہلیہ کی ملک ہوگا (۴) وہ والد کا ترکہ نہیں (۵)، پھر اگر لڑکوں نے اس کی تعمیر میں اضافہ کیا، بالائی کمرے بنوائے اور کوئی معاملہ طے نہیں کیا تو والدہ کی صواب دید پر ہے، وہ چاہیں تو لڑکوں کو دے دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) راجع رقم الحاشية: ۳، ص: ۵۵۵

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۵۵

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۵۵۴

(۴) "وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۹۰، سعيد)

"لا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الثاني: ۴/۳۷۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الهبة: ۳/ ۲۸۱، شركة علميه)

(۵) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۵۵۵

الفصل السادس في موانع الإرث

(موانعِ ارث کا بیان)

اہلِ اسلام کے حق میں اختلاف دارین مانع ارث نہیں

سوال[۱۱۵۴۱]: زید ہندوستان کا شہری تھا، اس کے دو بیٹوں میں سے ایک پاکستان چلا گیا اور وہاں باضابطہ شہری بن گیا، دوسرا ہندوستان میں موجود ہے، زید کا ہندوستان ہی میں انتقال ہو گیا تو اس کے ترکہ کا حصہ شرعاً دونوں کو پہنچے گا یا صرف ہندوستانی بیٹے کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اہلِ اسلام کے حق میں تباین دارین مانع ارث نہیں، لہٰذا دونوں بیٹے شرعاً وارث ہوں گے۔

"ويمنع الإرث الرق، والقتل، واختلاف الملتين، واختلاف الدارين فيما بين الكفار حقيقة أو حكماً بخلاف المسلمين، وإن شطت دارهم كمستأمن وحربي اهـ" (سكب الأنهر: ۲/۷۴۸)(۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وكذلك اختلاف الدارين سبب لحرمان الميراث ...... ولكن هذا في أهل الكفر لا في حق المسلمين، حتى إن المسلم إذا مات في دار الإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث".

(البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۷، ۷۶۸، سعيد)

الفصل السابع في التصرف في التركة

(ترکہ میں تصرف کا بیان)

بیٹے کا والدہ کے حصے پر قبضہ کرنا

سوال[۱۱۵۴۲]: خاتون بیگم نے کچھ مکان اور کچھ زمین خود اپنے پیسہ سے اپنے دولڑکوں کے نام خریدی تھی اور ان میں ایک لڑکا نابالغ تھا، اس نابالغ لڑکے کا انتقال ہوگیا اور وہ جائیداد بڑے لڑکے کے قبضہ میں ہے، کیا خاتون بیگم بھی شرعی اعتبار سے اس جائیداد کی مالک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس نابالغ کے ترکہ میں سے ایک تہائی کی حق دار اس کی والدہ بھی ہے(۱)، بڑے بھائی کا سب پر قبضہ کرنا غلط ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "والثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات من أي جهة كانوا، والثلث عند عدم هؤلاء". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۴۴۹/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۷۰/۹، ۳۷۱، رشيديه)

(وكذا في السراجي في الميراث، ص: ۱۱، ۱۲، قديمى)

(۲) "لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۲۶۴/۱، رشيديه)

تقسیمِ میراث سے پہلے مشترک جائیداد میں سے کسی کو کچھ دینے کا حکم

سوال[۱۱۵۴۳]: زید نے ہندہ سے شادی کی، دولڑکیاں پیدا ہونے کے بعد ہندہ انتقال کرگئی، زید نے پھر دوسری شادی کرلی زینب سے، ایک لڑکا ہے اور تین لڑکیاں ہیں، گویا کہ زید کے کل چار بچے زینب سے ہیں۔ دولڑکیاں ہیں ہندہ مرحومہ سے اور تین لڑکیاں ایک لڑکا زینب سے ہیں، نیز زید نے کچھ جائیداد خریدنے کے لئے ایک صاحب کو روپیہ دے رکھا تھا اور جس جائیداد کے لئے یہ روپیہ دیا تھا جس شخص کو اس شرط پر کہ اگر تم مقدمہ میں کامیاب ہوگئے تو جائیداد دینا ورنہ واپس کرنا، ابھی روپیہ لینے والا شخص مقدمہ لڑ رہا تھا کہ زید کا انتقال ہوگیا اور انتقال کے بعد روپیہ لینے والا کامیاب ہوگیا، اب اس کو تو زید کے نام کرنا ہی تھا، مگر زید کے مرجانے کی وجہ سے زید کی بیوی زینب کے نام جائیداد کردیا، پھر زینب نے دوسری شادی عمر سے کرلی، اب زینب کو عمر سے ایک لڑکا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ زینب کے پاس جو کچھ مال ہے، اس میں سے اپنے شوہر ثانی عمر کو بھی دے سکتی ہے؟ شادی کے باوجود زینب ابھی زید ہی کے گھر پر ہے، چونکہ جائیداد کی مالک ہے، عمر اپنے یہاں سے آتا ہے، کبھی کبھی دو چار دن رہتا ہے، پھر چلا جاتا ہے تو زینب نے جب دوسری شادی کرلی ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے کہ اس زید کے مال کو خود کھائے اور اپنے شوہر عمر کو بھی کھلائے؟

۲..... کیا زینب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اب عمر سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کو بھی کچھ حصہ دے دے؟

۳..... کیا زینب نکاح ثانی کے بعد زید کے مال میں حق رکھتی ہے؟

۴..... اگر ان لوگوں کو کچھ حق نہیں پہنچتا ہے تو پھر پانچ لڑکیوں، ایک لڑکا جو کہ ابھی یتیم نابالغ ہیں، زید کے متروکہ مال میں کتنا کتنا تقسیم کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جائیداد خریدنے کے لئے روپیہ دے کر وکیل بنایا تھا، پھر زید کا انتقال ہوگیا جس سے وہ وکالت بھی ختم ہوگئی(۱) اور جو روپیہ دیا تھا، وہ ترکہ زید کا بن گیا، جس کے مستحق سب ورثہ ہیں، اس وکالت کی وجہ سے

---

(۱) "وينعزل الوكيل بلا عزل ..... بموت أحدهما". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۵/۵۳۸، سعيد) .... =

انتقال زید کے بعد اس شخص کو اس روپیہ سے جائیداد خریدنا درست نہیں تھا، بلکہ اس کو لازم تھا کہ وہ روپیہ ورثہ کو دے دے، تاہم جائیداد خرید لی اور ورثہ کے حق میں خریداری بہتر ہے، وہ سب ورثہ کی ہے، اس جائیداد اور تمام ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اگر زید کے ذمے کوئی قرض ہو، تو پہلے اس کو ادا کیا جائے، پھر اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو، تو ایک تہائی ترکہ سے شریعت کے موافق وہ پوری کی جائے، اس کے بعد آٹھ حصے بنا کر ایک حصہ زید کی زوجہ ثانیہ زینب کو اور ایک ایک حصہ پانچوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو اور دو حصے لڑکے کو(۱)، زینب نے اگر اپنا مہر وصول نہ کیا ہو، نہ معاف کیا ہو تو وہ مہر کی بھی حق دار ہے اور آٹھویں حصہ کی بھی حق دار ہے(۲)، اس لئے اپنے حصہ اور مہر

= "وتبطل الوكالة بالعزل إن علم به وموت أحدهما". (البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۷/۳۱۷، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۳/۳۳۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) نقشہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۸

م

بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹا
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۲

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن كان لكم ولدٌ فلهن الثمن مما تركتم﴾ (النساء: ۱۲)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

"قال علماؤنا رحمه الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولاتقتير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة". (السراجي في الميراث، ص: ۳-۴، قديمى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

"والعصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد اخذ جميع المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشيديه)

"المسمى دين في ذمته وقد تأكد بالموت فيقضى من تركته". (الهداية، باب المهر: ۲/۳۳۷، شركت علميه ملتان)

چاہے تو اپنے دوسرے شوہر عمر کو دے دے اور چاہے تو اس سے پیدا شدہ اولاد کو دے دے(۱)، پوری جائیداد کی حق دار نہیں، نکاح ثانی کی وجہ سے اس کا مہر اور حق وراثت ساقط نہ ہوگا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "والملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملک ...... الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۶۵۴/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "والدين الصحيح: هو في التنوير وغيره "مالا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الكفالة، المادة: ۶۳۱: ۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الكفالة، مطلب في كفالة المال قسمان ......: ۳۰۲/۵، سعيد)

(وكذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، كتاب الكفالة: ۱۶۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الثامن في إرث المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

میراث میں کسی کی چیز ناحق آجائے تو اس کا حکم

سوال[۱۱۵۴۴]: میرے ماموں تصدیق حسین کے دولڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، بڑے لڑکے عبدالوحید کے ساتھ میری بہن کی شادی ہوئی تھی، شادی کے آٹھ سال بعد عبدالوحید کا انتقال ہوگیا تھا، اولاد کوئی نہیں ہوئی، عبدالوحید مرحوم کے نام ساٹھ بیگھہ (۱) زمین تھی، عبدالوحید مرحوم کے انتقال کے بعد ساٹھ بیگھہ زمین ان کی بیوہ کے نام ہوگئی، عبدالوحید کے انتقال کے بعد تحصیل دار گاؤں میں آئے اور عبدالوحید کے والد سے معلوم کیا کہ اس کا وارث کون ہے؟ یہ زمین کس کے نام منتقل کی جائے تو انہوں نے کہا کہ اس کی بیوہ شمس خاتون کے نام کردی جائے، سرکاری قانون بھی یہی تھا، اب اس کے نام یہ زمین منتقل ہوگئی، اس کے چار پانچ سال بعد چک بندی ہوئی، جس میں دوسرے لڑکے سعید احمد نے بغیر شمس خاتون کو بتلائے اور دھوکہ دے کر دستخط وغیرہ کراکے ساٹھ بیگھہ زمین اپنے نام درج کرالیا، جس سے دونوں کے نام آدھی آدھی زمین مشترکہ ہوگئی، اس کے بعد جب سعید احمد نے دیکھا کہ تصدیق حسین بہت ضعیف ہوگئے ہیں تو دیکھ بھال کرنے لگا، تصدیق حسین ہمیشہ اپنے بڑے لڑکے عبدالوحید مرحوم سے بہت خوش رہے۔

اس کے برعکس چھوٹے لڑکے سعید احمد سے ہمیشہ ناخوش رہے، اسی وجہ سے مکان کا بڑا حصہ شمس خاتون کے نام پر لکھ دیا کہ بعد میں اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، جب اس نے یعنی سعید احمد نے اپنا نام بیوہ کی آدھی زمین کرالی تو اس وقت بھی بہت برا بھلا کہا اور اس کے چار پانچ سال کے بعد تصدیق حسین کا انتقال ہوگیا، خود تصدیق حسین کے نام بھی ۸۰/ بیگھہ زمین تھی، جسے اب کل زمین ستتر ۷۷/ دونوں کو ملے گی، یہ سب زمین سید داری لیں زمین دار سے لگان پر کرایہ پر لی تھی، جو اب خود کاشت کا مالک ہوگیا ہے، میرے والد بھی زمین دار

(۱) "بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۱، فیروز سنز لاہور)

تھے، ان کی بیس بیگھہ زمین بھی لگان پر تصدیق حسین لئے ہوئے تھے۔

ہمارے والد نے تصدیق حسین سے اپنی بیس بیگھہ زمین واپس مانگی، جس پر ماموں نے جواب دیا کہ آپ نہیں لے سکتے ہیں، لہٰذا میں واپس نہیں کروں گا، تصدیق حسین نے لڑکیوں کو بھی حصہ نہیں دیا، اب سوال یہ ہے کہ شمس خاتون کتنی زمین لے سکتی ہے؟ اگر قانوناً زیادہ زمین حاصل کرے اور میرے والد کی زمین مجھ کو اور تصدیق حسین کی لڑکیوں کا نکال کر ان کا حصہ اس میں سے واپس کردیں، یہاں ایک معتبر عالم مفتی بھی تھے اور حالات سے بخوبی واقف تھے، ان کا کہنا تھا کہ شمس خاتون لے سکتی ہے، دوسروں کا حصہ بھی واپس کر سکتی ہے، چار سال سے مقدمہ چل رہا ہے، چاروں لڑکیاں بھی سعید احمد کے خلاف ہیں۔

چنانچہ تین سال پہلے کی بات ہے کہ سعید احمد کے دو بھانجے شمس خاتون کا غلہ بٹوانے کے لئے کھلیان پر گئے، تو ان کو سعید احمد نے اور ان کے آدمیوں نے اتنا مارا کہ بارہ گھنٹے کے بعد وہ (اس کا بھانجہ) اللہ کو پیارا ہوگیا اور دوسرے کو بہت زیادہ چوٹیں آئیں، اس کی بیوہ یا اس کی ماں سعید احمد کے لئے یا مارنے والوں کے لئے بددعا یا کوئی عمل اعمال قرآن سے کرا سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی وراثت مورث کے مملوکہ ترکہ میں جاری ہوتی ہے، جو چیز اس کے پاس بطور کرایہ تھی، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)، بلکہ مالک سے معاملہ رضامندی کی ضرورت ہوگی، شرعی طور پر (بذریعہ وراثت ہبہ بیع) جس چیز پر ملک حاصل ہوجائے، مالک کو حق ہے کہ وہ پوری چیز یا اس کا کوئی حصہ دوسرے کو دے دے (۲)،

---

(۱) "لأن التركة في الاصطلاح ماتركه الميت من الأمول صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۶/۷۵۹، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية السراجي، ص: ۲، قديمي)

(۲) "الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال ..... الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

"ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء". (شرح المجلة، كتاب الشركة، الفصل الثامن: ۱/۶۴۳، مكتبه حنفيه كوئته) .... =

جو بیٹا اپنے باپ کو نالائق حرکتوں سے ستائے وہ محروم قسمت ہے، دوسرے کی چیز پر غاصبانہ ظالمانہ قبضہ کرنا کبیرہ گناہ ہے(۱)۔ پھر اس کی وجہ سے مارنا پیٹنا کہ وہ بھی اہل قرابت کو؟! اتنا شدید جرم ہے کہ مرنے سے پہلے بھی اس کا وبال ضرور ہی چکھنا ہوگا، آخرت میں سزا کہیں گئی نہیں (۲)، ظالم کے ظلم سے تحفظ کی تدبیر بھی کی جاسکتی ہے اور یہ دعا بھی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظلم کی سزا دے، کسی کے پاس کسی کا حصہ ناحق آجائے تو اس کو واپس کردینا چاہیے یا اس کی رضامندی ہو، تو اس کی قیمت دے دی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ظلم قيد شبراً من أرض (أي: قدره) طوقه من سبع أرضين". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۱/۴۳۴، دار الفكر بيروت)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمی)

(۲) "وعن أبي بكرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من ذنب أحرى ان يعجل الله لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له في الآخرة من البغي وقطيعة الرحم".

(مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: ۲/۴۲۰، قديمی)

(وسنن أبي داود، كتاب الأداب، باب النهي عن البغي: ۲/۳۲۹، رحمانيه)

(وسنن الترمذي، أبواب الزهد، باب: ۲/۷۷، سعيد)

(۳) "قال: وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: "مادام قائماً"، لقوله عليه الصلاة والسلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد". ولقوله عليه السلام: "لايحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده عليه ..... أو رد القيمة مخلص خلفاً؛ لأنه قاصر إذا الكمال في رد العين والمالية".

(الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب: ۴/۷۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

باب المتفرقات

بروقت ادائیگی نہ کی جانے کی صورت میں شی مرہونہ پر ملکیت کا حکم اور کم قیمت اشیاء کی تقسیم کا طریقہ کار

سوال[۱۱۵۴۵]: ۱......زید کا انتقال ہوگیا اور بکر اس کی جائیداد کا مالک بن گیا، ملکیت اس کے پاس جو آئی ہے اس میں ایک مکان ہے جو ایک سو سال قبل عمر نے زید کو ایک ہزار روپے میں رہن دیا تھا، شرط یہ تھی کہ اگر تین سال میں رقم ادا نہ کی گئی تو زید مکان کا مالک بن جائے گا، حکومت نے اس کو مالک تسلیم کرلیا اور زید اس کا مالک بن گیا، شرعاً اس مکان کو واپس کرنا چاہیے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ عمر کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کا کوئی وارث باقی نہیں رہا، تو اس صورت میں بکر کیا اس مکان کا مالک بن جاتا ہے؟ اس مکان کو وقف کردیا جائے اور اگر وقف کیا جائے تو کس نیت سے کیا جائے؟

۲......زید کے چار وارث ہیں، زید نے اپنے مرنے کے بعد کئی مختلف اشیاء چھوڑی ہیں، جس میں کچھ اشیاء وارثوں کی تعداد سے کم ہیں اور کچھ اشیاء ایسی ہیں جو گھریلو کام کی ہیں، لیکن بازار میں ان کوئی خریدار نہیں۔ مثلاً: زید کے ذاتی کپڑے، ٹوپیاں، شیروانیاں، ازار بند وغیرہ وغیرہ، آئینہ ایک عدد، موزے دو جوڑے، بنیان، فاؤنٹین پین، پینسل، کچھ برتن کانچ کے اور کچھ تانبے کے، اس کے علاوہ تالے چھوٹے بڑے کئی عدد ہیں، جن کے داموں کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ رضائی، تکیہ اور گدے وغیرہ بھی ہیں، جواہرات میں کچھ ایسے ہیں جن میں کچھ اصلی اور نقلی کی تمیز ناممکن ہے، جوہری بھی ان کی صحیح رہبری نہیں کر پاتے، ان کے علاوہ کچھ موتی کچھ قیمتی پتھر مثلاً: زبرجد اور جواہر، مہرہ وغیرہ، بہت قلیل تعداد میں ہیں، جن کو بازار میں اگر فروخت کیا جائے تو قیمت بہت کم آئے گی اور خریدنے جائیں تو پھر قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، نیز اس قسم کی اور کئی چھوٹی موٹی چیزیں ہیں، لہٰذا شرعاً وارثوں کا ہی تقسیم کا جو آسان طریقہ ہے، وہ بتایا جائے اور تقسیم کی نسبت فرداً فرداً بتایا جائے تاکہ اس کے

مطابق مذکورہ ملکیت کو تقسیم کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱ ...... اس طرح رہن رکھ کر شرعاً ملکیت کا استحقاق نہیں ہوتا(۱)، اس مکان کی واپسی لازم تھی یا زید کو مالک مکان اجازت دے دیتا کہ تم اس مکان کو فروخت کر کے اپنا روپیہ وصول کرلو اور بقیہ جو قیمت کا روپیہ قرض سے زائد ہو، وہ مجھے دے دو(۲)، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور قانونی اعتبار سے زید کو مالک تجویز کر دیا گیا، پس اگر عمر نے اس کو تسلیم کرلیا اور رضامندی دے دی کہ قرض کے عوض یہ مکان تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور زید نے

---

(۱) "لايجوز غلق الرهن وهو أن يشترط المرتهن أنه له بحقه إن لم يأته به عند أجله". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۸۳: ۲/۲۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن سعيد بن المسيب أن رسول الله قال: "لا يغلق الرهنُ الرهنَ من صاحبه الذي رهنه، له غنمه، وعليه غرمه". (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب السلم والرهن، الفصل الثاني، ص: ۲۵۰، قديمي)

"(سئل) فيما إذا رهن زيد عند عمرو كرماً معلوماً سلمه منه بدين استدانه، وقبضه منه إلى أجل معلوم على أنه إذا لم يعطه دينه عند حلول الأجل يكن الرهن بالدين، ثم حل الأجل ومات زيد عن ورثة أحضروا الدين لعمرو ليرد لهم الرهن، فامتنع زاعماً أن الرهن صار له بطريق البيع على الوجه المذكور فهل يكون البيع غير صحيح ولا عبرة بزعمه؟"

(الجواب) نعم! كما أفتى به في الخيرية من الرهن ناقلاً عن البزازية، قال للمرتهن إن لم أعطك دينك إلى كذا فهو بيع لك بما لك علي، لايجوز، وذكر في طريقة الخلاف، قال إن لم أوفيك مالك إلى كذا، وإلا فالرهن لك بما لك بطل الشرط، وصح الرهن، وقال الشافعي: بطل الرهن أيضاً، والله تعالى أعلم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الرهن: ۲/۲۶۱، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "فإن وكل الراهن المرتهن أو وكل العدل أو غيرهما ببيعه عند حلول الأجل صح توكيله". (الدر المختار، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل .... الخ: ۶/۵۰۳، سعيد)

"وأما حكمه فملك العين المرهونة في حق الحبس، حتى يكون أحق بإمساكه إلى وقت إيفاء الدين فإذا مات الراهن فهو أحق به من سائر الغرماء، فيستوفى دينه، فما فضل يكون لسائر الغرماء والورثة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرهن، الباب الأول، الفصل الأول: ۵/۴۳۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل .... الخ: ۸/۴۷۰، رشيديه)

اس کو منظور کرلیا تو زید مالک ہوگیا(۱)۔

زید کے انتقال کے بعد اگر اس کا صحیح وارث صرف بکر ہے تو اب وہ مالک ہے(۲)، زید اور عمر کے درمیان مکان سے متعلق بیع کا اگر علم نہ ہو اور یہ ظاہر ہوتا ہو کہ محض قانونی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے عمر کچھ چارہ جوئی نہیں کرسکا، اس لئے اس مکان پر زید کا قبضہ رہا اور اتنی مدت میں بمقدار قرض اس مکان سے آمدنی بھی حاصل کرچکا، تو بکر اب اس مکان کو عمر کی طرف سے بطور صدقہ کسی غریب کو دے دے کہ اس کا ثواب عمر کو پہونچے اور زید کو اس کے وبال سے بچالے(۳)۔

۲...... چاروں وارث ہر چیز کی قیمت اہل تجربہ سے لگوا کر چھ حصے بنالیں اور تحریر بالا کے موافق تقسیم کرلیں، جو شئ جس وارث کے لئے مناسب ہو وہ ساری اس کے حصہ میں بھی لگا سکتے ہیں(۴)، مثلاً: اس طرح

---

(۱) "وأما تعريفه فهو مبادلة المال بالمال بالتراضي .... وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، ۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰-۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب البيع: ۴/۲۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام .... فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹: ۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عينا أو دينا مادام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(۴) "ولو كان في الميراث رقيق وغنم وثياب فأقسموا وأخذ بعضهم الرقيق وبعضهم الغنم جاز =

کہ ایک شی کی قیمت چھ سو روپے ہیں، وہ سب ایک وارث کو دے دی جائے، جو کہ ایک سو کا مستحق ہے اور پانچ پانچ سو کی مقدار جو کہ اس کے پاس دیگر ورثہ کی آگئی ہے، اس کے عوض کسی دوسری شی سے اس کا حصہ ساقط کر کے دوسروں کو دے دیا جائے، اگر کچھ چیزیں خیرات کرنا چاہیں تو سب ورثہ بعد تقسیم کے ان سب کی طرف سے خیرات کر دیں۔

جب ہر چیز کی قیمت لگا کر چھ حصہ تصور کر لئے جائیں گے تو تقسیم آسان ہوگی، پھر جو وارث چاہے اپنا حصہ دوسرے کو فروخت بھی کر سکتا ہے، مثلاً: فاؤنٹین پین کی قیمت چھ روپیہ ہے، وہ ایک لڑکی لے لے اور ایک ایک روپیہ دونوں بہنوں کو دے دے، دو روپیہ بھائی کو دے دے سب رضامندی سے اس طرح طے کر لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۳/۶ھ۔

رہائش مشترک ہونے کی صورت میں ایک بھائی کی کمائی میں دوسرے بھائی کا آدھا حصہ طلب کرنا

سوال [۱۱۵۴۶]: زید، خالد و عمرو یہ تینوں بکر کے حقیقی بیٹے ہیں، بکر ان میں سے ہر ایک کی باری باری شادی کر دیتے ہیں اور بکر نے تینوں بیٹوں کو الگ الگ کر دیا اور جائیداد کا کل حصہ برابر برابر تقسیم کر دیا، کچھ دنوں کے بعد بکر نے چھوٹے بیٹے سے کہا، کہ تم بڑے بھائی زید کے ساتھ ہو جاؤ، اس لئے کہ تمہارے افراد کی کمی کی وجہ سے زید کی امداد ہو سکے گی اور جب تم ضرورت سمجھنا، اسی تقسیم پر الگ ہو جانا۔

عمرو چونکہ زیادہ تر بمبئی میں رہنے والا اور مستقل ملازمت پیشہ ہے، اس لئے اس نے بمبئی میں ایک کمرہ رہنے کے لئے خرید لیا اور قانونی اعتبار سے جو فنڈ کارخانہ میں تنخواہ سے کٹ جاتا ہے، وہ عورت کے نام ہوتا ہے، آج دس سال سے زائد عرصہ ہو گیا، عمرو اپنی کمائی کا روپیہ اور کپڑا وغیرہ اخراجات برابر دیتا رہا، آج کسی بناء پر الگ ہو جانے کی صورت پیش آئی، تو زید نے کہا کہ فنڈ کے روپے میں اور کمرہ میں میرا آدھا حصہ ہوتا ہے، اس

= بالتراضي". (خلاصة الفتاوى، كتاب القسمة، الفصل الأول: ۲۰۹/۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلح: ۲۶۸/۴، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

لئے مجھے ملنا چاہیے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعی اعتبار سے زید کو ان اشیاء میں جو صرف عمرو کی کوشش کا نتیجہ ہے، حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ مطالبہ صحیح نہیں، فنڈ کے روپیہ اور اس کمرہ میں زید کا کوئی حصہ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۳۰ھ۔

کلالہ

سوال[۱۱۵۴۷]: ''الفاروق'' مصنفہ حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ص: ۱۵۷، میں لکھا ہے: ''ورثہ کے بیان میں'' کہ خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے، لیکن چونکہ کلام مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون وارث داخل ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہ ہوئی، تو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کریں،

---

(۱) مذکورہ کمرہ اور فنڈ چونکہ والد کے میراث میں سے نہیں ہے، بلکہ خالص عمرو کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور ان کی اپنی ملک ہے، اس لئے اس میں زید کا کوئی حق نہیں اور نہ وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

"لأن التركة: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال". (ردالمحتار، كتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعيد)

"المراد من التركة ماتركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشيديه)

"لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه، أو ولاية عليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۹۶: ۶۱/۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه". (شرح الحموي، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچي)

پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا، لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تینوں چیزوں کی حقیقت بتلا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جتنا ان تین چیزوں کے متعلق بیان فرمادیا، وہ احادیث میں مذکور ہے اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اس کو سمجھ بھی لیا اور عمل بھی فرمایا(۱)، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ زیادہ تفصیل سے اس کا بیان فرما دیا جاتا، تاکہ مخالفین کو انکار کی مجال نہ رہتی، ''نورالأنوار'' میں بھی ربوا کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی یہ شرح کی ہے(۲)۔ ''کلالہ''

---

(۱) "فإذا مات الرجل وليس له ولد ولا والد، فورثته كلالة. هذا قول أبي بكر الصديق وعمر وعلي وجمهور أهل العلم. وذكر يحيى بن آدم عن شريك وزهري وأبي الأحوص، عن أبي إسحاق، عن سليمان بن عبد قال: ما رأيتهم إلا وقد تواطؤوا وأجمعوا على أن الكلالة من مات ليس له ولد ولا والد، وهكذا قال صاحب كتاب العين وأبومنصور اللغوي وابن عرفة والقُتَيبي وأبوعبيد وابن الأنباري".

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۲: ۵۸/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"حدثنا الوليد بن شجاع السكوني، قال ثني علي بن مسهر، عن عاصم، عن الشعبي قال: قال أبوبكر رضي الله تعالىٰ عنه: إني قد رأيت في الكلالة رأياً فإن كان صواباً فمن الله وحده لاشريك له، وإن يكن خطأً فمني والشيطان، والله منه بريئ، إن الكلالة ما خلا الولد والوالد، فلما استخلف عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال إني لأستحي من الله تبارك وتعالى أن أخالف أبابكر في رأى رآه".

یہ اور اس طرح کی روایات کثیر تعداد میں تفسیر طبری میں علامہ محمد جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہیں۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں۔

(تفسير الطبري، النساء: ۱۲: ۱۹۱/۴-۱۹۴، دارالمعرفة بيروت)

(وتفسير الطبري، النساء تحت آية: ﴿يستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة﴾: ۲۸/۲-۳۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "ولهذا قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: خرج النبي عليه السلام ولم يبين لنا أبواب الربوا هكذا قالوا. وفي قمر الأقمار: قوله: ولم يبين أي: بياناً شافياً". (نور الأنوار، مبحث المجمل، ص: ۹۳، سعيد)

کے سلسلہ میں شرح مؤطا میں ایسا ہی منقول ہے(۱)۔

مسئلہ خلافت کو ''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بسط سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ترتیب خلافت کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے پاس دلائل موجود تھے، بلکہ مخالفین کی زبان بندی کرنے کے لئے بیان شافی ہونے کے متمنی تھے، تاکہ خوارج وغیرہ کے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا(۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۸۷ھ۔

(۱) (كشف المغطأ عن وجه المؤطا على هامش مؤطا الإمام مالك، كتاب الفرائض، ميراث الكلالة، ص: ۶۲۳، قديمي)

(۲) (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، ص: ۶۲، ۶۳، سهيل اكيڈمي لاهور)

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

اجمالی فہرست جلد اول

☆ حالاتِ مصنف........................ ۲۸
☆ مقدمہ........................ ۱۰۳
☆ کتاب الإیمان والعقائد........................ ۱۷۲
☆ مایتعلق بالإیمان........................ ۱۷۲
☆ مایتعلق بالقدر........................ ۲۱۰
☆ مایتعلق بالسعادة والنحوسة........................ ۲۳۱
☆ باب العقائد........................ ۲۴۴
☆ مایتعلق باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ........................ ۲۴۴
☆ مایتعلق بالإشراک باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ........................ ۲۷۳
☆ مایتعلق بالاستمداد بغیر اللّٰہ تعالیٰ........................ ۳۴۵
☆ مایتعلق بالأنبیاء علیہم السلام وأتباعہم........................ ۳۷۲
☆ مایتعلق بعلم الغیب........................ ۴۷۱
☆ مایتعلق بالحاضر والناظر والنور والبشر........................ ۵۰۲
☆ مایتعلق بالمعجزة والکرامة والإلہام........................ ۵۱۸
☆ مایتعلق بسماع الموتیٰ وحیاة الأنبیاء........................ ۵۲۷
☆ مایتعلق بالتوسل فی الدعاء........................ ۵۷۲
☆ مایتعلق بأحوال القبور والأرواح........................ ۵۹۲
☆ مایتعلق بالجزاء والعقوبة........................ ۶۴۷
☆ مایتعلق بالجنة ونعیمہا........................ ۶۷۸
☆ متفرقات العقائد........................ ۷۰۳

اجمالی فہرست جلد دوم

☆ بـاب الفرق ۲۲
☆ مایتعلق بالروافض ۲۲
☆ مایتعلق بمشاجرات الصحابةؓ ۷۳
☆ مایتعلق بالقادیانیة ۱۱٤
☆ مایتعلق بالشیوعیة والاشتراکیة ۱۳۵
☆ مایتعلق بالمودودیة ۱٤۲
☆ رسالہ ۲۰۵
☆ متفرقات الفِرَق ۲۹۷
☆ بـاب الکفریات ۳۱۵
☆ مایتعلق بألفاظ الکفر ٤۰۵
☆ مایتعلق بتکفیر المسلم ٤٦٤
☆ مایتعلق بالاستخفاف باللّٰه تعالیٰ وشعائره ٤۸۱
☆ مایتعلق بأحکام المرتدین ۵٤۲
☆ متفرقات الکفر ۵۸۹
☆ بـاب التقلید ۵۹۵

اجمالی فہرست جلد سوم

☆ باب البدعات والرسوم ۲۳
☆ مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان ٦۰
☆ مروجہ صلاۃ وسلام کا بیان ۱۰۱
☆ فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان ۱٤۱
☆ اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان ۱۵٦
☆ میلاد اور سیرت کی محافل کا بیان ۱٦۵
☆ مخصوص ایام کے مروج بدعات کا بیان ۲۵۳
☆ دفع ومصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان ۲۹۵
☆ کتاب العلم ۳۰۳
☆ مایتعلق بطلب العلم ۳۰۳
☆ علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل ۳۲۰
☆ فتویٰ کا بیان ۳۵۱
☆ تعلیم نسواں کا بیان ۳۷۵
☆ مایتعلق بالقرآن الکریم ۳۹۸
☆ تفسیر کا بیان ۳۹۸
☆ تجوید اور ترتیب قرآن کا بیان ٤۸۱
☆ حفظِ قرآن کا بیان ۵۱۳
☆ آدابِ تلاوت کا بیان ۵۵۱
☆ المتفرقات ۵۷۷

اجمالی فہرست جلد چہارم

☆ بقية كتاب العلم ۲۸
☆ ما يتعلق بالحديث النبوى ۲۸
☆ فصل فى متفرقات الحديث ۱۰۷
☆ باب الكتب المعتمدة وغيرها ۱۱۰
☆ باب فى تذكرة الرجال ۱۵۲
☆ باب الفلكيات ۱۷۷
☆ باب التبليغ ۱۹۷
☆ مايتعلق بالمواعظ والنصح ۳۲۹
☆ كتاب السلوك والإحسان ۳۳۸
☆ كتاب السير والتاريخ ٤۷۳
☆ باب فى شمائل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ٤۷۳
☆ باب التاريخ ۵۰٤
☆ تذکرۂ انبیاء علیہم السلام، تاریخ کی روشنی میں ۵۰٤
☆ عہدِ صحابہ تاریخ کی روشنی میں ۵۱۹
☆ عہدِ تابعین تاریخ کی روشنی میں ۵٤٦
☆ تاریخِ ہند ۵۵۵
☆ كتاب السياسة والهجرة ۵٦٦
☆ كتاب تعبير الرؤيا ٦۵۸

اجمالی فہرست جلد پنجم

☆ كتاب الطهارة ٤٠

☆ باب الوضوء ٤٠

☆ باب الغسل ٧٨

☆ باب المياه ١٢٠

☆ باب التيمّم ١٧٧

☆ باب المسح على الخفين والجوربين ١٩٣

☆ باب الحيض والنفاس وأحكام المعذور ١٩٨

☆ باب الأنجاس ٢٢٧

☆ باب الاستنجاء ٢٨٨

☆ كتاب الصلوة ٣٠٣

☆ باب المواقيت ٣٢٠

☆ باب الأذان ٣٨٥

☆ باب الإقامة والتثويب ٤٥٩

☆ باب صفة الصلوة ٥٠٤

☆ باب الذكر والدعاء بعد الصلوات ٦٥٨

اجمالی فہرست جلد ششم

.......☆ بقية كتاب الصلوة ....☆.......

☆ باب الإمامة ٣٣

☆ باب الجماعة ٣٩٦

☆ باب تسوية الصفوف ٤٨٠

☆ باب المسبوق واللاحق ٥٤٢

☆ باب الحدث فى الصلوة ٥٧٥

☆ باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها ٥٨٤

☆ باب السترة ٦٩٣

اجمالی فہرست جلد ہفتم

.......☆.......بقية كتاب الصلوة ....☆.......

☆ باب القراءة ۲۹

☆ بابٌ فی مسائل زَلّة القاری ۱۰۹

☆ باب الوتر والنوافل ۱۵۸

☆ باب السنن والنوافل ۱۸۱

☆ باب التراويح ۲۵۴

☆ باب قضاء الفوائت ۳۶۴

☆ باب سجود السهو ۴۰۴

☆ باب سجود التلاوة ۴۶۲

☆ باب صلوة المسافر ۴۷۶

☆ باب صلوة المريض ۵۴۵

☆ باب المتفرقات ۵۶۸

اجمالی فہرست جلد ہشتم

......☆......بقیة كتاب الصلوة ......☆......

☆ **باب صلوة الجمعة** ۳۰

☆ الفصل الأول في وجوب الجمعة ۳۰

☆ الفصل الثاني في شرائط الجمعة ٤٠

☆ فصلٌ في اشتراط المصر للجمعة ٥٧

☆ الفصل الثالث في تعدّد الجمعة ۱۸۸

☆ الفصل الرابع في خطبة الجمعة ۱۹۸

☆ الفصل الخامس في أذان الجمعة ۲۹۷

☆ الفصل السادس في وقت صلوة الجمعة ۳۳۸

☆ الفصل السابع في النوافل يوم الجمعة ۳٤٤

☆ الفصل الثامن في احتياط الظهر ۳٤٦

☆ الفصل التاسع في النظافة يوم الجمعة ۳٥۸

☆ **باب العيدين** **۳٦۷**

☆ الفصل الأول في شرائط العيدين ۳۸۱

☆ الفصل الثاني في وجوب صلوة العيد على المحبوسين والنساء .. ۳۹۱

☆ الفصل الثالث في صلوة العيد في المسجد وغيره ٤۰۱

☆ الفصل الرابع في تعدد العيد وتكراره ٤۲۸

☆ الفصل الخامس في تكبيرات العيدين ٤۳۷

☆ الفصل السادس في تكبيرات التشريق ٤٤٥

☆ الفصل السابع في خطبة العيد ٤٥۱

☆ الفصل الثامن في الدعاء بعد العيدين ٤٥۹

☆ **باب صلوة الاستسقاء** **٤۷٦**

☆ **باب الجنائز** **٤۸۱**

☆ الفصل الأول في غسل الميت ٤۸۸

☆ الفصل الثاني في تكفين الميت ٥۰٤

☆ الفصل الثالث في صلوة على الميت ٥٤٤

اجمالی فہرست جلد نہم

☆......بقية باب الجنائز......☆........

☆ الفصل الرابع فی حمل الجنازة ۳۰

☆ الفصل الخامس فیما یتعلق بالقبر والدفن ۴۶

☆ الفصل السادس فی البناء علی القبور ۱۵۳

☆ الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور ۱۷۱

☆ باب زیارة القبور ۱۷۶

☆ باب إهداء الثواب للمیت ۲۰۲

☆ فصل فی التلاوة عند القبور ۲۵۸

☆ فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعین وغیرها ۲۷۰

☆ باب المتفرقات ۲۸۱

☆ باب أحكام الشهید ۲۹۰

☆ كتاب الزكاة ۳۰۹

☆ باب وجوب الزكاة ۳۱۳

☆ باب الزكاة فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة ۳۶۸

☆ باب زكاة العروض ۴۱۰

☆ باب زكاة المواشی ۴۲۸

☆ باب العشر والخراج ۴۳۱

☆ فصل فی أراضی الهند ۴۵۳

☆ باب أداء الزكاة ۴۶۴

☆ باب مصارف الزكاة ۵۱۶

☆ فصل فی صرف الزكاة فی المدارس ۵۷۷

☆ باب صدقة الفطر ومصارفها ۶۱۴

☆ باب الصدقات النافلة ۶۴۲

☆ باب المتفرقات ۶۵۲

اجمالی فہرست جلد دہم

☆......كتاب الصوم......☆

☆ باب رؤية الهلال ٤٠

☆ باب مايفسد الصوم ومالايفسد ١٣٨

☆ باب قضاء الصوم وكفارته وفديته ١٦٢

☆ باب صوم النفل وغيره ١٩٢

☆ فصلٌ في التسحر والإفطار ٢٠٥

☆ باب الاعتكاف ٢١٩

☆ كتاب الحج ٢٨٧

☆ باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه ٢٨٧

☆ باب اشتراط المحرم للمرأة ٣٢٩

☆ بابٌ في واجبات الحج وسننه ٣٣٨

☆ باب المقامات المتبركة ٣٥٧

☆ بابٌ في أحكام الحج ٣٦٩

☆ باب المواقيت ٣٧٥

☆ باب القران والتمتع ٣٨٨

☆ باب الحج عن الغير ٤٠١

☆ باب الجنايات ٤٣٢

☆ باب زيارة المدينة المنورة ٤٤١

☆ كتاب النكاح ٤٦٣

☆ باب النكاح الصحيح ٤٨٨

☆ فصل في خطبة النكاح ٤٨٩

☆ فصل في مجلس العقد وتسجيله ٥٩٩

☆ فصل في الشهود في النكاح ٦١٣

☆ فصل في الإكراه على النكاح ٦٤٠

☆ فصل في ألفاظ النكاح ٦٥٦

☆ فصل في النكاح بالكتابة والهاتف ٦٧٤

☆ فصل في نكاح الشغار ٦٨١

اجمالی فہرست جلد یازدہم

☆......بقية كتاب النكاح......☆

☆ باب النكاح الفاسد ٢٧

☆ فصل فى النكاح المؤقت ٥٩

☆ فصل فى نكاح زوجة المفقود والغائب ٦٣

☆ فصل فى نكاح منكوحة الغير ٧١

☆ فصل فى نكاح الحاملة والمزنية ١١٤

☆ فصل فى نكاح المعتدة ١٣١

☆ باب وعد النكاح ١٥٤

☆ باب المتفرقات ١٦٥

☆ باب مايتعلق بالرسوم عند الزفاف ١٨٥

☆ باب من يحل نكاحه ٢٥٩

☆ باب المحرمات ٢٩٨

☆ الفصل الأول فى المحرمات من النسب ٢٩٨

☆ الفصل الثانى فى المحرمات من الرضاع ٣٢١

☆ الفصل الثالث فى حرمة المصاهرة ٣٥٠

☆ الفصل الرابع فى المحرمات بالجمع ٤٢٥

☆ الفصل الخامس فى المحرمات بالشرك ٤٣٩

☆ باب ولاية النكاح ٤٦٣

☆ فصل فى التوكيل بالنكاح ٥٢٩

☆ باب استيمار المرأة للنكاح ٥٥٠

☆ باب خيار البلوغ وحدّه ٥٨٣

☆ باب الكفاءة ٦٠٢

اجمالی فہرست جلد دوازدہم

.......☆.......بقية كتاب النكاح.......☆.......

☆ باب المهر ۲۳

☆ فصل في الجهاز وأخذ المال بالنكاح ۱۱۵

☆ باب فی العروس والوليمة ۱۳۶

☆ كتاب الطلاق ۱٤٤

☆ باب وقوع الطلاق وعدم وقوعه ۱٦٧

☆ الفصل الأول في وقوع الطلاق ۱٦٧

☆ الفصل الثاني في عدم وقوع الطلاق ۲٤٦

☆ الفصل الثالث فی طلاق السكران والمجنون ۲۸٤

☆ الفصل الرابع فی طلاق الغضبان ۳۰٥

☆ الفصل الخامس في طلاق الصبي ۳۲۰

☆ الفصل السادس في الطلاق بألفاظ مصحفة ۳۲۸

☆ باب الطلاق الصريح ۳۳۳

☆ باب طلاق الثلاث ۳۷٤

☆ باب الطلاق بألفاظ الكناية ٤۹۱

☆ باب الطلاق بالكتابة ٥۸۳

اجمالی فہرست جلد سیزدہم

☆.......بقیۃ کتاب الطلاق.......☆

☆ باب تعلیق الطلاق.......... ۲٤

☆ فصل فی التعلیق بکلمۃ کلّما.......... ۸۷

☆ فصل فی یمین الطلاق.......... ۱۰۵

☆ فصل فی التعلیق بالمشیئۃ.......... ۱۱۳

☆ فصل فی المخلص من التعلیق.......... ۱۱۹

☆ باب التفویض.......... ۱۳۵

☆ باب الفسخ والتفریق.......... ۱۵۷

☆ فصل فی زوجۃ المفقود والغائب.......... ۲۱۱

☆ فصل فی زوجۃ المتعنت.......... ۲۳۵

☆ فصل فی زوجۃ المجنون والعنین.......... ۲٦۰

☆ فصل فی زوجۃ المجذوم.......... ۲۸۷

☆ باب الشهود فی الطلاق.......... ۲۹۳

☆ باب الظهار والإیلاء.......... ۳۱۸

☆ باب اللعان والخلع.......... ۳۳۵

☆ باب الرجعۃ.......... ۳٦۱

☆ باب العدۃ والحداد.......... ۳۸۱

☆ باب النفقات.......... ٤۲۰

☆ باب الحلالۃ.......... ٤۷٤

☆ باب ثبوت النسب.......... ۵۲۳

☆ باب الحضانۃ.......... ۵٦٦

☆ باب المتفرقات.......... ۵۷۸

☆ کتاب الرضاع.......... ٦۰۵

اجمالی فہرست جلد چہاردہم

........☆ كتاب الأيمان والنذور ....☆........

☆ كتاب الأيمان والنذور ٢٩

☆ باب الأيمان ٢٩

☆ باب النذور ٥٩

☆ كتاب الحدود والقصاص والشهادة ٧٩

☆ باب حدّ الزنا ومايتعلق به ٧٩

☆ باب حدّ القذف ١٠١

☆ باب التعزير ١١٠

☆ فصل فی التعزیر بأخذ المال ١٣٤

☆ باب الحد بشرب الخمر ١٥٠

☆ باب القصاص والدية ١٥١

☆ باب الشهادة ١٥٤

☆ كتاب اللقطة ١٥٦

☆ كتاب الشركة والمضاربة ١٧٦

☆ كتاب الوقف ٢٣١

☆ باب مايتعلق بنفس الوقف ٢٣١

☆ باب فی استبدال الوقف وبيعه ٢٨٨

☆ باب ولاية الوقف ٣٤٢

☆ باب أحكام المساجد ٣٨٤

اجمالی فہرست پانزدہم

..........☆.......بقية كتاب الوقف.......☆.......

☆ بقية فصول من باب أحكام المساجد.................... ۳۰

☆ باب آداب المسجد.................... ۱۸۳

☆ باب المتفرقات.................... ۲۸۵

☆ باب المصلیٰ.................... ۳۲۲

☆ بابٌ فی أحكام المقابر.................... ۳۵۰

☆ باب مايتعلق بالمدارس.................... ۳۹۷

☆ باب المتفرقات.................... ۶۲۲

اجمالی فہرست شانزدہم

.......☆.......کتاب البیوع.......☆.......

☆ باب البیع الصحیح ۲۷
☆ باب البیع الفاسد والباطل والمکروہ........ ۶۸
☆ باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً........ ۱۵۱
☆ باب المتفرقات........ ۱۷۰
☆ باب بیع الحقوق المجردة........ ۱۷۸
☆ باب مایتعلق بالحصص........ ۱۸۸
☆ باب المرابحة والسلم........ ۲۰۲
☆ باب الصرف........ ۲۳۷
☆ باب البیع بالوفاء........ ۲۵۵
☆ باب الرباء........ ۲۷۱
☆ باب القرض........ ۴۰۵
☆ باب القمار........ ۴۳۳
☆ کتاب الوکالة........ ۴۴۹
☆ کتاب الدعویٰ والتحکیم........ ۴۵۷
☆ کتاب الهبة........ ۴۶۹
☆ کتاب الضمان والودیعة........ ۵۲۱
☆ کتاب الإجارة........ ۵۵۵
☆ باب الإجارة الصحیحة........ ۵۵۵
☆ باب الإجارة الفاسدة........ ۵۸۶
☆ باب أجرة الدلال والسمسار........ ۶۱۷
☆ بابٌ فی فسخ الإجارة........ ۶۳۴

اجمالی فہرست جلد ہفت دہم

...... ☆ ...... بقية كتاب الإجارة ...... ☆ ......

☆ باب الاستيجار على الطاعات ٢٥

☆ باب الاستيجار على المعاصي ١٠٧

☆ باب المتفرقات ١٢٥

☆ كتاب الغصب ١٤٢

☆ كتاب الشفعة ١٥٨

☆ كتاب المزارعة ١٦٣

☆ كتاب الصيد والذبائح ٢٠٠

☆ باب الصيد ٢٠٠

☆ باب الذبائح ٢٢٥

☆ كتاب الأضحية ٣٠٩

☆ باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب ٣٠٩

☆ بابٌ في أفضل الضحايا وفيما يجوز منها ومالايجوز ٣٣٣

☆ باب مايكون عيباً في الأضحية ومالا ٣٧٦

☆ باب الشركة في الأضحية ٣٩٦

☆ بابٌ في قسمة اللحم ومصرفه وبيعه ٤٢٣

☆ بابٌ في أيام الأضحية ووقتها وقضائها ٤٤٥

☆ بابٌ في مصرف جلد الأضحية ٤٥٧

☆ بابٌ في مستحبات الأضحية وآدابها ٤٨٣

☆ باب المتفرقات ٤٩٩

☆ كتاب العقيقة ٥٠٧

اجمالی فہرست جلد ہشت دہم

.......☆....... کتاب الحظر والإباحة.......☆....... ۳۰

☆ باب الأكل والشرب........ ۳۰

☆ باب الضيافات والهدايا والدعوة........ ۹۵

☆ باب الأشياء المحرمة وغيرها........ ۱۷۸

☆ باب الانتفاع بالحيوانات........ ۲۰۷

☆ باب التداوي والمعالجة........ ۲۸۸

☆ باب شرب الدخان واستعمال النورة وغيرها........ ۳۸۰

☆ باب المال الحرام ومصرفه........ ۴۰۸

☆ باب الرشوة........ ۴۵۵

☆ باب المعاشرة والأخلاق........ ۴۷۰

☆ باب المعاصي والتوبة........ ۵۴۶

☆ باب أحكام الزوجين........ ۵۷۰

اجمالی فہرست نوزدہم

.......☆.......بقية كتاب الحظر والإباحة.......☆.......

☆ باب حقوق الوالدين وغيرهما.................... ۲۹

☆ باب السلام والقيام والمصافحة.................... ۵۹

☆ باب الترضي والترحم.................... ۱۳۸

☆ باب الحجاب.................... ۱۶۶

☆ باب اللباس.................... ۲۵۵

☆ باب استعمال الذهب والفضة.................... ۳۳۹

☆ باب الأسماء.................... ۳۷۲

☆ باب خصال الفطرة.................... ۳۹۲

☆ باب الصورة والملاهي.................... ۴۶۹

☆ باب الألعاب.................... ۵۲۸

☆ باب الموالات مع الكفار والفَسَقة.................... ۵۴۵

اجمالی فہرست جلد بستم

........☆........ بقية كتاب الحظر والإباحة ....☆........

☆ باب مايتعلق بالجنات........ ۲۰

☆ باب مايتعلق بالسحر والعوذة........ ٤٨

☆ باب الأشتات........ ۹۷

☆ كتاب الرهن........ ۱۲۱

☆ كتاب الفرائض........ ١٤٧

☆ رساله آسان فرائض........ ٥١١

اجمالی فہرست جلد بیست ویکم

كتاب الإيمان والعقائد ۲۸

مايتعلق بالإيمان ۲۸

مايتعلق بالتقدير ۳۱

مايتعلق بالسعادة والنحوسة ۳۳

باب العقائد ۳٤

ما يتعلق بالله تعالىٰ وصفاته ۳٤

مايتعلق بالإشراك بالله تعالى وصفاته ۳۸

مايتعلق بالاستمداد بغير الله تعالى ٤۳

مايتعلق بالأنبياء عليهم السلام وأتباعهم ٤٥

مايتعلق بعلم الغيب ۷۱

مايتعلق بالحاضر والناظر والنور والبشر ۷۳

مايتعلق بحياة الأنبياء وسماع الموتى ۸۱

مايتعلق بالتوسل في الدعاء ۸۷

مايتعلق بأحوال القبور والأرواح ۸۹

مايتعلق بالجزاء والعقوبة ۹٦

باب الفرق ۱۰۰

مايتعلق بالروافض ۱۰۰

مايتعلق بالقاديانية ۱۱۱

مايتعلق بالبريلوية ۱۱۳

متفرقات الفرق ۱۱٦

باب الكفريات ۱۱۷

مايتعلق بألفاظ الكفر ۱۱۹

مايتعلق بتكفير المسلم ۱۳۱

مايتعلق بالاستخفاف بالله تعالى وشعائره ۱۳٦

باب التقليد ۱٤۹

باب البدعات والرسوم ۱٦۳

کتاب العلم ۱۹۹
مایتعلق بطلب العلم ۱۹۹
علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل ۲۰۱
فتویٰ کا بیان ۲۲۸
باب مایتعلق بالقرآن الکریم ۲۳۶
باب مایتعلق بالحدیث النبوي ۲۷۶
باب الکتب المعتمدة وغیرها ۲۸۵
باب في تذکرة الرجال ۲۹۳
باب الفلکیات ۲۹۷
باب التبلیغ ۳۰۰
مایتعلق بالمواعظ والنصح ۳٦٤
کتاب السلوك والإحسان ۳٦۷
کتاب السیر والتاریخ ۳۸٦
باب في شمائل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ۳۸٦
باب التاریخ ۳۹۳
کتاب السیاسة والهجرة ٤۰۱
کتاب تعبیر الرؤیا ٤۱۲
کتاب الطهارة ٤۲۱
باب في نواقض الوضوء ٤۲۱
باب الغسل ٤۲٤
باب التیمم ٤۲۸
باب في الأنجاس ٤۳٤
باب الاستنجاء ٤۳۷
کتاب الصلاة ٤٤۰
باب المواقیت ٤٤٤
باب الأذان ٤۷٦
باب الاقامة والتثویب ٤۸۸
باب صفة الصلاة ٤۹۲
باب الذکر والدعاء بعد الصلوات ۵۲۳

اجمالی فہرست جلد بیست ودوم

باب الإمامة ٣٦
باب الجماعة ٧٤
باب تسوية الصفوف وترتيبها ٩٠
باب المسبوق واللاحق والمدرك ١٠٢
باب الحدث في الصلاة ١٠٨
باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها ١١١
باب السترة ١٤٣
باب القراءة ١٤٨
باب في مسائل زلة القارئ ١٧٢
باب الوتر ١٨٤
باب السنن والنوافل ١٨٧
باب صلاة التراويح ٢٠٧
باب قضاء الفوائت ٢١٣
باب سجود السهو ٢١٩
باب سجود التلاوة ٢٣١
باب صلاة المريض ٢٣٦
باب صلاة المسافر ٢٣٩
باب صلاة الجمعة ٢٤٠
باب صلاة العيدين ٢٤٥
باب صلاة الاستسقاء ٢٥٤
باب الجنائز ٢٥٩
باب إهداء الثواب للميت ٢٦٨
باب أحكام الشهيد ٢٨٣
كتاب الزكاة ٢٨٨

باب وجوب الزكاة ۲۹۲
باب الزكاة في الذهب والفضة والفلوس الرائجة ۲۹۸
باب زكاة العروض ۳۰۲
باب العشر والخراج ۳۰۸
باب أداء الزكاة ۳۱۲
باب مصارف الزكاة ۳۲۲
باب صدقة الفطر ومصارفها ۳۴۱
باب الصدقات النافلة ۳۵۲
كتاب الصوم ۳۵۳
باب رؤية الهلال ۳۵۶
باب مايفسد الصوم ومالا يفسد ۳۶۶
باب قضاء الصوم وكفارته وفديته ۳۶۹
باب الاعتكاف ۳۸۳
كتاب الحج ۳۹۴
باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه ۳۹۴
باب اشتراط المحرم للمرأة ۴۰۷
باب في واجبات الحج وسننه ۴۱۱
باب في أحكام الحج ۴۱۸
باب المواقيت ۴۲۵
باب الحج عن الغير ۴۲۶
باب الجنايات ۴۴۴
باب المتفرقات ۴۵۰
كتاب النكاح ۴۵۷
باب مايتعلق بالرسوم عند الزواج ۴۶۷
باب المحرمات ۴۷۱
باب ولاية النكاح ۴۸۳
باب في العروس والوليمة ۴۸۹
كتاب الطلاق ۴۹۰
باب الطلاق بألفاظ الكناية ۴۹۰

باب الفسخ والتفریق ... ۴۹۲
باب الخلع ... ۴۹۸
باب العدة والحداد ... ۵۰۰
باب النفقات ... ۵۰۶
باب ثبوت النسب ... ۵۱۴
باب الحضانة ... ۵۱۷
كتاب الأيمان والنذور ... ۵۱۸
باب الأيمان ... ۵۱۸
باب النذور ... ۵۴۱
كتاب الحدود ... ۵۵۰
باب حد الزنا ... ۵۵۰
باب حد القذف ... ۵۶۰
باب التعزير ... ۵۶۵
باب الشهادة ... ۵۷۳
كتاب اللقطة ... ۵۷۸

اجمالی فہرست جلد بیست وسوم

كتاب الوقف ۲۸

باب مايتعلق بنفس الوقف........ ۲۸

باب في استبدال الوقف وبيعه........ ۷٤

باب ولاية الوقف........ ۷۹

باب أحكام المساجد........ ۹۸

باب آداب المسجد........ ۲۲۲

باب المتفرقات........ ۲٤۱

باب المصلى........ ۲٤٦

باب في أحكام المقابر........ ۲۵۲

باب مايتعلق بالمدارس........ ۲۷۵

باب المتفرقات........ ۲۹۷

كتاب الشركة والمضاربة ۳۰۰

كتاب الإجارة ۳۲۰

باب الإجارة الصحيحة........ ۳۲۰

باب الإجارة الفاسدة........ ۳۵۳

باب أجرة الدال والسمسار........ ۳۸۱

باب في فسخ الإجارة........ ۳۹۰

باب الاستئجار على الطاعات........ ۳۹۱

باب الاستئجار على المعاصي........ ٤۰۳

كتاب المزارعة ٤۱۳

كتاب الغصب ٤۱٦

کتاب البیوع ۴۲۶

باب البیع الصحیح ۴۲۶

باب البیع باطل والفاسد والمکروہ ۴۵۵

باب حطّ الثمن وزیادتہ نقد او نسیئۃ ۴۹۴

باب المتفرقات ۵۰۴

باب بیع الحقوق المجردۃ ۵۰۵

باب مایتعلق بالحصص ۵۱۰

باب الإقالۃ ۵۱۹

باب المرابحۃ والسلم ۵۲۱

باب الصرف ۵۳۳

باب البیع بالوفاء ۵۴۱

باب الربوا ۵۵۲

اجمالی فہرست جلد بیست وچہارم

باب القرض ۳۲

باب القمار ٤١

كتاب الدعوىٰ والتحكيم ٤٣

باب الدعوى ٤٣

باب التحكيم ٥٤

كتاب الهبة ٥٧

كتاب الضمان والوديعة ٧٤

باب في الضمان ٧٤

باب في الوديعة ٨٠

كتاب الرهن ٨٦

كتاب الصيد والذبائح ٩٥

باب الصيد ٩٥

باب الذبائح ١٠٢

كتاب الأضحية ١٢٢

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب ١٢٢

باب فيما يجوز من الأضحية ومالايجوز ١٣٣

باب مايكون عيبا في الأضحية ومالايكون ١٣٧

باب الشركة في الأضحية ١٣٨

باب في قسمة اللحم ومصرفه وبيعه ١٤٠

باب في مصرف جلد الأضحية ١٤١

باب المتفرقات ١٤٣

كتاب العقيقة ١٤٦

كتاب الحظر والإباحة ١٥٤

باب الأكل والشرب ١٥٤
باب الضيافات والهدايا ١٦٤
باب الأشياء المحرمة وغيرها ١٧٩
باب الانتفاع بالحيوانات ١٨٧
باب التداوي والمعالجة ١٩٧
باب المال الحرام ومصرفه ٢١٣
باب الرشوة ٢٢٠
باب المعاشرة والأخلاق ٢٢٧
باب المعاصي والتوبة ٢٥١
باب أحكام الزوجين ٢٧٥
باب حقوق الوالدين وغيرها ٢٩٧
باب السلام والقيام والمصافحة ٣٢٣
باب الترضي والترحم ٣٣٢
باب الحجاب ٣٣٤
باب اللباس ٣٥١
باب استعمال الذهب والفضة ٣٧١
باب الأسماء ٣٧٩
باب خصال الفطرة ٣٨٣
باب الصورة والملاهي ٣٩٩
باب الألعاب ٤١٧
باب الموالات مع الكفار والفسقة ٤٢٠
باب مايتعلق بالجنات ٤٣١
باب مايتعلق بالسحر والعوذة ٤٣٥
باب الأشتات ٤٥٥
كتاب الفرائض ٤٧٧
باب المتفرقات ٥٦٥

☆......☆......☆

تفصیلی فہرست

فتاوی محمودیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات...... جلد اول

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
☆	ابتدائیہ از شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ..........	۲۸
☆☆	فقیہ الامۃ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کے حالاتِ زندگی..........	۳۲
☆	نام ونسب..........	۳۴
☆	حضرت مفتی صاحب کے دادا جناب خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ..........	۳۵
☆	والد محترم حضرت مولانا حامد حسن گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ..........	۳۶
☆	فراغت وتدریس..........	۳۶
☆	امر بالمعروف اور احتیاط..........	۳۶
☆	بیعت وارادت..........	۳۷
☆	علالت ووفات..........	۳۷
☆☆	حضرت مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ..........	۳۸
☆	ولادت باسعادت..........	۳۸
☆	بسم اللہ..........	۳۸

☆	ابتدائی تعلیم	۳۹
☆	حفظِ قرآن کریم	۳۹
☆	درسِ نظامی	۴۰
☆	مظاہرعلوم میں حاضری	۴۰
☆	دارالعلوم دیوبند میں حاضری	۴۱
☆	بیعت	۴۲
☆	انتخابِ شیخ	۴۳
☆	بیعت کی درخواست اور شیخ کا امتحان	۴۳
☆	اجازت وخلافت	۴۴
☆	تدریس وافتاء اور مظاہرعلوم میں تقرری	۴۴
☆	فتاویٰ سنانے میں ایک خاص معمول	۴۵
☆	بے مثال تواضع وکسرِ نفسی	۴۵
☆	شدتِ علالت کی بناء پر مظاہرعلوم سے استعفیٰ	۴۶
☆	مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام	۴۶
☆	پونہ میں قیام	۴۷
☆	جامع العلوم کانپور کے لئے حضرت فقیہ الامت کا انتخاب	۴۷
☆	جامع العلوم کانپور کے لئے اصلاحی مساعی	۴۸
☆	جامع العلوم کانپور سے مظاہرعلوم سہارنپور واپسی کی تجویز	۴۹
☆	دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے لئے تقرر وانتخاب	۵۰
☆	دارالعلوم دیوبند تشریف آوری	۵۱
☆	قیام گاہ	۵۲
☆	دارالعلوم دیوبند میں درسِ بخاری شریف	۵۲

☆	کیفیتِ درس	۵۳
☆	دارالعلوم سے مظاہر علوم مراجعت	۵۴
☆	جامعہ مظاہر علوم میں تشریف آوری	۵۴
☆	مظاہر علوم سے دارالعلوم مراجعت	۵۵
☆	دارالافتاء	۵۶
☆	طرزِ درس اور طلبہ سے بے تکلفی	۵۶
☆	افتاء وتفقہ	۵۷
☆	فتاویٰ پر اکابر کا اعتماد	۵۹
☆	نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز	۶۲
☆	مظاہرِ علوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز	۶۳
☆	رائے کی پختگی	۶۳
☆	فتاویٰ نویسی میں چند عاداتِ مبارکہ	۶۴
☆	دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق	۶۷
☆	تمرینِ فتاویٰ	۶۷
☆	فقہ وفتاویٰ میں مناسبت پیدا کرنے کی تدبیر	۶۹
☆	فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے طلبہ کی تیاری	۷۰
☆	امراض وتکالیف اور آپریشن	۷۱
☆	قبض اور ہچکیوں کی تکلیف	۷۱
☆	فالج کا حملہ اور آپریشن کے ذریعے مشین کی فٹنگ	۷۴
☆	غیر اختیاری سنت پر عمل اور سحر کا اثر	۷۵
☆	شدتِ علالت اور آپریشن	۷۶
☆	آخری دعاء اور آخری حدیث شریف	۷۸

☆	دنیا سے انقطاعِ کلی	۷۸
☆	مرض الوفات	۷۸
☆	نمازِ جنازہ	۷۹
☆	تدفین	۸۰
☆☆	**مفتی حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ**	۸۱
☆	درس وتدریس	۸۱
☆	اہتمام وانتظام	۸۲
☆☆	**حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ**	۸۳
☆	ولادتِ سعید	۸۳
☆	ابتدائی تعلیم	۸۳
☆	مظاہر علوم میں تقرر اور ایک خاص واقعہ	۸۵
☆	سفرِ حجاز اور مفتی کے عہدہ پر فائز ہونا	۸۵
☆	بعض عظیم المرتبت شخصیات کے اعترافات	۸۶
☆	حضرت شیخ کا دوستانہ تعلق	۸۶
☆	محتاط زندگی گزارنے کا عجیب وغریب قصہ	۸۷
☆	بیعت وارشاد	۸۹
☆	بچوں کی تربیت کا انوکھا انداز	۸۹
☆	آپ کے درس کی خصوصیات	۹۰
☆	تواضع، سادگی اور فقیرانہ زندگی	۹۱
☆	دو خاص نصیحتیں	۹۲
☆	اوصافِ حمیدہ	۹۳
☆	تالیفات وتصنیفات	۹۳

☆	علالت، وفات اور آخری وصیت	۹۴
☆☆	**حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ**	۹۶
☆☆	**فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی نظام الدین دامت برکاتہم**	۹۸
☆	ولادت باسعادت	۹۸
☆	تعلیم وتربیت	۹۸
☆	تصانیف	۱۰۰
☆☆	**مقدمہ**	۱۰۳
☆	فتویٰ کی لغوی تعریف	۱۰۴
☆	اصطلاحی تعریف	۱۰۶
☆	فتویٰ کا تاریخی پسِ منظر	۱۰۷
☆	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ	۱۰۷
☆	صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ	۱۰۹
☆	تابعین کے دور میں فتویٰ	۱۱۰
☆	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ	۱۱۱
☆	استنباطِ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ	۱۱۳
☆	امام صاحب کے شاگرد	۱۱۴
☆	فقہ حنفی بطور قانون	۱۱۴
☆	سلطنتِ مغلیہ کے بعد فتویٰ	۱۱۵
☆	فتویٰ کی اہمیت	۱۱۵
☆	مفتی کا مقام	۱۱۷
☆	مفتی کے شرائط	۱۱۸
☆	مفتی کا فریضہ	۱۱۹

☆	فتویٰ دینے میں احتیاط	۱۲۰
☆	لاادری	۱۲۳
☆☆	**کچھ فتاویٰ محمودیہ کے بارے میں**	۱۲۶
☆	حضرات علمائے دیوبند اور اعتدال پسندی	۱۲۶
☆	حضرت مفتی محمود حسن صاحب اور فتاویٰ نویسی	۱۳۱
☆	حضرت مفتی صاحب اور طریقۂ فتویٰ نویسی	۱۳۶
☆	وسعتِ نظر اور استحضارِ جزئیات	۱۳۸
☆	حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی	۱۳۹
☆	جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ اعتدال	۱۴۰
☆	حضراتِ صحابہ کرام اور راہِ اعتدال	۱۴۴
☆	تصوف اور اعتدال پسندی	۱۴۷
☆	مدارس اور راہِ اعتدال	۱۵۰
☆	جمہوریت اور راہِ اعتدال	۱۵۲
☆	اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال	۱۵۷
☆	فروعی اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال	۱۵۹
☆	دعوت وتبلیغ اور راہِ اعتدال	۱۵۹
☆☆	**فتاویٰ محمودیہ کی خصوصیات**	۱۶۴
☆☆	**فتاویٰ محمودیہ پر کام کرنے کی نوعیت**	۱۶۶
☆	تبویب وترتیب	۱۶۶
☆	تخریج	۱۶۸
☆	تخریج کا طریقہ	۱۶۸
☆	عنوانات کی تسہیل وتوضیح	۱۶۹

☆	ہندی الفاظ کا ترجمہ	۱۶۹
☆	ہندی ہندسوں کی وضاحت	۱۶۹
☆	غیر مفتی بہ اقوال کی نشاندہی	۱۶۹
☆	علاماتِ ترقیم لگانے کا خاص اہتمام	۱۷۰
☆	اظہارِ تشکر	۱۷۰

☆.....☆.....☆

کتاب الإیمان و العقائد

مایتعلق بالإیمان

(ایمان کا بیان)

۱	اسلام کیا ہے؟	۱۷۲
۲	ایمان کی بنیاد	۱۷۳
۳	ایمان میں کمی وزیادتی	۱۷۴
۴	کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت کا ثبوت	۱۷۸
۵	جملہ خبریہ کی تعریف اور کلمۂ توحید	۱۸۱
۶	توحید کی تشریح	۱۸۲
۷	مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت کی ضرورت	۱۸۳
۸	مسلمان ہونے والے کو فوراً مسلمان کرنا چاہیے	۱۸۴
۹	غیر مسلم کس طرح مسلمان ہوتا ہے؟	۱۸۵
۱۰	نومسلم کب تک نومسلم رہے گا؟	۱۸۸

۱۱	صفتِ احدیت	۱۸۸
۱۲	قدرت	۱۸۹
۱۳	ضروریاتِ دین کی تفصیل	۱۸۹
۱۴	ایمان بالرسول اجمالاً کافی ہے، یا اوصاف کے ساتھ؟	۱۹۰
۱۵	قرآن پر ایمان کا مطلب	۱۹۱
۱۶	فطرت پر ہونے کی تشریح	۱۹۲
۱۷	امتِ دعوت واجابت	۱۹۳
۱۸	وسوسۂ شیطانی سے ایمان زائل نہیں ہوتا	۱۹۵
۱۹	دینیات میں وسوسہ اور اس کا علاج	۱۹۶
۲۰	مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا	۱۹۷
۲۱	زمانہ کو بُرا کہنے کی ممانعت اور مفتی قدرت اللہ صاحب کی تقریر	۱۹۸
۲۲	زمانہ کو برا کہنا	۲۰۱
۲۳	احکام اسلام کو اپنانا اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کا کام ہے	۲۰۱
۲۴	کراماً کاتبین کی تعداد	۲۰۲
۲۵	تجدیدِ ایمان کا طریقہ	۲۰۳
۲۶	ایضاً	۲۰۵
۲۷	نجات کس ایمان پر ہے؟	۲۰۶
۲۸	کیا محض ایمان پر جنت کی بشارت ہے؟	۲۰۷
۲۹	اخیر وقت کا اسلام	۲۰۸
۳۰	خاتمہ بالخیر	۲۰۹

ما یتعلق بالقدر

(تقدیر کا بیان)

۳۱	مسئلہ تقدیر	۲۱۰
۳۲	تقدیر مبرم اور معلق	۲۱۱
۳۳	تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب	۲۱۲
۳۴	مشیتِ ایزدی تقدیر ہے	۲۱۴
۳۵	کیا تقدیر پر ایمان لانے سے جبر لازم نہیں آتا؟	۲۱۵
۳۶	تقدیر کے مسئلہ پر اشکال	۲۱۷
۳۷	کیا تقدیر میں تبدیلی ممکن ہے؟	۲۱۸
۳۸	انسان سے برے کام کیا اللہ تعالیٰ کراتا ہے؟	۲۲۱
۳۹	ہر ایک کا ارادہ خدا کے ارادے کے تابع ہے	۲۲۱
۴۰	انسان مختار ہے یا مجبور؟	۲۲۳
۴۱	ایضاً	۲۲۴
۴۲	خودکشی کرنے والے کی موت خود اس کے قبضے میں نہیں	۲۲۵
۴۳	وقت سے پہلے موت نہیں آتی	۲۲۶
۴۴	خلقتِ انسانی کی غایت	۲۲۶
۴۵	غریب کی غریب سے شادی تقدیری ہے یا کوشش سے؟	۲۲۷
۴۶	معصوم بچے کس قصور کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں؟	۲۲۸
۴۷	معصوم بچوں کے بیمار ہونے کا سبب	۲۲۹
۴۸	اولادِ زنا کا کیا قصور ہے؟	۲۳۰

مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ

(نیک شگونی اور بدشگونی کا بیان)

۴۹	بدشگونی	۲۳۱
۵۰	کیا عورت، گھر، گھوڑے میں نحوست ہے؟	۲۳۲
۵۱	متعین ایام میں نکاح ورخصتی منحوس نہیں	۲۳۳
۵۲	دن اور کسی تاریخ میں نحوست نہیں	۲۳۴
۵۳	دو بھائیوں کی شادی، دو بہنوں سے کرنے کو منحوس سمجھنا	۲۳۴
۵۴	کیا رات کو قرض دینا منحوس ہے؟	۲۳۵
۵۵	منگل اور بدھ کو حجامت بنوانا	۲۳۶
۵۶	چند بے اصل بدفالیاں	۲۳۶
۵۷	چاند جب عقرب میں ہو تو کام شروع کیا جائے یا نہیں؟	۲۳۷
۵۸	قطب تارہ کی طرف پیر پھیلانا	۲۳۷
۵۹	تیسری رات کا چاند نہ دیکھنا اور اس کی کہانی سننا	۲۳۷
۶۰	سورج یا چاند گرہن کے وقت کھانا	۲۳۸
۶۱	روزانہ ایک پیسہ رات کو امانت رکھ کر صبح کو واپس لینا	۲۳۸
۶۲	جھاؤ کا استعمال	۲۳۹
۶۳	وبا کی بستی سے نکلنا	۲۳۹
۶۴	مجذوم اور ابرص کے ساتھ اختلاط	۲۴۰
۶۵	چیچک والے کے لئے چند مخصوص چیزیں	۲۴۲
۶۶	تعمیر مکان کے لئے وقت مقرر نہیں	۲۴۳

باب العقائد

مایتعلق باللہ تعالیٰ و صفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

۶۷	عقیدہ کی تعریف	۲۴۴
۶۸	اللہ تعالیٰ کہاں ہیں؟	۲۴۴
۶۹	خدا کے لئے جہت کا ماننا	۲۴۶
۷۰	نورنامہ کا ایک شعر (خدا کے لئے جسم ماننا)	۲۴۶
۷۱	کیا خدا ہر شئی میں ہے؟	۲۴۷
۷۲	اللہ تعالیٰ کا ہر شئی میں حلول کرنے کا عقیدہ	۲۴۸
۷۳	''اللہ تعالیٰ قادر ہے، جو چاہے، دکھلادے'' عقیدہ پر اشکال	۲۵۰
۷۴	اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہیں تو دشمنوں کے بیچ میں کریں، نہ چاہیں نہ کریں	۲۵۴
۷۵	کیا اللہ تعالیٰ اونگھنے پر قادر ہے؟	۲۵۶
۷۶	خالق مخلوق بننے پر قادر ہے یا نہیں؟	۲۵۷
۷۷	امکانِ کذب	۲۵۷
۷۸	مسئلہ امکان کذب اور ''فتح المبین'' میں تلبیس	۲۶۰
۷۹	محال کے ساتھ ممکن ماننا	۲۶۴
۸۰	کیا اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں؟	۲۶۴
۸۱	کیا ہر وقت دیدارِ خداوندی ممکن ہے؟	۲۶۶
۸۲	اللہ میاں کہنا	۲۶۷
۸۳	کیا ''گاڈ'' خدا کا نام ہے؟	۲۶۷
۸۴	اسمائے الٰہی دوسری زبانوں میں	۲۶۸

۸۵	اسمائے الٰہی میں الحاد کا مطلب	۲۷۱

مایتعلق بالإشراک باللّٰہ تعالیٰ وصفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

۸۶	شرک کی تفصیل	۲۷۳
۸۷	شرک فی وجودالوجوب	۲۷۴
۸۸	کافر ومشرک میں فرق	۲۷۵
۸۹	مشرک اور کافر میں فرق	۲۷۷
۹۰	صفاتِ باری تعالیٰ میں کسی کو شریک کرنا	۲۷۸
۹۱	کیا اولیاء کو ذاتی قدرت ہے؟	۲۷۸
۹۲	کیا اولیاء پر موت طاری نہیں ہوتی؟	۲۸۰
۹۳	کسی بزرگ کی دوہائی	۲۸۱
۹۴	شہید بابا پر دونے چڑھانا	۲۸۲
۹۵	کسی پیر کے نام بچہ کے سر پر چوٹی رکھنا	۲۸۲
۹۶	کسی مردہ بزرگ کا کسی انسان میں حلول کرنا	۲۸۳
۹۷	گمراہ مرشد کے کہنے سے قبر کو سجدہ کرنے کا حکم	۲۸۳
۹۸	قبروں کو سجدہ کرنا اور چومنا	۲۸۵
۹۹	پیرومرشد کو سجدہ کرنا	۲۸۶
۱۰۰	مصنوعی قبر کی پرستش	۲۸۷
۱۰۱	پیرانِ پیر کا کلمہ اور جلوس	۲۸۸
۱۰۲	کیا عبدالقادر جیلانی کا نام لینے سے بال گھٹ جاتے ہیں؟	۲۸۸
۱۰۳	بڑے پیر صاحب کا ملک الموت سے ارواح کو چھین کر زندہ کردینا	۲۸۹
۱۰۴	کیا بڑے پیر صاحب اور شمس تبریز نے مردوں کو زندہ کیا؟	۲۸۹

۱۰۵	بزرگ کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہنچنا	۲۹۰
۱۰۶	پیر بزرگ کی سواری کا آنا	۲۹۱
۱۰۷	کیا بوعلی شاہ قلندر کے مزار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں؟	۲۹۲
۱۰۸	صاحب مزار کے متعلق عقیدہ	۲۹۲
۱۰۹	ایک شیعہ پیر کے عقائد وخیالات	۲۹۳
۱۱۰	پیر کو حاجت روا سمجھنا	۲۹۶
۱۱۱	پوجا کے لئے چندہ اور پوجا کی مٹھائی کھانا	۲۹۸
۱۱۲	اسکول میں پوجا کے لئے چندہ دینا اور پوجا کا کھانا کھانا	۲۹۹
۱۱۳	دُرگا پوجا میں چندہ دینے والے کا حکم	۳۰۱
۱۱۴	مشرکانہ طریقے پر کنویں کے افتتاح میں شرکت	۳۰۱
۱۱۵	کیا کسی خاص کنویں کے پانی میں شفاء ہے؟	۳۰۳
۱۱۶	کسی خاص درخت سے شفاء حاصل کرنا	۳۰۴
۱۱۷	درخت کے پاس بیٹھنے سے شفاء	۳۰۶
۱۱۸	کامیابی کے لئے ایک درخت کے نیچے خاص ہیئت اختیار کرنا	۳۰۷
۱۱۹	قبر کی مٹی سے شفا	۳۰۸
۱۲۰	بدعاتِ شرکیہ	۳۰۹
۱۲۱	قبر پر چراغ، منت، ذبح، سجدہ وغیرہ	۳۱۲
۱۲۲	مزارات پر عورتوں کا جانا اور منت مانگنا	۳۱۴
۱۲۳	قبور کا چڑھاوا	۳۱۴
۱۲۴	مزارات کا چڑھاوا	۳۱۵
۱۲۵	مزاروں کا چکر	۳۱۶
۱۲۶	قبروں کا طواف کرنا اور چومنا	۳۱۷

۱۲۷	نذرانۂ مزارات کی تفصیل	۳۱۸
۱۲۸	بن بیوی، خدابرکت، پانچ پیر مزار پر نذرانے	۳۲۴
۱۲۹	دریا کے نام پر ذبح اور تصدق	۳۲۵
۱۳۰	''بھوک'' کا جانور ذبح کرنا اور کھانا	۳۲۷
۱۳۱	بت کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا حکم	۳۲۸
۱۳۲	دیوی، دیوتاؤں کے نام پر تقسیم ہونے والی اشیاء کا حکم	۳۳۰
۱۳۳	اہلِ ہنود کے مخصوص بکروں کا حکم	۳۳۰
۱۳۴	کالی بکری کو مخصوص طور پر ذبح کرنا	۳۳۱
۱۳۵	غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ سے گائے گابن کرانا	۳۳۲
۱۳۶	پیر کے نام بکرا ذبح کرنے سے حلال نہیں	۳۳۳
۱۳۷	حضرت سید سالار غازی مسعود کی نذر	۳۳۴
۱۳۸	اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا	۳۳۵
۱۳۹	غیر اللہ کے نام کا جانور	۳۳۶
۱۴۰	بھینٹ کا مرغا	۳۳۶
۱۴۱	غیر اللہ کے نام پر نذر مشرکانہ عمل ہے	۳۳۷
۱۴۲	النذر لغیر اللہ	۳۳۹
۱۴۳	نذر لغیر اللہ کا حکم	۳۴۰
۱۴۴	نذر لغیر اللہ	۳۴۱
۱۴۵	غیر اللہ کی نذر کا کھانا کیا کیا جائے؟	۳۴۴

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

۱۴۶	الاستغاثۃ	۳۴۵

۱۴۷	نداء الأموات	۳۴۵
۱۴۸	انبیاء کرام کو پکارنا	۳۴۷
۱۴۹	اولیاء اللہ سے مدد مانگنا	۳۴۸
۱۵۰	پیرانِ پیر سے مدد مانگنا	۳۴۹
۱۵۱	پیرانِ پیر سے مدد مانگنے سے متعلق شعر کا حکم	۳۵۰
۱۵۲	پیر وفقیر سے حاجتیں مانگنا	۳۵۱
۱۵۳	طلب الحاجة من اهل القبور	۳۵۳
۱۵۴	اولیاء سے استمداد	۳۵۳
۱۵۵	استمداد	۳۵۴
۱۵۶	اہلِ قبور سے استمداد	۳۵۵
۱۵۷	غیر اللہ سے مدد طلب کرنا	۳۵۶
۱۵۸	صاحبِ قبر سے دعا کی درخواست	۳۵۷
۱۵۹	مُردوں سے قبولِ دعا کی درخواست	۳۵۸
۱۶۰	’’یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ‘‘ کہنا یا پڑھنا	۳۵۹
۱۶۱	’’یا شیخ عبدالقادر جیلانی‘‘ کا وظیفہ	۳۶۰
۱۶۲	’’یا غوث‘‘ کہنا	۳۶۱
۱۶۳	’’یا غوث الأعظم المدد‘‘ پکارنا	۳۶۲
۱۶۴	’’یا علی مشکل کشا‘‘ کہنے کا حکم	۳۶۲
۱۶۵	چند اشعار اور علی مشکل کشا کہنا	۳۶۳
۱۶۶	’’یارسول اللہ‘‘ کہنا	۳۶۵
۱۶۷	اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب	۳۶۵
۱۶۸	ایک شعر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب	۳۶۷

۱۶۹	بھگوان سے مدد مانگنا	۳۶۷
۱۷۰	''دیوانِ وطن'' کے شرکیہ اشعار	۳۶۸
۱۷۱	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے اشعار پر اعتراض	۳۷۰

مایتعلق بالأنبیاء علیھم السلام وأتباعھم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین)

۱۷۲	نبوتِ تشریعی وغیر تشریعی	۳۷۲
۱۷۳	ختمِ نبوت ذاتی سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' کی عبارت پر اشکال کا جواب	۳۷۲
۱۷۴	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اشکال اوراس کا جواب	۳۷۴
۱۷۵	کیا شیطان کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے؟	۳۷۵
۱۷۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات (از بہارِ شریعت)	۳۷۶
۱۷۷	کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نائب مطلق، مالک ومختار ہیں؟	۳۷۷
۱۷۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا	۳۷۹
۱۷۹	کیا نماز میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے؟	۳۸۰
۱۸۰	تشہد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور	۳۸۲
۱۸۱	کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ سے گرنے کا ارادہ کیا؟	۳۸۳
۱۸۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ابا جان'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''امی جان'' کہنا	۳۸۴
۱۸۳	کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے؟	۳۸۶
۱۸۴	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف بھائی کا درجہ دینا	۳۸۷
۱۸۵	تمام امتِ مسلمہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا	۳۸۹
۱۸۶	روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دستِ مبارک کا نکلنا	۳۹۰
۱۸۷	قبرِ اطہر سے دستِ مبارک کا کسی کے لئے نکلنا	۳۹۱
۱۸۸	شقِ صدر اور معراج	۳۹۳

۱۸۹	معراج میں رؤیت	۳۹۶
۱۹۰	معراج میں اہلِ جنت ودوزخ کو دیکھنا، جب کہ ابھی تک قیامت قائم نہیں ہوئی	۳۹۸
۱۹۱	مقامِ محمود	۳۹۸
۱۹۲	مسئلۂ شفاعت	۳۹۹
۱۹۳	شفاعت اور افضلیتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۴۰۱
۱۹۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان لانا	۴۰۴
۱۹۵	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کی بحث	۴۰۶
۱۹۶	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کا وفات کے بعد زندہ ہونا اور کلمہ پڑھنا	۴۰۸
۱۹۷	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین محترمین کا ایمان	۴۰۹
۱۹۸	عصمتِ انبیاء علیہم السلام	۴۰۹
۱۹۹	معصوم کون لوگ ہیں؟	۴۱۱
۲۰۰	کیا کوئی غیر نبی بھی معصوم ہے؟	۴۱۲
۲۰۱	کیا انبیاء علیہم السلام کو نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی؟	۴۱۲
۲۰۲	کیا ساتوں زمینوں میں انبیاء ہیں؟	۴۱۳
۲۰۳	انبیاء علیہم السلام کے دین کا نام	۴۱۴
۲۰۴	انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا طریقہ	۴۱۵
۲۰۵	نبیوں کی تعداد کتنی ہے؟	۴۱۶
۲۰۶	تعدادِ انبیاء علیہم السلام	۴۱۷
۲۰۷	تعددِ آدم علیہم السلام	۴۱۸
۲۰۸	سیدنا آدم علیہ السلام کی سب اولاد سید کیوں نہیں؟	۴۱۹
۲۰۹	تخلیقِ بنی آدم پر اشکالات	۴۲۰
۲۱۰	شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو کس طرح بہکایا؟	۴۲۳

۲۱۱	حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق ایک عقیدہ	۴۲۳
۲۱۲	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں؟	۴۲۴
۲۱۳	رفع عیسیٰ علیہ السلام	۴۳۰
۲۱۴	نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت تواتر سے	۴۳۲
۲۱۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی ہوں گے یا امتی؟	۴۳۴
۲۱۶	نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی حیثیت	۴۳۷
۲۱۷	ایضاً	۴۳۷
۲۱۸	ایک شعر میں مسیح وخضر سے کیا مراد ہے؟	۴۴۰
۲۱۹	حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۴۱
۲۲۰	حیاتِ حضرت خضر علیہ السلام	۴۴۲
۲۲۱	حیاتِ خضر علیہ السلام کی تحقیق	۴۴۴
۲۲۲	ہندوستان میں کون پیغمبر آئے؟ اور مُردوں کو جلانے کا حکم کس نے دیا؟	۴۴۶
۲۲۳	مہاتما بدھ، کرشن جی اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟	۴۴۸
۲۲۴	کیا گرونانک کو کوئی کتاب ملی ہے؟	۴۵۰
۲۲۵	رام کرشن جی سے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے؟	۴۵۱
۲۲۶	کرشن جی کے متعلق عقیدہ	۴۵۱
۲۲۷	رام لچھمن وغیرہ	۴۵۳
۲۲۸	دینِ اسلام ملائکہ کے ذریعے کیوں نہیں پھیلایا جاتا؟	۴۵۴
۲۲۹	انبیائے سابقین علیہم السلام کے اصحاب کا احترام	۴۵۵
۲۳۰	صحابہ سب عادل اور واجب الاحترام ہیں	۴۵۶
۲۳۱	اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت	۴۵۸
۲۳۲	صحابۂ کرام اور ازواجِ مطہرات کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم	۴۵۸

۲۳۳	آلِ رسول کا مصداق	۴۶۳
۲۳۴	مدحِ صحابہؓ	۴۶۴
۲۳۵	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سنی تھے	۴۶۴
۲۳۶	کیا صحابی کی نعش کو دیکھنے والا تابعی ہے؟	۴۶۶
۲۳۷	امامِ مہدی	۴۶۶
۲۳۸	ایک جنین (غیر مولود) باتیں کرتا ہے، کیا وہ مہدی ہے؟	۴۶۸

مایتعلق بعلم الغیب

(علمِ غیب کا بیان)

۲۳۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب جاننا	۴۷۱
۲۴۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے سلسلے میں دیو بندی بریلوی اختلاف	۴۷۲
۲۴۱	عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح	۴۷۳
۲۴۲	علمِ غیب کلی عطائی	۴۸۱
۲۴۳	عقیدۂ علمِ غیب	۴۸۲
۲۴۴	علمِ غیب	۴۸۴
۲۴۵	علم الغیب	۴۸۶
۲۴۶	ایضاً	۴۸۷
۲۴۷	ایضاً	۴۸۸
۲۴۸	ایضاً	۴۸۹
۲۴۹	ایضاً	۴۹۵
۲۵۰	حضرت پیرانِ پیر کے متعلق عقیدۂ علمِ غیب	۴۹۸
۲۵۱	ایک شخص کا بعض مغیبات کی خبر دینا	۴۹۹
۲۵۲	تاریخی جنتریوں کی پیش گوئیاں	۵۰۰

۲۵۳ ہاتھ دکھا کر مستقبل معلوم کرنا ناجائز ہے ۵۰۱

مایتعلق بالحاضر والناظر، والنور والبشر

(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

۲۵۴ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ ۵۰۲
۲۵۵ عقیدۂ حاضر وناظر ۵۰۳
۲۵۶ حاضر وناظر کا عقیدہ رکھنا ۵۰۴
۲۵۷ حاضر وناظر کا عقیدہ ۵۰۵
۲۵۸ حاضر وناظر اور مقلب القلوب وغیرہ ۵۰۵
۲۵۹ کیا شاہد کا ترجمہ: حاضر وناظر ہے؟ ۵۱۱
۲۶۰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر بھی ہیں، نور بھی ہیں ۵۱۳
۲۶۱ بشریتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱۵
۲۶۲ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور بھی دیا گیا ۵۱۷

مایتعلق بالمعجزة والکرامة والإلهام

(معجزہ، کرامت اور الہام کا بیان)

۲۶۳ معجزہ وکرامت ۵۱۸
۲۶۴ شعبدہ بازی، کرامت اور معجزہ میں فرق ۵۱۹
۲۶۵ کرامت ۵۲۲
۲۶۶ غیر پابندِ شریعت سے خرقِ عادت کا صدور اور اس سے اجتناب ۵۲۳
۲۶۷ معارفِ قرآنیہ کا الہام ۵۲۴
۲۶۸ حضرت سید عبد القادر جیلانی کی کچھ مخصوص کرامات بیان کرنا ۵۲۵
۲۶۹ حضرت خواجہ اجمیری کا تالاب خشک کرا دینا ۵۲۶

مایتعلق بحیاة الأنبیاء وسماع الموتی

(حیاتِ انبیاء اور سماعِ موتی کا بیان)

۲۷۰	حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۵۲۷
۲۷۱	ایضاً	۵۲۹
۲۷۲	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں	۵۳۲
۲۷۳	حیات انبیاء علیہم السلام	۵۳۳
۲۷۴	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹی میں مل گئے؟ (استغفر اللہ)	۵۳۷
۲۷۵	مٹی کس کے جسم کو نہیں کھاتی؟	۵۳۷
۲۷۶	حیاتِ برزخیہ کی نوعیت	۵۳۸
۲۷۷	جسمِ شہید کی حرمت علی الارض کی تشریح، بیان القرآن کی ایک عبارت	۵۴۱
۲۷۸	حیاتِ شہداء اور وفات	۵۴۳
۲۷۹	سماعِ موتی	۵۴۶
۲۸۰	ایضاً	۵۴۷
۲۸۱	سماعِ موتی کی تفصیل	۵۵۱
۲۸۲	ایضاً	۵۵۴
۲۸۳	ایضاً	۵۵۶
۲۸۴	سماعِ موتی کے بارے میں چند سوالات	۵۶۲
۲۸۵	قبر میں میت کے لئے حیات ہے یا نہیں؟	۵۶۵
۲۸۶	دنیا سے رخصت شدہ بزرگ زندہ ہیں یا مردہ؟	۵۶۶
۲۸۷	مُردوں کا زندوں کے قدموں کی آواز سننا	۵۶۷
۲۸۸	قبر سے مُردہ کی آواز باہر والوں کا سننا	۵۶۸
۲۸۹	قبر کی زیارت کے وقت کیا میت کو اطلاع ہوتی ہے؟	۵۶۸

۲۹۰	مُردوں کا اپنے جاننے والوں کو پہچاننا اور بخشوانا	۵۶۹
۲۹۱	کیا مُردے زندوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟	۵۷۰

مایتعلق بالتوسل فی الدعاء

(دعاء میں توسل کا بیان)

۲۹۲	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا	۵۷۲
۲۹۳	توسل کی صورتیں اور ایصالِ ثواب	۵۷۳
۲۹۴	توسل	۵۷۶
۲۹۵	التوسل فی الدعاء	۵۷۷
۲۹۶	دعا میں توسل	۵۷۸
۲۹۷	ایضاً	۵۷۹
۲۹۸	وسیلہ سے دعا	۵۸۰
۲۹۹	زندوں اور مردوں کے توسل سے دعا	۵۸۱
۳۰۰	سوال بر جوابِ مذکورہ	۵۸۴
۳۰۱	توسل میں ابن تیمیہؒ کا قول	۵۸۷
۳۰۲	مزارات پر حاضری اور توسل وغیرہ	۵۸۹
۳۰۳	ایک نعت میں توسل سے دعا	۵۹۱

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

۳۰۴	علیین، سجین کہاں ہیں؟	۵۹۲
۳۰۵	مقامِ ارواح	۵۹۳
۳۰۶	مرنے کے بعد روح کا مقام	۵۹۷

۳۰۷	بعد الموت مقامِ روح	۶۰۰
۳۰۸	مرنے کے بعد روح کا مقام	۶۰۱
۳۰۹	مرنے کے بعد روح کا قبر سے تعلق	۶۰۲
۳۱۰	قبر میں مردہ میں روح ڈالی جائے گی	۶۰۲
۳۱۱	مرنے کے بعد روح کا شیطان کے قالب میں جانا	۶۰۳
۳۱۲	روح کا قبر یا مکان پر آنا	۶۰۴
۳۱۳	مرنے کے بعد روح کا مکان سے تعلق	۶۰۴
۳۱۴	کیا مرنے کے بعد روح گھر آتی ہے؟	۶۰۵
۳۱۵	مخصوص ایام میں ارواح کا اپنے گھر آنا	۶۰۷
۳۱۶	کیا موت کے بعد ایک مہینہ تک روح مکان کے اردگرد گھومتی ہے؟	۶۱۰
۳۱۷	میت کا تعلق زندوں سے	۶۱۱
۳۱۸	نئے مردے کا پہلے مُردوں سے ملنا	۶۱۲
۳۱۹	جو لوگ پہلے مر چکے ہیں، ان سے بعد میں مرنے والوں کی ملاقات	۶۱۳
۳۲۰	اموات کی باہمی ملاقات	۶۱۴
۳۲۱	بعد وفات بزرگوں کی ملاقات	۶۱۴
۳۲۲	بزرگوں کی ارواح سے ملاقات کا دعویٰ	۶۱۵
۳۲۳	میت کا مدتِ دراز کے بعد سامنے آکر ملاقات کرنا	۶۱۷
۳۲۴	انبیاء واولیاء کا قبروں سے نکلنا	۶۱۷
۳۲۵	انتقال کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا	۶۱۸
۳۲۶	خواب میں میت کی طرف سے کسی بات کا علم ہونا	۶۱۹
۳۲۷	جہاں کی مٹی ہو، وہیں دفن ہوتا ہے	۶۲۰
۳۲۸	منکر نکیر کے ساتھ کیا شیطان بھی قبر میں جاتا ہے؟	۶۲۱

۳۲۹	منکر نکیر سے پیشتر مردہ کے پاس ''رومان'' فرشتہ کا آنا	۶۲۲
۳۳۰	منکر نکیر دونوں سوال کرتے ہیں، یا ان میں سے ایک؟	۶۲۳
۳۳۱	کیا قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے؟	۶۲۴
۳۳۲	بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا	۶۲۵
۳۳۳	نابالغ سے سوالِ منکر نکیر	۶۲۵
۳۳۴	رمضان میں جمعہ کے روز مرنے والے سے سوال نہیں	۶۲۶
۳۳۵	جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کی فضیلت	۶۲۶
۳۳۶	جو شخص ہر روز سورۂ ملک پڑھے، اس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا	۶۳۰
۳۳۷	رمضان میں مرنے والے سے سوال قبر	۶۳۱
۳۳۸	جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر میں سوال	۶۳۲
۳۳۹	ہفتہ میں دو روز نامۂ اعمال کی پیشی	۶۳۲
۳۴۰	اعمالِ امت کی پیشی	۶۳۳
۳۴۱	عذاب قبر سے حفاظت کا عمل	۶۳۴
۳۴۲	کیا میت کو قبر میں عصر کا وقت محسوس ہوتا ہے	۶۳۶
۳۴۳	عذابِ قبر سے استثناء	۶۳۷
۳۴۴	رمضان المبارک میں میت کو عذابِ قبر نہ ہونا	۶۳۸
۳۴۵	رمضان اور یوم جمعہ وغیرہ میں عذابِ قبر	۶۳۹
۳۴۶	نافرمان پر عذاب، برزخ میں ہوتا ہے، یا قیامت میں؟	۶۴۱
۳۴۷	کیا عذابِ قبر فاسق کو بھی ہوگا؟	۶۴۲

مایتعلق بالجزآء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

۳۴۸	نفخ صور کتنی مرتبہ ہے؟	۶۴۷

۳۴۹	کیا چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے؟	۶۵۰
۳۵۰	زندوں کے رونے سے میت کو اذیت	۶۵۰
۳۵۱	معصوم کو سکرات کی تکلیف	۶۵۳
۳۵۲	غیر مسلم کو سکرات کے وقت ہی سے عذاب ہونے کی دلیل	۶۵۴
۳۵۳	فواحش کی وجہ سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟	۶۵۵
۳۵۴	مساجد کو شہید کرنے پر فوراً سزا کیوں نہیں دی جاتی؟	۶۵۶
۳۵۵	سب سے پہلے کس کا حساب ہوگا؟	۶۵۶
۳۵۶	رمضان میں مرنے والے سے حساب	۶۵۷
۳۵۷	حشر میں والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے؟	۶۵۸
۳۵۸	کیا سب شاعر دوزخ میں جائیں گے؟	۶۵۹
۳۵۹	کیا کلمہ پڑھ کر مرنے والے کو بداعمالی کی سزا ہے؟	۶۶۰
۳۶۰	نافرمانوں کا حشر	۶۶۱
۳۶۱	گناہ سے توبہ کافی ہے، تو اس سے سزا کیوں دی جاتی ہے؟	۶۶۲
۳۶۲	ریاکار کی سزا	۶۶۳
۳۶۳	قاتل ومقتول ہر دو کے لئے جہنم کی وعید کب ہے؟	۶۶۴
۳۶۴	مرتکبِ قتلِ عمد کی مغفرت اور خودکشی	۶۶۵
۳۶۵	خودکشی	۶۶۷
۳۶۶	خودکشی کا گناہ	۶۶۷
۳۶۷	خودکشی کی سزا	۶۶۸
۳۶۸	زہر ملی ہوئی تاڑی سے کیا خودکشی کا گناہ ہے؟	۶۶۹
۳۶۹	شیطان کی مہلت اور حشر	۶۶۹
۳۷۰	اہلِ کتاب ضالین ومضلین دونوں مستحق عذاب ہیں	۶۷۰

۳۷۱	کافرغریب مصیبت زدہ کا انجام........................	۶۷۱
۳۷۲	ولادتِ شریفہ سے خوش ہوکر باندی آزاد کرنے پر بھی کیا عذاب جہنم ہوگا؟........................	۶۷۲
۳۷۳	قیامت میں جانوروں سے حساب........................	۶۷۳
۳۷۴	معذبین کی تعداد زیادہ کیوں ہے؟........................	۶۷۳
۳۷۵	سزاوجزا کا مقام........................	۶۷۶
۳۷۶	جس بچے کا عقیقہ نہیں ہوا، کیا وہ شفاعت کرے گا؟........................	۶۷۶

مایتعلق بالجنة ونعیمها

(جنت اوراس کی نعمتوں کا بیان)

۳۷۷	جنت پیدا ہوچکی ہے یانہیں؟........................	۶۷۸
۳۷۸	جنت، دوزخ اور حوض کوثر کہاں ہیں؟........................	۶۷۹
۳۷۹	کیا جنت اوردوزخ بھی فنا ہوں گی؟........................	۶۸۰
۳۸۰	حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے........................	۶۸۱
۳۸۱	جنت میں دخولِ اوّلی کے لئے عمل........................	۶۸۱
۳۸۲	دخولِ جنت اعمالِ صالحہ سے ہوگا یا فضلِ الٰہی سے (ایک مکالمہ)........................	۶۸۳
۳۸۳	حورِ جنت کی خاص صفت........................	۶۸۵
۳۸۴	کیا جنت کی حوریں فنا ہوں گی؟........................	۶۸۶
۳۸۵	مردوں کو جنت میں حور وغلمان ملیں گی، عورتوں کو جنت میں کیا ملے گا؟........................	۶۸۷
۳۸۶	جنت کی چار نہریں........................	۶۸۸
۳۸۷	کیا جنت میں بھی جماع ہوگا؟ اور غلمان کا مطلب........................	۶۸۹
۳۸۸	کیا جنت میں بھی اولاد ہوگی؟........................	۶۹۰
۳۸۹	جس عورت نے متعدد شوہر کئے ہوں، وہ کس کو ملے گی؟........................	۶۹۱
۳۹۰	جس نے کئی شوہر کئے، وہ جنت میں کس کو ملے گی؟........................	۶۹۲

۳۹۱	شادی سے قبل مرجانے والوں کا نکاح کیسے ہوگا؟	۶۹۳
۳۹۲	شوہر دوزخی اور بیوی جنتی کیسے ملیں گے؟	۶۹۴
۳۹۳	کیا بے نمازی جنت میں جائے گا؟	۶۹۴
۳۹۴	کفار کے کس عمر کے بچے اہلِ جنت کے خادم ہوں گے؟	۶۹۵
۳۹۵	اولادِ مشرکین کا حکم	۶۹۶
۳۹۶	کیا غیر مسلم نیکی کر کے جنت میں جا سکتا ہے؟	۶۹۷
۳۹۷	کیا مور جنت میں تھا؟	۶۹۷
۳۹۸	کیا کچھ جانور بھی جنت میں جائیں گے؟	۶۹۸
۳۹۹	اصحابِ کہف کا کتا جنت میں کیوں جائے گا؟	۷۰۰

متفرقات العقائد

۴۰۰	منکرات پر نکیر	۷۰۳
۴۰۱	کیا ظالم کے لئے ہدایت ہے؟	۷۰۴
۴۰۲	کیا نافرمان بھی بندہ ہے؟	۷۰۴
۴۰۳	توکلاً بد پرہیزی کرنا	۷۰۵
۴۰۴	انکارِ موت سے متعلق ایک مشہور شعر سے متعلق تحقیق	۷۰۶
۴۰۵	روزِ محشر اموالِ کفار کا محاسبہ	۷۰۷
۴۰۶	مسلمان آپس کے اختلاف کے بعد بھی مسلمان ہیں	۷۰۷
۴۰۷	کیا ہر دین حق ہے؟	۷۰۸
۴۰۸	جاہل بدعقیدہ کی اصلاح کا طریقہ	۷۱۱

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد دوم

باب الفرق

مایتعلق بالروافض

(شیعوں کے عقائد کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	شیعہ کے عقائد وافعال اوران سے متعلق شرعی فیصلہ........................	۲۲
۲	شیعوں کے انیس سوالات اوران کے جوابات........................	۲۵
۳	شیعوں کے بعض اعتراضات کے جوابات........................	۳۱
۴	کیا شیعہ فرقہ ناجیہ ہے؟........................	۳۳
۵	فرقہ شیعہ امامیہ........................	۳۵
۶	بوہرہ کی اصل........................	۳۸
۷	شیعہ بوہرہ کے پیشوا کے ہاتھوں مفیدالاسلام کی عمارت کا افتتاح........................	۳۹
۸	ایک گمراہ فرقہ کے عقائد........................	۳۹

٩	کیا شیعہ حافظِ قرآن ہوسکتا ہے؟	٤٢
١٠	تعزیہ وعَلَم	٤٣
١١	تعزیہ کی شرکت	٤٤
١٢	تعزیہ کے سامنے لاٹھی چلانے کی مشق اوراس کا وظیفہ	٤٤
١٣	تعزیہ کے سامنے گتکا کھیلنا	٤٥
١٤	تعزیہ اور ماتمِ شیعہ	٤٥
١٥	تعزیہ، مسجد اور کعبہ میں فرق	٤٩
١٦	مجلسِ حسینی میں شرکت	٥٠
١٧	پنجتن پاک کا مصداق	٥١
١٨	کیا شیعہ لوگ سنیوں کونجاست کھلاتے ہیں؟	٥٢
١٩	شیعہ کے گھر کا کھانا	٥٢
٢٠	مذہبِ شیعہ اختیار کرنے والے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟	٥٢
٢١	شیعہ کا ردفتاویٰ عالمگیری میں	٥٣
٢٢	جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت لکھنے کے لئے مرض الوفات میں قلم، دوات طلب فرمانا	٥٤
٢٣	صحابہ پرطعن وتشنیع	٥٥
٢٤	باغِ فدک کے مطالبہ پر ناراضگی	٥٦
٢٥	باغِ فدک	٥٨
٢٦	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراضگی	٥٩
٢٧	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ میں صحابہ کرام کی شرکت	٥٩
٢٨	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت	٦٠
٢٩	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دخترِ علی رضی اللہ عنہ سے نکاح	٦١
٣٠	تطہیرِ اہل بیت	٦١
٣١	بارہ امام	٦٢

۳۲	ایضاً	۶۵
۳۳	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک شعر	۶۶
۳۴	حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام	۶۷
۳۵	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اشکالات	۶۹
۳۶	کسی شیعہ کا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو زک پہونچانا	۷۲

مایتعلق بمشاجرات الصحابة

(صحابہ کرام کے آپس کے اختلافات)

۳۷	مقابلۂ علی ومعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۷۳
۳۸	محاربۂ علی وعائشہ رضی اللہ عنہما	۷۵

(حضرتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات)

۳۹	محاربۂ حسین رضی اللہ عنہ ویزیدؒ	۷۷
۴۰	حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی جنگ کا محمل	۷۷
۴۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کا معاملہ	۷۸
۴۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے؟	۷۹
۴۳	کیا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم تھے؟ (نعوذ باللہ)	۸۰
۴۴	واقعۂ کربلا جہاد ہے یا لڑائی؟	۸۰
۴۵	کیا کربلا کا واقعہ اسلامی جہاد تھا؟	۸۱
۴۶	کربلا میں کام آنے والے کیا دین کی حفاظت کے لئے لڑے ہیں؟	۸۱
۴۷	کربلا میں کون حق پر تھا؟	۸۲
۴۸	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا شہید ہوئے؟	۸۲
۴۹	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو روندا گیا؟	۸۲
۵۰	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقام محمد بن الحنفیہ نے لیا؟	۸۲

۵۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر عیسائی کا اشکال	۸۳
۵۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اسلام کی تکمیل ہوئی؟	۸۴
۵۳	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوئی یا امت کے لئے؟	۸۶
۵۴	اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نہ ہوتی، تو کیا اسلام مٹ جاتا؟	۸۶
۵۵	ایضاً	۸۷
۵۶	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت یزید پر	۸۷
۵۷	یزید کی ولی عہدی	۸۸
۵۸	ایضاً	۸۸
۵۹	خلافتِ یزید	۸۹
۶۰	جوابات پر چند اعتراض	۱۰۰
۶۱	یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ المسلمین کہنا	۱۱۲
۶۲	یزید کو ظالم کہنا	۱۱۲
۶۳	کیا یزید واجب التعظیم ہے؟	۱۱۲
۶۴	یزید کو ایصالِ ثواب	۱۱۲
۶۵	کیا یزید جنتی ہے؟	۱۱۳

مایتعلق بالقادیانیة

(قادیانی فرقے کا بیان)

۶۶	جھوٹا مدعیٔ نبوت اور اس کی تصدیق کرنے والے کا حکم	۱۱۴
۶۷	قادیانی وغیرہ کلمہ گو کیا مسلمان ہیں؟	۱۱۵
۶۸	قادیانی کا حکم	۱۱۵
۶۹	قادیانی ہوجانے کا حکم	۱۱۷
۷۰	قادیانی جماعت کے متعلق تفصیلی احکام	۱۱۸

۷۱	قادیانی اوراس کی کتابیں........................	۱۲۵
۷۲	قادیانیوں سے تعلق........................	۱۲۷
۷۳	قادیانی کا مسجد میں نماز کے لئے آنا........................	۱۳۱
۷۴	بیمار قادیانی کی تیمارداری........................	۱۳۱
۷۵	قادیانیوں کا مرتب کردہ قاعدہ ’’یسرنا القرآن‘‘........................	۱۳۲
۷۶	مرزا کے ایک قول کا حوالہ........................	۱۳۴

مایتعلق بالشیوعیة والاشتراکیة

(کمیونزم اورسوشلزم)

۷۷	کمیونزم........................	۱۳۵
۷۸	کمیونزم کیسی جماعت ہے؟........................	۱۳۷
۷۹	کانگریس اور کمیونزم کی تفصیل........................	۱۳۷
۸۰	کمیونزم اورسوشلزم........................	۱۳۹
۸۱	اسلامی سوشلزم........................	۱۴۰

مایتعلق بالمودودیة

(مودودیوں کےعقائدکابیان)

۸۲	جماعت اسلامی کے عقائد........................	۱۴۲
۸۳	سیدابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اوران کے عقیدہ کا حکم........................	۱۴۴
۸۴	عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق مودودی کا مسلک........................	۱۴۵
۸۵	جماعت اسلامی کا مسلک........................	۱۴۷
۸۶	جماعتِ اسلامی شریعت کی روشنی میں........................	۱۴۸
۸۷	کیا جماعتِ اسلامی گمراہ جماعت ہے؟........................	۱۵۰

۸۸	تبلیغی جماعت، جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی کا تعارف	۱۵۵
۸۹	مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی	۱۵۷
۹۰	مولانا مودودی نے کس مدرسہ میں تعلیم پائی؟	۱۵۹
۹۱	مودودی صاحب کا ایک فتویٰ	۱۶۳
۹۲	تفہیم القرآن کا حکم	۱۶۵
۹۳	تحریکِ جماعت اسلامی کا خلاصہ	۱۷۰
۹۴	ایضاً	۱۷۶
۹۵	جماعت اسلامی کا تفصیلی جائزہ ایک خط کے جواب میں	۱۷۸
۹۶	جماعتِ اسلامی پر غور کرنے کے لئے بنیادی امور	۱۸۰
۹۷	کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے گناہ کا صدور ہوسکتا ہے؟	۱۸۷
۹۸	کیا اقوالِ صحابہ فرقہ بندی کا سبب بنے؟	۱۹۰
۹۹	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مودودی کا طرزِ تنقید	۱۹۳
۱۰۰	جنگِ جمل اور جنگِ صفین کو عوام کے سامنے بیان کرنا	۱۹۳
۱۰۱	حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تنقید مع جواب	۱۹۴
۱۰۲	مسئلۂ یزید اور مودودیت	۱۹۹
۱۰۳	معیارِ حق کی تشریح	۲۰۳
	(رسالہ)	
۱۰۴	جماعتِ اسلامی اور تنقید	۲۰۵
۱۰۵	مجرب حربہ	۲۰۷
۱۰۶	کرامت اور شرافت کا معیار	۲۰۹
۱۰۷	آزمائش کا وقت آگیا ہے	۲۱۰
۱۰۸	حق کی تشخیص	۲۱۰

۱۰۹	حق سے الگ ہونے پر شکریہ	۲۱۱
۱۱۰	جماعتِ اسلامی تخریبی تنقید پر مجبور ہے	۲۱۳
۱۱۱	امیر جماعت کے صفات	۲۱۵
۱۱۲	جماعت اسلامی کا کام	۲۱۶
۱۱۳	جماعت اسلامی کا پروگرام	۲۱۶
۱۱۴	ایک شبہ کا ازالہ	۲۱۸
۱۱۵	تبلیغ کرنے والوں پر تنقید	۲۱۹
۱۱۶	طریق کار	۲۲۰
۱۱۷	چھ اصول	۲۲۲
۱۱۸	(۱) کلمہ کی تصحیح وتبلیغ	۲۲۳
۱۱۹	(۲) نماز کی تصحیح وترقی	۲۲۳
۱۲۰	(۳) تحصیلِ علم	۲۲۳
۱۲۱	(۴) تفریغِ وقت	۲۲۴
۱۲۲	(۵) خُلق	۲۲۵
۱۲۳	(۶) تصحیحِ نیت	۲۲۵
۱۲۴	تنقید کا اثر	۲۲۷
۱۲۵	وفاتِ پیغمبر کی تصویر	۲۲۷
۱۲۶	حدیث پرکھنے کا طریقہ	۲۳۱
۱۲۷	احادیث مفیدِ یقین نہیں	۲۳۲
۱۲۸	کیا ہر صحیح حدیث کو حدیثِ رسول مان لیا جائے؟	۲۳۳
۱۲۹	مودودی صاحب کا موقف	۲۳۳
۱۳۰	مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں	۲۳۶
۱۳۱	اسوہ، سنت، بدعت میں بھی سب سے الگ	۲۳۶

١٣٢	تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن وسنت کی تعلیم نہ دی جائے	٢٣٧
١٣٣	ترکی علماء ومشائخ پر تنقید	٢٣٨
١٣٤	قرآن کے لئے تفسیر کی حاجت نہیں	٢٣٩
١٣٥	قرآن فہمی کا نیا طریقہ	٢٤٠
١٣٦	دین کا مفہوم	٢٤١
١٣٧	علمِ کلام	٢٤٢
١٣٨	متکلمین پر تنقید	٢٤٣
١٣٩	فقہی اور کلامی تصنیفات کا مقصد	٢٤٦
١٤٠	علماء کی بے پرواہی	٢٤٧
١٤١	جماعتِ اسلامی کا خاص کمال	٢٤٨
١٤٢	دنیاداروں کی نفسیات	٢٤٩
١٤٣	علماء کی نفسیات	٢٤٩
١٤٤	ایک نیا دین	٢٥٠
١٤٥	جماعتِ اسلامی سے نکلنا ارتداد ہے	٥٠
١٤٦	تصوف اور سلوک	٢٥١
١٤٧	یوگ، تصوف، کوکین، افیون	٢٥٧
١٤٨	امام غزالی کے نقائص	٢٥٨
١٤٩	حکومتِ الٰہیہ کا قیام	٢٥٩
١٥٠	ایضاً	٢٦٢
١٥١	اسلامی حکومت کہیں نہیں، اس کی وجہ	٢٦٥
١٥٢	مسلک علمائے دیوبند	٢٦٧
١٥٣	مودودی صاحب کی ایک کتاب سے متعلق مشورہ	٢٦٨
١٥٤	دیوبند کے ایک فتوے پر اعتراض اور اس کا جواب	٢٦٩

۱۵۵	علماء ومشائخ کی آڑ............	۲۷۴
۱۵۶	تبلیغی جماعت پر اعتراض اوراس کا جواب............	۲۷۶
۱۵۷	جماعتِ اسلامی سے متعلق قاری محمد طیب صاحب کی ایک تحریر اوراس کی وضاحت............	۲۷۸
۱۵۸	مسئلۂ تقلید اور جماعتِ اسلامی............	۲۸۱
۱۵۹	مودودی صاحب کا مسلک............	۲۸۲
۱۶۰	پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے............	۲۸۲
۱۶۱	مودودی صاحب کی آزادیٔ مسلک عطا کرنے کی حقیقت............	۲۸۳
۱۶۲	تقلید اہلِ علم کے لئے درست نہیں............	۲۸۳
۱۶۳	اہلِ حدیث بھی مقلد ہیں............	۲۸۴
۱۶۴	تقلید کا مفہوم اور عدمِ تقلید کا اثر............	۲۸۵
۱۶۵	اہلِ حدیث حضرات کس جرم میں مقلد قرار پائے؟............	۲۸۵
۱۶۶	تقلید کرنا گناہ، بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے............	۲۸۵
۱۶۷	مودودی صاحب کا مبلغِ علم............	۲۸۶
۱۶۸	دوسرا رخ............	۲۸۷
۱۶۹	جماعت میں رہنے والوں کو امیر کی اطاعت لازم اور نافرمانی گناہ ہے............	۲۸۷
۱۷۰	امارت کا منصب لیڈر شپ کا منصب ہے............	۲۸۹
۱۷۱	جماعت سے علیحدگی اور امیرِ جماعت سے انحراف کا مطلب............	۲۹۱
۱۷۲	عجیب تضاد............	۲۹۲
۱۷۳	فتاویٰ کی حیثیت مودودی صاحب کی نظر میں............	۲۹۴

متفرقات الفِرق

۱۷۴	دیوبندیت اور بریلویت............	۲۹۷
۱۷۵	بریلوی فتنہ کا علاج............	۲۹۷

۱۷۶	فرقۂ ذکریان	۲۹۸
۱۷۷	فرقہ مہدویہ کے عقائد	۳۰۰
۱۷۸	فرقہ مہدویہ اور احمدیہ	۳۰۱
۱۷۹	خاکساری فتنہ کا حکم	۳۰۱
۱۸۰	دینِ بہائی	۳۰۳
۱۸۱	مودودیت اور رضاخانیت میں کون زیادہ مضر ہے؟	۳۰۴
۱۸۲	چند بشیشور اور صدیق دیندار کے عقائد	۳۰۴
۱۸۳	تہتر فرقے	۳۰۵
۱۸۴	تہتر فرقے والی حدیث پر اشکال	۳۰۶
۱۸۵	کیا حنفی مسلک قبولِ اسلام سے مانع ہے؟	۳۱۰
۱۸۶	کیا حضرت عیسیٰ اور دیگر پیغمبروں کی امتوں کو "مسلمان" کہا جاتا ہے؟	۳۱۰
۱۸۷	ہندو، یہود و نصاریٰ، جنات کس کی امت میں ہیں؟	۳۱۱
۱۸۸	یہود و نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ	۳۱۲

باب الکفریات

(کفریات کا بیان)

۱۸۹	کفر کی تعریف	۳۱۵
۱۹۰	منافق کی تعریف	۳۱۶
۱۹۱	علاماتِ نفاق	۳۱۷
۱۹۲	فاسق و زندیق کی تعریف	۳۱۸
۱۹۳	التزامِ کفر اور لزومِ کفر کی تعریف، کفرِ ابی جہل اور کفرِ منافقین میں فرق	۳۱۹
۱۹۴	موجباتِ کفر اور تجدیدِ ایمان	۳۲۱
۱۹۵	کفری عقائد و اعمال	۳۲۴

۱۹۶	احیائے موتی معجزۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے، اس کا انکار کفر ہے	۳۲۶
۱۹۷	دعا قبول نہ ہونے سے خدا کے وجود کے انکار کا حکم	۳۲۶
۱۹۸	جماعتِ منکرینِ خدا اور رسول کا ممبر بننا	۳۲۷
۱۹۹	سجدہ کرنے سے ابلیس کا انکار	۳۲۹
۲۰۰	مخالفِ اجماع کا حکم	۳۳۱
۲۰۱	دین کو ماننے سے انکار	۳۳۱
۲۰۲	انکارِ مذہب	۳۳۲
۲۰۳	حکمِ شرع کا انکار	۳۳۴
۲۰۴	سنیتِ مسواک کا منکر	۳۳۵
۲۰۵	انکارِ نماز	۳۳۵
۲۰۶	منکرِ نماز کا حکم	۳۳۶
۲۰۷	نماز کے انکار سے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟	۳۳۷
۲۰۸	روزہ کے منکر کا حکم	۳۳۸
۲۰۹	قرآن وحدیث کے انکار کے ساتھ ایمان سلامت نہیں رہتا	۳۴۰
۲۱۰	فاضل بریلوی کا ایک ملفوظ ،اور ایک آیت کا انکار	۳۴۷
۲۱۱	لاعلمی کی وجہ سے آیتِ قرآن کا انکار کرنا	۳۴۹
۲۱۲	ایک مشہور آدمی کے تفسیر کے نمونے تحریفِ قرآن ،انکارِ ملائکہ	۳۵۰
۲۱۳	قرآنِ پاک میں تحریف کرنے کا اقرار	۳۵۱
۲۱۴	بدری صحابی کو وہابی اور منافق کہنا	۳۵۱
۲۱۵	اپنے مسلمان ہونے کا انکار	۳۵۳
۲۱۶	خود کو غیر مسلم کہہ کر غیر مسلم لڑکی سے بطریقۂ غیر مسلم نکاح کرنا	۳۵۴
۲۱۷	جو شخص ہندو ہونے کا اقرار کرے، اس کا حکم	۳۵۵
۲۱۸	نکاحِ بیوہ کا منکر	۳۵۶

۲۱۹	تبلیغِ اسلام کا منکر	۳۵۷
۲۲۰	حالتِ حمل میں نکاح کا منکر	۳۵۷
۲۲۱	حلالہ کے منکر کا حکم	۳۵۹
۲۲۲	غیبت کے غیبت ہونے سے انکار	۳۶۰
۲۲۳	جان بچانے کے لئے کفر کا اقرار	۳۶۱
۲۲۴	کسی غرض کے لئے ظاہراً کفر اختیار کرنا	۳۶۲
۲۲۵	تارک صلوٰۃ کا حکم	۳۶۳
۲۲۶	ایضاً	۳۶۴
۲۲۷	ایضاً	۳۶۵
۲۲۸	نماز کے عبادت ہونے سے انکار کا حکم	۳۶۶
۲۲۹	کیا نماز دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنا ہے؟	۳۶۷
۲۳۰	جو شخص نماز کے لئے اٹھنے سے انکار کرے، اس کا حکم	۳۶۹
۲۳۱	سید ہونے کی وجہ سے حرام کو حلال سمجھنا	۳۷۰
۲۳۲	حرام کو حلال سمجھنا	۳۷۱
۲۳۳	ایضاً	۳۷۲
۲۳۴	حلال کو حرام سمجھنا	۳۷۳
۲۳۵	محرمات میں آپس میں فرق	۳۷۴
۲۳۶	حرام مال سے دعوت اور اس پر بسم اللہ	۳۷۶
۲۳۷	حلال اور حرام مخلوط مال پر بسم اللہ	۳۷۸
۲۳۸	خدائی کا دعویٰ	۳۷۹
۲۳۹	پیر صاحب کا دعوائے الوھیت	۳۸۰
۲۴۰	کیا حضرت تھانویؒ نے اپنا کلمہ پڑھوایا تھا؟	۳۸۱
۲۴۱	ایک خواب جس میں "لا إلٰه إلا اللّٰه ، فلاں رسول اللّٰه" پڑھا	۳۸۲

۲۴۲	عورتوں کی تعزیہ میں شرکت سے کیا نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟	۳۸۴
۲۴۳	کیا تعزیہ نہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم آتا ہے؟	۳۸۵
۲۴۴	ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرنے سے روکنا	۳۸۶
۲۴۵	تین طلاقوں کے بعد بھی شوہر کے نہ چھوڑنے کی وجہ سے کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنا	۳۸۷
۲۴۶	جدائی کے لئے عورت کو مرتد ہونے کا مشورہ دینا	۳۹۰
۲۴۷	قانونِ شرع کو چھوڑ کر رسم ورواج کا پابند ہونا	۳۹۲
۲۴۸	حکمِ عدالت کو حکمِ شرع پر ترجیح دینا	۳۹۳
۲۴۹	مجبوراً خنزیر کا گوشت کھانے سے ایمان نہیں جاتا	۳۹۵
۲۵۰	غیر مذہب کی کتابیں دیکھنا اور اپنے کفر کا اقرار کرنا	۳۹۵
۲۵۱	عیسائی کتابیں فروخت کرنا کیا کفر ہے؟	۳۹۷
۲۵۲	تناسخ کے قائل کا حکم	۳۹۹
۲۵۳	چیچک میں ہندوؤں کی مائی کو چندہ دینا	۴۰۰
۲۵۴	دکان کے افتتاح پر ''ست نارائن'' کی پوجا	۴۰۰
۲۵۵	''ایمانداری کوئی چیز نہیں'' کا مفہوم اور حکم	۴۰۱
۲۵۶	یہ کہنا کہ ''رزق ہم دیں گے''	۴۰۳
۲۵۷	قانونِ شریعت کو نہ ماننے والے کا حکم	۴۰۳
۲۵۸	رسم ورواج کی وجہ سے حکمِ شریعت کو نہ ماننا	۴۰۴

مایتعلق بألفاظ الکفر

(الفاظِ کفر کا بیان)

۲۵۹	دعوۃ الحق کو دعوۃ الکفر کہنا	۴۰۵
۲۶۰	''مجرم کو اللہ تعالیٰ نہیں چھڑا سکتا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھڑا سکتے ہیں'' کہنا	۴۰۶
۲۶۱	خدا کو بے انصاف اور خود کو کافر کہنا	۴۰۶

۲۶۲	''اللہ تعالیٰ بے انصاف ہے'' کہنا	۴۰۸
۲۶۳	خدائے پاک کو بے انصاف کہنا	۴۰۹
۲۶۴	کیا خدا ظالم ہے؟ (نعوذ باللہ)	۴۱۰
۲۶۵	اللہ میاں کا اپنی تعریف کرنا	۴۱۱
۲۶۶	''میں اللہ اور رسول کو نہیں جانتا'' کہنے کا حکم	۴۱۲
۲۶۷	نماز قضاء ہونے پر یہ کہنا کہ ''نماز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوئی''	۴۱۳
۲۶۸	''اگر نبی اس زمانے میں ہوتا، تو وہ بھی ٹیری کاٹ پہنتا'' کہنا	۴۱۳
۲۶۹	مصلحۃً کذب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا	۴۱۵
۲۷۰	رام کرشن کو برا بھلا کہنا	۴۱۶
۲۷۱	جو شخص قرآن وحدیث کو غلط بتائے، اس کا حکم	۴۱۶
۲۷۲	جو شخص قرآن وحدیث کو نا قابلِ عمل بتائے اس کا حکم	۴۱۷
۲۷۳	حفظِ قرآن کو مکروہ کہنا	۴۱۸
۲۷۴	''آنتیں (قل ھو اللہ) پڑھتی ہیں'' کہنا	۴۱۹
۲۷۵	(کلا سوف تعلمون) کا مطلب	۴۱۹
۲۷۶	مسجد کے متعلق سخت لفظ	۴۱۹
۲۷۷	''اگر فلاں کام کروں، تو امت سے خارج'' کہنا	۴۲۰
۲۷۸	''اگر میں نے فلاں کام کیا تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو'' کہنا	۴۲۲
۲۷۹	یہ دعویٰ کہ ''میں جب چاہوں، بارش کرادوں''	۴۲۲
۲۸۰	''شریعت کا برادری کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں'' کہنے والوں کا حکم	۴۲۴
۲۸۱	استنجے کے لئے کلوخ لینا، اور اس کو سینما فلم کہنا	۴۲۵
۲۸۲	یہ لفظ کہنا کہ ''ہم نہیں جانتے، مسئلہ کیا ہے؟''	۴۲۵
۲۸۳	بت خانہ کی قسم کھانا	۴۲۶
۲۸۴	نومسلم کو طعنہ دینا	۴۲۷

۲۸۵	حضرت پیرانِ پیر کے ایک مصرع کا مطلب	۴۲۸
۲۸۶	مرثیۂ شیخ الہند کے ایک شعر کا مفہوم	۴۲۹
۲۸۷	مثنوی کے چند اشعار	۴۳۰
۲۸۸	حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک شعر	۴۳۲
۲۸۹	اقبال کے اشعار پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۳۴
۲۹۰	غالب کا ایک شعر	۴۴۰
۲۹۱	شیخ سعدیؒ کے ایک شعر میں لفظ ''بنیاد'' اور ''نااہل'' کا مطلب	۴۴۲
۲۹۲	اُلم کے شعر میں حریف کی تحقیق	۴۴۲
۲۹۳	فاضل بریلوی سے متعلق چند اشعار	۴۴۴
۲۹۴	منکر ونکیر کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت کا حوالہ	۴۴۴
۲۹۵	شاعر امام کے بعض اشعار	۴۴۸
۲۹۶	ریاکاری کی نماز کو گالی دینا	۴۴۹
۲۹۷	دینی کتب کے مترجمین کو برا کہنا	۴۵۴
۲۹۸	ڈاکٹر فضل الرحمٰن پاکستان کے اقتباسات ضلالت آمیز	۴۵۵
۲۹۹	''مجھ کو جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منظور ہے، اللہ تعالیٰ کی ایسی کی تیسی'' کہنا (نعوذ باللہ)	۴۵۹
۳۰۰	نیند کو نماز سے بہتر کہنے پر کیا حکم ہے؟	۴۶۰
۳۰۱	مناظرہ سکھانے کے لئے کفریات بولنا کیسا ہے؟	۴۶۱
۳۰۲	''آستین برو کشیدہ: ہمچو مکار آمدی'' کا پڑھنا	۴۶۲
۳۰۳	عورت کا شوہر کو یہ جواب کہ ''توبہ نہیں کروں گی'' کیا تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے؟	۴۶۳

مایتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

۳۰۴	علمائے دیوبند کو کافر کہنے والے کا حکم	۴۶۴

۳۰۵	دیوبندی علماء کو کافر کہنا....................................	۴۶۵
۳۰۶	مسلمان کو کافر کہنے والے کا حکم....................................	۴۶۶
۳۰۷	مسلم کو مشرک کہنا....................................	۴۶۸
۳۰۸	کلمہ گو کو کافر کہنا....................................	۴۶۸
۳۰۹	اپنے سوا سب کو کافر کہنا....................................	۴۷۰
۳۱۰	کسی متبعِ سنت عالم پر کفر کا فتویٰ لگانا....................................	۴۷۱
۳۱۱	کسی مسلمان کو کافر کہنا....................................	۴۷۳
۳۱۲	مسلمان کو کافر کہنا....................................	۴۷۵
۳۱۳	شاگرد کو کافر کہنے والے کا حکم....................................	۴۷۶
۳۱۴	کسی مسلمان کو سردار جی کہنا....................................	۴۷۷
۳۱۵	کسی کو یہ کہنا کہ "اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے"....................................	۴۷۸
۳۱۶	کسی بات کا یقین نہ کرنے والے کو کافر کہنا....................................	۴۷۹

مایتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ وشعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

۳۱۷	اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی....................................	۴۸۱
۳۱۸	شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک....................................	۴۸۲
۳۱۹	اللہ تعالیٰ کو گالی دینا، اور رمضان کے روزے کی توہین کرنا....................................	۴۸۲
۳۲۰	اللہ پاک کو گالی دینا....................................	۴۸۴
۳۲۱	اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی....................................	۴۸۶
۳۲۲	خدا اور رسول کے متعلق ایک امام کی گمراہ کن باتیں....................................	۴۸۶
۳۲۳	حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہنا....................................	۴۸۸
۳۲۴	ذات وصفاتِ رسول پر تنقید....................................	۴۸۹

۳۲۵	شانِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی	۴۹۱
۳۲۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا حکم	۴۹۳
۳۲۷	’’اُمّی‘‘ کا معنی جاہل، ان پڑھ اور جاہل مطلق سے کرنے کا حکم	۴۹۵
۳۲۸	حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا سمجھنے والے کا حکم	۴۹۸
۳۲۹	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت کلمہ کہنا	۵۰۰
۳۳۰	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے بعد توبہ	۵۰۲
۳۳۱	یزید ابن معاویہ پر طعن	۵۰۴
۳۳۲	اخوانِ یوسف علیہ السلام پر طعن	۵۰۵
۳۳۳	قرآن پاک کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم	۵۰۶
۳۳۴	قرآن کی شان میں گستاخی	۵۰۷
۳۳۵	باہمی لڑائی میں قرآن پاک کو پیروں سے روندنا	۵۰۸
۳۳۶	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیر قرآن کریم پر رکھا تھا؟	۵۱۰
۳۳۷	قرآنِ کریم میں مخلوق کا ذکر ہونے کے باوجود اس کا احترام کرنا	۵۱۲
۳۳۸	مسجد کا مذاق اڑانا	۵۱۲
۳۳۹	اذان پر ہنسنا	۵۱۳
۳۴۰	نماز وغیرہ کا استہزاء	۵۱۴
۳۴۱	نماز کے لئے تحقیر کا لفظ بولنا	۵۱۶
۳۴۲	نمازی کو گالی دینا	۵۱۶
۳۴۳	ماں کو گالی دینا اور اس کی قبر پر پیشاب	۵۱۸
۳۴۴	علمِ دین کا مقام، علمائے دین کی توہین	۵۱۹
۳۴۵	اہانتِ علماء	۵۲۰
۳۴۶	کیا استاذ کی توہین کفر ہے؟	۵۲۱
۳۴۷	استاذ کی گستاخی اور توہین	۵۲۲

۳۴۸	امام اور استاذ کو خنزیر و منافق کہنا	۵۲۴
۳۴۹	استخفافِ علماء	۴۲۵
۳۵۰	علمائے دین کو گالی دینا	۵۲۶
۳۵۱	عالم سے بغض رکھنا	۵۲۶
۳۵۲	علماء کو برا کہنا	۵۲۹
۳۵۳	مقرر عالم کی توہین	۵۲۹
۳۵۴	امام کو برا کہہ کر نکال دینا	۵۳۰
۳۵۵	طالب علم کو گالی دینا	۵۳۲
۳۵۶	تعویذ کی توہین	۵۳۳
۳۵۷	مسئلہ شرعیہ کی توہین	۵۳۴
۳۵۸	فتویٰ کی توہین	۵۳۵
۳۵۹	داڑھی کی توہین	۵۳۷
۳۶۰	''داڑھی کے بال اکھاڑ کر پیشاب کروں گی'' کہنے والی عورت کا حکم اور سزا	۵۳۸
۳۶۱	پگڑی کی اہانت	۵۳۹

مایتعلق بأحکام المرتدین

(مرتد کے احکام کا بیان)

۳۶۲	مرتد کے احکام	۵۴۲
۳۶۳	مرتد کس طرح تجدید ایمان کرے؟	۵۴۲
۳۶۴	مرتد سے موالات	۵۴۳
۳۶۵	مرتد سے سمجھوتہ	۵۴۴
۳۶۶	کلماتِ کفریہ سے نکاح ختم	۵۴۵
۳۶۷	کلماتِ کفریہ سے نکاح کا حکم	۵۴۵

۳۶۸	کلمۂ کفر کی وجہ سے تجدید نکاح....................................	۵۴۶
۳۶۹	کفریہ کلمات کی ادائیگی کے بعد تجدید ایمان ونکاح کا حکم....................................	۵۴۷
۳۷۰	کفریہ افعال سے کیا نکاح ختم ہوجاتا ہے؟....................................	۵۴۹
۳۷۱	تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کی ضرورت کب ہوتی ہے؟....................................	۵۵۰
۳۷۲	ارتدادِ شوہر سے فسخِ نکاح....................................	۵۵۲
۳۷۳	ارتداد کے بعد تجدیدِ نکاح....................................	۵۵۲
۳۷۴	جو شخص قادیانی ہوجائے، اس کا نکاح برقرار نہیں رہتا....................................	۵۵۴
۳۷۵	شوہر کے قادیانی ہونے سے فسخِ نکاح....................................	۵۵۵
۳۷۶	جو مسلمان عیسائی ہوجائے، اس کا نکاح....................................	۵۵۷
۳۷۷	نکاح اور بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر نے کہا ''میں تو عیسائی ہوں''....................................	۵۵۸
۳۷۸	شوہر شیعہ ہوجائے تو اس کے نکاح کا حکم....................................	۵۵۹
۳۷۹	ایضاً....................................	۵۶۱
۳۸۰	جس عورت کا شوہر شیعہ ہوجائے، اس کا حکم....................................	۵۶۲
۳۸۱	کیا بت کی پوجا سے نکاح ختم ہوگیا؟....................................	۵۶۴
۳۸۲	مرتد کا نکاح فسخ ہوگیا....................................	۵۶۵
۳۸۳	نکاحِ مرتدہ....................................	۵۶۶
۳۸۴	ارتدادِ زوجہ سے فسخِ نکاح....................................	۵۶۷
۳۸۵	عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا....................................	۵۶۸
۳۸۶	غیر مسلم کے ساتھ چلے جانے پر نکاح کا حکم....................................	۵۶۹
۳۸۷	غیر مسلم کے ساتھ بھاگ جانے سے نکاح پر اثر....................................	۵۷۰
۳۸۸	کیا تعزیہ بنانے سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے؟....................................	۵۷۱
۳۸۹	لاپتہ شوہر کی بیوی مرتد ہوگئی....................................	۵۷۲
۳۹۰	کیا مرتد کی تجدیدِ نکاح میں مہر جدید وغیرہ ضروری ہے....................................	۵۷۴

۳۹۱	عورت کے مرتد ہونے سے مہر ساقط نہیں ہوتا..................	۵۷۶
۳۹۲	کیا ارتداد سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں؟..................	۵۷۷
۳۹۳	مرتد ہونے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا..................	۵۸۰
۳۹۴	جنازۂ مرتد پر نماز اور مسلم قبرستان میں دفن..................	۵۸۱
۳۹۵	کیا ارتداد سے یمین ساقط ہو جاتی ہے؟..................	۵۸۱
۳۹۶	ردت کے بعد کلما کی قسم کا حال..................	۵۸۳
۳۹۷	مرتد کی تجہیز وتکفین..................	۵۸۵
۳۹۸	منکرِ نماز کا جنازہ..................	۵۸۶

متفرقات الکفر

۳۹۹	بے عمل لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں کہیں گے تو عمل کریں گے..................	۵۸۹
۴۰۰	اپنی بیوی کو بغیر پردہ کے نچوانا کیا کفر ہے؟..................	۵۹۱
۴۰۱	بے دین فقیروں کا حال اور دعویٰ..................	۵۹۲

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

۴۰۲	تقلید کی شرعی حیثیت..................	۵۹۵
۴۰۳	تقلید کا ثبوت حدیث سے..................	۶۰۸
۴۰۴	تقلیدِ شخصی کا ثبوت..................	۶۱۳
۴۰۵	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجتہد تھے..................	۶۱۳
۴۰۶	بعض مسائل میں دوسرے امام کے مسائل پر عمل کرنا، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کیا مقلد تھے؟..................	۶۱۶
۴۰۷	کیا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بھی مقلد تھے؟..................	۶۲۰
۴۰۸	امام کے قول کے خلاف اگر حدیث موجود ہو تو مقلد کیا کرے؟..................	۶۲۲
۴۰۹	عالم محقق کے لئے تقلید اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال..................	۶۲۴

۴۱۰	حنفی کے لئے کسی اور کے قول پر عمل کرنا کیا تقلید کے خلاف ہے؟	۶۲۶
۴۱۱	مذاہبِ اربعہ کا ماٴخذ	۶۲۸
۴۱۲	عامل بالحدیث کا حکم	۶۲۹
۴۱۳	اہلِ حدیث کا حکم	۶۲۹
۴۱۴	مسائلِ اختلافیہ پر غور وفکر کرنے کے لئے چند اُصولِ موضوعہ	۶۳۱
۴۱۵	اختلافی مسائل میں کیا مقلد کو ترجیح کا حق ہے؟	۶۳۴
۴۱۶	اختلافِ ائمہ	۶۳۵
۴۱۷	تقلیدِ شخصی سے ہٹ کر مختلف ائمہ کی تقلید	۶۳۶
۴۱۸	دیوبندی کس امام کے پیرو ہیں؟	۶۳۶
۴۱۹	دیوبند اور جلال آباد کے علماء کا مسلک	۶۳۸
۴۲۰	غیر مقلد کی حیثیت اور اس سے شادی بیاہ	۶۳۸
۴۲۱	کیا کسی دیوبندی کو حق ہے کہ اپنی اہلِ حدیث بیوی کو تبدیلِ عقیدہ پر مجبور کرے؟	۶۴۲

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد سوم

باب البدعات والرسوم

(بدعات اور رسومات کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	بدعت کی تعریف	۲۳
۲	فرض، سنت، بدعت وغیرہ کی تعریف	۲۵
۳	سنت وبدعت کی تعریف وتقسیم	۲۷
۴	بدعت کی تقسیم	۳۱
۵	ایضاً	۳۲
۶	بدعت کی اقسام	۳۴
۷	ایضاً	۳۶
۸	کیا غیر ثابت چیزیں بھی خیر ہیں؟	۳۶
۹	جمعِ قرآن اور تراویح وغیرہ کیا بدعت ہیں؟	۳۷

۱۰	سنی، حنفی، وہابی کی تعریف	۳۹
۱۱	وہابی کی تعریف	۴۳
۱۲	وہابی کون ہے؟	۴۶
۱۳	کیا تارکِ فرائض سنی کہلانے کا حقدار ہے؟	۴۸
۱۴	کسی کام کو کسی کی سنت کہنا	۴۹
۱۵	مستحب پر اصرار	۵۰
۱۶	ایضاً	۵۰
۱۷	اصلاح کی نیت سے بدعات میں شرکت	۵۳
۱۸	اصلاح کی نیت سے بدعتیوں کے ساتھ امام صاحب کی کھانے میں شرکت	۵۴
۱۹	بدعتی سے میل جول	۵۶
۲۰	رضاخانیوں کے ساتھ معاملہ	۵۷
۲۱	بدعتی اور متبع سنت عالم کے پرکھنے کا طریقہ	۵۸

(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)

۲۲	فاتحہ مروجہ	۶۰
۲۳	ایضاً	۶۱
۲۴	کتاب ''آرزجندی'' کی حقیقت اور فاتحہ	۶۲
۲۵	کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کا ثبوت نہیں	۶۸
۲۶	شہدائے کربلا کے لئے فاتحہ	۶۹
۲۷	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ	۷۰
۲۸	قل پنچایت اور فاتحہ	۷۱
۲۹	ختم کے بعد کھانا	۷۲
۳۰	یسین شریف کا ختم	۷۲

۳۱	وظیفۂ سورۂ یٰسین کے ختم پر شیرینی	۷۳
۳۲	ختمِ قرآن پر دعوت	۷۴
۳۳	ایمان کے شکر میں ختم	۷۵
۳۴	ختمِ خواجہ گان پر دوام برائے حصولِ مقصد	۷۶
۳۵	ختمِ قرآن پر مٹھائی	۷۶
۳۶	ختمِ قرآن کے دن جھنڈیاں لگانا	۷۸
۳۷	ختمِ قرآن میں چراغاں	۷۸
۳۸	مخصوص طور پر ختم اور مسجد میں کھانا کھلانا اور چھینا جھپٹی	۷۹
۳۹	روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قرآن خوانی	۸۰
۴۰	میت کے لئے ایک لاکھ کلمہ طیبہ	۸۱
۴۱	ختم میں سوا لاکھ کی تعداد	۸۳
۴۲	ایصالِ ثواب وغیرہ کے ختمِ قرآن پر شیرینی	۸۵
۴۳	ایصالِ ثواب کے لئے مجلس	۸۶
۴۴	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ ودن کی تعیین	۸۷
۴۵	غیر مسلم کو ثواب پہونچانا	۸۹
۴۶	ایصالِ ثواب پر چائے پیش کرنا	۸۹
۴۷	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کرنا	۸۹
۴۸	ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ متعین کرنا، اوقاتِ مدرسہ میں مدرسین اور طلبہ کا ایصالِ ثواب کرنا	۹۱
۴۹	ایصالِ ثواب کو اخبار میں شائع کرنا	۹۱
۵۰	ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا	۹۳
۵۱	مروجہ طریقہ پر ایصالِ ثواب	۹۴
۵۲	ایصالِ ثواب پر کھانا	۹۶
۵۳	کسی دوسرے مقام پر جا کر ایصالِ ثواب کرنا اور کھانا	۹۶

۵۴	ایصالِ ثواب کے لئے دن کی تعیین	۹۷
۵۵	ایصالِ ثواب کے کھانے کا مستحق کون ہے؟	۹۷

(مروّجہ صلاۃ وسلام کا بیان)

۵۶	"صلی اللہ علیک یارسول اللہ" کا ثبوت	۱۰۱
۵۷	اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت	۱۰۲
۵۸	اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا	۱۰۳
۵۹	ایضاً	۱۰۴
۶۰	ختمِ تراویح کے بعد "الصلوۃ والسلام یا آدم صفی اللہ" پڑھنا	۱۰۴
۶۱	تراویح کے بعد مخصوص انبیاء پر مخصوص درود پڑھنا	۱۰۵
۶۲	بعد نماز جمعہ مروجہ صلوۃ وسلام	۱۰۷
۶۳	فجر کی سنت سے قبل صلاۃ وسلام	۱۰۹
۶۴	کسی نماز کے بعد حمد وصلوۃ حلقہ بنا کر پڑھنا	۱۰۹
۶۵	صلوۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ	۱۱۱
۶۶	بعد نماز فجر وعصر درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۵
۶۷	درود شریف وعظ میں زور سے پڑھنا	۱۱۵
۶۸	وعظ میں بلند آواز سے سامعین کا درود شریف پڑھنا	۱۱۶
۶۹	مجلسِ وعظ میں درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۷
۷۰	اجتماعی درود شریف جہراً پڑھنا	۱۱۸
۷۱	آواز سے صلوۃ وسلام	۱۱۸
۷۲	ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھنا	۱۱۹
۷۳	نماز کے بعد سلام پڑھنا	۱۱۹

۷۴	ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۱۲۰
۷۵	ہر جمعرات کو محفلِ درود شریف اور شیرینی	۱۲۱
۷۶	درودِ تاج	۱۲۲
۷۷	ایک مخصوص من گھڑت درود	۱۲۲
۷۸	درود لکھی وغیرہ کی تعریف	۱۲۳
۷۹	ایک درود شریف	۱۲۳
۸۰	ایک خاص درود شریف کے فضائل	۱۲۴
۸۱	روضۂ اقدس کے فوٹو پر درود وسلام	۱۲۵
۸۲	نماز کے بعد نقشۂ مسجدِ نبوی کی طرف رخ کر کے درود شریف پڑھنا	۱۲۶
۸۳	درود وذکر کے لئے دن، عدد متعین کرنا	۱۲۷
۸۴	جمعہ کے دن بعد عصر درود شریف کی تعیین وترغیب	۱۲۸
۸۵	اسمِ مبارک سن کر، یا پڑھ کر، درود شریف پڑھنا اور اس کی قضاء	۱۳۱
۸۶	اسمِ مبارک سن کر درود شریف	۱۳۲
۸۷	لفظ ''نبی کریم'' اور اس پر درود شریف	۱۳۴
۸۸	درود میں لفظ ''سیدنا''	۱۳۴
۸۹	درود میں ''آل'' کا مصداق	۱۳۵
۹۰	صلوٰۃ وسلام کسی بھی نبی پر	۱۳۶
۹۱	درود شریف دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں	۱۳۶
۹۲	گنبدِ خضرا کو دیکھتے ہی صلوٰۃ وسلام	۱۳۷
۹۳	عشاء کے بعد روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام	۱۳۸
۹۴	محرابِ مسجد پر ایک مخصوص طغریٰ	۱۳۸
۹۵	درود کی عبارت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غوث پاک کا نام لکھنا	۱۳۹

(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)

۹۶	مصافحہ دونوں ہاتھوں سے یا ایک سے؟	۱۴۱
۹۷	مصافحہ بعد نماز	۱۴۲
۹۸	مصافحہ بعد العیدین	۱۴۳
۹۹	نماز عید کے بعد مصافحہ	۱۴۶
۱۰۰	ایضاً	۱۴۷
۱۰۱	عید ملنا	۱۴۷
۱۰۲	ایضا	۱۴۸
۱۰۳	مصافحہ بعد الفجر والعصر	۱۴۹
۱۰۴	نماز جمعہ سے پہلے بعض رسوم اور بعد میں مصافحہ	۱۵۳

(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)

۱۰۵	اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۵۶
۱۰۶	اسمِ مبارک سن کر انگوٹھے چومنا	۱۵۷
۱۰۷	اذان کے بعد انگوٹھا چومنا	۱۵۸
۱۰۸	انگوٹھے چومنا اور حیلۂ اسقاط	۱۵۸
۱۰۹	اذان میں انگوٹھے چومنا	۱۵۹
۱۱۰	بوقتِ اذان تقبیلِ ابہامین	۱۶۲

(میلاد وسیرت کی محافل اور عرس کا بیان)

۱۱۱	محفلِ میلاد	۱۶۵
۱۱۲	مجلسِ میلادِ مروجہ	۱۶۹
۱۱۳	میلاد کا خاص طریقہ	۱۷۲
۱۱۴	مولود شریف	۱۷۶

۱۱۵	سالگرہ اور میلاد شریف	۱۷۹
۱۱۶	بطرزِ موسیقی میلاد شریف پڑھنا	۱۸۰
۱۱۷	مجلس میلاد کے منکرات تفصیلاً اور وعظ پر اجرت	۱۸۱
۱۱۸	عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۶
۱۱۹	کیا مجلسِ میلاد شریف تمام ارکان کا بدل ہے؟	۱۸۸
۱۲۰	گیارہویں اور میلاد کی ابتداء	۱۸۹
۱۲۱	قیامِ میلاد کو روکنا	۱۹۱
۱۲۲	قیامِ میلاد کا تفصیلی حکم	۱۹۱
۱۲۳	قیامِ میلاد کی شرعی حیثیت	۲۰۳
۱۲۴	قیامِ میلاد کا حکم	۲۱۲
۱۲۵	محرم، ربیع الاول، ربیع الثانی وغیرہ میں وعظ کا خصوصی اہتمام	۲۱۸
۱۲۶	سیرت کانفرنس کے جلسے	۲۱۸
۱۲۷	ربیع الاول کا جلوس	۲۱۹
۱۲۸	بارہ ربیع الاول کو مدحِ صحابہ کا جلوس	۲۲۱
۱۲۹	۱۰/محرم، ۱۲/ربیع الاول کو کاروبار بند کرنا	۲۲۲
۱۳۰	وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہڑتال	۲۲۲
۱۳۱	حضرت غوث الاعظم کی مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۲۲۳
۱۳۲	دس محرم کو مسجد میں مجلس	۲۲۴
۱۳۳	عرس	۲۲۴
۱۳۴	عرس وغیرہ	۲۲۷
۱۳۵	بدعات متعلقہ قبور عرس وغیرہ	۲۳۰
۱۳۶	عرس کرنا اور زیارتِ قبور کے لئے سفر	۲۳۴
۱۳۷	ولادت، وفات پر خوشی اور غم، عرس، قوالی وغیرہ	۲۳۶

۱۳۸	اذان گاچھی صاحب کا عرس	۲۴۰
۱۳۹	عرس، قوالی، طبلہ، سارنگی بجانا	۲۴۳
۱۴۰	اصلاح کی نیت سے عرس میں شرکت	۲۴۴
۱۴۱	مدرسہ چلانے کے لئے مجلسِ میلاد میں شرکت	۲۴۵
۱۴۲	مجذوب کی قبر پر عرس	۲۴۵
۱۴۳	قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف	۲۴۶
۱۴۴	قوالی اور پختہ قبر وغیرہ	۲۴۷
۱۴۵	مجلسِ شہادت	۲۴۸
۱۴۶	جلسہ میں غزل ونعت پڑھنا	۲۵۰
۱۴۷	جس جلسہ کی وجہ سے نمازِ فجر فوت ہوجائے، اس میں شرکت	۲۵۱
۱۴۸	خلفائے اربعہ کے ایامِ ولادت کی تعطیل	۲۵۱

(مخصوص ایام کی مروج بدعات کا بیان)

۱۴۹	اعمالِ شب برآت	۲۵۳
۱۵۰	شبِ برآءت کی بعض نمازیں	۲۵۴
۱۵۱	شبِ برآءت میں غروبِ آفتاب کے بعد چالیس دفعہ ''لاحول الخ'' کا ورد	۲۵۵
۱۵۲	مخصوص طرز پر آٹھ رکعات	۲۵۵
۱۵۳	مخصوص طرز پر چار رکعت	۲۵۵
۱۵۴	بچہ کا دودھ بخشوانا اور شبِ برآءت میں کھانا تقسیم کرنا	۲۵۶
۱۵۵	شبِ برآءت کو عرفہ بنانا	۲۵۶
۱۵۶	شبِ برآءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی	۲۵۸
۱۵۷	متبرک راتوں میں چراغاں کرنا	۲۵۸
۱۵۸	شبِ برآءت اور شبِ قدر میں مسجدوں کو سجانا	۲۶۳
۱۵۹	دس محرم کو مٹھائی لاکر گھر میں تقسیم کرنا	۲۶۴

۱۶۰	شب برآءت اور اس کے اعمال	۲۶۴
۱۶۱	شب برآءت میں تہجد کی نماز باجماعت	۲۶۷
۱۶۲	شب برآءت کی رسمیں	۲۶۷
۱۶۳	شب برآءت کا حلوہ	۲۶۸
۱۶۴	لیلۃ القدر اور لیلۃ البرآءت میں چراغاں کرنا	۲۶۹
۱۶۵	متبرک راتوں میں بیداری کے لئے اجتماع	۲۷۰
۱۶۶	متبرک راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا	۲۷۱
۱۶۷	عاشورۂ محرم کے خصوصی اعمال	۲۷۲
۱۶۸	صلوۃ العاشورہ	۲۷۳
۱۶۹	یومِ عاشورہ کی خصوصیات	۲۷۴
۱۷۰	صلوۃ الرغائب	۲۷۵
۱۷۱	محرم کی بدعتِ شنیعہ	۲۷۶
۱۷۲	محرم کی رسوم	۲۷۶
۱۷۳	محرم کا شربت	۲۷۷
۱۷۴	صفر کے آخری چارشنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا	۲۷۸
۱۷۵	رجب کا روزہ، کونڈہ	۲۸۰
۱۷۶	۲۲/رجب کے کونڈوں کی حقیقت	۲۸۱
۱۷۷	رجب کی روٹی	۲۸۲
۱۷۸	شبِ معراج کے اعمالِ مروجہ	۲۸۳
۱۷۹	ایک مخصوص مشرکانہ رسم	۲۸۵
۱۸۰	رسم پر عمل	۲۸۶
۱۸۱	بچہ کو چالیسویں دن مسجد میں لانے کی رسم	۲۸۷

۱۸۲	چالیس روز بچہ کو مسجد میں بھیج کر سجدہ کرانا	۲۸۷
۱۸۳	حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا	۲۸۸
۱۸۴	کیا کسی مسجد میں چار سال مغرب کی نماز پڑھنے سے حج کا ثواب ملتا ہے؟	۲۸۹
۱۸۵	بسم اللہ خوانی کی تقریب	۲۹۰
۱۸۶	بسم اللہ خوانی کے لئے عمر کی تعیین	۲۹۰
۱۸۷	بچوں کی روزہ کشائی	۲۹۰
۱۸۸	بچہ کا دودھ بخشوانا	۲۹۱
۱۸۹	دودھ بخشوانا	۲۹۱
۱۹۰	محرابِ مسجد میں ایک مخصوص طغریٰ اور اس کا استلام	۲۹۲
۱۹۱	طغریٰ کے سامنے امام کا کھڑا ہونا	۲۹۲
۱۹۲	محراب سے طغریٰ کو ہٹانا	۲۹۲

(دفعِ مصائب کے لئے بعض اعمال کا بیان)

۱۹۳	دفعِ مصائب کے لئے ختمِ بخاری شریف اور سوالاکھ کا ختم	۲۹۵
۱۹۴	مصیبت کو دفع کرنے کے لئے صدقہ کرنا	۲۹۶
۱۹۵	رفعِ وبا کے لئے اذان	۲۹۷
۱۹۶	دفعِ وبا و بلا کے لئے اذان دینا	۲۹۸
۱۹۷	جنات کے دفعیہ کے لئے خنزیر کی بھینٹ چڑھانا	۲۹۸
۱۹۸	دفعِ بلا کے لئے بھینٹ	۳۰۰
۱۹۹	دفعِ مشکلات کے لئے پرندوں کو دانہ ڈالنا	۳۰۱
۲۰۰	دفعِ بلا کے لئے چیلوں کو گوشت ڈالنا	۳۰۱
۲۰۱	دفعِ وبا کے لئے تعزیہ کی نذر	۳۰۱

کتاب العلم

مایتعلق بطلب العلم

(طلبِ علم کا بیان)

۲۰۲	علمِ ضروری کیا ہے؟	۳۰۳
۲۰۳	کیا علمِ دین سیکھنے کے لئے عربی سیکھنا ضروری ہے؟	۳۰۳
۲۰۴	علمِ باطن کیا ہے؟	۳۰۵
۲۰۵	کثرتِ عبادت بہتر ہے، یا تحصیلِ علم شریعت؟	۳۰۵
۲۰۶	والدین کا علمِ دین حاصل کرنے سے روکنا	۳۰۶
۲۰۷	والدین کی مرضی کے خلاف علمِ دین کے لئے سفر کرنا	۳۰۷
۲۰۸	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی تشریح	۳۰۸
۲۰۹	کیا عقل کو شرعی دلائل میں دخل ہے؟	۳۱۰
۲۱۰	تعلیم کا مقصد	۳۱۰
۲۱۱	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوڑا ہاتھ میں لے کر بازار میں مسائل کی تعلیم دینا	۳۱۱
۲۱۲	اجماع کی حجیت	۳۱۲
۲۱۳	فقہی جزئیات کا مقام بحیثیتِ ادلہ	۳۱۳
۲۱۴	نصوصِ شرعیہ سے متعلق چند معلومات	۳۱۳
۲۱۵	مسائلِ فقہیہ میں تعارض کے وقت ترجیح کا طریقہ	۳۱۴
۲۱۶	مخلوق کی پیدائش کس ترتیب سے ہے؟	۳۱۵
۲۱۷	مسائل کے لئے استخارہ	۳۱۶
۲۱۸	نہ جاننے والے کو لاعلم کہنا	۳۱۷
۲۱۹	ایضاً	۳۱۷

۲۲۰	عالمِ دین کو کوتاہی پر ٹوکنا	۳۱۸
۲۲۱	جس چیز کے کئی رکن ہوں تو کیا ہر رکن کو ادا کرنا ضروری ہے؟	۳۱۹
۲۲۲	انسان میں عناصر اربعہ	۳۱۹
۲۲۳	قبلہ وکعبہ وغیرہ بعض خطابات کا حکم	۳۲۰

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

۲۲۴	فرض واجب وغیرہ کی تعریف	۳۲۰
۲۲۵	فقہاء کے یہاں ''درست نہیں'' اور ''مکروہ تحریمی'' کا مطلب	۳۲۲
۲۲۶	صاحب ہدایہ نے ''قال العبد الضعیف'' کیوں کہا؟	۳۲۳
۲۲۷	الفاظ ''ثویبہ، عرب العربا، ضرار'' کی تحقیق	۳۲۴
۲۲۸	''حفظ الایمان'' اور کلمہ سے متعلق حضرت تھانوی پر اعتراض	۳۲۵
۲۲۹	مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی کتاب ''صراط مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض	۳۲۶
۲۳۰	''صراط مستقیم'' کی عبارت پر اعتراض کا جواب	۳۳۰
۲۳۱	''حفظ الایمان'' کی عبارت پر غلط فہمی کا ازالہ	۳۳۴
۲۳۲	''تقویۃ الایمان'' کی عبارت پر اعتراض	۳۳۵
۲۳۳	تقویۃ الایمان'' کی ایک عبارت پر اشکال کا جواب	۳۳۸
۲۳۴	''نور الانوار'' کی عبارت پر خلجان	۳۳۹
۲۳۵	۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں ہے	۳۴۰
۲۳۶	حاشیہ پر ''۱۲'' کا مطلب	۳۴۰
۲۳۷	اللہ تعالیٰ کے لئے تعظیمی لفظ بولنے سے جمع کا شبہ	۳۴۱
۲۳۸	اختتامِ مجلس کی دعا میں واحد کے صیغہ کو جمع سے پڑھنا	۳۴۱
۲۳۹	لفظ ''حضور'' کا استعمال	۳۴۲
۲۴۰	لازم کو متعدی بنانے کا طریقہ	۳۴۳
۲۴۱	''غزیر العلم'' کے معنی	۳۴۳

۲۴۲	روشن ضمیر کا مطلب کیا ہے؟	۳۴۴
۲۴۳	''اعلیٰ حضرت'' لقب کا حکم	۳۴۵
۲۴۴	''سید، مولیٰ، عبد'' کے معانی	۳۴۵
۲۴۵	معذور اور مجبور میں فرق	۳۴۸
۲۴۶	روزِ شرعی اور لغوی کی تعریف	۳۴۸
۲۴۷	عبادت واطاعت میں فرق	۳۴۹
	(فتویٰ کا بیان)	
۲۴۸	قاضی اور مفتی میں فرق	۳۵۱
۲۴۹	''ظاہر الروایۃ'' کے خلاف فتویٰ	۳۵۲
۲۵۰	شامی دیکھ کر فتویٰ دینا	۳۵۳
۲۵۱	جاہل مفتی	۳۵۴
۲۵۲	غیر مستند عالم کا فتویٰ دینا	۳۵۵
۲۵۳	غیر مجتہد اور غیر مفتی کا فتویٰ دینا	۳۵۶
۲۵۴	بغیر علم کے مسئلہ بتانا اور حدیث کی طرف منسوب کرنا	۳۵۷
۲۵۵	غیر عالم کا مسئلہ بتانا	۳۵۸
۲۵۶	غیر عالم کو مسائل بتانے سے روکنا	۳۵۹
۲۵۷	غلط فتویٰ دینا اور فتویٰ کو نہ ماننا	۳۶۰
۲۵۸	غلط واقعہ بیان کر کے فتویٰ لینا	۳۶۲
۲۵۹	کیا عالم کے ذمہ ہر سوال کا جواب ضروری ہے؟	۳۶۳
۲۶۰	لامذہب کے سول کا جواب	۳۶۴
۲۶۱	اگر امام عالم نہ ہو، تو مسئلہ کس سے پوچھیں؟	۳۶۵
۲۶۲	جہاں سے سہولت متوقع ہو، وہاں سے فتویٰ پوچھنا	۳۶۵
۲۶۳	مباہلہ	۳۶۶

۲۶۴	اختلاف کے وقت کس قول پر عمل ہو؟	۳۶۸
۲۶۵	غیر مفتی بہ قول کو اختیار کرنا	۳۶۹
۲۶۶	شیعہ کے سوال کا جواب کس طرز پر ہونا چاہیے؟	۳۷۱
۲۶۷	فتویٰ کی تائید میں کسی مولوی کا جھوٹ موٹ نام	۳۷۲
۲۶۸	اپنی ذات سے متعلق سوال سے مفتی کا جواب سے معذرت کرنا	۳۷۳
	(تعلیم نسواں کا بیان)	
۲۶۹	تعلیمِ نسواں	۳۷۵
۲۷۰	کیا تعلیم لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے	۳۷۶
۲۷۱	بے پردگی کی حالت میں عورتوں کو تعلیم دینا	۳۷۶
۲۷۲	لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۷
۲۷۳	لڑکیوں کے لئے تعلیم	۳۷۸
۲۷۴	مدرسہ میں لڑکیوں کی تعلیم	۳۷۹
۲۷۵	کتنی عمر کی بچی مدرسہ میں پڑھ سکتی ہے؟	۳۸۰
۲۷۶	لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دلانا	۳۸۱
۲۷۷	لڑکے اور لڑکیوں کا ھندی، انگریزی تعلیم کا ممبر بننا	۳۸۲
۲۷۸	کتابۃ النسآء	۳۸۳
۲۷۹	نیم عریاں لباس اسکول میں لڑکیوں کو تعلیم دینا	۳۸۵
۲۸۰	پردہ نشین لڑکی کے لئے طبیہ کالج میں داخلہ	۳۸۶
۲۸۱	عورتوں کو حیض پردہ میں رکھ کر ونفاس کے مسائل بتانا	۳۸۷
۲۸۲	دنیوی تعلیم کے نتائج	۳۸۸
۲۸۳	معلمین کے ساتھ معلمات کا تقرر اور سیانے بچے، بچیوں کی مخلوط تعلیم	۳۸۹
۲۸۴	نرسری اسکول اور عیسائی معلمات	۳۸۹
۲۸۵	اسکول میں ترانہ	۳۹۲

۲۸۶	دوسرے سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنا	۳۹۷

باب مایتعلق بالقرآن الکریم

(تفسیر کا بیان)

۲۸۷	شرائط تفسیر	۳۹۸
۲۸۸	تفسیر وتاویل میں فرق	۳۹۸
۲۸۹	کیا قرآن میں ناسخ ومنسوخ ہیں؟	۳۹۹
۲۹۰	کیا حکمِ قرآنی حدیث سے منسوخ ہوسکتا ہے؟	۴۰۶
۲۹۱	آیتِ منسوخہ کی تلاوت کا حکم	۴۰۹
۲۹۲	نسخ کی تفصیل اور حکمت	۴۱۰
۲۹۳	آیتِ قطب	۴۱۳
۲۹۴	سبعِ آیات	۴۱۳
۲۹۵	آیت الکرسی کہاں تک ہے؟	۴۱۴
۲۹۶	پانچ وقت کی نماز کا حکم کس پارے میں ہیں؟	۴۱۵
۲۹۷	حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق دوآیتوں میں تعارض	۴۱۶
۲۹۸	حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی نافرمانی میں فرق	۴۱۷
۲۹۹	حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی حالت	۴۱۸
۳۰۰	استخلاف فی الارض کا وعدہ	۴۲۰
۳۰۱	وعید کی آیتیں زیادہ ہیں، یا وعد کی بشارتیں؟	۴۲۲
۳۰۲	”أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول“ کا مطلب	۴۲۲
۳۰۳	”اسجدوا لآدم“ کا خطاب کیا شیطان کو بھی ہے؟	۴۲۳
۳۰۴	”یسبّح للہ مافی السمٰوات والأرض“ کی تشریح	۴۲۴
۳۰۵	”من لم یحکم بما أنزل اللہ“ کی تفسیر	۴۲۵

۳۰۶	غیر اللہ کو حاکم بنانے سے متعلق تفصیلات، چند آیات کی تفسیر	۴۲۶
۳۰۷	تفسیر "استوی"	۴۲۹
۳۰۸	تشریح "اقراء"	۴۳۰
۳۰۹	تفسیر "لا یمسه إلا المطهرون"	۴۳۲
۳۱۰	"لیس للإنسان إلا ماسعی"	۴۳۳
۳۱۱	"ضربت علیهم الذلة والمسکنة" کا مطلب	۴۳۷
۳۱۲	"إن الذین آمنوا والذین هادوا والنصاری" پر اشکال اور اس کا جواب	۴۴۱
۳۱۳	"جاعل الذین اتبعوک" کی تفسیر	۴۴۲
۳۱۴	"إن الصلوة تنهی عن الفحشآء والمنکر" کا مطلب	۴۴۵
۳۱۵	"وما تشاء ون إلا أن یشاء الله" کا مطلب	۴۴۵
۳۱۶	"لإن شکرتم لأزیدنکم" کا مطلب	۴۴۶
۳۱۷	حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت "کلمته" اور "وروح منه" سے	۴۴۷
۳۱۸	"قال: هی عصای" کی عجیب تفسیر وتشریح	۴۵۱
۳۱۹	"ارض" کی جمع قرآن کریم میں کیوں نہیں؟	۴۵۲
۳۲۰	"یوم ندعوا کل أناس بامامهم" کی تفسیر	۴۵۶
۳۲۱	اللہ تعالیٰ کو وکیل کیسے بنایا جائے؟	۴۵۷
۳۲۲	کیا مغفرت، فتح سے مربوط ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ کس چیز میں ہے؟	۴۵۸
۳۲۳	حیاتِ طیبہ کون سی زندگی ہے؟	۴۵۹
۳۲۴	"وقتِ شام" سے کیا مراد ہے؟	۴۵۹
۳۲۵	قرآنِ پاک میں نبیوں کے لئے جو الفاظ آئے ہیں ان کا مفہوم	۴۶۰
۳۲۶	دعا کے الفاظ والی صفات کیا نبی میں تھیں؟ (نعوذ باللہ)	۴۶۰
۳۲۷	کیا "تبت یدا أبی لهب" کوسنا ہے؟	۴۶۴
۳۲۸	قرآن کریم میں تحریف کی علامات اور دلائل	۴۶۵

۳۲۹	تفسیرِ قرآن ذاتی مطالعہ سے	۴۷۴
۳۳۰	شرح جامی پڑھنے والے کا تفسیر بیان کرنا	۴۷۵
۳۳۱	ہجر جمیل کیا ہے؟	۴۷۷
۳۳۲	رحمۃ للعالمین کا مؤمنین کے ساتھ قربِ معیت، ایک آیت کی تفسیر بالرائے	۴۷۷
۳۳۳	کفار پر غصہ زیادہ ہے یا مسلمان پر؟	۴۷۸
۳۳۴	تفسیرِ مودودی اور تفسیرِ حقانی اور قرآن فہمی کے لئے مفید تفسیر	۴۷۹
۳۳۵	''اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے گندی چیز منگانا'' اسرائیلیات میں سے ہے	۴۸۰

(تجوید اور ترتیبِ قرآنی کا بیان)

۳۳۶	قرآءاتِ سبعہ بھی منقول ہیں، محدث نہیں	۴۸۱
۳۳۷	حسنِ قرآءت کی محفلوں کا حکم	۴۸۱
۳۳۸	کیا لہجہ سیکھنا حرام ہے؟	۴۸۳
۳۳۹	''وقفِ زعفران'' کا مطلب	۴۸۵
۳۴۰	کیا ہر آیت پر وقف کیا جائے؟	۴۸۶
۳۴۱	سورۂ قدر میں ''امر'' یا ''سلام'' پر وقف	۴۸۶
۳۴۲	تحقیق ''ضاد''	۴۸۷
۳۴۳	''نونِ قطنی'' کے ساتھ نماز	۴۹۱
۳۴۴	معروف ومجہول کا تلفظ	۴۹۲
۳۴۵	بعض آیات میں وارد ہمزات پڑھنے کا طریقہ	۴۹۳
۳۴۶	زیر، زبر، پیش	۴۹۴
۳۴۷	غیر قرآن کو قرآءت کے ساتھ پڑھنا	۴۹۵
۳۴۸	قرآن پاک میں اعراب اور کتبِ حدیث وفقہ کی تدوین	۴۹۵
۳۴۹	حرکات ونقاط قرآن میں کب سے ہیں؟	۴۹۵

۳۵۰	تدبر اور بلا تدبر تلاوت میں فرق	۴۹۶
۳۵۱	جوابِ امر بھی مجزوم ہوتا ہے	۴۹۷
۳۵۲	قرآنِ کریم کی سند	۴۹۷
۳۵۳	قرآنِ کریم کی ترتیبِ عثمانی	۴۹۸
۳۵۴	پارۂ عم کی طباعت خلافِ ترتیب	۴۹۹
۳۵۵	سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے	۵۰۳
۳۵۶	کیا قرآنِ کریم کے چالیس پارے ہیں؟	۵۰۴
۳۵۷	قرآن کریم کے چالیس پارے ماننے والے کا حکم	۵۰۴
۳۵۸	سورۂ فاتحہ کس پارہ کا جز ہے؟	۵۰۵
۳۵۹	کتبِ سماویہ کی زبان	۵۰۶
۳۶۰	غیر عربی میں قرآن کریم لکھنا	۵۰۷
۳۶۱	اردو میں قرآنِ پاک پڑھنا	۵۰۹
۳۶۲	ترجمۂ قرآن بغیر عربی عبارت کے	۵۱۰
۳۶۳	قرآنِ کریم ہندی میں لکھنا	۵۱۰
۳۶۴	اُڑیہ زبان میں قرآن وحدیث کا لکھنا	۵۱۱

(حفظِ قرآن کا بیان)

۳۶۵	حفظِ قرآن اور ختم فرض ہے، یا سنت؟	۵۱۳
۳۶۶	کیا قرآنِ کریم حفظ کرنا مفید نہیں، مضر ہے؟	۵۱۳
۳۶۷	جس کو کلامِ پاک کچا یاد ہو، کیا وہ بھی بخشش کرائے گا؟	۵۱۴
۳۶۸	کیا حافظ کو غیر حافظ پر فوقیت ہے؟	۵۱۵
۳۶۹	بستی میں کوئی حافظ نہیں	۵۱۶
۳۷۰	قرآن شریف بھول جانے پر وعید	۵۱۶
۳۷۱	قرآن پاک حفظ کر کے بھول جانا	۵۱۷

۳۷۲	درجۂ حفظ سے انگریزی تعلیم میں جانا	۵۱۷
	(آدابِ قرآن کا بیان)	
۳۷۳	قرآنِ پاک کو بے وضوء چھونا کیسا ہے؟	۵۲۰
۳۷۴	معلم معذور کا قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ لگانا	۵۲۰
۳۷۵	طلبہ کا بے وضو قرآن پڑھنا	۵۲۱
۳۷۶	بے وضو بچوں کو قرآن کریم دینا	۵۲۲
۳۷۷	ریاحی مریض کے لئے قرآن کا چھونا	۵۲۲
۳۷۸	بلا وضو قرآن کریم لکھنا	۵۲۳
۳۷۹	بلا وضو کتب تفسیر کو ہاتھ لگانا	۵۲۳
۳۸۰	ایضاً	۵۲۴
۳۸۱	بے وضو و غسل کتابیں پڑھنا	۵۲۵
۳۸۲	بے وضو قرآن پاک چھونے اور بے غسل مسجد میں جانے کی توبہ سے معافی	۵۲۵
۳۸۳	حمائل شریف لئے ہوئے بیت الخلاء جانا	۵۲۶
۳۸۴	قرآنِ کریم کی طرف پشت کرنا	۵۲۷
۳۸۵	قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا	۵۲۷
۳۸۶	جس کمرہ میں قرآنِ پاک ہو، اس کمرہ میں بیوی سے ہمبستری کرنا	۵۲۸
۳۸۷	ایک شخص چارپائی پر بیٹھے اور دوسرا شخص نیچے قرآنِ پاک کی تلاوت کرے	۵۲۸
۳۸۸	زینہ کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم پڑھنا	۵۲۹
۳۸۹	کرسی پر بیٹھنا، جب کہ قرآن کریم نیچے رکھا ہو	۵۲۹
۳۹۰	کرسی پر بیٹھ کر تعلیم قرآنِ کریم	۵۳۰
۳۹۱	استاد کرسی پر بیٹھے اور بچے ٹاٹ پر، اس کا کیا حکم ہے؟	۵۳۰
۳۹۲	ٹیچران کا کرسی پر بیٹھنا جب کہ دینی کتب نیچے ہوں	۵۳۱

۳۹۳	قرآنِ پاک کو چومنا	۵۳۲
۳۹۴	تقبیلِ قرآنِ کریم	۵۳۲
۳۹۵	تقبیلِ مصحف	۵۳۳
۳۹۶	قرآنِ کریم کو بغیر تلاوت کے چومنا	۵۳۳
۳۹۷	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا	۵۳۴
۳۹۸	ریشم کا جزدان قرآنِ پاک کے لئے	۵۳۵
۳۹۹	اخبارات میں قرآن پاک کی آیات اور ترجمہ شائع کرنا	۵۳۵
۴۰۰	خط میں ''بسم اللہ'' لکھنا	۵۳۶
۴۰۱	قرآنِ کریم کلینڈر اور اخبار میں چھپوانا	۵۳۷
۴۰۲	خط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو، اس کا ادب	۵۳۸
۴۰۳	جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں، ان کو کیا کیا جائے؟	۵۳۹
۴۰۴	دینی تحریر کی بے ادبی کے خیال سے اس خدمت کو چھوڑ دینا	۵۳۹
۴۰۵	خط لکھنے کے بعد اس کو مٹی سے خشک کرنا	۵۴۰
۴۰۶	دستر خوان، یا مصلی پر آیات یا اسمائے الٰہیہ لکھنا	۵۴۱
۴۰۷	اگر غلطی سے قرآن کریم گر جائے، تو کیا کرے؟	۵۴۲
۴۰۸	بوسیدہ قرآنِ کریم کو کیا کیا جائے؟	۵۴۲
۴۰۹	بوسیدہ قرآنِ کریم کو جلانا	۵۴۳
۴۱۰	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا	۵۴۴
۴۱۱	دفن کے لئے بوسیدہ قرآن کریم کو لپیٹ کر رکھ دینا بے ادبی نہیں	۵۴۵
۴۱۲	قرآنِ کریم کو گراموفون میں بھرنا اور سننا کیسا ہے؟	۵۴۶
۴۱۳	قرآنِ کریم کو گراموفون میں بھرنا اور اس کی تجارت کرنا	۵۴۷
۴۱۴	قرآنِ کریم کی آلاتِ لہو اور ریڈیو میں تلاوت کرنا	۵۴۸
۴۱۵	ریڈیو میں قرآن پاک کا پڑھنا	۵۴۹

۴۱۶	کیسٹ کے ذریعے قرآن پاک پڑھنا....................................	۵۵۰
	(آدابِ تلاوت کا بیان)	
۴۱۷	منبر کے پہلے درجہ پر قرآنِ پاک رکھ کر پڑھنا....................................	۵۵۱
۴۱۸	مجبوراً لیٹے ہوئے تلاوتِ قرآنِ کریم....................................	۵۵۱
۴۱۹	برہنہ سر تلاوت....................................	۵۵۲
۴۲۰	تلاوتِ قرآن کریم بازار میں جہراً اور مسجد میں سراً....................................	۵۵۲
۴۲۱	متعدد لوگوں کا بیک وقت جہراً قرآن پاک پڑھنا....................................	۵۵۳
۴۲۲	چند آدمیوں کا قرآن کریم کو جہراً پڑھنا....................................	۵۵۴
۴۲۳	قرآن خوانی میں قرآن کریم زور سے پڑھنا چاہیے، یا آہستہ سے؟....................................	۵۵۵
۴۲۴	لوگوں کی رعایت میں قرآن سُنوا کر پڑھنا....................................	۵۵۶
۴۲۵	بوقتِ مطالعہ تلاوت کرنا....................................	۵۵۷
۴۲۶	کیا تلاوت کی وجہ سے کسی کے وظیفہ کو روکا جائے؟....................................	۵۵۷
۴۲۷	جلسہ کی ابتداء کلامِ پاک سے....................................	۵۵۸
۴۲۸	سیاسی غیر مسلم ہندوؤں کی آمد پر قرآنِ کریم کی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا افتتاح....................................	۵۶۰
۴۲۹	تلاوت کے وقت سر ہلانا....................................	۵۶۱
۴۳۰	اٹک اٹک کر قرآن شریف پڑھنے والے کا اجر....................................	۵۶۱
۴۳۱	تلاوت کا ثواب زیادہ ہے یا تحیۃ المسجد کا؟....................................	۵۶۲
۴۳۲	دس دفعہ "قل هو الله أحد اهـ" پڑھنے سے جو مکان جنت میں ملے گا، کیا اس میں بیوی بچے بھی ساتھ ہوں گے؟....................................	۵۶۳
۴۳۳	تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر تلاوت کرنا....................................	۵۶۳
۴۳۴	دنیاوی غرض کے لئے ذکر وقرآن پر بھی اجر ہے....................................	۵۶۴
۴۳۵	مصیبت کا علاج قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی رکھنا....................................	۵۶۷
۴۳۶	قرآن کریم کی ہر سطر پر انگلی پھیرنا اور "بسم اللہ" پڑھنا....................................	۵۶۷

۴۳۷	ایک شب میں قرآن کریم ختم کرنا	۵۶۸
۴۳۸	ختمِ قرآن پر دعوت	۵۷۰
۴۳۹	مکان کی تعمیر پر قرآنِ کریم ختم کرنا	۵۷۱
۴۴۰	نابالغ سے ختم کرانا	۵۷۲
۴۴۱	تلاوت کا ثواب پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے	۵۷۳
۴۴۲	قبرستان میں قرآن کریم لے جانا اور پڑھ کر ثواب پہونچانا	۵۷۳
۴۴۳	غیر مسلم کو قرآن پاک کی تعلیم دینا	۵۷۵
۴۴۴	انگریز کو قرآن شریف کی تعلیم دینا	۵۷۵
۴۴۵	غیر مسلم کو قرآن وفقہ کی تعلیم دینا	۵۷۶

(المتفرقات)

۴۴۶	قرآن افضل ہے یا سید؟	۵۷۷
۴۴۷	غلافِ قرآن اور غلافِ کعبہ میں کون افضل ہے؟	۵۷۸
۴۴۸	شیطان قراءتِ قرآن پر قادر نہیں	۵۷۹
۴۴۹	کیا ملائکہ تلاوتِ قرآن کرتے ہیں؟	۵۸۰
۴۵۰	کیا مسلمان قرآن کریم کو نہیں سمجھتا	۵۸۲
۴۵۱	قرآن کریم میں سائنس کی بحث	۵۸۳
۴۵۲	فالنامہ قرآن پاک میں کیوں ہے؟	۵۸۴

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد چہارم

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
	بقیة کتاب العلم	
	باب مایتعلق بالحدیث النبوی	
	(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)	
۲۸	احادیث جمع کرنے کی ممانعت	۱
۳۴	حدیثِ موضوع کی علامت	۲
۳۵	فضائل میں ضعیف روایت پر عمل	۳
۳۶	حدیثِ ضعیف سے استدلال کی شرائط	۴
۳۷	کیا ہر کتاب کی ہر حدیث پر عمل کیا جائے؟	۵
۳۷	بے پڑھے حدیث کا حوالہ دینا	۶
۳۸	حدیث کی روایتیں ''عن'' سے ہیں ''من'' سے کیوں نہیں؟	۷
۳۹	ایک واقعہ سن کر اس میں شک پھر معلوم ہوا کہ حدیث ہے، اب کیا کرے؟	۸

۹	ایک صیغہ چالیس دفعہ پڑھنے سے چہل حدیث کا ثواب	۳۹
۱۰	درخت کے جڑوں سمیت آنے والے معجزہ سے متعلق روایت کی تحقیق	۴۰
۱۱	غروب کے بعد سورج کے لوٹ آنے کی روایت	۴۱
۱۲	حدیثِ معراج اور قلبِ ماہیت	۴۳
۱۳	شقِ صدر کے متعلق روایت کی تحقیق	۴۴
۱۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سات سال کی عمر میں اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں حدیث کی تحقیق	۴۵
۱۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے چپت مارنے کی روایت	۴۵
۱۶	چند احادیث: "علماء أمتي" الخ، "اختلاف أمتي" الخ، "النكاح من سنتي، فمن رغب" الخ، اور "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ركعة البتيرة" کی تحقیق	۴۶
۱۷	حدیثِ قضاء عمری	۴۸
۱۸	تعمیرِ کعبہ کے وقت برہنہ ہوجانے کی روایت	۴۹
۱۹	حدیثِ قرطاس	۵۰
۲۰	کعبہ کو توڑنا اور حرم میں کافر کے داخل ہونے سے متعلق چند حدیثوں میں تعارض	۵۱
۲۱	غزوۂ خندق کے وقت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ	۵۱
۲۲	فضائلِ رجب کی احادیث	۵۳
۲۳	ہفتِ ہیکل کی فضیلت کی روایت	۵۵
۲۴	خضاب سے متعلق چند احادیث	۵۶
۲۵	کھڑے ہوکر پانی پینے، چلتے ہوئے کھانے کی احادیث میں رفعِ تعارض	۵۷
۲۶	ابن ماجہ کی ایک روایت کا معنی اور ترجمۃ الباب سے مطابقت	۵۹
۲۷	کتاب "دین ودنیا" کی ایک حدیث کی تحقیق	۶۰
۲۸	کیا کاشتکار ہمیشہ محتاج رہتا ہے؟ اور زراعت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق	۶۰

۲۹	کالے کپڑے والوں سے متعلق حدیث	۶۲
۳۰	ثوابِ تلاوت سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق	۶۲
۳۱	چاروں ''قل'' پڑھنے کی روایت	۶۳
۳۲	جنت کے پھل میں سے حور نکلنا کیا حدیث ہے؟	۶۴
۳۳	جنت کی قیمت ادا کرکے سونے کی روایت	۶۵
۳۴	سوتے وقت کے اعمال کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت	۶۵
۳۵	جس کا روپیہ برباد کرنا ہو اس کے دل میں تعمیر کا شوق، ایک حدیث کی تحقیق	۶۷
۳۶	نجد میں فتنوں اور زلازل سے متعلق چند اَحادیث	۶۸
۳۷	زلزلہ کے اسباب، حدیث اور قولِ فلاسفہ میں تعارض	۷۲
۳۸	کیا زمین بیل کے سینگ پر ہے؟	۷۲
۳۹	عصر کے بعد مطالعہ کے متعلق حدیث کی تحقیق	۷۴
۴۰	حدیث میں لفظ ''جعظری'' کی تشریح	۷۵
۴۱	گناہ معاف ہونے کی ایک روایت	۷۶
۴۲	توبہ سے متعلق ایک روایت کی تحقیق	۷۷
۴۳	استغفار سے متعلق روایت	۷۷
۴۴	''من استغفر للمؤمنين والمؤمنات'' حدیث کی تشریح	۷۸
۴۵	تحقیق ''أحدث''	۷۸
۴۶	''من أحدث في أمرنا هذا'' الحدیث کا مطلب	۷۹
۴۷	''أول ماخلق الله نوری''	۸۰
۴۸	''أول ماخلق الله نوری'' اور ''أول ماخلق الله القلم''	۸۱
۴۹	ایضاً	۸۱
۵۰	حدیث: ''لولاک لما خلقت الأفلاک'' اور ''أنا من نور الله'' کی تحقیق	۸۲

۵۱	"لولاک لماخلقت الأفلاک"، "لولاک لماأظهرت الربوبية"، "علماء أمتی کأنبیاء بنی إسرائیل" اور "أناأحمد بلامیم، وأنا عرب بلاعین" کی تحقیق........	۸۳
۵۲	حدیث "لولاک لما خلقت الأفلاک"	۸۴
۵۳	"أنا أحمد" الخ، کیاحدیث ہے؟........	۸۵
۵۴	حدیث: "کنت کنزاً مخفیاً" کی تحقیق........	۸۵
۵۵	"کنت کنزاً مخفیا" الحدیث	۸۶
۵۶	"کنت نبیاً وآدم اھ" پراشکال........	۸۸
۵۷	"لیس منی، ولست منه" کامطلب........	۸۹
۵۸	"لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین" کی تحقیق........	۸۹
۵۹	"جزی اللّٰہ عنها بما هو أهله" کی فضیلت........	۹۱
۶۰	"إن للقرآن ظهراً وبطناً"	۹۱
۶۱	"طلب العلم فریضة علی کل مسلم" کی تشریح........	۹۲
۶۲	"من صلی خلف عالم تقی" کس کتاب میں ہے؟........	۹۲
۶۳	"لاطاعة فی المعصیة" کی ترکیب نحوی........	۹۳
۶۴	حدیث: "من تزیا بغیر زیّه" الخ کی تحقیق........	۹۳
۶۵	"من قال: لاإله إلا الله، دخل الجنة" کامطلب........	۹۴
۶۶	"من قال: لاإله إلا الله"	۹۵
۶۷	"صاحب الورد وتارک الورد" الحدیث........	۹۵
۶۸	"نم کنومة العروس" پراشکال........	۹۶
۶۹	"طعام المیت یمیت القلب" حدیث نہیں........	۹۷
۷۰	نکاح کے بعد "اللّٰهم ألِّف بینهما کماألّفتَ بین یوسف وزلیخا علیهما السلام" کی تحقیق	۹۸
۷۱	حدیث "من أحی سنتی" الخ کاحوالہ........	۹۹

۷۲	حدیث "من تمسک بسنّتی "الخ کا حوالہ..	۹۹
۷۳	"لموقف ساعة فی سبیل اللہ" کی تحقیق..	۱۰۰
۷۴	"النکاح من سنتی" اور "من رغب عن سنتی" کیا یہ ایک حدیث ہے؟..	۱۰۰
۷۵	"کل طویل" اور "کل قصیر" حدیث کی تحقیق..	۱۰۰
۷۶	حدیث میں دعائے برکت کے الفاظ..	۱۰۱
۷۷	حرمت سے قبل شراب پینے کی روایت..	۱۰۲
۷۸	شہید اور جس کا پہلے انتقال ہوا، ان میں افضل کون ہے؟ حدیث کی تحقیق..	۱۰۳
۷۹	لیلۃ القدر کی تعیین کی فراموشی کی روایت..	۱۰۴
۸۰	قلیل وقت میں کثیر عبادات، ایک روایت پر اشکال کا جواب..	۱۰۵

فصل فی متفرقات الحدیث

۸۱	محدث کی تعریف..	۱۰۷
۸۲	حدیث شریف کا ادب..	۱۰۷
۸۳	حدیث کے لئے وضو..	۱۰۸
۸۴	ننگے سر حدیث شریف پڑھنا..	۱۰۹

باب الکتب المعتمدة وغیرها

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

۸۵	چند کتب معتبرہ وغیر معتبرہ..	۱۱۰
۸۶	چند مفید وغیر مفید کتابوں کے نام..	۱۱۰
۸۷	کتاب "دو اسلام" کا مطالعہ..	۱۱۱
۸۸	"بلاغ المبین"..	۱۱۲
۸۹	مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کی کتابیں..	۱۱۲
۹۰	"تقویة الإیمان" و "تذکرة الإخوان" کی شان..	۱۱۳

۹۱	''تقوية الإيمان''، ''ارواحِ ثلاثہ'' اور ''الشهاب الثاقب'' کا حوالہ دینا............	۱۱۴
۹۲	''حفظ الإيمان''، ''تقوية الإيمان'' اور ''صراطِ مستقيم'' کس کی تصنیف ہیں؟........	۱۱۵
۹۳	''توضيح البيان في عبارة حفظ الإيمان''	۱۱۵
۹۴	''بہشتی زیور'' اور ''تقوية الإيمان'' کیسی کتابیں ہیں؟............	۱۱۸
۹۵	''بہشتی زیور''	۱۱۹
۹۶	''رکن الدین'' اور ''بہشتی زیور'' میں کون سی کتاب معتبر ہے؟............	۱۱۹
۹۷	''رکن الدین'' کی اصلاح............	۱۲۰
۹۸	''انوار الأتقیاء'' کا حال............	۱۲۱
۹۹	''فقہ اوزاعی''	۱۲۲
۱۰۰	امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ............	۱۲۳
۱۰۱	''فتاویٰ عالمگیری'' کو غیر مستند کہنا............	۱۲۴
۱۰۲	ذکرِ شہادت کی کتابیں............	۱۲۵
۱۰۳	''جنگ نامہ محمد حنیف'' وغیرہ............	۱۲۶
۱۰۴	''مناجاتِ مقبول'' اور ''حزب الاعظم'' میں فرق............	۱۲۶
۱۰۵	کیا ''قدوری'' کا درجہ ''صحاح ستہ'' سے بڑھا ہوا ہے؟............	۱۲۷
۱۰۶	''موطاء''، ''کتبِ حدیث اور ''قدوری'' وغیرہ کتبِ فقہ میں صحیح قابلِ عمل کون ہے؟............	۱۲۹
۱۰۷	''کتبِ صحاح''	۱۳۰
۱۰۸	صحاحِ ستہ اور معتبر وغیر معتبر کتب............	۱۳۰
۱۰۹	صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث............	۱۳۱
۱۱۰	صحاحِ ستہ پر اعتماد نہ کرنا............	۱۳۲
۱۱۱	''فرمانِ مصطفوی'' نام کا پرچہ اور طبع شدہ پرچہ کی نقل............	۱۳۳
۱۱۲	شیخ احمد نامی کے خواب سے متعلق طبع شدہ پرچہ کی تحقیق، پرچہ کی نقل	۱۳۵
۱۱۳	''هما''، ''هدى'' وغیرہ کا دیکھنا............	۱۳۹

۱۱۴	مسئلۂ تقدیر پر کون سی کتاب ہے؟	۱۴۰
۱۱۵	ردِ شیعہ اور ردِ اہل ہنود میں کون سی کتاب معتبر ہے؟	۱۴۰
۱۱۶	اہلِ حق اور بریلوی کے متفقہ مسائل کی اشاعت	۱۴۱
۱۱۷	صلہ رحمی اور اس کے حدود پر کتاب کی ضرورت	۱۴۲
۱۱۸	دینی معلومات کے لئے کون سی کتاب معتبر ہے؟	۱۴۳
۱۱۹	غیر عالم کا مسائل بتانا اور چند معتبر کتابیں	۱۴۴
۱۲۰	"عین الهداية"	۱۴۵
۱۲۱	ناسخ ومنسوخ سے متعلق کتابیں	۱۴۵
۱۲۲	اہلِ فرنگ کی رد کے لئے کتابیں اور توریت وانجیل کی زبان	۱۴۶
۱۲۳	"تاریخِ ابن خلدون" کا حال	۱۴۷
۱۲۴	کیا "تاریخ الخلفاء" مستند کتاب ہے؟	۱۴۷
۱۲۵	کتاب "آزرجندی" کی حقیقت	۱۴۸
۱۲۶	ضروری مستند مسائل کی اشاعت	۱۴۹
۱۲۷	بوسیدہ کتب کا حکم	۱۴۹

باب في تذكرة الرجال

(رجال کا بیان)

۱۲۸	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو مرجئہ کہنے والا	۱۵۲
۱۲۹	امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ پر گمراہ ہونے کا الزام	۱۵۳
۱۳۰	عبدالرحمٰن قاری کا حال	۱۵۴
۱۳۱	کیا امام بخاری، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں؟	۱۵۵
۱۳۲	سحبان الہند	۱۵۶
۱۳۳	پالن حقانی	۱۵۶

۱۳۴	محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق تفصیل	۱۵۹
۱۳۵	محمد بن عبدالوہاب نجدی	۱۶۴
۱۳۶	اورنگزیب عالمگیر کو ولد الحرام کہنا	۱۶۵
۱۳۷	علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور مولانا اسماعیل شہید رحمہما اللہ تعالیٰ	۱۶۵
۱۳۸	علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کی سازش	۱۶۷
۱۳۹	حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا جواب	۱۷۱
۱۴۰	اعلیٰ حضرت کی فصاحت	۱۷۵

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

۱۴۱	زمین متحرک ہے یا ساکن؟	۱۷۷
۱۴۲	کیا چاند، سورج آسمان میں ہیں؟	۱۷۸
۱۴۳	چاند، سورج کہاں ہیں؟	۱۷۹
۱۴۴	چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں؟	۱۷۹
۱۴۵	قیامت میں بعد حساب چاند، سورج کہاں رہیں گے؟	۱۸۰
۱۴۶	چاند پر پہونچ جانا	۱۸۱
۱۴۷	خلائی سفر، چاند پر پہونچ جانا	۱۸۱
۱۴۸	کیا چاند کے اوپر پہونچ جانا کوئی کمال ہے؟	۱۸۴
۱۴۹	ستارے، بروج اور چاند تک پہنچنا	۱۸۵
۱۵۰	چاند پر نشان کیسا ہے؟	۱۸۹
۱۵۱	چاند کے اوپر اور زمین کے نیچے آبادی	۱۹۱
۱۵۲	کہکشاں	۱۹۲
۱۵۳	ماہِ عروج کی ابتداء وانتہاء	۱۹۲

۱۵۴	ماہ ثابت، یا ذوالحجہ	۱۹۲
۱۵۵	محکمہ موسمیات کے فلکیاتی اعلانات	۱۹۳
۱۵۶	دفینہ معلوم کرنے کا طریقہ	۱۹۳
۱۵۷	سات زمینوں کا پتہ	۱۹۴

باب التبليغ

(تبلیغ کا بیان)

۱۵۸	موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت	۱۹۷
۱۵۹	مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت	۲۰۱
۱۶۰	تبلیغ کب تک فرض تھی	۲۰۳
۱۶۱	کیا تبلیغ فرض ہے؟	۲۰۳
۱۶۲	کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟	۲۰۵
۱۶۳	کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرضِ عین ہے؟	۲۰۸
۱۶۴	کیا تبلیغ میں نکلنا فرض ہے؟	۲۰۸
۱۶۵	کیا تبلیغ ہر شخص کے ذمہ واجب ہے؟	۲۱۰
۱۶۶	تبلیغ مستحب ہے یا فرض؟	۲۱۲
۱۶۷	تبلیغی جماعت کی حیثیت	۲۱۳
۱۶۸	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تبلیغ کرنا	۲۱۴
۱۶۹	تبلیغی جماعت میں تقریر کی حیثیت	۲۱۵
۱۷۰	مسجد سے باہر تبلیغی تقریر	۲۱۶
۱۷۱	ایک تبلیغی کی تقریر کہ: ’’نبوت ختم، کارِ نبوت باقی‘‘	۲۱۷
۱۷۲	کیا نصرت مدینہ طیبہ سے ہوئی، وہیں سے دین پھیلا، مکہ مکرمہ سے نہیں	۲۱۸
۱۷۳	تبلیغی چلہ کا حکم	۲۲۲

۱۷۴	تبلیغی چلہ وغیرہ کا ماخذ	۲۲۳
۱۷۵	تبلیغ پہلے گھر میں، پھر باہر	۲۲۸
۱۷۶	نماز کے فوراً بعد تبلیغ	۲۲۹
۱۷۷	تبلیغ کا صحیح طریقہ	۲۳۱
۱۷۸	تبلیغ بھی دین سیکھنے کا ذریعہ ہے	۲۳۱
۱۷۹	تبلیغی جماعت میں دین سیکھنا	۲۳۵
۱۸۰	تعلیم وتبلیغ کی ضرورت	۲۳۶
۱۸۱	کیا تبلیغ تعلیم سے افضل ہے؟	۲۴۰
۱۸۲	مدارس اور تبلیغی کام	۲۴۱
۱۸۳	تبلیغی جماعت کا تعلق اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے	۲۴۳
۱۸۴	امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تبلیغ کرنا	۲۴۶
۱۸۵	تبلیغی جماعت کے نقائص	۲۴۷
۱۸۶	تبلیغی جماعت کی کوتاہی اور اس کا علاج	۲۵۱
۱۸۷	والد کی مرضی کے بغیر تبلیغ میں جانا	۲۵۴
۱۸۸	ایضاً	۲۵۴
۱۸۹	ایضاً	۲۵۴
۱۹۰	تبلیغی گشت میں ناپاک اور مشتبہ کپڑے والوں کو نماز کے لئے کہنا	۲۵۵
۱۹۱	نماز کے لئے زبردستی کرنا	۲۵۹
۱۹۲	بغیر انتظامِ اہل وعیال تبلیغی چلہ میں نکلنا	۲۶۱
۱۹۳	قرض لے کر بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا	۲۶۲
۱۹۴	بچوں کے خرچے کا انتظام کئے بغیر تبلیغ میں نکل جانا	۲۶۳
۱۹۵	عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا	۲۶۳
۱۹۶	عورتوں کے لئے تبلیغی سفر	۲۶۵

۱۹۷	عورتوں کی تبلیغ	۲۶۶
۱۹۸	عورتوں کے لئے تبلیغی اجتماع	۲۶۷
۱۹۹	عورتوں کا اجتماع اور تقریر	۲۶۸
۲۰۰	عورتوں کی اجتماعات میں شرکت	۲۷۰
۲۰۱	عورتوں کی تبلیغ اور نظم ترنم سے پڑھنا	۲۷۱
۲۰۲	صرف عورتوں کی مجلس میں وعظ کے بجائے کتابی تعلیم مناسب ہے	۲۷۲
۲۰۳	تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا	۲۷۲
۲۰۴	تبلیغی پروگرام کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنا	۲۷۳
۲۰۵	تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۷۴
۲۰۶	تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور جوابات	۲۷۵
۲۰۷	تبلیغی جماعت پر اعتراض	۲۷۷
۲۰۸	مرتکب منہیات کا تبلیغ کرنا	۲۷۹
۱۰۹	تبلیغی جماعت سے متعلق اہلِ بدعت کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا ازالہ	۲۸۰
۲۱۰	تبلیغی جماعتوں اور کتابوں پر اعتراضات کے جوابات	۲۸۳
۲۱۱	تبلیغی جماعت والے کیا وہابی ہیں؟	۲۸۶
۲۱۲	چلہ کے فوائد	۲۸۸
۲۱۳	ایک تبلیغی کی تقریر کہ: ''مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب الہامی نبی تھے''	۲۹۰
۲۱۴	مولانا علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراضات	۲۹۱
۲۱۵	مستقل قوم کا مطلب	۲۹۶
۲۱۶	تبلیغ کا ثواب	۲۹۹
۲۱۷	تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ	۳۰۰
۲۱۸	تبلیغ میں ایک قدم پر سات لاکھ کا ثواب	۳۰۱
۲۱۹	تبلیغ میں ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ	۳۰۲

۲۲۰	کیا تبلیغی جماعت کے ساتھ جانا جہاد ہے؟	۳۰۲
۲۲۱	تبلیغی جماعت سے مولانا احتشام الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف، جہاد فی سبیل اللہ کی تشریح	۳۰۳
۲۲۲	سیدی ومولائی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا مکتوبِ گرامی، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے نام	۳۱۲
۲۲۳	کتابی تعلیم شروع ہونے کے بعد آنے والے نمازیوں کی پریشانی کا حل	۳۱۶
۲۲۴	کتابی تعلیم میں مسبوق حضرات کا خیال	۳۱۷
۲۲۵	جماعت سے پہلے حدیث کی کتاب سنانا	۳۱۹
۲۲۶	جمعہ سے پہلے اور فجر کے بعد مسجد میں کتاب سنانا	۳۱۹
۲۲۷	نمازیوں کی فراغت سے پہلے جہراً کتاب پڑھنا	۳۲۰
۲۲۸	کیا روزانہ تعلیم حدیث کے خلاف نہیں؟	۳۲۱
۲۲۹	اجتماع سے سامان بچ گیا، اس کا کیا کیا جائے؟	۳۲۲
۲۳۰	تبلیغ ومدرسہ کی رقم کا مصرف	۳۲۲
۲۳۱	تبلیغی اجتماع میں کھانے کی قیمت بغیر وزن کے مقرر کرنا	۳۲۳
۲۳۲	مسجد کی چٹائی تبلیغی اجتماع میں لے جانا	۳۲۴
۲۳۳	تبلیغی جماعت کو دُرّہ رکھنا	۳۲۴
۲۳۴	امتحان میں کامیابی پر تبلیغی جماعت میں وقت لگانا	۳۲۵
۲۳۵	جماعت میں نکل کر دوسرے کام میں مشغول ہونا	۳۲۶
۲۳۶	ایک تبلیغی کی تقریر کہ ''مشورہ وحی کا بدل ہے''	۳۲۷
۲۳۷	علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض	۳۲۸

مایتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

۲۳۸	کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا	۳۲۹

۲۳۹	وعظ میں خطاب کا طریقہ	۳۲۹
۲۴۰	بے عمل واعظ کا حکم	۳۳۰
۲۴۱	بے عمل کا وعظ کہنا اور چھوٹے بھائی کا اس کو ٹوکنا	۳۳۱
۲۴۲	اپنی نصیحت پر خود عمل	۳۳۲
۲۴۳	غیر عالم کا تقریر کرنا	۳۳۳
۲۴۴	غیر تعلیم یافتہ شخص کی تقریر	۳۳۴
۲۴۵	وعظ کہہ کر چندہ مانگنا	۳۳۴
۲۴۶	تقریر میں سونے والوں کو جگانا	۳۳۴
۲۴۷	مقرر کو نبی پر قیاس کرنا	۳۳۵
۲۴۸	تقریر یا تحریر کے ختم پر ’’واللہ تعالیٰ اعلم‘‘	۳۳۵
۲۴۹	وعظ سنتے وقت وظیفہ میں مشغول ہونا	۳۳۶
۲۵۰	بغیر سامعین کے لاؤڈ اسپیکر پر وعظ کہنا	۳۳۶
۲۵۱	وعظ ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر سے	۳۳۷

كتاب السلوك والإحسان

۲۵۲	ولی کی تعریف اور ایک پیر کے حالات	۳۳۸
۲۵۳	نبی اور ولی میں فرق، کیا ولی سے عبادت ساقط ہوتی ہے؟	۳۴۱
۲۵۴	مجدد کے شرائط	۳۴۳
۲۵۵	تحقیقِ مجدد	۳۴۴
۲۵۶	مجدد کون ہے؟	۳۴۶
۲۵۷	تجدیدِ دین کی حقیقت	۳۴۹
۲۵۸	کیا انتقال کے بعد غوث اپنے مرتبہ پر قائم رہتا ہے؟	۳۴۹
۲۵۹	کیا منصور ولی تھے؟	۳۵۰

مایتعلق بصفات الشیخ وأهمية التزكية

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

۲۶۰	شیخِ طریقت کے اوصاف	۳۵۱
۲۶۱	کیا اولیاء بھی معصوم ہوتے ہیں؟	۳۵۲
۲۶۲	کامل بزرگ کی پہچان	۳۵۲
۲۶۳	پیر کیسا ہونا چاہیے؟	۳۵۳
۲۶۴	پیر کے شرائط یعنی پیر کیسا ہونا چاہیے؟	۳۵۴
۲۶۵	پیر کیسا ہونا چاہیے اور مرید ہونے کا حکم	۳۵۷
۲۶۶	بیعت کیسے شخص سے ہونا چاہیے؟	۳۵۸
۲۶۷	ایضاً	۳۵۹
۲۶۸	کیا زانی ولی ہوسکتا ہے؟	۳۶۰
۲۶۹	تارکِ فرائض شخص سے بیعت	۳۶۰
۲۷۰	مرتکبِ کبیرہ پیر کا حکم	۳۶۱
۲۷۱	مرتکب کبائر پیر سے بیعت	۳۶۳
۲۷۲	غیر متبع سے بیعت ہونا	۳۶۶
۲۷۳	اولیائے کرام کو ''ایرے غیرے نتھو خیرے'' کہنا ہرگز درست نہیں	۳۶۸

مایتعلق بسلاسل الصوفية واصطلاحاتهم

(صوفیاء کے سلاسل اور اصطلاحات)

۲۷۴	تصوف کے چار سلسلے	۳۷۰
۲۷۵	سلاسلِ صوفیہ کی انتہاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیوں ہے؟	۳۷۱
۲۷۶	اختلاف کے باوجود چاروں سلسلوں میں بیعت واجازت کی وجہ	۳۷۲
۲۷۷	طرقِ نقشبندیہ کی تحقیق	۳۷۳

۲۷۸	شریعت، معرفت، طریقت اور حقیقت کیا ہیں؟	۳۸۲
۲۷۹	شریعت وطریقت میں فرق	۳۸۳
۲۸۰	کیا حقیقت اور شریعت الگ الگ ہے؟	۳۸۴
۲۸۱	طریقِ توبہ	۳۸۵
۲۸۲	تصورِ شیخ	۳۸۶
۲۸۳	نماز میں پیر صاحب کا تصور	۳۸۶
۲۸۴	فقراء کے رموز کا حکم	۳۸۷

مایتعلق بالاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

۲۸۵	شرائطِ خلافت	۳۸۹
۲۸۶	خلافت کسے کہتے ہیں؟	۳۹۰
۲۸۷	آستانۂ شیخ کی تولیت	۳۹۱
۲۸۸	دوسرے کے مرید کو اجازت دینا	۳۹۱
۲۸۹	شیخ کی طرف سے اجازت وبیعت	۳۹۲
۲۹۰	بغیر اجازت وخلافت کے بیعت کرنا	۳۹۲
۲۹۱	دوسرے پیر سے خلافت قبول کرنا	۳۹۳
۲۹۲	اپنے مرشد کی طرف سے اجازت دینا	۳۹۴
۲۹۳	ایضاً	۳۹۴
۲۹۴	ایضاً	۳۹۵
۲۹۵	حاجی صاحب کے پیر اور خلفاء	۳۹۵
۲۹۶	کیا خلافت دینے کے لئے مرید ہونا ضروری ہے؟	۳۹۶
۲۹۷	شیخ کا نافرمان کیا سجادہ نشین بننے کا مستحق ہے؟	۳۹۶

۲۹۸	پیر بھائی کو اجازت وخلافت	۳۹۷
۲۹۹	حضرت خواجہ اجمیری کا چور کو قطب بنادینا	۳۹۸

مایتعلق بالبیعۃ

(بیعت کا بیان)

۳۰۰	قرآن وحدیث سے بیعت کا ثبوت	۳۹۹
۳۰۱	پیر یا ولی کی ضرورت	۴۰۲
۳۰۲	مقاصدِ بیعت	۴۰۲
۳۰۳	کیا بیعت کے بغیر کامل اصلاح نہیں ہوسکتی؟	۴۰۳
۳۰۴	کیا شیخ صالح کے ہاتھ پر بیعت ضروری ہے؟	۴۰۴
۳۰۵	کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟	۴۰۵
۳۰۶	ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا	۴۰۵
۳۰۷	وفاتِ پیر کے بعد دوسرے پیر کی طرف رجوع	۴۰۶
۳۰۸	ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے بیعت کرنا	۴۰۷
۳۰۹	متعدد مشائخ سے بیعت	۴۰۸
۳۱۰	کیا محض عقیدت کی بناء پر کسی کو مرید کہا جاسکتا ہے؟	۴۰۹
۳۱۱	حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدین میں کیا مولوی احمد رضا بھی ہیں؟	۴۱۰
۳۱۲	بیعت کے بعد پھر ارتکابِ معاصی	۴۱۱
۳۱۳	کیا مرید اور شاگرد میں فرق ہے؟	۴۱۲
۳۱۴	حکمِ بیعت	۴۱۳
۳۱۵	بیعت کا حکم	۴۱۴
۳۱۶	عورتوں کو ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا	۴۱۵
۳۱۷	نامحرم کا ہاتھ پکڑ کر مرید کرنا	۴۱۶

۳۱۸	عورت کا مرید کرنا	۴۱۶
۳۱۹	عورت سے بیعت	۴۱۷
۳۲۰	اخلاق بلا عبادت اور عبادت بلا اخلاق کا تقابل	۴۱۸
۳۲۱	"نخلع ونترک من یفجرک" پر عمل کی صورت	۴۲۱

مایتعلق بمجالس الصوفیة وأذکارھم

(صوفیاء کی مجالس اور ان کے وظائف کا بیان)

۳۲۲	ایک پیر صاحب کے وظیفے	۴۲۳
۳۲۳	کیا بزرگوں سے رہبانیت ثابت ہے؟	۴۲۴
۳۲۴	ذکر کے لئے اجتماع	۴۲۶
۳۲۵	ذکر جہری کا ثبوت	۴۲۸
۳۲۶	فجر کے بعد ہواخوری افضل ہے، یا اوراد ووظائف؟	۴۳۰
۳۲۷	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ذکر جہری کی ممانعت	۴۳۱
۳۲۸	ذکر بالجہر	۴۳۴
۳۲۹	ذکر اللہ کا طریقہ	۴۳۴
۳۳۰	کلمہ طیبہ کا مخصوص مقدار میں پڑھنا	۴۳۵
۳۳۱	ذکر بالجہر والجماعة	۴۳۷
۳۳۲	آواز ملا کر ذکر بالجہر کرنا	۴۴۲
۳۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے عمل	۴۴۴
۳۳۴	پے درپے مصائب کا علاج ذکر واستغفار ہے	۴۴۴
۳۳۵	حال وجد	۴۴۶
۳۳۶	محاسبہ	۴۴۶
۳۳۷	مجلسِ سماع	۴۴۷
۳۳۸	قوالی	۴۴۸

۳۳۹	ایضاً	۴۵۱
۳۴۰	قوالی اور خنزیر کھانے کی حرمت میں فرق	۴۵۲
۳۴۱	غناء پر استدلال اور اس کا جواب	۴۵۴
۳۴۲	قوالی اور پختہ قبر	۴۵۶

منکرات المتصوفة

(جاہل صوفیاء کے منکرات)

۳۴۳	پیر کا نام بطورِ وظیفہ پڑھنا اور مرید سے نذرانہ لینا	۴۵۷
۳۴۴	پیر نذرانہ لیتا ہے، مرید کی اصلاح نہیں کرتا	۴۵۷
۳۴۵	مریدوں سے ہدیہ لینا	۴۵۹
۳۴۶	ایک پیر صاحب کے حالاتِ تصوف	۴۵۹
۳۴۷	پیر کا بخشش کروانا	۴۶۱
۳۴۸	ایک پیر کے مخلوط حالات	۴۶۲
۳۴۹	ایک پیر صاحب کے خلافِ شرع حالات	۴۶۴
۳۵۰	اپنے پیر پر جھوٹا مقدمہ چلانا	۴۶۵
۳۵۱	بزرگوں کے اس عمل کا اتباع جو کتاب وسنت کے خلاف ہے	۴۶۷
۳۵۲	کلامِ مشائخ میں خلافِ شرع بات ہو تو کیا کیا جائے؟	۴۶۹
۳۵۳	فقیری جماعت میں داخل کرنے کے لئے تمام جسم پر استرہ پھیرنا	۴۷۱

کتاب السیر والتاریخ

باب فی شمائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(شمائلِ نبوی کا بیان)

۳۵۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں	۴۷۳

۳۵۵	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی عیب نہیں	۴۷۴
۳۵۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان	۴۷۵
۳۵۷	مہر نبوت اور جسمِ اطہر پر مکھی نہیں بیٹھی	۴۷۶
۳۵۸	کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟	۴۷۷
۳۵۹	معراج سے واپسی براق پر ہوئی	۴۷۸
۳۶۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ کی حرمت کی تفصیل	۴۷۹
۳۶۱	حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ	۴۸۰
۳۶۲	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو قتل کیا؟	۴۸۲
۳۶۳	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۹۰/ سال تھی؟	۴۸۳
۳۶۴	عصا ہاتھ میں رکھنا سنت ہے	۴۸۴
۳۶۵	قدمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۴۸۴
۳۶۶	قیلولہ اور کھانے کا معمول	۴۸۵
۳۶۷	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس رنگ کا لباس پسند تھا؟	۴۸۶
۳۶۸	پیراہن مبارک کی لمبائی اور چوڑائی	۴۸۷
۳۶۹	نعلین شریفین کیسے تھے؟	۴۸۸
۳۷۰	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیزہ کا طول وعرض	۴۸۸
۳۷۱	بغل مبارک میں بال نہیں تھے	۴۸۹
۳۷۲	ناک شریف میں بال نہیں تھے	۴۹۰
۳۷۳	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استرے سے بالوں کی صفائی	۴۹۰
۳۷۴	رخسار مبارک پر بال	۴۹۰
۳۷۵	کیا کسی وقت ننگے سر رہنے کا معمول تھا؟	۴۹۱
۳۷۶	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گدھے پر سواری فرمانا	۴۹۱
۳۷۷	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم کا خون پاک ہے	۴۹۳

۳۷۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بول کا پینا	۴۹۴
۳۷۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیشاب پاک ہے	۴۹۵
۳۸۰	فضلاتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طہارت	۴۹۸
۳۸۱	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایلچی کا لفظ	۴۹۹
۳۸۲	آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاحبزادی کو دفن کرنے کے لئے ایسے شخص کا تجویز فرمانا جس نے رات کو صحبت نہ کی ہو	۵۰۰
۳۸۳	پتھر میں اسمِ مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدرتی طور پر نکلا، تو اس کو کیا کیا جائے؟	۵۰۱
۳۸۴	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف کے لئے ہر زبان میں نعت کہنا جائز ہے	۵۰۲

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاء، تاریخ کی روشنی میں)

۳۸۵	حضرت آدم علیہ السلام کا مرد ہونا اور حضرت حوا کا عورت ہونا کیا دنیا میں آکر ہوا، یا جنت میں؟	۵۰۴
۳۸۶	قبرِ آدم علیہ السلام	۵۰۵
۳۸۷	حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی قبریں کہاں ہیں؟	۵۰۵
۳۸۸	حضرت آدم علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے؟	۵۰۷
۳۸۹	حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بائیں پسلی سے	۵۰۷
۳۹۰	حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنے پر چالیس روز تک رونا	۵۰۸
۳۹۱	سفینۂ نوح میں کتنے آدمی تھے؟	۵۰۸
۳۹۲	انگشتریٔ حضرت سلیمان علیہ السلام	۵۰۹
۳۹۳	حضرت یونس علیہ السلام کا تحت الثریٰ تک پہونچنا	۵۱۰
۳۹۴	حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام	۵۱۱
۳۹۵	زلیخا کی تحقیق	۵۱۱
۳۹۶	کیا زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی تھی؟	۵۱۲

۳۹۷	حضرت ہاجرہ اور سارہ رضی اللہ عنہا کیا ایک ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی تھیں؟........	۵۱۲
۳۹۸	ختنہ کی ابتداء اور مصلحت........	۵۱۳
۳۹۹	ختنہ کی ابتداء، کون نبی مختون پیدا ہوئے؟........	۵۱۴
۴۰۰	ختنہ کا طریقہ کس زمانہ سے ایجاد ہوا؟........	۵۱۶
۴۰۱	ہاروت وماروت اور زہرہ........	۵۱۷
۴۰۲	اول غلاف کعبہ کس نے دیا؟........	۵۱۸
	(عہدِ صحابہ تاریخ کی روشنی میں)	
۴۰۳	فتحِ بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس چیز پر سوار تھے........	۵۱۹
۴۰۴	اصحابِ صفہ کون تھے؟........	۵۱۹
۴۰۵	خلفائے اربعہ کی ازواجِ مطہرات اور امہات........	۵۲۰
۴۰۶	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویوں کا حال، ان کے کل کتنے نکاح ہوئے؟........	۵۲۱
۴۰۷	کیا حضرت حلیمہ نے اسلام قبول کیا؟........	۵۲۳
۴۰۸	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدفن........	۵۲۳
۴۰۹	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد........	۵۲۵
۴۱۰	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا........	۵۲۵
۴۱۱	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویاں........	۵۲۶
۴۱۲	کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن میں کوئی وعدہ کیا تھا؟........	۵۲۷
۴۱۳	وفاتِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت کسی خلیفہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ........	۵۲۷
۴۱۴	بچہ کے انتقال پر اہلیہ کا اپنے شوہر کو مطلع نہ کرنا........	۵۲۸
۴۱۵	ابوطالب کا ایمان لانا........	۵۲۹
۴۱۶	ابوجہل کا باپ........	۵۳۰
۴۱۷	کیا دجال کی پنڈلی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کا زخم ہے؟........	۵۳۰
۴۱۸	ابوجہل سے اپنے غلام کا حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق سوال........	۵۳۱

۴۱۹	ابولہب کے بیٹوں کے نام	۵۳۲
۴۲۰	کیا حاتم طائی اور نوشیرواں ایمان لائے؟	۵۳۳
۴۲۱	سنِ ہجری اور عیسوی کی ابتداء	۵۳۵
۴۲۲	سب سے پہلا شہید	۵۳۵
۴۲۳	شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۳۵
۴۲۴	بیوی کو غسلِ میت کی وصیت	۵۳۷
۴۲۵	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات، مدفن اور نمازِ جنازہ کی تحقیق	۵۴۰
۴۲۶	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات	۵۴۰
۴۲۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مدفن معلوم نہ ہونے کی حکمت	۵۴۱
۴۲۸	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن	۵۴۲
۴۲۹	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کا مدفن	۵۴۲
۴۳۰	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کہاں مدفون ہیں؟	۵۴۲
۴۳۱	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل کس نے دیا؟	۵۴۳
۴۳۲	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مدفن	۵۴۳

(عہدِ تابعین تاریخ کی روشنی میں)

۴۳۳	محمد بن الحنفیہ کا حال	۵۴۶
۴۳۴	محمد بن الحنفیہ کی تحقیق	۵۴۷
۴۳۵	محمد بن حنفیہ کی نسبت	۵۴۸
۴۳۶	یزید کی نسل	۵۴۹
۴۳۷	کیا یزید نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا تھا؟	۵۵۰
۴۳۸	مروان کا مدینہ سے اخراج، پھر واپسی	۵۵۰
۴۳۹	کیا حضرت حسن بصری صحابی ہیں؟	۵۵۱
۴۴۰	حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا سنِ پیدائش	۵۵۱

۴۴۱	امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عشاء کے وضو سے فجر کی نماز	۵۵۲
۴۴۲	امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا منصور کے خلاف کا واقعہ	۵۵۳
۴۴۳	کیا کعبہ حضرت رابعہ کے استقبال کو گیا تھا؟	۵۵۳
۴۴۴	شہر بانو بنتِ یزدجرد کا ایمان	۵۵۴

(تاریخِ ہند)

۴۴۵	کیا سب سے پہلے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان آئے؟	۵۵۵
۴۴۶	خواجہ اجمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد	۵۵۵
۴۴۷	بانی جامع مسجد دہلی	۵۵۶
۴۴۸	کیا صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیوی کو جلا دیا تھا؟	۵۵۶
۴۴۹	قیامِ دار العلوم ومظاہر علوم کی تاریخ	۵۵۷
۴۵۰	مولانا اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین	۵۵۸
۴۵۱	جمعیۃ العلماء کا جھنڈا	۵۵۸
۴۵۲	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سند	۵۶۲
۴۵۳	کیا اعلیٰ حضرت خان صاحب نے دار العلوم میں پڑھا ہے؟	۵۶۲
۴۵۴	اردو کس نے ایجاد کی؟	۵۶۳
۴۵۵	شیخ صدیقی، شیخ فاروقی اور مغل پٹھان کی نسل	۵۶۴
۴۵۶	خاندانی شرافت	۵۶۵

كتاب السياسة والهجرة

۴۵۷	مذہب اسلام میں سیاست اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں توضیح	۵۶۶
۴۵۸	علماء کے لئے سیاست میں شرکت	۵۶۸
۴۵۹	سیاست میں حصہ لینا	۵۶۹
۴۶۰	پاکستان میں اسلامی قانون	۵۶۹

۴۶۱	جائز قانونِ حکومت کی پابندی	۵۷۰

(امامت اور خلافت کا بیان)

۴۶۲	امارتِ شرعیہ	۵۷۱
۴۶۳	امیر المومنین	۵۷۶
۴۶۴	امارتِ شرعیہ کے مقابلہ میں ادارۂ شرعیہ	۵۷۸
۴۶۵	عورت کی خلافت وامامت	۵۸۱
۴۶۶	عورت کو قاضی بنانا	۵۹۶
۴۶۷	چودھریوں کی حکومت	۵۹۶
۴۶۸	بے علم صدر کا قاضی کی مدد سے فیصلہ کرنا	۵۹۸
۴۶۹	ایضاً	۵۹۸

(جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان)

۴۷۰	جمہوریت	۶۰۰
۴۷۱	جمہوریت اور مشاورت	۶۰۱
۴۷۲	کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟	۶۰۳
۴۷۳	جمعیۃ العلماء میں شرکت	۶۰۴
۴۷۴	کیا ہر جماعت کا جھنڈا اسلامی جھنڈا ہے؟	۶۰۴
۴۷۵	مسلم تنظیم میں کسی غیر مسلم کی شرکت	۶۰۵
۴۷۶	پارٹی بازی سے بچنے کی ترکیب	۶۰۷
۴۷۷	شریعت سے ناواقف لوگوں کی کمیٹی اور اس کا حکم	۶۰۷
۴۷۸	ایسی پنچایت میں شرکت جس کے قوانین غیر شرعی ہوں	۶۰۸
۴۷۹	تفریق بین المسلمین	۶۰۹
۴۸۰	ایضاً	۶۰۹
۴۸۱	برادری کی جماعت کی مخالفت کرنا	۶۱۰

۴۸۰	پنچایت کے خلاف کرنا	۶۱۱
۴۸۱	مطالبہ منوانے کے لئے بھوک ہڑتال	۶۱۴
۴۸۲	ہڑتال کے موقع پر پتلہ جلانا	۶۱۷
۴۸۳	بلوائیوں سے بھاگنا	۶۱۷

(انتخابات کی شرعی حیثیت)

۴۸۴	ووٹ کا حکم	۶۱۸
۴۸۵	ووٹ کس کو دیا جائے؟	۶۱۸
۴۸۶	شیعہ کو ووٹ دینا	۶۱۹
۴۸۷	پارلیمنٹ کے ووٹ کی بنیاد	۶۲۰

(دارالاسلام، دارالحرب اوردارالہجرۃ کا بیان)

۴۸۸	دارالحرب	۶۲۱
۴۸۹	دارالحرب اور دارالاسلام	۶۲۱
۴۹۰	کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟	۶۲۴
۴۹۱	دارالحرب، دارالاسلام، انگریزی حکومت، کانگریسی حکومت، جمعہ وعیدین اور ہجرت	۶۲۶
۴۹۲	دارالحرب، ہجرت، حفاظتِ اہل وعیال	۶۳۷
۴۹۳	ہجرت	۶۴۳
۴۹۴	مسئلۂ ہجرت	۶۴۴
۴۹۵	ظلم کی حالت میں ہجرت	۶۴۷
۴۹۶	ہندوستان سے ہجرت	۶۴۸
۴۹۷	ہندوستان کے کافر حربی ہیں یا ذمی؟ جان بلب حربی کے منہ میں پانی ٹپکانا	۶۵۰

متفرقات

۴۸۹	یورپی تہذیب اور اسلام کی ترقی	۶۵۲

۴۹۹	کیا برما کی لڑائی جہاد ہے؟	۲۵۳
۵۰۰	جہاد کے جھنڈے کا رنگ	۲۵۴
۵۰۱	صدرِ جمہوریہ کا استقبال	۲۵۶

کتاب تعبیر الرؤیا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

۵۰۲	خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''میرے ساتھ کھانا کھانا''	۲۵۸
۵۰۳	خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبلیغی جماعت کے ساتھ دیکھنا	۲۵۹
۵۰۴	خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر زخم دیکھنا	۲۵۹
۵۰۵	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹی کی زیارت	۲۶۱
۵۰۶	خواب میں مولانا فخر الدین صاحب کا ختمِ بخاری شریف کرانا	۲۶۱
۵۰۷	باپ دادا کو خواب میں دیکھنا	۲۶۲
۵۰۸	خواب میں داڑھی صاف کرا دینا	۲۶۲
۵۰۹	خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی کو دونوں ہاتھوں سے درست کرنا	۲۶۳
۵۱۰	خواب میں وضوء کرتے وقت امام نے سلام پھیر دیا	۲۶۳
۵۱۱	ایضاً	۲۶۴
۵۱۲	خواب میں اذان پڑھنا	۲۶۴
۵۱۳	''ھذا من فضل ربی'' خواب کی تعبیر	۲۶۵
۵۱۴	بدعات کے لئے خواب سے استدلال	۲۶۶
۵۱۵	چرن سنگھ کو خواب میں اسلام کی دعوت	۲۶۷
۵۱۶	خواب میں بارانِ رحمت	۲۶۸
۵۱۷	خواب میں انگور دیکھنا	۲۶۸
۵۱۸	خواب میں درخت کا گرنا دیکھنا	۲۶۸

۵۱۹	کئی چاند خواب میں دیکھنا	۶۶۹
۵۲۰	خواب میں دودھ دیکھنا	۶۶۹
۵۲۱	خواب میں گوشت دیکھنا	۶۶۹
۵۲۲	خواب میں گائے کا گوشت دیکھنا	۶۷۰
۵۲۳	خواب میں ایک اونٹ کھول کر لے جانا	۶۷۱
۵۲۴	خواب میں جوتی گم ہونے کی تعبیر	۶۷۱
۵۲۵	خواب میں حالتِ موت میں اپنا منہ کھلا دیکھنا	۶۷۲
۵۲۶	خواب اور اس کی تعبیر	۶۷۳
۵۲۷	خواب میں مینار دیکھنا	۶۷۳
۵۲۸	خواب میں سانپ کو مارنا	۶۷۴
۵۲۹	خواب میں خنزیر دیکھنا	۶۷۴
۵۳۰	خواب میں مُردوں کو دیکھنا	۶۷۵
۵۳۱	مرحومین کی کوئی بات خواب میں معلوم ہونے پر یقین	۶۷۶
۵۳۲	موت کے لئے خواب میں ایک جگہ کو دیکھنا	۶۷۷
۵۳۳	خواب میں مُردہ کو برہنہ دیکھنا	۶۷۸

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد پنجم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الطهارة	
	باب الوضوء	
	الفصل الأول فی فرائض الوضوء	
	(فرائضِ وضو کا بیان)	
۱	مقطوع الیدین کیسے وضو کرے؟	۴۰
۲	پالش ناخن پر لگی رہ جائے تو وضو کا حکم	۴۱
۳	وضو میں داڑھی، مونچھ اور بھوؤں کے نیچے کھال کا دھونا	۴۲
۴	وضو میں داڑھی کا دھونا اور خلال کرنا	۴۲
۵	کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم	۴۳
۶	وضو میں مسح بھول جائے تو کیا کرے؟	۴۴

۷	مسح کے لئے مائے جدید کا لینا	۴۴
۸	پیر پر مسح کی صورت	۴۵

الفصل الثانی فی سنن الوضوء

(سننِ وضو کا بیان)

۹	مسواک کا حکم	۴۷
۱۰	مسواک کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟	۴۷
۱۱	مسواک کتنی موٹی ہونی چاہیے؟	۴۸
۱۲	بانس کی تیچی سے مسواک کا حکم	۴۸
۱۳	عورتوں کے لئے مسواک	۴۹
۱۴	کھڑے ہوکر مسواک کرنا	۴۹
۱۵	ڈاڑھی میں خلال کا طریقہ	۵۰
۱۶	وضو کرتے وقت انگلیوں میں خلال کب کرے؟	۵۰
۱۷	پورے سر اور کانوں کا مسح سنتِ موکدہ ہے	۵۰
۱۸	مسحِ رأس کے وقت چھوٹی انگلی کان میں ڈالنا	۵۱
۱۹	پیروں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ	۵۲
۲۰	کیا وضو کی سنت چھوٹنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے؟	۵۲
۲۱	پاؤں دھونے کا مسنون طریقہ	۵۳

الفصل الثالث فی مستحبات الوضوء وآدابہ

(مستحباتِ وضو وآداب کا بیان)

۲۲	وضو کے لئے کتنا پانی چاہیے؟	۵۴
۲۳	وضو کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعا مانگنا	۵۵

۲۴	وضوعلی الوضوکونورٌعلی نور کب کہا جائے گا؟	۵۵
۲۵	وضوکا بچاہواپانی	۵۶
۲۶	وضوکے پانی کوکپڑوں سے پونچھنا	۵۷
۲۷	وضوکے بعدمنہ پونچھنا	۵۸
۲۸	لوٹے میں ہاتھ ڈال کراس سے وضوکرنا	۵۸

الفصل الرابع فی مکروهات الوضوء

(مکروہاتِ وضوکابیان)

۲۹	وضوکرتے ہوئے سلام کاجواب	۵۹
۳۰	وضوکرتے وقت سلام یابات کرنا	۵۹

الفصل الخامس فی نواقض الوضوء

(نواقضِ وضوکابیان)

۳۱	وضوکرتے ہوئے حدث ہوجائے	۶۰
۳۲	درمیان وضوناقضِ وضوکاتحقق ہونے سے وضوکاحکم	۶۰
۳۳	کھجلی کے دانوں کے پانی کاحکم	۶۱
۳۴	خروجِ ریح ناقضِ وضوکیوں ہے؟	۶۲
۳۵	ریح کااخراج بہیئتِ سجدہ	۶۳
۳۶	کس کس سہارے سونے سے وضوٹوٹتاہے؟	۶۳
۳۷	ناک کی ریزش سے وضو	۶۵
۳۸	کان سے نکلاہواگنداپانی ناقضِ وضوہے	۶۵
۳۹	کیاشراب ناقضِ وضوہے؟	۶۶
۴۰	گالی دیناناقضِ وضونہیں	۶۸

۴۱	تاش ناقضِ وضونہیں............	۶۸
۴۲	محض سوزش ناقضِ وضو ہے یانہیں؟............	۶۹
۴۳	انجکشن سے خون لینا کیا ناقضِ وضو ہے؟............	۶۹
۴۴	پنڈلی، سینہ وغیرہ سے خون نکلنا............	۷۰
۴۵	سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقضِ وضو ہے............	۷۱
۴۶	جو پانی ناپاک نکلے، وہ ناقضِ وضو ہے............	۷۱
۴۷	عورت کی فرج سے رطوبت نکلے اور وہاں کپڑا رکھ لیا جائے............	۷۲
۴۸	نزلہ، زکام کے قطرات نجس نہیں............	۷۳
۴۹	نماز میں قہقہہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے............	۷۳
۵۰	بچہ کا پاخانہ صاف کرنا ناقضِ وضونہیں............	۷۴

الفصل السادس فی متفرقات الوضوء

۵۱	وضوکرتے وقت اور بیت الخلاء میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم............	۷۵
۵۲	وضو میں پیر کھڑے ہوکر دھونا............	۷۶
۵۳	پیر کی انگلی اور انگوٹھے سے مسواک پکڑنا............	۷۶
۵۴	وضو کے بعد لوٹا سیدھا رکھا جائے، یا اوندھا؟............	۷۷

باب الغسل

الفصل الأول فی فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

۵۵	غسل میں غرارہ کا حکم............	۷۸
۵۶	کیا غسل میں ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے؟............	۷۹

۵۷	غسل میں سر پر پانی ڈالنا نقصان دے تو مسح کرنا درست ہے یا نہیں؟	۷۹
۵۸	ناخن پر سرخی جم جائے، تو کیا حکم ہے؟	۸۰
۵۹	ڈاڑھ میں چاندی بھرنا مانعِ غسل ہے یا نہیں؟	۸۰
۶۰	ایضاً	۸۱
۶۱	دانت پر خول اور غسل کا حکم	۸۱
۶۲	ایضاً	۸۲
۶۳	ڈاڑھ میں مسالہ بھرا ہوا ہو تو غسل کا حکم	۸۳
۶۴	ڈلی دانت میں رہتے ہوئے غسل کا حکم	۸۳
۶۵	غسلِ جنابت میں مصنوعی دانتوں کا حکم	۸۴

الفصل الثانی فی مستحبات الغسل

(مستحباتِ غسل کا بیان)

۶۶	غسل کے لئے پانی کی مقدار	۸۵
۶۷	غسل کے لئے کتنا پانی چاہیے؟	۸۶
۶۸	غسل میں عورتوں کا چوٹی کھولنا	۸۷
۶۹	غسلِ جنابت سے پہلے وضو کرنا ضروری نہیں	۸۸

الفصل الثالث فی آداب الغسل

(آدابِ غسل کا بیان)

۷۰	غسل خانہ میں برہنہ شخص دعائیں پڑھے یا نہیں؟	۸۹
۷۱	غسل کے وقت دعاء پڑھنا	۸۹
۷۲	غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا	۹۰
۷۳	غسل خانہ میں ننگے ہو کر غسل کرنا	۹۱

۷۴	برہنہ ہوکر غسل کرنا	۹۱
۷۵	غسل خانہ میں برہنہ ہوکر غسل کرنا	۹۲
۷۶	لنگی کے ساتھ غسل کرنا احوط ہے	۹۲
۷۷	برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنا	۹۳
۷۸	برہنہ غسل پھر وہیں وضو	۹۳
۷۹	غسل میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا	۹۴
۸۰	غسل خانہ میں پیشاب کرنا	۹۵

الفصل الرابع فی موجبات الغسل

(موجباتِ غسل کا بیان)

۸۱	سوکر اٹھنے والا لیس دار مادہ دیکھے، تو کیا غسل واجب ہے؟	۹۶
۸۲	منی کے کود کر نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۹۶
۸۳	عورت کی منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۹۷
۸۴	دھات اور منی نکلنے سے غسل کا حکم	۹۸
۸۵	بدن دبوانے سے خروجِ مادہ اور وجوبِ غسل	۹۹
۸۶	غسلِ جنابت کے بعد فرجِ عورت سے منی نکلے، تو کیا دوبارہ غسل واجب ہوگا؟	۹۹
۸۷	عضو پر تری کا وجود موجبِ غسل ہے یا نہیں؟	۱۰۰
۸۸	احتلام کے بعد بغیر پیشاب کے غسل کرنا	۱۰۲
۸۹	ران پر ذکر کو رگڑنے سے غسل واجب نہیں ہوتا	۱۰۲
۹۰	ریزش اور خیزش بغیر لذت کے موجبِ غسل نہیں	۱۰۳
۹۱	بلا ارادہ انزال ہوجانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟	۱۰۴
۹۲	بغیر شہوت کے خروجِ منی سے غسل کا حکم	۱۰۴
۹۳	جلق موجبِ غسل اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟	۱۰۶

۹۴	آب دست سے غسل واجب نہیں ہوتا....................................	۱۰۶
۹۵	منی نکلنے کے کچھ دیر بعد دوبارہ منی نکلے تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟....................	۱۰۶
۹۶	زنا کے بعد غسل کتنی مرتبہ واجب ہے؟....................................	۱۰۸
۹۷	دھوبن کی لڑکی سے صحبت کر کے کیا کبھی پاک نہیں ہوگا؟....................	۱۰۸
۹۸	کیا چند بار جماع کر کے ایک غسل کافی ہے؟....................................	۱۰۹
۹۹	شوہر یا بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا....................	۱۱۰
۱۰۰	حیض کے ایام میں بیوی سے وطی کرنے کے بعد کیا دو غسل ضروری ہیں، یا ایک ہی کافی ہے؟.	۱۱۰
۱۰۱	سفر میں غسلِ جنابت....................................	۱۱۲

الفصل الخامس فی أحکام الجنابة

(جنابت کے احکام کا بیان)

۱۰۲	حالتِ جنابت کا پسینہ....................................	۱۱۳
۱۰۳	بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا....................................	۱۱۳
۱۰۴	غسلِ جنابت میں تاخیر کرنا اور کھانا پینا....................................	۱۱۴
۱۰۵	جنبی کا جھوٹا کھانا پینا....................................	۱۱۵
۱۰۶	بحالتِ جنابت ناخن اور بال ترشوانا....................................	۱۱۵
۱۰۷	بلا غسلِ عضو دوبارہ جماع کرنا....................................	۱۱۶

باب المیاہ

الفصل الأول فی الماء الطاهر والنجس

(پاک اور ناپاک پانی کا بیان)

۱۰۸	مائے مستعمل....................................	۱۲۰
۱۰۹	مائے مستعمل کسے کہتے ہیں؟....................................	۱۲۲

۱۱۰	مائے مستعمل کے قطروں کا جسم یا کپڑوں پر گرنا........................	۱۲۵
۱۱۱	مائے مستعمل کا حکم........................	۱۲۶
۱۱۲	جنبی اور حائضہ کے استعمال شدہ پانی کا حکم........................	۱۲۶
۱۱۳	عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا........................	۱۲۷
۱۱۴	ریل گاڑی کے بیت الخلاء کے پانی کا حکم........................	۱۲۸
۱۱۵	بارش کا پانی پرنالہ میں روک کر اس سے وضو کرنا........................	۱۲۸
۱۱۶	دوا سے رنگ اور مزہ تبدیل ہونے والے پانی کا حکم........................	۱۲۹
۱۱۷	جس پانی کے اوصاف بدل گئے ہوں اس سے وضو........................	۱۲۹
۱۱۸	دودھ، چھاچھ، شوربہ سے وضو........................	۱۳۱
۱۱۹	اعضائے وضو پر تری کے ساتھ مصلیٰ پر جانا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غسالہ........................	۱۳۲
۱۲۰	برکت کے لئے آبِ زمزم سے بدن اور کپڑے دھونا........................	۱۳۳
۱۲۱	دریائے جہلم کے پانی کا حکم........................	۱۳۴
۱۲۲	گنگا، جمنا کا پانی........................	۱۳۴
۱۲۳	ٹیوب ویل کا پانی مائے جاری ہے........................	۱۳۴
۱۲۴	نل کا پانی کیا مائے جاری ہے؟........................	۱۳۵
۱۲۵	جس جگہ سے بال اکھڑے ہوں، اس کا حکم اور ان بالوں کا حکم........................	۱۳۶

الفصل الثانی فی البیر وغیرها

(کنویں کے احکام)

۱۲۶	کنویں کا پانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں پاک ہے........................	۱۳۸
۱۲۷	ناپاک کنوں کے ٹکڑے کنویں میں ڈالنے سے کنویں کا پانی پاک رہتا ہے یا نہیں؟........................	۱۳۸
۱۲۸	ناپاک کنویں میں ڈول ڈالنے سے ڈول ناپاک ہوجائے گا........................	۱۳۹
۱۲۹	ناپاک کنواں غیر مسلموں کے پانی نکالنے سے پاک ہوگا یا نہیں؟........................	۱۴۱

۱۳۰	بالٹی میں ناپاک کپڑے دھوکر بغیر پاک کئے کنویں میں بالٹی ڈال دی	۱۴۱
۱۳۱	گوبر لیپے ہوئے حصۂ زمین پر مٹکا پانی کا رکھا، پھراس کو کنویں میں ڈال دیا	۱۴۲
۱۳۲	چشمہ دار کنویں کو کس طرح پاک کیا جائے؟	۱۴۳
۱۳۳	غیر مسلم کے کنویں میں کوئی گر کر مر گیا، اس کے پاک کرنے کی صورت	۱۴۵
۱۳۴	بچہ کنویں میں گر گیا اور اس پر ناپاکی نہیں تھی	۱۴۶
۱۳۵	کیا کنویں میں غیر مسلم کے اترنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے	۱۴۶
۱۳۶	کنویں میں جنبی شخص کے اترنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے یانہیں؟	۱۴۷
۱۳۷	سور (خنزیر) کنویں میں گرا، اس کے پانی کا حکم	۱۴۹
۱۳۸	دو یا تین مرغ کنویں میں گر گئے، کتنے ڈول پانی نکالا جائے؟	۱۵۰
۱۳۹	چوہا کنویں میں پھول گیا، اس سے کھانا پکایا گیا	۱۵۰
۱۴۰	چھپکلی کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟	۱۵۱
۱۴۱	گرگٹ اور چھپکلی گر جائے، تو کیا حکم ہے؟	۱۵۱
۱۴۲	چھچھوندر کے گرنے، مرنے اور کھال کے پھٹنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے	۱۵۴
۱۴۳	چوہا حمام میں سے ملا	۱۵۴
۱۴۴	کنویں میں کسی جانور کے مر کر سڑ جانے سے پانی کے پاک کرنے کا طریقہ	۱۵۵
۱۴۵	گوریا (چڑیا) کی بیٹ پانی میں گر جائے	۱۵۶
۱۴۶	کنویں میں گوبر ڈالا، پھر روزانہ اس کا پانی استعمال ہوتا رہا، کیا وہ پاک ہوگا؟	۱۵۷
۱۴۷	گیلا گوبر کنویں میں ڈالا گیا، اس کا حکم	۱۵۷
۱۴۸	کنویں میں چپل، جوتا، یا گیند گر جائے، اس کے پانی کا حکم	۱۵۹
۱۴۹	جوتا کنویں میں گر گیا	۱۵۹
۱۵۰	جس کنویں سے جوتا نکلا، اس کے پانی کا حکم	۱۶۰
۱۵۱	گہرے کنویں میں غسل کرنے سے کنواں پاک ہے یانہیں؟	۱۶۱
۱۵۲	غسلِ جنابت کرتے وقت قطرہ کنویں میں گر گیا	۱۶۲

۱۵۳ جس کنویں میں مستعمل پانی اندر جائے، اس سے وضوء وغیرہ کا حکم ۱۶۲
۱۵۴ کنویں کے قریب نجاست ہو، اس کا اثر کتنی دور تک ہوتا ہے؟ ۱۶۳
۱۵۵ شک سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا ۱۶۴
۱۵۶ چاول وغیرہ پرستش کردہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا ۱۶۵
۱۵۷ دیوبند کے ایک فتوے کا حوالہ ۱۶۶
۱۵۸ کنویں کا پانی زیادہ ہونے کی ترکیب ۱۶۶
۱۵۹ زیرِ زمین ٹنکی کا حکم ۱۶۶

الفصل الثالث فی الحوض

(حوض کے احکام کا بیان)

۱۶۰ حوض کی گہرائی اور چوڑائی ۱۶۸
۱۶۱ حوض کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ۱۶۸
۱۶۲ ایضاً ۱۶۹
۱۶۳ دہ دردہ اور مقدارِ ذراع ۱۷۰
۱۶۴ حوض کی پیمائش ۱۷۱
۱۶۵ دس بیگہ تالاب میں غسل وغیرہ ۱۷۲
۱۶۶ ہندوستانی مسجد کے حوض سے وضو ۱۷۲
۱۶۷ حوض میں کلی، مسواک، پیر دھونا ۱۷۳
۱۶۸ حوض میں پیر ڈال کر دھونا ۱۷۴
۱۶۹ کتا حوض میں گر گیا تو کیا حوض ناپاک ہوگیا ۱۷۴
۱۷۰ حوض کا پانی بذریعۂ نل بیت الخلاء کے لئے ۱۷۵
۱۷۱ کیا استنجا کئے بغیر گڈھے میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہوگا؟ ۱۷۵
۱۷۲ جوہڑ کے پانی کا حکم ۱۷۶

باب التیمم

(تیمّم کے احکام کا بیان)

۱۷۳	مرض کی وجہ سے تیمّم	۱۷۷
۱۷۴	غسل پر قدرت نہ ہوتو تیمّم کرلے	۱۷۸
۱۷۵	بیماری کے وہم کی بناء پر تیمّم	۱۷۸
۱۷۶	غسل مضر ہو، وضو مضر نہ ہوتو تیمّم کا حکم	۱۸۰
۱۷۷	سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمّم کرنا	۱۸۰
۱۷۸	سخت سردی میں بجائے غسل کے تیمّم کا حکم	۱۸۱
۱۷۹	تیمّم اس حالت میں کہ پانی ٹھنڈا یا گرم نقصان دے	۱۸۲
۱۸۰	مسجد سے نکلنے کے لئے تیمّم	۱۸۲
۱۸۱	تنگیٔ وقت کی وجہ سے کیا تیمّم درست ہے؟	۱۸۳
۱۸۲	تنگیٔ وقت کی وجہ سے غسل کا تیمّم	۱۸۴
۱۸۳	تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کرنا	۱۸۴
۱۸۴	ایضاً	۱۸۵
۱۸۵	کیا تیمّم میں استیعاب فرض ہے؟	۱۸۶
۱۸۶	تیمّم میں ہاتھوں پر مسح کرنے کا طریقہ	۱۸۷
۱۸۷	پانی کتنا دور ہوتو تیمّم درست ہوگا؟	۱۸۷
۱۸۸	پانی نہ ہو، یا ناکافی ہوتو جُنب کیا کرے؟	۱۸۸
۱۸۹	تہجد کے وقت بجائے تیمّم کے گرم پانی سے وضو کرکے نمازِ فرض ادا کرے	۱۸۹
۱۹۰	کیا تیمّم کے لئے بھی کپڑے سے نجاست دور کرنا ضروری ہے؟	۱۸۹
۱۹۱	تیمّم سے بدن پر لگی ہوئی نجاست پاک نہیں ہوتی	۱۹۰

۱۹۲	پانی مضر ہونے کی صورت میں اجازتِ جماع اور تیمم کا حکم	۱۹۰
۱۹۳	زیادتی مرض کی وجہ سے اور مسجد کی دیوار سے تیمم	۱۹۱
۱۹۴	مسجد کی دیوار سے تیمم	۱۹۲
۱۹۵	ڈھیلے کا اثر ہاتھ پر نہ آئے تب بھی تیمم درست ہے	۱۹۲

باب المسح علی الخفین والجوربین

(موزے اور جرابوں پر مسح کا بیان)

۱۹۶	اونی، سوتی اور منعل جرابوں پر مسح	۱۹۳
۱۹۷	موزوں پر مسح کرنا	۱۹۴
۱۹۸	نائلون کے موزے پر مسح کا حکم	۱۹۵
۱۹۹	ایضاً	۱۹۵
۲۰۰	کس طرح کے موزے پر مسح درست ہے؟	۱۹۶

باب الحیض والنفاس وأحکام المعذور

الفصل الأول فی الحیض والنفاس والاستحاضة

(حیض ونفاس اور استحاضہ کا بیان)

۲۰۱	حیض کی اقلِ مدت	۱۹۸
۲۰۲	طہرِ متخلل	۱۹۹
۲۰۳	اسقاط کے بعد خون حیض ہے یا نہیں؟	۱۹۹
۲۰۴	عورت کے حق میں دن ۲۴/ گھنٹے کا ہے	۲۰۰
۲۰۵	عورت آئسہ کب ہوتی ہے؟	۲۰۱
۲۰۶	حالتِ حیض میں غلط فہمی سے صحبت کی سزا	۲۰۲

۲۰۷	حائضہ سے انتفاع کی صورت	۲۰۳
۲۰۸	حائضہ کے ساتھ مضاجعت	۲۰۳
۲۰۹	بوقتِ ضرورت مباشرتِ حائضہ اور غلبۂ شہوت سے استمناء	۲۰۴
۲۱۰	مباشرتِ حائضہ	۲۰۵
۲۱۱	حالتِ حیض میں وطی	۲۰۶
۲۱۲	حالتِ حمل میں وطی	۲۰۷
۲۱۳	حالتِ حیض میں استمتاع	۲۰۷
۲۱۴	حائضہ عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کیسا ہے؟	۲۰۸
۲۱۵	حائضہ ونفساء کا بستر سے الگ رہنا اور رکوع کی حالت میں پائخانہ، پیشاب کرنا	۲۰۸
۲۱۶	ایامِ حیض میں مناجاتِ مقبول کا پڑھنا	۲۰۹
۲۱۷	بچہ کی ولادت پر نفاس نہیں آیا، کیا پھر بھی غسل واجب ہے؟	۲۱۰
۲۱۸	استحاضہ میں مہینہ کے کن دنوں کو حیض شمار کرے اور کن کو طہر؟	۲۱۰
۲۱۹	حیض کا بے وقت آنا	۲۱۲

الفصل الثاني في أحكام المعذورين

(معذور کے احکام کا بیان)

۲۲۰	معذور کی تعریف اور اس کا حکم	۲۱۳
۲۲۱	معذور کا غسل اور اس کی امامت	۲۱۴
۲۲۲	سلسل البول کا حکم	۲۱۵
۲۲۳	پیشاب کے بعد جس کو قطرہ آتا رہتا ہو، وہ کب معذور ہے؟	۲۱۶
۲۲۴	جس کی منی برابر نکلتی رہتی ہو، اس کا حکم	۲۱۷
۲۲۵	پیشاب کے بعد قطرہ کا آنا	۲۱۷
۲۲۶	پیشاب کے بعد قطرہ آنے سے وضو کا حکم	۲۱۸

۲۲۷	تقاطرِ بول کا حکم	۲۱۹
۲۲۸	قطرہ خارج ہونے کا شبہ ہوتو وضو برقرار رہے گا یا نہیں؟	۲۲۰
۲۲۹	کبھی قطرے آجائیں اور کبھی نہیں تو کیا کیا جائے؟	۲۲۱
۲۳۰	اگر قطرہ کا احتمال ہوتو کیا کرے؟	۲۲۱
۲۳۱	قطرہ آنے کے بعد کیا عضو دھونا لازم ہے؟	۲۲۲
۲۳۲	جس عورت کو سیلان الرحم ہو، اس کے وضو کی صورت	۲۲۳
۲۳۳	سیلان الرحم کا حکم	۲۲۴
۲۳۴	کیا کثیر الاحتلام معذور ہے؟	۲۲۵

باب الأنجاس

الفصل الأول فی الأنجاس وتطهیرها

(نجاست اور اس سے پاکی کا بیان)

۲۳۵	دودھ پینے والے بچوں کا پیشاب	۲۲۷
۲۳۶	دودھ پیتے بچہ کی قے کا حکم	۲۲۷
۲۳۷	دودھ میں چوہا گر کر تیرنے لگا	۲۲۸
۲۳۸	چوہے کی مینگنی پکے ہوئے چاول میں ملی، اس کا حکم	۲۲۹
۲۳۹	چوہے کی مینگنی کھانے میں	۲۲۹
۲۴۰	تیل، دودھ، دہی میں مینگنی کا حکم	۲۳۰
۲۴۱	چمار کا دوہا ہوا دودھ پاک ہے یا ناپاک؟	۲۳۰
۲۴۲	شیرہ سے کتے نے چاٹ لیا تو اس کا حکم	۲۳۱
۲۴۳	ناپاک شیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۳۲
۲۴۴	سوکھا کتا پاک ہے یا ناپاک؟	۲۳۳

۲۴۵	کیا گاہتے وقت بیل کا غلہ پر پیشاب کرنے سے غلہ ناپاک ہوجائے گا؟....................	۲۳۳
۲۴۶	نجس پانی سے پکی ہوئی روٹی یا دال کا حکم....................	۲۳۴
۲۴۷	چوہا کنویں میں پھول گیا، اس سے کھانا پکایا گیا....................	۲۳۴
۲۴۸	کنویں کے ناپاک پانی آنے سے حمام کو پاک کرنے کا طریقہ....................	۲۳۵
۲۴۹	اُپلوں سے روٹی پکانا....................	۲۳۶
۲۵۰	راستوں کے کیچڑ کا حکم....................	۲۳۷
۲۵۱	کافر کا جھوٹا پانی پینا....................	۲۳۷
۲۵۲	استنجا کی چھینٹ کا حکم....................	۲۳۸
۲۵۳	منی وغیرہ کو ڈھیلے سے پاک کرنا....................	۲۳۸
۲۵۴	ناپاک انگلی کو چاٹنے سے پاکی کا حکم....................	۲۳۹
۲۵۵	ناپاک شہد کے پاک کرنے کا طریقہ....................	۲۴۰
۲۵۶	کیا چرم دباغت کے بعد بھیگ جانے سے دوبارہ نجس ہوگی؟....................	۲۴۱
۲۵۷	صابن کو شبہ کی وجہ سے ناپاک نہیں کہا جائے گا....................	۲۴۱
۲۵۸	معدہ سے نکلنے والی چیز نجس ہے....................	۲۴۲
۲۵۹	سونف وغیرہ پاک کرنے کا طریقہ....................	۲۴۳
۲۶۰	مائے مستعمل سے ازالۂ نجاست....................	۲۴۳
۲۶۱	اشکال برجوابِ مذکورہ....................	۲۴۴
۲۶۲	مٹی کا تیل، پٹرول پاک ہے یا نہیں؟....................	۲۴۵
۲۶۳	پٹرول کا حکم....................	۲۴۶
۲۶۴	پٹرول سے کپڑا پاک کرنا....................	۲۴۶
۲۶۵	جو کپڑا پٹرول سے دھویا، اس کا حکم....................	۲۴۷
۲۶۶	کپڑا، پٹرول سے دھلوانا....................	۲۴۸

الفصل الثانی فی تطہیر الثوب

(کپڑا پاک کرنے کا بیان)

۲۶۷	کپڑے پر ہولی کا رنگ لگ جائے، وہ پاک ہے یا نہیں؟	۲۴۹
۲۶۸	کپڑا دھونے کے بعد اگر رنگ نکلے تو کیا کیا جائے؟	۲۵۰
۲۶۹	قبل الغسل، بعد الغسل ناپاک چھینٹ جسم پر پڑ جائے، اس کا دھونا ضروری ہے	۲۵۰
۲۷۰	زمین پر بیٹھ کر وضو کرنے سے جو چھینٹیں کپڑے پر پڑیں، تو وہ کپڑا پاک ہے	۲۵۱
۲۷۱	ناپاک کپڑے کی چھینٹ	۲۵۱
۲۷۲	کپڑے پر ناپاک چھینٹیں پڑ گئیں	۲۵۲
۲۷۳	وضو کی چھینٹ کا حکم	۲۵۳
۲۷۴	ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۵۳
۲۷۵	پاک اور ناپاک کپڑے مخلوط کر کے دھونے کا حکم	۲۵۴
۲۷۶	خشک ناپاک کپڑا پہننے سے جسم ناپاک نہیں	۲۵۴
۲۷۷	نجس جگہ کو تحری سے پاک کیا جائے	۲۵۶
۲۷۸	کپڑے پر نجاست لگنے کا وقت معلوم نہیں	۲۵۶
۲۷۹	ناپاک کپڑا تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟	۲۵۷
۲۸۰	ناپاک کپڑا نل کے نیچے ڈالنے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟	۲۵۷
۲۸۱	شک سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا	۲۵۸
۲۸۲	ناپاک کپڑا صابن سے دھونے سے پاک ہو جائے گا	۲۵۸
۲۸۳	ناپاک کپڑا، پاک کپڑے پر گر گیا، وہ پاک ہے یا ناپاک؟	۲۵۹
۲۸۴	ناپاک کنویں کو پاک کرنے والے کے بدن اور کپڑوں کا حکم	۲۶۰
۲۸۵	اگر کپڑے کو نچوڑنے کی وجہ سے پھٹ جانے اور اس کی خوبی پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہو تو	
☆	نچوڑنے کا حکم	۲۶۰

۲۸۶	ناپاک کپڑے کونچوڑنے کی حد	۲۶۱
۲۸۷	بغیر نچوڑے کپڑے پاک ہونے کی صورت	۲۶۱
۲۸۸	جس کپڑے میں نجاست سرایت کرچکی،اس کوایک دفعہ دھوکر نچوڑنا کافی نہیں	۲۶۲
۲۸۹	کیاناپاک خشک بستر پرلیٹنےاور پسینہ کی بوکپڑوں میں آنے سے ناپاک ہوجائیں گے؟	۲۶۲
۲۹۰	بھیگاہواہاتھ ناپاک،خشک کپڑےکولگانے سے اس کپڑے کا کیا حکم ہے؟	۲۶۳
۲۹۱	خنزیرکاخشک بال ہاتھ یاکپڑےکولگ جائے	۲۶۴
۲۹۲	سوکھاکپڑاسورکولگ جائےتوناپاک نہیں	۲۶۴
۲۹۳	لنگی اور بدن کوپاک کرنے کاطریقہ	۲۶۵
۲۹۴	بدن اور کپڑوں کی پاکی،ناپاکی سے متعلق چند سوالات	۲۶۶
۲۹۵	دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہیں یاناپاک؟	۲۷۱
۲۹۶	ہندودھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کاحکم	۲۷۱
۲۹۷	بےعلم دھوبی کادھویاہواکپڑا	۲۷۲
۲۹۸	غیرمسلم سے مٹھائی لینااور کپڑے دھلوانا	۲۷۳
۲۹۹	چھوٹے بچے کے پیشاب کاحکم اوراس سے بچنے کاطریقہ	۲۷۳
۳۰۰	جس جگہ پیشاب یاخون کادھبہ آیا،اس کادھولیناکافی ہے	۲۷۴
۳۰۱	کتے کاکپڑوں سے رگڑجانا	۲۷۵
۳۰۲	ناپاک کپڑے پہن کرسونا	۲۷۵

الفصل الثالث فی نجاسة الأوانی وتطهیرها

(برتنوں کوپاک کرنے کابیان)

۳۰۳	چمارکااستعمال کیاہوابرتن کس طرح پاک ہوگا؟	۲۷۶
۳۰۴	چینی وغیرہ کے برتن کوپاک کرنے کاحکم	۲۷۶
۳۰۵	اسٹیل کے برتنوں کوپاک کرنے کاحکم	۲۷۷

۳۰۶	لوہے کی چیز پاک کرنے کا طریقہ............	۲۷۸
۳۰۷	المونیم پلاسٹک کو پاک کرنے کا طریقہ............	۲۷۸
۳۰۸	جن چیزوں میں پانی جذب نہیں ہوتا، ان کے پاک کرنے کا حکم............	۲۷۹
۳۰۹	حوض اور ڈرم پاک کرنے کا طریقہ............	۲۸۰
۳۱۰	بالٹی، گلاس وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ............	۲۸۰
۳۱۱	جس استرہ سے کافر کی حجامت بنائی گئی کیا وہ ناپاک ہوگیا؟............	۲۸۱
۳۱۲	ناپاک کنویں کو پاک کرنے پر ڈول، رسی وغیرہ کا حکم............	۲۸۲
۳۱۳	کیا لوٹا قدمچہ پر رکھنے سے ناپاک ہوجاتا ہے؟............	۲۸۲
۳۱۴	بیت الخلاء کا لوٹا، ڈرم میں ڈال کر پانی لینا............	۲۸۳

الفصل الرابع فی تطهیر الأرض

(زمین پاک ہونے کا بیان)

۳۱۵	کیا ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے؟............	۲۸۴
۳۱۶	نجس زمین پر خشک ہونے کے بعد پانی گرنے سے کیا وہ ناپاک ہوجائے گی............	۲۸۴
۳۱۷	ظاہر زمین پر نجاست نہ ہو، تو بھیگا پیر رکھنے سے پیر نجس نہیں ہوگا............	۲۸۵
۳۱۸	مٹی کے مکانوں کو پیشاب سے پاک کرنے کا طریقہ............	۲۸۵
۳۱۹	گوبر سے لیپی ہوئی زمین کا حکم............	۲۸۶
۳۲۰	بارش سے تر ہوکر زمین ناپاک نہیں ہوتی............	۲۸۷

باب الاستنجاء

(استنجا کا بیان)

۳۲۱	بیت الخلاء میں دخول کے وقت تعوذ کا حکم............	۲۸۸
۳۲۲	بیت الخلاء میں جاتے وقت دعا کس وقت پڑھے؟............	۲۸۹

۳۲۳	وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟	۲۸۹
۳۲۴	ڈھیلے سے استنجا کرنا	۲۸۹
۳۲۵	ایضاً	۲۹۰
۳۲۶	ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال	۲۹۱
۳۲۷	ڈھیلے سے استنجا کے بعد پانی سے دھونا	۲۹۲
۳۲۸	عورتوں کے لئے ڈھیلے سے استنجا	۲۹۳
۳۲۹	ایک ڈھیلہ دو دفعہ استعمال کرنا	۲۹۳
۳۳۰	ایضاً	۲۹۳
۳۳۱	بغیر پانی کے استنجا کی ہوئی نماز کا حکم	۲۹۵
۳۳۲	چھوٹے ڈھیلوں سے استنجا	۲۹۶
۳۳۳	کاغذ اور کپڑے سے استنجا	۲۹۶
۳۳۴	استنجا کرنے کا حکم	۲۹۷
۳۳۵	استنجے کے بعد ہاتھ کہاں تک دھوئے جائیں؟	۲۹۷
۳۳۶	پیشاب کے بعد استنجا کرنا	۲۹۸
۳۳۷	دوسرے سے استنجا کرانا	۲۹۹
۳۳۸	استنجا پاک کرنے میں بہت دیر لگ جائے تو کیا کیا جائے؟	۲۹۹
۳۳۹	پیشاب خانہ مشرق رخ بن گیا ہے، اس کو کیا کیا جائے؟	۳۰۰
۳۴۰	قبلہ رخ پر بیت الخلاء کا حکم	۳۰۱
۳۴۱	قبلہ رخ پیشاب اور تھوک	۳۰۲

کتاب الصلوۃ

۳۴۲	نماز پنجگانہ کی ابتداء	۳۰۳
۳۴۳	نماز کی ہیئت ترکیبیہ کیوں ہے؟	۳۰۴

۳۴۴	نماز اور جہاد میں افضل کون سا عمل ہے؟	۳۰۵
۳۴۵	ترکِ نماز کا دوسرں پر اثر	۳۰۶
۳۴۶	تارکِ نماز کا حکم	۳۰۷
۳۴۷	ایضاً	۳۰۹
۳۴۸	ترکِ نماز کی سزا	۳۱۰
۳۴۹	اسکول کی تعلیم کی وجہ سے ظہر کی نماز چھوڑنا	۳۱۰
۳۵۰	کیا قرآن پاک سے صرف تین وقت کی نماز ثابت ہے؟	۳۱۱
۳۵۱	کیا قبل از معراج پچاس نمازیں اور دن میں سات مرتبہ غسل فرض تھا؟	۳۱۲
۳۵۲	کیا مجذوب مکلف ہے؟	۳۱۳
۳۵۳	نماز پڑھنا کسی کے کہنے پر موقوف ہے یا نہیں؟	۳۱۳
۳۵۴	نماز اور جنازہ کی تعلیم بصورتِ مکالمہ	۳۱۴
۳۵۵	نماز کے لئے زبردستی کرنا	۳۱۵
۳۵۶	ایضاً	۳۱۷

باب المواقیت

الفصل الأول فی أوقات الصلوة

(اوقاتِ نماز کا بیان)

۳۵۷	اوقاتِ صلوۃ	۳۲۰
۳۵۸	ایضاً	۳۲۳
۳۵۹	رمضان میں نمازِ فجر اولِ وقت میں پڑھنا	۳۲۵
۳۶۰	رمضان میں فجر کی نماز ابتدائے وقت میں ادا کرنا	۳۲۹
۳۶۱	رمضان میں نمازِ فجر غلس میں	۳۳۰

۳۶۲	چاند کی روشنی کا ختم ہونا وقتِ فجر کے ختم ہونے کی علامت نہیں	۳۳۱
۳۶۳	فجر کی نماز کب پڑھی جائے؟	۳۳۲
۳۶۴	وقتِ فجر کا اختتام کب ہوتا ہے؟	۳۳۳
۳۶۵	سورج طلوع ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے اور وقتِ اشراق؟	۳۳۴
۳۶۶	دھوپ سے عصر کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ	۳۳۴
۳۶۷	عصر کا وقت	۳۳۵
۳۶۸	ایک مثل پر عصر کی نماز	۳۳۶
۳۶۹	مثلِ اول پر عصر کی نماز	۳۳۸
۳۷۰	مثلِ اول پر عصر پڑھنے کی تفصیل	۳۳۹
۳۷۱	مثلین سے پہلے عصر کی نماز	۳۴۰
۳۷۲	عصر اور مغرب کے درمیان فاصلہ کتنا ہے؟	۳۴۱
۳۷۳	عصر کی نماز کی ابتداء کامل وقت میں اور اختتام ناقص وقت میں	۳۴۲
۳۷۴	اذانِ مغرب کے بعد نماز کتنی تاخیر سے ہونی چاہیے؟	۳۴۳
۳۷۵	کیا مغرب اور فجر کا وقت برابر ہے؟	۳۴۴
۳۷۶	وقتِ مغرب کی توضیح	۳۴۴
۳۷۷	مغرب کا کل وقت کتنا ہے؟	۳۴۵
۳۷۸	وقتِ عشاء اور تراویح	۳۴۶
۳۷۹	عشاء کی نماز رات تین بجے	۳۴۸
۳۸۰	بارہ بجے کے بعد نمازِ عشاء	۳۴۹
۳۸۱	عشاء، سحری، تہجد وغیرہ کے اوقات	۳۴۹
۳۸۲	تہجد اور وتر کا آخری وقت	۳۵۰
۳۸۳	تہجد کا وقت	۳۵۱
۳۸۴	جمعہ کی نماز اولِ وقت میں	۳۵۲

۳۸۵	نمازِ عید کا وقت	۳۵۳
۳۸۶	قطبِ جنوبی وشمالی میں روزہ، نماز کس طرح ادا کریں؟	۳۵۳
۳۸۷	چھ مہینے دن، چھ مہینے رات والے مقام پر نماز کی کیفیت	۳۵۴
۳۸۸	حالتِ سفر میں جمع بین الصلوتین	۳۵۷
۳۸۹	حنفی کو غیر حنفی کے پیچھے جمع بین الصلوتین کرنا	۳۵۷
۳۹۰	اذان سے قبل نماز پڑھنے کا حکم	۳۵۸
۳۹۱	جنتریوں سے اوقاتِ نماز کی تعیین	۳۵۹
۳۹۲	پاکستان سے شائع شدہ جنتریوں کا حال	۳۶۱

الفصل الثانی فی الأوقات المکروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

۳۹۳	اوقاتِ مکروہہ	۳۶۲
۳۹۴	کیا دن کی طرح آدھی رات کو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے؟	۳۶۵
۳۹۵	وقتِ استواء	۳۶۶
۳۹۶	سایۂ اصلی کا خیال نہ رکھنے والوں کی نماز	۳۶۷
۳۹۷	نماز پڑھنا کس وقت مکروہ ہے؟	۳۶۷
۳۹۸	اوقاتِ مکروہہ میں نماز کا حکم	۳۶۹
۳۹۹	طلوعِ شمس کے وقت نماز	۳۷۱
۴۰۰	غروب کے وقت سجودِ شمس	۳۷۲
۴۰۱	طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کی مخالفت کی وجہ	۳۷۳
۴۰۲	صلوۃِ جنازہ بوقتِ استواء	۳۷۴
۴۰۳	اوقاتِ مکروہہ میں صلوۃِ جنازہ	۳۷۷
۴۰۴	نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟	۳۷۷

۴۰۵	بوقتِ غروب سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ........................	۳۷۸
۴۰۶	وقتِ مکروہ میں سجدۂ دعا اور سجدۂ شکر........................	۳۷۹
۴۰۷	اوقاتِ منہیہ میں تلاوت کا حکم........................	۳۸۰
۴۰۸	اوقاتِ مکروہہ میں قضاء نماز کا حکم........................	۳۸۱
۴۰۹	عصر کے بعد قضاء نماز........................	۳۸۲
۴۱۰	صبح صادق کے بعد نفل نماز مکروہ ہے........................	۳۸۲
۴۱۱	صبح صادق کے بعد دو رکعت نفل........................	۳۸۳
۴۱۲	زوال سے اِدھر اُدھر کتنا وقت مکروہ ہے؟........................	۳۸۳

باب الأذان

الفصل الأول في الأذان

(اذان کا بیان)

۴۱۳	مکبر الصوت سے مسجد میں اذان دینا........................	۳۸۵
۴۱۴	کیا اذان کے لئے کوئی سمت متعین ہے؟........................	۳۸۶
۴۱۵	اذان بائیں جانب اور اقامت دائیں جانب کا التزام........................	۳۸۷
۴۱۶	اذان بائیں جانب........................	۳۸۸
۴۱۷	اذان میں حیعلتین پر گردن نہ پھیرنا........................	۳۸۸
۴۱۸	مسجد میں اذان........................	۳۸۹
۴۱۹	برآمدۂ مسجد میں اذان........................	۳۹۰
۴۲۰	مدرسہ میں اذان وجماعت........................	۳۹۲
۴۲۱	اذان کے بعد مسجد سے نکلنا........................	۳۹۳
۴۲۲	گھر پر نماز کے لئے اذان واقامت........................	۳۹۴

۴۲۳	اگر اذان سے جھگڑے کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟	۳۹۴
۴۲۴	متعدد آدمیوں کا اذان دینا	۳۹۶
۴۲۵	غیر مسلموں کی بستیوں میں اذان کا حکم	۳۹۶
۴۲۶	اذان کے بعد جماعت کے واسطے انتظار	۳۹۷
۴۲۷	قریب قریب دو مسجدوں میں اذان کہنا	۳۹۹
۴۲۸	ایک مسجد کی اذان دوسری متصل مسجد میں کافی نہیں	۳۹۹
۴۲۹	ایک مسجد میں اذان کے بعد دوسری مسجد میں مائیک پر اذان	۴۰۰
۴۳۰	نمازِ جمعہ کے لئے مدرسہ کے اسپیکر سے اذان دینا	۴۰۱
۴۳۱	اذان مائیک سے ایک جگہ پر، جماعت دوسری جگہ پر	۴۰۱
۴۳۲	ضعیف آواز کے باوجود شوقِ اذان ہو، تو کیا صورت ہوگی؟	۴۰۲
۴۳۳	پست آواز سے اذان	۴۰۳
۴۳۴	امام اور مؤذن نہ ہونے کی صورت میں اذان واقامت کا حکم	۴۰۵
۴۳۵	آندھی کے دن اذان	۴۰۶
۴۳۶	رفعِ وبا کے لئے اذان	۴۰۶
۴۳۷	ایضاً	۴۰۷
۴۳۸	مؤذن کے ساتھ ظلم وزیادتی	۴۰۷

الفصل الثانی فی مایتعلق بکلمات الأذان

(کلماتِ اذان کا بیان)

۴۳۹	کلمہ میں "محمدٌ" اور اذان میں "محمداً" کیوں ہے؟	۴۰۸
۴۴۰	اذان میں "اللہ اکبر" کی بجائے "اللہ اکبار" کہنا	۴۰۸
۴۴۱	اذان میں "اللہ اکبر، اللہ اکبر" پڑھنے کا طریقہ	۴۰۹
۴۴۲	اذان واقامت میں "اکبر" کی "را" کو "اللہ" کے "لام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا	۴۱۰

۴۴۳	اذان میں کلمات کو کھینچنا	۴۱۱
۴۴۴	اذان میں لفظ "اللّٰہ" کے "لام" کو کھینچنا	۴۱۴
۴۴۵	اذان ترنم کے ساتھ	۴۱۵
۴۴۶	اذان میں سانس ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟	۴۱۶
۴۴۷	کلماتِ اذان میں فصل وصل	۴۱۷
۴۴۸	ایضاً	۴۱۸
۴۴۹	"حی علی الصلوة" چار مرتبہ کہنا	۴۱۹
۴۵۰	"الصلوة خیر من النوم" کو قصداً دو حصوں میں پڑھنا	۴۱۹

الفصل الثالث فی إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

۴۵۱	کن الفاظ میں اذان کا جواب دیا جائے؟	۴۲۱
۴۵۲	اذان کا جواب دینا واجب ہے	۴۲۲
۴۵۳	وضو کے دوران اذان کا جواب دے یا دعائے وضو پڑھے؟	۴۲۲
۴۵۴	متوضی وضو کی دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے؟	۴۲۴
۴۵۵	وضو، تلاوت اور تعلیم کرتے وقت اذان کا جواب	۴۲۴
۴۵۶	تلاوت اور وضو وغیرہ کے درمیان اذان کا جواب	۴۲۵
۴۵۷	بوقتِ اذان تلاوت کو جاری رکھے یا موقوف کردے؟	۴۲۷
۴۵۸	وعظ کے دوران اذان شروع ہو جائے	۴۲۷
۴۵۹	حیعلتین کا جواب	۴۲۸
۴۶۰	باتیں کرتے ہوئے اذان کا جواب	۴۲۹
۴۶۱	اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا	۴۳۰

الفصل الرابع فی الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعاء کا بیان)

۴۶۲	اذان کے بعد دعا کا حکم........................	۴۳۱
۴۶۳	اذان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا........................	۴۳۱
۴۶۴	اذان کے بعد کی دعا میں رفعِ یدین........................	۴۳۲
۴۶۵	اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا........................	۴۳۳
۴۶۶	اذان کے ختم پر "محمد رسول اللہ" کہنا........................	۴۳۳

الفصل الخامس فیما یکره فی الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

۴۶۷	بلا وضو اذان........................	۴۳۴
۴۶۸	کیا بغیر وضو اذان دینے سے نحوست برستی ہے؟........................	۴۳۵
۴۶۹	بلا وضو اذان کی وعید........................	۴۳۵
۴۷۰	اذان کے درمیان اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟........................	۴۳۶
۴۷۱	اذان کے بعد مسجد سے نکلنا........................	۴۳۷
۴۷۲	داڑھی منڈوانے والے کا اذان دینا........................	۴۳۸
۴۷۳	داڑھی منڈے کی اذان........................	۴۳۸
۴۷۴	شطرنج کھیلنے والے کی اذان........................	۴۴۰
۴۷۵	نشے کے عادی کو مؤذن مقرر کرنا........................	۴۴۲
۴۷۶	اذان سن کر کتے کا رونا........................	۴۴۲
۴۷۷	اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا........................	۴۴۳
۴۷۸	اذان کے بعد کچھ کلماتِ نصیحت........................	۴۴۴

الفصل السادس فی إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

۴۷۹ اذان قبل الوقت ۴۴۵

۴۸۰ اولِ وقت میں اذان کہہ دی، کیا اعادہ کرے؟ ۴۴۶

۴۸۱ اذان میں غلطی کی وجہ سے اس کا اعادہ ۴۴۷

۴۸۲ درمیانِ اذان میں بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ ۴۴۸

۴۸۳ بجلی چلی جانے کی وجہ سے دوبارہ اذان ۴۴۹

۴۸۴ نابالغ کی اذان کیا واجب الاعادہ ہے؟ ۴۵۰

الفصل السابع فی الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

۴۸۵ قضاء نماز کے لئے اذان ۴۵۱

۴۸۶ نماز کا اعادہ جب کئی روز بعد ہو تو کیا اس میں بھی اذان واقامت دوبارہ کہی جائے؟ ۴۵۲

۴۸۷ قضاء نماز کے لئے اذان واقامت کا حکم ۴۵۳

الفصل الثامن فی الأذان فی أُذن المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

۴۸۸ بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ ۴۵۴

۴۸۹ بچہ کے کان میں اذان اور تکبیر ۴۵۵

۴۹۰ زچہ خانہ میں بچی یا عورت کا کان میں اذان دینا ۴۵۵

۴۹۱ بچہ کے کان میں کئی روز بعد اذان ۴۵۶

۴۹۲ بچہ کے کان میں اذان اس کو غسل دے کر کہی جائے ۴۵۷

باب الإقامة والتثويب

الفصل الأول فی الإقامة

(اقامت کا بیان)

۴۹۳	مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت	۴۵۹
۴۹۴	مؤذن کی اجازت سے تکبیر کہنا بہتر ہے	۴۶۰
۴۹۵	غیر مؤذن کا تکبیر کہنا	۴۶۰
۴۹۶	جماعتِ ثانیہ کے لئے اقامت	۴۶۱
۴۹۷	اقامت میں عجلت	۴۶۲
۴۹۸	بیوی کی اقامت	۴۶۳
۴۹۹	مخنث کا اقامت کہنا	۴۶۴
۵۰۰	کیا اقامت کہنے والے کا امام کے دائیں طرف ہونا ضروری ہے؟	۴۶۴
۵۰۱	اقامت کہنے والا دوسری، تیسری صف میں ہو	۴۶۵
۵۰۲	اقامت میں تحویلِ وجہ	۴۶۵
۵۰۳	اقامت میں التفات ہے یا نہیں؟	۴۶۶
۵۰۴	تکبیر کہتے وقت دائیں بائیں چہرہ پھیرنا	۴۶۷
۵۰۵	ضعف کی وجہ سے اقامت کے وقت بیٹھنا	۴۶۸
۵۰۶	"قد قامت الصلوة" کی "ت" پر کیا حرکت پڑھیں؟	۴۶۸
۵۰۷	قضاء نماز میں اقامت	۴۶۹
۵۰۸	تکبیر پڑھتے وقت اگر غلطی ہو جائے تو کیا اقامت شروع سے پڑھے؟	۴۷۰
۵۰۹	شروع اقامت کے وقت کھڑا ہونا	۴۷۰
۵۱۰	بوقتِ اقامت نماز کے لئے مقتدی کب کھڑے ہوں؟	۴۷۱
۵۱۱	ایضاً	۴۷۲

۵۱۲	ایضاً	۴۷۴
۵۱۳	مقتدیوں کا "حی علی الصلوۃ" پر کھڑا ہونا	۴۷۵
۵۱۴	"حی علی الصلوۃ" کے وقت کھڑا ہونا	۴۷۶
۵۱۵	"حی علی الصلوۃ" پر قیام	۴۷۸
۵۱۶	ایضاً	۴۷۹
۵۱۷	امام ومقتدی نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟	۴۸۵
۵۱۸	"قد قامت الصلوۃ" پر سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا	۴۹۵
۵۱۹	جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الصلوۃ" پر کھڑا ہونا	۴۹۷

الفصل الثانی فی التثویب

(تثویب کا بیان)

۵۲۰	صبح صادق سے پہلے "الصلوۃ الصلوۃ" پکارنا	۴۹۹
۵۲۱	اذان کے بعد یہ اعلان کہ "پندرہ منٹ باقی ہیں"	۴۹۹
۵۲۲	اذان سے پانچ منٹ قبل لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا اعلان	۵۰۰
۵۲۳	گھنٹہ کی آواز سے نماز کی اطلاع	۵۰۱
۵۲۴	گھنٹی اذان کے قائم مقام ہرگز نہیں	۵۰۲
۵۲۵	اذان کے بعد نقارہ	۵۰۳

باب صفة الصلوة

الفصل الأول فی شروط الصلوة

(شروطِ صلوۃ کا بیان)

۵۲۶	نماز میں نیت	۵۰۴
۵۲۷	نماز کی نیت کا طریقہ	۵۰۵

۵۲۸	ایضاً	۵۰۵
۵۲۹	نیت میں ایک نماز کی جگہ دوسری نماز کا نام لیا، یا تعدادِ رکعات میں غلطی کی	۵۰۶
۵۳۰	امام ومقتدی کی نیت میں فرق	۵۰۷
۵۳۱	زبان سے نیت	۵۰۸
۵۳۲	کیا وتر کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوگی؟	۵۱۰
۵۳۳	نماز بحالتِ جنابت	۵۱۱
۵۳۴	تنگیٔ وقت کی وجہ سے بلا غسل نماز پڑھنا	۵۱۱
۵۳۵	بلا وضو وطہارت کے نمازِ استسقاء	۵۱۲
۵۳۶	دورانِ نماز ناپاک کپڑے کا بدن سے لگنا	۵۱۳
۵۳۷	نمازِ جنازہ کے وضو سے فرض نماز	۵۱۴
۵۳۸	لوپ (دوا لگانے) کی حالت میں نماز	۵۱۴
۵۳۹	فجر کی نماز پڑھ کر کپڑوں پر منی دیکھی	۵۱۵
۵۴۰	رنگے ہوئے کپڑے سے نماز پڑھنا	۵۱۵
۵۴۱	جنابت کی حالت میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز کا حکم	۵۱۶
۵۴۲	نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا	۵۱۶
۵۴۳	گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر نماز	۵۱۷
۵۴۴	پختہ فرش اگر ناپاک ہوجائے تو اس پر نماز کا حکم	۵۱۸
۵۴۵	تنہائی میں برہنہ ہوکر نماز پڑھنا	۵۱۹
۵۴۶	ساڑھی میں نماز	۵۲۰
۵۴۷	باریک دوپٹہ میں نماز	۵۲۱
۵۴۸	عورتوں کو نماز میں بالوں کو چھپانا	۵۲۱
۵۴۹	صرف بنڈی پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۳
۵۵۰	دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا	۵۲۳

۵۵۱	ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۳
۵۵۲	گاڑی میں سوار ہو تو استقبالِ قبلہ کا حکم	۵۲۴
۵۵۳	چلتی گاڑی میں قطب نما کے ذریعے قبلہ کی نشاندہی اور اس کی طرف توجہ	۵۲۵
۵۵۴	قبلہ رخ معلوم نہ ہو تو تحری کا حکم	۵۲۶
۵۵۵	بغیر تحری، خلاف قبلہ پڑھی ہوئی نماز دہرانی ہوگی	۵۲۷
۵۵۶	چاند پر سمتِ قبلہ	۵۲۸
۵۵۷	ایضاً	۵۲۹
۵۵۸	غلط سمت پر بنی ہوئی مسجد کے قبلہ کو درست کرنا	۵۲۹
۵۵۹	سمتِ قبلہ میں اٹھارہ ۱۸/ ڈگری کا فرق ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۳۲
۵۶۰	پینتیس ۳۵/ درجہ شمال منحرف مسجد کا حکم	۵۳۵
۵۶۱	تعیینِ قبلہ میں معمولی فرق	۵۳۵
۵۶۲	قبلہ سے معمولی انحراف	۵۳۶
۵۶۳	سمتِ قبلہ	۵۳۶
۵۶۴	جدید مسجد کی سمتِ قبلہ میں تردد	۵۳۸
۵۶۵	قدیم مسجد کا رخ مکمل صحیح نہیں ہے تو کیا کیا جائے؟	۵۴۰
۵۶۶	پرانی مسجد کا رخ اگر صحیح نہ ہو تو اس میں نماز ہوگی یا نہیں؟	۵۴۱
۵۶۷	قبلہ کی طرف پیر پھیلانا	۵۴۲

الفصل الثانی فی أرکان الصلوة

(ارکانِ نماز کا بیان)

۵۶۸	جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہونا	۵۴۳
۵۶۹	فرض نماز کے لئے بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا	۵۴۴

۵۷۰	عورتوں کے لئے نماز میں قیام کا حکم........	۵۴۴
۵۷۱	فرض نماز میں عورتوں کے لئے بھی قیام فرض ہے........	۵۴۵
۵۷۲	کیا سنت میں قیام فرض ہے؟........	۵۴۶
۵۷۳	نماز میں کتنا قیام فرض ہے؟........	۵۴۷
۵۷۴	قیام، قراءت، رکوع، سجود کی فرض مقدار........	۵۴۸
۵۷۵	سجدہ کے لئے بجائے زمین کے پانی ہو تو سجدہ اشارہ سے کرنے کا حکم........	۵۵۲
۵۷۶	گونگے کی نماز........	۵۵۳
۵۷۷	بہرے مقتدی کی نماز........	۵۵۴
۵۷۸	ریل گاڑی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا........	۵۵۵
۵۷۹	سجدہ میں پاؤں کی انگلی ٹیکنا........	۵۵۵
۵۸۰	سجدہ میں پیر زمین پر ٹیکنا........	۵۶۰
۵۸۱	ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں کے درمیان سجدہ میں فرق........	۵۶۱
۵۸۲	کیا ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں؟........	۵۶۷

الفصل الثالث فی واجبات الصلوۃ

(واجباتِ نماز کا بیان)

۵۸۳	تعدیلِ ارکان کی مقدار........	۵۷۰
۵۸۴	واجباتِ نماز........	۵۷۱
۵۸۵	واجباتِ نماز کتنے ہیں؟........	۵۷۲
۵۸۶	سنن میں قعدۂ اُولیٰ فرض ہے یا واجب؟........	۵۷۳
۵۸۷	امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے........	۵۷۴

الفصل الرابع فی سنن الصلوة

(نماز کی سنتوں کا بیان)

۵۸۸	حالتِ قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت......................................	۵۷۶
۵۸۹	قدمین کے درمیان فاصلہ......................................	۵۷۶
۵۹۰	ابتدائے نماز میں "اِنی وجھت" پڑھنا......................................	۵۷۷
۵۹۱	تکبیرِ اُولیٰ کے لئے دوسری مسجد میں جانا......................................	۵۷۸
۵۹۲	تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے؟......................................	۵۷۹
۵۹۳	تکبیرِ اُولیٰ کا ثواب کب تک ہے؟......................................	۵۸۰
۵۹۴	تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے؟......................................	۵۸۱
۵۹۵	تکبیرِ تحریمہ کے وقت کان کی لو کو چھونا......................................	۵۸۲
۵۹۶	بوقتِ تحریمہ مسِ اُذنین......................................	۵۸۲
۵۹۷	نماز میں عورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنا......................................	۵۸۳
۵۹۸	ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا......................................	۵۸۵
۵۹۹	نماز میں ارسالِ یدین......................................	۵۸۶
۶۰۰	زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کو غلط کہنے والے کا جواب......................................	۵۸۷
۶۰۱	ہاتھ سینہ پر باندھنا......................................	۵۸۸
۶۰۲	نماز شروع کرتے وقت "بسم اللّٰہ"......................................	۵۸۸
۶۰۳	ثناء کی حیثیت......................................	۵۸۹
۶۰۴	ثناء پڑھنے کا وقت......................................	۵۹۰
۶۰۵	سرّی نماز میں ثناء کا حکم......................................	۵۹۱
۶۰۶	مقتدی کے لئے ثناء کا پڑھنا......................................	۵۹۱
۶۰۷	نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی آیا، وہ ثناء کب پڑھے؟......................................	۵۹۲

۶۰۸	ثناء کے اخیر میں "ک" پر زیر ہے یا جزم؟	۵۹۲
۶۰۹	فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ"	۵۹۳
۶۱۰	سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ کا حکم	۵۹۳
۶۱۱	"أعوذ باللہ اھ" اور "بسم اللہ اھ"	۵۹۵
۶۱۲	آمین بالجہر	۵۹۵
۶۱۳	ایضاً	۵۹۶
۶۱۴	آمین بالجہر، رفعِ یدین میں اختلاف اَولَویت کا ہے	۵۹۷
۶۱۵	مقتدیوں کی اطلاع کے لئے کسی کو آمین بالجہر کے لئے متعین کرنا	۵۹۹
۶۱۶	آمین بالجہر سے دوسروں کی نماز پر اثر	۶۰۰
۶۱۷	رفعِ یدین	۶۰۱
۶۱۸	ایضاً	۶۰۱
۶۱۹	عورت کے ذمہ نمازِ عید اور رفعِ یدین وغیرہ	۶۰۲
۶۲۰	رفعِ یدین کی حکمت	۶۰۴
۶۲۱	رفعِ یدین، آمین بالجہر اور قراءتِ فاتحہ	۶۰۵
۶۲۲	رکوع میں "سبحان ربی الکریم" پڑھنا	۶۰۷
۶۲۳	رکوع، سجدے کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے؟	۶۰۸
۶۲۴	رکوع، سجدہ کتنا طویل ہو؟	۶۰۹
۶۲۵	تسمیع وتحمید	۶۰۹
۶۲۶	قومہ کی دعا	۶۱۰
۶۲۷	قومہ اور جلسہ کی دعائیں فرائض میں کیوں نہیں؟	۶۱۲
۶۲۸	سجدہ میں قرآنی دعائیں پڑھنا	۶۱۳
۶۲۹	دونوں سجدوں کے درمیان دعا کی تفصیل	۶۱۵
۶۳۰	نماز میں غیر ماثور دعا	۶۱۷

۶۳۱	سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا............	۲۱۷
۶۳۲	سجدہ میں جاتے وقت مقتدی کو تکبیر کہنا............	۲۱۸
۶۳۳	سجدۂ مسنون............	۲۱۸
۶۳۴	عورت کے لئے سجدہ اور جلسہ کی ہیئت............	۲۱۹
۶۳۵	سوال متعلقہ استفتاء بالا............	۲۲۱
۶۳۶	رکوع میں اِلصاقِ کعبین............	۲۲۵
۶۳۷	ایضاً............	۲۲۶
۶۳۸	ایضاً............	۲۲۹
۶۳۹	سجدہ میں الصاقِ کعبین............	۲۳۰
۶۴۰	سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا............	۲۳۱
۶۴۱	الفاظِ تشہد میں اضافہ............	۲۳۲
۶۴۲	تشہد میں "السلام علیك" پر کیا نیت کرے؟............	۲۳۳
۶۴۳	تشہد میں "والطیبات" کو "السلام" کے ساتھ ملا کر پڑھنا............	۲۳۴
۶۴۴	تشہد میں اشارۂ سبابہ............	۲۳۵
۶۴۵	رفعِ سبابہ............	۲۳۶
۶۴۶	تشہد میں وُسطیٰ وابہامہ کا حلقہ کب تک رکھا جائے؟............	۲۳۷
۶۴۷	عندالاحناف رفعِ سبابہ مسنون ہے............	۲۳۸
۶۴۸	ایک سانس میں دونوں سلام............	۲۴۱
۶۴۹	دعاء کے بغیر سلام پھیر دیا............	۲۴۱
۶۵۰	ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا............	۲۴۱
۶۵۱	عورت کا کھلی جگہ نماز پڑھنا............	۲۴۲
۶۵۲	سنت سے متعلق عبارت پر اعراب............	۲۴۴
۶۵۳	افضل درود شریف............	۲۴۴
۶۵۴	نماز کے درود کے بعد دعا............	۲۴۵

الفصل الخامس فی آداب الصلوۃ

(نماز کے آداب کا بیان)

۶۵۵	مسنون لباس میں نماز........	۶۴۷
۶۵۶	کرتا گھٹنے سے اوپر تک ہو تو نماز کا حکم........	۶۴۷
۶۵۷	بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھے؟........	۶۴۸
۶۵۸	فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا........	۶۴۸
۶۵۹	نماز کے ختم پر دائیں بائیں منہ پھیرنا........	۶۴۹
۶۶۰	نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا........	۶۴۹
۶۶۱	نماز کے بعد کس طرف رخ کرے؟........	۶۵۱
۶۶۲	ایضاً........	۶۵۲
۶۶۳	جمائی روکنے کا طریقہ........	۶۵۳
۶۶۴	داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں سے؟........	۶۵۴
۶۶۵	نماز میں متعدد امور کی کوتاہی........	۶۵۵
۶۶۶	بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا........	۶۵۷

باب الذکر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول فی الذکر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

۶۶۷	نماز کے بعد ذکرِ جہری........	۶۵۸
۶۶۸	ہر نماز کے بعد ذکر بالجہر کا التزام........	۶۵۹
۶۶۹	ہر فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ جہراً پڑھنا........	۶۶۰

۶۷۰	فجر کی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا جہراً تسبیحات پڑھنا	۶۶۱
۶۷۱	ہر نماز کے بعد درود شریف جہراً پڑھنا	۶۶۲
۶۷۲	فرض اور سنن کے درمیان وظیفہ	۶۶۳
۶۷۳	تسبیحات فرائض کے بعد ہیں یا سنن کے بعد	۶۶۴
۶۷۴	بعد فجر وعصر تسبیحات اور دعا میں ترتیب	۶۶۵
۶۷۵	نماز کے بعد کی تسبیح صف سے ہٹ کر پڑھنا	۶۶۶
۶۷۶	تسبیحاتِ فاطمی نہ پڑھنے کا حکم	۶۶۶
۶۷۷	بعد فجر تا اشراق بیٹھنے کا ثواب اٹھنے سے نہیں ملتا	۶۶۷
۶۷۸	فجر کے بعد اشراق تک ذکر میں مشغول رہنا	۶۶۸
۶۷۹	فجر کے بعد ہوا خوری افضل ہے یا اَوراد ووظائف	۶۶۹
۶۸۰	فجر کے بعد یٰسین شریف کا ختم	۶۷۰
۶۸۱	نماز کے بعد "استغفر اللّٰہ" پڑھنا	۶۷۱
۶۸۲	توبہ اور استغفار میں فرق	۶۷۲
۶۸۳	استغفار کے ایک صیغہ کا ثبوت	۶۷۳
۶۸۴	مناجاتِ مقبول اور حزبِ اعظم	۶۷۴
۶۸۵	حزب البحر پڑھنے کی اجازت	۶۷۴
۶۸۶	درود "تنجینا" میں لفظِ "تنجینا" کی تحقیق	۶۷۵

الفصل الثانی فی الدعاء بعد الصلوۃ

(نماز کے بعد دعاء کا بیان)

۶۸۷	نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۶۷۶
۶۸۸	جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرح منہ کر کے بیٹھے	۶۷۸
۶۸۹	امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا	۶۷۹

۶۹۰	کیا نماز کے بعد فوراً دعا ہے یا وقفہ کے ساتھ؟	۶۸۰
۶۹۱	نماز کے بعد دعا "الحمد" سے شروع کرنا	۶۸۱
۶۹۲	فرض نمازوں کے بعد دعا	۶۸۲
۶۹۳	فرض نماز کے بعد دعاء اور آمین	۶۸۳
۶۹۴	نماز کے بعد دعائیں	۶۸۵
۶۹۵	ہر نماز کے بعد دعاء کا اہتمام	۶۸۶
۶۹۶	ہر نماز کے بعد دعائے جہری کا التزام	۶۸۷
۶۹۷	ہر نماز کے بعد دعاء	۶۸۸
۶۹۸	ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد کی دعاء	۶۸۹
۶۹۹	نماز کے بعد جہراً دعاء کرنا	۶۹۰
۷۰۰	نماز کے بعد دعاء کا پہلا اور آخری لفظ جہراً کہنا	۶۹۲
۷۰۱	دعاء زور سے مانگنا	۶۹۲
۷۰۲	نماز کے بعد اسی ہیئت پر دعاء کرنا	۶۹۳
۷۰۳	نماز پنجگانہ کے بعد دو دفعہ دعاء کا التزام	۶۹۴
۷۰۴	دعائے ثانیہ سے دوسروں کی نماز میں خلل ہونے کا حکم	۶۹۸
۷۰۵	نمازِ جمعہ کے بعد دعائے ثانیہ	۶۹۹
۷۰۶	﴿إن الله وملئكته يصلون على النبى﴾ پڑھ کر دعا ختم کرنا	۷۰۰
۷۰۷	نماز کے بعد دعائے ثانیہ	۷۰۵
۷۰۸	دعائے ثانیہ وثالثہ	۷۰۶
۷۰۹	سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء	۷۰۷
۷۱۰	وتر کے بعد دعاء	۷۰۸
۷۱۱	نمازِ پنجگانہ کے بعد مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کا خاص طریقہ	۷۰۹
۷۱۲	امام کی دعاء پر "آمیں" کہے یا اپنی دعاء مانگے؟	۷۰۹

۷۱۳	وقتِ دعاء دونوں ہاتھوں میں فصل....................	۷۱۰
۷۱۴	دعاء میں ہاتھ زیادہ اٹھانا....................	۷۱۱
۷۱۵	دعاء کس نیت سے مانگی جائے؟....................	۷۱۱
۷۱۶	دعا قبول ہونے کا مطلب....................	۷۱۲
۷۱۷	دعاء کا ایک مخصوص طریقہ....................	۷۱۴
۷۱۸	دعاء مانگنے کی حد کیا ہے؟....................	۷۱۵
۷۱۹	ناجائز دعاء کرنا منع ہے، دعا کی حد کیا ہے؟....................	۷۱۵
۷۲۰	درازیٔ عمر کی دعاء....................	۷۱۷
۷۲۱	تریسٹھ سال عمر ہونے کی دعاء....................	۷۱۷
۷۲۲	ننگا ہونے کی حالت میں دعاء اور درود....................	۷۱۸
۷۲۳	کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی جماع کرتا ہے؟....................	۷۱۹
۷۲۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کے لئے بددعاء کی تھی؟....................	۷۱۹
۷۲۵	ظالم کے لئے بددعاء کرنا....................	۷۲۱
۷۲۶	فاسق وفاجر کے لئے دعائے مغفرت....................	۷۲۱
۷۲۷	فاسق وفاجر کے لئے ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کا کہنا....................	۷۲۲
۷۲۸	"اھدنا الصراط المستقیم" کی دعاء کا اثر....................	۷۲۳
۷۲۹	دعائے ماثور میں واحد متکلم کی جگہ جمع کا صیغہ....................	۷۲۴
۷۳۰	دعائے سریانی....................	۷۲۵

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد ششم

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار

باب الإمامة

الفصل الأول فی أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

۳۳	امام کے اوصاف	۱
۳۴	اوصافِ امامت	۲
۳۵	امام کس کو بنائیں؟	۳
۳۶	امامت کی شرائط	۴
۳۷	دیوبندی عالم کی امامت	۵
۳۸	مقیم کی امامت اولیٰ ہے یا مسافر کی؟	۶
۳۹	امامت کی تمنا	۷

۸	صحیح گواہی دینے والے کی امامت	۴۰
۹	غیر حافظ کی امامت	۴۰
۱۰	عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا	۴۱
۱۱	امام کے لئے عمامہ	۴۲
۱۲	امام کے لئے عمامہ	۴۳
۱۳	عمامہ کی مقدار	۴۳
۱۴	بلا عمامہ امامت	۴۵
۱۵	بلا ٹوپی وعمامہ امامت	۴۶
۱۶	ٹوپی اور عمامہ سے نماز	۴۷
۱۷	صرف ٹوپی سے امامت	۵۲
۱۸	شلوار قمیص پہن کر نماز پڑھانا	۵۳
۱۹	کرتے کا بٹن کھول کر نماز پڑھانا	۵۳
۲۰	وقتِ جماعت سے پہلے امام کی آمد	۵۶
۲۱	جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے، اس کو امامت جمعہ کے لئے تجویز کرنا	۵۷
۲۲	کیا امام کو پابندی ضروری ہے؟	۵۸
۲۳	غیر پابندِ وقت کی امامت	۵۹
۲۴	وقت کی پابندی نہ کرنے والے کی امامت	۶۱
۲۵	امام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے مقتدیوں کا دوسری مسجد میں جانا	۶۱
۲۶	جو امام نماز میں تاخیر کرے اس کی امامت	۶۲
۲۷	ایک شخص کا دو مسجدوں میں امامت کرنا	۶۲
۲۸	امامت کے ساتھ دوسرا کام کرنا	۶۴
۲۹	وقتِ ملازمت میں امامت کرنا	۶۴
۳۰	جو امام صاحب وقار نہ ہو اس کی امامت	۶۵

۳۱	امام صاحب کا گھر گھر جانا	۶۵
۳۲	امام کا مقرر شدہ کھانا لانے کے لئے گھر گھر جانا	۶۶
۳۳	دوسرے کے گھر پان لگا کر کھانے والے کی امامت	۶۷
۳۴	امام صاحب کا کھانا	۶۸
۳۵	غیر شادی شدہ کی امامت	۶۹
۳۶	بے شادی شدہ کی امامت	۶۹
۳۷	جس کی بیوی نہ ہو، اس کی امامت	۷۰
۳۸	جس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں اس کی امامت	۷۱
۳۹	امامت کے وقت اپنی عاجزی کا اعتراف	۷۱
۴۰	عربی لہجہ میں اذان دینے والے کی امامت	۷۲
۴۱	سری قراءت میں تیز اور جہری میں ٹھہر کر پڑھنے والے کی امامت	۷۳
۴۲	رکوع سجدہ میں جلدی کرنے والے کی امامت	۷۴
۴۳	جو امام دینی وعظ کی اجازت نہ دے، سیاسی تقریروں کی اجازت دے، اس کی امامت	۷۴
۴۴	فتویٰ صحیح سمجھنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنے والے کی امامت	۷۵
۴۵	صدقۃ الفطر اور چرمِ قربانی لینے والے کی امامت	۷۶
۴۶	مسجد میں چماروں کو تعویذ دینے والے کی امامت	۷۸
۴۷	جو امام مقتدی سے صلح نہ کرے اس کی امامت	۷۹
۴۸	جو امام مسجد کے دروازے پر دکان لگائے اس کی امامت	۸۱
۴۹	جو امام مسجد کی دکان بیچ دے اس کی امامت	۸۱
۵۰	امام صاحب کا اعلان کہ ”جس سے میں ناراض، اس سے خدا ناراض“	۸۲
۵۱	تمباکو پینے والے کی امامت	۸۳
۵۲	تمباکو نوش اور سینما بین شخص کی امامت	۸۴
۵۳	حقہ نوش کی امامت	۸۴

۵۴	تمباکو کا منجن استعمال کرنے والے کی امامت	۸۵
۵۵	قرآن سے فال نکالنے والے اور سگریٹ نوش کی امامت	۸۶
۵۶	کمیونسٹ کو ووٹ دینے والے کی امامت	۸۷
۵۷	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے اقتداء کی ہے؟	۸۹
۵۸	تنخواہ دار امام کی امامت	۹۰
۵۹	تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز	۹۱
۶۰	جو امام تنخواہ لینے کے باوجود نماز نہ پڑھائے، اس کا حکم	۹۱
۶۱	مسجد کا روپیہ اپنی تنخواہ میں وصول کرنے والے کی امامت	۹۳
۶۲	اجرت پر قرآن شریف پڑھانے والے کی امامت	۹۴

الفصل الثاني في إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت کا بیان)

۶۳	فاسق کی امامت	۹۵
۶۴	ایضاً	۹۵
۶۵	ایضاً	۹۶
۶۶	حافظ فاسق کی امامت	۹۷
۶۷	مرتکب کبائر کی امامت	۹۸
۶۸	معاصی متعددہ کے مرتکب کی امامت	۱۰۱
۶۹	مرتکبِ مکروہ کی امامت	۱۰۴
۷۰	زانی کی امامت	۱۰۵
۷۱	ایضاً	۱۰۶
۷۲	زانی کی توبہ کے بعد کی امامت	۱۰۷
۷۳	توبہ کے بعد دوبارہ امامت	۱۰۷

۷۴	فیملی پلاننگ سے توبہ کرنے والے کی امامت..................	۱۰۸
۷۵	جاہل چور کی امامت..................	۱۱۰
۷۶	چوری سے توبہ کرنے کے بعد چور کی امامت..................	۱۱۱
۷۷	لڑکے کا بوسہ لینے والے کی امامت..................	۱۱۲
۷۸	جو امام لڑکے کا بوسہ لے اس کی امامت..................	۱۱۲
۷۹	کم سن بچوں سے تنہائی میں لپٹنے والے اور فجر کے بعد سونے والے کی امامت..................	۱۱۳
۸۰	سالی سے مذاق کرنے والے کی امامت..................	۱۱۵
۸۱	غیر محرم عورتوں سے بدن دبوانے والے کی امامت..................	۱۱۷
۸۲	نوجوان بیوہ سے پاؤں دبوانے والے کی امامت..................	۱۱۸
۸۳	اغلام باز اور اغلام بازی لگانے والے کی امامت..................	۱۱۹
۸۴	مخلوق اللحیہ کی امامت..................	۱۲۱
۸۵	ایضاً..................	۱۲۱
۸۶	داڑھی کٹے کی امامت تراویح میں..................	۱۲۲
۸۷	سودخور اور مخلوق اللحیہ کی امامت..................	۱۲۴
۸۸	جو امام داڑھی رکھنے سے منع کرے، اس کی امامت..................	۱۲۵
۸۹	تعلیم یافتہ بے داڑھی والے کی امامت..................	۱۲۵
۹۰	امام کس کو بنائیں، کم داڑھی والے کو یا دوسرے متبع سنت کو؟..................	۱۲۶
۹۱	داڑھی منڈے اور انگریزی بال والے کی امامت..................	۱۲۸
۹۲	ٹھوڑی کے بال کٹوانے والے کی امامت..................	۱۲۸
۹۳	انگریزی بال والے کی امامت..................	۱۲۹
۹۴	داڑھی منڈے عید کا خطبہ..................	۱۳۰
۹۵	بڑی مونچھ والے کی امامت..................	۱۳۱
۹۶	رشوت خور کی امامت..................	۱۳۲

۹۷	سود خور کی امامت	۱۳۲
۹۸	امام کو سود کھلانا اور اس کے پیچھے نماز	۱۳۵
۹۹	غاصب کی امامت	۱۳۶
۱۰۰	قرض ادا نہ کرنے والے کی امامت	۱۳۷
۱۰۱	خائن کی امامت	۱۳۸
۱۰۲	مسجد ومدرسہ کی رقم میں خیانت کرنے والے کی امامت	۱۳۹
۱۰۳	رہن کی آمدنی کھانے والے کی امامت	۱۴۱
۱۰۴	مکان کا کرایہ نہ دینے والے کی امامت	۱۴۳
۱۰۵	امام صاحب کے لئے کسی عامل کی منی پینا	۱۴۳
۱۰۶	ناجائز رقم سے خریدنے والے کی امامت	۱۴۵
۱۰۷	بغیر دباغت کے چمڑہ کا کاروبار کرنے والے کی امامت	۱۴۶
۱۰۸	حج میں افیون کی اسمگلنگ کرنے والے کی امامت	۱۴۷
۱۰۹	غلط مسئلہ بتانے والے کی امامت	۱۴۸
۱۱۰	کاروبار کی وجہ سے تارکِ جماعت کی امامت	۱۴۹
۱۱۱	تارکِ جماعت کی امامت	۱۴۹
۱۱۲	تارکِ نماز کی امامت	۱۵۰
۱۱۳	غیر پابندِ نماز کی امامت	۱۵۱
۱۱۴	جو امام نماز کی پابندی نہ کرے، اس کی امامت	۱۵۳
۱۱۵	ایضاً	۱۵۴
۱۱۶	جو شخص نماز کا عادی نہ ہو اس کو امام بنانا	۱۵۵
۱۱۷	مستقلاً سنت چھوڑنے والے کی امامت	۱۵۶
۱۱۸	جو امام سنت نہ پڑھے، اس کی امامت	۱۵۷
۱۱۹	تراویح نہ پڑھنے والے کی امامت	۱۵۸

۱۲۰	نماز قضاء ہونے پر امام کا یہ جواب کہ ''نماز تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی قضاء ہوتی تھی	۱۵۹
۱۲۱	امامتِ جنب	۱۶۰
۱۲۲	گالی دینے والے کی امامت	۱۶۱
۱۲۳	گالی کے عادی کی امامت	۱۶۲
۱۲۴	مسجد میں گالی گلوچ کرنے والے کی امامت	۱۶۲
۱۲۵	باپ کو گالی دینے والے کی امامت	۱۶۳
۱۲۶	باپ کو گالی دینے اور ستانے والے کی امامت	۱۶۴
۱۲۷	جھگڑالو اور فسادی کی امامت	۱۶۵
۱۲۸	استاذ کی شان میں بے ادبی کرنے والے کی امامت	۱۶۵
۱۲۹	استاذ کے نافرمان شاگرد کی امامت	۱۶۷
۱۳۰	امامت پر لعنت بھیجنے والے کی امامت	۱۶۷
۱۳۱	''جھوٹ کہوں تو ابوجہل سے زیادہ برا میرا حشر ہو'' کہنے والے کی امامت	۱۶۸
۱۳۲	''اگر کوئی میرا گلا گھونٹ کر مار دے'' کہنے والے کی امامت	۱۷۰
۱۳۳	مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرنے والے کی امامت	۱۷۰
۱۳۴	جھوٹے کو امام و مؤذن بنانا	۱۷۱
۱۳۵	جھوٹ بولنے والے اور غیبت کرنے والے کی امامت	۱۷۲
۱۳۶	اندھے جھوٹے کی امامت	۱۷۳
۱۳۷	چغلخور کی امامت	۱۷۵
۱۳۸	حاسد کی امامت	۱۷۵
۱۳۹	وعدہ خلاف کی امامت	۱۷۶
۱۴۰	جعلسازی کرنے والے کی امامت	۱۷۹
۱۴۱	جعلسازی اور فریب دہی جیسی نازیبا حرکات کرنے والے کی امامت	۱۸۰
۱۴۲	حلال کو حرام سمجھنے والے کی امامت	۱۸۲

۱۴۳	حدیث شریف کی توہین کرنے والے کی امامت	۱۸۳
۱۴۴	جو شخص علمائے حق کی تکفیر کرے، اس کی امامت	۱۸۴
۱۴۵	منکرینِ قرآن وحدیث اور فاسق کے مرید کی امامت	۱۸۵
۱۴۶	مشرک کے جنازہ کی نماز پڑھانے والے کی امامت	۱۸۶
۱۴۷	غیر مسلم سے سارق کا معلوم کرنے والے کی امامت	۱۸۶
۱۴۸	غلط اوصاف والے شخص کی امامت	۱۸۷
۱۴۹	ایک امام صاحب کی خرابیاں	۱۹۰
۱۵۰	امام کی خرابیاں	۱۹۲
۱۵۱	امام کے متعلق چند خرابیاں	۱۹۳
۱۵۲	ایک امام صاحب کے خراب حالات، داڑھی کی حد	۱۹۴
۱۵۳	ایک امام صاحب کی کوتاہیاں	۱۹۶
۱۵۴	ایضاً	۱۹۸
۱۵۵	ترش رو اور جھوٹ بولنے والے کی امامت	۲۰۱
۱۵۶	جھوٹ بولنے، درست طور پر طہارت حاصل نہ کرنے والے بہرے امام کی امامت	۲۰۳
۱۵۷	امام صاحب اگر غلط مذاق کرے تو کیا حکم ہے؟	۲۰۹
۱۵۸	بیوی کا نفقہ نہ دینے والے کی امامت	۲۰۹
۱۵۹	سینما دیکھنے اور قوالی سننے والے کی امامت	۲۱۱
۱۶۰	قوالی سننے والے کی امامت	۲۱۱
۱۶۱	ایضاً	۲۱۲
۱۶۲	ساز پر گانے والے کی امامت	۲۱۴
۱۶۳	ناچ گانے میں شرکت کرنے والے کی امامت	۲۱۴
۱۶۴	غلط محفل میں شریک ہونے والے کی امامت	۲۱۶
۱۶۵	گانے بجانے کی مجلس میں نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۱۶

۱۶۶	گانے بجانے کی فحش مجلس اور اس کو روکنے والے امام کا حکم	۲۱۷
۱۶۷	عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۰
۱۶۸	غیر مطلقہ کا نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۱
۱۶۹	مطلقہ مغلظہ کو بلا حلالہ کے رکھنے والے کی امامت	۲۲۲
۱۷۰	تین طلاق کے بعد رکھنے والے کے احکام: امامت، جنازہ، معاشرہ وغیرہ	۲۲۳
۱۷۱	محض ضد میں طلاق دینے والے کی امامت	۲۲۷
۱۷۲	زبردستی طلاق کی وجہ سے امامت درست ہوگی یا نہیں؟	۲۲۸
۱۷۳	خالہ اور بھانجی کا ایک شخص سے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۲۹
۱۷۴	سوتیلی نانی سے نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۳۱
۱۷۵	زبردستی نکاح پڑھانے والے کی امامت	۲۳۳
۱۷۶	حمل ساقط کرنے والے کی امامت	۲۳۴
۱۷۷	زانیہ کے شوہر کی امامت	۲۳۵
۱۷۸	زوج مزنیہ کی امامت	۲۳۷
۱۷۹	جس امام کی بیوی کا تعلق کسی غیر سے ہو، اس کی امامت	۲۳۸
۱۸۰	فاجرہ کے شوہر کی امامت	۲۳۹
۱۸۱	ایسے شخص کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو	۲۴۰
۱۸۲	کبوتر باز کی امامت جس کی بیوی بے پردہ ہو	۲۴۰
۱۸۳	جو شخص ستر کا اہتمام نہ کرے، اس کی امامت	۲۴۲
۱۸۴	ایضاً	۲۴۲
۱۸۵	بے پردہ بیوی کے ساتھ بازار میں گھومنے والے کی امامت	۲۴۲
۱۸۶	جس کی بیوی قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ کرے، اس کی امامت	۲۴۳
۱۸۷	گانے بجانے والی عورت کے شوہر کی امامت	۲۴۵
۱۸۸	جس کی بیوی گھاس کاٹتی ہو، اس کی امامت	۲۴۷

۱۸۹	جس کی اہلیہ استانی ہو، اس کی امامت	۲۴۸
۱۹۰	جس امام کی لڑکیاں بے پردہ ہوں، اس کی امامت	۲۴۸
۱۹۱	جو امام اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کرائے، اس کی امامت	۲۴۹
۱۹۲	جس امام کے بیٹے گناہگار ہوں، اس کی امامت	۲۵۰
۱۹۳	جس کا بیٹا چوری کرتا ہو، اس کی امامت	۲۵۱
۱۹۴	جس کا والد ناجائز کاروبار کرے، اس کی امامت	۲۵۱
۱۹۵	جس جس کی امامت مکروہ ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟	۲۵۲

الفصل الثالث في إمامة المبتدع

(بدعتی کی امامت کا بیان)

۱۹۶	مبتدع کی امامت	۲۵۴
۱۹۷	بدعتی کی امامت	۲۵۸
۱۹۸	ایضاً	۲۵۹
۱۹۹	ایضاً	۲۵۹
۲۰۰	بریلوی کی امامت	۲۶۰
۲۰۱	ایضاً	۲۶۰
۲۰۲	نمازِ عید بدعتی کے پیچھے پڑھنے کا حکم	۲۶۱
۲۰۳	مزار کی مٹی کھانے والے اور اس پر سجدہ کرنے والے کی امامت	۲۶۲
۲۰۴	چڑھاوا اور دیگ چڑھانے والے کی امامت	۲۶۳
۲۰۵	مرشد کے نام جھنڈا لگانے والے کی امامت	۲۶۳
۲۰۶	ہندوؤں کا بکرا ذبح کرنے والے کی امامت	۲۶۴
۲۰۷	میلاد اور دسویں میں شریک ہونے والے کی امامت	۲۶۶
۲۰۸	تیجہ، چالیسواں کرانے والے کی امامت	۲۶۷

الفصل الرابع في إمامة المحترف والمتهم

(حقیر پیشے والے اور متہم کی امامت کا بیان)

۲۰۹	میراثی کی امامت	۲۶۸
۲۱۰	نائی کی امامت	۲۶۹
۲۱۱	نداف (روئی صاف کرنے والے) کی امامت	۲۷۰
۲۱۲	غسّالِ میت کی امامت	۲۷۰
۲۱۳	غاسلِ میت کی امامت	۲۷۲
۲۱۴	جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہو، اس کی امامت	۲۷۳
۲۱۵	ایضاً	۲۷۵
۲۱۶	نکاح محرمہ سے پیدا شدہ لڑکے کی امامت	۲۷۶
۲۱۷	امامتِ عنین	۲۷۷
۲۱۸	غیر مختون کی امامت	۲۷۸
۲۱۹	لاولد کی امامت	۲۷۹
۲۲۰	برہمن بچہ کو پال کر امام بنانا	۲۷۹
۲۲۱	غیر سید کے پیچھے سید کی نماز	۲۸۱
۲۲۲	کیا چار قوموں کے علاوہ کے پیچھے نماز درست نہیں؟	۲۸۱

الفصل الخامس في إمامة المعذور

(معذور کی امامت کا بیان)

۲۲۳	معذور کی تعریف اور اس کی امامت	۲۸۳
۲۲۴	امامتِ معذور	۲۸۴
۲۲۵	معذور کی نماز اور امامت	۲۸۵

۲۲۶	جریان کے مریض کی امامت	۲۸۷
۲۲۷	جریان والے کی امامت	۲۸۸
۲۲۸	صاحب جریان کی نماز وامامت	۲۸۸
۲۲۹*	نابینا کی امامت	۲۹۱
۲۳۰	ایضاً	۲۹۱
۲۳۱	معذور نابینا کی امامت	۲۹۳
۲۳۲	نابینا امام کے کچھ اَور اوصاف	۲۹۴
۲۳۳	بینا ونابینا میں امام کون ہے؟	۲۹۸
۲۳۴	جس کو ایک آنکھ سے نظر آتا ہو، اس کی امامت	۲۹۹
۲۳۵	ایک آنکھ اور ایک ہاتھ والے کی امامت	۳۰۰
۲۳۶	اندھے جھوٹے کی امامت	۳۰۱
۲۳۷	مقطوع الید کی امامت	۳۰۳
۲۳۸	ایک ہاتھ سے معذور کی امامت	۳۰۴
۲۳۹	لنگڑے کی امامت	۳۰۴
۲۴۰	امامتِ مرتعش	۳۰۵
۲۴۱	مفلوج کی امامت	۳۰۶
۲۴۲	ابرس اور جذامی کی امامت	۳۰۶
۲۴۳	اعمی وابرص کی امامت	۳۰۷
۲۴۴	بہرہ کی امامت	۳۰۸
۲۴۵	مصنوعی دانت والے کی امامت	۳۰۹
۲۴۶	مصنوعی دانت والے کے پیچھے نماز	۳۱۰

الفصل السادس في إمامة الصبي

(نابالغ کی امامت کا بیان)

۲۴۷ امامتِ صبی ۳۱۱
۲۴۸ بالغ کی نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم ۳۱۱
۲۴۹ نابالغ کی امامت، صرف نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرنا ۳۱۲
۲۵۰ امامتِ امرد ۳۱۴

الفصل السابع في عزل الإمام وتحقيره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

۲۵۱ امام باصلاحیت ہوتو اس کو امامت سے ہٹانا ۳۱۶
۲۵۲ بلا وجہ شرعی دوسرا امام بنانا ۳۱۷
۲۵۳ ضد کی وجہ سے امام تبدیل کرنا ۳۱۷
۲۵۴ ایک شخص کے ناخوش ہونے پر امام کی علیحدگی ۳۱۸
۲۵۵ بلا وجہ امام کی مخالفت ۳۱۹
۲۵۶ امام کو بُرا بھلا کہہ کر نکال دینا ۳۲۱
۲۵۷ جو شخص اپنی امامت پر مصر ہو اور مقتدی نہ چاہتے ہوں، اس کی امامت ۳۲۳
۲۵۸ مقتدیوں میں امام کے بارے میں اختلاف ہو تو امام کیا کرے؟ ۳۲۵
۲۵۹ امام پر مقتدی کا حکم اور اس کو ذلیل سمجھنا ۳۲۵
۲۶۰ امام کو ذلیل سمجھنا ۳۲۶
۲۶۱ امامت کو حقیر وذلیل سمجھنا ۳۲۷
۲۶۲ امام کو حقارت کی نظر سے دیکھنا ۳۲۸
۲۶۳ ذاتی عداوت کی وجہ سے امام کو گالی دینا ۳۲۹

۲۶۴	کیاامام متولی جماعت یا مسجد کا نوکر ہوتا ہے؟	۳۳۰
۲۶۵	متولی کا امام کو نوکر سمجھنا اور امام کا برسرِ عام اپنی تکالیف بیان کرنا	۳۳۲
۲۶۶	امام کو ملازم کہنا	۳۳۲
۲۶۷	جس کے دل میں امام سے نفرت ہو، اس کی نماز	۳۳۳
۲۶۸	جس کو امام کے گناہ کا علم ہو، اس کا امام کے پیچھے اقتداء کرنا	۳۳۴
۲۶۹	امام پر غلط الزام لگانا	۳۳۵
۲۷۰	امام سے مسائل میں بحث	۳۳۷
۲۷۱	جو شخص امام کی بات نہ مانے، اس کی نماز کا حکم	۳۳۸
۲۷۲	متولی اور امام میں ترک کلام بڑی محرومی ہے	۳۳۹
۲۷۳	امام بنانے کا حق کس کو ہے؟	۳۴۰
۲۷۴	زبردستی امام مقرر کرنا	۳۴۱

الفصل الثامن في النيابة عن الإمام

(نیابت امام کا بیان)

۲۷۵	بوقتِ ضرورت بلا اجازت کسی کو امام بنانا	۳۴۲
۲۷۶	امامت میں کسی کو اپنا نائب بنا کر رخصت پر جانا	۳۴۲
۲۷۷	امام کا بوقتِ ضرورت کسی کو اپنا قائم مقام بنانا	۳۴۳
۲۷۸	امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کا حق	۳۴۵
۲۷۹	مقررہ امام کی موجودگی میں بلا اجازت کسی عالم کا وقت وخطابت کرنا	۳۴۶
۲۸۰	متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اَور کو پڑھانا	۳۴۷
۲۸۱	نائب امام کی موجودگی میں کسی اَور کی امامت	۳۴۸
۲۸۲	خادمِ مسجد اور مؤذن کی امامت	۳۴۹
۲۸۳	استاد کی موجودگی میں امامت	۳۴۹

الفصل التاسع في إمامة اللّحّان

(غلط خواں کی امامت کا بیان)

۲۸۴	غلط خوان کی امامت	۳۵۱
۲۸۵	ایضاً	۳۵۱
۲۸۶	ایضاً	۳۵۲
۲۸۷	ایضاً	۳۵۳
۲۸۸	ایضاً	۳۵۵
۲۸۹	بے علم، غلط پڑھنے والے کی امامت اور پیشۂ خیاطت	۳۵۶
۲۹۰	الفاظ کو درست نہ پڑھنے والے کی امامت	۳۵۸
۲۹۱	غیر پابندِ شرع غلط خوان کی امامت	۳۶۰
۲۹۲	لحنِ خفی کرنے والے کی امامت	۳۶۲
۲۹۳	جو شخص "ق" اور "ك" صحیح ادا نہ کرے، اس کی امامت	۳۶۴
۲۹۴	امام کی قراءت اگر سمجھ میں نہ آئے، اس کی امامت	۳۶۵
۲۹۵	غیر مجوّد کی امامت	۳۶۶
۲۹۶	امام کے لئے قواعدِ تجوید کی رعایت	۳۶۷
۲۹۷	سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنے والے کی امامت	۳۶۸

الفصل العاشر في اقتداء الحنفي بالشافعي وغيره

(حنفی کی غیر حنفی کی اقتداء کا بیان)

۲۹۸	احناف کی نمازِ عیدین شوافع کے پیچھے	۳۶۹
۲۹۹	شافعی امام کا مسائلِ اختلافیہ میں اتباع	۳۷۰
۳۰۰	حنفی کے پیچھے شافعی کی نماز	۳۷۲

۳۰۱	حنفی کے لئے شیعہ، مرزائی کی امامت	۳۷۴
۳۰۲	حنفی کی نماز، غیر مقلد کے پیچھے	۳۷۵
۳۰۳	اہلِ حدیث کی امامت	۳۷۶
۳۰۴	غیر مقلد کی امامت	۳۷۷
۳۰۵	غیرِ مقلد کی اقتداء	۳۸۰
۳۰۶	ایضاً	۳۸۱
۳۰۷	دیوبندی کی بریلوی مسجد میں امامت	۳۸۲
۳۰۸	بریلوی کی نماز دیوبندی کے پیچھے	۳۸۳

الفصل الحادي عشر في المتفرقات

۳۰۹	کیا حق امامت اور نکاح خوانی وراثت میں منتقل ہوتا ہے؟	۳۸۴
۳۱۰	احتیاط الظہر پڑھنے والے کی امامت	۳۸۵
۳۱۱	جو امام تبلیغی نصاب پڑھنے کو روک دے، اس کی امامت	۳۸۷
۳۱۲	جو شخص درسِ قرآن کو لازم نہ سمجھیں، اس کی امامت	۳۸۷
۳۱۳	جو امام مقتدی سے صلح نہ کرے اس کی امامت	۳۸۸
۳۱۴	امامت نہ کرنے کا عہد کر کے پھر امامت کرنا	۳۸۹
۳۱۵	امام صاحب کے دروازے پر جا کر اس کو نیند سے جگانا	۳۹۰
۳۱۶	امام صاحب سو رہے ہوں، تو اس کو جگانا	۳۹۰
۳۱۷	امام کے بجائے ٹیپ ریکارڈ سے نماز پڑھانا	۳۹۱
۳۱۸	مسجد میں جھاڑو دینا اور حمام میں پانی بھرنا کیا امام کی ذمہ داری ہے؟	۳۹۲
۳۱۹	امام کی خدمات	۳۹۲
۳۲۰	امام کا مقتدی کو کتا کہنا	۳۹۴

باب الجماعة

الفصل الأول في اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

۳۲۱	جماعت کا اہتمام	۳۹۶
۳۲۲	امام تنہا اذان واقامت کے بعد نماز پڑھے تو جماعت کا ثواب ملے گا	۳۹۷
۳۲۳	اپنی نماز کے بعد جماعت میں شرکت کی نیت کیا ہو؟	۳۹۷
۳۲۴	شوہر بیوی کی جماعت کا طریقہ	۳۹۸
۳۲۵	دھوپ یا بارش کی وجہ سے برآمدہ میں جماعت	۳۹۹
۳۲۶	صحنِ مسجد میں جماعت کرانا	۳۹۹
۳۲۷	بلند مقام پر ضعیف آدمی کو نماز پڑھنے سے حرم شریف کا ثواب	۴۰۰
۳۲۸	ضعف اور بیماری کی وجہ سے پنکھے سے کچھ دور نماز پڑھنا	۴۰۰
۳۲۹	معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا	۴۰۲
۳۳۰	مشق کے لئے بچوں کی جماعت کرانا	۴۰۲
۳۳۱	کوڑھی کا مسجد میں جانا	۴۰۳
۳۳۲	جس شخص کے منہ میں تعفن ہو، اس سے جماعت ساقط ہے	۴۰۵
۳۳۳	جس شخص نے فعل بد کیا ہو، اس کو مسجد میں آنے سے روکنا	۴۰۵
۳۳۴	مسجد بیت میں جماعت کی حیثیت	۴۰۶

الفصل الثاني في ترک الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

۳۳۵	ترکِ جماعت کا حکم	۴۰۷
۳۳۶	ترکِ جماعت	۴۰۸

۳۳۷	ایضاً	۴۰۸
۳۳۸	تارکِ جماعت کا حکم	۴۰۹
۳۳۹	مجاہدہ کے لئے ترکِ جماعت	۴۱۰
۳۴۰	مسجد میں امام سے قبل تنہا نماز پڑھنا	۴۱۱
۳۴۱	امام صاحب نہ آئیں تو کیا نماز الگ الگ پڑھیں؟	۴۱۳
۳۴۲	ملازمت کی وجہ سے ترکِ جماعت	۴۱۴
۳۴۳	مسجد کی نماز میں شریک نہ ہونا، اپنی نماز تنہا پڑھنا	۴۱۵
۳۴۴	مسجد میں جماعت سے پہلے اپنی نماز پڑھنا	۴۱۶
۳۴۵	جھگڑے سے بچنے کے لئے گھر پر نماز پڑھنا	۴۱۶
۳۴۶	گھر میں جماعت کرنا	۴۱۷
۳۴۷	گھر یا حجرہ میں جماعت کرنا	۴۱۸
۳۴۸	گھر میں اذان واقامت سے تنہا نماز پڑھنا	۴۱۹
۳۴۹	ذاتی رنجش کی بناء پر جماعت سے گریز	۴۲۱
۳۵۰	تعصب کی بناء پر امام کے پیچھے عید نہ پڑھنا	۴۲۲
۳۵۱	مسجد میں جماعت ہو چکی تو کیا گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب ملے گا؟	۴۲۳
۳۵۲	ایک مسجد کی جماعت چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا	۴۲۴
۳۵۳	امام کی خرابی کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا	۴۲۵
۳۵۴	امام کی غلط کاریوں کی وجہ سے گھر میں جماعت	۴۲۶
۳۵۵	تیمارداری کی وجہ سے ترکِ جماعت	۴۲۷
۳۵۶	دو شریکِ تجارت کا یکے بعد دیگرے مسجد میں جا کر نمازِ مغرب ادا کرنا	۴۲۸
۳۵۷	جماعتِ فجر سے پہلے تجارتی دھندوں میں لگ جانا	۴۲۹
۳۵۸	جماعت ہو چکی ہو تو جماعت کہاں پڑھے؟	۴۳۱
۳۵۹	جماعت چھوٹنے پر طلباء پر طعن کرنا	۴۳۱

۳۶۰	تنہا اذان واقامت سے نماز پڑھنا	۴۳۱

الفصل الثالث في الجماعة الثانية

(جماعتِ ثانیہ کا بیان)

۳۶۱	جماعتِ ثانیہ	۴۳۳
۳۶۲	ایضاً	۴۳۴
۳۶۳	ایضاً	۴۳۵
۳۶۴	ایضاً	۴۳۶
۳۶۵	وضوخانہ میں نماز کے بعد جماعت ثانیہ	۴۳۷
۳۶۶	بریلوی امام ہونے کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ	۴۳۷
۳۶۷	دومسجدیں برابر برابر، نئی مسجد میں جماعتِ ثانیہ	۴۳۸
۳۶۸	ظہر وعشاء پڑھ کر پھر اسی جماعت میں شریک ہونا	۴۳۹
۳۶۹	باہمی نزاع کی وجہ سے تکرارِ جماعت	۴۴۰
۳۷۰	جماعت ثانیہ میں نئے آدمی کی شرکت	۴۴۲
۳۷۱	اعادہ والی نماز میں شرکت	۴۴۳
۳۷۲	ایضاً	۴۴۴
۳۷۳	اعادہ والی نماز میں نئے آدمی کی شرکت	۴۴۵
۳۷۴	ترکِ واجب کی بناء پر اعادہ والی نماز میں نوارد شخص کی شرکت کا مفصل حکم	۴۴۶

الفصل الرابع في تعيين الوقت للجماعة

(جماعت کے لئے وقت مقرر کرنے کا بیان)

۳۷۵	نماز کے اوقات کی تعیین	۴۵۲
۳۷۶	متولی کا بغیر اجازت امام اوقاتِ نماز تبدیل کرنا	۴۵۲

۳۷۷	جماعت کا وقت کون متعین کرے؟	۴۵۳
۳۷۸	نماز کے اوقات امام مقرر کرے یا مقتدی؟	۴۵۴
۳۷۹	تبدیلیٔ اوقات کا اختیار کس کو ہے؟	۴۵۴
۳۸۰	ایضاً	۴۵۴
۳۸۱	وقتِ مقررہ کے بعد نمازیوں کا انتظار	۴۵۵
۳۸۲	نمازِ مغرب میں امام کا انتظار	۴۵۶
۳۸۳	نماز شروع کرنے میں امام متولی کا پابند نہیں	۴۵۷
۳۸۴	انتظار الصلوۃ	۴۵۹
۳۸۵	جماعت کے لئے نمازیوں کا انتظار	۴۶۰
۳۸۶	ایضاً	۴۶۰
۳۸۷	وقتِ مقررہ سے کچھ پہلے نماز	۴۶۱
۳۸۸	کسی مصلحت سے نماز میں ۵/منٹ تاخیر کرنا	۴۶۲
۳۸۹	کسی کے انتظار میں وقتِ مقررہ سے کچھ تاخیر کرنا	۴۶۳
۳۹۰	نماز کے وقتِ مقررہ سے ایک دومنٹ آگے پیچھے ہوجائے تو کیا حکم ہے؟	۴۶۴
۳۹۱	نماز میں معین آدمی کا انتظار	۴۶۵
۳۹۲	کسی معین شخص کا نماز کے لئے انتظار کرنا	۴۶۶

الفصل الخامس في جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

۳۹۳	عورتوں کی جماعت	۴۶۷
۳۹۴	عورتوں کی نماز جماعت سے	۴۶۹
۳۹۵	جماعۃ النساء	۴۷۲
۳۹۶	عورتوں کا مسجد میں جانا	۴۷۳

۳۹۷	ایضاً	۴۷۵
۳۹۸	نامحرم عورتوں کے ساتھ جماعت	۴۷۶
۳۹۹	عورتوں کی انفراداً نماز صف کی طرح	۴۷۷
۴۰۰	عورتوں کا نماز کے لئے مسجد آنا	۴۷۷
۴۰۱	عورتوں کے لئے پردہ ہونے کی صورت میں مسجد جانا	۴۷۸

باب تسویة الصفوف وترتیبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

۴۰۲	تسویۃ الصفوف کا مطلب	۴۸۰
۴۰۳	تسویۃ الصفوف	۴۸۳
۴۰۴	صف سیدھی کرنے میں پاؤں کی انگلیوں کا لحاظ رکھا جائے یا ایڑیوں کا	۴۸۴
۴۰۵	ایضاً	۴۸۵
۴۰۶	مردوں کی صفوں کے درمیان بچوں کی صف	۴۸۵
۴۰۷	کیا صف اول میں جگہ ہونے کے باوجود بچوں کی صف پیچھے بنائی جائے؟	۴۸۶
۴۰۸	نابالغ بچوں کی جگہ صف میں	۴۸۶
۴۰۹	نابالغ کے کھڑے ہونے کی جگہ	۴۸۸
۴۱۰	نابالغ لڑکا ایک ہوتو کہاں کھڑا ہو؟	۴۸۹
۴۱۱	بچوں کی صف سے بڑھ کر بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا	۴۹۰
۴۱۲	نابالغ کا صفِ اول میں کھڑا ہونا	۴۹۱
۴۱۳	اٹھارہ سالہ بے داڑھی مونچھ لڑکے کا صف میں کھڑا ہونا	۴۹۲
۴۱۴	مسجد میں جگہ تنگ ہوتو امام کے دائیں بائیں کھڑا ہونا	۴۹۲
۴۱۵	جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے کچھ آگے بڑھنا، کچھ پیچھے ہٹنا	۴۹۳
۴۱۶	جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے جماعت کی کیفیت	۴۹۴

۴۱۷	جماعت میں ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا..........	۴۹۵
۴۱۸	بعد میں آنے والا شخص کسی مقتدی کو پیچھے کھینچ لے..........	۴۹۶
۴۱۹	ایک مقتدی کے بعد دوسرا مقتدی آ گیا تو کس طرف شرکت کرے؟..........	۴۹۸
۴۲۰	ایک مقتدی کے بعد دوسرا آ گیا تو کہاں کھڑا ہو؟..........	۴۹۸
۴۲۱	ایک مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟..........	۴۹۹
۴۲۲	اگر بعد میں ایک مقتدی رہ جائے تو مقتدی کیا کرے؟..........	۵۰۰
۴۲۳	صف کے پیچھے تنہا ایک آدمی کا کھڑا ہونا..........	۵۰۰
۴۲۴	ایضاً..........	۵۰۱
۴۲۵	منفرد کے پیچھے اقتداء..........	۵۰۲
۴۲۶	اگر مقتدی ایک نابالغ لڑکا اور ایک بالغ ہو تو کس طرح کھڑے ہوں؟..........	۵۰۲
۴۲۷	مسجد میں ایک جانب اضافہ ہو گیا تو امام کہاں کھڑا ہو؟..........	۵۰۳
۴۲۸	مقامِ امام وسطِ مسجد ہے؟..........	۵۰۳
۴۲۹	امام کا محراب میں کھڑا ہونا..........	۵۰۴
۴۳۰	ایضاً..........	۵۰۵
۴۳۱	ایضاً..........	۵۰۷
۴۳۲	امام کا مسجد کے وسط میں کھڑا ہونا..........	۵۰۷
۴۳۳	جگہ تنگ ہو تو امام کا بیچ میں کھڑا ہونا..........	۵۰۹
۴۳۴	تنگی کی وجہ سے امام کا مقتدی سے دو چار انچ آگے ہونا..........	۵۰۹
۴۳۵	امام اور منبر کے درمیان آدمی کھڑا ہونا..........	۵۱۰
۴۳۶	دو ستونوں کے درمیان صف بنانا..........	۵۱۱
۴۳۷	امام کے کسی جانب نمازیوں کا زیادہ ہونا..........	۵۱۲
۴۳۸	صف ٹیڑھی ہو تو کیا کیا جائے؟..........	۵۱۳
۴۳۹	امام کا صف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا..........	۵۱۴

۴۴۰ امام کے پیچھے والی صف چھوٹی، بعد والی بڑی ۵۱۵
۴۴۱ بڑی چوڑی مسجد کی صفوں کو نماز میں دائیں بائیں سے کم کرنا ۵۱۶
۴۴۲ جہتِ قبلہ کی رعایت کی وجہ سے صفوں کا چھوٹا بڑا ہونا ۵۱۸
۴۴۳ کسی خاص شخص کے لئے کسی عامی کو اس کی جگہ سے ہٹانا ۵۱۹
۴۴۴ صف میں رومال یا مصلّی رکھ دینا ۵۲۰
۴۴۵ سلامِ امام کے بعد صف سے ہٹ کر بیٹھنا ۵۲۱
۴۴۶ نماز کے بعد کسی چھوٹے کا بڑے سے کچھ پیچھے ہٹ جانا ۵۲۲
۴۴۷ صف میں نابالغ بچوں کے سامنے سے گزرنا ۵۲۲
۴۴۸ مسجد کے قریبی حصہ سے گزرنا ۵۲۳
۴۴۹ ایضاً ۵۲۴

فصلٌ في الفصل بين الإمام والمقتدي والاتصال بين الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

۴۵۰ بند کواڑ یا پردہ کے باہر سے اقتداء ۵۲۶
۴۵۱ امام نیچے کی منزل پر اور مقتدی اوپر ۵۲۷
۴۵۲ امام کی اقتداء نیچے کی منزل سے کرنا ۵۲۸
۴۵۳ امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ صحت سے مانع ہے؟ ۵۲۸
۴۵۴ امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیے؟ ۵۲۹
۴۵۵ امام اور مقتدی کے درمیان منبر کا فاصلہ ۵۳۰
۴۵۶ امام اور مقتدی کے درمیان پردہ حائل ہو ۵۳۱
۴۵۷ صحن کا شمالی وجنوبی حصہ مسقّف بنا کر اس میں نمازیوں کا کھڑا ہونا ۵۳۱
۴۵۸ صحنِ مسجد میں نماز ۵۳۲
۴۵۹ امام مسجد کا اقتداء خارج مسجد اور مدرسہ سے ۵۳۳

۴۶۰	جوتے اتارنے کی جگہ سے اقتداء	۵۳۴
۴۶۱	مسجد کے دروں میں صف بنانا	۵۳۵
۴۶۲	مسجد کے دروں میں کھڑا ہونا	۵۳۶
۴۶۳	اتصالِ صفوف برائے اقتداء	۵۳۷
۴۶۴	مسجد اور متصل حجرہ میں جماعت کی صف بنانا	۵۳۹
۴۶۵	مسجد کے وضوخانہ اور استنجاء خانہ کی چھت کا حکم	۵۴۰

باب المسبوق و اللاحق

(مسبوق اور لاحق کا بیان)

۴۶۶	مسبوق کی تعریف	۵۴۲
۴۶۷	مسبوق کی نماز کا طریقہ	۵۴۳
۴۶۸	مسبوق کا حکم	۵۴۳
۴۶۹	مسبوق امام کے سجدۂ سہو کے بعد شریک ہوا	۵۴۴
۴۷۰	سجدۂ سہو کے بعد اقتداء کا حکم	۵۴۴
۴۷۱	ایضاً	۵۴۵
۴۷۲	ایضاً	۵۴۶
۴۷۳	اقتداء بعد لفظِ ''السلام''	۵۴۷
۴۷۴	دائیں جانب سلام پھیرنے کے بعد امام کی اقتداء	۵۴۸
۴۷۵	مسبوق نے تکبیرِ تحریمہ کہی، امام نے سلام پھیر دیا	۵۴۸
۴۷۶	اگر مسبوق قصداً امام کے ساتھ سلام پھیر دے	۵۴۹
۴۷۷	اگر مسبوق نے بھول کر ایک طرف سلام پھیر دیا	۵۵۰
۴۷۸	مسبوق کا بھول کر دونوں جانب سلام پھیر دینا	۵۵۱
۴۷۹	مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرنا	۵۵۲

۴۸۰	مسبوق نے سجدۂ سہو میں امام کے ساتھ سلام پھیر دیا........................	۵۵۳
۴۸۱	سلام مسبوق کے سلسلے میں دارالعلوم کے فتویٰ اور تعلیم الاسلام کی عبارت میں تطبیق...........	۵۵۳
۴۸۲	مسبوق نے سجدۂ سہو کے سلام میں قصداً سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟....................	۵۵۵
۴۸۳	مسبوق کا سہواً امام کے ساتھ سلام پھیرنا................................	۵۵۵
۴۸۴	مسبوق سجدۂ سہو کرے، سلام نہ پھیرے................................	۵۵۶
۴۸۵	مسبوق نے امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہیں کیا تو آخر میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہے........	۵۵۷
۴۸۶	مسبوق امام کے قعدۂ اخیر میں تشہد پڑھے................................	۵۵۸
۴۸۷	تشہد میں شریک ہونے والا کیا کرے؟................................	۵۵۹
۴۸۸	مسبوق تشہد سے فارغ نہیں ہوا، امام نے سلام پھیر دیا........................	۵۶۰
۴۸۹	کیا مسبوق پر تشہد واجب ہے؟................................	۵۶۱
۴۹۰	مسبوق کی نماز میں قراءت................................	۵۶۲
۴۹۱	مسبوق اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کب کھڑا ہو؟........................	۵۶۴
۴۹۲	مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پوری کرنا........................	۵۶۴
۴۹۳	تین رکعت کا مسبوق بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟........................	۵۶۵
۴۹۴	مسبوق کی بقیہ نماز میں سجدۂ سہو کا حکم................................	۵۶۶
۴۹۵	مسبوق ولاحق سے متعلق................................	۵۶۶
۴۹۶	مسبوق ولاحق کس طرح سجدۂ سہو کرے؟................................	۵۷۰
۴۹۷	لاحق کی قراءت کا حکم................................	۵۷۱
۴۹۸	لاحق تسمیع کہے یا تحمید؟................................	۵۷۱
۴۹۹	امام کی پانچویں رکعت میں اقتداء................................	۵۷۲
۵۰۰	فجر کی نماز کے بعد روزانہ کتاب سنایا جب کہ نماز میں مسبوق بھی ہوں...........	۵۷۳

باب الحدث في الصلوة

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

۵۰۱	لحوقِ حدث سے بنا کا حکم	۵۷۵
۵۰۲	حدث لاحق ہونے کی صورت میں امام، مقتدی اور منفرد کو کیا کرنا چاہیے؟	۵۷۷
۵۰۳	پہلی صف میں نمازی کا وضو ٹوٹ گیا، کیا کرے؟	۵۷۹
۵۰۴	مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟	۵۷۹
۵۰۵	وضو ٹوٹ گیا، باہر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے تو کیا کرے؟	۵۸۰
۵۰۶	نماز میں حدث ہو جائے، پانی دور ہو تو کیا کرے؟	۵۸۱
۵۰۷	ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ حدث لاحق ہو گیا	۵۸۱
۵۰۸	قعدہ اخیرہ میں بعد التشہد حدث کا حکم	۵۸۲
۵۰۹	گمانِ حدث پر رکوع سجدہ کرتا رہا	۵۸۳

باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها

الفصل الأول فيما يفسد الصلوة

(مفسداتِ نماز کا بیان)

۵۱۰	نماز میں چڑیا گر کر خون لگ جائے تو کیا نماز فاسد ہوگئی؟	۵۸۴
۵۱۱	مذی و ودی والے کپڑے میں نماز کا حکم	۵۸۵
۵۱۲	نماز میں یاد آ گیا کہ بڑا استنجاء نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟	۵۸۵
۵۱۳	نماز کے بعد دانتوں میں خون دیکھنا	۵۸۷
۵۱۴	بے وضو نماز پڑھا دی، نمازیوں کو اس کی اطلاع ضروری ہے	۵۸۷
۵۱۵	بلغم منہ میں لئے ہوئے نماز کا حکم	۵۸۸

۵۱۶	ناپاک کپڑے وبدن والے شخص کے لقمہ دینے سے فسادِ نماز کا حکم........................	۵۸۹
۵۱۷	ناپاک مشکوک تہبند سے نماز........................	۵۹۱
۵۱۸	خارج آدمی کے کہنے سے تکبیر کہنے پر نماز فاسد ہوگئی........................	۵۹۲
۵۱۹	نمازی کا غیر نمازی کے کہنے پر عمل کرنا........................	۵۹۳
۵۲۰	کیا لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟........................	۵۹۴
۵۲۱	لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی........................	۵۹۴
۵۲۲	ٹوپی پیشانی پر رکھ کر سجدہ کرنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟........................	۵۹۵
۵۲۳	ترکی ٹوپی سے نماز اور حرام خور کی نماز........................	۵۹۶
۵۲۴	حرم شریف میں عورت کا مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا........................	۵۹۷
۵۲۵	عورت کا مسجد میں آکر مردوں کی صفوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا........................	۵۹۸
۵۲۶	میاں بیوی کا ایک مصلے پر کھڑے ہو کر الگ الگ نماز پڑھنا........................	۵۹۹
۵۲۷	نماز میں چلنے سے نماز کا حکم........................	۶۰۰
۵۲۸	عملِ کثیر کا حکم........................	۶۰۱
۵۲۹	ایک رکن میں تین بار کھجلانے سے کیا نماز کو توڑنا لازم ہے؟........................	۶۰۲
۵۳۰	تین دفعہ کھجلانا عملِ کثیر ہے؟........................	۶۰۳
۵۳۱	بائیں ہاتھ سے کھجانا کیا مفسدِ صلوۃ ہے؟........................	۶۰۴
۵۳۲	پکی گھموری (گرمی دانہ) کا کھجلانا........................	۶۰۴
۵۳۳	کیا نماز میں گھڑی دیکھنا مفسد ہے؟........................	۶۰۶
۵۳۴	نماز میں جوؤں کو مارنا........................	۶۰۶
۵۳۵	کیا ایک سے زائد ضرب سے سانپ کو مارنا مفسد ہے؟........................	۶۰۷
۵۳۶	کپڑے میں الجھ کر دونوں پیر اُکھڑ جائیں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟........................	۶۰۸
۵۳۷	کیا نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہٹ جانا مفسدِ نماز ہے؟........................	۶۰۹
۵۳۸	نمازی کے سامنے والا شخص اپنی جگہ سے ہٹ کر جا سکتا ہے یا نہیں؟........................	۶۰۹

۵۳۹	نماز پڑھتے ہوئے بارش آجائے تو کیا کیا کرے؟	۶۱۰
۵۴۰	معمولی ہنسی سے نماز فاسد ہوگئی، وضوء نہیں ٹوٹا	۶۱۱
۵۴۱	کیا نماز میں ہلکی آواز نکلنے سے نماز فاسد ہوجائے گی؟	۶۱۲
۵۴۲	امام کی تکبیرات اور سلام سے پہلے مقتدی کا تکبیر اور سلام کہنا	۶۱۳
۵۴۳	امام سے پہلے سانس توڑنا	۶۱۴
۵۴۴	امام کے ساتھ چوتھی رکعت کا قیام کئے بغیر سلام پھیر دینا	۶۱۶
۵۴۵	امام نماز میں سو جائے تو مقتدی کیا کریں اور نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	۶۱۷
۵۴۶	امام کا سجدہ میں انتقال کر جانا	۶۱۷
۵۴۷	نماز میں مقتدی کا انتقال ہوجانا	۶۱۸
۵۴۸	گمانِ فساد پر نماز کا اعادہ	۶۱۹
۵۴۹	تین سجدے کرنے سے نماز کا اعادہ	۶۲۰
۵۵۰	ترکِ اقامت کی وجہ سے نماز کا اعادہ	۶۲۰
۵۵۱	عین نماز میں طلوعِ شمس	۶۲۲
۵۵۲	"لا صلوة إلا بحضور القلب" کا مطلب	۶۲۲
۵۵۳	کیا بغیر حضورِ قلب کے نماز نہیں ہوتی؟	۶۲۴
۵۵۴	خیالات آنے کی وجہ سے نماز میں خرابی نہیں آتی	۶۲۴
۵۵۵	نماز میں حوروں کا تصور	۶۲۵
۵۵۶	نماز میں غیر عربی میں دعا مانگنا	۶۲۶
۵۵۷	نماز اور غیر نماز میں عربی اور غیر عربی میں دعا میں فرق	۶۲۷
۵۵۸	کتنے نقصان پر نماز توڑنے کی اجازت ہے؟	۶۲۸
۵۵۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجائے تو نماز کا حکم	۶۲۹
۵۶۰	"التحیات" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور	۶۲۹
۵۶۱	امام کے سورۃ الفاتحہ کے ختم پر مقتدی کا کلمہ طیبہ پڑھنا	۶۳۰

۵۶۲	نماز میں نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنے کا حکم	۶۳۱
۵۶۳	کیا سجدہ میں دونوں پیروں کے اٹھ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟	۶۳۲
۵۶۴	سجدہ میں دونوں پیروں کا زمین سے اٹھ جانا	۶۳۳
۵۶۵	سجدہ میں دونوں پیروں کا اٹھالینا	۶۳۴
۵۶۶	رفع قدمین	۶۳۴
۵۶۷	سجدہ میں پیشانی اور ناک رکھنے کی جگہ کا موضع قدمین سے بلند ہونا	۶۳۵
۵۶۸	عورت کا نماز میں جہراً قراءت کرنا کیا مفسد ہے؟	۶۳۵
۵۶۹	نماز میں تفسیر کے ساتھ قراءت کرنا	۶۳۶
۵۷۰	"سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کے بجائے "سمع اللّٰہ من حمدہ" کہنا	۶۳۷
۵۷۱	لفظ "اللّٰہ" کے شروع میں مد	۶۳۷
۵۷۲	قصداً ترکِ رکوع اور ترکِ قعدہ اولیٰ کا حکم	۶۳۸
۵۷۳	امام سے پہلے رکوع یا سجدہ	۶۳۹
۵۷۴	سلام قبل الامام سے متعلق "تذکرۃ الرشید" اور "تذکرۃ الخلیل" کی عبارتوں میں تعارض	۶۴۰
۵۷۵	قعدۂ اخیرہ کے بعد ضرورۃً امام سے پہلے سلام پھیرنا	۶۴۱
۵۷۶	سلام قبل الامام	۶۴۲
۵۷۷	امام کی تبعیت کا ایک مسئلہ	۶۴۲
۵۷۸	مقتدی سے فرض کہہ کر سنت پڑھنا	۶۴۴
۵۷۹	جماعت شروع ہونے پر مسجد کے اندر سونے والا کیا کرے؟	۶۴۵

الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

۵۸۰	کیا نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے؟	۶۴۶
۵۸۱	"كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها"	۶۴۶

۵۸۲	کیا طاعاتِ مکروہہ کا بھی ثواب ہے؟	۶۴۸
۵۸۳	نماز میں کہنی سے آستین اتارنا	۶۵۱
۵۸۴	کہنی تک آستین چڑھا کر نماز	۶۵۱
۵۸۵	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۶۵۲
۵۸۶	بٹن کھلے رہنے سے نماز کا حکم	۶۵۲
۵۸۷	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۶۵۲
۵۸۸	نیم آستین سے نماز	۶۵۳
۵۸۹	نیم آستین، کرتہ، ٹخنوں سے نیچے پائجامہ سے نماز	۶۵۴
۵۹۰	نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا	۶۵۴
۵۹۱	نماز میں گریبان کھلا رکھنا	۶۵۴
۵۹۲	کھلے گریبان سے نماز	۶۵۵
۵۹۳	بٹن کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا	۶۵۶
۵۹۴	عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہنا	۶۵۶
۵۹۵	نماز میں ٹوپی عمامہ سے کھلی رہنے کا حکم	۶۵۷
۵۹۶	مقتدی کا امام سے پہلے تکبیراتِ انتقال کہنا	۶۵۸
۵۹۷	امام کا رکوع میں جانے اور سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تکبیر کہنا	۶۵۹
۵۹۸	نماز میں ٹوپی گر جائے تو اس کو اوڑھنا	۶۶۱
۵۹۹	جالی دار ٹوپی سے نماز	۶۶۲
۶۰۰	استعمالی رومال کو سر پر باندھ کر نماز پڑھنا	۶۶۳
۶۰۱	چوری کے کپڑے میں نماز کا حکم	۶۶۳
۶۰۲	سرخ کپڑے میں نماز	۶۶۴
۶۰۳	منہ ڈھانک کر نماز پڑھنا	۶۶۴
۶۰۴	پتلون پہن کر نماز	۶۶۵

۶۰۵	کوٹ پتلون کے ساتھ نماز	۲۶۶
۶۰۶	نماز میں لنگی یا پائجامہ درست کرنا	۲۶۶
۶۰۷	جوتے پہن کر نماز کا حکم	۲۶۷
۶۰۸	کمبل سے ہاتھ نکالے بغیر نماز ادا کرنا	۲۶۸
۶۰۹	گھڑی کی چین کے ساتھ نماز	۲۶۸
۶۱۰	تصویر پر سجدہ	۲۶۹
۶۱۱	مصلّی پر تصویر	۲۶۹
۶۱۲	خانۂ کعبہ کی تصویر والے مصلّے پر نماز	۲۷۰
۶۱۳	منقش مصلّے پر نماز	۲۷۱
۶۱۴	ایضاً	۲۷۳
۶۱۵	جس مصلّے پر بیت اللہ کی تصویر ہو، اس پر نماز پڑھنا	۲۷۴
۶۱۶	روپیہ پیسے کے ساتھ نماز کا حکم	۲۷۴
۶۱۷	تصویر یا بیڑی، سگریٹ جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا	۲۷۵
۶۱۸	ہاتھ پر تصویر گدی ہوئی ہونے کی حالت میں نماز	۲۷۶
۶۱۹	آئینہ دار مسجد میں نماز	۲۷۷
۶۲۰	آئینہ سامنے ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟	۲۷۷
۶۲۱	دیوارِ قبلہ پر نظر پڑنا	۲۷۸
۶۲۲	غیر مسلم کے معبد یا زمین میں نمازِ عید وغیرہ	۲۷۹
۶۲۳	مسجد کے لئے بنیاد کھودتے ہوئے میت کی کچھ ہڈیاں ظاہر ہوئیں، وہاں نماز کا حکم	۲۸۰
۶۲۴	قرآن مجید سجدے کے سامنے ہو	۲۸۱
۶۲۵	نمازی کے سامنے چراغ جلنا	۲۸۲
۶۲۶	چراغ سامنے رکھ کر نماز پڑھنا	۲۸۲
۶۲۷	نماز اندھیرے میں ہو یا روشنی میں؟	۲۸۳

۶۲۸	اندھیرے میں نماز پڑھنا	۶۸۴
۶۲۹	اگر امام کا چہرہ شمال یا جنوب کی طرف گھوم جائے	۶۸۵
۶۳۰	امام کا مصلی پر مقتدی کا فرش پر ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟	۶۸۵
۶۳۱	مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے	۶۸۶
۶۳۲	ایضاً	۶۸۷
۶۳۳	مسجد کے اندر کنویں پر نماز	۶۸۷
۶۳۴	کیا نماز کم عرض دری پر مکروہ ہے؟	۶۸۸
۶۳۵	نجاست بقدرِ عفو کے ساتھ نماز	۶۸۸
۶۳۶	تقاضۂ ریح کے وقت نماز	۶۸۹
۶۳۷	طبعی کراہت کی وجہ سے نماز میں کراہت	۶۹۰
۶۳۸	منفرد کے لئے تکبیر کا جہر	۶۹۰
۶۳۹	منفرد کو تکبیرات بالجہر کہنا	۶۹۱

باب السترة

(سترہ کا بیان)

۶۴۰	راستہ میں بغیر سترہ کے نماز	۶۹۳
۶۴۱	کیا جنگلہ سترہ کے حکم میں ہے؟	۶۹۳
۶۴۲	اونچائی پر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا	۶۹۵

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد ہفتم

باب القرآءة

الفصل الأول فی وجوب القرآءة فی الصلوة

(قراءت کے واجب ہونے کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	قراءت کی فرضیت	۲۹
۲	نماز میں کتنی قراءت واجب ہے؟	۳۰
۳	نماز میں مقدارِ قراءت	۳۱
۴	تین آیت کی مقدار	۳۱
۵	محض "بسم اللہ" کی قراءت سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟	۳۲
۶	قراءت میں غلطی کی وجہ سے تین تسبیح کے برابر سکتہ	۳۴
۷	وتر کی تیسری رکعت میں قراءت کا حکم	۳۵
۸	واجب الاعادہ نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں ختمِ سورت کا حکم	۳۶

۹	لاحق کی قراءت کا حکم	۳۶
۱۰	جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہونے والے پر بعد والی دورکعتوں میں قراءت لازم نہیں	۳۷

الفصل الثانی فی کیفیة الجهر والسرّ بالقرآءة

(جہری اور سری قراءت کے احکام کا بیان)

۱۱	تشریحِ جہر وسرّ	۳۹
۱۲	قراءتِ جہری وسرّی کی حکمت	۳۹
۱۳	جہری وسری میں جہر وسرّ کی وجہ	۴۰
۱۴	نماز کے سرّی وجہری ہونے کا سبب	۴۱
۱۵	بغیر ضرورت کے زیادہ بلند آواز نماز سے پڑھنا	۴۲
۱۶	جہر وسرّ کی ادنیٰ مقدار	۴۳
۱۷	سرّی قراءت میں تیز اور جہری میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا	۴۴
۱۸	ترتیل کے ساتھ قراءت	۴۵
۱۹	اپنے جی میں قراءت کرنا	۴۶
۲۰	بغیر آواز قراءت کا حکم	۴۶
۲۱	ہونٹ اور زبان کی حرکت کے بغیر نماز	۴۷
۲۲	نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۴۷
۲۳	ایضاً	۴۹
۲۴	نماز میں سرّی ہونے کا معیار	۴۹
۲۵	"ولا الضالین" میں "لین" کی آواز پست ہونے کا حکم	۴۹
۲۶	فجر کی سنتوں میں قراءت بالجہر	۵۰
۲۷	قراءت کے اخیر لفظ کو رکوع کے ساتھ ملانا	۵۰
۲۸	مقتدی کا سہواً قراءت کرنا	۵۱

الفصل الثالث فی القرآءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قراءت کرنے کا بیان)

۲۹	قراءت خلف الامام	۵۲
۳۰	امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا	۵۳
۳۱	ایضاً	۵۳
۳۲	ایضاً	۵۵
۳۳	قراءتِ فاتحہ خلف الإمام	۵۶
۳۴	ایضاً	۶۲
۳۵	﴿وإذا قرأى القرآن فاستمعوا له﴾ الایة کا شانِ نزول	۶۴
۳۶	قراءتِ فاتحہ خلف الإمام	۶۶
۳۷	قراءتِ فاتحہ خلف الامام	۶۹
۳۸	آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ الخ خاص ہے یا عام؟	۶۹
۳۹	آیت ﴿وإذا قرأ القرآن﴾ الخ سے خارجِ صلوٰۃ وجوبِ استماع	۷۴

الفصل الرابع فی القراءة المسنونة فی الصلوٰة

(قراءت کی مقدارِ سنت کا بیان)

۴۰	قراءتِ مسنونہ	۷۶
۴۱	نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم	۷۶
۴۲	مفصلات کو اہتمام سے پڑھنا	۷۷
۴۳	کیا مسنون مقدار سے زیادہ قراءت کرنا مقتدی کی رضامندی کے باوجود مکروہ ہے؟	۷۸
۴۴	مغرب کی نماز طویل، فجر اور عشاء مختصر پڑھانا	۷۹
۴۵	عشاء میں قراءت طویل کرنا	۸۱

۴۶	امام کا فرض نماز میں ختمِ قرآن	۸۲
۴۷	سورتوں میں بڑے اور چھوٹے ہونے کا معیار	۸۳
۴۸	پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرنا	۸۴
۴۹	دوسری رکعت کو پہلی سے طویل کرنا	۸۵
۵۰	دوسری رکعت میں کتنی آیتوں کی زیادتی سے کراہت آئے گی؟	۸۶
۵۱	دوسری رکعت، پہلی رکعت سے کس قدر طویل ہوسکتی ہے؟	۸۷
۵۲	سنت میں دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے طویل ہونا	۸۸
۵۳	مقتدیوں کے کہنے کے مطابق نماز میں سورتیں پڑھنا	۸۸
۵۴	غصہ اور جھنجھلاہٹ کی وجہ سے قراءت طویل کرنا	۸۸

الفصل الخامس فی تکرار السورۃ والآیۃ وتعددھا وترتیبھا

(رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعدد اور ترتیب)

۵۵	ایک رکعت میں کئی سورتیں پڑھنا	۹۰
۵۶	ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا	۹۱
۵۷	ایک رکعت میں متعدد سورتیں درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا	۹۲
۵۸	ہر رکعت میں ایک ہی سورت کو پڑھنا	۹۲
۵۹	ایک سورت کو دو رکعتوں میں پڑھنا	۹۳
۶۰	پہلی رکعت میں "سورۃ الناس" پڑھنے والا دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟	۹۴
۶۱	ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت کو مکرر پڑھنا	۹۵
۶۲	جس کو صرف دو سورتیں یاد ہوں، اس کی نماز کا حکم	۹۵
۶۳	تکرارِ آیت	۹۶
۶۴	﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ کو دوبارہ پڑھنا	۹۷
۶۵	نماز میں پوری سورت سے کچھ کم پڑھنا	۹۸

۶۶	پہلی رکعت میں سورت کا آخر اور دوسری میں سورت کا اول حصہ پڑھنا..................	۹۹
۶۷	ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا بہتر ہے..................	۱۰۰
۶۸	نماز میں مختلف مقامات سے قراءت کرنا..................	۱۰۱
۶۹	ایک سورت شروع کی پھر دوسری سورت کی طرف منتقل ہوگیا..................	۱۰۲
۷۰	دو سورتوں میں فصل..................	۱۰۲
۷۱	دو سورتوں کے درمیان فصل..................	۱۰۳
۷۲	چھوٹی سورت کو درمیان میں چھوڑنا..................	۱۰۳
۷۳	پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ پڑھ دی تو پھر کیا کرے؟..................	۱۰۴
۷۴	خلافِ ترتیب قراءت اور فتاویٰ دار العلوم کا ایک فتویٰ..................	۱۰۵
۷۵	دو سورتوں کے درمیان ترتیب میں غلطی..................	۱۰۷

بابٌ فی مسائل زَلّة القاری

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

۷۶	﴿أولئك هم خير البرية﴾ کے بجائے ﴿لهم جنّات تجري﴾ الخ پڑھنا..................	۱۰۹
۷۷	نماز میں معروف کو مجہول پڑھنا..................	۱۱۰
۷۸	قراءت میں صیغۂ واحد مؤنث کی جگہ صیغۂ واحد متکلم پڑھنا..................	۱۱۱
۷۹	جمع متکلم کے الف کو گرانا..................	۱۱۲
۸۰	﴿قل هو الله أحد، الله الصمد﴾ کو ملا کر نون قطنی کے ساتھ پڑھنا..................	۱۱۲
۸۱	بے محل وقف اور مد کرنا..................	۱۱۳
۸۲	﴿إنا أعطينا﴾ بغیر مد کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے..................	۱۱۴
۸۳	﴿فقد ضل﴾ میں "دال" کو "ض" میں ادغام کرکے پڑھنا..................	۱۱۵
۸۴	سانس ٹوٹنے کے بعد لوٹ کر نہ پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟..................	۱۱۶

۸۵	"مذکوراً" اور "کفوراً" کی جگہ "مذکور" اور "کفور" (بغیرالف) کے پڑھنا..........	۱۱۶
۸۶	"زبر" کی جگہ "زیر" یا برعکس پڑھنے سے نماز کا حکم..........	۱۱۷
۸۷	غلط پڑھ کر دوبارہ صحیح پڑھ دینا..........	۱۱۸
۸۸	غلط پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ..........	۱۱۹
۸۹	"لليسرى" کی جگہ "للعسرى" پڑھنے کے بعد صحیح پڑھنے کا حکم..........	۱۱۹
۹۰	قراءت میں غلطی کے بعد اس کو صحیح پڑھنے سے نماز کا حکم..........	۱۲۰
۹۱	فرض نماز میں اگر غلطی فاحش کی تو اصلاح سے بھی نماز نہ ہوگی..........	۱۲۰
۹۲	غلطی فاحش سے مراد..........	۱۲۱
۹۳	خطائے فاحش سے فسادِ نماز کا حکم..........	۱۲۲
۹۴	نماز میں ایک آیت کا چھوٹنا..........	۱۲۳
۹۵	آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم..........	۱۲۴
۹۶	سورۂ "والطارق" کے کچھ اجزاء چھوٹ جانے سے نماز کا حکم..........	۱۲۵
۹۷	دو آیتوں کا چھوٹ جانا..........	۱۲۵
۹۸	﴿ق والقرآن المجيد﴾ کا اعراب..........	۱۲۶
۹۹	دو آیتیں درمیان میں چھوٹ گئیں..........	۱۲۶
۱۰۰	بھول جانے سے آیات چھوٹ جائیں تو نماز کا حکم..........	۱۲۷
۱۰۱	ضاد کا مخرج..........	۱۲۷
۱۰۲	ضاد کو ذال وغیرہ پڑھنے کا حکم..........	۱۲۸
۱۰۳	ضاد کو بلفظِ دال پڑھنا..........	۱۲۹
۱۰۴	قواعدِ تجوید کے مطابق لفظ "اللہ" کا تلفظ..........	۱۳۰
۱۰۵	"الحمد" کی جگہ "الھمد" پڑھنا..........	۱۳۰
۱۰۶	"الحمد" کے دال کے پیش کو بڑھانے سے نماز کا حکم..........	۱۳۱
۱۰۷	"نستعين" میں الف کا اضافہ..........	۱۳۱

۱۰۸	"رب العالمین" اور "یوم الدین" کی جگہ "راب العالمین" اور "یاوم الدین" اور	☆
☆	"مستقیم" کی جگہ "مستقیم" پڑھنا..................................	۱۳۲
۱۰۹	"لایوقنون" کی جگہ "لایؤمنون" پڑھ دیا..................................	۱۳۳
۱۱۰	"کافرون" کی جگہ "ظالمون" پڑھ دیا..................................	۱۳۳
۱۱۱	"للیسری" کی جگہ "للعسری" پڑھ دیا..................................	۱۳۴
۱۱۲	"ولم یجدوا" کی جگہ "ولا یجدوا" پڑھنا..................................	۱۳۵
۱۱۳	"لربہ" کی جگہ "للانسان" پڑھ دیا..................................	۱۳۵
۱۱۴	"عمل عامل" کی جگہ "عَمَلَ عَمَلٍ" پڑھ دیا..................................	۱۳۶
۱۱۵	"یتلون علیکم آیات ربکم" میں "آیات" کی جگہ "آیاتی" پڑھ دیا..................................	۱۳۶
۱۱۶	"إذا جاء أجلهم" میں صرف "جاء أجلهم" یا "وکان سعیکم" میں صرف "سعیکم" پڑھنا...	۱۳۷
۱۱۷	"جزاء اً وفاقاً" کی جگہ "جزآء اًمن ربك" پڑھ دیا..................................	۱۳۸
۱۱۸	"وجوہ یومئذ خاشعۃ" کے بجائے "وجوہ یومئذ ناعمۃ" پڑھنا..................................	۱۳۸
۱۱۹	"إنما ینهکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین" کی جگہ "لم یقاتلوکم فی الدین" پڑھنا	۱۳۸
۱۲۰	"فأدخلوا ناراً" کی جگہ "فأدخلوا" اور "الذین ضل سعیهم" میں "اللّٰظین" پڑھ دیا....	۱۳۹
۱۲۱	"الإنسانَ" منصوب کی جگہ "الإنسانُ" مرفوع اور "فی أحسن تقویم" کو "ما أحسن	☆
☆	تقویم" پڑھنا..................................	۱۴۱
۱۲۲	"ماکول" بغیر "ل" کے پڑھ دیا..................................	۱۴۲
۱۲۳	"تحصُون" کے بجائے "تحصَون" پڑھ دیا..................................	۱۴۲
۱۲۴	"أنفسُکم" مرفوع کے بجائے "أنفسَکم" منصوب پڑھ دیا..................................	۱۴۳
۱۲۵	"ہ" کی جگہ "ح" یا برعکس پڑھنا..................................	۱۴۳
۱۲۶	"ولنبلونکم" کی جگہ "ولا نبلونکم" اور "ماأغنی عنه مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا....	۱۴۴
۱۲۷	"مالُه" کی جگہ "مالَه" پڑھ دیا..................................	۱۴۵
۱۲۸	سورۂ جمعہ میں "انفضوا" کی جگہ "انفض" پڑھنے کا حکم..................................	۱۴۶

۱۲۹	"خیراً یرہ" کی جگہ "شراً یرہ" پڑھ دیا	۱۴۶
۱۳۰	"لایملکون منه خطاباً" کی جگہ "إلا خطاباً" پڑھنے کا حکم	۱۴۷
۱۳۱	"سمع اللّٰہ لمن حمده" میں "ع" کو زیر کے ساتھ اور "بمصابیح" کی "ح" کو زیر کے ساتھ پڑھنا	۱۴۷
۱۳۲	سورۂ فجر میں "أکرمن" کی بجائے "أھانن" پڑھنا	۱۵۰

فصل فی الفتح علی الإمام

(امام کولقمہ دینے کا بیان)

۱۳۳	امام کے بھولنے پر لقمہ دینے کی تفصیل	۱۵۱
۱۳۴	سہو پر امام کو مطلع کرنے کے لئے "سبحان اللّٰہ" کہا جائے یا "اللّٰہ اکبر"؟	۱۵۲
۱۳۵	لقمہ دینا	۱۵۴
۱۳۶	قعدۂ اُولیٰ میں قعدۂ اُولیٰ کے طویل ہونے میں لقمہ دینا	۱۵۵
۱۳۷	نابالغ کا امام کو لقمہ دینا	۱۵۶
۱۳۸	غلط لقمہ دینا	۱۵۶

باب الوتر والقنوت

الفصل الأول فی الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

۱۳۹	تعدادِ رکعاتِ وتر	۱۵۸
۱۴۰	وتر میں سورتوں کی تعیین	۱۶۰
۱۴۱	رمضان کے وتر میں سورۂ قدر	۱۶۱
۱۴۲	عشاء کی نماز تنہا پڑھ کر وتر کو جماعت سے پڑھنا	۱۶۱
۱۴۳	جس نے فرضِ عشاء جماعت سے نہیں پڑھا، کیا وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے؟	۱۶۲

۱۴۴	قنوت کے لئے کانوں تک رفع یدین........	۱۶۳
۱۴۵	وتر میں قنوت کے لئے رفعِ یدین........	۱۶۳
۱۴۶	قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانا اور وتر کے بعد "سبحان الملك القدوس" کہنا........	۱۶۴
۱۴۷	دعائے قنوت احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟........	۱۶۵
۱۴۸	دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص........	۱۶۶
۱۴۹	قنوتِ وتر میں تشہد کا پڑھنا........	۱۶۷
۱۵۰	دعائے قنوت کے ترک پر لقمہ دینا........	۱۶۸
۱۵۱	شافعیہ کا وتر الگ پڑھنا........	۱۶۸
۱۵۲	وتر کے بعد دعا........	۱۶۹
۱۵۳	وتر میں امامت امام کرائے یا حافظ صاحب؟........	۱۶۹

الفصل الثانی فی قنوت النازلة

(قنوتِ نازلہ کا بیان)

۱۵۴	قنوتِ نازلہ........	۱۷۱
۱۵۵	قنوتِ نازلہ........	۱۷۲
۱۵۶	قنوتِ نازلہ کے متعلق........	۱۷۵
۱۵۷	قنوتِ نازلہ میں "دمر دیارھم" کی جگہ دوسرا لفظ........	۱۷۶
۱۵۸	قنوتِ نازلہ میں ہاتھوں کے اٹھانے اور آمین پڑھنے کا حکم........	۱۷۶
۱۵۹	قنوتِ نازلہ میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے؟........	۱۷۸
۱۶۰	قنوتِ نازلہ اور ختمِ یسین کب تک پڑھنی چاہیے؟........	۱۷۸
۱۶۱	عام بدامنی کے موقع پر بعد نمازِ فجر آیتِ کریمہ کا ختم........	۱۷۹

باب السنن والنوافل

الفصل الأول فی السنن المؤکدۃ

(سننِ موکدہ کا بیان)

۱۶۲	کیا فجر کی سنتوں کو پڑھے بغیر فرض نماز جائز نہیں؟	۱۸۱
۱۶۳	جماعت کھڑی ہونے پر فجر کی سنت کہاں پڑھے؟	۱۸۲
۱۶۴	جماعت شروع ہوجانے پر فجر کی سنتوں کا حکم	۱۸۳
۱۶۵	جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں	۱۹۱
۱۶۶	سنتیں پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوجائے تو کیا کرے؟	۱۹۳
۱۶۷	اقامت کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم	۱۹۴
۱۶۸	سنتِ فجر کی قضاء	۱۹۵
۱۶۹	سنتِ فجر کو جماعت کے بعد پڑھنا	۱۹۶
۱۷۰	سنت پڑھنے کے دوران خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟	۱۹۷
۱۷۱	ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر فرض کی امامت کرانا	۱۹۷
۱۷۲	ظہر سے پہلے کی چار سنت میں دو پر سلام پھیرنے کا حکم	۱۹۸
۱۷۳	ظہر کی پہلی سنتیں دو سلام سے پڑھنا	۱۹۹
۱۷۴	ظہر کی چار سنتوں کی قضا	۱۹۹
۱۷۵	ظہر میں فرض کے بعد پہلی دو رکعت سنت پڑھی جائے یا فوت شدہ چار؟	۲۰۰
۱۷۶	امام کا مصلے پر ہی سنن ونوافل پڑھنا	۲۰۱
۱۷۷	مسجد میں سنت ادا کرنا	۲۰۱

الفصل الثانی فی سننٍ غیر مؤکدۃ

(سنن غیر موکدہ کا بیان)

۱۷۸	مغرب، عشاء، ظہر کے بعد کی نفلیں	۲۰۳

۱۷۹	ظہر، مغرب، عشاء کے بعد دونفلیں	۲۰۴
۱۸۰	نوافلِ مغرب میں اوابین کی نیت	۲۰۶
۱۸۱	اوابین کی تعداد	۲۰۶
۱۸۲	عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں یا غیر مؤکدہ؟	۲۰۷
۱۸۳	عشاء سے قبل سنت	۲۰۸
۱۸۴	عشاء سے پہلے سنت کی رکعات کی تعداد	۲۰۸
۱۸۵	عشاء سے پہلے چار سنت	۲۰۹
۱۸۶	عشاء سے پہلے چار رکعات	۲۱۰
۱۸۷	عشاء سے قبل چار رکعت	۲۱۰
۱۸۸	عشاء سے قبل اور بعد سنت	۲۱۲
۱۸۹	عصر کے وقت سنت ونفل	۲۱۵
۱۹۰	سننِ غیرِ مؤکدہ میں چار کی نیت	۲۱۵
۱۹۱	عینِ اذان کے وقت تحیۃ الوضو	۲۱۶
۱۹۲	تحیۃ الوضو میں مختلف نفل نمازوں کی نیت	۲۱۷

الفصل الثالث فی النوافل

(نوافل کا بیان)

۱۹۳	دن میں دو دو نفل کی نیت باندھے یا چار کی؟	۲۱۸
۱۹۴	چار رکعت نفل کی نیت کرکے دو رکعت پر سلام پھیرنے سے کیا دو رکعت کی قضاء لازم ہے؟	۲۱۹
۱۹۵	دو دو رکعت نفل کی قضا چار رکعت سے؟	۲۱۹
۱۹۶	شفعہ کسے کہتے ہیں؟	۲۲۱
۱۹۷	بلا عذر بیٹھ کر نوافل پڑھنا	۲۲۱
۱۹۸	نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا	۲۲۲
۱۹۹	بعد الوتر نفل کا حکم	۲۲۳

۲۰۰	وتر کے بعد زائد نفلیں پڑھنا	۲۲۴
۲۰۱	وتر کے بعد نفل کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟	۲۲۵
۲۰۲	وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟	۲۲۸
۲۰۳	وتر کے بعد کی نفلیں بیٹھ کر پڑھنا	۲۲۹
۲۰۴	وتر کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنا	۲۳۱
۲۰۵	ایضاً	۲۳۲

الفصل الرابع فی التہجد

(تہجد کی نماز کا بیان)

۲۰۶	نوافل میں سب سے افضل نماز	۲۳۳
۲۰۷	تہجد کی رکعات	۲۳۳
۲۰۸	وتر کے بعد دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنا	۲۳۴
۲۰۹	عشاء کے بعد دو رکعت بہ نیت تہجد	۲۳۵
۲۱۰	قضائے تہجد	۲۳۵
۲۱۱	ایضاً	۲۳۶
۲۱۲	قضائے تہجد اور نفل نماز میں جہر	۲۳۶
۲۱۳	تہجد کی جماعت	۲۳۷
۲۱۴	تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا	۲۳۷
۲۱۵	ایضاً	۲۳۸
۲۱۶	تہجد کی جماعت اور تداعی کا مطلب	۲۳۸
۲۱۷	طلوعِ فجر کے بعد ادائے فرض سے پہلے نفل پڑھنا	۲۳۹
۲۱۸	شبِ عیدین میں نوافل	۲۴۰
۲۱۹	شبِ براءت میں تہجد کی نماز باجماعت	۲۴۱

الفصل الخامس فی صلوة النفل بالجماعة

(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

۲۲۰	نفل کی جماعت	۲۴۲
۲۲۱	نوافل میں ختمِ قرآن باجماعت	۲۴۳
۲۲۲	جماعتِ نفل علی سبیل التداعی	۲۴۳
۲۲۳	رمضان میں نوافل کی جماعت	۲۴۶
۲۲۴	نوافل میں تداعی	۲۴۸
۲۲۵	حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نوافل جماعت سے ادا کرنا	۲۴۸

الفصل السادس فی صلوة التسبیح

(صلوۃِ تسبیح کا بیان)

۲۲۶	صلوۃ التسبیح کا طریقہ	۲۵۰
۲۲۷	ایضاً	۲۵۱
۲۲۸	صلوۃ التسبیح میں عورتوں کی جماعت	۲۵۲
۲۲۹	جماعت کے ساتھ صلوۃ التسبیح	۲۵۲

باب التراویح

الفصل الأول فی صلوة التراویح

(تراویح کی نماز کا بیان)

۲۳۰	تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟	۲۵۴
۲۳۱	بیس رکعت تراویح کا ثبوت	۲۵۵
۲۳۲	بیس رکعات تراویح کا ثبوت	۲۵۷

۲۳۳	کیا بیس رکعت تراویح والی حدیث ضعیف ہے؟	۲۵۷
۲۳۴	کیا رکعاتِ تراویح آٹھ ہیں؟	۲۵۸
۲۳۵	تراویح دودو رکعت کرکے پڑھنا سنت ہے	۲۵۸
۲۳۶	ہر ترویحہ ایک نماز ہے یا مجموعۂ تراویح ایک نماز ہے؟	۲۵۹
۲۳۷	بغیر قعدۂ اُولیٰ کے پڑھنا	۲۶۰
۲۳۸	تراویح ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا	۲۶۳
۲۳۹	فرض سے پہلے تراویح پڑھنا	۲۶۴
۲۴۰	فرض، عشاء اور تراویح گھر میں جماعت سے ادا کرنا	۲۶۵
۲۴۱	سخت گرمی کی وجہ سے خارجِ مسجد میں تراویح پڑھنا	۲۶۶
۲۴۲	مقتدیوں کو آٹھ رکعت پڑھا کر امام کا اپنی تراویح پوری کرنا	۲۶۶
۲۴۳	بیٹھ کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا	۲۶۷
۲۴۴	تراویح میں طویل قیام کی وجہ سے پیر پر سہارا لینا	۲۶۸
۲۴۵	رہی ہوئی تراویح کی نماز جماعت سے ادا کرنا	۲۶۹
۲۴۶	رہی ہوئی تراویح، وتر کے بعد	۲۷۰
۲۴۷	تراویح کو ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ پڑھانا	۲۷۰
۲۴۸	جس نے فرضِ عشاء جماعت سے نہ پڑھی تو وہ تراویح اور وتر کیسے پڑھے؟	۲۷۱
۲۴۹	ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعت، یا دو اماموں کا مل کر تراویح پڑھانا	۲۷۳
۲۵۰	مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز تراویح وغیرہ ادا کرنا	۲۷۳
۲۵۱	عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کی تراویح کی امامت	۲۷۴
۲۵۲	تراویح میں سنت طریقہ سے مقتدی ناخوش ہوں تو کیا حکم ہے؟	۲۷۵
۲۵۳	تراویح میں نابالغ کی امامت	۲۷۵
۲۵۴	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۶
۲۵۵	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۷

۲۵۶	تراویح میں نابالغ کی امامت	۲۷۸
۲۵۷	نابالغ کی امامت تراویح میں	۲۷۹
۲۵۸	تراویح اور وتر میں عورتوں کی جماعت	۲۷۹
۲۵۹	عورت کی امامت تراویح میں	۲۸۰
۲۶۰	تراویح اور اس کے ضروری مسائل	۲۸۱
۲۶۱	تراویح کا مسنون طریقہ اور تراویح کے منکرات	۲۹۷

الفصل الثانی فی القرآءة فی التراویح

(تراویح میں قراءت کی کیفیت کا بیان)

۲۶۲	تراویح میں "بسم اللہ" کی حیثیت	۲۹۹
۲۶۳	تراویح میں ہر سورت پر "بسم اللہ"	۳۰۰
۲۶۴	پہلی رکعت میں "سورة الناس" دوسری میں "سورة البقرة" کا کچھ حصہ	۳۰۳
۲۶۵	تکرارِ فاتحہ	۳۰۳
۲۶۶	ہر سورت کے شروع میں "بسم اللہ"	۳۰۳
۲۶۷	تراویح میں "الم ترکیف" سے پڑھنے کی ترکیب	۳۰۴
۲۶۸	تراویح "الم ترکیف" سے پڑھنا کب اور کیوں ایجاد ہوا؟	۳۰۵
۲۶۹	تراویح "الم ترکیف" سے	۳۰۶
۲۷۰	تراویح "الم ترکیف" سے	۳۰۸
۲۷۱	تراویح میں پارہ "عم" پڑھے یا "الم ترکیف"؟	۳۰۹
۲۷۲	تراویح میں قراءت کی مقدار	۳۱۰
۲۷۳	تراویح میں غلبۂ ظن سے پڑھنا	۳۱۱
۲۷۴	تراویح میں "قل ھو اللہ أحد" تین مرتبہ پڑھنا	۳۱۱

الفصل الثالث فی ختم القرآن فی التراویح

(تراویح میں قرآن ختم کرنے کا بیان)

۲۷۵	تراویح میں ختمِ قرآن کا طریقہ	۳۱۳
۲۷۶	ختمِ قرآن تراویح میں سنت علی الکفایہ ہے	۳۱۴
۲۷۷	امام کا دومرتبہ تراویح میں ختم کرنا	۳۱۵
۲۷۸	ختمِ قرآن کے موقع پر آیاتِ متفرقہ بلاترتیب پڑھنا	۳۱۶
۲۷۹	ختمِ قرآن سورۃ الناس پر یا سورۃ البقرہ کی آیتوں پر؟	۳۱۷
۲۸۰	تراویح میں چھوٹا ہوا قرآن پورا کرنے کی ترکیب	۳۱۸
۲۸۱	اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ پڑھنا	۳۱۹
۲۸۲	اخیر تراویح میں سورۂ بقرہ پڑھنا	۳۲۰
۲۸۳	ختمِ تراویح کی بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھنا	۳۲۱
۲۸۴	ختمِ تراویح میں خلافِ ترتیب قراءت	۳۲۲
۲۸۵	امام کو ختمِ تراویح میں لقمہ دینا	۳۲۳
۲۸۶	امام تراویح میں غلط پڑھے اور سامع نہ ہو تو کیا کیا جائے؟	۳۲۳
۲۸۷	جس حافظ کو قرآن صحیح یاد نہ ہو اس کی امامتِ تراویح	۳۲۶
۲۸۸	شبینۂ مروجہ	۳۲۶
۲۸۹	لاؤڈ اسپیکر پر شبینہ	۳۳۱
۲۹۰	شبینہ	۳۳۳
۲۹۱	شبینہ وقتِ عشاء اور تراویح	۳۳۵
۲۹۲	شبینہ کا حکم	۳۳۷
۲۹۳	لیلۃ القدر میں تنہا عبادت افضل ہے یا شبینہ میں شرکت کرنا	۳۳۹
۲۹۴	ختمِ قرآن کے موقع پر پانی وغیرہ دم کرنا	۳۴۰

۲۹۵	ختمِ تراویح پر مٹھائی وغیرہ کے لئے چندہ دینا	۳۴۱
۲۹۶	ختمِ تراویح میں چراغاں اور امام صاحب کی خدمت کے لئے چندہ دینا	۳۴۲

الفصل الرابع فی الترویحة وتسبیحها

(ترویحہ اور اس کی تسبیح کا بیان)

۲۹۷	ہر ترویحہ کے ختم پر کیا پڑھے؟	۳۴۳
۲۹۸	تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعا	۳۴۴
۲۹۹	ہر ترویحہ میں دعا	۳۴۵
۳۰۰	ایضاً	۳۴۶
۳۰۱	ہر ترویحہ کے بعد دعا	۳۴۶
۳۰۲	ایضاً	۳۴۷
۳۰۳	ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا	۳۴۸
۳۰۴	ہر دو رکعت پر تسبیح	۳۴۹
۳۰۵	تراویح میں تسبیحات	۳۴۹
۳۰۶	جہراً ترویحہ کی تسبیح	۳۵۰
۳۰۷	بلند آواز سے ترویحہ کی تسبیح	۳۵۱
۳۰۸	ترویحات میں کیا پڑھے؟	۳۵۱
۳۰۹	دو ترویحوں کے درمیان کیا کرے؟	۳۵۳
۳۱۰	تراویح کی دو رکعت پر درود شریف اور چار پر تسبیح	۳۵۶
۳۱۱	ہر ترویحہ پر "صلوة بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کہنا	۳۵۹
۳۱۲	ہر ترویحہ میں خلفائے راشدین کے نام	۳۶۰
۳۱۳	چار ترویحوں پر خلفاء کے نام	۳۶۱
۳۱۴	ترویحہ میں احادیث سنانا	۳۶۱
۳۱۵	ختمِ تراویح پر دعا	۳۶۲

باب قضاء الفوائت

(قضانمازوں کابیان)

۳۱۶	قضانمازوں کوادا کرنے کا طریقہ	۳۶۴
۳۱۷	قضانمازوں کے پڑھنے کا طریقہ	۳۶۵
۳۱۸	وتر کی قضا کا طریقہ	۳۶۶
۳۱۹	قضا اور ادا نماز میں فرق	۳۶۶
۳۲۰	قضا بنیتِ ادا	۳۶۷
۳۲۱	ایضاً	۳۶۸
۳۲۲	جس نماز کی ادا کرتے وقت خبر نہ ہو، اس کی قضا	۳۶۸
۳۲۳	مغرب و وتر کے اعادہ کے وقت چار رکعت پڑھنا	۳۶۸
۳۲۴	کئی سالوں سے غلط پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ	۳۶۹
۳۲۵	وقت کے اندر بالغ ہوجانے کے بعد پڑھی ہوئی نماز کی قضا	۳۷۰
۳۲۶	احتلام یاد نہیں تو نماز کب سے لوٹائے؟	۳۷۱
۳۲۷	دار العلوم کے ایک فتویٰ پر اشکال اور اس کا جواب	۳۷۲
۳۲۸	وقت کے اندر نابالغ کا بالغ ہونا اور بہشتی گوہر کی ایک عبارت	۳۷۴
۳۲۹	ایک دو وقت کی نماز قضا ہوجانے سے آدمی صاحبِ ترتیب رہ جاتا ہے یا نہیں؟	۳۷۶
۳۳۰	غیر صاحب ترتیب کا وقت معین کر کے قضا نماز پڑھنا	۳۷۷
۳۳۱	صاحبِ ترتیب نماز جمعہ پڑھے یا فوت شدہ پڑھے؟	۳۷۸
۳۳۲	فوائتِ قدیمہ اور فائتہ جدیدہ میں ترتیب	۳۷۹
۳۳۳	فائتہ یاد ہوتے ہوئے وقتی فرض پڑھنے کے متعلق مفتی بہ قول	۳۷۹
۳۳۴	جہل سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟	۳۸۱

۳۳۵	نفل نماز با جماعت قضائے عمری کے لئے	۳۸۲
۳۳۶	رمضان میں جماعت کے ساتھ قضائے عمری	۳۸۳
۳۳۷	قضائے عمری کی نیت	۳۸۴
۳۳۸	نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھنی چاہیے	۳۸۴
۳۳۹	جس کی قضا نمازیں باقی ہوں، کیا وہ نوافل نہ پڑھے؟	۳۸۵
۳۴۰	قضا نمازوں کے لئے ایک موضوع دعا	۳۸۶
۳۴۱	شکار کی وجہ سے نماز قضا کرنا	۳۸۷

فصل فی فدیة الفوائت

(قضا نمازوں کے فدیہ کا بیان)

۳۴۲	فدیہ نماز کی تفصیل	۳۸۸
۳۴۳	نماز اور روزہ کا فدیہ	۳۸۹
۳۴۴	نماز اور روزہ کے فدیہ کی ادائیگی	۳۹۰
۳۴۵	قضا نماز اور اس کا فدیہ اور حیلہ	۳۹۱
۳۴۶	مرض الموت کی نمازوں کے فدیہ کا حکم	۳۹۳
۳۴۷	صوم وصلوۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق	۳۹۴
۳۴۸	فدیہ صوم وصلوۃ	۳۹۸
۳۴۹	نماز کا فدیہ شیعہ کو دینا	۴۰۱
۳۵۰	ایک نماز نفل سے نمازوں کی قضا وکفارہ	۴۰۲

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

۳۵۱	تکبیرِ تحریمہ آہستہ کہنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں	۴۰۴
۳۵۲	ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟	۴۰۵

۳۵۳	سری نماز میں سورۂ فاتحہ کو جہراً اور جہری نماز میں سراً پڑھنے کا حکم........................	۴۰۵
۳۵۴	یاد آنے یا لقمہ دینے کے بعد جہر کہاں سے شروع کرے اور سجدۂ سہو کا حکم........................	۴۰۶
۳۵۵	منفرد کا جہری نماز کی تیسری و چوتھی رکعت میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو........................	۴۰۶
۳۵۶	تیسری رکعت میں "الحمد" جہراً پڑھ دی........................	۴۰۷
۳۵۷	نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟........................	۴۰۸
۳۵۸	تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم........................	۴۰۸
۳۵۹	ایضاً........................	۴۰۹
۳۶۰	"الحمد" کی جگہ "التحیات" پڑھ لی........................	۴۱۰
۳۶۱	قراءت میں تشابہ کی وجہ سے سجدۂ سہو........................	۴۱۰
۳۶۲	قیام میں تشہد سے سجدۂ سہو........................	۴۱۱
۳۶۳	پہلی رکعت میں بیٹھ کر فوراً کھڑا ہو گیا........................	۴۱۱
۳۶۴	چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا........................	۴۱۲
۳۶۵	دو رکعتوں میں سورت بھول جانے سے سجدۂ سہو کا حکم........................	۴۱۳
۳۶۶	قراءت کی غلطی سے سجدۂ سہو........................	۴۱۴
۳۶۷	رکوع کے بجائے سجدہ میں جانے سے سجدۂ سہو........................	۴۱۴
۳۶۸	سجدۂ تلاوت مؤخر کرنے سے سجدۂ سہو........................	۴۱۵
۳۶۹	بغیر رکوع کے ہوئے سجدہ میں جانا، پھر اٹھنا........................	۴۱۶
۳۷۰	رکوع، سجدہ کی تسبیح بدلنے سے سجدۂ سہو........................	۴۱۶
۳۷۱	دعائے قنوت بھول کر رکوع کرنے سے سجدۂ سہو........................	۴۱۷
۳۷۲	سجدۂ سہو سے اٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا........................	۴۱۸
۳۷۳	سجدہ میں "بسم اللہ"........................	۴۱۸
۳۷۴	ایک سجدہ بھول گیا تو اس کو کب ادا کرے؟........................	۴۱۹
۳۷۵	ایک سجدہ بھول گیا، کیا سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی؟........................	۴۲۰

۳۷۶	قومہ کی دعاء کے بجائے جلسہ کی دعا سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۰
۳۷۷	قعدۂ اُولیٰ بھولنے اور تیسری رکعت میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو	۴۲۱
۳۷۸	قعدۂ اُولیٰ ترک کرنے سے نماز کا حکم	۴۲۲
۳۷۹	قعدۂ اُولیٰ بھول کر کھڑا ہونا، پھر بیٹھ جانا	۴۲۲
۳۸۰	قعدۂ اُولیٰ میں تشہد کے بعد کچھ پڑھنے سے سجدۂ سہو	۴۲۳
۳۸۱	سنت ووتر میں قعدۂ اُولیٰ میں درود کا حکم	۴۲۴
۳۸۲	سنن ونوافل میں قعدۂ اُولیٰ کے ترک ہونے سے سجدۂ سہو	۴۲۴
۳۸۳	دو رکعت پر بجائے بیٹھنے کے بھول کر کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو	۴۲۶
۳۸۴	قعدۂ اُولیٰ یا اُخریٰ بھول کر کھڑے ہونے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۷
۳۸۵	قعدۂ اخیرہ میں "التحیات" کے بعد کھڑے ہونے کا حکم	۴۲۸
۳۸۶	قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونا	۴۲۹
۳۸۷	قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۲۹
۳۸۸	چار رکعت والی نماز میں پانچویں کے لئے کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو	۴۳۰
۳۸۹	پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو جانے سے سجدۂ سہو	۴۳۱
۳۹۰	مغرب کی تیسری رکعت میں قعدہ کے بعد چوتھی کے لئے کھڑا ہونا	۴۳۱
۳۹۱	تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو	۴۳۲
۳۹۲	چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد امام کا سجدۂ سہو کرنا	۴۳۳
۳۹۳	دعائے قنوت یا "التحیات" سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا	۴۳۳
۳۹۴	قیام سے قعود کی طرف رجوع کرنے سے سجدۂ سہو	۴۳۴
۳۹۵	تشہد مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو	۴۳۵
۳۹۶	سجدۂ سہو کے بعد قیام کرلیا	۴۳۵
۳۹۷	سجدۂ سہو کے بعد درود بھی پڑھا جائے یا نہیں؟	۴۳۶

۳۹۸	سجدۂ سہو کے بعد والے قعدہ میں شرکت کرنے والے کی اقتداء درست ہے	۴۳۶
۳۹۹	دو رکعت کی نیت کے بعد تین یا چار پڑھنے کی مختلف صورتیں	۴۳۷
۴۰۰	نفل کو فرض کے ساتھ ملانے سے سجدۂ سہو	۴۴۱
۴۰۱	پہلی رکعت کا سجدہ بھول کر دوسری رکعت میں کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۴۵
۴۰۲	نماز میں کوئی واجب ترک ہوگیا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟	۴۴۷
۴۰۳	ترکِ واجب میں شبہ	۴۴۷
۴۰۴	واجب اور سنت کے عدمِ اہتمام سے سجدۂ سہو	۴۴۸
۴۰۵	سہو ہونے کے گمان پر سجدۂ سہو کرنا	۴۴۸
۴۰۶	گمان سے سجدۂ سہو کرنا	۴۵۱
۴۰۷	بھول کر سلام پھیرنے کے بعد تکمیلِ صلوۃ	۴۵۲
۴۰۸	بجائے "السلام" کے "اللّٰہ أکبر" کے ذریعے نماز ختم کرنے سے سجدہ سہو	۴۵۳
۴۰۹	امام کو سجدۂ سہو میں سہو ہوگیا، تو مقتدی کیا کریں؟	۴۵۳
۴۱۰	امام سے پہلے مقتدی کا سجدۂ سہو	۴۵۴
۴۱۱	سجدۂ سہو کیا، پھر معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں تھا	۴۵۴
۴۱۲	جماعتِ کثیرہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہے	۴۵۵
۴۱۳	نمازِ جمعہ میں سجدۂ سہو	۴۵۶
۴۱۴	جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو	۴۵۷
۴۱۵	سجدۂ سہو نمازِ عید میں	۴۵۸
۴۱۶	نمازِ عید میں اگر تکبیرات بھول جائیں تو کیا کیا جائے؟	۴۵۸
۴۱۷	نمازِ عیدین میں تکبیرِ زائد کہنے سے سجدۂ سہو کا حکم	۴۵۸
۴۱۸	تکبیراتِ عید بھول گیا	۴۵۹
۴۱۹	سجدۂ سہو واجب ہونے کی صورت میں سجدہ نہ کیا جائے تو اعادۂ نماز کا حکم	۴۶۰

باب سجود التلاوۃ

(سجدۂ تلاوت کے احکام کا بیان)

۴۲۰	آیتِ سجدہ کی تفصیل	۴۶۲
۴۲۱	بھول کر سجدۂ تلاوت کی بجائے رکوع کرنا	۴۶۳
۴۲۲	رکوع میں سجدۂ تلاوت	۴۶۴
۴۲۳	سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنا	۴۶۵
۴۲۴	ایضاً	۴۶۶
۴۲۵	آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع وسجدہ کردیا جائے	۴۶۶
۴۲۶	سجدۂ تلاوت سجدۂ نماز سے	۴۶۷
۴۲۷	سجدۂ تلاوت میں تاخیر	۴۶۷
۴۲۸	بوقتِ غروب سجدۂ تلاوت	۴۶۸
۴۲۹	سجدۂ تلاوت کی قضا	۴۶۹
۴۳۰	آیتِ سجدہ دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم	۴۷۰
۴۳۱	سورۂ "ص" میں سجدہ کس آیت پر ہے؟	۴۷۱
۴۳۲	ریڈیو پر تلاوت سے سجدۂ تلاوت	۴۷۱
۴۳۳	ریڈیو اور ٹیپ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب	۴۷۲
۴۳۴	ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت	۴۷۳
۴۳۵	کیسٹ کے ذریعے قرآن پاک پڑھنا اور سجدۂ تلاوت	۴۷۳
۴۳۶	گراموفون میں قرآن شریف سننے سے سجدۂ تلاوت	۴۷۴
۴۳۷	سجدۂ شکر	۴۷۵

باب صلوۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

۴۳۸	سفر کی ابتداء وطن کے آخری گھر سے ہوگی	۴۷۶
۴۳۹	آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسافتِ سفر کا باقی نہ رہنا	۴۷۶
۴۴۰	مسافتِ شرعیہ	۴۷۷
۴۴۱	کیا ۴۸/میل طے کرنے کے بعد قصر کا حکم ہے یا اس سے پہلے بھی قصر جائز ہے؟	۴۷۹
۴۴۲	پندرہ دن قیام کی نیت سے چلنے والا راستہ میں قصر کرے یا نہیں؟	۴۸۰
۴۴۳	مسافتِ قصر کی مقدار	۴۸۱
۴۴۴	۴۸/میل کی مسافت میں صرف جانے کا اعتبار ہے یا آنے جانے دونوں کا؟	۴۸۲
۴۴۵	مسافتِ قصر	۴۸۳
۴۴۶	آدمی کب مسافر شمار ہوتا ہے؟	۴۸۴
۴۴۷	۴۲/میل کا سفر شرعی سفر نہیں	۴۸۵
۴۴۸	مسافر قصر کب سے کرے؟	۴۸۵
۴۴۹	مسافتِ سفر سے کم میں قصر نہیں	۴۸۷
۴۵۰	میرٹھ سے مظفرنگر تک مسافتِ سفر نہیں	۴۸۷
۴۵۱	مسافتِ سفر پہاڑ میں	۴۸۸
۴۵۲	ملاح مقیم ہیں یا مسافر؟	۴۸۹
۴۵۳	سفرِ غیر شرعی کے درمیان سے شرعی کی نیت کرنا	۴۹۰
۴۵۴	وطنِ اصلی کب باطل ہوتا ہے؟	۴۹۱
۴۵۵	وطنِ اصلی دو جگہ	۴۹۲
۴۵۶	وطنِ اقامت	۴۹۳
۴۵۷	وطنِ اقامت میں قصر	۴۹۴

۴۵۸	وطنِ اقامت کیسے باطل ہوجاتا ہے؟	۴۹۵
۴۵۹	داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟	۴۹۵
۴۶۰	ایضاً	۴۹۶
۴۶۱	سسرال میں قصر کی جائے یا اتمام؟	۴۹۸
۴۶۲	متبنیٰ ہونے سے وطنِ اصلی نہیں بنتا	۴۹۹
۴۶۳	داماد سسرال میں قصر کرے یا اتمام؟	۵۰۰
۴۶۴	عورت میکہ میں اتمام کرے گی یا قصر؟	۵۰۱
۴۶۵	حالتِ سفر میں حیض اور بہشتی زیور کی عبارت کی وضاحت	۵۰۱
۴۶۶	سفر میں بے وضو پڑھی گئی واجب الاعادہ نماز میں قصر کا حکم	۵۰۳
۴۶۷	سفر میں قصر واتمام کی صورتیں	۵۰۳
۴۶۸	قصر واتمام	۵۰۵
۴۶۹	مسافر کو اتمام	۵۰۷
۴۷۰	ایضاً	۵۰۸
۴۷۱	امام مسافر کا اتمام کرنا	۵۰۹
۴۷۲	امام مسافر نے اتمام کرلیا تو کیا حکم ہے؟	۵۱۱
۴۷۳	ایضاً	۵۱۲
۴۷۴	نمازِ قصر	۵۱۳
۴۷۵	مسافر اگر اُسی روز لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ قصر کرے گا؟	۵۱۴
۴۷۶	مسافر کے حق میں سننِ رواتب کا حکم	۵۱۴
۴۷۷	سفر میں سنتوں کا قصر	۵۱۵
۴۷۸	سفر میں سنتیں	۵۱۷
۴۷۹	مسافر کے لئے جمعہ، تراویح اور قصر	۵۱۷
۴۸۰	فتاویٰ دار العلوم میں نمازِ قصر سے متعلق تعارض کا رفع	۵۱۹

۴۸۱	ریلوے ملازم کے لئے قصر نماز کا حکم	۵۲۰
۴۸۲	ریل اور جہاز کے اسٹیشن میں کیا نماز میں قصر ہوگا؟	۵۲۲
۴۸۳	مقیم اور مسافر کی مسافر کے پیچھے اقتداء	۵۲۲
۴۸۴	مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز	۵۲۴
۴۸۵	مسبوق کی نماز، مسافر امام کے پیچھے	۵۲۴
۴۸۶	مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کی نماز	۵۲۵
۴۸۷	مقیم مسبوق مسافر امام کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟	۵۲۷
۴۸۸	مسافر مقتدی کا مسافر امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کر کے اقتداء کرنا	۵۲۷
۴۸۹	مقتدی مسافر کا امام مقیم کی اقتداء میں قصر کی نیت کرنا	۵۲۸
۴۹۰	مقتدی مقیم مسبوق اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟	۵۲۹
۴۹۱	ریل میں ہجوم کے وقت نماز کا حکم	۵۳۰
۴۹۲	ٹرین میں نماز پڑھنے کا طریقہ	۵۳۱
۴۹۳	ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ	۵۳۱
۴۹۴	بس میں اشارہ سے نماز پڑھنا	۵۳۲
۴۹۵	ہوائی جہاز میں نماز	۵۳۳
۴۹۶	بہلی میں نماز	۵۳۴
۴۹۷	مغرب کی نماز کے لئے سفر کر کے مخصوص مسجد میں جانا	۵۳۵
۴۹۸	کسی خاص مسجد میں کوئی نماز پڑھنے کے لئے سفر کرنا	۵۳۵
۴۹۹	دورانِ سفر وطنِ اقامت سے گزرنا، سفر کے پیشِ نظر تنہا نماز پڑھنا	۵۳۶
۵۰۰	سفر کے چند ضروری مسائل	۵۳۸
۵۰۱	عذر کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا	۵۳۸
۵۰۲	ریل میں بھیڑ کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا	۵۳۸
۵۰۳	ریل میں استقبال ممکن نہ ہو تو کیا کیا جائے	۵۳۸

۵۰۴	چلتی ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	۵۳۹
۵۰۵	پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے ہوئے ریل چل پڑے تو نماز توڑ دی جائے یا نہیں؟	۵۳۹
۵۰۶	بس میں نماز کس طرح پڑھی جائے؟	۵۳۹
۵۰۷	بس میں نماز پڑھنے کے لئے ایک امکانی صورت	۵۳۹
۵۰۸	ریل میں لوگوں کو ہٹا کر نماز پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟	۵۴۰
۵۰۹	ریل میں تیمم کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا کیا جائے؟	۵۴۰
۵۱۰	عینِ مغرب کے وقت اپنے وطن میں داخل ہونے والا عصر کی نماز دو رکعت پڑھے یا چار؟	۵۴۰
۵۱۱	بڑے شہروں میں اپنے محلّہ سے نکلنے سے آدمی مسافر ہو جاتا ہے یا حدودِ شہر کو پار کر کے؟	۵۴۰
۵۱۲	ریل میں احتلام ہونے کی صورت میں غسل کے لئے کیا کیا جائے؟	۵۴۰

باب صلوة المريض

(مریض کی نماز کا بیان)

۵۱۳	عبادات کس شخص سے معاف ہیں؟	۵۴۵
۵۱۴	معذور کی تعریف اور اس کا حکم	۵۴۶
۵۱۵	معذور کی نماز و امامت	۵۴۸
۵۱۶	صاحبِ جریان کی نماز و امامت	۵۵۰
۵۱۷	معذور تیمم اور اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟	۵۵۳
۵۱۸	آنکھ کے آپریشن میں نماز کا حکم	۵۵۴
۵۱۹	ایضاً	۵۵۷
۵۲۰	فوطہ کے آپریشن کی وجہ سے نماز لیٹے لیٹے پڑھنا	۵۵۸
۵۲۱	آنکھ کے اشارے سے نماز	۵۵۹

۵۲۲	اعرج کی نماز کا طریقہ	۵۶۰
۵۲۳	معذور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا	۵۶۳
۵۲۴	رحم میں دوا رکھ کر نماز پڑھنا	۵۶۳
۵۲۵	قطرہ آنے کی حالت میں نماز	۵۶۴
۵۲۶	معذور کے لئے صف کے کنارہ پر ہونا ضروری نہیں	۵۶۴
۵۲۷	معذور آدمی کا اپنے گھر پر جماعت کرنا	۵۶۵
۵۲۸	مریض زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟	۵۶۶

باب المتفرقات

۵۲۹	عشاء کی نماز سے پہلے سونا	۵۶۸
۵۳۰	سوئے ہوئے کو نماز کے لئے جگانا	۵۶۹
۵۳۱	نماز کے بعد دعا سے پہلے مسجد کے لئے روپیہ وصول کرنا	۵۶۹
۵۳۲	برہنہ غسل کے وضو سے نماز درست ہے یا نہیں؟	۵۷۰

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد ہشتم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

باب صلوة الجمعة

الفصل الأول في وجوب الجمعة

(وجوبِ جمعہ کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	نابینا پر جمعہ اور اس کی امامت........................	۳۰
۲	جو شخص لاؤڈ اسپیکر سے اذانِ جمعہ سنے، تو کیا اس پر جمعہ فرض ہے؟..............	۳۱
۳	جمعہ کے لئے گاؤں سے شہر میں آنا........................	۳۲
۴	گاؤں کا آدمی جمعہ کے دن شہر میں جائے تو کیا نیت کرے؟..................	۳۳
۵	جمعہ کے وقت اسکول کی حاضری........................	۳۴
۶	جن لوگوں کو جمعہ نہیں ملا، کیا وہ ظہر جماعت سے پڑھیں؟..................	۳۴
۷	جمعہ سے پہلے ظہر پڑھی........................	۳۵
۸	جو شخص کوئی نماز نہیں پڑھتا صرف جمعہ پڑھتا ہے، اس کا حکم..................	۳۶

۹	عورت کے جمعہ پڑھنے سے نمازِ ظہر ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟	۳۷
۱۰	جنگل میں بکریاں چرانے والے کے لئے نمازِ جمعہ کا حکم	۳۷
۱۱	قیدیوں کے لئے جمعہ وعیدین اوراعتکاف کا حکم	۳۸

الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

(صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

۱۲	جمعہ کی شرائط (مفصل)	۴۰
۱۳	جمعہ کے شرائط، دارالحرب اورغیر دارالحرب میں مساوی ہیں یا نہیں؟	۴۷
۱۴	جہاں سلطان نہیں تو کیا وہاں جمعہ بھی نہیں؟	۴۷
۱۵	جمعہ کے لئے سلطان اوراذنِ عام کی شرط	۴۸
۱۶	نمازِ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں	۵۳
۱۷	ایضاً	۵۴
۱۸	نمازِ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں	۵۵
۱۹	جو مسجد وقف نہ ہو، اس میں جمعہ کا حکم	۵۶

فصل فی اشتراط المصر للجمعة

(صحتِ جمعہ کے لئے شہر کی شرط ہونے کا بیان)

۲۰	مصر کی تعریف	۵۷
۲۱	مصر کی تعریف اوراقامتِ جمعہ کی شرائط	۵۸
۲۲	فنائے مصر کی تحدید	۶۱
۲۳	ایضاً	۶۱
۲۴	کیا مصر اور دیہات کا اطلاق عرب ممالک کی آبادی کے تناسب سے ہوگا؟	۶۱
۲۵	قریۂ کبیرہ کی تعریف	۶۴

۲۶	جس سے عقیدت ہو، اس کے فتویٰ پر عمل کریں....................	۶۴
۲۷	جمعہ فی القریٰ اور قریہ کی تعریف....................	۶۵
۲۸	قریہ صغیرہ وکبیرہ....................	۶۷
۲۹	قصبہ کی تعریف کیا ہے؟....................	۷۲
۳۰	مصر کی تعریف اور قریہ میں جمعہ کا حکم....................	۷۳
۳۱	احناف نے جمعہ کے لئے مصر کی شرط کیوں لگادی؟....................	۸۸
۳۲	جمعہ فی القریٰ....................	۹۱
۳۳	اعتراض برجواب مذکورہ....................	۹۳
۳۴	قریہ کبیرہ میں نمازِ جمعہ....................	۹۶
۳۵	جمعہ فی القریٰ....................	۹۷
۳۶	ایضاً....................	۹۸
۳۷	ایضاً....................	۹۹
۳۸	ایضاً....................	۱۰۰
۳۹	جمعہ فی القریٰ مفصل....................	۱۰۵
۴۰	گاؤں میں نمازِ جمعہ، فنائے شہر اور اس کی حد....................	۱۲۳
۴۱	گاؤں میں نمازِ جمعہ....................	۱۲۴
۴۲	ایضاً....................	۱۲۵
۴۳	ایضاً....................	۱۲۹
۴۴	ایضاً....................	۱۳۱
۴۵	چار ہزار والی آبادی میں نمازِ جمعہ....................	۱۳۲
۴۶	جمعہ فی القریٰ....................	۱۳۵
۴۷	دوسو گھروں پر مشتمل آبادی میں نمازِ جمعہ....................	۱۳۵
۴۸	تین ہزار سے زائد آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم....................	۱۳۶

۴۹	گاؤں میں نمازِ جمعہ	۱۳۸
۵۰	گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس	۱۳۹
۵۱	گاؤں میں جمعہ	۱۳۹
۵۲	قریۂ صغیرہ میں جمعہ	۱۴۴
۵۳	ایضاً	۱۴۵
۵۴	ایضاً	۱۴۶
۵۵	جس بستی میں شرائط نہ ہوں اور پھر بھی جمعہ پڑھا جائے، اس کا حکم	۱۴۷
۵۶	شہر سے متصل گاؤں والوں پر جمعہ	۱۴۹
۵۷	قصبہ سے قریب گاؤں والوں پر جمعہ	۱۵۱
۵۸	دیہات میں تعلیمِ مسائل کی خاطر جمعہ پڑھنا	۱۵۲
۵۹	قریۂ صغیرہ میں امام کے پیچھے نمازِ جمعہ میں اقتداء	۱۵۲
۶۰	بنگال کے دیہات میں جمعہ	۱۵۳
۶۱	مزرعہ قریبہ میں نمازِ جمعہ	۱۵۴
۶۲	ایک ہزار کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم	۱۵۶
۶۳	دو ہزار کی آبادی میں جمعہ وعیدین وقربانی	۱۵۷
۶۴	جس بستی میں مسلمانوں کے تیس گھر ہوں، وہاں جمعہ کا حکم	۱۵۸
۶۵	کیا تین گاؤں مل کر ایک جگہ جمعہ پڑھیں؟	۱۶۱
۶۶	پندرہ سو کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم	۱۶۲
۶۷	موضع دادری میں جمعہ	۱۶۳
۶۸	آبادی سے چالیس میل دور کارخانہ میں نمازِ جمعہ	۱۶۵
۶۹	جس بستی میں مسجد نہ ہو، وہاں جمعہ وعید	۱۶۵
۷۰	جمعہ کی نماز کے لئے کسی بستی میں جانا	۱۶۷
۷۱	لوگوں کے نماز ترک کرنے کے اندیشہ سے نمازِ جمعہ کا قیام	۱۶۸

۷۲	ایضاً	۱۷۰
۷۳	بستی میں نمازِ جمعہ بند کرنے سے لوگ فرض نماز روزہ چھوڑ دیں تو کیا حکم ہے؟	۱۷۲
۷۴	بستی میں نمازِ جمعہ سے منع کرنے کی صورت میں لوگوں کی ملامت کا خوف ہو تو کیا کیا جائے؟	۱۷۴
۷۵	جوازِ جمعہ میں اختلاف ہو تو راہِ عمل کیا ہے؟	۱۷۵
۷۶	احتیاط مذہبِ حنفی میں ہے کہ "قریہ صغیرہ میں جمعہ نہیں"	۱۷۵
۷۷	جمعہ کی نماز میں شوافع کے یہاں کتنے آدمی ضروری ہیں؟	۱۷۶
۷۸	ایضاً	۱۷۶
۷۹	بازار کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا	۱۷۷
۸۰	اگر بغیرِ جمعہ کے مسجد آباد نہ ہو تو کیا کریں؟	۱۷۸
۸۱	جس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو، اس میں جمعہ کا حکم	۱۷۸
۸۲	گھر یا حجرہ میں جماعت یا جمعہ	۱۸۰
۸۳	جیل یا گھر میں جمعہ	۱۸۱
۸۴	قید خانہ میں جمعہ کی نماز	۱۸۳
۸۵	فیکٹری میں جمعہ	۱۸۴
۸۶	ہوسٹل میں جمعہ	۱۸۶
۸۷	کواڑ بند کر کے نمازِ جمعہ	۱۸۶

الفصل الثالث فی تعدد الجمعة

(متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

۸۸	تعددِ جمعہ	۱۸۸
۸۹	ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ	۱۸۸
۹۰	بڑی جامع مسجد ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا	۱۹۲
۹۱	مزارع متعددہ میں تعددِ جمعہ	۱۹۴

۹۲	مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ میں ضرورت کے وقت جمعہ ادا کرنا	۱۹۵
۹۳	بدعتی امام سے بچنے کے لئے مدرسہ میں قیامِ جمعہ	۱۹۶

الفصل الرابع فی خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

۹۴	خطبہ دینے کا مسنون طریقہ	۱۹۸
۹۵	خطبۂ جمعہ ایک منبر پر بیٹھ کر، ایک کھڑے ہو کر دینا	۱۹۸
۹۶	خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے ہو	۱۹۹
۹۷	ایضاً	۲۰۰
۹۸	جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا	۲۰۰
۹۹	خطبہ اور نمازِ جمعہ میں فصل کی مقدار	۲۰۲
۱۰۰	خطبہ کے بعد مصلی پر بیٹھنا	۲۰۷
۱۰۱	خطبہ کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلی پر بیٹھنا	۲۰۸
۱۰۲	خطبۂ جمعہ کا حکم	۲۰۸
۱۰۳	خطبۂ جمعہ وعیدین کا حکم	۲۰۹
۱۰۴	خطبہ کا سننا جمعہ کے لئے شرط نہیں	۲۱۰
۱۰۵	ایضاً	۲۱۱
۱۰۶	خطبۂ اُولی اور ثانیہ میں کس قدر طول ہو؟	۲۱۱
۱۰۷	خطبہ جمعہ دیکھ کر پڑھنا	۲۱۲
۱۰۸	خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا تذکرہ	۲۱۳
۱۰۹	خطبہ میں نواب کا نام لینا	۲۱۴
۱۱۰	خطبۂ جمعہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہونا	۲۱۴
۱۱۱	ایک شخص نماز جمعہ پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے	۲۱۵

۱۱۲	مراہق خطبہ پڑھے اور بالغ جمعہ پڑھائے	۲۱۶
۱۱۳	خطبۂ جمعہ بزبانِ عربی (مفصل)	۲۱۶
۱۱۴	جواب پر چند اعتراضات	۲۲۷
۱۱۵	الخطبة بغير العربية	۲۳۵
۱۱۶	ایضاً	۲۳۶
۱۱۷	ایضاً	۲۳۹
۱۱۸	اردو میں خطبہ	۲۴۰
۱۱۹	مذہب شافعی میں خطبۂ جمعہ کا ترجمہ	۲۴۰
۱۲۰	ترجمۂ خطبۂ عربیہ	۲۴۱
۱۲۱	خطبہ حاضرین کی زبان میں	۲۴۳
۱۲۲	خطیب کا وقتی مسئلہ اردو میں سنانا	۲۴۹
۱۲۳	جمعہ کی دو اذانوں کے درمیان وعظ	۲۴۹
۱۲۴	اذانِ خطبہ سے پہلے وعظ	۲۵۲
۱۲۵	خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ	۲۵۳
۱۲۶	جمعہ سے پہلے وعظ	۲۵۶
۱۲۷	خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ (مفصل)	۲۵۶
۱۲۸	جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا	۲۶۷
۱۲۹	جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا	۲۶۸
۱۳۰	ایک شخص کا دو جگہ خطبہ پڑھنا	۲۶۹
۱۳۱	خطبۂ جمعہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینا	۲۶۹
۱۳۲	خطبہ کے وقت لاٹھی ہاتھ میں لینا	۲۷۰
۱۳۳	تلوار یا کمان لے کر خطبہ پڑھنا	۲۷۱
۱۳۴	خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ ہو یا قبلہ کی طرف؟	۲۷۳

۱۳۵	دورانِ خطبہ ادھر ادھر دیکھنا	۲۷۵
۱۳۶	حالتِ خطبہ میں پنکھے سے ہوا کرنا	۲۷۶
۱۳۷	دورانِ سنت جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے تو کیا کیا جائے؟	۲۷۶
۱۳۸	خطبہ کے وقت نماز نفل پڑھنا	۲۷۷
۱۳۹	خطیب کا عین خطبہ کے وقت مصلی پر آنا	۲۷۸
۱۴۰	خطبۂ جمعہ سے پہلے نعت ونظم	۲۷۹
۱۴۱	خطبۂ جمعہ میں اشعار	۲۷۹
۱۴۲	خطبہ کے وقت سامعین کا ہاتھ باندھنا، کھولنا	۲۸۰
۱۴۳	اذان وخطبہ کے درمیان "إن اللہ وملائکتہ" پڑھنا	۲۸۰
۱۴۴	سامعین کا حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا	۲۸۲
۱۴۵	خطبۂ اُولیٰ کے اخیر کی دعاء	۲۸۳
۱۴۶	درمیانِ خطبہ میں سامعین کا زور سے درود شریف پڑھنا	۲۸۴
۱۴۷	خطبہ سے قبل "السلام علیکم" کہنا	۲۸۵
۱۴۸	دعا بین الخطبتین	۲۸۵
۱۴۹	دعا کے درمیان چندہ	۲۸۷
۱۵۰	ایضاً	۲۸۸
۱۵۱	خطبہ کے وقت نمازیوں سے چندہ وصول کرنا	۲۹۰
۱۵۲	خطبۂ جمعہ کے وقت چندہ کرنا	۲۹۱
۱۵۳	خطبۂ جمعہ میں "الوداع"	۲۹۴
۱۵۴	خطبۃ الوداع	۲۹۵
۱۵۵	ایضاً	۲۹۶

الفصل الخامس فی أذان الجمعة

(جمعہ کی اذان کا بیان)

۱۵۶	جمعہ کی دواذانوں کا ثبوت	۲۹۷
۱۵۷	جمعہ کی اذانِ ثانی	۲۹۷
۱۵۸	جمعہ کے لئے اذانِ اول سنت ہے یا ثانی؟	۲۹۸
۱۵۹	جمعہ کے دن اذان کہاں دی جائے؟	۲۹۹
۱۶۰	جمعہ کی اذانِ ثانی کس جگہ پر ہو؟	۳۰۰
۱۶۱	جمعہ کی اذان ثانی کا محل	۳۰۱
۱۶۲	اذانِ خطبہ کا محل	۳۰۲
۱۶۳	ایضاً	۳۰۵
۱۶۴	جمعہ کی اذانِ ثانی کا مقام اور محمد بن اسحاق کا حال	۳۰۸
۱۶۵	جمعہ کے روز اذانِ خطبہ کا مقام	۳۱۱
۱۶۶	مسجد میں جمعہ کی اذانِ ثانی	۳۱۷
۱۶۷	مسجد میں اذانِ خطبہ	۳۲۲
۱۶۸	جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے؟	۳۲۴
۱۶۹	اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے دلائل	۳۲۴
۱۷۰	جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب	۳۲۷
۱۷۱	اذانِ خطبہ کا جواب	۳۳۰
۱۷۲	اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے بعد دعا	۳۳۲
۱۷۳	ایضاً	۳۳۲
۱۷۴	اذانِ خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۳۳۳
۱۷۵	جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعاء	۳۳۳

۱۷۶	اذانِ ثانی اور خطبہ میں فصل	۳۳۶
۱۷۷	اذان بین یدی الخطیب کو دائیں بائیں کہنا	۳۳۶

الفصل السادس فی وقت صلوة الجمعة

(نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)

۱۷۸	جمعہ کی نماز اولِ وقت میں	۳۳۸
۱۷۹	استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز نماز کا حکم	۳۳۹
۱۸۰	جمعہ کے دن زوال کا حکم	۳۴۰
۱۸۱	جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم	۳۴۱
۱۸۲	زوال سے پہلے جمعہ کی اذان	۳۴۲

الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعة

(جمعہ کی نفلوں کا بیان)

۱۸۳	جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟	۳۴۴
۱۸۴	محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا	۳۴۵

الفصل الثامن فی احتیاط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

۱۸۵	احتیاط الظہر کی تفصیل	۳۴۶
۱۸۶	احتیاط الظہر کا حکم	۳۵۱

الفصل التاسع فی النظافة یوم الجمعة

(جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

۱۸۷	شب جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہوجائے گا یانہیں؟	۳۵۸
۱۸۸	جمعہ کے روز حجامت	۳۵۸

۱۸۹	ناخن اور بال جمعہ کی نماز سے پہلے بنوائیں یا بعد میں؟	۳۵۹

فصل فی المتفرقات

۱۹۰	جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا	۳۶۱
۱۹۱	ہر جمعہ کو سورۂ کہف کا ورد	۳۶۲
۱۹۲	دورانِ ڈیوٹی نمازِ جمعہ پڑھنے سے ثواب ملے گا یا نہیں	۳۶۲
۱۹۳	نئی مسجد میں جمعہ اور جمعہ کی تعطیل کو اتوار سے بدلنا	۳۶۳
۱۹۴	جو شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے، اس کو امامتِ جمعہ کے لئے تجویز کیا جائے	۳۶۴
۱۹۵	متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا	۳۶۵
۱۹۶	نمازِ جمعہ کی نیت	۳۶۶

باب العیدین

۱۹۷	"عید الضحی" کہنا چاہیے کہ "عید الأضحی"؟	۳۶۷
۱۹۸	نمازِ عید کا وقت	۳۶۷
۱۹۹	جو شخص قربانی نہ کرے، اس کے لئے نمازِ عید کا حکم	۳۶۸
۲۰۰	جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے، اس کے لئے نمازِ عید کا حکم	۳۷۰
۲۰۱	نمازِ عید بنیتِ نفل	۳۷۱
۲۰۲	نمازِ عید کو مؤخر کرنا	۳۷۳
۲۰۳	شہادت دیر سے پہنچے، تو نمازِ عید کو مؤخر کیا جائے	۳۷۴
۲۰۴	نمازِ عید، شوافع کے پیچھے	۳۷۶
۲۰۵	جس کو عید کی نماز نہیں ملی، وہ تنہا یا جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے	۳۷۷
۲۰۶	مسبوق نمازِ عید کس طرح پوری کرے؟	۳۷۸

۲۰۷ نمازِ عید، نمازِ جنازہ پر مقدم ہے ۳۷۸

۲۰۸ روزہ رکھ کر نمازِ عید پڑھنا ۳۷۹

۲۰۹ عذر کی وجہ سے نمازِ عید میں تاخیر کا حکم ۳۸۰

الفصل الأول فی شرائط العیدین

(عیدین کی شرائط کا بیان)

۲۱۰ عید کی شرائط ۳۸۱

۲۱۱ کیا عیدین کے لئے شرائط لگانے میں حرج ہے؟ ۳۸۲

۲۱۲ دو ہزار کی آبادی میں عیدین اور قربانی ۳۸۴

۲۱۳ پانی کے جہاز میں نمازِ عید ۳۸۵

۲۱۴ دیہات میں نمازِ عید اور اس کے مفاسد ۳۸۷

۲۱۵ باہر کا آدمی بھی عید کی نماز پڑھا سکتا ہے ۳۸۹

الفصل الثانی فی وجوب صلوۃ العید علی المحبوسین والنساء

(قیدیوں اور عورتوں کے لئے نمازِ عید کا بیان)

۲۱۶ قیدیوں کے لئے نمازِ عید کا حکم ۳۹۱

۲۱۷ عورتوں کے لئے نمازِ عید میں شرکت کا حکم ۳۹۲

۲۱۸ عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں ۳۹۳

۲۱۹ جامع مسجد میں صرف خواتین کے لئے نمازِ عید کا حکم ۳۹۴

۲۲۰ عورتوں کا عیدگاہ میں جانا ۳۹۵

۲۲۱ عورت کے ذمہ نمازِ عید، رفع یدین وغیرہ ۳۹۷

۲۲۲ عید کا جھنڈا اور عورت کا خطبۂ عید ۳۹۹

الفصل الثالث فی صلوۃ العید فی المسجد وغیرہ

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

۲۲۳	عیدین کی نماز بستی یا میدان میں؟	۴۰۱
۲۲۴	نمازِ عید کے لئے میدان میں جانا مستحب ہے اور مسجد میں پڑھنا خلافِ سنت ہے	۴۰۴
۲۲۵	نمازِ عیدین صحرا میں یا آبادی میں؟	۴۰۵
۲۲۶	فیلڈ میدان میں نمازِ عید	۴۰۶
۲۲۷	عیدگاہ اور مساجد میں نمازِ عید	۴۰۷
۲۲۸	عیدگاہ شہر سے کتنی دور ہو؟	۴۰۹
۲۲۹	قبرستان میں نمازِ عید	۴۱۰
۲۳۰	ایضاً	۴۱۲
۲۳۱	بارش میں نمازِ عید کہاں پڑھیں؟	۴۱۳
۲۳۲	بلا عذر مسجد میں عید کی نماز	۴۱۳
۲۳۳	مسجد میں نمازِ عید پڑھنا خلافِ سنت ہے	۴۱۴
۲۳۴	مساجد میں نمازِ عید	۴۱۵
۲۳۵	معذورین کے لئے جامع مسجد میں نمازِ عید	۴۱۶
۲۳۶	دو بستیوں میں ایک عیدگاہ	۴۱۷
۲۳۷	قدیم عیدگاہ پر غیروں کے قبضہ ہو جانے کے اندیشہ سے نمازِ عید ادا کرنا	۴۱۹
۲۳۹	جدید وقدیم عیدگاہوں میں نمازِ عید	۴۲۱
۲۳۹	جدید عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا قدیم میں؟	۴۲۳
۲۴۰	مجوسی کے وقف کردہ میدان میں نمازِ عید ادا کرنا	۴۲۵
۲۴۱	کیا عیدگاہ بحکمِ مسجد ہے؟	۴۲۶

الفصل الرابع فی تعدد العید وتکراره

(نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)

۲۴۲	نمازِ عید دوجگہ	۴۲۸
۲۴۳	ایک سے زائد جگہ عید کی نماز	۴۲۹
۲۴۴	ہر محلہ میں الگ الگ عید کی نماز	۴۳۰
۲۴۵	دوعیدگاہوں میں نمازِ عید ادا کرنا	۴۳۲
۲۴۶	ایک بستی میں متعدد عیدگاہیں	۴۳۳
۲۴۷	ایک ہی امام کا دوجگہ نمازِ عید پڑھانا	۴۳۴
۲۴۸	ایک امام گاؤں میں مردوں کو، پھر عورتوں کو نمازِ عید پڑھائے	۴۳۵
۲۴۹	امام صاحب کا نمازِ عید مکرر پڑھنا	۴۳۶

الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

(تکبیراتِ عید کا بیان)

۲۵۰	تکبیراتِ عیدین	۴۳۷
۲۵۱	ایضاً	۴۳۹
۲۵۲	نمازِ عید میں بارہ تکبیر کہنا	۴۴۲
۲۵۳	زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑنا	۴۴۳
۲۵۴	عیدالفطر میں تین دفعہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا	۴۴۳

الفصل السادس فی تکبیرات التشریق

(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

۲۵۵	نمازِ عید کے بعد تکبیراتِ تشریق	۴۴۵
۲۵۶	ایضاً	۴۴۶

۲۵۷ نمازِ جمعہ کے بعد تکبیراتِ تشریق ۴۴۷
۲۵۸ نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کہنا بھول گیا، بات چیت بھی کرلی ۴۴۸
۲۵۹ تکبیرِ تشریق عورت، دیہاتی اور منفرد پر ۴۴۹
۲۶۰ عیدگاہ سے لوٹتے وقت تکبیرِ تشریق ۴۵۰
۲۶۱ تکبیرِ تشریق پر فتویٰ ۴۵۰

الفصل السابع فی خطبة العید

(خطبۂ عید کا بیان)

۲۶۲ خطبۂ عید میں تکبیر پڑھنا ۴۵۱
۲۶۳ خطبۂ عید سے پہلے تکبیر ۴۵۱
۲۶۴ خطبۂ عید کی تکبیرات ۴۵۲
۲۶۵ بغیر تکبیر کے عید الفطر کا خطبہ ۴۵۳
۲۶۶ خطبۂ عید میں عصا لینا ۴۵۳
۲۶۷ دورانِ خطبہ، خطیب کو روپیہ دینا ۴۵۴
۲۶۸ عید الفطر کے بعد خطبہ کا ترجمہ ۴۵۵
۲۶۹ خطبۂ عید کا نہ سننا ۴۵۶
۲۷۰ مقتدیوں کے لئے خطبۂ عید کے دوران تکبیر پڑھنے کا حکم ۴۵۷
۲۷۱ خطبۂ عید میں نواب کا نام لینا ۴۵۷

الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

(نمازِ عید کے بعد کی دعاء کا بیان)

۲۷۲ عیدین کے بعد دعاء ۴۵۹
۲۷۳ نمازِ عید کے بعد دعاء ۴۶۰

۲۷۴	ایضاً	۴۶۱
۲۷۵	ایضاً	۴۶۲
۲۷۶	دعاء ومصافحہ بعد نمازِ عید	۴۶۳
۲۷۷	دعاء بعد خطبۂ عیدین	۴۶۵

الفصل التاسع فی المتفرقات

۲۷۸	عیدین کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا	۴۶۶
۲۷۹	عیدین میں جھولی پھرانا اور اس رقم سے امام ومؤذن کی تنخواہ	۴۶۷
۲۸۰	عیدین کو امام کے لئے کمر پر رومال باندھنا	۴۶۸
۲۸۱	عیدین کو تجارت کا حکم	۴۶۹
۲۸۲	عید کے غسل کا وقت	۴۶۹
۲۸۳	غسلِ عید ایسی جگہ، جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی	۴۷۱
۲۸۴	عید کے لئے اذان نہیں	۴۷۱
۲۸۵	نمازِ عید کے لئے "الصلوۃ" کہہ کر بلانا	۴۷۲
۲۸۶	"الصلوۃ" وغیرہ کے بغیر نمازِ عید	۴۷۲
۲۸۷	عیدین میں جلوس ودف	۴۷۳
۲۸۸	عید کے لئے قاضی کا جلوس	۴۷۴
۲۸۹	بطورِ احتجاج عید کے روز نئے کپڑے نہ پہننا	۴۷۴

باب صلوۃ الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

۲۹۰	نمازِ استسقاء کی شرائط	۴۷۶
۲۹۱	ایضاً	۴۷۸

باب الجنائز

۲۹۲	کیا اچانک موت کا آنا بُری موت کی علامت ہے؟	۴۸۱
۲۹۳	روح نکلنے کے بعد میت کے پیر قبلہ کی طرف کرنا	۴۸۱
۲۹۴	موت کے وقت سر کدھر ہو اور پیر کدھر ہو؟	۴۸۲
۲۹۵	میت کے پاس تلاوت کا حکم	۴۸۳
۲۹۶	میت کے اردگرد میں قرآنِ کریم پڑھنا	۴۸۴
۲۹۷	میت کے قریب اگربتی سلگانا	۴۸۴
۲۹۸	مرنے کے بعد بیوی کا منہ دیکھنا	۴۸۵
۲۹۹	کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے؟	۴۸۵
۳۰۰	غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے؟	۴۸۶
۳۰۱	میت کے قریب غیر مسلم عورتوں کا آکر بیٹھنا	۴۸۷

الفصل الأول في غسلِ الميت

(میت کوغسل دینے کا بیان)

۳۰۲	میت کوغسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہوں؟	۴۸۸
۳۰۳	ایضاً	۴۸۹
۳۰۴	غسلِ میت کے وقت پیر کس طرف ہوں اور غیر مستنجی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟	۴۸۹
۳۰۵	میت کے غسل کے بعد پیر کدھر ہوں؟	۴۹۰
۳۰۶	غسلِ میت کے لئے نیت ضروری نہیں	۴۹۱
۳۰۷	میت کو پابندِ شرع غسل دے	۴۹۲
۳۰۸	کیا بیوی شوہر کوغسل دے سکتی ہے؟	۴۹۲
۳۰۹	کیا شوہر بیوی کوغسل دے سکتا ہے؟	۴۹۳

۳۱۰	کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا؟	۴۹۴
۳۱۱	عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو تو تیمم کرادیا جائے	۴۹۵
۳۱۲	دائی کا میت کو غسل دینا	۴۹۶
۳۱۳	میت کو فقیروں کے ذریعہ غسل دلانا	۴۹۶
۳۱۴	فقیر کی بیوی کو غسلِ میت پر مجبور کرنا	۴۹۷
۳۱۵	غسلِ میت کے بعد پائخانہ نکل آیا تو کیا حکم ہے؟	۴۹۸
۳۱۶	مردہ کے بدن سے ناپاکی نکلے تو کیا حکم ہے؟	۴۹۸
۳۱۷	غسلِ میت میں ڈھیلے سے استنجاء	۴۹۹
۳۱۸	میت کو لگا یا ہوا پلاسٹر چھڑانا چاہیے یا نہیں؟	۵۰۰
۳۱۹	میت کو کورے گھڑے سے غسل دینا	۵۰۰
۳۲۰	مجذوم کو بلا غسل دفن کرنا	۵۰۱
۳۲۱	غاسلِ میت کو غلہ دینا	۵۰۳

الفصل الثانی فی تکفین المیت

(میت کے کفن کا بیان)

۳۲۲	کفن کے کپڑوں کی تعداد	۵۰۴
۳۲۳	کفن کے کپڑے اور طریقہ	۵۰۵
۳۲۴	کفن کے کپڑے	۵۰۵
۳۲۵	میت کے لئے کتنے کپڑے ہیں؟	۵۰۶
۳۲۶	میت مرد اور عورت کے کفن کا عدد	۵۰۸
۳۲۷	کفن کی مقدار	۵۰۹
۳۲۸	نابالغ کا کفن	۵۱۰
۳۲۹	مردہ بچہ کو بلا غسل وکفن ہنڈیا میں رکھ کر دفن کردینا	۵۱۱

۳۳۰	کفن وغیرہ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟	۵۱۲
۳۳۱	عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے؟	۵۱۳
۳۳۲	عورت کے لئے کفن میں پائجامہ	۵۱۴
۳۳۳	کفن کو مشین سے سینا اور تہہ کرنا	۵۱۴
۳۳۴	کفن میں متبرک کپڑا	۵۱۵
۳۳۵	پردۂ کعبہ کا ٹکڑا میت کی پیشانی پر رکھنا	۵۱۸
۳۳۶	غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت کے سینے پر رکھنا	۵۱۹
۳۳۷	کفن کو آبِ زم زم سے تر کرنا	۵۲۰
۳۳۸	میت پر آبِ زم زم چھڑکنا	۵۲۱
۳۳۹	بدیشی کپڑے کا کفن اور اس پر نمازِ جنازہ	۵۲۱
۳۴۰	کفن پر خوشبو لگانا	۵۲۴
۳۴۱	کفن کس رنگ کا ہو؟	۵۲۵
۳۴۲	عورت کے جنازہ پر سرخ چادر	۵۲۶
۳۴۳	کفن کے اوپر کی چادر	۵۲۷
۳۴۴	اپنے کفن کے لئے اپنی زندگی میں سامان خرید کر رکھنا	۵۲۸
۳۴۵	غیر مسلم کی رقم سے مسلم کی تجہیز وتکفین	۵۲۹
۳۴۶	ہندو، مسلم کے جنازے میں تمیز نہ ہو تو کفن، دفن کی کیا صورت ہوگی؟	۵۲۹
۳۴۷	جس میت کے متعلق مسلم اور غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو، اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟	۵۳۰
۳۴۸	دریا سے بہہ کر آئی ہوئی عورت کی لاش کے متعلق اختلاف	۵۳۲
۳۴۹	کفن کے بند کا حکم	۵۳۲
۳۵۰	غسلِ میت کے بعد جو کپڑا سترِ عورت کے لئے ڈالا جائے، کیا وہ جزوِ کفن ہے؟	۵۳۴
۳۵۱	کفن کا مصلی مسجد میں دینا	۵۳۵
۳۵۲	کفن پر عہد نامہ لکھنا	۵۳۶

۳۵۳	کفن پر عہد نامہ لکھنا اور تلقین بعد الدفن............	۵۳۶
۳۵۴	کفن پر کلمہ لکھنا............	۵۳۷
۳۵۵	ایضاً............	۵۳۸
۳۵۶	کلمہ طیبہ وغیرہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دینا............	۵۳۹
۳۵۷	کلمہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا............	۵۴۰
۳۵۸	پرچہ پر دعاء لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا............	۵۴۱

الفصل الثالث فی الصلوۃ علی المیت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

۳۵۹	صلوۃِ جنازہ کی مشروعیت کب سے ہے؟............	۵۴۴
۳۶۰	نمازِ جنازہ حاضرین پر فرضِ کفایہ ہے یا فرضِ عین؟............	۵۴۵
۳۶۱	نمازِ جنازہ کی نیت............	۵۴۷
۳۶۲	ایضاً............	۵۴۸
۳۶۳	کیا نمازِ جنازہ صرف تکبیرات سے ادا ہو جاتی ہے؟............	۵۵۰
۳۶۴	نمازِ جنازہ میں صرف تین تکبیر کہنا............	۵۵۱
۳۶۵	تکبیراتِ جنازہ میں کمی وزیادتی............	۵۵۲
۳۶۶	تیسری تکبیر پر سلام پھیرنے کا حکم............	۵۵۳
۳۶۷	چوتھی تکبیر کے بعد مقتدی نے سلام پھیر دیا............	۵۵۳
۳۶۸	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے؟............	۵۵۴
۳۶۹	نمازِ جنازہ میں پانچویں تکبیر............	۵۵۴
۳۷۰	نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟............	۵۵۵
۳۷۱	نمازِ جنازہ میں تکبیرِ رابع، ہاتھ کب چھوڑے؟............	۵۵۶

۳۷۲	نمازِ جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے؟	۵۵۷
۳۷۳	نمازِ جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے؟	۵۵۸
۳۷۴	نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ	۵۵۹
۳۷۵	نمازِ جنازہ کا درود شریف	۵۶۲
۳۷۶	نمازِ جنازہ کی دعا مادری زبان میں	۵۶۲
۳۷۷	الترتیب بین المکتوبۃ والجنازۃ	۵۶۳
۳۷۸	نمازِ جنازہ سنتوں سے پہلے یا بعد میں؟	۵۶۴
۳۷۹	نمازِ جنازہ اور سنت ونوافل میں ترتیب	۵۶۴
۳۸۰	سنتِ مؤکدہ مقدم ہے یا نمازِ جنازہ؟	۵۶۵
۳۸۱	سنتِ وقت اور جنازہ میں ترتیب	۵۶۶
۳۸۲	نمازِ جنازہ سنتوں پر مقدم ہے یا نہیں؟	۵۶۷
۳۸۳	نمازِ عید اور جنازہ میں ترتیب	۵۶۸
۳۸۴	تعلیمِ قرآن کے وقت نمازِ جنازہ	۵۶۸
۳۸۵	اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ	۵۶۹
۳۸۶	نمازِ جنازہ بوقتِ استوائے شمس	۵۷۰
۳۸۷	نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت بوقتِ غروبِ آفتاب	۵۷۱
۳۸۸	نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟	۵۷۲
۳۸۹	عورت کی نمازِ جنازہ کا ولی شوہر ہے یا باپ؟	۵۷۴
۳۹۰	ولیِ جنازہ باپ ہے یا شوہر؟	۵۷۵
۳۹۱	ولیِ میت سے نمازِ جنازہ کی اجازت	۵۷۵
۳۹۲	امامِ محلہ کی امامت ولی کے مقابلہ میں	۵۷۶

۳۹۳	کسی متعین شخص سے جنازہ پڑھوانے کی وصیت	۵۷۶
۳۹۴	نمازِ جنازہ بلا وضو	۵۷۷
۳۹۵	نمازِ جنازہ میں میت کی سمتِ قبلہ بدل گئی	۵۷۸
۳۹۶	نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟	۵۷۹
۳۹۷	ناپاک زمین پر نمازِ جنازہ	۵۸۱
۳۹۸	جوتا پہن کر نمازِ جنازہ پڑھنا	۵۸۱
۳۹۹	ایضاً	۵۸۲
۴۰۰	جنازہ کو جمعہ تک مؤخر کرنا	۵۸۳
۴۰۱	نمازِ جنازہ میں دوسرے محلہ والوں کا انتظار کرنا	۵۸۳
۴۰۲	نمازِ جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے پڑھنا	۵۸۵
۴۰۳	متعدد جنازوں کی نماز اکٹھی پڑھنا	۵۸۵
۴۰۴	صغیرہ اور کبیرہ کے جنازوں کی نماز یکدم پڑھنا	۵۸۶
۴۰۵	نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا	۵۸۷
۴۰۶	ایضاً	۵۸۸
۴۰۷	نمازِ جنازہ متعدد دفعہ	۵۸۸
۴۰۸	جو شخص ساتھ نہ دے اس کے جنازہ میں عدمِ شرکت	۵۸۹
۴۰۹	چلتے ہوئے مسافر پر نمازِ جنازہ میں شریک ہونا لازم ہے یا نہیں؟	۵۹۱
۴۱۰	نمازِ جنازہ میں چند لوگوں کا محض تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا	۵۹۲
۴۱۱	ضعیف امام کو جنازہ کے لئے سواری میں لے جانا	۵۹۳
۴۱۲	مسبوق نمازِ جنازہ کس طرح پڑھے؟	۵۹۴
۴۱۳	صفوفِ جنازہ میں کون سی صف افضل ہے؟	۵۹۴

۴۱۴	جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کی وجہ	۵۹۵
۴۱۵	صفوفِ نمازِ جنازہ میں طاق عدد	۵۹۷
۴۱۶	نمازِ جنازہ کی صفوف میں فصل	۵۹۸
۴۱۷	نمازِ جنازہ کی صفوف میں کتنی جگہ رہے؟	۵۹۸
۴۱۸	صفوفِ جنازہ میں بچوں کی صف	۶۰۰
۴۱۹	حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ	۶۰۰
۴۲۰	جنازۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی کیفیت	۶۰۲
۴۲۱	جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز	۶۰۴
۴۲۲	جنازۂ حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے آدمی تھے؟	۶۰۴
۴۲۳	جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تاخیر کی وجہ	۶۰۵
۴۲۴	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں پر نمازِ جنازہ	۶۰۷
۴۲۵	حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نمازِ جنازہ	۶۱۰
۴۲۶	مقروض کے جنازہ کی نماز	۶۱۱
۴۲۷	بے نمازی کے جنازہ کی نماز	۶۱۳
۴۲۸	ایضاً	۶۱۴
۴۲۹	تارکِ نماز کا جنازہ اور اس پر جرمانہ	۶۱۴
۴۳۰	بے نمازی کے جنازہ کو بطورِ سزا تین جھٹکے دینا	۶۱۶
۴۳۱	فاسق وفاجر کی نمازِ جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے	۶۱۷
۴۳۲	عصبیت پر جو شخص مقتول ہو، اس کے جنازہ کی نماز	۶۲۲
۴۳۳	قاتل پر نمازِ جنازہ	۶۲۳
۴۳۴	والدین کے قاتل پر نمازِ جنازہ	۶۲۴

۴۳۵	خودکشی کرنے والے پر نمازِ جنازہ..........	۶۲۵
۴۳۶	ایضاً..........	۶۲۶
۴۳۷	کنویں میں گر کر مرنے والے کی نمازِ جنازہ اور بخشش..........	۶۲۶
۴۳۸	پانی میں ڈوبنے کے کئی روز بعد متعفن لاش ملی، اس پر نمازِ جنازہ کا حکم..........	۶۲۷
۴۳۹	زانیہ اور ولد الزنا کی نمازِ جنازہ..........	۶۲۸
۴۴۰	ایضاً..........	۶۲۹
۴۴۱	کنواری کے بچہ پر نمازِ جنازہ..........	۶۳۳
۴۴۲	مسلم مرد اور کافرہ عورت سے پیدا شدہ بچہ کے جنازہ کا حکم..........	۶۳۴
۴۴۳	ہیجڑے کی نمازِ جنازہ..........	۶۴۲
۴۴۴	خنثیٰ بچہ کی نمازِ جنازہ..........	۶۴۳
۴۴۵	جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو، اس پر نمازِ جنازہ..........	۶۴۳
۴۴۶	مردہ بچہ کی نمازِ جنازہ کا حکم ائمۂ اربعہ کے نزدیک..........	۶۴۵
۴۴۷	جڑواں دو بچوں کے جنازہ پر نماز ایک ہے یا دو؟..........	۶۴۶
۴۴۸	کافر نے اپنا چھوٹا بچہ مسلمان کو دے دیا، اس پر نمازِ جنازہ..........	۶۴۷
۴۴۹	غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت..........	۶۵۰
۴۵۰	قادیانی کے جنازہ کی نماز..........	۶۵۱
۴۵۱	ایضاً..........	۶۵۳
۴۵۲	قادیانی کے ساتھ تعلقات اور اس پر نمازِ جنازہ..........	۶۵۵
۴۵۳	کمیونسٹ کے جنازہ کی نماز..........	۶۵۷
۴۵۴	میت مشتبہ ہو تو نمازِ جنازہ کون پڑھائے، سنی یا شیعہ؟..........	۶۵۸
۴۵۵	مسلمین اور غیر مسلمین کی لاشیں مخلوط ہو جائیں، ان کی نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟..........	۶۵۹

۴۵۶	مسلمان عورت جو ہندوؤں کے قبضہ میں ہو، اس کی نمازِ جنازہ	۶۶۰
۴۵۷	میت کے تین ٹکڑے ہونے پر اس کی نمازِ جنازہ اور اس کی تدفین	۶۶۲
۴۵۸	نصف جلی ہوئی لاش پر نمازِ جنازہ	۶۶۴
۴۵۹	بھیڑیا بچے کو اٹھالایا، اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم	۶۶۵
۴۶۰	غائبانہ نمازِ جنازہ	۶۶۶
۴۶۱	میتِ غائب کی نمازِ جنازہ	۶۶۷
۴۶۲	قبر پر صلوٰۃِ جنازہ	۶۷۱
۴۶۳	چارپائی پر میت کا جنازہ	۶۷۲
۴۶۴	عورت کے جنازہ پر امام کا رومال ڈالنا	۶۷۳
۴۶۵	نمازِ جنازہ سے متعلق چند مسائل	۶۷۳
۴۶۶	مسجد میں نمازِ جنازہ (مفصل)	۶۷۵
۴۶۷	جامع مسجد میں نمازِ جنازہ	۶۹۰
۴۶۸	احاطۂ مسجد میں نمازِ جنازہ	۶۹۱
۴۶۹	مسجد میں اضافہ کرکے اس میں نمازِ جنازہ	۶۹۳
۴۷۰	جائے نماز بچھا کر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا	۶۹۵
۴۷۱	نمازِ جنازہ، فنائے مسجد اور قبرستان میں	۶۹۵
۴۷۲	مسجد میں نمازِ جنازہ میں عدمِ شرکت	۶۹۶
۴۷۳	چندہ نہ دینے کی وجہ سے مسجد میں جنازہ سے روک کرتالا لگانا	۶۹۸
۴۷۴	قبرستان میں نمازِ جنازہ	۷۰۰
۴۷۵	ایضاً	۷۰۲
۴۷۶	عیدگاہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۳

۴۷۷	ایضاً	۷۰۴
۴۷۸	ایضاً	۷۰۵
۴۷۹	تعزیہ گاہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۵
۴۸۰	کشادہ جگہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۶
۴۸۱	ارضِ مغصوبہ میں نمازِ جنازہ	۷۰۷
۴۸۲	نمازِ جنازہ کے بعد دعا	۷۰۸
۴۸۳	ایضاً	۷۰۸
۴۸۴	ایضاً	۷۰۹
۴۸۵	نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا	۷۰۹
۴۸۶	نمازِ جنازہ کے بعد مستقلاً میت کے لئے دعاء کرنا	۷۱۰
۴۸۷	نمازِ جنازہ کے بعد دعاء اور قل ھو اللہ پڑھنا	۷۱۱

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد نہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	الفصل الرابع فی حمل الجنازة	
	(جنازہ اٹھانے کا بیان)	
۱	جنازہ کس رفتار سے لے کر چلنا چاہیے؟	۳۰
۲	جنازہ کتنے قدم لے کر چلے؟	۳۱
۳	میت کو کندھا دینا چالیس قدم	۳۱
۴	جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا	۳۲
۵	جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی	۳۴
۶	جنازہ لے جاتے وقت رخ کس طرف ہو؟	۳۴
۷	میت کو قبرستان لے جاتے وقت پیر آگے کرنا	۳۵
۸	عورت کی میت کو گھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟	۳۵
۹	عورت کے جنازہ کو نامحرم چھو سکتا ہے	۳۶
۱۰	جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا	۳۶
۱۱	جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا	۳۷

۱۲	کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا	۳۹
۱۳	غیر مسلم کی تجہیز وتکفین میں شرکت	۴۰
۱۴	ایضاً	۴۰
۱۵	جنازہ کے ساتھ رفع صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ	۴۲
۱۶	جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا	۴۲
۱۷	جنازہ سامنے رکھ کر اس پر سلام پڑھنا	۴۳
۱۸	شروع میں جنازہ اٹھانے والوں کو کھانا کھلانا	۴۴
۱۹	میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا	۴۴

الفصل الخامس فيما يتعلق بالقبر و الدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

۲۰	قبر کھودنے کا مشروع طریقہ	۴۶
۲۱	قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں	۴۷
۲۲	قبر کی گہرائی	۴۸
۲۳	قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟	۴۹
۲۴	کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟	۵۱
۲۵	قبر کے صندوق کی گہرائی	۵۲
۲۶	قبر میں لحد کی جہت	۵۲
۲۷	بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟	۵۳
۲۸	میت کو تابوت میں رکھنا	۵۴
۲۹	میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا	۵۴
۳۰	میت کو قبر میں رکھنے کی صورت	۵۵
۳۱	میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ	۵۹
۳۲	طریق مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا	۵۹

۳۳	قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا............	۶۰
۳۴	قبر میں میت کو کروٹ دینا............	۶۱
۳۵	قبر میں میت کو قبلہ رُو کرنا............	۶۱
۳۶	قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟............	۶۲
۳۷	میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء............	۶۲
۳۸	میت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟............	۶۳
۳۹	عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا............	۶۴
۴۰	میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا............	۶۴
۴۱	لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا............	۶۵
۴۲	عورت کے لئے دفن کے وقت پردہ............	۶۶
۴۳	ایضاً............	۶۶
۴۴	قبر پر اذان دینا............	۶۷
۴۵	ایضاً............	۶۸
۴۶	ایضاً............	۶۸
۴۷	تلقین کی قسمیں اور کون سی تلقین جائز ہے؟............	۶۹
۴۸	تلقین بعد الدفن............	۷۲
۴۹	تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا............	۷۵
۵۰	میت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا............	۷۷
۵۱	میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے............	۷۸
۵۲	قبر میں میت کا منہ دکھلانا............	۷۹
۵۳	بوقتِ دفن غیر مسلموں کو چہرہ دکھانا............	۸۰
۵۴	زچہ اور بچہ دونوں مر گئے، تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟............	۸۱
۵۵	جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟............	۸۳
۵۶	بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ............	۸۳

۵۷	اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا یا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا	۸۵
۵۸	اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا	۸۷
۵۹	دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق	۸۸
۶۰	ایرانی مردہ کو قبرستان میں دفن کرنا	۸۹
۶۱	غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا	۹۰
۶۲	کسی کی زمین میں اپنی میت کو دفن کرنا	۹۰
۶۳	بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا	۹۱
۶۴	چمار کی زمین میں جبراً میت کو دفن کرنا	۹۳
۶۵	دفنِ میت سے روکنا	۹۴
۶۶	لاش دو سال بعد دفن کرنا	۹۵
۶۷	پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے؟	۹۵
۶۸	پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا	۹۶
۶۹	میت کے ساتھ قرآنِ پاک دفن کرنا	۹۸
۷۰	قرآنِ کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا	۹۹
۷۱	مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا	۹۹
۷۲	دفنِ میت کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا	۱۰۰
۷۳	دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا	۱۰۲
۷۴	قبر پر خوشبو چھڑکنا	۱۰۲
۷۵	حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا	۱۰۳
۷۶	قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا	۱۰۴
۷۷	قبر میں بیری کی شاخ	۱۰۴
۷۸	قبر پر بیری کے پتے ڈالنا	۱۰۵
۷۹	دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا	۱۰۶
۸۰	جذامی کی قبر میں چونا پانی ڈالنا	۱۰۶

۸۱	میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول وآخر سراً پڑھا جائے یا جہراً؟........	۱۰۷
۸۲	بعد دفن سورتِ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا........	۱۰۸
۸۳	میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا........	۱۰۹
۸۴	دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا........	۱۱۰
۸۵	مسِ ذکر سے مذی آگئی، اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا........	۱۱۰
۸۶	دفنِ میت کے بعد چارپائی الٹ دینا........	۱۱۱
۸۷	قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا........	۱۱۱
۸۸	ایضاً........	۱۱۲
۸۹	پرانی قبر پر مٹی ڈالنا........	۱۱۳
۹۰	قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا........	۱۱۴
۹۱	قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا........	۱۱۵
۹۲	قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا........	۱۱۶
۹۳	قبر کی مٹی لانا........	۱۱۶
۹۴	قبر کی مٹی کھانا........	۱۱۷
۹۵	قبر کی مٹی تبرکاً لے جانا........	۱۱۹
۹۶	قبرستان کے مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا........	۱۲۰
۹۷	قبر کھود کر میت کو دیکھنا اور ایصالِ ثواب........	۱۲۰
۹۸	قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا، اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا........	۱۲۴
۹۹	بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی........	۱۲۴
۱۰۰	میت کو بعد الدفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق........	۱۲۷
۱۰۱	دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ ’’میں زندہ ہوں‘‘ تو کیا اس کو نکالا جائے؟........	۱۳۲
۱۰۲	پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میت کو نکالنا........	۱۳۴
۱۰۳	قبر پر کھیتی........	۱۳۷
۱۰۴	قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا........	۱۳۸

۱۰۵	قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا	۱۳۹
۱۰۶	قبروں پر چلنا	۱۳۹
۱۰۷	کسی قبر پر ٹیک لگانا	۱۴۰
۱۰۸	قبر کے قریب پیشاب کرنا	۱۴۱
۱۰۹	قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا	۱۴۲
۱۱۰	جنات کا دفن	۱۴۳
۱۱۱	بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا	۱۴۴
۱۱۲	ایضاً	۱۴۵
۱۱۳	ایضاً	۱۴۷
۱۱۴	دفنِ میت کے بعد دعاء مانگنا	۱۴۸
۱۱۵	دفن کے وقت اگربتی جلانا اور بعد الدفن دعاء کرنا	۱۴۹
۱۱۶	قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا	۱۵۱
۱۱۷	دفن کے بعد چھوارے تقسیم کرنا	۱۵۲

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبّہ بنانے کا بیان)

۱۱۸	قبر پر قبہ بنانا	۱۵۳
۱۱۹	پختہ قبر کا حکم	۱۵۹
۱۲۰	پکی قبر کا حکم	۱۶۰
۱۲۱	اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازے میں شرکت کرنا	۱۶۱
۱۲۲	روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد	۱۶۲
۱۲۳	ایضاً	۱۶۳
۱۲۴	روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟	۱۶۳
۱۲۵	اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟	۱۶۴

۱۲۶	قبورِ مشائخ پر قبہ کا حکم	۱۶۵
۱۲۷	پختہ قبر کو ڈھا دینا	۱۶۷
۱۲۸	پختہ قبر کو منہدم کر دینا	۱۶۸
۱۲۹	قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟	۱۶۹
۱۳۰	قبروں پر آڑھ لگانا	۱۷۰

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

۱۳۱	قبر پر پھول ڈالنا	۱۷۱
۱۳۲	قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا	۱۷۲
۱۳۳	کفن یا قبر پر پھول ڈالنا	۱۷۳
۱۳۴	ایضاً	۱۷۳
۱۳۵	قبر پر پھول چادر روشنی کرنا	۱۷۴
۱۳۶	مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا	۱۷۵
۱۳۷	صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا	۱۷۶
۱۳۸	قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال	۱۷۶
۱۳۹	قبور پر چادر	۱۷۹
۱۴۰	قبر پر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ	۱۷۹
۱۴۱	شب براءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی	۱۸۰
۱۴۲	قبر پر اگربتی جلانا، اذان دینا، تیجہ کرنا	۱۸۰
۱۴۳	قبروں پر پانی چھڑکنا	۱۸۱
۱۴۴	قبر سے متعلق چند خرافات	۱۸۱
۱۴۵	مزارات پر خرافات	۱۸۴

باب زیارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

۱۴۶	زیارتِ قبور کا طریقہ	۱۸۶
۱۴۷	اقسامِ زیارتِ قبور	۱۸۷
۱۴۸	ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور	۱۸۸
۱۴۹	قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟	۱۹۰
۱۵۰	جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت	۱۹۱
۱۵۱	عورتوں کا قبرستان میں جانا	۱۹۱
۱۵۲	عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم	۱۹۲
۱۵۳	ایضاً	۱۹۴
۱۵۴	ایضاً	۱۹۵
۱۵۵	عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا	۱۹۶
۱۵۶	اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر	۱۹۷
۱۵۷	کیا حج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟	۲۰۰
۱۵۸	پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھایا	۲۰۰
۱۵۹	سفر برائے زیارتِ قبور	۲۰۰
۱۶۰	زیارتِ قبر کے لئے احرام	۲۰۱
۱۶۱	عید کے دن زیارتِ قبور	۲۰۱

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے ایصالِ ثواب کا بیان)

۱۶۲	ایصالِ ثواب کا طریقہ	۲۰۳
۱۶۳	ایصالِ ثواب کے طریقے	۲۰۴

۱۶۴	ایصالِ ثواب کا فائدہ	۲۰۵
۱۶۵	کیا ایصالِ ثواب کرنے والوں کو بھی ثواب ملتا ہے	۲۰۶
۱۶۶	کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟	۲۰۶
۱۶۷	ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال	۲۰۷
۱۶۸	اپنی زندگی میں مردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرنا	۲۱۳
۱۶۹	اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب	۲۱۶
۱۷۰	مُردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے؟	۲۱۷
۱۷۱	میت کو بعینہ صدقہ نہیں بلکہ ثواب پہونچتا ہے	۲۱۹
۱۷۲	مشترکہ ایصالِ ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟	۲۲۰
۱۷۳	مُردوں کو ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟	۲۲۲
۱۷۴	ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہوکر پہونچتا ہے؟	۲۲۳
۱۷۵	متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسم ہوکر؟	۲۲۵
۱۷۶	ایک قرآن پاک صدقہ میں دے کر ثواب پورے مجمع کو بخشا	۲۲۶
۱۷۷	قرآن شریف ہبہ کیا، موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟	۲۲۶
۱۷۸	اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھانا	۲۲۹
۱۷۹	اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات	۲۲۹
۱۸۰	ایصالِ ثواب کے لئے قرآنِ کریم دینا	۲۳۰
۱۸۱	ختمِ قرآن پاک کا ثواب مُردے کو پہنچانا	۲۳۲
۱۸۲	میت کے لئے قراءتِ قرآن وغیرہ	۲۳۳
۱۸۳	نماز کا ثواب پہنچانا	۲۳۶
۱۸۴	دو رکعت نفل پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا	۲۳۶
۱۸۵	نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہونچانا	۲۳۸
۱۸۶	نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب	۲۳۸
۱۸۷	ایضاً	۲۳۹

۱۸۸	ایضاً	۲۳۹
۱۸۹	میتِ صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب	۲۴۰
۱۹۰	بچوں کا ایصالِ ثواب کرنا	۲۴۱
۱۹۱	ایضاً	۲۴۳
۱۹۲	بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے	۲۴۴
۱۹۳	ایک لاکھ کلمۂ طیبہ کا ثواب میت کے لئے	۲۴۴
۱۹۴	نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب	۲۴۷
۱۹۵	کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب	۲۴۷
۱۹۶	غیر مسلم کو ایصالِ ثواب	۲۴۸
۱۹۷	شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب	۲۴۹
۱۹۸	ایضاً	۲۵۱
۱۹۹	گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب	۲۵۲
۲۰۰	تعزیتی جلسہ کا حکم	۲۵۴
۲۰۱	میت کے لئے جلسۂ تعزیت	۲۵۶
۲۰۲	دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ	۲۵۷

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

۲۰۳	قبر پر تلاوت	۲۵۸
۲۰۴	قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟	۲۵۹
۲۰۵	قبر یا بیمار کے پاس تلاوت	۲۶۰
۲۰۶	قبرستان میں تلاوت دیکھ کر کرنا	۲۶۱
۲۰۷	قبرستان میں قرآن پاک پڑھ کر ثواب پہونچانا	۲۶۲
۲۰۸	ایضاً	۲۶۴

۲۰۹	قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر ہو؟	۲٦۵
۲۱۰	قبر کے سامنے قرآنِ کریم پڑھنا	۲٦٦
۲۱۱	قبر کے سامنے مناجات	۲٦٦
۲۱۲	قبر پر مراقبہ	۲٦۸
۲۱۳	قبر سے استفادہ کی صورت	۲٦۹

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرها
(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

۲۱۴	سوئم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں	۲۷۰
۲۱۵	سوئم چہلم وغیرہ	۲۷۰
۲۱٦	ایضاً	۲۷۲
۲۱۷	گیارہویں وغیرہ	۲۷۲
۲۱۸	تیجہ، دسواں کا کھانا	۲۷۵
۲۱۹	تیجہ مسجد میں یا مکان پر؟	۲۷۵
۲۲۰	دفنِ میت سے پہلے کھانا	۲۷٦
۲۲۱	میت کے گھر کھانا	۲۷٦
۲۲۲	میت کے گھر کھانا	۲۷۸
۲۲۳	انتقالِ میت پر کھانا دینا	۲۷۸
۲۲۴	طعام المیت	۲۷۹
۲۲۵	توشۂ میت	۲۸۰

باب المتفرقات

۲۲٦	ہندوستان سے پاکستان جاکر مرنا	۲۸۱
۲۲۷	میت کے گھر سے سارا پانی گرادینا، نمازِ جنازہ کی اجرت	۲۸۱

۲۲۸	حاملہ مرجائے تو وضع حمل کی کیا صورت ہے؟	۲۸۲
۲۲۹	جنازہ کی چادر، چٹائی اور چارپائی صدقہ کرنا	۲۸۳
۲۳۰	ماں کا بیٹے سے ناراض ہوکر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا	۲۸۴
۲۳۱	حیلۂ اسقاط	۲۸۴
۲۳۲	ایضاً	۲۸۵
۲۳۳	جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ	۲۸۶
۲۳۴	مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا	۲۸۷
۲۳۵	انتقالِ شوہر پر چوڑیاں توڑنا	۲۸۸
۲۳۶	انتقال پر دودھ بخشنا	۲۸۸

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

۲۳۷	شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟	۲۹۰
۲۳۸	شہداء کی انواع	۲۹۱
۲۳۹	احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟	۲۹۳
۲۴۰	شہید کے درجے	۲۹۴
۲۴۱	جو ظلماً قتل ہو، وہ شہید ہے	۲۹۵
۲۴۲	کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں، ان کا حکم	۲۹۵
۲۴۳	دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟	۲۹۶
۲۴۴	فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟	۲۹۷
۲۴۵	ایضاً	۲۹۸
۲۴۶	دو قومی فسادات میں مرنے والے کا حکم	۲۹۸
۲۴۷	’’دق‘‘ کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں؟	۳۰۰

۲۴۸	جو ڈب کر مر جائے، وہ شہید ہے	۳۰۰
۲۴۹	ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے	۳۰۲
۲۵۰	ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت	۳۰۴
۲۵۱	شہید کا غسل اور کفن	۳۰۴
۲۵۲	جنازۂ شہید پر نماز	۴۰۵
۲۵۳	غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھنا	۴۰۸

کتاب الزکوۃ

۲۵۴	جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم	۳۰۹
۲۵۵	جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم	۳۱۰
۲۵٦	جو زکوۃ ادا نہیں کرتا، اس کا ہدیہ قبول کرنا	۳۱۰
۲۵٧	زکوۃ جمع رکھنا	۳۱۱
۲۵۸	زکوۃ دے کر احسان جتانا	۳۱۲

باب وجوبِ الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

۲۵۹	صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوبِ زکوۃ	۳۱۳
۲٦۰	حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟	۳۱۳
۲٦۱	وسطِ سال کی آمدنی بھی سالِ تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی	۳۱۵
۲٦۲	مالِ زکوۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟	۳۱۵
۲٦۳	مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوۃ کا حکم	۳۱٦
۲٦۴	دَینِ مہر کیا مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے؟	۳۱۸
۲٦۵	کیا عورت کے دَینِ مہر پر زکوۃ لازم ہے؟	۳۱۹

۲۶۶	مقروض پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت	۳۲۱
۲۶۷	مقروض پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟	۳۲۲
۲۶۸	مالکِ زمین مقروض پر زکوۃ	۳۲۳
۲۶۹	مقروض ودوالیہ پر وجوبِ زکوۃ وقربانی کا حکم	۳۲۳
۲۷۰	حرام مال پر زکوۃ نہیں	۳۲۴
۲۷۱	مالِ حرام پر زکوۃ	۳۲۵
۲۷۲	سنیما کی آمدنی پر زکوۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا	۳۲۶
۲۷۳	مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟	۳۲۶
۲۷۴	’’فقیر‘‘ قوم پر زکوۃ	۳۲۷
۲۷۵	قوم فقیر پر زکوۃ	۳۲۸
۲۷۶	ہبہ پر زکوۃ	۳۲۸
۲۷۷	بیوہ پر زکوۃ	۳۲۹
۲۷۸	وکالت کی آمدنی پر زکوۃ	۳۳۰
۲۷۹	جو روپیہ نابالغ کو دے دیا اس پر زکوۃ نہیں	۳۳۲
۲۸۰	بینک میں جمع روپے پر زکوۃ	۳۳۴
۲۸۱	نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ	۳۳۵
۲۸۲	بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ	۳۳۶
۲۸۳	جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوۃ	۳۳۶
۲۸۴	حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ	۳۳۷
۲۸۵	جو روپیہ کھیت میں لگا، اس پر زکوۃ کا حکم	۳۳۸
۲۸۶	حج کے روپیہ پر زکوۃ	۳۳۸
۲۸۷	مکان کے لئے جمع رقم پر زکوۃ	۳۳۹
۲۸۸	نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر؟	۳۳۹

۲۸۹	حیلۂ عدمِ وجوبِ زکوۃ	۳۴۰
۲۹۰	زکوۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ	۳۴۱
۲۹۱	کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟	۳۴۲
۲۹۲	**حکومتِ پاکستان کی طرف سے انالیس سوالات پر مشتمل استفتاء**	۳۴۴
۲۹۳	زکوۃ کی تعریف	۳۴۴
۲۹۴	زکوۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟	۳۴۴
۲۹۵	وجوبِ زکوۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟	۳۴۴
۲۹۶	وجوبِ زکوۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت	۳۴۵
۲۹۷	زکوۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟	۳۴۵
۲۹۸	اداروں پر زکوۃ	۳۴۵
۲۹۹	قابلِ انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خرید کنندہ پر زکوۃ ہے یا بیچنے والے پر؟	۳۴۵
۳۰۰	کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟	۳۴۵
۳۰۱	دورِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوۃ پر خلفائے راشدین کا اضافہ	۳۴۶
۳۰۲	نکل، سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوۃ	۳۴۶
۳۰۳	مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوۃ	۲۴۶
۳۰۴	مالِ نامی کے حدود	۳۴۶
۳۰۵	مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوۃ کے قواعد	۳۴۷
۳۰۶	کن کن مملوکہ جانوروں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟	۳۴۷
۳۰۷	اموالِ زکوۃ پر زکوۃ کی شرح	۳۴۷
۳۰۸	کیا دورِ خلفائے راشدین میں بعض اموالِ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟	۳۴۷
۳۰۹	دوسو نقرئی درہم، بیس طلائی مثقالی کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوۃ	۳۴۷
۳۱۰	موجودہ حالات کے پیشِ نظر شرحِ زکوۃ میں تبدیلی	۳۴۷
۳۱۱	مختلف اثاثوں پر وجوبِ زکوۃ کی مدت	۳۴۸
۳۱۲	کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوۃ ہے؟	۳۴۸

۳۱۳	ادائے زکوۃ میں شمسی وقمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین	۳۴۸
۳۱۴	زکوۃ کے مصارف	۳۴۸
۳۱۵	مصارف کے حدود اور "فی سبیل اللّٰہ" کا مفہوم	۳۴۸
۳۱۶	تمام زکوۃ کو تمام مصارف میں، یا متعین حصہ متعین مصرف میں صرف کیا جائے؟	۳۴۸
۳۱۷	مستحقِ زکوۃ کے استحقاق کے حالات اور بنو ہاشم کو زکوۃ کا حق	۳۴۸
۳۱۸	مصرفِ زکوۃ افراد ہیں یا ادارے؟	۳۴۹
۳۱۹	غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوۃ	۳۴۹
۳۲۰	زکوۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کرنا	۳۴۹
۳۲۱	زکوۃ کی رقم بطورِ قرض دینا	۳۴۹
۳۲۲	مصرفِ زکوۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟	۳۴۹
۳۲۳	ترکۂ میت سے زکوۃ لینا	۳۴۹
۳۲۴	عدمِ وجوبِ زکوۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر	۳۴۹
۳۲۵	تحصیلِ زکوۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟	۳۵۰
۳۲۶	زکوۃ کے نظم ونسق کا طریقہ اور وصولِ زکوۃ کے لئے الگ محکمہ	۳۵۰
۳۲۷	زکوۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟	۳۵۰
۳۲۸	دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوۃ وغیرہ	۳۵۰
۳۲۹	اسلامی ممالک میں وصولیٔ زکوۃ کا طریقہ	۳۵۰
۳۳۰	انتظامِ زکوۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟	۳۵۰
۳۳۱	منتظمینِ زکوۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط	۳۵۰

باب الزكاة فى الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ کا بیان)

۳۳۲	زیور کی زکوۃ	۳۶۸
۳۳۳	جس زیور میں پتھر جڑے ہوں ان پر زکوۃ	۳۶۹

۳۳۴	چاندی کا نصاب......................................	۳۷۰
۳۳۵	چاندی کی زکوۃ......................................	۳۷۱
۳۳۶	سونا چاندی مخلوط کی زکوۃ......................................	۳۷۳
۳۳۷	سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ دینا......................................	۳۷۳
۳۳۸	سونے اور چاندی کی زکوۃ الگ الگ دی جائے......................................	۳۷۴
۳۳۹	لڑکی کے زیور پر زکوۃ......................................	۳۷۶
۳۴۰	مرہون زیور کی زکوۃ......................................	۳۷۶
۳۴۱	مہر کی رقم پر زکوۃ کا حکم......................................	۳۷۷
۳۴۲	زیور کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟......................................	۳۷۸
۳۴۳	ادائے زکوۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟......................................	۳۷۸
۳۴۴	چاندی کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟......................................	۳۷۹
۳۴۵	بذریعۂ قیمت سونے چاندی کی زکوۃ......................................	۳۸۰
۳۴۶	سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ کس طرح ادا کی جائے؟......................................	۳۸۲
۳۴۷	چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوۃ کا حکم......................................	۳۸۲
۳۴۸	نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے......................................	۳۸۳
۳۴۹	نوٹ پر زکوۃ......................................	۳۸۵
۳۵۰	نوٹ کی زکوۃ......................................	۳۸۹
۳۵۱	نوٹ سے زکوۃ کا حکم......................................	۳۸۹
۳۵۲	نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ کی ادائیگی......................................	۳۹۱
۳۵۳	نوٹ کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی......................................	۳۹۱
۳۵۴	نوٹ اور ریزگاری سے زکوۃ......................................	۳۹۳
۳۵۵	غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوۃ......................................	۳۹۷
۳۵۶	روپے کی زکوۃ وزن سے ہے یا قیمت؟......................................	۳۹۸

۳۵۷	چاندی کی زکوۃ میں قیمت دینا	۳۹۹
۳۵۸	نصابِ زکوۃ روپے کے اعتبار سے	۴۰۰
۳۵۹	دفینہ پر زکوۃ اور ادائے زکوۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا	۴۰۰
۳۶۰	دَینِ قوی اور دَینِ ضعیف	۴۰۱
۳۶۱	قرض پر زکوۃ	۴۰۲
۳۶۲	قرض کی زکوۃ	۴۰۳
۳۶۳	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ	۴۰۴
۳۶۴	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم	۴۰۴
۳۶۵	پراویڈنٹ فنڈ اور زرِ ضمانت پر زکوۃ	۴۰۵
۳۶۶	ختمِ ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوۃ	۴۰۵
۳۶۷	کسور پر زکوۃ اور اس کی مثال	۴۰۸

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

۳۶۸	سامانِ تجارت پر زکوۃ	۴۱۰
۳۶۹	سامانِ تجارت کی زکوۃ	۴۱۱
۳۷۰	مالِ تجارت میں زکوۃ	۴۱۲
۳۷۱	ایضاً	۴۱۳
۳۷۲	مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ	۴۱۳
۳۷۳	بعض مالِ تجارت فروخت ہو جائے اور بعض رہ جائے تو زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟	۴۱۴
۳۷۴	مالِ تجارت کی زکوۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا	۴۱۴
۳۷۵	مالِ تجارت میں کس قیمت پر زکوۃ ہوگی؟	۴۱۵
۳۷۶	تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوۃ کس قیمت سے ادا کرے؟	۴۱۶

۳۷۷	چھپائی کے کاغذ پر زکوۃ	۴۱۷
۳۷۸	آلاتِ تجارت پر زکوۃ	۴۱۷
۳۷۹	سامانِ مطب میں زکوۃ	۴۱۸
۳۸۰	پریس کی مشین پر زکوۃ	۴۱۹
۳۸۱	شیئرز کی بیع اور ان کی زکوۃ	۴۱۹
۳۸۲	مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم	۴۲۱
۳۸۳	مضاربت میں زکوۃ	۴۲۲
۳۸۴	جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوۃ	۴۲۳
۳۸۵	گھر کے سامان میں زکوۃ	۴۲۴
۳۸۶	گھڑی کی زکوۃ	۴۲۵
۳۸۷	کرایہ کے مکانات پر زکوۃ	۴۲۵
۳۸۸	سلم کے روپیہ اور زمین پر زکوۃ	۴۲۶
۳۸۹	کارخانہ کی زمین ومشین پر زکوۃ	۴۲۷

باب زكاة المواشي

(جانوروں کی زکوۃ کا بیان)

۳۹۰	بھینس پر زکوۃ ہے یا دودھ پر؟	۴۲۸
۳۹۱	تجارت کے جانوروں کی زکوۃ	۴۲۹
۳۹۲	نصاب سے کم جانوروں میں زکوۃ نہیں	۴۲۹

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

۳۹۳	قرآن کریم سے عشر کا ثبوت	۴۳۱
۳۹۴	وجوبِ عشر	۴۳۲

۳۹۵	عشر کا نصاب	۴۳۲
۳۹۶	مقدارِ عشر	۴۳۲
۳۹۷	ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟	۴۳۲
۳۹۸	عشر	۴۳۴
۳۹۹	آبی اور بارشی زمین میں عشر	۴۳۵
۴۰۰	عشری اور خراجی زمین	۴۳۵
۴۰۱	مال گذاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا	۴۳۷
۴۰۲	باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوۃ	۴۳۷
۴۰۳	زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلۂ عشر	۴۳۸
۴۰۴	نقد، زمین وغیرہ میں زکوۃ	۴۴۳
۴۰۵	زکوۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق	۴۴۶

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

۴۰۶	اراضی ہند سے متعلق تفصیل	۴۵۳
۴۰۷	ہندوستانی زمین کا حکم	۴۵۴
۴۰۸	ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟	۴۵۴
۴۰۹	اراضی ہندوستان میں عشر وخراج کا حکم	۴۵۶
۴۱۰	اراضی ہند میں عشر کا حکم	۴۵۸
۴۱۱	ہندوستانی زمینوں میں عشر	۴۵۸
۴۱۲	کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟	۴۶۰
۴۱۳	عشر وخراج اور اراضی ہند	۴۶۱

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

۴۱۴	زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟	۴۶۴
۴۱۵	تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا	۴۶۵
۴۱۶	زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا	۴۶۶
۴۱۷	زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا	۴۶۷
۴۱۸	حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوۃ دینا	۴۶۸
۴۱۹	غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی	۴۶۸
۴۲۰	مستعمل چیز زکوۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟	۴۶۹
۴۲۱	زکوۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں	۴۷۰
۴۲۲	زکوۃ کے روپیہ کی تقسیم	۴۷۱
۴۲۳	کیا زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟	۴۷۱
۴۲۴	امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوۃ ہے؟	۴۷۵
۴۲۵	مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوۃ کے لئے	۴۷۶
۴۲۶	قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا	۴۷۷
۴۲۷	زکوۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا	۴۷۷
۴۲۸	فقیر کو کھلانے سے زکوۃ کی ادائیگی	۴۷۸
۴۲۹	زکوۃ میں کھانا دینا	۴۷۸
۴۳۰	چوری کی ہوئی رقم کو زکوۃ میں شمار کرنا	۴۷۹
۴۳۱	زکوۃ کی رقم چوری ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟	۴۸۰
۴۳۲	مقدار نصاب سے زائد کسی کو زکوۃ دینا	۴۸۰
۴۳۳	اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی تو کیا آئندہ سال دو سال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟	۴۸۱

۴۳۴	ادائے زکوۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا	۴۸۲
۴۳۵	صرفۂ ڈاک زکوۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا	۴۸۳
۴۳۶	زکوۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کو قرض دینا	۴۸۴
۴۳۷	زکوۃ کی رقم بطورِ قرض لے کر خرچ کرنا	۴۸۵
۴۳۸	زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا	۴۸۵
۴۳۹	زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا	۴۸۹
۴۴۰	زکوۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا	۴۸۹
۴۴۱	وکیل کا زکوۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا	۴۹۰
۴۴۲	وکیل خود مستحق زکوۃ ہو تو کیا وہ زکوۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟	۴۹۱
۴۴۳	وکیل کا زکوۃ کی رقم خود رکھنا	۴۹۲
۴۴۴	وکیل کا مؤکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوۃ دینا	۴۹۴
۴۴۵	وکیل کا زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا	۴۹۵
۴۴۶	معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کرنا	۴۹۵
۴۴۷	زکوۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کرکے خیرات کرنا	۴۹۷
۴۴۸	سفیہ کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ	۴۹۸
۴۴۹	زکوۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی	۴۹۸
۴۵۰	حیلۂ تملیک	۵۰۰
۴۵۱	حیلۂ تملیک	۵۰۱
۴۵۲	تملیک کی صورت	۵۰۲
۴۵۳	حج کے لئے حیلۂ تملیک	۵۰۳
۴۵۴	صدقۂ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلۂ تملیک	۵۰۵
۴۵۵	سیّد سے تملیکِ زکوۃ	۵۰۵
۴۵۶	کیا مہتمم مدرسہ کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی؟	۵۰۶

۴۵۷	سوال متعلقہ سوال وجواب بالا	۵۰۹
۴۵۸	مہتمم سے مالِ زکوۃ ضائع ہوجانے پر زکوۃ کا حکم	۵۱۲
۴۵۹	مہتمم کے پاس سے زکوۃ چوری ہوگئی	۵۱۲
۴۶۰	مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟	۵۱۳
۴۶۱	ایضاً	۵۱۴
۴۶۲	ادارے میں زکوۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا	۵۱۵

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

۴۶۳	فقیر کی تعریف	۵۱۶
۴۶۴	مسکین کسے کہتے ہیں؟	۵۱۶
۴۶۵	مستحقِ زکوۃ کون ہے؟	۵۱۷
۴۶۶	سب سے بہتر مصرفِ زکوۃ	۵۱۸
۴۶۷	مصارفِ زکوۃ	۵۱۹
۴۶۸	مصارفِ بیت المال	۵۲۰
۴۶۹	بیت المال	۵۲۱
۴۷۰	زکوۃ اور عشر کا مصرف	۵۲۲
۴۷۱	تاجر مقروض کو زکوۃ دینا	۵۲۳
۴۷۲	مقروض کب مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۲۳
۴۷۳	مقروض کو زکوۃ دینا	۵۲۴
۴۷۴	جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوۃ ہے	۵۲۵
۴۷۵	ایضاً	۵۲۵
۴۷۶	پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوۃ لینا	۵۲۶

۴۷۷	جس کا گذر تنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۲۷
۴۷۸	گداگروں کو زکوۃ	۵۲۷
۴۷۹	زکوۃ لے کر اپنے باپ کو دینا	۵۲۸
۴۸۰	لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوۃ دینا	۵۲۸
۴۸۱	عالم کی اولاد کے لئے زکوۃ	۵۲۹
۴۸۲	امام اور عالم کو صدقاتِ واجبہ دینا	۵۲۹
۴۸۳	امام کو زکوۃ دینا	۵۳۲
۴۸۴	شریکِ مکان کو زکوۃ دینا	۵۳۲
۴۸۵	نابالغ کو زکوۃ	۵۳۳
۴۸۶	نابالغ کو زکوۃ دینے کی صورتیں	۵۳۴
۴۸۷	بچوں کو زکوۃ دینا	۵۳۷
۴۸۸	اقرباء کو زکوۃ دینا	۵۳۸
۴۸۹	رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ	۵۳۸
۴۹۰	داماد کو زکوۃ دینا	۵۳۹
۴۹۱	کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوۃ ہیں؟	۵۴۰
۴۹۲	لڑکے کی بیوی کو زکوۃ، فطرہ دینا	۵۴۰
۴۹۳	غریب بھائی کو زکوۃ دینا	۵۴۰
۴۹۴	زکوۃ بھائی اور اس کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۵	زکوۃ کی رقم ماموں، سالے اور ان کی اولاد کو دینا	۵۴۱
۴۹۶	پھوپھی زاد بہن کو زکوۃ دینا	۵۴۲
۴۹۷	دوا کے ذریعے زکوۃ ادا کرنا	۵۴۴
۴۹۸	زکوۃ سے طبی امداد	۵۴۴
۴۹۹	تبلیغی جماعت کو زکوۃ دینا	۵۴۶

۵۰۰	نادار طلبہ کو زکوۃ دینا	۵۴۷
۵۰۱	حاجت مند ماں باپ کو زکوۃ دینا	۵۴۹
۵۰۲	والد اور سوتیلی والدہ کو زکوۃ دینا	۵۵۰
۵۰۳	جن اقرباء وغیرہ کو زکوۃ نہیں دے سکتے	۵۵۱
۵۰۴	سادات کو زکوۃ دینا	۵۵۱
۵۰۵	سیّد کو زکوۃ دینا	۵۵۲
۵۰۶	سیّد کو زکوۃ دینا	۵۵۲
۵۰۷	سیّد کی زکوۃ سیّد کو دینا	۵۵۶
۵۰۸	زکوۃ سے سیّد کا قرض ادا کرنا	۵۵۷
۵۰۹	سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوۃ دینا	۵۵۸
۵۱۰	سادات کو بینک کا سود اور زکوۃ دینا	۵۵۹
۵۱۱	صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوۃ سے کھالینا	۵۶۱
۵۱۲	زکوۃ کی کتابیں صاحبِ نصاب کو دینا	۵۶۱
۵۱۳	زکوۃ جمعیۃ علمائے اسلام کو دینا	۵۶۲
۵۱۴	دارالحرب میں حربی کو زکوۃ وصدقہ	۵۶۳
۵۱۵	زکوۃ غیر مسلم کو دینا	۵۶۵
۵۱۶	حج کے لئے زکوۃ لینا	۵۶۶
۵۱۷	زکوۃ سے میت کو کفن دینا	۵۶۷
۵۱۸	زکوۃ، فطرہ سے کفنِ میت	۵۶۷
۵۱۹	رفاہِ عام کے کام میں زکوۃ صرف کرنا	۵۶۸
۵۲۰	قبرستان کے مقدمہ میں زکوۃ لگانا	۵۶۹
۵۲۱	قتل کے مقدمہ میں زکوۃ دینا	۵۶۹
۵۲۲	زکوۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا	۵۷۰

۵۲۳	مالکِ اراضی کے لئے زکوۃ لینا	۵۷۱
۵۲۴	کیا زمیندار مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۵	جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟	۵۷۲
۵۲۶	جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوۃ لینے کا حکم	۵۷۳
۵۲۷	جس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں، کیا وہ مستحق زکوۃ ہے؟	۵۷۴
۵۲۸	تعمیرِ اسکول میں زکوۃ	۵۷۴
۵۲۹	صدقۂ جاریہ میں زکوۃ کا مصرف	۵۷۵

فصل فی صرف الزکوۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

۵۳۰	مدارس میں زکوۃ دینا	۵۷۷
۵۳۱	زکوۃ وغیرہ مدارس میں دینا	۵۸۸
۵۳۲	زکوۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا	۵۸۸
۵۳۳	بچیوں کے مدرسہ میں زکوۃ دینا	۵۹۰
۵۳۴	نیم سرکاری مدرسہ میں زکوۃ دینا	۵۹۱
۵۳۵	مدرسہ میں زکوۃ کا روپیہ	۵۹۲
۵۳۶	فی الحال زکوۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوۃ وصول کرنا	۵۹۳
۵۳۷	جس مدرسہ میں مصرفِ زکوۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو، وہاں زکوۃ دینا	۵۹۴
۵۳۸	مکتب میں زکوۃ اور قیمتِ چرمِ قربانی	۵۹۵
۵۳۹	مدارس میں زکوۃ کا مصرف	۵۹۷
۵۴۰	ایضاً	۵۹۸
۵۴۱	طلباء کے لئے زکوۃ کی ادائیگی کی صورت	۵۹۹
۵۴۲	صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوۃ لینا	۶۰۰
۵۴۳	طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوۃ سے کھلانا	۶۰۱

۵۴۴	مطبخ سے بمدِ زکوۃ طلبہ کو کھانا دینا	۶۰۲
۵۴۵	غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوۃ کو صرف کرنا	۶۰۳
۵۴۶	زکوۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا	۶۰۴
۵۴۷	زکوۃ سے مدرسین کو تنخواہ دینا	۶۰۶
۵۴۸	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۶۰۶
۵۴۹	زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا	۶۰۷
۵۵۰	مالِ زکوۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا	۶۰۸
۵۵۱	ادائے زکوۃ بغیرِ تملیک کے، زکوۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا	۶۰۹
۵۵۲	زکوۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا	۶۰۹
۵۵۳	مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوۃ دینا	۶۱۱
۵۵۴	اسکول میں زکوۃ وصدقۂ فطر	۶۱۱

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

۵۵۵	نصاب صدقۃ الفطر	۶۱۴
۵۵۶	مصرفِ فطرہ وفدیہ	۶۱۷
۵۵۷	صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت	۶۱۹
۵۵۸	نصابِ صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف	۶۲۰
۵۵۹	صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل	۶۲۰
۵۶۰	فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟	۶۲۱
۵۶۱	صدقۂ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۶۲۲
۵۶۲	فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟	۶۲۳
۵۶۳	فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟	۶۲۴

۵۶۴	صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟	۶۲۴
۵۶۵	چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی صورت	۶۲۶
۵۶۶	چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار	۶۲۷
۵۶۷	جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہو، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟	۶۲۷
۵۶۸	صدقۃ الفطر وغیرہ کے لئے بیت المال	۶۳۲
۵۶۹	فقیر، مسکین اور صدقۂ فطر کا مصرف	۶۳۳
۵۷۰	فطرہ کا مصرف ہمیشہ کے لئے متعین کرنا	۶۳۳
۵۷۱	صدقۂ فطر کیا امام کا حق ہے؟	۶۳۴
۵۷۲	کیا پوتہ کا صدقۂ فطر دادا پر ہے؟	۶۳۵
۵۷۳	امام اور مولوی کے لئے صدقۂ فطر	۶۳۶
۵۷۴	نابالغ کو فطرہ دینا	۶۳۸
۵۷۵	عید کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟	۶۳۸
۵۷۶	صدقۃ الفطر وزکوۃ غیر مسلم کو دینا	۶۳۹
۵۷۷	فطرہ اور چرم قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا	۶۴۰

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

۵۷۸	غنی کو صدقہ دینا	۶۴۲
۵۷۹	صدقہ وخیرات میں فرق	۶۴۲
۵۸۰	زکوۃ کے علاوہ صدقہ خیرات	۶۴۳
۵۸۱	کفارہ کی رقم، فقیر، قاضی یا استاد کو یکبارگی دینا	۶۴۴
۵۸۲	للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال	۶۴۵
۵۸۳	پیداوار میں سے زکوۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ	۶۴۶

۵۸۴	حرام مال کا صدقہ	۶۴۶
۵۸۵	پیشہ ور مانگنے والوں کو صدقہ وغیرہ دینا	۶۴۷
۵۸۶	جنازہ کی چادر، چٹائی، چار پائی صدقہ کرنا	۶۴۸
۵۸۷	خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا	۶۴۸
۵۸۸	مقروض کا نفلی چندہ دینا	۶۴۹
۵۸۹	کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے	۶۴۹
۵۹۰	زکوۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقۂ نفلیہ دینا	۶۵۰
۵۹۱	تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا	۶۵۱

باب المتفرقات

۵۹۲	زکوۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا	۶۵۲
۵۹۳	زکوۃ میں مبیع کی قیمت کم کردینا	۶۵۲
۵۹۴	اپنی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا	۶۵۳
۵۹۵	تحفہ میں زکوۃ ہونے کا شک	۶۵۴
۵۹۶	جو رقم بقصدِ زکوۃ الگ رکھ دی گئی اس میں تصرف کا حکم	۶۵۵

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد دہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الصوم	
۱	جہاں دن اٹھارہ گھنٹے کا ہو، وہاں روزہ کی صورت	۳۲
۲	مطلع میں ۲۴/ گھنٹے کا فرق ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے؟	۳۳
۳	مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے	۳۳
۴	رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر	۳۵
۵	روزہ میں مسواک سنت ہے	۳۶
۶	ستائیسویں رات کو شبِ قدر کی تعیین	۳۶
۷	مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کر کے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے	۳۷
۸	مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت	۳۸
۹	حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم	۳۹
۱۰	فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا	۳۹

باب رؤیۃ الھلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

۱۱	روزہ کا سبب رویتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)........	۴۰
۱۲	رویت ہلال سے متعلق "کتاب القاضی إلی القاضی" کی تفصیل........	۴۷
۱۳	ہلالِ رمضان اور عید کے لئے ریڈیو کی خبر........	۵۵
۱۴	ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟........	۵۷
۱۵	ٹیلیفون کی خبر کا حکم........	۶۴
۱۶	آلاتِ جدیدہ سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت........	۶۶
۱۷	ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟........	۶۹
۱۸	ایضاً........	۷۰
۱۹	اختلافِ رؤیتِ ہلال کا سوال........	۷۰
۲۰	ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ........	۷۲
۲۱	رؤیتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟........	۷۶
۲۲	ریڈیو کے ذریعہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت........	۷۷
۲۳	ریڈیو کے اعلان کی حیثیت........	۸۰
۲۴	ریڈیو کا اعلان........	۸۲
۲۵	ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر........	۸۴
۲۶	شہادت دیر سے پہونچنے پر نمازِ عید کو مؤخر کرنا........	۸۴
۲۷	ریڈیو پر اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید........	۸۵
۲۸	ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت........	۹۰
۲۹	ہلالِ رمضان وعید اور ریڈیو کی اطلاع........	۹۳
۳۰	رویتِ ہلال کمیٹی اگر فتویٰ کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟........	۹۴

۳۱	بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں	۹۵
۳۲	بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا	۹۵
۳۳	رؤیتِ ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے	۹۸
۳۴	رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی	۱۰۰
۳۵	ریڈیو کی اطلاع پر روزہ	۱۰۱
۳۶	ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا	۱۰۳
۳۷	ہلال عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا	۱۰۴
۳۸	مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا	۱۰۵
۳۹	ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید	۱۰۵
۴۰	ریڈیو کے ذریعہ شہادت	۱۰۶
۴۱	ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا	۱۰۷
۴۲	ریڈیو کی خبر، شہادت	۱۰۹
۴۳	تار اور ٹیلی فون کی خبر	۱۱۰
۴۴	تار، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان	۱۱۱
۴۵	اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے	۱۱۲
۴۶	رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار	۱۱۵
۴۷	"أمة أمية" کی تحقیق اور رؤیتِ ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کا قول	۱۱۶
۴۸	رؤیتِ ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبولِ شہادت کی صورتیں	۱۱۹
۴۹	جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہو، وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو؟	۱۲۴
۵۰	کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانع رؤیتِ ہلال ہے؟	۱۲۵
۵۱	اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت	۱۲۷
۵۲	زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا	۱۲۸
۵۳	کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رؤیتِ ہلال کے لئے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے؟	۱۳۳

۵۴	تمیں رمضان کو چاند نظر نہیں آیا....................	۱۳۴
۵۵	ہلالِ فطر کا ثبوت....................	۱۳۴

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

۵۶	ندی میں غسل کرتے ہوئے پانی پی لیا....................	۱۳۸
۵۷	سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا....................	۱۳۸
۵۸	ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟....................	۱۳۹
۵۹	احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟....................	۱۴۰
۶۰	انگلی ڈال کر پاخانہ نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟....................	۱۴۰
۶۱	عورت کے اندامِ نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟....................	۱۴۱
۶۲	کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟....................	۱۴۲
۶۳	حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل....................	۱۴۳
۶۴	روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل اور لمس....................	۱۴۴
۶۵	لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم....................	۱۴۴
۶۶	استمنا بالید کے بعد بیوی سے جماع کرلیا....................	۱۴۵
۶۷	روزہ میں انجکشن....................	۱۴۶
۶۸	ایضاً....................	۱۵۲
۶۹	ایضاً....................	۱۵۲
۷۰	روزہ میں خوشبو کا حکم....................	۱۵۳
۷۱	روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہوا لینا....................	۱۵۴
۷۲	ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا....................	۱۵۵
۷۳	روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ و استنشاق....................	۱۵۵

۷۴	روزہ میں اگربتی	۱۵۶
۷۵	روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا	۱۵۷
۷۶	لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم	۱۵۸
۷۷	نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم	۱۵۹
۷۸	جلق مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟	۱۵۹
۷۹	سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم	۱۶۰
۸۰	صبح صادق سے ایک دومنٹ بعد سحری کھائی	۱۶۱

باب قضاء الصوم وکفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

۸۱	رمضان میں جبراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا	۱۶۲
۸۲	روزوں کی قضائے عمری	۱۶۳
۸۳	روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ	۱۶۴
۸۴	رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا	۱۶۵
۸۵	ایضاً	۱۶۵
۸۶	ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم	۱۶۶
۸۷	استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضاء	۱۶۷
۸۸	حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم	۱۶۹
۸۹	روزہ توڑنے کا کفارہ	۱۶۹
۹۰	کسی اَور کا تھوک نگلنے سے کفارہ	۱۷۱
۹۱	روزے کا کفارہ	۱۷۱
۹۲	مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟	۱۷۳
۹۳	کفارۂ صوم میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟	۱۷۳

۹۴	پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں	۱۷۴
۹۵	کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں، یا الگ الگ؟	۱۷۴
۹۶	کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلباء کو کھانا کھلانا	۱۷۴
۹۷	کفارۂ صوم ادا ہونے کی آسان صورت	۱۷۵
۹۸	صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار، اس کا مستحق	۱۷۶
۹۹	نماز روزہ کا فدیہ	۱۸۰
۱۰۰	فدیۂ صوم وصلوٰۃ	۱۸۱
۱۰۱	مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ	۱۸۵
۱۰۲	مریض پر فدیۂ صوم	۱۸۶
۱۰۳	فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟	۱۸۹
۱۰۴	فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے	۱۸۹
۱۰۵	فدیۂ صیام شروع رمضان میں دے یا اخیر رمضان میں؟	۱۸۹
۱۰۶	ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف	۱۹۰
۱۰۷	کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا	۱۹۱

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

۱۰۸	ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتداء	۱۹۲
۱۰۹	صرف دس محرم کا روزہ رکھنا	۱۹۳
۱۱۰	صوم یومِ عاشوراء	۱۹۳
۱۱۱	یومِ عرفہ ونحر میں شک	۱۹۳

۱۱۲	ہمیشہ روزہ رکھنا	۱۹۵
۱۱۳	تنہا جمعہ کا روزہ	۱۹۶
۱۱۴	کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟	۱۹۷
۱۱۵	یوم الشک کا روزہ	۲۰۰
۱۱۶	صومِ یوم الشک	۲۰۱
۱۱۷	چند مخصوص تاریخوں کا روزہ	۲۰۱
۱۱۸	گرمی کے روزے کا ثواب زیادہ ہے	۲۰۲
۱۱۹	بعد عصر نہ کھانے سے روزے کا ثواب	۲۰۳
۱۲۰	پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا	۲۰۳

فصل فی التسحر والإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

۱۲۱	سحری کے لئے اذان	۲۰۵
۱۲۲	سحری وافطاری کے وقت ڈھول بجانا	۲۰۶
۱۲۳	سحر وافطار کی اطلاع بذریعۂ سائرن	۲۰۸
۱۲۴	جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا	۲۰۸
۱۲۵	غروبِ شمس کی علامت کیا ہے؟	۲۰۹
۱۲۶	روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے اور نمک وادرک سے افطار کرنا	۲۱۰
۱۲۷	بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار	۲۱۱
۱۲۸	نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد ہو؟	۲۱۲
۱۲۹	افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں	۲۱۳
۱۳۰	افطار کے وقت اجتماعی دعاء کرنا	۲۱۳

باب المتفرقات

۱۳۱ تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۵

۱۳۲ بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۶

۱۳۳ صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۷

۱۳۴ سحری کھانے کے بعد تاخیر سے غسلِ جنابت ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۸

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

۱۳۵ اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۹

۱۳۶ کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۱۹

۱۳۷ اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۰

۱۳۸ کیا اعتکاف ہر مسجد، ہر شہر میں ضروی ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۱

۱۳۹ عورت کا اعتکاف گھر میں نفلی ہے یا سنت؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۲

۱۴۰ ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گناہگار ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۲

۱۴۱ نابالغ کا اعتکاف ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۳

۱۴۲ اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۳

۱۴۳ ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رُکنے کی اجازت نہ ہو ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۴

۱۴۴ اعتکاف سے روکنا ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۵

۱۴۵ مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۵

۱۴۶ بستی کی مختلف مسجدوں میں کسی ایک جگہ اعتکاف ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۶

۱۴۷ جو مسجد وقف نہ ہو، اس میں اعتکاف ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۶

۱۴۸ ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف ۔۔۔۔۔۔ ۲۲۷

۱۴۹	مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف	۲۲۸
۱۵۰	مسجد بارش سے ٹپکتی ہو تو معتکف کیا کرے؟	۲۲۹
۱۵۱	دوسرے محلہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی	۲۳۰
۱۵۲	امام کے ذریعہ سنتِ اعتکاف کی ادائیگی	۲۳۰
۱۵۳	معتکف بیت الخلاء کے لئے نکل کر کتنا کام کرسکتا ہے؟	۲۳۱
۱۵۴	معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے اعتکاف سے نکلنا درست ہے؟	۲۳۱
۱۵۵	معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا	۲۳۲
۱۵۶	معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لئے جانا	۲۳۳
۱۵۷	ایضاً	۲۳۳
۱۵۸	معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا	۲۳۵
۱۵۹	کیا معتکف سحر و افطار اور استنجا اپنے مکان پر کرے	۲۳۶
۱۶۰	مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کرلے	۲۳۷
۱۶۱	وضو، اذان، سگریٹ کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا	۲۳۸
۱۶۲	بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا	۲۳۹
۱۶۳	معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا	۲۴۰
۱۶۴	دیہاتی معتکف کو نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا	۲۴۱
۱۶۵	معتکف کو نمازِ جنازہ کے لئے باہر نکلنا	۲۴۱
۱۶۶	جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟	۲۴۲
۱۶۷	غسلِ سنت وتبرید کے لئے معتکف کا خروج	۲۴۳
۱۶۸	اعتکاف میں غسل	۲۴۳
۱۶۹	اعتکاف میں حدث	۲۴۴
۱۷۰	بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح	۲۴۵
۱۷۱	معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا	۲۴۵

۱۷۲	معتکف کے لئے تمبا کو کھانا	۲۴۶
۱۷۳	معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا	۲۴۶
۱۷۴	معتکف کے لئے امورِ مباحہ	۲۴۷
۱۷۵	ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا	۲۴۸
۱۷۶	معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا	۲۴۸
۱۷۷	ایضاً	۲۴۸
۱۷۸	معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا	۲۴۹
۱۷۹	اعتکاف کی حالت میں تقبیلِ وجہ	۲۴۹
۱۸۰	معتکف کا مسجد میں چارپائی بچھانا	۲۵۰
۱۸۱	عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا	۲۵۱
۱۸۲	معتکف کا حوض سے پانی لینا	۲۵۱
۱۸۳	معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائیک باہر مجمع کو خطاب کرنا	۲۵۲
۱۸۴	مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا	۲۵۲
۱۸۵	معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا	۲۵۳
۱۸۶	معتکف کا قرآن پاک پڑھانا	۲۵۴
۱۸۷	اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء	۲۵۴
۱۸۸	عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء واداء اعتکاف ایک ساتھ	۲۵۵
۱۸۹	اعتکاف میں غسلِ میت کے لئے نکلنا، مستورات کے اعتکافِ مسنون ٹوٹ جانے پر قضاء کا حکم	۲۵۶
۱۹۰	نفلی اعتکاف	۲۵۷
۱۹۱	نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں	۲۵۷
۱۹۲	نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے، لفظوں میں اعتکاف کی نیت	۲۵۸
۱۹۳	نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں	۲۵۹

۱۹۴	فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کر کے لیٹنا............	۲۵۹
☆	**اعتکاف کے چند ضروری مسائل**............	۲۶۰
۱۹۵	معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟............	۲۶۰
۱۹۶	معتکف کا خارج مسجد اذان پڑھنا............	۲۶۰
۱۹۷	معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا............	۲۶۰
۱۹۸	ایضاً............	۲۶۰
۱۹۹	اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟............	۲۶۰
۲۰۰	**اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل**............	۲۶۲
۲۰۱	اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر کرے؟............	۲۶۲
۲۰۲	ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم............	۲۶۲
۲۰۳	کتاب یا قرآن پاک پڑھنے کے لئے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا............	۲۶۲
۲۰۴	ایضاً............	۲۶۳
۲۰۵	معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا............	۲۶۳
۲۰۶	گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا............	۲۶۳
۲۰۷	گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا............	۲۶۳
۲۰۸	پانی لانے کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا............	۲۶۳
۲۰۹	حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا............	۲۶۳
۲۱۰	ابتدائے اعتکاف کا وقت............	۲۶۳
۲۱۱	**اعتکاف کے ۶۴/ مسائل**............	۲۶۶
۲۱۲	عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم............	۲۶۷
۲۱۳	معتکف کون کون ہو سکتا ہے؟............	۲۶۷
۲۱۴	معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم............	۲۶۷
۲۱۵	عورت کے اعتکاف سے مردوں سے سقوطِ اعتکاف............	۲۶۷

۲۱۶	مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف	۲۶۷
۲۱۷	کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟	۲۶۷
۲۱۸	۲۴/ رمضان کو معتکف کا انتقال ہوجائے	۲۶۸
۲۱۹	دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت	۲۶۸
۲۲۰	معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود	۲۶۸
۲۲۱	قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت	۲۶۸
۲۲۲	معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا	۲۶۸
۲۲۳	مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا	۲۶۸
۲۲۴	مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا	۲۶۸
۲۲۵	حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم	۲۶۹
۲۲۶	قضائے حاجت کے لئے گھر جاکر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم	۲۶۹
۲۲۷	حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا	۲۶۹
۲۲۸	حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے اور مسجد سے بجبوری نکلنے کا حکم	۲۶۹
۲۲۹	حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت	۲۶۹
۲۳۰	معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا	۲۶۹
۲۳۱	معتکف کا شادی میں شرکت کرنا	۲۷۰
۲۳۲	معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا	۲۷۰
۲۳۳	پانی نہ ہوتو غسلِ جنابت میں تیمم کرے یا باہر جاکر غسل کرے؟	۲۷۰
۲۳۴	معتکف کا سحری یا افطاری لینے گھر جانا	۲۷۰
۲۳۵	کیا معتکف مقدمہ کے لئے جاکر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟	۲۷۰
۲۳۶	معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا	۲۷۰
۲۳۷	حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا	۲۷۰
۲۳۸	وعظ کے لئے معتکف کا کسی مجلس میں جانا	۲۷۱

۲۳۹	معتکف کا میٹنگ میں جانا	۲۷۱
۲۴۰	معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۱	معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۲	معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لئے جانا	۲۷۱
۲۴۳	معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لئے لے جانا	۲۷۱
۲۴۴	معتکف کی حکوت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے؟	۲۷۱
۲۴۵	صلح کرانے کے لئے معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟	۲۷۱
۲۴۶	معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا	۲۷۲
۲۴۷	معتکف کا روزانہ دوا لینے شفاخانہ جانا	۲۷۲
۲۴۸	معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا	۲۷۲
۲۴۹	مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا	۲۷۲
۲۵۰	مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گزارے؟	۲۷۲
۲۵۱	گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا	۲۷۲
۲۵۲	معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا	۲۷۲
۲۵۳	معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا	۲۷۳
۲۵۴	معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا	۲۷۳
۲۵۵	معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا	۲۷۳
۲۵۶	معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا	۲۷۳
۲۵۷	بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم	۲۷۳
۲۵۸	معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا	۲۷۳
۲۵۹	معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا	۲۷۳
۲۶۰	کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا	۲۷۳
۲۶۱	معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا	۲۷۴

۲۶۲	قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا	۲۷۴
۲۶۳	قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا	۲۷۴
۲۶۴	معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا	۲۷۴
۲۶۵	معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا	۲۷۴
۲۶۶	ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا	۲۷۴
۲۶۷	معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا	۲۷۵
۲۶۸	معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا	۲۷۵
۲۶۹	مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا	۲۷۵
۲۷۰	قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعاء پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟	۲۷۵
۲۷۱	بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم	۲۷۵
۲۷۲	معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے نکلنا	۲۷۵
۲۷۳	ایضاً	۲۷۵
۲۷۴	پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم	۲۷۶
۲۷۵	جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم	۲۷۶

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

۲۷۶	بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟	۲۸۷
۲۷۷	شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا	۲۸۷
۲۷۸	ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے	۲۸۸

۲۷۹	صاحب وسعت پر حج فرض ہے........................	۲۸۹
۲۸۰	روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟........................	۲۹۰
۲۸۱	لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج؟........................	۲۹۱
۲۸۲	ایضاً........................	۲۹۲
۲۸۳	استطاعت سے پہلے حج کا حکم........................	۲۹۲
۲۸۴	حجِ اکبر........................	۲۹۴
۲۸۵	حج مبرور اور مقبول میں فرق........................	۲۹۵
۲۸۶	بیوی کو حج کے لئے ساتھ لے جانا کب ضروری ہے؟........................	۲۹۶
۲۸۷	حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لے جائے؟........................	۲۹۸
۲۸۸	بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ، کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟........................	۲۹۸
۲۸۹	کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہوجائے گا؟........................	۲۹۹
۲۹۰	روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی........................	۳۰۰
۲۹۱	حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج........................	۳۰۱
۲۹۲	قحط کی حالت میں حج........................	۳۰۱
۲۹۳	قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے؟........................	۳۰۲
۲۹۴	مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟........................	۳۰۳
۲۹۵	ایضاً........................	۳۰۳
۲۹۶	کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟........................	۳۰۴
۲۹۷	حج کے ارکان........................	۳۰۵
۲۹۸	حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دودن پہلے حج........................	۳۰۵
۲۹۹	سرکاری روپیہ سے حج........................	۳۰۷
۳۰۰	والدہ کے روپیہ سے حج........................	۳۰۸

۳۰۱	سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا........................	۳۰۹
۳۰۲	کافر کے روپے سے حج کرنا........................	۳۱۰
۳۰۳	مالِ حرام سے حج........................	۳۱۰
۳۰۴	جائز وناجائز مخلوط مال سے حج........................	۳۱۱
۳۰۵	ناجائز آمدنی سے حج کرنا........................	۳۱۴
۳۰۶	حج کے لئے رقم ناکافی ہوتو اپنا دوسرا انتظام کرنا........................	۳۱۵
۳۰۷	غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا........................	۳۱۶
۳۰۸	حرام آمدنی والے کو بوقتِ حج اپنے گروپ میں شامل کرنا........................	۳۱۷
۳۰۹	حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے یا حلال آمدنی ہے تو کیا اس کا قول معتبر ہے؟	۳۱۷
۳۱۰	فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں........................	۳۱۸
۳۱۱	حج سے گناہ کی معافی........................	۳۱۹
۳۱۲	حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں........................	۳۲۰
۳۱۳	کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہوجائیں گی........................	۳۲۰
۳۱۴	حجِ ثانی کے لئے پانچ سال کی قید........................	۳۲۱
۳۱۵	حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا........................	۳۲۲
۳۱۶	حج عرضی میں یہ قید کہ ''میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا''........................	۳۲۳
۳۱۷	جھوٹا اندراج کرکے حجِ ثانی کرنا........................	۳۲۶
۳۱۸	دروغ حلفی کرکے حجِ ثانی کرنا........................	۳۲۷

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

۳۱۹	بغیر محرم کے بڑھیا کو سفرِ حج کرنا........................	۳۲۹
۳۲۰	بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا........................	۳۳۰

۳۲۱	عورت کو بلامحرم سفرِ حج کرنا	۳۳۰
۳۲۲	کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا	۳۳۱
۳۲۳	رضاعی بھائی کے ساتھ حج	۳۳۴
۳۲۴	اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا	۳۳۵
۳۲۵	بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا	۳۳۶

بابٌ في واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

۳۲۶	وقوفِ مزدلفہ	۳۳۸
۳۲۷	ایضاً	۳۳۸
۳۲۸	منیٰ سے روانگی	۳۳۹
۳۲۹	متمتع اور قارن پر کیا دودم ہیں؟	۳۴۲
۳۳۰	احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈوانا	۳۴۳
۳۳۱	حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے	۳۴۴
۳۳۲	عورتیں حلال ہونے کے لئے کتنے بال کہاں کے کاٹیں؟	۳۴۵
۳۳۳	محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا	۳۴۶
۳۳۴	وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط	۳۴۶
۳۳۵	کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟	۳۴۷
۳۳۶	دوگانۂ طواف اوقاتِ مکروہہ میں	۳۴۸
۳۳۷	دوگانۂ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا	۳۴۸
۳۳۸	طوافِ زیارت بحالتِ احرام	۳۴۹
۳۳۹	نفل طوف کے بعد استیلام	۳۴۹
۳۴۰	متعدد طوافوں کے بعد نفل	۳۵۰

۳۴۱	ایامِ معلومات کی تشریح	۳۵۱
۳۴۲	یوم القر کی تشریح	۳۵۳

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

۳۴۳	استلام حجرِ اسود کا ثبوت	۳۵۷
۳۴۴	حجرِ اسود کا استلام	۳۵۸
۳۴۵	حجرِ اسود کہاں سے آیا؟	۳۵۹
۳۴۶	رکنِ یمانی کی تعریف	۳۶۰
۳۴۷	حجرِ اسود کا استلام	۳۶۱
۳۴۸	مقاماتِ اجابت	۳۶۲
۳۴۹	میزابِ رحمت کے نیچے دیوار کا التزام	۳۶۳
۳۵۰	منحاء میں وقوف شعارِ روافض ہے	۳۶۳
۳۵۱	طواف میں شاذ وران کومس کرنا	۳۶۳
۳۵۲	آبِ زمزم	۳۶۵
۳۵۳	غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کر لانا	۳۶۶
۳۵۴	خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ	۳۶۷

بابٌ في أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

۳۵۵	مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟	۳۶۹
۳۵۶	کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟	۳۶۹

۳۵۷	حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظمہ میں مقیم ہے یا مسافر؟	۳۷۰
۳۵۸	حالت حیض میں طواف کرنا	۳۷۱
۳۵۹	حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوۃ وسلام	۳۷۲

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

۳۶۰	یلملم سے احرام	۳۷۵
۳۶۱	کسی ضرورت کے لئے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لئے کیا احرام ضروری ہے؟	۳۷۸
۳۶۲	پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟	۳۷۹
۳۶۳	ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟	۳۸۱
۳۶۴	میقات سے بلا احرام گزرنا	۳۸۱
۳۶۵	احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا	۳۸۴
۳۶۶	کیا جدہ میقات ہے؟	۳۸۵
۳۶۷	میقات کا علم نہ ہو تو تحری کرے	۳۸۵
۳۶۸	مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے یا نہیں؟	۳۸۵

باب القِران والتمتع

(حجِ قران اور تمتع کا بیان)

۳۶۹	حج کی افضل صورت	۳۸۸
۳۷۰	مفرد اور قارن کے لئے سعی	۳۸۸
۳۷۱	استفتاء متعلق سوال بالا	۳۹۰
۳۷۲	متمتع کا مدینہ طیبہ جانا، پھر عمرہ کرنا	۳۹۰
۳۷۳	ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟	۳۹۳

۳۷۴	اشہرِ حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا	۳۹۴
۳۷۵	قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے	۳۹۵
۳۷۶	عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے؟	۳۹۶
۳۷۷	حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ	۳۹۶
۳۷۸	صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ	۳۹۷

باب الحج عن الغير

(حجِ بدل کا بیان)

۳۷۹	حجِ بدل	۴۰۱
۳۸۰	ایضاً	۴۰۱
۳۸۱	ایضاً	۴۰۳
۳۸۲	والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حجِ بدل کرانا	۴۰۴
۳۸۳	حجِ بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا	۴۰۵
۳۸۴	کیا حجِ بدل میں نام لینا ضروری ہے؟	۴۰۵
۳۸۵	حج بدل کے لئے ذوالحلیفہ سے احرام	۴۰۶
۳۸۶	مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا	۴۰۷
۳۸۷	حج بدل والے کو مدینہ طیبہ پہلے جانا	۴۰۹
۳۸۸	حج بدل میں پہلے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری	۴۱۰
۳۸۹	حج بدل میں تمتع	۴۱۱
۳۹۰	ایضاً	۴۱۴
۳۹۱	ایضاً	۴۱۵
۳۹۲	حج بدل میں افراد ہو یا قران؟	۴۱۶
۳۹۳	بیمار کا حجِ بدل کرانا	۴۱۸

۳۹۴	ایضاً	۴۱۹
۳۹۵	حجِ بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا، تو دوبارہ حج فرض نہیں	۴۲۰
۳۹۶	میت کی طرف سے بلاوصیت حجِ بدل	۴۲۰
۳۹۷	والد مرحوم کی طرف سے حجِ بدل	۴۲۲
۳۹۸	بیوی کو اپنے حج سے پہلے حجِ بدل کرانا	۴۲۳
۳۹۹	حجِ بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کر کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا اور خود اپنا حج کرنا	۴۲۴
۴۰۰	حجِ بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے؟	۴۲۶
۴۰۱	حجِ صرورہ	۴۲۶
۴۰۲	بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود کسی سے اس کا حجِ بدل کرانا	۴۲۸
۴۰۳	مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حجِ بدل کا؟	۴۲۸
۴۰۴	حجِ بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں	۴۲۹
۴۰۵	حجِ بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان	۴۳۰

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

۴۰۶	طواف وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم	۴۳۲
۴۰۷	رمی اور قیامِ منیٰ کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟	۴۳۳
۴۰۸	رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم	۴۳۴
۴۰۹	قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم	۴۳۴
۴۱۰	رمی اور طوافِ زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم	۴۳۵
۴۱۱	رمی کا بدل آئندہ سال	۴۳۵
۴۱۲	حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت	۴۳۶
۴۱۳	حالتِ احرام میں رضائی اوڑھنا	۴۳۷

۴۱۴	حالتِ احرام میں کیا عورت منہ کھولے رکھے؟	۴۳۷
۴۱۵	حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا ڈالنا	۴۳۹
۴۱۶	کیا دمِ جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟	۴۳۹

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

۴۱۷	سفرِ مدینہ کی نیت	۴۴۱
۴۱۸	مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں	۴۴۱
۴۱۹	حرمین میں پہلے کہاں جائے؟	۴۴۲
۴۲۰	حرمِ مدینہ کی حدود	۴۴۳
۴۲۱	عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت	۴۴۳
۴۲۲	زیارتِ روضۂ پاک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ادب	۴۴۴

باب المتفرقات

۴۲۳	حاجیوں کو خلافِ قانون سامان لانا	۴۴۸
۴۲۴	حاجیوں کا داخلی میں کچھ دینا رشوت ہے	۴۴۸
۴۲۵	ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا	۴۴۹
۴۲۶	سوال کرکے حج کو جانا	۴۵۰
۴۲۷	تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا	۴۵۱
۴۲۸	حج میں تجارت	۴۵۲
۴۲۹	ایضاً	۴۵۳
۴۳۰	حاجی کے گلے میں ہار	۴۵۴
۴۳۱	حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار	۴۵۵

۴۳۲	حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا..........	۴۵۷
۴۳۳	حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا..........	۴۵۷
۴۳۴	حج کا ولیمہ..........	۴۵۸
۴۳۵	حاجی کا خطاب..........	۴۵۹
۴۳۶	مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج..........	۴۶۰
۴۳۷	کیا ہر حج میں نو لاکھ، ننانوے ہزار، نو سو، ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟..........	۴۶۱

کتاب النکاح

۴۳۸	شرعاً نکاح کی حقیقت..........	۴۶۳
۴۳۹	نکاح کی تعریف، غرض اور اس کا طریقہ..........	۴۶۵
۴۴۰	نکاح کا مسنون طریقہ..........	۴۶۸
۴۴۱	ایضاً..........	۴۶۹
۴۴۲	نکاح کا شرعی طریقہ..........	۴۷۱
۴۴۳	نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟..........	۴۷۱
۴۴۴	نکاح کا حکم وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟..........	۴۷۲
۴۴۵	نکاح کے فرائض، واجبات، مستحبات..........	۴۷۴
۴۴۶	اعلانِ نکاح کے مصالح..........	۴۷۵
۴۴۷	نکاح کا اعلان..........	۴۷۶
۴۴۸	بذریعۂ دف نکاح کا اعلان..........	۴۷۷
۴۴۹	نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا..........	۴۷۸
۴۵۰	اشکال بر جواب مذکورہ بالا..........	۴۷۹
۴۵۱	زوجین کی عمر میں تناسب اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض اور اس کا حکم..........	۴۸۱
۴۵۲	کثرتِ ازدواج کی حکمت..........	۴۸۲

۴۵۳	نکاح کے لئے پیر، جمعرات، جمعہ کی فضیلت	۴۸۵
۴۵۴	نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے	۴۸۵
۴۵۵	اندیشۂ تقسیمِ وراثت کی وجہ سے نکاح نہ کرنا	۴۸۶

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

۴۵۶	ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟	۴۸۸
۴۵۷	نکاح کے لئے ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے	۴۹۱
۴۵۸	مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول	۴۹۱
۴۵۹	ایجاب کے وقت ذہن موقع پر حاضر نہ ہو اور قبول کے وقت حاضر ہو تو کیا نکاح درست ہوگا؟	۴۹۴
۴۶۰	نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت	۴۹۵
۴۶۱	تین دفعہ ایجاب وقبول	۴۹۷
۴۶۲	لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا	۴۹۸
۴۶۳	ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول	۵۰۱
۴۶۴	ختنہ سے پہلے نکاح	۵۰۲
۴۶۵	کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟	۵۰۳
۴۶۶	رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر	۵۰۴
۴۶۷	نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا	۵۰۵
۴۶۸	قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی	۵۰۶
۴۶۹	نومسلم کا نکاح	۵۰۶
۴۷۰	عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح	۵۰۷
۴۷۱	نومسلمہ کا نکاح	۵۰۸
۴۷۲	ایضاً	۵۰۸

۴۷۳	بچوں کے نکاح کا طریقہ	۵۱۱
۴۷۴	جولڑکی سنی ہو جائے، اس سے نکاح کرنا	۵۱۱
۴۷۵	کیا نومسلمہ کو چھ مرتبہ حیض کے بعد نکاح کی اجازت ہے؟	۵۱۲
۴۷۶	بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند ہو اور ہتھیلی کا انگوٹھا لگانا	۵۱۳
۴۷۷	حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح	۵۱۴
۴۷۸	نابینا بہرے کا نکاح	۵۱۵
۴۷۹	گونگے کا نکاح	۵۱۵
۴۸۰	جو مرد اور عورت کبھی نماز نہیں پڑھتے، ان کا نکاح	۵۱۶
۴۸۱	کیا دو عورتوں سے طلاق کے بعد دو دفعہ نکاح کرنا چار کے حکم میں ہے؟	۵۱۶
۴۸۲	جس عورت کے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟	۵۱۸
۴۸۳	ایک سے چار تک نکاح کی اجازت	۵۲۰
۴۸۴	بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح	۵۲۱
۴۸۵	غلط رسوم کے ساتھ کئے گئے نکاح کا حکم	۵۲۱
۴۸۶	تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں ہے	۵۲۲
۴۸۷	تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح	۵۲۳
۴۸۸	ایضاً	۵۲۵
۴۸۹	بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی	۵۲۶
۴۹۰	نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا	۵۲۶
۴۹۱	نکاح میں شرطیں لگانا	۵۲۷
۴۹۲	دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ مغلظہ کی شرط پر نکاح	۵۲۹
۴۹۳	نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا	۵۳۱
۴۹۴	شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر	۵۳۳
۴۹۵	جو عورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح	۵۳۴

۴۹۶	کیا عورت کا یہ کہنا کہ ’’میں بغیر شوہر کے ہوں‘‘ معتبر ہے؟	۵۳۵
۴۹۷	دس سالہ لڑکی کا نکاح ۳۰/ سالہ آدمی کے ساتھ	۵۳۵
۴۹۸	ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟	۵۳۶
۴۹۹	نکاحِ ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ	۵۳۷
۵۰۰	بیوی کو طلاق دے کر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح	۵۳۷
۵۰۱	دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں	۵۳۸
۵۰۲	بلا اجازتِ زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی	۵۳۹
۵۰۳	ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت	۵۳۹
۵۰۴	کیا کنیسہ میں نکاح ہوجائے گا؟	۵۴۱
۵۰۵	جوئے میں بیوی کو ہار گیا تو نکاح باقی رہا یا نہیں؟	۵۴۱
۵۰۶	مہر میں معجل اور مؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا	۵۴۲
۵۰۷	مہر وسعت سے زیادہ ہو، تب بھی نکاح درست ہے	۵۴۷
۵۰۸	زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں	۵۴۷
۵۰۹	حالتِ نفاس میں نکاح	۵۴۸
۵۱۰	زنا کا حمل پیدا ہونے کے بعد حالتِ حمل میں نکاح	۵۴۹
۵۱۱	عورت کے زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا	۵۵۰
۵۱۲	ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا	۵۵۱
۵۱۳	لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا	۵۵۲
۵۱۴	نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا	۵۵۳
۵۱۵	دوسرے کی بیوی کو لے کر بھاگ جانا، اور طلاقِ شوہر کے بعد عدتِ نکاح	۵۵۵
۵۱۶	جو عورت ایک سال تک ہندو کے ہاں رہے، اس کا نکاح	۵۵۶
۵۱۷	فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح	۵۵۷
۵۱۸	فرار شدہ عورت کے لڑکے سے نکاح	۵۵۹

۵۱۹	مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح	۵۶۱
۵۲۰	نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے	۵۶۲
۵۲۱	غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی، تو دوبارہ نکاح کے لئے استبرائے رحم	۵۶۵
۵۲۲	کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح	۵۶۷
۵۲۳	مشتبہ الخلقت (کہ خنثی ہے یا صحیح) سے نکاح	۵۶۸
۵۲۴	اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل	۵۶۹
۵۲۵	ضمیمۂ استفتاء ماقبل	۵۷۱
۵۲۶	نکاحِ خفیہ	۵۷۵
۵۲۷	ایضاً	۵۷۶
۵۲۸	سول میرج	۵۷۹
۵۲۹	طلاق کے بعد نکاحِ ثانی	۵۸۱
۵۳۰	طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حقِ وراثت	۵۸۲
۵۳۱	مطلقہ بیمار کو گھر میں رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح	۵۸۳
۵۳۲	آنکھوں پر پٹی باندھ کر نکاح کرنا	۵۸۴
۵۳۳	جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی، ان کے کہنے سے نکاح پر اثر	۵۸۵
۵۳۴	طلاق نامہ دیکھے بغیر نکاحِ ثانی	۵۸۵
۵۳۵	باپ اور بھائی کے ڈر سے کئے ہوئے نکاح سے منکر ہو جانا	۵۸۶

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

۵۳۶	نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟	۵۸۹
۵۳۷	نکاح میں خطبہ کی حیثیت	۵۸۹
۵۳۸	خطبۂ نکاح سنت ہے، فرض نہیں؟	۵۹۰

۵۳۹	خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر................................	۵۹۰
۵۴۰	ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح................................	۵۹۰
۵۴۱	دونکاح کے لئے ایک خطبہ................................	۵۹۱
۵۴۲	خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا................................	۵۹۱
۵۴۳	خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہوکر؟................................	۵۹۲
۵۴۴	خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر................................	۵۹۳
۵۴۵	نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟................................	۵۹۴
۵۴۶	کیانابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے؟................................	۵۹۴
۵۴۷	برہمن سے نکاح پڑھوانا................................	۵۹۵
۵۴۸	شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا................................	۵۹۶
۵۴۹	مقررہ امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا................................	۵۹۷

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندارج کرنے کا بیان)

۵۵۰	نکاح میں شرکت کے لئے غیر مسلموں کو مسجد میں لانا................................	۵۹۹
۵۵۱	مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال لگا کر نقش ونگار کرنا................................	۵۹۹
۵۵۲	نکاح کو رجسٹر میں درج کرنا................................	۶۰۰
۵۵۳	نکاح کا رجسٹر میں اندراج................................	۶۰۱
۵۵۴	کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟................................	۶۰۱
۵۵۵	دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت................................	۶۰۳
۵۵۶	مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھوانا................................	۶۰۳
۵۵۷	غلط رسموں کے ساتھ نکاح................................	۶۰۵

۵۵۸	مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا	۶۰۵
۵۵۹	بغیر کلمہ پڑھائے نکاح	۶۰۶
۵۶۰	نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا	۶۱۰
۵۶۱	نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا	۶۱۱

فصل فی الشهود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

۵۶۲	نکاح میں خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا	۶۱۳
۵۶۳	خدا اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا	۶۱۴
۵۶۴	اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۶۱۶
۵۶۵	ایک مرد، دو عورتوں کی گواہی نکاح میں	۶۱۶
۵۶۶	نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟	۶۱۷
۵۶۷	باپ، بھائی کی شہادت سے نکاح	۶۱۸
۵۶۸	نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی	۶۱۹
۵۶۹	صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح	۶۲۰
۵۷۰	تعیینِ گواہان کے بغیر مجمع میں نکاح	۶۲۱
۵۷۱	تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے	۶۲۲
۵۷۲	بھائی وبہنوئی کی گواہی اور گواہوں کے بیان میں اختلاف	۶۲۳
۵۷۳	نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم	۶۲۵
۵۷۴	بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں اور بعض منکر، تو کیا کیا جائے؟	۶۲۷
۵۷۵	قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح	۶۲۸

۵۷۶ ایک عورت پر دو شخصوں کا دعویٰ نکاح ۶۳۸

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

۵۷۷ مار پیٹ اور آبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا ۶۴۰
۵۷۸ نکاح بذریعۂ اکراہ ۶۴۲
۵۷۹ جبراً نکاح ۶۴۳
۵۸۰ ضمیمہ ۶۴۴
۵۸۱ ایضاً ۶۴۶
۵۸۲ بیوہ کا زبردستی نکاح ۶۴۷
۵۸۳ ایضاً ۶۴۹
۵۸۴ لڑکی کا جبراً نکاح ۶۵۰
۵۸۵ بالغہ کا نکاح جبراً ۶۵۲
۵۸۶ جبراً اقرارِ نکاح ۶۵۳
۵۸۷ بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا ۶۵۴

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

۵۸۸ ایجاب وقبول کے الفاظ ۶۵۶
۵۸۹ اشارۂ سر یا لفظِ ''منظور'' سے قبولِ نکاح ۶۵۶
۵۹۰ ''لڑکی خدا کے واسطے دے دی'' کہنے سے نکاح کا حکم ۶۵۷
۵۹۱ لفظِ اجرت سے نکاح ۶۵۸
۵۹۲ لفظ ''جان بخشی'' سے نکاح، غیر عادل لوگوں کی گواہی نکاح میں ۶۶۲

۵۹۳ عورت کا یہ قول کہ ''میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی'' نکاح نہیں ۶۶۶

۵۹۴ الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟ ۶۶۶

۵۹۵ انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح ۶۶۷

۵۹۶ شربت پر پھونک مار کر ایک گھونٹ پینے سے نکاح ۶۶۹

۵۹۷ حمائل پر ہاتھ رکھ کر اقرار سے نکاح نہیں ہوتا ۶۶۹

فصل فی النکاح بالکتابة و الهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون سے نکاح کرنے کا بیان)

۵۹۸ نکاح بذریعۂ خط ۶۷۴

۵۹۹ خط کے ذریعہ نکاح ۶۷۵

۶۰۰ نکاح بذریعۂ تحریر ۶۷۷

۶۰۱ کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت ''نکاح'' کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟ ۶۷۸

۶۰۲ ٹیلیفون کے ذریعہ سے نکاح ۶۸۰

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

۶۰۳ آٹہ سانٹہ کا نکاح ۶۸۱

۶۰۴ آٹہ سانٹہ میں نااتفاقی ہوگئی ۶۸۱

۶۰۵ ہمشیرہ داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح ۶۸۲

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد یازدہم

بقية كتاب النكاح

باب النكاح الفاسد

(نکاحِ فاسد کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	نکاحِ فاسد اور اس کے احکام..............	۲۷
۲	نکاح فاسد و باطل..............	۲۹
۳	قبول سے پہلے لڑکا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟..............	۳۲
۴	''ایجاب'' کے بعد ''قبول'' کے بغیر نکاح کا حکم..............	۳۳
۵	مجلسِ عقد میں قبول سے انکار کے بعد قبول..............	۳۶
٦	اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردینے کے بعد بالغ ہونے پر دوسری جگہ نکاح کردینا..............	۳۷

۷	بیویوں کا تبادلہ ہوگیا، تین بچے ہونے پر علم ہوا	۳۸
۸	رشتہ چھوٹی لڑکی سے ہوا اور رخصت بڑی کو کردیا	۳۹
۹	دو بہنوں کا دو بھائیوں سے عقد، رخصتی میں ادل بدل	۴۰
۱۰	نکاح میں ایک بہن کی جگہ دوسری کا نام لیا گیا	۴۰
۱۱	بیوی کی جگہ دوسری لڑکی کا نام لیا	۴۲
۱۲	نام بدل کر نکاح کرنا	۴۳
۱۳	نکاح کے ایجاب وقبول میں نام بدلا گیا	۴۴
۱۴	نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا	۴۶
۱۵	نکاح میں بجائے مخطوبہ کے شادی شدہ لڑکی کا نام لینے سے نکاح	۴۷
۱۶	طلاقِ رجعی میں دو حیض کے بعد نکاح	۴۸
۱۷	ساس سے نکاح	۵۰
۱۸	ہندہ کا نکاح دوسری عورت کی اجازت سے	۵۱
۱۹	بلا نکاح میاں بیوی کی طرح رہنا	۵۲
۲۰	بلا نکاح عورت کو اپنے پاس رکھنا	۵۳
۲۱	بیوی کو فروخت کرکے عدت پوری ہونے پر خریدار کا زبردستی نکاح کرنا، کورٹ کے فیصلہ کے	☆
☆	بعد زید کے حوالہ کرنے سے نکاح کا حکم	۵۵

فصل فی النکاح الموقت

(نکاحِ مؤقت کا بیان)

۲۲	نکاحِ متعہ کے احکام	۵۹
۲۳	اگر منکوحہ کو مرد کی نیتِ توقیت کا علم نہ ہو، تو کیا نکاح مؤقت ہوگا؟	۶۰

فصل فی نکاح زوجة المفقود والغائب

(مفقود الخبر اور غائب شخص کی بیوی کے نکاح کا بیان)

۲۴	زوجۂ مفقود کے نکاحِ ثانی کے بعد زوجِ اول کا جوگی بن کر آنا	۶۳
۲۵	زوجۂ مفقود الخبر کے نکاحِ ثانی کے بعد کسی شخص پر شوہرِ اول کا شبہ	۶۴
۲۶	شوہر کے لاپتہ ہونے پر اس کو مردہ سمجھ کر اس کی بیوی سے نکاح	۶۵
۲۷	زوجۂ مفقود کا نکاحِ ثانی اور بچہ	۶۶
۲۸	زوجۂ غائب کے نکاح کی صورت	۶۸

فصل فی نکاح منکوحة الغیر

(منکوحۂ غیر سے نکاح کا بیان)

۲۹	شوہر والی عورت کا بغیر طلاق کے نکاح	۷۱
۳۰	بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح	۷۳
۳۱	ایک شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے سے نکاح کرانا	۷۵
۳۲	منکوحۂ غیر سے نکاح	۷۷
۳۳	دوسرے کی منکوحہ سے نکاح	۷۹
۳۴	زوجۂ غیر سے نکاح	۸۲
۳۵	نکاح پر نکاح	۸۳
۳۶	ایضاً	۸۵
۳۷	ایضاً	۸۶
۳۸	ایضاً	۸۸
۳۹	ایضاً	۸۹
۴۰	فاسق وفاجر شخص کی بیوی کا بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح	۹۰

۴۱	نکاح بلا تطلیق	۹۱
۴۲	غیر مطلقہ ناشزہ کے لئے دوسرا نکاح	۹۳
۴۳	بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کردینا	۹۴
۴۴	بغیر طلاقِ زوجِ ثانی، زوجِ اول سے نکاح	۹۶
۴۵	نکاح کے بعد رخصتی سے قبل نکاحِ ثانی	۹۷
۴۶	نکاح کے بعد فرار ہوکر دوسرے سے نکاح کرنا	۱۰۰
۴۷	شوہر کی دوسری شادی پر بیوی کا بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی	۱۰۱
۴۸	شوہر کے پاکستان جانے پر دوسرا نکاح اور طلاق پر نزاع	۱۰۲
۴۹	نکاح کے بعد نکاح خواں اگر انکار کردے، تو دوسرے نکاح کا حکم	۱۰۵
۵۰	تبدیلِ مذہب کے بعد عورت کا دوسرا، تیسرا نکاح	۱۰۷
۵۱	فیصلۂ عدالت کے بعد نکاحِ ثانی	۱۰۸
۵۲	عدالت سے اجازت لے کر نکاح	۱۱۰
۵۳	عدالت سے دوسرے کا نکاح ناحق فسخ کراکے خود نکاح کرنا	۱۱۲

فصل فی نکاح الحاملة والمزنية

(حاملہ اور زانیہ کے نکاح کا بیان)

۵۴	حاملہ سے نکاح	۱۱۴
۵۵	ایضاً	۱۱۵
۵۶	ایضاً	۱۱۵
۵۷	نفاس اور حیض میں نکاح	۱۱۶
۵۸	مزنیہ سے نکاح	۱۱۸
۵۹	حاملہ مزنیہ سے نکاح	۱۱۹
۶۰	مزنیہ حاملہ کا نکاح	۱۲۰

۶۱	حاملہ من الزنا سے نکاح	۱۲۱
۶۲	حاملہ مزنیہ کا جبراً نکاح	۱۲۳
۶۳	زنا سے حاملہ سے نکاح	۱۲۳
۶۴	زانی کا مزنیہ حاملہ سے جبراً نکاح	۱۲۳
۶۵	مزنیہ حاملہ سے نکاح اور وطی	۱۲۵
۶۶	زانیہ کا نکاح زانی سے	۱۲۶
۶۷	معتدہ مزنیہ کا عدت کے بعد زانی سے نکاح	۱۲۷
۶۸	زنا سے پیدا شدہ لڑکی کا نکاح	۱۲۸
۶۹	نکاحِ ولد الزنا	۱۲۹

فصل فی نکاح المعتدة

(عدت میں نکاح کا بیان)

۷۰	عدت میں نکاح	۱۳۱
۷۱	ایضاً	۱۳۳
۷۲	ایضاً	۱۳۵
۷۳	ایضاً	۱۳۶
۷۴	ایضاً	۱۳۹
۷۵	عدت میں نکاح اور صحبت سے ممانعت	۱۴۰
۷۶	طلاق کے بعد عدت میں نکاح	۱۴۱
۷۷	طلاق کے بعد عدت میں نکاح اور تجدیدِ نکاحِ سابق	۱۴۳
۷۸	نکاحِ معتدہ	۱۴۴
۷۹	ایضاً	۱۴۷
۸۰	ایضاً	۱۴۸

۸۱	مطلقہ کا نکاح بلا عدت	۱۵۰
۸۲	مطلقہ بائنہ کا عدت میں نکاحِ ثانی	۱۵۰
۸۳	مزنیہ منکوحہ سے زانی کا بلا عدت نکاح	۱۵۱
۸۴	نومسلمہ کا نکاح قبل عدت	۱۵۲

باب وعد النکاح

(منگنی کا بیان)

۸۵	منگنی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۱۵۴
۸۶	مجلسِ وعدۂ نکاح، کیا نکاح ہے؟	۱۵۵
۸۷	وعدۂ نکاح سے نکاح نہیں ہوتا	۱۵۷
۸۸	منگنی کرکے نکاح سے انکار کرنا	۱۵۸
۸۹	وعدۂ نکاح کرکے اس کے خلاف کرنا	۱۵۹
۹۰	ایضاً	۱۶۱
۹۱	قول وقرار سے نکاح کا حکم	۱۶۲
۹۲	پیغامِ نکاح نکاح نہیں	۱۶۴

باب المتفرقات

۹۳	نکاح کے وقت کن چیزوں سے آگاہ کرنا چاہیے؟	۱۶۵
۹۴	خرافات ومنکرات کا انعقادِ نکاح پر اثر	۱۶۵
۹۵	کسی مقصد کے لئے عقدِ نکاح کا جھوٹا انکار	۱۶۶
۹۶	ایک مجلس میں متعدد نکاح ہوں، تو ان میں افضل کون سا ہے؟	۱۶۸
۹۷	تین بچوں کے بعد کیا تجدید نکاح ضروری ہے؟	۱۶۹
۹۸	تجدیدِ نکاح کی کب ضرورت ہوتی ہے؟	۱۶۹

۹۹	کیا ہر ماہ تجدید نکاح کی جائے؟	۱۷۰
۱۰۰	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تجدیدِ نکاح ہوا تھا یا نہیں؟	۱۷۱
۱۰۱	بچوں کے نکاح کا طریقہ	۱۷۱
۱۰۲	شادی میں چھوارے کون لائے؟	۱۷۲
۱۰۳	جو شادی قرض لے کر کی جائے، اس میں شرکت	۱۷۲
۱۰۴	رشتہ کے متعلق ایک غلط رسم اور اس کی اصلاح	۱۷۳
۱۰۵	خنزیر کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ	۱۷۵
۱۰۶	تین لڑکوں کی شادی ایک ساتھ کرنے سے کیا طلاق ہو جاتی ہے؟	۱۷۶
۱۰۷	مرحومہ بیوی کی منع کردہ جگہ پر نکاح	۱۷۷
۱۰۸	نکاحِ ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ	۱۷۷
۱۰۹	بیوی کو آٹھ ماہ تک نہیں دیکھا	۱۷۸
۱۱۰	بیوی کو بچوں سے نہ ملنے کی سزا دینا	۱۷۹
۱۱۱	بیوی کے قصور پر دوسرا نکاح ہو جائے تو مساوات ضروری ہے	۱۷۹
۱۱۲	باپ شادی میں باجہ وغیرہ پر مصر ہو تو لڑکا کیا کرے؟	۱۸۰
۱۱۳	بھتیجے کی مطلقہ سے نکاح کی وجہ سے ترکِ تعلق	۱۸۰
۱۱۴	بلا نکاح کے عورت کو اپنے پاس رکھنا	۱۸۱
۱۱۵	رشتہ خراب ہونے پر بچو لیے کو برا بھلا کہنا	۱۸۳

باب مایتعلق بالرسوم عند الزفاف

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

۱۱۶	منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین	۱۸۵
۱۱۷	خلافِ شرع رسم کی پابندی	۱۸۶

۱۱۸	منگنی میں باجہ	۱۹۰
۱۱۹	منگنی پر کچھ رقم لینا	۱۹۰
۱۲۰	منگنی کے موقع پر لڑکے کے والد کا مجمع کو سلام کرنا	۱۹۱
۱۲۱	منگنی میں کپڑا بدلتے وقت لڑکے کو چاول، پان، چھالی چمانا	۱۹۱
۱۲۲	شادی سے پہلے گھر کو لیپنا اور انگلیوں کے نشانات لگانا	۱۹۲
۱۲۳	لڑکے کو مہندی ابٹن لگانا	۱۹۲
۱۲۴	دولہے کو نہلانے کا انتظام، عورت کا ساڑی کی گور ڈالنا	۱۹۲
۱۲۵	سسرال پہنچنے پر دولہے کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ	۱۹۲
۱۲۶	دولہے سے دولہن کے سر پر سیندور ڈلوانا	۱۹۲
۱۲۷	کنبہ والوں کو کپڑے دکھلانا، جہیز کی نمائش اور اس کی فہرست	۱۹۳
۱۲۸	شادی میں اسراف	۱۹۵
۱۲۹	شادی ۳، ۱۳، ۲۳/ کی تاریخ میں نہ کرنا	۱۹۶
۱۳۰	شادی کی رسوم	۱۹۶
۱۳۱	ایضاً	۱۹۸
۱۳۲	شادی کی بعض رسوم	۱۹۹
۱۳۳	شادی وغیرہ میں رسومِ مروجہ	۲۰۲
۱۳۴	نکاح میں ایک جوڑا دے یا دو جوڑے؟	۲۰۲
۱۳۵	شادی میں دلہن کے لئے سرخ جوڑا	۲۰۲
۱۳۶	شادی میں روپیہ لینے کی شرط	۲۰۳
۱۳۷	نکاح کے بعد مصافحہ	۲۰۴
۱۳۸	نکاح کے وقت جھک کر چلنا	۲۰۴
۱۳۹	نکاح کے وقت سلام کرنا	۲۰۴
۱۴۰	نکاح کے بعد دلہن کا منہ دکھلانا	۲۰۴

۱۴۱	دربانی روپیہ	۲۰۴
۱۴۲	نکاح سے پہلے زیور، کپڑے دکھلانا	۲۰۴
۱۴۳	نکاح سے پہلے دلہن کا زیور وغیرہ استعمال کرنا	۲۰۵
۱۴۴	اہلِ مجلس سے قبول کرانا	۲۰۵
۱۴۵	نکاح کے اعلان کے لئے آتش بازی	۲۰۷
۱۴۶	شادی میں بھات	۲۰۸
۱۴۷	دولہا کی طرف سے دلہن کے لئے تحفہ کا التزام	۲۰۹
۱۴۸	شادی کے موقع پر انعامات	۲۱۰
۱۴۹	دولہا، دلہن کے لئے پالکی کی سواری	۲۱۰
۱۵۰	سہرا	۲۱۱
۱۵۱	شادی میں سہرا، گجرا وغیرہ رسمیں	۲۱۲
۱۵۲	سہرا باندھنا	۲۱۳
۱۵۳	سیندور ومہندی لگانا	۲۱۴
۱۵۴	سلامی ورونمائی	۲۱۴
۱۵۵	نکاح میں دف کا حکم	۲۱۵
۱۵۶	نکاح میں دف اور گولہ	۲۱۷
۱۵۷	نکاح میں دولہن یا دولہا کا جوڑا	۲۱۸
۱۵۸	شادی میں اشعار، باجہ، دف	۲۱۹
۱۵۹	بارات میں ڈھول	۲۲۰
۱۶۰	شادی میں گانا بجانا	۲۲۰
۱۶۱	باجے والی بارات میں شرکت	۲۲۳
۱۶۲	شادی میں قوالی	۲۲۴
۱۶۳	نکاح میں باجہ	۲۲۷

۱۶۴	شادی میں باجہ اوراس میں شرکت	۲۲۸
۱۶۵	شادی میں تالا، قینچی، سروطہ دینا	۲۲۸
۱۶۶	بارات کا کھانا	۲۲۹
۱۶۷	شادی میں داماد سے زیور وغیرہ لینا	۲۳۲
۱۶۸	شادی کے لئے قومی قوانین	۲۳۴
۱۶۹	دولہا والوں سے جبراً مٹھائی وغیرہ وصول کرنا	۲۳۵
۱۷۰	رخصتی کے وقت شوہر سے روپیہ لینا	۲۳۷
۱۷۱	نویداوردعوت میں فرق	۲۳۸
۱۷۲	شادی میں برادری کو کھانا کھلانا	۲۳۹
۱۷۳	شادی، ختنہ میں لڑکے کوسجانا، اور پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا	۲۴۰
۱۷۴	ختنہ کے موقع پراناج لوٹا بھر کر دینا	۲۴۱
۱۷۵	شادی میں نیوتہ	۲۴۱
۱۷۶	شادی میں رنگین کاغذ کے گیٹ بنوانا	۲۴۲
۱۷۷	شادی میں چودھریوں کے حقوق	۲۴۳
۱۷۸	سوتے ہوئے چودھریوں کونکاح کے لئے سلام کرنا	۲۴۵
۱۷۹	جس شادی میں رسومات ہوں، اس میں علماء کی شرکت	۲۴۶
۱۸۰	جس شادی میں منکرات ہوں، اس میں شرکت	۲۴۷
۱۸۱	شادی میں لڑکے کے مطالبات اوران کی خرابیاں	۲۴۹
۱۸۲	شادی میں لڑکے کی فرمائشیں	۲۵۲
۱۸۳	نکاح میں غیرشرعی رسوم	۲۵۳
۱۸۴	شادی وغیرہ رسوم کی اصلاح	۲۵۴
۱۸۵	سنت کے خلاف رسم ورواج کی پابندی کی جائے یانہیں؟	۲۵۵
۱۸۶	کیا گدی نشین کا نکاح جرم ہے؟	۲۵۶

۱۸۷	زیادتِ مہر، جہیز اور بھات وغیرہ مٹانے کے لئے کمیٹی کی بعض تجاویز....................	۲۵۶

باب من یحل نکاحه

(جس سے نکاح جائز ہے)

۱۸۸	پھوپھی کی لڑکی سے نکاح....................	۲۵۹
۱۸۹	پھوپھی، ماموں، خالہ کی لڑکی سے نکاح....................	۲۵۹
۱۹۰	خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح....................	۲۶۰
۱۹۱	خالہ اور چچا وغیرہ کی لڑکیوں سے نکاح....................	۲۶۱
۱۹۲	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح....................	۲۶۲
۱۹۳	چچا زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح....................	۲۶۴
۱۹۴	بیوہ کا نکاح دیور سے....................	۲۶۴
۱۹۵	بھابھی کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح....................	۲۶۵
۱۹۶	بیوہ کا نکاح امام سے....................	۲۶۵
۱۹۷	بیوی کی چچا زاد بہن سے نکاح....................	۲۶۶
۱۹۸	بہن بھائی کے لڑکے لڑکی کا آپس میں نکاح....................	۲۶۶
۱۹۹	ساس کی ماموں زاد ہمشیرہ سے نکاح....................	۲۶۷
۲۰۰	والد کی ماموں زاد بہن سے نکاح....................	۲۶۷
۲۰۱	والد کے پھوپھی زاد بھائی سے نکاح....................	۲۶۸
۲۰۲	سوتیلی ساس سے زنا، پھر نکاح....................	۲۶۹
۲۰۳	سوتیلی خالہ سے نکاح....................	۲۷۰
۲۰۴	سوتیلی والدہ کی بہن سے نکاح....................	۲۷۱
۲۰۵	سوتیلی والدہ کی حقیقی بہن سے نکاح....................	۲۷۲

۲۰۶	سوتیلے ماموں سے شادی	۲۷۲
۲۰۷	چچی سے نکاح	۲۷۳
۲۰۸	ایضاً	۲۷۴
۲۰۹	چچی اور ممانی سے نکاح	۲۷۵
۲۱۰	بھائی کی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح	۲۷۵
۲۱۱	زانی کے بیٹے کا نکاح مزنیہ کی نواسی سے	۲۷۶
۲۱۲	زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۷۶
۲۱۳	زانی، زانیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۷۷
۲۱۴	زانیہ کی لڑکی کا نکاح شریف لڑکے سے	۲۷۸
۲۱۵	سمدھی، سمدھن کا نکاح	۲۷۸
۲۱۶	بھائی کی بیوی کی بیٹی سے نکاح	۲۷۹
۲۱۷	بیوی کی بیٹی سے شوہر کے بھائی کا نکاح	۲۸۰
۲۱۸	ایک بھائی سے لڑکی، دوسرے بھائی سے ماں کے نکاح کا حکم	۲۸۱
۲۱۹	شوہر کے لڑکے اور بیوی کی لڑکی کا نکاح	۲۸۱
۲۲۰	شوہر کی لڑکی کا نکاح بیوی کے لڑکے سے	۲۸۲
۲۲۱	باپ اور بیٹے کا نکاح دو بہنوں سے	۲۸۲
۲۲۲	ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کا نکاح ایک شخص سے	۲۸۳
۲۲۳	شوہر کی لڑکی اور بیوی کے لڑکے کا نکاح	۲۸۴
۲۲۴	بھائی سے حلالہ کروانے کے بعد دونوں بھائیوں کی اولاد کا آپس میں نکاح	۲۸۵
۲۲۵	ماں کے بیٹے سے نکاح	۲۸۶
۲۲۶	بیوی کی چچیری بھانجی اور ماں کی چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح	۲۸۷
۲۲۷	بیوی کی بھتیجی سے نکاح	۲۸۸
۲۲۸	بھتیجے کی بیوی سے نکاح	۲۸۹

۲۲۹	بہن کی سوکن کی لڑکی اور علاتی بھائی بہن کا نکاح	۲۹۰
۲۳۰	ربیبہ اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا	۲۹۱
۲۳۱	زوجۂ ربیب سے نکاح	۲۹۲
۲۳۲	جس لڑکے سے لواطت کی ہو، اس کے نکاح میں اپنی لڑکی دینا	۲۹۳
۲۳۳	شاگردہ سے نکاح	۲۹۴
۲۳۴	دیوبندی اور بریلوی کے درمیان مناکحت	۲۹۵
۲۳۵	دیوبندی لڑکی کا نکاح بریلوی لڑکے سے	۲۹۶
۲۳۶	اہلِ حدیث لڑکی کا نکاح، دیوبندی حنفی سے	۲۹۷

باب المحرمات

الفصل الأول فی المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کا بیان)

۲۳۷	امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور دیگر محرمات میں فرق	۲۹۸
۲۳۸	محرمات کی تفصیل	۲۹۹
۲۳۹	عورت کے محارم کون کون ہیں؟	۳۰۰
۲۴۰	بھانجی اور بھتیجی سے نکاح	۳۰۰
۲۴۱	بھانجہ کی لڑکی سے نکاح حرام ہونے کی وجہ	۳۰۱
۲۴۲	ایضاً	۳۰۱
۲۴۳	بھانجی کی لڑکی سے نکاح، ایسی اولاد کا نسب، حقِ وراثت، مہر، ان دونوں کا ایک مکان میں	☆
☆	رہنا، ایسی عورت کا حقِ وراثت	۳۰۳
۲۴۴	سگے بھانجے کی لڑکی سے نکاح	۳۰۸
۲۴۵	اخیافی بہن سے نکاح	۳۰۹

۲۴۶	باپ شریک بہن کے ساتھ نکاح	۳۰۹
۲۴۷	باپ اور ماں شریک بہن سے نکاح کی حرمت	۳۰۹
۲۴۸	چچا سے بھتیجی کا نکاح	۳۱۰
۲۴۹	سوتیلے ماموں سے نکاح	۳۱۱
۲۵۰	ماں کے ماموں سے نکاح	۳۱۳
۲۵۱	پھوپھی سے نکاح	۳۱۳
۲۵۲	موطوءۃ الجد سے نکاح حرام ہے	۳۱۵
۲۵۳	سوتیلی والدہ سے نکاح	۳۱۵
۲۵۴	بہو سے نکاح	۳۱۶
۲۵۵	نواسی سے نکاح	۳۱۷
۲۵۶	بیوی کی لڑکی سے نکاح	۳۱۷
۲۵۷	منکوحہ فاسدہ کی بیٹی سے نکاح	۳۱۸
۲۵۸	داماد سے نکاح	۳۱۹
۲۵۹	خونی رشتے اور حرمتِ نکاح	۳۲۰

الفصل الثانی فی المحرمات من الرضاع

(حرمتِ رضاعت کا بیان)

۲۶۰	رضاعی بھائی کی نسبی بہن اور ماں سے نکاح	۳۲۱
۲۶۱	رضاعی بہن سے نکاح کا حکم	۳۲۱
۲۶۲	ایضاً	۳۲۲
۲۶۳	رضاعی بہن کی نسبی بہن سے نکاح	۳۲۳
۲۶۴	باپ شریک رضاعی بہن سے نکاح	۳۲۴

۲۶۵	نکاح کے وقت حرمتِ رضاعت سے خاموشی، پھر بعد میں اظہار	۳۲۸
۲۶۶	حرمتِ رضاعت کا علم ہونے پر نکاح کا حکم	۳۲۹
۲۶۷	رضاعی بہن سے نکاح	۳۳۰
۲۶۸	ایضاً	۳۳۱
۲۶۹	ایضاً	۳۳۱
۲۷۰	ایضاً	۳۳۲
۲۷۱	ایضاً	۳۳۳
۲۷۲	بھول سے رضاعی بہن سے نکاح	۳۳۴
۲۷۳	رضاعی اور سوتیلی بہن سے نکاح	۳۳۵
۲۷۴	دودھ شریک بہن کی بہن سے نکاح	۳۳۶
۲۷۵	بھائی کی رضاعی بھانجی سے نکاح	۳۳۷
۲۷۶	رضاعی خالہ سے نکاح	۳۳۸
۲۷۷	رضاعی بھائی سے نکاح	۳۳۹
۲۷۸	رضاعی بھتیجی سے نکاح	۳۴۰
۲۷۹	ایضاً	۳۴۱
۲۸۰	رضاعی بھانجی سے نکاح	۳۴۲
۲۸۱	رضاعی بھتیجی کا حکم	۳۴۳
۲۸۲	رضاعی ماں کی اولاد سے نکاح	۳۴۵
۲۸۳	رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں	۳۴۶
۲۸۴	رضاعی چچا سے نکاح	۳۴۷
۲۸۵	تبدیلیٔ جنس سے پہلے اور بعد کی اولاد میں مناکحت	۳۴۸

الفصل الثالث فی حرمة المصاهرة

(حرمتِ مصاہرت کا بیان)

۲۸۶	حرمتِ مصاہرت	۳۵۰
۲۸۷	ایضاً	۳۵۱
۲۸۸	ایضاً	۳۵۲
۲۸۹	ایضاً	۳۵۳
۲۹۰	ایضاً	۳۵۴
۲۹۱	حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت	۳۵۵
۲۹۲	زانی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے مزنیہ کی اولاد کا نکاح	۳۵۷
۲۹۳	غلطی سے بیٹی کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے سے بیوی حرام کیوں ہو جاتی ہے؟	۳۵۸
۲۹۴	حرمتِ مصاہرت دعوائے زنا سے	۳۶۰
۲۹۵	حرمتِ مصاہرت کے اقرار سے رجوع	۳۶۱
۲۹۶	کیا حرمتِ مصاہرت حلالہ سے ختم ہو جاتی ہے؟	۳۶۸
۲۹۷	حرمتِ مصاہرت سے متعلق بیانات	۳۷۰
۲۹۸	حرمتِ مصاہرت محض ظن سے	۳۷۴
۲۹۹	حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا، زوجین میں تفریق ضروری ہوتی ہے	۳۷۵
۳۰۰	حرمتِ مصاہرت کے لئے مرد کا اقرار	۳۷۶
۳۰۱	حرمتِ مصاہرت اور وجوبِ حدِ زنا میں فرق	۳۷۸
۳۰۲	نواسہ کی بیوی سے بوس وکنار کی بناء پر حرمت	۳۸۱
۳۰۳	بیٹے کی بیوی سے ناجائز تعلق کی بناء پر حرمت	۳۸۲
۳۰۴	ایضاً	۳۸۴
۳۰۵	بیٹے کی بیوی سے بوسہ وغیرہ لینے سے حرمت	۳۸۵

۳۰۶	خسر کا اپنی بہو کے سینہ کو اپنے سینے سے ملانا	۳۹۰
۳۰۷	خسر کا اپنی بہو کو بدکاری کے لئے کہنا	۳۹۲
۳۰۸	بیٹی کو باشہوت چھونے سے حرمتِ مصاہرت کے بعد اپنی بیوی کو مجبوراً گھر میں رکھنا	۳۹۴
۳۰۹	ایضاً	۳۹۷
۳۱۰	اپنی لڑکی کو شہوت سے چھونے سے حرمت	۳۹۸
۳۱۱	لڑکی سے بوس وکنار کا اثر سوتیلی ماں پر	۳۹۹
۳۱۲	سوتیلی ماں کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا، حرمتِ مصاہرت کی وجہ	۴۰۰
۳۱۳	سوتیلی ماں سے حرمتِ مصاہرت کی ایک صورت	۴۰۲
۳۱۴	ساس کا بدن دبانے سے حرمت	۴۰۳
۳۱۵	ساس کی شرم گاہ پر نظر پڑنے سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۵
۳۱۶	ماں، ساس، بیٹے کی بیوی کو مس کرنے سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۵
۳۱۷	بھاوج سے زنا	۴۰۸
۳۱۸	چچی سے زنا سے حرمتِ مصاہرت	۴۰۸
۳۱۹	سالی سے زنا اور حرمتِ مصاہرت	۴۰۹
۳۲۰	زنا سے رشتہ کا ثبوت	۴۰۹
۳۲۱	مزنیہ کی لڑکی سے نکاح	۴۱۰
۳۲۲	ایضاً	۴۱۱
۳۲۳	مزنیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح	۴۱۲
۳۲۴	لامس اور ملموسہ کی اولاد کا نکاح	۴۱۳
۳۲۵	خط بابت استفتاء بالا	۴۱۳
۳۲۶	بحالتِ نابالغی سالی کا بوسہ لینے سے حرمت	۴۱۵
۳۲۷	چھوٹی بچی کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی	۴۱۶
۳۲۸	بیوی کی دادی، پھوپھی، چچی پر رات میں لاعلمی سے ہاتھ پڑ گیا	۴۱۷

۳۲۹	رات کو غلطی سے بہن کے پاس پہونچ گیا..........	۴۱۷
۳۳۰	بھائی کو شوہر سمجھ کر ہاتھ لگانے سے حرمت نہیں ہوتی..........	۴۱۸
۳۳۱	غیر کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرنے سے ثبوتِ حرمت..........	۴۱۹
۳۳۲	دائی کا ہاتھ لگانے سے حرمت کا حکم..........	۴۲۰
۳۳۳	بغیر شہوت چہرہ ٹٹول کر پہچاننے سے حرمتِ مصاہرت نہیں..........	۴۲۲
۳۳۴	دوسرے کا خون دینے سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا..........	۴۲۲
۳۳۵	اندیشۂ مصاہرت والے نکاح میں شرکت..........	۴۲۳

الفصل الرابع فی المحرمات بالجمع

(محرمات کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

۳۳۶	پھوپھی، بھتیجی کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا..........	۴۲۵
۳۳۷	خالہ، بھانجی ایک نکاح میں جمع کرنا..........	۴۲۶
۳۳۸	بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح..........	۴۲۶
۳۳۹	ایضاً..........	۴۲۸
۳۴۰	مفلوج بیوی کی بہن سے نکاح..........	۴۲۹
۳۴۱	بیوی کی بھانجی سے نکاح..........	۴۳۰
۳۴۲	ایک عورت سے نکاح کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرنا..........	۴۳۱
۳۴۳	سالی کی لڑکی سے نکاح..........	۴۳۲
۳۴۴	سوتیلی سالی سے نکاح..........	۴۳۳
۳۴۵	علاتی سالی سے نکاح..........	۴۳۴
۳۴۶	ربیب کی ماں کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح..........	۴۳۵
۳۴۷	غلط طریقہ پر پیدا شدہ لڑکی اور علاتی سالی کی لڑکی سے نکاح..........	۴۳۷

۳۴۸	بیوی کے لاپتہ ہونے سے موت کا حکم اور اس کی بہن سے نکاح	۴۳۸

الفصل الخامس في المحرمات بالشرک

(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

۳۴۹	غیر مسلم سے نکاح	۴۳۹
۳۵۰	مسلم اور غیر مسلم کا نکاح	۴۴۰
۳۵۱	غیر مسلم کا قبولِ اسلام اور اس کا نکاح	۴۴۱
۳۵۲	نومسلم جو اپنے اسلام کو مخفی رکھتا ہے، اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے	۴۴۴
۳۵۳	دھوکہ دے کر کافر سے نکاح	۴۴۵
۳۵۴	بیٹی کا بلاتحقیق غیر مسلک میں نکاح	۴۴۶
۳۵۵	غیر مذہب لڑکے سے نکاح	۴۴۸
۳۵۶	ہریجن کے ساتھ بھاگنے سے نکاح کا حکم	۴۴۹
۳۵۷	کتابیہ سے نکاح	۴۵۰
۳۵۸	بحالتِ مجبوری اہلِ کتاب سے نکاح	۴۵۲
۳۵۹	عیسائی لڑکی سے نکاح	۴۵۳
۳۶۰	یہود و نصاریٰ عورتوں سے نکاح	۴۵۴
۳۶۱	بے خبری میں شیعہ تبرائی سے نابالغہ کا نکاح ہوگیا	۴۵۴
۳۶۲	سنیہ کا نکاح شیعہ سے	۴۵۵
۳۶۳	شیعہ سے نکاح	۴۵۷
۳۶۴	رضا خانی عورت سے نکاح	۴۵۸
۳۶۵	رافضی مرد، عورت سے نکاح اور ان کے عقائد	۴۵۸
۳۶۶	قادیانی سے نکاح اور ثبوتِ نسب	۴۶۰
۳۶۷	مغل بادشاہوں کا غیر مسلمہ سے نکاح اور اولاد کا حکم	۴۶۱

۳۶۸	انگریزی پڑھے ہوئے کا نکاح مسلمان لڑکی سے	۴۶۲

باب ولایة النکاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

۳۶۹	بہنوئی اور باپ شریک بھائی دونوں میں سے ولایت کا حق کس کو ہے؟	۴۶۳
۳۷۰	ولایتِ نکاح	۴۶۴
۳۷۱	جو شخص شرعی باپ نہیں، وہ ولی بھی نہیں	۴۶۴
۳۷۲	ماں اور دادی میں ولی نکاح کون ہے؟	۴۶۵
۳۷۳	والد اور حقیقی نانی میں سے ولایتِ نکاح کس کو ہے؟	۴۶۶
۳۷۴	اپنے بچہ کا نکاح بغیر اپنے باپ کی اجازت کے	۴۶۷
۳۷۵	نابالغ بچی کا بذریعۂ والد ایجاب وقبول	۴۶۸
۳۷۶	تین برس کی بچی کا نکاح	۴۶۹
۳۷۷	باپ نے نکاح کر دیا، تو حقِ فسخ نہیں ہے	۴۷۰
۳۷۸	سوتیلے والد کا کیا ہوا نکاح	۴۷۱
۳۷۹	بھائی اور چچا میں سے ولایت کس کو ہے؟	۴۷۲
۳۸۰	باپ کی موجودگی میں دادا کو ولایتِ نکاح	۴۷۳
۳۸۱	دادا کو نکاح کا اختیار باپ نے دے دیا	۴۷۴
۳۸۲	ولایتِ نکاح بھائی کو ہے، ماں کو نہیں ہے	۴۷۵
۳۸۳	ولایتِ نکاح ماں کو ہے یا سوتیلے بھائی کو؟	۴۷۵
۳۸۴	ماں کو ولایتِ نکاح	۴۷۷
۳۸۵	ایضاً	۴۷۹
۳۸۶	سوتیلی والدہ کو ولایت اور بلوغ کی علامت	۴۸۰

۳۸۷	نابالغہ کا نکاح بغیر باپ کے پوچھے بہنوئی نے کردیا	۴۸۱
۳۸۸	چچا کو حقِ ولایت	۴۸۲
۳۸۹	چچا کی موجودگی میں ماموں کو ولایتِ نکاح نہیں	۴۸۴
۳۹۰	چچا کو بالغہ پر ولایتِ نکاح	۴۸۵
۳۹۱	بالغہ کے نکاح کا حق بڑے تایا کو ہے یا چھوٹے تایا کو؟	۴۸۵
۳۹۲	شاردا ایکٹ کے خلاف نکاح کا حکم	۴۸۶
۳۹۳	بچوں کی پرورش کرنے والا ولی نکاح نہیں	۴۸۷
۳۹۴	ربیبہ کے نکاح کی ولایت	۴۸۷
۳۹۵	ولایتِ مجنون	۴۸۸
۳۹۶	بالغہ پر ولایت	۴۹۰
۳۹۷	ولایت میں شافعیہ کے قول پر فتویٰ	۴۹۱
۳۹۸	ولایتِ نکاح سے متعلق وصیت کا حکم	۴۹۲
۳۹۹	بالغہ کا نکاح بغیر ولی کے، اور نابالغ کے ولی کی طلاق	۴۹۳
۴۰۰	بغیر ولی کی اجازت کے بالغہ کا نکاح	۴۹۴
۴۰۱	بالغہ کا نکاح بلا اجازت کرنا	۴۹۵
۴۰۲	بغیر ولی کے نکاح	۴۹۷
۴۰۳	غیرِ ولی کا کیا ہوا نکاح	۴۹۹
۴۰۴	ایضاً	۵۰۱
۴۰۵	ولی کی اجازت کے بغیر بالغہ کا نکاح اور مبسوط کی عبارت	۵۰۲
۴۰۶	نکاحِ صغیر بغیر ولی	۵۰۴
۴۰۷	نابالغ کا نکاح غیر ولی نے کیا، ولی نے طلاق دی، پھر نکاح ثانی ہوا	۵۰۵
۴۰۸	نابالغہ کا نکاح ولی نہ کرے، تو کون کرے؟	۵۰۷
۴۰۹	ولیِ اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح	۵۰۸

۴۱۰	ولی سے جبراً اجازتِ نکاح	۵۰۹
۴۱۱	ولی سے اجازت کی ایک صورت	۵۱۱
۴۱۲	ولی کی موجودگی میں غیر ولی کو حقِ نکاح	۵۱۱
۴۱۳	والدین سے چھپ کر نکاح کرنا	۵۱۳
۴۱۴	والدین کے ذمہ اولاد کا نکاح	۵۱۴
۴۱۵	تبرع کا مطلب، ضمیمۂ سوالِ گذشتہ	۵۱۵
۴۱۶	میرا نکاح والدین ایک جگہ چاہتے ہیں، میں دوسری جگہ، کیا کرنا چاہیے؟	۵۱۸
۴۱۷	والدین کا لڑکے کو اس کی ناپسند جگہ نکاح کے لئے مجبور کرنا	۵۱۹
۴۱۸	والد کا بیٹے کو فاجر، شرابی کی بیٹی سے نکاح کرنے پر مجبور کرنا؟	۵۲۱
۴۱۹	نکاح سے اگر تعلیم میں حرج ہو، مگر والدین مجبور کریں	۵۲۲
۴۲۰	والدین کے اصرار کے باوجود دینی مشغولی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا	۵۲۳
۴۲۱	نکاح میں والدین کی اطاعت	۵۲۳
۴۲۲	نکاح میں کس کی اطاعت کی جائے، باپ کی یا ماں کی؟	۵۲۴
۴۲۳	نکاح میں والدین کی پسند کا لحاظ رکھنا	۵۲۵
۴۲۴	والد کی مرضی کے بغیر بالغ لڑکے کا نکاح	۵۲۵
۴۲۵	سابقہ مطلقہ سے بضرورت دوبارہ نکاح، مگر والدین ناراض ہیں	۵۲۷
۴۲۶	مغالطہ سے ناپسند لڑکی سے نکاح	۵۲۸

فصل فی التوکیل بالنکاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

۴۲۷	نکاح میں ایک شخص کا اصیل اور وکیل ہونا	۵۲۹
۴۲۸	نکاح پڑھانے کا مسنون طریقہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس نے پڑھایا؟	۵۳۰
۴۲۹	نکاح بذریعۂ وکیل یا بذریعۂ خط	۵۳۲

۴۳۰	توکیل واجازتِ نکاح کے بعد دستخط سے مکر جانا............	۵۳۳
۴۳۱	اجازت ودستخط کے بعد انکار............	۵۳۴
۴۳۲	وکالت نامہ نکاح............	۵۳۶
۴۳۳	کیا قادیانی نکاح کا وکیل ہوسکتا ہے؟............	۵۳۸
۴۳۴	قادیانی کی وکالت سے نکاح............	۵۳۹
۴۳۵	نکاحِ غائب میں توکیل کی صورت............	۵۴۰
۴۳۶	بیرون ملک میں مقیم لڑکے کا نکاح کے لئے اپنے والد کو مختار بنانا............	۵۴۱
۴۳۷	قاضی ووکیل کا الگ الگ ہونا، اور خطبہ پہلے ہو یا ایجاب وقبول؟............	۵۴۲
۴۳۸	سکران کی طرف سے اجازتِ نکاح............	۵۴۳
۴۳۹	نکاحِ فضولی یمینِ طلاق کی صورت میں............	۵۴۵
۴۴۰	نانا کو نکاح کا وکیل بنانا............	۵۴۶
۴۴۱	لڑکی کا لڑکے کو وکیلِ نکاح بنانا............	۵۴۷
۴۴۲	توکیلِ نکاح کے لئے شہادت کا حکم............	۵۴۸

باب استیمار المرأة للنکاح

(عورت سے اجازتِ نکاح طلب کرنے کا بیان)

۴۴۳	نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ............	۵۵۰
۴۴۴	بالغہ سے نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ............	۵۵۱
۴۴۵	بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے کیا جائے............	۵۵۳
۴۴۶	بالغہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے............	۵۵۵
۴۴۷	لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح............	۵۶۰
۴۴۸	بیوہ کا نکاح بلا اذنِ صریح............	۵۶۲

۴۴۹	عورت اجازتِ نکاح کی منکر، مرد مدعی، کس کے گواہ معتبر ہیں؟	۵۶۴
۴۵۰	نکاح کی اجازت تحریراً کا شوہر مدعی ہے، عورت منکر، تو کیا حکم ہے؟	۵۶۵
۴۵۱	لڑکی کا نکاح کی اجازت دینے کے بعد انکار	۵۶۶
۴۵۲	لڑکی کے انکار کے باوجود اس کا نکاح پڑھ دینا	۵۶۸
۴۵۳	اجازتِ نکاح میں دل کی خواہش کا اعتبار ہے یا زبان کا؟	۵۷۱
۴۵۴	عورت کی طرف سے اجازتِ نکاح کا سننا	۵۷۲
۴۵۵	اجازتِ نکاح بالفعل	۵۷۳
۴۵۶	نامحرم وکیل یا گواہوں کا اجازت کے لئے لڑکی کے پاس جانا	۵۷۴
۴۵۷	استیذان پر کسی اَور کا اقرار کرلینا اور اذن کی صورتیں	۵۷۵
۴۵۸	کس کس کے استیذان پر سکوت اذن ہے؟	۵۷۷
۴۵۹	غیرولی کے استیذان میں سکوت اذن نہیں	۵۸۰
۴۶۰	استیذانِ ولی کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں	۵۸۱

باب خیار البلوغ وحدّہ

(خیارِبلوغ اوراس کی حد کا بیان)

۴۶۱	خیارِ بلوغ	۵۸۳
۴۶۲	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ نہیں	۵۸۴
۴۶۳	ڈیڑھ سال بعد خیارِ بلوغ	۵۸۵
۴۶۴	نابالغہ کا نکاح ولی نے کیا، شوہر بداخلاق ہے، راہِ نجات کیا اختیار کیا جائے؟	۵۸۷
۴۶۵	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ	۵۸۹
۴۶۶	باپ کے کئے ہوئے نکاح میں شرط کے خلاف ہونے پر بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں	۵۸۹
۴۶۷	چچا کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ	۵۹۰

۴۶۸	صغیرہ کے لئے خیارِ بلوغ	۵۹۲
۴۶۹	نابالغہ کا جبراً نکاح اور خیارِ بلوغ کی تفصیل	۵۹۳
۴۷۰	بلوغ کی حدِ شرعی	۵۹۵
۴۷۱	حدِ بلوغ	۵۹۶
۴۷۲	ایضاً	۵۹۶
۴۷۳	ایضاً	۵۹۷
۴۷۴	علامتِ بلوغ اور اجازتِ نکاح	۵۹۸
۴۷۵	علامتِ بلوغ	۵۹۹
۴۷۶	مدتِ بلوغ	۶۰۰

باب الکفاءة

(کفاءت کا بیان)

۴۷۷	مسئلہ کفاءت	۶۰۲
۴۷۸	ایضاً	۶۰۶
۴۷۹	کفاءت کیا غیر اسلامی نظریہ ہے؟	۶۱۰
۴۸۰	کیا کفاءت شرعی حکم نہیں؟	۶۱۲
۴۸۱	ہندوستان میں کفاءت	۶۱۴
۴۸۲	غیر کفو میں نکاح	۶۱۵
۴۸۳	ایضاً	۶۱۷
۴۸۴	غیر کفو میں نکاح اور نکاح فاسد میں عدت	۶۱۸
۴۸۵	غیر سید کا سیدہ سے نکاح کرنا	۶۲۲
۴۸۶	سیدہ کا نکاح غیر کفو میں	۶۲۳

۴۸۷	ایضاً	۶۲۴
۴۸۸	سیدہ کا نکاح پٹھان سے	۶۲۶
۴۸۹	صالح لڑکی کا نکاح فاسق وفاجر سے کرا دینا	۶۲۶
۴۹۰	شیخ اور خان باہم کفو ہیں	۶۲۷
۴۹۱	ترک اور انصاری کفو ہیں یا نہیں؟	۶۲۸
۴۹۲	برات، برادری اور کفاءت	۶۲۹
۴۹۳	حرفت میں کفاءت	۶۳۱
۴۹۴	گوت میں نکاح کرنا	۶۳۲
۴۹۵	گوت نہ ملنے پر داماد سے ملازموں کی طرح خدمت لینا	۶۳۳
۴۹۶	ایسی تقریبات میں میاجی اور معلم کی شرکت	۶۳۳
۴۹۷	اپنے خاندان میں نکاح نہ کرنا (گوت بچانا)	۶۳۶
۴۹۸	باپ کا اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرنا	۶۳۹
۴۹۹	بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کرنا	۶۴۰
۵۰۰	بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں	۶۴۲
۵۰۱	لڑکی اور ولی کی رضا مندی سے غیر کفو میں نکاح ہوا، تو برادری کو ترکِ تعلق کا حق نہیں	۶۴۳
۵۰۲	کفاءت زائل ہو جانے کے بعد نکاح کا حکم	۶۴۴
۵۰۳	لڑکی کا نکاح غیر برادری میں	۶۴۵
۵۰۴	نداف کی لڑکی کو پٹھان لے کر بھاگ گیا، ان کا نکاح	۶۴۷
۵۰۵	بنجارے اور رنگریز ایک دوسرے کے کفو ہیں یا نہیں؟	۶۵۰
۵۰۶	نو مسلم کی کفاءت	۶۵۰
۵۰۷	والدین کی چوری سے بالغ لڑکے، لڑکی کا کفو میں نکاح	۶۵۲
۵۰۸	عورت کا اپنا نکاح خود کرنا	۶۵۳
۵۰۹	نانی کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے نواسہ کفو ہے یا نہیں؟	۶۵۴

فہرست عنوانات......جلد دواز دہم

بقية كتاب النكاح

باب المهر

(مہر کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	مہر شرع محمدی	۲۳
۲	مہر کی حکمت	۲۴
۳	مہر فاطمی	۲۷
۴	ایضاً	۲۷
۵	مہر فاطمی کی مقدار	۲۸
۶	ایضاً	۲۹
۷	مہر فاطمی ہمارے حساب سے	۳۰

۸	مہرِ شرعی اور مہرِ فاطمی..	۳۰
۹	مہرِ فاطمی کی ترجیح، مہرِ مثل پر..	۳۱
۱۰	مہر کی ادنیٰ مقدار..	۳۲
۱۱	مہر کی کم اور زیادہ مقدار..	۳۲
۱۲	مقدارِ مہر کو مقرر کردینا..	۳۴
۱۳	مہر کی مقدار اور شادی میں امداد کرنا..	۳۵
۱۴	کیا لڑکی اپنا مہر خود مقرر کرے؟..	۳۶
۱۵	قوم کی طرف سے مہر کی تعیین اور اس کے خلاف جرمانہ..	۳۷
۱۶	مقدارِ مہر میں زوجین کا اختلاف..	۳۹
۱۷	دو دینار سرخ مہر قرار دینا..	۴۰
۱۸	اشرفی کا وزن..	۴۰
۱۹	سکہ رائج الوقت اور دینار سرخ کی قیمت..	۴۱
۲۰	سکہ رائج الوقت، مہر میں چاندی کے روپے وصول کرنا..	۴۱
۲۱	مغالاتِ مہر..	۴۳
۲۲	مہر کی زیادتی..	۴۵
۲۳	ایضاً..	۴۶
۲۴	لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا..	۴۷
۲۵	عورت کے غیر واقعی اوصاف بیان کرکے مہر زائد تجویز کردیا گیا..	۴۹
۲۶	زیادہ مہر پر جبراً دستخط لینا..	۵۰
۲۷	حیثیت کے اختلاف سے مہر میں اختلاف..	۵۲
۲۸	حیثیت سے زیادہ مہر ادا نہ ہوسکا تو کیا ہوگا؟..	۵۲
۲۹	وکیل یا ولی کا مہر میں کمی کرنا..	۵۴
۳۰	جتنے مہر پر لڑکی نے وکیل بنایا تھا اس کے خلاف کرنا..	۵۶

۳۱	نکاح کے بعد مہر میں کمی	۵۷
۳۲	مہر کی قیمت وقتِ عقد کی معتبر ہوگی یا وقتِ ادا کی؟	۵۸
۳۳	نکاح کے بعد مہر کی قیمت میں تغیر ہوگیا	۵۹
۳۴	ابرائے مہر کے بعد پھر مطالبہ	۶۱
۳۵	مہر معاف کرنے کے بعد پھر مطالبہ	۶۲
۳۶	مہر کی معافی پھر اس سے انکار	۶۴
۳۷	مہر معاف کرکے پھر انکار کرنا	۶۹
۳۸	بیوی نے مہر معاف کردیا، بیٹے کو مطالبہ کا حق نہیں ہے	۷۰
۳۹	بیوی کی طرف سے معافی مہر کی شرط	۷۱
۴۰	طلاق کے بعد مہر کو بخشنا	۷۲
۴۱	مہر کی معافی کو موت پر موقوف کرنا	۷۳
۴۲	جعلی رسید سے مہر کی معافی	۷۳
۴۳	معینہ مہر سے انکار کا حق نہیں	۷۵
۴۴	نشوز سے مہر ساقط نہیں ہوتا	۷۶
۴۵	طلاق سے مہر ساقط نہیں ہوتا	۷۸
۴۶	مہرِ معجل سے قبل زفاف	۷۸
۴۷	کیا بغیر مہر دیئے بیوی کے پاس جانا منع ہے؟	۷۹
۴۸	ادائے مہر سے قبل وطی کا حکم	۸۰
۴۹	رخصتی سے پہلے مطالبۂ مہر	۸۳
۵۰	مہرِ معجل کے مطالبہ کا حق	۸۵
۵۱	رخصتی سے قبل لڑکی کے باپ کو مطالبۂ مہر کا حق	۸۶
۵۲	مہر کو بطورِ نفقہ ادا کرنا	۸۷
۵۳	بغیر وجوب کے ادا کردہ نفقہ کو مہر میں شمار کرنا	۸۸

۵۴	مہر قسط وار اور نفقہ	۸۹
۵۵	قسط وار مہر کے ساتھ زوج کی ہر چیز کا بیوی کی مالک ہونے کی شرط	۹۱
۵۶	موروثی زمین کو مہر قرار دینا	۹۲
۵۷	مہر میں بیوی کو جائیداد اور قبرستان دینا	۹۳
۵۸	جس زمین کا مہر میں وعدہ کیا جائے، اس کا دینا ضروری ہے	۹۵
۵۹	زمین کے بدلے میں شادی	۹۶
۶۰	بیوی کے علاج میں مہر کا روپیہ	۹۶
۶۱	زوجہ اگر مہر وصول نہ کرے تو زوج کس طرح ادا کرے؟	۹۷
۶۲	مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہوگا یا نہیں؟	۹۹
۶۳	بدلِ مہر دینے کے بعد زوجہ کا حق باقی ہے یا نہیں؟	۱۰۱
۶۴	بیوی سامان لے کر چلی گئی تو کیا مہر ادا ہوا؟	۱۰۱
۶۵	مہر اپنے والد کے قرض میں وصول کرنا	۱۰۲
۶۶	نا قابلِ جماع عورت کا نکاح و مہر	۱۰۳
۶۷	خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر وغیرہ	۱۰۴
۶۸	رتقاء اور عنین کی خلوت سے وجوبِ مہر کا حکم	۱۰۵
۶۹	طلاق کے بعد مہر اور شوہر کے دیئے ہوئے زیور کا حکم	۱۰۶
۷۰	......☆......نکاح اور مہر سے متعلق آٹھ سوالات......☆......	۱۰۷
۷۱	چار ماہ کے حاملہ سے عقدِ نکاح	۱۰۷
۷۲	حاملہ منکوحہ سے وطی اور مہر	۱۰۸
۷۳	مہر قسطوار بھی دیا جا سکتا ہے	۱۰۸
۷۴	جو کچھ زوجہ کو دیا مہر وغیرہ بعد طلاق واپسی کا حق نہیں	۱۰۸

۷۵	منکوحہ کے حمل کا علم ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوا........................	۱۰۹
۷۶	حبلیٰ مزنیہ کو طلاق........................	۱۰۹
۷۷	مزنیہ حاملہ کو طلاق کے بعد کیا مہر کا حق ہے؟........................	۱۰۹

فصل فی الجهاز وأخذ المال بالنكاح

(جہیز اور نکاح پر رقم لینے کا بیان)

۷۸	جہیز کس کی مِلک ہوتا ہے؟........................	۱۱۵
۷۹	جہیز کی نمائش........................	۱۱۷
۸۰	طلاق پر شوہر کو دی ہوئی اشیاء کی واپسی کا حق........................	۱۱۸
۸۱	وقتِ رخصتی جو کچھ شوہر سے خرچ کرایا گیا، اس کی واپسی........................	۱۲۰
۸۲	شادی میں بَری کس کی مِلک ہے؟........................	۱۲۱
۸۳	شادی کی امید پر دیا ہوا سامان واپس لینا........................	۱۲۳
۸۴	نکاح نہ ہونے کی صورت میں منگنی پر دی ہوئی اشیاء کی واپسی........................	۱۲۴
۸۵	جو سامان نکاح کے وقت دیا جائے وہ کس کی مِلک ہے؟........................	۱۲۶
۸۶	شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے لڑکی کو زیور دینا........................	۱۲۷
۸۷	مہر کے علاوہ کچھ رقم نکاح کے لئے شوہر پر ڈالنا........................	۱۲۸
۸۸	وقتِ نکاح لڑکی کے باپ کو کچھ رقم دینا........................	۱۳۰
۸۹	نکاح کرانے میں سفرخرچ لڑکے سے لینا شرعاً کیسا ہے؟........................	۱۳۰
۹۰	نکاح میں ہدیہ کا لین دین........................	۱۳۱
۹۱	نکاح پر مال کا مطالبہ........................	۱۳۲
۹۲	شادی کے وقت داماد کے مطالبات: جہیز وغیرہ........................	۱۳۴

بابٌ فی العروس والولیمة

(بارات اورولیمہ کا بیان)

۹۳ بارات کا حکم ۱۳۶
۹۴ نکاح کے سال بھر بعد رخصتی ۱۳۷
۹۵ لڑکے کے گھر جاکر نکاح ۱۳۷
۹۶ نکاح کے بعد رخصتی کب تک ہوجائے؟ ۱۳۸
۹۷ نکاح اور رخصتی کے درمیان کتنا فصل ہو؟ ۱۳۹
۹۸ شوہر کی بیماری کی وجہ سے رخصتی میں تاخیر ۱۴۰
۹۹ رخصتی سے قبل ولیمہ ۱۴۱
۱۰۰ دعوتِ ولیمہ کی مدت ۱۴۱
۱۰۱ شادی میں لڑکی والے کے یہاں کھانا کھانا ۱۴۲
۱۰۲ اپنے یہاں کی تقریب کے باوجود دوست کی تقریب میں شرکت ۱۴۳

کتاب الطلاق

۱۰۳ طلاق کی تعریف ۱۴۴
۱۰۴ طلاق کی قسمیں ۱۴۴
۱۰۵ طلاق کے مسائل کے لئے کمیٹی اور اس کے قوانین ۱۴۵
۱۰۶ طلاق کے لئے انجمن کی اجازت کو ضروری قرار دینا ۱۴۹
۱۰۷ طلاق کے لئے پنچایت نامہ ۱۵۲
۱۰۸ طلاق دینے سے بائیکاٹ وغیرہ کی سزا ۱۵۴
۱۰۹ طلاق دینے پر برادری کا سزا دینا ۱۵۵
۱۱۰ کیا اہلِ محلّہ کو طلاق دینے پر سزا دینے کا حق ہے؟ ۱۵۹

۱۱۱	طلاق بحکمِ والدین	۱۶۰
۱۱۲	ماں باپ کے کہنے سے بیوی کو طلاق	۱۶۲
۱۱۳	بلاوجہ شوہر سے طلاق دلوانا	۱۶۴
۱۱۴	نماز نہ پڑھنے والی کو طلاق دینا کیسا ہے؟	۱۶۵
۱۱۵	کیا بے عمل بیوی کو چھوڑ دینا ضروری ہے؟	۱۶۶

باب وقوع الطلاق وعدم وقوعه

الفصل الأول فی وقوع الطلاق

(وقوعِ طلاق کا بیان)

۱۱۶	بے اختیار لفظِ طلاق زبان سے نکل گیا	۱۶۷
۱۱۷	وقوعِ طلاق کے لئے تحریر ضروری نہیں	۱۶۸
۱۱۸	مذاق میں طلاق	۱۷۰
۱۱۹	جنگل میں باپ کے سامنے بغیر مرضی کے طلاق دینے سے وقوعِ طلاق	۱۷۱
۱۲۰	مذاق میں طلاق اور طلاق کا جھوٹا اقرار	۱۷۲
۱۲۱	عددِ طلاق میں شک	۱۷۴
۱۲۲	ایضاً	۱۷۶
۱۲۳	صیغۂ حال سے طلاق	۱۷۹
۱۲۴	ایضاً	۱۸۰
۱۲۵	گالی کے طور پر ’’طلاقن‘‘ کہنا	۱۸۳
۱۲۶	گالی کے طور پر لفظِ ’’طلاق‘‘ کا استعمال	۱۸۳
۱۲۷	طلاق نہ دینے کا عہد کرنے کے بعد پھر طلاق دینا	۱۸۴
۱۲۸	حالتِ حیض میں طلاق	۱۸۵

۱۲۹	الفاظِ طلاق عربی میں کہلوانا، جن کے معانی کو نہ جانتا ہو....................	۱۸۷
۱۳۰	مغرور ضدی عورت کو طلاق....................	۱۸۸
۱۳۱	گونگے کی طلاق....................	۱۹۰
۱۳۲	عورت کی طرف طلاق کی اضافت....................	۱۹۰
۱۳۳	ایضاً....................	۱۹۲
۱۳۴	عورت کی طرف طلاق کی نسبت....................	۱۹۴
۱۳۵	دو بیویوں کی موجودگی میں بلا تعیین واشارہ الفاظِ طلاق کہنے کا حکم....................	۱۹۶
۱۳۶	جس نام سے بیوی مشہور ہو، اس نام سے طلاق دینا....................	۱۹۶
۱۳۷	بیوی کے ایک عضو کو طلاق دینا....................	۱۹۷
۱۳۸	بیوی کا نام بدل کر طلاق دینا....................	۱۹۸
۱۳۹	ایضاً....................	۲۰۰
۱۴۰	متعدد بار طلاق....................	۲۰۱
۱۴۱	بار بار طلاق کا حکم....................	۲۰۴
۱۴۲	عدت میں مکرر طلاق....................	۲۰۶
۱۴۳	طلاق پر طلاق....................	۲۰۹
۱۴۴	واقعۂ طلاق مع فیصلۂ عدالت....................	۲۱۴
۱۴۵	کسی مخصوص مقام کو طلاق سے مستثنیٰ کرنے سے واقع شدہ طلاق ختم نہیں ہوتا....................	۲۱۶
۱۴۶	"اگر پہلے طلاق نہیں دی، تو اب دی دی" کہنے کا حکم....................	۲۱۷
۱۴۷	طلاقِ مکرہ مفصل ومدلل....................	۲۱۹
۱۴۸	طلاقِ مکرہ....................	۲۲۵
۱۴۹	جبراً طلاق....................	۲۲۶
۱۵۰	ایضاً....................	۲۲۸
۱۵۱	بغیر نام لئے جبراً طلاق....................	۲۳۲

۱۵۲	جھوٹ طلاق کا اقرار کرنا	۲۳۴
۱۵۳	اقرارِ طلاق کے بعد انکار	۲۳۵
۱۵۴	جھوٹی طلاق دینے کا اقرار	۲۳۷
۱۵۵	زبانی اقرارِ طلاق سے طلاق	۲۳۹
۱۵۶	ایضاً	۲۴۰
۱۵۷	الگ الگ مجلس کے اقرار کے گواہوں سے طلاق	۲۴۱
۱۵۸	جائیداد کے تحفظ کے لئے عدالت میں طلاق کا جھوٹا اقرار	۲۴۳
۱۵۹	''تو سمجھ لے کہ دی'' سے طلاق	۲۴۵

الفصل الثانی فی عدم وقوع الطلاق

(عدمِ وقوعِ طلاق کا بیان)

۱۶۰	وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی	۲۴۶
۱۶۱	صیغۂ استقبال سے طلاق کا حکم	۲۴۷
۱۶۲	طلاق کی حکایت کرنے سے طلاق نہیں ہوتی	۲۴۸
۱۶۳	الفاظِ طلاق اس طرح کہنا کہ سنائی نہ دے	۲۴۹
۱۶۴	مدت تک علیحدہ رہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۲۵۰
۱۶۵	محض دیر تک میکہ میں رہنے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوئی	۲۵۱
۱۶۶	تین کنکر سے طلاق	۲۵۲
۱۶۷	غیر شادی شدہ کی طلاق واقع نہیں	۲۵۴
۱۶۸	طلاق قبل النکاح	۲۵۵
۱۶۹	ایضاً	۲۵۶

۱۷۰	سالی کو طلاق	۲۵۸
۱۷۱	ماں کو طلاق اور ظاہر الروایۃ کے خلاف فتویٰ	۲۶۰
۱۷۲	برخوردار کو طلاق	۲۶۱
۱۷۳	بیوی کا شوہر کو طلاق دینا	۲۶۲
۱۷۴	شوہر کا قول ''مجھے طلاق ہے'' کا حکم	۲۶۳
۱۷۵	دل میں طلاق دینے کا حکم	۲۶۴
۱۷۶	بیوی کو میکہ پہونچانا طلاق نہیں	۲۶۴
۱۷۷	دل میں طلاق کی نیت سے طلاق کا حکم	۲۶۵
۱۷۸	جی میں گزرا کہ ''اگر فلاں سورت پڑھوں تو طلاق'' کا حکم	۲۶۶
۱۷۹	چوٹی کاٹنے اور منہ کالا کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی	۲۶۷
۱۸۰	بیوی کو کنویں میں دھکا دینے سے طلاق نہیں ہوئی	۲۶۸
۱۸۱	دوسرے کی بیوی کو طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی	۲۶۹
۱۸۲	''طلاق دے دو'' کے جواب میں ''کب کی دے دی''	۲۷۰
۱۸۳	نسبت بدل کر طلاق دینا	۲۷۱
۱۸۴	طلاق بلا اضافت	۲۷۳
۱۸۵	ایضاً	۲۷۴
۱۸۶	ایضاً	۲۷۵
۱۸۷	بغیر نام و بغیر اشارہ کے طلاق	۲۷۷
۱۸۸	اپنی بیوی دوسرے کو دینے سے طلاق	۲۷۸
۱۸۹	تکرارِ طلاق بنیتِ تاکید	۲۸۰
۱۹۰	''تیری لونڈیا کو طلاق'' کا حکم	۲۸۱
۱۹۱	وتر میں "نخلع ونترک" پڑھتے وقت بیوی کی طلاق کا خیال آنا مع فتویٰ مفتی کفایت اللہ صاحب	۲۸۲

الفصل الثالث فی طلاق السکران والمجنون

(نشہ اور جنون کی حالت میں طلاق کا بیان)

۱۹۲	طلاقِ سکران	۲۸۴
۱۹۳	طلاقِ سکران جبراً	۲۸۴
۱۹۴	نشہ کی حالت میں طلاق دینا	۲۸۵
۱۹۵	بھنگ کے نشہ میں طلاق	۲۸۶
۱۹۶	شراب اور دردِ سر کی حالت میں طلاق	۲۸۷
۱۹۷	شراب کے نشہ میں یہ کہنا کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور تمہارے حوالے کیا''	۲۸۸
۱۹۸	بخار کی بے ہوشی میں طلاق	۲۸۹
۱۹۹	بے ہوشی کی حالت میں طلاق	۲۹۱
۲۰۰	نیم خوابی کی حالت میں طلاق	۲۹۳
۲۰۱	دردِ گردہ اور دیگر پریشانیوں کے تأثر سے طلاق اور کیا یہ تأثر جنون ہے؟	۲۹۴
۲۰۲	طلاقِ مجنون	۲۹۶
۲۰۳	ایضاً	۲۹۸
۲۰۴	مجنون کی حالتِ افاقہ میں دی ہوئی طلاق	۳۰۰
۲۰۵	مجنون وغیرہ کی طلاق	۳۰۱
۲۰۶	مختل الحواس کی طلاق	۳۰۱
۲۰۷	طلاقِ مجذوب	۳۰۳

الفصل الرابع فی طلاق الغضبان

(غصہ میں طلاق دینے کا بیان)

۲۰۸	طلاق بحالتِ غصہ	۳۰۵

۲۰۹	غصہ کی حالت میں طلاق	۳۰۷
۲۱۰	غصہ میں طلاق	۳۰۹
۲۱۱	ایضاً	۳۱۱
۲۱۲	طلاقِ غضبان ومعتوہ مع فتویٰ محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۳۱۲
۲۱۳	غصہ میں طلاق کے متعلق شامی کی ایک روایت کا مطلب	۳۱۹

الفصل الخامس فی طلاق الصبی

(نابالغ کی طلاق کا بیان)

۲۱۴	نابالغ کی طلاق اور مدتِ بلوغ	۳۲۰
۲۱۵	نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی	۳۲۱
۲۱۶	طلاقِ صبی	۳۲۲
۲۱۷	طلاقِ مراہق کے بعد اس کی زوجہ کا نکاح	۳۲۵
۲۱۸	علاماتِ بلوغ	۳۲۶

الفصل السادس فی الطلاق بألفاظ مصحفة

(الفاظِ متغیرہ سے طلاق کا بیان)

۲۱۹	لفظِ ''طاق'' سے طلاق نہیں ہوتی	۳۲۸
۲۲۰	لفظِ ''تلاخ'' سے طلاق	۳۲۸
۲۲۱	لفظِ ''طلاق'' اور ''تلاق'' میں خسر اور داماد کا اختلاف	۳۲۹
۲۲۲	''میں نے اپنی بیوی کو......... دے دی'' کا شرعی حکم	۳۳۲

باب الطلاق الصریح

(طلاقِ صریح کا بیان)

۲۲۳	صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں	۳۳۳

۲۲۴	طلاقِ رجعی، بائن اور مغلظہ میں فرق	۳۳۴
۲۲۵	طلاقِ صریح میں نیت کا اعتبار نہیں	۳۳۷
۲۲۶	طلاق قبل الدخول وبعد الدخول میں زوجین کے اختلاف کا حکم	۳۴۰
۲۲۷	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق کا حکم	۳۴۰
۲۲۸	دو طلاق کے بعد کہا ''یہاں سے جاؤ، اب تو چھوڑ دیا، نا''	۳۴۲
۲۲۹	''ہم نے اس کو چھوڑ دیا'' کہنے کا حکم	۳۴۵
۲۳۰	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق کا حکم	۳۴۶
۲۳۱	لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق	۳۴۸
۲۳۲	لفظ ''چھوڑی'' سے طلاق	۳۴۹
۲۳۳	''میں تجھ کو چھوڑ چکا ہوں'' سے طلاق کا حکم	۳۵۱
۲۳۴	''میں نے تجھے چھوڑا ہے'' سے صریح طلاق	۳۵۱
۲۳۵	لفظ ''چھوڑ دی'' اور ''آزاد کر دی'' کا حکم	۳۵۲
۲۳۶	لفظ ''چھوڑ دی'' سے طلاق	۳۵۳
۲۳۷	لفظ ''چھوڑ دیا'' سے طلاق	۳۵۴
۲۳۸	''چھوڑ دی، نکل جا'' کا حکم	۳۵۶
۲۳۹	''میں تجھ کو آزاد کر چکا ہوں'' کا حکم	۳۵۸
۲۴۰	''طلاق کی طلاقہ، طلاق، طلاق'' کا حکم	۳۶۰
۲۴۱	''طلاق دی نہیں، دیدی دیدی'' سے طلاق	۳۶۱
۲۴۲	''طلاق دیتا ہوں، ایک بار نہیں ہزار بار کہتا ہوں'' کا حکم	۳۶۲
۲۴۳	''میں نے طلاق دی، میرے خدا نے طلاق دی'' کا حکم	۳۶۵
۲۴۴	''میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اللہ ورسول نے بھی تجھے طلاق دی'' کا حکم	۳۶۶
۲۴۵	طلاق اور رجعت بیوی کو اطلاع کئے بغیر	۳۶۷
۲۴۶	لفظِ ''طلاقن'' سے طلاق کا حکم	۳۷۰

۲۴۷	''طلاق منظور ہے'' سے طلاق	۳۷۰
۲۴۸	''تیری رہی سہی کو طلاق'' کا حکم	۳۷۱
۲۴۹	طلاق بائن کیا ہے؟	۳۷۲

باب طلاق الثلاث

(تین طلاق کا بیان)

۲۵۰	قرآن پاک سے تین طلاق کا ثبوت	۳۷۴
۲۵۱	کیا تین طلاق ایک ہیں؟ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا	۳۷۵
۲۵۲	دلائلِ قرآن کریم	۳۷۸
۲۵۳	حدیث شریف	۳۷۸
۲۵۴	اجماع	۳۸۱
۲۵۵	پہلی دلیل	۳۸۲
۲۵۶	دوسری دلیل	۳۸۶
۲۵۷	**ضمیمہ**	۳۸۹
۲۵۸	ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا حکم	۳۹۱
۲۵۹	الاستفتاء	۳۹۵
۲۶۰	استفتاء	۳۹۶
۲۶۱	تین طلاق کے بعد غیر مقلد کے فتوے پر عمل جائز نہیں	۴۰۰
۲۶۲	تین طلاق کے بعد کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا	۴۰۱
۲۶۳	غیر مقلد ہونے سے حرمتِ مغلظہ ختم نہیں ہوتی	۴۰۳
۲۶۴	تین طلاق ایک مجلس میں	۴۰۵
۲۶۵	مجلسِ واحد کی تین طلاق کا حکم	۴۱۹

۲۶۶	تین طلاق کا حکم	۴۲۵
۲۶۷	غصہ میں تین طلاق	۴۲۵
۲۶۸	شدتِ غصہ میں تین طلاق	۴۲۶
۲۶۹	تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حکم	۴۲۸
۲۷۰	بلانیت طلاق، تین طلاق کا حکم	۴۳۶
۲۷۱	غصہ میں تین طلاق	۴۴۰
۲۷۲	تین طلاق بلانیت	۴۴۱
۲۷۳	مطلّق طلاق دے کر تین طلاق کا اقرار، مع فتویٰ امارتِ شرعیہ بہار	۴۴۴
۲۷۴	طلاقِ مغلظہ	۴۴۷
۲۷۵	بیوی کو تین طلاق دے کر سالی کو رکھنا	۴۴۸
۲۷۶	الفاظِ متعددہ سے طلاق	۴۴۹
۲۷۷	''صاف طلاق'' سے تین طلاق مراد لینا	۴۵۰
۲۷۸	زوجہ کو خطاب کیے بغیر تین طلاق کہنا	۴۵۱
۲۷۹	تکرارِ طلاق بنیتِ تاکید	۴۵۳
۲۸۰	لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم	۴۵۴
۲۸۱	تین لفظوں سے تین طلاق	۴۵۵
۲۸۲	''طلاق دیا، دیا، دیا'' سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟	۴۵۶
۲۸۳	''طلاق دیدی، دیدی، دیدی'' کا حکم، دیوبند وغیرہ کے فتاویٰ	۴۵۷
۲۸۴	''ایک طلاق دی، ایک طلاق دی، ایک طلاق دی'' سے کتنی طلاق ہوئی؟	۴۶۱
۲۸۵	بیوی کو ''ایک، دو، تین'' کہنا	۴۶۲
۲۸۶	''ایک، دو، تین'' سے طلاق	۴۶۴
۲۸۷	''طلاق، طلاق، طلاق'' کا حکم	۴۶۵
۲۸۸	ایضاً	۴۶۶

۲۸۹	''جیسے ایک مرتبہ کہا، ویسے ہی تین مرتبہ، ہزار مرتبہ'' سے طلاق کا حکم	۴۶۸
۲۹۰	سو طلاق	۴۷۰
۲۹۱	سات طلاق کا حکم	۴۷۱
۲۹۲	ایضاً	۴۷۱
۲۹۳	ایک طلاق کے بعد پھر تین طلاق	۴۷۲
۲۹۴	غیر مدخولہ کو تین طلاق مع جواب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی	۴۷۳
۲۹۵	غیر مدخولہ پر تین طلاق	۴۷۷
۲۹۶	رخصتی سے پہلے تین طلاق کا حکم	۴۷۹
۲۹۷	غیر مدخولہ کو تین طلاق کا حکم	۴۸۰
۲۹۸	تین طلاق کو ایک تصور کرنا	۴۸۱
۲۹۹	تین طلاق کا ایک ہونا	۴۸۲
۳۰۰	بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا	۴۸۶
۳۰۱	تین طلاق ایک نہیں بلکہ تین ہیں	۴۸۶
۳۰۲	تین طلاق دے کر معافی مانگنا	۴۸۹

باب الطلاق بألفاظ الكناية

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

۳۰۳	''مجھ پر برخواست'' یا ''نکاح سے برخواست'' کہنے کا حکم	۴۹۱
۳۰۴	حكم قول الزوج: "فلانة علىّ حرام" وطرحه ثلاثة مدر	۴۹۲
۳۰۵	میں نے فائنل (یعنی آخری فیصلہ) کر دیا کہنا	۴۹۳
۳۰۶	''اگر گھر سے نکل جائے گی تو فارغخطی دے دوں گا'' اور پھر ''فارغخطی فارغخطی فارغخطی'' کہنا	۴۹۶
۳۰۷	''میاں بیوی کا رشتہ نہیں بلکہ بھائی اور بہن کا رشتہ'' کہنے کا حکم	۴۹۷

۳۰۸	الفاظِ کنایہ کہنے سے طلاق	۴۹۹
۳۰۹	''تم وہیں جاؤ جہاں سے آئی ہو، ایسی عورتوں کو طلاق جو میرے کہنے کے خلاف عمل کریں،	☆
☆	ایک، دو، تین'' کہنا	۵۰۱
۳۱۰	''میں نے آزاد کی، میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں'' کا حکم	۵۰۴
۳۱۱	''تم کو جہاں چاہے شادی کرلو وہ میرے نام سے چوڑی توڑ پھوڑ ے، مجھ کو اب کوئی سروکار نہیں''	۵۰۶
۳۱۲	''اب میرا تجھ سے کوئی رابطہ نہیں، ہمیشہ اپنے ماں باپ کے گھر رہ، میں طلاق دے کر جارہا ہوں''	۵۰۷
۳۱۳	اسقاط سے انقضائے عدت اور حالاتِ جنین	۵۰۸
۳۱۴	''میری طرف سے آزاد ہو، جس سے چاہو شادی کرلو''	۵۱۱
۳۱۵	''میری طرف دیکھنا حرام ہے''	۵۱۱
۳۱۶	''میرا تجھ سے تعلق نہیں ہے، نہ تو میری زوجہ ہے، تیرا میرا نکاح نہیں ہوسکتا، میں اپنی عورت کو	☆
☆	نہیں چاہتا، میری طرف سے آزاد ہے''	۵۱۲
۳۱۷	''عورت کو آزاد کر چکا ہوں، قطعی کر چکا ہوں، مجھ پر حرام ہے''	۵۱۴
۳۱۸	''ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، بائن طلاق''	۵۱۷
۳۱۹	صاف طلاق	۵۱۹
۳۲۰	''تو مجھ پر حرام ہے، میرے گھر سے نکل جاؤ''	۵۲۲
۳۲۱	''تو مجھ پر حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے'' کا حکم	۵۲۳
۳۲۲	''فلانة بنت فلان علیّ حرام'' کا حکم	۵۲۵
۳۲۳	''اگر فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر میری منکوحہ فلاں حرام ہوگئی''	۵۲۶
۳۲۴	''تم ہمارے لئے حرام، حرام'' کے بعد پھر ''تم کو چھوڑ دیا، چھوڑ دیا'' کا حکم	۵۲۷
۳۲۵	حلال (جماع) کو حرام کرنے سے طلاق	۵۲۸
۳۲۶	''اگر ہمبستری کروں تو حرام کروں'' کا حکم	۵۳۰
۳۲۷	''تجھ پر میرے گھر کا کھانا حرام ہے'' کہنے سے طلاق	۵۳۱
۳۲۸	بیوی کو نکاحِ ثانی کی اجازت سے طلاق کا حکم	۵۳۱

۳۲۹	''آپ اپنی لڑکی کی شادی کہیں کردینا'' سے طلاق	۵۳۴
۳۳۰	''تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کرلو'' سے طلاق	۵۳۵
۳۳۱	''جہاں آپ کی لڑکیوں کی قدر ہو وہاں کرو'' سے طلاق	۵۳۶
۳۳۲	''دوسرا رشتہ قائم کرنے کی اجازت'' سے طلاق	۵۳۷
۳۳۳	''اب تجھ کو اجازت ہے، میرے چھوٹے بھائی سے نکاح کرلینا'' سے طلاق	۵۳۸
۳۳۴	''تُو میری ماں ہے، مجھ کو تجھ سے کوئی کام نہیں، تُو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا''	۵۳۹
۳۳۵	لفظ ''نکاح سے الگ کرنے'' سے طلاق	۵۴۰
۳۳۶	''عورت کو اپنے سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۱
۳۳۷	لفظ ''میں نے الگ کردی'' سے طلاق	۵۴۲
۳۳۸	''زوجیت سے الگ کرتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۳
۳۳۹	''تُو میرے نکاح سے باہر ہے'' یہ کنائی طلاق ہے	۵۴۴
۳۴۰	''بیوی کو نہیں رکھنی'' سے طلاق	۵۴۴
۳۴۱	''میں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا'' سے طلاق کا حکم	۵۴۵
۳۴۲	''میں نہیں رکھتا'' سے طلاق	۵۴۷
۳۴۳	''میں تمہیں رکھنا نہیں چاہتا ہوں'' سے طلاق	۵۴۸
۳۴۴	''اب ہم نہیں رکھیں گے'' سے طلاق	۵۴۹
۳۴۵	''میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں ہے'' سے طلاق	۵۵۰
۳۴۶	''مجھے تیری ضرورت نہیں، تو میکہ چلی جا'' سے طلاق کا حکم	۵۵۱
۳۴۷	''ہمارے گھر سے نکل جا'' سے طلاق کا حکم	۵۵۲
۳۴۸	کنایۂ طلاق ''جہاں چاہے بھیج دو'' سے طلاق	۵۵۳
۳۴۹	''ہم سے کوئی تعلق نہیں، جہاں چاہے جا'' سے طلاق	۵۵۴
۳۵۰	''ہمارے گھر سے چلی جاؤ'' سے طلاق کا حکم	۵۵۷
۳۵۱	''ہمارے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا'' سے طلاق	۵۵۷

۳۵۲	''میں نے کوئی شادی نہیں کی'' سے طلاق کا حکم	۵۶۰
۳۵۳	انکارِ نکاح سے طلاق	۵۶۰
۳۵۴	''یہ عورت بہنوئی کی ہے، مجھ سے کوئی مطلب نہیں'' سے طلاق	۵۶۲
۳۵۵	''میرا تیرا تعلق ختم'' سے طلاق	۵۶۳
۳۵۶	''تعلقِ زوجیت نہیں'' سے طلاق کا حکم	۵۶۵
۳۵۷	''تعلق نہیں'' سے طلاق	۵۶۶
۳۵۸	''مجھے لڑکی نہیں چاہئے'' سے طلاق	۵۶۷
۳۵۹	خسر کو لکھا ''دوسرے داماد کے لئے عدت شمار کرے''	۵۶۸
۳۶۰	''میری طرف سے بالکل ختم ہے'' سے طلاق	۵۶۹
۳۶۱	لفظ ''فائنل کردیا'' سے طلاق	۵۷۰
۳۶۲	''فیصلہ کردیا'' سے طلاق	۵۷۳
۳۶۳	''جا! میں نے جھگڑا صاف کردیا'' سے طلاق	۵۷۴
۳۶۴	لفظ ''استعفیٰ'' سے طلاق	۵۷۵
۳۶۵	''میں اَور شادی کروں گا، تم میری پسند نہیں، تمہارا باپ تم کو اَور خصم کرادے'' کا حکم	۵۷۶
۳۶۶	لفظ ''جواب'' سے طلاق	۵۷۸
۳۶۷	''جواب دیا، جواب دیا، جواب دیا'' سے طلاق کا حکم	۵۷۹
۳۶۸	''اپنا مہر لے لے'' سے طلاق کا حکم	۵۸۱
۳۶۹	زیور اتار کر واپس کرنے سے آزاد سمجھنا	۵۸۱

باب الطلاق بالکتابة

(تحریری طلاق کا بیان)

۳۷۰	تحریری طلاق کا حکم	۵۸۳
۳۷۱	طلاق بالکتابت	۵۸۳

۳۷۲	طلاق نامہ امانت رکھ دیا........................	۵۸۵
۳۷۳	طلاق بالکتابت........................	۵۸۸
۳۷۴	تحریری طلاق........................	۵۹۱
۳۷۵	ایضاً........................	۵۹۳
۳۷٦	دستخط کے بغیر تحریری طلاق........................	۵۹۴
۳۷۷	طلاق بذریعۂ خطوط مع فتاویٰ دہلی و دیوبند........................	۵۹۵
۳۷۸	استفتاء متعلقہ سوال بالا........................	۵۹۷
۳۷۹	ایضاً........................	٦۰۱
۳۸۰	''اللہ کے واسطے رفاقت، رفاقت، رفاقت طلاق، طلاق، طلاق'' تحریر کرنا........................	٦۰۴
۳۸۱	تحریری طلاق، لعنت اور مہر........................	٦۰۵
۳۸۲	تحریر سے طلاق........................	٦۰٦
۳۸۳	کیا تحریر سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟........................	٦۰۸
۳۸۴	بددلی سے تحریری طلاق........................	٦۰۹
۳۸۵	تحریری طلاق کی ایک صورت........................	٦۱۰
۳۸٦	طلاقِ معلق کی تحریر........................	٦۱۳
۳۸۷	بیوی کی موجودگی میں تحریری طلاق........................	٦۱۵
۳۸۸	لفظِ کنایہ سے تحریری طلاق........................	٦۱۷
۳۸۹	لفظ ''آزاد'' سے طلاقِ تحریری........................	٦۲۲
۳۹۰	لاعلمی میں طلاق نامہ پر انگوٹھا لگانا........................	٦۲۴
۳۹۱	سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق........................	٦۲۵
۳۹۲	سادہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق........................	٦۲٦
۳۹۳	سادہ کاغذ پر دستخط بیکار ہیں........................	٦۲۷
۳۹۴	پرچہ پر تین طلاق لکھ کر جلادیا، یا پھاڑ دیا........................	٦۲۸

۳۹۵	تحریر سے بلااقرار وشہادت طلاق نہیں ہوتی........................	۶۳۱
۳۹۶	طلاق نامہ........................	۶۳۱
۳۹۷	طلاق نامہ میں ’’طلاج‘‘ لکھنے سے طلاق ہوگی یانہیں؟........................	۶۳۳
۳۹۸	فرضی طلاق نامہ........................	۶۳۴
۳۹۹	طلاق نامہ شوہر نے خودرکھ لیا........................	۶۳۶
۴۰۰	طلاق نامہ وصول نہیں کیا........................	۶۳۷
۴۰۱	شوہر کی اطلاع کے بغیر طلاقنامہ اخبار میں شائع کرنا........................	۶۳۷
۴۰۲	طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق........................	۶۳۸
۴۰۳	تحریر پر دستخط کرنے سے طلاق کاحکم........................	۶۳۹
۴۰۴	کیا طلاق نامہ کا پڑھنا ضروری ہے؟........................	۶۴۰
۴۰۵	طلاق نامہ پر بغیر پڑھے دستخط........................	۶۴۲
۴۰۶	ایضاً........................	۶۴۳
۴۰۷	کاغذ کو پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق کاحکم........................	۶۴۴
۴۰۸	بغیر کاغذ پڑھے اس پر دستخط کرنے سے طلاق........................	۶۴۵
۴۰۹	جھوٹی تحریر پر دستخط سے دیانۃً طلاق نہ ہوگی........................	۶۴۶
۴۱۰	دھوکہ سے طلاق نامہ پر دستخط........................	۶۴۷
۴۱۱	کاتب سے طلاق لکھوانا........................	۶۴۸
۴۱۲	’’طلاق نامہ لکھ دو‘‘ سے طلاق........................	۶۴۸
۴۱۳	سحر اور بدحواسی کی حالت میں تحریری طلاق........................	۶۵۰
۴۱۴	زبردستی تحریر سے طلاق........................	۶۵۱
۴۱۵	مکرہ کی طلاق بالکتابت کاحکم........................	۶۵۲
۴۱۶	طلاق نامہ پر جبراً انگوٹھا لگانے سے طلاق کاحکم........................	۶۵۴
۴۱۷	دھمکی کے طور پر خط کے ذریعہ اعلانِ طلاق........................	۶۵۶

۴۱۸	دھمکانے کے لئے طلاق نامہ میں خسر کی دوسری لڑکی مراد لینا تحریری طلاق جبکہ بیوی سامنے ہو	۶۵۶
۴۱۹	تحریرِ طلاق اگر بیوی کے پاس نہ پہونچے	۶۵۸
۴۲۰	مختل الدماغ کی تحریرِ طلاق سے طلاق	۶۵۸
۴۲۱	استفتاء متعلق سوال بالا	۶۶۱
۴۲۲	’’میں نے دیا طلاق‘‘ تین مرتبہ لکھ کر بھیجنے کے بعد پھر انکار کا حکم	۶۶۳
۴۲۳	اقرار نامہ کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق	۶۶۴
۴۲۴	عہد شکنی کی وجہ سے طلاق	۶۶۵
۴۲۵	جب شوہر کو شرط نامہ کا علم نہ ہو اس سے طلاق نہیں ہوتی	۶۶۷

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد سیز دہم

بقیة كتاب الطلاق

باب تعليق الطلاق

(طلاقِ معلق کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	طلاقِ مشروط کا حکم	۲۴
۲	''اگر فلاں کام کروں تو بیوی میری طرف سے قطعی آزاد ہے'' کا حکم	۲۵
۳	''اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' کا حکم	۲۶
۴	معاہدہ کی خلاف ورزی پر وقوعِ طلاق کو معلق کرنا	۳۰
۵	طلاق معلق بالشرط	۳۱
۶	''اگر تُو اب سرائے جائے گی تو طلاق دے دوں گا'' کہنے کا حکم	۳۲
۷	''اگر میں تیری عورت کی طرف دیکھوں یا نظر کروں تو میری بیوی کو تین طلاق'' کا حکم	۳۴

۸	منکوحہ اگر کہلائے کہ "میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو طلاق ہے"۔	۳۶
۹	"اگر تم دونوں چھت پر آئی تو دونوں کو تینوں طلاق" کہنے کا حکم	۳۷
۱۰	"اگر فلاں نے میرا روپیہ واپس کرنے میں رکاوٹ ڈال دی تو میری بیوی کو طلاق"۔	۳۸
۱۱	"اگر میں فلاں سے پہلے شادی کرلوں تو میرے لئے ساری دنیا کی عورتوں کو طلاق ہو" کا حکم	۳۹
۱۲	تعلیق طلاق بالمحال	۴۰
۱۳	تعلیق طلاق کی ایک صورت اور دیوبند وسہارنپور کے جواب میں اختلاف	۴۱
۱۴	استفتاء	۴۲
۱۵	خلافِ شرط کرنے سے طلاق	۴۶
۱۶	"مقررہ شرائط کی خلاف ورزی کروں تو یہ عدمِ پابندی میری بیوی کے لئے طلاق مقصود ہو"	☆
☆	کہنے کا حکم	۵۰
۱۷	"اگر ماروں پیٹوں یا گھر سے نکالوں تو مسماۃ پر سہ طلاق"۔	۵۱
۱۸	نکاح میں کی گئی شرط کے خلاف کرنے سے وقوعِ طلاق اور قسم کا کفارہ	۵۲
۱۹	بدکاری نہ کرنے پر طلاق کو معلق کر کے مفعولیت کا ارتکاب	۵۳
۲۰	طلاق معلق میں تعلیق کی خبر سے پہلے اس کا ارتکاب	۵۴
۲۱	خفا ہو کر جانے پر طلاق کو معلق کرنا	۵۶
۲۲	"اگر چوٹن ہے تو طلاق" کا حکم	۵۸
۲۳	"اب اگر روٹی پکائے تو طلاق" کا حکم	۵۸
۲۴	"میں ہار گیا تو طلاق ہے" کا حکم	۵۹
۲۵	"بلا اجازت، باپ کے گھر گئی تو طلاق" کا حکم	۶۱
۲۶	"میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو اس کو طلاق" کا حکم	۶۳
۲۷	"کسی ایک کے چھوڑنے سے دونوں ہی چھوٹ جائیں گی" سے طلاق کا حکم	۶۵
۲۸	ایک بیوی کی طلاق کو دوسری بیوی کی طلاق پر معلق کرنا	۶۵
۲۹	ایک مکالمہ جس میں طلاق مذکور نہیں	۶۶

۳۰	جماع نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرنا............	۶۸
۳۱	تین طلاق کی تعلیق............	۶۹
۳۲	طلاقِ مغلظہ شرط کے ساتھ............	۷۱
۳۳	’’بیوی میکہ چلی جائے تو تین طلاق‘‘ کا حکم............	۷۲
۳۴	’’اگر اولاد ہوئی تو تجھے طلاق‘‘ تین بار کہنے کا حکم............	۷۳
۳۵	’’اگر تو نے زنا کیا ہو اور نہ بتلایا تو تین طلاق‘‘ کا حکم............	۷۳
۳۶	’’اگر تو نہیں آئے گی تو تجھ کو ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق‘‘ کا حکم............	۷۵
۳۷	’’اگر مکان نہ جلاؤں تو طلاق مغلظہ‘‘ کا حکم............	۷۶
۳۸	طلاق معلقہ ومغلظہ............	۷۷
۳۹	’’اگر دوسری شادی کروں تو زوجۂ ثانیہ کو طلاق مغلظہ‘‘ سے تیسری بیوی کو طلاق نہیں ہوگی....	۷۹
۴۰	’’حج سے پہلے ہمبستری کی تو بیوی کو طلاق‘‘ کا حکم............	۸۰
۴۱	نکاح پر طلاق کو معلق کرنا............	۸۱
۴۲	’’اگر میں اس سے نکاح کروں‘‘ یا ’’میرا اس سے نکاح ہو جائے تو اس کو طلاقِ مغلظہ‘‘ کا حکم...	۸۳
۴۳	’’اگر میری شادی اس سے نہیں بلکہ دوسری عورت سے ہوئی تو دوسری بیوی کو دو طلاق‘‘ کا حکم	۸۴
۴۴	’’جب تک مکان نہیں بنالوں گا، تب تک میری بیوی کو تین طلاق‘‘ کہنے کا حکم............	۸۵

فصل فی التعلیق بکلمة کلّما

(کلمۂ کلّما کے ساتھ طلاق دینے کا بیان)

۴۵	کلّما کی قسم............	۸۷
۴۶	ایضاً............	۹۰
۴۷	ایضاً............	۹۱
۴۸	’’کلما تزوجت‘‘ کا حکم............	۹۲
۵۹	جبراً کلما کی قسم لینا، نابالغ کی قسم، قسم کا کفارہ............	۹۳

۵۰	نکاحِ فضولی اور کلما کی قسم اور بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کی وضاحت	۹۶
۵۱	محبوب سے بے وفائی پر قسم، طلاق کا حکم (کلما کی ایک صورت)	۹۸
۵۲	کلما کی قسم اور اس کا حل	۹۸
۵۳	کلما کی قسم کا حل	۱۰۰
۵۴	''اگر کسی عورت سے شادی کروں تو اس پر طلاق مغلظہ'' کہنے کا حکم	۱۰۲

فصل فی یمین الطلاق

(طلاق کی قسم اٹھانے کا بیان)

۵۵	طلاقِ یمین	۱۰۵
۵۶	بیوی کو طلاق کی قسم دینا	۱۰۶
۵۷	غیر شادی شدہ کی یمینِ طلاق کا حکم	۱۰۶
۵۸	یمینِ فور	۱۰۷
۵۹	ایضاً	۱۰۸
۶۰	مکان میں داخل ہونے کی قسم اور اس سے بچنے کا حیلہ	۱۱۰
۶۱	کیا ارتداد سے یمین ساقط ہوجاتی ہے؟	۱۱۱

فصل فی التعلیق بالمشیئة

(لفظ انشاء اللہ کے ساتھ طلاق معلق کرنے کا بیان)

۶۲	''طلاق انشاء اللہ'' کا حکم	۱۱۳
۶۳	''تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی انشاء اللہ'' کہنے کا حکم	۱۱۳
۶۴	طلاق کا لفظ کہہ کر ''انشاء اللہ'' آہستہ کہنا	۱۱۵
۶۵	طلاق کے ساتھ ''انشاء اللہ'' پست آواز سے کہنا اور جبراً طلاق نامہ لکھنا اور اس کو سنانا	۱۱۶

فصل فی المَخلص من التعلیق

(تعلیقِ طلاق سے بچنے کا بیان)

۶۶	تعلیقِ طلاق سے بچنے کی صورت....................................	۱۱۹
۶۷	شرطِ طلاق ختم کرنے کی صورت....................................	۱۱۹
۶۸	طلاقِ معلق سے بچنے کا حیلہ....................................	۱۲۱
۶۹	طلاقِ معلق کو منسوخ کرنا....................................	۱۲۲
۷۰	کیا شرطِ معلق کو واپس لیا جاسکتا ہے؟....................................	۱۲۴
۷۱	تعلیق کے بعد اجازت سے بھی تعلیق ختم نہیں ہوتی....................................	۱۲۵
۷۲	تعلیق کو ختم کرنے کی صورت....................................	۱۲۷
۷۳	مغلظہ کی تعلیق کو ختم کرنے کی ترکیب....................................	۱۲۷
۷۴	تعلیق کو ختم کرنے کی صورت....................................	۱۲۹
۷۵	''اگر اپنی مرضی سے برتن لے گئی تو طلاق'' کا حل....................................	۱۳۲
۷۶	''اگر بغیر پڑھے آکر شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے'' کا حل....................................	۱۳۴

باب التفویض

(طلاق کا اختیار دینے کا بیان)

۷۷	تفویضِ طلاق....................................	۱۳۵
۷۸	کیا طلاق کی توکیل وتفویض سے شوہر کا حق ختم ہوجاتا ہے؟....................................	۱۳۶
۷۹	عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط....................................	۱۳۸
۸۰	عورت کو نکاح سے الگ ہونے کا اختیار اسی مجلس تک....................................	۱۳۸
۸۱	تعلیقِ تفویض قبل نکاح....................................	۱۳۹
۸۲	نکاح سے قبل تحریر لکھوانا....................................	۱۴۰

۸۳	خلافِ شرائط کرنے پر زوجہ کو حقِ طلاق	۱۴۱
۸۴	عقد سے قبل طلاق کا اختیار	۱۴۲
۸۵	کابین نامہ وتفویضِ طلاق	۱۴۴
۸۶	''تمہاری خواہش ہوتو طلاق طلاق'' کہنے کا حکم	۱۵۰
۸۷	شوہر کی زیادتی سے بچاؤ کے لئے کسی تجربہ کار عالم کے مشورہ سے کابین نامہ	۱۵۲
۸۸	طلاق کا اختیار دوسرے کو دے کر واپس لینا	۱۵۳
۸۹	گھر داماد رکھنے کی شرط	۱۵۴
۹۰	عورت کو طلاق کا اختیار ہونے کی شرط	۱۵۵
۹۱	لڑکی کی خواہش پر طلاق	۱۵۶

باب الفسخ والتفريق

(فسخ اور تفریقِ نکاح کا بیان)

۹۲	قانونی فسخِ نکاح	۱۵۷
۹۳	تفریقِ عدالت سے نکاح کا اختیار	۱۵۹
۹۴	محض عورت کی خواہش پر تفریق عدالت کا حکم؟	۱۶۰
۹۵	اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ	۱۶۱
۹۶	اِمارتِ شرعیہ بہار کی بجائے شرعی کمیٹی سے فیصلہ کروانا	۱۶۲
۹۷	کیا اِمارتِ شرعیہ بہار کا فیصلہ قضائے قاضی ہے؟	۱۶۲
۹۸	عدالتی طلاق	۱۶۴
۹۹	ظالم زوج سے چھٹکارہ بذریعۂ پنچایت	۱۶۶
۱۰۰	کیا بیوی کو بذریعۂ عدالت طلاق لینے کا حق ہے؟	۱۶۷
۱۰۱	جج کا فیصلہ فسخِ نکاح میں	۱۶۸

۱۰۲	نکاح وتفریق میں جج کا فیصلہ	۱۶۹
۱۰۳	عورت ناراض ہوتو کیا قاضی کے یہاں جا کر طلاق دے سکتی ہے؟	۱۷۰
۱۰۴	طلاق کے سلسلہ میں جعلی قاضی کا فیصلہ	۱۷۲
۱۰۵	غیر مسلم عدالت سے فسخِ نکاح	۱۷۳
۱۰۶	شوہر سے بیان لئے بغیر شرعی پنچایت کا فیصلۂ طلاق	۱۷۴
۱۰۷	شوہر سے نفرت کی صورت میں تفریق کا حکم	۱۷۶
۱۰۸	زوجہ کو شوہر سے سیری نہ ہونے کی صورت میں تفریق کا حکم	۱۷۶
۱۰۹	پنچایت کا شوہر کو دوبارہ اطلاع کئے بغیر تفریق	۱۷۷
۱۱۰	شوہر بیوی کا معاملہ برادری کے حوالہ کرنا	۱۷۹
۱۱۱	شوہر کی زبان میں لکنت کی وجہ سے مطالبۂ آزادی	۱۸۰
۱۱۲	کیا ولی کو فسخِ نکاح کا حق ہے؟	۱۸۱
۱۱۳	شوہر، بیوی کے درمیان تنازع شدید کا مقدمہ عدالت میں	۱۸۱
۱۱۴	حکم نکاح کس طرح فسخ کرے؟	۱۸۴
۱۱۵	نابالغ کا نکاح باپ فسخ نہیں کرسکتا	۱۸۵
۱۱۶	شوہر فاسق ہوجائے تو زوجہ کیا کرے؟	۱۸۶
۱۱۷	کیا زانی شوہر سے علیحدگی کا اختیار ہے؟	۱۸۷
۱۱۸	شوہر کا اپنے عہد کے خلاف کرنے سے فسخِ نکاح	۱۸۸
۱۱۹	بدعمل شوہر سے مطالبۂ طلاق	۱۸۹
۱۲۰	ظالم شوہر سے طلاق کا مطالبہ	۱۹۰
۱۲۱	بیوی کی طرف شوہر متوجہ نہ ہوتو کیا کرے؟	۱۹۱
۱۲۲	اپنی بیوی کو دوسرے کے حوالہ کرنے سے نکاح کا حکم	۱۹۲
۱۲۳	شوہر پاکستان چلا گیا، تو عورت کو عدمِ نفقہ کی صورت میں حق فسخ ہے یا نہیں؟	۱۹۳
۱۲۴	شوہر پاکستان چلا گیا، بیوی کیا کرے؟	۱۹۵

۱۲۵	شوہر دوسری جگہ نکاح کرکے رہتا ہے، تو یہ بیوی کیا کرے؟	۱۹۶
۱۲۶	بھنگن سے ناجائز تعلق کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوا	۱۹۷
۱۲۷	شوہر کے نامرد ہونے کی حالت میں غیر مرد سے تعلق قائم کرنا	۱۹۸
۱۲۸	سختی کرنے والے شوہر سے علیحدگی	۲۰۲
۱۲۹	مظلومہ کی گلوخلاصی	۲۰۳
۱۳۰	حرمتِ مصاہرت سے تفریق	۲۰۴
۱۳۱	تین طلاق کے بعد بھی شوہر نہ چھوڑے، تو کلمۂ کفر ادا کرنے کا حکم، ارتداد کے بعد اس شرط پر	☆
☆	اسلام قبول کرنا کہ "میرا نکاح دین دار شخص سے ہو"	۲۰۵
۱۳۲	بہورہ لڑکی اگر اسلام قبول کرلے تو شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی یا نہیں؟	۲۰۸
۱۳۳	زوجۂ صبی کا حکم	۲۰۹
۱۳۴	شوہر نابالغ زوجہ بالغ	۲۰۹

فصل فی زوجة المفقود والغائب

(لاپتہ اور غائب شخص کی زوجہ کا بیان)

۱۳۵	زوجۂ مفقود	۲۱۱
۱۳۶	ایضاً	۲۱۲
۱۳۷	ایضاً	۲۱۳
۱۳۸	ایضاً	۲۱۵
۱۳۹	زوجۂ مفقود الخبر کے لئے سہولت	۲۱۶
۱۴۰	زوجۂ مفقود کا حکم	۲۱۷
۱۴۱	ایضاً	۲۱۹
۱۴۲	شوہر دوسرے ملک میں ہو تو فسخ نکاح کرنا	۲۲۰
۱۴۳	زوجۂ مفقود کے نکاح کے بعد واپسی مفقود	۲۲۲

۱۴۴	مفقود کی واپسی زوجہ کے نکاحِ ثانی کے بعد	۲۲۳
۱۴۵	مفقود کی واپسی نکاحِ ثانی کے بعد	۲۲۵
۱۴۶	زوجۂ مفقود کا نکاح بغیر قضائے قاضی	۲۲۸
۱۴۷	واپسیٔ مفقود	۲۲۹
۱۴۸	زوجۂ غائب	۲۳۱
۱۴۹	ایضاً	۲۳۲
۱۵۰	زوجۂ مسجون	۲۳۴

فصل فی زوجة المتعنت

(زوجۂ متعنت کا بیان)

۱۵۱	زوجۂ متعنت	۲۳۵
۱۵۲	ایضاً	۲۳۶
۱۵۳	ایضاً	۲۳۸
۱۵۴	ایضاً	۲۳۹
۱۵۵	ایضاً	۲۴۰
۱۵۶	ایضاً	۲۴۱
۱۵۷	ایضاً	۲۴۳
۱۵۸	ایضاً	۲۴۴
۱۵۹	ایضاً	۲۴۷
۱۶۰	ایضاً	۲۴۸
۱۶۱	ایضاً	۲۴۹
۱۶۲	شوہر نہ بیوی کو بلائے، نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟	۲۵۱
۱۶۳	جس عورت کو اس کا شوہر نہ رکھتا ہو، اس کو کسی ہندو کے حوالہ کردینا	۲۵۳

۱۶۴	نفقہ نہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی............	۲۵۵
۱۶۵	بذریعۂ پنچایت تفریق............	۲۵۵
۱۶۶	نفقہ کے دعویٰ میں یکطرفہ بیان سے خلع کی ڈگری دے کر نکاح فسخ کرنا............	۲۵۶
۱۶۷	زوجہ کا نفقہ کتنے روز تک بند رکھنے سے تفریق ہوسکتی ہے؟............	۲۵۸
۱۶۸	انتظامِ نفقہ کے باوجود طلاق حاصل کرنا............	۲۵۸

فصل فی زوجة المجنون والعنین

(دیوانہ اور نامرد کی بیوی کا بیان)

۱۶۹	زوجۂ مجنون کا حکم............	۲۶۰
۱۷۰	ایضاً............	۲۶۲
۱۷۱	ایضاً............	۲۶۵
۱۷۲	ایضاً............	۲۶۶
۱۷۳	ایضاً............	۲۶۷
۱۷۴	زوجۂ مجنون اور عنین کا حکم............	۲۶۸
۱۷۵	ایضاً............	۲۶۹
۱۷۶	زوجۂ مجنون، نامرد کی تفریق کی صورت............	۲۷۰
۱۷۷	شوہر پاگل ہوگیا تھا مگر اب اچھا ہوگیا، اس کی بیوی کا نکاح............	۲۷۲
۱۷۸	زوجۂ عنین............	۲۷۳
۱۷۹	زوجۂ مجنون وعنین............	۲۷۴
۱۸۰	زوجۂ عنین............	۲۷۷
۱۸۱	ایضاً............	۲۸۰
۱۸۲	زوجۂ عنین کے واسطے عدالت کا فیصلہ............	۲۸۱
۱۸۳	زوجۂ عنین کی درخواستِ تفریق پر شرعی پنچایت کے چند سوالات............	۲۸۴

فصل فی زوجة المجذوم
(جذامی کے فسخِ نکاح کا بیان)

۱۸۴ زوجۂ مجذوم کو خیارِ تفریق ۲۸۷
۱۸۵ شوہر کو جذام ہو تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟ ۲۸۹
۱۸۶ زوجۂ مفلوج ۲۹۰

باب الشهود فی الطلاق
(طلاق میں گواہی کا بیان)

۱۸۷ کیا طلاق کے لئے گواہی ضروری ہے؟ ۲۹۳
۱۸۸ طلاق کے بعد شوہر منکر ہوگیا ۲۹۴
۱۸۹ شوہر کا طلاق کے بعد انکار اور گواہ کا گواہی سے انکار ۲۹۶
۱۹۰ بیوی نے طلاق کو سنا، شوہر منکر ہے ۲۹۷
۱۹۱ گواہانِ عفت و معصیت میں تقابل ۲۹۸
۱۹۲ اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت نہیں ۲۹۹
۱۹۳ اقرارِ طلاق کے بعد گواہ کی ضرورت نہیں ۳۰۰
۱۹۴ اقرارِ زوج کے بعد گواہوں کی ضرورت ۳۰۲
۱۹۵ طلاق میں بیٹوں کی شہادت ۳۰۲
۱۹۶ گواہوں کے باوجود شوہر کا طلاق سے انکار ۳۰۵
۱۹۷ طلاق کے گواہوں میں اختلاف ۳۰۷
۱۹۸ جھوٹے گواہوں سے طلاق کا ثبوت ۳۰۸
۱۹۹ طلاق کا ثبوت گواہوں سے ۳۱۰
۲۰۰ ورثائے زوج کا دعوائے طلاق اور گواہی ۳۱۳
۲۰۱ تین طلاق میں زوجین کا اختلاف ہو تو گواہوں کی ضرورت ۳۱۵

باب الظهار والإيلاء

(ظہار اور ایلاء کا بیان)

۲۰۲ ظہار ۳۱۸
۲۰۳ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے ظہار ۳۱۹
۲۰۴ بیوی کو بہن کی طرح کہنے کا حکم ۳۲۲
۲۰۵ بیوی کو بہن وغیرہ کہنا ۳۲۴
۲۰۶ بیوی کو بہن کہہ دیا ۳۲۵
۲۰۷ ''اگر بیوی سے صحبت کروں اپنی ماں سے کروں'' کہنے کا حکم ۳۲۵
۲۰۸ بیوی کو بہن کی طرح سمجھنا صیغۂ مستقبل سے ۳۲۶
۲۰۹ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق کا حکم ۳۲۷
۲۱۰ بیوی کو ماں کہنا ۳۲۹
۲۱۱ شوہر کو باپ کہنا ۳۲۹
۲۱۲ بیوی کو دادی اماں کہنا ۳۳۰
۲۱۳ ''تو میری ماں ہے اور میں تیری اولاد ہوں'' کہنے کا حکم ۳۳۰
۲۱۴ ''اگر میں فلاں کام کروں تو اپنی بیوی کو ماں بنالوں'' کہنے کا حکم ۳۳۳
۲۱۵ ایلاء ۳۳۳

باب اللعان والخلع

(لعان اور خلع کا بیان)

۲۱۶ لعان ۳۳۵
۲۱۷ لعان کی تفصیلات ۳۳۷

۲۱۸	بیوی کو زانیہ کہنا	۳۴۰
۲۱۹	خلع کی تشریح	۳۴۱
۲۲۰	طلاق بالعوض	۳۴۲
۲۲۱	خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے	۳۴۴
۲۲۲	خلع میں شرط	۳۴۷
۲۲۳	قبولِ خلع کب تک ہے؟	۳۴۸
۲۲۴	خلع سے طلاق	۳۴۹
۲۲۵	روپے کے عوض طلاق	۳۵۱
۲۲۶	مہر اور نفقہ کے عوض بیوی کی منظور پر طلاق	۳۵۲
۲۲۷	خلع میں بدلِ خلع دینے سے بیوی کا انکار	۳۵۵
۲۲۸	خلع اور لعان کی ایک صورت	۳۵۶
۲۲۹	نابینا کے ساتھ نکاح کے بعد خلع	۳۵۸
۲۳۰	معافی مہر کی شرط پر طلاق کی صورت	۳۵۹

باب الرجعة

(رجعت کا بیان)

۲۳۱	رجعت کا ثبوت	۳۶۱
۲۳۲	عورت کو طلاق اور رجعت کا علم ہونا ضروری نہیں	۳۶۲
۲۳۳	طلاق، عدت اور رجعت کی تفصیل	۳۶۴
۲۳۴	''اب ایسا نہیں کروں گا'' کہنے سے رجعت نہیں ہوتی	۳۶۶
۲۳۵	دو طلاق کے بعد رجوع کرنا	۳۶۷
۲۳۶	ایک طلاق کے بعد نکاح کرنے سے دو طلاق کا اختیار رہتا ہے	۳۶۹

۲۳۷	طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح سے کتنی طلاق کا اختیار رہتا ہے؟	۳۶۹
۲۳۸	طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح	۳۷۱
۲۳۹	طلاق کے بعد پھر نکاح اور ولادت	۳۷۲
۲۴۰	طلاقِ مغلظہ کے بعد بغیر حلالہ کے رجوع کرنا	۳۷۳
۲۴۱	سنت کے موافق تین طلاق دینے کے بعد رجعت	۳۷۵
۲۴۲	تین طلاق کے بعد رجعت	۳۷۶
۲۴۳	تین طلاق کے بعد رجعت	۳۷۷

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

۲۴۴	طلاق قبل الدخول میں عدت ہے یا نہیں؟	۳۸۱
۲۴۵	خلوتِ فاسدہ کے بعد عدت لازم ہے یا نہیں؟	۳۸۲
۲۴۶	سال بھر میں ایک حیض آنے والی عورت اور آئسہ کی عدت	۳۸۵
۲۴۷	مطلقۂ عنین پر عدت	۳۸۷
۲۴۸	جس کو حیض نہیں آتا اس کی عدت	۳۸۷
۲۴۹	خلع کی عدت	۳۸۸
۲۵۰	عدت شوہر کے مکان میں گذارنا	۳۹۰
۲۵۱	ایضاً	۳۹۱
۲۵۲	تین حیض ساٹھ دن میں	۳۹۲
۲۵۳	معتدہ کو منتقل ہونا	۳۹۴
۲۵۴	بیوہ کا اپنے باپ کے گھر عدت گذارنا	۳۹۵
۲۵۵	ایضاً	۳۹۵

۲۵۶	معتدہ کو دوسری جگہ منتقل ہونا	۳۹۶
۲۵۷	زوجہ شوہر کے ساتھ والد کے یہاں آئی تھی شوہر کا انتقال ہوگیا، عدت کہاں گزارے؟	۳۹۷
۲۵۸	عدت میں ووٹ ڈالنے کے لئے جانا	۳۹۸
۲۵۹	عدت میں شرکتِ نکاح کے لئے نکلنا	۳۹۹
۲۶۰	بغیر ہمبستری کے طلاق کی صورت میں عدت	۳۹۹
۲۶۱	حالتِ عدت میں نکاح، تین حیض گذرنے سے قبل حمل رہ گیا عدت کس طرح ہوگی؟	۴۰۰
۲۶۲	عدت میں شناخت کے لئے عدالت جانا	۴۰۱
۲۶۳	عدت میں تنخواہ لینے کے لئے دفتر جانا	۴۰۱
۲۶۴	معتدہ کو صحن میں جانا	۴۰۲
۲۶۵	عدت میں کن چیزوں کے اہتمام کی ضرورت ہے؟	۴۰۴
۲۶۶	عدت کے دوران پردہ سے متعلق چند سوالات	۴۰۵
۲۶۷	کیا طوائف کے لئے عدت ہے؟	۴۰۷
۲۶۸	عدتِ وفات، وقتِ وفات سے ہے یا خبر ملنے کے وقت سے؟	۴۰۸
۲۶۹	عدت کے اندر تیسری طلاق	۴۰۸
۲۷۰	وفاتِ شوہر پر ترکِ زینت	۴۰۹
۲۷۱	بیوہ عورت کا زیور پہننا	۴۱۰
۲۷۲	مطلقہ رجعی پر سوگ	۴۱۱
۲۷۳	عدت میں چوڑیوں کا استعمال	۴۱۲
۲۷۴	عدت میں چوڑی توڑ دینا	۴۱۲
۲۷۵	نومسلمہ کے نکاح کے لئے عدت	۴۱۳
۲۷۶	نومسلمہ کا نکاح کے لئے عدت	۴۱۴

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

۲۷۷	نان نفقہ کا انتظام شوہر پر لازم ہے	۴۲۰
۲۷۸	عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے یا سوتیلے لڑکے کے ذمہ؟	۴۲۱
۲۷۹	ماں اور بیوی کا نفقہ	۴۲۳
۲۸۰	بلا رخصتی کے وجوبِ نفقہ	۴۲۴
۲۸۱	رخصتی سے قبل نفقہ	۴۲۵
۲۸۲	بغیر شوہر کے گھر جائے نفقہ کے مطالبہ کا حق نہیں	۴۲۶
۲۸۳	زوجہ کا نفقہ وسکنیٰ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟	۴۲۷
۲۸۴	دوا علاج کیا شوہر کے ذمہ لازم ہے؟	۴۲۸
۲۸۵	کیا باپ کے گھر رہ کر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟	۴۲۸
۲۸۶	حقوقِ زوجیت نفقہ وغیرہ نہ دے کر بیوی کو معلقہ رکھنا	۴۳۱
۲۸۷	کیا میکہ میں رہتے ہوئے بھی نفقہ لازم ہے؟	۴۳۲
۲۸۸	نفقۂ مطلقہ	۴۳۳
۲۸۹	دو بیویوں کے درمیان برابری اور بیماری کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا	۴۳۵
۲۹۰	عدتِ طلاق کا نفقہ	۴۳۵
۲۹۱	عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ وسکنیٰ	۴۳۶
۲۹۲	نفقۂ مختلعہ	۴۳۷
۲۹۳	ناشزہ کا نفقہ اور حقِ حضانت	۴۳۸
۲۹۴	نافرمان بیوی کی تادیب اور نفقہ	۴۴۴

۲۹۵	بیوی کا علیحدہ مکان کا مطالبہ اور نشوز کی صورت میں نفقہ	۴۴۶
۲۹۶	ناشزہ کا نفقہ	۴۴۸
۲۹۷	بیوی سفر میں ساتھ رہنے سے انکار کردے اس کا نفقہ	۴۴۹
۲۹۸	ممتدۃ الطہر کا نفقہ	۴۵۳
۲۹۹	کیا بلا اجازتِ شوہر کے میکہ جانے سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے؟	۴۵۴
۳۰۰	فاسقہ بیوی پر نکیر اور اس کا نفقہ	۴۵۴
۳۰۱	گذشتہ دنوں کا نفقہ	۴۵۶
۳۰۲	زوجہ کا تعنت اور زیادتی	۴۵۷
۳۰۳	بیوہ اور حاجتمند لڑکی کو مکان دینا	۴۵۹
۳۰۴	بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ	۴۶۰
۳۰۵	بیوی سے بدگمانی کی بناء پر نفقہ بند کردینا	۴۶۱
۳۰۶	ناشزہ کا نفقہ نہیں	۴۶۲
۳۰۷	باپ کا نفقہ بیٹے پر	۴۶۳
۳۰۸	فاسقہ والدہ کا نفقہ	۴۶۴
۳۰۹	طلاق اور بچوں کا نفقہ	۴۶۶
۳۱۰	نابالغ اولاد کا نان ونفقہ	۴۶۷
۳۱۱	بدچلن بیوی کو طلاق مل گئی مہر اور خرچہ کی وہ مستحق ہے یا نہیں؟	۴۶۷
۳۱۲	اولاد کو کیا نقد نفقہ دینا لازم ہے؟	۴۶۸
۳۱۳	والدین اور اولاد میں کس کا نفقہ مقدم ہے؟	۴۶۹
۳۱۴	پاگل کی بیوی کا نکاح منسوخ کرادیا تو نفقہ	۴۶۹
۳۱۵	منکوحۂ غیر کو طلاق دلوا کر اس کی کفالت کرنا	۴۷۱

باب الحلالة

(حلالہ کا بیان)

۳۱۶	تین طلاق کے بعد حلالہ	۴۷۴
۳۱۷	عورت کو حلالہ کا حکم کیوں ہے؟	۴۷۶
۳۱۸	بغیر شرط کے حلالہ	۴۷۷
۳۱۹	حلالہ میں طلاق کی شرط	۴۷۷
۳۲۰	خلوتِ صحیحہ کی تعریف اور حلالہ کی شرط	۴۷۸
۳۲۱	حلالہ میں صحبت شرط ہے	۴۷۹
۳۲۲	نکاح بشرطِ تحلیل واجرت وتوقیت ومتعہ	۴۸۰
۳۲۳	تین طلاق کے بعد عدت کے اندر نکاحِ ثانی سے حلالہ کا حکم	۴۸۴
۳۲۴	حلالہ کے لئے عدت میں نکاح	۴۸۶
۳۲۵	حلالہ کے لئے صرف نکاح، وہ بھی عدت میں	۴۸۸
۳۲۶	حلالہ کے لئے شوہر نکاح پڑھا سکتا ہے	۴۹۰
۳۲۷	نیرودھ کے ذریعہ حلالہ	۴۹۰
۳۲۸	حلالہ کے لئے زوجین کا دخول میں اختلاف	۴۹۱
۳۲۹	حلالہ میں مباشرت کا اقرار پھر انکار	۴۹۳
۳۳۰	زوجِ ثانی ہادمِ مادون الثلاث ہے	۴۹۴
۳۳۱	غیر مدخولہ کو تین طلاق کے بعد حلالہ کی ضرورت	۴۹۵
۳۳۲	مراہق سے حلالہ	۴۹۷
۳۳۳	حلالہ بذریعہ مراہق	۴۹۸
۳۳۴	نابالغ کے ذریعہ حلالہ	۵۰۱

۳۳۵	ارتداد سے حلالہ ساقط نہیں ہوتا	۵۰۱
۳۳۶	مطلقہ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے نکاح	۵۰۲
۳۳۷	تین طلاق کے بعد توبہ سے حلالہ نہیں ہوتا	۵۰۶
۳۳۸	تین طلاق کے بعد نکاح کے لئے حلالہ ضروری ہے	۵۰۷
۳۳۹	اجرت دے کر حلالہ کرانا	۵۰۸
۳۴۰	نکاح بشرطِ تحلیل	۵۰۹
۳۴۱	نکاح بنیتِ تحلیل	۵۱۳
۳۴۲	طلاق کی نیت سے نکاح	۵۱۵
۳۴۳	حلالہ کے بعد میاں بیوی کا نکاح جب کہ حلالہ کے گواہ منکر ہوں	۵۱۶
۳۴۴	حلالہ کی صورت	۵۱۷
۳۴۵	مطلقہ ثلاثہ کا نکاح بغیر حلالہ کے	۵۱۸
۳۴۶	تین حلالہ کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح میں رکھنا	۵۱۹
۳۴۷	بیوی کو تیسری طلاق میں شبہ ہونے کی صورت میں نکاح میں رکھنا	۵۲۱

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

۳۴۸	اقل مدت حمل	۵۲۳
۳۴۹	چھ ماہہ بچہ کے نسب کا ثبوت	۵۲۴
۳۵۰	نکاح سے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب	۵۲۷
۳۵۱	نکاح کے چھ دن بعد جو بچی پیدا ہو اس کا نسب	۵۲۹
۳۵۲	سات آٹھ ماہ گذرنے پر پیدا شدہ بچہ کا نسب	۵۲۹
۳۵۳	دس برس کی جدائی پر بچہ کا نسب	۵۳۰

۳۵۴	عزل کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے	۵۳۲
۳۵۵	نس بندی کے بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے	۵۳۲
۳۵۶	حمل سوکھ کر ڈیڑھ سال بعد بچہ پیدا ہوا	۵۳۲
۳۵۷	ناجائز حمل کس کی طرف منسوب ہو؟	۵۳۳
۳۵۸	حاملہ مفرورہ سے پیدا شدہ بچی کس کی ہے؟	۵۳۴
۳۵۹	نکاحِ فاسد میں ثبوتِ نسب	۵۳۵
۳۶۰	نکاحِ فاسد میں ثبوتِ عدت و نسب	۵۴۰
۳۶۱	بیٹی سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا ثبوتِ نسب	۵۴۲
۳۶۲	بغیر نکاح کے عورت رکھنے سے اس کی اولاد ثابت النسب نہیں	۵۴۳
۳۶۳	ولد الزنا کا نسب	۵۴۴
۳۶۴	اولادِ زنا میں ثبوتِ نسب	۵۴۵
۳۶۵	حرامی لڑکے سے اپنی لڑکی کو منسوب کرنا	۵۴۷
۳۶۶	مشترکہ لونڈی سے پیدا شدہ بچہ کا نسب اور جاریہ، زانیہ، منکوحہ کا فرق	۵۴۷
۳۶۷	نومسلمہ کا نکاح بلا عدت اور اس میں ثبوتِ نسب	۵۵۰
۳۶۸	جو عورت غیر مسلم سے حاملہ ہو جائے اس کا حکم	۵۵۲
۳۶۹	تبدیلِ نسب	۵۵۳
۳۷۰	نسب بدلنا	۵۵۵
۳۷۱	ایضاً	۵۵۶
۳۷۲	چچا کو باپ کہنا	۵۵۷
۳۷۳	کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا	۵۵۷
۳۷۴	کسی پیغمبر یا کسی بزرگ کی طرف اپنا نسب منسوب کرنا	۵۵۸
۳۷۵	کفاءت و مساوات اور شرافتِ نسبی	۵۶۰
۳۷۶	اصلی اور نقلی انصاری میں فرق	۵۶۳

۳۷۷ سقوں کا اپنے آپ کو عباسی کہنا ۵۶۳

۳۷۸ نام کے ساتھ ''صدیقی'' لکھنا ۵۶۴

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

۳۷۹ حق حضانت کس کو اور کب تک ہے؟ ۵۶۶

۳۸۰ مطلقہ کو حقِ حضانت کب تک ہے؟ ۵۶۷

۳۸۱ حقِ حضانت ۵۶۹

۳۸۲ مدتِ حضانت شیعہ مذہب میں ۵۷۰

۳۸۳ بچہ کے گزشتہ ایام کا خرچ شوہر سے وصول کرنا، اور حق حضانت ۵۷۲

۳۸۴ نانا کا پرورش میں خرچ کردہ روپیہ بچہ کے باپ سے مطالبہ کرنے کا حق ۵۷۵

۳۸۵ بعد بلوغ حقِ پرورش دادی وغیرہ کو ہے یا خالہ کو؟ ۵۷۶

۳۸۶ بیوہ کی مرضی کے خلاف چچا کا نابالغ بچوں کو اپنی کفالت میں لینا ۵۷۷

باب المتفرقات

۳۸۷ زوجۂ دیوث کا حکم ۵۷۸

۳۸۸ بالغہ کا نکاح جبراً، پھر طلاق اور پھر طلاق سے انکار ۵۷۹

۳۸۹ طلاق کے بعد نکاحِ ثانی ہوجانے پر بھی مطلقہ کو اپنے گھر رکھنا ۵۸۰

۳۹۰ تین طلاق کے بعد ساتھ رہنا ۵۸۱

۳۹۱ تین طلاق کے بعد مطلقہ کے ساتھ رہنا ۵۸۲

۳۹۲ تین طلاق کے بعد شوہر کے گھر رہنا ۵۸۴

۳۹۳ طلاق کے بعد پندرہ سال تک ہمبستری کرتا رہا ۵۸۵

۳۹۴	پوری تدبیر وتفہیم کے بعد طلاق	۵۸۵
۳۹۵	بدچلن عورت کو طلاق	۵۸۷
۳۹۶	جوعورت شوہر کو والدین کی بے عزتی پر مجبور کرے، اس کو طلاق	۵۸۸
۳۹۷	بے سلیقہ زوجہ کو طلاق اور دھوکہ والی صورت میں تفریق	۵۸۹
۳۹۸	تفریق سے خرچۂ شادی کا مطالبہ	۵۹۱
۳۹۹	طلاق کے مغلظ اور رجعی ہونے میں اختلاف	۵۹۱
۴۰۰	خوبصورت لڑکی کا لالچ دے کر طلاق دلوانا	۵۹۳
۴۰۱	حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کثرت سے طلاق دینا	۵۹۴
۴۰۲	نکاح بلا طلاق اور طلاق بلا وجہ	۵۹۵
۴۰۳	بیوی کہتی ہے کہ ’’طلاق دے دی تو مرتد ہو جاؤں گی‘‘	۵۹۸
۴۰۴	نوسوالات اور ان کے جوابات	۵۹۹
۴۰۵	عورت کا اغوا کرنا اور روپیہ لے کر اس کو طلاق دینا	۶۰۱
۴۰۶	بیوی کو طلاق اس کی بہن سے نکاح کی مصلحت سے	۶۰۴

کتاب الرضاع

(رضاعت کا بیان)

۴۰۷	حرمتِ رضاعت کا ثبوت	۶۰۵
۴۰۸	ثبوتِ رضاعت سماعاً	۶۰۷
۴۰۹	رضاعت کی حجت	۶۰۸
۴۱۰	کمزور بچے کا دودھ کب چھڑایا جائے؟	۶۰۹
۴۱۱	حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت کے شرائط	۶۱۰
۴۱۲	شبہٗ رضاعت کا حکم	۶۱۴

۴۱۳	ثبوتِ رضاعت میں اختلاف	۶۱۵
۴۱۴	بچہ کو غلطی سے دودھ پلانے پر بھی رضاعت کا حکم	۶۱۶
۴۱۵	بچہ کے منہ میں پستان دینے سے حکمِ رضاعت	۶۱۷
۴۱۶	پستان بچہ کے منہ میں دینے سے ثبوتِ حرمت کب ہوگا؟	۶۱۸
۴۱۷	محض چھاتی بچہ کے منہ میں دینے سے حرمتِ رضاعت کا حکم	۶۱۹
۴۱۸	جس عورت کا دودھ بچہ کو پلایا جائے اس کے اثرات بچہ میں آتے ہیں یا نہیں؟	۶۲۰
۴۱۹	بغیر اجازتِ شوہر کسی کے بچہ کو دودھ پلانا	۶۲۱
۴۲۰	بچہ کے کمزور ہونے کی صورت میں ڈھائی سال دودھ پلانے کی گنجائش	۶۲۱
۴۲۱	بچہ کے منہ کی رال وغیرہ	۶۲۲
۴۲۲	کافرہ عورت سے رضاعت کا حکم	۶۲۳
۴۲۳	بیوی کا دودھ پینے سے نکاح پر اثر	۶۲۳
۴۲۴	بیوی کا پستان منہ میں لینے سے نکاح پر فرق نہیں پڑتا	۶۲۴
۴۲۵	سات سال سے لبن منقطع ہونے کے بعد حرمتِ رضاعت کا حکم	۶۲۵
۴۲۶	نکاح اور تولد کے بعد حرمتِ رضاعت کا علم ہوا	۶۲۶
۴۲۷	ماں کا بچہ کو دودھ پلانا خلافِ اکرام نہیں	۶۲۷

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد چہاردہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

قسم کھانے کا بیان

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	قسم دینے کا حکم	۲۹
۲	بلاضرورت قسم کھانا	۳۰
۳	کیا قسم کھانا جھوٹا ہونے کی علامت ہے؟	۳۱
۴	جھوٹی قسم کھانا	۳۳
۵	جھوٹا حلف	۳۴

۶	غیر اللہ کی قسم کھانا	۳۵
۷	بُت خانہ کی قسم کھانا	۳۷
۸	قرآن پاک کی قسم کھانا	۳۸
۹	قرآن اٹھا کر قسم کھانا	۳۹
۱۰	قرآن پر ہاتھ رکھ کر بات کہنا	۴۱
۱۱	قرآن شریف ہاتھ میں لے کر بات کہنا قسم نہیں	۴۲
۱۲	قرآن کی قسم سچا نہ جاننے والے کا حکم	۴۳
۱۳	قرآن پاک گود میں لے کر وعدہ کا حکم	۴۴
۱۴	مسجد میں نہ جانے کی قسم	۴۵
۱۵	قسم کھائی کہ ''عمر کی چیز نہیں کھائے گا'' پھر اس نے ہبہ کی تو کیا حکم ہے؟	۴۶
۱۶	''اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج''	۴۷
۱۷	قسم کھائی کہ ''فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا'' پھر وہ مر گیا	۴۷
۱۸	''اگر فلاں چیز کھاؤں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں'' ۔نعوذ باللہ۔ کہنے کا حکم	۴۸
۱۹	تحریم الحلال یمین	۴۹
۲۰	استاذ کا قسم کھا کر پھر توڑنا	۵۰
۲۱	نکاح کی قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا	۵۱
۲۲	کسی کے کھانے کو سور کے ساتھ تشبیہ دینا کیا قسم ہے؟	۵۲

فصل فی کفارة الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

۲۳	وعدہ خلافی اور قسم کا کفارہ	۵۳
۲۴	ایضاً	۵۴

۲۵	کفارۂ قسم	۵۵
۲۶	یمینِ غموس میں کفارہ نہیں	۵۶
۲۷	بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ	۵۷
۲۸	اصلاح کا عہد کرکے توڑ دینا	۵۷

باب النذور

(نذر کا بیان)

۲۹	نذر کس طرح منعقد ہوتی ہے؟	۵۹
۳۰	نذر کی تحقیق کرنا	۶۰
۳۱	میلاد شریف پڑھوانے کی نذر باطل ہے	۶۱
۳۲	ایضاً	۶۱
۳۳	حضرت سیدہؓ کی کہانی سننے کی نذر ماننا	۶۲
۳۴	گیہوں تقسیم کرنے کی نذر	۶۴
۳۵	نذر کے جانور میں قربانی کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟	۶۵
۳۶	گائے کو ذبح کرکے دعوت ولیمہ میں کھلانے کی نذر ماننا	۶۶
۳۷	نذرِ معلق کی پیشگی ادائیگی	۶۷
۳۸	بیمار کی صحت کے لئے جانور صدقہ کیا جائے تو اس کی کیا شرط ہے؟	۶۹
۳۹	سہولتِ ولادت کی نذر	۶۹
۴۰	سہولتِ ولادت کے لئے ختمِ قرآن کروانے کی نذر	۷۰
۴۱	ایک مہینہ کے روزہ کی نذر ماننے میں تسلسل ضروری ہے	۷۳
۴۲	پانچ سو روپے مسجد میں دینے کی نذر کرنے سے ایک ہی مسجد میں دے یا الگ الگ میں؟	۷۳
۴۳	امتحان میں پاس ہونے کی نذر ماننا	۷۵

۴۴ گناہ کے ترک کا عہد، پھر اس کے خلاف کرنے پر روزہ کی نیت کرنا........ ۷۷

کتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومايتعلق به

(حدِّ زنا کا بیان)

۴۵ زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط........ ۷۹
۴۶ زنا کی سزا جب کہ امامِ وقت نہ ہو........ ۸۰
۴۷ زنا کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے؟........ ۸۲
۴۸ بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کا حکم........ ۸۴
۴۹ زانی کی سزا، کیا زنا حقوق العباد سے ہے؟........ ۸۴
۵۰ زنا کی سزا........ ۸۷
۵۱ ایضاً........ ۹۱
۵۲ ایضاً........ ۹۲
۵۳ جبراً زنا کی وجہ سے حد........ ۹۳
۵۴ جو شخص لڑکی سے زنا پر اصرار کرے، اس کی ہلاکت کی تدبیر کا حکم........ ۹۴
۵۵ زنا کی معافی کی صورت........ ۹۶
۵۶ طلاق کے بعد عورت کو رکھنے کی سزا........ ۹۶
۵۷ زنا کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے........ ۹۸
۵۸ محض عورت کے بیان سے مرد کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا........ ۹۸
۵۹ کفارۂ زنا........ ۹۹

باب حدّ القذف

(حدِ قذف کا بیان)

۶۰	کسی کو ''حرام زادہ'' کہنا	۱۰۱
۶۱	بلاثبوت کسی کو ''زانی'' اور ''سارق'' کہنا	۱۰۲
۶۲	جھوٹا الزام لگانے کی سزا	۱۰۴
۶۳	افتراء اور بہتان کی سزا	۱۰۴
۶۴	شبہ کی بنا پر تہمت لگانا	۱۰۵
۶۵	زوالِ بکارت کی وجہ سے تہمت	۱۰۶
۶۶	بہو کو سخت لفظ کہنے پر حد	۱۰۷
۶۷	اپنے ولد الحرام ہونے کا اقرار	۱۰۸

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

۶۸	گالی دینے کی سزا	۱۱۰
۶۹	گالی دینا	۱۱۳
۷۰	کسی کو شیطان کہنا	۱۱۴
۷۱	کیا شرعی قوانین عالمِ دین پر بھی لاگو ہیں؟	۱۱۴
۷۲	بدعہدی کرنے والے کا حکم	۱۱۵
۷۳	وطی بہیمہ	۱۱۵
۷۴	بیوی سے وطی فی الدبر کی سزا	۱۱۸

۷۵	بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی عضو کو معطل کر دینا	۱۲۰
۷۶	غیر مسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سزا	۱۲۱
۷۷	اغوا کرنے والے کی سزا، برادری سے ترک تعلق	۱۲۳
۷۸	غیر مسلموں سے تعلق رکھنے پر ترکِ تعلق کی سزا	۱۲۴
۷۹	بیوی کو خطا پر سزا دینا	۱۲۵
۸۰	شوہر کو حقِ تعزیر	۱۲۶
۸۱	بچوں کو تادیباً مارنا	۱۲۶
۸۲	بیوی کو سزا دینے کی حد	۱۲۷
۸۳	بچوں کو سزا دینے کی حد	۱۲۸
۸۴	استاد شاگرد کو کتنا مار سکتا ہے؟	۱۲۸
۸۵	شرک وبدعت کی سزا	۱۳۰
۸۶	انتقام کی صورت	۱۳۲
۸۷	ایضاً	۱۳۳

فصل فی التعزیر بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

۸۸	گناہ پر مالی جرمانہ	۱۳۴
۸۹	مالی جرمانہ لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا	۱۳۵
۹۰	مالی جرمانہ	۱۳۶
۹۱	مالی جرمانہ کا دینی کام میں صَرف کرنا	۱۳۹
۹۲	مالی جرمانہ اور اس کا مصرف	۱۳۹
۹۳	مالی جرمانہ	۱۴۰
۹۴	ایضاً	۱۴۲

۹۵	ایضاً	۱۴۳
۹۶	ایضاً	۱۴۴
۹۷	گورکنی میں شرکت نہ کرنے والے پر جرمانہ	۱۴۶

باب الحدّ بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

۹۸	شراب نوشی کی سزا	۱۵۰

باب القصاص والدّیة

(قصاص اور دیت کا بیان)

۹۹	قتل کی سزا	۱۵۱
۱۰۰	تادیباً مارنے سے موت واقع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟	۱۵۲
۱۰۱	ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہونے والے کی دیت	۱۵۲

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

۱۰۲	ادائے شہادت جب کہ صحیح فیصلہ کی توقع نہ ہو	۱۵۴

كتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

۱۰۳	لقطہ کی تفصیل	۱۵۶

۱۰۴	دھوکہ میں کسی کا سامان اٹھانے کا حکم	۱۵۸
۱۰۵	پرانے کپڑوں سے سوروپیہ کا نوٹ ملا، اسے کیا کیا جائے؟	۱۶۰
۱۰۶	لقطہ میں تصرف	۱۶۱
۱۰۷	لقطہ کا خود استعمال کرنا	۱۶۱
۱۰۸	لقطہ سے تجارت کرنا	۱۶۳
۱۰۹	لقطہ کا صدقہ کرنا	۱۶۴
۱۱۰	لقطہ کا خریدنے کے بعد استعمال کرنے کا حکم	۱۶۴
۱۱۱	ڈیڑھ سال تک لقطہ کا مالک نہ آئے تو کیا کیا جائے؟	۱۶۵
۱۱۲	لقطۂ مسجد کا حکم	۱۶۶
۱۱۳	بکری کا لقطہ	۱۶۷
۱۱۴	بھینس کا لقطہ	۱۶۸
۱۱۵	چیل سے مرغی کا بچہ گرا، اس کو کیا کیا جائے؟	۱۷۰
۱۱۶	سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کا استعمال	۱۷۱
۱۱۷	خوفِ دشمن سے جو مال چھوڑ کر چلا جائے، اس کا حکم	۱۷۱
۱۱۸	جو شخص پاکستان چلا گیا اس کے سامان اور مکان کا حکم	۱۷۲
۱۱۹	پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ	۱۷۴
۱۲۰	مالک نے کہا کہ "باغ کا جو پھل جو لے وہ اسی کا ہے"	۱۷۵
۱۲۱	کسی کے درخت سے گرا ہوا پھل اٹھانا	۱۷۵

كتاب الشركة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

۱۲۲	دو آدمیوں کا فیکٹری سے کام لینے میں شرکت اور خاندان کے دیگر افراد کا اس شرکت میں حکم	۱۷۶

۱۲۳	قبضہ کی جائیداد میں شرکت کی ایک صورت	۱۸۱
۱۲۴	شرکت میں نقصان ایک شریک پر ڈالنا	۱۸۲
۱۲۵	ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصہ کو فروخت کرنا	۱۸۳
۱۲۶	زمین کے بٹوارہ میں شرکاء کو کم وزیادہ حصہ دینا	۱۸۵
۱۲۷	قرض یا شرکت میں معاملہ کی پابندی	۱۸۶
۱۲۸	بلا اجازتِ شرکاء ایک شریک کا مشترکہ زمین میں کاشت کرنا	۱۸۹
۱۲۹	مشترکہ آمدنی سے بچا کر روپیہ الگ رکھنا اور اس سے مکان خریدنا	۱۹۰
۱۳۰	استفتاء متعلق سوال بالا	۱۹۲
۱۳۱	ہوٹل کے ایک شریک کا اپنے دوستوں کو مشترکہ کھانا کھلانا	۱۹۵
۱۳۲	ایک شریک کا مشترکہ مکان سے نفع اٹھانا	۱۹۶
۱۳۳	کارخانہ میں بیس فیصد نقصان برداشت کرنے کی شرط لگانا	۱۹۸
۱۳۴	مکانِ مشترک کے پرانے کواڑوں کو اپنے کام میں لانا	۱۹۹
۱۳۵	مشترکہ زمین پر کسی حصہ دار کا مکان تعمیر کرنا	۲۰۰
۱۳۶	کاشت میں ایک بھائی کا نام درج ہے، کام سب کا مشترک ہے	۲۰۳
۱۳۷	دو بھائیوں نے یکجا محنت سے جائیداد کمائی تو وہ باپ کی ملک ہے	۲۰۴
۱۳۸	زمین، دوکان وگھوڑی میں شرکت کی ایک صورت	۲۰۵
۱۳۹	مچھلی کے شکار میں شرکت	۲۱۰
۱۴۰	ایضاً	۲۱۲
۱۴۱	مسلم اور غیر مسلم کا مائک وگراموفون مشترک خریدنا	۲۱۳
۱۴۲	نیلام در نیلام	۲۱۵
۱۴۳	مضارب کے لئے تنخواہ	۲۱۷
۱۴۴	شرکت و انعام	۲۱۷

۱۴۵	ایک شریک کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم نہ کرنا	۲۱۸
۱۴۶	خیانت کر کے مضارب نے مکان خریدا، اب وہ مکان کس کا ہوگا؟	۲۲۰
۱۴۷	ایک شریک کا تنخواہ لینا	۲۲۳
۱۴۸	کیا مضارب نفع میں شریک ہے، نقصان میں نہیں؟	۲۲۶
۱۴۹	جانوروں کی مضاربت میں شرکت	۲۲۷

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

۱۵۰	تمام جائیداد وقف کر دینا	۲۳۱
۱۵۱	واقف کا جائیدادِ وقف سے خود نفع اٹھانے کی شرط لگانا	۲۳۳
۱۵۲	واقف کو شرائطِ وقف میں تغیر وتبدل کا اختیار	۲۳۵
۱۵۳	ایک وقف نامہ کی تنقیح	۲۳۶
۱۵۴	غیر مملوک زمین کو وقف کرنا	۲۳۷
۱۵۵	ایضاً	۲۳۸
۱۵۶	دوسرے کی ملک کو وقف کرنا	۲۳۹
۱۵۷	زمین وقف کر کے دوسرے شخص کو اس کی تملیک کرنا	۲۴۰
۱۵۸	وقفِ مشترک	۲۴۳
۱۵۹	کیا مشترکہ جائیداد میں سے کوئی شریک اپنا حصہ وقف کر سکتا ہے؟	۲۴۵

۱۶۰	شریکِ وقف کی علیحدگی ہونے پر اس کی رقم کی واپسی	۲۴۶
۱۶۱	تعلیمِ دین کے لئے وقف عمدہ ہے	۲۴۸
۱۶۲	وقف کے لئے قبضہ کی شرط نہیں	۲۴۹
۱۶۳	وقف کے لئے منجز ہونا ضروری ہے	۲۵۰
۱۶۴	وقفِ معلق یا منجز	۲۵۳
۱۶۵	وقف علی اللہ میں سے کچھ حصہ حق الخدمت کے لئے مقرر کرنا	۲۵۵
۱۶۶	قاضی کے لئے زمین وقف کرنا	۲۵۶
۱۶۷	وقف زمین میں اکھاڑہ	۲۵۸
۱۶۸	وقف مرض الموت میں نہیں ہے تو وقف ہے	۲۵۹
۱۶۹	غیر آباد مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کا تبادلہ	۲۶۱
۱۷۰	وقف معلق بالموت کی بیع جائز ہے یا نہیں؟	۲۶۲
۱۷۱	جبراً وقف کرانا	۲۶۳
۱۷۲	نابالغ کا وقف	۲۶۵
۱۷۳	نابالغ کا وقف معتبر نہیں	۲۶۵
۱۷۴	وعدۂ وقف پر ووٹ دینا	۲۶۷
۱۷۵	وقف کے لئے رجسٹری ضروری نہیں	۲۶۷
۱۷۶	وقف منقول علی الاولاد	۲۶۸
۱۷۷	حسبِ حصص وقف علی النفس وعلی الاولاد	۲۷۰
۱۷۸	وقفِ مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اولاد پر	۲۷۲
۱۷۹	یہ دعویٰ کرنا کہ ’’چند کمرے خاص قبیلے کے لئے وقف ہیں‘‘	۲۷۴
۱۸۰	غیر مسلم کا مسجد کے لئے وقف کرنا	۲۷۶
۱۸۱	مسجد کے لئے قادیانی کا وقف	۲۷۷

۱۸۲ رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا ۲۷۹

۱۸۳ کیا وقف کے لئے افراز عن الملک کافی ہے، یا نماز با جماعت بھی ضروری ہے؟ ۲۷۹

۱۸۴ ذاتی عداوت کی وجہ سے وقف کی آمدنی کو روکنا ۲۸۰

۱۸۵ وقف کو منسوخ کرنا ۲۸۳

۱۸۶ ضلعی انجمن کی تقسیم ۲۸۵

۱۸۷ کسٹوڈین اگر جائیدادِ مقبوضہ کو واپس کردے تو اس کا حکم ۲۸۶

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

۱۸۸ وقف کو بدلنا ۲۸۸

۱۸۹ استبدالِ وقف ۲۹۰

۱۹۰ خستہ حال مکان کے بدلے دوسرا مکان خریدنا ۲۹۲

۱۹۱ ایضاً ۲۹۳

۱۹۲ تتمۂ سوال بالا ۲۹۹

۱۹۳ مسجد کے نام وقف زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا ۳۰۰

۱۹۴ مسجد کی موقوفہ زمین کو بدلنا ۳۰۱

۱۹۵ مسجد کے لئے وقف کردہ شی کا ردو بدل کرنا ۳۰۱

۱۹۶ ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ منتقل کرنا ۳۰۲

۱۹۷ مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا ۳۰۴

۱۹۸ مدرسہ کے لئے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا ۳۰۴

۱۹۹ جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد یا اور کسی کارِ خیر کے لئے وقف کرنا ۳۰۶

۲۰۰ مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی صورت ۳۰۹

۲۰۱	فیضِ عام کے لئے وقف شدہ زمین کو مسجد کے لئے منتقل کرنا	۳۱۰
۲۰۲	بیر موقوفہ کا سامان نئی تعمیر میں	۳۱۱
۲۰۳	جو زمین مزار کے لئے وقف ہے، اس کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا	۳۱۲
۲۰۴	ایضاً	۳۱۲
۲۰۵	ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ صرف کرنا	۳۱۳
۲۰۶	ایک وقف کو دوسری جگہ خرچ کرنا	۳۱۵
۲۰۷	مسجد کے لئے وقف زمین کو فروخت کر کے مدرسہ میں لگانا	۳۱۶
۲۰۸	موقوفہ زمین کی بیع	۳۱۷
۲۰۹	وقف کی بیع بشرطِ اقالہ	۳۱۸
۲۱۰	دوسری جائیداد خریدنے کے لئے موقوفہ جائیداد فروخت کرنا	۳۲۱
۲۱۱	وقف کے مصارف اور اس کی بیع	۳۲۲
۲۱۲	وقفِ مشاع، مسجد کے تیل کی بیع	۳۲۳
۲۱۳	آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وقف کی زمین فروخت کرنا	۳۲۵
۲۱۴	آمدنی کم ہونے پر مکانِ موقوفہ کی بیع	۳۲۶
۲۱۵	مسجد کا کوئی حصہ قوالی کے لئے خالی کرنا، یا اپنی ملک قرار دے کر عوض میں دوسری جگہ دینا	۳۲۷
۲۱۶	مسجد کے وقف مکان کی بیع	۳۳۰
۲۱۷	جس زمین کو مسجد بنانے کی وصیت کی گئی ہو، اس کو دوسرے مقاصد میں استعمال کرنا	۳۳۱
۲۱۸	مسجد آباد توڑ کر عیدگاہ بنانا	۳۳۲
۲۱۹	مسجد کو عیدگاہ بنانا	۳۳۳
۲۲۰	مسجد کی زمین پر عیدگاہ	۳۳۶
۲۲۱	مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا	۳۳۸
۲۲۲	مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا	۳۴۰

۲۲۳ جائے نماز مسجد میں دینے کے بعد ملکیت ختم ہوگئی ۳۴۰

باب ولایة الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

۲۲۴ متولی کے فرائض ۳۴۲
۲۲۵ متولی کے اختیارات ۳۴۳
۲۲۶ متولی کے معزول کرنے کے اسباب ۳۴۳
۲۲۷ تولیتِ وقف کی تعیین ۳۴۴
۲۲۸ متولی وقف کیسا ہونا چاہیے؟ ۳۴۷
۲۲۹ مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟ ۳۴۸
۲۳۰ متولی مسجد اگر غافل یا خائن ہو تو کیا کیا جائے؟ ۳۴۹
۲۳۱ کیا وقف کا متولی خود واقف ہوسکتا ہے؟ ۳۵۱
۲۳۲ بے نمازی کا متولی مسجد ہونا ۳۵۱
۲۳۳ متولی کا قومِ واقف سے ہونا ۳۵۲
۲۳۴ زبانی وقف اور خاندانِ واقف کا متولی ہونا ۳۵۳
۲۳۵ بانی کے اہلِ خاندان تولیت کے زیادہ حقدار ہیں ۳۵۴
۲۳۶ مسجد کی تولیت میں وراثت ۳۵۵
۲۳۷ جو متولی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے، اس کا حکم ۳۵۷
۲۳۸ متولی کا شرائطِ واقف کے خلاف عمل ۳۵۸
۲۳۹ ذمہ داری پوری نہ کرنے پر متولی کی علیحدگی ۳۵۹
۲۴۰ جو متولی وقف کو فروخت کرے، وہ مستحقِ عزل ہے ۳۶۰
۲۴۱ متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے، تو اس کی برطرفی ۳۶۱

۲۴۲	ایضاً	۳۶۲
۲۴۳	ایک متولی کے مظالم	۳۶۳
۲۴۴	متولی کا اپنے آپ کو رجسٹری کرالینا	۳۶۹
۲۴۵	جدید متولی کا امام کو پریشان کرنا	۳۷۰
۲۴۶	غیر مسلم کو درگاہ اور مسجد کا متولی بنانا	۳۷۰
۲۴۷	بلا اجازتِ متولی جنگل کو نیلام اور مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کرنا	۳۷۲
۲۴۸	کمیٹی کے ایک آدمی کا تنہا مسجد میں تصرف	۳۷۴
۲۴۹	واقف کا متولی کو تبدیل کرنا	۳۷۵
۲۵۰	بغیر اجازتِ متولی امامت کرنا	۳۷۶
۲۵۱	بغیر اجازتِ متولی مسجد میں رہنا	۳۷۶
۲۵۲	مرمتِ مسجد بلا اذنِ متولی	۳۷۷
۲۵۳	شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے انتظام لے لینا	۳۷۸
۲۵۴	مسجد کی اشیاء چوری ہوئیں تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟	۳۷۸
۲۵۵	اولادِ واقف کو انتظام میں دخل دینے کا حق	۳۸۰
۲۵۶	مزار کی حفاظت کا طریقہ اور اس کے محافظ کا وظیفہ	۳۸۲

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

۲۵۷	مسجدِ کبیر کی تعریف	۳۸۴
۲۵۸	مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف	۳۸۴
۲۵۹	حدِ مسجد	۳۸۵
۲۶۰	مسجد ہونے کا حکم کب ہوگا؟	۳۸۶

۲۶۱	کیا بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم ہوجائے گا؟	۳۸۸
۲۶۲	مسجد کی بنیاد رکھنے سے حکمِ مسجد	۳۸۹
۲۶۳	مسجد کیسے مسجد بن جاتی ہے؟	۳۹۱
۲۶۴	اذان وجماعت کی اجازت سے اس جگہ کا مسجد بن جانا	۳۹۲
۲۶۵	جب مالک کی اجازت سے اذان وجماعت ہونے لگی، پس وہ مسجد بن گئی	۳۹۳
۲۶۶	بانیٔ مسجد کون ہے؟	۳۹۶
۲۶۷	مسجد کا بانیٔ اول اور بانیٔ دوم	۳۹۶
۲۶۸	بغیر صریح وقف کے اذان وجماعت کی اجازت سے بھی مسجد بن جاتی ہے	۳۹۶
۲۶۹	عارضی ضرورت کے لئے بنی ہوئی مسجد کا حکم	۳۹۷
۲۷۰	مسجد میں آتشزدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی	۳۹۸
۲۷۱	مسجد کا نام ''مسجدِ حرم'' رکھنا	۴۰۱
۲۷۲	غیر آباد مسجد کو محفوظ کرنے کی صورت	۴۰۱
۲۷۳	مسجد کے وضوخانہ اور استنجا خانہ کی چھت کا حکم	۴۰۳

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميره

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

۲۷۴	مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دعاء	۴۰۵
۲۷۵	بضرورت نئی مسجد بنانا	۴۰۵
۲۷۶	نئی آبادی میں نئی مسجد بنانا	۴۰۷
۲۷۷	مالک کی اجازت سے اس کی زمین میں مسجد بنانا	۴۰۸
۲۷۸	ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟	۴۰۹
۲۷۹	مسجد قدیم میں پنجوقتہ نماز ہو اور جمعہ کے لئے مستقل مسجد بنانا	۴۱۰

۲۸۰	اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد مشترکہ زمین میں بنانا..........	۴۱۱
۲۸۱	دفعِ نزاع کے لئے دو مسجدیں بنانا..........	۴۱۲
۲۸۲	گھر کو مسجد بنا دینا..........	۴۱۳
۲۸۳	غیر مسلم سے مسجد ومدرسہ کی بنیاد رکھوانا..........	۴۱۵
۲۸۴	نئی تعمیر میں مسجد کا فرش اونچا رکھ کر نیچے تہہ خانہ بنا دیا، تو نماز کہاں پڑھی جائے؟..........	۴۱۶
۲۸۵	اختلافِ مکتبِ فکر کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا..........	۴۱۹
۲۸۶	عاشورہ خانہ کو مسجد بنانا..........	۴۲۰
۲۸۷	سڑک پر مسجد کی ڈاٹ اور دو منزلہ مسجد..........	۴۲۰
۲۸۸	محلہ میں مسجد تعمیر ہونے کے بعد نماز کہاں ادا کی جائے؟..........	۴۲۳

الفصل الثانی فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

۲۸۹	مسجدِ ضرار..........	۴۲۵
۲۹۰	ذاتی اغراض کی وجہ سے قدیم آباد مسجد کو مسجد ضرار کہہ کر ویران کرنا..........	۴۲۷
۲۹۱	نئی مسجد، مسجد ضرار نہیں..........	۴۲۹
۲۹۲	نزاع سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا، کیا وہ مسجد ضرار ہے؟..........	۴۳۱
۲۹۳	بلاضرورت دوسری مسجد بنائی گئی، تو کیا وہ مسجدِ ضرار ہے؟..........	۴۳۳
۲۹۴	بلاضرورت دوسری مسجد بنانا..........	۴۳۴
۲۹۵	خاندانی اعزاز کے لئے بلاضرورت مسجد بنانا..........	۴۳۷
۲۹۶	جدید مسجد بنانا جس سے قدیم مسجد کو نقصان پہونچے..........	۴۳۸
۲۹۷	ایک مسجد کی ضد میں دوسری مسجد بنانا..........	۴۴۱
۲۹۸	پرانی مسجد کو چھوڑ کر مقابلہ میں نئی مسجد بنانا..........	۴۴۱

۲۹۹ مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجدِ ضرار کہنا ۴۴۴

الفصل الثالث فی المحراب و المنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

۳۰۰ مسجد میں محراب کا حکم ۴۴۶
۳۰۱ محراب بنانے میں انہدامِ مسجد کا خطرہ ہو تو کیا کرے؟ ۴۴۷
۳۰۲ دیوارِ پشت اور درمیانی محراب کا حکم ۴۴۸
۳۰۳ مسجد کے محراب میں طاق بنانا ۴۴۹
۳۰۴ محرابِ مسجد بھی داخلِ مسجد ہے ۴۵۰
۳۰۵ محرابِ مسجد کو منتقل کرنا ۴۵۰
۳۰۶ منبر کا مقام اور اس کی کیفیت ۴۵۱
۳۰۷ مسجد میں مینارہ ۴۵۴

الفصل الرابع فی بیع المسجد و أوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

۳۰۸ مسجد کی زمین کی بیع ۴۵۶
۳۰۹ وقف مسجد کا فروخت کرنا ۴۵۸
۳۱۰ مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع کرنا ۴۵۹
۳۱۱ زیادہ آمدنی کی توقع پر مسجد کی زمین فروخت کرنا ۴۶۰
۳۱۲ مسجد کے لئے وقف خطۂ زمین کو فروخت کرنا ۴۶۲
۳۱۳ اراضیٔ مسجد پر قبضہ کے اندیشہ سے ان کو فروخت کر کے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی بنانا ۴۶۳
۳۱۴ مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی زمین کو فروخت کرنا ۴۶۴
۳۱۵ مسجد کی نیت سے چھوڑی ہوئی زمین میں تصرف درست نہیں ۴۶۵

۳۱۶	کسی کے نام ہونے سے وقف میں فرق نہیں آتا، مسجد کی دوکان قرض میں دینا................	۴۶۷
۳۱۷	بچی ہوئی موم بتی بیچ کر امام کی تنخواہ وغیرہ میں لگانا................	۴۶۸
۳۱۸	مسجد کے درخت کا پھل فروخت کرنا................	۴۶۸
۳۱۹	زائد سامانِ مسجد کو فروخت کرنا................	۴۷۰
۳۲۰	مسجد کا سامان فروخت کرنا................	۴۷۰
۳۲۱	ایضاً................	۴۷۱
۳۲۲	پرانی مسجد کے سامان کو فروخت کرنا اور حجرۂ امام میں صرف کرنا................	۴۷۲
۳۲۳	انہدامِ مسجد پر اس کی اشیاء کی بیع................	۴۷۴
۳۲۴	نقائضِ مسجد کی بیع................	۴۷۵
۳۲۵	مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنا................	۴۷۶
۳۲۶	مسجد کے فرش کے ملبہ کا نیلام اور استعمال................	۴۷۷
۳۲۷	مسجد میں دی ہوئی اشیاء کو بار بار نیلام کرنا................	۴۷۷
۳۲۸	مسجد کے تیل کو فروخت کرنا................	۴۷۸
۳۲۹	ایضاً................	۴۷۸
۳۳۰	مسجد ویران ہونے پر اس کی جائیداد اور سامان کو بیچنے اور رہن رکھنے کا حکم................	۴۷۹
۳۳۱	غیر آباد مسجد کی بنیاد کا مصرف................	۴۸۷
۳۳۲	غیر آباد مسجد کو فروخت کرنا................	۴۸۸
۳۳۳	غیر آباد مساجد کو کرایہ پر دینا، یا اس کے سامان کو فروخت کرنا................	۴۸۹

الفصل الخامس فی المسجد القدیم

(پرانی مسجد کا بیان)

۳۳۴	پرانی مسجد کو گرا کر نئی مسجد تعمیر کرنا................	۴۹۱

۳۳۵	ویران ہوجانے کے بعد مسجد کا حکم	۴۹۲
۳۳۶	مسجد ویران ہونے پر دوسری مسجد بنانا	۴۹۳
۳۳۷	مکانات کے فروخت کرنے سے ویران مسجد کا حکم	۴۹۵
۳۳۸	پرانی مسجد کو گرانا	۴۹۶
۳۳۹	پرانی مسجد کو آباد کرنا	۴۹۷
۳۴۰	مسجد قدیم کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانا	۴۹۸
۳۴۱	پرانی مسجد کی اینٹیں، پتھر، جوتے رکھنے کی جگہ لگانا	۴۹۹
۳۴۲	پرانی مسجد چھوڑ کر نئی مسجد میں جانا	۵۰۰

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

۳۴۳	مسجد کی توسیع	۵۰۲
۳۴۴	توسیعِ مسجد کی ایک صورت	۵۰۳
۳۴۵	بلاضرورت توسیعِ مسجد کے لئے برآمدہ کو مسجد میں داخل کرنا	۵۰۵
۳۴۶	مسجد کے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا	۵۰۶
۳۴۷	مسجد کے متصل قبروں کو مسجد میں شامل کرنا	۵۰۷
۳۴۸	صحنِ مسجد سے متصل قبروں کا حکم	۵۰۸
۳۴۹	مسجد کے صحن میں توسیع کے لئے قبر کو داخلِ مسجد کرنا	۵۰۹
۳۵۰	مسجد میں قبریں شامل کرنا	۵۱۰
۳۵۱	مزار کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا	۵۱۲
۳۵۲	توسیع کے لئے کچھ راستہ مسجد میں لے لینا	۵۱۳
۳۵۳	راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کرنا	۵۱۴

۳۵۴	توسیع مسجد کے لئے پڑوسی کی زمین لینا....................................	۵۱۵
۳۵۵	مسجد کوراستہ بنا کر مسجد کے لئے دوسری جگہ لینا....................................	۵۱۷
۳۵۶	سڑک کی توسیع میں مسجد کا نصف حصہ دے دینا....................................	۵۱۷
۳۵۷	توسیعِ مسجد کے لئے حکومت سے امداد....................................	۵۱۹
۳۵۸	ضرورتِ مسجد کے لئے صحن کے درخت کاٹ دینا....................................	۵۲۰

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

۳۵۹	مسجد کی خالی جگہ میں دوکان بنانا....................................	۵۲۲
۳۶۰	نیچے دوکانیں اوپر مسجد....................................	۵۲۳
۳۶۱	ایضاً....................................	۵۲۴
۳۶۲	نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ....................................	۵۲۶
۳۶۳	دیوارِ مسجد میں دوکان کی الماری بنانا....................................	۵۲۸
۳۶۴	حفاظت وبقائے مسجد کے لئے صحنِ مسجد میں دکانیں بنانا....................................	۵۲۸
۳۶۵	مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا....................................	۵۳۰
۳۶۶	مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا....................................	۵۳۲
۳۶۷	مسجد کا کچھ حصہ چھوڑ دینا....................................	۵۳۳
۳۶۸	مسجد کی چھت سے بجلی کے تار گذروانا....................................	۵۳۴
۳۶۹	مدرسہ والوں کے لئے آنے جانے کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار میں دروازے بنانا...	۵۳۴
۳۷۰	مسجد کی چھت پر مائیک کی حفاظت کے لئے حجرہ بنانا....................................	۵۳۵
۳۷۱	مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کے لئے الماری بنوانا....................................	۵۳۶
۳۷۲	دیوارِ مسجد کی مرمت کی بجائے سائبان بنانا....................................	۵۳۶
۳۷۳	احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ بنانا....................................	۵۳۷
۳۷۴	مسجد کے اندر رہنے یا دفتر وغیرہ کے لئے کمرہ بنانا....................................	۵۴۰

۳۷۵	مسجد میں وضو کی جگہ بنانا..............................	۵۴۰
۳۷۶	مسجد سے متعلق بیت الخلاء..............................	۵۴۱
۳۷۷	مسجد سے متصل بیت الخلاء..............................	۵۴۳
۳۷۸	مسجد کے قریب بیت الخلاء بنانا..............................	۵۴۴
۳۷۹	مسجد سے متعلق جگہ میں بیت الخلاء بنانا..............................	۵۴۵
۳۸۰	وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ..............................	۵۴۶
۳۸۱	مسجد کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ..............................	۵۴۷
۳۸۲	مسجد کے حُجرے پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے کو نکالنا..............................	۵۴۸
۳۸۳	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کو امام کا اپنے نام کرالینا..............................	۵۴۸
۳۸۴	مسجد کی زمین پر مالکانہ قبضہ..............................	۵۴۹
۳۸۵	مسجد کی زمین میں امام کا حجرہ بنانا..............................	۵۵۰
۳۸۶	ایک مسجد کی زمین پر دوسری مسجد بنانا..............................	۵۵۰
۳۸۷	مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ اور رہائشی مکان..............................	۵۵۲
۳۸۸	مسجد کمیٹی کی ناخوشی کے باوجود ایسا کرنا..............................	۵۵۲
۳۸۹	صحنِ مسجد میں کنواں بنانا..............................	۵۵۳
۳۹۰	پرنالہ دوسرے کی جگہ میں، اور مسجد کی دیوار میں ایسا تصرف جس سے کسی کی بے پردگی ہو.....	۵۵۵
۳۹۱	مسجد میں ادھار لگائی ہوئی اینٹوں کی واپسی..............................	۵۵۷

الفصل الثامن فی السکونة فی المسجد

(مسجد میں رہائش اختیار کرنے کا بیان)

۳۹۲	مسجد کے بالائی حصہ پر امام صاحب کا کمرہ بنانا..............................	۵۵۹
۳۹۳	جس کوٹھری کی چھت کو مسجد بنالیا گیا اس میں رہائش کا حکم..............................	۵۶۰

۳۹۴	امام سابق ضعیف العمر کا تعاون اور مکانِ مسجد میں ان کی رہائش........................	۵۶۱
۳۹۵	مسجد کی کوٹھڑی میں عورت کو رکھنا........................	۵۶۲
۳۹۶	امام کا اہل وعیال ومویشی کو مسجد میں رکھنا........................	۵۶۳
۳۹۷	بوقتِ ضرورت مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنانا کیسا ہے؟........................	۵۶۴
۳۹۸	آمدنی کے لئے کرایہ لے کر مسجد کی چھت پر مسافروں کو ٹھہرانا........................	۵۶۵
۳۹۹	ضرورتِ مسجد کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کرنا........................	۵۶۵
۴۰۰	حجرۂ امام کا شہتیر جدارِ مسجد پر........................	۵۶۷

الفصل التاسع فی انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

۴۰۱	مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا........................	۵۶۹
۴۰۲	مسجد کو منتقل کرنا........................	۵۷۰
۴۰۳	ایضاً........................	۵۷۲
۴۰۴	مسجد کا تبادلہ........................	۵۷۳
۴۰۵	پرانی مسجد کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا........................	۵۷۴
۴۰۶	ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا........................	۵۷۶
۴۰۷	نقشۂ اوقاتِ نماز ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنا........................	۵۷۶
۴۰۸	مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگانا........................	۵۷۸
۴۰۹	ایک مسجد کا پنکھا دوسری مسجد میں دینا........................	۵۷۸
۴۱۰	پرانی مسجد توڑ کر اس کا سامان نئی مسجد میں لگانا، یا فروخت کرنا........................	۵۷۹
۴۱۱	پرانی مسجد کے گر کر بہہ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی اینٹ وغیرہ سے دوسری مسجد بنانا........................	۵۸۰

۴۱۲	دریابُرد گاؤں کی مسجد کا سامان کس مسجد میں استعمال کیا جائے؟	۵۸۰
۴۱۳	حویلی کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لے جانے کا حکم	۵۸۱
۴۱۴	مسجد کے پرانے سامان کا مصرف	۵۸۳
۴۱۵	مسجد کا قرآن دوسری جگہ لے جانا	۵۸۵
۴۱۶	مسجد کا قرآن گھر لا کر قیمت ادا کرنا	۵۸۵
۴۱۷	مسجد کے قرآن پاک وغیرہ مدرسہ میں استعمال کرنا	۵۸۶
۴۱۸	چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں لے جانا	۵۸۷
۴۱۹	ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا	۵۸۷
۴۲۰	مسجد کی چیز مدرسہ کے لئے اور مدرسہ کی چیز مسجد کے لئے استعمال کرنا	۵۸۸
۴۲۱	مسجد غیر آباد ہو جائے تو اس پر وقف زمین کی آمدنی کا حکم	۵۸۹
۴۲۲	غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا	۵۹۰
۴۲۳	نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد اور اس کے وقف کا حکم	۵۹۲

الفصل العاشر في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

۴۲۴	مسجد کو مدرسہ بنانا	۵۹۴
۴۲۵	تعلیم دینے کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا جانا	۵۹۵
۴۲۶	مسجد کے دالان میں مدرسہ	۵۹۵
۴۲۷	مسجد کے دالان کو دفتر انجمن بنانا	۵۹۶
۴۲۸	مسجد کے پیچھے مدرسہ بنانا	۵۹۸
۴۲۹	صحنِ مسجد کو مدرسہ کے لئے لینا	۵۹۹

۴۳۰	مسجد کی جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا	۶۰۱
۴۳۱	تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا	۶۰۲
۴۳۲	مسجد میں غیر شرعی لباس کے ساتھ دینوی مخلوط تعلیم	۶۰۳
۴۳۳	مسجد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینا	۶۰۴
۴۳۴	مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا	۶۰۶
۴۳۵	مسجد کے ایک حصہ میں بچوں کی تعلیم	۶۰۷
۴۳۶	نیچے مدرسہ اوپر مسجد	۶۰۸
۴۳۷	مسجد کی جگہ پر نیچے مدرسہ اوپر مسجد	۶۰۹
۴۳۸	مسجد میں تعلیم کی حدود	۶۱۱

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرائے پر دینے کا بیان)

۴۳۹	مسجد کی وقف زمین کو کرایہ پر دینا	۶۱۳
۴۴۰	مسجد کی کرسی اونچی کر کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا	۶۱۳
۴۴۱	قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس کی جگہ دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا	۶۱۵
۴۴۲	مسجد پر بورڈ لگا کر کرایہ وصول کرنا	۶۱۵
۴۴۳	کسی حصۂ مسجد کو ذریعۂ آمدنی بنانا	۶۱۶
۴۴۴	صحنِ مسجد سے درخت کاٹ کر برآمدہ برائے کرایہ بنانا	۶۱۷
۴۴۵	حوض کی جگہ کرایہ کے لئے دوکان بنانا	۶۱۸
۴۴۶	مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لئے دوکان بنانا	۶۱۹
۴۴۷	مسجد کی جگہ سینما کے بورڈ کے لئے کرایہ پر دینا	۶۲۰
۴۴۸	سودی کاروبار کے لئے مسجد کی دوکان کرایہ پر لینا	۶۲۱

۴۴۹	مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے برتنوں کو کرایہ پر دینا	۶۲۱
۴۵۰	ناجائز فعل کے لئے کرایہ پر برتن دے کر مسجد پر خرچ کرنا	۶۲۲
۴۵۱	مسجد کی اشیاء عاریت پر دینا	۶۲۳

الفصل الثانی عشر فی استعمال أشیاء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

۴۵۲	مسجد کی چیزوں کا ذاتی کام میں استعمال کرنا	۶۲۴
۴۵۳	مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں استعمال کرنا	۶۲۴
۴۵۴	مسجد کا مصلی، لوٹا باہر لے جا کر استعمال کرنا	۶۲۵
۴۵۵	مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے مخصوص کرنا	۶۲۵
۴۵۶	مسجد کا کوئی لوٹا اپنے لئے خاص کرنا	۶۲۶
۴۵۷	مسجد کا لوٹا اور جگہ مخصوص کرنا	۶۲۷
۴۵۸	مسجد کی اشیاء کا امام ومؤذن کے لئے استعمال	۶۲۸
۴۵۹	حجرۂ مسجد میں رہائش اور کتابت	۶۲۹
۴۶۰	دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا	۶۲۹
۴۶۱	مسجد کی الماری میں اپنا تجارتی سامان رکھنا	۶۳۰
۴۶۲	مسجد میں دینی کتابیں وغیرہ رکھنا	۶۳۱
۴۶۳	مسجد کی کتاب کو مکان میں رکھ کر مطالعہ کرنا	۶۳۱
۴۶۴	مسجد کا تیل یا ڈھیلا اپنے ساتھ لے جانا	۶۳۲
۴۶۵	حمام کے کوئلہ سے امام کو چائے بنانا	۶۳۳
۴۶۶	متولی کی اجازت سے مسجد کا تیل امام ومؤذن کے لئے	۶۳۳
۴۶۷	مسجد کا تیل امام کے لئے	۶۳۳

۴۶۸	مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا........................	۶۳۵
۴۶۹	مسجد کا کنواں، نل، ڈول رسی استعمال کرنا........................	۶۳۶
۴۷۰	مسجد کے چراغ میں اپنا وظیفہ پڑھنا........................	۶۳۷
۴۷۱	مسجد میں چراغ کب تک جلے؟........................	۶۳۷
۴۷۲	مسجد کا چراغ کب تک جلے اور فرش کب تک بچھے؟........................	۶۳۸
۴۷۳	مسافر کے لئے مسجد کی چٹائی کا استعمال کرنا........................	۶۳۹
۴۷۴	تبلیغی جماعت کے لئے اشیائے مسجد کا استعمال........................	۶۳۹
۴۷۵	بجلی کا ہیٹر اپنی ضروریات یا تلاوت کے لئے استعمال کرنا........................	۶۴۲
۴۷۶	بجلی کا پنکھا غیر اوقاتِ نماز میں چالو کرنا........................	۶۴۳
۴۷۷	مسجد میں بجلی کا پنکھا........................	۶۴۴
۴۷۸	مسجد کے پنکھے کا استعمال........................	۶۴۴
۴۷۹	غسل خانہ وغیرہ میں روشنی کا انتظام........................	۶۴۶
۴۸۰	مسجد کی بجلی دوسرے کو دینا........................	۶۴۷
۴۸۱	مسجد کی جائے نماز وغیرہ کا محافظ کون ہے؟ اور تقریبات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں...	۶۴۷
۴۸۲	مسجد کا سامان اور مکان جو استعمال کرے وہ کرایہ دے........................	۶۴۹
۴۸۳	مسجد کی چھت سے گری ہوئی لکڑی کو پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرنا........................	۶۴۹
۴۸۴	مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا........................	۶۵۰
۴۸۵	بے نمازیوں کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا........................	۶۵۱
۴۸۶	مسجد کی سیڑھی وغیرہ اپنے گھر لے جا کر استعمال کرنا........................	۶۵۲
۴۸۷	مسجد کا سامان مانگنا........................	۶۵۳
۴۸۸	مسجد کے ٹانکہ سے محلہ والوں کا پانی لے جانا........................	۶۵۴
۴۸۹	مسجد کے نل سے اہلِ محلہ کا پانی لے جانا........................	۶۵۵

۴۹۰	درختِ مسجد کے پھل کا استعمال	۶۵۵
۴۹۱	مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے مسجد میں اعلان آویزاں کرنا	۶۵۶
۴۹۲	مسجد کے صحن میں کاروباری اشتہار	۶۵۷
۴۹۳	نقشۂ افطار وسحر میں دوکان کا اشتہار	۶۵۷

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد پانزدہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب الوقف	
	الفصل الثالث عشر فی مکبّر الصوت	
	(مسجد میں لاؤڈ اسپیکر اور اس کے استعمال کا بیان)	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حدیث پاک سنانا	۳۰
۲	غفلت کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر حدیث سنانا	۳۱
۳	تبلیغ اور گم شدہ بچے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے	۳۱
۴	وعظ میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا	۳۲
۵	ماہ مبارک میں رات کو مسجد کے مائک پر نظم وغیرہ پڑھنا	۳۳
۶	تبلیغی نصاب مسجد کے مائیک میں پڑھنا	۳۳
۷	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے علاوہ حمد ونعت پڑھنا	۳۴

۸	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر نعت وغزل پڑھنا........................	۳۵
۹	ایک مائیک کی آواز پورا گاؤں سنے تو کیا دوسری مسجدوں میں مائیک کی ضرورت ہے؟........	۳۶
۱۰	مسجد کے مائیک پر اعلان جب کہ اس کے پھول مسجد کے مناروں پر لگے ہوں........................	۳۷
۱۱	روپیہ لیکر مسجد کے مائک پر اعلان کرنا........................	۳۷
۱۲	مسجد کے مائک سے مسجد میں پیسہ دینے والے کا اعلان........................	۳۸
۱۳	فیس دیکر مسجد کے مائک سے اپنا اعلان کرانا........................	۳۸
۱۴	مسجد کے مائک سے ترغیب کے لئے چندہ دینے والے کے ناموں کا اعلان........................	۳۹
۱۵	مسجد کے مائک سے دوسرے اعلان........................	۴۱

الفصل الرابع عشر فی صرف مال المسجد فی غیرہ

(مسجد کے پیسے کا دوسری جگہ استعمال کرنے کا بیان)

۱۶	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا........................	۴۲
۱۷	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ بنانا........................	۴۳
۱۸	مسجد کی آمدنی سے مدرسہ میں چندہ دینا........................	۴۴
۱۹	مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۴۵
۲۰	مسجد کی آمدنی مدرسہ پر صَرف کرنا........................	۴۶
۲۱	ورکنگ کمیٹی کا مسجد کے فنڈ سے قرض لے کر مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۴۷
۲۲	مسجد ومدرسہ کی رقوم بطورِ قرض ایک دوسرے میں صرف کرنا........................	۴۷
۲۳	مسجد ومدرسہ کی زائد آمدنی دوسری مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا........................	۴۸
۲۴	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں صرف کرنا........................	۴۹
۲۵	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں لگانا........................	۵۰
۲۶	مسجد قدیم کی آمدنی مسجد جدید پر خرچ کرنا........................	۵۱
۲۷	ایک مسجد میں رقم لگانے کا ارادہ کرنے کے بعد دوسری مسجد میں صَرف کرنا........................	۵۲

۲۸	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد کے لئے قرض دینا..........................	۵۲
۲۹	ایک مسجد کی آمدنی دیگر مساجد پر صرف کرنا..........................	۵۳
۳۰	مسجد کے لئے چندہ جمع کر کے مدرسہ بنانا..........................	۵۵
۳۱	مسجد کے روپے سے عید گاہ بنانا یا بالعکس..........................	۵۸
۳۲	مسجد کی آمدنی سے تنخواہ میں تقلیل اور اسکول میں خرچ کرنا..........................	۵۸
۳۳	مسجد کی آمدنی سے امام صاحب کا حجرہ وغیرہ بنانا..........................	۵۹
۳۴	مسجد کی آمدنی سے امامِ مسجد کا حجرہ و استنجا خانہ بنوانا..........................	۶۰
۳۵	مسجد کے پیسہ سے بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا لہو ولعب کی تقریب میں شرکت..........................	۶۱
۳۶	مسجد کا چندہ عمومی کام میں خرچ کرنا..........................	۶۳
۳۷	مسجد قدیم کی آمدنی کا مصرف..........................	۶۴
۳۸	مسجد کی فاضل رقم کا مصرف..........................	۶۵
۳۹	مسجد کی آمدنی سے مسجد میں لائبریری چلانا..........................	۶۶
۴۰	مسجد کے روپیہ سے قبرستان کی زمین خریدنا..........................	۶۷
۴۱	مسجد کی رقم تحفظِ مسجد کے لئے لڑے جانے والے مقدمہ کے مصارف میں خرچ کرنا..........................	۶۷
۴۲	مساجد کا روپیہ حکومت کو دینا..........................	۶۹
۴۳	مسجد کا روپیہ مسجد کی رؤیتِ ہلال کمیٹی میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟..........................	۷۰
۴۴	مسجد کی آمدنی سے جنازہ کی چارپائی خریدنا..........................	۷۰
۴۵	مسجد کے پیسے سے مسجد کے غسل خانہ کے لئے بالٹی خریدنا..........................	۷۱
۴۶	مسجد کی رقم سے وضو کا پانی گرم کرنا..........................	۷۲
۴۷	مسجد کی آمدنی سے تعلیم دینا..........................	۷۳
۴۸	مسجد کی رقم سے بیٹری بھروانا..........................	۷۳
۵۹	عیدین وجمعہ کے موقعہ پر مسجد کی آمدنی سے عام شاہراہ پر فرش بچھوانا..........................	۷۴

۵۰	مسجد کے روپے سے کسی غریب کی حالت کوسدھارنا............	۷۴
۵۱	مسجد کی آمدنی سے افطار کرانا............	۷۵
۵۲	افطار کے لئے دیا ہوا روپیہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صَرف کرنا............	۷۶
۵۳	امام کی تنخواہ وقف زمین کی آمدنی سے............	۷۶
۵۴	مسجد کی آمدنی سے حافظِ تراویح کو انعام دینا............	۷۷
۵۵	رقمِ مسجد تراویح کے حافظ پر خرچ کرنا............	۷۸
۵۶	عیدگاہ اور مسجد کا روپیہ قرض دینا............	۷۸
۵۷	مسجد کا دھان ادھار دینا............	۷۹
۵۸	مسجد کے پیسہ سے تجارت............	۷۹
۵۹	مسجد کا روپیہ تجارت کے لئے دینا............	۸۰
۶۰	مسجد کا روپیہ کسی کے ذمہ ہوتو اس کو معاف نہیں کیا جاسکتا............	۸۱
۶۱	مسجد کی آمدنی کو ختم کردینے کا کسی کو بھی حق نہیں............	۸۱
۶۲	مسجد کی دوکانوں کے کرایہ اور شادی کی آمدنی سے امام کی تنخواہ............	۸۲

الفصل الخامس عشر فی صرف المال الحرام فی المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنے کا بیان)

۶۳	مالِ حرام مسجد میں صرف کرنا............	۸۴
۶۴	کسی سے جبراً مال لے کر مسجد میں صرف کرنا............	۹۳
۶۵	مسجد میں مالِ حرام صَرف کرنے سے متعلق شامی کی عبارت............	۹۵
۶۶	مالِ حرام سے مسجد، کنواں اور مکان کی تعمیر............	۹۵
۶۷	مالِ حرام سے بنائی ہوئی مسجد............	۹۷
۶۸	مالِ حرام سے مسجد و مدرسہ وغیرہ بنانا............	۱۰۰
۶۹	حلال وحرام روپے سے بنی ہوئی مسجد میں نماز............	۱۰۱

۷۰	وصیت اور خواب کہ سود کا روپیہ مسجد میں دیا جائے	۱۰۲
۷۱	سودی قرضہ کا روپیہ مسجد میں لگانا	۱۰۴
۷۲	مسجد کی تعمیر کے لئے سود پر قرض لینا	۱۰۵
۷۳	مسجد کے لئے سودی قرض	۱۰۵
۷۴	سود کا پیسہ مسجد کی روشنی وغیرہ میں لگانا	۱۰۶
۷۵	سودخور کو ترکہ میں ملی ہوئی رقم مسجد میں لگانا	۱۰۸
۷۶	تعمیرِ مکان کے لئے مسجد کمیٹی کا سُود پر رقم لینا	۱۰۸
۷۷	بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا روپیہ مسجد میں	۱۰۹
۷۸	مسجد کی رقم خرچ کرکے سودی قرض لے کر مسجد میں دینا	۱۱۰
۷۹	قیمتِ شراب سے بنی ہوئی مسجد میں نماز	۱۱۰
۸۰	شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ	۱۱۱
۸۱	شراب کے کاروبار والے کی جائز آمدنی سے چندہ	۱۱۲
۸۲	مخلوط آمدنی سے مسجد میں چندہ	۱۱۲
۸۳	ایضاً	۱۱۲
۸۴	چوری کے مال سے چندہ	۱۱۲
۸۵	شراب کی آمدنی سے مسجد میں چندہ	۱۱۲
۸۶	غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا	۱۱۳
۸۷	چوری کا سیمنٹ مسجد میں لگانا	۱۱۵
۸۸	مخلوط آمدنی والے کا چندہ مسجد ومدرسہ میں	۱۱۶
۸۹	ناجائز آمدنی کا پیسہ مسجد میں	۱۱۶
۹۰	مالِ غیر طیب سے تعمیر شدہ مسجد کا حکم	۱۱۷
۹۱	خنزیر کے بالوں سے برش بنانے کی اجرت کا پیسہ مسجد میں لگانا	۱۱۸

۹۲	ایضاً	۱۱۸
۹۳	خنزیر کے بالوں کے برش کی اجرت کا پیسہ مسجد میں دیا ہو تو کیا واپس کیا جائے گا؟........	۱۱۸
۹۴	جس مسجد میں خنزیر کے بالوں کی اجرت کا روپیہ لگا ہو، اس میں نماز........	۱۱۸
۹۵	ساہوکار کا روپیہ مسجد میں........	۱۱۹
۹۶	طوائف کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز........	۱۲۰
۹۷	رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا........	۱۲۱
۹۸	رنڈی کا مسجد میں ٹین ڈلوانا........	۱۲۱
۹۹	فاحشہ کی دی ہوئی چیز کا مسجد میں استعمال........	۱۲۳
۲۰۱	مالی جرمانہ اور اس کو مسجد میں صرف کرنا........	۱۲۴
۱۰۱	قرض لے کر تعمیر مسجد میں رقم دی وہ حلال ہے........	۱۲۵
۱۰۲	قوالی اور اس کی آمدنی مسجد میں دینا........	۱۲۶
۱۰۳	بیعانہ مسجد میں لگانا........	۱۲۸
۱۰۴	لقطہ کا روپیہ مسجد میں لگانا........	۱۲۹
۱۰۵	ہبہ شدہ چیز دوبارہ لے کر اس کی قیمت مسجد میں دینا........	۱۳۰

الفصل السادس عشر فی صرف مال الکافر فی المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صرف کرنے کا بیان)

۱۰۶	تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کا روپے لگانا اور ﴿ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله﴾	☆
☆	کا مطلب........	۱۳۲
۱۰۷	مسجد میں اہلِ ہنود کا روپیہ........	۱۳۶
۱۰۷	غیر مسلم کا روپیہ تعمیر مسجد میں لگانا........	۱۳۷
۱۰۹	غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنے کا حکم........	۱۳۹
۱۱۰	مسجد کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا........	۱۴۰

۱۱۱	غیر مسلم سے مسجد کے لئے چندہ لینا	۱۴۱
۱۱۲	کفار کا روپیہ مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا	۱۴۲
۱۱۳	کافر بے دین کا روپیہ جدید مسجد میں	۱۴۲
۱۱۴	ہندو مسلم کا مخلوط پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کرنا	۱۴۳
۱۱۵	ہندو کا مسجد میں لوٹے دینا	۱۴۴
۱۱۶	غیر مسلم کی زمین سے مٹی لیکر مسجد میں لگانا	۱۴۵

الفصل السابع عشر فی جمع التبرعات للمسجد بطریق الاکتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

۱۱۷	چندۂ مسجد کا حکم	۱۴۶
۱۱۸	مسجد کا خرچ ذاتی پیسہ سے ہو یا چندہ سے؟	۱۴۷
۱۱۹	بجائے متولی کے چندہ فنڈ میں جمع کرنا	۱۴۸
۱۲۰	مسجد ومدرسہ کے نام سے مشترکہ چندہ کرنا	۱۵۰
۱۲۱	مسجد ومدرسہ کے مشترکہ چندہ سے مسجد کی توسیع اور مدرسہ کے لئے دوکان بنانا	۱۵۱
۱۲۲	اذان خانہ کے لئے چندہ کیا گیا اس سے مسافر خانہ بنانا	۱۵۲
۱۲۳	چندۂ مسجد وانجمن سے مٹھائی وغیرہ	۱۵۳
۱۲۴	جبراً چندہ لینا	۱۵۵
۱۲۵	مسجد کے لئے جبراً چندہ لینا	۱۵۷
۱۲۶	مسجد کی تعمیر کے لئے زبردستی چندہ لینا	۱۵۷
۱۲۷	مسجد کے لئے چندہ دیکر واپس لینا	۱۵۸
۱۲۸	چندہ کے ضمان کی ایک صورت، چندہ وقف نہیں ہوتا	۱۶۰
۱۲۹	قوالی کے لئے جمع کیا گیا روپیہ مسجد میں لگانا	۱۶۲
۱۳۰	چندہ حوض کے لئے جمع کیا گیا، پھر اس کو دوسرے کام میں خرچ کرنا	۱۶۳

۱۳۱	دروازۂ مزار پر صندوق کے چندہ سے مؤذن وامام کی تنخواہ..............	۱۶۵
۱۳۲	مسجد میں بدعتی کا چندہ..............	۱۶۶
۱۳۳	بھیک سے مانگا ہوا پیسہ مسجد میں صرف کرنا..............	۱۶۶
۱۳۴	لاوارث میت کے کفن کے لئے جمع شدہ رقم میں سے بچی ہوئی رقم مسجد میں خرچ کرنا..............	۱۶۷
۱۳۵	لاوارث کا مال مسجد میں..............	۱۶۸
۱۳۶	رجب کے کونڈے کی قیمت مسجد میں..............	۱۶۹

الفصل الثامن عشر فی بناء المسجد فی ملک الغیر

(غیر کی زمین میں مسجد تعمیر کرنے کا بیان)

۱۳۷	غیر وقف زمین میں مسجد بنانا..............	۱۷۰
۱۳۸	ارضِ مغصوبہ میں مسجد ودوکانیں..............	۱۷۱
۱۳۹	جائیدادِ مغصوبہ میں مسجد بنانا..............	۱۷۲
۱۴۰	دوسرے کی زمین کو مسجد بنالینا..............	۱۷۳
۱۴۱	دوسرے کا مکان مسجد کو دینے سے وہ مسجد کا نہیں ہوجاتا..............	۱۷۴
۱۴۲	کرایہ کا مکان مالک نے مسجد کو وقف کردیا..............	۱۷۵
۱۴۳	سرکاری زمین پر مسجد بنانا..............	۱۷۶
۱۴۴	ایضاً..............	۱۷۷
۱۴۵	ایضاً..............	۱۷۸
۱۴۶	ایضاً..............	۱۷۹
۱۴۷	ریاست کی حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا..............	۱۸۰
۱۴۸	افتادہ زمین پر مسجد کے لئے مکانات ودوکانیں بنانا..............	۱۸۱
۱۴۹	مسجد کے قریب غیر مملوکہ زمین میں مصالحِ مسجد کے لئے دوکان وغیرہ بنانا..............	۱۸۱

باب آداب المسجد

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

۱۵۰	آداب مسجد	۱۸۳
۱۵۱	دخولِ مسجد کی دعاء کہاں پڑھی جائے؟	۱۸۴
۱۵۲	جوتا پہن کر مسجد میں جانا، جوتے میں نماز پڑھنا	۱۸۵
۱۵۳	مسجد کے متصل فرش پر جوتہ پہن کر جانا	۱۸۶
۱۵۴	مسجد کے خام صحن میں جوتا پہن کر جانا	۱۸۸
۱۵۵	ٹوپ پہن کر مسجد میں جانا	۱۹۱
۱۵۶	فرشِ مسجد کے متصل کپڑے دھونا	۱۹۲
۱۵۷	ناپاک کپڑا مسجد میں رکھنا	۱۹۳
۱۵۸	مسجد میں تولیہ، آئینہ اور منبر پر غلاف	۱۹۳
۱۵۹	مسجد کی صفائی برش سے	۱۹۴
۱۶۰	تالاب کی گیلی مٹی سے مسجد کو لیپنا	۱۹۵
۱۶۱	ناک صاف کرکے مسجد سے ہاتھ پونچھنا	۱۹۶
۱۶۲	مسجد میں کنگھی کرنا	۱۹۷
۱۶۳	اذان کے وقت مسجد میں بات کرنا	۱۹۷
۱۶۴	مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا	۱۹۸
۱۶۵	ایضاً	۱۹۹
۱۶۶	مسجد میں بیٹھ کر مشورہ کرنا	۲۰۰
۱۶۷	مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سننا	۲۰۱

۱۶۸	مسجد میں ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سننا	۲۰۲
۱۶۹	مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا	۲۰۳
۱۷۰	مسجد میں چہل قدمی کرنا	۲۰۳
۱۷۱	مسجد میں ٹہلتے ہوئے تسبیح پڑھنا	۲۰۵
۱۷۲	شاہی مسجد کو تفریح گاہ بنانا	۲۰۵
۱۷۳	مسجد کی زمین اور قبرستان میں فٹ بال وغیرہ کھیلنا	۲۰۶
۱۷۴	مسجد میں افطاری اور سحری	۲۰۷
۱۷۵	مسجد میں قربانی کرنا	۲۰۸
۱۷۶	مسجد میں چھپکلی مارنا	۲۰۸
۱۷۷	مسجد کی چھت پر سے چڑیا کا شکار	۲۰۹
۱۷۸	مسجد میں کبوتر پکڑنا	۲۰۹
۱۷۹	گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا	۲۱۰
۱۸۰	ایضاً	۲۱۲
۱۸۱	مسجد میں سے ہو کر غسل خانہ جانا	۲۱۳
۱۸۲	عورتوں کا مسجد میں جانا	۲۱۳
۱۸۳	عورتوں کا مسجد کو گذرگاہ بنانا	۲۱۴
۱۸۴	مدرسہ کا راستہ مسجد میں سے	۲۱۵
۱۸۵	بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل کرنا	۲۱۶
۱۸۶	وضو کی نالی صحنِ مسجد کے نیچے سے گزرتی ہو تو اس کا حکم	۲۱۷
۱۸۷	مسجد کے غسل خانہ میں پاخانہ کرنا	۲۱۷
۱۸۸	فرشِ مسجد پر وضو	۲۱۸
۱۸۹	مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر وضو کرنا	۲۱۹

۱۹۰	مسجد کا پانی راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں ہونا چاہیے..................	۲۲۰
۱۹۱	بازار میں واقع مسجد میں لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ..................	۲۲۱
۱۹۲	کیا متولی کے منع کرنے سے اس مسجد میں نماز نہیں ہوگی؟..................	۲۲۲
۱۹۳	مسجد میں کسی کے لئے جگہ روکنا..................	۲۲۲
۱۹۴	دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا..................	۲۲۳
۱۹۵	صحنِ مسجد میں نماز..................	۲۲۳
۱۹۶	صحنِ مسجد کا احترام..................	۲۲۴
۱۹۷	مسجد کا پھول توڑنا..................	۲۲۵
۱۹۸	مسجد میں پھول کے گملے..................	۲۲۵
۱۹۹	مسجد میں درخت لگانا..................	۲۲۶
۲۰۰	مسجد میں تعزیہ رکھنا..................	۲۲۷
۲۰۱	مسجد میں کلنڈر اور اشتہار کتب لٹکانا..................	۲۲۹
۲۰۲	مسجد میں آئینہ اور پنجتن کا طغرہ لٹکانا مکروہ ہے..................	۲۲۹

الفصل الثانی فی النیام والقیام فی المسجد

(مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان)

۲۰۳	مسجد میں سونا..................	۲۳۱
۲۰۴	ایضاً..................	۲۳۲
۲۰۵	ایضاً..................	۲۳۳
۲۰۶	مسجد میں سونا، آرام کرنا اور اعتکاف کرنا..................	۲۳۳
۲۰۷	امام کا مسجد میں چارپائی بچھا کر لیٹنا..................	۲۳۴
۲۰۸	مسجد میں چارپائی پر آرام کرنا..................	۲۳۵
۲۰۹	مسجد میں قیام وغیرہ..................	۲۳۶

۲۱۰	مسجد میں ٹھہرنا اور پنکھا استعمال کرنا........................	۲۳۷
۲۱۱	مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت سے قیام کرنا........................	۲۳۸

الفصل الثالث فی دخول الجنب والحائض فی المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

۲۱۲	کیا بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا؟....	۲۳۹
۲۱۳	حالتِ حیض وجنابت میں اور بغیر استنجا کئے مسجد میں آنا........................	۲۴۰
۲۱۴	مسجدِ بیت میں حائضہ کا داخل ہونا........................	۲۴۱

الفصل الرابع فی دخول الکافر فی المسجد

(غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان)

۲۱۵	غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا........................	۲۴۲
۲۱۶	غیر مسلموں کا مسجد کے حوض سے ہاتھ پیر دھونا........................	۲۴۲
۲۱۷	مشرک کو مسجد میں آنے سے روکنا........................	۲۴۳

الفصل الخامس فی إدخال الأشیاء المنتنة فی المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

۲۱۸	مسجد میں بدبودار رنگ کرنا........................	۲۴۵
۲۱۹	مٹی کا تیل مسجد میں لے جانا........................	۲۴۵
۲۲۰	مٹی کا تیل مسجد میں جلانا........................	۲۴۶
۲۲۱	ایضاً........................	۲۴۷
۲۲۲	مٹی کا یا شراب سے کھینچا ہوا تیل مسجد میں جلانا........................	۲۴۸
۲۲۳	معماروں کا مسجد میں گھٹنے کھولنا اور حقہ پینا........................	۲۴۹

۲۲۴	صحنِ مسجد میں سگریٹ پینا	۲۴۹
۲۲۵	جس کے زخم سے بدبو آتی ہو اس کا مسجد میں جانا	۲۵۰
۲۲۶	کوڑھی کا مسجد میں جانا	۲۵۱
۲۲۷	خارش وجذام والے کا مسجد میں آنا	۲۵۲
۲۲۸	جذام والے کا مسجد میں آنا	۲۵۴
۲۲۹	مسجد میں ریح خارج کرنا	۲۵۴
۲۳۰	مسجد میں خروج ریح	۲۵۵

الفصل السادس فی زخرفة المساجد والکتابة علیها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

۲۳۱	مسجد میں نقش ونگار	۲۵۶
۲۳۲	مسجد کا نقش ونگار مسجد کے مال سے	۲۵۷
۲۳۳	سلور جوبلی پر مسجد میں چراغاں	۲۵۹
۲۳۴	مسجد میں روضۂ اقدس کی تصویر لگانا	۲۶۱
۲۳۵	مسجد میں کعبہ اور مسجدِ نبوی کا فوٹو لٹکانا	۲۶۲
۲۳۶	دیوارِ مسجد میں آیات وغیرہ لکھوانا	۲۶۳
۲۳۷	چندہ سے تعمیر شدہ مسجد میں اپنے نام کا پتھر لگانا	۲۶۳
۲۳۸	مسجد میں حدیث لکھ کر لگانا اور اپنے لئے دعاء کرانا اور اپنا نام لکھنا	۲۶۴
۲۳۹	نام کھدوا کر مسجد پر پتھر لگوانا	۲۶۶

الفصل السابع فی البیع والشراء فی المسجد

(مسجد میں خرید وفروخت کرنے کا بیان)

۲۴۰	مسجد میں خرید وفروخت	۲۶۷

۲۴۱	مسجد میں خرید وفروخت	۲۶۸
۲۴۲	مسجد میں تجارت کرنا	۲۶۹
۲۴۳	امام کا مسجد میں تجارت کرنا	۲۷۰
۲۴۴	غسل خانہ یا جوتا اتارنے کی جگہ بیع وشراء	۲۷۱
۲۴۵	مسجد کے درخت کی بیع مسجد میں	۲۷۱

الفصل الثامن فی الاکتتاب فی المسجد

(مسجد میں چندہ کرنے کا بیان)

۲۴۶	مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ کرنا	۲۷۳
۲۴۷	مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا	۲۷۳
۲۴۸	مسجد میں مسجد، ختم اور امام کے لئے چندہ	۲۷۴

الفصل التاسع فی الحَفَلات للوعظ والأناشید فی المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

۲۴۹	مسجد میں جلسہ وتقریر	۲۷۷
۲۵۰	مسجد میں کرسی بچھا کر وعظ کرنا	۲۷۸
۲۵۱	مسجد میں پڑھنے آنے والے بچوں سے تقریر کرانا	۲۷۹
۲۵۲	مسجد میں نعت پڑھنا	۲۸۰
۲۵۳	مسجد میں الیکشن	۲۸۰

الفصل العاشر فی المزامیر عند المسجد

(مسجد کے قریب موسیقی وغیرہ کا بیان)

۲۵۴	مسجد کے سامنے باجہ وغیرہ	۲۸۲
۲۵۵	مسجد کے اندر یا چھت پر نقارہ بجانا	۲۸۳

۲۵۶	آواز دار گھڑی مسجد میں	۲۸۳

باب المتفرقات

۲۵۷	مسجد کے نام پر دینی درسگاہ بنانا	۲۸۵
۲۵۸	مسجد کی بجلی کا تار کسی کے مکان پر سے گزروانا	۲۸۷
۲۵۹	مسجد سے ملا کر اپنی تعمیر کرنا	۲۸۷
۲۶۰	مسجد کا لینٹر پڑوسی کی دیوار پر	۲۸۸
۲۶۱	مسجد کا بیمہ	۲۹۰
۲۶۲	مسجدوں کا جنت میں جانا	۲۹۱
۲۶۳	ذاتی مسجد کا حال	۲۹۱
۲۶۴	مسجد میں جو چیز دی جائے وہ کس کا حق ہے؟	۲۹۱
۲۶۵	مسجد میں گلگلے اور شیرینی آئے اس کا مستحق کون ہے؟	۲۹۲
۲۶۶	مکان اور مسجد کے درمیان کتنا راستہ چھوڑا جائے؟	۲۹۳
۲۶۷	مخصوص مسجد کو جان کے اندیشہ سے چھوڑنا	۲۹۳
۲۶۸	مسجد کے خادم کو ضعیف ہو جانے پر مسجد سے تنخواہ دینا کیسا ہے؟	۲۹۴
۲۶۹	خادمِ مسجد کو وراثت کا حق نہیں	۲۹۵
۲۷۰	باہمی نااتفاقی کی بناء پر ایک مسجد کو ویران کرنا	۲۹۷
۲۷۱	مقروض کا قرض خواہ کی طرف سے قرض مسجد میں دینا	۲۹۸
۲۷۲	نقصان شدہ شی کا ضمان مسجد میں دینا	۲۹۹
۲۷۳	امام کے ذمہ مسجد کا قرض ہے اس کی وصولی کی صورت	۳۰۰
۲۷۴	کفن کا مصلی مسجد میں	۳۰۱
۲۷۵	مسجد سے متصل اسکول بنانا	۳۰۲

۲۷۶	پھینکے ہوئے سیمنٹ کو درستگی کے بعد فروخت کرکے مسجد کا فرش بنانا........	۳۰۳
۲۷۷	کمپنی سے ٹین کی سستی چادریں خرید کر مسجد میں استعمال کرنا........	۳۰۴
۲۷۸	مسجد کا غلہ فروخت کرنے والے سے ضامن بننے کی صورت میں قیمت کی وصولی........	۳۰۴
۲۷۹	مخصوص خاندان کا اپنی بنائی ہوئی مسجد کو اپنی ملک کی طرح سمجھنا........	۳۰۵
۲۸۰	مسجد کے لئے پتھر خریدے اور ایک پتھر بطور یادگار دے دیا........	۳۰۶
۲۸۱	ضد کی وجہ سے پہلی مسجد کو گرانا........	۳۰۸
۲۸۲	مسجد کو شہید کرنے سے ضمان........	۳۰۹
۲۸۳	مسجد میں روپیہ دینے کا وعدہ کرکے روپیہ نہ دینا........	۳۱۲
۲۸۴	سرکاری ٹنکی سے مسجد میں پانی لینا........	۳۱۳
۲۸۵	غیر آباد مسجد میں میت دفن کرنا........	۳۱۴
۲۸۶	محض ضد کی وجہ سے مسجد چھوڑنا........	۳۱۶
۲۸۷	حفاظتِ سامان کے لئے مسجد میں تالا ڈالنا........	۳۱۶
۲۸۸	مسجد کی آبادی........	۳۱۷
۲۸۹	مسجد نما اور درمیان میں قبر بنانے کا حکم........	۳۲۰

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

۲۹۰	کیا عیدگاہ کے لئے وقف ہونا لازم ہے؟........	۳۲۲
۲۹۱	عیدگاہ کی جو زمین ندی میں بہہ کر پھر مل گئی، اس کو حکومت سے اپنے نام کرنے کا حکم........	۳۲۲
۲۹۲	کیا عیدگاہ پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں؟........	۳۲۴
۲۹۳	عیدگاہ میں کھیل کھیلنا........	۳۲۴
۲۹۴	عیدگاہ اور مسجد میں فرق........	۳۲۵

۲۹۵	عیدگاہ اور مسجد میں فرق، عیدگاہ میں اسکول، مدرسہ، راستہ بنانا اور کھیل کھیلنا	۳۲۶
۲۹۶	عیدگاہ آبادی میں ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے کا حکم	۳۲۷
۲۹۷	متعدد عیدگاہ بنانا، جب کہ پرانی عیدگاہ ناکافی ہو	۳۲۸
۲۹۸	رفعِ فساد کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا	۳۳۰
۲۹۹	رنجش رفع ہونے پر دوسری بنائی گئی عیدگاہ کے ساتھ کیا کیا جائے؟	۳۳۱
۳۰۰	اگر جدید عیدگاہ بھی بنالی جائے تو نماز کس میں ادا کریں؟	۳۳۳
۳۰۱	پرانی عیدگاہ تنگ ہو تو نئی عیدگاہ بنانا	۳۳۴
۳۰۲	عیدگاہ کے درخت کٹوا کر مسجد میں صرف کرنا	۳۳۵
۳۰۳	عیدگاہ کو دومنزلہ بنانا، قدیم عیدگاہ کا مصرف	۳۳۶
۳۰۴	عیدگاہ کا تبادلہ	۳۳۷
۳۰۵	عیدگاہ کے لئے وقف زمین کو مسجد کے نام کرکے آمدنی مسجد میں صَرف کرنا	۳۳۹
۳۰۶	عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا	۳۴۰
۳۰۷	عیدگاہ کو قبرستان بنانا	۳۴۱
۳۰۸	عیدگاہ کو اسکول بنانا	۳۴۲
۳۰۹	عیدگاہ سے متعلق چند سوالات	۳۴۳
۳۱۰	کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟	۳۴۳
۳۱۱	ایضاً	۳۴۳
۳۱۲	نمازِ عیدین کے علاوہ عیدگاہ کا حکم	۳۴۴
۳۱۳	کیا عیدگاہ کی دیواروں اور محراب سے عیدگاہ کی حیثیت میں فرق آتا ہے؟	۳۴۴
۳۱۴	عیدگاہ کن کن کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟	۳۴۴
۳۱۵	عیدگاہ کو مسقف بنانا اور دوسری تیسری منزل بنانا	۳۴۴
۳۱۶	مسجد کے لئے زمین دی اور بعد میں عیدگاہ بنانے کو بھی کہا	۳۴۷

۳۱۷	مرہونہ زمین پر عیدگاہ بنانا	۳۴۷
۳۱۸	عیدگاہ پر تعمیر کرانے والے کا نام درج کرنا	۳۴۸
۳۱۹	عیدگاہ کو اپنا کھیت کہنے والے شخص کا حکم	۳۴۹

بابٌ فی أحکام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

۳۲۰	قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۰
۳۲۱	ایسے مقبرہ میں مسجد بنانا جس میں قبروں کے نشانات نہ ہوں	۳۵۱
۳۲۲	پرانے قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۱
۳۲۳	پرانے قبرستان کو مسجد بنانا	۳۵۳
۳۲۴	قدیم قبرستان میں بنی ہوئی مسجد بھی شرعی مسجد ہے	۳۵۵
۳۲۵	قبرستان کی خالی زمین جوت کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا	۳۵۷
۳۲۶	قدیم غیر مستعمل قبرستان میں مسجد بنانا	۳۵۷
۳۲۷	قبرستان کی زمین کا تبادلہ	۳۵۹
۳۲۸	قبرستان میں مدرسہ بنانا	۳۵۹
۳۲۹	ایضاً	۳۶۱
۳۳۰	قبرستان میں خانقاہ	۳۶۲
۳۳۱	قبرستان میں عیدگاہ بنانا	۳۶۳
۳۳۲	قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا	۳۶۴
۳۳۳	مشتبہ قبرستان کی زمین کو خریدنا اور اس پر مکان بنانا	۳۶۵
۳۳۴	جو زمین بچوں کی قبروں کے لئے ہے اس کو فروخت کرنا	۳۶۶
۳۳۵	فقیر نگران کا قبرستان کی زمین کو فروخت کرنا	۳۶۸

۳۳۶	قبروالی زمین کی بیع	۳۶۸
۳۳۷	چک بندی میں قبرستان اور مدرسہ کے لئے زمین رشوت دے کر چھڑانا	۳۶۹
۳۳۸	قبرستان کی آمدنی مدرسہ وعیدگاہ میں خرچ کرنا	۳۷۰
۳۳۹	قبرستان کی آمدنی مسجد میں	۳۷۱
۳۴۰	قبرستان کی آمدنی سے مساجد کی مرمت	۳۷۲
۳۴۱	قبرستان کے باغ کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے کاموں میں صَرف کرنا	۳۷۳
۳۴۲	پرانے قبرستان میں مکان وبیت الخلاء وغیرہ	۳۷۴
۳۴۳	پرانے قبرستان میں کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا	۳۷۵
۳۴۴	قبرستان کے درختوں کا مصرف	۳۷۶
۳۴۵	قبرستان کے پھل کا حکم	۳۷۸
۳۴۶	قبرستانِ موقوفہ میں کاشت کرنا	۳۷۸
۳۴۷	قبرستان میں کھیتی کرنا	۳۸۰
۳۴۸	قبرستان میں کھیتی کرتے وقت ہڈیاں نکلیں تو کیا کیا جائے؟	۳۸۱
۳۴۹	قبرستان کے چاروں طرف دیوار بنانا	۳۸۲
۳۵۰	قبرستان کی چہار دیواری سینما کی آمدنی سے بنانا	۳۸۳
۳۵۱	قبرستان میں پڑے پتھروں کو اس کے کمپاؤنڈ بنانے میں خرچ کرنا	۳۸۴
۳۵۲	عیدگاہ اور قبرستان بستی کی کس جانب میں ہو؟	۳۸۵
۳۵۳	مخصوص قبرستان میں بلا اجازت دفن کرنا	۳۸۵
۳۵۴	قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا	۳۸۷
۳۵۵	قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا	۳۸۸
۳۵۶	قبرستان کی مٹی کا حکم	۳۸۹
۳۵۷	قبرستان میں نماز عید	۳۸۹

۳۵۸	جو قبریں راستہ میں ہوں ان کو وہاں سے ہٹانا..........	۳۹۱
۳۵۹	قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا..........	۳۹۳
۳۶۰	قبرستان میں برہنہ پا ہونا..........	۳۹۴
۳۶۱	قبرستان میں راستہ بنانا..........	۳۹۴
۳۶۲	قبرستان میں بیڑی پینا..........	۳۹۵
۳۶۳	قبرستان میں آگ جلا کر کھانا پکانا..........	۳۹۵
۳۶۴	قبرستان میں کبڈی وغیرہ کھیلنا..........	۳۹۶

باب مایتعلق بالمدارس

الفصل الأول فی تولیة المدارس ونظمها

(مدارس کے نظم ونسق اور اہتمام کا بیان)

۳۶۵	مدرسہ کا مہتمم مجلس شوریٰ کے مشوروں کا پابند ہے یا نہیں؟..........	۳۹۷
۳۶۶	کثرتِ رائے کا فیصلہ شریعت کی نظر میں..........	۴۲۴
۳۶۷	مدارس کا نظام کیسا ہونا چاہیے؟..........	۴۳۸
۳۶۸	بے دین لوگوں کو ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنانا..........	۴۳۸
۳۶۹	جب مدرسہ کا دستور نہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے؟..........	۴۳۹
۳۷۰	ادارہ کو مخالف گروپ کی تباہی سے بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟..........	۴۴۰
۳۷۱	وقتِ ضرورت خرچ نہ کرنا بھی خیانت ہے..........	۴۴۲
۳۷۲	غبن کے اتہام پر حساب دینا..........	۴۴۳
۳۷۳	مدرسہ عربیہ کی مخالفت اور دیگر خیانتوں کے سبب قوم کے امام پر اشکالات..........	۴۴۴
۳۷۴	مہتمم مدرسہ اور ملازمین کو بلاوجہ معزول کرنا برطرفی کے مہینہ کی تنخواہ کا استحقاق..........	۴۴۸
۳۷۵	ناظمِ مدرسہ کا ماتحت مدرسین سے باز پرس کرنا..........	۴۴۹

۳۷۶	مہتمم کا ملازم کو اجازت سے چندہ کے سفر کا ٹکٹ بنوانے کے بعد روکنا	۴۵۰
۳۷۷	دینی مدارس کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے دور میں	۴۵۲
۳۷۸	مدارس اور تبلیغ کی صورت میں خدمتِ دین کا طریقہ	۴۵۳
۳۷۹	مدرس کو دوسری جگہ ملازمت کر کے پہلے مدرسہ کو ویران کرنا	۴۵۴
۳۸۰	بلاوجہ دینی مدرسہ کو بند کرنا	۴۵۵
۳۸۱	جدید مدرسہ بنانے پر قدیم مدرسہ کا حکم	۴۵۶
۳۸۲	دینی مکتب و مدرسہ کو ذاتی ملک سمجھنا	۴۵۷
۳۸۳	مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟ اور کیا مدرسہ کا چندہ وقف ہے؟	۴۵۸
۳۸۴	مدرسہ سے متعلق ایک وصیت نامہ	۴۶۱
۳۸۵	درسگاہ میں گھنٹہ بجنے سے پہلے نشانی رکھ دینا	۴۶۲

الفصل الثانی فی مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اور اس کو بدلنے کا بیان)

۳۸۶	مصرف بدلنا	۴۶۴
۳۸۷	مدرسہ کی آمدنی سے امارتِ شرعیہ کی امداد	۴۶۵
۳۸۸	چندہ کا روپیہ جلسۂ انعامی میں خرچ کرنا	۴۶۶
۳۸۹	مجلسِ شوریٰ نے جس کے لئے جو چیز تجویز کر دی وہ اسی کے لئے ہے	۴۶۷
۳۹۰	مدرسہ کے لئے دی ہوئی رقم اپنے رکھے ہوئے مدرس کو دینا	۴۶۸
۳۹۱	ایضاً	۴۶۹
۳۹۲	سفر بکارِ مدرسہ میں اپنا ذاتی سامان ضائع ہو جائے تو اس کا حکم	۴۷۰
۳۹۳	دینی مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کی پیداوار اسکول میں دینا	۴۷۰
۳۹۴	ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کے طالبِ علم کو دینا درست نہیں	۴۷۱
۳۹۵	ایک مدرسہ کے لئے جمع شدہ روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا	۴۷۲

۳۹۶	ایک مدرسہ کا روپیہ دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا............	۴۷۳
۳۹۷	طلبہ کی انجمن کا روپیہ دار العلوم میں دینا............	۴۷۴
۳۹۸	موقوفہ کتب کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا............	۴۷۵
۳۹۹	شیخ کے مہمانوں کا مدرسہ کے کلوخ استعمال کرنا............	۴۷۶
۴۰۰	مدرسہ کا کھانا تبلیغی جماعت کو کھلانا............	۴۷۶
۴۰۱	طلبہ کا غلہ تبلیغی جماعت کو کھلانا............	۴۷۷
۴۰۲	مدرسہ کا روپیہ تبلیغ میں خرچ کرنا............	۴۷۷
۴۰۳	مدرسین کے لئے خاص کھانا............	۴۷۸
۴۰۴	خرچ شدہ رقم سے زائد مدرسہ سے وصول کرنا............	۴۸۰
۴۰۵	کمرۂ مسجد میں مدرسہ کا کرایہ مسجد کو دینا............	۴۸۱
۴۰۶	مدرسہ کے ڈھیلوں کا سفر میں استعمال............	۴۸۴
۴۰۷	مسجد یا مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟............	۴۸۴

الفصل الثالث فی بیع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا وقف فروخت کرنے اور اس میں تصرف کرنے کا بیان)

۴۰۸	مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا............	۴۸۵
۴۰۹	مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنانے کے لئے فروخت کرنا............	۴۸۵
۴۱۰	مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا............	۴۸۶
۴۱۱	زمین مدرسہ کو دینے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں............	۴۸۶
۴۱۲	مدرسہ میں زمین دینے کے بعد اس سے انکار کرنا............	۴۸۹
۴۱۳	زمین مدرسہ کو دینے کا ارادہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی	۴۹۰
۴۱۴	دینی وقف مدرسہ کو اسلامی اسکول کے لئے دینا............	۴۹۰
۴۱۵	کتاب پر وقف لکھ دینے اور موت سے قبل وصیت سے رجوع کرنے کا حکم	۴۹۱

۴۱۶	کیا مدرسہ میں گھڑی دینے کی نیت سے اس کا وقف صحیح ہو جائے گا؟	۴۹۳
۴۱۷	تبدیلِ نیت کا وکیل کو حق نہیں	۴۹۳
۴۱۸	لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا	۴۹۴
۴۱۹	مدرسہ کے لئے وقف زمین انگریزی اور بنگلہ تعلیم آنے کی وجہ سے نئے مدرسہ کو دینا	۴۹۶
۴۲۰	مدرسہ کی زمین سے مدرسہ کے زیرِ تولیت مسجد کی توسیع	۴۹۷
۴۲۱	مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا	۴۹۷
۴۲۲	مدرسہ کی زمین سے راستہ	۴۹۸
۴۲۳	مدرسہ کی رقم سے تجارت اور عمارتِ مدرسہ میں مسجد	۵۰۰
۴۲۴	مدرسہ کے روپیہ سے تجارت	۵۰۲
۴۲۵	مدرسہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ کو قرض دینا	۵۰۳
۴۲۶	مدرسہ کا روپیہ قرض دینا	۵۰۴
۴۲۷	مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطورِ قرض خرچ کرنا	۵۰۵
۴۲۸	مدرسہ ومسجد کا روپیہ سود پر قرض دینا	۵۰۶
۴۲۹	مدرسہ کی آمدنی ذاتی ضروریات میں بطورِ قرض خرچ کرنا	۵۰۶
۴۳۰	مدرسہ کے ذمہ دار کا مدرسہ کے روپیہ کو کھالینا	۵۰۷
۴۳۱	اسکول فنڈ سے شیرینی تقسیم کرنا	۵۰۸
۴۳۲	طلبہ کو مدرسہ کی رقم سے انعام دینا	۵۰۸
۴۳۳	فساد کے خوف سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا	۵۰۹

الفصل الرابع فی بیع وقف المدرسة وإجارته

(مدرسہ کے وقف کو بیچنے اور کرایہ پر دینے کا بیان)

۴۳۴	زکوۃ کی رقم سے خرید کردہ غلہ نرخ کم ہونے کے بعد فروخت کرنا	۵۱۱

۴۳۵	قرآن کریم وقف ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا	۵۱۲
۴۳۶	اساتذہ کا طلبہ کی امتحانی کاپیوں کو فروخت کرنا	۵۱۳
۴۳۷	تعلیم کے لئے موقوفہ عمارت میں مہتمم کا قیام، یا اس کا کرایہ وصول کرنا	۵۱۳
۴۳۸	تعلیم گاہ کو کرایہ پر دینا	۵۱۵
۴۳۹	مدرسہ موقوفہ کی جگہ برات کے لئے کرایہ پر دینا	۵۱۶
۴۴۰	مکانِ مدرسہ میں ملازم کا بلا کرایہ رہنا	۵۱۷
۴۴۱	مدرسہ کا مکان کرایہ دار سے خالی کرانا	۵۱۸
۴۴۲	مدرسہ کے کمرہ میں ملازم کے بچوں کو رکھنا	۵۱۹
۴۴۳	ملازمِ مدرسہ کی اولاد کا مدرسہ کے مکان میں رہنا	۵۲۰
۴۴۴	مدرسہ کے کمرہ میں پولیس کا قیام	۵۲۲

الفصل الخامس فی وظائف المدرّسین

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

۴۴۵	جن مہینوں میں خالص مدرسہ کا کام کیا جائے ان مہینوں کی تنخواہ وصول کرنا	۵۲۳
۴۴۶	تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق	۵۲۴
۴۴۷	ایامِ تعطیل میں کام کرنے کی تنخواہ	۵۲۶
۴۴۸	تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق	۵۲۷
۴۴۹	مدرسہ کی تعطیلِ کلاں کی تنخواہ جب کہ تعطیل کے ختم پر دوسری جگہ چلا گیا	۵۲۸
۴۵۰	عارضی مدرس کیلئے تعطیلِ کلاں کی تنخواہ	۵۲۹
۴۵۱	تعطیلِ کلاں کے بعد استعفیٰ پر تنخواہ کا استحقاق	۵۳۰
۴۵۲	بلا نوٹس استعفیٰ سے استحقاقِ تنخواہ	۵۳۱
۴۵۳	فساد کے اندیشہ سے کچھ مدت گھر بھیجے گئے مدرس کو اس زمانہ کی تنخواہ	۵۳۲
۴۵۴	زمانۂ قید وبیماری کی تنخواہ	۵۳۳

۴۵۵	ملازم کے لئے غیر حاضری کی تنخواہ	۵۳۵
۴۵۶	مدرس کی تنخواہ کا ناغہ کاٹنا	۵۳۶
۴۵۷	رخصتِ بیماری میں روحانی بیماری کا توریہ	۵۳۶
۴۵۸	بغیر پڑھائے مدرسہ میں حاضر رہ کر تنخواہ لینا	۵۳۸
۴۵۹	مدرس کو مہتمم نے الگ کیا، پھر سرپرست نے رکھ لیا، مدتِ علیحدگی کی تنخواہ کس کو دینی ہے؟	۵۳۸
۴۶۰	عرصہ تک ملازمت کرنے کے بعد معذور ہوا، تو کیا وہ تنخواہ لینے کا حقدار ہے؟	۵۳۹
۴۶۱	تنخواہ میں اضافہ کا وعدہ	۵۴۱
۴۶۲	تدریس وامامت کی قلیل تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ	۵۴۳
۴۶۳	مہتمم صاحب کی تنخواہ ماہ رمضان میں دوگنی اور کارِ مفوضہ انجام نہ دینا	۵۴۴
۴۶۴	مدرس کو علیحدہ کرنے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا	۵۴۶
۴۶۵	سال بھر پورا ہونے پر ایک ماہ کی تنخواہ زائد دینا اور ہر چھٹی پر تنخواہ وضع کرنا	۵۴۸
۴۶۶	تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی صورتیں	۵۴۹
۴۶۷	لوگوں کی طرف سے مدرسین کو جو کھانا دیا جائے، وہ اباحت ہے یا تملیک؟	۵۵۰
۴۶۸	بلا تنخواہ مدرسہ کی خدمت کرنا اور تعمیرِ مدرسہ میں قیام کرنا	۵۵۱
۴۶۹	معلم کی تنخواہ میں انجمن کا پیسہ	۵۵۲
۴۷۰	تنخواہِ مدرسین میں گورنمنٹ کی امداد کا روپیہ	۵۵۳
۴۷۱	کیا دینی معلم کی تنخواہ پرائمری کے معلم سے کم ہونا اہانت ہے؟	۵۵۳
۴۷۲	امام اور قاضی کی تنخواہ کا معیار	۵۵۵
۴۷۳	مدرس اور امام کی تنخواہ کی حیثیت	۵۵۶
۴۷۴	قرض میں تنخواہ کو محسوب کرنا	۵۵۸
۴۷۵	تبلیغ کے لئے مدرسہ سے تنخواہ	۵۵۹
۴۷۶	مدرس کو ڈیڑھ سو روپیہ دے کر دو سو پر دستخط لینا	۵۶۱

۴۷۷	زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا	۵۶۲

الفصل السادس فی المبعوثین والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

۴۷۸	سفیر کی غلطی پر جرمانہ	۵۶۳
۴۷۹	مدرسہ کے سفیر کا دھوکہ دینا	۵۶۴
۴۸۰	سفیر اور منتظم کے درمیان اختلاف ہو تو ایک کو حَکم بنالیا جائے	۵۶۵
۴۸۱	کمیشن پر چندہ وصول کرنا، سفیر کا زکوۃ اور دیگر صدقات کو مخلوط کرنا	۵۶۷
۴۸۲	سفرائے مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے؟ کمیشن پر چندہ	۵۶۸
۴۸۳	سفیر کا خود تملیک کرنا	۵۷۰
۴۸۴	سفیر کا قبل التملیک قرض دینا	۵۷۰
۴۸۵	مدرس کا قبل التملیک خرچ کرنا	۵۷۰
۴۸۶	کیا سفیر کی خوراک جزوِ تنخواہ ہے؟	۵۷۱
۴۸۷	سفیر کو سبکدوش کردینا	۵۷۲
۴۸۸	مستحق طلباء کی آمد کی امید پر چندہ لینا	۵۷۳
۴۸۹	جتنے طلبہ کے لئے سرکار سے وظیفہ ملے اور پھر ان کی تعداد کم رہ جائے تو کیا کرے؟	۵۷۴
۴۹۰	چندہ کے لئے معطی پر اصرار، تدریس کے ساتھ تجارت	۵۷۶
۴۹۱	چندہ کرکے مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو اپنا مکان کہنا، بہشتی زیور کے بعض مسائل کو صحیح نہ جاننا	۵۷۸
۴۹۲	مدرسہ کے لئے چندہ کرکے جو عمارت بنائی جائے کیا وہ وقف ہے؟	۵۷۹
۴۹۳	رسمی رقموں کی وصولی اور خرچ	۵۸۱
۴۹۴	نکاح کے موقعہ پر مدرسہ کیلئے روپیہ لینے کی رسم	۵۸۳
۴۹۵	منتظمین کا تعلیم کے بجائے عمارت، بیل وغیرہ پر دھیان دینا	۵۸۳
۴۹۶	ادائے حقوق ملازمین میں کوتاہی کرنیوالے رئیس کی دینی ادارہ میں امداد	۵۸۴

۴۹۷	صغیر و کبیر کے مخلوط مال سے چندہ........................	۵۸۶
۴۹۸	نابالغ کا مدرسہ کے چندہ میں پیسے دینا........................	۵۸۸
۴۹۹	جعلی سفیر سے زائد روپیہ وصول کرنا........................	۵۸۹
۵۰۰	جعلی رسید سے جمع کردہ چندہ کا مصرف........................	۵۹۰
۵۰۱	محض دفتری خانہ پُری کر کے سرکار سے امداد لینا، گرانی الاؤنس سے زائد دکھلا کر زیادہ وصول	☆
☆	کرنا........................	۵۹۱
۵۰۲	مدرسہ کے کاغذات، مہریں، رسیدیں لیکر چندہ کرنے کا حکم........................	۵۹۲
۵۰۳	مدرسہ کی رسید پر زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں وصول کرنا........................	۵۹۳
۵۰۴	مدرسہ کے چندہ سے دوکانیں بنانا........................	۵۹۵
۵۰۵	چندہ کے پیسہ سے تنخواہ دینا........................	۵۹۶
۵۰۶	مدرسین کی پنشن کا علم چندہ دہندگان کو ہونا چاہئے........................	۵۹۷
۵۰۷	چندہ کا روپیہ جلسہ انعامی میں خرچ کرنا........................	۵۹۷
۵۰۸	چندہ سے خوشحال بچوں کی تعلیم........................	۶۰۰
۵۰۹	خیراتی مدرسہ میں مالدار بچوں کی تعلیم........................	۶۰۱
۵۱۰	ہائی اسکول میں چندہ دینا........................	۶۰۲
۵۱۱	چندہ کا مخصوص طریقہ........................	۶۰۳
۵۱۲	مدرسہ قدیم کی امداد بند کر کے مدرسہ جدید کی امداد کرنا........................	۶۰۳
۵۱۳	دینی مدرسہ میں سرکاری امداد........................	۶۰۴
۵۱۴	پراویڈنٹ فنڈ دینی مدرسہ میں خرچ کرنا........................	۶۰۵

الفصل السابع فی صرف المال الحرام ومال الکافر فی المدارس

(مدارس میں مالِ حرام اور مالِ کافر کے صَرف کرنے کا بیان)

۵۱۵	مدارس کے لئے ناجائز مال سے چندہ........................	۶۰۶

۵۱۶	شراب کی آمدنی سے زمین خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا	۶۰۸
۵۱۷	مالِ حرام سے دینی خدمت	۶۰۸
۵۱۸	سینما کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا	۶۰۹
۵۱۹	مدرسہ کے کرایہ داروں کا پیشہ باجہ بنانا ہے تو اس آمدنی سے اخراجاتِ مدرسہ	۶۱۰
۵۲۰	فلم ایکٹر کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں	۶۱۰
۵۲۱	ایضاً	۶۱۰
۵۲۲	مدرسہ چلانے کے لئے سینما اور عُرس	۶۱۱
۵۲۳	مزار کا پیسہ مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا	۶۱۲
۵۲۴	کبڈی کا مقابلہ شرط کے ساتھ اور اس کا انعام مدرسہ میں	۶۱۳
۵۲۵	ہندو اور پیشہ ور عورت کا مال مدرسہ میں لگانا	۶۱۵
۵۲۶	طوائف کے بنائے ہوئے مکان کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لینا	۶۱۷
۵۲۷	مدارسِ اسلامیہ کے لئے عیسائیوں سے امداد لینا	۶۲۰
۵۲۸	غیر مسلم کی امداد دینی مدرسہ میں	۶۲۱

باب المتفرقات

۵۲۹	کیا دستار بندی ضروری ہے؟	۶۲۲
۵۳۰	جو شخص علمائے حق کو برا کہے اس کو معلم بنانا	۶۲۳
۵۳۱	مہتمم کا اساتذہ وطلباء کے خطوط بلا اجازت پڑھنا	۶۲۴
۵۳۲	کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا	۶۲۵
۵۳۳	مہتمم اگر زکوۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو کیا ملازم اپنے طور پر صرف کرسکتا ہے؟	۶۲۵
۵۳۴	فاضل وقت میں عالم سے مدرسہ کا دوسرا کام لینا	۶۲۷
۵۳۵	مدرسہ کے وقت میں چائے وغیرہ	۶۲۸

۵۳۶	مدرسہ میں جعلی رجسٹر کی کاروائی	۶۲۹
۵۳۷	مدرسہ کے پڑوسی کی دیوار میں نزاع	۶۳۰
۵۳۸	پانی کے نل کی درستگی کے لئے دوسروں سے پیسہ لینا	۶۳۱
۵۳۹	مدرسۃ البنات کا قیام ودیگر سوالات	۶۳۲
۵۴۰	مدرسہ کے طلباء وطالبات کی ارداد اوران کو بُرے الفاظ کہنا	۶۳۵
۵۴۱	سفیر مدرسہ کے ورثاء کو بطور امداد کچھ رقم دینا	۶۳۶
۵۴۲	امام ومدرس کی بدچلنی کا علم ہوتے ہوئے لوگوں کو واقف نہ کرنا	۶۳۷
۵۴۳	عربی پڑھ کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت	۶۳۸
۵۴۴	مدرسین کے لئے مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھنے کا فیصلہ	۶۳۹
۵۴۵	یومِ عاشورہ کی تعطیل مدارس میں	۶۴۰
۵۴۶	یوم عاشورہ کی تعطیل	۶۴۴
۵۴۷	تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا	۶۴۵
۵۴۸	مدرسہ ہے یا چوپال	۶۴۵

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد شانزدہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب البیوع	
	باب البیع الصحیح	
	(بیعِ صحیح کا بیان)	
۱	خچر کی بیع	۲۷
۲	کتے کی بیع	۲۸
۳	کتے کی تجارت	۲۹
۴	کتے کی خرید وفروخت	۳۱
۵	حرام جانوروں کی بیع	۳۲
۶	مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا	۳۳

۷	کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا	۳۴
۸	گوشت کی تجارت	۳۶
۹	ہڈی کی خرید وفروخت	۳۶
۱۰	کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین خریدنا	۳۷
۱۱	بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا	۳۹
۱۲	گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا	۴۰
۱۳	بیعِ مشاع	۴۱
۱۴	ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا	۴۳
۱۵	بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا	۴۴
۱۶	قسطوں پر کوئی شی خریدنا	۴۶
۱۷	تجارت میں نفع کی حد	۴۸
۱۸	بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف	۴۹
۱۹	زیادہ بھاؤ پر خریدنا	۵۰
۲۰	جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا	۵۱
۲۱	غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا	۵۱
۲۲	درختوں پر پھلوں کی بیع	۵۲
۲۳	لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ	۵۵
۲۴	بھیک کے مال کی فروختگی	۵۹
۲۵	مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا	۶۰
۲۶	ایضاً	۶۰
۲۷	دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت	۶۱
۲۸	سانپ کی کھال کی بیع	۶۲

۲۹	انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا	۶۳
۳۰	گوبر کی بیع	۶۴
۳۱	اسپرٹ کی تجارت	۶۵
۳۲	بیع اسٹامپ	۶۵
۳۳	جوتاجرزکوۃ نہ دیتاہواس سے مکان خریدنا	۶۶

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

۳۴	خنزیر کی بیع	۶۸
۳۵	خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع	۶۹
۳۶	چڑھاوا کی بیع	۷۰
۳۷	چڑھاوے کے بکرے کی بیع	۷۲
۳۸	آزادعورت کی بیع	۷۴
۳۹	حرہ کی بیع پر ایک قیاس	۷۴
۴۰	بیوی کو بیچنا	۷۶
۴۱	مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا	۷۷
۴۲	خون کی بیع وشراء	۷۸
۴۳	شراب وغیرہ کی بیع	۷۹
۴۴	دارالاسلام میں ذمی کوحرام اشیاءفروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے	۸۱
۴۵	مول پرآم کی بیع	۸۲

۴۶	چوری شدہ شیٔ کی خریداری	۸۶
۴۷	کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت	۸۷

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

۴۸	بیع میں شرطِ فاسد	۸۸
۴۹	بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا	۸۸
۵۰	بیع بشرطِ اقالہ	۹۰
۵۱	بیع قبل القبض	۹۱
۵۲	خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع	۹۳
۵۳	فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا	۹۴
۵۴	کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع	۹۶
۵۵	پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع	۹۷
۵۶	کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط	۱۰۰
۵۷	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع	۱۰۱
۵۸	اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع	۱۰۲
۵۹	باغ فروخت کر کے کچھ آم مستثنیٰ کرنا	۱۰۳
۶۰	ایضاً	۱۰۶
۶۱	قبرستان کی گھاس فروخت کرنا	۱۰۷
۶۲	مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع	۱۰۸
۶۳	بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع	۱۰۹
۶۴	دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا	۱۱۰

۶۵	دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا............	۱۱۱
۶۶	قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کردینا............	۱۱۳
۶۷	پنشن کی بیع............	۱۱۴
۶۸	فون پر بیع............	۱۱۶
۶۹	غیر مسلم کا نابالغ بھیتجہ کی زمین فروخت کرنا............	۱۱۷
۷۰	بیعِ مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال............	۱۱۷
۷۱	بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت............	۱۱۹

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

۷۲	نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت............	۱۲۰
۷۳	افیون وغیرہ کی بیع............	۱۲۱
۷۴	افیون کی تجارت اور اس کی آمدنی کا حکم............	۱۲۳
۷۵	افیون کی بیع اور کاشت............	۱۲۴
۷۶	بوزی کی بیع............	۱۲۵
۷۷	تمباکو میں رہی ملا کر فروخت کرنا............	۱۲۶
۷۸	آلاتِ لہو کی بیع............	۱۲۷
۷۹	ہارمونیم کی تجارت............	۱۲۸
۸۰	ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال............	۱۲۸
۸۱	بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل............	۱۳۰
۸۲	شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا............	۱۳۱
۸۳	شراب کی خالی بوتلوں کی بیع............	۱۳۳

۸۴	پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت	۱۳۴
۸۵	آتش بازی بنانا اور اس کی تجارت کرنا	۱۳۵
۸۶	مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا	۱۳۷
۸۷	پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا	۱۳۸
۸۸	تعلیمی تاش کی بیع	۱۳۹
۸۹	مہوا کی بیع غلہ سے	۱۴۱
۹۰	''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع	۱۴۱
۹۱	چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کر دینا	۱۴۲
۹۲	دودھ میں پانی ملا کر بیچنا	۱۴۳
۹۳	دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا	۱۴۵
۹۴	ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہو جانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا	۱۴۶
۹۵	غیر قانونی مال خرید کر دوسرے ملک میں فروخت کرنا	۱۴۸
۹۶	راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۱۴۹
۹۷	کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟	۱۴۹

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

۹۸	ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا	۱۵۱
۹۹	ادھار میں قیمت زیادہ لینا	۱۵۲
۱۰۰	ایضاً	۱۵۳
۱۰۱	ایضاً	۱۵۴
۱۰۲	ایضاً	۱۵۶

۱۰۳	نقد وادھار کی قیمت میں فرق	۱۵۷
۱۰۴	نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ	۱۵۷
۱۰۵	ایضاً	۱۵۸
۱۰۶	ایضاً	۱۵۸
۱۰۷	ایضاً	۱۵۸
۱۰۸	ایضاً	۱۵۸
۱۰۹	مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع	۱۶۰
۱۱۰	مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا	۱۶۲
۱۱۱	اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا	۱۶۳
۱۱۲	مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا	۱۶۴
۱۱۳	افیم کی بلیک کا حکم	۱۶۵
۱۱۴	بلیک مارکیٹ	۱۶۶

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

۱۱۵	بیعانہ کا حکم	۱۶۷
۱۱۶	بیعانہ لینے سے بیع	۱۶۸

باب المتفرقات

۱۱۷	اناج کی بیع فصل کی قیمت	۱۷۰
۱۱۸	کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا	۱۷۱
۱۱۹	کھوٹے روپے کا حکم	۱۷۲
۱۲۰	مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے	۱۷۳

۱۲۱	بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟	۱۷۵
۱۲۲	بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا	۱۷۶
۱۲۳	قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت	۱۷۶
۱۲۴	۵/کلو شکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا	۱۷۷

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

۱۲۵	گڈول کی شرعی حیثیت	۱۷۸
۱۲۶	ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت	۱۷۹
۱۲۷	کتابوں کا حقِ طباعت بیچنا	۱۸۲
۱۲۸	حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا	۱۸۳
۱۲۹	حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع	۱۸۴

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

۱۳۰	شیئرز کی بیع اور اس کی زکوٰۃ	۱۸۸
۱۳۱	سودی کمپنی کے حصص خریدنا	۱۹۱
۱۳۲	نیلام کے ذریعے خرید وفروخت	۱۹۳

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

۱۳۳	پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا	۱۹۶

۱۳۴	ماہانہ پرچوں کی بیع	۱۹۸

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

۱۳۵	بیعِ فضولی	۲۰۰

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

۱۳۶	بیع مرابحہ	۲۰۲
۱۳۷	ایضاً	۲۰۲

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

۱۳۸	بیع سلم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت	۲۰۴
۱۳۹	قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا	۲۰۵
۱۴۰	بیع سلم	۲۰۷
۱۴۱	بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ	۲۰۸
۱۴۲	بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا	۲۰۹
۱۴۳	ایک من مکی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت	۲۱۱
۱۴۴	بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط	۲۱۲
۱۴۵	ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سوا دو من گندم لینا	۲۱۴

۱۴۶	ایک مَن گندم کو رقم تصور کر کے آئندہ فصل میں اس کے عوض سوا مَن گندم لینا............	۲۱۵
۱۴۷	دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو من گندم واپس لینا............	۲۱۵
۱۴۸	بیع سلم کی تین صورتیں............	۲۱۷
۱۴۹	بلا شرائط بیع سلم............	۲۱۸
۱۵۰	بیع سلم کی شرطیں............	۲۱۹
۱۵۱	مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم............	۲۲۰
۱۵۲	قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی............	۲۲۳
۱۵۳	بیع سلم فی الفلوس............	۲۲۵
۱۵۴	اشکال بر جوابِ مذکورہ............	۲۲۷
۱۵۵	قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا............	۲۳۱

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

۱۵۶	ذخیرہ اندوزی کا حکم............	۲۳۴
۱۵۷	ایضاً............	۲۳۵

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

۱۵۸	نوٹ وروپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ............	۲۳۷
۱۵۹	ایضاً............	۲۳۸
۱۶۰	دینار کی قیمت............	۲۴۱
۱۶۱	درہم کی قیمت............	۲۴۱

۱۶۲	روپیہ،نوٹ،ریزگاری کی متفاضلاً بیع	۲۴۱
۱۶۳	نوٹ کی بیع کمی بیشی سے	۲۴۶
۱۶۴	نوٹ بمنزلۂ روپے کے ہے	۲۴۷
۱۶۵	حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۶	ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۷	ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا	۲۵۰
۱۶۸	غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع	۲۵۰
۱۶۹	سونے کے سیال پانی کی بیع	۲۵۱
۱۷۰	بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا	۲۵۲
۱۷۱	سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا اور چاندی نکالنا	۲۵۴

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

۱۷۲	بیع الوفاء	۲۵۵
۱۷۳	بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا	۲۵۷
۱۷۴	زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کرکے بعد میں انکار کرنا	۲۵۹
۱۷۵	دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا	۲۶۰
۱۷۶	ایضاً	۲۶۱
۱۷۷	مکان فروخت کرکے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ	۲۶۳
۱۷۸	زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا	۲۶۴
۱۷۹	کٹ قبالہ کا حکم	۲۶۵
۱۸۰	بیع الوفاء کی ایک صورت	۲۶۶

۱۸۱	میعادی بیع اور اس کا نفع	۲۶۸
۱۸۲	بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع	۲۶۹

باب الربوا

(سود کا بیان)

۱۸۳	سود کسے کہتے ہیں؟	۲۷۱
۱۸۴	دار الحرب اور غیر دار الحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق	۲۷۲
۱۸۵	حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم	۲۸۱
۱۸۶	بینک سے سودی قرض لینا	۳۰۱
۱۸۷	سودی قرض لینا	۳۰۲
۱۸۸	سرکاری قرضہ	۳۰۳
۱۸۹	سود پر قرض لینا	۳۰۵
۱۹۰	سرکاری سودی قرضہ	۳۰۶
۱۹۱	سرکاری سودی قرض	۳۰۸
۱۹۲	باہمی سودی فنڈ	۳۰۸
۱۹۳	ایضاً	۳۰۹
۱۹۴	ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا	۳۱۰
۱۹۵	مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا	۳۱۱
۱۹۶	حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا	۳۱۲
۱۹۷	مسلم بینک کا قیام اور اس کی آمدنی	۳۱۳
۱۹۸	مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا	۳۱۴
۱۹۹	مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق	۳۱۷

۲۰۰	جواب مذکور پر اشکال	۳۲۵
۲۰۱	اشکال باقی ہے	۳۲۸
۲۰۲	کمپنی کے فارم فروخت کرنا	۳۳۲
۲۰۳	مقروض ہندو سے دودھ لینا	۳۳۴
۲۰۴	قسط وقت پر ادانہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے	۳۳۶
۲۰۵	مستاجر سے قرض لینا	۳۳۷
۲۰۶	مسلمان سے سود لینا اور سود دُر سود حرام در حرام	۳۳۸
۲۰۷	ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا	۳۴۰
۲۰۸	قرض پر منافع سود ہے	۳۴۱
۲۰۹	منافع قرض	۳۴۳
۲۱۰	قرض پر نفع لینا سود ہے	۳۴۴
۲۱۱	غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا	۳۴۵
۲۱۲	مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع	۳۴۶
۲۱۳	قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا	۳۴۷
۲۱۴	سودی کام میں شرکت	۳۴۸
۲۱۵	سودی معاملہ کی اعانت	۳۴۹
۲۱۶	سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا	۳۵۰
۲۱۷	دارالحرب کی تعریف اور سود لینا	۳۵۱
۲۱۸	دارالحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم	۳۵۲
۲۱۹	ہندوستان میں سود کا حکم	۳۶۷
۲۲۰	دارالاسلام اور دارالحرب کی تحقیق اور مسئلہ سود	۳۷۸
۲۲۱	غیر مسلم سے سود لینا	۳۷۷

۲۲۲	سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟	۳۷۸
۲۲۳	توبہ کے بعد سودی مال کا حکم	۳۷۹

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

۲۲۴	بینک کے سود کا مصرف	۳۸۱
۲۲۵	ایضاً	۳۸۲
۲۲۶	بینک کا سود اور زکوٰۃ سادات کو دینا	۳۸۳

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاۃ

(بیمۂ زندگی کا بیان)

۲۲۷	بیمہ کرانا	۳۸۷
۲۲۸	جان کا بیمہ	۳۸۹
۲۲۹	زندگی کا بیمہ	۳۸۹
۲۳۰	مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کارپوریشن کے لئے طبی معائنہ	۳۹۱

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

۲۳۱	پراویڈنٹ فنڈ پر زائد رقم	۳۹۳
۲۳۲	ایضاً	۳۹۴

فصلٌ فی المتفرقات

۲۳۳	سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے	۳۹۵
۲۳۴	اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا	۴۰۰

۲۳۵	باہم چندہ جمع کر کے رقم پر بولی بولنا	۴۰۲
۲۳۶	برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود	۴۰۳

باب القرض

(قرض کا بیان)

۲۳۷	قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا	۴۰۵
۲۳۸	نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا	۴۰۷
۲۳۹	ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ	۴۰۸
۲۴۰	چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں	۴۰۹
۲۴۱	غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا	۴۱۱
۲۴۲	قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے	۴۱۲
۲۴۳	قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا	۴۱۲
۲۴۴	غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا	۴۱۳
۲۴۵	حقِ واجب ادا نہ کرنا	۴۱۶
۲۴۶	قرض لے کر واپس نہ کرنا	۴۱۶
۲۴۷	اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا	۴۱۹
۲۴۸	ناجائز مال سے قرض وصول کرنا	۴۲۰
۲۴۹	مال حرام سے قرض ادا کرنا	۴۲۱
۲۵۰	مقروض کا نفلی چندہ دینا	۴۲۴
۲۵۱	مقروض کے تین حالات	۴۲۵
۲۵۲	دستِ قرض کا مطالبہ	۴۲۷

۲۵۳	قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت	۴۲۸
۲۵۴	جو شخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب	۴۲۸
۲۵۵	کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا	۴۳۰
۲۵۶	کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جو لا پتہ ہو	۴۳۰
۲۵۷	مال کافر کی ادائیگی	۴۳۱
۲۵۸	ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا	۴۳۲
۲۵۹	دھان کا قرض	۴۳۲
۲۶۰	آٹے کا ادھار	۴۳۳

باب القمار

(جوئے کا بیان)

۲۶۱	مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی	۴۳۵
۲۶۲	لاٹری کا حکم	۴۳۶
۲۶۳	لاٹری کا ٹکٹ	۴۳۸
۲۶۴	لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت	۴۳۸
۲۶۵	جوے کی ایک صورت	۴۳۹
۲۶۶	بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی	۴۴۰
۲۶۷	معمہ حل کرنے کی اجرت	۴۴۱
۲۶۸	اخباری معمہ حل کرنا	۴۴۳
۲۶۹	شمع معمہ حل کرنے پر انعام	۴۴۴
۲۷۰	اخبار کے لائف ممبر بنانا	۴۴۷

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

۲۷۱ ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟............ ۴۴۹
۲۷۲ پیشۂ وکالت............ ۴۵۰
۲۷۳ وکالت کا پیشہ............ ۴۵۲
۲۷۴ وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ............ ۴۵۲
۲۷۵ وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا............ ۴۵۵

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

۲۷۶ زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟............ ۴۵۷
۲۷۷ خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا............ ۴۵۸
۲۷۸ فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا............ ۴۶۰
۲۷۹ ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار............ ۴۶۱
۲۸۰ کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ............ ۴۶۲
۲۸۱ قاضی کی شرعی حیثیت............ ۴۶۳
۲۸۲ فاسق کو قاضی بنانا............ ۴۶۴

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

۲۸۳	کسی کو حَکَم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع	۴۶۵
۲۸۴	کیا حَکَم کے فیصلہ کو رد کرنے کا حق ہے؟	۴۶۷

کتاب الھبة

(ہبہ کا بیان)

۲۸۵	ہبہ اور تملیک میں فرق	۴۶۹
۲۸۶	ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے	۴۶۹
۲۸۷	ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الاَولاد	۴۷۰
۲۸۸	زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں	۴۷۲
۲۸۹	ہبۂ جائیداد زبانی	۴۷۳
۲۹۰	ہبہ کی ایک صورت	۴۷۴
۲۹۱	ہبۂ مشاع	۴۷۶
۲۹۲	ایضاً	۴۷۸
۲۹۳	غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا	۴۸۰
۲۹۴	حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ	۴۸۱
۲۹۵	نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ	۴۸۲
۲۹۶	بچے کی ملک میں مربی کا تصرف	۴۸۳
۲۹۷	ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا	۴۸۵
۲۹۸	خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی	۴۸۶

۲۹۹	مرض الموت میں ہبہ	۴۸۷
۳۰۰	مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ	۴۸۸
۳۰۱	مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم	۴۹۰
۳۰۲	مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط	۴۹۲
۳۰۳	اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا	۴۹۲
۳۰۴	واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال	۴۹۴
۳۰۵	اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل	۴۹۶
۳۰۶	ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا	۴۹۸
۳۰۷	لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی	۵۰۱
۳۰۸	اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی	۵۰۳
۳۰۹	بیٹے کو زمین ہبہ کرکے واپس لینا	۵۰۷
۳۱۰	پوتے کو ہبہ کرکے پھر رجوع کرنا	۵۰۹
۳۱۱	مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ	۵۱۰
۳۱۲	ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت	۵۱۱
۳۱۳	ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا	۵۱۳
۳۱۴	متبنّٰی کو ہبہ یا وراثت	۵۱۵
۳۱۵	انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے	۵۱۶
۳۱۶	غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ	۵۲۰

كتاب الضمان والوديعة

بابٌ في الضمان

(ضمان کا بیان)

۳۱۷	ضمان کی تعریف	۵۲۱

۳۱۸	ضامن پر قسم کا حکم	۵۲۱
۳۱۹	حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا	۵۲۲
۳۲۰	ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا	۵۲۳
۳۲۱	کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟	۵۲۳
۳۲۲	مؤذن سے روپیہ ضائع ہوگیا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۴
۳۲۳	مہتمم پر ضمان	۵۲۵
۳۲۴	مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت	۵۲۷
۳۲۵	اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہوجائے تو ضمان کس پر ہے؟	۵۲۷
۳۲۶	کرایہ کی سائیکل چوری ہوجائے تو اس کا حکم	۵۲۸
۳۲۷	دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۹
۳۲۸	بچپن کی چوری کا ضمان	۵۲۹
۳۲۹	بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان	۵۳۰
۳۳۰	دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان	۵۳۰
۳۳۱	ملزم کی ضمانت کرنا	۵۳۲

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

۳۳۲	مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف	۵۳۳
۳۳۳	فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟	۵۳۳
۳۳۴	کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟	۵۳۵
۳۳۵	امانت کی واپسی کے لئے شرط	۵۳۶
۳۳۶	امانت کا ادا نہ کرنا	۵۳۷

۳۳۷	چاندی کا روپیہ امانت رکھا اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟	۵۳۹
۳۳۸	امانت کے نوٹ کو بدل دینا	۵۳۹

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

۳۳۹	امانت کا ضمان	۵۴۱
۳۴۰	ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں	۵۴۲
۳۴۱	امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان	۵۴۲
۳۴۲	امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان	۵۴۴
۳۴۳	غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا	۵۴۵
۳۴۴	امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم	۵۴۶
۳۴۵	مسجد کی امانت چوری ہوجائے تو ضمان کا حکم	۵۴۷
۳۴۶	انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟	۵۴۸
۳۴۷	حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر امانت کا ضمان	۵۵۱
۳۴۸	امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان	۵۵۲
۳۴۹	امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان	۵۵۳

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

۳۵۰	اجارہ کی تعریف	۵۵۵

۳۵۱	اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال.........	۵۵۵
۳۵۲	زمین اجارہ پر دینا.........	۵۵۷
۳۵۳	زمین کی اجرت دھان قرار دینا.........	۵۵۸
۳۵۴	زمین اور باغ کا اجارہ.........	۵۵۹
۳۵۵	کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں.........	۵۶۰
۳۵۶	جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا.........	۵۶۰
۳۵۷	جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈ وٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم.........	۵۶۱
۳۵۸	کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا.........	۵۶۲
۳۵۹	جانور ذبح کرنے کی اجرت.........	۵۶۲
۳۶۰	امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت.........	۵۶۳
۳۶۱	کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/ منٹ میں واپس کردینا.........	۵۶۵
۳۶۲	نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ.........	۵۶۶
۳۶۳	شوہر کے لیے بیوی کی ملازمت.........	۵۶۷
۳۶۴	گیسٹ ہاؤس کی آمدنی.........	۵۶۸
۳۶۵	سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی.........	۵۶۹
۳۶۶	جوتی بنانے کا پیشہ.........	۵۷۰
۳۶۷	ٹھیکیداری کا پیشہ.........	۵۷۱
۳۶۸	ملازمت کے وقت میں دوسرا کام.........	۵۷۲
۳۶۹	تنخواہ دار مدرس اجیر خاص ہے یا اجیر مشترک؟.........	۵۷۳
۳۷۰	روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا.........	۵۷۴
۳۷۱	غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے.........	۵۷۶
۳۷۲	مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا.........	۵۷۶

۳۷۳	حَکَم کے لئے حقِ محنت اور فریقین کے یہاں کھانا	۵۷۷
۳۷۴	قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کوملازم رکھنا	۵۷۸
۳۷۵	حکومت سے اپنا حقِ تنخواہ وصول کرلینا	۵۷۹
۳۷۶	باغ کوکرایہ پر دینا	۵۸۱
۳۷۷	مکان کی پگڑی	۵۸۲
۳۷۸	ایضاً	۵۸۳
۳۷۹	مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی	۵۸۴

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

۳۸۰	کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت	۵۸۶
۳۸۱	کھیت کٹائی کی مجہول اجرت	۵۸۷
۳۸۲	کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا	۵۸۸
۳۸۳	کھیت کی کٹائی کی اجرت	۵۸۹
۳۸۴	آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا	۵۹۰
۳۸۵	سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے	۵۹۰
۳۸۶	جلن کا کاٹنا	۵۹۲
۳۸۷	فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت	۵۹۳
۳۸۸	گائے کوکرایہ پر دینا	۵۹۳
۳۸۹	ادھیان پر جانور دینا	۵۹۴
۳۹۰	بکریوں کوادھیا پر دینا	۵۹۵
۳۹۱	بکری پالنے کے لئے دینا	۵۹۶

۳۹۲	ایضاً	۵۹۷
۳۹۳	گائے پالنے کے لئے دینا	۵۹۷
۳۹۴	پال پر جانور دینا	۵۹۸
۳۹۵	بکری پال پر دینا	۵۹۹
۳۹۶	ایضاً	۶۰۰
۳۹۷	گائے پال پر دینا	۶۰۱
۳۹۸	پال پر جانور دینا	۶۰۲
۳۹۹	جانور کی جفتی کی اجرت	۶۰۳
۴۰۰	گابھن کرانے کی اجرت	۶۰۳
۴۰۱	جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا	۶۰۴
۴۰۲	کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا	۶۰۵
۴۰۳	کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط	۶۰۶
۴۰۴	کتابیں کرایہ پر دینا	۶۰۷
۴۰۵	قلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا	۶۰۷
۴۰۶	ہنڈی اور منی آرڈر	۶۰۸
۴۰۷	کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟	۶۱۰
۴۰۸	جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا	۶۱۰
۴۰۹	جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے	۶۱۱
۴۱۰	کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی	۶۱۳
۴۱۱	دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت	۶۱۴
۴۱۲	ملازم کو سفرِ خرچ کی جعلی رسید بنانا	۶۱۵

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

۴۱۳ بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت ۶۱۷

۴۱۴ اجرتِ دلال ۶۱۸

۴۱۵ دلالی کا حکم ۶۱۸

۴۱۶ کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا ۶۱۹

۴۱۷ سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ ۶۲۰

۴۱۸ نیلام کرنے کی اجرت ۶۲۱

۴۱۹ کمیشن پر نیلام ۶۲۲

۴۲۰ کمیشن پر سفیر رکھنا ۶۲۳

۴۲۱ ایضاً ۶۲۵

۴۲۲ کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا ۶۲۸

۴۲۳ کمیشن پر چندہ کرنا ۶۲۹

۴۲۴ ایضاً ۶۳۰

۴۲۵ اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا ۶۳۱

۴۲۶ نوٹ پر کمیشن ۶۳۲

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

۴۲۷ کرایہ دار کے مرنے سے عقد اجارہ کا فسخ ہونا ۶۳۴

۴۲۸	ایضاً..	۶۳۷
۴۲۹	اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟............	۶۴۰
۴۳۰	کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟............	۶۴۲
۴۳۱	مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا..	۶۴۲
۴۳۲	کرایہ کا مکان خالی کرنا..	۶۴۳
۴۳۳	وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا................	۶۴۵
۴۳۴	قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا............	۶۴۶

☆.....☆.....☆

فہرست عنوانات......جلد ہفت دہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	بقية كتاب الإجارة	
	باب الاستيجار على الطاعات	
	الفصل الأول في الاستيجار على التعليم وغيره	
	(تعلیم، اعتکاف اور فتویٰ پر اجرت لینے کا بیان)	
۱	تعلیمِ قرآن پر اجرت	۲۵
۲	ایضاً	۲۷
۳	اعتکاف پر معاوضہ	۲۸
۴	فتویٰ پر اجرت لینا	۲۹
۵	نمازِ فجر کے لئے لوگوں کو جگانے کی اجرت	۳۰
	الفصل الثاني في الاستيجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت	
	(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)	
۶	تلاوتِ قرآن کریم پر اجرت	۳۲

۷	قرأتِ قرآن پر اجرت کا حیلہ	۳۶
۸	ایضاً	۳۶
۹	اجرت پر قرآن خوانی	۳۷
۱۰	قاری کے لئے اجرت کی شرط اور مروجہ قرآن خوانی	۳۸
۱۱	اجرت علی القرأۃ	۴۱
۱۲	شفائے مریض کے لئے آیاتِ قرآنیہ پر اجرت لینا	۴۲
۱۳	ایصالِ ثواب کے لئے اجارہ	۴۳
۱۴	میت کے لئے اجرت پر تسبیح وتہلیل	۴۶
۱۵	ایصالِ ثواب کرنے والوں کو کچھ ہدیہ دینا	۴۷
۱۶	ایصالِ ثواب پر پیسے لینا	۴۸
۱۷	دعوت کے لئے پیسے کی شرط	۴۸

الفصل الثالث فی الاستیجار علی الإمامة و الأذان

(امامت اوراذان کی اجرت لینے کا بیان)

۱۸	امام کے لئے مشاہرہ	۵۰
۱۹	اجرت پر نمازِ عید کی امامت کرنا	۵۰
۲۰	امامت کی اجرت میں صرف کھانا دینا	۵۳
۲۱	امام یا مؤذن کو تنخواہ میں مسجد کی زمین دینا	۵۴
۲۲	اپنی عوض میں دوسرا امام دے کر چلہ میں جانے والے امام کی تنخواہ	۵۵
۲۳	جو امام پابندی نہ کرے اس کا معاوضہ	۵۵
۲۴	امام کا استعفیٰ دینے کے بعد استحقاقِ تنخواہ کے لئے تجدید معاملہ	۵۶
۲۵	امام کی تنخواہ اور کھانا حرام آمدنی سے	۵۷
۲۶	امام کا دیر سے آنا اور تنخواہ لینا	۵۸

۲۷	امام سے معاہدہ کہ ''غیر حاضری کی تنخواہ وضع نہ کی جائے'' درست ہے	۵۹
۲۸	مسجد کی آمدنی سے امام کی غیر حاضری کی تنخواہ وضع کرنے کا قانون	۶۰
۲۹	مہینہ ہوتے ہی تنخواہ کا مطالبہ	۶۱
۳۰	نماز جنازہ پڑھا کر خیرات لینا	۶۱
۳۱	بچہ کے کان میں اذان پر کچھ پیش کرنا	۶۲

الفصل الرابع فی الاستیجار علی ختم التراویح

(ختم تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

۳۲	تراویح میں ختم قرآن پر اجرت	۶۴
۳۳	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۵
۳۴	تراویح میں سنانے کی اجرت	۶۶
۳۵	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۷
۳۶	امامت، تعلیم اور تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۸
۳۷	تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت	۶۹
۳۸	قرآن شریف سنانے کی اجرت اور اس کا حیلہ	۷۱
۳۹	تراویح میں قرآن شریف سنانے پر کچھ لینا دینا	۷۲
۴۰	ختم قرآن پر اجرت یا ہدیہ	۷۴
۴۱	ختم تراویح پر روشنی اور امام کو ہدیہ	۷۴
۴۲	امام تراویح کی خدمت کرنا	۷۵
۴۳	تراویح پر اجرت	۷۷
۴۴	تراویح اور پنجگانہ امامت اور تعلیم قرآن کی اجرت میں فرق	۷۸
۴۵	ختم قرآن پر دعوت	۷۹
۴۶	ختم شریف کا چندہ	۸۱

۴۷	ختم قرآن وختم بخاری پر اجرت میں فرق	۸۲

الفصل الخامس فی الاستیجار علی الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

۴۸	وعظ کی اجرت	۸۶
۴۹	وعظ کو پیشہ بنانا	۸۶
۵۰	وعظ کی ملازمت	۸۷
۵۱	وعظ پر نذرانہ	۸۸
۵۲	ایضاً	۸۸
۵۳	تلاوت اور وعظ پر اجرت	۹۰

الفصل السادس فی الاستیجار علی خطبة النکاح

(نکاح پڑھانے پر اجرت لینے کا بیان)

۵۴	نکاح خوانی کی اجرت	۹۳
۵۵	ایضاً	۹۵
۵۶	نکاح پڑھانے کی اجرت	۹۶
۵۷	نکاح خوانی کی اجرت کس پر ہے؟	۹۷
۵۸	نکاح خوانی کی اجرت	۹۸

الفصل السابع فی الاستیجار علی التعویذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

۵۹	تعویذ، گنڈے اور وعظ پر معاوضہ	۹۹
۶۰	تعویذ پر اجرت	۱۰۰

۶۱	تعویذ اور اس پر اجرت	۱۰۱
۶۲	تعویذ پر اجرت	۱۰۳
۶۳	جن، بھوت کے علاج پر معاوضہ	۱۰۳
۶۴	ڈبل پر دم کرنے پر معاوضہ	۱۰۵

باب الاستیجار علی المعاصی

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

۶۵	ناجائز کام کی اجرت	۱۰۷
۶۶	باجہ بجانے کی اجرت	۱۰۹
۶۷	ریڈیو بنانے اور مرمت کرنے کی اجرت	۱۱۰
۶۸	قوالی اور اس کی آمدنی	۱۱۱
۶۹	ناول کرایہ پر دینا	۱۱۳
۷۰	تصویر کی اجرت	۱۱۴
۷۱	گیس بتی مجالسِ شرک وفسق میں کرایہ پر دینا	۱۱۵
۷۲	حرام آمدنی سے کھانا اور تنخواہ لینا	۱۱۶
۷۳	کارخانہ شراب کی ملازمت	۱۱۷
۷۴	ایسی ملازمت جس میں سود کا حساب ہی ہو	۱۱۹
۷۵	چنگی کی ملازمت	۱۲۰
۷۶	نسبندی کی ملازمت	۱۲۱
۷۷	تاڑی نکالنے کے لئے درخت کو کرایہ پر دینا	۱۲۱
۷۸	نائی کا پیشہ	۱۲۲
۷۹	نائی کی اجرت	۱۲۳

باب المتفرقات

۸۰ کرایہ دار کا مالک کی زمین میں مکان بنانا ۱۲۵
۸۱ امام کے لئے نوتہ لکھنے کی ذمہ داری ۱۲۶
۸۲ بلاٹکٹ ریل میں سفر کرنا ۱۲۷
۸۳ بذریعۂ پاس ریل میں سفر کرنا ۱۲۸
۸۴ دوکان کا بڑھا ہوا تختہ حکومت نے کٹوادیا، وہ کرایہ دار کا ہے یا مالکِ دوکان کا؟ ۱۲۹
۸۵ بیع سے پہلے کرایہ وصول کرنا ۱۳۰
۸۶ ایک کی دوکان سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ ۱۳۲
۸۷ بلامجبوری کے کرایہ دار کو تکلیف دینا ۱۳۶
۸۸ ٹیکس دینے سے نقصان ہو تو کیا کرے؟ ۱۳۷
۸۹ چنگی کا محصول ۱۳۷
۹۰ چنگی سے مال بچانا ۱۴۰
۹۱ تجارتی مال کا محصول اور چنگی دینا ۱۴۱

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

۹۲ کسی کی زمین کو غصب کرنا ۱۴۲
۹۳ زمین غصب کرکے پڑوسی کا مکان بنوانا ۱۴۳
۹۴ کسی کی بوئی ہوئی کھیتی کو کاٹ لینا ۱۴۵
۹۵ ۷۵/ بیگہ سے زائد زمین رکھنا اور کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا ۱۴۶
۹۶ پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ ۱۴۷

۹۷	سیرداری کی زمین	۱۴۹
۹۸	دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے کیا مالک بن جائے گا؟	۱۵۰
۹۹	غاصب کا قبضہ ہٹانے کے لئے قتل کرنا	۱۵۲
۱۰۰	مملوک کنویں کو مندر بنانا	۱۵۳
۱۰۱	کرایہ کے مکان پر قبضہ	۱۵۴
۱۰۲	شجرۂ مغصوبہ کا پھل	۱۵۶
۱۰۳	کیا بارش کے پانی کو دوسرے کے مکان کے صحن سے روکنا درست ہے؟	۱۵۷

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

۱۰۴	حق شفعہ کی تفصیل	۱۵۸
۱۰۵	ابطالِ شفعہ کے حیلہ پر بخاریؒ کا اعتراض	۱۶۰

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

۱۰۶	مزارعت کی مختلف صورتیں	۱۶۳
۱۰۷	زمین مزارعت کے لئے ادھیا پر دینا	۱۶۷
۱۰۸	بیج دے کر نصف پیداوار پر کھیت دینا	۱۶۸
۱۰۹	کچھ اراضی نصف پیداوار پر دینے اور کچھ کل پیداوار پر دینے کا حکم	۱۶۸
۱۱۰	پیداوار میں سے مخصوص حصہ متعین کرنا	۱۷۰
۱۱۱	زمین کا کرایہ نقد، غلہ کی صورت میں، یا پیداوار کا حصہ متعین کرنا	۱۷۱
۱۱۲	زمیندار کا حصہ متعین کرکے مزدور، ہل اور بیج کا خرچہ کاشتکار پر رکھنا	۱۷۳

۱۱۳	مزارعت میں اگر تاوان ہوتو کس پر ہوگا؟	۱۷۳
۱۱۴	سوال وجواب مذکورہ سے متعلق سوال	۱۷۵
۱۱۵	مسجد کی زمین کو زراعت کے لئے دینا	۱۷۶
۱۱۶	خاتمۂ زمیندارہ کاشتکار کو مالک بنادینا درست ہے یانہیں؟ مع فتوی حضرت حکیم الامتؒ	۱۷۷
۱۱۷	موروثی زمین، کسی مدت تک کاشت کرنے سے کاشتکار کے لئے ثبوتِ ملک	۱۸۱
۱۱۸	موروثی زمین اور قرض میں تمادی	۱۸۴
۱۱۹	غیر مسلم کی موروثی زمین	۱۸۵
۱۲۰	زمین کو چک بندی سے بچانے کی ترکیب	۱۸۶
۱۲۱	موروثی اور دخیل کاری کی آمدنی	۱۸۷
۱۲۲	کھڑے کھیت کی انداز سے تقسیم	۱۸۸
۱۲۳	مزارع کو سکونت کا حق	۱۸۹
۱۲۴	زمیندار کی زمین میں مکان تعمیر کرانا	۱۹۱
۱۲۵	کسی کی زمین سے گھاس کاٹنا	۱۹۳
۱۲۶	سرکاری زمین میں کھیتی کرنا	۱۹۵
۱۲۷	کاشتکار کا چار بیگہ زمین لے کر زمیندار کی بقیہ زمین واپس کرنا	۱۹۶
۱۲۸	غیر مملوک زمین میں بونے سے ملکیت	۱۹۷
۱۲۹	سیل ماء دوسرے کی ملک میں	۱۹۸

کتاب الصید والذبائح

باب الصید

(شکار کرنے کا بیان)

۱۳۰	کیا شکار کرنا مباح ہے؟	۲۰۰

۱۳۱	تفریح کے لئے شکار کھیلنا	۲۰۱
۱۳۲	بلاضرورت شکار میں وقت ضائع کرنا	۲۰۳
۱۳۳	شکار میں نماز قضا کرنا	۲۰۳
۱۳۴	بے نمازی کا شکار اور اس کے ساتھ اختلاط	۲۰۳
۱۳۵	زندہ چیز کو کانٹے میں پھنسا کر شکار کرنا	۲۰۵
۱۳۶	مچھلی زندہ پکڑنے کے بعد پانی سے باہر مرگئی، اس کے کھانا کا حکم	۲۰۵
۱۳۷	پانی کے اندر لاٹھی سے مچھلی مار کر مرنے کے بعد پکڑنا	۲۰۶
۱۳۸	لب دریا خطیرہ بنایا، اس میں مچھلیاں آگئیں، ان کا دوسرے کو پکڑنا	۲۰۷
۱۳۹	مملوک حوض سے مچھلی پکڑنا	۲۱۲
۱۴۰	سور کے خون سے آلودہ برچھی سے شکاری کے زخمی کئے ہوئے جانور کا حکم	۲۱۳
۱۴۱	عضوِ شکار ذبح سے پہلے جدا ہوگیا	۲۱۴
۱۴۲	کتے کے ذریعہ شکار	۲۱۴
۱۴۳	کتے کا شکار کو پکڑنا	۲۱۶
۱۴۴	کتے کو "بسم اللہ" پڑھ کر ہرن پر چھوڑا، اس نے اول خنزیر کو پکڑا پھر ہرن کو	۲۱۶
۱۴۵	کتے کے منہ سے گوشت چھین کر خود کھانا	۲۱۷
۱۴۶	کیچوے کے ذریعہ مچھلی کا شکار	۲۱۸
۱۴۷	کیچوے کے ذریعہ شکار	۲۱۹
۱۴۸	زندہ مینڈک سے شکار	۲۱۹
۱۴۹	بندوق کے شکار کا حکم	۲۲۰
۱۵۰	بندوق سے شکار	۲۲۲
۱۵۱	بندوق کی گولی سے شکار	۲۲۳

باب الذبائح

الفصل الأول فی من یصح ذبحه ومن لایصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

۱۵۲	دیوبندی کا ذبیحہ	۲۲۵
۱۵۳	بچے کے ذبیحہ کا حکم	۲۲۶
۱۵۴	بے نمازی اور نشہ کرنے والوں کا ذبیحہ	۲۲۶
۱۵۵	کیا تارکِ صوم کا ذبیحہ حرام ہے؟	۲۲۸
۱۵۶	عورت کا خود اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرنا	۲۲۸
۱۵۷	عورت کا ذبیحہ	۲۲۹
۱۵۸	حائضہ، نفساء اور جنب کے ذبیحہ کا حکم	۲۳۰
۱۵۹	کلمۂ کفر کہنے والے کا ذبیحہ	۲۳۰
۱۶۰	مشین اور یہودی کا ذبیحہ	۲۳۱
۱۶۱	ذبیحۂ یہودی	۲۳۴
۱۶۲	شیعہ کا ذبیحہ	۲۳۵
۱۶۳	روافض کا ذبیحہ بمجبوری	۲۳۶
۱۶۴	غیر مسلم کا ذبیحۂ شرعیہ کو فروخت کرنا	۲۳۷
۱۶۵	دو شخصوں کا ذبح کرنا	۲۳۷

الفصل الثانی فی سنن الذبح وآدابه ومکروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

۱۶۶	قربانی کے وقت "بسم اللہ، اللہ أکبر" کہنا	۲۳۹

۱۶۷	وقتِ ذبح اللہ کا کونسا نام لیا جائے؟	۲۴۰
۱۶۸	ذبیحہ پر کسی بھی زبان میں اللہ کا نام لینا	۲۴۱
۱۶۹	کیا قربانی کے ہر شریک پر تکبیر واجب ہے؟	۲۴۲
۱۷۰	معینِ ذابح پر تسمیہ	۲۴۳
۱۷۱	ذبح کے وقت جانور کس کروٹ پر ہو؟	۲۴۴
۱۷۲	ذبح کرتے وقت جانور کا قبلہ رو ہونا	۲۴۵
۱۷۳	الذبح فوق العقدة	۲۴۶
۱۷۴	گردن کی طرف سے ذبح کرنا	۲۵۴
۱۷۵	ذبیحہ کی گردن جدا ہو جانا	۲۵۷
۱۷۶	بکری کو ذبح کرتے وقت خون کو وہیں بند کر دینا	۲۵۷
۱۷۷	ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا	۲۵۹
۱۷۸	ذبح سے قبل بجلی کا شاٹ لگانا	۲۶۰
۱۷۹	متوحش جانور کو ذبح کرنے کے لئے سر پر لوہا مارنا	۲۶۱
۱۸۰	ذبح کے وقت علاماتِ حیات	۲۷۸
۱۸۱	ذبح سے پہلے جانوروں کو بھوکا رکھنا	۲۸۰

الفصل الثالث في مايصح ذبحه ومالايصح

(ذبحِ صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

۱۸۲	مرنے کے بعد چھری پھیرنے سے مرغ حلال نہیں ہوتا	۲۸۱
۱۸۳	جس جانور کے دو ٹکڑے ہو جائیں اس کا ذبح کرنا	۲۸۲
۱۸۴	جس بکرے پر بجلی گر جائے اس کو ذبح کر کے کھانا	۲۸۴
۱۸۵	بندوق سے چڑیا کی گردن اُڑ گئی اس کو ذبح کیا گیا	۲۸۴
۱۸۶	کتے نے مرغی کو پکڑ لیا اس کو ذبح کر کے کھانا	۲۸۵

۱۸۷	بیمار گائے ذبح کی اور خون آہستہ آہستہ نکلا، حرکت کچھ نہیں کی........................	۲۸۶
۱۸۸	ایک جانور کو ذبح کیا وہ جا کر پانی میں ڈوب گیا اس کا کھانا........................	۲۸۷
۱۸۹	کارآمد جانور کو تجارت کے لئے ذبح کرنا........................	۲۸۸

الفصل الرابع فی مایصح أکله من اللحوم ومالایصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

۱۹۰	عرب ممالک میں ڈبہ بند گوشت کا حکم........................	۲۹۰
۱۹۱	چمڑا کھانا........................	۲۹۱
۱۹۲	حلال جانور کا چمڑا کھانا........................	۲۹۲
۱۹۳	قربانی کی کھال کا کھانا........................	۲۹۲
۱۹۴	اوجھڑی اور آنتیں کھانا........................	۲۹۳
۱۹۵	اوجھڑی کھانا کیسا ہے؟........................	۲۹۴
۱۹۶	اوجھڑی، آنتوں اور گدھی اور سؤر کے دودھ کا حکم........................	۲۹۵
۱۹۷	غدود کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟........................	۲۹۷
۱۹۸	حرام مغز........................	۲۹۸
۱۹۹	بکرے کے کپورے کا حکم........................	۲۹۸
۲۰۰	کپورے کے متعلق حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ........................	۲۹۹
۲۰۱	خصیہ کا کھانا........................	۳۰۰
۲۰۲	حلال جانور کے حلال اجزاء........................	۳۰۰
۲۰۳	گوشت کے ساتھ لگا ہوا خون پاک ہے، ذبح بھی دباغت ہے........................	۳۰۲
۲۰۴	گھومنے اور پھرنے والی مرغی کو فوراً ذبح کر کے کھانا........................	۳۰۵
۲۰۵	کافر کے سرکاری سانڈ کو ذبح کر کے کھانا........................	۳۰۶
۲۰۶	گابھن بھیڑ کو ذبح کر کے فروخت کرنا اور اس کے بچے کا حکم........................	۳۰۷

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب

(قربانی کے وجوب وعدم وجوب کا بیان)

۲۰۷	قربانی کس پرواجب ہے؟ کیا قیمت کاصدقہ کرناکافی ہے؟	۳۰۹
۲۰۸	قربانی کس پرواجب ہے؟	۳۱۰
۲۰۹	کیاگھر کےسب آدمیوں کی طرف سے قربانی لازم ہے؟	۳۱۱
۲۱۰	سب گھر کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی	۳۱۲
۲۱۱	مشترکہ کاروبار والے جب انفراداً صاحبِ نصاب نہ ہوں تو قربانی واجب نہیں	۳۱۳
۲۱۲	صغیراولاد کی طرف سے قربانی، ہدایہ کی عبارت	۳۱۳
۲۱۳	کچھ سونااور کچھ چاندی دونوں پرقربانی	۳۱۴
۲۱۴	جانورخریدنے سے قربانی کاوجوب	۳۱۵
۲۱۵	قربانی کادوسراجانورخریدنے پرپہلاگم شدہ مل گیا	۳۱۶
۲۱۶	قربانی کاجانورمرنے سے کیاواجب ساقط ہوجاتا ہے؟	۳۱۶
۲۱۷	قربانی کے لئے جانورخریدکرفقیرہوگیا	۳۱۷
۲۱۸	ہدیہ کئے ہوئے جانورمیں قربانی کی نیت	۳۱۸
۲۱۹	گابھن گائے کی قربانی	۳۱۹
۲۲۰	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا	۳۱۹
۲۲۱	کسی کی طرف سے بلااذن قربانی کرنا	۳۲۱
۲۲۲	مسافربیٹے کی طرف بغیراس کی اجازت کے قربانی کرنا	۳۲۳
۲۲۳	باپ کی طرف سے قربانی	۳۲۴

۲۲۴	میت کی طرف سے قربانی	۳۲۵
۲۲۵	میت کی طرف سے قربانی بلا وصیت	۳۲۶
۲۲۶	اپنی قربانی نہ کرنا، میت کی طرف سے قربانی کرنا	۳۲۸
۲۲۷	میت کی طرف سے قربانی کے ذریعہ ادائے واجب	۳۲۹
۲۲۸	اپنی قربانی میں زیادہ ثواب ہے، یا والدہ، یا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے؟	۳۳۲

بابٌ فی أفضل الضحایا وفیما یجوز منها ومالا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز وناجائز جانور کا بیان)

۲۲۹	کس جانور کی قربانی افضل ہے؟	۳۳۳
۲۳۰	کسی کی دلجوئی کے لئے گائے کی قربانی کو ترک کر کے بکرا قربان کرنا	۳۳۳
۲۳۱	ایک فربہ بکرے کی قربانی بہتر ہے، یا اس سے قیمت میں برابر دو بکروں کی؟	۳۳۶
۲۳۲	ہندو کی دل آزاری کے خیال سے قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو واپس کرنا	۳۳۷
۲۳۳	نر اور مادہ میں کس کی قربانی افضل ہے؟	۳۴۰
۲۳۴	خصی جانور کی قربانی کا حکم	۳۴۰
۲۳۵	خصی کی قربانی	۳۴۱
۲۳۶	ساتواں حصہ افضل ہے یا بکرا	۳۴۱
۲۳۷	گائے اور بکری کی قربانی کی افضلیت سے متعلق قاضی خان کی عبارت پر اشکال	۳۴۲
۲۳۸	گائے کی قربانی کا ثبوت	۳۴۴
۲۳۹	قانوناً ممنوع ہونے کے باوجود گائے کی قربانی کرنا	۳۴۵
۲۴۰	بیل، بھینس کی قربانی قانوناً جائز ہے یا نہیں؟	۳۴۵

۲۴۱	اس بھینس کی قربانی جو موٹی ہو مگر دو سال سے کم ہو........	۳۴۸
۲۴۲	ایضاً........	۳۴۸
۲۴۳	بھینس کی قربانی........	۳۴۹
۲۴۴	بھینس کی قربانی کا حکم........	۳۵۰
۲۴۵	قیمتی بکرا پالا، پھر اس کے عوض گائے خرید کر قربانی کرنا........	۳۵۱
۲۴۶	کانجی ہاؤس سے نیلام جانور کی قربانی........	۳۵۲
۲۴۷	ایک فوطہ والے جانور کی قربانی........	۳۵۳
۲۴۸	گابھن جانور کی قربانی........	۳۵۳
۲۴۹	حاملہ منذور جانور کی قربانی........	۳۵۴
۲۵۰	سستی قیمت کا جانور خرید کر قربانی کرنا........	۳۵۵
۲۵۱	جنگلی جانور کی قربانی........	۳۵۶
۲۵۲	ہرن اور بکری سے پیدا شدہ کی قربانی........	۳۵۶
۲۵۳	پالتو ہرن کی قربانی........	۳۵۷
۲۵۴	مرغ کی قربانی........	۳۵۸

فصلٌ فی سِنّ الأضحیة

(قربانی کے جانور کی عمر کا بیان)

۲۵۵	سال بھر سے کم دنبہ کی قربانی........	۳۵۹
۲۵۶	سال بھر سے کم بھیڑ کی قربانی........	۳۵۹
۲۵۷	ایضاً........	۳۶۱
۲۵۸	ایضاً........	۳۶۲
۲۵۹	سال بھر سے چندروز کم بکرے کی قربانی........	۳۶۳

۲۶۰	قربانی کے لئے دو دانت کا لزوم	۳۶۳
۲۶۱	جنین کی قربانی	۳۶۹
۲۶۲	لفظ "جذعہ" کی تشریح	۳۶۹
۲۶۳	"مسنہ" کی تحقیق اور اس کی قربانی	۳۷۴

باب مایکون عیباً فی الأضحیة ومالا

(قربانی میں عیب کا بیان)

۲۶۴	لنگڑے جانور کی قربانی	۳۷۶
۲۶۵	ایضاً	۳۷۷
۲۶۶	گائے کا دوتہائی سینگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں اور ہدایہ و حجۃ اللہ	☆
☆	البالغۃ کی عبارت میں تطبیق	۳۷۷
۲۶۷	خنثیٰ بکری کی قربانی	۳۷۹
۲۶۸	قربانی کے لئے موٹاپا عیب نہیں	۳۸۰
۲۶۹	دوتھن والی بھینس کی قربانی	۳۸۰
۲۷۰	موطوءہ جانور کی قربانی	۳۸۲
۲۷۱	جس جانور کے سینگ نہ ہو اس کی قربانی	۳۸۳
۲۷۲	سینگ ٹوٹی ہوئی بکری کی قربانی	۳۸۳
۲۷۳	سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی	۳۸۴
۲۷۴	سینگ ٹوٹے ہوئے مینڈھے کی قربانی	۳۸۵
۲۷۵	آدھا سینگ شکستہ ہو تو اس کی قربانی	۳۸۵
۲۷۶	کان چرے ہوئے کی قربانی	۳۸۶
۲۷۷	ذبح کرنے کے لئے گرانے سے عیب پیدا ہو گیا	۳۸۷

۲۷۸	قربانی سے پہلے جانور بیمار ہوگیا..............................	۳۸۷
۲۷۹	قربانی کے لئے بکرا خریدا، وہ بیمار ہوگیا اب کیا کرے؟..............................	۳۸۸
۲۸۰	نذرِ قربانی کا بکرا بیمار ہوجائے تو کیا ذبح کرنے سے نذر قبول ہوگی؟..............................	۳۸۸
۲۸۱	قربانی کا جانور بیمار ہوگیا نمازِ عید سے پہلے اس کی قربانی..............................	۳۸۹
۲۸۲	قربانی کا جانور بیمار ہوگیا..............................	۳۹۰
۲۸۳	غلاظت کھانے والی بھیڑ کی قربانی..............................	۳۹۱
۲۸۴	حرام غذا والے جانور کی قربانی..............................	۳۹۲
۲۸۵	سور کے دودھ سے پلے ہوئے بکری کے بچہ کی قربانی..............................	۳۹۴
۲۸۶	بکری کے جس بچہ نے کتیا کا دودھ پیا اس کی قربانی..............................	۳۹۵
۲۸۷	جس بکری کے بچہ کو عورت نے دودھ پلایا ہو اس کی قربانی..............................	۳۹۵

باب الشركة فى الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

۲۸۸	کیا اونٹ میں دس حصے ہوسکتے ہیں؟..............................	۳۹۶
۲۸۹	بکرا، اونٹ گائے، میں شرکت کی تفصیل..............................	۳۹۷
۲۹۰	جانور خرید کر چھ حصہ دار شریک کرنا..............................	۴۰۰
۲۹۱	قربانی کے لئے جانور خرید کر اس میں دوسروں کو شریک کرنا..............................	۴۰۱
۲۹۲	جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ہو یا بعد میں؟..............................	۴۰۱
۲۹۳	قربانی میں شریک کے انتقال سے اس کا حصہ دوسرا آدمی خرید سکتا ہے یا نہیں؟..............................	۴۰۲
۲۹۴	ایک شریک کے مرنے پر اس کے حصہ کی قربانی کا حکم..............................	۴۰۳
۲۹۵	فقیر شریک کا قربانی ذبح سے پہلے مرجانا..............................	۴۰۳
۲۹۶	قربانی میں شرکت کی اجازت دیکر پھر انکار کرنا..............................	۴۰۴

۲۹۷	چھ شریکوں نے ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا........................	۴۰۴
۲۹۸	چھ آدمی ایک حصہ قربانی کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کریں........................	۴۰۵
۲۹۹	ایک حصہ والدین کے لئے نصف نصف رکھنا........................	۴۰۸
۳۰۰	ایک قربانی حصہ کا ثواب متعدد اموات کو پہونچانا........................	۴۰۹
۳۰۱	ایک جانور میں ایک شخص کی طرف سے جہاتِ متعدد کی نیت مع جواب اشرف المدارس	☆
☆	کراچی........................	۴۱۰
۳۰۲	شرکاء کی اجازت کے بغیر قربانی کے جانور کو فروخت کرنا........................	۴۱۸
۳۰۳	ایک بکری میں شرکت درست نہیں........................	۴۲۰
۳۰۴	بکرے کی قربانی میں شرکت........................	۴۲۱
۳۰۵	قربانی میں ولیمہ........................	۴۲۲

بابٌ فی قسمة اللحم ومصرفه وبیعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

۳۰۶	قربانی کے گوشت، پائے اور سر کی تقسیم........................	۴۲۳
۳۰۷	قربانی کے گوشت کی تقسیم........................	۴۲۴
۳۰۸	قربانی کا گوشت آپس میں تول کر تقسیم کرنا چاہئے........................	۴۲۴
۳۰۹	قربانی کا گوشت سب حصہ داروں کو تول کر تقسیم کیا جائے........................	۴۲۶
۳۱۰	سب قربانیوں کے گوشت کو جمع کرکے تقسیم کرنا........................	۴۲۸
۳۱۱	بڑے گھرانے کا قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا........................	۴۳۰
۳۱۲	قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ صدقہ کرنا........................	۴۳۱
۳۱۳	قربانی کا گوشت پکا کر دینا........................	۴۳۲

۳۱۴	قربانی کا گوشت ہندو یا خاکروب کو دینا	۴۳۳
۳۱۵	قربانی کا گوشت مہترانی کو دینا	۴۳۳
۳۱۶	غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا	۴۳۴
۳۱۷	قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلم کو دینا	۴۳۵
۳۱۸	خدمت گزاروں کو قربانی کا گوشت دینا	۴۳۶
۳۱۹	میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت	۴۳۷
۳۲۰	قربانی کے گوشت سے ایصالِ ثواب اور مروجہ فاتحہ	۴۳۷
۳۲۱	قربانی کا گوشت سکھا کر دیر تک رکھنا	۴۴۰
۳۲۲	قربانی میں گوشت فروخت کرنے کی نیت	۴۴۰
۳۲۳	قربانی کے بعد اپنا حصہ فروخت کرنا	۴۴۱
۳۲۴	قربانی کا گوشت تقسیم کے لئے دیا تھا اس کو فروخت کر دیا	۴۴۲
۳۲۵	قربانی کا گوشت فروخت کرنا	۴۴۳

بابٌ فی أیام الأضحیة ووقتها وقضائها

(قربانی کے دن، وقت اور قضاء کا بیان)

۳۲۶	قربانی کے کتنے دن ہیں	۴۴۵
۳۲۷	کیا قربانی چار دن ہے؟	۴۴۷
۳۲۸	قربانی کس دن افضل ہے؟	۴۵۰
۳۲۹	گاؤں میں قربانی کا وقت	۴۵۰
۳۳۰	شہر میں نماز عید سے پہلے قربانی	۴۵۱
۳۳۱	شہری کی گاؤں میں قربانی	۴۵۲
۳۳۲	نماز عید سے پہلے قربانی کی ایک صورت	۴۵۲

۳۳۳	نمازِ عید سے پہلے قربانی........................	۴۵۳
۳۳۴	تعدد صلوۃ عید کی صورت میں وقتِ اضحیہ........................	۴۵۴
۳۳۵	غلطی سے بے وضو ادا کی گئی نماز کے بعد قربانی کا حکم........................	۴۵۵
۳۳۶	رات میں قربانی........................	۴۵۶

بابٌ فی مصرف جلد الأضحیة

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

۳۳۷	چرمِ قربانی کا والدیا اولاد کو دینا........................	۴۵۷
۳۳۸	قیمتِ چرم غریب والد یا اولاد کو دینا........................	۴۵۸
۳۳۹	چرمِ قربانی میں مسجد کو دینا........................	۴۵۸
۳۴۰	قیمتِ چرم تعمیر مسجد ومدرسہ میں دینا........................	۴۶۰
۳۴۱	قربانی کی کھال تعمیرِ مسجد میں دینا........................	۴۶۰
۳۴۲	چرمِ قربانی مسجد ومدرسہ میں صرف کرنا........................	۴۶۲
۳۴۳	قیمتِ چرمِ قربانی کا مصرف مدارس میں........................	۴۶۲
۳۴۴	چرم قربانی کی قیمت سے قبرستان کے لئے زمین خریدنا اور وقف کرنا........................	۴۶۳
۳۴۵	فطرہ اور چرمِ قربانی کی رقم تملیک کے بعد تنخواہ میں........................	۴۶۴
۳۴۶	چرم قربانی سے تنخواہ دینا........................	۴۶۶
۳۴۷	قربانی کی کھال امام کے لئے........................	۴۶۶
۳۴۸	چرمِ قربانی امام کے لئے........................	۴۶۷
۳۴۹	ایضاً........................	۴۶۷
۳۵۰	چرم قربانی مالداروں کو دینا........................	۴۶۹
۳۵۱	میت کی طرف سے قربانی کر کے قیمت چرم اپنے بیٹے کو دینا........................	۴۷۱

۳۵۲	چرم کا صدقہ افضل ہے یا اس کی قیمت کا؟	۴۷۱
۳۵۳	چرم قربانی کی قیمت کنویں کی تعمیر میں دینا	۴۷۲
۳۵۴	چرمِ قربانی سے مہمان خانہ بنوانا	۴۷۳
۳۵۵	قیمتِ چرم سے پختہ مزار وغیرہ بنوانا	۴۷۵
۳۵۶	قیمتِ چرم قربانی اور زکوۃ میں فرق	۴۷۵
۳۵۷	چرم قربانی کی قیمت چوری ہوگئی تو کیا کرے؟	۴۷۷
۳۵۸	قیمتِ چرم قربانی سے جلد بندی	۴۷۷
۳۵۹	قربانی کے دودھ سے انتفاع	۴۷۹
۳۶۰	قربانی کی اون ذبح سے پہلے اپنے استعمال میں لانا	۴۷۹
۳۶۱	قربانی کی اون ذبح کے بعد اپنے کام میں لانا	۴۸۰
۳۶۲	قربانی کا بہا ہوا خون پینا	۴۸۱
۳۶۳	قربانی کے خون کا کیا کیا جائے؟	۴۸۱
۳۶۴	قربانی کی ہڈیوں کا حکم	۴۸۱

بابٌ فی مستحبات الأضحیة وآدابها

(قربانی کے مستحبات اور آداب کا بیان)

۳۶۵	قربانی کرنے والے کا روزہ رکھنا	۴۸۳
۳۶۶	ذی الحجہ کے روزے، اور قربانی سے کھانے کی ابتدا	۴۸۴
۳۶۷	قربانی سے قبل کچھ کھانا	۴۸۵
۳۶۸	دو رکعت نفل اور بال و ناخن نہ ترشوانے سے قربانی کا ثواب	۴۸۶

۳۶۹	قربانی ذبح کرنے کا ثواب	۴۸۶
۳۷۰	قربانی کے وقت کی دعاء	۴۸۷
۳۷۱	جانور کی رسی کا صدقہ کرنا	۴۸۸
۳۷۲	قربانی کے جانور کی رسی کا صدقہ کرنا	۴۸۹
۳۷۳	شرکائے قربانی کا وقتِ ذبح موجود ہونا	۴۹۰
۳۷۴	قربانی کے جانور کو ذبح کے وقت ہر حصہ دار کا ہاتھ لگانا	۴۹۱

فصلٌ فی نذر الأضحیة

(قربانی کی نذر ماننے کا بیان)

۳۷۵	قربانی کو شرط پر معلق کرنا	۴۹۲
۳۷۶	متعین جانور کی قربانی کی نذر ماننے کی ایک صورت	۴۹۴
۳۷۷	قربانی کی نذر کی تفصیل	۴۹۵
۳۷۸	ایامِ قربانی کے بعد شاۃِ منذورہ متعینہ کا حکم	۴۹۷

باب المتفرقات

۳۷۹	غلطی سے ایک نے دوسرے کی قربانی ذبح کردی	۴۹۹
۳۸۰	دوسرے مقام پر روپیہ بھیج کر قربانی کرانا	۴۹۹
۳۸۱	قربانی کا جانور خرید کر پھر فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرا جانور خریدنا	۵۰۱
۳۸۲	قربانی کی اطلاع پولیس کو دینا	۵۰۲
۳۸۳	طالب علم کے حق میں کتابیں خریدنا نفلی قربانی سے اولیٰ ہے	۵۰۶

کتاب العقیقة

(عقیقہ کا بیان)

۳۸۴	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ	۵۰۷
۳۸۵	عقیقہ کی مدت	۵۰۸
۳۸۶	کیا عقیقہ اکیس روز بعد بھی ہے؟	۵۰۹
۳۸۷	بڑی عمر میں عقیقہ	۵۱۰
۳۸۸	بالغہ کا عقیقہ اور اس کے بالوں کا حکم	۵۱۱
۳۸۹	عقیقہ وقربانی میں فرق	۵۱۲
۳۹۰	قربانی میں عقیقہ کا حصہ اور ساتویں دن کی رعایت	۵۱۵
۳۹۱	عقیقہ دیر سے کرنے کی صورت میں بچہ کے بالوں کو اتارنے کا حکم	۵۱۶
۳۹۲	عقیقہ کے بالوں کو دفن کیا جائے	۵۱۷
۳۹۳	ولیمہ کے ساتھ عقیقہ	۵۱۸
۳۹۴	قربانی کے ساتھ عقیقہ	۵۱۹
۳۹۵	قربانی کے ساتھ عقیقہ	۵۲۰
۳۹۶	بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ	۵۲۱
۳۹۷	بڑے جانور میں عقیقہ کے سات حصے	۵۲۲
۳۹۸	گائے، بھینس میں عقیقہ	۵۲۴
۳۹۹	متعدد بچوں کا عقیقہ ایک بھینس میں	۵۲۴
۴۰۰	اضحیہ کے علاوہ گائے میں عقیقہ کا حصہ	۵۲۵
۴۰۱	عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا	۵۲۶

۴۰۲	عقیقہ کا سر قصاب کو اجرت میں دینا....................	۵۲۸
۴۰۳	عقیقہ کہاں کیا جائے، دادیال میں یا نانیال میں؟....................	۵۲۹
۴۰۴	عقیقہ کیلئے جانور خریدا، پھر بچہ مر گیا تو اس کو کیا کریں؟....................	۵۲۹
۴۰۵	صحت یاب ہونے پر عقیقہ کرنے کی نذر....................	۵۳۰
۴۰۶	گابھن بکری کے دو بچے دینے پر عقیقہ کا ارادہ کرنا....................	۵۳۱
۴۰۷	جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا کیا وہ شفاعت کرے گا؟....................	۵۳۲

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد ہژدہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الحظر والإباحة	
	باب الأکل والشرب	
	الفصل الأول فی الأکل مع الکفار	
	(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)	

۱	غیر مسلم کے ساتھ کھانا	۳۰
۲	کفار ومشرکین کے ساتھ کھانا پینا	۳۱
۳	ہندو کے تہوار کا کھانا	۳۳
۴	ہندو کے گھر کی چیزیں کھانا	۳۵
۵	ہندو کی دوکان سے گوشت خرید کر استعمال کرنا	۳۶

۶	غیر مسلم کے ہوٹل کا کھانا	۳۷
۷	ٹی پارٹی یا ڈنر پارٹی میں مسلمانوں کا کھانا کھانا	۳۷
۸	غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ بند ڈبوں کے گوشت کا حکم	۳۷
۹	ہندو کی دوکان اور گھر کا کھانا	۴۰
۱۰	مشرک کے ساتھ کھانا کھانا	۴۰
۱۱	طعام اہل کتاب سے متعلق ایک شبہ	۴۳
۱۲	غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا	۴۸
۱۳	غیر مسلم کے ہاتھ بھیجا ہوا گوشت کھانا	۴۹
۱۴	کافر ملازم کے ذریعہ گوشت منگانا	۴۹
۱۵	غیر مسلم باورچی کا پکایا ہوا گوشت	۵۰
۱۶	کافر کے گھر کا گوشت کھانا	۵۱
۱۷	کافر کا پکایا ہوا گوشت	۵۲
۱۸	شیعہ کے گھر کا کھانا	۵۳
۱۹	شیعہ کے گھر کا کھانا	۵۴
۲۰	بھنگی کے لڑکے کو مسلمان ظاہر کرکے اس کے ساتھ کھانا پینا	۵۴
۲۱	بھنگی چمار کے گھر کا گھی	۵۵
۲۲	چمار بھنگی کا کھانا	۵۶
۲۳	چماریوں سے چوری کا ساگ خریدنا	۵۷
۲۴	ہندو دھرم میں گوشت کھانا	۵۷

الفصل الثانی فی الأکل مع الفساق

(فاسق کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

۲۵	فاسق معلن کے گھر کھانا	۶۰

۲۶	شراب نوش کے ساتھ کھانا پینا	۶۱
۲۷	گڑیا اور تصویر بیچنے والے کے یہاں کھانا	۶۱
۲۸	بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا یا جھوٹا کیسا ہے؟	۶۲
۲۹	بے نمازی عورت کا پکایا ہوا کھانا	۶۳
۳۰	بے پردہ عورت کی کمائی کھانا	۶۴
۳۱	آوارہ عورت کے گھر کھانا	۶۴
۳۲	زنا کی خصلت والی لڑکیوں کے ہاتھ کا کھانا	۶۵
۳۳	طوائف کے ہاتھ مال فروخت کرنا	۶۶
۳۴	کیا ہوٹل میں کھانا کھانا فسق ہے؟	۶۷
۳۵	کیا دائی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حرام ہے؟	۶۷

الفصل الثالث فی سنن الأكل و آدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

۳۶	کیا وضو اور غسل کے بعد کھانا کھانے کے لئے دوبارہ ہاتھ دھونا سنت ہے؟	۶۹
۳۷	کھانے سے پہلے "بسم اللّٰہ" پڑھنا چاہیے یا "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" ؟	۶۹
۳۸	کھانے کی ابتدا اور اختتام نمک پر	۷۰
۳۹	کھانے کے بعد کلی کا پانی پینا	۷۱
۴۰	کھانے کے بعد اسی برتن میں ہاتھ دھو کر پینا	۷۱
۴۱	کھانے کے بعد برتن میں ہاتھ دھو کر اس پانی کو پینا	۷۲
۴۲	کھانے کے بعد برتن کو دھو کر پینا	۷۳
۴۳	لوٹے کا پانی چلو بنا کر پینے کا طریقہ	۷۴
۴۴	کھانے کے بعد کیا مٹھائی کھانا سنت ہے؟	۷۴
۴۵	گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکانا	۷۶

۴۶	گوشت کا دھونا	۷۷
۴۷	عصر کے بعد کھانا پینا	۷۷
۴۸	کھانے کی ابتداء دائیں طرف سے	۷۸
۴۹	کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا	۷۸
۵۰	دستر خوان پر سب ایک روٹی میں کھائیں، یا چار ٹکڑے کر کے الگ الگ کھائیں؟	۷۹
۵۱	چمچہ بائیں ہاتھ سے پکڑنا	۸۰
۵۲	کھانا کھاتے وقت چارپائی کی کس جانب بیٹھے؟	۸۱

الفصل الرابع فی مکروهات الأكل

(کھانے کے مکروہات کا بیان)

۵۳	مرغی کو ذبح کے بعد پیٹ چاک کرنے سے پہلے پانی میں جوش دینا	۸۳
۵۴	مرغی کو ذبح کے بعد کھولتے پانی میں ڈالنا	۸۴
۵۵	مشینی مرغی اور اس کے انڈے کھانا کیسا ہے؟	۸۷
۵۶	جھٹکے کا گوشت کھالیا تو کیا کرے؟	۸۸
۵۷	دھوبی کے گھر کا کھانا	۸۹
۵۸	کھانا گرم کھانا، چائے گرم پینا	۸۹
۵۹	کھانے پر پھونک مار کر کھانا	۹۰
۶۰	کوکا کولا	۹۱

الفصل الخامس فی المتفرقات

۶۱	دوست کی چیز کھالینا	۹۲
۶۲	اہل وعیال کے لئے ذخیرہ جمع کرنا	۹۲
۶۳	پردہ نشین بیوی کی کمائی	۹۳

باب الضيافات والهدايا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

۶۴	دعوت کھانے اور دعوت کرنے کا ثبوت	۹۵
۶۵	سودخور اور فاسق معلن کی دعوت قبول کرنا	۹۷
۶۶	ریا اور فخر کی دعوت کا حکم	۱۱۱
۶۷	دعوت کے لئے پیسے کی شرط	۱۱۲
۶۸	کافر کی دعوت کا حکم	۱۱۳
۶۹	غیر مسلم کی دعوت	۱۱۵
۷۰	ہندوؤں کی دعوت کا حکم	۱۱۶
۷۱	فاسق کی دعوت، عوام کا چندہ اور ہدیہ	۱۱۶
۷۲	فاسق کی دعوت قبول کرنا اور اس کو سلام کرنا	۱۲۳
۷۳	فاسق کی دعوت قبول کرنا	۱۲۴
۷۴	جس تقریب میں باجا ہو اس کی دعوت میں شرکت	۱۲۹
۷۵	فسق کی مجلس میں شرکت	۱۲۹
۷۶	زانیہ کے حرام مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۱
۷۷	حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۲
۷۸	ہدیہ دینے والے کے مال کی تفتیش کہ مال حرام ہے یا حلال	۱۳۲
۷۹	حرام وحلال مخلوط مال سے دعوت قبول کرنا	۱۳۲
۸۰	تارکِ زکوۃ کی دعوت قبول کرنا	۱۳۳
۸۱	باتصویر کمرہ میں علماء کی دعوت	۱۳۴

۸۲	بے نمازی اور سود خور کی دعوت	۱۳۵
۸۳	منہار اور قصاب کی دعوت قبول کرنا	۱۳۶
۸۴	رہن کی آمدنی سے دعوت	۱۳۸
۸۵	تقسیمِ ترکہ سے پہلے دعوت کھانا	۱۳۸
۸۶	نابالغ کے مال سے تربیت کے لئے کچھ کھانا	۱۳۹
۸۷	دعوت میں عام وخاص کا انتظام	۱۴۰
۸۸	برادرانہ دعوت میں کسی فرد کا بکرے کے گوشت کا مطالبہ کرنا	۱۴۰
۸۹	متمول آدمی کا نیاز کے کھانے میں شریک ہونا	۱۴۲
۹۰	اللہ کے نام کھانے میں مالدار کی شرکت	۱۴۲
۹۱	کھیت پر خوشی میں دعوت کرنا	۱۴۳
۹۲	بھینس کے بچہ دینے اور ختنہ کی دعوت مدرس کے لئے	۱۴۶
۹۳	نئے مکان میں وعظ اور شیرینی تقسیم کرنا	۱۴۸
۹۴	نئے مکان کی خوشی میں مٹھائی تقسیم کرنا	۱۴۸
۹۵	کھانے پر بلانے پر "بارك الله" کہنا	۱۴۹
۹۶	دوستی میں کھلائے ہوئے کا مطالبہ	۱۵۰

الفصل الثانی فی الضیافة

(مہمان نوازی کا بیان)

۹۷	مہمان کا اکرام	۱۵۱
۹۸	مہمان کا دسترخواں سے کسی کو کچھ دینا	۱۵۲
۹۹	مہمان کا کسی دوسرے کی تواضع کرنا	۱۵۲
۱۰۰	مہمان کا نمک وغیرہ میزبان سے مانگنا	۱۵۳

۱۰۱	نامحرم عورتوں کی ضیافت	۱۵۴
۱۰۲	کسی معزز مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا	۱۵۵

الفصل الثالث فی الھدایا

(ہدیہ دینے کا بیان)

۱۰۳	کسی کام کے سلسلہ میں بغیر مانگے اور بغیر مطالبہ ملی ہوئی رقم ہدیہ ہے یا رشوت؟	۱۵۷
۱۰۴	الیکشن میں کھڑے ہونے والے کے ہدیہ کا حکم	۱۵۸
۱۰۵	ہدیہ میں یہ شرط لگانا کہ "کسی کو نہیں دیں گے"	۱۵۹
۱۰۶	کوٹ کے کپڑے کا ہدیہ	۱۵۹
۱۰۷	مریدوں سے ہدیہ لینا	۱۶۰
۱۰۸	بہن کے گھر جاکر روپیہ دینا	۱۶۱
۱۰۹	سسرال کے گھر کا روپیہ	۱۶۱
۱۱۰	بچوں کا ہدیہ	۱۶۲
۱۱۱	بچوں کا استاد کو ہدیہ دینا	۱۶۳
۱۱۲	نابالغ بچوں کا ہدیہ قبول کرنا	۱۶۵
۱۱۳	کامیاب ہونے پر طلبہ سے انعام وصول کرنا	۱۶۶
۱۱۴	مخنث پڑوسی کے نل کا پانی اور ہدیہ	۱۶۷
۱۱۵	جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا	۱۶۸
۱۱۶	حرام کمائی والے کا ہدیہ	۱۶۹
۱۱۷	ہدیہ کی تفتیش حلال ہے یا حرام؟	۱۷۰
۱۱۸	جس ہدیہ پر حرام کا شبہ ہو، اس کا حکم	۱۷۰
۱۱۹	غیر مسلم کا ہدیہ	۱۷۳

۱۲۰	ایضاً	۱۷۳
۱۲۱	غیر مسلم کا ہدیہ وتحفہ دینا ولینا	۱۷۴
۱۲۲	غیر مسلم کا چندہ	۱۷۶
۱۲۳	غیر مذہب والوں سے کاروباری بنا پر ہدیہ کا لین دین	۱۷۶

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الاول فی المسکرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

۱۲۴	شراب یا افیم بطور دوا استعمال یا جائز طلاء	۱۷۸
۱۲۵	شراب کو سرکہ بنا کر استعمال کرنا	۱۷۹
۱۲۶	فوجی کا شراب فروخت کرکے دوسرے کام میں استعمال کرنا	۱۷۹
۱۲۷	کسی کا شراب چھوڑنے کے لئے دو[illegible]ے وعظ چھوڑنے کی شرط لگانا	۱۸۰
۱۲۸	قلب ماہیت کے بعد نشہ آور چیز کا استعمال	۱۸۱
۱۲۹	اسپرٹ کا حکم	۱۸۲
۱۳۰	بیئر کا حکم	۱۸۳
۱۳۱	بیئر پینا	۱۸۴
۱۳۲	تاڑی کی حرمت	۱۸۵
۱۳۳	تاڑ اور کھجور کا رس پینا	۱۸۶
۱۳۴	بسکٹ میں تاڑی کا استعمال	۱۸۶
۱۳۵	شراب والی بوتل [illegible]	۱۸۹

الفصل الثانی فی الطِیب

(خوشبو کا بیان)

۱۳۶	عطر کونسا جائز ہے؟	۱۹۱

۱۳۷	سینٹ	۱۹۱
۱۳۸	سینٹ کا استعمال	۱۹۲
۱۳۹	سینٹ وانگریزی تیل	۱۹۳

الفصل الثالث فی الفضلات

(فضلات کا بیان)

۱۴۰	گوبر کے کنڈے	۱۹۴
۱۴۱	گوبر وغیرہ کی گیس سے کھانا وغیرہ پکانا	۱۹۴
۱۴۲	گوبر سے زمین کو لیپنا	۱۹۵
۱۴۳	گوبر کی راکھ منجن میں استعمال کرنا	۱۹۶
۱۴۴	راکھ کا حکم	۱۹۶
۱۴۵	انسان کے پائخانہ کو سکھا کر اُپلیوں کے مثل روٹی پکانا	۱۹۸
۱۴۶	جو شخص پیشاب پلائے اس کا حکم	۱۹۸
۱۴۷	جانور کا دودھ اور مرد کی منی کیا دونوں ایک ہیں؟	۱۹۹

الفصل الرابع فی المأکولات وغیرها

(کھانے کی اشیاء کا بیان)

۱۴۸	بند ڈبوں میں خشک دودھ کا استعمال	۲۰۰
۱۴۹	پنیر کے اقسام واحکام	۲۰۰
۱۵۰	جس کھانے میں جائفل ڈالا گیا، اس کا کھانا	۲۰۲
۱۵۱	امریکن گھی	۲۰۳
۱۵۲	ڈالڈا گھی، انگریزی بسکٹ وغیرہ کا استعمال	۲۰۴

۱۵۳	ہلدی کا حکم	۲۰۴
۱۵۴	صابن میں چربی کی وجہ سے ناپاکی	۲۰۵
۱۵۵	ناپاک تیل وچربی سے بنے ہوئے صابون کا حکم	۲۰۶

باب الانتفاع بالحیوانات

الفصل الأول فی السمک

(مچھلی کے کھانے کا بیان)

۱۵۶	مردار مچھلی کھانا کیوں جائز ہے؟	۲۰۷
۱۵۷	گونچھ مچھلی کا حکم	۲۰۹
۱۵۸	مچھلی کو بغیر پانی کے رکھنا	۲۰۹
۱۵۹	مچھلی کو پتھر سے رگڑنا	۲۰۹
۱۶۰	مچھلی کو بلا آلائش نکالے کھانا	۲۰۹
۱۶۱	مچھلی پکڑنے کے بعد یا لاٹھی سے مرگئی، اس کا کھانا	۲۱۱
۱۶۲	جھینگا	۲۱۲
۱۶۳	ایضاً	۲۱۵
۱۶۴	ایضاً	۲۱۶

الفصل الثانی فی الطیور

(پرندوں کا بیان)

۱۶۵	کوے کی قسمیں	۲۱۸
۱۶۶	کوے کا کھانا	۲۲۰
۱۶۷	کوا کھانا	۲۲۱

۱۶۸	کھیت کا کوّا	۲۲۶
۱۶۹	کون سا کوا حلال ہے؟	۲۲۶
۱۷۰	بگلہ، گرسل، نیل کنٹ کا حکم	۲۲۸
۱۷۱	مردار خور گدھ کا کھانا	۲۲۸
۱۷۲	گدھ کی طرح کے جانور کا کھانا	۲۲۹
۱۷۳	کبوتر کا حکم	۲۲۹
۱۷۴	کھانے یا تجارت کے لئے کبوتر پالنا	۲۳۰
۱۷۵	کبوتر مکان میں رہنے لگا، کئی بچے بھی ہوگئے اس کا اور بچوں کا حکم	۲۳۱
۱۷۶	طوطے کا کھانا	۲۳۳
۱۷۷	دق کے مریض کے لئے گھونگھا کھانا	۲۳۳
۱۷۸	کیا تمام چرند پرند حلال ہیں؟	۲۳۴
۱۷۹	گلہری کھانا	۲۳۵
۱۸۰	دوسرے کی مرغی اگر نقصان کرے تو اس کو ذبح کرنا	۲۳۵
۱۸۱	جو مرغی اذان دے اس کا کھانا	۲۳۶
۱۸۲	مذبوحہ مرغی کا انڈا	۲۳۶

الفصل الثالث فی المواشی

(مویشیوں کا بیان)

۱۸۳	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گائے کا گوشت تناول فرمانا	۲۳۸
۱۸۴	بوڑھے بیل کو مالک نے چھوڑ دیا اس کا حکم	۲۳۹
۱۸۵	برہمن سے خریدے ہوئے بیل کی واپسی	۲۴۰
۱۸۶	خرگوش کی حلّت	۲۴۱
۱۸۷	بیل وغیرہ کو خصی کرنا	۲۴۲

۱۸۸	خنثیٰ بکری کا حکم	۲۴۲
۱۸۹	جو بکری کا بچہ خنزیر کے دودھ سے پلے اس کا استعمال	۲۴۳
۱۹۰	بھینس سے لاٹھی مار کر دودھ حاصل کرنا	۲۴۴
۱۹۱	دودھ لینے کے لئے بھینس کے سامنے مصنوعی بچہ بنا کر کھڑا کرنا	۲۴۶
۱۹۲	بھینس میں انجکشن سے مادۂ منویہ پہونچانا	۲۴۶
۱۹۳	جانور کو مستی کا انجکشن اور فرج میں ہاتھ داخل کرنا	۲۴۷
۱۹۴	جانور کو خریدتے وقت ہاتھ ڈال کر دیکھنا کہ گابھن ہے یا نہیں؟	۲۴۸
۱۹۵	جس گائے کا بچہ مرگیا ہو اس کا دودھ	۲۴۸
۱۹۶	امریکی سانڈ کے نطفہ سے پیدا شدہ گائے اور دودھ کا حکم	۲۴۸
۱۹۷	بے بیائی بکری کا دودھ	۲۴۹
۱۹۸	بے گابھن بکری کے دودھ کا حکم	۲۵۰
۱۹۹	ناجائز چارہ کھانے والی بکری کا گوشت کھانا	۲۵۱

الفصل الرابع فی الحیوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اور ان کے اجزاء کا بیان)

۲۰۰	خنزیر کی حرمت کی وجہ	۲۵۲
۲۰۱	خنزیر کا پالنا، چرانا، بیچنا سب غلط ہے	۲۵۲
۲۰۲	خنزیر اور میتہ کی حرمت برابر ہے یا نہیں؟	۲۵۴
۲۰۳	مضطر کے لئے خنزیر کا کھانا	۲۵۵
۲۰۴	شراب کے نشہ میں خنزیر کا گوشت کھانا	۲۵۶
۲۰۵	خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنا	۲۵۷

۲۰۶	برش میں سور کے بال	۲۵۸
۲۰۷	خنزیر کے بال کے برش بنانے والے کے گھر رشتہ	۲۵۹
۲۰۸	خنزیر کی چربی سے جانور کا علاج	۲۶۱
۲۰۹	کیمیا بنانے کے لئے خنزیر کا دودھ استعمال کرنا	۲۶۲
۲۱۰	خچر کی نسل حاصل کرنا	۲۶۲
۲۱۱	کتا پالنا	۲۶۳
۲۱۲	شوقیہ کتا پالنا	۲۶۴
۲۱۳	مکان کی حفاظت کے لئے کتا پالنا	۲۶۷
۲۱۴	مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ اور کیکڑہ کا کھانا، فروخت کرنا	۲۶۷
۲۱۵	مردہ جنین کا گوشت کھانا	۲۶۹
۲۱۶	شیر کی چربی کا حکم	۲۷۰
۲۱۷	ہاتھی کی سواری اور سونڈ کا پانی	۲۷۲
۲۱۸	بہیمۂ موطوءہ کا حکم	۲۷۳

الفصل الخامس فيما يجوز قتله من الحيوانات ومالايجوز

(جائز القتل اور غیر جائز القتل حیوانات کا بیان)

۲۱۹	چھپکلی کا مارنا	۲۷۶
۲۲۰	گرگٹ کا مارنا	۲۷۸
۲۲۱	چوہے وغیرہ کو زہر دے کر مارنا	۲۷۹
۲۲۲	کھٹملوں کو گرم پانی سے مارنا	۲۷۹
۲۲۳	چیونٹی، بھڑ وغیرہ کو جلانا	۲۸۰

۲۲۴ بلی کو مارنا ۲۸۱

۲۲۵ کتے اور بلی کو مارنا ۲۸۲

الفصل السادس فی المتفرقات

۲۲۶ اپنے جانور کے چارہ کا انتظام کرنا ۲۸۴

۲۲۷ جس جانور کو ناجائز پتے کھلائے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم ۲۸۵

۲۲۸ سانپ کی چھتری کھانا ۲۸۶

باب التداوی والمعالجة

الفصل الأول فی مایتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانعِ حمل کا بیان)

۲۲۹ حاملہ کے انتقال کے بعد بچہ آپریشن کر کے نکالنا ۲۸۸

۲۳۰ حاملہ مرجائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟ ۲۸۹

۲۳۱ عورت مرجائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو اس کو نکالنا ۲۸۹

۲۳۲ بچہ دانی کا نکلوانا ۲۹۰

۲۳۳ نسبندی ۲۹۱

۲۳۴ ایضاً ۲۹۳

۲۳۵ نسبندی کی ترغیب اخبار کے ذریعہ ۲۹۵

۲۳۶ کیا امام غزالیؒ نے نسبندی کی اجازت دی ہے؟ ۲۹۶

۲۳۷ نسبندی ۲۹۷

۲۳۸ ملازمت کی مجبوری سے نسبندی ۲۹۷

۲۳۹ ملازمت سے سبکدوشی کی دھمکی کی وجہ سے بیوی کا آپریشن کرانا ۲۹۹

۲۴۰	ایسا آپریشن کہ جس سے جماع پر قدرت نہ رہے	۳۰۰
۲۴۱	تبدیلیٔ جنس	۳۰۱
۲۴۲	برتھ کنٹرول	۳۰۳
۲۴۳	فیملی پلاننگ	۳۰۷
۲۴۴	خاندانی منصوبہ بندی	۳۰۸
۲۴۵	ضبطِ تولید	۳۱۲
۲۴۶	ضبطِ تولید کے دلائل	۳۱۲
۲۴۷	ضبطِ تولید کے دلائلِ جواز کا جائزہ	۳۱۵
۲۴۸	کمزوری کی وجہ سے مانعِ حمل دوا کا استعمال	۳۱۶
۲۴۹	مانعِ حمل دوا استعمال کرنا	۳۱۷
۲۵۰	غیر مسلم کو مانعِ حمل دوا دینا	۳۱۹
۲۵۱	عورت کیلئے فرنچ لیدر کا استعمال	۳۱۹
۲۵۲	عزل، اور غبارے کا استعمال	۳۲۰
۲۵۳	عزل کے جواز کی صورت	۳۲۱
۲۵۴	اسقاطِ حمل	۳۲۱
۲۵۵	آلات کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا	۳۲۲
۲۵۶	انجکشن کے ذریعہ اولاد حاصل کرنا	۳۲۴
۲۵۷	انجکشن کی اولاد	۳۲۵

الفصل الثانی فی أعضاء الإنسان وأجزائه

(انسان کے اعضاء اور اجزاء کا بیان)

۲۵۸	اضطراری حالت میں انسانی خون لینا	۳۲۸
۲۵۹	بیمار کو دوسرے شخص کا خون دینا	۳۲۹

۲۶۰	شوہر کا خون بیوی کے جسم میں داخل کرنا..........	۳۳۰
۲۶۱	کافر کا خون مسلمان کے جسم میں داخل کرنا..........	۳۳۲
۲۶۲	بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی کے عضو کو معطل کردینا..........	۳۳۳
۲۶۳	زائد انگلی کا کٹوانا..........	۳۳۴
۲۶۴	اعضائے انسان کی پیوندکاری..........	۳۳۵
۲۶۵	اعضاء کی پیوندکاری کی وصیت..........	۳۳۶
۲۶۶	بدن کے کسی حصہ کو خیرات کرنے کی وصیت..........	۳۳۷
۲۶۷	آنکھوں کی خرید وفروخت برائے علاج..........	۳۳۸
۲۶۸	ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت..........	۳۳۹
۲۶۹	طبی تجربہ کے لئے لاش چیرنا..........	۳۴۰
۲۷۰	طبی تحقیق کے لئے میت کو چیرنا..........	۳۴۳
۲۷۱	ڈاکٹری تعلیم کے لئے مردہ کا جسم چیرنا..........	۳۴۵
۲۷۲	ڈاکٹری سیکھنے کے لئے لاش ہسپتال میں دینے کی وصیت..........	۳۴۵
۲۷۳	مصنوعی دانت لگانا..........	۳۴۶

الفصل الثالث فی التداوی بالمحرم وغیرہ

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

۲۷۴	کیا دوا نہ کرنے سے ہلاک ہونے پر مواخذہ ہے؟..........	۳۴۷
۲۷۵	حالتِ اضطرار میں شراب بطور دوا پینا..........	۳۴۸
۲۷۶	گھوڑی کی زبان علاج کے لئے استعمال کرنا..........	۳۴۸
۲۷۷	ہومیو پیتھک کی حرام دواؤں کا استعمال..........	۳۴۹
۲۷۸	ہومیو پیتھک دوا کا استعمال..........	۳۵۱
۲۷۹	ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال..........	۳۵۱

۲۸۰	بیمار کے لئے شراب کا استعمال	۳۵۲
۲۸۱	مریض کے لئے شراب کا حکم	۳۵۴
۲۸۲	دوا میں شراب کا استعمال	۳۵۵
۲۸۳	شراب کا بطورِ دوا خارجی استعمال	۳۵۶
۲۸۴	شراب برائے علاج اور بلا عذر شراب نوشی سے معافی کی صورت	۳۵۶
۲۸۵	شراب کیا چیز ہے؟	۳۵۹
۲۸۶	زخم کے لئے اسپرٹ کا استعمال	۳۵۹
۲۸۷	بیمار کیلئے حرام گوشت، پربی، بال کا استعمال	۳۶۰
۲۸۸	گدھی کا دودھ علاج کے لئے	۳۶۴
۲۸۹	بطور علاج عورت کا دودھ استعمال کرنا	۳۶۵
۲۹۰	دوا کے لئے بچھو کو جلانا	۳۶۶
۲۹۱	کیکڑا اور کچھوا دوا کے طور پر کھانا	۳۶۷
۲۹۲	ناپاک شہد کا خارجی استعمال	۳۶۸
۲۹۳	معجونِ جند بید ستر یا، ماہی روبیاں و بیر بھوٹی وغیرہ کا حکم	۳۶۹
۲۹۴	بکری کے پتہ میں سرمہ لگانا	۳۷۲
۲۹۵	علاج کیلئے استمناء بالید	۳۷۳
۲۹۶	طاعون وچیچک سے حفاظت کے انجکشن	۳۷۳

الفصل الرابع فی المتفرقات

۲۹۷	مشرک ڈاکٹر سے علاج کرانا	۳۷۵
۲۹۸	غیر مسلم سے جڑی بوٹی کی تحقیق	۳۷۶
۲۹۹	حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟	۳۷۶
۳۰۰	طبیب کا عضو تناسل دیکھنا	۳۷۷

۳۰۱	چند نسخے یاد کر کے علاج کرنا	۳۷۷
۳۰۲	بیماری کا جعلی سرٹیفکٹ	۳۷۸

باب شرب الدخان واستعمال النورۃ وغیرھا

(تمباکو اور چونے وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۳۰۳	تمباکو	۳۸۰
۳۰۴	تمباکو کے اقسام وخواص اور اختلافِ اقوال	۳۸۱
۳۰۵	تمباکو، حقہ وغیرہ پینا	۳۸۶
۳۰۶	پان، تمباکو، حقہ	۳۸۷
۳۰۷	تمباکو پان سگریٹ اور نسوار کا حکم	۳۸۸
۳۰۸	سگریٹ پینا	۳۸۸
۳۰۹	حقہ کا حکم	۳۸۹
۳۱۰	حقہ استعمال کرنا	۳۹۲
۳۱۱	پان، سگریٹ وغیرہ کا استعمال راستہ میں	۳۹۴
۳۱۲	حقہ پینے والے سے منہ پھیر لینا	۳۹۴
۳۱۳	بیڑی پینے والے کو دکان کا راستہ بتانا	۳۹۵
۳۱۴	پان کا بیڑہ پرشاد کے طور پر	۳۹۶
۳۱۵	تمباکو کی کاشت، تجارت اور استعمال	۳۹۷
۳۱۶	چونا کا حکم	۳۹۸
۳۱۷	چونا وتمباکو کی تحقیق	۳۹۹
۳۱۸	چونا، تمباکو کھانا	۴۰۳
۳۱۹	پان کی گرانی کی وجہ سے تمباکو چونے میں ملا کر کھانا	۴۰۵

۳۲۰	پان میں چونا کھانا	۴۰۶
۳۲۱	مٹی کھانا	۴۰۷

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اوراس کے مصرف کا بیان)

۳۲۲	مالِ حرام سے تجارت	۴۰۸
۳۲۳	مالِ مخلوط کو کارِ خیر میں صَرف کرنا	۴۰۹
۳۲۴	حرام مال کے ذریعہ تجارت کرنا	۴۰۹
۳۲۵	مالِ مخلوط سے تجارت	۴۱۰
۳۲۶	مالِ حرام سے خریدے ہوئے مکان سے انتفاع	۴۱۱
۳۲۷	مالِ حرام سے نفقۂ زوجہ	۴۱۲
۳۲۸	حرام آمدنی سے تنخواہ لینا	۴۱۳
۳۲۹	کاسبِ حرام کے ہاتھ مال فروخت کرنا	۴۱۴
۳۳۰	شادی کے بعد حرام کمائی والا سامان استعمال کرنا	۴۱۵
۳۳۱	ناجائز آمدنی سے خریدے ہوئے مال کا حکم	۴۱۵
۳۳۲	ناجائز پیسوں سے خرید شدہ سامان کا حکم	۴۱۷
۳۳۳	ناجائز مال جہیز میں دینا	۴۱۸
۳۳۴	ملازم کو بسکٹ فیکٹری میں بلا اجازتِ مالک بسکٹ کھانا	۴۱۹
۳۳۵	مخدوم کے مال میں خادم کا تصرف	۴۲۰
۳۳۶	میونسپلٹی کی چیز کا استعمال	۴۲۳
۳۳۷	ڈاکٹر کو طوائف سے فیس لینا	۴۲۴
۳۳۸	دوست سے روپیہ چوری کیا اس کی واپسی کا طریقہ	۴۲۵
۳۳۹	چوری کا کوئلہ واپس کرنا چاہیے	۴۲۵

۳۴۰	چوری کا مال واپس کرنے کا طریقہ	۴۲۶
۳۴۱	کسی عالم کا داماد کو باپ کی دوکان سے چوری کی تلقین کرنا	۴۲۷
۳۴۲	بڑے بھائی کی دوکان سے پیسہ بچانا	۴۲۹
۳۴۳	جھٹکے کے گوشت کی قیمت	۴۳۰
۳۴۴	جلدی میں ٹکٹ نہ لے سکا اور پیسے گارڈ کو دے دیئے تو وہ کافی ہے یا نہیں؟	۴۳۱
۳۴۵	جہاز میں خنزیر کا گوشت پیش کرنے والے کی ملازمت	۴۳۱
۳۴۶	بازار سے پھل خریدتے وقت حرام وحلال ہونے کی تحقیق	۴۳۲
۳۴۷	حرام مال سے کوئی چیز خریدنا	۴۳۳
۳۴۸	مال حرام سے خرید وفروخت	۴۳۳
۳۴۹	پیسہ کے عوض بیع کرنا	۴۳۴
۳۵۰	خریدنے کے بعد حرام ہونا معلوم ہوا تو اب کیا کیا جائے؟	۴۳۵
۳۵۱	ناجائز زمین کی پیداوار کا حکم	۴۳۶
۳۵۲	دوسرے کے درخت فروخت کر کے قیمت خود رکھنا	۴۳۸
۳۵۳	ٹھیکہ میں بچا ہوا سامان استعمال کرنا	۴۳۹
۳۵۴	مہر لگے بغیر استعمال شدہ ٹکٹ دوبارہ کام میں لانا	۴۳۹
۳۵۵	اگر شربت میں حق غیر مخلوط ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۴۴۰
۳۵۶	حرام حلال مخلوط روپے کا ہبہ	۴۴۰
۳۵۷	حرام وحلال مخلوط آمدنی مدرسہ میں دینا	۴۴۲
۳۵۸	حرام اور مخلوط آمدنی سے امام کو تنخواہ اور کھانا دینا	۴۴۳
۳۵۹	جس کا مال مشتبہ ہو اس کے یہاں خوراکی دے کر کھانا	۴۴۴
۳۶۰	مال حرام کا مصرف	۴۴۵
۳۶۱	حرام مال کا صدقہ	۴۴۷
۳۶۲	حرام آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا	۴۴۷

فصلٌ فی أداء القرض من الحرام

(حرام مال سے قرض ادا کرنے کا بیان)

۳۶۳ مالِ حرام سے قرض کی ادائیگی ۴۵۰

۳۶۴ مال حرام سے قرض ادا کرنا ۴۵۱

۳۶۵ ناجائز مال سے قرض وصول کرنا ۴۵۳

۳۶۶ مال حرام قرض دینا ۴۵۳

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

۳۶۷ رشوت لینے اور دینے کا حکم ۴۵۵

۳۶۸ رشوت دینا ۴۵۶

۳۶۹ رشوت کی چند صورتیں اور اس سے توبہ ۴۵۷

۳۷۰ کسٹم پرقُلی کو رشوت دینا ۴۶۲

۳۷۱ رشوت دے کر ٹھیکہ دار کا سامان بچا کر خود رکھنا ۴۶۴

۳۷۲ رشوت واغلام ۴۶۵

۳۷۳ پاس ہونے کے عوض طلبہ کا مدرس کو رقم دینا ۴۶۶

۳۷۴ بحالتِ مجبوری رشوت دے کر سند وصول کر کے ملازمت حاصل کرنا ۴۶۷

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول فی الکذب والنمیمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

۳۷۵ جھوٹ کا حکم ۴۷۰

۳۷۶	جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا	۴۷۰
۳۷۷	دفع ظلم کے لئے جھوٹ بولنا	۴۷۱
۳۷۸	جھوٹے کو جھوٹا کہنا	۴۷۳
۳۷۹	جھوٹا حلف	۴۷۳
۳۸۰	جھوٹا دعویٰ	۴۷۵
۳۸۱	جھوٹے مقدمہ سے بچنے کے لئے جھوٹا مقدمہ کرنا	۴۷۶
۳۸۲	ادارہ میں ملازمت کیلئے جھوٹی سند دینا	۴۷۷
۳۸۳	تحفظِ جائیداد کیلئے جھوٹ بولنا	۴۷۸
۳۸۴	سور کا گوشت بکرے کا بتا کر فروخت کرنے والے کا حکم	۴۷۹
۳۸۵	کسی کو جھوٹے کیس میں پھنسانے کا حکم	۴۸۰
۳۸۶	پانچ کلو شکر کے لئے پچیس کلو کی درخواست دینا	۴۸۱
۳۸۷	ملازم کو سفر خرچ کی جعلی رسید بنانا	۴۸۲
۳۸۸	ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنے کو شادی شدہ بتانا	۴۸۳
۳۸۹	کسی دوسرے کو اپنے پاس کے ذریعہ ریل میں بھیجنا	۴۸۴
۳۹۰	قرآن پاک کا حلف اٹھانے کے باوجود الزام لگانا	۴۸۴
۳۹۱	کسی پر الزام لگا کر انکار کرنا	۴۸۶
۳۹۲	بہتان سے توبہ کا طریقہ	۴۸۷
۳۹۳	بہتان کی آخرت میں سزا	۴۸۹
۳۹۴	چغل خوری سے توبہ کرنا	۴۹۰
۳۹۵	ریا کی تقسیم	۴۹۱

الفصل الثانی فی الغیبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

۳۹۶	فاسق کی غیبت گناہ ہے یا نہیں؟	۴۹۲

۳۹۷	پیر صاحب کا مریدین کی غیبت کرنا	۴۹۴
۳۹۸	مردہ کی غیبت اور برائی	۴۹۵
۳۹۹	غیبت کی معافی کا طریقہ	۴۹۶
۴۰۰	مسلمان سے کینہ رکھنا	۴۹۷

الفصل الثالث فی نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

۴۰۱	وعدہ خلافی	۴۹۹
۴۰۲	وعدہ خلافی	۵۰۰
۴۰۳	وعدہ خلافی کرنا	۵۰۱
۴۰۴	وعدہ خلافی کا حکم	۵۰۲
۴۰۵	ضمانت میں وعدہ خلافی	۵۰۳
۴۰۶	وعدہ خلافی منافق کی نشانی کب ہے؟	۵۰۴

الفصل الرابع فی ترک الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

۴۰۷	کسی کو پنچایت سے خارج کرنا	۵۰۷
۴۰۸	قصور کے بغیر پنچایت کا کسی کو برادری سے نکالنا	۵۰۸
۴۰۹	بے نمازی کا بائیکاٹ کرنا	۵۰۹
۴۱۰	بے نمازی سے ترک تعلق	۵۱۰
۴۱۱	کسی نافرمان سے قطع تعلق	۵۱۱
۴۱۲	ناحق آبروریزی کرنے والے سے قطعِ تعلق	۵۱۳

۴۱۳	آپس میں اندیشۂ تہمت کی بنا پر ترک تعلق	۵۱۴
۴۱۴	جو شخص ساتھ نہ دے اس سے ترکِ تعلق	۵۱۶
۴۱۵	داماد اور ساس کو برادری نے غلط تعلق کی وجہ سے خارج کر دیا	۵۱۸
۴۱۶	تعزیہ بنانے والوں سے ترکِ تعلق	۵۲۰
۴۱۷	دینی مضرت کے اندیشہ سے ترکِ گفتگو	۵۲۱
۴۱۸	رنجش کی وجہ سے ترکِ کلام کی حد	۵۲۲
۴۱۹	اغوا کرنے کی سزا برادری سے ترکِ تعلق	۵۲۳
۴۲۰	غلط محفل کرنے والوں کا بائیکاٹ	۵۲۵
۴۲۱	غلط کام کرنے والے سے بھی میل ملاپ رکھنا	۵۲۶
۴۲۲	بائیکاٹ کا عہد کیے ہوئے کے گھر کا کھانا پینا	۵۲۷
۴۲۳	سالی سے مذاق کرنے والے سے ترکِ تعلق	۵۲۸
۴۲۴	مرتکبِ کبائر اعزاء سے ترکِ تعلق	۵۳۰
۴۲۵	خسر اور بہو کا ناجائز تعلق کی وجہ سے ترکِ تعلق	۵۳۱
۴۲۶	زنا سے حاملہ سے نکاح نہ کرنے والے کو برادری سے خارج کرنا	۵۳۲
۴۲۷	کسی عورت کا کسی نامحرم کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد شوہر کے پاس آکر رہنے کا حکم	۵۳۳
۴۲۸	دو پارٹیوں میں صلح	۵۳۳
۴۲۹	"نخلع ونترك من يفجرك" پر عمل کی صورت	۵۳۵

الفصل الخامس في إيذاء المسلم

(مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)

۴۳۰	کسی کی تحقیر وتذلیل	۵۳۶
۴۳۱	محفلِ نکاح میں لاؤڈ اسپیکر پر قرآن شریف، نعت شریف اور توہین آمیز کلمات	۵۳۷

۴۳۲	بیت الخلاء سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہو تو اس کو منتقل کرنا	۵۳۹
۴۳۳	دشمن کے اندیشہ سے بیوی کو قتل کردینا	۵۴۰
۴۳۴	غیر مسلم پڑوسی کو تکلیف پہونچانا	۵۴۰
۴۳۵	ہندو اور مرتد کو کافر کہنا	۵۴۳
۴۳۶	کسی کافر کو مرنے کے بعد بُرا کہنا	۵۴۳

باب المعاصی والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

۴۳۷	معصیت بنفسہ کیا ہے؟	۵۴۶
۴۳۸	معصیت کا عبادات پر اثر	۵۴۷
۴۳۹	کیا فسق وفجور فطری چیز ہے؟	۵۴۷
۴۴۰	گناہ کبیرہ پر اصرار	۵۴۸
۴۴۱	زنا اور تکبر میں سے کونسا گناہ بڑا ہے؟	۵۴۹
۴۴۲	عابد بخیل بہتر ہے یا زانی سخی؟	۵۵۱
۴۴۳	دھوکہ دینا، نقصان پہنچانا	۵۵۲
۴۴۴	فاحش ظالم کو قتل کرنا	۵۵۳
۴۴۵	جائیداد کے لئے کسی کو قتل کرنا	۵۵۴
۴۴۶	کافر کو قتل کرنا	۵۵۶
۴۴۷	زنا کس کا حق ہے؟	۵۵۷
۴۴۸	مشت زنی	۵۵۷
۴۴۹	زنا، لواطت، مشت زنی منع ہے	۵۵۹
۴۵۰	بھاوج سے زنا	۵۶۰

۴۵۱	خادمہ کے ساتھ باندی جیسا سلوک	۵۶۰
۴۵۲	جیسا گناہ ویسی توبہ	۵۶۱
۴۵۳	توبہ کی تکمیل کے لئے صدقہ	۵۶۲
۴۵۴	توبہ کے لئے چندہ کرکے تقریب کرنا اور تقریب میں عالم صاحب کے سامنے توبہ کرنا	۵۶۳
۴۵۵	گناہ کی توبہ خدا کے سامنے ہو یا چودھریوں کے؟	۵۶۶
۴۵۶	توبہ سے حقوق العباد کی معافی	۵۶۷
۴۵۷	بغیر توبہ کے کبیرہ گناہ کی معافی	۵۶۸

باب أحكام الزوجين

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

۴۵۸	شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باپ کے گھر جانا	۵۷۰
۴۵۹	شوہر کی رضامندی کے بغیر گھر سے نکلنے والی عورت کی نماز، روزہ کا حکم	۵۷۰
۴۶۰	بلا اجازتِ شوہر گھر سے باہر غائب رہنا	۵۷۱
۴۶۱	بغیر شوہر کی اجازت کے والدین کے پاس رہنا	۵۷۳
۴۶۲	کتنی مدت تک شوہر بیوی سے الگ رہ سکتا ہے؟	۵۷۴
۴۶۳	بیوی کا شوہر کو اپنی والدہ کی ملاقات سے روکنا	۵۷۴
۴۶۴	ولادت کے وقت بیوی کی مدد کرنا	۵۷۵
۴۶۵	بیوی کے حقوق نافرمانی کی صورت میں	۵۷۶
۴۶۶	بیوی کو والدین سے ملنے سے روکنا	۵۸۴
۴۶۷	اندیشۂ فتنہ کی صورت میں بیوی کو اس کے میکہ نہ بھیجنا	۵۸۵
۴۶۸	لڑکی کو داماد کے گھر جانے سے روکنا	۵۸۶
۴۶۹	بیوی کی تربیت کا طریقہ	۵۸۷

۴۷۰	بیوی کے ساتھ بدسلوکی کا علاج	۵۸۸
۴۷۱	بیوی کا شوہر کی اطاعت اور خدمت نہ کرنا	۵۸۹
۴۷۲	دو بیویوں کی صورت میں ایک سے زیادہ محبت ہونا	۵۹۰
۴۷۳	بیوی سے پیشہ کرانا	۵۹۰
۴۷۴	شوہر تعلیم کے لئے بیوی سے کتنے روز جدا رہ سکتا ہے؟	۵۹۱
۴۷۵	شوہر کتنے روز غائب رہ سکتا ہے؟	۵۹۲
۴۷۶	شوہر کتنے روز تک بیوی سے دور رہ سکتا ہے؟	۵۹۳
۴۷۷	سال بھر باہر رہ کر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بیوی کے پاس رہنے کے بعد پھر نکلنا	۵۹۳
۴۷۸	شادی کے بعد کتنی مدت کے لئے سفر میں رہنے کی اجازت ہے؟	۵۹۴
۴۷۹	بیوی کو خطاء پر سزا دینا	۵۹۵
۴۸۰	بیوی کو سزا دینا	۵۹۶
۴۸۱	عورت کو میکہ جانے کا حق	۵۹۷
۴۸۲	شوہر کا کہنا نہ ماننے والی عورت کا حکم	۵۹۸
۴۸۳	والدین اور شوہر میں کس کی اطاعت لازم ہے؟	۵۹۹
۴۸۴	’’گھر داس‘‘ کی رسم اور شوہر کی نافرمانی	۶۰۰
۴۸۵	اہلِ قرابت سے ملنے کے لئے کتنی مدت ہے؟	۶۰۵
۴۸۶	اولاد کی خاطر شوہر کی نافرمانی	۶۰۵
۴۸۷	قریب کے رشتہ داروں سے ملاقات کی مدت	۶۱۰
۴۸۸	خود کمانے والی عورت کا شوہر کو طعنہ دینا	۶۱۰
۴۸۹	شوہر بیوی میں ملاپ نہیں، گناہ کس پر ہے؟	۶۱۱
۴۹۰	زوجین کی باہمی رضامندی سے بعض حقوق زوجیت سے دست برداری	۶۱۲
۴۹۱	زوجین کو اپنے حقوق معاف کرنے کا حق ہے	۶۱۴

۴۹۲	بیس سال تک ملاپ نہ ہونے کے باوجود اب ملاپ درست ہے	۶۱۵
۴۹۳	شوہر کے سفر پر جانے سے اگر بیوی بیمار ہوجاتی ہوتو شوہر کیا کرے؟	۶۱۵
۴۹۴	ساس کی خدمت	۶۱۵
۴۹۵	زوجین کا ساتھ کھانا	۶۱۷
۴۹۶	سسرال میں جانا اور کھانا	۶۱۷
۴۹۷	بیوی کے لئے مٹھائی لے جانا کیا آوارہ گردی ہے؟	۶۱۸
۴۹۸	کیا بیوی کو شوہر کی شکایت کرنے کا حق ہے؟	۶۱۹
۴۹۹	زوجین میں نباہ کی ایک صورت	۶۲۰

فصل فی الجماع و متعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

۵۰۰	کیا جماع کے لئے کوئی حد مقرر ہے؟	۶۲۲
۵۰۱	تسکینِ جذبات کے لئے علاج	۶۲۳
۵۰۲	بیوی کا پستان منہ میں لینا	۶۲۴
۵۰۳	بیوی کا دودھ	۶۲۵
۵۰۴	چالیس سال گزرنے پر بھی بیوی سے جماع حرام نہیں	۶۲۵
۵۰۵	بوڑھی بیوی سے جماع	۶۲۶
۵۰۶	نابالغہ بیوی سے وطی	۶۲۶
۵۰۷	بیوی کی چھاتی منہ میں لینا	۶۲۶
۵۰۸	بیوی کی دبر میں وطی کرنا	۶۲۶
۵۰۹	دن میں ہمبستری کرنا	۶۲۶
۵۱۰	بیوی سے خلافِ فطرت کام کرنا	۶۲۸

۵۱۱	قبلہ کی طرف رخ کر کے وطی کرنا........................	۶۲۹
۵۱۲	مال جمع کرنے اور بیوی سے صحبت کی مقدارِ واجب........................	۶۳۰
۵۱۳	نکاح کے بعد دعاء کس وقت پڑھی جائے؟........................	۶۳۱
۵۱۴	کیا بغیر دعاء مجامعت کرنے سے شیطان بھی مجامعت کرتا ہے؟........................	۶۳۲
۵۱۵	برہنہ ہمبستری کرنا........................	۶۳۳
۵۱۶	حاملہ سے صحبت کب نقصان دہ ہے؟........................	۶۳۳
۵۱۷	بیوی سے صحبت کے وقت یہ تصور کہ فلاں اجنبیہ سے صحبت کر رہا ہوں........................	۶۳۴
۵۱۸	حائضہ سے انتفاع کی صورت........................	۶۳۵
۵۱۹	تفخیذ وتبطین وغیرہ کا حکم........................	۶۳۵
۵۲۰	فرج میں وطی پشت کی طرف سے........................	۶۳۵
۵۲۱	شوہر کا عضو ہاتھ میں لینا........................	۶۳۶
۵۲۲	پانی مضر ہونے کی صورت میں اجازتِ جماع........................	۶۳۷

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد نوزدہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

بقية كتاب الحظر والإباحة

باب حقوق الوالدين وغيرهما

(والدین کے حقوق کا بیان)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	والدین کا معذور پیر اور استاذ کی خدمت سے روکنا	۲۹
۲	والدین کی خدمت مقدم ہے یا تعلیم کی تکمیل؟	۳۰
۳	والدین سے الگ رہنا کیا اکرامِ مسلم کے خلاف ہے؟	۳۱
۴	والدین کے حکم سے مال اور بیوی کو چھوڑنا	۳۲
۵	والدین کی نافرمانی	۳۳
۶	معصیت کے کام میں والدین کی اطاعت	۳۴
۷	ایضاً	۳۴

۸	نکاح کے بعد لڑکی پر والدین کا کتنا حق ہے؟	۳۵
۹	والدہ کی خدمت سے چڑچڑاپن پیدا ہو جانے کا اثر	۳۶
۱۰	والدہ کی بے جا حمایت پر ان سے قطعِ تعلق	۳۷
۱۱	والدین میں نااتفاقی ہو تو اولاد کیا کرے؟	۳۹
۱۲	والدہ کی مانتا ہے تو والد ناراض ہوتے ہیں	۳۹
۱۳	والدہ ناراض ہو تو کیا کرے؟	۴۰
۱۴	باپ کے مال سے مُطلّقہ ماں کی مدد	۴۰
۱۵	فاسقہ والدہ کے ساتھ برتاؤ	۴۱
۱۶	باپ کو ستانے کا وبال	۴۳
۱۷	فاسق باپ کے ساتھ سلوک	۴۴
۱۸	باپ کے ساتھ سخت کلامی	۴۴
۱۹	بوڑھے باپ کی اطاعت	۴۵
۲۰	درجہ کس کا زیادہ ہے باپ یا ماں کا؟	۴۶
۲۱	باپ نے دونوں بیٹوں کو الگ کردیا	۴۶
۲۲	کیا بغیر باپ کی اجازت کے نکاح کرنا نافرمانی ہے؟	۴۷
۲۳	باپ بیٹوں کے حقوق	۴۸
۲۴	والد کی حالت خلافِ شرع ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۵
۲۵	باپ سے تنخواہ چھپانے کا حیلہ	۵۶
۲۶	قرض لے کر بچے کی پرورش کی گئی تو ادائیگی کس پر لازم ہے؟	۵۶
۲۷	حقوق العباد میں کوتاہی کا علاج جبکہ اصحابِ حقوق معلوم نہ ہوں	۵۷
۲۸	باپ کے مال کا استعمال بلا اجازت	۵۸

باب السلام والقیام والمصافحة

الفصل الأول فی السلام وإجابته

(سلام اوراس کے جواب کا بیان)

۲۹	آنے والے کو بیٹھنے والے کا سلام کرنا....................	۵۹
۳۰	طریقِ سلام اوراس کا جواب....................	۶۰
۳۱	آنے والے کے ذمہ سلام ہے....................	۶۳
۳۲	"السلام علیکم" میں اضافہ....................	۶۴
۳۳	سلام کرنے کے لئے پاؤں پر ہاتھ پھیرنا....................	۷۰
۳۴	سلام کے لئے ہاتھ سے اشارہ....................	۷۰
۳۵	سلام میں ہاتھ کا اشارہ....................	۷۳
۳۶	بحالتِ اذان سلام کا حکم....................	۷۳
۳۷	نماز پڑھنے اور وضو کرنے والوں کو سلام کرنا....................	۷۴
۳۸	نمازی کو سلام....................	۷۶
۳۹	مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا....................	۷۸
۴۰	خالی مسجد میں سلام کرنے کا حکم....................	۷۹
۴۱	نمازیوں، ذاکرین، منتظرینِ نماز اور خاموش لوگوں کو آتے وقت سلام کرنا....................	۷۹
۴۲	کھانا کھانے والے کو سلام کرنا....................	۸۱
۴۳	ڈھیلے سے استنجا سکھاتے وقت سلام کا جواب....................	۸۱
۴۴	استنجا سکھاتے ہوئے سلام کا جواب....................	۸۲
۴۵	گھٹنے کھولے ہوئے کو سلام....................	۸۳
۴۶	ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ پر پڑھی ہوئی آیت پر سجدۂ تلاوت اور سلام کا جواب....................	۸۳

۴۷	سلامِ غائب کا جواب.....................................	۸۵
۴۸	بیوی کو سلام کرنا یا لکھنا.....................................	۸۶
۴۹	امرد کا کسی کو سلام کرنا.....................................	۸۷
۵۰	امرد کے سلام کا جواب بحالتِ شہوت.....................................	۸۷
۵۱	دو شخص یکدم سلام کریں تو جواب کس پر ہے؟.....................................	۸۷
۵۲	نئے چاند کو دیکھ کر سلام کرنا.....................................	۸۸
۵۳	آداب عرض وغیرہ.....................................	۸۸
۵۴	ناراضگی کی وجہ سے ترکِ سلام کی مدت.....................................	۸۹
۵۵	**الفصل الثانی فی سلام الکافر والفاسق وردّہ علیھما** **(کافر اور فاسق کے سلام اور اس کے جواب کا بیان)**	
۵۶	کافر کا سلام.....................................	۹۱
۵۷	غیر مسلم اور فاسق کو سلام.....................................	۹۱
۵۸	’’آداب، عرض، نمستے‘‘ کا جواب کس طرح دیا جائے؟.....................................	۹۲
۵۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفار کو سلام کے الفاظ.....................................	۹۲
۶۰	کفار کو ’’السلام علیکم‘‘ کے ساتھ سلام کا حکم.....................................	۹۲
۶۱	فساق وفجار کو ابتداءً بالسلام کا حکم.....................................	۹۲
۶۲	غیر مسلم کے سلام کا جواب.....................................	۹۵
۶۳	ایضاً.....................................	۹۶
۶۴	ایضاً.....................................	۹۷
۶۵	سلامِ کافر کا جواب.....................................	۹۷
۶۶	ایضاً.....................................	۹۸
۶۷	شیعوں کے سلام کا جواب.....................................	۹۸

٦٨	أیضاً	٩٩
٦٩	قادیانی کے سلام کا جواب اوراس کی دعوت	٩٩
٧٠	قادیانی وشیعہ کوسلام اور جواب	١٠٠
٧١	فرقۂ خاکساری کے ساتھ سلام وطعام	١٠١
٧٢	فاسق کوسلام کرنا	١٠٣
٧٣	کسی کو منافق کہہ کر سلام کا جواب نہ دینا	١٠٤
٧٤	داڑھی منڈے کوسلام اوراس کے سلام کا جواب اوراس کی اولاد کا حکم	١٠٥
٧٥	مظلوم ظالم کے سلام کا جواب دے	١٠٨
٧٦	تاش کھیلنے والوں کوسلام	١٠٩

الفصل الثالث فی المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

٧٧	مصافحہ کی تعریف اور طریقہ	١١١
٧٨	جبراً مصافحہ کرنا	١١٢
٧٩	سلام کے ساتھ مصافحہ	١١٤
٨٠	غیر مسلم سے مصافحہ	١١٥
٨١	کافر فاسق سے مصافحہ ومعانقہ	١١٥
٨٢	محرم عورتوں سے مصافحہ	١١٧
٨٣	چھوٹی لڑکیوں سے معانقہ	١١٧
٨٤	معانقہ کرنے کا طریقہ	١١٨

الفصل الرابع فی القیام والتقبیل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

٨٥	بزرگوں کی تعظیم کے لئے قیام	١٢٠

۸۶	قیامِ تعظیمی	۱۲۰
۸۷	مہمان کے لئے قیام وتقبیل	۱۲۱
۸۸	بزرگوں کے ہاتھ پیر چومنا	۱۲۵
۸۹	علماء کی قدم بوسی ودست بوسی	۱۲۶
۹۰	قدم بوسی	۱۲۸
۹۱	تقبیل یدین ورجلین	۱۳۰
۹۲	ماں کے پیروں کو تعظیماً چھونا	۱۳۱
۹۳	والدین کی قدم بوسی	۱۳۲
۹۴	پیر یا والدین کے پیر کو چومنا	۱۳۲
۹۵	عورت کا شوہر کے پیروں کو چھونا	۱۳۳
۹۶	بڑوں کے پیر پکڑ کر دعائیں لینا	۱۳۳
۹۷	پیر پکڑ کر معافی مانگنا	۱۳۴
۹۸	والدین یا استاد کی قبر کو بوسہ دینا	۱۳۵
۹۹	امرد کا بوسہ بلاشہوت	۱۳۶

باب الترضی والترحم

(رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

۱۰۰	"علیہ السلام" و "رضی اللہ عنہ" کا استعمال	۱۳۸
۱۰۱	اہلِ بیت کے لئے "علیہ السلام" کا استعمال	۱۴۱
۱۰۲	"علیہ السلام" اور لفظ "امام" کا استعمال	۱۴۳
۱۰۳	"علیہ السلام" وترضی وترحم	۱۴۶
۱۰۴	ایضاً	۱۴۸

۱۰۵	اَیضاً	۱۶۲
۱۰۶	یزید کے لئے "علیہ السلام" اور "رضی اللہ عنہ" کا استعمال	۱۶۳
۱۰۷	فاسق وفاجر کے لئے "رضی اللہ عنہ" اور "نور اللہ مرقدہ"	۱۶۳

باب الحجاب

الفصل فی ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

۱۰۸	پردہ فرض ہے یا سنت؟	۱۶۶
۱۰۹	پردہ کس سے فرض ہے؟	۱۶۶
۱۱۰	پردہ کا حکم	۱۶۸
۱۱۱	پردہ کس عمر سے کس عمر تک کرنا چاہیے؟	۱۶۹
۱۱۲	چہرہ کا پردہ	۱۷۰
۱۱۳	چہرہ کا پردہ	۱۷۲
۱۱۴	محرم سے پردہ کی حد	۱۷۴
۱۱۵	مشترکہ مکان میں شرعی پردہ	۱۷۵
۱۱۶	بیوی کو بے پردگی پر مجبور کرنا	۱۷۸
۱۱۷	بیوی کو بے پردگی سے روکنا	۱۷۹
۱۱۸	جو عورت پہلے سے بے پردہ ہو اس کو بھی پردہ لازم ہے	۱۸۲
۱۱۹	کیا نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پردہ ہے؟	۱۸۳
۱۲۰	لڑکیوں کا فیکٹری میں کام کرنا	۱۸۴
۱۲۱	عورتوں کو مزدوری کے لئے باہر نکلنا	۱۸۴
۱۲۲	حفاظتِ نظر کے ساتھ بازار سے خرید وفروخت	۱۸۶
۱۲۳	عورتوں کو گھومنے کے لئے باہر نکلنا	۱۸۷

۱۲۴ نامحرموں کو دیکھنا ۱۹۲

فصلٌ فی مایتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

۱۲۵ عورت کی آواز کا پردہ ہے یا نہیں؟ ۱۹۳
۱۲۶ عورت کی تقریر لاؤڈ اسپیکر پر ۱۹۶
۱۲۷ لاؤڈ اسپیکر پر تعلیم کے لئے لڑکیوں کی تقریر ۱۹۷
۱۲۸ عورتوں کی اجلاس میں شرکت، تقریر وقراءت ۱۹۸

الفصل الثانی فیمن یجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

۱۲۹ اندیشۂ فتنہ کی صورت میں محارم سے بھی پردہ ہے ۲۰۳
۱۳۰ بہنوئی کی والدہ سے پردہ ۲۰۴
۱۳۱ بہنوئی کی اولاد سے پردہ ۲۰۴
۱۳۲ چچی اور ممانی سے پردہ ۲۰۵
۱۳۳ مطلقہ بیوی سے پردہ ۲۰۵
۱۳۴ نامحرم ملازم سے پردہ ۲۰۶
۱۳۵ سالی سے پردہ ۲۰۷
۱۳۶ دوست کی بیوی کا پردہ ۲۰۸
۱۳۷ نامحرم معمر عورت سے پردہ ۲۰۹
۱۳۸ جیٹھ اور دیور کے پردہ میں فرق ۲۰۹
۱۳۹ بازار میں چندہ کے لئے جانا جہاں بے پردہ عورتیں ہوں ۲۱۰
۱۴۰ جوان بیٹی باپ، بہن بھائی کا ایک بستر پر سونا ۲۱۱

۱۴۱	بہو کا ساس کے بدن کو دبانا اور مالش کرنا........................	۲۱۲
۱۴۲	بھاوج کے ساتھ رہنا اور بھتیجوں سے خدمت لینا........................	۲۱۳
۱۴۳	کافرہ عورت کو بیوی کی طرح رکھنا........................	۲۱۴

الفصل الثالث فی الخلوۃ والاختلاط بالأجنبیة ومسّها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی اور میل جول اور مَس کرنے کا بیان)

۱۴۴	بعض غیر محارم اور عورت کا غیر محرم کے سامنے آنا........................	۲۱۹
۱۴۵	نامحرم کے ساتھ تنہائی اگرچہ وہ متدین ہو........................	۲۲۰
۱۴۶	نامحرم کے ساتھ تنہائی........................	۲۲۱
۱۴۷	بوڑھے آدمی کے ساتھ خلوت........................	۲۲۲
۱۴۸	نامحرم کے ساتھ رکشا میں بیٹھنے کی سزا........................	۲۲۳
۱۴۹	کاروبار میں نامحرم کو ہاتھ لگانا........................	۲۲۵
۱۵۰	زیرِ تربیت لڑکی سے خدمت........................	۲۲۵
۱۵۱	مَردوں کا نامحرم عورتوں کو چوڑی پہنانا........................	۲۲۶
۱۵۲	نامحرم کو چوڑیاں پہنانا........................	۲۲۶
۱۵۳	چوڑی پہنانے کا پیشہ........................	۲۲۷
۱۵۴	ضرورت پڑنے پر نامحرم عورتوں سے گفتگو........................	۲۲۹
۱۵۵	سالی اور دیور کے ساتھ گفتگو........................	۲۳۰
۱۵۶	غیر مرد کے ساتھ ٹھٹھا کرنا........................	۲۳۱
۱۵۷	غیر محرم سے تعلق ومحبت کا علاج........................	۲۳۱
۱۵۸	عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟ اور عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر کرنا........................	۲۳۲
۱۵۹	مرد، عورتیں راستہ پر مل کر نہ چلیں........................	۲۳۳
۱۶۰	لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ اسکول میں رہنا اور غیر محارم کے ساتھ کمرے میں خلوت........................	۲۳۳

الفصل الرابع فی النظر إلی العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

۱۶۱	اپنا ستر دیکھنا	۲۳۶
۱۶۲	بیوی کا ستر دیکھنا	۲۳۶
۱۶۳	زوجین کا ایک دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا	۲۳۷
۱۶۴	بیوی کا جسم دیکھنا	۲۳۸
۱۶۵	فرج میں ادخالِ اصبع سے کھیلنا	۲۳۸
۱۶۶	ولادت سے ساتویں روز برہنہ کرکے نہلانا	۲۳۹
۱۶۷	بے پردگی کی حالت میں اسپتال میں ولادت	۲۴۰
۱۶۸	ڈاکٹر کے سامنے اپنا بدن کھولنا	۲۴۱
۱۶۹	ملازمت کیلئے ڈاکٹری معائنہ	۲۴۳
۱۷۰	داخلۂ کالج یا ملازمت سرکاری کے لئے برہنہ بدن کا معائنہ	۲۴۵
۱۷۱	بانجھ کی اولاد کے لئے اس کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر وظیفہ پڑھنا	۲۴۶
۱۷۲	ستر کھول کر کشتی کرنا	۲۴۶
۱۷۳	کشتی کا دنگل دیکھنا	۲۴۷
۱۷۴	چار انگل کی لنگوٹی باندھ کر تماشہ دکھانا	۲۴۸
۱۷۵	پانی کو عبور کرتے ہوئے رانیں کھولنا	۲۴۹
۱۷۶	گھٹنا ستر ہے یا نہیں؟	۲۵۱
۱۷۷	کاشتکاروں کے لئے کشفِ عورت	۲۵۱
۱۷۸	گھٹنے کھول کر کھیتی وغیرہ کا کام کرنا	۲۵۲
۱۷۹	برہنہ ہوکر سونا	۲۵۴

باب اللباس

الفصل الأول فی القمیص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

۱۸۰	شرعی لباس	۲۵۵
۱۸۱	مسنون لباس	۲۵۵
۱۸۲	مسنون لباس کے لئے بڑھاپے کا انتظار نہیں	۲۵۷
۱۸۳	کون سے لباس کا استعمال مذہبِ اسلام میں جائز ہے، اور پینٹ کوٹ کا استعمال	۲۵۸
۱۸۴	کرتا کہاں تک لمبا ہو	۲۶۱
۱۸۵	نصفِ ساق تک کرتا	۲۶۲
۱۸۶	کرتا نصف ساق تک ہے	۲۶۳
۱۸۷	کرتہ کی کیفیت	۲۶۳
۱۸۸	کرتے میں کالر	۲۶۵
۱۸۹	سیاہ کرتا پہننا	۲۶۵
۱۹۰	قمیص پہننا	۲۶۶
۱۹۱	قمیص کا حکم	۲۶۷
۱۹۲	کالردار قمیص اور بڑے پائنچوں کا پائجامہ	۲۶۷
۱۹۳	آستین کا لمبا بنوانا	۲۶۸
۱۹۴	آستین لمبا بنوانا	۲۶۹
۱۹۵	چوڑا پائجامہ	۲۶۹
۱۹۶	چوڑی دار پائجامہ	۲۷۰
۱۹۷	چوڑی مہری کا پائجامہ	۲۷۰

۱۹۸	پائجامہ یا لنگی ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی ممانعت کی وجہ	۲۷۱
۱۹۹	ٹخنے سے نیچے پائجامہ	۲۷۲
۲۰۰	دھوتی، لنگی کا استعمال اور حقہ پینا	۲۷۳
۲۰۱	لنگوٹ	۲۷۵
۲۰۲	پائجامہ اور لنگی میں کون افضل ہے	۲۷۵
۲۰۳	غسل کے بعد کرتا پہلے پہنے یا پائجامہ	۲۷۸

الفصل الثانی فی لبس البنطلون والصُّدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۲۰۴	کوٹ، پتلون اور انگریزی بال	۲۸۰
۲۰۵	پینٹ کوٹ کا استعمال	۲۸۱
۲۰۶	درزی کو ناجائز لباس سینا	۱۸۲
۲۰۷	کوٹ پتلون سینا	۱۸۴
۲۰۸	کوٹ قمیص، بوشٹ، ترکی ٹوپی وغیرہ	۲۸۴
۲۰۹	قمیص، پینٹ، کوٹ پہننا	۲۸۶
۲۱۰	دفتر کے وقت پتلون پہننا	۲۸۷
۲۱۱	لباس، پتلون وغیرہ	۲۸۷
۲۱۲	ٹائی کا استعمال	۲۸۹
۲۱۳	لباس میں فساق وفجار کا شعار	۲۹۰
۲۱۴	فساق یا فجار کے شعار کو اختیار کرنا	۲۹۱
۲۱۵	لباسِ فساق	۲۹۲
۲۱۶	تنگ لباس پر تنبیہ	۲۹۲

الفصل الثالث فی العمامة والقلنسوة

(پگڑی اورٹوپی کا بیان)

۲۱۷ عمامہ کا حکم ۲۹۴
۲۱۸ جس عمامہ پر چاندی کے نقش ہوں اس کا استعمال ۲۹۴
۲۱۹ عمامہ بیٹھ کر، پائجامہ کھڑے ہوکر پہننا ۲۹۵
۲۲۰ ٹوپی کا ثبوت ۲۹۶
۲۲۱ مسنون ٹوپی ۲۹۷
۲۲۲ کس قسم کی ٹوپی ثابت ہے؟ ۲۹۸
۲۲۳ گول ٹوپی ۲۹۹
۲۲۴ دوپلی ٹوپی اور گول ٹوپی ۳۰۰
۲۲۵ گول اور لمبی ٹوپی کی سنیت کی تحقیق مع فتاویٰ دار العلوم ومظاہر علوم ۳۰۱
۲۲۶ کامدار ٹوپی وجوتا ۳۰۴
۲۲۷ ٹیرلنگ کپڑا، کشتی دار ٹوپی اور قمیص پہننا ۳۰۵
۲۲۸ ننگے سر پھرنا ۳۰۶

الفصل الرابع فی لباس النسآء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

۲۲۹ سیاہ برقعہ، جمپر، لہنگا، سلاخیں، سرخی کا حکم ۳۰۷
۲۳۰ عورتوں کا لباس اور ستر ۳۰۸
۲۳۱ عورتوں کا چوڑی دار پائجامہ پہننا ۳۱۰
۲۳۲ عورتوں کو نیم آستین کا کرتہ پہننا ۳۱۱
۲۳۳ سینہ بند اور عورت کا موئے زیر ناف استرے سے لینا ۳۱۳

۲۳۴	عورتوں کے لئے فیشن کی چیزیں............................	۳۱۴
۲۳۵	مردانہ لباس عورتوں کے لئے............................	۳۱۵
۲۳۶	عورت کے لئے انگیہ کا استعمال............................	۳۱۶
۲۳۷	چوڑیاں پہننا............................	۳۱۷
۲۳۸	آواز دار چوڑی پہننا............................	۳۱۸

الفصل الخامس فی الثیاب المحرمة وغیرها

(ناجائز لباس کا بیان)

۲۳۹	مرد کے لئے مخمل کا استعمال............................	۳۲۱
۲۴۰	ریشم کا کپڑا اور کیڑا............................	۳۲۱
۲۴۱	ریشمی جبہ............................	۳۲۵
۲۴۲	ریشمی رومال وازار بند............................	۳۲۶
۲۴۳	کیا ہر ریشم کیڑے سے بنتا ہے............................	۳۲۷
۲۴۴	ٹیرلین کا استعمال............................	۳۲۸
۲۴۵	نائیلون کا استعمال............................	۳۲۸
۲۴۶	مرد کے لئے کون کونسے رنگ ناجائز ہیں............................	۳۲۹

الفصل السادس فی أشیاء الزینة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

۲۴۷	عورتوں کے لئے لپ اسٹک لگانا کیسا ہے؟............................	۳۳۰
۲۴۸	لڑکوں کے لئے کریم پاؤڈر کا استعمال............................	۳۳۱
۲۴۹	لبوں پر سرخی............................	۳۳۱
۲۵۰	بالوں ہونٹوں پر سرخی............................	۳۳۲

الفصل السابع فی المتفرقات

۲۵۱ علماء کی مستورات کا فیشن حجتِ شرعیہ نہیں؟ ۳۳۴

۲۵۲ درزی کا بچاہوا کپڑا رکھ لینا ۳۳۶

۲۵۳ گریباں کھلا رکھنا ۳۳۷

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول فی الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

۲۵۴ سونے چاندی کی انگوٹھی وغیرہ ۳۳۹

۲۵۵ سونے کی انگوٹھی مرد کیلئے ۳۴۰

۲۵۶ انگوٹھی میں سونے کا نگ ۳۴۱

۲۵۷ چاندی وغیرہ کی انگوٹھی ۳۴۳

۲۵۸ چاندی کی انگوٹھی ۳۴۴

۲۵۹ کئی نگ والی انگوٹھی ۳۴۴

الفصل الثانی فی أسنان الذهب والفضة

(سونے چاندی کے دانتوں کا بیان)

۲۶۰ چاندی سونے کے دانت، ان کے تار اور خول کا دانت کیلئے استعمال ۳۴۶

۲۶۱ سونے چاندی کے دانت ۳۴۷

۲۶۲ أیضاً ۳۴۹

۲۶۳ رولڈ گولڈ کور میں دانت ۳۵۰

۲۶۴	چاندی کا خلال	۳۵۱

الفصل الثالث فی مصنوعات الذهب وغیره

(سونے وغیرہ کی مصنوعات کا بیان)

۲۶۵	کُرتے میں سونے کے بٹن	۳۵۲
۲۶۶	سونے چاندی کے بٹن	۳۵۳
۲۶۷	رولڈ گولڈ کے سنہرے بٹن، گھڑی کی چین، لوہے کی انگوٹھی، مخلوط دھاتوں کے بٹن کا حکم	۳۵۳
۲۶۸	پیتل کے بٹن	۳۵۴
۲۶۹	تانبہ کے برتن پر چاندی کی قلعی	۳۵۵
۲۷۰	برتن پر سونے چاندی کا ملمع کرنا	۳۵۶
۲۷۱	سکہ پر سونے چاندی کا ملمع کر کے زیور بنانا	۳۵۶
۲۷۲	تانبے، پیتل وغیرہ کا استعمال	۳۵۷

الفصل الرابع فی مایتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

۲۷۳	گھڑی باندھنا کیسا ہے؟	۳۶۰
۲۷۴	گھڑی کس ہاتھ میں پہنی جائے؟	۳۶۰
۲۷۵	انگوٹھی اور گھڑی کی چین	۳۶۱
۲۷۶	گھڑی میں کس دھات کا پٹہ ہو؟	۳۶۴
۲۷۷	گھڑی کا استعمال مرد وعورت کے لئے	۳۶۵
۲۷۸	گھڑی اور سونے کی چین وغیرہ	۳۶۵
۲۷۹	جیبی گھڑی کا کیس چاندی کا ہو اس کا حکم	۳۶۷

الفصل الخامس فی الحلیۃ للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

۲۸۰	بیوہ عورت کا زیور پہننا	۳۶۸
۲۸۱	سہاگن کیلئے سیاہ موتیوں کے ہار کا استعمال	۳۶۹
۲۸۲	چوڑیاں پہننا	۳۷۰
۲۸۳	زیور پہننے کے لئے ناک میں سوراخ کرنا	۳۷۰
۲۸۴	لڑکیوں کے کان چھیدنا	۳۷۱

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

۲۸۵	''یاسین'' نام رکھنا	۳۷۲
۲۸۶	''حسین احمد'' نام رکھنا	۳۷۴
۲۸۷	''غلام محمد، صدر العلی، غلام نبی، غلام رسول، رسول بخش'' نام رکھنا	۳۷۴
۲۸۸	''محمد عظیم'' نام رکھنا	۳۷۵
۲۸۹	''نرنجن علی'' نام کو بدل کر ''محمد علی'' رکھنا	۳۷۶
۲۹۰	''مرسلین'' نام رکھنا	۳۷۶
۲۹۱	''ربانی'' نام رکھنا	۳۷۷
۲۹۲	''یحییٰ'' اور ''ناصر'' نام رکھنا	۳۷۸
۲۹۳	''عبد الربانی'' نام رکھنا	۳۷۹
۲۹۴	بچہ کا نام ''محمد رسول اللہ'' یا ''موسیٰ کلیم اللہ'' رکھنا	۳۷۹
۲۹۵	کسی کا نام ''محمد'' ہو اُس پر درود کی علامت	۳۸۰

۲۹۶	کسی ادارہ کا نام، نامِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھنا	۳۸۱
۲۹۷	درست اور نادرست نام	۳۸۲
۲۹۸	بچہ کا نام ''نبی خاں'' رکھنا	۳۸۳
۲۹۹	''محمد علیم'' نام رکھنا	۳۸۴
۳۰۰	''ابوالاعلیٰ'' نام رکھنا	۳۸۴
۳۰۱	''محمد عمر فاروق'' نام رکھنا	۳۸۵
۳۰۲	''عبدالسبحان'' نام رکھنا	۳۸۵
۳۰۳	''عبد مناف'' نام رکھنا	۳۸۷
۳۰۴	''یافث'' نام رکھنا	۳۸۷
۳۰۵	''عبدالرحیم'' کو ''رحیم'' کہہ کر پکارنا	۳۸۸
۳۰۶	جسمانی امراض کیلئے نام بدلنا	۳۸۹
۳۰۷	قوم کا نام ''افغان محمدی''	۳۹۰

باب خصال الفطرة

الفصل الأول فی اللحیة والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

۳۰۸	داڑھی	۳۹۲
۳۰۹	داڑھی کی تحقیق	۳۹۴
۳۱۰	ایک مشت داڑھی کی تحقیق	۳۹۷
۳۱۱	داڑھی کی مقدار	۳۹۹
۳۱۲	داڑھی بڑھانے اور موئے زیرِ ناف کاٹنے کی وجہ	۴۰۳
۳۱۳	داڑھی کی مقدار اور اس کا مفصل حکم	۴۰۳

۳۱۴	داڑھی کی حدِ شرعی	۴۰۷
۳۱۵	داڑھی منڈانے کا حکم	۴۰۸
۳۱۶	داڑھی کو بالکل صاف کرنے اور ایک انگلی رکھنے میں تفاوت	۴۱۰
۳۱۷	داڑھی کے چھوٹے بڑے بالوں کو برابر کرنا	۴۱۲
۳۱۸	بیوی کا شوہر سے داڑھی کاٹنے کا مطالبہ کرنا	۴۱۲
۳۱۹	ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانا	۴۱۴
۳۲۰	علاج کے لئے داڑھی صاف کرنا	۴۱۶
۳۲۱	مجاہدین کے لئے داڑھی منڈانا	۴۱۶
۳۲۲	داڑھی اگانے کے لئے چہرہ پر استرہ پھیرنا	۴۱۸
۳۲۳	خط بنوانا	۴۲۰
۳۲۴	عورت کی ڈاڑھی کا حکم	۴۲۱
۳۲۵	جمعہ کے روز حجامت	۴۲۲
۳۲۶	مونچھ کا حلق کرنا	۴۲۳
۳۲۷	مونچھیں منڈانا	۴۲۳
۳۲۸	ریش بچہ اور اس کے دونوں طرف کے بال کٹوانا	۴۲۵

فصلٌ فی حلّاق اللحیة

(نائی کا بیان)

۳۲۹	داڑھی بنانے والے نائی کا حکم	۴۲۷
۳۳۰	نائی کے پیشہ کی تفصیل	۴۲۸
۳۳۱	حجام کا داڑھی مونڈنا	۴۲۹
۳۳۲	مسلم حجام کا غیر مسلم کی داڑھی مونڈنا	۴۲۹
۳۳۳	جن اوزاروں سے غیر مسلم کی حجامت بنائی ان سے مسلم کی حجامت بنانا	۴۳۰

الفصل الثانی فی الشّعر

(بالوں کا بیان)

۳۳۴	بال رکھنا افضل ہے یا منڈوانا؟	۴۳۱
۳۳۵	سر پر بال (پٹھے) رکھنا	۴۳۳
۳۳۶	سر کے بالوں کی تفصیل	۴۳۵
۳۳۷	بالوں میں کفار کی مشابہت	۴۳۶
۳۳۸	انگریزی بال	۴۳۶
۳۳۹	انگریزی بال رکھنا	۴۳۷
۳۴۰	انگریزی بال کو سنتی بال بنانا	۴۳۷
۳۴۱	عورتوں کا بالوں کی مینڈھیاں گوندھ کر کلپ لگانا	۴۳۸
۳۴۲	نائلون کی چوٹی کا استعمال	۴۳۹
۳۴۳	عورتوں کا دو چوٹی رکھنا، سرخی پوڈر استعمال کرنا	۴۳۹
۳۴۴	بالوں میں پن لگانا	۴۴۰
۳۴۵	کلپ کا استعمال	۴۴۱
۳۴۶	ابروؤں کے درمیان بالوں کا حکم	۴۴۱
۳۴۷	رخسار اور حلق کے بالوں کا حکم اور ڈاڑھی کی مقدار	۴۴۲
۳۴۸	بغل کے بال	۴۴۴
۳۴۹	ٹانگوں کے بال کاٹنا	۴۴۴
۳۵۰	استرے سے بالوں کی صفائی	۴۴۵
۳۵۱	عورت کو استرے سے صفائی کرنا	۴۴۵
۳۵۲	موئے زیر ناف کس جگہ سے کاٹے جائیں	۴۴۶
۳۵۳	موئے زیر ناف کو دفن کرنا	۴۴۸

۳۵۴	موئے زیرِ ناف کاٹنے کی مدت........................	۴۴۸
۳۵۵	غسل میں گرے ہوئے بالوں کو کیا کیا جائے؟........................	۴۴۹
۳۵۶	موئے زیرِ ناف دوسرے سے صاف کرانا........................	۴۵۰
۳۵۷	نابینا موئے زیرِ ناف کس طرح صاف کرے؟........................	۴۵۰
۳۵۸	کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت........................	۴۵۱

الفصل الثالث فی تقليم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

۳۵۹	ناخن اور بالوں کو جلانے کا حکم........................	۴۵۲

الفصل الرابع فی الخضاب

(مہندی اور خضاب کا بیان)

۳۶۰	داڑھی یا سر پر خضاب لگانے کا حکم........................	۴۵۴
۳۶۱	خضاب کا حکم........................	۴۵۵
۳۶۲	مہندی یا خضاب لگانا........................	۴۵۶

الفصل الخامس فی الختان

(ختنہ کا بیان)

۳۶۳	ختنہ کی ابتدا، کون سے انبیائے کرام مختون پیدا ہوئے؟........................	۴۵۸
۳۶۴	کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے؟........................	۴۶۱
۳۶۵	ختنہ کا وقت اور حکم........................	۴۶۲
۳۶۶	ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا اور دعوت کرنا........................	۴۶۴
۳۶۷	ختنہ کے موقع پر اناج لوٹا بھر کر دیا جائے وہ کس کا حق ہے؟........................	۴۶۵

۳۶۸	بالغ کا ختنہ	۴۶۵
۳۶۹	ختنہ کی کھال کا استعمال وفروخت	۴۶۷

باب الصورة والملاهی

الفصل الأول فی الصورة

(تصویر کا بیان)

۳۷۰	فوٹو کھچوانا	۴۶۹
۳۷۱	فوٹو رکھنا	۴۶۹
۳۷۲	تصویر اور کتے کا حکم	۴۷۰
۳۷۳	کپڑے پر جاندار کی تصویر	۴۷۲
۳۷۴	جاندار کی تصویر بے جان کے ضمن میں	۴۷۳
۳۷۵	تہوار کے موقع پر جاندار کی تصویریں بنانا	۴۷۳
۳۷۶	صدر کے مرنے پر اس کی تصویر ہال میں لگانا	۴۷۴
۳۷۷	عید کارڈ، کرسمس کارڈ، دیوالی کارڈ کے بغیر جاندار کی تصویر چھاپنا	۴۷۵
۳۷۸	پیسہ، روپیہ کی تصویر پر ڈائجسٹ کو قیاس کر کے مسجد میں ''ہدیٰ ڈائجسٹ'' کے مطالعہ کا حکم	۴۷۶
۳۷۹	پریس میں خبروں کے ساتھ تصویر چھاپنا	۴۷۸
۳۸۰	باتصویر اخبار کا حکم	۴۷۹
۳۸۱	تصویر دار کاغذ کو جلانا	۴۸۰
۳۸۲	تصویر کی طباعت اور اس کی آمدنی	۴۸۰
۳۸۳	باتصویر رسائل کی خریداری	۴۸۲
۳۸۴	چڑیا والی گھڑی	۴۸۲
۳۸۵	سوال متعلق استفتاء بالا	۴۸۳

۳۸۶	برکت کے لئے تصاویر گھر میں رکھنا	۴۸۵
۳۸۷	اخبار میں تصاویر کی اشاعت کرنا	۴۸۶
۳۸۸	مکان میں تصاویر	۴۸۹
۳۸۹	آنکھ اور دانت کی تصویر	۴۹۰
۳۹۰	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر	۴۹۱
۳۹۱	روضۂ اقدس کی تصویر مسجد میں	۴۹۳
۳۹۲	تعلیم کے لئے فوٹو	۴۹۴
۳۹۳	پرائیویٹ امتحان کے لئے فوٹو	۴۹۴
۳۹۴	تنخواہ وصول کرنے کے لئے فوٹو	۴۹۵
۳۹۵	شناختی کارڈ فوٹو کے ساتھ	۴۹۶
۳۹۶	معلم مقرر کرنے کے لئے فوٹو منگانا	۴۹۷
۳۹۷	فوٹو مٹانے کی ترکیب	۴۹۸

الفصل الثانی فی التمثال

(مجسمہ سازی کا بیان)

۳۹۸	شیر کی کھال کیا تصویر کے حکم میں ہے؟	۴۹۹
۳۹۹	شیر کی کھال میں گھاس بھر کر اس کو شیر بنانا	۴۹۹
۴۰۰	گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا	۵۰۰
۴۰۱	بچوں کی گڑیا اور کھلونا	۵۰۳

الفصل الثالث فی الملهی والتلفزیون

(سینما اور ٹی وی کا بیان)

۴۰۲	سینما دیکھنا	۵۰۵

۴۰۳	سینما تھیٹر دیکھنا	۵۰۸
۴۰۴	سینما، تصویر، فوٹو	۵۰۸
۴۰۵	تصویر اور فوٹو میں فرق	۵۰۹
۴۰۶	قسم قسم کی فلم دیکھنا	۵۱۱
۴۰۷	متبعِ شریعت کو سینما دیکھنا	۵۱۲
۴۰۸	سینما میں معجزہ شق القمر اور اس کی توجیہ	۵۱۳
۴۰۹	سینما کے جواز پر واقعۂ موسیٰ علیہ السلام سے استدلال	۵۱۴
۴۱۰	نیک نیت سے سینما دیکھنا اور اس کا اعلان کرنا	۵۱۸
۴۱۱	فلم حج	۵۲۱
۴۱۲	ٹیلی ویژن	۵۲۳
۴۱۳	ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال	۵۲۳
۴۱۴	گانا سننے کی دلیل	۵۲۴
۴۱۵	ٹرانسسٹر سننا	۵۲۵
۴۱۶	ریڈیو بجانا اور اس میں گانا سننا	۵۲۷

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

۴۱۷	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نیزہ بازی دیکھنے سے کھیل تماشے پر استدلال	۵۲۸
۴۱۸	کشتی چلانے میں مقابلہ کرنا	۵۳۱
۴۱۹	والی بال	۵۳۱
۴۲۰	فٹ بال، کبڈی کھیلنا، کشتی لڑنا	۵۳۲
۴۲۱	تاش کا کھیل	۵۳۳

۴۲۲ تعلیمی تاش ۵۳۵
۴۲۳ کیرم بورڈ ۵۳۶
۴۲۴ کیرم بورڈ بطورِ تفریح ۵۳۷
۴۲۵ گھر میں کھیل کھیلنا ۵۳۸
۴۲۶ بچوں کا لٹو وغیرہ کھیلنا ۵۴۰
۴۲۷ بچہ کو جھنجنے سے بہلانا ۵۴۳

باب الموالات مع الکفار والفَسَقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

۴۲۸ غیر مسلم سے تعلقات ۵۴۵
۴۲۹ کافر سے موالات و مواسات ۵۴۵
۴۳۰ شانِ خداوندی میں گستاخی کرنے والے کے ساتھ سلوک ۵۴۶
۴۳۱ جس کا ظاہر کافروں جیسا ہو، اس کے ساتھ تعلق ۵۴۷

الفصل الأول فی التشبه بالکفار

(کفار کی مشابہت کا بیان)

۴۳۲ سراغ رسانی کے لئے کافروں کی ہیئت اختیار کرنا ۵۴۹
۴۳۳ بہروپیہ اور سی آئی ڈی کا غیر مسلم کی صورت وضع بنانا ۵۵۰
۴۳۴ شعارِ اہلِ کفر کو اختیار کرنا ۵۵۳
۴۳۵ غیر قوموں کے ساتھ تشبہ ۵۵۴
۴۳۶ ہندوانہ زیبائش ۵۵۵
۴۳۷ بالوں میں کفار کی مشابہت ۵۵۶
۴۳۸ عورت کو مانگ میں سیندور اور پیشانی پر بندی لگانا ۵۵۷

۴۳۹	سرکاری تقاریب میں ہنود کا مسلمان کی پیشانی پر سیندور لگانا	۵۵۸
۴۴۰	لباس اور برتن میں تشبہ سے پرہیز	۵۵۹
۴۴۱	اذانِ مغرب کے بعد لائٹ روشن کرنا	۵۶۰
۴۴۲	دھوتی باندھنا	۵۶۱
۴۴۳	مسلمان بھنگی کا حکم	۵۶۲

الفصل الثانی فی الشرکة فی أعیاد الکفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

۴۴۴	ہندوؤں کے مذہبی تہوار میں شریک ہونا	۵۶۵
۴۴۵	رام لیلا جیسے تہوار میں شرکت	۵۶۶
۴۴۶	غیر قوم کے تہوار میں ان کو مبارکباد دینا	۵۶۷
۴۴۷	غیر قوم کے مذہبی اجتماع میں شرکت	۵۶۸
۴۴۸	ہندوؤں کے میلہ میں جانا	۵۶۸
۴۴۹	میلے اور نمائش میں جانا	۵۶۹
۴۵۰	میلہ میں سامان خریدنے کے لئے جانا	۵۷۱
۴۵۱	ہندوؤں کے میلہ کے وقت بنی ہوئی مٹھائی خرید کر کھانا	۵۷۱
۴۵۲	ہولی کے دن ہندو استاد سے ملنا	۵۷۲
۴۵۳	مسلمانوں پر ہولی کا رنگ چھڑکنا	۵۷۴
۴۵۴	عیسائی مذہبی تقریب میں شرکت	۵۷۵

الفصل الثالث فی إعانة الکفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

۴۵۵	غیر مسلم کے مذہب میں مسلم کا روپیہ لگانا	۵۷۷

۴۵۶	غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی مصلحت سے تعاون	۵۷۷
۴۵۷	تعمیر مندر میں امداد	۵۷۹
۴۵۸	مندر اور پوجا میں چندہ دینا	۵۸۰
۴۵۹	کفار کے میلہ میں چندہ دینا	۵۸۱
۴۶۰	غیر مسلم کی تقریب میں مصلحۃً وسیاسۃً شرکت کرکے چندہ دینا	۵۸۲
۴۶۱	ہندوؤں کی رسم میں چندہ	۵۸۴
۴۶۲	ہولی میں چندہ دینا	۵۸۵
۴۶۳	سانگ کرانا اور اس میں روپیہ دینا	۵۸۵
۴۶۴	غیر مسلم سے کفن سلوانا	۵۸۷
۴۶۵	کافر میت کو جلانے کے لے سامان دینا	۵۸۷
۴۶۶	ہندو لاش کو جلانے کے لئے مسلمان کا لکڑی فروخت کرنا	۵۸۸

الفصل الرابع فی إعانة الفساق و الفجار

(فاسق وفاجر کی مدد کرنے کا بیان)

۴۶۷	ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے	۵۸۹
۴۶۸	معصیت میں ساتھ دینا	۵۹۰
۴۶۹	قاتل کی مدد کرنا	۵۹۳
۴۷۰	مقتول اور قاتل کی مدد کرنا	۵۹۴
۴۷۱	اپنے باپ کے قاتل کی مدد کرنا	۵۹۵
۴۷۲	ظالم کی رہائی میں مدد کرنا	۵۹۷
۴۷۳	ظالم سے ہمدردی کا طریقہ	۵۹۸
۴۷۴	ظالم کو مار ڈالنا	۵۹۹
۴۷۵	زانی کی مدد بھی گناہ ہے	۶۰۰

۴۷۶	بدکاری کی وجہ سے گھر سے نکالی گئی بھانجی کو اپنے یہاں پناہ دینا....................................	۶۰۱
۴۷۷	ناجائز اولاد کو سماج میں جگہ دینا....................................	۶۰۲

☆.....☆.....☆

فہرست عنوانات......جلد بستم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

بقية كتاب الحظر والإباحة

باب مايتعلق بالجنات

(جنات کا بیان)

۱	انسان افضل ہے یا جنات............	۲۰
۲	کسی دیو کے نبی کی شکل وصورت اختیار کرنے کا عقیدہ............	۲۱
۳	جن کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا............	۲۲
۴	دیو کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنانا............	۲۲
۵	جنات اور شیاطین انسان کو ستا سکتے ہیں یا نہیں؟............	۲۵
۶	جن کا مختلف صورتوں میں آنا............	۲۶
۷	مزارات پر جنات کا آنا............	۲۷

۸	جن اور پیر کا عورتوں پر آنا	۲۹
۹	جنات سے حمل	۳۰
۱۰	جماعِ جن سے استقرارِ حمل	۳۱
۱۱	کیا آسیبی اثر سے زبان گنگ ہوسکتی ہے؟	۳۱
۱۲	جنات کو جلانا	۳۲
۱۳	جنات کا عمل	۳۲
۱۴	جنات کی مالی اعانت	۳۳
۱۵	مرغ کیوں بولتا ہے؟	۳۳
۱۶	گدھا کیوں بولتا ہے؟	۳۴
۱۷	گدھا کیوں بولتا ہے	۳۵
۱۸	ستارہ ٹوٹنے کا سبب، مرغ بولنے کی وجہ	۳۵
۱۹	ہمزاد کیا ہے؟	۳۶
۲۰	طویل العمر جن صحابی کا ظہور	۳۷

باب مایتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول فی السحر

(سحر کا بیان)

۲۱	سحر کا حکم	۴۸
۲۲	سحر کا اثر اور ساحر کا حکم	۴۹
۲۳	جادو کرنے والے کا حکم	۵۰
۲۴	دفعِ سحر کے لئے سحر سیکھنا	۵۱
۲۵	دفعِ سحر کے لئے سحر کرنا	۵۲
۲۶	دفعِ سحر کی ترکیب	۵۳

۲۷	مشرکانہ منتر سے علاج	۵۴
۲۸	منتر کے ذریعہ علاج کرنا	۵۵
۲۹	قرعہ کے ذریعے ساحر یا مجرم معلوم کرنا	۵۵
۳۰	جادو، گنڈہ وغیرہ غیر مسلم سے لینا	۶۱

الفصل الثانی فی العوذة

(تعویذ کا بیان)

۳۱	کیا تعویذ میں اثر ہے؟	۶۳
۳۲	تعویذ اور عملیات	۶۴
۳۳	خون سے تعویذ لکھنا	۶۵
۳۴	مرغ کے خون سے تعویذ لکھنا	۶۶
۳۵	ڈاکوؤں کو تعویذ کے ذریعہ ہلاک کرنا	۶۷
۳۶	تعویذ، گنڈے کے لئے نامحرم سے میل جول	۶۸
۳۷	عورتوں کو عامل سے تعویذ لینا اور کاہنوں سے جھاڑ پھونک کرانا	۷۲

الفصل الثالث فی العملیات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

۳۸	عملیات سے متعلق چند ضروری سوالات	۷۳
۳۹	قرآن شریف کے ذریعہ چور کا نام نکالنا	۷۵
۴۰	آیتِ قرآنی کے ذریعہ چور کا نام نکالنا	۷۶
۴۱	چور کا نام نکالنا	۷۷
۴۲	کافر سے جھاڑ پھونک	۷۷
۴۳	غیر مسلم سے آسیب کا علاج کرانا	۷۸

۴۴	غیر مسلم سے جھاڑ پھونک کرانا	۷۹
۴۵	حاضرات نکلوانا	۸۰
۴۶	نظرِ بد کے لئے مرچیں جلانا	۸۱
۴۷	نظر بد سے حفاظت کے لئے بچوں کے چہرہ پر سیاہ داغ لگانا	۸۲
۴۸	علم جفر کا حکم	۸۳
۴۹	جھاڑ پھونک سے سانپ کے کاٹنے کا علاج	۸۵
۵۰	غیر مسلم سے سانپ کے کاٹے کو جھڑوانا	۸۶
۵۱	سفلی عمل کے ذریعے سٹہ کا نمبر بتانا	۸۷
۵۲	عمل برائے امداد مظلومین واجرتِ تعویذ	۸۸
۵۳	عمل برائے گمشدہ	۸۹
۵۴	کشفِ ارواح کا عمل	۸۹
۵۵	شادی ہونے کے لئے عمل	۸۹
۵۶	وسعتِ رزق کا عمل	۹۰
۵۷	وسعتِ معیشت کا علاج	۹۰
۵۸	دستِ غیب کا عمل	۹۰
۵۹	یا جبرائیل بحق یا وھاب کا وظیفہ	۹۱
۶۰	"قل ھو اللہ أحد، یا جبرئیل" کا وظیفہ	۹۱
۶۱	''نادِ علی'' کا وظیفہ	۹۲
۶۲	عمل کو پلٹنے کا حکم	۹۳
۶۳	جوانی میں عملیات کرانا	۹۴
۶۴	لکھے ہوئے پانی کی مضرت اور اس کا علاج	۹۴
۶۵	عذاب قبر سے حفاظت کا عمل	۹۵

باب الأشتات

(حظر واباحت کے مختلف مسائل کا بیان)

٦٦	سبز پتوں اور شاخوں کو کاٹنا	٩٧
٦٧	پھل دار درخت کو کاٹنا	٩٨
٦٨	پائچے سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا	٩٩
٦٩	نئی صدی کا استقبال	١٠٠
٧٠	غلط پروپیگنڈہ کی مذمت	١٠١
٧١	چراغ پھونک مار کر بجھانا	١٠٢
٧٢	ردّی کاغذ کا گتا بنانا	١٠٣
٧٣	تعلیم کی غرض سے بچوں سے نعت پڑھوانا	١٠٤
٧٤	آلۂ مکبر الصوت	١٠٥
٧٥	جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں، اس سے سحری کے لئے جگانا	١٠٦
٧٦	بجلی سے آدمی کیوں مرجاتا ہے؟	١٠٦
٧٧	کمر کے دونوں جانب ہاتھ رکھنا	١٠٧
٧٨	کیڑے مکوڑوں کی پیدائش	١٠٨
٧٩	غلامی کو ناپسند کرنا	١٠٨
٨٠	دوسرے کی دیوار پر اپنے مکان کی بنیاد رکھنا	١٠٩
٨١	خدا کے واسطے معافی مانگنے پر معاف نہ کرنا اور روپے لے کر معاف کرنا	١١٠
٨٢	"إنشاء اللّٰہ" کہنا	١١٠
٨٣	''خدا اور رسول کو منظور ہو تو'' کہنا کیسا ہے؟	١١١
٨٤	جشنِ بخاری شریف	١١١

۸۵	کھانا کھاتے وقت چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھنا	۱۱۳
۸۶	کسی کی بات کاٹنا	۱۱۴
۸۷	اپنی بات کو اونچا رکھنا	۱۱۴
۸۸	آبِ حیات	۱۱۵
۸۹	کیا لڑکے والا افضل ہے لڑکی والے سے؟	۱۱۵
۹۰	شاگرد سے احتلام کے کپڑے دھلوانا	۱۱۶
۹۱	نابالغ شاگرد سے خدمت لینا	۱۱۶
۹۲	چھوٹے بچوں سے خدمت لینا	۱۱۷
۹۳	امرد کی تعریف	۱۱۸
۹۴	امرد سے خط وکتابت	۱۱۹
۹۵	امرد کو کن سے احتراز کرنا چاہیے؟	۱۱۹
۹۶	خودداری کا مفہوم	۱۲۰

کتاب الرهن

(گروی رکھنے کا بیان)

۹۷	توسیعِ مدتِ رہن پر معاوضہ لینا	۱۲۱
۹۸	مکانِ مرہون میں رہنا	۱۲۲
۹۹	مرہون سے نفع اٹھانا	۱۲۳
۱۰۰	مالک کی اجازت سے رہن سے نفع اٹھانا	۱۲۵
۱۰۱	انتفاع از رہن	۱۲۶
۱۰۲	انتفاع بالمرہون	۱۲۸
۱۰۳	انتفاع بالمرہون	۱۳۰
۱۰۴	موروثی زمین کو رہن رکھنا	۱۳۰
۱۰۵	کھیت کا رہن	۱۳۳

۱۰۶	زمین رہن پر دینے کی صورت....................	۱۳۴
۱۰۷	رہن اور اجارہ....................	۱۳۶
۱۰۸	ضمانِ مرہون میں کونسی قیمت معتبر ہوگی اور امانت کو رہن رکھنا....................	۱۳۹
۱۰۹	بیع ورہن کی ایک صورت....................	۱۴۰
۱۱۰	رہن کی واپسی ورثائے راہن کے لئے....................	۱۴۵

کتاب الفرائض

الفصل الأول فی الترِکة وتصرف المیت فیها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

۱۱۱	اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں ورثاء پر تقسیم کرنا....................	۱۴۷
۱۱۲	مملوکہ اور سرکاری زمینوں میں وراثت....................	۱۴۹
۱۱۳	مالِ شرکت کی وراثت....................	۱۵۰
۱۱۴	کیا بیوی کے مرنے پر مہر بھی ترکہ ہے؟....................	۱۵۲
۱۱۵	مرحومہ زوجہ کا مہر ترکہ میں داخل ہے یا نہیں؟....................	۱۵۲
۱۱۶	ایک بیٹے کو روپیہ دینے کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں حق....................	۱۵۳
۱۱۷	اپنی جائیداد مدرسہ کو دینا....................	۱۵۴
۱۱۸	اپنا پیسہ وارث کو دے یا مدرسہ میں؟....................	۱۵۶
۱۱۹	غیر وارث کو کچھ جائیداد دینا....................	۱۵۶
۱۲۰	جائیداد دیکر واپسی....................	۱۵۸

الفصل الثانی فی مایتعلق بدَین المیت وأمانته

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

۱۲۱	میت کے ذمہ قرض ہو تو اس کا حکم....................	۱۶۰

۱۲۲	قرضۂ میت کون ادا کرے؟	۱۶۲
۱۲۳	باپ کا قرض ادا کرکے اس کو میراث سے وصول کرنا	۱۶۲
۱۲۴	مرحوم کا قرضہ مسجد میں دینا	۱۶۴
۱۲۵	میت پر دعوائے دَین	۱۶۵
۱۲۶	ورثاء اور غرماء کے درمیان مصالحت	۱۶۶
۱۲۷	ورثاء اور غرماء کی مصالحت پر اشکال	۱۷۲
۱۲۸	دینِ مہر مقدم ہے میراث کی تقسیم پر	۱۷۲
۱۲۹	ودیعت کا روپیہ وفاتِ مودع پر اس کی مرضی کے خلاف صرف کرنا	۱۷۳
۱۳۰	میت کی امانت ورثاء کو دی جائے	۱۷۷
۱۳۱	میت کا مہر بیوی کے سامنے رکھنے سے ادا ہوگیا	۱۷۸

الفصل الثالث فی وصية الميت وإقراره

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

۱۳۲	وصیت بحالتِ سکرات	۱۸۱
۱۳۳	وارث کے لئے وصیت	۱۸۳
۱۳۴	وصیت بحقِ وارث	۱۸۴
۱۳۵	وارث کے حق میں وصیت	۱۸۶
۱۳۶	چچازاد اور پھوپھی زاد میں تقسیم ترکہ اور وصیت	۱۸۸
۱۳۷	لڑکی کے حق میں وصیت	۱۹۰
۱۳۸	لڑکی کے لئے وصیت یا ہبہ	۱۹۲
۱۳۹	وارث اور اجنبی کے لئے وصیت	۱۹۵
۱۴۰	وارث کے حق میں وصیت	۲۰۲
۱۴۱	ایضاً	۲۰۴
۱۴۲	بھانجے، بھتیجے، پھوپھی، قربانی اور ایصالِ ثواب کے لئے وصیت کرنا	۲۰۸

۱۴۳	بیٹی کے حق میں وصیت اور بیٹی اور مرحوم کے بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ........	۲۱۰
۱۴۴	وصیت ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے........	۲۱۴
۱۴۵	وصیت ایک تہائی میں........	۲۱۶
۱۴۶	وصیت اور تقسیم ترکہ........	۲۱۷
۱۴۷	مال وصیت کے بارے میں اختلاف........	۲۱۹
۱۴۸	میراث کی ایک صورت اور وصیت نامہ........	۲۲۰
۱۴۹	وصیت پورا کرنے کی ایک صورت........	۲۲۳
۱۵۰	قربانی کی وصیت پر عمل کب تک واجب ہے؟........	۲۲۴
۱۵۱	وصی اور وارث میں اختلاف........	۲۲۵
۱۵۲	بیوی کے لئے جائیداد کی وصیت........	۲۲۹
۱۵۳	کنواں کھدوانے کے لئے سو روپے کی وصیت........	۲۳۱
۱۵۴	والد کی وصیت کہ میرا فلاں بیٹا میرے کفن دفن میں شریک نہ ہو........	۲۳۲
۱۵۵	مرض الموت کی حد اور تعریف اور مرض الموت میں وارث کے حق میں اقرار........	۲۳۵
۱۵۶	عورت کا ارادہ تھا کہ اپنے کپڑے مدرسہ میں دیدے اس کے انتقال پر شوہر کیا کرے؟........	۲۳۶

الفصل الرابع فی استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدمِ استحقاقِ وراثت کا بیان)

۱۵۷	حقِ وراثت موتِ مورث کے بعد ہوتا ہے........	۲۳۷
۱۵۸	حقِ میراث نہ لینے سے باطل نہیں ہوتا........	۲۳۸
۱۵۹	حصۂ میراث پر قبضہ نہ کرنے سے میراث باطل نہیں ہوتی........	۲۳۹
۱۶۰	پراویڈنٹ فنڈ کا ورثہ میں سے مستحق کون ہوگا؟........	۲۴۱
۱۶۱	پراویڈنٹ فنڈ کا مستحق انتقالِ ملازم کے بعد کون ہے؟........	۲۴۶
۱۶۲	مدرس کے انتقال کے بعد اس کی بقایا تنخواہ کا مستحق اس کا بڑا لڑکا ہوگا یا سب اولاد؟........	۲۴۸

۱۶۳	غیر شادی شدہ لڑکا شادی کا خرچ میراث سے لے سکتا ہے یا نہیں؟	۲۵۰
۱۶۴	رخصتی سے پہلے انتقال ہوجائے تو مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی	۲۵۱
۱۶۵	دادا اور مربی کے مال میں حق	۲۵۲
۱۶۶	غائب غیر مفقود کا حصۂ وراثت	۲۵۵
۱۶۷	گناہ کی وجہ سے میراث ساقط نہیں ہوتی	۲۵۶
۱۶۸	کیا پاگل کی بیوی کو میراث ملے گی؟	۲۵۷
۱۶۹	ناراض بیوی کو میراث کا حصہ اور مہر دونوں ملیں گے	۲۵۹
۱۷۰	بحالتِ مرض طلاق سے بیوی کو وراثت ملے گی یا نہیں؟	۲۶۰
۱۷۱	کیا کوئی وارث ترکۂ میت کا کرایہ دار ہوسکتا ہے؟	۲۶۱
۱۷۲	سوال متعلق استفتاء بالا	۲۶۳
۱۷۳	دین مہر کی وراثت	۲۶۵
۱۷۴	جہیز، مہر، وراثت	۲۶۶
۱۷۵	متوفیہ بیوی کی اولاد کا مہر کا مطالبہ کرنا	۲۶۹
۱۷۶	بیوی کے انتقال کے بعد ادائیگی مہر کی صورت	۲۷۱
۱۷۷	وفاتِ شوہر پر مطالبۂ مہر اور حصۂ میراث	۲۷۲
۱۷۸	ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا	۲۷۴
۱۷۹	کیا بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ ملے گا؟	۲۷۶
۱۸۰	کسی وارث کی ترکہ سے دستبرداری، زندگی میں لڑکے، لڑکی کو ہبہ میں برابری اور ان کے حصے	۲۷۷
۱۸۱	عورت کا سوتیلا بیٹا وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۲	داماد وارث نہیں	۲۷۹
۱۸۳	حق وراثت جبراً وصول کرنا	۲۸۰
۱۸۴	دوسرے وارث کے حصہ پر قبضہ کرنا	۲۸۱
۱۸۵	والد کے موروثی مکان کو تعمیر کرکے اس میں دوسرے ورثاء کا حق	۲۸۳

۱۸۶	مشترکہ زمین میں کسی وارث کا مکان تعمیر کر کے ملکیت کا دعویٰ کرنا	۲۸۴
۱۸۷	باپ کی جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنا	۲۸۵
۱۸۸	غیر کفو میں نکاح اور مکانِ مورث پر قبضہ	۲۸۶
۱۸۹	متوفی کی زمین کو صرف نام کر دینے سے ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ ورثاء کا حق ہے	۲۸۸

الفصل الخامس في موانع الإرث

(موانعِ ارث کا بیان)

۱۹۰	کیا اختلافِ دارین مانعِ ارث ہے، وارث ہونے کا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا؟	۲۹۱
۱۹۱	کیا مرتدہ وراثت کا حق دار ہے؟	۲۹۴
۱۹۲	جو عورت قادیانی ہوجائے کیا وہ مستحقِ میراث ہے؟	۲۹۶

الفصل السادس في التصرف في التركة

(ترکہ میں تصرف کرنے کا بیان)

۱۹۳	میراث میں بعض ورثاء کا تصرف	۲۹۸
۱۹۴	ادائے قرض سے پہلے ترکۂ میت سے نفع اٹھانا	۳۰۷
۱۹۵	ترکۂ میت میں اگر بعض ورثاء تجارت کریں، کیا اس میں سب شریک ہوں گے؟	۳۰۹
۱۹۶	ترکۂ مشترکہ سے ایک وارث نے زمین خریدی، اس میں دوسرے وارث کا حصہ	۳۱۰
۱۹۷	میت کا زمین بیوی کے نام خریدنا، اور مالِ مشترک میں ورثاء کا تصرف	۳۱۱
۱۹۸	مشترکہ موروثہ جائیداد میں کسی شریک کا اپنے حصہ پر قبضہ نہ کرنا	۳۱۴
۱۹۹	مالِ موروث مشترک سے صدقہ دینا	۳۲۱
۲۰۰	مالِ مشترک سے اعزہ کی ضیافت	۳۲۲
۲۰۱	ترکۂ میت سے ضیافت وایصالِ ثواب	۳۲۴
۲۰۲	بھتیجوں کی پرورش کا صرفہ بھائی کے ترکہ سے وصول کرنا	۳۲۵
۲۰۳	موتِ زوجہ کے بعد زوج کا اس کے ترکہ میں خصوصی دعویٰ	۳۲۷

۲۰۴	دوسرے کی ملکِ وراثت کو وقف کرنا	۳۲۸
۲۰۵	بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کرسکتا ہے چھوٹے بھائی کا نہیں	۳۲۹
۲۰٦	اگر کسی وارث کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ اپنا حصہ فروخت کردے گا	۳۳۰
۲۰۷	مرحومہ بیوی کا مہر مسجد و مدرسہ میں دینا	۳۳۲
۲۰۸	شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر طلاق کے نکاحِ ثانی، غیر مملوک مکان کی بیع اور وقف	۳۳۴

الفصل السابع فی الإرث فی المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

۲۰۹	مالِ حرام میں وراثت	۳۳۸
۲۱۰	ترکۂ حرام کا حکم	۳۳۹
۲۱۱	مالِ حرام ورثاء کیلئے	۳۴۰
۲۱۲	منشیات کی آمدنی سے مکان کی تعمیر اور اس کی توریث	۳۴۰
۲۱۳	جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ورثاء کے حق میں اس کا حکم	۳۴۲
۲۱۴	ناجائز میراث میں حصہ	۳۴۳
۲۱۵	مورث کا حرام مال وارث کے لئے	۳۴۴

الفصل الثامن فی ذوی الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

۲۱٦	لڑکی کا حصۂ میراث	۳۴٦
۲۱۷	لڑکی کا والد کی میراث میں حصہ	۳۴۷
۲۱۸	بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ	۳۴۷
۲۱۹	زوجہ اور ہمشیرہ کو میراث	۳۴۸
۲۲۰	بیوی اور بھانجہ میں تقسیم وراثت	۳۵۱

۲۲۱	ورثاء میں زوجہ، دوبیٹیاں، تین بھتیجے ہوں تو تقسیم میراث	۳۵۳
۲۲۲	ورثہ میں بہن اور بیوی کا چچا ہو تو ترکہ کس کو ملے گا؟	۳۵۴
۲۲۳	بہن اور چچا کا حصہ میراث	۳۵۶
۲۲۴	بیوہ بھائی اور بہن میں تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۵	زوج، ام، حقیقی بہن اور چچا کے درمیان تقسیم میراث	۳۵۷
۲۲۶	ورثاء میں زوج، حقیقی بہن اور علاتی بہن ہو تو تقسیم میراث	۳۵۹
۲۲۷	تین بھتیجے، ایک بیٹی ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۱
۲۲۸	تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیم میراث	۳۶۲
۲۲۹	ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں تقسیم میراث	۳۶۵
۲۳۰	دو بیویوں اور ان کی اولاد میں تقسیم میراث	۳۶۷
۲۳۱	ورثاء میں حقیقی بھائی اور بہن کی اولاد ہو تو تقسیم ترکہ	۳۶۹
۲۳۲	نانی کو میراث	۳۷۱
۲۳۳	بعض ورثاء کو کچھ دیکر فارغ کر دینا	۳۷۲
۲۳۴	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۷۴
۲۳۵	سوتیلے بیٹے کی موہوبہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق ہے یا نہیں؟	۳۷۵
۲۳۶	مناسخہ کی ایک صورت کا حکم	۳۷۷
۲۳۷	مناسخہ کی ایک صورت	۳۷۹
۲۳۸	ذوی الفروض اور عصبات میں تقسیم وراثت	۳۸۲
۲۳۹	شوہر اور بھائیوں میں تقسیم ترکہ	۳۸۳
۲۴۰	باپ اور بیٹے کے میراث کی تقسیم	۳۸۴
۲۴۱	صورتِ عائلہ میں باپ کا حصہ	۳۸۸
۲۴۲	تقسیم میراث کی ایک صورت	۳۸۹
۲۴۳	بلا ضابطہ شرعیہ تقسیم کی ہوئی جائیداد میں وراثت	۳۹۲

۲۴۴	بیٹے اور بیٹی میں تقسیم ترکہ.................................	۳۹۴
۲۴۵	فرائض اور تعیین ترکہ.................................	۳۹۵
۲۴۶	ردعلی الزوجین اور ابن وبنتِ معتق اور ابن وبنت رضاعی کی باہمی ترتیب........	۳۹۷
۲۴۷	توریثِ اُخت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب.................................	۴۰۰
۲۴۸	مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کرنا.................................	۴۰۲
۲۴۹	پنشن اور گریجویٹی فنڈ میں میراث کا حکم.................................	۴۰۲
۲۵۰	بیمہ فنڈ میں میراث کا حکم.................................	۴۰۲
۲۵۱	پنشن میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق.................................	۴۰۲
۲۵۲	میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق.................................	۴۰۲
۲۵۳	بلڈنگ میں بیوی اور دیگر ورثاء کا حق.................................	۴۰۲
۲۵۴	سامانِ آرائش میں وراثت.................................	۴۰۳
۲۵۵	دوسرے لوگوں کے پاس پڑے ہوئے سامان پر میت کی طرف سے بخشش کا دعویٰ........	۴۰۳
۲۵۶	فنڈ کی رقم کے متعلق بھائی کا نام لکھوادینا.................................	۴۰۷
۲۵۷	جائیداد میں شرکت اور اس کی تقسیم.................................	۴۰۹
۲۵۸	جائیداد اور وراثت.................................	۴۱۲
۲۵۹	بھائی اور بہن کی موجودگی میں بہن کی لڑکی کے لئے وصیت.................................	۴۱۷
۲۶۰	ترکہ سے نفقۂ عدتِ وفات اور خرچۂ رضاعت کاٹنا اور تقسیمِ ترکہ.................................	۴۱۸

الفصل التاسع فی العصبات وذوی الأرحام وتوریث الحمل

(عصبات، ذوی الارحام اور توریثِ حمل کا بیان)

۲۶۱	عصبات کی انتہا کیا دادا کے چچا تک ہے؟.................................	۴۲۰
۲۶۲	عصوبت کہاں ختم ہوتی ہے؟.................................	۴۲۱

۲۶۳	چوتھی پشت کا عصبہ بھی وارث ہے............	۴۲۳
۲۶۴	عینی مقدم ہے علاتی پر............	۴۲۴
۲۶۵	علاتی بھتیجا، عینی کی موجودگی میں وارث نہیں............	۴۲۵
۲۶۶	عینی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کو کچھ نہیں ملتا............	۴۲۶
۲۶۷	علاتی بہن اور چچازاد بھائی کے درمیان تقسیمِ ترکہ............	۴۲۸
۲۶۸	بھتیجوں اور بھانجیوں میں ترکہ کی تقسیم............	۴۲۹
۲۶۹	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیمِ میراث............	۴۳۰
۲۷۰	دو بیویوں کی اولاد میں تقسیمِ ترکہ............	۴۳۱
۲۷۱	سوال متعلق استفتاء بالا............	۴۳۳
۲۷۲	عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کی وراثت............	۴۳۴
۲۷۳	میراث ذوی الارحام............	۴۳۸
۲۷۴	ذوی الارحام کا مسئلہ............	۴۴۰
۲۷۵	ذوی الارحام کی حد بندی............	۴۴۱
۲۷۶	بیوہ، علاتی بھتیجی اور حقیقی بھانجوں میں تقسیم ترکہ............	۴۴۲
۲۷۷	بیوہ، حقیقی ممانی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور بہنوں میں تقسیمِ ترکہ............	۴۴۴
۲۷۸	ذوی الارحام میں تقسیمِ میراث کی ایک صورت............	۴۴۷
۲۷۹	چچا نے بھتیجا کی پرورش کی، کیا چچا کی خرید کردہ جائیداد میں بھتیجا کا حصہ ہے؟............	۴۵۱
۲۸۰	توریثِ حمل کی ایک صورت............	۴۵۴
۲۸۱	طلاق کے بعد حمل کب تک مستحق میراث ہے؟............	۴۵۶
۲۸۲	توریثِ حمل کی متعدد صورتیں اور ان پر اشکالات............	۴۵۷
۲۸۳	سوال متعلق استفتاء بالا............	۴۵۸
۲۸۴	ایضاً............	۴۶۱

۲۸۵	ایضاً	۴۶۳

الفصل العاشر فی الحجب والحرمان

(حجب اور حرمان کا بیان)

۲۸۶	ایک وارث دوسرے وارث کی موجودگی میں محروم کیوں ہے؟	۴۶۴
۲۸۷	شادی کی وجہ سے لڑکیاں محروم نہیں ہوتیں	۴۶۴
۲۸۸	کیا ترکہ میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جس سے بیٹی محروم ہے؟	۴۶۵
۲۸۹	بیوہ نکاحِ ثانی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں	۴۶۸
۲۹۰	بیوہ اگر دوسرا نکاح کرے تو وہ وراثت سے محروم نہیں	۴۷۰
۲۹۱	عقدِ ثانی کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا	۴۷۰
۲۹۲	دادا کی میراث سے پوتا کیوں محروم ہے؟	۴۷۱
۲۹۳	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کا حقِ وراثت	۴۷۲
۲۹۴	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث	۴۷۳
۲۹۵	پوتا وارث کیوں نہیں؟	۴۷۳
۲۹۶	بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو جائیداد دینا	۴۷۴
۲۹۷	لڑکیوں کے ہوتے ہوئے جائیداد نواسہ کو دینا	۴۷۵
۲۹۸	لڑکیوں کو محروم کرنے کی نیت سے بحالتِ مرض لڑکے کو جائیداد دینا	۴۷۶
۲۹۹	جائیداد بھتیجا کو دینا بیٹوں کو نہ دینا	۴۷۹
۳۰۰	باپ اور بیٹوں کی موجودگی میں بھتیجے وارث نہیں	۴۸۰
۳۰۱	لے پالک بنانا	۴۸۳
۳۰۲	حجِ بدل اور وقف کے ذریعہ ورثہ کو محروم کرنا	۴۸۴
۳۰۳	نافرمان بیٹے کو عاق کرنا	۴۸۶
۳۰۴	نافرمان بیٹے کو میراث سے محروم کرنا	۴۸۷
۳۰۵	نافرمان اولاد کو عاق کرنا	۴۸۹

۳۰۶	ترکہ کے مکان سے کسی وارث کو الگ کرنا	۴۹۱
۳۰۷	بیوہ کو محروم کرنے کے لئے ورثائے شوہر کا دعوائے طلاق	۴۹۲

الفصل الحادی عشر فی المتفرقات

۳۰۸	نابالغ کے مال کی ولایت کس کو ہے؟	۴۹۵
۳۰۹	سفیہ کا مال کب اس کے حوالے کیا جائے؟	۴۹۶
۳۱۰	کیا بھانت میراث کا عوض ہے؟	۴۹۷
۳۱۱	ولی عہد بنانا	۴۹۸
۳۱۲	بھائی کے وعدے	۴۹۹
۳۱۳	اگر سوال شیعہ سنی کے توارث کا ہو تو جواب کس طرح دیا جائے؟	۵۰۰
۳۱۴	شیعہ عورت بغیر وارث چھوڑے مرنے پر اس کے موروثہ زیور کا مصرف	۵۰۲
۳۱۵	کفن ترکہ سے دیا جائے گا یا شوہر کے ذمہ ہے؟	۵۰۳
۳۱۶	فرائض کے قواعد	۵۰۴

بابٌ

رسالہ آسان فرائض

۳۱۷	علم الفرائض کی فضیلت	۵۱۱
۳۱۸	اصطلاحاتِ فرائض کی وضاحت	۵۱۲
۳۱۹	ترکۂ میت میں حقوقِ واجبہ	۵۱۲
۳۲۰	ورثہ کی قسمیں	۵۱۳
۳۲۱	حصصِ معینہ کی قسمیں	۵۱۴

فصلٌ فی ذوی الفروض

۳۲۲	ذوی الفروض کی اقسام	۵۱۵

۳۲۳	ذُکور کے حالات	۵۱۵
۳۲۴	اَب کے حالات	۵۱۵
۳۲۵	جد کے حالات	۵۱٦
۳۲٦	ابن الأم کے احوال	۵۱٦
۳۲۷	زوج کے احوال	۵۱۷
۳۲۸	اناث کے حالات	۵۱۷
۳۲۹	زوجہ کے احوال	۵۱۷
۳۳۰	بنت کے احوال	۵۱۷
۳۳۱	بنت الابن کے حالات	۵۱۸
۳۳۲	اخت عینی کے حالات	۵۱۸
۳۳۳	اُخت علاتی کے احوال	۵۱۸
۳۳۴	اخت اخیافی کے احوال	۵۱۹
۳۳۵	ام کے حالات	۵۱۹
۳۳٦	جدہ کے حالات	۵۲۰

فصل فی االعَصَبة

۳۳۷	عصبات کی قسمیں	۵۲۰

فصلٌ فی الحجب والحرمان

۳۳۸	حجب	۵۲۲
۳۳۹	حرمان	۵۲۳

فصل فی مخارج ذوی الفروض

۳۴۰	مخارج فروض	۵۲۳

بابٌ فی العول

۳۴۱ چھ کا عول ۵۲۷
۳۴۲ بارہ کا عول ۵۲۸
۳۴۳ چوبیس کا عول ۵۲۹

باب الرد

۳۴۴ مسائل رد ۵۳۱
۳۴۵ رد کی قسم اول ۵۳۱
۳۴۶ رد کی قسمِ ثانی ۵۳۲

فصلٌ فی التماثل والتداخل والتوافق والتباین

۳۴۷ معرفتِ نسبت کا طریقہ ۵۳۸

فصلٌ فی التصحیح ۵۳۹

باب المناسخة ۵۵۲

☆......☆......☆

فہرستِ عنوانات...... جلد بیست ویکم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب الإیمان والعقائد	
	مایتعلق بالإیمان	
	(ایمان کا بیان)	
۱	ایمان باللہ مقدم ہے یا نماز؟	۲۸
۲	جنت میں جانے کا وعدہ کس کے لئے ہے؟	۲۹
	مایتعلق بالتقدیر	
	(تقدیر کا بیان)	
۳	کافر امیر اور غریب دونوں جہنم میں کیوں؟	۳۱
	مایتعلق بالسعادۃ والنحوسۃ	
	(نیک شگونی اور بد شگونی کا بیان)	
۴	کیا سفید پیر والی بھینس نحوس ہے؟	۳۳

باب العقائد

ما یتعلق باللہ تعالیٰ وصفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

۵	کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر وناظر ہے؟	۳۴
۶	دلوں پر اللہ تعالیٰ کا اختیار	۳۵
۷	اللہ کے لئے واحد کا لفظ استعمال کیا جائے یا جمع کا؟	۳۶

مایتعلق بالإشراک باللہ تعالیٰ وصفاتہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا بیان)

۸	غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے اور خدا کے سامنے نہ جھکانے والے کا حکم	۳۸
۹	کیا وفات کے بعد بزرگ اپنے مزار پر چادر چڑھانے کا حکم دیتے ہیں؟	۳۸
۱۰	مرادیں مانگنے کے لئے مزاروں کا چکر لگانا	۴۰
۱۱	غیر اللہ کے نام نذر ونیاز وفاتحہ کا حکم	۴۰

مایتعلق بالاستمداد بغیر اللہ تعالیٰ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

۱۲	یا حضور، یا غوث وغیرہ کہنے کا حکم	۴۳
۱۳	کیا اولیائے کرام دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں؟	۴۳

مایتعلق بالأنبیاء علیہم السلام وأتباعہم

(انبیائے کرام اوران کے متبعین)

۱۴	قرآن میں مذکور پیغمبروں کی تعداد	۴۵
۱۵	کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درجہ بڑے بھائی کا ہے؟	۴۶

۱۶	کیا حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوگا؟	۴۸
۱۷	حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لونڈی تھیں یا زوجہ؟	۴۹
۱۸	نبوت آدم علیہ السلام وخلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۴
۱۹	تورات پھینکنے سے آیت کے اڑنے کا عقیدہ رکھنا	۵۵
۲۰	حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کا امت محمدیہ میں ہونے کی دعا وخواہش کرنا	۵۶
۲۱	حضرت عیسیٰ نبی ہوں گے یا امتی اوران پر وحی آئے گی یا نہیں؟	۵۶
۲۲	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ میں شامل ہوں گے؟	۶۳
۲۳	نبوت اور حیاتِ خضر علیہ السلام	۶۶
۲۴	حضرت عائشہ وفاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تفاضل کا حکم	۶۷
۲۵	کیا امام مہدی پہلے سے موجود ہیں؟	۶۸
۲۶	حضرت میکائیل علیہ السلام کے شانہ کی مسافت	۶۹

مایتعلق بعلم الغیب
(علم غیب کا بیان)

۲۷	ہاتھ دیکھ کر قسمت بتانا	۷۱
۲۸	تعمیر مکان سے پہلے نجومی کو زمین دکھلانا	۷۱

مایتعلق بالحاضر والناظر والنور والبشر
(حاضر وناظر اور نور وبشر کا بیان)

۲۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جاننا	۷۳
۳۰	کیا ''یا'' کے معنی حاضر وناظر کے ہیں؟	۷۵
۳۱	تشہد میں بوقت سلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر وناظر سمجھنا	۷۶

مایتعلق بحیاۃ الأنبیاء وسماع الموتیٰ
(حیات انبیاء اور سماع موتی کا بیان)

۳۲	مسئلہ حیات النبی	۸۱

۳۳	انبیاء کی خدمت میں ازواج مطہرات کا پیش کیا جانا	۸۴
۳۴	میت کا قبر میں نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا	۸۵

مایتعلق بالتوسل في الدعاء

(دعا میں توسل کا بیان)

۳۵	دعا میں توسل	۸۷
۳۶	قبولیت دعا کے لئے ضعفاء کا وسیلہ	۸۸

مایتعلق بأحوال القبور والأرواح

(روح اور قبر کے احوال کا بیان)

۳۷	مرنے کے بعد عذاب وثواب کا محل اور روح کا جسم سے تعلق	۸۹
۳۸	عذاب قبر روح کو ہوتا ہے یا جسم کو؟	۹۳

مایتعلق بالجزاء والعقوبة

(جزاء اور سزا کا بیان)

۳۹	قیامت کا ایک دن دنیا کے اعتبار سے کتنے دنوں کا ہے؟	۹۶
۴۰	میدانِ حشر میں باپ کے نام سے پکارا جائے گا یا ماں کے نام سے؟	۹۷
۴۱	کیا گنہگار جہنمیوں کی خلاصی ایک ہی وقت میں ہوگی؟	۹۸

باب الفِرَق

مایتعلق بالروافض

(شیعوں کے عقائد کا بیان)

۴۲	خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو منافق کہنے والے روافض کا حکم	۱۰۰
۴۳	کیا تعزیہ شعائر اسلام میں سے ہے؟	۱۰۱

۴۴	شیعہ کے سنی ہونے کا طریقہ	۱۰۴
۴۵	تعزیہ کے سامنے تلوار چلانا و کھیلنا	۱۰۵
	(حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یزید کے اختلافات)	
۴۶	کربلا کی لڑائی کو دنیوی معاملہ قرار دینا	۱۰۹
	مایتعلق بالقادیانیة	
	(قادیانی فرقے کا بیان)	
۴۷	قادیانی کا دعوائے نبوت	۱۱۱
	مایتعلق بالبریلویة	
	(بریلوی فرقے کا بیان)	
۴۸	رضا خانی مذہب	۱۱۳
۴۹	بریلی اور دیوبند کے علماء میں امتیاز کی صورت	۱۱۳
۵۰	کیا اہل بدعت کو مناظرہ کا چیلنج دینا چاہیے	۱۱۴
	متفرقات الفرق	
۵۱	بہتر فرقے	۱۱۶
	باب الکفریات	
	(کفریات کا بیان)	
۵۲	کافر، مجاہر و غیر مجاہر کی تعریف	۱۱۷
۵۳	قرآن کریم کو جلا دینا	۱۱۷
	مایتعلق بألفاظ الکفر	
	(الفاظِ کفر کا بیان)	
۵۴	شریعت کے منکر کا حکم	۱۱۹

۵۵	غصہ میں کلمۂ کفر کہنا	۱۲۰
۵۶	شرع محمدی کو نہ ماننے والے کا حکم	۱۲۱
۵۷	''اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھی ایک بات کہیں گے تو نہیں مانوں گا'' کا حکم	۱۲۲
۵۸	"نحن عباد محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)" کا مطلب	۱۲۳
۵۹	داڑھی کو زیر ناف کے بالوں سے تشبیہ دینا	۱۲۴
۶۰	غیر عالم باپ کا عالم بیٹوں کو گالیاں دینا	۱۲۵
۶۱	خلافِ شرع کلمات سے رجوع کرنا	۱۲۸
۶۲	پیر کو مولا اور ہادی کہنا	۱۲۹
۶۳	''ہم بے شرع ہی رہیں گے'' اور ''ہم فتویٰ کو نہیں مانتے'' کہنے والے کا حکم	۱۲۹

مایتعلق بتکفیر المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

۶۴	علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگانے والے کا حکم	۱۳۱
۶۵	ازواجِ مطہرات کو انبیائے کرام کی قبروں میں پیش کرنے اور ان سے شب باشی کرنے کا عقیدہ رکھنا	۱۳۲
۶۶	کیا عبدالوہاب نجدی پر فتویٰ کفر ہے؟	۱۳۴

مایتعلق بالاستخفاف باللہ تعالیٰ وشعائرہ

(اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور شعائر کی توہین)

۶۷	نبوت اور وحی کا مذاق بنانا	۱۳۶
۶۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لفظ ''ملا'' کا استعمال	۱۳۷
۶۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدمِ مبارک حضرت پیرانِ پیر کے کندھے پر	۱۳۸
۷۰	قرآن پاک قصداً زمین پر پھینکنے کا حکم	۱۳۹
۷۱	نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے شخص کا حکم	۱۴۰

۷۲	''مجھے تو نماز پڑھنی ہی نہیں'' کہنے والے کا حکم	۱۴۱
۷۳	کسی مسئلہ پر اہل علم کی توہین کرنا	۱۴۲
۷۴	ڈرامہ کے ذریعہ علماء کی توہین کرنے والوں کا حکم	۱۴۳
۷۵	دینی مسائل کا مذاق اڑانا	۱۴۷
۷۶	مسئلہ پر عمل کرنے والے کو ذلیل وحقیر سمجھنا	۱۴۸

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

۷۷	تقلید کا مطلب	۱۴۹
۷۸	ثبوتِ تقلید	۱۵۱
۷۹	ایضاً	۱۵۱
۸۰	غیر مقلد کی امامت	۱۵۱
۸۱	ائمہ اربعہ کی سنِ ولادت ووفات اوران کے مذاہب کی ترویج	۱۵۱
۸۲	ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا	۱۵۱
۸۳	ائمہ اربعہ کو گالی دینے والے کی امامت	۱۵۱
۸۴	ائمہ اربعہ کو حق تسلیم کرنا کہاں سے ثابت ہے؟	۱۵۷
۸۵	ائمہ اربعہ کے مذاہب کی وجہ	۱۵۸
۸۶	جو شخص فقہ کو نہ مانے، اس کا حکم	۱۶۱

باب البدعات والرسوم

(مروجہ فاتحہ خوانی اور ختم کا بیان)

۸۷	قرآن کی سالگرہ کے موقع پر ختم کا اہتمام کرنا	۱۶۳
۸۸	فجر کی نماز کے بعد سورہ یٰسین شریف کا اہتمام	۱۶۴

۸۹	تیجہ وچہلم کا کھانا	۱۶۵
۹۰	کیانیاز وفاتحہ کا کھانا مردہ کو پہونچتا ہے؟	۱۶۶
۹۱	درگاہ میں آئے ہوئے ایصالِ ثواب کے پیسے کا مصرف	۱۶۷
	(مروجہ صلوٰۃ وسلام کا بیان)	
۹۲	سلام پڑھنے کا طریقہ	۱۶۹
۹۳	درود شریف کے لئے مجلس منعقد کرنا	۱۶۹
۹۴	نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۱۷۱
۹۵	نماز کے بعد اجتماعاً صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۱۷۱
۹۶	روضۂ اقدس کے پاس عشاء کے بعد درود وسلام پڑھنا	۱۷۳
۹۷	ریڈیو پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا	۱۷۴
	(فرائض اور عیدین کے بعد مصافحہ کا بیان)	
۹۸	نماز کے بعد مصافحہ	۱۷۶
۹۹	عید کے بعد مصافحہ	۱۷۶
	(اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کا بیان)	
۱۰۰	نام مبارک پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگانا	۱۷۸
	(میلاد وسیرت کی محافل اور عرس کا بیان)	
۱۰۱	مروجہ میلاد کا حکم	۱۷۹
۱۰۲	میلاد مروجہ اور ختنہ کی دعوت	۱۸۱
۱۰۳	دعوت ومیلاد	۱۸۲
۱۰۴	میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چراغاں کرنا	۱۸۳
۱۰۵	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سبیل ونذر اور شہادت کی محافل منعقد کرنا	۱۸۴
۱۰۶	۱۲/ربیع الاول پر عید الاضحی کو ترجیح دینا	۱۸۷

(مخصوص ایام کی مروجہ بدعات کا بیان)

۱۰۷ شبِ ولادت میں رات بھر جاگ کر عبادت کرنا ۱۸۹
۱۰۸ شبِ برات وشبِ معراج میں لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرنا ۱۹۰
۱۰۹ شبِ برأت کو جمع ہو کر عبادت کرنا ۱۹۲
۱۱۰ شبِ برأت کے اعمال، حلوا وغیرہ ۱۹۳
۱۱۱ شبِ معراج کی رسوم ۱۹۵
۱۱۲ ۲۷ رجب اور ۱۲ ربیع الاول کو تقریر اور جلسہ ۱۹۶
۱۱۳ کون سی راتیں افضل ہیں؟ ۱۹۷
۱۱۴ عید کارڈ ۱۹۸

کتاب العلم

مایتعلق بطلب العلم

(طلبِ علم کا بیان)

۱۱۵ قرآن پاک کی تعلیم کا ثواب ۱۹۹
۱۱۶ کیمیا ۱۹۹
۱۱۷ اپنی بیوی سے تعلیم حاصل کرنا ۲۰۰

(علمی اصطلاحات اور عبارات کا حل)

۱۱۸ سنن ہدیٰ اور سنن زوائد ۲۰۱
۱۱۹ مکروہ تحریمی اور حرام میں فرق ۲۰۱
۱۲۰ تأویل ۲۰۲
۱۲۱ لفظ درست نہیں سے کیا مراد ہے؟ ۲۰۳
۱۲۲ معذور و مجبور میں فرق ۲۰۴

۱۲۳	اباحت اور تملیک	۲۰۴
۱۲۴	دور اور تسلسل	۲۰۴
۱۲۵	فصاحت وبلاغت	۲۰۵
۱۲۶	ناری اور نوری میں فرق	۲۰۶
۱۲۷	"استعینوا علی أمورکم بالکتمان" کا مطلب	۲۰۶
۱۲۸	"ہفت مسئلہ" میں حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قیام کی تاویل	۲۰۷
۱۲۹	"حفظ الایمان"، "تذکرۃ الرشید" "براہین قاطعہ"، "بہشتی زیور" وغیرہ پر اشکالات کا جواب	۲۰۸
۱۳۰	ایضاً	۲۱۸
۱۳۱	اُمّی کی تشریح	۲۲۴
۱۳۲	امت اُمیہ کا مصداق	۲۲۵
۱۳۳	کیا عرب سب "اُمّی" تھے؟	۲۲۵
۱۳۴	کم پڑھے لکھے کو مولانا کہنا	۲۲۶
۱۳۵	"مرحبا" کا مطلب	۲۲۷

(فتویٰ کا بیان)

۱۳۶	فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے؟	۲۲۸
۱۳۷	غیر عالم سے مسائل پوچھنا	۲۲۸
۱۳۸	بغیر دلیل کے کسی چیز پر حکم لگانا	۲۲۹
۱۳۹	عالم کا غلط رائے پر اَڑ جانا	۲۲۹
۱۴۰	بغیر علم کے فتویٰ دینا	۲۳۰
۱۴۱	تارکِ جماعت عالم کا فتویٰ دینا	۲۳۰
۱۴۲	فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دار العلوم سے مسئلہ بتانا	۲۳۲
۱۴۳	مفتی کا فتویٰ اگر واقع کے خلاف ہو تو کیا حکم ہے؟	۲۳۲
۱۴۴	حنفی المسلک مفتی کا شافعی فقہ پر فتویٰ دینا	۲۳۳

۱۴۵	فرضی مسئلہ دریافت کرنا	۲۳۵
۱۴۶	دارالعلوم دیوبند میں مفتی کی ضرورت	۲۳۵

باب مایتعلق بالقرآن الکریم

(تفسیر کا بیان)

۱۴۷	قرآن کریم میں صیغہ جمعہ وصیغہ مفرد کی تفصیل	۲۳۶
۱۴۸	"ادعونی استجب لکم" کا مطلب	۲۳۸
۱۴۹	"فتلقیٰ آدم من ربہ" کلمات کی تشریح	۲۳۸
۱۵۰	﴿ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ أحمد﴾ کا مطلب	۲۴۰

(تجویداور ترتیب قرآنی کا بیان)

۱۵۱	بغیر تجوید کے قرآن کریم پڑھنا	۲۴۵
۱۵۲	لفظ "اللہ" میں مد کی مقدار	۲۴۶
۱۵۳	آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب	۲۴۷
۱۵۴	آیات کے رموز وعلامات کا حکم	۲۴۸
۱۵۵	قرآن کریم کے اوقاف اور اس کی علامات کیا بدعت ہیں؟	۲۴۹
۱۵۶	قرآن کریم اردو میں لکھنا	۲۵۳
۱۵۷	قرآن شریف غیر عربی میں لکھنا	۲۵۵

(آداب قرآن کا بیان)

۱۵۸	جنبی کے لئے مسِ قرآن کریم	۲۵۷
۱۵۹	قرآن شریف جیب میں رکھنا	۲۵۸
۱۶۰	قرآن کریم کو چومنا	۲۵۸
۱۶۱	قرآن زانو پر رکھ کر پڑھنا	۲۵۹

۱۶۲ بڑی مسجد میں قرآن شریف کی طرف پشت کرنا ۲۶۰

۱۶۳ اس کمرہ کی چھت پر چلنا، جس میں قرآن مجید موجود ہو ۲۶۰

۱۶۴ جن اخبارات میں قرآن کی آیات ہوں، ان کا حکم ۲۶۰

۱۶۵ قاعدہ بغدادی کی حفاظت اس کو جلا کر ۲۶۱

۱۶۶ قرآن کے پارہ کو بغل میں دبا کر چلنا ۲۶۲

(آداب تلاوت کا بیان)

۱۶۷ ایک مجلس میں پورا قرآن مجید ختم کرنا ۲۶۴

۱۶۸ "قل أعوذ برب الناس ناس ناس" پڑھنا ۲۶۷

۱۶۹ بعض آیتوں کے ساتھ فرشتوں کے نام لکھنا ۲۶۷

۱۷۰ قرأت قرآن کا تقابل ۲۶۸

۱۷۱ ریڈیو کی تلاوت کا سننا ۲۶۹

المتفرقات

۱۷۲ مسئلہ خلقِ قرآن ۲۷۱

۱۷۳ ۷۸۶ لکھنے کی وجہ ۲۷۱

۱۷۴ کیا سورۂ لہب کا پڑھنا مکروہ ہے؟ ۲۷۲

۱۷۵ آیت قطب اور اس کے پڑھنے کا طریقہ ۲۷۲

۱۷۶ قرآن پاک کا معنی سمجھے بغیر تلاوت کرنا ۲۷۲

۱۷۷ قرآن کریم بواسطہ جبرئیل آیا اور توراۃ بلا واسطہ ۲۷۳

باب مایتعلق بالحدیث النبوي

(حدیث سے متعلق مباحث کا بیان)

۱۷۸ طبقاتِ حدیث ۲۷۶

۱۷۹	"إنما أنا قاسم والله يعطي" کی تحقیق	۲۷۷
۱۸۰	بنیانِ کعبہ کے وقت ازار مبارک اتار دینا	۲۷۸
۱۸۱	سات لاکھ والی حدیث کا ثبوت	۲۸۰
۱۸۲	ایک حدیث کا مطلب	۲۸۱
۱۸۳	"الإسلام بدأ غريباً"	۲۸۲
۱۸۴	حضرت شمس تبریز کی پیدائش سے متعلق ایک بے سند واقعہ	۲۸۳
۱۸۵	معراج نامہ کی ایک موضوع روایت	۲۸۳

باب الكتب المعتمدة وغيرها

(معتبر اور غیر معتبر کتب کا بیان)

۱۸۶	بخاری ومسلم کی شروح کا حال	۲۸۵
۱۸۷	کتاب "صلوۃ وسلام کا ثبوت" کا تجزیہ	۲۸۶
۱۸۸	تفہیم القرآن کا حال	۲۸۹
۱۸۹	ایک کتاب کے متعلق لاعلمی	۲۸۹
۱۹۰	کتاب "جلوۂ طور" کا پڑھنا	۲۹۰
۱۹۱	شبلی نعمانی کی کتاب "سیرۃ النبی" کا مطالعہ	۲۹۰
۱۹۲	فتاویٰ رشیدیہ کی تحقیق	۲۹۱
۱۹۳	فقہ کی معتبر کتابیں	۲۹۱
۱۹۴	رسالہ آستانہ پڑھنا	۲۹۲

باب في تذكرة الرجال

(رجال کا بیان)

۱۹۵	محمد عبد الوہاب نجدی	۲۹۳

۱۹۶	سید قطب اور اخوان المسلمین	۲۹۵
۱۹۷	شاہ ابن مسعود وشاہ فیصل کے عقائد	۲۹۵

باب الفلکیات

(فلکیات کا بیان)

۱۹۸	چاند پر پہنچنے والوں کی تکذیب کی جائے یا تصدیق؟	۲۹۷
۱۹۹	دمدار ستارہ	۲۹۸
۲۰۰	چاند کی خبریں	۲۹۹

باب التبلیغ

(تبلیغ کا بیان)

۲۰۱	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۳۰۰
۲۰۲	تبلیغی جماعت کی حقیقت	۳۰۰
۲۰۳	تبلیغی جماعت کا کام اور فائدہ	۳۰۱
۲۰۴	تبلیغی جماعت کے امیر کے لئے ضروری شرائط	۳۰۳
۲۰۵	کیا تبلیغی جماعت فتنہ ہے؟	۳۰۵
۲۰۶	طلباء کا تبلیغی جماعت میں جانا	۳۰۶
۲۰۷	موجودہ وقت میں مسلمانوں کی اصلاح کا طریق کار	۳۰۷
۲۰۸	کیا دیوبند کے علماء تبلیغی جماعت کو غلط سمجھتے ہیں؟	۳۰۷
۲۰۹	کیا تبلیغی جماعت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے؟	۳۰۸
۲۱۰	امامِ مسجد اگر تبلیغی تقریر کو منع کرے تو کیا حکم ہے؟	۳۰۹
۲۱۱	کیا تبلیغ وتعلیم ہفتہ میں صرف ایک روز ہونی چاہیے؟	۳۰۹
۲۱۲	کیا تبلیغ میں جانا محبتِ شیخ کے قائم مقام ہے؟	۳۱۰

۲۱۳	حج کو جائے یا تبلیغی اجتماع میں؟	۳۱۱
۲۱۴	والدین کی اجازت کے بغیر تبلیغی جماعت میں جانے کا حکم	۳۱۱
۲۱۵	سنن ونوافل کے وقت تبلیغی پروگرام	۳۱۲
۲۱۶	مسجد میں اوابین پڑھیں یا تبلیغی وعظ سنیں؟	۳۱۳
۲۱۷	تبلیغی اجتماع میں کچھ چیزیں لوگ بھول گئے، ان کا حکم	۳۱۴
۲۱۸	اجتماعی جمع کی گئی رقم سے بچے ہوئے پیسوں کا مصرف	۳۱۵
۲۱۹	جماعت والوں کا مساجد میں قیام وطعام وغیرہ کرنے کا حکم	۳۱۶
۲۲۰	عورتوں کی تبلیغ	۳۱۹
۲۲۱	عورتوں کے لئے تبلیغی سفر	۳۲۲
۲۲۲	عورت کا مخلوط مجمع میں وعظ کہنے کا حکم	۳۲۳
۲۲۳	عورتوں کا تبلیغی جماعت بنا کر نکلنا	۳۲۴
۲۲۴	مستورات کا اجتماع	۳۲۶
۲۲۵	کیا مرکز تبلیغ آمدنی کا ذریعہ ہے؟	۳۲۷
۲۲۶	ایک واقعہ کی تحقیق	۳۲۷
۲۲۷	بریلوی مکتب فکر کی طرف سے اکابر علماء دیوبند اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے	☆
	جوابات	۳۲۸
۲۲۸	مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کے متعلق	۳۳۲
۲۲۹	رشید احمد گنگوہی	۳۳۳
۲۳۰	خلیل احمد انبیٹھوی	۳۳۴
۲۳۱	اشرف علی تھانوی	۳۳۴
۲۳۲	تبلیغی جماعت کے بارے میں	۳۳۵
۲۳۳	شیخ الہند محمود الحسن کے بارے میں	۳۳۵
۲۳۴	حضرت نانوتوی کے بارے میں	۳۳۶

۲۳۵	مولانا حسین احمد کے بارے میں	۳۳۶
۲۳۶	حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی کے متعلق اعتراضات کے جوابات...	۳۴۷
۲۳۷	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق	۳۵۴
۲۳۸	حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھانوی سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۴
۲۳۹	تبلیغی جماعت کے بارے میں	۳۵۵
۲۴۰	حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۶
۲۴۱	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۳۵۶
۲۴۲	حضرت مولانا سید حسین اح رحمہ اللہ تعالیٰ مدنی پر اعتراضات کے جوابات	۳۵۸
۲۴۳	جو شخص خود عمل نہ کرے وہ دوسروں کو کہہ سکتا ہے یا نہیں؟	۳۵۹
۲۴۴	فساد معاشرہ کے وقت علماء کی ذمہ داری	۳۶۰
۲۴۵	فتنہ کے وقت تنہائی	۳۶۲

مایتعلق بالمواعظ والنصح

(وعظ ونصیحت کا بیان)

۲۴۶	غیر عالم کی تقریر سننا	۳۶۴
۲۴۷	علماء سوء اور ان کا علاج	۳۶۵
۲۴۸	نماز کے بعد متصلاً مسائل بیان کرنا	۳۶۶

کتاب السلوک والإحسان

۲۴۹	اولیاء صالحین کیا پہلے بھی پیدا ہوئے تھے؟	۳۶۷
۲۵۰	تحقیق مجدد	۳۶۷
۲۵۱	اقطاب وابدال کا مسکن معلوم کرنے کا حساب	۳۷۰
۲۵۲	کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟	۳۷۱

۲۵۳	روحانیت کا حاصل	۳۷۱

مایتعلق بصفات الشیخ وأھمیة التزکیة

(شیخ کے اوصاف اور تصوف کی اہمیت)

۲۵۴	اپنا علاج کیسے شخص سے کرایا جائے	۳۷۳
۲۵۵	مثنوی شریف کے مطالعہ کا فائدہ اور طبیب روحانی کی پہچان	۳۷۳

مایتعلق بالبیعة

(بیعت کا بیان)

۲۵۶	بیعت کا حکم	۳۷۵
۲۵۷	دو پیر سے بیعت ہونا	۳۷۵
۲۵۸	کیا پیر اور مرید کے لئے ایک امام کا مقلد ہونا ضروری ہے؟	۳۷۶
۲۵۹	تمباکو کے تاجر کو اجازتِ بیعت	۳۷۶
۲۶۰	بغیر اجازتِ شیخ بیعت کرنا	۳۷۷
۲۶۱	پیر بدلنا	۳۷۹
۲۶۲	بے دین پیر سے بیعت کرنا	۳۷۹

مایتعلق بمجالس الصوفیة وأذکارھم

(صوفیاء کی مجالس اوران کے وظائف کا بیان)

۲۶۳	ختم خواجگان کی تاثیر	۳۸۱
۲۶۴	پیر کے بتلائے ہوئے وظیفہ کی شرعی حیثیت	۳۸۳
۲۶۵	دل سے دعا پڑھنا	۳۸۳
۲۶۶	حلقۂ ذکر مخصوص ایام میں اور اس میں عورتوں کی شرکت	۳۸۳
۲۶۷	قوالی اور عرس کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا	۳۸۵

کتاب السیر والتاریخ

باب في شمائل النبي صلى الله عليه وسلم

(شمائل نبوی کا بیان)

۲۶۸ قدم شریف وغیرہ تبرکات کا حکم ۳۸۶
۲۶۹ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کے لئے بددعا فرمائی ہے؟ ۳۸۷
۲۷۰ لباس مسنون اور سر کے بالوں کا حال ۳۸۹

باب التاریخ

(تذکرۂ انبیاء، تاریخ کی روشنی میں)

۲۷۱ ایک حکایت سے لاعلمی ۳۹۳
۲۷۲ حوا اور قابیل کے تعلق کا افسانہ ۳۹۳

(عہد صحابہ تاریخ کی روشنی میں)

۲۷۳ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نواسی سے ۳۹۵
۲۷۴ کیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضائی بھائی تھے؟ ۳۹۶
۲۷۵ مہاجرین کی شادی کا طریقہ انصار کی بیویوں کے ساتھ ۳۹۷

(تاریخِ ہند)

۲۷۶ خواجہ معین الدین اجمیری اور حضرت عبدالقادر جیلانی کا زمانہ ۳۹۹
۲۷۷ گاڑا کون ہیں؟ ۳۹۹
۲۷۸ گاندھی اور نہرو کی موت پر کس نے تلاوت کی؟ ۴۰۰

کتاب السیاسة والهجرة

(سیاست وہجرت کا بیان)

۲۷۹ علماء کی سیاست میں شرکت ۴۰۱
۲۸۰ ''میں پہلے ہندوستانی ہوں بعد میں مسلمان''، کہنے کا حکم ۴۰۲
۲۸۱ ہندوستان سے ہجرت ۴۰۲
۲۸۲ قوم کے لوگوں کی مخالفت کے باوجود ان کی سرپنچی کرنا ۴۰۵
۲۸۳ حفاظت کی غرض سے مکان یا بستی چھوڑنا ۴۰۶
۲۸۴ گناہ والی جگہ میں قیام کرنا ۴۰۷

(امامت اور خلافت کا بیان)

۲۸۵ حرمین شریفین پر کافر کی حکومت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ۴۰۸

(انتخابات کی شرعی حیثیت)

۲۸۶ الیکشن میں حصہ لینا غیر مسلم عدالتوں سے فیصلہ کرانا ۴۱۰

کتاب تعبیر الرؤیا

(خوابوں کی تعبیر کا بیان)

۲۸۷ خواب پر حکم ۴۱۲
۲۸۸ خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھنا ۴۱۳
۲۸۹ خواب میں اللہ تعالیٰ کی سواری دیکھنے کا حکم ۴۱۴
۲۹۰ خواب میں جسد پاک میں کیڑے دیکھنا ۴۱۵
۲۹۱ خواب میں روٹی پر قرآن لکھا ہوا دیکھنا ۴۱۵
۲۹۲ خواب میں حدیث پڑھنا پڑھانا ۴۱۶
۲۹۳ خواب میں حج کرنا ۴۱۶

۲۹۴ دشمن کے ہاتھوں گرفتار بیٹے کوخواب میں حج کرکے آیا ہوا پایا ۴۱۷

۲۹۵ خواب میں وضو کرتے ہوئے مینار دیکھنا ۴۱۸

۲۹۶ خواب میں خود کو برہنہ دیکھنا ۴۱۸

۲۹۷ خواب میں استاد کو برہنہ دیکھنا ۴۱۸

۲۹۸ خواب میں کیکر کی ڈالی میں چنبیلی کے پھول دیکھنا ۴۱۹

۲۹۹ خواب میں کوڑھ والے آدمی کو پیچھا کرتے ہوئے دیکھنا ۴۱۹

۳۰۰ خواب میں حیض والی گدی سے استنجاء خشک کرتے ہوئے دیکھنا ۴۲۰

کتاب الطهارة

باب في نواقض الوضوء

(نواقضِ وضو کا بیان)

۳۰۱ کیا آنکھ کے زخم کا پانی ناقضِ وضو ہے؟ ۴۲۱

۳۰۲ کیا صرف لیٹنا ناقضِ وضو ہے؟ ۴۲۲

۳۰۳ پلوتھا مارے ہوئے نیند کا حکم ۴۲۲

باب الغسل

(غسل کا بیان)

۳۰۴ نطفۂ ناپاک سے پیدا ہونے والا کیسے پاک ہوسکتا ہے؟ ۴۲۴

الفصل الأول في فرائض الغسل

(فرائضِ غسل کا بیان)

۳۰۵ غسل میں کلی کا بھول جانا ۴۲۵

الفصل الثاني في موجبات الغسل

(موجباتِ غسل کا بیان)

۳۰۶	کیا شراب موجبِ غسل ہے؟	۴۲۶
۳۰۷	ایضاً	۴۲۷

باب التيمم

(تیمّم کے احکام کا بیان)

۳۰۸	تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمم کا حکم	۴۲۸

أحكام المعذورين

(معذور کے احکام کا بیان)

۳۰۹	معذور کی تعریف اور حکم	۴۲۹
۳۱۰	تقاطر مذی کا حکم	۴۳۱
۳۱۱	طہارت ونماز میں وہم	۴۳۲

باب في الأنجاس وتطهيرها

(نجاست اور اس سے پاکی کا بیان)

۳۱۲	کتے کی قے اور پاخانہ سے مسجد کو پاک کرنا	۴۳۴
۳۱۳	ناپاک گھی اور مٹی کے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ	۴۳۵

باب الاستنجاء

(استنجاء کا بیان)

۳۱۴	استنجاء وغسل کے وقت استقبالِ قبلہ	۴۳۷

۳۱۵	ایسے زیور کے ساتھ بیت الخلا میں جانا، جس پر اللہ لکھا ہو	۴۳۸

کتاب الصلاۃ

۳۱۶	کیا بغیر نماز پڑھے بخشش ہوجائے گی؟	۴۴۰
۳۱۷	تعزیہ داری چھوڑنے کے لئے نماز چھوڑنے کی شرط	۴۴۱
۳۱۸	تارکِ نماز کا کیا حکم ہے؟	۴۴۱

باب المواقیت

الفصل الأول في أوقات الصلاة

(اوقاتِ نماز کا بیان)

۳۱۹	فجر کی نماز کا وقتِ مستحب	۴۴۴
۳۲۰	وقت فجر میں تین طرح کا عمل	۴۴۶
۳۲۱	نمازِ فجر دن کی نماز ہے یا رات کی؟	۴۴۹
۳۲۲	ظہر اور عصر کا وقت	۴۵۱
۳۲۳	مثل اول پر نمازِ عصر پڑھنا	۴۵۳
۳۲۴	کلاس میں حاضری کی مجبوری سے عصر ایک مثل پر پڑھنا	۴۵۴
۳۲۵	مغرب وعشاء کی نمازوں میں فاصلہ	۴۵۵
۳۲۶	صلوۃ الحاجۃ وغیرہ بعدِ مغرب پڑھنے کا حکم	۴۵۷
۳۲۷	انگلینڈ میں وقت عشاء	۴۵۸
۳۲۸	پنجگانہ نماز کے مستحب اوقات	۴۵۹
۳۲۹	تہجد کا وقت	۴۶۰
۳۳۰	تہجد کا وقت کب تک ہے؟	۴۶۱
۳۳۱	وقتِ اشراق	۴۶۲

۳۳۲ جنتری سے اوقات مقرر کرنا ۴۶۳

۳۳۳ جنتریوں میں فرق ہوتو نماز کے لئے کس کا اعتبار کیا جائے؟ ۴۶۵

۳۳۴ فجر کی سنتوں کا وقتِ اَدا و قضا ۴۶۶

الفصل الثاني في الأوقات المكروهة

(اوقاتِ مکروہہ کا بیان)

۳۳۵ نمازِ فجر ختم ہونے سے پہلے سورج کا طلوع ہونا ۴۷۱

۳۳۶ نمازِ فجر میں طلوع تک تاخیر کرنا ۴۷۱

۳۳۷ فجر کی سنت کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا ۴۷۲

۳۳۸ فجر کے وقت سنتِ فجر کے علاوہ نفل پڑھنا ۴۷۳

۳۳۹ عصر کے بعد باتیں کرنا ۴۷۴

باب الأذان

الفصل الأول في إجابة الأذان

(اذان کے جواب کا بیان)

۳۴۰ اذان کا جواب اور اذان ونماز میں فصل ۴۷۶

الفصل الثاني في الدعاء بعد الأذان

(اذان کے بعد دعا کا بیان)

۳۴۱ اذان کے بعد وسیلہ کی دعا ۴۷۸

الفصل الثالث فيما يكره في الأذان

(مکروہاتِ اذان کا بیان)

۳۴۲ بحالتِ نشہ اذان ونماز کا حکم ۴۸۰

۴۴۳ پیشہ ور پھرائی کو مؤذن بنانا ۴۸۲

الفصل الرابع في إعادة الأذان

(دوبارہ اذان دینے کا بیان)

۴۴۴ غروب سے پہلے اذان کا حکم ۴۸۴

الفصل الخامس في الأذان لقضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینے کا بیان)

۴۴۵ قضا نماز کے لئے اذان واقامت ۴۸۶

الفصل السادس في الأذان في أذان المولود

(بچہ کے کان میں اذان دینے کا بیان)

۴۴۶ بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ ۴۸۷

باب الإقامة والتثويب

الفصل الأول في الإقامة

(اقامت کا بیان)

۴۴۷ منفرد کے لئے اقامت کا حکم ۴۸۸
۴۴۸ کیا ہر نماز میں مؤذن سے تکبیر کی اجازت لی جائے؟ ۴۸۸

الفصل الثاني في التثويب

(تثویب کا بیان)

۴۴۹ نمازِ فجر کے لئے قرآن کریم کی تلاوت یا نظم وغیرہ سے جگانے کا حکم ۴۹۰

باب صفة الصلاة

الفصل الأول في شروط الصلاة

(شروطِ صلاۃ کا بیان)

۳۵۰	کیا نیت کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے؟	۴۹۲
۳۵۱	عربی میں نیت نماز	۴۹۳
۳۵۲	سنت میں نیت کا طریقہ	۴۹۴
۳۵۳	نفل نماز میں حتمی نیت کرنا	۴۹۵
۳۵۴	لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا	۴۹۵
۳۵۵	جس کپڑے میں بدن نظر آئے اس میں نماز پڑھنے کا حکم	۴۹۶
۳۵۶	مستورات کے لئے ٹخنہ ستر ہے یا نہیں؟	۴۹۷
۳۵۷	قبلہ سے معمولی انحراف کی صورت میں نماز کا حکم	۴۹۸
۳۵۸	کیا مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں؟	۴۹۹
۳۵۹	قبلہ کا مشتبہ ہونا	۵۰۰

الفصل الثاني في أركان الصلاة

(ارکانِ نماز کا بیان)

۳۶۰	فرض ونفل نماز میں قیام کا حکم	۵۰۱
۳۶۱	چارپائی پر نماز	۵۰۲
۳۶۲	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سجدہ کی کیفیت	۵۰۳
۳۶۳	نماز کے دوران سجدے میں دعا کرنا	۵۰۳
۳۶۴	مرد وعورت کی نماز میں فرق	۵۰۵

الفصل الثالث في سنن الصلاة

(نماز کی سنتوں کا بیان)

۳۶۵	دوقدموں کے درمیان کتنا فصل ہو؟	۵۰۷
۳۶۶	نماز میں ٹخنوں کوملانے کا حکم	۵۰۸
۳۶۷	امام تکبیرِ تحریمہ کب کہے؟	۵۰۹
۳۶۸	امام کے پیچھے ثناء پڑھنا	۵۱۰
۳۶۹	سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۵۱۰
۳۷۰	نماز شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۵۱۲
۳۷۱	رفع یدین کتنی جگہ ہے؟ نیز مرد وعورت کی نماز میں فرق	۵۱۲
۳۷۲	قومہ میں تحمید اور تسبیح کا حکم	۵۱۷
۳۷۳	مصلی پر کھڑے ہوکر زمین پر سجدہ کرنے کا حکم	۵۱۸
۳۷۴	تشہد کے بعد کی دعا	۵۱۹

الفصل الرابع في آداب الصلاة

(نماز کے آداب کا بیان)

۳۷۵	جوتے پہن کر نماز پڑھنا	۵۲۰
۳۷۶	نماز میں کیا خیال رکھنا چاہیے؟	۵۲۱

باب الذكر والدعاء بعد الصلوات

الفصل الأول في الذكر

(نماز کے بعد ذکر کا بیان)

۳۷۷	نماز کے بعد جہراً ذکر کرنا	۵۲۳

۳۷۸	فرض نماز کے بعد وظیفہ پڑھنا	۵۲۳
۳۷۹	فجر اور عصر کے بعد کتنی دیر ذکر میں مشغول رہنے سے مخصوص ثواب ملتا ہے؟	۵۲۴
۳۸۰	چلتے پھرتے ذکر کرنا	۵۲۶

الفصل الثاني في الدعاء بعد الصلاة

(نماز کے بعد دعا کا بیان)

۳۸۱	نماز کے بعد دعا کا طریقہ	۵۲۷
۳۸۲	نماز کے بعد دعا اور اس پر آمین بالجہر کہنا	۵۲۸
۳۸۳	نماز کے ختم پر "اللهم أنت السلام" کی دعا کہاں تک ہے؟	۵۳۰
۳۸۴	سنتوں سے پہلے مسنون دعاؤں کا پڑھنا	۵۳۱
۳۸۵	مشترک دعا میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے؟	۵۳۲
۳۸۶	سنت ونفل کے بعد کس قدر طویل دعا مسنون ہے؟	۵۳۲
۳۸۷	دعا سراً ہو یا جہراً؟	۵۳۳
۳۸۸	دعائے ثانی	۵۳۴
۳۸۹	دعائے ثانیہ کا حکم	۵۳۶
۳۹۰	نماز کے بعد دعائے ثانیہ وثالثہ وفاتحہ مروجہ	۵۳۹
۳۹۱	صبر کی دعا بہتر ہے یا عافیت کی؟	۵۴۱
۳۹۲	نمازِ فجر وعصر کے بعد مسجد میں تقریر ونعت میلاد کا حکم	۵۴۲
۳۹۳	دعا میں کہنیاں سینہ سے لگ جائیں تو......؟	۵۴۳
۳۹۴	مختلف دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا	۵۴۳

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد بیست ودوم

باب الإمامة

الفصل الأول في أوصاف الإمام

(امام کے اوصاف کا بیان)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	دیوبندیوں کے پیچھے بریلوی کی نماز کیوں نہیں؟	۳۶
۲	دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا	۳۶
۳	امام کا جلدی جلدی نماز پڑھانا	۳۸
۴	قرعہ اندازی سے امام مقرر کرنا اور قرعہ کی شرعی حیثیت	۳۸
۵	سنت پڑھے بغیر فرض پڑھانے والے کی امامت	۴۲
۶	امام کا قومہ اور جلسہ کو لمبا کرنا	۴۳
۷	جس سے مقتدی ناخوش ہوں اس کی امامت کا حکم	۴۳
۸	امام کے مصلے پر کسی کا نماز پڑھنا	۴۴

الفصل الثاني في إمامة الفاسق

(فاسق کی امامت)

۹	امانت میں خیانت کرنے والے کی امامت	۴۶
۱۰	یکمشت سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت	۴۷
۱۱	تارکِ فرض کوامام بنانا	۴۸
۱۲	جھوٹے شخص کوامام مقرر کرنا	۴۸
۱۳	نسبندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا	۴۹
۱۴	مستورات کو بے پردہ بیعت کرنے والے کی امامت	۴۹
۱۵	قوالی سننے والے کی امامت	۵۱
۱۶	لڑکی کونامحرم سے تعلیم دلانے والے کی امامت	۵۳
۱۷	گدھے کے بولنےکواذان کہنے والے کی امامت	۵۵
۱۸	تاڑی فروخت کرنے والے کی امامت	۵۶
۱۹	ساحراور عامل کی امامت	۵۸

الفصل الثالث في إمامة المبتدع

(بدعتی کی امامت کابیان)

۲۰	مبتدع کی امامت	۵۹
۲۱	رضاخانی کے پیچھے نماز	۶۰
۲۲	رضاخانی امام کے پیچھے نماز پڑھنا	۶۱

الفصل الرابع في إمامة المعذور

(معذور کی امامت کابیان)

۲۳	لنگڑے کی امامت	۶۳

۲۴ کانے کی امامت ۶۴

الفصل الخامس في عزل الإمام وتحقيره

(امام کو برطرف کرنے اور حقیر سمجھنے کا بیان)

۲۵ امام کے ساتھ گالی گلوج اور اس پر تہمت لگانے کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھنا ۶۵
۲۶ بدتمیز مقتدی کی نماز کا حکم ۶۶

الفصل السادس في النيابة عن الإمام

(نیابت امام کا بیان)

۲۷ امام کا اپنی عدم موجودگی میں متولی کو امامت سپرد کرنا ۶۸

الفصل السابع في إمامة اللحان

(غلط خواں کی امامت)

۲۸ غلط خواں امام کے پیچھے نماز پڑھنا ۷۰
۲۹ "مستقیم" کو "مستخیم" پڑھنے والے کی امامت ۷۲

باب الجماعة

الفصل الأول في اهتمام الجماعة

(جماعت کے اہتمام کا بیان)

۳۰ نماز باجماعت کی فضیلت ۷۴
۳۱ نماز کے وقت کو ٹال دینا ۷۵
۳۲ جماعتِ فرض کے وقت سنت پڑھنا ۷۵
۳۳ بصورت مجبوری خارج مسجد نماز پڑھنا ۷۶

الفصل الثاني في ترک الجماعة

(ترکِ جماعت کا بیان)

۳۴	بلا عذر جماعت ترک کر کے علیحدہ نماز پڑھنا	۷۷
۳۵	عذر کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھنا	۷۸
۳۶	مسجد میں جماعت ہونے سے پہلے اپنی نماز پڑھ کر نکلنا	۷۸
۳۷	مجبوری کی صورت میں عشاء کی نماز گھر پر پڑھنا	۷۹

الفصل الثالث في الجماعة الثانية

(جماعتِ ثانیہ کا بیان)

۳۸	جماعت ثانیہ	۸۱
۳۹	تبلیغی جماعت والوں کا جماعت ثانیہ کروانا	۸۲
۴۰	کیا بلاوجہ جماعت ثانیہ درست ہے؟	۸۳

الفصل الرابع في جماعة النساء

(عورتوں کی جماعت کا بیان)

۴۱	عورتوں کا نماز کے لئے مسجد جانا	۸۴
۴۲	عورتوں کا مردوں کی جماعت میں شریک ہونا	۸۶
۴۳	عورتوں کے لئے حرم شریف میں نماز پڑھنا افضل ہے یا گھر میں؟	۸۷
۴۴	عورت کا اپنے شوہر کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۸۹

باب تسوية الصفوف وترتيبها

(صفوں کی ترتیب اور برابری کا بیان)

۴۵	مسجد کے در میں امام کا کھڑا ہونا	۹۰

۴۶ امام کا وسطِ محراب میں کھڑا ہونا ۹۱
۴۷ امام کے قریب اہلِ علم وفہم کا کھڑا ہونا ۹۲
۴۸ امام مقتدیوں سے کتنی اونچائی پر کھڑا ہوسکتا ہے؟ ۹۳
۴۹ امام کا نماز کے لئے کچھ اونچا کھڑا ہونا ۹۴
۵۰ امام کے پیچھے کیسا آدمی کھڑا ہو؟ ۹۵
۵۱ صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا ۹۶
۵۲ ایک نمازی کو صف اول سے پیچھے کھینچنے کی صورت میں خالی جگہ کا پُر کرنا ۹۷
۵۳ جگہ کی تنگی کی وجہ سے صف میں کھڑے نمازیوں کو حرکت دے کر جگہ بنانے کا حکم ۹۸
۵۴ ایک نابالغ بچہ کس صف میں کھڑا ہو ۹۹

فصل في الفصل بين الإمام والمقتدى والاتصال بين الصفوف

(امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ اور اتصالِ صفوف کا بیان)

۵۵ امام اور مقتدی کے درمیان پردے کے حائل ہونے کی صورت میں اقتداء کا حکم ۱۰۰
۵۶ امام کے پیچھے ملائکہ کے لئے صف چھوڑنا ۱۰۰

باب المسبوق واللاحق والمدرک

(مسبوق، لاحق اور مدرک کا بیان)

۵۷ مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا ۱۰۲
۵۸ سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا ۱۰۲
۵۹ مسبوق لاحق کی نماز ۱۰۳
۶۰ مدرک کا پانچ رکعت پڑھنا ۱۰۴
۶۱ مقتدی کا بغیر تسبیح پڑھے رکوع میں شرکت سے رکعت کا حکم ۱۰۴

۶۲	تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں چلے جانے سے رکعت کا حکم	۱۰۵
۶۳	رکوع میں کتنی مرتبہ تسبیح پڑھنے سے مدرکِ رکوع شمار ہوگا؟	۱۰۶

باب الحدث في الصلاة

(نماز میں حدث لاحق ہونے کا بیان)

۶۴	نماز میں امام کو حدث لاحق ہونا	۱۰۸
۶۵	امام پر غشی کی صورت میں بنا واستخلاف کا حکم	۱۰۹

باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها

الفصل الأول فيما يفسد الصلاة

(مفسداتِ نماز کا بیان)

۶۶	امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد مقتدی کا نماز میں شامل ہونا	۱۱۱
۶۷	دوسری رکعت پڑھ کر قیام کرنے کے بعد پھر قعدہ کی طرف آنے کا حکم	۱۱۲
۶۸	احتلام کی حالت میں دو روز تک نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدیوں کو خبر کرنا	۱۱۳
۶۹	بھول کر بلا وضو نماز پڑھانا	۱۱۵
۷۰	محاذاۃ کی ایک صورت کا حکم	۱۱۶
۷۱	نماز شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وضو نہیں تھا، تو کیا حکم ہے؟	۱۱۷
۷۲	مسہ کا اتار چڑھاؤ علامت ریح ہے یا نہیں؟	۱۱۸
۷۳	اگر بتی کا دھواں ناک میں جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟	۱۲۰
۷۴	عملِ کثیر کی تعریف	۱۲۱
۷۵	کیا دونوں ہاتھ سے کپڑا ٹھیک کرنا عملِ کثیر ہے؟	۱۲۳
۷۶	نماز میں ڈاڑھی کو ہاتھ سے ہلاتے رہنا	۱۲۴

۷۷	بچہ کا حالتِ نماز میں ماں کا دودھ پینا	۱۲۵
۷۸	امام کا چوتھی رکعت میں قعدہ بھول جانا	۱۲۶
۷۹	سجدہ میں دونوں پیر کی سب انگلیاں اٹھ جانا	۱۲۶
۸۰	ٹیپ ریکارڈ پر امام کی اقتداء کرنا	۱۲۷
۸۱	نماز کی حالت میں کوئی پکارے تو کیا کیا جائے؟	۱۲۸
۸۲	نماز میں لنگی کھل جائے تو کیا کرے؟	۱۲۹
۸۳	قنوت نازلہ کے اخیر میں مقتدی کا ''بے شک'' کہنا	۱۳۰

الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

۸۴	نماز میں کھنکارنا	۱۳۱
۸۵	نماز میں ڈکار لینا	۱۳۱
۸۶	نماز میں کھانسنا	۱۳۲
۸۷	کہنی کھلی رکھ کر نماز پڑھنا	۱۳۳
۸۸	آستین چڑھا کر نماز پڑھنا	۱۳۴
۸۹	اُلٹا کرتا پہن کر نماز پڑھنا	۱۳۴
۹۰	رکوع میں جاتے وقت پائجامہ اوپر کرنا	۱۳۵
۹۱	خانہ کعبہ کی تصویر والے مصلّٰی پر نماز پڑھنا	۱۳۶
۹۲	قبریں سامنے ہونے کی صورت میں نماز پنجگانہ وعیدین کا حکم	۱۳۷
۹۳	تیز گرمی میں مسجد کی چھت پر نماز	۱۳۸
۹۴	نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا	۱۳۹
۹۵	تکثیر جماعت کی خاطر تسبیح میں اضافہ کرنا	۱۴۰
۹۶	خروجِ ریح کا تقاضا ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا	۱۴۰
۹۷	غیر موقوفہ مسجد میں نماز کا حکم	۱۴۱

۹۸	نماز میں کپڑا کتنا نیچے ہو؟	۱۴۲

باب السترة

(سترہ کا بیان)

۹۹	سترہ کا زمین سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟	۱۴۳
۱۰۰	سترہ کی مقدار	۱۴۴
۱۰۱	نمازی کے سامنے سے گزرنا	۱۴۵
۱۰۲	مسجد صغیر وکبیر کی حد اور نمازی کے سامنے سے گزرنا	۱۴۶

باب القراءة

(قراءت کا بیان)

الفصل الأول في كيفية الجهر والسر بالقراءة

(جہری اور سری قراءت کے احکام کا بیان)

۱۰۳	نماز میں قرأت کتنے زور سے کی جائے؟	۱۴۸
۱۰۴	دل ہی دل میں قرأت کرنا	۱۴۹
۱۰۵	سری نماز میں قرأت کی آواز چار آدمی تک پہنچنا	۱۵۰
۱۰۶	السلام کا ''الف لام'' اور اللہ اکبر کی ''را'' کو صاف ظاہر نہ کرنا	۱۵۰
۱۰۷	نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۵۱
۱۰۸	جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۱۵۳

الفصل الثاني في القراءة خلف الإمام

(امام کے پیچھے قراءت کرنے کا بیان)

۱۰۹	فاتحہ خلف الامام کا حکم	۱۵۶
۱۱۰	اہلِ حدیث کا چیلنج قرأت فاتحہ کے متعلق	۱۶۱

۱۱۱ نماز میں ''پاس انفاس'' کا حکم ۱۶۲

الفصل الثالث في القراء ة المسنونة في الصلاة

(نماز میں قراءت کی مسنون مقدار کا بیان)

۱۱۲ امام کا مسنون قرأت کے علاوہ پڑھنے سے نماز کا حکم ۱۶۳
۱۱۳ فجر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں؟ ۱۶۴

الفصل الرابع في تكرار السورة والآية وتعددها وترتيبها

(رکعت میں ایک سورت وآیت کا تکرار وتعداد اور ترتیب کا بیان)

۱۱۴ خلاف ترتیب پڑھنا ۱۶۶
۱۱۵ نماز میں خلاف ترتیب پڑھنا ۱۶۶
۱۱۶ نماز میں قرأت معکوس ۱۶۷
۱۱۷ مغرب کی نماز میں سورہ کافرون وسورہ لہب پڑھنا ۱۶۷
۱۱۸ سورہ فتح کے ختم ہونے سے پہلے رکوع کرنا ۱۶۸
۱۱۹ چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا ۱۶۹
۱۲۰ درمیان سے ایک آیت کا چھوٹ جانا ۱۶۹
۱۲۱ دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے طویل کرنا ۱۷۰

باب في مسائل زلة القارئ

(قراءت میں غلطی کرنے کا بیان)

۱۲۲ نماز میں ''وسيق الذين كفروا'' کے بعد ''فتحت أبوابها'' پڑھنا ۱۷۲
۱۲۳ آیت کا کچھ حصہ حذف کردینے سے نماز کا حکم ۱۷۳
۱۲۴ ایک آیت کے چھوٹ جانے سے نماز کا حکم ۱۷۳
۱۲۵ ''واؤ'' چھوٹ جانے کی صورت میں نماز کا حکم ۱۷۴

۱۲۶	زیر، زبر، پیش کی غلطیاں کرنا	۱۷۷
۱۲۷	آیات پر وصل اور بغیر آیات کے فصل کرنا	۱۷۸
۱۲۸	چند آیات موقوفہ پر وقف ووصل کا حکم	۱۷۹
۱۲۹	"غیر المغضوب علیہم" کے بجائے "ضیر المغضوب" پڑھنا	۱۸۰
۱۳۰	نماز میں "واللہ خیر الرازقین" کی جگہ "خیر الظالمین" پڑھنا	۱۸۱

باب الوتر

(وتر کی نماز کا بیان)

۱۳۱	بلا جماعت فرض پڑھنے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا	۱۸۴
۱۳۲	کچھ تراویح باقی ہونے کی صورت میں جماعتِ وتر میں شریک ہونا	۱۸۴
۱۳۳	وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہونے والے کے لئے قنوت کا حکم	۱۸۵

باب السنن والنوافل

الفصل الأول في السنن المؤكدة

(سنن مؤکدہ کا بیان)

۱۳۴	جماعتِ فجر کے وقت سنت پڑھنا	۱۸۷
۱۳۵	فریضۂ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا	۱۸۹
۱۳۶	جمعہ کے بعد کتنی رکعت ہیں؟	۱۸۹

الفصل الثاني في النوافل

(نوافل کا بیان)

۱۳۷	جمعہ کی سنتوں کے بعد فرض سے پہلے نوافل پڑھنا	۱۹۱
۱۳۸	مغرب کی اذان کے بعد نفل نماز پڑھنا	۱۹۱

۱۳۹	اشراق کی دو رکعات میں ’’عبادات متعددہ‘‘ کی نیت کرنا	۱۹۳
۱۴۰	اشراق اور تہجد کی رکعات کی تعداد	۱۹۳
۱۴۱	اشراق پڑھنے سے حج وعمرہ کا ثواب کب ملتا ہے؟	۱۹۵
۱۴۲	اوابین کی رکعات کی تعداد	۱۹۶
۱۴۳	صلوۃ الحاجت میں استغفار کی نیت کرنا	۱۹۷
۱۴۴	فجر کی سنت پڑھ کر جماعت سے پہلے لیٹنا	۱۹۷

الفصل الثالث في التهجد
(تہجد کی نماز کا بیان)

۱۴۵	رات کے اندھیرے میں نفل نماز پڑھنا	۱۹۹

الفصل الرابع في صلاة النفل بالجماعة
(نفل نماز کی جماعت کا بیان)

۱۴۶	حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جماعت کے ساتھ تہجد پڑھنا اور حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس	☆
	کو بدعت کہنا	۲۰۰
۱۴۷	تہجد کی جماعت کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ	۲۰۱
۱۴۸	اوابین وتہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنا	۲۰۱
۱۴۹	تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا	۲۰۲
۱۵۰	نوافل کی نماز باجماعت پڑھنا	۲۰۳

باب صلاة التراويح
(تراویح کی نماز کا بیان)

الفصل الأول في ختم القرآن في التراويح
(تراویح میں قرآن ختم کرنے کا بیان)

۱۵۱	معوذتین کو وتر میں پڑھنے سے قرآن پاک تراویح میں ختم ہوگا یا نہیں؟	۲۰۷

الفصل الثاني في الترويحة وتسبيحة

(ترویحہ اور اس کی تسبیح کا بیان)

۱۵۲	ترویحہ سے متعلق ایک موضوع دعا	۲۰۸
۱۵۳	تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا	۲۱۰
۱۵۴	ہر ترویحہ کے بعد دعا	۲۱۱

باب قضاء الفوائت

(قضا نمازوں کا بیان)

۱۵۵	اگر نماز قضا ہوگئی تو قضاء واجب ہے یا کفارہ؟	۲۱۳
۱۵۶	کیا قضائے عمری میں وقت کی رعایت ضروری ہے؟	۲۱۴
۱۵۷	اشراق اور تہجد میں قضائے عمری کی نیت کرنا	۲۱۵

فصل في فدية الفوائت

(قضاء نمازوں کے فدیہ کا بیان)

۱۵۸	مرض الوفات میں حواس باقی نہ رہنے سے فدیہ کا حکم	۲۱۷
۱۵۹	ایک دن رات میں چھ نمازوں کا فدیہ	۲۱۷

باب سجود السهو

(سجدہ سہو کا بیان)

۱۶۰	کیا سجدہ سہو کے لئے دو سجدوں کا ہونا ضروری ہے؟	۲۱۹
۱۶۱	سورۂ فاتحہ میں ایک دو لفظ چھوٹنے سے سجدہ سہو کا حکم	۲۲۰
۱۶۲	صرف ایک رکعت میں سورۃ پڑھنے کا حکم	۲۲۱

۱۶۳	قرأت میں کوئی لفظ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کا حکم	۲۲۱
۱۶۴	تیسری چوتھی رکعت میں صرف بسم اللہ پڑھنا	۲۲۲
۱۶۵	بھول کر رکوع میں جانا اور پھر کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا اور رکوع کرنا	۲۲۲
۱۶۶	دعائے قنوت کا بھول جانا	۲۲۳
۱۶۷	قعدہ اولی ترک ہوا تو نماز کا کیا حکم ہے؟	۲۲۴
۱۶۸	مقتدی کا قعدۂ اولی سہواً ترک کرنا	۲۲۴
۱۶۹	دو رکعت والی نماز میں بجائے قعود کے قیام کرنا	۲۲۵
۱۷۰	سجدۂ سہو واجب نہ ہونے کی صورت میں سجدہ سہو کرنا	۲۲۶
۱۷۱	غلطی سے سجدہ سہو کرنے کی صورت میں نماز کا حکم	۲۲۷
۱۷۲	سجدۂ سہو بھول سے رہ گیا	۲۲۸
۱۷۳	بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کرنا	۲۲۸
۱۷۴	سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہونا	۲۳۰
۱۷۵	نماز میں غلطی پر متنبہ کرنا	۲۳۰

باب سجود التلاوۃ

(سجدہ تلاوت کے احکام کا بیان)

۱۷۶	نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ بھول جانے کا حکم	۲۳۱
۱۷۷	ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنا	۲۳۲
۱۷۸	آیت سجدہ پڑھ کر کیا ناواقف کو بتانا چاہیے؟	۲۳۳
۱۷۹	سجدہ تلاوت کے لئے رکوع میں نیت کرنا	۲۳۴

باب صلاۃ المریض

(مریض کی نماز کا بیان)

۱۸۰	اشارہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ	۲۳۶

۱۸۱	ایضاً	۲۳۷
۱۸۲	قیام پر قدرت نہ رکھنے والے حافظِ قرآن کا بیٹھ کر تراویح اور تہجد پڑھنا	۲۳۷
۱۸۳	برسات میں جب زمین خشک نہ ملے تو نماز کس طرح پڑھے؟	۲۳۸

باب صلاۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

۱۸۴	ہمیشہ مسافر رہنے والے کی نماز	۲۳۹

باب صلاۃ الجمعة

الفصل الأول في خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

۱۸۵	منبر پر آ کر سلام کرنا اور "إن الله وملئكته" پڑھنا	۲۴۰
۱۸۶	خطبہ میں "قال الله تعالى فأعوذ بالله" پڑھنا	۲۴۱

الفصل الثاني في احتياط الظهر

(احتیاط الظہر کا بیان)

۱۸۷	احتیاط الظہر	۲۴۲
۱۸۸	نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا	۲۴۲

باب صلاۃ العیدین

الفصل الأول في وجوب صلاة العيد على النساء

(عورتوں کے لئے نمازِ عید کا بیان)

۱۸۹	کیا عورتوں پر نمازِ عید واجب ہے؟	۲۴۵

الفصل الثاني في صلاة العيد في المسجد وغيره

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

۱۹۰ عید کی نماز مسجد میں ہو یا میدان میں؟ ۲۴۸

۱۹۱ عیدگاہ چھوڑ کر میدان میں نماز عید ۲۴۹

۱۹۲ اندیشۂ فساد کے وقت نماز عید محلوں کی مساجد میں ۲۵۰

الفصل الثالث في تكبيرات التشريق

(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

۱۹۳ نمازِ عید کے لئے جاتے ہوئے اور واپسی پر تکبیرِ تشریق پڑھنے کا حکم ۲۵۳

باب صلاة الاستسقاء

(نماز استسقاء کا بیان)

۱۹۴ صلوۃ استسقاء تین روز سے زائد نہیں ۲۵۴

۱۹۵ کیا صلاۃ استسقاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ آسمان پر بادل نہ ہو ۲۵۵

۱۹۶ صلوۃ استسقاء کے لئے اگربتی وغیرہ ساتھ لے جانا ۲۵۵

۱۹۷ نماز استسقاء کے بعد ترنم سے دعا کرنا ۲۵۶

۱۹۸ نمازِ استسقاء کو جاتے ہوئے ناجائز اُمور سے نہ روکنا ۲۵۷

۱۹۹ نماز استسقاء کے بعد کھانا کھلانا ۲۵۸

باب الجنائز

الفصل الأول في تكفين الميت

(میت کے کفن کا بیان)

۲۰۰ کفن کا کپڑا کس رنگ کا ہونا چاہیے؟ ۲۵۹

الفصل الثاني في الصلاة على الميت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

۲۰۱ خودکشی کرنے والے اور نشہ کی حالت میں مرنے والے کی نمازِ جنازہ ۲۶۱
۲۰۲ نمازِ جنازہ کے بعد دعا ۲۶۲
۲۰۳ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا ۲۶۲

الفصل الثالث فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

۲۰۴ عورت کی میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ ۲۶۴

الفصل الرابع في البناء على القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

۲۰۵ روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟ ۲۶۵

الفصل الخامس في إلقاء الرياحين وغيرها

(قبروں پر پھول، چادر وغیرہ ڈالنا)

۲۰۶ مزار کی اگربتی کی بھسم ۲۶۷

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

۲۰۷ ایصالِ ثواب کا طریقہ ۲۶۸
۲۰۸ ایصالِ ثواب کے لئے مجلس منعقد کرنا ۲۶۹
۲۰۹ دفن کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کے ایک مخصوص صورت کا حکم ۲۶۹

۲۱۰	ایصالِ ثواب کا طریقہ	۲۷۲
۲۱۱	ماں کے انتقال کے بعد ان کو خوش کرنے کی صورت	۲۷۴
۲۱۲	کلمہ طیبہ کتنی مرتبہ پڑھنے سے مردوں کی مغفرت ہوتی ہے؟	۲۷۵
۲۱۳	فرائض وواجبات کا ثواب بخشنا	۲۷۶
۲۱۴	ہر قسم کی نیکیوں کا ثواب بخشنا	۲۷۷
۲۱۵	کیا پرانے کپڑے اور نئے کپڑے کے صدقہ میں فرق ہے؟	۲۷۷

فصل في أطعمة الاسبوع والأربعين وغيره

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا حکم)

۲۱۶	سوئم وچہلم وغیرہ کا حکم	۲۷۹

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

۲۱۷	شہادت کی ایک صورت اور قاتل کی مدد	۲۸۳
۲۱۸	کیا گاڑی کے حادثہ میں مرنے والا شہید ہے؟	۲۸۴
۲۱۹	شہیدانِ وطن کون ہیں؟	۲۸۵
۲۲۰	شہید وطن کون ہے؟	۲۸۵

كتاب الزكاة

(زکوۃ کا بیان)

۲۲۱	منکر زکوۃ وتارک زکوۃ کا حکم	۲۸۸
۲۲۲	زکوۃ کو تاوان اور حج کو تجارت سمجھنا	۲۹۱

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

۲۲۳	وجوب زکوۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی؟	۲۹۲
۲۲۴	زکوۃ انگریزی سال سے ادا کرے یا قمری سے؟	۲۹۲
۲۲۵	مشتبہ مال کی زکوۃ کا حکم	۲۹۳
۲۲۶	زکوۃ کی فرضیت سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا	۲۹۴
۲۲۷	یاقوت وغیرہ پتھر پر زکوۃ	۲۹۵
۲۲۸	بیوی کے زیور کی زکوۃ کس پر ہے؟	۲۹۶

باب الزکاۃ في الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونا، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ کا بیان)

۲۲۹	جہیز کے زیور پر زکوۃ	۲۹۸
۲۳۰	جہیز کی گھریلو چیزوں پر زکوۃ	۲۹۹
۲۳۱	دو دینار سرخ کا وزن	۳۰۱

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

۲۳۲	ضرورت سے زائد اشیاء پر زکوۃ کا حکم	۳۰۲
۲۳۳	کمپنی کے حصص پر زکوۃ	۳۰۳
۲۳۴	ایک لاری کی آمدنی سے تین لاریاں خریدنے پر زکوۃ کا حکم	۳۰۴

۲۳۵	کرایہ پر لگے ٹرک کی زکوۃ کا حکم	۳۰۴
۲۳۶	شیئرز کی زکوۃ	۳۰۶
۲۳۷	مال تجارت کی زکوۃ	۳۰۷

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

۲۳۸	زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم	۳۰۸

فصل في أراضي الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

۲۳۹	اراضی ہندوستان میں عشر کا حکم	۳۱۰

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

۲۴۰	زکوۃ ادا کرنے کے لئے نائب بنانا	۳۱۲
۲۴۱	بذریعۂ غیر مسلم زکوۃ ادا کرنا	۳۱۳
۲۴۲	تملیک کا حکم اور طریقہ	۳۱۴
۲۴۳	حیلہ تملیک، متعین رقم غریب کو دینا	۳۱۵
۲۴۴	گزشتہ سالوں کی زکوۃ کا حکم	۳۱۸
۲۴۵	قرض پر زکوۃ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ	۳۱۹
۲۴۶	توبہ سے واجب شدہ زکوۃ ساقط نہیں ہوتی	۳۲۰

باب مصارف الزكاة

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

۲۴۷	زکوۃ کا مستحق کون ہے؟	۳۲۲

۲۴۸	زکوۃ،فطرہ کی رقم غیر مصرف میں خرچ کرڈالنا	۳۲۴
۲۴۹	غنی کا زکوۃ استعمال کرنا	۳۲۵
۲۵۰	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۳۲۶
۲۵۱	زکوۃ کا روپیہ مقدمہ میں لگانا	۳۲۷
۲۵۲	سوداور زکوۃ کے پیسے سے نل لگوانا	۳۲۸
۲۵۳	زکوۃ کا لحاف طلبہ کو دے کر واپس لینا	۳۲۹
۲۵۴	بھائی کو زکوۃ دینا	۳۳۰
۲۵۵	وکیل کا اپنی ماں کو زکوۃ دینا	۳۳۱
۲۵۶	جس بچہ کی ماں سید ہو،اس کو زکوۃ دینا	۳۳۲
۲۵۷	علمائے ربانی کی تکفیر کرنے والے کو زکوۃ دینا	۳۳۳
۲۵۸	بریلوی مکتب فکر کے مدارس میں زکوۃ دینا؟	۳۳۴
۲۵۹	شیعہ کو زکوۃ وفطرہ دینا	۳۳۵

فصل في صرف الزكاة في المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

۲۶۰	زکوۃ وعشر وغیرہ مدرسہ میں دینا	۳۳۷
۲۶۱	فصل سے نکالا ہوا غلہ مسجد میں لگانا	۳۳۹

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

۲۶۲	صاع کی مقدار	۳۴۱
۲۶۳	صاع وغیرہ کے اوزان	۳۴۲
۲۶۴	نصف صاع کی مقدار موجودہ وزن سے	۳۴۵

۲۶۵	صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کریں؟	۳۴۷
۲۶۶	صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بعد عید کے روز قیمت بڑھ گئی، تو کیا کرے؟	۳۴۷
۲۶۷	صدقۂ فطر عید کی صبح ادا کرنا اولیٰ ہے یا رمضان میں؟	۳۴۸
۲۶۸	ضرورت سے زائد زمین کی ملکیت پر قربانی اور صدقۃ الفطر کا حکم	۳۴۹
۲۶۹	صدقۂ فطر سے کتابیں خرید کر کسی جماعت کو دینا	۳۵۰

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

۲۷۰	صدقہ جاریہ	۳۵۲

كتاب الصوم

۲۷۱	بقرعید کی نماز عید تک کچھ نہ کھانے پینے کا نام روزہ رکھنا	۳۵۳
۲۷۲	طویل دن میں روزہ کس طرح رکھے؟	۳۵۵

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

۲۷۳	اختلاف مطالع	۳۵۶
۲۷۴	رؤیت ہلال میں اہل توقیت کا قول	۳۵۷
۲۷۵	ستاروں کی رفتار سے ثبوت حکم	۳۵۸
۲۷۶	ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند کی جستجو کرنا	۳۵۹
۲۷۷	ریڈیو کے اعلان کی حیثیت	۳۶۱
۲۷۸	ریڈیو کی خبر کا حکم	۳۶۳

۲۷۹ خبر عادل اور اصول ہیئت میں تعارض ہونا ۳۶۴

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

۲۸۰ کچی ڈکار آنا ۳۶۶
۲۸۱ بحالتِ روزہ ڈکار میں کھانے کا ذائقہ محسوس ہونا ۳۶۶
۲۸۲ کیا حلق کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟ ۳۶۷

باب قضاء الصوم وکفارته وفديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

۲۸۳ اگر بکریاں چرانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو کیا کرے؟ ۳۶۹
۲۸۴ نذر وقضاء روزوں میں کون سے پہلے رکھے؟ ۳۷۰
۲۸۵ کفارہ صوم میں بیماری کی وجہ سے اگر تسلسل نہ ہوسکے تو کیا حکم ہے؟ ۳۷۱
۲۸۶ کفارۂ صوم میں ایک مسکین کو دو ماہ کھانا کھلانا ۳۷۲
۲۸۷ متعدد روزوں میں زنا کرنے سے کفارہ ایک ہوگا یا زیادہ؟ ۳۷۳
۲۸۸ فدیہ کتنے مال سے دیا جائے؟ ۳۷۴
۲۸۹ اگر قلت مال سے فدیہ پورا نہ ہوسکے تو ۳۷۴
۲۹۰ مرضِ وفات کے روزوں کا فدیہ ۳۷۵
۲۹۱ رمضان کے متعدد روزوں کی قضاء کا طریقہ ۳۷۵

فصل في التسحر والإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

۲۹۲ افطار کے بعد اذان دینا ۳۷۷
۲۹۳ افطار غروب پر کیا جائے یا اذان پر؟ ۳۷۷

۲۹۴	ایضاً	۳۷۸
۲۹۵	غروب سے پہلے چاند دیکھ کر روزہ توڑنا	۳۷۹
۲۹۶	ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا	۳۷۹
۲۹۷	افطاری کے بعد کلی کرنا	۳۸۰
۲۹۸	رمضان میں غروب کی کتنی دیر بعد جماعت کھڑی ہو، اکابر کے معمولات	۳۸۱

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

۲۹۹	عشرہ اخیر کے اعتکاف کے لئے کیا صوم شرط ہے؟	۳۸۳
۳۰۰	کیا اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے؟	۳۸۳
۳۰۱	اعتکاف میں استثناء کرنے کا حکم	۳۸۵
۳۰۲	پورے رمضان کا اعتکاف کرنا	۳۸۵
۳۰۳	اعتکاف میں بیڑی پینا	۳۸۸
۳۰۴	معتکف کا بلا عذر شرعی وطبعی حدودِ مسجد سے نکلنا	۳۸۹
۳۰۵	ایضاً	۳۹۰
۳۰۶	معتکف کا تبلیغی اجتماع میں شرکت کرنا	۳۹۱
۳۰۷	معتکف کا جامع مسجد میں جمعہ کے لئے جانا	۳۹۲
۳۰۸	معتکف کا خارج مسجد سے ہوکر اذان کے لئے جانا	۳۹۳

كتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

۳۰۹	کیا استطاعت کے بعد اکیلا ہونا عذر ہے؟	۳۹۴

۳۱۰	نفلی حج کا ارادہ کر کے چوٹ لگنے کی وجہ سے معذور ہو جانا........	۳۹۴
۳۱۱	غبن کے روپے سے حج اور کاروبار کرنا........	۳۹۵
۳۱۲	حجِ مقبول و مبرور میں فرق........	۳۹۷
۳۱۳	حجِ اکبر کی تشریح........	۳۹۸
۳۱۴	کیا مکہ مکرمہ جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟........	۴۰۰
۳۱۵	قرض لے کر حج کرنا........	۴۰۱
۳۱۶	کیا حج کے لئے والد سے اجازت لینی چاہیے؟........	۴۰۴
۳۱۷	سعودیہ میں رہ کر حج کرنے والے اور باہر سے آنے والے میں سے کس کو ثواب زیادہ ملے گا؟	۴۰۵

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

۳۱۸	نامحرم کو سفرِ حج میں ساتھ لے جانا........	۴۰۷
۳۱۹	رضاعی بیٹی کے شوہر کے ساتھ سفرِ حج........	۴۰۹
۳۲۰	بہن اور بہنوئی کے ساتھ سفرِ حج........	۴۱۰

باب في واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

۳۲۱	ایک محرم کا دوسرے محرم کا سر مونڈنا........	۴۱۱
۳۲۲	اپنے بال خود کاٹنا........	۴۱۱
۳۲۳	سِلی ہوئی تھیلی احرام میں رکھنا........	۴۱۲
۳۲۴	عورت کا رات کو کنکریاں مارنا........	۴۱۲
۳۲۵	حج اور عمرہ میں زبان سے نیت کرنا........	۴۱۳

۳۲۶ رکنِ یمانی کو دُور سے اشارہ کرنا ۴۱۵

۳۲۷ استلامِ حجرِ اسود دُور سے کرنے کا طریقہ ۴۱۶

باب في أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

۳۲۸ طواف زیارت کرکے منیٰ آنا ۴۱۸

۳۲۹ عورتیں اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھیں یا حرم میں؟ ۴۱۹

۳۳۰ عورتیں فجر کی نماز کہاں پڑھیں اور رمی جمرہ عقبہ کس وقت کریں؟ ۴۱۹

۳۳۱ حالتِ حیض میں طواف زیارت کرنا ۴۲۰

۳۳۲ حالتِ احرام میں حیض آجانا ۴۲۲

۳۳۳ حالتِ احرام میں بضرورت حیض روکنے والی دوا کا استعمال ۴۲۳

باب المواقيت

(میقات کا بیان)

۳۳۴ کیا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے تنعیم سے احرام باندھا تھا؟ ۴۲۵

باب الحج عن الغير

(حجِ بدل کا بیان)

۳۳۵ حجِ بدل کی تعریف ۴۲۶

۳۳۶ حجِ بدل، حج کی کون سی قسم ہے؟ ۴۲۶

۳۳۷ حجِ بدل کی شرائط ۴۲۷

۳۳۸ حجِ بدل کی تفصیلی کیفیت ۴۲۹

۳۳۹ کسی کے لئے حج کرنے کا حکم ۴۳۱

۳۴۰ حجِ بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو ۴۳۲

۳۴۱	کیا حجِ بدل کے لئے پہلے سے سفر ضروری ہے؟	۴۳۵
۳۴۲	حجِ بدل میں کون سا حج کرے؟	۴۳۶
۳۴۳	حج بدل میں تمتع کرنے کا حکم	۴۳۸
۳۴۴	حج بدل والے کے لئے تمتع سے بچاؤ کا طریقہ	۴۳۹
۳۴۵	حجِ بدل کے بعد اگر استطاعت ہو جائے تو فریضہ ساقط نہیں ہوتا	۴۴۰
۳۴۶	عورت کا حجِ بدل کرانا	۴۴۱
۳۴۷	حجِ بدل میں عورتیں طواف کب کریں؟	۴۴۲
۳۴۸	حکومت کی طرف سے ملنے والا نقصان کا معاوضہ آمر کا ہے یا مامور کا؟	۴۴۲

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

۳۴۹	ترتیبِ واجب کے خلاف کرنے سے وجوبِ دم کا حکم	۴۴۴
۳۵۰	قارن عمرہ کے بعد احرام کھول دے تو کیا حکم ہے؟	۴۴۵
۳۵۱	وقوف مزدلفہ رہ جائے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟	۴۴۵
۳۵۲	عمرہ کا احرام کھولنے میں چند بال کٹوائے تو دم لازم ہے یا نہیں؟	۴۴۷
۳۵۳	طوافِ وداع کا چھوٹ جانا	۴۴۸

باب المتفرقات

۳۵۴	حج کے لئے روپیہ دیا، اس میں سے کچھ بچ گیا، اس کو کیا کرے؟	۴۵۰
۳۵۵	حاجیوں کا سامان لانا اور لے جانا	۴۵۰
۳۵۶	حرم میں خرچ کرنے کے لئے دیئے گئے پیسوں کو بمبئی میں خرچ کرنا	۴۵۱
۳۵۷	کیا مدینہ منورہ میں بھی عمرہ ہوتا ہے؟	۴۵۲
۳۵۸	حج سے آنے والوں کے ساتھ معانقہ اور دست بوسی	۴۵۲
۳۵۹	حج میں کیا تمنا کی جائے؟	۴۵۳

۳۶۰	حج کی درخواست میں اپنے آپ کو دوسرے صوبہ کا بتلانا	۴۵۴
۳۶۱	حج کی درخواست منظور کرانے کے لئے سوروپیہ دینا	۴۵۵
۳۶۲	قصبہ کے بجائے ضلع کے نام سے درخواست حج جمع کرانا	۴۵۶

کتاب النکاح

(نکاح کا بیان)

۳۶۳	نکاح پڑھانے کا طریقہ	۴۵۷
۳۶۴	خطبۂ نکاح کھڑے ہو کر پڑھنا	۴۵۸
۳۶۵	کم بولنے والے کا نکاح	۴۵۸
۳۶۶	ایضاً	۴۵۹
۳۶۷	والدین کا نکاح پڑھانا	۴۶۰
۳۶۸	نکاح کی اجازت نہ دے کر رخصت ہو جانا، پھر وہاں سے فرار ہو جانا	۴۶۰
۳۶۹	نکاح میں کھانے کپڑے وغیرہ کا تذکرہ	۴۶۳
۳۷۰	مہر ہاتھ کے نیچے چھپا کر ایجاب وقبول کرنا	۴۶۴
۳۷۱	لونڈیوں اور باندیوں کے احکام	۴۶۵

باب مایتعلق بالرسوم عند الزواج

(شادی بیاہ کی رسومات کا بیان)

۳۷۲	دلہا کو پالکی میں لے جانا	۴۶۷
۳۷۳	دولہا کو پھولوں کا ہار پہنانا	۴۶۷
۳۷۴	نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا	۴۶۸
۳۷۵	نکاح کے وقت نماز پڑھوانا	۴۶۸
۳۷۶	نکاح کے وقت کون سی نماز پڑھی جاتی ہے؟	۴۶۹

باب المحرمات

الفصل الأول في المحرمات من النسب

(نسبی محرمات کابیان)

۳۷۷ ایک ہی ذات سے تبدیلیٔ جنس کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کے نکاح کا حکم ۴۷۱

۳۷۸ تایازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرنا ۴۷۲

۳۷۹ بھتیجے سے نواسی کا نکاح ۴۷۲

۳۸۰ سوتیلی ساس سے نکاح کرنے کا حکم ۴۷۲

الفصل الثاني في المحرمات من الرضاع

(حرمتِ رضاعت کابیان)

۳۸۱ ڈھائی سال عمر ہوجانے پر حرمت رضاعت کا حکم ۴۷۴

الفصل الثالث في نكاح منكوحة الغير

(منکوحۂ غیر سے نکاح کا بیان)

۳۸۲ منکوحہ غیر سے نکاح کے بعد شوہر اول کے مرنے کی صورت میں نکاح کا حکم ۴۷۶

۳۸۳ بغیر طلاق نکاحِ ثانی کرنے کا حکم ۴۷۷

الفصل الرابع في المحرمات بالجمع

(محرمات کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بیان)

۳۸۴ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟ ۴۸۰

الفصل الخامس في المحرمات بالشرك

(غیر مسلموں سے نکاح کا بیان)

۳۸۵ مسلمان کا عیسائی عورت سے نکاح ۴۸۲

باب ولاية النكاح

(ولایتِ نکاح کا بیان)

۳۸۶	نکاح کے لئے چچا کی اجازت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟	۴۸۳
۳۸۷	ولایتِ نکاح چچا کو اور حق پرورش ماں کو حاصل ہے	۴۸۴

فصل في التوكيل بالنكاح

(نکاح میں وکالت کا بیان)

۳۸۸	بذریعۂ وکیل یا بذریعہ خط کے نکاح کا حکم	۴۸۵
۳۸۹	لڑکی کا لڑکے کو وکیل نکاح بنانا	۴۸۵

فصل في الجهاز

(جہیز کا بیان)

۳۹۰	جہیز کس کی مِلک ہے؟	۴۸۷

باب في العروس والوليمة

(بارات اور ولیمہ کا بیان)

۳۹۱	ولیمہ کا وقت کب سے کب تک ہے؟	۴۸۹

كتاب الطلاق

باب الطلاق بألفاظ الكناية

(الفاظِ کنایہ سے طلاق دینے کا بیان)

۳۹۲	''ہمیں تمہاری لڑکی سے اب کچھ مطلب نہیں ہے'' سے طلاق کا حکم	۴۹۰

باب الفسخ والتفريق

(فسخ اور تفریقِ نکاح کا بیان)

۳۹۳ سسرال کے حالات خلافِ واقع سن کر فسخِ نکاح کا مطالبہ کرنا ۴۹۲

فصل في زوجة المجنون والعنين

(دیوانے اور نامرد کی بیوی کا بیان)

۳۹۴ زوجۂ عنین کا حکم ۴۹۵

باب الخلع

(خلع کا بیان)

۳۹۵ طلاق بالمال دینے کی صورت میں بیوی کو دیئے ہوئے زیور وغیرہ واپس لینا ۴۹۸

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

۳۹۶ عدت ختم ہونے کے وقت چند بے اصل باتوں کا حکم ۵۰۰
۳۹۷ دو عدتوں کا تداخل ۵۰۱

باب النفقات

(نفقہ کا بیان)

۳۹۸ میکہ چلی جانے والی عورت کا نفقہ ۵۰۶
۳۹۹ میکہ میں رہ کر جھوٹی تحریر کے ذریعہ نفقہ طلب کرنا ۵۰۶
۴۰۰ بلا اجازت شوہر کے گھر سے بھاگنے والی عورت کے نفقہ کا حکم ۵۰۹

۴۰۱	عورت ناشزہ کب شمار ہوگی؟	۵۱۰
۴۰۲	ناشزہ عورت کا نفقہ	۵۱۱
۴۰۳	نشوز میں میاں بیوی کا بیان مختلف ہونے کا حکم	۵۱۲
۴۰۴	طلاق دینے کے لئے نشوز کو ثابت کرنا	۵۱۳

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

۴۰۵	نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کا حکم	۵۱۴
۴۰۶	ارتکاب معصیت سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب	۵۱۵

باب الحضانة

(پرورش کا بیان)

۴۰۷	شیر خوار بچہ کو چھوڑنے والی ماں کا حکم	۵۱۷

كتاب الأيمان والنذور

باب الأيمان

(قسم کھانے کا بیان)

۴۰۸	کیا لفظ ''قسم کھاتا ہوں'' سے یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟	۵۱۸
۴۰۹	کلام پاک کی قسم	۵۱۹
۴۱۰	قرآن شریف کی جھوٹی قسم کھانا	۵۲۰
۴۱۱	قرآن اٹھا کر جھوٹی قسم کھانا	۵۲۱
۴۱۲	قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا	۵۲۱

۴۱۳	قرآن، کلام اللہ اور بچوں کی قسم کھانا	۵۲۲
۴۱۴	نماز پڑھنے کی قسم کھانا	۵۲۴
۴۱۵	روزہ رکھنے اور صدقہ دینے کی قسم	۵۲۵
۴۱۶	پاکستان جانے کی قسم کھانا	۵۲۵
۴۱۷	کپڑے کو جلانے کی قسم کھانا	۵۲۶
۴۱۸	بیوی کی پاک دامنی کی قسم کھانا	۵۲۷
۴۱۹	حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا	۵۲۸
۴۲۰	کیا حلال کو حرام سے تشبیہ دینا قسم ہے؟	۵۳۰
۴۲۱	ایضاً	۵۳۱
۴۲۲	’’اگر فلاں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤں تو خنزیر کھاؤں‘‘ کہنے کا حکم	۵۳۱
۴۲۳	’’اگر فلاں کام کروں تو خنزیر کھاؤں‘‘ کیا یہ قسم ہے؟	۵۳۲
۴۲۴	کلما کی وجہ سے موجودہ بیوی حرام نہیں ہوئی	۵۳۲
۴۲۵	’’بہن کے یہاں گیا تو اپنی ماں سے سات مرتبہ زنا کیا‘‘ کہنے کا حکم	۵۳۴
۴۲۶	’’اگر فلاں کام کروں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں‘‘ کہنے کا حکم	۵۳۵

فصل في كفارة اليمين

(قسم کے کفارہ کا بیان)

۴۲۷	قسم اور قسم کا کفارہ	۵۳۷
۴۲۸	قسم کا کفارہ	۵۳۸
۴۲۹	ضرورت کی بناء پر قسم کو توڑنے کا حکم	۵۳۹

باب النذور

(نذر کا بیان)

۴۳۰	مسجد کا منارہ بنوانے کی نذر ماننا	۵۴۱

۴۳۱	تبلیغی چلہ میں جانے کی نذر ماننا	۵۴۱
۴۳۲	قرآن خوانی کرانے کی نذر ماننا	۵۴۱
۴۳۳	بکرا خدا کے نام پر نذر کرنا	۵۴۲
۴۳۴	''اگر فلاں کام ہو جائے تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے'' کا حکم	۵۴۳
۴۳۵	بکری صدقہ کرنے کی نذر سے کیا قیمت ادا کرنا کافی ہے؟	۵۴۴
۴۳۶	بکری کے بچہ کی نذر مان کر اس کی قیمت دینا	۵۴۵
۴۳۷	نذر کی ہوئی بکری کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں لگانا	۵۴۶
۴۳۸	غریبوں پر خرچ کرنے کی نذر ماننا	۵۴۷
۴۳۹	نذر کا کھانا مالدار کے بچوں کو کھلانا	۵۴۷
۴۴۰	نذر ماننے والے کے لئے نذر کا گوشت کھانا	۵۴۸

کتاب الحدود

باب حدّ الزنا

(حدِ زنا کا بیان)

۴۴۱	زنا کا ثبوت اور اس کی سزا	۵۵۰
۴۴۲	زنا کا ثبوت اور تہمت لگانے والے کی سزا	۵۵۲
۴۴۳	زنا کی سزا	۵۵۳
۴۴۴	زانیہ لڑکی لڑکے سے قطع تعلقات کا حکم	۵۵۴
۴۴۵	زوجہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا	۵۵۶
۴۴۶	بیوی اجنبی کے ساتھ زنا میں ملوث ہو، تو دونوں کو ہلاک کرنا	۵۵۷
۴۴۷	زانی کا زنا کی حد کو طلب کرنا اور اگر حد نہ لگائی گئی تو خودکشی کرنا	۵۵۷

۴۴۸ زانی بالجبر کو زہر سے مارنا ۵۵۹

باب حدّ القذف

(حدِّ قذف کا بیان)

۴۴۹ زنا کی تہمت کی سزا ۵۶۰
۴۵۰ تہمتِ زنا لگانے والے سے ترکِ تعلق ۵۶۱
۴۵۱ چوری کا الزام ۵۶۲

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

۴۵۲ دھوکے سے خنزیر و کتے کا گوشت لوگوں کو کھلانا ۵۶۵
۴۵۳ شادی میں گولہ داغنے کی سزا ۵۶۶
۴۵۴ غلطی سے دوسرے کی بندوق سے کسی کو مارنا ۵۶۶

فصل في التعزير بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

۴۵۵ زنا پر مالی جرمانہ ۵۶۸
۴۵۶ مالی جرمانہ ۵۷۰

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

۴۵۷ فاسق کی شہادت کے سلسلہ میں دو فتووں میں رفع تضاد ۵۷۳
۴۵۸ گواہ سے قسم لینا ۵۷۵

۴۵۹	دنیوی عداوت کی تشریح	۵۷۶

کتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

۴۶۰	دوسرے کا کبوتر اپنے گھر میں آجائے تو کیا کریں؟	۵۷۸
۴۶۱	سفر میں سامان بدل جائے، تو کیا کرنا چاہیے؟	۵۷۹

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد بیست وسوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	کتاب الوقف	
	باب مایتعلق بنفس الوقف	
	(نفسِ وقف کا بیان)	
۱	وقف کس کو کہتے ہیں؟	۲۸
۲	وقف کی نیت سے خریدنے سے وہ ملکیت وقف نہیں ہوجاتی	۲۹
۳	محض نیت سے وقف نہیں ہوتا	۳۱
۴	لفظ ''ہبہ'' سے وقف کا حکم	۳۲
۵	اثاث البیت کا وقف	۳۳
۶	وقف کی وصیت کرنا	۳۴
۷	کسی مشترک غیر قابل تقسیم شی کا وقف کرنا	۳۵

۸	جائیداد غیر منقولہ کی آمدنی کو وقف کرنا	۳۷
۹	وقف کرکے رجوع کرنا	۳۸
۱۰	باغ کو وقف کرکے اس کی زمین سے خود نفع اٹھانا	۳۹
۱۱	وقف زمین پر غاصبانہ قبضہ	۳۹
۱۲	وقف سے مالکانہ قبضہ ہٹانے کی کوشش کرنا	۴۰
۱۳	کیا موقوفہ زمین پھر مملوکہ بن سکتی ہے؟	۴۲
۱۴	زیادہ آمدنی کے واسطے وقف زمین پر کھیتی لگانا	۴۳
۱۵	مسجد کی فاضل آمدنی سے مکتب قائم کرنا	۴۳
۱۶	مخنث کا خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ مسجد کے لئے مکان وقف کرنا	۴۶
۱۷	مساجد، مدارس اور قربانی وغیرہ کے لئے اپنی جائیداد وقف کرنا	۴۷
۱۸	ایک تفصیلی وقف نامہ کا تجزیہ	۴۹
۱۹	وقف مؤبد ومؤقت	۵۱
۲۰	خانقاہ نام دینے سے مکان کے وقف کا حکم	۵۸
۲۱	دو شخصوں کا ایک دستاویز کے ذریعہ وقف کرنا	۶۰
۲۲	دوسرے کی جائیداد کو وقف کرنا	۶۰
۲۳	جائیداد وقف تقسیم سے مملوک نہیں ہوتی	۶۳
۲۴	وقف علی الاولاد میں تقسیم کی صورتیں	۶۸
۲۵	حرام کمانے والوں کا وقف اور اس کی آمدنی دینی کاموں میں خرچ کرنا	۷۱

باب في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

۲۶	عمومی مفاد کے لئے دی گئی زمین فروخت کرنا	۷۴
۲۷	وقف شدہ ویران کنواں دے کر اس کے عوض میں نیا کنواں بنوانا	۷۵

۲۸	کنوئیں کا جنگلہ فروخت کر کے مسجد کا کواڑ بنوانا	۷۶
۲۹	مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے بدلنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟	۷۷

باب ولاية الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

۳۰	متولی کس کو کہتے ہیں؟	۷۹
۳۱	مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟	۷۹
۳۲	حق تولیت کی تقسیم	۸۰
۳۳	مسجد کے لئے متولی تجویز کرنا	۸۱
۳۴	مؤذن اور امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟	۸۳
۳۵	تشریح	۸۴
۳۶	بانیٔ مسجد امام کے تقرر کا زیادہ حق دار ہے	۸۸
۳۷	حساب کتاب نہ دینے والے متولی کا حکم	۸۹
۳۸	متولی کا وقف کی آمدنی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا	۹۰
۳۹	جو متولی وقف کی خدمت نہ کرے، اس کو معزول کرنے کا حکم	۹۱
۴۰	وقف کی آمدنی کو غیرِ وقف میں خرچ کرنا	۹۲
۴۱	آمدنی کے واسطے مزار اور قبرستان کے لئے صندوق لگانا	۹۴
۴۲	واقف نے تولیت کے لئے کسی کو متعین کردیا تو اس کے خلاف کرنا	۹۵
۴۳	بلاوجہ متولی کو ہٹانا	۹۶

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

۴۴	مسجد کے بارے میں سرکاری کاغذات کا اعتبار کیا جائے یا محلے کے پرانے لوگوں کا؟	۹۸

۴۵	بانی کی طرف مسجد کی نسبت کرنا	۹۹
۴۶	مسجدوں کوشہید کرتے وقت مسلمانوں کی ذمہ داری........................	۱۰۱
۴۷	ایک مسجد کے متعلق اختلاف کہ وہ سنیوں کی ہے یا شیعوں کی	۱۰۲
۴۸	گیلری داخلِ مسجد ہے یا خارج مسجد؟........................	۱۰۳
۴۹	مکان، مسجد شرعی کب بنتا ہے؟........................	۱۰۴
۵۰	عارضی مسجد کا حکم	۱۰۶
۵۱	عارضی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد اور اس میں اعتکاف کا حکم	۱۰۷
۵۲	مسجد کے لئے دی ہوئی زمین پر مسجد بنانا	۱۰۸
۵۳	نماز کے لئے بنائے گئے چبوترے کو شرعی مسجد بنانا	۱۰۹
۵۴	مسجد کے نیچے دکانیں	۱۰۹
۵۵	نئی مسجد اور پرانی مسجد میں نماز........................	۱۱۱
۵۶	غیر موقوفہ زمین سے مسجد ہٹا کر وہاں بیٹھک بنانا........................	۱۱۲
۵۷	حکومت کی دی ہوئی زمین پر مسجد کی تعمیر کرنا	۱۱۴
۵۸	کسی کی زمین پر ناحق قبضہ کرکے مسجد تعمیر کرنا	۱۱۵
۵۹	غیر مسلم کا حرم میں داخلہ کیوں ممنوع ہے؟........................	۱۱۶

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميرها

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

۶۰	دومنزلہ مسجد بنانا	۱۱۸
۶۱	مسجد کی تعمیر کنکریٹ کے ذریعہ کرنا........................	۱۱۸

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجدِ ضرار کا بیان)

۶۲	مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم	۱۱۹

۶۳	ایک مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ بنانا کیا مسجدِ ضرار کے حکم میں ہوگا؟	۱۲۱
۶۴	ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری بڑی مسجد بنانا	۱۲۳

الفصل الثالث في المحراب والمنبر والمنارة

(محراب، منبر اور مینارہ کا بیان)

۶۵	مسجد کا منبر بنوانا	۱۲۴
۶۶	کیا مسجد کا مسجد ہونا مینار پر موقوف ہے؟	۱۲۵
۶۷	مینارۂ مسجد کا شرعی حکم	۱۲۵
۶۸	عمدہ مینار ہوتے ہوئے نئے مینار بنانا	۱۲۶
۶۹	مسجد کے منارہ کو کئی رنگوں سے رنگنا	۱۲۶
۷۰	کیا مینار دعا کرتے رہتے ہیں؟	۱۲۷
۷۱	کسی مسجد کا گنبد روضہ اقدس کے گنبد کی طرح بنانا	۱۲۷
۷۲	پیشاب خانے اور بیت الخلاء کے اوپر مسجد کا گنبد بنانا	۱۲۸

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

۷۳	پرانی مسجد کی بے کار چیزوں کا حکم	۱۳۰
۷۴	پرانی مسجد کے بچے ہوئے سامان کا حکم	۱۳۰
۷۵	مسجد کے پرانے ٹائیلوں کا حکم	۱۳۱
۷۶	مسجد کی اراضی فروخت کر کے اس سے شیئرز خریدنا	۱۳۳
۷۷	انقاضِ مسجد کا حکم	۱۳۳
۷۸	فقیروں کی دی ہوئی مسجد کی بیع وغیرہ کرنا	۱۳۴
۷۹	کیا بلا وقف مسجد کو دی گئی جائیداد فروخت ہو سکتی ہے؟	۱۳۶

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

٨٠	پرانی مسجد کو گرا کرنئی مضبوط مسجد تعمیر کرنا	١٣٨
٨١	تعمیر جدید کے وقت اگر مسجد کا کچھ حصہ دیوار میں آجائے	١٣٩
٨٢	مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت مسجد کا کچھ حصہ تعمیر میں شامل کرنا	١٤٠

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

٨٣	مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع	١٤٣
٨٤	چاروں طرف سے مسجد کی توسیع کرنا	١٤٤
٨٥	امام باڑہ سے مسجد کی توسیع کا حکم	١٤٥
٨٦	مسجد کے قریب کی جگہ کو مسجد کے لئے لینا	١٤٦

الفصل السابع في التصرف والتعمير في المسجد

(مسجد میں تصرف وتعمیر کرنے کا بیان)

٨٧	مسجد کے پرنالہ کو بند کرنے کا حکم	١٤٨
٨٨	مسجد پر قبضہ کرنا	١٥٠
٨٩	مسجد پر متولی کا دعویٰ ملکیت	١٥٣
٩٠	مسجد کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرنا	١٥٤
٩١	مسجد میں کنواں بنانا	١٥٥
٩٢	مسجد کی جگہ میں دکان بنانا اور ایک دکان سے دوسری دکان میں اقتدا کرنا	١٥٦
٩٣	مسجد میں مکان یا حجرہ بنانا مسجد کی دیوار پر کڑی یا گاٹر رکھنا	١٥٨
٩٤	مسجد میں میت کو دفن کرنا	١٥٩

۹۵	مسجد کی زمین میں تعمیر کرلی تو وہ کس کی ہے؟	۱۶۰
۹۶	مسجد میں مکان کا دروازہ کھولنا	۱۶۲
۹۷	مسجد کے کچھ حصے میں متولی کی قبر بنانا	۱۶۳
۹۸	مسجد تعمیر کرنے والوں میں اختلاف ہو، تو کیا کیا جائے؟	۱۶۵

الفصل الثامن في انتقال المسجد و أمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنا)

۹۹	ایک مسجد کی زائد اینٹیں خرید کر دوسری مسجد میں لگانا	۱۶۷
۱۰۰	ایک مسجد کا لوٹا، صف وغیرہ واپسی کے وعدہ پر دوسری مسجد کے لئے لینا	۱۶۷
۱۰۱	مساجد کے لوٹے وغیرہ عیدگاہ میں لے جانا	۱۶۸
۱۰۲	مسجد کے قرآن کا حکم	۱۷۰
۱۰۳	مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد میں بطور ہدیہ دینا	۱۷۱

الفصل التاسع في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنا)

۱۰۴	مسجد میں تعلیمِ صبیان	۱۷۳
۱۰۵	مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا	۱۷۵
۱۰۶	مسجد سے متصل خالی جگہ پر مدرسہ قائم کرنا	۱۷۶
۱۰۷	پرانی مسجد کو مدرسہ بنالینا	۱۷۹
۱۰۸	مسجد کی زمین میں مدرسہ کی تعمیر کرنا	۱۸۰
۱۰۹	مسجد میں غیر دینی تعلیم دینا	۱۸۲

الفصل العاشر في إجارة متاع المسجد

(مسجد کے سامان کو کرایہ پر دینا)

۱۱۰	مسجد کی دکانوں کی چھت پر کرایہ کے لئے مکانات تعمیر کرنا	۱۸۳

۱۱۱	مسجد کی دکان کرایہ پر ہے، کرایہ کا اضافہ نہ کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟	۱۸۴
۱۱۲	مسجد اور مدرسہ کی دکان ومکان کے کرایہ کا مصرف	۱۸۶
۱۱۳	زمینداره اوقاف ختم ہونے کی صورت میں اس کا معاوضہ مسجد میں خرچ کرنا	۱۸۷

الفصل الحادي عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیا کو استعمال کرنے کا بیان)

۱۱۴	اوقافِ مساجد کے مصارف	۱۸۸
۱۱۵	مسجد کا سامان ذاتی مصرف میں لانا	۱۸۹
۱۱۶	مسجد کا فرش یا روپیہ اپنے کام میں لانا	۱۹۰
۱۱۷	مسجد کے بیت الخلا کا استعمال کرنا	۱۹۱
۱۱۸	مسجد سے متعلق جگہ پر کھانا پکانا	۱۹۳
۱۱۹	پرانی مسجد کا سامان اپنی بلڈنگ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟	۱۹۳

الفصل الثاني عشر في صرف مال المسجد إلى غيره

(مسجد کے پیسے دوسری جگہ استعمال کرنا)

۱۲۰	ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا	۱۹۵
۱۲۱	ایک مسجد کے لئے چندہ کرکے دوسری میں خرچ کرنا	۱۹۶
۱۲۲	مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی رقم دینی مدرسہ میں خرچ کرنا	۱۹۸
۱۲۳	مسجد کے زائد چندہ کو مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنے کا حکم	۱۹۸

الفصل الثالث عشر في صرف المال الحرام في المسجد

(مسجد میں حرام مال صَرف کرنا)

۱۲۴	چوری کا سیمنٹ مسجد میں استعمال کرنا	۲۰۰
۱۲۵	ناجائز شرط سے لیا ہوا پیسہ مسجد میں لگانا	۲۰۱

۱۲۶	بلیک سے خریدے ہوئے سیمنٹ کا مسجد میں استعمال کرنا	۲۰۳
۱۲۷	شراب کا روپیہ مسجد میں لگ جائے تو کیا کیا جائے؟	۲۰۴

الفصل الرابع عشر في صرف مال الكافر في المسجد

(مسجد میں کافر کے مال کو صَرف کرنا)

۱۲۸	غیر مسلم کا مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینا	۲۰۵
۱۲۹	غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگانا	۲۰۷
۱۳۰	شیعہ اور پھرائیوں اور غیر مسلم کا روپیہ مسجد میں لگانا	۲۰۸
۱۳۱	غیر مسلم کا مسجد کے لئے نذر ماننا اور پھر اس میں نماز پڑھنا	۲۰۹
۱۳۲	غیر مسلم کا مسجد تعمیر کرنا	۲۱۰

الفصل الخامس عشر في جمع التبرعات للمسجد بطريق الاكتتاب

(مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کا بیان)

۱۳۳	مسجد کے لئے ایک مٹھی چاول ہر روز چندہ کرنا	۲۱۲
۱۳۴	چندہ بکس کی آمدنی مسجد کی تعمیر میں لگانا	۲۱۳
۱۳۵	بھیک کا پیسہ مسجد میں صَرف کرنا	۲۱۳
۱۳۶	چندہ دینے والے نے جس کام کے لئے روپیہ دیا ہے اس کو کسی دوسرے کام میں صَرف کرنا	۲۱۴
۱۳۷	مورتی، پوجا میں کام آنے والی اشیا کی کمائی سے چندہ لینا	۲۱۵

الفصل السادس عشر في بناء المسجد في ملك الغير

(غیر کی زمین پر مسجد تعمیر کرنا)

۱۳۸	بلا اجازت وارث زمین پر مسجد بنانا	۲۱۷
۱۳۹	جتنی زمین خریدی، اس سے زائد پر مکان بنالیا	۲۱۹

باب آداب المسجد

(آدابِ مسجد کا بیان)

الفصل الأول فيما يستحب في المسجد ومايكره

(مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان)

۱۴۰ مسجد میں پرندوں کے گھونسلے کا حکم ۲۲۲

۱۴۱ مسجد کے دروازے پر لغویات کی مجلس کرنا ۲۲۳

۱۴۲ مسجد میں سیاسی واقتصادی باتیں کرنا ۲۲۴

۱۴۳ مصلی کے قریب باتیں کرنا ۲۲۵

۱۴۴ عورتوں کا طاق بھرنے کے لئے مسجد میں جانا ۲۲۶

۱۴۵ تصویردار اخبار مسجد میں پڑھنا ۲۲۷

۱۴۶ تعمیر کے وقت جوتے پہن کر مسجد میں جانا ۲۲۸

۱۴۷ گوبر سے دیوار لیپ کر وہاں نماز پڑھنا ۲۲۹

۱۴۸ مسجد میں لوٹا رکھ کر اس میں تھوکنا ۲۲۹

الفصل الثاني في دخول الجنب والحائض في المسجد

(مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخل ہونے کا بیان)

۱۴۹ مسجد کے حجرہ سے بحالتِ جنابت مسجد سے گزرنا ۲۳۱

الفصل الثالث في إدخال الأشياء المنتنة في المسجد

(مسجد میں بدبودار چیزوں کے داخل کرنے کا بیان)

۱۵۰ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا ۲۳۳

۱۵۱ مسجد کی تپائی میں بدبودار رنگ کا استعمال کرنا ۲۳۴

الفصل الرابع في زخرفة المساجد والكتابة عليها

(مسجد کے نقش ونگار اور اس پر لکھنے کا بیان)

۱۵۲ مسجد کی زیبائش کے لئے روپیہ خرچ کرنا ۲۳۶

۱۵۳ تعمیر مسجد کی تاریخ کندہ کرا کے مسجد میں لگانا ۲۳۶

۱۵۴ مسجد میں ناپاک کپڑوں کو دھونا ۲۳۷

الفصل الخامس في الحفلات للوعظ والأناشيد في المسجد

(مسجد میں وعظ ونظم کی محفلوں کا بیان)

۱۵۵ مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا ۲۳۸

۱۵۶ مسجد میں سیاسی جلسہ وغیرہ کرنا ۲۳۹

باب المتفرقات

۱۵۷ مسجد کے قریب جگہ کو راستہ بنانا ۲۴۱

۱۵۸ برے کی مشین بدل دی تو کیا اب بھی اول بر مالگانے والوں کو ثواب ملے گا؟ ۲۴۱

۱۵۹ متعلقین مسجد کو انعام دینا ۲۴۳

۱۶۰ کیا اپنی مسجد کو راستہ کی مسجد پر فوقیت ہے ۲۴۴

۱۶۱ مسجد کے درخت پر قلعی پھیرنا اور ایک دوسرے کو سخت الفاظ بولنا ۲۴۵

باب المصلّٰی

(عیدگاہ کا بیان)

۱۶۲ عذر کی وجہ سے عیدگاہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا ۲۴۶

۱۶۳ عیدگاہ کے روپے سے ہسپتال بنانا ۲۴۷

۱۶۴ شاہراہ کی توسیع کے لئے عیدگاہ کی دیواریں توڑنا ۲۴۸

۱۶۵ واقف کے مرنے کے بعد تحدید وقف میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ نیز عیدگاہ میں جانوروں کی ☆
غلاظت کا حکم ۲۵۰

باب في أحكام المقابر

(قبرستان کے احکام کا بیان)

۱۶۶ قبرستان میں مدرسہ بنانا ۲۵۲
۱۶۷ قبرستان کی زمین میں مدرسہ ۲۵۳
۱۶۸ قدیم قبرستان میں مدرسہ اور دکانیں بنانا ۲۵۵
۱۶۹ پرانے قبرستان میں دینی مدرسہ قائم کرنا ۲۵۶
۱۷۰ قبرستان میں دکانیں بنانا ۲۵۸
۱۷۱ پرانے قبرستان میں دکانیں بنوانا ۲۵۹
۱۷۲ قبرستان میں مکان بناکر رہنا اور نماز پڑھنا ۲۶۰
۱۷۳ قبرستان کی حفاظت کرنے والوں کے لئے وہاں کی لکڑی استعمال کرنا ۲۶۱
۱۷۴ قبرستان میں میت لے جانے کے لئے راستہ بنانا ۲۶۳
۱۷۵ پرانی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا ۲۶۴
۱۷۶ قبرستان کی لکڑی کا مصرف ۲۶۶
۱۷۷ غیر موقوفہ قبرستان میں موجود اخروٹ کے درختوں کا حکم ۲۶۷
۱۷۸ قبرستان میں کاشت کرنے اور حاصل ہونے والے غلہ کا مصرف ۲۶۸
۱۷۹ قبرستان کی زمین کا تبادلہ ۲۷۰
۱۸۰ کنواں کھودتے ہوئے کھوپڑی نکل آنے کا حکم ۲۷۰
۱۸۱ درگاہ سے متعلق زمین سے مجاور کا نفع اٹھانا ۲۷۱
۱۸۲ قبرستان میں قربانی کرنا ۲۷۳

باب مایتعلق بالمدارس

(مدارس کا بیان)

۱۸۳ کیا مدارس بیت المال ہیں؟ ۲۷۵

۱۸۴ دینی مکاتب کی مخالفت کرنا ۲۷۶
۱۸۵ دینی مدرسہ میں سرکاری امداد کے اثرات ۲۷۷

الفصل الأول في مصارف المدرسة واستبدالها

(مدرسہ کے مصارف اوراس کو بدلنے کا بیان)

۱۸۶ مدرسہ کا سامان مسجد کی چھت میں استعمال کرنا ۲۸۰
۱۸۷ مدرسہ کی ملک میں بلااجازت تصرف کا کفارہ ۲۸۱

الفصل الثاني في بيع وقف المدرسة والتصرف فيه

(مدرسہ کا فروخت کرنا اوراس میں تصرف کرنے کا بیان)

۱۸۸ دینی مدرسہ کو اسکول بنانا ۲۸۲
۱۸۹ غاصبانہ قبضہ کر کے اسلامیہ اسکول بنانے کا حکم ۲۸۴
۱۹۰ وقف زمین پر اسکول تعمیر کرنا ۲۸۵

الفصل الثالث في وظائف المدرسين

(مدرسین کی تنخواہوں کا بیان)

۱۹۱ چھٹی کے ایام کی تنخواہ کا قانون ۲۸۷
۱۹۲ کام کرنے سے معذور ہونے کی صورت میں پرانے ملازم کو تنخواہ دینا ۲۸۹
۱۹۳ عربی مدرسہ کے مدرس کو پنشن دینا ۲۹۰
۱۹۴ رخصت اور تعطیل کلاں سے متعلق ۲۹۱
۱۹۵ وقف سے تنخواہ ۲۹۳

الفصل الرابع في المبعوثين والتبرعات

(مدارس کے سُفراء اور چندہ کے احکام)

۱۹۶ مدرسہ کے نام پر چندہ کرنا اور مدرسہ میں نہ دینا ۲۹۵

باب المتفرقات

۱۹۷ مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے والے طالب علم کے سامان کا حکم ۲۹۷
۱۹۸ شرارت پر بچوں کو کتنی سزا دی جائے؟ ۲۹۸
۱۹۹ طلباء کا بازاروں میں پھرنا ۲۹۹

کتاب الشرکة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

۲۰۰ والد کے تحریر کردہ حکم نامہ کے مطابق تجارت کرنا نیز معاہدہ کا حکم ۳۰۰
۲۰۱ دو بھائیوں کا دکان میں شرکت کرکے ایک کا دوسرے کے حصے پر قابض ہوجانا ۳۰۳
۲۰۲ پریس میں شرکت اور اس کی علیحدگی اور نفع کی تقسیم ۳۰۵
۲۰۳ باہمی معاہدہ کے مطابق مدات کی تقسیم نہ کرنا ۳۰۶
۲۰۴ بغیر پیسے دیئے کمپنی میں شرکت کرنا ۳۰۸
۲۰۵ مشترکہ روپیہ سے تجارت اور نفع سے حج کرنا ۳۰۹
۲۰۶ شرکاء کا ایک شریک کو پانچ سال کے لئے دکان ٹھیکہ پر دینا ۳۱۰
۲۰۷ بینک کی ایک اسکیم برائے پنشن کا حکم ۳۱۱
۲۰۸ مشترکہ زمین کی آمدنی سے تعمیر شدہ مکان کا حکم ۳۱۲
۲۰۹ سوسائٹی میں رقم جمع کرنے کا حکم ۳۱۳
۲۱۰ شرکت عنان کی ایک صورت کا حکم ۳۱۴
۲۱۱ مال مشترک میں سے ایک شریک کا قرض لینا ۳۱۵
۲۱۲ مشترکہ جائیداد سے حج کی ادائیگی کے لئے معاہدہ کرنا ۳۱۶
۲۱۳ مضاربت میں نقصان کس پر ہے؟ ۳۱۷

کتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کابیان)

۲۱۴	بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا	۳۲۰
۲۱۵	بینک کی ملازمت درست ہے یانہیں؟	۳۲۱
۲۱۶	ملازمت میں کون سی چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟	۳۲۳
۲۱۷	ملازم کے سرکاری حقوق	۳۲۵
۲۱۸	کاروبار کی ترقی کے لئے ملازم کا حصہ	۳۲۵
۲۱۹	کیاسال بھر کی تنخواہ یکمشت لینادرست ہے؟	۳۲۷
۲۲۰	زراعت کی اجرت پیشگی لے لینا	۳۲۸
۲۲۱	غیر مسلم سے گھر کا کام کم قیمت پر کرانا	۳۲۹
۲۲۲	غیر مسلم معالج سے پیٹ کا آپریشن کرانا	۳۳۰
۲۲۳	سرکاری اسکول میں ملازمت کرنا	۳۳۱
۲۲۴	بیوی یا بیٹی کی تنخواہ سے انتفاع کا حکم	۳۳۲
۲۲۵	مشترک مکان کی مرمت کے خرچہ کو کرایہ میں محسوب کرنا	۳۳۳
۲۲۶	زمین کو اجارہ پر دینا	۳۳۴
۲۲۷	اس شرط پر دکان کرایہ پر دینا کہ جب چاہیں خالی کرالیں	۳۳۵
۲۲۸	حکومت کا کسی شخص کو کرایہ کے مکان کا کرایہ دار بنانا	۳۳۷
۲۲۹	ملازم کی غیر حاضری پر تنخواہ وضع کرنا	۳۳۷
۲۳۰	لگان پر زمین دینا	۳۳۸
۲۳۱	کیا فوج کی ملازمت درست ہے؟	۳۳۹

۲۳۲	مختار عام کا معاوضہ اگر طے نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۴۰
۲۳۳	ملازم کے لئے پنشن کا حکم	۳۴۲
۲۳۴	کرایہ داری کو منتقل کرنا	۳۴۳
۲۳۵	کرایہ کے مکان میں کرایہ دار کو توسیع وتعمیر کا حق نہیں	۳۴۴
۲۳۶	بس میں سامان کا کرایہ	۳۴۶
۲۳۷	مکان کو جزء تنخواہ تجویز کرنا	۳۴۷
۲۳۸	کرایہ کے مکان کا ایندھن کس کا ہے؟	۳۴۸
۲۳۹	قصاب کا پیشہ	۳۴۹
۲۴۰	انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس لکھنے کی ملازمت	۳۵۰
۲۴۱	ڈاکٹری اور مدرسی کی کمائی کا حکم	۳۵۱
۲۴۲	ملازمت سے الگ ہونے کے بعد استحقاقِ تنخواہ نہیں	۳۵۱

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

۲۴۳	پگڑی	۳۵۳
۲۴۴	پگڑی میں مالک کا حصہ	۳۵۳
۲۴۵	اگر مالک مکان نہ لینا چاہے تو کس کو یہ رقم لوٹائے	۳۵۴
۲۴۶	کرایہ دار کا پگڑی دے کر شرائط طے کرنا	۳۵۶
۲۴۷	زمین کرایہ پر لے کر دوسرے کو اس سے زائد کرایہ پر دینا	۳۵۷
۲۴۸	پیداوار میں سے مخصوص مقدار کی شرط پر زمین کاشت کے لئے دینا	۳۵۸
۲۴۹	وکیل کا خرید میں نفع لینا	۳۵۹
۲۵۰	کھجور کا رس نکالنے کی اجرت	۳۶۰
۲۵۱	ڈرائیور کا کسی کی رعایت کرنا	۳۶۱

۲۵۲	رکشہ کا کرایہ مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۶۳
۲۵۳	مکان کرایہ پر دیتے ہوئے شرط فاسد لگانا	۳۶۴
۲۵۴	شکمی کرایہ دار	۳۶۵
۲۵۵	قرض لے کر مکان کرایہ پر دینا	۳۶۶
۲۵۶	قبرستان کے تاڑ غیر مسلم کو سالانہ ٹھیکہ پر دینے کا حکم	۳۶۷
۲۵۷	خادمہ کی اجرت میں کھانا کپڑا مقرر کرنا	۳۶۹
۲۵۸	بکری، گائے وغیرہ کے گابھن کرانے کی اجرت	۳۷۱
۲۵۹	آب پاشی کی اجرت پیداوار سے دینا	۳۷۱
۲۶۰	مزدور کی مزدوری آئندہ کام پر آنے کی شرط پر دینا	۳۷۲
۲۶۱	کھجور کے درخت سے شیرہ نکالنے اور آپس میں تقسیم کرنے پر معاملہ کرنا	۳۷۴
۲۶۲	شریکِ تجارت کا اجرت کار ہنا	۳۷۴
۲۶۳	مزدور کے ذریعہ جنگلات کی لکڑیاں کٹوا کر لانا	۳۷۵
۲۶۴	کرایہ پر لی ہوئی دکان آگے کرایہ پر دینا	۳۷۶
۲۶۵	مچھلی نکلوانے کی اجرت میں مچھلی ہی تجویز کرنا	۳۷۹
۲۶۶	مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا	۳۸۰

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

۲۶۷	بائع اور مشتری، دونوں کی طرف سے دلالی کرنا	۳۸۱
۲۶۸	ریٹ اور کمیشن میں ایک رقم کی تفصیل اور استحقاق	۳۸۲
۲۶۹	آڑھت دار کی کٹوتی	۳۸۴
۲۷۰	حق المحنت کی ایک صورت کا حکم	۳۸۵
۲۷۱	دلال کے ذریعے کپڑا بیچنا	۳۸۶

۲۷۲ نیلام کی ایک صورت کا حکم ۳۸۷

باب في فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

۲۷۳ کرایہ دار کا مکان کو خالی نہ کرنا ۳۹۰

باب الاستئجار على الطاعات

الفصل الأول في الاستئجار على التلاوة وإهداء ثوابها للميت

(تلاوت اور ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۴ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور معاوضہ بصورتِ دعوت ۳۹۱

الفصل الثاني في الاستئجار على الإمامة والأذان

(امامت اور اذان کی اجرت لینے کا بیان)

۲۷۵ امامت کی تنخواہ ۳۹۳
۲۷۶ امامت کی تنخواہ اور تراویح میں سنانے کی چند صورتوں کا حکم ۳۹۴

الفصل الثالث في الاستئجار على ختم التراويح

(ختمِ تراویح پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۷ شبینہ پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم ۳۹۷
۲۷۸ تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اور اس کو فروخت کرنا ۳۹۸

الفصل الرابع في الاستئجار على الوعظ

(وعظ وخطابت پر اجرت لینے کا بیان)

۲۷۹ تقریر کرانے پر اجرت ۴۰۰

الفصل الخامس في الاستئجار على التعويذ

(تعویذ پر اجرت لینے کا بیان)

۲۸۰	وعظ وتعویذ پر معاوضہ لینا	۴۰۱
۲۸۱	تعویذ پر اجرت	۴۰۲

باب الاستئجار على المعاصي

(ناجائز کاموں پر اجرت لینے کا بیان)

۲۸۲	جاندار کی تصاویر کو فریم کرنے کی اجرت	۴۰۳
۲۸۳	سینما کی آمدنی	۴۰۴
۲۸۴	چنگی کی ملازمت کا حکم	۴۰۵
۲۸۵	اپنی زمین فرم کو کرایہ پر دینا	۴۰۸
۲۸۶	فاحشہ کو زمین کرایہ پر دینا	۴۰۹
۲۸۷	کیا نائی کی مزدوری حرام ہے؟	۴۱۰
۲۸۸	نائی کی اجرت	۴۱۱

كتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

۲۸۹	مزارعت یا مساقات کا معاملہ	۴۱۳
۲۹۰	مقدار غلہ طے کرکے زمین کاشت کے لئے دینا	۴۱۴

كتاب الغصب

(غصب کا بیان)

۲۹۱	دوسرے کی زمین کو غصب کرنا	۴۱۶

۲۹۲	حکومت سے دوسرے کے نام سے زمین الاٹ کرائی، اس کا مالک کون؟	۴۱۷
۲۹۳	دوسرے کی زمین میں پودے لگانا	۴۱۹
۲۹۴	دوسرے کی زمین اپنے نام کرالینا اور وعدہ خلافی کرنا	۴۲۰
۲۹۵	دوسرے کی زمین پر قبضہ کرکے اپنی زمین ظاہر کرنا	۴۲۳

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

۲۹۶	نابالغ بچوں کا خرید وفروخت کرنا	۴۲۶
۲۹۷	نابالغ سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا	۴۲۷
۲۹۸	کچھوے کی بیع	۴۲۷
۲۹۹	لومڑی مینڈک وغیرہ کی بیع	۴۲۸
۳۰۰	زمین کی بیع ہونے کے بعد رجسٹری نہ ہونے کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حکم	۴۳۰
۳۰۱	کسی چیز کو قسطوں پر خریدنے کا حکم	۴۳۱
۳۰۲	مبیع کی قیمت بڑھا کر قسطوں پر بیچنا	۴۳۲
۳۰۳	گورنمنٹ سے نیلام پر زمین خریدنا	۴۳۳
۳۰۴	قیمت میں پیسے کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی دینے کا مطالبہ کرنا	۴۳۵
۳۰۵	تالاب کے پانی کی بیع	۴۳۵
۳۰۶	تالاب سے مچھلی پکڑ کر فروخت کرنا	۴۳۶
۳۰۷	درخت کی بیع اور اس سے اگنے والی شاخوں کا حکم	۴۳۷
۳۰۸	سود سے بچنے کے لئے اصل قیمت سے زائد پر بیچنا	۴۳۹
۳۰۹	بیع پختہ ہوجانے کے بعد بائع کا شرط لگانا	۴۴۰

۳۱۰	نادار ضرورت مند سے زیادہ نفع لینا	۴۴۱
۳۱۱	مردار کی کھال پر نمک لگا کر بیچنا	۴۴۲
۳۱۲	گیلی کھال کی خرید وفروخت	۴۴۳
۳۱۳	مچھلی تالاب سے نکال کر ملاح کے ہاتھ فروخت کرنا	۴۴۳
۳۱۴	بادلی ملاح کے ہاتھ مچھلی فروخت کرنا	۴۴۴
۳۱۵	اگربتی مزار پر جلانے کے لئے خریدنا	۴۴۶
۳۱۶	گنے یا آلو کا کھڑا کھیت فروخت کرنا	۴۴۶
۳۱۷	تانبے پیتل وغیرہ کی ادھار بیع کرنا	۴۴۷
۳۱۸	قانونی تحفظ کے لئے زمین کا دوسرے کے نام کاغذی اندراج کرانا	۴۴۸
۳۱۹	دوسرے کے نام زمین وجائیداد خریدنا	۴۴۹
۳۲۰	لفافہ کے ساتھ چینی تول کر دینا	۴۵۱
۳۲۱	دوسال بعد خیارِ عیب کا حکم	۴۵۱
۳۲۲	غبارے بیچنا	۴۵۲
۳۲۳	کسب کی تفصیل	۴۵۳

باب البيع الباطل والفاسد والمكروه

الفصل الأول في البيع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

۳۲۴	خنزیر وغیرہ کی تجارت مسلم کے حق میں	۴۵۵
۳۲۵	غیر کی زمین کو فروخت کرنا	۴۵۵
۳۲۶	ریلوے سے چوری کی ہوئی اشیاء کا فروخت کرنا	۵۵۷
۳۲۷	ایک کھیت کا دو الگ آدمیوں سے خریدنا	۵۵۸
۳۲۸	حرہ کو باندی بنالینا	۵۵۹

۳۲۹	پتے کی بیع وشراء	۴۶۰

الفصل الثاني في البيع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

۳۳۰	پھل کی بیع یا ٹھیکہ	۴۶۱
۳۳۱	باغ کو دو مرتبہ بیچنا	۴۶۳
۳۳۲	ایک چیز کو دو مرتبہ بیچنا	۴۶۵
۳۳۳	وظیفہ پنشن کی بیع	۴۶۷
۳۳۴	بیع فاسد کو صحیح کرنے کی صورت	۴۶۸
۳۳۵	آب پاشی، پانی کی بیع کی ایک صورت	۴۶۹
۳۳۶	جزوی حصہ دار کا پوری زمین کا بیع نامہ نہ لینا	۴۷۰
۳۳۷	بیع نامہ لکھوانا کیسا ہے؟	۴۷۳
۳۳۸	خریدار کو انعام دینے کی نیت سے کوپن دینا	۴۷۴
۳۳۹	ذبح کرنے سے پہلے جانور کا گوشت فروخت کرنا	۴۷۵
۳۴۰	ورثاء میں سے ایک کا شادی کے لالچ میں مشترکہ زمین دینا	۴۷۶

الفصل الثالث في البيع المكروه

(بیع مکروہ کا بیان)

۳۴۱	ٹیکس سے بچنے کے لئے حکومت کو اطلاع دیئے بغیر کچھ خریدنا	۴۷۸
۳۴۲	گورنمنٹ سے راشن لے کر نفع کے ساتھ فروخت کرنا	۴۷۹
۳۴۳	کنٹرول کے نرخ سے کمی زیادتی پر بیع کرنا	۴۸۰
۳۴۴	کنٹرول کا مال زیادہ قیمت پر فروخت کرنا اور نفع کمانا	۴۸۱
۳۴۵	جاسوسی فلمی کتابوں کی تجارت	۴۸۳
۳۴۶	دودھ میں پانی ملا کر بیچنا	۴۸۴

۳۴۷	دودھ میں پانی ملاکر فروخت کرنا	۴۸۴
۳۴۸	دودھ میں پانی ملاکر چائے بنانا اور بیچنا	۴۸۶
۳۴۹	حکومتی پابندی کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال تجارت منتقل کرنا	۴۸۶
۳۵۰	اسمگلنگ شدہ کپڑا فروخت کرنا	۴۸۸
۳۵۱	بینڈ باجوں میں استعمال ہونے والے چمڑے کی بیع	۴۸۸
۳۵۲	کسی چیز کو کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم	۴۸۹
۳۵۳	۱۰۰ روپے کی چیز ۱۲۵ روپے میں فروخت کر کے ۲۵ روپے اپنے پاس رکھنا	۴۹۰
۳۵۴	تجارت میں نفع کتنا لینا چاہیے؟	۴۹۱
۳۵۵	ہرے بھرے درخت کٹوا کر لکڑی کی تجارت کرنا	۴۹۲
۳۵۶	آتش بازی کی تجارت کرنا	۴۹۳

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

۳۵۷	نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق	۴۹۴
۳۵۸	کم قیمت میں خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کرنا	۴۹۵
۳۵۹	ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا	۴۹۷
۳۶۰	ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا	۴۹۹

فصل في سُلفة الثمن في البيع

(بیعانہ کا بیان)

۳۶۱	بیعانہ کی واپسی	۵۰۱
۳۶۲	بیع نامہ مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ ضبط کرنا	۵۰۲

باب المتفرقات

۳۶۳ زمین کی بیع کے بعد پیمائش میں کمی نکلنا ۵۰۴
۳۶۴ خرید کردہ تجوری میں سے کچھ روپیہ ملا، وہ کس کی ملک ہے؟ ۵۰۵

باب بيع الحقوق المجردة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

۳۶۵ کتاب کی حقِ طباعت کا حکم ۵۰۷

باب مايتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

۳۶۶ شیئر (حصہ) خریدنا ۵۱۰
۳۶۷ کمپنی کے حصص خریدنا ۵۱۱
۳۶۸ نیلام میں آپس میں قیمت ایک میعاد پر طے کرلینا ۵۱۲

فصل في بيع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

۳۶۹ رقم پہلے دے کر سامان آہستہ آہستہ خریدنا ۵۱۵

فصل في بيع الفضولي

(بیع فضولی کا بیان)

۳۷۰ بیعِ فضولی کی ایک صورت کا حکم ۵۱۷

باب الإقالة

(اقالہ کا بیان)

۳۷۱ مبیع کی واپسی پر قیمت کم کرنا ۵۱۹

باب المرابحة والسلم

الفصل الأول في المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

۳۷۲	کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا	۵۲۱
۳۷۳	پوسٹ کارڈ وغیرہ زیادہ قیمت لے کر بیچنا	۵۲۲
۳۷۴	کپڑا خرید کر زائد قیمت پر فروخت کرنا	۵۲۳
۳۷۵	ایک روپیہ پر کتنا نفع لینا درست ہے؟	۵۲۴

الفصل الثاني في السلم

(بیع سلم کا بیان)

۳۷۶	کسان کا ساہوکار سے رقم لے کر کپاس پیشگی فروخت کرنا	۵۲۶
۳۷۷	پیشگی دھان خریدنے کے بعد مقررہ وقت پر دھان نہ ہو تو کیا کیا جائے؟	۵۲۷
۳۷۸	قرض دے کر پیشگی مکئی خریدنا	۵۲۸

فصل في الاحتكار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

۳۷۹	تجارت میں ذخیرہ اندوزی کرنا	۵۳۱
۳۸۰	ذخیرہ اندوزی	۵۳۲

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

۳۸۱	کمی زیادتی کے ساتھ سونے چاندی اور نوٹ کی بیع	۵۳۳

۳۸۲	نوٹ کی ادھار بیع	۵۳۶
۳۸۳	ایک نوٹ کی بیع دونوٹ کے بدلے	۵۳۷
۳۸۴	دس تولہ چاندی دے کر زیور خریدنا	۵۳۸
۳۸۵	روپیہ دے کر سونا خریدنا	۵۳۹
۳۸۶	ادھار سونا و چاندی کی خرید وفروخت	۵۳۹

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

۳۸۷	بیع بالوفاء کا حکم	۵۴۱
۳۸۸	کیا بیع الوفاء حقیقۃً رہن ہے؟	۵۴۳
۳۸۹	بیع الوفاء	۵۴۵
۳۹۰	بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم	۵۴۶
۳۹۱	واپسی کی شرط پر بیع کرنا	۵۴۶

باب الربوا

(سود کا بیان)

۳۹۲	سودی قرض کی آمدنی کا حکم	۵۵۲
۳۹۳	سودی قرض سے بنائے ہوئے کپڑے استعمال کرنا	۵۵۳
۳۹۴	سوسائٹی میں پیسہ جمع کرنا	۵۵۴
۳۹۵	حلال کمائی سے حاصل شدہ زمین میں سودی رقم سے دکان بنوانا	۵۵۵
۳۹۶	شبہ ربا سے احتراز	۵۵۶

فصل في مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

۳۹۷	سود کا روپیہ آگیا، اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟	۵۵۸

۳۹۸ مجبوری کی حالت میں سودی قرض لےکر مکان تعمیر کرنا ۵۶۰

فصل في مايتعلق بالتأمين على الحياة

(بیمۂ زندگی کا بیان)

۳۹۹ زندگی کا بیمہ ۵۶۴

۴۰۰ بیمہ کے ذریعہ ملنے والی رقم کی وصیت ۵۶۴

☆......☆......☆

فہرست عنوانات......جلد بیست وچہارم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	باب القرض	
	(قرض کا بیان)	
۱	قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا	۳۲
۲	قرضہ کی واپسی کے لئے اقساط مقرر کرنا	۳۴
۳	حج کے لئے پراویڈنٹ فنڈ سے قرضہ لینا	۳۵
۴	ادائے قرض کے لئے میعاد مقرر کرنا	۳۶
۵	قرض کو بیوی کے رخصت نہ کرنے کی وجہ سے روکنا	۳۷
۶	قرض خواہ کا مقروض کو رسوا کرنا	۳۹
	باب القمار	
	(جوئے کا بیان)	
۷	بلاتعین قیمت قسطوں پر سامان بیچنا	۴۱

۸	جانبین سے شرط لگانے کا حکم	۴۲

کتاب الدعویٰ والتحکیم

باب الدعویٰ

(دعویٰ کا بیان)

۹	خرچۂ مقدمہ کس کے ذمہ ہے؟........	۴۳
۱۰	قاضی کو ایک فریق پر اختیار حاصل نہ ہونا	۴۵
۱۱	کیا مقدمہ کے خلاف اپیل کے لئے تین ماہ کی تحدید ہے؟........	۴۶
۱۲	دار القضاء کا قیام، ایک قاضی کے ہوتے ہوئے دوسرے کا تقرر کرنا	۴۷
۱۳	ثبوت دین کے لئے مدعیٰ علیہ سے حلف لینا	۵۲

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

۱۴	تحکیم کا طریقہ........	۵۴

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

۱۵	چھوٹی بچی کو زمین ہبہ کر کے اس کا قبضہ نہ دینا	۵۷
۱۶	مشترک مکان کو تقسیم کے بغیر ہبہ کرنا	۵۹
۱۷	اپنی جائیداد نواسے کے نام کرنا	۶۰
۱۸	وارثوں کو ہبہ کرنا	۶۲

١٩ زندگی میں اولاد کو جائیداد ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم ٦٤
٢٠ مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ ٦٧
٢١ ہبہ میں واپسی کی شرط ٦٨
٢٢ عمریٰ ٧١

كتاب الضمان والوديعة

باب في الضمان

(ضمان کا بیان)

٢٣ ہوٹل کے برتن اپنے کمرہ سے گم ہونے پر ضمان کا حکم ٧٤
٢٤ بیمار لڑکی کی شادی کی، مرگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟ ٧٥
٢٥ چمڑے کے وزن کے دوران کان اور دم وغیرہ کو تولنے کا حکم ٧٥
٢٦ نابالغ نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے تاوان کا حکم ٧٦
٢٧ سامان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر بے احتیاطی کرنا ٧٧
٢٨ دھوبی نے کپڑا گم کردیا ٧٨

باب في الوديعة

(امانت کا بیان)

٢٩ بچوں کی امانت خود ان پر صَرف کرنا ٨٠
٣٠ بالغ ہونے پر بچوں کی امانت، ان کی شادی میں خرچ کرنا ٨٠
٣١ لاوارث غیر مسلم کی امانت کا حکم ٨١
٣٢ شئی مستعار کا عوض ادا کرچکنے کے بعد وہ ملی تو کیا حکم ہے؟ ٨٣
٣٣ عیدگاہ کا روپیہ کاروبار میں لگانا ٨٤

کتاب الرهن

(رہن کا بیان)

۳۴ صاف لفظوں میں امانت کہنا اور معاملہ گروی کا کرنا ۸۶
۳۵ زمین رہن رکھ کر معاوضہ وصول کرنا ۸۹
۳۶ شی مرہون سے نفع اٹھانا ۹۰
۳۷ رہن پر نفع ۹۱
۳۸ ناریل رہن رکھ کر اس کی آمدنی کھانا ۹۲
۳۹ فک رہن کی تاریخ مقرر کرنا اور اس میں توسیع کرنا ۹۳

کتاب الصيد والذبائح

باب الصيد

(شکار کرنے کا بیان)

۴۰ بندوق سے کئے ہوئے شکار کا حکم ۹۵
۴۱ مچھلی گڑھے میں ڈالی جائے، تو اس کا مالک کون ہے؟ ۹۷
۴۲ مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب خریدنا ۹۸
۴۳ کانٹے میں مچھلی پکڑنا ۹۹
۴۴ معلّم کتے کا شکار کھانا ۱۰۰

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لا يصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

۴۵ بے وضو انڈرویئر پہن کر ذبح کرنا ۱۰۲

۴۶	نشہ باز قصاب کا ذبیحہ	۱۰۲
۴۷	دیوبندیوں کو خارج از اسلام کہنے والے کا ذبیحہ وقربانی	۱۰۳
۴۸	مجہول الاسلام کا ذبیحہ	۱۰۴
۴۹	اہلِ کتاب کا ذبیحہ	۱۰۵
۵۰	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	۱۰۵
۵۱	ذبیحہ یہود	۱۱۱

الفصل الثاني في سنن الذبح وآدابه ومكروهاته

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

۵۲	بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا	۱۱۲
۵۳	ذبح فوق العقدہ کا حکم	۱۱۲
۵۴	گائے کو ذبح کرنے سے پہلے کھال چیرنا	۱۱۴
۵۵	کیا ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے؟	۱۱۶

الفصل الثالث في مايصح ذبحه ومالايصح

(ذبح صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

۵۶	دیوار کے نیچے دب کر مرنے والی بکری کا ذبح کرنا	۱۱۷

الفصل الرابع في مايصح أكله من اللحوم ومالا يصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

۵۷	چوری شدہ بھیڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا	۱۱۸
۵۸	بذریعہ انجکشن پیدا ہونے والے جانور کو کھانے کا حکم	۱۲۰
۵۹	امریکن گائے کا حکم	۱۲۱

كتاب الأضحية

باب من يجب عليه الأضحية ومن لايجب

(قربانی کے وجوب وعدمِ وجوب کا بیان)

۶۰	قرآن وحدیث سے قربانی کا ثبوت	۱۲۲
۶۱	کتنے نوٹ پر قربانی واجب ہے؟	۱۲۶
۶۲	ملازم کی تنخواہ پر قربانی کا وجوب	۱۲۶
۶۳	قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہو اور مقدار نصاب کم ہو، تو کیا کیا جائے؟	۱۲۷
۶۴	دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا	۱۳۰
۶۵	کسی کے کہنے سے اپنا جانور اس کی طرف سے مفت قربان کرنا	۱۳۱
۶۶	کیا حرام مال ملک میں ہو تب بھی قربانی واجب ہوگی؟	۱۳۲

باب فيما يجوز من الأضحية ومالايجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز اور ناجائز جانور کا بیان)

۶۷	بکری، ہرن کے جوڑ سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی کرنا	۱۳۳
۶۸	دیوانہ جانور کی قربانی	۱۳۴
۶۹	کیا انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے؟	۱۳۵

باب مايكون عيبا في الأضحية ومالايكون

(قربانی میں عیب کا بیان)

۷۰	جس بکرے کے دانت گھس گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم	۱۳۷

باب الشركة في الأضحية

(قربانی میں شرکت کا بیان)

۷۱	ایک گائے کی قربانی میں ساتواں حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھنا	۱۳۸

باب في قسمة اللحم ومصرفه وبيعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

۷۲	قربانی کا گوشت ہندو کو دینا	۱۴۰

باب في مصرف جلد الأضحية

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

۷۳	چرمِ قربانی کی قیمت کنواں بنوانے میں استعمال کرنا	۱۴۱

باب المتفرقات

۷۴	جس چھری سے قربانی کی جائے، کیا اس میں تین سوراخ کا ہونا ضروری ہے؟	۱۴۳
۷۵	خطرۂ جان کے وقت قربانی نہ کرنا	۱۴۳
۷۶	خنزیر کے بال سے برش بنانے والے کارخانہ میں ملازم کی تنخواہ سے قربانی کا حکم	۱۴۴
۷۷	قربانی کے جانور سے اتاری ہوئی اون کا حکم	۱۴۵

كتاب العقيقة

(عقیقہ کا بیان)

۷۸	عقیقہ کا دن	۱۴۶

۷۹	شادی میں عقیقہ کرنا	۱۴۷
۸۰	عقیقے میں گائے بھینس کو ذبح کرنا	۱۴۸
۸۱	عقیقہ میں لڑکے کا ایک حصہ رکھنا	۱۴۹
۸۲	کیا ماں باپ عقیقہ کا کھانا کھاسکتے ہیں؟	۱۵۰
۸۳	ایضاً	۱۵۱

كتاب الحظر والإباحة

باب الأكل والشرب

الفصل الأول في الأكل مع الكفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

۸۴	غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا	۱۵۴

الفصل الثاني في سنن الأكل وآدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

۸۵	انڈا توڑتے ہوئے کیا پڑھے؟	۱۵۶
۸۶	کچی پیاز کھانے میں ملاکر کھانا	۱۵۶
۸۷	عقیقہ کا کھانا چماروں کے ہاتھوں سے کھلوانا	۱۵۷
۸۸	کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا چاہیے	۱۵۹
۸۹	ننگے سر کھانا اور کھانا کھانے کی حالت میں سلام کرنا	۱۶۰
۹۰	بازار جانا اور دکان پر بضرورت بیٹھنا، چلتے پھرتے کھانے کا حکم	۱۶۲

باب الضيافات والهدايا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

٩١	دعوت میں کھانا اجازت سے شروع کیا جائے	١٦٣
٩٢	کام سیکھنے کے لئے دوست احباب کے اصرار پر مٹھائی کھلانا	١٦٣
٩٣	گانے، باجہ والی تقریب سے کھانا گھر پر منگوا کر کھانا	١٦٥
٩٤	باجہ والی شادی میں کھانا کھانا	١٦٦
٩٥	جہاں عزت کا خطرہ ہو وہاں کھانے کے لئے جانا	١٦٧
٩٦	قرض کی ادائیگی نہ کرنے والے کی دعوت میں شرکت کا حکم	١٦٨
٩٧	دوسرے کی افطاری قبول کرنے سے پرہیز کرنا	١٧٠
٩٨	دعوت عامہ میں طعام کی تقسیم وتفریق	١٧١
٩٩	سودخور عالم کی دعوت کرے اور یہ کہہ دے کہ ''یہ کھانا حرام کا ہے'' تو کیا حکم ہے؟	١٧٢

الفصل الثاني في الهدايا

(ہدیہ دینے کا بیان)

١٠٠	طلبہ کا ہدیہ استاد کے لئے	١٧٣
١٠١	حرام کمائی سے دیئے گئے ہدایا وغیرہ کا حکم	١٧٣

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

١٠٢	فونٹن پین کی روشنائی	١٧٩

۱۰۳	کوکا کولا اور شراب ملی ہوئی دوا کا حکم	۱۸۰
۱۰۴	پوست کا ڈوڈا پینا	۱۸۰
۱۰۵	کھجور اور تاڑ کا عرق پینے کا حکم	۱۸۱

الفصل الثاني في الطيب

(خوشبو کا بیان)

۱۰۶	سینٹ کا استعمال	۱۸۲

الفصل الثالث في المأكولات وغيرها

(کھانے کی اشیاء وغیرہ کا بیان)

۱۰۷	کتے کا جھوٹا گھی استعمال کرنا	۱۸۳
۱۰۸	اسکول میں بچوں کے لئے جو دودھ ملتا ہے، اس کا پینا	۱۸۴
۱۰۹	بریڈ روٹی کا استعمال	۱۸۴
۱۱۰	ڈبے کا گوشت	۱۸۵
۱۱۱	ڈبوں میں بند گوشت کا حکم	۱۸۵

باب الانتفاع بالحيوانات

الفصل الأول في الطيور

(پرندوں کا بیان)

۱۱۲	طوطا حلال ہے؟	۱۸۷

الفصل الثاني في المواشي

(مویشیوں کا بیان)

۱۱۳	خرگوش کی حلت	۱۸۸

۱۱۴ شیر کی زخمی کی ہوئی بکری کو ذبح کرکے کھانا ۱۸۸

۱۱۵ امریکن گائے کا استعمال ۱۸۹

۱۱۶ ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑنا ۱۹۰

الفصل الثالث في الحيوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اوران کے اجزاء کا بیان)

۱۱۷ خنزیر کا گوشت کھانے والے کا حکم ۱۹۱

۱۱۸ صابن میں مردار جانور کی چربی ۱۹۴

۱۱۹ خنزیر کی چربی صابن میں ملانا ۱۹۵

باب التداوي والمعالجة

الفصل الأول في مايتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانع حمل کا بیان)

۱۲۰ نسبندی کا آپریشن ۱۹۷

۱۲۱ فیملی پلاننگ یا نسل کشی ۱۹۸

۱۲۲ خاندانی منصوبہ بندی ۲۰۳

۱۲۳ محکمۂ نسبندی میں ملازمت ۲۰۴

۱۲۴ آپریشن سے جنس تبدیل کرنے کا حکم ۲۰۶

۱۲۵ حاملہ کا پیٹ چاک کرکے بچہ نکالنا ۲۰۸

الفصل الثاني في التداوي بالمحرم وغيره

(حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

۱۲۶ ’’بول فیل‘‘ برائے علاج ۲۰۹

۱۲۷	خراطین وخاکستہ دوائی کا استعمال	۲۱۰
۱۲۸	ڈاکٹری دوائی میں شراب کی آمیزش	۲۱۱
۱۲۹	خنزیر کی چربی والا تیل دوا کے طور پر استعمال کرنا	۲۱۱

باب المال الحرام ومصرفه

(مالِ حرام اور اس کے مصرف کا بیان)

۱۳۰	مشتبہ مال سے بچنا	۲۱۳
۱۳۱	مشتبہ مال سے بنے مکان میں رہائش	۲۱۴
۱۳۲	چوری کا مال خریدنا	۲۱۴
۱۳۳	جو کپڑا درزی بچالے اس کا حکم	۲۱۵
۱۳۴	شراب کی کمائی کا مصرف	۲۱۶
۱۳۵	آتش بازی کا سامان رکھنے والے کے لئے بکس بنانے کی کمائی کا حکم	۲۱۸

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

۱۳۶	رشوت اور شراب کی رقم کا حکم	۲۲۰
۱۳۷	سیمنٹ کی تجارت اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا	۲۲۱
۱۳۸	سرکاری ہسپتال سے رشوت دے کر دوائیاں لینا	۲۲۳
۱۳۹	محصول کم کرنے کے لئے رشوت کا مشورہ دینا	۲۲۴
۱۴۰	کیا داخلہ فیس رشوت میں داخل ہے؟	۲۲۵
۱۴۱	رشوت دے کر حاصل کی گئی ملازمت کا حکم	۲۲۶

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول في الكذب والنميمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

١٤٢ کسی پر جھوٹا الزام لگانا ٢٢٧

١٤٣ مسجد میں فاسق کی تعریف کرنا ٢٢٨

١٤٤ بیع میں دھوکہ دینا ٢٢٩

١٤٥ بڑے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر فروخت کرنا ٢٣٠

١٤٦ چنگی کو بچالینا ٢٣١

١٤٧ اچھے علاج کے حصول کے لئے حیلہ کرنا ٢٣٢

١٤٨ ٹیکس سے بچنے کے لئے دو حساب رکھنا ٢٣٣

الفصل الثاني في الغيبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

١٤٩ غیبت کی چند صورتوں کا حکم ٢٣٥

١٥٠ جب کوئی عالم خلاف سنت میں مبتلا ہو، تو کیا کیا جائے؟ ٢٣٧

١٥١ کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کے عیب کو ظاہر کرنا ٢٣٨

الفصل الثالث في نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

١٥٢ زمین دوسرے کو دینے کا وعدہ کر کے انکار کرنا ٢٣٩

الفصل الرابع في ترك الموالات

(قطعِ تعلق کا بیان)

١٥٣ جو شخص غلط فتویٰ دے اس سے تعلق رکھنا ٢٤١

۱۵۴	غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کرنا	۲۴۲
۱۵۵	چھوٹی بڑی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کرنا	۲۴۳
۱۵۶	مسلمان کا بائیکاٹ کرنا	۲۴۴
۱۵۷	کبائر میں مبتلا رشتہ داروں کے ساتھ تعلق	۲۴۴
۱۵۸	اہلِ محلہ کا کسی مسلمان کی تجہیز وتکفین سے بائیکاٹ کرنا	۲۴۵

الفصل الخامس في إيذاء المسلم

(مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)

۱۵۹	اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا	۲۴۷
۱۶۰	کسی مستند عالم کو برا کہنا	۲۴۸
۱۶۱	مسلمان یتیموں کو پریشان کرنا	۲۴۸
۱۶۲	اپنی نالی سے دوسرے کو اذیت دینا	۲۴۹
	مدرسہ کے مدرس کو نوکر کہنا	۲۵۰

باب المعاصي والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

۱۶۳	کسی کا راستہ اور پانی بند کرنا	۲۵۱
۱۶۴	گالی کے بدلے گالی	۲۵۱
۱۶۵	نکاح کی عملی صورت سمجھانے پر ایک استاذ کا دوسرے کو گالی دینا	۲۵۲
۱۶۶	فتنہ وفساد پیدا کرنے والے کا حکم	۲۵۳
۱۶۷	زنا حق العبد ہے یا حق اللہ؟	۲۵۳
۱۶۸	گالی دینے والے کی نماز روزہ کا حکم	۲۵۴
۱۶۹	شراب وجوا	۲۵۵
۱۷۰	خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم	۲۵۶

۱۷۱	خدااوررسول کے حکم کے خلاف حکم کرنے کاکسی کوحق نہیں	۲۵۷
۱۷۲	خدااوررسول کے خلاف کہنے کاکسی کوحق نہیں	۲۵۷
۱۷۳	زبردستی زنا	۲۵۸
۱۷۴	قوم میں تفرقہ ڈلوانا	۲۵۹
۱۷۵	ایک امیر کے حالات	۲۶۰
۱۷۶	زنابالجبرکومنع نہ کرنے کی صورت میں کون لوگ گنہ گار ہیں؟	۲۶۲
۱۷۷	ظالم سے انتقام	۲۶۳
۱۷۸	گالی کی معافی اورازخودقوم کاسردار بننا	۲۶۴
۱۷۹	سخت گناہوں کی وجہ سے کافرکہنا	۲۶۵
۱۸۰	کسی بزرگ سے سوءظن	۲۶۶
۱۸۱	خنزیرکھالیاتوکیاحکم ہے؟	۲۶۷
۱۸۲	یتیموں کے مال میں بے جاتصرف کرنے والے کی سزا	۲۶۸
۱۸۳	یتیموں کامال غصب کرنے والے کاحکم	۲۶۸
۱۸۴	یتیموں کامال مسجداورمدرسہ میں دینا	۲۶۹
۱۸۵	یتیموں کامال ناحق کھانا	۲۷۰
۱۸۶	زناکےمعاف کرانے کاطریقہ	۲۷۰
۱۸۷	توبہ کی تعریف	۲۷۱
۱۸۸	حرمت کے حکم سے پہلے صحابہ مکلف نہیں تھے	۲۷۲
۱۸۹	اپنےفعل کی تہمت خداپرلگانا	۲۷۳
۱۹۰	مسلمانوں کوسورکاگوشت دھوکہ سے بیچنا	۲۷۳

باب أحكام الزوجين

(میاں بیوی کے حقوق کابیان)

۱۹۱	شوہرکی اجازت کے بغیرماں کے گھرجانا	۲۷۵

۱۹۲	شوہر کو بھیا کہنا	۲۷۶
۱۹۳	خواب کی وجہ سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدظن ہونا	۲۷۷
۱۹۴	بیوی کا شوہر کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی اجرت کا مطالبہ کرنا	۲۷۸
۱۹۵	گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت کرنا	۲۷۹
۱۹۶	عورت کی بدتمیزی وبدکلامی پر شوہر کے مارنے کا حکم	۲۸۱
۱۹۷	بیوی کے زیور کی زکوۃ کس کے ذمہ ہے؟	۲۸۳
۱۹۸	بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ کرنا	۲۸۴
۱۹۹	بیوی کے لئے الگ مکان	۲۸۵
۲۰۰	بیوی کے ساتھ زیادتی کی مکافات	۲۸۶
۲۰۱	عورت کا شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنا	۲۸۷

فصل في الجماع ومتعلقاته

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

۲۰۲	وطی میں بیوی کا حق شوہر پر	۲۸۹
۲۰۳	ہمبستری کے وقت کی دعا	۲۹۰
۲۰۴	یہ دعا کرنا کہ ''یا اللہ! صالح اولاد دے یا اس سے محروم رکھ''	۲۹۱
۲۰۵	بیوی سے ہمبستری کا طریقہ	۲۹۱
۲۰۶	بیوی کو برہنہ کرکے اس کا پستان منہ میں لے کر سونا	۲۹۲
۲۰۷	حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے کس حصہ کو دیکھنا درست ہے؟	۲۹۲
۲۰۸	حالتِ حیض میں بیوی کے عضوِ مخصوص کو دیکھنا اور چھونا	۲۹۴
۲۰۹	کیا لونڈیوں کے ساتھ صحبت بلا نکاح درست ہے؟	۲۹۵

باب حقوق الوالدين وغيرها

(والدین کے حقوق کا بیان)

۲۱۰	والدین کے حقوق	۲۹۷

۲۱۱	کیا والدین کا درجہ استاذ اور پیر سے زیادہ ہے؟	۳۰۰
۲۱۲	والد کی نافرمانی	۳۰۱
۲۱۳	صاحبِ حق کی طرف حق پہنچانے کی صورت نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟	۳۰۱
۲۱۴	والد کی غلط رائے قابلِ عمل نہیں	۳۰۲
۲۱۵	باپ کو دھکا اور گالیاں دینا	۳۰۴
۲۱۶	بیٹے کو بیٹا نہ ماننے والے باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟	۳۰۶
۲۱۷	والد کے گناہ پر ان کی اصلاح کا طریقہ	۳۰۷
۲۱۸	والد پر خرچ کی ہوئی رقم کو ترکہ میں محسوب کرنا	۳۰۸
۲۱۹	جیسا خود کھائے ویسا باپ کو کھلائے	۳۰۹
۲۲۰	بچپن کی چوری کا گناہ کس پر ہے؟	۳۱۰
۲۲۱	بچپن کے بد نیک کام کا عذاب وثواب	۳۱۰
۲۲۲	بچہ کوئی چیز بازار سے خرید لایا اس میں سے ماں باپ وغیرہ کو کھانا	۳۱۱
۲۲۳	نابالغ بچوں سے تربیت کے لئے خدمت لینا	۳۱۲
۲۲۴	چوری حق اللہ ہے یا حق العبد؟	۳۱۳
۲۲۵	استاذ کا شاگرد کو معاف نہ کرنا	۳۱۳
۲۲۶	اپنے افلاس کی وجہ سے زمین ایک بیٹے کے نام کرنا	۳۱۴
۲۲۷	حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہی	۳۱۶
۲۲۸	حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا	۳۱۷
۲۲۹	حقہ پینا اور قرض لے کر دوسروں کی خدمت کرنا	۳۱۸
۲۳۰	یتیموں کی مدد کرنا	۳۱۹
۲۳۱	کیا یتیم کو اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے؟	۳۲۰
۲۳۲	ایک لڑکی کو دینا دوسری کو نہ دینا	۳۲۰
۲۳۳	چور ڈاکو پڑوسی پر احسان کرنا	۳۲۲

باب السلام والقيام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اوراس کے جواب کا بیان)

۲۳۴ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت سلام ۳۲۳

۲۳۵ استنجا خشک کرتے ہوئے سلام وکلام ۳۲۴

۲۳۶ نامحرم کوسلام کرنا ۳۲۶

۲۳۷ چھینک پر الحمدللہ رب العالمین کہنا ۳۲۶

الفصل الثاني في المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

۲۳۸ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ۳۲۸

الفصل الثالث في القيام والتقبيل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

۲۳۹ پیر کی قدم بوسی کرنا ۳۳۰

۲۴۰ جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا ۳۳۱

باب الترضي والترحم

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

۲۴۱ حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ علیہما الصلوٰۃ والسلام کہنا ۳۳۲

۲۴۲ غیر مسلم کا درود شریف پڑھنا ۳۳۳

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

۲۴۳	نامحرم عورتوں کی جگہ پر جانا	۳۴۴
۲۴۴	پرانی وضع کا برقعہ	۳۳۵
۲۴۵	فیشنی مروجہ برقعہ	۳۳۵
۲۴۶	دو بھائیوں کا ایک مکان میں رہنا	۳۳۶

فصل في مايتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

۲۴۷	مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے عورتوں کا مردوں کے لئے	۳۳۸
۲۴۸	ریڈیو پر عورت کی اناؤنسری	۳۳۹

الفصل الثاني فيمن يجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

۲۴۹	دیور سے پردہ	۳۴۱
۲۵۰	پھوپھی زاد خالہ زاد وغیرہ سے پردہ	۳۴۳
۲۵۱	خالہ زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ سے پردہ	۳۴۴
۲۵۲	سوتیلی والدہ کے ساتھ سفر کرنا	۳۴۵

الفصل الثالث في الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی، میل جول اور مس کا بیان)

۲۵۳	چوڑیاں پہنانے کا پیشہ	۳۴۷

الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشائها

(اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

۲۵۴	برہنہ ورزش کرنا	۳۴۹
۲۵۵	دورانِ کاشت یا مچھلی کا شکار کرتے وقت اگر ستر کھل جائے، تو کیا کرے؟	۳۵۰

باب اللباس

الفصل الأول في القميص والسروال والإزار

(قمیص اور شلوار کا بیان)

۲۵۶	لباس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرزِ عمل	۳۵۱
۲۵۷	کیا نصف ساق تک کرتا پہننا ثابت ہے؟	۳۵۳

الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

۲۵۸	پرانے غیر ملکی کپڑوں کے استعمال کا حکم	۳۵۵
۲۵۹	کیا ٹائی عیسائیوں کا شعار ہے؟	۳۵۶

الفصل الثالث في العمامة والقلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

۲۶۰	ٹوپی کس طرح ہو؟	۳۵۸
۲۶۱	رام پوری کیپ کا استعمال	۳۵۹
۲۶۲	لمبی ٹوپی کا ثبوت	۳۵۹

الفصل الرابع في لباس النساء

(عورتوں کے لباس کا بیان)

۲۶۳	جارجٹ کا استعمال	۳۶۲

۲۶۴	عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا	۳۶۲
۲۶۵	ساڑھی کا استعمال	۳۶۳
۲۶۶	ساڑھی پہن کرنماز پڑھنا	۳۶۴
۲۶۷	عورت مرد کے لئے چھینٹ کا کپڑا استعمال کرنا	۳۶۵
۲۶۸	عورت کے لئے سیاہ لباس	۳۶۶

الفصل الخامس في الثياب المحرمة وغيرها

(ناجائز لباس کا بیان)

۲۶۹	ریشم ملی ہوئی ٹرالین کا استعمال کرنا	۳۶۷
۲۷۰	مرد کے لئے کس رنگ کا کپڑا منع ہے؟	۳۶۷

الفصل السادس في أشياء الزينة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

۲۷۱	پھولوں کے ہار اور گجرے کا استعمال	۳۶۹

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول في الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

۲۷۲	انگوٹھی یا گھڑی کس ہاتھ میں پہنے	۳۷۱

الفصل الثاني فيما يتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

۲۷۳	گھڑی کی چین	۳۷۲
۲۷۴	سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا	۳۷۳

الفصل الثالث في الحلية للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

۲۷۵ شادی کے موقعہ پر مخصوص ہار پہننا ۳۷۵

۲۷۶ شادی میں دولہن کو پوت کا ہار پہنانا ۳۷۷

۲۷۷ عورتوں کا بالوں میں کلپ لگانا ۳۷۷

۲۷۸ لڑکیوں کے ناک کان چھیدنا ۳۷۸

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

۲۷۹ محمد ہرمز نام رکھنا ۳۷۹

۲۸۰ غلامِ اولیاء نام رکھنا ۳۸۰

۲۸۱ تارہ نام تبدیل کرنا ۳۸۰

۲۸۲ قصابوں کا اپنے آپ کو قریش کہنا ۳۸۱

۲۸۳ اپنے سے زیادہ عمر والے کو چچا ماموں وغیرہ کہنا ۳۸۲

باب خصال الفطرة

الفصل الأول في اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

۲۸۴ داڑھی کٹانے اور منڈانے میں فرق ۳۸۳

۲۸۵ حلقوم کے بالوں کا حکم ۳۸۴

۲۸۶ مونچھیں مونڈنا ۳۸۵

۲۸۷ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا ناف تک تھی؟ .. ۳۸۶

۲۸۸	موئے زیرِ ناف بالوں کو صاف کرنا اور ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھانا، اس میں کیا حکم ہے؟....	۳۸۷
۲۸۹	ذبیحہ حلال، جھٹکا حرام کیوں ہے؟	۳۸۷
۲۹۰	حقیقی بہن اور خالہ زاد پھوپھی زاد بہن میں کیا فرق ہے؟	۳۸۸

الفصل الثاني في الشعر

(بالوں کا بیان)

۲۹۱	صرف آگے کے بال کٹانا........	۳۹۱
۲۹۲	مانگ کہاں نکالے	۳۹۱
۲۹۳	ختنہ کے لئے ڈاکٹر کا مسلم ہونا شرط نہیں........	۳۹۲
۲۹۴	منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا	۳۹۲
۲۹۵	بال صفا صابن کا استعمال	۳۹۳

الفصل الثالث في تقليم الأظفار

(ناخن کاٹنے کا بیان)

۲۹۶	مغرب کے بعد ناخن کاٹنے کا حکم........	۳۹۵

الفصل الرابع في الختان

(ختنہ کا بیان)

۲۹۷	عورتوں کا ختنہ	۳۹۶
۲۹۸	لڑکی کا ختنہ	۳۹۶
۲۹۹	نومسلم کا ختنہ	۳۹۷

باب الصورة والملاهي

الفصل الأول في الصورة

(تصویر کا بیان)

۳۰۰	دینی کلینڈر میں آیات لکھنا اور فوٹو لگانا........	۳۹۹

۳۰۱	چہرہ کی تصویر کا حکم	۴۰۰
۳۰۲	یادگار کے لئے کسی کا فوٹو مکان میں لگانا	۴۰۲
۳۰۳	مکان میں خانہ کعبہ کی تصویر لگانا	۴۰۲
۳۰۴	مدینہ کا فوٹو اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا	۴۰۳
۳۰۵	غیر مسلم کی دکان ظاہر کرنے کے لئے تصویر لگانا	۴۰۴
۳۰۶	تجارت کے لئے کپڑے پر فوٹو بنانا	۴۰۵
۳۰۷	پلاسٹک کی گڑیاں اور تصویریں بیچنا	۴۰۶
۳۰۸	قانونی مجبوری کی بناء پر تصویر کھنچوانا	۴۰۸
۳۰۹	تصاویر کا فروخت کرنا	۴۰۹
۳۱۰	تصاویر کی تجارت کرنا	۴۱۰
۳۱۱	تصویر پر پھول چڑھانا	۴۱۱
۳۱۲	برتنوں پر جاندار کی تصویر بنانے کی اجرت	۴۱۱
۳۱۳	تجارتی کتابوں پر فوٹو کا حکم	۴۱۲
۳۱۴	تصویر والے اخبارات ورسائل کا بیچنا	۴۱۳

الفصل الثاني في الملهي والتلفزيون

(سینما اور ٹی وی کا بیان)

۳۱۵	کیا اخلاقی فلمیں اچھا شہری بناتی ہیں؟	۴۱۵
۳۱۶	نعت کو ساز پر سننا	۴۱۶

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

۳۱۷	تاش کا حکم	۴۱۷
۳۱۸	شطرنج کی ممانعت پر دلیل	۴۱۸

باب الموالات مع الكفار والفسقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

۳۱۹	غیر مسلم بیمار کی خدمت اور اس کے لئے دعائے صحت	۴۲۰
۳۲۰	مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا حکم	۴۲۰
۳۲۱	غیر مسلم کے مکان پر قیام اور اپنی حاملہ بیوی سے ہمبستری کرنا	۴۲۱
۳۲۲	بھنگی کو کپڑا دینا	۴۲۳

الفصل الأول في الشركة في أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

۳۲۳	کفار کے جنازہ و مذہبی جلوس میں شرکت کرنا	۴۲۴
۳۲۴	وندے ماترم اور ترانہ	۴۲۵
۳۲۵	وندے ماترم	۴۲۷
۳۲۶	چمار چودس میں سامان خریدنے جانا	۴۲۷

الفصل الثالث في إعانة الكفار بالمال

(مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

۳۲۷	رام لیلا میں شرکت اور چندہ	۴۲۹
۳۲۸	مندر کے لئے چندہ دینا	۴۳۰

باب مايتعلق بالجنّات

(جنّات کا بیان)

۳۲۹	مؤکل اور جن کو تابع کرنا	۴۳۱

۳۳۰	کسی پر آئے ہوئے جن اور پری کے ذریعہ علاج کرانا	۴۳۲
۳۳۱	کیا جنات کو سردی کا عذاب ہوگا؟	۴۳۴

باب مایتعلق بالسحر والعوذة

الفصل الأول في السحر

(سحر کا بیان)

۳۳۲	سحر کا حکم	۴۳۵
۳۳۳	کیا سحر ابھی باقی ہے؟	۴۳۵

الفصل الثاني في العوذة

(تعویذ کا بیان)

۳۳۴	تعویذ دے کر یا پانی دم کر کے اجرت لینا	۴۳۸
۳۳۵	اسمائے کفار سے تعویذات میں مدد لینا	۴۳۹

الفصل الثالث في العمليات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

۳۳۶	عامل بننے کا طریقہ	۴۴۱
۳۳۷	نقوش میں یا جبرئیل لکھنا	۴۴۳
۳۳۸	شی مسروق کے لئے عمل کرنا	۴۴۴
۳۳۹	ستاروں کی چال برائے علاج	۴۴۵
۳۴۰	سانپ وغیرہ کے کاٹنے پر زہر کا اثر اتارنے کا عمل	۴۴۵
۳۴۱	سانپ کے کاٹے کا منتر	۴۴۶
۳۴۲	نیم کے گرد چکر لگا کر سانپ کے کاٹے کا علاج	۴۴۷

۳۴۳	عمل حاضرات اور اس سے علاج کا حکم	۴۴۷
۳۴۴	ہمزاد تابع کرنا دستِ غیب اور کیمیا وغیرہ	۴۵۰
۳۴۵	پنڈت سے چور کا پتہ معلوم کرنا	۴۵۲
۳۴۶	دستِ غیب	۴۵۳
۳۴۷	ہمزاد تابع کرنا، دست غیب اور کیمیا	۴۵۳

باب الأشتات

۳۴۸	قومیت کی وجہ سے افضل وغیر افضل ہونا	۴۵۵
۳۴۹	ایک نیکی کا ثواب کتنا ہے؟	۴۵۷
۳۵۰	کیا چودہویں صدی پر دنیا ختم ہو جائے گی؟	۴۵۷
۳۵۱	کسی عضو کے چوتھائی کا حکم	۴۵۹
۳۵۲	اس امت میں مسخ کیوں نہیں؟	۴۵۹
۳۵۳	کچھ دھوپ، کچھ سایہ میں بیٹھنا	۴۶۰
۳۵۴	درخت کے ملے جلے سایہ میں بیٹھنا	۴۶۰
۳۵۵	کیا جس دن عید ہو، اس دن محرم ہے؟	۴۶۱
۳۵۶	ایک گھنٹہ کا انصاف کتنی سال کی عبادت سے بہتر ہے؟	۴۶۲
۳۵۷	دانۂ گندم کی تشبیہ	۴۶۳
۳۵۸	دانت والے بچہ کی پیدائش	۴۶۳
۳۵۹	جنون کی قسمیں اور اس کے تصرفات	۴۶۴
۳۶۰	نجد	۴۶۶
۳۶۱	بادل اور رعد کس کا نام ہے؟	۴۶۶
۳۶۲	مجنوں کس قبیلہ سے تھا، کیا لیلیٰ مجنوں کی شادی ہوگی؟	۴۶۷
۳۶۳	ایک رفاہی سوسائٹی کی شرائط	۴۶۸

۳۶۴	رات میں جھاڑو دینا، منہ سے چراغ گل کرنا، دوسرے کا کنگھا استعمال کرنا..........	۴۷۱
۳۶۵	آبِ زمزم گرم کرکے پینا..........	۴۷۲
۳۶۶	کیا احکامِ شرع میں امیر وغریب کا فرق ہے؟..........	۴۷۳
۳۶۷	مغرب کی اذان کے وقت پانی پینا..........	۴۷۴
۳۶۸	حرام روزی یا حرام لقمہ کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی..........	۴۷۴
۳۶۹	چیتل کی کھال کا مصلی..........	۴۷۶

كتاب الفرائض

الفصل الأول في التركة وتصرف الميت فيها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

۳۷۰	زندگی میں میراث تقسیم کرنا..........	۴۷۷
۳۷۱	زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنے کا حکم..........	۴۷۸
۳۷۲	زندگی میں جائیداد تقسیم کرتے وقت بیٹی کو محروم کرنا..........	۴۷۸
۳۷۳	بعض اولاد کو کم اور بعض اولاد کو زیادہ دینے کا حکم..........	۴۷۹
۳۷۴	ماں کا مرض وفات میں بیٹی کو چوڑیاں دینا..........	۴۸۴
۳۷۵	مالِ یتیم میں تجارت کرنا..........	۴۸۶
۳۷۶	یتیم بچوں کی رقم محفوظ رہے یا ان پر خرچ ہو؟..........	۴۸۷
۳۷۷	بیوہ کا تمام ترکۂ زوج پر قبضہ کرنے کا حکم..........	۴۸۸
۳۷۸	خدمت گار لڑکی کو اپنی پوری جائیداد دے کر دوسروں کو محروم کرنا..........	۴۹۱

الفصل الثاني في مايتعلق بدين الميت وأمانته

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

۳۷۹	قرض کی ادائیگی اور تقسیمِ میراث کی ایک صورت کا حکم..........	۴۹۳

۳۸۰	امین کی وفات کے بعد اس کے ورثہ سے امانت کا مطالبہ کرنا	۴۹۵

الفصل الثالث في وصية الميت وإقراره

(میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

۳۸۱	وصیت کی اقسام	۴۹۷
۳۸۲	وارث کے حق میں وصیت کا حکم	۴۹۸
۳۸۳	تحریراً کسی کو وصی بنانے کا حکم	۴۹۸
۳۸۴	وصیت کے بعد رجوع کرنا	۵۰۰
۳۸۵	وصی کا ضرورت سے زائد خرچ کرنا	۵۰۰
۳۸۶	کیا وصی، نابالغ وارث کو مدرسہ میں داخل کردے یا اس کے مال سے کفالت کرے؟	۵۰۱
۳۸۷	داماد کا وصی بننے سے انکار کرنا	۵۰۲
۳۸۸	وصیت کی ایک صورت کا حکم	۵۰۴
۳۸۹	غیر کے مال میں وصیت کا حکم	۵۰۸
۳۹۰	بینک میں جمع شدہ روپیہ کا بیوی کے نام وصیت کرنا	۵۱۱
۳۹۱	کیا وصی مالِ یتیم کو استعمال کرسکتا ہے؟	۵۱۲
۳۹۲	کیا مورث کے وعدہ کی تکمیل ورثہ کے ذمہ ضروری ہے؟	۵۱۲

الفصل الرابع في ذوي الفروض

(ذوی الفروض کا بیان)

۳۹۳	تقسیم جائیداد وترکہ کی ایک صورت کا حکم	۵۱۵
۳۹۴	ماں اور بیوی میں تقسیم میراث	۵۱۹
۳۹۵	تین بہنوں اور ایک بیوی میں تقسیم میراث	۵۲۰
۳۹۶	تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم میراث	۵۲۲
۳۹۷	اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا حصہ	۵۲۳

۳۹۸	بیوی کا حصہ	۵۲۴
۳۹۹	تین بھائیوں، ایک بہن اور بیوی کے درمیان تقسیمِ میراث	۵۲۶
۴۰۰	مناسخہ کی ایک صورت کا حکم	۵۲۹
۴۰۱	میراث میں لڑکیوں کا حصہ	۵۳۲
۴۰۲	تقسیم ترکہ وقرض کی ایک صورت کا حکم	۵۳۳
۴۰۳	تقسیم ترکہ کی ایک صورت کا حکم	۵۳۶
۴۰۴	دو بیویوں کی اولاد کے درمیان تقسیمِ میراث	۵۳۸
۴۰۵	بیوی کے بیٹے کو مالک بنانے کا وعدہ کیا پھر اس کی اپنی اولاد ہوگئی تو کیا حکم ہے؟........................	۵۳۹

الفصل الخامس في استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدمِ استحقاق وراثت کا بیان)

۴۰۶	مکانِ مشترک اور کسب مستقل ہونے کی صورت میں تقسیمِ میراث کا حکم........................	۵۴۲
۴۰۷	والد کے انتقال کے بعد مکان والدہ کے نام ہونے کی صورت میں تقسیمِ میراث کا حکم	۵۴۵
۴۰۸	فساد میں مرنے والے کے خون کا ملنے والا معاوضہ کس کا حق ہے؟	۵۴۷
۴۰۹	ماں کے ساتھ رنجش کی صورت میں بیٹے کا مستحقِ میراث ہونا	۵۴۸
۴۱۰	وارث کا پتہ معلوم نہ ہو، تو اس کے حصہ کا کیا کیا جائے؟	۵۴۹
۴۱۱	مشترک زمین میں تقسیم کے بعد امرود کے درخت کا مالک کون ہے؟........................	۵۵۰
۴۱۲	بھائیوں کی کمائی میں بہنوں کے حصے کا حکم........................	۵۵۱
۴۱۳	کسی کا متبنیٰ بننے سے حقِ وراثت ساقط نہیں ہوتا	۵۵۲
۴۱۴	مشترکہ جائیداد کی ایک صورت کا حکم	۵۵۳

الفصل السادس في موانع الإرث

(موانعِ ارث کا بیان)

۴۱۵	اہلِ اسلام کے حق میں اختلاف دارین مانع ارث نہیں	۵۵۷

الفصل السابع في التصرف، في التركة

(ترکہ میں تصرف کا بیان)

۴۱۶ بیٹے کا والدہ کے حصے پر قبضہ کرنا ۵۵۸

۴۱۷ تقسیمِ میراث سے پہلے مشترک جائیداد میں سے کسی کو کچھ دینے کا حکم ۵۵۹

الفصل الثامن في إرث المال الحرام

(مالِ حرام میں وراثت کا بیان)

۴۱۸ میراث میں کسی کی چیز ناحق آجائے تو اس کا حکم ۵۶۲

باب المتفرقات

۴۱۹ بروقت ادائیگی نہ کی جانے کی صورت میں شیٔ مرہونہ پر ملکیت کا حکم اور کم قیمت اشیاء کی تقسیم ☆

☆ کا طریقہ کار ۵۶۵

۴۲۰ رہائش مشترک ہونے کی صورت میں ایک بھائی کی کمائی میں دوسرے بھائی کا آدھا حصہ ☆

☆ طلب کرنا ۵۶۷

۴۲۱ کلالہ ۵۶۹

☆......☆......☆